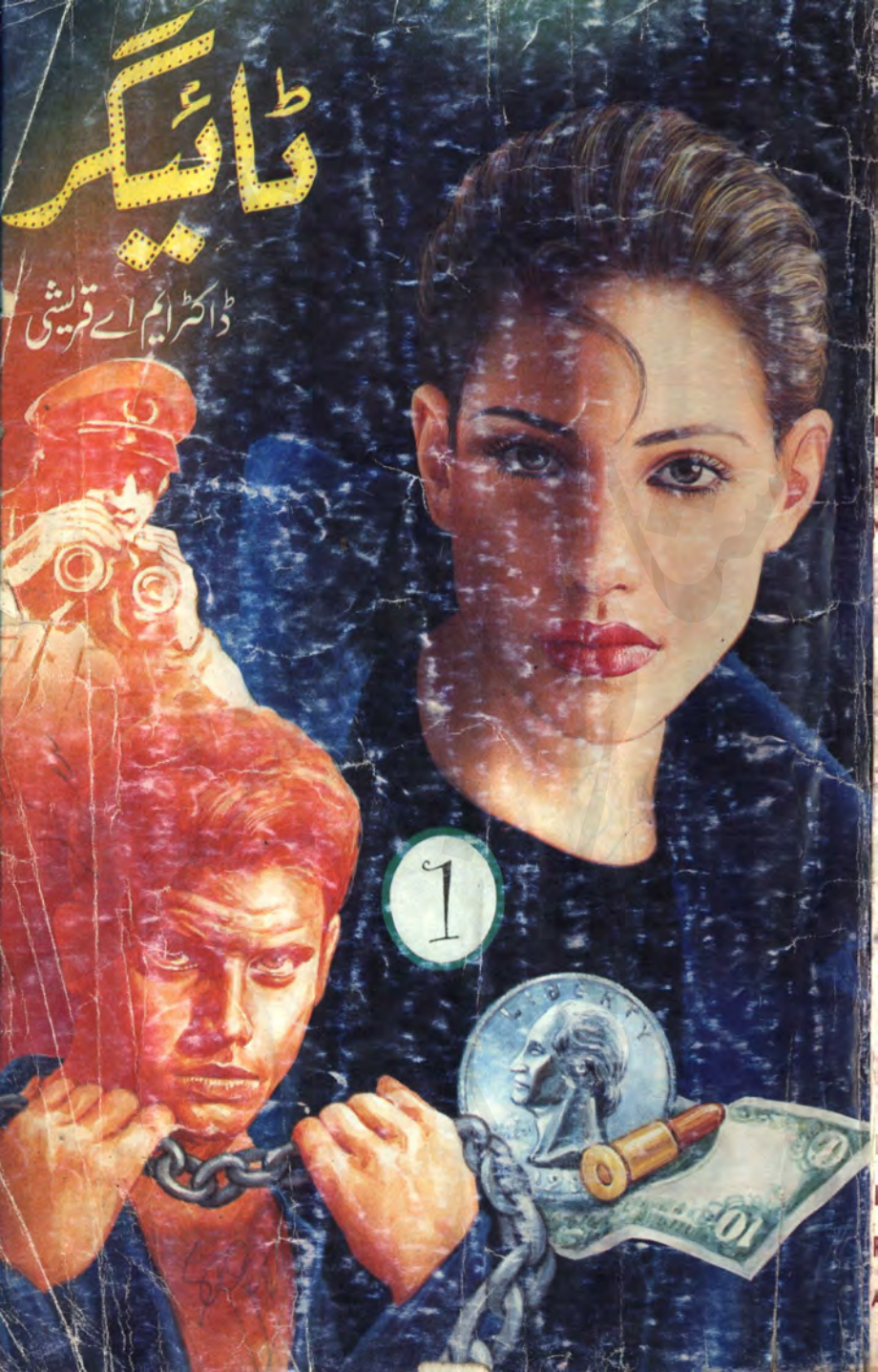
ٹائیگر

ڈاکٹر ایم اے قریشی





یہ بات تقریباً ہر کسی کو معلوم تھی کہ انسپکٹر شہزاد کو سزائے موت دی جا رہی ہے۔

دارالحکومت کی پولیس کے چیف نے اپنے قریبی دوستوں سے تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ انسپکٹر شہزاد کو شہریت کے بعض اصولوں پر قربان کیا جا رہا ہے... یہ ایک عجیب سی بات تھی کیونکہ اس سے پہلے کسی نے یہ نہیں سُنا تھا کہ کسی پولیس والے کو موت کی سزا دی گئی ہو... اور پھر جرم بھی کیسا؟... اس پولیس افسر نے گشت کے دوران ایک نشہ باز کو اتنا پیٹا تھا کہ وہ زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے وہیں ہلاک ہو گیا تھا۔ ایسے جرائم کی سزا عموماً یہی ہوتی ہے کہ پولیس افسر کو معطل کر دیا جاتا ہے یا پھر اُسے ہمیشہ کے لیے نوکری سے نکال دیا جاتا ہے لیکن انسپکٹر شہزاد کو سزائے موت دی جا رہی تھی۔

پولیس چیف نے پریس کو بیان دیتے ہوئے کہا: "یہ ایک افسوسناک حادثہ ہے۔ انسپکٹر شہزاد کا سابقہ ریکارڈ بہت اچھا رہا ہے..." لیکن رپورٹر اتنے احمق نہیں تھے جو چیف کی اس بات سے بہل جاتے۔ اُنہیں معلوم تھا کہ شہزاد کو کسی خاص وجہ کے تحت، قانون کے مقتل تک ہر حال میں پہنچانا مقصود تھا۔ چاہے اس سے یہ جرم سرزد نہ بھی ہوا ہوتا۔ کچھ رپورٹر اس ظالمانہ اقدام پر مشتعل بھی تھے... انہوں نے چیخ چیخ کر کہا تھا: "یہ پولیس افسر پاگل ہو چکا ہے... اوہ خدایا! کیا اسے گلیوں میں گھومنے کے لیے آزاد چھوڑا جا سکتا ہے؟ ہمارا مطالبہ ہے کہ پہلے تو اس بات کی وضاحت کی جائے کہ انسپکٹر شہزاد جیسے درندے کو فورس میں ملازم رکھنے سے پہلے اُس کی ذہنی حالت پر غور کیوں نہیں کیا گیا؟ اُسے ملازم ہی کیوں رکھا گیا؟ کیسا ایک ایسے شخص کے بارے میں ماہرین نے آنکھیں بند کر رکھی تھیں، جس نے بالآخر ایک جیتے جاگتے انسان کو مار مار کر بے حال کر دیا... اور پھر اُسے سسک سسک کر مرنے کے لیے سنسان گلی میں چھوڑ دیا۔ اگر اس مار پیٹ کے دوران نشے باز نے مزاحمت نہ کی ہوتی تو شاید یہ پتا بھی نہ چلتا کہ اُس کا قاتل کون ہے؟ وہ تو اتفاق ہی تھا کہ دھیرج گنج مشتی میں انسپکٹر شہزاد کا کارڈ مقتول کے ہاتھ میں آ گیا... صبح یہی کارڈ، مقتول کی مٹھی میں بھنچا ہوا تھا جس سے معلوم ہوا کہ رات کی گشت کے دوران، انسپکٹر شہزاد نے کیا کارنامہ سرانجام دیا ہے۔

اُدھر ماہرین کا بیان تھا کہ پولیس فورس کے خلاف ایک سازش ہوئی ہے اور اس سازش میں دشمن کامیاب ہو گئے ہیں

کیونکہ انسپکٹر شہزاد ایک اچھا پولیس افسر ہے۔

وکیل صفائی کو اچھی طرح سے معلوم تھا کہ اُس نے اپنے مؤکل کو کیوں کھو دیا ہے؟ "وہ منحوس کارڈ..." اُس نے کہا۔ "اگر کسی مجرم کا کوئی ایسا نشان موقع واردات پر باقی رہ جائے تو کوئی وکیل اس کے لیے کچھ نہیں کر سکتا۔ ایسی شہادت کو چیلنج کرنا ہی ناممکن ہوتا ہے۔"

اس کے باوجود وکیل صفائی حیران تھا کہ آخر انسپکٹر شہزاد نے جیوری کو یہ کیوں نہیں بتایا کہ اُس نے حقیقتاً اس نشے باز کو کیوں زدوکوب کیا تھا۔ اگر وہ ایسا کہہ دیتا تو جج اُس کے لیے سزائے موت کبھی تجویز نہ کرتا لیکن شہزاد نے تو اپنی صفائی میں کچھ بھی نہیں کہا تھا... اور اس کی یہ خاموشی ہی اس کے لیے موت کا پیغام ثابت ہوئی تھی۔

اُدھر جج، مجیب منصف، نے اُسے اظہارِ حکام کی طرف سے ہدایت مل گئی کہ شہزاد کو سزائے موت دے دی جائے۔

اس کی کیا وجہ تھی؟ جج اس حقیقت سے بے خبر تھا اور وہ حکام سے اس بات کی وضاحت بھی طلب نہیں کر سکتا تھا:

دنیا بھر میں صرف ایک شخص ایسا تھا جس کا کوئی نظریہ نہیں تھا کہ اتنی بڑی تعداد میں لوگوں کو تہ تیغ کیا جا رہا ہے... اور وہ ہے ازلیہ بھی کی جان لیوا کرسی۔ یہ کرسی ہر پیر کو ہفتے کی رات گیارہ بجے سے منگل صبح ساڑھے گیارہ بجے تک مسلسل بچھی رہتی تھی۔ اور یہ عمل رات کے ٹھیک ساڑھے گیارہ بجے، پایہ تکمیل تک پہنچنے والا تھا۔ اگر اس کا کوئی مخصوص نظریہ ہوتا بھی تو اس طے شدہ وقت کے بعد اس کی کوئی اہمیت باقی نہ رہ جاتی۔

انسپکٹر شہزاد، جیل خانے کی ایک کوٹھری میں بیٹھا، ایک سگریٹ سے دوسری سلگاتے ہوئے مسلسل دھواں اگل رہا تھا۔ اس کے بلکہ بھورے بالوں کو کنپٹیوں تک اُسترے سے صاف کر دیا گیا تھا جہاں جیل کے محافظوں کو الیکٹروڈز لگا کر اُسے موت کے ٹھنڈے پیغام پہنچانا تھا۔

اُس کے جسم کے تقریباً ہر بال کی جڑ میں گدگدی ہو رہی تھی۔ اس کی پتلون گھٹنوں سے پھٹ گئی تھی۔ اس کے جوتے البتہ سفید اور بے داغ تھے لیکن اب اُن پر سگریٹ کی راکھ سے کہیں کہیں نظر آنے لگے تھے۔ اُس نے ایک روز قبل سے ایش ٹرے کا استعمال ترک کر دیا تھا۔ وہ سگریٹ کے ٹوٹے کو جوتے سے فرش پر پیس دیتا اور پھر اس وقت تک اُسے گھورتا رہتا، جب تک کہ سگریٹ کا دھواں دم نہ توڑ دیتا۔ سگریٹ ختم ہو جاتی اور اس کا کوئی دھیان نہ بٹتا۔ بس وہ خاموشی سے سلگتی رہتی اور پھر اس طرح راکھ بن جاتی کہ قطعاً احساس نہ ہوتا تھا۔ کوئی آواز بھی پیدا نہیں ہوتی تھی۔ موت کی ہچکی بھی سُنائی نہیں دیتی تھی۔ خوف کی چیخ کا تو خیال ہی عبث تھا۔

اُسے معلوم تھا کہ بالآخر محافظ کوٹھری کا سلاخ دار دروازہ کھولیں گے اور ان راکھ بنی سگریٹوں کو سمیٹ لے جائیں گے۔ اس فضا کی دیر کے لیے صفائی کرنے والے اور محافظوں کے درمیان وہ خاموش کھڑا رہے گا اور اُسے کوٹھری میں بند کر کے سلاخ دار دروازہ ایک بار پھر مقفل کر دیا جائے گا... اور اس کے بعد کوٹھری میں کوئی ایسا نشان نہیں رہ جائے گا جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ وہاں کبھی کسی سگریٹ کا وجود بھی تھا۔ جس طرح صفائی کرنے والا سگریٹوں کی موجودگی کا ہر نشان مٹا دیتا ہے، اسی طرح بالآخر کوٹھری میں بند آدمیوں کا بھی نام و نشان تک مٹ جاتا ہے۔ شہزاد سوچ رہا تھا کہ اس کوٹھری میں سزائے موت کے بارے کتنے مجرموں کو رکھا گیا ہوگا۔ ... وہ سب کے سب موت سے ہمکنار ہو چکے ہیں۔ لیکن ان میں سے کبھی کسی کے بارے میں بھی اس کوٹھری سے کچھ معلوم نہیں ہو سکتا۔ انھوں نے پیچھے کوئی نشانی بیان نہیں چھوڑی۔

وہ اس کال کوٹھری میں کوئی ایسا نشان نہیں چھوڑ سکتا تھا جو کہ ہمیشہ باقی رہتا۔ اور اس کے بعد آنے والوں کو بتاتا کہ اس کوٹھری میں شہزاد نام کا کوئی شخص بند رہا تھا۔ سوائے اس کوٹھری میں اسٹیل کی ایک چارپائی تھی جس پر کوئی رنگ نہیں تھا۔ نہ وہ اس پر اپنا نام کھود سکتا تھا۔ اگر وہ کوٹھری کے فرش پر کوئی نشان بنانے کی کوشش کرتا تو اُسے بعد میں صاف بھی کیا جا سکتا تھا۔ اس کے پاس کھونے کو بھی نہیں تھا کہ وہ اشیاء کو بھی برباد کر کے کوئی نشانی بنانے کی کوشش کرتا۔ جتنی کوفت اس اکیلے پن سے ہو سکتی تھی، وہ ہو چکی تھی۔ اب تو وہ صرف اس کی دسترس سے دور وحشت سے جنگلے میں لگا ہوا مشینی کیمرہ رہا تھا۔ وہ صرف اس کیمرے کو توڑ سکتا تھا۔ اس نے اثبات میں سر ہلایا اور خیالوں کی گہرائی سے نکل آیا۔

ہاں... اگر ضرورت پڑی تو میں اس ایش ٹرے کی ریتیاں توڑ ڈالوں گا۔ اس نے زیرِ لب کہا۔

اسے خیال آیا کہ وہ سنک پر پہنچ کر بھی کچھ کر سکتا ہے... لیکن کیا کچھ؟ کوئی مشروبہ؟ کوئی نعمت؟... کچھ بھی کس کے لیے؟ اور کیوں؟ اس نے سوچا کہ کیا وہ بک بک سے کہہ سکتا ہے کہ ہر شخص کو اپنے کام سے کام رکھنا چاہیے۔ ایک فرض شناس افسر کی ایک نشان دہی پر اس شخص کو عمر قید کی سزا ہو گئی تھی۔ پولیس افسر نے اس شخص کو عادی مجرم ثابت کرنے کے دعائے بھیڑ ہو گئی تھی۔ پولیس افسر نے اس شخص کو عادی مجرم ثابت کرنے کے دعائے

پا دیا، لیکن اس کا شناختی کارڈ مقتول کے ہاتھ میں رہ گیا...

ن نے اس افسر کو کوئی تمغہ نہیں دیا بلکہ اسے سزائے موت کا حکم دیا۔ بعد میں مختلف لوگوں نے مختلف افواہیں اڑانا شروع کر دیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ میرے خلاف باقاعدہ سازش ہوئی ... اور میں نے اپنی ہمماقت سے قانون کے دشمنوں کو کامیاب بنانے میں مدد دی ہے۔

وہ حیران تھا کہ خود اس نے اس کوٹھری تک نہ جانے کتنے ں کو پہنچایا تھا۔ بدمعاشوں، قاتلوں، جھوٹوں اور نشے بازوں معاشرے کو پاک کرنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن معاشرے نے اُسے بدکار اور نشے باز کے قتل کے جرم میں سزائے موت دے دی — سروں کی گردنوں کی حفاظت کے لیے اُس نے ہمیشہ اپنی گردن دے اور اب وہی گردن کٹنے جا رہی تھی۔ آخر معاشرہ کیا کر رہا ہے؟ بدمعاشوں اور غنڈوں کے بجائے محافظوں کو کیوں بدگمانی کا نشانہ رہا ہے؟

اس نے شکر دن کو عصبی انداز میں حرکت دی۔ نہیں... اتنا کہنے سے بھی نہیں کہا جا سکتا... پھر اُدھوری بات مکمل کیے بغیر کیا فائدہ؟ اب مجھے چاہیے کہ ایک نئی سگریٹ اس ختم ہوتی ہوئی سگریٹ سے لگا لوں۔ اور پھر کہے کش لگاتا رہوں۔ اس نے نئی سگریٹ نکالنا فرش پر پھینک دیا۔ اور سلگتی ہوئی اس سگریٹ کے دھوئیں کو دیکھنے لگا۔

سگریٹ سے دھواں اٹھ رہا تھا لیکن بل کھاتا ہوا دھواں ف کی بلندی پر ہی ہوا میں تحلیل ہو جاتا تھا۔ جب تک یہ سگریٹ لتی، وہ دوسری سگریٹ کے کش لگاتا رہتا... یہی کہ وہ سگریٹ راکھ ہو جاتی اور وہاں ختم ہو جاتا تو وہ ایک اور ٹوٹا پھینک دیتا... اس کے سلگنے کا تماشا دیکھنے لگتا...

انسپکٹر شہزاد نے اپنے ہونٹوں میں دبی ہوئی سگریٹ کو انگلیوں میں تھام لیا۔ اس نے جلتے ہوئے کونے کو اپنی آنکھوں کی لح تک اٹھایا۔ پھر دیا اس کے سرخ گوشے اور اس میں سے اٹھنے لے دھوئیں کو دیکھتا رہا... پھر اس نے سگریٹ کا وہ ٹوٹا بھی فرش پھینک دیا۔

اُدنی کیل پر سگریٹ کے دو پیکٹ رکھے ہوئے تھے۔ اس نے پیکٹ میں سے نئی سگریٹ نکالی اور دو محافظوں کی طرف متوجہ ہوا جو اس کی طرف پشت کیے کھڑے تھے۔ دو روز قبل وہ ں کو کوٹھری میں آیا تھا، تب سے ایک بار بھی شہزاد نے ان دونوں سے کوئی بات نہیں کی تھی۔

وہ جانتا تھا کہ دونوں محافظ اس سے بہت مختلف ہیں۔ انھوں نے رات کے آخری پہر میں کبھی کسی انسان کی شکل میں گشت نہیں کی تھی۔ اور نہ ہی اُن کے ذہن میں کبھی یہ خیال پیدا ہوا تھا کہ انھیں وقت کر کے لٹیل سے پولیس افسر بنا دیا جائے گا۔ ان محافظوں کا کسی نشے باز سے کبھی سامنا نہیں ہوا تھا اور نہ ہی کسی نے اُن کے خلاف کبھی کوئی سازش کی ہوگی جس کے انجام پر اسے موت کی اس کوٹھری میں ڈال دیا گیا ہو۔ شہزاد جانتا تھا کہ دونوں محافظ پچھلی کے بعد سیدھے گھر چلے جاتے ہوں گے اور پھر انھیں قانون سے کوئی دلچسپی نہ رہ جاتی ہوگی۔ انھیں صرف پنشن کا انتظار ہے اور یہ اپنی زندگی اسی طرح کھڑے کھڑے گزار دیتے ہیں۔

شہزاد نے اپنی انگلیوں میں پھنسی ہوئی سگریٹ کی راکھ کو آسے یکایک سگریٹ سے نفرت محسوس ہونے لگی۔ کیونکہ بہت سارے سگریٹ پی لینے کے بعد اُس کے منہ کا ذائقہ ایسا ہو گیا تھا جیسے اُس نے کئی کوڑی گولیاں بیک وقت چبا ڈالی ہوں۔ اس نے فرش کو توڑ ڈالا اور سگریٹ وہاں ہزاروں میں دبا دی۔ اس بار پھر اس کوشش میں اُسے ایک نئے ذائقے کا احساس ہوا تھا۔ وہ گہرے گہرے کش لگانے لگا۔

وہ سگریٹ کے کش لگاتا ہوا چارپائی پر لیٹ گیا۔ سگریٹ کے دھوئیں کو دہانے میں منتشر کرتے ہوئے وہ چھت کے پلاسٹر کی گنتی کرنے لگا چھت بھی فرش کی طرح بدنما تھی۔ شہزاد کے نقش و نگار میں کہیں ان تھا۔ اس کی آنکھیں بھوری تھیں، اور ان کے کناروں پر خمدار پڑ جاتی تھیں... لیکن یہ مچھلیاں ہنسنے یا مسکرانے سے پیدا نہیں ہوئی تھیں۔ شہزاد نے کبھی نہ ہنسنے یا مسکرانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

اس کا جسم مضبوط تھا اور سینہ کشادہ۔ اس کے کندھے عام مردوں کی بہ نسبت کشادہ تھے۔ لیکن ان کا سائز کندھوں سے نیچے بڑھا نہیں تھا۔ اس کے بازو طاقت ور تھے، اور ان کی مچھلیاں ہوئی پنڈلیاں قدرتی سے نظر آتی تھیں۔ اسکول کے زمانے سے ہی اسے ایک مضبوط جثہ کہا جاتا تھا۔

دلچسپ شہزاد کے نقش و نگار میں کہیں پیدا ہوئی اصلاح بیٹھا۔ اس کی توجہ فرش پر بکھری ہوئی راکھ یا سنک کی طرف نہیں بلکہ وہ پہلی بار سلاخوں کو توجہ سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے سگریٹ سنک میں دی اور پہلی بار اس نکتے کو سمجھنے کی کوشش کرنے لگا... پھر کسی خیال کے تحت وہ ایک بار پھر راکھ کی طرف متوجہ ہوا اور پھر اچانک جھک گیا۔

اُسی لمحے محافظوں میں سے ایک سے مخاطب ہُوا۔ یہ ایک طویل القامت شخص تھا جس کی وردی جسم پر کمال کی طرح مندھی ہُوئی تھی۔ شہزاد کو ہلکا سا یاد تھا کہ اس کا نام شاید گلزار ہے۔

"معافی چاہتا ہُوں، ملاقات صاف کر دی جائے گی؟" گلزار کہہ رہا تھا۔

"نہیں... میں انھیں صاف کیے دیتا ہُوں۔" شہزاد نے سگریٹ کے ٹوٹوں کو چبھتے ہُوئے کہا۔ وہ بہت دھیمی آواز میں بولا تھا۔ اسے خود بھی حیرت تھی کہ آخر وہ کتنے عرصے بعد بولا ہے۔ اس نے محسوس کیا کہ کس سے بات کیے ہُوئے غالباً ایک ہفتے سے زیادہ وقت گزر گیا ہے۔

"کیا تم کچھ کھانا چاہتے ہو؟" محافظ کی آواز اُسے دُور سے آتی سُنائی دی۔ شہزاد نے چونک کر محافظ کی طرف دیکھا جو اس وقت ہاتھ کے دوسرے کنارے کی طرف متوجہ تھا۔ "اگرچہ بہت دیر ہو چکی ہے لیکن ہم کچھ نہ کچھ انتظام کر سکتے ہیں؟"

شہزاد نے سر کو منفی جنبش دی۔ "میں اس وقت صفائی میں مصروف ہوں۔ اب کتنا وقت باقی رہ گیا ہے؟"

"تقریباً نصف گھنٹہ؟"

شہزاد نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ اپنے بڑے بڑے طاقتور ہاتھوں سے راکھ اور سگریٹ کے ٹوٹوں کو جمع کرتا رہا۔ وہ خود بھی حیران تھا کہ بیٹھے بٹھائے اس نے یہ ہاتھ وقت نکال لیا ہے۔

"کیا ہم تمھارے لیے کچھ کر سکتے ہیں؟" گلزار نے پوچھا۔

شہزاد نے نفی میں سر ہلاتے ہُوئے جواب دیا۔ "نہیں... شکریہ؟" وہ اس محافظ کے بارے میں غور کرنے لگا جسے وہ کچھ کچھ پسند کرنے لگا تھا۔ "کیا تم سگریٹ پینا پسند کرو گے؟" اس نے پوچھا۔

"نہیں... میں یہاں تمباکو نوشی نہیں کر سکتا۔"

"اوہ۔ کیا میں تمھیں ایک پیکٹ دے سکتا ہُوں؟ میرے پاس دو پیکٹ ہیں۔"

"نہیں... میں تم سے کوئی چیز نہیں لے سکتا۔ بہرحال تمھاری اس پیشکش کا شکریہ؟"

"تمھارا کام یقیناً بہت سخت ہے؟" شہزاد نے جھوٹ بولا۔

محافظ نے بے پروائی سے کندھے اچکائے۔ "بس... یہ ایک کام ہے۔ اس میں گشت کے لیے ہمارے پاس پھرنا نہیں پڑتا، بس خاموش کھڑے رہ کر ادھر اُدھر دیکھنا پڑتا ہے۔ اس اعتبار سے تم اسے ایک صبر آزما کام کہہ سکتے ہو؟"

"ہاں..." شہزاد کے ہونٹوں پر پہلی بار مسکراہٹ کی خفیف سی لکیر اُبھری۔ "کام... کام ہی ہوتا ہے چاہے کیسا ہی کیوں نہ ہو؟"

محافظ خاموش رہا۔ ایک بار پھر خاموشی نے اپنا تسلط قائم کر لیا۔ شہزاد نے کچھ سوچنا چاہا لیکن اس کا ذہن بالکل خالی ہو گیا تھا۔ کچھ دیر بعد سناٹے میں محافظ کی آواز ایک بار پھر گونجی۔ "کچھ دیر میں مولوی یہاں پہنچ جائے گا؟"

شہزاد کے ہونٹوں پر دوسری بار مسکراہٹ اُبھری، اور فوراً ہی معدوم ہو گئی۔ "میں نے کبھی کسی عبادت گاہ میں قدم بھی نہیں رکھا۔ ممکن ہے اس سے کچھ سکون ملتا ہو... بہرحال، میں مولوی سے یقیناً ملاقات کروں گا۔" وہ کہتا ہُوا اُٹھا اور سلاخ دار دروازے کی طرف بڑھا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر سلاخوں کو پکڑ لیا... دونوں محافظ جلدی سے چند قدم دُور ہٹ کر کھڑے ہو گئے۔

"اگر تم پسند کرو تو میں مولوی کو اسی وقت طلب کر سکتا ہوں؟" محافظ نے کہا۔

"یقیناً..." شہزاد نے کہا۔ "لیکن ایک منٹ ٹھہرو... ذرا انتظار کرو؟"

محافظ نے نگاہ جھکاتے ہُوئے زیرِ لب کہا۔ "اب زیادہ وقت نہیں ہے؟"

"ہمارے پاس چند منٹ کی مہلت تو یقیناً ہے؟"

"بہرحال، مولوی ہمارے بُلائے بغیر ہی یہاں آ جائے گا؟"

"کیا یہ بھی ضابطے کی ایک کارروائی ہے؟"

"معلوم نہیں؟" محافظ نے جواب دیا۔ "مجھے یہاں آئے صرف دو سال ہُوئے ہیں۔ اب ہمارے پاس بالکل وقت نہیں ہے میں جا کر دیکھتا ہوں کہ وہ تیار ہے یا نہیں؟"

"نہیں... ایسا نہ کرو؟"

"میں ابھی واپس آ جاؤں گا۔ بس، راہداری کے آخری حصّے تک جانا پڑے گا؟"

"ٹھیک ہے... جاؤ؟" شہزاد نے کہا۔ وہ اس سے بحث نہیں کرنا چاہتا تھا۔ "جو جی میں آئے کرو۔ مجھے افسوس ہے کہ میں نے تمھیں روکنے کی کوشش کی؟"

محافظ لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہُوا راہداری کے آخری حصّے کی طرف چل دیا اور اس کے بھاری بُوٹوں کی آواز گونجنے لگی۔ جسے شہزاد اپنی کھوپڑی میں صاف محسوس کر رہا تھا۔

☆☆

اس جیل خانے کی یہ روایت رہی ہے کہ یہاں پر ہر قیدی خوب ڈٹ کر کھانے کا عادی ہوتا ہے۔ جیلر فیض نے پھانسی کی اس رات کھانے کو ہاتھ بھی نہیں لگایا۔ حالانکہ سبھی اس کے لیے عام راتوں جیسی ہی ایک رات تھی۔ وہ اس وقت شام کے اخبار میں انہماک پیدا کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس نے مطالعے میں ناکامی کے احساس سے اخبار کو کھانے کی ٹرے پر پھینک دیا۔ اسے بجلی کی کرسی پر ایک شخص کو موت کے حوالے کرنا تھا۔ یہ اس کا فرض تھا اور وہ اسے بجا لانے کے لیے بے چین تھا۔ وہ حیران تھا کہ آخر ابھی تک فون کی گھنٹی کیوں نہیں بجی؟

فیض نے نگاہ اُٹھا کر کھڑکی کی طرف دیکھا۔ شبنموں سے نظر آنے والے ساحل پر کشتیاں ڈول رہی تھیں اور اُن کی روشنیاں عجیب سی محسوس ہو رہی تھیں۔ اس نے نگاہ جھکا کر اپنی دستگھڑی کی طرف دیکھا... صرف پچیس منٹ باقی رہ گئے تھے۔ اس نے ایک بار پھر اخبار اُٹھا لیا۔

جرائم دن بدن بڑھتے جا رہے تھے۔ ہر سال اُن کی اوسط میں اضافہ ہو رہا تھا۔ اس کا ذہن انسپکٹر شہزاد کی طرف بھٹک گیا۔ جو اس وقت جیل میں انتظار کی گھڑیاں گزار رہا تھا۔ اسے بہت دیر سے بُو محسوس ہو رہی تھی۔ پہلے تو اس کا خیال تھا کہ یہ بُو گوشت کے اُن پارچوں سے اٹھ رہی ہے، جنھیں آج صبح سے پیٹ خانے کو بھی نہیں چاہا تھا... پھر اس نے محسوس کیا کہ یہ بُو تو فضا میں رچی ہوئی ہے... گوشت جلنے کی بُو...

اس نے سوچا کہ سترہ سالوں میں کتنے آدمیوں کے گوشت کی بُو وہ اپنے نتھنوں سے سُونگھ چکا ہے؟ "سات آدمی۔" اس نے زیرِ لب کہا۔ "آج آٹھویں کی باری ہے۔" فیض کو اُن میں سے ایک ایک شخص اچھی طرح سے یاد تھا۔ اس نے فون کی طرف دیکھا۔ آخر فون کی گھنٹی کیوں نہیں بجتی؟ آخر گورنر سزائے موت کو عمر قید میں کیوں نہیں بدل دیتا؟ شہزاد کوئی خطرناک یا پیشہ ور قاتل تو نہیں ہے۔ وہ ایک پولیس افسر ہے... کیا پولیس کا افسر ہو کر ایک نشے باز کو مارنا کوئی اتنا ہی بڑا جُرم ہے؟

جیلر نے اخبار کے اندرونی صفحے پر نگاہ ڈالی اور جرائم کی خبریں پڑھنے لگا۔ ایک شخص کو قتل کے الزام میں گرفتار کیا گیا تھا۔ وہ اس خبر کو تفصیل سے پڑھنے لگا۔ شہر میں ایک بھیانک خنڈے نے چاقو زنی کی واردات کی تھی۔ اسی صفحے میں آتشی سلاخ سے جلنے کی ایک خبر بھی موجود تھی۔ ایک اور قتل کی واردات بھی ہوئی تھی لیکن کسی مجرم کو موت کی سزا نہیں دی جا رہی تھی... جبکہ ایک ایسے ہی جرم کی پاداش

میں انسپکٹر شہزاد کو آج شب موت کی کرسی پر بٹھایا جانے والا تھا۔ فیض نے افسوس سے سر ہلایا۔ آخر منصفانِ انصاف پر یہ کیا کپکپی طاری ہو رہی ہے؟ اس نے سوچا۔ ایک منحوس فرقے باگروہ کی پاسداری میں اپنے ایک پولیس افسر کو موت کے گھاٹ اتار دینا کہاں کی عقلمندی ہے؟ کیا افسرانِ اعلا کو یہ بھی معلوم نہیں کہ چھوٹی قربانی سے عموماً کسی بہت بڑی قربانی کی راہ ہموار ہو جاتی ہے؟

اس نے تین سال پہلے ایک شخص کو بجلی کی کرسی پر موت سے ہمکنار کیا تھا۔ ان تینوں سالوں میں جب کسی مجرم کو سزائے موت نہ ہُوئی تو وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا تھا کہ حالات بڑی حد تک تبدیل ہو رہے ہیں۔ لیکن شہزاد کا معاملہ اُس کی توقعات پر پانی پھیر گیا۔ قتل کی صبح اسے گرفتار کیا گیا۔ گرفتاری کے بعد مقدمے کی تیاری، سماعت اور فیصلے میں صرف چند روز صرف ہُوئے۔ جبکہ اتنے دنوں میں عموماً پولیس کسی کیس کی ابتدائی تیاری ہی مکمل نہیں کر پاتی۔ فیصلے کے بعد اپیل کا مرحلہ بھی گزر گیا اور اب بے چارہ شہزاد اپنی کال کوٹھڑی میں بیٹھا زندگی کی آخری سانسوں کو شمار کر رہا تھا۔ فیض کو قانون سے نفرت سی محسوس ہونے لگی۔ یہ اندھا قانون اُسے اچھا یا پسندیدہ انسان تو نہیں لگا تھا... لیکن وہ ایک طویل سانس لے کر رہ گیا۔ زندگی گزارنے کے لیے اُسے جتنی رقم کی ضرورت تھی، وہ صرف اسی ملازمت سے حاصل ہو سکتی تھی۔ اگر اس کے پاس کوئی متبادل راستہ ہوتا تو وہ اس کو کرسی کولات مار کر شہزاد کو پھانسی دینے سے صاف انکار کر دیتا۔

دفعتہً اس کے نزدیک میز پر پڑے ہُوئے ٹیلی فون کا ایک بٹن روشن ہو گیا۔ فیض کے چہرے پر اطمینان نظر آنے لگا۔ اس نے جھپٹ کر ریسیور اُٹھایا اور بولا۔ "جیلر فیض بول رہا ہوں..."

"مسٹر فیض؟" دوسری طرف سے گورنر کی مانوس آواز سنائی دی...

"میں ہمہ تن گوش ہُوں، جناب؟"

"مجھے افسوس ہے، فیض؟" گورنر نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "معافی یا سزا میں التوا کی ہر درخواست رد ہو چکی ہے؟"

"اوہ...؟" جیلر کے حلق سے ایک طویل آہ نکل گئی اور اس کے خالی ہاتھ نے اخبار کو توڑ مروڑ کر جکڑ لیا۔

"میں نے تمھارا تعاون حاصل کرنے کے لیے یہ کال کی ہے؟"

"میں حاضر ہُوں، جناب؟" اس نے اخبار کو ردی کی ٹوکری کی طرف اُچھالتے ہُوئے کہا۔

"ابھی تھوڑی دیر میں ایک مولوی صاحب اور اس کا

ساتھی تمہارے پاس پہنچ رہے ہیں۔ ان دونوں کو اس شخص سے ملوا دو۔ بہتر ہے شب منزائے موت وہی بجا رہی ہے۔ کیا نام ہے اُس کا ... ہاں... شہزاد... انھیں شہزاد سے ملوا دو۔ مولانا کے ساتھی کو کنٹرول روم سے شہزاد کی موت کا منظر دیکھنے کی بھی اجازت دے دینا؛ لیکن کنٹرول روم سے اس منظر کو زیادہ بہتر انداز میں نہیں دیکھا جا سکتا، جناب؟"

"کچھ بھی ہو... اُسے وہاں موجود رہنے کی اجازت ملنی چاہیے۔ یہ بات جیل کے قوانین اور ضابطوں کے خلاف...؟"

"تمھیں حکم دیا جا رہا ہے کہ ایسا کرو۔" گورنر کا لہجہ سخت اور ناخوشگوار ہو گیا۔ جیلر کی نگاہ دفتر میں لگی ہوئی اپنی بیوی اور بچوں کی تصویر پر جم گئی۔ اُس کا چہرہ گہرے دُکھ اور کرب کو ظاہر کر رہا تھا۔

"ایک بات اور... مشاہدہ کرنے والے کا تعلق کسی پرائیویٹ اسپتال سے ہے۔ تمھیں حکم دیا جاتا ہے کہ انسپکٹر شہزاد کی لاش ان کے حوالے کر دی جائے۔ یہ تحقیقی ادارہ بجرائم ذہن پر تحقیقی کام کر رہا ہے اور وہ لوگ اس لاش پر کوئی خاص تجربہ کریں گے۔ لاش کو حاصل کرنے کے لیے ایک ایمبولینس بھی آ رہی ہے۔ اس لیے تمھیں چاہیے کہ گیٹ پر موجود محافظوں کو اس کی اطلاع دے دو۔ اُن کے پاس میرا ایک خصوصی پروانہ بھی ہوگا؟"

جیلر کے ہونٹ سے اداسی چھلکنے لگی۔ "ٹھیک ہے جناب! میں کوشش کروں گا کہ سب کچھ آپ کی مرضی کے مطابق عمل میں آئے۔"

"بہت خوب! ایسا ہی ہونا چاہیے۔" یہ کہہ کر گورنر نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

"جہنم میں جاؤ۔" جیلر پوری قوت سے چیخا اور ریسیور کریڈل پر پٹخ مارا۔ اُس کا ماتحت چونک پڑا۔ یہ شخص اپنی طاقت سے مجبور بے نوا قیدیوں پر غرا تو سکتا تھا اور جیلر کو اُس کی آمد کا پتہ بھی نہیں چلا تھا۔

"ایک مولانا اور اُن کا ساتھی آئے ہیں۔ کیا میں انھیں اندر لے آؤں؟" ماتحت نے کہا۔

"نہیں..." جیلر نے سختی سے کہا۔ "مولانا کو قیدی کے پاس لے جاؤ۔"

"کیا یہ ایک عجیب و غریب...؟"

"جیسا کہا جا رہا ہے، ویسا ہی کرو۔" جیلر غرایا۔ "یہاں سب کچھ عجیب و غریب ہے۔ تم سے جو کام کہا گیا ہے اس کی تعمیل بلا تاخیر ہونی چاہیے۔" یہ کہہ کر وہ ایمرجنسی لیشن کی طرف متوجہ ہو گیا، جس سے عجیب انداز میں سُرخ بلب کے جلنے بجھنے کے ساتھ منتشر ہو رہے تھے۔

☆

انسپکٹر شہزاد پشت کے بل لیٹا ہوا تھا۔ اُس کی آنکھیں بند تھیں اور انگلیاں پیٹ پر آہستہ آہستہ حرکت کر رہی تھیں۔ وہ سوچ رہا تھا کہ آخر موت کا عمل کیسا ہوتا ہے؛ کیا گہری نیند جیسا؛ اُسے نیند بہت پسند تھی۔ بیشتر لوگوں کو نیند سے بہت رغبت ہوتی ہے۔ ایسے میں موت سے کیوں خوف زدہ ہوا جائے؛

وہ سوچ رہا تھا کہ اگر اس نے آنکھیں کھولیں تو جیل کی کوٹھڑی ہی دکھائی دے گی۔ حالانکہ آنکھیں بند کر کے، وہ اپنے ذہن پر چھائی ہوئی تاریکی میں خود کو کچھ دیر کے لیے قید و بند سے آزاد محسوس کرنے لگا تھا۔ اُسے زندگی میں پہلی بار احساس ہوا کہ تاریکی بہت پُرامن اور پُرسکون ہوتی ہے۔

دفعتہً اُس کی حساس سماعت سے کسی کے زمین پر رینگنے والے جوتوں کی ہلکی ہلکی آہٹ ٹکرانے لگی۔ کوئی راہداری میں چلتا ہوا اُسی کوٹھڑی کی طرف آ رہا تھا۔ یہ آواز ہر لمحے بلند اور تیز ہوتی جا رہی تھی... پھر یہ آہٹ یکایک رک گئی۔ کسی کی بڑبڑاہٹ سُنائی دی اور کپڑوں کی سرسراہٹ فضا میں منتشر ہو گئی۔ چابیاں جھنجھنائیں اور تالا کھلنے کی آواز کانوں سے ٹکرائی... پھر سلاخ دار دروازہ کھل گیا۔

دروازے سے چپٹے میں ملبوس ایک باریش آدمی کوٹھڑی میں داخل ہوا۔ اُس کے دائیں ہاتھ میں سیاہ عصا تھا جس پر پابندی کی ٹیک رہی تھی۔ وہ کوٹھڑی کے کھلے دروازے میں منتظر کھڑا تھا۔ سر پوش کی درز سے اُس خبر صورت شخص کی آنکھیں نظر آ رہی تھیں۔ اُس نابایاں ہاتھ چغے میں چھپا ہوا تھا۔

محافظ نے کوٹھڑی کے دروازے سے ایک قدم پیچھے ہٹتے ہوئے شہزاد کو مخاطب کیا۔ "مولانا تشریف لے آئے ہیں۔"

شہزاد اُٹھ بیٹھا اور چارپائی سے ٹانگیں لٹکا دیں۔ اُس کی پشت دروازے کی سمت میں تھی۔ اچانک اُس کی آنکھیں باریش آدمی پر جم گئی تھیں۔ وہ پتھر کے بے جان... لیکن پُراسرار بہت کی طرح بے حس و حرکت کھڑا تھا۔

"مولوی صاحب...؟" محافظ نے کہا۔ "آپ کے پاس تقریباً پانچ منٹ ہیں۔"

اس کے پہلو تالا لگنے کی آواز سنائی دی۔

باریش آدمی نے اثبات میں سر ہلایا۔ شہزاد نے اُسے اشارے سے اپنے پہلو میں چارپائی پر بیٹھنے کی پیشکش کی۔

"شکریہ!" نووارد نے کہا۔ وہ شخص کو اسی انداز میں تاکتے ہوئے

ہوئے تھا جیسے وہ کوئی ایسی انمٹ نشانی ہو جس سے کسی سنار کے چھک جانے کا اندیشہ ہو۔ وہ اسی حالت میں بیٹھ گیا۔ اس کا چہرہ سخت تھا اور نقش و نگار گویا چہرے پر منجمد ہو گئے تھے۔ اس کی گہری نیلی آنکھیں انسپکٹر شہزاد کا جائزہ لے رہی تھیں۔ اس کے بالائی لب پر پسینے کی بوندیں موتیوں کی طرح چمک رہی تھیں۔

"کیا تم چاہتے ہو کہ تمھیں بچا لیا جائے، میرے بچے؟" بزرگ صورت شخص نے پوچھا۔ یہ ایک ذاتی نوعیت کا سوال تھا لیکن مولوی صاحب کی آواز خاصی بلند تھی۔

"یقیناً..." شہزاد نے جواب دیا۔ "کون ایسا نہ چاہے گا؟"

"بہت خوب۔ کیا تم جانتے ہو کہ ضمیر کا امتحان کس طرح لیا جاتا ہے؛ کیا تمھارے نزدیک تو یہ کوئی اہمیت رکھتی ہے؟"

"تقریر کی..." مولوی صاحب... میں..."

"میں جانتا ہوں، میرے بچے! خدا تمھاری مدد کرے گا؟"

"جی ہاں؟" شہزاد نے بغیر کسی جذبے کے کہا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر یہ بزرگ صورت شخص جلدی سے پیچھا چھوڑے تو وہ مرنے سے پہلے ایک سگریٹ تو ضرور پی سکتا ہے۔

"کیا تم اپنے گناہوں کا اقرار نہیں کرو گے؟"

"وہ تو حقیقت ہیں ان گناہوں سے ناواقف ہوں؟"

"ٹھیک ہے، ہم قتل کی اس واردات سے انکار کرتے ہیں؟"

"میں نے کوئی قتل نہیں کیا؟"

"اب تک کتنے آدمی تمھارے ہاتھوں ہلاک ہو چکے ہیں؟"

"کیا جنگ میں ہلاک ہونے والوں سمیت؟"

"نہیں... جنگ کا اس سے کوئی تعلق نہیں؟"

"تو پھر... میں نے کوئی قتل نہیں کیا؟"

"دورانِ جنگ کسی کو ہلاک کرنا گناہ کبیرہ نہیں ہے؟"

"امن کی حالت میں قانون یہ کہتا ہے کہ میں قاتل ہوں۔ ... لیکن درحقیقت میں نے قتل نہیں کیا۔ تو اس سلسلے میں آپ کی کیا رائے ہے، مولانا؟"

"کیا تم اپنی صفائی میں کچھ کہنا چاہتے ہو؟"

"کیا تم اپنی صفائی میں کچھ کہنا چاہتے ہو؟"

"ہاں..." شہزاد نے جواب دیا۔ وہ اپنے گھٹنوں کو رگڑنے لگا۔ اُس کے ذہن میں یہ خیال نمودار ہی آگیا تھا کہ یہ آخری رات ہے، پھر تم نہیں ہوں گی۔

"قبول ہے..." مولوی نے چمکدار آہٹ سے کہا۔ "اس وقت میں..."

"ٹھیک ہے، مولانا! تم کہو، وہ شخص کو اسی انداز میں تاکتے ہوئے

شخص کو قتل کیا ہے؟" شہزاد نے پیچھا چھڑانے کے لیے جھوٹ بولا۔ اور اپنی پہلی کپکپاتی ہوئی سگریٹ کا مولانا کے بے داغ چغے سے موازنہ کرنے لگا۔

"کیا تمھیں کسی کی ہلاکت حاصل کرنے کی خواہش تھی؟"

"نہیں..." شہزاد نے جواب دیا۔

"کبھی چوری کی ہے؟"

"نہیں...؟"

"ناجائز حرکات؟"

"نہیں، مولوی صاحب؟"

"جنسی حرکات؟"

"ہاں... خیال و عمل، دونوں ہی طرح؛" شہزاد نے جواب دیا۔

"کتنی بار؟"

شہزاد نے فوری طور پر اندازہ لگانے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ "معلوم نہیں... کئی مرتبہ؟"

بارش آدمی نے اثبات میں سر ہلایا۔ "عمدہ، بیحد مغرور اور ایسے ہی دوسرے جذبات رکھتے ہو؟"

"نہیں، مولانا؟" شہزاد نے اس بار بلند لہجے میں جواب دیا۔

داڑھی والا شخص اس کی طرف جھک گیا تو شہزاد نے بغور دیکھا اسے مولوی کے دانتوں پر تمباکو کے دھبے صاف نظر آنے لگے اور اس کے نتھنوں سے ایک قیمتی سینٹ کی مہک ٹکرانے لگی... پھر مولوی نے سرگوشی کی۔ "تم نے ایک بہت بڑے جرم کا ارتکاب کیا ہے، شہزاد؟"

شہزاد اُچھل کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے پاؤں زمین سے کرنے لگے۔ اس کے ہاتھوں نے غیر ارادی طور پر اپنی حرکت کی جیسے وہ ایک گورنر اس بزرگ صورت شخص کے جسم سے پرے ہٹانا چاہتا ہو لیکن مولوی جس طرح جھکا ہوا تھا اسی حالت میں بے حس و حرکت بیٹھا رہا۔

شہزاد کی کنپٹیاں غصے سے سلگ اٹھیں کیونکہ مولوی مسکرا رہا تھا۔ مولوی کی یہ حرکت صرف پشت کی وجہ سے دروازے کے دوسری جانب کھڑے محافظ نہ دیکھ سکے... لیکن شہزاد اس حرکت کو خوب اچھی طرح دیکھ چکا تھا۔ قانون اس کے ساتھ آخری مذاق کر رہا تھا اور یہ مذاق تنہا کو سے زیادہ تھا جس والے ایک مسکراتے ہوئے ناقوس بزرگ کی شکل میں اس کے سامنے موجود تھا۔

"مت کہو...؟" میرے بچے والے شخص نے سرگوشی کی۔

"تم کوئی مولوی نہیں ہو؟" شہزاد غرایا۔

"اور تم بھی کوئی پارسا نہیں ہو۔" مولوی کا لہجہ بھی ناخوشگوار تھا۔ "اپنی آواز دھیمی رکھو۔ کیا تم اپنی زندگی نہیں بچانا چاہتے؟"

شہزاد اُس سیاہ عصا کو گھورنے لگا جس پر چاندی کی مٹھ چمک رہی تھی اور اُس کے نچلے حصّے میں ایک سیاہ بٹن نظر آ رہا تھا۔

ایک سیاہ بٹن! اُس نے حیرت سے سوچا۔ "یہ کیسا عصا ہے؟"

"شنو..." مولوی کی تیز سرگوشی اُبھری۔ "ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ کیا تم زندہ رہنا چاہتے ہو؟"

شہزاد کو یوں محسوس ہوا کہ جیسے یہ الفاظ اُس کے دل و دماغ میں پیوست ہو گئے ہوں۔ "یقیناً..." اُس نے جواب دیا۔

"گھٹنوں کے بل جھک جاؤ۔" مولوی نے سرگوشی کی۔ "جلدی!"

شہزاد کسی سحر زدہ شخص کی طرح گھٹنوں کے بل جھک گیا۔ چارپائی اُس کے سینے کی سطح کے برابر تھی اور اُس کی ٹھوڑی و درویش نما شخص کے سر پوش کے نچلے حصّے سے چھو رہی تھی۔ عصا آہستہ آہستہ اُس کے سر کی طرف حرکت کرنے لگا۔ اُس نے نگاہ اُٹھا کر چمک دار مٹھ کی طرف دیکھا، جہاں ایک چاندی کی کیل نظر آ رہی تھی۔ مولوی کا ہاتھ مٹھ کے نچلے حصّے میں لگے ہوئے بٹن پر جما ہوا تھا۔

"یوں جھک جاؤ کہ محافظ تمہیں میرے عصا کو بوسہ دیتے ہوئے محسوس کریں۔ اس میں ایک سیاہ ٹکیہ ہے۔ اس ٹکیہ کو اپنے دانتوں سے نکال لو۔ چلو... جلدی کرو۔ خیال رہے کہ تمہارے دانت اس ٹکیہ میں پیوست نہ ہونے پائیں۔"

شہزاد نے منہ کھولا اور مٹھ کے نچلے حصّے میں دکھائی دینے والے بٹن کو دانتوں میں دبا لیا۔ اُس نے محسوس کیا کہ محافظوں سے اوٹ لینے کے لیے اُس پُراسرار شخص نے اپنا لبادہ تھوڑا سا پھیلا لیا تھا۔ ٹکیہ عصا کی مٹھ سے نکل کر اُس کے دانتوں میں دب گئی۔ یہ ایک سخت ٹکیہ تھی۔ شہزاد نے سوچا... شاید پلاسٹک کی بنی ہوئی ہے۔

"ٹکیہ کا خول نہ کاٹ دینا۔" درویش سانپ کی طرح پھنکارا۔ "اسے اپنے منہ کے کسی کونے میں دبا لو۔ جب تمہارے سر کو دیکھنے کے لیے آہنی خود پہنایا جائے گا تو اس ٹکیہ کو پوری قوت سے چبا کر نگل لینا۔ اس سے پہلے ہرگز نہ چبانا۔ سمجھ گئے؟"

شہزاد نے ٹکیہ اپنی زبان پر محسوس کی۔ پُراسرار شخص کے ہونٹوں پر اب خفیف سی مسکراہٹ بھی نظر نہیں آ رہی تھی۔ وہ اس انوکھے درویش کو گھورنے لگا۔ اُسے حیرت تھی کہ آخر اس کی زندگی کے سب بڑے بڑے فیصلے ایکدم کیوں ہو رہے ہیں جبکہ اس کے پاس غور کرنے کا وقت بھی باقی نہیں رہ گیا ہے؟ اُس نے ٹکیہ کو زبان کی نوک سے چھوا۔ کیا یہ زہر ہے؟ اُس کے ذہن میں فوراً ہی یہ خیال پیدا ہوا لیکن فوراً ہی اُس کے ذہن سے نکل گیا۔ کیونکہ کسی کو اُسے زہر دینے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ کیا میں اسے تھوک دوں؟ اگر ایسا کروں تو کیا ہو؟ آخر اس میں نقصان بھی کیا ہے؟ کیا نقصان؟ اُس کے ذہن پر خیالات کی یورش ہو گئی۔

شہزاد نے ٹکیہ کو دانتوں سے دُور رکھتے ہوئے اُس کا ذائقہ محسوس کرنے کی کوشش کی۔ یہ ایک بے ذائقہ ٹکیہ تھی۔ مولوی اب اُس پر جھکا ہوا کوئی آیت پڑھ رہا تھا۔ شہزاد نے ٹکیہ کو زبان کے نیچے دبا لیا۔

"وقت ہو گیا!" محافظ کی آواز نے اُنھیں چونکنے پر مجبور کر دیا۔

"خدا تم پر اپنی رحمتیں نازل کرے، میرے بچے!" مولوی نے بلند آواز میں کہا۔ اُس نے عصا کو شہزاد کی طرف بڑھایا جسے اُس نے چوم لیا۔

مولوی دھیمی آواز میں بولا۔ "پھر ملاقات ہو گی۔" یہ کہہ کر وہ اپنے نرم تلوؤں والے جوتے سے تقریباً گھسٹتا ہوا دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ اُس کا سر جھکا ہوا تھا۔ اُس کے دائیں ہاتھ میں عصا تھا اور بایاں ہاتھ چغے میں چھپا ہوا تھا۔

شہزاد نے بایاں ہاتھ چارپائی پر رکھا اور اُس کے سہارے اُٹھ کھڑا ہوا۔ اُس کا منہ لعاب سے بھر گیا تھا۔ اُس نے جلدی سے تھوک نگل لیا اور کوشش کی کہ ٹکیہ حلق میں اُترنے نہ پائے۔ ٹکیہ کو زبان تلے دبائے اُس نے سلاخ دار دروازے کی طرف دیکھا۔

"شہزاد...!" محافظ نے کہا۔ "چلو... وقت ہو گیا ہے۔"

سلاخ دار دروازہ کھلا ہوا تھا اور دونوں محافظ شہزاد کے اطراف میں کھڑے ہو گئے تھے۔ ایک طویل القامت بھورے بالوں والا شخص راہداری میں کھڑا تھا اور موت کے کمرے میں روشنی ہو رہی تھی پُراسرار درویش نگاہوں سے اوجھل ہو چکا تھا۔ شہزاد نے ایک بار پھر تھوک نگلا اور ٹکیہ کو احتیاط سے زبان کے نیچے دبا کر دونوں محافظوں کے درمیان چلتا ہوا اُس کمرے کی طرف بڑھنے لگا۔ جہاں اُس کے لیے بجلی کی کرسی تیار تھی۔

اُسے نمونہ دیکھنے کے لیے قانون نے جو وقت مقرر کیا تھا، وہ سر پر آ پہنچا تھا۔

☆☆☆

احمد کو یہ بات بالکل پسند نہیں آئی تھی۔

سات سال کے عرصے میں چار آدمیوں کو سزائے موت دی گئی تھی اور ایسا اس قدر اچانک ہوتا تھا کہ وہ حیران رہ جاتا تھا۔ جب بھی کسی کو بجلی کی کرسی پر بیٹھنے کی سزا سنائی جاتی تو اُسے اور اُس کے ساتھیوں کو خاص طور سے ہدایت کی جاتی کہ وہ پاور بکس کو اچھی طرح چیک کر لیں۔

"یہ ضابطے کی ایک کارروائی ہے۔" اُس سے کہا گیا تھا۔ "تم نے موت کی کرسی کو گزشتہ تین سال سے استعمال نہیں کیا ہے لہٰذا ہم چاہتے ہیں کہ تم اس کی کارکردگی کی طرف سے مطمئن ہو جاؤ۔"

... اور احمد نے محسوس کیا کہ برقی نظام پوری طرح کام نہیں کر رہا ہے۔ اُس کا زرد چہرہ بھورے ریگ پیٹر کی طرف جھک گیا۔ لکیروں سے اُس نے شیشے کے اس پردے کی طرف بھی دیکھا جو کنٹرول اور چیمبر روم کے درمیان حد بندی کرتا تھا۔ اُس نے اسٹارٹر کو دبایا اور برق آفرین کی ہلکی ہلکی بھنبھناہٹ سی سنائی دینے لگی۔ تیز زرد روشنیاں یکایک مدھم پڑ گئیں اور برقی رَو کرسی کی دھات میں سرایت کرنے لگی۔

اُس نے مثبتی انداز میں سر کو جنبش دی اور برقی رَو کا سلسلہ منقطع کر دیا۔ برق آفرین کی بھنبھناہٹ مسلسل سنائی دیتی رہی۔ غالباً اس سزائے موت میں ہی کوئی گڑبڑ ہے۔ اس نے سوچا۔ اس برقی مشین کو پورے تین سال بعد استعمال کرنے کی نوبت آئی ہے بعض اوقات عرصے تک استعمال نہ کرنے سے تاروں میں کوئی نہ کوئی خرابی پیدا ہو جاتی ہے۔

احمد اس سے پہلے چار آدمیوں کو برقی کرسی پر بٹھا کر موت سے ہمکنار کر چکا تھا اور یہ پولیس افسر اس کا پانچواں تسکار تھا۔

"کیا کوئی گڑبڑ ہو گئی ہے؟" ایک آواز سنائی دی اور وہ چونک کر دروازے کی طرف متوجہ ہو گیا۔

ایک سیاہ بالوں والا نائے قد کا آدمی نظر آیا۔ اُس کے جسم پر سیاہ سوٹ تھا اور اُس کے دائیں ہاتھ میں دھات کا ایک نحوڑا اُبھرا تھا۔ وہ کنٹرول کے قریب ہی کھڑا تھا۔

"کیا مشین میں کوئی خرابی پیدا ہو گئی ہے؟" نووارد نے ایک بار پھر دھیمی آواز میں پوچھا۔ "تم کچھ ہیجانی حالت کا شکار محسوس ہو رہے ہو۔ تمہارا چہرہ سُرخ ہو رہا ہے۔"

"نہیں! ایسی تو کوئی بات نہیں۔" احمد نے اُکھڑی سے کہا۔ "تم کون ہو اور یہاں کیوں آئے ہو؟"

اجنبی کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ اُبھر آئی۔ لیکن وہ اس کے سخت سوال سے ذرا بھی متاثر نظر نہیں آ رہا تھا۔

"جیلر کے دفتر سے تمھیں میرے بارے میں یقیناً بتا دیا گیا ہو گا۔" پُراسرار شخص بولا۔

احمد نے اثبات میں سر ہلایا۔ "ہاں! ٹھیک ہے۔" انھوں نے مجھے اطلاع دی تھی۔" یہ کہہ کر وہ ایک بار پھر شین کی طرف متوجہ ہو گیا تاکہ اُسے آخری بار چیک کر کے مطمئن ہو جائے۔ "وہ ابھی ایک منٹ میں یہاں پہنچنے والا ہے۔" احمد نے وولٹ میٹر پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔ "ہم جس جگہ موجود ہیں، یہاں سے منظر اچھی طرح دکھائی نہیں دیتا۔ اگر تم شیشے کے پردے کے قریب چلے جاؤ تو بہتر طور پر دیکھ سکو گے۔"

"شکریہ...!" سیاہ بالوں والے شخص نے کہا۔ لیکن اُس نے اپنی جگہ سے حرکت نہیں کی۔ وہ اس وقت تک بے حس و حرکت کھڑا رہا جب تک احمد ایک بار پھر موت کے کھلونوں کی طرف متوجہ نہیں ہو گیا... پھر اُس نے اِدھر اُدھر دیکھنا شروع کیا۔ جلد ہی اُس کی نگاہ برق آفرین کے نیچے لگے ہوئے پرزوں پر جم گئی۔ پُراسرار شخص کے ہونٹ متحرک ہو گئے لیکن آواز نہ نکلی۔ وہ زیرِ لب گن رہا تھا۔ "ایک... دو... تین... چار... ہاں، یہی ہے۔" اُس نے خود کلامی کے انداز میں کہا۔

اُس نے اپنا اسٹیل کا اینچی برق آفرین کے نچلے حصّے کے قریب اس طرح رکھ دیا کہ وہ پانچویں پرزے سے چھونے لگا۔ یہ پرزہ دوسرے چار پرزوں کی بہ نسبت چمک دار اور نمایاں تھا۔ یہ اسٹیل کا بنا ہوا نہیں تھا بلکہ ایک طاقتور مقناطیس تھا جس سے مشین کی قوت بڑھائی جاتی تھی۔

سیاہ بالوں والے اس پُراسرار شخص نے سرسری نگاہ سے کمرے میں اِدھر اُدھر دیکھا۔ اُس کی نگاہ احمد سے ہوتی ہوئی چھت پر گئی اور وہاں سے پھسلتی ہوئی چیمبر روم کے شیشے پر مرکوز ہو گئی۔ وہ بظاہر تو موت کی کرسی کو دیکھ رہا تھا لیکن اُس کا ہاتھ غیر محسوس انداز میں اپنے اینچی کی طرف سرک رہا تھا۔ اُس نے اینچی پر جُھکے کی نوک سے دباؤ ڈالا۔ حتیٰ کہ اینچی چمک دار پرزے کو دبانے لگا اور پرزہ انچ کے آٹھویں حصّے کے برابر دھنس گیا۔

ایک خفیف سی "کلک" کی آواز سنائی دی اور اجنبی شخص اینچی کے پاس سے ہٹ کر ٹہلتا ہوا شیشے کے پردے کی طرف بڑھ گیا۔ احمد کو "کلک" کی آواز سنائی نہیں دی تھی۔ اُس نے بورڈ

کے ایک مخصوص ڈائل سے نگاہ اٹھاتے ہوئے اُس شخص کی طرف دیکھا۔ "کیا تم محکمہ خفیہ سے تعلق رکھتے ہو؟" اُس نے پوچھا۔

"ہاں... !" سیاہ بالوں والے نے سرسری لہجے میں جواب دیا اور گہری توجہ سے سوت کی رسّی کو دیکھنے لگا جس پر ایک شخص کو بھگا کر اُس کے جسم میں برقی رَو دوڑائی جانے والی تھی۔

اس وقت وہ جس کمرے میں موجود تھے، اس سے دو کمروں کو چھوڑ کر جیل کا ڈاکٹر کانچ کے ایک گلاس میں پانی انڈیل رہا تھا۔ چند لمحے پہلے وہ فون پر کسی سے بات کر رہا تھا اور ریسیور رکھنے کے فوراً ہی بعد اُس نے فریج سے پانی کی بوتل نکال لی تھی۔ اس کا مخاطب جیل کا جیلر تھا۔ جب جیلر نے اُسے بتایا تھا کہ انسپکٹر شہزاد کا پوسٹ مارٹم اُس سے نہیں کرایا جائے گا تو وہ غصّے اور حیرت سے چیخ پڑا تھا۔

"صاف ظاہر ہے کہ شہزاد میں بعض غیر معمولی صلاحیتیں ہیں۔" جیلر نے کہا تھا۔ "تحقیق کے ایک سائنسی ادارے نے اس کی لاش کا مطالبہ کیا ہے۔ مجھ سے یہ سوال مت کرنا کہ ایسا کیوں ہو رہا ہے۔ میں بھی تمہاری ہی طرح اس معاملے سے ناواقف ہوں۔ بہرحال، مجھے توقع ہے کہ تم اس بات کو محسوس نہیں کرو گے۔"

"محسوس نہیں کروں گا؟" ڈاکٹر نے گلاس سے ایک گھونٹ لیتے ہوئے زیرِلب کہا اور اُس کے نقش و نگار سے سختی جھلکنے لگی۔

وہ تیس سال سے اس جیل میں ڈاکٹر کے فرائض سرانجام دے رہا تھا اس نے بجلی کی کرسی پر بٹھائے جانے والے آدمیوں کا پوسٹ مارٹم کیا تھا... اور اُسے معلوم تھا کہ قانون کی کتابیں خواہ کچھ ہی کیوں نہ کہتی ہوں، لیکن کرسی پر بیٹھنے والا کوئی بھی شخص برقی رَو سے ہلاک نہیں ہوتا بلکہ اُس کا وہ نشتر مجرموں کو موت سے ہمکنار کرتا ہے جس سے وہ پوسٹ مارٹم کرتا ہے۔

برقی رَو سے صرف انسانی جسم شل ہو جاتا ہے اور مفلوج حالت میں جسم اُس کے حوالے کر دیا جاتا ہے تاکہ وہ پوسٹ مارٹم سے پہلے اپنے نشتر سے مجرم کو موت کے منہ میں پہنچا دے۔ پوسٹ مارٹم کے وقت اُنھیں کوئی نہیں بچا سکتا۔ اس طرح اپنی دانست میں اب تک وہ تیرہ آدمیوں کو ٹھکانے لگا چکا تھا۔ لیکن جو دھوپ جرم کو اُس سے چھیننا جا رہا تھا۔ آخر کیوں؟ یہ خیال اس کے دماغ اور حواس کو ڈنک دیتا رہا۔ لیکن وہ کسی فیصلے پر پہنچنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔

ڈاکٹر کو اس حقیقت کا احساس تیرہ سال قبل ہوا تھا۔ جب اُس کے نشتر نے مفلوج شخص کے دل میں شگاف بنایا تو اُس کا پورا جسم متحرک ہو گیا تھا۔ اُس نے پانی کا گلاس ختم کیا اور بے پروائی سے کندھے اُچکا کر میڈیسن کیبنٹ کی طرف بڑھ گیا... لیکن ایک خیال بار بار اُس کے ذہن پر نشتر زنی کر رہا تھا کہ آخر اس شخص کے ساتھ یہ خصوصی سلوک کیوں کیا جا رہا ہے؟ اُس نے آخری بار جب قیدی کا معائنہ کیا تھا تو محسوس ہوا تھا کہ وہ بے انتہا قوتِ برداشت کا مالک ہے۔ تکلیف اُس کے نزدیک غالباً کوئی معنی ہی نہیں رکھتی تھی... اس کے علاوہ انسپکٹر شہزاد ہر اعتبار سے نارمل تھا۔

☆☆☆

انسپکٹر شہزاد اپنی کوٹھڑی سے نکل کر راہداری میں پہلا ہاتھ چیئرروم کی راہداری کے آخری حصّے میں واقع تھا۔ اگرچہ کوٹھڑی اور چیئرروم میں زیادہ فاصلہ نہیں تھا۔ لیکن اُس وقت شہزاد نے اس چند گز کے فاصلے کو کئی میل سمجھ کر پورا کیا... دونوں محافظ اُس سے دو قدم پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔ وہ خوش تھے کہ عام مجرموں کی طرح شہزاد چیخ نہیں رہا ہے۔ دوسروں کو تو وہ گھسیٹ کر لانا پڑتے تھے۔ شہزاد نے ایک بار بھی پلٹ کر اُن کی طرف نہیں دیکھا تھا۔

اس کی تمام تر توجہ اُس ٹکیہ پر مرکوز تھی جس کی وجہ سے اُس کا منہ بار بار تھوک سے بھر جاتا تھا۔ وہ تھوڑے تھوڑے وقفے سے تھوک نگل رہا تھا۔ اُسے حیرت تھی کہ وہ ان آبگینوں کو کس طرح روکنے میں کامیاب ہو رہا ہے جن کی وجہ سے اُسے شدید کوفت ہو رہی تھی۔

ٹکیہ کی وجہ سے اس کی زبان شل ہو گئی تھی اور اب وہ یقین سے نہیں کہہ سکتا تھا کہ ٹکیہ اُس کی زبان کے نیچے دبی ہوئی ہے یا تھوک کے ساتھ حلق سے نیچے اُتر گئی ہے۔ ایک بار اُس کا ہاتھ غیر ارادی طور پر اُٹھا لیکن اُس نے فوراً ہی اُسے گرا دیا۔ وہ کسی کو اس ٹکیہ کی طرف متوجہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔

اُس نے تھوک اور ٹکیہ کی طرف سے توجہ ہٹالی اور سوچنے لگا کہ وہ ایک قانون کا محافظ تھا لیکن اب قانون اور ٹک بھر کے قانون نافذ کرنے والے اُس کے دشمن ہو گئے ہیں۔ چیئرروم کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ وہ اس کھلے دروازے میں قدم رکھ چکا تھا۔ اب وہ ایک ایسے کمرے میں تھا جہاں موت کا بسیرا تھا۔

☆☆☆

وہ خود بخود موت کی کرسی پر بیٹھ گیا۔

اُس نے زندگی میں یہ سوچا تک نہ تھا کہ کبھی ایسا موقع آئے گا

وہ یوں بے دھڑک بجلی کی کرسی پر بھی بیٹھ سکتا ہے۔ اُس نے دونوں ہاتھ باندھ کر اپنی گود میں رکھ لیے۔ اگر محافظوں میں کسی کو اس بات کا علم ہوتا کہ شہزاد کے بازوؤں کو زبردستی ادھر اُدھر نہیں کیا جا سکتا۔ تو شاید وہ اُسے بھوش کر کے چیئرروم تک لاتے... لیکن شہزاد تو خود بخود ویسا ہی کرتا جا رہا تھا۔ وہ جو کچھ چاہتے تھے، شہزاد خود بخود ویسا ہی کرتا جا رہا تھا۔

اسے پیشاب کی شدید حاجت محسوس ہو رہی تھی۔ اُس کے سر کے بالکل اُوپر ایک ایگزاسٹ فین گھوم رہا تھا اور اُس کی بھنبھناہٹ بڑی خوفناک محسوس ہو رہی تھی۔

کرسی کے اطراف میں دونوں محافظ ایستادہ تھے۔ شہزاد نے دونوں ہاتھ کرسی کے بازوؤں پر رکھ لیے۔ اور محافظوں نے اُس کی کلائیاں دھاتی پٹیوں سے کس دیں... پھر اُس کے سینے پر بھی ایک دھاتی پٹی باندھ دی گئی اور دونوں محافظ ٹانگوں کو شکنجے میں کسنے لگے۔ شہزاد اس انداز میں خاموش بیٹھا رہا جیسے وہ اُن کی مدد کر رہا ہو۔

اب تک اُس نے ایک بار بھی کوئی ایسی حرکت نہیں کی تھی جس سے اندازہ ہوتا کہ وہ موت سے خوفزدہ ہے۔ ہر محافظ اُسے تعریفی نگاہ سے دیکھ رہا تھا۔ جیلر کی آنکھوں میں بھی اُس کے لیے احترام کے جذبات تھے۔

ایک محافظ نے شہزاد کے سر پر چوفلادی خود پہنا کر اُس کی گردن کو شکنجے میں جکڑ دیا۔ قیدی اب گردن کو حرکت نہیں دے سکتا تھا۔ اسے ایسی کوئی ضرورت بھی نہیں تھی۔ وہ صرف زبان کو حرکت دینا چاہتا تھا اور جبڑے بھنچے ہوئے ہونے کے باوجود وہ زبان کو متحرک کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

اُس نے آنکھیں بند کر لیں اور زبان کے نیچے سے ٹکیہ اُس کے دانتوں میں پہنچ گئی۔

فولادی ٹوپی میں کئی پٹیاں تھیں۔ اُنھیں باری باری کس دیا گیا... پھر ایک پٹی کو کھینچ کر باندھا گیا تو شہزاد کا سر کرسی کی پشت گاہ سے ٹک گیا اور اُسے اپنی پیشانی پر وحات کی ٹچ کا شدید دباؤ محسوس ہوا۔

اُس کی کنپٹیاں دھنک اُٹھی تھیں۔

شہزاد نے ٹکیہ کو دو دانتوں کے درمیان، زبان کی مدد سے پھنسا لیا۔ اب وقت آ گیا تھا کہ دانتوں کو یکجا میں پیوست کر کے اس کے نول کو کاٹ دیا جائے۔ اُس نے پوری قوت سے ٹکیہ کو دانتوں تلے دبایا۔ اس دوران میں اُس کا منہ تھوک سے بھر گیا تھا۔ اُس نے تھوک، بلغم اور لعاب کے ساتھ کچھ بھی اُس کے حلق میں اُتر گیا۔

اُسے اپنی گردن کے عقبی حصّے میں شدید ٹھنڈک کا احساس ہوا جیسے موت نے اپنا ٹھنڈا ہوا پنجہ اُس کی گدی پر رکھ دیا ہو۔ ٹکیہ جیسے ہی معدے میں پہنچی، شہزاد کو یکایک شدید گرمی کا احساس ہوا... اور یہ احساس یکسر ختم ہو گیا کہ اُسے موت سے ہمکنار کرنے کے لیے بجلی کی کرسی پر بٹھایا گیا ہے۔

اُس نے آنکھیں کھول دیں۔

وہ حیران تھا کہ ابھی تک اُسے برقی رَو کا جھٹکا کیوں محسوس نہیں ہوا۔ اُس نے آنکھوں کی گردش سے ماحول کا جائزہ لیا۔ محافظ خاموش کھڑے تھے، جیسے پتھر کے مجسّمے ہوں۔ سامنے جیلر تھا۔ اُس کے پیچھے ایک مینیجر کے ساتھ سخت چہرے والا ایک اور شخص بھی نظر آ رہا تھا۔ جو انسپکٹر شہزاد کے لیے اجنبی تھا۔

"کیا تم زندگی کے ان آخری چند لمحات میں کچھ کہنا چاہتے ہو؟" جیلر نے کہا۔

شہزاد نے سر کو منفی جنبش دینا چاہی لیکن ناکام رہا۔ اُسے کرسی پر بٹھا کر گویا مفلوج کر دیا گیا تھا۔ وہ ذرا سی حرکت بھی نہیں کر سکتا تھا۔ وہ حیران تھا کہ جسم کی یہ مفلوج حالت، آہنی پٹیوں کی وجہ سے ہے یا اس ٹکیہ کی مرہونِ منّت ہے، جو اُس نے پُراسرار درویش سے حاصل کی تھی۔

دفعتہً زمزم... گرم گرم... اندھیرے نے اُس کے حواس کو نگلنا شروع کر دیا۔

بجلی کی کرسی کو کنٹرول کرنے والا احمد سوئچ بورڈ کے سامنے بے حس و حرکت کھڑا تھا۔ وہ اس سیاہ بالوں والے شخص کو بالکل بھول گیا تھا۔ جسے شہزاد کی موت کا منظر دیکھنے کی خاص طور سے اجازت دی گئی تھی۔ اس نے جیلر کی طرف دیکھا جس کا ایک اشارا اُس کی دائیں ہاتھ کو میکانکی انداز میں حرکت کرنے پر مجبور کر دیتا تھا۔

یہ پہلی موت تھی جس کا منظر جیل کے چند دستے دار افراد دیکھ رہے تھے اور وہاں کوئی اخباری نمائندہ بھی موجود نہیں تھا۔ اس سے پہلے ایسا کبھی نہیں ہوا تھا۔ چند اخباری نمائندے مخصوص طور پر مدعو ہوتے تھے۔ اور اگلے روز اُن کی چھاپی ہوئی سرخیاں جیل کے دستے دار افراد کی کارکردگی کو سراہا پڑھ کر بیان کرتی تھیں۔ اس کا مطلب تھا کہ اگلے روز شہزاد کی موت کے بارے میں ایک معمولی سی خبر شائع ہو گی جس میں کسی شخص کی کارکردگی کو نہیں سراہا جائے گا۔

جیل سپرنٹنڈنٹ بالکل بے حس و حرکت تھا۔ اُس کے آثار سے ظاہر ہو رہا تھا جیسے وہ فاصلہ تاخیر کر رہا ہو... یا پھر جس بے اعتدالی کے لیے وقت کی رفتار ہی تھم گئی تھی۔ شہزاد کا جسم بھی ساکت تھا۔ اُس نے بغور دیکھا۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ بیہوش ہو گیا ہو۔ اُس کی آنکھیں سختی سے بند تھیں اور ہاتھ پیروں میں ذرا بھی اینٹھن محسوس نہیں ہو رہی تھی۔

کنٹرول آفیسر نے سوچا کہ وہ ابھی چند لمحے بعد اس بدہوش آدمی کو چونکانے کا۔ پہلے تو خفیف سی برقی رَو اُس کے جسم تک پہنچے گی... پھر برقی رَو کا شدید جھٹکا لگے گا۔ برقی رَو پوری قوت سے اُس کے جسم میں سرایت کر جائے گی اور اُس کی رگوں میں دوڑتا ہوا خون جل جائے گا... گوشت جلنے کی بُو پھیل جائے گی اور...

وفعتہً جیلر موت کی کرسی سے ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔ اُس نے کنٹرول رُوم کی طرف دیکھا اور اثبات میں سر ہلا دیا۔ احمد کا ہاتھ تیزی سے اُٹھا اور ایک سوئچ کی طرف بڑھ گیا۔

برقی آفرین کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔

شہزاد کا جسم برقی رَو کے جھٹکے سے اُچھل پڑا۔

وہ تشنج کی سی حالت میں نظر آیا...

جیلر نے دوبارہ سر کو اثبات میں حرکت دے کر اشارا کیا۔ احمد نے دوسرا سوئچ بھی آن کر دیا۔

شہزاد کا پورا جسم کرسی سے اُٹھا ہوا محسوس ہونے لگا۔ اس کا مُنہ باہر ہے آب کی طرح کھل گیا تھا اور کمرے میں گوشت جلنے کی تیز اند محسوس ہونے لگی تھی۔ اُس نے سوئچ آف کر کے مشین بند کر دی تب اُسے احساس ہوا کہ کمرے میں کچھ دیر پہلے، اُس کے ساتھ ایک اور شخص بھی موجود تھا۔ اس نے چونک کر دیکھا لیکن سیاہ بالوں والے شخص کا کہیں نام و نشان تک نہ تھا۔

اُسے شہزاد کو موت سے ہمکنار کرنے میں تھوڑی سی دشواریاں ہوئی تھیں اس لیے وہ سوچ رہا تھا کہ پہلی فرصت میں مشین کا جائزہ لے کر اس گڑبڑ کو درست کرے گا۔ اُس نے شیشے کے پردے کی طرف دیکھا۔

شہزاد کا جسم پُرسکون انداز میں کرسی کی گہرائیوں میں ڈوبا ہوا تھا۔

اُس کا سر خفیف سا دائیں طرف ڈھلکا ہوا نظر آ رہا تھا۔

محافظوں نے اُس کے مُردہ جسم کو شکنجوں سے نکالا۔ ڈاکٹر تیزی سے بڑھا، اُس نے اسٹیتھوسکوپ لگا کر معائنہ کیا اور اثبات میں سر ہلا کر شہزاد کی موت کی تصدیق کر دی۔ جیلر نے ایک کاغذ پر اُس سے دستخط کروائے۔ اور ڈاکٹر تیزی سے چلتا ہوا چیمبر رُوم سے نکل گیا۔

تحقیقاتی سینٹر کے ملازمین نے جیلر کی اجازت سے فوراً ہی لاش حاصل کر لی۔

اُنھوں نے شہزاد کی لاش کو نہایت آہستگی سے ایک سٹریچر اسٹریچر پر رکھا اور اتنی تیزی سے راہداری میں اسٹریچر کو دوڑا لے چلے کہ ان کا یہ انداز دیکھنے والوں کو میت زندہ کے بغیر نہ دے سکا۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ لاش کو جلد از جلد کہیں پہنچانے کے لیے بیقرار ہوں۔

اُنھوں نے شہزاد کے دونوں ہاتھوں کو اُس کی ناف پر آر پار کر کے رکھا تھا۔ لیکن اسٹریچر کی تیز رفتاری کی وجہ سے لاش کے نڈھال ہاتھ پہلوؤں میں جھولنے لگے اور دُور سے یوں محسوس ہونے لگا کہ جیسے شہزاد کی لاش غوطہ لگانے کی تیاری کر رہی ہو۔ تحقیقاتی مرکز کے ملازمین نے اُس کے بازوؤں کی طرف توجہ نہیں دی۔ بلکہ اسٹریچر کو دوڑاتے رہے... حتیٰ کہ وہ ایک ایمبولینس کے قریب پہنچ گئے۔

ایمبولینس کا عقبی دروازہ کھلا ہوا تھا۔ دونوں ملازمین نے اسٹریچر کو اُٹھایا اور اُسے عقبی حصّے میں دھکیل دیا۔ فوراً ہی دروازہ بند کر دیا گیا۔ عقبی حصّے کے تمام شیشوں پر سیاہ پردے پڑے ہوئے تھے۔

ایمبولینس کے عقبی حصّے کے ایک تاریک کونے میں وہی سیاہ بالوں والا شخص دُبکا ہوا تھا، جو بجلی کی کرسی کے آپریٹر کے کمرے میں شہزاد کی موت کا منظر دیکھنے آیا تھا۔ دروازہ بند ہوتے ہی اُس نے اپنے اوپر پڑا ہوا کمبل ایک طرف پھینکا اور اسٹریچر کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اُس کے دائیں ہاتھ میں ایک سرنج تیار تھی۔ بائیں ہاتھ سے اُس نے ایمبولینس کی چھت پر لگے ہوئے ایک بٹن کو چھیڑا۔ ایمبولینس کا عقبی حصّہ فوراً ہی روشن ہو گیا۔ لیکن سیاہ بھاری پردوں کی وجہ سے روشنی کی ہلکی سی کرن بھی باہر نہیں دیکھی جا سکتی تھی۔

سیاہ بالوں والا آدمی شہزاد کی لاش پر جھک گیا اور اُس نے جیل یونیفارم کی قمیص کو چاک کر کے اتار دیا۔ اُس نے شہزاد کے سینے پر ہاتھ رکھا اور اُس کی انگلیاں نہایت مہارت سے سینے پر حرکت کرنے لگیں۔ حتیٰ کہ پانچویں پسلی پر اُس کی انگلیاں بے حس و حرکت ہو گئیں۔ اُس نے سرنج جھٹکائی اور لاش کے دل میں گاڑھا سیال اتارنے لگا۔ اُس کا ہاتھ آہستہ آہستہ دباؤ ڈالتا رہا.... حتیٰ کہ سرنج خالی ہو گئی۔

اُس نے سُوئی لاش سے کھینچ لی اور معمولی سے زخم کو بائیں ہاتھ کے انگوٹھے سے دبا لیا۔

سرنج اُس نے ایک طرف بے پروائی سے اُچھال دی تھی۔ ... پھر اُس نے ہاتھ بڑھا کر ایمبولینس کی چھت سے آکسیجن ماسک کھینچ لیا۔ جیسے ہی ماسک اپنی جگہ سے ہٹا اُس کے کانوں سے آکسیجن کی سرسراتی ہوئی آواز ٹکرانے لگی۔

شہزاد کی لاش کا چہرہ زرد ہو چکا تھا۔ اُس نے ماسک لاش کے چہرے پر لگا دیا۔ اب وہ شخص بے چینی سے اپنی دستی گھڑی کو گھور رہا تھا۔

ٹھیک ایک منٹ بعد اُس نے گھڑی سے نگاہ ہٹائی اور لاش کے سینے سے کان لگا دیا۔ چند ہی لمحے بعد اُس کے ہونٹوں پر طمانیت سے بھرپور مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔

اُس نے شہزاد کے مُنہ سے آکسیجن ماسک ہٹا لیا اور اُسے واپس ہمارا گیس کا سلسلہ منقطع کر دیا۔ ان کاموں سے فارغ ہونے کے بعد اُس نے ڈیانیوز کی عقبی کھڑکی کے شیشے پر دستک دی۔ ایمبولینس کا انجن فوراً ہی بیدار ہو گیا اور گاڑی تیزی سے سڑک پر دوڑنے لگی۔

جیل سے پندرہ میل دُور ایمبولینس سڑک کے کنارے خفیف سے دھچکے کے ساتھ رُک گئی۔ ایک ملازم جس نے تحقیقاتی مرکز کی وردی اتار کر سادہ لباس پہن لیا تھا۔ فرنٹ سیٹ سے اُترا اور ایمبولینس کے عقبی حصّے کی طرف آیا... پھر اُس نے سڑک کے کنارے کھڑی دوسری کار کی طرف دیکھا۔

اُس کار کے پہلو سے ایک شخص ٹکا ہوا سرسری انداز میں سگریٹ کے کش لگا رہا تھا۔

ایمبولینس سے اترنے والے شخص پر نگاہ پڑتے ہی اُس نے سگریٹ پھینک کر جوتے کے تلے سے کچل دیا اور چابیوں کے گچھے کو انگلی کے گرد گھماتے ہوئے دُوسرے شخص کی طرف اُچھال دیا... پھر وہ آہستہ آہستہ قدم اُٹھاتا ہوا ایمبولینس کے عقبی دروازے پر پہنچا اور دستک دے کر جواب کا انتظار کرنے لگا۔

"میں سرگوش ہوں۔ دروازہ کھولو۔" کچھ دیر بعد اُس نے بلند آواز میں کہا۔

دروازہ ایکدم کھل گیا۔

وہ پھیتے کی سی پھرتی سے عقبی حصّے میں سوار ہو گیا۔

سیاہ بالوں والے شخص نے دروازہ بند کر دیا اور سرگوش نے لاش کے قریب ہی بیٹھنے کی جگہ بناتے ہوئے اپنے ساتھی کی طرف دیکھا۔ "کیا رہا...؟" اُس نے دھیمی آواز میں پوچھا۔

"سب کچھ ہماری مرضی کے مطابق ہی ہوا ہے۔" سیاہ بالوں والے شخص نے جواب دیا۔

"اس دُنیا میں سبھی کچھ مرضی کے مطابق نہیں ہوتا۔" سرگوش نے سرد لہجے میں کہا۔ "سب کچھ مرضی کے مطابق کبھی نہیں ہوتا کرتا۔ یہ کہہ کر وہ لاش کو تنقیدی نگاہ سے دیکھنے میں مصروف ہو گیا۔

☆☆

ایمبولینس تیزی سے اپنی منزل کی طرف دوڑ رہی تھی۔

عقبی حصّے میں عجیب سی بُو کا احساس ہوتا تھا۔ سرگوش نے سوچا کہ شاید یہ آکسیجن کی تیز بُو ہے۔ وہ اسٹریچر پر دراز شخص کو گھور رہا تھا۔ جس کے خدوخال اندھیرے کی لپیٹ میں تھے۔ اُس کا کشادہ سینہ متحرک تھا اور اُس کا زیر و بم سرگوش کے لیے بہت پُرلطف ثابت ہو رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ انھیں ایک ایسے ہی آدمی کی ضرورت تھی۔ یہ شخص کئی مسائل کا حل ثابت ہو سکتا ہے۔

"روشنی کر دو...!" اُس نے عجیب سی آواز میں کہا۔

"لیکن... مجھ سے تو کہا گیا تھا کہ غیر ضروری اقدامات میں عقبی حصّے کو تاریک ہی رکھا جائے؟"

"روشنی کر دو..." سرگوش کا لہجہ ناخوشگوار تھا۔ "صرف ایک منٹ کے لیے..."

سیاہ بالوں والے شخص نے قدرے ہچکچاہٹ سے ہاتھ بڑھا کر ایمبولینس کی چھت کا بٹن آن کر دیا اور اس محدود سی جگہ میں تیز زرد روشنی پھیل گئی۔ سرگوش نے جلدی جلدی پلکیں جھپکائیں ... پھر اُس کی نگاہ شہزاد کے چہرے پر جم گئی۔ اُس کے رخساروں کی ہڈیاں اُبھری ہوئی تھیں۔ آنکھیں بند تھیں اور پوٹے لگی جھنوؤں سے بڑی حد تک چھپے ہوئے تھے۔ اُس کی جلد ہموار اور سفید تھی۔ صرف ٹھوڑی پر ایک چھوٹا سا داغ نظر آ رہا تھا۔

سرگوش نے دوبارہ پلکیں جھپکائیں اور ایک بار پھر شہزاد کو گھورنے لگا۔ اُس کا ذہن فوراً ہی بھٹک گیا۔ اب تک اُسے جو قوانین پڑھائے گئے تھے، یہ حرکت اُن سب کے منافی تھی۔ یہ ایک غلط اور ناجائز عمل تھا... لیکن ایک اُس کے علاوہ کوئی عمل کسی کی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔

وہ جانتا تھا کہ اسٹریچر پر دراز شخص اگر کارآمد ثابت ہوا تو بہت سے دوسرے مسئلے بھی حل ہو جائیں گے۔ اور اس طرح اس سرزمین کے زیادہ سے زیادہ لوگ اپنا وجود برقرار رکھنے میں کامیاب ہو جائیں گے جنھیں وطنِ عزیز سے بے پناہ محبت ہے... اور قوم کا وجود خاک میں ملنے سے محفوظ ہو جائے گا... لیکن ان سب کا انحصار صرف ایک شخص پر تھا... وہی شخص جو اس وقت اسٹریچر پر آنکھیں بند کیے گہرے سکون سے بے نیاز تھا۔

سرگوش جانتا تھا کہ شہزاد کی آنکھوں میں ذہانت کی بے پناہ

چمک ہے۔ اس کا ذہن ماضی کے دھندلکوں میں بھٹک گیا۔ جب اس نے پہلی بار شہزاد کی چمک دار آنکھوں کو دیکھا تھا... لیکن اس وقت یہ آنکھیں گہرائی کے آگ برساتے سورج کی کرنوں سے چمک رہی تھیں۔ اور یہ شخص ایک درخت کے سائے میں لیٹا ہوا تھا۔ اس کا تعلق بحریہ کے ایک جنگی جہاز سے تھا۔

ان دنوں خود سرگوش اپنے ملک کی انٹیلی جنس میں تھا، اور بحریہ کے دو سپاہیوں کے ساتھ فوجی وردی پہنے ایک پہاڑی سے اتر رہا تھا۔ جنگ کسی فیصلہ کن مرحلے پر پہنچنے سے پہلے وقتی طور پر بند ہو گئی تھی اور سرگوش چند دنوں میں واپس اپنے گھر جانے والا تھا... لیکن اس وقت سرگوش کے سامنے ایک اہم مشن تھا۔

ایک چھوٹے سے گاؤں میں گڑیالیوں نے اپنا ہیڈ کوارٹر بنا رکھا تھا۔ یہ علاقہ اُن کے مفتوحہ علاقے میں شامل نہیں تھا۔ بلکہ یہی گاؤں اُن کے لیے منزلِ مقصود کی حیثیت رکھتا تھا۔ سرگوش کے ملک کی انٹیلی جنس اس گاؤں پر اپنا تسلط قائم کرنا چاہتی تھی تاکہ اس مقام سے تمام ریکارڈ اپنے قبضے میں کر لیں۔ خاص طور سے انھیں اس فہرست سے دلچسپی تھی جس میں فردوسیوں کے ہمدردوں کا تفصیل سے اندراج کیا گیا تھا۔ اگر اس ہیڈ کوارٹر پر براہِ راست حملہ کیا جاتا اور ایک ایک انچ آگے بڑھا جاتا تو گڑیالیوں کو اتنی مہلت مل سکتی تھی کہ وہ اس ریکارڈ کو ضائع کر دیتے۔ جبکہ انٹیلی جنس کو صرف ان فہرستوں ہی سے دلچسپی تھی اب کسی وقتی طور پر جنگ کو روک کر لائحہ عمل ترتیب دیا جا رہا تھا۔

سرگوش نے ایک ایسا منصوبہ بنایا تھا جس میں بحریہ کے چند آدمیوں کی مدد سے اس مقام پر حملہ کرنے کی تجویز تھی کہ گڑیالیوں کو ریکارڈ ضائع کرنے کی مہلت نہیں مل سکتی تھی۔ اس نے یہ تجویز یونٹ کے کمانڈر کے سامنے رکھی تو اُس نے محض اثبات میں سر ہلا دیا اور اُن دو آدمیوں کی طرف اشارا کیا۔ جو اُس کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ اُن کے بازوؤں سے جو تھیلے لٹکے ہوئے تھے اُن پر ایم آئی کا نشان واضح طور پر نظر آ رہا تھا۔

"یہ کیا ہے؟" سرگوش نے حیرت سے پوچھا تھا۔

"ان تھیلوں میں تمہارا مطلوبہ ریکارڈ موجود ہے۔" کمانڈر نے سرسری لہجے میں جواب دیا۔ وہ ایک چھوٹے قد کا آدمی تھا جو جنگ کی ہولناکیوں میں بھی باقاعدگی سے شیو بناتا تھا۔ اور اس کی وردی پر ایک بھی سلوٹ نظر نہیں آتی تھی۔ اس نے سرگوش کے مطلوبہ ریکارڈ کا تذکرہ اس انداز میں کیا تھا جیسے اس قیمتی دستاویز کی خود اس کے نزدیک کوئی اہمیت نہ ہو۔

"لیکن... میرے یہاں پہنچنے سے پہلے تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔"

"ہمیں تمہاری ضرورت نہیں ہے۔" کمانڈر نے کہا۔ "یہ یکان لوا وہاں سے دفعان ہو جاؤ۔ ہم نے اپنا کام مکمل کر دیا ہے۔" بحریہ کے کمانڈر کا لہجہ سخت ہو گیا۔

سرگوش کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن پھر اُس نے کوئی بات کیے بغیر بحریہ کے آدمیوں سے تھیلے بنے ہوئے تھیلے لے لیے اور ریکارڈ کی ورق گردانی میں مصروف ہو گیا۔ بیس منٹ تک وہ کاغذات کے حروف پر نگاہ گاڑے رہا... پھر اس نے بحریہ کے کمانڈر کی طرف نگاہ اٹھائی اور تعریفی انداز میں مسکرانے لگا۔

سرگوش نے اس فارم ہاؤس کی طرف دیکھا جہاں سے ریکارڈ حاصل کیا گیا تھا اس کی دیواروں پر گولی کا ایک نشان بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ "تم نے کیسے پہنچ گئے؟ کیا مرت سنگینوں سے کام نکال لیا تھا؟"

کمانڈر نے نوالہ خود کو دائیں ہاتھ سے عقب میں سرکایا اور کنپٹیوں کے بال کھجانے لگا۔ "ہاں... اور نہیں..." اس کا لہجہ اب بھی اکھڑا اکھڑا سا تھا۔

"کیا مطلب؟" سرگوش چونک پڑا۔ کمانڈر کے مبہم جواب نے اُسے اُلجھن میں ڈال دیا تھا۔

"ہمارے پاس ایک ایسا آدمی ہے، جو ایسے ہی کارنامے سرانجام دیتا ہے۔"

"کیسے کارنامے؟" سرگوش کی حیرت اب بھی رفع نہیں ہوئی تھی

"یہی فارم ہاؤس والا معاملہ پیشِ نظر رکھو۔ یہ کارنامہ ایسی شخص نے سرانجام دیا ہے۔"

"کیا...؟" سرگوش کا منہ حیرت سے پھٹ گیا۔

"یہ شخص تنہا گڑیالیوں کے ہیڈ کوارٹر میں گیا تھا اور اس نے وہاں موجود تمام آدمیوں کو قتل کر دیا۔ بعض حالتوں میں ہم اس شخص کو وہاں استعمال کرتے ہیں جہاں کئی کئی آدمیوں کی قوت درکار ہوتی ہے لیکن وہاں ایک سے زیادہ آدمیوں کو نہیں بھیجا جا سکتا۔ یہ شخص کسی نہ کسی طرح مطلب حل کر دیتا ہے اور ہمارے لیے اتنا ہی کافی ہے۔"

"لیکن اُس نے اتنی بڑی مہم تنہا کیسے سر کر لی؟"

کمانڈر نے کندھے اُچکائے۔ "معلوم نہیں۔ ہیں نے کبھی یہ دریافت نہیں کیا کہ اس نے کوئی کام کیسے پایۂ تکمیل تک پہنچایا ہے۔ مجھے صرف نتائج سے دلچسپی رہتی ہے۔"

"میرا خیال ہے اس شخص کو ایک خصوصی تمغہ ملنا چاہیے۔"

"کس سلسلے میں؟" کمانڈر نے پوچھا۔ وہ قدرے اُلجھن میں مبتلا نظر آ رہا تھا۔

"اسی ریکارڈ کو حاصل کرنے کے سلسلے میں اور آدمیوں کو قتل... اس نے کتنے آدمیوں کو قتل کیا ہے؟"

"میرا خیال ہے اس وقت فارم ہاؤس میں پانچ آدمی تھے۔" کمانڈر ابھی تک اُلجھن میں تھا۔

"ہاں، پانچ دشمنوں کو تنہا ہلاک کرنے اور اہم دستاویزات لانے کے لیے یہ شخص تمغے کا حقدار ہے۔"

"کیا صرف اتنے سے کام کے لیے؟"

"یقیناً..." سرگوش نے ٹھوس لہجے میں جواب دیا۔

کمانڈر نے کندھے اُچکاتے ہوئے کہا۔ "شہزاد ہمیشہ سے ایسے کارنامے سرانجام دیتا رہا ہے... مجھے حیرت ہے کہ اس بار اس کے معمولی سے کام کو اتنی اہمیت کیوں دی جا رہی ہے۔ اگر تم اسے انعام ہی دلوانا چاہتے ہو تو اس کا تبادلہ کروا دو۔ وہ تمغے قطعاً پسند نہیں کرتا۔"

سرگوش حیرت سے کمانڈر کو گھورنے لگا۔ غالباً وہ اس کے انداز سے جھوٹ یا سچ کی تحقیق کرنا چاہتا تھا۔ کمانڈر کے لہجے سے جھوٹ کا ہلکا سا شائبہ بھی محسوس نہیں ہو رہا تھا۔

"وہ شخص اس وقت کہاں ہے؟" سرگوش نے بے چینی اور تجسس سے پوچھا۔

کمانڈر نے سر کے اشارے سے بتایا۔ "درخت کے نیچے لیٹا ہوا ہے۔"

سرگوش نے گردن گھما کر اس درخت کی طرف دیکھا جس کے نیچے ایک ایسا شخص محوِ خواب تھا جس کا سینہ دُوری کے باوجود خاصا کشادہ اور بھرپور نظر آ رہا تھا۔ اُس شخص نے فولادی ٹوپی کو سر سے ڈھلکا کر آنکھوں پر ڈال رکھا تھا۔ سرگوش نے پلٹ کر بحریہ کے کمانڈر اور فارم ہاؤس کی طرف دیکھا... پھر درخت کے نیچے سوئے ہوئے شخص کی طرف قدم اٹھانے لگا۔ چلتے چلتے اس نے کمانڈر کو تاکید کی کہ وہ اس دوران ریکارڈ کی نگرانی کرتا رہے۔ وہ خوابیدہ شخص کے قریب پہنچا اور پھر فولادی ٹوپی کو اس انداز میں ٹھوکر ماری کہ بحریہ کے اس آدمی کا چہرہ زخمی نہ ہونے پائے۔ اس نے تھکے تھکے انداز میں پلکیں اٹھائیں اور سرگوش نے پہلی بار کسی شخص کی آنکھوں میں اتنی زبردست چمک دیکھی۔ "تمہارا نام...؟" سرگوش نے تحکمانہ لہجے میں پوچھا...

"تم کون ہو؟" جواباً پوچھا گیا۔

سرگوش نے اپنے کندھوں پر عہدے کے نشانات کی طرف اشارا کیا۔ "فی الحال تم مجھے ایک میجر سمجھ سکتے ہو۔"

"میرا نام شہزاد ہے... جناب! بحریہ کے اس غیر معمولی شخص نے کہنیوں کے بل اٹھتے ہوئے جواب دیا۔

"لیٹے رہو... لیٹے رہو۔" سرگوش نے نرمی سے کہا۔ "کیا تم ہی گڑیالیوں سے ریکارڈ حاصل کر کے لائے ہو؟"

"ہاں جناب! کیا مجھ سے کوئی غلطی ہو گئی ہے؟"

"نہیں... کیا تم بحریہ سے نجات حاصل کرنا چاہتے ہو؟"

"کچھ ایسی ہی بات ہے، جناب!"

"یہاں سے نکل کر تم کیا کرنا چاہتے ہو؟"

"میں جزیرۂ فردوس کی پولیس میں بھرتی ہو کر کسی میز کے پیچھے بیٹھے بیٹھے جسم پر خوب چربی چڑھانا چاہتا ہوں۔"

"اچھے آدمی۔ تم وقت ضائع کرنے کا منصوبہ بنا رہے ہو۔"

"تمہارا خیال درست ہے، میجر۔"

"کیا تم نے کبھی انٹیلی جنس میں شامل ہونے کے بارے میں بھی سوچا ہے؟"

"کبھی نہیں..." شہزاد کا جواب مختصر مگر حتمی تھا۔

"کیا تم اس فورس میں شامل ہونا چاہتے ہو؟"

"کبھی نہیں..."

"کیا تم اپنا ارادہ نہیں بدل سکتے؟"

"کبھی نہیں..." بحریہ کے اس فوجی کا لہجہ اس بار قدرے درشت تھا۔

سرگوش نے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ اس انداز تخاطب کو پسند نہیں کرتا تھا لیکن اس وقت وہ جس شخص کے سامنے کھڑا تھا اُس عہدے میں اس سے کم تر تھا لیکن اُس نے جو کام سرانجام دیا تھا اس کی اہمیت نظر انداز نہیں کی جا سکتی تھی۔ سرگوش ابھی تک حیران تھا کہ ایک تنہا شخص اتنا بڑا کارنامہ تنہا کیسے سرانجام دے سکتا ہے؟

"تم جس محکمے میں شامل ہونا چاہتے ہو، کیا وہ تمہیں بے حد پسند ہے؟"

"تمہارا خیال درست ہے، میجر۔"

"بہرحال، وہ ایک اچھا کام ہے۔" سرگوش نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

"شکریہ، جناب!" شہزاد نے جواب دیا اور فولادی ٹوپی کو اٹھائے بغیر ہی دوبارہ آنکھیں بند کر لیں۔ اس نے سرگوش کی بھی کوئی پروا نہیں کی تھی۔ یہ آخری موقع تھا جب سرگوش نے اس

شخص کو آنکھیں بند کیے لیٹے دیکھا تھا۔ یہ بہت عرصے پہلے کی بات تھی اور سرگوش بہت عرصے تک انٹیلی جنس کے ساتھ وابستہ رہا تھا۔ اس وقت وہی شخص دواؤں کے زیرِ اثر اس کے سامنے آنکھیں بند کیے لیٹا تھا۔ سرگوش نے سیاہ بالوں والے شخص کی طرف دیکھ کر سر کو اثبات میں ہلایا۔ "ٹھیک ہے... بتی بجھا دو۔"

اچانک ایمبولینس کا عقبی حصہ تاریک ہو گیا۔ سرگوش کو فوری طور پر کچھ دکھائی نہیں دیا... پھر آنکھیں آہستہ آہستہ اندھیرے کی عادی ہو گئیں۔ یہ ایک بہت قیمتی کیتیا کا بچہ ہے۔ ٹھیک ہے نا؟" سرگوش نے کہا۔ "تم نے ایک کارنامہ سرانجام دیا ہے۔" اُس نے سیاہ بالوں والے شخص کی تعریف کی۔

"شکریہ...!"

"کیا تمہارے پاس ایک سگریٹ ہو گی؟"

"اس سے پہلے کبھی آپ کے پاس سگریٹ رہی ہے؟"

"تمہاری موجودگی میں مجھے ایسا کرنے کی کیا ضرورت ہے؟" سرگوش نے کہا اور دونوں ہنس پڑے۔

الیکسٹر شہزاد کے حلق سے ایک کراہ سنائی دی اور دونوں کا قہقہہ دم توڑ گیا۔ وہ چونک کر اُس کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔

"ہم نے ایک بہت بڑی کامیابی حاصل کی ہے۔" سیاہ بالوں والے نے کہا۔

"ہاں..." سرگوش بڑبڑایا۔ "یہ اب تکلیف محسوس کرنے لگا ہے۔"

دونوں ایک بار پھر ہنس پڑے... پھر سرگوش یکایک سنجیدہ ہو گیا اور خاموشی سے سگریٹ کے گہرے کش لگانے لگا۔ اس کی نگاہ اب سگریٹ کے جلتے ہوئے گوشے پر جمی ہوئی تھی جو ہر کش کے ساتھ چمک اُٹھتا تھا۔ چند منٹ بعد ایمبولینس ایک عام سی دو رویہ سڑک پر گھوم گئی اور پھر اندھیری سڑک پر تیزی سے دوڑنے لگی۔ جب ڈرائیور نے سفر کم کی تو سرگوش پانچویں سگریٹ پی چکا تھا۔

ڈرائیور نے عقبی کھڑکی کے شیشے پر دستک دی۔

"کیا بات ہے؟" سرگوش نے پوچھا۔

"فلکرافٹ صرف چند میل کے فاصلے پر رہ گیا ہے۔"

"ٹھیک ہے، چلتے رہو۔" سرگوش نے جواب دیا۔

جب ایمبولینس بھری پُرآہستہ آہستہ چلنے لگی تو اُن کو سفر کرتے ہوئے پورے دو گھنٹے گزر گئے تھے۔ ایمبولینس کے رُکتے ہی سرگوش عقبی حصے سے کود گیا۔ اس نے جلدی جلدی اطراف پر نگاہ ڈالی... آس پاس کوئی متنفس دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

وہ ایمبولینس کے اگلے حصے کی طرف چل دیا۔

گاڑی ایک ایسے آہنی گیٹ کے سامنے رُکی تھی جو اس چار دیواری میں داخلے کا واحد راستہ تھا۔ اس سلاخ دار دروازے پر پیتل کی ایک تختی چمک رہی تھی جس پر "فلکرافٹ..." لکھا ہوا تھا۔ ایمبولینس کے عقبی حصے سے دوسری کراہ سنائی دی۔

عین اُسی لمحے جیل کی چار دیواری میں بجلی کی کرسی کا آپریٹر حیرت سے سوچ رہا تھا کہ جب اس نے موت کی کرسی میں بجلی کی لہر دوڑائی تھی تو شہزاد کی موت کے وقت روشنیاں مدھم کیوں نہیں ہوئی تھیں؟ جب کہ بُرقی رَو کسی شخص پر استعمال کی جاتی تھی تو ڈائل کے اُوپر لگا ہوا ہر بلب مدھم ہو جاتا تھا... جس وقت وہ اس اُلجھن کا شکار تھا اسی لمحے شہزاد کی "زندہ لاش" فلکرافٹ کے آہنی گیٹ سے اندر لے جائی جا رہی تھی... اور اسٹریچر دھکیلنے میں سیاہ بالوں والے ساتھی کی مدد کرتے ہوئے سرگوش سوچ رہا تھا کہ انہیں فلکرافٹ" کے بجائے یہاں دوسری تختی لگا دینی چاہیے، جس پر یہ حروف کندہ ہوں۔

"اس عمارت میں داخل ہونے والے شخص کو واپسی کی ہر اُمید ختم کر کے اندر قدم رکھنا چاہیے۔"

☆☆☆

"کیا وہ ابھی تک زیرِ علاج ہے؟" میوں جیسے چہرے والے شخص نے پوچھا۔ وہ کانچ کے ایک بے داغ ٹاپ والی میز کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا۔ عقب میں جزیرۂ فردوس خاموش اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس شخص کے سامنے کمپیوٹر لگا ہوا تھا جس کے بٹنوں کو وہ اپنی انگلیوں کی مدد سے کنٹرول کرتا تھا۔ یہ کمپیوٹر ایک طرح سے وفادار خادم تھا جسے وہ محض انگلی کے ایک اشارے سے اپنے کام میں لے آتا تھا۔

"نہیں... میں نے اُسے کھلے میدان میں گھاس پر لٹا دیا ہے تاکہ وہ دھوپ کی تمازت سے ہلاک ہو جائے۔ اسی طرح ہم حکومت کے کام کو ختم کر سکتے ہیں۔" سرگوش غرایا۔ اس کے چہرے سے یوں محسوس ہوتا تھا جیسے اعصابی تھکن نے اس کا پورا خون خشک کر کے جسم کو بالکل خالی اور بے کیف بنا دیا ہو۔ یہ تھکن اسے گزشتہ چار مہینوں میں ہوئی تھی۔ گڈالیوں سے جنگ میں گولیاں برسانے سے لے کر گزشتہ رات کے ہنگامے تک اور اب یونٹ کا چیف سرگوش، جو کہ فلکرافٹ کا واحد آدمی تھا، جسے معلوم تھا کہ یہ سب لوگ درحقیقت کس کے لیے کام کرتے ہیں۔ سرگوش سوچ رہا تھا کہ اب یہ کیتیا کا بچہ، جو اکاؤنٹ شیٹس اور کمپیوٹر میں اُلجھا رہتا ہے، اس سے پوچھ رہا ہے کہ آیا اُس نے شہزاد کی دیکھ بھال میں کوئی کمی تو نہیں چھوڑی۔

"تمہیں اس قدر چڑچڑا نہیں ہونا چاہیے۔ سرگوش! ہم سب ہی اعصابی کھنچاؤ کا شکار رہے ہیں۔" چیف بہرام نے کہا۔ "ہم تو ابھی تک جنگلوں سے باہر نہیں آئے۔ فی الحال تو ہمیں یہ بھی معلوم نہیں کہ ہمارا نیا مہمان ہمارے لیے کارآمد بھی ثابت ہوتا ہے یا نہیں۔ ہمارے مستقبل کی ساری سپر آرائی کا انحصار اب صرف اور صرف اسی ایک شخص شہزاد پر ہے جس کے لیے سرکاری نام ٹائیگر تجویز ہوا ہے۔"

بہرام کے پاس وضاحت کرنے کا فن تھا۔ وہ اس انداز میں سمجھاتا تھا کہ شخص اس کی باتوں کی تہ تک آسانی سے پہنچ جاتا تھا۔ اس نے سرگوش کو بھی سرسری لیکن مؤثر انداز میں سمجھانے کی کوشش کی تھی جب کہ اس کے چہرے پر کوئی تاثر نہ دیکھ کر سرگوش کا جی چاہا کہ وہ اپنے آنکھڑے کی پے در پے ضربوں سے بہرام کے کمپیوٹر کی دھجیاں اُڑا کر خود اُس کے چہرے کو بھی مسخ کر دے۔ یہ آنکھڑا وہ ہر وقت اپنے ہاتھ میں رکھنے کا عادی تھا۔ وہ اس خواہش کو عملی جامہ نہیں پہنا سکا۔ اس لیے جبراً اثبات میں سر کو جنبش دی اور کہا۔ "کیا اُسے بتا دیا جائے کہ یہ سب کچھ پانچ سال تک جاری رہے گا؟"

"اوہ، ہم دونوں ہی آج بہت خراب موڈ میں ہیں..." بہرام نے اپنے معمول کے مطابق پیشہ ورانہ انداز میں کہا لیکن سرگوش جانتا تھا کہ وہ اس کا مطلب خوب اچھی طرح سے سمجھ گیا ہے۔

پانچ سال... یہ جغرافیائی انتظام کا وقفہ تھا۔ پانچ سال تک مسلسل ایک ہی انداز میں زندگی بسر کرنا۔ یہ بات بہرام نے اسے پانچ سال پہلے کہی تھی جب ان دونوں نے سنٹرل انٹیلی جنس ایجنسی سے استعفیٰ دیا تھا۔ بہرام اس وقت بھی یہی بھورا سوٹ پہنے ہوئے تھا جو اس وقت اس کے جسم پر نظر آ رہا تھا۔ یہ سوٹ اس وقت بہت عجیب لگ رہا تھا کیوں کہ وہ جزیرۂ فردوس سے دس میل مشرق میں ایک موٹر لانچ میں تھے۔

"اس معاملے کو سرد پڑنے میں پورے پانچ سال لگ جائیں گے۔" بہرام نے کہا تھا۔ "یہ سب کچھ قوم کے تحفظ کے لیے ہے۔ اگر سب کچھ ٹھیک ٹھاک رہا تو قوم کو ہمارے بارے میں کبھی پتہ نہیں چلے گا کہ ہمارا کوئی وجود بھی ہے یا نہیں اور اس طرح آئینی حکومت بھی محفوظ ہو جائے گی۔ میں نہیں جانتا کہ صدرِ مملکت نے اس بات کی اجازت دی ہے یا نہیں۔ میرا رابطہ صرف ایک

شخصیت سے قائم ہے جس کے بارے میں تمہیں بتانے کی اجازت نہیں ہے۔ بہرحال، میں بذاتِ خود تمہارا رابطہ ہوں۔ میرے علاوہ تمہارا کسی سے کوئی تعلق نہیں۔ باقی سب لوگ تمہارے لیے بہرے، گونگے اور اندھے ہیں۔"

"مطلب کی بات کرو۔" سرگوش نے کہا۔ اس نے بہرام کو پہلے کبھی اس قدر بدحواس نہیں دیکھا تھا۔

"میں نے تمہارا انتخاب اس لیے کیا ہے کہ معاشرے سے تمہارا تعلق نہ ہونے کے برابر ہے۔ تم اپنی بیوی سے نجات حاصل کر چکے ہو اور تمہارا کوئی عزیز یا رشتے دار نہیں ہے۔ تم میں معمولی سی خرابیوں کے علاوہ کوئی قابلِ ذکر برائی نہیں ہے۔ اس طرح تم میں ایک کامیاب ایجنٹ بننے کی تمام خوبیاں موجود ہیں۔"

"یہ تفصیل غیر ضروری ہے۔ بتاؤ تمہیں کرنا کیا ہے؟"

بہرام نے کف اڑاتی ہوئی لہروں پر نگاہ گاڑ دی۔ "ہمارا ملک بڑی مصیبت میں گرفتار ہے۔" اُس نے جواب دیا۔

"یہ ملک ہمیشہ ہی کسی نہ کسی مصیبت میں مبتلا رہتا ہے۔ یہ کوئی نئی بات تو نہیں۔"

بہرام نے اس کی بات نظر انداز کر دی۔ "ہم جرائم پر قابو نہیں پا سکتے۔ یہ ایک سادہ سی حقیقت ہے۔ اگر ہم بھی آئین کے مطابق اپنی زندگی گزارنا شروع کر دیں تو ہمارے ہاتھ کبھی مجرموں تک نہیں پہنچ سکتے۔ خاص طور سے منظم جرموں سے نمٹنا بہت مشکل ہے۔ قانون اُن کے سامنے بے اثر ہو جاتا ہے اور مجرموں کو قانون پر بالادستی حاصل ہو گئی ہے۔"

"اس سلسلے میں ہمارا تعلق کہاں سے نکل آیا؟"

"یہ ہمارا کام ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ قوم کو لوٹنے والے ان مجرموں کی روک تھام کریں۔ پولیس اس سلسلے میں ناکارہ ثابت ہو چکی ہے۔ اب صرف ہم دونوں ہی باقی رہ گئے ہیں جو اُن مجرموں پر قابو پا سکتے ہیں جنہوں نے پوری قوم کو ہڑپ کرنے کا تہیہ کر رکھا ہے۔"

سرگوش خاموشی سے اُسے گھورتا رہا۔

"ہم نے جو تنظیم بنائی ہے اس کا نام "چارہ گر" ہے۔ فلکرافٹ فاؤنڈیشن کے زیرِ اہتمام کام کرنے والا ایک نفسیاتی اسپتال ہے... لیکن ہمیں مجرموں کو اس اسپتال میں لا کر اُن کا علاج نہیں کرنا بلکہ ہم ملک بھر میں پھیل کر منظم گروہوں کو توڑیں گے۔ ہم سب کچھ کر گزریں گے... عام مجرموں کی طرح ہم جرم کریں گے لیکن اپنے ملک اور قوم کے مفاد میں... ہم قتل کریں گے۔ قمار بازی میں حصہ

لیں گے اور ہر وہ کام کریں گے جو اس وقت مجرموں کے گروہ کر رہے ہیں؟"

سرگوش نے بہرام کی آنکھوں میں نمی دیکھی۔ اُسے ملک سے بے پناہ محبت تھی۔ خود سرگوش کا دل بھی حبُ الوطنی کے جذبے سے سرشار تھا۔ اس سے پہلے سرگوش نے کبھی بہرام کی آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھے تھے۔ پہلے وہ حیران ہوتا تھا کہ آخر بہرام کو کس چیز نے اس حد تک جذباتی بنا دیا ہے... لیکن اب صورتِ حال اس کے سامنے بے نقاب ہو گئی تھی۔

"مجھے افسوس ہے، بہرام!" سرگوش نے کہا۔ "لیکن ہمارے سامنے کوئی راستہ نہیں ہے۔"

"کیوں نہیں ہے؟"

"کیوں کہ میں جانتا ہوں کہ اس نفسیاتی اسپتال کے بارے میں جسے بھی کچھ معلوم ہو جاتا ہے، وہ موت کے منہ میں پہنچ جاتا ہے یا پھر اُسے کسی ویران جزیرے میں بھوک اور پیاس سے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرنے کے لیے چھوڑ دیا جاتا ہے۔ نہیں، بہرام! میں اس معاملے میں حصہ نہیں لے سکتا۔"

"تم اس معاملے میں شامل ہو چکے ہو۔" بہرام نے سختی سے کہا۔ "مجھے افسوس ہے کہ ایسا ہو چکا ہے۔"

"نہیں، یہ غلط ہے۔"

"اب تم زندہ حالت میں اس معاملے سے کنارہ کشی نہیں کر سکتے۔"

"حالانکہ تم جانتے ہو کہ میں ابھی اور اسی وقت تمہیں اُٹھا کر سمندر کی لہروں کے سپرد کر سکتا ہوں۔" سرگوش نے زہریلے انداز میں کہا۔ "یہ سب کچھ تو بہت پہلے ہو چکا ہے تم مجھے قتل کر دو یا میں تمہیں قتل کر دوں۔ کیا ایسا ممکن نہیں کہ خون نہ بہایا جائے؟"

"صرف اندرونی اسٹاف اس سے متبرا قرار دیا جا سکتا ہے۔" بہرام نے جواب دیا۔ اس کا ہاتھ اپنی جیکٹ کی جیب میں کچھ ٹٹولنے میں مصروف تھا۔

"کیا صرف پانچ سال...؟" سرگوش نے پوچھا۔

"ہاں — صرف پانچ سال۔"

"اس کے باوجود اب بھی میرے ذہن میں یہ ہے کہ ہماری ہڈیاں کسی ویران جزیرے کی ریت میں شامل ہو جائیں گی۔"

"اصل کام صرف ہم دونوں کے درمیان ہوگا۔ باقی لوگ اس حقیقت سے بے خبر اپنے اپنے کام کرتے رہیں گے۔ ٹھیک ہے نا...؟"

**

اس مشن میں طے شدہ پانچ سالوں سے زیادہ عرصہ بیت گیا۔ "چارہ گر" کے چیف بہرام نے دیکھا کہ جرائم ان کی توقع سے کہیں زیادہ ہیں۔ دارالحکومت میں جو مشکوک لوگ تھے، مجرموں کے گروہ درحقیقت ان سے کہیں زیادہ منظم اور طاقت ور تھے۔ تمام کی تمام انڈسٹری، لیبر یونین، پولیس کے محکمے حتیٰ کہ حکومت کے بعض دیگر اہم شعبے بھی کسی نہ کسی گروہ کے زیرِ اثر تھے۔ سیاسی اجتماعوں میں رقم جمع ہوتی تھی اور محرم اس رقم کو حاصل کر لیتے تھے۔ اوپر سے "چارہ گر" کا نام آیا اور حکم ملا کہ اس غیر سرکاری تنظیم کی سرگرمیوں کو جاری رکھا جائے۔ یہ تنظیم بظاہر تو ایک مجرم تنظیم تھی لیکن حکومت اس کی پشت پناہی کر رہی تھی۔ گویا اس تنظیم کو اپنی مجرمانہ سرگرمیوں سے دوسری مجرم تنظیموں پر سبقت لے جانا تھی۔ اس طرح بظاہر تو سب کچھ مجرموں کے ہاتھ رہتا لیکن درحقیقت یہ تنظیم ملک دشمن جڑیں مضبوط کرتی چلی جاتی جب کہ اس وقت صورتِ حال بالکل الٹ تھی۔ حکومت درپردہ مجرموں کے ہاتھ میں تھی اور وہ دونوں ہاتھوں سے سب کچھ لوٹ رہے تھے۔

فلکرافٹ میں سینکڑوں ایجنٹوں کو ٹریننگ دی گئی۔ ان میں سے ہر ایک کسی نہ کسی خاص کام کے بارے میں مہارت رکھتا تھا۔ ... لیکن کسی کو بھی اپنے کام کے مقصد کا علم نہیں تھا۔ ان میں سے بعض کو ملک بھر میں حکومت کی ایجنسیوں میں تعینات کر دیا گیا۔ وہ عام ایجنٹوں، ٹیکس یا فوڈ انسپکٹروں کے روپ میں معلومات ہی معلومات حاصل کرتے رہتے تھے۔

ایک خاص گروہ ترتیب دے کر قمار خانوں، شراب خانوں اور بازارِ حسن میں متعین کر دیا گیا۔ ان ایجنٹوں کو فوری طور پر کام نکالنے کے لیے رشوت دینے کا حکم تھا اور یوں وہ بڑی سے بڑی رقم خرچ کرنے کے بھی مجاز تھے۔ شراب خانے کی تیلیوں، آوارہ گردوں، طوائفوں حتیٰ کہ غیر اہم ٹکرکوں تک سے "چارہ گر" کو خبریں موصول ہوتی رہتی تھیں اور ان کو خود بھی معلوم نہیں ہوتا تھا کہ وہ جو کچھ کر رہے ہیں اس کا مقصد کیا ہے اور وہ یہ سب کچھ کس لیے کر رہے ہیں۔ چند الفاظ، چند کرنسی نوٹوں کے عوض حاصل ہوں یا ہزار ہا روپے خرچ کر کے بس یہ معلومات جمع ہوتی جا رہی تھیں اور ملک بھر میں اَن گنت لوگ کرنسی نوٹوں کے عوض غیر ارادی طور پر معلومات فروخت کر رہے تھے۔ دارالحکومت کے ایک سٹے باز گروہ کے ممبر نے جب ایک بڑی رقم کے عوض یہ بتایا کہ اس کا باس کس انداز میں کام کرتا ہے تو اس کے ذہن میں صرف یہی خیال آیا تھا کہ وہ کسی مخالف گروہ کو معلومات فروخت کر رہا ہے حالانکہ یہ سب کچھ بالآخر "چارہ گر" کے کمپیوٹر میں جمع ہوتا جا رہا تھا۔

جزیرۂ فردوس کا ایک مزدور جوگاڑیاں دھکیلنے کا کام کرتا تھا اُسے کبھی کسی عدالت نے سزا نہیں سُنائی تھی حالانکہ اس کو کئی بار گرفتار کیا گیا تھا۔ یہ شخص ہمیشہ ایسے سکوں سے جیب بھر کر رکھتا تھا جن کی مدد سے فون کی لمبی لمبی کالیں کی جا سکتی ہوں۔

بدمعاشوں کے شہر سہراب گڑھ کی یونین میں ایک نوجوان وکیل ہمیشہ مقدمات جیت جایا کرتا تھا حتیٰ کہ تین سو صفحات پر مشتمل ایک پُراسرار رپورٹ انٹیلی جنس تک پہنچی جس کی مدد سے عدلیہ اس قابل ہو گئی کہ یونین کے لیڈروں پر مقدمہ چلایا جا سکے۔ وہ وکیل جو پہلے ان لیڈروں کے لیے دُھواں دار بحث کیا کرتا تھا یکایک مضمحل اور نسبتہً کم ذہین نظر آنے لگا۔ حتیٰ کہ بعض لیڈروں کو سزائے موت ہو گئی۔ اس سے پہلے کہ یونین کے گرگے اس وکیل کو کسی انتقامی کارروائی کا نشانہ بناتے۔ وہ وکیل اچانک ہی غائب ہو گیا اور اس کے بعد تلاشِ بسیار کے باوجود بھی نہ آ سکا۔ اسی طرح معلومات کے کروڑوں الفاظ روزانہ "چارہ گر" تک پہنچتے تھے اور ملک بھر میں ہونے والے ہر معاملے میں خواہ وہ کتنا ہی معمولی یا غیر اہم کیوں نہ ہو اس میں "چارہ گر" نامی اس خفیہ تنظیم کا ہاتھ ضرور ہوتا تھا۔

فلکرافٹ میں کلرکوں کی ایک پوری فوج تھی اور ان میں سے ہر ایک یہی سمجھتا تھا کہ وہ حکومتِ داخلی امور کا ملازم ہے۔ وہ ان معلومات کو ریکارڈ کرتے رہتے تھے۔ فلکرافٹ اتنا بڑا تھا کہ اس کے رقبے کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ اس میں ایک دُور افتادہ حصے میں بڑے بڑے کمپیوٹروں میں حقائق پر مبنی معلومات کو ریکارڈ کیا جاتا ہے اور کمپیوٹر وہ کچھ کر رہے تھے، جو کسی آدمی سے ممکن نہیں تھا۔

... اس طرح آہستہ آہستہ بڑے بڑے جرائم کا پردہ چاک ہوتا جا رہا تھا اور پھر قانون نافذ کرنے والے اداروں کو ایک خفیہ اشارہ مل جاتا جس سے وہ مجرموں کا قلع قمع کرتے جا رہے تھے۔ "چارہ گر" نامی یہ تنظیم وہاں کارآمد ثابت ہوتی جہاں قانون بے بس ہو جاتا تھا۔ وہ گروہ ایک معاملے میں کشاکش کرتے تو ایک تیسرا خفیہ گروہ ان پر سبقت لے جاتا اور وہ دونوں گروہ منہ دیکھتے رہ جاتے تھے۔ لیکن یہ ایک سُست رفتار طریقۂ کار تھا۔ جان لیوا حد تک سُست رفتار ... جس سے چارہ گر کا چیف بہرام مطمئن نہیں تھا۔

***

گزشتہ پانچ سال سے اس روز دو بجے سہ پہر تک معمول میں کوئی فرق نہیں آیا۔ موسمِ بہار کی ایک صبح جب سرگوش اپنے بستر پر سونے کی کوشش کر رہا تھا تو بہرام نے اس کے فلکرافٹ میں واقع کمرے کے دروازے پر دستک دی۔ "تم جو کوئی بھی ہو، اس کمرے سے دُور ہی رہو۔" سرگوش نے دستک سُنتے ہی چیخ کر کہا کیوں کہ کام کرتے کرتے اس کے اعصاب تباہ ہو گئے تھے اور وہ بے حد چڑچڑا ہو گیا تھا۔

دروازہ آہستہ آہستہ کھلا اور ایک ہاتھ سانپ کی طرح لہراتا ہوا روشنی کے سوئچ کی طرف بڑھا۔ سرگوش اس وقت زیرِ جامے میں ملبوس نارنجی بیگ سے ٹیک کر بیٹھا ہوا تھا۔ "اوہ، تو یہ تم ہو۔" اُس نے خشک لہجے میں کہا اور چندھیائی ہوئی آنکھوں سے بہرام کو گھورنے لگا جو کمرے کی روشنی میں اب صاف دکھائی دے رہا تھا۔ وہ ہمیشہ کی طرح اپنے بھورے سُوٹ میں ملبوس نظر آ رہا تھا۔

"تمہارے پاس ایسے بھورے سُوٹوں کی تعداد کتنی ہے بہرام؟"

"سات۔" بہرام نے جواب دیا۔ "اور اب ذرا ہوش میں آ جاؤ، ایک اہم معاملہ درپیش ہے۔"

"تمہارے لیے کیا کچھ اہم نہیں ہے۔" سرگوش نے زہریلے لہجے میں کہا۔ "کاغذ کے کلپ، کاربن پیپر اور کاٹھ کباڑ سبھی کچھ تمہارے نزدیک اہم ہے۔"

بہرام نے فوری طور پر کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ گہری نگاہوں سے کمرے کی ایک ایک چیز کو گھور رہا تھا۔ کمرے میں مختلف تصویریں آویزاں تھیں۔ آٹھ فٹ اونچی ایک الماری تھی جس میں شراب کی بوتلیں سجی ہوئی تھیں۔ بہرام کی نگاہ فرش پر بکھرے ہوئے تکیوں سے ہوتی ہوئی سرگوش کے گلابی زیرِ جاموں پر ٹھہر گئیں۔

"جیسا کہ تم جانتے ہو کہ دارالحکومت میں ہمارے لیے کچھ مسائل پیدا ہو گئے ہیں۔ اب تک ہمارے سات آدمیوں کو ٹھکانے لگایا جا چکا ہے اور ہم ان میں سے کسی ایک کی بھی لاش دریافت کرنے میں کامیاب نہیں ہوئے۔ میکس وِل نامی ایک شخص ہمارے لیے سب سے بڑا مسئلہ ہے لیکن اس تک پہنچنے کے لیے ابھی تک ہم کچھ نہیں کر سکے۔"

"کیا واقعی! یہ ایک دلچسپ بات ہے۔ میں حیران ہوں کہ آخر ان سب لوگوں کو کیا ہو گیا ہے۔ میں بھی سوچ رہا تھا کہ آخر وہ آس پاس دکھائی کیوں نہیں دیتے۔"

"جب تک ہمارا اینالسٹ تیار نہیں ہو جاتا، ہمیں دارالحکومت

میں بڑی بے بسی کا سامنا کرنا پڑے گا۔"

"مزید چارہ ڈال دو۔"

"اس مرتبہ نہیں۔" بہرام نے اپنے عقب میں دروازہ بند کرتے ہوئے کہا۔ "ہمیں اجازت مل گئی ہے کہ ہم اعلا ترین افراد کی ٹیم تیار کریں۔ اس سلسلے میں نہایت احتیاط سے انتخاب کرنا ہوگا... اور اس طرح جو بھی شخص تربیت حاصل کرلے کے بعد سرگرم عمل ہوگا اُسے گویا قتل کرنے کا لائسنس دے دیا جائے گا۔"

سرگوش یہ سُن کر اچھل پڑا۔ اس نے بوتل نیچے رکھ دی تھی۔ "یہ بُری بات ہے۔" اس نے کہا۔ "مجھے صرف پانچ آدمی دے دو۔ ہم سب سے پہلے تمہارے اس میکس ویل سے نمٹ لیں گے اور اس کے بعد تک بھریں موجود ناپسندیدہ افراد کا صفایا ہو جائے گا۔"

"صرف ایک آدمی۔" بہرام غرّایا۔ "اس ہفتے تم اُس کو تربیت دو گے اور تیس یوم کے اندر اندر اس کا پروگرام مرتب کرو گے۔"

"تم شاید پاگل ہو گئے ہو۔" سرگوش تکیے سے اچھل کر فرش تک پہنچا اور بے چینی سے ٹہلنے لگا۔ "تم واقعی پاگل ہو گئے ہو۔ ایک آدمی... صرف ایک آدمی... کیا واقعی صرف ایک آدمی یہ سب کچھ کر گزرے گا؟"

"ہاں..." بہرام نے مختصر جواب دیا۔

"آخر تم نے ہم سب کو اس معاملے سے کیسے نتھی کر لیا؟"

"تم جانتے ہو کہ اس سے پیشتر ہم نے کبھی کسی ایسے آدمی کا انتخاب نہیں کیا کیونکہ اُوپر والے خوفزدہ رہتے تھے۔ وہ اب بھی خوفزدہ ہیں لیکن ان کا خیال ہے کہ صرف ایک آدمی اُن کے لیے زیادہ خطرناک ثابت نہیں ہو سکتا اور نہ ہی کوئی تنہا شخص زیادہ نقصان کا باعث بن سکتا کیوں کہ اس فردِ واحد کو جب بھی چاہیں میں آیا، اپنی جگہ سے ہٹایا جا سکتا ہے۔"

"تمہارا خیال درست ہے کہ کوئی تنہا شخص زیادہ نقصان نہیں پہنچا سکتا لیکن میرا خیال ہے کہ کوئی تنہا شخص زیادہ فائدہ مند بھی ثابت نہیں ہو سکتا... اور وہ کسی بھی وقت ناکارہ ہو سکتا ہے۔"

"ایسی صورت میں تم کسی دوسرے کی تربیت شروع کر سکتے ہو۔"

"گویا تمہیں کوئی آدمی نہیں بلکہ کسی انسانی کردار کی ضرورت ہے۔" سرگوش غرّایا۔ اُس نے ایک بوتل اُٹھائی اور پوری قوت سے دیوار کی طرف پھینکی۔ بوتل کسی اور چیز سے ٹکرائی اور لوٹے بغیر قالین پر گر گئی۔ یہ دیکھ کر سرگوش کا غصہ مزید بڑھ گیا۔

"لعنت ہو تم پر بہرامی! کیا تمہیں قتل و غارت گری کے بارے میں بھی کچھ معلوم ہے؟"

"میں اس سے پہلے بھی ایسے منصوبوں میں شامل رہا ہوں۔"

"کیا تمہیں معلوم ہے کہ منتخب شدہ پچاس آدمیوں میں سے غالباً ایک آدمی اس معیار پر پورا اترے گا جو تم ذہن میں لیے گھوم رہے ہو۔"

"جسے بھی منتخب کرو، وہ ہمارے مقصد پر پورا اترنا چاہیے۔" بہرام نے پُرسکون لہجے میں حکم دیا۔

"ہاں... ایسے... ایسا ہی ہونا چاہیے۔"

"تمہیں اس شخص کی تربیت کے لیے اعلا ترین سہولتیں فراہم کی جائیں گی۔ اس سلسلے میں بجٹ لامحدود ہوگا۔ تمہیں مرضی کے مطابق اساتذہ فراہم کیے جائیں۔"

سرگوش کا موڈ پُرنیم دراز ہو گیا۔ "بیس ست کم اساتذہ ناکافی ہوں گے۔"

"آٹھ۔" بہرام نے کہا۔

"پندرہ اساتذہ۔" سرگوش غرّایا۔

"نو۔"

"گیارہ اساتذہ۔" سرگوش چیخ پڑا۔

"دس۔"

"گیارہ۔" سرگوش نے اصرار کیا۔ "جسمی جنگ، حملے، جگر چیرنے والے اسلحہ کو ڈیزائن اور نفسیات جیسے موضوعات کو ذہن میں رکھو گے اور ماہرین سے کم میں بات نہیں بنے گی۔ سب کے سب پورے وقت کے ملازم ہوں گے اور چھ ماہ کا معاہدہ ہر ایک سے کرنا ضروری ہے۔"

"گیارہ ماہرین اور مدت صرف تین ماہ۔"

"پانچ مہینے۔" ایک بار پھر لڑائی شروع ہو گئی۔

"ٹھیک ہے گیارہ ماہرین اور پانچ مہینے کی مہلت۔" بہرام نے کہا۔ "کیا تم کسی ایسے ایجنٹ کو جانتے ہو جو اس معیار پر پورا اتر سکے؟ کیا ایٹمی جنس میں کوئی شخص ہے؟"

"جیسا میں نے تمہیں چاہیے ویسا تو ہرگز نہیں ہے۔"

"ایسا آدمی تلاش کرنے کے لیے تمہیں کتنی مہلت درکار ہے...؟"

"شاید میں کبھی کوئی ایسا آدمی تلاش نہ کر سکوں۔" سرگوش نے الماری میں نئی بوتل ٹٹولتے ہوئے جواب دیا۔ "قاتل بنائے نہیں جاتے بہرامی! وہ پیدائشی طور پر قاتل ہوتے ہیں۔"

"مجھے اس کے ہونق، کلرک ٹائپ انداز... نرفیکہ جنگ کے دوران

ہر شخص قاتل بن جاتا ہے۔"

"وہ قاتل نہیں بن جاتے بہرامی!... بلکہ انہیں فوراً ہی یہ احساس ہو جاتا ہے کہ وہ درحقیقت پیدائشی قاتل تھے۔ یہی وجہ ہے کہ تم ان کو ہر وقت مسلح حالت میں نہیں دیکھتے۔ بعض اوقات جب ان لوگوں سے کسی کو تشدد کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو وہ اس سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں کیوں کہ انہیں معلوم ہوتا ہے کہ وہ درحقیقت کیا ہوتے ہیں۔ اُس نہ پینے والے کی طرح جو کبھی کبھار ایک آدھ جام پی لیتا ہے لیکن درحقیقت اُسے معلوم ہوتا ہے کہ شراب کیا ہوتی ہے ایسا ہی معاملہ قتل کا بھی ہے۔" یہ کہہ کر سرگوش نے دائیں بائیں پستول لہرائیں اور ایک نئی بوتل کھولنے لگا۔ اُس نے بہرام کی طرف ہاتھ لہرایا جیسے اشارے سے اُسے چلے جانے کے لیے کہہ رہا ہو۔ "میں تمہاری پسند کا آدمی تلاش کرنے کی کوشش کروں گا۔"

اگلے روز بہرام اپنے دفتر میں بیٹھا ہوا اسپرین کی تیسری گولی حلق سے اتار رہا تھا کہ آندھی اور طوفان کی طرح دروازہ کھول کر سرگوش اندر آ گیا۔ وہ کھڑکی کے سامنے جا کھڑا ہوا اور اُسے گھورنے لگا۔

"کیا چاہتے ہو؟" بہرام غرّایا۔

"میرا خیال ہے، میں اس آدمی کو تلاش کرنے میں کامیاب ہو گیا ہوں۔"

"کون ہے وہ... اور کیا کرتا ہے؟"

"معلوم نہیں... میں نے اُسے ایک بار جنگ کے دوران دیکھا تھا۔"

"اسے حاصل کرو۔" بہرام نے کہا۔ "اور تم یہاں سے دفعان ہو جاؤ۔" اُس نے اسپرین کی ایک اور گولی اپنے حلق میں اُتار لی۔ جب سرگوش دروازے کی طرف بڑھا تب اُس نے سرسری انداز میں پکارا۔ "اوہ! ایک نئی مصیبت۔ اوپر والوں نے ایک اور خواہش ظاہر کی ہے۔"

سرگوش نے چونک کر اُس کی طرف دیکھا۔ "کیا مطلب؟"

"اُس آدمی کا کوئی وجود نہیں ہونا چاہیے۔" بہرام نے کہا۔

سرگوش کا ہاتھ فوراً اپنی کھوپڑی کے عقبی حصے پر پہنچ گیا۔ وہ ہونقوں کی طرح منہ پھاڑے بہرام کو گھور رہا تھا۔

"ہاں... اس کا کوئی وجود نہیں ہونا چاہیے۔ کسی کو اُس کا سراغ نہ مل سکے۔ ایک ایسا آدمی جس کا دُنیا کی نگاہوں میں کوئی وجود نہ ہو، اور وہ ایک ایسی انجن کے لیے ریزرو کرنا ہو جس کا کوئی وجود نہیں۔" یہ کہہ کر اُس نے سرگوش کی طرف دیکھا...

"کوئی سوال؟"

سرگوش نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا... پھر ارادہ ترک کر دیا اور دروازے سے نکل آیا۔

اس کام میں چار مہینے صرف ہو گئے اور اب چارہ گر کے ہیڈ کوارٹر فلکرافٹ میں ایک ایسا شخص موجود تھا جس کا دُنیا کی نگاہوں میں کوئی وجود نہیں تھا اور جسے ایک رات قبل موت کی کرسی پر سزائے موت دی گئی تھی۔

☆☆☆

شہزاد نے ہوش میں آنے کے بعد جو سب سے پہلی چیز دیکھی، وہ پُراسرار درویش کا چہرہ تھا جو اُس پر جھکا ہوا مسکرا رہا تھا۔ اس چہرے پر درویشی چمک رہی تھی۔ شہزاد نے پلکیں جھپکائیں لیکن چہرہ اس کے سامنے سے غائب نہیں ہوا بلکہ وہیں موجود رہا۔ بارہ بیش آدمی اب بھی اُس کی طرف دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔

"یوں محسوس ہوتا ہے جیسے ہمارا یہ برخوردار ہوش میں آ گیا ہے۔" پُراسرار مُلّا کے ہونٹوں سے آواز نکلی۔

شہزاد کے حلق سے ہلکی سی کراہ نکل گئی۔ اُس کے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے پڑ گئے تھے۔ اُس کی کلائیوں اور ٹخنوں کے اُن مقامات میں بے پناہ تکلیف ہو رہی تھی جہاں بجلی کے اسٹرپ لگائے گئے تھے۔ اس کا حلق خشک تھا اور زبان اسفنج کی طرح پھول گئی تھی۔ دفعتہً اُس کے معدے سے ایک اُبکائی نے جنم لیا اور اس کے جذبات دل و دماغ پر حاوی ہو گئے۔ اُسے یوں محسوس ہوا جیسے وہ تے کر رہا ہو لیکن منہ سے کچھ نہیں نکلا۔ کمرے کی فضا میں ایتھر کی بُو رچی ہوئی تھی۔ وہ ایک میز پر دراز تھا۔

اُس نے سر گھما کر دیکھنے کی کوشش کی کہ وہ کہاں ہے.... گردن گھماتے ہی درد کی لہر نے اُسے چیخنے پر مجبور کر دیا۔ اُسے اپنی کھوپڑی پھٹتی ہوئی محسوس ہونے لگی۔ اس کی کنپٹیاں سلگ اُٹھی تھیں۔ اُس نے جلدی سے آنکھیں بند کر لیں۔ کانوں میں تیز جھکڑوں کی آواز گونجنے لگی تھی۔ اُس نے دوبارہ کراہ کر گہری سانس لی اور کلمۂ شکر ادا کیا کہ وہ سانس لینے کے تو قابل ہے۔ اُس کا مطلب تھا کہ وہ زندہ ہے۔

وہ اسے مالیخولیا سے پہاڑ کے لیے مسکن ادویات دیں گے۔" ایک اور آواز اُس کے کانوں سے ٹکرائی۔ "چند ہی روز

میں یہ بالکل ٹھیک ہو جائے گا۔"

"اور اگر مسکن ادویات نہ دی جائیں تو یہ کب تک ٹھیک ہو سکتا ہے؟" پُراسرار مُلّا کی ٹھوس آواز سُنائی دی۔

"پانچ یا چھ گھنٹوں میں، لیکن یہ شدید کرب میں مُبتلا ہو جائے گا۔ مسکن دواؤں سے اسے سکون محسوس ہوگا اور....."

"کوئی مسکن دوا نہیں دی جائے گی۔" مُلّا کی غراہٹ سُنائی دی۔

دفعتہً شہزاد کو یوں محسوس ہوا جیسے اُس کی کھوپڑی میں کسی نے نوکیلے پنجوں سے مالش شروع کر دی ہو۔ وہ ایک بار پھر کراہنے پر مجبور ہو گیا۔ عجیب سی آوازیں اُس کے کانوں میں گونجنے لگیں۔ اُس کا خیال تھا کہ وہ اس حالت میں برسوں سے مبتلا ہے لیکن نرس نے اُسے بتایا کہ ہوش میں آنے کے بعد اس نے صرف چھ گھنٹے اس کربناک حالت میں گزارے ہیں۔ اب اس کی سانس معمول پر آ گئی تھی۔ اس کے ہاتھ پاؤں بھی قدرے گرم ہو گئے تھے اور وہ انہیں تھوڑی بہت حرکت بھی دے سکتا تھا۔ لیکن چند ہی لمحوں کے اس فرحت بخش احساس کے بعد اُس کی کنپٹیاں دوبارہ سُلگ اٹھیں اور اُسے کلائیوں کے علاوہ ٹخنے بھی چٹختے ہوئے محسوس ہونے لگے۔ اس بار وہ ہوش میں آیا تو سفید دیواروں والے ایک کمرے میں نرم بستر پر دراز تھا۔ دائیں سمت میں ایک کھلی کھڑکی سے سہ پہر کے سورج کی کرنیں اُس کے جسم تک پہنچ رہی تھیں۔ کھڑکی سے باہر خزاں رسیدہ پودے نرم نرم ہوا کے جھونکوں سے جھوم رہے تھے۔ شہزاد کو شدید بھوک کا احساس ہو رہا تھا وہ کلمۂ شکر ادا کر رہا تھا کہ زندہ اور سلامت ہے لیکن اب اُسے شدید بھوک لگ رہی تھی۔ اُس نے اپنی کلائیوں کو رگڑا اور پھر پہلے چہرے والی نرس کی طرف متوجہ ہوا جو اُس کے پیروں کی طرف ایک کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی۔ "کیا میں کچھ کھا سکتا ہوں؟"

"پینتالیس منٹ سے تو کچھ نہیں کھایا تم نے۔" نرس کی آواز میں بھی پتھر جیسا ہی تاثر تھا۔

نرس کی خوبصورتیاں تو کہیں بھاگ گئی تھیں۔ اس کا چہرہ سخت اور تحقیر آمیز سا تنا ہوا تھا۔ اس کے مرتعش جیسے ہاتھ میں کوئی انگوٹھی بھی نہیں تھی لیکن اس کے مخروطی اور بھاری سینے نے سفید یونیفارم کو خوب بھر رکھا تھا۔ اُس نے ٹانگوں کو گھٹنوں سے آر پار رکھا ہوا تھا۔ اتنا ہی شہزاد کو محسوس ہوا تھا کہ اس کی عمر سولہ سال سے زیادہ نہیں ہے۔ نرس نے ایک فیشن میگزین اُٹھایا اور اُسے یوں چہرے کے سامنے تان لیا جیسے پڑھنے سے زیادہ اپنی روپوشی مقصود ہو۔ کچھ دیر بعد اُس نے ٹانگوں کی پوزیشن بدلی اور میگزین رکھ کر کھڑکی سے باہر گھورنے لگی۔

شہزاد نے اپنی شرٹ کو ٹھیک کیا اور بستر پر اُٹھ بیٹھا۔ اُس نے کندھوں کو ڈھیلا چھوڑ دیا۔ یہ عام اسپتالوں جیسا ہی ایک کمرہ تھا۔ ایک بستر، ایک کرسی، ایک نرس، ایک الماری اور ایک کھڑکی۔ سوائے اس کے کہ نرس جوان اور حسین نہیں تھی اور کمرے کی کھڑکی میں نہایت باریک شیشے کی چادر لگی ہوئی تھی..... اُس نے ہتھیلیاں اپنی گردن کے پیچھے رکھا اور ٹانگ شرٹ کو ہائیں کندھے تک پشت سے اٹھا لیا۔ اس قمیص پر کوئی لیبل نہیں تھا۔ نرس توجہ نہ دے تو اندر میں دوبارہ لیٹ گیا اور آنکھیں بند کر لیں۔ فی الوقت دل بہلانے کے لیے یہ احساس کافی تھا کہ وہ زندہ ہے اور ایک آرام دہ بستر پر دراز ہے۔

اچانک کسی کے چیخنے کی آواز سُنائی دی۔ اُس نے چونک کر آنکھیں کھول دیں۔ وہ پُراسرار درویش اپنے آنکھ سمیت نرس اور دو ڈاکٹروں کے ساتھ کمرے میں موجود تھا۔

"اگر اس شخص کو دو ہفتوں تک ہماری بتائی ہوئی غذا کے علاوہ کچھ کھانے کے لیے دیا گیا تو میں اس کی صحت کا ذمے دار نہیں ہوں۔" ایک ڈاکٹر نے چیخ کر کہا۔

نرس اور دوسرے ڈاکٹر نے اثبات میں سر ہلا کر اپنے ساتھی کی تائید کر دی۔

صاحب درویش اس وقت اپنے مخصوص لبادے میں نہیں تھا بلکہ اُس نے قرمزی سوئیٹر اور بھوری پتلون پہن رکھی تھی۔ اُس کے چہرے سے یوں محسوس ہوتا تھا جیسے ڈاکٹروں کی چیخ و پکار اس پر اثر انداز نہ ہو رہی ہو۔ اُس نے اپنے آنکھ کا کانٹا لوہے کے پلنگ پر ٹکا دیا۔ "اور میرا کہنا ہے کہ تم پر سرے سے کوئی ذمے داری عائد ہی نہیں ہوتی۔ میں ذمے دار ہوں۔ یہ عام آدمیوں کی طرح سب کچھ کھائے گا۔"

"اور پھر کتے کی موت مر جائے گا۔" نرس جھلا کر بولی۔

درویش صورت شخص مُسکرانے لگا۔ اُس نے آنکھ سے نرس کی ٹھوڑی پر خفیف سی چوٹ لگائی۔ "شریر بڑھیا۔ تم مردوں کے بارے میں کیا جانتی ہو؟"

نرس نے جواباً اُس کے آنکھ کو ٹھوڑی سے پرے دھکیل دیا۔

"اگر اس شخص کو ہماری تجویز کی ہوئی غذا کے علاوہ کچھ کھانے

کو دیا گیا تو میں سیدھا فلکرافٹ کے چیف بہرام کے پاس پہنچ جاؤں گا۔" ایک ڈاکٹر نے دھمکی دی۔

"اور میں بھی شکایت کے لیے اس کے ساتھ ہی جاؤں گا۔"... دوسرے ڈاکٹر نے کہا۔

نرس نے بھی اُن کی حمایت میں سر کو اثبات میں حرکت دی۔

درویش صورت شخص سرگوش نے مضمحل خیز انداز میں سر کو مثبت جنبش دی اور بولا۔ "ٹھیک ہے تم ابھی اور اسی وقت جا سکتے ہو۔" وہ باری باری ان سب کو دروازے کی طرف دھکیلنے لگا۔ "بہرام کو میرا سلام ضرور کہہ دینا۔" وہ غصے میں بہرام کو بہرامی کہا کرتا تھا۔

جب وہ تینوں چلے گئے تو سرگوش نے دروازہ اندر سے مقفل کر لیا۔ اُس نے کھانے کی متحرک میز پر سے گھسیٹی اور مریض کے بستر کے قریب لے آیا۔ اُس نے نرس کی کرسی کھینچ لی اور اس پر بیٹھ گیا۔ ٹرے سے کپڑا اُٹھا کر اُس نے کھانے کا ایک برتن بے نقاب کر دیا۔ اُس میں بھُنی ہوئی چار مچھلیاں رکھی تھیں مکھن اور سُرخ مرچوں سے ان مچھلیوں کو لتھڑ کر وہ شہزاد کی طرف متوجہ ہوا جو خاموشی سے اُس کی پُراسرار حرکات کا جائزہ لے رہا تھا۔

"میرا نام سرگوش ہے..." اس نے بڑی لگاوٹ سے کہا۔

شہزاد نے مچھلی کا ایک ٹکڑا اُٹھایا اور اس کا کچھ حصّہ دانتوں سے کاٹ کر چبانے لگا۔ اس دوران میں وہ سرگوش کو گھورتا رہا تھا لیکن زبان سے ایک لفظ بھی نہیں بولا جیسے سرگوش کا نام یا اُس کی شخصیت اس کے لیے کسی خاص اہمیت کی حامل نہ رہی ہو۔ مچھلی کی پلیٹ جلد ہی صاف ہو گئی تو وہ ڈھکی ہوئی دوسری پلیٹ کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"انسپکٹر شہزاد..." سرگوش کے لہجے میں اب بھی لگاوٹ تھی جیسے اُسے اپنی بات کا جواب نہ پا کر کوئی افسوس نہ ہوا ہو۔ "میرا خیال ہے کہ تم یہاں پر اپنی موجودگی سے حیرت زدہ ہو۔"

شہزاد نے دوسری پلیٹ پر ہاتھ صاف کرتے ہوئے سرگوش کی طرف دیکھنا جاری رکھا۔ اس بار بھی وہ بالکل نہیں بولا۔ غذا ایسا ہی تھا جیسے کھانے کے علاوہ اس کی توجہ ہر طرف سے ہٹ گئی ہو۔

"کیا تم اپنے آپ کو یہاں پا کر حیران نہیں ہو؟" اس بار سرگوش کا لہجہ قدرے بدلا بدلا سا تھا۔

شہزاد نے سر کی خفیف سی جنبش سے تائید کر دی۔

مثبت جنبش پاتے ہی سرگوش کی زبان تیزی سے چلنے لگی وہ نہ جانے کیا کیا کہتا رہا اور سگریٹوں کا دھواں اُڑاتا رہا.... حتیٰ کہ ایش ٹرے ٹوٹوں سے بھر گئی اور سورج غروب ہو گیا.... روشنیاں جگمگانے لگیں۔ اس نے جتنی بھی باتیں کی تھیں، ان کا تعلق شہزاد کے اور اپنے ماضی یا پھر گذشتہ لڑائیوں سے ہونے والی جنگ سے تھا... پھر اس نے فلکرافٹ میں پرورش پانے والی تنظیم "چارہ گر" کے بارے میں تفصیل سے بتانا شروع کر دیا۔

"میں، تمہیں یہ تو نہیں بتا سکتا کہ اس پُراسرار تنظیم کا چوٹی کا آدمی کون ہے۔" سرگوش نے سرگوشی کی۔ "لیکن اتنا ضرور کہے دیتا ہوں کہ اس تنظیم کی پُشت پر ہماری حکومت ہی ہے... اور یہ بات ہمیشہ ذہن میں رکھنا کہ تمہارا باس میں ہوں۔ تمہیں محبت کے معاملات کی آزادی نہیں دی جا سکتی لیکن تمہیں تشنہ بھی نہیں رکھا جائے گا۔ جہاں تک رقم یا دولت کا تعلق ہے تو تم اسے خرچ کرنے کے لیے کسی بجٹ یا حد قائم رکھنے پر مجبور نہیں ہو... حتیٰ کہ ہم تمہیں ریٹائر نہیں کر دیتے۔ اس کے بعد جب تک تم زندہ رہو گے، تمہارے ہر معاملے کی حکومت خود دیکھ بھال کرتی رہے گی۔"

شہزاد خاموشی سے اُس کی باتیں ذہن نشین کرتا جا رہا تھا اور اب تک اس نے ایک بھی سوال نہیں کیا تھا۔ سوال تو درکنار اس کے مُنہ سے ایک لفظ بھی نہیں نکلا تھا۔

"اور میں، تمہیں یہ بار بار تنبیہہ کرنا چاہتا ہوں کہ تمہارا کام دُنیا کا سب سے خطرناک کام ہوگا۔ اس کام میں سب سے بڑا خطرہ یہ ہے کہ تمہارے اندر کا انسان مر جائے گا۔ بہرحال، تمہیں اس کی یوں فکر نہیں کرنا چاہیے کہ تمہارے اندر کے ایک انسان کی موت سے لاکھوں انسانوں کو زندگی ملے گی۔"

وہ شہزاد کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

"میں تمہیں ایک فولادی انسان دیکھنا چاہتا ہوں حالانکہ تم پہلے ہی کچھ کم نہیں ہو۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے ڈاکٹروں کی احتیاطی تدابیر کو تم پر لاگو نہیں ہونے دیا۔"

سرگوش اُٹھا اور کھڑکی کے قریب جا کھڑا ہوا۔

"اگر تم چھ ماہ تک زندہ رہ گئے تو یہ ایک حیرت انگیز بات ہوگی جب کہ ایک سال تک تمہاری زندگی کسی معجزے ہی سے ممکن ہے۔ میرا خیال ہے، تمہیں اپنی اہمیت اور خطرات کا اچھی طرح سے اندازہ ہو گیا ہوگا۔ بتاؤ... تم اس سلسلے میں کیا کہتے ہو؟"

"تم مجھ پر اعتماد کر سکتے ہو۔" شہزاد نے بھرائی ہوئی آواز

میں پہلی بار لب کشائی کی۔ "بہرحال میں مطمئن ہوں۔ میرے ذہن میں بجلی کی کرسی پر بیٹھتے وقت جو الجھن تھی، وہ ختم ہوگئی ہے اور اس سے مجھے کافی سکون ملا ہے۔ میرا خیال ہے، تم نے میرے خلاف منصوبہ بندی کی تھی۔ ٹھیک ہے نا؟"

"ہاں... تمہارا اندازہ درست ہے۔" سرگوش نے کسی تاثر کے بغیر جواب دیا۔

"کیا اس نشے باز کو تم نے قتل کیا تھا؟" شہزاد نے پوچھا۔

"ہاں... ایک ایسے شخص کا قتل کوئی معنی نہیں رکھتا۔"

"قتل کی واردات کا انداز نہایت شان دار تھا۔" شہزاد نے عجیب سے لہجے میں کہا۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے اس کے ساتھ اب تک جو کچھ بھی ہوا تھا، اس کا اُسے ذرا بھی ملال یا خیال تک نہ رہا ہو۔ سرگوش نے اطمینان سے سر ہلایا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

شہزاد دوبارہ بستر پر لیٹ گیا۔

☆☆☆

بہرام اپنے کمرے میں میز کے سامنے خاموش بیٹھا سوچ رہا تھا کہ اچانک فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ اس نے ریسیور اُٹھا لیا۔ یہ ایک مخصوص فون تھا جس پر اُوپر سے احکامات آتے تھے اور صرف کوڈ نمبر بتا کر کوئی شخص بولنا شروع کر دیتا تھا۔ بہرام کو بس اتنا ہی معلوم تھا کہ یہ کوڈ نمبر اس کے کسی باس کا ہے۔ کسی ایسے حاکم کا جسے وہ نہیں جانتا لیکن اس کی ہر بات پر عمل کرنا اس کا فرض ہے کیوں کہ اسی پر ملک و ملت کی سالمیت اور عوام کی بہبود کا انحصار تھا۔

"بہرام..." دوسری طرف سے ایک سرد آواز آئی۔ "یسون... نور... نور... کوڈ نمبر دُہرایا گیا۔

"یس سر..." بہرام نے مستعدی سے جواب دیا۔

دوسری جانب سے تیز تیز لہجے میں کوڈ میں بات کی گئی جسے کچھ دیر سننے کے بعد بہرام نے جواب دیا۔ "لیکن جناب! آپ جس علاقے کا تذکرہ کر رہے ہیں، وہاں پر بے پناہ مسائل ہیں... مجھے معلوم ہے کہ آپ نے ایک نئے قسم کے انسان کی تعمیر کے لیے کہا تھا۔ ہم اُسے حاصل تو کر چکے ہیں لیکن اس کی تیاری میں ابھی کئی ماہ لگ جائیں گے... بہت بہتر جناب... بہت بہتر۔"

اس نے ریسیور رکھ دیا اور پسینہ پونچھنے لگا۔ وہ حیران تھا کہ اس پکڑ شہزاد کب تک "ٹائیگر" بن کر میدانِ عمل میں اُترنے کے لیے تیار ہو جائے گا؟

☆☆☆

انسپکٹر شہزاد کے جسم پر اس وقت سفید لبادہ اور اس کی کمر سے سفید ریشمی پٹی بندھی ہوئی تھی۔ اس کا جسم پسینے میں شرابور تھا لیکن چہرے سے خفیف سی تھکن بھی ظاہر نہیں ہو رہی تھی... البتہ اس کی آنکھوں سے بیزاری کا ضرور پتا چلتا تھا۔ اُس نے کن انکھیوں سے اس پُراسرار شخص کی طرف دیکھا جو جیل میں درویش بن کر آیا تھا تاکہ اس کے لیے دُعائے مغفرت کر سکے... اور اب وہ جمنازیم کے دروازے میں کسی مجسمے کی طرح کھڑا اُس کی کارکردگی کا گہری نظر سے جائزہ لے رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ہمیشہ ایک آنکسٹرا رہتا تھا۔ جب کہ اس وقت اُنگلیوں میں اعشاریہ تین ایم ایم کا ایک ریوالور بھی جھولتا دکھائی دے رہا تھا۔

"ایک منٹ اور..." سرگوش نے وہیں کھڑے کھڑے پکارا۔

"اب میں یہاں نہیں ٹھہر سکتا۔" یہ کہہ کر شہزاد نے پیروں میں پہنی ہوئی کھڑاؤں کو اچھال دیا جو اس کے پیروں سے نکل کر آئینے کی طرح چمکتے ہوئے فرش پر پھسلتی ہوئی دیوار سے جا ٹکرائی۔

سرگوش اس کی جھلاہٹ پر قہقہہ لگائے بغیر نہ رہ سکا۔

اچانک شہزاد کے تنفس پھیل کر تیزی سے سُکڑ گئے۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کہیں قریب ہی مُرجھائے ہوئے پھولوں کا ڈھیر لگا ہوا ہو۔ جمنازیم میں ایسی بُو نہیں آتی تھی۔ شہزاد نے سوچا... پھر اس کے ذہن کے ایک گوشے میں جھماکا سا ہوا۔ یہ اُن پھولوں کی بُو نہیں تھی جو شاخوں پر کھلتے ہیں اور وہیں مُرجھا جاتے ہیں یا ہوائیں انہیں بکھیر دیتی ہیں... بلکہ یہ ان پھولوں کی بُو تھی جو ہوس کاروں کی آغوش میں لمحے بھر کو کھل کر ابھی مہک بھی نہیں پاتے کہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مُرجھا جاتے ہیں... یہ خوشبو کسی اور کے کسی اور کے مخصوص تھی۔

اس نے بے پروائی سے کندھوں کو اُچکا دیا۔ نہ جانے اس بُو کا اُس کے تنفسوں تک پہنچنے کا کیا مقصد ہے۔ اس نے اُن بے شمار چیزوں کے بارے میں سوچنا ہی چھوڑ دیا تھا۔ کم از کم ان لوگوں کے درمیان رہتے ہوئے، محض سوچنے سے کوئی فائدہ بھی تو نہیں تھا۔ ذہن کو اس مخصوص بُو سے ہٹانے کے لیے چھت کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ یہ پُراسرار شخص سرگوش اب اس کے لیے مزید کیا ستم ایجاد کرنا چاہتا ہے؟ اب کیا ہوگا شاید اسلحے کی مزید مشقیں کرائی جائیں گی۔ گزشتہ دو ہفتوں سے وہ مسلسل تربیت حاصل کر رہا تھا۔ مختلف قسم کی رائفلیں اور ریوالور اُسے دیے گئے تھے اور اُسے باری باری سبھی کی آزمائش پر اترنا پڑا تھا۔ پھر تربیت دینے والے نے اُسے سکھایا تھا کہ کس دشمن کو

طرف مصافحہ کرنے کے سے انداز میں کیسے ہاتھ بڑھایا جاتا ہے... اور گولی چلا دی جاتی ہے۔ بار بار وہ ماہر وہی الفاظ دُہراتا رہا...

"قریب آؤ... مزید قریب... احمق... تمہیں مصافحہ کرنا ہے... اور قریب آؤ... نہیں... نہیں... تمہارے ہاتھ میں پستول صاف نظر آ رہا ہے۔ جب تک تمہارا دشمن یہ سمجھے کہ تمہارے ارادے کیا ہیں۔ اس وقت تک تین گولیاں چل جانی چاہئیں... ہاں... پھر کوشش کرو... مُسکرا کر... ٹھیک ہے... ایک بار پھر..."

اسلحے کی تربیت دینے والے سے بمشکل پیچھا چھوٹا تھا کہ ایک نیا استاد اپنی مہارت اُس پر مُنتقل کرنے کے لیے تیار کھڑا تھا۔ انسپکٹر شہزاد کے لیے یہ تمام داؤ پیچ نئے تھے اور وہ طبعاً انہیں پسند بھی کرتا تھا۔ کئی کئی گھنٹے مسلسل مشق سے اُسے ذرا بھی تھکن محسوس نہیں ہوتی تھی لیکن وہ بیزار ضرور ہو گیا تھا۔

... پھر اس کے عضلات کو مخصوص تربیت دی جانے لگی۔ یہ تربیت حاصل کرنے کے بعد اس نے یہ داؤ پُراسرار شخص سرگوش پر آزما ڈالا تھا۔ وہ درحقیقت اپنی جھلاہٹ کی تسکین کے لیے ایسا کر بیٹھا تھا۔ سرگوش کی طرف "صافحے" کے لیے ہاتھ بڑھاتے وقت اس نے پستول چلا دیا۔ اس پستول میں گولیوں کی بجائے کوئی مسالہ تھا جس سے دھماکا اور شعلہ تو پیدا ہوتا تھا لیکن سامنے والے کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا تھا۔ سرگوش سے ہاتھ ملانے کے بہانے اس نے جیسے ہی پستول چلایا، ایک شعلہ سا نال سے نکلا اور پھر نہ جانے کیا ہوا؟ وہ گر پڑا تھا اور ہال میں سرگوش کا قہقہہ گونج رہا تھا۔

شہزاد کے تن بدن میں آگ سی لگ گئی۔

"تم نے واقعی بڑی تیزی سے سب کچھ سیکھا ہے۔" سرگوش نے اُسے اُٹھاتے ہوئے کہا اور اس کا کندھا تھپتھپایا۔

"ہو سکتا ہے۔" شہزاد نے بے پروائی سے کہا۔ "لیکن تمہیں صورتِ حال کا اندازہ کیسے ہو گیا تھا؟"

"مجھے تو نہیں... البتہ میرے عضلات نے اندازہ لگا لیا تھا۔ گھبراؤ نہیں... تمہیں بھی اس کی تربیت دی جائے گی۔"

"مگر تم نے مجھ پر کس چیز سے وار کیا تھا؟"

"ناخنوں سے..."

انسپکٹر شہزاد نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ سرگوش نے ایک بار پھر اُس کا کندھا تھپتھپایا۔ "جانتے ہو تمہیں "چارہ گر" کا سب سے بڑا خطاب ملنے والا ہے؟"

"کیا مطلب؟" شہزاد نے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

"ٹائیگر... تم عنقریب ٹائیگر کا خطاب جیت کر میرے خوابوں کی تعبیر بننے والے ہو۔" سرگوش نے فخر سے کہا اور اس کی طرف جُھک کر شرارت آمیز رازداری سے دریافت کیا۔ "تمہیں تنہائی کا احساس تو نہیں ہوتا؟"

"ایسی ویسی؟" شہزاد نے اس کی آنکھوں میں جھانک کر کسی زخمی ناگ کی طرح پھنکارتے ہوئے کہا۔ "صرف تربیت کے دوران میں انسٹرکٹر میرے ساتھ ہوتا ہے... پھر میں جا کر سو جاتا ہوں۔ صبح ایک گارڈ مجھے جگاتا ہے اور ایک خادم میرے لیے ناشتہ لاتی ہے... مگر کوئی مجھ سے بات نہیں کرتا۔ سب مجھ سے دُور رہتے ہیں جیسے مجھ سے خوف زدہ ہوں... میں تنہا کھاتا ہوں، تنہا سوتا ہوں اور ہمیشہ تنہا رہتا ہوں۔ ایسی سُونی سُونی زندگی سے تو بہتر تھا کہ میں بجلی کی کرسی پر راکھ ہو گیا ہوتا۔"

"کیا تم بجلی کی کرسی پر لطف اندوز ہو رہے تھے؟" سرگوش نے قدرے ناگواری سے سوال کیا۔

"نہیں..." شہزاد نے پوری سچائی سے جواب دیا... پھر کچھ سوچ کر چونک پڑا اور سرگوش کی طرف دیکھنے لگا۔ "لیکن تم مجھے وہاں سے نکال لانے میں کیسے کامیاب ہوئے تھے؟"

"آسان سی بات تھی۔" سرگوش نے مسکرا کر کہا۔ "تم نے جو ٹیکیہ دانتوں سے چبا کر نگل لی تھی، اس سے انسانی جسم کسی مُردے یا لاش جیسی حالت اختیار کر لیتا ہے... پھر ہم نے بجلی کی کرسی کی وائرنگ میں گڑبڑ کر دی تھی۔ اس طرح موت کی کرسی میں صرف اتنا کرنٹ آنے لگا جس سے گوشت تو خفیف سا جل سکتا تھا لیکن تمہاری موت واقع نہیں ہو سکتی تھی۔ جب ہم وہاں سے نکل آنے میں کامیاب ہو گئے تو ایک بم نے سارا نظام خاک کر دیا تاکہ کوئی بھی سراغ باقی نہ رہے۔ آسان سا کام تھا، نا؟"

"ہاں... تمہارے لیے تو واقعی آسان تھا۔"

"لیکن یہ بات تمہارے لیے قابلِ فخر ہے۔ تمہاری وجہ سے کئی انسانی جانوں کو تلف کرنا پڑا تھا۔" سرگوش نے کہا اور پھر اُس کے انداز میں ہلکی سی اُداسی آ گئی۔ "لیکن شاید تم ٹھیک ہی کہتے ہو۔ یہاں بعض اوقات تنہائی کا احساس شدید ہو جاتا ہے۔"

شہزاد اب اُسے کچھ کچھ سمجھنے لگا تھا اس لیے وہ ہنس دیا... پھر اس نے قدرے بے تکلفی سے پوچھا۔ "کیا میں یہاں سے شہر نہیں جا سکتا؟"

"نہیں..." سرگوش کا لہجہ یکایک کرخت ہوگیا۔

"کیوں؟" شہزاد کا انداز بھی جارحانہ تھا۔

"اس لیے کہ جو کوئی بھی ایک بار اس پُراسرار دُنیا کے دروازے سے باہر چلا جاتا ہے، وہ دوبارہ یہاں قدم بھی نہیں رکھ سکتا۔" سرگوش نے کسی پاگل بھیڑیے کی طرح دانت نکوستے ہوئے کہا "اور تم... اپنے طور پر بھی اس خیال کو بھی ذہن میں لانے کی کوشش نہ کرنا۔"

شہزاد کا جی چاہا کہ کاش! اس کے پستول میں کوئی گولی ہوتی۔

مگر اس سے بھی کیا فائدہ ہوتا؟ اس نے خود پر قابو رکھتے ہوئے سوچا۔ یہ پُراسرار شخص تنہا تو نہیں ہے... اگر میں اسے قتل بھی کر دوں، تب بھی شاید مجھے اس جگہ سے نجات نہیں ملے گی۔ ان نامعلوم لوگوں نے اس پر دو جنتوں میں جو محنت کی تھی، شہزاد کو اندازہ تھا کہ اس پر کئی زندگیوں کو قربان کیا گیا ہے۔ دراس کی تربیت کے لیے بے پناہ خرچ کیا جا رہا ہے... اور یہ سب کچھ محض اس لیے نہیں کیا جا رہا کہ وہ جب جی چاہے کسی کو قتل کر کے فرار ہو جائے۔

"کیا تمہیں کسی ساتھی کی ضرورت ہے؟" سرگوش نے اس کی آنکھوں میں ہنستے ہوئے رنگوں کو گہری نظر سے دیکھ کر پوچھا۔

"کون سا ساتھی؟" شہزاد کے لہجے میں زہریلی سی کاٹ تھی۔

"وہ برف کی ڈلیاں جو میرا کام کرتی ہیں... یا میرے لیے کھانا لاتی ہیں۔"

"میں تمہیں ایک شان دار درندہ بنا رہا ہوں، برخوردار۔"

"درندگی کے کچھ تقاضے بھی ہوتے ہیں۔"

"ہوتے ہیں..." ہوتے ہیں۔" سرگوش نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا "لیکن درندوں کو سرد و گرم کی تمیز نہیں ہوتی انہیں صرف اپنی درندگی کی تسکین سے مطلب ہوتا ہے۔"

شہزاد خاموش ہوگیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس پُراسرار سرزمین پر اگر کہیں اس سے زندگی کی سب سے بڑی غلطی تو سرزد نہیں ہو گئی؟ اس نے یہ خیال ذہن سے جھٹک دیا۔ اب جو کچھ بھی ہوگا، دیکھا جائے گا۔ یہ سوچ کر وہ مطمئن ہوگیا کہ اُسے صرف اپنے فرائض کی انجام دہی سے دلچسپی ہونی چاہیے۔

☆

دوپہر کے کھانے سے پہلے وہ غسلخانے میں ہاتھ دھو رہا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ اس نے سفید بے داغ تولیے سے ہاتھ پونچھتے ہوئے کہا "آ جاؤ۔ دروازہ کھلا ہے۔"

دروازہ کھلا اور ایک عورت اندر آگئی۔

وہ زیادہ پُرکشش تو نہیں تھی لیکن اب تک یہاں جتنی بھی عورتیں نظر آئی تھیں، ان سب میں بہتر تھی۔ نقش و نگار، نسوانی کشش نہ سہی جسم البتہ قیامت خیز تھا۔ وہ دروازے سے اندر آتے ہی شہزاد کی طرف دیکھ کر بولی "میں نے تمہارا کمرہ، کمرے میں تمہاری موجودگی کے اوقات بورڈ پر دیکھے تھے۔"

"بورڈ پر...؟" شہزاد نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے دُہرایا۔ اس نے محسوس کیا کہ عورت کی آنکھیں تو بڑی اور سیاہ ہیں لیکن نہ جانے... وہ کسی زندہ عورت کی آنکھیں کیوں نہیں لگ رہی تھیں۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ بے جان عورت نے شہزاد کے سوالیہ انداز کو نظر انداز کر دیا اور دروازہ بند کرتے ہوئے بولی "میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ یہ میرا پہلا ٹاسک ہے اور مجھے ٹھیک چالیس منٹ میں واپس جانا ہے۔"

شہزاد نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"کیا میں ڈنر کے بعد بھی یہاں آسکتی ہوں؟"

"رات کو میری ٹریننگ ہوتی ہے۔" شہزاد نے جواب دیا۔

"کیسی ٹریننگ؟"

"عام سا تیر و تفنگ کورس ہے۔"

"پتا نہیں، تم کون ہو اور کس قسم کے شعبے سے تعلق رکھتے ہو۔ میں نے تمہارے جیسا نمبر بورڈ پر آج پہلی بار دیکھا ہے۔"

"تم نے کسی بورڈ کا تذکرہ پہلے بھی کیا تھا۔"

"اوہ... تفریحی کمرے میں لگے ہوئے بورڈ کی بات کر رہی ہوں جس پر ایسے پروگرام ترتیب دیے جاتے ہیں جن میں تمہیں معلوم نہیں ہوتا کہ تمہاری ملاقات کس سے ہوگی۔ فلکرافٹ کے بڑوں کا نظریہ ہے کہ اگر اس خاص پروگرام کے تحت ہم لوگوں کو نہ ملایا جائے تو ہمارے درمیان تعلقات سنجیدہ ہو سکتے ہیں... بہرحال کچھ عرصے بعد نمبروں کو پہچاننا آسان ہو جاتا ہے۔"

"میرا نمبر کیا ہے؟" شہزاد نے دریافت کیا۔

"کیا تمہیں نہیں معلوم؟"

"شاید میرے ذہن سے اتر گیا ہے۔" شہزاد نے ذہن پر زور ڈالنے کی اداکاری کی... لیکن اس کی ساتھی کو چالیس منٹ بعد واپس جانا تھا اس لیے وہ باتوں میں وقت ضائع نہیں

چاہتی تھی۔

اتالیسویں منٹ پر وہ دروازے میں کھڑی اُسے دیکھ رہی تھی۔ "تم ایک اچھی ساتھی ثابت ہو سکتی ہو۔" شہزاد نے مسکرا کر کہا اور عورت کی آنکھوں میں اجنبیت کی پرچھائیاں رقص کرنے لگیں۔

"کیا مطلب؟" عورت نے رُکھائی سے کہا "میں نہیں جانتی کہ تم کون ہو۔"

شہزاد خاموشی سے اُسے گھورتا رہ گیا۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ اِس صورتِ حال پر قہقہے لگانا شروع کر دے یا چُپ چاپ سو جائے؟ بہرحال، اُس نے دِل ہی دِل میں فیصلہ کر لیا تھا کہ اب وہ اِس پُراسرار سرزمین کی کسی لڑکی یا کسی عورت سے کبھی نہیں ملے گا۔

☆

یہ سب کچھ ایک ہفتے قبل ہُوا تھا اور وہ اب ہر وقت یہی سوچتا رہتا تھا کہ اُس کی ذمّے داریاں سونپ کر اُسے اِس پُراسرار ماحول سے نکال دیا جائے۔ اُسے یہاں گھٹن محسوس ہونے لگی تھی۔ وہ اِس چھوٹی سی آرام دہ جیل سے باہر جانا چاہتا تھا۔ اُس کی ٹریننگ اب آخری مرحلے میں داخل ہوگئی تھی اور وہ خود کو ایک نیا اور بدلا بدلا سا شہزاد محسوس کرنے لگا تھا... اور اُس کی یہ نئی شخصیت "ٹائیگر" تھی۔ شہزاد کو تو باہر کی دُنیا میں سزائے موت دے کر چند ہفتے قبل ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا گیا تھا۔

"اب کیا باقی رہ گیا ہے؟" ایک روز اُس نے چیخ کر سرگوش سے پُوچھا۔

"کچھ نہیں... لودھ آگیا۔" درویش نے پُراسرار انداز میں مسکرا کر کہا تو ٹائیگر نے اُس کی نگاہوں کے تعاقب میں دیکھا۔ اُسے ہنسی آتے آتے رہ گئی۔ جو شخص گھسٹتا ہُوا اُن کی طرف چلا آ رہا تھا، ٹائیگر کو اُس پر بے حد رحم آیا۔ اُس کا قد پانچ فٹ تھا۔ اُس کے جسم پر سفید لبادہ تھا اور اُس کے چہرے پر اَن گنت جھریاں تھیں۔

جب وہ عجیب سا شخص قریب آیا تو سرگوش نے ٹائیگر کی طرف ہاتھ اُٹھاتے ہُوئے کہا: "اوشان... یہ تمہارا نیا شاگرد ہے۔"

اوشان کمر میں خم پیدا کرتا ہُوا تعظیماً جھک گیا۔ ٹائیگر خاموش کھڑا رہا... پھر کچھ دیر بعد اُس نے پُوچھا: "یہ شخص مجھے کیا سکھائے گا؟"

"یہ تمہیں قتل کرنا سکھائے گا... اور ٹائیگر! تم ایک ایسی انسانی قاتل مشین بن جاؤ گے جو کسی کو نظر نہیں آئے گی اور جس کے ہاتھوں خون بہنا کبھی ختم نہیں ہوگا۔"

"اوہ..." ٹائیگر نے گہری نظروں سے اُس شخص کی طرف دیکھا اور پھر مطمئن اُڑانے والے انداز میں ہنس پڑا۔ ایک ایسا شخص اُسے قتل کرنا سکھائے گا جسے وہ کسی حقیر کیڑے کی طرح چٹکی سے مسل سکتا تھا۔

"خاموش ہو جاؤ۔" سرگوش نے ناگواری سے کہا "تمہیں اپنے اُستاد کے لیے ایسا انداز اختیار کرتے ہُوئے شرم آنی چاہیے۔"

ٹائیگر کا مُوڈ خراب نظر آنے لگا۔

"ہُوں..." سرگوش نے عجیب سے لہجے میں کہا۔ اُس کی آنکھوں میں دہی ازلی شرارت ایک بار پھر چمک اُٹھی "کیا تم اِس شخص کو جان سے مار سکتے ہو، ٹائیگر؟"

"میرا کوئی مدِّ قابل لاؤ۔" ٹائیگر غرّایا اور اُس شخص کی طرف دیکھنے لگا جو سپاٹ چہرہ لیے کھڑا تھا۔ ٹائیگر کو اُس پر واقعی رحم آنے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ سرگوش اپنے پاگل پن کی تسکین کے لیے شاید کچھ لوگوں کو قربانی کا بکرا بنا کر اُس کے سامنے لے آتا ہے اور یہ شخص بھی اُنہی میں سے ایک ہے۔ آج یہ پستہ قد کا بُوڑھا اُس کے ہاتھوں قربان ہوگا۔

اوشان نامی اُس بُوڑھے کے دونوں ہاتھوں میں دو تختے تھے۔ سرگوش نے اُن تختوں کی طرف اشارا کرتے ہُوئے کہا: "انہیں یہیں رکھ دو، اوشان... اور خود کہیں بھی کھڑے ہو جاؤ۔"

بُوڑھے اوشان نے وہ تختے دیوار سے ٹکا کر رکھ دیے اور خود جمناسٹیم کے کونے میں جا کھڑا ہُوا۔ ٹائیگر نے ریوالور نکال لیا۔ یہ اعشاریہ تین آٹھ کا دَس فیر اور مہلک ریوالور تھا جس کی سات اور ایک جھٹکا ہی کسی عام آدمی کو بے ہوش کرنے کے لیے کافی ثابت ہوتی ہے۔ ٹائیگر یہ بھی جانتا تھا کہ اِس ریوالور میں اصلی گولیاں بھری ہُوئی ہیں... اور یہ گولیاں سرگوش کے کہنے پر اُس نے کچھ دیر قبل اپنے ہاتھوں سے بھری تھیں۔ اُس نے بُوڑھے اوشان کے سینے کا نشانہ لیا۔

سرگوش اِس دوران میں گولیوں کی مکمّد زد سے نکل کر ایک طرف جا کھڑا ہُوا تھا۔ اُس نے بُلند آواز میں کہا: "تیار ہو؟"

"ہاں... تیار ہُوں۔" ٹائیگر نے جواب دیا اور اِس کے ساتھ ہی اُس کی اُنگلی نے ٹریگر پر دباؤ ڈالنا شروع کر دیا۔

اوشان جواب تک بے حس اور بے حرکت سا کھڑا تھا، اچانک یُوں حرکت میں آگیا جیسے اُس کے جسم میں بجلیاں سی بھر گئی ہوں۔ وہ مسلسل ٹائیگر کی طرف بڑھنے لگا... لیکن گولیاں اُس کے جسم کو چھونے تک میں کامیاب نہیں ہو رہی تھیں۔ ایک... دو... تین... حتیٰ کہ چھ گولیاں چلیں اور اوشان کا بال تک بیکا نہ ہُوا۔ جب وہ ٹائیگر کے رُوبرو آ کھڑا ہُوا تو اُس کا ریوالور خالی ہو چکا تھا۔ اُس نے

غصّے سے ریوالور اُچھال دیا جسے ادشان نے فضا ہی میں پکڑ لیا جبکہ ٹائیگر نے اُس کے ہاتھوں کو حرکت بھی نہیں کرتے دیکھا تھا۔ وہ بُرا سا مُنہ بنا کر چھت کی طرف دیکھنے لگا۔

"کیا خیال ہے، ادشان؟" سرگوش نے قریب آکر پُوچھا۔

"شاگرد تو مجھے پسند آیا ہے" ادشان نے پہلی بار لب کشائی کی "یہ تم سے زیادہ ذہین اور پھرتیلا ہے، سرگوش!"

ٹائیگر ادشان کو گھورنے لگا۔

"میں حیران ہُوں..." اُس نے دھیمی آواز میں کہا "جب تمہارے پاس ایسے نکمّے موجود ہیں تو تم مجھے یہاں کیوں اُٹھا لائے ہو؟"

"اِس کا مُطلب دیکھ رہے ہو" سرگوش نے ادشان کے چہرے کی طرف اشارہ کیا "اِسے لاکھوں میں پہچانا جا سکتا ہے۔ بس تم اتنا یاد رکھو کہ ہمارے علاوہ ہمارا کہیں اور وجود نہیں ہے۔ اِس وجہ سے ہم محتاط رہتے ہیں کہ یہاں کسی سے کسی کی دوستی نہ ہونے پائے۔"

"یہ تختے کس لیے ہیں؟" ٹائیگر نے پُوچھا لیکن سرگوش اپنی بات ختم کر کے لاتعلقی سا دروازے کی طرف جا رہا تھا۔ اُس نے پلٹ کر جواب دینے کی بھی ضرورت نہیں سمجھی۔

ٹائیگر کے جی میں آیا کہ اب سرگوش سے اُس کی کبھی مُلاقات نہیں ہو گی... اور اگر کبھی ہُوئی تو اُس کا مقصد صرف یہ ہو گا کہ وہ سرگوش ہی کو قتل کرنا چاہتا ہے۔

☆

نکرانڈ کا چیف بہرام اپنے دفتر میں بیٹھا کسی گہری سوچ میں ڈُوبا ہُوا تھا کہ اچانک فُون کی گھنٹی بجنے لگی۔ یہ ایک مخصُوص فُون تھا جس پر اُوپر سے احکامات آتے تھے اور صرف کوڈ نمبر بتا کر کوئی شخص بولنا شرُوع کر دیتا تھا۔ بہرام کو صرف اتنا ہی معلُوم تھا کہ یہ کوڈ نمبر اُس کے باس کا ہے... کسی ایسے حاکم کا جسے وہ نہیں جانتا لیکن اُس کی ہر بات پر عمل کرنا اُس کا فرض ہے کیوں کہ اس پر ملک و ملّت کی سالمیت اور عوام کی فلاح و بہبُود کا دارومدار ہے۔

"بہرام..." دُوسری طرف سے ایک سرد آواز آئی "سیون فور... فور..." کوڈ نمبر دُہرایا گیا۔

"یس سر..." بہرام نے مستعدی سے کہا۔

"کوئی خاص خبر؟"

"نہیں، جناب!"

"ٹائیگر..." دُوسری طرف سے مخاطب ہونا چاہا گیا۔

"اُسے تربیت دی جا رہی ہے، جناب!"

"کیا کہا... ابھی تک وہ زیرِ تربیت ہی ہے۔ جانتے ہو وہ اہم ترین میٹنگ ہونے والی ہے جس کا کئی روز سے اہتمام کیا جا رہا ہے۔ جب تک میکس دیل نامی وہ ہوّا موجُود رہے، اُس وقت تک یہ اجلاس بے کار رہے گا۔ لہٰذا فوری طور پر اُس کا خاتمہ ہونا چاہیے"

"لیکن جناب... ٹائیگر کی تربیت مکمّل ہونے میں ابھی مزید تین ماہ لگیں گے" بہرام نے جواب دیا۔

"اجلاس کو تین ماہ تک ملتوی نہیں کیا جا سکتا۔ جنگوں کی چُولیں ہل جائیں گی" سرد آواز سُنائی دی "میں کچھ نہیں جانتا میکس دیل کا خاتمہ فوری طور پر ضروری ہے"

"بہت بہتر جناب" بہرام نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہا "یہ بیرحمانہ حُکم ہے"

"بہتر جناب" بہرام نے دُوسری طرف سے لائن کے بے جان ہوتے ہی ریسیور رکھ دیا اور گہری سوچ میں ڈُوب گیا۔ ٹائیگر ابھی زیرِ تربیت تھا۔ اُسے میکس دیل کا سُراغ لگانے یا اُسے ٹھکانے لگانے کے لیے نہیں بھیجا جا سکتا تھا۔ دُوسری اور آخری صُورت بھی مُمکن تھی کہ وہ اپنے پُرانے رفیق سرگوش کو اِس مشن پر روانہ کرے۔ اُس نے تھکے تھکے سے انداز میں ریسیور اُٹھایا اور سرگوش سے رابطہ قائم کرنے لگا۔

☆

"تمام دفاعی فن... مثلاً جوڈو، کراٹے اور کنگ فو نے درحقیقت فوری عمل کے فلسفے سے جنم لیا ہے... لیکن بُنیادی اہمیت عمل تنفس پر قابُو کو حاصل ہے" ادشان لیکچر دے رہا تھا۔

"ظاہر ہے..." ٹائیگر نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ وہ گزشتہ ایک ہفتے سے ادشان کی شاگردی میں تھا اور اُسے خشک قسم کے لیکچروں ہی سے پالا پڑا ہُوا تھا... لیکن وہ جانتا تھا کہ یہ باتیں واقعی بے حد کارآمد ہیں۔

"سانس کی اعصاب تک رسائی انسانی اعصاب کو پُرسکون بناتی ہے اور صرف پُرسکون آدمی ہی بے خوف ہوتا ہے۔ اپنا ذہن خالی کر کے تمام خیالات کو نکال پھینکو تو تمہیں صرف اپنا مشن یاد رہے گا... اور ذہن خوف و دہشت سے نہیں اُلجھے گا"

ادشان کا لیکچر شام تک جاری رہا۔

اگلے روز اُس نے مختلف داؤ پیچ سکھانے شرُوع کر دیے حالانکہ شہزاد جب فوج میں تھا تو اُس نے جوڈو وہاں بھی سیکھے تھے لیکن وہ جو کچھ سکھا رہا تھا... واقعی بے حد مختلف اور کارآمد تھے۔ تمہیں کرانے کی تربیت دینے کے لیے خصُوصی طور پر یہ ہدایت کی گئی ہے" ادشان نے کہا۔ وہ اُس وقت تین کھمبوں کے قریب کھڑا تھا، جن پر تین تختے لگے ہُوئے تھے۔ لکڑی کے اُن مضبُوط تختوں کی موٹائی ایک انچ سے کم نہیں تھی "کیا تم جانتے ہو یہ فن کیسے ایجاد ہُوا تھا؟"

ٹائیگر نے بیزاری سے سر کو نفی میں حرکت دی۔

"کئی صدیوں پہلے چین کے ایک قصبے میں ظالم حکمران نے لوگوں سے تمام ہتھیار چھین لیے اور نہتّوں پر حکومت کرنے لگا۔ اُسی قصبے میں دھرم نامی ایک شخص رہتا تھا جسے اپنی مٹی سے بے حد محبت تھی۔ اُس نے سوچا کہ ان ہتھیاروں میں اتنی صلاحیت ہونا چاہیے کہ ہر شریف شہری کے ہاتھ میں ہتھیار کو دیکھ کر ہی ظالم حکمران کو ایک خفیہ جگہ بُلا کر...

بھائیو... ہم سے ہمارے ہتھیار لے لیے گئے ہیں لیکن ہماری انگلیوں کو خنجر بن جانا چاہیے" یہ کہتے ہوئے اُس نے اپنی انگلیوں کے سروں سے لکڑی کے تختے پر وار کیا۔ تختہ دو ٹکڑے ہو گیا۔

"ہمارے پاس ڈنڈے نہیں ہیں اس لیے ہمارے ہاتھ ڈنڈوں کا کام کریں گے" ادشان نے عینی ماہرین سے سُنا ہُوا فقرہ دُہراتے ہُوئے اِس بار چوتھے تختے پر ہتھکہ مارا تو اُس مضبُوط تختے کے بھی ٹکڑے ہو گئے۔

ادشان نے ایک گہری سانس لے کر ٹائیگر کی طرف دیکھا۔ جس کی آنکھوں اور چہرے سے بیزاری دُھل گئی تھی اور وہ نہایت توجّہ سے اُس کی باتیں سُن رہا تھا۔

"... اور پھر دھرم نے لوگوں سے کہا..." ادشان نے بھاری آواز میں کہا "ہر کھلی ہتھیلی کو تلوار بنا دو" یہ کہتے ہُوئے ادشان نے لکڑی کے تیسرے تختے پر وار کیا تو وہ یُوں کٹ گیا جیسے واقعی کسی تیز دھار تلوار سے اُسے کاٹا گیا ہو۔ ادشان ٹائیگر کی طرف متوجّہ ہُوا۔ "یہی کھلی ہتھیلی کا فن ہے جسے ہم کراٹے کہتے ہیں۔ تم اب جلدی سے اِسے سیکھ لو گے"

شہزاد نے لکڑی کے تختے کو اُٹھا کر دیکھا۔ وہ ابھی تک حیرت زدہ تھا۔ وہ دل ہی دل میں ادشان کے فن اور اُس کی قوت کا معترف ہو گیا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر یہ شخص کسی کو قتل کرنے پر تُل جائے تو اُسے کون روک سکے گا؟

"جب تم اپنے ہاتھوں اور پیروں کا صحیح استعمال سیکھ لو گے تو پھر جس چیز کو بھی ہاتھ میں لو گے، وہی خطرناک ہتھیار بن جائے گی" ادشان نے کہا اور پھر کاغذ کا چاقو بنا کر اُسے استعمال کر کے دکھایا۔ اُس چاقو نے ٹائیگر کی کلائی پر خراش ڈال دی تھی۔ شہزاد سمجھ گیا کہ اگر داؤ ذرا سا زیادہ ہوتا تو یہی کاغذی چاقو اُس کی کلائی

میں گہرا گھاؤ لگا سکتا تھا۔

ادشان سے تربیت حاصل کرتے ابھی اُسے زیادہ دن نہیں ہُوئے تھے کہ ایک روز ایک مسلّح شخص آیا اور اُس نے شہزاد کو جگا دیا۔ شہزاد نے دیواری گھڑی کی طرف دیکھا رات کے تین بجے تھے۔ وہ گیارہ بجے سویا تھا لیکن اُٹھنے کے بعد اُس کے انداز میں ذرا سی بھی کاہلی یا تھکن نہیں تھی۔

مسلّح شخص اُسے لے کر نکرانڈ کے ایک ایسے حصّے کی طرف گیا جہاں اُسے پہلے کبھی جانے کا اتفاق نہیں ہُوا تھا۔ وہ سوچتے ہُوئے کہ اب کیا ہونے والا ہے، مسلّح شخص کے ساتھ چلتا رہا۔ اچانک اُس نے سر گوش کو سامنے سے آتے دیکھا۔ سر گوش اُن کے پاس آ رہا تھا۔

"بہاں سے آگے آپ کو تنہا جانا ہو گا" مسلّح شخص نے کہا اور رُک گیا۔

سامنے ایک دروازہ تھا جس کی ساخت مشینی تھی۔ شہزاد نے اپنی زندگی میں ایسا دروازہ پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اچانک دروازہ خود بخود ہی کھل گیا۔ ٹائیگر آہستہ آہستہ چلتا ہُوا اُس دروازے سے راہ داری میں پہنچا اور سیدھا ہی چلتا رہا۔

راہ داری کے آخری حصّے میں ایک کھلا دروازہ تھا۔ وہ اُس دروازے میں داخل ہُوا تو اُسے ایک شخص وہاں بیٹھا نظر آیا اُس کے سامنے میز پر چائے کی پیالی رکھی تھی جس سے بھاپ اُٹھ رہی تھی۔

"شہزاد..." اُس شخص نے بھاری آواز میں کہا "میرا نام بہرام ہے۔ سرگوش نے تمہیں میرے بارے میں یقیناً بتایا ہو گا"

"جی ہاں..." ٹائیگر نے مؤدب ہو کر کہا "آپ میرے باس ہیں"

"گڈ..." بہرام اُٹھ کھڑا ہُوا۔ وہ کھڑکی کے پاس چلا گیا اور باہر اندھیرے میں گھُورنے لگا۔ اُس کی آنکھیں سوچ میں ڈُوبی ہُوئی تھیں۔ کچھ دیر بعد اُس نے پلٹ کر کہا "میرا خیال ہے تم اب تک کافی سیکھ چکے ہو..."

"ابھی میری تربیت کا سلسلہ جاری ہے، جناب!"

"اب ہمارے پاس بالکل وقت نہیں رہا..." بہرام نے کہا۔ "مجھے افسوس ہے کہ تمہیں اِس ادھُوری تربیت کے ساتھ ہی میدانِ عمل میں اُترنا ہو گا"

ٹائیگر کا دل شدّت سے دھڑک اُٹھا... تو بالآخر اُسے اِس آرام دہ جیل کے خشک ماحول سے نجات مل رہی ہے۔

"میں، آپ کو مایُوس نہیں کروں گا، باس!"

"مجھے تم سے یہی توقّع ہے" بہرام نے مسکرا کر کہا تو شہزاد

نے محسوس کیا کہ شاید وہ زندگی میں پہلی بار مسکرایا تھا۔

"یس سر! آپ کے حکم کا منتظر ہوں جناب!"

"یہاں سے نکل کر کمرہ نمبر ۲۰۷ میں چلے جاؤ۔ وہیں تمہاری ضرورت کی تمام اشیا بھی موجود ہیں۔ تحریری مواد پڑھنے کے بعد فوراً ضائع کر دینا۔ اس تحریری مواد کا تمہارے اور میرے علاوہ دنیا میں کسی کو علم نہیں ہے... اور نہ ہی ہونا چاہیے۔ تمہارا شناختی کارڈ شہزاد ٹائیگر کے نام سے تیار کیا گیا ہے۔ تمہارے حقیقی نام کو اس لیے ساتھ ملایا گیا ہے کہ پکارے جانے والے نام کو بدلنا ٹھیک نہیں ہوتا۔ جس نام کو تم نے برسوں نبھانے کے بعد سے اب تک سنا ہے، اُسے سُن کر تم غیر ارادی طور پر کوئی غلطی کر سکتے ہو۔ اس کارڈ کے مطابق تم ایک آزاد شہری ہو۔ اگر تمہیں یہ پیشہ پسند نہ آئے تو اسے تبدیل بھی کر سکتے ہو۔"

شہزاد خاموشی سے اپنے باس کی باتیں سُن رہا تھا۔ اُسے توقع تھی کہ اس کمرے میں سرگوشی اُس کا منتظر ہوگا... لیکن وہاں سرگوشی کی بجائے بہرام موجود تھا۔ بہرام سے یہ اُس کی پہلی مُلاقات تھی اور اُس کا خیال تھا کہ شاید یہ آخری ہی مُلاقات ہو۔ کیوں کہ فلکرانٹ سے ایک بار باہر جانے کے بعد کبھی کوئی واپس نہیں آتا۔ فلکرانٹ اپنے طور پر ایک مکمل دُنیا تھی اور یہاں کے رہنے والوں کو کبھی باہر جانا نصیب نہیں ہوتا تھا... صرف خاص خاص موقعوں پر انتہائی تاکیدی افراد باہر جاتے تھے اور اُن میں سے اکثر کی واپسی نہیں ہوتی تھی۔

سرگوشی نے اُسے بہرام کے بارے میں سب کچھ بتا دیا تھا۔ ایک بار پھر ٹائیگر کے ذہن میں یہ خیال آیا کہ آخر سرگوشی کئی دِنوں سے کہاں غائب ہے۔ اُس کا جی چاہا کہ وہ اپنے باس سے اُس کے بارے میں دریافت کرے لیکن وہ اِس خواہش کو دبا گیا۔ فلکرانٹ میں کسی بھی شخص سے دلچسپی کا اظہار ناقابلِ برداشت سمجھا جاتا تھا۔

ٹائیگر کو توقع تھی کہ اُسے کسی اہم مشن کے لیے تیار کیا جا رہا ہے اور اُسے مختلف مہمات میں استعمال کیا جائے گا... لیکن پہلی مہم جس انداز میں رات کے تین بجے اُس کے سامنے آئی تھی، اُس کے بارے میں اُس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔ وہ سوالیہ نظروں سے بہرام کی طرف متوجہ رہا۔

"تمہیں ایک شخص کو قتل کرنا ہے۔" بہرام نے کہا۔

ٹائیگر نے اثبات میں سر ہلا دیا اور دِل میں سوچا کہ بس اتنا سا کام؟

"وہ شخص اِس وقت شیرازی اسپتال میں ہے۔ وہ آج ایک بلند عمارت سے نیچے گر پڑا تھا۔ غالباً کسی نے اُسے دھکا دے کر نیچے پھینکا ہوگا۔ سب سے پہلے تم اُس شخص سے ملو۔ حاصل کردہ معلومات کے مطابق اُسے قتل کر دو گے۔"

شہزاد نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"اگر وہ زندہ ہوا تو تم اُس سے سوالات کرو گے۔ وہ تمہیں جواب دے گا۔ معلومات حاصل کرنے کے فوراً بعد اُسے قتل کر دینا۔"

"سرگوشی نے کہا تھا کہ وہ میرے ساتھ پہلی مہم میں شامل ہوں گے۔" شہزاد نے ٹائیگر کی بے چینی کو سرسری انداز میں چھپا کر سوال کیا۔

"ہاں... وہ تمہارے ساتھ ہوگا۔ وہ بھی اسپتال میں زخمی پڑا ہے۔ اُسے بھی قتل کرنا ہے۔" بہرام نے کہا۔

ٹائیگر نے حیرت اور تعجب کا اظہار کرنے کی بجائے پیالی کو لبوں سے لگا لیا جس سے اب بھی بھاپ اُٹھ رہی تھی... لیکن وہ خود کو ایک قدم پیچھے ہٹانے سے باز نہ رکھ سکا۔ اِس بات نے اُسے چونکا کر رکھ دیا تھا۔

"اُسے قتل کر دینا ضروری ہے۔ وہ قریب المرگ ہے... اور غیر ارادی طور پر اُس کے مُنہ سے کوئی ایسی بات نکل سکتی ہے جو ہم سب کے لیے تباہی کا باعث بھی بن سکتی ہے۔"

"کیا اُسے یہاں نہیں لایا جا سکتا جناب؟" شہزاد نے یہ بات بڑی مُشکل سے کہی تھی۔

"نہیں... بہرام پلٹ کر غرّایا۔" وہ سب کی نظروں میں آ چکا ہے۔ یہ اطلاع ہمارے پوتوں سے مل چکی ہے۔ اُس کے پاس جو شناختی کارڈ تھا، اُس میں سرگوش کو چارہ گر کا مریض ظاہر کیا گیا ہے۔ اِس لیے ہم سے اُس کا براہِ راست تعلق ظاہر ہو چکا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اب فلکرانٹ کی اس اہم ترین شخصیت کو ضائع کرنا ضروری ہو گیا ہے۔ یاد رکھو، ٹائیگر! اگر اُس کی جگہ میں خود بھی ہوتا تو اپنے بارے میں یہی حکم دیتا کہ مجھے قتل کر دیا جائے۔"

"سرگوش سے مجھے کیا معلوم کرنا ہے؟"

"جزیرۂ فردوس کے سب سے بڑے دشمن میکس ویل کے بارے میں معلومات... وہ اس پر کام کرتے ہوئے اس انجام کو پہنچا ہے۔ جو کچھ اُسے معلوم ہوا ہے... اُس کی اطلاع دینے سے پہلے ہی وہ کئی منزلہ عمارت سے نیچے پھینک دیا گیا... اگر اُس سے کچھ معلوم نہ ہو سکے تو اُسے قتل کرنے کے بعد تمہیں میکس ویل کے کیس پر کام کرنا ہے۔ گویا یہ تمہاری دوسری مہم ہوگی۔"

"میکس ویل درحقیقت کون ہے؟"

"کسی کو معلوم نہیں... فلکرانٹ کو اُس سے شدید خطرہ ہے... پھر ہماری حکومت بھی اُس کی وجہ سے خطرے میں ہے۔ وہ گذشتہ کئی سب سے بڑا آلۂ کار تصور کیا جاتا ہے۔ جتنی جلدی ممکن ہو سکے اُسے تلاش کر کے قتل کر دینا تمہارا... دوسرا مشن ہے... اور..." بہرام کچھ کہتے کہتے رُک گیا۔

ٹائیگر نے چونک کر اُس کی طرف دیکھا۔

"اور اگر تم ایک ہفتے کے اندر اندر میکس ویل کا سُراغ لگا کر اُسے قتل نہ کر سکو تو ہم سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش نہ کرنا۔"

"کیا مطلب؟"

"ایسی صُورت میں فلکرانٹ کی جگہ تمہیں دیوار پر نظر آنے لگے گا۔" بہرام نے بے حد سنجیدگی سے کہا۔ "اس سے زیادہ کی تمہارے پاس مہلت نہیں ہے۔"

"ایک ہفتے بعد مجھے کیا کرنا ہے؟"

"اس کے بعد تم دو کام کر سکتے ہو۔ بہرام نے بیزار آواز میں کہا۔ میکس ویل کی تلاش جاری رکھنا... اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو جزیرۂ فردوس میں گمنامی کی زندگی بسر کرنا۔ اس دوران تم جزیرۂ فردوس کا باقاعدگی سے مطالعہ کرتے رہنا اور خصوصیت سے تنزو کا کالم دیکھتے رہنا۔ اس کالم کے ذریعے ہم تم سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کریں گے۔"

"اور اگر میں میکس ویل کو قتل کرنے میں کامیاب ہو جاؤں تو؟"

"تب پھر ہمارے معمولات میں کوئی فرق نہیں آئے گا... تمہیں روزانہ آرام کرنا اور وہی کالم دیکھتے رہنا۔"

"اِس سلسلے میں ضروری اخراجات کہاں سے پُورے ہوں گے؟"

"تم رقم یہیں سے لے جاؤ گے۔" بہرام نے کہا۔ "ویسے اس سلسلے میں تمہیں فکرمند نہیں ہونا چاہیے۔" اُس نے ایک فون نمبر لکھ کر دیا۔ "اسے ذہن نشین کر کے ضائع کر دینا۔ یہ فون نمبر صرف انتہائی اہم معاملے میں استعمال ہونا چاہیے۔ میں روزانہ دو بجے کر دس منٹ سے دو بج کر بیس منٹ تک... صرف دس منٹ کے لیے تمہاری کال کا انتظار کیا کروں گا۔ ان دس منٹوں کے علاوہ تم کبھی اس فون نمبر کو استعمال نہیں کرو گے، چاہے حالات کچھ بھی کیوں نہ ہوں۔"

چیف بہرام نے بات ختم کر کے الوداعی طور پر مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا پھر جلدی سے ہاتھ واپس کھینچ لیا۔ "ٹھیک ہے۔ اب تم جاؤ۔ اس تنظیم میں رہتے ہوئے کسی سے تعلقات بڑھانا ٹھیک نہیں ہے۔"

شہزاد اُٹھ کھڑا ہوا۔

دروازے کے قریب پہنچ کر وہ رُک گیا۔ عقب سے بہرام کی سرد آواز سنائی دی۔ "اور ایک بات ہمیشہ یاد رکھنا۔ ہمارے بارے میں زبان کھولنے کا دوسرا نام موت ہے۔ اگر کبھی تمہاری زندگی کے بدلے بھی یہ معلوم کیا جائے تو خوشی خوشی اپنی زندگی قربان کر دینا کیوں کہ چارہ گر اور فلکرانٹ کی حقیقت بے نقاب کرنے پر جو موت تمہارے مقدر میں لکھ دی جائے گی اُس کا تم کبھی تصور بھی نہیں کر سکتے۔"

ٹائیگر نے پلٹ کر بہرام کی طرف دیکھا۔

بہرام کی آنکھیں یکایک سُرخ ہو گئی تھیں جیسے اُن میں فوری طور پر خون اُتر آیا ہو۔ اُس نے اثبات میں سر ہلایا اور پھر دروازے سے نکل کر راہ داری میں چلنے لگا۔ اُس راہ داری میں چلتے چلتے وہ یکایک ٹھٹک گیا۔ جب وہ ادھر سے گزرا تھا تو بہرام کے دروازے کے علاوہ کوئی دروازہ دکھائی نہیں دیا تھا جب کہ اب اُس کے دائیں ہاتھ ایک دروازہ تھا جس پر کمرہ نمبر ۲۰۷ کے حروف روشن تھے۔

وہ دروازے کو دھکیلتا ہوا اُس کمرے میں داخل ہو گیا۔

☆

جزیرۂ فردوس کے دو سُراغ رساں ..... فردوسی ٹائمز نامی بلند و بالا عمارت کی لفٹ میں سوار بارھویں منزل کی طرف جا رہے تھے۔

"وہ یقیناً آٹھویں منزل سے گرا ہوگا۔" نعمان نے کہا۔

"اور زندہ نہیں بچا ہوگا۔" وحید نے تائید کی۔

"جب اُسے اسٹریچر پر ڈالا گیا تھا تو اُس کے حلق سے چند آوازیں نکلی تھیں۔ اِس کا مطلب ہے کہ وہ گرنے کے بعد بھی زندہ تھا۔ وہ آوازیں میں نے خود سُنی تھیں۔"

"کیا کہہ رہا تھا؟" نعمان نے چونک کر پوچھا۔

"اُن آوازوں کا کوئی مفہوم نہیں ہو سکتا۔"

"تم ایک ہی رٹ لگائے ہوئے ہو۔" نعمان نے ناگواری سے کہا۔ "اور تمہاری اِس بات نے ہمیں دُشواریوں میں مُبتلا کر دیا ہے۔"

"وہ، یہ بات شاید تم اِس لیے کہہ رہے ہو کہ ہمیں فردوسی ٹائمز کے مالک سے بات چیت کے لیے جانا پڑ رہا ہے... لیکن یہ تو سوچو کہ آخر مجھے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے۔ وہ زندہ تھا، زندہ..."

نعمان خاموش ہو گیا۔

دونوں گزشتہ آٹھ سال سے محکمۂ سُراغ رسانی میں ایک ساتھ

کام کر رہے تھے اور انہیں فردوسی ٹاورز نامی اس فلک بوس عمارت سے وابستہ خطرات کا بھی خوب اندازہ تھا۔ اس عمارت کا مالک بااثر شخص تھا۔ گزشتہ دس سال سے وہ برسرِ اقتدار سیاسی جماعت کی پشت پناہی کر رہا تھا اس لیے اُسے اہمیت حاصل ہونا ہی چاہیے تھی۔ فردوسی ٹاورز نامی اس عالیشان عمارت کی نگرانی اور حفاظت کے لیے مقامی پولیس کو خصوصی ہدایات دی گئی تھیں۔ ایک پولیس کار چوبیس گھنٹے اس عمارت کے چاروں طرف چکراتی رہتی تھی مگر کسی بھی پولیس افسر یا سرکاری آدمی کو بلا اجازت اس عمارت میں گھسنے کی اجازت نہیں تھی... جب کہ وہ دونوں اپنے فرض کے ہاتھوں مجبور ہو کر فردوسی ٹاورز کے مالک نیاز مچوری سے ملاقات کے لیے جا رہے تھے۔

نیاز مچوری اسی عمارت میں بائیس کمروں پر مشتمل ایک شان دار اپارٹمنٹ میں رہتا تھا۔ یہ اپارٹمنٹ سب سے اوپر کی منزل پر واقع تھا۔ ممتاز سیاست دان اور ملک کے دولت مند ترین شخص کے ایک باوردی ملازم نے جب ان دونوں سُراغ رسانوں کو کمرۂ نشست میں لے جا کر بٹھا دیا، تب نعمان کو خاص طور سے احساس ہو گیا کہ وہ ایک غلط اور خطرناک جگہ آ پھنسے ہیں۔

کس ایسی شخصیت سے یہ ان دونوں کی زندگی میں پہلی ملاقات تھی۔

کچھ دیر بعد انہیں ایک لائبریری میں پہنچا دیا گیا۔

چیری وُڈ کی قیمتی کرسی پر نیاز مچوری بیٹھا تھا۔ اس کے بالوں میں میک آپ تھی اور انہیں نہایت سلیقے سے جما یا گیا تھا۔ اس کی سیاہ چمک دار آنکھیں ساکت تھیں اور ہلکوں سے اندازہ ہوتا تھا جیسے وہ جھپکنا نہ جانتی ہوں۔ کتابوں سے سجے سجائے اس کمرے کی روشنی میں اس کی پُروقار شخصیت کی وجہ سے اضافہ ہو رہا تھا۔

باوردی ملازم ان دونوں کو اسٹڈی میں چھوڑ کر سر جھکائے واپس چلا گیا اور دروازہ بند ہو گیا۔

نیاز مچوری نے اثبات میں خفیف سا سر ہلایا اور انہیں بیٹھنے کے لیے اشارہ کیا۔ وہ جھجک آمیز انداز سے بیٹھ گئے۔ "ہم آپ کو اس انداز میں زحمت دینے کے لیے معذرت خواہ ہیں جناب۔" نعمان نے جھجکتے سے کہا لیکن نیاز مچوری نے شاہانہ انداز میں ہاتھ ہلا کر گویا یہ اشارہ دیا کہ انہیں اس سلسلے میں معذرت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ انہیں مطلب کی بات کرنا چاہیے۔

"جناب..." وحید نے تھوک نگل کر کہنا شروع کیا

"تقریباً ایک گھنٹہ ہوا... ایک شخص فردوسی ٹاورز کے سامنے والا فٹ پاتھ پر پڑا ہوا تھا۔ اُسے دیکھ کر یوں لگتا تھا جیسے وہ اس عمارت کی کسی منزل سے نیچے گرا ہو۔"

"کسی نے اُسے گرتے ہوئے دیکھا تھا؟" نیاز مچوری کی آواز گونجی۔ اس نے نہایت سادگی سے سوال کیا تھا لیکن بھاری آواز کی وجہ سے یوں لگتا تھا جیسے وہ ان دونوں کو چیلنج کر رہا ہو۔

نعمان نے ایک جھٹکے سے سر اُٹھایا۔ بات اُسے گفتگو کے لیے راستہ مل گیا تھا۔

"جی نہیں... کسی نے اُسے گرتے ہوئے تو نہیں دیکھا لیکن اندازے سے پتا چلتا ہے کہ وہ اس عمارت سے گرا ہے۔"

"ہو سکتا ہے۔" نیاز مچوری نے بے نیازی سے ہاتھ ہلایا۔ "اس کے لیے یہ کوئی خاص حیرت کی بات نہیں ہونی چاہیے۔ اس عمارت کے مکین بعض وقت بہت عجیب و غریب حرکتیں کر بیٹھتے ہیں۔ اپارٹمنٹ دینے سے پہلے ہم اس شخص اور اس کے خاندان کے بارے میں اچھی طرح تحقیقات کر لیتے ہیں... مگر کیا کریں انسان کے اندر پوری طرح تو نہیں جھانکا جا سکتا۔ اب اس شخص نے غالباً کسی منزل سے کُود کر خودکشی کی ہے۔"

دونوں سُراغ رساں خاموش بیٹھے رہے۔

نیاز مچوری کچھ دیر خاموش رہا جیسے وہ مزید کچھ کہنے کے لیے اپنے ذہن میں الفاظ کی ترتیب درست کر رہا ہو۔

"لیکن میرا خیال ہے، جناب اسے دھکا دے کر گرایا گیا ہے۔" وحید نے کہا۔

نیاز مچوری نے ایک قیمتی گرد پوش والی کتاب اُٹھائی اور اس کی ورق گردانی کرتے ہوئے بولا۔ "کتنی عجیب بات ہے۔ لوگ ایک دوسرے کی زندگیوں سے کھیلتے ہیں مگر دُنیا میں سبھی کچھ ممکن ہے۔"

اگر نعمان اور وحید دونوں کی ملازمتوں کو خطرہ لاحق نہ ہوتا تو وہ کھل کھلا کر ہنس پڑتے۔ جو شخص ان سے اتنی سادگی کے ساتھ خیال آرائی کر رہا تھا، اس کے بارے میں وہ خوب اچھی طرح جانتے تھے۔ ان کے خیال کے مطابق اس شخص کی گردن پر ان گنت انسانوں کا خون تھا لیکن اس کی شخصیت ہر جرم کی پردہ پوشی کر لیتی تھی۔

نعمان نے دیکھا کہ وہ اس وقت جس کتاب کی ورق گردانی کر رہا تھا۔ وہ شاہ نامہ کا ایک مجموعہ تھا۔ اس کتاب میں کچھ دیر اُلجھے رہنے کے بعد نیاز مچوری نے اسے میز پر رکھ دیا اور بولا۔

"اس شخص کو نیچے گرتے ہوئے خود میں نے ہی دیکھا تھا۔ اس وقت میں اپنے بلند کے ساتھ کھڑکی میں کھڑا شہر کا نظارہ کر رہا تھا کہ وہ آٹھویں منزل سے گرتا نظر آیا... میں فوراً اپنے ساتھ آٹھویں منزل پر آ گیا لیکن وہ شخص جس اپارٹمنٹ کی کھڑکی سے گرا تھا، وہ تو ایک عرصے سے خالی پڑا ہوا ہے۔ گویا اگر کسی نے اُسے خالی فلیٹ سے دھکا دے کر گرایا تھا تو وہ ہمارے وہاں پہنچنے سے پہلے ہی فرار ہو گیا ہو گا۔ اس حادثے نے میرے ذہن پر اچھا اثر نہیں کیا اس لیے میں توجہ بٹانے کے لیے فوراً لائبریری میں واپس آ گیا... ورنہ میں خود اس کے گرنے کی اطلاع دیتا۔"

"یقیناً جناب!" نعمان نے جلدی سے ہاں میں ہاں ملائی۔ "ایسے مناظر واقعی بے حد تکلیف دہ ہوتے ہیں... پھر آپ جیسے شخص کا متاثر ہونا یوں بھی ضروری ہے کہ آپ کو عوام سے پناہ مجھ ہے۔"

"خیر..." نیاز مچوری نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "اب میں آپ سے ایک درخواست کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے اس سلسلے میں دارا سے بھی بات کی تھی۔"

"دارا...؟" وحید نے چونک کر دُہرایا۔

"پولیس چیف دارا شکوہ..." نیاز نے وضاحت کی اور ہنس پڑا۔ "معاف کرنا، وہ میرا بے تکلف دوست ہے۔ اس لیے میں روانی میں کہہ گیا۔ بہرحال، اس نے بھی میرے خیال کی تائید کی ہے کہ ایسا ہی ہوا ہو گا۔ جیسے میں نے ابھی ابھی تم دونوں کو بتایا ہے۔"

"فرمایئے! ہمارے لیے کیا حکم ہے؟" دونوں بیک وقت بولے۔

"اس مقتول کے بارے میں..."

"وہ ابھی زندہ ہے، جناب!" وحید جلدی سے بولا۔

"اوہ..." ایک لمحے کے لیے نیاز مچوری کی حالت دگرگوں محسوس ہوئی لیکن فوراً ہی اس نے خود کو سنبھال لیا۔

"مگر جناب! اس کی حالت بے حد نازک ہے۔ وہ کسی بھی لمحے مر سکتا ہے۔ بلکہ ممکن ہے کہ اب تک وہ موت کے مُنہ میں پہنچ ہی چکا ہو۔" نعمان نے کہا

"آپ دونوں اس کے بارے میں معلومات حاصل کریں۔ وہ کون ہے، کہاں سے آیا ہے؟... مگر یہ سب کچھ آج رات تک معلوم ہو جائے تو اس حادثے کی تحقیقات وجہ آسانی سے [illegible] جائے گی۔ اس شخص کا یہیں منظر معلوم کرنا ضروری ہے۔"

"ہم نے ضابطے کے مطابق تفتیش شروع کر دی ہے۔" وحید نے کہا۔

"مگر میں اس کام کو اپنے طور پر اور غیر معمولی انداز میں کروانا چاہتا ہوں۔ کیونکہ یہ حادثہ مجھ سے بھی منسوب کیا جا سکتا ہے۔ میں عوام میں اپنی قدر و منزلت کو متاثر نہیں کرنا چاہتا۔ تمہیں اپنے فرائض کی بجاآوری کے ساتھ ساتھ چونکہ زیادہ محنت سے کام کرنا ہے اس لیے میں معقول معاوضہ دُوں گا۔"

"اس کی ضرورت نہیں جناب!" نعمان جلدی سے بولا۔ "تو ہمارا..."

نیاز مچوری نے ایک کارڈ نکال کر میز پر پھینک دیا اور پھر دراز سے دو گڈیاں نکالیں۔ بڑے نوٹوں کی گڈیاں تھیں۔ انہیں اُٹھتے کا اشارہ کرتے ہوئے اس نے کہا۔ "جیسے ہی کوئی کارآمد بات معلوم ہو۔ فوراً مجھے اس کی اطلاع دی جائے۔" آخری جملہ کہنے کا انداز ایسا تھا کہ اب وہ مزید گفتگو کرنے کی بجائے تخلیہ چاہتا ہے۔

وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ نوٹوں کی گڈیاں اُٹھائیں اور سلام کے لیے ہاتھ اُٹھاتے ہوئے باہر آ گئے۔ جہاں باوردی ملازم موجود تھا۔ وہ انہیں لے کر ہال کی طرف بڑھ گیا اور پھر لفٹ میں انہیں رخصت کر کے تیزی سے اسٹڈی میں آ گیا۔

"یہ آپ نے کیا کیا؟" باوردی ملازم غالباً نیاز مچوری کا مُنہ پڑھتا تھا، اس نے اندازے ہی کہا۔ "انہیں رقم دینے کی کیا ضرورت تھی۔ ان کو یوں بھی تو بھگایا جا سکتا تھا۔"

"تم نہیں جانتے۔" نیاز نے مسکرا کر کہا اور دوبارہ شاہ نامہ کا مجموعہ اُٹھا کر اس کی ورق گردانی کرنے لگا۔ "دراصل میں تھوڑا سا خوف زدہ ہو گیا ہوں۔"

"آپ کو خوف زدہ ہونے کی کیا ضرورت ہے؟"

"آخر وہ شخص کہاں سے ٹپک پڑا تھا؟"

"کیا...؟" باوردی ملازم نے حیرت سے کہا۔ وہ نیاز مچوری سے خاصا بے تکلف معلوم ہوتا تھا۔ غالباً اس کی حیثیت عام ملازم سے کچھ زیادہ ہی تھی۔

"کچھ نہیں... میرے لیے ایک جام تیار کر لاؤ۔"

"لیکن ڈاکٹر نے تو..."

"بحث نہ کرو۔ تم جانتے ہو کہ اس وقت مجھے ضرورت ہے۔"

"ٹھیک ہے، باس!" ملبّر نما شخص نے مسکرا کر کہا۔

ملبّر کے جاتے ہی نیاز مچوری کرسی سے اُٹھا اور کھڑکی [illegible] دیا۔ پھر وہ بالکنی میں آ گیا۔ شام کا دھندلکا پھیل رہا تھا اور نیچے... بہت نیچے شہر کی روشنیاں جھلمل جھلمل کرنے لگی تھیں۔

یہ اپارٹمنٹ اس نے اتنی بلندی پر خاص طور سے بنوایا تھا۔ یہاں نہ تو شہر کا دھواں پہنچتا تھا اور نہ ہی شور سنائی دیتا تھا.... اور نہ ہی پستیوں پر گرجتی برستی ماؤں کی آوازیں یہاں تک پہنچتی تھیں۔

وہ بالکنی سے بجلی روشنیوں کا نظارہ کرتے کرتے ماضی کے انہ میں کھو گیا۔ اب اس کی ماں زندہ نہیں تھی لیکن جب وہ زندہ تھی تو اس کی خواب گاہ میں اتنی تھی تو اس کا بیٹا میں ڈوبا ہوا ذہن یہ سمجھتا تھا کہ یہ نکہ اس کی ماں بڑھاپے میں قدم رکھنے کے باوجود خود کو جوان سمجھتی تھی۔ وہ اس کے بالوں کو پیار سے سہلاتی... پھر خواب گاہ سے نکل جاتی... یہ اس کا بہت پرانا معمول تھا۔ ان دنوں وہ دوسرے کے گھر میں اپنی ماں کے ساتھ رہتا تھا... دوسرا کمرہ اس کی ماں کی تحویل میں تھا جہاں سے وہ کسی مرد کی آوازیں سنتا رہتا... اور پھر رات کسی مرد ہی مرد کی آواز اس کی سماعت سے ٹکرایا کرتی تھی۔

ان دنوں بھی وہ سب سے اوپر والی منزل پر رہتا تھا کیونکہ بالائی منزل سماج میں سب سے نچلے درجے کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کی ماں ایک طوائف تھی لیکن وہ اپنے بیٹے کو اسکول بھیجتی تھی اور اسے ایک بڑا آدمی بنانا چاہتی تھی۔ وہ بڑا آدمی بن گیا... اتنا بڑا کہ ملک کے سارے ہی آدمی اس سے بہت نیچے رہ گئے لیکن اسے اس حیثیت کا مالک دیکھنے کی خواہش منداس کی بیوہ ماں زندہ نہیں تھی۔ اسے زندہ ہونا بھی نہیں چاہیے تھا کیونکہ نیاز مچھوی کسی ایسی عورت کا بیٹا کہلوانا ہرگز پسند نہ کرتا جو جسم فروشی کر کے زندگی گزارا کرتی تھی۔

اسے وہ وقت آج بھی یاد تھا جب اسکول کے لڑکے اس کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔ ایک روز کسی لڑکے نے اس کی ماں کے حوالے سے مذاق کیا تھا تو اس روز ایک سنسان گلی میں نیاز نے اس کی خوب مرمت کی تھی۔

... پھر وہ دن جب اس کی ماں تکیے کے نیچے اپنا پرس بھول گئی تھی۔ اس پرس میں کئی چھوٹے بڑے نوٹ تھے، اس نے تمام نوٹ نکال لیے اور گھر سے فرار ہو گیا۔ اس کے بعد وہ کبھی اپنے گھر واپس نہیں گیا۔ کافی عرصے بعد اخبار میں ایک خبر شائع ہوئی تھی جس کے مطابق ایک نشئے باز نے اس کی ماں کو قتل کر دیا تھا۔

جتنی رقم لے کر وہ گھر سے بھاگا تھا، وہ دو ہفتے میں ختم ہو گئی۔

نیاز نے آوارہ گردی شروع کر دی۔ ایک روز وہ کوئی پمفلٹ پڑھتا ہوا فٹ پاتھ پر چلا جا رہا تھا کہ اچانک ایک عمارت کی اوٹ سے نکلتا ہوا بھاری بھرکم آدمی اس سے ٹکرا گیا۔ نتیجتہً وہ چیز نیاز کے ہاتھ سے گر گئی۔

اس کی عمر چودہ سال تھی لیکن اسے اتنا غصہ آیا تھا کہ اس شخص سے بھڑ گیا... لیکن لڑکے دو مکوں سے زیادہ ہاتھ چلانے کی حسرت ہی رہی۔ کرانڈیل شخص کا ایک ہی گھونسہ اسے زمین پر پہنچا گیا تھا۔ بے ہوش ہو کر گرنے کے بعد اسے کتنی دیر بعد ہوش آیا، یہ تو اسے معلوم نہیں تھا

.... لیکن اس نے خود کو ایک آرام دہ بستر پر پایا۔ ادھیڑ عمر کی ایک عورت اس پر جھکی ہوئی تھی۔ اس عورت نے بے شمار زیورات پہن رکھے تھے۔

"لڑکے! تم اس واقعے کا تذکرہ کسی سے نہیں کرو گے۔" عورت نے کہا۔

اس نے حیرت سے ادھر ادھر دیکھا۔ کمرے میں کئی حسین لڑکیاں موجود تھیں۔ وہ باری باری سب کو دیکھنے کے بعد اسی عورت کی طرف متوجہ ہوا اور بولا "میرا اس دنیا میں کون ہے، جس سے میں تذکرہ کروں گا۔"

جس موٹے شخص سے وہ ٹکرایا تھا، وہ کسی لڑکی کو اغوا کر کے اپنے ساتھیوں کے ساتھ آرہا تھا کہ نیاز سے ٹکرا گیا۔ وہ یہی سمجھا کہ نیاز نے انہیں لڑکی کو اغوا کرتے دیکھ لیا تھا... پھر وہ اسے اٹھا لایا تھا اور وہ عورت اسی سلسلے میں اس سے بات چیت کر رہی تھی۔

عورت نے اس سے حالات معلوم کرنے کے بعد اسے اپنے ہی پاس رکھ لیا۔ وہ جسم فروش لڑکیوں کا اڈا چلاتی تھی اور اسے ایک ایسے لڑکے کی ضرورت بھی تھی جو لڑکیوں کے لیے پیغام رسانی کا کام انجام دے سکے۔

نیاز جوان تھا اور خوب صورتوں سے بات چیت کرنے اور انہیں خوش رکھنے کے فن سے خوب واقف تھا اس لیے جلد ہی وہ تمام لڑکیوں میں مقبول ہو گیا... اور یوں وہ شہر کے سب سے زیادہ فیشن ایبل علاقے میں بسنے لگا۔ کچھ عرصے بعد اسے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ وہ جس شخص سے تحریا تھا، وہ درحقیقت مجرموں کے ایک زیر زمین گروہ کا باس تھا۔

وہ ذہین تھا۔ اس نے جس ماحول میں قیام کیا، وہاں کے ایک ایک رہنے والے کی شخصیت حاصل کرنا اس کا مشغلہ تھا۔ جس شخص سے وہ تحریا تھا اس کا نام لوبان تھا۔ لوبان بھی اسے پسند کرنے لگا اور وہ اس سے تمام کام لیتا رہتا تھا۔

اسے اپنی مقتول ماں سے صرف ایک ہی چیز ورثے میں ملی تھی... وہ یہ کہ خواہش مند لوگوں کے مطابق اسے بہت بڑا آدمی بنانا تھا۔ اسے لوگوں کے دلوں سے جو کچھ بھی مٹانا تھا، وہ ان ہی چھوٹی چھوٹی باتوں کو بہت سنبھال کر رکھتا تھا لیکن کافی عرصے بعد جب اس نے تمام چیزوں کو بھی دیکھی تو ایک طویل سانس لے کر رہ گیا۔ اس طرح تو وہ کبھی بڑا آدمی نہیں بن سکتا تھا۔ یہ بات اس کے ذہن میں پیدائشی تھی کہ جس کے پاس جتنی زیادہ دولت ہو گی، وہ اتنا ہی بڑا آدمی ہو گا۔ اور وہ زیادہ دولت حاصل کرنے کے منصوبے بنانے لگا۔

اب تک اسے معلوم ہو چکا تھا کہ لوبان کافی دولت مند آدمی ہے۔ وہ اکثر لوٹ مار کر کے بڑی بڑی رقمیں حاصل کرتا تھا اس لیے نیاز نے سوچا کہ اسے لوبان ہی پر ہاتھ صاف کر دینا چاہیے۔

وہ موقعے کی تلاش میں رہا۔

لوبان کی سرگرمیوں پر گہری نگاہ رکھتا رہا۔

ایک سرد شام وہ موقع ہاتھ آگیا جس کی اسے ایک عرصے سے خواہش تھی۔ لوبان ایک واردات کے بعد اپنے ساتھیوں کو رخصت کر کے چلا جا رہا تھا کہ وہ اس کا پیچھا کرنے لگا... پھر ایک ویران جگہ اس نے پستول کے پے در پے وار کر کے لوبان کو قتل کر دیا۔ اس کے پاس واقعی کافی زیادہ رقم تھی۔

رقم لے کر وہ وہاں سے غائب ہو گیا۔

اب اسے واپس جانے کی بھی ضرورت نہیں تھی۔ اس رقم سے وہ اپنی نئی زندگی کا آغاز کر سکتا تھا۔ اس نے نئے کپڑے خریدے اور ایک معزز عورت سے شادی کر لی جس سے پہلے ہی سال ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ نیاز نے جزیرہ فروروں کے دارالحکومت میں کاروبار شروع کیا تو وہ مجھی کھانے کا کاروبار تھا... دریں وہ وہ کرایے کا قاتل تھا۔ اس کا معاوضہ ملک کے تمام قاتلوں سے زیادہ تھا... معاوضہ پر قتل کرتے کرتے اسے احساس ہوا کہ عورتوں میں زندگی گزارنے کے باوجود وہ ان سے پوری طرح واقف نہیں ہو سکا تھا۔ اس کی بیوی بے وفا نکلی۔ تب اس نے زندگی کا پہلا ایسا قتل کیا جس کا معاوضہ لینے والا کوئی نہیں تھا۔ وہ اپنی بیٹی نیلم سے بے پناہ محبت کرتا تھا اس لیے اسے لے کر وہ فرار ہو گیا اور کافی عرصے تک دارالحکومت میں کہیں نظر نہ آیا۔

... پھر ایک طویل مدت بعد وہ نیاز مچھوی بن کر واپس آیا تو اس کے پاس بے پناہ دولت تھی۔ جلد ہی وہ ایک سیاسی جماعت میں شامل ہو گیا اور اس کی سماجی حیثیت بڑھتی چلی گئی.... حتیٰ کہ وہ آج کا نیاز مچھوی بن گیا جس کی طرف آنکھ اٹھا کر کسی کو دیکھنے کی جرأت بھی نہیں ہو سکتی تھی۔

اس نے اپنی زندگی میں بغیر معاوضے کے دو قتل کیے تھے۔ ایک اپنی بے وفا بیوی کا خون... اور دوسرا اس پُراسرار شخص کا جسے اس نے فردوسی ٹاور زنامی عمارت سے نیچے پھینک دیا تھا، یہ قتل اس نے اپنی زندگی بچانے کے لیے کیا تھا۔ گزشتہ سال بھی اس نے ایک شخص کو موت کے گھاٹ اتارا تھا۔ وہ بھی شاید اسی شخص کے گروہ سے تعلق رکھتا تھا جس کی موت آج کچھ دیر قبل اس کے ہاتھوں واقع ہوئی تھی۔

نجانے یہ کون لوگ تھے اور کیوں اس کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گئے تھے۔ وہ ان سے خوف زدہ ہونے لگا تھا۔ اپنی مروجہ حیثیت برقرار رکھنے کے لیے وہ بے حد محتاط زندگی گزار رہا تھا لیکن یہ لوگ اس کی خفیہ سرگرمیوں کا کھوج لگا کر اس تک پہنچ گئے تھے، اب پھر وہ یہاں سے بھاگ جانا چاہتا تھا۔

وہ دیر تک بالکنی میں کھڑا ان پُراسرار آدمیوں کے بارے میں سوچتا رہا۔ اب تک وہ تین جام پی چکا تھا اور ابھی ابھی اس نے چوتھے جام کے لیے اپنے ملازم سے کہا تھا۔

☆

دارالحکومت کے سب سے بڑے اسپتال "شیرازی اسپتال" کی استقبالیہ کلرک نے اس وجیہہ مرد کو اپنی طرف آتے دیکھا تو اس کے ہونٹوں پر ایک بے ساختہ مسکراہٹ رقص کرنے لگی۔ کتنی مستانہ چال تھی، اس شخص کی... جسم کا ہر حصہ بڑی ہم آہنگی سے متحرک تھا۔ وہ یہ سوچے بغیر نہ رہ سکی کہ اس قسم کے مرد کی رفاقت کیسی قیامت برپا کرتی ہو گی؟

قریب آکر وہ رک گیا۔

... پھر اس نے دو انگلیاں کاؤنٹر پر ٹکا دیں۔ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر یوں مسکرایا جیسے اسے احساسِ جمال کے ساتھ ساتھ اپنی ذات پر بے پناہ اعتماد بھی رہا ہو۔

"کیا میں آپ کو تھوڑی سی زحمت دے سکتا ہوں؟" اس نے کہا تو وہ اس کے لہجے کی مٹھاس اور نغمگی میں کھو گئی۔

"فرمایئے" وہ پھنستی چلی گئی۔

"میں ایک ہیرکٹنگ کا سراغ رساں ہوں۔" وجیہہ شخص نے کہا۔ "اور اس وقت ایک بڑی مشکل میں گرفتار ہوں:"

استقبالیہ کلرک کی دھڑکنیں اس کے قرب سے اتنی تیز ہو چکی

تھیں کہ وہ یہ سوچے بغیر نہ رہ سکی، اس مرد کے لیے وہ سب کچھ کر گزرنے کے لیے تیار ہو جائے گی۔

"کیا مسئلہ ہے؟" اس نے بے ترتیب دھڑکنوں پر قابو پا کر پوچھا۔

"ہماری کمپنی نے ایک عمارت کا بیمہ کیا تھا لیکن آج اس عمارت میں ایک حادثہ پیش آ گیا۔ ایک شخص اس کی آٹھویں منزل سے گر پڑا تھا۔"

"اوہ... فراڈ سی ماورنہ کا زخمی..."

"ہاں... وہی..." نوجوان نے مسکرا کر کہا۔

"اسے پرائیویٹ وارڈ میں رکھا گیا ہے۔ کمرہ نمبر ۱۱۴... لیکن اس کی حالت اتنی نازک ہے کہ کوئی بھی اس سے نہیں مل سکتا۔"

"اگر تم چاہو تو میں آسانی سے مل سکتا ہوں۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر مسکرایا تو کلرک کی دھڑکنیں ایک بار پھر بے قابو ہو گئیں۔

"مجھے افسوس ہے۔" لڑکی نے گھبرا کر کہا۔ "اس مریض سے ملاقات کے لیے آپ کو کافی دیر انتظار کرنا پڑے گا۔"

"کیوں... تمہارے چاہنے کے باوجود؟"

"اگر میں نے آپ کو اندر جانے دیا تب بھی آپ اس سے نہیں مل سکتے۔"

"وہ کیوں؟"

"اس کمرے کے سامنے ایک مسلح پولیس مین موجود ہے۔"

"اوہ..." نوجوان کچھ مایوس نظر آنے لگا۔ "ٹھیک ہے، اب تو واقعی مجبوری ہے۔ میرا خیال ہے، مجھے مایوس واپس جانا پڑے گا جب کہ..." اس نے ایسی نظروں سے لڑکی کو دیکھا کہ وہ خود پر قابو نہ رکھ سکی۔

اس کے یوں واپس جانے کے خیال سے ہی لڑکی دل شکستہ ہو گئی۔ وہ حیران تھی کہ اچانک اُسے کیا ہو گیا ہے؟ اس سے پہلے تو وہ کسی مرد سے اتنی متاثر نہیں ہوئی تھی۔ یقیناً اس مرد میں کوئی خاص بات تھی جس نے اس کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ختم کر دی تھی۔ وہ ایک ہی نظر میں دل ہار بیٹھی تھی۔

"کیا اس مریض سے ملاقات بہت ضروری ہے؟"

وہ مزید آگے جھک گیا۔ اب ان دونوں کے چہروں میں تھوڑا سا فاصلہ تھا۔ لڑکی کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔ بے تکلفانہ اس وقت خیال تھا لیکن اگر کوئی وہاں موجود بھی ہوتا تو شاید کلرک اسے کوئی اہمیت نہ دیتی۔ یہ نوجوان اچانک ہی اُسے ہر چیز سے زیادہ اہم لگنے لگا تھا۔

"ہاں... یہ ملاقات بے حد ضروری ہے۔" نوجوان نے کہا۔ اس نے ابھی تک اپنا نام نہیں بتایا تھا اور نہ ہی لڑکی سے اس کا نام پوچھا تھا۔

"ٹھیک ہے، ایک صورت ممکن ہے۔" لڑکی بڑبڑائی جیسے خواب میں بول رہی ہو۔

"مجھے یقین تھا کہ تم کوئی حل ضرور نکال لو گی۔"

"تم دوسری لفٹ سے اوپر چلے جاؤ۔" لڑکی نے بھی بے تکلفی سے کہا۔ "میں کسی بہانے اس مسلح گارڈ کو نیچے بلاتی ہوں۔"

"بہت بہت شکریہ!"

"کتنی دیر تک روکے رکھوں؟"

"بیس منٹ، کافی ہوں گے۔"

"ٹھیک ہے، میں اسے بیس منٹ تک روک لوں گی... پھر جیسے ہی لفٹ کا بٹن روشن ہو کر یہ ظاہر کرے گا کہ تم نیچے آ رہے ہو، میں اُسے واپس بھیج دوں گی۔ واپس یہیں آ جانا، میری ڈیوٹی ختم ہونے والی ہے مگر کسی کو پتا نہ چلے۔"

"گھبراؤ نہیں... تم پر کوئی آنچ نہیں آنے دوں گا۔" اس کی آنکھیں مسکرانے لگیں اور استقبالیے سے نکل کر لفٹ کی طرف بڑھ گیا۔

شہزاد ٹائیگر کی شخصیت نے استقبالیہ کلرک کو واقعی مسحور کر دیا تھا۔ اس نے لفٹ کا بٹن دبا دیا۔ لفٹ میں اوپر جاتے ہوئے وہ سوچ رہا تھا کہ اس کے اُستاد اُرشان نے کتنی صحیح بات کہی تھی کہ بعض اوقات عورتیں مردانہ وجاہت کے سامنے بے بس ہو جاتی ہیں۔ فلکرافٹ میں قیام کے دوران میں اس نے بہت کچھ دیکھا تھا اور اُن گنت باتیں ذہن نشین کی تھیں جنہیں وہ بھول جانا چاہتا تھا۔ لیکن فی الحال اُسے اس مقصد میں کامیابی نہیں ہوئی تھی۔ وہاں کی ہر چیز کو ذہن سے نکال دینے میں فائدہ تھا کیوں کہ وہ اپنے سب سے پہلے استاد سرگوش کی طرح احمقانہ اور جذباتی انداز میں نہیں مرنا چاہتا تھا۔

اب تک شہزاد ٹائیگر اپنے بارے میں کوئی حتمی فیصلہ کرنے میں کامیاب نہیں ہوا تھا۔ اس نے ایک ہی بات سوچی تھی کہ سرگوش کو قتل کر دے گا اور پھر میکس ویل نامی شخص کو تلاش کرنے کی بجائے زندگی بھر کے لیے غائب ہو جائے گا۔ سرگوش کی موت کے بعد کوئی بھی اُسے تلاش نہیں کر سکے گا... پھر اس نے یہ تمام خیالات ذہن سے نکال دیے کیوں کہ ان پر عمل کا انحصار آئندہ پیش آنے والے حالات پر تھا۔

جب وہ پرائیویٹ وارڈ کے روم نمبر ۱۱۴ کے سامنے پہنچا تو وہاں کوئی مسلح گارڈ نہیں تھا۔ اس نے اِدھر اُدھر دیکھا۔

راہ داری بالکل خالی تھی۔

وہ دروازہ کھول کر کمرے میں داخل ہو گیا۔

اندر بستر پر ایک شخص دراز تھا۔ اس کی صرف آنکھیں اور ہونٹ

کھلے تھے۔ باقی جسم پٹیوں میں لپٹا ہوا تھا۔ آنکھوں اور مزاج کی سختی سے شہزاد نے یقین کر لیا کہ وہ سرگوش ہی ہے۔ اس کا ایک ہاتھ اور ایک ٹانگ پلاسٹر میں جکڑی ہوئی تھی۔ مریض کے سر کے اوپر ایک خاصا بے روشن بلب تھا جس کی مدھم روشنی میں سرگوش کی آنکھیں وحشناک انداز میں چمک رہی تھیں۔

شہزاد نے ایک نظر دیکھتے ہی طریقۂ قتل کا اندازہ کر لیا۔ اس کی پسلیاں ٹوٹی ہوئی تھیں۔ اگر وہ اس کے سینے پر معمولی سا دباؤ بھی ڈالتا تو ٹوٹی ہوئی پسلی اس کے دل میں گھس کر اُسے موت سے ہمکنار کر سکتی تھی۔ یوں اس کا خاتمہ بھی ہو سکتا تھا اور کسی کو شبہ بھی نہ ہوتا کہ سرگوش کو قتل کیا گیا ہے۔

اسے کمرے کے قریب پہنچ کر وہ آہٹ بھی سن چکا تھا جو ہمیشہ سرگوش کے لیے خطرے کا باعث ہوتی تھی۔ شہزاد کو حیرت ہوئی۔ اس آہٹ کی موجودگی اس کی سمجھ سے بالاتر تھی۔ شاید کوئی تفتیشی افسر اسے بھولے سے وہاں چھوڑ گیا تھا۔ وہ کن انکھیوں سے آہٹ کو دیکھتا ہوا آگے بڑھا، اور ایک ہاتھ مریض کے سینے پر رکھ دیا۔

"ٹائیگر..." ایک سرسراتی ہوئی آواز ہونٹوں سے نکلی۔ "تم نے میرے چہرے کو دیکھ کر اطمینان نہیں کیا کہ میں وہی ہوں جسے تھکانے لگانا مقصود ہے۔ میری جگہ کوئی اور بھی تو ہو سکتا تھا۔ مجھے تم سے اتنی بے پروائی کی توقع نہیں تھی... محتاط بنو کرو، دوست!"

دوست! یہ لفظ ٹائیگر کے دل میں کسی خنجر کی طرح اُتر گیا۔ سرگوش نے شاید یہ لفظ اس لیے استعمال کیا تھا کہ وہ اسے وقت فلکرافٹ سے باہر تھا۔ وہاں تو ایسے لفظ کبھی بھولے سے بھی کانوں تک نہیں پہنچتے تھے۔

تمہیں چاہیے تھا کہ سب سے پہلے..."

"خاموش!" شہزاد نے دھیمی سی غراہٹ آمیز آواز میں کہا۔

"مجھے میکس ویل کا سراغ مل گیا ہے۔" سرگوش نے کہا۔ "لیکن معلوم ہوتا ہے، تم اس کے بارے میں کچھ معلوم کرنے سے پہلے ہی مجھے قتل کر دینا چاہتے ہو؟"

"تمہارا خیال درست ہے۔ میں اس زندگی سے فرار چاہتا ہوں۔ مجھے اپنا یہ دوسرا جنم پسند نہیں آیا۔"

"اب تمہارے بچنے کا امکان ہے۔ صرف ۱۰ فیصد..."

"زندگی سے فرار کر سکتی ہے۔" سرگوش نے تحقیر آمیز لہجے میں کہا۔ اس کے اندازِ بیان سے پسلیوں کے زخموں کا ذرا بھی اثر نہیں ہوا تھا بلکہ وہ غیر معمولی طور پر پُرسکون محسوس ہوتا تھا۔ "اور تم یہ حماقتیں کرنا چھوڑ دو۔"

"کیسی حماقت؟"

"جس تم میرے سینے پر دباؤ ڈال کر شاید میری کسی ٹوٹی ہوئی پسلی کو میرے دل میں پیوست کرنا چاہتے تھے۔" سرگوش کے ہونٹوں سے آواز نکلی۔ "ایسا سوچتے وقت شاید تم یہ بھول گئے کہ پلاسٹر چڑھا جانے سے ہر کسی کو عام ہو سکتا تھا کہ میں طبعی موت نہیں مرا بلکہ مجھے قتل کیا گیا ہے۔ میرے اور قریب آ جاؤ۔"

شہزاد ٹائیگر بے حس اور بے حرکت کھڑا رہا۔

"تم نے میرے ذہن کو ایک راہ سُجھا دی ہے۔" اس نے کہا۔ "بہرحال بتاؤ وہ پُراسرار شخص، میکس ویل کون ہے اور کہاں ہے؟"

"میں اس وقت نہیں بتا سکتا کیونکہ ایک اور ٹیم نیاز مجھ تک آ گئی تھی۔ یہ شخص میکس ویل اور گروہ کا رابطہ ہے۔ میکس ویل کے بارے میں پتا چلا ہے کہ وہ صرف چند ہی آدمیوں کے سامنے آتا ہے۔ نیاز نے مجھے بتایا ہے کہ وہ ذرا سی غفلت سے فائدہ اٹھا کر بالکل سے نپٹ چھپنا ہے..."

شہزاد غور سے اس کی باتیں سن رہا تھا۔

"نیاز مچھوی بے حد دولت مند ہے۔ کوئی اس کے ماضی کا حال نہیں جانتا۔ اس کی واحد کمزوری اس کی جوان بیٹی نیلم ہے جو فلوریڈا کی کاؤنٹی میں زیرِ تعلیم ہے اور وہیں ہاسٹل میں رہتی ہے۔ اگر تم نیاز مچھوی کو قابو میں کرنا چاہتے ہو تو پہلے نیلم تک رسائی حاصل کرو... اس طرح تم میکس ویل تک پہنچ سکو گے۔"

شہزاد ٹائیگر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

سرگوش کے انجام پر اس کے باغیانہ خیالات رفتہ رفتہ ختم ہوتے جا رہے تھے اور وہ پورے خلوص سے اس مہم کو سرانجام دینے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اِرادہ بھی نہ جانے کہاں جا سویا تھا۔

"میں نے جلد بازی کی تھی۔" سرگوش کے ہونٹ کہہ رہے تھے۔ "مجھے میکس ویل کے بارے میں مکمل معلومات حاصل کیے بغیر اس عمارت میں قدم بھی نہیں رکھنا چاہیے تھے۔ اگر تم نے ایسا کیا تو تمہارا انجام بھی مجھ سے مختلف نہیں ہو گا... سمجھ گئے؟"

"ہاں... سمجھ گیا۔"

"خدا حافظ شہزاد، تم میرے خوابوں کی تعبیر ہو... میری روح کو مایوس نہ کرنا اور نہ وہ قیامت تک بے چین رہے گی۔"

شہزاد یکایک پلٹا اور دروازے کی طرف چل دیا۔

"شہزاد..." سرگوش نے قدرے تیز آواز میں کہا۔ "ابھی تمہیں ایک کام اور کرنا ہے۔ اسے پورا کر کے جاؤ۔"

"نہیں... میں ایسا نہیں کر سکتا۔" شہزاد نے جواب دیا۔

"اچھا... یہ آنکڑا میرے ہاتھ میں دے دو۔" سرگوشی نے استدعا کی۔ "میرا مرجانا ہی بہتر ہے۔"

شہزاد نے پلٹ کر آنکڑا اُس کے ہاتھ سے قریب کر دیا۔ صرف وہی ہاتھ سلامت تھا لیکن اس کا بازو بھی بے جان سا تھا... پھر وہ تیزی سے باہر نکلا اور لفٹ کی طرف چل دیا۔

اسپتال کی ناہمواری اس وقت بھی سنسان پڑی تھی۔

☆

شہزاد نے ایک ٹیلی فون بوتھ سے مخصوص نمبر ڈائل کیا۔ ایسا کرتے وقت اس نے ان اوقات کا خیال رکھا تھا جو بہرام نے اُسے بتائے تھے۔ فوراً ہی دوسری طرف سے رابطہ قائم ہو گیا۔

"یس... فور... فور..." بہرام کی آواز آئی۔

"میں شہزاد ہوں۔"

"بہت خوب! ٹائیگر۔ تم نے بڑی صفائی سے کام کیا۔" شہزاد کی آنکھیں سکڑ گئیں۔ بہرام جس کارنامے کی تعریف کر رہا تھا۔ وہ اس نے سرانجام نہیں دیا تھا۔ وہ ایک ایسے شخص کو کبھی قتل نہیں کر سکتا تھا۔ جس کے وہ خوابوں کی تعبیر تھا۔ شہزاد نے بہرام کی اس غلط فہمی کو دُور کرنے کی کوشش نہیں کی۔

"کیا آپ میری کارکردگی سے مطمئن ہیں؟"

"ہاں... مجھے اس کی موت کا غم ہے۔ وہ میرا دایاں بازو تھا اور بہت پرانا ساتھی... ہم ایک جان دو قالب تھے۔ خیر... کوئی نئی اطلاع؟" بہرام نے جلد ہی خود پر قابو پا لیا۔

"پانچ روز بعد میکس ویل کی لاش آپ کو مل جائے گی۔"

"کیا کہہ رہے ہو؟" بہرام خوشی سے چیخ پڑا۔

"میں غلط نہیں کہہ رہا ہوں۔"

دوسری طرف سے یکایک سلسلہ منقطع ہو گیا۔ اُسے بات کرتے ہوئے تخمیناً دس منٹ گزر گئے تھے۔ یہ خودکار نظام تھا جس کا سلسلہ مقررہ وقت پر خود ہی منقطع ہو جاتا تھا اور اس سے زیادہ بات نہیں کی جا سکتی تھی۔ اس سلسلے کا سب سے بڑا فائدہ یہ تھا۔ اگر کوئی لائن کو پیمائش کرنے کی کوشش کرے تو رابطہ خود بخود کٹ جاتا ہے۔

شہزاد نے ریسیور رکھ دیا اور بوتھ سے باہر آ گیا۔

اب وہ پوری تندہی سے اپنا مشن پورا کرنا چاہتا تھا کیوں کہ سرگوشی نے اس کے لیے راہ ہموار کر دی تھی... اس کے علاوہ کسی ایسے مشن کو ادھورا چھوڑنا اس کے بس سے باہر تھا جسے سرگوشی نے شروع کیا تھا اور اس میں اپنی زندگی ہار دی تھی۔

☆

نیاز مجوری نے ہار ایک طرف ڈال دیا۔

اس کی تمارت نے گرنے والے زخمی نے خودکشی کر لی تھی۔ اس کے پاس ایک تیز دھار نکڑا تھا جو فوجی پاتھ سے اُٹھایا گیا تھا۔ پھر تفتیشی افسران اسپتال کے کمرے میں بھول آیا تھا۔ اسپتال کے عملے نے یہ رائے ظاہر کی تھی کہ اس قدر مفلوج شخص محض ایک ہی سے اپنا گلا کاٹنے میں کیسے کامیاب ہو گیا۔

دفعتہً فون کی گھنٹی بجنے لگی۔

نیاز مجوری نے خیالوں سے چونک کر ریسیور اُٹھا لیا۔ دوسری طرف سے جزیرہ فردوس کا پولیس چیف بول رہا تھا۔ "ہیلو... مجوری صاحب! میں اس شخص کے بارے میں کچھ معلومات حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا ہوں۔ چارہ گر نامی ایک نفسیاتی اسپتال میں وہ ایک عرصے سے داخل تھا... پھر اُسے علاج مکمل ہو جانے کے بعد وہاں سے رخصت کر دیا گیا تھا۔"

"اوہ... تو وہ کوئی ذہنی مریض تھا۔" نیاز مجوری بڑبڑایا۔

"میں نے چارہ گر کے ڈاکٹر سے بھی بات کی ہے۔ اس کا نام ڈاکٹر بہرام ہے۔ میں نے اُسے تنبیہ کر دی ہے کہ اگر آئندہ اس کے ہاں سے کوئی ہیمر خصت یافتہ شخص باہر آیا تو اس کی تمام تر ذمہ داری چارہ گر پر عائد کی جائے گی۔ نعمان اور وحید آپ کے پاس تحقیقات کے لیے آئے تھے، انہوں نے کوئی گڑبڑ تو نہیں کی؟"

"نہیں... وہ دونوں اچھے سُراغ رساں ہیں۔"

"تھینک یو۔" پولیس چیف نے اطمینان کی سانس لے کر کہا۔ "اگر کوئی اور کام ہو تو فون کر دیجیے گا۔"

"ضرور... ضرور... کبھی دِن کھانے پر آؤ نا، دارا!"

"یقیناً آؤں گا۔" پولیس چیف دارا شکوہ نے کہا اور سلسلہ منقطع کر دیا۔

نیاز مجوری نے کریڈل دبا کر کچھ دیر تو سوچا... پھر اس نے ریسیور رکھ دیا اور دوسرے فون کی طرف متوجہ ہو گیا۔ یہ اس کا خصوصی فون تھا جس پر طویل فاصلے کی کالیں کی جاتی تھیں۔ اس نے ایک کال بُک کروائی جو فوراً ہی اُسے دے دی گئی۔

"ہیلو مونشر!" اس نے ماؤتھ پیس میں کہا۔ "کوئی خاص بات؟"

"نہیں... سب ٹھیک ہے۔"

"یہاں تو خاصی گڑبڑ ہو گئی ہے۔"

"کیا مطلب؟ کیا ہوا؟"

"کوئی مسلسل میرے پیچھے پڑ گیا ہے۔" نیاز مجوری نے فکرمندی سے کہا۔

"ناگروہ؟... یا سرکاری آدمی؟"

"یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔"

"ویا سیلی کے آدمی تو نہیں ہیں؟"

"اگر وہ ہوتے تو اتنی تشویش کی بات نہیں تھی۔ تمہارے لیے ایک کام ہے۔" اس نے سوچتے ہوئے کہا۔ "کیا تم نے کبھی چارہ گر نامی کسی اسپتال کا نام سُنا ہے؟ یہ ذہنی اور نفسیاتی مریضوں کا اسپتال ہے۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔" دوسری طرف سے حیرت ظاہر کی گئی۔

"تم وہاں ذہنی مریض بن کر داخل ہو جاؤ۔ مجھے شبہ ہے کہ اس اسپتال ہی میں کوئی گڑبڑ ہے۔ وہاں رہ کر جائزہ لو کہ کیا بات ہے؟"

"لیکن میں تو ریٹائر ہونے کا ارادہ کر رہا تھا۔" دوسری طرف سے مونشر نامی شخص نے کہا۔ "بلکہ میں تو آپ کو بھی یہی مشورہ دینے والا تھا۔ ہمارے پاس اب کسی چیز کی کمی نہیں۔ ہمیں زیادہ کی طمع میں خود کو ہلاکت میں نہیں ڈالنا چاہیے۔"

"نہیں... فی الحال یہ ممکن نہیں۔" نیاز مجوری کا لہجہ یکایک سخت ہو گیا۔ "خاموشی سے کام کرتے رہو۔"

"ٹھیک ہے، باس۔" دوسری طرف سے ایک طویل سانس لے کر کہا گیا۔ "جو آپ کا حکم ہو... میں دیکھوں گا کہ چارہ گر میں یہ چکر چل رہا ہے۔"

نیاز مجوری نے اُسے چند ہدایات دیں اور سلسلہ منقطع کر دیا۔

ریسیور رکھنے کے بعد نیاز مجوری کی حالت مزید بے چین ہو گئی۔ وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔ کچھ دیر وہ پنجرے میں بند کسی درندے کی طرح ٹہلتا رہا... پھر اس نے اپنے خاص ملازم کو طلب کیا... جو شخص جوتے برش کر رہا تھا۔ ہلوس اس کا خادم تھا۔

اس نے اُسے حکم دیا کہ اپنے خاص خاص آدمیوں کو جمع کرے۔ دارالحکومت میں موجود اپنے تمام آدمیوں کو خاموشی سے کام کرنا شروع کرے۔ جب وہ پریشان کچھ بھی مشکوک رہی ہو۔ ہلوس سر ہلاتا ہوا چلا گیا تو نیاز مجوری نے ایک بار پھر ٹہلنا شروع کر دیا۔ نہ جانے کیوں بار بار اس کا دل بیٹھا جا رہا تھا... معلوم نہیں کیوں اُسے موت کی بُو محسوس ہونے لگی تھی۔ وہ دل ہی دل میں نڈھال ہو گیا تھا اور دل کا درد بے چینی اُسے پاگل کیے جا رہی تھی۔

مونشر اس کا خاص آدمی تھا جو دوسرے شہر میں کام سنبھالے ہوئے تھا جب کہ ویا سیلی دارالحکومت ہی میں تھا۔ ویا سیلی کو وہ اپنا دایاں بازو سمجھتا تھا حالانکہ مونشر نے اس پر شبہ ظاہر کیا تھا... ویا سیلی سے کچھ عرصہ قبل چند اختلافات ہو گئے تھے لیکن جلد ہی معاملہ رفع دفع ہو گیا تھا اور اس کے بعد سے ان دونوں کو ایک دوسرے سے کوئی شکایت نہیں ہوئی تھی۔ آج بھی ویا سیلی اس کے وفاداروں میں سے تھا۔

رات بھر وہ اپنی اسٹڈی میں ٹہلتا رہا۔ اس دوران میں کئی بار فون کی گھنٹی بجی اور ہر مرتبہ اُسے کسی نہ کسی کے ٹھکانے لگانے کی خبر سُنائی جا رہی تھی۔ جیسے جیسے مقتولین کی تعداد بڑھ رہی تھی۔ نیاز مجوری کا خوف کم ہوتا جا رہا تھا لیکن وہ بے کلی کسی طرح پیچھا چھوڑنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی جو اُسے اس پُراسرار شخص کی آنکھوں میں نیچے پھینکنے کے بعد سے محسوس ہونا شروع ہو گئی تھی... اور جیسے جیسے وقت گزرتا جا رہا تھا، یہ بے چینی بڑھتی ہی جا رہی تھی۔

صبح ہونے سے کچھ پہلے ایک بار پھر فون کی گھنٹی بجی۔

اس بار دوسری طرف سے ویا سیلی بول رہا تھا۔ "باس..." اس کے لہجے میں بے چینی تھی۔ "بات ہے؟ کیوں اتنی صبح فون کیا ہے؟"

"میں نے تمام آدمیوں کا خاتمہ چاہا تھا جو کسی نہ کسی طور میرے لیے خطرناک ثابت ہو سکتے ہیں۔"

"مجھے ذرا احتیاط تھی... ویسے یہ میں کام کرنے والوں کو اس کا پتا چل گیا ہے کہ یہ کام مچھلی پر اچانک ہی خون سوار ہو گیا ہے۔"

"تم یہ فکر نہ کرو۔"

"کیوں نہ کروں۔ مجھ سے زیادہ اب آپ کے اہم آدمی رہ گئے ہیں۔"

نیاز مجوری ہنس پڑا۔ "کبھی کبھی جب تم اس بات کا حوالہ دیتے ہو تو میرے دل میں تمہارے لیے بھی شبہ پیدا ہو جاتا ہے۔"

"اوہ... تو پھر کیا میں خود کو بھی موت کے دہانے پر سمجھوں؟"

دوسری طرف سے ویا سیلی نے مضمحل خیزی سے کہا۔ "ویسے اگر آپ چاہیں تو میں اپنے ہاتھوں اپنی گردن کاٹ کر آپ کے سامنے پیش کر سکتا ہوں۔"

"شکریہ، ویا سیلی۔ مجھے تم پر پورا اعتماد ہے۔"

"باس، یہ میکس ویل کون ہے؟"

"میکس ویل؟" نیاز مجوری نے دُہرایا اور اس کا چہرہ کسی لاش کا چہرہ معلوم ہونے لگا۔ لیکن اس کی آواز میں کوئی کمزوری پیدا نہیں ہوئی۔ "میں اس نام کے کسی شخص سے واقف نہیں۔ کیوں... کیا بات ہے؟"

"بہرحال، کچھ آدمی اسے تلاش کرتے ہوئے نجوم تک پہنچے تھے۔ یہ ان میں انہیں ٹھکانے لگا چکا ہوں۔"

"اوہ..." ٹائیگر مجھوی نے ایک طویل سانس لے کر سلسلہ منقطع کر دیا۔ اس فون کال نے اس کی پریشانی کو مزید بڑھا دیا تھا۔ وہ نڈھال ہو کر تھک گیا تھا لیکن نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ وہ بے دم سا ہو کر ایک کرسی پر بیٹھ گیا اور تھکن سے آنکھیں بند کر لیں۔ بدبختی نے چاروں طرف سے یلغار کر رکھی تھی اور خوف و خدشات کے مہیب دیو ہر طرف سے منہ پھاڑے اس کی طرف بڑھ رہے تھے...

وہ کرسی پر بے دم سا پڑا ہانپتا رہا۔ کئی بار فون کی گھنٹی بجی لیکن اس نے ریسیور نہیں اٹھایا... اور نہ ہی فون کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھا حتیٰ کہ سپیڈو کی سرخی لیے روشن انگلی مخ پر رمن کے آغاز کا اشارہ دینے لگی اور فون کی گھنٹی آخری بار بج کے بعد بند ہو گئی۔

☆

شہزاد ٹائیگر کے لیے لڑکیوں کے اس ہاسٹل میں داخل ہونا زیادہ مشکل ثابت نہ ہوا۔ صفائی والا کارڈ اس کا سب سے بڑا مددگار تھا۔ اس نے سب سے پہلے بوڑھی میٹرن جی کا انٹرویو لے ڈالا اور اسے یقین دلا کر وہ اس انٹرویو کو اخبار میں خوب نمایاں کر کے شائع کرے گا، بوڑھی میٹرن خوشی سے پھولی نہیں سما رہی تھی۔ شہرت اور نمایاں ہونے کی خواہش کس میں نہیں ہوتی، پھر وہ تو ایک ایسی بوڑھی عورت تھی جس نے اپنی ساری زندگی گمنامی اور ہاسٹل کی لڑکیوں کے علاوہ اسے کوئی نہیں جانتا تھا۔ بہرحال اس بوڑھی عورت سے اجازت حاصل کرنا بے حد آسان ثابت ہوا۔

جب اس کا تعارف نیاز مجوی کی بیٹی نیلم سے ہوا تو وہ خلاف توقع ایک سادہ لباس اور بہت کم گھاڈ والی لڑکی ثابت ہوئی۔

"میں آپ سے چند سوالات کرنا چاہتا ہوں۔" شہزاد نے اپنی شخصیت کی تمام تر سحر آفرینیاں آزماتے ہوئے کہا۔

"ضرور کرو..." نیلم نے پنسل کی نوک ہونٹوں میں دبائے ہوئے کہا

شہزاد نے بھرپور نظر اسے دیکھا۔ گو وہ سیدھا تو نہیں تھا لیکن اس کا سراپا قیامت ڈھا سکتا تھا۔ بوڑھی میٹرن انہیں متعارف کرا کے جا چکی تھی... اور شہزاد محسوس کر رہا تھا کہ لڑکی اس کے قرب سے کچھ گھبرائی سی ہے۔

"میں یہ سوچ رہا ہوں کہ عورت کا کائنات سے کیا رشتہ ہے؟"

"مابعد الطبیعاتی طور پر...؟"

"جی ہر..." شہزاد نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"عورت کا بنیادی مقام تو نسل انسانی کو بڑھانا ہے مگر..." وہ رک رک کر بولتی رہی اور شہزاد اپنی ڈائری پر کھٹا رہا۔ جب وہ اسے ثقافت، بدتہذیبی تو شہزاد نے بعض باتوں کی وضاحت چاہی... اور ان کے درمیان اچھی خاصی بحث ہو گئی جس کا انجام آخر بے تکلفی پر شہزاد نے ڈنر کی دعوت دے دی... اور نیلم نے اسے قبول کر لیا۔

شہزاد نے چند دوسری لڑکیوں سے بھی سوالات کرنے پڑے۔ انہیں بھی اپنی ڈائری میں لکھنا پڑا... پھر دو گھنٹے بعد وہ باہر نکلا تو اس کے ہونٹوں پر طمانیت بھری مسکراہٹ تھی... لیکن پھر اس نے اندر کا جائزہ لیا، اس کی مسکراہٹ دم توڑ گئی۔

اسے ایک مضبوط جسم کا آدمی دکھائی دیا جو کچھ فاصلے پر [illegible] سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ شہزاد نے [illegible] وہ پہچان چکا تھا۔ یہ شخص اس کی نگرانی کر رہا ہے... اس بات کا [illegible] بھی جلد ہو گئی۔ شہزاد نے اپنے ہوٹل جانے کی بجائے کار [illegible] ادھر ادھر چند سڑکوں پر گھمایا تھا اور اس دوران میں وہ نیلی کار اس کے پیچھے لگی رہی تھی... البتہ دونوں کاروں کے درمیان کافی فاصلہ تھا۔

شہزاد اپنے ہوٹل پہنچا اور پھر لفٹ میں سوار ہو کر سیدھا اپنے کمرے میں آ گیا۔ اس نے کھڑکی کھولی اور جھانک کر نیچے دیکھا۔

وہ شخص سڑک پر موجود تھا۔

شہزاد نے اثبات میں سر ہلا کر کھڑکی بند کر دی۔ گویا کھیل شروع ہو چکا تھا! سے ہیجان سا محسوس ہونے لگا اور اس کی نبض بار بار سخت ہونے لگیں... اور جبلی طور پر وہ کسی کا خون بہانے کی خواہش میں مبتلا ہو گیا۔

وہ چند منٹ تک ایک کرسی پر بیٹھا سوچتا رہا... پھر اس نے کھڑکی کھولی تو وہ شخص غائب تھا اور نیلی کار کا دور دور نام و نشان تک نہیں تھا وہ مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔ اس تعاقب اور نگرانی کا ایک ہی مطلب ہو سکتا تھا کہ نیاز مجوری کو احساس ہو چکا تھا کہ اس کی مزید سے بھی فائدہ اٹھا سکتا ہے... نیلم واقعی ایک لڑکی تھی کہ کوئی بھی مرد اسے اپنی ضرورت بنا سکتا تھا۔

شہزاد نے ایک انگڑائی لی اور نیلم کا سراپا اس کے تصور میں آ گیا۔ وہ آنکھیں بند کیے کرسی کی پشت سے ٹک گیا۔

ڈنر میں ابھی کافی دیر تھی اور نیلم نے ٹھیک آٹھ بجے آنے کا کہا تھا۔ آٹھ بجے تک خیالوں ہی خیالوں میں نیلم کے سراپا کو سامنے اسے تصور کی تصور میں پہلنے کے علاوہ شہزاد کے پاس کوئی اور مصروفیت [illegible] سامنے دیوار گیر گھڑی پر نظر پڑی تو ساڑھے سات کے تعاقب میں [illegible] ہے تھے اور کمرے میں شام کے سائے تیرنے لگے تھے۔

ٹھیک آٹھ بجے دروازے پر دستک ہوئی تو وہ روشنی کرتا ہوا اٹھ گیا۔ دروازہ کھولا تو سامنے نیلم اپنی تمام تر حشر سامانیوں کے ساتھ موجود تھی اور پھر وہ مطلع قیامت اس کے کمرے میں داخل ہو گئی

☆

شہزاد اور نیلم بہت جلد ایک دوسرے کے قریب آ گئے۔

ڈنر کے بعد وہ کافی کی چسکیاں لیتے ہوئے باتیں کر رہے تھے اور ان کی باتوں میں محبت کے جذبات کا اثر ہر گزرتے ہوئے لمحے کے ساتھ گہرا ہوتا جا رہا تھا۔ شہزاد نے محسوس کر لیا تھا نیلم اب پوری طرح اس کی منتظر ہے۔ نکمرانٹ میں اسے اچھی مورتیں اور اچھے جسم میسر نہیں آئے تھے۔ اس لیے نیلم اس پر بیتابانہ کچھ گہرا ہی ہو جانے کو تھی۔

شہزاد نے ڈریسنگ روم میں جھانکا تھا، وہاں تک کسی عورت کے کوئی اثرات نہیں ہوئی تھی جس سے احساس ہوتا کہ نیاز مجوری کو ان کی اس ملاقات کا علم ہو چکا ہے... لیکن یہ شاید شہزاد ٹائیگر کی چھٹی حس ہی تھی جس نے اسے بار بار یہ بتانا شروع کر دیا تھا کہ معاملہ بظاہر جتنا سرسری لگ رہا ہے، درحقیقت اتنا سادہ اور صاف ستھرا نہیں ہے۔ آس پاس کہیں نہ کہیں کوئی گڑبڑ ضرور تھی اور وہ اپنی سوچوں کا رخ بار بار اسی گڑبڑ کی طرف موڑ دیتا تھا۔

اچانک فون کی گھنٹی بجنے لگی۔

وہ کن انکھیوں سے فون کی طرف دیکھنے لگا۔

دنیا میں صرف بہرام ہی ایک ایسا شخص تھا جو اسے فون کرتا تھا اور اس کے فون کرنے کی کوئی وجہ سامنے نہیں تھی۔ اس لیے شہزاد کو یقین ہو گیا کہ اس کال کا تعلق کسی نہ کسی طرح نیلم سے ضرور ہو گا۔

اس نے ریسیور اٹھا لیا۔

"ہیلو..." ہونٹوں سے آواز کی آواز سنائی دی۔

"شہزاد..." ٹائیگر نے ایک ٹھوس سانس لے کر کہا۔ "کیا بات ہے؟"

"ایک صاحب آپ سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔"

"ریسیور انہیں دے دو۔" شہزاد کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔

"ہیلو..." ایک اجنبی آواز سنائی دی۔ بولنے والا کوئی نوجوان تھا۔ اس کے بے حد کوشش کر رہا تھا لیکن اسے اس مقصد میں کامیابی نہیں ہوئی تھی۔ "مسٹر شہزاد! کیا آپ کچھ دیر کے لیے نیچے تشریف لا سکتے ہیں؟"

"کیوں...؟" شہزاد نے سرسری لہجے میں پوچھا۔

"مجھے آپ سے ایک اہم معاملے پر گفتگو کرنی ہے۔"

"فون پر بھی تو کی جا سکتی ہے۔"

"نہیں... معاملہ زیادہ اہم ہے۔"

"میں اس وقت مصروف ہوں۔ آپ کل صبح..."

"یہ ہم دونوں کے فائدے کی ملاقات ہو گی۔ مسٹر شہزاد۔" بولنے والے نے جلدی سے اس کی بات کاٹ دی۔

ٹائیگر کان تیزی سے کام کر رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ ممکن ہے یہ بہرام ہی کا کوئی آدمی ہو۔ جسے اس سے رابطہ قائم کرنے کی ہدایت کی گئی ہو... اور یہ بھی ممکن تھا کہ بولنے والا نیاز مجوری ہی کا کوئی آدمی ہو... بہرحال دونوں ہی صورتوں میں نیچے جانا ضروری تھا۔ یہ کوشش کے باوجود بھی نہیں جانتا تھا اس دعوت پر قدم... اور ہر ساعت ایک نئے خطرے کے لیے انسان کو تیار رہنا چاہیے۔

"ٹھیک ہے۔ میں آ رہا ہوں۔" ٹائیگر نے کہا اور ریسیور رکھ کر سیلف کی طرف متوجہ ہو گیا۔ "میں دیر کے لیے نیچے جا رہا ہوں۔ مجھے ایک مضمون کے سلسلے میں فوری معاوضہ کرنا ہے۔"

"اوہ..." نیلم نے خفگی سے کہا۔ "یقیناً یہ تمہاری زندگی کا سب سے معرکتہ الآرا مضمون ہو گا جبھی تم دوڑے چلے جا رہے ہو..."

"ہاں، مائی سویٹ!" اس نے نیلم کے گال سہلاتے ہوئے کہا۔ "کچھ ایسا ہی معاملہ ہے۔"

"اگر تم نصف گھنٹے کے اندر اندر واپس نہ آئے تو میں بھی جاؤں گی اور کبھی واپس نہیں آؤں گی۔" نیلم نے دھمکی آمیز لہجہ اختیار کر لیا جو اپنے دولت مند باپ سے غالباً اسے ورثے میں ملا تھا۔

"تم فکر نہ کرو۔ میں اس سے بھی جلدی آ جاؤں گا۔" ٹائیگر نے کہا اور اسے معنی خیز نظروں سے دیکھتا ہوا دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ دروازہ کھول کر وہ باہر آیا اور عقب میں دروازہ بند کرتا جیسے ہی دروازہ بند ہوا ٹائیگر کو شدید حیرت اور بے یقینی کے ایک لمحے سے دوچار ہونا پڑا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے زبردست روشنی کا جھماکا سا ہوا اور اس کا ذہن اندھیروں میں ڈوبتا چلا گیا تھا۔ گرتے وقت اس نے صرف یہی دیکھا کہ راہداری میں بچھا ہوا قالین تیزی سے اس کی کھوپڑی سے قریب تر ہوتا جا رہا ہے۔

...اور اس کے بعد وہ گرد و پیش سے بے نیاز ہو گیا۔

☆

ٹائیگر ہوش میں آیا تو وہ ایک کار کی پچھلی سیٹ پر دو آدمیوں کے درمیان ٹھنسا بیٹھا تھا۔ کار میں تاریکی تھی۔ اس نے بیدار ہونے کے بعد فوراً ہی آنکھیں نہیں کھول دی تھیں بلکہ کن انکھیوں سے سب کا جائزہ لینے لگا تھا۔ تاریکی میں وہ سب کو پہچاننے میں

کا باپ نہ ہو سکا... البتہ ایک چہرہ اُسے کچھ مانوس محسوس ہوا۔
یہ وہی شخص تھا جس نے نیلم کے ہاسٹل سے ہوٹل تک اُس کا پیچھا کیا تھا۔ وہ اُس کے بائیں ہاتھ بیٹھا تھا اور اُس کے دائیں ہاتھ ریوالور تھا جس کی نال ٹائیگر کو اپنے جسم سے چھوتی محسوس ہو رہی تھی۔

دُوسری طرف جو شخص بیٹھا تھا، اُس کی سائیں چُھنکاروں سے مشابہ تھی، سامنے والی سیٹ پر ڈرائیور کے پہلو میں ایک دُبلا پتلا شخص تھا۔ خود ڈرائیور ایک بھاری بھرکم آدمی تھا۔ اُس کی گردن خاصی موٹی تھی۔

کار ایک جگہ رُکی ہوئی تھی۔

اِس کا مطلب تھا کہ وہ لوگ اُس کے ہوش میں آنے کا انتظار کر رہے ہیں۔ شہزاد نے حلق سے ہلکی سی کراہ نکال کر اپنے ہوش میں آنے کا اعلان کر دیا۔

"اوہ... ہمارا مہمان ہوش میں آگیا ہے۔" ریوالور والے کی غراتی ہوئی آواز ٹائیگر کو سماعت سے ٹکرائی تو اس نے پہچان لیا کہ یہ وہی آواز ہے، جو اس سے کچھ دیر قبل فون پر سُنی تھی لیکن اس بار وہ برہم نہیں تھا۔

"تو ان ہونق لوگ اور کیا چاہتے ہو؟" شہزاد نے جھلائی ہوئی آواز میں کہا۔

"ہم تمہیں ایک بہت بڑی رقم دینا چاہتے ہیں۔"

"وہ کس سلسلے میں؟"

"تاکہ وہ رقم لے کر تم یہاں سے ہمیشہ کے لیے چلے جاؤ۔"

"کیوں...؟" شہزاد نے حیرت ظاہر کی۔

"یہ تمہیں ابھی پتا چلتا ہے۔" اس نے وجہ نہیں بتائی۔

"وہ کون ہے؟"

"یہ نہیں بتایا جا سکتا۔" ریوالور والے شخص نے کہا۔ "بہرحال، اب تمہارے سامنے دو ہی بہتر صورت ہے کہ تم رقم لے کر چلے جاؤ۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تمہیں قتل کر دیا جائے گا۔ اگر تم نے یہ بات کسی کو بتائی تب بھی تمہیں قتل کر دیا جائے گا۔ اگر تم واپس آئے تو تمہیں قتل کر دیا جائے گا، سمجھ گئے؟"

شہزاد نے کندھے اُچکا دیے۔

"تم نے جو کچھ بھی کہا ہے، وہ صاف اور واضح ہے۔" شہزاد نے سرسری لہجے میں کہا۔ "البتہ ایک بات شاید تمہیں معلوم نہیں ہے۔"

"وہ کیا...؟"

"میں تم سب کو جہنم رسید کرنے کا ارادہ کر چکا ہوں۔" یہ کہتے ہوئے سب سے پہلے اس کی بائیں کہنی ریوالور والے کی کنپٹی پر ٹکرائی اور اس کے ہاتھ سے ریوالور شہزاد کے ہاتھ میں پہنچ گیا۔ اسی دوران شہزاد کا دایاں ہاتھ برابر میں موجود دوسرے شخص کی گردن پر پڑا اور اس نے قبل فرنٹ سیٹ کے دونوں آدمی حرکت میں آتے اس کی ہتھیلی کا کنارا اُس پتلے شخص کی ناک اور پیشانی کے درمیانی حصے سے ٹکرایا۔ ہڈی کی کی آواز سنائی دی جب کہ شہزاد اب ڈرائیور کی موٹی گردن کو دبا رہا یہ سب کچھ چند ہی لمحوں میں ہو گیا تھا اس لیے وہ تو کو سمجھ سکا کہ معاملہ کیا ہے اور نہ ہی کسی سے مدافعت ہو سکی ریوا والا شخص اسلحہ گھما دینے کے بعد پریشان تھا کیونکہ اس کے ہاتھ جگہ چھوڑ گئی اور وہ بائیں ہاتھ آرام سے اپنے فالج ہو گیا تب شہزاد نے اس کی کھوپڑی کے درمیان ہتھیلی سے وار کیا۔ وہ اس میں سر کے بل جھک آیا۔ ڈرائیور اسٹیرنگ پر سر ٹکائے ہوئے تھا اور کی گردن ٹوٹ چکی تھی۔

اب صرف دائیں طرف بیٹھا ہوا شخص قدرے ہوش میں شہزاد نے کار میں روشنی کر دی۔ اس شخص نے جب اپنے ساتھی حشر دیکھا تو خوف سے بُری طرح چیخنے لگا۔ ہر شخص کی صورت کے بعد بے حد بھیانک ہو گئی تھی۔

"کیوں دوست!" ٹائیگر نے اس کی طرف جھک کر کہا۔ "اب میں سے کس کا چہرہ تمہیں پسند آیا ہے؟ جلدی فیصلہ کرو، تمہارے نقش دلنگار بھی اسی انداز میں تبدیل کر دیے جائیں۔"

"مجھے قتل نہ کرنا... مجھے چھوڑ دو..." وہ گھگھیایا۔

"ٹھیک ہے۔" شہزاد نے بے رحمی سے کہا اور پستول سے ٹک گیا۔ "میں تمہیں چھوڑ دیتا ہوں لیکن اس کے لیے مجھ کو قائل کرنا پڑے گا کہ میرے لیے ایسا کرنا جائز ہے۔"

"مم... میں... بے قصور ہوں۔"

"صرف یہ کہنا کافی نہیں ہے۔"

"میں نے تمہارے خلاف کچھ نہیں کیا۔"

"پھر شاید تم یہاں محض تماشا دیکھنے آئے تھے۔" نے مسکرا کر کہا۔ "اچھا بتاؤ... تمہیں کس نے بھیجا تھا؟"

"ن... نیاز... مچھوری..."

"ہوں۔ کیا تو کسی میکس ویل نامی شخص کو جانتا ہے؟"

"نہیں... صرف نام سُنا ہے۔ وہ پندرہ آدمیوں کا آقا ہے۔"

"اور وہ پندرہ آدمی کون ہیں؟"

"دیا بسلی کے علاوہ میں کسی کو نہیں جانتا۔"

"اس کے علاوہ کوئی کارآمد بات بتا سکتے ہو؟"

"نہیں... مجھے اور کچھ معلوم نہیں۔"

"اس کا مطلب ہے کہ اب تم میرے لیے بالکل بیکار ہو... اور بیکار چیزوں کو میں اپنے ساتھ رکھنا پسند نہیں کرتا۔" ٹائیگر نے کہا اور اس کی دو انگلیاں تیزی سے اس شخص کی آنکھوں کی طرف بڑھیں۔ وہ زور سے چیخا لیکن انگلیاں پہلی دو پوروں تک اس کی آنکھوں میں دھنس چکی تھیں۔ اس کا سر جھک گیا تو شہزاد کی ہتھیلی اس کلہاڑے کی طرح گردن پر پڑی۔ حلق سے ذرا سی آواز تک نکالے بغیر وہ شخص گر گیا۔

شہزاد نے سب کی تلاشی لی... اور پھر چابیوں کا گچھا لے کر وہ کار کی طرف متوجہ ہوا۔ ڈگی میں ترپال موجود تھی۔ اس نے ترپال نکالی اور پھر لاشوں کو عقبی نشست پر ڈھیر کی شکل میں ڈال کر خود ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔

اس نے گھڑی پر وقت دیکھا۔

وہ اپنے کمرے سے نکلے ہوئے بائیس منٹ ہو گئے تھے۔

اس کا مطلب تھا کہ وہ ہوٹل سے زیادہ دُور نہیں تھا کار اسٹارٹ کر کے اس نے ویران اور تاریک پارکنگ سے نکالی۔ پھر ہوٹل سے کچھ فاصلے پر سڑک کے کنارے کھڑی کر کے ترپال اُس پر ڈال دی۔ اب وہ اطمینان سے ہوٹل کی طرف جا رہا تھا اور اُسے دیکھ کر کوئی بھی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ چار آدمیوں کو قتل کر کے آرہا ہے۔

**

اس وقت ان کی کار تیزی سے فردوسی ٹاورز کی طرف جا رہی تھی۔ شہزاد ڈرائیونگ سیٹ پر تھا اور نیلم اس کے پہلو میں بُت بنی بیٹھی ہوئی تھی کہ اس کا سرتاپا ٹائیگر کے کندھے سے ٹکا ہوا تھا اس کی آنکھیں بند تھیں، چہرے پر طمانیت کی لہریں دوڑ رہی تھیں اور ہوا کے نرم نرم جھونکوں سے اس کی شربتی لٹیں لہرا رہی تھیں۔

شہزاد نے کن انکھیوں سے اس کی طرف دیکھا۔

اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔

ڈنر کے بعد وہ جس عذاب سے دوچار ہوا تھا، اس سے نمٹنے کے بعد واپس اپنے کمرے میں آیا تھا تو نیلم بھی کی تھی... پھر وہ وعدے کے مطابق نصف گھنٹے میں پہنچ گیا تھا۔ اس کے باوجود نیلم کا مارے غصے کے برا حال تھا۔ وہ ایک منہ پھٹ لڑکی تھی اور باپ کے بے جا لاڈ پیار نے اسے کافی بگاڑ دیا تھا۔

اس نے شہزاد سے یوں بات چیت کی جیسے وہ اس کا محبوب نہیں بلکہ کوئی ادنیٰ ملازم رہا ہو... اور پھر یہ شہزاد کی فہم و فراست ہی تھی کہ اس نے نیلم کے دونوں کو اپنے ہاتھوں کا کمال تھا کہ اُس نے رات بھر میں اُس کے سارے ہی کس بل نکال دیے تھے... پھر صبح ناشتہ نیلم نے اپنے باپ کو فون کر کے اطلاع دے دی کہ وہ اپنے منگیتر کے ساتھ گھوم رہی ہے اس کا خیال تھا کہ نیاز مچھوری بے حد برہم ہو گا... لیکن خلاف توقع اس نے منگیتر شہزاد کو فوری طور پر دیکھنے کی خواہش ظاہر کر دی تھی۔

شہزاد نے فردوسی ٹاورز نامی اس عظیم الشان لیکن سب سے خطرناک عمارت میں داخل ہونے کے لیے جو راستہ اختیار کیا تھا، اب تک تو اُسے کامیابی ہوئی تھی لیکن وہ جانتا تھا کہ جب وہ موت کے مسکن میں داخل ہو گا تو اصل دُشواریاں شروع ہوں گی۔ نیاز مچھوری کے سلسلے میں اب تک اُسے دو تلخ تجربات کا سامنا ہوا تھا۔ ایک تو سرگوش جیسے خطرناک شخص کی موت اور دوسرے وہ عملہ جو اس کے آدمیوں نے کیا تھا۔ اُسے اب بھی حیرت تھی کہ وہ روشن کیسی تھی جس نے اس کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ہی ختم کر کے اُسے بے ہوشی کے کنوئیں میں دھکیل دیا تھا... پھر جس انداز میں اس نے خود کو ایک ویران پارکنگ میں ان کے ساتھ کار میں پایا تھا اُس سے اندازہ ہوتا تھا کہ نیاز مچھوری کے ہاتھ واقعی بہت لمبے ہیں۔ عام آدمی کسی شخص کو یوں کسی ہوٹل سے اُٹھوا کر کہیں اور نہیں پہنچا سکتا تھا۔

اب اس کے ذہن میں صرف ایک ہی اُلجھن تھی... اور اُلجھن یہ تھی کہ آخر انہوں نے اسے موت کے گھاٹ کیوں نہیں اتار دیا؟ وہ آسانی سے ایسا کر سکتے تھے۔

نیلم نے اس کے کندھے پر رُخسار ٹکاتے ہوئے ایک ہلکی سی جماہی لی تو اس کے سانسوں کی مہک سے ٹائیگر ایک بار پھر اشتیاق خواہشات اور ان کی تکمیل کی آرزو میں مبتلا ہو گیا۔ نیلم نے اس کی طرف دیکھا تو اس کی آنکھوں میں شب بیداری کا تار کر دیں لیتا نظر آیا۔

شہزاد سوچ رہا تھا کہ کیا نیاز مچھوری کو اپنے آدمیوں کی ہلاکت کا علم ہو گیا ہو گا؟ نہیں، ایسا بات تو یقینی تھی۔ اسے یہ معلوم ہو چکا تھا کہ شہزاد اس کے آدمیوں کے ہاتھوں سے نکل جانے میں کامیاب ہو چکا ہے... اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ اپنی جیپ لے کر فوراً اپنے حضور پیش کرنے کا بھی حکم دیتا۔

فردوسی ٹاورز نامی وہ عالیشان عمارت دُور ہی سے نظر آرہی تھی۔ شہزاد نے اُسے دیکھتے ہی سوچا کہ یہ حسین اور شاندار

ملک یوں غارت کہیں اس کا مقبرہ ہی نہ ثابت ہو... وہ اب تک کئی ممالیتیں کر چکا تھا اور بار بار اُسے احساس ہو رہا تھا کہ حالات نے اس کے سامنے بڑی سنگین ظریفی کی ہے۔ اڈھونی تربیت کے بعد وہ موت کو بعید از بعید ہی نہیں اپنا سکتا تھا۔ بے اختیار اس کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ کاش یہ معاملہ جلد ہی سے نمٹ جائے اور بہرام اسے واپس فلنگراف بلا لے جہاں وہ اطمینان سے اپنی تربیت مکمل کر سکے۔ اس نے فیصلہ کیا تھا کہ اگر نصرت نے اُسے دوبارہ یہ موقع فراہم کیا تو وہ صدقِ دل سے استفادہ کرے گا۔

بہ کوشش کوردوسی ٹاور سے پھٹکنے کے بعد نیاز مجوری نے یقیناً یہ سوچا ہوگا کہ اس کا پُراسرار دشمن اب اس کی بیٹی کے ذریعے حملہ آور ہوگا... اور یہی وجہ تھی کہ اس نے ان چار دیہوں کو بیدار تھا کہ ان تباہ دانے انہیں تحفظ فراہم کرنے لگا دیا وہ سو رہا تھا۔ اگر اب تک ان چاروں کی لاشیں دریافت نہیں ہوئیں تب بھی نیاز مجوری کو ان کی گمشدگی پر تشویش ضرور ہوگی۔ یہاں شہزاد کی سمجھ میں ایک بات یہ بھی آئی کہ نیاز مجوری اپنی بیٹی کے سامنے اس پر حملہ آور ہونے کی حماقت نہیں کرے گا۔ گویا وہ جب تک نیلم کے ساتھ رہے گا، اس کی زندگی کو کوئی خطرہ لاحق نہیں ہو سکتا۔

"تم کن سوچوں میں ڈوبے ہوئے ہو؟" نیلم نے اُسے جھنجھوڑ ڈالا۔

وہ چونک کر اُس کی طرف متوجہ ہوا تو دیکھا کہ نیلم اُسے گھور رہی تھی۔ شہزاد نے سنبھل کر ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھیری اور بولا: "کچھ نہیں... دراصل میں تمہارے ڈیڈی کا سامنا کرنے کے خیال سے گھبرا رہا ہوں۔"

"تم اُن کی طرف سے ہر خدشہ نکال دو۔ وہ تم سے مل کر نہ صرف بے حد خوش ہوں گے بلکہ انہیں میرا انتخاب بھی یقیناً بے حد پسند آئے گا اور تم بھی ڈیڈی کے گرویدہ ہو جاؤ گے۔" انہوں نے تو فون ہی پر نہایت جوش و خروش سے کہہ دیا تھا... اُٹ فوراً لاؤ مجھے اس کی سخت ضرورت ہے۔"

"کیا واقعی؟" شہزاد نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"ہاں... یہ انہی کے الفاظ ہیں۔"

خطرے کی گھنٹی شہزاد کے ذہن میں بجنے لگی۔ گویا نیاز مجوری اس سے ملاقات کے لیے واقعی مضطرب ہو چکا ہے۔ خیر دیکھا جائے گا... اس نے سوچا اور اپنے استاد اوشان کی ایک بات ذہن میں دہرانے لگا۔ سانس لینے کے صحیح عمل سے ذہن صاف ہو جاتا ہے اور انسان پُرسکون رہتا ہے... صرف سکون ہی انسان کو ہر خوف اور ہر خدشے سے دور رکھ سکتا ہے۔

کار فردوسی ٹاور کے صدر دروازے پر رک گئی۔ ایک باوردی محافظ دوڑتا ہوا آیا۔

اس نے کار کا دروازہ کھولا اور نیلم جگمگاتی ہوئی باہر اتر گئی۔ شہزاد بھی کار سے اتر آیا۔ نیلم اُسے لے کر ایک لفٹ کے قریب جا کھڑی ہوئی اور پھر اس نے اپنے پرس سے ایک چابی نکالی۔

"ذاتی استعمال کے لیے ہماری ایک الگ لفٹ ہے۔" اس نے لفٹ کی ہول میں چابی ڈال کر کہا اور اُسے بائیں جانب گھما دے کر لفٹ کا لاک کھولا۔

لفٹ کے ذریعے وہ ٹاپ فلور پر پہنچے تو دروازہ کھلتے ہی شہزاد کی نگاہ ایک ایسے شخص پر پڑی جو مسلح باڈی گارڈ کی طرح ان کے استقبال کے لیے موجود تھا۔ ٹائیگر نے اُسے غور سے دیکھا۔ یہ شخص بلاشبہ بہرحال نہیں تھا۔ اس کے ذہن میں خیال کی سرگوشی ہوئی۔

راستے میں نیلم بتا چکی تھی کہ اس لفٹ میں سفر کرنے کے لیے اور ایک مخصوص بٹن پر دیکھا جا سکتا ہے اور صرف انہی لوگوں کو لفٹ سے اترنا نصیب ہوتا ہے جن سے اوپر محافظ مطمئن ہوتا ہے ورنہ ایک مخصوص بٹن دبا کر وہ مہلک گیس کھول دیتا ہے جو لفٹ میں موجود شخص کو بالائی منزل تک پہنچنے سے پہلے ہی بے ہوش کر دیتی ہے یا مار ڈالتی ہے۔

بٹلر کی رہنمائی میں وہ انڈی میں جا پہنچے جہاں نیاز مجوری ان کا منتظر تھا۔ نیلم نے دروازے ہی سے ہانک لگائی تھی:

"ہم آ گئے..."

نیاز نے شہزاد سے مصافحہ کیا تو اس کی گرفت خاصی سخت تھی۔ اسے پُرجوش مصافحہ نہیں کہا جا سکتا تھا۔ یوں اس نے اس شخص کی آنکھوں میں نفرت کی شدید لہر دیکھ لی تھی۔

مصافحہ کرتے وقت نیاز مجوری کا بایاں ہاتھ اپنے ڈریسنگ کی جیب میں رہا تھا اور ٹائیگر کو یہ اندازہ لگانے میں دشواری نہیں ہوئی تھی کہ اس کی انگلیاں ایک ریوالور کے گرد لپٹی ہوئی ہیں۔

نفرت کے ساتھ ساتھ نیاز مجوری کے چہرے سے شدید حیرت بھی ظاہر ہو رہی تھی۔ غالباً اُسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا کہ شہزاد نہ صرف زندہ ہے بلکہ وہ اس کی بیٹی کے ساتھ اس کی ریٹیٹ پر اس کے ہاں دوڑا بھی چلا آئے گا۔

"میں تمہارے انتخاب کو سراہے بغیر نہیں رہ سکتا۔" نیاز مجوری نے معنی خیز انداز میں کہا۔ "لیکن یہ تم نے لپ اسٹک کیوں لگا رکھی ہے؟"

"شہزاد کو یہ لپ اسٹک پسند ہے۔ ڈیڈی!"

"نہیں... یہ شیڈ شہزاد کو ہرگز پسند نہیں ہوگا۔ کیوں شہزاد؟" نیاز نے براہِ راست اُسی سے سوال کیا۔ یہ شہزاد کے لیے ایک اشارا تھا جس کا مطلب تھا کہ اپنے چاروں مُردوں کے حشر سے وہ آگاہ ہو چکا ہے۔ "جاؤ! جا کر اسے صاف کر آؤ۔ اس دوران میں، میں شہزاد سے متعارف ہونے کی کوشش کرتا ہوں۔"

نیلم مسکراتی اور شرماتی ہوئی چلی گئی... لیکن دروازے ہی سے واپس آ گئی اور نیاز مجوری سے لپٹ کر بولی: "میں ایک بات تو بھول ہی گئی تھی، ڈیڈی!"

"وہ کیا؟" نیاز نے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

"مجھے جانے سے پہلے آپ سے ایک چیز کا تقاضا کرنا چاہیے تھا۔ بہرحال میں اب لے لیتی ہوں۔" یہ کہہ کر اس نے نیاز مجوری کی بائیں جیب میں ہاتھ ڈال دیا۔

نیاز مجوری نے ایک طویل سانس لے کر اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ اس کے ہونٹوں پر بے بسی سے بھرپور مسکراہٹ تھی... جو وہ کھسیانے ہوئے انداز میں ہنس پڑا۔

"تم جانتی ہو کہ گزشتہ دس سال سے یہ ریوالور ہر وقت میری جیب میں پڑا رہتا ہے۔" نیاز نے کہا۔

"میں اسے صرف اس لیے لے جا رہی ہوں کہ آپ کو بھول جائے کہ میں، شہزاد کے سلسلے میں واقعی بے حد سنجیدہ ہوں۔" نیلم نے بھی مسکرا کر کہا اور ریوالور کو دائیں ہاتھ میں تھامتے ہوئے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ دروازے کے قریب پہنچ کر وہ پلٹی۔ "اور اگر شہزاد کو کوئی نقصان پہنچا تو اس ریوالور میں موجود تمام گولیاں میں اپنے دل میں اتار لوں گی۔"

نیاز مجوری کا چہرہ زرد پڑ گیا۔

نیلم کمرے سے چلی گئی تو نیاز مجوری تھکے تھکے سے انداز میں بیٹھ گیا۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے بیٹی کے ہاتھوں اس نے محض ایک دھمکی ہی سے شکست تسلیم کر لی ہو۔

کچھ دیر بعد نیاز نے اس کی طرف دیکھا۔

دوسرے کمرے سے نیلم کی آواز سنائی دی: "اوہ، انکل ٹیلر آپ کب آئے؟"

"بس آیا ہی ہوں۔ تمہارے ڈیڈی سے ایک ضروری کام تھا۔" کسی کی بھاری آواز سنائی دی۔ "کہو... تمہاری تعلیمی مصروفیات ٹھیک ٹھاک جا رہی ہیں، نا؟"

"جی، ہاں... انکل..." نیلم کی آواز شہزاد کے کانوں تک پہنچ گئی... اور اس کے ساتھ ہی اسٹڈی کے دروازے سے ایک شخص اندر آ گیا۔

تہزاد نے چونک کر اُس کی طرف دیکھا۔

وہ ایک موٹا اور بھدے نقش و نگار والا آدمی تھا۔ اس نے اندر آتے ہی شہزاد کو گہری نگاہ سے دیکھا اور نیاز سے پوچھا "کوئی نیا ملازم؟"

نیاز مجوری نے سر کو نفی میں ہلا دیا۔

"مجھے تم سے کسی قسم کی بات چیت کرنی ہے۔"

"تم اطمینان سے بات کر سکتے ہو۔" نیاز نے کہا۔ "میں چاہتا ہوں کہ مسٹر شہزاد بھی ان باتوں کو سن لیں۔ انہیں یوں بھی ہمارے کاروبار سے بے حد دلچسپی ہے۔" یہ کہہ کر وہ شہزاد کی طرف متوجہ ہوا۔ "میرا دوست موئسٹر دراصل 'چارہ گر' کیا تھا۔"

شہزاد کو ایک لمحے کے لیے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے اس کی کھوپڑی پر ہتھوڑا کا کر دیا ہو... اس کے باوجود وہ خود کو پوری طرح سنبھالنے میں کامیاب رہا اور اس نے چہرے کے تاثرات بے جان رکھتے ہوئے تبصرہ کیا۔ "اوہ! اچھا... میرا خیال ہے یہ کسی نفسیاتی اسپتال کا نام ہے۔"

"ہاں... اور مجھے وہاں سے نہایت دلچسپ حقائق کا علم ہوا ہے۔" موئسٹر نے کن انکھیوں سے شہزاد کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"میرا خیال ہے، موئسٹر۔" نیاز نے جلدی سے اُسے اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ "تم انہیں ساتھ لے جا کر سب کچھ پہلے دکھا ہی دو، اس کے بعد ان سے مزید بات چیت کی جائے گی۔"

شہزاد نے کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ وہ خود کو ہر قسم کے حالات کے لیے پہلے ہی سے تیار کر کے لایا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ موئسٹر اُسے کہیں لے جا کر ٹھکانے لگانے کی کوشش کرے گا۔ اُسے حیرت تھی کہ ابھی چند لمحے پہلے نیلم نے اُسے خودکشی کی جو دھمکی دی تھی، وہ نیاز مجوری کیسے بھول گیا۔ نیلم کے باپ نے ایک بٹن دبا دیا۔

اس بٹن کے دبتے ہی اسٹڈی کی دیوار میں ایک لفٹ کا دروازہ نمودار ہوا جس سے دو ہی ٹیلر نکل کر باہر آ گیا جسے شہزاد نے اسٹڈی میں داخل ہوتے وقت دیکھا تھا۔

"جی..." نیاز مجوری نے کہا۔ "انہیں گیرج میں لے جاؤ۔" ٹیلر ان دونوں کے سامنے تعظیماً جھکا اور شہزاد خاموشی

سے لفٹ میں داخل ہوگیا مونٹسٹر اس کے بعد اندر آیا اور ہیرسٹلر نے لفٹ میں آکر ایک بٹن دبا دیا۔ لفٹ تیزی سے نیچے اترنے لگی۔

"نیچے کار موجود ہے" جمی نے کہا۔

"کون سی..." شہزاد نے جلدی سے کہا: "میکس ویل؟"

یہ کہتے وقت وہ ٹیلر اور مونٹسٹر دونوں کی طرف باری باری دیکھ رہا تھا۔ دونوں ہی کے چہروں پر ایک رنگ سا آکر گزر گیا۔

"نہیں... ہمارے پاس کیڈیلاک گاڑیاں ہیں جناب" ٹیلر نے فوری طور پر خود کو پُرسکون کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں... کارکردگی کے اعتبار سے کیڈی ایک اچھی گاڑی ثابت ہوتی ہے۔ ویسے میں میکس ویل گاڑیاں زیادہ پسند کرتا ہوں" شہزاد نے لہجے کو زیادہ سے زیادہ سرسری بناتے ہوئے کہا۔ وہ دل ہی دل میں سرگوش کی ذہانت کا قائل ہوگیا تھا جس نے اس عمارت سے میکس ویل کا تعلق ڈھونڈ نکالا تھا۔ شہزاد کا شبہ یقین میں بدل گیا میکس ویل نامی اس شخصیت کا فروسی... ورت واقعی کوئی تعلق تھا ورنہ ان دونوں کے چہرے یوں اچانک ہی نہ بُجھ جاتے۔

دونوں نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔

کل رات بھی تین ایک میکس ویل کار میں بیٹھا تھا۔

شہزاد بولتا رہا اور جانتا تھا کہ دونوں نے معنی خیز نگاہوں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا تھا۔ غالباً انہیں بھی اپنے ان چار ساتھیوں کے انجام کا علم ہوگیا تھا۔ ویسے وہ دل میں سوچ رہا تھا کہ مونٹسٹر نے چار گز کا... کیوں استعمال کیا ہے؟... کیا فلکراف کی تنظیم اور چار... کا راز کھل چکا ہے؟

لفٹ جلد ہی تہہ خانے میں جا کر رُک گئی۔

وہاں دو کاریں موجود تھیں۔

ٹیلر نے دروازہ کھولا۔ "تشریف رکھیے جناب" وہ شہزاد سے بولا۔

شہزاد آگے بڑھا تو اچانک اُسے اپنی پسلیوں میں کسی ٹھوس چیز کی چبھن محسوس ہوئی۔ یہ ریوالور کی نال تھی اور ریوالور یقیناً مونٹسٹر کے ہاتھ میں تھا کیوں کہ وہی اس کی پشت پر تھا۔

اوشان نے ایک ایسے ہی موقعے کے لیے شہزاد کی تربیت دی تھی۔ اُسے ذہن میں تازہ کرتے ہوئے شہزاد نے جسم کے اس حصے کے عضلات میں تناؤ پیدا کر لیا جہاں ریوالور کی نال لگی ہوئی تھی۔

"تھیک ہے مسٹر اب جلدی سے بولنا شروع کر دو" مونٹسٹر غرایا: "بتاؤ... تم کون ہو، کہاں سے آئے ہو اور کس کے لیے کام کر رہے ہو؟"

"میرا خیال ہے، یہ تمام باتیں تمہیں مسٹر نیلم سے معلوم ہو سکتی ہیں" شہزاد نے ریوالور تان کر تم غلطی کر رہے ہو۔ شاید تمہیں معلوم نہیں کہ میں اس وقت اپنے ہونے والے سسر کے ہاں آیا ہوا ہوں۔ بکواس مت کرو ورنہ یہ سسرال عمارت تمہارا مقبرہ بن جائے گی" مونٹسٹر نے سخت لہجے میں کہا: "میں صرف تین تک گنوں گا"

"اس کے بعد کی گنتی اگر تمہیں نہیں آتی تو میں تمہارے لیے گننا شروع کر دوں گا" شہزاد نے قہقہہ لگا کر کہا۔

"ایک..." مونٹسٹر غرایا۔

شہزاد نے جسم کے اس حصے کے عضلات میں مزید سختی پیدا کر لی جہاں ریوالور کا دہانہ چپکا ہوا تھا۔

"مجھے میکس ویل سے ملنا ہے" اس نے جلدی سے کہا۔

"میکس ویل کون ہے؟" مونٹسٹر نے قہقہہ لگاتے ہوئے پوچھا۔

"گول چلاؤ... تب تمہیں شاید زندگی بھر معلوم نہ ہو سکے گا کہ درحقیقت میکس ویل کون ہے"

"احمق..." مونٹسٹر نے طنزیہ لہجے میں کہا: "اس شخصیت کو کوئی بے نقاب نہیں کر سکتا۔ تم جیسے نہ جانے کتنے بیوقوف اس کو تلاش کرتے کرتے جہنم رسید ہو چکے ہیں"

"خیر... ایک میں بھی سہی" شہزاد نے اطمینان سے کہا۔ "میں گننا دوبارہ شروع کر رہا ہوں"

شہزاد خاموش رہا۔

"ایک..." اس بار مونٹسٹر کا لہجہ مزید سفاک تھا۔

شہزاد کا جسم سخت پڑ گیا۔

"دو..."

شہزاد ٹائیگر نے ایک لمحے کے لیے آنکھیں بند کر لیں۔

"تین..." مونٹسٹر نے کہا... اور اس کے ساتھ ہی اس نے ٹریگر دبا دیا تھا لیکن شہزاد نے تنے ہوئے عضلات کو اچانک ڈھیلا چھوڑ کر اتنی تیزی سے تان لیا تھا کہ ریوالور کی نال بھی متحرک ہوگئی... اور پھر وہ ایک لمحے کے لیے بھنور سا گھوم کر سامنے کھڑے ٹیلر پر کود گیا تھا۔

ٹیلر اس کے بوجھ تلے چیخ پڑا۔

شہزاد نے اُسے دبوچے ہوئے، کن انکھیوں سے مونٹسٹر کی طرف دیکھا جو کچھ فاصلے پر پڑا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ اپنی شہ رگ پر جمے ہوئے تھے اور اس کا دہانہ کسی بے آب مچھلی کی طرح کھلا ہوا

تھا۔ ریوالور اس کے قریب ہی گرا تھا اور اس سے نکلنے والی گولی کار کی چھت کو چھوتی ہوئی سامنے کی دیوار سے جا ٹکرائی تھی۔

جمی اس کی گرفت میں پھسل رہا تھا لیکن وہ نکل جانے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ اس کی جدوجہد میں دیوانگی کی جھلک محسوس کر کے شہزاد نے اس کی ریڑھ کی ہڈی پر خفیف سا دباؤ ڈالا۔

"میکس ویل کون ہے جمی؟" اس نے ٹھہری ہوئی آواز میں پوچھا۔

"آہ..." جمی کے حلق سے خفیف سی آواز نکلی لیکن کچھ گھٹنے کی آواز اس کی سسکاری سے کہیں بلند تھی۔

شہزاد ایک طویل سانس لے کر اُٹھ گیا۔

اندازے کی ذرا سی غلطی سے وہ اس کی ریڑھ کی ہڈی کو توڑ بیٹھا تھا جس اب اُسے کچھ بتانے کے قابل نہیں رہا تھا جبکہ مونٹسٹر تو پہلے ہی منٹ بھر کے سفر پر روانہ ہو چکا تھا۔

شہزاد نے کیریج میں ادھر اُدھر دیکھا۔

ان دونوں لاشوں کو ٹھکانے لگانا ضروری تھا۔

کسی کار کی ضرورت پڑ سکتی تھی اور کوئی بھی ان لاشوں کو تبدیل از وقت دیکھ سکتا تھا جبکہ شہزاد کو کام مکمل کرنے کے لیے کچھ مہلت درکار تھی۔ کیریج کے دروازے سے اُسے ایک لانڈری مشین نظر آئی۔ یہ عام ساخت سے کہیں بڑی مشین تھی۔ اس نے باری باری دونوں کو اس مشین کے قریب پہنچا دیا۔

یہ لانڈری مشین کپڑے دھونے کے علاوہ سکھانے کے بھی کام آتی تھی۔ شہزاد نے باری باری دونوں لاشیں اس ڈرم میں ڈال دیں جس میں کپڑوں کو نچوڑنے کی بعد مشین کا ہیٹر خشک کر دیتا تھا۔ ڈھکنا بند کر کے اس نے مشین چلا دی... لیکن ڈھکنا بند کرنے سے پہلے وہ دونوں کی ایک ایک شریان کاٹنا نہیں بھولا تھا۔

جیسے ہی مشین چلی اُس نے ہلکا سا شور سُنا اور پھر گول شیشے سے اُسے ان دونوں کے کپڑے اور گوشت گھومتا نظر آنے لگا۔ ہڈیوں نے انہیں کئی ٹکڑوں میں تبدیل کر دیا تھا... پھر خون کی وجہ سے ان کو ڈرم میں حرکت کرنے میں بھی کوئی دشواری نہیں ہو رہی تھی۔

وہ اس وقت تک کھڑا اس منظر کو دیکھتا رہا جب تک مشین کا شیشہ سُرخ نہیں ہو گیا۔ وہ زیر لب مسکرائے بغیر نہ رہ سکا کہ چند ہی لمحوں میں مشین نہ صرف انہیں اچھی طرح نچوڑ دے گی... بلکہ انہیں سُکھا بھی دے گی۔

وہ بے رحمی سے مسکراتا ہوا لفٹ کی طرف بڑھ گیا۔

لفٹ میں سوار ہو کر اس نے بالائی منزل کے لیے بٹن دبا دیا۔

اُسے معلوم تھا کہ لفٹ اسٹینڈی ہی کی دیوار میں جا کر رُکے گی۔ گویا وہ نیاز مچوری کے پاس سے مرنے کے لیے چلا تھا لیکن زندہ واپس جا رہا تھا۔ اس خیال نے اس کے دل کو گدگدا کر رکھ دیا اور وہ ہنس پڑا۔

اُسے اس کا ہمیں واقعی لطف آنے لگا تھا۔

پہلے اس کے ارادے مستزل ہو گئے تھے اور اس نے سوچا تھا کہ فلکراف سے نکلنے کے بعد وہ رفو چکر ہو جائے گا... لیکن سرگوش سے ملاقات کے بعد اس کا ذہن بدلنے لگا تھا۔ پھر سرگوش نے جس انداز میں اپنی بے پناہ قوت ارادی سے کام لیتے ہوئے خودکشی کی تھی اس کا احوال پڑھ کر اس کے خیالات میں مزید تبدیلی پیدا ہو گئی تھی... اور اب تو وہ اس قدر محظوظ ہو رہا تھا کہ اس نے نہ صرف یہ مشن پورا کرنے کا ارادہ کر لیا تھا بلکہ وہ مزید کاموں کے لیے بھی فلکراف کے کام آنے کا مصمم ارادہ کر بیٹھا۔

لفٹ تیزی سے اوپر جا رہی تھی۔

بالائی منزل پر ایک جگہ لفٹ رُکی کئی لیکن شہزاد نے اس کا دروازہ نہیں کھلنے دیا۔ بلکہ وہ دروازے سے تک کر خاموش کھڑا رہا۔ دروازے کی دوسری جانب سے اُسے نیلم کی ہذیانی آواز سنائی دے رہی تھی۔

"نہیں ڈیڈی! میں نہیں مان سکتی۔ وہ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ دولت کی اس کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں"

"اگر ایسا ہوتا تو وہ پہلی ہی آزمائش پر پورا اترتا۔ میں نے اُسے بڑے نوٹوں کی دس گڈیاں دیں تو وہ سب کچھ بھول کر نوٹ گننے میں لگ گیا تھا... پھر وہ رقم لے کر چلا گیا۔ اس نے تو جاتے وقت تم سے ملنے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی اور تم اس خود غرض نوجوان کے لیے ہلکان ہوئی جا رہی ہو" نیاز مچوری کہہ رہا تھا۔

"مجھے اس سے شدید محبت ہے ڈیڈی!"

"ایسی نادانیاں عموماً اس عمر میں ہو جایا کرتی ہیں"

جواباً نیلم کی سسکیاں سنائی دینے لگیں۔ شہزاد نے اثبات میں سر ہلایا۔ گویا نیاز مچوری نے اپنی بیٹی کو خودکشی سے روکنے کے لیے یہ ڈھونگ رچانے کا پہلے سے پروگرام بنا رکھا تھا۔ اس نے بٹن دبایا اور لفٹ کا دروازہ کھلتا چلا گیا۔

نیلم اور نیاز مچوری نے چونک کر دیواری لفٹ کی طرف دیکھا اور پھر دونوں کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ نیاز مچوری کا چہرہ دیکھ کر یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ برسوں کا بیمار ہو۔

شہزاد لفٹ سے اُتر آیا اور آہستہ آہستہ نیاز مچوری کی طرف بڑھنے لگا جس کا رنگ رفتہ رفتہ کفن کی طرح سپید پڑتا جا رہا تھا۔

شہزاد لفٹ سے نکل کر ان دونوں کے چہرے کو دیکھ رہا تھا اور اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ نیلم دیوانہ وار دوڑتی ہوئی اس سے لپٹ گئی۔ نیاز مچوری نے پلکیں جھپکائیں۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے اُسے اپنی آنکھوں پر یقین نہ آرہا ہو۔ وہ بوکھلاہٹ میں بس اتنا ہی کہہ سکا۔

"موسٹر کہاں ہے؟"

"ذرا گھومنے پھرنے گیا ہے۔" شہزاد نے کہا۔

"اور بھی...؟"

"ظاہر ہے، کوئی شخص گھومنے کے لیے تنہا تو نہیں جاتا۔ وہ بھی اس کے ساتھ ہی گیا ہے۔" شہزاد نے بڑی معصومیت سے یہ بات کہی تھی۔

"ڈیڈی! آپ نے مجھ سے جھوٹ بولا تھا۔" نیلم نے آنکھوں میں آنسو بھر کر کہا۔ اس کے لہجے میں بے پناہ شکایت تھی۔

نیاز مچوری ہنس پڑا۔ بڑا ہی ہذیانی قسم کا قہقہہ تھا۔ شہزاد کو ایک لمحے کے لیے یوں محسوس ہوا جیسے اس کا دماغ الٹ گیا ہو... لیکن اس قہقہے نے نیاز مچوری کو خود پر قابو پانے میں بہت مدد دی تھی۔ نیلم پلکیں جھپکاتی ہوئی اپنے باپ کو دیکھتی رہی۔ شاید اس کا یہ انداز بیٹی کے لیے بھی ناقابل فہم اور نیا نیا سا تھا۔

"میں صرف یہ اندازہ لگانا چاہتا تھا کہ تمہاری چاہت کس حد تک شدید ہے۔"

"ابھی ایک منٹ بعد میں...،" نیلم نے کچھ کہتے کہتے زبان روک لی اور دائیں ہاتھ میں بکڑے ہوئے ریوالور کی طرف یوں دیکھا جیسے باقی جملہ محض اسے دیکھنے ہی سے پورا ہو سکتا ہو۔

"چلو... کھانا لگ چکا ہے۔ وہیں باتیں ہوں گی۔" نیاز مچوری نے کہا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ نیلم نے شہزاد کا ہاتھ تھاما اور وہ بھی اس کے پیچھے چل دیے۔

کھانے کی میز پر نیاز مچوری خود کو اچھی طرح سنبھال چکا تھا اب اس کی آنکھوں میں فکرمندی نہیں تھی اور نہ ہی چہرہ حیرت کا کوئی تاثر لیے رہا تھا البتہ کبھی کبھی اس کے ہونٹ سختی سے مضروب پھنچ جاتے تھے۔ اب سارا مسئلہ دکھاوے کا تھا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے مخالف فوجوں نے کسی تہوار کے موقع پر عارضی جنگ بندی کر لی ہو۔

نیاز مچوری نے کسی معزز باپ کے انداز میں اپنی بیٹی کی تعریفیں شروع کر دی تھیں اور شہزاد دل ہی دل میں سوچ رہا تھا کہ کتنی بڑی شخصیت صرف ایک لڑکی کے لیے کس قدر چھوٹی اور مختصر سی ہو کر رہ گئی ہے۔ اگر نیلم کا وجود نہ ہوتا تو شاید وہ فردوسی ٹاور زکی اس شان دار عمارت کے ہر کمرے کو ہاؤزوسے سر پر اٹھا لیتا... اور کسی بابک کمرے میں نائیگر بے بس بندھا پڑا ہوتا حتیٰ کہ یہ عالیشان عمارت اپنے ملبے میں اُسے سمیٹ کر ملبے میں تبدیل ہو جاتی۔

کھانے کے دوران باتوں کا سلسلہ چل نکلا اور نیاز مچوری بتانے لگا کہ اس نے اتنی بے پناہ دولت کیسے حاصل کی تھی۔ "میں نے یہ ساری دولت ناکارہ اشیا سے بنائی ہے۔" وہ فخریہ لہجے میں کہہ رہا تھا یوں لگتا تھا جیسے وہ وقتی طور پر ہر بات بھول گیا ہو۔

شہزاد سر جھکائے کھانے میں مصروف تھا۔ نیاز مچوری کی بات سُن کر اس نے بھنویں اُچکائیں۔

"دراصل انسان کی فطرت ہے کہ کوئی چیز ذرا سی خراب ہوئی تو اسے فوراً کسی کباڑی کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ میں نے انسان کی اس کمزوری سے فائدہ اُٹھایا ہے۔" نیاز مچوری نے وضاحت کی۔ "پرانی واشنگ مشین مجھے قلیل رقم خرچ کر کے مل جاتی ہے... پھر میرے آدمی اسے مرمت کر کے بالکل نئی بنا دیتے ہیں۔ یہ مشینیں یا تو فروخت کر دیں یا پھر کوئی نئی لانڈری کھول لی۔ اس وقت پورے ملک میں میری فنانشل لانڈرنگ کا جال بچھا ہوا ہے۔"

شہزاد نے اثبات میں سر ہلایا اور خاموش رہا۔ اسے نیاز مچوری کی داستانِ حیات سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ تو میکس ویل نامی اس پُراسرار شخص کی تلاش میں تھا جس نے سرگوش جیسے ذہین شخص کو موت کے مُنہ میں پہنچا دیا تھا... اور جس سے حکومت تک کانپ رہی تھی۔

"اسی طرح ہم پرانی کاریں خریدتے ہیں۔" نیاز مچوری کہہ رہا تھا۔ لیکن شہزاد نے محسوس کر لیا کہ وہ گہری نگاہ سے اس کی طرف متوجہ ہے۔ "بعض اوقات کار کسی حادثے میں بالکل تباہ ہو جاتی ہے مگر میرے آدمی اسے بالکل نئی بنا دیتے ہیں۔ یوں ہمارے پاس مختلف کاروں کے پُرزوں کا انبار لگا ہوا ہے... مثلاً کوئی شخص اگر ہم سے ۱۹۳۷ء کی بوک کا دروازہ طلب کرے تو میرے آدمی صرف پانچ منٹ میں نکال کر پیش کر سکتے ہیں... اور ہم معاوضہ بھی کم وصول کرتے ہیں کیونکہ ہماری لاگت کم آتی ہے۔"

"آپ کے ہاں ۱۹۴۰ء کی میکس ویل کار کا دروازہ بھی مل جائے گا؟" شہزاد ٹائیگر نے بڑی معصومیت سے پوچھا۔

"میرا خیال ہے، نہیں۔" نیاز نے سرد لہجے میں کہا۔ اس کے چہرے کا رنگ اچانک ہی متغیر ہو گیا تھا۔ "ویسے تم چاہو تو میرے ساتھ چل کر خود دیکھ سکتے ہو۔ شاید دروازہ تمہیں مل جائے۔"

نیاز اُٹھ کھڑا ہوا۔ "آؤ چلیں۔"

"لیکن ڈیڈی..." نیلم نے احتجاج کرنا چاہا۔

"تم خاموش رہو۔ میں اپنے ہونے والے داماد کی ہر خواہش پوری کر دینا چاہتا ہوں۔" نیاز نے مُنھ توڑ دینے والی آواز میں کہا تو نیلم بھی خاموش ہو گئی۔ غالباً وہ پوری زندگی میں پہلی بار نیلم سے اس انداز میں مخاطب ہوا تھا۔ شہزاد نے اس بات کا اندازہ نیلم کی آنکھوں سے لگایا جو اس وقت کسی سہمی ہوئی ہرنی کی آنکھیں لگ رہی تھیں۔

شہزاد بھی اُٹھ کھڑا ہوا۔

وہ سمجھ گیا کہ نیاز مچوری اب کھل کر سامنے آجانے کے لیے بے قرار ہو گیا ہے۔ خود وہ بھی اس کھیل کو جلد از جلد ختم کر دینے کی فکر میں تھا۔ اس دوران میں ایک نیا شخص بھی وہاں آگیا تھا۔ یہ نیاز مچوری کا باڈی گارڈ تھا۔

"شیر دل..." نیاز نے اپنے باڈی گارڈ سے کہا۔ "گاڑی تیار ہے؟"

باڈی گارڈ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"میں بھی ساتھ جاؤں گی۔" نیلم نے ضد کی۔

"نہیں..." نیاز نے حتمی لہجے میں کہا۔ "ہم جلد ہی واپس آجائیں گے۔"

"چلنے دیجیے۔ حرج بھی کیا ہے۔" شہزاد نے کہا۔ "میکس ویل گاڑیاں عام طور پر دکھائی نہیں دیتیں۔ یہ بھی دیکھ لے گی۔"

نیاز نے معنی خیز انداز میں اُسے دیکھا... پھر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی جیسے وہ اسے شہزاد کی آخری خواہش سمجھ کر پوری کر دینا چاہتا ہو۔ "ٹھیک ہے اگر یہ تمہاری مرضی ہے تو یہ بھی دیکھ لے۔"

لفٹ کے ذریعے وہ اسی تہ خانے میں آگئے جسے بطور گیراج استعمال کیا جاتا تھا۔ نیاز نے وہاں آکر ادھر اُدھر دیکھا اور پھر ایک رولز رائس کار کی طرف بڑھ گیا جس کا دروازہ باڈی گارڈ نے کھول دیا تھا۔ کار میں بیٹھنے سے پہلے نیاز مچوری نے کیٹر پلاک میں جھانک کر دیکھا۔ شاید اُسے اپنے بلٹ جمی اور موسٹر کی تلاش تھی۔

شہزاد نے کن انکھیوں سے اس واشنگ مشین کی طرف دیکھا جو اب خاموش تھی... اور اس کے دونوں ساتھی اسی مشین میں مُڑے تُڑے پڑے ہوئے تھے لیکن وہ جانتا تھا کہ فوری طور پر اس طرف کسی کا دھیان بھی نہیں جا سکتا۔ باڈی گارڈ نے کار اسٹارٹ کی اور فردوسی ٹاور زکی عمارت سے باہر لاکر تیزی سے ایک طرف ڈرائیو کرنا شروع کر دی۔

شہزاد دل ہی دل میں سوچ رہا تھا کہ نیاز مچوری اُسے کہاں لے جا رہا ہے... شاید اپنے جنگ یارڈ میں... کیوں لے جا رہا ہے؟ اس سلسلے میں تو سوچنا ہی بیکار تھا۔ یہ بات تو ہر حال میں سورج سے بھی زیادہ ظاہر تھی اس نے عقب نما آئینے کی طرف دیکھا۔

شیر دل آئینے میں اس کی طرف متوجہ تھا اور اس کی آنکھیں کسی درندے کی آنکھوں جیسی دہکتی ہوئی لگ رہی تھیں۔ نگاہیں چار ہوتے ہی وہ مُنہ پھیر کر ڈرائیونگ کی طرف متوجہ ہو گیا۔

جلد ہی ان کی کار ایک جنک یارڈ میں داخل ہو کر رُک گئی۔

"میرا خیال ہے، تم گاڑی ہی میں بیٹھی رہو۔" نیاز نے نیلم سے کہا۔

"وہ کیوں؟"

"اس لیے کہ یہاں چور ہے بہت سے۔"

"اوہ..." نیلم ایک طویل سانس لے کر پشت گاہ سے ٹک گئی۔ شہزاد نے اس موقع پر کچھ کہنا مناسب نہ سمجھا اور مسکراتا ہوا کار سے اتر گیا۔ اس کے انداز میں ذرا سی بھی ہچکچاہٹ نہیں تھی... اور ایسا غالباً اس لیے تھا کہ اُسے اپنے آپ پر بے پناہ اعتماد تھا۔

"کار کے شیشے بھی چڑھا لو۔" نیاز نے کہا۔

"تاکہ تمہیں کوئی آواز نہ سنائی دے سکے۔" شہزاد نے دل ہی دل میں کہا اور اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ مزید گہری ہو گئی۔

"چلو..." نیاز نے دوستانہ انداز میں شہزاد کا کندھا تھپتھپا کر کہا۔ "ہمیں جلدی واپس بھی جانا ہے۔"

شہزاد خاموشی سے آگے بڑھ گیا۔ نیاز مچوری آگے آگے چل رہا تھا شہزاد اس کے پیچھے تھا اور اپنے عقب میں اُسے باڈی گارڈ کے قدموں کی چاپ سنائی دے رہی تھی۔ نیاز مچوری نے ایک جگہ رُک کر شہزاد کو مختلف کاروں کے پارٹس دکھائے۔ شہزاد نے کن انکھیوں سے دیکھا۔ وہ اس وقت جس جگہ کھڑے تھے، یہاں تک نیلم کی نگاہ پہنچ سکتی تھی۔ وہ دل ہی دل میں ہنسا۔ کہ نیاز مچوری اپنی بیٹی کی محبت کے معاملے میں کس قدر بزدل واقع ہوا تھا۔ اس کی اب تک کی تمام حرکتیں صرف نیلم کو مطمئن رکھنے کے لیے تھیں ورنہ وہ شہزاد کے لیے جہنم کے دروازے کھلوا چکا ہوتا۔

پارٹس دکھانے کے بعد نیاز آگے بڑھ گیا۔

وہ ایک ڈھیر کے گرد گھوم کر ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں نیلم کی نگاہ نہیں پہنچ سکتی تھی۔ یہاں سے نیاز نے درمیانی حجم کا ریوالور نکالا اور شہزاد کا ڈھانچہ جگمگا رہا تھا۔

"یہ ہمارے جنک یارڈ کا مرکز ہے۔ یہاں کاروں کے ناقابلِ استعمال ڈھانچے پگھلا کر انہیں دوبارہ اسٹیل میں تبدیل کر دیا جاتا ہے جسے ہم ایک اسٹیل مل کو سپلائی کر دیتے ہیں۔" نیاز کہہ رہا تھا۔

"اب تک کسی میکس ویل گاڑی کو بھی پگھلایا گیا ہے؟"

جواباً نیاز مچھوری تیزی سے پلٹا اور اس کا ہاتھ پوری قوت سے شہزاد کے رُخسار پر پڑا۔ شہزاد نے مدافعت کی کوشش نہیں کی بلکہ وہ نیاز کی طرف دیکھتا رہا جس نے تھپڑ مارنے کے بعد تیزی سے ہاتھ کھینچ لیا تھا اور اس کے حلق سے سسکاری نکل گئی تھی۔

شہزاد نے عقب میں خفیف سی آہٹ سے اندازہ لگا لیا تھا کہ باڈی گارڈ نے ریوالور نکال لیا ہے۔ اس نے جسم کو ایک لمبی جست کے لیے تیار کر لیا لیکن اس کی ضرورت پیش نہیں آئی کیونکہ باڈی گارڈ نے گولی چلانے کی بجائے اس کی گُدی پر ریوالور کا دستہ آزمانا چاہا تھا شہزاد اس حملے سے پہلے ہی اپنی گردن کے پٹھوں کو اکڑا چکا تھا اس لیے اُسے ذرا سی بھی چوٹ نہ آئی لیکن پھر بھی وہ لہرایا اور گر گیا۔

اس نے آنکھیں بند کیے کیے سانس روک لی اور یوں بن گیا جیسے اس چوٹ کے نتیجے میں بے ہوش ہو گیا ہو۔ دراصل وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ نیاز مچھوری کا ردِعمل اب کیا ہوتا ہے۔

"بہت خوب، ٹیرول۔" نیاز مچھوری نے قہقہہ لگا کر اپنے باڈی گارڈ کی تعریف کی "تم ہمارا ہاتھ واقعی مضبوط ہے۔ میں بوڑھا ہو گیا ہوں۔ اس لیے تھپڑ مارنے سے میرے ہاتھ میں چوٹ آگئی ہے ... لیکن اس کا رُخسار تو جیسے اسٹیل کا بنا ہوا ہے۔ مجھے اب تک اپنے ہاتھ میں جھنجھناہٹ محسوس ہو رہی ہے۔"

"باس! کیا یہی اصل آدمی ہے؟" باڈی گارڈ نے پوچھا۔

"میرا خیال ہے۔ مونٹسر نے اس شخص کے بارے میں جن معلومات کا اظہار کیا تھا ان سے تو یہی پتا چلتا ہے ... ویسے یہ ہے، ذہین اور دلیر۔ اس لیے فردوسی ٹاور زمیں والے کے لیے بہت قیمتی تحفہ ثابت ہو گا۔" نیاز مچھوری نے جواب دیا۔

شہزاد نے پلکوں میں خفیف سی جھری پیدا کر دی۔

یکایک اس نے دیکھا کہ نیاز مچھوری کا چمکتا دمکتا بوٹ تیزی سے اس کے چہرے کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اس نے خود کو پسپا کرنے کی بجائے چہرے کے عضلات میں سختی پیدا کر لی اور مُنہ پر ٹھوکر پڑتے ہی کسی لاش کی طرح لڑھک گیا۔

"یہ تو شاید مر گیا ہے۔" نیاز بڑبڑایا۔

خس کم جہاں پاک۔" باڈی گارڈ نے ہنس کر کہا۔ "فکر نہ کرو باس! یہاں اب تک ایسی بیسیوں لاشیں ٹھکانے لگ چکی ہیں۔"

"ہُوں ... میں اس شخص کی وجہ سے بڑے خسارے میں رہا ہوں۔" نیاز غرایا۔ "یہ اب تک میرے چھ بہترین آدمیوں کو قتل کر چکا ہے۔"

"کاش! یہ مشین میں ڈالے جانے تک زندہ رہتا۔" باڈی گارڈ نے سفاکی سے کہا۔

"کوئی بات نہیں، ٹیرول۔ اس کا ہر حال میں مر جانا ہی بہتر ثابت ہُوا اب تم اسے جلدی سے اُٹھا کر گوشر مشین میں ڈال دو۔ میں بہت تھک گیا ہُوں۔ اس کی وجہ سے میری نیندیں حرام ہو گئی ہیں۔" نیاز نے کہا۔

شہزاد نے پلکوں کی جھری سے دیکھا۔ وہ اب بھی اپنا داہنا ہاتھ سہلا رہا تھا جس سے اس نے اُسے تھپڑ مارا تھا... اگلے ہی لمحے اُسے اپنی بغلوں میں کسی کے ہاتھوں کا لمس محسوس ہُوا۔ اس کی پلکیں بند رہیں اور چہرے کے عضلات میں خفیف سی حرکت بھی پیدا نہ ہوئی۔ البتہ اس نے پورا جسم اکڑا لیا تھا۔

"یہ تو بے حد بھاری ہے، باس!" باڈی گارڈ بڑبڑایا۔

"جلدی کرو، کہیں نیلم نہ آجائے۔" نیاز نے کہا۔ "اس حرامی نے اُس پر نہ جانے کیا جادو کر دیا ہے کہ وہ اپنے باپ کے بھی مُنہ آگئی ہے وہ زیادہ دیر تک چوہوں سے خوف زدہ ہو کر کار میں نہیں بیٹھی رہے گی۔ چلو... میں تمہاری مدد کرتا ہُوں۔"

شہزاد نے اپنی ٹانگوں کو دو ہاتھوں کی گرفت میں محسوس کیا۔

وہ پلکوں کی اوٹ سے دیکھ رہا تھا کہ اُسے گھسیٹ کر کنکریٹ کے اس جگمگاتے ہُوئے ڈھانچے کی طرف لے جایا جا رہا ہے۔ ڈھانچے کے پلیٹ فارم پر ایک کار کھڑی تھی۔ یہ ایک کھلی کار تھی۔ دونوں نے اُسے کسی نہ کسی طرح کھینچ تان کر اس کار میں ڈال دیا۔

"ٹھیک ہے، اب تم ہمیں ٹھہرو۔ میں کنٹرول کی طرف جا رہا ہُوں۔" نیاز کی آواز شہزاد کے کانوں نے سُنی ... پھر اس کے دُور ہوتے ہُوئے قدموں کی آہٹ سنائی دینے لگی۔ کچھ دیر بعد آواز معدوم ہو گئی۔

کار کا دروازہ ابھی کھلا تھا۔ شہزاد نے دیکھا کہ باڈی گارڈ کار کے عقبی حصے کی طرف جا کر کھڑا ہو گیا ہے۔ اس نے ایک پاؤں کار کے پہیے میں پھنسا دیا۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد کہیں سے نیاز کی آواز سنائی دی۔

"تیار ہو...؟"

"ہاں... باس! ٹھہرو... کار کا دروازہ بند کر دُوں۔" باڈی گارڈ نے کہا اور دروازہ بند کرنے کی کوشش کی لیکن شہزاد کے پاؤں کی وجہ سے ایسا ممکن نہ ہو سکا۔

وہ بڑبڑاتا ہُوا شہزاد پر جھک گیا تاکہ اُسے آگے سرکا سکے۔ شہزاد کو اسی لمحے کا انتظار تھا۔ اس نے اطمینان سے ہاتھ بڑھا کر باڈی گارڈ کی گردن پر جما دیے۔ ایک لاش کے دونوں ہاتھ اپنی گردن پر محسوس کر کے پہلے تو باڈی گارڈ کی سٹی ہی گم ہو گئی ... پھر وہ فوراً ہی سنبھلا لیکن اس وقت تک شہزاد کا ہاتھ کام کر چکا تھا۔

باڈی گارڈ اس پر یوں ڈھیر ہو گیا جیسے اچانک ہی کسی جن نے

سے سر شاخ ہو کر اس سے لپٹ جانا چاہتا ہو۔ شہزاد نے اس کی ناک کی ہڈی توڑ دی تھی اور اس کی کنپٹیوں پر ایسے وار کیے تھے کہ وہ فنا سی آواز نکالے بغیر ہی دَم توڑ چکا تھا۔ اس نے اُسے دھکیلا اور خود کار سے باہر آگیا۔ دُور دُور تک مختلف کاروں کے ملبے نظر آرہے تھے۔ نیاز کہیں دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ غالباً وہ اپنی کاروں کے کسی ڈھیر کی اوٹ میں تھا۔ شہزاد نے جلدی سے باڈی گارڈ کو کار میں دھکیل کر دروازہ بند کر دیا اور پھر کار کو دھکیلنے لگا...

ڈھلان سے کار خود بخود لڑھکتی ہوئی اندر چلی گئی۔

"تیار ہو...؟" نیاز کی آواز دوبارہ سنائی دی۔

"ہاں ہاں..." شہزاد نے باڈی گارڈ جیسی آواز میں جواب دیا اور فوراً ہی فضا گڑگڑاہٹ سے کانپ گئی۔ اس کی آواز سنتے ہی نیاز نے کنٹرول کا بٹن آن کر دیا تھا۔

مشین چلنے لگی تھی۔

شہزاد تیزی سے اس طرف بڑھا۔ جدھر سے اُسے نیاز کی آواز سنائی دی تھی۔ وہ کنٹرول کے سامنے کھڑا تھا۔ قدموں کی آہٹ پر وہ چونک کر مڑا تو ایک لمحے کے لیے پتھر کا کوئی بُت ہی معلوم ہُوا ... پھر اس نے بڑی پھرتی سے ریوالور نکالنا چاہا تھا لیکن وہ شہزاد سے زیادہ پھرتیلا نہیں تھا۔ شہزاد نے ایک ہاتھ ریوالور پر اور دوسرا نیاز مچھوری کی کنپٹی پر مارا... نیاز نے سنبھلنے کی کوشش کی لیکن وہ لڑھکا ہو چکا تھا... بہت بوڑھا!

اس کی طرف سے مطمئن ہو کر شہزاد تیزی سے پینل بورڈ کی طرف آیا اور مختلف ڈائلوں کی کارکردگی کو سمجھنے کی کوشش کرنے لگا۔ مشین چل رہی تھی اور شور یہاں تک سنائی دے رہا تھا لیکن وہاں سے آتے وقت شہزاد نے دیکھ لیا تھا کہ ڈھلان سے اترنے کے بعد کار ایک آہنی دروازے پر رُک گئی تھی۔

ایک ڈائل پر لفظ "اوپن" لکھا ہُوا تھا۔

اس نے وہی ڈائل گھما دیا۔

آہنی دروازہ آہستہ آہستہ کھلنے لگا۔

اچانک اس کی نگاہ ایک اسکرین پر پڑی۔ اس نے اسکرین کا بٹن دبایا تو مشین اور کار دکھائی دینے لگی۔ اس نے نیاز کی طرف دیکھا۔ اس شخص کی عقل واقعی ضبط ہو چکی تھی ورنہ وہ اس اسکرین کو آن کر کے سارا منظر دیکھ سکتا تھا... لیکن وہ شاید کچھ زیادہ ہی جلدی میں تھا... پھر اُسے نیلم کی طرف سے بھی گھبراہٹ تھی اس لیے وہ مزاج جلد شہزاد سے نجات پانے کے چکر میں کئی ضروری اقدام فراموش بیٹھا تھا۔

شہزاد نے دیکھا کہ ڈائل گھمانے سے کرشر اور برقی بھٹی کا دہانہ آہستہ آہستہ واقعی کھل رہا تھا۔ اس نے ڈائل کو واپس گھما دیا اور نیاز مچھوری کا بے ہوش جسم کندھے پر لاد کر پلیٹ فارم کی طرف چل دیا۔

اسے بھی کار میں ڈال کر وہ واپس آیا اور ڈائل گھما کر کار کو مشین میں گرا دیا۔ اسکرین پر وہ دیکھ رہا تھا کہ برقی بھٹی اور کرشر کے دروازے پر ایک شیشہ لگا ہوا ہے۔ اس سے جھانک کر اندر دیکھا جا سکتا تھا۔ اگرچہ مشین آن تھی لیکن ویٹ غیر متحرک تھے اور برقی بھٹی بھی سرد پڑی تھی۔ ان دونوں کو کنٹرول کرنے کے لیے دو بٹن تھے اور دونوں ہی اس شیشے کے قریب لگے ہوئے تھے جس سے برقی بھٹی میں جھانکا جا سکتا تھا۔ اسکرین پر ان دونوں بٹنوں کو دیکھنے کے بعد وہ واپس پلیٹ فارم پر آگیا۔

اس نے شیشے سے جھانک کر دیکھا۔

آہنی دروازہ بند ہو چکا تھا۔

اب صرف باری باری اُن دو بٹنوں کو دبانا باقی تھا۔

شہزاد نے ایک سگریٹ سُلگائی اور دھیرے دھیرے کش لگانے لگا۔ وہ نیاز مچھوری کے ہوش میں آنے کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ ہوش میں آنے کے بعد جب نیاز خود کو اس کمرے میں پائے گا تو اس کے اوسان خطا ہو جائیں گے، تب وہ ہر قیمت پر باہر آنے کے لیے تیار ہو جائے گا... اور اس کی قیمت تھی ... میکس ویل!

ابھی اس نے سگریٹ ختم بھی نہیں کی تھی کہ اچانک معمولی سی کھرچنے جیسی آواز اس کے حساس کانوں تک پہنچی۔ اس نے برقی بھٹی کے شیشے کی طرف دیکھا۔

نیاز مچھوری کا چہرہ اس شیشے سے چپکا ہُوا تھا۔

خوف و دہشت کی زندہ تصویر بنا وہ گویا اس شیشے میں فریم ہو گیا تھا۔ وہ بار بار مُنہ کھول رہا تھا۔ شہزاد سمجھ گیا کہ وہ حلق پھاڑ پھاڑ کر اُسے کچھ کہہ رہا ہے... لیکن اس کی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ ملک و قوم کا دشمن... اور ایک بڑے گروہ کو چلانے والا، ملک کا ایک سرمایہ دار اس وقت بے بس تھا۔ شہزاد کو اس کی بے بسی سے بے پناہ لذت محسوس ہونے لگی۔

"میکس ویل!" شہزاد نے شیشے کی طرف جھک کر ہونٹوں کو اس انداز میں حرکت دے کر کہا کہ نیاز مچھوری سمجھ سکتا تھا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔

نیاز مچھوری نے سر کو نفی میں ہلا دیا۔

شہزاد نے اثبات میں سر کو جنبش دی... اور ہونٹوں کو پھر حرکت دے کر کہا۔ "سرگوشی بے!

نیاز مچھری نے گردن کو دائیں بائیں حرکت دے کر منفی میں جواب دیا تو شہزاد ہنس پڑا۔ اس نے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں پھیلا کر کھڑی کر لیں۔

"میں صرف دس تک گنوں گا۔" اس نے ہونٹوں کی حرکات سے نیاز کو سمجھایا۔ "اور اس کے بعد..." اس نے جملہ ادھورا ہی چھوڑ کر بائیں انگوٹھے سے شروع کر کے آہستہ آہستہ انگلیوں کو گرانا شروع کر دیا۔

"ایک... دو... تین... چار..." انگلیاں آہستہ آہستہ تہ ہوتی رہیں... لیکن شیشے میں نیاز مچھری کا دہشت زدہ چہرا مسلسل دائیں بائیں حرکت کرتا رہا۔ حتیٰ کہ ساری انگلیاں گھونسے کی شکل میں گم ہو گئیں گویا مہلت کا وقت ختم ہو گیا تھا۔

"ہاں..." شہزاد نے خود کلامی کے انداز میں کہا۔ "تم سرگوش کو واقعی نہیں جانتے ہو گے... کم از کم اس حیثیت سے تو بالکل نہیں جانتے ہو گے۔ کہ وہ میرا دوست تھا۔ جب تمہارا جسم پگھل رہا ہو گا تو اس آہنی انگشتے والے، درویش صورت شخص کو ضرور یاد کرنا... اور جب تمہارا وجود اسٹیل میں تحلیل ہو کر دوبارہ کسی کار کی شکل میں دُنیا کے سامنے آئے تو سرگوش کو ضرور یاد کرنا... وہ بڑی بے بسی کی موت مرا تھا۔ اس نے اپنے ہاتھوں سے اپنی زندگی ختم کی تھی..."

اس نے شیشے کی طرف دیکھا۔

نیاز مچھری دیوانہ وار شیشے کو کھرچ رہا تھا۔ اس پر گھونسے برسا رہا تھا لیکن وہ کوئی معمولی شیشہ نہیں تھا۔ برقی بھٹی میں لگاتار شیشہ تھا جو اب تک نہ جانے کتنے ہزار ڈگری درجہ حرارت برداشت کر کے اسٹیل بن گیا تھا۔ شہزاد کے چہرے پر سفاکی اُبھر آئی۔ اس نے جن نگاہوں سے نیاز مچھری کی طرف دیکھا تھا، وہ کسی انسان کی نگاہیں ہرگز نہیں ہو سکتی تھیں۔

"میں تمہیں معاف نہیں کر سکتا کیونکہ تم نے سرگوش کو معاف نہیں کیا تھا۔" یہ کہہ کر اس کا ہاتھ اسٹارٹر کی طرف آہستہ آہستہ بڑھنے لگا لیکن نگاہ شیشے پر جمی رہی۔

جیسے جیسے اس کا ہاتھ اسٹارٹر سے قریب ہوتا جا رہا تھا نیاز مچھری کا چہرہ کفن کی طرح سپید پڑتا جا رہا تھا... پھر اس نے دیوانہ وار شیشے پر گھونسے چلاتے ہوئے ہونٹوں کو حرکت دی۔ شہزاد نے غور سے اس کے ہونٹوں کی طرف دیکھا اور مسکرانے لگا۔ نیاز مچھری اُسے بتا رہا تھا... میکس ویل کے بارے میں اطلاع دے رہا تھا۔

اسٹارٹر سے دو انچ کے فاصلے پر شہزاد کی انگلی رک گئی۔

"تم غلط کہہ رہے ہو... یہ ناممکن ہے۔" اس نے کہا۔

نیاز مچھری نے اس کے ہونٹوں کی حرکت سے اندازہ لگایا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے... پھر وہ جو بار بار بڑے جوش و خروش کا مظاہرہ کرنے لگا۔ اس نے ایک بار جو بات کہی تھی، وہ اسی پر مُصر تھا۔

دفعتہً شہزاد کی انگلی اسٹارٹر پر پہنچ گئی۔

اس نے اسٹارٹر دبا دیا۔

چاروں طرف سے ہزاروں ٹن کا وزن کار کو کچلنے کے لیے تیزی سے بڑھا... اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کمرے میں موجود کار اور دو آدمی اُن اوزان میں دب گئے... پھر تمام ویٹ ہٹ گئے۔

شہزاد نے شیشے سے جھانک کر دیکھا۔

کار کی جگہ ایک چوکور سِل سی نظر آ رہی تھی جس میں جا بجا لوہا اور ہڈیوں کے علاوہ خون کے لوتھڑے چپکے ہوئے تھے۔ ایک بار پھر ویٹ تیزی سے آگے بڑھے... اور پھر وہ چوکور سِل جو کبھی کار اور دو انسانوں پر مشتمل تھی، مزید سکڑ گئی۔

شہزاد نے برقی بھٹی کا بٹن آن کر کے ٹائم سیٹ کر دیا۔ درجہ حرارت پانچ منٹ بعد وہ سِل پگھل کر ہڈیوں، گوشت اور خون کا نام و نشان تک مٹا دے گی۔ اس نے اسٹیل کے چھوٹے سے مستطیل کی طرف دیکھا اور برقی بھٹی کے بٹن پر الوداعی نگاہ ڈالتا ہوا واپس چل دیا۔

وہ جانتا تھا کہ نیلم کار میں بیٹھی بے چینی سے اس کا انتظار کر رہی ہو گی۔ اس خیال ہی سے اس کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

نیلم نے جب یہ سنا کہ اس کے ڈیڈی ابھی جنک یارڈ میں مصروف ہیں گے تو اس نے زیادہ پرواہ بھی نہیں کی۔ وہ تو شہزاد کو دیکھ کر اتنی خوش ہو گئی تھی کہ جیسے اس کے علاوہ اُسے دُنیا کی کسی چیز کی ضرورت ہی نہ ہو۔ شہزاد نے کار اسٹارٹ کی اور تیزی سے واپسی کا سفر شروع ہو گیا۔

واپسی میں ان کی کار فردوسی ٹاور کے سامنے سے گزری۔

"کہاں جا رہے ہو؟" نیلم نے حیرت سے کہا۔

"آج کی رات ساحل پر گزار دی جائے تو کیسا رہے؟"

"اوہ! ونڈر فل... تم واقعی ایک تخلیقی ذہن کے آدمی ہو۔" نیلم نے فرطِ جذبات سے اس کا ہاتھ تھام کر دبایا۔ "ہاں... چاند راتیں ساحل ہی پر لطف دیتی ہیں۔"

ایک ساحلی ہوٹل میں کمرہ حاصل کرنے کے بعد شہزاد نے نیلم سے تھوڑی دیر کے لیے معذرت کی اور ہوٹل سے کچھ فاصلے پر واقع ایک ٹیلی فون بوتھ میں پہنچ گیا۔

اس نے وہی نمبر ڈائل کیا جو بہرام نے اُسے دیا تھا۔

دوسری طرف دیر تک گھنٹی بجتی رہی۔ کسی نے ریسیور نہیں اٹھایا... اور پھر ڈائل ٹون کا سلسلہ بھی خود بخود کٹ گیا۔

شہزاد نے ایک طویل سانس لے کر ریسیور رک سے لٹکا دیا اور بوتھ سے باہر آ گیا۔ اُسے بہرام کی وہ بات یاد آ گئی جس کے مطابق وہ اس نمبر پر صرف دس منٹ کے لیے روزانہ مل سکتا تھا۔ وقت گزر چکا تھا اس لیے اب اس سے بات چیت اگلے روز تک ملتوی کرنا ایک مجبوری تھی کیونکہ شہزاد فلکرافٹ سے کسی اور طرح رابطہ قائم نہیں کر سکتا تھا۔

نیلم بے چینی سے اس کا انتظار کر رہی تھی۔

شام تک وہ کمرے میں رہے... پھر ڈنر کے بعد ساحل پر نکل آئے۔ ریت پُرسکون تھی کیونکہ ساحل پر نرم و لطیف ہوا کے جھونکے تھے اور سمندر کی لہروں میں بھی اضطراب نہیں تھا۔

یہ چاندنی رات نیلم کے ساتھ ساحل کے ایک ویران حصّے میں گزارتے ہوئے شہزاد کے ذہن میں ایک بار بھی اُس کے باپ کا خیال نہیں آیا جس کا نام و نشان تک یوں مٹ گیا تھا کہ اب دُنیا کی کوئی طاقت اس کا سُراغ نہیں لگا سکتی تھی۔

○

شہزاد نے نمبر ڈائل کیا اور دوسری طرف سے فوراً ہی بہرام کی آواز سُنائی دی۔ واقعی وہ ایک عجیب و غریب آدمی تھا۔ وعدے کے مطابق وہ ان مقررہ دس منٹوں کے لیے ہر روز فون پر موجود رہتا تھا۔

اس نے جلدی جلدی بہرام کو صورتِ حال سے آگاہ کر دیا۔

"کیا...؟" بہرام کی آواز میں ہلکی سی حیرت تھی۔

"میں ٹھیک کہہ رہا ہوں، ہاں! میکس ویل درحقیقت زندہ مچھری ہی تھا۔ اس نے دُہری شخصیت اختیار کر رکھی تھی۔ میکس ویل کا ہتھوا اس نے صرف اس لیے کھڑا کر رکھا تھا کہ اس کی مجرمانہ کارروائیاں اس فرضی شخصیت سے منسوب ہوتی رہیں... یہی وجہ تھی کہ میکس ویل کو ایک غیر ملکی وجود سمجھتے ہوئے کسی کا دھیان اس طرف نہیں گیا کہ خود نیاز مچھری بھی میکس ویل ہو سکتا ہے۔"

"بہت خوب! تم واقعی ہمارے خوابوں کی تعبیر ہو، ٹائیگر!"

"شکریہ! چیف۔ اب میرے لیے کیا حکم ہے، یہیں میں لنگر انداز واپس آ جاؤں؟"

"نہیں..." دوسری طرف سے سخت لہجے میں کہا گیا۔ "تمہاری یہاں واپسی خاص حالات ہی میں ممکن ہے۔ تم وہی اخباری کالم دیکھتے رہو جس کا میں نے تذکرہ کیا تھا۔"

بہرام کی آواز یکایک بند ہو گئی۔

شہزاد نے کلائی گھڑی کی طرف دیکھا۔

ٹھیک دسویں منٹ پر یہ سلسلہ از خود منقطع ہو گیا تھا!

وہ بوتھ سے باہر آیا اور واپس فردوسی ٹاور کی طرف روانہ ہو گیا۔ لفٹ کی مخصوص چابی نیلم نے اُسے دے دی تھی اور وہ آزادانہ وہاں آ جا سکتا تھا۔ اب تک نیاز مچھری کی گمشدگی کے بارے میں کوئی تشویش پیدا نہیں ہوئی تھی۔ ممکن ہے یوں اچانک ہی کئی کئی روز کے لیے غائب ہو جانا نیاز مچھری کا معمول رہا ہو۔

شام تک اس نے فردوسی ٹاور نامی اس عالیشان عمارت کا چپہ چپہ چھان مارا اور پھر آخری شب یہاں گزارنے کے ارادے سے اس خواب گاہ کی طرف بڑھ گیا جس میں نیلم بے چینی سے اس کا انتظار کر رہی تھی۔ عمارت میں اُسے ایسے چند ایسے کاغذات مل گئے تھے جس سے نیاز مچھری یا میکس ویل کے بارے میں سب کچھ ظاہر ہوتا تھا... یہ کاغذات اُس نے ایک ایسے پوسٹ بکس کی معرفت "چارہ گر" کے چیف کو بھجوا دیے تھے، جو ایسی ہی ٹھوس دستاویزات کے لیے مخصوص تھا۔

اب شہزاد کو صرف دو باتوں سے تسلی ہونا تھا... اور یہ کام وہ محض وقت گزاری کے لیے کرنا چاہتا تھا تاکہ اس وقت تک مقامی اخبار میں بہرام کی طرف سے کوئی ہدایت شائع ہو جائے تو وہ کوئی نیا کام شروع کر سکے۔ نیلم کے ساتھ آخری شب گزارنے کے بعد وہ اس کی زندگی سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہو جانا چاہتا تھا کیونکہ اس نے جس مقصد کے لیے اسے اپنی دھڑکنوں میں بسایا تھا، وہ پایۂ تکمیل تک پہنچ چکا تھا... شہزاد جانتا تھا کہ ان دھڑکنوں میں زیادہ دنوں تک کسی کو نہیں بسایا جا سکتا... کیونکہ یہ سرکاری دھڑکنیں تھیں اور ان میں "چارہ گر" بذاتِ خود سمائی ہوئی تھی۔ اس نے خیالوں کی دُنیا سے نکل کر حقیقت کے ماحول میں آنکھ کھولی تو اس کی آغوش میں نیلم جگمگا رہی تھی۔

نیلم اس کا قرب پا کر بے خود ہوئی جا رہی تھی اور اس کے جذبات کا سمندر طغیانی پر تھا۔ وہ ان طوفانی لہروں پر ہلکورے لیتی ہوئی نیند کے پاتال میں پہنچ گئی... لیکن شہزاد جاگ رہا تھا۔ اُنس و لذت کسی نشے کی طرح اب تک اس کے ذہن پر قائم تھا۔

اس نے آنکھیں بند کر لیں لیکن ذہن بیدار رکھا۔

اچانک فون کی گھنٹی بجنے لگی۔

شہزاد نے کن انکھیوں سے نیلم کی طرف دیکھا۔ وہ بے سُدھ پڑی سو رہی تھی۔ اس کے ہونٹوں پر طمانیت بھری مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔ اس نے گھڑی کی طرف دیکھا۔ رات کے تین بجے کا وقت

تھا۔ انہوں نے سونے کے لیے وہی خواب گاہ منتخب کی تھی۔ جہاں نیاز مچھری سویا کرتا تھا... اور فون کی گھنٹی اس بات کی دلیل تھی کہ باہر اس آخری شخص نے بھی فون پر رابطہ قائم کرنے کی کوشش کر ہی ڈالی ہے جس کے لیے شہزاد نے فردوسی ٹاور زمین شب بسری کا ارادہ کیسا تھا۔

"ہیلو..." ریسیور اٹھا کر میں نے کہا تو فوراً ہی آواز سنائی دی میں ویا سیلی بول رہا ہوں۔"

"بولو... کیا بات ہے؟" شہزاد نے بھاری آواز میں کہا۔

"تم کون ہو؟" ویا سیلی نے چونک کر پوچھا۔

"باس کا آدمی۔ وہ اس وقت یہاں موجود نہیں ہیں مجھے حکم دیا تھا کہ جیسے ہی تمہاری کال آئے، ایک پیغام تمہیں دے دوں۔"

"اوہ... کیا پیغام ہے؟"

"کل رات نو بجے جنک یارڈ پہنچ جانا۔"

"کوئی خاص بات؟"

"یہ تو تم باس ہی سے پوچھ سکتے ہو۔ میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ حالات میں یکایک کئی تبدیلیاں پیدا ہوئی ہیں اس لیے معاملات میں بھی ردوبدل ہو رہا ہے۔"

"ٹھیک ہے، میں پہنچ جاؤں گا۔" دوسری طرف سے ایک طویل سانس لے کر کہا گیا اور اس کے ساتھ ہی سلسلہ منقطع ہو گیا۔

شہزاد نے ریسیور رکھ دیا اور مسکرانے لگا۔ بالآخر اس تعمیل کا آخری کھلاڑی بھی میدان میں آنے کے لیے تیار ہو گیا تھا۔ وہ چھت کو گھورتا رہا اور ذہن کو ہر قسم کے خیالات سے پاک کرنے لگا تاکہ صبح تک خوب گہری اور پُرلطف نیند لے سکے... لیکن لگے ہی لمحے فون کی گھنٹی سنائی دی وہ چونک کر فون کی طرف دیکھنے لگا۔

وہ حیران تھا کہ اب کس نے اور کیوں فون کیا ہے؟

اس نے آہستہ سے ریسیور اٹھایا۔

"ہیلو..." اس نے اسی بھاری آواز میں کہا جسے وہ پہلی کال کے دوران استعمال کر چکا تھا۔

دوسری طرف سے سانس لینے کی پھنکاروں جیسی آوازیں سنائی دیتی رہیں... اور پھر سلسلہ خود بخود منقطع ہو گیا۔ کوئی بات نہیں کی گئی۔ شہزاد نے تفکر آمیز انداز میں ریسیور رکھ دیا۔ اس فون کا صرف ایک ہی مطلب اس کی سمجھ میں آ سکا تھا... ویا سیلی نے یہ معلوم کرنے کے لیے فون کیا ہو گا کہ وہ اب بھی نیاز مچھری کی خواب گاہ میں موجود ہے یا نہیں؟ اس نے آواز پہچان کر یقین کر لیا اور پھر سلسلہ منقطع کر دیا۔

صبح تک چھ بار اسی طرح فون کی گھنٹی بجتی رہی اور تیز تیز سانسوں کی آوازیں شہزاد کے کانوں سے ٹکراتی رہیں... اور پھر کوئی بات چیت ہوئے بغیر ہی سلسلہ منقطع ہوتا رہا۔ وہ ایک پل کے لیے بھی نہ سو سکا۔ اس نے صبح ساڑھے چھ بجے آخری بار سنائی دینے والی گھنٹی کے جواب میں ریسیور اٹھایا اور سلسلہ ختم کرنے کی آواز سن کر اُسے کریڈل پر رکھ دیا۔ تو نیلم نے کسمسا کر کروٹ بدلی اور نیند سے بھاری آواز میں بڑبڑائی "کون تھا، ڈارلنگ...؟"

"تمہارے ڈیڈی..." اس نے مسکرا کر کہا۔

"کیا کہہ رہے تھے؟"

"انہوں نے تمہیں بُلایا ہے۔"

"کہاں...؟" نیلم کی آواز اب بھی نیند سے بھاری تھی۔

"وہیں... جہاں وہ اس وقت خود ہیں۔"

"کیا ابھی چلنا ہے؟"

"نہیں... رات کے ٹھیک نو بجے..." شہزاد نے مسکرا کر کہا۔ اس کا لہجہ معنی خیز تھا... لیکن جملہ ختم کرتے وقت اس کے لہجے میں سفاکی پیدا ہو گئی تھی جسے نیلم نیند کی وجہ سے محسوس نہ کر سکی اور کروٹ بدل کر مزید گہری نیند میں ڈوب گئی۔

□

شہزاد ٹائیگر نے کار جنک یارڈ کے اندر لے جا کر ایک جگہ روک دی اور نیلم کے لیے دروازہ کھول دیا۔ وہ مسکراتی ہوئی اتری اور اِدھر اُدھر دیکھ کر بولی۔ "اس جگہ اگر نہ جانے مجھے اس قدر وحشت کیوں ہوتی ہے؟"

"چوہوں کے علاوہ تو کوئی وجہ نہیں ہونی چاہیے۔"

"ہو سکتا ہے..." وہ جھرجھری سی لے کر بولی۔ "لیکن آج میں چوہوں سے ذرا بھی خوف زدہ نہیں ہوں۔"

"وہ کیوں؟" شہزاد نے بڑی لگاوٹ سے پوچھا۔

"اس لیے..." وہ اس لیے پٹ گئی... میرے ساتھ ایک طاقت ور بلا موجود ہے۔"

شہزاد نے قہقہہ لگایا اور اُسے لے کر مرکزی حصے کی طرف بڑھ گیا۔ اسی جانب جہاں کاروں کے ناقابلِ استعمال ڈھانچے کھڑا کر انہیں دوبارہ اسٹیل میں تبدیل کیا جاتا تھا... کنکریٹ کا ڈھانچہ جگمگا رہا تھا۔ اس جنک یارڈ کے گرد اسی تاروں کا جال تھا جنہیں پار کرنا موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔ صرف ایک آدمی گیٹ کے کیبن سے سارے جنک یارڈ کا انتظام سنبھال سکتا تھا اس لیے شہزاد کو کسی طرف سے مداخلت کی توقع نہیں تھی، وہ نیلم کے ساتھ نو بجے سے بیس منٹ پہلے ہی یہاں پہنچ گیا تھا۔ اور اسے سے پہلے اس نے فون پر گارڈ کو اطلاع دے دی تھی۔ اس وقت اتفاق سے ہی سلم گارڈ ڈیوٹی پر تھا جس نے اُسے گزشتہ رات نیاز مچھری کے ساتھ دیکھا تھا... اور اُس کے لیے یہی کافی تھا کہ فون فردوسی ٹاور سے کیا گیا ہے۔ اس فون پر کہیں اور سے رابطہ قائم نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس لیے اُسے کسی قسم کے شبہے میں مبتلا ہونے کی ضرورت ہی نہیں تھی... پھر نیاز مچھری جس پُراسرار انداز میں اپنے گروہ کا انتظام سنبھالے ہوئے تھا، اگر وہ شخص کو مروجہ طریقوں کے تحت بس اپنے ہی کام سے کام رکھتا تھا۔ اِدھر اُدھر کیا ہو رہا ہے، اس میں ملازمت صرف خصوصی حالات اور خاص ہدایات کے تحت ہی ہوتی تھی۔

نیلم اُس کی رفاقت میں بے حد خوش تھی۔

وہ بات بے بات ہنسے جا رہی تھی۔

شہزاد بھی اُس کے ساتھ قہقہے لگا رہا تھا۔ دونوں بانہوں میں باہیں ڈالے اس پلیٹ فارم تک پہنچے جہاں ایک کار کا ڈھانچہ پڑا تھا۔ دن بھر کام کے بعد غالباً ایک آدھ ڈھانچہ آخر میں یہاں چھوڑ دیا جاتا تھا۔ شہزاد نے دروازہ کھولا اور مسکرا کر نیلم کی طرف دیکھا۔ نیلم مس کی مسکراہٹ سے بے خود ہو گئی۔ شہزاد دل ہی دل میں بولا۔ شاید تمہیں معلوم نہیں کہ موت کبھی کبھی اس انداز میں بھی مسکراتی ہے۔

"نیلم...؟" اس نے جذباتی لہجے میں کہا۔ "میں تمہیں ایک بڑے خطرے سے دوچار کرنا چاہتا ہوں۔ کیا تم تیار ہو؟"

"آنکھیں بند کر کے..." نیلم نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔

"یہاں بیٹھ جاؤ۔" شہزاد نے اُسے کار میں دھکیل دیا اور اُس کے ساتھ ہی اس کی ایک بائیں آنکھ نے نیلم کی کنپٹی پر چوٹ لگائی۔ یہ چوٹ ناخنی خراب آدمی تھی، وہ لہرائی اور کار کے ڈھانچے میں گر کر بے حس و حرکت ہو گئی۔ شہزاد نے گھڑی پر وقت دیکھا۔

نو بجنے میں چند منٹ باقی تھے۔

وہ تیزی سے گیٹ کی طرف چل دیا۔ ویا سیلی کو ٹھیک نو بجے وہاں پہنچنے کی ہدایت کی گئی تھی۔ اس نے گیٹ پر متعین مسلح گارڈ کو اس کے بارے میں پہلے سے بتا رکھا تھا۔ اس لیے ویا سیلی کی کار جیسے ہی گیٹ پر پہنچی اُسے اندر آنے دیا گیا۔

شہزاد کاروں کے ڈھانچوں کے قریب رُک گیا۔ ویا سیلی کی کار اُس سے کچھ فاصلے پر رُک گئی۔ وہ کار سے اترا اور اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ اچانک اُس کی نگاہ شہزاد پر پڑی تو وہ چونک پڑا۔

اُس کے چونکنے کا انداز ظاہر کرتا تھا کہ اُسے نہ صرف شہزاد کو یہاں دیکھ کر حیرت ہوئی ہے... بلکہ وہ اس بات پر بھی حیران تھا کہ

شہزاد زندہ کیسے نظر آ رہا ہے۔

"اوہ ویا سیلی...؟" شہزاد نے کہا۔ "شاید تمہیں پتا چل گیا ہو گا کہ میں میکس ویل کا داماد بننے والا ہوں؟"

"میکس ویل...؟" اُس کے لہجے میں شدید حیرت تھی۔

شہزاد ہنس پڑا۔ وہ اس کے قریب پہنچا اور بے تکلفی سے اس کے کندھے پر ہاتھ مار کر بولا۔ "اب یہاں کا کوئی راز مجھ سے چھپا ہوا نہیں ہے۔ نیاز مچھری کی اس حقیقت کے بارے میں مجھے خود اس نے بتایا ہے... ظاہر ہے، نیلم کے شوہر اور نیاز مچھری کے داماد کی حیثیت سے مجھے ہر چیز سے باخبر رہنا ہی چاہیے..."

"لیکن..." ویا سیلی کی آنکھیں کہہ رہی تھیں کہ اُسے اب تک یقین نہیں آ رہا تھا۔ "رات اس کی خواب گاہ میں تم ہی تھے؟"

"ہاں..." شہزاد نے کہا۔

"مجھے یہاں کیوں بلایا گیا ہے؟"

"یہ بات تو تمہیں میرا باس ہی سمجھا سکتا ہے۔" شہزاد نے زندہ دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ "آؤ... اب وقت ضائع نہ کرو۔"

وہ اس کا ہاتھ تھام کر پلیٹ فارم کی طرف بڑھ گیا۔

اس نے محسوس کیا کہ ویا سیلی کا ہاتھ برف کی طرح سرد ہے۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے ویا سیلی شدید اُلجھن کا شکار ہو۔ شہزاد مسلسل باتیں کیے جا رہا تھا... لیکن وہ اس کی کسی بات کا جواب نہیں دے رہا تھا۔ پلیٹ فارم کے پاس شہزاد نے اُسے روک لیا۔

"بس دوست...!" اس نے نرم لہجے میں کہا۔ "اب آگے جانے کی ضرورت نہیں، تمہیں یہیں تک لانا مقصود تھا۔"

"کیا مطلب؟" ویا سیلی کی آواز کانپ رہی تھی۔

"سیدھی سی بات ہے کہ میں، تمہیں اٹھا کر یہاں تک لانے سے بچ گیا۔" شہزاد نے کہا اور اس کے دیکھتے ہی دیکھتے ویا سیلی نے ریوالور نکال لیا۔ لیکن ٹائیگر اُس وقت اپنے اصلی رُوپ میں آ چکا تھا۔ ایک بجلی کے جھٹکے میں ویا سیلی کی کلائی ٹوٹ گئی اور اُس کا ہاتھ جھول گیا۔ وہ اپنی شل اور بے جان انگلیوں سے ٹرائیگر دبانے میں کامیاب نہ ہو سکا۔

دوسری چوٹ ویا سیلی کے نرخرے پر پڑی۔

وہ کسی کٹے ہوئے تنے کی طرح زمین پر آ رہا۔

اُس کے بے ہوش جسم کو اٹھا کر شہزاد کار کے ڈھانچے تک لایا اور اسے نیلم کے بے ہوش جسم پر ڈال دیا۔ چند لمحوں تک وہ دونوں کو دیکھتا رہا... پھر اُس نے منہ پھیر لیا۔ اس دوران میں ہاتھ کی حرکت سے ایک ڈھانچے کے سے کار کا دروازہ بند ہو چکا تھا۔

شہزاد نے کار کو دھکیل کر کنٹرول کا رُخ کیا۔

چند منٹ بعد وہ اسٹارٹر کے قریب کھڑا تھا۔ نیلم ایک بے گناہ لڑکی تھی۔ اس کا جرم صرف یہ نہیں تھا کہ وہ نیا ذہن بھری جیسے قتل کی عینی شاہد تھی بلکہ اصل جرم یہ تھا کہ اس نے شہزاد سے محبت کی تھی اور شہزاد ٹائیگر کو جانتی تھی۔

اسٹارٹر ڈوب گیا۔

ویٹ تیزی سے متحرک ہو گئے۔

کار کا ڈھانچہ دو انسانوں سمیت اسٹیل کا چوکور بن گیا۔ شہزاد کے حلق سے بے اختیار ایک ٹھنڈی آہ نکل گئی... پھر اس نے خود ہی اپنے آپ کو سمجھا لیا۔ دوسری بار ویٹ اپ میں ٹکرائے تو اسٹیل کا چوکور مزید مختصر ہو گیا۔ اس نے اسٹارٹر کو آف کیا اور آہستہ آہستہ واپس چل دیا۔

واپسی میں اس کے رخساروں پر دو آنسو ڈھلک آئے تھے جنھیں اس نے بڑی بے رحمی سے، انگلی کے ذریعے پونچھ ڈالا اور بڑبڑایا۔ "ابھی تم پوری طرح ٹائیگر نہیں بنے ہو، شہزاد... اور تمہارے دھڑکنیں، مکمل طور پر ٹھنڈک وقت کی محبت سے ہم آہنگ نہیں ہوئیں... لیکن خیر رفتہ رفتہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

اس نے واپس آ کر اپنی کار اسٹارٹ کی اور جنک یارڈ سے نکال کر تاریک رات کے گھور اندھیرے میں غائب ہو گیا...

○

شہزاد ٹائیگر کی زندگی کا پہلا باب نیلم کے ساتھ ہی ختم ہو گیا تھا اور اس نے ہیروئن فروشوں کے ایک ایسے علاقے میں رہائش اختیار کر لی تھی۔ جہاں ویرانی کا راج تھا... لیکن وہ ہر روز شہر آتا اور تازہ ترین اخبار کا مطالعہ کرتا رہا۔

اسے بے چینی سے، بہرام کی طرف سے کسی نئی ہدایت کا انتظار تھا۔ اس نے اسی دوران کئی بار مقررہ اوقات میں فلک انٹ میں چار گرام تنظیم کے پراسرار باس بہرام سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی۔ لیکن یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ اس مہم کے ختم ہوتے ہی شہزاد ٹائیگر کو بھول گیا ہو... اس سے رابطہ قائم ہونے میں ہی نہیں آ رہا تھا۔

ایک روز وہ شہر پہنچا اور اس ریستوران میں جا بیٹھا جہاں کھانا کھاتے ہوئے وہ اخبار کا مطالعہ کیا کرتا تھا... اس نے ویٹر کو اشارہ کیا۔ کھانے کا آرڈر دینے کے بعد اس نے ویٹر کو یاد دہانی کرائی کہ کھاتے ہوئے اخبار بھی لیتا آئے۔

کھانے کے دوران میں اس نے اخبار کا وہ خاص کالم بھی سامنے رکھ لیا... اور کافی سے لطف اندوز ہوتے ہوئے کالم پر نگاہ دوڑاتا رہا... یکایک اس کے جبڑے غیر متحرک ہو گئے۔

وہ گھبرائے انہماک سے اخبار کو دیکھنے لگا...

چند لمحوں کے بعد اس کے جبڑے دوبارہ متحرک ہوئے تو اس کی حرکت میں خاصی تیزی تھی۔ اس کی آنکھوں میں بھی چمک پیدا ہو گئی تھی اور اس کا بس نہیں نام و نشان تک نہیں تھا جو اس پر کئی ہفتوں سے سوار تھی۔

○

کالم میں بہرام کی طرف سے ایک پیغام موجود تھا۔

☆☆

قتل نہایت سرعت سے ہوا تھا۔ یوں جیسے غبارے سے ہوا نکال لی جائے۔ سرخ بائیں بازو سے چپک گئی، انگوٹھے سے اس جگہ دباؤ ڈالا گیا تاکہ شریان ابھر آئے اور اب صرف دوا کو انجیکٹ کرنا باقی تھا... اور بس...

سرنج نکالی گئی تو وہ شطرنج کی میز کے دوسری طرف الٹ گیا۔ اس کا سر پختے فرش سے ٹکرایا... مگر اسے چوٹ کا احساس کہاں تھا۔ ہیروئن کی اتنی زبردست مقدار اس کے جسم میں پہنچ گئی تھی۔ کہ اس کے حواس ٹھکانے رہ ہی نہیں سکتے تھے۔

"جانتی ہو ڈیئر؟" اس شخص نے کہا جس کے ہاتھ میں سرنج تھی۔ "کچھ لوگ اس کی قیمت ادا کرتے ہیں... میرا مطلب ہے، وہ اپنی موت خود خریدتے ہیں۔" اس نے ہیروئن کی سرنج کی طرف اشارہ کیا۔ "مگر تم نے بہت جلدی کی۔ آج کی رات میں اسے اپنے لیے منتخب کر چکی تھی۔ وہ سیاہ بالوں والی لڑکی، قاتل کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ اس کی نگاہوں میں کھلی دعوت تھی کہ قاتل اپنے شکار کے منظر ہو کر اسے دیکھے۔

وہ گھٹنوں تک لمبے موزے اور چمک دار سیاہ جوتے پہنے ہوئے تھی... اور بس...

اس کے بائیں ہاتھ میں ایک چاقو تھا۔ اس کی لمبی اسٹک کا رنگ جمے ہوئے خون جیسا تھا۔

قاتل اب اپنے شکار کی نبض تھامے ہوئے تھا۔ اس نے لڑکی پر توجہ نہیں دی تھی۔ "یہ مر چکا ہے... کتنی مستعدی سے کام ہوا ہے۔" وہ بڑبڑایا۔

"یہ تو مر گیا... مگر میرے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"تم جلدی سے کپڑے پہن ڈالو۔" قاتل نے جواب دیا۔ اس کا نام ڈاکٹر نوریان تھا۔ وہ ایک بار پھر مقتول پر جھک گیا۔ اس نے مقتول کے بائیں بازو میں تین چار جگہ اور سرنج چبھوئی تھی تاکہ یقین پیدا ہو سکے کہ مقتول نے ہیجان کے عالم میں کئی بار سوئی چبھوئی تب کہیں جا کر اسے شریان ملی تھی۔ مقتول کے انارکی پن سے اس بات کی بھی تصدیق ہو جائے گی کہ اس نے نادانستہ، ہیروئن کی زیادہ مقدار اپنے جسم میں داخل کر لی جو اس کے لیے جان لیوا ثابت ہوئی۔

"کیوں نہیں اور تم...؟" لڑکی نے کوئی تجویز پیش کرنے کی کوشش کی لیکن ڈاکٹر نوریان نے جلدی سے اس کی بات کاٹ دی...

"نہیں۔" وہ سرد لہجے میں بولا۔ "جلدی سے کپڑے پہنو اور لاش کو اٹھانے میں میری مدد کرو۔"

لڑکی سر جھٹک کر تختے سے چل دی۔ اس کے گھنے، چمکدار سیاہ بال برہنہ شانوں پر لہرا رہے تھے۔

صبح سے پہلے پہلے انھوں نے لاش کو مقتول کے دفتر میں پہنچا دیا۔ یہ ایک سیکریٹری ڈائریکٹر کی لاش تھی۔ ڈائریکٹر کا سر اس کی میز پر گر گیا اور دایاں ہاتھ نیچے لٹک گیا۔ جس کے عین نیچے سرنج گری ہوئی تھی۔

"بالکل ٹھیک... قتل کی واردات ہرگز نہیں لگتی۔" ڈاکٹر نوریان نے پیچھے ہٹتے ہوئے کہا۔

"ہلاوجہ کا خون ہے..." لڑکی بڑبڑائی۔ وہ اس وقت بے حد قیمتی لباس پہنے ہوئے تھی اور اس نے اپنے بالوں کو اسکارف سے ڈھانپ رکھا تھا۔

"ہمارے آقا دنیا پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں، جس سے ہمیں کوئی دلچسپی نہیں۔ ہمیں ایسے منصوبوں پر عمل درآمد کرنے کے لیے بے پناہ معاوضہ ملتا ہے،... پھر یہ سیکریٹری ڈائریکٹر بلاوجہ رکاوٹ بن کر سامنے آ گیا تھا۔ لہٰذا اسے راستے سے ہٹا دینا ہی بہتر تھا۔"

"پھر بھی! آج نہ جانے کیوں میرا دل دھڑک رہا ہے جیسے کوئی قوت ہمارے خلاف اٹھ کھڑی ہوئی ہے۔" لڑکی نے آنکھیں بند کر کے کہا۔

"کیا پاگل پن ہے؟" ڈاکٹر نوریان نے اسے ڈانٹ دیا۔ "یہ بتاؤ کہ تم نے اس کی اچھی طرح تلاشی لے لی ہے یا نہیں؟"

"ہاں! مگر میرے اس احساس کو پاگل پن کہہ کر نہ ٹالو۔ ہم آج تقریباً پکڑے ہی گئے تھے اور..."

"جملہ پورا ہونے سے پہلے وہ باہر آ گئے۔

...مگر مقتول کی تلاشی مکمل طور پر نہیں لی گئی تھی۔ اس کی کلف لگی قمیص کے کالر کے اندر چند نگیٹوز سلے ہوئے تھے۔ مقتول سیکریٹری ڈائریکٹر نے یہ نگیٹوز بڑی احتیاط سے ایک رات پہلے اپنے کالر میں سی لیے تھے۔ منوچہر روستائی ان نگیٹوز کے بارے میں جاننا چاہتا تھا۔ جس نے بہت دیر کر دی تھی۔ کچھ جاننے سے پہلے ہی اس کا خاتمہ کر دیا گیا تھا۔

اگلے روز اس کی لاش ملی تو اسے خاموشی سے اسپتال لے جایا گیا۔ جہاں آٹھ گھنٹے تک لاش کا پوسٹ مارٹم کیا گیا اور ہر چیز کی غور بینی سے تلاشی لی گئی۔ بالآخر وہ نگیٹوز برآمد کر لیے گئے۔

ان نگیٹوز کو پازیٹو میں بدل کر جس شخص کے سامنے لایا گیا۔ وہ کچھ کبیدہ خاطر لگ رہا تھا۔ اس نے ان بارہ تصویروں کو غور سے دیکھنے کے بعد لانے والے شخص سے کہا۔

"انھیں چھوٹے سائز میں بنواؤ اور ایسے میگزین سے تیار کردہ جو چابی میں ڈالتے ہی تحلیل ہو جاتا ہے۔ تاکہ بوقت ضرورت فوری طور پر انھیں ضائع کیا جا سکے۔"

اسسٹنٹ کے جاتے ہی وہ کرسی سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ سیکریٹری ڈائریکٹر منوچہر روستائی کو قتل کر دیا گیا تھا... اور وہ نگیٹوز... ان سے اس ہلکے سے شبہے کی تصدیق ہوتی تھی کہ کھٹکنے والوں میں کوئی گڑبڑ ہو گئی ہے۔ وہ آنکھیں بند کر کے ان نگیٹوز پر غور کرنے لگا۔

اچانک اس نے کسی خیال کے تحت چونک کر تیزی سے کرسی گھمائی۔ اور میز پر لگا ہوا بٹن دبا دیا۔ ان نگیٹوز کے بارے میں کمپیوٹر کے ذریعے مجھے سارا پس منظر فراہم کرو... جلدی۔" اس نے انٹرکام پر حکم دیا۔

"اوکے سر!" ایک مترنم سی آواز سنائی دی۔

ٹھیک چودہ منٹ اور تیئس سیکنڈ میں سارا پس منظر سامنے پیش کر دیا گیا۔ تو اس نے دوبارہ ان تصویروں کو غور سے دیکھا۔

ایک ادھیڑ عمر کا شخص سیاہ لبادہ پہنے ہوئے ہرنی جیسی آنکھوں اور سیاہ بالوں والی ایک لڑکی سے چھیڑ چھاڑ کر رہا تھا۔ لڑکی صرف موزے اور جوتے پہنے ہوئے تھی۔

پھر اس نے تیسرے پر نظر ڈالی... اور بڑبڑایا۔ "میرا خیال صحیح تھا۔ یہ تو ہم جنس پرست ہے۔" اس نے تصاویر دوبارہ لفافے میں رکھ کر مہر بند کر دیں۔ واقعی نگیٹوز فوٹو میں گڑبڑ تھی۔ ایک ہم جنس پرست شخص ایک برہنہ لڑکی کے ساتھ قابلِ اعتراض حالت میں تھا۔

اب سارا فیصلہ اسے کرنا تھا۔ ٹائیگر شہزاد سے کام لیا جائے یا نہیں۔ منوچہر مر چکا تھا اور اس کی بیوی اور بچے ساری عمر شرمندہ رہیں گے کہ اس نے زیادہ مقدار میں ہیروئن جسم میں انجکٹ کی تھی۔ اس کے دوست بھی کبھی نہ جان سکیں گے کہ اس نے فرض کی خاطر جان دی ہے تو کیا لوگوں کو اس طرح بے عزتی کی موت مرنے دیا جائے؟ اس نے کچھ سوچتے ہوئے دوسرا بٹن دبا دیا۔

☆☆ شہزاد تاریک جمنازیم میں بے حس و حرکت کھڑا تھا۔ بید کی روشنی صرف کھڑکیوں کے ان حصّوں سے آرہی تھی جہاں رنگ کرنے والے سے سیاہ رنگ کرتے وقت چند شیشے باقی رہ گئے تھے اور بدبو پھیل گئے تھے۔

تین ماہ پہلے اُس کے پاس ایک پیکٹ آیا تھا جس میں تنظیم فورم کے بارے میں کافی مواد تھا اور تب ہی سے وہ جمنازیم میں مختلف مشقیں کر رہا تھا۔ یہ جمنازیم پہلے کسی اسکول کا باسکٹ بال کورٹ تھا اور مالک سے کرایہ پر لیتے وقت اسے ہدایت کی گئی تھی کہ وہ تمام کھڑکیوں کے شیشوں پر سیاہ رنگ کرادے۔ اور جب تک کرایے دار یہاں موجود ہے، وہ خود جمنازیم کے قریب بھی نہ پھٹکے۔

... مگر آج وہ تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر بالکنی میں چھپا کھڑا تھا۔ اور شہزاد نے اُس کی موجودگی کو محسوس کر لیا تھا کیونکہ فضا میں خشرات الارض اور پانی بھرے پائپوں کی آواز کے علاوہ ایک اور آواز بھی موجود تھی۔ جسے صرف شہزاد کے بے حد حساس کان ہی سُن سکتے تھے اور یہ تھی کسی فربہ شخص کے سانس لینے کی آواز...

شہزاد کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ آگئی۔ وہ جس تنظیم سے وابستہ تھا اس کے بارے میں ملک بھر میں کسی کو کچھ بھی معلوم نہیں تھا۔ حتیٰ کہ صدرِ مملکت کو بھی اس بات کی اجازت نہیں تھی کہ وہ کسی سے اُس کا تذکرہ کرے۔ جب نیا صدر منتخب ہوتا تو پہلا صدر اسے زبانی "چارہ گر" اور "لکلانٹ" کی حقیقت سے آگاہ کر سکتا تھا۔

حال ہی میں انتخابات ہوئے تھے۔ اور منتخب صدر نے جب صدر سے چارہ گر کے بارے میں سُنا تھا تو بہت ہنسا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ کسی جمہوری ملک میں اس قسم کی تنظیم کا ہونا ایک غیر جمہوری فعل ہے... مگر سابق صدر نے اسے قائل کرنے کی کوشش کرتے ہوئے بتایا تھا کہ یہ تنظیم بنائی ہی اس لیے گئی تھی کہ غیر جمہوری اور غیر قانونی سرگرمیوں کے خلاف خبر آنا بائی ہوتی رہے... اس کے علاوہ یہ تنظیم جس بھی مہم پر کام کرتی ہے اس کے بارے میں صرف دو افراد کو علم ہوتا ہے۔ ایک تنظیم کے سربراہ کو... دوسرا اُس شخص کو جو ایکٹیو ہے اور جس کو ٹنک کا سب سے بڑا خطاب "ٹائیگر" دیا گیا ہے۔

"مگر مجھے یہ سب کچھ پسند نہیں آیا۔" نئے صدرِ مملکت نے کہا۔

دونوں صدر اس وقت شان دار کار میں بیٹھے ایوانِ صدر کی طرف جا رہے تھے۔

"آپ جب چاہیں صرف ایک فون کال کے ذریعے اس تنظیم کو کالعدم قرار دلوا سکتے ہیں۔" سابق صدر نے اطمینان دلایا۔ "ویسے آئندہ چند ماہ میں آپ خود اس کی اہمیت کے قائل ہو جائیں گے۔ پہلے پہل جب اس تنظیم کے وجود کا علم ہوتا ہے تو ایسا ہی ذہنی ردِ عمل سامنے آتا ہے۔ مجھے بھی سابق صدر نے زخمی ہونے کے بعد جب اس کے بارے میں بتایا تھا تو میں ہنسنے لگ گیا تھا۔ مجھے اس راز سے آگاہ کرنے سے ہی اُن کا انتقال ہو گیا تھا... اور بعد میں، میں نے انتظامی امور کے پیشِ نظر اس تنظیم کو بے حد مفید پایا تو اس کا وجود برقرار رہنے دیا۔ اس کا اصول یہ ہے کہ موجودہ صدرِ مملکت صرف دوسرے صدر کو یہ بات بتا سکتا ہے... کسی اور کو نہیں۔ حتیٰ کہ اپنے نائب صدر کو بھی نہیں... خاص طور پر آپ اپنے نائب صدر کو تو بالکل آگاہ نہیں کر سکتے۔ کیونکہ آج کل ملک کے حالات خاصے خراب ہیں۔"

"وہ شخص جس کے لیے ٹائیگر کا خطاب مخصوص ہے، اس کی نسبت زیادہ دست ہوگا؟"

"معلوم نہیں مجھے اس سے ملنے کا کبھی اتفاق نہیں ہوا۔ بہرحال، اس کے بارے میں جو کچھ سُنا ہے، اُس سے تو یہی اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کوئی مافوق الفطرت شے ہے... مزے کی بات تو یہ ہے وہ ابھی تک زیرِ تربیت ہی چل رہا ہے۔"

نئے صدر کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

... اور وہی مافوق الفطرت شے یعنی شہزاد ٹائیگر اس وقت جمنازیم میں بے آواز قدموں سے چل رہا تھا۔

وہ سر سے پاؤں تک سیاہ لباس پہنے ہوئے تھا۔ اس بالکنی میں کھڑے عمارت کے مالک کو احساس بھی نہ ہوا کہ اب وہ بالکنی میں اکیلا نہیں ہے اُس کے عقب میں موجود ہو چکا ہے۔

بلی کی طرح دبے قدموں چلنا اور جسم کا بوجھ سہار کر پنجوں کے بل اوپر اچھلنا شہزاد نے ایک کوریائی انسٹرکٹر اوشان سے سیکھا تھا اوشان کا کہنا تھا کہ جسم کو ہر وقت مستعد رکھنا چاہیے کیونکہ جسم کی فوری کا نائل ہونا ایسا ہی ہے جیسے کسی پتھر کو پہاڑ کی چوٹی سے لڑھکا جائے۔ اسے دھکا دینا تو آسان ہوتا ہے مگر روکنا تقریباً ناممکن۔ اسی لیے ایک بار زوال شروع ہو جائے تو اسے روکنا دشوار ہو جاتا ہے۔ آج کل شہزاد انہی مشقوں میں مصروف تھا کہ جمنازیم کی مکمل تاریکی میں سیاہ لباس کی وجہ سے اُسے اپنے پاؤں تک نظر آتے ہوں تو یہ محض اندازے اور حسیات کی مدد سے کیسے چھلانگ لگا کر بالکنی اور بالکنی سے باسکٹ بال کے بیک بورڈ اور وہاں لگے ہوئے جال تک پہنچ سکتا ہے وہ اتنی خاموشی سے عمارت کے مالک کے عقب میں پہنچ کر واپس آگیا کہ اُسے خبر تک نہ ہوئی۔ یہ شہزاد کی مشق کا انتہا تھا۔ جس میں وہ کامیاب رہا تھا۔

اُس نے سگریٹ کا آخری کش لے کر اُسے تلے سے کچل دیا۔

شہزاد اس وقت دارالحکومت کے ائرپورٹ پر کھڑا تھا اور اُسے فوری ائرلائنز کے ٹوائلٹ میں جانا تھا جہاں اُسے دروازے کے نیچے سے سوئیڈ کے نیلے جوتوں کو دیکھ کر دروازے پر مخصوص انداز میں دستک دینا تھا... پھر اندر موجود شخص کو اپنا پرس نیچے سے کھسکا دے گا اور وہ تبادلے میں اپنا پرس اندر ڈال دے گا۔ اندر کھڑے شخص کو دروازہ کھول کر باہر دیکھنے کی اجازت نہیں تھی اور پرس حاصل کرنے والے کو دیکھنے کی کوشش کا مطلب "موت" تھا۔

شہزاد نے کاک ٹیل لاؤنج میں آکر قدرے تاریک گوشے کا انتخاب کیا اور بیٹھتے ہی پرس کا جائزہ لینے میں مصروف ہو گیا۔ یہ پرس وہ ابھی کچھ دیر قبل بتائے ہوئے طریقے کو استعمال کر کے لایا تھا۔

اس پرس میں چند کریڈٹ کارڈ تھے۔ ان کے علاوہ ایک سرنج تھی۔ جس کو انجیکٹ کرتے ہی انسان کی موت واقع ہو سکتی تھی ایک ایسا کارڈ بھی تھا جس پر فون نمبر لکھے ہوئے تھے مگر شہزاد جانتا تھا کہ یہ فون نمبر نہیں ہیں۔ بلکہ انھیں جمع کر کے ایک پیغام کی شکل میں ترتیب دیا جا سکتا ہے۔

پیغام کے مطابق چھ ہفتے بعد مزید ٹریننگ کو ریائی انسٹرکٹر کے تحت ہونا قرار پائی تھی... اور اُسے اسی شب، ساحل پر چارہ گر کے ڈاکٹر مہرام سے ملاقات بھی کرنا تھی۔ اس کے لیے نیا نام شہزاد پہلے ہی تجویز کیا گیا تھا جو ایک سابق پولیس افسر تھا۔ اور جس نے اپنی زندگی کا بیشتر حصّہ وادیِ نیروگ میں گزار دیا تھا۔ ریٹائرمنٹ کے بعد اس نے ایک نیکسٹائل مل کے چیف سیکورٹی افسر کی حیثیت سے ملازمت کی تھی۔ اس کے پاس ساز و سامان نہیں تھا۔ بس کتابیں تھیں یا پھر کپڑے تھے... اور اب اُسے تھنکر فورم میں چیف سیکورٹی ڈائریکٹر کی حیثیت سے کام کرنا تھا۔

کارڈ پر نمبروں کی شکل میں لکھے ہوئے پیغام کو اچھی طرح پڑھنے کے بعد اس نے ذہن نشین کر لیا اور پھر کارڈ کو موڑ توڑ کر سامنے رکھے ہوئے گلاس میں ڈال دیا۔ چند لمحوں میں کارڈ مشروب میں حل ہو گیا اور اُس کا نام و نشان تک باقی نہ رہا... حالانکہ شہزاد کو پیغام کے مطابق یہ حکم دیا گیا تھا کہ اس کارڈ کا مطالعہ کرنے کے بعد اسے نگل جائے... لیکن وہ ابھی ایسے چھوٹے موٹے اور بے ضرر سے احکامات کو خاطر میں لانے کا عادی نہیں ہوا تھا۔

اس نے بل ادا کیا اور ڈاکٹر مہرام سے ملاقات کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کی ہدایات کچھ بے ترتیب ہو رہی تھیں۔ کیونکہ بہت طویل بعد لکلانٹ کی طرف سے اُسے ایک نئی مہم سونپی جانے والی تھی...

اور قرائن سے معلوم ہوتا تھا کہ اس بار جو مہم درپیش ہے، وہ پہلے سے کہیں دشوار ثابت ہوگی۔

○

جزیرہ فودس کے ساحل پر واقع رقص گاہ میں اُس وقت خاصا ہجوم تھا۔ لیکن وہ سُرمئی سوٹ، سفید قمیص اور سُرمئی ٹائی والا شخص سب سے الگ تھلگ بیٹھا نہ جانے کیا سوچ رہا تھا۔ وہ کبیدہ چہرے والا ایک ایسا شخص تھا جس کے تبسّم سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ اُسے رقص و سُرود سے کوئی دلچسپی نہیں ہے... اُس نے ایک بار بھی نگاہ اٹھا کر اُس رقاصہ کی طرف نہیں دیکھا تھا جو سامنے اسٹیج پر تھرک رہی تھی۔ کبیدہ چہرے والا یہ شخص گزشتہ پندرہ منٹ سے یوں ساکت بیٹھا تھا کہ اُس کی بائیں کہنی گول میز پر ٹکی ہوئی تھی اور دایاں ہاتھ، بائیں کہنی کے گڑھے میں آرام کر رہا تھا۔

اچانک رقاصہ اسٹیج سے اتر آئی۔

وہ تھرکتی ہوئی میزوں کے درمیان چلنے لگی۔ اُس کا رُخ اسی شخص کی جانب تھا۔ غالباً رقاصہ نے بھی اُس کی وضع قطع کو محسوس کر لیا تھا اور شاید اسے کبیدہ چہرے والے آدمی کی یہ بے نیازی کچھ پسند نہیں آئی تھی... قریب آکر وہ یوں تھرکنے لگی جیسے اُس کے انگ انگ میں بجلیاں بھر گئی ہوں۔ اُس کی بوٹی بوٹی حرکت کرنے لگی تھی اور اُس کا بدلے نام لباس ان متحرک بوٹیوں کو بمشکل سنبھالے ہوئے تھا۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ بوٹی بوٹی ہو کر بکھر جائے گی۔

رقاصہ اُس کے قریب رقص کرتی رہی۔

... لیکن وہ شخص اب بھی متوجہ نہیں ہوا تھا۔

رقاصہ نے دوسرے گاہکوں کی نالائقی کے پیشِ نظر اپنی چند چھوٹی اور دوسری میزوں کے قریب سے گزرنے لگی۔ تماشائی یہاں میں مبتلا تھے اور رقاصہ پر نوٹ برسا رہے تھے جنھیں وہ مسکرا مسکرا کر قبول کرتی جا رہی تھی۔ بعض مَن چلے تو رقاصہ کے مختصر لباس میں بھی نوٹ ٹھونسنے سے باز نہیں آرہے تھے۔

اچانک دروازے پر ایک دراز قامت اور خوبصورت جوان نظر آیا۔ اُس نے ایک بار وہاں پڑی میزوں کا جائزہ لیا... اور پھر اس کی نگاہ انگ تھلگ بیٹھے شخص پر جم گئی۔ یہ پُرکشش جوان آہستہ آہستہ اسی میز کی طرف بڑھا تو وہاں موجود ہر شخص رقاصہ کو چھوڑ کر اُس کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اس جوان کی چال میں نہ جانے کیا تھا یوں لگ رہا تھا جیسے وہ فضا میں تیر رہا ہو... اُس کے پاؤں زمین سے لگتے دکھائی ہی نہیں دیتے تھے۔

"ہیلو ڈاکٹر مہرام...؟" جوان نے سامنے والی کرسی پر بیٹھتے

ہوئے دھیمی آواز میں کہا۔

"ایک عرصے بعد تمہیں دیکھ کر کتنی خوشی ہو رہی ہے۔" ڈاکٹر بہرام نے مسکرا کر کہا۔ لیکن اس کے لہجے میں خوشی یا اپنائیت کا ہلکا سا شائبہ بھی نہیں تھا۔ اس نے یہ جملہ تکلفانہ انداز میں کہا تھا۔ "سیکورٹی ڈائریکٹر کا عہدہ تمہیں مبارک ہو۔"

"شکریہ..." شہزاد نے سخت لہجے میں کہا۔ "آپ کو دیکھ کر یوں محسوس ہوتا ہے جیسے کسی نے ایک پتھر کا مجسمہ یہاں لا رکھا ہو یا ہو سکتا ہے یہ مفاصد کہہ رہا ہو۔"

"اس کے دماغ میں کوئی خلل ہوگا؟"

"جبکہ میرا خیال اس سے مختلف ہے۔" شہزاد نے ناگوار سے کہا تھا ایک لمحے کو اسے یوں محسوس ہوا جیسے وہ اپنے چیف بہرام سے نہیں بلکہ کسی جامد شے سے ہم کلام ہو۔ تب اس نے لہجے میں قدرے تبدیلی پیدا کرتے ہوئے دھیمی آواز میں کہا۔ "میرا خیال ہے، یہ انداز اختیار کر کے آپ اپنی شخصیت کو بلاوجہ مشتبہ بنا رہے ہیں؟"

"میں تو یہاں آ کر پھنس گیا۔" بہرام نے عجیب سے لہجے میں وضاحت کی۔ "مجھے اس قلعہ گاہ کا انتخاب نہیں کرنا چاہیے تھا۔ بہرحال مجھے تمہارا انتظار تھا... سنو..." وہ میز پر جھک گیا۔

"آپ کچھ پریشان نظر آ رہے ہیں؟"

"کچھ دیر پہلے میں تمہیں مشتبہ نظر آ رہا تھا... اب پریشان نظر آ رہا ہوں۔ معلوم نہیں چند منٹ بعد کیا نظر آؤں گا؟" بہرام نے درشت لہجے میں کہا۔ "فضول باتیں مت کرو اور غور سے سنو۔ کل رات گیارہ بجے تمہیں مشرقی ساحل پر ایک آدمی سے ملنا ہے۔ اس شخص کی نشانی یہ ہے کہ اس نے سرخ اور نیلی دھاریوں والی ٹائی باندھ رکھی ہوگی۔ اس کے ہاتھ میں ایک پیکٹ ہوگا۔ اس پیکٹ کا سائز اتنا ہے کہ بادی النظر میں تم اسے کوئی پریف کیس سمجھو گے۔ پیکٹ خاصا وزنی ہوگا۔ اس میں اسے کافلات بھرے ہوئے ہوں گے جنہیں پانی میں آسانی سے تحلیل کیا جا سکتا ہے... لیکن یہ کافلات ایک مخصوص سیال میں بند ہیں اور تمہارا استاد اوشان تمہیں ایسے کافلات کو نکالنے کا طریقہ بتا چکا ہے؟"

"اوشان کیسا ہے؟" شہزاد نے عجلت سے پوچھا۔

"ٹھیک ہے۔" بہرام نے یوں کہا جیسے یہ بات ٹھونک کر کہہ رہا ہو۔ اس کی زبان سے ادا ہوئی ہو۔ اس نے تمسخرانہ آمیز انداز میں شہزاد کی طرف دیکھا تھا اور پھر شہزاد کے چہرے پر تاثر دلانے والی سکریٹ دیکھ کر اس نے جلد ہی خود پر قابو پا لیا تھا۔ "جانتے ہو تھنکرز فورم کیا ہے؟"

"ہاں... ایک ایسا ادارہ ہے جہاں ملک کے بڑے بڑے دماغ جمع ہیں۔" شہزاد نے چونک کر کہا۔

"تم ٹھیک سمجھے۔ جزیرہ فردوس کا تھنکرز فورم ہمارے ملک ہی کا نہیں بلکہ دنیا کا سب سے اہم ادارہ ہے۔ تم سے پہلے جو شخص ڈائریکٹر کا سیکورٹی ڈائریکٹر تھا، وہ ہمارا ہی آدمی تھا۔ وہ مارا جا چکا ہے اور اس کی ہلاکت کو خودکشی کا رنگ دیا گیا ہے۔"

شہزاد نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"یقیناً مقتول ڈائریکٹر عمل حیثیت کا آدمی رہا ہوگا؟"

"ہاں... ہماری تنظیم میں تم سے اوپر صرف دو آدمی ہیں۔ ایک میں... اور دوسرے صدر مملکت..."

"کیا میں کسی بھی وقت دو جانوں سے کھیل کر..."

"بکواس بند کرو۔" بہرام کی غراہٹ میں نہ جانے کیا تھا کہ خود شہزاد کی ریڑھ کی ہڈی سنسنا نے لگی تھی۔ "کیا تم ہمیں اتنا ہی احمق سمجھے ہو... تمہیں لامتناہی اختیارات دیتے وقت ہم نے ہر چیز کا بندوبست کر لیا تھا؟"

"لیکن کوئی میری ہر لمحے نگرانی تو نہیں کر سکتا؟"

"یہ محض تمہاری بھول ہے۔" بہرام نے سرد لہجے میں بات جاری رکھی۔ "تمہاری ایک ایک حرکت ریکارڈ ہوتی رہتی ہے۔ ایک کمپیوٹر صرف تمہارے ہی لیے وقف ہے... اور اس کمپیوٹر کو ایک پروگرام دے دیا گیا ہے۔ جب بھی تمہاری کارکردگی ایک مقررہ حد سے بڑھ کر منفی ثابت ہوگی، کمپیوٹر کا خود کار نظام تمہیں تباہ کر دے گا۔"

شہزاد کانپ گیا۔

"کیا یہ بہتر نہیں تھا کہ میں بجلی کی کرسی ہی پر ہلاک ہو جاتا؟"

"یہ باتیں سوچنے کا وقت گزر چکا ہے۔"

"ہاں تو آپ کہہ رہے تھے کہ..."

"سابق سیکورٹی ڈائریکٹر کی موت کو خودکشی کا رنگ دیا گیا ہے۔ دراصل وہ شبہے میں مبتلا ہو گیا تھا۔"

"غالباً یہاں کا نشہ آور ماحول تمہیں راس آنے لگا ہے۔" شہزاد نے ایک لمبی سانس لے کر کہا۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے اس نے بہرام کو اپنے بارے میں اطلاع دی ہو... لیکن بہرام جانتا تھا کہ اس نے اس کی بات پر تصرہ کیا ہے۔ اس نے شہزاد کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا...

"ٹائیگر، تم واقعی ایک باصلاحیت جوان ہو۔ تم سرگوش کی ایجاد ہو... وہ بھی بہت ہی..."

"یہ سرگوش نام میری سمجھ میں آج تک نہیں آیا۔" شہزاد

بڑبڑایا۔ "کیا وہ خرگوش کی نسل سے تعلق رکھتا تھا؟"

"اتنی بے ادبی سے اس کا تذکرہ نہ کرو۔ وہ بہت عظیم آدمی تھا۔" پہلی بار بہرام اس کی باتوں سے جذباتی نظر آنے لگا۔

"خرگوش کبھی اپنی جگہ بڑے عظیم ہوتے ہیں؟" شہزاد نے بے رحمی سے کہا۔

"بکواس مت کرو۔ تمہیں اس کو مخاطب ملا تھا۔ اور گوش اس کا اندرونی نام تھا؟" بہرام نے وضاحت کی اور پھر چونک پڑا۔ چند لمحوں تک وہ شہزاد کو گھورتا رہا... پھر اس کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ ایسی انسانی مسکراہٹ کسی طور نہیں کہا جا سکتا تھا۔ "تم آج تفریح کے موڈ میں نظر آتے ہو؟"

"نہیں... یہ انتقامی کارروائی ہے۔"

"کس بات کا انتقام؟" بہرام کی مسکراہٹ برقرار رہی جس میں شہزاد کے لیے محبت اور احترام دونوں ہی موجود تھے۔

"آپ نے بہت عرصے تک مجھے نظر انداز کیا ہے۔" شہزاد کے لہجے میں شکایت تھی۔

"تم ایک قیمتی مشین ہو ٹائیگر..." بہرام نے دھیمی آواز میں کہا۔ "میں تمہیں زیادہ سے زیادہ عرصے تک چلانے کے لیے خاص خاص وقفوں پر ہی استعمال میں لانا پسند کرتا ہوں۔ اگر میکس ویل والا ریزہ پڑھ چکا ہوتا تو تم اس وقت بھی فلکڈاف میں زیر تربیت ہوتے۔ مجھے اپنی اہمیت کا احساس ہے۔" شہزاد نے رکھائی سے کہا۔ "آپ شاید تھنکرز فورم کے بارے میں کچھ کہہ رہے تھے؟" اس نے دوبارہ کرائی۔

"ہاں... تم نے ابتدائی ہدایات سے سمجھ لیا ہوگا کہ تھنکرز فورم میں ملک کے اعلیٰ ترین دماغ کام کرتے ہیں۔ بڑے بڑے سائنسدان، دانش ور اس انجمن میں شامل ہیں... اور وہ سب کے سب ایک صدر اعظم کے حقیقی کام معروف ہیں... مگر کچھ عرصے پہلے تھنکرز فورم کے اعلیٰ دماغ والے حضرات عجیب پیچیدگیوں میں الجھ گئے ہیں۔ معقول سیکورٹی کے سرنے انہیں کے ان اعلیٰ انسانوں کی چند تصویریں فراہم کی تھیں۔ تمام تصویریں اصلی ہی ہیں... مگر معاملہ تب بھی سمجھ سے بالاتر ہے۔ جب اپنی ٹیوننگ سمجھا لو گے تو تمہیں خود ہی اندازہ ہو جائے گا۔ تمہیں جو مواد فراہم کیا جا رہا ہے، اس میں تصویریں بھی شامل ہیں؟"

"مگر چیف..." شہزاد نے احتجاج کیا۔ "یہ میرے مطلب کا کام تو نہیں ہے۔ اس کے لیے آپ کسی اور کو بھی لگا سکتے تھے؟"

"عام طور پر اس قسم کی تصویریں بلیک میلنگ کے لیے استعمال ہوتی ہیں؟" بہرام نے اس کے اعتراض کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ "لیکن یہاں، یہ بات بھی نہیں ہو سکتی کیونکہ تھنکرز فورم میں کام کرنے والے افسران سے زیادہ دولت مند بھی نہیں ہیں؟"

"کیا میں پہلی فرصت میں انہیں دولت مند بننے کی ترکیب بتا دوں؟" شہزاد جھنجلا گیا۔

"ٹائیگر...؟" بہرام کی آواز دھیمی تھی۔ لیکن اس پر کسی غضبناک اژدہے کی پھنکار کا گمان ہوتا تھا۔ "یہ بڑے بڑے دماغ اس وقت پوری دنیا کو فتح کرنے کا منصوبہ ترتیب دینے میں مصروف ہیں۔ میرا چیف اس ادارے کو بند نہیں کرنا چاہتا... لیکن اگر اس کی ضرورت پڑی تو تھنکرز فورم کا خاتمہ تمہارے ہی ہاتھوں ہوگا۔ تمہیں ایک معمولی سے اشارے پر سر پھرے دماغ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے محروم کر دینا ہوگا۔ سارے افسران ہلاک کر دیے جائیں گے؟"

"اوہ...؟" شہزاد کے ہونٹ لٹک گئے اور اس کی آنکھوں میں یکایک درندوں جیسی چمک آ گئی۔ "یہ تو واقعی میری مرضی کا کام معلوم ہوتا ہے، چیف!"

"آگے چل کر تمہیں اس میں اپنی دلچسپی کا مزید سامان بھی مل جائے گا۔" بہرام نے کہا۔ "بہرحال ہمیں شبہ ہے کہ کوئی دشمن تھنکرز فورم تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ اور ہماری حکومت کو ان تصویروں کے ذریعے بلیک میل کرنا چاہتا ہے؟"

"اس کام کے لیے کتنا وقت دیا گیا ہے؟"

"فی الحال کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ کل جب تم اس شخص سے بریف کیس نما پیکٹ حاصل کر لو گے تو تمہیں کوڈ ورڈز کے ذریعے ہی کہنا پڑے گا کہ میں مزید فوٹو گرافی کرنا چاہتا ہوں... وہ یہ سنتے ہی پیکٹ تمہارے حوالے کر دے گا... لیکن اس بات کا امکان ہے کہ وہ تمہارے بارے میں تجسس کا شکار ہو جائے... ایسی صورت میں تم جانتے ہی ہو کہ اسے کس طرح خاموش کیا جا سکتا ہے؟"

"ہاں... خوب جانتا ہوں۔" شہزاد نے کہا اور کرسی کی پشت گاہ سے ٹیک کر مسکراتی آنکھوں سے رقاصہ کی طرف دیکھنے لگا۔ جو ایک بار پھر اس کی میز کے قریب آ کر تھرکنے لگی تھی۔

وہ قریب آ گئی... اور قریب... اچانک شہزاد نے بہرام کی طرف ہاتھ بڑھایا اور دھیمی آواز میں بولا۔ "ایک نوٹ تو نکالیے، ذرا..."

بہرام چونک پڑا لیکن اس نے جیب سے ایک نوٹ نکال کر شہزاد کے حوالے کر دیا۔ شہزاد نے دوسری سمت میں موجود ویٹر کو اشارے سے قریب بلایا اور بولا۔ "بل کی رقم کاٹ کر باقی رقم رکھ لینا؟"

اس نے ہاتھ ویٹر کی طرف بڑھا دیا۔ بہرام اس کے اسی ہاتھ کی طرف متوجہ تھا... اچانک رقاصہ چیخ پڑی۔ بہرام نے پلٹ کر دیکھا تو

وہ قہر آلود نظروں سے اُسی کو گھور رہی تھی۔

"یہ کیا حرکت ہے، جناب! مزید گرانی کیا آپ چاہتے ہیں کہ میرا رقص کا اجازت نامہ چھن جائے؟"

بہرام کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ اسے تو پتا بھی نہیں چلا تھا کہ شہزاد کے دوسرے ہاتھ نے کیا حرکت کی ہے اور یہ حرکت کب ہوئی ہے؟ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر رقاصہ کو دیکھ رہا تھا جس نے طنطے کا اظہار کرنے کے بعد جھک کر زمین سے سترپوش اُٹھائی تھی اور پھر تیزی سے اسٹیج کی طرف دوڑ لگا دی تھی۔ رقص گاہ میں آوازوں، قہقہوں، سیٹیوں اور تبصروں کا شور بلند ہُوا... اور اتنا شور ہُوا کہ بہرام کے لیے وہاں مزید رُکنا محال ہوگیا۔ وہ تیزی سے اُٹھا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

شہزاد وہیں بیٹھا مسکراتا رہا۔

"آپ نے بل کی رقم نہیں دی، جناب!" ویٹر نے یاد دہانی کرائی تو وہ چونک کر اُس کی طرف متوجہ ہوگیا... پھر اس نے دائیں آستین سے کرنسی نوٹ کھینچ کر ویٹر کے حوالے کر دیا۔

ویٹر آنکھیں پھاڑتا رہ گیا لیکن شہزاد اس وقت تک فضا میں تیرتے بیسی چال سے دروازے تک پہنچ کر باہر جا چکا تھا۔

❁

ساحل پر اس وقت ہلکی سی چاندنی پھیلی ہوئی تھی اور ہوا کے خنک جھونکوں میں مدیت کی آمیزش کا احساس ہوتا تھا۔ شہزاد نے کہ شخص کی طرف دیکھا جو جزیرے کے ایک ٹیلے کی اوٹ سے نکلا تھا، اس کے ہاتھ میں دُوربین جیسے ایک بریف کیس نظر آرہا تھا۔ شہزاد سمجھ گیا کہ یہ بریف کیس ہی درحقیقت وہ پیکٹ ہے جسے حاصل کرنے کے پیچھے وہ اس وقت سے پریشان ہو رہا تھا۔

وہ تیزی سے آگے بڑھا۔

دونوں آمنے سامنے آئے تو شہزاد نے اس شخص سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔ "میں مزید نوٹ گرانی کرنا چاہتا ہوں؟"

جواباً اس شخص نے پیکٹ اس کی طرف بڑھا دیا... لیکن ابھی شہزاد نے اسے ہاتھ میں لے ہی نہیں پایا تھا کہ ریت کے ٹیلے کی اوٹ سے ایک اور شخص نکل کر ان کے قریب آگیا۔

"یہی شخص ہے؟" نووارد نے سوال کیا۔

"ہاں... کوڈور ڈز تو ٹھیک ہیں۔" پہلے شخص نے پیکٹ کو دوبارہ اپنی بغل کے نیچے دباتے ہوئے جواب دیا۔

شہزاد اس صورتِ حال کے لیے ذہنی طور پر تیار تھا اس لیے وہ فوراً ہی عملی اقدام کے لیے بھی تیار ہوگیا۔

"میرا خیال ہے، یہ پیکٹ تمہاری بغل کی بجائے میرے ہاتھ میں ہونا چاہیے..." اس نے دھیمی آواز میں کہا۔

"یقیناً..." پیکٹ والے شخص نے مُسکرا کر کہا۔ "لیکن مسئلہ یہ ہے کہ ہمیں اس پیکٹ میں موجود اشیا کے بارے میں کچھ پتا نہیں کیونکہ ہمیں سختی سے ہدایت کی گئی تھی کہ اسے ہرگز نہ کھولا جائے"

"پھر تم کیا چاہتے ہو؟" شہزاد نے اطمینان سے دریافت کیا بجائے دو آدمیوں کی موجودگی کا سیدھا سا مطلب تھا کہ وہ اصل آدمی سے ملاقات نہیں کر رہے۔ گویا ان لوگوں نے اصل آ موت کے گھاٹ اتار کر نہ صرف اس سے پیکٹ چھین لیا بلکہ اس کوڈوڈز بھی معلوم کر لیے تھے۔

"تم اس پیکٹ کو ہمارے سامنے کھولو گے۔" دوسرے نے قدرے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

"یہ نہیں ہوسکتا۔" شہزاد نے مُسکرا کر کہا اور آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے بڑبڑایا۔ "آسمان کتنا حسین اور پُرکشش نظر آرہا ہے چاہتا ہے، یہ منظر کیمرے میں محفوظ کر لوں۔"

"اگر تم نے ہماری بات نہ مانی تو تمہاری زندگی کی ضمانت دی جاسکتی۔" اسی شخص نے کہا۔

"زندگی ایک ایسا سراب ہے جس کی ضمانت کوئی بھی نہیں دے سکتا۔" شہزاد نے صورتِ حال سمجھتے ہوئے کن انکھیوں اِدھر اُدھر دیکھا۔

"ذرا پیچھے دیکھو۔"

شہزاد کو پلٹ کر دیکھنے کی ضرورت نہیں تھی کیوں کہ وہ کے دو ایسے آدمیوں کو پہلے ہی دیکھ چکا تھا جن میں سے ایک سیا اور دوسرے کی رنگت سفید تھی۔

"سنو..." شہزاد نے اطمینان سے کہا۔ "ہمیں آپس میں دوسرے کی زندگی سے نہیں کھیلنا چاہیے۔ تم ایک پیغام رساں ہو میں بھی ایک پیغام رساں ہی ہوں۔ مجھے یہ پیکٹ اسی طرح بند میں کسی اور تک پہنچانا ہے۔"

جس شخص نے پیکٹ اس کے حوالے کیا تھا، وہ بے سے ہنس پڑا۔

"میں پیغام رساں نہیں ہُوں۔" اس نے اُگل دیا۔

"اوہ..." شہزاد نے مصنوعی حیرت ظاہر کی۔ "پھر وہ کہاں گیا"

"وہ ٹھکانے لگ چکا ہے۔" اسی شخص نے جواب دیا۔

"مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ تم کوئی معمولی سے پیغام رساں نہیں بلکہ اہم آدمی ہو چنانچہ باتیں نہ بناؤ اور پیکٹ کھول کر دکھاؤ۔"

شہزاد نے اتنی دیر اسے محض اس لیے باتوں میں مصروف رکھا تھا تاکہ اطراف کا اچھی طرح جائزہ لے سکے۔ اب تک وہ ان کے پانچوں ساتھی کو بھی دیکھ چکا تھا۔ وہ ریوالور لیے کھڑا تھا۔

"کہیں یہ پیکٹ نقلی تو نہیں ہے؟" شہزاد نے ہنس کر کہا۔ "پیغام رساں نقلی ہو تو مال بھی نقلی ہی ہونا چاہیے۔"

"نہیں... یہ وہی پیکٹ ہے۔"

شہزاد نے پیکٹ کا بالائی کاغذ پھاڑ دیا۔ نیچے ایک رسّی بندھی ہُوئی تھی۔ رسّی کی گرہ دیکھ کر اس نے ایک طویل سانس لی۔ بلاشُبہ یہ اصلی ہی پیکٹ تھا۔ رسّی کی گرہ مضبوط انداز کی تھی جسے صرف اس کا ہی اوشان ہی باندھ سکتا تھا اور یہ گرہ لگانی شہزاد نے ابھی حال ہی میں اوشان سے سیکھی تھی۔

"پیکٹ کھولو پہلگام۔" وہ شخص غرایا۔

"تمہیں میرا نام کیسے معلوم ہُوا؟" شہزاد چونک پڑا۔

"پیکٹ کھولو۔" اس شخص کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوتا جا رہا تھا۔

"تم شاید مجھے ہلاک کیے بغیر نہیں مانو گے۔"

"ہاں... لیکن قتل ہونے کے طریقہ کار کا انتخاب خود تمہی کو کرنا ہے۔ فوری موت پسند کرو گے یا سسک سسک کر مرنا اچھا لگتا ہے۔ ہم نے تمہارے آدمی کو تو سسکا سسکا کر مارا تھا۔"

"ظاہر ہے ورنہ وہ تمہیں کوڈوڈز ہرگز نہ بتاتا۔"

"تم شاید آسانی سے ماننے والوں میں سے نہیں ہو۔ میں تمہیں دکھاتا ہوں کہ تمہارے آدمی کو ہم نے کس اذیت سے دوچار کر کے اپنی بات ماننے پر مجبور کر دیا تھا۔" اس نے شہزاد کے عقب میں کھڑے آدمیوں کو اشارا کیا۔

شہزاد خاموش اور بے حرکت کھڑا رہا۔

اچانک عقب سے چار ہاتھوں نے اس کے سر کو جکڑ لیا۔

گرفت خاصی سخت تھی۔ عام آدمی یقیناً چیخ پڑتا۔

شہزاد کو پیکٹ دینے والا شخص سمجھا تھا کہ شہزاد بلبلا اُٹھے گا لیکن اُسے یہ دیکھ کر حیرت ہُوئی کہ شہزاد کے چہرے پر صرف برہمی کے آثار پیدا ہُوئے تھے... اچانک شہزاد حرکت میں آگیا۔

اس کی ایک کہنی دائیں طرف چلی اور دوسری بائیں جانب۔ دایاں پاؤں عقب میں، حرکت میں آیا اور سیاہ فام کے گھٹنے پر چوٹ پڑی... پھر شہزاد کی دوسری ٹانگ بل کھا گئی اور وہ مُنہ کے بل زمین پر آگیا۔ گرتے گرتے اس نے فائر کی آواز سُنی اور پھر ایک چیخ سُنائی دی... دوسرا فائر... اور دوسری چیخ۔

گرنے کے فوراً ہی بعد شہزاد کا دایاں ہاتھ حرکت میں آگیا مُشتِ شہادت چلی اور سفید فام کی رانوں کے درمیان کسی خنجر کی طرح

اتر گئی۔ وہ اُچھل پڑا۔ اسی لمحے تیسرا فائر ہُوا۔ گولی اس کے سینے میں لگی اور وہ گر گیا۔ شہزاد کسی پھرتیلے سانپ کی طرح رینگ کر ہٹ گیا تھا ورنہ وہ شخص اس کے اوپر ہی گرتا۔

شہزاد نے اب تک ریوالور بدست شخص کو نہیں چھیڑا تھا۔ اس نے جو اندازہ لگایا تھا، کام اسی کے مطابق پُورا ہُوا۔ گولیاں چلی تھیں۔ اور تین آدمی ٹھکانے لگ گئے تھے۔

پستول والے شخص نے چوتھا فائر کرنے کے لیے انگلی دبانے کی کوشش کی تو اس پر اچانک ہی یہ انکشاف ہُوا کہ اس کے عضلات نے کام کرنا چھوڑ دیا ہے۔ اس کی ریڑھ کی ہڈی میں اچانک ہی کوئی گڑبڑ ہوگئی تھی۔ وہ یہ بھی نہ سمجھ سکا کہ شہزاد اس کی پشت پر کب اور کیسے پہنچ گیا تھا...

اسے صرف وہی شخص باقی رہ گیا تھا جس نے پیکٹ شہزاد کے حوالے کیا تھا۔ وہ اس قدر خوف زدہ ہوگیا تھا کہ اس کی پتلون کا سامنے والا حصّہ گیلا نظر آنے لگا تھا۔

"تمہیں میرا نام کیسے معلوم ہوا تھا؟" شہزاد نے پوچھا۔

"مجھے کچھ معلوم نہیں..." وہ ہکلایا۔

"کیا فکراف کے کسی شخص نے؟"

"میں نے یہ نام پہلے کبھی نہیں سُنا۔" اس نے اپنے منتشر اعصاب پر کسی حد تک قابو پا لیا تھا... اور دو قدم پیچھے ہٹ کر کھڑا ہوگیا تھا۔ "اپنے پیچھے دیکھو۔" وہ اچانک چیخ پڑا۔

شہزاد ہنس پڑا۔ "بہت پُرانا حربہ ہے۔" وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھا اس شخص نے بُری پھرتی سے ریوالور نکالا تھا لیکن اسے استعمال کرنے کی حسرت ہی رہی کیونکہ اس ہاتھ میں اس نے ریوالور تھام رکھا تھا وہ کلائی سے کسی ٹوٹی ہوئی شاخ کی طرح لٹک رہا تھا... پھر اس کی بے جان اُنگلیوں سے ریوالور گر گیا۔ ایک دہشتناک چیخ اس کے حلق سے نکل گئی۔ وہ گرا اور بے ہوش ہوگیا۔

شہزاد نے ویران ساحل پر ادھر اُدھر نظر دوڑائی۔ دُور دُور کوئی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اس نے تمام لاشوں کو گھسیٹ کر اس بے ہوش آدمی کے قریب جمع کیا اور ان کی تلاشی لینے لگا۔ ان کی جیبوں سے بٹوے نکالنے کے بعد وہ مُسکرانے لگا۔ اس نے منظر کچھ اس انداز میں ترتیب دیا تھا کہ دیکھنے والے کوئی بھی کوئی واردات معلوم ہو سکتی تھی۔

جس شخص نے اسے پیکٹ دیا تھا، اس کی جیب سے بٹوہ نکالا تو اگلے ہی لمحے وہ قدرے ہوش میں آگیا۔

"تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔ تمہیں اب بھی زندگی کی بھیک مل سکتی ہے لیکن..." شہزاد نے جملہ ادھورا ہی چھوڑ دیا۔

"میں تم پر اعتماد نہیں کر سکتا۔" وہ بڑبڑایا۔

شہزاد نے جھک کر اس کی دوسری کلائی تھام لی اور بہلکا سا مخصوص انداز میں دباؤ ڈالا۔ ہڈی ٹوٹ گئی اور وہ شخص درد سے بے ہوش ہو گیا۔

جب وہ ایک بار پھر ہوش میں آیا تو اس کا چہرہ کسی لاش کے چہرے کی طرح سپید پڑ چکا تھا۔ اس کے سر کے گرد دو آہنی پلیٹیں کسی ہوئی تھیں اور ایک تار شہزاد کے ہاتھ میں تھا جسے وہ آہستہ آہستہ بل دے رہا تھا۔ جیسے جیسے تار بل کھا رہا تھا، اس شخص کے سر پر آہنی پلیٹوں کا دباؤ بڑھتا جا رہا تھا۔

"بولو... تمہیں میرا نام کیسے معلوم ہوا؟" شہزاد غرایا۔

اس شخص نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔

دباؤ بڑھا اور بڑھ گیا۔

وہ کراہتا اور چیختا رہا... لیکن کچھ بولا نہیں۔ تنگ آ کر شہزاد نے آخری بار اس تار کو کس دیا۔ سر کے گرد آہنی پلیٹوں کی جکڑ بندی اتنی سخت ہو گئی تھی کہ مزید دباؤ پڑتے ہی اس کی کھوپڑی چٹخ گئی اور اس چٹخی ہوئی کھوپڑی کی دراڑوں سے خون بہہ نکلا۔

شہزاد نے زمین پر گرا ہوا پیکٹ اٹھا لیا اور ایک طرف چل دیا۔

ساحل پر پانچ لاشیں پڑی تھیں اور ان کی جیبوں سے بٹوے غائب تھے۔

☆☆☆

اس نے پہلی تصویر دیکھی تو مچل کر ہنس پڑا۔

ڈاکٹر وید رام... عظیم سائنس دان ایک بے لباس لڑکی کے ساتھ ایسی حالت میں تھے کہ لڑکی ایک کھلونا ریلوے پر سوار تھی اور ریلوے ڈاکٹر کی پشت پر تھا۔ لڑکی کی پشت کیمرے کی طرف تھی۔ شہزاد نے سوانح کا مطالعہ کیا تو پتا چلا کہ ڈاکٹر وید رام دماغی لہروں پر تحقیق کر رہے ہیں۔ بیس سال سے شادی شدہ ہے۔ اس کے دو بچے ہیں اور کوئی سیاہی رالطہ نہیں ہے۔

وہ ساحل سے جو پیکٹ لایا تھا، اس میں ایسی ہی تصویریں تھیں اور ہر تصویر کے ساتھ اس شخص کی مکمل سوانح تھی۔ ہر تصویر قابل اعتراض تھی جیسے کسی بلیک میلر نے خاص طور سے انہیں تیار کروایا ہو۔ کسی بھی تصویر پر بناوٹی ہونے کا شبہ نہیں ہوتا تھا۔

یہ تمام تصویریں ان عظیم سائنس دانوں اور مفکرین کی تھیں جو تھنکرز فورم میں کام کر رہے تھے۔ تھنکرز فورم کا سربراہ ڈاکٹر ویتالی بھی قابل اعتراض حالت میں نظر آ رہا تھا۔ شہزاد باری باری یہ تصویریں دیکھتا ہوا ہر ایک کی سوانح پڑھتا جا رہا تھا۔ تصویر میں ڈاکٹر ویتالی نے خود کو زنجیروں میں بندھوا رکھا تھا اور زنجیروں کے علاوہ اس کے جسم پر لباس نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ اس کے سینے پر کوڑے کے شرمناک نشانات واضح تھے۔

آخری تصویر ڈاکٹر وید رام کی تھی۔

وہ ان عریاں تصویروں کو دیکھتے دیکھتے اور ان لوگوں کی سوانح پڑھتے پڑھتے بیزار ہو گیا تو اس نے انہیں ایک طرف ڈال دیا اور آنکھیں بند کر لیں لیکن اچانک ہی کسی خیال کے تحت چونک کر اس نے جلدی سے آنکھیں کھول دیں۔

اس کی انگلیوں نے حرکت کی اور تمام تصویریں تاش کے کسی ماہر کھلاڑی کے ہاتھ میں پکڑے ہوئے پتوں کی طرح اس کے سامنے ترتیب پا گئیں اس کی آنکھیں یکایک چمک اٹھیں۔

ہر تصویر میں جس عریاں لڑکی کا جسم تھا، وہ کسی ایک ہی لڑکی کا تھا۔ تصویریں بے حد واضح اور خوبصورت تھیں جیسے کسی فیشن کے ماہر فوٹو گرافر نے کھینچی ہوں... اور تصویروں میں جزیرہ فردوس کے وہ قابل فخر افراد تھے جن کی موت حکومت کو اس شہر سے زیادہ گوارا نہ تھی۔ شہزاد یہ سارا مواد لے کر واش بیسن کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

اس نے کاغذات اور تصویریں واش بیسن میں ترتیب سے رکھیں اور آنکھیں بند کر لیں... پھر اس نے آنکھیں کھول کر ایک لمحے کے لیے انہیں دیکھا اور دوبارہ آنکھیں بند کر لیں۔ ہر تصویر اس کے ذہن میں محفوظ ہو گئی تھی اور وہ ان اشتہاروں کو کبھی نہیں بھول سکتا تھا۔

... پھر اس نے پانی کھول دیا۔

جب وہ ان تصویروں کو پانی میں تحلیل ہوتے دیکھ رہا تھا، تو شہزاد کے ذہن میں اپنے چیف بہرام کی آواز گونج رہی تھی۔

"ابھی ہمیں بالکل معلوم نہیں کہ وہاں کیا ہو رہا ہے۔ جو لوگ تھنکرز فورم کو استعمال کرنا چاہتے ہیں، یہ تصویریں یقیناً انھوں نے ہی تیار کروائی ہیں تاکہ ان شخصیتوں کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال کر سکیں۔ یہ پتا نہیں چل رہا کہ ایسا کون کر رہا ہے۔ ملک کا کوئی مجرم گروہ ہے یا کوئی دشمن ملک ایسا کر رہا ہے۔ بہرحال، اگر ان سائنس دانوں نے ان لوگوں کے ہاتھوں میں کھیلنا شروع کر دیا ہے تو ان سب کا ختم ہو جانا ہی بہتر ہے۔"

اس سلسلے میں تین ماہ قبل شہزاد کو معلومات فراہم کی گئی تھیں لیکن اس کی ترتیب کو جاری رکھا گیا تھا۔ اسے میدان عمل میں آنے کی ذمہ داری مل گئی تھی لیکن اسے ابھی استعمال نہیں کیا گیا تھا کیونکہ انکلانٹ اور چار اگر کے قتے دار مکام ابھی خود تاریکی میں تھے... لیکن اب یہ فیصلہ کر لیا گیا تھا کہ تھنکرز فورم خطرے میں ہے۔ اس لیے شہزاد ٹائیگر کو فوری طور پر میدان عمل میں اتر جانے کا حکم مل گیا تھا۔

تصویریں اور کاغذات پانی میں حل ہوتے رہے۔ واش بیسن میں پانی کی رنگت بدل گئی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے وہاں دودھ بھرا ہوا ہو۔ اس نے واش بیسن میں ہاتھ ڈال کر اچھی طرح ٹٹول لیا۔ کوئی ٹکڑا بھی باقی نہیں رہ گیا تھا۔

شہزاد نے کار کو روک دیا۔

دودھیا پانی تیزی سے بہہ گیا۔

اب شہزاد کے پاس صرف ایک کاغذ رہ گیا تھا۔ اس پر دو آدمیوں کی بات چیت تھی۔ تھنکرز فورم کے سربراہ ڈاکٹر ویتالی اور ایک رکن کے درمیان ہونے والی گفتگو کچھ اس طرح سے تھی۔

"ہم قدیم نکات کو لے کر نئے نکات پیدا کر رہے ہیں۔ اس لیے ہم نے اب لوگوں کے رویوں پر غور کرنا شروع کر دیا ہے۔" ڈاکٹر ویتالی کا کہنا تھا۔

"مگر کیا آپ یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ انسان ایک دوسرے سے کیوں نبرد آزما ہونے لگتا ہے؟" رکن نے سوال کیا تھا۔

"ہاں... انسان نے ساری دنیا کو فتح کر لیا ہے۔ تمام جانور مغلوب ہو چکے ہیں... اور اب انسان سب کچھ فتح کرنے کے بعد ایک دوسرے کی طرف ہی پلٹ رہا ہے۔ یہ سب کچھ جنگوں کی تاریخ سے ظاہر ہے۔ آخر کچھ لوگ دوسروں کو مغلوب کیوں کرتے ہیں؟ اور کچھ لوگ مفتوح کیوں بن جاتے ہیں؟ یہی ہمارا مسئلہ ہے۔ اگر اس کا حل معلوم ہو گیا تو محض ایک چھوٹی سی فوج ایک بہت بڑی فوج پر آسانی سے غالب آ جایا کرے گی... گویا بنیادی طور پر یہ پوری دنیا کو فتح کرنے کا ایک مختصر سا منصوبہ ہے۔ جب یہ چھوٹا سا منصوبہ تکمیل پا جائے گا تو اسی کو پھیلا کر پوری دنیا پر محیط کر دیا جائے گا۔ اگر کسی تحریب پسند گروہ کو اس منصوبے کی بھنک پڑ جائے تو وہ ہر حال میں اسے حاصل کرنے کی کوشش کرے گا۔"

"اوہ تو یہاں دنیا کو فتح کرنے کا منصوبہ ترتیب دیا جا رہا ہے؟"

"نہیں... یہ تو ہماری اصل تحقیق کا ایک ضمنی پہلو ہے..."

"ذرا تفصیل سے بتایئے ڈاکٹر۔ میں تو حیرت سے بے دم ہوا جا رہا ہوں۔" رکن نے کہا تھا۔ "بتایئے نا؟" اس نے اصرار کیا۔

"ابھی نہیں... وہ نہ یہاں چاروں طرف عجیب و غریب لوگ منڈلانے لگیں گے۔ تھنکرز فورم بند ہونے کے بعد بتاؤں گا۔"

یہاں ان دونوں کی وہ گفتگو ختم ہو گئی تھی جسے غالباً کسی خفیہ ٹیپ ریکارڈر سے سن کر تحریری شکل دی گئی تھی۔

شہزاد نے بالآخر اس کاغذ کو بھی پانی میں تحلیل کر کے ضائع کر دیا۔

اب وہ اچھی طرح سمجھ چکا تھا کہ عصمت سے یہ کام اسی کے سپرد کیوں کیا گیا ہے۔ تھنکرز فورم کے معاملات کسی عام قسم کے ایجنٹ کے بس کا روگ نہیں تھے۔ چار اگر ہی ایک ایسی تنظیم تھی جو خاموشی سے اس قسم کی مہلک سازشوں کا صفایا کر سکتی تھی۔ اگر یہی کام فوج یا پولیس کے سپرد کیا جاتا تو تھنکرز فورم کا چیف سب کچھ ختم کر دیتا یا منتشر ہو کر اس ملک کی سیاسی پناہ میں چلا جاتا۔ جس کا وہ آلہ کار بنا ہوا تھا... اس کے علاوہ ہنگامہ ہوتا اور ملک میں ابتری بھی پھیل جاتی۔

تھنکرز فورم کا چیف اور اس کے رکن بعد میں ان تصویروں کی وجہ سے بلیک میل ہو رہے تھے۔ گویا کوئی اور قوت بھی بیچ میں آ گئی تھی۔ اور جزیرۂ فردوس کی حکومت یہ نہیں چاہتی تھی کہ دنیا کو فتح کرنے کا یہ قیمتی منصوبہ کسی اور کے ہاتھوں میں جائے۔

بہرام نے اسے یہی حکم دیا تھا۔

"اس سازش کو کچل ڈالو... اور اگر ایسا ممکن نہ ہو تو تھنکرز فورم کے ہر اعلیٰ دماغ کو تباہ کر دو۔ نہ رہے بانس... نہ بجے بانسری۔"

شہزاد نے بہرام کے یہ الفاظ یاد کرتے ہوئے مسکرا کر تصویر سے ہاتھ پونچھے اور ایک اکارم گرسی پر بیٹھ کر جھومنے لگا۔

وہ تھنکرز فورم کے سلسلے میں پروگرام بنا رہا تھا۔

□

شہزاد ٹائیگر کو اپنی بصارت پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

وہ تھنکرز فورم کا سائن بورڈ دیکھتا ہوا آگے بڑھا تو ایک بے حد خوبصورت کالونی اس کے سامنے آ گئی۔ وہ اس سے بھی آگے نکل گیا لیکن مطلوبہ سائن بورڈ کہیں نظر نہ آیا۔

تھنکرز فورم بھی ایک پراسراری حکم ہے۔ اس نے سوچا۔

کالونی سے آگے جا کر ایک جگہ اسے سڑک کے کنارے سائن بورڈ دکھائی دیا تو وہ رک گیا۔ اس پر تھنکرز فورم بہت باریک لکھا ہوا تھا۔

وہ واپس سڑک پر آیا اور کار میں بیٹھ گیا۔

آس پاس چھوٹے چھوٹے خوبصورت مکان تھے۔ کسی کسی کے سامنے ہرا بھرا لان بھی نظر آ رہا تھا... اور بعض مکان جھاڑیوں میں چھپے ہوئے تھے۔ صاف ستھری گلیاں تھیں اور سڑکیں بھی ہموار اور صاف ستھری نظر آ رہی تھیں۔ ٹینس کورٹ اور گولف کورس بھی جا بجا موجود تھے۔ گویا ان لوگوں کو ضرورت کی ہر چیز فراہم کی گئی تھی اور اپنے ماحول میں تھنکرز فورم ایک چھوٹا سا شہر بھی تھا۔

شہزاد چونک کر رک گیا۔ اس نے ایک سائیکل سوار کو دیکھا۔ یہ شخص نیلے لباس میں تھا اور پرانی سی خاکی وردی پہنے سائیکل چلا رہا تھا جب وہ قریب آیا تو شہزاد نے اسے فوراً پہچان لیا۔ یہ ڈاکٹر وید رام تھا۔ وہ اس کی تصویر دیکھ چکا تھا۔ اس لیے اسے پہچاننے میں کوئی دشواری نہ ہوئی۔

"ذرا ایک منٹ جناب!" شہزاد نے ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

ڈاکٹر وید رام نے چونک کر سائیکل کو بریک لگائے۔

"کیا بات ہے؟" اس نے چشمے کی اوٹ سے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"تھنکرز فورم یہی ہے؟"

"کیا تم نے سائن بورڈ نہیں دیکھا؟"

"دیکھا تو ہے لیکن..."

"پھر تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ یہ تھنکرز فورم نہیں ہوگا؟"

"دراصل میں سمجھا تھا کہ یہاں کوئی چار دیواری یا خاردار باڑھ وغیرہ بھی ہوگی۔"

"وہ کس سلسلے میں؟"

شہزاد چکرا گیا۔ اس سوال کا وہ سچا کیا جواب دے سکتا تھا۔

اسے تو ویسے بھی حیرت ہو رہی تھی کہ اتنے اہم محکمے کو یوں حد بندی کے بغیر چھوڑا گیا تھا۔ فلکرافٹ کے بارے میں تو یہاں تک سختی تھی کہ وہاں داخل ہونے والا کبھی باہر نہیں جا سکتا... پھر اتنے خفیہ منصوبے کی حفاظت کے لیے آخر کوئی انتظام کیوں نہیں کیا گیا؟

"سائن بورڈ کسی عمارت یا مخصوص سمت میں رہنمائی نہیں ہوتی۔ کیا یہ کھٹا علاقہ ہی تھنکرز فورم ہے؟" شہزاد نے خود کو سنبھالتے ہوئے پوچھا۔

"پہلے تم میری بات کا جواب دو۔ حد بندی کیوں ہوتی ہے؟"

"تاکہ لوگ اندر نہ آسکیں۔"

"اور لوگوں کو کیوں نہ اندر آنے دیا جائے۔"

"معلوم نہیں..." شہزاد نے اس کی بحث سے اُکتا کر کہا۔

"آخر انسان حد بندیاں کیوں کرتا ہے؟ کیا لوگوں کو باہر رکھنے کے لیے... یا پھر ان لوگوں کی شناخت کے لیے جنہیں باہر رکھنا چاہیے؟"

"اس کا جواب تو ایک بچہ بھی دے سکتا ہے۔" شہزاد نے جھنجھلا کر کہا اور دل میں سوچا کہ ایسے احمقوں کو تھنکرز فورم میں کس نے گھسا دیا ہے۔ معلوم نہیں یہ گہری باتیں سوچنے والے عام باتیں کیوں نہیں سمجھ پاتے؟ اس نے کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔

عقب نما میں اس نے ڈاکٹر ویرام کی طرف دیکھا جو چشمہ بٹا کر اس کی کار کو گھور رہا تھا۔ اس کا منہ حیرت سے قدرے کھلا ہوا لگتا تھا جیسے وہ شہزاد کو سمجھنے سے قاصر رہا ہو۔

آگے جا کر شہزاد کو ایک سفید عمارت نظر آئی۔ اس نے کار اسی عمارت کے قریب روک دی۔ عمارت کے چاروں طرف گھنے اور اونچے پیڑ لگے ہوئے تھے۔ شہزاد نے ڈرائیونگ سیٹ کے پیچھے گھنٹی کے بٹن کو دبایا تو دروازہ فوراً ہی کھل گیا اور ایک گلابی چہرے والی بچی نے باہر جھانکا۔ اس کی آنکھیں بے حد چمک دار تھیں۔

"ہیلو..." بچی نے کہا۔ "میرا نام سومی ہے۔ میں چھ سال کی ہوں اور ڈاکٹر ہوش مند کی بیٹی ہوں۔"

"اور میں شہزاد ہوں... شہزاد بیگ۔" اس نے مسکرا کر اپنا تعارف کرایا۔ اس بچی نے اسے فوراً ہی متاثر کر دیا تھا۔ "میں تین سال کا ہوں... اور تھنکرز فورم کا نیا محافظ ہوں۔"

"یعنی آپ نئے سیکورٹی ڈائریکٹر ہیں... اور مسٹر منوچہر کی جگہ آئے ہیں۔ وہ تو پچھلے ہفتے او... ڈی... ہو گئے تھے۔"

شہزاد نے حیرت سے پلکیں جھپکائیں۔ ایک چھ سالہ بچی سے اسے ایسی گفتگو کی ہرگز توقع نہیں تھی۔ "او... ڈی... کیا مطلب؟"

"ہیرو ڈن کا اوور ڈوز..." بچی نے اس انداز میں وضاحت کی جیسے اسے شہزاد کی کم علمی پر افسوس ہوا ہو۔ "مگر ایک آدمی کے اوور ڈوز لینے سے منشیات سے نجات کا مسئلہ حل نہیں ہو سکتا۔"

شہزاد نے ذرا جھک کر مزید توجہ سے اس بچی کا جائزہ لیا جو شاید پیدائشی مفکر تھی۔ بچی نے اسے حیرت زدہ دیکھا تو شریر انداز میں مسکرانے لگی۔

"ہوں... تو آپ کو حیرت ہو رہی ہے۔" اس نے کہا۔ "دراصل میں اپنی عمر سے کہیں زیادہ ذہنی ترقی حاصل کر گئی ہوں اور سب یہی کہتے ہیں کہ اگر میں نے خود کو اپنے ہم عمروں میں شامل کرنا نہ سیکھا تو بڑے مسائل پیدا ہو جائیں گے۔ ڈیڈی بھی یہی کہتے ہیں... مگر میری بڑی بہن اروھات نے پندرہ سال کی عمر میں خود کو اپنے ہم عمروں میں شامل کر لیا ہے تو میں کیوں نہیں کر سکتی؟"

"کر سکتی ہو... کر سکتی ہو۔" شہزاد نے اس کا گال سہلاتے ہوئے محبت سے کہا۔

بچی اس انداز پر رام ہو گئی۔ اس نے جلدی سے کہا۔ "کیا آپ ڈیڈی سے ملنا چاہتے ہیں؟"

"ہاں..."

"کیا آپ میرے ساتھ فزیکس کھیلیں گے؟"

"بعد میں ضرور کھیلوں گا۔"

"وعدہ... لیکن نہیں... حقیقت وعدے سے کہیں زیادہ بامعنی ہوتی ہے... اور وعدہ بھی وہ جو آٹھ سال سے زیادہ عمر کا شخص کرے۔"

"میں بھی آٹھ سال سے زیادہ عمر کے لوگوں پر اعتماد نہیں کرتا۔" شہزاد نے کہا۔ وہ یوں محسوس کر رہا تھا جیسے قسمت نے اُسے اچانک ہی پاگلوں کے کسی شہر میں پھینک دیا ہو۔ جہاں قدم قدم پر اس کی راہ میں دشواریاں حائل تھیں۔

"کیا آپ کے پاس فزیکس موجود ہے؟" بچی نے پوچھا۔

"نہیں..." شہزاد نے حیران ہو کر کہا۔ "کیوں؟"

"پھر آپ نے کھیلنے کا وعدہ کیسے کر لیا؟" بچی نے طنز سے کہا اچانک ہی اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔ "آپ نے یوں وعدہ کیا۔ فزیکس آپ کے پاس نہیں ہے اور میرے پاس بھی نہیں ہے۔ اب یہ وعدہ کیسے پورا ہوگا؟" سومی نام کی اس بچی نے آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیا اور رونے لگی... رونے کا انداز بھی کسی چھ سالہ بچی جیسا ہی تھا۔

شہزاد نے اسے فوراً گود میں اُٹھا لیا اور فزیکس لا دینے کا اس پر وعدہ کیا کہ پہلے وہ آنکھیں ملنا بند کر دے۔

"ہاں... مجھے معلوم ہے کہ آنکھ کا عدسہ دباؤ کے سلسلے میں بڑا حساس ہوتا ہے۔" بچی سسکیاں لیتے ہوئے بولی۔

"کیا تم ایک کو ریائی محاورہ سیکھنا چاہتی ہو؟"

"کیا... ؟" وہ چونک کر رونا بھول گئی۔

"یہی کہ اگر آنکھیں ملنا ہوں تو صرف گھنٹیوں سے ملو۔" شہزاد نے مسکرا کر کہا۔

"مگر گھنٹیوں سے آنکھیں کیسے مل سکتی ہیں؟" سومی نے کہا... اور ہنس پڑی۔

"اچھا! میں سمجھ گئی۔ آنکھیں ملنا ہی غلط ہے۔"

"تم ٹھیک سمجھیں..." شہزاد نے اس کا گال چوم کر کہا۔

"آپ مجھے بہت اچھے لگے ہیں۔ آیئے، میں آپ کو دفتر میں لے چلوں۔" شہزاد اس کے ساتھ راہداری کمرے سے ملحقہ دفتر میں پہنچا۔ اسے دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا کہ یہ تھنکرز فورم کے سربراہ کا دفتر تھا جہاں ہر طرف کاغذ کا سارا منصوبہ کاغذات کی شکل میں ادھر ادھر بکھرا پڑا تھا... وہاں کوئی تالا تھا اور نہ ہی کوئی تجوری نظر آ رہی تھی۔ دروازہ ایسا تھا کہ ایک چھ سالہ بچی اسے کھول سکتی تھی۔

"آپ یہ کاغذات پڑھ سکتے ہیں مگر انہیں ترتیب سے رکھیے گا۔ بڑی ناراض ہوتے ہیں۔" بچی نے مسکرا کر کہا۔

ان کاغذات کی بے ترتیبی کا مطلب ڈاکٹر ہوش مند کی موت ہو سکتا تھا... مگر کیا وہ اس دلچسپ اور پیاری سی بچی کی زندگی کو برباد کر سکتا؟ اس خیال سے شہزاد کے جسم میں کئی سال بعد پہلی جھرجھری آ گئی۔ ہاں۔ کیوں کہ اس کی زندگی بچانے کا مطلب ملک کے دس لاکھوں افراد کی جان خطرے میں ڈالنا ہے... اس نے خود کو سنبھالتے ہوئے سوچا اور بچی کو گھورنے لگا جو اس کی نگاہوں کی بدلتی کروٹ دیکھ کر دوبارہ رونے لگی تھی۔

شہزاد نے بچی سے نگاہ ہٹالی۔ اس نے سوچا کہ کسی بچی کی زندگی سے کھیلتے ہوئے کام کی ابتدا نہیں کرنی چاہیے۔ وہ چند لمحوں تک ادھر اُدھر دیکھتا رہا لیکن ان کاغذات سے اُسے کوئی دلچسپی نہیں تھی کیونکہ وہ انہیں سمجھ ہی نہیں سکتا تھا۔

"کیا تم مجھے اپنے ڈیڈی سے نہیں ملواؤ گی؟" اس نے پیار سے کہا۔

بچی ہنس پڑی۔ "کتنی عجیب بات ہے۔" اس نے ہنسی ضبط کرتے ہوئے کہا۔ "بڑے عموماً بچوں کو احمق سمجھتے ہیں جب کہ خود بڑوں کو بچے پہیلیوں میں احمق بنا لیتے ہیں۔"

"غیر معمولی ذہین ہونا بہت اچھی بات ہے، سومی۔" شہزاد نے اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "اور گستاخ ہونا اتنی ہی بُری بات ہے۔"

اس کے لہجے میں نہ جانے کیا تھا کہ بچی کی آنکھوں سے خوف جھلکنے لگا... لیکن اس بار وہ روئی نہیں تھی اور نہ ہی اس نے احمقانہ انداز میں کوئی دانش مندانہ بات کہنے کی کوشش کی تھی... یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اچانک ہی کایا پلٹ ہو گئی ہو... وہ کسی مشینی گڑیا کی طرح دروازے کی طرف چل دی۔

شہزاد بھی اس کے پیچھے ہی چل پڑا۔

دروازہ کھول کر بچی گھر سے نکل گئی... اور دونوں ساتھ ساتھ ایک طرف چلنے لگے۔

ایک عجیب سی عمارت سے کچھ فاصلے پر بچی رُک گئی۔

"وہ سامنے عمارت دیکھ رہے ہیں؟"

"ہاں... دیکھ رہا ہوں!" شہزاد نے سنجیدگی سے کہا۔

"وہاں تشریف لے جایئے۔ آپ کو میرے ہی نہیں بلکہ پوری کالونی کی لڑکیوں کے ڈیڈی مل جائیں گے۔ وہاں شطرنج کا ٹورنامنٹ ہو رہا ہے۔"

شہزاد نے اثبات میں سر ہلایا۔ اسی لمحے عمارت سے کسی کا قہقہہ سنائی دیا... اور پھر کئی آدمیوں کی آوازیں آنے لگیں۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اچانک ہی کئی آدمیوں نے کسی ایک ہی موضوع پر بولنا شروع کر دیا ہو۔

"ٹھیک ہے۔ اب تم..." اس نے بچی سے کہنا چاہا لیکن بچی سومی اس وقت تک دوڑتی ہوئی اس سے کئی قدم کے فاصلے پر پہنچ چکی تھی۔ شہزاد نے الوداعی انداز میں ہاتھ لہرایا اور اس عمارت کی طرف بڑھ گیا جس تک بچی نے رہنمائی کی تھی۔

ایک بڑے سے ہال میں شطرنج کا مقابلہ ہو رہا تھا۔ ایک فریق تو ڈاکٹر بیانکی تھا اور دوسرا ڈاکٹر وہ تھا جسے تصویر میں شہزاد

نے پادریوں کے سے انداز میں ہاتھ اٹھائے دیکھا تھا۔

ڈاکٹر ہوشمند نے اسے دیکھتے ہی انگلی ہونٹوں پر رکھ کر اشارا کیا۔ "شش... شش..."

"میں شہزاد پہلگام ہوں... نیا سیکورٹی..."

"مجھے معلوم ہے شش... شش..." ڈاکٹر ہوشمند نے دوبارہ اشارا کیا... پھر اس نے سرگوشیوں میں ڈاکٹر بیانکی سے اس کا تعارف کرایا۔

"تم بھی پچھلے ڈائریکٹر منوچہر کی طرح روستائی ہو؟" بیانکی نے پوچھا۔

شہزاد کچھ نہ بولا۔ وہ تو شطرنج کے بورڈ کو گھور رہا تھا۔ اسے بھی شطرنج کھیلنا سکھایا گیا تھا تاکہ اسے معلوم ہو کہ کس چال سے پوری بازی پلٹ جاتی ہے۔

"میں نے تم سے کچھ پوچھا تھا؟" ڈاکٹر بیانکی پھر بولا۔ "تم بھی منوچہر کی طرح روستائی ہو؟"

"معلوم نہیں..." شہزاد نے ایسے لہجے میں جواب دیا جیسے ٹال رہا ہو۔

"کیا مطلب؟ کیسے معلوم نہیں ہر روستائی کو معلوم ہوتا ہے کہ وہ روستائی ہے... مگر تم روستائیوں کو سوائے شطرنج کھیلنے یا سیکورٹی گارڈ بننے کے کچھ اور بھی آتا ہے؟"

یہ فریق مخالف پر براہ راست چوٹ تھی۔ یقیناً وہ بھی روستائی رہا ہوگا... اور اس وقت وہ روستائی ڈاکٹر بیانکی سے مات بھی کھانے والا تھا۔

"ہیلو...! میرا نام شالات ہے۔" ڈاکٹر بیانکی کے حریف نے کہا۔ "تم یہاں کی باتوں کا خیال نہ کرنا۔ یہ سب انا کے کرشمے ہیں۔"

شہزاد نے اس کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو ہاتھ میں لے لیا اور سوچا... تم کتنے بھی خوش اخلاق سہی لیکن تمہیں میرے ہاتھوں موت کے گھاٹ تو اترنا ہی ہے...

"ہاں ہاں! تم اپنے اس ہم وطن سے مدد لے لو۔ تم جانتے ہو کہ مات تمہارا مقدر ہو چکی ہے۔" ڈاکٹر بیانکی نے شہزاد کی طرف پلٹ کر کہا۔ "بیٹھ جاؤ، صاحبزادے!... اور ڈاکٹر شالات کو کوئی چال بتاؤ تاکہ یہ مجھے مات دے سکے۔"

... اور شہزاد بغیر کچھ سوچے سمجھے بولا پڑا۔ "تین طریقوں سے آپ کو مات دے سکتے ہیں دو طریقوں میں تو آپ کا پہلے غلطی کرنا ضروری ہے... مگر میسرا طریقہ بالکل واضح ہے۔" یہ کہہ کر اس نے مہرہ اٹھایا اور چال چل دی۔

چاروں طرف کھڑے ہوئے لوگ اور خود ڈاکٹر شالات بے ساختہ قہقہے لگانے لگے... جب کہ ڈاکٹر بیانکی کا چہرہ پڑ گیا... اس نے یہ چال تو سوچی بھی نہیں تھی۔

... مگر شہزاد یہ چال بتا کر بہت بڑی غلطی کر چکا تھا۔ ایک عام سا اور غبی قسم کا سیکورٹی آفیسر بن کر یہاں آیا تھا۔ اب اس نے یہ ثبوت خود ہی فراہم کر دیا تھا کہ اس میں بھی کے جوہر موجود ہیں۔ اس کے کوریائی استاد اوشان نے اسے سمجھایا تھا کہ اگر تم زندہ رہنا چاہتے ہو تو کبھی اپنے مخالف کو یہ دو کہ تم کوئی خطرناک آدمی ہو... جس قدر بے ضرر نظر آتے گے اتنا ہی محفوظ رہو گے۔

... شہزاد یہ سب کچھ بھول گیا تھا۔ وہ یہاں آیا تو ایک بے ضرر سا سیکورٹی آفیسر تھا لیکن اب اس ہال میں معلوم نہ کون کون اس کا دشمن بن چکا تھا۔ اس نے اپنا کام خود ہی بنا لیا تھا۔

ڈاکٹر نوریان نے بھی یہ چال دیکھی تھی۔ یہ کوئی نئی تو نہیں تھی... مگر اس وقت یہ چال، چل کر شہزاد نے اپنی ذہانت کا اظہار کر دیا تھا۔ ڈاکٹر نوریان نے سوچا کہ اس بار منوچہر مختلف آدمی بھیجا گیا ہے... کہیں اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ کے قتل کا راز فاش ہو گیا ہے؟ اس کی موت کو خودکشی نہیں قتل سمجھا جا چکا ہے... نہیں حکومت کو اس پر اور اس کی بیٹی پر تو نہیں ہو گیا؟

شہزاد پہلگام نے ان چاروں کو بھی تو ہلاک کر دیا اسے پیکٹ دینے گئے تھے۔ ڈاکٹر نوریان نے اپنے آدمیوں موت اور شہزاد کی اس چال میں کوئی تعلق تلاش کرنے کی بہ کوشش کی لیکن اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ اس نے کندھے اچکا اور دل ہی دل میں کہا۔ "خیر... کوئی بات نہیں... میں تم سے جلد نمٹ لوں گا... مسٹر نئے سیکورٹی ڈائریکٹر...!"

کھیل کے بعد وہ سب سے آخر میں نکلا تھا اور بیٹی ساتھ ٹہلتا ہوا ڈاکٹر بیانکی کے گھر کی طرف جا رہا تھا۔ ڈاکٹر بیا کے گھر کی عمارت بیضوی شکل کی تھی۔ دور سے دیکھنے پر یہ تھا جیسے کوئی بہت بڑا انڈا زمین پر پڑا ہو۔

"مجھے یہ نیا آدمی بہت اچھا لگتا ہے۔" لڑکی نے دھیمی آواز میں کہا۔

"تمہیں تو ہر شخص اچھا لگتا ہے، ڈیرا" وہ ہلکے

سے انداز میں بولا۔

"ہر شخص تو نہیں..." لڑکی نے احتجاج کیا۔

"پھر...؟ بتاؤ کون ایسا ہے، جو تمہیں اچھا نہیں لگتا۔ تاکہ میں اسی کو دیکھوں۔"

"کالے لوگ..."

"اوہ! مگر تمہیں یہ کیا ہو گیا ہے؟" ڈاکٹر نوریان نے کربناک لہجے میں کہا۔

"ہونا کیا ہے... جب ایک لڑکی بچپن میں گھر کے اندر انسانی کھال کے بنے ہوئے لیمپ شیڈ دیکھے گی اور لوگوں کو تندور میں جھونکے جاتے دیکھے گی تو اس کی شخصیت بھی عام لڑکیوں سے مختلف ہی ہو گی۔ مجھ میں جو کچھ غیر معمولی پن ہے، وہ اسی وجہ سے ہے۔"

"یہ تو وقت وقت کی بات ہے۔ اب تو ایسا نہیں ہوتا۔" ڈاکٹر نوریان نے کہا۔

"یہ بھی وقت وقت کی بات ہے، ڈیڈی! مجھے ہر حال میں اس شخص کی ضرورت ہے۔"

"ابھی نہیں۔" ڈاکٹر نوریان غرایا۔

"آپ ہر بار یہی کہہ دیتے ہیں... لیکن میں نام بدلتے بدلتے اور گھر سے بھاگتے بھاگتے تھک گئی ہوں۔ میں نے آپ کے ساتھ کن کن ملکوں کی خاک چھانی ہے۔ اپنے وطن لامازلینڈ کا تو تصور بھی نہیں کر سکتی۔ آخر کیوں؟ میرا بھی چاہتا ہے کہ ساری دنیا کو بتا دوں کہ ہم کون ہیں۔ آخر ہمیں اپنے لامازی ہونے پر فخر ہونا چاہیے۔ ہم انسانوں کی سب سے برتر نسل سے تعلق رکھتے ہیں پچھلی جنگ میں ہم نے کتنی دہشت پھیلائی تھی۔ لوگ ابھی تک ہم سے ڈرتے ہیں۔"

"چپ رہو۔" ڈاکٹر نوریان نے اسے ڈانٹ دیا۔

"میں تو بولوں گی... لامازی... لامازی..."

"خاموش!" ڈاکٹر نوریان کے لہجے میں خونخواری جھلک آئی۔

"... تو پھر شہزاد کو میرے حوالے کر دیجئے۔"

"اوکے... اوکے... اس قدر بے تاب ہونے کی ضرورت نہیں۔" نوریان نے بالآخر ہتھیار ڈالتے ہوئے کہا۔

"کب...؟" لڑکی شاید اس سے حتمی وعدہ کرانا چاہتی تھی۔

"جلد..." نوریان بڑبڑایا۔

"مگر آپ تصویریں بھی اتاریں گے... سچ ڈیڈی! جب آپ تصویریں اتارتے ہیں، مزا تو تب ہی آتا ہے۔"

"بکواس بند کر کے گھر جاؤ، میں، بیانکی کے پاس جا رہا ہوں۔"

"مجھے معلوم ہے آپ میرے وہ مناظر برداشت نہیں کر سکتے اور یہی مجھے اچھا لگتا ہے۔" یہ کہتی ہوئی وہ اپنے گھر کی طرف گھوم گئی۔

ڈاکٹر نوریان اپنی بیٹی کو جاتے دیکھتا رہا۔ اس کی آنکھوں میں شدید غم و غصے کی جھلک تھی لیکن وہ بے بس تھا۔ کچھ دیر وہ کھڑا سوچتا رہا... پھر ڈاکٹر بیانکی کے گھر کی طرف چل دیا۔

ڈاکٹر بیانکی ابھی اپنے مخصوص گوشے میں داخل نہیں ہوا تھا جو آتشدان کے پیچھے ..... ہاتھی دانت کے بنے ہوئے دو ستونوں کے درمیان واقع تھا۔ وہاں جانے کے بعد وہ کسی سے نہیں ملتا تھا۔ اس وقت وہ پائپ میں حشیش بھر رہا تھا۔ مگر اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔

"اس حرامزادے نے مجھے ہلا کر رکھ دیا ہے۔" نوریان پر نگاہ پڑتے ہی بیانکی نے کہا۔

"آپ نے بلاوجہ اسے کھیل میں گھسیٹ لیا تھا ورنہ آپ صاف جیت رہے تھے۔" نوریان نے مسکرا کر کہا۔

"مجھے کیا معلوم تھا۔ ویسے تم تو جانتے ہی ہو کہ میں شالات سے اچھا کھلاڑی ہوں۔" بیانکی خود ستائی کے اظہار میں مسکرا کر بولا۔

"یقیناً مگر آج کی گڑبڑ تو آپ نے خود ہی پیدا کی تھی۔"

"ہاں... مگر آج کی بازی شطرنج کے ٹورنامنٹ میں تو شامل نہیں ہو گی۔"

"کیوں نہیں ہو گی؟"

"بھئی! شالات کی مدد کی گئی ہے... اور یہ اصول کے خلاف ہے۔"

"مگر ایسا آپ کی رضامندی سے ہوا تھا۔ شالات کا اس میں کوئی قصور نہیں۔" ڈاکٹر نوریان نے کہا۔

"میں اسے مار ڈالوں گا۔" بیانکی کا لہجہ یکایک خوفناک ہو گیا۔

"مگر کیوں...؟ اس نے تو کچھ بھی نہیں کیا... سارا کیا دھرا تو اس سیکورٹی آفیسر کا ہے۔ اس نے سب کو آپ پر ہنسنے کا موقع فراہم کیا ہے۔" ڈاکٹر نوریان نے جلتی پر تیل ڈالنا شروع کر دیا۔

"مجھ پر کون ہنس سکتا ہے؟" بیانکی حشیش کا کش لے کر دھاڑنے لگا۔

"آپ دیکھئے گا۔ جب تک وہ سیکورٹی ڈائریکٹر یہاں ہے، لوگ آپ پر ہنستے ہی رہیں گے۔"

"تم مجھے یہ سب کیوں بتا رہے ہو؟" بیانکی چونک کر نوریان کو گھورنے لگا۔

"میں آپ کا دوست ہوں ڈاکٹر... اس رُوستانی کو نیچا دکھانے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے۔ لیکن آپ وہ طریقہ ہرگز استعمال نہیں کریں گے۔ اپنے موٹر سائیکل والے دوستوں سے مدد لیجئے۔"

"نہیں۔ میں ایسی گری ہوئی حرکت نہیں کر سکتا... اچھا اب تم جاؤ۔ مجھے کام کرنا ہے۔" یہ کہہ کر بیانکی اپنے مخصوص گوشے کی طرف بڑھ گیا جس کے درمیان ایک سُرخ لمبی لکیر خانہ شگاف تھا، چاروں طرف سفید دائرہ اور پھر اس کے بعد سیاہ دائرہ... تھنکرز فورم کی کالونی میں خود بیانکی ہی واحد آدمی تھا جو اس علامتی ڈیزائن کا مفہوم خوب جانتا تھا۔

ڈاکٹر نوریان بیضوی عمارت سے باہر آگیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ شہزاد پیدائم سے اسے جلد ہی نمٹنا پڑے گا... کیونکہ جب تک اس کی جگہ کوئی اور شخص نہ آئے گا، تب تک دُنیا کو فتح کرنے کا منصوبہ تیار کرنے والے ایک غیر ملکی طاقت کے قابو میں ہوں گے اور خود ڈاکٹر نوریان جزیرہ فردوس سے جا چکا ہوگا۔

❁

ڈاکٹر ہوشمند اسم بامسمّیٰ تھا۔ ہر معاملے کو نہایت ہوش مندی سے نمٹانا اس کی فطرت تھی۔ وہ کسی معاملے میں کاہلی برتنے کا عادی نہیں تھا۔ پھر اس معاملے میں کیسے تاخیر برداشت کر لیتا۔

شہزاد نے کو میرے پاس بھیج دو۔" اس نے انٹر کام پر حکم دیا۔

اس کا دفتر عمارتوں کے ایک دائرے کے سامنے واقع تھا۔ یہ دائرہ سفید چھوٹی نما مکانوں پر مشتمل تھا، یہ تھنکرز فورم کے بڑے ٹاقوں کے دفاتر اور رہائشی مکانات تھے اور ان کے باہر تجربہ گاہیں تھیں۔ ڈاکٹر ہوشمند کی کھڑکیوں سے سب کچھ نظر آتا تھا۔ شہزاد نے دفتر میں داخل ہوتے ہی محسوس کر لیا کہ یہاں کا ماحول خوش گوار اور گرم ہے۔ ڈاکٹر ہوشمند ٹویڈ کا سوٹ پہنے، پائپ پی رہا تھا۔ شہزاد کو اس کی سوانح سے معلوم ہو چکا تھا کہ ڈاکٹر ہوشمند ان گنت کتابوں کا مصنف بھی ہے۔

"تو تم آگئے... شطرنج کھیلنے والے محافظ۔ بتاؤ میں تمہارے لیے کیا کر سکتا ہوں؟" ڈاکٹر نے عجیب سے انداز میں پذیرائی کی۔

"سب سے پہلے تو میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ آپ سب لوگ یہاں کیا کرتے ہیں؟"

"کیوں... تم یہ کیوں معلوم کرنا چاہتے ہو؟" ڈاکٹر ہوشمند چونک پڑا۔

"اس لیے کہ جب تک مجھے یہ معلوم نہ ہو کہ یہاں کیا ہو رہا ہے تب تک میں اپنے فرائض کو نہیں سمجھ سکتا۔"

"بیکار ہے۔" ڈاکٹر بڑبڑایا۔

"کیا بیکار ہے؟" شہزاد نے ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے پوچھا

"تم کچھ نہیں سمجھ سکو گے۔"

"آپ بتائیں تو سہی۔"

"دیکھو صاحبزادے...!" ہوشمند پائپ کا کش لیتے ہوئے بولا "تمہیں یہاں صرف اس لیے بھیجا گیا ہے کہ اس ادارے کو حکومت سے مالی مدد اور تحفظ ملتا ہے۔ میں تمہاری آمد کو ناخوش گوار تو نہیں بنانا چاہتا مگر تم ایک بن بلائے مہمان ہو۔ کل رات تم نے شطرنج ٹورنامنٹ میں جس بدنیتی کا مظاہرہ کیا۔ اس سے میرے اسٹاف میں بے چینی پھیل گئی ہے۔ میں تمہاری محافظت کے بغیر بھی رہ سکتا ہوں کیونکہ مجھے یہاں سیکورٹی کی ضرورت ہی نہیں ہے۔"

"کیا منوچہر کو بھی یہ احساس دلا دیا گیا تھا؟"

"وہ ایک کم عقل پولیس مین تھا۔" ڈاکٹر نے ناگواری سے کہا۔

"جواب مر چکا ہے۔" شہزاد نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"ہاں... وہ مر چکا ہے۔ تم جانتے ہو کہ تشدد کے جواب میں اس سے کہیں زیادہ تشدد ہوتا ہے۔"

"آپ کا مطلب ہے منوچہر نے خود اپنی موت کو دعوت دی تھی؟" شہزاد نے بظاہر سرسری لہجے میں سوال کیا۔

"ہاں... لیکن تم میری توقع سے زیادہ ذہین ہو اس لیے غور سے سنو۔ فرض کرو کہ تشدد ایک فطری اور لازمی امر ہو تو اسے روکنا یا اس کا رُخ بدلنا اس کی شدت کو بڑھائے گا۔ یہ جومیٹری کا اصول ہے سمجھ رہے ہو؟"

"ہاں... لیکن یہ اپنی اپنی سمجھ کا پھیر ہے۔ آپ اس کا کچھ اور مطلب لیتے ہیں جب کہ میں کچھ اور مطلب لیتا ہوں۔"

"تم کیا مطلب لیتے ہو؟" ڈاکٹر یوں مسکرایا جیسے کسی بچے نے اس کے سامنے بہت بڑا دعوا کر دیا ہو۔

"میں تشدد کو ایک ایسا گھاؤ سمجھتا ہوں جو جسم سے زہر نکالنے کے لیے ڈالا جائے تو اچھا ہے اور اگر یہ گھاؤ جسم کو نقصان پہنچانے کے لیے ڈالا جائے تو بُرا ہے۔ بذاتِ خود یہ فعل نہ اچھا ہے اور نہ ہی بُرا... البتہ تکلیف دہ ضرور ہے۔"

"تم پھر انہی روایتی روستائی باتوں میں پڑ گئے۔ قانونِ امن عامہ... یہ سب بکواس ہے۔ فیصلہ کرنے والے ایسا نہیں سوچتے۔"

شہزاد کچھ کہتے کہتے رُک گیا۔ اس جنونی سے اُلجھنا بیکار تھا۔ ڈاکٹر ہوشمند بھی سمجھ گیا کہ وہ بلاوجہ ایک فضول بحث میں اُلجھ

گیا ہے۔ اس لیے وہ جلدی سے بولا۔ "چھوڑو ان باتوں کو... تم کام کرنے آئے ہو اور مجھے بھی کام کرنا ہے۔"

"آپ نے یہ کیوں سوچا کہ منوچہر کو قتل کیا گیا ہے؟"

"میں سمجھ گیا تھا کہ تم یہ سوال ضرور کرو گے۔ بہرحال ایسا سوچنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ ہیروئن استعمال کرنے والا آدمی نہیں معلوم ہوتا تھا۔ ہیروئن وہ لوگ استعمال کرتے ہیں جو زندگی سے غیر مطمئن ہوتے ہیں۔ منوچہر میں اتنی ذہانت ہی نہیں تھی کہ وہ غیر مطمئن ہو سکتا۔ بالفاظِ دیگر وہ بہت اچھا آدمی تھا اور سچ تو یہ ہے کہ میں تم پر اسے ترجیح دیتا ہوں۔ وہ بہرحال حقیقت پسند تھا۔"

"اور یہ جاننے یا سمجھنے کے بعد کہ اسے قتل کیا گیا ہے آپ نے کسی پر شبہ بھی ظاہر نہیں کیا؟" شہزاد نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیا اس لیے کہ یہاں قانون کے محافظوں کا ہجوم ہو جاتا اور ہمارے کام میں رخنہ پڑ جاتا۔" ڈاکٹر ہوشمند غرّایا۔

اچانک دُور کہیں سے گرج دار آواز سنائی دینے لگی جو رفتہ رفتہ بڑھتی ہی چلی گئی۔ وہ دونوں چونک کر کھڑکی کے شیشے کے پار دیکھنے لگے۔ یہ آواز موٹر سائیکلوں کی تھی جو تھوڑی ہی دیر بعد سامنے آئیں۔ تمام موٹر سائیکل سوار چمڑے کے جیکٹ، ٹوپیاں پہنے اور بیٹھ پر عجیب سے نشان بنائے ہوئے تھے۔ ان نشانات کو ظلم و تشدد کی علامت سمجھا جا سکتا ہے۔ موٹر سائیکلیں بھی مختلف رنگوں کی تھیں، کوئی سرخ، کوئی زرد اور کوئی سیاہ...

ڈاکٹر ہوشمند کھڑکی کے قریب جا کھڑا ہوا۔ شہزاد بھی اس کے پیچھے تھا۔ اپنے اپنے دفتروں اور گھروں سے تھنکرز فورم کے شعبہ جاتی سربراہ باہر آگئے۔ ان میں بیانکی بھی تھا، شالات بھی اور ڈاکٹر نوریان... اور ویدرام بھی... ایک پانچویں شخصیت بھی تھی جو ایک سیاہ بالوں والی لڑکی تھی۔ وہ سب سے آخری کاٹیج سے نکلی تھی۔ اس کی عمر بیس اور تیس کے درمیان ہوگی۔ نقش و نگار شاہانہ اور جلد کی رنگت سُنہالی تھی۔

باقی تمام افراد تو اپنے اپنے دروازے میں کھڑے رہے مگر وہ لڑکی کچھ فاصلے پر واقع فوارے کے قریب آگئی۔ موٹر سائیکل سواروں کے لیڈر نے اسے دیکھتے ہی رفتار بڑھائی اور یوں محسوس ہوا جیسے وہ اسے کچل ہی ڈالے گا... مگر اس نے لڑکی کے قریب پہنچتے ہی موٹر سائیکل گھمائی۔ لڑکی اپنی جگہ سے اُس سے ذرا تک نہ ہلی۔

شہزاد دل ہی دل میں لڑکی کی بے خوفی کا معترف ہو گیا۔ اس لڑکی نے اپنی جگہ سے ایک انچ بھی حرکت نہیں کی تھی... بلکہ وہ مسکرا رہی تھی جیسے اس خوفناک حادثے کے خیال سے لطف اندوز ہو رہی ہو۔ دو تین منٹ تک کھڑے رہنے کے بعد وہ واپس اپنے گھر کی طرف چل دی۔

تمام نوجوان اپنی موٹر سائیکلوں سے اتر گئے تھے۔ ڈاکٹر بیانکی ان کے لیڈر کے قریب آیا پھر اس کے کان میں کچھ کہنے لگا۔

اچانک لیڈر نے اس کا سر پکڑ کر مروڑنا شروع کر دیا۔ ڈاکٹر کا چہرہ پہلے گلابی ہوا... پھر سُرخ ہو گیا۔ جب اس نے جیب سے چند کرنسی نوٹ نکال کر مٹھی میں دبا لیے تب اس کا دوسرا ہاتھ ڈاکٹر کے کالر سے ہٹا تھا۔ ڈاکٹر بیانکی واپس اپنے گھر کی طرف چل دیا۔ اس کی چال میں لڑکھڑاہٹ تھی جیسے وہ بے تحاشہ نشے میں ہو... یا نفرت کی ایسی لہروں میں ڈوبا ہوا ہو جن میں تیرتے ہوئے خود کو سنبھال نہ پا رہا ہو۔

موٹر سائیکل سواروں کے لیڈر نے اپنے ساتھیوں سے کچھ کہا۔ تھوڑی دیر وہ آپس میں باتیں کرتے رہے... پھر ان کے قافلے کا رُخ ڈاکٹر ہوشمند کے دفتر کی طرف ہو گیا۔ سائے نوجوان دفتر کی کھڑکی سے کچھ فاصلے پر آکر رُک گئے۔

"دیکھو شہزاد!" ڈاکٹر ہوشمند نے گھبرا کر کہا۔ "میں کوئی ہنگامہ پسند نہیں کروں گا۔ سمجھ گئے۔"

"میں تو خاموش کھڑا ہوں۔ آپ دیکھ ہی رہے ہیں۔"

"بہت خوب! میں ایسے ہی آدمیوں کو پسند کرتا ہوں۔"

"اے شہزاد! باہر آؤ۔" موٹر سائیکل سواروں کے لیڈر نے چلا کر کہا۔

شہزاد ٹائیگر نے غور سے اس نوجوان کو دیکھا۔ وہ توانائی سے بھرپور جسم کا مالک تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ ویٹ لفٹنگ کا عادی ہو۔ ساڑھے چھ فٹ کے لگ بھگ اس کا قد تھا۔ اس کے چلنے کے انداز میں البتہ بناوٹ تھی۔ شہزاد نے محسوس کر لیا کہ نوجوان تشدد پسند ہے اور اپنے حریف کو دہشت زدہ کر کے سامنے میں لطف محسوس کرتا ہوگا۔

اس نے لیڈر کی للکار کا کوئی جواب نہیں دیا۔

"ابھی یہ تھکے کہ خود ہی چلے جائیں گے۔" ڈاکٹر ہوشمند نے شہزاد کو اطمینان دلانا چاہا۔

اچانک لیڈر نے سر ہلا کر اپنے ایک ساتھی کو اشارا کیا جس نے زمین سے کچھ اٹھا کر کھڑکی کی طرف اچھال دیا۔

وہ چیز شیشے سے ٹکرائی۔ تب شہزاد نے دیکھا کہ وہ ایک بڑا سا پتھر تھا جو شیشہ توڑتا ہوا ہوشمند کی ناک پر آکر لگا اور ہوشمند

وہ چیخ چیخ کر کہنا چاہنے لگا۔ "میری ناک... اُف میری ناک!"

شہزاد نے پتھر گلتے ہی سمجھ لیا تھا کہ ڈاکٹر ہوشمند کے ناک کی ہڈی ٹوٹ گئی ہوگی۔ اس کی ناک سے خون تیزی سے بہہ رہا تھا۔

"اپنا ہاتھ ہٹالو ڈاکٹر... ورنہ زخم مزید بگڑ جائے گا۔" شہزاد نے اسے ناک پر ہاتھ رکھے دیکھ کر کہا۔

"کیسے ہٹالوں... سخت تکلیف ہو رہی ہے... کچھ کرو... میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ پولیس کو بلاؤ... کسی ڈاکٹر کو بلاؤ..."

"تاکہ یہاں ہجوم ہو جائے اور آپ کے کام میں رخنہ پڑ جائے۔" شہزاد نے مسکرا کر کہا۔

"مذاق مت کرو، شہزاد! خون تیزی سے بہتا جا رہا ہے... جاؤ... تم ہی جا کر ان سے نمٹو۔ اگر ریوالور ہوتا تو ان حرامزادوں کو مٹھائی کھانے کو دیتا۔"

شہزاد مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔ ڈاکٹر ہوشمند کے ہوش ہی نہیں ان کا فلسفہ تشدد بھی رخصت ہو گیا تھا۔ اس نے ان نوجوانوں پر نظر ڈالی۔ جو اب قدرے مضطرب نظر آ رہے تھے غالباً وہ دفتر میں گھس پڑنے پر غور کر رہے تھے... اگر ایسا ہوا تو سارا دفتر تباہ ہو جائے گا۔ اس لیے شہزاد نے سوچا کہ اب اُسے میدان میں اتر ہی آنا چاہیے۔

"میں باہر آ رہا ہوں۔" شہزاد نے بلند آواز میں کہا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

باہر آ کر اس کے چند لمحے رکنے کو نوجوانوں نے ہچکچاہٹ سمجھا۔ غالباً یہی وہ چاہتی کہ ان کا پیشہ ور ہاتھ کچھ کر چکے۔ بغیر زخم کھائے وہ رکتا۔ "آگے آؤ... کتے کے بچے...!"

شہزاد آگے بڑھا۔ وہ کسی ایسے ٹائیگر کی طرح چوکنے قدموں سے چل رہا تھا، جو اپنے شکار سے چند قدم پر رک جاتا ہے تاکہ وہاں سے جست لگائے، تو اچک ہی لے۔ شکار کا قصہ تمام ہو جائے۔ شہزاد ٹائیگر بھی اپنے شکار سے تین ساتھ فٹ کے فاصلے پر رک گیا یہاں سے اس کے جوتے کی نوک کی ایک ضرب گھٹنے کی ہڈی کو سُرمہ کر سکتی تھی۔

"کیا آپ نے مجھے بلایا ہے، جناب؟" اس نے سارے چھوٹے لیڈر سے پوچھا اور دیکھا کہ باقی نوجوان اپنے لیڈر کے دائیں بائیں کھڑے ہو گئے ہیں ان میں سے بعض کے ہاتھوں میں ہتھوڑیاں تھیں اور بعض چھرا تھامے رکھے تھے۔

ڈاکٹر بیانکی اپنے دروازے کے قریب پہنچ چکا تھا اس کا ایک ہاتھ پتلون کی جیب میں مسلسل حرکت کر رہا تھا اور اس کے چہرے سے لطف اندوزی صاف ظاہر تھی۔ اس صورت حال نے اسے شدید ہیجانی حالت میں مبتلا کر دیا تھا۔

"ہاں... میں نے ہی تمہیں بلایا ہے، حرامزادے... تم اپنے آپ کو سمجھتے کیا ہو؟" لیڈر نے نہایت گستاخی اور حقارت سے شہزاد کی بات کے جواب میں کہا۔

"میں کیا سمجھ سکتا ہوں، جناب!" شہزاد ٹائیگر نے داہنا ہاتھ اپنے پہلو کے قریب کر لیا اور اسے یوں گھمایا کہ کھلی ہوئی ہتھیلی کا رُخ سامنے کی طرف ہو گیا۔ جب اس کے حریفوں کی حرکت کہے گی تو شہزاد کے ناخن دو آنکھوں کو باہر نکال پھینکنے کے لیے کافی ہوں گے۔

"تم دھوکے باز ہو اور کھیل میں لوگوں کے ساتھ یہی کرتے ہو۔" لیڈر غرایا۔

"بالکل درست فرمایا جناب!" ٹائیگر نے بائیں کہنی کو ہلی۔ اس کہنی کی ضرب جب ناک کے ایک انچ نیچے لگے گی تو یہ جان لیوا ثابت ہو گا... مگر آج اس نے سوچ لیا تھا کہ کسی کو جان سے نہیں مارے گا۔

"تو تم ہنگامہ کرنا چاہتے ہو؟" لیڈر اس کے اطمینان سے الجھن میں پڑ گیا۔

"بالکل درست فرمایا جناب!" شہزاد نے اپنے کی نرمی کو قائم رکھی اور مسکراتا رہا۔

تاڑنے پھر فٹ فاصلہ قائم کا فوجوان لیڈر چند لمحے تو سکتے کی سی حالت میں کھڑا رہا... پھر دہاڑا۔ "تم ایک جنگل سانڈ ہو۔"

"جو کچھ بھی ہوں، آپ کو سامنا کرنا پڑے گا۔" شہزاد نے کہا۔ "میرا خیال ہے کافی دیر تک تماشا ہو چکا ہے۔ اب کام کرنا چاہتا ہوں۔ آپ کچھ اور پوچھنا چاہتے ہیں تو پوچھ لیں کیونکہ بعد میں آپ کو اس کا موقع نہیں ملے گا۔"

"تم دھوکے باز، فراڈ، خبیث اور کمینے ہو۔" ساتھ ہی فضا شاید خود بھی اس زبانی جنگ سے تنگ آ گیا تھا اور عملی صورت حال چاہتا تھا۔

"میں تم سب کی منحوس شکلیں نہیں دیکھنا چاہتا۔" شہزاد کے ہونٹوں سے مسکراہٹ غائب ہو گئی۔ "آگے بڑھو۔ ایک انچ آگے آؤ۔ میں تمہیں ایسا مزا چکھاؤں گا کہ آئندہ جب تم چلو گے تو تمہیں میری یاد ضرور آیا کرے گی۔"

لیڈر زور سے ہنس پڑا۔ اس کے ساتھی البتہ خاموش

تھے۔ وہ منتظر تھے اور ان کی خاموشی ان کے لیڈر کو اکسا رہی تھی۔ چین کر رہی تھی... پھر وہ ایک انچ آگے بڑھ آیا۔

اچانک کوئی چیز لیڈر کے مٹھنے کو توڑتی ہوئی نکل گئی ہی لمحے وہ پشت کے بل پیچھے پڑا تھا اور اس کی آنکھیں آسمان دیکھ رہی تھیں جو نیلے سے یکایک سیاہ ہوا اور پھر فوراً ہی اسے دوں طرف سیاہی پھیلتی محسوس ہونے لگی۔

اس کے ساتھیوں کو تو شہزاد نے ہلکے ہاتھ دکھائے تھے، دھے ہاتھ کی انگلیوں کے ناخن، دائیں طرف کی قطار کی آنکھیں ل لائے جبکہ بائیں کہنی نے بائیں طرف کی قطار میں کھڑے پہلے، ں کی ناک توڑ ڈالی اور دوسرے کی پیشانی میں گڑھا پیدا کر دیا۔

پانچ نوجوان ڈھیر ہو چکے تھے... مگر شہزاد ٹائیگر اسی جگہ انظر آ رہا تھا، اطراف سے حملہ کرنے والے خود ہی اس کے قریب ا کر گر رہے تھے۔

اب صرف دو باقی رہ گئے تھے۔ ایک کے ہاتھ میں زنجیر اور دوسرے نے چاقو تھام رکھا تھا... شہزاد یہ تاثر نہیں دینا نا تھا کہ وہ غیر معمولی طاقت کا مالک ہے۔ اس نے سرسری سے ز میں اپنے فن کا مظاہرہ کیا تھا... پھر وہ ایک قدم پیچھے ہٹا اور کے چاروں طرف ایک چکر لگایا۔

اچانک اس نے ایک ایک ہاتھ دونوں کی کنپٹی پر اسی سرعت ان کے کانوں کے پردے یقیناً پھٹ گئے ہوں گے، شہزاد ایک زخمی کے خون میں انگلیاں ڈبو کر پیشانی پر خون لگا لیا تاکہ نے والے یہی سمجھیں کہ اسے بھی کوئی زخم آیا ہے۔

ڈاکٹر بیانکی کی حالت قابل دید تھی۔ اس کی آنکھوں سے راہور ہا تھا جیسے اس جنگ کے منظر نے اُسے بے پناہ لذت بخشی ب ساتواں آدمی بھی خاک چاٹنے لگا تو بیانکی کے جسم میں تشنج یک لہر سی پیدا ہوئی اور پھر وہ پُرسکون ہو گیا... اگلے ہی لمحے وہ اسے گھر کے اندرونی حصے کی طرف دوڑ چلا گیا۔

جنگ ختم ہو گئی تھی اور تھنکر زفورم کے سارے دانش ور دے کے گرد یوں جمع ہو گئے تھے جیسے اسکول کے بچے تماشا دکھانے لے ریچھ کے گرد جمگھٹا کر لیتے ہیں۔ ان میں دو تالی تھا، وبدرام طرح سکھانے والا وہ انسٹرکٹر بھی تھا، جس نے اسے کھیلنے یشکش کی تھی... مگر شہزاد ان میں سے کسی ایک کی طرف بھی متوجہ نہ تھا۔

اس کی متلاشی نگاہیں جسے ڈھونڈ رہی تھیں، وہ وہاں تھی... وہی سیاہ بالوں والی لڑکی جو جنگ ختم ہونے کے فوراً ہی بعد یوں غائب ہو گئی تھی جیسے اُسے زمین نگل گئی ہو یا آسمان نے اٹھا لیا ہو۔

☆☆☆

وہ کتنی عجیب اور پُراسرار تھی۔ سب سے الگ تھلگ نظر آتی تھی۔ موٹر سائیکل سواروں سے جنگ کے بعد سے ہر سائنس دان شہزاد سے بات کرنے کا خواہش مند نظر آتا تھا... مگر وہ اس کی طرف متوجہ نہیں ہوئی تھی۔ اس کا نام ڈاکٹر سیماب وہ اس سے قریب ہونے کی ہر ممکن کوشش کر گزرنے پر تُل گیا تھا لیکن ابھی تک وہ محض انتظار ہی کر رہا تھا۔

اُدھر اُس کے چیف بہرام نے ناک میں دم کر رکھا تھا۔ وہ تھنکر زفورم والے مسئلے کو فوری طور پر حل کرنا چاہتا تھا... نرمی ہو کر شہزاد نے بہرام کو وہ ایک روز کی چھٹی کر کے کچھ تفریح کرے گا۔ س کے بعد ہی تھنکر زفورم کے بارے میں کوئی عملی قدم اٹھائے گا۔ بہرام نے اس کے اکھڑے ہوئے انداز کو محسوس کر کے ایک طویل سانس لیتے ہوئے خاموشی اختیار کر لی تھی... لیکن سلسلہ منقطع کرنے سے پہلے تنبیہ ضرور کر دی کہ وہ اُسے تفریح کے لیے ایک روز سے زیادہ کی مہلت نہیں دے سکتا۔

موٹر سائیکل سواروں والے واقعے کے اگلے روز ڈاکٹر شالات نے اسے اپنے دفتر میں بُلوایا۔ شہزاد جب اندر پہنچا تو وہ ٹانگیں میز پر کھے بیٹھا تھا۔ شہزاد کو ایسے لوگ بہت بُرے لگتے تھے جو ٹانگیں میز پر رکھ لیتے تھے مگر وہ شالات کی ہر حرکت معاف کر دینے کو تیار تھا۔ شاید اس لیے کہ وہ کسی بھی لمحے اس کے ہاتھوں مر سکتا تھا۔ شالات نہ صرف ماہر آثار قدیمہ تھا بلکہ کلاسیکی دانشور اور ریاضی داں بھی تھا۔ تھنکر زفورم میں وہ حیاتیاتی سائیکل کا ڈائریکٹر تھا۔

"آؤ...!" شالات نے اسے بغور دیکھتے ہوئے کہا اور شہزاد کو وہ تصویریں یاد آ گئیں۔ ایک تصویر میں شالات پادریوں جیسا لبادہ پہنے اسی لڑکی کے ساتھ موجود تھا جو دوسری تصویروں میں دوسرے سائنس دانوں کے ساتھ دکھائی دی تھی۔

"میں سوچ رہا تھا کہ تمہیں یہ کالونی کیسی لگی ہو گی جہاں ہم جیسے دیوانے رہتے ہیں۔" شالات نے رسمی گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے کہا۔

"بہت اچھی جگہ ہے... مگر میں یہاں رہنا پسند نہیں کروں گا۔"

"خیر اس کا تو تمہیں موقع بھی نہیں ملے گا۔ تمہارے آتے ہی یہاں کی پُرسکون فضا میں ہلچل مچ گئی ہے۔ پہلے تم نے ڈاکٹر بیانکی کو

شطرنج میں نکما ثابت کر دیا... پھر کل والا واقعہ تو تمہیں ہیرو بنا کر پیش کر چکا ہے۔"

"مجھے تنخواہ بھی تو اسی کام کی ملتی ہے، جناب!" شہزاد نے انکسار کا مظاہرہ کیا۔

"میں تم سے کئی سوالات کرنا چاہتا ہوں۔" ڈاکٹر شالات نے کہا۔

"جواب دینا بھی ضروری ہو گا، شاید؟"

ڈاکٹر شالات نے سنی ان سنی کر دی۔ "میں جاننا چاہتا ہوں کہ تم کہاں پیدا ہوئے اور کہاں پلے بڑھے۔"

"... اور کیوں پیدا ہوئے۔" شہزاد نے لقمہ دیا۔

"تمہارے والدین کیسے تھے اور تمہاری زندگی کی اہم ترین کون کون سی ہیں؟"

شہزاد کے ذہن میں دُور کہیں خطرے کی گھنٹی بجنے لگی۔ آخر شالات میرے بارے میں کیوں جاننا چاہتا ہے؛ وہ اندازے تو نا رہا ہی رہا۔ پھر اس نے اطمینان سے شہزاد سہ گام کی سوانح دُہرا دی۔ وہی جو کاغذات میں اس کے لیے ہرام نے لکھ دی تھی۔

"دراصل ہر انسان کی زندگی کا ایک جاتیاتی چکر ہوتا ہے اس کے تمام اعمال و افعال اس کے گرد حرکت کرتے رہتے ہیں مثلاً تیس دنوں کا جذباتی چکر... اٹھائیس دنوں کا جسمانی چکر اور تینتیس دنوں کا ذہنی چکر... اگر ہم کئی انسانوں کا مطالعہ کر کے حقائق جمع کریں تو محبت اور نفرت کے چکر کا بھی پتا لگا سکتے ہیں... مگر ہم اس فورم میں صرف تشدد کے بارے میں تحقیق کر رہے ہیں۔ کل تم نے جس تشدد کا مظاہرہ کیا... وہ غیر معمولی تھا۔ ایسا مظاہرہ برسوں میں بھی کہیں دیکھنے میں نہیں آتا... اس لیے میں تم سے یہ سوالات کر رہا ہوں..."

"اچھا!" شہزاد نے کہا لیکن وہ اب بھی مطمئن نہیں تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ ان سائنس دانوں سے تو کچھ بھی بعید نہیں... تحقیق کرتے کرتے نا معلوم کیا دریافت کر بیٹھیں۔

"آپ نے پہلے ڈائریکٹر سے بھی سوالات کیے ہوں گے؟"

"ہاں... تمہیں معلوم ہے نا... اسے قتل کر دیا گیا تھا؟" ڈاکٹر شالات نے سرگوشی کی۔

یہ دوسرا شخص تھا جو شہزاد کو بتا رہا تھا کہ منوچہر کو قتل کیا گیا تھا۔ اس نے خالی خالی نظروں سے سائنس داں کی طرف دیکھا۔ "نہیں! میں نے تو سنا تھا کہ اس نے خودکشی کی ہے۔" شہزاد نے حیرت ظاہر کی۔

"بالکل غلط... جس روز وہ قتل ہوا، اس روز اس کے تمام جذباتی، ذہنی اور جسمانی چکروں میں زبردست کی بہتری آ رہی تھا۔ یہ ایک غیر معمولی کیفیت تھی اور یہ اس کی زندگی کا خوشگوار دن تھا... سمجھ لو کہ ایسے دنوں میں کوئی بھی خودکشی نہیں کرتا... مگر اُسے کس نے قتل کیا ہو گا؟" شہزاد نے غور سے شالات کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "وہ تو کسی جرم میں بھی ملوث نہیں تھا۔ نہ بلیک میلنگ اور نہ ہی پروٹوگرافی..."

شالات کے چہرے پر کوئی ردِعمل ظاہر نہیں ہوا... "اس بھی نہیں..." مجھے کیا معلوم... بہرحال ان باتوں کو چھوڑو اور یہ بتاؤ کہ تم جیل کب گئے تھے؟"

شہزاد کو لمحے بھر کے لیے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے اس کے سینے پر زوردار مُکا رسید کر دیا ہو۔ خطرے کی گھنٹی بڑے زور سے بجنے لگی۔ اس نے سوچا کہ شالات بظاہر کتنا معصوم لگ رہا ہے... لیکن وہ شہزاد جیسے گمنام ہیرو کے ماضی کے بارے میں کچھ نہ کچھ جانتا ہے... یہ تحقیق تو محض ایک بہانہ تھی دراصل اس نے درحقیقت شہزاد کو پھانسنے کے لیے بلایا تھا۔

"تم نے بتایا نہیں کہ جیل کب گئے تھے؟" شالات نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال دُہرایا۔

"جیل...؟" شہزاد نے بڑی مشکل سے خود پر قابو پا کر کہا۔ "آپ نے یہ کیوں سوچا کہ میں جیل بھی جا چکا ہوں؟"

"میرا تجربہ کہتا ہے کہ جرائم پیشہ غصے کے تیز اور فوراً ہی مشتعل ہو جانے والی فطرت کے مالک ہوتے ہیں، وہ یقیناً جیل میں رہے ہیں۔" ڈاکٹر شالات نے اپنی سرد اور مجبور کی آنکھیں شہزاد کے چہرے پر جماتے ہوئے کہا۔ "کم از کم جزیرہ فردوس میں تو یہی ہوتا ہے۔"

"لیکن آپ کا تجربہ کم از کم میرے معاملے میں غلط نکلا۔" شہزاد نے سنبھلتے ہوئے کہا۔ "میں نے تو آج تک جیل کی صورت بھی نہیں دیکھی۔ موجودہ زندگی میں تو ایسا بالکل نہیں ہوا۔"

یہ جواب تکنیکی اعتبار سے بالکل درست تھا لیکن ڈاکٹر شالات نے شاید اس جواب کی طرف زیادہ توجہ نہیں دی تھی۔ اس نے سامنے رکھے قلم دان سے اپنا قلم نکالا اور زرد رنگ کے ایک پیڈ پر کچھ لکھنے لگا۔ شہزاد اس دوران میں خاموش بیٹھا اس کی طرف دیکھتا رہا۔

ڈاکٹر شالات نے پیڈ پر غالباً اب تک کی گفتگو کے اہم نکات لکھے تھے۔ اس کے بعد وہ دوبارہ شہزاد کی طرف متوجہ ہو کر سوالات کا سلسلہ شروع کر دیا۔ جو پورے ایک گھنٹے تک جاری

شہزاد نے پہلے تو یہ محسوس کیا تھا کہ اس نے جو جواب دیا تھا، ڈاکٹر شالات نے اُسے کوئی اہمیت نہیں دی تھی۔ لیکن اب اسے شُبہ ہونے لگا تھا کہ وہ اس کے ماضی میں جھانکنے کی کوشش کر رہا ہے۔

وہ سنبھل کر بیٹھ گیا۔

ڈاکٹر شالات نے گھما پھرا کر کئی سوال کیے... لیکن وہ جب بھی شہزاد کے ماضی کے قریب پہنچتا، شہزاد فوراً جھوٹ بول کر اُسے حقائق سے دُور لے جاتا جس کے نتیجے میں ڈاکٹر شالات نے جلد ہی ہتھیار ڈال دیے۔

اس نے ایک طویل سانس لے کر شہزاد کی طرف دیکھا۔ آنکھوں سے اُلجھن عیاں تھی۔

شہزاد دل ہی دل میں مسکرا دیا۔

وہ سمجھ گیا تھا کہ ڈاکٹر شالات اس کے بارے میں کوئی حتمی رائے قائم کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ تھک ہار کر ڈاکٹر نے ایک اور پہلو سے بازپرس شروع کی اور پھر وہ اس روز پراگرجم گیا۔ جب شہزاد کا موٹر سائیکل سواروں سے جھگڑا ہوا تھا۔

"جس روز جھگڑا ہوا تھا۔ اُس دن تمہارے دائیں وریانہ چکر کا اٹھارواں دن تھا اور جسمانی چکر کا پندرھواں دن..." شالات نے کہا۔

شہزاد نے کچھ نہ سمجھنے کے باوجود اثبات میں سر ہلا دیا۔

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ کل واقعی تمہارے لیے خطرناک دن تھا۔ تمہاری ذات، اپنے جسمانی چکر کے درمیان تھی۔ ویسے اگر وہ غنڈے کل کی بجائے آج آئے ہوتے تو شاید تم مقابلہ کرنے کی بجائے پیٹھ پھیر کر نکل دیتے۔"

شہزاد نے ایک بار پھر تائید میں سر ہلا دیا۔

"اب تم جا سکتے ہو۔" شالات نے اچانک ہاتھ اٹھا کر کہا۔

وہ خاموشی سے اٹھا اور باہر آ گیا۔ ڈاکٹر شالات کے دفتر سے واپسی پر شہزاد کچھ اُلجھا اُلجھا سا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ یہ لوگ تھنکرز فورم میں تشدد کے موضوع پر تحقیقی کام کر رہے ہیں... لیکن اُسے کسی موضوع سے نہیں بلکہ اس معمّے سے دلچسپی تھی جس کی وجہ سے اُسے یہاں بھیجا گیا تھا۔

اس نے مسکرا کر کندھے اچکا دیے۔

نقش تصاویر اور دُنیا کو فتح کرنے کا منصوبہ... دونوں میں کہرا تعلق تھا۔ جب کہ دونوں ہی معاملات ایک دوسرے سے مختلف نظر آتے تھے۔ شہزاد کو یاد تھا کہ اس نے تصویروں کا حوالہ دیتے ہوئے جب ڈاکٹر شالات سے معنی خیز سوال کیا تھا۔ تو ڈاکٹر کی آنکھوں میں اسے کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ اس سے تو یہی نتیجہ اخذ کیا جا سکتا تھا کہ ڈاکٹر شالات کو ان عریاں تصویروں کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں ہے... جب کہ تصویروں سے اندازہ ہوتا تھا کہ باقاعدہ پوز بنا کر کھنچوائی گئی ہوں۔

"ٹھیک ہے اگر چیف نے خواہش ظاہر کی تو میں ڈاکٹر شالات کو بھی ٹھکانے لگا دوں گا۔" اس نے خود کلامی کے انداز میں کہا۔

ڈاکٹر شالات کے بارے میں اس نے جو معلومات حاصل کی تھیں، ان کے مطابق وہ زیادہ تر اپنے کام ہی تک محدود رہنے کا عادی تھا۔ ایسے شخص کو قتل کر دینا بے حد آسان ہوتا ہے... اور پھر قتل کو کسی حادثے کا رنگ دینا بھی زیادہ مشکل نہیں ہوتا۔ بجلی کا تار... خیر بعد میں دیکھا جائے گا کہ اسے کس طرح قتل کرنا چاہیے۔

تین ہزار پاؤنڈ وزنی گینڈے نے چنگھاڑتے ہوئے، ہرن کو اپنے پیروں تلے کچل ڈالا۔ ہرن بوجھ تلے پس کر زمین سے یوں چپک گیا تھا جیسے زمین ہی کا حصّہ رہا ہو۔

اسکرین پر دوسری سمت سے اچانک ہی ڈاکٹر ویدرام نمودار ہوا۔ اس کے چھوٹے چھوٹے ہاتھوں میں ایک سیاہ سمندو قچہ تھا جسے حرکت دے دے کر وہ گینڈے کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

گینڈے کی دُور کی نظر کمزور ہوتی ہے اس لیے وہ ڈاکٹر ویدرام کی طرف متوجہ نہیں ہو رہا تھا۔ ڈاکٹر آہستہ آہستہ آگے بڑھتا رہا۔ حتیٰ کہ گینڈے کی نگاہ میں آ گیا۔

ڈاکٹر کو دیکھتے ہی گینڈا چنگھاڑتا ہوا دوڑنے لگا۔

یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ ڈاکٹر ویدرام کو بھی بالکل اسی ہرن کی طرح کچل ڈالے گا... قریب تھا کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتا... لیکن ڈاکٹر غافل نہیں تھا۔

اس نے جلدی سے سیاہ سمندو قچے میں لگے ہوئے ایک بٹن کو دبا دیا۔ دوڑتا ہوا غضبناک گینڈا یوں رُک گیا۔ جیسے اچانک ہی اس کے سامنے کوئی غیر مرئی دیوار آ گئی ہو۔

اسکرین پر فوراً ہی منظر تبدیل ہو گیا۔

اب وہی غضبناک گینڈا بڑے اطمینان سے کھڑا تھا اور ڈاکٹر ویدرام اس کی پشت پر سوار تھا۔ شہزاد کو یہ منظر دیکھ کر بے حد حتمی آگئی۔ اس نے تصویروں میں ڈاکٹر ویدرام کو ایک ڈرافے پر سوار دیکھا تھا۔ وہ یہ سوچے بغیر نہ رہ سکا کہ عجیب آدمی ہے، ہر جانور پر سواری کرنے بیٹھ جاتا ہے۔

ڈاکٹر وید رام نے پروجیکٹر بند کر دیا۔
کمرے میں روشنی ہو گئی۔
شہزاد نے ڈاکٹر کی طرف دیکھا جو اس کی جانب داد طلب نگاہ سے دیکھ رہا تھا۔ "دیکھا تم نے... یہ مشین ذہن کو کیسے کنٹرول کرتی ہے۔" ڈاکٹر وید رام کے لہجے میں بے پناہ غرور اور خوشی کا عنصر نمایاں تھا۔
شہزاد نے اثبات میں سر ہلا دیا۔
اس نے خود کو بے حد حیران ظاہر کرنے کی بھرپور اداکاری کی تھی۔ "یہ مشین دماغوں کو کیسے کنٹرول کر لیتی ہے، ڈاکٹر؟"
"اس عدسے نما حصے میں ایک بٹن لگا ہوا ہے۔ تم نے دیکھا ہو گا کہ میں نے وہ بٹن دبایا تھا تو گیند اڑا فوراً ہی رک گیا تھا اور اس کے ساتھ ہی اس کی آگ بھی ختم... پھر وہ جلد ہی نارمل ہو گیا... دراصل الفا شعاعوں نے اس کے دماغ کو پُرسکون بنا دیا تھا۔ کیا تمہیں اس تجربے سے کچھ دلچسپی ہے؟"
"نہیں..." شہزاد نے مسکرا کر کہا۔ "میں گینڈا ہوں... اور نہ آپ مجھے ژرافہ سمجھ سکتے ہیں... پھر مجھے اس تجربے سے بھلا کیا دلچسپی ہو سکتی ہے؟" وہ یہ کہہ کر ڈاکٹر وید رام کی آنکھوں میں دیکھنے لگا... لیکن ژرافے کے حوالے پر ڈاکٹر نے کوئی ردِعمل ظاہر نہیں کیا۔
"دراصل میں نے تمہیں ان غنڈوں سے لڑتے ہوئے دیکھا تھا تو اس سے مجھے اندازہ ہوا کہ تم میں بے پناہ جارحیت بھری ہوئی ہے۔ تمہارے انداز سے انسانی حرکات کا تصور نہیں ہوتا تھا بلکہ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی حیوان اپنے کسی دشمن پر پل پڑا ہو۔ اسی لیے میں سوچ رہا تھا کہ شاید تم خود کو اندرونی طور پر پُرسکون پہنچانا چاہتے ہو۔"
"میں ہرگز ایسا نہیں چاہتا۔"
"اوہ... بہرحال، وہ تو میری ایک پیش کش تھی ورنہ میں خود بھی جانتا ہوں کہ کوئی انسان ایسا نہیں چاہ سکتا۔ یہ ایک عام ردِعمل ہے... اس کے باوجود میں تم پر ایک تجربہ ضرور کروں گا۔"
"کیسا تجربہ؟" شہزاد نے حیرت ظاہر کی اور دل ہی دل میں یہ سوچ کر ہنس پڑا کہ انہیں ویسا ہی ژرافے جیسا تجربہ کرنے کا ارادہ تو نہیں؟
"میں یہ تجربہ ہر اس شخص پر کرتا ہوں، جس سے میری ملاقات ہوتی ہے۔" ڈاکٹر وید رام نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ "تم چونکہ نئے آئے ہو اس لیے اب تمہاری باری ہے۔"
شہزاد نے اس بار کچھ نہیں کہا۔
وہ خاموشی سے ڈاکٹر کی طرف دیکھتا رہا۔
کچھ دیر پہلے وہ اس سے ملاقات کر کے آیا تھا تو ڈاکٹر وید رام نے اپنی ایجادات کے حوالے سے یہ فلم دکھانے کی پیش کش کی تھی جسے دیکھنے کے بعد شہزاد اس کی ذہانت کا قائل ہو گیا تھا... لیکن وہ اب بھی الجھن کا شکار تھا۔ کیونکہ اس نے ڈاکٹر وید رام کی جو بے لباس حالت میں تصویریں دیکھی تھیں، ان میں وہ ایک ژرافے کے ساتھ شیطانی فعل میں مصروف تھا۔
ڈاکٹر وید رام نے میز پر پڑی ہوئی ایک ہیلمٹ اٹھائی اور فلم کی ایک نئی ریل پروجیکٹر پر چڑھانے لگا... پھر اس نے ہیلمٹ سے منسلک ایک تار کو ساکٹ سے جوڑا اور شہزاد کی طرف دیکھنے لگا۔
"جب تم اس ہیلمٹ کو پہن لو گے تو تمہارے دماغ کی لہریں سامنے اسکرین پر نظر آنے لگیں گی۔ اس کے علاوہ یہ لہریں ایک ایسی ٹیپ پر بھی منتقل ہوتی جائیں گی جو ریکارڈ میں رکھی جاتی ہے۔"
شہزاد نے خاموشی سے ہیلمٹ پہن لی۔
اس نے آنکھیں بند کر لیں اور ذہن کو پُرسکون بنانے لگا اس کے کوریائی استاد اوشان نے دماغی رگوں کو سکون دینے والی ایک دھن اُسے سکھا دی تھی اسی لیے شہزاد نے ہیلمٹ پہننے میں کوئی اعتراض نہیں کیا۔
وہ دل ہی دل میں اس مخصوص دھن کو گنگنانے میں مصروف ہو گیا... حتیٰ کہ اس کے دماغ کی رگیں پُرسکون ہوتی چلی گئیں۔
ڈاکٹر وید رام اس کی طرف پشت کیے بیٹھا تھا۔
شہزاد نے کچھ دیر بعد آنکھیں کھول دیں۔
سامنے اسکرین پر روشنی پھیل چکی تھی۔
ڈاکٹر وید رام نے ایک بٹن دبا دیا۔ بٹن کے دبتے ہی اسکرین پر ایک باغ کا منظر نمودار ہو گیا۔
یہ غالباً ایک علامتی منظر تھا جو ہر معمول کے ذہنی سکون کے تقابل کو ظاہر کرنے کے لیے دکھایا جاتا تھا۔ اچانک منظر بدل گیا۔ اب اسکرین پر ایک زخمی شخص نظر آ رہا تھا۔ اس نے سفید قمیص پہن رکھی تھی اور وہ خون میں نہایا پڑا تھا... یہ سرخی پوری اسکرین پر پھیل گئی۔
شہزاد گنگناتا رہا... اور اسکرین پر مناظر بدلتے رہے۔
کبھی کسی جنگ کا منظر اجاگر ہوتا اور کبھی یوں نظر آتا جیسے کوئی شخص بُری طرح کسی بچے کو پیٹ رہا ہے...
...مگر شہزاد بدستور گنگناتا رہا۔
بالآخر ڈاکٹر وید رام نے اپنی پُراسرار مشین کے سامنے ہی بٹن آف کر دیے اور اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے مشین سے گراف پیپر پھاڑ کر الگ کر لیا اور شہزاد کی طرف دیکھنے لگا۔

"کیا میں تمہارے امتحان میں پاس ہو گیا، ڈاکٹر؟" شہزاد نے ہیلمٹ اتارتے ہوئے بڑی معصومیت سے پوچھا۔
"ہاں... ہاں... بالکل پاس ہو گئے۔ تم تو حیرت انگیز طور پر پُرسکون رہنے والے آدمی ہو۔ حالانکہ اسکرین پر کئی مناظر ابھرے لیکن کسی بھی منظر کو دیکھ کر تمہارے ذہن نے پلٹا نہیں کھایا۔"
"میرا خیال ہے، ان مناظر میں میری دلچسپی کا سامان نہیں تھا۔"
"پھر... تم کیسے منظر دیکھنا چاہتے تھے؟"
"ممکن ہے کسی قسم کے منظر دیکھ کر کچھ فرق پڑتا... مثال کے طور پر کوڑے اور لمبے لمبے بوٹوں والی کوئی بے لباس لڑکی..." یہ کہتے ہوئے شہزاد نے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔
ڈاکٹر وید رام کی آنکھیں سوچ میں ضرور ڈوب گئیں، لیکن ان میں الجھن یا پریشانی کا کوئی تاثر نہیں تھا۔ شہزاد کو یقین ہو گیا کہ اگر ڈاکٹر وید رام اس وقت دماغی خیالات کو اسکرین پر اجاگر کرنے والی ہیلمٹ پہنے ہوئے ہوتا تو اسکرین پر بالکل سیدھی لکیر ہی نمودار ہوتی۔
اس کا صاف مطلب یہی تھا کہ ڈاکٹر وید رام ان عریاں تصویروں سے بالکل بے خبر ہے جن میں شہزاد نے اُسے قابلِ اعتراض حالتوں میں ایک لڑکی اور مختلف جانوروں کے ساتھ دیکھا تھا۔
شہزاد باری باری ہر سائنس داں سے مل رہا تھا اور اس کے تجربات کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی آڑ میں ہر حقیقت کو خود ہی کا جائزہ لینے کی کوشش کر رہا تھا... لیکن ابھی تک اسے کامیابی نہیں ہوئی تھی۔ وہ ڈاکٹر وید رام کے ہاں سے نکل آیا۔
اس نے تیسری ملاقات ڈاکٹر ویتالی سے کی۔
ڈاکٹر ویتالی ذہن کو کنٹرول کرنے پر تحقیقی کام کر رہا تھا۔
اس نے ملاقات کے دوران میں شہزاد کو بتایا کہ ذہن کو کنٹرول کر کے دل اور شریانوں کے بہت سے امراض پر قابو پایا جا سکتا ہے۔ بیمار کرنے کے لیے اس نے بجلی کا ایک آلہ تیار کیا تھا۔ جیسے ہی نبض کی رفتار تیز ہونے لگتی ہے، مریض کے ذہن کو بجلی کا خفیف سا جھٹکا لگ جاتا ہے جس کی وجہ سے ذہن بے ترتیب نہیں ہو پاتا اور مریض ذہنی طور پر یکسوئی کی حالت میں رہتا ہے۔
شہزاد نے ڈاکٹر ویتالی کے فلسفے پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ اثبات میں سر ہلا کر رہ گیا۔ اس کے کوریائی استاد اوشان نے ایک بار اُسے بتایا تھا کہ اس کا باپ صرف سوچ کر ہی دورانِ خون بند کر لینے میں ماہر تھا... اور یہ فن شہزاد نے اوشان سے تربیت حاصل کرنے کے دوران ہی بڑی محنت سے سیکھا تھا۔
یہی وجہ تھی کہ جب ڈاکٹر ویتالی نے شہزاد پر تجربہ کیا تو اُس نے نبض کی رفتار اس حد تک کم کر لی تھی کہ ڈاکٹر انگشت بدنداں رہ گیا تھا۔
"یہ کیسے ممکن ہے؟" ڈاکٹر حیرت سے بڑبڑایا۔
"دراصل آپ نے مجھے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ نبض تیز ہونے سے ذہنی جھٹکا برداشت کرنا پڑتا ہے۔ اس لیے میں ہیجان میں مبتلا ہونے سے خوف زدہ رہا... غالباً یہی وجہ ہوئی کہ میری نبض کی رفتار بے حد سست رہی۔"
ڈاکٹر ویتالی اُسے حیرت سے دیکھتا رہا۔
"اس کے علاوہ میں بجلی کے جھٹکے اور تکلیف سے بے حد ڈرتا ہوں۔" شہزاد مزید وضاحت کرتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ اس ملاقات کے دوران بھی شہزاد کو کوئی کارآمد بات معلوم نہ ہو سکی۔
وہ ڈاکٹر بیانکی کے دفتر پہنچا تو اُسے مزید ناکامی سے دوچار ہونا پڑا۔ کیونکہ ڈاکٹر بیانکی نے اس سے ملنے سے صاف انکار کر دیا تھا۔ اکلوتا اپنی جگہ تھا، اس نے دروازہ تک کھلنے کی ضرورت نہیں سمجھی بلکہ اندر ہی سے چیخ کر کہا: "چلے جاؤ، یہاں سے۔ میں تم سے ملنا نہیں چاہتا۔"
"کیوں ڈاکٹر؟" شہزاد نے نرمی سے پوچھا۔
"میں کہتا ہوں، چلے جاؤ۔"
"کیا میں یہ سمجھ لوں ڈاکٹر کہ آپ مجھے پسند نہیں کرتے؟"
"بالکل یہی بات ہے۔ دفعان ہو جاؤ دور نہ..." اس نے جملہ ادھورا ہی چھوڑ دیا جیسے کوئی دھمکی دینے سے سانس کے نزدیک یہی بہتر رہا ہو۔
شہزاد نے بھی زیادہ اصرار نہیں کیا۔
وہ خاموشی سے لوٹ آیا۔
واقعی اس بار اُسے ایک ایسی مہم پر بھیجا گیا تھا جس میں کوئی عام ایجنٹ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ دل ہی دل میں اپنی الجھنوں پر غور کرتا ہوا واپس اپنے کمرے میں آ گیا... کیونکہ اُسے اگلے روز مزید کام کے لیے لائحہ عمل تیار کرنا تھا۔

اس روز تھنکر زفورم کے مختلف شعبوں کے سربراہ جمع تھے اور ان کا ایک اجلاس ہو رہا تھا۔ جس میں ڈاکٹر سیماب غیر حاضر تھی۔
ڈاکٹر ویتالی نے شہزاد کے بارے میں اپنی رپورٹ پیش کرتے ہوئے کہا۔
"بنیادی طور پر یہ سیکورٹی آفیسر ایک بزدل شخص ہے۔ محض بجلی کے جھٹکے کے خوف اور تکلیف پہنچنے کے خدشے ہی سے اس کی نبض کی رفتار کم ہو گئی تھی... اور ایسا صرف بزدلوں ہی کے

ساتھ ہوتا ہے۔"

ڈاکٹر ویدرام نے حیرت سے اس کی رپورٹ سُنی... اور پھر کھلکھلا کر ہنس پڑا۔ "تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے، دیتالی! میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ شہزاد ایک بے خوف آدمی ہے۔ بیرونی محرکات اس کے ذہن پر ذرا بھی اثر انداز نہیں ہوتے۔"

"ممکن ہے، تم اس کا امتحان لیتے وقت اپنی مشین کا سوئچ آن کرنا بھول گئے ہو۔" بیاٹکی نے دخل در معقولات کرتے ہوئے ڈاکٹر ویدرام پر طنز کیا۔ "یا پھر وہ اس قدر غبی شخص ہے کہ کسی دماغی حالت کا اہل نہیں ہے۔"

"آپ کا خیال ہے کہ شہزاد ذہانت کے اعتبار سے کم تر ہے؟" ڈاکٹر شالات نے مداخلت کی۔

"بالکل..." بیاٹکی نے پُر زور انداز میں ہاتھ لہرا کر کہا۔ "کیا آپ لوگوں نے موٹر سائیکل پر سوار غنڈوں کا حشر نہیں دیکھا تھا۔ اسے آپ ذہنی کمتری کے علاوہ کیا کہہ سکتے ہیں؟"

"میرے خیال میں تو انہیں بُرا لانے سے مار بھگانا زیادہ ذہانت کی علامت ہے۔" ڈاکٹر شالات نے طنزیہ مسکراہٹ سے کہا۔

ڈاکٹر بیاٹکی کے چہرے پر ندامت کی سُرخی دوڑ گئی۔

"جہاں تک میں نے اس کا جائزہ لیا ہے تو میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ وہ بے پناہ ذہین ہے۔ کسی سوال کا جواب دینے کے لیے وہ جواباً سوال ہی کر دیتا ہے اور کسی طرح بھی اپنے ذہن تک پہنچنے کی اجازت نہیں دیتا۔" ڈاکٹر شالات نے سنجیدہ ہوتے ہوئے شہزاد کے بارے میں تبصرہ کیا۔

ڈاکٹر ہوشمند اس وقت خاموش بیٹھا تھا۔ وہ سب کی سُن رہا تھا اور ابھی تک کسی نتیجے پر نہیں پہنچا تھا۔ وہ سب کی رائے سنتا اور پھر آخر میں اپنی رائے دیتا تھا۔ یہ اس کی پرانی عادت تھی۔ اس کا نظریہ تھا کہ پہلے سب کی سن لو... پھر اپنی رائے دو۔

جب ہر شخص اپنی رائے دے کر خاموش ہو گیا تو اس نے کھنکھار کر گلا صاف کرتے ہوئے کہا۔ "اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہمارا نیا سیکوریٹی ڈائریکٹر یا تو بے حد ذہین ہے... یا پھر بے حد کم عقل... بزدل ہے... یا پھر بے خوف... آخر یہ کیا تجزیہ ہوا؟" کسی نے اس بات پر تبصرہ نہیں کیا۔

"کیا آپ لوگوں نے اس پہلو پر بھی غور کیا ہے کہ ممکن ہے وہ عام انسانوں کے زمرے میں آتا ہی نہ ہو۔ ایسے شخص پر کوئی تجربہ نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ اس تجربے سے جو نتیجہ سامنے آئے گا، وہ حقیقت سے دُور ہو گا۔ ہو سکتا ہے۔ شہزاد جانوروں جیسی حسیات کا مالک ہو ایسے افراد پل میں کچھ ہوتے ہیں اور پل میں کچھ اور بن جاتے ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ اس کا تجزیہ کرنے کے لیے اُسے جانور ہی سمجھ کر کیا جائے۔"

اس بار بھی کوئی نہیں بولا۔

ڈاکٹر ہوشمند خاموشی سے پائپ پیتا رہا۔

جب اس نے محسوس کر لیا کہ وہ اپنے تجربے سے مات دے چکا ہے تو اس کے ہونٹوں پر فاتحانہ مسکراہٹ اس نے جلد ہی سنجیدہ ہوتے ہوئے کہا۔ "میرا خیال ہے شہزاد کو محض ایک سکیورٹی ڈائریکٹر ہی سمجھنا چاہیے۔ اس اسے اہمیت نہ دی جائے... اور اگر آپ لوگ تحقیق کر سے اس کا جائزہ لینا ہی چاہتے ہیں تو ایسا صرف حیوانات میں ہونا چاہیے۔ یہ ڈاکٹر سیماب کا شعبہ ہے۔ ہمیں شہزاد پر چھوڑ دینا چاہیے۔ اگر وہ چاہے تو اس پر تحقیق کر سکتی ہے لوگ اس کو ذہن سے جھٹک کر اپنے کام کی طرف توجہ دیں۔

وہ اجلاس برخواست کرنے کے ارادے سے اُٹھ

...مگر ڈاکٹر سیماب کو شہزاد سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ تھنکر زفورم کے اسکائی ڈائیو انسٹرکٹر کا تو کم از کم یہی خیال کیونکہ وہ بڑی دیر سے دیکھ رہا تھا کہ شہزاد ڈاکٹر سیماب کو کہیں کے لیے چلنے پر آمادہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا مگر وہ اس کو مسلسل رد کیے جا رہی تھی۔

اسکائی ڈائیو انسٹرکٹر اسی علاقے کا رہنے والا تھا ڈاکٹر سیماب تھی۔ غالباً اسی وجہ سے اس کے دل میں اس حسین کے لیے نرم گوشے موجود تھے... لیکن ڈاکٹر سیماب کبھی اس متوجہ نہیں ہوئی تھی۔ وہ جب بھی آتی تھی، پیراشوٹ ڈائیونگ مگن رہتی تھی۔

...اور آج یہ سیکوریٹی ڈائریکٹر رقیب بن کر ساتھ چا انسٹرکٹر فگار کے حسد کے جل بھن رہا تھا اور اس کا جی چاہ شہزاد کا گلا ہی دبا ڈالے...

...لیکن صبح اُسے شہزاد کے سلسلے میں ایک بڑی ذ تھی اس لیے وہ اپنے جذبات کو قابو میں رکھے ہوئے تھا روسائی باشندہ اس کے پاس آیا تھا اور اس نے بھرپور اس کی خدمات مستعار لی تھیں۔ روسائی نے فگار کو حکم دیا شہزاد تیرہ ہزار فٹ کی بلندی سے پیراشوٹ کے ذریعے چھ تو وہ زمین پر زندہ واپس نہ آئے... اور فگار نے شہزاد انداز میں قتل کرنے کی حامی بھرتے ہوئے رقم قبول کر لی تھی۔

"یہ پیراشوٹ کیسے باندھتے ہیں؟" شہزاد نے اس کے قریب آتے ہوئے فگار خیالوں کی دُنیا سے نکل آیا۔ اس نے شہزاد کے انداز سے پتا چلا لیا تھا کہ اس نے پہلے کبھی پیراشوٹ استعمال نہیں کیا۔

فگار نے اُسے پیراشوٹ باندھنے کا طریقہ بتانے کے بعد کہا۔ "جہاز سے کُودنے کے بعد ایک فٹ تک آپ کو یوں ہی گرنا پڑے گا... پھر پیراشوٹ خود بخود ہی کھل جاتا ہے۔"

یہ کہتے ہوئے فگار تصور کی آنکھ سے شہزاد کی مسخ لاش دیکھ رہا تھا۔ تیرہ ہزار فٹ کی بلندی سے گرنے والے کی تو ہڈیاں تک سُرمہ بن جاتی ہیں۔ وہ یہ سوچ کر دل ہی دل میں مسکرا دیا کیونکہ شہزاد کی موت کو محض ایک حادثہ سمجھا جاتا۔ ہر کوئی یہی سمجھتا کہ پیراشوٹ نہ کھل سکنے کی وجہ سے شہزاد ہلاک ہو گیا۔ حالانکہ پیراشوٹ میں خرابی یہ تھی کہ فگار نے پیراشوٹ کے وہ تسمے کاٹ دیے تھے جنہیں پیروں سے باندھا جاتا ہے۔ اس طرح پیراشوٹ کھلتے ہی اوپر بہ جائے گا اور شہزاد پہلگام کسی وزنی پتھر کی طرح زمین کی طرف گرنا شروع کر دے گا... حتیٰ کہ زمین سے ٹکرا کر وہ ہڈیوں اور گوشت کا ڈھیر بن کر رہ جائے گا۔

فگار نے ایک بار پیراشوٹ باندھنے کی ہدایات دے کر مقامی اخبار اُٹھا لیا اور اس کے مطالعے میں ڈوب گیا۔ لیکن درحقیقت وہ شہزاد اور ڈاکٹر سیماب کی طرف گہری توجہ دے رہا تھا۔

شہزاد نے پیراشوٹ باندھنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔ اس نے انسٹرکٹر کو مخاطب کرنے کی کوشش کی لیکن اس میں بھی کامیابی نہ ہو سکی کیونکہ وہ اخبار کے مطالعے میں غرق نظر آ رہا تھا۔

تھک ہار کر شہزاد ڈاکٹر سیماب کی طرف بڑھ گیا۔

فگار دل ہی دل میں جھلس کر رہ گیا۔

"ٹھیک ہے، برخوردار... تم میری منظورِ نظر سے جتنا قریب پہنچنے کی کوشش کر رہے ہو، میں تمہیں زندگی سے اتنا ہی دُور جانے کے لیے مجبور کر دوں گا۔" اُس نے زیرِ لب کہا پھر کن انکھیوں سے شہزاد اور ڈاکٹر سیماب کی طرف دیکھنے لگا... وہ بُری طرح چونک پڑا۔

شہزاد نے ڈاکٹر سیماب سے پیراشوٹ باندھنے میں مدد کی درخواست کی تھی جسے فگار کی دانست میں تو مسترد ہو جانا چاہیے تھا... لیکن عجیب بات یہ ہوئی کہ ڈاکٹر سیماب نے اُٹھ کر خود ہی شہزاد کا پیراشوٹ باندھنا شروع کر دیا تھا۔

"عجیب لڑکی ہے۔" انسٹرکٹر بڑبڑایا۔ "ابھی تو اس سے بات کرنے کی روادار نہیں تھی اور اب پیراشوٹ باندھ رہی ہے۔"

اُس نے اخبار پر نگاہ جمانے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکا کیونکہ غیر ارادی طور پر وہ شہزاد اور ڈاکٹر سیماب کی طرف متوجہ ہو جاتا تھا۔ لڑکی جس انداز میں شہزاد کو پیراشوٹ باندھنے میں مدد دے رہی تھی، اس سے تو کم از کم یہی ظاہر ہوتا تھا کہ وہ شہزاد کی طرف مائل ہو گئی ہے۔

کچھ ہی دیر میں دونوں پیراشوٹ باندھ کر تیار ہو گئے۔

"ہم تیار ہیں۔" فگار کے کانوں تک ڈاکٹر سیماب کی سُریلی آواز پہنچی تو اُس نے اخبار رکھ دیا... اور ایک بھرپور انگڑائی لی۔

"ہم تیرہ ہزار فٹ کی بلندی سے چھلانگ لگائیں گے، ڈاکٹر!" فگار نے سیماب سے کہا اور جہاز کی طرف بڑھ گیا۔

"سُنا تم نے؟" سیماب نے شہزاد کو ٹہوکا دیا۔

"آں... ہاں۔" شہزاد جیسے چونک پڑا۔ وہ اس لڑکی سے بہت عاجز آ گیا تھا۔ اُس نے قریب آنے میں اتنا وقت لگایا تھا کہ شہزاد کا بھاگ جانا لازمی تھا... لیکن دیر آید درست آید کے مصداق، اس نے یہ تاخیر بھی قبول کر ہی لی تھی۔

"ہم تیرہ ہزار فٹ کی بلندی سے چھلانگ لگائیں گے۔" ڈاکٹر سیماب نے اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "چھلانگ لگانے کے ایک منٹ بعد ڈوری کھینچ لینا۔ میں تم سے زیادہ دُور نہیں رہوں گی۔ ویسے تم پہلی اسکائی ڈائیو اتنی بلندی سے لگا کر حماقت کر رہے ہو۔"

"تم میری پروانہ کرو، جان!" شہزاد نے مُسکرا کر کہا۔ "میں خواب میں اس سے بھی زیادہ بلندی سے کُود کر زندہ سلامت بیدار ہو چکا ہوں۔"

"تم خوابوں میں رہنے والے تو نہیں لگتے۔" ڈاکٹر مُسکرانے لگی۔

"ابھی سے کیسے کہہ سکتی ہو۔" شہزاد نے معنی خیز لہجے میں کہا۔ "آج رات، تم نیند کی وادیوں میں گھومنے نکلو گی تو میں تمہیں وہاں ٹہلتا ہوا ضرور ملوں گا۔"

"میں نے اپنے نہیں، تمہارے خوابوں کی بات کی تھی۔" ڈاکٹر سیماب اس کی دُو معنی بات پر جھینپ کر بولی۔ "تم بے حد احمق ہو۔"

"تم سے بات کرنے کا اور کہیں موقع ہی نہیں ملتا تھا۔" شہزاد نے کہا۔ "اس لیے مجبوراً مجھے تیرہ ہزار فٹ کی بلندی سے پہلی چھلانگ لگانا پڑ رہی ہے۔ اگر تمہارا معاملہ نہ ہوتا تو مجھے اس جھمیلے میں پڑنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"تمہارے پیروں کے تسمے بے حد ڈھیلے ہیں۔" وہ چیخ کر بولی... کیونکہ جہاز کا انجن گرج کر بیدار ہو گیا تھا اور اس شور میں وہ آسانی سے ایک دوسرے کی بات نہیں سمجھ سکتے تھے۔

"میں تم سے کب مل سکتا ہوں؟" شہزاد چیخا۔

"اس سال تو مجھے بالکل فرصت نہیں ہے۔ اگلے سال اسی وقت مل لینا۔" ڈاکٹر سیماب نے جواب دیا... اچانک ہی اس کی آواز

مزید بلند ہو گئی تھی۔ "فگار...!" اُس نے انسٹرکٹر کو پکارا۔ "یہ پیراشوٹ اس شخص کو کس نے دیا ہے؟"

"جی، کیا کہا؟"

"یہ پیراشوٹ کس نے دیا ہے؟"

"معلوم نہیں، ڈاکٹر..."

"یہ اس پیراشوٹ سے تو ہرگز چھلانگ نہیں لگا سکتا۔"

"اس کے بغیر بھی نہیں لگا سکتا۔" فگار نے خود ہی اپنے مذاق سے محظوظ ہوتے ہوئے کہا۔

"ہم تیرہ ہزار فٹ کی بلندی پر پہنچ گئے ہیں۔" پائلٹ کی آواز اسپیکر پر گونجی... "آپ لوگ ڈائیو کرنا چاہیں تو بے شک کود جائیں۔"

انسٹرکٹر نے سیماب کی طرف دیکھا۔

"چلیے، ڈاکٹر... پہلے آپ۔" اس نے کہا۔

دروازہ کھل گیا اور شہزاد کی طرف اشارا کرتے ہوئے ڈاکٹر سیماب نے انسٹرکٹر سے کہا۔ "اسے چھلانگ نہ لگانے دینا، فگار... اس کا پیراشوٹ ٹھیک حالت میں نہیں ہے۔"

"اسے کون روک سکتا ہے، ڈاکٹر!"

"تم انسٹرکٹر ہو... تم روک سکتے ہو۔"

"کوشش کرتا ہوں... لیکن یہ کسی کی بات ماننے والا آدمی نظر نہیں آتا۔ بہرحال، آپ تو چلیے... دروازہ کھل چکا ہے۔"

ڈاکٹر سیماب اپنے حسین جسم کو لہراتی ہوئی دروازے تک پہنچی اور اگلے ہی لمحے اس کا جسم فضا میں نظر آنے لگا... پھر وہ تیزی سے جہاز سے دُور ہوتی چلی گئی۔

فگار اب شہزاد کی طرف متوجہ ہوا جو گہری نگاہ سے اُسے دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں نہ جانے کیا بات تھی کہ فگار کو وہ رقم ڈوبتی محسوس ہونے لگی جو اُس نے شہزاد کو قتل کرنے کے سلسلے میں ایک اجنبی روستائی سے حاصل کی تھی۔

"چلو، مسٹر... اب تمھاری باری ہے۔" اس نے دروازے سے آنے والی ہوا اور انجن کے شور سے آواز کو بلند کرتے ہوئے کہا۔

"نہیں۔ میں چھلانگ نہیں لگاؤں گا۔"

"کیوں... خیر تمھاری مرضی۔" انسٹرکٹر نے کہا۔ "ویسے تم چاہو تو جھانک کر نیچے دیکھ سکتے ہو۔ اس سے یہ فائدہ ہو گا کہ اگلی بار تمھیں چھلانگ لگانے میں اتنا خوف نہیں آئے گا۔"

شہزاد نے کندھے اُچکائے اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

وہ باہر جھانکنے لگا۔

انسٹرکٹر اس کے پیچھے ہی تھا۔ اُس نے شہزاد کو نیچے جھانکتے دیکھا تو دل ہی دل میں سوچا کہ ہاں، یہ موقع اچھا ہے۔ یہ سوچتے ہی اس نے کندھے سے شہزاد کی پشت پر پوری قوت سے دھکا لگایا...

... مگر اس دھکے سے کچھ بھی تو نہیں ہوا۔

"کیا تم بھی میرے ساتھ ہی چھلانگ لگانا چاہتے ہو؟" شہزاد نے پلٹ کر دریافت کیا۔ اس کے لہجے میں طنز نہیں تھا۔

"دیکھو، ڈاکٹر سیماب کیسی لگ رہی ہے؟"

شہزاد ایک بار پھر متوجہ ہو گیا۔ وہ پوری طرح تیار تھا۔ دوسری بار انسٹرکٹر نے دھکا دیا تو اس نے انسٹرکٹر کی کوشش کو ضائع نہیں جانے دیا۔ وہ گر گیا لیکن گرتے گرتے اُس نے ایک عجیب حرکت یہ کی کہ دونوں ہاتھ انسٹرکٹر کی گردن میں ڈال دیے جس کے نتیجے میں وہ بھی شہزاد کے ساتھ ہی دروازے سے باہر آ گیا اور دونوں ایک دوسرے سے لپٹے ہوئے گرنے لگے۔

انسٹرکٹر کے جسم پر بھی پیراشوٹ موجود تھا۔

اُس نے جھٹکا دے کر پیراشوٹ کھولنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔ شہزاد کی وجہ سے اُسے ایسا کرنے میں دُشواری پیش آ رہی تھی اس لیے اُس نے دیوانہ وار ایک ٹھوکر ماری۔

... لیکن اُس کی ٹانگ جیسے شل ہو گئی۔

ہوا کا دباؤ اتنا شدید تھا کہ وہ اپنی ٹانگ کو مرضی کے مطابق حرکت نہیں دے سکتا تھا۔ اُس نے شہزاد کی طرف دیکھا جو اس کی گردن سے لٹکا ہوا تھا۔ تب انسٹرکٹر کا جسم ٹھنڈے ٹھنڈے پسینے سے بھیگنے لگا۔

شہزاد مسکرا رہا تھا۔

اس کی مسکراہٹ کتنی خوفناک تھی۔

انسٹرکٹر جھرجھری لے کر رہ گیا۔

وہ دونوں تیزی سے نیچے جا رہے تھے۔ اچانک انسٹرکٹر کو احساس ہو گیا کہ وہ اپنے شکار کے ساتھ ہی موت کے مُنہ میں جا رہا ہے۔ اُس نے شہزاد کی گرفت ختم کرنے کے لیے بُری طرح ہاتھ پاؤں مارے لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔ اسی دوران شہزاد کا ہاتھ حرکت میں آ گیا۔

اس نے ایک ہاتھ سے خود کو انسٹرکٹر کے ساتھ چپکائے رکھا اور دوسرا ہاتھ اس کی گردن سے ہٹا لیا... پھر پیراشوٹ کا دایاں تسمہ الگ ہو گیا اور وہ فضا میں کسی لٹو کی طرح گھومنے لگا۔

اگلے ہی لمحے دوسرا تسمہ بھی الگ ہو گیا۔

انسٹرکٹر بے بسی سے دیکھ رہا تھا لیکن وہ کچھ کر نہیں سکتا تھا۔ جس صورتِ حال سے وہ دوچار تھا، اس کا تو اس نے زندگی میں کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا... حتیٰ کہ شہزاد نے اس کے سینے پر بندھے ہوئے بکل کو بھی کھول دیا۔

... اور پھر شہزاد کی دونوں ٹانگوں نے فضا میں گرتے ہوئے اُس کا گرد حلقہ بنا لیا۔ وہ خود کو اس حالت میں بھی متوازن رکھے ہوئے تھا جب کہ انسٹرکٹر کے لیے ذرا سی حرکت بھی ممکن نہیں تھی۔ وہ تو ارے خوف کے یوں بھی ادھ موا ہو رہا تھا۔

شہزاد، اُس کا پیراشوٹ اُتارنے میں کامیاب ہو گیا۔

اس نے اسی طرح فضا میں گرتے ہوئے اپنا پیراشوٹ انسٹرکٹر کے جسم سے باندھا اور اس کا پیراشوٹ اپنے جسم سے باندھ لیا۔ مارے ہشت کے انسٹرکٹر نے آنکھیں بند کر لیں۔

اب اس کے جسم پر دو ہی پیراشوٹ تھا جس کی ڈوریاں اُس نے اپنے ہاتھوں سے کاٹ ڈالی تھیں... لیکن وہ کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے ذہن میں بس ایک ہی خیال چکرا رہا تھا کہ چند ہی منٹ بعد اس کے جسم کے چیتھڑے زمین پر بکھرے ہوئے ہوں گے۔

شہزاد نے اچانک ہی اُسے چھوڑ دیا۔

انسٹرکٹر نے اسے پکڑنے کی کوشش کی تھی لیکن کامیاب نہ رہا۔ وہ شہزاد کی طرح پُرسکون اور ترمیت یافتہ ذہن کا مالک نہیں تھا۔ اُس نے دہشت سے پھٹی ہوئی آنکھوں سے دیکھا۔

شہزاد نے الوداعی انداز میں مسکرا کر ہاتھ لہرایا تھا... اور پھر ایک جھٹکے سے اس کی چھتری کھل گئی جب کہ انسٹرکٹر کسی وزنی پتھر کی طرح زمین کی طرف گرتا چلا جا رہا تھا۔

"خدا حافظ دوست!" شہزاد نے چیخ کر کہا۔ "جہنم میں پہنچ کر سب سے میرا سلام کہنا۔"

... لیکن انسٹرکٹر اس وقت صرف موت کی آواز سُن رہا تھا۔ اُس نے تلاوتیاں کھانا شروع کر دی تھیں... جس پیراشوٹ کی ڈوریاں اُس نے اپنے ہی ہاتھوں سے کاٹی تھیں، وہ کیسے کھل کر اُسے چھتری کا سہارا دے سکتی تھیں۔

شہزاد نے نیچے دیکھا۔

وزنی پتھر کی طرح گرتا ہوا، انسٹرکٹر کا جسم اب اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو چکا تھا اور ویران زمین پر ایک چادر سی بچھی نظر آ رہی تھی۔ شہزاد گنگنا رہا تھا اور اس کا پیراشوٹ فضا میں تیرتا ہوا نیچے اُترتا رہا۔

اس نے زمین پر پہنچ کر ادھر اُدھر دیکھا۔

ڈاکٹر سیماب کہیں نظر نہیں آ رہی تھی۔

اس کا مطلب تھا کہ وہ زمین پر پہنچنے کے بعد کہیں جا چکی تھی۔

تھکے تھکے انداز میں اپنا پیراشوٹ سمیٹنے لگا۔

☆☆☆

شہزاد کو تھنکرز فورم کی طرف سے رہائش کے لیے ایک کمرہ دیا گیا تھا۔ یہ دو منزلہ عمارت میں واقع تھا جہاں تھنکرز فورم کے دیگر طلبہ زمین رہتے تھے۔ کمرہ اتنا بڑا تو تھا کہ شہزاد، بیڈ پر کھلا ہو کر کپڑے بدلنا چاہے تو بدل سکے۔ البتہ وہ الماری کی نچلی دو دازیں نہیں کھول سکتا تھا کیونکہ بیڈ کا گدا اس میں حارج ہوتا تھا۔

دراصل کمرہ اتنا چھوٹا نہیں تھا، جب کہ بیڈ بہت بڑا تھا۔ ملازمین کے کمروں میں سائنس دانوں کا پرانا اور متروک فرنیچر استعمال ہوتا تھا۔

شہزاد اس بیڈ کو ورزشوں کے لیے استعمال کرنے لگا تھا۔

وہ بستر پر لیٹ کر تصور کرتا کہ فلکرافٹ کی سڑک پر دوڑ رہا ہے۔ اگر ایسے میں کوئی اُسے دیکھتا تو اُسے شہزاد کی ٹانگوں کے صرف عضلات ہی حرکت کرتے نظر آتے... یا پھر سینہ سانس کے زیر و بم سے حرکت کرتا ہوا۔

اس روز بھی وہ اسی دوڑ میں مصروف تھا۔ ابھی آخری چھلانگ باقی تھی کہ دروازے پر دستک ہونے لگی۔

وہ اس حالت میں دروازہ نہیں کھولنا چاہتا تھا کہ اس کی سانس پھول رہی ہو اور جسم پسینے میں نہایا ہوا ہو۔

دستک سنتے ہی اس نے فوراً عضلات ڈھیلے چھوڑ دیے... اور گہری گہری سانسیں لینا شروع کر دیں۔ چند لمحوں کے بعد ہی جسم پُرسکون ہو چکا تھا۔

دروازے کے باہر ایک ادھیڑ عمر کا شخص کھڑا تھا۔ اس کا چہرہ گوشت سے پُر تھا اور اس کی آنکھوں پر نہر چشمہ نظر آ رہا تھا۔ البتہ اس کی مسکراہٹ بالکل مشینی تھی۔

"صبح بخیر... میں شطرنج کا انسٹرکٹر ہوں، فرہانو..."

"فرمایئے۔" شہزاد نے نرمی سے کہا۔

"میرا خیال ہے، آپ مجھے اندر آنے کی دعوت نہیں دے سکیں گے۔" وہ دروازے سے جھانک کر بیڈ کو دیکھتا ہوا بولا۔ "مجھے یہ دیکھ کر بے حد افسوس ہوا کہ آپ جیسی صلاحیتوں کا مالک شخص اس طرح ملازمین کے درمیان رہ رہا ہے۔"

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔" شہزاد نے مسکرا کر کہا۔

"خیر، میں اس لیے آیا تھا کہ آپ کو اپنے گھر پر ایک بازی کے لیے مدعو کروں... اور اگر آپ پسند فرمائیں تو رات کا کھانا بھی میرے ساتھ ہی کھائیں۔"

"میں بڑی خوشی سے آتا مگر آج میرا کسی سے وقت طے ہے۔"

"وقت طے ہے... اوہ... اتنی جلدی!"

"آپ غلط نہ سمجھیں۔ کام ہی کا چکر ہے۔ ڈاکٹر سیماب کے ساتھ

وقت طے ہے۔"

"ڈاکٹر سیماب! کمال ہے... وہ تو کسی سے ملتی ہی نہیں۔ خیر پھر کبھی سہی۔ بہرحال میں آپ کے ساتھ کھیلنا چاہتا ہوں۔"

"ضرور... ضرور!" شہزاد نے مسکرا کر کہا اور دروازہ بند کر دیا۔

مزید ورزش کا وقت نہیں تھا اس لیے شہزاد نے نیلی اسپورٹس شرٹ اور سفید پتلون پہنی... اور نیچے آگیا۔

☆☆ ڈاکٹر نوریان آڈیٹوریم میں بیٹھا، ہنتے وار شو دیکھ رہا تھا۔ جس میں باری باری ایک سائنس داں اپنے مشغلے کا مظاہرہ کرتا تھا... مثلاً کبھی ڈاکٹر شالات گٹار بجاتا تو کبھی ڈاکٹر ویتال اپنی نظم سنانے لگ جاتا۔

آج کے شو سے ڈاکٹر سیماب اور نیا سیکوریٹی ڈائریکٹر دونوں ہی غائب تھے اور اسے کچھ تشویش ہونے لگی تھی کیوں کہ وہ موٹر سائیکلوں پر آنے والے غنڈوں کا واقعہ دیکھ چکا تھا... اور پھر پیراشوٹ والا معاملہ تو وہ کبھی بھول ہی نہیں سکتا تھا۔ شہزاد خود تو بچ گیا تھا جب کہ انسٹرکٹر مارا گیا۔ اب تو شدت سے ڈاکٹر نوریان کا جی چاہنے لگا تھا کہ جزیرۂ فردوس سے اس کا کام ختم ہو جائے اور وہ رخصت ہو جائے۔

آج کا شو درحقیقت ڈاکٹر بیانکی کا ہپناٹزم کا شو تھا۔ بیانکی نے معمول کے طور پر ڈاکٹر ویدرام کو منتخب کیا تھا جسے زیر اثر لانے میں اسے چھ منٹ لگے تھے... اور اب آڈیٹوریم میں بیانکی کی آواز گونج رہی تھی...

"تم... رات کی سیاہی میں نیچے اتر رہے ہو... اور نیچے... اور نیچے اور اب تمہیں نیند آگئی ہے۔"

نوریان نے سنا کہ وہ ڈاکٹر ویدرام سے اپنی زندگی کے بھیانک ترین ایام میں لوٹ جانے کو کہہ رہا تھا۔

نامعلوم ویدرام کی زندگی کے بھیانک ایام کون سے تھے۔ دنیا تو ابھی جنگِ عظیم کے واقعات ہی نہیں بھولی تھی جس میں روستاینوں نے ہر جگہ تشدد کا بازار گرم کر دیا تھا کیونکہ ایذا رسانی ان کا محبوب مشغلہ تھی۔

ڈاکٹر نوریان اسی انداز میں سوچتا ہوا، ذہنی طور پر نہ جانے کہاں نکل جاتا کہ اچانک اسٹیج پر ہونے والے ہنگامے نے اسے چونکنے پر مجبور کر دیا۔

ویدرام سحر زدہ سا اٹھ کھڑا ہوا اور اسٹیج پر اچھلنے کودنے لگا۔ پہلے اس نے اپنا جیکٹ اتار پھینکا... پھر قمیص... اور چند ہی لمحے بعد وہ بے لباس نظر آنے لگا۔

... پھر وہ اپنے استخوانی گھٹنوں کے بل جھک گیا اور گڑگڑانے لگا: "اوہ رحم! یہ عورت مجھے کوڑے مار رہی ہے... رحم...!"

خود بیانکی بھی ہانپ رہا تھا اور آواز ملا کر کہہ رہا تھا۔ "کوڑے... کوڑے" اس کے سوجے ہوئے ہونٹوں سے ایسی ہی آوازیں آرہی تھیں جیسے وہ کسی چیز کی چسکیاں لے رہا ہو۔

اس کے بعد جو کچھ بھی ہوا، شہزاد کو اگلے روز صرف اتنا بتایا گیا کہ ان دونوں کو ٹرانس سے باہر لانے کے لیے ڈاکٹر ہوشمند خود اسٹیج پر چڑھ گیا تھا اور اس نے ہپناٹسٹ ڈاکٹر بیانکی کی آواز کی نقل کرتے ہوئے دونوں کو مسمریزم کے اثر سے نکال لیا تھا۔

☆☆ پیراشوٹ والے واقعے کے بعد جب شہزاد ڈاکٹر سیماب سے ملنے اس کے کاٹیج پہنچا تھا تو اس نے خلاف توقع تھوڑی سی رد و قد ح کے بعد دروازہ کھول دیا تھا۔ گو کافی دیر وہ دروازے ہی میں کھڑی باتیں کرتی رہی اور اسے اندر نہیں آنے دیا۔

"آخر تم مجھے اندر کیوں نہیں آنے دیتیں؟" شہزاد نے شکایت کا لہجہ اختیار کیا۔

"رات بہت ہو گئی، مسٹر پہلوان۔"

"تو کیا ہوا؟ کیا تم مجھ سے ڈرتی ہو؟"

"ہاں! میں نے اکثر روز موٹر سائیکل سواروں کا حشر دیکھا تھا۔"

"مگر اس روز تو تم خوف زدہ نہیں لگ رہی تھیں۔"

"کمال ہے تو تم ان لمحات میں بھی لوگوں کے تاثرات دیکھ لیتے ہو؟"

"ہاں... کچھ ایسا ہی ہے۔"

"یہ تو اور بھی خوف زدہ کر دینے والی بات ہے۔ ویسے تم جیسا انداز میں نے اس سے پہلے ایک اور شخص میں بھی دیکھا تھا۔"

"ایک اور شخص؟" شہزاد نے سوچا۔ اُوشان؟... مگر نہیں... اُوشان کے وجود کا علم کسی اور کو نہیں ہو سکتا... پھر کیا سرگوشی؟

"جب میں چھوٹی تھی تب وہ ہمارے گاؤں میں آیا تھا اور اس نے ہمیں یہ داؤ بیچ سکھائے تھے۔"

شہزاد الجھن سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ وہ کون تھا؟ اس نے سرگوشی کی اور ڈاکٹر سیماب عجیب سی نگاہوں سے اس کی

دیکھنے لگی تو شہزاد نے جلدی سے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھیرتے ہوئے پوچھا: "کیا تم نے اس شخص کو پسند کیا تھا؟"

"میں ہی کیا... پورا گاؤں اُسے پسند کرتا تھا..." ڈاکٹر سیماب نے جواب دیا۔ اس کی آواز بھرا گئی تھی: "لیکن افسوس، وہ اس اب مر چکا ہے۔"

"اوہ... اس کی موت کہاں واقع ہوئی تھی؟"

"تم اس میں بہت زیادہ دلچسپی لے رہے ہو... آخر کیوں؟"

"ممکن ہے، میں بھی اس سے واقف رہا ہوں۔"

"اگر تم اس کے شناساؤں میں سے ثابت ہوئے تو میں تم سے زندہ ہونا چھوڑ دوں گی۔" ڈاکٹر سیماب نے عجیب سے لہجے میں کہا۔ کیوں کہ وہ ایک اچھا آدمی تھا اور اس کو جاننے والے بھی اچھے ہی ہو سکتے ہیں۔"

وہ اُس عظیم شخصیت کے بارے میں بتانے کی بجائے جس کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان ہو گئی تھی شہزاد نے اسے اصل موضوع پر لانے کے لیے کہا: "کیا اس شخص کا ایک بازو ضائع ہو گیا تھا؟"

"ہاں..." سیماب چونک کر بولی۔

"اور... کیا اس کا نام سرگوشی تھا...؟"

"ہاں..." سیماب کی آنکھوں سے پناہ جوئی و خوف جھلکنے لگا۔ "اس کا مطلب ہے کہ تم اس کے دوستوں میں سے تھے، کیا یہ درست ہے؟"

"یہ درست ہے۔" شہزاد نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ اس کے ذہن میں وہ درویش صورت شمس گھوم گیا جس نے اُسے بچھلی رات پر پہنچایا تھا... اور پھر اسے موت کے منہ سے واپس کھینچ لیا تھا لیکن وہ سیماب کو اس سلسلے میں تفصیل سے کچھ بتا نہ سکتا تھا۔

"اوہ... تو کیا تم پہلے انٹیلی جنس میں تھے؟"

"نہیں، وہ میرا ذاتی نوعیت کا دوست تھا۔"

"کیا تم جانتے ہو کہ اس کی موت کیسے واقع ہوئی تھی؟"

"ہاں... مجھے معلوم ہے۔"

"میں نے سنا ہے کہ وہ اسپتال میں ہلاک ہوا تھا؟"

"ہاں... اس کی موت اسپتال میں واقع ہوئی تھی لیکن کسی نے اسے قتل نہیں کیا۔ اس نے خودکشی کر لی تھی۔"

سیماب کے ہونٹوں پر پہلی بار وہ مسکراہٹ اُبھری، جسے دیکھنے کے لیے تو شہزاد ترس ہی گیا تھا۔ اب اس کے چہرے پر سرد مہری کا کوئی تاثر نہیں تھا بلکہ وہ اس کی مسکراہٹ میں پیار کی حرارت محسوس کر رہا تھا۔

"جانتے ہو، وہ جب ہمارے گاؤں آیا تھا تو ان دنوں جنگِ عظیم شروع ہو چکی تھی... اور وہ کس حالت میں آیا تھا؟"

"یقیناً وہ نشے میں دُھت رہا ہوگا۔" شہزاد نے کہا۔

وہ نشے میں اس حد تک ڈوبا ہوا تھا کہ اس پر کسی مُردے کا گمان ہوتا تھا۔" سیماب نے کہا۔ "بہرحال، میں زندگی میں اس سے زیادہ کسی سے متاثر نہیں ہوئی۔" وہ شہزاد کی آنکھوں میں دیکھنے لگی۔ "لیکن یہ بتاؤ کہ تم درحقیقت کیا ہو؟"

"جو کچھ بھی ہوں، تمہارے سامنے ہوں۔"

"نہیں... تم اس سے بہت مختلف ہو۔" سیماب بولی۔ "میں جانتی ہوں کہ اسکائی ڈائیونگ سیکھانے والا فگار جب... زمین پر گرا تھا تو اس کے جسم پر وہی پیراشوٹ تھا جو اس نے تمہیں پہنا رکھا تھا۔ مجھے یقین ہے کہ اس نے تمہیں قتل کرنے کی کوشش کی تھی اور اسی میں وہ اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھا تھا۔"

"بہرحال..." شہزاد نے اس کا ہاتھ تھام کر کہا۔ سیماب نے ہاتھ نہیں کھینچا۔ "میں ایک مسئلے سے دوچار ہوں۔ تم جانتی ہو کہ مجھے یہاں تم سب لوگوں کی حفاظت کے لیے متعین کیا گیا ہے۔ سب لوگ خوب گھومنے پھرنے کے عادی ہیں۔ خاص طور سے تمہاری مصروفیت بے حد آزادانہ ہے۔ اس لیے مجھے معلوم ہونا چاہیے کہ تم کب اور کہاں ہو۔ موٹر سائیکل سواروں کے حملے کے بعد سے تو یہ اور بھی ضروری ہو گیا ہے۔ ممکن ہے ان کی فوج پھر حملہ آور ہو جائے۔"

ڈاکٹر سیماب ہنسنے لگی۔

"تم مجھے احمق نہیں بنا سکتے۔ سرگوش کے دوست ایسے بدمعاشوں کو کبھی خاطر میں نہیں لاتے۔"

"غالباً یہی وجہ تھی کہ تم اس روز خوف زدہ نہیں تھیں۔"

سیماب نے کوئی جواب نہ دیا۔ بس مسکراتی رہی۔

وہ دیر تک سرگوش کے بارے میں باتیں کرتے رہے۔ شہزاد نے اس کے بارے میں جتنی بھی باتیں کیں، ان سے سیماب نے ذرا بھی اختلاف نہ کیا کیوں کہ وہ جانتی تھی کہ شہزاد جھوٹ نہیں بول رہا ہے... بالآخر اس نے اپنا خوش نما ہاتھ شہزاد کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا...

"بہرحال، میں اب تمہارے بارے میں کافی کچھ جان گئی ہوں اور تم سے خوف زدہ نہیں ہوں... تم میرے دوست ہو شہزاد۔"

شہزاد نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

"دوست . . ." اس نے دُہرایا اور ذرا سا آگے بڑھ آیا۔

ڈاکٹر سیماب نے ایک جھٹکے سے اُسے کھینچ لیا اور اُن کے درمیان اجنبیت کا معمولی سا فاصلہ بھی باقی نہ رہا۔ "میں کل تمہارا انتظار کروں گی، شہزاد۔" اس نے سرگوشی کی۔

"لیکن آج رات . . ." شہزاد نے احتجاج کرنا چاہا۔

"نہیں . . . میں اس انداز میں تمہارا ساتھ نہیں دے سکتی۔"

"کیا، ہمیں تمہیں پسند نہیں آیا؟"

"پسند تو میں نے تمہیں اسی لمحے کر لیا تھا، جب تم نے سرگوشی کا نام لیا تھا لیکن میں خود کو تمہاری نظروں میں گرانا نہیں چاہتی۔ شاید تم نسوانی وقار کو زیادہ اہمیت نہیں دیتے . . ."

"اچھا . . . تمہارا وقار بلند ہی رہنا چاہیے۔" شہزاد نے مسکرا کر کہا۔

اچانک فون کی گھنٹی بجنے لگی اور دونوں چونک پڑے۔ شہزاد کو گھنٹی کی آواز بے حد ناگوار گزری۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر فون کا تار پکڑ لیا لیکن اس سے پہلے کہ وہ اُسے اُکھاڑ پھینکتا، ڈاکٹر سیماب فون کے پاس پہنچ چکی تھی۔

اس نے جلدی سے ریسیور اُٹھا لیا اور ماؤتھ پیس کے گرد اپنی ہتھیلی کا پیالہ بناتے ہوئے بولی: "ہاں . . . میں بول رہی ہوں . . . اوہ . . . کیا تمہیں یقین ہے؟ کیا ایسا ہی ہونا چاہیے؟ اوہ، اچھا . . . مجھے افسوس ہے . . . یقیناً . . . یقیناً۔"

سیماب نے ریسیور رکھ دیا اور شہزاد کی طرف دیکھ کر مسکرانے لگی۔ "فون ایجاد کرنے والے کو معلوم نہیں تھا کہ عورتوں کی زندگی میں یہ بعض اوقات بڑا کارآمد کردار ادا کرے گا . . . فی الحال مجھے اس فون کال کے لیے شکر گزار ہونا چاہیے۔ کل ملاقات ہوگی، شہزاد۔"

شہزاد نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

اس نے ٹیلی فون کا ریسیور اُٹھایا اور اُسے اپنے سامنے کرتے ہوئے بائیں ہاتھ سے تھامے رکھا . . . پھر دائیں کھڑی ہتھیلی ریسیور پر ماری، ریسیور درمیان سے دو حصّوں میں تقسیم ہو گیا۔ ایک فرش پر گر گیا اور دوسرا اس کے بائیں ہاتھ میں جکڑا رہا۔

سیماب نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

"اوکے، ڈارلنگ . . ." شہزاد نے بے پناہ ملائمت سے کہا: "کل ملاقات ہوگی . . ." یہ کہہ کر وہ دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

سیماب تیزی سے آگے بڑھی اور اس نے پشت سے شہزاد کو دونوں بازوؤں میں جکڑ لیا: "اُف . . . تم کس قدر خوف . . . لیکن کتنے پیارے ہو۔" اس نے بہکی ہوئی آواز میں سرگوشی کی۔ "تو ڈر ہی گئی تھی کہ کہیں تم ناراض تو نہیں ہو گئے۔"

"تم سے کون ناراض ہو سکتا ہے۔" شہزاد نے محبت کہا۔ اس کے انداز، اس کی آنکھوں یا اس کے چہرے سے ذر بھی غصّہ ظاہر نہیں ہو رہا تھا۔ "پھر اس موقعے پر مداخلت ہو تو قصور سراسر فون کا تھا، جسے غالباً خاطر خواہ سزا مل گئی ہے وہ ہنس پڑی۔

شہزاد اس سے رخصت لے کر کاٹیج سے باہر آ گیا۔ وہ بے حد خوش تھا اور آنے والے وقت کے بارے میں سوچ سوچ کر بے قابو ہوا جا رہا تھا۔ اس نے تصور کی آنکھ سے مستقبل کی حسین گھڑیوں کا منظر دیکھتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف پیش قدمی جاری رکھی . . .

. . . لیکن اگلے روز ایک ناخوش گوار واقعے سے پورے تھنکر زفورم میں کھلبلی سی مچ گئی۔

تھنکر زفورم کے سربراہ ڈاکٹر ہومنڈ نے ڈاکٹر بیانکی کی لاش دریافت کی تھی . . .

شہزاد کو اس حادثے کی اطلاع ملی تو اُسے عیش و نشاط کے تمام خاکے ایک دوسرے میں گڈمڈ ہو کر فضا میں تحلیل ہوتے محسوس ہونے لگے . . .

☆☆

ڈاکٹر بیانکی نے ہمیشہ اپنی موت کو ڈرامائی انداز میں سامنے آنے کی توقع کی تھی . . . اور واقعی اس کی موت نے زبردست ڈرامائی تاثر پیدا کر دیا تھا۔ بچپن ہی سے اس کی زندگی کسی نہ کسی ڈرامائی صورتِ حال کی تلاش میں گزری تھی . . . اور اس ڈراما پسندی نے اسے کافی نقصان بھی پہنچایا۔

اس کا باپ جب اسپتال میں داخل تھا تو اس کی ناک سے منسلک آکسیجن کی نلکی کھینچتے وقت بھی نتھنے بیانکی کے ذہن میں صرف ڈرامائی تاثر دیکھنے کا خیال کروٹیں لے رہا تھا . . . یہ الگ بات ہے کہ اس ڈیلے کے انجام میں اس کے بوڑھے باپ کا انتقال ہو گیا تھا۔

حادثے کی رات وہ حشیش بھرے پائپ کے کش لگا رہا تھا اور اس کا ذہن بُری طرح اس شومیں اُلجھا ہوا تھا جس میں اس تنویمی اثر کے تحت نہ صرف بے لباس ہونے کی ضرورت محسوس کی تھی . . . بلکہ اس نے چند اُلٹی سیدھی باتیں بھی کی تھیں . . . وہ حیران تھا کہ تنویمی اثر کے تحت اس نے ایسا کیوں کیا؟

حشیش کے کش لگاتے ہوئے ابھی وہ اسی موضوع پر غور کر رہا تھا کہ اچانک اس کے خفیہ کمرے کا دروازہ کھل گیا۔

ڈاکٹر بیانکی نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا۔

دروازے میں ایک بے پناہ حسین لڑکی کھڑی تھی۔

حشیش کے نشے میں اُسے وہ لڑکی معمول سے کچھ زیادہ ہی خوب صورت نظر آئی تھی . . . اس لڑکی کو اُس نے پہلے بھی کہیں دیکھا تھا . . . لیکن کہاں؟ یہ بات اُسے یاد نہیں آ رہی تھی۔

لڑکی نے آتے ہی جس والہانہ انداز میں اس سے لپٹنے کی کوشش کی تھی، اس سے وہ بے خود ہو گیا . . . لیکن ابھی وہ جذبات کے سمندر میں غوطے ہی کھا رہا تھا کہ اچانک اُسے یوں محسوس ہوا جیسے اس کے جسم کے کسی حصّے سے خون کا تیزی سے اخراج ہونا شروع ہو گیا ہو۔

اس نے پہلے تو اسے محض اپنا وہم ہی سمجھا۔

اس قسم کے وہم آمیز مناظر وہ بچپن ہی سے دیکھتا چلا آیا تھا اور ایسے ہی واہموں کو اہمیت دینے کی پاداش میں اس نے بڑی لمبی لمبی قید بھی بھگتی تھی . . . لیکن اس طرح قید ہونے سے اس نے ایک فائدہ یہ اُٹھایا کہ اس نے وقت گزاری کے لیے مطالعہ شروع کر دیا . . . اور بالآخر جزیرۂ فردوس کے نامور سائنس دانوں میں اس کا نام لیا جانے لگا۔

اس نے بڑی محرومیوں قسم کی زندگی گزاری تھی . . . اور شاید یہ انہی محرومیوں کا اثر تھا کہ چونکا دینے والی ایجادات کے لیے اس نے خود کو نمایاں کرنا شروع کر دیا تھا . . . لیکن گزشتہ شب مراقبہ کے شو میں غیر ارادی طور پر اس سے جو حرکت سرزد ہوئی تھی اس نے ڈاکٹر بیانکی کی رُوح تک کو تڑپا دیا تھا . . . اور اب وہ نشے میں سب کچھ سمجھتا جا رہا تھا۔ اس لڑکی کے بارے میں . . . اس کے کوڑا برداز شخص کے متعلق . . . اور کسی کیمرہ مین کے سلسلے میں جسے اب کچھ اس کے لاشعور سے نکل کر شعور میں آ رہا تھا لیکن اس کے جسم کے کسی حصّے سے خون تیزی سے خارج ہو رہا تھا اور اس سے منہ پھیرتی جا رہی تھی . . . حتیٰ کہ وہ موت کے منہ میں پہنچا . . . لیکن مرنے سے پہلے اُسے اپنی موت کا سبب معلوم ہو چکا تھا۔ اُسے اس لیے قتل کیا جا رہا تھا کہ اس نے مسمریزم کے ذریعے اثر وہ راز فاش کرنے کی کوشش کی تھی جو اس کے لاشعور میں محدود تھا۔

☆

ڈاکٹر ہومنڈ کا جسم پسینے میں شرابور تھا۔

اس کے بال پسینے کی وجہ سے بوں چپکے ہوئے تھے جیسے وہ ابھی ابھی نہا کر نکلا ہو اور اُسے بالوں کو خشک کرنے کا موقع نہ ملا ہو۔ اس کے بازو یوں حرکت کر رہے تھے، جیسے اس کے قابو سے باہر ہو گئے ہوں . . . اور اس کے ہونٹ بار بار کانپ کر کھل پڑتے تھے۔ اس کے حلق سے عجیب عجیب آوازیں نکل رہی تھیں۔

پہلی نگاہ میں یوں لگتا تھا جیسے وہ ذہنی توازن کھو بیٹھا ہو۔

شہزاد اس وقت ڈاکٹر سیماب کے گھر کی طرف جا رہا تھا اور راستے میں ڈاکٹر ہومنڈ سے ملاقات ہو گئی تھی۔ آج شہزاد نے خاص طور سے چھٹی کی تھی۔ وہ سیماب کے ساتھ شاندار وقت گزارنا چاہتا تھا۔

اس نے ڈاکٹر ہومنڈ کو پہلے کبھی ایسی حالت میں نہیں دیکھا تھا۔ پہلے تو وہ یہی سمجھا کہ حضرت زیادہ چڑھا گئے ہیں لیکن چند ہی لمحوں میں اُسے اپنے خیال پر نظرِ ثانی کرنا پڑی۔ وہ نہ صرف ہوش میں تھا بلکہ اس نے ایک قطرہ بھی نہیں پی رکھی تھی۔

وہ شدید دہشت اور ہیجانی کیفیت میں مبتلا تھا۔

شہزاد نے اسے سنبھالنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ جانتا تھا کہ ایسے موقعے پر کسی کو تسلی دینے والے احمق ہی ہوتے ہیں . . . لیکن وہ اس بات سے بے خبر تھا کہ آخر ڈاکٹر ہومنڈ کس مصیبت میں مبتلا ہو کر اس حالت کو پہنچا ہے؟

ڈاکٹر ہومنڈ نے اُسے کچھ سمجھانے کی کوشش کی تھی لیکن نہ تو وہ سمجھانے میں کامیاب ہوا تھا اور نہ ہی شہزاد کچھ سمجھ سکا تھا وہ خاموش کھڑا اُسے دیکھتا رہا اور اس بات کا منتظر رہا کہ ڈاکٹر ہومنڈ کی یہ ہیجانی کیفیت شاید خود بخود ہی ختم ہو جائے لیکن ہیجان ختم ہونے کی بجائے بڑھتا ہی چلا جا رہا تھا حتیٰ کہ اس ہیجان نے ڈاکٹر ہومنڈ کے ہوش و حواس میں نگل ڈالے اور وہ لہرا کر شہزاد کے قدموں میں ڈھیر ہو گیا۔

شہزاد نے جزیرۂ فردوس کے سب سے بڑے دماغ کی طرف دیکھا اور سوچ میں پڑ گیا۔ اس سے پہلے کہ وہ اسے ہوش میں لانے کی کوئی تدبیر کرتا، ڈاکٹر ہومنڈ خود ہی ہوش مند ہو گیا لیکن اس کی باتوں میں اب بھی کوئی ربط نہیں تھا۔

یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کی زبان اس کا ساتھ نہ دے رہی ہو اور اپنی مرضی سے بولے چلی جا رہی ہو۔

"وہ . . . خون . . . پانی . . . خون . . . وہ مر چکا ہے . . . اسے قتل کیا گیا ہے . . . جاؤ تم بھی قاتلوں کو ٹھکانے لگا دو۔"

شہزاد کا دل شدّت سے دھڑکنے لگا۔ اس کے ذہن میں

فوراً ہی اس خیال نے جنم لیا کہ کہیں ڈاکٹر سیماب کو تو کوئی حادثہ پیش نہیں آگیا؟ ڈاکٹر ہومند اسی کے گھر کی طرف سے چلا آرہا تھا کہ شہزاد سے اس کی مڈبھیڑ ہوئی تھی۔ شام کے سائے ڈھل چکے تھے اور ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں نے رخساروں سے ٹکرا ٹکرا کر ان میں آگ سی بھرنا شروع کر دی تھی۔ لیکن شہزاد اس ٹھنڈی حرارت کو صرف رخساروں کی بیرونی جلد کی حد تک ہی محسوس کر رہا تھا ورنہ خود اس کے رگ و پے میں تو جذبات کا لاوا موجزن تھا جس کی تسکین کے لیے اسے ڈاکٹر سیماب نے اپنے ہاں آنے کی دعوت دی تھی۔

ڈاکٹر ہومند نے اچانک اسے دونوں بازوؤں سے تھام لیا اور بُری طرح اسے جھنجھوڑنے لگا۔ "آخر تم ہمت بنے کیوں کھڑے ہو؟" اس نے چیخ کر کہا۔ "تم ڈاکٹر بیانکی کے قاتلوں کا سراغ کیوں نہیں لگاتے؟"

"ڈاکٹر بیانکی؟" شہزاد نے حیرت سے کہا۔

"ہاں... اسے قتل کر دیا گیا ہے۔" ڈاکٹر ہومند ہذیانی لہجے میں بولا۔ "اس کی لاش اپنے خاص کمرے میں پڑی ہے اور فرش کا ایک ایک انچ خون سے سُرخ ہو رہا ہے۔ میں نے اپنی زندگی میں پہلے کبھی اتنا بھیانک منظر نہیں دیکھا۔"

"حالانکہ تم تشدد کے موضوع پر اتھارٹی ہو۔" شہزاد نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"بکواس بند کرو۔ یہ ایسی باتوں کا وقت نہیں۔ میرے ساتھ آؤ۔" اس نے شہزاد کا ہاتھ تھام لیا اور اسے گھسیٹتا ہوا سفید رنگ کی اس عجیبوی سی عمارت کی طرف بڑھ گیا جسے شہزاد ایک بار پہلے بھی دیکھ چکا تھا۔

عجیبوی عمارت میں داخل ہونے کے بعد ڈاکٹر ہومند اس آتشدان کے سامنے رُک گیا جو درحقیقت ڈاکٹر بیانکی کے کمرۂ خاص کا خفیہ دروازہ تھا۔ ڈاکٹر ہومند نے آتشدان کی طرف اشارا کرتے ہوئے کہا...

"اس نے ٹھیک سات بجے مجھ سے ملاقات کا وعدہ کیا تھا لیکن وہ نہیں آیا۔ بیانکی وقت کا سختی سے پابند تھا اس لیے مجھے تشویش ہوئی کہ آخر کیا معاملہ ہے۔ میں نے ٹیلیفون پر رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی لیکن ڈاکٹر بیانکی کی طرف سے کوئی جواب نہیں ملا۔ بالآخر میں خبر اکر خود ہی یہاں چلا آیا اور یہاں آکر اس کی لاش سے ملاقات ہوئی۔"

شہزاد نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"پولیس کو اطلاع دینے کی ضرورت نہیں کیوں کہ اس طرح پریس کو تھنکر زفورم کے بارے میں افواہیں اُڑانے کا موقع مل جائے گا۔ کیا تم اپنے طور پر اس معاملے کو سنبھال سکتے ہو؟"

"کیوں نہیں۔ آخر مجھے اسی مقصد کے لیے یہاں متعین کیا گیا ہے۔"

"تو بس پھر ٹھیک ہے۔ میری طرف سے تمہیں اجازت ہے قاتلوں کو تلاش کرو اور انہیں ایسی اذیت ناک موت مارو جس کی مثال پہلے کبھی نہ سُنی گئی ہو۔"

"کیا آپ قاتلوں کی نشاندہی کر سکتے ہیں؟"

"نہیں... لیکن اس معاملے کا کال کے مسمریزم شو سے گہرا تعلق ہے۔" ڈاکٹر ہومند نے سوچتے ہوئے جواب دیا۔ "کل اسے ٹرانس میں لا کر یہ ہدایت کی گئی تھی کہ وہ اپنی زندگی کے سب سے اذیت ناک دور تک ذہنی طور پر رسائی حاصل کرنے کی کوشش کرے۔"

"اوہ..." شہزاد نے چونک کر کہا۔ "یہ بات اسے پہلے بھی بتائی گئی تھی لیکن اس نے زیادہ اہمیت نہیں دی تھی۔ اس نے ذہن پر زور ڈال کر وہ سب کچھ یاد کرنے کی کوشش کی جو کچھ اس سلسلے میں اسے بتایا گیا تھا... پھر وہ بھی دل ہی دل میں ڈاکٹر ہومند کی اس دلیل کا قائل ہو گیا لیکن اس نے زبان سے کچھ نہیں کہا۔

"کیا یہ ممکن نہیں کہ یہ انہیں موٹر سائیکل سوار غنڈوں کا کارنامہ ہو جنہوں نے تھنکر زفورم پر ایک بار پہلے بھی حملہ کیا تھا؟"

"میں کچھ نہیں جانتا۔ بس قاتلوں کو تلاش کرو اور انہیں عبرتناک سزا دو۔ تاکہ آئندہ کسی کو جرأت نہ ہو فردوس کے اطلاعاتی دماغوں کی طرف اس انداز میں دیکھنے کی جرأت بھی نہ ہو سکے۔"

شہزاد نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"میرا خیال ہے۔ سب سے پہلے مجھے لاش کو ایک نظر دیکھ لینا چاہیے۔" شہزاد نے تجویز پیش کی۔

"کیوں نہیں... کیوں نہیں۔" ڈاکٹر ہومند نے کہا اور خفیہ دروازہ کھول کر شہزاد کو اندر جانے کا اشارا کیا۔

شہزاد نے کمرے میں قدم رکھا تو ایک لمحے کے لیے اُسے اپنی کھوپڑی گھومتی ہوئی محسوس ہوئی۔ ڈاکٹر بیانکی مرنے سے پہلے حشیش سے بھرا ہوا پائپ پی رہا تھا اور کمرے میں ابھی تک حشیش کی بدبو پھیلی ہوئی تھی۔ خود بیانکی کمرے کے درمیان چت پڑا تھا اور اس کی آنکھیں چھت کو یوں گھور رہی تھیں جیسے وہ بالا بالا کی طرف جاتی ہوئی اپنی روح کو گھور رہی ہوں۔ اس کا جسم سرخ سرخ خون کے تالاب میں پڑا تھا اور یوں محسوس ہو رہا تھا،

ے بیانکی اپنے ہی خون میں تیر رہا ہو۔

وہ بے لباس تھا اور شہزاد نے پہلی ہی نگاہ میں دیکھ لیا کہ ڈاکٹر بیانکی کے جسم کا ایک حصہ کٹ چکا ہے اور وہاں سے خون بے پناہ اخراج کے باعث اس کی موت واقع ہوئی ہے۔

شہزاد چند لمحوں تک لاش کو گھورتا رہا اور سوچتا رہا کہ اس راز میں صرف وہی قتل کر سکتا ہے جس پر ڈاکٹر بیانکی کو بے پناہ اعتماد رہا ہوگا اور ایسی ہستی کوئی عورت یا لڑکی ہی ہو سکتی ہے۔ سوچتے ہوئے شہزاد کے ذہن میں وہ تمام تصویریں گھوم گئیں جن میں اس نے ڈاکٹر بیانکی کو قابل اعتراض حالت میں دیکھا تھا اور ان کے ساتھ تھی... شہزاد کے ذہن میں وہ حسین لڑکی بھی گھوم گئی جسے اس نے ہر تصویر میں نمایاں طور پر دیکھا تھا۔

ڈاکٹر سیماب کے ساتھ نشاط کی گتھی (؟) گزارنے کا خیال اب بھی اس کے ذہن میں موجود تھا اور انجانی خوہشات مچل مچل کر اس کے دل کو گناہ گار دھڑکنوں سے آشنا کر رہی تھیں لیکن وہ اچانک جس صورت حال سے دوچار ہو گیا اس کے پیش نظر یہ سب کچھ بے سود ہو کر رہ گیا تھا۔

اچانک اس کی نگاہ کونے میں رکھے ہوئے ٹیلی فون کی طرف گئی تو بے ساختہ اس کے دل میں یہ خواہش پیدا ہو گئی کہ وہ کم از کم ڈاکٹر سیماب کو ٹیلی فون پر اطلاع دے کر ملاقات کو آئندہ شب کے لیے تو ملتوی کر ہی سکتا ہے۔

وہ تیزی سے فون کی طرف بڑھا اور ریسیور اٹھا کر جلدی جلدی سیماب کا نمبر ڈائل کرنے لگا۔

دوسری طرف گھنٹی بجتی رہی... اور دیر تک بجتی ہی رہی لیکن سیماب کی سُریلی آواز سنائی نہیں دی۔

شہزاد الجھن میں پڑ گیا۔

ڈاکٹر سیماب کو اس وقت ہر حال میں اپنے گھر ہونا چاہیے تھا لیکن وہ شاید کسی دوسرے کمرے میں تھی۔ جس کی وجہ سے فون کی گھنٹی نہ سن سکی ہو گی۔ اس خیال کے تحت وہ دیر تک منتظر رہا بالآخر اس نتیجے پر پہنچا کہ ڈاکٹر سیماب گھر میں موجود نہیں ہے۔

اسے حیرت ہو رہی تھی کہ ایک ایسی لڑکی جو اپنی زندگی کا زیادہ تر وقت گھر کی چار دیواری تک محدود رہ کر گزارنے کی عادی ہے۔ وہ رات کے اس پہر آخر کہاں چلی گئی؟

کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ بھی ڈاکٹر بیانکی کی طرح ایسے ہی بھیانک انجام سے دوچار ہو گئی ہو؟ اس نے ریسیور رکھ دیا اور ریسیور رکھتے ہی اس کے ذہن میں اپنی کل والی حرکت کا منظر گھوم گیا۔ جب اس نے ریسیور کو کھڑکی ہتھیلی کے وار سے دو حصوں میں توڑ کر پھینک دیا تھا۔

"کیا ڈاکٹر سیماب کے ٹیلی فون کی آج مرمت ہو گئی تھی؟" اس نے ڈاکٹر ہومند کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

ڈاکٹر ہومند اسے گہری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ انداز مشاہدہ کرنے جیسا تھا۔ پھر اس نے سر کو اثبات میں ہلاتے ہوئے جواب دیا۔ "یہاں آنے سے کچھ دیر پہلے میں نے اسے بھی فون کیا تھا تو اس وقت اس نے کال ریسیو کی تھی۔ اس سے تو یہی مطلب نکلتا ہے کہ اس کا فون ٹھیک تھا۔ کیا تم ڈاکٹر سیماب سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کر رہے تھے؟"

"ہاں۔ دراصل ہمارے درمیان آج رات ملاقات کا وقت طے تھا اس لیے میں نے سوچا کہ کیوں نہ اسے فون کر کے معذرت کر لوں۔"

"ملاقات...!" ڈاکٹر ہومند بڑبڑایا۔ "لیکن ڈاکٹر سیماب تو کسی سے ملنا جلنا پسند نہیں کرتی۔ میرا خیال ہے کہ تھنکر زفورم کے سارے ہی ڈاکٹر اس سلسلے میں قسمت آزمائی کر کے تھک ہار چکے ہوں گے آخر تم سے ملاقات کا وقت طے کرنے کی اسے کیا ضرورت تھی؟"

"آپ شاید یہ بھول رہے ہیں کہ میں یہاں ہر انسانی جان کے تحفظ کے لیے بھیجا گیا ہوں۔" شہزاد نے اسے یاد دلاتے ہوئے کہا۔

"تمہارے تحفظ کا ایک نمونہ تو اس وقت سامنے ہی پڑا ہے۔" ڈاکٹر ہومند نے بیانکی کی لاش کی طرف اشارا کرتے ہوئے کہا۔

"اس سلسلے میں آپ مجھے مورد الزام ٹھہرانے میں حق بجانب ہوتے لیکن طریقہ میری ابتدائی تحقیقاتی بات چیت کو فضول اور معقولات سمجھ کر ٹالا نہ گیا ہوتا۔ میں پہلے ہی دن سے تحفظ کا شور مچا رہا ہوں لیکن آپ لوگوں کو کسی تحفظ کی ضرورت ہی نہیں تھی۔" شہزاد کا لہجہ بے حد تلخ ہو گیا لیکن اس نے جلد ہی خود پر قابو پا لیا اور دھیمی سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر بکھر گئی۔ "میرا خیال ہے ہمیں اس کمرے سے نکل کر کہیں اور چلنا چاہیے تاکہ اطمینان سے بات چیت کی جا سکے۔"

وہ باہر آگئے اور باتیں کرتے ہوئے ایک طرف چل دیے۔

راستے میں شہزاد ٹائیگر نے ڈاکٹر سیماب کے گھر کی طرف دیکھا لیکن وہ اندازہ نہ لگا سکا کہ وہ حسین لڑکی اس وقت گھر میں موجود ہے یا نہیں۔ اس نے سوچا کہ سیماب کے سلسلے میں وہ بعد میں بھی معلوم تو کر ہی سکتا ہے۔

وہ اسی طرح چلتے ہوئے بازار میں نکل آئے۔

یہ علاقہ سٹر کہلاتا تھا۔ ویسے بھی اس حصے کو تھنکر زفورم کی مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ شہزاد زیادہ تر فورم کے سلسلے میں سوال

کر رہا تھا اور اس کی کوشش تھی کہ وہ ڈاکٹر ہوشمند سے ہر ممکن بات معلوم کرے۔

"اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟" ہوشمند نے سوال کیا۔

"سب کچھ مجھ پر چھوڑ دیں۔"

"کیا تھنکرز فورم کا تحقیقی کام بھی؟" ہوشمند کے لہجے میں حیرت تھی۔

"جی نہیں..." شہزاد نے بمشکل ایک بے ساختہ قہقہے کو دباتے ہوئے جواب دیا۔ "میرا اشارا قتل کی اس واردات کی طرف تھا۔"

"میں جانتا ہوں کہ تم اس معاملے کو سنبھال لو گے۔" ڈاکٹر ہوشمند نے اس کے کندھے پر شفقت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا "ویسے میرا مشورہ ہے کہ تم اس معاملے سے اب پولیس کو مطلع کر ہی ڈالو..."

"میں دیکھتا ہوں... ویسے پولیس... اوہ۔" شہزاد جملہ ادھورا ہی چھوڑ کر ڈاکٹر ہوشمند کی طرف متوجہ ہو گیا جو اس کے ساتھ چلتے چلتے اچانک ہی بے ہوش ہو کر فٹ پاتھ پر گر گیا تھا۔

اس وقت وہ ایک ٹیلی فون بوتھ کے سامنے تھے۔

شہزاد نے جھک کر ڈاکٹر ہوشمند کا پائپ اس کے منہ سے نکال لیا جو اس انداز میں اٹکا تھا کہ ڈاکٹر کے بالوں کو آسانی سے آگ لگ سکتی تھی۔

اچانک ایک کار ان کے قریب آ کر رک گئی۔

ڈرائیونگ سیٹ پر موجود ہستی نے مدد کی پیش کش کی۔

شہزاد نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ یہ جناحتی... اس کے بال سنہرے تھے اور اس کا چہرہ بے پناہ درشتی لیکن مردانہ ہوتی تھی۔ اس کی آنکھوں سے بھی سختی کا احساس ہوتا تھا۔ اس کی آنکھوں میں بے پناہ چمک تھی... یہ ڈاکٹر نوریان کی بیٹی تھی۔

شہزاد نے ہاتھ لہرا کر اسے چلی جانے کا اشارا کیا۔ اسے یہ لڑکی قطعاً پسند نہیں تھی۔ اس نے محسوس کیا کہ لڑکی نے اس کے انداز سے بے حد توہین محسوس کی ہے۔ اس نے انجن اسٹارٹ کیا اور اگلے ہی لمحے اس کی کار طوفانی رفتار سے آگے بڑھ گئی۔

گزشتہ دنوں ہنگامی صورتِ حال کے تحت اس کے چیف بہرام نے اسے ایک خصوصی نمبر دے دیا تھا۔ اس نمبر پر شہزاد اس سے جب جی چاہتا رابطہ قائم کر سکتا تھا۔ اس نے ایک بار گہری نظر سے ڈاکٹر ہوشمند کی طرف دیکھا۔

وہ اب بھی بے ہوش پڑا تھا۔

شہزاد نے سوچا کہ وہ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر کم از کم

بہرام سے فون پر بات تو کر ہی سکتا ہے۔ اس نے اسے فٹ پاتھ پر چھوڑا اور خود ٹیلی فون بوتھ میں گھس کر بہرام سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

فوراً ہی دوسری طرف سے بہرام کی آواز سنائی دی۔

"کیا بات ہے، ٹائیگر؟" بہرام کا لہجہ خاصا برہم تھا۔

شہزاد نے جواباً اسے اب تک کی تمام روداد سنا دی...

پھر مسکرا کر بولا۔ "ڈاکٹر سیماب مجھے اچھی لگنے لگی ہے، باس۔"

"اس سے دور رہنا۔" بہرام غرایا۔

"اوہ... کیا وہ آپ کی منظورِ نظر ہے؟"

"بکواس مت کرو۔ وہ ہماری ایجنٹ ہے... اور وہ موجودہ حال کی رپورٹ تم سے پہلے ہی دے چکی ہے۔ اس سے دور رہنا ٹائیگر... وہ اس معاملے میں ہماری مدد کر رہی ہے۔ وہ اب تک کئی کارآمد باتیں بتا چکی ہے۔"

"کیا اس فوٹو گرافر کے بارے میں بھی جس نے وہ قابلِ اعتراض تصویریں اتاری تھیں؟"

"ہنوز۔" بہرام نے یکایک کہا۔ "اب ہم اس معاملے سے ہاتھ کھینچ رہے ہیں۔ اس لیے تم وہاں سے ہٹ جاؤ۔ تم معمول کے مطابق اپنی زندگی گزارنا شروع کر دو۔ ہم خود ہی تم سے رابطہ قائم کر لیں گے۔"

شہزاد نے جھلا کر ریسیور کو ہک میں ڈال دیا۔

ڈاکٹر سیماب کے سلسلے میں بہرام نے جو انکشاف کیا تھا، اس کی وجہ سے شہزاد کا موڈ زیادہ خراب ہو گیا تھا... لیکن اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ اس لڑکی سے ضرور ملے گا۔ آخر اس نے کیا سمجھ کر اسے احمق بنانے کی کوشش کی تھی؟

وہ ڈاکٹر ہوشمند کے قریب آیا تو اس کے پپوٹے پھڑپھڑا رہے تھے اور وہ ہوش میں آ رہا تھا۔

جلد ہی وہ اٹھ بیٹھا۔

اتفاق سے اس وقت تک اس طرف سے کسی کا گزر نہیں ہوا تھا۔ ورنہ وہاں اچھا خاصا ہجوم ہو جاتا۔ ڈاکٹر ہوشمند نے ہوش میں آتے ہی اس سے سوال کیا۔ "تم کیسے ہو، بیٹے؟"

"ٹھیک ہوں... پولیس کو فون نہیں کر سکا۔"

"میں تمہاری دشواری کو سمجھتا ہوں۔ سیکورٹی آفیسر کی ڈیوٹی واقعی بڑی سخت ہوتی ہے۔"

"لیکن میرا خیال ہے کہ میں شاید اب کام جاری نہ رکھ سکوں۔"

"کیوں... کیوں؟" ڈاکٹر ہوشمند نے حیرت سے کہا۔ "تم ایسا نہیں کر سکتے۔ مجھے تمہاری ضرورت ہے۔ میں پولیس کو خود فون کر دیتا ہوں اور سارا معاملہ سنبھال لوں گا۔ تمہیں کسی دشواری میں نہیں پڑنا پڑے گا۔"

شہزاد نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

ڈاکٹر ہوشمند کپڑے جھاڑتا ہوا ٹیلی فون بوتھ کی طرف بڑھ گیا اور شہزاد چپکے سے آگے بڑھ گیا۔ وہ جلد از جلد اس ٹیلی فون بوتھ سے دور پہنچ جانا چاہتا تھا۔

ڈاکٹر نوریان نے نیگیٹو نکالے اور انہیں غور سے دیکھنے لگا۔

☆☆

اس سے پہلے جو تصاویر تیار ہوئی تھیں، ان میں روشنی کا نظام زیادہ درست تھا۔ اس لیے تصویریں بہتر آئی تھیں۔ جب کہ ان تصویروں میں ہلکی سی دھندلاہٹ تھی... لیکن اس سے تصویروں کے مقصد پر کوئی حرف نہیں آ سکتا تھا۔ اس لیے ڈاکٹر نوریان نے طمانیت کی ایک طویل سانس لی۔ کیونکہ بہرحال اس کے سامنے تصویر کا ایک مکمل سیٹ موجود تھا۔

ان تصویروں کو دیکھنے کے بعد اس نے پائپ جلایا اور دھیرے دھیرے اس کے کش لیتا ہوا خیالوں کی گہرائی میں کھو گیا۔

وہ گزشتہ کئی مہینے سے تھنکرز فورم میں تھا اور اب تک کئی سائنس دانوں کی، اس انداز میں تصویریں اتار چکا تھا۔

اس نے تصویریں ایک لفافے میں ڈال دیں۔

اس کے ہونٹوں پر سفاک مسکراہٹ رقص کرنے لگی۔

یہ تصویریں بے حد قیمتی تھیں۔ ان تصویروں کی مدد سے وہ تھنکرز فورم کے سائنس دانوں کو بلیک میل کرنے کا ایک پروگرام ترتیب دے چکا تھا۔ ایک بار جس کسی کی تصویریں اس کے پاس پہنچ جاتی تھیں، گویا وہ شخص اس کی مٹھی میں آ جاتا تھا۔

وہ طمانیت سے مسکرا دیا کہ جزیرۂ فردوس کے وہ سائنس دان گویا اس کی غلامی میں آ گئے ہیں جن کو دنیا کی کوئی طاقت کسی طرح بھی خرید نہیں سکتی تھی۔ ان تصویروں کے بے نقاب ہونے کا خوف ان تمام سائنس دانوں کو اس کے ہاتھوں میں کٹھ پتلیوں کی طرح ناچنے پر مجبور کر سکتا تھا۔

اس کا منصوبہ بے داغ تھا۔

وہ بڑی کامیابی سے منزلِ مقصود کی طرف بڑھ رہا تھا...

لیکن تھنکرز فورم میں نئے سیکورٹی ڈائریکٹر کی آمد سے اس کے کام میں فرق پڑنے لگا تھا... لیکن اس کا کام قریب الختم تھا۔ ڈاکٹر نوریان نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔ اسے افسوس ہو رہا تھا کہ اب اس کے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ وہ شہزاد کو عبرتناک سبق دے سکتا... لیکن پھر بھی وہ اس کے خلاف کچھ نہ کچھ کرنے کے لیے بے چین ضرور تھا۔

☆

شہزاد رک گیا۔

اس نے اطلاعی گھنٹی بجائی۔ دروازہ کھٹ کھٹایا لیکن ڈاکٹر سیماب نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ گھر میں موجود نہیں ہے... لیکن گھر کا دروازہ مقفل نہیں تھا۔ دستک دینے پر دروازہ تھوڑا سا خود بخود ہی کھل گیا۔

وہ چند لمحوں تک سوچتا رہا... پھر دروازہ کھول کر اندر آ گیا۔

اس نے پورے کاٹیج میں گھوم پھر کر سیماب کو تلاش کیا۔ اسے آوازیں دیں... لیکن کوئی جواب نہ ملا۔ وہ مایوس ہو کر واپس کمرۂ نشست میں آ گیا۔ ابھی وہ مایوس ہو کر واپسی کا ارادہ ہی کر رہا تھا کہ اچانک اس کی نگاہ ایک بند لفافے پر پڑی۔

یہ لفافہ میز پر رکھا ہوا تھا۔ اور اس پر شہزاد کا نام لکھا ہوا تھا۔ شہزاد نے بے قراری سے لفافہ اٹھایا اور اس کی انگلیوں نے بے چینی سے اسے چاک کر ڈالا۔ اندر سے اس کے نام ایک مختصر سا خط نکلا۔

"شہزاد...

تم سے ملاقات ہوئی تو میں نے سرگوشی سے اپنی عقیدت کا اظہار کیا تھا... لیکن اس عقیدت کی اصل وجہ نہیں بتائی تھی۔ وہ وجہ تم سنتے مجھے اپنے طور پر یقین ہو چکا ہے کہ تمہی اس کے وہ شاہکار ہو جسے تیار کرنے کی وہ باتیں کیا کرتا تھا... اور میں نے بچپن ہی سے اس کے شاہکار کو اپنا آئیڈیل بنا لیا تھا۔ مجھے تم سے بے پناہ محبت ہے شہزاد ... بے پناہ محبت... لیکن مصیبت یہ ہے کہ تم سے ملاقات کے بعد مجھ سے کئی ناقابلِ تلافی غلطیاں ہو چکی ہیں اس لیے یہ تحریر شاید اتنی بڑی غلطی ثابت نہ ہو۔ اگر زندگی نے وفا کی تو میں بھی تم سے یقیناً وفا کروں گی... اور اگر تم اپنی زندگی سے وفا کے خواہش مند ہو تو ڈاکٹر نوریان کی طرف سے ہوشیار رہنا۔ اس شخص کو تو گلا کے قصاب کی حیثیت سے خاصی شہرت حاصل ہے... اور وہ تھنکرز فورم میں موجود ہے۔

تمہاری سیماب۔"

اس نے کئی بار اس خط کو پڑھا اور پھر اس کے ایک گوشے کو آگ لگا دی۔ اسے آتش دان میں پھینک کر وہ دیر تک اسے دیکھتا رہا حتیٰ کہ وہ راکھ بن کر چورا نہیں ہو گیا۔ نہ جانے کیوں اسے اچانک ہی بے پناہ تھکن محسوس ہونے لگی تھی۔ اسے اپنے چیف، بہرام کے

وہ الفاظ یاد تھے جو اس نے فون پر کہے تھے۔ اس نے اسے واپس آجانے کا حکم دیا تھا... اور اس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ سیماب وہ کام کر گئی تھی جس کے لیے اسے یہاں بھیجا گیا تھا۔

وہ سیماب کے گھر سے باہر آگیا۔

تھکن ہر گزرتے ہوئے لمحے کے ساتھ بڑھتی ہی جا رہی تھی۔

اچانک اس کی نظر نتھنی سلوٹی پر پڑی۔ وہ گھر کے دروازے میں کھڑی اُسے دیکھ رہی تھی... پھر اس نے اپنا پیارا سا ہاتھ لہرایا اور مسکرانے لگی۔ شہزاد کے ذہن اور جسم پر تھکن کی چٹان اپنا بوجھ مسلسل بڑھا رہی تھی اور اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کے لیے چلنا دوبھر ہو گیا ہو۔

اس نے سوچا کہ کیوں نہ کچھ دیر ڈاکٹر ہوشمند سے باتیں کی جائیں۔ اس طرح ذہن بٹ جائے گا... اور کچھ وقت بھی گزر جائے گا۔

"ڈاکٹر موجود ہیں؟" اس نے بچی کو پیار کرتے ہوئے پوچھا۔

بچی نے سر کو نفی میں ہلا دیا۔

وہ بچی کو اٹھائے کمرۂ نشست میں آگیا اور بیٹھتے ہی بولا۔

"کیا تم اپنے مہمان کو ایک گلاس پانی نہیں پلاؤ گی؟"

بچی خاموشی سے پانی لانے چلی گئی... لیکن وہ جب واپس آئی تو شہزاد صوفے کی پشت گاہ سے لگا ہوا تھا اور اس کی آنکھیں بند تھیں۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ بیٹھتے ہی نیند کی آغوش میں پہنچ گیا ہو۔

اس نے ذہنی طور پر وہی دھن گنگنانا شروع کر دی تھی۔ جس سے اعصاب کو سکون ملتا تھا... نتیجتہً وہ چند لمحوں ہی میں سو گیا تھا۔

جب وہ بیدار ہوا تو سوئی دروازے میں کھڑی پلکیں جھپکا جھپکا کر اُسے دیکھ رہی تھی۔ شہزاد نے ایک طویل انگڑائی لی اور مسکرانے لگا۔ کچھ دیر پہلے کی تھکن کا اُس کے چہرے پر نام و نشان تک نہیں تھا۔

اُس نے گھڑی دیکھی اور بڑبڑایا: "اوہ... بہت دیر ہو گئی۔ ڈاکٹر گھر واپس آگئے ہیں؟"

بچی نے نفی میں سر ہلا دیا۔

معلوم نہیں آج اُس کی ذہنی رَو کس طرف بہک رہی تھی کہ وہ خیالوں میں ڈوبی نظر آرہی تھی... اور اُس نے اب تک زبان سے کچھ بھی نہیں کہا تھا۔ شہزاد نے پیار سے اُس کے گال تھپتھپائے اور پانی پی کر ڈاکٹر ہوشمند کے گھر سے باہر آگیا۔

باہر تاریکی مزید گہری ہو چکی تھی۔ اگرچہ وہ زیادہ دیر نہیں سویا تھا لیکن اب وہ تھکن اور بوریت ختم ہو چکی تھی جس نے اُس پر اچانک ہی حملہ کر دیا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ سڑک کے کنارے چلتا رہا...

اچانک اُسے ایک ایمبولینس دکھائی دی۔

وہ چونک کر رُک گیا۔

دائرے کی شکل میں بنے ہوئے گھروں میں سے ایمبولینس کس گھر سے آئی ہے، اس کا اندازہ لگانا مشکل تھا جانتا تھا کہ اس میں ڈاکٹر بیانکی کی لاش نہیں ہو سکتی کیوں کہ ہوشمند کی کال کے بعد فوراً ہی پولیس پہنچ گئی تھی اور لاش مُردہ خانے پہنچا دیا گیا تھا۔

ایمبولینس اُس کے قریب آکر آہستہ ہو گئی۔

شہزاد رُک گیا۔

ایمبولینس بھی اُس کے قریب رُک گئی۔

"کیا آپ ہی یہاں کے سیکورٹی ڈائریکٹر ہیں، جناب؟" فرنٹ سیٹ پر بیٹھے ایک پولیس افسر نے بڑے ادب سے دریافت کیا۔

"اتفاق سے تمہارا یہ اندازہ بالکل دُرست ہے۔"

"آپ مُردہ خانے تشریف لے چلیے۔"

"کیوں...؟" شہزاد نے کہا۔ "میں اس وقت انتہائی ضروری معاملات میں مصروف ہوں۔ ٹھیک ہے، میں بعد میں آجاؤں گا۔"

پولیس افسر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"کیا سارے ہی سائنس داں نشہ آور ادویات استعمال کرتے ہیں؟" پولیس افسر نے کہا۔ "یہ شاید دُوسری واردات ہے..."

"کیا تم کسی کی لاش لے کر جا رہے ہو؟"

"جی ہاں! یہ ایک جوان لڑکی کی لاش ہے، جس نے حد سے زائد مقدار اپنے جسم میں اُتار لی تھی۔"

"اوہ..." شہزاد کے ہونٹ سکڑنے لگے۔ "کیا میں ایک بار لاش کو یہیں دیکھ سکتا ہوں؟"

"اگر آپ چاہتے ہیں تو مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟ لیکن کیا میں آپ کے کاغذات دیکھ کر اطمینان کر سکتا ہوں کہ آپ..."

شہزاد نے جلدی سے اپنا شناختی کارڈ نکال کر دکھایا۔

پولیس افسر ایمبولینس سے اُتر آیا۔ اُس نے گاڑی کے عقبی حصّے میں پہنچ کر شہزاد سے کہا۔ "پولیس چیف نے حکم دیا تھا کہ آپ مُردہ خانے میں لاش دیکھنے کے بعد اُن سے ملاقات کریں۔ خیال ہے، منشیات ہی مچھر ہے۔"

شہزاد نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"اِس لڑکی کے ساتھ بہت زیادتی ہوئی ہے۔" پولیس افسر کہہ رہا تھا۔ "غالباً یہ منشیات کے استعمال کے بعد کسی درندہ صفت انسان کے ہتھے چڑھ گئی ہو۔ میں نے آبروریزی کی وارداتیں پہلے بھی دیکھی ہیں... لیکن کسی لڑکی کی حالت اتنی خراب کبھی نہیں دیکھی۔"

شہزاد کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔

پولیس افسر نے ایمبولینس کا عقبی دروازہ کھولا اور شہزاد نے دیکھا کہ سامنے ہی اسٹریچر پر سفید چادر میں لپٹا ہوا ایک بے جان جسم موجود ہے۔ نہ جانے کیوں اُس کی دھڑکنیں بے ترتیب ہوتی جا رہی تھیں اور ہر گزرتے ہوئے لمحے کے ساتھ یہ خیال اُس کے ذہن میں آرہا تھا کہ وہ اس لڑکی کو جانتا ہے۔

وہ ایمبولینس پر چڑھ گیا۔

اُس نے سفید چادر میں لپٹی ہوئی لاش کے قریب بیٹھتے ہوئے آہستہ آہستہ ہاتھ چادر کی طرف بڑھایا۔

"ایک منٹ، جناب!" پولیس افسر نے اُسے روک دیا۔

شہزاد نے چونک کر اُس کی طرف دیکھا۔

پولیس افسر نے آگے بڑھ کر لاش کے چہرے پر پھیلے ہوئے چادر کے حصّے کو نہ کرنا شروع کر دیا۔ وہ اُسے تہ کرتا ہوا سینے تک لے آیا اور پھر پیچھے ہٹ گیا۔

شہزاد نے ایک طویل سانس لی۔

اُس کے اعصاب پر یکایک ہی تناؤ سوار ہو گیا تھا لیکن جلد ہی وہ خود کو پُرسکون کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

اُس کے سامنے جو لاش تھی، وہ یقیناً ڈاکٹر سیماب ہی تھی... شہزاد حیران تھا کہ یہ لاش کہاں سے حاصل کی گئی ہے۔ وہ اس وقت سیماب کے گھر سے ہی آرہا تھا کہ ایمبولینس نظر آگئی تھی... اس سے تو یہی ظاہر ہوتا تھا کہ لاش گھر کی بجائے کہیں اور سے حاصل کی گئی ہو گی۔

لاش پر جا بجا خراشیں دیکھ کر اُس نے سوچا کہ یقیناً سیماب کی لاش جھاڑیوں میں پڑی پائی گئی ہے۔ اُس نے پولیس افسر سے اِس سلسلے میں کوئی سوال نہ کیا... بس خاموشی سے لاش کو گھورتا رہا۔

پولیس افسر نے جس انداز میں چادر کو تہ کیا تھا، شہزاد نے اُسی انداز میں بڑی صفائی اور آہستگی سے چادر کو مزید تہ کرنا شروع کر دیا۔ لاش رفتہ رفتہ اُس کے سامنے بے نقاب ہو گئی... تب اُس نے ایک نظر اُسے سر سے پاؤں تک دیکھا اور پھر اُس کی نگاہ لاش کے دائیں ہاتھ پر جم گئی۔

شہزاد نے سیماب کا ہاتھ تھام لیا۔

اُس کا ہاتھ سخت تھا اور بھنچا ہوا نظر آرہا تھا۔ اُس نے یوں اُنگلیوں کو کھولنے کی کوشش کی جیسے وہ محبت سے اُس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لینا چاہتا ہو... اور یوں اُس کے ہاتھ میں وہ چیز منتقل ہو گئی جو غالباً مرنے سے کچھ دیر قبل ڈاکٹر سیماب کے ہاتھ میں تھی... اور پھر موت نے اُسے اتنی مہلت ہی نہیں دی کہ وہ اُس چیز کو چھوڑ دیتی... یا پھر اُس نے دانستہ اس چیز کو مٹھی میں بھینچ لیا ہو گا تاکہ اُس کے قاتل کا سُراغ لگانے والے کو آسانی رہے...

شہزاد نے غیر محسوس انداز میں ہاتھ اپنی جیب میں ڈالا۔

اور جب اُس کا ہاتھ جیب سے باہر آیا تو وہ چیز جیب ہی میں رہ گئی تھی۔ اب تک شہزاد بن لوگوں کی تلاش میں سرگرداں تھا، یہ چیز اُن تک رہنمائی کر سکتی تھی۔

اُس نے نہایت نرمی اور نفاست سے سیماب کی لاش کو دوبارہ چادر سے ڈھانپ دیا اور پھر ایمبولینس سے اُتر کر بے آواز انداز میں دروازہ بھی بند کر دیا۔ اُسے اپنے دل و دماغ میں ایک ایسی لہر سی اُٹھتی محسوس ہو رہی تھی جس کی تسکین لازمی تھی... ورنہ اُسے خدشہ محسوس ہونے لگا کہ کہیں یہ لہر اُسے جلا کر راکھ نہ کر دے۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ڈاکٹر سیماب کا قتل اُسے اِس قدر شدید صدمے میں بھی مبتلا کر سکتا ہے۔

وہ ایمبولینس سے دُور ہٹ گیا۔

پولیس افسر گاڑی میں بیٹھ گیا اور شہزاد دُور تک اُس کی عقبی سُرخ بتیوں کو گھورتا رہا۔ وہ آہستہ آہستہ اُس چیز کو ہاتھ میں پکڑ کر دبا رہا تھا جو اُس نے ڈاکٹر سیماب کے مُردہ ہاتھ سے حاصل کی تھی۔

ڈاکٹر سیماب کی موت کا شہزاد کو بے حد غم تھا۔

شبِ وصال نے آنے سے پہلے ہی شبِ فراق کے اُلجھے ہوئے ریشوں میں خود کو چھپا لیا تھا۔ بار بار اس کی آنکھوں کے سامنے ڈاکٹر سیماب کی حسین صورت گھوم جاتی تھی اور وہ بے اختیار ہو جاتا تھا جب سے اُسے یہ معلوم ہوا تھا کہ اس نازک اندام حسینہ کا تعلق بھی اُسی پُراسرار تنظیم سے ہے جس نے اُسے ایک بالکل ہی... نئی شخصیت بنا کر اپنے ساتھ شامل کر لیا تھا۔ شہزاد کو ڈاکٹر سیماب سے کچھ زیادہ ہی رغبت ہو گئی تھی۔

اس کے چیف بہرام نے حالانکہ اُسے سختی سے منع کر دیا تھا لیکن وہ، اس حسین لڑکی کے شباب کا ایک جام تو ہر حال میں پینے پر مُصر ہو گیا تھا... لیکن دشمن اس کی رسائی سے پہلے ہی شباب کے اُس

جام سے رُوح نکال لے جانے میں کامیاب ہوگیا... اور اس نے خالی جام جیسے بے رُوح جسم کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔

ڈاکٹر سیماب مر چکی تھی اور اب اُسے کوئی زندہ نہیں کر سکتا تھا۔ کوئی سرگوش اُسے ویسی زندگی عطا نہیں کر سکتا تھا جیسی اُس نے شہزاد کو بخشی تھی۔ وہ دُنیا کی نظروں میں مر چکا تھا... لیکن سرگوش نے اُسے مغفرو قسم کی زندگی دے دی تھی، حالانکہ وہ خود اپنے ہی ہاتھوں زندگی سے

شہزاد نے اپنے کمرے میں بے چینی سے ٹہلتے ٹہلتے، جیب میں ہاتھ ڈالا تو چونک پڑا۔ ڈاکٹر سیماب کے خیالوں میں کھو کر وہ اس چیز کو تو بھول ہی گیا تھا جو اس نے لاش کے ہاتھ سے حاصل کی تھی۔

یہ شطرنج کا ایک سیاہ مہرہ تھا۔

شہزاد ٹائیگر کی آنکھوں میں خوفناک چمک پیدا ہوگئی اور اگلے ہی لمحے وہ شطرنج کے مہرے کو دوبارہ جیب میں رکھتا ہوا دروازے کی طرف لپک رہا تھا۔

ڈاکٹر نوریان شطرنج سجائے خاموش بیٹھا تھا۔

اُس کی نگاہ مہروں پر جمی ہوئی تھی۔ بساط پر جو مہرے سجے ہوئے تھے ان کی تعداد اتنی کم تھی کہ صرف ایک ہی چال سے کھیل کا خاتمہ ہو سکتا تھا... اور وہ شاید اسی چال کے بارے میں غور کر رہا تھا۔

ڈاکٹر نوریان کا نظریہ تھا کہ شطرنج، انسانی ذہن کو جلا بخشنے والی ایک ایسی تفریح ہے جسے دماغی ٹانک کہنا چاہیے۔ اس نے اپنا جیکٹ اُتار رکھا تھا اور وہ سلیپر پہن رکھے تھے جنہیں جوتا سونے سے پہلے استعمال کرتا، اس کی عادت تھی۔ دن بھر کے کام سے فارغ ہو کر وہ تھکن اُتارنے اور ذہن کو تروتازہ کرنے کے لیے شطرنج کی ایک بازی ضرور لگاتا تھا، چاہے کھیل کے لیے اسے کوئی ساتھی ملے یا نہ ملے...

وہ اس ڈاکٹر خاتون کے بارے میں بھی سوچ رہا تھا جس کے متعلق اُسے وہم و گمان بھی نہ تھا کہ وہ کسی سرکاری تنظیم سے تعلق رکھتی ہوگی۔ اُس کے دل میں ڈاکٹر سیماب کے لیے ہمدردی کا جذبہ نہیں تھا لیکن اُسے معمولی انداز میں ٹھکانے لگانا، اُسے زیادہ پسند نہیں آیا تھا۔ بہرحال، اب وہ مر چکی تھی۔

... اور ڈاکٹر نوریان کو معلوم تھا کہ ڈاکٹر سیماب کو راستے سے ہٹاتے ہی اس کی جگہ کوئی اور لے لے گا۔ اُسے اس بات کی کوئی پروا نہیں تھی کیونکہ اس کا کام قریب الختم تھا اور وہ سوچ رہا تھا کہ جب تک ڈاکٹر سیماب کی جگہ کوئی اور ایجنٹ آئے گا، وہ اس ملک سے نکل چکا ہوگا۔

اُس نے تھنکرز فورم میں کام کرنے والے جزیرۂ فردوس کے جن افلاد مانخ کے افراد کی تصویریں حاصل کی تھیں، اُن کی مدد سے وہ ملک، تھنکرز فورم پر اپنے پنجے گاڑنے میں کامیاب ہو سکتا تھا... جزیرۂ فردوس کی حکومت کا ہر قیمتی راز مُٹھی مانگے داموں خریدنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔

... اور یہی ڈاکٹر نوریان کا مشن بھی تھا۔

اس نے تھنکرز فورم کے سائنس دانوں کو ہر طرح سے جکڑ لیا تھا اور اس دستاویز کو فروخت کر کے، وہ لاکھوں کما سکتا تھا۔ اگر اس نے ان افلاد مانخ افراد کو جس انداز میں بے بس کرنے کی چال چلی تھی، وہ کوئی مناسب اور اخلاقی اعتبار سے صحت مند طریقہ نہیں تھا لیکن ڈاکٹر نوریان ایک بوڑھا آدمی تھا اور اس کے نزدیک، اخلاقی طور پر صحت مند اور مناسب طریقے صرف جوانوں ہی کو آزمانا چاہئیں، بوڑھوں کو تو بس کسی نہ کسی طریقے سے کام نکالنے سے مطلب ہونا چاہیے...

اُس نے شطرنج کی بساط کی طرف دیکھا۔

وہاں صرف ایک کالا شاہ نظر آ رہا تھا اور اس شاہ کے مقابلے میں سفید شاہ، وزیر، رُخ اور دو گھوڑے موجود تھے۔ ڈاکٹر نوریان کے ذہن میں ایک بار پھر سیماب کا پیکر اُتر آیا۔ وہ کافی دیر قبل اسی کے ساتھ بیٹھا شطرنج کھیل رہا تھا اور یہ ادھوری بازی، اُسی وقت سے باقی تھی... اُسے یاد آیا کہ اُس نے مُسکرا کر سیماب سے کہا تھا۔ "اب تمہارے پاس کوئی راستہ نہیں رہا... تم بازی ہار گئی ہو ڈاکٹر سیماب!"

اس وقت تک ڈاکٹر سیماب کے جسم میں نشے کی لہروں نے اپنے اثر کا دائرہ کافی حد تک وسیع کر لیا تھا اور اس کی سیاہ پلکیں آہستہ آہستہ جھک کر بند ہونے کے قریب پہنچ گئی تھیں۔ اس کے باوجود سیماب نے اُس کی بات کا جواب دیا تھا۔

"ہو سکتا ہے... لیکن ڈاکٹر نوریان! میں بازی ہارنے کے باوجود جیت جاؤں گی۔"

ڈاکٹر سیماب کا یہ جملہ، اُس کے ذہن میں گونج گیا تو وہ کھلکھلا کر ہنس پڑا... احمق لڑکی خود کو کس قدر ذہین سمجھ رہی تھی۔ اس کے پاس نہ تو شطرنج جیتنے کا کوئی راستہ تھا اور نہ ہی وہ زندگی کی بازی جیت سکتی تھی... اور پھر وہ دونوں بازیاں بیک وقت ہار گئی۔

ڈاکٹر نوریان نے ایک طویل انگڑائی لی اور سوچا کہ سونے سے پہلے تنہا ہی ایک بازی لگا لے۔ اس ارادے سے وہ اپنی بساط کی طرف ہاتھ بڑھا ہی رہا تھا کہ اچانک اُسے ٹھٹک جانا پڑا۔

اس کے کمرے کا دروازہ ایک دھماکے سے کھل گیا تھا۔

وہ چونک کر دروازے کی طرف دیکھنے لگا۔

دروازے میں تھنکرز فورم کا وہی نیا سیکیورٹی افسر کھڑا اُسے گھور رہا تھا۔ اس نے کواڑ اتنی شدت سے دھکا مار کر کھولے... کہ دونوں پٹ کافی زور سے دیوار کے ساتھ ٹکرائے تھے اور کمرے میں ایسی آوازیں پیدا ہوئی تھیں جیسے بیک وقت دو ریوالور گرج اُٹھے ہوں۔

ڈاکٹر نوریان کی بھنویں تن گئیں۔

کسی کے ہاں داخل ہونے کا یہ انداز اُسے قطعی پسند نہ تھا... لیکن وہ شہزاد پہلوگام کا حلیہ اور اس کے کپڑوں کی حالت دیکھ کر چونک پڑا... لمحے بھر کو یوں محسوس ہوا جیسے یہ سیکیورٹی افسر کسی بھٹی سے نکل کر آیا ہو۔ وہ دہکتا ہوا نظر آ رہا تھا۔

اس کے رُخسار تمتما رہے تھے۔

سانس دھونکنی کی طرح چل رہی تھی۔

... اور آنکھیں سُرخ ہو رہی تھیں۔

"ہیلو... ڈاکٹر نوریان!" شہزاد بولا تو اس کی آواز اور لہجہ ظاہری حالت کے مقابلے میں بے حد نرم اور اپنائیت سے بھرپور تھا۔ وہ، اس کی آواز تو لگتی ہی نہیں تھی۔

ڈاکٹر نے سوالیہ نگاہ سے اس کی طرف دیکھا۔

"میں نے سر جاکر سونے سے پہلے، آپ کے ساتھ شطرنج کی ایک بازی ہی کھیلتا چلوں۔" شہزاد نے کہا اور اس کے ہونٹوں کا تناؤ ختم ہو کر مسکراہٹ میں ڈھل گیا۔ کتنی میٹھی اور سحر انگیز مسکراہٹ تھی۔

ڈاکٹر کے تیور قدرے ڈھیلے پڑ گئے۔

"میرا خیال ہے، اب رات کافی ہو گئی ہے۔" اس نے کہا۔

"لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ تنہائی بازی کے لیے مہرے ترتیب دینے کا ارادہ کر رہے تھے۔" شہزاد نے [illegible]

ڈاکٹر نوریان نے جلدی سے ہاتھ کھینچ لیا۔ دروازہ کھلنے کا دھماکا سُننے کے بعد اس کا ہاتھ جس انداز میں تھا، وہیں ساکت رہ گیا تھا... اب کوئی فائدہ نہیں تھا۔ اس کا ارادہ بے نقاب ہو چکا تھا۔

شہزاد آگے آگیا۔ اس نے عقب میں دروازہ بند کر دیا تھا۔ اس بار شہزاد کے انداز میں وہ جارحیت نہیں تھی جس کا مظاہرہ اس نے دروازہ کھولتے وقت کیا تھا۔

"تم کیا چاہتے ہو؟" نوریان اس کے اس انداز میں اندر آنے پر برہم ہو گیا۔ "رات کے اس پہر شطرنج کھیلنے کا کون سا موقع ہے... کچھ تمہاری حالت پاگلوں جیسی ہو رہی ہے۔ تمہیں اس انداز میں میرے گھر میں داخل نہیں ہونا چاہیے تھا۔"

"اندر آنے کا انداز چاہے کچھ بھی ہو، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اندر آنے والا اندر آ جاتا ہے۔" شہزاد نے فلسفیانہ انداز میں کہا۔

"کیا تم نشے میں ہو؟ سیکیورٹی افسر؟"

"نہیں صرف ایک بازی کی پیاس محسوس کر رہا ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔" ڈاکٹر نوریان نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "اگر تم بضد ہو تو آؤ، ایک بازی کھیل ہی لیتے ہیں۔ اپنا جیکٹ اُتار کر اِدھر دیوار پر ٹانگ دو اور اطمینان سے بیٹھ جاؤ۔"

شہزاد نے اپنا جیکٹ اُتار دیا۔

کمرے کے وسط میں ایک آٹھنی اسٹینڈ تھا جس پر شطرنج کی بساط بچھی ہوئی تھی۔ اس اسٹینڈ کے قریب، آمنے سامنے شاہ بلوط کی دو کرسیاں تھیں جن سے دو مختصر میزیں جڑی ہوئی تھیں۔ ان کرسیوں کی ہتھیاں مضبوط اور قدرے کشادہ نظر آ رہی تھیں۔

"بیٹھ جاؤ، مسٹر پہلوگام!" ڈاکٹر نے ایک کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ خود وہ دوسری کرسی پر براجمان تھا۔ "میں مہروں کو بساط پر رکھتا ہوں تاکہ بازی..."

"نہیں..." شہزاد نے جلدی سے ہاتھ اُٹھا کر کہا۔ "میرے جس حالت میں اور جتنی تعداد میں ہیں، انہی سے بازی کو آگے بڑھایا جائے تو لطف آئے گا۔"

ڈاکٹر نوریان کی آنکھوں سے حیرت جھلکنے لگی۔

"تم کون سے مہرے لو گے؟"

"میرا خیال ہے کہ سیاہ مہرے ٹھیک ہیں۔"

نوریان نے بورڈ کی طرف دیکھا۔ وہاں صرف ایک کالے رنگ کا مہرہ موجود تھا جب کہ اس کے مقابلے میں سفید مہرے تعداد میں کئی تھے۔

"تم صرف ایک شاہ سے بازی نہیں جیت سکتے۔" نوریان نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

شہزاد نے اپنی قمیص کی جیب میں ہاتھ ڈالا اور ایک سیاہ مہرہ نکال کر بساط پر رکھ دیا۔ یہ وہی مہرہ تھا جو اُس نے ڈاکٹر سیماب کے مُردہ ہاتھ سے نکالا تھا۔

یہ ایک سیاہ رنگ کا وزیر تھا۔

"میرے پاس ایک وزیر موجود ہے۔" شہزاد نے خوش دلی سے کہا۔ "میرا خیال ہے، شاہ کی مدد کے لیے یہ ایک مہرہ ہی کافی ثابت ہو سکتا ہے۔"

ڈاکٹر نوریان کی پیشانی پر سلوٹیں نمودار ہو گئیں۔

شہزاد نے سیاہ وزیر کو بساط پر رکھنے کے بعد دایاں ہاتھ بلوط کی کرسی کی ہتھی پر رکھا تو دل ہی دل میں ایک بات محسوس کر کے رہ گیا۔ اس کرسی کی ہتھیاں کسی دھات کی بنی ہوئی تھیں اور اس

وقت خاصی ٹھنڈی لگ رہی تھیں۔ اس کا اپنا جسم جیسے آگ میں جل رہا تھا۔ چند ہی لمحوں میں دھات کی بنی ہوئی ہتھنی کی ٹھنڈک ختم ہوگئی۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر کالے رنگ کے شاہ کو بساط سے اُٹھا لیا اور اسی دوران کرسی کی اُسی ہتھنی کو کن انکھیوں سے دیکھا ایسا جس پر اُس نے ہاتھ رکھا تھا اور اسے ٹھنڈک محسوس ہوئی تھی۔

پہلے تو اس نے یہ سمجھا تھا کہ پوری ہتھنی ہی دھات کی بنی ہوئی ہے لیکن اس کی طرف دیکھنے کے بعد پتہ چلا کہ کلائی اور کہنی کھنے والے حصے میں دھات کا ایک گول دائرہ بنا ہوا ہے۔

اس دھاتی دائرے میں چار باریک باریک سوراخ تھے۔

شہزاد نے محسوس کر لیا کہ ان باریک سوراخوں کے نیچے چار سوئیاں پوشیدہ ہیں۔ گویا یہ ایک انجکشن تھا جو کسی میکنزم کے تحت کام کرتا تھا... اور اس انجکشن میں بے ہوشی کی دوا کے علاوہ خطرناک قسم کا زہر تک استعمال کیا جاتا ہوگا۔

اس نے اپنے مہرے کو اُلٹ پلٹ کر دیکھتے ہوئے واپس اُسی خانے میں رکھ دیا، جس میں وہ پہلے سے رکھا ہوا تھا۔

ڈاکٹر نوریان کے چہرے سے یکایک بشاشت ٹپکنے لگی تھی اور یوں محسوس ہونے لگا تھا جیسے وہ شطرنج کے لیے رات کے اس پہر ایک ساتھی کو سامنے پا کر بے خود ہوا جا رہا ہو۔

وہ بساط کی طرف ہی متوجہ تھا۔

"کس قدر عجیب انجام ہے۔" نوریان نے مسکرا کر کہا اور جملہ ختم کرتے کرتے اس کی مسکراہٹ بھی ختم ہوگئی۔ "کیا تم، میگورا قوم کے انجام سے واقف ہو؟ سُنا ہے پہلگام؟ اُن کا انجام ہوا تھا تو صورتِ حال کچھ ایسی ہی تھی۔ ایک ... وحشیوں کے مقابلے میں کئی مہرے..."

شہزاد کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔

... لیکن ڈاکٹر نوریان کی اس بات پر اس کا بے اختیار یہ جی چاہا تھا کہ ہاتھ بڑھا کر اس نیمبٹ بوڑھے کا ٹینٹوا انگلیوں میں جکڑ لے... اور پھر کسی مکھی کی طرح مسل کر رکھ دے۔ اس خواہش پر اُس نے فوراً قابو پا لیا کیونکہ اُسے خیال آگیا تھا کہ ڈاکٹر نوریان کی طرف...

خصوصی توجہ کی وجہ سے اس نے اپنا بازو کرسی کی ہتھنی پر رکھ دیا تھا اور دھاتی دائرے کے سوراخ، اُسے ایک بار پھر ٹھنڈا ہونے پر تلے ہوئے تھے۔

اُس نے اس انداز میں بازو کو ہٹا لیا کہ ڈاکٹر نوریان کو ذرا سا بھی شبہ نہ ہو سکا۔ وہ ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا کہ اس خطرناک انجکشن کی موجودگی سے آگاہ ہو چکا ہے۔

ڈاکٹر نوریان کو تاریخ سے شاید کچھ زیادہ ہی دلچسپی تھی۔ اُس نے میگورا قوم کی شکست کے بارے میں ایک طویل گفتگو کا آغاز کر دیا تھا... اور شہزاد ٹائیگر اس وقت یہ سوچ رہا تھا کہ وہ جس کرسی پر ہے، کافی دیر پہلے اسی کرسی پر ڈاکٹر سیماب بیٹھی ہوئی تھی۔

یقیناً ڈاکٹر نے اُسے شطرنج کھیلنے کی دعوت دی ہوگی۔ اسی کرسی پر بیٹھی، دل ہی دل میں ڈاکٹر نوریان سے نفرت محسوس کر رہی ہوگی لیکن اپنے فرض کے ہاتھوں مجبور ہو کر، وہ اس نفرت کو پی گئی تھی... اور پھر وہ بازی ہار گئی۔

شطرنج اور زندگی کی مشترکہ بازی...

زندگی تو خیر اب واپس نہیں آسکتی تھی البتہ شہزاد اُس بازی کو ہاری ہوئی، شطرنج کی بازی کو ہر حال میں جیتنا چاہتا تھا۔

"آپ کی چال ہے، ڈاکٹر!" اُس نے نوریان کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔ "پہلے آپ چلیں گے۔"

ڈاکٹر کے ہونٹوں پر مسکراہٹ، فتح مندی کے احساس سے بھرپور تھی۔ اُس نے بڑی خوش دلی سے سر کو اثبات میں ہلا دیا۔

"پیادہ..." نوریان نے کہا۔ "اگرچہ بساط پر یہ اہمیت کے اعتبار سے کم تر مہرے ہوتے ہیں لیکن اگر انہیں ڈھنگ سے استعمال کیا جائے تو کھیل میں ان سے خطرناک شاید کوئی بھی مہرہ نہیں ہوتا۔"

"جی ہاں... خصوصاً اس وقت جب یہ لامازی قوم کے جنونی پیادے ہوں، جن کا مقابلہ عورتوں اور بچوں سے رہا ہو... صورت میں یہ پیادے واقعی خطرناک ثابت ہوتے ہیں کیونکہ انہیں عورتوں کی عصمت و حرمت اور بچوں کی معصومیت کا ذرا بھی احساس نہیں ہوتا۔"

ڈاکٹر نوریان کے چہرے پر یکایک تناؤ پیدا ہو گیا۔

شہزاد نے اس پر بڑا زوردار حملہ کیا تھا اور ڈاکٹر دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا کر رہ گیا تھا... لیکن اس سے پہلے کہ وہ کوئی جواب دیتا، ایک لڑکی دروازہ کھول کر اندر آگئی۔

ڈاکٹر چونک کر دروازے کی طرف متوجہ ہو گیا۔

شہزاد نے بھی اُدھر دیکھا۔

وہ ایک خوبصورت لڑکی تھی اور شہزاد، اُسے پہلے بھی دیکھ چکا تھا... لیکن آج اس نے پہلی گہری نگاہ لڑکی پر ڈالی تو اُسے اپنے دماغ میں بھونچال سا آتا محسوس ہونے لگا۔ یہ نوریان کی بیٹی حنا تھی۔ لڑکی نے ایک سُرخ اسکرٹ پہن رکھا تھا، اس کے بالائی دھڑ پر ایک سُنہری مکڑ رکھا تھا جس کے نیچے سے لڑکی نے زیرِ جامہ پہننے کی شاید ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ لڑکی نے دروازے سے اندر آتے ہی شہزاد کو چونک کر دیکھا۔

اس کے چونکنے کا انداز بے ساختہ تھا۔

شاید اُسے توقع نہیں تھی کہ اس کے باپ کے ساتھ کوئی اور بھی موجود ہوگا... لگلے ہی لمحے وہ چونکنے کا حیران چہرے اور آنکھوں سے زائل کر کے توجہ سے شہزاد کی طرف دیکھنے لگی۔ اس کے ساتھ ہی اُس نے بالائی لب دانتوں میں دبا لیا تھا۔ شہزاد نے محسوس کیا کہ وہ اپنے اس لب کو آہستہ آہستہ کاٹنے میں مصروف ہو گئی ہے۔ اس کی آنکھوں میں بے پناہ چمک نظر آنے لگی۔

"حنا..." نوریان نے اس لڑکی کی طرف دیکھ کر جلدی سے کہا۔ "اس وقت ہمارے ہاں ایک غیر متوقع مہمان موجود ہے پلیز! اس کی خاطر تواضع کے لیے کوئی بندوبست کرو۔"

شہزاد نے ڈاکٹر نوریان کی بیٹی حنا کی طرف دیکھا۔ اگرچہ دیکھنے کا انداز سرسری تھا لیکن درحقیقت، وہ لڑکی کے دل و دماغ میں مچلتے ہوئے طوفان کی لہریں تک دیکھ رہا تھا۔

حنا کے بال سُنہرے تھے اور اس کے چہرے سے بے پناہ درشتی ٹپکتی محسوس ہوتی تھی۔ وہ ایک پُرکشش لڑکی تھی جس کے جسم کی قیامت خیز ساخت ہی دلوں کو بے تاب کرنے کے لیے کافی تھی... لیکن اس کے چہرے پر جو سفاکی کا تاثر تھا، اُس نے لڑکی کے حُسن کو ماند کر دیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں بلور جیسی چمک تھی۔ شاید اسی لیے پہلی نگاہ میں ان آنکھوں کو دیکھ کر یہ احساس ہوتا تھا جیسے وہ کانچ کی بنی ہوئی ہوں۔

شہزاد، اس لڑکی کو دیکھتے ہی ماضی کے ایک منظر میں کھو گیا۔ ماضی قریب کا منظر... جب وہ ڈاکٹر ہوش مند کے ساتھ... فٹ پاتھ پر چلا جا رہا تھا اور ہوش مند گر کر بے ہوش ہو گیا تھا تب ایک کار قریب آکر رُکی تھی اور ایک لڑکی نے مدد کی پیشکش کی تھی۔

وہ نرس یہی حنا تھی۔

شہزاد کو یاد آگیا کہ اُس نے بڑی رُکھائی سے حنا کی پیش کش کو رد کر دیا تھا۔ اُسے حنا کے چہرے پر پھیلے ہوئے تاثرات... اور آنکھوں میں بھوکی شیرنی جیسی غضبناکی نہیں بھول سکتی تھی۔

... لیکن اب وہی لڑکی، اس کے سامنے کھڑی، اپنا بالائی لب دانتوں میں دبائے، اُسے آہستہ آہستہ کاٹ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں انتقام کا جذبہ نہیں تھا بلکہ انجانے سے جذبے آپس میں گڈمڈ ہوتے محسوس ہو رہے تھے۔

اُس نے ڈاکٹر نوریان کی بات بڑی توجہ سے سُنی تھی لیکن ایک بار بھی اپنے باپ کی طرف نہیں دیکھا تھا... وہ تو پلکیں جھپکائے بغیر شہزاد کو دیکھ رہی تھی۔ نوریان کے حکم پر اُس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"یقیناً پاپا..." اُس نے صرف ایک لمحے کے لیے شہزاد سے نگاہ ہٹا کر نوریان کی طرف دیکھا... اور پھر شہزاد کی طرف متوجہ ہو کر بولی: "آپ کیا پینا پسند کریں گے؟"

"گھر میں اس وقت جو بھی آسانی سے دستیاب ہو، لے آؤ۔" نوریان نے قہقہہ لگا کر کہا۔ "مثال کے طور پر کسی بچے کا پیالہ بھر لہو... سانپ کی کھوپڑی سُنا نائیڈ کا جام..."

حنا چونک پڑی۔

اُس نے اُلجھن سے اپنے باپ کی طرف دیکھا۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے اُسے شبہ ہو گیا ہو کہ کہیں نوریان پاگل تو نہیں ہو گیا...

شہزاد نے بھی پلٹ کر ڈاکٹر نوریان کی طرف دیکھا۔

"دراصل ہمارا یہ مہمان زندہ دل آدمی ہے۔" نوریان نے ہنسی ضبط کرتے ہوئے اپنے پہلے جملے کی وضاحت کی۔ "میں مذاق کر رہا تھا۔ تم جاؤ اور جو کچھ بھی تیار کر سکتی ہو لے آؤ... لیکن بہت جلدی کیونکہ ہم اس وقت پوری بازی نہیں لگا رہے بلکہ ایک اُدھوری بازی ہی مکمل کر رہے ہیں۔"

حنا کے ہونٹوں پر پہلی بار مسکراہٹ اُبھر آئی۔

مسکراتے وقت اس کا بالائی لب دانتوں کی گرفت سے نکل گیا... اور شہزاد دیکھ رہا تھا کہ اس میں دانت گڑ جانے کی وجہ سے خون کی سُرخی جھلک آئی تھی۔

وہ دروازے ہی سے واپس چلی گئی۔

جب وہ کمرے سے نکل گئی اور دروازہ بند ہو گیا تو ڈاکٹر نوریان نے شہزاد کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے پھر وہی موضوع چھیڑ دیا جس پر وہ پہلے بات کر رہے تھے۔

"میرا خیال ہے، تمہیں، لامازیوں سے بہت دلچسپی ہے اور تم، ان کے بارے میں بات چیت کر کے لطف اندوز ہوتے ہو۔"

"دراصل مجھے شروع ہی سے دیومالائی بہت پسند ہے۔"

"لیکن لامازیوں میں تو اب یہ عنصر مفقود ہے۔"

"ہاں..." شہزاد نے تائید میں سر ہلا دیا۔ "دیومالائی کا خاتمہ ہی دراصل اس قوم کی تباہی کا باعث بنا ہے ورنہ آج جزیرہ فردوس کی بجائے لامازی دُنیا میں سب سے آگے ہوتے۔"

"اوہ..." نوریان کی مسکراہٹ دم توڑ گئی۔

"لامازیوں میں سب سے بڑی خامی یہ تھی کہ اُنہوں نے غیر اہم ہدف پر بے پناہ توانائی ضائع کر دی۔ غلط اور غیر ضروری ہدف پر بار بار حملے توانائی کے زیاں کا باعث بنتے ہیں اور یہ کمزور قسم کی دیوانگی

کہلاتی ہے، جب کہ اصل دیوتا کی کسی آتش فشاں کی طرح ہوتی ہے... دیکھنے میں خاموش اور بے حرکت آتش فشاں کے سینے میں نفرت کا کتنا لاوا ہوتا ہے، وہ باہر سے ہرگز نظر نہیں آتا۔ جزیرۂ فردوس کے عوام کی حالت بھی ایک ایسے خاموش آتش فشاں جیسی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس قوم کو مات دینا، لامانیوں کے بس کی بات نہیں رہی..."

"میرا خیال ہے کہ تم کچھ جانب داری سے کام لے رہے ہو..." نوریان نے مُسکرا کر کہا۔ "جو جنگ میں فاتح ہوتا ہے، تاریخ بھی وہی لکھتا ہے... اور کوئی اپنے خلاف نہیں لکھتا۔ اپنی خامیوں کا کوئی بھی تذکرہ نہیں کرتا۔"

شہزاد بظاہر تو پُرسکون بیٹھا تھا لیکن نیم وا آنکھوں سے وہ، نوریان کی ایک ایک حرکت کو دیکھ رہا تھا۔ بات کرتے کرتے اچانک ہی ڈاکٹر نوریان کا ہاتھ اپنی کُرسی کی ہتھی پر پڑا... اور تب اس کی کلائی میں ہلکا سا خم پیدا ہونے لگا۔

شہزاد دیکھ چکا تھا کہ اس کلائی کے نیچے، کُرسی کی ہتھی میں ایک بٹن لگا ہُوا ہے، بالکل ویسا ہی گول بٹن جیسا کہ اس کی ہتھی میں تھا۔

وہ سمجھ گیا کہ نوریان اس بٹن کو دبا کر اُس انجکشن کو حرکت میں لانا چاہتا ہے۔ اس نے ہاتھ کو دوبارہ اُسی ہتھی پر رکھ لیا تھا اور اُسے اپنے بازو پر دھات کی خفیف سی ٹھنڈک بھی محسوس ہو رہی تھی... وہ جانتا تھا کہ جیسے ہی نوریان بٹن دبانے میں کامیاب ہُوا، ننھے ننھے سُوراخوں سے چار سُوئیاں اُسے چُبھ جائیں گی۔ اُس نے بازو کو ہٹانے کی کوشش نہیں کی کیونکہ وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ نوریان کیا کرتا ہے۔

اُسے اچھی طرح یاد تھا کہ اپنے چیف سے بات کرتے ہوئے اُسے کیا احکامات ملے تھے۔ بہرام نے اُسے حکم دیا تھا کہ وہ فوراً اس معاملے سے الگ ہو جائے... غالباً یہ حکم اس لیے دیا گیا تھا کہ ڈاکٹر سیماب، اس معاملے کو بے نقاب کرنے کی منزل تک پہنچ گئی تھی اور بہرام کو یقین تھا کہ وہ حقیقت معلوم کر لے گی۔

وہ یقیناً اس مقصد میں کامیاب ہو جاتی لیکن اُس نے شہزاد سے الگ رہ کر، نوریان کے ہاں رسائی حاصل کی... اور یہیں ماری گئی۔ اگرچہ احکامات کے مطابق شہزاد کو واپس چلے جانا چاہیے تھا لیکن وہ اپنے اس سُن گن کا دُھورا نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔ یُوں بھی اگر ڈاکٹر سیماب کامیاب ہو جاتی تو یہ اُس کے لیے بے حد شرمناک بات ہوتی... لیکن اُسے ایک موقع مِل گیا تھا اور وہ اس موقعے سے بھرپور فائدہ اُٹھانا چاہتا تھا... یہ الگ بات ہے کہ معاملے کی تہ تک پہنچنے کے لیے اُسے حقیقی اشارہ سیماب ہی کی طرف سے مِلا تھا۔

ڈاکٹر نوریان بٹن دبا چکا تھا۔

شہزاد ٹائیگر نے اپنے ذہن کو آزاد چھوڑ دیا اور وہ مشق کر چکا تھا جس کی وجہ سے اس کی نبض کی رفتار نہ ہونے کے برابر ہو جاتی تھی۔ اس طرح پر کہ جسم کا دوران خون ہی تقریباً رُک جاتا تھا۔ اس لیے انجکشن سے نکلنے والی دوا، اس کے جسم میں سرایت نہیں کر سکتی تھی۔

... اس کے ساتھ ہی اس نے اپنا بازو بھی اکڑانا شروع کر دیا تھا جس کا نچلا گوشت اس قدر سخت ہو گیا کہ سُوئیاں اس میں ذرا سی بھی نہیں چُبھ سکتی تھیں۔

وہ بازو کو ہتھی پر رکھے بیٹھا رہا۔

سُوئیاں سُوراخوں سے نکل کر اُس کے بازو سے چُھو رہی تھیں لیکن اُن سے نکلنے والا سیال، جسم میں داخل ہونے کی بجائے بازو سے مَس ہوتا ہُوا بہہ رہا تھا۔

وہ سوچ رہا تھا کہ اس انجکشن میں کس قسم کی دوا ہو گی... محض بے ہوش کرنے والی دوا... یا پھر کوئی مہلک زہر؟ اس بات کا اندازہ ہونے پر ہی اُسے آیندہ اقدام کرنا تھا۔

شہزاد اب بھی نیم وا آنکھوں سے نوریان کی طرف دیکھ کر مُسکرا رہا تھا۔ اُس کے ہونٹوں پر جواباً دوستانہ مُسکراہٹ بکھری ہُوئی تھی... لیکن اس کی کلائی اب بھی انجکشن کے میکنزم کو حرکت دینے والے بٹن پر دباؤ ڈالنے میں مصروف تھی۔

وہ حیران تھا کہ ڈاکٹر نوریان، اس کُرسی پر نہ جانے کتنے لوگوں کو بٹھا کر یہ انجکشن لگا چکا ہو گا؟ لیکن اسے اس بات کی زیادہ پروا نہیں تھی کیونکہ وہ جانتا تھا کہ نوریان ایک ایسے شخص کو آخری انجکشن لگا رہا ہے جو انسان ہوتے ہُوئے بھی انسانوں سے بلند تر تھا۔ اس کی پھُرتی کا اندازہ اس بات سے بہ آسانی لگایا جا سکتا تھا کہ وہ ہوا میں اُڑتی مکھی کو بہ نہایت اطمینان سے پکڑ سکتا تھا۔

... اور یہ نوریان کی بدقسمتی ہی تھی کہ وہ اپنی منزل کے قریب پہنچ کر ایک ایسے شخص سے ٹکرا رہا تھا جس کی بے پناہ صلاحیتیں، اس کی شیطانی سوچوں سے کہیں زیادہ تھیں۔

شہزاد نے دوسرا بازو اٹھایا اور بساط کی طرف بڑھا دیا۔

اس دوران میں ایک بار پھر سُوئیاں، اس کے پہلے بازو سے مَس ہوئیں۔ جس جگہ سُوئیاں جسم سے چُھو رہی تھیں، وہاں کا گوشت اور کھال دباؤ کی وجہ سے دبنے لگی لیکن شہزاد کو خفیف سی چبھن بھی محسوس نہیں ہو رہی تھی۔

اُس نے مُہرے کو فوراً ہی چھوڑ دیا۔

وہ جانتا تھا کہ ڈاکٹر نوریان کا انجکشن ناکام ہو گیا ہے۔ لیکن بہرحال یہ ظاہر کرنا تھا کہ اُسے کامیابی ہُوئی ہے۔ ایسی چبھن کے عمل میں عام آدمی ہلکی سی سسکاری بھرتا ہے اور پھر اس جگہ کو مادی طور پر کھجانے لگتا ہے۔

شہزاد نے بھی ایسا ہی کیا۔

اُس نے بازو کو ہتھی پر آگے کی سمت میں ذرا سا کھسکایا، بازو پر لگی ہُوئی دوا صاف ہو جائے... پھر اس نے دوسرے ہاتھ سے اس جگہ کو سہلانا شروع کر دیا۔

انداز سے اب بھی یہی ظاہر ہو رہا تھا جیسے اُسے کسی انجکشن کے موجودگی کا احساس تک نہ ہُوا ہو۔

یکایک اُسے یُوں محسوس ہُوا جیسے اُس کے دماغ میں سُستی کی ہلکی سی لہر دوڑ گئی ہو۔ تب اُسے احساس ہُوا کہ ڈاکٹر نوریان کا یہ انجکشن درحقیقت اس قدر زود اثر ہے کہ محض کھال چھو جانے پر ہی دماغ متاثر ہو رہا ہے۔

اُس نے فوراً ہی بے ہوش ہو جانے کی اداکاری کی۔

اس کا سر آہستہ آہستہ جُھکنے لگا۔

جب اس کی ٹھوڑی اپنے سینے سے لگ گئی تو شہزاد نے رسیوں ڈھیلا چھوڑ دیا جیسے اس میں ذرا سی بھی جان نہ رہی ہو۔ اگلے ڈاکٹر نوریان کا قہقہہ اس کی سماعت سے ٹکرانے لگا۔

وہ پاگلانہ سے بھرپور انداز میں ہنس پڑا تھا۔

شہزاد بے حس و حرکت رہا۔

"ہُوں... تو تم مجھے مات دینے آئے تھے، غلیظ رُوسیائی! جزیرۂ فردوس کے ہمدرد ہو... ہا... ہا... ہا ہا ہا..." اس کا آخر میں ہذیانی ہو گیا۔

شہزاد نے جس انداز میں خود کو بے ہوش ظاہر کیا تھا... وہ اسی حالت میں پڑا رہا۔ اُس کی دھڑکنیں اور دوران خون، اس کے کنٹرول میں تھا اور اس کی تمام تر صلاحیتیں کام کر رہی تھیں۔

ڈاکٹر نوریان بڑی توجہ سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر فتح مندی کا بھرپور تاثر تھا۔ اُس نے اپنی کُرسی کی ہتھی سے اٹھا لیا۔ شہزاد کی پلکیں بظاہر تو پوری طرح بند نظر آتی تھیں... درحقیقت ان میں خفیف سی جھری تھی۔ اتنی معمولی سی جھری کو نوریان محسوس بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اس جھری سے شہزاد نوریان کا جائزہ لے رہا تھا۔ ڈاکٹر نے ہتھی پر لگی ہُوئی، اس گول دھات پر انگشت شہادت کی پور پھیری۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ اس کی کارکردگی کا جائزہ لے رہا ہو... پھر اس نے کن انکھیوں سے شہزاد کی طرف دیکھا۔

اس کی حالت میں کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔ وہ جس حالت میں تھا، اسی طرح پڑا نظر آ رہا تھا اور اس کے جسم کا ہر حصہ یُوں ڈھیلا دکھائی دیتا تھا جیسے ان پر شہزاد کو ذرا سا بھی اختیار نہ رہ گیا ہو۔

نوریان نے پُورا پھیرا لینے کے بعد اور کن انکھیوں سے شہزاد کا جائزہ لیتے ہُوئے اس دھاتی قرص پر دو اُنگلیاں جمائیں اور پھر انگوٹھے کی مدد سے اُسے گھُمانے لگا۔ گول دھات یوں گھُومنے لگی جیسے اس حرکت سے اس کی چُوڑیاں کھُلتی جا رہی ہوں۔

... پھر اس نے اس گول دھات کو ہتھی سے اُٹھا لیا۔

دھات کے ساتھ دو تار منسلک تھے۔ نوریان نے ان تاروں کو کھینچا تو ان کے نیچے سے ایک ڈبیہ برآمد ہُوئی۔ ڈبیہ شاید کانچ کی بنی ہُوئی تھی۔ اس میں کوئی سیال شے تھی۔ ڈاکٹر نے ڈبیہ کو سیدھا کیا اور اسے بغور دیکھنے لگا۔ ڈبیہ پر بالکل ویسے ہی نشانات پڑے ہُوئے تھے جیسے سرنج پر دکھائی دیتے ہیں۔ اس نے اطمینان کے اظہار میں سر کو اثبات میں حرکت دی۔ گویا وہ جتنی مقدار میں بے ہوشی کی دوا شہزاد کے جسم میں انجکٹ کرنا چاہتا تھا، اتنی دوا اس کی دانست میں، ڈبیہ سے انجکشن کے ذریعے خارج ہو چکی تھی۔

ڈاکٹر نے ڈبیہ کو دوبارہ ہتھی کے سوراخ میں ڈال دیا اور تاروں کو اُنگلی کی مدد سے اس کے اوپر جما کر دھات کے گول ٹکڑے کو جما دیا۔ اگلے ہی لمحے وہ اُسے گھما کر دوبارہ کس رہا تھا جہاں سوراخ نظر آ رہا تھا۔ وہاں ایک پتلی چُوڑی تھی۔ یہ گول ٹکڑا اس میں کس گیا۔ گویا چُوڑی سے منسلک ہونے کے بعد یہ گول ٹکڑا آسانی سے دب سکتا تھا اور اسے بطور بٹن استعمال کیا جا سکتا ہے۔

شہزاد اس دوران میں اپنے آپ سے جدوجہد کرتا رہا۔

نوریان نے ایک بار پھر بھیانک قہقہہ لگایا۔

شہزاد نے اپنے ذہن کو ہر اعتبار سے پُرسکون کر لیا۔

اب اُس سے نادانستگی میں بھی کوئی ایسی حرکت نہیں ہو سکتی تھی جس سے نوریان چونک پڑتا۔ اس نے جس انداز میں قہقہہ لگایا تھا اس سے شہزاد کو پتہ چل گیا کہ نوریان کو اس کی بے ہوشی کا سو فی صد یقین آ چکا ہے۔ اُسے اپنی دوا پر اعتماد تھا اس لیے بے یقینی کی کوئی وجہ بھی نہیں تھی۔

اچانک شہزاد کی سماعت سے کُرسی گھسٹنے کی آواز ٹکرائی۔

ڈاکٹر نوریان اپنی کُرسی سے اُٹھا تھا۔

... پھر اس کے قدموں کی چاپ سُنائی دینے لگی۔

وہ گھوم کر شہزاد کی پُشت پر آ گیا۔ شہزاد جانتا تھا کہ وہ کیا کرنے آیا ہے، اس لیے وہ اسی حالت میں پڑا رہا۔ اس کا ذہن بیدار تھا اور

جسم محوِ خواب ہو چکا تھا۔

شل... اور نڈھال بے جان جسم...

نوریان بہرحال ایک قابل ڈاکٹر تھا... پھر وہ جس قسم کے پیشے سے تعلق رکھتا تھا، اس میں دہی ہونا ہی پڑتا ہے۔ مجرم ذہن کبھی مطمئن نہیں ہوتے۔ شہزاد جانتا تھا کہ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھے گا۔

اس نے ہچکچاہٹ کو سختی سے بھینچ لیا... اور ذہن کو میلوں دُور ایک منظر میں اُلجھا لیا۔ اب شہزاد ایک زندہ لاش بن چکا تھا۔ ڈاکٹر نوریان نے اُسے سر کی پُشت کے بالوں سے پکڑا اور اس کا سر کرسی کی پُشت گاہ سے لگا دیا۔ اس کی ماہر اُنگلیاں شہزاد کے پپوٹوں پر حرکت کرنے لگیں۔

اچانک ہی اوپر لگے بلب کی روشنی شہزاد کی آنکھوں تک پہنچی تھی۔ اگر وہ ذہنی طور پر حاضر ہوتا تو اس کے پپوٹے یقیناً اس روشنی کی وجہ سے کچھ نہ کچھ سکڑ جاتے... لیکن اس کا پُورا جسم اس کے دماغ کے تابع تھا اور دماغ میلوں دُور ایک منظر میں اُلجھا ہُوا تھا۔

نوریان نے اس کے پپوٹوں کو اُٹھا دیا۔

روشنی تیز تھی۔

اس بار بھی شہزاد کے پپوٹوں میں کوئی حرکت پیدا نہ ہُوئی تو نوریان کے حلق سے اطمینان کی ہلکی سی غراہٹ نکل گئی۔

"اب یہ میرے اثر میں ہے۔" اس نے چیخ کر کہا۔

شہزاد بے حس و حرکت رہا۔

"حنا..." ڈاکٹر کہہ رہا تھا: "تم نے اسی غلیظ کیڑے کی خواہش کی تھی نا، یہ اب میرے قابو میں ہے، بالکل اسی طرح جیسے اس سے پہلے کئی فرد دسی اعلا دماغ میرے اثر میں تھے۔ میں نے تم سے جو وعدہ کیا تھا، اُسے پُورا کرنے کا وقت آ گیا ہے۔"

شہزاد اُسی حالت میں کرسی سے سر ٹکائے بیٹھا رہا۔

"پہلا کام..." نوریان نے اُسے اس نام سے پُکارا جس کے تحت شہزاد نے تھنکرز فورم میں قدم رکھا تھا۔

"یس ڈاکٹر..." اس نے اپنے ہونٹوں کو خفیف سی حرکت دے کر جواب دیا۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ خواب کی حالت میں بول رہا ہو۔

"تم ذہنی اور جسمانی طور پر میرے اثر میں ہو۔"

"یس... ڈاکٹر..."

شہزاد سمجھ گیا تھا کہ اُسے جو دوا استعمال کرائی گئی ہے، اس سے ہپناٹک اثرات مُرتب ہوتے ہیں۔ اس کے ذہن میں سیماب گھوم گئی اور اس کے ساتھ ہی غُصّے کی ایک لہر اس کی موج پر غالب آنے کے لیے یوں بار بار ٹکرانے لگی جیسے سمندر کی کوئی تیز و تند لہر ساحل کی بے حسی پر اپنا سر بار بار اُس سے ٹکراتی ہے... لیکن اس نے یہ لہر دُور دھکیل دی اور ذہن کو پُرسکون رکھا۔

"کھڑے ہو جاؤ۔" نوریان نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

شہزاد کرسی سے اُٹھ کھڑا ہُوا۔

"آنکھیں کھول دو۔"

شہزاد نے حکم کی تعمیل میں آنکھیں کھول دیں۔

"اب میرے پیچھے آؤ۔"

ڈاکٹر نوریان نے کہا اور نہایت پُراعتماد انداز میں پلٹ کر اُسی کمرے کی ایک دیوار کی طرف چلنے لگا۔ اس کی چال میں شاہانہ تمکنت آ گئی تھی۔ شہزاد نے ایک بار پھر دل میں اُٹھنے والی آرزو کا گلا گھونٹ دیا ورنہ وہ اُسے گدی سے پکڑ کر کسی گھونپے کی طرح مَسل سکتا تھا۔

نوریان جس دیوار کی طرف بڑھ رہا تھا، اس پر ایک مخملیں پردہ لٹکا ہُوا تھا۔ شہزاد آہستہ آہستہ کسی معمول ہی کے انداز میں نوریان کے پیچھے پیچھے چلتا ہُوا اس پردے تک پہنچ گیا۔

ڈاکٹر نے دائیں ہاتھ سے پردہ تھام لیا۔

... پھر اس نے ایک شدید جھٹکا مارا۔

پردہ ایک طرف سمٹتا چلا گیا۔

تب شہزاد نے دیکھا کہ اس پردے کے عقب میں دُرحقیقت ایک ایسا دروازہ ہے، جو دونوں کمروں کے درمیان واقع تھا۔ دروازہ اس وقت کھُلا ہُوا تھا۔ وہ جو کچھ بھی دیکھ رہا تھا، اس سے شہزاد کے ذہن کی کئی گرہیں خود بخود ہی کھُل گئی تھیں۔

سامنے والے کمرے میں ایک بستر بچھا ہُوا تھا جس کے اس پار نوریان کی بیٹی حنا کھڑی تھی۔ بستر سے اس طرف دیوار کے ساتھ ایک تپائی پر کیمرہ رکھا ہُوا تھا۔ مسہری پر سفید ساٹن کی چادر بچھی ہُوئی تھی اور اس پر ایک بھی شکن نظر نہیں آ رہی تھی۔

شہزاد اپنی خواب ناک آنکھوں سے سامنے دیکھتا رہا۔

حنا اُسے کینہ توز نگاہوں سے گھُور رہی تھی۔

وہ دل ہی دل میں مسکرایا اور سوچنے لگا کہ اب یہ گدھے کی بچی مجھ سے انتقام لے گی کیوں کہ میں نے اسے نظر انداز کر دیا تھا لیکن وہ ہر چیز کے لیے تیار تھا۔ وہ ان کے گھناؤنے کھیل کو انجام تک پہنچانے کا ارادہ کر چکا تھا... اور آخر تک اُن سے محض اس لیے تعاون کرنا چاہتا تھا کہ کہیں اس معاملے کی کوئی کڑی باقی نہ رہ جائے۔

سیماب نے اپنی زندگی سے ہاتھ دھو کر اس پُراسرار معاملے

کو تلاش کر لی تھی لیکن جو کچھ شہزاد کے سامنے تھا، اس حد تک تو وہ بھی معلوم نہ کر سکی ہو گی۔

کیمرے اور بے شکن بستر کو دیکھ کر شہزاد سمجھ گیا کہ یہاں بلیک میل کرنے کے لیے فوٹو گرافی کی جاتی ہے۔ اس کے ذہن میں وہ اُن تصویریں گھوم گئیں جنہیں اس نے دیکھنے کے بعد ضائع کر دیا تھا۔ سی سائنس دانوں کی بے لباس تصویریں...

کمرے میں لائٹیں کا انتظام بالکل ویسا ہی تھا جیسا کسی فلم سٹوڈیو میں ہوتا ہے۔ حنا نے شہزاد کو گھورنا جاری رکھا۔ ڈاکٹر نوریان ہونٹوں پر مکروہ مسکراہٹ تھی۔ اس نے حنا کو اشارہ کیا۔

"لو... دیکھ لو... میں نے اپنا وعدہ پُورا کر دیا۔"

"ہاں..." حنا کی آواز تیز سی ناگن کی پھنکار جیسی تھی۔ وہ اب اپنی گول گول آنکھوں سے شہزاد کو گھُور رہی تھی: "کیا تم جانتے ہیں نے تمہاری خواہش کتنی شدت سے کی تھی؟" اس بار حنا نے راست شہزاد کو مخاطب کیا۔

وہ خاموش رہا۔

"اس سے کہو کہ میری بات کا جواب دے۔" حنا نے نوریان ف پلٹ کر کہا۔

"جواب دو۔" نوریان غرّایا۔

"میں نہیں جانتا۔" شہزاد نے خواب ناک لہجے میں کہا۔

"کیا تم مجھ سے نفرت کرتے ہو؟"

"میں نہیں جانتا۔"

"تمہیں مجھ سے محبت کرنی پڑے گی۔" وہ کسی ناگن کی طرح ھا کر بولی: "اور جواب میں ہیں تم سے نفرت کروں گی۔" یہ کہنے کے وہ ہنس پڑی۔ شہزاد کا وہ ہنسی پر بے ... لیکن وہ ڈرامے میں ایک اہم کردار ادا کر رہا تھا... اس لیے ہر معاملے کو ناک پہنچانے کے بعد ہی وہ من مانی کرنا چاہتا تھا۔

حنا آہستہ آہستہ بے لباس ہونے لگی۔

"کیمرہ..." اس نے چیخ کر کہا۔

نوریان نے اسپاٹ لائٹیں آن کر دیں اور کیمرے کی طرف ہو گیا۔ شہزاد کو حکم دیا گیا کہ وہ بھی بے لباس ہو جائے... اور تب وہ ناظر کیمرے کی آنکھ میں جذب ہوتا چلا گیا۔

اچانک حنا نے اپنے سر پر ہاتھ پھیرا۔

اس کے خوش نما سنہرے بال اُس کے ہاتھ میں آ گئے۔

اُس نے اپنی وگ شہزاد کی آنکھوں کے سامنے نچاتے ہُوئے گلے سے بھرپور قہقہے لگائے اور پھر کمرے کے کونے میں رکھا ہُوا ایک کوڑا اُٹھا لائی۔ شہزاد کسی ایسی لاش کی طرح بستر پر پڑا رہا جس کی آنکھیں کھُلی ہُوئی تھیں۔ وہ سب کچھ دیکھ رہا تھا، سُن رہا تھا... اور محسوس بھی کر رہا تھا... لیکن اظہار نہیں کر رہا تھا۔

اس نے حنا کی طرف دیکھا جو کوڑے کو بَل دیتی ہُوئی اس کی طرف بڑھ رہی تھی۔ شہزاد کی نگاہ جہاں تھی، وہیں جمی رہی... اچانک کوڑا لہرایا... سانپ کی سی پھنکار پیدا ہُوئی... اور پھر کوڑا شہزاد کے جسم سے ٹکرا کر وہیں چپک گیا۔

شہزاد نے اپنے عضلات کو ہر ممکن تیزی لیکن سکون سے سُکیڑا تھا اور اس تکلیف دہ وار کو آسانی سے سہہ گیا تھا... لیکن کوڑے نے جس جگہ چوٹ لگائی تھی، وہاں سے کھال اُدھڑ گئی۔

باری باری تمام سائنس دانوں کی وہ تصویریں شہزاد کے ذہن میں گھوم گئیں جنہیں اس نے دیکھا تھا۔ ان سب کے ساتھ بھی ایسا ہی ہُوا ہو گا۔ ان میں سے کسی کو پتہ بھی نہیں چلا اور وہ ایسے کریہہ مناظر کے ساتھ سلولائیڈ پر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے یوں نقش ہو گئے کہ ان کے منظرِ عام پر آنے کے خیال ہی سے ہر ایک کے ذہن میں ڈوب مرنے کا خیال پیدا ہو سکتا تھا۔

... لیکن اب ایسا نہیں ہو گا۔

شہزاد نے سوچا۔

اس کے جسم پر کوڑے کا دوسرا وار ہُوا۔

حنا نے اس مرتبہ اس کی ٹانگوں پر کوڑا مارا تھا... پھر وہ اس طرح کوڑے برسانے لگی جیسے شہزاد کی بجائے کوئی مجسمہ بستر پر لیٹا ہُوا ہو۔

شہزاد کے ذہن پر آہستہ آہستہ غُصّے کا ناگ لہرانے لگا ... اس ناگ کا سر چوں پر غلبہ پاتا جا رہا تھا... اس کے جسم پر ادھڑی ترچھی لکیروں کے اَن گنت نشانات بن گئے۔ اس منظر کی عکس بندی ہوتی رہی۔ ڈاکٹر نوریان مختلف زاویوں سے تصویریں اُتار رہا تھا۔ شہزاد کو ان دونوں سے بے پناہ نفرت محسوس ہونے لگی۔

وہ حیران تھا کہ دُنیا میں ڈاکٹر نوریان جیسے بے ضمیر لوگ بھی ہوتے ہیں جن کے نزدیک عزت و ناموس کی کوئی اہمیت ہی نہیں ہوتی۔ انہیں صرف دولت سے پیار ہوتا ہے... اور اس کے حصول کے لیے یہ ہر حد کو پار کر جاتے ہیں۔

حنا تھک گئی۔

وہ کسی ایسی گھوڑی کی طرح ہانپ رہی تھی جو نہ جانے کب سے دوڑتے دوڑتے بُری طرح تھک گئی ہو۔ اس نے کوڑا پھینک دیا... اور پھر وہ نڈھال سی بستر پر گر گئی۔

اس کے حلق سے ایک آواز نکلی۔

حنا نے نوریان سے کچھ کہا تھا جسے شہزاد نہ سمجھ سکا۔

اُسی لمحے روشنی غائب ہوگئی اور حنا کا تھکن سے چُور چُور جسم اس کی طرف بڑھنے لگا۔ شہزاد کا جسم ٹھنڈا ٹھنڈا پسینہ اگلنے لگا۔

[1]

"اُٹھو۔۔۔" نوریان کی تحکمانہ آواز سُنائی دی اور اس کے ساتھ ہی کمرے میں روشنی پھیل گئی۔

شہزاد خاموشی سے اُٹھ کھڑا ہُوا۔

اس نے نوریان کی ہدایت پر لباس پہنا اور پھر کسی معمول کی طرح مزید احکامات کے انتظار میں کھڑا رہا۔ حنا اب بھی بستر پر نڈھال پڑی تھی۔ شہزاد کو بے پناہ کراہیت کا احساس ہو رہا تھا لیکن اب بھی اُس کے ضبط کا دامن نہیں چھُوٹا تھا۔

فلم بندی کے مرحلے سے گزرنے کے بعد کیا ہوگا؟ یہی ایک خیال بار بار اس کے ذہن میں گھوم رہا تھا۔ وہ ان دونوں کے انتہائی اقدام تک یوں ہی معمول بنا رہنا چاہتا تھا۔

آہستہ آہستہ حنا بھی اُٹھ کھڑی ہُوئی۔

"اس حرامی کو قتل کر دو۔۔۔" اس نے قہر آلود آواز میں کہا۔ "اسے اتنی اذیتیں دو، پاپا۔۔۔ کہ میں پُرسکون ہو جاؤں۔ میرے دل میں اس شخص کے لیے بے پناہ نفرت ہے۔"

"ابھی نہیں۔۔۔" نوریان غرّایا۔

"اس نے مجھے کتنی حقارت سے ٹھکرایا تھا، اس کا کسی کو اندازہ نہیں ہو سکتا۔" وہ گرجنے لگی لیکن نوریان کے ذہن میں ابھی کچھ اور ہی چل رہا تھا۔ وہ اس چلنے والے خیالات کو عملی جامہ پہنانے کے سلسلے میں غور کر رہا تھا۔

"اسے یقیناً قتل کر دیا جائے گا۔" وہ ناگواری سے بولا۔ "لیکن ابھی نہیں۔۔۔ میں اس کے ساتھ اپنی بازی کو ختم کرنا چاہتا ہوں۔ اس کے بعد میں تمہیں بُلاؤں گا۔ تم اسے اپنی خواہش کے مطابق ٹھکانے لگا دینا۔۔۔ ٹھیک ہے۔ بس اب غصہ تھوک دو۔"

وہ تیزی سے آگے بڑھی۔

۔۔۔ اور اس نے ٹائیگر کے مُنہ پر تھوک دیا۔

اب تک وہ درجنوں کوڑے کھا چُکا تھا لیکن اس نے تکلیف کی خفیف سی لہر بھی محسوس نہیں کی تھی۔۔۔ البتہ حنا کی اس حرکت نے اس کی رُوح تک کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ اس بار شہزاد نے خود کو جس انداز میں روکا تھا، اس کے لیے اُسے ذہنی طور پر شدید جدوجہد کرنی پڑی تھی۔۔۔ اور اس کوشش میں اس کی پیشانی پسینے سے بھیگ گئی تھی جو خون کا ایک گھونٹ تھا جو اُسے مصلحتاً پینا پڑا۔۔۔

"چلو۔۔۔ میرے پیچھے آؤ۔" نوریان نے حکم دیا۔

تھوک ٹائیگر کے رُخسار پر پھسلتا ہوا گردن تک آگیا۔

وہ ایک جھٹکے سے گھوم گیا۔

ڈاکٹر نوریان کے پیچھے چلتے ہُوئے اس کی کنپٹیاں بار بار غصّے سے سُلگ رہی تھیں اور ہر بار وہ اس کی مکروہ گردن کو مروڑنے کی بے ساختہ خواہش کا گلا دباتے دباتے بے دَم ہوتا جا رہا تھا۔ وہ ایک بار پھر اُسی کمرے میں پہنچ گیا جہاں بساط بچھی ہُوئی تھی اور اس پر وہی مُہرے رکھے ہُوئے تھے، جن سے انہیں بازی کو ختم کرنا تھا۔

"بیٹھ جاؤ۔" نوریان نے اُسی کُرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے شہزاد کو حُکم دیا جس پر وہ فوٹو گرافی کے لیے مخصوص کمرے میں جانے سے پہلے بیٹھا تھا۔ اُس نے خود کو بڑی حد تک ذہنی طور پر نارمل کر لیا تھا۔ نارمل کرنے میں یہ خیال خاص طور سے مددگار ثابت ہو رہا تھا کہ انجام کار ان دونوں شیطانوں کو اس کے ہاتھوں سِسک سِسک کر مرنا ہے۔

نوریان نے اپنی کُرسی سنبھال لی۔

"تم کون ہو؟" اس نے تحکمانہ لہجے میں سوال کیا۔

"شہزاد پہلگام۔"

"میرے بارے میں تمہیں کس نے بتایا تھا؟"

"ڈاکٹر سیماب۔۔۔"

"اس نے تمہیں کیا اطلاع دی تھی؟"

"یہی کہ تم لامذہبی ہو۔۔۔"

"تم یہاں کیوں آئے تھے؟" نوریان کا لہجہ خوف ناک ہوگیا۔

"دولت۔۔۔" شہزاد خوف ناک انداز میں [illegible] خیال تھا کہ یہ اطلاعات تمہارے ہاتھ فروخت کر کے میں اچھی خاصی رقم حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔"

"ہُوں۔۔۔ تو تم مجھے بلیک میل کرنے آئے تھے؟"

"یس ڈاکٹر۔۔۔"

"حالانکہ تمہیں معلوم ہو چُکا تھا کہ میں خود دُنیا کا سب سے بڑا بلیک میلر ہُوں۔" نوریان نے عجیب سے لہجے میں کہا۔ اس کے بولنے کا انداز ایسا تھا جیسے وہ دُنیا کا سب سے بڑا بلیک میلر نہیں بلکہ کائنات کا بلاشرکت غیرے مالک ہو۔

شہزاد اس بار خاموش رہا۔ اس سے سوال نہیں کیا گیا تھا اس لیے جواب دینے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ نوریان کچھ دیر مسکراتا رہا۔۔۔ پھر وہ یکایک خاموش ہو کر اُسے گھُورنے لگا۔ "کیا تم مجھ سے یہ آخری بازی کھیلنا چاہتے ہو، پہلگام؟"

"یس ڈاکٹر۔۔۔"

"بہت خوب۔" نوریان نے نفرت سے ہونٹ سکوڑ کر کہا۔ "میں ابھی تمہیں ہوش میں لاتا ہُوں۔ تم سب کچھ بھُول جاؤ گے، جیسے تمہارے ساتھ کچھ ہُوا ہی نہیں، سمجھے گئے؟"

"یس ڈاکٹر۔۔۔"

"اور پھر میں دیکھوں گا کہ تم اس ناممکن بازی کو کیسے کامیابی سے ہمکنار کرتے ہو۔" نوریان بولا۔ "تم ہوش میں آؤ گے، میرے ساتھ کھیلو گے۔۔۔ اور جیسے ہی بازی ختم ہوگی، تم دوبارہ ٹرانس میں چلے جاؤ گے۔ ٹھیک ہے؟"

"یس ڈاکٹر۔۔۔"

"تمہیں کیا کرنا ہے؟"

"میں بیدار ہو جاؤں گا۔۔۔ اس کے بعد تمہارے ساتھ شطرنج کی یہ آخری بازی کھیلوں گا۔۔۔ اور پھر گہری نیند سو جاؤں گا۔" شہزاد نے وضاحت کر دی۔ اس کی آواز دھیمی اور لہجہ کمزور تھا۔

"ہاں۔۔۔ تم گہری نیند میں ڈُوب جاؤ گے۔" ڈاکٹر نوریان نے اسے سجیشن دیتے ہوئے کہا۔ "میں جیسے ہی چٹکی بجاؤں گا، تم سو جاؤ گے تم سو۔۔۔ جاؤ۔۔۔ گے۔"

"یس ڈاکٹر۔۔۔"

"اب میں جیسے ہی چٹکی بجاؤں، فوراً بیدار ہو جانا۔"

"یس ڈاکٹر۔۔۔" اس نے معمول کے سے انداز میں جواب دیا اور خالی خالی نظروں سے نوریان کی طرف دیکھتا رہا۔

نوریان نے چٹکی بجا دی۔

شہزاد نے ایک طویل سانس لے کر مسکراتے ہُوئے اس کی طرف دیکھا۔ اس کے انداز سے یہ ہرگز ظاہر نہیں ہوتا تھا کہ وہ کچھ دیر پہلے ایک انتہائی شرمناک اور اذیتناک صورتِ حال سے دوچار رہا ہوگا۔

نوریان کے چہرے پر بھی نرماہٹ آمیز مسکراہٹ تھی۔

"ہاں تو تم کیا کہہ رہے تھے، مسٹر پہلگام؟" نوریان نے مسکراہٹ کو برقرار رکھتے ہوئے نرمی سے پوچھا۔

"یہی کہ شطرنج ایک شان دار کھیل ہے۔"

"تمہارا خیال درست ہے۔ مجھے بھی اس بات سے اتفاق ہے۔" نوریان نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "دراصل یہ بادشاہوں کا کھیل ہے، اسے عام آدمی کے لیے ممنوع قرار دے دیا جانا چاہیے۔"

"پہلے تو شاید ایسا ہی تھا۔"

"بہرحال۔۔۔" نوریان نے بساط کی طرف اشارہ کیا۔ "تم کہہ رہے تھے کہ ان دو مہروں کی مدد سے بازی جیت سکتے ہو۔"

"میرا تو یہی خیال ہے۔"

"کیا اب بھی تم اس بات پر مُصر ہو؟" نوریان کے لہجے میں حیرت کے ساتھ ساتھ ہلکی سی حقارت بھی پیدا ہوگئی۔

"ہاں ڈاکٹر۔۔۔" شہزاد نے مسکرا کر جواب دیا۔

"تو پھر چلو۔۔۔ میں دیکھنے کے لیے بے چین ہُوں۔"

شہزاد نے وزیر اُٹھا لیا۔ چند لمحوں تک وہ اسے غور سے دیکھتا رہا۔۔۔ پھر اس نے نوریان کی طرف متوجہ ہوتے ہُوئے کہا۔ "اس مُہرے کی طرف غور سے دیکھتے رہو، ڈاکٹر۔ میں اسی مُہرے سے بازی اُلٹ دوں گا۔"

"ہاں۔۔۔ ہاں۔۔۔ میں دیکھ رہا ہُوں۔"

"گویا اب بازی میری ہے۔" شہزاد بڑبڑایا۔۔۔ اور پھر اس نے وزیر کو اپنی ہتھیلی پر رکھ لیا۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ شطرنج کھیلنے کی بجائے کوئی کرتب دکھانے والا ہو۔۔۔ پھر اس کی انگلیاں اس مُہرے کے نچلے حصّے کے گرد [illegible] کی انگلیوں میں [illegible] گیا۔ مُہرے کے نچلے حصّے کو اُس نے انگلیوں کی مدد سے جکڑ کر ہتھیلی پر رکھ لیا تھا۔

اور پھر اچانک ہی نوریان نے یوں محسوس کیا جیسے شہزاد کی آنکھوں سے پُتلیاں غائب ہوگئی ہوں۔ وہ براہِ راست نوریان کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

"شطرنج کے کھیل میں یہ مُہرہ مجھے سب سے زیادہ پسند ہے۔" شہزاد بڑبڑا رہا تھا۔۔۔ یہ کہتے ہُوئے اُس نے مُہرے کو اپنی دائیں ہتھیلی میں حرکت دی۔ ایک لمحے کے لیے یوں لگا جیسے وزیر کا وہ مہرہ زندہ ہو اُس کی ہتھیلی پر چل پڑا ہو۔

اس کے ساتھ ہی شہزاد کی کلائی نے ایک زبردست جھٹکا لیا یہ شطرنج کی تاریخ میں غالباً سب سے بڑی چال تھی۔ مُہرے کا بالائی کنارہ سیدھا نوریان کی دائیں آنکھ کی طرف تھا۔ اچانک وہ اس کی ہتھیلی سے اُچھلا اور سیدھا نوریان کی دائیں آنکھ میں جا کر پیوست ہوگیا۔

نوریان کی دائیں آنکھ خراب تھی اور وہ اس پر سبز کپڑے کی ایک پٹی سجائے رکھتا تھا۔ اس دھچکے کو چیر کر مُہرے کا سرا اُس کی خراب آنکھ میں چُبھ گیا۔

سبز کپڑے کی دھجی سے خون نیچے گرنے لگا۔

اس خون کی لکیر کو دیکھ کر یوں محسوس ہوتا تھا جیسے ایک سُرخ رنگ کا ربن اس کی آنکھ سے دُور تک چلا آیا ہو۔ شہزاد خاموش

تھا اس کی طرف دیکھتا رہا۔

اس کے چہرے پر بے پناہ اطمینان تھا۔

مُہرہ اپنا کام کر چکا تھا۔

یہ وہی مُہرہ تھا جو شہزاد نے اُس لڑکی کے مُردہ ہاتھ سے حاصل کیا تھا جسے وہ اپنے دِل کی ملکہ بنائے ہوئے تھا۔ ڈاکٹر چند لمحوں تک تو جس حالت میں بیٹھا تھا' اسی میں بیٹھا رہا... پھر اس کی پتلی بجنے لگی۔ مرتے ہوئے' اس کے ذہن میں غالباً یہی ایک خیال باقی رہ گیا تھا کہ وہ چتکی بجا کر شہزاد کو دوبارہ ٹرانس میں لے جا سکتا ہے۔

شہزاد کے ہونٹوں پر مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

"دیکھا' نوریان... کیا تم اس چال کی توقع کر سکتے تھے؟"

نوریان کا سر آہستہ آہستہ اپنی گود کی طرف جھک رہا تھا۔

اس کے حلق سے چیخ تک نہیں نکلی تھی۔ ہلکی سی کراہ بھی مرتے وقت اسے نصیب نہیں ہوئی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ جھکتا ہوا شطرنج کی بساط سے ٹک گیا۔ خود اس کا خون اُگلتا ہوا چہرہ ایک زندہ مُہرہ لگ رہا تھا جس نے بساطِ جان دے دی تھی۔

شہزاد اطمینان سے اُٹھ کھڑا ہوا۔

اس نے اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر ڈاکٹر کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"ڈاکٹر نوریان... اب میں ایک بازی تمہاری اس منحوس بیٹی کے ساتھ بھی کھیلنا چاہتا ہوں۔" اس نے پردے کی طرف دیکھا جس کے عقب میں فوٹو گرافی کا کمرہ تھا... اور وہاں حنا موجود تھی۔

حنا نے اس کی آواز یقیناً سُنی ہو گی لیکن چونکہ نوریان کے حلق سے کوئی غیر معمولی آواز نہیں نکلی تھی اس لیے وہ مشکوک نہیں ہو سکتی تھی۔ شہزاد نے ڈاکٹر کی طرف نگاہ ڈالی تو اس کے چہرے پر ذرا بھی بے یقینی کا تاثر نہیں تھا۔ اُسے اپنی چال پر اعتماد تھا... اور اُسے یقین تھا کہ نوریان مر چکا ہے۔ غالباً اسی یقین کی وجہ سے اس نے نوریان کی نبض تک ٹٹولنے کی زحمت گوارا نہیں کی تھی۔

وہ آہستہ آہستہ اُس پردے کی طرف بڑھنے لگا جس کے عقب میں فوٹو گرافی کا کمرہ تھا... وہ حنا سے آخری بازی کھیلنے جا رہا تھا' نقرئی بساط پر زندگی اور موت کی بازی...

حنا ابھی تک بے لباس تھی۔

وہ اس کمرے میں فوٹو گرافی کے کام میں مصروف تھی۔

خود شہزاد کی اور اس کی اپنی تصویروں کے نیگیٹو، دھات کی ایک پلیٹ پر رکھے کسی کام میں منہمک تھی۔ شہزاد سیدھا ڈارک روم میں گھس گیا۔

آہٹ سُن کر حنا نے پیچھے دیکھا۔

شہزاد پر نگاہ پڑتے ہی اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔

اس کی آنکھوں میں دہشت اُتر آئی تھی اور اس کا مُنہ حیرت کی زیادتی سے کُھلا کا کُھلا رہ گیا تھا۔ اُس نے شہزاد کے کندھوں کے اُوپر سے اس کے عقب میں دیکھنے کے لیے پنجوں کے بل کھڑے ہونے کی کوشش کی۔ پھر شہزاد کے مسکراتے ہونٹوں کو دیکھ کر رُک گئی۔

شاید وہ یہ دیکھ رہی تھی کہ شہزاد کے عقب میں ڈاکٹر نوریان بھی موجود ہے یا نہیں... لیکن اسے مایوسی ہی ہوئی۔ شہزاد تنہا ہی ڈارک رُوم میں داخل ہوا تھا۔

"وہ ہار گیا..." شہزاد نے زیرِ لب کہا۔

اچانک وہ تیزی سے آگے بڑھی۔ اس نے شہزاد کے پیٹ میں ٹھوکر مارنے کی کوشش کی لیکن شہزاد ہنستا ہوا سامنے سے ہٹ گیا... اس کے ساتھ ہی شہزاد کا بایاں ہاتھ حِل گیا۔

اس نے پوری قوت سے ایک تھپڑ حنا کے مُنہ پر مارا۔

اگلے ہی لمحے اس کے بال شہزاد کی مُٹھی میں تھے۔

بالوں کو جھٹکا دے کر اس نے حنا کو اپنی طرف کھینچ لیا۔ "میرے رُخسار پر تمہیں اپنی نفرت کا اظہار بہتا ہوا نظر آ رہا ہے؟" اس نے خوفناک لہجے میں دریافت کیا۔

حنا نے مارے تکلیف کے کراہتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"اسے اپنے ہاتھوں سے صاف کرو۔"

حنا کی کانپتی ہوئی اُنگلیاں اس کے رُخسار کی طرف بڑھیں اور پھر اس نے رخسار کو پونچھ ڈالا۔ شہزاد کے حلق سے قہقہہ اُبل پڑا۔

"تم واقعی ایک سمجھ دار لڑکی ہو۔" اس نے کہا۔ "اگر تم نے فوراً ہی میری اس بات پر عمل نہ کیا ہوتا تو میں دوسری بار اسے چاٹنے کا حکم دیتا۔"

وہ اس کی گرفت میں مچلنے لگی۔

"نہیں... تم ان ہاتھوں سے نہیں نکل سکتیں۔" شہزاد غرّایا۔ "یہ موت کے ہاتھ ہیں، منحوس گڑیا..." اس کا دوسرا ہاتھ لڑکی کے نرخرے پر پہنچ گیا۔

"مجھے مت مارو... مجھے زندہ رہنے دو..."

"تم ایک ایسی ناگن ہو جس کا سر کچل دینا ہی بہتر ہے۔" شہزاد نے سفاک لہجے میں کہا۔ "تم نے جزیرہ فردوس کے پُرسکون ماحول میں جس درندگی کا مظاہرہ کیا ہے، مجھے اُس سے... اور تمہارے غازی ہونے سے نفرت ہے... سب سے بڑھ کر مجھے اس بات سے نفرت ہے کہ تمہاری رُوح کو ایک لڑکی کا جسم دیا گیا۔"

اس کے ہاتھ کی گرفت بڑھنے لگی۔

حنا کی آنکھیں حلقوں میں اُبلنے لگیں۔

اس نے مُنہ کھول کر پوری قوت سے چیخنا چاہا... لیکن دہشت کی زیادتی اور موت کو سامنے دیکھ کر شاید اس کا حلق خشک ہو گیا تھا۔ وہ کوشش کے باوجود نہ چیخ سکی۔

شہزاد نے دباؤ مزید بڑھا دیا۔

حنا کی زبان نکل آئی... اور پھر وہ دم توڑ گئی۔

اگرچہ شہزاد کی سنگلاخ انگلیوں نے اس کی سانس کی ڈوری کو توڑ دیا تھا لیکن اسے معلوم تھا کہ لڑکی مارے دہشت کے پہلے ہی مر گئی تھی۔ اس کی حرکتِ قلب بند ہو گئی تھی۔

اس نے پوری قوت سے حنا کی بے لباس لاش کو ایک طرف اچھال دیا۔ وہ دیوار سے ٹکرائی اور کسی چھپکلی کی طرح فرش پر گرنے کے بعد وہیں بے حس و حرکت پڑی رہی۔ آخر کیوں میں اس کی آنکھوں کی چمکاہٹ، چندا اور رُخساروں کی تمتماہٹ تک ختم ہو گئی تھی جیسے دہشت کے آسیب نے پلک جھپکتے میں اس کا سارا خون پی لیا ہو۔

شہزاد نے اس کی لاش کی طرف دیکھا۔

اس کا جی تو چاہا تھا کہ اُسے بے پناہ اذیتیں دے دے کر مارے لیکن وقت کم تھا... اور اُسے اس عمارت سے ابھی اہم کاغذات اور تصویریں حاصل کرنا تھیں۔ ڈارک رُوم کی تلاشی لیتے ہوئے وہ سوچ رہا تھا کہ حنا کو مارنے سے پہلے کم از کم اُس سے ان کاغذات اور تصویروں کے بارے میں ضرور معلوم کر لینا چاہیے تھا۔

حنا کی لاش فرش پر پڑی ہوئی تھی اور اوپر سے کوئی سیال اس جگہ گر رہا تھا۔ یہ سیال پسینے کے قطروں کی طرح اس کے جسم پر جھلملانے لگا... شہزاد نے تمام نیگیٹو تلاش کر کے جلا ڈالے اور پھر پوری عمارت کی تلاشی لے کر جو بھی کارآمد کاغذ یا تصویر ہاتھ لگی اُسے بھی نذرِ آتش کر دیا۔ اس کے باوجود وہ مطمئن نہ ہوا تو اس نے گیراج سے ہیٹروں کا ڈبہ لیا اور پورے گھر میں کچھ انداز سے چھڑکا کہ آگ لگنے کے بعد اس پر آسانی سے قابو نہ پایا جا سکے۔

اس نے پوری عمارت کو آگ لگا دی اور وہاں سے نکل کر کچھ فاصلے پر تاریکی میں کھڑا ہو کر نظارا کرنے لگا۔ آگ تیزی سے بھڑکی تھی اور شعلے آسمان سے باتیں کرنے لگے تھے۔

فائر بریگیڈ کی پہلی گاڑی تقریباً بیس منٹ بعد پہنچی، اس وقت تک عمارت میں لگی ہوئی آگ بے قابو ہو چکی تھی۔

شہزاد کو یقین تھا کہ جب تک فائر بریگیڈ کا عملہ اس آگ پر قابو پانے میں کامیاب ہو گا، تب تک سب کچھ راکھ ہو چکا ہو گا۔ اس طرح وہ تمام اشیا بھی جل کر راکھ ہو جائیں گی جنہیں وہ تلاش کرنے میں ناکام رہا ہو گا... وہ اطمینان سے اپنی قیام گاہ کی طرف چل دیا۔

قیام گاہ سے اپنا مختصر سا سامان لے کر وہ خاموشی سے نکل آیا۔ اگرچہ ڈاکٹر نوریان کے گھر میں بھڑکتے ہوئے شعلوں کی وجہ سے تھنکر زفورم میں کہرام مچ گیا تھا لیکن شہزاد کے مطابق وہاں آب سکون کا دَور دَورہ تھا... اگر ڈاکٹر نوریان کی لگائی ہوئی آگ بھڑک اُٹھتی تو شاید یہ پورا ملک ہی راکھ کا ڈھیر بن گیا ہوتا...

شہزاد نے مقررہ وقت پر نمبر ڈائل کیا۔

دوسری طرف سے فوراً ہی کال ریسیو کی گئی۔ اس کے چیف بہرام کی جذبات سے عاری آواز سنائی دی تھی۔

"ٹائیگر..." شہزاد نے کُھلائی سے کہا۔

"کیا تم نے فورم سے علیحدگی اختیار نہیں کی؟"

"ابھی کچھ دیر قبل وہیں سے آیا ہوں۔"

"کیا مطلب؟"

"آپ کی چہیتی عالمِ بالا پہنچ چکی ہے۔"

"ڈاکٹر سیماب؟" دوسری طرف سے سوالیہ لہجے میں کہا گیا۔

"جی ہاں..." یہ کہہ کر شہزاد نے صورتِ حال مکمل طور پر اُسے سُنائی اور جب وہ بات ختم کر چکا تو انتظار کرنے لگا کہ دوسری طرف سے اس اقدام پر کیا تبصرہ کیا جاتا ہے۔

"ٹھیک ہے۔ اب تم آرام کرو۔" دوسری طرف سے ایک طویل سانس لے کر کہا گیا۔ بہرام نے اس کے کارنامے پر کسی قسم کا تبصرہ نہیں کیا تھا۔ شہزاد کے ہونٹوں پر اس کٹھور پن سے مسکراہٹ آ گئی۔

"کب تک آرام کروں؟" اُس نے طنزیہ پُوچھا۔

"آرام کا مطلب ہے کہ جب تک تم سے کوئی کام نہیں لیا جاتا، تب تک تمہیں اپنے استاد اُدوشان سے مزید تربیت حاصل کرنی چاہیے۔" یہ کہہ کر بہرام نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

شہزاد نے ریسیور رَیک سے لٹکا دیا اور مُسکراتا ہوا ٹیلی فون بُوتھ سے باہر آ گیا۔ وہ بے حد تازہ دم نظر آتا تھا... اور اُس کا رُخ اُسی ہوٹل کی طرف تھا، جہاں اُس نے تھنکر زفورم سے واپسی کے بعد ایک شاندار کمرے میں قیام کیا تھا... وہاں ایک لڑکی اُس کی منتظر تھی۔

اس لڑکی کے سفید چہرے پر بھورے بھورے خوش نما تل تھے۔ ان دھبوں کو اُس نے بے پناہ پسند کیا تھا اور لڑکی کو بتایا تھا کہ جس لڑکی کے چہرے پر ایسے بھورے تل نہ ہوں۔ اس کی مثال ایک ایسی رات جیسی ہوتی ہے جس میں ستارے نہ نکلے ہوئے ہوں۔

اٹرہوسٹس نے حیرت سے اس شخص کی طرف دیکھا۔
اس نے اب تک کوئی چیز استعمال نہیں کی تھی وہ جب سے جہاز میں سوار ہُوا تھا۔ اس نے کافی اور چائے تو درکنار پانی تک استعمال نہیں کیا۔ جب وہ سیٹ کی پُشت گاہ سے ٹیک لگا کر سونے کی کوشش کر رہا تھا تو اُس نے ایک تکیہ اُسے دینے کی کوشش کی تھی لیکن اس پُراسرار شخص نے تکیہ بھی قبول نہیں کیا۔

جب وہ نمایاں طور پر سوتا محسوس ہُوا تو اٹرہوسٹس نے ازراہ ہمدردی اس کا سر اُٹھا کر تکیہ رکھنے کی کوشش کی لیکن اس ہارڈ دو نوجوان تیزی سے اس کی طرف لپکے اور انہوں نے نہ صرف اٹرہوسٹس سے تکیہ چھین لیا بلکہ اٹرہوسٹس کو بھی شدید دھکا دیا۔

اٹرہوسٹس خود کو بمشکل سنبھالنے میں کامیاب ہوئی۔

اُسے ان لوگوں پر بے حد تاؤ آ رہا تھا لیکن اس نے خود پر جبر کرتے ہُوئے نہ صرف معذرت کر لی بلکہ اس نے اپنے ہونٹوں پر پیشہ ورانہ مُسکراہٹ بھی بکھیر لی تھی۔ یہ لوگ یقیناً لامازی قوم سے تعلق رکھتے تھے۔ جزیرۂ فردوس کی مقامی ہونے کی وجہ سے اُسے بھی لامازیوں سے نفرت تھی لیکن وہ اپنے فرض میں کوتاہی نہیں کرنا چاہتی تھی اس لیے اُس نے شروع ہی سے دیگر مسافروں کی طرح ان لامازیوں کا بھی خیال رکھنے کی کوشش کی تھی۔ اب یہ الگ بات تھی کہ انہوں نے جواباً اس سے کوئی اچھا سلوک نہیں کیا۔

تمام مسافروں کو کھانا دیا جا چُکا تھا۔

رات آدھی سے زیادہ بیت چکی تھی۔

یہ مسافر بردار طیارہ تیزی سے فردوسی ائرپورٹ کی طرف محوِ پرواز تھا... اور ابھی نصف گھنٹے کی پرواز باقی تھی۔ اس نے ایک نظر مسافروں کی قطار پر ڈالی اور پھر مطمئن ہو کر جہاز کے کیپٹن اور اس کے نائب سے کھانے کے لیے پُوچھنے کے ارادے سے کیبن کی طرف بڑھ گئی۔

گیلری سے گزر کر اُس نے اپنی جیب سے چابی نکالی اور کیبن کا دروازہ کھول کر اندر جھانکتے ہُوئے کہا۔ "آپ دونوں کے لیے بھی کھانا لے آؤں؟"

"نہیں..." نائب نے جواب دیا۔ "ہم دونوں لینڈ کرنے کے بعد دارالحکومت کے کسی اچھے سے ریستوران میں کھانے کا پروگرام بنا چکے ہیں۔"

"اوہ، بہت خوب! اٹرہوسٹس نے لفظی گھنٹی سے ملتی جُلتی آواز میں قہقہہ لگایا۔ "اگر یہ پروگرام میرے علم میں لا کر تیار کیا جاتا تو شاید میں بھی شامل ہو جاتی۔"

"پھر کبھی سہی۔" نائب نے مُسکرا کر کہا۔ "تم ٹھیک تو ہو اور جہاز میں سب خیریت سے ہیں؟"

"ہاں... اٹرہوسٹس نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "معمولی سی بدمزگی کے علاوہ کچھ نہیں ہُوا... اور تم جانتے ہو کہ جہاز میں کبھی کبھی کچھ بدمزاج لوگ بھی سوار ہو جاتے ہیں جن کو بہرحال بُھگتنا ہی پڑتا ہے۔" اس نے اپنے گریبان میں پھونک ماری۔ "مجھے تو بڑی گرمی لگ رہی ہے۔"

"تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟" پائلٹ نے پلٹ کر کہا۔ "ہمیں تو سردی کا احساس ہو رہا ہے۔"

"شاید کچھ طبیعت ہی گڑبڑ ہے۔" اٹرہوسٹس نے زیرِلب کہا اور جانے کے ارادے سے پلٹ پڑی... پھر اس نے دروازہ اتنی آہستگی سے بند کیا کہ کیبن میں موجود دونوں افراد کو پتہ بھی نہ چلا... لیکن دروازہ ٹھیک سے بند بھی نہیں ہُوا تھا کہ اٹرہوسٹس کے دماغ پر نیند کا غُبار پھیل گیا... اور وہ کیبن سے باہر فرش پر مُنہ کے بل گر گئی۔ اُسی لمحے کھُلے دروازے سے نائب نے ایسی آوازیں سُنیں جیسے جہاز میں کہرام مچ گیا ہو۔

وہ پھرتی سے دروازہ کھولتا ہُوا دوڑا تو باہر فرش پر بے ہوش پڑی اٹرہوسٹس سے الجھ کر گرتے گرتے بچا... پھر اس نے اٹرہوسٹس کی پروا کیے بغیر جہاز میں موجود مسافروں کی طرف دیکھا۔

ایک عورت بُری طرح چیخ رہی تھی۔

"نہیں... نہیں! ایسا نہیں ہو سکتا۔"

وہ تیزی سے آگے بڑھا۔

عورت نے اپنے سوئے ہُوئے بچے کو جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر جگانا شروع کر دیا تھا... لیکن جب اس کی نیند نہ ٹوٹی تو وہ عورت اُس کے رُخساروں کو تھپ تھپانے لگی... اور یہ تھپ تھپاہٹ آہستہ آہستہ ہذیانی کیفیت میں لگائے گئے تھپیڑوں میں تبدیل ہو گئی۔

نائب نے بوکھلا کر ایزل کی طرف دیکھا۔

وہاں ایک نوجوان یوں چل رہا تھا جیسے کسی وجہ سے

اس کی آنکھیں پھٹ گئی ہوں اور اس کے ذہن نے کام کرنا چھوڑ دیا ہو... ایک نوعمر لڑکی یکایک اپنے بوڑھے ساتھی کے گریبان میں مُنہ چھپا کر سسکیاں بھرنے لگی۔

چند لمحوں تک تو پائلٹ کے نائب کو اس صورتِ حال کی وجہ ہی سمجھ میں نہ آ سکی... پھر اس نے ان دو نوجوانوں کی طرف دیکھا جن کے ہاتھوں میں ریوالور تھے... اور پھر خود نائب کے دماغ اور آنکھوں میں پھیلاؤ پیدا ہوتا چلا گیا۔

ان ریوالور بدست نوجوانوں کے پیروں میں ایک شخص کسی لاش کی طرح پڑا تھا... دونوں نوجوان گہری نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھ رہے تھے۔ خود ان کے چہروں سے پریشانی ہُویدا تھی لیکن ان کا انداز جارحانہ تھا۔ بالکل یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ اگلے چند لمحوں میں جہاز کے ہر مسافر کو گولی مار دینے کے ارادے پر نظرِ ثانی کر رہے ہوں۔

جو مسافر محوِ خواب تھے، جہاز میں شور کی وجہ سے وہ بھی بیدار ہو گئے۔ انہوں نے بھی بس یہی دیکھا کہ ایک لامازی ایزل میں مُردہ پڑا ہے اور دو نوعمر لامازی ریوالور ہاتھ میں لیے اس کے قریب کھڑے ہیں۔ غالباً اس سے مسافروں نے اندازہ لگایا کہ انہی دونوں نے اس لامازی کو ٹھکانے لگایا ہے۔

نائب اس صورتِ حال پر بوکھلایا ہُوا چند لمحوں تک تو اِدھر اُدھر دیکھتا رہا... پھر تیزی سے آگے بڑھا اس نے بھی فوری طور پر یہی سمجھا تھا کہ ان دونوں نے اس شخص کو قتل کر دیا ہے۔

"کیا بات ہے، تم لوگ کیا چاہتے ہو؟" اس نے بوکھلاہٹ میں پوچھا۔

لامازی نوجوان قہر آلود نگاہوں سے نائب کو دیکھتے رہے... پھر انہوں نے دھیمی آواز میں اُسے کچھ بتایا۔ ان کی باتیں سُن کر نائب نے ایزل میں مُردہ پڑے شخص کی طرف دیکھا اور پھر اس کی آنکھیں مزید پھیل گئیں۔ اس بار ان میں دہشت سے زیادہ حیرت کا تاثر تھا۔

جو شخص ایزل میں پڑا تھا اس کی دائیں کلائی میں ایک ہتھکڑی تھی جس کی زنجیر سے ایک چھوٹا سا بریف کیس منسلک تھا۔ اب تک مسافروں میں خاصا ہیجان پیدا ہو چکا تھا اور وہ اپنی اپنی سیٹوں سے اُٹھ گئے تھے۔

پائلٹ کا نائب تیزی سے واپس آیا اور اس نے اٹرہوسٹس مائکروفون ہاتھ میں لے کر ایمرجنسی لینڈنگ کا اعلان کر دیا اس کے ساتھ ہی اس نے مسافروں سے درخواست کی کہ سب اپنی اپنی جگہ بیٹھ جائیں۔ پائلٹ نے بھی یہ اعلان سُن لیا تھا اور اُسے یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی تھی کہ ایمرجنسی لینڈنگ بے حد ضروری ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو اس کا نائب ہرگز یہ اعلان نہ کرتا۔ اس نے فوری طور پر قریبی ائرپورٹ سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش شروع کر دی۔

دُھند آلود رات میں جہاز کا رُخ فوراً بدل گیا اور اس کی بُلندی تیزی سے کم ہونے لگی۔ فگالو لینڈ ائرپورٹ پر اُترنے کا انہیں سگنل مل چُکا تھا اور پائلٹ نے پوزیشن وہاں کی سیکورٹی کو بتا دی تھی جس کے نتیجے میں جہاز لینڈ کر گیا تو اسے وہاں تک جانے کی اجازت نہیں دی گئی جہاں عموماً مسافر بردار جہازوں کو کھڑا کیا جاتا تھا۔ پائلٹ اور اس کے نائب کو فوری طور پر سیکورٹی چیف کے پاس پہنچا دیا گیا اور باقی مسافر جہاز تک محدود کر دیے گئے۔

اس وقت ڈاکٹرز اور نرسیں وہاں پہنچ چکی تھیں۔ انہیں جہاز میں داخل ہونے کی اجازت دے دی گئی اور وہ لوگ اپنی دواؤں اور مُسکراہٹوں سے جلد ہی لوگوں کی حالت معمول پر لانے میں کامیاب ہو گئے۔

جن دو لامازی نوجوانوں نے ریوالور نکال رکھے تھے، انہوں نے انہیں ہولسٹروں میں واپس رکھ لیا تھا... پھر اچانک ہی وہ اپنے قریب کھڑے لوگوں کو دھکیلتے ہُوئے دروازے سے اُترے اور اس سے قبل کہ کوئی صورتِ حال سمجھتا، وہ دونوں دوڑتے ہُوئے ایک کارٹک جا پہنچے۔ اگلے ہی لمحے ان کی کار رَن وے پر دوڑتی ہُوئی جہاز سے دُور چلی گئی۔ سیکورٹی کی جیپ کچھ دیر بعد ان ہی کے تعاقب میں گئی لیکن ان لوگوں کو ناکام واپس نہیں آنا پڑا... البتہ وہ دونوں لامازی ان کے ساتھ نہیں تھے۔ ان کی کار دُور رَن وے ہی پر کھڑی تھی۔

اُس رات صرف انہی لوگوں کو ائرپورٹ سے باہر جانے کی اجازت دی گئی جو مر چُکے تھے اور جنہیں مُردہ خانے بھیجا گیا تھا۔

اگلی رات نصف سے زیادہ بیت گئی تب کہیں باقی ماندہ لوگوں کو اجازت ملی اور وہ لوگ جیسے تیسے وہاں سے اپنی اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گئے۔ جتنا عرصہ مسافروں کو ائرپورٹ پر نظر بند رکھا گیا تھا، اتنے عرصے میں ہر کسی سے بے شمار سوالات کیے گئے... فضول اور بے مقصد سوالات تھے لیکن ہر کوئی ان باتوں کا جواب دینے کے لیے مجبور تھا۔

جس رات جہاز میں یہ سب کچھ ہُوا اس سے اگلے روز اخبارات اس سلسلے میں خاموش رہے... لیکن دو روز بعد اخبارات

سُرخی یہ تھی کہ ناقص غذا کی وجہ سے اُنہیں افراد جہاز میں ہلاک ہو گئے۔ اس خبر میں لامازیوں کا کہیں تذکرہ نہیں تھا۔

تیسری شب پالمٹ اپنی بیوی کے ساتھ بیٹھا تھا کہ اس نے یہ خبر پڑھ کر حیرت سے اپنی بیوی کی طرف دیکھا۔

"ناممکن... وہ بڑبڑایا" سب کو اس سے بکواس ہے۔ اتنے لوگ ناقص غذا سے نہیں مر سکتے۔ یہ سب کی حالت خراب ہو گئی تھی لیکن... وہ دہشت زدہ تھے... پھر میں نے انہیں مرتے نہیں دیکھا... صرف ایک آدمی ہلاک ہوا تھا... اور وہ بھی لامازی تھا جس نے کچھ نہیں کھایا تھا۔"

"ایسی صورت میں تمہیں فوراً پولیس کو حقائق سے آگاہ کرنا چاہیے۔" بیوی نے شوہر کو مشورہ دیا۔ پالمٹ نے فوراً ریسیور اُٹھایا اور پولیس ہیڈ کوارٹرز سے رابطہ قائم کرنے لگا۔

اس کی باتیں بے حد توجہ سے سُنی گئیں اور پھر اُسے یہ اطمینان دلا کر سلسلہ منقطع کر دیا گیا کہ اس کے بیان کی روشنی میں، اس معاملے کی اطمینان بخش انداز میں تحقیقات کی جائے گی۔

اُسی شب یہ ساری اطلاعات صدرِ مملکت کو پہنچا دی گئیں۔

انہوں نے صورتِ حال کا جائزہ لیا اور پھر اپنے ایڈی سے مشورہ کیا جس نے انہیں بتایا کہ لامازی صدرِ مملکت، جنرل لامو کو اُن کے پاس بھیج رہا ہے... لیکن چونکہ پہلے سفیر کو ہوائی جہاز میں قتل کر دیا گیا ہے اس لیے جنرل لامو کو کسی گمنام ذریعے سے بھیجا جائے گا۔ صدرِ مملکت نے اپنے ایڈی سے کہا کہ وہ لامازی حکومت سے رابطہ قائم کر کے فوراً یہ درخواست کرے کہ وہ اپنے نمائندے کو اس انداز میں نہ بھیجیں ورنہ اس کی حفاظت کی ذمے داری قبول نہیں کی جائے گی۔

"جہاں تک میرا تعلق ہے، جناب!" ایڈی نے مُسکراتے ہوئے کہا" جنرل لامو کی آمد میرے لیے بے حد پُرمسرت ہے... بہرحال، کسی پُراسرار ذریعے سے ان کی آمد ہمارے لیے پریشانی کا باعث بھی بن سکتی ہے۔"

صدرِ مملکت نے چند لمحوں تک غور کرنے کے بعد ایڈی کو جانے کا اشارہ کیا اور پھر تفکر آمیز انداز میں اس فون کو گھورنے لگے جس پر کسی نہایت ہی اہم معاملے میں فلکرافٹ کے چیف بہرام سے مدد لی جا سکتی تھی۔

کچھ [illegible] وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ انہیں اس سلسلے میں برہ[illegible] فلکرافٹ کے چیف سے مدد لینی ہی پڑے گی... انہوں نے ریسیور اُٹھا لیا۔

اس فون پر رابطہ قائم کرنے کے لیے کوئی ڈائل نہیں تھا... لیکن ایک ہی لمحے میں بہرام سے ان کا رابطہ قائم ہو گیا اور وہ سرگوشیوں میں اس سے باتیں کرنے لگے۔

گولیوں کے دھماکے کسی کو سُنائی نہیں دیے۔

یہ دن کا معروف ترین وقت تھا اور ہر شخص اپنے اپنے کام میں مگن تھا۔ سیاہ رنگ کی وہ لیموسین گاڑی اچانک ہی دارالحکومت کی ایک سڑک پر نمودار ہوئی۔ اس کی کھڑکیوں پر پردے پڑے ہوئے تھے۔ اچانک یہ گاڑی ایک جگہ گھومی اور پھر ایک کھمبے سے ٹکرا گئی۔ حادثے کے وقت کسی کو فوری طور پر معلوم نہ ہو سکا کہ ڈرائیور کے ساتھ کیا بیت رہی ہے۔ وہ بُری طرح اسٹیرنگ پر ہاتھ مار رہا تھا اور اس کی کھوپڑی کے عقبی حصے سے خون اُبل رہا تھا۔

ڈرائیور کے پہلو میں جو شخص براجمان تھا، اس کا سر ڈیش بورڈ پر جھکا ہوا تھا... اور یوں محسوس ہوتا تھا جیسے کوئی شدید اندرونی چوٹ کھانے کے بعد اب خون تھوک رہا ہو۔

اچانک عقبی سیٹ پر بیٹھے ہوئے پردے ہٹ گئے۔

مُردہ ڈرائیور کا ایک پیر بریک پر جما ہوا تھا اور دوسرے نے کلچ کو دبا رکھا تھا... اس لیے کار کا انجن اب بھی بیدار تھا۔ ابھی اس کار کو کھمبے سے ٹکرائے زیادہ وقت نہیں ہوا تھا کہ ایک بھُوری کار اس سڑک پر نکل آئی۔

یہ ایک تیز رفتار کار تھی۔

اس کار کے ڈرائیور کی نگاہ جیسے ہی سیاہ لیموسین پر پڑی اس نے پوری قوت سے بریک لگا دیے۔ ٹائروں کی چیخوں سے اس پاس کا ماحول کانپ گیا۔ پہلے حادثے کی بجائے، اس شور نے لوگوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کروا لی۔

بھُوری کار ایک دھچکے سے رُک گئی۔

دروازے کھلے اور پھر ریوالور ہاتھ میں لیے چار آدمی اس کار سے اترآئے۔ وہ تیزی سے اس لیموسین کی طرف دوڑے جس کا انجن اب بھی شور مچا رہا تھا۔ کیونکہ مضبوط کھمبے نے اس کا راستہ روک رکھا تھا۔ بھُوری کار سے چار آدمی اُترے تھے لیکن تین نسبتاً تیز رفتاری سے اس لیموسین تک پہلے پہنچ گئے۔

اُنہوں نے جاتے ہی کار کے دروازوں پر زور آزمائی شروع کر دی لیکن دروازے شاید مقفل کر دیے گئے تھے۔ عقبی دروازے سے جدوجہد کرنے والے شخص نے پہلے تو ہینڈل کو زور زور سے جھٹکے دیے لیکن جب دروازہ نہ کھلا تو اس نے ریوالور والا ہاتھ اُٹھایا اور کار کے اگلے والے دروازے پر فائر کر دیا۔

اُسی لمحے دوسرے نے کود کر فرنٹ سیٹ کے دروازے کا شیشہ چکنا چُور کر دیا... پھر دونوں کے ہاتھ بیک وقت لاک کھولنے والے لیور کی طرف لپک پڑے تھے۔

انہوں نے فی الفور عقبی دروازہ کھول ڈالا۔

اس شخص نے کنارے رہنے والی ایک خاتون مسز کاش نے جب چیخ کر آنکھوں سے دیکھا تھا۔ کچھ دیر بعد جب پوری ٹریفک پولیس اور انٹیلی جنس نے آدمیوں سے بھر گئی اور لوگوں سے باز پرس کا سلسلہ شروع ہو گیا تو ایک نوجوان افسر نے مسز کاش سے بھی سوالات کیے۔

مسز کاش کو سمجھ جانے کی جلدی تھی کیونکہ اسے ابھی کھانا پکانا تھا... لیکن وہ جانتی تھی کہ اس قسم کے موقعوں پر کی گئی باز پرس نہایت طویل بھی ہو جاتی ہے... اور جن لوگوں سے سوالات کیے جاتے ہیں انہیں فی الفور ٹیلی ویژن کے لیے بلا لیا جاتا ہے۔ اس خیال کے تحت وہ نوجوان افسر کے سوالوں کا جواب دینے کے لیے تیار ہو گئی تھی۔

[illegible] خیال سے [illegible] مسز کاش نے انکشاف کیا۔

"پہلی کار سے آپ نے کسی شخص کو اترتے دیکھا تھا؟"

"نہیں... میں نے تو گاڑی کے کھمبے سے ٹکرانے کی آواز سُنی تھی اور اس کے بعد ایک کار کے ٹائر بُری طرح چیخے... پھر چار آدمی اس بھُوری کار سے اترے اور دوڑتے ہوئے اس کار کی طرف بڑھتے نظر آئے جو کھمبے سے ٹکرا گئی تھی۔ ان میں سے ایک یا دو نے دروازہ کو کھولنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہے..."

"پھر کیا ہوا؟" افسر نے بے چینی سے پوچھا۔

"ایک شخص نے فائر کر کے شیشہ توڑ دیا اور دوسرے نے [illegible] سیٹ کے دروازے پر گولی چلا دی۔ انہوں نے عقبی دروازے کھولے لیکن پچھلی نشست پر کوئی نہیں تھا۔"

"کیا مطلب؟"

"عقبی سیٹ خالی تھی۔" مسز کاش نے وضاحت کی۔ "انہوں نے جس شخص کو اس سیٹ پر تلاش کرنا چاہا تھا وہ اس سیٹ پر موجود ہی نہیں تھا۔"

"کیوں... آپ کو کوئی مشتبہ شخص بھی نظر آیا؟"

مسز کاش نے سر کو منفی جنبش دی۔ وہ حیران تھی کہ یہ پولیس افسر کیسے احمقانہ سوالات کر رہا ہے۔ جن چار افراد نے کار پر گولیاں برسائی تھیں وہ مشکوک نہیں تھے۔ تو انہیں اور کیا کہا جا سکتا ہے... لیکن اس نے چڑچڑے پن کا مظاہرہ نہیں کیا بلکہ بڑے صبر و تحمل سے پولیس افسر کی طرف دیکھتی رہی۔

"جو دو نوں افراد لیموسین میں زخمی پائے گئے تھے، کیا وہ جلد ہی ٹھیک ہو جائیں گے؟" مسز کاش نے پولیس افسر کو کسی گہری سوچ میں ڈوبے دیکھ کر پوچھا۔

پولیس افسر نے سر کو نفی میں حرکت دے کر کہا" مشکل ہے... ان کو کاری ضربیں لگی ہیں۔ کیا تم نے کار میں موجود ان دو افراد کے علاوہ کسی کو نہیں دیکھا، جو زخمی ہو گئے تھے؟"

مسز کاش نے دوبارہ سر کو نفی میں ہلا دیا۔

"ہُوں... کیا اس محلے میں کوئی لامازی رہتا ہے؟"

"جی ہاں۔ لانڈری کا کام کرتا ہے۔"

"کیا آپ نے اُسے کسی کار کے نزدیک دیکھا تھا؟"

"نہیں..." مسز کاش نے جواب دیا۔ "وہ تو بے چارہ اور لوگوں کی طرح گھبرا کر مدد کے لیے دوڑا تھا۔ اس وقت تو شاید پورا محلہ جمع ہو چکا تھا۔ کیا مجھے ٹی۔ وی پر پیش کیا جائے گا؟"

"نہیں..." پولیس افسر نے رُکھائی سے کہا۔

اس بات کی خبر جب فردوسی ٹیلی ویژن پر نشر ہوئی تو ایک دو ہم سن امیدیں مسز کاش اپنے سیٹ کے سامنے بیٹھی رہی۔ لیکن اُسے کہیں نہیں دکھایا گیا۔ تب اُسے عجیب سا محسوس ہوا کیونکہ اس قدر سنگین صورتِ حال کے باوجود ٹی۔ وی نے اس معاملے کو بے حد سرسری انداز میں لیا تھا۔

خبروں میں اس بات کا بھی تذکرہ نہیں کیا گیا کہ حادثے کے فوراً ہی بعد پولیس اور محکمہ خفیہ کے آدمیوں کی پوری فوج حادثے کے مقام پر پہنچ گئی اور انہوں نے بازار کی ناکہ بندی کر کے ایک، ایک شخص سے خوب کُرید کُرید کر باز پُرس کی تھی۔

سب سے زیادہ حیرت کی بات یہ تھی کہ عقبی سیٹ پر موجود شخص کے غائب ہو جانے کا بھی تذکرہ نہیں کیا گیا تھا۔ مسز کاش کا خیال تھا کہ شاید فوری طور پر نشر ہونے والی خبروں میں تفصیل اس لیے نہیں دی گئی کہ رپورٹرز کو پورے حقائق ہی معلوم نہیں ہوئے ہوں گے۔ اُس نے نصف شب سے کچھ دیر پہلے، آخری خبروں کو سُنا لیکن ان میں بھی کوئی تذکرہ نہیں تھا۔

یہ اس کا اپنا اندازہ تھا کہ کوئی بہت بڑی شخصیت اس کار کی عقبی سیٹ پر موجود تھی جسے اچانک ہی غائب پایا گیا۔ تب اس نے تبصرہ کیا کہ کسی ایسی شخصیت کو فون ایک ہی کار میں آنے کی کیا

ضرورت تھی۔ اس کے ساتھ تو درجنوں کاروں کا ایک جلوس ہونا... چاہیے تھا۔

متعلقہ محکموں کے سربراہ الگ پریشان تھے۔

اُنہوں نے اس سلسلے میں جو رپورٹس مرتب کی تھیں، وہ ڈھیروں تھیں۔ وہ اپنی اپنی رپورٹ لے کر ہیڈ کوارٹرز کے ایک کمرے میں جمع ہو گئے تھے۔ ایک لمبی سی میز کے گرد اُن کُرسیاں سجی ہوئی تھیں اور ان میں سے چند ایک ہی کو خالی دیکھا جا سکتا تھا۔

اُنہوں نے اس سلسلے میں اس وقت کام شروع کیا تھا جب چاروں طرف خوب دھوپ پھیلی ہوئی تھی... اور پھر جب کام ختم ہوا تو آسمان اندھیروں میں چھپ چکا تھا... لیکن اس کے باوجود کسی کی بھی رپورٹ مکمل نہیں تھی۔

دوسری جانب اُن کے ماتحت اب بھی دوڑ دھوپ میں لگے ہوئے تھے۔ ہر تھوڑی دیر بعد کسی نہ کسی سربراہ کے ماتحت کی کال آتی اور وہ کسی خاص اطلاع کی تشنگی لیے دوڑا دوڑا فون کی طرف جاتا... اور کچھ ہی دیر بعد مُنہ لٹکائے واپس آجاتا۔

ادھر صدرِ مملکت کے مشیرِ خاص نے اپنے دفتر میں موجود ایک [illegible] سے دریافت کیا تھا۔ "بتاؤ، یہ سب کچھ کیسے ہوا؟"

بلڈ اگ نما چہرے والا شخص، اپنے سامنے کاغذات پھیلائے بیٹھا تھا۔ یہ زیادہ تر رپورٹس تھیں جنہیں اس نے مختلف ذرائع سے اطلاعات حاصل کر کے مرتب کیا تھا۔

اس شخص نے رپورٹس کی ورق گردانی کرتے ہوئے پڑھنا شروع کر دیا۔ "جنرل لامو تقریباً گیارہ بج کر پندرہ منٹ پر اپنی کار میں روانہ ہوئے... اور پیچھے اُن کی کار ایک ذیلی سڑک پر گھومی تھی، جبکہ سکیورٹی والوں نے نہایت تیز رفتاری سے اُن کی کار کا تعاقب کیا اور کوشش کی کہ اُن کی گاڑی مین روڈ پر چلتی رہے... لیکن وہ، جنرل لامو کی کار کو اپنی منشا کے مطابق سڑک پر نہ رکھ سکے کیونکہ جیسے ہی جنرل کی کار مین روڈ سے ایک ذیلی سڑک پر پہنچی، فوراً ہی ایک اور کار ان دونوں گاڑیوں کے درمیان حائل ہو گئی تھی۔"

اُس نے ایک اور رپورٹ اُٹھالی۔

"سکیورٹی کی کار نے گیارہ بج کر پینتیس منٹ پر جنرل کی کار کو دوبارہ تلاش کر لیا... لیکن اس وقت تک لیموسین ایک کھمبے سے ٹکرا چکی تھی۔ سکیورٹی کے چالاک و چوبند افراد نے فوراً ہی کار کو گھیرے میں لے لیا اور دروازوں کے قفل توڑ ڈالے لیکن دیکھا تو عقبی سیٹ سے جنرل لامو غائب ہو چکے تھے... ان کا ایڈی او... ڈرائیور دونوں ہی مر چکے تھے کیونکہ ان دونوں کو گولی ماردی گئی تھی۔ ڈرائیور کی کھوپڑی کے عقبی حصے میں گولی لگی جب کہ ایڈی کی گردن میں اس طرح پیوست ہوئی کہ اُس کے حلق تک پہنچ گئی۔ دونوں لاشیں فوری طور پر قریبی ہی اسپتال پہنچادی گئیں جہاں فی الفور گولیاں نکل گئیں لیکن ان میں سے کسی کو بچانا ممکن نہیں تھا۔ وہ اسپتال پہنچنے سے کافی دیر پہلے ہی دم توڑ چکے تھے۔ ان گولیوں کا جائزہ لیا گیا لیکن کوئی قابلِ ذکر بات معلوم نہیں ہو سکی۔"

"بس... بس، کافی ہے۔" صدرِ مملکت کے مشیر نے چیخ کر کہا۔ مجھے پولیس کارروائی کی تفصیل نہیں چاہیے۔ میں تو یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ ایک ایسا شخص کیسے غائب ہو گیا جس کی سکیورٹی نگراں تھی؟ ہم جنرل لامو کو کھو چکے ہیں... مکمل طور پر ضائع کر چکے ہیں۔ کیا انہیں کسی نے بھی نہیں دیکھا؟ جن لوگوں نے جنرل کو اغوا کیا ہے، کیا انہیں بھی کسی نے نہیں دیکھا؟ تمہاری سکیورٹی، ان کی گاڑی سے آخر کتنے فاصلے پر تھی کہ وہ لوگ کسی کو دیکھنے میں کامیاب ہی نہ ہو سکے؟"

"بس گز کے قریب فاصلہ رہا ہوگا، جناب!"

"گویا دونوں کاروں کے درمیان صرف ایک اور کار تھی؟"

"جی ہاں..."

"وہ... جناب غائب ہو گئی؟" صدرِ مملکت کے مشیر نے یہ جملہ غرا مارتے ہوئے پوچھا۔ "اس کار میں کون سوار تھا۔ کیا سکیورٹی والے ان لوگوں کو بھی دیکھنے میں کامیاب نہیں ہوئے؟"

"نہیں جناب..."

"اور کسی کو گولیوں کے دھماکے بھی سُنائی نہیں دیے؟"

"نہیں، جناب..."

"اور اس کے بعد سکیورٹی، جنرل لامو کی کار تک پہنچ گئی... جہاں ان لوگوں نے ڈرائیور اور جنرل کے ایڈی کو مُردہ حالت میں یا دم توڑتے ہوئے پایا۔ یہی بات ہے، نا؟"

"جی ہاں..." بلڈ اگ نما چہرے والا شخص بولا۔

"اُف... کتنی حیرت انگیز واردات ہے۔ بہرحال میں اس سلسلے میں زیادہ سے زیادہ کام چاہتا ہوں... مجھے یقین ہے کہ تمہیں احساس ہو گا یہ کتنا اہم معاملہ ہے۔"

بلڈ اگ نما چہرے والا شخص خاموش رہا۔

صدرِ مملکت کے مشیرِ خاص نے ایک ادھیڑ عمر کے شخص کی طرف دیکھا جس نے اب تک زبان سے ایک لفظ نہیں کہا تھا... البتہ وہ لکھتا ضرور جا رہا تھا۔ اس شخص کا چہرہ لیموں جیسا تھا اور اس نے خوب بڑے بڑے شیشوں والا چشمہ لگا رکھا تھا۔

"کیا تم کوئی رائے دے سکتے ہو؟" مشیرِ خاص نے کہا۔

کمرے میں موجود افراد کے سر، اس وبلے پتلے آدمی کی طرف گھوم گئے۔ ان سب کو مایوسی ہی ہوئی کیونکہ اس شخص نے سر کو نفی میں ہلا کر بہت ہی آہستہ آواز میں کہا تھا۔ "نہیں، جناب!"

"بہرحال، مجھے صدرِ مملکت کی طرف سے ہدایت کی گئی ہے۔ میں، آپ لوگوں کو چند اہم احکامات دوں۔ یہ ہنگامی اجلاس اسی سلسلے میں طلب کیا گیا ہے۔" مشیرِ خاص نے کہا اور ایک بٹن دبا دیا۔ ہر ڈائریکٹر اپنے اپنے فون پر احکامات کو سُنے گا اور کسی کو کسی سے کچھ کہنے کی اجازت نہیں دی جاتی۔"

مشیرِ خاص نے جیسے ہی بٹن دبایا، پہلے سے ٹیپ شدہ احکامات کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ تمام ڈائریکٹر ایک لمبی سی میز کے گرد بیٹھے ہوئے تھے اور ہر ایک کے سامنے ایک فون رکھا تھا۔ فون کے ریسیور پر ایک بلب لگا ہوا تھا جس کسی کے ریسیور کا بلب روشن ہوتا، وہ ریسیور اُٹھا لیتا اور خاموشی سے احکامات سُنتا رہتا... پھر ریسیور رکھ دیتا... اُس کے بعد دوسرے فون کا بلب روشن ہو جاتا تھا۔

باری باری ہر ڈائریکٹر نے فون پر احکامات سُن لیے لیکن لیموں جیسے چہرے والے شخص کے سامنے رکھے فون کا بلب روشن نہیں ہوا تھا۔ کچھ دیر بعد، وہ میز سے اُٹھا اور ایک دروازے سے داخل ہو کر ڈائریکٹرز کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔

وہ جس کمرے میں داخل ہوا تھا، اس میں مدھم روشنی کا بلب لگا ہوا تھا اور ایک لمبی چوڑی میز کے پیچھے جزیرۂ فردوس کے صدرِ مملکت تشریف فرما تھے۔ لیموں جیسے چہرے والے شخص نے چشمہ اُتارا اور ایک کُرسی پر تھکے تھکے سے انداز میں بیٹھ گیا۔

"کیا رہا...؟" صدرِ مملکت کی آواز دھیمی لیکن تفکر آمیز تھی۔

"مجھے یہ معاملہ اب بھی بے ترتیب لگ رہا ہے، جناب عالی!" بہرام نے اپنے لیموں جیسے چہرے پر دونوں ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا... "بہرحال، مجھے یقین ہے کہ کانفرنس میں موجود ایک شخص کی آنکھوں میں میرے لیے شناسائی کے تاثرات موجود تھے۔ میں اسی لیے یہاں نہیں آنا چاہتا تھا۔ ہمارا وجود اسی وقت تک حکومت کے لیے کارآمد اور برقرار ہے جب تک کوئی ہمارے بارے میں نہیں جانتا۔"

"میرا خیال ہے کہ وہ شخص آپ کے نام تک سے واقف نہیں ہوگا۔"

"یہ بات نہیں ہے، جناب!" بہرام نے تشویش سے کہا۔ "بہرحال، میں دیکھوں گا کہ اس سلسلے میں کیا، کیا جا سکتا ہے... مجھے اب جانے کی اجازت دیجیے۔"

"مسٹر بہرام۔ لامانیوں کے ساتھ ہمارے تعلقات درست ہونے کی جو صورت سامنے آئی ہے، میں اُس سے استفادہ کرنا چاہتا ہوں... لیکن دو حادثات ایسے ہو گئے ہیں جن کا ازالہ بے حد مشکل ہو گا۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے ذاتی طور پر آپ کو زحمت دی ہے... پھر یہ ہمارے دو مُلکوں ہی کا نہیں، امنِ عالم کا مسئلہ ہے۔"

"آپ نے درست فرمایا... لیکن جناب! میرے فرشتے جزیرۂ فردوس کی حکومت کا تحفظ ہے۔ باقی کاموں کے لیے آپ کے پاس ہوائی، بری اور بحری طاقتیں موجود ہیں۔ پولیس... اور سیکرٹ سروس کے محکمے بھی کام کر رہے ہیں۔"

"لیکن، مسٹر بہرام... یہ سب ناکام ہو چکے ہیں۔"

"ایسی حالت میں، آپ میرے محکمے سے کسی کامیابی کی توقع کیسے کر سکتے ہیں، جناب؟" بہرام نے حیرت سے کہا۔

"وہ شخص... وہ ایک شخص مسٹر بہرام..."

صدرِ مملکت نے جملہ ادھورا ہی چھوڑ دیا تھا۔

بہرام نے اس بات کا کوئی جواب نہ دیا۔

"ہماری لامانی حکومت سے بات چیت ہو گئی ہے... ہمیں، جنرل لامو کو ایک ہفتے کے اندر اندر بہرحال میں تلاش کرنا ہے ورنہ لامانی صدر کا دورہ منسوخ ہو جائے گا اور صورتِ حال ناگوار سے ناگوار تر ہوتی جائے گی۔" صدرِ مملکت نے زور دے کر کہا۔

"لیکن اس سلسلے میں ٹائیگر کیا کر سکتا ہے؟"

"وہ ایک بہترین باڈی گارڈ کا فرض ادا کر سکتا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ سکیورٹی فورس اس سلسلے میں ناکام ہو چکی ہے۔"

"یہ کہنا گستاخی ہوگا، جناب... لیکن معاملہ کچھ ایسا ہی ہے جیسے گھوڑا گھر سے بھاگ جائے تو ٹوٹے پھوٹے دروازے پر دوبارہ کا سب سے اچھا تالا منگوا کر لگا دیا جائے۔"

"یہ بات نہیں ہے۔ اے، جنرل لامو کی تلاش کے کام میں دوسروں کے ساتھ شامل ہو جانا چاہیے۔ ہمیں بہرحال میں سات روز کے اندر اندر جنرل لامو کو تلاش کرنا ہے۔" صدرِ مملکت کا لہجہ بھاری اور تحکمانہ ہو گیا۔

بہرام خاموش ہو گیا۔ وہ، اُنہیں کیسے سمجھاتا کہ ٹائیگر کوئی ایسا آدمی نہیں ہے، جسے جب اور جس کام پر چاہے لگا دیا جائے۔ وہ... ایک قیمتی آدمی ہے۔ اسے چھوٹے موٹے کاموں پر لگا کر تیزی سے... ختم خرچ نہیں کرنا چاہیے اور پھر ٹائیگر تا حال زیرِ تربیت ہے! سگون سے اپنی تربیت مکمل کرنے کا موقع بھی نہیں مل پایا ہے

اس طرح تو وہ کسی وقت بھی ضائع ہو سکتا ہے۔

بہرام کو صدرِ مملکت کی پریشانیوں کا بھی احساس تھا۔ اسے موقع کی نزاکت کا بھی خیال تھا۔ لیکن ٹائیگر کے علاوہ باقی سب لوگ آخر کیا کر رہے ہیں؟ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر صدرِ مملکت اسی طرح ذرا ذرا سی پریشانیوں میں مبتلا ہو کر ٹائیگر کو استعمال کرتے رہے تو جزیرہ فردوس کی انٹیلیجنس ہی ناکارہ ہو کر رہ جائے گی۔ اس لیے وہ دل ہی دل میں فیصلہ کر چکا تھا کہ ٹائیگر کو اس کام میں استعمال کرنے کی اجازت نہیں دے گا۔

"آپ نے میری بات کا جواب نہیں دیا مسٹر بہرام۔"

"مجھے افسوس ہے، جناب۔"

"کیا میں اسے واضح انکار سمجھوں؟"

"مجھے افسوس ہے، جناب۔" بہرام نے دوبارہ کہا۔

"میں جزیرہ فردوس کے صدر کی حیثیت سے پوچھتا ہوں۔"

"اس کے باوجود مجھے افسوس ہے، جناب! ٹائیگر کو اس انداز میں استعمال کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔"

"ملاقات کا بہت بہت شکریہ، مسٹر بہرام۔" صدرِ مملکت کی آواز بھاری اور لہجہ سخت تھا۔ "خدا حافظ... اور ہاں! مجھے افسوس ہے کہ اب تم اپنے عہدے پر قائم نہیں رہ سکو گے۔"

"خدا حافظ، جناب!" بہرام نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "ٹائیگر تو میرے عہدے بلکہ آپ کے عہدے سے بھی زیادہ قیمتی ہے۔ وہ قوم کی امانت ہے۔ میں اسے یوں ضائع نہیں کر سکتا۔"

صدرِ مملکت، جنہوں نے گیارہ اور ان کی پیشانی پر گہری سلوٹیں پیدا ہو گئیں۔ بدشہ اس بات کی توقع کر رہے تھے کہ اپنے عہدے کو خطرے میں دیکھ کر بہرام اپنا فیصلہ بدلنے پر مجبور ہو جائے گا۔

"کیا میں آپ کو سوچنے کے لیے کچھ مہلت دے دوں، مسٹر بہرام؟"

"ایک ہزار سال کی مہلت کے بعد بھی میرا جواب یہی ہو گا۔"

"آخر آپ سمجھتے کیوں نہیں کہ ہم اسے اپنی قوم ہی کے لیے استعمال کرنا چاہتے ہیں۔" صدرِ مملکت کے لہجے میں جھنجلاہٹ تھی۔ "میں آپ کو یقین دلاتا ہوں، مسٹر بہرام! کہ اگر ساتویں روز جنرل دستیاب نہ ہوئے تو آٹھویں دن آپ سب مجھ سے محروم ہو جائیں گے۔"

بہرام کا ہاتھ دروازے کے لٹو پر جم گیا۔

اس نے پلٹ کر صدرِ مملکت کی طرف دیکھا۔

"کیا یہ آپ کی طرف سے خود کشی کی دھمکی ہے، جناب؟" اس نے سے لہجے میں پوچھا۔ پہلی بار بہرام قدرے جذباتی نظر آ رہا تھا۔ سے جذباتی نہیں..." صدرِ مملکت بھی اس کے انداز سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ "بلکہ مجھے دھمکی مل چکی ہے۔"

"اوہ..." بہرام نے ایک طویل سانس لے کر کہا اور آہستہ چلتا ہوا دوبارہ اپنی کرسی پر بیٹھ گیا۔ "ایسی صورت میں میں کچھ پر مجبور ہوں۔"

صدرِ مملکت چند لمحوں تک اسے دیکھتے رہے۔ "کیا میں کوہ پروگرام پیش کر دوں، جسے میں نے تیار کیا ہے۔ ممکن ہے اس پڑھنے کے بعد آپ میرے موقف کو اچھی طرح سمجھ جائیں۔"

انہوں نے ایک فائل بہرام کی طرف بڑھا دی۔

"میں ایک بات اور بھی معلوم کرنا چاہتا ہوں، مسٹر بہرام!" انہوں نے قدرے نرم لہجے میں کہا۔ "کیا میں ٹائیگر کو اپنی مرضی سے استعمال نہیں کر سکتا؟"

"ٹائیگر کوئی مشین نہیں ہے، جناب۔ وہ ایک انسان ہے! ایسا انسان جسے پورے ملک کے انسانوں میں سے خاص طور سے خاص حالات میں منتخب کیا گیا ہے۔ اسے دنیا کی سب سے مہنگی تربیت دی جا رہی ہے۔ اب بھی وہ گھر نہیں لوٹا... لیکن اس کی بے مثال کارکردگی سے متاثر ہو کر اسے ٹائیگر کا ٹائٹل پہلے ہی سے دے دیا گیا ہے۔"

"مجھے سابق پریذیڈنٹ نے بتایا تھا کہ اس ٹائیٹل کا مطلب ہے، اسے قتل کرنے کا سرکاری اجازت نامہ دے دیا جائے گا۔"

"جی ہاں..." بہرام نے کہا۔

"اس کا مطلب ہے، وہ جب اور جسے بھی چاہے گا قتل کر سکے گا... اور اس سلسلے میں ٹائیگر سے کوئی باز پرس نہیں کر سکے گا۔"

"جی ہاں..." بہرام نے ٹھوس لہجے میں جواب دیا۔

"کیا وہ اقتدار حاصل کرنے کی کوشش نہیں کر سکتا؟"

"اس کا انتخاب پورے ملک کی آبادی سے کیا گیا ہے، جناب!" بہرام نے وضاحت کی۔ "اس اعتبار سے وہ پہلے ہی سے صاحبِ اقتدار ہو گیا ہے... لیکن ٹائیگر کے سلسلے میں منفی فوائد کو ذہن میں نہ رکھا جائے تو بہتر ہے۔ وہ ایسی باتوں سے بہت بلند و مستی ثابت ہو گا۔"

"اس کی تربیت کب تک مکمل ہو سکے گی؟"

"ابھی کچھ وقت لگے گا۔"

"کیا میں اس سے مل سکتا ہوں؟"

"نہیں جناب! اس سے آپ کی ملاقات ممکن نہیں۔"

صدرِ مملکت نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ "بعض اوقات صدرِ مملکت کی حیثیت سے خود پر قابو رکھنا بے حد مشکل ہو جاتا ہے،

مسٹر بہرام۔"

بہرام نے چونک کر صدرِ مملکت کی طرف دیکھا۔ وہ بے حد سنجیدہ اور پریشان نظر آ رہے تھے۔

"اسی سے اندازہ لگا لیں کہ ٹائیگر کی حیثیت سے جو شخص خود پر قابو رکھے ہوئے ہے، وہ کیا چیز ہو گا۔"

"مجھے اندازہ ہے۔" صدرِ مملکت نے مسکرا کر کہا۔ "بہرحال! اس معاملے کو ریکارڈ میں نہیں لیا جائے گا... اور اس کے بعد میں اسے کبھی استعمال نہیں کروں گا۔"

"اسے استعمال کرنے کی ضرورت نہیں پڑے گی، جناب۔" بہرام نے بڑے فخر سے بتایا۔ "وہ کسی خود کار مشین کی طرح وقت پڑنے پر خود ہی کام کرنے لگے گا... ذرا اسے مکمل تو ہو لینے دیجیے۔ بہرحال! میں اس سے بات کرتا ہوں۔ لیکن اسے ایک عام ہائی گارڈ کی حیثیت سے سامنے لانا خطرناک ہے۔ فرض کیجیے کہ کوئی اس کی آواز ہی پہچان لیتا ہے۔ میرا مطلب ہے اس وقت کی آواز جب وہ زندہ تھا تو..."

"جب وہ زندہ تھا سے آپ کا کیا مطلب ہے؟" صدرِ مملکت چونک پڑے اور بہرام کو ایسی نظروں سے دیکھنے لگے جیسے انہیں اپنی سماعت پر یقین نہ آیا ہو۔

بہرام چند لمحوں تک سوچتا رہا... پھر اس نے مسکرا کر صدرِ مملکت کی طرف دیکھا اور دروازہ کھول کر باہر آ گیا۔ آتے وقت اس نے صرف یہی کہا تھا۔ "خدا حافظ جناب!"

■

شہزاد نے ایک طویل سانس لی اور ٹیلی فون کی طرف دیکھنے لگا۔

اس فون کی گھنٹی بجنے کا مطلب اسے اچھی طرح معلوم تھا۔

وہ دنیا بھر میں بالکل تنہا آدمی تھا۔ سب سے الگ تھلگ... لیکن سب کے درمیان زندہ تھا۔ اس کا تعلق اگر کسی سے ہوتا بھی تھا تو بس چند گھنٹوں یا چند دنوں کا... اور اس کے بعد پھر وہی تنہائی اور جسمانی مشقیں... اس کا تعلق صرف بہرام سے تھا... اور یہ تعلق سب سے زیادہ عرصے سے چلا آ رہا تھا۔ شہزاد جانتا تھا کہ یہ کال اگر براہِ راست بہرام کی نہ ہوئی تو اس کے ان گنت ماتحتوں میں سے کسی ایک کی ہو گی۔

اسے تھنکر زفورم والے معاملے کو نمٹائے ایک ہفتے سے زیادہ ہو گیا تھا اور اس ایک ہفتے میں اوشان نے اسے تھکا مارا تھا... لیکن اپنے اس استاد کا شہزاد کے دل میں رفتہ رفتہ بے حد احترام پیدا ہو گیا تھا۔ اس لیے اسے اوشان کے بارے میں سوچتے وقت تھکن بھول ہی جاتی تھی۔

اب بھی وہ سیاہ سوتی لبادے کی ڈوریاں ہی باندھ رہا تھا کہ فون کی گھنٹی بجنے لگی تھی۔ اس نے گزشتہ ایک ہفتے سے اخبار کا بڑی باریک بینی سے مطالعہ کیا تھا اور فلکرافٹ کی طرف سے اس کے لیے کوئی ہدایت شائع نہیں ہوئی تھی... لیکن اب فون کی گھنٹی بج رہی تھی جس کا مطلب تھا کہ کوئی اہم معاملہ پھر سامنے آ رہا ہے۔

"ہیلو..." اس نے ماؤتھ پیس میں کہا۔

"جناب! میں آپ کے ہوٹل کی آپریٹر بول رہی ہوں۔" دوسری طرف سے مترنم آواز سنائی دی۔

"کیا تمہارے چہرے پر وہ پیارے پیارے بھورے سے رنگ کے تل ہیں جن کے بارے میں میرا کہنا ہے کہ اگر وہ کسی لڑکی کے چہرے پر نہ ہوں تو اس لڑکی کی مثال ایک ایسی رات جیسی ہو گی جس رات کو تارے نہیں نکلتے۔"

دوسری طرف سے ایک مترنم قہقہہ گونج اٹھا۔

"جی نہیں... میرے چہرے پر کوئی تل نہیں ہے۔"

"اوہ... پھر تو تم اس رات جیسی ہو جب..."

"آپ کے لیے ایک اہم پیغام ہے، جناب۔" آپریٹر نے جلدی سے اس کی بات کاٹ دی۔ "کہیں سے ایک کال آئی تھی جس میں ایک خاتون نے یہ اطلاع دی کہ آپ نے جو سامان طلب کیا تھا، اس کی ڈلیوری آپ کو آئندہ دو روز میں مل جائے گی۔"

"ٹھیک ہے... لیکن تمہاری مثال اس رات جیسی ہے۔"

اس کا جملہ اس بار بھی ادھورا ہی رہ گیا کیونکہ آپریٹر نے پیغام ختم ہوتے ہی دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا تھا۔

ایک طویل سانس لے کر اس نے ریسیور رکھ دیا۔

اس نے کمرے کی روشنی بجھا دی۔

تاریکی میں اس نے کھلی کھڑکی کی طرف دیکھا جس سے سمندری ہوا کے ٹھنڈے ٹھنڈے جھونکے آ رہے تھے۔ وہ اندھیرے میں بلی کی سی خاموشی سے چلتا ہوا کھڑکی تک پہنچا اور پھر بالکنی میں اتر گیا۔

بالکنی کے گرد ایلومینیم ٹیوب کی ریلنگ لگی ہوئی تھی اور اس ٹیوب سے لٹکی ہوئی تاروں کا خوش نما جال مسلک تھا۔ قد و قامت کے اعتبار سے شہزاد چھ فٹ کا تھا اور اس کا جسم بے حد متناسب تھا۔ گوشت کی ابھری ہوئی پھلیاں اس کی کلائیوں، ٹخنوں اور کندھوں پر قدرے نمایاں تھیں ورنہ باقی جسم بر کا بنا ہوا لگتا تھا۔

وہ بالکنی سے جھک گیا۔

اوشان نے اسے گزشتہ چند روز سے بہت اونچائی سے

کُودنے اور بلندی پر چڑھنے کے لیے جمنازیم سکھانا شروع کر دی تھی اور اس وقت بھی وہ ایک ایسی ہی طویل چھلانگ لگانے جا رہا تھا۔

ابھی سورج طلوع نہیں ہُوا تھا۔ نیم تاریکی میں سُے ہوٹل کی دیوار سفید کی بجائے قدرے بھُوری بھُوری سی لگ رہی تھی۔ شہزاد نے ذہن پر زور ڈالا اور قوتِ ارتکاز کے سہارے ان ہدایات کو دُہرانے لگا جو اُسے اُوشان نے دی تھیں۔ سب سے پہلی ہدایت یہ تھی کہ بلندی سے کُودتے وقت جسم کو دیوار کی طرف دبا کر رکھنا چاہیے۔ اُس سے دُور ہونے کی ہرگز کوشش نہیں کرنی چاہیے۔

... لیکن وہ وقتی طور پر ارتکاز کی قوت کو متاثر پا رہا تھا۔

صُبح کے چار بج کر دس منٹ ہوئے تھے اور ٹھیک پانچ منٹ پہلے اس نے جو کال سُنی تھی، اس کے مطابق اُسے کچھ سامان بھیجا جا رہا تھا۔ اس نے ایک بار پھر اس کال کو ذہن سے جھٹک دیا اور چند لمحوں کے لیے آنکھیں بند کر لیں۔

جب اس نے آنکھیں کھولیں تو وہ قوتِ ارتکاز حاصل کر چُکا تھا۔

اس نے نیچے دیکھا۔

یہ کمرہ نویں منزل پر تھا۔

وہ نیچے دیکھتا رہا اور کوشش کرتا رہا کہ بوڑھا اُوشان کہیں نظر آ جائے... لیکن تاریکی کی وجہ سے وہ اپنے استاد کو نہ دیکھ سکا۔ البتہ اُسے نیچے سے مدھم سی آواز ضرور سُنائی دے گئی تھی۔

"ٹھیک ہے... کیا بات ہے؟"

شہزاد نے خود کو بالکنی سے گرا دیا لیکن اگلے ہی لمحے وہ ریلنگ کی پائپ کو ہاتھوں سے تھامے لٹکا ہُوا تھا۔ اس نے ماہرانہ انداز میں جسم کو آگے اور پیچھے جُھلایا اور پنجوں کی مدد سے اندازہ لگایا کہ دیوار کہاں ہے۔

دیوار کو پنجوں سے چھُونے کے بعد اس کے جُھولنے کا عمل تیز ہو گیا اور پھر اچانک ہی اس کی انگلیوں نے ریلنگ کے پائپ پر اپنی گرفت ختم کر دی۔ وہ ہوٹل کی دیوار سے جا ٹکرایا۔

اس کے پنجوں نے جیسے ہی ہموار اور چکنی دیوار کو چھُوا، اس نے جسم کو خفیف سا جھٹکا دے کر انگلیوں کو سیدھا کیا اور انہیں دیوار پر جما لیا۔ اسی لمحے پیروں نے دیوار کا سہارا ختم کر دیا اور اس کا نچلا دھڑ ایک بار پھر جھُول گیا۔ اگلے ہی لمحے اُس نے ہاتھوں کی گرفت بھی ختم کر دی۔

اس کا جسم تیزی سے نیچے گرنے لگا۔

اس نے جسم کو متوازن کر کے دیوار سے قریب تر رکھا اور بار بار اس کے پاؤں یا ہتھیلیاں دیوار سے رگڑ کھا کر اس کے گرنے کی رفتار کو کم کرتی رہیں۔ اس کا ذہن بڑی تیزی سے کام کر رہا تھا اور اپنے جسم کی ہر لمحے بدلتی ہوئی حالت اس کے ذہن میں واضح ہوتی جا رہی تھی۔

اس دوران عمل تنفس اور دھڑکنوں پر قابو رکھنا بھی بے حد ضروری تھا۔ وہ گرتا رہا... ایک ایک منزل گزرتی رہی حتیٰ کہ اس کے دماغ نے اشارہ دیا کہ وہ آخری منزل سے گزر رہا ہے اور اب نیچے زمین ہے۔

اس نے اپنی رفتار کا جائزہ لیا۔

رفتار اطمینان بخش تھی۔

چند ہی لمحوں کے بعد وہ فٹ پاتھ پر، اپنے پیروں پر آہستہ آہستہ اُچھل کر جسم کی اکڑن دُور کر رہا تھا۔

"لعنت ہو، تم پر... نجیث!" اُوشان غرّایا۔ "تم پر بے حد رحم آتا ہے شہزاد۔ اتنی دیر... اتنی تاخیر...!"

"لیکن میں یہ چھلانگ لگانے میں کامیاب ہو گیا ہم" شہزاد نے احتجاج کیا۔ "آپ جانتے ہیں کہ یہ میری پہلی...."

"بکواس بند کرو۔" اُوشان غرّایا۔ "میں جانتا ہوں کہ تمہارا ذہن متضاد خیالوں کا شکار رہا ہو گا۔"

"آپ کو کیسے پتہ چلا؟" شہزاد چونک پڑا۔

"فاصلے سے، جسم کے وزن اور کشش ثقل سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ تمہاری جسامت کی چیز کو چالیس سیکنڈ میں نیچے پہنچ جانا چاہیے تھا... جب کہ تم نے ستانوے سیکنڈ لگائے ہیں۔"

شہزاد نے محسوس کیا کہ اُوشان نے اپنی گھڑی کی طرف دیکھے بغیر ہی یہ اندازہ قائم کیا ہے۔ وہ جانتا تھا کہ اس بوڑھے کے ذہن میں بھی ایک گھڑی ہے جو شاید دُنیا کی سب سے زیادہ درست گھڑی رہی ہو گی۔ شہزاد کا خیال تھا کہ اُوشان کی عمر کسی طرح بھی اسّی سال سے کم نہیں ہے۔

"ستانوے سیکنڈ..." شہزاد کا مُوڈ خراب ہو گیا۔ "ٹھیک ہے، جناب! میں نے اتنا وقت لگا دیا... لیکن یہ بھی تو دیکھئے کہ میں نے یہ لمبی چھلانگ بڑی صحت کے ساتھ لگائی ہے۔"

"زیادہ فخر کرنے کی ضرورت نہیں۔ کھیتوں میں گھومنے

والا ایک چیونٹا بھی ستانوے سیکنڈ میں یہاں تک پہنچ جاتا ہے۔" اُوشان کے لہجے میں ناگواری تھی۔ "اور یہ سب کچھ مفید بھی چیزیں کھانے اور عورتوں سے رغبت رکھنے کا نتیجہ ہے۔ میری طرف دیکھو! میرا اور عورت کا صرف اتنا تعلق رہا ہے کہ میں نے اس کی کوکھ سے جنم لیا ہے... اس کے بعد سے میں کسی عورت کے قریب نہیں گیا۔ ستانوے سیکنڈ... ہُونہہ ستانوے سیکنڈ میں تو ایک شخص نویں منزل تک دیوار پر چلتا بھی پہنچ سکتا ہے۔"

شہزاد نے ہوٹل کی اس چکنی دیوار کی طرف دیکھا جس کے قریب رہتے ہوئے، وہ نویں منزل سے نیچے آیا تھا۔ اس نے اپنے اُستاد کی طرف دیکھا اور بے یقینی سے مُسکرانے لگا۔

"اگر آپ اجازت دیں تو میں بے یقینی کا اظہار کرتے ہوئے انہیں لگا لوں؟" شہزاد نے بڑے ادب سے مضحکہ اُڑایا۔

بُوڑھے اُوشان نے ایک طویل سانس لی۔

"اپنے کمرے میں پہنچو۔" اس کی آواز پُھنکار سے ملتی جلتی تھی۔

شہزاد کندھے جھٹک کر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ اس نے دروازہ کھول کر ہوٹل کے عقبی حِصّے کی طرف دیکھا جہاں اس کا اُستاد اُوشان کھڑا تھا۔ اسی لمحے اُسے یُوں لگا جیسے اُوشان بھُربھُرا بادہ فضا میں معلق ہو گیا ہو...

شہزاد بے یقینی سے سر ہلانے لگا۔ اس دیوار پر چلتے ہُوئے چڑھنا ناممکن ہے۔ اس نے سوچا اور تیزی سے لفٹ کی طرف بڑھ گیا۔ لفٹ کا بٹن دبایا لیکن لفٹ بارھویں منزل پر رُکی ہوئی تھی۔ اس نے ایک بار پھر بٹن دبایا... لیکن پلیٹ پر بارہ کا ہندسہ ہی روشن رہا۔

وہ تیزی سے زینے کی طرف دوڑا۔

اس نے اپنے اُستاد کو تیس سیکنڈ کی مُہلت دے دی تھی۔ اپنی پُوری قوت صرف کرتا ہُوا، وہ چڑھتا رہا... اس کے پیروں سے ذرا بھی آواز پیدا نہیں ہو رہی تھی۔ اگر اُسے اس وقت کوئی دیکھ لیتا تو شاید مارے خوف کے بے ہوش ہی ہو جاتا۔

اپنے دروازے کو دھکیل کر وہ کمرے میں داخل ہوا۔

وہ بُری طرح ہانپ رہا تھا۔

اس نے آنکھیں بند کر رکھی تھیں۔

بس یہی خیال اس کے ذہن میں چکرا رہا تھا کہ اُوشان باہر دیوار پر چڑھنے کی کوشش کر رہا ہو گا اور پھسل جاتا ہو گا۔ وہ کوئی آواز سُننے کی کوشش کرنے لگا۔

کہیں یہ بوڑھا گر کر اپنی ہڈیاں نہ تُڑوا بیٹھا ہو۔ اس خیال کے تحت اس نے بالکنی سے جھانکنے کے ارادے سے آگے بڑھنے کی کوشش کی اور آنکھیں کھول دیں... تب اُسے ٹھٹک جانا پڑا۔

سامنے اُوشان کھڑا اُسے کڑے تیوروں سے گھُور رہا تھا۔

"تراسی سیکنڈ..." وہ غرّایا۔ "تم اتنی بلندی سے کُودنے میں کیا کمال دکھاؤ گے، جبکہ تم نے سیڑھیاں چڑھنے میں تراسی سیکنڈ لگا دیے ہیں۔"

"مم... میں لفٹ کا انتظار کرتا رہا۔" وہ ہکلا گیا۔

اُوشان دُنیا کی واحد ہستی تھی جس کے سامنے وہ نہ صرف گھبراتا تھا بلکہ اس کی وہ دل سے عزت بھی کرتا تھا۔

"جھُوٹ سے انسانی قوت متاثر ہوتی ہے۔" اُوشان نے مُسکرا کر کہا۔ اس کی آنکھوں سے یکایک شفقت جھلکنے لگی تھی۔ "لفٹ میں سفر کرنے سے تو کوئی اتنا نہیں تھکتا، جتنے تم اس وقت نظر آ رہے ہو۔"

شہزاد نے سر جُھکا لیا۔

اُوشان کچھ دیر تو اس کی طرف دیکھتا رہا... پھر وہ خاموشی سے باتھ رُوم کی طرف بڑھ گیا۔ اس نے وہاں سے ٹشو پیپر کا رول اُٹھایا اور اس کے بل کھولنے لگا۔ جب اس کے ہاتھ میں کاغذ کا غذ آ گیا تو اس نے اُسے دونوں ہاتھوں کی مدد سے نرم گولے کی شکل دے دی۔

شہزاد خاموش کھڑا اُسے دیکھتا رہا۔

اُوشان نے پانی کا ایک گلاس لیا اور اس کاغذی گولے کو پانی سے بھگونے لگا۔ یہ کاغذی گولہ لے کر وہ بستر پر بیٹھ گیا۔

"مشق کا آغاز کرو۔" اس نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

شہزاد اس کے سامنے فرش پر بیٹھ گیا۔

"جانوروں کو اس قسم کی مشق کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی کیوں کہ وہ انسانوں جیسے کھاتے نہیں کھاتے... یہی وجہ ہے کہ ان سے جن کمالات کی توقع کی جاتی ہے، وہ ان پر پُورے اُترتے ہیں۔ جب انسان جبلّت سے محروم ہو جاتا ہے تو صرف مشق ہی سے اس کا حصول ممکن ہوتا ہے۔"

اُوشان نے ٹشو پیپر کو احتیاط سے کھولنا شروع کر دیا۔

اس نے کاغذ کی پتی اس طویل کمرے میں فرش پر بچھا دی۔ شہزاد سمجھ گیا کہ اُسے اس پتی پر دوڑنا پڑے گا... یہ مشق وہ پہلے بھی کر چُکا تھا لیکن شاید اُوشان اُسے بعض مشقوں کا اعادہ کروانا چاہتا تھا۔ اُسے اس کاغذی پتی پر اس طرح دوڑنا

تھا کہ ٹشو پیپر اس کے پیروں سے چپٹنے نہ پائے۔

ایک بار اُوشان نے اُسے بتایا تھا کہ جو شخص اس انداز میں دوڑ سے قادر ہو جاتا ہے اُسے بھی انسان کا خطاب دیا جاتا ہے۔ ایسا انسان جہاں اور جس حالت میں چاہے دوڑتا رہے کسی کو اس کے بارے میں کانوں کان خبر نہیں ہو پاتی۔

شہزاد کو یہ مشق زیادہ پسند نہیں تھی۔ لیکن وہ اُوشان کی ہر بات کو ذہنی طور پر قبول کر لیتا تھا۔ اُسے یاد آیا کہ جب پہلے پہل اُس نے اُوشان کو دیکھا تھا تو اس کے لیے اُس کے دل میں کتنی نفرت بھر گئی تھی۔

... اور پھر اُس نے ریوالور سے کراس پر اوپر تلے چھ گولیاں چلائی تھیں لیکن اُوشان ابھی بھی زندہ سلامت تھا۔

"مشق شروع کرو..." اُوشان نے حکمانہ لہجے میں کہا۔

شہزاد نے تعظیماً سر کو جھکا دیا اور اُٹھ کھڑا ہوا۔

اگلے ہی لمحے وہ ٹشو پیپر پر چل رہا تھا اور اُوشان کی کڑی نگاہ اس کے ایک ایک قدم کا جائزہ لے رہی تھی۔ باہر آہستہ آہستہ تاریکی ختم ہونے لگی تھی اور سویرا اجالا نکھرنے لگا تھا۔

شہزاد نے اپنی کلائی گھڑی پر وقت دیکھا۔

رات کے نو بجنے تھے۔ وہ جزیرہ فردوس کے دارالحکومت کی ایک روشن سڑک پر کار سے اُترا تھا اور ایک دکان کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس نے پینتالیس منٹ قبل گھڑی دیکھی تھی اور اس کے بعد وقت کی رفتار کا حساب ذہن میں رکھتے ہوئے اس نے ٹھیک اُسی وقت گھڑی پر نگاہ ڈالی تھی جب اس کی ذہنی گھڑی نے نو بجنے کا اعلان کیا تھا۔ اس نے وقت کا صحیح تعین کیا تھا۔

اُوشان واقعی غیر معمولی صلاحیتوں کا مالک تھا۔

گزشتہ چند روز سے شہزاد نے اس کی ہدایات پر سختی سے عمل کرتے ہوئے خوب محنت کی تھی اور ہر مشق میں کامیاب رہا تھا۔ اس وقت شہزاد کے دماغ میں جو گھڑی چل رہی تھی، وہ خیالی ہی تھی، لیکن اس کا وقت، کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی سے مختلف نہیں تھا۔

... اور یہ خیالی گھڑی اُسے اُوشان نے گویا اس کی کارکردگی پر خوش ہو کر انعام میں دی تھی۔ اس کی تکنیک شہزاد کے لیے پیچیدہ ثابت نہ ہوئی کیوں کہ ذہن کو پُرسکون رکھنے اور باتوں کو ایک مخصوص انداز میں ذہن نشین کرنے کی مشقیں اُوشان نے اُسے بہت پہلے ہی کروا دی تھیں۔

گزشتہ روز بہرام نے بذاتِ خود اس سے فون پر رابطہ قائم کیا تھا اور اسی کے سینے میں ملاقات طے ہوئی تھی۔ شہزاد حیران تھا کہ اس قسم کا براہِ راست رابطہ قائم کرنے کی آخر کیوں ضرورت پیش آئی جب کہ اُسے ایک روز قبل فون پر یہ پیغام مل چکا تھا کہ اس کا کچھ سامان دو دن بعد اُسے ملنے والا ہے؟

اگرچہ دوسری کال میں بہرام نے اُسے صرف اتنا ہی کہا تھا۔

"شہزاد، تمہاری والدہ وہاں ٹھیک تو بجے تمہارا انتظار کرے گی۔ اس سے مل لو کیوں کہ اس کے پاس وقت بہت کم ہے۔"

شہزاد نے پیغام سمجھ لیا تھا اور اس کے فوراً ہی بعد سلسلہ بھی منقطع ہو گیا۔ آج صبح سے شہزاد اس سامان کی راہ دیکھ رہا تھا جس کے بارے میں اُسے دو روز قبل اطلاع دی گئی تھی۔ لیکن رات کے ساڑھے آٹھ بجے تک کوئی سامان اُسے نہیں ملا۔ وہ اپنے ہوٹل سے چل دیا کیوں کہ ٹھیک نو بجے اُسے سینیما پہنچنا تھا۔

وہ سوچ رہا تھا، بہرام چونکہ بذاتِ خود اس سے مل رہا ہے، اس لیے وہ سامان روک دیا گیا ہو گا۔ اس سامان میں بھی کسی نئے کارنامے کی تفصیلات کے علاوہ کیا رہا ہو گا۔

ہال میں داخل ہونے کے بعد اس نے اِدھر اُدھر دیکھا لیکن بہرام کہیں دکھائی نہ دیا۔ کچھ سوچنے کے بعد وہ اس سمت میں بڑھ گیا جہاں چھوٹے موٹے داؤ لگانے کے لیے مشینیں نصب تھیں۔ اس کا اندازہ درست ہی نکلا۔ بہرام وہاں موجود تھا... اور اس وقت رولیٹ کی گردانی کرنے والے سے جھگڑ رہا تھا۔

"آخر کیوں... داؤ تو معمولی سکوں سے بھی لگایا جا سکتا ہے۔" بہرام کی آواز شہزاد کے کانوں تک پہنچی۔ "تم کسی کو بڑے بڑے نوٹ داؤ پر لگانے کے لیے کیسے مجبور کر سکتے ہو؟"

نگران شاید زچ ہو گیا تھا۔ اس نے جھنجلاہٹ بھرے لہجے میں کہا۔

"ٹھیک ہے، جناب! آپ چاہیں تو کوڑیوں کے بھی داؤ لگا سکتے ہیں۔"

بہرام نے جیب سے ایک معمولی سا سکہ نکالا۔

اسی لمحے شہزاد اُس کی پشت پر پہنچ گیا۔

بہرام رولیٹ کی طرف متوجہ تھا۔ شہزاد کی نگاہ گھومتی ہوئی سوئی پر جم گئی اور اس کی ذہنی گھڑی کی سوئیاں بھی اُسی تیزی سے گھومنے لگیں... پھر اس نے اپنی ذہنی گھڑی کی سوئیوں کو بھی اسی مناسبت سے مزید تیز چلایا اور بالآخر انہیں روک دیا۔

"تیرہ..." اس نے کہا اور نوٹوں کی ایک گڈی نکال کر ساری ہی رقم داؤ پر لگا دی۔

بہرام اُس کی آواز سُن کر چونک پڑا۔ اس نے پلٹ کر شہزاد کی طرف دیکھا اور پھر حیرت سے اس نوٹوں کی گڈی کو گھورنے لگا۔

رولیٹ کی سوئی ٹھیک تیرہ کے ہندسے پر رُکی تھی۔

بہرام نے جو معمولی سکہ داؤ پر لگایا تھا، وہ اُسے ہار گیا۔ البتہ رولیٹ کا نگران بوکھلاہٹ میں وہ رقم گن رہا تھا جو اُسے شہزاد کو ادا کرنی تھی۔ دس ہزار کے نوٹ تھے۔ اس نے اتنی ہی رقم اُسے دے دی۔

"آؤ... چل کر کافی پئیں۔" بہرام نے ناگواری سے کہا۔

شہزاد نے دس ہزار کی جیتی ہوئی رقم سے سوکا ایک نوٹ نکالا اور بطورِ ٹپ رولیٹ کے نگران کو تھما دیا۔ اس پر بھی بہرام کی گھورتی ہوئی نظریں دیکھنے والی ہو گئی تھیں۔ شہزاد اُس کی اس کمزوری سے آگاہ تھا۔ اتنا بڑا آدمی ہونے اور اربوں کا مالک ہونے کے باوجود بہرام کی فطرت ہی کچھ ایسی تھی کہ وہ بے جا اخراجات کو پسند نہیں کرتا تھا۔

"تم اسے کوئی چھوٹا نوٹ بھی دے سکتے تھے۔" رولیٹ کے پاس سے ہٹنے کے بعد بہرام نے سخت لہجے میں کہا۔

"جیت کا مال تھا، جناب!" شہزاد نے معنی خیز انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔ "کیا فرق پڑتا ہے؟"

وہ ایک میز پر بیٹھ گئے۔

کافی کا آرڈر دے دیا گیا۔

"بُرا کیوں مانتے ہیں؟" شہزاد کے ہونٹوں پر مسکراہٹ برقرار تھی۔ "یہ دس ہزار میں آپ کو بھی ٹپ دے سکتا ہوں۔" اس نے وہی کی بہرام کی طرف بڑھا دی جسے اس نے داؤ پر لگایا تھا۔ "رکھ لیجیے تکلف نہ کیجیے۔ مجھے معلوم ہے آج آپ کی جیب خالی ہے اور واپسی کے کرایے کے لیے کچھ جیتنا چاہتے تھے۔"

بہرام نے گڈی اُٹھالی۔

... لیکن پھر چونک کر وہ اپنے کوٹ کی اندرونی جیب کو ٹٹولنے لگا۔ اس کے چہرے پر لمحے بھر کے لیے بوکھلاہٹ کے تاثرات اُبھر آئے تھے۔ اس نے کڑے تیوروں سے شہزاد کو گھورنے لگا۔ "تم نے یہ گڈی میری جیب سے نکالی تھی؟"

"جب آپ انتہائی کنجوسی سے ایک سکہ داؤ پر لگا رہے تھے۔"

"اوہ...!" بہرام نے کھسیا کر کہا۔ "میرا خیال ہے، تمہیں جیب کٹنے کی ٹریننگ تو نہیں دی گئی تھی؟"

"جی ہاں... یہ فن میں نے اپنے شوق سے سیکھا ہے۔" شہزاد نے مسکرا کر کہا اور جیتی ہوئی رقم اطمینان سے اپنی جیب میں رکھ لی۔ پھر وہ بہرام کی طرف متوجہ ہوا تو اُسے عجیب نظروں سے اپنی طرف گھورتا پایا۔

شہزاد کا دل دھڑکنے لگا۔

ایسی شفیق اور محبت آمیز نگاہ سے بہرام نے اُسے پہلے تو کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اسے ان نگاہوں میں کسی ایسے باپ جیسے تاثرات دکھائی دیے جو اپنے بچے کی ذہانت آمیز شرارت پر نازاں ہو... لیکن یہ تاثرات بہرام کی آنکھوں میں زیادہ دیر تک برقرار نہ رہے۔ اس کی آنکھیں فوراً ہی جذبات سے عاری ہو گئی تھیں۔

"ٹائیگر..." اس نے دھیمی لیکن کھنکھناتی آواز میں کہا۔ "غالباً تم حیران ہو گے کہ میں نے اچانک ہی براہِ راست تم سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کیوں کی ہے۔"

"شاید آپ میں مامتا پیدا ہو گئی ہے۔"

"شٹ اپ۔"

"آپ ہی نے تو کہا تھا کہ میری ماں یہاں مجھ سے ملاقات کرنا چاہتی ہیں۔ سمجھا شاید آپ ہی..." وہ بہرام کے کڑے تیور دیکھ کر جملہ ادھورا ہی چھوڑنے پر مجبور ہو گیا۔

"جی ہاں..." اس نے کچھ دیر بعد سنجیدگی سے کہا۔ "میں واقعی حیران ہوں کہ آپ نے مجھ سے براہِ راست رابطہ کیوں قائم کیا ہے۔"

"ہمارے پاس اس موضوع پر بحث کے لیے بھی وقت نہیں ہے۔" بہرام نے کہا اور فوراً ہی احکامات دینے پر اُتر آیا۔ "مجھے یہ ملاقات ختم کرتے ہی چند گھنٹوں کے لیے دارالحکومت سے باہر جانا ہے اور میری فلائیٹ میں زیادہ وقت نہیں ہے۔"

شہزاد خاموشی سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔

ہولناک اور پراسرار ماحول میں جنم لینے والی ایک
حقیقت جو کہانی بن گئی
ایک آشفتہ حال کی داستان عبرت جسے قانون نے
مجرم بنا دیا

رقصِ ابلیس

انوار صدیقی

قیمت -/150

اردو بازار لاہور

"تمہیں دارالحکومت کے ائرپورٹ پر ایک لامازی خاتون کے ساتھ جانا ہے اور انداز ایسا ہونا چاہیے جیسے تم اس کے باڈی گارڈ ہو، جسے مقامی حکومت نے بطورِ خاص اس خاتون کے ساتھ متعین کیا ہے۔ اس لامازی خاتون کے ساتھ تم جنرل لامو کو تلاش کرو گے۔ اس کام کے لیے ہمارے پاس صرف چھ روز باقی رہ گئے ہیں۔ جیسے ہی جنرل لامو تمہیں نظر آ جائیں، ان کے ساتھ رہنا حتیٰ کہ وہ دونوں خیریت سے اپنے وطن واپس پہنچ جائیں۔ تمہیں اس خاتون اور جنرل لامو کی زندگی کی حفاظت کرنا ہے۔"

"اور پھر۔۔۔؟"

"پھر کیا؟" بہرام نے بھنویں اچکائیں۔

"میرا اصل کام کیا ہوگا؟" شہزاد کے لہجے میں بھی حیرت تھی۔

"یہی، تمہارا اصل کام ہے۔"

"لیکن مجھے کسی کا باڈی گارڈ بننے کی تربیت نہیں دی گئی۔" شہزاد نے احتجاج کیا۔ "یہ کام تو آپ کسی بھی پولیس مین سے لے سکتے ہیں۔ مجھے ان لامازیوں کے چکر میں کیوں ڈالا جا رہا ہے؟"

"میں جانتا ہوں کہ تم اس کام کو کر سکتے ہو۔"

"لیکن مجھے اس کام کی ٹریننگ۔۔۔"

"اور جیب تراشی کی تربیت تمہیں کس نے دی تھی؟"

شہزاد ہونٹ بھینچ کر رہ گیا۔ کچھ دیر وہ بہرام کی آنکھوں میں دیکھتا رہا۔۔۔ پھر قدرے خوشی سے کہا۔ "آپ ہی نے مجھے کہا تھا کہ ہر قسم کے کاموں کے لیے نہیں بلکہ مجھے۔۔۔"

"یہ کام بھی اہم ہے، بیٹے۔"

"اوہ۔۔۔ ہر کام اہم ہے۔" شہزاد بڑبڑایا۔ "کیا اس شہر کی صفائی کوئی اہمیت نہیں رکھتی؟"

"رکھتی ہے۔" بہرام مسکرایا۔

"تو پھر میرے ہاتھ میں ایک جھاڑو تھما کر کسی سڑک پر کیوں نہیں چھوڑ دیا جاتا؟"

بہرام کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ اپنی فطری سختی کو شہزاد پر استعمال کرتے ہوئے بے پروائی کا خیال کرتا ہو۔ "دراصل۔۔۔" اس نے کھڑکی پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔ "بات یہ ہے کہ ہماری قوم اب اُس کی شاہراہ پر پہنچ رہی ہے۔"

"لیکن مجھے استعمال کرنے کا یہ کوئی جواز نہیں ہے۔"

"یہ فیصلہ ہم دونوں کا نہیں ہے۔" بہرام نے کہا۔

شہزاد نے چونک کر بہرام کے چہرے پر نگاہ ڈالی۔ اسے یہ بھی محسوس ہوا کہ وہ کچھ کہنا چاہتا ہے لیکن اس پر ادھیڑ بن کا مطلب نہ کھلا کہ اس پر ادھیڑ بن کا مطلب کیا ہے۔ اور یہ دباؤ صرف ایک ہی شخصیت ڈال سکتی تھی۔۔۔ صدرِ مملکت۔۔۔! شہزاد نے سوالیہ نگاہ سے بہرام کی طرف دیکھا۔

"ٹھیک ہے۔۔۔" اس نے کچھ دیر بعد ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "میں اس لامازی کنتیا کا باڈی گارڈ بن جاؤں گا۔۔۔ اور اگر اس کا لامازی شوہر اُسے طلاق دینے پر آمادہ ہو گیا تو میں اس سے شادی رچا کر لامازی نسل کو بڑھانے میں مدد دینا شروع کر دوں گا!"

"اس کے علاوہ۔۔۔"

"اس کے علاوہ بھی کچھ ہے؟" شہزاد نے کراہ کر کہا۔

"ہاں۔۔۔" بہرام کا لہجہ اب بھی شکست خوردہ تھا۔ "تمہیں اپنے اُستاد اُوشان کو ساتھ لے جانا پڑے گا۔"

"جی۔۔۔" شہزاد کی 'جی' خاصی لمبی تھی۔ اس آواز کے ختم ہوتے ہی ہال موسیقی سے گونج اُٹھا اور شہزاد رقص کے فلور کی طرف دیکھنے میں محو ہو گیا۔ وہ یوں بن گیا جیسے کچھ دیر قبل بہرام نے اس سے کچھ کہا ہی نہ ہو۔۔۔ اور اس نے حیرت بھی ظاہر نہ کی ہو۔

"تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔"

"کیا آپ اس لڑکی کو دیکھ رہے ہیں، جناب؟" شہزاد نے اَن سُنی کر کے سر کے اشارے سے رقص کے فلور پر تھرکتی ہوئی ایک لڑکی کے بارے میں بتایا۔ اس لڑکی کے چہرے پر چھوٹے چھوٹے اَن گنت جگنو جیسے تل ہیں۔"

"نائیگر۔۔۔" بہرام نے ناگواری سے کہا۔

"اور میرا نظریہ ہے کہ جس لڑکی کے چہرے پر ایسے بھورے بھورے اَن گنت تل ہوں، اس کی مثال ایک ایسی رات جیسی ہے، جس رات کو ستارے نہیں نکلتے۔"

"کیا میں اسے تمہارا انکار سمجھوں؟" بہرام کے لہجے میں بے بسی جھلک آئی تھی۔

شہزاد نے سنجیدگی اختیار کر لی اور بہرام کی طرف دیکھا۔ وہ یہ نہ جان سکا کہ اس کا چیف کن پریشانیوں میں گھر گیا ہے۔۔۔ اور یہ کیسی اُلٹی سیدھی باتیں کر رہا ہے۔

"اُوشان۔۔۔ وہ کس لیے جناب؟"

"اس لیے کہ وہ لامازی زبان جانتا ہے۔ اُوشان تمہارے ترجمان کی حیثیت سے ساتھ رہے گا۔"

"لیکن اسے لامازیوں سے شدید نفرت ہے۔"

"وہ ایک پیشہ ور آدمی ہے اور اس کی خدمات ہماری معاملے پر حاصل کی گئی ہیں، اس سے بات کرو، وہ انکار نہیں کرے گا۔"

"مجھے یوں محسوس ہوتا ہے جناب۔" شہزاد نے بے بسی سے کہا۔

جیسے آپ میرا امتحان لے رہے ہوں۔ میرا ضبط آزما رہے ہوں۔"

"کیا تم اُوشان کے لیے آمادہ ہو؟"

"کیا تم اُوشان کے لیے آمادہ ہو؟"

بہرام کے سوال کا شہزاد نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ ایک بار پھر اس لڑکی کی طرف متوجہ ہو گیا تھا جو رقص کے فلور پر تھرک تھرک کاٹنے کے سے انداز میں رقص کر رہی تھی۔ اس کی بوٹی بوٹی تھرک رہی تھی اور بیشتر لڑکیاں خود رقص کرنا بھول کر فلور ہی پر کھڑے ہونقوں کی طرح منہ پھاڑے اس لڑکی کی طرف دیکھ رہے تھے۔

"آپ ایک نظر اس لڑکی کو دیکھ تو لیجیے۔" شہزاد نے اُسے درخواست کی۔

بہرام اُسے کڑے تیوروں سے دیکھتا رہا۔

"میں شرط لگا سکتا ہوں کہ یہ لڑکی کسی الیکٹریشن کی بیٹی ہے۔" شہزاد نے کہا۔ "اور اس وقت اس کا جسم دس ہزار وولٹ کرنٹ پر رقص کر رہا ہے۔"

"کیا تم اُوشان کے لیے آمادہ ہو؟"

بہرام نے ایک بار پھر وہی سوال دُہرایا تو شہزاد کو چونک جانا پڑا۔ اس نے فوراً ہی محسوس نہیں کیا تھا کہ بہرام کا انداز تحکمانہ نہیں ہے۔ اس سے پہلے اُس نے شہزاد سے کبھی رائے طلب نہیں کی تھی بلکہ اسے حکم دے دیا تھا کہ فلاں کام کر دو۔۔۔

"۔۔۔ اُوشان کو اس معاملے میں نہ گھسیٹا جائے۔" شہزاد نے کچھ دیر بعد سنجیدگی سے کہا۔

"لیکن تمہیں ایک ترجمان کی ضرورت ہے۔"

"کسی اور ترجمان کا بندوبست بھی تو ہو سکتا ہے۔"

"ہاں۔۔۔ لیکن مسئلہ یہ ہے کہ لامازی حکومت اُوشان اور تمہارے بارے میں جانتی ہے۔ انہیں فردوسی سیکرٹ سروس کے دو آدمیوں کی حیثیت سے تمہاری تصاویر بھجوائی جا چکی ہیں۔"

"اوہ۔۔۔ آپ تو واقعی بڑے محتاط ہیں۔"

"بہرحال۔۔۔" بہرام نے پیشانی سے پسینہ پونچھتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔ "کیا تم اُوشان کے لیے آمادہ ہو؟"

"اگر میں انکار کر دوں تو؟"

"تو مجھے تم سے کوئی شکایت نہ ہوگی۔"

شہزاد چند لمحوں تک تو اپنے چیف کی آنکھوں میں دیکھتا رہا پھر اُسے وہ پدرانہ تاثرات یاد آ گئے جنہیں اس نے کچھ دیر قبل بہرام کی آنکھوں میں دیکھا تھا۔۔۔ تب اس نے طوعاً و کرہاً مسکرا کر کہا۔ "لیکن آپ کو شکایت کا موقع دے کر مجھے بے حد لطف آئے گا۔"

بہرام کے چہرے پر یکایک سکون نظر آنے لگا۔

شہزاد ایک بار پھر اس بسیلی کی طرف متوجہ ہو گیا جو فلور پر بار بار چمک رہی تھی۔ اس لڑکی کے جسم میں شرارے سے بھرے ہوئے تھے۔ شاید اس کے ساتھی نے اُسے کچھ۔ یا دہ ہی نشے میں دُھت کر دیا تھا۔

۔۔۔ اور پھر شہزاد کو سنبھل کر بیٹھ جانا پڑا۔

یہ ایک عجیب سا احساس تھا جو اُسے اچانک ہی ہونے لگا تھا۔ اُوشان نے تربیت کے دوران میں اس کی نہ جانے کن کن صلاحیتوں کو اُجاگر کر دیا تھا۔ اُسے یکایک خطرے کا احساس ہونے لگا تھا۔

اس نے اِدھر اُدھر دیکھا۔

دیکھنے کا انداز سرسری ہی تھا۔

اُسے ایک آدمی نظر آیا۔ یہ شخص تیزی سے ٹیلی فون بُوتھ کی طرف جا رہا تھا اور اس دوران میں اُس نے دو تین بار پلٹ کر اُن کی میز کی طرف دیکھا تھا۔ دیکھنے کا یہ انداز ہی شہزاد کو چونکانے کا باعث بنا تھا۔ اُوشان نے ایسی نگاہوں کو محسوس کرنے کی خود کار صلاحیت اس میں بیدار کر دی تھی اور اس نے مختلف مقامات پر مختلف انداز میں اس کی خوب مشق بھی کر رکھی تھی۔ تھنکرز فورم والے معاملے کے بعد سے چند ہی دنوں میں اُوشان نے اُسے کچھ سے کچھ بنا دیا تھا۔

وہ شخص فون بُوتھ میں کسی سے باتیں کرنے کے بعد ریسیور رکھتا ہُوا باہر آ گیا اور پھر رقص کرنے والوں کے ہجوم میں جا کر غائب ہو گیا۔ تھوڑی ہی دیر بعد شہزاد نے ایک اور شخص کو فون بُوتھ کی طرف جاتے دیکھا۔

اس شخص کی نگاہوں سے بھی ویسی ہی لہریں پیدا ہُوئی تھیں جنہوں نے شہزاد کے ذہن میں خطرے کی گھنٹی کو زور زور سے بجانا شروع کر دیا تھا۔

بہرام ہر طرف سے بے نیاز کافی پینے میں مصروف تھا۔

قریب ہی رقص ہو رہا تھا اور ہر کسی کی نگاہ کسی نہ کسی جسم کی تھرتھراہٹ میں اُلجھی ہُوئی تھی اور شہزاد چوکنا ہو کر ایسے افراد کی تلاش میں اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا جنہوں نے پیٹے پیٹائے لیبلن میں ڈال دیا تھا۔۔۔ لیکن چار گرنتھم اور فنگر اِلاٹ کا پیٹ بہرام یوں پینے میں منہمک تھا جیسے اس کے علاوہ دنیا میں کوئی اور کام ہی نہ ہو۔

کافی ختم کرکے اس نے گھڑی دیکھی۔

"میرا خیال ہے، اب مجھے چلنا چاہیے۔" بہرام نے کہا۔ "ائرپورٹ پہنچنے میں بھی کچھ وقت لگے گا۔"

"ہو سکتا ہے کہ آپ قیامت تک وہ پہنچ سکیں۔" شہزاد بڑبڑایا۔

"کیا مطلب؟" بہرام کا بھرم بجھ گیا تھا۔

"میرا مطلب ہے، میں بھی ساتھ چلتا ہوں۔"

"مجھے ائرپورٹ کا راستہ معلوم ہے۔"

"جی ہاں... لیکن آپ ائرپورٹ نہیں پہنچ سکیں گے۔" شہزاد نے کہا۔ "اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت ہمارے آس پاس ہمارے ہی خون کے پیاسے موجود ہیں۔"

بہرام کا چہرہ ایک لمحے کو تاریک ہو گیا... پھر وہ ہنسنے لگا۔

"تم اس صدی کے سب سے بڑے لیکن سب سے خطرناک مخبر ہو۔" اس نے ہنسی ضبط کرتے ہوئے کہا۔ "بھلا مجھے خوف زدہ کرنے سے تمہیں کیا حاصل ہو سکتا ہے؟"

"میں غلط نہیں کہہ رہا ہوں۔" شہزاد نے سخت لہجے میں کہا۔ یہ اس تلخ لہجے کی متانت اور ٹھوس حالت ہی تھی کہ بہرام کو اس کی بات پر یقین کرنا پڑا۔

شہزاد نے بل ادا کیا اور بہرام کے ساتھ کیفے سے باہر آ گیا۔

وہ یہاں تک اپنی کار میں آیا تھا... لیکن اس نے کار کی بجائے ٹیکسی کی تلاش میں ادھر ادھر نگاہ دوڑائی۔ ایک ٹیکسی فوراً ہی ان کے قریب آ کر رک گئی۔ شہزاد نے اپنے حریف کے لیے ٹیکسی کا دروازہ کھول دیا۔

ٹیکسی تیز رفتاری سے ائرپورٹ جانے والی سڑک پر دوڑ رہی تھی۔ بہرام خاموش بیٹھا کسی خیال میں ڈوبا ہوا دکھائی دے رہا تھا اور شہزاد مسکراتا ہوا باہر کا نظارا کرنے میں مصروف تھا۔

"تمہیں کیسے محسوس ہوا؟" بہرام نے کچھ دیر بعد خیالوں سے چونک کر پوچھا اور شہزاد کی طرف دیکھنے لگا۔

"یہ نوجوانوں کا معاملہ ہے۔"

شہزاد نے جواب دیا اور ٹیکسی ڈرائیور کی طرف دیکھا۔ اچانک اس نے محسوس کیا کہ کسی وجہ سے ٹیکسی ڈرائیور کی گردن کے عضلات میں تناؤ پیدا ہو گیا ہے۔ اس کے ہونٹوں پر بڑی خطرناک مسکراہٹ رینگ آئی۔ اگلے ہی لمحے وہ دوبارہ گنگنانے لگا۔

اس نے کیفے میں جن لوگوں کو مشتبہ پایا تھا۔ انہوں نے کسی سے فون پر بات کی تھی۔ اس کے بعد اتفاق سے جو ٹیکسی انہیں ملی اس کا ڈرائیور بھی شہزاد کو مشکوک ہی محسوس ہو رہا تھا کیونکہ اس کی باریک بین نظروں نے ایک ریڈیو دیکھ لیا تھا۔

ٹیکسی ڈرائیور سیٹی بجا رہا تھا۔

اس سیٹی کو مخصوص اشاروں کے مطابق ہی بجایا جا رہا تھا اور یہ بات شہزاد نے ٹیکسی میں بیٹھنے کے چند منٹ بعد ہی محسوس کر لی تھی... پھر جب سے اس نے ریڈیو دیکھا تھا، تب سے اسے اپنے اس شبے پر صوفی صد فیصد یقین ہو گیا تھا۔

"اگر کوئی خطرے کی بات ہے تو ہمیں پروگرام ملتوی کر دینا چاہیے۔" بہرام نے محتاط لہجے میں کہا۔ "میں جس کام کے لیے جا رہا ہوں، وہ پھر بھی ہو سکتا ہے۔"

"نہیں، گھبرانے کی ضرورت نہیں۔" شہزاد نے کہا۔ "یہ ایک محفوظ گاڑی ہے۔ اس میں ہمیں فی الحال کوئی خطرہ نہیں۔"

"لیکن میرا خیال تھا کہ..." بہرام فوراً رک گیا... وہ اب تیز نگاہوں سے ٹیکسی ڈرائیور کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"اس کے بارے میں فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔" شہزاد نے مسکرا کر کہا۔ "یہ ایک لاش ہے۔"

"لیکن میں قدرے بے چینی محسوس کر رہا ہوں۔"

"یہ عمر کا تقاضا ہے... پھر آپ، میز پر بیٹھ کر کام کرنے والوں میں سے ہیں۔ اس لیے ایسے موقعوں پر گھبراہٹ میں مبتلا ہونا ایک فطری امر ہے۔ جب کہ ایسے موقعے، ہم لوگوں کا معمول ہوتے ہیں۔"

"نہیں... مجھے اپنی کوتاہی کا خدشہ ہے۔" بہرام نے جان بوجھ کر کہا۔ "اس صورتِ حال کے لیے میں خود کو ذمے دار خیال کرتا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ بے پروائی کی وجہ سے میں نے کسی نہ کسی کو اپنے پیچھے لگا لیا ہوگا۔ میں نہیں جانتا یہ تعاقب کرنے والے میرے بارے میں کس حد تک معلومات حاصل کر چکے ہیں لیکن مجھے توقع ہے کہ ان کی معلومات کا دائرہ بے حد محدود ہوگا۔"

شہزاد نیم وا آنکھوں سے ٹیکسی ڈرائیور کی گردن کو دیکھ رہا تھا، جس کے عضلات میں بار بار تناؤ پیدا ہو رہا تھا۔ اس کے کانوں کی پچھلی رگیں بار بار ابھر کر معدوم ہو رہی تھیں۔ گویا وہ، ان کی ایک ایک بات بڑے انہماک سے سن رہا تھا... اور پھر مخصوص انداز میں سیٹی بجا کر ریڈیو کے ذریعے یہ باتیں کہیں اور منتقل بھی کرتا جا رہا تھا۔

اچانک ٹیکسی ڈرائیور کا ہاتھ آہستہ آہستہ ٹو۔ وے مائیکروفون کی طرف بڑھنے لگا۔ تب شہزاد سمجھ گیا کہ وہ اب کوئی خاص اشارہ دینے والا ہے... اور یہ اشارہ فالباً کسی ایسی شخصیت کے لیے ہے جو سیٹی کا مفہوم نہیں سمجھ سکتی۔ شہزاد جلدی سے اگلی سیٹ کی طرف جھک گیا اور پھر اس نے ٹیکسی ڈرائیور کے کان میں کہا۔ "نہیں، دوست! ایسی

کال ملانے والی حرکتیں نہ کرو۔ اپنا ہاتھ روک لو ورنہ میں اسے تمہارے جسم سے الگ کر کے گاڑی سے باہر پھینک دوں گا۔"

"کیا... کیا کہا؟" ٹیکسی ڈرائیور نے شدید حیرت ظاہر کی۔ "کیا آپ پاگل ہو گئے ہیں، جناب؟"

"جناب کبھی پاگل نہیں ہوتے، گدھے کے بچے۔" شہزاد نے اس کی گردن پر انگلی کا خفیف سا دباؤ ڈالتے ہوئے کہا۔

"لیکن میں اپنی ٹیکسی کمپنی کو اطلاع دینا چاہتا ہوں کہ..."

"مین روڈ سے گاڑی ہٹا کر ذیلی سڑک پر لے لو۔" شہزاد نے تلخ لہجے میں کہا۔ "اور مائیکروفون بند کر دو۔"

انگلی کا دباؤ بڑھا تو ڈرائیور نے جلدی سے مائیکروفون کا سلسلہ ریڈیو سے منقطع کر دیا۔ اس کے ہانپنے کی آواز عقبی سیٹ تک بھی سنی جا سکتی تھی۔

"یہ ذکر ہو کر ذیلی سڑک پر چلتے رہو۔" شہزاد نے اس کی گردن سے انگلی ہٹا لی۔ "میں جانتا ہوں، تمہارے چند دوست ٹیکسی کا پیچھا کر رہے ہیں۔ ان سے کسی ویرانے میں تفصیلی ملاقات پر اطمینان سے بات کریں گے۔"

بہرام اس کے لہجے پر پلکیں جھپکانے لگا۔

اس کی نگاہ ٹیکسی ڈرائیور کی گدی پر جم گئی۔

جہاں شہزاد نے انگلی رکھی تھی وہاں نیل پڑ گیا تھا۔ گویا شہزاد اگر دباؤ ذرا سا اور بڑھا دیتا تو وہ کسی خنجر کی طرح ٹیکسی ڈرائیور کی گردن میں پیوست ہو سکتی تھی۔

بہرام کو اس سے پہلے شہزاد کی کارکردگی اپنی آنکھوں سے دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ اس نے سرگوشی کی رپورٹس ہی سے اس کی صلاحیتوں کا جائزہ لیا تھا اور پھر اسے ایک مشن پر مجبوراً بھیج دیا جب کہ اس کی تربیت بھی پوری نہیں ہو سکی تھی۔ ایک کے بعد دوسرا مشن اور اب تیسرے کام کے لیے اسے استعمال کرنا ضروری ہو گیا تھا۔ ٹائیگر واقعی باصلاحیت جوان تھا۔ اسے افسوس ہونے لگا کہ حالات کی وجہ سے مجبور ہو کر شہزاد کو اپنی ٹریننگ مکمل کرنے کا موقع نہ مل سکا۔

ڈرائیور کی گردن سے جیسے ہی انگلی ہٹی۔ اس کا دایاں ہاتھ فوراً اپنی گدی پر پہنچ گیا جس سے وہ مائیکروفون کو اٹھانے جا رہا تھا اس نے ایک ہلکی سی سسکاری لی اور اس جگہ کو سہلانے لگا جہاں شہزاد نے انگلی رکھی تھی۔

"یہ انگلی تمہاری گردن میں اتر بھی سکتی تھی۔" شہزاد نے سخت لہجے میں کہا۔ اس کے انداز سے یہ کالیک بے پناہ جارحیت چھلکنے لگی تھی اور بہرام کو یوں محسوس ہونے لگا تھا جیسے ابھی کچھ دیر قبل وہ جس کھلنڈرے سے جوان کے ساتھ کیسینو میں بیٹھا تھا، وہ یہ شہزاد نہیں بلکہ کوئی اور ہی تھا۔

"سنو مسٹر..." ٹیکسی ڈرائیور نے ذرا سی گردن ٹیڑھی کرتے ہوئے کہا۔ "میں خود کو کسی مصیبت میں ڈالنا پسند نہیں کرتا... لیکن اگر تم مجھ سے الجھنا ہی چاہتے ہو تو تمہیں پچھتانا پڑے گا۔"

"وہ کیسے؟" شہزاد کی خوش دلی فوراً واپس آ گئی۔

"تم نہیں جانتے، میں بہت برا آدمی ہوں۔"

"کیوں جناب..." شہزاد نے اپنے چیف کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے کہا۔ "یہ ڈائیلاگ ہم نے کس فلم میں سنا تھا؟"

بہرام جواباً مسکرا کر رہ گیا۔

اس نے عقبی منظر دکھانے والے آئینے کی طرف دیکھا۔ ٹیکسی ڈرائیور اب کینہ توز نگاہوں سے شہزاد کو گھور رہا تھا۔ بہرام نے پہلی بار اس شخص کا جائزہ لیا۔ اس کے چہرے سے سخت گیری عیاں تھی اور وہ واقعی کوئی اچھا آدمی نہیں لگتا تھا۔

ڈرائیور چند لمحوں تک شہزاد کو اپنی سانپ جیسی سیاہ آنکھوں سے گھورتا رہا... پھر وہ سڑک کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اس کے پیچھے ہوئے جبڑوں کو دیکھ کر اندازہ ہوتا تھا کہ وہ کس قدر غصے میں ہے۔

شہزاد آئینے میں اس کی طرف دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔

مسکراہٹ، تاؤ دلانے والی ہی تھی۔

ڈرائیور کا رایاں ہاتھ اسٹیرنگ سے ہٹ گیا جیسے وہ اسے سیٹ پر اپنے پہلو میں رکھ کر آرام پہنچانا چاہتا ہو... لیکن اس کا ہاتھ سیٹ کی بجائے اپنی کمر کے قریب تر پہنچ گیا۔ شہزاد کو یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ ٹیکسی ڈرائیور کی بیلٹ میں کوئی نہ کوئی ہتھیار چھپا ہوا ہے... اور وہ آہستہ آہستہ اسی ہتھیار کی جانب ہاتھ بڑھا رہا ہے۔

وہ جس ٹیکسی میں سفر کر رہے تھے، یہ ایک نئی قسم کی ٹیکسی تھی۔ شہزاد کو یاد آیا کہ اس نے گزشتہ دنوں اخبار میں ان نئی قسم کی ٹیکسیوں کے بارے میں کچھ پڑھا تھا۔

ان ٹیکسیوں میں سب سے اچھی بات یہ تھی کہ ان سے ڈرائیور کو خطرناک قسم کے مسافروں سے تحفظ حاصل ہو گیا تھا۔ شیشے اور سامنے کی سیٹوں کے درمیان ایک بلٹ پروف شیشہ نصب ایک، ٹن دیوار سے حائل ہو جاتا تھا۔

اس شیشے کی وجہ سے مسافر ٹیکسی ڈرائیور کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے۔ اس شیشے میں اتنی سی جگہ ضرور بنائی گئی تھی جس کے ذریعے ڈرائیور کرایہ کی رقم وصول کر سکے۔

بلٹ پروف شیشے کے علاوہ نئی ٹیکسیوں میں محض ایک بٹن

دبانے کے بعد چاروں دروازے مقفل کرنے کی خصوصیت بھی موجود تھی۔ شہزاد کو جو مائیکروفون نظر آرہا تھا، وہ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی تھی۔ بُلٹ پروف شیشہ چڑھ جانے کے بعد ڈرائیور اور مسافروں کے درمیان اسی مائیکروفون کے ذریعے بات چیت ہو سکتی تھی۔

شہزاد خاموش تماشائی بنا رہا۔

وہ سوچ رہا تھا کہ ڈرائیور اب اپنی بیلٹ سے ریوالور نکالے گا... لیکن ایسا نہیں ہوا۔ ڈرائیور نے اُسے دھوکا دینے کی کوشش کی تھی۔ جس میں وہ کامیاب بھی رہا۔ شہزاد اس کے بازو پر کڑی نگاہ رکھے ہوئے تھا جب کہ ڈرائیور کا گٹھا ہوا ہتھیلی صورتِ حال کے بٹن کی طرف بڑھ رہا تھا۔

پوشیدہ بٹن کو دباتے ہی فرنٹ سیٹ کی پشت گاہ سے ایک شفاف شیشہ بلند ہوا اور بلک جھپکتے ہی چھت سے جا لگا اور اس کے ساتھ ہی چاروں دروازے خود بخود مقفل ہو گئے۔

بہرام بُری طرح چونک پڑا تھا۔

میکسی ڈرائیور نے احتیاطی تدبیر اختیار کر لی تھی اور وہ بن دیدیا تھا ہتھکنڈا ضرورتِ حال کے مطابق تھا۔ اس کے قریب ہی لگا ہوا تھا شہزاد کی طرف دیکھا تو اُس کے ہونٹوں پر طمانیت بھری مسکراہٹ تھی۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ کسی ایسی ہی صورتِ حال کا متلاشی تھا۔

ڈرائیور واقعی ہوشیار تھا۔

اس نے دائیں ہاتھ کو حرکت دی... اُن... دونوں کی توجہ اُدھر کی طرف مبذول کرائی اور اسی اثنا میں خفیہ... مصروف ہو گیا۔ اس نے بٹن تک پہنچنے اور اُسے دبانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ جیسے ہی بٹن دبا تھا جسے حصے میں بکی سی سرسراہٹ... اٹھی تھی۔ یہ غالباً اس میکسنزم کے حرکت میں آنے کی آواز تھی جو یہ... چاروں دروازے خود بخود مقفل ہو گئے تھے اور... ایک شفاف شیشہ بلند ہو کر چھت سے جا لگا تھا۔

بہرام جانتا تھا کہ یہ بُلٹ پروف شیشہ... مضبوطی کے اعتبار سے یہ شیشہ فولادی قوت کا... رکھتا تھا۔ شہزاد نے یہ کارروائی

چھت کی طرف دیکھا اور اس کے ہونٹوں پر پھیلی ہوئی مسکراہٹ معنی خیز ہو گئی۔

اس بُلٹ پروف شیشے میں ایک خامی تھی جس کی طرف غالباً اس سے پہلے کوئی بھی متوجہ نہیں ہوا تھا۔ یہ شیشہ کار کی چھت میں لگی ہوئی ایک گول سی ٹائی میں جاکر فٹ ہوتا تھا۔ ٹائی میں کی یہ ہوئی اس خالی جگہ کا شہزاد کی... ہوئی آنکھیں سے کوئی مقابلہ نہیں تھا۔

بہرام جان تھا کہ اس کا ٹائیگر اس ثابت سے کیسے چھٹکارا

حاصل کرے گا جس میں وہ دونوں اس وقت قید ہو کر رہ گئے تھے...

لیکن یہ دیکھ کر اس کی آنکھیں پھیل گئیں کہ شہزاد نے شیشے پر دھاتی فریم کو ایک جگہ سے پکڑ کر سیدھا کر دیا تھا... پھر اس کی انگلیاں تیزی سے اس فریم کے ساتھ ساتھ حرکت کرنے لگیں۔ اس نے پہلو اور بالائی حصے کی پنچی کو سیدھا کر کے ایک ہاتھ سے شیشے کو سہارا دیا اور پھر اُسے انگلیوں پر سنبھالتے ہوئے دھاتی فریم سے نکال لیا۔ شیشے کو اپنے پیروں میں سیدھا کھڑا کرنے کے بعد وہ دوبارہ آگے جھکا اور نہایت پُرسکون آواز میں بولا۔

"سنو دوست! کیا تم بائیں ہاتھ سے اسٹیئرنگ سنبھال سکتے ہو؟"

ٹیکسی ڈرائیور اُن کو میکنزم کے ذریعے بند کرنے کے بعد مطمئن ہو گیا تھا اور اس وقت مائیکروفون پر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ شہزاد کی آواز نے اسے چونکنے پر مجبور کر دیا۔

عقب نما آئینے میں لمحے بھر کو اس کی آنکھیں پھٹی پھٹی سی دکھائی دیں... لیکن اگلے ہی لمحے وہ سنبھل چکا تھا۔ وہ دانتی بڑے دل گُردے والا آدمی تھا۔ اس نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے شہزاد کی بات کا جواب دیا۔

"ہاں... کیوں نہیں۔ یہ دیکھو۔" اس نے بائیں ہاتھ سے اسٹیئرنگ سنبھال لیا اور پھر اس کے دائیں ہاتھ نے تیزی سے حرکت کی۔

شہزاد نے دیکھا کہ اُس نے دائیں ہاتھ میں ریوالور جکڑا ہوا تھا۔ یہ اعشاریہ تین آٹھ کا بھدا سا لیکن خوفناک ریوالور تھا۔

بہرام اس منظر کو یوں دیکھ رہا تھا جیسے وہ کسی سنیما ہال میں کسی فلم کا سنسنی خیز منظر دیکھ رہا ہو۔

"بہت خوب۔" شہزاد نے ہنس کر کہا اور اچانک ہی اس کے دونوں ہاتھ ٹیکسی ڈرائیور کے دائیں بازو کی طرف لپکے۔ اس کے دونوں انگوٹھے فوراً ہی بازو کے پُرگوشت حصے پر مخصوص انداز میں دباؤ ڈال رہے تھے۔

ٹیکسی ڈرائیور کا بازو ایک لمحے کے لیے اکڑ کر ڈھیلا پڑنے لگا۔ پہلے تو اس کے بازو کا کہنی تک کا حصہ شل ہو گیا۔

... پھر کلائی اور آخر میں ہاتھ بے جان ہونے لگا۔

ہاتھ کے بے جان ہوتے ہی انگلیوں کی گرفت ریوالور کے دستے پر برقرار نہ رہ سکی۔ اس بے ریوالور اس کے ہاتھ سے نکل کر سیٹ پر بے آواز گر گیا اور ڈرائیور کے اس کا چہرہ سُرخ ہو گیا۔

"اوہ... اب ٹھیک ہے۔" شہزاد نے بدستور پُرسکون آواز میں کہا۔ "ڈرائیور سے نہایت... انداز میں بات چیت کرو یا تمہارے ساتھ بھی وہی کچھ ہو جائے گا جو... ہوا ہے۔"

ہدایت مل چکی ہے۔ میں عقب میں آنے والی دو کاروں میں موجود تمہارے دوستوں سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں... لیکن تنہائی میں..."

"آہ..." ڈرائیور کے حلق سے کراہ نکل گئی۔

"سنو..." اس بار شہزاد کا لہجہ تحکمانہ اور خطرناک آمیز تھا۔ "اگر تمہارے دوست ہم دونوں پر غالب آنے میں کامیاب ہو گئے تو سمجھ لینا کہ تمہاری زندگی محفوظ ہے۔"

"آہ..." ڈرائیور کے بھنچے ہوئے دانتوں سے آواز نکلی۔

اس کا چہرہ دہشت اور تکلیف کی زیادتی سے رفتہ رفتہ اپنے نقش و نگار کھو کر مسخ ہوتا جا رہا تھا۔ اس کی آنکھیں حلقوں سے اُبل رہی تھیں اور ہونٹوں پر کپکپاہٹوں کا میلہ لگا ہوا تھا۔

"مجھے معلوم ہے کہ تم کتنی تکلیف محسوس کر رہے ہو۔" شہزاد نے لہجے میں نرمی پیدا کرتے ہوئے کہا اور ذرا سا دباؤ بڑھایا۔ اس بار ڈرائیور کے حلق سے دلدوز چیخ نکل گئی۔

بہرام نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

شہزاد نے جس انداز میں میکنزم کو ناکارہ بنا کر ڈرائیور کے ریوالور والے ہاتھ کو ناکارہ بنایا تھا، اس سے اُس کی ذہانت اور قوت کے علاوہ فوری طور پر فیصلہ کرنے کی صلاحیت کا بھی پتہ چلتا تھا۔ اُسے شہزاد پہلے پناہ فخر کا احساس ہونے لگا اور نہ جب سرگوشی اُسے فلکرافٹ لایا تھا تو اُسے "ٹائیگر" کسی دیوانے کا خواب ہی لگتا تھا... لیکن شہزاد نے خود کو بہرام کے سامنے ثابت کر دیا تھا۔

"تمہارے دوستوں نے جس جہاں رُکنے کی ہدایت کی تھی، ٹیکسی کو سیدھے... ہی لے چلو۔" شہزاد کہہ رہا تھا۔ "اگر تم ٹھکانے لگنے کی تو تم یقیناً محفوظ ہو گے۔ سمجھ گئے؟"

اس نے کندھے پر انگلیوں اور انگوٹھوں کا دباؤ ذرا سا کم کر دیا تو ڈرائیور نے ایک طویل سانس لے کر سر کو اثبات میں ہلا دیا۔

"ٹھیک ہے، دوست! ان سے ملاقات کی حسرت بھی جلد ہی پوری ہو جائے گی۔" ڈرائیور نے دانت پیستے ہوئے کہا۔ اس کے خدوخال کی یکسر اب بھی مارے تکلیف کے لرز رہی تھیں۔

"کیا یہ اندازِ دوست ہے؟" بہرام نے سرگوشی کی۔

"میں سمجھا نہیں..." شہزاد چونک پڑا۔

"اس شخص کا زندہ رہنا خطرناک ہے۔"

"کسی ایسے شخص کو قتل کرنے کی کیا ضرورت ہے جس کی سر سے کوئی اہمیت ہی نہیں ہے۔ یہ کرایے کا آدمی ہے... اصلے یہ بھی معلوم نہیں ہو گا کہ عقب میں آنے والے کون ہیں۔"

"لیکن یہ بھی دشمن ہے۔ اسے ٹھکانے لگا کر کیوں نہ ہم اپنی راہ لیں۔" بہرام نے مشورہ دیا۔

"جی ہاں... فاصلوں میں عموماً ایسا ہی ہوتا ہے سویٹ ہارٹ۔"

بہرام کے جبڑے بھنچ گئے۔

"کیا آپ چاہتے ہیں کہ میں اس معاملے سے الگ ہو جاؤں اور آپ اسے اپنے طور پر نمٹائیں؟"

"نہیں... میرا یہ مطلب نہیں تھا۔" بہرام نے شکست لہجے میں کہا۔

"تو پھر جناب! اطمینان سے دیکھتے رہیے۔ ایسے مناظر آپ کو بار بار دیکھنے کو نہیں ملیں گے کیونکہ آپ بے حد عدیم الفرصت شخصیت ہیں۔" شہزاد نے کہا اور ڈرائیور کے کندھے سے ہاتھ ہٹا لیے۔

ہاتھ ہٹاتے وقت اس نے اُس مخصوص انداز میں بازو پر مخالف سمت میں دباؤ ڈالا تھا، جس سے عضلات اور نسوں میں دوران خون مدت ہو گیا تھا اور اب ٹیکسی ڈرائیور کے چہرے پر تکلیف کے تاثرات نظر نہیں آرہے تھے۔

اسٹیئرنگ سے ایک میل اِدھر ایک چوراہا تھا۔

اس چوراہے کی بتی جیسے ہی سبز ہوئی، ٹیکسی ڈرائیور نے گاڑی کو تیزی سے دائیں طرف موڑا اور ایک ویران راستے پر ڈال دیا۔ میل کا سفر طے کرنے کے بعد ٹیکسی ایک کچی سڑک پر اُتر گئی جو یقیناً کسی ویرانے ہی کی طرف جاتی تھی۔

کچی سڑک پر جیسے ہی ٹیکسی گھومی، شہزاد کے نتھنوں سے عجیب سی بُو ٹکرائی۔ اس طرف غالباً کوئی دلدل تھی۔ جس کی ناگوار بُو فضا میں پھیل گئی تھی۔ یہ ایک سیاہ اور دھندلی رات تھی۔ ٹیکسی کچی سڑک پر اچھلتی کودتی تیزی سے کسی گمنام منزل کی طرف دوڑ رہی تھی۔

شہزاد نے عقب میں دیکھا۔

کچھ ہی فاصلے پر پیچھا کرنے والی دونوں کاریں چلی آرہی تھیں۔

ایک ویران جگہ ڈرائیور نے ٹیکسی ایک جھٹکے سے روک دی۔

"یہی وہ مقام ہے، دوست!" اس نے پلٹ کر کہا۔ "جہاں تم دونوں کو موت کا ذائقہ چکھنا پڑے گا۔"

"ہم میں سے کسی ایک کو..." شہزاد نے مسکرا کر کہا۔ جیسے اس کی بات کی تصحیح کر رہا ہو۔ "کیا تم بھی اس جنگ میں شریک ہو رہے ہو؟"

"نہیں... مجھے صرف یہیں تک پہنچانے کی ادائیگی کی گئی ہے۔"

"کوئی بات نہیں۔" شہزاد نے آگے بڑھتے ہوئے اس کی گردن کے پہلو میں زور سے انگلی ماری۔ "ایسی صورت میں تمہیں یہیں آرام کرنا پڑے گا۔"

ٹیکسی ڈرائیور کی گردن ڈھلک گئی۔

وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔

عقب سے آنے والی دونوں سیڈان کاریں کچھ فاصلے پر رُک گئیں

شہزاد نے پلٹ کر دیکھا ٹیکسی اور ان کاروں کے درمیان دس فٹ کا فاصلہ رہا ہوگا۔ دونوں کاریں پہلو بہ پہلو کھڑی تھیں۔ ان کی ہیڈ لائٹیں سے ٹیکسی خوب روشن ہوگئی تھی۔ شہزاد نے اپنے چیف کا ہاتھ تھام کر نرمی سے دباتے ہوئے کہا: "خود کو نیچے جھکا لیجیے جناب! ٹیکسی میں ہی بیٹھے رہیے۔ میری مدد کرنے کی کوشش نہ کیجیے گا۔"

اس نے کار کا دروازہ نیم شگاف کیا اور نیچے اتر آیا۔

تعاقب میں آنے والی دونوں کاروں میں سے آٹھ افراد سوار تھے۔ وہ بھی اتر چکے تھے اور آہستہ آہستہ ٹیکسی کی طرف بڑھ رہے تھے۔ چار ایک طرف سے اور چار دوسری طرف سے شہزاد کی طرف آئے۔

وہ ٹیکسی کی ڈکی سے پشت لگا کر نیم دراز ہوگیا۔

"تم سب کے سب زیر حراست ہو۔" اس نے بلند آواز میں کہا اور گہری نظر سے ایک ایک کا جائزہ لیا۔

"وہ کس جرم میں؟" ایک نے تعجب آمیز لہجے میں دریافت کیا۔

کاروں کی روشنی میں شہزاد نے نمایاں طور پر دیکھا تھا اس کے بولنے کے انداز میں بڑا تاثر تھا۔ اس سے پتہ چل گیا کہ وہ ان سب کا لیڈر ہے۔ لیے موقعوں پر ہمیشہ لیڈر ہی بات کرتے ہیں۔

جس شخص نے جواب دیا تھا وہ بھاری جسم کا تھا۔ لیکن اس کا چہرہ قدرے پتلا تھا جس کی ہڈیاں نمایاں تھیں۔ اس نے چھوٹے گھنگھریالے بال تھے۔ شہزاد کو ان کے لیڈر ہی کی تلاش تھی۔

"وہ کس جرم میں ہا؟" لیڈر دوبارہ بولا۔

"ناواقفیت عامہ کی قسم... مبشر نے دونوں ہاتھ سر کے پشت پر باندھ کر پیروں کو خفیف سی حرکت دیتے ہوئے کہا... "اور یہ جرم ہمیشہ مہلک ثابت ہوتا ہے۔"

شہزاد کا پنجا دفعتہً تیزی سے بلند ہوا تھا اور پھر اس کے بوٹ کی چوپ لیڈر کے زخمے پر پڑی۔ اس کا ہم ایک لمحے کے لیے بلند ہوا تھا اور شوکر اتنی پُر قوت سے لگی تھی کہ پہلے تو چوٹ کھانے والا سمجھ کسی کو احساس ہی نہ ہو سکا کہ کیا ہوا ہے... پھر جب لیڈ نیچے گر گیا اور شہزاد کے جوتے کی چبھتی ہوئی نوک دوسرے آدمی کے زخمے کو بھی کاری ضرب لگا گئی تو صورت حال کا اندازہ ہوا... لیکن اب شاید انھیں بہت دیر ہو چکی تھی۔ ان کے دو آدمی ناکارہ ہو کر گر چکے تھے۔ لیڈ تڑپ رہا تھا جبکہ دوسرے شخص کے جسم پر کسی لاش جیسا سکوت طاری تھا۔

وہ دونوں بھاری بھاری جسم ہوتے ہی دھم سے گرے تھے۔ شہزاد نے اپنی جگہ چھوڑ دی تھی... اور اب وہ تین تین کی قطار میں کھڑے چھ آدمیوں کی دو قطاروں کے درمیان پہنچ چکا تھا۔

دونوں طرف سے تین تین آدمی تیزی سے آگے بڑھے۔

ان میں سے ایک شاید کچھ زیادہ ہی گھبرا گیا تھا۔ اس نے ہ ریوالور نکالا۔ بالکل نداد حادثہ گولی بھی چلا دی۔ شہزاد اس وقت تک خ کود چکا تھا۔ اور تھکاوٹ اضطراب سے متوازن کر چکا تھا۔

اس نے بڑی پھرتی سے خود کو ایک طرف ہاتھوں کے بل گرا گولی اس جگہ سے گزر گئی جہاں ایک لمحے قبل شہزاد کھڑا تھا... اور سلہ آگ اگلنے والا ہتھیار شخص کے سینے میں پیوست ہوگئی۔ گولی دائیں طرف سے ٹ اور ما کا ایک تڑپی کام آگئی۔

گولی چلنے کے بعد وہ شخص گرنے سے پہلے ہی لاش بن چکا تھا۔

اس احمقانہ حرکت کا ریوالور بدست شخص کو فوراً ہی احساس ہ گیا۔ اس نے جلدی سے ریوالور جیب میں رکھ لیا... اب غالباً مجسمی کو اندازہ ہو چکا تھا کہ تارگٹ ان کے درمیان ہے۔ اس لیے گولیاں خود اپنے ہی ساتھیوں کو نقصان پہنچائیں گی۔

پانچ آدمی اب اپنے اکڑے اکڑے آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگے۔

انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ ہاتھ آتے ہی شہزاد کو پیس کر رکھ دیں گے... لیکن ان کے ہاتھ بار بار پھیلتے اور جب ان کی انگلیاں آپس میں ملتیں تو ان میں کچھ بھی نہ ہوتا۔ وہ یوں ہاتھ ملنے لگے جیسے کسی نادیدہ جسم کو پکڑنے کی کوشش کر رہے ہوں۔

شہزاد آسمانی بجلی کی طرح ان کی گرفت سے بچنے کے لیے ادھر سے ادھر جسم کو اچھال رہا تھا۔ ایکائی ڈو جدید فن حرب ہے... لیکن ایکائی ایک قدیم فن ہے جسے کے تحت گروہ کی شکل میں حملہ آور ہونے والوں سے بچاؤ کی تکنیک ہمیشہ نتیجہ خیز ثابت ہوتی ہے۔ اسے قدیم زمانے کا بہترین فن قرار بھی کہتے ہیں۔ شہزاد اس وقت اپنے بوڑھے استاد شان سے سیکھے ہوئے اسی فن کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ان سب کے بازو تو فضا میں لہرا رہے تھے لیکن وہ اب تک شہزاد کو چھونے میں بھی کامیاب نہیں ہوئے تھے۔

ایکائی کا فن جہاں دفاع کے لیے لاثانی ہے، وہاں حملے میں بھی بے مثال ہے۔ شہزاد نے جیسے ہی ان کے گھیرے سے نجات حاصل کی وہ فوراً دفاع سے حملے پر اتر آیا۔

ایک کی کھوپڑی چیخ گئی۔

دوسرے کا گردہ چوٹ کھا کر سپٹ گیا۔

تیسرے اور چوتھے نے بیک وقت دائیں بائیں سے حملہ کیا۔ دائیں کہنی چلی... اور پھر بائیں کہنی نے اپنے ہدف پر چوٹ لگائی۔ یہ چوٹیں شدید تھیں۔ دونوں کی ہڈیاں ٹوٹ گئیں اور وہ کسی پرکٹے پرندے کی طرح پھڑپھڑاتے ہوئے ڈھیر ہوگئے۔

چوتھا آدمی زمین چاٹ چکے تھے۔ اب چونکہ دو باقی رہ گئے تھے اس

لیے انھوں نے سوچا کہ شہزاد کو گول کا نشانہ نہ بنایا جا سکتا ہے۔ انھوں نے ریوالور نکال لیے... پھر ان کے درمیان شہزاد کسی چنگاری کی طرح جست پڑا۔ وہ نشانہ ہی بنتے رہ گئے۔

انہیں ریوالور چلانے کی مہلت ہی نہ مل سکی۔

دونوں کو لمحوں میں یوں محسوس ہوا تھا جیسے ان کے بازو کیا ایک فالج زدہ ہو گئے ہوں۔ ٹریگر دبانے کے لیے انگلی تک حرکت نہ کر سکی اور پھر انہیں اپنے زخموں پر تھیلی کے وار برداشت کرنے پڑے۔ اگلے ہی لمحے وہ کار آمد ہاتھوں سے گلے سنبھالے زمین پر جھک رہے تھے۔

شہزاد نے ٹیکسی کی طرف دیکھا۔

اس کا چیف بھی اسکرین سے یہ کھیل دیکھ رہا تھا۔

اس کے ہونٹوں پر فاتحانہ مسکراہٹ تھی۔

جن دو آدمیوں کو اس نے جوتے کی نوک سے گرایا تھا، ان میں سے لیڈر تو اب بھی تڑپ رہا تھا۔ دوسرا بے حس و حرکت تھا۔ شہزاد نے اسے کالر سے پکڑ کر اٹھایا۔

اس کی کنپٹیوں کو مخصوص انداز میں دبایا۔

ایک لمحے کے لیے اس شخص کو ہچکی سی آئی... پھر اس نے آنکھیں کھول دیں۔ شہزاد نے ٹھوکریں مارتے وقت ٹھوکر کی شدت کا خیال کیا تھا یہ شخص تو بے ہوش ہو گیا تھا جبکہ لیڈر بے ہوش اور بے ہوشی کے درمیان کہیں تکلیف کی وجہ سے تڑپ رہا تھا۔

شہزاد نے اسے بھی اٹھایا اور اس کی کنپٹیوں کو دبایا۔

لیڈر بھی کچھ دیر بعد ہوش میں آگیا۔

شہزاد نے اسے دھکا دے کر ٹیکسی کی ڈکی کی طرف اچھال دیا۔ وہ وہیں ٹیک کر کھڑا کانپتا رہا۔ اس کا بیٹ گر گیا تھا اور سیدان کی تیز روشنیوں میں اس کا چہرہ خوف کی زیادتی سے زرد نظر آ رہا تھا۔ شہزاد نے دوسرے کی طرف دیکھا۔

وہ یوں کھڑا تھا جیسے حواس کھو بیٹھا ہو۔ اس کی آنکھیں خلا میں گھورتی ہوئی لگتی ہی تھیں۔ اچانک شہزاد اچھلا... اور پھر وہ جب نیچے آیا تو اس کی کہنی پوری قوت سے اس حواس باختہ شخص کی کھوپڑی پر پڑی۔

وہ شخص یوں چیخا جیسے کسی نے پوری قوت سے ایک ٹنی ہتھوڑا اس کے سر پر دے مارا ہو۔ اس کی کھوپڑی پاش پاش ہو گئی تھی اور خون میں ڈوبا ہوا بھیجہ بہہ نکلا تھا۔

شہزاد نے اس کی کھوپڑی پر ہاتھ ملا اور مٹھی لاکر لیڈ کے چہرے کے سامنے کھول دی۔ "یہ کیا تم بھی اپنا انجام ایسا ہی چاہتے ہو؟" اس نے لیڈر کو گھورتے ہوئے سخت لہجے میں کہا۔

لیڈر کی آنکھوں سے گویا دنیا جھلکنے لگی۔

اس نے بمشکل سر کو دائیں بائیں حرکت دی۔

"تو پھر جلدی سے بکنا شروع کر دو۔" شہزاد غرایا۔ اس کی غراہٹ میں بے پناہ درندگی تھی۔ "تمہیں کس نے بھیجا تھا؟"

"میں اسے نہیں جانتا... بس کسی نے فون پر ہدایات دیں کہ معاشرے کے کرم بھیج دی تھی۔" لیڈر نے جواب دیا۔

"شب بخیر۔" شہزاد نے یکایک مسکرا کر کہا اور فضا میں اچھل پڑا۔ ایک لمحے کے لیے وہ معلق نظر آیا پھر اس کی ٹھوکر لیڈ کے جسم پر ٹھیک گردن کے مقام پر پڑی۔

شہزاد کے پاؤں زمین پر پہنچے تو لیڈ کی لاش چرمراکر ڈکی سے پھسلتی ہوئی نیچے گر گئی تھی اور وہ اب کسی دھیر کی طرح بے حس و حرکت پڑا تھا۔ شہزاد نے ٹیکسی کا دروازہ کھول دیا۔

"آ جایئے باس!" اس نے بہرام سے کہا۔

بہرام ٹیکسی سے اتر آیا۔

"ان میں سے ہر ایک کا جائزہ لیں۔ ممکن ہے کوئی آپ کا شناسا ہو۔" شہزاد نے کاروں کے درمیان کھڑے ہوئے جگہ جگہ بکھری ہوئی لاشوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

وہ ایک بار پھر ٹیکسی سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔

بہرام نے بڑی باری ہر لاش کا چہرہ دیکھا اور پھر آخری آدمی کو دیکھنے کے بعد ایک طویل سانس لے کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے شہزاد کی طرف دیکھا اور سر کو نفی میں حرکت دیتے ہوئے کہا: "ان میں سے ایک بھی صورت پہلے سے دیکھی ہوئی نہیں ہے۔"

دونوں ٹیکسی کے دروازے کی طرف بڑھے۔

اچانک ٹیکسی ڈرائیور کی کراہ سنائی دی۔

غالباً وہ ہوش میں آ رہا تھا۔ بہرام اس کی کراہ سن کر چونک پڑا: "تیسرا۔" اس نے جذبات سے عاری لہجے میں کہا: "کیا اس شخص کو زندہ رکھنا ضروری ہے؟"

"اگر آپ کے کسی کام آ سکتا ہے تو..."

"نہیں، یہ ہمارے کسی کام کا نہیں ہے۔"

"ایسی صورت میں اس کا زندہ رہنا ٹھیک نہیں۔" شہزاد نے تائید میں کہا اور فرنٹ ڈور کھول کر ٹیکسی ڈرائیور کی طرف دیکھا جس کے چہرے پر بھیڑیے کا سا تاثر تھا۔ "مجھے افسوس ہے دوست!" اس نے دھیمی آواز میں کہا: "ناواقفیت اندیشی ایک مہلک جرم ہے۔" اس کا ہاتھ تیزی سے آگے بڑھا۔

ٹیکسی ڈرائیور نے جلدی سے کچھ کہنا چاہا تھا۔

شاید موت کو سامنے دیکھ کر اچانک ہی اسے زندگی سے محبت ہو گئی تھی اور اس محبت نے اُس کے انداز سے لیسری اور بے خوفی کا ہر تاثر چھین لیا تھا... لیکن شہزاد کے بڑھے ہوئے ہاتھ میں موت تھی، اس کی انگلیاں کنگھی سلاخ کی طرح تن گئی تھیں اور پھر اُس نے ان انگلیوں کو تیکی ڈرائیور کی آنکھوں سے نکالی کر اُس کی یونیفارم سے پونچھ ڈالا۔

ڈرائیور سیٹ کی طرف لڑھکنے لگا۔

شہزاد نے اس کا کالر تھام کر جھٹکا مارا۔

وہ دروازے سے باہر زمین پر اوندھے منہ گرا اور تڑپتا رہا...

رفتہ رفتہ اس کا جسم ٹھنڈا پڑنے لگا... اور پھر وہ کسی جسم کی طرح اوندھا پڑا نظر آنے لگا۔

"کیا یہ مر چکا ہے۔" بہرام نے حیرت سے دریافت کیا۔

"جی نہیں..." شہزاد نے اطمینان سے جواب دیا۔

"پھر کیا بات ہے؟"

"بس، یہ زندہ نہیں رہا۔" شہزاد نے مسکرا کر کہا اور ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر اُس نے تیکی کا دروازہ بند کر لیا۔

ٹیکی اشارات کرکے اس نے عقبی سیٹ پر بیٹھے اپنے چیف کی طرف دیکھا۔ "آپ کو کہاں چھوڑوں، سویٹ ہارٹ؟"

"اسٹرپورٹ۔" بہرام غرایا۔

شہزاد نے گاڑی ریورس کی تو قبضی ٹائر لاشوں کو کچلتے ہوئے گزر گئے۔ اس نے ٹیکی کو گھمایا اور تیزی سے اسی کچی سڑک پر واپسی کا سفر شروع کر دیا جس سے وہ یہاں تک پہنچے تھے۔

شہزاد اور لوگوں کی طرح بے پروائی سے ڈرائیونگ کا قائل نہیں تھا وہ سے ٹاؤ میں رکھنے کی حد تک تیز رفتاری سے چلا رہا تھا جب سے اُوشان نے اُسے ترتیب دی تھی، اس کے متعلق اکثر شہزاد کے ذہن میں گردش کرنے لگے تھے اور یہی وجہ تھی کہ وہ ذاتی طور پر رفتہ رفتہ کسی حد تک ان کا قائل بھی ہو گیا تھا۔

اس نے ہتھے پھیلا کر سیگریٹ لیے۔

ٹیکسی میں عجیب سی بُو تھی، موت اور خوف کی بُو جسے صرف شہزاد ہی سُونگھ سکتا تھا... البتہ خوف کی بُو کے بارے میں وہ یقین سے نہیں کہہ سکتا تھا کہ کس وجہ سے محسوس ہو رہی ہے جیسی ڈرائیور کی وجہ سے یا اس کا چیف قدرے خوفزدہ ہے۔

اس نے عقب نما میں بہرام کی طرف دیکھا۔

چیف کا چہرہ جذبات سے عاری تھا۔

اسٹرپورٹ پہنچ کر اس نے ٹیکسی کو پارکنگ سے کچھ دور ہی روک لیا۔

بہرام نے عقب سے ہاتھ بڑھا کر اس کا کندھا تھپتھپایا۔

"اس کام سے بعض اوقات تم خود کو بیزار نہیں محسوس کرتے؟"

"جی نہیں۔" شہزاد نے جواب دیا۔ "جو کچھ اُن کے ساتھ ہوا ہے، وہ پہلے، ساتھ بھی تو ہو سکتا تھا۔"

بہرام نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ "خدا حافظ۔"

"خدا حافظ، سویٹ ہارٹ۔" شہزاد نے مسکرا کر کہا۔

بہرام ٹیکسی سے اُتر گیا تو شہزاد کے انداز سے شرارت ظاہر ہو رہی تھی۔ "اے مسٹر۔" اس نے قدرے بلند آواز میں کہا۔ "کیا کرایہ ادا نہیں کرنے؟"

بہرام ٹھٹک کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"یاد دیکھیے جناب۔" شہزاد نے جلدی سے کہا۔ "جس لڑکی کے چہرے پر اُن گنت جھریوں تل نہیں ہوتے، اس کی مثال ایک ایسی رات جیسی ہوتی ہے جب ستارے نہیں نکلتے۔"

بہرام کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔

"اب جلدی سے بھاگ جاؤ ورنہ کوئی سواری مل گئی تو پریشان ہو جاؤ گے۔" بہرام نے اشارہ کیا اور شہزاد نے جلدی سے گاڑی گیئر میں ڈال کر تیزی سے گھما دی تھی کیونکہ ایک طرف سے ایک بوڑھی عورت ٹیکسی ٹیکسی پکارتی ہوئی اسی طرف آ رہی تھی۔

اس نے عقب نما میں بوڑھی عورت کے دُور ہوتے ہوئے ہیولے کی طرف دیکھا اور ٹیکسی کو شہر کی طرف جانے والی قدرے ویران سڑک پر ڈال دیا تاکہ کسی سواری یا پولیس سے مڈبھیڑ نہ ہو سکے۔

اس کا ذہن اُوشان میں الجھا ہوا تھا۔

وہ حیران تھا کہ اس نے اپنے چیف بہرام سے اُوشان کے بارے میں وہ ذکر کیا تھا... لیکن یہ بات ابھی تک سمجھ میں نہیں آئی تھی کہ اُسے کیسے رضامند کرے گا۔

ٹیکسی کو ایک ویران گلی میں چھوڑ کر وہ دھیمی آواز میں سیٹی بجاتا ہوا اپنے ہوٹل کی طرف چل دیا جو وہاں سے زیادہ دُور نہیں تھا...

☆☆

وہ ابھی ابھی اپنی مشق سے فارغ ہو کر بیٹھا تھا۔

اُوشان اس کی آج کی کارکردگی سے بے حد خوش تھا، شہزاد نے نوٹس منزل سے چھلانگ لگا کر مقررہ وقت پر فٹ پاتھ تک رسائی حاصل کر کے یہ ثابت کر دیا تھا کہ وہ اس کا صحیح جانشین ہے۔ اُستاد کے لیے ایسے ہونہار شاگرد کا مل جانا ہی بڑے فخر کی بات ہوتی ہے۔ چونکہ شاگرد ایسا ہو جس کی تربیت کا اسے ماہانہ لاکھوں کا معاوضہ ملتا ہو۔ اُوشان لالچی نہیں تھا۔ بلکہ وہ جس گاؤں سے تعلق رکھتا تھا، اسے جنگ کی تباہ کاری نے نگل لیا تھا اور اُوشان اس دولت سے وہاں کے سیکڑوں بے خانماں لوگوں کو اچھی زندگی سے ہمکنار کر رہا تھا۔ وہ یہی ارادے لے کر گھر سے نکلا تھا اور اُسے اپنے اس نیک مقصد میں ناکامی نہیں ہوئی تھی۔

اُوشان کے گاؤں کو لامازیوں اور گڈا یوز نے تباہ کیا تھا اس لیے اُسے ان دونوں قوموں سے بے پناہ نفرت تھی۔ ابھی چند روز قبل اُس نے ایک فلم دیکھتے ہوئے جیسے ہی ایک لامازی فوجی کو دیکھا، اس کی دائیں ہتھیلی کے مہک اُٹھنے لگی۔ وی سینٹ کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ شہزاد حرفِ مدعا زبان پر لاتے ہوئے ہچکچا رہا تھا۔

"تم کچھ کہنے کے لیے بے چین ہو تو کہہ کیوں نہیں دیتے؟" اُوشان کی آواز نے شہزاد کو تذبذب کی حالت سے نکال دیا۔

"بات ہی کچھ ایسی ہے، جناب۔" شہزاد ہکلایا۔

"تم کہو تو سہی!"

"اگر میں آپ سے درخواست کروں کہ کسی لامازی کے باڈی گارڈ کی حیثیت سے کام کریں تو مجھے جواباً سُننے کو کیا ملے گا؟" شہزاد نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

ایک لمحے کے لیے اُوشان کی آنکھیں اسے اپنی آنکھوں میں چبھتی محسوس ہوئیں... پھر جیسے اس کی نگاہ شہزاد کے دل تک اتر گئی۔ شہزاد کا خیال تھا کہ وہ بھڑک کر اُٹھ کھڑا ہو گا... لیکن اُسے یہ دیکھ کر شدید حیرت ہوئی کہ اُوشان کے چہرے پر ضارطل اور ہونٹوں پر مسکراہٹ کی خفیف سی تھرتھراہٹ پیدا ہو چکی ہے۔

وہ سوالیہ نگاہ سے اُوشان کی طرف دیکھتا رہا۔

"میری ایک نصیحت ہمیشہ یاد رکھنا بیٹے۔" اُوشان نے کہا۔ "اگر تم اس قوم کا کوئی کام کرنے لگو تو معاوضہ ہمیشہ پہلے لے لو۔"

"اوہ، تو آپ تیار ہیں۔" شہزاد نے بے یقینی سے کہا۔

"معقول معاوضے پر میں ہر کام کر سکتا ہوں۔" اُوشان نے کہا۔

"اور کون جانے، لامازیوں ہی کی دولت پر عیش کرتے ہوئے مجھے اپنے انتقام کی پیاس بھی بجھانے کا موقع مل جائے۔"

شہزاد کا جسم ٹھنڈا ٹھنڈا پسینہ اگلنے لگا۔

اُوشان کے لہجے میں نہ جانے کن کن جذبوں کی آمیزش ہو گئی تھی۔ شہزاد کو یوں محسوس ہونے لگا تھا جیسے اس کی آواز میں اُن گنت روحوں کی چیخ و پکار شامل ہو گئی ہو۔ اس کی سرگوشیاں روحوں کی ڈبی ڈبی کراہیں محسوس ہو رہی تھیں۔ اُوشان واقعی عظیم تھا، شہزاد نے نہایت فخر سے اپنے اُستاد کی طرف دیکھا۔

"شاید آپ ٹھیک ہی کہہ رہے ہیں۔" اُس نے ڈبی ڈبی آواز میں کہا اور اُوشان کو اپنے پروگرام اور کام کی تفصیل سے آگاہ کرنا شروع کر دیا۔

وہ دل ہی دل میں بے حد خوش تھا کہ اس طرح وہ اپنے چیف بہرام سے بھی

سُرخ رُو ہو سکے گا، تھا اور کام کے دوران میں اُسے بہت سی نئی باتیں بھی سیکھنے کو مل سکتی تھیں۔

بہرام نے اسے اسٹرپورٹ پر جس لامازی خاتون سے ملاقات کے لیے کہا تھا، اُسے ان دونوں کے بارے میں ایسی تفصیلات فراہم کر دی گئی تھیں جن سے شہزاد اور اُوشان کی حقیقت بہرحال بے نقاب نہیں ہو سکتی تھی۔ اس کے علاوہ بہرام نے اسے جن کوائف سے آگاہ کیا تھا، اس کے ساتھ لامازی جنرل کی بیوی کی تصویر بھی موجود تھی۔

اُسی شام وہ دارالحکومت سے روانہ ہو گئے۔

اگلے روز انھیں لامازی حکومت کے چند افسروں نے نہایت ماندازی سے اپنے دارالحکومت کے ائرپورٹ پر خوش آمدید کہا۔ اس دن اور دن میں سرسری سی اور رسمی باتیں ہوئیں۔ اُوشان نے بہ حیثیت ترجمان اپنا فرض بڑی خوش اسلوبی سے ادا کیا۔ وہ اس وقت سیاہ پائنچے اور سفید کرتے میں ملبوس تھا۔ اپنا گریٹ رنگ کا لبادہ اس نے شہزاد کی خواہش کے مطابق اتار دیا تھا۔ بالوں اور مونچھوں کی تراش خراش کرانے پر بھی اس نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ ان دونوں کی شباہت میں معمولی سی تبدیلی کر دی گئی اور اس سلسلے میں پلاسٹک سرجری کے ماہرین کا کام بے مثال تھا۔

سیکیورٹی چیف نے شہزاد اور اُوشان کو فوری طور پر لامازی دارالحکومت کے ائرپورٹ کے ایک کمرے کے دروازے تک پہنچا دیا تھا۔ جہاں جنرل لامو کی بیوی بے چینی سے اُن کا انتظار کر رہی تھی۔

شہزاد نے کمرے میں قدم رکھا تو ٹھٹک گیا۔

کمرے میں اس وقت ایک ہی لامازی شخصیت موجود تھی... اور اُسے دیکھ کر شہزاد کے چونکنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ ایک کم عمر لڑکی نظر آ رہی تھی جبکہ وہ کسی خاتون قسم کی لامازی عورت کی توقع کر رہا تھا۔

بچوں جیسے چہرے والی اس عورت نے بھورے رنگ کا خوب کھلا اور ربڑ کوٹ پہن رکھا تھا جس سے اس کے نازک نازک اور چھوٹے سے ہاتھ نکلے ہوئے تھے اور ہاڈ کوٹ کے کشادہ بازوؤں میں چھپ کر رہ گئے تھے۔ وہ ان ہاتھوں میں سُرخ چرمی جلد والی ایک کتاب دبائے بیٹھی پڑھ رہی تھی۔ اُسے یقین نہیں آیا تھا کہ اسی عورت یا مانع لڑکی کے باڈی گارڈ کا فرض ادا کرنے کے لیے اسے جزیرہ فردوس سے بھیجا گیا ہے۔

اُس نے اُوشان کی طرف دیکھا۔

اُوشان اُس بچی کی طرف بڑی ہی مضحکہ خیز نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

اُس لڑکی نے خوب بڑے بڑے شیشوں کا چشمہ لگا رکھا تھا۔ جو اُس کے انڈے کے چھلکے جیسے چہرے پر خوب جچ رہا تھا۔ اس کے بال

سیاہ تھے جنہیں اس نے درمیان سے دو حصوں میں تقسیم کر کے مانگ نکال رکھی تھی اور بالوں کو عقب میں جُوڑے کی شکل میں باندھ رکھا تھا۔

لڑکی عمر میں کسی طرح بھی تیرہ سال سے زیادہ کی نظر نہیں آتی تھی۔

اس کی آنکھوں سے خوف اور فکرمندی کا احساس ہوتا تھا۔

وہ ایک کھلونا جہاز سے مزین میز کے سامنے بیٹھی تھی۔

اُدشان نے لڑکی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: "یہ ہی وہ خبیث لڑکی اُف اس کو دیکھ کر پتہ چلتا ہے، موت کتنی معصوم اور حسین ہوتی ہے۔"

شہزاد نے اثبات میں سر ہلا دیا اور کوئی تبصرہ نہیں کیا۔

اُدشان آگے بڑھا۔

اُس نے لڑکی کے قریب جا کر لامازی زبان میں کچھ کہا۔ غالباً وہ اپنا تعارف کرا رہا تھا۔ لڑکی نے اثبات میں سر ہلا دیا اور جواباً بھی کچھ کہا۔

اس کی بات سُن کر بوڑھے اُدشان کی بھنویں لمحے بھر کو کمان ہو گئیں۔ اس نے زیرلب کچھ کہا۔ شہزاد اب تک ایک لفظ بھی نہیں سمجھ سکا تھا لیکن آخر میں اُدشان نے جو کچھ کہا وہ چونکہ اس کی مادری زبان میں تھا اس لیے فوراً سمجھ گیا۔ اُدشان نے زیرلب لڑکی کو گالی دی تھی۔

... پھر شہزاد نے دیکھا کہ اُدشان نے اپنی جیب سے شناختی کارڈ نکالے اور شہزاد کی طرف توجہ کر کے انگریزی میں بولا: "یہ گدت کی بچی ہمارے شناختی کارڈ دیکھنا چاہتی ہے۔ مجھے تو یہ لڑکی کوئی چڑیل لگتی ہے۔ کہیں ہمارے کارڈ لے کر ہی فرار نہ ہو جائے۔ تم تو جانتے ہی ہو کہ تمام لامازی بڑے مستند قسم کے چور ہوتے ہیں۔"

شہزاد نے اس بار بھی کوئی تبصرہ نہیں کیا۔

اس نے مسکرا کر اپنے کاغذات نکالے اور لڑکی کی طرف بڑھا دیے جو اُدشان کے کاغذات دیکھنے کے بعد سوالیہ انداز میں اس کی طرف متوجہ تھی۔ اس نے شہزاد کی تصویر بھی اور پھر گہری نگاہ سے شہزاد کے چہرے کا جائزہ لیا۔

"میرا خیال ہے..." عورت نے بہترین انگریزی زبان میں کہا۔ "انسان کو ہر قسم کے حالات میں محتاط رہنا چاہیے... لیکن معاملہ سنگین ہو تو احتیاط کا تناسب بھی بڑھا دینا چاہیے۔"

شہزاد جھینپ گیا۔ اس کا خیال تھا کہ لڑکی نما عورت انگریزی نہیں جانتی... لیکن اس نے انہیں حیرت میں ڈال دیا تھا۔ گویا وہ اُدشان کا اپنے بارے میں تبصرہ بھی سُن چکی تھی اور اس تبصرے کو اُس نے ہضم بھی کر لیا تھا۔ اُدشان التباسِ پردۂ نظر کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"میں ذرا باتھ رُوم ہو آنا چاہتی ہوں۔" اُس نے اُٹھتے ہوئے کہا۔

"میں بیمار ہوں... لیکن میں اپنی بیماری پر قابو پا سکتی ہوں..."

اگر کسی شوکیس میں سجا دیا جاتا تو اس کی کوئی ہم عمر لڑکی اُسے خریدنے کے لیے اپنے والدین سے ضد بھی کر سکتی تھی۔ وہ لڑکی کے بجائے گویا گڑیا ہی لگتی تھی۔

"سنو..." شہزاد نے موضوع بدلنے کے لیے کہا: "تم نے کبھی کوئی ایسی لڑکی بھی دیکھی ہے جس کے چہرے پر اس قدر بھوت، بھوت ٹپک رہے ہیں؟"

جنرل لامو کی گڑیا نما بیوی نے پلکیں جھپکا کر شہزاد کی طرف دیکھا اور مثبت انداز میں گردن ہلا دی۔ "ہاں... کئی دیکھی ہیں۔"

"ایسی لڑکیاں مجھے بہت اچھی لگتی ہیں۔"

"اور جن کے چہروں پر اپنے تیل نہ ہوں؟"

"ان کی مثال ایک ایسی رات جیسی ہے جس رات کو ستارے نہیں نکلتے۔" شہزاد نے مسکرا کر کہا اور وہ کھل کھلا کر ہنس پڑی۔

اُدشان نے انہیں یوں مسکراتے دیکھا تو معنی خیز انداز میں گردن ہلانے لگا۔ اس کے ہونٹ مسکرا رہے تھے۔ گویا وہ زیرلب اس صورتِ حال کے لیے کوئی شان دار تبصرہ کر رہا تھا لیکن شہزاد اور جنرل لامو کی بیوی نہ سُن سکے اور نہ ہی انہیں کچھ سمجھ میں آ سکا تھا۔

اسی لمحے ایک لامازی سکیورٹی گارڈ انہیں اطلاع دینے آ گیا کہ اُن کی فلائٹ کا وقت ہو گیا ہے۔ مسز لامو نے اپنا بیگ اُٹھایا اور دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ شہزاد اور اُدشان اس سے چند قدم کے فاصلے سے چل رہے تھے۔

"یہ تو بالکل بچی ہی لگتی ہے۔" اُدشان بڑبڑایا۔

"سانپ... اپنے چھوٹی عمر میں بھی زہریلا ہوتا ہے۔" اُدشان نے دھیمی آواز میں کہا۔ "شیر کا بچہ بھی بچپن میں خون بہانے کے قابل ہوتا ہے۔"

شہزاد نے سر ہلا دیا۔

وہ خاتون سے اُس ہیلے کی طرف چلتے ہوئے جو انہیں لے کر جزیرہ فردوس کے دارالحکومت کی طرف پرواز کے لیے تیار کھڑا تھا۔

★★

چیف ہیرام اس وقت فلکرافٹ کے سنٹرل رُوم میں بیٹھا تھا۔

وہ دُنیا بھر میں بالکل تنہا شخص تھا۔ نہ اس کی کوئی بیوی تھی اور نہ ہی کوئی بچہ۔ نہ کوئی عزیز تھا اور نہ کوئی رشتے دار... وہ تھا اور اس کا بس اسی میں اس کے شب و روز گزر رہے تھے۔ اس کا تعلق ہزاروں سے تھا لیکن صرف فلکرافٹ کے چیف کی حیثیت سے... لیکن اس کے کسی نے اس کی اصلی صورت نہیں دیکھی تھی۔ وہ "چار گز" نامی اس پُراسرار تنظیم کا چیف تھا۔ اس نام سے دماغی امراض کا ایک اسپتال بھی تھا جس کی تیز فلکرافٹ نامی ہیڈ کوارٹر کے بیرونی رُخ پر کئی سال قبل ہوئی تھی۔ یہاں ڈاکٹر ہیرام کی حیثیت سے سامنے آتا تھا اور یہیں اس کی جھوٹی بہت سادی زندگی گزرتی تھی گزر رہی تھی... اور اس کے بعد فلکرافٹ کے سنٹرل رُوم میں محبوس ہو کر وہ ہر وقت کام کرتا تھا۔ یہاں ان گنت کمپیوٹر تھے اور ان میں سے کسی کے گھنٹے گھنٹے سے اطلاعات آ کر محفوظ ہوتی رہتی تھیں اور وہ ان میں سے اپنے مطلب کی معلومات حاصل کر کے ماسٹر کمپیوٹر کے حوالے کر دیتا تھا۔

ابھی بھی اُس نے ایک ایسی خبر سُنی تھی جس نے اُسے اچھل پڑنے پر مجبور کر دیا تھا۔ یہ اطلاع اُس ٹیکسی ڈرائیور نے دی تھی جس کا تعلق اسی پُراسرار تنظیم سے تھا۔ اس نے بتایا تھا کہ کپتی نے چھوٹے نوٹوں کے کئی بنڈل بینک سے منگوا کر کہیں بھجوائے ہیں۔ یہ رقم ستر ہزار کرنسی نوٹوں پر مشتمل تھی لیکن معلومات فراہم کرنے والا ٹیکسی ڈرائیور یہ معلوم نہیں کر سکا کہ ان نوٹوں کو کہاں بھیجا گیا ہے۔

"ستر ہزار کرنسی نوٹ..." ہیرام نے زیرلب کہا اور دوبارہ پیغام کو سُنا۔ یہ اُسی ٹیکسی کمپنی کے بارے میں اطلاع تھی جس میں سوار ہو کر وہ شہزاد کے ساتھ ائرپورٹ کی طرف روانہ ہوا تھا اور دو کاروں میں آٹھ افراد نے ان کا پیچھا کیا تھا... لیکن ٹیکسی ڈرائیور سمیت وہ سارے ہی آدمی مانیگر کے ہاتھوں ٹھکانے لگ گئے تھے۔

ہیرام نے ایک طویل سانس لے کر فون کی طرف دیکھا۔ فون کی گھنٹی نے اُسی لمحے گنگنانا شروع کر دیا تھا۔

"مانیگر کی کال تھی۔

"اس نے آپ سے مجھے عجیب مصیبت میں ڈال دیا ہے۔" شہزاد کے لہجے میں بے پناہ شکایت تھی۔ اُن دونوں نے ایک دوسرے سے رسماً تعارف کرانا شروع کر دیا تھا اور میری جان عذاب میں پڑ گئی ہے۔"

"مجھے احساس ہے۔" ہیرام نے مسکرا کر کہا۔ "اگر تم کوئی دشواری محسوس کر رہے ہو تو کیا کسی دوسرے رضاکار کا بندوبست کر دیا جائے؟"

"وہ انگریزی بول لیتی ہے۔"

"لیکن وہ کسی سے لامازی میں بات کرے گی تو تمہارے پتے کیا پڑے گا؟... خاک!" ہیرام جھنجلا گیا۔

"خیر..." دوسری طرف سے شہزاد نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "ان لوگوں کے بارے میں کچھ پتہ چلا؟"

"نہیں... ابھی تک معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ لوگ کس گروہ سے تعلق رکھتے تھے... لیکن تمہیں اب مزید محتاط رہنا چاہیے۔ کچھ یقین مجھے اطلاع ملی ہے کہ ستر ہزار کے کرنسی نوٹ اُسی ٹیکسی کمپنی نے کسی کو دیے ہیں۔"

"وہ کس سلسلے میں؟"

"ممکن ہے تمہارے ہی سلسلے میں کوئی معاہدہ ہوا ہو۔"

"میری خوش قسمتی ہے کہ میں آسانی سے ہوتا جا رہا ہوں۔"

"میں نے تمہیں محتاط رہنے کا حکم دیا ہے۔"

"بہتر جناب... کیا آپ نے کبھی ایسی لڑکی کو دیکھا ہے جس کے چہرے پر اُن گنت چھوٹے چھوٹے تِل..."

بہرا نے ریسیور کو کریڈل پر پٹخ دیا اور دونوں ہاتھ پیٹ پر رکھ لیے... پھر اس کے ہونٹوں سے ایک قہقہہ اُبل پڑا... دل کی گہرائی سے نکلا ہوا قہقہہ...

☆☆

اُس نے رُکھائی سے اس شخصیت کی طرف دیکھا جو ملاقات کے لیے آئی بیٹھی تھی اور اس کے کھلے بیگ میں سے چھوٹے نوٹوں کی بے شمار گڈیاں جھانک رہی تھیں۔

"ستر ہزار بہت کم ہیں۔" اُسی شخص نے کہا۔

"مسٹر گرونر..." ملاقاتی ایک خاتون تھی جس کے خدوخال لامازی تھے۔ وہ ایک کرسی پر کونوں سے ٹیڑھی گرونر کو گھور رہی تھی جس نے صرف ایک آدمی کے قتل کی قیمت ستر ہزار سے بھی بڑھا دی تھی۔ یہ کسی پیشہ ور قاتل کا انتہائی معاوضہ ہو سکتا ہے لیکن گرونر نے گفتگو کے آغاز ہی سے پتّے پر ہاتھ نہیں رکھنے دیا۔

"نا ممکن..." گرونر نے کہا اور کمرے میں ٹہلنے لگا۔

کمرے میں انتہائی قیمتی قالین بچھا ہوا تھا۔ گرونر نے سامنے میز پر رکھی ہُوئی بوتل سے شراب انڈیلی اور جام مُنہ سے لگا لیا۔ اس نے اپنی مہمان خاتون کو دعوت تک نہیں دی اور خاموشی سے گھونٹ لینے کے بعد کھڑکی میں جا کھڑا ہُوا۔ چند لمحوں کے لیے کمرے پر گہرا سکوت طاری ہو گیا۔

گرونر ایک ادھیڑ عمر کا آدمی تھا... لیکن اس کی صحت بہت اچھی تھی۔ اس کا جسم ٹھوس تھا اور اس کی پھیلیاں لباس سے پھڑکتی محسوس ہوتی تھیں۔ انداز اور کمرے کی آسائش سے پتہ چلتا تھا کہ وہ بے حد سکون اور تعیش کی زندگی گزار رہا ہے۔ اس وقت ستر ہزار کی پیش کش کو یُوں ٹھکرا دینے میں بھی غالباً اسی زندگی کا ہاتھ تھا۔ شاید وہ سوچ رہا تھا کہ اگر پُرسکون زندگی کو خطرے سے دوچار کرنا ہی ہے تو محض ستر ہزار کے لیے ایسا کیوں کیا جائے۔

وہ ایک پیشہ ور قاتل تھا! اس نے انسانی زندگیوں سے کھیل کھیل کر کافی دولت کمائی تھی لیکن اس نے سب کچھ عورتوں اور شراب پینے میں نہیں لُٹا دیا تھا بلکہ اس دولت سے انگوروں کے باغ اور زرعی زمین خریدی تھی جن سے اُسے اتنی آمدنی ہو جاتی تھی کہ وہ بیش و عشرت سے زندگی گزار سکتا تھا۔

عورت بڑی گہری نظروں سے اُسے دیکھ رہی تھی۔

"نا ممکن..." گرونر نے ایک بار پھر وہی جواب دیا۔ یہ کہتے ہُوئے اُس نے جام کو دو بدو سپرد کیا اور پھر اُسے اپنے حلق میں اُنڈیل کر خالی کر دیا۔ وہ اس لامازی عورت کی طرف متوجہ تک نہیں ہو رہا تھا... اور نہ ہی اس نے عورت کو کسی کرسی پر بیٹھنے کی پیش کش کی تھی۔ عورت اس کی خواب گاہ میں آئی تھی اور وہاں اُس نے صورتِ حال کی وضاحت کرنے کے بعد ستر ہزار کی پیش کش کی تھی جس کو ٹھکرا کر وہ کمرِ عشرت میں نکل آیا تھا۔ شاید وہ یہ سوچ کر خواب گاہ سے باہر آگیا تھا کہ عورت اس کے جواب اور رویے سے مایوس ہو کر خود ہی چلی جائے گی... لیکن ایسا نہیں ہُوا۔

عورت نہ صرف اس کے تعاقب میں اس کمرے تک چلی آئی تھی بلکہ وہ خود ہی ایک کرسی سنبھال کر اس انداز میں بیٹھ گئی تھی جیسے اپنی بات سنوائے بغیر نہ جانے کا تہیہ کر لیا ہو۔

وہ کھڑکی سے اپنے انگوروں کے باغ کی طرف جھانکتا رہا اور منتظر رہا کہ کب وہ عورت واپس جاتی ہے۔ اچانک اس نے کرسی گھسیٹنے کی آواز سُنی اور پھر عورت کے قدموں کی مدھم سی سرسراہٹ اس کی سماعت تک پہنچی... اور اس کے بعد وہ پشت پر عورت کی سانسوں کو سُننے لگا۔

"ستر ہزار تمہارے اس معاوضے سے دُگنی رقم ہے جو تم عام حالات میں لیا کرتے تھے۔" عورت کی آواز زہریلی تھی۔

"مادام..." اس نے پلٹے بغیر سرد لہجے میں کہا۔ "میں ۱۹۴۸ء میں جو معاوضہ لیا کرتا تھا، واقعی یہ رقم اس سے دُگنی ہے... لیکن میں نے اس سن کے بعد سے آج تک کوئی کام ہی تو نہیں کیا۔"

"لیکن یہ ایک انتہائی اہم کام ہے۔"

"تمہارے لیے ہو سکتا ہے میرے لیے نہیں۔"

"ہنوز تم اس کام کے لیے آمادہ کیوں نہیں ہوئے ہو؟"

"اس سے تمہیں کوئی دلچسپی نہیں ہونی چاہیے، مادام۔"

"کیا تم انقلابی جوش و خروش کھو چکے ہو؟"

"مجھ میں کبھی ایسا جوش و خروش نہیں تھا۔"

"لیکن تمہیں یہ کام کرنا ہی ہوگا۔"

گرونر نے اس کی سانسوں میں کسی نامعلوم سی کپکپاہٹ محسوس کی تو چونک پڑا اور پھر ہنس پڑا۔ "اگر قتل کر کے ستر ہزار ہی کمانے ہیں، مادام... تو میں نہیں ہی ٹھکانے لگا کر کیوں نہ یہ رقم حاصل کر لوں؟ یہ میرے لیے بے حد آسان ثابت ہوگا۔"

"ہو سکتا ہے... لیکن ایسی صورت میں تمہاری اپنی زندگی کی ضمانت نہیں دی جا سکے گی۔"

"تم ایک پیشہ ور قاتل کو دھمکا رہی ہو، مادام!" اس کے انداز میں تنبیہ تھی... لیکن اس بار بھی گرونر نے پلٹ کر عورت کی طرف نہیں دیکھا تھا۔ البتہ اس نے محسوس کر لیا کہ عورت کانپ رہی ہے اور اُس کے جسم نے پسینہ اگلنا شروع کر دیا ہے۔ یہ احساس اس میں ان دنوں موجود تھا جب سے اس نے پینتیس ہزار کے عوض ایک انسانی جان کا سودا کرنا شروع کیا تھا۔

اس نے بوتل سے ایک جام اور بھر لیا۔

نہ جانے کیوں آج اُسے پینے میں بھی لُطف نہیں آ رہا تھا۔ شراب بھی اس عورت کی طرح بے کیف محسوس ہو رہی تھی جو عورت اس کے عقب میں کھڑی ہانپ رہی تھی۔

"کامیابی کے لیے ہمیشہ خُون بہایا گیا ہے۔ ہمارے ساتھ شامل ہو کر شاد مانی کی زندگی بسر کرو... یا پھر شکست خوردہ انداز میں موت سے ہمکنار ہو جانا!"

"اوہ... ملعون عورت!" وہ غرا کر پلٹ پڑا۔

"میں ٹھیک کہہ رہی ہُوں، گرونر!"

"تمہاری عمر کیا ہے، مادام؟" اس نے تمنی سے پُوچھا۔

"کیا تم میرے انقلابی جوش و خروش کا مضحکہ اُڑا رہے ہو؟" عورت نے کسی ناگن کی طرح بَل کھا کر کہا۔

"مجھے ان فضولیات سے کوئی دلچسپی نہیں۔ تم اپنے اُصول اور یہ رقم یہاں سے بٹور کر واپس جا سکتی ہو!" گرونر نے دروازے کی طرف ہاتھ اٹھا دیا... لیکن عورت اپنی جگہ سے ہلی تک نہیں۔

"تم درندے ہو... تم سے اس انداز کی باتوں کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ میں جانتی ہُوں کہ جنگ کے دوران تم فردوسیوں کے کس وحشی خُون کے پیاسے رہے ہو!"

[illegible] دیکھا۔ اس کے چہرے پر غصے کی زیادتی سے جھریاں سی پیدا ہو گئی تھیں۔ اس کے ہیٹ کے نیچے سے بال منتشر ہو کر چہرے تک آ گئے تھے۔ اس کی آنکھوں میں بڑھاپے اور تھکن کے آثار تھے۔ وہ عمر میں خود اُس جتنی تھی لیکن خرابیٔ صحت کے باعث اس کا جسم زیادہ مضبوط نہیں تھا۔

"تمہارا کہنا درست ہے کہ میں فردوسیوں کے خلاف درندوں کی طرح وار کرتا ہُوں... لیکن درندگی کو بھی تحفظ درکار ہے۔ میں اب محفوظ ہُوں اس لیے مجھے کوئی خطرناک کام کرنے کی ضرورت نہیں۔"

"تم بہت ملے گے ہو گرونر!"

اس بار عورت کے لہجے نے اسے چونک جانے پر مجبور کر دیا۔

"کیا تم مجھے پہلے سے جانتی ہو؟"

"کیا تم نے مجھے بالکل بھلا دیا ہے؟" اس بار عورت کے لہجے میں شکایت کا تاثر تھا۔

"مجھے افسوس ہے، میں تمہیں نہیں پہچان سکا۔"

"کیا تمہیں محاذِ فردوسیہ کا سیاہ ستمبر یاد ہے؟"

"اوہ... ہاں، ہاں!"

"سیمار کی پہاڑی جنگ یاد ہے؟"

"بالکل یاد ہے لیکن..." گرونر اُلجھن میں پڑ گیا۔

"اس کے باوجود تم نے مجھے نہیں پہچانا؟"

"مجھے افسوس ہے کہ میں..."

"میرا نام ماریا ہے۔"

گرونر کا ہاتھ کانپ گیا اور اس سے کانچ کا نازک جام گر کر قالین کے باوجود ٹوٹ گیا۔ گرونر کے چہرے سے یکایک پسپائی جھلکنے لگی تھی۔ وہ عورت کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہا تھا۔

"ماریا..." اس نے ہانپ کر کہا۔ "تم...؟"

"ہاں... میں وہی ہُوں جس نے ان دو محاذوں پر تمہارے شانہ بشانہ جنگ لڑی ہے۔ ان دنوں وہاں زیادہ عورتیں نہیں تھیں اس لیے مجھے حیرت ہے کہ تم مجھے کیسے نہیں پہچان سکے؟"

"نرم و نازک... گڑیا سی... ماریا... نہیں!" گرونر اب تک ایسی حالت میں مبتلا تھا جیسے وہ حواس باختہ ہو گیا ہو۔ اس کی نگاہ اپنے سامنے کھڑی عورت کے چہرے پر جم کر رہ گئی تھی جس کی آنکھوں سے بے پناہ سختی جھلک رہی تھی اور جس کا چہرہ سرد تاثرات کی آماجگاہ تھا۔ وہ اب تک ان بوڑھے اور تھکے ہُوئے نقوش میں اس ماریا کو ڈھونڈ لگانے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا جسے جبت کرنے کا سب سے اچھا انداز اختیار کرنا آسان تھا۔ جو نرم و نازک اور من موہنی تھی۔

"میں [illegible] پڑی۔

"ناممکن... وقت کبھی کسی کے چہرے سے اتنا بھیانک انتقام نہیں لیتا کہ اُس کا حُسن ہی چاٹ ڈالے۔"

"جب انسان کسی مقصد کے لیے زندگی کو وقف کر دیتا ہے، تو زندگی درحقیقت قربان کر دی جاتی ہے۔"

"زندگی اگر کسی جان دار مقصد کے لیے قربان کر دی جائے تو وہ زندگی کبھی ضائع نہیں ہوتی۔" گرونر نے گہری سنجیدگی سے کہا اور دونوں ہاتھ عورت کے کندھوں پر رکھ دیے۔ "لیکن میں نے تمہیں پہچان لیا ہے۔ اگر تم ماریا کی بجائے کوئی اور ہوتیں... اور اتنے عرصے بعد اتنی تبدیلیاں پیدا کر کے سامنے آتیں تو میں کبھی نہ پہچان پاتا... لیکن میں جانتا ہوں کہ تم ماریا ہو۔ وہ خفگی میں مجھے اسی لہجے میں پکارا کرتی تھی۔ آؤ میرے ساتھ دُوسرے کمرے میں چلو... کچھ کھاتے پیتے ہُوئے باتیں کریں گے۔"

ماریا کے انداز میں ہلکی سی ہچکچاہٹ تھی لیکن وہ اس کے ساتھ دُوسرے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

کھانے کی میز پر وہ کھاتے پیتے اور باتیں کرتے رہے۔ ماضی کی باتیں جب وہ دونوں ایک محاذ پر تھے... اور پھر ماریا نے اُسے بتایا کہ سیمار کی پہاڑی پر ہونے والی جنگ کے دوران جب لامازی فوج کو پسپا ہونا

پٹا تو ہر کوئی تتر بتر ہو گیا تھا۔ وہ ان دنوں ایک نرس کی حیثیت سے کام کر رہی تھی لیکن گرونر جانتا تھا کہ وہ درحقیقت ایک سیکرٹ ایجنٹ ہے۔

گرونر نے بھی اسے مختصراً اپنی زندگی کے وہ حالات سنائے جن سے وہ ماریا سے بچھڑنے کے بعد دوچار ہوا تھا۔ آخر میں اس نے بتایا کہ وہ اپنی جمع شدہ دولت کے پل بوتے پر اس مضافاتی علاقے میں باغات اور زرعی زمینیں خریدنے میں کامیاب ہو گیا تو اس نے اسی زندگی کو اپنا لیا۔ بیتحاشہ ایک کامیاب کاشت کار بن گیا تھا۔ اس نے دبے دبے لفظوں میں پہلی ہار تلیدہ کی کہ دھوکے کی اس ٹٹی کے پیچھے وہ اب بھی پیشہ ور قاتل ہے اور اکثر و بیشتر کام ہاتھ میں لیتا رہتا ہے... لیکن وہ زیادہ تر کاشت کاری ہی کی طرف توجہ دے رہا ہے۔

"اس کا مطلب یہ ہے کہ تم اپنی صلاحیت کو خاطر خواہ استعمال نہیں کر رہے ہو؟"

"میں اسے تھوڑے مختلف انداز میں استعمال کر رہا ہوں۔ تم دیکھو گی تو میں تمہیں دکھاؤں گا کہ میرے باغات میں کیسا انگور پیدا ہوتا ہے اور علاقے بھر میں میری فصلیں سب سے اچھی ہوتی ہیں۔"

"لیکن ہمیں چھوڑنے سے پہلے تم نیا وہ تر دوسروں کا کام کیا کرتے تھے۔ کیا یہ غلط ہے گرونر؟"

گرونر شکست خوردہ انداز میں ہنس پڑا۔ "باتوں میں تو میں اُن دنوں میں بھی تم سے جیتا نہیں کرتا تھا۔" اس کی آواز میں ماضی کے تشنہ جذبوں کی کسک پیدا ہو گئی۔

"کیا تم اس کام کے لیے آمادہ ہو گرونر؟" ماریا اس کے لہجے سے ذرا بھی متاثر دکھائی نہیں دیتی تھی۔

"تم نے یہ بھی سوچا کہ آخر انھوں نے تم دونے کو صرف تمہیں ہی میرے پاس کیوں بھیجا ہے؟"

"اس لیے کہ ماضی میں تمہاری ساکھ بہترین تھی۔"

"میرا خیال ہے اس وقت اتنی نہیں ہے۔" گرونر نے پھیکی سی مسکراہٹ سے کہا۔ "بہرحال میرا خیال ہے کہ تمہیں مجھ سے کہیں سستا قاتل بھی مل سکتا ہے... اوہ۔" وہ چونک کر ماریا کو گھورنے لگا۔ "جس شخص کو تم قتل کروانا چاہتی ہو اسے ٹھکانے لگانے کی اس سے پہلے کتنی بار کوشش کی جا چکی ہے؟"

"صرف ایک..." ماریا نے جواب دیا۔

"اور اس کوشش کے دوران کیا ہوا تھا؟"

"ہمارے آٹھ بہترین آدمی ضائع ہو گئے۔"

"اوہ..." گرونر کی جھنجھلی سی سسکار نکلی۔ "اس وقت غالباً تم لوگ یہ بھول گئے تھے کہ صرف ایک یا بعض حالات میں دو آدمیوں کو قتل کرنے میں مجھ جیسی مہارت شاید دنیا میں کسی کو بھی نہیں ہے۔"

"اگر بھول گئے ہوتے تو میں تمہیں تلاش کرتی ہوئی یہاں تک کیسے آ پہنچتی۔" ماریا نے دلیل پیش کی۔ "اس ایک شخص نے ہمارے آٹھ بہترین آدمیوں کو ٹھکانے لگا دیا ہے گرونر۔ آخر تم سمجھتے کیوں نہیں؟"

"ایک آدمی نے آٹھ آدمی؟" گرونر کے لہجے میں بے یقینی تھی... پھر وہ قہقہہ لگا کر بولا۔ "بس، اب تم ادھر مت پینا۔"

"میں نشے میں نہیں ہوں۔" ماریا چیخ پڑی۔ "اس شخص کا نام ہمارے معلومات کے مطابق شہزاد ہے۔"

"اس نے کوئی خاص ہتھیار استعمال کیا ہو گا۔" گرونر نے تبصرہ کیا۔ ویسے وہ اس وقت خاصا پُرجوش نظر آنے لگا تھا۔ "لیکن تمہارے آٹھ بہترین آدمیوں کو کسی ہتھیار سے بھی ٹھکانے لگانا ممکن نہیں... اس کا مطلب ہے کہ وہ ہتھیار استعمال کرنے کے معاملے میں غیر معمولی ذہین اور پھرتیلا ہے۔"

"ہماری معلومات کے مطابق اس نے کوئی ہتھیار استعمال نہیں کیا۔"

"کیا مطلب؟" گرونر اچھل پڑا۔

"اس نے ان آٹھوں آدمیوں کو اپنے ہاتھوں سے موت کے منہ میں دھکیل دیا۔"

گرونر نے اپنا جام میز پر رکھ دیا۔ اس کی آنکھوں میں بے یقینی تھی... پھر وہ ہنس پڑا۔ "یا تمہاری زبان نشے میں ہے ماریا... یا پھر میرے کانوں کو نشہ ہو گیا ہے۔"

"یہ سولی صد درست ہے گرونر۔"

اس بار گرونر کا قہقہہ بے حد جاندار تھا۔ "ماریا... میری پیاری ماضی کی محبوبہ... میں ایسے اژدہا کو پینتیس ہزار کے عوض بھی ٹھکانے لگا سکتا ہوں۔ ایسے آدمی بڑی آسانی سے شکار ہو جاتے ہیں۔ میرا ہتھیار ایسے آدمیوں کے لیے بے مثال ہے۔"

یہ کہتے ہوئے اس نے قمیص میں بازو پھیلا کر انگڑائی لی اور پھر سر کو دونوں ہاتھوں میں ٹکا کر جھکا رہا... اور ہنستا رہا۔ اس نے اپنے ہاتھوں سے آٹھ آدمیوں کو ٹھکانے لگا دیا... ایسے احمق شخص کی صحت کا تو ایک جام پینا چاہیے جو آٹھ آدمیوں کے مقابلے پر تنہا اُتر آیا ہو۔" اس نے اپنا جام اُٹھایا اور حلق میں اس وقت تک انڈیلتا رہا جب تک اس کا آخری قطرہ تک منہ میں نہیں ٹپک پڑا۔

اس دوران میں ماریا نے صرف ایک گھونٹ لیا تھا۔ وہ بڑی توجہ سے گرونر کو دیکھ رہی تھی۔

گرونر کے چہرے پر ایسے تاثرات تھے جیسے وہ ماریا کی اس بات کو پُرمزاح سمجھ کر دل ہی دل میں ان گستاخ قہقہوں کو ضبط کر رہا ہو۔

"ایک بات اور بھی ہے گرونر۔"

"وہ کیا؟"

"اس مشن میں، میں بھی تمہارے ساتھ رہوں گی۔"

"ناممکن... ناممکن۔"

"میری پارٹی چاہتی ہے کہ میں اطمینان کر لوں، سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہو رہا ہے یا نہیں۔ اس کے ساتھ ایک لاماز کی لڑکی بھی ہے جسے کوئی نقصان نہیں پہنچانا چاہیے۔ صرف شہزاد نامی اس فرد کو ہی کو ٹھکانے لگانا ہے اور اگر ممکن ہو تو اس کے بوڑھے ساتھی کو بھی قتل کرنا ہے۔"

گرونر خاموشی سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔

ماریا نے اپنے پرس سے ایک تصویر نکالی۔

"یہ رہے وہ دونوں آدمی جن کو قتل کرنا ہے... اور وہ لڑکی جسے کوئی نقصان نہیں پہنچنا چاہیے۔"

گرونر نے دو انگلیوں کی مدد سے اس تصویر کو تھام لیا۔

یہ فیلی فوٹو مدتوں کی مدد سے لی گئی ایک تصویر تھی جس کا یقیناً ان لوگوں کو پتہ نہیں چلا ہو گا، جن کی تصویر اتاری گئی تھی۔ جس بوڑھے کا ماریا نے حوالہ دیا تھا، اس کے دونوں بازو لاماز کی لڑکی کے چہرے کی طرف اُٹھے ہوئے تھے۔ جیسے وہ اُسے کوئی بے حد سخت بات کہہ رہا ہو۔ عقب میں جو نوجوان تھا، اس کی آنکھوں سے شاید اس صورتِ حال سے مایوسی پیدا ہو گئی تھی۔ اس کی آنکھوں سے گہرائی کا احساس ہوتا تھا۔ اس کے رخسار قدرے اُبھرے اُبھرے سے تھے۔ ہونٹ پتلے پتلے لیکن خوشنما اور ناک زیادہ نمایاں تو نہیں تھی لیکن خوب مضبوط نظر آتی تھی۔ یہ دیسائے قسم کے جسم کا مالک نوجوان تھا۔

"یہ بوڑھا تو کسی اور ملک کا رہنے والا لگتا ہے۔"

"معلوم نہیں۔"

"ٹھیک ہے۔" اس نے تصویر واپس دیتے ہوئے کہا۔

"اسے اپنے پاس ہی رکھو، شاید..."

"نہیں۔" گرونر نے مسکرا کر کہا۔ "یہ تصویر میرے ذہن پر نقش ہو گئی ہے۔"

"اچھا... میں اب چلتی ہوں۔" ماریا نے پرس سے نوٹوں کی گڈی نکال نکال کر میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

"لیکن صرف ستر ہزار..." گرونر نے احتجاج کیا۔

"پھر ارادہ کیا ہے؟"

"اگرچہ تمہاری عمر ڈھل چکی ہے لیکن تمہارے غصے کو دیکھتے ہوئے اندازہ ہوتا ہے کہ تم نے خود کو جذباتی طور پر زیادہ خرچ نہیں کیا ہو گا۔ ستر ہزار میں اپنے چند قیمتی لمحوں کا اضافہ کرو، ماریا۔"

عورت کی آنکھوں سے برہمی جھلکنے لگی۔

اس کے ہونٹ سختی سے بھینچ گئے تھے۔

چند لمحوں کے بعد اس کے ہونٹوں سے کھنچاؤ قدرے کم ہو گیا اور وہ بے بسی سے ہنس پڑی۔

گرونر میز کے گرد گھومتا ہوا اس کی پشت پر آ گیا تھا... پھر دونوں ہی جنتے ہوئے دروازے کی طرف بڑھ گئے۔

☆☆

اس نے ایک سیاہ چمڑی سوٹ کیس اُتارا اور دھیمے سُروں میں سیٹی بجاتا ہوا اسے کھولنے لگا۔ ایک دیوار کپڑے کی مدد سے اس نے اسے صاف کیا۔ سوٹ کیس کی چمک دمک سے اندازہ ہوتا تھا کہ گرونر اپنی چیزوں کو بے حد سنبھال کر رکھنے کا عادی ہے۔

سوٹ کیس کو شاہ بلوط کی ایک میز پر رکھ کر کھولا گیا تھا۔ یہ میز کھلی کھڑکی کے سامنے پڑی تھی۔ کھڑکی سے غروب ہوتے ہوئے سورج کی کرنیں ان آتشیں بالات کو نمایاں کر رہی تھیں جو اس سوٹ کیس میں بنے ہوئے مخصوص خانوں میں سجے ہوئے تھے۔

گرونر نے ووڈکا نال والی ایک رائفل پر نگاہ گاڑ دی تو ماریا نے دیکھا کہ اس کی آنکھوں میں ایسی چمک ہے جیسے وہ رائفل کی بجائے اپنی محبوبہ کو دیکھ رہا ہو۔ بالکل اسی انداز میں کچھ دیر قبل اس نے خود ماریا کو اپنی خواب گاہ میں دیکھا تھا۔ وہ ان تاثرات سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔

یہ آتشیں بالات آسمانی رنگ کے مخمل پر یوں سجے دکھے تھے جیسے انہیں نمائش کے لیے ترتیب دیا گیا ہو۔

"بیلوڈارلنگ۔" گرونر نے اپنی رائفل کو نرمی سے چھوتے ہوئے کہا۔ "ہمیں ایک بار پھر کام کرنا ہے۔ کیا خیال ہے؟ ہمیشہ کی طرح ساتھ دو گی نا؟ میرا خیال ہے تم نے اب تک کافی آرام کر لیا ہو گا۔"

ماریا کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"تم شاندار ہو۔" وہ اپنی رائفل سے مخاطب تھا۔ اس کی محویت مثالی تھی۔ "تم نے کبھی مجھ سے بے وفائی نہیں کی۔ جانتی ہو، میں بھی تمہارا وفادار ہوں؟"

"تم ابھی تک اپنے ہتھیاروں سے باتیں کرتے ہو؟" ماریا سے نہ رہا گیا تو بول ہی پڑی۔

"کیوں نہیں۔" گرونر نے رائفل کو پیار سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم شاید یہ سمجھتی ہو کہ ہتھیار محض مشینیں ہوتے ہیں۔ یقیناً تم جس نظریے کی حامل ہو اس کے مطابق تمہیں ایسا ہی سوچنا چاہیے کیونکہ تمہارے نزدیک تو انسان بھی مشینیں ہیں... لیکن میں، تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ ہتھیاروں کے بھی جذبات ہوتے ہیں۔"

اس کے لہجے سے ماریا کو اپنی ٹانگوں میں کپکپاہٹ محسوس

اٹھنے لگی۔ اس نے جلدی سے موضوع بدل دیا۔ "میں نے تو محض تذکرۃً تم سے پوچھا تھا۔" ملاریا کی آواز بھی کانپ گئی تھی۔ "ویسے یہ کتنی عجیب سی بات ہے گلورز... یہی کہ ہتھیاروں سے بیتی کی جائیں۔"

"اس سے زیادہ عجیب بات یہ ہے ملاریا کہ میرا نشانہ آج تک خطا نہیں گیا۔ کیا اسے تم عجیب نہیں سمجھو گی؟"

"لیکن اس بات کا تعلق تو ٹریننگ اور مہارت سے ہے۔"

گرونر کے نتھنوں پر خون نظر آنے لگا۔ اس کا چہرہ کسی اندرونی ہیجان کے تحت سُرخ ہو گیا تھا۔

"نہیں..." اس نے غصیلے لہجے میں کہا۔ "یہ صرف احساس کی بات ہے۔ انسان کو اپنی رائفل، اپنی گولی اور اپنے ٹارگٹ کو محسوس کرنا چاہیے۔ صرف یہ احساس ہونا ضروری ہے کہ صحیح نشانے پر اور گولی کا راستہ درست ہے۔ جن کے نشانے خطا ہو جاتے ہیں، وہ اس احساس سے عاری ہوتے ہیں۔ وہ اعتماد سے اپنے ٹارگٹ کی طرف نہیں دیکھتے۔ میں نے آج تک صرف اس لیے نشانہ خطا نہیں کیا کہ میں اپنی گولی کو ہمیشہ ہدف کے اندر محسوس کرتا ہوں۔ اس کے علاوہ کوئی بھی چیز اہم نہیں ہوتی۔ ہوا، روشنی اور فاصلہ غیر اہم ہیں۔ باقی سب کچھ بے معنی ہے۔ میرا نشانہ خطا نہیں ہو سکتا حالانکہ اس سے کہیں زیادہ آسانی سے تمہارے اس ہاتھ کا نشانہ خطا ہو جائے گا جس پر تم میز پر رکھی ہوئی سگریٹ کی طرف بڑھاتی ہو۔"

ملاریا خاموش رہی۔

اس نے ہتھیاروں کے سلسلے میں گرونر کے جذبات کو محسوس کر لیا تھا۔ ان جذبات کے بارے میں وہ پہلے سے جانتی تھی لیکن اس کا خیال تھا کہ گرونر اتنے طویل عرصے میں کافی بدل چکا ہو گا۔

ملاریا کی خاموشی پر گرونر دوبارہ اپنے اسلحے کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اس نے چست سے جھکی ہوئی ایک دوسری کو پیچھے کر گھنٹی بجائی اور اس وقت میں، فینان سے گنگنا رہا تھا۔ انداز سے یہی لگتا تھا جیسے وہ ملاریا کو بالکل ہی ذہن سے اوجھل کر چکا ہو۔

ملاریا کی آنکھوں میں حیرت تھی۔

جذبات کا نام اس کی لغت میں نہیں تھا۔ ابھی کچھ دیر قبل جب وہ گرونر کی خواب گاہ میں تھی، تب بھی اس کے جذبات میں دیوانگی ہی رہی تھی۔ اس نے صرف گرونر کی منہ مانگی قیمت ادا کی تھی۔ ستر ہزار کے کرنسی نوٹ اور گوشت پوست کی بنی ہوئی ملیا...

اچانک دروازہ کھل گیا۔

گرونر کا ملازم اندر آیا اور ادب سے کھڑا ہو گیا۔

"آسلاٹ..." گرونر نے ملازم کی طرف دیکھے بغیر کہا۔ "مجھے کام سے جانا ہے۔ ضروری سامان لے آؤ۔"

ملازم خاموشی سے اس اشارے سے واقف تھا۔ وہ اثبات میں سر ہلاتا ہوا کمرے سے نکل گیا اور کچھ ہی دیر بعد واپس آیا تو اس کے ہاتھوں میں ایک بیگ تھا۔ ساخت کے اعتبار سے یہ بیگ ویسا ہی تھا جیسا سائنس ڈاکٹر استعمال کرتے ہیں۔

گرونر نے بیگ ملازم کے ہاتھ سے لے کر میز پر رکھا اور اسے احتیاط سے کھول کر اس میں رکھی ہوئی اشیا کو بھی اسی محتاط انداز میں نکالنے لگا جس کا مظاہرہ اس نے ابتدا ہی سے کیا تھا۔

"جو لوگ محض اندازے سے ہتھیار خریدتے ہیں، وہ اندازے ہی سے اُسے استعمال بھی کرتے ہیں... اور اندازے کبھی سو فی صد درست ثابت نہیں ہوتے۔ ان میں فاضلیوں کی آمیزش ہوتی ہے۔ ماہر وہی ہے جو اپنی ایک ایک گولی کے بارے میں بھرپور یقین رکھتا ہے۔"

اس نے بیگ سے نکلے ہوئے ایک سیاہ ڈبے کو کھولا جس میں ترتیب سے چند گولیاں رکھی ہوئی تھیں۔ اس نے اپنی پوروں سے بڑی نزاکت کے ساتھ ان گولیوں کو چھوا۔ ان پر تیل کی خفیف سی تہہ تھی۔ اس نے ایک گولی نکال کر اس کا جائزہ لیا۔ جیسا اس کے فن، اس کی صلاحیت اور اس کے درجہ حرارت تک کو ذہن نشین کر رہا ہو... محسوس کر رہا ہو۔ اسی طرح فہرست سے اس نے دو درجن بھر گولیاں نکال لیں۔

... پھر اس نے مزید محتاط انداز میں ان کا بغور جائزہ لیا اور گولیوں کو واپس سیاہ ڈبے میں رکھتا رہا... حتیٰ کہ اس طرح وہ پانچ گولیاں منتخب کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

گولیوں کے انتخاب سے فارغ ہو کر اس نے لکڑی کا ایک ڈبہ نکالا۔ اسے آنکھوں کے سامنے رکھتا، اٹھاتا، گھماتا اور پھر واپس رکھ کر دوسرا ڈبہ نکالا۔ اس ڈبے کو کنکھیوں میں تھام کر دیکھنے کے بعد اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ رقص کرنے لگی۔

"ہاں..." وہ بڑبڑایا۔ "یہ ٹھیک ہے۔"

اس نے باری باری پانچوں گولیاں اس ڈبے کے خانوں میں جمائیں اور محویت کے عالم میں انہیں گھورنے لگا۔ "ہر چیز کی تخلیق دوسری چیزوں کی مناسبت سے ہوتی ہے اور یہ مل کر بہت کارآمد ثابت ہوتی ہیں۔ موت کے لیے موزوں ترین شے عورت اور زندگی کے لیے موت..."

ملاریا کو وہ دیوانہ محسوس ہونے لگا۔

... لیکن وہ جانتی تھی کہ اس دیوانے کا نشانہ واقعی خطا نہیں جاتا۔ اس نے اپنی زندگی میں ایک بھی گولی ضائع نہیں کی، ہر گولی اپنے ہدف پر لگی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اس بار وہی نوجوان شہزادہ اس کا ٹارگٹ بنے، جس نے آٹھ آدمیوں کو اپنے ہاتھوں سے ہلاک کر دیا تھا۔

گرونر اب ایک چمچ کی مدد سے سفید پاؤڈر کو ان گولیوں پر چھڑک رہا تھا... پھر اس نے ایک ایک گولی کو اٹھایا اور پاؤڈر کو پوروں کی مدد سے گولیوں پر ملنا شروع کر دیا۔ گولیاں چمک اٹھیں۔

کرم پلیٹ سے مزین سنہری کے ڈبے میں ان گولیوں کو صاف کر رکھنے کے بعد اس نے ڈبہ بند کر دیا۔ ہلکی سی کلک کی آواز سنائی دی۔ اس نے پہلی بار نگاہ اٹھا کر ملاریا کی طرف دیکھا۔

"اب پاؤڈر، گولیاں اور باقی چیزیں تناسب اور ترتیب کے اعتبار سے ہم آہنگ ہیں۔ ہم جلد ہی تیار ہو جائیں گے۔" اس نے ملاریا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

اس نے رائفل اٹھالی۔

چند لمحوں تک وہ اس کی نال میں جھانکتا رہا... پھر نال کے دہانے کا بوسہ لے ڈالا۔ پھر رائفل پہنے ہوئے کپڑوں میں بٹی ہوئی کیس میں رکھی تھی اور گرونر نے اس کے ایک ایک پیس کو جوڑا تھا۔

رائفل کی طرف سے مطمئن ہونے کے بعد وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"اب ہم بالکل تیار ہیں۔" اس نے نرمی سے کہا۔

"صرف پانچ گولیاں؟" ملاریا کے لہجے میں حیرت تھی۔ "کیا اس مشن کے لیے یہ گولیاں کافی ہیں؟"

"تم نے صرف وہ ٹارگٹ بتائے ہیں، ان کے لیے دو گولیاں ہی بہت ہیں۔" گرونر نے نہایت اعتماد سے کہا۔ "باقی تین گولیاں مشق کے لیے ہیں، میرے ہتھیار... اور خود میں کافی عرصے سے غیر فعال ہیں۔ خدا شاہد لگی ہوئی دوربین تو اٹھانا۔" اس نے ایک طرف اشارہ کیا۔

ملاریا نے دوربین اٹھائی تو تجسس کے بغیر نہ رہ سکی۔

اس پر دھول جمی ہوئی تھی۔

اسے حیرت ہونے لگی کہ جو شخص اپنے ہتھیاروں کی پوجا کرتا ہے، وہ اپنی دوربین کی طرف سے کیسے بے پروا ہے۔ اس نے اپنی آستین سے دوربین کو پونچھ ڈالا اور گرونر کی طرف متوجہ ہو گئی جو کھڑکی کے سامنے کھڑا باہر دیکھ رہا تھا۔

باہر سورج اب غروب ہونے کے قریب ہی تھا۔

پرندے فضا میں اڑ رہے تھے۔

ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔

"یہاں سے تین سو گز دور..." گرونر نے رائفل کو لوڈ کرتے ہوئے کہا اور رائفل تان لی۔ "ایک چھوٹا سا پرندہ اڑ رہا ہے۔ مجھے تو وہ معمولی سا کھٹکا ہی لگتا ہے، تم دوربین کی مدد سے دیکھو۔ پرندہ ہی ہے نا؟"

"مجھے تو نظر نہیں آیا۔" ملاریا نے دوربین میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"اس دیوار کی طرف دیکھو۔ میرے گودام کی دیوار پر..."

ملاریا نے دوبارہ دیکھا۔

دیوار کے سامنے ایک پرندہ اڑ رہا تھا اور پھر وہ پرندہ نکلی ہوئی اینٹ پر بیٹھ گیا۔ وہ اسے دیکھ کر ہنس پڑی۔ "میں سمجھ گئی، تم شاید مجھے متاثر کرنا چاہتے ہو۔ تمہیں معلوم ہے کہ گودام کی دیوار میں بہت سے ننھے ننھے پرندوں نے گھونسلے بنا رکھے ہیں۔ یہ پرندے دھماکا سن کر فوراً اپنے بلوں میں گھس جائیں گے۔ تب تم کہو گے کہ اس پرندے کو نشانہ بنایا گیا ہے۔"

اچانک ملاریا کو کچھ محسوس ہوا جیسے اس کے کانوں پر قیامت ٹوٹ پڑی ہو۔ اس کے حلق سے ایک گھٹی گھٹی سی چیخ نکل گئی۔ اس نے اس دوران میں گرونر کو صرف رائفل کا کندا ہلاتے دیکھا تھا تب اسے اندازہ نہیں تھا کہ وہ کندا اس کے کان پر چوٹ لگائے گا۔

اس نے خود کو بمشکل سنبھالا۔

اس کے کان میں اب بھی سائیں سائیں کی آوازیں بھری ہوئی تھیں... پھر اس نے گرونر کی آواز سنی۔ "دیکھو... غور سے دیکھو۔" اس نے پہلا فائر کیا۔ ملاریا نے جلدی سے دوربین آنکھوں سے لگالی۔

تین سو گز کے فاصلے پر ایک دھبہ سا لہرایا۔

ایک پرندہ دیوار سے نیچے گر رہا تھا۔

وہ ایک ننھا سا پرندہ تھا... سیدھے رنگ کا پرندہ۔

گولی اس کے سینے پر پڑی تھی اور بال لمحے بھر کو سُرخ دھبہ نمودار ہوا تھا... پھر پرندے نے قلابازی کھائی۔ اس کے بعد وہ پھڑپھڑاتا ہوا گر گیا۔ جہاں ملاریا دیکھ رہی تھی وہاں ایک سفید پر ہوا کے دوش پر تیر رہا تھا۔

"دوسرا پرندہ..." گرونر کی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔

ایک اور فائر ہوا۔

دیوار کے سامنے اڑتا ہوا پرندہ گولی کھا کر پہلے تو ذرا سا اچھلا پھر اس کے پر ہوا میں تیزی سے پھڑپھڑائے، جیسے کوئی ڈوبتا ہوا شخص پانی میں ہاتھ پاؤں مارتا ہے اور پھر وہ پرندہ بھی گر گیا۔

اس کے دو ننھے ننھے پر ہوا میں تیر رہے تھے۔

"تیسرا پرندہ..." گرونر نے گنگناتے ہوئے کہا۔

پہلے نشانوں کی تپائی پر وہ بے حد مسرور تھا۔ ملاریا کی آنکھیں حیرت سے پھٹی ہوئی تھیں۔ اس نے دو گولیاں چلائی تھیں اور دو ایسے چھوٹے چھوٹے پرندوں کو مار ڈالا تھا جنہیں تقریباً تین سو گز کے فاصلے سے ٹھیک طرح دیکھا بھی نہیں جا سکتا تھا۔

اچانک ایک اور فائر ہوا۔

اس بار بھی گولی اپنے ٹارگٹ پر لگی تھی۔

ملاریا نے اس سے پہلے کسی کو اتنا درست نشانہ لگاتے نہیں دیکھا تھا اس لیے مارے حیرت کے وہ اپنی تکلیف بھی بھول گئی تھی، اس

نے زیرِ لب خود پر اس بات کو قبول کر لیا کہ اُسے جو سزا دی گئی ہے، وہ اس کی مستحق تھی۔ اُسے ایک ایسے شخص کا مضحکہ نہیں اڑانا چاہیے تھا۔

گردنِ زرافہ کو سینے سے چمٹائے کھڑا تھا۔

انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ اس کا شکریہ ادا کر رہا ہو۔

وہ اپنے ہتھیار دل کے بسلے میں واقعی بے حد حذباتی اور حساس تھا۔ مایا کو یقین تھا کہ گرونر کی باتی دو گولیاں بھی نشانے پر بیٹھیں گی اور یوں ان دو آدمیوں کا قلع قمع ہو جائے گا جن سے اُسے اور اُس کی پدنی کو شدید خدشات لاحق تھے۔ اس نے کچھ دیر بعد آنکھیں کھول کر مایا کی طرف دیکھا۔

اس کے ہونٹوں پر معذرت آمیز مسکراہٹ تھی۔

"میم اس احمق شہزاد کا کام اب تمام کر دیجیے ہیں جو اپنے ہاتھوں پر ہتھیار دل سے زیادہ اعتماد کرتا ہے۔" مایا نے پوچھا۔ اس کے انداز سے یہ ظاہر نہیں ہوتا تھا کہ اسے گرونر سے کوئی شکایت ہے۔ حالانکہ ہلکی ہلکی ٹیسیں اب بھی اس کے کان سے اُٹھ رہی تھیں۔

"تم نے کون سا وقت مقرر کیا ہے؟"

"کل صبح..." مایا نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔" گرونر نے ہلکی سی بے چینی سے کہا۔ "ایک بار جب کسی کام کا احساس ہو جائے تو میرے ہتھیار بے چین ہو جاتے ہیں۔"

اُس نے ایک بار پھر اپنی رائفل کو محبت سے دبایا اور اُس کے ہونٹوں پر آسودہ سی مسکراہٹ رقص کرنے لگی۔

☆☆

شہزاد نے ریسیور رکھ کر سوچا۔ صرف ستر ہزار... اور پھر وہ بُوتھ سے باہر مسکرتا ہوا آگیا۔ ستمبر کا مہینہ تھا۔ گرم ہوا کے جھونکے سے محسوس ہو رہے تھے۔ کچھ دیر وہ وہیں کھڑا اِدھر اُدھر دیکھتا رہا۔ اس کے حساس ذہن میں موجود خطرے کی گھنٹی خاموش تھی۔

وہ فٹ پاتھ پر ایک طرف چلنے لگا تھا۔

گزشتہ رات انہوں نے ہالی ڈے انٹرنیشنل ہوٹل میں قیام کیا تھا... اور یہاں سے انھیں کار میں اسی راستے سے سفر کرنا تھا جس پر جنرل لامو کی کار گئی تھی اور پھر اسے غائب کر دیا گیا تھا۔

راستے بھر مسز لامو اور اُدشان میں خوب نوک جھونک ہوتی رہی تھی۔

انھوں نے ایک دوسرے کے خلاف ایسی ایسی باتیں کی تھیں کہ شہزاد کو کئی بار پریشان ہونا پڑا تھا۔ وہ اپنے دل میں چھپی ہوئی نفرت کا زہر اُگل رہے تھے۔ ایک موقعے پر مسز لامو نے جل کر اُدشان کو بوڑھا مُرغ کہہ دیا تھا... ایسا ایسا مُرغ جو کسی بھی کام کا نہیں ہوتا۔ اس پر اُدشان نے بھڑک کر اُسے شادی کی پیش کش کر دی تھی۔

شہزاد نے مجبوراً اُسے مسز لامو کے برابر والی سیٹ سے اُٹھا کر اپنے ساتھ بٹھا لیا تھا اور پھر خود اُس کے کانوں میں اُدشان کی باتیں سُن سُن کر خراش سی پیدا ہو گئی تھی۔ وہ تیزی سے ہوٹل کی طرف چلنے لگا۔

اس نے معمول کے خلاف رات کے وقت بہرام سے فون پر رابطہ قائم کیا تھا۔ یہ نمبر اس نے اس موقعے پر خاص طور سے اُسے دیا تھا۔ ہوٹل کی طرف چلتے وقت وہ بے حد محتاط تھا۔ اس کے حواس بیدار تھے اور ذہن چوکنا تھا۔ بہرام کی اطلاع غلط نہیں ہو سکتی تھی کسی نے اس کے سر کی قیمت ستر ہزار مقرر کر دی تھی اور اس پر عنقریب قاتلانہ حملہ ہونے والا تھا۔

... لیکن وہ خیر و عافیت ہوٹل کے دروازے تک پہنچ گیا۔

کسی طرف سے اس پر حملہ نہیں ہوا تھا۔

دروازے سے داخل ہوتے ہی اُسے ایک عورت دکھائی دی جو سیاہ لباس پہن رکھا تھا اور بیٹھی اخبار پڑھ رہی تھی۔ شہزاد نے گہری نظر سے اُسے دیکھا تو محسوس کیا کہ اس کی نگاہ نے عورت کو بے چین کر دیا ہے۔ اُسے یوں بھی محسوس ہو گیا تھا کہ وہ اخبار نہیں پڑھ رہی تھی بلکہ اس کے آنے سے پہلے دروازے کی طرف متوجہ تھی اور وہ جیسے ہی اندر آیا تھا، عورت نے اخبار پر نگاہ گاڑ دی تھی۔

وہ سوچ رہا تھا کہیں اسی عورت کو اُسے قتل کرنے کا کام تو نہیں سونپ دیا گیا؟ اس نے کاؤنٹر سے چابی لی اور دوبارہ اُس عورت کی طرف دیکھا۔ اس کی نگاہ اب بھی اخبار پر جمی ہوئی تھی۔ وہ مسکراتا ہوا لفٹ کی طرف بڑھ گیا اور دھیمے سُروں میں گنگنانے لگا۔

وہ گنگناتا ہوا اپنے کمرے کی طرف بڑھا۔

اُنہوں نے تین کمرے بک کروائے تھے۔ پہلے کمرے میں بُوڑھا اُدشان تھا، دوسرے کمرے میں مسز لامو اور سب سے آخری کمرہ شہزاد کا تھا۔ وہ مسز لامو کا باڈی گارڈ تھا۔ اس لیے وہ اُسے مشن ختم ہونے تک ذرا سا بھی نقصان نہیں پہنچنے دینا چاہتا تھا۔ گنگناتا ہوا وہ جیسے ہی کمرے کی طرف بڑھا، اس کے حساس ذہن نے بے چینی کی لہریں محسوس کیں۔

وہ ٹھٹھک گیا۔

اندر کوئی نہ کوئی گڑبڑ ضرور تھی... لیکن وہ حیران تھا کہ آخر کیا گڑبڑ ہو سکتی ہے۔ اُدشان اُس کا مستاد تھا اور اس کی موجودگی میں کوئی شخص مسز لامو کو ذرا سا بھی نقصان نہیں پہنچا سکتا تھا۔

اس وقت وہ اُدشان کے دروازے کے سامنے تھا۔

شہزاد نے دروازے پر ہلکا سا باؤنڈ ڈالا۔

دروازہ اندر سے مقفل نہیں تھا... کواڑ کھلتے ہی اُس کی نگاہ اُدشان پر پڑی جو کمرے کے وسط میں کنول کا آسن جمائے بیٹھا گنگنا رہا تھا۔

کی آنکھیں بند تھیں اور وہ اس وقت بے پناہ خوش نظر آ رہا تھا۔

اُسے یوں خوش اور مطمئن دیکھ کر شہزاد مزید چونک پڑا۔

"مسز لامو کہاں ہیں؟" اس نے سراسیمگی ہوئی آواز میں کہا۔

اُدشان نے آنکھیں کھول دیں۔ چند لمحوں تک تو وہ اُسے بغور دیکھتا رہا... پھر اُس کی گنگناہٹ ختم ہو گئی اور یوں وہ پلکیں پٹپٹانے لگا جیسے شہزاد کا سوال اُس نے سُنا ہی نہ ہو۔

"میں پوچھتا ہوں، مسز لامو کہاں ہیں اُدشان؟" شہزاد نے اپنا لہجہ قدرے سخت رکھا، وہ بہت عرصے بعد شاید پہلی بار اس لہجے میں اُدشان سے مخاطب ہوا تھا۔

"وہ خیریت سے ہے۔" اُدشان نے جواب دیا۔

"لیکن خیریت سے کہاں ہے؟"

"اپنے باتھ رُوم میں..."

"کیا وہ اس وقت غسل کر رہی ہے؟"

اُدشان نے ایک بار پھر گنگنانا شروع کر دیا تھا۔

"میں پوچھتا ہوں کیا وہ نہا رہی ہے؟" شہزاد غرّایا۔

اس بار گنگناہٹ خاصی بلند ہو گئی۔

"اُدشان..." شہزاد نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ "تم نے اس کے ساتھ کیا کیا ہے؟"

"کچھ بھی نہیں۔" اُدشان نے معنی خیز لہجے میں کہا۔ "تم نے سُنا تھا، اس نے مجھے کیا طعنہ دیا تھا؟"

"ہاں... لیکن..." شہزاد کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔

"اُس نے مجھے بوڑھا اور ناکارہ مُرغ کہا تھا۔"

"پھر...؟" شہزاد نے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

"میں نے ثابت کر دیا ہے کہ وہ غلطی پر تھی۔" اُدشان نے مُسکرا کر جواب دیا۔ "اور اس نے اپنی غلطی کا اعتراف بھی کر لیا ہے۔"

شہزاد کا چہرہ رفتہ رفتہ سُرخ ہوتا جا رہا تھا اور اُس کی آنکھوں میں خوفناک چمک پیدا ہو گئی تھی۔ وہ کئی بار کوشش کر چکا تھا لیکن ہر مرتبہ دھڑکنیں بے ترتیب ہو جاتی تھیں۔ اس کا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا... اور وہ سوچ رہا تھا کہ معاملہ اتنا سرسری نہیں ہے چنانچہ اُدشان ظاہر کر رہا ہے۔

"اُدشان..." شہزاد نے بے پناہ سنجیدگی سے کہا۔ "کیا تم سنجیدگی سے نہیں بتا سکتے کہ کیا بات ہے؟"

"اُونہہ... تم نے کہا تھا، نا... کہ میں اس کا خیال رکھوں تاکہ وہ کہیں فرار نہ ہو جائے؟" اُدشان نے اُلٹا اُسی سے سوال کر دیا۔ "کہا تھا... یا نہیں؟"

"کہا تو تھا۔" شہزاد نے اُلجھن سے کہا۔

"تو میں نے ایسا بندوبست کر دیا ہے کہ وہ زندگی بھر فرار نہیں ہو سکتی... اور شاید کبھی فرار ہونے کے بارے میں سوچے بھی نہیں۔"

"اوہ..." شہزاد سمجھ گیا کہ اُدشان نے موقع پا کر اس لامذہب خاتون سے ازلی نفرت کا بدلہ لے لیا ہے۔ اس نے یقیناً مسز لامو کو کوئی ایسی سزا دی ہو گی جس کی اذیت میں وہ اس وقت بھی مُبتلا ہو سکتی تھی۔ وہ تیزی سے دروازے کی طرف دوڑا۔

اُنھوں نے جو تین کمرے بک کروائے تھے، ان تینوں کے درمیان دو دروازوں کی وجہ سے براہِ راست آمد و رفت ممکن تھی۔ شہزاد اندرونی دروازہ کھولتا ہوا مسز لامو کے کمرے میں گھس گیا۔

وہاں کوئی نہیں تھا۔

اس نے ادھر اُدھر دیکھا۔

باتھ رُوم سے پانی گرنے کی آواز تک سنائی نہیں دے رہی تھی۔ وہ باتھ رُوم کے دروازے پر پہنچا۔ ہینڈل گھمانے کی کوشش کی تو اس دروازے کو مقفل پایا۔ اس نے جیب سے وہ چابی نکالی جس سے اس سُوٹ کے ہر دروازے کو آسانی سے کھولا جا سکتا تھا۔

دروازہ کھلتے ہی اس کا مُنہ بھی حیرت سے کھل گیا۔

... پھر اُس کے جبڑے سختی سے بھنچ گئے۔

اس نے مسز لامو کو جس حالت میں دیکھا تھا، اس کی اُسے ہرگز توقع نہیں تھی۔ چند لمحوں تک تو اُسے اپنی آنکھوں پر یقین ہی نہیں آیا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس کا استاد اُدشان اتنا منتقم مزاج اور خبیث بھی ہو سکتا ہے۔

وہ شاور کی راڈ سے لٹکی جھول رہی تھی اور اس کے پہننے کا نائٹ گاؤن ایسا تھا جیسے کوئی لنگور کسی شاخ سے اُلٹا لٹکا جھول رہا ہو۔ اس کی دونوں کلائیاں سفید پٹیوں سے بندھی ہوئی تھیں۔ یہ پٹیاں بستر کی چادر کو پھاڑ کر حاصل کی گئی تھیں... پھر پٹیوں کو شاور کی راڈ سے باندھ دیا گیا تھا۔ اس طرح پاؤں بھی ٹخنوں کے قریب سے بندھے ہوئے تھے۔ اس کا جسم یوں دُہرا ہو گیا تھا کہ ریڑھ کی ہڈی کمان ہو گئی تھی۔ وہ اس کی ریڑھ کی ہڈی کے فقروں کو آسانی سے گن سکتا تھا کیونکہ مسز لامو کے تن پر اس وقت لباس نام کی ایک دھجی بھی نہیں تھی۔

مسز لامو کے مُنہ میں کپڑا شاید حلق تک ٹھُنسا دیا تھا کہ اس کی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ اس کے سیاہ لمبے بال فرش کی طرف یوں گر کر لہرا رہے تھے جیسے شاور سے پانی کی پتلی پتلی لکیریں بہتی ہیں۔ اس کے تمام کپڑے بڑی نفاست سے تہ کر کے نیچے فرش پر رکھے ہوئے تھے۔ دروازہ کھلنے کی آہٹ سن کر اس نے گردن گھما کر اس کا چہرہ دیکھا

کر شہزاد کی سانسیں بے ترتیب ہوگئیں۔

اس کی آنکھیں نفرت اور غصے کی زیادتی سے دہکتے ہوئے دو انگاروں جیسی لگ رہی تھیں۔ شہزاد نے جلدی سے ہاتھ ٹب پر چڑھ کر اس کی کلائیاں کھول دیں... پھر اس کی کمر پر ہاتھ رکھ کر جسم کو لگنے سے بچاتے ہوئے اس نے ٹخنوں کی بندشیں بھی کھول دیں۔

دونوں ہاتھوں سے اس کے بے لباس جسم کو سنبھال کر شہزاد نے نیچے فرش پر اتار دیا۔ چند لمحوں تک تو وہ کھڑی ہانپتی رہی... پھر غصے کی شیرنی کی طرح اس کا دایاں پنجہ شہزاد کے نرخرے کی طرف لپکا۔

شہزاد نے جلدی سے اس کی کلائی تھام لی۔

"ذرا اطمینان سے خاتون!" اس نے دونوں کلائیوں کو گرفت میں لیتے ہوئے منہ پر چپکا ہوا ٹیپ اتار دیا اور پھر اس کے دونوں ہاتھ چھوڑ دیے۔ وہ بُری طرح ہانپنے لگی۔ غصے سے اس کی سانسیں کسی غضبناک ناگن کی پھنکاروں سے مشابہ ہوگئی تھیں۔

ذرا سانس ٹھکانے آئی تو وہ چیخنے لگی۔

شہزاد نے جلدی سے دروازہ بند کر لیا تاکہ شور باہر نہ جائے۔

"میری بات تو سنیے خاتون!" اس نے سنجیدگی سے کہا۔

"کر دی بات، ذلیل کمینے!" فرزدی... تم نے اس بُوڑھے غبیث کو میرے ساتھ اس لیے چھوڑا تھا؟" وہ گرجنے لگی۔ "اس نے میرے ساتھ وہ سلوک کیا ہے جو کوئی جسم شیطان بھی کسی کے ساتھ نہیں کر سکتا میں اسے گولی مار دوں گی۔ اس کی بڈھی ہڈیاں پیس ڈالوں گی۔"

شہزاد خاموش کھڑا رہا۔

مسز لامو کی حالت سے اندازہ ہوتا تھا کہ اوشان نے اس کے ساتھ کتنی زیادتی کی ہوگی۔ اُسے افسوس ہونے لگا کہ یہ مسز لامو جیسی بھلی مانس عورت کے ساتھ اتنی درندگی کا مظاہرہ کسی طرح بھی مناسب نہیں تھا۔ اُسے اوشان پر بے پناہ غصہ آرہا تھا۔

"بولو... تم فرزدی... سارے کے سارے سگے ہوتے ہو... تمھیں عورت کی نزاکت... عورت کے جذبات کی بھی پروا نہیں... تم لوگ درندے ہو... میں اب یہاں ایک پل بھی نہیں رُک سکتی۔"

"وہ ذہنی توازن کھو بیٹھا تھا۔" شہزاد نے صفائی پیش کرنا چاہی۔

"آپ نے بھی اس سے اتنی زیادتی کی تھی کہ کسی دُنیا کا کوئی بھی مرد برداشت نہیں کر سکتا..."

"خاموش رہو۔ تم بھی اسی کے طرف دار ہو... بلکہ مجھے تو یہ تمھاری ہی سازش لگتی ہے۔ میں سمجھ چکی ہوں کہ تمہی لوگوں نے جنرل لامو کو قتل کیا ہے... اور اب مجھ پر اس طرح کے حربے استعمال کر کے یہ جاننے ہیں کہ میں کوئی ایسی رپورٹ دوں جس سے تمھارے ملک کی پوزیشن خراب نہ ہونے پائے... لیکن میں تمھارے کسی جھانسے میں نہیں آؤں گی... تم لوگ مجھ پر ایسے حربے استعمال کر کے کچھ حاصل نہیں کر سکتے۔"

"میں صرف افسوس کا اظہار کر سکتا ہوں، مادام!"

"تمھارے افسوس سے وہ کچھ واپس نہیں آسکتا۔ جو مجھ سے چھن چکا ہے۔ میں نے اتنے مکروہ بڑھے کا تو کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا۔"

"اس ناگوار صورت حال کے لیے میں آپ سے ایک بار پھر معذرت چاہوں گا، مسز لامو... پلیز!"

"کہیے... تم اسے جان سے کیوں نہیں مار ڈالتے۔"

شہزاد خاموش رہا۔

"میں ابھی اور اسی وقت واپس جاؤں گی اور اپنے ملک جا کر تم لوگوں کے بارے میں بتاؤں گی تو ایک گھنٹے کے اندر اندر اس ملک کا دُنیا کے نقشے سے نام و نشان تک مٹ جائیگا۔"

یہ کہتے ہوئے اس نے ایک بار پھر اپنے نوکیلے ناخنوں والی انگلیوں کو اکٹھا کر کے شہزاد کے چہرے پر حملہ کرنے کی کوشش کی... لیکن شہزاد نے پلک جھپکتے میں اس کی کلائیاں تھام لیں۔

وہ اس سے بُری طرح اُلجھ پڑی۔

دونوں ایک دوسرے سے پٹے... اور پھر رفتہ رفتہ مسز لامو تھک گئی۔ اب اس کے چہرے پر غصہ نہیں تھا۔ اس کی آنکھوں میں رفتہ رفتہ مسکراہٹ آمیز چمک آگئی تھی۔ شہزاد اس کے بدلوں کو ناکام بناتے ہوئے مسکرا رہا تھا... اس کی خوش نما ہونٹوں پر بڑی ہی پُرکشش مسکراہٹ تھی۔ مسکراہٹ اپنا کام کر رہی تھی... لیکن بے حد آہستہ آہستہ... پھر اپنے مسز لامو نے ہاتھ پاؤں ڈال دیے۔

شہزاد نے اُسے دونوں ہاتھوں پر اُٹھا لیا۔

اُسے کمرے میں لا کر اُس نے بستر پر لٹا دیا۔

"شب بخیر، مسز لامو..." اُس نے اُس کے چہرے پر جھکتے ہوئے کہا۔ "ہو سکے تو اوشان کو معاف کر دیجیے گا۔ وہ ایک احمق بوڑھا ہے میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ عام حالات میں وہ بالکل بے ضرر ہے۔"

"اور تم...؟"

"میں اس سے بھی زیادہ بے ضرر ہوں۔"

"شریر..." مسز لامو نے پھلا ہوا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبلتے ہوئے کہا... اور آنکھیں بند کر لیں۔ شہزاد اب بھی اس پر جھکا ہوا تھا۔ اسے فلکرانڈ میں عورتوں کی نفسیات پر باقاعدہ لیکچر دیے گئے تھے۔ وہ تعلیم یہاں کام آرہی تھی۔ اگر اس نے اپنی تمام تر مردانہ وجاہت کو بُروئے کار لاتے ہوئے مسز لامو کے دل میں گدگدی نہ پیدا کر دی ہوتی تو یقیناً اس وقت

ورت حال بڑی پیچیدہ ہوتی۔ اگر وہ اس حالت میں چیختی ہوئی باہر بھاگ جاتی... ب بھی شہزاد کے لیے ڈوب مرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہ ہوتا... لیکن ں نے اپنی بے پناہ خود اعتمادی کو کام میں لاتے ہوئے اور مروجہ وجاہت جادو کر کے مسز لامو کو رام کر ہی لیا۔

وہ اس پر مزید جھک گیا۔

اس کے چہرے سے گریزاں اس حسینہ کی مضطرب سانسیں ٹکرا رہی تھیں۔

★★

اوشان نے اخبار ایک طرف پھینک کر مسلسل دروازے کی طرف کھا اور زہریلی سی ہنسی ہنس کر ہنسنے کا مخصوص اور معنی خیز انداز تھا ں کا مطلب تھا کہ وہ دیواروں کے اس پار پیدا ہونے والی صورتِ حال ے بے خبر نہیں ہے۔ "تم ایک مہذب درندے ہو۔" مسز لامو کی ازاوشان کے کانوں نے سُنا تو اوشان اس کی مسکراہٹ گہری ہوگئی۔ بلکہ وہ بُوڑھا سور..." مسز لامو کی بات ادھوری ہی رہ گئی۔ غالباً ہزاد نے اس کا باقی جملہ ہونٹوں ہی میں دبا لیا تھا۔

اوشان نے مسز لامو کی آواز سے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ اب تھے میں نہیں ہے۔ گویا شہزاد اس صورتِ حال کو سنبھالنے میں یاب ہو گیا تھا جو اس کی درندگی سے پیدا ہوگئی تھی۔ اوشان واس کڑیا جیسی عورت سے اتنی بے رحمی کا مظاہرہ کرتے فسوس ہوا تھا لیکن وہ ایک لامذہبی عورت تھی اور لامذہبوں سے تو اوشان کو خدا واسطے کا بیر تھا۔

کچھ دیر بعد شہزاد اس کے کمرے میں آیا تو اوشان یوں اخبار کے لعے میں ڈوب گیا جیسے اس نے کوئی آواز یا کوئی آہٹ سنی ہی نہ ہو۔

"میں آپ سے بات کرنا چاہتا ہوں۔" شہزاد کی آواز سنائی دی۔

اس نے عقب میں دروازے کو بڑے جارحانہ انداز میں بند کیا تھا اور اس کے لہجے میں بھی برہمی تھی... لیکن اوشان نے اخبار سے نگاہ تک... نہیں ہٹائی۔

"مجھے افسوس ہے کہ آپ کو واپس جانا پڑے گا۔" شہزاد نے دروازہ بند کتے ہوئے کہا۔ "آپ کی وجہ سے حالات خراب ہوتے ہوتے رہ گئے ہیں۔"

...اور اسی لمحے شہزاد کی حسیات نے ذہن میں خطرے کی گھنٹی بجا دی۔ وہ بُری طرح چونک پڑا۔ آس پاس کہیں خطرہ موجود تھا۔ وہ اُسے نہیں کر سکتا تھا کہ اس کا استاد اوشان اس کے لیے خطرناک بھی ثابت ہو سکتا ہے۔ کوئی اس پر حملہ کرنے والا تھا یا کسی نے حملہ کرنے کا فیصلہ کیا تھا اور اس شخص کے خیالوں کی لہروں نے شہزاد ٹیگر کے ذہن میں کھلبلی سی مچا دی تھی۔ اگر یہ مبلک خیالات کی لہریں اوشان کے ذہن سے پیدا نہیں ہو رہی تھیں تو اسے بھی اس خطرے کا احساس ہو جانا چاہیے تھا لیکن شاید وہ بھی یہ سوچ کر مطمئن تھا کہ شہزاد سے اُسے کوئی خطرہ لاحق نہیں ہو سکتا۔ کمرے میں ان دونوں کے علاوہ کوئی اور موجود بھی نہیں تھا۔ مسز لامو لطف و لذت کے سمندر میں ڈوبی، دوسرے کمرے میں اپنے بستر پر دراز تھی اور اس کے بارے میں ایسا سوچنا بھی فضول تھا۔

"کیا تمھیں کچھ بے چینی محسوس ہو رہی ہے؟" اوشان نے اخبار سے نگاہ اُٹھا کر شہزاد کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں... اور بے چینی یہ ہے کہ آپ نے مجھے مایوس کر دیا ہے۔ مجھے آپ سے کسی ناپختہ عمر کے بچے جیسی حرکتوں کی توقع نہیں۔"

"میری واپسی میں تمھاری خواہش کا دخل ہے یا یہ بہرام کا حکم ہے؟"

"یہ ایک پیشہ ورانہ فیصلہ ہے۔"

"ہوں..." اوشان نے ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا۔ "میرا خیال ہے، کچھ دیر پہلے تم نے کچھ بے چینی محسوس کی تھی۔"

"جی ہاں... ایسا کیوں تھا؟" شہزاد نے کہا اور ادھر اُدھر دیکھا۔ کمرے کی کھڑکیوں پر بھاری پردے گرے ہوئے تھے اور تمام دروازے مضبوطی سے بند تھے۔ "اس کمرے میں تو خطرے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔"

"خطوہ باہر ہے، میرے بچے!" اوشان نے گہری سنجیدگی سے کہا۔

اسی لمحے دروازے پر دستک ہوئی۔

دونوں نے پلٹ کر دروازے کی طرف دیکھا۔ شہزاد کے انداز سے لمحے بھر کے لیے بے چینی ظاہر ہوئی لیکن اگلے ہی لمحے وہ پُرسکون انداز سے دروازے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس نے دروازہ کھول دیا اور سامنے کھڑی عورت کو گھورنے لگا۔

یہ وہی عورت تھی جسے شہزاد نے ہوٹل کی لابی میں دیکھا تھا لیکن اس وقت وہ عورت ہوٹل کی ملازمہ جیسی وردی پہنے ہوئے اس کے سامنے کھڑی تھی۔

"ہیلو... سر..." عورت نے مسکرا کر کہا۔ "آپ کے کمرے کا اسٹر کنڈیشنر ٹھیک کام نہیں کر رہا ہے اس لیے وقتی طور پر اسے بند کرنا پڑے گا۔"

"اوہ، کوئی بات نہیں۔ اندر آجاؤ۔" شہزاد نے مسکرا کر کہا۔

عورت اندر آگئی۔ اس کی آنکھوں اور چہرے سے سختی ظاہر ہو رہی تھی۔ بوشش کے باوجود وہ خود کو ملازمہ ثابت کرنے میں کامیاب نہیں ہو رہی تھی۔ اس نے اندر آکر اسٹر کنڈیشنر بند کر دیا اور کھڑکیوں کی طرف بڑھ گئی۔

باری باری اس نے تمام بھاری پردے ہٹا دیے۔

... اور کھڑکیاں کھول دیں۔

کھڑکیوں کے کھلتے ہی شہزاد کی بے چینی بھی بڑھ گئی لیکن وہ خود کو ہر اعتبار سے پُرسکون رکھنے میں کامیاب تھا۔ اُسے موت کی بُو محسوس ہونے لگی تھی... لیکن ساتھ ہی ساتھ خوف کے احساس کی لہریں بھی اُس کے حساس ذہن تک پہنچ رہی تھیں جو عورت کھڑکیاں کھولنے آئی تھی' اس نے ایک بار بھی اُن دونوں کی طرف متوجہ ہونے کی کوشش نہیں کی۔ شہزاد کو اس کی نسوں اور عضلات میں کپکپاہٹ صاف نظر آ رہا تھا... پھر اس عورت کے جسم کا ہر مسام خوف کی وجہ سے پسینہ بہانے لگا۔ جس کی بُو شہزاد کو فوراً ہی محسوس ہو گئی تھی۔

اس نے کن انکھیوں سے اُوشان کی طرف دیکھا۔

اُوشان نے بُرا سا منہ بنایا۔

شہزاد نے اُس کی نگاہوں کے تعاقب میں ایک کھلی کھڑکی کی طرف دیکھا اور اُسی لمحے اُسے سڑک کی دُوسری جانب واقع ایک عمارت کی کھلی کھڑکی نظر آ گئی۔ اگرچہ اس کھڑکی پر بھاری پردہ پڑا ہوا تھا لیکن شہزاد نے صاف محسوس کر لیا کہ جن مہلک لہروں کو محسوس کر کے اس کے ذہن میں خطرے کی گھنٹی مسلسل بج رہی ہے' وہ لہریں اسی جانب سے آ رہی ہیں۔ گویا کھڑکی کے اس پردے کے پیچھے اُس کی موت کا سامان کیا جا رہا ہے۔

شہزاد نے اچانک ہی بڑھ کر اُس عورت کا ہاتھ تھام لیا۔

"میں کس زبان سے تمہارا شکریہ ادا کروں خاتون!" اُس نے مٹھاس سے بھرپور لہجے میں کہا۔ "واقعی تم نے کھڑکیاں کھول کر ہمیں پریشانی سے بچا لیا ہے۔"

عورت نے جواباً اُسے مسکرانے کی کوشش کی۔

شہزاد اس کے ہاتھ کی ایک مخصوص رگ پر آہستہ آہستہ اپنا انگوٹھا پھیر رہا تھا جس سے عورت کے چہرے کی رنگت بدلتی جا رہی تھی لیکن اب تک اس نے ایک بار بھی شہزاد کی آنکھوں میں دیکھنے کی کوشش نہیں کی۔ اس کے باوجود وہ رفتہ رفتہ شہزاد کے لمس سے سحر ہوتی جا رہی تھی۔ اس کا خوف اُس کی بے ترتیب سانسوں میں اُبھر رہا تھا... جب شہزاد نے اُسے جھٹکا اور اختلاج کی انتہائی حالت تک پہنچا دیا تو اس نے یک لخت عورت کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ اگلے ہی لمحے عورت ہوا کے تیز جھونکے کی طرح دروازے سے نکل گئی۔

چند لمحوں تک دروازے پر ٹک کر شہزاد نے اپنے اُستاد کی طرف دیکھا اور پھر جیسے ہی اُوشان نے اثبات میں سر ہلایا' شہزاد... راہ داری میں اُسی طرف دوڑنے لگا جدھر وہ عورت گئی تھی۔

★★

اُس نے اپنی محبوب رائفل کو نرم نرم بستر پر رکھ دیا اور کھڑکی کے قریب ہی ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ ستمبر کی سرد بستہ ہواؤں نے اپنی یلغار میں اترتی محسوس ہو رہی تھی۔ جتنا اس کمرے میں سکوت تھا' نیچے سڑک پر شہر اتنا ہی پُرشور اور ہنگامہ خیز تھا۔

کرسی پر بیٹھنے کے بعد بھی وہ اس بوڑھے کو گھورتا رہا جو کرنل کاسن جیسے فرش پر مطمئن بیٹھا مسکرا رہا تھا۔ کھلی کھڑکی سے وہ اب اسے نیم دراز نظر آ رہا تھا۔ گرونر نے اس کھڑکی کو کھلتے اور پردے کو ہٹتے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ حالانکہ بند کھڑکی اور پردے کے باوجود اُس نے اپنے شکار کی موجودگی محسوس کر لی تھی... اور یہ احساس ہوتے ہی اُس نے اپنی گولی اور شکار کی کھوپڑی کے درمیان تعلق پیدا کرنے کی کوشش بھی شروع کر دی تھی... پہلے پہل تو اس تعلق کو پیدا کرنے میں اُسے کوئی دشواری نہیں ہوئی لیکن پھر یہ تعلق متاثر ہونے لگا... اور ایسا صرف اُسی وقت ہوتا' جب شکار اس کی موجودگی کو محسوس کر لیتا تھا۔

اس نے رائفل اُٹھا کر سب سے پہلے اس بوڑھے ہی کو ٹھکانے لگانے کا ارادہ کیا تھا لیکن جب معمول جب شکار اور گولی کے درمیان تعلق اور ہم آہنگی نہ پیدا ہو سکی تو اس نے ارادہ ملتوی کر دیا۔ وہ جانتا تھا کہ ایسے میں کوشش کرنا' گولی ضائع کرنے کے مترادف ہے۔

وہ ناکامی کے بوجھل احساس تلے دبا بے حرکت بیٹھا تھا۔

دفعتہً عقب میں دروازہ کھلنے کی آواز پیدا ہوئی۔

اس نے پلٹ کر نہیں دیکھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ ماریا اندر آئی۔ ماریا کی آمد اس کے لیے ایک نیا احساس بھی لے کر آئی... موت کا ٹھنڈا پسینہ ڈالنے والا احساس۔

"کیا تم نے اُسے قتل کر دیا؟" ماریا نے پوچھا۔

وہ بُری طرح ہانپ رہی تھی۔

"نہیں..." گرونر نے غم زدہ لہجے میں جواب دیا۔

"کیوں نہیں؟" وہ ہسٹیریائی انداز میں چیخ پڑی۔

"کیونکہ وہ ہم دونوں کو قتل کرنے آ رہا ہے۔" گرونر نے مغموم لہجے میں کہا۔ "اس کاروبار میں بس یہی ایک خامی ہے۔"

"یہ تم کیا بکواس کر رہے ہو؟"

"ہم ہار چکے ہیں' ماریا۔"

"لیکن شکار تم سے صرف پچاس گز کے فاصلے پر ہے۔"

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔" اُس نے بدستور مغموم لہجے میں کہا۔ "رائفل بستر پر پڑی ہے۔ یقین نہیں آتا تو خود آ کر دیکھ لو۔"

"تم ایک اور کوشش کیوں نہیں کرتے؟"

"اس لیے کہ وہ کوشش بھی ناکام رہے گی۔" گرونر نے جواب دیا۔ "میں ایک حساس اور دیانت دار قاتل ہوں' ناریا۔ میں صرف یہ جانتا ہوں کہ جب شکاری ناکام ہو جاتا ہے تو اُسے خود شکار ہونا پڑتا ہے۔ اس کھیل میں ایک نہ ایک مرنا ہی ہے۔ کسی ایک کو مقتول بننا پڑتا ہے۔ اس لیے میں قاتل نہیں ہوں تو یقیناً مقتول ہوں۔"

اُسی لمحے دروازہ ایک دھماکے سے بند ہونے کی آواز آئی۔

"دروازہ بند کرنے کی ضرورت نہیں' ڈیئر! دروازے' اس قسم کے لوگوں کو نہیں روک سکتے۔" گرونر نے کہا۔

"لیکن دروازہ میں نے تو بند نہیں..." ماریا کی آواز سنائی دی اور پھر اُس کا جملہ ادھورا ہی رہ گیا۔ کیونکہ اس کی چیخنے والی کھوپڑی کی آواز خاصی بلند تھی۔

گرونر نے آواز کی طرف آہستہ سے گردن گھما کر دیکھا۔ ماریا کے بال ہمیشہ کی طرح بکھرے ہوئے تھے۔ اس کا سر جھکا ہوا تھا جس کی وجہ سے بال فرش کی طرف لٹک گئے تھے۔ ان لٹکے ہوئے بالوں پر گاڑھا گاڑھا خون سفر کر کے فرش کی طرف بہہ رہا تھا۔

"بیلو' دوست!" ایک خوش گوار آواز گرونر کی سماعت سے ٹکرائی۔ "قتل و غارت گری کا دھندا کیسا چل رہا ہے؟"

"تمہاری آمد سے پہلے ٹھیک ٹھاک ہی تھا۔"

"اوہ' مجھے یہ سُن کر افسوس ہوا۔" شہزاد کی آواز سنائی دی۔ گرونر اب بھی اس کی طرف متوجہ نہیں ہوا تھا۔ "میری وجہ سے..."

"سنو دوست!" گرونر نے پہلی بار شہزاد کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "ان تکلفات کو رہنے دو۔ میں اپنے کسی شکار کو کبھی اذیت میں مبتلا نہیں کرتا تھا۔ اس لیے جس کام سے آئے ہو اسے جلدی پورا کرو۔"

"لیکن تمہارا اندازہ غلط بھی تو ہو سکتا ہے۔"

"نہیں... میں اندازوں کا کھلاڑی ہوں۔ اگر میرا ہی اندازہ غلط ہونے لگے تو میری مہارت بیکار ہے۔ مجھے معلوم تھا' جس روز مجھے قتل کرنے میں ناکامی ہو گی' اس روز میں قتل ہو جاؤں گا۔"

"تم واقعی ایک حساس قاتل ہو۔"

"میں منتظر ہوں' دوست۔" گرونر نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "میں بڑی دیانت سے قتل ہونا چاہتا ہوں' بالکل اُسی طرح جیسے میں اب تک دیانت داری سے قتل کرتا آیا ہوں۔"

"پہلے ایک دو باتوں کا جواب دو۔ تمہاری خدمات کس نے حاصل کی تھیں؟" شہزاد نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"اسی نے جو لاش بنی فرش پر پڑی ہے۔" گرونر نے ماریا کی طرف انگلی اٹھا دی۔

"یہ کس کے لیے کام کر رہی تھیں؟"

"کسی تخریبی جماعت کے لیے... لیکن میں یقین سے اس جماعت کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

"تم یقین سے کیا بتا سکتے ہو؟"

گرونر خاموش رہا۔ وہ اذیت میں مبتلا تھا۔

"ایک بات تو تم یقیناً بتا سکتے ہو۔" شہزاد نے مسکرا کر کہا۔ وہ اپنے متوقع قاتل کے چہرے پر رُوحانی کرب محسوس کر کے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ "کیا تم نے کبھی کوئی ایسی عورت دیکھی ہے' جس کے چہرے پر آن گنت بھورے بھورے تل ہوتے ہیں؟"

گرونر کے چہرے پر اذیت کے تاثرات گہرے ہو گئے۔ اس نے شہزاد کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔

سمجھتے ہو' جس عورت کے چہرے پر ایسے تل نہیں ہوتے' وہ کیسی لگتی ہے؟" شہزاد نے کہا۔ "وہ عورت ایک ایسی رات جیسی ہوتی ہے' جس رات کو تارے نہیں نکلتے۔"

گرونر نے آنکھیں بند کر لیں۔ شہزاد ایک لمحے کے لیے آگے بڑھا... پھر اس کے تباہ کار ہاتھوں نے قاتل کو اوپر تلے سات چوٹیں لگائیں۔ پہلی ہی چوٹ گرونر کو قتل کرنے کے لیے کافی تھی... لیکن شہزاد اس کے کم از کم سات ٹکڑے کرنا چاہتا تھا۔ ستر ہزار کرنسی نوٹ۔ فی ہزار... ایک ٹکڑا۔ اس نے گرونر کے ٹکڑے ٹکڑے لاش کو دیکھا۔ اور بڑبڑانے لگا۔ "مجھے افسوس ہے' دوست! وقت اور موقع ہوتا تو میں تمہارے ستر ہزار ہی ٹکڑے کرتا... لیکن کیا کروں' مجبوری ہے۔" اس نے کندھے اچکائے اور واپسی کے لیے دروازے کی طرف چل دیا۔

دروازے میں رُک کر اس نے پلٹتے ہوئے کہا۔ "تم واقعی ایک عظیم آدمی تھے' دوست! کاش' تم نے میرے سرکا سودا نہ کیا ہوتا۔ تمہاری موت کا مجھے افسوس رہے گا کیونکہ تم ایک بے مثال قاتل تھے۔"

دروازہ آہستگی سے بند کر کے وہ باہر آ گیا اور مغموم انداز میں سیڑھیاں اُترنے لگا۔

★★

شہزاد نے کار اُسی راستے پر ڈال دی جس پر سفر کرتے ہوئے لامازی منزل پُراسرار انداز میں غائب ہو گیا تھا۔ کار کی رفتار زیادہ تیز نہیں تھی۔ جنرل لامو کی بیوی بیمت وہ تینوں کار کی فرنٹ سیٹ پر بیٹھے تھے۔ شہزاد ڈرائیو کر رہا تھا اور اُوشان دُوسری کھڑکی سے لگا بیٹھا گنگنانے میں مصروف تھا۔ شہزاد کو یہ دیکھ کر ہنسی آ گئی کہ اُوشان یوں سمٹا بیٹھا

تھا کہ مسز لاموسے اس کا جسم چھونے نہ پائے۔

گزشتہ روز شہزاد نے مسز لاموکا دل جیت لیا تھا۔ اس لیے وہ اب اُوشان سے اتنی متنفر نظر نہیں آرہی تھی۔ شہزاد کی خاطر وہ اُسے برداشت کرنے پر آمادہ ہوگئی تھی۔ شہزاد نے کن انکھیوں سے مسز لاموکی طرف دیکھا۔ اس کے ہونٹوں پر طمانیت سے بھرپور تبسم تھا۔

وہ یکسوئی سے ڈرائیو کرنے لگا۔ کار کی رفتار کم رکھنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہ ان لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہتا تھا، جو جنرل لاموکو اغوا کر چکے تھے اور اب اس کی زندگی کے درپے ہوگئے تھے۔ اس کا خیال تھا کہ وہ لوگ اُس اسی میں موجود ہیں، اور انھیں کسی مناسب موقع کی تلاش ہے۔ یہ موقع شہزاد انھیں خود ہی فراہم کرنا چاہتا تھا۔

گرونز کو قتل کرنے کے بعد سے وہ بار بار اس کے بارے میں بھی سوچنے لگا تھا۔ وہ شخص اُسے بے حد پسند آیا تھا لیکن اسے قتل کرنا شہزاد کی مجبوری تھی۔ اگر معاملہ اتنا سنگین نہ ہوتا تو شاید وہ اسے جانے سے نہ روکتا۔ گرونز کے انداز سے اس نے اُس کی شخصیت کا اندازہ لگایا تھا۔ اس لیے ایک اعلا ظرف حریف کی حیثیت سے وہ اُس کی قدردانی کے لیے دل سے مجبور تھا۔

اب تک کسی نے ان کی کار کا تعاقب نہیں کیا تھا۔ کاریں عقب سے آکر گزر رہی تھیں۔ دو ایک کاریں پیچھے بھی نظر آئی تھیں لیکن وہ کسی نہ کسی چوراہے سے غائب ہوگئیں اس لیے وہ کسی کار کو مشکوک قرار نہیں دے سکا تھا۔

اس نے ایک جگہ کار روک دی۔

یہ وہی مقام تھا جہاں جنرل لاموکی کار کو حادثہ پیش آیا تھا اور پھر جنرل پُراسرار انداز میں غائب ہوگیا تھا۔ اس نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ کار کا دروازہ کھل کر اترتے ہوئے اُس نے اُوشان کو اشارہ کیا اور مسز لاموسے مخاطب ہوا: "آپ یہیں تشریف رکھیں۔۔۔"

وہ کار سے ہٹ کر ایک طرف چلنے لگا۔

اُوشان اس کے پیچھے چل رہا تھا۔

ایک جگہ رُک کر شہزاد نے اُوشان سے کہا: "میرا خیال ہے، یہاں پہنچنے کے بعد مجھے یہ محسوس ہونے لگا ہے کہ جنرل لاموکیسے غائب ہوگیا تھا۔۔۔ اور میرا یہ نظریہ غلط نہیں ہوگا۔"

"لیکن انھیں اس قسم کی سراغ رسانی کی تربیت تو نہیں دی گئی۔" اُوشان نے مسکرا کر کہا۔

"میں محسوس کرسکتا ہوں اور اندازہ لگا سکتا ہوں۔ اس کا دوسرا نام سُراغ رسانی ہے۔ سُراغ کو پہلے محسوس ہی کیا جاتا ہے۔" شہزاد نے جواب دیا اور ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔ راجر اطمینان سے بڑی توجہ سے دیکھتے ہوئے گزر رہے تھے۔

"یہاں آنے کے بعد مجھے یہ احساس شدت سے ہو رہا ہے کہ جنرل لاموس مقام سے غائب نہیں ہوا۔ وہ اپنی کار سے اُتر کر نہیں جاسکتا تھا اور کوئی اُسے لے جاتے ہوئے بھی نظر نہیں آیا۔" اُوشان نے تبصرہ کیا۔

"جیسا میرا خیال ہے کہ جنرل لاموسے اپنے ڈرائیور اور سیکرٹری کو خود ہی ٹھکانے لگا دیا ہوگا۔"

"ایسی حالت میں اس نے اپنے اغوا کرنے والے کو کیسے معاف کیا ہوگا؟" اُوشان نے سوال کیا: "وہ اپنے آدمیوں کی بجائے اسے ہی گولی مار سکتا تھا۔"

اچانک ریل کی آواز سنائی دی اور ٹھک کے اندرونی حصے میں چلنے والی گاڑی کا شور ختم ہوتے ہی شہزاد نے اثبات میں سر ہلا دیا: "میں سوچ رہا ہوں کہ جنرل کو صرف اس گاڑی ہی کے ذریعے فرار کا موقع مل سکتا تھا۔ اس گاڑی کا اسٹاپ اُوگی ٹاؤن ہے۔ جنرل کو وہیں ہونا چاہیے۔" شہزاد نے زیرلب کہا۔

"ہوسکتا ہے، جنرل کو قتل کر دیا گیا ہو۔"

"ایسی صورت میں ہم پر قاتلانہ حملے کی کیا وجہ ہے؟"

"صرف انتقام۔۔۔"

"تو پھر انھیں پہلے سے کہیں زیادہ قیمت بڑھا دینی چاہیے۔"

"ایسا ہو رہا ہوگا بیٹے۔" اُوشان بڑبڑایا: "یقیناً اس بار ایسا ہی کیا جا رہا ہے۔"

"کچھ بھی ہے، میں اُوگی ٹاؤن ضرور جاؤں گا۔" شہزاد نے کہا اور کار کی طرف دیکھنے لگا۔ مسز لاموسے منہ پھیر لیا۔ بیزاری محسوس کرکے ہارن بجانا شروع کر دیا تھا۔

"آخر اس گدھی کو ساتھ لانے کی کیا ضرورت تھی؟" اُوشان نے برا سا منہ بناتے ہوئے کہا۔

"جنرل لاموکو تم میں سے کسی نے نہیں دیکھا۔ یہ اپنے شوہر کو پہچاننے کے علاوہ اس کی آواز بھی پہچان سکتی ہے۔"

"اس کے لیے ہمیں جنرل لاموکی تصویر بھی تو دی جاسکتی تھی۔"

"ہاں۔۔۔ لیکن اُوشان!" شہزاد نے اس کی حالت سے لطف اندوز ہوتے ہوئے کہا: "یہ عورت ان لوگوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرائے گی جنھوں نے جنرل لاموکو اغوا کیا ہے۔ حکام اتنی نہیں ہیں، انھوں نے بہت سوچ سمجھ کر ہی اسے یہاں بھیجا ہے۔"

دفعتہً شہزاد کی نگاہ ایک شخص پر پڑی۔

اسے وہ اب تک تین بار دیکھ چکا تھا اور یہ شخص ہر بار۔۔۔

اس کے قریب سے گزر رہا تھا۔ اندازہ یہ پتہ نہیں چل رہا تھا کہ وہ ان میں کسی قسم کی دلچسپی لے رہا ہے۔۔۔ لیکن شہزاد ایسا اندازہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔

اُسی لمحے ایک چیخ سی سنائی دی۔

کوئی بلند آواز میں بولا تھا۔ اس نے جو کچھ کہا تھا، شہزاد اُسے نہ سمجھ سکا تھا۔ اس نے وضاحت طلب نگاہ سے اُوشان کی طرف دیکھا جس کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔

"یقیناً یہ شخص بھی لامازی ہے اور اس نے ایک عرصے بعد اتنی حسین لامازی عورت دیکھی ہے۔" اُوشان نے وضاحت کی۔

"اس نے کیا کہا تھا؟"

"لامازی حسینہ۔۔۔ لامازی حسینہ۔"

شہزاد نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ وہ جانتا تھا کہ اس علاقے میں وہ لامازی بھی مقیم ہیں جو جنگ کے بعد جزیرہ فردوس ہی میں رہ گئے تھے۔ اس نے اُس شخص کے چہرے کو ذہن میں تازہ کیا جس کو چار مرتبہ دیکھ چکا تھا۔ نقش و نگار کے اعتبار سے وہ بھی لامازی ہی تھا۔ وہ سمجھ گیا کہ کھیل شروع ہوگیا ہے۔ اُس نے ادھر اُدھر دیکھا۔۔۔ لیکن اُسے ایسی ہوئی کیوحد وہاں کوئی لامازی ریستوران نہیں تھا۔

"اُوگی ٹاؤن میں لامازی ریستوران ہیں۔" شہزاد نے کہا اور اُوشان کا ہاتھ تھام کر واپس کار کی طرف آگیا۔ اگلے ہی لمحے اس کی کار تیزی سے اُوگی ٹاؤن کی طرف جا رہی تھی۔

"مجھے عجیب لگ رہی ہے۔" مسز لاموسے منمنا کر کہا۔

اُوشان نے معنی خیز قہقہہ لگا کر تبصرہ کیا: "حیرت ہے۔"

"تم چُپ رہو۔" مسز لاموس پر ڈانٹ پڑی۔

شہزاد زیرلب مسکراتا رہا۔

اُوگی ٹاؤن وہاں سے چند میل کے فاصلے پر تھا۔ وہاں لامازیوں کے ریستوران تھے۔ ایک اچھے سے ریستوران کا انتخاب کرکے شہزاد نے کار اس کے سامنے روک دی اور تینوں اندر جاکر بیٹھ گئے۔

فوراً ہی ایک ویٹر اُن کے قریب آگیا۔ اس نے پہلے تو حیرت سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر مسز لاموکو دیکھا جیسے حیران ہو کہ ایک لامازی حسینہ دو فردوسیوں کے ساتھ کیسے نظر آرہی ہے۔۔۔ پھر اس نے شہزاد سے کہا: "ہمارے ہاں آپ کے مطلب کی کوئی چیز نہیں مل سکے گی۔"

"پروا نہ کرو۔ جو بھی ہے لے آؤ۔" شہزاد نے مسکرا کر کہا۔

ویٹر اب بھی کن انکھیوں سے مسز لاموکی طرف متوجہ تھا۔۔۔ پھر شاید اس نے ضبط نہ کیا۔ اس نے اپنی زبان میں مسز لاموسے کچھ کہا۔ جواباً مسز لاموسے نے بڑی معصومیت سے کچھ کہہ دیا جس پر ویٹر کی آنکھوں سے شہزاد اور اُوشان کے لیے نفرت جھلکنے لگی۔

وہ چند لمحوں تک مسز لاموسے باتیں کرتا رہا۔۔۔ پھر اثبات میں سر ہلاتا ہوا چلا گیا۔ اس کے انداز سے بے قراری ظاہر ہو رہی تھی اور جاتے وقت اس نے بڑی قہر آلود نگاہوں سے شہزاد اور اُوشان کو دیکھا تھا۔

"میں کچھ نہیں سمجھا۔" شہزاد نے بے بسی سے کہا۔

"وہ اس گدھی سے کہہ رہا تھا کہ یہ دو فردوسیوں کے ساتھ کیسے نظر آرہی ہے۔" اُوشان نے مسکرا کر کہا۔

"پھر۔۔۔ مسز لاموسے نے کیا جواب دیا؟"

"اس نے کہا کہ میں اسے عصمت فروشی پر مجبور کر رہا ہوں۔"

"اوہ۔۔۔" شہزاد نے بے قرار ہوگیا۔ اس نے مسز لاموکی طرف دیکھا جس کے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔ "ویٹر نے اس بات پر کیا کہا تھا؟"

"اس نے پولیس کو طلب کرنے کا مشورہ دیا۔"

"ہُوں۔۔۔ پھر۔۔۔؟"

"اس نے کہا کہ اب یہ عادی ہوگئی ہے اس لیے پولیس کو طلب کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔" اُوشان نے قہقہہ لگا کر جواب دیا۔

"میں نے زیرک کہا تھا۔" مسز لاموس منہ پھیر گئی۔

"میں نے جو کچھ سمجھا، وہ بیان کر دیا۔" اُوشان نے بے بسی سے کہا۔

شہزاد کے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ اُس کی نگاہ ریستوران کے دروازے کی طرف اٹھ گئی اور اس کا منہ کھلا ہی رہ گیا۔ دروازے میں وہی لامازی کھڑا اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا جسے وہ پہلے بھی چار مرتبہ دیکھ چکا تھا۔ اس کی موجودگی یہ ظاہر کر رہی تھی کہ وہ ان کا تعاقب کرتا ہوا یہاں تک پہنچا ہے۔ گویا کھیل واقعی شروع ہوچکا ہے۔۔۔ اس نے سوچا اور نگاہ گھما لی۔ وہ اُسے یہ تاثر نہیں دینا چاہتا تھا کہ اس کی طرف سے شکوک ہوگیا ہے۔

اُوشان اور مسز لاموایک دوسرے سے باتوں میں اُلجھ گئے تھے۔ وہ ان کی طرف سے بے پروا ہو کر اس شخص کی حرکات و سکنات کو محسوس کرنے لگا۔ اگرچہ وہ اب اس شخص کی طرف متوجہ نہیں تھا تاہم وہ اس کی ایک ایک حرکت کو محسوس کر رہا تھا۔

وہ شخص ادھر اُدھر اس انداز میں دیکھ رہا تھا جیسے کسی خاص شخص کی تلاش میں ہو۔۔۔ پھر وہ ناکامی کے اظہار میں کندھے اچکاتے ہوئے کاؤنٹر کی طرف بڑھ گیا جہاں اسوقت وہی ویٹر کھڑا تھا۔ جو شہزاد کی میز

سے آرڈر لے کر گیا تھا۔ دونوں قریب قریب کھڑے ہے۔ ان کے باتیں کرنے کا انداز سرسری تھا، تاہم شہزاد نے محسوس کیا کہ مذکرہ خود انہی کا ہو رہا ہے۔

کچھ دیر بعد ویٹر اثبات میں سر ہلاتا ہوا برابر کے ہال کی طرف بڑھ گیا۔ شہزاد نے کاؤنٹر کی طرف سرسری نگاہ ڈالی جو شخص ان کا پیچھا کرتا ہوا وہاں تک آپہنچا تھا، وہ کاؤنٹر پر کہنیاں جمائے کھڑا تھا۔

شہزاد نے اس صورتِ حال پر غور کیا تو فوراً ہی سمجھ گیا کہ ویٹر اس وقت پولیس کو طلب کرنے گیا ہے۔ اس طرح وہ مسز لامو اور ان کے درمیان وقتی طور پر رابطہ ختم کرنا چاہتا ہے... اور اس وقفے ہی میں مسز لامو کو اُن سے چھین لے جانے کی یا ہلاک کر دینے کی کوشش کی جائے گی۔

"اُدشان!" شہزاد نے سرگوشی کی۔ "میرا خیال ہے، ہمیں منسٹر کرنے کے لیے کوشش کی جا رہی ہے۔ بہتر ہوگا کہ تم مسز لامو کو لے کر ہوٹل واپس چلے جاؤ۔ اپنے کمرے میں جا کر بند ہو جانا میری آمد تک کسی کے لیے بھی دروازہ نہ کھولنا۔"

اُدشان نے ایک لمحے کے لیے اس کی طرف دیکھا پھر تائید میں سر ہلا دیا۔

شہزاد اُس کی اس عادت سے بے حد خوش تھا۔ اُدشان موقع محل سمجھتے ہوئے اس کی ہر بات ماننے پر آمادہ ہو جاتا تھا۔

"چلو... میرا خیال ہے اب ہمیں چلنا چاہیے۔"

"لیکن میں نے ابھی پیٹ بھر کر کھانا بھی نہیں کھایا۔" مسز لامو نے احتجاج کیا۔ ویٹر کچھ دیر قبل ان کے آرڈر کی چیزیں میز پر لگا گیا تھا اور وہ بھوک کی وجہ سے بُری طرح کھانے پر ٹوٹ پڑی تھی لیکن ابھی چند ہی منٹ گزرے تھے کہ شہزاد نے اُٹھنے کا کہہ دیا تھا۔

"ہوٹل واپس جا کر کھا لینا۔" شہزاد نے کہا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر لامازی ویٹر پولیس ہی کو طلب کر رہا ہے تو اس طرح فائدہ بھی ممکن ہے۔ اس دوران ممکن ہے کوئی کام کی بات معلوم ہو جائے اور اس مہلت سے استفادہ کرتے ہوئے کوئی مسز لامو سے رابطہ بھی قائم کر سکتا تھا۔

وہ بل کی رقم میز پر رکھ کر باہر آ گئے۔

کار میں اُدشان اور مسز لامو کو رخصت کرنے کے بعد شہزاد دوبارہ اپنی میز پر واپس آ گیا۔ اس نے ویٹر کو کافی لانے کا اشارہ کیا۔ ویٹر فون کرنے کے بعد دوبارہ کاؤنٹر پر جا پہنچا تھا۔ اس نے نفرت سے ہونٹ سکوڑے۔ اسی لمحے پانچ لامازی ریستوران میں داخل ہوئے۔ اس کے فوراً ہی بعد پولیس کار سائرن بجاتی ہوئی ریستوران کے سامنے آ کر رُک گئی۔ ویٹر دروازے تک آ گیا اور پولیس والوں کو شہزاد کی طرف اشارہ کر کے نہ جانے کیا کیا کہنے لگا۔

ایک پولیس مین شہزاد کے قریب آیا۔

"کیا بات ہے مسٹر؟" اس نے اکھڑ لہجے میں پوچھا۔

"کافی لے آؤ۔" شہزاد نے بے پروائی سے کہا۔

"تم پر الزام ہے کہ تم نے اس ویٹر کو جان سے مار ڈالنے کی دھمکی دی تھی۔" پولیس مین غرایا۔

"اگر یہ لگلے تین منٹوں میں کافی نہ لایا تو یقیناً میں ایسا ہی کروں گا۔" شہزاد نے ناگواری اور چڑچڑے پن کا اظہار کیا۔

"تمہیں ہمارے ساتھ پولیس اسٹیشن چلنا پڑے گا۔"

"وہاں کافی کا ایک کپ کتنے کا ملتا ہے؟"

"یہ تو تمہیں وہیں چل کر پتہ چلے گا۔" پولیس مین غرایا۔

"اور اگر کافی یہیں سے اچھی مل جائے تو؟"

"ہم اپنے کاموں کی تسلی اور اطمینان کرانے میں ماہر ہیں۔" پولیس مین نے معنی خیز انداز میں کہا۔ "تم چلو تو سہی..."

شہزاد ایک طویل سانس لے کر اُٹھ گیا۔ باہر اُسے پولیس کار کی عقبی سیٹ پر بٹھانے کے بعد کار سائرن بجاتی تیزی کے ساتھ پولیس اسٹیشن کی طرف بڑھ گئی۔ شہزاد اس دوران میں اطمینان سے مُنہ چلاتا رہا۔ وہ جو کچھ سوچ رہا تھا، وہی سامنے آیا تھا۔

پوتیس سے نجات حاصل کرنے کے اس کے پاس دو طریقے تھے۔ ایک تو ان دونوں پولیس والوں کو ٹھکانے لگا کر فرار ہو جا سکتا تھا۔ دوسری ایک فون کال اس کی رہائی کا باعث بن سکتی تھی۔ ان دونوں پولیس والوں کو ٹھکانے لگانا اس کے لیے کوئی بڑی بات نہیں تھی لیکن وہ بے گناہوں کا خون بہانے کا قائل نہیں تھا اس لیے فون کال کے ذریعے تھانے سے رہائی کا ارادہ کرنے لگا۔

اُسے تھانے کے انچارج کے پاس پہنچا دیا گیا۔

شہزاد نے جاتے ہی ایک کرسی سنبھال لی اور فون کا رُخ اپنی طرف کر کے اتنی تیزی سے فیلکر افٹ کا نمبر گھمایا کہ پولیس مین دیکھ ہی نہ سکے کہ وہ کس سے رابطہ قائم کر رہا ہے۔ ایک پولیس مین نے ہاتھ بڑھا کر اس سے رسیور چھین لینا چاہا لیکن دُوسرے ہاتھ سے شہزاد نے اس کی کلائی تھام لی... اور اس کے انگوٹھے نے آہستگی سے مخصوص انداز میں دباؤ ڈالنا شروع کر دیا۔

پولیس مین کا ہاتھ شل ہو گیا۔

"ہیلو... سویٹ ہارٹ!" شہزاد نے اپنے چیف ہیرام کی آواز

سنتے ہی کہا۔ "میں اس وقت اُوگی ٹاؤن کے پولیس اسٹیشن سے بول رہا ہوں۔"

"تم وہاں کیوں پہنچے ہو؟" ہیرام غرایا۔

"یہ لوگ مجھے اچھی سی کافی پلانے کا وعدہ کر کے لائے ہیں لیکن میں کافی پیے بغیر فوراً اپنے ہوٹل واپس جانا چاہتا ہوں۔" یہ کہہ کر اس نے رسیور رکھ دیا اور پولیس مین کے ہاتھ کو انگوٹھے کی مدد سے ذرا سا دبا کر چھوڑ دیا۔

ہاتھ ہٹانے کے بعد وہ پولیس مین بُری طرح ہانپنے لگا۔

انچارج اور دونوں پولیس مین حیرت زدہ تھے کہ فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ انچارج نے جھپٹ کر رسیور اُٹھا لیا۔ چند لمحوں تک وہ فون پر کسی سے بات کرتا رہا... پھر رسیور رکھ کر ایک طویل سانس لیتے ہوئے بولا۔ "آپ جا سکتے ہیں جناب!"

"لیکن مجھے کافی پلانے کا وعدہ کیا گیا تھا۔"

"اگر آپ پسند کریں تو کافی بھی حاضر کی جا سکتی ہے۔" انچارج نے بڑے اخلاق سے کہا لیکن اس سے پہلے کہ وہ اپنے ماتحتوں کو کافی لانے کا حکم دیتا، شہزاد نے ہاتھ کے اشارے سے اُسے روک دیا اور مسکرا کر ان دو پولیس والوں کی طرف دیکھنے لگا جو اُسے ریستوران سے اُٹھا لائے تھے۔

وہ اب اس سے بے حد مرعوب دکھائی دے رہے تھے۔

شہزاد اپنے ہوٹل واپس پہنچا تو راستے بھر اُس نے تعاقب کے امکانات کا جائزہ لیا تھا... لیکن کسی نے اس کا پیچھا کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ جنرل لامو کو تلاش کرنے کا وقت تیزی سے کم ہوتا جا رہا تھا... پھر اس کے ذہن میں آیا کہ ممکن ہے کسی نے مسز لامو سے رابطہ قائم کر لیا ہو۔

اس نے اُدشان کے کمرے کا دروازہ کھولا۔

وہ ایک صوفے پر بیٹھا ٹی وی دیکھ رہا تھا۔

"مسز لامو کہاں ہے؟" شہزاد نے پوچھا تو اس کا دل شدت سے دھڑک رہا تھا۔ "تم دونوں خیریت سے یہاں پہنچ گئے تھے؟"

اُدشان نے کندھے کے اُوپر سے دروازے کی طرف دیکھا جس کا مطلب تھا کہ مسز لامو اپنے کمرے میں موجود ہے۔

"کسی نے تم دونوں کا تعاقب تو نہیں کیا؟"

"نہیں..." اُدشان نے مسکرا کر کہا۔

شہزاد نے اثبات میں سر ہلایا اور درمیانی دروازہ کھولتا ہوا مسز لامو کے کمرے میں داخل ہوا۔ وہ اپنے بستر پر نیم دراز تھی۔ آہٹ سنتے ہی چونک کر دروازے کی طرف دیکھنے لگی۔ شہزاد پر نگاہ پڑتے ہی وہ اچھل کر بستر سے اُتری اور اس کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ اس نے نہایت بہترین لباس زیب تن کر رکھا تھا جس سے اس کا حسن و شباب لُو دے رہا تھا جیسے کانچ کے جام میں شراب نظر آتی ہے۔ "اُوگی ٹاؤن بہت اچھی جگہ تھی۔" وہ مترنم آواز میں بولی۔

"شاید اس لیے کہ وہاں تمہیں اپنی قوم کے چند چہرے نظر آ گئے تھے۔"

"نہیں... وہ مجھے واقعی بے حد پسند آیا ہے۔ کیا ہم وہاں دوبارہ نہیں جا سکتے؟" مسز لامو کے لہجے میں اشتیاق تھا۔

"کیوں نہیں جا سکتے۔" شہزاد نے مسکرا کر کہا۔ "یہ بتاؤ کسی نے تم سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی یا نہیں؟"

"تم نے جو جنگلی کتا میرے ساتھ چھوڑ رکھا ہے، یہ کسی کو رابطہ قائم کرنے کی مہلت دیتا تو شاید کوئی کوشش بھی کرتا۔"

شہزاد ایک طویل سانس لے کر رہ گیا۔

یہ امکان بھی ختم ہو گیا تھا۔

"کیا ہم کل اُوگی ٹاؤن جائیں گے؟" میں نے سُنا ہے کہ وہاں ایک کرائے سکھانے کا اسکول بھی ہے... اور اس اسکول کو کوئی بھی سیاح نظر انداز نہیں کرتا۔ کیا یہ حقیقت ہے؟"

"یقیناً... یقیناً۔" شہزاد کے کان کھڑے ہو گئے۔ "کسی نہ کسی کو تم سے رابطہ قائم کرنا چاہیے گر یا... اگر ایسا ہوا تو جنرل لامو تک پہنچنا زیادہ مشکل نہیں رہے گا۔"

"ہاں... یہ تو ہے۔"

شہزاد واپسی کے ارادے سے دروازے کی طرف گھوما ہی تھا کہ وہ دوڑتی ہوئی آ کر اس کی راہ میں حائل ہو گئی۔ اس کا تنفس اُبھرا ہوا تھا۔ "کیا تم مجھ سے ناراض ہو؟"

"نہیں تو..." شہزاد نے حیرانی سے کہا۔

"تو پھر مجھے یوں نظر انداز کر کے کیوں جا رہے ہو؟" مسز لامو نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "کیا تم مجھ میں دلچسپی کھو بیٹھے ہو؟"

"پھر کبھی یہی گر یا۔" شہزاد نے اس کے گال کو انگلی سے چھوتے ہوئے کہا۔ "میں اس وقت بے حد تھکا ہوا ہوں۔"

"تم کسی اُلجھن کا شکار لگتے ہو۔ کیا بات ہے، آخر؟"

"کوئی بات نہیں۔ اگر تم مجھے جانے کی اجازت نہیں دیتیں تو میں رُک جاتا ہوں۔" شہزاد نے مسکرا کر کہا۔ اس کی دھڑکنیں بے ترتیب ہو رہی تھیں۔ اس نے کوئی غیر معمولی بات محسوس کی تھی۔ اس غیر معمولی بات کا تعلق مسز لامو کے جذبات سے ہرگز نہیں تھا... بلکہ کوئی اور ہی معاملہ تھا اور وہ یہ سوچ کر رُک گیا تھا کہ اس سلسلے میں اطمینان کر لینا چاہیے۔

وہ پلٹا تو اس کی نگاہ بستر پر رکھے ہوئے تکیے کی طرف اُٹھ

گئی جس کے نیچے سے ایک سُرخ سُرخ سی چیز جھلک رہی تھی۔ وہ سوچ میں پڑ گیا۔ یہ ایک کتاب تھی۔ وہ جانتا تھا کہ اُدشان اُسے اُوگی ٹاؤن سے سیدھا ہوٹل ہی لایا ہوگا اور اس نے مسز لامو کو لانے میں کہیں رُکنے یا کچھ خریدنے کی اجازت نہیں دی ہوگی۔ ایسے میں یہ کتاب مسز لامو کے پاس کہاں سے آگئی؟... پھر اسے اُوگی ٹاؤن کے اس مشہور عالم کرائے اسکول کے بارے میں کہاں سے پتہ چلا۔ اگر اس اسکول کے بارے میں اُسے پہلے سے علم ہوتا تو وہ یقیناً اُوگی ٹاؤن میں بھی اس کا ہ ضرور کرتی۔

"کرائے اسکول کے بارے میں تمہیں اُدشان نے بتایا ہوگا؟" اس نے مُسکرا کر پُوچھا۔

"نہیں... اس جنگلی کتے سے تو را ستے بھر ایک بھی بات نہیں ہُوئی۔" مسز لامو نے بُرا سا مُنہ بنا کر کہا۔ "شہزاد... اس کی عمر تو اب کافی ہوگئی ہے۔ نا؟"

"ہاں... لیکن تم جانتی ہو کہ وہ اتنا عمر رسیدہ بھی نہیں ہے۔" مسز لامو کا چہرہ سُرخ پڑ گیا۔

"ایسے آدمیوں کو خود بخود ہی مر جانا چاہیے۔" وہ بڑبڑائی۔

"چھوڑو... تم بھی کہاں اس کے پیچھے پڑ گئیں۔" شہزاد نے ہنس کر موضوع بدل دینا چاہا۔ جب سے اُدشان نے مسز لامو کو سبق دیا تھا اس نے گڑگڑیا منا اس عورت کے مُنہ سے اُدشان کے خلاف نکلی ہُوئی ہر بات کو برداشت کرنا شروع کر دیا تھا... لیکن اس وقت اُس کا ذہن سُرخ جلد والی کتاب میں اُلجھا ہُوا تھا۔ آخر یہ کتاب اس کے پاس کہاں سے آگئی؟ وہ اس سلسلے میں مسز لامو سے براہِ راست پُوچھ کر اُسے چوکانا نہیں چاہتا تھا اس لیے خاموش ہی رہا۔

"ٹھیک ہے، گڑیا... جلو اب سونے کے لیے لیٹ جاؤ۔"

"کل اُوگی ٹاؤن چلو گے، نا؟"

"ہاں... کیا تمہیں اس ریستوران کا کھانا پسند آیا؟"

"کرائے اسکول دیکھنے کے بعد میں وہاں کھانا ضرور کھاؤں گی۔" مسز لامو نے کہا اور شہزاد اثبات میں سر ہلا کر رہ گیا۔ اس نے "میں وہاں کھانا ضرور کھاؤں گی" کو خاص اہمیت دی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ مسز لامو کو یقین ہے کل وہ کھانے کے وقت اس کے ساتھ موجود نہیں ہوں گے۔ وہ بستر پر لیٹ گیا اور مسز لامو نے بیڈ لیمپ بُجھا دیا۔ اُسی لمحے دُوسرے کمرے سے اُدشان کی مخصوص ہی... ہی... ہی" کی آواز میں ہنسی سنائی دینے لگی تھی۔

چیف بہرام نے چونک کر نگاہ اُٹھائی۔

اس فون کی گھنٹی بج رہی تھی جس پر صرف صدرِ مملکت ہی اس سے ہم کلام ہو سکتے تھے۔ اس نے جلدی سے ریسیور اُٹھا دوسری طرف سے صدرِ مملکت کی بھاری آواز آئی۔ "جنرل لامو کے سلسلے میں ابھی تک کوئی کارآمد اطلاع نہیں ملی؟"

"میں نے آپ کے حُکم کے مطابق اور اپنی قوم کے مفاد میں ٹائیگر کو ایک ایسے کام پر لگا دیا ہے، جناب جو اُس سے نہیں کرنا چاہیے تھا۔" بہرام نے شکستہ لہجے میں کہا۔ "وہ اس کام میں جی جان سے لگا ہُوا ہے اور مجھے اُمید ہے کہ عنقریب اس کی طرف سے کوئی اہم اطلاع مِل جائے گی۔"

"لیکن ہمارے پاس وقت بہت کم ہے۔"

"پھر میں کیا کر سکتا ہوں، جناب۔ ٹائیگر کوئی جادوگر تو نہیں ہے۔"

"شٹ اَپ۔" صدرِ مملکت کا لہجہ بے حد خراب اور توہین آمیز تھا۔ "معلوم ہوتا ہے، سابق صدرِ مملکت نے تم دونوں کا دماغ خراب کر رکھا تھا۔ میں اپنے احکامات کی فوری تکمیل چاہتا ہُوں۔"

"آپ کے صرف ایک ہی حکم کی فوری تکمیل ممکن ہے، جناب..."

"وہ کون سا حُکم ہے؟"

"اس محکمے کو ختم کر دیا جائے۔"

"میں اس سلسلے میں بھی غور کر رہا ہُوں۔" صدرِ مملکت نے بے انتہا سخت لہجے میں کہا۔ "اس مہم سے فارغ ہونے کے بعد ٹائیگر کو براہِ راست میرے احکامات پر کام کرنا ہوگا۔"

"یہ ناممکن ہے۔" بہرام چیخ پڑا۔

"کیا تم میرے اس حُکم کی تعمیل نہیں کرو گے، بہرام؟"

"نہیں... ہرگز نہیں۔ صرف اسی مہم میں ہمارے اس محکمے کا راز فاش ہو گیا ہے۔ یہ تو ہماری خوش قسمتی ہے کہ صرف سیکرٹ سروس ہی اس تنظیم سے آگاہ ہُوئی ہے ورنہ اب تک تو سب کچھ تباہ ہو چکا ہوتا۔ ٹائیگر کو اس انداز میں عوام کے سامنے لانا سراسر حماقت ہی تھی۔"

"بکواس مت کرو۔ اس سے کہو کہ وہ جلد از جلد اس مہم کو سر کرے اور پھر میرے سامنے پیش ہو۔ میں دیکھوں گا کہ اسے کس طرح استعمال کرنا چاہیے۔"

"آپ ایک بات بھول رہے ہیں، جناب۔"

"وہ کیا...؟"

"ٹائیگر آپ کی نہیں، قوم کی امانت ہے اور وہ میری ذمّے داری ہے۔ میں اس سلسلے میں حلف اُٹھا چکا ہُوں کہ اُسے صرف قومی مفادات کے لیے ہی استعمال کیا جائے گا۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ ایسا نہیں ہو رہا اس لیے صرف میں اپنے طور پر یہ فیصلہ کرنے کا مجاز ہُوں کہ ٹائیگر کا کیا کیا جائے۔"

"کیا تم میری حُکم عدولی کر رہے ہو؟"

"خُدا حافظ جناب! اَب سب کچھ ختم ہی سمجھیے۔" بہرام نے چٹانی لہجے میں کہا اور اتنی قوّت سے ریسیور کو کریڈل پر پٹخا کہ ریسیور دو حصّوں میں ٹوٹ گیا۔ بہرام کا مارے غصّے کے عجیب حال تھا۔ اس پر دیوانگی سی طاری ہو رہی تھی۔ اس کی عقل حیران تھی کہ نئے صدرِ مملکت کو کیا ہو گیا ہے؟ کیا یہ شخص جزیرۂ فردوس کو تباہ کر دینے پر تُلا ہُوا ہے؟ نہیں... ایسا نہیں ہو سکتا۔ ٹائیگر میری ذمّے داری ہے اور میں اسے تخریبی ہاتھوں میں نہیں جانے دوں گا۔ میں اس سے پہلے ہی ٹائیگر کو ختم کر دوں گا... اور پھر...: اس نے بڑبڑاتے ہُوئے اپنی دراز کھولی اور اس میں رکھی ہُوئی ایک شیشی نکال لی۔ اس شیشی میں ایک سفید ٹکیہ رکھی ہُوئی تھی... بہرام نے وہ ٹکیہ اپنی ہتھیلی پر رکھ لی اور اسے گھُورنے لگا۔

یہ موت کی ٹکیہ تھی۔ پُرسکون موت۔ اس میں مبتلا جیسے وہ جب چاہتا، اپنے اوپر طاری کر سکتا تھا۔ وہ دیر تک اس ٹکیہ کو گھُورتا رہا... یہ کسی ایسے ہی موقعے کے لیے اس نے بہت سنبھال کر رکھی ہُوئی تھی۔ اب وقت آگیا تھا... لیکن وہ اس ٹکیہ کو استعمال کرنے سے پہلے اپنے شہکار ٹائیگر کو ختم کر دینا چاہتا تھا تاکہ اُسے تخریبی کارروائیوں میں استعمال کیا جا سکے۔ ابھی وہ اس صورتِ حال پر غور ہی کر رہا تھا کہ اچانک فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ اس کی آنکھیں دُھندلا سی گئیں۔ یہ اس فون کی گھنٹی تھی جو اس نے ٹائیگر کے لیے مخصوص کر رکھا تھا۔

"آپ کے لیے ایک خوش خبری ہے، سویٹ ہارٹ۔" شہزاد کی چہکتی ہُوئی آواز آئی۔

"میں سُن رہا ہُوں۔" بہرام کا لہجہ مغموم تھا۔

"میرا خیال ہے، مجھے مطلوبہ آدمی کا سُراغ مل گیا ہے اور میں وہیں جا رہا ہُوں جہاں اس کی موجودگی کا مجھے یقین ہے۔"

"بہت خوب۔ میں تمہاری کارکردگی سے مطمئن ہُوں۔" بہرام نے خود کو سنبھالتے ہُوئے کہا۔ "اور ہاں... کیا تم اُدشان کو میرا یہ پیغام دے سکتے ہو کہ وہ فوراً فلائٹ واپس آجائے؟"

"وہ ٹھیک جا رہا ہے، سویٹ ہارٹ۔" شہزاد نے ہنس کر کہا۔ "اس کے بارے میں اب فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں سمجھ چکا ہوں کہ اس سے کس طرح کام لیا جا سکتا ہے۔"

"لیکن میرا خیال ہے کہ اب اس کی وہاں ضرورت نہیں ہے۔ اسے واپس بھیج دو۔"

"وہ کل آپ کے پاس پہنچ جائے گا۔"

"اسے آج واپس بھیجو۔"

"ایسا ظلم نہ کریں، سویٹ ہارٹ۔"

"یہ میرا حُکم ہے، ٹائیگر۔" بہرام نے ٹھوس لہجے میں کہا۔

دوسری طرف سے خاموشی چھا گئی۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے شہزاد اس نئی صورتِ حال کے بارے میں کچھ سوچ رہا تھا اور ایک لمحے کے لیے چیف بہرام کو یہ شُبہ ہُوا کہ ٹائیگر اس کے خیالات پڑھنے میں کامیاب ہو گیا ہے... لیکن اگلے ہی لمحے شہزاد کی بات نے اس احساس کو دُور کر دیا۔

"آپ ہمیشہ کسی نہ کسی اُلجھن کا شکار رہتے ہیں۔" یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ کسی رُوٹھے ہُوئے بچّے کی طرح شکایت کر رہا ہو۔ بہرام کی آنکھوں میں دل کا پانی تیرنے لگا۔ اس نے تھوک نگل کر اپنے خشک ہوتے ہُوئے گلے کو تر کیا اور مائیکروفون میں مُنتار ہا۔ شہزاد کہہ رہا تھا۔ "صرف ایک ہی روند کی تو بات ہے۔ میرا خیال ہے، اس ایک دن میں کوئی خاص فرق نہیں پڑے گا۔"

"تم حُکم عدولی کر رہے ہو۔" بہرام نے سخت لہجے میں کہا۔

"اس کے لیے آپ مجھے بڑے شوق سے قتل کر سکتے ہیں۔" شہزاد نے قہقہہ لگا کر جواب دیا اور اس کے ساتھ ہی سلسلہ بھی منقطع ہو گیا۔

بہرام نے تھکے تھکے سے انداز میں ریسیور رکھ دیا۔ شہزاد کے اس آخری جُملے کو سُن کر اسے یوں محسوس ہُوا تھا جیسے کسی نے دل پر گھونسہ مار دیا ہو۔ دیر تک یہ جُملہ اس کے کانوں میں گُونجتا رہا... پھر اس نے اُداسی سے اُس مہلک ٹکیہ کی طرف دیکھا اور اُسے دوبارہ شیشی میں ڈال کر دراز میں رکھ لیا۔ ٹائیگر اس کے خوابوں کی تعبیر تھا۔ اُسے تباہ کرتے ہُوئے اُسے گہرا صدمہ ہو رہا تھا لیکن وہ مجبور تھا۔ یہ محبت اس کے فرض کی راہ میں حائل نہیں ہو سکتی تھی۔ اس نے سرجھٹک کر خود کو اگلے مرحلے کے لیے تیار کیا اور فون کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہُوئے بڑبڑایا... "تم نے اپنے قتل کی اجازت مذاق میں دی ہے... لیکن شہزاد، میں اسے سنجیدگی سے قبول کر رہا ہُوں..." اس نے ایک نمبر ڈائل کیا اور

فلکرافٹ کی تباہ کُن شخصیت بروئی سے رابطہ قائم کر کے جھنجلائی ہُوئی آواز میں بولا: شہزاد ٹائیگر کو قتل کر دیا جائے۔"

دوسری طرف سے بروئی حیرت زدہ آواز میں چیخ پڑا... لیکن چیف بہرام اس کی کوئی بات سُنے بغیر ہی سلسلہ منقطع کر چکا تھا۔

☆☆

بروئی نے اعشاریہ تین پانچ سات کا ریوالور اپنے بریف کیس میں رکھا تو اس کا دل شدت سے دھڑک رہا تھا۔ اس پُراسرار سرکاری تنظیم سے وابستہ ہُوئے اسے کئی سال گزر گئے تھے اور اس نے ان گنت خون بہائے تھے۔ اُسے صرف فون پر مقتول کا نام اور پتہ بتا دیا جاتا تھا اور یہ حکم دیا جاتا کہ اس شخص کو قتل کر دیا جائے۔ کبھی اس نے یہ پُوچھنے کی کوشش نہیں کی تھی کہ اس شخص کو کیوں قتل کرایا جا رہا ہے اور نہ ہی چیف سے کبھی اُسے بتانے کی ضرورت ہی سمجھی تھی۔ اس کا کام صرف حکم کی تعمیل تھا... لیکن اس بار چیف بہرام نے اسے جس شخص کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا، اس کے بارے میں تو بروئی نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔ پہلے تو اسے اپنی سماعت پر یقین نہیں آیا... پھر اسے یقین ہو گیا کہ بہرام کا ذہنی توازن بگڑ گیا ہے۔ چوبیس گھنٹے کام کرنے والوں کے ساتھ بالآخر ایسا ہی ہوتا ہے لیکن اُسے ہر حال میں حکم کی تعمیل کرنی تھی اور شہزاد ٹائیگر کو قتل کرنا تھا۔

باہر جانے کے لیے تیار ہونے سے پہلے بارہا اس کی نگاہ ٹیلی فون کی طرف اُٹھی لیکن فون یوں خاموش ہو گیا تھا جیسے اس کی جان ہی نکال لی گئی ہو۔ اس نے بالآخر خود ہی رسیور اُٹھا لیا اور ایک نمبر ڈائل کیا: "آپریشن سیکرٹ...؟" اس نے مخصوص لہجے میں کہا: "فوراً اُوگی ٹاؤن پہنچو... ٹائیگر کے لیے حکم دیا گیا ہے۔"

"حکم دینے والے کا دماغ خراب ہو گیا ہے یا تم گھاس چر گئے ہو؟"

"یہ چیف کا حکم ہے۔ پلان نمبر ایک عمل میں لایا جائے گا۔" یہ کہہ کر بروئی نے رسیور رکھ دیا تو اسے محسوس ہُوا کہ اس کی ہتھیلی پسینے سے بھیگ گئی ہے اور ہاتھ میں ہلکی سی کپکپاہٹ بھی ہے۔ اس کی آنکھوں میں بار بار شہزاد ٹائیگر کا چہرہ گھوم جاتا تھا۔ وہ آپس میں چند بار مِل چکے تھے اور بروئی دل سے اُسے چاہتا تھا۔

اُوگی ٹاؤن کے جس ہوٹل میں شہزاد، اُوشان اور منسر لامو کا قیام تھا، اس کے بارے میں بروئی کو تفصیلات فراہم کر دی گئی تھیں اور پلان نمبر ایک کے تحت اسے سب سے آخری کوشش کرنی تھی۔ اس سے پہلے تین خاص قاتلوں نے شہزاد کو ٹھکانے لگانے کا کام کرنا تھا۔ ان کی ناکامی کی صورت میں بروئی کو پنار یوالور استعمال کرنا تھا۔ منصوبے کی تفصیل پڑھتے ہُوئے بار بار اُسے اپنے اعشاریہ تین پانچ سلت کے ریوالور کا خیال آتا رہا۔ اسے یقین تھا کہ ٹائیگر جیسی شخصیت کو اس ریوالور سے ٹھکانے نہیں لگایا جا سکتا۔ جس کا صاف مطلب تھا کہ خود اُسے شہزاد کے ہاتھوں مرنا ہے... اس احساس نے اُسے پُرسکون کر دیا کہ وہ ٹائیگر کو قتل کرنے کی بجائے اس کے ہاتھوں مرنے جا رہا ہے۔

فلکرافٹ سے اس کی کار جیسے جیسے دُور ہوتی جا رہی تھی اس کی دھڑکنوں میں شدت پیدا ہوتی چلی گئی... حتیٰ کہ وہ اُوگی ٹاؤن جا پہنچا جہاں اُسے چیف ٹرانسمیٹر پر یہ اطلاع ملی کہ اس کے تین خاص ماتحتوں میں سے ایک شہزاد کے ہاتھوں ہلاک ہو چکا ہے۔ اس نے ایک ہوٹل کے ٹائلٹ میں شہزاد کو قتل کرنے کی کوشش کی تھی لیکن ناکامی کی وجہ سے خود اُسے ہڈیوں اور گوشت کا ڈھیر بن جانا پڑا تھا۔

شام تک دوسرے خاص ماتحت کی موت کا بھی علم ہو گیا۔

اس نے کمرے میں گھس کر ٹائیگر کو قتل کرنے کی ناکام کوشش کی تھی۔ وہ ویٹر کی وردی میں اندر داخل ہُوا تھا... اور ناکامی کے بعد اس کا جسم دسویں منزل کی کھڑکی سے فٹ پاتھ پر گر کر پلاسٹک کے کسی کھلونے کی طرح ٹوٹ پھوٹ گیا تھا۔

رات بھر وہ بے چین رہا۔ اُسے یہ اطلاع مِل چکی تھی کہ شہزاد منسر لامو اور اُوشان کے ساتھ اگلے روز اُوگی لینڈ کی مشہور و معروف کراٹے کلب کی سیر کے لیے جا رہا ہے۔ اس نے فیصلہ کیا کہ اگر رات میں تیسرا خاص ماتحت بھی کام آ گیا تو وہ کراٹے کلب کے باہر شہزاد کا استقبال کرے گا۔

صبح چار بجے تیسرے خاص آدمی کے بارے میں بھی اُسے اطلاع مِل گئی۔

اطلاع دینے والا یقیناً فلکرافٹ کا کوئی مخبر ہی تھا۔ اس نے بروئی کو بتایا کہ تیسرا خاص ماتحت ایک کمرے میں روئی مُردہ پڑا ہے کہ اس کے پیٹ میں ایک بڑا سا شگاف ہے جس سے اس کا اندرونی جسم جھلک رہا ہے۔ وہ وہاں ایک مسافر کی حیثیت سے مقیم تھا۔ اسے شہزاد نے کس طرح ہلاک کیا اور اس کے بارے

میں اُسے کیسے پتہ چلا اس سلسلے میں مخبر کچھ بتانے سے معذور تھا۔

بروئی نے ایک طویل سانس لی اور سر کو بُری طرح تکیے پر پٹخنے لگا۔

☆☆

شہزاد بے حد پریشان تھا۔ ایک ہی روز میں اس کے ہاتھوں تین ایسے آدمی ہلاک ہو گئے تھے جنہیں اس نے صرف اپنے دفاع میں قتل کیا تھا۔ اُسے حیرت تھی کہ اچانک ہی فلکرافٹ کے مخصوص قاتلوں کو اس سے کیا دُشمنی ہو گئی ہے۔ اگر چیف بہرام اسے جنرل لامو کا سُراغ لگانے سے روکنا چاہتا ہے تو وہ اُسے براہِ راست بھی روک سکتا تھا... لیکن اُسے اس مشن پر بھیجنے کی ضرورت ہی کیا تھی؟

وہ کار سے اُترا تو اس کے ذہن میں خطرے کی گھنٹی بجنے لگی تھی۔

اس نے اِدھر اُدھر دیکھا۔

وہ آدمی اس کی نگاہ سے پوشیدہ نہ رہ سکا جو کراٹے کلب کے باہر ایک درخت سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ یہ بروئی تھا۔ بروئی سے نگاہیں چار ہوئیں تو وہ مسکرا دیا۔ شہزاد کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ آ گئی۔

بروئی آہستہ آہستہ چلتا ہُوا اس کے قریب آ گیا۔

"ہیلو بروئی، کیا حال ہے؟" شہزاد نے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھاتے ہُوئے کہا: "یہ بتاؤ کہ تم کس انداز میں مرنا پسند کرو گے؟"

"کسی طریقے سے بھی نہیں۔" بروئی نے کہا۔ شہزاد کے ہاتھ میں اس کا ہاتھ کانپ رہا تھا۔ شہزاد نے اس کا ہاتھ نرمی سے تھام رکھا تھا لیکن بروئی جانتا تھا کہ اگر شہزاد چاہے تو اس کا ہاتھ محسوس ہونے سے پہلے ہی جسم سے الگ بھی ہو سکتا ہے۔

"پھر بتاؤ تمہیں کس نے میرے پیچھے لگا رکھا ہے؟"

جواباً بروئی نے کسی سیاہ فام کا نام لیا اور ایک فرضی کہانی سُنا دی۔ اس کے باوجود میں یہی سمجھوں گا کہ یہ اوپر سے آیا ہُوا حکم ہے۔"

شہزاد نے کچھ نہ سمجھنے کے انداز میں سر ہلا دیا اور اس کے ساتھ ہی اس نے ایک طویل سانس لے کر بروئی کا ہاتھ بھی چھوڑ دیا: "ٹھیک ہے، دوست! تم جا سکتے ہو۔"

"کیا تم مجھے...؟"

"نہیں۔ اب اگر تم چاہو تو بے شک مجھے گولی مار دو۔ میں مدافعت نہیں کروں گا۔" شہزاد کی آواز بھرا گئی۔ "میں اپنے تمام ساتھیوں کو صرف اپنی زندگی کے لیے موت سے ہمکنار نہیں کر سکتا۔"

"لیکن میں نے خود کو ایک مُردہ آدمی تصور کر لیا ہے۔"

"وہ تمہارا ذاتی فعل ہے۔" شہزاد نے بے پروائی سے کہا اور اُوشان کی طرف بڑھ گیا جو منسر لامو کے ساتھ کھڑا اس کا انتظار کر رہا تھا۔

"ٹھیک ہے میں اپنا فیصلہ خود ہی کر لوں گا۔" عقب سے بروئی کی رُندھی ہُوئی آواز آئی اور پھر شہزاد کے حساس کانوں نے اس کے دُور ہوتے ہُوئے قدموں کی آہٹ سُنی... لیکن اس نے پلٹ کر نہیں دیکھا۔

اس صُورتِ حال نے اُس کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ہی ختم کر دی تھی۔ اُوشان نے غالباً اس کے چہرے پر چھائی ہُوئی اُداسی محسوس کر لی تھی۔ اس نے دھیمی آواز میں پُوچھا: "یہ شخص کون تھا؟"

"مجھے قتل کرنے آیا تھا۔" شہزاد نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے انکشاف کر دیا اور اس کے ساتھ ہی اُس کے ذہن میں ایک جھماکا سا ہُوا۔ اُس کے ذہن میں اپنے چیف کے الفاظ بار بار گونج رہے تھے۔

"اُوشان کو واپس فلکرافٹ بھیج دو۔" شہزاد نے کن انکھیوں سے اُوشان کی طرف دیکھا جو گہری سوچ میں ڈُوبا ہُوا نظر آتا تھا۔ یہ محض اتفاق ہی تھا کہ بہرام سے بات کرنے کے بعد وہ اُوشان سے یہ کہنا بھول گیا تھا کہ اُسے فلکرافٹ طلب کیا گیا ہے۔

رفتہ رفتہ شہزاد کی سوچوں پر غم و غصہ چھا گیا۔

وہ سوچ رہا تھا کہ اب کوئی بھی اس کے نزدیک قابلِ اعتماد نہیں رہا۔ اس خیال کے ساتھ ہی یہ بات اس کی سوچوں کو گڑبڑانے لگی کہ اُسے جنرل لامو کو آخر تلاش کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ اُسے خود اپنے بچاؤ کے لیے کچھ نہ کچھ کرنا چاہیے۔ نہیں... اس نے خود کو سمجھایا۔ اس کام کو تو انجام تک پہنچا دُوں۔ اس کے بعد دیکھوں گا کہ کیا کیا جا سکتا ہے۔

"تم نے اسے جانے کیوں دیا؟" اُوشان نے تیکھے لہجے میں پُوچھا۔

"بعض رشتے ایسے ہوتے ہیں جن کا خیال کرنا ہی پڑتا ہے۔"

"اوہ... کتنی شاندار عادت ہے۔" منسر لامو کی چہکار سنائی دی۔

شہزاد نے کوئی وضاحت میں سر ہلا دیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ جو صُورتِ حال اچانک ہی پیدا ہو گئی ہے اس پر کون یقین کر سکتا ہے... اُوشان کو بہرحال کوئی خطرہ نہیں تھا کیونکہ اب تک جتنے بھی قاتلانہ حملے ہوئے تھے، وہ سب کے سب اُسی پر ہوئے تھے اور کسی نے اُوشان کی طرف نگاہ اُٹھا کر دیکھنے کی بھی ضرورت نہیں سمجھی تھی۔

اس نے کن انکھیوں سے اُوشان کی طرف دیکھا۔

صرف یہی ایک شخص مجھ پر غالب آ سکتا ہے۔ اس نے سوچا لیکن کیا یہ بُوڑھا استاد اپنے شاہکار کو یُوں آسانی سے ضائع کرنے پر آمادہ

ہو جائے گا؟ اور کیا وہ خود اپنے ہی استاد پر قاتلانہ ہاتھ اٹھا سکے گا؟
اس نے اُوشان کی زرد زرد گردن کی طرف دیکھا۔ بے اختیار ایک باغیانہ خیال اس کے ذہن میں پیدا ہُوا کہ اس گردن پر اُوشان کی بے خبری میں ایک ہی ہاتھ رسید کر دینا کافی ہوگا۔ اُس نے اس خواہش کو سختی سے کچل دیا ورنہ اس کا جی تو چاہا تھا کہ زرد گردن پر ایک وار کر کے اُلٹے قدموں بھاگ جائے... لیکن آخر کب تک... اور کہاں تک؟ میں زندگی بھر تو نہیں بھاگ سکتا۔ اس نے خود کو سمجھایا۔

اُوشان نے کن انکھیوں سے اس کی طرف دیکھا اور مُسکرانے لگا۔ "مجھ پر غصہ آ رہا ہے فرزند...؟" اس کی آواز میں نہ جانے کیا جادو تھا کہ شہزاد کا دل فوراً ہی پگھل گیا... لیکن اس نے پگھلتے ہوئے دل کا بہاؤ اپنی آنکھوں کی طرف نہیں ہونے دیا۔

زمینطے کرنے کے بعد مسز لامو رک گئی۔

"ماشل آرٹس کا مظاہرہ میں نے اب تک صرف فلموں ہی میں دیکھا ہے۔" اس نے سُریلی آواز میں کہا۔ "کیا ہمیں یہاں کچھ دیکھنے کو بھی ملے گا؟"

"ہاں... میں محسوس کر رہا ہوں کہ تمہیں بہت کچھ دیکھنے کو ملے گا۔" شہزاد نے مسکرا کر کہا۔ اس نے خود پر پوری طرح قابو پا لیا تھا۔ اب وہ ہر قسم کے حالات سے نمٹنے کے لیے ذہنی اور جسمانی دونوں ہی طرح سے تیار تھا۔

اُوشان مخصوص انداز میں ہی... ہی... ہی کر کے ہنسنے لگا۔

مسز لامو نے اس کی طرف دیکھ کر بُرا سا منہ بنایا اور دروازہ کھول کر اندر چلی گئی۔ شہزاد اور اُوشان بھی اس کے پیچھے ہی دروازے میں داخل ہو گئے۔

یہ ایک لمبا چوڑا کمرہ تھا۔ جس کی چھت بہت نیچی تھی۔ فرش، دیواریں اور چھت سُرخ سفید تھی۔ کمرے کے ایک کونے میں میز اور کرسی نظر آئی۔ شہزاد نے اُدھر دیکھا تو اُسے ایک نوجوان نظر آیا۔ وہ ایک پُرکشش نوجوان تھا۔ اس کا سر بالوں سے بے نیاز تھا اور اس نے کراٹے کے عنصوص کپڑے پہن رکھے تھے لیکن شہزاد کی دلچسپی کا باعث صرف وہ سُرخ بیلٹ تھی۔ جسے وہ نوجوان کی کمر پر بندھے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

نوجوان کا چہرہ بے حد پُرسکون تھا۔

اس کی آنکھوں میں بھی سکون تھا۔ شہزاد نے محسوس کیا کہ نوجوان کے انداز سے جو سکون ظاہر ہو رہا ہے وہ برسوں کی محنت کے بعد ہی کسی کو حاصل ہو سکتا ہے۔ مسز لامو تیزی سے اس نوجوان کے قریب جا پہنچی تھی اور اس سے باتیں کرنے میں مصروف ہو گئی تھی۔ شہزاد اور اُوشان دروازے سے چند قدم آگے ہی آ کر رُک گئے تھے۔ مسز لامو کی پُشت اُن کی طرف تھی اور وہ سرگوشیوں میں سُرخ بیلٹ والے نوجوان سے نہ جانے کن باتوں میں اُلجھ گئی تھی۔

"اس وقت صرف آٹھ سُرخ بیلٹ ہیں۔" اُوشان نے سرگوشی کی۔ "اور یہ ان سب میں اچھا ہے۔"

"لیکن اس کی عمر بیس سال سے زیادہ نہیں لگتی۔" شہزاد بڑبڑایا۔

"یہ چالیس کے لگ بھگ ہے۔" اُوشان نے سرگوشی ہی میں بات جاری رکھی۔ "اگر موقع ملا تو تمہیں اس سے دو دو ہاتھ کر کے کُلف آ جائے گا۔ بشرطیکہ تم اس سے کُلف اندوز ہونے کے مُوڈ میں ہُوئے اور اگر اس کا باپ بھی آ گیا تو بس مزا ہی آ جائے گا۔"

"خطرناک ہے؟" شہزاد نے پُوچھا۔

"تم ایک گستاخ نوجوان ہو۔" اُوشان کی سرگوشی کسی سانپ کی پھنکار جیسی تھی۔ "میں پُوچھتا ہُوں، تمہیں ایسا سوچنے کی جرأت کیسے ہُوئی؟ میں نے اتنے سال تمہارے ساتھ کیا اسی لیے جھک ماری تھی کہ تم کسی سُرخ بیلٹ والے فائٹر کو سامنے دیکھ کر گھبرا جاؤ؟ میں نے اپنی زندگی کا سب سے قیمتی سرمایہ تمہیں منتقل کیا ہے لڑکے!"

شہزاد کی پیشانی پر پسینے کی بوندیں نمودار ہو گئیں۔

"گستاخ لڑکے! تم نے میدان میں میری توہین کر دی۔ شاید تم بھول گئے کہ کراٹے محض ایک قومی فن ہے جبکہ میں نے تمہیں فن کا دائرہ مکمل کرایا ہے۔ مفروضوں کی کرسی پر بیٹھا ہُوا شخص بھی کراٹے سیکھ سکتا ہے۔ ہم جس فنی دائرے کی تکمیل کر چکے ہیں، اس کی صرف ایک معمولی سی قوس کا نام کراٹے ہے۔"

"مجھے افسوس ہے اُوشان۔" شہزاد نے جلدی سے جواب دیا اور معذرت کرنے کے بعد مسز لامو کی طرف متوجہ ہو گیا جس کی سرگوشیاں ختم ہو گئی تھیں۔ سُرخ بیلٹ والا نوجوان دُور ہی سے ان دونوں کی طرف دیکھ رہا تھا لیکن پانچ قدم کے فاصلے پر اُسے ٹھٹک جانا پڑا۔ شہزاد نے محسوس کیا کہ اس کے چہرے کی سُرخ رنگت یکایک زرد پڑنے لگی ہے۔ وہ اُوشان کو پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔

"نہیں..." اس نے زیرِ لب کہا۔ "نہیں..."

"کوٹو..." اُوشان نے مسکرا کر کہا۔ "مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہُوئی کہ تم نے ریڈ بیلٹ حاصل کر لی ہے۔ یقیناً مختار اب تم پر بے حد نازاں ہو گا۔ میرے دل میں تمہاری اور تمہارے باپ کی کافی عزت ہے۔" یہ کہتے ہُوئے اُوشان تعظیماً جھک کر سیدھا ہو گیا۔

کوٹو کی آنکھیں ابھی تک حیرت اور خوف سے پھٹی پھٹی سی تھیں... لیکن بجائے ہی وہ تعظیماً جھکتا اور پرنام کر کے احترام میں کامیاب ہو گیا وہ تعظیماً جھکا اور پرنام کرتا رہا... پھر وہ تیزی سے پیچھے ہٹتا

تو مسز لامو سے ٹکرا گیا جو اس کی طرف بڑھ رہی تھی۔

اُسی لمحے پہلو کا ایک دروازہ دھماکے سے کھل گیا۔

آٹھ سیاہ فام اندر آئے۔ وہ ایک قطار میں اندر آئے تھے۔ ان کے جسموں پر کراٹے کا مخصوص لباس تھا اور شہزاد نے دیکھا کہ ان میں سے ہر ایک بلیک بیلٹ ہے۔ ان پر نگاہ پڑتے ہی ریڈ بیلٹ والا کوٹو چیخ پڑا۔ "واپس جاؤ! واپس چلے جاؤ... واپس جاؤ!"

... لیکن کہنے والے آٹھوں آدمیوں نے اس کی آواز جیسے سُنی ہی نہیں۔ وہ مسلسل بڑھتے رہے حتیٰ کہ انہوں نے شہزاد اور اُوشان کو گھیرے میں لے لیا۔

"کوئی بات نہیں، برخوردار کوٹو۔" اُوشان نے مُسکرا کر کہا۔ "میں ایک معصوم تماشائی ہوں۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ کسی معاملے میں مداخلت نہیں کروں گا۔"

کوٹو نے حیرت اور بے یقینی سے اُوشان کی طرف دیکھا۔

اُوشان نے نرمی سے مُسکراتے ہُوئے اثبات میں سر ہلا کر اسے مزید اطمینان دلا دیا۔ تب شہزاد نے دیکھا کہ سُرخ بیلٹ والے کوٹو کے چہرے پر دوبارہ سکون نظر آنے لگا ہے۔ اس نے ایک بار پھر جُھک کر کورنش بجا لاتے ہُوئے اُوشان کا شکریہ ادا کیا۔

"میں جانتا ہُوں کہ معزز اُوشان اپنے وعدے سے پہلو تہی کرنے والا آدمی نہیں ہے۔" کوٹو نے کہا اور شہزاد کی طرف متوجہ ہو گیا۔

آٹھ بلیک بیلٹ اور ایک سُرخ بیلٹ والے حریفوں میں گھرا ہُوا شہزاد ٹھٹکا۔ کن انکھیوں سے مسز لامو کی طرف دیکھ رہا تھا جس کے ہونٹوں پر بڑی پُراسرار اور فاتحانہ مسکراہٹ تھی۔

اُسی لمحے نسوانی چھت والا وہ سفید کمرہ کھنکھناتی ہُوئی تیز آوازوں سے گونج اُٹھا۔

***

یہ خوفناک قہقہوں کی آوازیں تھیں۔

بیک وقت آٹھ آدمی ہنس پڑے تھے۔ ان کے قہقہوں میں درندگی تھی اور انداز بے حد مضحکہ اُڑانے والا تھا۔ معلوم نہیں وہ کس بات پر ہنسے تھے۔ اُوشان کی اس بات پر کہ وہ مداخلت نہیں کرے گا یا اپنے لیڈر کوٹو کی بات پر کہ اسے اُوشان کے وعدے پر اعتبار ہے۔

"خاموش!" کوٹو حلق کے بل چیخ پڑا۔

قہقہے اچانک تھم گئے۔

"کوئی گستاخی نہیں۔" کوٹو نے تنبیہ کی۔ "سب سے پہلے تعظیماً جُھک جاؤ۔"

آٹھوں بلیک بیلٹ حیرت سے کوٹو کی طرف دیکھنے لگے۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے انہیں کوٹو کی دماغی حالت پر شُبہ ہو گیا ہو... لیکن جب انہوں نے کوٹو کے چہرے پر سختی دیکھی، تو سب ہی جُھک کر سیدھے ہو گئے۔

"ہمیں صرف اس فرد ہی سے مطلب ہے۔" بلیک بیلٹ والے ایک سیاہ فام نے جارحانہ انداز میں شہزاد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "ہم کسی ایسے شخص سے لڑنا نہیں چاہتے جو پہلے ہی قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھا ہُوا ہے۔"

"اگر تمہارا شاہ میری طرف ہے تو کہہ دیجیے۔" اُوشان نے تضحیک آمیز لہجے میں کہا۔ "تو میں آج سے نہیں، پچیس سال سے قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھا ہُوں۔"

"یہ نابینا ہے، اسے معاف کر دیجیے۔" کوٹو نے جلدی سے کہا۔

"کوئی بات نہیں۔ میں ایسے دشمنوں کی باتوں کا ویسے بھی بُرا نہیں مانتا، جن کا رنگ سیاہ ہو۔" اُوشان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ برقرار تھی۔

شہزاد اب تک خاموش کھڑا تھا۔ اس کے انداز سے یہی ظاہر ہو رہا تھا جیسے وہ کھڑے کھڑے پتھر کا ہو گیا ہو۔ اس نے اپنے ہونٹوں کو اتنی سختی سے بھینچ رکھا تھا کہ ہونٹوں کی بجائے ایک پتلی سی لکیر ہی نظر آ رہی تھی۔

جس سیاہ فام نے شہزاد سے اپنی دشمنی کا اعلان کیا تھا، وہ جسمانی اعتبار سے بے حد مضبوط نظر آ رہا تھا۔ شہزاد نے اندازہ لگایا کہ اس کا وزن کسی طرح بھی دو سو پینتالیس پاؤنڈ سے کم نہیں ہو گا۔ اس کے چہرے کی ساخت ایسی تھی جیسے وہ آبنوس کا تراشا ہُوا کوئی چہرہ ہو۔ وہ شہزاد کی طرف دیکھ کر بڑے تضحیک آمیز انداز میں مُسکرا رہا تھا۔

شہزاد نے اپنے اس حریف کو تکنا ہوں ہی لگا ہوں میں تولنے کے بعد ایک بار پھر مسز لامو پر نگاہ گاڑ دی۔ وہ محسوس کر رہا تھا کہ موجودہ صورتِ حال نے مسز لامو کو بے حد ہیجانی کیفیت میں مُبتلا کر رکھا ہے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ مسز لامو ہی اس صورتِ حال کی ذمے دار ہے یا دُشمن نے ان لوگوں سے پہلے ہی رابطہ قائم کر رکھا تھا؟ وہ جنرل لامو کی بیوی تھی لیکن اس نے شہزاد کی آغوش میں بھی غفلت کے لمحے گزارے تھے۔ اس نے ذاتی تحفظ کا اظہار کیا تھا... لیکن اب وہ اُسے موت کے اکھاڑے میں لے کر اُتر آئی تھی۔

"ماسٹر..." کوٹو نے اُوشان کی طرف دیکھتے ہُوئے ایک بار پھر پوچھا۔ "کیا یہ دُرست ہے کہ آپ اس معاملے میں مداخلت نہیں

کریں گے؟"

"ہاں... میں خاموش تماشائی کی حیثیت سے دیکھوں گا کہ اکٹھا نو آدمی ایک تنہا شخص پر حملہ کر کے اسے موت کے گھاٹ اتارنے کی کوشش کریں گے۔ میں ان لوگوں کے انداز سے محسوس کر چکا ہوں کہ یہ اس تنہا نوجوان کے خون کے پیاسے ہو رہے ہیں۔" یہ سب کہنے کے بعد اُدشان نے اپنی لرزتی ہوئی، ہلکی مسنر لامو کی طرف اُٹھا دی۔ "اور تم... بے وفا عورت! تم اس نوجوان کو اپنے حسن کے جال میں پھانس کر موت کے بھٹ میں لے آئی ہو۔ تمھارے لیے یہ شرم سے ڈوب مرنے کا مقام ہے۔"

"بڑے میاں!" ایک سیاہ فام نے اپنے بازوؤں کی مچھلیاں پھڑکاتے ہوئے کہا۔ "یہ نوجوان ہمارا دشمن ہے اس لیے اس کی زیادہ طرف داری نہ کرو۔"

شہزاد کے ہونٹوں پر دھیمی سی مسکراہٹ اُبھر آئی۔

وہ اپنے آپ کو ہر طرح سے تیار کر چکا تھا۔

اُدشان نے اس کے انداز میں جو ہچکچاہٹ محسوس کی تھی غالباً اسی کی وجہ سے اُس نے ان بلیک بیلٹ سیاہ فاموں کو باتوں میں اُلجھانے کی کوشش کی تھی اس سے شہزاد کو بہر حال فائدہ پہنچا... دراصل وہ جس صورتِ حال سے دوچار تھا، اس کی کبھی توقع نہیں ہو سکتی تھی۔ چیف بہرام کے حکم کا اُسے اندازہ تھا اور اس کے بعد اکٹھ بلیک بیلٹ اور ایک ریڈ بیلٹ جیسے حریفوں کے نرغے میں ذہنی طور پر انتشار کا شکار ہو جانا لازمی تھا۔

شہزاد نے محسوس کیا کہ اُدشان نے جو ڈرامائی حالت پیدا... کرنے کی کوشش کی تھی، اس سے آٹھوں سیاہ فام قطعاً متاثر نہیں ہوئے تھے۔ اس نے اُدشان کو پہلے بھی کام کیتے دیکھا تھا لیکن یہاں تو وہ محض تماشائی بن جانا چاہتا تھا۔

"چلو... آگے بڑھو۔" ریڈ نے کہا۔ "ورنہ ہمیں آگے بڑھنا پڑے گا۔"

وہ براہِ راست شہزاد سے مخاطب تھا۔

"ایک منٹ ٹھہرو۔" اُدشان نے ہاتھ اُٹھا کر اسے دعا کی۔ "میں اس بے چارے نوجوان کو جانتا ہوں جو تم لوگوں کے ہاتھوں بس مرنے ہی والا ہے۔ میری خواہش ہے کہ اس کی موت سے پہلے ایک بار اسے خدا حافظ کہہ دوں۔"

"اس بوڑھے کو حرکت کرنے کی اجازت نہ دینا۔" آبنوسی چہرے والے نے خوفناک لہجے میں کہا۔ "ورنہ یہ اس نوجوان کو ریوالور یا کوئی دوسرا ہتھیار تھما دے گا۔"

"میرے پاس کوئی ہتھیار نہیں ہے میں ایک امن پسند آدمی ہوں۔ آویزش کی چٹانی سرزمین پر پڑا ہوا ایک گل شکستہ ہوں جس سے تمھیں کوئی خطرہ لاحق نہیں ہو سکتا۔" اُدشان نے نہایت انکسار سے کہا۔

"یہ بوڑھا کیا بک رہا ہے؟" آبنوسی چہرے والا غرایا۔

"اس کے پاس کوئی ہتھیار نہیں ہے۔" ریڈ بیلٹ والے نے وضاحت کی۔

"ٹھیک ہے۔" آبنوسی چہرے والا بولا۔ "جلدی کرو۔"

شہزاد نے دیکھا کہ اُس نے دونوں بازو چھت کی طرف اُٹھا لیے ہیں۔ اس کی تقلید میں باقیوں نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔ اُنھوں نے آنکھیں بند کر لیں اور ان کے لب بڑبڑاہٹوں کی وجہ سے حرکت کرنے لگے۔ شاید وہ زیرِ لب دُعا کر رہے تھے۔ شہزاد نے اُدشان کی طرف دیکھا اور بے پروائی کے اظہار میں کندھے اُچکا دیے۔

اُدشان نے قریب پہنچ کر شہزاد کو اپنی طرف جھکنے کا اشارہ کیا۔

"تم نہیں جانتے کہ یہ سب کتنا اہم ہے۔" اس نے آنکھ کے اشارے سے ان لوگوں کی طرف توجہ دلائی جو آنکھیں بند کیے اور ہاتھ اُٹھائے نہ جانے زیرِ لب کیا کہہ رہے تھے۔ "میں کویٹو کے باپ کو ذاتی طور پر جانتا ہوں۔ تم میں کچھ بُری عادتیں ہیں، فرزند جن سے وقار مجروح ہوتا ہے۔ جب تم ہیجان میں مبتلا ہو جاتے ہو تو یہ بُری عادتیں نمودار ہو جاتی ہیں۔ میں نے ان کی محض اس لیے اصلاح نہیں کی تھی کہ وقت کے ساتھ ساتھ تم خود ہی ان پر قابو پا لو گے۔ پوری توانائی سے حملہ کرنے کی کوشش نہ کرنا۔ ہیجانی حالت میں تم ایسا ہی کرتے ہو۔ یہ نقصان دہ ہونے کے علاوہ وقار کے بھی منافی ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ کویٹو کے باپ کو اس بات کا پتہ چلے کہ تم میں وقار کی کمی ہے۔ یہ وقار کی کمی میرے لیے ایک دھبہ ثابت ہوگی اور آیندہ چل کر تمھارے لیے مہلک بن جائے گی۔"

"اُدشان... یہ لوگ دُعا مانگ رہے ہیں، میں کیا کروں؟"

"یہ سکون ڈھونڈنے کا ایک طریقہ ہے۔ تمھارے پاس بھی کوئی نہ کوئی اپنا طریقہ ضرور ہوگا۔" اُدشان نے سرگوشی کی۔

"ہاں... میں ایک ایسی عورت کا تصور کر سکتا ہوں جس کے چہرے پر غرور کے بجائے سے ان گنت تلِ نہیں ہوتے۔" شہزاد نے کہا۔ "ایسی عورت کی مثال اُس رات جیسی ہے جب ستارے نہیں نکلے..."

"مجھے خوشی ہے کہ تم موت کے جبڑوں میں بیٹھ کر بھی شگفتہ مزاجی کا دامن تھامے ہوئے ہو۔" اُدشان نے کہا۔ "لیکن فرزند، وقت

نے نزدیک بے حد اہم ہے۔ ممکن ہے تم میں فخر کا جذبہ نہ ہو... میں فخر کے جذبے سے مالا مال ہوں۔ اس لیے میں نہیں چاہتا کہ ی حماقت سے میرے اس ناز کو پامال کرو۔ مجھے اس ریڈ بیلٹ والے باپ کے سامنے نادم نہ ہونا پڑے۔"

"یہ لوگ خاصے سخت جان لگتے ہیں۔" شہزاد بڑبڑایا۔

جواباً اُدشان نے اس کا کندھا تھپ تھپا دیا۔

"گھبرانے کی ضرورت نہیں، اُدشان۔" شہزاد نے سرگوشی کی۔ پہلے بھی ایک بار مر چکا ہوں، اس لیے موت سے مجھے کبھی ڈر نہیں تمھارا وقار مجروح نہیں ہوگا۔"

اُدشان الوداعی انداز میں اس کے سامنے جھکا اور بائیں آنکھ نیچے اس انداز میں انگلی پھیری جیسے، وہ ڈھلکے ہوئے کسی آنسو نچھ رہا ہو... یہ محض ایک دکھاوا تھا۔ بس پر شہزاد کا جی چاہا کہ کھلا کر ہنس پڑے۔ اُدشان پیچھے ہٹتا گیا۔

شہزاد کے حریفوں نے اپنی سفید قمیصیں اتار دی تھیں۔

ان کے مضبوط جسم دیکھ کر شہزاد نے کن انکھیوں سے مسز لامو ف دیکھا۔ وہ ہونٹ بھینچے اس انداز میں کھڑی تھی جیسے سانس نے رہی ہو۔ مارے ہیجان کے اُس کا چہرہ سُرخ پڑ گیا تھا نکھیں دہکتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔ وہ دوبارہ اپنے حریفوں کی متوجہ ہوا۔ اجمالی حالت سے وہ سب کے سب ہیوی ویٹ لفٹر رہے تھے۔

شہزاد نے اجازت طلب انداز میں اُدشان کی طرف دیکھا۔

"یہ نوجوان..." اُدشان نے شہزاد کی طرف انگلی سے اشارہ "پچھلے دونوں تک میری شاگردی میں رہا ہے۔"

"اب جو کوئی بھی اس نوجوان سے دُور رہے گا، اسے کوئی ان نہیں پہنچے گا۔" آبنوسی چہرے والے نے کہا۔ یہ گویا اُدشان مزلامو، دونوں ہی کے لیے تنبیہ تھی۔ اس پر اُدشان نے کویٹو کو ب کرتے ہوئے دریافت کیا۔ "میرا خیال ہے، یہ تمام آدمی تمھارے مز کراٹے کلب کے طلبا ہیں؟"

"یہ لوگ زبردستی اندر آ گھسے ہیں۔" کویٹو نے جواب دیا۔

"ناممکن..." دروازے سے ایک مسلح محافظ کی غراہٹ سنائی ں یہاں برسوں سے ہوں، کبھی کسی کو ایسا کرنے کی جرأت نہیں ہوئی۔"

"بہت بہت شکریہ!" اُدشان نے ہانک لگائی۔ "بہر حال، کویٹو۔ کھ لیں گے کہ تمھارے آباؤ اجداد نے ان لوگوں کو کیا کچھ سکھایا ہے۔"

شہزاد نے کویٹو کے حلق سے ایک کراہ سی نکلتی سُنی۔

"اس معاملے میں آباؤ اجداد کو گھسیٹنے کی کیا ضرورت ہے۔" کویٹو نے کہا۔

"فکر نہ کرو۔" آبنوسی چہرے والے نے خوفناک لہجے میں کہا۔ "ہم تمھارے وقار کو ٹھیس نہیں لگنے دیں گے۔ ہماری سیاہ قوت بھی پُروقار ہے۔"

"تمھاری سیاہ قوت کو محسوس کر کے میرا بوڑھا دل کانپ رہا ہے۔" اُدشان نے مزید انکسار سے کہا۔ "اور جہاں تک کویٹو کا دوس کا تعلق ہے تو اس کے باپ ویٹو سے میری پرانی دوستی ہے لہٰذا یہاں کے لیے بھی میرے دل میں بے پناہ احترام ہے۔"

اچانک ایک نعرہ بلند ہوا۔

آٹھوں آبنوسی چہروں والے دانتے میں پھیل گئے۔ موت کا بھیانک کھیل شروع ہونے والا تھا۔ ٹائیگر نے اپنے پاؤں فرش پر لمحے بھر کو پھسلا کر آنکھیں ایسی پوزیشن میں رکھ لیا کہ اس کا پورا جسم ہر سمت میں آسانی سے حرکت کر سکے۔ شہزاد حیران تھا کہ اس موقعے پر اس کا اُستاد اس سے وقار کا تقاضا کر رہا ہے۔ غالباً اس کی وجہ یہ تھی کہ اُدشان کو اپنے شاگرد کا پہلا مقابلہ دیکھنے کا موقع مل رہا تھا اس لیے وہ اپنی ساکھ پر آنچ آتے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ شہزاد اب ان سب سے مقابلہ کرنے کے لیے بالکل تیار تھا۔

شہزاد کی آنکھیں تیزی سے گردش کر رہی تھیں۔

اس نے دائرے کی صورت میں پھیلے ہوئے آٹھ آبنوسی چہروں کو دیکھا اور فوری طور پر لائحہ عمل طے کر لیا۔ اگلے ہی لمحے وہ اُچھل پڑا۔ اس کا پورا جسم بیک وقت چاروں ہاتھوں اور پیروں سے حملہ آور ہوا۔ دائیں سمت میں ایک لمحے کے لیے وہ جھکا نظر آیا لیکن دُوسرے ہی لمحے وہ بائیں جانب جھک گیا تھا۔ دو آبنوسی جسم اس سے دُور ہٹ گئے۔ جبکہ وہ تیزی سے پیچھے ہٹ کر عقبی آدمی پر حملہ آور ہو چکا تھا۔

شہزاد نے بیک وقت تین آدمیوں پر حملہ کیا تھا اور اس کے جسم نے اتنی تیزی سے حرکت کی تھی کہ مسز لامو کے لیے اس پر نگاہ رکھنا مشکل ہو گئی تھی۔ شہزاد نے حملہ ضرور کیا تھا لیکن وہ تینوں ہی اس کے وار بچا گئے تھے۔

اُسی لمحے ایک نفرت سے سُلگتی ہوئی آنکھوں والا شخص دائرے سے نکل کر دو قدم آگے آ گیا۔ شہزاد دراصل یہی چاہتا تھا۔ آگے بڑھنے والے کے بازو، جسم کے سامنے آ پار حالت میں تھے اور اس کی کلائیاں ڈھیلی ڈھالی لگ رہی تھیں۔ وہ جیسے ہی آگے آیا، دائرہ اس انداز میں سمٹا کہ ایک اور سیاہ فام نے آگے بڑھنے والے ساتھی کی جگہ لے لی۔ گویا دائرہ اب مکمل تھا اور ان کا ایک آدمی شہزاد سے

مقابلے کے لیے پہنچ چکا تھا۔ شہزاد نے دیکھا کہ اُس نے "دُمّاکوٹڈی" کا سا انداز اختیار نہیں کیا۔ یہ کراٹے کا ایک مخصوص انداز ہے جس کو حملہ کرنے سے پہلے اختیار کیا جاتا ہے۔ یہ انداز عموماً وہ لوگ استعمال کرتے ہیں جن کے جسم چھوٹے ہوتے ہیں۔ جسیم اور قدآور لوگ چونکہ اس انداز میں مضحکہ خیز لگتے ہیں اس لیے وہ اسے اختیار کرتے ہوئے کچھ اچھا محسوس نہیں کرتے۔

"چلو بچّی... کیا سوچ رہے ہو؟" ریڈ بیلٹ والے لیڈر نے کہا۔

بچّی غالباً اس نوجوان کا نام تھا جو دائرے کے اندر آگیا تھا۔

آواز سُنتے ہی وہ حملہ آور ہُوا۔ اُس نے تیزی سے ایک ٹانگ پھیلائی... پھر شہزاد کی کھوپڑی کی طرف اسٹروک کیا۔ شہزاد کے جسم نے کسی غصیلے ناگ کی طرح بَل کھا کر اُس کا حملہ ناکام بنایا... اور اُسی لمحے شہزاد کی خنجر کی طرح اکڑی ہُوئی اُنگلیاں حملہ آور کے پیٹ میں' ناف سے ذرا نیچے دھنس گئیں اور دُوسرے ہاتھ نے ڈاؤن اسٹروک لگایا جبکہ اُس کا گھٹنا بجلی کی سی تیزی سے چہرے کو تباہ کرنے کے لیے اُٹھا۔ اسی لمحے پیٹ سے ہٹنے والی اُنگلیاں اس شخص کی کنپٹی پر پہنچ گئیں۔

سیاہ فام، بلیک بیلٹ کا جسم یُوں فرش پر گر گیا جیسے کوئی آبنوسی مجسمہ ٹوٹ کر گر جاتا ہے۔ اس کی رُوح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی تھی لیکن اُس کے چہرے پر اب بھی بے یقینی کے تاثرات تھے۔ اس کا حملے کے لیے مُڑا ہُوا بایاں بازو مرتے وقت بھی اسی حالت میں رہا۔

شہزاد نے دائرے میں کھڑے باقی سات افراد کی طرف دیکھا۔ سب کی آنکھیں پھٹی پھٹی سی تھیں۔

چہروں سے یُوں لگ رہا تھا جیسے ان کی سمجھ میں نہ آرہا ہو کہ کیا ہو چکا ہے اور کیوں ہو چکا ہے۔ "اسے قتل کر دو... اسے قتل کر دو۔" اس طویل اور نیچی چیخت والے کمرے میں یہ آوازیں گونج اٹھیں۔ شہزاد نے ایک نظر اپنے اُستاد اُوشان کی طرف دیکھا۔ وہ اپنی کارکردگی کے بارے میں اس کی رائے جاننا چاہتا تھا... اور یہ اُس کی غلطی تھی۔

کسی برق رفتار سانپ کی طرح ایک سیاہ ہاتھ اُس کے چہرے تک پہنچ گیا تھا اور اس سیاہ ہاتھ نے نہ صرف اس کی آنکھوں میں بلکہ اس کے ذہن میں بھی تاریکی اتار دی تھی... لیکن سر کے بَل فرش کی طرف گرتے وقت ایک لمحے کے لیے جیسے ہی اُسے فرش کی سفیدی نظر آئی، شہزاد نے اپنے ڈوبتے ہُوئے ذہن کو تیزی سے سنبھال لیا یا ایک لمحے کی مختلف لمحے موت سے ہمکنار کرنے والی تھی۔

وہ بال بال بچ گیا تھا۔

اس نے دونوں ہاتھ تیزی سے فرش پر جمائے۔ اسی ایک لمحے میں ایک ٹانگ اُس کی ٹانگوں کے درمیان آگئی۔ کہنیوں میں ذرا سا خم پیدا کر کے اس نے اپنا جسم اُچھال دیا... اور اُچھلتے وقت اُس نے دونوں ٹانگوں کو ٹوئسٹ دیا جس سے ٹانگ سے حملہ کرنے والے کا گھٹنا ٹوٹ گیا۔ وہ کوہوں کے بَل گر رہا تھا کہ شہزاد کے بائیں ہاتھ نے اس کی کھوپڑی پر کلہاڑے جیسا وار کیا۔

سیاہ فام کی کھوپڑی کچے ناریل کی طرح پھٹ گئی اور وہ بے آواز گر گیا۔

ایک اور سیاہ فام نے ٹانگ سے شہزاد پر حملہ کیا۔ شہزاد نے نہ صرف اس کی ٹانگ تھام لی بلکہ اُسے اس انداز میں اپنی طرف کھینچ دیا کہ اس کے دونوں ہاتھ سیاہ فام کی ریڑھ کی ہڈی پر چوٹ لگانے میں کامیاب ہو گئے۔

ریڑھ کی ہڈی ٹوٹنے کی آواز پیدا ہُوئی اور لاش شہزاد کے ہاتھوں سے پھسل کر ایک اور شخص پر گری جو عقب سے شہزاد کی گردن پر کھڑی ہتھیلی کا وار کر رہا تھا۔ اس کا ہاتھ اپنے ہی ساتھی کے کندھے پر پڑا اور اس کی کندھے کی ہڈی بھی چٹخ گئی۔ وہ لڑکھڑایا لیکن اس تک شہزاد کی ٹھوکر اس کی رانوں کے درمیان لگ چکی تھی... پھر اس کے پُرشور ہاتھ پڑا اور وہ اپنے ہی ساتھی کی لاش سے لپٹا ہُوا خود لاش بن گیا۔

دونوں لاشیں ایک ساتھ فرش پر گر گئیں۔

اب شہزاد کے سامنے چار حریف باقی تھے۔ ریڈ بیلٹ والا کمانڈر ابھی تک میدان میں نہیں اُترا تھا۔ وہ کچھ فاصلے پر گُوں کھڑا تھا۔ اسے سکتہ ہو گیا ہو۔

شہزاد نے اپنے چاروں حریفوں کو بغور دیکھا۔ ان میں اب جیسا جوش و خروش نہیں تھا۔ ان کی ہچکچاہٹ سے استفادہ کرتے ہُوئے شہزاد نے کنگ فُو کی ایک خاص تکنیک استعمال کی۔ ایک گھٹنا ٹوٹ گیا۔ اس کے حلق سے دل دوز چیخ نکل گئی تھی۔

وہ فرش پر گر گیا اور بُری طرح چیخنے لگا۔

اس کی چیخوں سے باقی تین حریفوں کے حوصلے پست ہونے محسوس ہونے لگے۔

"ہم تینوں کو ایک ساتھ حملہ کرنا چاہیے۔" ایک حریف نے رائے دی۔

اُنھوں نے نصف دائرے کی شکل میں شہزاد کو گھیر لیا۔

شہزاد نے اس شخص کی طرف دیکھا جس نے ایک ساتھ حملہ کی تجویز پیش کی تھی۔ یہ ایک داڑھی والا سیاہ فام تھا۔ اس کے چہرے سے درندگی ظاہر ہو رہی تھی۔ داڑھی کی وجہ سے اس کے چہرے کا رنگ مزید سیاہ نظر آرہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں خفیف سی سفیدی نہیں آرہی تھی... بلکہ یُوں لگ رہا تھا جیسے اس کے چہرے پر ناک کے دو چھوٹے چھوٹے الاؤ بھڑک رہے ہوں۔ غصّے کی وجہ سے اس کی باچھوں پر جھاگ کے بُلبلے نظر آرہے تھے۔

"ایک...!" ایک سیاہ فام نے نفرت سے نعرہ لگایا۔

"دو...!" نفرت کا نعرہ مزید ہذیانی ہو گیا۔

"تین...!" یہ ایک چیخ تھی جو لمحے بھر کو اس کمرے میں گونجی اور اس کے ساتھ ہی گنتی گننے والے نے دائیں پاؤں سے حملہ کر دیا۔ اس کے دونوں ساتھیوں نے وہ پنجۂ استعمال کرنے کے لیے آگے بڑھنے کی کوشش کی تھی۔

شہزاد نے تیزی سے اپنی جگہ سے حرکت کی۔

اس کمرے کی دیواروں کے ساتھ ساتھ کراٹے سیکھنے میں کام آنے والے آلات تھے۔ شہزاد خود کو ان تینوں کے حملوں سے بچاتا ہُوا اس میں حرکت کر رہا تھا کہ کسی نہ کسی طرح دیوار کے قریب رکھے ہُوئے بکس کے قریب پہنچ جائے جس میں آہنی گولیاں بھری ہوئی تھیں۔ یہ وہ گولیاں تھیں جن کے ذریعے کراٹے سیکھنے والے اپنی انگلیوں کو جانچتے ہیں۔

وہ اس بکس سے کچھ دُور رُک گیا۔ بکس اس کی کمر تک اُونچا تھا۔

سے اندھے تینوں حملہ آور اس پر چاروں ہاتھ پیروں سے حملے کر تھے لیکن ان کا ایک بھی وار کامیاب نہیں ہو پا رہا تھا۔ یوں شہزاد ان کی اُس نقیصت کی اہمیت کا اچھی طرح سے احساس ہو گیا، جو نے مقابلہ شروع ہونے سے پہلے کی تھی۔ شہزاد نے اس وقار کو رکھا تھا جبکہ اس کے باقی ماندہ تینوں حریف نہ صرف ضبط کا دامن کھو بیٹھے تھے بلکہ انھوں نے اب اندھا دُھند ہاتھ پاؤں چلانے کر دیے تھے۔

ان تینوں میں، سب سے زیادہ غصّے اور نفرت کا شکار سیاہ یری سے پنجۂ استعمال کرتا ہُوا اُس کے قریب پہنچ چکا تھا۔ شہزاد کو اسی لمحے کا انتظار تھا۔ اُس نے فرش سے قدرے اُچھلتے ہُوئے ایڑی چلائی۔ سیاہ فام کے حلق سے ایک تیز کراہ نکل گئی اور وہ کے کندھے کے اُوپر سے ہوتا ہُوا سر کے بَل بکس میں گر گیا۔ عقب اس کے دو ساتھیوں نے شہزاد پر بھرپور ٹھوکریں لگائی تھیں لیکن یہ ریں خود ان کے ساتھی ہی کی پُشت پر پڑیں جس کے نتیجے میں وہ سر کے بَل آہنی گولیوں کے بکس میں گرا تو ایک ہی لمحے میں اس کا کھوپڑی اصلی حالت کھو بیٹھی۔

آہنی گولیاں اس کے چہرے اور کھوپڑی میں دھنس گئی تھیں۔

شہزاد نے وائر اسپ کا مظاہرہ کیا اور ٹانگوں پر اس کے پاؤں

یُوں تھرکے جیسے وہ رقص کا ایک راؤنڈ پُورا کرنے کے بعد اپنے کسی ساتھی کی طرف بڑھ رہا ہو... لیکن درحقیقت وہ اپنے ایک حریف کی طرف لپکا تھا۔

آٹھ میں سے صرف دو حریف باقی تھے۔

ان کے چہروں سے بھی خوف ظاہر ہو رہا تھا۔ وائر اسپ شروع کرتے ہی شہزاد نے دو اینٹیں اُٹھا لیں۔ یہ صندُوق کے قریب ہی ایک بینچ پر پڑی تھیں... اور پھر جیسے ہی ایک حریف سامنے سے حملہ آور ہُوا شہزاد کے پہلوؤں میں جھُولتے ہُوئے بازوؤں نے نصف دائرے میں تیزی سے حرکت کی۔ دونوں بازوؤں کی یہ حرکت بے حد قیامت خیز تھی کیونکہ جہاں دونوں ہاتھوں کا تصادم ہونا تھا، وہاں دونوں ہاتھوں کے درمیان اس کے حریف کا سر پہنچ گیا... اور شہزاد کے ہاتھ میں وہ اینٹیں تھیں جنھیں کراٹے کے ماہر اپنی ہتھیلی کی چوٹوں سے توڑنے کی کوشش کرتے ہیں۔

دونوں اینٹیں تیزی سے ایک دُوسرے کی طرف بڑھی تھیں۔

... اور پھر اس کے حریف کی کھوپڑی اور چہرے کا کچومر نکل گیا۔

اینٹیں ٹوٹ گئیں اور ان کے ٹکڑے خون آلود ہو کر فرش پر گرنے لگے۔

شہزاد نے دونوں پنجوں کے بَل چھلانگ لگائی تھی اور گرتے ہُوئے حریف کے اُوپر سے ہوتا ہُوا اس کی پُشت پر پہنچ گیا۔ اس کی ایڑی کی چوٹ حریف کی پُشت پر پڑی جس سے اس کی ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ گئی... اس کے ساتھ ہی وہ اپنے آخری حریف کے رُوبرُو کھڑا تھا۔ آخری حریف ہاتھ لٹکائے کھڑا تھا اور اس کا مُنہ حیرت اور خوف سے پھٹا پھٹا سا نظر آرہا تھا۔

"لعنت ہو، تم پر ملعون!" وہ اچانک ذہنی توازن کھو بیٹھا۔

اس نے پُوری قوت سے گردشی انداز میں کہنی کا وار کیا۔ اس کی کہنی شہزاد کے کان کے پاس سے گزر گئی۔ اُسی لمحے شہزاد نے اپنا کندھا اُچھالا۔ چوٹ حملہ آور کی بغل میں لگی جس سے اُس کا توازن بگڑ گیا۔ اس نے لڑکھڑاتے ہُوئے اچھل کر دونوں پیروں سے شہزاد کے گھٹنوں پر چوٹ لگانے کی کوشش کی تھی... لیکن شہزاد وہاں سے دائیں طرف نکل چکا تھا۔

"تم پر آسانی برکتیں نازل ہوں۔" شہزاد نے کہا اور اس کی ذہین ہتھیلی کی پہلی برکت سیاہ فام بلیک بیلٹ فائٹر کی کھوپڑی کے وسط میں نازل ہُوئی۔

وہ فرش پر گرنے سے پہلے ہی لاش بن چکا تھا۔

اس کی کھوپڑی ٹوٹ گئی تھی۔

شہزاد نے آخری حریف کی طرف پلٹ کر دیکھا تک نہیں۔ وہ دارا کے کسی ماہر قناص کی طرح اس شخص کے قریب جا پہنچا تھا جس کا گھٹنا توڑ کر وہ دوسروں کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ وہ ابھی تک فرش پر پڑا کراہ رہا تھا۔

اس نے جیسے ہی شہزاد کو اپنے سر پر پہنچتے دیکھا، وہ بُری طرح چیخ پڑا۔

"نہیں... میرا تم سے کوئی جھگڑا نہیں ہے۔"

"اگر تم میری ایک بات کا ٹھیک ٹھیک جواب دے دو تو میں سمجھوں گا کہ واقعی ہمارے درمیان کوئی جھگڑا نہیں تھا۔" شہزاد نے اس کی حالت سے لُطف اندوز ہوتے ہوئے کہا۔ اس کی آواز بے حد پُرسکون تھی جیسے وہ ابھی ابھی آٹھ آدمیوں سے نہیں لڑ رہا تھا بلکہ ان سے کسی دلچسپ کھیل میں مصروف رہا ہو۔

جس شخص کا گھٹنا ٹوٹا ہوا تھا، اس کی آنکھوں میں اُمید کا چراغ روشن ہو گیا۔ اس نے سوالیہ نگاہ سے شہزاد کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"کیا سوال ہے... اگر مجھے معلوم ہوا تو ضرور جواب دوں گا۔"

"جس عورت کے چہرے پر آن گنت بھوری بھوری تل نہیں ہوتے، وہ کیسی لگتی ہے؟"

"لگ... کیا؟" سیاہ فام حیرت سے چیخ پڑا۔

اُوشان کا قہقہہ کمرے میں گونج اُٹھا۔

"جواب دو۔" شہزاد کا لہجہ بدل گیا۔

"مم... مجھے نہیں معلوم۔" وہ ہکلانے لگا۔

"یاد رکھو۔ ایسی عورت کی مثال ایک ایسی رات جیسی ہے جس رات کو ستارے نہیں نکلتے۔" شہزاد نے سمجھانے والے انداز میں کہا... اور وہ سیاہ فام خوف و حیرت میں ڈوبا ہوا تائید میں سر ہلانے لگا۔

... لیکن اگلے ہی لمحے اس کی گردن ڈھلک گئی۔

شہزاد نے اس کے اُوپر سے گزرتے ہوئے چہرے پر ٹھوکر اور ہتھیلی سے اس کی کھوپڑی پر وار کیا تھا۔ وہ اپنی جگہ سے اُچھلا تھا اور اپنے حریف کے اُوپر سے گزرنے کے دوران ہی یہ دونوں وار کر کے اُس نے آخری بلیک بیلٹ کا بھی کام تمام کر دیا تھا۔

وہ فرش پر پہنچا اور کوبیٹو کی طرف دیکھنے لگا۔

"کیا مجھے آپ جیسے ریڈ بیلٹ سے مصافحہ کرنے کی سعادت حاصل ہو سکتی ہے؟"

کوبیٹو کے چہرے پر زلزلے کے سے آثار تھے۔ اس نے اپنے آٹھ بلیک بیلٹ ساتھیوں کا جو حشر دیکھا تھا، اس کی اُس نے کبھی توقع بھی نہیں کی تھی۔ شہزاد کے سلسلے میں اُسے جو غلط فہمی تھی، وہ نہ صرف دُور ہو گئی تھی بلکہ اُس نے کوبیٹو کو خوف و ہراس میں بھی مُبتلا کر دیا تھا۔

کوبیٹو کا سر دائیں بائیں حرکت کرنے لگا۔ "مجھ سے دُور رہو۔ میرے مسکین اور منکسر المزاج شاگرد کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے کوبیٹو؟" اُوشان کی ہانک سنائی دی۔

"یہ مسکین شاگرد نہیں ہے۔" کوبیٹو نے احتجاج کیا۔ "آپ ہمیں دھوکے میں رکھا، محترم اُوشان! یہ شخص ماسٹر ہے۔"

"ماسٹر...!" اُوشان نے کہا۔ انداز تضحیک آمیز تھا۔

شہزاد نے چونک کر اُس کی طرف دیکھا۔

اُسی لمحے اُوشان اپنی جگہ سے اُچھل پڑا۔ وہ ایک لمحے کے لیے فضا میں معلق نظر آیا اور دُوسرے ہی لمحے شہزاد کراہتا ہوا لڑھک کر دیوار سے جا ٹکرایا۔ چونکہ چوٹ مہلک نہیں تھی اس لیے اُسے زیادہ نقصان نہیں پہنچا۔ اُسے تو یہ بھی پتہ نہ چلا کہ کب اُوشان فضا میں معلق حالت سے اس کے بائیں طرف پہنچا اور پھر اس سے قبل کہ شہزاد کا بایاں بازو اس کے حملے کو روکتا، اس کے کندھے پر چوٹ لگ چکی تھی جس نے اُسے لڑکھڑا کر دیوار تک پہنچا دیا تھا۔

"تمہارا بایاں بازو اب بھی میری مرضی کے مطابق حرکت نہیں کرتا۔" اُوشان نے غصے سے کہا... اور کوبیٹو کی طرف متوجہ ہو کر دونوں ہاتھ باندھے تعظیم سے کھڑا تھا۔ "کوبیٹو! میں جارہا ہوں جانے سے پہلے ایک بزرگ کی حیثیت سے تمہیں ایک نصیحت کرنا چاہتا ہوں۔"

"میں ہمہ تن گوش ہوں، محترم اُستاد۔" کوبیٹو بڑبڑایا۔

"بدی اپنے دامن میں شکست لے کر پیدا ہوئی تھی، برا نصیب میں وقتی طور پر خواہ کتنی ہی کامیابیاں ہوں... لیکن اس کا مقدر شکست سے آراستہ ہے۔ جتنی بڑی برائی ہو گی، اتنا ہی عبرتناک انداز شکست ہو گا۔ میں تمہیں تمہارے قابل فخر باپ اور اپنے کی خاطر زندگی کا تحفہ دے کر جارہا ہوں۔ اس کی ہمیشہ قدر کرنا۔"

کوبیٹو نے ندامت سے سر جھکا لیا۔

"میں وعدہ کرتا ہوں، محترم اُوشان! آپ کی بخشی ہوئی زندگی کے تحفے کو میں آپ کی ہدایت کے مطابق ہی گزاروں گا۔"

شہزاد سنبھل کر کھڑا ہو گیا... اس کی نگاہ مسنر لامو پر جمی، جس کا چہرہ راکھ کی رنگت اختیار کر گیا تھا۔

"میرا خیال تھا کہ تم ایک گن مین ہو۔" وہ بڑبڑائی۔ "مجھے تھا کہ تم فن حرب کے اتنے ماہر بھی ہو۔"

"تم مجھے یہاں لائی تھیں، اس کے لیے میں تمہارا شکر گزار شہزاد نے اس انداز میں کہا جیسے اُسے مسنر لامو سے کوئی شکایت "بہرحال، تم ہماری مہمان ہو۔ بتاؤ اب کہاں چلنا ہے؟"

"مجھے بھوک لگ رہی ہے۔" مسنر لامو نے کہا۔ "شدید بھوک۔"

اُوشان اپنے مخصوص انداز میں "ہی... ہی... ہی..." کر کے ہنسا اور کوبیٹو کے جھکے ہوئے کندھوں کو تھپ تھپا کر شہزاد اور مسنر لامو کے پیچھے دیا۔ وہ دونوں بیرونی دروازے کی طرف جارہے تھے جسے مسلح گارڈ کھول دیا تھا اور خود بڑے ادب سے دروازہ تھام کر کھڑا تھا۔

جنرل لامو نے پیغام لانے والے شخص کی باتوں کو غور سے سُنا اثبات میں سر ہلانے لگا۔ اس کے چہرے اور اس کی آنکھوں سے بے پناہ مندی جھلک رہی تھی۔ پیغام لانے والے شخص نے اُسے جو کچھ بتایا تھا، ناقابل یقین ہی... لیکن ایسا ہو چکا تھا۔

"ٹھیک ہے، تم اب جا سکتے ہو۔" جنرل لامو نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

پیغام رساں نے اسے سیلوٹ کیا اور وہ اُسے دیکھتا رہا حتیٰ کہ پیغام لانے والا دروازہ اپنے عقب میں بند کرتا ہوا نگاہ سے اوجھل ہو گیا۔

اس وقت جنرل لامو اس کمرے میں موجود تھا، اس کے صرف دروازے تھے اور کھڑکیاں بالکل نہیں تھیں۔ مختلف دھاتوں اور تیل کی محسوس ہو رہی تھی۔ ایک بستر اس کمرے میں موجود تھا جس کے قریب ایک کرسی رکھی ہوئی تھی۔ دروازہ بند ہونے سے کمرے میں گھٹن کا احساس ہونے لگا۔

جنرل لامو پرانی قدروں کا پجاری تھا، یہی وجہ تھی کہ وہ جزیرہ فردوس اور لالازی لینڈ کے درمیان پرانی دشمنی کو ختم کر کے دوستانہ تعلقات استوار کرنے کے خلاف تھا۔ وہ اس ملک کو قوت بازو سے فتح کرنے کا قائل تھا۔ سیاست اور مصلحتوں سے اُسے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اس نے ایک جنرل کی حیثیت سے فوجوں کو علاقے تباہ کرتے، عورتوں کی بے حرمتی کرتے اور قتل و غارت گری کا بازار گرم کرتے دیکھا تھا۔ اس نے انہی فوجوں کو نئے شہر تعمیر کرتے اور پُل بناتے بھی دیکھا تھا... جو کچھ اب اس کے سامنے آرہا تھا، یہ اس نے نہ تو کبھی دیکھا اور نہ ہی سوچا ہو گا۔ اس کی نگاہ کاغذ کے اس مُڑے پر جم گئی جو اُس کی میز پر پڑا ہوا تھا۔ وہ جب سے روپوش ہوا تھا، اب تک ایسے کاغذی پرزے اس کے ہاتھوں تک پہنچ چکے تھے۔

سب سے پہلے اس نے چند غنڈوں کی خدمات حاصل کیں۔ وہ نہ صرف ناکام رہے بلکہ سب کے سب مارے بھی گئے... پھر اس سے رابطہ قائم کیا گیا۔ وہ ایک ایسا قاتل تھا جس کا نشانہ کبھی خطا نہیں ہوا تھا۔ اسے بھی ناکامی ہوئی اور وہ اپنے ساتھ ماریا کو بھی لے گیا۔ میری کو شش کے طور پر انھوں نے اسے ایک قانونی جال میں پھانسنا چاہا لیکن وہ وہاں سے بھی نکل گیا۔ جیل ریوالور اور عام قاتل شکست کھا گئے تو کراٹے کے بلیک بیلٹ آدمیوں سے کام لینے کا پروگرام بنایا گیا۔

اس وقت جنرل لامو کے ہاتھ میں جو کاغذ تھا، اس پر آخری پروگرام کی ناکامی کی تفصیل تھی... اور اسے پڑھنے کے بعد وہ بے حد پریشان ہو گیا تھا۔ جنرل لامو نہیں چاہتا تھا کہ جزیرہ فردوس اور لالازی لینڈ کے مابین دوستانہ تعلقات پیدا ہوں۔ یہی وجہ تھی کہ جیسے ہی لالازی لینڈ کے صدر مملکت نے اپنے دورے سے قبل حالات کا جائزہ لینے کے لیے اپنے سفیر کو بھیجا تو جنرل لامو نے نہایت ہوشیاری سے اُسے ہوائی جہاز ہی میں قتل کروا دیا تھا... پھر وہ خود اس مشن پر نکلا اور یہاں آتے ہی اس نے اپنے دو خاص آدمیوں کو ہلاک کر کے روپوشی اختیار کر لی۔ وہ جانتا تھا کہ صدر مملکت اس کی بازیابی کے لیے طوفان کھڑا کر دے گا اور پھر یہی ہوا۔ جزیرہ فردوس کی حکومت کو سات یوم کی مہلت دی گئی۔ جنرل لامو نے مزید ہوشیاری سے کام لیتے ہوئے اپنی حسین و جمیل بیوی کو بھی اس تلاش کی مہم میں شریک ہونے کا بندوبست کر دیا تھا۔

مسنر لامو ان دونوں کے ساتھ تھی جنھیں اس کی تلاش پر مامور کیا گیا تھا... اور اب جنرل لامو کے پاس مسنر لامو ہی آخری کارڈ کی حیثیت رکھتی تھی۔ وہ اسے استعمال کر کے اُن دونوں کو ٹھکانے لگانے کا پروگرام ترتیب دینا چاہتا تھا جو اُس کے بالکل سر پر پہنچ چکے تھے اور جنھیں اب تک کوئی بھی آگے بڑھنے سے نہیں روک سکا تھا۔

وہ چارپائی پر بیٹھ گیا۔

اس کے انداز سے جو بے چینی ظاہر ہو رہی تھی، وہ ختم ہو گئی۔

کسی منصوبے پر غور کرتے وقت وہ اپنے ذہن کو ہر قسم کے خیالات سے خالی کر لینے کا عادی تھا۔ یکسوئی سے نئے اور آخری منصوبے پر غور کرتے ہوئے اس نے بالآخر اثبات میں سر ہلا دیا۔ مسنر لامو ان دونوں کے لیے ایک حسین ناگن ثابت ہو گی۔ اس نے سوچا اور بلند آواز میں کسی کو پکارنے لگا۔

فوراً ہی دروازہ کھلا اور ایک مسلح شخص اندر آ کر مؤدب کھڑا ہو گیا۔ اس نے ایڑیاں بجانے کے بعد سوالیہ انداز میں جنرل کی طرف دیکھنا شروع کر دیا۔

"میں تمام لیڈروں سے فوری طور پر ملنا چاہتا ہوں۔"

"بہت بہتر، جنرل۔" مسلح شخص نے دوبارہ ایڑیاں بجائیں اور تیز تیز چلتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔

جنرل لامو چارپائی پر بیٹھا سوچتا رہا۔ وقت بے حد کم رہ گیا تھا۔ اگر وہ لوگ اسے تلاش کرنے میں کامیاب ہو گئے تو نہ صرف اس کا مشن

فیل ہو سکتا تھا بلکہ خود اُس کی زندگی بھی داؤ پر لگ سکتی تھی۔

تھوڑی ہی دیر بعد راہداری میں اُن گنت قدموں کی آوازیں گونجنے لگیں اور دروازہ کھلتے ہی اس کے لیڈروں نے اندر آنا شروع کر دیا۔ وہ سب کے سب تھکے تھکے اور نڈھال نظر آ رہے تھے۔ کمرے میں اتنے آدمیوں کی موجودگی سے گھٹن کا احساس مزید بڑھ گیا۔ چند لمحے نے تو ہائی بے آب کی طرح مُنہ بھی کھول لیے تھے۔

"دوستو...!" جنرل لامو نے اپنے ساتھیوں کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ "ہم نے اب تک جو کچھ کیا ہے، اس کی روشنی میں ہمیں کسی ایسی کہانی پر یقین نہیں کرنا چاہیے جو ہمیں سُننے کو مل رہی ہے۔ ہماری فوجوں نے جو کارنامے سرانجام دیے ہیں، کیا وہ ہمیں یہ اطمینان دلانے کے لیے کافی نہیں کہ لامازی قوم فرد سیوں سے علاوہ افضل ہے؟"

"یہ درست ہے... یہ درست ہے۔" سب نے بیک زبان ہو کر کہا۔

"تو پھر ہم کسی بُوڑھے ماسٹر کے خوف میں کیوں مُبتلا ہیں؟"

"ہمیں اذیت، موت اور دہشت کو کبھی اہمیت نہیں دی، جنرل۔" ایک نوعمر لیڈر نے پُرجوش لہجے میں کہا۔ باقی سب نے بھی اس کی ہم نوائی میں کچھ نہ کچھ کہا... لیکن ایک بوڑھے لیڈر نے جو کچھ بتایا، وہ سب کو چونکانے کے لیے کافی تھا۔ سب اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ بوڑھا لیڈر کہہ رہا تھا۔

"وہ ماسٹر ہے، جنرل... اور راتوں کو وہ اسی طرح انسانی شکار کرتا ہے، جیسے شیر اور چیتے راتوں کو شکار کرتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔ میں اس شخص سے خوف زدہ ہوں۔" جنرل لامو نے تیز لہجے میں کہا۔ "لیکن اس لیے خوف زدہ نہیں ہوں کہ وہ ایک خطرناک آدمی ہے۔ میں اس لیے خوف زدہ نہیں ہوں کہ اُوشان کے بارے میں ناقابلِ یقین کہانیاں مشہور ہیں۔"

ایک اُدھیڑ عمر کا لیڈر جس کے چہرے پر آہنی سختی چھائی ہوئی تھی، اپنی جگہ سے اُٹھا اور جنرل لامو کے قریب کھڑا ہو کر باقی ساتھیوں کی طرف متوجہ ہُوا۔ "میں اس گاؤں میں گیا تھا، جہاں اُوشان رہتا تھا۔ میں نے وہاں کے لوگوں سے اس کے بارے میں باتیں کیں۔ سب نے سب اس کی عزت کرتے ہیں اور اس کے بارے میں ناقابلِ یقین کہانیاں سناتے ہیں... لیکن وہ سب جاہل اور سادہ لوح آدمی ہیں۔ دیہاتی لوگوں کو ایسی کہانیوں پر یقین آ جاتا ہے۔ میں نے ان سے پُوچھا کہ اس ماسٹر سے میں کہاں مل سکتا ہوں جو راتوں کو شیر اور چیتے کی طرح شکار کر سکتا ہے تو انھوں نے مجھے یقین دلایا کہ اُن کے گاؤں میں کوئی ایسا شخص موجود نہیں ہے۔ میں بے حد مطمئن ہونے کے بعد ہی وہاں سے واپس آیا ہوں۔ ایسی صورت میں ہم کسی ایسی کہانی پر کیسے یقین کر سکتے ہیں؟"

"کیا تم نے ان دیہاتیوں کو کچھ رقم دی تھی؟" بوڑھے لیڈر نے پُوچھا۔

"نہیں... انھیں رشوت دینے کی کیا ضرورت تھی؟" ادھیڑ عمر کا وہ شخص غصّے سے بولا۔ "میں وہاں ایک انقلابی لیڈر کی حیثیت سے گیا تھا، اسٹاک ایکس چینج کا کوئی سودا نہیں کرنے گیا تھا۔"

"وہ لوگ دولت کے پجاری ہیں۔" بوڑھے لیڈر نے بڑے تحمل سے کہا۔ "اگر تم نے انھیں کچھ رقم دے کر یہ سوال کیا ہوتا... اور ان کا جواب تب بھی منفی میں ہوتا تو میں تمھاری بات پر اطمینان سے یقین کر سکتا تھا۔"

"لوگ کہانیوں کا پیچھا چھوڑ کر حقیقت کی طرف آؤ، جنرل لامو!"

"وہ لوگ کہانی یہ کہتی ہے، جنرل..." بوڑھے لیڈر نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "گاؤں کا وہ ماسٹر... ایک نوعمر فرد کو اپنا علم منتقل کرے گا۔ وہ اُسے ایک ایسا شیر بنا دے گا جو راتوں کو درندوں کی طرح شکار کیا کرے گا... اور اس نوجوان کو جزیرہ فرد میں وہی حیثیت حاصل ہو جائے گی جو جنید میں دیوتاؤں کو حاصل ہے۔"

اس نے یہ سب کچھ اتنے تاثر انگیز انداز میں کہا تھا کہ کمرے میں سناٹا چھا گیا۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ بیٹھے بیٹھے سب کے سب پتھر کے بن گئے ہوں۔

"اور جس شخص کے بارے میں تم کہہ رہے ہو کہ وہ راتوں کو درندے کی طرح شکار کر سکتا ہے، موت اس کا مقدر بن چکی ہے۔" جنرل لامو نے پاؤں پٹخ کر کہا۔ "وہ میری اس چارپائی پر مُردہ پڑا ہوگا... تب تمھیں اجازت دے دوں گا کہ تم اپنی مرضی سے اس لوک کہانی کو ذہن سے نکال دینا۔ اس کی لاش تم لوگوں کے رحم و کرم پر ہوگی۔ یہ انقلاب لانا چاہتا ہوں، وہ تمام کہانیوں پر غالب آ جائے گا۔"

اس بات نے ماحول میں سختی کا احساس ختم کر دیا اور چند لیڈر ہنسنے لگے... لیکن وہ بوڑھا لیڈر لب بھی یوں بھینچا تھا جیسے اُسے سانپ سُونگھ گیا ہو۔ اس نے کمرے میں دوسروں کا طوفانِ بدتمیزی ختم ہونے پر بے پناہ متانت سے کہا۔ "اُوشان اپنے گاؤں سے غائب ہے... اور وہ ایک نوجوان کے ساتھ ہے... لوک کہانی اس تک تو پہنچی ہے، جنرل!"

"جس بُوڑھے کا تم تذکرہ کرتے ہو، وہ محض ایک ترجمان ہے۔"

"وہ وہی ماسٹر اُوشان ہو سکتا ہے۔"

"احمق..." جنرل لامو کا موڈ خراب ہو گیا۔ "وہ ایک بُوڑھا ہے۔ اس کی ٹانگیں پہلے ہی سے قبر میں لٹکی ہوئی ہیں... اور

ماسٹر اُوشان کہہ رہے ہو۔ بہرحال میں چاہتا ہوں کہ اس سلسلے میں غور کرو۔ سب چلے جائیں اور سوچیں۔" جنرل نے ہاتھ لہرا کر کہا۔ "اور تم... تم یہیں ٹھہرو۔" جنرل نے اُسی بوڑھے کی طرف انگلی اُٹھا دی جو ماسٹر اُوشان کے خیالوں ہی سے دہشت زدہ ہو گیا تھا۔

سب لوگ کمرے سے رُخصت ہو گئے۔

جنرل لامو نے دروازہ بند کر دیا اور واپس آ کر چارپائی پر بیٹھ گیا۔ وہ گہری سوچ میں ڈُوبا ہُوا تھا۔

بُوڑھا لیڈر سوالیہ نگاہ سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔

"ٹھیک ہے۔" کچھ دیر بعد جنرل نے ایک طویل سانس لیتے ہوئے کہا۔ "فرض کر لو کہ میں تمھاری اس کہانی کو اہمیت دینے لگا ہوں۔ ایسی صُورت میں بتاؤ، کیا اس کہانی میں اُس کی کسی کمزوری کا تذکرہ نہیں ہے؟"

"آپ واقعی ذہین ہیں، جنرل۔" بُوڑھے لیڈر نے پہلی بار اپنے جنرل کو تعریفی نگاہ سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "چاند کے گھٹنے بڑھنے سے اس کی قوتیں بھی متاثر ہو جاتی ہیں۔ ایسے ہی کسی موقعے پر..."

جنرل کا چہرہ غصّے کی زیادتی سے سُرخ ہو گیا... لیکن وہ اس طوفان کو اپنے دل ہی میں دبا لینے میں کامیاب ہو گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس قسم کی احمقانہ کہانیوں پر یقین کرنے والے لوگ اس کے ساتھی ہوں گے تو اُسے کیا خاک کامیابی حاصل ہو گی! اس نے بولنا شروع کیا تو لہجے سے صاف پتہ چلتا تھا کہ وہ خود کو بمشکل قابو میں رکھتے ہوئے نرمی سے بول رہا تھا۔

"اس کے علاوہ کوئی کمزوری، میرے دوست؟" اُس نے پُوچھا۔

"جی ہاں۔ ایک اور کمزوری ہے۔"

"میں پُوچھتا ہوں، اس پر کیسے قابو پایا جا سکتا ہے؟"

"صرف اور صرف زہر..." بوڑھے نے محتاط انداز میں کہا۔ "لیکن زہر پر کبھی اعتماد نہیں کرنا چاہیے۔ اس کا جسم بے حد عجیب خصوصیات کا حامل ہے۔ ممکن ہے، وہ بروقت زہر کو زائل کرنے میں کامیاب ہو جائے۔ اس لیے میرا مشورہ ہے کہ پہلے اسے زہر دیا جائے اور اس کے بعد چاقو یا ریوالور سے اُسے ہلاک کر دیا جائے۔"

"زہر... تم نے زہر ہی کہا ہے نا؟" جنرل نے چونک کر پُوچھا۔

"جی ہاں، زہر..." بُوڑھے نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔ اس پر زہر ہی آزمایا جائے گا۔"

"کیا آپ کے پاس اُسے زہر دینے کا کوئی ذریعہ ہے، جنرل؟"

اس سے پہلے کہ جنرل لامو کا کوئی جواب دیتا، دروازے پر دستک ہُوئی اور ایک پیغام رساں اندر آ گیا۔ اس نے کاغذ کا ایک پُرزہ جنرل کو دیا اور خود بڑھا دیا جسے لے کر وہ فوراً ہی پڑھنے لگا۔

"ہاں... میرے پاس ایک ذریعہ ہے۔" جنرل نے کاغذ سے نگاہ ہٹاتے ہوئے اپنے بوڑھے ساتھی سے کہا۔ "ایک بے حد نرم و نازک اور حسین ذریعہ..."

۵

شہزاد نے ایسی ڈش پہلے کبھی نہیں کھائی تھی۔

یہ گوشت اور بھورے رنگ کے گاڑھے شوربے کی ڈش تھی جس کے لیے مسز لامو نے جو نام لیا تھا، وہ ذائقے کی طرف زیادہ متوجہ ہونے کی وجہ سے شہزاد کو یاد ہی نہیں رہا تھا۔ شہزاد بھورے رنگ کے اس گاڑھے شوربے سے کانٹے کی مدد سے گوشت کے پارچے اُٹھا اُٹھا کر مُنہ میں رکھتا جا رہا تھا اور جلدی جلدی چباتے ہوئے انہیں نگل رہا تھا۔

"بے حد لذیذ... شان دار..." وہ ساتھ ہی ساتھ تعریف بھی کرتا جا رہا تھا۔ "واقعی مزا آ گیا۔"

وہ اس کے سامنے والی کرسی پر خاموش بیٹھی اُسے کھاتے ہُوئے دیکھ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا۔ سفید میز پوش سے ڈھکی ہُوئی میز پر اس سالن کی صرف ایک ہی ڈش رکھی ہُوئی تھی۔ مسز لامو نے کھانے میں شہزاد کا ساتھ نہیں دیا۔ کیونکہ ریستوران میں داخل ہونے کے بعد وہ فوراً ہی باتھ روم گئی تھی جہاں اُسے ایک لامازی بڑھیا نے صورتِ حال سے آگاہ کر دیا تھا۔ واپس آنے کے بعد اُس نے معدے میں گرانی کا بہانہ کر کے کھانے سے انکار کر دیا حالانکہ وہ باتھ روم جانے سے پہلے آرڈر دے کر گئی تھی۔

گزشتہ روز کرائے کلب میں جو کچھ بھی ہُوا تھا، اس کے سلسلے میں مسز لامو نے رات تنہائی کے لطیف لمحوں میں ایسے سوالات کیے تھے، جن سے غالباً شہزاد کو یہ تاثر دینے کی کوشش کی گئی تھی کہ وہ سب کچھ محض اتفاق ہی تھا۔ شہزاد نے اُسے باتوں پر آمادہ پایا تو خود بھی بعض سوالات کیے جن کے جواب میں مسز لامو نے بڑی معصومیت سے کہہ دیا کہ اب تک جنرل لامو کو اغوا کرنے والوں نے اس سے کوئی رابطہ قائم نہیں کیا اور نہ ہی اُس نے اُس مُرخ کتاب کے بارے میں کوئی حامی بھری۔ گویا وہ کسی ایسی کتاب کی موجودگی ہی سے بے خبر تھی... تنہائی کے ان لمحوں میں اس نے اپنی نسوانیت کا جو مظاہرہ کیا تھا، وہ بے حد انوکھا اور بے انتہا پُرلطف تھا اس لیے شہزاد نے ان سب باتوں کو فضول قرار دیتے ہوئے ذہن سے نکال دیا... یہی وجہ تھی کہ وہ اس کے ساتھ یہ لامازی ڈش کھانے کے لیے ایک

لامازی طرز کے ہوٹل میں آنے کے لیے آمادہ بھی ہو گیا تھا۔

مسز لامو کے اندازے شہزاد کو یہ بات تو محسوس ہو گئی تھی کہ کوئی نہ کوئی گڑبڑ ضرور ہے... لیکن چونکہ وہ ابھی تک اس سلسلے میں کوئی حتمی رائے قائم نہیں کر سکا تھا اس لیے کھانے کی طرف بھرپور توجہ دیتے ہوئے وہ صرف یہی توقع کرتا رہا کہ دیکھیں اس لامازی طرز کے ریستوران کی دیواروں سے کیا برآمد ہوتا ہے۔ بار بار اس کے ذہن میں اُوشان کے یہ الفاظ بھی گھوم رہے تھے کہ عورت کی بنیادی فطرت دھوکے بازی سے بنی ہوئی ہے۔ اس پر شہزاد نے ایک سوال کیا تھا: "اُوشان! ماؤں کے بارے میں تمہارا کیا نظریہ ہے؟ کیا مائیں عورتیں نہیں ہوتیں یا ماں بننے کے بعد عورت کی دھوکا دینے والی فطرت بدل جاتی ہے؟"

"اس کی مثال ایسی ہی ہے شہزاد!" اُوشان نے بڑی عجلت سے سمجھایا۔ "کئی ایسے سانپ بھی تو دیکھنے میں پالے جاتے ہیں جو ہرگز نہیں ڈستے۔" یہ کہہ کر وہ اپنی مخصوص ہی... ہی... ہی کے انداز میں ہنس پڑا تھا۔ اُسے چونکہ لامازیوں پر قطعاً اعتماد نہیں تھا اس لیے جیسے ہی شہزاد کے آرڈر کی ڈش میز پر پہنچی، وہ اپنی مرضی کی ڈش اپنے سامنے بنوانے کے لیے کچن کی طرف چلا گیا... حالانکہ ویٹر نے اس سلسلے میں احتجاج بھی کیا تھا۔

"مجھے خوشی ہے کہ ہماری یہ مخصوص ڈشیں تمہیں بے حد پسند آئیں۔" مسز لامو نے کہا۔ شہزاد نے اسی لمحے گوشت کا آخری پارچہ پلیٹ سے اٹھا کر منہ میں رکھا تھا اور اپنا پہ چباتے ہوئے مسز لامو کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

شہزاد کو گرمی کا احساس ہونے لگا۔

اُسے یوں لگا جیسے اس کا دورانِ خون اچانک ہی تیز ہو گیا ہو۔ اس کے اعصاب میں ڈھیلا پن پیدا ہونے لگا۔ مسز لامو کا حسین جسم اُسے اپنی طرف بار بار کشش کرتا محسوس ہوتا رہا... یوں لگ رہا تھا جیسے اس کی ذہنی اور جسمانی حالت میں یکایک زبردست تبدیلیاں پیدا ہونا شروع ہو گئی ہوں۔ وہ جس چوڑی کرسی پر بیٹھا تھا، وہ ہوادار سیکے جیسی محسوس ہونے لگی۔ گہری سبز دیواریں، جن پر شان دار پینٹنگز آویزاں تھیں، وہ رقص کرتی ہوئی روشنیوں میں تبدیل ہونے لگیں... اور یہ سب کچھ اس لیے ہو رہا تھا کہ ایک مافوق الفطرت انسان کو زہر دے دیا گیا تھا... خطرناک اور مہلک زہر...

رفتہ رفتہ شہزاد کو یوں محسوس ہوا جیسے تاریکی چھانے لگی ہو۔ اس نے مسز لامو کی طرف ہاتھ بڑھا کر اُس کا ہاتھ تھامنے کی کوشش کی۔ بازو کو حرکت دیتے وقت اُسے یوں لگا جیسے یہ کام اُس نے بڑی مشقت سے کیا ہو... اس نے یہ کہنے کی کوشش کی کہ آداب چلیں لیکن ہونٹ حرکت کر کے رہ گئے اور آواز نہ نکلی... یا پھر خود اُسے اپنی ہی آواز سنائی نہیں دی تھی۔

وہ یقین سے نہیں کہہ سکتا تھا کہ مسز لامو کے ہاتھ کو چھونے میں کامیاب بھی ہو گیا یا نہیں، کیونکہ اچانک ہی وہ خود کو ایک ایسی تاریک جگہ گرتا محسوس کرنے لگا جو بہت گہری تھی... اور یوں گرنے کے احساس میں مبتلا ہو کر اُس نے دھندلائی ہوئی آنکھوں سے گرد و پیش بیٹھے ہوئے لوگوں کو اپنے چاروں طرف تیزی سے گھومتے دیکھا۔

... اور جب اسے صحیح معنوں میں کسی گڑبڑ کا احساس ہوا تو اس کے سینے میں آگ سی لگ چکی تھی اور اس نے جو گوشت بڑے چٹخارے لے کر کھایا تھا، وہ رفتہ رفتہ سینے سے اوپر حلق کی طرف اُٹھنے لگا۔ حلق سے یہ سب کچھ اس کے منہ میں واپس آ گیا اور وہ میز کا کونا تھامنے کی کوشش میں ہاتھ کے بل سفید میز پوش پر گر گیا۔

اُدھر باورچی اُوشان کی باتوں سے بدمزہ ہو کر اُسے بار بار کچن سے نکل جانے کے لیے کہہ رہا تھا لیکن جب بوڑھا ماسٹر ٹس سے مس نہ ہوا تو اس نے اُوشان کی ہدایات کے مطابق ڈش تیار کر دی۔ اُسی لمحے اُوشان کو یوں لگا جیسے باہر کے ریستوران میں یکایک خاموشی چھا گئی ہو۔ اس نے ایک لمحے کے لیے آنکھیں بند کر لیں اور شدید خطرے کے احساس سے وہ تیزی کے ساتھ دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

جھولنے والے دروازے سے نکلتے وقت اُسے اندازہ ہو گیا کہ ریستوران خالی ہو چکا ہے۔ اُسے کچن میں گئے پندرہ منٹ ہو گئے تھے، اتنی سی دیر میں پورا ریستوران گاہکوں سے خالی نہیں ہو سکتا تھا... لیکن اُسے باقی گاہکوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اس کی آنکھیں تو شہزاد اور مسز لامو کو ڈھونڈ رہی تھیں جن کا ریستوران میں کہیں نام و نشان تک نہیں تھا۔

کیا شہزاد مجھے یوں چھوڑ کر بھی جا سکتا ہے؟

اُوشان کے ذہن میں سب سے پہلا خیال یہی پیدا ہوا۔ یہ سوچتے ہوئے اسے کچھ افسوس بھی ہوا کیونکہ وہ نئی نسل کے ان نوجوانوں سے کوئی ناں ناں تھا... لیکن پھر اسے یاد آیا کہ شہزاد اور کسی عام نوجوان میں بہت فرق ہے۔ شہزاد کسی عورت کے ساتھ تنہائی کے لمحات گزارنے کے لیے اُسے چھوڑ کر نہیں جا سکتا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ اُس میز کی طرف بڑھ گیا جس پر شہزاد اور مسز لامو دونوں کو بیٹھے چھوڑ گیا تھا۔

کچھ آگے بڑھنے سے پہلے ہی اس کی غیر معمولی حسیات نے اسے چونک پڑنے پر مجبور کر دیا۔ کوئی نہ کوئی گڑبڑ ضرور تھی۔ اُسے پورے ریستوران سے نکل گئے۔ اُوشان اس ویٹر کی طرف متوجہ ہوا جس کا کندھا ٹوٹ گیا تھا اور وہ خوف و حیرت کی تصویر بنا کرسی پر براجمان تھا۔

"ت... تم... کون... ہو؟" وہ دہشت سے ہکلایا۔

"میں ماسٹر ہوں... اس کا ماسٹر..." اُوشان نے غصے سے چیخ کر کہا۔

ویٹر کا منہ حیرت کی زیادتی سے کھل گیا۔

"میرا بچہ کہاں ہے؟"

"کون سا بچہ، ماسٹر..." ویٹر نے ٹھوک نگل کر پوچھا۔

"وہی نوجوان جو ایک لامازی خاتون کے ساتھ اس میز پر بیٹھا تھا۔" اُوشان نے دہشت زدہ میز پوش کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"اُسے مہلک زہر دے دیا گیا ہے، ماسٹر۔"

"احمق..." اُوشان بڑبڑایا۔ "تم لوگ کیا سمجھتے ہو کہ وہ جسم تمہارے کس کام آ سکتا ہے؟ بتاؤ، وہ اس وقت کہاں ہے؟"

ویٹر نے اپنا صحت مند بازو اٹھا کر ایک سبز دیوار کی طرف اشارہ کر دیا اور اس دیوار کو ہٹانے کے میکنزم کے بارے میں بتانے لگا۔

"ٹھیک ہے، تم یہیں بیٹھے رہنا۔" اُوشان نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔ "تم میرے غلام ہو... کسی سے کچھ مت کہنا۔"

"بہت بہتر... ماسٹر۔" ویٹر نے تھوک نگل کر کہا۔

انٹرلاک میکنزم کو ویٹر کے بتائے ہوئے طریقے سے کھولنے کے بعد اُوشان ایک قدم دیوار سے ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ دیوار دائیں جانب سرک گئی اور پھر سامنے ایک راہ داری دکھائی دینے لگی۔

عقب میں ٹوٹے ہوئے کندھے والے ویٹر نے سسک سسک کر رونا شروع کر دیا تھا۔ اُوشان نے پلٹ کر اُس کی طرف دیکھنے کی ضرورت ہی نہیں سمجھی۔ وہ جانتا تھا کہ دنیا خواہ اِدھر کی اُدھر ہو جائے یہ شخص اپنی آخری سانس تک اس کی واپسی کا انتظار کرے گا۔

وہ تیزی سے اس راہ داری میں آگے بڑھ گیا۔

☐

جنرل لامو کے ہونٹوں پر فاتحانہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

اس نے اپنی حسین بیوی کو بوڑھے لیڈر اور دو ویٹروں کے ساتھ آتے دیکھا جنہوں نے اس شخص کو اُٹھا رکھا تھا جس پر قاتلانہ حملے کی ہر کوشش ناکام ہو چکی تھی۔ وہ اس جگہ کھڑا ایک ایک منٹ کی رپورٹ سن سن کر اس وقت کا بے چینی سے انتظار کر رہا تھا۔ اُسے ہر ٹیل کی خبر دی جاتی رہی تھی کہ اب کھانے کا آرڈر دیا گیا ہے، اب کھانا تیار ہو رہا ہے، کھانا لگا دیا گیا ہے، زہر آلود کھانا اس نوجوان کے حلق سے معدے میں اُترنے لگا ہے... یہاں تک کہ اُسے یہ اطلاع دی

جا رہی تھی کہ اب زہر اس کے جگر میں پہنچ رہا ہے۔

ہر اطلاع پر جنرل لامو کے چہرے پر مسرت کی لہر اور گہری ہو جاتی تھی۔ اس کی آنکھوں میں ایک وحشیانہ چمک لہرانے لگی تھی۔ اس کا دشمن اس کے سامنے تھا اور اس کی موت کا انتظام وہ خود کر رہا تھا۔ اس کی بیوی نے اس کے ساتھ جو بے وفائی کی تھی، اس کا بدلہ لینے کا وقت آ گیا تھا۔

اس کی بیوی نے اس کے ساتھ

دی گئی کہ زہر کے زیرِ اثر شہزاد بے ہوش ہو کر مُنہ کے بل میز پر گر گیا ہے۔

... اور اب جنرل لامو کا خواب حقیقت بن کر اُس کے سامنے آگیا تھا۔ شہزاد زہر کھا کر بے ہوش ہو چکا تھا۔ جنرل لامو نے اطمینان کی ایک گہری سانس لی۔ وہ جانتا تھا کہ آئندہ چند منٹوں میں اس ناقابلِ شکست نوجوان کو موت کے گھاٹ اُتار دیا جائے گا۔

"میری پیاری گُڑیا..." اس نے چہکتے ہوئے کہا۔ "تمہیں دیکھے ہوئے کتنے روز بیت گئے ہیں!" اس نے اپنی بیوی کا غور سے جائزہ لیا۔ اس کے ہونٹوں پر مزید وسی لپ اسٹک کی گہری تہ تھی جیسے کانچ کے پیمانے سے گلابی گلابی شراب چھلکتی ہے۔

مسز لامو آگے بڑھی اور اپنے شوہر سے لپٹ گئی۔ "اوہ، لامو..."

وہ سسک پڑی۔ "یہ سب کچھ کتنا خوفناک تھا!"

"ہاں... لیکن گڑیا جانتی ہو، تمہارے وہ کارنامے، سرانجام دیے ہوئے جیسے مقامی غنڈے بے داغ نشانے والا قاتل اور بلیک بیلٹ نوجوان بھی نہیں کر سکے۔ مجھے تم پر فخر ہے۔ میرے ساتھ آؤ۔"

وہ جیسے ہی اپنی بیوی کے ساتھ آگے بڑھا، بوڑھے لیڈر نے جلدی سے کہا۔ "جنرل! اس کا کیا کریں؟" اس نے بے چینی سے ہاتھ ملتے ہوئے شہزاد کی طرف دیکھا۔ اس کے انداز سے شدید گھبراہٹ ظاہر ہو رہی تھی۔

اس راہ داری میں زبردست گرمی کا احساس ہو رہا تھا۔ گھٹن اتنی شدید تھی کہ ان لوگوں کو سانس لینے میں دشواری محسوس ہونے لگی۔

جنرل اس کی آواز سُن کر رُک گیا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا اور غرایا...

"یہ بھی کوئی پُوچھنے والی بات ہے۔ یہ نیم مُردہ ہے۔ کیا کسی نیم مُردہ شخص کو ٹھکانے لگانا بھی کوئی مشکل کام ہے؟"

"اسے ختم کر دیا جائے؟"

"یقیناً... اسے قتل کر دو۔" وہ پاؤں پٹخ کر بولا اور مسز لامو کا ہاتھ تھام کر ایک دروازے کو کھولتا ہوا اُن لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

بُوڑھے لیڈر نے ان دو ویٹروں کی طرف دیکھا جو شہزاد کے بے ہوش جسم کو سنبھالے کھڑے تھے۔ اس نے تھکے تھکے سے انداز میں ایک دروازے کی طرف اشارہ کر دیا۔ جیب سے چابیوں کا ایک گچھا نکال کر اس نے ایک چابی منتخب کی اور اُسے تالے کے سُوراخ میں ڈال کر گھمانے لگا۔

چوبی دروازہ فوراً ہی کھل گیا۔

یہ ایک دھویں دار کمرہ تھا۔ اس میں موم بتیاں روشن تھیں اور ان کی وجہ سے وہاں خاصی گھٹن کا احساس ہو رہا تھا۔ کمرے کی آرائش سے پتہ چلتا تھا کہ اس کمرے کو بطور عبادت گاہ استعمال کیا جاتا ہے۔ پتھر کی ایک مُورتی، ایک کونے میں چبوترے پر ایستادہ تھی۔ اس مُورتی کے نقش و نگار بے حد خوفناک تھے اور یُوں لگتا تھا جیسے لالہ زی اپنے اس دیوتا کے چہرے میں انسانی جسموں کی بھینٹ دینے کے عادی رہے ہوں۔

باوردی ویٹروں نے شہزاد کے بے ہوش جسم کو چبوترے پر ڈال دیا اور خود سر جھکا کر ایک طرف کھڑے ہو گئے۔ ان کے انداز سے بے چینی اور گھبراہٹ کا احساس ہوتا تھا۔ وہ لیڈر کی طرف دیکھنے لگے جس نے اثبات میں سر ہلا کر گویا انھیں چلے جانے کی اجازت دے دی۔

وہ یُوں اس کمرے سے رُخصت ہوئے جیسے بُوڑھے لیڈر نے برسوں بعد انھیں رہائی بخشی ہو۔ لیڈر کے انداز میں رفتہ رفتہ... خود اعتمادی آگئی۔ ویٹروں کے جاتے ہی اس نے عبادت گاہ کا دروازہ مضبوطی سے بند کر دیا اور مُورتی کی طرف دیکھنے لگا۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں اور اس کے ہونٹ حرکت کرنے لگے... پھر وہ مُورتی کے سامنے جُھک گیا۔

کچھ دیر وہ مُورتی کے سامنے جُھکا رہا... پھر اُس نے سر اُٹھایا اور جیب سے ایک چمک دار پتلا دو دھاری خنجر نکال لیا۔ چند لمحوں تک وہ اس خنجر کی دھار دیکھتا رہا۔ موم بتیوں کی روشنی میں بھی وہ خنجر چمک رہا تھا۔

بُوڑھے لیڈر نے آہستہ آہستہ شہزاد کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔

شہزاد چبوترے پر بے ہوش پڑا تھا۔

اس کی عقیل پسینے سے بھیگنے لگی۔

خنجر کا سیاہ دستہ پسینے سے بھیگ گیا تو اس نے گرفت اور بڑھا دی۔ وہ اب تک درجنوں ایسے نوجوان اسی خنجر سے قتل کر چکا تھا... لیکن نہ جانے کیا بات تھی کہ اس نوجوان نے اسے دہشت میں مبتلا کر دیا تھا۔

اس نے اپنی خود اعتمادی کو آواز دی اور مضبوطی سے پاؤں فرش پر جماتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔ چبوترے کے پاس پہنچ کر وہ رُک گیا۔ اس کے ہاتھ کی گرفت خنجر کے دستے پر مزید سخت ہو گئی۔ وہ خنجر کو مٹھی میں دبائے شہزاد کے گلے کو گھور رہا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ اب کیا ہوگا۔ نرخرے پر خنجر کا ایک وار کیا جائے گا... پھر اُسے

دائیں حرکت دی جائے گی... اور اس کے بعد بائیں جانب جھٹکا مارا جائے گا تو اس نوجوان کی زندگی اور جسم کا تعلق ختم ہو جائے گا۔

"میں تو بلاوجہ گھبرا رہا ہوں۔"

اس نے بُوڑھاتے ہوئے عزم کو سمجھایا۔

"ایک ہی وار میں اس کی رُوح جسم کے رشتے کا خاتمہ ہو جائے گا... میں مخصوص انداز میں وار کرنے کے بعد دو قدم ہٹ جاؤں گا... اور اس کے نرخرے سے بہتے ہوئے خون کا تماشا دیکھوں گا۔"

وہ مزید آگے بڑھا۔

اب وہ چبوترے کے ساتھ لگ کر کھڑا تھا۔ اس کا ہاتھ آہستہ آہستہ سر سے بلند ہونے لگا... لیکن سر سے بلند ہونے کے بعد رُک گیا جیسے وہ وار کرنا بھول گیا ہو۔ اس کی آنکھیں ایک لمحے کے لیے شہزاد کے نرخرے سے ہٹ کر اُس کے چہرے کی طرف جھک گئی تھیں... اور پھر وہیں جم کر رہ گئیں۔

یُوں لگتا تھا جیسے وہ بے ہوش نہ ہو... بلکہ سکون کی نیند میں ڈوبا ہوا ہو۔ اس کی پلکیں بند تھیں اور ہونٹوں میں ڈیلوں کا اُبھار نظر آرہا تھا۔ پپوٹے بے حد پُرسکون تھے اور پلکیں ذرا سی بھی نہیں کانپ رہی تھیں۔ اس کے ہونٹ پتلے پتلے تھے لیکن اُن کی ساخت میں کتنا حُسن تھا۔ چہرے کے کس قدر خود اعتمادی اور کشش ظاہر ہو رہی تھی۔ بُوڑھے لیڈر نے اس سے پہلے کسی انسانی چہرے میں اتنا تقدس اور رُعب نہیں دیکھا تھا۔ بے اختیار اُس کی نگاہ مورتی کی طرف اُٹھ گئی۔

مُورتی خوفناک آنکھوں اور دہشت آمیز نقش و نگار والی تھی۔ وہ اسے اپنی طرف غصیلے انداز میں گھورتی ہوئی محسوس ہوئی... جیسے اس بات پر برہم ہو کہ وہ قربان ہونے والے سے اس سے زیادہ متاثر ہو رہا ہے۔

وہ ایک جھرجھری سی لے کر دوبارہ شہزاد کی طرف متوجہ ہو گیا۔

اس نے ایک بار پھر کھوئی ہوئی خود اعتمادی کو بحال کرنے کی کوشش کی اور چبوترے کے قریب گھٹنوں کے بل فرش پر جُھک گیا تاکہ ہاتھ کی ساری توانائی ہدف پر صرف کر سکے۔ اگر اس کی یہ حالت جنرل لامو کے سامنے ہوتی تو شاید وہ پہلے اُسی کو دیوی کے بھینٹ چڑھا دیتا اور اس کے بعد ہی شہزاد کی طرف متوجہ ہوتا۔

فرش ٹھنڈا اور بھُوس تھا۔

اچانک بوڑھے لیڈر کو جھٹکا لگا۔

شہزاد کے چہرے کی رنگت تیزی سے بدلتی نظر آرہی تھی۔

اس کی رنگت میں گلابی پن بڑھتا جا رہا تھا... آہستہ آہستہ اس گلابی رنگت نے سُرخی اختیار کرنا شروع کر دی۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے پھلک پڑنے سے پہلے اس کا خون تیزی سے ایک جگہ جمع ہو رہا ہے۔

بوڑھے لیڈر کا جسم کانپنے لگا۔

مارے دہشت کے اُسے اپنا حلق خشک ہوتا محسوس ہونے لگا۔

شہزاد کے ہونٹوں کے درمیان ایک سُرخی سی لکیر نمودار ہو رہی تھی۔ بُوڑھا مزید توجہ سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ سب کچھ اس کا وہم ہے یا واقعی اس نوجوان کے چہرے پر ایسی تبدیلیاں نمودار ہو رہی ہیں۔

وہ ہونٹوں کے درمیان بننے والی بھوری لکیر کو مزید توجہ سے دیکھنے لگا۔ جواب آہستہ آہستہ موٹی ہو رہی تھی... پھر نچلے ہونٹ کے درمیان ایک دائرہ سا بن گیا اور وہ بھوری لکیر غائب ہو گئی۔ اس دائرے کا رنگ گہرا تھا... بوڑھے لیڈر نے دیکھا کہ یہ دائرہ مطرب ہے... یہ کوئی سیال تھا۔

... پھر بوڑھے کو اُچھل کر ایک طرف ہٹ جانا پڑا۔

اگر وہ ایسا نہ کرتا تو ہونٹوں سے پھوار کی شکل میں نکلنے والے سیال سے تھرتھرا گیا ہوتا۔ یُوں محسوس ہوا جیسے شہزاد کے جسم نے کسی خود کار نظام کے تحت اس سیال کا اخراج کر دیا ہو۔ بوڑھے کی آنکھیں شدتِ حیرت سے پھٹ گئیں۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس نوجوان کو مر جانا چاہیے... زہر اتنا خطرناک اور مہلک تھا کہ اس سے کسی انسان کے زندہ رہنے کی توقع ہی فضول تھی... لیکن وہ اپنی زندگی کا سب سے حیرت انگیز منظر دیکھ رہا تھا۔ شہزاد کے جسم نے نہ صرف اس زہر کو قبول کرنے سے انکار کر دیا بلکہ اس نے اس کا اخراج بھی شروع کر دیا تھا۔ اس کے اندرونی نظام نے زہر سے اثر انداز ہونے کی بجائے اسے زائل کرنا شروع کر دیا۔

"اوہ... یہ یقیناً وہی نوجوان ہے۔" بوڑھا لیڈر چیخ پڑا۔

"وہی جسے اس صدی کے ماسٹر نے اپنا علم منتقل کیا ہے جس کا ذکر کوک کہانی میں ہے... اور جس سے میں شروع سے ہی خوفزدہ تھا۔"

اچانک وہ ہوش میں آگیا۔

وہ دیکھ رہا تھا کہ شہزاد ابھی بے ہوش ہے ایسے میں اسے ہلاک کیا جا سکتا تھا۔ اس نے تیزی سے ہاتھ اُٹھایا اور آخری بار کوشش کی کہ جسم کی ساری توانائی خرچ کر کے خنجر شہزاد کے گلے میں پیوست کر دے۔ یہ ایک آخری موقع تھا... اور آخری موقع

بہرحال کچھ نہ ہونے سے بہت بہتر ہوتا ہے... لیکن اُسی لمحے اُس کا ہاتھ جیسے فضا میں معلق ہو کر رہ گیا۔ اس کے کانوں سے ایک تیز آواز ٹکرائی تھی۔

"میں ماسٹر ہوں... اس صدی کا ماسٹر...!"

اس آواز نے جیسے بوڑھے کی رہی سہی قوت بھی چھین لی۔

اس نے آنکھیں بند کر لیں اور پھر اس کا ہاتھ نصف دائرے میں حرکت کرتا ہوا نیچے آنے لگا... لیکن خنجر کی نوک کا رُخ شہزاد کے گلے کی طرف نہیں تھا بلکہ خود اس کے اپنے دل کی جانب تھا۔

خنجر اس کے دل میں پیوست ہو گیا۔

درد کی ایک لہر اس کے پورے جسم میں دوڑ گئی۔

وہ دُہرا ہو گیا... وہ مطمئن تھا، یہ ایک آسان سی سزا تھی جو اُس نے اپنے ہاتھوں لی تھی اور موت کے مُنہ میں پہنچ گیا تھا۔ وہ اس سزا کو برداشت کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا جو شہزاد کو قتل کرنے کے بعد ماسٹر کی طرف سے اُسے مل سکتی تھی۔

اس نے دل میں پیوست خنجر کو حرکت دینے کی کوشش کی تو اس کا جسم چرمرا گیا۔ ہاتھ خنجر کو حرکت دینے میں ناکام رہا۔ اس کا جسم شل ہونا چلا گیا جیسے ساری توانائی سینے کے زخم کی طرف دوڑ پڑی ہو... اور وہاں کے سُوراخ سے یُوں خارج ہو رہی ہو جیسے ٹب میں بھری ہوئی ہوا معمولی سے سُوراخ سے نکلتی چلی جاتی ہے۔

بوڑھے لیڈر کی آنکھیں کھُل گئی تھیں۔

اُس نے محسوس کیا کہ فرش تیزی سے اُوپر اُٹھ رہا ہے۔

... پھر فرش اور اس کے جسم کا تصادم ہوا اور وہ کھُلی آنکھوں موت کا شکار ہو گیا۔ مرتے وقت اس کا چہرہ دیدی کی مُورتی کی طرف تھا۔ مُورتی اپنی خوفناک آنکھوں سے اُسے آخری دَم تک گھُورتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

G

شہزاد نے جب آنکھیں کھولیں تو سب سے پہلے اُسے اپنی پُشت پر کسی کے گھٹنے کا احساس ہوا... پھر یُوں لگا جیسے کوئی اس کی گردن پر وار کر رہا ہو... اس نے کچھ نہ سمجھنے کے انداز میں سامنے دیکھا۔

کسی نے اس چبوترے پر ستے کر دی تھی۔

کسی کا خون بھی بہا تھا۔

لیکن وہ یہ سمجھنے سے قاصر رہا کہ یہ سب کیا ہے، کیوں کے حواس تیزی سے ٹھکانے آ رہے تھے۔ گردن پر اب بھی چاقو رہے تھے۔ ان چوٹوں کو محسوس کرتے ہی اس نے عقب میں موجود اس حملہ آور پر کہنی سے وار کرنے کی کوشش کی لیکن جب وہ اپنے بازو کو حرکت دینے میں کامیاب نہ ہو سکا تو اُسے یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ اس وقت وہ کسی ماہر فن کی گرفت میں ہے... جو اُدشان کے علاوہ کوئی اور نہیں ہو سکتا تھا۔

"اُدشان... مجھے کیا ہو گیا ہے؟"

"اور کھاؤ... خوب کھاؤ... ہر اُلٹی سیدھی چیز اُٹھاؤ اور اُسے معدے میں گھُسیڑنے کی کوشش کرو... احمق، تم جیسے نالائق کو تو واقعی مر جانا چاہیے تھا۔ اس طرح تمھیں کم از کم یہ سبق ضرور مل جاتا کہ معدے میں صرف وہی چیزیں پہنچنی چاہئیں جن کی جسم کو ضرورت ہوتی ہے۔" اُدشان بڑبڑا رہا تھا اور اس کی ہتھیلی کی چوٹیں اب بھی شہزاد کی گردن پر پڑ رہی تھیں۔ گھٹنے کا دباؤ بھی ریڑھ کی ہڈی پر برقرار تھا۔

"میں اب بالکل ٹھیک ہوں، محترم اُدشان۔" اس نے ندامت سے کہا۔ "اگر میں نے کوئی ایسی چیز کھا لی تھی تو مجھے اس کا فوراً ہی احساس کیوں نہیں ہوا؟"

"اس لیے کہ تم کھانے سے زیادہ نگلنے کے عادی ہو، احمق۔" اُدشان نے تیز لہجے میں کہا اور اُسے چھوڑ دیا۔ گھٹنے کا دباؤ بھی ختم ہو گیا۔

وہ اس کے سامنے آ گیا۔

اس کی آنکھیں غصّے سے دہک رہی تھیں۔

"بتاؤ، تم نے مجھے کیا دیا؟" وہ غرّانے لگا۔ "میں نے تمہیں اپنی زندگی کے کئی بہترین سال دیے لیکن تم نے مجھے کیا دیا؟"

شہزاد نے خود کو گھٹنوں کے بل فرش سے اُٹھاتا ہوا اپنا سر خفیف سا گھومتا ہوا محسوس ہوا۔ اُدشان اب بھی اس کی گردن پر وقفے وقفے سے ہلکی ہلکی چوٹیں لگا رہا تھا... اور جب اُسے یقین ہو گیا کہ ٹائیگر کی سانسیں معمول پر آ گئی ہیں تو اس نے اپنا ہاتھ روک لیا۔

"شہزاد..." اُدشان نے ملامت آمیز خفگی سے کہا۔ "تم نے جو تربیت حاصل کی ہے، وہ عام آدمی کی صلاحیتوں اور تصور سے بہت بلند ہے... پھر بتاؤ، تم کھانے کے معاملے میں عام آدمیوں جیسا مدیدہ پن کیوں برت رہے ہو؟"

"دراصل کھانا کچھ اتنا ہی لذیذ تھا۔"

"اس میں مسز لامو کی لذت بھی تم نے شامل کر لی ہو گی۔"

شان غرّایا۔ "تم سُور کی طرح کھاتے ہو، اب تو بچ گئے ہو... لیکن اگر تم اسی طرح کھاتے رہے تو کسی کتّے کی موت مرو گے۔"

اچانک شہزاد کی نگاہ بوڑھے کی لاش پر پڑی جو مُنہ کے بل فرش پر پڑا تھا اور جس کا خون جم کر سیاہی مائل ہو رہا تھا۔

"اس بوڑھے کو آپ نے ٹھکانے لگایا ہے؟"

"نہیں..." اُدشان بڑبڑایا۔ "یہ بذاتِ خود ایک سمجھ دار دی تھا۔"

"ہاں... جس انداز سے پڑا ہے، یہ شاید سمجھ داروں ہی ا انداز ہے۔"

"بکو مت۔" اُدشان نے اس کی کہنی پر ہاتھ مارتے ہوئے ہا۔ "یہ جانتا تھا کہ اگر اس نے خودکشی نہ کی تو اس کا کیا انجام ہو گا... س انجام سے خوف زدہ ہو کر اس نے اپنے ہاتھوں آسان موت نبول کر لی۔"

شہزاد نے اس بار کوئی جواب نہیں دیا۔

اُدشان نے اس کی گردن کے عضلات پر اُنگلی پھیرتے ہوئے اپنا کام ختم کر دیا۔ "چلو... اب کھڑے ہو جاؤ۔" اس نے حکم دیا۔

شہزاد اُٹھ کھڑا ہوا۔

اس نے تین چار گہری گہری سانسیں لیں اور پھر پلکیں جھپکانے لگا۔ اب وہ خود کو پہلے سے کہیں زیادہ بہتر محسوس کر رہا تھا۔ یکایک اس کی نگاہ اپنی قمیص کے دامن پر پڑی جس پر دھبے تھے۔ "میرا خیال ہے، بہت ہی خطرناک زہر دیا گیا ہے۔" وہ بڑبڑایا۔

"اگر تمھارا جسم اور اس کا اندرونی نظام ایک خاص انداز میں مدافعت کے لیے تیار نہ ہوتا تو اب تک یہ زہر تمھارے فرشتوں کو بھی موت کی نیند سُلا چکا تھا... یہاں ایک بات ہمیشہ کے لیے ذہن نشین کر لو کہ زہر تمھارے جسم کے اندرونی نظام پر اثر انداز نہیں ہوتا... لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم اندھا دُھند ہر چیز کھانا شروع کر دو۔ بعض زہر ایسے بھی ہیں جن کو تمہارا یہ اندرونی نظام خصوصیت سے قبول کر لے گا... اور وہ زہر تمہارے لیے موت کا پیغام بن سکتے ہیں۔"

"اوہ..." شہزاد نے مُسکرا کر کہا اور اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ اس نے پہلی بار ماحول کو غور سے دیکھا اور بڑبڑایا۔ "کیا یہ اُسی ریستوران کا تہہ خانہ ہے؟"

"کیوں... کیا پھر کچھ کھانے کی خواہش ہو رہی ہے؟"

"ہمیں فوری طور پر مسز لامو کو تلاش کرنا چاہیے۔" شہزاد نے جلدی سے کہا۔ "اگر وہ جنرل لامو تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئی ہے تو اُدشان، یقین کر لو کہ جنرل لامو قتل کیا جا چکا ہے... اور اگر وہ ابھی تک اسے ہلاک کرنے میں کامیاب نہیں ہوئی تو سمجھ لو کہ جنرل کی زندگی شدید خطرے میں ہے۔"

اُدشان نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

شہزاد نے دیکھا کہ اس کا مُوڈ ابھی تک خراب ہے۔

اُدشان نے دروازہ کھولا اور باہر راہ داری میں نکل آیا۔

شہزاد نے دروازے کے سامنے دو لاشیں دیکھیں۔ ان کے ٹوٹے پھوٹے جسم بتا رہے تھے کہ انہیں اُدشان کے ماسٹر ہینڈ نے ہی اس نوبت کو پہنچایا ہو گا۔ اُدشان تیزی سے راہ داری میں چلنے لگا لیکن اس کے قدموں سے ذرا سی بھی آہٹ نہیں ہو رہی تھی۔

یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے تاریکی میں خاموشی متحرک ہو گئی ہو۔ وہ بھی اسی انداز میں چلنے لگا۔ یہ چلنے کا مخصوص انداز شہزاد کو اُدشان نے بڑی محنت سے سکھایا تھا۔ جس طرح درندوں کے چلنے سے ذرا سی بھی آہٹ نہیں ہوتی، بالکل اسی طرح ان کی حرکت بھی بے آواز تھی۔

راستے میں ایک ٹوٹا ہوا دروازہ بھی نظر آیا۔

یہ مضبوط لکڑی کا دروازہ تھا... لیکن شہزاد نے دیکھا کہ اس کے کواڑ کئی حصّوں میں یوں بکھر گئے تھے جیسے انہیں کسی کلہاڑے سے چیر ڈالا گیا ہو۔

دونوں اسی طرح کافی دیر تک راہ داری میں چلتے رہے۔

شہزاد کی ذہنی قوتیں ایک بار پھر کام کرنے لگی تھیں... لیکن وہ اس وقت اپنے استاد کے ساتھ تھا اس لیے اُدشان ہی کی تقلید کر رہا تھا۔ اُسے اُدشان پر بے پناہ فخر کا احساس ہونے لگا۔ اُدشان ایک جگہ ٹھٹک گیا۔

بائیں جانب ایک دروازہ تھا۔

بند دروازہ... اُدشان نے ہینڈل کو پکڑ کر گھمانے کی کوشش کی لیکن معلوم ہوا کہ دروازہ مقفل ہے۔ اُدشان کے ٹھٹکنے کی وجہ شہزاد کی بھی سمجھ میں آ گئی تھی۔

اس کمرے سے عجیب آوازیں سُنائی دی تھیں۔

آوازیں دھیمی تھیں۔ کوئی عام آدمی اس وقت دروازے کے سامنے سے گزر رہا ہوتا تو شاید یہی سمجھتا کہ کمرے میں کوئی موجود نہیں جب کہ اُدشان اور شہزاد کو دو ایسے جسموں کی آوازیں سُنائی

دے رہی تھیں، جو بُری طرح ہانپ رہے تھے۔

اُدوشان نے لمحے بھر کو نتھنے پھیلائے اور کچھ دیر سُونگھتا رہا... پھر اُس نے ایک قدم ہٹ کر دروازے پر وار کیا۔

دروازہ کئی حصّوں میں ٹوٹ کر بکھر گیا۔

اُدوشان تیزی سے کمرے میں گھس گیا۔ شہزاد بھی پلک جھپکتے میں اندر تھا لیکن کمرے میں داخل ہوتے ہی دونوں کو ٹھٹک جانا پڑا سامنے ایک شرمناک منظر تھا۔ شہزاد نے اس عورت کو دیکھا جو خود اس کے پہلو میں ہی سانس لے چکی تھی۔ جنرل لامو اور اس کی بیگم، دونوں ایک ہنگامے کی بُجھائی کو دھونے میں مصروف تھے۔

دروازہ ٹوٹنے کی آواز اور دونوں کی آمد پر پہلے تو جنرل لامو اور اس کی بیوی حیرت زدہ رہ گئے... پھر جنرل لامو تیزی سے اُچھلا اور چارپائی سے کُود کر اُس میز کی طرف لپک پڑا جہاں اس کا لباس ڈھیر کی صُورت میں پڑا ہُوا تھا۔ اس نے بڑی پھرتی سے ریوالور نکالا...

... لیکن یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ ٹائیگر اس کے قریب آ پہنچا ہے۔ اس نے شہزاد کو اپنی جگہ سے حرکت کرتے نہیں دیکھا تھا اس لیے جب اُسے قریب پایا تو اُسے حیرت کا شدید جھٹکا لگنا ہی چاہیے تھا... ریوالور نکال کر اس نے دروازے کی طرف فائر کرنا چاہا تھا لیکن اس وقت تک شہزاد نے اس کا بازو تھام لیا تھا۔

ٹرائیگر دب گیا۔

ایک دھماکا ہُوا اور گولی چھت میں پیوست ہو گئی۔

"ہیلو... جنرل لامو!" شہزاد نے مُسکرا کر کہا۔ "ہم دوست ہیں۔ اس عورت نے تمہیں دھوکا دیا ہے۔ یہ ان لوگوں کی ساتھی ہے جنہوں نے آپ کو اغوا کیا تھا!"

جنرل لامو کا چہرہ زرد پڑ گیا۔

اس کی آنکھیں تیزی سے حرکت کرنے لگیں جیسے وہ اس صورتِ حال کو سمجھنے کی کوشش کر رہا ہو۔ وہ ایک ذہین آدمی تھا اس لیے فوراً سمجھ گیا کہ شہزاد کسی غلط فہمی میں مبتلا ہے۔ اس کی آنکھیں تیزی سے سُرخ ہونے لگیں۔

غصّے سے اس کا چہرہ بھی سُرخ ہو گیا تھا۔

وہ اپنی بیوی کو گھُورنے لگا۔

"کیا یہ درست ہے؟" اس نے اپنی بیوی سے پوچھا۔

مسز لامو چند لمحوں تک تو پلکیں جھپکاتی رہی جیسے صورتِ حال اس کے فہم و ادراک سے بالاتر ہو... پھر جب معاملہ اس کی سمجھ میں آیا تو بہت دیر ہو چکی تھی۔ اس نے اپنے شوہر کی طرف دیکھا اور نفی میں سر ہلا کر چیخنے لگی...

"یہ جھوٹ ہے... یہ جھوٹ..."

اچانک کمرہ فائر کی آواز سے ایک بار پھر گونج اُٹھا۔ شہزاد نے اس بار جنرل لامو کا ہاتھ تھامنے کی کوشش نہیں کی تھی، کیوں کہ ریوالور کا رُخ مسز لامو کی طرف تھا... اور وہ اس وقت ایک تیر سے دو شکار کرنا چاہتا تھا۔ اس کا تیر نشانے پر بیٹھا۔ مسز لامو کی کھوپڑی گولی سے اُڑ گئی۔

اس کا بے لباس خوب صورت جسم فرش پر گر گیا اور تڑپنے لگا

جنرل لامو نے ریوالور والا ہاتھ جُھکا لیا۔

ریوالور کی نال سے اب بھی دُھواں نکل رہا تھا۔

شہزاد اس کی اداکاری پر تحسین نگاہ کرتا اُٹھا۔ جنرل لامو اس وقت بے لباس تھا لیکن یوں ظاہر کر رہا تھا جیسے بیوی کی دھوکے بازی کے صدمے نے اُسے اپنی برہنگی تک کے احساس سے بے نیاز کر دیا ہو۔

وہ اس وقت ایک ایسا شوہر دکھائی دے رہا تھا جیسے اپنی بیوی سے بے پناہ محبت ہو... اور بیوی کی بے وفائی نے اس کے ہوش و حواس چھین لیے ہوں۔ اس کی اُنگلیوں کی گرفت ریوالور پر خود بخود ڈھیلی پڑنے لگی۔

ریوالور اس کے ہاتھ سے نکل کر گر گیا۔

"اس نے میری شریکِ حیات ہو کر مجھے دھوکا دیا!" جنرل لامو نے رقت آمیز لہجے میں کہا اور سسکیاں بھرنے لگا۔

شہزاد نے اُدوشان کی طرف دیکھا۔

اُدوشان کا مُنہ مارے نفرت کے ٹیڑھا ہُوا تھا۔

"میرا خیال ہے، ہمیں چلنا چاہیے، جنرل!" شہزاد نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہُوئے کہا۔ "لامازی لینڈ اور جزیرۂ فردوس کی حکومتوں میں آپ کی گمشدگی کے باعث خاصی بدمزگی پیدا ہو چکی ہے... اور مہلت کا وقت بھی ختم ہونے ہی والا ہے!"

جنرل لامو آہستہ آہستہ اُٹھ کھڑا ہُوا۔

اس نے نہایت سنجیدگی سے کپڑے پہنے اور ہر حرکت سے خود کو بے پناہ دلگرفتہ اور غمگین ظاہر کرتا رہا...

صدرِ مملکت نے مُسکرا کر اپنے مشیرِ خاص کی طرف دیکھا۔

ان کے چہرے سے بے پناہ خوشی ظاہر ہو رہی تھی۔ انہوں نے رپورٹ الگ رکھ دی اور ایک انگڑائی لے کر پُرسکون لہجے

میں بولے: "بہت خُوب... بہت خُوب... میری توقع کے مطابق... میری سوچوں سے بہت زیادہ!"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا، جناب!"

صدرِ مملکت نے طمانیت سے مُسکراتے ہُوئے کہا: "پولیس ڈیپارٹمنٹ سروس جس کام میں ناکام ہو گئی، وہ کام ہو گیا!"

"کیا جنرل لامو کا سُراغ مل گیا، جناب؟"

"سُراغ...؟" صدرِ مملکت ہنس پڑے۔ "اُنہوں نے اسے تلاش کر لیا ہے۔ ان دونوں کا جزیرۂ فردوس کے عوام پر احسانِ عظیم ہے۔ سینکڑوں بلکہ ہزاروں انسانوں کا خُون بہنے سے رُک گیا!"

"وہ دونوں کون ہیں، جناب؟"

صدرِ مملکت نے نرمی سے مُسکراتے ہُوئے سر کو منفی جنبش دے کر کہا: "میں نہیں جانتا... اور اس کا کہنا دُرست ہی تھا۔ ان لوگوں کو سب سے الگ تھلگ ہی رہنا چاہیے۔ یہ لوگ اسی طرح قوم کے لیے کارآمد ثابت ہو سکتے ہیں۔ اوہ، خدایا! میں نے اس شخص سے کتنی زیادتی کی ہے۔"

"یہ تمام باتیں میرے لیے ناقابلِ فہم ہیں، جناب!"

"تمہارا ان باتوں سے بے خبر رہنا ہی بہتر ہے۔" صدرِ مملکت نے گہری سوچ سے اُبھرتے ہُوئے کہا۔ "تم اب جا سکتے ہو!"

مشیرِ خاص تعظیم سے جُھک کر کمرے سے نکل گیا۔

صدرِ مملکت چند لمحوں تک بے چینی سے ٹہلتے رہے... پھر ان کا ہاتھ مخصوص فون کی طرف بڑھا اور انہوں نے ریسیور اُٹھا لیا۔ دوسری طرف دیر تک گھنٹی بجتی رہی۔

✻

بہرام نے کن انکھیوں سے فون کی طرف دیکھا۔

اُسی فون کی گھنٹی بج رہی تھی جس کا سلسلہ براہِ راست صدرِ مملکت سے ملا ہُوا تھا۔ اس نے ریسیور اُٹھانے کی کوشش نہیں کی۔ اس کی پیشانی تُرش تھی کیونکہ وہ ابھی کچھ دیر قبل ایک خاص ذریعے سے اُدوشان کو یہ حکم بھیج چکا تھا کہ شہزاد ٹائیگر کو قتل کر دیا جائے... وہ اب بے چینی سے اس فون کال کا منتظر تھا جس کے ذریعے اسے ٹائیگر کے مرنے کی اطلاع دی جانے والی تھی۔

گزشتہ روز جب فون پر صدرِ مملکت نے بہرام سے ٹائیگر کے سلسلے میں بات چیت کی تھی تو اس نے مارے غصّے کے ریسیور کو اتنی شدّت سے کریڈل پر پٹخا تھا کہ ریسیور دو حصّوں میں ٹوٹ گیا تھا لیکن صبح جب وہ دفتر میں واپس آیا تو اس نے ریسیور کو ٹھیک حالت میں پایا، غالباً اس کی ضروریات کا خیال رکھنے والے شخص نے ریسیور تبدیل کر دیا تھا۔

اُدوشان کو ٹائیگر کے قتل کا حکم بھجوانے کے بعد اس نے ایک بار پھر دراز سے وہی شیشی نکال لی... جس میں ایک سفید ٹکیہ رکھی رہتی تھی۔ یہ موت کی ٹکیہ تھی اور اس میں پُرسکون ہلاکت کا سامان بند تھا۔

ٹائیگر خود اُس کے ہی نہیں، اُدوشان کے بھی خوابوں کی تعبیر تھا۔ اُسے تباہ کرنے کے خیال سے ہی وہ رات بھر سو نہیں سکا تھا... لیکن وہ مجبور تھا۔ مجبّت، فرض کی راہ میں حائل نہیں ہو سکتی تھی۔

اس نے گزشتہ روز فلک کرافٹ کی تباہ کُن شخصیت پر بات کی تھی کہ حکم دیا تھا کہ شہزاد ٹائیگر کو ختم کر دیا جائے لیکن وہ ناکام رہا تھا۔ اس کے تمام آدمی باری باری ٹائیگر کے ہاتھوں مارے گئے تھے...

پھر اس نے خصی حکم اُدوشان کو بھجوایا... اور اُسے اسی سلسلے میں انتظار تھا کہ اس فون کی گھنٹی بجنے لگی جس کا تعلق صدرِ مملکت کے دفتر سے تھا۔

بہرام فون کی طرف دیکھتا رہا۔

گزشتہ پانچ منٹ سے فون کی گھنٹی بج رہی تھی۔

اس نے ریسیور نہیں اُٹھایا... کیوں کہ یہ بات اس کے علم میں تھی کہ صدرِ مملکت سے گفتگو کرنے کی اس میں اب طاقت نہیں ہے۔ اسے یہ اطلاع مل گئی ہو گی کہ جنرل لامو کو ڈھونڈ لیا گیا ہے اور اُسے واپس لامازی لینڈ بھیجنے کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ شہزاد اور اُدوشان نے بروقت اُسے تلاش کر کے جنگ کا خطرہ ٹال دیا تھا... بلکہ اب تو پھر سے دونوں ملکوں میں تعلقات خوش گوار ہونے کے امکانات روشن ہو گئے تھے... صدرِ مملکت کو یہ آخری رپورٹ خود بہرام ہی نے بھجوائی تھی اور وہ جانتا تھا کہ اس وقت صدرِ مملکت اسی سلسلے میں اس سے کوئی بات کرنا چاہتے ہوں گے۔

بہرام نے تھکی تھکی آنکھوں سے اس فون کی طرف دیکھا جس پر اُدوشان کو شہزاد ٹائیگر کے مرنے کی اطلاع دینی تھی... وہ فون یوں خاموش تھا جیسے مُردہ حالت میں پڑا ہو۔

فون کی گھنٹی سے بیزار ہو کر بہرام نے آہستہ آہستہ ہاتھ ریسیور کی طرف بڑھا ہی دیا لیکن ایسا کرتے وقت بھی اس کی نگاہ سفید ٹکیہ پر جمی ہی رہی تھی۔ اس ٹکیہ کو اس نے شیشی سے نکال کر میز کے ٹاپ پر رکھ دیا...

"بہرام اسپیکنگ..." اس نے جھرّائی ہُوئی آواز میں کہا۔

"پریذیڈنٹ . . . !"

بہرام چونکا ہوگیا کیوں کہ پریذیڈنٹ کی آواز میں برہمی نہیں تھی۔ حالانکہ اُسے اتنی دیر سے کال ریسیو کرنے پر بھڑک اُٹھنا چاہیے تھا۔

"آپ کی خدمت کے لیے مستعد۔" بہرام نے دفتری آداب کی خاطر کہا۔ "فرمایئے، میں اب اور کیا کرسکتا ہوں؟"

"میں تم سے شرمندہ ہوں، بہرام۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوگیا ہے۔"

"یہ بات بھی میرے لیے ناقابلِ فہم ہے، جناب۔" بہرام نے جلدی سے کہا۔ صدرِ مملکت کے اندازِ گفتگو میں اتنی نرمی کے بارے میں وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

"تمہارے آدمی واقعی باکمال ہیں۔ میں نے ٹائیگر کے سلسلے میں جو کچھ کہا تھا، اس کے لیے میری معذرت قبول کرو۔ میں فیصلہ کرچکا ہوں کہ اُسے اپنی مرضی سے کبھی استعمال نہیں کروں گا۔"

"اوہ . . ." بہرام نے ایک طویل سانس لی۔

اس نے ایک بار پھر کن انکھیوں سے سفید ٹکیہ کی طرف دیکھا اور پھر اسے اُٹھا کر بائیں ہاتھ سے شیشی میں واپس رکھ دیا۔

"آپ نے بروقت فیصلہ کیا، جناب۔" بہرام نے پُرجوش لہجے میں کہا۔ "لیکن مجھے شبہ ہے کہ شاید اب بھی تاخیر نہ ہوئی ہو۔"

"کیا مطلب؟"

"جزیرۂ فردوس کا وہ شہکار تباہ ہونے والا ہے یا ہوچکا ہے۔ خود میں بھی چند ہی گھڑیوں کا مہمان تھا۔ . . ٹائیگر ختم ہوچکا ہے تو آپ کی یہ ندامت رائگاں جائے گی لیکن اگر وہ زندہ ہے تو میں آپ . . ."

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟" صدرِ مملکت کی آواز میں گھبراہٹ تھی۔

"میں کافی دیر قبل شہزاد ٹائیگر کو ٹھکانے لگانے کا حکم دے چکا ہوں . . . اور اب مجھے اس سلسلے کی حتمی کال ہی کا انتظار ہے۔"

اسی لمحے فون کی گھنٹی بجنے لگی۔

"ایک منٹ، جناب . . . شاید اطلاع آگئی ہے۔" بہرام نے جلدی سے کہا اور اس مخصوص فون کا ریسیور اُٹھا لیا جس پر ٹائیگر کے مرنے کی اطلاع موصول ہونے کا انتظار کیا جا رہا تھا۔

"کیا خبر ہے؟" بہرام نے جلدی سے پوچھا۔

اس کے انداز میں بے پناہ ہیجان تھا۔

"اُوشان نے انکار کردیا ہے، جناب!" دوسری طرف سے کہا گیا۔

"اوہ خدایا . . . تیرا شکر ہے۔"

"کک . . . کیا مطلب، جناب؟" دوسری طرف سے بولنے والے کے لہجے میں حیرت تھی۔

"کچھ نہیں . . . اُوشان سے کہہ دو کہ ٹھیک ہے۔ ٹائیگر کو قتل کرنے کی ضرورت نہیں۔" بہرام جلدی جلدی بولنے لگا۔ "اور یہ پیغام ابھی پہنچا دو۔ وہ دونوں کہیں وہیں ملیں گے، جہاں تم نے کچھ دیر قبل اُوشان سے ملاقات کی تھی۔"

اس نے ریسیور رکھ دیا اور دوسرے ریسیور کی طرف متوجہ ہوگیا۔

"ٹائیگر محفوظ ہے، جناب؟"

"اوہ، خدا کا شکر ہے۔" صدرِ مملکت کی پُرسکون آواز سُنائی دی۔ "مسٹر بہرام۔ مجھے افسوس ہے کہ میں نے اپنی ذہنی پریشانیوں سے بوکھلا کر تمہارے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا۔"

"مجھے خوشی ہے کہ جزیرۂ فردوس ایک عظیم نقصان سے محفوظ ہوگیا۔" بہرام کی آواز بھرا گئی تھی۔ "لیکن جناب میری درخواست ہے کہ مستقبل میں اس شخص کو استعمال کرنے کا کبھی حکم نہ دیجیے گا۔"

"کیا میں اُسے اس عظیم کارنامے پر مبارک باد بھی نہیں دے سکتا؟" صدرِ مملکت کے لہجے میں حسرت کا عنصر تھا۔

"نہیں جناب! یہ فلکرافٹ کے اصولوں میں شامل نہیں ہے۔ ویسے وہ خوش قسمت ہے کہ بال بال بچ گیا۔"

"سیکرٹ سروس کا جو ایجنٹ مسز لامو کا تعاقب کرنے پر مامور تھا، اس نے چند تصویریں اُتاری ہیں۔ اس طرح ٹائیگر نامی یہ قومی قوت نظروں سے اوجھل ہوگئی ہے۔"

"اس کی پروا نہ کیجیے، جناب۔" بہرام نے بڑے فخر سے بتایا۔ "وہ عنقریب کسی اور ہی رُوپ میں سامنے آئے گا . . . کسی کو یہ تک خبر نہیں ہوگی کہ یہ وہی شخص ہے، جسے مسز لامو کے ساتھ دیکھا گیا تھا۔"

"کاش! اُسے کوئی انعام دیا جاسکتا۔"

"اس کی کامیابی ہی بہت بڑا انعام ہے۔" بہرام کا لہجہ اب بھی فخریہ تھا۔ "جزیرۂ فردوس کی حکومت نے اُسے جو شخصیت بخشی ہے، وہی اس کے لیے سب سے بڑا انعام ہے۔ اس سے زیادہ کسی شخص کو کوئی انعام نہیں دیا جاسکتا، جناب۔"

"بہت خوب! میں ایک بار پھر . . . ؟"

"اس کی ضرورت نہیں۔" بہرام کا لہجہ یکایک جذبات سے عاری ہوگیا۔ "کیا میں آپ کی کوئی اور خدمت بھی کرسکتا ہوں، جناب؟"

"نہیں۔ بس میری طرف سے ٹائیگر کا شکریہ ادا کردینا۔ اس کو ہدایت کردینا کہ جنرل لامو کو بخیر و عافیت لامازی لینڈ پہنچا دے۔"

"خدا حافظ، جناب!"

بہرام نے یہ کہہ کر سلسلہ منقطع کردیا۔

اس نے ایک طویل سانس لی اور پہلی بار اس کے چہرے پر تھکن کی بجائے ایسی بشاشت نظر آنے لگی جسے شاید کبھی کسی نے نہیں دیکھا تھا۔ اس کا چہرہ زندگی سے بھرپور تھا۔ آخر کیوں نہ ہوتا، وہ زندگی کو موت کے مُنہ سے بچالانے میں کامیاب ہوگیا تھا۔ اس نے شیشی میں پڑی سفید ٹکیہ کو دیکھا اور مسکرانے لگا۔

"پھر کبھی یہی موت کی ٹکیہ۔" اس نے زیرِ لب کہا اور شیشی کو دراز میں رکھ کر مقفل کردیا۔

◇

لامازی لینڈ کے دارالحکومت میں آنے کے بعد شہزاد کچھ بے چینی سی محسوس کرنے لگا تھا۔ اس نے اُوشان کو اپنی طرف ایسی نظروں سے دیکھتے پایا تھا، جن سے اُس نے ٹائیگر کی طرف کبھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ ان نظروں کو کوئی معنی پہنانے میں کامیاب نہ ہوسکا . . . اور بے چین بھی یوں ہی تھا کہ معاملہ اس کی سمجھ سے بالاتر تھا۔

اس نے جنرل لامو کی ہار ماننے کے بعد اپنے چیف کو فون پر مشن کی کامیابی کا مژدہ سُنایا تھا تو بہرام نے جس انداز میں کھلی برتی تھی، اس پر اُسے افسوس ہوا . . . لیکن چیف کے اعصاب شکن کام کے بارے میں شہزاد کی معلومات وسیع تھیں، اس لیے بہرام کے رویّے کو اس نے کوئی خاص اہمیت نہیں دی تھی . . . البتہ اُوشان کا یہ انداز اس کے لیے تشویش کا باعث بن گیا تھا۔ آخر کیا بات ہے؟ وہ ہر لمحے یہی سوچنے لگا۔

دارالحکومت میں اُسے ایک اُلجھن یہ بھی درپیش تھی کہ سر لامازی ہاشنہ اُسے قہر آلود نگاہ سے دیکھ رہا تھا۔ جب آس پاس دشمن ہی دشمن پھیلے ہوئے ہوں تو اس انداز میں بے چین ہونا ہی پڑتا ہے۔

اُنہوں نے جنرل لامو کو سرکاری طور پر لامازی حکومت کے حوالے کردیا تھا اور حکومت نے شکریہ ادا کرتے ہوئے ان کی خدمات کو سراہا بھی گیا۔ اس کے علاوہ حکومت وقت نے ان کے اعزاز میں ایک بہت بڑے جشن کا اہتمام بھی کیا تھا، جس میں لامازی صدرِ مملکت سے ان کی ملاقات بھی کروائی جانے والی تھی۔

وہ اسی جشن کے سلسلے میں لامازی لینڈ کے دارالحکومت میں مقیم تھے۔ اس کے بعد انہیں واپس جانے کی اجازت تھی۔ ان کی خاطر مدارت کا خاص خیال رکھا جا رہا تھا اور ان کی حفاظت کے لیے ہر وقت ایک فوجی دستہ ساتھ رہتا تھا . . . یہی وجہ تھی کہ ابھی تک کسی لامازی جاہل کو اُن پر حملہ کرنے کی حماقت نہیں سُوجھی تھی . . . وہ لوگ بس دُور دُور ہی سے ان کے لیے آنکھوں سے زہر اُگلتے پھر رہے تھے۔

اس کا ذہن ایک بار پھر ان قاتلانہ حملوں میں اُلجھ گیا جو فلکرافٹ کے آدمیوں نے اس پر کیے تھے۔ بہرام سے وہ گفتگو بھی یاد آئی جس میں اس نے اُوشان کو فوری طور پر فلکرافٹ واپس آنے کا حکم دیا تھا اور اس نے یہ بات اُوشان سے پوشیدہ رکھی تھی۔

آخری بار جب اس نے بہرام کو مشن کی تکمیل کا مژدہ سُنایا تھا تو اس نے ایک بار پھر اُوشان سے بات کرنے کی خواہش ظاہر کی تھی جسے اس نے ہنسی میں ٹال دیا تھا . . . پھر بہرام نے اصرار سے کہا کہ اُوشان سے صرف اتنا کہہ دے۔ "نیلگوں کنتیاں آئی ہیں۔"

شہزاد نے یہ پیغام بھی اپنی ذات تک ہی محدود رکھا تھا۔ نہ جانے کیوں وہ یہ بات اُوشان سے نہ کہہ سکا . . . اور اب اُوشان اسے ایسی نظروں سے دیکھ رہا تھا، جن کا مفہوم سمجھنا اس کے لیے ناممکن تھا۔

شہزاد نے سوچا کہ اُسے یہ کڑوا گھونٹ اب بھر ہی لینا چاہیے۔ اس نے اُوشان کو بہرام کا پیغام سُنا دینے کا ارادہ کرلیا۔ اُسی وقت شہزاد کو وہ لمحہ یاد آگیا جب، لامازی جنرل کے ساتھ اپنے ہوٹل واپس آئے تھے۔

اُنھوں نے رات کا کھانا، ڈائننگ ہال میں کھایا تھا۔

اچانک ایک ویٹر اُوشان کے قریب آیا۔

اس نے کسی ایسی زبان میں اُوشان سے بات چیت شروع کردی جو شہزاد اور جنرل لامو دونوں کے لیے ناقابلِ فہم تھی۔ ویٹر کی باتیں سُن کر اُوشان چند لمحوں کے لیے خاموش ہوگیا تھا۔ یوں محسوس ہوا . . . جیسے اُسے سکتہ ہوگیا ہو۔

اُوشان اپنے تاثرات چھپانے کا ماہر تھا لیکن وہ یقیناً کوئی ایسی ہی بات تھی جسے اُوشان شاید یقین کی منزل تک پہنچنے کی اجازت ہی نہیں دینا چاہتا تھا۔۔ پھر اس نے انتہائی تلخ لہجے میں اس ویٹر کو کوئی جواب دیا۔ جسے سُن کر ویٹر سر جھکا کر واپس چلا گیا۔۔۔ وہ لوگ پہلے ہی آرڈر دے چکے تھے اس لیے نئے ویٹر کی آمد یوں بھی تشبیہ میں ڈالنے کے لیے کافی تھی۔۔ شہزاد نے اُوشان کی طرف مضاحت طلب نظروں سے دیکھا لیکن اُوشان بے نیازی ظاہر کرنے لگا تھا۔

"اُوشان۔۔" شہزاد نے اس کی طرف جُھک کر سرگوشی کی۔ اس وقت دونوں لامازی دارالحکومت میں گشت پر نکل کر واپس اسی ہوٹل میں آگئے تھے جہاں ان کو ٹھہرایا گیا تھا۔

"کیا بات ہے؟"

"تم مجھ سے ناراض ہو؟"

"اس وقت تو نہیں ہوں۔"

"تمہارے رویے میں کچھ عجیب سی کیفیت ہے۔"

"مجھے اس کے لیے شرمندہ ہونے کی بجائے اپنے آپ میں وہ تبدیلیاں پیدا کرنی چاہییں جن کا میں مدت سے خواہشمند ہوں۔"

اُسی لمحے ایک فوجی افسر اندر آیا اور ان کو مزید بات چیت کا موقع نہ مل سکا۔ شہزاد نے سوچا کہ بہرام کا وہ عجیب سا پیغام کسی اور وقت اُوشان کو سُنا دے گا۔

فوجی افسر نے انہیں جشن میں شرکت کرنے کا دعوت نامہ دیا اور پھر ایک طرف بیٹھا ان کے تیار ہونے کا انتظار کرنے لگا۔

"لامازی لینڈ کے صدرِ مملکت آپ سے ملاقات کریں گے۔" افسر نے مُسکرا کر انہیں خوش خبری سُنائی۔

"اپنے ہونٹ کا خیال رکھنا شہزاد۔" اُوشان بڑبڑایا۔

افسر چونک کر اُوشان کی طرف دیکھنے لگا لیکن وہ اس کی بات نہیں سمجھ پایا تھا اس لیے حیرت سے شہزاد کی طرف متوجہ ہو گیا۔ شہزاد کے لیے اس تبصرے پر ہنسی ضبط کرنا مشکل ہو رہا تھا لیکن اس نے افسر کو یہ تاثر نہ ہونے دیا کہ اُس کے لیے کوئی تشویشناک آویزش بھی ہو سکتی ہے۔ وہ فوجی افسر کے ساتھ باہر آگئے۔

جس عمارت میں جشن کا اہتمام کیا گیا تھا، اس تک سفر کرتے ہوئے شہزاد مسلسل اس فوجی افسر سے باتیں کرتا رہا۔ کبھی افسر کا لہجہ ہنسی کے پُرمال تھا لیکن وہ ہنس کر اپنے مہمانوں کو بدظن کرنا نہیں چاہتا تھا۔ یہ اَور بات ہے کہ شہزاد اس سے بے نیاز تھا

لامازی کا ہاتھ تھام لینے میں کوئی عار نہیں سمجھا کرے گا۔"

"ایسی صورت میں سچ کو برقرار رکھنے کے لیے ہمیں مصافحہ ہی کرنا چاہیے۔" شہزاد نے نرمی سے مُسکرا کر کہا۔

لامازی صدر ہنس پڑا اور جنرل لامو کے ہونٹوں پر بھی... مسکراہٹ نظر آنے لگی۔ اس وقت وہ اپنی یونیفارم میں تھا اور عمر سے بھی کم کا نظر آ رہا تھا۔

"صدرِ مملکت کی اجازت سے۔" جنرل لامو نے کہا۔ "میں اپنے معزز مہمانوں کو دلچسپ ترین مظاہرہ دکھانا چاہتا ہوں۔" وہ اُوشان اور شہزاد کی طرف متوجہ ہوا۔ "میرا خیال ہے، آپ دونوں نے اس زبردست فوجی پہرے کو محسوس نہیں کیا ہو گا۔ صدرِ مملکت اور آپ کی حفاظت کے لیے ایسا کرنا ضروری تھا۔"

شہزاد نے کن انکھیوں سے ادھر دیکھا، جہاں اُسے آٹھ سپاہی نظر آ رہے تھے۔ ان میں سے ہر ایک جوان عمری کی دہلیز پار کر چکا تھا... اور تب ہی شہزاد نے موت کی بُو محسوس کرنی شروع کر دی۔

وہ آٹھوں سپاہی مسلح تھے، ان کی رائفلوں کا رُخ، اُوشان اور شہزاد کی طرف تھا۔ شہزاد نے صورتِ حال پر ایک طویل سانس لی اور خود کو پیش آنے والے حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار کرنے لگا۔

جنرل لامو نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اس کے انداز سے جو نرمی جھلک رہی تھی، اس میں بھی سختی کا عنصر جھلک رہا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ کمرے کے وسط میں رکھے ہوئے کانچ کے ایک صندوق کی طرف بڑھنے لگا۔ شہزاد نے اس صندوق کی طرف دیکھا تو چونکے بغیر نہ رہ سکا۔ اس میں ایک تلوار رکھی ہوئی تھی۔

اس تلوار کے دستے پر ہیرے مرصّع تھے۔ ہیرے کانچ کے صندوق پر پڑنے والی روشنی کی وجہ سے کئی رنگ کی کرنیں منعکس کر رہے تھے۔ تلوار تیز دھار تھی اور اس کا بلیڈ بھی چمک رہا تھا۔

کانچ کے صندوق کی طرف بڑھتے وقت جنرل لامو کے جبڑوں سے دھمک پیدا ہو رہی تھی۔ کمرے میں خنکی تھی لیکن تیز روشنی کی وجہ سے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے سورج اس کمرے میں اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ موجود ہو۔ جنرل لامو اس کانچ کے صندوق کے قریب رُک گیا۔

اس نے پلٹ کر مُسکراتے ہوئے کہا۔

"میرے معزز مہمانو... اور جنابِ صدرِ مملکت! میں آپ کے سامنے اس وقت جس چیز کی نمائش کرنے والا ہوں، وہ ایک تلوار ہے... یہ ایک قدیم تلوار ہے اور اسے سنانجو کی تلوار کہتے ہیں۔"

شہزاد مزید چونک پڑا کیونکہ سنانجو جزیرہ فردوس کا وہ دُور اُفتادہ قصبہ تھا جس کا تعلق اس کے استاد اُوشان سے تھا۔ اس نے کن انکھیوں سے اُوشان کی طرف دیکھا۔

اُوشان کا چہرہ جذبات سے عاری تھا۔

اس کے چہرے پر کوئی تاثر نہ دیکھ کر شہزاد نے اندازہ لگایا کہ وہ اس تلوار کو کوئی خاص اہمیت نہیں دے رہا ہے۔ وہ ایک بار پھر تلوار کی طرف متوجہ ہو گیا۔ یہ تلوار لگ بھگ سات فٹ لمبی تھی۔ اس کے دستے پُرخ اور سبز ہیرے جڑے ہوئے تھے۔

"کیا آپ لوگ سنانجو کی لوک کہانی کے بارے میں کچھ جانتے ہیں؟" جنرل لامو نے عجیب سے لہجے میں کہا۔ کرے میں اس کے انداز سے ڈرامائی تاثر پیدا ہو گیا تھا۔ ہر شخص اپنی جگہ خاموش اور بے حرکت کھڑا تھا جیسے یہ سب کچھ ہر ایک کے لیے تحیر خیز ہو... اور ہر ایک کو کسی عجیب اور ناقابلِ فہم واقعے کا انتظار ہو۔

اسی لمحے صدرِ مملکت کی نگاہ شہزاد پر جم گئی۔

شہزاد بے پناہ خطرہ محسوس کرنے لگا۔

اس نے ایک بار پھر اُوشان کی طرف دیکھا۔

اُوشان کا چہرہ اب بھی جذبات سے عاری تھا۔ وہ یوں کھڑا جنرل لامو کو دیکھ رہا تھا جیسے معاملہ اس کی سمجھ سے بالاتر ہو لیکن اُسے اس معاملے سے ذرا بھی دلچسپی نہ ہو۔

"تم وہ کہانی سُنا سکتے ہو، معزز مہمان!؟" صدرِ مملکت نے شہزاد کو مخاطب کیا۔ "میرا خیال ہے، اپنے مُلک کی یہ لوک کہانی تمہیں ضرور آتی ہو گی۔"

شہزاد نے کندھے اُچکا دیے۔

"سنانجو ایک چھوٹا سا قصبہ ہے جہاں کے لوگ بے حد عُسرت کی زندگی بسر کر رہے ہیں، وہاں زندگی گزارنا محال ہے... اور جہاں تک مجھے معلوم ہوا ہے، لامازی عوام نے سنانجو کے لوگوں کے ساتھ ماضی میں کوئی اچھا سلوک نہیں کیا۔" یہ کہتے ہوئے شہزاد نے اُوشان کی طرف دیکھا۔

اُوشان نے اس کی جرأت سے متاثر ہوتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔ لامازی صدرِ مملکت کے مُنہ پر اُسے اور اس کی پُوری قوم کو اس انداز میں الزام دینا کوئی معمولی کام نہیں تھا۔ شہزاد نے پہلی بار اپنے اُستاد کی آنکھوں میں اپنے لیے تعریف کی چمک دیکھی تو اس کا دل خوشی سے جھوم اُٹھا۔

"تم نے ٹھیک کہا۔۔۔" اُوشان بولا۔

"میں اُس لوک کہانی کے بارے میں پوچھ رہا ہوں۔" جنرل لامو نے قدرے تضحیک آمیز لہجے میں کہا۔ شہزاد کی بات سے اس کے چہرے پر غصّے کی سُرخی نمودار ہوگئی تھی۔ "سناںجو کے ماسٹر کی کہانی۔"

"وہ کہانی مجھے معلوم ہے۔" اُوشان نے سانپ کی سی پھنکارتی ہُوئی آواز میں کہا۔ "تم لوگوں نے ماسٹر آف سناںجو کی خدمات حاصل کی تھیں لیکن پھر اسے ادائیگی نہیں کی تھی۔"

"یہ ماسٹر آف سناںجو کی تلوار ہے۔" جنرل لامو بڑبڑ کر بولا۔ "یہ اس دَور کی نشانی ہے جب لامازی لینڈ کمزور تھا اور اسے باہر سے طاقت ور لوگوں کی خدمات کرائے پر حاصل کرنا پڑتی تھیں۔"

"ہاں! لیکن ادائیگی نہیں کی جاتی تھی۔" اُوشان غرّایا۔ "یہ اس ماسٹر کی تلوار ہے جس نے اس کی تیز دھار پر کئی انسانوں کا خُون بہایا۔ وہ اس دَور میں بادشاہ وقت کا خاص آدمی ہُوا کرتا تھا۔"

"اُسے ایک دشمن مُلک کے لیے کرائے پر طلب کیا گیا... لیکن معاوضہ دیے بغیر اس کو رُخصت کر دیا گیا تھا۔" اُوشان نے غصّے سے کہا۔

"جب بادشاہِ وقت نے دیکھا کہ اس قسم کے طاقت وَر لوگوں کی خدمات حاصل کرنا لامازی لینڈ کے لیے خطرناک ہے تو اس نے ماسٹر آف سناںجو کو رخصت کر دیا تھا..."

"اس کا معاوضہ ادا کیے بغیر..." اُوشان نے پھر کہا۔

"اور اس کے بعد سے کبھی ماسٹر آف سناںجو کی خدمات حاصل نہیں کی گئیں... اور نہ ہی اس کے ان لوگوں کو کسی کام پر لگایا گیا جنہیں ماسٹر ذرات کے شیر کہا کرتا تھا۔" جنرل لامو نے سُرخ چہرے سے کہا۔ وہ اُوشان کی باتوں کا جواب دینے کی بجائے اپنی ہی کہے جا رہا تھا: ہم نے اس قسم کی طاقتوں کا استعمال چھوڑ دیا لیکن فردوسی حکومت نے نہ صرف سناںجو کے ماسٹر کو بُلا بھیجا بلکہ انہوں نے ایک ایسا شخص بھی تیار کیا جسے ٹائیگر کا خطاب دیا گیا ہے۔"

شہزاد کے جسم میں سرد سی لہر دوڑ گئی۔

وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ فلکرافٹ کا یہ سب سے اہم اور جزیرۂ فردوس کا سب سے قیمتی راز، دُشمن تک بھی پہنچ چکا ہے۔ اب تک وہ لامازی صدر کو مسکراتے دیکھ رہا تھا جیسے اس کہانی کو سن کر وہ محض کسی کہانی جیسا ہی لطف حاصل کر رہا ہو... لیکن جنرل لامو نے جیسے ہی آخری بات مکمل کی۔ صدرِ مملکت کے ہونٹوں سے مسکراہٹ رخصت ہوگئی۔ وہ اب سخت نظروں سے شہزاد اور اُوشان کو گھور رہا تھا۔

اُوشان یوں کھڑا تھا جیسے وہ پتھر کا مجسمہ ہو۔

اس کے چہرے پر اب بھی کوئی تاثر نہیں تھا۔

شہزاد کا دل شدّت سے دھڑک رہا تھا۔ اس وقت جنرل لامو نے انہیں جس صورتِ حال سے دوچار کر دیا... اس کا نتیجہ اُن کی عبرتناک موت کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہو سکتا تھا۔

"اس کہانی کا مقصد کیا ہے، محترم جنرل؟" شہزاد نے سانپوں کو قابو میں کرتے ہُوئے دریافت کیا۔

"لامازی قوم کے بعض اعلاد ماغوں کا دعوا ہے کہ جزیرۂ فردوس نے سناںجو کے قاتل ماسٹر کی خدمات حاصل کی ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جزیرۂ فردوس اس بار اپنی فوجوں کو میدان میں نہیں اتارنا چاہتا بلکہ وہ سناںجو کے ماسٹر اور ٹائیگر کے ذریعے لامازی لینڈ کو فتح کرنا چاہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لامازی لینڈ کے قابلِ احترام صدرِ مملکت کو جزیرۂ فردوس کا دورہ کرنے کی دعوت دی گئی تھی۔ مجھے اغوا بھی اسی سلسلے میں کیا گیا تھا اور اب ماسٹر آف سناںجو کے علاوہ ٹائیگر یہاں موجود ہیں۔ تم دونوں کی آمد کا واحد مقصد یہ ہے کہ لامازی لینڈ کے موجودہ صدرِ مملکت کو قتل کر دو۔"

شہزاد نے کن انکھیوں سے اُوشان کی طرف دیکھا۔

اُوشان نے صدرِ مملکت کی طرف دیکھا اور سر کو خفیف سی حرکت دی لیکن صدرِ مملکت جس انداز میں کھڑے تھے، ویسے ہی ساکت و جامد ایستادہ رہے۔ شاید انہوں نے اُوشان کا منفی اشارہ نہیں سمجھا تھا۔

"لیکن آج ہم ان کا غذی شیروں کو قتل کر دیں گے جنہوں نے یہ خوفناک منصوبہ بنایا تھا۔" جنرل لامو نے فخریہ لہجے میں کہا۔

اسی لمحے شہزاد نے اوپر بالکنیوں کی طرف دیکھا۔

اب ہر بالکنی میں ایک ایک رائفل بردار نظر آ رہا تھا۔

جنرل لامو کا ہاتھ آہستہ آہستہ بلند ہونے لگا۔ سناںجو کی تلوار کانچ کے صندوق پر پڑی، دُور چمک رہی تھی۔ شہزاد جانتا تھا کہ اس کے استاد اُوشان کی تلوار ہے۔ بالکنی میں کھڑے رائفل برداروں نے رائفلیں اُوشان اور شہزاد پر تان رکھی تھیں اور جنرل کا ہاتھ گرتے ہی ان گنت گولیاں ان کے جسموں میں پیوست ہونے کے لیے رائفلوں میں بے چین تھیں۔

جنرل لامو کے ہونٹوں پر خطرناک مسکراہٹ تھی۔

لامازی لینڈ کا صدر سکتے کے عالم میں کھڑا تھا۔

شہزاد نے اُوشان کی طرف دیکھا۔ اس کے عضلات آہستہ آہستہ سخت ہوتے جا رہے تھے۔ خود اس نے بھی ایک طویل سانس لی اور اپنے جسم کے تمام عضلات کو اکڑانے میں مصروف ہوگیا۔

☆☆☆

عمارت میں موت کا سا سناٹا تھا۔

سنٹرل والٹ نامی اس عمارت میں چوکس کا اہتمام کیا گیا تھا یہاں آتے وقت شہزاد ٹائیگر کے ذہن میں ہلکا سا شُبہ بھی پیدا نہیں ہُوا تھا کہ کوئی ایسی صورتِ حال بھی پیدا ہو سکتی ہے... اب وہ آٹھ رائفل برداروں میں گھرے کھڑے تھے جب کہ جنرل لامو کا ہاتھ سر سے بلند ہو چکا تھا۔ بس اُس نے اپنا ہاتھ گرانا تھا اور رائفل برداروں کی رائفلوں سے گولیاں ہی گولیاں نکل کر ان کے جسموں میں پیوست ہو جاتی تھیں۔

شہزاد نے محسوس کر لیا تھا کہ اُوشان نے اپنے جسم کے تمام عضلات میں اکڑن پیدا کرنی شروع کر دی ہے۔ یہ ویسی ہی اکڑن تھی جیسی کہ حملہ آور ہونے سے پہلے کوئی بلّی چست لگاتے وقت اپنے جسم میں پیدا کر لیتی ہے۔

خود اس نے بھی اپنے عضلات کو اکڑانا شروع کر دیا۔

"جنرل لامو..." لامازی صدر نے ہوش میں آتے ہُوئے سخت لہجے میں کہا۔ "تم اپنے محسنوں اور لامازی مہمانوں کے ساتھ قابلِ مذاق کر چکے ہو... اس لیے میں تمہیں حکم دیتا ہُوں کہ اس توہین آمیز صورتِ حال کو فوراً ختم کر دو۔"

"یہ دونوں قاتل ہیں..." جنرل لامو نے سانپ کی طرح پھنکارتے ہُوئے کہا۔ "ان دونوں کی سزا موت ہے۔"

"میں تمہیں حکم..."

صدرِ مملکت کا جملہ ادھورا ہی رہ گیا۔

"سناںجو کا آخری اُستاد..." اُوشان نے بُلند آواز میں کہنا شروع کر دیا تھا۔ اس کی آواز اتنی بلند اور گونج دار تھی کہ لامازی صدر کا جملہ دَب کر رہ گیا۔ "ایک بار پھر اُسی دربار میں کھڑا ہے، جہاں سے اُسے رسوا کر کے نکالا گیا تھا اور اس کی توہین کی گئی تھی۔"

"کیا تم وہی اُستاد ہو جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس صدی میں صرف ایک ہی شخص ناقابلِ شکست ہے؟" لامازی صدر نے حیرت اور تجسّس سے دریافت کیا۔

"جی ہاں... میں ہی وہ بدنصیب ہُوں جس کی خدمات کا ہمیشہ اسی انداز میں مذاق اُڑایا جاتا رہا ہے... لیکن آج میں اپنے شاگرد اور بیٹے کے ساتھ یہاں موجود ہُوں۔"

اُوشان بالکنی میں کھڑے رائفل برداروں کی طرف متوجہ ہوگیا۔

"اور تم سب لوگ اس بات کو ذہن نشین کر لو کہ مجھ پر یا میرے بیٹے پر تمہاری کوئی بھی گولی اثر انداز نہیں ہو سکتی۔ اس لیے تم میں سے جو کوئی اپنی رائفل نیچے فرش پر ڈال دے گا اس کی جاں بخشی ہو جائے گی۔ میں اس صدی کا اُستاد ہُوں اور تمہیں حکم دیتا ہوں کہ چھوٹے موٹے لالچ میں آ کر اپنی زندگی کو داؤ پر مت لگاؤ۔"

ایک رائفل فوراً ہی فرش پر آ گری۔

"بُزدل..." جنرل لامو نے غرّا کر کہا۔

دوسری رائفل بھی گر گئی۔

"غدّار..." جنرل لامو کا چہرہ غصّے کی زیادتی سے سُرخ ہو رہا تھا اور اس کی باچھوں سے کف جاری ہوگیا تھا۔

... پھر تیسری رائفل فرش سے ٹکرائی اور لڑکھڑاتی ہُوئی دُور تک گھسٹتی چلی گئی۔

"میں اس صدی کا اُستاد ہوں۔" اُوشان کی گونج دار آواز سُنائی دیتی رہی۔ "تم میرے غلام ہو..."

چوتھی اور پانچویں رائفل ساتھ ساتھ گریں۔

اب صرف تین رائفل بردار باقی تھے۔ ان میں سے ایک کی حالت تو ایسی تھی جیسے وہ کھڑے کھڑے ہی رائفل سمیت پتھر کا ہو گیا ہو جب کہ باقی دو چہرے پر زلزلے کے سے آثار سجائے گُومگو کی حالت میں ایستادہ تھے۔

جنرل لامو کا مارے غصّے کے، عجب حال تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے ابھی اس کے دونوں ہاتھ اپنے سترتک پہنچ جائیں گے اور وہ بالوں کو نوچ نوچ کر پاگلوں کی طرح چیخنا شروع کر دے گا۔

اچانک اُوشان ہنس پڑا۔

اس کے قہقہے میں ایک چیخ بھی شامل تھی۔

"اور اب باقی لوگوں کو سناںجو کا استاد موت کا سبق دے گا۔" اُوشان کی آواز اس اونچی چھت والے ہال کمرے میں یُوں گونج رہی تھی جیسے بیک وقت کئی آوازیں، دیواروں اور چھت سے خارج ہو رہی ہوں۔

اچانک وہ یوں تن کر مُتحرک ہوگیا جیسے ایک دُھندلی سی لکیر میں تبدیل ہو کر اس نے تیزی سے چلنا شروع کر دیا ہو

. . . اتنی تیزی سے کہ اس پر نگاہ جمانا مشکل تھی۔

اس کا سفید لبادہ اس کے جسم کے گرد خود بخود لپٹ رہا تھا۔ وہ سیدھا لامازی صدر کی طرف بڑھا تھا۔ . . اور پھر اچانک ہی اس کا دھندلا سا خاکہ جنرل لامو کی طرف متحرک نظر آیا۔

دفعتہً ایک آواز پیدا ہوئی۔

دھماکا سنائی دیا تھا۔

. . . جیسے کانچ کی کوئی چیز جیسے کرچی کرچی ہو گئی ہو۔

شہزاد نے صرف ایک نظر آواز کی سمت میں دیکھا۔ کانچ کا صندوق ٹوٹ چکا تھا اور اس میں رکھی ہوئی شمشیر سنانجو کو جیسے پر لگ گئے تھے۔

کانچ کا صندوق ریزہ ریزہ ہوتے ہی تلوار فضا میں بلند ہوتی دکھائی دی تو اس کے ساتھ ساتھ اوشان کا متحرک جسم بھی اٹھنے لگا تھا۔

اسی لمحے چھٹی رائفل فرش پر گر گئی۔

یہاں دو آدمیوں میں سے ایک کی رائفل تھی جو گولیوں کی مالا میں مبتلا تھے جو شخص پہلے کی بے جان مورتی کی طرح کھڑا رہا، اس کی حالت میں کوئی تبدیلی رُونما نہیں ہوئی جب کہ آخری رائفل بردار نے اپنی رائفل کی نال کو جھکا دیا تھا۔

جنرل لامو کا ہاتھ اب بھی فضا میں بلند تھا اور اس کی نگاہ اوشان کا تعاقب کر رہی تھی۔ وہ اس حیرت انگیز منظر میں اس حد تک کھویا ہوا تھا کہ نہ تو اسے ہاتھ گرانا یاد رہا اور نہ ہی اس نے اپنا ریوالور نکالنے کی کوشش کی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے حیرت اور بے یقینی کے سحر نے اسے بھی مجسمہ بنا دیا ہو۔

شہزاد خاموش تماشائی بنا رہا۔

لامازی صدر بھی حیرت سے منہ پھاڑے کھڑا تھا۔ . . لیکن اس کے چہرے یا آنکھوں سے خوف ظاہر نہیں ہو رہا تھا۔ شہزاد مطمئن تھا کہ اب ان پر کسی طرف سے بھی حملہ نہیں ہوگا اس لیے وہ بغور اپنے اُستاد کی [illegible] لمحے کے لیے فضا میں معلق ہو گیا تھا۔

دوسرے ہی لمحے اوشان اور تلوار نے ایک ساتھ حرکت کی اور پھر جیسے تلوار کسی غصیلے سانپ کی طرح پھنکار دی ہو۔ تلوار تیزی سے حرکت کرنے لگی لیکن اس پر نگاہ رکھنا دشوار تھا۔

بار بار بجلی سی چمک جاتی تھی۔

اسی لمحے شہزاد کی نگاہ اس رائفل بردار پر پڑی جس کے ہاتھ میں جھکی ہوئی نال والی رائفل اب بھی موجود تھی۔ اس کی سفید پتلون کے سامنے والے حصے پر ایک سُرخ دھبہ نمودار ہو گیا تھا جس کا دائرہ تیزی سے پھیلتا جا رہا تھا۔

. . . پھر وہ شخص بالکنی سے فرش پر آ گرا۔

جو شخص مجسمے کی طرح ساکت و جامد کھڑا تھا، وہ اب بھی وہیں کھڑا تھا لیکن اس کے دھڑ پر گردن نہیں تھی۔ شہزاد نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اسے اپنے استاد پر بے پناہ فخر محسوس ہو رہا تھا۔

اُوشان جنرل سے چند قدم کے فاصلے پر کھڑا تھا۔

اس کے ہاتھ میں سنانجو کی شمشیر تھی۔

. . . اور تلوار سے خون ٹپک رہا تھا۔

لامازی صدر کے دونوں ہاتھ اپنی ناف سے کچھ نیچے ایک دوسرے پر جمے ہوئے تھے۔ وہ مزید حیرت اور بے یقینی سے اُوشان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اپنے دو ساتھیوں کا حشر دیکھ کر وہ سپاہی بھاگ اُٹھے جنہوں نے اُوشان کی پہلی تنبیہہ پر رائفلیں پھینک دی تھیں۔ غالباً یہ وہی لوگ تھے جنہوں نے سنانجو کے استاد اور اس کی شمشیر زنی کے بارے میں کہانیاں سُن رکھی تھیں۔

جنرل لامو نے اچانک ہی ہولسٹر پر جھپٹا مار کر اپنا ریوالور نکال لیا۔ اُوشان اسی جانب متوجہ تھا۔ اس کے ہونٹوں پر بڑی سفاک مسکراہٹ تھی اور اس کی آنکھوں سے نفرت کی چنگاریاں نکل رہی تھیں۔

اوپر تلے دو دھماکے ہوئے۔

اُوشان کا جسم ایک بار پھر دُھندلی لکیر بن گیا تھا۔ اس نے اتنی تیزی سے حرکت کی کہ گولیاں اس کے جسم کو چھونے میں بھی کامیاب نہ ہو سکیں۔ شہزاد کو بے اختیار وہ وقت یاد آ گیا جب فلکرافٹ میں تربیت کے دوران ہی سرگوش اس بوڑھے کو لے کر آیا تھا اور خود اس نے اپنے ہاتھوں سے اس پر گولیاں برسا کر تماشا دیکھ لیا تھا۔ اُسے معلوم تھی نہیں ہو سکتا تھا کہ اُوشا کب اس کے سر پر آن پہنچا اور کب اس کے ہاتھ سے ریوالور نکل گیا۔

اس نے جنرل لامو کی طرف دیکھا جس کے ہاتھ سے اب تک ریوالور نکل جانا چاہیے تھا۔

. . . لیکن ریوالور جنرل لامو کے ہاتھ میں موجود تھا اُوشان اُسے جنرل لامو کے ہاتھ سے نکالنے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔ . . لیکن وہ ہاتھ کہاں ہے؟

شہزاد نے اِدھر اُدھر دیکھا۔

جنرل کا ریوالور دائیں ہاتھ والا ہاتھ اس کے پاس نہیں تھا بلکہ دائیں طرف کی دیوار کے قریب پڑا تھا اور اس کی اُنگلیاں بھی ٹریگر پر نظر آ رہی تھی۔ . . اور یہ ہاتھ کٹ کر وہاں جا گرا تھا۔

جنرل لامو کے کٹے ہوئے بازو سے خون فرش پر گر رہا تھا لیکن یوں لگتا تھا جیسے اُسے یہ احساس ہی نہ ہو کہ وہ اپنے دائیں ہاتھ سے محروم ہو چکا ہے۔ . .

. . . پھر اُسے اس محرومی کا احساس ہوا۔

اُسی لمحے کمرے کی فضا میں شمشیر کی چمک دکھائی دی اور تلوار اُوشان کے ہاتھ سے نکل گئی۔ صرف ایک لمحے کے لیے تلوار فضا میں معلق نظر آئی۔ اسی معلق حالت سے تلوار نے عموداً گرنا شروع کر دیا۔

اُوشان واپس شہزاد کے پاس آ کھڑا ہوا تھا۔

جنرل لامو حیرت سے منہ پھاڑے تلوار کی طرف دیکھتا رہا جو عموداً گر رہی تھی۔ اچانک اُسے صورتِ حال کا احساس ہوا . . . لیکن اب کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ اسے بہت دیر ہو چکی تھی۔ تلوار اس کے چہرے سے ٹکرا گئی۔

عموداً گرتی ہوئی اس تلوار کا وزن دستے کی طرف سے خاصا زیادہ تھا لیکن تلوار وزنی حصے سے نیچے نہیں گر رہی تھی . . . پھر شہزاد نے دیکھا کہ تلوار جنرل لامو کے حیرت زدہ دہانے میں گری اور تیزی سے غائب ہونے لگی حتیٰ کہ اس کی کھلی ٹانگوں کے درمیان، فرش سے صرف نصف فٹ اونچائی پر اس کی نوک رُک گئی۔

پہلی نظر میں یوں لگتا تھا جیسے کوئی بازی گر تلوار نگلنے کا مظاہرہ کر رہا ہو۔ . لیکن ٹانگوں کے درمیان، فرش سے نصف فٹ بلندی پر تلوار کی نوک سے ٹپاٹپ خون کی بوندیں ٹپکنے لگی تھیں۔

شہزاد نے اثبات میں سر ہلایا اور فخریہ انداز میں اپنے اُستاد کی طرف دیکھا جو اب یوں سرسری انداز میں اس کے قریب کھڑا تھا جیسے اس منظر کی تخلیق خود اُسی کے ہاتھوں عمل میں نہ آئی ہو بلکہ وہ محض ایک تماشائی ہو۔ . . اور تماشائی بھی ایسا جسے اس منظر سے کوئی دلچسپی نہ ہو۔

شمشیر سنانجو لگ بھگ سات فٹ لمبی تھی اور جنرل لامو اُسے تقریباً پوری کی پوری نگل گیا تھا۔ حلق میں تلوار کی موجودگی کی وجہ سے وہ چیخ بھی نہیں سکا۔ ہال کمرے میں گہری خاموشی کا راج تھا۔

وہ عقب میں ذرا سا لڑکھڑایا۔

یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے اُسے تلوار میں پرو کر ہلکا سا دھکا دے دیا ہو۔ بھورے رنگ کے ماربل سے بنے ہوئے فرش پر اُس کے خون سے ایک چھوٹا سا جوہڑ بن گیا تھا۔

تلوار کا دستہ اس کے مُنہ کے اوپر یوں نظر آ رہا تھا جیسے اس کے دہانے میں اُگا ہوا ہو۔ لامازی صدر نے اپنے جنرل کی حالت دیکھی اور پھر افسوس سے گردن ہلا کر ایک طویل سانس لی۔

شہزاد نے اب تک جو تحقیق کی تھی اور اس نے جو اندازے لگائے تھے، ان کی بالآخر تصدیق ہو گئی۔ جنرل لامو ہی دونوں ملکوں کے مابین اچھے تعلقات کے خلاف تھا اور اس نے قدامت پسند دہشت گردوں کے ساتھ مل کر لامازی صدر کی کوششوں پر پانی پھیرنے کی کوشش کی تھی لیکن خود اس کی زندگی وفا نہ کر سکی اور وہ اس سازش کے پاش پاش ہونے کے ساتھ ہی موت کے مُنہ میں اُتر گیا تھا۔

"کسی اچھے فلاسفر کا کہنا ہے کہ بعض اوقات ہتھیار ڈالنے کے لیے ہتھیار اُٹھانا بھی پڑتے ہیں۔" لامازی صدر نے زیرِ لب کہا۔

"جی ہاں . . ." اُوشان نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"مجھے خوشی ہے، سنانجو کے محترم اُستاد کہ بالآخر تم انسانیت کے کام آئے۔ میں انہیں بہت بڑا انعام دوں گا۔"

"حالانکہ اس سے قبل میری خدمات کا معاوضہ . . ."

لامازی صدر نے ہاتھ اُٹھا کر اُسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

"اس کا ازالہ اس سے بہت بڑے انعام سے ہو جائے گا۔" وہ شہزاد کی طرف متوجہ ہوا۔ "اور نوجوان . . . تم نے اس غدار کے سلسلے میں جو ذہانت آمیز تحقیقات کی ہیں، اس کے لیے میں تمہیں مُنہ مانگا انعام دوں گا بولو . . . انعام کے سلسلے میں تم کیا کہنا چاہتے ہو؟"

شہزاد نے ایک طویل سانس لی اور مسکرانے لگا۔ "میں تو بس ایک ہی بات جانتا ہوں، جناب کہ جس عورت کے چہرے پر ان گنت چھوٹے چھوٹے بھورے تل نہیں ہوتے، اس کی مثال ایک ایسی رات جیسی ہوتی ہے، جس رات کو ستارے نہیں نکلتے۔"

ایک لمحے کے لیے تو لامازی صدر اس کی طرف یوں دیکھتا رہا جیسے شہزاد کی بات اس کی سمجھ میں نہ آئی ہو . . . پھر وہ اُوشان کی طرف متوجہ ہو گیا جیسے شہزاد کی بات کی وضاحت اس سے چاہ رہا ہو۔

"اور اُس عورت کی عمر کسی طرح بھی پچپن سال سے کم نہیں ہونی چاہیے۔" اُدشان نے بلند آواز میں کہا۔

شہزاد نے چونک کر اپنے استاد کی طرف دیکھا اور پھر گھبرا کر لامازی صدر کی طرف متوجہ ہو گیا جس کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ رقص کر رہی تھی... اور پھر اس کی نگاہ جنرل لامو پر جم گئی جس کا جسم فرش کی طرف جھک رہا تھا... حتیٰ کہ وہ کسی بے جان مجسمے کی طرح گر گیا۔

جنرل لامو اور اس کے ساتھیوں کی لاشوں کو ٹھکانے کا کام شروع ہوا تو شہزاد اور اُدشان، لامازی صدر کی رفاقت میں باہر آ گئے تھے اور ایک سیاہ کار تیز رفتاری سے انہیں ایک عالیشان محل کی طرف لے جا رہی تھی۔

☆

شہزاد ٹائیگر نے ایک طویل سانس لی اور آہستہ آہستہ ساحل پر آگے چلنے لگا۔ اس وقت وہ ایک امریکی ساحل پر تھا۔ جنرل لامو والا معاملہ ختم ہوتے ہی نہ جانے انہیں اس امریکی ساحل پر کیوں بھیج دیا گیا تھا۔

اُدشان کو بھی اس سلسلے میں کوئی خبر نہیں تھی۔

شہزاد اُلجھن میں تھا لیکن جب اس نے اُدشان کو بے پروا دیکھا تو اس نے بھی زیادہ پروا نہیں کی اور ساحل کے نظارے میں مصروف ہو گیا۔ ساحل پر قدم قدم ایسے مجسموں سے سجا ہوا تھا کہ اس کے لیے آگے بڑھنا دشوار ہوتا جا رہا تھا۔

اس نے ایک جگہ ٹھٹک کر بائیں جانب دیکھا۔

اب آگے بڑھنا قطعی ممکن نہیں رہا تھا۔

وہ ایک لڑکی کا مجسمہ تھا جس کی لمبی لمبی ٹانگیں اُسے نظر آ رہی تھیں ٹانگوں کے علاوہ کچھ نظر نہیں آ رہا تھا کیونکہ باقی جسم ایک تولیے سے ڈھکا ہوا تھا۔ شہزاد اور اُدشان نے جس ہوٹل میں قیام کیا تھا وہ اسی ساحل پر واقع تھا۔ چلتے وقت اس نے اُدشان کو بھی ساتھ آنے کی دعوت دی تھی لیکن اُدشان نے انکار کر دیا تھا اس لیے وہ تنہا ہی ساحل پر نکل آیا تھا۔

جنرل لامو والا معاملہ نمٹانے کے بعد جزیرہ فردوس پہنچنے کے لیے وہ بے حد بے چین تھا لیکن اُدشان کو کسی پُراسرار ذریعے سے یہ پیغام ملا جس کے نتیجے میں وہ اس وقت ایک امریکی ساحلی ہوٹل تک پہنچنے کے لیے مجبور ہو گئے تھے۔

شہزاد اس اُلجھن کا شکار تھا کہ آخر فلکرافٹ اُسے قتل کرانے کے درپے کیوں ہو گیا ہے۔ بہرام نے اُسے جو پیغام دیا تھا اس کا مفہوم بھی غالباً یہی تھا کہ اُدشان اُسے قتل کر دے۔ ساحل پر گھومتے ہوئے شہزاد یہی سب کچھ سوچ رہا تھا اور اس نے فیصلہ کیا تھا کہ واپسی پر وہ اُدشان کو یہ پیغام ضرور دے گا... اور پھر دیکھے گا کہ کیا ردِعمل ہوتا ہے۔

جزیرہ فردوس واپس جانے کے لیے وہ ویسے بھی بے چین تھا کہ بہرام سے مل کر اس اُلجھن کو دُور کرے کہ آخر اس کو قتل کرنے کی کوشش کیوں کی گئی تھیں۔

اس نے ہر خیال ذہن سے جھٹک کر ان پُرکشش ٹانگوں کی طرف دیکھا جنہیں دیکھ کر دل میں گدگدی سی ہونے لگی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا آگے بڑھا اور ٹانگوں سے کچھ فاصلے پر رُک گیا۔ ریت کی وجہ سے غالباً ان ٹانگوں کی مالکہ نے اس کی آہٹ نہیں سُنی تھی... یا پھر ممکن ہے، وہ گہری نیند میں ڈوبی ہوئی ہو۔

اس نے کھنکار کر اپنی موجودگی ظاہر کرنے کے لیے آواز نکالی۔

"کون ہے، کیا بات ہے؟" ایک سُریلی آواز نے پوچھا۔

بولنے والی نے مُنہ سے تولیہ ہٹانے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی تھی۔ شہزاد اس کی جوان آواز کی مٹھاس میں کھو گیا اور بڑے ہی رُومانی لہجے میں بولا۔ "میں ایک بات معلوم کرنا چاہتا ہوں؟"

"کیا بات...؟"

"ایک ایسی عورت جس کے چہرے پر ان گنت بھورے بھورے تِل نہیں ہوتے اس کی مثال کیا ہو سکتی ہے؟"

ایک جھٹکے سے تولیہ ہٹ گیا۔

شہزاد کے حلق سے ایک طویل سانس نکل گئی۔

تولیہ ہٹانے والی ایک ادھیڑ عمر کی عورت تھی اور اس کے چہرے پر ان گنت بھورے بھورے تِل تھے۔ اس کی آنکھیں بھری مائل تھیں اور آن میں بلور جیسی چمک تھی۔ وہ شہزاد کو پہلے تو کڑے تیوروں سے دیکھتی رہی... پھر اس کے باسی ہونٹوں پر تازہ مسکراہٹ پھیلنے لگی... غالباً وہ شہزاد کی مردانہ وجاہت سے متاثر ہو نا شروع ہو گئی تھی۔

وہ اُٹھ بیٹھی اور اس نے تولیہ اپنی عریاں ٹانگوں پر ڈال لیا۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ گہری ہوتی جا رہی تھی... پھر اس نے بڑی ہی سُریلی آواز میں پوچھا۔ "تم کون ہو نوجوان؟"

"میں ایک ایسا نوجوان ہوں جس کی شخصیت مستعار ہے لیکن میں نے اپنے جسم کا کوئی حصّہ کسی سے اُدھار نہیں لیا۔"

وہ پلکیں جھپکا جھپکا کر شہزاد کو دیکھتی رہی جیسے اب بھی اس کی بات سمجھنے سے قاصر ہی ہو۔ اس کے چہرے پر ملامت ہی ملامت تھی اور آنکھوں میں بھوک انگڑائی لینے لگی تھی۔

"تمہاری آواز کتنی کم عمر ہے؟"

"تم نے بھورے بھورے تِلوں کے بارے میں کیا کہا تھا؟"

"میں کہہ رہا تھا کہ..." شہزاد کا جملہ ادھورا ہی رہ گیا کیونکہ اُسے اپنے دائیں کندھے پر کسی کے وزنی ہاتھ کا لمس محسوس ہونے لگا تھا۔ اس نے گردن گھما کر عقب میں دیکھا۔

ایک گرانڈیل شخص کھڑا تھا۔

"مسٹر شہزاد..." اجنبی نے کہا۔ "میں آپ سے چند ضروری باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

"میں پہلے ہی خاصی ضروری باتوں میں مصروف ہوں۔" شہزاد نے کہا۔ "اور یہ بات تم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو۔"

"پلیز... مسٹر شہزاد وقت ضائع نہ کریں۔" اجنبی کے لہجے میں استدعا تھی۔

"میں معذرت چاہوں گا، خاتون۔" شہزاد نے پلٹ کر اُس جوان ٹانگوں والی ادھیڑ عمر کی عورت سے کہا۔ "اگر آپ اجازت دیں تو میں اس شخص سے دو چار باتیں کر لوں۔"

"صرف ایک شرط پر..." وہ انداز دلربائی سے مسکرا کر بولی۔

شہزاد نے سوالیہ نگاہ سے اس کی طرف دیکھا۔

"جس عورت کے چہرے پر بھورے بھورے تِل نہیں ہوتے اس کے لیے تم کیا مثال دینا چاہتے تھے؟" عورت نے کہا۔

"اس عورت کی مثال ایک ایسی ویران رات جیسی ہوتی ہے جس رات کو ستارے نہیں نکلتے۔" شہزاد نے قدرے جُھک کر سرگوشی کے انداز میں کہا۔

"اُف... گریٹ ینگ مین..." عورت نے لطف و لذت کے احساس سے بے قرار ہو کر کہا اور آنکھیں بند کر لیں۔

شہزاد اُسے خیالوں میں کھویا ہوا چھوڑ کر اس گرانڈیل شخص کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔ گرانڈیل شخص اُسے ایک گھاٹ پر لے آیا اور پھر دونوں ایک کشتی سے گزرتے ہوئے لنگر انداز چھوٹے سے بحری جہاز پر سوار ہو گئے۔

ٹائیگر اس شخص کے ساتھ یونہی نہیں چلا آیا تھا۔ اسے وہ اب تک کئی بار اپنے گرد منڈلاتے ہوئے دیکھ چکا تھا۔ اس کے علاوہ اجنبی کی آنکھوں میں اپنے لیے بے پناہ دلچسپی بھی اس سے چھپی نہ رہ سکی تھی... اور آج وہ اس کے بارے میں اپنی ہر اُلجھن دُور کر لینا چاہتا تھا۔ یہ اجنبی درحقیقت اس کے لیے اجنبی نہیں تھا لیکن وہ اس سے تفصیلی ملاقات کے بعد ہی کوئی نتیجہ اخذ کرنا چاہتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ بغیر کسی اعتراض کے اس شخص کے ساتھ اس چھوٹے سے بحری جہاز پر چلا آیا تھا۔

دونوں ڈیک پر پڑی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔

اجنبی نے میز سے بوتل اُٹھا کر دو جام لبریز کر لیے۔

شہزاد نے اس وقت چہرے سے کوئی تاثر ظاہر نہیں ہونے دیا۔ جب اس نے محسوس کیا کہ بحری جہاز آہستہ آہستہ گہرے پانی کی طرف چلنے لگا ہے۔

اس نے بظاہر سرسری لیکن درحقیقت بڑی گہری نگاہ سے اجنبی کی طرف دیکھا۔ وہ پچاس کے لگ بھگ تھا۔

"میں ابھی تک اس نوازش کی وجہ نہیں سمجھ سکا۔" کچھ دیر بعد شہزاد نے بولنے میں پہل کی۔

"کیا تمہیں مچھلی کے شکار سے کوئی دلچسپی نہیں؟" اجنبی نے عجیب سے لہجے میں الٹا اسی سے سوال کر دیا۔

"میں اس وقت ایک ادھیڑ عمر کی مچھلی کو چارہ ڈال رہا تھا کہ تم نے میری ٹانگ گھسیٹ لی۔"

"میرا خیال ہے، تمہیں لائف جیکٹ پہن لینا چاہیے۔" اجنبی نے دوستانہ لہجے میں کہا۔

شہزاد نے اب غور سے اس کی طرف دیکھا لیکن اجنبی کے چہرے پر کوئی قابلِ ذکر تاثر نہیں تھا۔ بحری جہاز اس وقت تک گہرے پانی میں پہنچ چکا تھا اور دُور دُور کسی اور جہاز کا نام و نشان تک نہیں تھا۔ ہر طرف نیلگوں پانی تھا یا پھر وہ دونوں جہانہ کے عرشے پر آمنے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔

"لاڈ، میں تمہاری مدد کرتا ہوں؟" اجنبی نے دوستانہ لہجے میں کہا اور شہزاد کو لائف جیکٹ پہننے میں مدد دینے لگا۔ شہزاد نے خاموشی سے لائف جیکٹ پہن لیا۔ اسے پہننے میں اُسے بظاہر کوئی حرج بھی محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ اس لیے اعتراض کرنے کی گنجائش نہیں تھی لیکن جیسے ہی لائف جیکٹ اُس کے جسم پر فٹ ہوا۔ شہزاد نے ایک تار دیکھا۔ یہ تار لائف جیکٹ سے مُنسلک تھا۔ خود وہ اجنبی بھی لائف جیکٹ پہن چکا تھا لیکن اس کے جسم سے کوئی تار لگا نظر نہ آیا۔

شہزاد نے ہاتھوں کو جُنبش دینے کی کوشش کی تو اُسے محسوس ہوا کہ وہ اس لائف جیکٹ میں جیسے قید ہو کر رہ گیا ہو۔ اس کے بازو حرکت کرنے سے معذور ہو گئے تھے... لیکن وہ اپنے ہاتھوں

کو آسانی سے حرکت دے سکتا تھا۔

"میرے پاؤں کے قریب ایک بھورے رنگ کا پلنگ لگا ہوا ہے۔" اجنبی نے کہا۔ "میں جیسے ہی اسے دباؤں گا، یہ لائف جیکٹ تمہیں اچھال کر پانی میں گرا دے گا اور پھر تم ڈوب جاؤ گے۔"

"لیکن لائف جیکٹ..."

"عام حالات میں یہ لائف جیکٹ ہی ہے۔" اجنبی نے مسکرا کر کہا۔ اس کے انداز میں اب جارحیت آگئی تھی اور اس کے چہرے سے ہر معصوم تاثر گویا ڈھل سا گیا تھا۔ شہزاد نے آنکھوں اور چہرے سے خوف کا اظہار کرنا شروع کر دیا۔

اس نے جسم کو اکڑایا، چہرے کے عضلات میں تناؤ پیدا کیا اور جیکٹ کو ہر طرح سے حرکت دینے کی کوشش کی لیکن جیکٹ تو جیسے کسی آکٹوپس کی طرح اس کے جسم سے چپک گیا تھا اور یوں لگتا تھا جیسے وہ اب کبھی اس کے جسم سے الگ نہیں ہوگا۔

اُسے جیکٹ سے اُلجھتے دیکھ کر چند لمحوں تک تو اجنبی کے چہرے پر عجیب سے تاثرات رہے لیکن جب شہزاد نے ناکامی کا اظہار کیا تو اجنبی کے حلق سے سکون کی ایک گہری سانس نکل گئی جیسے وہ خود کو شہزاد کی طرف سے محفوظ محسوس کرنے لگا ہو۔ اس کے ہونٹوں پر جو مسکراہٹ تھی، اس میں فاتحانہ تاثر تھا۔

"تم حرامی..." شہزاد نے کسی عام سے خوف زدہ نوجوان کا انداز اختیار کرتے ہوئے، ناکامی ظاہر کرنے کے لیے اجنبی کو کوسنا شروع کر دیا۔ "تم نے مجھے اس مصیبت میں کیوں مبتلا کر دیا ہے؟"

اجنبی نے فوراً ہی کوئی جواب نہیں دیا۔ اس نے اطمینان سے، ہاتھ بڑھایا اور جام اُٹھا کر ہونٹوں سے لگا لیا۔

شہزاد نے کن انکھیوں سے اس پلنگ کی طرف دیکھا جو اجنبی کے پیروں کے قریب لگا ہوا تھا... اور پھر اُس نے آہستہ آہستہ اس پلنگ کی طرف بڑھنا چاہا لیکن اجنبی نے اس انداز میں انگلی اٹھا کر اُسے روک دیا جیسے کوئی شفیق بزرگ کسی بچے کو تنبیہ کرنے کے لیے انگلی سے اشارہ کرتا ہے۔

"اس بٹن کو دبانے سے ایک نقصان ہے۔" اجنبی نے کہا۔ "تمہارے جیکٹ میں سیسہ بھرا ہوا ہے۔ اگر یہ پلنگ دب گیا تو تم پانی میں جا گرو گے... اور پھر جیکٹ میں بھرے ہوئے سیسے کے بوجھ کی وجہ سے ڈوب کر ہلاک ہو جاؤ گے۔ جسے اس وقت ایکسٹرکٹ کرنڈ نے سنبھالا کہا ہے۔"

شہزاد نے بے بسی سے ہونٹ کاٹنے کی اداکاری کی۔

وہ خود کو خوف زدہ ظاہر کر کے درحقیقت اس صورتِ حال کی اصل وجہ معلوم کرنا چاہتا تھا۔ اجنبی کی بات سن کر وہ ایک طویل سانس لے کر کرسی کی پشت گاہ سے ٹک گیا۔

شہزاد ٹائیگر کا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔

وہ اس لائف جیکٹ سے نجات حاصل کرنے کے لیے کوئی ترکیب سوچ رہا تھا اور یہ ترکیب جلد ہی اس کی سمجھ میں آ گئی۔ اس نے جیکٹ کے تاروں کو کھولنے کا طریقہ معلوم کر لیا تھا... اس کے بعد وہ پُرسکون ہو گیا اور اب اُسے صرف یہ معلوم کرنا تھا کہ آخر اجنبی نے اُسے یوں بے بس کرنے کی ضرورت کیوں محسوس کی ہے۔

اجنبی نے شراب کی چسکیوں کے دوران میں اپنا تعارف کراتے ہوئے بتایا کہ اس کا نام میری میگڈر ہے۔

"ہاں تو مسٹر میگڈر... کیا میں تمہاری اس پُراسرار اور دُنیا کی عجیب ترین مہمان نوازی کا مقصد معلوم کر سکتا ہوں؟"

"کیوں نہیں..." میگڈر نے مسکرا کر کہا۔ "لیکن اس سے پہلے میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اس مقصد کے لیے میں نے پورے ڈیڑھ سال تک محنت کی ہے اور مناسب ترین وقت کا انتظار کیا ہے۔ اس سے تمہیں اندازہ ہو سکتا ہے کہ میں کتنا صابر و شاکر آدمی ہوں۔ خاص طور سے میں جلد باز نہیں ہوں... اور میں اپنی ڈیڑھ سال کی ان تھک محنت اور مشقت کا جو معاوضہ طلب کرنا چاہتا ہوں، اسے سن کر تو تم حیران رہ جاؤ گے کیونکہ اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔"

اس نے شراب کا گلاس رکھ دیا۔

سورج کی کرنیں گلاس کے کنارے سے منعکس ہونے لگیں تو ان کا عکس میگڈر کے رُخساروں پر بھی نظر آنے لگا جو بے حد خوفناک لگ رہا تھا۔

"مسٹر شہزاد..." میگڈر نے پُراسرار لہجے میں کہنا شروع کیا۔ "میں نہیں جانتا کہ اس بار تمہارے نام کے ساتھ دو سلام کیا ہے... لیکن میرا ذاتی خیال ہے کہ تمہارا نام اس بار شہزاد ندیم ہونا چاہیے جیسے کہ اس سے پہلے شہزاد پہلگام وغیرہ رہ چکا ہے۔"

ایک لمحے کے لیے شہزاد کو یوں محسوس ہوا جیسے وہ سانس لینا ہی بھول گیا ہو... یا پھر اس کی دو ایک دھڑکنیں کھو گئی ہوں۔ اس نے واضح طور پر دل کو ایک دو لمحوں کے لیے منہدم سا ہوتے محسوس کیا تھا۔

"میں نے تمہارے لیے جام بھر دیا ہے، حالانکہ میں جانتا ہوں کہ تم عادتاً شراب نہیں پیتے۔" میگڈر کہہ رہا تھا۔

شہزاد نے لبیں بھینچ لیں۔

"تم عادتاً سگریٹ نوشی بھی نہیں کرتے۔ گوشت بہت کم کھاتے ہو حالانکہ تمہیں گوشت بے حد پسند ہے۔ اس کے باوجود تم مچھلی زیادہ استعمال کرتے ہو۔ تم عام طور سے ایک بوڑھے شخص کے ساتھ رہتے ہو، تم عورتوں کی طرف بھی متوجہ ہو... لیکن عضو تبدیلی کی خاطر حالانکہ جنس تمہارے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ تم جس عورت سے بھی جذباتی تعلق پیدا کرتے ہو، وہ تم سے زیادہ کی خواہش کرنے لگتی ہے اور تم اس سے بیزار ہو جاتے ہو۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟"

"تمہیں یقیناً غلط فہمی ہوئی ہے۔" شہزاد نے مسکرا کر کہا۔ "جب تم نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا تو میں اس ادھیڑ عمر کی عورت ہی پر اکتفا کرنے کے لیے خود کو تیار کر رہا تھا... یہ باتیں جو تم نے مجھ سے منسوب کی ہیں، یہ یقیناً کسی اور شخص سے تعلق رکھتی ہیں۔ میں ہرگز ایسا نہیں ہوں۔"

"اگر یہ غلط فہمی ہے تو شاید میں نے تمہیں وہ بادی گارڈ سمجھ لیا ہے جو جنرل لامو کے ساتھ تھا۔" میگڈر نے معنی خیز انداز میں کہا۔ "اس شخص اُدشان کے بارے میں ہر طرف جو باتیں پھیلی ہوئی ہیں، ان سے بھی میں واقف ہوں۔ کیا یہ غلط ہے کہ تمہارا وہ ضعیف العمر ساتھی درحقیقت اس صدی کا ماسٹر ہے... بنانجو کا اُستاد...؟"

"معلوم نہیں تم کیا بک رہے ہو۔" شہزاد بڑبڑایا... لیکن اس کے دل و دماغ میں آندھیاں سی چل رہی تھیں۔ وہ دل ہی دل میں حیران ہو رہا تھا کہ کیا دُنیا میں کوئی ایسا شخص بھی ہو سکتا ہے، جو فلکرافٹ کے راز جانتا ہوگا...؟

"اور تم اُدشان کے وہ شاگرد ہو جس کے بارے میں ایک لوک کہانی ہے کہ تم تباہ کار ہو گے۔"

"مسٹر میگڈر..." شہزاد نے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے اُسے بظاہر پُوئے خلوص سے سمجھانے کی کوشش کی۔ "تم نے مجھے نہ جانے کس کے دھوکے میں پکڑ لیا ہے۔ اگر میں کوئی اتنا ہی اہم آدمی ہوتا تو یوں آسانی سے تمہارے نرغے میں کبھی نہ پھنستا۔ میرا نام واقعی شہزاد ہے لیکن میں تباہ کار یا اُدشان نامی کسی اُستاد کا شاگرد نہیں ہوں۔ بلکہ میرا تعلق ایک قومی دفاعی ادارے کے سیلز ڈیپارٹمنٹ سے ہے۔ میں ایک عام سا نوجوان ہوں۔ بس کماتا ہوں اور لڑکیوں پر خرچ کر دیتا ہوں بہرحال میں تم سے درخواست کروں گا کہ اس سلسلے میں مزید مذاق بند کرو اور مجھے اس مصیبت سے نکالو۔" اس نے دونوں ہاتھوں سے لائف جیکٹ کو تھپ تھپایا۔

"تم ایک عام نوجوان نہیں ہو۔" میگڈر نے عجیب سے لہجے میں کہا۔ "تم پاس ہو، جس سے چھو جاؤ گے اسے سونا بنا دو گے۔"

"اگر ایسا ہی تھا تو کچھ دیر انتظار کر لیتے۔" شہزاد نے شدید جھنجلاہٹ کا مظاہرہ کیا۔ "میں ساحل پر لیٹی ہوئی اُس عورت کو چھونے ہی والا تھا۔ وہ سونے کی بن جاتی تو اسے اٹھا کر کہیں بھی لے جاتے، میں کوئی اعتراض نہ کرتا۔ یوں بھی مجھے سونے سے لدی ہوئی عورتیں بالکل پسند نہیں۔ وہ زیادہ سونا پہن کر کان کن لگتی ہیں... ایسی کان جس نے شوہر جیسی کان کو کھود کر وہ سونا حاصل کیا ہو۔"

شہزاد کی اس بات کے جواب میں میگڈر خاموش رہا جیسے اُلجھن میں پڑ گیا ہو۔ اس دوران میں وہ اپنے جام سے چسکیاں لیتا رہا... پھر اس نے مسکرا کر شہزاد کی طرف دیکھا۔

"میں خود فروشی حکومت کے لیے کام کرتا رہا ہوں۔" اس نے کچھ دیر بعد شہزاد کی کھوپڑی پر ایک اور دھماکا کیا۔ "مجھے کچھ عرصہ پہلے وہاں کے تھنکر فورم میں ہونے والے واقعات کا علم ہے۔ شطرنج کے کھیل میں ایک سائنسدان ہلاک ہو گیا۔ پھر ایک پراسٹوٹ انسٹرکٹر جہاز سے گر گیا تھا اور اس کے جسم پر موجود پیراسٹوٹ کی ڈوریاں کٹی ہوئی تھیں... پھر صرف ایک آدمی نے بہت سے آدمیوں کو تنہا ہی زدوکوب کیا۔"

شہزاد نے کوئی جواب نہیں دیا۔

وہ سنجیدگی کی تہیں چہرے پر سجائے رہا۔

"جن دنوں تھنکر فورم میں یہ پُراسرار ہنگامے ہو رہے تھے، میرا محکمہ بھی وہاں نگاہ رکھے ہوئے تھا کیونکہ معلوم ہوا تھا کہ کوئی اور ٹیکنیکی حکومت بھی اس معاملے میں گہری دلچسپی لے رہی ہے۔ انہی دنوں ہمیں حکم دیا گیا کہ ہم وہاں سے پسپا ہو جائیں اور سارے معاملے کو ادھورا ہی چھوڑ دیں... اور یہ سب کچھ شہزاد پہلگام نامی سکیورٹی آفیسر کے لیے ہوا تھا... یہ تمہاری شخصیت کا پہلا ثبوت ہے۔"

"میں اپنی جھوٹی اہمیت سن سن کر کہیں پاگل نہ ہو جاؤں۔" شہزاد نے کہا۔ "کیا تم جانتے ہو کہ ایک ایسی عورت جس کے چہرے پر ران گنت..."

میگڈر نے جلدی سے ہاتھ اٹھا کر اُسے بولنے سے روک دیا۔ "اور پھر جنرل لامو کی پُراسرار گم شدگی کا معاملہ سامنے آیا۔ یہ ایک پیچیدہ ترین معاملہ تھا یہی وجہ تھی کہ میں نے اپنے چند خاص آدمیوں کے ساتھ ماضی میں جھانکنا شروع کر دیا۔"

"تمہارے بارے میں میرا اندازہ غلط نہیں تھا۔" شہزاد نے اس کا مضمکہ اُڑاتے ہوئے کہا۔ "تم یقیناً تھوڑی بہت غیب دانی بھی کر لیتے ہو۔"

"دُنیا میں اتفاقات پیش آتے رہتے ہیں... لیکن ان کی بھی

کوئی نہ کوئی وجہ ضرور ہوتی ہے۔ جب سُراغ لگانے والے ایک ہی شخص کے بارے میں معلومات حاصل کرتے ہوئے ماضی میں گئے تو معلوم ہُوا کہ اس شخص کے ادھ بھی کئی رُوپ رہ چکے ہیں۔ مثال کے طور پر ایک پولیس انسپکٹر، ایک دُھندا آور دلت کو ایک نئے بار کے خُون سے ہاتھ رنگتا ہے... پھر اُسے سزائے موت ہو جاتی ہے... لیکن مرنے کے بعد وہی شخص ملک کی ایک اہم ترین لیکن خفیہ شخصیت کی اوٹ سے چیر نمودار ہوتا ہے۔ اس شخصیت کا نام جانتے ہو؟" میگڈر نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

شہزاد جواباً اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا... اور اس کے لبوں پر خاموشی کی مہر لگی رہی۔

"اس شخصیت کا نام سر گوسر تھا... وہی پُراسرار شخص جس نے اسپتال میں اپنے آپ کو ہلاک کر لیا تھا کیونکہ وہ زخموں سے چُور چُور ہونے کے باوجود زندہ بچ گیا تھا۔"

میگڈر نے اپنا جام اُٹھا کر اطمینان سے اُسے ختم کیا اور اس جام کو از سرِ نو بھرنے کے بعد نیم وَا آنکھوں سے شہزاد کی طرف دیکھنے لگا۔ شہزاد اب بھی خود کو خوف زدہ ہی ظاہر کر رہا تھا لیکن کبھی کبھی وہ اس کا مضحکہ بھی اڑانے لگتا تھا۔

"بہرحال..." میگڈر نے مونث پُوچھتے ہوئے کہا۔ "میں نے اس پُراسرار شخص کو چیک کیا تو معلوم ہُوا کہ وہ ہماری سیکورٹی فورس ہی کا آدمی ہے اور ہمارے ہی محکمے کے لیے کام کر رہا ہے لیکن جب اس کا ریکارڈ دیکھا تو پتہ چلا کہ اسے کوئی بھی نہیں جانتا۔ اس کا ریکارڈ موجود تھا لیکن اس فائل میں سر گوش کے بارے میں ایک ایک بات فرضی تحریر تھی۔ میں نے ایک بار اسے بُلا کر میں بھی جایا تھا لیکن میرے چیف نے مجھے سختی سے روک دیا کہ ممکن ہے وہ حساس سطح پر کوئی مہم سر کر رہا ہو... اس لیے اس کے کام میں مداخلت نہ کی جائے۔ کیا تم اس سلسلے میں بعض حقائق بھی سُننا چاہتے ہو؟"

"یقیناً..." شہزاد نے مسکرا کر کہا۔ "لیکن میں تمہاری باتوں کو ایک دلچسپ کہانی سمجھ کر سُن رہا ہُوں... تاکہ بعد میں تمہیں مشورہ دے سکوں کہ اس قسم کی کہانیاں لکھنا شروع کر دو۔ کافی منافع ہوگا۔"

"منافع تو میں ضرور کماؤں گا۔" میگڈر نے جواب دیا۔ "اور تم دیکھو گے کہ میں کیا چاہتا ہُوں پھر تمہیں میری ذہانت کا معترف ہونا پڑے گا... اور تمہاری یہاں موجودگی بھی اسی سلسلے میں ہے۔ میں نے تمہیں یہاں بھجوانے کے لیے بڑے بڑے پاپڑ بیلے ہیں۔"

"اوہ..." شہزاد کے ہونٹ سُکڑ گئے اور اس کے ذہن میں ایک خدشہ سا جاگا۔ وہ جب سے اس شخص سے ملا تھا اس کے بارے میں اُلجھن کا شکار تھا... لیکن اب ہر بات خود بخود ہی صاف ہو گئی تھی۔

"تم اس وقت میری قید میں ہو کوئی انسان اس جیکٹ کی قید سے نہیں نکل سکتا۔ اب تمہیں مرنا ہے یا پھر میری بات پر عمل کرنا ہے۔"

"مسٹر میگڈر... پلیز مجھے اس شکنجے سے نکال دو۔ میں ڈوب مرنے سے ہمیشہ خوفزدہ رہا ہُوں۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہُوں کہ تمہاری ہر بات بڑی توجہ سے سنوں گا اور تمہارے ہر کام آنے کی کوشش کروں گا۔"

"میں بھی تمہیں خوفزدہ ہی دیکھنا چاہتا ہُوں۔" میگڈر نے ہنس کر کہا۔ "جب تک تم خوفزدہ رہو گے، ہم دونوں ٹھیک ٹھاک رہیں گے۔" اس نے فوراً ہی لہجہ بدل لیا۔ "اب غور سے میری بات سُنو۔ میرے علاوہ دو اور قابلِ اعتماد افراد نے باقاعدہ ریکارڈ تیار کرنا شروع کر دیا تھا۔ خوش قسمتی سے ہماری ہم کامیاب رہی۔"

اس نے پوز خالی کر کے اُچھالی جو پانی میں ایک چھپاکے سے گری۔ اس نے دُوسری ٹوپل نکالی لیکن اس بار میگڈر نے اس سے جام لبریز کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی اور ٹوپل کو براہِ راست مُنہ سے لگا لیا۔

"ہاں تو مسٹر شہزاد، فرض کرو کہ میں صدرِ مملکت ہُوں اور میری مملکت میں جرائم تیزی سے بڑھتے جا رہے ہیں۔ پولیس اور محکمہ خفیہ ناکارہ ثابت ہُوئے تو میں ایسے موقع پر کیا کروں گا؟ میں نے اس نظریے پر غور کرنا شروع کر دیا اور اسی پر کام بھی ہوتا گیا۔ تب مجھے یقین ہو گیا کہ میرا اندازہ غلط نہیں تھا۔ صدرِ مملکت نے ایک ایسے محکمے کی بُنیاد رکھی جو دُنیا کی نظروں میں کہیں موجود نہیں تھا۔ اس محکمے کی وجہ سے صدرِ مملکت کو کسی سے کوئی خطرہ لاحق نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ اس کے علاوہ اس خفیہ ترین محکمے کے بارے میں کسی کو کانوں کان خبر نہیں تھی۔"

"تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟" شہزاد نے پہلی بار خوفناک لہجے میں کہا۔

میگڈر ہنس پڑا۔

"صرف دو کروڑ ڈالر نقد... اور پچاس ہزار ڈالر سالانہ... جب تک میں زندہ ہُوں یہ رقم مجھے ہر سال ملتی رہنی چاہیے۔ تم جس خفیہ ترین محکمے سے تعلق رکھتے ہو وہ براہِ راست صدرِ مملکت کا محکمہ ہے۔ اس لیے تمہاری پُشت پناہی کرنے والے یہ رقم آسانی سے ادا کر سکتے ہیں۔"

"یہ خیال تمہارے ذہن میں کیسے آ گیا کہ میں اتنی بڑی رقم تمہیں ادا کرنے کی پوزیشن میں ہُوں؟"

"میں، تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔" میگڈر بولا۔

"تمہیں ہلاک بھی تو کیا جا سکتا ہے۔"

"ہاں... لیکن اتفاق سے میں نے اس سلسلے میں خاصے حفاظتی اقدام کر رکھے ہیں۔ میں نے اس محکمے کی تفصیل کے تین لفافے تیار کیے تھے۔ اگر مجھے کوئی حادثہ پیش آ جاتا ہے تو ان میں سے کوئی لفافہ ملکی اور غیر ملکی اخبارات تک پہنچ جائے گا۔ تب وہ سب کچھ کھل کر سامنے آ جائے گا جسے تم لوگ چھپانے کی کوشش کر رہے ہو۔ میں نے اپنی زندگی داؤ پر لگائی تھی تو احتیاطی تدابیر بھی سوچ لی تھیں۔"

"تم نے اپنی زندگی کی بہت بڑی قیمت لگائی ہے۔"

"ہر شخص کو یہ حق ہے کہ وہ اپنی زندگی کی جو بڑی سے بڑی قیمت لگائے۔"

"لیکن مسٹر میگڈر... تم نے صرف تین لفافے ہی نہیں بنائے ہوں گے۔" شہزاد نے ہنس کر کہا۔ "بہرحال، تم نے مجھے غریب ہی کو کیوں آلۂ کار بنانا منظور کیا ہے؟"

"کیونکہ تمہاری تنظیم سے رابطہ کرنے کے لیے میرے پاس تمہارے علاوہ کوئی مہرہ نہیں تھا۔"

"... میں کوئی قیمتی مہرہ نہیں ہُوں۔"

"تم جھُوٹ بول رہے ہو۔"

"اچھا..." شہزاد نے مسکرا کر کہا۔ "تو میں اب سچ بولنا شروع کرتا ہُوں، مسٹر میری ٹائمز..."

میگڈر نامی شخص بُری طرح اُچھل پڑا۔ وہ شہزاد کو کڑے تیوروں سے گھُورنے لگا...

"یہ درست ہے۔" شہزاد نے مسکرا کر کہا۔ "تمہاری شخصیت بے نقاب ہو چکی ہے۔ کیونکہ تم نے جس شخص کو تیسرا لفافہ بھیجا ہے وہ بھی اس خفیہ تنظیم چارہ گر کا چیف ہے۔"

"بہرام...؟" وہ شخص خوف سے زرد پڑ گیا۔

شہزاد نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اس سلسلے میں اسے تھوڑی بہت معلومات حاصل ہوئی تھیں۔ وہ چونکہ جنرل لاموکے چکر میں اُلجھا ہوا تھا اس لیے اس طرف زیادہ توجہ نہیں دے سکا تھا، اس کے باوجود اُسے ضروری کوائف سے آگاہ کر دیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ بہرام نے ذاتی طور پر کافی کام کیا تھا جس کی وجہ سے صدرِ مملکت کو جلد ہی احساس ہو گیا کہ شہزاد ٹائمز کو لوئیں ہر معاملے میں استعمال کرنا خطرناک بھی ثابت

چہرے کو تھوڑے بدل لیا تھا پھر بھی شہزاد کے ذہن میں وہ تصویر محفوظ رہی تھی جو دیگر کوائف کے ساتھ بہرام نے مطالعے کے لیے اُسے بھجوائی تھی۔

"تم بہرام کی شخصیت سے بے خبر ہے دوست!" شہزاد نے تہقہہ لگا کر کہا۔ "وہ شخص بیک وقت کئی افراد کا بہروپ دھار کر کام میں مصروف ہے، یہی وجہ ہے کہ اب تک کوئی بھی شخص میرے وجود سے اس حد تک آگاہ نہیں ہو سکا جس قدر تم ہو چکے ہو... اور اگر تم اتنا کچھ نہ جانتے ہوتے تو تمہاری موت کے لیے یہ اسٹیج ہرگز تیار نہ ہوتا..."

"لیکن تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے ہیں، تمہیں سمندر میں پھینک دُوں گا اور لائف جیکٹ میں بھرا ہُوا ذرّی سیسہ تمہیں نیچے تہ میں لے جائے گا، جہاں کسی کو تمہارے بارے میں کانوں کان خبر نہیں ہو گی..." اس کا پاؤں آہستہ آہستہ بلیک کی طرف حرکت کرنے لگا۔

اُسی لمحے شہزاد نے دونوں ہاتھوں کی مدد سے لائف جیکٹ کے ہُک کھولے اور اسے اُتار پھینکا... یہ دیکھ کر میری ٹائمز عرف میگڈر کی آنکھیں بے یقینی سے چاک ہوتی چلی گئیں۔

"تت... تم نے اس جیکٹ کو کیسے ضائع کیا؟"

"میں نے جیکٹ پر لکھے ہُوئے یہ الفاظ دیکھ لیے تھے۔" شہزاد نے جیکٹ کی پٹی کو اُنگلی سے چھُوتے ہُوئے کہا۔ "وہاں لکھا تھا کہ یہ جیکٹ تین سو پاؤنڈ دباؤ تک اپنی سطح برقرار رکھ سکتا ہے۔ میں نے اس درجے سے زیادہ دباؤ کے کام لے کر جیکٹ کو ناکارہ کر دیا۔"

"لیکن اتنا دباؤ..."

"بس..." شہزاد نے ہاتھ اُٹھا کر کہا۔ "سب کچھ اسی وقت سوچ لو گے؟ بہتر ہو گا کہ سمندر کی تہ میں اطمینان سے ایک ایک بات سوچتے رہنا۔ مجھے افسوس ہے کہ میں تمہاری طلب کی ہُوئی رقم سمندر کی تہ میں نہیں بھجوا سکتا۔ کوئی ڈاکیا اس پتے پر آنا ہرگز پسند نہیں کرے گا... پھر تم تو جانتے ہی ہو کہ ڈاکیے کسی طرح بھی خوطہ خور نہیں ہُوا کرتے۔"

اس نے چھُری سے آگے بڑھ کر اپنے حریف کو جکڑ لیا۔

"تم غدار ہو..." شہزاد غُرّایا۔

وہ شہزاد کی گرفت سے نکلنے کے لیے بُری طرح مچلتا رہا... لیکن ٹائیگر کی گرفت سے نکلنا ممکن نہیں تھا۔ چند ہی لمحوں بعد شہزاد نے وہی جیکٹ اُسے پہنا دیا جس میں ذرّی سیسہ بھرا ہُوا تھا... پھر

ے پلگ پر پاؤں مارا۔

اگلے ہی لمحے تار جیٹ سے الگ ہوگیا۔

ہیری ہاکنز اچھلا اور پانی میں جا گرا۔

شہزاد ریلنگ کے قریب جا کھڑا ہوا اور ڈوبتے ہوئے غدار کی طرف دیکھ کر الوداعی انداز میں ہاتھ ہلانے لگا۔ جب وہ ڈوب گیا اور سمندر کی سطح اُسے نگلنے کے بعد پھر سے ہموار ہوگئی تو شہزاد خاموشی سے زینے کی طرف بڑھ گیا۔

اس کا رُخ اینجن روم کی طرف تھا۔

☆☆☆

شہزاد پر شدید جھلاہٹ طاری تھی۔

اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یکایک یہ کیا کھچڑی سی پکنے لگی ہے۔ آخر بہرام براہِ راست اس سے کیوں ہم کلام نہیں ہو رہا ہے؟ اس نے احکامات اُوشان کے ذریعے کیوں دینے شروع کر دیے ہیں؟ اسی ادھیڑ بُن میں ان کا بیا سفر شروع ہو گیا تھا... اور اُوشان تھا کہ اس کی کسی بات کا خاطر خواہ جواب نہیں دے رہا تھا... یہی وجہ تھی کہ شہزاد کا موڈ بے حد خراب تھا اور وہ اُوشان کی طرف بڑی بیزاری سے دیکھ رہا تھا۔

اُوشان اس وقت پورٹ ہولز کے قریب ایک الماری پر بیٹھا ہُوا تھا اور اس کے ہاتھ میں ایک کتاب دبی ہُوئی تھی۔ اس نے شہزاد کی طرف دیکھتے ہوئے کتاب کا ایک صفحہ پھاڑا اور اُسے فرش کی طرف گرا دیا۔ کاغذ آہستہ آہستہ فرش کی طرف پھڑپھڑاتا ہُوا گرنے لگا۔

"چلو... شروع کرو۔" اُوشان نے کہا۔

کاغذ ہوا میں ہچکولے کھانے کے انداز میں گرتا رہا۔ حتیٰ کہ فرش سے تین فٹ کے فاصلے پر آگیا۔

اچانک شہزاد پھرتی سے آگے بڑھا۔ اس کا ہاتھ حرکت میں آیا اور اگلے ہی لمحے کاغذ اس کی انگلیوں کے سروں پر رُک گیا... اس کے ساتھ ہی ہاتھ کی جنبش سے انگلیاں کاغذ کے پار ہوگئیں۔

بہت خوب..." اُوشان نے مسکرا کر کہا۔ "چلو ایک بار پھر اسی کی مشق کرو۔"

اس نے کتاب سے ایک اور کاغذ پھاڑ کر الماری کے اوپر سے نیچے فرش کی طرف پھینک دیا۔ کاغذ کسی مُردہ پرندے کی طرح گرا اور فرش پر پڑا دکھائی دینے لگا۔

اس بار شہزاد نے ذرا سی بھی حرکت نہیں کی تھی۔

"کیوں...؟" اُوشان نے تیز لہجے میں کہا۔

"بیکار ہے، اُوشان۔ میں بیزار ہوگیا ہوں۔ یہ ایک احمقانہ قسم کی مشق ہے۔"

"تمہارے ذہن میں کوئی اور بات ہے۔"

"ہو سکتا ہے... لیکن میں اس احمقانہ مشق کو جاری نہیں رکھ سکتا۔ کیونکہ میں بہتر قسم کی ضربیں لگانے کے فن میں ماہر ہوں۔"

"بکواس مت کرو۔"

"آخر کیوں، اُوشان؟"

"اس لیے کہ میں تمہاری تکمیل چاہتا ہوں۔ تمہارا کیا مقابل ہے، ہمیں یہاں صرف تفریح کے لیے بھیجا گیا ہے۔ یہ بات نہیں ہے۔ تمہیں مشق کرنا ہے... مشق اور صرف مشق..."

اُوشان کی ہٹ دھرمی سے شہزاد بھی آگاہ تھا اس لیے مجبوراً وہ اس فضول قسم کی مشق میں مصروف ہوگیا۔ دونوں اس وقت ایک بحری جہاز میں سفر کر رہے تھے اور رات کے ساڑھے تین بجے کا وقت تھا۔ ہر طرف خاموشی اور تاریکی میں ڈوبا ہُوا تھا۔

اس مشق سے فارغ ہو کر شہزاد کیبن سے باہر آگیا۔ وہ عرشے پر ریلنگ کے سہارے جا کھڑا ہوا تو اُسے وہاں ایک شخص پہلے سے موجود ملا۔

"مسٹر شہزاد..." اس شخص نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

وہ چونک کر اُس کی طرف دیکھنے لگا۔

"میرا نام اوسالڈ ہے..."

"مجھے یہ نام کچھ زیادہ پسند نہیں آیا۔" شہزاد نے اکھڑے ہُوئے لہجے میں کہا۔ "بہتر ہوگا کہ تم اپنا نام تبدیل کر لو۔"

"اوہ... آپ شاید کچھ ناراض ہیں۔" اوسالڈ کھسیا کر بولا۔

"کچھ نہیں، بہت زیادہ۔"

"تب تو پھر آپ سے کسی اور وقت بات کی جائے تو بہتر ہے۔"

"ڈھنگ کی بات ہے تو ابھی کر لو... دوسری صورت میں تمہیں اس وقت تک سمندر میں تیرنا پڑے گا، جب تک دن کی روشنی میں عرشے سے کسی کی نگاہ تم پر نہیں پڑ جاتی۔"

اس شخص نے جیب سے ایک لفافہ نکالا اور [illegible] طرف بڑھا دیا۔ شہزاد نے لفافہ لے کر [illegible] اندر موجود تصاویر کا کارڈ نکالا۔

... لیکن یہ کوئی کارڈ نہیں تھا بلکہ ایک تصویر تھی۔

اوسالڈ نامی اس اجنبی نے اپنا لائٹر روشن کر دیا جس

روشنی میں شہزاد نے ایک بے حد حسین لڑکی کا فوٹو دیکھا۔ لڑکی بے حد معصوم، کم سن اور غضب کی حسین تھی۔ شہزاد اُسے دیکھتا ہی رہ گیا۔

"کیا یہ لڑکی جہاز میں سفر کر رہی ہے؟"

"نہیں۔" اوسالڈ نے کہا۔

شہزاد دوبارہ اس تصویر کی طرف متوجہ ہوگیا۔ تصویر میں بے لباس لڑکی نظر آرہی تھی۔ اگرچہ وہ ایک کم سن لڑکی تھی لیکن اس کا چہرہ اُجڑا اُجڑا سا تھا۔ اس کی آنکھیں ویران تھیں اس کی جلد پھولی پھولی سی لگ رہی تھی۔

لڑکی کے بازو پر ننھے ننھے سیاہ نشانات تھے جن کو دیکھ کر اندازہ ہوتا تھا کہ اسے اُن گنت بار کسی چیز کے انجکشن لگائے جا چکے ہیں۔

"یہ لڑکی کہاں ہے اور تم کون ہو؟"

"یہ مر چکی ہے۔" اوسالڈ بڑبڑایا۔

"اوہ..." شہزاد نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔

"میرا خیال ہے بعض بے چاری لڑکیاں تو بے حد مجبور ہیں [illegible] ان سے رُخصت ہو چکی ہے۔"

"کیا مطلب، تمہارے پاس مزید تصویریں بھی ہیں؟"

"ان گنت تصویریں، مسٹر شہزاد۔"

"اور تصویر والی ہر لڑکی مر چکی ہے؟"

"نہیں ابھی زندہ ہیں... لیکن کسی وقت بھی مر سکتی ہیں۔" اوسالڈ نامی اس شخص نے جواب دیا۔ "کیا تم انسانیت کے نام پر معصوم اور حسین لڑکیوں کو بچا لو گے، شہزاد؟"

"میں انہیں کیسے بچا سکتا ہوں؟"

"سنو... یہ سب لڑکیاں یا تو ہیروئین کا نشہ کرتی ہیں یا [illegible] شروع کرنے والی ہیں۔ لڑکیاں ہی کیا، لڑکے، عورتیں [illegible] جھمیلی اس مہلک نشے کے عادی ہوتے جا رہے ہیں۔"

"ہیروئین..." شہزاد نے زیرِ لب کہا۔

"ہاں... ایک اندازہ ہے کہ ہر سال صرف امریکا میں [illegible] ہیروئین فروخت ہوتی ہے... اور یہ ترسیل زیادہ تر [illegible] کے ذریعے عمل میں لائی جاتی ہے۔ ٹرکی میں اس قسم کے پودوں کی کاشت ہوتی ہے، فرانس یا شمالی امریکا میں [illegible] سے نشہ نچوڑا جاتا ہے اور پھر اس سفید موت کو [illegible] کی شکل میں اسمگل کر کے یہاں تجویز دیا جاتا ہے۔"

"میرا خیال ہے، امریکا میں پولیس اور خفیہ کے محکمے اس مہلک دوا کو فروخت کرنے یا اسمگل کرنے والوں سے بہ آسانی نمٹ سکتے ہیں۔" شہزاد نے کہا۔

"ہر سال چھاپے مارے جاتے ہیں اور گرفتاریاں عمل میں آتی ہیں لیکن آج تک بڑے سے بڑے چھاپے میں پچاس پاؤنڈ کا ایک سوٹ کیس ہی ہاتھ لگا ہوگا جب کہ پورے ملک میں تقریباً سولہ ہزار پاؤنڈ کی کھپت ہے... اور بازار میں اس کی قیمت کروڑوں ڈالر تک پہنچ جاتی ہے۔"

"ایسی صورت میں تمہارے قانون نافذ کرنے والے ادارے کے زیادہ سے زیادہ لوگ، روک تھام کے لیے میدان میں کیوں نہیں کُود جاتے؟"

"اس قسم کی کوششیں بھی ہو چکی ہیں لیکن بالآخر ناکامی ہی کا مُنہ دیکھنا پڑا... لیکن دوست میں اس ہیروئین کا تذکرہ نہیں کر رہا ہوں جو محض سُوٹ کیسوں میں اسمگل ہوتی ہے۔ میں تو اس ذخیرے کی بات کر رہا ہوں جو ٹرکوں میں آتا ہے اور پھر زہر بن کر پورے ملک میں پھیل رہا ہے۔ چار ٹرک... جن میں تقریباً پچاس ٹن کے قریب ہیروئین لدی ہوئی ہے اور اس سے غیر قانونی منڈی میں چھ سال تک اس نشہ آور پاؤڈر کی قلت نہیں ہوگی۔"

شہزاد خاموش ہوگیا۔

اسے عجیب عجیب صورتوں سے پالا پڑ رہا تھا۔

"لیکن تم مجھے کس طرح جانتے ہو؟"

"بہرام..." اوسالڈ نے کہا اور جیب سے ایک سربمہر لفافہ نکال کر شہزاد کے حوالے کر دیا۔

شہزاد نے اسے کھولا تو لفافے میں بہرام کی طرف سے اس کے نام ایک خفیہ پیغام موجود تھا... وہ اس تحریر، اس انداز تحریر اور اس خفیہ پیغام کو دیکھ کر یقین سے کہہ سکتا تھا کہ یہ لفافہ واقعی بہرام نے ہی اس کے نام بھیجا ہے... لیکن اس سے پہلے وہ ایک ایسے شخص سے بھی مل چکا تھا جس نے اُسے حیرت زدہ کر دیا تھا۔ اس لیے وہ ہر طرح سے اطمینان کرنے کے بعد ہی کوئی قدم اُٹھانا چاہتا تھا۔

"ہوں... میں، تم سے یہ نہیں پوچھوں گا کہ بہرام سے تمہارا کیا تعلق ہے۔ البتہ انسانیت کے نام پر میں اس سلسلے میں جو کچھ بھی کر سکا، ضرور کروں گا۔ بتاؤ مجھے کیا کرنا ہے؟"

"ہڈسن اور نیویارک کے علاقوں کا نقشہ تمہیں فراہم کیا جا رہا

ہے۔ ہیرو مین اس وقت ہوٹل ہی میں کسی جگہ موجود ہے۔ اسے کسی بھری جہاز سے اتارا گیا ہے۔ ان ترکوں کا کئی دنوں سے دار آدمیوں نے پیچھا کیا لیکن وہ مارے گئے اور یوں ہیرو مین کی یہ بہت بڑی کھیپ کسی ایسی جگہ غائب ہو گئی ہے، جہاں سے ہم اسے تلاش کرنے میں ناکام رہے ہیں۔"

"لیکن تم یہ بات اتنے وثوق سے کیسے کہہ سکتے ہو کہ ہیرو مین کے ترک ابھی وہیں ہیں؟" شہزاد نے حیرت سے کہا۔

"ٹرک ہوٹل ہی میں موجود ہیں۔ گزشتہ ایک ہفتے سے ہمیں ہر اس گاڑی کے بارے میں علم ہے جو شہر سے باہر گئی ہے۔ ان میں وہ ترک شامل نہیں ہیں۔"

"عجیب اندازہ ہے۔ میں نے اس قسم کی بات پہلے کبھی نہیں سنی۔" شہزاد بڑبڑایا۔ "کیا تم لوگوں نے اس پاؤڈر کی تحقیق کے لیے کوئی آلہ بھی بنا رکھا ہے؟"

"ہاں... لیکن اس کی تکمیل میں کچھ وقت لگے گا۔"

"ہوں... بہرام نے تمہیں میرے بارے میں کیا بتایا ہے؟"

"صرف یہ کہ تم اس کام کے لیے دنیا کے آخری آدمی ہو۔"

"اور میرے اختیارات کا؟"

"جیسے اندازہ ہے۔" اوسالڈ نے مسکرا کر کہا۔ "میں تمہارے لیے صدر مملکت کا خصوصی اجازت نامہ لایا ہوں۔ اس کے تحت تم جو چاہو، آزادی سے کر سکتے ہو۔ جاؤ... گلی کوچوں میں گھومو، شور مچاؤ اور ایسے لوگوں کو تلاش کرو جو اس سفید موت کا دھندا کرتے ہیں۔ انہیں تباہ کر دو۔ ہیرو مین جہاں بھی ملے، ڈھونڈ کر ضائع کر دو اور راستے میں آنے والی ہر رکاوٹ کو ہٹاتے چلے جاؤ۔ میری طرف سے تمہیں اجازت ہے، اگر ضرورت پڑے تو پورے شہر کو آگ لگا دو... شہزاد! تم نجات دہندہ بن کر آئے ہو، میں جانتا ہوں۔"

شہزاد ایک طویل سانس لے کر رہ گیا۔

بار بار اس کے ذہن میں وہ معصوم سا چہرہ گھوم جاتا تھا جس کی تصویر وہ کچھ دیر قبل دیکھ چکا تھا۔

"ہڈسن اس پاؤڈر کی اسمگلنگ کا سب سے بڑا روٹ ہے جہاں سیاست دانوں سے عام پولیس والوں تک کو دھوکا دیا جا رہا ہے اور اس شہر پر مافیا کی حکومت ہے۔"

"ٹھیک ہے..."

اس شخص نے کوٹ کی اندرونی جیب سے ایک اور لفافہ نکال کر شہزاد کے حوالے کر دیا۔ "اس میں تمہارے لیے ضرورت کے کاغذات موجود ہیں۔ ان کے مطابق تم ایک مشہور رسالے کے مصنف ہو۔ اس کے علاوہ ہر بات کی تفصیل ہے جس کو ذہن نشین کرنے کے بعد ضائع کر دینا۔ تمہیں اب تک کی تحقیقات کا مکمل احوال ان کاغذات سے معلوم ہو جائے گا۔"

شہزاد نے وہ لفافہ لے لیا۔

اس نے باریک بینی سے اِدھر اُدھر دیکھا۔

ابھی تک عرشہ ویران تھا۔ کوئی اوپر نہیں آیا تھا۔ دور مشرق میں پتلی پتلی زرد لکیریں سی پھیل کر سورج کے طلوع ہونے کا اشارہ کر رہی تھیں... اور ہوا میں نمی کے ساتھ ساتھ خنکی بھی محسوس ہو رہی تھی۔ شہزاد آہستہ آہستہ اپنے کیبن کی طرف چل دیا اس کے ذہن میں اب بھی وہ لڑکی گھوم رہی تھی جس کے کفن کو نشے کے ٹیکے لگا لگا کر قبر میں اُتارا گیا تھا۔

*

کاروں کی تعداد چار تھی لیکن ان میں بیٹھے ہوئے آدمیوں کی تعداد کسی طرح بھی چوبیس سے کم نہیں تھی۔ یہ بڑی بڑی کاریں تھیں، اتنی گنجائش دار اور لمبی کاریں کہ تعداد میں کم ہونے کے باوجود ان کاروں نے بیٹھنے والوں کی بڑی تعداد کو اطمینان سے سمیٹ رکھا تھا...

سب سے آگے والی لیموسین میں ڈمونی تھا۔

دوسری کار میں اسکوبی، فرانسو اور پالموسی کے علاوہ اوبرین جیسے خاص آدمی تھے اسی طرح چاروں کاروں میں موجود افراد اپنی اپنی جگہ اہم تھے۔ یہ مختلف شہروں سے آئے تھے اور ان کا مقصد وہی مہلک پاؤڈر خریدنا تھا جسے وہ اب تک کئی بار ڈمونی سے خرید کر لاکھوں ڈالر کما چکے تھے۔

دن کے دو بج کر پندرہ منٹ ہوئے تھے۔

کاروں کا یہ قافلہ دیکھنے میں تفریح پسندوں کا ٹولہ لگتا تھا لیکن درحقیقت ان لوگوں کا تعلق امریکا کے مختلف شہروں سے تھا۔ کاریں آگے پیچھے دوڑتی ہوئی ایک دکان تک پہنچیں اور ڈمونی سب سے پہلے اُتر کر اندر چلا گیا۔

اس کے بعد اسکوبی نے اُتر کر اِدھر اُدھر نگاہ دوڑائی۔

مطمئن ہونے کے بعد وہ ٹہلتا ہوا آخری کار تک گیا اور قریب سے گزرتے وقت زیرِ لب کہتا گیا۔ "عقبی کمرے میں چلے جائیں... عقبی کمرے میں چلے جائیں۔"

یہ نوادرات فروخت کرنے والی ایک دکان تھی جس کے

اندر پر ایک پُرکشش لڑکی موجود تھی۔ باری باری کاروں سے نکل کر ہر شخص اندر پہنچ گیا۔ لڑکی مسکرا مسکرا کر سب کا استقبال کر رہی تھی اور پھر سر کی خفیف سی جنبش سے ایک دروازے کی طرف اشارہ کر دیتی۔

اس کمرے میں نوادرات کا ڈھیر تھا۔

مختلف اشیا بکھری پڑی تھیں۔

ڈمونی ایک طرف کھڑا ایک چھوٹے سے شترمرغ کو دیکھ رہا تھا۔ یہ شترمرغ سائز میں عام مرغ جتنا تھا۔ جب سب لوگ اندر گھس گئے تو دروازہ بند نہیں کیا گیا بلکہ اسکوبی دروازے کے قریب کھڑا ہوا اور کاؤنٹر پر جھک کر سرگوشیوں میں، کاؤنٹر گرل سے باتیں کرنے میں مصروف ہو گیا۔

بظاہر تو وہ لڑکی سے باتیں کر رہا تھا لیکن درحقیقت اس کی عقابی جیسی آنکھیں باہر سڑک کا دور دور تک جائزہ لے رہی تھیں اور وہ کسی غیر معمولی بات کو محسوس کرنے کے لیے بے چین ہوئی دے رہا تھا۔

اندر کمرے میں کچھ اس انداز کا شور تھا جیسے نوادرات کا بیوپار شروع ہو گیا ہو۔ ہر شخص بولی دے رہا تھا اور نوادرات فروخت ہوتے جا رہے تھے... لیکن ان اشیا میں کوئی غیر قانونی چیز شامل ہوتی نہیں تھی... البتہ وہ اس کی خریداری کے لیے جو بولی ادا کر رہے تھے، وہ کسی طرح بھی لاکھوں ڈالر سے کم نہیں تھی۔ مارکیٹ کے طور پر عام مرغ جتنے شترمرغ کا سودا دس لاکھ ڈالر میں ہوا... اور فرانسو نے اسے خرید لیا۔

یہ نیلام صرف نصف گھنٹے تک جاری رہا۔

"دوستو... وہ ترک کی گھوڑا عنقریب پہنچنے والا ہے۔" ڈمونی نے بالآخر مسکرا کر کہا۔ "اور اس بار میں نے ایک ایسا انتظام کیا ہے کہ تم لوگ حیرت زدہ رہ جاؤ گے۔"

"ہمیں ڈان ڈمونی پر اعتماد ہے۔" پالموسی نے مسکرا کر کہا۔

"میں نے پاؤڈر کو گولیوں میں تبدیل کر دیا ہے۔" ڈمونی نے دھیمے لہجے میں کہا۔ "یہ گولیاں بھی بالکل اسی طرح استعمال کی جا سکیں گی جیسے کہ پاؤڈر استعمال کیا جاتا ہے۔"

"بہت خوب... اور ان کو دیکھ کر کسی کو شبہ بھی نہیں ہو گا۔" فرانسو نے تبصرہ کیا۔

اوبرین اب تک خاموش کھڑا تھا۔ وہ بار بار کن انکھیوں سے دروازے سے باہر کاؤنٹر کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"اوبرین! تم کچھ بے چین ہو۔" ڈمونی مسکرایا۔

"آہستہ بولو... ممکن ہے، یہ سیلز گرل سب کچھ سن رہی ہو۔" اوبرین نے خدشہ ظاہر کیا۔

"بے کار خیالوں میں اپنا وقت ضائع نہ کرو۔" ڈمونی نے مسکرا کر اسے اطمینان دلانے کی کوشش کی۔ "اس لڑکی کا اپنا ایک مخصوص ذہن ہے اور اس ذہن میں اتنی دل چسپ خیالی دنیا بنی ہوئی ہے کہ اسے اُسی سے باہر آنے کا وقت نہیں ملتا۔"

اوبرین نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

... لیکن اس کی آنکھوں میں اب بھی تشویش تھی۔

وہ دیکھ رہا تھا کہ لڑکی، اسکوبی سے کچھ کہہ رہی ہے اور وہ بوڑھا شخص فکرمند دکھائی دینے لگا ہے۔ وہ ان دونوں کی باتیں سننے سے قاصر تھا کیوں کہ کمرے میں بے پناہ شور تھا... پھر وہ دونوں سرگوشیوں میں باتیں کر رہے تھے۔ اوبرین نے بوڑھے اسکوبی کے چہرے پر فکرمندی دیکھی تو وہ بے چین ہو گیا... لیکن ڈمونی اور دیگر افراد اطمینان سے باتوں میں مصروف تھے اس لیے وہ بار بار کچھ کہہ کر اپنے آپ کو خوف زدہ ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"یہ گولی اگر پانی میں ڈال دی جائے تو آسانی سے اسی طرح حل ہو جاتی ہے جیسے اسپرین کی ٹکیہ بہ آسانی گھل جاتی ہے۔" ڈمونی کہہ رہا تھا اور کمرے میں موجود ہر شخص اس نئے خیال کو سراہ رہا تھا۔

"پاؤڈر کی شکل میں واقعی یہ ایک خطرناک چیز تھی۔" فرانسو نے تبصرہ کیا۔ "جب گلاس کی صورت میں اسے محض دو آدمی کنٹرول بھی کیا جا سکتا ہے۔ میرا مشورہ ہے کہ اس دوا کا کوئی باقاعدہ نام بھی تجویز کر دیا جائے اور اس نام کا لیبل ہر شیشی پر چسپاں ہو جائے تو پاؤڈر کی بہ نسبت بہتر ہو گا۔"

"یہ سب کچھ تم لوگ میرے اختراع پسند ذہن پر چھوڑ دو۔" ڈمونی نے کہا۔ "میں نے تم لوگوں سے وعدہ کیا تھا کہ میں خنوں کے حساب سے ہیرو مین تمہیں دوں گا... اور یہ وعدہ اب پورا ہو رہا ہے۔"

"کتنی مقدار میں...؟" پالموسی نے پوچھا۔

"صفتالیس ٹن...؟" ڈمونی نے فخریہ لہجے میں بتایا۔

"اتنا مال کس حد تک خالص ہے؟"

"کیا مطلب؟"

"میرا مطلب ہے جب اسے ٹکیہ کی شکل دی جائے گی تو اس میں تھوڑی بہت ملاوٹ تو ہر حال میں کرنی پڑے گی۔"

پالموسی نے وضاحت کی۔

"ہاں... صرف دو فی صد ملاوٹ۔"

"دو فی صد...؟" اوبرین چونک پڑا۔

"تحفظ کے نکتۂ نظر سے یہ ملاوٹ بے حد معمولی ہے۔"

"ہاں... میں متفق ہوں۔" پالموسی نے کہا۔

اوبرین نے بھی اثبات میں سر ہلا دیا اور ایک من کا آرڈر دے دیا۔ اسی طرح ہر کسی نے اپنی اپنی بساط اور ضرورت کے مطابق آرڈر دیا۔ رقم وہ پہلے ہی ادا کر چکے تھے اور یہاں سے انہیں صرف ہدایات حاصل کرنا تھیں مر

ڈمونی بے حد خوش تھا۔ اس نے دل ہی دل میں اندازہ لگایا کہ صرف چار من مہر وُمین پر اُسے آٹھ ہزار پاؤنڈ سے زیادہ رقم منافعے میں حاصل ہو رہی ہے۔ وہ صورتِ حال سے مطمئن تھا۔ اسے اطمینان تھا کہ جیسے جیسے وہ مال کی فراہمی کے سلسلے میں قابلِ اعتماد ثابت ہوگا، ان لوگوں میں مانگ بڑھتی جائے گی۔

ان کے درمیان بحث جاری رہی حتیٰ کہ یہ طے ہُوا کہ وہ ٹکیاں، اسپرین کے نام پر تیار کی جائیں گی اور پھر ایسے دوافروشوں کو پہنچا دی جائیں گی جو درحقیقت منشیات فروشی کے اڈے چلا رہے ہوں گے۔

اس محفوظ ترسیل پر ہر شخص خوش نظر آنے لگا۔ ہر ایک کی آنکھوں میں مستقبل کے سہانے خوابوں کے سائے تھے اور دولت سے محبت کی چمک ان کی آنکھوں سے چھلکی پڑ رہی تھی۔ وہ جانتے تھے کہ اب انہیں قانون کا خوف دامن گیر نہیں ہوگا...

اور سب کام سہولت سے ہونے کے بعد دولت کے انبار ان کے قدموں میں ہوں گے۔ ڈمونی نے مسکرا کر سب کی طرف باری باری دیکھا۔

"میرا خیال ہے، اب ہم سب کو رُخصت ہو جانا چاہیے۔" اس نے ہونٹوں پر سجی ہُوئی مسکراہٹ کو برقرار رکھتے ہُوئے کہا۔

ڈمونی اپنے گاہکوں کو رُخصت کرنے کے لیے دروازے میں جا کھڑا ہُوا... پھر ذاتی طور پر ایک ایک سے مصافحہ کرتے ہُوئے انہیں خدا حافظ کہا... اب عقبی کمرے میں صرف اسکوبی رہ گیا تھا۔ باقی لوگ نوادرات کی دُکان کے شوروم سے گزر کر اپنی اپنی کاروں کی طرف چلے گئے تھے۔

ڈمونی نے بوڑھے فن کار اسکوبی کی طرف دیکھا جس کے چہرے پر عجیب سی اُلجھن کے تاثرات نظر آ رہے تھے۔ غالباً اسے کوئی چیز پریشان کر رہی تھی اور شاید وہ اسی لیے وہاں رُک بھی گیا تھا۔

"اسکوبی..." ڈمونی نے محبت آمیز لہجے میں کہا۔ "میں نے ہمیشہ تمہیں ایک بزرگ کا درجہ دیا ہے اور تمہاری ہر رائے و نصیحت پر غور کیا ہے۔ کچھ کہنا چاہتے ہو تو ضرور کہو۔"

"میں صرف یہ کہنا چاہتا ہُوں کہ بھاؤ ہمیشہ اونچا رکھا کرو۔ بھاؤ گرانے سے کاروبار متاثر ہوتے ہیں۔" بوڑھے اسکوبی نے کہا۔

"دوسروں کے مقابلے میں اپنے بھاؤ کو اونچا رکھنے یا اُسے برقرار رکھنے کے لیے ہمیشہ خود اعتمادی سے کام لینا چاہیے۔"

"ٹھیک ہے۔ آیندہ سودے بازی میں اس بات کو ہم خاص طور سے ملحوظ رکھوں گا۔" ڈمونی نے مُسکرا کر کہا۔

"وہ تو ٹھیک ہے... لیکن تم جانتے ہو کہ میں ایک ضعیف العمر شخص ہوں۔ ممکن ہے میں آیندہ سودے بازی تک زندہ ہی نہ رہوں۔"

"کیا بات ہے تم صاف صاف کیوں نہیں کہتے؟"

"اگر میں نے اپنی اُلجھن کھل کر تمہیں بتا دی تو شاید تم میری بات پر یقین نہ کرو۔ وہ بات تمہارے کانوں کے قابل نہیں ہے۔" اسکوبی نے دھیمی آواز میں کہا۔

"تمہاری ہر بات میرے کانوں کے لیے اہمیت رکھتی ہے میں نے تمہاری کون سی بات آج تک رَد کی ہے؟"

بوڑھے اسکوبی نے سر کو اثبات میں جنبش دی۔

وہ یکایک سوگوار نظر آنے لگا تھا۔

"تم میری انجیلا کو تو جانتے ہی ہو۔ وہ ستاروں پر یقین رکھتی ہے۔ اس کا ہر کام ستاروں کے حساب سے ہوتا ہے۔ وہ ہر وقت یہی کہتی ہے کہ ستاروں کی چال یوں ہے اور یہ کام اس طرح ہونا چاہیے۔ وہ سب کچھ کرتی رہتی ہے اور میں خاموش دیکھتا رہتا ہُوں۔ اس کی باتوں کو خاموشی سے سُن لیتا ہُوں... لیکن مجھے یاد ہے کہ اس نے تمہارے بارے میں ایک پیش گوئی کی تھی۔"

"شادی کے سلسلے میں؟"

"ہاں... اور وہ دُرست نکلی تھی حالانکہ ہم دونوں نے ہی اس پیش گوئی کو شروع میں کوئی اہمیت نہیں دی تھی۔"

"ہاں... تم ٹھیک کہتے ہو۔" ڈمونی سوچ میں پڑ گیا۔

"پھر اس نے تمہاری بیوی کی موت کے بارے میں بھی کچھ کہا تھا جو حرف بہ حرف دُرست ثابت ہُوا۔ اس نے کاروبار کے بارے میں جو بات کہی، وہ پوری ہو گئی۔"

"کیا اس نے کوئی خاص بات کہہ دی ہے؟"

"ہاں... لیکن اس بار اس کی پیش گوئی بے حد خطرناک ہے۔" اسکوبی نے تفکر آمیز لہجے میں کہا۔

ڈمونی نے جلدی سے اس کے کندھوں کو اپنے ہاتھوں کی گرفت میں لے لیا۔ پہلے تو اس کی اُنگلیوں کا دباؤ شدید رہا... لیکن جلد ہی وہ خود پر قابو پانے میں کامیاب ہو گیا اور اس کے ساتھ ہی اس کی اُنگلیوں کی گرفت بھی ڈھیلی پڑ گئی۔

"وہ خوفناک پیش گوئی کیا ہے اسکوبی؟" ڈمونی نے فکرمندی سے بھرپور سرگوشی کی۔

"اس کا کہنا ہے کہ تم دیوتاؤں کے خلاف جا رہے ہو۔"

"کیا مطلب؟" ڈمونی چونک پڑا۔

"تباہی کے دیوتا کے خلاف..." اسکوبی بڑبڑایا۔

اس بات پر ڈمونی بے ساختہ قہقہے کو نہ روک سکا... لیکن جلد ہی اُسے احساس ہو گیا کہ اس نے اسکوبی سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اس کی بات پر ہنسے گا نہیں۔ اس نے فوراً ہی خود پر قابو پایا۔

"ممکن ہے یہ کوئی خوفناک خواب ہو... لیکن ڈمونی وعدہ کرتا ہے کہ تم محتاط رہو گے۔"

ڈمونی نے اسے مطمئن رہنے کا اشارہ کیا اور اسکوبی کا استقبال کرنے والا دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

اس رات ڈمونی دیر تک نہ سو سکا۔

اگرچہ وہ اس بات کو انجیلا کا ایک خواب ہی سمجھ رہا تھا لیکن نہ جانے کیوں اس کا دل اسے خواب سمجھنے پر آمادہ نہیں ہُوا۔ وہ حیران تھا کہ آخر وہ کسی دیوتا کے خلاف کیا کر رہا ہے؟... پھر تباہی کے دیوتا سے اس کا کیا تعلق ہو سکتا ہے؟

*

شہزاد اس وقت ڈمونی کے بیرونی دفتر میں بیٹھا تھا۔ ڈمونی ہڈسن کی ایکشن کونسل کا چیئرمین تھا۔ شہزاد اسی رسالے کے نمائندے کی حیثیت سے یہاں آیا تھا۔ ایک پیڈ اُس کے گھٹنے پر رکھا ہُوا تھا اور پنسل انگلیوں میں دبی ہُوئی تھی۔

اس نے کھڑکی سے باہر دیکھا۔

بلند و بالا عمارتیں جنہیں اسکائی اسکریپر کہتے ہیں، وہ آسمان کو چُومتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔ اس نے تھکے پھیلائے۔ کمرے میں کی خوشبودار لکڑی کا فرنیچر تھا جس کی وجہ سے عجیب سی مہک کمرے میں پھیلی ہوئی تھی۔

ہڈسن میں آتے ہی اس نے لائحہ عمل طے کر لیا تھا۔ اس کا طریقۂ کار سیدھا سادہ اور مؤثر تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ ادھر اُدھر گھوم پھر کر خود کو خوب نمایاں کرے گا اور جب وہ لوگوں کی نگاہ میں کسی کانٹے کی طرح کھٹکنے لگے گا تو یقیناً اس پر حملہ آور ہونے کی کوشش کی جائے گی۔ یہیں سے اُسے سُراغ ملنے لگیں گے۔

... اور اگر کوئی پیچھے نہ آیا تو مجبوراً وہ خود ہی ان کے پیچھے جائے گا۔ اس نے بیرونی دفتر میں بیٹھے بیٹھے استقبالیہ کلرک کی طرف دیکھا جو ایک غیر معمولی ضخامت کی کتاب پڑھ رہی تھی۔ شہزاد اس وقت ڈمونی سے ملاقات کے انتظار میں بیٹھا ہُوا تھا۔

"مل گیا... اُف... تھکا دیا اس کام نے۔" استقبالیہ کلرک نے پیشانی پر ہاتھ مارتے ہُوئے خود کلامی کے انداز میں کہا۔

"کیا مل گیا؟" شہزاد نے مسکرا کر دریافت کیا۔ یہ مسکراہٹ ایسی عورتوں کو گھائل کرنے کے لیے بے حد مؤثر تھی۔

"تباہی کا دیوتا... شیوا... تباہی کا دیوتا۔" استقبالیہ کلرک نے مسکرا کر بتایا تو شہزاد نے اس بات میں گہری دلچسپی ظاہر کرنا شروع کر دی۔

اس سے پہلے کہ لڑکی اس سے مزید کوئی بات کرتی، دفعتہً اندرونی کمرے کا دروازہ کھلا اور ایک کاروباری شخصیت نے دروازے سے اندر جھانکا۔

"جوآن..." وہ اپنی سیکرٹری کی طرف متوجہ ہُوا جو استقبالیہ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ "میں تم سے بات کرنا چاہتا ہُوں۔" اسی لمحے اس کی نگاہ شہزاد پر پڑی۔ "اوہ... تم شاید میگزین رائٹر ہو۔ ٹھیک ہے، میں ابھی دو ایک منٹ میں تم سے ملتا ہُوں۔"

"میں نے تباہی کے دیوتا شیوا کے بارے میں معلوم کر لیا ہے۔" سیکرٹری جلدی سے بولی۔

"دُنیا کو تباہ کرنے والا، میں ہُوں شیوا۔" شہزاد نے کہا۔

"کیا...؟" ڈمونی نے حیرت سے آنکھیں پھاڑتے ہُوئے شہزاد کی طرف وضاحت طلب انداز میں دیکھا۔

"میں ایک پُرانا مقولہ دُہرا رہا تھا۔" شہزاد نے مُسکرا کر وضاحت کر دی۔

"کیا تمہارا نام بھی شیوا ہے؟"

"نہیں... وہی میگزین رائٹر ہُوں جس نے گزشتہ رات فون پر بات کر کے آپ سے وقت لیا تھا۔"

"ٹھیک ہے۔ ابھی دو منٹ بعد میں تم سے بھی بات کرتا ہُوں۔" ڈمونی نے کہا اور دوبارہ اپنی سیکرٹری کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"جوکان... کیا رہا ہے"

سیکرٹری جلدی سے پیڈ اور پنسل لے کر اس کے دفتر میں چلی گئی اور دروازہ بند ہو گیا۔

شہزاد اس دوران میں خاموش بیٹھا ادھر اُدھر دیکھتا رہا۔ اس کی پیشانی پر سوچ کی سلوٹیں تھیں۔

پانچ منٹ بعد اسے اندر طلب کر لیا گیا۔

انٹرویو شروع ہوا تو شہزاد نے اس انداز میں سوالات کیے جیسے وہ ڈمونی سے لڑنے کے لیے آیا ہو... البتہ ڈمونی کا رویہ بہت اچھا تھا۔ وہ مسکرا رہا تھا۔ لیکن شہزاد کے سوالات زچ کر دینے والے تھے بخصوصاً اس سوال پر تو ڈمونی نے بالکل قہقہہ نہیں لگایا۔

"کیا آپ کا مافیا تنظیم سے بھی کوئی تعلق ہے؟"

ڈمونی نے نفی میں سر ہلا دیا اور خاموش رہا۔

"میرا خیال ہے، آپ ہیرو ڈین کا کاروبار بھی کرتے ہیں؟"

"یہ سوال کر کے تم نے میری شخصیت پر حملہ کیا ہے۔ میں اس توہین کو برداشت نہیں کر سکتا۔" ڈمونی نے تلخی سے کہا لہجے سے قطع نظر ڈمونی کے چہرے پر ایسے تاثرات تھے کہ شہزاد کا دل خوشی سے جھوم اٹھا۔ وہ سمجھ گیا کہ تیر لگ گیا ہے۔

شہزاد خاموشی سے اٹھا اور دفتر سے باہر آ گیا۔

وہ محسوس کر رہا تھا کہ عقب سے ڈمونی کی آنکھیں اُسے گھور رہی ہیں... لیکن وہ یہ کانہیں۔ اس نے جو اندھا تیر پھینکا تھا، پھینک دیا تھا اور اب اسے نتیجے کا انتظار کرنا تھا۔ دفتر سے باہر آتے وقت اُسے سیکرٹری کی باتیں یاد آ رہی تھیں۔ وہ انسائیکلوپیڈیا میں شیوا کا مفہوم تلاش کر رہی تھی... آخر کیوں؟ ڈمونی جیسی معروف شخصیت کو تباہی کے دیوتا سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے؟

وہ رُک گیا۔

یہ احساس اُسے اچانک ہی ہوا تھا کہ آس پاس ہی کسی جگہ موت چھپی ہوئی ہے... لیکن کہاں؟ وہ لاکھ ادھر اُدھر دیکھنے کے باوجود اس احساس کی توجیہہ نہ کر سکا تو اپنی کار کی طرف بڑھ گیا۔ دروازے کے لاک میں چابی ڈالتے وقت اس کا ہاتھ خفیف سی حرکت کر کے رہ گیا اور اس کے حساس کان موت کے قدموں کی آہٹ سُننے میں محو ہو گئے۔

ٹک... ٹک... ٹک... موت آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھ رہی تھی۔ شہزاد ٹائیگر کا ہاتھ کار کے دروازے کے ہینڈل پر جہاں تھا، وہیں منجمد سا ہو گیا۔

☆☆☆

بہت ہی مدھم لیکن عجیب سی آوازیں تھیں۔

اگر شہزاد کی جگہ کوئی اور ہوتا تو اس آواز کو ہرگز نہ سُن سکتا اور اگر سُن بھی لیتا تو شاید کوئی اہمیت نہ دیتا۔ برسوں کی تربیت اور لا جسم و ذہن پر مکمل قابو حاصل ہونے کی وجہ سے شہزاد کا ہاتھ دروازے کے ہینڈل پر ذرا سی حرکت کرتے ہی منجمد سا ہو گیا۔

آوازیں کچھ ایسی تھیں جیسے کار میں کسی جگہ کوئی ٹائم بم رکھا ہوا ہو... ایک ایسا ٹائم بم جس کا تعلق دروازے کے ہینڈل سے تھا اور شہزاد نے جیسے ہی ہینڈل کو چھیڑا... ٹائم بم کا خودکار میکنزم اسٹارٹ ہو گیا تھا۔

شہزاد نے بند شیشے سے کار میں جھانکا۔

اس کا ہاتھ بدستور ہینڈل پر جما رہا۔

کوئی چیز سامنے نظر نہ آئی تو اس نے اپنی حساس ترین سماعت کے سہارے ٹائم بم کی جگہ کا تعین کرنے کی کوشش کی... اور پھر وہ ایک طویل سانس لے کر رہ گیا۔ آواز کار کے اندر سے نہیں آ رہی تھی بلکہ آوازوں کا مخرج اس کی اپنی کلائی پر موجود تھا۔ یہ اُس کی گھڑی کی ٹک ٹک تھی۔ وہ مسکرانے لگا۔

کار کا دروازہ کھول کر وہ اسٹیئرنگ پر بیٹھ گیا۔

کوئی دھماکا نہیں ہوا تھا۔

موت کی جو بُو اس نے محسوس کی تھی، اس کا جواز شہزاد نے فوراً ہی ذہن میں پیدا کر لیا۔ ڈمونی اس کی الزام تراشی سے اس قدر بھڑک اُٹھا تھا کہ اس نے شہزاد کو قتل کرنے کے امکانات پر غور کرنا شروع کر دیا ہو گا... اور اس کے دفتر سے نکلتے وقت جو خیال شہزاد ذہن پر خاصا زور ڈال کر ماحول سے باخبر رہنے کی کوشش کر رہا تھا، اس لیے اس کے حساس ذہن نے گھڑی کی ٹک ٹک ہی کو اہم سمجھ کر سماعت کے لیے نمایاں کر دیا تھا۔

اُس نے کار اسٹارٹ کر دی اور عقب نما آئینے میں ڈمونی کے دفتر کی طرف دیکھا۔ دروازہ بند تھا اور کسی نے باہر آ کر اس کا تعاقب کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اس نے اثبات میں سر ہلا دیا اور اُلٹے ہاتھ سے کوٹ کی جیب ٹٹولنے لگا۔

جیب سے ڈائری نکال کر اس نے دوسری شخصیت کا نام

پڑھتے دیکھا۔ اب اُسے ہڈسن سٹی کے پولیس چیف ڈوگان سے ملنا تھا۔ اس نے کار کا رُخ مطلوبہ پتے کی طرف کر لیا۔

جس شخص نے شہزاد سے رابطہ قائم کر کے اس مشن کو سر کرنے کی درخواست کی تھی، وہ براہِ راست امریکی صدرِ مملکت کا بھیجا ہوا تھا۔ شہزاد کسی بھی اُلجھن کے وقت اس سے رابطہ قائم کر کے مدد حاصل کر سکتا تھا۔ اس نے شہزاد کو ہڈسن میں ہیروڈین اسمگلنگ کے سلسلے میں جو تفصیلات فراہم کی تھیں، ان کا مطالعہ کرنے کے بعد شہزاد اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ کوئی بہت بڑی شخصیت اس کی پشت پناہی حاصل ہے۔ اس نظریئے کو بُنیاد بنا کر ہی شہزاد نے ہڈسن کی بڑی بڑی شخصیتوں سے انٹرویو لینے کا پروگرام ترتیب دیا تھا اور اس پروگرام میں جارحانہ حملے خاص طور سے پیشِ نظر رکھے گئے تھے۔

پولیس کے چیف ڈوگان نے اُسے اپنے دفتر میں فوراً طلب کر لیا تھا اور چائے کی چُسکیوں کے دوران میں فی الفور باتیں شروع ہو گئی تھیں۔ شہزاد نے انٹرویو کے دوران ایسے ایسے سوالات کیے کہ چند ہی منٹ میں پولیس چیف کا حلیہ حیرت سے بگڑنے لگا تھا... لیکن وہ ضبط کا مظاہرہ کرتا رہا اور حتی المقدور شہزاد کو بڑے تحمل سے جواب دیتا رہا۔

"مجھے معلوم ہُوا ہے، چیف... کہ تمہارا شہر ہیروڈین جیسی منشیات کا قومی دارالحکومت بنتا جا رہا ہے۔" شہزاد نے بالآخر جارحانہ جملوں کا آغاز کرتے ہوئے کہا اور پولیس چیف کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

پولیس چیف کی نیلی آنکھوں میں کوئی خاص تاثر پیدا نہیں ہُوا۔ اس نے اسے عام سا سوال سمجھا... ایک ایسا سوال جو شاید اب تک کئی اور صحافی بھی اس سے کر چکے تھے۔

"ہیروڈین ایک زبردست مسئلہ بنی ہوئی ہے۔" چیف نے کچھ دیر بعد بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "یہ ایک بڑھتا ہوا قومی مسئلہ ہے۔"

"اس میں تمہارا حصّہ کتنا ہے؟"

"کیا مطلب؟" چیف چونک پڑا۔

"تمہیں ہر ماہ کتنا حصّہ مل جاتا ہے؟" شہزاد نے بظاہر سرسری انداز میں سوال کیا... لیکن چیف نے اسے سرسری انداز میں نہیں لیا تھا۔ اس کی نیلی آنکھیں، شہزاد کی آنکھوں میں گڑ کر جیسے پتھرا سی گئی تھیں۔ اس کے جبڑے سختی سے بھنچ گئے اور اس کے ہونٹوں نے غصّے سے سمٹ کر ایک موٹی سی لکیر کی شکل اختیار کر لی تھی۔

"کیا تم مجھ پر یہ الزام تراشی کر رہے ہو کہ میں منشیات کی اسمگلنگ میں ملوث ہوں؟" چیف نے کسی سفاک بھیڑیئے کی طرح غرا کر کہا۔

"بات یہ ہے، چیف... " شہزاد نے اس کے لہجے کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے کہا۔ "اگر کوئی اعلا سطحی افسر اسمگلنگ میں خود ملوث نہیں ہے تو اس دھندے کی روک تھام کیوں نہیں ہو رہی ہے؟"

"میں پوچھتا ہوں، کیا تم مجھ پر الزام عاید کر رہے ہو؟"

"یہ تو ایک بُوجھتا ہے، چیف... شبہے کا بوجھتا... میں تو دیکھنا چاہتا ہوں کہ یہ شبہے کا بوجھتا آپ کے پاؤں میں پُورا آتا ہے یا نہیں؟"

"یہاں سے چلے جاؤ۔" چیف دھاڑا۔

شہزاد اطمینان سے بیٹھا رہا۔

"انٹرویو ختم ہو گیا ہے۔" چیف نے پُوری قوت سے میز پر گھونسہ مارتے ہوئے کہا۔ "اور جانے سے پہلے یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لو کہ مجھ جیسے کسی شخص پر ایسا بھیانک الزام لگانے پر قانون کی ایک دفعہ بھی عاید ہو سکتی ہے۔"

"صرف اسی صورت میں کہ کوئی جھوٹا الزام اشاعت میں آ جائے۔" شہزاد نے تصحیح آمیز لہجے میں کہا۔ "زبانی تو میں آپ کو اس وقت تین چار بڑی بُری گالیاں بھی دے دُوں تو آپ مجھ پر کوئی دفعہ نہیں لگا سکتے کیوں کہ میں صاف انکار کر دُوں گا کہ آپ کو کوئی گالی دی ہے۔"

چیف کے چہرے کا رنگ یُوں سُرخ ہو گیا جیسے اس کی کھال کے نیچے خون میں غصّے کی آگ لگ گئی ہو۔ شہزاد جانتا تھا کہ اب تک کسی نے اس کی اتنی توہین نہیں کی ہو گی۔ وہ اطمینان سے اُٹھ کھڑا ہُوا۔ اُسے معلوم تھا کہ وہ اپنے مقصد کے حصول کے سلسلے میں دوسرا بیج بونے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ چیف اُسے کچا چبا ڈالنے والی نگاہ سے دیکھتا رہا۔ اس کی آنکھوں میں بے بسی کے آنسو تیرنے لگے تھے کیوں کہ شہزاد ٹائیگر کی بے پناہ قوتِ ارادی کے سامنے اس کی ساری اکڑفوں دھری کی دھری رہ گئی تھی۔

شہزاد پولیس چیف کے دفتر سے نکل آیا۔

وہ ٹاپ سٹ کلارک کے قریب سے گزرتا ہُوا لفٹ کے سامنے جا کھڑا ہُوا۔ جلد ہی لفٹ کا دروازہ کھل گیا اور شہزاد اس میں سوار ہو گیا۔

اس نے اندر قدم رکھتے ہی مین فلور کے لیے بٹن دبا دیا۔

لفٹ میری سے نیچے سفر کرنے لگی۔

اچانک لفٹ کو ایک خفیف سا جھٹکا لگا اور وہ رُک گئی شہزاد نے دروازے کی طرف دیکھا۔ لفٹ نچلے فلور پر رُک گئی تھی اور جیسے ہی دروازہ کھلا دو سُراغ رساں ایک قیدی کو ہتھکڑی لگائے لفٹ میں داخل ہوئے۔

ان دو سُراغ رسانوں میں سے ایک شہزاد جتنے قد وقامت کا آدمی تھا۔ اس نے شہزاد کی طرف دیکھا اور نرمی سے کہا۔ "ہائی!"

دونوں سُراغ رساں، قیدی کو لے کر لفٹ کی عقبی دیوار سے لگ کر کھڑے ہو گئے۔ شہزاد بائیں دیوار سے لگا کھڑا تھا۔ اس نے سُراغ رساں کو جواب نہیں دیا۔ بس اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔

معاً شہزاد کو ایک عجیب سا احساس ہوا۔

اس کی دھڑکنیں یکایک ہی تیز ہو گئی تھیں جیسے دل نے کوئی خاص بات اپنے طور پر محسوس کر کے، شہزاد کو بتانے کے لیے تیز تیز دھڑکنا شروع کر دیا ہو۔ اس نے دائیں آنکھ کے کنارے سے دیکھا۔ جس سُراغ رساں نے اُسے رسماً "ہائی" کہا تھا، اس کی نگاہ شہزاد پر جمی ہوئی تھی۔ شہزاد نے اُسے فوراً ہی پہچان لیا۔ اس نے سُراغ رساں کی آنکھوں میں بھی اپنے لیے شناسائی کی جھلک دیکھ لی تھی۔

"جوزف۔ . ." شہزاد کے ذہن میں فوراً ہی یہ نام اُبھر آیا۔

یہ شخص ان دنوں اس کے ساتھ تھا، جب وہ پولیس میں آنے سے قبل فوج میں تھا۔ شہزاد کے چہرے میں اس وقت پلاسٹک سرجری سے معمولی سی تبدیلی تھی اور یہ ایک بہت بڑی غلطی تھی۔ وہ تلملا کر رہ گیا۔ گزشتہ چند ہفتوں سے نہ جانے بار بار ایسے موقعے کیوں پیدا ہونے لگے تھے کہ اس کے لیے بحیثیت ٹائیگر اپنی شخصیت کو چھپانا مشکل ہوتا جا رہا تھا۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے ساری دُنیا نے اُسے بے نقاب کرنے کا تہیہ کر لیا ہو۔

وہ دائیں آنکھ کے کنارے سے جوزف کو دیکھتا رہا۔

اس کی آنکھوں میں اب اُلجھن پیدا ہو گئی تھی۔

شہزاد نے اپنے چہرے کو بے تاثر کر لیا۔ اب اس کے چہرے کا دایاں حصہ جوزف کی طرف تھا۔ اس نے آنکھوں کو یوں سکیڑ رکھا تھا جیسے لفٹ میں کھڑے کھڑے کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا ہو۔ . . لیکن درحقیقت اس کا دایاں دُھیلا، دائیں آنکھ کے گوشے سے جوزف کو اُچٹتی طرح دیکھ رہا تھا۔

جوزف کے ہونٹوں میں جنبش پیدا ہوئی۔

. . . پھر اس کے ہونٹ کسی لفظ کی ادائیگی کے لیے سکڑ گئے "شش. . ." وہ غالباً شہزاد کہنا چاہتا تھا لیکن ہونٹ سکڑنے کے باوجود آواز نہیں نکلی تھی۔ وہ بے خیالی میں ایک قدم آگے بھی بڑھ آیا تھا جس کی وجہ سے قیدی کو بھی کھسکنا پڑا۔ . . ہتھکڑیوں کے سلسلے میں بندھے ہوئے دوسرے سُراغ رساں کو بھی اپنی جگہ سے خفیف سی حرکت کرنی پڑی۔

. . . پھر جوزف ٹھٹھک گیا۔

اب اس کی آنکھوں میں خوف کے سائے اُترآئے تھے۔

غالباً اُسے یاد آ گیا ہو گا کہ جس شہزاد کو وہ لفٹ میں اپنے سامنے دیکھ رہا ہے، اس شہزاد کو تو ایک نشے باز کی ہلاکت کے سلسلے میں سزائے موت دے دی گئی تھی اور اس کی ایک تصویر کو خبر کے ساتھ خاص طور سے شائع کیا گیا تھا۔ جو لوگ شہزاد کو جانتے تھے انہیں بعد میں شہزاد کو زندہ دیکھ کر حیرت ہونی بھی چاہیے تھی۔ جب کہ کمزور دلوں اور وہمی انسانوں کو دہشت زدہ بھی ہو جانا چاہیے تھا۔ جوزف بھی غالباً اس وقت ایسی ہی صورتِ حال کا شکار تھا اگر جوزف سُراغ رساں نہ ہوتا تو وہ شاید اُسے ہرگز نہ پہچان پاتا. . . لیکن ایک سُراغ رساں کی حیثیت سے وہ پلاسٹک سرجری سے پیدا ہونے والی تبدیلیوں کو محسوس کر چکا تھا. . . اور اُسے یقین بھی ہو گیا تھا کہ جس شخص کو وہ دیکھ رہا ہے، اس شہزاد کے علاوہ کوئی اور نہیں ہے، جسے سزائے موت دے دی گئی تھی. . .

سُراغ رساں ہونے کے ساتھ ساتھ، اپنے پچھلے جنم میں جوزف اس کے کافی قریب رہ چکا تھا۔ اس لیے اس کی اُلجھن اور خوف ہراعتبار سے جائز تھا. . . لیکن شہزاد ان دنوں جس تباہ کُن صورتِ حال میں مبتلا تھا، وہ اپنی شخصیت کو چھپانے اور محفوظ رکھنے کے لیے کوئی نرمی نہیں برت سکتا تھا۔

اچانک لفٹ کو خفیف سا جھٹکا لگا۔

جوزف ذرا سا لڑکھڑا گیا۔

یہ ایک لمحاتی سی حرکت تھی لیکن شہزاد ٹائیگر اپنا کام کر گزرا تھا۔ ہتھکڑیوں میں جکڑے ہوئے قیدی اور دوسرے سُراغ رساں کو ذرا سا بھی احساس نہ ہو سکا کہ جوزف کے ساتھ کیا حادثہ پیش آ چکا ہے۔ شہزاد ٹائیگر کی اُنگشتِ شہادت میں لمحے بھر کے لیے زبردست تناؤ پیدا ہوا تھا اور پھر اُنگلی خنجر بن کر بجلی کی طرح تڑپی۔ ایک ہی لمحے کے اندر اندر اس اُنگلی نے جوزف کے سینے کی طرف حرکت

کی تھی اور پھر اس کے دل میں اُترتی چلی گئی تھی۔

سینے کا پنجرہ بیٹھے گئے عضلات اور دل تک تباہ کاری مچانے کے بعد اس کی عنبر نما اُنگلی واپس آ گئی اور لفٹ میں موجود دو آدمیوں کو پتہ بھی نہ چل سکا. . . یہی وہ کمال تھا جس کے لیے ٹائیگر جیسا خوف ناک اور سب سے بڑا خطاب شہزاد کو دیا گیا تھا۔

یہ ٹائیگر کی خصوصیات میں سے ایک تھی۔

جوزف کی آنکھیں پھیلتی چلی گئیں۔

خود اُسے بھی پتہ نہیں چلا تھا کہ اس کے دل پر کیا قیامت بیت چکی ہے۔ شہزاد کے دونوں ہاتھ پتلون کی جیبوں میں تھے اور خون سے لتھڑی ہوئی اُنگلی جیب کے اندر رونی کپڑے سے صاف ہو گئی تھی اس کے بعد جوزف مُنہ کے بل گرنے لگا۔

مُنہ کے بل گرتے وقت چونکہ وہ شہزاد کی طرف گر رہا تھا اس لیے شہزاد نے جلدی سے دونوں ہاتھ جیبوں سے نکالے اور اس کی طرف سہارا دینے کے انداز میں بڑھا دیے۔ اس کے ساتھ ہی وہ بے حد اجنبی لہجے میں غرایا تھا۔

"سنبھل کر کھڑے رہو، مسٹر. . ."

جوزف مُنہ کے بل گر گیا۔ شہزاد نے اپنا جسم لفٹ کی دیوار سے چپکا لیا تھا۔ جوزف گرا تو زنجیر سے بندھا ہوا قیدی بھی اس کے اوپر آ رہا. . . اور اس کے فوراً ہی بعد ایک جھٹکے سے دوسرا سُراغ رساں بھی ان پر گر گیا۔

مین فلور آ چکا تھا۔

لفٹ کے دروازے کھل گئے۔

شہزاد نے خود کو پوری طرح سنبھال لیا تھا۔ وہ طوفانی بھونچال کی طرح لفٹ سے نکلا اور حلق پھاڑ پھاڑ کر گرجنے لگا۔ "مجھ پر قاتلانہ حملہ کیا گیا ہے۔ اس پولیس آفیسر نے مجھ پر حملہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ میں اس پر مقدمہ دائر کرنا چاہتا ہوں۔ اس نے مجھے دھکا دینے کی کوشش کی تھی۔"

اس کے بعد وہاں ہنگام ہو گیا۔

پولیس ہیڈ کوارٹرز کا ڈیوٹی سارجنٹ دوڑا دوڑا آیا اور اس نے زندہ سُراغ رساں سے صورتِ حال معلوم کی۔ اس دوران میں شہزاد نے چیخ چیخ کر وہاں طوفان کھڑا کر دیا تھا۔ اس قسم کی صورتِ حال پولیس کے لیے بے حد بدنامی کا باعث ثابت ہو سکتی تھی اس لیے ڈیوٹی سارجنٹ نے اپنے ساتھی سے معلومات حاصل کرنے کے بعد شہزاد کو سمجھانا شروع کر دیا کہ اس پر حملہ نہیں کیا گیا اور نہ ہی اس سُراغ رساں نے اسے دھکیلنے کی کوشش کی تھی. . . بلکہ قصہ یہ ہے کہ بے چارہ سُراغ رساں مر چکا تھا اس لیے پیروں پر کھڑا نہ رہ سکا. . . اور گر گیا۔

"مر گیا. . ." شہزاد نے شدید حیرت ظاہر کی۔ "کیا یہ شخص بس کھڑے کھڑے ہی مر گیا؟" اس نے حیرت کے ساتھ ساتھ آنکھوں کو پھاڑ پھاڑ کر شدید دہشت کا بھی اظہار کرنا شروع کر دیا۔ "میں حیران ہوں کہ اس صورتِ حال میں کیا کہوں؟"

"بس یہ سمجھ کر مطمئن ہو جاؤ اور چیخنا بند کرو کہ اس بے چارے نے تم پر حملہ نہیں کیا بلکہ کسی نامعلوم وجہ کے تحت لاش بن کر گر گیا اور گرتے وقت تم سے ٹھوکر سا ٹکرا گیا تھا۔" سارجنٹ نے اُسے سمجھایا تو شہزاد نارمل ہو گیا۔

"اوہ. . . مجھے افسوس ہے۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ کوئی شخص یوں کھڑے کھڑے مر کر گر بھی سکتا ہے۔"

وہ پولیس ہیڈ کوارٹرز سے باہر آ گیا۔ جوزف کے سینے پر جہاں اُس کی اُنگلی نے وار کیا تھا، وہاں سے ابھی تک خون نہیں نکلا تھا بلکہ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے اُنگلی اس کا جسم چیرتی ہوئی اتنی تیزی سے دل کو گھائل کر کے واپس آ گئی کہ جیسے فوراً ہی آپس میں مل گئے اور زخم کا نام و نشان تک نہ رہا۔ یہ ایک مہلک ترین وار تھا جس کی تربیت میں شہزاد ٹائیگر کو سب سے زیادہ دیر لگی تھی۔

پولیس ہیڈ کوارٹرز سے باہر آ کر وہ اپنی کار کی طرف چلنے لگا۔ دوسری پارکنگ خاصی دُور تھی کیوں کہ اُسے ہیڈ کوارٹرز کی پارکنگ میں کار کھڑی کرنے کی جگہ نہیں مل سکی تھی۔ اس پارکنگ تک پہنچنے کے لیے شہزاد کو فٹ پاتھ پر ایک فرلانگ تک چلنا پڑا۔

فٹ پاتھ پر چلتے ہوئے وہ ایک شراب خانے کے سامنے سے گزرا تو اس کے شیشے میں اپنا عکس دیکھ کر ٹھٹک گیا۔ اس کے دل و دماغ میں بھونچال سا آ گیا. . . ابھی ابھی وہ جو کچھ کر کے آیا تھا، یہ اس کی زندگی کا پہلا خون نہیں تھا لیکن اس انداز میں تو شہزاد نے پہلے کسی کو کبھی ہلاک نہیں کیا تھا۔

"شہزاد. . ." اس نے دل ہی دل میں خود سے کہا۔ "تم کسی جانور سے بھی گئے گزرے ہو۔ تم ایک مشین ہو. . . بے رحم مشین. . . کاٹنے والی مشین، جس میں جو کچھ بھی ڈالا جاتا ہے، وہ کچھ سوچے سمجھے بغیر ہی اُسے کاٹ ڈالتی ہے۔ جانور قتل کرتے ہیں اور اپنا پیٹ بھرتے ہیں جب کہ انسان خوف یا دیگر جذبوں کی تسکین کے

لیے خون بہاتا ہے۔ ۔ ۔ اور تم نے یہ قتل اس لیے کیا ہے کہ تمہاری شخصیت کہیں بے نقاب نہ ہو جائے۔ ۔ ۔"

آج پہلی بار شہزاد کو اپنے ٹائیگر ہونے کی اہمیت کا اندازہ ہوا تھا۔ یہ خطاب قابلِ فخر تھا لیکن اس فخریہ حالت کو برقرار رکھنے کے لیے دل پر کتنا بھاری پتھر رکھنا پڑتا ہے، اس کا صحیح معنوں میں اندازہ جوزف کو قتل کرنے کے بعد ہوا تھا۔

۔ ۔ ۔ اور جوزف کا قصور صرف یہ تھا کہ وہ ماضی میں شہزاد کا دوست تھا اور اس نے اپنے دوست کو پہچان لیا تھا۔

"ٹائیگر۔ ۔ ۔" شہزاد بڑبڑایا۔ "کتنی خوفناک شخصیت ہے کہ اس سے دوستی بھی نہیں کی جا سکتی۔" یہ بڑبڑاتے ہوئے وہ دھیمی آواز میں ہنس پڑا۔

اسے جذباتی تکلیف ہوئی تھی۔

اس کے دل و دماغ میں نظریوں اور خیالوں کی ڈٹ بھیڑ اور تصادم شروع ہو گیا تھا۔ ۔ ۔ لیکن بہرحال، وہ ٹائیگر تھا۔ اس نے ذہن پر قابو پا لیا اور تمام جذبے دل ہی دل میں کچل کر وہاں دفن کر دیے جہاں اس جیسے زمانے کے کتنے جذبے پہلے ہی دم توڑ کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو چکے تھے۔

کار کا دروازہ کھولتے وقت اس نے ادھر ادھر دیکھا۔

آس پاس کوئی بھی ایسا نہیں تھا جو اس کی طرف خصوصی طور پر متوجہ ہو۔ ۔ ۔ اس میں دلچسپی لے رہا ہو۔ اس نے ذہن پر زور ڈالا اور اس شخصیت کے بارے میں سوچنے لگا جس سے اسے اب ملاقات کے لیے جانا تھا۔

ڈسن شہر کا میئر آب اس کی لسٹ پر تھا۔

ڈسن شہر کی اکیشن کونسل کا چیئرمین ڈمونی جب بھی ویلی کو طلب کرتا تھا تو اس بے چارے کے ستانے میں تکلیف شروع ہو جاتی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ اسے کیوں طلب کیا گیا ہے۔ ڈمونی اسے اہم ترین پیغامات کے لیے استعمال کرتا تھا۔ ۔ ۔ اور یہ اہم ترین پیغامات عموماً قتل و غارت گری سے متعلق ہوتے تھے۔

وہ ایک ایسے کرائے کے قاتل اور چیئرمین ڈمونی کے درمیان رابطے کا کام کرتا تھا جس سے ہر بار یہ توقع کی جا سکتی تھی کہ وہ خود ویلی ہی کو ٹھکانے لگا دے گا۔ ویلی جانتا تھا کہ رازداریوں کی ایسے لوگوں کے نزدیک کتنی اہمیت ہوتی ہے۔ رازِ انسانی زندگیوں سے زیادہ قیمتی ہوتے ہیں۔ ۔ ۔ یہی وجہ تھی کہ جب بھی چیئرمین ڈمونی اسے بلا بھیجتا، اسے یہ دھڑکا لگ جاتا کہ آج اس کی زندگی کا آخری دن ہے۔ ۔ ۔ اور یہی خوف اس کے ستانے میں تکلیف کا بھی باعث بن جاتا تھا۔ ویلی نے اپنی کار نکالی اور اس ٹیلی فون بوتھ کی طرف روانہ ہو گیا جہاں سے اسے ڈمونی کو فون کر کے ہدایات لینی تھیں۔

یہ ٹیلی فون بوتھ ویلی کے گھر سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھا۔

اس نے بوتھ کے قریب کار روکی اور پھر ڈمونی کا نمبر ڈائل کیا۔ فوراً ہی رابطہ قائم ہو گیا اور ڈمونی نے اسے مخصوص زبان میں چند احکامات دے کر سلسلہ منقطع کر دیا۔

ویلی جب بوتھ سے باہر آیا تو اس کے ماتھے پر پسینے کی چند بوندیں چمک رہی تھیں حالانکہ موسم زیادہ گرم نہیں تھا۔ اس کے ستانے کی تکلیف کافی حد تک کم ہو گئی تھی کیوں کہ ڈمونی کے احکامات سے اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ خود ویلی کی زندگی کو کوئی خطرہ لاحق نہیں ہے۔ ڈمونی اپنے کسی دشمن کو راستے سے ہٹانا چاہتا تھا۔ ۔ ۔ اور ویلی کو صرف مسٹر گاسو تک یہ اطلاع پہنچانی تھی کہ ڈمونی کو ایک بار پھر اس کی ضرورت آن پڑی ہے۔

اُسے مسٹر گاسو سے بہت خوف آتا تھا۔

مسٹر گاسو کوئی خوفناک آدمی نہیں تھا بلکہ اس کے برعکس وہ ایک حسین و جمیل نوجوان تھا۔ اس کی آنکھوں، اس کے ہونٹوں اور اس کے رخساروں پر معصومیت رقصاں تھی۔ اسے دیکھ کر کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ ۔ ۔ کہ اس معصوم صورت لڑکے نے کیسے کیسے خوفناک آدمیوں کو ڈمونی کے راستے سے ہٹایا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اس سے بے پناہ خوف زدہ رہتا تھا۔ ویلی کو یہ بھی معلوم تھا کہ ڈمونی ان لوگوں کو بھی مسٹر گاسو کے پاس بھیجتا ہے، جنہیں راہ سے ہٹانا مقصود ہوتا ہے۔ یہ لوگ ناواقفیت میں خود اپنی ہی موت کا پیغام لے کر مسٹر گاسو کے پاس جاتے ہیں۔ ۔ ۔ اور پھر ان کا نام و نشان تک دکھائی نہیں دیتا۔

وہ ایسے ہی خیالوں میں کھویا ہوا اس عمارت تک جا پہنچا جہاں مسٹر گاسو کا قیام تھا۔ اس عمارت کی مالکہ کو مسٹر گاسو سے بے پناہ محبت تھی۔ بڑھیا دُنیا میں تنہا تھی اور اس نے مسٹر گاسو کو اپنا بیٹا بنا رکھا تھا۔ ۔ ۔ یہی وجہ تھی کہ ویلی کو اس معصوم صورت قاتل تک رسائی حاصل کرنے میں کبھی کبھی دشواری کا بھی سامنا کرنا پڑتا تھا۔

کار سے اترتے ہی اس کی نگاہ عمارت کی مالکہ پر پڑی۔

"میں، مسٹر گاسو سے ملنا چاہتا ہوں۔ بہت ضروری کام ہے۔" ویلی نے چہرے پر یقینی کے تاثرات پیدا کرتے ہوئے استدعا کی۔

بڑھیا مسٹر گاسو کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ ویلی کے گھبرائے ہوئے انداز اور استدعا کرنے کے لہجے نے غالباً بڑھیا کو مجبور کر دیا تھا ورنہ وہ اُسے دھتکار دیتی۔

ویلی زینے کے نیچے کھڑا طلبی کا انتظار کرنے لگا۔

"گاسو۔ ۔ ۔" بڑھیا نے دروازے پر دستک دیتے ہوئے کہا۔ "وہی لفنگا ویلی تم سے ملنے آیا ہے۔"

"اُسے اوپر بھیج دو، ماں۔ ۔ ۔"

"سنو، گاسو! تم ایک پیارے بچے ہو، تمہیں اس قسم کے لوگوں سے ہر ممکن دُور ہی رہنا چاہیے۔" بڑھیا نے اُسے نصیحت کی۔ اس نے آواز دھیمی رکھنے کی کوشش کی تھی لیکن ویلی کے کان چونکہ اسی طرف لگے ہوئے تھے اس لیے وہ سب کچھ سُن رہا تھا۔

اس نے ایک بے ساختہ مسکراہٹ کو بمشکل روکا کیوں کہ وہ جس نوجوان کو پیار سا بچہ کہہ رہی تھی، اس کے نام اور شخصیت کی زیرِ زمین مجرمانہ سرگرمیوں میں مصروف لوگوں کے نزدیک بڑی اہمیت تھی۔ مسٹر گاسو کی اتنی دہشت تھی کہ وہ محض لوگوں کی طرف دیکھ کر ہی انہیں منجمد کر سکتا تھا۔ مسٹر گاسو اپنے شکار کو دُور سے گولی مار کر ہلاک کر دینے والوں میں سے نہیں تھا۔ ۔ ۔ بلکہ وہ اپنے شکار سے کھیلنا، اُسے جوابی حملہ کرنے کا موقع دینا، اس کی پسلیاں توڑ دینا اور اسی انداز کی دیگر اذیت ناک صورتِ حال پیدا کرنا پسند کرتا تھا۔

بڑھیا کے اشارے پر وہ مسٹر گاسو کے کمرے میں داخل ہوا تو وہ کھڑکی کے قریب کھڑا باہر دیکھ رہا تھا۔

"آپ سے مل کر کتنی خوشی ہوتی ہے، مسٹر گاسو۔" ویلی نے اندر قدم رکھتے ہی انکسار سے کہا۔

"کس لیے آئے ہو؟" مسٹر گاسو نے پلٹے بغیر دریافت کیا۔

"مسٹر ڈمونی کو آپ کی مدد چاہیے۔"

"کیا معاملہ ہے؟"

"ایک میگزین رائٹر اُن کے لیے پریشانی کا باعث بنا ہوا ہے۔"

"کوائف کہاں ہیں؟"

"آج شام تک آپ کے پاس پہنچ جائیں گے۔"

"باہر جاتے وقت دروازہ بند کر دینا۔" مسٹر گاسو نے پلٹے بغیر کہا اور ویلی اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ جانتا تھا کہ اب وہ ایک لمحے کے لیے بھی یہاں نہیں رُک سکتا۔

وہ مسٹر گاسو کے کمرے سے باہر آ گیا۔

اس کی پیشانی پر ٹھنڈے ٹھنڈے قطرے جھلملا رہے تھے۔

شہزاد جب میئر سے ملاقات کے لیے ہوٹل سے نکلا تو اس نے کار کی بجائے ٹیکسی میں سفر کرنا مناسب سمجھا کیوں کہ وہ محسوس کر چکا تھا کہ اس کی باتوں نے چند ستون ہلا کر رکھ دیے ہیں۔ اس نے جو بیج بوئے تھے، انہوں نے پھلنا پھولنا شروع کر دیا تھا۔

وہ جیسے ہی ٹیکسی سے اترا اس نے اِدھر اُدھر دیکھا۔

دو کاریں اُسے قدرے مشکوک نظر آئیں۔

وہ یقین سے کہہ سکتا تھا کہ کاریں یا تو ڈمونی کے آدمیوں کی ہیں یا پھر ان میں پولیس چیف کے سادہ لباس والے برا جمان ہیں۔ وہ ٹیکسی سے اترا تو ایک لمحے کے لیے فٹ پاتھ پر کھڑا اِدھر اُدھر دیکھتا رہا تاکہ وہ لوگ اسے اچھی طرح دیکھ لیں۔ ۔ ۔ پھر وہ میئر کے دفتر کی طرف چل دیا۔

اس نے استقبالیے پر بیٹھی ہوئی ادھیڑ عمر کی خاتون کو اپنے بارے میں بتاتے ہوئے کہا کہ میئر سے اس کا وقت طے ہے۔ استقبالیہ کلرک نے اندرونی فون پر کسی سے رابطہ قائم کیا اور ریسیور رکھ دیا۔

تھوڑی ہی دیر بعد دروازہ کھلا۔ شہزاد نے نگاہ اُٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ ۔ ۔ لیکن دروازے میں میئر کی بجائے ایک نوجوان لڑکی کھڑی اُسے گھور رہی تھی۔

یہ ایک بے پناہ حسین لڑکی تھی۔

اس نے چمڑے کا اسکرٹ پہن رکھا تھا اور اس کے لباس سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ بے حد مال دار لڑکی ہے۔ شہزاد نے اس کی طرف دیکھا اور اس کے ہونٹوں پر وہ مسکراہٹ خود بخود پیدا ہو گئی جو ایسی لڑکیوں کے لیے بطور چارہ وہ اپنے ہونٹوں پر طاری کر لیتا تھا۔

لڑکی ٹھٹک گئی۔

اس کی آنکھوں میں یکایک ایسا تاثر پیدا ہوا جیسے شہزاد کی اس مسکراہٹ نے اسے گھائل کر دیا ہو۔ شہزاد نے اپنا تعارف کرایا اور بتایا کہ میئر سے اس کی ملاقات طے ہے۔

"تشریف لے آیئے۔" لڑکی نے کہا۔ "میں میئر جانسن کی بیٹی ہوں اور اُن کی سیکرٹری کے فرائض بھی انجام دیتی ہوں۔"

شہزاد اس کے ساتھ دوسرے کمرے میں آ گیا۔

"میئر اس وقت بے حد مصروف ہیں اس لیے آپ کو ملاقات

کا وقت ملتوی سمجھنا چاہیے۔" لڑکی نے کہا۔

شہزاد نے ہاتھ اس کے کندھے پر رکھ دیا۔ وہ کانپ گئی جیسے ہاتھ کی بجائے بجلی کا ننگا تار اس کے شانے سے چھو گیا ہو۔ چند لمحوں تک وہ شہزاد کی طرف دیکھتی رہی۔ . . پھر مسحور سی ہو کر اس نے پلکیں جھکا لیں۔ اس نے شہزاد کا ہاتھ جھٹکنے کی کوشش نہیں کی۔

"میئر کتنی دیر تک مصروف رہیں گے؟" اس نے سرگوشی کی۔

"ایک گھنٹے تک . . ."

"مجھے یقین ہے، اس ایک گھنٹے کے دوران تمہیں کوئی خاص کام نہیں ہوگا۔" شہزاد کا لہجہ معنی خیز تھا۔ لڑکی کے رخساروں پر شفق کی سُرخی پیدا ہو گئی۔

وہ آہستہ آہستہ دروازے کی طرف گئی اور لاک کا کلپ کھول دیا۔ اب کوئی باہر سے چابی کی مدد کے بغیر تالا نہیں کھول سکتا تھا . . ایک گھنٹے بعد میئر کی بیٹی رینا نے کلپ کو دوبارہ گھما کر کھولا تو وہ اپنے بکھرے ہوئے بالوں کو آئینے کے سامنے کھڑی ہو کر سمیٹ چکی تھی اور کمرے میں کوئی ایسا تاثر نہیں تھا جس سے اس ایک گھنٹے کی روداد کا سُراغ لگایا جا سکتا . . . البتہ وہ اب تک اپنی آنکھوں سے اس داستان کے دُھندلے دُھندلے نشان ختم کرنے میں کامیاب نہیں ہوئی تھی۔ شہزاد میز پر یوں بیٹھا تھا جیسے وہ جب سے کمرے میں داخل ہوا، یہیں بیٹھا رہا ہو۔

"تم میرے پاپا سے کیوں ملنا چاہتے تھے؟" رینا نے اپنی کرسی پر بیٹھتے ہوئے سوال کیا۔

"انٹرویو . . . میرؤین کے سلسلے میں۔"

"ان سے تو تمہیں کسی ہیرے کے سلسلے میں بات کرنی چاہیے۔" رینا نے مسکرا کر کہا۔ "البتہ مجھ سے تم میرؤین . . ."

"میں فلموں کی نہیں بلکہ لٹنے کے میرؤین کا تذکرہ کر رہا ہوں۔" شہزاد نے دُرخائی سے کہا۔ اس کے انداز سے یہ ظاہر نہیں ہوتا تھا کہ کچھ دیر قبل وہ اسی لڑکی سے سرگوشیوں میں جذباتی باتیں بھی کر چکا ہے۔

رینا کے چہرے پر یکایک سنجیدگی آ گئی۔

اس کی آنکھوں سے ہر تاثر مُضمحل ہو گیا تھا۔

"ملک میں میرؤین کے دارالحکومت کے میئر کی حیثیت سے تمہارے پاپا کے کیا تاثرات ہیں؟"

"کیا مطلب ہے، تمہارا؟"

"اس شہر میں منشیات کی آمد و رفت کا احوال تم سے چھپا نہیں ہوگا۔ میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ اس ٹریفک میں تمہارے پاپا کا کس حد تک ہاتھ ہے۔"

رینا ہنس پڑی۔

اس کے ہنسنے کا انداز بے حد پُرکشش تھا۔

"مسٹر شہزاد . . ." اس نے بڑی لگاوٹ سے کہا۔ "تم ایک بے حد پُرکشش نوجوان ہو۔ یقین کرو میں محبت کے معاملے میں بے حد محتاط اور سخت دل ہوں . . . لیکن تمہاری شخصیت نے مجھے پہلی ہی نظر میں گمراہ کر دیا؟"

"میرؤین . . ." شہزاد نے اُسے موضوع سے ہٹتے دیکھ کر یاد دہانی کرانے کی کوشش کی۔

"دوسرے شہروں کی طرح منشیات کے مسائل یہاں بھی موجود ہیں۔" رینا نے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے کہا۔

"اس دھندے میں تمہارے پاپا کا کتنا ہاتھ ہے؟"

رینا نے حیرت سے شہزاد کی طرف دیکھا . . . پھر اس نے سر کو منفی جنبش دیتے ہوئے کہا۔ "میں تمہارا مطلب نہیں سمجھی؟"

"تم خوب سمجھتی ہو کہ یہاں ہونے والا دھندہ لاکھوں ڈالر کا ہے۔ اس میں تمہارے پاپا بھی ملوث ہوں گے۔"

"تم کون ہو؟" اس نے سرسراتی آواز میں پوچھا۔

"ہم دونوں اب ایک دوسرے کے لیے اجنبی نہیں رہے۔" شہزاد نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "اگر تم پہلے تعارف کو نامکمل سمجھ رہی ہو تو میں تمہیں تفصیلی تعارف کے لیے کہیں اور کی دعوت دوں گا۔"

"آخر تم کس چیز کی تلاش میں ہو؟"

"میرؤین کی کہانی۔"

"لیکن تمہارے رسالے کے ایڈیٹر نے فون پر وقت لیتے وقت کہا تھا کہ تم ہارسن شہر پر کوئی آرٹیکل لکھ رہے ہو۔"

"ہاں . . . کیوں کہ یہ شہر ریاست ہائے متحدہ امریکا کا منشیاتی دارالحکومت ہے۔" شہزاد نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ لڑکی کی ایک ایک حرکت کا بغور جائزہ لے رہا تھا۔

"بہرحال . . ." لڑکی نے ایک طویل سانس لیتے ہوئے کہا۔ "میں تمہیں میرؤین کے بارے میں اس سے زیادہ کچھ نہیں بتا سکتی جو کچھ تمہیں اخبارات کے مطالعے سے بھی حاصل ہو سکتا ہے۔ کیا تم اب شہر کا پیچھا چھوڑ کر مضافات کے سلسلے میں کوئی سوال کرنا چاہتے ہو؟"

"ہاں . . . یہ بتاؤ کہ تم میرؤین کو باہر کیسے بھیجتے ہو؟" شہزاد

نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے شریر لہجے میں کہا۔

"خدا حافظ مسٹر شہزاد۔" رینا نے پوری قوت سے اس کے ہاتھ مارتے ہوئے کہا جس پر وہ اس وقت بیٹھے ہوئے تھے۔ اس کی سانسیں بے ترتیب ہو گئی تھیں اور آنکھوں سے بے پناہ تشنگی جھلکنے لگی تھی۔ اس حالت کو دیکھ کر یہ ہرگز نہیں کہا جا سکتا تھا کہ کچھ دیر قبل ان دونوں کے درمیان لُطف و لذت کا رشتہ بھی قائم رہ چکا ہے۔

وہ اُٹھ کھڑی ہوئی اور تیز تیز قدموں سے دروازے کی طرف چل دی۔ شہزاد نے اسے دیکھا تو ایک طویل سانس لے کر رہ گیا۔ لڑکی واقعی بڑے غضب کی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے کوئی کلاسیک فنکار کسی رومن دیوار سے گر کر فرش پر متحرک ہو گیا ہو۔

شہزاد نے اس کے انداز میں برہمی محسوس کر لی تھی لیکن اسے ایک اور بات کا بھی احساس ہو گیا تھا کہ لڑکی دراصل اس لیے برہم ہوئی ہے کہ وہ اُس سے لطف و لذت کے موضوع پر باتیں کرنا چاہتی تھی جب کہ اس نے لڑکی کے حساب سے غیر ضروری باتیں چھیڑ دی تھیں۔ اس خیال کے آتے ہی وہ کاؤچ سے اچھلا اور جب وہ واپس کاؤچ پر گرا تو رینا بھی اس کے پہلو میں گر گئی تھی۔ اس نے اس متحرک شاہکار کو اُچک لیا تھا۔

اس بار شہزاد نے محبت کے لیے وہ مخصوص انداز اختیار کیا جس کی اُسے بحیثیت ٹائیگر خاص طور سے تربیت دی گئی تھی۔ رینا پر نشہ سا طاری ہو گیا اور وہ بڑبڑانے لگی۔ بڑبڑاہٹ میں اپنے لیے پسندیدگی کے الفاظ سُن کر ٹائیگر سمجھ گیا کہ وہ ناکام نہیں رہا ہے۔

کچھ دیر بعد جب رینا کا ذہن شہزاد کے اثر سے نکلا، تب بھی اس کی آنکھوں سے خمار جھلک رہا تھا۔

"کیوں، ہنی . . ." شہزاد نے بے پناہ ملائمت سے کہا۔ "یقین ہے کہ تم سب کچھ جانتی ہو؟"

"تم کل اسی وقت آ سکتے ہو، شہزاد۔" رینا نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "میں تمہیں سنجیدگی سے پسند کرنے لگی ہوں۔"

"جو بات تم کل کہنا چاہتی ہو، وہ آج . . ."

"اگر تمہیں رقم کی ضرورت ہو تو دائیں طرف کی دراز کھینچ کر لے سکتے ہو۔" رینا اس وقت سب کچھ اس پر نچھاور کرنے پر تلی ہوئی تھی۔ شہزاد بے ساختہ ہنس پڑا۔

وہ دروازے تک پہنچا اور اُسے کھول کر عقب میں دیکھتے ہوئے بولا۔ "میئر سے انٹرویو کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"اب تو کسی طرح بھی ممکن نہیں کیوں کہ وہ آج یہاں موجود ہی نہیں ہے۔" رینا نے چمک دار آنکھوں سے اُسے گھورتے ہوئے بالآخر حقیقت اُگل ہی دی۔ "اور کل وہ بالکل فارغ نہیں ہوگا۔"

"ٹھیک ہے، میں خود ہی اس سے مل لوں گا۔"

"کیا تم کل بھی آؤ گے؟"

"نہیں . . ." شہزاد نے سخت لہجے میں جواب دیا۔

"بہرحال . . . اگر تم کل اسی وقت آ جاؤ تو میں تمہیں میئر سے پانچ منٹ کی ملاقات کرنے کا بندوبست کر دوں گی۔ یہاں ٹھیک دس بجے پہنچ جانا، دوپہر کو پانچ منٹ کے لیے میئر سے مل لینا اور ہاں . . . اب دروازہ بند کر دو گیوں کہ مجھے دفتری کام بھی نمٹانے ہیں۔" رینا یہ کہہ کر اپنے کام کی طرف متوجہ ہو گئی۔

شہزاد نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

باہر آتے وقت وہ بے پناہ مطمئن تھا۔

اس نے لڑکی کے انداز سے ذو معنی ہونے کا اندازہ کر لیا تھا اور یہ اس بات کی علامت تھی کہ وہ پورے شہر میں جہاں جہاں بیچ بونا چاہتا تھا، ان میں سے ایک اور مقام پر بیا بیچ لگانے میں کامیاب ہو گیا ہے۔

اب اُسے ایک نئی جگہ بیچ لگانا تھا۔

وہ میئر کے دفتر سے باہر آیا تو اس کی نگرانی کرنے والے اب بھی باہر موجود تھے۔ شہزاد کو اندر دو گھنٹے سے زائد وقت لگ گیا تھا اس دوران میں وہ بے چارے باہر بندھے بندھے بیزار ہو گئے تھے۔ ان کے چہروں اور آنکھوں سے بیزاری کی جھلک محسوس کر کے شہزاد دل ہی دل میں مُسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔

اب اُسے ایڈیٹر جیمز ہوگن سے ملاقات کرنی تھی۔

وہ اس کے دفتر کی طرف روانہ ہو گیا۔

ایڈیٹر ہوگن سے ملاقات کرنے میں البتہ اُسے کسی دُشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ ایڈیٹر اپنے کمرے میں، میز پر پاؤں رکھے بیٹھا تھا۔ اس نے چیک دار قمیص پہن رکھی تھی جس کے کالروں میں جھولتی ہوئی ٹائی کی گرہ ڈھیلی پڑ گئی تھی۔ وہ ایک پتلی سی دھار دار چیز سے ناخنوں کی صفائی میں مصروف تھا۔

اس نے ایڈیٹر سے سب سے پہلا سوال ہیروئین ہی کے متعلق کیا جسے سُن کر ہوگن ہنس پڑا اور دیر تک ہنستا رہا . . . پھر اس نے بمشکل ہنسی ضبط کرتے ہوئے کہا۔

"کیوں نہیں، کیوں نہیں۔ میرے علاوہ کون میرؤین برآمد

کرسکتا ہے۔ دراصل میری خواہش ہے کہ میرے بچے ابھی سے اس عادت میں مبتلا ہوجائیں اور چونکہ ہیروئین اتنی آسانی سے کبھی نہیں ملتی اس لیے میری تمنا ہے کہ میں بہت بڑی مقدار میں اس کا ذخیرہ کرلوں تاکہ میرے بچے زندگی بھر آرام سے اسے استعمال کرتے رہیں۔"

"میں بے حد سنجیدہ ہوں، مسٹر ہورگن۔" شہزاد بڑبڑایا۔ نہ جانے کیوں اُسے ہورگن کی یہ بات سن کر بے پناہ اذیت کا احساس ہوا تھا۔ شاید اس کی ایک وجہ وہ تصویر تھی۔ . . . اس عُریاں لڑکی کی تصویر جو اُسے دکھائی گئی تھی تو وہ انسانیت کی اس تذلیل اور حُسن کشی پر تلملا اُٹھا تھا۔ . . . یہ تصویر ہورگن کی بات ختم ہوتے ہی اس کے ذہن میں گھومنے لگی تھی۔

"تم سنجیدہ ہو۔ . ." ایڈیٹر نے چونک کر کہا۔ اس کے انداز سے یوں محسوس ہوتا تھا جیسے اس نے شہزاد کی بات کو پہلے مذاق ہی سمجھا تھا۔ اس نے بغور شہزاد کی طرف دیکھا۔ . . اور جب اُسے واقعی سنجیدہ پایا تو اس کی حیرت میں مزید اضافہ ہوگیا۔

. . . پھر اس نے ایک طویل سانس لی۔

"تمھارے انداز سے پہلے تو میں نے سنجیدگی کو محسوس ہی نہیں کیا تھا۔" ہورگن نے گہری متانت سے کہا۔ وہ شہزاد کو ایسی نگاہ سے دیکھ رہا تھا جیسے اس کے دِل ٹٹولنے کی کوشش کر رہا ہو۔

"ہڈسن، منشیات کا ڈاڑھ کو مت بن گیا ہے۔" شہزاد نے اپنی بات دُہرائی۔ "اور مجھے یقین ہے کہ تم اس دھندے کے عُرنہ ہو، مسٹر ہورگن۔"

ہورگن کی آنکھیں ٹمٹماتی ہُوئی محسوس ہونے لگیں۔

"تم درحقیقت کیا چاہتے ہو، بیٹے؟" ہورگن نے تیز سرگوشی کی۔

"مجھے صرف حقائق کی ضرورت ہے۔"

"حقیقت یہ ہے، برخوردار کہ ہیروئین کی ملک بھر میں کافی مانگ ہے۔" ایڈیٹر ہورگن اُس انداز میں بولنے لگا جیسے وہ اس موضوع پر شہزاد سے کوئی بحث کر رہا ہو۔ . . اور اس کی یہ کوشش ہو کہ شہزاد پوری طرح قائل ہوجائے۔ "اور جب تک اس چیز کی مانگ رہے گی، لوگ یہ دھندا کرتے رہیں گے۔ . . اور جب تک یہ چیز غیر قانونی رہے گی، اس کے دام آسمان کو چھوتے رہیں گے۔ جو لوگ اسے فروخت کریں گے، وہ سب کے سب مُجرم ہی کہلاتے رہیں گے . . . اگر تم ڈاکٹر کے شعبے میں ہیروئین بکھوا کر اسے عام دوا کی طرح کسی دوا فروش کے ہاں سے خرید سکو تو ہیروئین کی اسمگلنگ خود بخود دم توڑ جائے گی۔"

"آپ کا مطلب ہے کہ اس طرح نشے باز پیدا نہیں ہوں گے؟" شہزاد کے لہجے میں تلخی تھی۔ وہ خستہ حال برہنہ حسین لڑکی ایک بار پھر اُس کے ذہن میں گھومنے لگی تھی۔

"تم تو یہ بات اس طرح کہہ رہے ہو جیسے اس وقت کوئی نشے باز میرے سے موجود ہی نہیں ہے۔" ایڈیٹر غرایا۔ "اس چیز کو قانونی حیثیت دینے سے ہوگا یہ کہ منشیات، ان لوگوں کے لیے غیر منافع بخش اشیا ہو کر رہ جائیں گی۔ جب ان منشیات فروشوں کو اس دھندے میں کوئی فائدہ ہی نہیں ہوگا تو لازماً یہ لوگوں کو اس نشے کا عادی بنانے کی کوششیں بھی ترک کردیں گے۔ . . اور یوں منشیات کا دھندہ ختم ہوجائے گا۔"

"کیا اس طرح پورا ملک نشے بازوں کا مُلک نہیں بن کر رہ جائے گا؟" شہزاد نے سوال اُٹھایا۔

"وہ کس خوشی میں؟" ہورگن غرایا۔

"اوہ، شاید اسی وجہ سے تم اتنی بڑی مقدار میں ہیروئین اسمگل کر رہے ہو۔ ٹھیک ہے نا؟"

"سُنو برخوردار۔" ہورگن نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہُوئے کہا۔ "ایک صحافی کی حیثیت سے میں تو تقریباً اپنا وقت پورا کرچکا ہُوں۔ . . تم ابھی جوان ہو اور تمھیں بہت کام کرنا ہے لیکن مَیں دیکھ رہا ہُوں کہ تم احمق ہو۔ تم میگزین رائٹر ہو۔ یہی کہا تھا، نا تم نے؟"

شہزاد نے جواباً اثبات میں سر ہلا دیا۔

"کیا کبھی اخباری صحافت کا بھی موقع ملا ہے؟"

"نہیں۔ . ." شہزاد نے بُرا سا مُنہ بنایا۔ "بعض پیشے ایسے بھی ہیں جنہیں میں بڑی سے بڑی رقم کے عوض بھی نہیں اپنانا چاہتا۔"

ہورگن کا قہقہہ بڑا جاندار تھا۔ "میں تم سے کس نے کہا کہ صحافیوں کی اکثریت دولت میں کھیل رہی ہے؟"

"بہت شکریہ جناب!" شہزاد جانے کے ارادے سے اُٹھ کھڑا ہُوا۔ "اس انٹرویو کے لیے بہت بہت شکریہ۔ میں آپ کو ہمیشہ یاد رکھوں گا۔"

"اوہ . . . ہاہا . . ." ہورگن کھسیا کر ہنس پڑا۔ "بہرحال میری طرف سے ساری دُعائیں تمھاری کامیابی کے لیے وقف ہیں۔ خُدا کرے کہ تم انسانیت کو اس لعنت سے نجات دلانے میں کامیاب ہوجاؤ۔"

شہزاد دروازے سے باہر آگیا۔

اس نے برابر کے کمرے میں چند صحافیوں کو بیٹھے دیکھا۔ ان کا انداز زندہ لاشوں جیسا تھا جو بے حس و حرکت بیٹھی ہے سامنے رکھے ہُوئے کاغذات پر ہاتھ مار رہی تھیں۔ شہزاد سوچا کہ یہ صحافی جسمی طور پر تو زندہ ہیں۔ کاش! ان کو عملی طور پر ن زندہ کیا جاسکے۔ صحافت صحت مند ہو تو کوئی قوم کبھی غیر ت مند نہیں ہوسکتی۔

باہر آکر اس نے سرسری نگاہ سے اِدھر اُدھر دیکھا جیسے ے کسی خاص چیز کی تلاش نہ رہی ہو۔ . . لیکن درحقیقت وہ ی گہری نگاہ سے ان لوگوں کا جائزہ لے رہا تھا جو اس کا پیچھا کرتے ہُوئے یہاں تک چلے آئے تھے۔

اس نے ایک ٹیکسی روکی اور ڈرائیور کو آہستہ ڈرائیو کرنے ہدایت کرکے شہر کے مشرقی حصّے کی طرف روانہ ہوگیا۔ اس ے پیچھا کرنے والوں کو دیکھ لیا تھا اور وہ لوگ اب بھی اس کا اقب تھے۔

اس نے ٹیکسی سے اترتے وقت دربان کی طرف دیکھا سوچا کہ اس شخص کو زیادہ سے زیادہ پچاس ڈالر دے دیے ائیں تو کوئی شخص اس سے کوئی بات معلوم نہیں کرسکے گا . . اور یوں وہ ان پیچھا کرنے والوں سے بہ آسانی پیچھا چھڑانے ں کامیاب ہوجائے گا۔ دربان کو خوش اور حیرت زدہ کرنے کے ندہ لفٹ میں سوار ہو کر دسویں منزل پر اُتر گیا اور قالین پر قدم رکھنے کے سے انداز میں چلتا ہُوا اپنے اپارٹمنٹ کی طرف ڑھ گیا۔

اس نے جو انداز اختیار کیا تھا، یہ دُنیا کا سب سے طرناک انداز تھا لیکن صرف ٹائیگر جیسی شخصیت ہی اس قسم انداز تفتیش اختیار کرنے کی جرأت کرسکتی تھی۔ ٹائیگر کوئی راغ رساں نہیں تھا۔ وہ ایک طاقت تھا جس کے سہارے اس ا ہر کھیل کی کامیابی سے ہمکنار ہوجاتا تھا۔ وہ سُپرمین تھا اور سُپرمین ہونا کوئی ناممکن بات نہیں ہے۔ ہر انسان ہمت اور مسلسل محنت سے ایسی حیثیت اختیار کرسکتا ہے۔

وہ اپارٹمنٹ میں داخل ہُوا تو کمرے میں نیم تاریکی تھی۔ اس نیم تاریکی میں اس نے اپنے اُستاد اُوشان کا زرد چہرہ دیکھا۔ وہ ٹی۔ ی کے سامنے بیٹھا کوئی پروگرام دیکھ رہا تھا۔ شہزاد کو ہنسی آگئی۔ ی۔ وی دیکھتے وقت بھی اُوشان نے کنول کا آسن اختیار کر رکھا تھا۔

اس نے اُوشان کو چھیڑنا مناسب نہیں سمجھا کیوں کہ وہ جانتا تھا کہ کنول کے آسن میں براجمان ہونے کے بعد اُوشان کی توجہ جس طرف مرکوز ہوتی ہے، وہ اسی طرف ذہنی طور پر مصروف رہنا پسند کرتا ہے اور خاص وجوہ کے علاوہ عود کو ڈسٹرب کرنا اُسے ہرگز پسند نہیں تھا۔ شہزاد نے ٹیلی فون کا رسیور اُٹھایا اور ایک نمبر ڈائل کیا۔

جب دوسری طرف تین بار گھنٹی بج گئی تو اس نے سلسلہ منقطع کردیا اور قدرے توقف کے بعد دوبارہ نمبر ڈائل کیا۔ اس مرتبہ بھی اس نے تین گھنٹیاں بجتے ہی کریڈل دبا دیا تھا۔

رسیور رکھنے کے بعد اس نے الماری سے ایک ٹرانسمیٹر نما آلہ نکالا۔ اس کا ایک بلب اسپارک کر رہا تھا۔ شہزاد نے بٹن آن کردیا۔

بٹن دبتے ہی ایک آواز سُنائی دینے لگی۔

"کیا رہا۔ . . ؟" کچھ دیر بعد شہزاد نے سوال کیا۔

"ابھی تک مال باہر نہیں گیا۔ . . حالانکہ خریداروں میں خاصی بے چینی پھیل ہُوئی ہے۔ یہ بات ہمیں اچھی طرح معلوم ہو چکی ہے لیکن کوئی سُراغ نہیں مل رہا کہ مال کہاں موجود ہے۔ تم اپنی سُناؤ۔ آج کا دن کیسا گزرا؟"

"آج کی حد تک بہت اچھا۔"

"کوئی خاص بات؟"

"صرف یہ کہ میں نے اپنے سلسلے میں لوگوں کو دل چسپی لینے کے لیے مجبور کردیا ہے۔" شہزاد نے ہنس کر کہا۔

"بہت خوب!" دوسری طرف سے تائید کی گئی۔

"کیا تم لوگ منشیات کا سُراغ لگانے والی مشینوں کو ہڈسن شہر میں جگہ جگہ نصب کرچکے ہو؟"

"ہاں۔ . . لیکن ناکامی ہی ہُوئی ہے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ مال ابھی انڈر گراؤنڈ ہے۔" شہزاد نے تبصرہ کیا۔ "آج اچانک ہی میرا ایک پُرانا دوست سامنے آگیا تھا۔"

"ہاں . . . مجھے معلوم ہوچکا ہے۔ تمھارے چیف نے اس بات کی توقع کی تھی کہ ایسا ممکن ہے۔"

رسمی سی چند باتوں کے بعد ٹرانسمیٹر نما آلہ خاموش ہوگیا۔ شہزاد نے اس آلے کو الماری میں رکھ دیا اور باتھ روم میں جا گھسا۔ رات کو جب وہ سونے کے ارادے سے لیٹا تو اس کے دل و دماغ کی دُنیا میں ہلچل سی مچ گئی۔

اس نے آنکھیں بند کرلیں اور ذہن کو ہر قسم کے خیالات سے عاری کرنے میں مصروف ہوگیا۔ . . لیکن بار بار لفٹ میں اچانک نظر آجانے والا چہرہ اس کے ذہن میں گھس آتا۔ . . آخر کیوں نہ ہوتا۔ وہ جانتا تھا کہ جزوِ ماضی میں اس کا بہترین دوست ہوا کرتا تھا۔ . . ایسا دوست جس نے اُسے دل سے چاہا ہو۔

ڈمونی خلافِ معمول بہت جلد دفتر پہنچا اور سیدھا اپنے کمرے کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

اس نے اپنی خوب صورت سیکرٹری کو صبح بخیر تک کہنے کی زحمت نہیں گوارہ کی۔ . . وہ گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس میگزین رائٹر شہزاد نے اُسے بُری طرح پریشان کر رکھا تھا۔ اس نے پہلے تو بولا کھلا کر اپنے کارندے ویلی کو مسٹر گاسو کے پاس بھیج دیا تھا . . . لیکن بعد میں صورتِ حال پر نظرِ ثانی کرکے اس نے شہزاد کو قتل کروانے کا ارادہ ملتوی کر دیا تھا۔

وہ سوچ رہا تھا کہ اُسے فی الحال اس نوجوان سے نہیں اُلجھنا چاہیے کیوں کہ نہ جانے اس میں کیا بات تھی جس نے اُسے خوف زدہ کر دیا تھا۔ وہ مشرق کے رہنے والوں کو ہمیشہ سے پُراسرار سمجھتا آیا تھا اور یہی وجہ تھی کہ جب سے اسکوبی نے کسی دیوتا کے خلاف کام کرنے والے نوجوان کا حوالہ دیا تھا، اس کے دل کی دھڑکنوں میں خوف جاگ اُٹھا تھا۔

دفتر میں داخل ہوتے ہی اس نے دروازہ بند کرلیا اور اپنا ٹیبٹ تارے بغیر ہی کام میں مصروف ہوگیا۔ اس نے ایک کاغذ پر عجیب سے ڈیزائن بنانے شروع کر دیے تھے۔ اس دوران میں ڈمونی کا ذہن بھی تیزی سے کام کر رہا تھا۔ اُسے ہڈسن شہر میں عجیب سی سرگرمیوں کے آغاز کا احساس ہوگیا تھا۔ . . یہی وجہ تھی کہ اس نے ہیروئین کی نکاسی کا پروگرام بھی بدل دیا تھا . . . الغرض وہ اسی سلسلے میں کام کر رہا تھا۔ مال کی بروقت نکاسی نہ ہونے سے مختلف شہروں کے گاہکوں میں بے چینی پیدا ہوگئی تھی۔ آج تک کبھی ایسا نہیں ہوا تھا اس لیے لوگوں میں بے چینی پیدا ہونی بھی چاہیے تھی۔

ڈمونی مال کی تقسیم اور نکاسی کا وہ شیڈول بدل ڈالنا چاہتا تھا جو اُس نے اب تک اپنا رکھا تھا۔ وہ اس بار ایک نیا انداز اختیار کرنا چاہتا تھا۔ . . رہا شہزاد کا معاملہ تو اس کے لیے اس نے سوچ لیا تھا کہ مسٹر گاسو آسانی سے اُسے یوں ٹھکانے لگا دے گا کہ کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوگی . . . لیکن اس سے پہلے وہ صورتِ حال کو اچھی طرح سمجھ کر اُسے اپنے قابو میں کرلینا چاہتا تھا۔

اس نے شہزاد کے بارے میں معلومات حاصل کی تھیں جن کے مطابق شہزاد اپنے ایک بوڑھے ملازم کے ساتھ ایک اپارٹمنٹ میں مقیم تھا۔ ڈمونی نے سوچا کہ اس میگزین رائٹر کو ٹھکانے لگانے سے پہلے اس سے سب کچھ معلوم کرنا ضروری ہے۔ اس انداز فکر نے اُسے ایک نئی راہ سُجھائی کہ کیوں نہ اس مشرقی نقش و نگار والے پاگل میگزین رائٹر کے بوڑھے ملازم سے باز پُرس کا آغاز کیا جائے۔

ڈمونی نے سوچا کہ اس کے آدمی اس بوڑھے کو گردن سے پکڑ کر شہزاد کے بارے میں بکنے پر مجبور کر دیں گے . . . پھر وہ اس سے زبردستی شہزاد کو فون کروا کر اُسے اپارٹمنٹ میں بُلائیں گے اور وہاں اُس سے پُراسرار انٹرویو اور ڈمونی پر الزام تراشی کی وجہ آسانی سے معلوم کی جا سکتی تھی۔ یہ سب کچھ سوچتے ہوئے اس نے فیصلہ کیا کہ اگر اس کے بوڑھے ملازم نے کوئی خاطر خواہ بات نہ بتائی تو اُسے اپنی زندگی سے محروم ہونا پڑے گا۔ اس بوڑھے کو قتل کرنے کے ڈمونی کے خیال میں دو فائدے تھے۔ ایک تو دھرتی کا بوجھ اس ضعیف شخص سے کم ہو جائے گا، دوسرے شہزاد کے لیے عبرت حاصل کرنے کا سامان ہو جائے گا۔

. . . اور اگر تب بھی کچھ معلوم نہ ہو سکا تو مسٹر گاسو خود ہی شہزاد سے نمٹ لے گا۔ مسٹر گاسو نے اس سے پہلے بھی ڈمونی کے کئی کام نمٹائے تھے اس لیے اُسے مسٹر گاسو پر اعتماد تھا۔

جہاں تک مال اُٹھانے والوں کا تعلق تھا، ان سے وہ چند دنوں کے لیے معذرت بھی کر سکتا تھا کہ ابھی ہیروئین کی نکاسی کے لیے حالات سازگار نہیں ہیں . . . اس دوران میں وہ اس نشہ آور شے کو مطلوبہ آدمیوں تک پہنچانے کے لیے کوئی مؤثر ذریعہ ڈھونڈ نکالے گا۔

ذہنی طور پر تمام لائحہ عمل ترتیب دینے کے بعد ڈمونی نے ریسیور اُٹھایا اور ایک نمبر ڈائل کر کے صورتِ حال کے لیے معذرت کرتے ہوئے ایک ہنگامی ملاقات کے لیے درخواست کرنے لگا۔ اس کا لہجہ نرم تھا اور دوسری طرف سے بولنے والے کے لیے اس لہجے میں تعظیم مضمر تھی۔

. . . میں ملاقات کے دوران آپ کو سب کچھ تفصیل سے بتا دوں گا: ڈمونی نے ادب سے کہا۔ ٹھیک ہے، میں آپ سے وہیں پر ملوں گا: اس نے یہ کہہ کر ریسیور رکھ دیا اور اُٹھ کھڑا ہوا۔

وہ دفتر سے باہر آگیا۔

اس کا خاص کارندہ ویلی طے شدہ وقت کے مطابق کار کے ریپ ہی موجود تھا۔ ڈمونی نے کار میں بیٹھنے کے بعد ویلی کو لائحہ عمل سمجھانا شروع کر دیا کہ مسٹر گاسو کو کب اور کیسے کام کرنا ہے نیز اس سے پہلے دوسرے آدمیوں کو شہزاد کے بوڑھے ملازم سے کس انداز میں باز پُرس کرنی ہے۔ وہ بولتا رہا اور ہدایات دیتا رہا جب کہ ویلی اس دوران میں بڑی احتیاط سے ڈرائیونگ میں مصروف رہا تھا۔

جیسے ہی ویلی کو یہ معلوم ہوا کہ ڈمونی نے کرائے کے قاتل مسٹر گاسو سے سردست کام لینے کا ارادہ ترک کر دیا ہے . . . تو اس نے سوچا کہ میگزین رائٹر کے بوڑھے ملازم سے طلاقات کے لیے تو وہی جائے گا۔ اس نے جیسے ہی یہ خواہش ڈمونی پر ظاہر کی، ڈمونی نے اس تجویز کو رد کر دیا۔

"نہیں . . ." ڈمونی کا لہجہ خشک تھا۔ "مجھے تمہاری ضرورت ہے اس لیے تم میرے ساتھ رہو گے۔ میں تمہیں پوری طرح ہدایات دے کر خصوصت کر دوں گا تو تمہیں وہی کام کرنے پڑیں گے جن کا حکم دیا جائے گا۔"

ویلی نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

اسے اپنی اہمیت کا احساس تھا۔ وہ ایسے کئی افراد کو جانتا تھا جو مسٹر ڈمونی سے ہیروئین خریدتے تھے۔ ڈمونی نے اسے ان لوگوں تک معذرت کا پیغام پہنچانے کے ارادے سے روک لیا تھا۔ ایک جگہ اس نے کار رُکوائی اور ویلی کو ایک بار پھر تاکید کر کے رخصت کر دیا۔ . . اب وہ خود ہی کار ڈرائیو کر رہا تھا۔

اس کی کار تیزی سے ایک سمت میں جا رہی تھی۔ شہر کے غربی حصّے کی جانب اس نے بیس منٹ تک سفر کیا حتیٰ کہ اس کی کار ایک بہت بڑے گیٹ سے گزر کر ایک عمارت کے کمپاؤنڈ میں داخل ہوگئی۔

کمپاؤنڈ میں کار روک کر وہ فوراً ہی نیچے نہیں اُترا بلکہ عقب نما آئینے میں دیکھتا رہا۔

کچھ ہی دیر بعد ایک سیاہ کار اس کی گاڑی کے عقبی حصّے

[illegible] کر رُک گئی۔ اس نئی کار میں بیٹھتے ہی ڈمونی نے کار میں لگے ہوئے فون پر اپنے دفتر سے رابطہ قائم کر کے کہہ دیا کہ اس سے ملاقات کے خواہش مند تمام افراد کی ملاقاتوں کا وقت اگلے روز کے لیے مخصوص کر دیا جائے اور اس دوران میں آنے والے اہم فون کالز کے جواب میں یہ پیغام دیا جائے کہ وہ سہ پہر کے بعد خود ڈمونی ان لوگوں سے رابطہ قائم کرلے گا۔

یہ سیاہ کار ڈرائیو کر کے لانے والے کو اس نے فوراً ہی واپس بھیج دیا تھا۔ . . پھر وہ خود اس کار کو چلاتا ہوا اس میگزین کے دفتر کی طرف روانہ ہوگیا جس کا تعلق اُسی پُراسرار میگزین رائٹر سے تھا۔ یہ بات اُسے فون پر اس وقت بتائی گئی تھی جب شہزاد نے اس سے اسٹریو کے لیے وقت طے کیا تھا اور بعد میں دفتر کے کسی آدمی نے اس کی تصدیق بھی کر لی تھی کہ شہزاد کا تعلق واقعی اس میگزین سے ہے۔

جس میگزین کے رائٹر کی حیثیت سے شہزاد کے کاغذات تیار کیے گئے تھے، اس کا نام ٹرائی بون تھا۔ یہ رسالہ جس عمارت سے شائع ہوتا تھا، اس عمارت کا نام بھی ٹرائی بون ہی تھا۔

جب وہ عمارت کے سامنے پہنچا تو ٹرک اس رسالے کے بنڈل پریس سے لا کر وہاں اتار رہے تھے۔ ڈمونی کے چہرے سے طمطراق سے جھلکتے گئے کیوں کہ وہ اس شہر کا بے تاج بادشاہ تھا۔ اس شہر کی طوائفیں تک اس کی غلام تھیں۔ ان کے علاوہ شہر کے نوجوان لڑکے اور لڑکیوں کی تیزی سے بڑھتی ہوئی تعداد بھی اس کی غلامی میں شامل ہوتی جا رہی تھی۔ اس احساس کے تحت وہ صورتِ حال کو بڑی ہوشیاری اور ذہانت کے ساتھ نمٹانا چاہتا تھا۔ اسے یقین تھا کہ جو بھی کوتاہیاں ہوئی ہیں، ان سے اس کا شاندار ذہن جلد ہی نمٹ لے گا اور وہ ایک بار پھر اس شہر کا بے تاج بادشاہ ہوگا۔

ویلی بُری طرح چونک پڑا۔

اس کی نگاہ ایک ٹرک کے عقبی حصّے پر پڑی جہاں ایک دُبلے پتلے اور سکڑے سکڑے سے چہرے والا شخص ایک عجیب سی مشین لگائے، اس سے لوگوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔

جیسے ہی اس مشین کا رُخ ویلی کی طرف ہوا، اُسے خود بخود یہ احساس ہوگیا کہ وہ سکڑے ہوئے چہرے والا شخص اس کے لیے ناپسندیدہ عنصر ہے۔ اس نے کار کو ٹرک کے سامنے اس انداز میں روکا کہ ٹرک ڈرائیور آگے نہیں بڑھ سکتا تھا۔ کار سے اُتر کر ویلی ٹہلتا ہوا ٹرک کے عقبی حصّے کی طرف آیا اور سکڑے ہوئے چہرے والے شخص سے بولا۔

[illegible] تم [illegible] کی مشین لگا کر بھی ہے اور اس سے کیا کر رہے ہو؟

"یہ محکمہ زراعت کا ٹرک ہے [illegible]

"اس مشین سے کاروں کو کوئی نقصان تو نہیں پہنچتا؟"

"اوہ، نہیں جناب۔" سکڑے ہوئے چہرے والا شخص اس کی احمقانہ بات پر کھلکھلا کر ہنستے ہوئے بولا۔ "یہ ایک طرح سے ایکس رے مشین ہے، جس کی شعاعیں دھات میں سے گزر جاتی ہیں اور دھات کو ذرا سا بھی نقصان نہیں ہوتا۔ اس آلے سے گاڑیوں، مولیوں اور اس قسم کی دوسری چیزوں کو دیکھا جاتا ہے۔۔۔ یا پھر یہ شعاعیں ان پودوں کو بے نقاب کرتی ہیں، جنہیں کسی نے کاروں میں چھپا رکھا ہو۔"

"پودے۔۔۔؟" ویلی نے شدید حیرت ظاہر کی۔ "کیسے پودے؟"

"پوست وغیرہ قسم کے۔۔۔"

"اوہ، گویا یہ منشیات۔۔۔"

"یس۔۔۔" اس شخص کا رویہ فوراً ہی بدل گیا جیسے اُسے اپنی حماقت کا احساس ہو گیا ہو۔ اس نے غالباً ویلی کو ایک معزز لیکن بلا وجہ فکرمند رہنے والا آدمی سمجھ کر چند باتیں کر لی تھیں۔

"میں تو تم سے محض دوستانہ نوعیت کے سوالات کر رہا تھا۔" ویلی نے بے ڈھنگے پن سے مسکراتے ہوئے کہا۔ "اگر تمہیں، پودوں کی ضرورت ہے تو کسی نرسری میں کیوں نہیں جاتے؟۔۔۔ اور مولیاں گاجریں تو منڈی میں عام مل جائیں گی۔"

"یہ حکومت کا کام ہے۔ مداخلت نہ کرو۔" سکڑے ہوئے چہرے والے کا چہرہ مزید سکڑ سکڑا سا گیا۔

"ٹھیک ہے۔" ویلی نے ایک طویل سانس لی۔ "لیکن خیال رہے، اگر میری گاڑی کو کوئی نقصان پہنچا تو میں پولیس محکمہ زراعت میں ہل چلا دوں گا۔"

سکڑے ہوئے چہرے والا شخص بڑبڑاتا رہ گیا۔

ویلی اپنی کار کی طرف بڑھ گیا۔

کار میں بیٹھنے کے بعد وہ دیر تک بے حس و حرکت رہا۔ وہ کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔۔۔ پھر اس نے کار اسٹارٹ کی اور ہر ممکن تیز رفتاری سے ڈرائیو کرتا ہوا ایک طرف روانہ ہو گیا۔

■

ٹائیگر کا اُستاد اُوشان اس وقت بہت اچھے موڈ میں تھا۔ وہ ایک آرام کرسی پر بیٹھا گنگنا رہا تھا اور ساتھ ہی ساتھ کرسی بھی جھول رہی تھی۔ اُدھیڑ عمر بیٹھے وقت ہمیشہ کنول کا آسن اختیار کر لینے کی عادت تھی۔ یوگا کا یہ آسن افادیت کے اعتبار سے بے پناہ ہوتا ہے، یہی وجہ تھی کہ اُوشان نے اسے معمول بنا لیا تھا۔

وہ، شہزاد کے ساتھ ہی یہاں آیا تھا اور بہت کم باہر جایا کرتا تھا۔ اُسے اپارٹمنٹ میں کنول کا آسن جما کر، ٹیلی وژن دیکھنے کے علاوہ صرف شہزاد ٹائیگر کی تربیت سے دلچسپی تھی۔ ان دو کاموں کے علاوہ کسی بھی معاملے میں وہ اس وقت تک مداخلت نہ ہونے کی کوشش نہیں کرتا تھا، جب تک اُسے چھیڑا نہ جائے۔۔۔ خاص طور سے سکون کے لمحوں میں وہ کسی کی بھی مداخلت پسند نہیں کرتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جب دروازے پر لگی اطلاعی گھنٹی کے بٹن کو کسی نے دبایا اور اپارٹمنٹ میں خاصا شور پیدا ہوا تو اس نے بڑی ناگواری سے دروازے کی طرف دیکھا۔

اس وقت وہ ایک دلچسپ پروگرام دیکھ رہا تھا۔

اُوشان نے گھنٹی کی آواز کو ذہن سے جھٹک دیا۔

وہ سوچ رہا تھا کہ پروگرام ختم ہونے میں چند منٹ باقی ہیں یہ وقت ملاقاتی دروازے پر کھڑا رہ کر گزار سکتا ہے۔۔۔ لیکن دوسری بار گھنٹی بھی تو بجتی ہی چلی گئی، جیسے ملاقاتی بٹن پر اُنگلی رکھ کر بھول ہی گیا ہو۔

اُوشان کی بھنویں کمان ہو گئیں۔

گھنٹی کے شور میں پروگرام سے لطف اندوز ہونا ممکن نہیں تھا اس لیے وہ کنول کے آسن سے نکل کر فرش پر کھڑا ہو گیا۔ اس کی آنکھوں میں بڑی خوف ناک چمک تھی۔

ابھی تک ملاقاتی نے گھنٹی کے بٹن سے اُنگلی بھی نہیں ہٹائی تھی۔

اس کا مطلب تھا کہ وہ دروازہ کھلنے سے پہلے اُنگلی ہٹانے پر آمادہ نہیں۔۔۔ اُوشان کسی چیتے کی طرح بے آواز چل رہا تھا۔ بیرونی دروازہ مقفل تھا، گویا اگر دروازہ مقفل نہ ہوتا تو ملاقاتی زبردستی بھی اپارٹمنٹ میں گھس سکتا تھا۔

اُوشان ٹھٹک گیا۔

اُسے خطرے کی بُو محسوس ہونے لگی تھی۔

وہ دروازے کے سامنے رُک گیا۔ اُس کے نتھنے پھڑپھڑائے اور اس بُو کو ایک بار پھر سُونگھنے کی کوشش کی۔ اس مرتبہ بھی وہ خطرے کی بُو کو محسوس کیے بغیر نہ رہ سکا۔ اس کا جسم آہستہ آہستہ تن گیا اور عضلات سخت ہوتے چلے گئے۔

دایاں ہاتھ بڑھا کر اس نے دروازہ کھول دیا۔

۔۔۔ لیکن دروازہ کھولنے کے بعد وہ اپنے ماہرانہ انداز میں واپس دوڑ پڑا تھا۔ جس پروگرام میں اُسے بے لطفی برداشت

کرنی پڑی تھی، وہ اُسے یوں برابر کرنا چاہتا تھا۔

کواڑ کھلنے تک وہ ہال سے نکل کر کمرۂ طعام میں سے ہوتا ہوا، اپنے کمرے میں نہ صرف واپس پہنچ چکا تھا، بلکہ اس نے کنول کے آسن کی پوزیشن بھی اختیار کر لی تھی۔ ٹی۔ وی پر اس کے پسندیدہ پروگرام کا کلائمکس دکھایا جا رہا تھا۔

وہ پروگرام دیکھنے میں محو ہو گیا۔

دروازے کے باہر ڈک، ویلی اور اسمتھ کھڑے تھے۔ انہوں نے دروازے کو کھلتے دیکھا لیکن انہیں کوئی دکھائی نہیں دیا۔ وہ کچھ سمجھنے کے انداز میں ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ ان کی آنکھوں میں تشویش کے سائے منڈلا رہے تھے۔

ڈک نے جلدی سے ریوالور نکال لیا۔

وہ پھرتی سے اندر آ گیا لیکن اُسے دروازے کی اوٹ میں بھی کوئی نظر نہیں آیا۔ اس نے کواڑوں کا جائزہ لیا لیکن وہ عام قسم کے کواڑ تھے اور کسی میکنزم کا نام و نشان تک نظر نہیں آ رہا تھا جس سے یہ دروازہ خود بخود کھل سکتا ہو۔ یہ تینوں امریکی تنظیم مافیا کے خطرناک غنڈے تھے اور انہیں مسٹر گاسو نے بھیجا تھا، مگر مسٹر گاسو کو ڈھونی نے وقتی طور پر روک دیا کیوں کہ وہ اپنی دانست میں اُوشان کو ایک کمزور سا بوڑھا سمجھ کر اس سے شہزاد کے بارے میں اُگلوانے کا تہیہ کر چکا تھا۔۔۔ اور اب یہ تینوں اسی سلسلے میں یہاں پہنچے تھے۔۔۔ اور انہیں اپارٹمنٹ میں قدم رکھنے سے پہلے ہی حیرت سے دوچار ہونا پڑا تھا۔

اسمتھ نے اُلجھن سے اس لمبے چوڑے ہال نما کمرے کا جائزہ لیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کتنی حیرت انگیز بات ہے۔ انہوں نے نہ تو کسی کے قدموں کی چاپ سُنی تھی اور نہ ہی دروازہ کھولنے کی آہٹ ان کی سماعت تک پہنچی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے یہ سب کچھ جادُو کے زور سے ہو گیا ہو۔

وہ اس کمرے میں بچھے ہوئے قالین پر آہستہ آہستہ چلنے لگے۔ سب سے آگے آگے ڈک تھا، اس کے پیچھے ویلی اور سب کے بعد اسمتھ تھا۔ وہ مافیا میں بھی اسی ترتیب سے شخصیت کے مالک تھے۔ وہ جس قالین پر چل رہے تھے، وہ خاصا دبیز تھا، وہ احتیاط سے چلنے کے باوجود اپنے پیروں سے پیدا ہونے والی سرسراہٹ کو دبانے میں کامیاب نہ ہو سکے، تب انہیں مزید حیرت ہونے لگی۔ جس کسی نے بھی دروازہ کھولا تھا، آخر اس کے چلنے پھرنے اور دروازہ کھولنے سے آواز کیوں پیدا نہیں ہوئی؟ ڈک نے ریوالور کا سیفٹی کیچ ہٹا لیا۔

ویلی نے ہال کے دُور افتادہ دروازے کی طرف دیکھا جدھر سے آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ ان آوازوں نے بھی انہیں اُلجھن میں ڈال لیا تھا کیوں کہ وہ پچاس ڈالر رشوت دے کر عمارت کے ڈورمین سے معلوم کر چکے تھے کہ اس وقت شہزاد کے اپارٹمنٹ میں صرف ایک دُبلا پتلا اور قریب المرگ بوڑھا ہی موجود ہے۔

جیسے جیسے وہ دروازے سے قریب ہوتے جا رہے تھے۔۔۔ باتوں کی آوازیں تیز تر ہوتی جا رہی تھیں۔ ویلی نے بھی اپنا ریوالور نکال لیا۔ ڈک نے ہال سے نکل کر ایک کمرہ پار کیا اور اس کے کھلے دروازے میں جا جھانکا۔ اس کے دونوں ساتھی پیچھے پیچھے دروازے میں داخل ہوئے اور پھر تینوں ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔

ان کے ہونٹوں پر بڑی ہی اطمینان بخش مسکراہٹیں تھیں۔ جن آوازوں نے انہیں اُلجھن میں ڈال دیا تھا، وہ ٹی۔ وی سے پیدا ہو رہی تھیں۔۔۔ لیکن ان کی دلچسپی کا باعث وہ بے انتہا بوڑھا شخص تھا، جو صوفے کے سامنے ایک آرام کرسی پر کنول کا آسن جمائے بیٹھا تھا۔

اوشان اس وقت زرد لبادے میں تھا۔

ان کے قدموں کی آہٹیں سُننے کے باوجود وہ پروگرام کا کلائمکس دیکھنے میں مصروف رہا تھا۔

اُوشان کی ظاہری ناتوانی دیکھ کر ڈک نے ہنس کر ریوالور کو ہولسٹر میں رکھ لیا۔ اُسے یقین تھا کہ وہ اتنے کمزور اور لاغر سے بوڑھے کو محض چٹکی سے مسل کر رکھ سکتا ہے۔ ویلی نے بھی ریوالور کو ہولسٹر میں ٹھونس لیا۔ اسمتھ نے تو ریوالور نکالنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی تھی۔ ڈک اور ویلی کو بھی اس بات کا احساس ہو گیا تھا اور وہ دزدیدہ نظروں سے اسمتھ کو گھورنے لگے تھے کیوں کہ وہ مسٹر گاسو کو اُن دونوں کی، ریوالور نکالنے والی حماقت کی اطلاع دے سکتا تھا اور اس بات پر مسٹر گاسو کا اُن پر عتاب بھی نازل ہو سکتا تھا۔

ڈک نے اس خیال کو ذہن سے جھٹک کر اُوشان کی طرف دیکھا اور بھاری لہجے میں کہا۔ "اے۔۔۔ بوڑھے۔۔۔"

اوشان کے گنگنانے میں کوئی فرق نہیں پیدا ہوا۔

اس کی آرام کرسی مسلسل جھولتی رہی۔

اس کی آنکھیں اپنے پسندیدہ پروگرام پر جمی رہیں۔

یوں لگ رہا تھا جیسے اُوشان نے ان لوگوں کی موجودگی

کو محسوس ہی نہ کیا ہو۔۔۔ یا پھر اُس نے ان آوازوں کو کوئی بھی اہمیت ہی نہیں دی تھی جو اُن تمنیوں کے، دھاتی ایڑیوں والے جُوتوں کی وجہ سے پیدا ہُوئی تھیں۔

ڈک نے جب اس لاغر بوڑھے کو شس سے مَس نہ ہوتے دیکھا تو وہ کسی غضب ناک بھیڑیئے کی طرح اُچھل کر اُوشان کے سامنے جا کھڑا ہُوا اور اُسے کڑے تیوروں سے گھُورنے لگا۔

اُوشان سے نگاہیں چار ہُوئیں تو ڈک کو ایک دھچکا سا لگا اُسے محسوس ہُوا جیسے اس بوڑھے میں کوئی دیوتا زندہ ہو کر سما گیا ہو۔۔۔ اس کا خیال تھا کہ بوڑھا خوف زدہ ہو جائے گا لیکن اُوشان کے چہرے پُرسکون تھا۔۔۔ گہرا سکون۔۔۔

"ہم، تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتے ہیں۔" ڈک نے گونجیلی آواز میں کہا اور اُوشان کی آنکھوں میں دیکھتا رہا۔

"بس یہ پروگرام ختم ہونے میں دو منٹ رہ گئے ہیں۔" اُوشان نے نہایت خوش اخلاقی سے کہا اور دوبارہ اسکرین کی طرف متوجہ ہو گیا۔ وہ اتنے انہماک سے پروگرام دیکھ رہا تھا، جیسے اُسے کمرے میں موجود باقی تین افراد کا احساس تک نہ رہ گیا ہو۔

ڈِک، ڈینی اور اسمتھ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ ان کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ رقص کرنے لگی۔

"ہو سکتا ہے، یہ اس کا آخری پروگرام ہو۔" ڈِک نے کہا۔ "اس لیے کیوں نہ اسے لُطف اندوز ہونے کی اجازت دے دی جائے۔"

دونوں ساتھیوں نے اثبات میں سر ہلا دیے۔

"کیس قدر بوڑھا ہے۔" ڈک نے تبصرہ کیا۔ "میں نے اپنی زندگی میں پہلے کبھی اتنا عمر رسیدہ شخص نہیں دیکھا۔ نہ جانے اس حرامی کی عمر کیا ہو گی؟"

اسمتھ نے قدرے ناگواری سے ڈک کی طرف دیکھا۔ اُسے ڈک کا یہ تبصرہ پسند نہیں آیا تھا۔

"یہ ایک بوڑھا آدمی ہے اور بس۔۔۔" اس نے قدرے ناگواری سے کہا۔ "اس سے زیادہ کچھ کہنے سے پہلے تمھیں سوچنا چاہیے۔"

ڈک نے قہقہہ لگایا۔

اُوشان اس دوران میں ان کی ایک ایک حرکت دیکھ رہا تھا اور اُن کی ایک ایک بات اُوشان کے کانوں تک پہنچ رہی تھی حالانکہ بظاہر وہ ٹی۔ وی پروگرام میں غرق اور گردوپیش سے بیگانہ محسوس ہوتا تھا۔

"ٹھیک ہے، ڈک۔" ڈینی نے بھی اسمتھ کی حمایت کی۔ "یہ واقعی ایک بے انتہا بوڑھا آدمی ہے۔ اگر مجھے اس کی حالت اور عمر کا پہلے سے معلوم ہوتا تو میں ہرگز یہاں نہ آتا۔"

اُوشان دِل ہی دِل میں مُسکرانے لگا۔

وہ سوچ رہا تھا کہ ان لوگوں کے تبصرے کس قدر عجیب ہیں۔ ابھی کچھ دیر بعد ان کے ساتھ جو کچھ ہونے والا ہے، اس کے بارے میں کوئی خیال ان میں سے کسی کے بھی ذہن میں نہیں ہو گا۔

پروگرام ختم ہو گیا۔

ڈک نے ٹی۔ وی بند کر دیا۔

اُوشان کنول کے آسن سے نکل کر اپنے تین مہمانوں کے سامنے آ کھڑا ہُوا۔ اس نے مُسکرا کر ان تینوں کی طرف دیکھا اور لبادے کو سمیٹ کر ہاتھ سینے پر باندھ لیے۔

"میں، آپ لوگوں کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟" اس نے بے حد نرمی سے پوچھا۔

"کیا تم نے اپنا پسندیدہ پروگرام دیکھ لیا ہے؟" ڈینی نے مضحکہ اُڑانے کے انداز میں سوال کیا۔

"ہاں۔۔۔ آیندہ دس منٹ تک اشتہارات دِکھائے جائیں گے۔ اس کے بعد پھر پروگرام شروع ہو جائے گا۔" اُوشان کے لہجے کی نرمی برقرار رہی۔ "میرا خیال ہے، ہم اس وقت تک باتیں کر سکتے ہیں۔"

"ہم یہاں باتیں کرنے کے لیے نہیں بلکہ باتیں سُننے کے لیے آئے ہیں۔" ڈک غرّایا۔ اس کا لہجہ یکایک ہی بدل گیا تھا۔

"سُنو۔۔۔ مسٹر موتو!" ڈینی نے بھی بدلے بدلے سے لہجے میں کہا۔ اُوشان کا یہ نام خود شہزاد نے ہی تجویز کیا تھا اور اسے یہاں اسی نام سے پکارا جاتا تھا۔ "ہم جو کچھ چاہتے ہیں۔ اگر تم نے خوشی خوشی اسے پورا کر دیا تو تمھیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔"

"میں ایک بُوڑھا آدمی ہُوں۔ تم دیکھ رہے ہو۔" اُوشان نے انکسار سے مسکراتے ہُوئے کہا۔ "میں، تمھیں ہمیشہ یاد رکھوں گا۔"

ڈینی اور ڈک نے بیک وقت اثبات میں سر ہلا دیے۔ وہ اُوشان کے رویّے سے بے حد خوش ہُوئے۔ انہیں یہی توقع تھی کہ اتنا بوڑھا آدمی ان کے سامنے ہٹ دھرمی کا مظاہرہ نہیں کر سکتا۔ اُوشان نے ڈینی کو جو جواب دیا تھا، اس کا مطلب ڈک

نے یہ لیا کہ وہ ان کی مرضی کے مطابق سب کچھ کرنے پر آمادہ ہے۔

"ٹھیک ہے، ڈینی۔" ڈک نے مُسکرا کر کہا۔ "ہمیں اتنے مختصر سے بوڑھے آدمی کو کوئی تکلیف پہنچا کر واقعی خوشی نہ ہو گی۔ بہرحال تم اس پر نگاہ رکھو تاکہ یہ فرار نہ ہونے پائے۔ اس دوران میں، میں اس کے پاس سے بات کرتا ہُوں۔"

اُوشان نے ڈک کی بات پر اثبات میں سر ہلا دیا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ ان لوگوں کو معلوم ہے کہ شہزاد اس وقت کہاں ہے۔ وہ ڈک کی طرف دیکھتا رہا جو فون کے قریب جا کھڑا ہُوا تھا۔ اس نے رسیور اُٹھایا اور نمبر ڈائل کر کے سلسلہ ملنے کا انتظار کرنے لگا۔

دوسری طرف دیر تک گھنٹی بجتی رہی۔

ڈک کی پیشانی پر سلوٹیں اُبھر آئیں۔

وہ رسیور ہاتھ میں تھامے بے چینی سے انتظار کرتا رہا۔ حتیٰ کہ اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہونے سے پہلے ہی دوسری جانب سے کسی نے رسیور اُٹھا لیا۔

"میٹرز آفس۔۔۔" ایک سُریلی نسوانی آواز سُنائی دی۔

آواز بے حد مدھم تھی لیکن اُوشان اس وقت اپنی قوتِ سماعت پر اتنا زور ڈال رہا تھا کہ آواز اس کے کانوں تک آسانی سے پہنچ رہی تھی حالانکہ وہ اس وقت ڈک سے کافی دُور کھڑا تھا۔ اس کے قریب کھڑے ڈینی اور اسمتھ کے تو فرشتے بھی اتنے فاصلے سے آواز نہیں سُن سکتے تھے۔

"میں، تمھاری کیا مدد کر سکتی ہوں؟" نسوانی آواز میں سوال کیا گیا۔ اُوشان نے لہجے سے اندازہ لگا لیا کہ کال کے وقت بولنے والی کسی بے حد جذباتی صورتِ حال سے دوچار تھی۔ اس نے ذہن میں اُس منظر کو اُجاگر کرنے کی کوشش کی اور مسکرانے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ شہزاد کو حیران کرنے کے لیے اس وقت کا حوالہ ضرور دے گا۔

"مسٹر شہزاد۔۔۔ پلیز کنگٹ۔۔۔ میگزین رائٹر۔" ڈک نے خاصے مہذب انداز میں کہا۔ اس کا لہجہ، اس کی شخصیت سے قطعاً میل نہیں کھاتا تھا۔

"اوہ۔۔۔" سُریلی نسوانی آواز میں خفیف سی حیرت تھی۔۔۔ پھر شاید اُس نے رسیور شہزاد کی طرف بڑھا دیا تھا۔ "تمھاری کال ہے۔" اس بار عورت کی آواز مدھم تھی کیوں کہ رسیور اُس کے مُنہ کے سامنے سے ہٹ گیا تھا۔

ایک خفیف سی غرّاہٹ اُوشان کی سماعت سے ٹکرائی جیسے شہزاد کو اس کال کی وجہ سے شدید کوفت ہُوئی ہو۔

"کون ہے؟" شہزاد کی آواز آئی۔

"سنو۔۔۔ مسٹر شہزاد۔" ڈک اپنے اصلی لہجے میں بولا۔ یہ لہجہ اُس کی شخصیت کے عین مطابق تھا۔ "ہم جانتے ہیں کہ تم کیا کر رہے ہو؟"

"کیا تم نے کہیں دُوربین لگا رکھی ہے؟" شہزاد کا لہجہ مضحکہ اُڑانے والا تھا۔ "میں ایک ایسے کمرے میں ہُوں، جہاں کوئی چھپ کر جھانک کر نہیں دیکھ سکتا۔"

"فضول باتیں نہ کرو۔" ڈک کے لہجے میں قاتلانہ کاٹ آ گئی۔ "میں تمھاری اس وقت کی مصروفیت کا تذکرہ نہیں کر رہا ہوں بلکہ اس کام کی بات کر رہا ہوں جو آج کل تمھارے ہاتھ میں ہے۔ ہمیں سب کچھ معلوم ہے۔ صرف یہ معلوم نہیں کہ تم یہ سب کچھ کس کی ایما پر کر رہے ہو؟"

دوسری طرف سے خاموشی رہی۔

"سنو۔۔۔" ڈک کا لہجہ مزید خوف ناک ہو گیا۔ "اس وقت تمھارا مکر ہمارے قبضے میں ہے۔" ڈک نے یہ کہہ کر کن انکھیوں سے اُوشان کی طرف دیکھا جو اطمینان سے کھڑا اُسی طرف دیکھ رہا تھا۔ "کیا تمھیں اس بوڑھے ملازم سے کوئی ہمدردی ہے؟"

"بہت زیادہ۔"

"اگر یہ بات ہے تو تمھیں زبان کھولنا پڑے گی۔"

"تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟"

"یہ پاس ورڈ ذہن نشین کر لو۔۔۔ بٹر فلائی۔۔۔ جب کوئی یہ لفظ تم سے کہے تو جو کچھ بھی تمھیں معلوم ہے، اس کے گوش گزار کر دینا۔"

"کس سلسلے میں؟"

"یہی کہ تم یہاں کیوں آئے ہو؟ کیا کر رہے ہو؟۔۔۔ اور تمھیں کس نے بھیجا ہے؟" ڈک نے کہا۔ "اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اپنے بوڑھے بکرے کو زندگی بھر ترستے رہو گے۔"

"ٹھیک ہے لیکن میں کیسے یقین کروں کہ تم نے واقعی اُسے بے بس کر رکھا ہے؟" شہزاد کی آواز سُنائی دی۔ اس کے لہجے میں خفیف سی تشویش تھی جسے محسوس کر کے اُوشان کی جھنویں کمان ہو گئیں۔

"وہ اس وقت ہمارے قبضے میں ہے۔" ڈک غرّایا۔ "میں، تم سے مذاق نہیں کر رہا ہُوں۔"

"میں، اس سے بات کرنا چاہتا ہُوں۔" شہزاد نے کہا۔ "اس سے بات کر کے مجھے یقین آ سکتا ہے کہ تم لوگوں نے اُسے پہلے ہی

قتل نہیں کر دیا ہے۔"

ڈک نے اُوشان کی طرف دیکھا اور اُسے اشارے سے اپنی طرف بُلاتے ہُوئے کہا: "ٹھیک ہے، تم اس سے بات کر کے اپنا اطمینان کر سکتے ہو۔" وہ اُوشان کی طرف متوجہ ہو گیا جو اس کے قریب آ کھڑا ہُوا تھا۔ "چلو۔ . . اپنے باس سے بات کرو۔"

اُوشان نے ریسیور لے لیا۔

"ہیلو۔ . . باس!" اُوشان نے لفظ "باس" پر خوب زور دیا تھا جس سے شہزاد کو اندازہ ہو سکتا تھا کہ وہ اس کا مضحکہ اُڑا رہا ہے۔

"اُوشان۔ . ." دوسری طرف سے شہزاد کی شگفتہ آواز سُنائی دی۔ "اس وقت تمہاری آواز کتنی سُریلی لگ رہی ہے! پیارے! مجھے ابھی اپنا راگ شروع کرنے کا موقع نہیں ملا۔"

"بہرحال۔ . . کیا یہ لوگ فریزر میں آسانی سے سما سکتے ہیں؟"

"کیوں نہیں۔ . ."

"ٹھیک ہے، ان کی آئس کریم بنا کر رکھ دو۔ میں واپس آ کر اطمینان سے جائزہ لوں گا۔"

"تم بے فکر رہو، باس۔ . . میں۔ . ." اُوشان کا جُملہ ادھورا ہی رہ گیا کیوں کہ ڈک نے اس کے ہاتھ سے ریسیور کھینچ لیا۔

"بس کافی ہے۔" ڈک غرّایا۔ "اب تو تمہیں یقین آ گیا ہو گا کہ ہم نے اسے قابو میں کر رکھا ہے۔ اب یہ تم پر منحصر ہے کہ اسے زندہ دیکھنا چاہتے ہو یا مُردہ۔ اس شخص کو دیکھنا جو تم سے بڑے فلائی کا پاس ورڈ لے گا۔"

"ٹھیک ہے۔ مجھے یاد رہے گا۔" شہزاد نے کہا اور سلسلہ منقطع کر دیا۔

ڈک نے ریسیور رکھ دیا اور اپنے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہو کر اس نے ایک طویل سانس لی۔ . . . پھر وہ اُوشان کی طرف دیکھنے لگا جس کا چہرہ معمول سے کچھ زیادہ ہی زرد لگ رہا تھا۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے اس کے جسم میں خون کی ایک بُوند بھی موجود نہ ہو۔ ڈک نے اس کی طرف دیکھتے ہُوئے سخت لہجے میں کہا: "سنو بوڑھے۔ . ."

اُوشان نے جلدی سے ہاتھ اُٹھا دیا جیسے وہ اشارے سے اُسے خاموش رہنے کے لیے کہہ رہا ہو۔

"میرا خیال ہے، تمہیں اب مزید باتیں کر کے وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ میرا پسندیدہ ٹی۔ وی پروگرام شروع ہونے میں صرف پانچ منٹ باقی رہ گئے ہیں۔"

"بُرے میاں!" ڈک اتنی زور سے دھاڑا کہ اگر اُوشان کی جگہ اتنی عمر کا کوئی اور بُوڑھا ہوتا تو شاید اس خوف ناک دھاڑ سے اس کی حرکتِ قلب ہی بند ہو گئی ہوتی۔ "میں تم سے مذاق کرنے کے لیے یہاں نہیں آیا ہوں۔"

"میرا پسندیدہ پروگرام۔ . ." اُوشان نے کہا۔

اسی لمحے ڈک کا ہاتھ چل گیا۔ اس نے بڑی پھُرتی سے تھپّڑ مارا تھا لیکن اُوشان نے جس پھُرتی کا مظاہرہ کیا، ڈک کا تو وہ تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ اُوشان تیزی سے اُٹھا تھا عین اس وقت جب اس کا ہاتھ اُوشان کے رُخسار سے ٹکرانے والا تھا، اُوشان کے تلوے اُس جگہ سے بلند ہُوئے اور اس کے تلوؤں کے نیچے ہوا میں گھُوم کر رہ گیا۔

ڈک نے چونک کر اوپر دیکھا لیکن اُسے یُوں لگا جیسے کسی نے اس کے سر سے چھت کو اچانک ہی سرکا کر غائب کر دیا ہو۔ . . پھر اُسے صرف یہ احساس ہُوا تھا کہ کوئی چیز اس کے ماتھے سے ٹکرائی تھی اور اس تصادم نے اس کی گردن سے اُوپر کے حصّے کو ان گنت حصّوں میں تقسیم کر کے بکھیر دیا تھا۔

بغیر سر کی لاش فرش پر گر گئی۔

ویٹی نے ریوالور نکال لیا۔

اسمتھ حیرت اور خوف سے پھٹی پھٹی آنکھوں سے اُوشان کی طرف دیکھ رہا تھا جو ایک لمحے کے لیے کمرے میں، بغیر پَروں کے اُڑتا ہُوا دکھائی دیا تھا۔ اس کا بھُورا لبادہ ہوا میں پھڑپھڑایا۔

ویٹی نے فائر جھونک مارا۔

اُوشان جس جگہ تھا، وہاں سے گولی ہوا کو چیرتی ہُوئی دیوار میں جا کر پیوست ہو گئی۔ اُوشان دو لمحے قبل ہی اس جگہ سے ہٹ کر اس کی پُشت پر پہنچ چُکا تھا۔

ویٹی نے پلٹنے اور حملہ کرنے کی کوشش کی۔ . . لیکن اچانک اس کی پُشت سے دو سلاخیں سی جسم میں گھُس گئیں۔ اسمتھ کو یوں محسوس ہُوا جیسے اس کے ساتھی ویٹی کا جسم مُوم کا بنا ہُوا ہو جس میں اُوشان کی دونوں اکڑی ہُوئی اُنگلیاں آسانی سے پیوست ہو گئی تھیں۔

ویٹی کے حلق سے چیخ تک نہیں نکلی۔

وہ آہستہ آہستہ فرش تک پہنچا اور لیٹ گیا۔ یہ عمل نہایت آہستگی سے ہُوا تھا جیسے زمین کی کشش یکایک ختم ہو گئی ہو۔ . . یا پھر جسم اتنا ہلکا پھُلکا ہو گیا ہو کہ وہ فوری طور پر نہیں گر سکا۔

اُوشان نے اسمتھ کی طرف دیکھا۔

اسمتھ سیاہ فام تھا اور عقیدوں کی بڑی قدر کرتا تھا۔ اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ اُوشان درحقیقت وہ کچھ نہیں ہے جو دکھائی دیتا ہے۔ اس میں دیوتاؤں جیسی طاقت ہے حالانکہ اس کا جسم دیکھ کر ہر کوئی یہی سمجھتا کہ اُسے محض ایک پھونک مار کر اُڑایا جا سکتا ہے۔

اسمتھ آہستہ آہستہ آگے بڑھا۔ اس کی آنکھیں، اُوشان کی آنکھوں میں گڑ گئی تھیں اور وہ یوں سحر زدہ سا آگے بڑھ رہا تھا جیسے اُوشان اپنی آنکھوں کی طاقت سے اُسے اپنی طرف کھینچ رہا ہو۔ دو قدم کے فاصلے پر وہ رُک گیا۔

اُوشان اب بھی اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"تم اپنے ساتھیوں سے مختلف ہو۔" اُوشان نے نرمی سے کہا۔

اسمتھ چونک پڑا۔ اس کی آنکھوں میں ایک لمحے کے لیے اُمید کے چراغ روشن ہُوئے اور بُجھ گئے۔ اُوشان کے لہجے اور اس کے انداز میں بے حد تضاد تھا۔

"کیا تم ان بکھرے ہُوئے انسانی اعضا اور اس لاش کو اُٹھانے میں میری مدد کر سکتے ہو؟"

"بخوشی۔ . ." اسمتھ بڑبڑایا۔

اُوشان ڈیپ فریزر کی طرف بڑھ گیا۔

اس نے ڈھکن اُٹھا کر ڈیپ فریزر میں موجود چند چیزیں نکال دیں اور اسمتھ کو اشارہ کیا۔

اسمتھ کسی معمول کے سے انداز میں حرکت کرنے لگا۔ اس کی چال میں زندہ انسانوں جیسی بات نہیں تھی۔ اس کی آنکھیں غیر متحرک تھیں۔ چہرہ سُست پڑ گیا تھا اور ہونٹ جہاں جم گئے تھے، وہاں سے انہوں نے عنصیف سی بھی حرکت نہیں کی۔

وہ کمرے میں گھُومتا رہا۔

بکھری ہُوئی کھوپڑی کے ذرّات ڈیپ فریزر میں جمع ہوتے رہے۔ . . پھر بغیر سر کی لاش بھی وہیں پہنچ گئی۔ کمرہ صاف کرنے میں خاصا وقت لگ گیا۔

اُوشان اس دوران میں خاموش کھڑا رہا۔

اس کا ایک ہاتھ ڈیپ فریزر کے ڈھکنے پر۔ . . اور دوسرا کمر پر رکھا ہُوا تھا۔ جب اسمتھ کے دونوں مُردہ ساتھی فریزر میں پہنچ گئے تو اسمتھ نے اُوشان کی طرف دیکھا۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے معلوم کر رہا ہو کہ اس کے لیے مزید کیا حُکم ہے۔

"اب تم اطمینان سے یہاں لیٹ جاؤ۔" اُوشان نے نرمی سے کہا اور ڈیپ فریزر کی طرف اشارہ کیا۔

اسمتھ اس بار ذرا بھی نہیں ہچکچایا۔

اس کے چہرے پر اب سکون تھا۔

اس کی آنکھیں البتہ یہ ظاہر کر رہی تھیں کہ وہ ہر قسم کے احساس سے عاری ہو چُکا ہے۔ . . . غالباً وہ اپنے ساتھیوں کے انداز میں مرنا نہیں چاہتا تھا۔

وہ ڈیپ فریزر میں لیٹ گیا۔

"آنکھیں بند کر لو، میرے بچّے۔" اُوشان نے قبرائی ہُوئی آواز میں کہا۔ اسمتھ نے آنکھیں بند کر لیں اور اُوشان نے آہستہ آہستہ ڈیپ فریزر کا ڈھکنا بند کر دیا۔

5

میئر جانسن کی بیٹی اور سیکرٹری رینا چھ کروڑ کے ایک فلیٹ میں رہتی تھی۔ یہ اپارٹمنٹ اسّی منزلہ عمارت کے ٹاپ فلور پر واقع تھا۔ یہ شہر کی ایک بہترین عمارت تھی جہاں کم حیثیت لوگ رہنے کا صرف تصوّر ہی کر سکتے تھے ورنہ عملاً تو وہاں انہیں قدم رکھنے کی بھی اجازت نہیں تھی۔

جس وقت اُوشان کے اپارٹمنٹ میں ہنگامہ ہُوا تھا، اس وقت شہزاد رینا کے ساتھ میئر آفس میں موجود تھا۔ اس نے ڈک کی کال وہیں ریسیو کی تھی۔ . . اور پھر شہزاد، رینا کے ساتھ ڈنر کے لیے اس کے اپارٹمنٹ میں چلا آیا تھا۔

اُوشان کے سلسلے میں اُسے ذرا بھی تشویش نہیں تھی۔

وہ جانتا تھا کہ دو تین آدمی تو درکنار اگر پُوری مافیا تنظیم بھی اُوشان کو گھیرے میں لے لے تو بھی اُوشان کا بال تک بیکا نہیں ہو گا۔ . . اُسے اپنے اُستاد پر فخر تھا اور وہ جانتا تھا کہ اُوشان نے اس کی خواہش کے مطابق اپنے دُشمنوں کو ڈیپ فریزر میں ڈال دیا ہو گا۔

ڈنر کے بعد رینا نے اسکاچ کی بوتل کھول لی۔

شہزاد اس کا ساتھ دیتا رہا حالانکہ وہ عادتاً نہیں پیتا تھا۔ لُطف و لذّت کی یہ گھڑیاں تیزی سے بیت رہی تھیں۔ وہ اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے حتیٰ کہ رینا نے پوچھ لیا۔

"کبھی حکومت کی ملازمت کا بھی خیال آیا؟"

"تم سے ملاقات کے بعد مجھے کوئی خیال نہیں آیا۔"

"پھر بھی تم نے کبھی سوچا تو ہو گا؟"

"ہو سکتا ہے۔ . . لیکن شاید سنجیدگی سے نہیں۔"

"سنجیدگی سے تم کیا سوچتے ہو؟" رینا نے مخمور نظروں سے

اس کی طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"صرف ایک بات۔۔۔؟"

"وہ کیا؟" رینا کے لہجے میں تجسس تھا۔

یہی کہ جس عورت کے چہرے پر ان گنت جھریاں نہ ہوں وہ عورت نہیں ہوتی۔ اس کی مثال ایک ایسی رات جیسی ہے جس میں ستارے نہیں نکلتے۔"

رینا نے آنکھیں بند کرلیں۔ وہ دل ہی دل میں اپنی قسمت پر ناز کر رہی تھی۔ اس کے چہرے پر ایسے ان گنت تل تھے اور ان سے شدید نفرت کرتی تھی لیکن اُسے کیا معلوم تھا کہ دُنیا کا سب سے حسین اور مکمل مرد شہزاد ان جھُریوں کو اتنی اہمیت بھی دیتا ہوگا۔

"میرا خیال ہے، میں تمہارے لیے کسی بہترین کام کا بندوبست کر سکتی ہوں۔ کچھ دیر بعد خیالوں کی دُنیا سے باہر آتے ہوئے رینا نے کہا۔ آخر تم اس گھٹیا سے میگزین کا کام کر کے ماہانہ کیا کما لیتے ہو گے؟"

"آٹھ نو ہزار سالانہ۔۔۔"

"کسی کی نگاہوں میں آئے بغیر تم اٹھارہ ہزار کما سکتے ہو۔"

"وہ کیسے؟ کیا رائل اسٹڈبن کر؟"

"میرے لیے کام کرو گے۔۔۔ میں جو کچھ بھی کہوں، بس خاموشی سے وہی کچھ کرتے رہو۔"

"مجھے افسوس ہے، میں عورتوں کی ملازمت پسند نہیں کرتا۔ یہ میرے لیے ذلت کی بات ہے۔"

"بکواس مت کرو۔ تم جو کچھ کر رہے ہو، اس کا کوئی مستقبل نہیں ہے۔" رینا نے ناگواری سے کہا۔

"مثال کے طور پر، میں کیا کر رہا ہوں؟"

"اِدھر اُدھر گھوم پھر کر لوگوں کی بے عزتی کرنا، کوئی نہ کوئی مصیبت مول لیتے پھرنا۔۔۔ اور لوگوں کو پریشان کرنا۔"

"یہ میری فطرت ہے، پیشہ نہیں۔" شہزاد نے تاؤ دلانے والی مُسکراہٹ ہونٹوں پر طاری کرتے ہوئے کہا۔۔۔ اور پھر وہ یکایک بے حد سنجیدہ نظر آنے لگا۔ "تم احمق منشیات فروش لڑکی! کیا تم یہ سمجھتی ہو کہ مجھے خرید لو گی؟"

وہ جانے کے ارادے سے اُٹھ کھڑا ہوا۔

رینا نے اُسے تین بار معاوضہ بڑھا بڑھا کر ملازمت کی پیش کش کی لیکن ہر بار شہزاد کا جواب نفی میں ہوتا۔۔۔ وہ دروازے کی طرف چلتے چلتے بولا۔ "اچھا ہنی! کل ملاقات ہوگی۔"

رینا نے زیرِ لب کچھ کہا جسے شہزاد نہ سُن سکا۔

اس نے دروازے میں رُک کر پلٹتے ہوئے رینا کی طرف دیکھا جس کی آنکھوں میں رحم کے جذبات تھے۔ شہزاد تضحیک آمیز انداز میں ہنس پڑا۔

دروازہ کھول کر وہ اپارٹمنٹ سے نکل آیا۔

رینا جہاں کھڑی تھی، وہیں بے حس و حرکت کھڑی رہی۔

وہ دروازے کی طرف ایسی نظروں سے دیکھ رہی تھی جیسے وہاں کچھ کھو گیا ہو۔۔۔ اور وہ اُسے ڈھونڈ رہی ہو۔

"تم اب کبھی مجھ سے نہیں ملو گے۔۔۔ تم اب کسی سے نہیں مل سکو گے۔۔۔ بدنصیب نوجوان۔۔۔ کاش تم نے میری بات مان لی ہوتی۔" وہ بڑبڑاتی رہی۔۔۔ پھر اس نے دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپا لیا۔

□

مسٹر گاسو کو قتل و غارت گری کے نئے نئے انداز اختیار کرنے کے علاوہ صرف ایک چیز سے دلچسپی تھی۔ وہ کروشیے سے بُنائی کا کام کرتا تھا۔ اس کام میں اُسے بے پناہ مہارت تھی اور وہ آنکھیں بند کر کے مشکل ترین ڈیزائن بُن سکتا تھا۔

کروشیے سے بُنائی کا کام عموماً وہ ان لمحوں میں کیا کرتا تھا، جب اُسے کسی معاملے پر سوچنا ہوتا۔۔۔ آج بھی وہ سوچ رہا تھا۔۔۔ میگزین رائٹر شہزاد کے بارے میں۔۔۔ لیکن اس کے کروشیے کی حرکت اور سوچنے میں ہم آہنگی پیدا نہیں ہو رہی تھی۔

اس نے شہزاد کے بارے میں سوچنے سے پہلے ایک نئے قسم کے ڈیزائن کا خاکہ اپنے ذہن میں ترتیب دیا تھا۔۔۔ لیکن کروشیے کی حرکت بار بار متاثر ہو جاتی تھی اور ڈیزائن خراب ہو جاتا تھا۔

وہ اب تک کئی بار کوشش کر چکا تھا۔

ہر کوشش ناکامی سے ہمکنار ہو رہی تھی۔

ناکامی کے اس احساس نے اُسے دیوانگی کی حد تک غصّے میں مبتلا کر دیا تھا۔۔۔ اور مسٹر گاسو کے بارے میں یہ بات مشہور تھی کہ وہ جب بھی ذہنی طور پر غیر متوازن ہو جاتا ہے تو ہر قریبی شخص کو اپنے بارے میں فوراً فکرمند ہو جانا چاہیے۔۔۔

وہ ایک عمارت کے ویران کمرے میں بیٹھا ہوا تھا۔

اس کے سامنے ایک پُرانی میز تھی۔

یہ عمارت متروک تھی اور وہ یہاں صرف اہم ترین کام نمٹانے کے لیے آیا تھا۔ اس عمارت کے نچلے حصّے میں صرف ایک پُرانی سی کار کھڑی تھی۔ وہ اسی کار میں یہاں آیا تھا۔

مسٹر گاسو نے ایک بار پھر اس ڈیزائن کو مکمل کرنے کی کوشش کی لیکن اس میگزین رائٹر کا خیال ذہن پر اس قدر حاوی تھا کہ وہ شاید اس وقت کوئی بھی کام مکمل نہیں کر سکتا تھا۔

اس نے کروشیا اور تاگے کا گولہ میز پر پھینک دیا۔

اس کے جبڑے غصّے کی زیادتی سے بھنچ گئے تھے۔

رخساروں کی ہڈیاں نمایاں ہو گئی تھیں۔

وہ اپنے نامکمل ڈیزائن کو مایوسی سے گھورتا ہوا سوچ رہا تھا کہ اس میگزین رائٹر سے خوب اچھی طرح نمٹ لے گا جس نے ڈمونی کو خوف و ہراس میں مبتلا کر دیا تھا۔۔۔ شہزاد کو قتل کرنے کے خیال سے اس کا دورانِ خون تیز ہو گیا اور پھر اس کے ہونٹوں پر وہی مخصوص مسکراہٹ اُبھر آئی جو اس قسم کا خیال ذہن میں پیدا ہوتے ہی اس کے ہونٹوں پر نمودار ہو جاتی تھی۔

مسٹر گاسو نے سوچا کہ پہلے تو وہ اس میگزین رائٹر سے دریافت کرے گا کہ وہ کس کی ایما پر کام کر رہا ہے۔ سب کچھ معلوم کرنے کے بعد شہزاد سے دریافت کرے گا کہ اس کے وہ تین آدمی کہاں غائب ہو گئے جنہیں اس بوڑھے ملازم سے بازپرس کے لیے بھیجا تھا۔۔۔ ڈک، ڈینی اور اسمتھ کے بارے میں معلوم کرنے کے بعد وہ اُسے قتل کر دے گا۔

یہ سوچتے ہوئے اس نے اپنے قاتل ہاتھوں کو آپس میں شدت سے رگڑ ڈالا۔ وہ جانتا تھا کہ کروشیے کا جو ڈیزائن اس کے سامنے نامکمل پڑا ہے، شہزاد سے نمٹنے کے بعد وہ اسے بآسانی ادھورا کر ڈالے گا۔ یہ سوچتے وقت اس کے ہونٹوں پر چھائی ہوئی مسکراہٹ مزید گہری ہو گئی۔

وہ چونک پڑا۔ اسے یکایک دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی تھی۔

"مسٹر گاسو۔۔۔ مسٹر گاسو۔۔۔" کسی نے اُسے پکارا۔

یہ ڈیلی کی لرزتی ہوئی آواز تھی۔

گاسو جلدی سے اُٹھ کھڑا ہوا۔

ڈیلی کی آواز سنتے ہی وہ سمجھ گیا تھا کہ اسے جس کام کے لیے بھیجا گیا تھا، وہ اُسے مکمل کر کے آ گیا ہے۔ ڈیلی اس کمرے کے دروازے سے اندر آ گیا جس میں وہ موجود تھا۔ مسٹر گاسو پر نگاہ پڑتے ہی اس نے جلدی سے کہا۔

"ہم اسے پکڑ کر لے آئے ہیں، مسٹر گاسو!"

مسٹر گاسو نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ وہ صرف اسی انداز

میں کسی کی تعریف کرنے کا عادی تھا۔۔۔ اس کی نگاہ ڈیلی کے عقب میں آنے والے دو آدمیوں پر بھی ہوئی تھی۔

شہزاد کی پُشت سے اسٹیو نے اپنا ریوالور لگا رکھا تھا اور دونوں آگے پیچھے چلتے ہوئے کمرے میں آ گئے تھے۔ مسٹر گاسو نے گہری نگاہ سے اس جوان کو دیکھا جس سے اُسے معلومات حاصل کرنی تھی اور بعد میں جسے قتل کر دینا تھا۔

شہزاد اور اس کی پُشت سے ریوالور لگائے ہوئے اسٹیو جیسے ہی کمرے میں داخل ہوئے، ڈیلی نے جلدی سے دروازہ بند کر کے مقفل کر دیا۔

"آپ نے اُسے بلا بھیجا یہاں بُلوا بھیجا، مسٹر گاسو۔" ڈیلی کے ساتھی اسٹیو نے مسکرا کر کہا۔ "اگر آپ حکم دیتے تو میں اسے دو منٹ کی میں ہلاک کر کے پھینک آتا۔ یہ تو بہت ہی آسانی سے ہاتھ لگ گیا۔"

مسٹر گاسو کی تمام تر توجہ شہزاد مائیگر پر تھی۔ اس نے اسٹیو کی بات کو نظر انداز کر دیا تھا۔

شہزاد کے انداز میں وقار تھا۔ وہ اس ویران عمارت کے اس سنسان کمرے کو دیکھ رہا تھا۔ فرش، دیواریں اور چھت کو کھودنے کے بعد اس نے وضاحت طلب نگاہوں سے مسٹر گاسو کی طرف دیکھا۔ "کیا تم یہ عمارت کرائے پر اُٹھانا چاہتے ہو؟"

"شٹ اپ!" اسٹیو غرایا۔

ڈیلی کا منہ حیرت سے کھُل گیا۔ وہ جانتا تھا کہ دُنیا کا کوئی بھی شخص مسٹر گاسو کا مذاق نہیں اُڑا سکتا۔

"اس میں ناراض ہونے کی کیا بات ہے۔" شہزاد نے مسکرا کر اسٹیو سے کہا جس نے اس کی کمر پر ریوالور کا دباؤ بڑھا دیا تھا۔ "میں تو یہی سمجھا تھا کہ شاید تم لوگ زبردستی یہ عمارت مجھے کرائے پر دینے کے لیے پکڑ لائے ہو۔"

مسٹر گاسو کے ہونٹوں پر خوفناک مُسکراہٹ اُبھر آئی۔

وہ شہزاد کی اس جرأت مندی پر خوش ہوا تھا کیوں کہ اُسے دلیر آدمیوں سے محبت تھی۔ ایسے لوگ آسان شکار نہیں ہوتے اس لیے انہیں شکار کر کے ہی اُسے صحیح لُطف آتا تھا۔

"تم کس انداز میں مرنا پسند کرو گے؟" مسٹر گاسو نے سرسراتی ہوئی آواز میں دریافت کیا۔

"مجھے آخر کسی بھی انداز میں مرنے کی کیا ضرورت ہے؟" شہزاد نے مضحکہ اُڑانے والے انداز میں کہا۔ "ویسے تم ایک حسین نوجوان ہو۔۔۔ اور میں کسی بھی حسین قاتل کے ہاتھوں آسانی سے

مرجانا پسند کرو گی۔ اگر تم مجھے ایک بات کا جواب دے دو تو شاید میں اپنی موت کے انداز کا بھی تعین کرنے پر آمادہ ہو جاؤں۔"

"وہ کیا بات ہے؟" مسٹر گاسو کی مسکراہٹ مزید خوفناک ہو گئی۔ اس بار اُس کا لہجہ بھی کاٹ دار تھا۔

"کیا تم نے کبھی کوئی ایسی عورت دیکھی ہے، جس کے چہرے پر اَن گنت بھورے بھورے بل ہوتے ہیں؟"

مسٹر گاسو نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"بہت خوب۔" شہزاد نے خوش دلی سے قہقہہ لگا کر کہا۔ "اب جلدی سے یہ بھی بتا دو کہ اگر کسی عورت کے چہرے پر ایسے بھورے بل نہ ہوں وہ کیسی ہوتی ہے؟"

اس بار مسٹر گاسو نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"نہیں معلوم؟" شہزاد نے چونک کر کہا۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے اُسے مسٹر گاسو کی ہٹ دھرمی اور کم فہمی کا ملال ہو۔ "خیر..." اُس نے بے پروائی سے کندھے اُچکا دیے۔ "تم نہیں جانتے تو میں بتا دیتا ہوں۔ ایسی عورت کی مثال ایک ایسی رات جیسی ہوتی ہے جس رات کو ستارے نہیں نکلتے۔"

ویلی کے ساتھ ساتھ اب اسٹیو کا جسم بھی ٹھنڈے ٹھنڈے پسینے میں بھیگنے لگا تھا۔ اُنہوں نے آج تک کسی کو مسٹر گاسو سے اس انداز میں گفتگو کرتے نہیں دیکھا تھا۔ ان دونوں کے دل میں ایک ہی خواہش تھی کہ کاش مسٹر گاسو اُنہیں جانے کی اجازت دے دے کیوں کہ وہ اس میگزین رائٹر کا حشر دیکھنے کی تاب نہیں رکھتے تھے۔ اُنہیں اندازہ تھا کہ مسٹر گاسو عنقریب اس نوجوان کے ساتھ کیا سلوک کرنے والا ہے۔

"ٹھیک ہے، ویلی..." مسٹر گاسو نے کہا۔ "اب تم گھر واپس جا سکتے ہو۔ تم نے واقعی ایک کارنامہ سرانجام دیا ہے۔ مجھے اس پاگل کے ساتھ اب تنہا چھوڑ دو۔"

وہ دونوں تیزی سے رخصت ہو گئے۔

شہزاد کے ہونٹوں پر اب مسکراہٹ کھیلنے لگی تھی اچانک اُس کی نگاہ میز پر رکھے ہوئے تاگے کے گولے اور کروشیے پر پڑ گئی تو وہ چونکے بنا نہیں رہ سکا۔ اُس نے لپک کر دونوں چیزیں میز سے اُٹھا لیں۔

"اوہ، تم کروشیے کا کام بھی جانتے ہو؟" شہزاد نے کہا۔

"بہت خوب... واقعی یہ ایک فہانت آمیز مشغل ہے۔ ارے..." شہزاد ایک بار پھر چونک پڑا۔ اُس نے پہلی بار مسٹر گاسو کی گہری نگاہ سے جائزہ لیا تھا... مسٹر گاسو بے پناہ حسین چہرے کا مالک تھا لیکن گردن سے لے کر ٹخنوں تک اُس کے جسم پر سیاہ گھنے بال تھے۔ یہ بال اتنے بڑے اور اتنے سیاہ تھے کہ شہزاد کی حیرت بھی جگا بیٹھی۔ اس قسم کے بال تو کسی ریچھ، ہی کے جسم پر دکھائی دیتے ہیں۔

"کیا تم نے پورے جسم پر یوگ پہن رکھی ہے؟" شہزاد نے اس بار حیرت زدہ ہونے کی بے مثال اداکاری کی تھی۔ "بتاؤ یار۔ تم نے پورے جسم کی یہ یوگ کہاں سے بنوائی ہے۔ بتا دو، میں کسی کو نہیں بتاؤں گا۔"

"ویلی..." مسٹر گاسو کی دھاڑ کمرے میں گونج اُٹھی۔ اسٹیو اور ویلی ابھی کمرے سے زیادہ دُور نہیں گئے تھے ویلی اس کی آواز سُن کر دوڑتا ہوا واپس آ گیا۔

"کیا بات ہے، مسٹر گاسو؟" اُس نے ہانپتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں یقین ہے کہ یہ شخص واقعی پاگل نہیں ہے؟"

"یہ پاگل نہیں ہے، مسٹر گاسو... باس نے اسی کے بارے میں مجھے ہدایات دی تھیں۔"

"کیا تم نے اس کی تلاشی لے لی تھی؟"

"جی ہاں... اُس کے پاس کوئی ہتھیار نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے! اب تم جا سکتے ہو۔ میں اس مسخرے سے ابھی نمٹ لیتا ہوں۔" مسٹر گاسو نے کہا اور ویلی تیزی سے دروازے کی طرف دوڑ پڑا جیسے ہی دروازہ بند ہوا مسٹر گاسو نے شہزاد کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "بتاؤ تمہیں کس نے بھیجا ہے؟"

شہزاد خاموش رہا۔

مسٹر گاسو نے دروازہ اندر سے مقفل کر کے چابی شہزاد کو دکھاتے ہوئے کہا۔ "یہ تالہ اس چابی سے کھلتا اور بند ہوتا ہے۔ اگر تم اسے مجھ سے حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاؤ۔ تو یہاں سے واپس جا سکو گے ورنہ نہیں..." یہ کہتے ہوئے اُس نے چابی کو اپنی جیب میں رکھ لیا۔

"میں اسے حاصل نہیں کروں گا۔"

"پھر کیا ہو گا؟"

"تم یہ چابی خود ہی مجھے دے دو گے۔"

"وہ کیوں؟" مسٹر گاسو نے مسکرا کر پوچھا۔

"اس لیے کہ میں تمہیں تکلیف دینا ختم کر دوں۔"

مسٹر گاسو کے قہقہے سے کمرے کے در و دیوار تک گونج اُٹھے... اور جیسے ہی قہقہہ ختم ہوا، وہ تیزی سے آگے بڑھا اور پھر اُس نے شہزاد کو دونوں بازوؤں سے جکڑ لیا۔

"پہلے تو میں تمہاری چند ہڈیوں کو پیس ڈالوں گا۔" مسٹر گاسو نے درندگی سے بھرپور لہجے میں کہا۔ "اس کے بعد میں... تمہاری کھال یوں اُتاروں گا جیسے نارنگی کا چھلکا آسانی سے اُتارا جاتا ہے۔"

شہزاد نے اُس کی طاقت کو محسوس کیا اور دل ہی دل میں اس کی تعریف کیے بغیر نہ رہ سکا۔ مسٹر گاسو واقعی غیر معمولی طاقت کا مالک تھا۔ اگر شہزاد کی بجائے کوئی اور اس گرفت میں ہوتا تو واقعی مسٹر گاسو کا دعوا درست ثابت ہو سکتا تھا۔

مسٹر گاسو نے شہزاد کی گُدی پر دونوں ہاتھوں کی... اُنگلیوں کو آپس میں اُلجھا لیا۔ اب گویا شہزاد اُس کے بازوؤں کے حصار میں مقفل ہو گیا تھا۔

شہزاد نے آہستہ آہستہ اپنے عضلات کو اُکڑانا شروع کر دیا...

مسٹر گاسو نے ایک جھٹکا مارا۔

اس وقت تک شہزاد کا جسم پتھر کا ہو چکا تھا۔ اب مسٹر گاسو کتنی طاقت پیدا کر لیتا، تب بھی شہزاد کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا تھا۔ شہزاد جانتا تھا کہ اس پر جتنی قوت آزمائی گئی ہے، یہ کسی عام آدمی کو نہ صرف بے ہوش کرنے کے لیے بلکہ اس کی چند پسلیاں تک توڑنے کے لیے کافی ہے۔

شہزاد آہستہ آہستہ اپنے ہاتھ عقب میں لے گیا۔

اُس نے مسٹر گاسو کی بالوں سے بھری ہوئی کلائیوں کو جکڑ لیا۔ جیسے ہی مسٹر گاسو کی کلائیوں پر اُس کی گرفت مضبوط ہوئی، شہزاد نے ذہن کو خالی کرنا شروع کر دیا حتیٰ کہ صرف ایک ہی خیال اور احساس باقی رہ گیا کہ اُس نے مسٹر گاسو کی دونوں کلائیوں کو جکڑ رکھا ہے۔ اس صورتِ حال میں پہنچتے ہی اُس نے مسٹر گاسو کی کلائیوں پر دباؤ ڈال کر اُنہیں الگ کرنا شروع کر دیا۔

مسٹر گاسو کو ایک جھٹکے کے لیے یوں محسوس ہوا جیسے اُس کی اُنگلیوں میں چکناہٹ پیدا ہو گئی ہے... پھر اُس کی اُنگلیاں پھسلنے لگیں۔ اُس نے شہزاد کو دونوں بازوؤں میں جکڑ کر عقب میں اُنگلیاں ایک دُوسری میں اُلجھا لی تھیں اور اُسے یقین تھا کہ دُنیا کا کوئی بھی شخص اس گرفت کو ختم کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتا... لیکن یہ میگزین رائٹر بازوؤں کے اس حصار کو توڑنے میں کامیاب ہو رہا تھا۔

ایسا پہلے تو کبھی نہیں ہوا؟

اُس نے حیرت سے سوچا۔

اُنگلیوں کو پھسلتے محسوس کر کے مسٹر گاسو کے حلق سے ایک خوفناک غراہٹ نکلی اور اُس نے جکڑ بندی کو ایک بار پھر برقرار رکھنے کے لیے جدوجہد کی... لیکن شہزاد اطمینان سے اُس کے بازوؤں کو پھیلانے میں مصروف تھا... یوں لگ رہا تھا جیسے یہ عمل کسی انسانی طاقت کے ذریعے نہیں بلکہ مشین سے ہو رہا ہو... شہزاد اس کے بازوؤں کو جُدا کر رہا تھا۔

پہلے تو اُس کی اُنگلیوں کی جکڑ بندی ختم ہوئی... پھر اس کے بازو شہزاد کے پہلوؤں میں آ گئے... اور پھر مسٹر گاسو کے اپنے کندھوں کی سطح کے برابر پھیلنے لگے۔

مسٹر گاسو نے دیوانہ وار کوشش کی کہ یہ گرفت ایک بار پھر قائم ہو جائے... لیکن اُسے کامیابی نہ ہو سکی... پھر اُسے ایک اور احساس ہوا کہ شہزاد اب اُس کے بازوؤں کو باہر کی جانب کھینچ رہا ہے۔ اُسے اپنے کندھوں کے جوڑوں میں تکلیف کا احساس ہونے لگا۔

جیسے ہی کندھوں میں تکلیف شروع ہوئی، مسٹر گاسو کو محسوس ہو گیا کہ اس کے ریشے بازو کو کندھے سے منسلک رکھنے میں ناکام ہوتے جا رہے ہیں۔

اُس کے بازو کندھوں سے نکل رہے تھے۔

تکلیف شدید ہو گئی۔

مسٹر گاسو زندگی میں پہلی بار تکلیف سے چیخ پڑا۔

اس چیخ میں بے پناہ اذیت تھی۔ اگر یہ چیخ کسی کمزور دل شخص کو سُنائی دے جاتی تو یقیناً اس کا جسم ردِ عمل کے طور پر سرد پڑ گیا ہوتا۔ اس سے پہلے بھی مسٹر گاسو کئی بار چیخا تھا لیکن ہر چیخ خوشی، فتح یا دیوانگی کے تاثر سے بھرپور ہوتی تھی جب کہ اس چیخ میں جسمانی اور ذہنی دونوں طرح کی اذیت تھی۔

... لیکن یہاں اس کی چیخیں سُننے والا صرف ایک ہی شخص تھا... شہزاد ٹائیگر... اور ٹائیگر کا دل اُس کے لیے ہمدردی کے جذبات محسوس نہیں کر سکتا تھا۔

ویلی نے مُسکرا کر اپنے ساتھی اسٹیو کی طرف دیکھا۔

"اس مسخرے نے مسٹر گاسو سے جیسی باتیں کی تھیں، ان کے بعد اس کی چیخیں سُن کر مجھے تو ذرا بھی تعجب نہیں ہو رہا ہے۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو یہ نوجوان واقعی احمق ہے۔"

ویلی نے اپنی کار اسٹارٹ کر دی۔ عمارت کی بالائی منزل سے سنائی دینے والی اس چیخ نے انہیں بتا دیا تھا کہ اوپر کسی کا جسم بے پناہ اذیت کا شکار ہو چکا ہے... کار اسٹارٹ کر کے ویلی نے اسے پوری رفتار سے آگے بڑھا دیا۔ وہ جانتا تھا کہ اسے صبح ہوتے ہی واپس آ کر اس بدنصیب نوجوان کی لاش کو اٹھا کر ٹھکانے لگانا پڑے گا...

مسٹر گاسو کے شکاروں کو عموماً وہ خود ہی ٹھکانے لگایا کرتا تھا لیکن اس ویران عمارت میں پائی جانے والی لاشوں کی ذمے داری ویلی پر تھی اس لیے وہ جانتا تھا کہ اسے صبح واپس آ کر پاگل میگزین رائٹر کی تجہیز و تکفین کا بھی بندوبست کرنا ہے۔ اس لیے وہ ہر ممکن تیز رفتاری سے کار کو ویران سڑک پر دوڑاتا چلا جا رہا ہے۔

انسان کے جسم میں دو سو چھ ہڈیاں ہوتی ہیں۔ یہ ایک ایسی حقیقت تھی جس کا ڈمونی کو بہت اچھی طرح سے علم تھا۔

چونکہ مسٹر گاسو بھی ایک انسان ہی تھا اس لیے اس کی ہڈیوں کی تعداد بھی دو سو چھ ہی ہو سکتی تھی... اور ان ہڈیوں میں سے ہر ہڈی ٹوٹ چکی تھی۔

ڈمونی کوئی مذہبی آدمی نہیں تھا لیکن وہ ہر اتوار کو گرجے ضرور جایا کرتا تھا... بالکل اسی طرح جیسے وہ اپنے دفتر جایا کرتا تھا۔ گرجے جانا بھی اس کے نزدیک ایسا ہی فرض تھا جیسے وہ ایک طرح سے لیڈر تھا۔ اس لیے وہ سوچتا کہ اسے کسی لیڈر ہی کے انداز میں زندگی گزارنی چاہیے۔ چاہے وہ باطنی طور پر کچھ بھی رہا ہو۔ بظاہر وہ بے حد مذہبی اور خدا کا نیک بندہ ثابت کرنے کی ہر ممکن کوشش ضرور کرتا تھا... اس کے باوجود کہ وہ کوئی مذہبی آدمی نہیں تھا لیکن جب اس نے مسٹر گاسو کی لاش دیکھی تو وہ اپنے سینے پر کراس کا نشان بنائے بغیر نہ رہ سکا۔

مسٹر گاسو کی لاش... لیکن اسے لاش نہیں کہا جا سکتا کیوں کہ وہ مکمل مُردہ جسم نہیں تھا۔ یہی جسم پندرہ گھنٹے قبل ٹھوس تھا اور لوگ اس کا نام سنتے ہی کانپ جایا کرتے تھے... اب اس کا انجام دیکھ کر بڑے بڑے دل گردے کے لوگوں کا پتہ پانی ہو سکتا تھا۔

وہ ہڈیوں اور گوشت کا ملغوبہ سا تھا۔ اگر چٹنی کبھی انسانی شکل و صورت اختیار کرے تو اسے مسٹر گاسو کی لاش سے تشبیہ دی جا سکتی ہے... اور یہ انسانی ہڈیوں اور گوشت کا ملغوبہ ایک تھیلے میں بند کر کے اس کمرے میں رکھا ہوا تھا جہاں ڈمونی کا کارندہ ویلی، شہزاد کی لاش لینے آیا تھا۔

مسٹر گاسو کے بازو گولائی میں پائے گئے۔

ایک جگہ سے... نہیں دو جگہوں سے... نہیں بلکہ متعدد جگہوں سے ان بازوؤں کو توڑ ڈالا گیا تھا۔ بازوؤں میں ہڈی کی سختی کسی بھی مقام پر محسوس نہیں کی جا سکتی تھی۔ بالکل یہی حالت اس کی ٹانگوں کی تھی اور کچھ ایسا ہی حال پسلیوں کا تھا... یوں لگتا تھا جیسے کسی شخص نے اس کی ہر ہڈی کو متعدد مقامات سے توڑ ڈالا ہو اور توڑتے وقت اس بات کا خیال رکھا ہو کہ کوئی بھی ہڈی، خواہ وہ کتنی ہی چھوٹی کیوں نہ ہو، سلامت نہ رہنے پائے۔

لاش میں سب سے خوفناک چیز وہ کروشیا تھا جو مسٹر گاسو کی پیشانی میں کسی اینٹینا کی طرح لگا ہوا تھا۔ یہ کروشیا ماتھے میں تین انچ کے قریب پیوست تھا۔ ہڈی میں گھس کر کروشیا کی نوک مسٹر گاسو کے دماغ تک جا پہنچی تھی...

اسی دماغ تک جسے شدید ہیجان سے روکنے کے لیے وہ کروشیے سے بنائی کا کام کیا کرتا تھا۔

ڈمونی حیران تھا کہ کروشیا اس کی پیشانی میں کیسے پیوست ہو سکتا ہے؟ وہ اس طاقت کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا جس سے کروشیے کو مسٹر گاسو کی پیشانی میں پیوست کیا گیا تھا۔

مسٹر گاسو بے لباس تھا... لیکن نہیں، اس کے جسم کے پوشیدہ حصوں پر کروشیے سے کڑھا ہوا جال پڑا تھا... وہی جال جسے مسٹر گاسو، شہزاد کی آمد سے قبل بُننے میں مصروف تھا۔

ڈمونی اگر مسٹر گاسو کا چہرہ نہ پہچان لیتا تو شاید وہ لاش کو شناخت بھی نہ کر پاتا کیونکہ مسٹر گاسو کے جسم پر کسی بچھو جیسے بال تھے اور اب اس کے جسم پر ایک بھی بال دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ کسی نے اس کے پورے جسم کا بھیجہ کاٹ دیا تھا۔ ڈمونی نے ایک بار پھر سینے پر کراس بنایا۔

ویلی اس کے پہلو میں کھڑا تھر تھر کانپ رہا تھا۔

اسی نے مسٹر گاسو کی لاش دریافت کی تھی۔ صبح جب وہ اپنی دانست میں میگزین رائٹر کی لاش ٹھکانے لگانے کے ارادے سے یہاں آیا تو اسے ایک تھیلا دکھائی دیا... تھیلے میں لاش ٹھنسی ہوئی تھی۔ اس نے مسکرا کر تھیلا کھولا لیکن لاش کے چہرے پر نگاہ پڑتے ہی اس کی گھگھی بندھ گئی تھی۔

وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ مسٹر گاسو کا انجام اس قدر بھیانک بھی ہو سکتا ہے۔ اس نے فوری طور پر ڈمونی کو اطلاع دی تھی اور وہ دوڑا دوڑا وہاں چلا آیا تھا... اور یہاں آ کر اس نے جو کچھ دیکھا، اسے دیکھ کر وہ بری طرح خوف زدہ ہو گیا تھا۔

اسے بار بار اسکوبی کے الفاظ یاد آ رہے تھے کہ اس کی بیٹی نے ایک خواب دیکھا ہے جس کے مطابق ڈمونی تباہی کے دیوتا کے خلاف کام کر رہا ہے۔ مسٹر گاسو کی موت جس انداز میں واقع ہوئی تھی، وہ کسی انسانی ہاتھوں کا نہیں، بلکہ تباہی کے کسی دیوتا ہی کے ہاتھوں کا شکار ہو سکتا تھا۔

وہ لاش کو ٹھکانے لگانے کا حکم دینے کے بعد سیدھا گرجے گیا جہاں دیر تک وہ دل کو سکون پہنچانے والی دعائیں مانگتا رہا... پھر اس نے نگاہ اٹھا کر مسیح کی تصویر کی طرف دیکھا اور اس کے روبرو گھٹنے ٹیک کر کھڑے ہو گئے۔

وہ تھر تھر کانپ رہا تھا۔

اس کا حلق خشک ہونے لگا اور ایک چیخ اس کے حلق ہی میں گھٹ کر رہ گئی۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے آنکھوں کو ڈھانپ لیا اور اس کا ذہن تاریکی میں ڈوبتا چلا گیا۔

☆☆☆

تاریکی ہر گزرتے ہوئے لمحے کے ساتھ بڑھتی ہی جا رہی تھی۔

اس اندھیرے میں ان گنت میلوں لمبے بے حد سمندر کی بپھری ہوئی لہروں کی طرح چاروں طرف سے ڈمونی کو اپنی طرف بڑھتے محسوس ہو رہے تھے۔ وہ کوئی توہم پرست آدمی نہیں تھا... لیکن کچھ دیر قبل اس نے جب مسیح کی مورتی کی طرف دیکھا تھا تو وہ مورتی اسے زندہ محسوس ہوئی تھی... صرف زندہ ہی نہیں بلکہ قہر و غضب کی علامت بنی ہوئی، اسے اپنی طرف بڑھتی نظر آئی تھی۔

ایک بار پھر اسکوبی کے الفاظ اسے اپنے ذہن میں گونجتے ہوئے محسوس ہوئے۔ وہ تھر تھر کانپ رہا تھا۔ ایک مرتبہ پھر ڈمونی کے ذہن میں مسٹر گاسو کی لاش گھوم گئی۔

مسٹر گاسو کی موت جس انداز میں واقع ہوئی تھی، اسے

دیکھ کر پتہ چلتا تھا کہ وہ کسی انسانی ہاتھ سے نہیں بلکہ واقعتہً قہر کے دیوتا کے ہاتھوں ہلاک ہوا ہے۔ ہر ہڈی کو متعدد مقامات سے توڑ ڈالا گیا تھا اور یوں لگتا تھا جیسے توڑتے وقت قہر کے دیوتا نے اس بات کا خیال رکھا ہو کہ کوئی ہڈی، خواہ وہ کتنی ہی چھوٹی کیوں نہ رہی ہو، سلامت نہ رہنے پائے۔

ڈمونی نے دونوں ہاتھوں سے سر کو تھام لیا۔

وہ ایک ذہین اور مضبوط دل کا آدمی تھا۔

وہ خود کو سنبھالنے میں کامیاب ہو گیا لیکن مسٹر گاسو کی لاش کو ذہن سے کھرچ کر پھینکنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ اس کے ساتھ ہی اس میگزین رائٹر کا چہرہ بھی ڈمونی کے ذہن میں گھومنے لگا۔

اس نے ایک جھرجھری لے کر آنکھیں کھول دیں۔

ڈرتے ڈرتے مسیح کی شبیہہ کی طرف دیکھا۔

شبیہہ خاموش اور بے حرکت تھی۔

اس نے ایک طویل سانس لی اور پیشانی سے پسینہ پونچھ کر ادھر ادھر دیکھا۔ اسے یہ محسوس کر کے مزید اطمینان ہوا کہ کوئی اس کی طرف متوجہ نہیں ہوا تھا۔

پادری مناجات میں مصروف تھا اور لوگ گردنیں جھکائے سن رہے تھے۔ ڈمونی نے دل ہی دل میں خود کو اطمینان دلایا کہ وہ خود کو بروقت سنبھالنے میں کامیاب ہو گیا تھا... ورنہ اگر وہ محض ایک وہم سے خوف زدہ ہو کر چیخ پڑتا تو اس وقت تماشا بنا ہوا ہوتا... اور پھر شاید وہ کسی کو منہ دکھانے کے بھی قابل نہ رہ جاتا۔

وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

چند لمبی لمبی سانسیں لینے کے بعد وہ تیزی سے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ دروازے سے نکلتے وقت اس نے سنا۔ پادری کوئی آیت دہرا رہا تھا۔ نہ جانے کیوں، وہ برائی کو کچل کر رہے گا... چاہے برائی کتنی ہی مضبوط اور طاقتور کیوں نہ ہو۔

ڈمونی نے پلٹ کر دیکھا۔

پادری اس کی طرف متوجہ نہیں تھا بلکہ وہ اپنی ہی جھونک میں پڑھتا جا رہا تھا۔

ڈمونی کے دل و دماغ میں آگ سی لگ گئی۔

وہ دروازے سے نکلا تو اس پر آندھی کے کسی جھکڑ کا گمان ہوتا تھا۔ گرجے کی سیڑھیاں اترتے وقت بھی اس کی

رفتار طوفانی رہی۔۔۔اور پھر زینے سے نیچے آکر تو وہ اندھا دھند دوڑنے لگا تھا۔

اپنی کار میں بیٹھ کر جب اس نے انگنیشن میں چابی گھمائی تو وہ بُری طرح ہانپ رہا تھا۔ کار اسٹارٹ ہوگئی لیکن کچھ دیر وہ گیئر لگانے کے قابل نہ رہا۔

پادری کا جُملہ بار بار اُس کے ذہن میں گھوم رہا تھا؟

مسٹر گاسو کی لاش ہر لمحے اس کی آنکھوں کے سامنے مجسم ہوجاتی۔۔۔اور وہ کانپ کانپ جاتا۔

اس نے دونوں ہاتھوں سے اسٹیئرنگ کو یوں جکڑ رکھا تھا جیسے اُسے اُکھاڑ پھینکنا چاہتا ہو۔ کار کا انجن جھرجھرا رہا تھا۔ اس نے نہ جانے کیا گیئر لگایا۔ کار کسی زخمی درندے کی طرح اُچھل کر آگے بڑھی۔

ہوا کا ایک جھونکا کھلی کھڑکی سے، اس کے چہرے سے ٹکرا گیا۔ اس جھونکے نے اُسے سنبھالا لینے میں کافی مدد دی اور وہ بروقت ونڈ اسکرین کی طرف متوجہ ہوگیا۔

یہ لمحاتی ہوش اُسے ایک ہولناک حادثے سے بچا گیا ورنہ کار گرجے کی پارکنگ سے نکل کر زینے سے یوں ٹکراتی کہ اُچھل کر اوپر پڑھتی چلی جاتی حتیٰ کہ مزید اوپر جانا ممکن نہ ہوتا اور کار اُلٹ کر سڑک پر گر جاتی۔

اتنی بلندی سے گرنے کا تصور ہی اتنا بھیانک تھا کہ ڈمونی کے پسینے چھوٹ گئے۔ وہ کسی نہ کسی طرح خود کو ذہنی طور پر قابو میں کرکے کار گرجے سے نکال لانے میں کامیاب ہوگیا۔ باہر آکر اُس نے ایک جگہ کار روک دی۔

سڑک کے کنارے کار کو روکنے کے بعد اُس نے ڈیش بورڈ کا ڈھکنا ہٹایا اور وھسکی کی چھوٹی سی بوتل نکال کر مُنہ سے لگالی۔ یہ بوتل جب آخری قطرے تک سے محروم ہوگئی تو اس کے مُنہ سے الگ ہوئی اور پھر سڑک کے کنارے ایک سرسبز باڑ میں جاکر غائب ہوگئی۔

وھسکی نے اُسے خود کو سنبھالنے میں خاصی مدد دی۔

اس نے ماتھے کو اسٹیئرنگ سے ٹکرا دیا۔ وہ اپنے آپ پر ہمیشہ ناز کرتا تھا کہ اُس سے کبھی کوئی حماقت سرزد نہیں ہوتی۔ اس نے اس فخریہ حالت کو خود پر طاری کرنے کی کوشش کی اور تن کر بیٹھ گیا۔ اگلے ہی لمحے وہ اپنے دفتر کی طرف ڈرائیو کر رہا تھا اور بار بار خود کو یہ تلقین کر رہا تھا کہ اُسے خود کو احمقانہ صورتِ حال سے دوچار ہونے سے بچا کر رکھنا ہے۔

وہ ایک سیاست دان بھی تھا اس لیے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اُس میں وہ تبدیلیاں خود بخود ہی پیدا ہوتی رہتی تھیں جو وقت میں حالات کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔۔۔اور جب کسی پر ٹوٹ پڑنے کا وقت آتا تو وہ اس سے بھرپور استفادہ کرتا تھا۔

اس نے خود کو یقین دِلایا کہ یہ حملہ کرنے کا نہیں بلکہ فرار ہونے کا وقت ہے۔ اس وقت اسے بھاگ جانا چاہیے۔۔۔پسپا ہوجانا چاہیے۔ لہٰذا اس کا ذہن تیزی سے فرار کی طرف مائل ہوتا چلا گیا۔

چیمبر آف کامرس کی عمارت کے سامنے کار سے اُتر کر جب وہ لفٹ کی طرف بڑھا تو اس کی چال میں تیزی ضرور تھی لیکن لڑکھڑاہٹ ہرگز نہیں تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ خود کو پوری طرح سنبھالنے میں نہ صرف کامیاب ہوگیا ہے بلکہ اس کی ذہنی صلاحیتیں بھی تمام تر قوتوں کے ساتھ سرگرمِ عمل ہوگئی ہیں۔

وہ دفتر میں داخل ہُوا تو اس نے معمول کے مطابق اپنی سیکرٹری کو گڈ مارننگ کہا۔ اس وقت ڈمونی کے لہجے سے کوئی بھی اندازہ نہیں لگا سکتا تھا کہ وہ کچھ دیر قبل مَرنے کی حد تک خوف زدہ ہوگیا ہوگا۔ وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھتے ہُوئے خلافِ معمول البتہ رُک ضرور گیا۔

"میں آج کسی سے نہیں ملوں گا۔" اُس نے مُسکرا کر کہا۔

سیکرٹری نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

وہ جانتی تھی کہ اس کا باس جب کوئی اہم فیصلہ کرنے والا ہوتا ہے تو سوچ وبچار کے لیے اسی طرح اپنے کمرے میں بند ہوجاتا ہے۔ کسی سے ملاقات نہیں کرتا اور نہ ہی فون کال ریسیو کرتا ہے۔

"کوئی فون کال بھی نہیں، جناب؟"

سیکرٹری نے مُسکرا کر دریافت کیا۔

"ظاہر ہے۔۔۔" ڈمونی نے اپنے کمرے کی طرف بڑھتے ہُوئے کہا۔ کمرے میں داخل ہونے کے بعد اس نے دروازہ بند کرلیا لیکن اُسے اندر سے مقفل کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اس کی سیکرٹری اب کسی کو اندر نہیں آنے دے گی۔

کمرے میں آنے کے بعد وہ سیدھا بائیں دیوار پر آویزاں ایک پینٹنگ کی طرف بڑھ گیا۔ چند لمحوں تک وہ اس پینٹنگ کو

گھورتا رہا۔۔۔پھر اُسے ہٹا دیا۔

اس پینٹنگ کے عقب میں ایک ڈائل تھا۔ دراصل یہ ایک کمبینیشن سیف تھا۔ اس کی انگشتِ شہادت نے ایک نمبر ڈائل کیا اور تجوری کھل گئی۔

اس تجوری کے اندر ایک اور کمبینیشن سیف تھا۔

۔۔۔لیکن اس نے دوسری تجوری کے ڈائل کو ہاتھ نہیں لگایا بلکہ وہ واپس اپنی کرسی کی طرف چل دیا۔ یہاں ایک سوئچ کو آف کرکے اُس نے الیکٹریکل پاور کا سلسلہ اندرونی تجوری سے منقطع کردیا۔ اب وہ اطمینان سے مطلوبہ نمبر ڈائل کرکے اس تجوری کو کھول سکتا تھا۔

اندرونی تجوری کو کھولنے کے بعد اُس نے اپنا خالی بریف کیس کھول کر میز پر رکھ لیا اور تجوری سے سامان اُٹھا اُٹھا کر اس بریف کیس میں جمانے لگا۔ یہ سامان کرنسی نوٹوں کی گڈیوں اور بیمتی کاغذات پر مشتمل تھا۔

یہ کاغذات خاص طور سے یُوں بھی بے پناہ قیمتی تھے کہ ان سے پتہ چلتا تھا، ڈمونی کس کے احکامات پر عمل کرتا ہے۔ اس شخصیت کو ہر حال میں بچانا ضروری تھا۔ اگر اس شخصیت کا انکشاف ہوگیا تو ڈمونی کی موت خود بخود واقع ہوسکتی تھی۔

اس شخصیت کو راز میں رکھنے کے لیے ڈمونی ہر قیمت ادا کرنے کے لیے تیار تھا۔۔۔ہر قیمت۔۔۔اور اس قیمت میں خود اس کی اپنی زندگی بھی شامل تھی۔

حالات کا اندازہ ہوتے ہی جہاں ڈمونی نے فرار ہونے کا ارادہ کیا تھا، وہاں سب سے پہلے اس کے ذہن میں انہی کاغذات کو بچانے کا بھی خیال آیا تھا۔

نوٹوں کی گڈیاں بھی تعداد میں خاصی تھیں۔

اس کرنسی کی مدد سے وہ دُنیا کے ہر گوشے تک آسانی سے پہنچ سکتا تھا۔ یہ دولت کی طاقت تھی اور وہ اس قوت کو ہمیشہ سے بے پناہ اہمیت دیتا تھا، یہی وجہ تھی کہ اتنی کرنسی وہ ہر وقت اپنی تجوری میں رکھنے کا عادی تھا۔ یہ دس ہزار ڈالر کی خطیر رقم تھی۔

بریف کیس میں کاغذات اور نوٹوں کی گڈیاں ترتیب سے جمانے کے بعد اُس نے تجوری کو بند کردیا۔

بریف کیس کو اُٹھا کر اپنی کرسی کے قریب رکھنے کے بعد کرسی پر بیٹھ گیا اور درازیں کھولنے لگا۔ ان درازوں میں بھی بعض قیمتی کاغذات رکھے رہتے تھے، جن کا اس کے بعد دفتر میں پایا جانا خطرناک ثابت ہوسکتا تھا۔

ابھی وہ دو درازیں ہی دیکھ پایا تھا کہ ٹاپ کی دراز کھولتے وقت اس کا ہاتھ رُک گیا۔

اُس نے خفیف سی آہٹ سُنی تھی۔

ڈمونی نے نگاہ اُٹھا کر دروازے کی طرف دیکھا۔

دروازہ کھلا ہُوا تھا اور اس میں سے اُس کی حسین سیکرٹری کا مُسکراتا ہُوا چہرہ جھانک رہا تھا۔

"مسٹر ڈمونی۔۔۔" سیکرٹری نے دھیمی آواز میں کہا۔ "وہی نوجوان دوبارہ آیا ہے۔"

ڈمونی کچھ کہے بغیر لڑکی کو گھورتا رہا۔

"وہ بضد ہے کہ آپ سے ملنا بے حد ضروری ہے۔" سیکرٹری نے اس کی گھورتی ہُوئی آنکھوں سے گھبرا کر جلدی سے وضاحت کردی۔ یہ سُن کر ڈمونی قدرے جُھک کر اپنی کرسی کی نرماہٹوں میں دھنس گیا۔

اُس کا ذہن پُرسکون تھا۔

کرسی کی نرماہٹوں میں دھنسنے کے بعد بھی اس کا دایاں ہاتھ ٹاپ کی دراز پر رکھا رہا۔۔۔پھر اُس نے اثبات میں سر ہلاتے ہُوئے کہا۔

"اُس سے کہو کہ ایک منٹ انتظار کرے۔ میں ابھی اس کے استقبال کے لیے خود آتا ہُوں۔"

سیکرٹری نے اثبات میں سر ہلایا اور دروازہ بند کردیا۔ اس کا چہرہ جیسے ہی بند دروازے کی اوٹ میں غائب ہُوا، ڈمونی پُھرتی سے جُھک گیا۔ اس نے دائیں طرف پڑا ہُوا بریف کیس اُٹھا کر میز پر رکھا اور اُسے کھول کر تمام کاغذات بکھرتی سے نکال لیے۔

ان کاغذات کو اُس نے سر کے نیچے پڑی ہُوئی ردی کی ٹوکری میں ڈال دیا۔ انہیں اس وقت فوری طور پر کسی ایسی ہی غیر اہم جگہ رکھ کر دوسروں کی نگاہ سے محفوظ رکھا جاسکتا تھا۔

اُس نے اطمینان کی ایک گہری سانس لی۔

وہ حیران تھا کہ یہ میگزین رائٹر یہاں کیوں آیا ہے؟

اس نے میز کی ایک خفیہ دراز کھولی اور اس میں ہاتھ ڈال دیا جب اس کا ہاتھ باہر آیا تو اس میں اعشاریہ تین آٹھ کا سیاہ ریوالور تھا۔

ڈمونی نے ریوالور کی چرخی کو گھمایا۔

یہ ریوالور بھرا ہُوا تھا۔ اسے چیک کرنے کے بعد ڈمونی

نے سیفٹی کیچ ہٹا دیا۔ ریوالور کا ٹھنڈا ٹھنڈا وزن اپنے ہاتھ میں محسوس کر کے اسے قدرے تحفظ کا احساس ہوا اور وہ مسکرانے لگا۔ وہ حیران تھا کہ نہ جانے کتنی مدت کے بعد اُس نے آج اس ریوالور کو اپنے ہاتھ میں لینے کی ضرورت محسوس کی ہے؟ عموماً اس کے لیے دوسرے لوگ ہی ریوالور استعمال کرتے تھے۔

ریوالور کو ہاتھ میں لے کر ڈمونی کو فوری طور پر ایک اور احساس بھی ہوا۔ اُسے یوں لگا جیسے وہ کسی پرانے وفادار دوست سے اچانک ہی سر راہے مل رہا ہے۔ ہار و دار و شعلے اُگلنے والا اس کا یہ دوست اُس کے ہاتھ میں براجمان تھا اور اپنی ہیئت کے ساتھ ساتھ بوجھ کے ذریعے اُسے طمانیت بخش رہا تھا۔ ڈمونی نے اپنے اس مہلک دوست کی طرف دیکھا اور اس کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ پھیل گئی۔

اس وقت وہ مسٹر گاسو کی لاش اور دوسرے تمام مناظر کو بھول گیا تھا۔ اُسے بس اتنا ہی یاد رہ گیا کہ ایک ایسا نوجوان اس سے ملاقات کرنے آ رہا ہے جس پر ریوالور استعمال کرنے کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔

یہ ریوالور وہ ان گنت بار پہلے بھی استعمال کر چکا تھا اور اس سے نکلی ہوئی ہر گولی، اس کے راستے کی دیوار کو گراتی رہی تھی۔ ڈمونی کو یقین تھا کہ اس بار بھی یہ بارودی کھلونا اپنی تباہ کاریوں کے بل بوتے پر اس میکنزین راٹر کی دیوار کو گرا دے گا۔

اگلے ہی لمحے دروازے پر دستک ہوئی۔

اس کا مطلب تھا کہ شہزاد نامی یہ نوجوان اُس سے ملاقات کے لیے کچھ زیادہ ہی بے چین ہے۔ اُسے باہر انتظار کرنا چاہیے تھا لیکن اس نے انتظار کی زحمت برداشت کرنے کی بجائے خود ہی دروازے کی طرف پیش قدمی کر دی تھی۔

ڈمونی دروازے کی طرف دیکھنے لگا۔

اس نے دستک کے جواب میں کچھ نہیں کہا۔

دروازہ اچانک ہی کھلنا شروع ہو گیا۔ . . بے حد آہستہ آہستہ . . . اور پھر ایک شگفتہ سی آواز سنائی دی۔

"مسٹر ڈمونی . . . ایک منٹ آخر کتنی دیر کا ہوتا ہے؟"

دروازہ اس کی پشت پر بند ہو گیا۔ دروازے کے سامنے وہ اب مجسم کھڑا مسکرا رہا تھا۔ کیا اتنی حسین اور شریر سی مسکراہٹ والا نوجوان تباہی کا دیوتا بھی ہو سکتا ہے؟ ڈمونی نے شہزاد کے ہونٹوں پر پھیلی ہوئی مسکراہٹ کو دیکھ کر بے اختیار سوچا۔

اُسی لمحے ڈمونی کی آنکھوں میں مسٹر گاسو کی لاش گھوم گئی۔

ہڈیوں اور گوشت کا ملغوبہ . . .

ٹوٹا پھوٹا انسانی ڈھانچہ۔

وہ کانپ گیا اور اُسی لمحے بے اختیار اس کا ریوالور والا ہاتھ بلند ہو گیا۔ ریوالور کی نال اُس نے شہزاد کے جسم کے درمیانی حصے پر تان لی تھی۔ اُسے یقین تھا کہ اب جو فائر ہو گا اس سے میکنزین راٹر خود کو کسی طرح بھی محفوظ نہیں رکھ سکے گا۔

ٹرائیگر پر اس کی اُنگلی کا دباؤ بڑھنے لگا۔

"کیوں آئے ہو؟" اس نے سرسراتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"صرف ایک بات معلوم کرنے۔" شہزاد نے مسکرا کر کہا۔

ٹرائیگر پر دباؤ بڑھاتی ہوئی اُنگلی ذرا دیر کو رُک گئی اور ڈمونی کی آنکھوں میں استفہامیہ تاثر پیدا ہو گیا۔

"میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ ایک ایسی عورت، جس کے چہرے پر اَن گنت بھدے بھدے تل نہ ہوں، وہ کیسی لگتی ہے؟" شہزاد کی آنکھوں میں شرارت آمیز چمک تھی۔

"بکواس مت کرو۔" ڈمونی چلا گیا۔

"بالکل غلط . . ." شہزاد نے قہقہہ لگایا۔ "بالکل غلط . . ."

وہ یہ کہتا ہوا آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگا۔ "اس عورت کی مثال ایک ایسی رات جیسی ہوتی ہے مسٹر ڈمونی . . . جس رات کو ستارے نہیں نکلتے۔"

ڈمونی کو اپنی سماعت پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

ٹرائیگر پر ایک بار پھر اس کی اُنگلی تن گئی۔ اس کے ساتھ ہی اُس نے برقی ویسٹ باسکٹ کا بٹن دبا دیا۔

شہزاد اُویں آگے بڑھتا رہا جیسے اس کے ہاتھ میں خوف ناک ریوالور کی بجائے کوئی کھلونا رہا ہو۔

اس نے ریوالور کی نال سے شعلہ نکلتے دیکھا اور پھر نہ جانے کیا ہوا۔ اس کا خیال تھا کہ شہزاد کا جسم چیتھڑا چیتھڑا ہو کر گر پڑے گا . . . لیکن اس کی بجائے ایک عجیب سی بات ہوئی۔

اِدھر نال سے شعلے کا سفر شروع ہوا، اُدھر شہزاد زمین سے اُچھل پڑا۔ ڈمونی کو لمحے بھر کے لیے یوں لگا جیسے شعلے کا سفر نہایت دھیمی رفتار اختیار کر گیا ہے جب کہ شہزاد بجلی کے کوندے کی طرح اُس کی کرسی کے دائیں طرف آ پہنچا تھا۔

. . . پھر اگر اس کی آنکھوں میں جان باقی رہ گئی ہوتی

وہ دیکھتیں کہ اس کا سر کس طرح اَن گنت چیتھڑوں میں تبدیل ہو کر بکھر گیا ہے۔

اُسی لمحے دروازہ ایک دھماکے سے کھل گیا۔

ڈمونی کی سیکرٹری نے اپنے باس کی کرسی پر بے سر کی ایک لاش بیٹھی دیکھی تو اس کے حلق سے ایک دلدوز چیخ نکل گئی۔ اس چیخ سے دفتر کے در و دیوار تک کانپ گئے۔

شہزاد نے بڑھ کر اُسے تھام لیا۔

وہ اس کے ہاتھوں میں کسی شبنم زدہ کاغذ کی طرح چُرمُرا گئی اور پھر آہستہ سے فرش پر گر گئی۔ شہزاد اسے چھوڑ کر ڈمونی کی میز کی طرف بڑھ گیا۔

اس نے بریف کیس کا جائزہ لیا۔

بریف کیس کھلا ہوا تھا لیکن اس میں صرف نوٹوں کی گڈیاں جمی ہوئی تھیں۔ اس نے میز کے نیچے رکھی ہوئی ردی کی ٹوکری کا جائزہ لیا اور پھر ایک طویل سانس لے کر اُٹھ گیا۔

ڈمونی اس کے ہاتھوں اپنی زندگی ہار گیا تھا لیکن ایک معاملے میں اس نے کامیابی حاصل کر لی تھی۔ ردی کی ٹوکری میں کچھ نہیں تھا۔ تمام کاغذات خود کار نظام کے تحت راکھ بن چکے تھے۔ ٹوکری ابھی گرم ہی لگ رہی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ ڈمونی نے چند لمحے پیشتر ہی اس میں چند کاغذات ڈال کر برقی بھٹی کا بٹن دبا دیا تھا۔

اس نے بریف کیس میز پر رکھ دیا۔

وہ ان کرنسی نوٹوں کو گھورنے لگا جو گڈیوں کی شکل میں بریف کیس میں سجے ہوئے تھے۔ شہزاد ٹائیگر نیم وا آنکھوں سے اس دولت کا جائزہ لے رہا تھا اور اس کے ذہن میں ایک بے لباس لڑکی کی شبیہہ گھوم رہی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ نہ جانے کتنی معصوم لڑکیوں اور کتنے معصوم نوجوانوں نے اپنے جسم میں موت کی سرنج اُتار کر ڈمونی کو یہ رقم فراہم کی ہو گی؟

شہزاد کے ذہن میں ان گنت سسکتے ہوئے لوگوں کی تصویریں رقص کرنے لگیں۔ لاغر نوجوان . . . مدقوق بچے اور موت کے پنجے میں پھنس کر بے چاری چڑیوں کی طرح پھڑپھڑاتی ہوئی لڑکیاں جنہوں نے ہیروئین کی لت میں مبتلا ہو کر زندگی جیسی قیمتی دولت کے عوض بے بسی کی موت خریدی تھی۔ شہزاد کو ڈمونی سے بے پناہ نفرت محسوس ہوئی۔

اس کی لاش اپنی کرسی پر براجمان تھی اور اس کا سر اپنی میز اور دفتری دیواروں سے قیمہ بن کر چپک گیا تھا۔ شہزاد نے بریف کیس میں رکھی ہوئی رقم اُٹھا لی۔

وہ گڈیوں کو جیبوں میں ٹھونسنے لگا۔

. . . پھر وہ بے ہوش سیکرٹری کی طرف بڑھ گیا۔

اس کے بے ہوش جسم کو اُٹھا کر وہ باہر لایا اور استقبالیہ کی کرسی پر بٹھانے کے بعد اُسے ہوش میں لانے کی کوشش کرنے لگا۔ لڑکی جلد ہی ہوش میں آ گئی۔

چند لمحوں تک تو شہزاد کو پھٹی پھٹی آنکھوں سے گھورتی رہی . . . پھر جیسے ہی اس کے حواس بیدار ہوئے اور اُسے یاد آیا کہ اس نے اپنے ہی باس کو کس حالت میں دیکھا تھا تو اس کا خوب صورت دہانہ ایک اور چیخ اُگلنے کے لیے کھلتا چلا گیا لیکن شہزاد نے اُسے اس بار مہلت نہیں دی۔ وہ اس کھلے ہوئے دہانے پر جھک گیا۔

"پولیس کو فون کر دو اچھی لڑکی . . . اور سب کچھ بھول جاؤ۔" اس نے نرمی سے کہا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

لڑکی کی آنکھیں حیرت اور خوف کی زیادتی سے پھیل کر اپنے نارمل سائز سے دُگنی ہو گئی تھیں۔

شہزاد نے دروازے سے نکلتے وقت عقب میں دیکھا اور اس کے ہونٹوں پر وہ مسکراہٹ پھیل گئی جس پر لڑکیاں سو جان سے فدا ہو جاتی تھیں۔

دروازہ بند کر کے وہ لفٹ کے ذریعے نیچے آ گیا۔

اس کے ذہن میں جس بے لباس لڑکی کا مُردہ جسم تڑپ رہا تھا، وہ اب پُرسکون ہو گیا تھا۔ شہزاد نے ایک طویل سانس لی اور نوٹوں کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے اسی سڑک پر آگے بڑھ گیا جو سیدھی گرجے کی طرف جاتی تھی۔

وہ سوچ رہا تھا کہ کیا ڈمونی کی موت سے نشے بازوں کا علاج ہو جائے گا؟ کیا یہ سلسلہ ختم ہو گیا؟ اس کے دل نے ان خیالوں کی نفی کر دی۔ اس نے صرف ایک مُہرے کو ختم کیا تھا۔ ڈمونی کی جگہ کوئی اور لے لے گا . . . اور بے چارے لوگوں کی موت کا سلسلہ ازسرِ نو شروع ہو جائے گا۔ ہیروئین زہر بن کر قوم کے جوان لڑکوں اور لڑکیوں کے جسموں میں اُترتی رہے گی۔ شہزاد جانتا تھا کہ ہیروئین کا پودا ایک پہاڑ پر اُگتا ہے جسے اب دوسرے لوگ فروخت کر کے دولت کمائیں گے۔ اس نے فیصلہ کیا کہ وہ اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھے گا، جب تک ممکنات

فرشتوں کا تلاطم قمع نہیں ہو جاتا۔

وہ موڑ پر پہنچ کر رُک گیا۔

عقب میں پولیس کاروں کے سائرن سُنائی دے رہے تھے۔

وہ گرجے کے سامنے رُک گیا۔ اُسی لمحے سیڑھیوں سے گرجے کا پادری اُتر کر فٹ پاتھ پر پہنچا۔ وہ بھی اُسی سمت میں دیکھ رہا تھا، جدھر پولیس کاروں کے سائرن چیخ رہے تھے۔

"فادر۔۔۔" شہزاد نے پادری کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

پادری چونک کر اُسے دیکھنے لگا۔

"یہ کچھ رقم ہے۔۔۔" شہزاد نے جیب سے نوٹوں کی گڈیاں نکال نکال کر پادری کی جھولی میں ڈالتے ہوئے کہا۔

"اتنی بڑی رقم۔۔۔ کس لیے۔۔۔ بیٹے؟" پادری کی آواز کانپ رہی تھی۔ غالباً اس نے اپنی زندگی میں پہلے کبھی کسی کو اتنی بڑی رقم گرجے کے لیے دیتے نہیں دیکھا تھا۔

"خُدا کا کام جاری رکھنے کے لیے۔۔۔ آپ کو۔۔۔"

اس کی ضرورت پڑتی ہوگی۔" شہزاد نے کہا۔ نہ جانے کیوں اس کی آواز بھرا گئی۔ اُسی لمحے اس کے ذہن میں وہ برہنہ پیکر اُترا آیا۔۔۔ ہیروئین کے نشے سے تباہ ہونے والی حسین لڑکی کا مُردہ پیکر جو چیخ چیخ کر اُس سے اپنے انتقام کی فریاد کر رہا تھا۔

شہزاد ٹائیگر آگے بڑھ گیا۔

پادری کی آنکھیں اَب بھی بے یقینی سے پھیلی ہوئی تھیں۔۔۔ پھر اس کی آنکھوں میں شہزاد کے لیے بے پناہ احترام کا تاثر اُبھر آیا۔ وہ جانتا تھا کہ شہزاد مشرق کے کسی ملک کا رہنے والا ہے۔ اس کے نقش و نگار میں عیسائیت سے عقیدت کی چھاپ نہیں تھی لیکن وہ خُدا کے کام کو جاری رکھنے کے مشن پر عقیدہ رکھتا تھا۔

شہزاد کا مستحکم جسم لوگوں کے ہجوم میں مِل کر پادری کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔

☆☆☆

ہیروئین کی ترسیل بند نہیں ہوئی۔

ڈمونی کی موت سے اس کاروبار پر جیسے کوئی فرق ہی نہیں پڑا۔ دس پاؤنڈ ہیروئین کینساس سٹی پہنچی تو وہاں خوردہ فروشوں کو فوری طور پر بھاؤ گرانے پڑے۔ استعمال کرنے والوں میں جوش و خروش کی لہر دوڑ گئی اور شہر میں جابجا سڑکوں کے کناروں اور پارکوں یا ساحل پر ہیروئین کے نشے سے نیم مُردہ لڑکیوں اور لڑکوں کے جسم بکھرے نظر آتے۔

شہزاد اِن دنوں نیویارک میں تھا، وہاں بھی صورتِ حال ایسی ہی تھی۔ اس نے راہ چلتے ایک ایسی ہی نشے میں لٹی ہوئی لڑکی دیکھی تو اس کے ذہن میں وہ بے لباس شبیہہ ایک بار پھر بے چین ہو گئی اور اس نے شہزاد کی رُوح تک کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔

اس نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔

"اے انسانیت!" وہ بڑبڑایا۔ "میں تجھے بچانے کے لیے کیا کروں؟ کاش ہیروئین کے تاجر میری نگاہ میں ہوتے۔ میں ان کی تعداد کی پروا کیے بغیر ہی انہیں چند لمحوں میں ٹھکانے لگا دیتا۔۔۔ لیکن افسوس۔۔۔"

اس نے نیویارک کے اس شخص سے رابطہ قائم کر کے دریافت کیا کہ پولیس اور سی آئی۔اے کیا کر رہی ہے تو وہ بھی کوئی خاطر خواہ جواب نہ دے سکا۔ یہ وہی شخص تھا جس نے شہزاد کے چیف بہرام کی ایما پر اس سے رابطہ قائم کیا تھا اور ٹائیگر نے ایک بے لباس حسین لڑکی کی عبرت ناک تصویر دیکھ کر ہیروئین کے تاجروں کا قلع قمع کرنے کی حامی بھر لی تھی۔

"تم نے کیا کیا ٹائیگر؟" اس شخص نے سوال کیا۔

"ڈمونی مر چکا ہے۔"

"لیکن میں پوچھتا ہوں، کیا تم ہیروئین کے ذخیرے تک رسائی حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکے؟"

"ابھی نہیں۔۔۔" شہزاد غرایا۔

"ابھی نہیں۔۔۔" اس شخص نے حیرت سے دُہرایا۔ "مسٹر ٹائیگر! آخر تم کس بات کا انتظار کر رہے ہو؟"

"میں کوئی جادوگر نہیں ہوں۔"

"اوہ! معاف کرنا ٹائیگر۔" اس شخص کا لہجہ فوراً ہی نرم پڑ گیا۔ "بات دراصل یہ ہے کہ ہیروئین کی سپلائی تیز ہو گئی ہے اور پورے ملک میں بھونچال سا آتا جا رہا ہے۔ فرانس اور جاپان جیسے ممالک بھی چیخ پڑے ہیں۔ پوری دُنیا میں کہرام برپا ہو رہا ہے۔"

"کیا ڈمونی کی موت سے کوئی فرق نہیں پڑا؟"

"ذرا بھی نہیں۔۔۔ اس کی موت سے منشیات کی سپلائی کے کام میں صرف پانچ منٹ کے لیے تعطل پیدا ہوا ہو گا۔۔۔"

اس کے بعد کسی دوسرے ڈمونی نے تقسیم کا کام سنبھال لیا ہو گا۔ ذخیرہ تلاش کرو ٹائیگر۔۔۔ سرغنہ پر ہاتھ ڈالو۔۔۔ ورنہ انسانیت سسک سسک کر دم توڑ دے گی۔"

"میں کوشش کر رہا ہوں۔" شہزاد غرایا۔

"جلدی کرو دوست! جلدی کرو۔"

شہزاد نے ایک جھٹکے سے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا اور فون بوتھ سے باہر آ گیا۔ اس کی کنپٹیاں سُلگ رہی تھیں اور مٹھیاں بار بار غصے سے بھنچی جا رہی تھیں لیکن وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

اس نے فٹ پاتھ پر کھڑے کھڑے آتے جاتے لوگوں کو گننا شروع کر دیا۔ انہی متحرک انسانوں میں ایک بھیڑیا بھی چھپا ہوا ہے جو اندر ہی اندر انسانوں کو کھا رہا ہے۔۔۔ لیکن انسان نما بھیڑیے کو کیسے تلاش کیا جائے؟" شہزاد نے بے بسی سے کندھے اُچکائے اور آہستہ آہستہ ایک طرف چل دیا۔

اس شخص سے فون پر بات کر کے وہ پریشان ہو گیا تھا۔ کاش وہ اسے یہ منحوس خبر نہ سناتا کہ ڈمونی کی موت کے بعد ہیروئین کی فروخت میں اچانک ہی اضافہ ہو گیا ہے۔

"آخر کون ہے۔۔۔ کون ہو سکتا ہے؟"

وہ اُلجھ کر بڑبڑایا۔

اس نے ان تمام لوگوں کے خاکے باری باری ذہن میں اُڑا لیے جن پر اُسے شبہ ہو سکتا تھا۔

مسٹر گاسو کی موت واقع ہو چکی تھی۔

ڈمونی مر چکا تھا۔

۔۔۔ پھر آخر کون سی ہستی ہے جو اس خطرناک کام کو ان خطرناک حالات میں بھی سنبھالے ہوئے ہے؟ وہ سوچتا رہا اور بیدار رہا۔ اس کے ذہن میں ایک لڑکی کی تصویر بار بار پھڑپھڑا رہی تھی اور اس کے دماغ پر غصے کا سانپ بار بار ڈنک مار رہا تھا۔

"اوہ۔۔۔" وہ رُک گیا۔

یہ خیال اس کے لیے واقعی بے حد مفید ثابت ہو سکتا تھا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ وہ اپنے شکار ڈمونی کی تدفین میں شرکت کرے گا۔ نہ جانے کیوں اسے یقین ہونے لگا کہ اس جنازے میں شرکت سے حقیقت کھل کر سامنے آ جائے گی۔

☆☆

تجہیز و تکفین کرنے والی اس کمپنی کے فیونرل ہوم میں اس وقت پھول ہی پھول نظر آ رہے تھے۔ ان پھولوں کو دیکھ کر کوئی اجنبی اسے پھول فروخت کرنے کا کوئی بہت بڑا اسٹور ہی سمجھ سکتا تھا۔ یہ مُردہ گھر ایک چھوٹی سی گلی میں واقع تھا اور یہ گلی ہڈسن کی ایک سائڈ اسٹریٹ سمجھی جاتی تھی۔

یہاں اس وقت ڈمونی کی تدفین کے انتظامات تکمیل کے مراحل طے کر رہے تھے۔ ڈمونی کوئی معمولی آدمی نہیں تھا۔ میئر کا دوست ہونے کے علاوہ ڈمونی میوزیم سوسائٹی کا قابلِ قدر ممبر بھی تھا۔ مجرموں گھروں اور سماجی کام کرنے والی انجمنوں کو اس سے جو چندہ ملتا تھا، اس کی تشہیر سے ہی ڈمونی کو ہر دل عزیز بنا دیا تھا۔ اس کی سیاسی حیثیت کے الگ قدر دان تھے اور منشیات کا دھندا کرنے والوں کی تو پوری فوج اس کی معتقد تھی۔

وہ نسلاً اٹالین تھا اور اُسے اس قبرستان میں دفن نہیں کیا جانا چاہیے تھا لیکن ڈمونی کے سلسلے میں کسی کو اس طرف سوچنے کا دھیان ہی نہیں آیا تھا۔ وہ لوگوں کے ذہنوں پر اس حد تک چھایا ہوا تھا کہ ایسا ہونا بھی چاہیے تھا۔

ڈمونی کی موت پر مین ہٹن بیک وقت متاثر ہوئے تھے۔ ایک وہ طبقہ جو اُسے ایک کامیاب سیاست دان کی حیثیت سے چاہتا تھا۔ دوسرے حلقے میں وہ لوگ شامل تھے جنہیں اس کی نجی زندگی میں عمل دخل تھا اور تیسری قسم کے لوگ وہ تھے جن کے ساتھ وہ منشیات کا دھندہ کرتا تھا۔ ان تینوں طبقوں کے لوگوں نے اس کے لیے پھول بھیجے تھے اور اس شہر کی تاریخ میں یہ پہلا واقعہ تھا کہ مُردہ گھر کا ہال کمرہ پھولوں سے بھر گیا تو گلدستے باہر جمع کیے جانے لگے تھے۔

تدفین کے اس موقعے پر بڑی بڑی سیاہ کاروں میں چند پُراسرار آدمی بھی آئے تھے۔ وہ سب کے سب ڈمونی کے لیے پھول لے کر آئے تھے اور ان میں سے کسی ایک کی زبان پر یہ شکوہ نہیں تھا کہ ڈمونی نے مرنے سے قبل انہیں وہ ہیروئین مُہیا نہیں کی جس کی قیمت وہ ایڈوانس ہی وصول کر چکا تھا۔

جنازے میں شرکت کے لیے اسکوبی بھی آیا تھا۔ وہی اسکوبی جس کی بیٹی انجیلا نے خواب میں دیکھا تھا کہ ڈمونی تباہی کے دہانے کے خلاف کام کر رہا ہے۔ اسکوبی تابوت کے قریب گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا اور اس کی بائیں آنکھ سے ایک آنسو ٹوٹ کر اس کے بائیں رخسار پر لڑھکتا ہوا نیچے ٹھوڑی کی طرف بہہ گیا جب کہ دوسری آنکھ کے آنسو پلک نے دبا لیا اور پھر آنکھ کے پپوٹے میں کامیاب ہو گئی۔

اسکوبی کو ڈومنی سے محبت تھی۔ ہر وفادار ساتھی اسی طرح مخلصانہ انداز میں محبت کرتا ہے اور دوست کی موت پر اسی طرح آنسو بھی بہاتا ہے۔ اسکوبی کا تعلق مافیا سے تھا۔ اس کے باقی ساتھی بھی باری باری آئے تھے اور پھول چڑھا کر خاموشی سے واپس چلے گئے تھے۔

عقبی حصے میں جہاں معزز ترین مہمانوں کے اجتماع کا انتظام تھا، وہاں شہر کا میئر جانسن، اس کی بیٹی رینا، پولیس چیف، ایڈیٹر جیمز ہورگن بھی موجود تھے۔ میئر کی بیوی کا تو رو رو کر برا حال ہو رہا تھا۔

ان سب سے پیچھے شہزاد ٹائیگر بھی موجود تھا۔ یہ شاید پہلا موقع تھا کہ وہ اپنے مقتول کی تدفین کے لیے آیا ہو۔ اس کے چہرے پر بھی ویسے ہی تاثرات تھے جیسے کہ وہاں موجود ہر شخص کے چہرے پر نظر آ رہے تھے... لیکن اس کی آنکھیں بے چین تھیں، وہ نہ جانے کس کی تلاش میں ادھر ادھر ماری ماری پھر رہی تھیں۔

اچانک اسے ویلی دکھائی دیا۔

ویلی کی آنکھیں اس پر جم سی گئیں۔

شہزاد نے اس کی طرف دیکھا اور نہ جانے کیوں اس کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ نمودار ہو گئی تھی۔ اگلے ہی لمحے ویلی کی پتلون کے سامنے والے حصے میں ایک آبی دھبہ سا نمودار ہوا جو رفتہ رفتہ پھیلنے لگا۔ ویلی تیزی سے پلٹا اور ورد زے سے نکل گیا۔

ٹائیگر کی آنکھیں چند لمحوں تک اس کا تعاقب کرتی رہیں پھر اس نے کندھے اچکا کر دوسری طرف دیکھنا شروع کر دیا۔ جن لوگوں کا محض اس کی طرف دیکھ کر پیشاب ہی خطا ہو جاتا ہو، ان میں اس کی دلچسپی کی کوئی بات ہو بھی نہیں سکتی تھی۔

شہزاد نے میئر کا بھی جائزہ لیا۔

وہ بے حد افسردہ لگ رہا تھا۔

شہزاد نے دل ہی دل میں سوچا کہ کاش! ڈومنی کوئی اچھی شخصیت ہوتا۔ تب شاید خود شہزاد کو بھی اس کی موت کا افسوس ہوتا۔ اس نے دروازے کی طرف دیکھا جہاں سے خوف زدہ چوہا نما شخص ویلی اب کہیں دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

☆☆

ویلی بے حد پریشان تھا اور یہ پریشانی ہی تھی جس کی وجہ سے اسے فوری طور پر اپنے کپڑے تبدیل کرنے کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی... لیکن وہ اس سے پہلے ایک انتہائی اہم کام کر گزرنا چاہتا تھا جس بات کو شہزاد ابھی تک کھوج نہیں پایا تھا، وہ بات اس کے علم میں آ چکی تھی۔

وہ سمجھ گیا تھا کہ ہیروئن کا ذخیرہ کس کے قبضے میں ہے، راز معلوم کر کے اسے زیادہ حیرت نہیں ہوئی تھی کیونکہ ابھی تک یہ بات رازہی تھی کہ وہ ذخیرہ کس جگہ موجود ہے۔ اس سلسلے میں کوئی زیادہ فکر نہیں تھی کیونکہ وہ جانتا تھا کہ ذرا سی محنت کر کے وہ آسانی سے اس ذخیرے تک پہنچ جائے گا۔

اس نے ڈومنی کی موت کے فوراً ہی بعد تقسیم کا کام اپنے ہاتھ میں لینے کے خواب دیکھنے شروع کر دیے تھے... اور اب وہ ان خوابوں کو حقیقت بنانا چاہتا تھا... لیکن ان خوابوں کے قابل تعبیر ہونے کے لیے ضروری تھا کہ وہ اس خطرناک نوجوان شہزاد کا کوئی بندوبست کر دے جسے دیکھتے ہی اس کا پیشاب خطا ہونے لگا تھا۔

فیونرل ہوم سے نکل کر وہ تیزی سے ایک قریبی ٹیلی فون بوتھ کی طرف بڑھ گیا۔ اس نے مشین میں سکے گرائے اور ایک نمبر ڈائل کر کے سلسلہ ملنے کا انتظار کرنے لگا...

اس سے پہلے اس نے جب بھی فون کیا، فوراً ہی دوسری طرف سے جواب مل جایا کرتا تھا... لیکن آج نہ جانے کیوں کسی نے جلدی ریسیور نہیں اٹھایا۔

دوسری طرف مسلسل گھنٹی بج رہی تھی۔

وہ تاخیر کے احساس سے بڑبڑانے لگا۔

گیارہویں گھنٹی پر دوسری جانب سے کسی نے ریسیور اٹھا لیا اور ایک نسوانی آواز ویلی کی سماعت سے ٹکرائی۔

"ہڈسن پولیس..." یہ کسی عورت نے کہا۔

"مجھے فوراً ۲۳۵ نمبر لائن سے ملا دو۔" ویلی نے خاتون آپریٹر سے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

لائن جلد ہی مل گئی۔

وہ سرگوشیوں میں باتیں کرنے لگا۔

اس دوران میں بار بار وہ کن انکھیوں سے فیونرل ہوم کے دروازے کی طرف دیکھتا رہا... لیکن اس کی بات ختم ہونے تک وہ میگزین رائٹر باہر نہیں آیا تھا۔

بات ختم کرنے کے بعد ویلی نے ریسیور رکھ دیا۔

اب وہ مسکرا رہا تھا۔

اس کے چہرے اور آنکھوں سے خوف دھل گیا تھا۔

☆☆

شہزاد کی آنکھیں مسلسل سرگرداں رہی تھیں کبھی ادھر کبھی ادھر... لیکن اب تک وہ کوئی کارآمد بات نہیں معلوم کر سکا تھا۔ اسے یقین تھا کہ تدفین کے موقعے پر آنے والے لوگوں میں کسی کے پاس ہیروئن کا ذخیرہ موجود ہے... لیکن وہ کون شخص ہے، اس کا اسے پتہ نہیں چل رہا تھا۔

تنگ آ کر وہ باہر آ گیا۔

پارکنگ میں وہ اپنی کار کے قریب کھڑا رہا۔

اس نے رینا کی کار دیکھ لی تھی۔ یہ کار اس کی کار کے قریب ہی کھڑی تھی۔ اس نے سوچا کہ اسے رینا کا انتظار کرنا چاہیے... اسی لمحے ایک کار پارکنگ میں داخل ہوئی۔

اس کار میں تین آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔

یہ کار شہزاد سے کچھ فاصلے پر آ کر رک گئی۔

کار کے ڈرائیور نے اپنی کھڑکی کا شیشہ اتارا اور اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "کیا آپ ہی کا نام شہزاد ہے؟"

شہزاد چونک پڑا۔

اس نے فوراً ہی خطرے اور موت کی بو سونگھ لی تھی لیکن جس شخص نے اسے مخاطب کیا تھا، وہ پولیس کی وردی میں تھا اور گاڑی بھی پولیس ہی کی تھی۔ عقبی سیٹ پر جو دو آدمی براجمان تھے انھوں نے بھی وردیاں پہن رکھی تھیں۔

"کیا آپ کا نام شہزاد ہے؟" ڈرائیور نے دہرایا۔

شہزاد نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"میرے باس آپ کے لیے ایک پیغام ہے۔" باوردی ڈرائیور نے کہا۔ شہزاد نے گہری نگاہ سے اس کی طرف دیکھا۔ پولیس کی وردی والا یہ ڈرائیور کوئی پرانا سرکاری سراغ رساں لگ رہا تھا۔ وہ ایک ادھیڑ عمر کا آدمی تھا اور اس کی کنپٹیوں کے بال سفید ہو رہے تھے۔ اس کے گلابی چہرے پر دوستانہ مسکراہٹ تھی۔

شہزاد آگے بڑھ گیا۔

"کیا پیغام ہے؟" شہزاد نے کہا اور کن انکھیوں سے دیکھ لیا کہ پولیس کار کی عقبی نشست پر بیٹھے ہوئے ایک پولیس مین کا ہاتھ دروازے کے ہینڈل کی طرف بڑھ رہا ہے۔ وہ ایسا بن گیا، جیسے اس پولیس مین کی حرکت سے بے خبر ہو۔

وہ ڈرائیور عقبی سیٹ پر بیٹھے ہوئے پولیس مین کے قریب جا کھڑا ہوا۔ اس دوران میں عقبی دروازہ کھلا اور دوسرا پولیس مین کار سے اتر آیا۔

شہزاد نے استفہامیہ نگاہ سے، جھک کر باوردی ڈرائیور کی طرف دیکھا تو جواباً اس نے خاموشی سے اپنا ریوالور نکالا اور

شہزاد کی طرف تان لیا۔

ریوالور کی نال شہزاد ٹائیگر کی دونوں آنکھوں کے درمیان، ناک کے اس حصے سے تھوڑی جہاں سے ناک کی ہڈی شروع ہوتی ہے، شہزاد کو صورت حال کا اندازہ ہو گیا تھا اس لیے اسے ذہنی جھٹکا نہیں لگا۔ جو پولیس مین عقبی دروازے سے اترا تھا، وہ شہزاد کی پشت پر پہنچا اور پھر اس کے ریوالور کی نال ٹائیگر کی ریڑھ کی ہڈی کو چھونے لگی۔

"چلو... عقبی سیٹ پر بیٹھ جاؤ۔" پیچھے کھڑے پولیس مین نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

"لیکن وہ پیغام؟" شہزاد نے اس انداز میں ڈرائیور سے کہا جیسے اس صورت حال کی اس کے نزدیک کوئی اہمیت نہ رہی ہو۔ "وہ پیغام کیا ہے؟" اس نے اپنی بات دہرائی۔

"پیغام یہاں نہیں دیا جا سکتا۔" عقب میں کھڑا پولیس مین غرایا اور اس کے ساتھ ہی ریوالور پر دباؤ بڑھ گیا۔ شہزاد کو ریوالور کی نال اپنی ریڑھ کی ہڈی پر چبھتی ہوئی محسوس ہونے لگی۔

وہ کندھے اچکاتا ہوا خاموشی سے کار میں بیٹھ گیا۔

عقبی سیٹ پر ایک باوردی سراغ رساں پہلے سے براجمان تھا، شہزاد کو اس کے پہلو میں بٹھا کر ریوالور بدست پولیس مین اس کے برابر میں بیٹھ گیا۔ شہزاد کی ہر حرکت کے ساتھ ساتھ ڈرائیور کے ریوالور کی نال نے بھی حرکت کی تھی... جب وہ اطمینان سے بیٹھ گیا۔ تو اس کے دونوں پہلوؤں میں ریوالور کی نالیں چبھنے لگی تھیں۔ دوسرے پولیس مین نے بھی اپنا ریوالور نکال لیا تھا۔

کار فوراً ہی اسٹارٹ ہو کر گھومی اور تیزی سے سڑک پر آ گئی۔ شہزاد نے کھڑکی سے فیونرل ہوم کی طرف دیکھا... تو اسے میئر جانسن، اپنی بیوی مسز جانسن اور بیٹی رینا کے ساتھ مردہ گھر سے باہر آتا دکھائی دیا تھا لیکن یوں محسوس ہوتا تھا جیسے میئر کی اس پر نظر نہیں پڑی تھی۔

"وہ پیغام کیا ہے، دوستو؟" شہزاد نے ڈرائیور کی موٹی گردن کو گھورتے ہوئے سوال کیا۔

"کچھ دیر صبر کرو۔ تمہیں سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔" ڈرائیور نے اپنی موٹی گردن کو بمشکل گھما کر شہزاد کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور کھلکھلا کر ہنس پڑا۔ یہ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں، دوستو؟" اس بار ڈرائیور نے مزاحیہ انداز میں اپنے ساتھیوں کو مخاطب کیا تھا۔

وہ دونوں بھی ہنس پڑے۔

غالباً وہ اس وقتی کامیابی پر خوش تھے کہ انہوں نے شہزاد کو اتنی آسانی سے اپنے ساتھ چلنے پر مجبور کر لیا تھا۔ کار تیزی سے مین روڈ پر دوڑی چلی جا رہی تھی۔ چند بلاک کا فاصلہ طے کرنے کے بعد کار ایک طرف گھوم گئی۔

شہزاد نے ایک طویل سانس لی۔

یہ سڑک ساحل کی طرف جاتی تھی۔

شہزاد جانتا تھا کہ اس طرف کوئی پولیس اسٹیشن نہیں ہے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ آخر پولیس کے چیف نے بھی دل کا بخار نکالنے کے لیے اپنی طاقت کا ناجائز استعمال شروع کر ہی دیا ہے۔

ہڈسن ریور جیسے جیسے قریب آ رہا تھا، فضا میں نمی اور سڑے ہوئے پانی کی بو تیز ہوتی جا رہی تھی۔ کار ایک ایسی گودی میں داخل ہوئی جس کے پلیٹ فارم سے ایک خستہ حال بحری جہاز لگا کھڑا تھا۔ اس جہاز میں غالباً چند ماہ قبل آگ لگ گئی تھی... اور اب یہ مرمت اور رنگائی کے لیے وہاں ویران کھڑا تھا۔

شہزاد کو کار سے اتار کر اس تباہ حال جہاز پر چڑھنے کا حکم دیا گیا... اس دوران میں وہ تینوں اُسے ریوالوروں کی زد میں لیے رہے تھے۔ جہاز میں اس وقت ان تین پولیس والوں اور شہزاد کے علاوہ صرف چوہے موجود تھے، جو ادھر اُدھر چھپتے پھر رہے تھے۔ غالباً ان چاروں کے قدموں کی دھمک نے ان کے سکون میں خلل ڈال دیا تھا۔

جہاز پر سوار ہونے کے بعد عقب سے شہزاد کو شدید دھکا مارا گیا۔ وہ منہ کے بل گر پڑا۔ اگر اس وقت شہزاد کی جگہ کوئی اور ہوتا تو اس دھکے کے ردِعمل سے، دیوار کے ساتھ منہ کے بل ٹکرا جاتا اور شاید اس کے سامنے کے دانت بھی ٹوٹ جاتے۔ پیشانی کا زخمی ہونا تو لازمی تھا... لیکن شہزاد نے ذرا سا لڑکھڑانے کے بعد خود کو اس انداز میں سنبھال لیا جیسے وہ کوئی ماہر رقاص ہو... اور ان تینوں کے سامنے اس نے رقص کا کوئی انداز پیش کیا ہو۔

جس نے دھکا دیا تھا، اُسے غالباً اپنی طاقت پر کچھ زیادہ ہی گھمنڈ تھا۔ اس نے جب اپنا حربہ ناکام ہوتے دیکھا تو اس کی آنکھوں سے برہمی جھلکنے لگی۔

شہزاد نے پلٹ کر اُن تینوں کی طرف دیکھا۔

اس کے انداز سے اُلجھن کا اظہار ہو رہا تھا۔

"یہ سب کچھ کس خوشی میں ہو رہا ہے، دوستو؟" اس نے اپنی اُلجھن کا زبانی بھی اظہار کر دیا۔

"تم بہت زیادہ پریشانیاں پیدا کر چکے ہو۔" ایک غرایا۔

"میں تو محض ایک میگزین رائٹر ہوں۔" شہزاد نے اکسا سے کہا۔ "اور میں صرف کہانی کی تلاش میں مارا مارا پھر رہا ہوں۔"

"یہ بکواس کسی ایسے شخص کے لیے محفوظ رکھو جو ایسی باتوں پر یقین کر لیتا ہو۔" دوسرا پولیس مین تلخی سے بولا۔ "اس وقت ہم صرف یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ تم کس کے لیے کام کر رہے ہو؟ یہ ایک سادہ سا سوال ہے اور اس کا جواب بھی سادہ ہی ہونا چاہیے۔"

"میں بتا چکا ہوں کہ میں ایک میگزین رائٹر ہوں۔"

"اور اس میگزین کے لیے تم فشیات پر مشتمل کہانیاں لکھتے پر مامور ہو۔ یہی بات ہے، نا؟ بادر دی ڈرائیور کے مضحکہ اڑانے والے لہجے میں کہا۔ "تم جس رسالے کا حوالہ دیتے ہو، اس میں آج تک کوئی ایسی کہانی یا مضمون شائع نہیں ہوا۔"

"مجھے اس سے دلچسپی نہیں۔ بات یہ ہے کہ مجھ سے جو کچھ کرنے کے لیے کہا جاتا ہے، میں وہی کرتا ہوں۔"

"میرا خیال ہے، تم اب تک خاصا کام کر چکے ہو۔"

شہزاد خاموش رہا۔

"بتاؤ، تم نے اب تک کیا خاص بات معلوم کی ہے؟"

"کام کی صرف ایک ہی بات معلوم کر سکا ہوں۔" شہزاد نے خیالوں میں ڈوب جانے کی اداکاری کرتے ہوئے کہا۔

تینوں پولیس مین ہمہ تن گوش ہو گئے۔

"کیا بات ہے، وہ؟" ایک نے بے چینی سے پوچھا۔

"یہی کہ جس عورت کے چہرے پر چھوٹے چھوٹے اُن گنت جھُرّے تل نہیں ہوتے، اس کی مثال ایک ایسی رات جیسی ہے، جس رات کو ستارے نہیں نکلتے۔"

شہزاد نے یہ کہہ کر داد طلب نگاہوں سے ان تینوں کی طرف دیکھا جن کے چہروں سے ظاہر ہو رہا تھا جیسے یہ بات سُن کر اُن کی کھوپڑیاں گھوم گئی ہوں۔ وہ شہزاد سے کسی ایسی بات کی توقع نہیں کر سکتے تھے۔ کیوں کہ ان کی دانست میں کوئی مخنث اتنا دلیر ہرگز نہیں ہو سکتا جو تین مسلح پولیس والوں کے سامنے اتنی زندہ دلی کا مظاہرہ کرنے کی جرأت کر سکتا ہو۔ انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا جیسے دوسروں کا تأثر معلوم کرنا چاہتے ہوں... پھر وہ شہزاد کو کھا جانے والی نگاہوں سے گھورنے لگے۔

"میرا خیال ہے، تم نرمی کے سلوک سے قابو میں آنے والے نہیں ہو۔" ایک خونخوار پولیس مین غرایا۔

شہزاد اس بار خاموش رہا۔

اس کے چہرے پر سنجیدگی کے تاثرات تھے۔

"بتاؤ... بولو... ورنہ..."

"سنو دوستو!" شہزاد ٹائیگر نے سمجھانے والے انداز میں کہا۔ "بات یہ ہے کہ مجھے جو کام کہا گیا، میں نے اس کی تکمیل کے لیے کوشش شروع کر دی اب تمہیں میرے پیشے سے ہی اختلاف ہے تو میں کیا کر سکتا ہوں؟"

"گویا تم اپنے ہر جرم کے لیے یہ کہہ کر..." ایک نے تمسخر بھرے لہجے میں کہا۔ جواباً شہزاد نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ "ہوں... تو اپنے فرض سے ہم لوگ بھی مجبور ہیں۔"

جو شخص شہزاد سے مخاطب تھا اُس نے ایک زنگ آلود کیبنٹ کھولا اور اس میں سے بلوٹارچ نکالی۔ اس بلوٹارچ کی موجودگی سے یہ ثابت ہو گیا کہ وہ لوگ اُسے ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت اس تباہ شدہ بحری جہاز پر لائے ہیں۔ پولیس مین بلوٹارچ کو چند لمحوں تک پمپ کرتا رہا... پھر اس نے سگریٹ لائٹر سے اُسے شعلہ دکھایا۔

فوراً ہی بلوٹارچ کا شعلہ بھڑک اُٹھا۔

یہ شعلہ پُرشور انداز میں سرسرا رہا تھا اور نیلگوں شعلہ کسی سانپ کی دوشاخہ زبان کی طرح لپکتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ شہزاد سمجھ گیا کہ اب یہ لوگ اسے اذیت دے کر صورتِ حال معلوم کرنے کا ارادہ کر رہے ہیں۔ اس کے دل میں اُن کے لیے جو تھوڑی بہت ہمدردی تھی، وہ بھی ختم ہو گئی۔

"ٹھیک ہے، دوستو۔" بلوٹارچ والے شخص سے کہا۔ "اب اسے جکڑ لو... پھر تھوڑی ہی دیر بعد دیکھنا یہ کیسے ہر سوال کا جواب دینے لگے گا۔" اس نے ایک ہاتھ سے بلوٹارچ تھام لی اور دوسرے ہاتھ سے اپنا ریوالور نکال کر شہزاد کو زد میں لے لیا۔

دوسرے دونوں پولیس والوں نے اپنے ریوالور رکھ لیے اور آہستہ آہستہ شہزاد کی طرف بڑھنے لگے۔ ان کے بڑھنے کا انداز جارحانہ تھا۔ شہزاد بھی آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنے لگا حتیٰ کہ اس کی پشت چوبی دیوار سے جا لگی۔ انہوں نے قریب پہنچ کر شہزاد کے بازوؤں کو جکڑ لیا۔

شہزاد نے خود کو ان کی گرفت سے چھڑانے کی خفیف سی کوشش کی تو دونوں کی گرفت مزید سخت ہو گئی۔ شہزاد نے ایک ہلکا سا جھٹکا مارا... اور یوں وہ اُن دونوں سمیت ریوالور بدست پولیس مین کے قریب پہنچ گیا۔ دونوں پولیس والے اپنی گرفت اور شہزاد کی بظاہر دو کوششوں میں ناکامی پر مطمئن تھے۔

اچانک کچھ ہوا۔ اس "کچھ" کی ان تینوں میں سے کوئی بھی وضاحت نہیں کر سکتا تھا کیوں کہ جو کچھ بھی ہوا، پلک جھپکتے میں ہو گیا تھا۔ جن دو آدمیوں نے شہزاد کے بازو تھام رکھے تھے، ان کی گرفت سے بازو نہ جانے کب اور کیسے نکل گئے۔ اگر محض اتنا ہی ہوا ہوتا تو شاید وہ صورتِ حال کا اندازہ لگا لیتے... لیکن بازو نکلنے کے ساتھ ہی ان کی کنپٹیوں پر قیامت ٹوٹ پڑی تھی۔

بلوٹارچ ایک ہاتھ میں اور دوسرے ہاتھ میں ریوالور تھامے جو تیسرا پولیس مین سامنے کھڑا تھا، اُسے اپنی آنکھوں کے سامنے چند ساعت گڈمڈ ہوتے محسوس ہوئے... اور پھر خود اس کے ہاتھ سے بھی ریوالور نکل گیا۔

ریوالور اُس کے ہاتھ سے یوں نکلا جیسے وہ کوئی جاندار پرندہ ہو... یہ ریوالور اُڑتا ہوا ایک قریبی پورٹ ہول سے سمندر میں جا گرا اور پھر اس شخص کے ہاتھ سے بلوٹارچ بھی نکل گئی۔

بلوٹارچ اب شہزاد کے ہاتھ میں تھی۔

اس نے شعلے کو مزید بڑھا دیا۔

عقب میں دو پولیس مین بے ہوش ہو چکے تھے... یا پھر اُن کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی تھی۔ وہ چوبی فرش پر بے حس و حرکت پڑے ہوئے تھے اور ان کی کنپٹیوں پر سوراخوں سے خون اُبل رہا تھا۔

جس شخص کے ہاتھ سے شہزاد نے بلوٹارچ چھینی تھی، اس کی طرف سر دنگا ہوں سے دیکھتے ہوئے شہزاد نے کہا۔ "ہاں تو آفیسر! اب تم بطریِ عجلادی اور ان خنزیر دوستوں کو..."

بلوٹارچ کا شعلہ شور مچاتا ہوا موت کا رقص کر رہا تھا۔

پولیس مین نے ادھر اُدھر دیکھا۔ وہ اس انداز میں پھنس چکا تھا کہ اس کے پاس کوئی بھی راہِ فرار نہیں تھی۔ اس نے بھٹی چھٹی نگاہوں سے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا۔ جن کی کنپٹیوں سے خون اُبلنا بند ہو گیا تھا۔ وہ حیران تھا کہ شہزاد نے اُن پر کون سا ہتھیار آزمایا ہے جس نے اِن دونوں کو تڑپنے کی بھی مہلت نہیں دی؟

یہ وہی پولیس مین تھا جس نے کار ڈرائیو کی تھی... اور جس نے سب سے پہلے شہزاد کو مخاطب کر کے کسی پیغام کے بارے میں کہا تھا۔ کوئی راہِ فرار نہ پا کر اس کی آنکھوں میں خوف

کے سائے اتر آئے۔ اس نے کن انکھیوں سے اپنے قریب متحرک دوستوں کی طرف دیکھا... اور سوچا کہ کاش! ان دونوں میں سے کسی ایک کا ریوالور اُس کے ہاتھ میں آجائے!

شہزاد خاموشی سے اس کے چہرے کے تاثرات دیکھ رہا تھا۔

ڈرائیور نے شہزاد کی طرف دیکھا اور پھر کن انکھیوں سے اپنے ساتھ دوستوں کی طرف دیکھنے لگا۔ غالباً وہ اس موقعے کی تلاش میں تھا کہ جھپٹ کر ریوالور حاصل کرلے... لیکن شہزاد اس سے زیادہ دُور نہیں تھا۔

"میرا خیال ہے، اب تمہیں ہوش میں آجانا چاہیے!" شہزاد نے بھیگے کو قدرے نرم لیکن شعلے کو مزید گرم کرکے اس شخص کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ شعلے کی رنگت بدل چکی تھی۔ اب وہ اس کے جسم کے کسی بھی حصے سے چھو کر اُسے جلا سکتا تھا۔

ڈرائیور نے تھوک نگلا اور خاموش رہا۔

"اوشن وہیل ٹرکوں کے بارے میں تم کیا جانتے ہو؟" شہزاد نے اندھیرے میں پہلا تیر پھینکا۔

"کچھ بھی نہیں۔" پولیس مین نے جواب دیا... لیکن ابھی اس کا جملہ ختم بھی نہیں ہُوا تھا کہ اس کے حلق سے ایک دلدوز چیخ نکل گئی۔ بگ ٹارچ کا شعلہ اس کے بائیں ہاتھ کی پشت کو چاٹ گیا تھا۔

وہ گورے رنگ کا سُرخ مُرخ گالوں والا آدمی تھا۔ اس کے ہاتھ کی پشت جھلس گئی اور وہاں سے سفید سفید چربی جھلکنے لگی۔ شہزاد سرد آنکھوں سے اُسے گھور رہا تھا۔

"ایک بار پھر ذہن پر زور ڈال کر سوچو۔" شہزاد نے کہا۔ "تمہارا جواب مجھے پسند نہیں آیا۔"

پولیس مین بلبلا کر رہ گیا۔

اس نے مجرموں سے اقبالِ جرم کروانے کے لیے نہ جانے کیسی کیسی اذیتیں دی ہوں گی... لیکن ذاتی طور پر اذیت سہنا، اذیت پہنچانے سے بہت مختلف ہوتا ہے۔

"میں نے ایک بار چند ایسے ٹرک دیکھے تھے۔" پولیس مین نے سسکیاں روکتے ہوئے کہا۔ "یہ بہت پُرانی بات ہے۔ میں نے اس کی اطلاع محکمہ کو دے دی تھی اور پھر ان ٹرکوں کی تلاش میں پولیس پُورے شہر میں پھیل گئی لیکن وہ وہاں غائب ہوگئے تھے جیسے زمین پر کبھی اُن کا وجود ہی نہ رہا ہو۔ یہ ٹرک کہاں سے آئے اور کدھر چلے گئے۔ ان کے بارے میں کسی کو معلوم نہیں ہو سکا۔"

"تمہارا یہ جواب کچھ پسند تو آیا ہے۔" شہزاد نے بدستور سرد لہجے میں کہا۔ "بہرحال، یہ بتاؤ کہ تم کو احکامات کون دیتا ہے؟"

"مسٹر گاسو..."

"وہ مر چکا ہے۔" شہزاد غرّایا۔

"میں جانتا ہُوں کہ وہ مر چکا ہے۔" پولیس مین جلدی سے بولا۔ "آج ہمیں ویلی نے فون کیا تھا۔"

"اوہ... اور اس نے کیا کہا تھا؟"

"یہی کہ تمہیں پکڑا کہاں سے آئیں اور تشدد کرکے معلوم کیا کہ تم کس کے لیے کام کر رہے ہو۔"

"اس گروہ کا سرغنہ کون ہے؟"

"ڈومونی..."

"لیکن ڈومونی مر چکا ہے۔" شہزاد نے سخت لہجے میں کہا۔ "اس کے بعد ویلی کو کون احکامات دے رہا ہے؟"

"مجھے معلوم نہیں۔" پولیس مین نے بے بسی سے کہا اور اچھل کر دُور ہٹنے کی کوشش کی ورنہ اس بار بھی شعلہ اس کے ہاتھ کی پشت کو جلا ڈالتا۔ "میرا خیال ہے، کوئی ایسی شخصیت ہے جس کا تعلق سٹی ہال سے ہے۔ ہمیشہ سٹی ہال سے ہی احکامات ملتے رہے ہیں۔" پولیس مین جلدی جلدی بولنے لگا۔

"کیا پولیس چیف، سرغنہ نہیں ہے؟"

"نہیں...؟" پولیس مین نے جلدی سے سر کو دائیں بائیں حرکت دیتے ہوئے کہا۔ "وہ ایک دیانت دار اور قانون پرست آدمی ہے۔ اگر اسے کبھی بالائی آمدنی کی ضرورت محسوس ہو تو وہ ملوانقوں اور سٹے بازوں سے اپنی ضرورت پوری کر لیتا ہے۔ اس کے علاوہ اس کا دامن پاک ہے۔"

شہزاد اس کی باتیں سُنتے وقت اپنی تمام تر صلاحیتیں بروئے کار لا رہا تھا اس لیے اُسے جھوٹ ختم ہوتے ہی اندازہ ہو گیا کہ پولیس مین نے چیف کے بارے میں درست رائے نہیں دی ہے۔

"میئر جالنن کے بارے میں کیا کہتے ہو؟"

"معلوم نہیں۔ اس کے متعلق میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

شہزاد نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

وہ جانتا تھا کہ میئر کے بارے میں وہ شخص واقعی کچھ بھی نہیں جانتا۔ اس کا مطلب تھا کہ پولیس مین اس سے پورا پورا تعاون کر رہا ہے... لیکن اس کا تعلق مشتبہ مزدوروں کے گروہ سے

تھا۔ ایک ایسے گروہ سے جس کے ایک ایک آدمی کو اپنے ہاتھوں سے قتل کرنے کی شہزاد ٹائیگر نے قسم کھا رکھی تھی۔ اس وقت بھی اُس کے ذہن پر ایک دُھندلی سی شبیہہ بار بار کلبلانے لگی تھی لیکن وہ اُسے اُجاگر نہیں ہونے دے رہا تھا۔

"سنو..." پولیس مین نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔ "مجھے ایک موقع دو... صرف ایک موقع۔"

"پھر تم کیا کرو گے؟"

"میں تمہارے لیے کام کروں گا۔" پولیس مین جلدی جلدی بولنے لگا۔ "میں اس شخص کو تمہارے لیے تلاش کروں گا جو اس گروہ کا سرغنہ ہے۔ میں تمہارے لیے کافی مددگار ثابت ہو سکتا ہوں۔ میں ان معاملات میں خاصا ذہین اور تجربے کار ہوں اس لیے تم میری صلاحیتوں سے استفادہ کر سکتے ہو۔ تم دیکھنا کہ میں ان مفتات فروشوں کے اعتماد کو برقرار رکھتے ہُوئے، ان پر کیسی بتا ہی لاؤں گا۔"

شہزاد اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا۔

پولیس مین نے بھی شہزاد کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں اُمید کے چراغ مدھم تھے لیکن جب اس نے ٹائیگر کی آنکھوں میں سرد مہری دیکھی تو یہ چراغ فوراً ہی بجھ گئے اور ان کی جگہ ایک مایوس آدمی کے تاثرات پیدا ہو گئے جو زندگی ہارنے سے پہلے اپنی سی ہر کوشش کے لیے آمادہ ہو جاتا ہے۔ اب اس کے سامنے صرف ایک ہی راستہ تھا کہ وہ اپنے مُردہ ساتھیوں میں سے کسی ایک کا ریوالور نکال کر قسمت آزمائی پر اُتر آئے۔

"تم قانون کے محافظ ہو... اس کے باوجود تم نے قانون شکنوں کا ساتھ دیا۔ تمہارے خیال میں اس جرم کی کیا سزا ہونی چاہیے؟"

شہزاد نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"مم... میں... مجبور تھا۔"

"کیا مجبوری تھی؟"

"ہماری کمزوریاں ان لوگوں کے پاس ہیں۔"

"بلیک میلنگ؟" شہزاد نے مسکرا کر پوچھا۔

اس شخص نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"مجھے افسوس ہے، دوست! اگر تم پولیس والے نہ ہوتے تو شاید میں تمہارے بارے میں کچھ سوچتا... لیکن تمہارا جُرم میرے نزدیک ناقابلِ معافی ہے۔ اس کے علاوہ تم میرے لیے ناکارہ بھی ہو۔"

شہزاد آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگا۔

وہ اچانک ہی محتاط ہو گیا۔

شہزاد ہنس پڑا۔ اس نے پولیس مین کو اپنے دونوں ساتھیوں پر گرتے ہُوئے اور پھر ان کے جیکٹوں کو دیوانہ وار ٹٹولتے دیکھا تھا... پھر اس کا ہاتھ غیر متحرک ہو گیا۔

اس نے ریوالور پر ہاتھ ڈال دیا تھا لیکن ہاتھ مفلوج ہو گیا۔ کندھے سے اُنگلیوں کی پوروں تک فالج جیسا اثر محسوس ہو رہا تھا۔ ریوالور اس کی اُنگلیوں سے یوں پھسل کر گر گیا جیسے اس کا بوجھ سہارنے میں انہیں ناکامی ہو گئی ہو۔

پولیس مین نے گردن گھما کر دیکھا۔

وہ پلٹ کر دیکھنا چاہتا تھا کہ شہزاد نے اس کے کندھے پر کیا قیامت ڈھائی ہے... یہ دیکھنا اس کے لیے ممکن نہ ہُوا کیوں کہ اس کی آنکھیں ایک اور ہی چیز دیکھنے میں محو ہو گئی تھیں۔ اس نے شہزاد کا ہاتھ اپنے چہرے کی طرف بڑھتے دیکھا تھا اور پھر آنکھوں میں جب تک ٹوٹ رہا، تب تک ٹائیگر کی ہتھیلی نے اس کے چہرے کی ہڈیوں کو یوں بھینچ دیا تھا جیسے کلہاڑے کی چوٹ کے نیچے کچی لکڑی کا کوئی ٹکڑا بکھر جاتا ہے۔

شہزاد نے ایک طویل سانس لے کر بگ ٹارچ بجھا دی۔

اس کی نگاہ ان تینوں پر جمی ہُوئی تھی۔

تین لاشیں جس انداز میں مُڑی تُڑی اس کے سامنے پڑی تھیں، انہیں دیکھ کر اُسے بے پناہ دُکھ کا احساس ہُوا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ ان لوگوں کو اپنے انجام کی ذرا بھی خبر نہیں ہوتی ورنہ یہ کبھی کسی ایسے کام میں ہاتھ نہ ڈالیں... لیکن اگلے ہی لمحے اس کے ذہن میں ایک تصویر نمایاں ہونے لگی اور وہ جھرجھری سی لے کر رہ گیا۔

اس تصویر نے شہزاد کے ذہن میں انگارے سے بھر دیے اور وہ وقتی طور پر غصّے کی شدید لہر میں بہہ گیا۔ اسے یوں لگا جیسے غصّے نے اس کے پُورے وجود کو جھلسانا شروع کر دیا ہو۔

اگلے روز جب سورج طلوع ہُوا تو اس کی اوّلین کرنوں میں ایک عجیب منظر اُجاگر ہُوا۔

تین باوردی لاشیں ہاتھوں اور پیروں کی مدد سے ایک دوسرے کے ساتھ بندھی ہُوئی تھیں اور ان تین لاشوں کی گٹھڑی جہاز سے لٹک رہی تھی۔

اس نے ان تینوں کے بازوؤں اور ٹانگوں کی ہڈیوں

کو اس طرح توڑا تھا کہ ان کی ساری سختی ختم ہو گئی تھی۔۔۔ اور پھر شہزاد نے ان بازوؤں اور ٹانگوں کو انسانی لاشوں کی گٹھڑی بنانے کے لیے بطور رسّے استعمال کیا تھا۔

ایک مچھلی بار بار سمندر کی سطح سے بلند ہو کر ان لاشوں پر منہ مارنے کی کوشش کر رہی تھی۔۔۔ لیکن لاشوں کی گٹھڑی بلند تھی اور مچھلی کا اُن تک پہنچنا بے حد مشکل تھا۔

☆☆☆

مائرن نامی وہ نوجوان خود کو بے حد خوش قسمت تصور کر رہا تھا۔ آخر کیوں نہ کرتا۔ دُنیا بھر میں جتنی بھی لڑکیاں تھیں اُن سب سے زیادہ حسین لڑکی اس سے محبت کرتی تھی۔۔۔ لیکن صرف محبت ہی کا معاملہ نہیں تھا۔ وہ لڑکی اُسے دُنیا کا امیر ترین شخص بنانے والی تھی۔

مائرن نام کے اس نوجوان کی خوش فہمی کی سب سے بڑی وجہ وہ دواساز فیکٹری تھی جو اُس کے لیے تیار کرائی گئی تھی۔ یہ ایک عجیب و غریب کارخانہ تھا جس میں ایسی مشینیں لگی ہوئی تھیں جن کو صرف اور صرف ایک ہی آدمی آسانی سے چلا سکتا تھا۔۔۔ اور وہ آدمی وہ خود تھا۔

وہ سوچ رہا تھا کہ لڑکی اُس سے کاروباری بات چیت کرنا چاہتی ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو اُسے رات کے وقت فیکٹری میں بُلانے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟

اس نے اپنے رسے چلتے وقت شراب کی ایک بوتل بھی ساتھ رکھ لی تھی۔ کاروباری باتوں کے دوران اگر دل کی باتوں کا موقع نکل آئے تو اُن سے بھرپور استفادہ کر سکے۔ ان کی یہ ملاقات رات کے آخری پہر ہونا قرار پائی تھی اور وہ جانتا تھا کہ رات کے اس پہر ہونے والی ملاقاتیں ہمیشہ غیر معمولی ہی ہوتی ہیں۔

ایک بات اچھی طرح سے مائرن کے علم میں تھی کہ اس عمارت کے تہ خانے میں چار ٹریکٹر ٹریلر کھڑے ہیں۔ ان ٹریلروں کے چاروں ڈرائیور مر چکے تھے اور ان کی لاشیں شدید ٹھنڈک کی وجہ سے منجمد ہو گئی تھیں۔۔۔ اگرچہ ان کے جسموں میں ذرا سی بھی حرارت باقی نہیں رہ گئی تھی تاہم ان ٹریلروں میں جو کچھ بھرا ہوا تھا، اس سے پوری امریکن قوم کے جسم میں شرارے بھرے جا سکتے تھے۔

اسی عمارت میں وہ فیکٹری قائم کی گئی تھی جس کی مشینیں ٹکیاں، کیپسول، انجکشن اور شربت تیار کرتی تھیں۔۔۔ اور ان تمام دواؤں میں ایک سفید پاؤڈر کی آمیزش ہوتی تھی۔۔۔ یہ دوائیں مخصوص دکانداروں کو فروخت کی جاتی تھیں جو انہیں اپنے مخصوص گاہکوں کے ہاتھ مہنگے داموں فروخت کرتے تھے۔

چار ٹریلر۔۔۔ ہیروئین سے بھرے ہوئے چار ٹریلر۔

اٹھانوے فی صد خالص ہیروئین سے بھرے ہوئے ان ٹریلروں میں پچاس ٹن پاؤڈر لدا ہوا تھا۔ اسے اندازہ تھا کہ امریکا میں نشہ کرنے والے ایک سال میں آٹھ ٹن ہیروئین استعمال کرتے ہیں۔۔۔ گویا یہ چھ سال کی توسیدھی سیدھی سپلائی تھی۔۔۔ اور اس پچاس ٹن ہیروئین کا مالک مائرن تھا کیوں کہ وہ اس لڑکی کی دھڑکنوں میں بسا ہوا تھا۔

مائرن کے ذہن میں بار بار پچاس ٹن ہیروئین کا ذخیرہ گھوم جاتا تھا۔۔۔ اور وہ بار بار حساب لگانے لگتا تھا۔ ایک لاکھ پاؤنڈ۔۔۔ جب کہ ایک پاؤنڈ ہیروئین ایک لاکھ ڈالر کی فروخت ہوتی تھی۔ یہ سوچتے ہوئے خیالوں ہی خیالوں میں اس پر چاروں طرف سے کرنسی نوٹ برسنے لگتے تھے۔

مائرن جانتا تھا کہ ہیروئین کی تقسیم کوئی آسان کام نہیں ہے۔ قانون جگہ جگہ دانت گاڑے بیٹھا ہے۔۔۔ لیکن قانون کو کیا خبر کہ یہ زہریلا پاؤڈر دواؤں میں مل کر سرِعام بکنے لگا ہے۔

اس وقت وہ اسی تباہ کار فیکٹری کے ایک کمرے میں بیٹھا ہوا تھا اور اس کے لمحے ایک ایک کر کے انتظار میں گزر رہے تھے۔ اچانک اُسے ہیڈ لائیٹس کا احساس ہوا۔ اس نے فوراً ہی ٹیلی فون کا رسیور اُٹھا لیا۔

یہ ایک مخصوص فون تھا جس پر وہ الیکٹرونک سسٹم کو چلانے والے کمپیوٹر سے بات کر سکتا تھا۔ اس نے جلدی سے نمبر ڈائل کرتے ہوئے کہا: "میں مائرن بول رہا ہوں۔"

"کوڈ نمبر پلیز۔" کمپیوٹر کے ٹیپ سے آواز آئی۔

"71-43-36۔" مائرن نے کہا: "میں لبرٹی روڈ پر واقع دروازہ کھول رہا ہوں۔"

"آل رائٹ۔"

یہ جواب سنتے ہی مائرن نے ریسیور رکھ دیا اور سامنے کے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ اس دروازے میں دُھندلا شیشہ لگا ہوا تھا جس سے ایک سیاہ سیڈان کا خاکہ دکھائی دے رہا تھا۔ یہ خاکہ اس کے لیے مانوس تھا۔ مائرن چند لمحے منتظر کھڑا رہا۔۔۔ پھر اُسے کار کا دروازہ کھلنے کی آواز سنائی دی۔

اس کے ساتھ ہی مائرن نے لبرٹی روڈ کی طرف کھلنے والے دروازے کو کھول دیا۔ دروازہ کھلتے ہی ایک حسین لڑکی جلدی سے اندر آ گئی۔ مائرن نے فوراً ہی دروازہ بند کر دیا۔

یہ حسین لڑکی رینا تھی۔۔۔ رینا جانسن! میئر کی بیٹی اور سیکرٹری۔ وہ دروازے سے اندر آنے کے بعد تیز تیز چلتی ہوئی ایک تاریک راہداری کی طرف بڑھ گئی۔ مائرن کسی پالتو کتے کی طرح اس کے پیچھے لپکا۔ فرق صرف اتنا تھا کہ اُس کی دُم نہیں ہلتی تھی ورنہ وہ اسے ہلاتا ہوا رینا کے پیچھے پیچھے چلتا دکھائی دیتا۔

رینا اس تاریک راہداری سے گزر کر اُس دفتر میں داخل ہو گئی جو مائرن کے تصرف میں تھا۔ یہاں دو لیمپ روشن تھے۔ دفتر میں قدم رکھتے ہی اس نے جھپٹ کر رینا کو پکڑ لیا لیکن رینا کے تیور حوصلہ افزا نہیں تھے۔

"بزنس۔۔۔ مائرن!" اس نے سخت لہجے میں کہا۔

یہ سرد مہری دیکھ کر لمحے بھر کو مائرن ٹھٹک گیا۔۔۔ پھر اس نے دونوں ہاتھ پہلوؤں میں گراتے ہوئے کہا: "ہر وقت بزنس کا بھوت کیوں سوار رہنے لگا ہے، تم پر؟"

"اس لیے کہ بہت کچھ ہو چکا ہے۔" رینا کا لہجہ بدستور سرد تھا۔ اس کے علاوہ میں ہر وقت کسی جسم کو اپنے قریب برداشت نہیں کر سکتی۔ بہرحال، جیسے ہی حالات سازگار ہوئے میرا موڈ خود بخود ٹھیک ہو جائے گا۔" یہ کہتے ہوئے اس کے ہونٹوں پر خفیف سی کپکپاہٹ پیدا ہوئی جیسے اس نے جبراً مسکرانے کی کوشش کی ہو۔

مائرن کے چہرے سے اُداسی جھلکنے لگی۔

اس نے کن انکھیوں سے اُس بوتل کی طرف دیکھا جسے وہ خاص طور سے رینا کے ساتھ پینے کی غرض سے لایا تھا۔ دفتر میں اسٹیریو چل رہا تھا اور اس سے موسیقی کی لہریں کمرے میں منتشر ہو رہی تھیں۔ رینا اس اسٹیریو کی طرف بڑھی اور پھر اُسے آف کر دیا۔

اس نے شراب کی بوتل اُٹھائی اور اُسے میز سے ہٹا کر الماری میں رکھ دیا۔ گلاس بھی وہاں سے ہٹا دیے۔۔۔ پھر وہ ایک کرسی سنبھال کر میز کے سامنے بیٹھ گئی۔

مائرن بھی بیٹھ گیا تھا۔

دونوں آمنے سامنے بیٹھے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔۔۔ لیکن رینا نے مطلب کی بات شروع کرنے میں زیادہ وقت ضائع نہیں کیا۔ "اس وقت نیچے جتنا بھی ذخیرہ موجود ہے۔" اس نے بے پناہ سنجیدگی سے سوال کیا: "تم اس میں سے کتنا مال پیک کر سکتے ہو؟"

"پلانٹ ٹھیک ٹھاک کام کر رہا ہے۔" مائرن نے رُوٹھے رُوٹھے سے انداز میں کہا: "میں ایک ہفتے کے اندر اندر مختلف شکلوں میں پانچ سو پونڈ ہیروئین پیک کر سکتا ہوں۔"

رینا نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"لیکن کیا تم اس مال کو تقسیم کر سکو گی؟ تم جانتی ہو کہ اس کی تقسیم کا کام شروع ہی سے ہمارے لیے پریشان کن رہا ہے۔" مائرن بھی اب سنجیدہ ہو گیا تھا۔

"ہاں۔۔۔ یہ واقعی ایک تشویش ناک مسئلہ رہا ہے۔ حکومت نے بے پناہ سختی کر دی ہے۔۔۔ پھر چند سرکاری آدمی کام بھی کرنے لگے ہیں جن کی وجہ سے صورتِ حال بے حد ناخوش گوار ہو گئی ہے۔"

"میں ڈمونی کے بارے میں پڑھ چکا ہوں۔" مائرن نے کہا: "میرا خیال ہے، اس پر بے پناہ بوجھ تھا۔۔۔ اتنا بوجھ کہ اس کے دماغ کی تمام نسیں پھٹ گئیں اور اس کی کھوپڑی ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔ ویسے میرا تو خیال تھا کہ اس قسم کے ٹھگوں کے ذہن پر کبھی کوئی بوجھ نہیں رہتا۔"

"شٹ اَپ۔" رینا کا موڈ پھر خراب ہو گیا: "تم ڈمونی کو ٹھگ کہہ رہے ہو۔ سنو۔۔۔ وہ اس انجام کو صرف اس لیے پہنچا کہ میرا اور تمھارا نام محفوظ رہے۔ اس بات کو کبھی ذہن سے نہ نکالا کرو۔"

"مجھے افسوس ہے، رینا۔" مائرن نے جلدی سے کہا۔ وہ بُری طرح نکلنے لگا تھا: "میرا یہ مطلب ہرگز نہیں۔۔۔"

"بھول جاؤ۔" رینا نے خشک لہجے میں کہا: "بہرحال، یہ سرکاری آدمی شہزاد۔۔۔ اس نے مجھے پریشان کر دیا ہے۔ یہ ہمارے مُلک کا باشندہ نہیں۔ مشرقی لگتا ہے۔ میں نے حکم دے دیا ہے کہ آج اسے ہر حال میں قتل کر دیا جائے۔ اس کے علاوہ میں نے پسلائی، ربیعہ بھی سوچ لیا ہے۔ کیا تمھیں یقین ہے کہ تم ایک ہفتے میں پانچ سو پاؤنڈ ہیروئین پیک کر لو گے؟"

"کم سے کم پانچ سو پاؤنڈ۔" مائرن نے مسکرا کر کہا۔ "اٹھانوے فی صد خالص ہیروئین۔ کیا تم جانتی ہو، یہ کتنی مالیت کی ہو گی؟"

"ہاں۔۔۔ میں تم سے کہیں زیادہ جانتی ہوں۔" رینا نے بُرا سا منہ بناتے ہوئے کہا: "بازار میں اس کی قیمت پچاس ملین ڈالر ہے۔۔۔ لیکن ہم ہول سیلرز ہیں۔ ہمیں اس رقم کا

پانچواں حصہ یعنی دس ملین ڈالر ملیں گے۔"

"لیکن یہ بھی تو سوچو کہ ہر ہفتے دس ملین کی آمدنی کم نہیں ہوتی ڈارلنگ... اور پھر یہ سلسلہ ہمیشہ ہی چلتا رہے گا۔"

"ان خیالوں میں کھو کر بے پروا نہ ہو جانا۔ یہ سب کچھ اس منزل تک پہنچانے کے لیے میں نے بڑی محنت کی ہے اور مجھے نہ جانے کیا کیا مصائب جھیلنے پڑے ہیں۔" اس نے میز پر رکھی ہوئی ڈبیہ میں سے ایک سگریٹ نکال کر سلگا لی۔

چند لمحوں تک وہ گہرے گہرے کش لگاتی ہوئی دھواں اگلتی رہی... پھر اس نے نیم وا آنکھوں سے مائرن کی طرف دیکھتے ہوئے بات جاری رکھی...

"میں نے ہیڈ کوارٹر کو اطلاع دے دی ہے کہ مال دستیاب ہے۔ اس کی کوالٹی، قیمت اور شرائط وہی ہیں، جو اس سے پہلے تھیں، علاوہ ازیں میں تقسیم کی ضمانت بھی لوں گی۔"

"لیکن ہم یہ سب کچھ کیسے کریں گے؟" مائرن نے الجھ کر کہا۔ "چپے چپے پر تو قانون کی آنکھیں لگی ہوئی ہیں۔ یوں معلوم ہوتا ہے جیسے پولیس اور محکمہ خفیہ کے لوگ ہر جرم کو بھول کر صرف ہم بے چارے منشیات فروشوں کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گئے ہیں۔"

"ہم اس مال کو گاجروں کے ساتھ باہر لے جائیں گے۔"

"گاجریں...؟" مائرن نے حیرت سے دہرایا۔

"ہاں... گاجریں۔ میرا مطلب ہے، مال سبزی کے ٹرکوں میں جائے گا۔ فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ یہ منصوبہ قابل عمل ہے۔ میری خواہش ہے کہ یہ سارے کا سارا مال جتنی جلدی بھی ممکن ہو، یہاں سے نکل جائے... پھر میں اس مقام کو نذر آتش کر دوں گی تاکہ ہر نشان اور ہر ثبوت پر راکھ پڑ جائے۔ اس کے بعد میں کسی مہذب مقام پر جانا چاہتی ہوں۔"

"صرف ہم دونوں، ڈارلنگ؟"

"ہم...؟" وہ چونک پڑی... پھر سنبھل کر بولی۔ "ہاں مائرن۔ صرف ہم دونوں... مال کو جلد از جلد تیار کرنے کی کوشش کرو۔ میں ڈیلیوری کے سلسلے میں تم سے جلد ہی ابطہ قائم کروں گی۔" اس نے سگریٹ ایش ٹرے میں بجھا دی اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

"رینا... رینا ڈارلنگ؟"

"کیا بات ہے؟" اس کی تیوریوں پر ایک بار پھر بل پڑ گئے۔

"آج رات کہاں ہیں...؟" وہ ہکلا گیا۔ "پلیز...؟"

"میں بتا چکی ہوں کہ ناخوش گوار حالات کی وجہ سے میرا موڈ بے حد خراب ہے۔"

"لیکن جب تم اس گوریلے کے ساتھ ہوتی ہو تو کبھی اس قسم کی عدم دلچسپی کا اظہار نہیں کرتیں۔"

"اب تمہیں اس کے لیے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"کیا مطلب؟" مائرن چونک پڑا۔

"مسٹر گاسومر مر چکا ہے۔"

مائرن کا منہ یہ سن کر حیرت سے کھلا کا کھلا رہ گیا۔

اس کی حالت سے محظوظ ہوتے ہوئے رینا سوچ رہی تھی کہ شہزاد کو بھی اب تک ٹھکانے لگایا جا چکا ہوگا۔ اس نے مائرن کی طرف دیکھا اور پھر اس کی آنکھوں میں نرمی پیدا ہو گئی۔

"مائرن..." اس کے لہجے میں پیار تھا۔ "مجھے افسوس ہے... لیکن یہ حقیقت ہے کہ میں اس وقت تنہا رہنا چاہتی ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ تیزی سے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

مائرن خاموش بیٹھا اُسے دیکھتا رہا۔

جب وہ دروازے سے نکل گئی تو اس نے ایک بار پھر ریسیور اٹھا لیا اور کمپیوٹر سے رابطہ قائم کر کے بیرونی دروازہ کھولنے کی ہدایت دینے لگا۔

بیرونی دروازہ کھل کر بند ہو گیا۔

اس نے ریسیور رکھ دیا۔

چند لمحوں تک وہ سامنے والے دروازے کو گھورتا رہا... پھر اس نے ایک دراز کھولی اور اس میں سے اسپرین کی ایک ٹکیہ نکال کر اپنا ہتھیلی پر رکھ لی۔ یہ عام اسپرین سے زیادہ قیمتی اور مؤثر ٹکیہ تھی، کیوں کہ اس میں میرونین کی آمیزش تھی۔ وہ جانتا تھا کہ اس وقت منتشر اعصاب کو یکجا کرنے کے لیے اُسے اس ٹکیہ کی شدید ضرورت ہے۔

اس نے ٹکیہ منہ میں رکھ لی اور پھر آنکھیں بند کر کے اسے نگل لیا۔ کڑواہٹ سے لمحے بھر کے لیے اس کے نقش و نگار بگڑ گئے... پھر اس نے آنکھیں کھولیں اور کرسی کی پشت گاہ سے ٹیک کر بیٹھ رہا۔

اس کی آنکھیں چھت کو گھور رہی تھیں۔

☆☆

میئر جانسن... اس کی سیکرٹری اور بیٹی رینا ایک ساتھ ڈھونی کی تدفین سے واپس آئے تھے۔ سٹی ہال کی عمارت میں رینا نے میئر جانسن کو اس کے دفتر کے سامنے چھوڑا اور خود اپنے دفتر کی طرف بڑھ گئی۔ جانسن نے دروازہ کھولا اور اپنے دفتر میں داخل ہوا۔

دروازہ اپنے عقب میں بند کرنے کے بعد وہ جیسے ہی اپنی میز کی طرف بڑھا تو اُسے ٹھٹک جانا پڑا۔

کوئی اس کی سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔

وہ جو کوئی بھی تھا، اس نے ٹانگیں میز پر پھیلا رکھی تھیں اور ایک اخبار اپنے سامنے تان رکھا تھا۔ جانسن حیرت سے اپنی سیٹ کی طرف دیکھتا رہا۔ اب تک کسی کو ایسی حرکت کرنے کی جرأت نہیں ہوئی تھی۔ وہ حیران تھا کہ یہ کون احمق ہے؟

میئر جانسن کا ذہن اس وقت بے حد الجھا ہوا تھا۔

ڈھونی سے اس کے تعلقات بے حد پُرانے تھے۔ وہ اس کی عزت کرتا تھا اور یہی وجہ تھی کہ ڈھونی کی اس کے گھر میں آمد و رفت بالکل کسی خاندانی فرد جیسی ہی تھی۔

میئر اُسے اپنے خاندان کا ایک فرد سمجھتا تھا کیونکہ اس کی بیوی اٹالین تھی اور ڈھونی بھی اٹالین تھا۔ میئر کے دل میں ڈھونی کے لیے لاکھ محبت تھی لیکن ایک خاص احساس اُسے برسوں میں آج پہلی بار ہوا تھا۔

اس کی بیوی ڈھونی کی موت پر بلک بلک کر رو رہی تھی۔ اس کی حالت اتنی ابتر تھی... چند لمحوں کے لیے خود میئر جانسن یہ سوچنے لگا کہ کیا اس کے کسی سگے بھائی کی موت پر بھی اس کی بیوی اسی طرح بلک بلک کر روتی؟

یہ ایک جان لیوا احساس تھا۔

اس احساس کا اُس کے دل پر بے پناہ بوجھ تھا۔

وہ سینے میں شدید گھٹن محسوس کرنے لگا۔ ایک ایسی گھٹن جو اُسے اندر ہی اندر مار ڈالنا چاہتی تھی... وہ اس گھٹن پر قابو پانے کی جتنی بھی کوشش کر رہا تھا، گھٹن اتنی ہی بڑھتی جا رہی تھی۔

... اور اب اُسے ایک نئی صورت حال کا سامنا تھا۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اس شخص کو گھورے جا رہا تھا جو اس کی سیٹ پر اتنی بے تکلفی سے براجمان تھا جیسے یہ میئر کا نہیں بلکہ خود اس شخص کا آفس رہا ہو۔

شاید اس کے قدموں کی آہٹ اس شخص نے بھی سُن لی تھی۔ اخبار سامنے سے ہٹا کر اُس نے میز سے ٹانگیں اتاریں اور کرسی پر ٹھیک سے بیٹھتے ہوئے بولا۔ "ہیلو جانسن... میں تمہارا ہی انتظار کر رہا تھا۔"

میئر جانسن نے شہزاد کی طرف دیکھا۔ اس نوجوان کو وہ ڈھونی کی تدفین کے موقعے پر بھی دیکھ چکا تھا۔

"ہیلو... میں تمہارے لیے کیا کر سکتا ہوں نوجوان؟" جانسن نے اُس کی گستاخی کو نظر انداز کرتے ہوئے مسکرا کر دریافت کیا اور اپنی کرسی کی طرف بڑھ گیا۔

شہزاد نے سامنے سے ہٹ کر جانسن کو اپنی کرسی پر بیٹھنے دیا... پھر وہ اس کے سامنے میز پر دونوں ہاتھ رکھ کر میئر کی طرف جھکتے ہوئے بولا۔ "ہیرونین کہاں ہے جانسن؟"

"یہ ایک خوفناک مسئلہ ہے۔" میئر نے یکایک اُداس ہوتے ہوئے کہا۔ "منشیات کا قلع قمع کرنے کے لیے یہ معلوم ہونا ضروری ہے کہ ہیروئین کہاں ہے۔ ہیروئین ایک سماجی ناسور ہے، اسے معاشرے کے جسم سے کھرچ کر پھینک دینا چاہیے۔"

"تمہارا کہنا درست ہے... لیکن یہ ذخیرہ کہاں ہے؟"

"یہ سوال صرف تمہاری زبان پر نہیں، ہر مہذب دنیا کی زبان پر یہی بات ہے۔ باہر گلیوں اور بازاروں میں نکل جاؤ تو یہی سوال قدم قدم پر سُنائی دے گا کہ ہیروئین کا ذخیرہ کہاں ہے۔" جانسن تقریر کرنے کے انداز میں بولتا ہوا اُٹھ کھڑا ہوا... اور پھر اپنے دفتر کی عقبی کھڑکی کے سامنے کھڑے ہو کر بھی بولتا ہی رہا۔

شہزاد اس صورت حال سے بے حد محظوظ ہوا جیسے اُسے یقین آ گیا تھا کہ میئر ایک صاف ستھرا آدمی ہے۔ اس کے چہرے اور آنکھوں میں جو نرمی تھی اس سے شہزاد کو یقین ہو گیا کہ اس کے ہاتھ صاف ہیں... لیکن وہ عورت کون تھی؟

اچانک شہزاد کے ذہن میں فیوزنل ہوم کا منظر گھوم گیا۔ سوگواروں میں میئر جانسن کے ساتھ ایک عورت بھی تھی اور اس کے نقش و نگار اٹالین تھے۔ وہ عورت ڈھونی کی موت پر بلک بلک کر رو رہی تھی۔ اس کے قریب ہی میئر کی بیٹی اور سیکرٹری رینا بھی کھڑی تھی اور شہزاد نے اس کی آنکھوں میں بھی آنسو دیکھے تھے۔

"تدفین کے موقعے پر آپ کے ساتھ کون کون تھا میئر جانسن؟" شہزاد نے اپنے لہجے میں نرمی پیدا کر کے سوال کیا۔

"کیوں... میری بیوی اور میری بیٹی..." جانسن نے حیرت سے پلٹ کر شہزاد کی طرف دیکھا۔

"آپ کی بیوی تو ڈمونی کی موت پر یوں رو رہی تھی جیسے ڈمونی کی بجائے آپ کا انتقال ہوگیا تھا۔"

جانسن نے بے خیالی میں اثبات میں سر ہلا دیا... پھر اس کی آنکھوں میں غصے کی جھلک پیدا ہوگئی۔

اس سے پہلے کہ وہ گھونسہ تان کر شہزاد کی طرف لپکتا، شہزاد دروازہ کھولتا ہوا میئر کے کمرے سے باہر آگیا۔ اس کا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔ میئر جانسن واقعی ایک صاف ستھرا آدمی تھا۔ اس کے چہرے کی ساخت میں ذرا سی بھی سختی نہیں تھی جبکہ اس کی بیوی اور بیٹی کے چہرے اُسے کچھ سوچنے پر مجبور کر رہے تھے... اور پھر اُس نے ایک معلق خودہی ڈھونڈ نکالا۔ میئر کی بیوی کو ڈمونی کی موت پر یوں بلک بلک کر رونے کی کیا ضرورت تھی؟ اس کے علاوہ شہزاد کو یاد تھا کہ اس نے رینا کی آنکھوں میں بھی آنسو دیکھے تھے۔

رینا کا چہرہ اس کے ذہن میں اُجاگر ہوا تو نقش و نگار کی مماثلت بھی سامنے آگئی۔ ڈمونی اور رینا کے نقش و نگار میں زیادہ فرق نہیں تھا۔

میئر کے کمرے سے باہر آکر وہ تیزی سے رینا کے دفتر کی طرف بڑھ گیا۔ اس نے دروازے پر دستک دی اور جواب کا انتظار کیے بغیر اندر گھس گیا۔ وہ اپنی سیٹ پر موجود تھی۔

اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا ہوا تھا اور وہ اس وقت بھی سسک رہی تھی۔ اس نے سیاہ ماتمی لباس پہن رکھا تھا۔ شہزاد دروازے سے پشت لگائے کھڑا اُسے دیکھتا رہا۔

رینا سسکیاں بھر بھر کر روتی رہی۔

غالباً اُس نے دستک نہیں سُنی تھی۔

... پھر رفتہ رفتہ اسے احساس ہوگیا کہ کمرے میں کوئی اور بھی موجود ہے۔ اس کے دونوں ہاتھ چہرے سے ہٹ گئے اور آنسوؤں سے بھیگا ہوا چہرہ دکھائی دینے لگا۔

دھندلائی ہوئی آنکھوں سے رینا نے شہزاد کی طرف دیکھا تو بے اختیار اس کی زبان سے نکل گیا: "تم...!"

"ہاں... میں۔ دراصل کل رات تمہارے مسخرے کامیاب نہیں ہوسکے۔ اس لیے میں اس وقت تمہارے سامنے زندہ کھڑا ہوں۔" شہزاد کی آواز میں غصے کی سرد مہری کی ذرا سی بھی جھلک نہیں تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ اس سے کوئی شکایت نہ کر رہا ہو... بلکہ محض ایک اطلاع دے رہا ہو۔

رینا کی آنکھوں میں سُرخی آگئی۔

اس کا چہرہ سُرخ ہونے لگا۔

اس کی آنکھوں سے نفرت چھلکنے لگی اور اس کے نقش و نگار کا سارا حُسن غصے اور نفرت کے تاثرات سے زائل ہوگیا۔ وہ بے پناہ بھیانک دکھائی دینے لگی۔

"مجھے تم سے نفرت ہے۔" وہ غرّانے لگی۔

"اس کا مطلب ہے کہ پہلے تمہیں مجھ سے کچھ محبت تھی۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو نفرت کیوں ہوتی؟" شہزاد نے مسکرا کر کہا اور عقب میں دروازے کا لاک لگاتے ہوئے رینا کی طرف بڑھنے لگا۔

"مجھے تم سے شدید نفرت ہے۔" وہ بڑبڑائی۔ اس کے انداز سے ہذیان ظاہر ہو رہا تھا۔ "چلے جاؤ یہاں سے... چلے جاؤ۔"

شہزاد نے قریب پہنچ کر اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔

رینا نے جھٹکا مار کر خود کو چھڑانا چاہا لیکن کامیاب نہ ہوسکی۔ بے بسی سے اس کی آنکھوں میں ایک بار پھر آنسو آگئے۔ وہ ان آنسوؤں کو پینے کی ناکام کوشش کرتی رہی اور اس کے ہونٹ کانپتے رہے۔ وہ اس قدر جذباتی ہو رہی تھی کہ ٹھیک سے بولنا بھی اس کے لیے دُوبھر ہو رہا تھا۔

شہزاد نے اُسے اُٹھایا اور ایک قریبی کاؤچ پر ڈال دیا۔

فنگر کرافٹ میں حاصل کی ہوئی تربیت ایسے موقعوں پر اس کے بہت کام آتی تھی۔ اس کے فن کار ہاتھوں نے رینا کی نفرت دھو دی اور اب اس کی آنکھوں میں غصے اور نفرت کی بجائے غم کے آنسو تیرنے لگے تھے۔ "تم نے اسے کیوں مار ڈالا؟" وہ سسک کر بولی۔

شہزاد خاموش رہا۔

"وہ میرا باپ تھا۔" رینا کی سسکیاں تیز ہوگئیں۔

"مجھے بہت بعد میں احساس ہوا ڈارلنگ۔" اس نے رینا کے کان کی طرف جھکتے ہوئے دھیمی آواز میں کہا۔ "کاش! یہ بات تم نے مجھے پہلے بتا دی ہوتی۔"

"کیا تم یہ سمجھے ہو تھے کہ میئر جانسن جیسا نیم مُردہ میرا باپ ہوسکتا ہے؟" رینا نے سسک کر کہا۔ شہزاد نے اس کی پیٹھ تھپکتے ہوئے اپنے فن کار ہاتھوں کی گردش کو تیز کر دیا۔

.....

ولی نے بچوں کی جن کہانیاں سنتے ہوئے کار کے دروازے سے ٹیک لگالی۔ وہ کئی سیکنڈ تک کار سے ٹیکا کھڑا رہا۔ ہاتھ کہیں جا کر اس کی حالت معمول پر آئی... پھر اس نے دروازہ بند کر دیا۔

دروازہ بند کرتے وقت اس نے کوشش کی تھی کہ ذرا سی بھی آواز نہ پیدا ہونے پائے۔ یہی کوشش اس نے کھانستے وقت بھی کی تھی اور وہ دونوں ہی کوششوں میں کامیاب رہا تھا... کار کا دروازہ کھلنے اور بند ہونے کے درمیانی وقفے میں سوگوار مسز جانسن نیچے اُتر آئی تھی۔

ولی جانتا تھا کہ میئر کی حسین اٹالین بیوی ڈمونی کی محبت کا رسموں سے دَم بھرتی رہی ہے۔ اس کے آنسو ولی کو ذرا بھی متاثر نہیں کر رہے تھے بلکہ وہ دل ہی دل میں سوچ رہا تھا کہ اس خوبصورت عورت کو تھوڑے ہی دنوں بعد اپنی بیٹی کے لیے اسی طرح آنسو بہانے پڑیں گے۔

اس نے کار سے اُتر کر مسز جانسن کو سہارا دیا اور اُسے اُدھر خواب گاہ تک لے جا کر ایک گھریلو ملازمہ کے حوالے کر دیا۔ وہ واپس اپنی کار تک آیا تو ولی گھبراہٹ پر پُوری طرح قابو پا چکا تھا۔ اس نے کار اسٹارٹ کی اور اس کار کو سٹی ہال کی اس عمارت کی طرف کر دیا جہاں میئر کا دفتر تھا... اور جہاں رینا اپنے باپ کی سیکرٹری کے فرائض سرانجام دیتی تھی۔

اس کے ذہن میں اب بھی رینا کے اس جُملے کی بازگشت گونج رہی تھی جو اس نے گزشتہ روز ڈمونی کے مرنے کی خبر سُننے کے بعد اس سے کہا تھا۔ یہ جُملہ اس کے لیے ایک چونکانے والا جُملہ تھا لیکن ولی کو ڈمونی کا کام کرتے ہوئے اتنی مدت گزر گئی تھی کہ اب وہ ایسی انوکھی باتوں پر زیادہ دیر تک متاثر نہیں ہوتا تھا۔

رینا نے اسے بتایا تھا کہ ڈمونی کی موت کے بعد ہیروئین کا سارا ذخیرہ اب اس کی تحویل میں آچکا ہے اور وہ اُسے یعنی ولی کو پہلے رابطے کے طور پر استعمال کرنا چاہتی ہے۔ اگرچہ ڈمونی نے اسے بھی نہیں بتایا تھا لیکن ولی جانتا تھا کہ امریکا میں منشیات کے دھندے کا باس ڈمونی ہی تھا... لیکن اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ رینا اصل باس ہے... اُسے ہنسی آگئی۔ رینا نے اپنے اجنبی باپ کو سامنے رکھ کر اپنی شخصیت چھپالی تھی۔

ڈمونی کی موت کے بعد رینا نے جس انداز میں سب کچھ اپنے ہاتھ میں لیا تھا اور ولی کو جو احکامات دیے تھے اس سے اُس کی کاروباری سُوجھ بُوجھ کا پتہ چلتا تھا۔ اس نے واقعی کمال ہوشیاری سے سب کچھ سنبھال لیا تھا۔ رینا نے اُسے حکم دیا تھا کہ وہ منشیات کا قلع قمع کرنے والی پولیس کے چند کتوں کو کہیے کہ وہ شہزاد کو

ٹھکانے لگا دیں۔ ڈمونی نے بڑی ہوشیاری سے پولیس کے ایسے افراد کو اپنے ہاتھ میں لے رکھا تھا جو سرکاری طور پر اس کے خلاف تھے لیکن درحقیقت اس کے لیے کام کرتے تھے۔

ولی نے رینا کو یہ اطلاع دی تھی کہ حکومت ایک ایسی مشین استعمال کر رہی ہے جس سے سبزیوں کا پتہ چلتا ہے۔ جب یہ اطلاع رینا کو ملی تو وہ خوشی سے جھوم اٹھی تھی اور اس نے اسی وقت ہیروئین کی تقسیم کے لیے ایک بے داغ منصوبہ تیار کر لیا تھا۔

ولی یہ سب کچھ سوچتے ہوئے دل ہی دل میں مسکرا رہا تھا۔ کوئی بات نہیں۔ تم فی الحال تو میری ہاں ہو رینا۔ اس نے دل میں کہا لیکن جیسے ہی مجھے اس ذخیرے کے مقام کا علم ہوا تمہیں بھی اپنے ناجائز باپ کی طرح ایک گہری اور سرد قبر میں اُتر جانا پڑے گا۔ اب ہیروئین کے اس گروہ کا باس بننے کی صلاحیت صرف ایک ہی شخص میں ہے... اور وہ شخص میں ہوں۔ یہ سب کچھ سوچتے ہوئے وہ مارے خوشی کے بے خود ہوا جا رہا تھا۔

اس نے سٹی ہال کے عقبی حصے میں کار روکی اور اُتر کر تیزی سے عمارت میں داخل ہوگیا۔ لفٹ میں سوار ہو کر اس نے میئر کے دفتر تک رسائی حاصل کی اور پھر رینا کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

دروازہ اندر سے مقفل تھا۔

اس نے جیب سے وہ مخصوص چابی نکالی جو رینا نے اُسے گزشتہ رات دی تھی۔ دروازہ کھول کر اس نے جیسے ہی اندر قدم رکھا اُسے ٹھٹک جانا پڑا۔ وہ شہزاد اور رینا کو کاؤچ پر ایک ساتھ دیکھ کر یوں بن گیا جیسے اُسے سکتہ ہوگیا ہو۔

ولی کا ہاتھ اپنی پتلون کی جیب میں رینگ گیا۔

اس نے پستول نکال لیا۔ شہزاد کو دیکھ کر اُسے شدید جھٹکا لگا تھا کیونکہ اس نے جن تین پولیس والوں کو حکم دیا تھا وہ اس قسم کے آدمیوں کو ٹھکانے لگانے میں ماہر تھے۔

دروازہ کھلنے کی آہٹ سُن کر شہزاد بھی چونک پڑا۔

ولی نے اس کی آنکھوں میں بے پناہ سرد مہری اور سفاکی دیکھی۔ وہ بنیادی طور پر ایک بزدل آدمی تھا اس لیے پستول کے ٹریگر پر اس کی انگلی منجمد ہو کر رہ گئی۔ اچانک ہی اس کی نگاہوں میں مسٹر گاسوا اور ڈموسولی کی لاشیں گھوم گئی تھیں۔

شہزاد کی آنکھیں اس وقت منجمد برف کی دو ڈلیوں جیسی لگ رہی تھیں... پھر وہ رینا کو ہمیشہ کے لیے بھول کر اُٹھ کھڑا ہوا۔

ویلی نے اپنی منجمد انگلی کو حرکت دینے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ اس کی پتلون پر ایک گیلا دھبہ تیزی سے نمودار ہونے لگا۔

ٹائیگر آہستہ آہستہ اپنے شکار کی طرف بڑھنے لگا۔

اس کا ہاتھ دھیرے دھیرے بلند ہوا۔

یہ موت کا ہاتھ تھا۔ اگلے ہی لمحے کٹھاری ہتھیلی تیزی سے نیچے آئی۔ یہ طاقت ور ضرب تھی جو اگر ویلی کی کھوپڑی پر لگ جاتی تو شاید اس کا جسم درمیان سے دو حصوں میں تقسیم ہو گیا ہوتا۔ یہ محض اتفاق ہی تھا کہ ویلی اس ہاتھ کی رسائی سے پہلے ہی مارے خوف کے مر گیا ... نہ صرف اس کی حرکتِ قلب بند ہوئی بلکہ وہ گر بھی گیا۔

... اور اس کا یوں اچانک ہی گر جانا ٹائیگر کے لیے بیحد خطرناک ثابت ہوا۔ اس کا بازو چونکہ ہدف سے نہیں ٹکرایا تھا اس لیے، وہ اس کی قوت اور تیزی کو بروقت نہ سنبھال سکا... اور یوں ہاتھ قوسی حالت میں گھوم کر اس قدر پیچھے چلا گیا ٹائیگر کے کندھے کو شدید جھٹکا لگا۔

اس کے منہ سے کراہ نکل گئی۔

بازو کا کندھے سے تعلق ایک لمحے میں ختم ہو گیا۔ اس کا کہنی سے نیچے کا حصہ بے جان سی شاخ کی طرح جھول کر رہ گیا۔ تکلیف کی لہر اتنی اچانک اور شدید تھی کہ شہزاد گھٹنے کا موقع ہی نہ مل سکا۔ اگلے ہی لمحے وہ منہ کے بل گر گیا۔

وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔

جب بل کاؤچ پر کہنیوں کے سہارے ریبا آہستہ آہستہ بلند ہوئی۔ اس نے یہ حیرت انگیز منظر دیکھا تو اس کے لبوں پر لغزیدہ مسکراہٹ رقص کرنے لگی۔ وہ سمجھی تھی کہ شاید گرنے سے پہلے ویلی، شہزاد پر وار کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

"بہت خوب ویلی۔ بہت خوب۔" وہ ہنس کر بولی اور تیزی سے کاؤچ چھوڑ کر خون کی طرف لپکی۔ اگلے ہی لمحے وہ کسی کے بڑبڑائل کر کے تیزی سے احکامات دے رہی تھی۔

☆☆

شہزاد کا جسم کانپ گیا۔

اُسے اچانک ہی بے پناہ ٹھنڈک کا احساس ہوا۔ اس نے حرکت میں آتے ہی ذہنی صلاحیتوں سے کام لے کر جسم کو اپنی مرضی کے تابع بنانے کی کوشش شروع کر دی۔

رفتہ رفتہ اس کا وہ دورانِ خون تیز ہونے لگا جو ٹھٹھرے ہوئے جسم کو حرارت بخشنے لگی۔

جب ٹھنڈک کا احساس زائل ہو گیا تو پہلی بار شہزاد نے محسوس کیا کہ اس کے کندھے میں تکلیف ہے ... اور یہ تکلیف خاصی زیادہ ہے۔ اس لیے نچلا ہونٹ دانتوں میں دبایا۔

... پھر اس نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھول دیں۔

اس نے غور کو فرش پر دراز پایا۔ فرش بے حد ٹھنڈا تھا۔ اس نے گردن گھما کر ادھر اُدھر دیکھا۔ یہ کسی فیکٹری یا اسٹور کا فرش تھا۔ اور جو ٹھنڈک اُسے محسوس ہو رہی تھی، اس کا محض اس کے تخیل سے کوئی تعلق نہیں تھا بلکہ یہ تو خانہ واقعتہ بے پناہ سرد تھا۔

شہزاد نے محسوس کیا کہ کمرے میں ٹھنڈک کے بخارات سے اٹھے پھریرے ہیں۔ بالکل ایسا منظر ہو رہا تھا جیسے اُسے کسی سرد خانے میں پھینک دیا گیا ہو۔ اس نے آہستہ آہستہ خود کو فرش سے اٹھا کر نشست کی حالت میں لانے کی کوشش کی تو ایک اور انکشاف ہوا۔ اُس کا بایاں بازو ناکارہ ہو چکا تھا۔

اس کے بوڑھے اور عاقل الفطرت اُستاد اُوشان نے اُسے سپر مین بنا دیا تھا لیکن وہ اس کی جسمانی ساخت میں کوئی تبدیلی پیدا کرنے پر قادر نہیں تھا۔ ٹائیگر کے پٹھوں میں جو قوتِ حرکی اُسے کسی مخالف ہدف پر استعمال کرنے سے جو نتیجہ برآمد ہونا تھا وہی نتیجہ اس وقت بھی سامنے آنا تھا جب یہی طاقت اور توانائی خود اپنے ہی خلاف استعمال ہوئی تھی۔

ٹھنڈک کا احساس شہزادی کو نہیں بلکہ ریبا کو بھی ہو رہا تھا۔ وہ اس سے کچھ دُور کھڑی تھی اور اس کا جسم شدید ٹھنڈک کی وجہ سے کانپ رہا تھا۔ اس کے ایک ٹریلر ٹرک سے ٹیک لگائی اور فرش پر قدم جما کر کھڑی شہزاد کو گھورتی رہی۔

ٹرک پر کسی چیسلی ٹرک کمپنی کا نام پینٹ کیا گیا تھا۔ یہ تعداد میں چار تھے اور چاروں بڑی ترتیب اور نفاست سے اسی تہ خانے میں کھڑے تھے جہاں شہزاد فرش پر پڑا ہوا تھا۔

شہزاد نے سر کو جھٹکا دیا۔

اس نے اپنے ذہن اور آنکھوں پر سوار دھند کو جھٹکنے کے لیے دو تین بار کوشش کی اور پھر اُسے معلوم ہو گیا کہ یہ چاروں ٹرک کس چیز سے لدے ہوئے ہیں۔

ان میں ہیروئن کا وہی ذخیرہ تھا جس کی اُسے شدت سے تلاش تھی۔ وہ ایک ناکارہ بازو کے ساتھ بالآخر اس ذخیرے تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

... لیکن ان چار ٹرکوں اور سرد خانے سے زیادہ توجہ طلب چیز ایک اور تھی ... یہ چیز ریبا کے دائیں ہاتھ میں دبی ہوئی صاف مکھ آ رہی تھی۔ یہ ایک خوف ناک ریوالور تھا جس کی نال شہزاد کی طرف اٹھی ہوئی تھی۔

شہزاد نے دونوں ٹانگوں پر بوجھ ڈالا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

اُسے کھڑے ہونے کے لیے اپنے دست ہاتھ سے مدد لینے کی ضرورت نہیں پڑی تھی۔ اس وقت وہ اپنی بے پناہ قوتِ ارادی سے کام لے کر خود کو سنبھالے ہوئے تھا ورنہ اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو جس حالت میں پڑا تھا، اسی میں بے حس و حرکت پڑا رہتا۔

اس نے اپنے صحت مند ہاتھ کو یوں جھلایا جیسے جسم کو حرارت بہم پہنچانے کے لیے حرکت دے رہا ہو۔ اس دوران میں اس کی نگاہ ریبا پر جمی رہی تھی۔

وہ پلکیں جھپکائے بغیر اُسے دیکھ رہی تھی۔

اس کے سینے کا تموج ظاہر کر رہا تھا کہ شہزاد کی حالت کا اُسے خوب اچھی طرح سے اندازہ ہے اور وہ مطمئن ہے کہ اس حالت میں شہزاد اُسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اس نے ریوالور کو جس انداز میں تھام رکھا تھا، اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ اُسے آسانی سے استعمال بھی کر سکتی ہے۔

"ہم اس وقت کہاں ہیں؟" شہزاد نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔ وہ خود کو بے حد کمزور اور تکلیف میں مبتلا ظاہر کرنا چاہتا تھا۔

"تم اسی جگہ ہو جس کی تمہیں بڑی شدت سے تلاش تھی۔ یہ بیری ڈرگ فیکٹری ہے۔"

"اور یہ ٹرک ...؟"

"یہ ہیروئن سے بھرے ہوئے ہیں۔" ریبا نے فخر سے بتایا۔

"اوہ ... اتنی ہیروئن ... یہ تو کئی ٹن ہو گی۔" ریبا نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

اس دوران میں ایک لمحے کے لیے بھی وہ غافل نہیں ہوئی تھی اور نہ ہی اس کے ہاتھ میں پکڑے ہوئے ریوالور کے رُخ میں کوئی تبدیلی پیدا ہوئی تھی۔ وہ پوری طرح ہوشیار تھی اور اس کے ذہن سے شہزاد کو یقین ہو گیا تھا کہ وہ ذرا سے شبہے میں پڑ کر گولی چلانے سے باز نہیں رہے گی۔

"تم مجھے یہاں تک کیسے لے آئیں؟" شہزاد کے لہجے میں اب بھی نقاہت تھی حالانکہ وہ ذہنی اور جسمانی طور پر چاق و چوبند ہو چکا تھا۔ وہ اس بازو کو ذہن سے جھٹکنے میں کامیاب ہو گیا تھا جس سے درد کی لہریں اٹھ اٹھ کر اس کے جسم پر قیامت ڈھانا شروع کر دیتی تھیں۔

اب اُسے تکلیف کا احساس نہیں تھا۔

ذہن کے بعید ترین گوشے میں صرف یہ خیال تھا کہ اس کا بایاں بازو ناکارہ ہے اور اُسے محتاط رہ کر کوئی اقدام کرنا چاہیے۔ اس دوران میں، وہ یہ بھی کوشش کر رہا تھا کہ آہستہ آہستہ لیکن غیر محسوس انداز میں ریبا کے قریب پہنچ جائے۔ ریبا اس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔

اس کے چہرے پر گہرے تاثرات تھے۔

"تم نے بتایا نہیں۔" شہزاد نے دوبارہ کہا۔ "تم مجھے یہاں تک لانے میں کیسے کامیاب ہو گئیں؟"

"میرے ایک ساتھی نے تمہیں اُٹھا کر نیچے پہنچایا اور پھر میں اپنی کار میں تمہیں یہاں لے آئی تھی۔"

"اوہ ... تو کیا تمہارا کوئی پارٹنر بھی ہے؟" شہزاد نے یہ بات اس انداز میں کہی تھی جیسے اُسے ساتھی کا سُن کر دُکھ ہوا ہو۔ ریبا نے اس بات پر ایک لمحے کے لیے تہ خانے کے زینے کی طرف دیکھا۔

شہزاد کی نگاہوں نے اس کی نظروں کا تعاقب کیا۔

سیڑھیوں کے اوپر ایک دروازہ تھا جو اُس وقت مضبوطی سے بند تھا۔ اس نے وضاحت طلب انداز میں ریبا کی طرف دیکھا۔

"اس دروازے کے پیچھے ایک کمرہ ہے اور وہاں ایک نوجوان ہے۔ وہ میرا ملازم ہے۔" ریبا نے جواب دیا۔

"لیکن یہاں جو ذخیرہ ہے، وہ تو آدمیوں کے لیے بہت زیادہ ہے۔" شہزاد نے حیرت ظاہر کی۔

"کچھ نہ ہونے سے تو بہتر ہے۔" ریبا نے کن انکھیوں سے دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ غالباً وہ شہزاد کا اشارہ نہیں سمجھی تھی۔ شہزاد نے تہ خانے میں کھڑے ٹرکوں پر لدی ہوئی ہیروئن کا ذکر کیا تھا۔

شہزاد نے ایک بار پھر اپنا داہنا ہاتھ گھمایا۔

اس کے ساتھ ہی اس نے غیر محسوس انداز میں ایک قدم بھی آگے بڑھا دیا تھا۔

"کیا تم نے میرے بارے میں کبھی سنجیدگی سے نہیں سوچا تھا؟" شہزاد نے ریبا کی بات کو نظر انداز کر کے ایک اور سوال کیا۔ اس نے ایک اور قدم بڑھا دیا اور کن انکھیوں سے بند دروازے کی طرف دیکھنے لگا۔

ریبا نے پلکیں جھپکائیں اور پھر

شہزادے اپنی تمام تر ذہنی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے آنکھوں میں محبت کا طوفان پیدا کر لیا۔ یہ نگاہ رینا جیسی لڑکی کو آسانی سے گھائل کر سکتی تھی۔ وہ اسے پہلے بھی ایسی ہی نگاہ سے رام کر چکا تھا۔

دلی جذبات کو آنکھوں کے ذریعے ظاہر کرنا بھی ایک فن ہے اور شہزاد ٹائیگر کو اس بارے کی خاص طور سے تربیت دی گئی تھی۔ اس نے محسوس کیا کہ رینا ایک بار پھر اس کی آنکھوں سے مسحور ہو رہی ہے... لیکن جلد ہی وہ ایک جھرجھری سی لے کر رہ گئی۔

"ہاں... سوچا تھا... اور میں نے تم سے کہا بھی تھا... لیکن کاش! تم نے اس وقت میری بات مان لی ہوتی۔" وہ دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں گھو سے گئے تھے۔

"ایسا ہو سکتا تھا... اور ایسا ہونا بھی چاہیے تھا۔" رینا جیسے خود کلامی میں مصروف تھی۔ "لیکن تم نے میری بات نہیں مانی۔"

"میں نے مذاق سمجھا تھا۔"

"یہ کوئی جواز نہیں ہے۔ میں تمہاری فطرت سے واقف ہوں، تم کسی عورت کی غلامی قبول نہیں کر سکتے۔"

شہزاد نے ایک بار پھر بازو لہرایا اور آہستہ سے ایک قدم مزید آگے بڑھ گیا۔ اس کی آنکھوں میں بے پناہ نرمی تھی۔ اتنی نرمی ہٹ کر رینا پگھلی جا رہی تھی۔ "لیکن یہ تم نے مجھ پر ریوالور کیوں تان رکھا ہے؟"

"اس کے لیے تم نے مجھے مجبور کیا ہے۔" رینا نے کہا۔ اس کے لہجے میں لمحاتی سختی آ گئی تھی جو فوراً ہی معدوم ہو گئی۔ "اب بتاؤ کہ میں، تم پر کیسے اعتماد کر سکتی ہوں؟"

"عورتیں، مردوں پر کس طرح اعتماد کرتی ہیں؟" شہزاد نے مسکرا کر کہا۔ "کیا ہر عورت، مرد پر اعتماد کرنے سے پہلے اسی طرح اس پر ریوالور تان لیتی ہے؟"

"پہلے میرا بھی یہی خیال تھا کہ تمہارے سلسلے میں مجھے ریوالور اٹھانے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔" یہ کہتے ہوئے رینا نے ریوالور والے ہاتھ کو خفیف سا جھٹکا دیا۔

شہزاد کے جسم کا ایک ایک ریشہ تن گیا لیکن فائر نہیں ہوا۔

اس نے اپنا دایاں ہاتھ پھر لہرایا۔

ایک قدم اور آگے بڑھا۔

اس نے اپنے انداز سے یہ ظاہر نہیں ہونے دیا کہ اس کے ارادے کیا ہیں۔ اس کی آنکھوں سے اب بھی پیار ہی پیار چھلک رہا تھا۔ اسے اس بات کا اچھی طرح اندازہ ہو چکا تھا کہ عورت کو صرف پیار ہی سے قابو میں کیا جا سکتا ہے۔ پیار ہی وہ ہتھیار ہے جس سے عورت، مرد کو رام کرتی ہے۔ مرد اگر ذرا سی سوجھ بوجھ سے کام لے تو اسی ہتھیار کو عورت پر استعمال کر کے اسے زیر کر سکتا ہے... اور شہزاد ٹائیگر کو تربیت کے دوران میں یہ سب کچھ خاص طور سے سکھایا گیا تھا۔

شہزاد نے محسوس کیا کہ اس کی آنکھوں کی نرمی کام کر رہی ہے۔ ریوالور کی نال آہستہ آہستہ جھک رہی تھی۔

وہ اس سے صرف چند قدم کے فاصلے پر تھا۔

... پھر دونوں ایک دوسرے کی طرف بڑھنے لگے۔

وہ یوں ایک دوسرے کی طرف بڑھے جیسے آنکھوں کی کشش نے انہیں ایک دوسرے کی طرف کھینچ لیا ہو۔ رینا نے اس کی گردن میں بانہیں ڈال دیں... اور اس کے فوراً ہی بعد شہزاد کی سماعت سے ایک خفیف سی آواز ٹکرائی... کوئی چیز رینا کے ہاتھ سے نکل کر، پشت کی طرف سے فرش پر گری تھی۔

اس کے ہاتھ سے ریوالور نکل گیا تھا کیوں کہ شہزاد کی آنکھوں نے اسے پوری طرح اپنے اثر میں لے لیا تھا۔ اس نے اپنا دایاں ہاتھ رینا کے ایک بازو پر رکھا اور اسے آہستہ آہستہ ایک ہاتھ سے اٹھا لیا۔

ٹرک کے دروازے کے قریب پہنچ کر اس نے ہاتھ ہٹا لیا کیوں کہ رینا اس کی گردن میں جھول رہی تھی۔ اس نے ٹرک کے دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھ دیا۔ ہینڈل کو آہستہ آہستہ گھمایا۔

دروازہ کھل گیا۔

شہزاد نے رینا کو ٹرک کی سیٹ پر دھکیل دیا۔

اندر جاتے وقت اس کا کندھا ٹرک کے کسی حصے سے ٹکرا گیا۔ فوراً ہی درد کی ایک لہر اٹھی جس نے اسے بے چین کر دیا... لیکن اس کے ذہن پر جنونی کیفیت کا غلبہ ہو رہا تھا اس لیے اس نے کندھے کی تکلیف کو ایک بار پھر کھرچ کر پھینک دیا۔

وہ رینا پر جھک گیا۔

رینا نے آنکھیں بند کر لیں۔

اب وہ پوری طرح شہزاد کے اثر میں تھی۔ شہزاد اس کے کان کی طرف جھک گیا۔ رینا کے بازوؤں نے اس کی گردن کو اپنے حصار میں لے لیا اور وہ آنکھیں بند کیے شہزاد کی گھڑیاں سنتی رہی۔

"شہزاد..." اس نے دبی دبی آواز میں کہا۔ "شاید تمہیں اندازہ نہیں کہ میں تمہیں کس قدر چاہتی ہوں۔"

شہزاد ٹائیگر کے ذہن میں فوراً ہی ایک بے لباس جسم ابھر آیا۔ ایک نشے باز کم سن لڑکی کی لاش اس کے خیالوں کو درہم برہم کرنے لگی اور وہ سر سے پاؤں تک کانپ گیا۔

وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

رینا نے دونوں بازوؤں کے حصار میں اسے اپنی طرف گھسیٹ لینے کی کوشش کی لیکن ایک معصوم سی لڑکی کے بیکر نے شہزاد ٹائیگر کے ذہن میں طوفان اٹھا دیا تھا... اس کا دایاں ہاتھ آہستہ آہستہ بلند ہونے لگا۔

رینا اب بھی آنکھیں بند کیے پڑی تھی۔

شہزاد کا دایاں ہاتھ... مہلک ہاتھ کسی تیز کلہاڑے کی طرح آہستہ آہستہ اس کے چہرے کی طرف گرنے لگا۔ اسی لمحے سیڑھیوں کے اوپر والا دروازہ ایک دھماکے سے کھلا اور کوئی دھاڑتا ہوا تیزی سے دوڑتا سنائی دیا۔

قدموں کی آواز آہستہ آہستہ تہ خانے میں گونجتی رہی اور شہزاد ٹائیگر کا مہلک ہاتھ حسین رینا کے چہرے کی طرف اپنا جان لیوا سفر کرتا رہا۔

☆☆☆

ٹائیگر کے دل و دماغ پر اس معصوم لڑکی کا بیکر حاوی تھا اور اس نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ اس کی تباہ کار ہتھیلی نے رینا کے حسین چہرے کی طرف اپنا مہلک سفر کیا ایک ختم کر دیا۔

ایک لمحے کے لیے اسے یوں لگا جیسے اس کی ہتھیلی کے نیچے مٹی اور موم سے گندھا ہوا کوئی چہرہ پاش پاش ہو گیا ہو۔ اس نے ایک جھٹکے سے آنکھیں کھول دیں۔ رینا کے حسین چہرے کی جگہ ایک مسخ نقش درگاہ والا چہرہ تھا۔ اس نے رینا کے چہرے کی ہڈیاں منتشر ہوتے دیکھیں تو اس کے دماغ پر حاوی وہ بے لباس بیکر ہنس پڑا... اور اس ہنسی کی آواز شہزاد کو اپنی روح تک میں گونجتی محسوس ہونے لگی۔

اسے کسی کو قتل کر کے اتنا لطف محسوس نہیں ہوا تھا جتنی لذت اس حسین ناگن کا سر کچل کر اسے محسوس ہوئی تھی۔ رینا نے بھی اسے لطف اور لذت کی گھڑیاں دی تھیں لیکن اس کی موت نے ہر لذت کو دوبالا کر دیا تھا۔

وہ اچانک ہی پیچھے ہٹ گیا۔

تب پہلی بار اسے ایک اور بات کا احساس ہوا۔

ٹرک کی جس سیٹ پر اس نے رینا کو گرایا تھا، اس سیٹ پر دو آدمی براجمان تھے۔ وہ بغور ان دونوں کو دیکھتا رہا۔ یہ دو منجمد لاشیں تھیں۔ غالباً یہ وہی لوگ تھے جو ہیروئن سے بھرے ہوئے اس ٹرک کو ڈرائیو کر کے یہاں تک لائے تھے اور پھر انہیں یہاں سے نکلنے تک کی مہلت نہیں دی گئی تھی۔ ان کی لاشوں کو منجمد کر دیا گیا تھا اور پھر ان لاشوں کو نکالنے کی غالباً کسی کو فرصت ہی نہیں ملی تھی۔

ان لاشوں کو دیکھ کر شہزاد کی نگاہ میں وہ اکڑی ہوئی لاشیں گھوم گئیں جو ہیروئن استعمال کرنے کے نتیجے میں پارکوں اور فٹ پاتھوں پر پائی گئی تھیں۔ اس نے ایک بار پھر رینا کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے کو دیکھ کر یوں لگتا تھا جیسے کسی نے متھوڑے کی پے در پے ضربوں سے اس چہرے کو بری طرح کچل کر رکھ دیا ہو۔

شہزاد نے رینا کے حسین چہرے کو اپنے ذہن میں تازہ کرنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔ ایسی یادوں کے لیے اس کا ذہن کبھی آمادہ نہیں ہوتا تھا۔

اسے یکایک سردی کا احساس ہونے لگا۔

یہ احساس کچھ دیر پہلے بھی ہوا تھا... لیکن پھر رینا کی وجہ سے ٹھنڈک کا احساس خود بخود ہی جاتا رہا تھا۔ اس کے ساتھ ہی شہزاد کو یاد آیا کہ کچھ دیر قبل اس نے سیڑھیوں کے اوپر والا دروازہ کھلنے کی آواز سنی تھی۔ اس آواز کے ساتھ ہی کوئی دھاڑتا ہوا تہ خانے میں اترا تھا... لیکن پھر تہ خانے میں گہری خاموشی چھا گئی تھی۔ اس نے ٹرک سے دور ہٹ کر ادھر ادھر دیکھا۔

اس کی نگاہ سیڑھیوں کے اوپر واقع دروازے پر جم گئی۔

دروازہ کھلا ہوا تھا۔

دروازے کے روشن فریم سے کمرے کا کچھ سامان دکھائی دے رہا تھا۔ یہ یقیناً دفتر ہی تھا... لیکن وہ شخص کہاں غائب ہو گیا جو دروازے کو ایک دھماکے سے کھولتا ہوا تہ خانے میں داخل ہوا تھا؟

وہ متلاشی نگاہ سے اِدھر اُدھر دیکھتا رہا۔

تہ خانے کی سرد فضا میں ہر چیز ساکت اور ٹھٹھری ہوئی نظر آرہی تھی۔ اس نے اپنی تمام تر صلاحیتوں سے کام لے کر ایک بار پھر کوئی آواز سننے کی کوشش کی۔ . . لیکن ناکام رہا۔

کوئی آواز، کوئی آہٹ، کوئی سرسراہٹ نہیں تھی۔

وہ ہیروئین کے ٹرکوں کے گرد گھومتا ہوا ایک جگہ رُک گیا۔ یہاں فرش پر ایک شخص چت لیٹا ہوا تھا۔ اس کی آنکھیں سرد خانے کی چھت کو گھور رہی تھیں اور اس کا چہرہ کسی لاش کے چہرے میں تبدیل ہو چکا تھا۔ اچانک شہزاد کے حساس کانوں نے دھیمی سی سیٹی کی آواز سنی اور اس کے ساتھ ہی اُسے یوں لگا جیسے اس تہ خانے کے اوپر کہیں کوئی مشین چل رہی ہو۔ وہ آہستہ آہستہ سیڑھیوں کے اوپر واقع دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

☆☆

مائرن دھیمے سُروں میں سیٹی بجا رہا تھا۔

اس کی نگاہ ٹیبلٹ بنانے والی مشین پر جمی ہوئی تھی جو اسپرین کے لیبل میں لپٹی ہوئی ٹیبلٹس بنانے میں مصروف تھی۔ وہ اس ٹیبلٹ کو دیکھ کر ہنس پڑا کیوں کہ اُسے معلوم تھا کہ یہ درحقیقت اسپرین کی نہیں بلکہ ہیروئین کی ٹکیہ ہے۔

مائرن حیران تھا کہ رینا کو واپس آنے میں اتنی دیر کیوں ہوگئی ہے؟ وہ رینا کی فرمائش پر شہزاد کو بے ہوشی کے عالم میں اس کے دفتر سے اُٹھا لایا تھا اور پھر اسے سرد خانے میں پہنچا دیا تھا جہاں رینا محض اس لیے رُک گئی تھی کہ شہزاد کو گولی مار کر ہلاک کر دے۔ مائرن کو یاد آیا کہ اس نے ابھی تک ریوالور کا دھماکا بھی نہیں سُنا۔

. . . پھر ایک خیال کے تحت اس کے ہونٹ خود بخود ہی مسکرا اُٹھے۔ وہ جانتا تھا کہ رینا نام کی یہ گیدڑ کی بچی اس وقت کیا کر رہی ہوگی۔ وہ مشین کی طرف دیکھتا رہا جس سے اسپرین کی ٹکیاں بن بن کر سپلائی ہوتی جا رہی تھیں۔

اچانک اُسے قدموں کی خفیف سی آہٹ سُنائی دی۔

اس نے پلٹ کر نہیں دیکھا۔

وہ یوں سیٹی بجاتا رہا جیسے اُسے گرد و پیش کی ذرا بھی خبر نہ ہو۔ دراصل وہ رینا کے لیے اپنی بے نیازی کا اظہار کرنا چاہتا تھا . . . اور جب بالآخر اس نے پلٹ کر دیکھا تو اس کا دہانہ بے آواز سیٹی بجانے کے انداز میں گول کا گول رہ گیا۔

اس کے سامنے دو آدمی کھڑے تھے۔

ان میں سے ایک کے ہاتھ میں بریف کیس تھا اور دوسرے کی کمر سے میان جھول رہی تھی۔ اس کا ہاتھ تلوار کے دستے پر تھا۔ یہ دونوں آدمی مائرن کو گھور رہے تھے۔

"کون ہو تم لوگ اور بلا اجازت یہاں کیسے گھس آئے ہو؟" مائرن نے کڑے تیوروں سے سوال کیا۔

"بکواس مت کرو . . . اور شین کے پاس سے ہٹ جاؤ۔" تلوار والے شخص نے غصّے سے کہا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے دستے کو جھٹکا دیا اور تلوار نکل کر اُس کے ہاتھ میں چمکنے لگی۔

مائرن کا ہاتھ تیزی سے اپنی پتلون کی جیب کی طرف گیا لیکن شمشیر زن اپنے فن میں ماہر معلوم ہوتا تھا۔ اس نے تلوار لہرائی۔ ایک لمحے کو یوں لگا جیسے فضا میں کوئی سانپ پھنکارا ہو . . . پھر مائرن کے حلق سے چیخ نکل گئی۔

تلوار کا وار گردن پر پڑا تھا۔

مائرن کی گردن کے ساتھ ساتھ چیخ کی آواز بھی دَم توڑ گئی جیسے تیز دھار تلوار نے نرخرے کے ساتھ ساتھ آواز کو بھی کاٹ ڈالا ہو۔ جس شخص کے ہاتھ میں بریف کیس تھا، وہ اپنی پتلون کو سنبھالنے میں لگ گیا جیسے دہشت سے اس کے پیٹ کے عضلات سُکڑ گئے تھے اور پتلون کی گرفت برقرار نہ رکھ سکی تھی۔

"ویلی . . ." شمشیر زن نے داد طلب نگاہ سے بریف کیس والے شخص کی طرف دیکھا۔ "جاگر ابھی تک نہیں آیا؟"

"وہ تہ خانے میں گیا ہے۔ لڑکی یقیناً وہیں ہوگی۔" ویلی نے جواب دیا۔ اس کی آواز کانپ رہی تھی۔

"میں دیکھتا ہوں۔" یہ کہہ کر شمشیر زن پلٹا اور پھر قدم اُٹھاتے اُٹھاتے رہ گیا۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ پلٹتے ہی کسی وجہ سے منجمد ہوگیا ہو۔

ویلی بھی اس کی حالت پر چونکے بغیر نہ رہ سکا۔

اس نے پلٹ کر دیکھا تو اُس کے ہاتھ سے بریف کیس نکل کر فرش پر گر گیا۔ وہ بُری طرح ہانپنے لگا اور اس کے دونوں ہاتھ اپنی رانوں کے درمیان پہنچ گئے۔ مارے خوف کے اس کا پیشاب خطا ہونے لگا تھا۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے ٹائیگر کی طرف دیکھنے لگا۔

"اوہ، تو تم ابھی زندہ ہو۔" شہزاد نے مسکرا کر کہا۔ "میں نے زندگی میں کسی شخص سے اتنا بڑا دھوکا نہیں کھایا جتنا بڑا دھوکا تم نے مجھے دیا ہے۔"

شمشیر زن جلدی سے سنبھل گیا تھا۔ اس نے تلوار کے دستے

کو مزید مضبوطی سے تھام لیا اور آہستہ آہستہ شہزاد کی طرف بڑھنے لگا جو اس وقت بھی تہ خانے کے دروازے سے دو قدم آگے آکر کھڑا ہوگیا تھا۔

اس کا بایاں بازو اب بھی جھول رہا تھا۔

ویلی نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔ "اس کا ایک بازو ناکارہ ہے۔ اسے مار ڈالو . . . جلدی . . . پلیز . . . ورنہ . . ." خوف کی زیادتی سے وہ اپنا جملہ بھی مکمل نہ کر سکا۔

شمشیر زن تیزی سے آگے بڑھا۔

اس نے تلوار لہرائی۔

شہزاد کو اچھل کر اس کا وار خالی دینا پڑا۔

دوسری بار بھی شمشیر زن کا حملہ خطرناک تھا لیکن اس میں ٹائیگر جیسی پھرتی نہیں تھی۔ نتیجتاً اس کا تلوار والا ہاتھ گھوم گیا اور اس کے ساتھ ہی اُسے اپنی گردن پر شہزاد کی ہتھیلی کا وار سہنا پڑا۔

ویلی کے حلق سے چیخ نکل گئی۔

اس نے کچھ دیر قبل مائرن کی گردن کو تیز دھار تلوار سے کٹتے دیکھا تھا۔ . . لیکن اب اس نے محض ہاتھ سے گردن کو جسم سے الگ ہوتے دیکھا تھا۔

وہ فرش پر بیٹھ گیا اور فرش پر اس کے گرد زرد سا سیال بکھرنے لگا۔ شمشیر زن کے ہاتھ سے تلوار چھوٹ گئی تھی اور اس کا بے سر کا شانہ تڑپ رہا تھا۔

شہزاد نے تلوار اُٹھالی۔

ویلی نے آنکھیں بند کر لیں۔

"میں اس بار تم سے دھوکا نہیں کھاؤں گا، ویلی۔" شہزاد کا لہجہ بے حد خونخوار تھا۔ "میں حیران ہوں کہ تم اس وقت کیسے زندہ رہ گئے تھے؟"

"مم . . . میں . . . بے ہوش ہوا تھا۔" وہ ہکلایا۔

شہزاد ایک قدم اور آگے بڑھ گیا۔ اس کی نگاہ مائرن کی لاش پر پڑی جس کے تڑپنے سے خون کے چھینٹے اُڑ اُڑ کر اس پاؤڈر تک پہنچ رہے تھے جو اسپرین کی ٹکیوں میں تبدیل ہو رہا تھا۔ یہ ہیروئین کا پاؤڈر تھا اور اس میں مائرن کے خون کی آمیزش ہو رہی تھی۔

ٹائیگر نے نفرت سے ویلی کی طرف دیکھا۔

اس قدر حقیر اُسے پہلے کبھی کوئی انسان نہیں لگا تھا لیکن شہزاد کو یہ بھی احساس تھا کہ اسی حقیر شخص کی وجہ سے اس کا بایاں بازو کندھے سے الگ ہوا ہے۔

ویلی آنکھیں بند کیے ہوئے تھا۔ اس کے ہونٹ سپید پڑ گئے تھے اور اس کے رُخسار کی ایک نس شدت سے تڑپ رہی تھی۔ شہزاد کا تلوار والا ہاتھ بلند ہوا اور پھر ویلی کے سر کی طرف گرتا چلا گیا۔

کھوپڑی پر تلوار لگی تو اُسے کچے ناریل کی طرح کاٹتی ہوئی پسلیوں کے درمیان پہنچ گئی۔ ویلی دو حصّوں میں تقسیم ہوگیا۔ شہزاد نے تلوار پھینک دی اور ہیروئین کی ٹکیاں بنانے والی مشین کو بند کر دیا۔

خاموشی چھا گئی . . . گہری خاموشی . . . پھر ٹائیگر فون کی طرف بڑھ گیا۔ اگلے ہی لمحے وہ ایک نمبر ڈائل کر رہا تھا۔

☆☆

اُوشان کی آنکھیں ابھی تک سُرخ تھیں۔

وہ بار بار بڑبڑا رہا تھا اور اس کی مٹھیاں کئی بار غصّے سے بھنچ چکی تھیں۔ شہزاد ٹائیگر آنکھیں بند کیے ایک صوفے پر نیم دراز تھا۔ اس کا بایاں بازو ایک پٹّی کی مدد سے اُٹھا ہوا تھا۔ یہ پٹّی اُوشان نے اس کے گلے میں باندھی تھی۔

"تم مجھے مایوس کر رہے ہو، شہزاد۔" اس نے ٹہلتے ٹہلتے رُک کر کہا۔ "یقیناً تم اس وقت ذہنی طور پر کسی اور طرف متوجہ تھے۔"

شہزاد نے ندامت سے سر جھکا لیا۔

اُوشان کا اندازہ غلط نہیں تھا۔ وہ اس وقت رینا کے پُرکشش جسم میں کھویا ہوا تھا۔ اُوشان نے اس کے کندھے کی ہڈی بٹھا دی تھی اور اب وہ خود کو خاصا بہتر محسوس کر رہا تھا۔ اس کندھے نے اُسے بے حد تکلیف دی تھی لیکن ہیروئین کا جتنا بڑا ذخیرہ اس نے دریافت کیا تھا، اُسے یاد کر کے اُسے تکلیف کے مقابلے میں کہیں زیادہ خوشی محسوس ہو رہی تھی۔ اُوشان کے سامنے اُسے جس ندامت کا احساس ہوا، وہ بھی اس خوشی کے سامنے ہیچ تھی۔

اس کے علاوہ شہزاد ٹائیگر کے لیے خوشی کی ایک اور خبر بھی تھی کہ اُس کا چیف جزیرۂ فردوس سے ہمیشہ کے لیے امریکا آ گیا تھا۔ جزیرۂ فردوس کے صدرِ مملکت سے ہونے والے آئے دن کے اختلافات بالآخر فلکرافٹ کی تب ہی کا باعث بن گئے . . . لیکن بہرام اپنے بہت سے جانثاروں کے ساتھ جزیرۂ فردوس سے فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا اور اب وہ فلکرافٹ کی تنظیم کو دُنیا کے ہر ترقی یافتہ مُلک میں پھیلانے کا کام کر رہا تھا۔

فی الحال اس تنظیم کی پالیسی مکمل طور پر مرتب نہیں ہوئی

تھی تاہم یہ طے کرلیا گیا تھا کہ ٹائیگر ہر اُس مُلک میں جاکر کام کرے گا جہاں انسانیت کو اس کی ضرورت ہوگی۔

ٹائیگر کے لیے اپنی شخصیت کے اس پہلو پر فخر کرنے کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ اُس نے یہ سب باتیں اپنے اُستاد اُوشان کو بھی بتادی تھیں لیکن اُوشان اس کے کندھے کی وجہ سے بے حد ناراض تھا۔ اس نے خوشی کا اظہار تو نہیں کیا لیکن شہزاد جانتا تھا کہ وہ دِل ہی دِل میں اپنے شہکار ٹائیگر کی اس اہمیت پر نازاں ہے۔

"اب تم ایک ماہ تک اسی کمرے میں قید رہو گے۔" اُوشان نے سخت لہجے میں کہا۔ "تمھیں کسی عورت سے ملنے کی اجازت نہیں دی جائے گی اور ایک ماہ تک تم صرف اپنے بائیں بازو سے پریکٹس میں مصروف رہو گے۔"

"لیکن اُوشان . . ." شہزاد نے مُسکرا کر کہا۔ "چیف بہرام تو یہاں آتے ہی میرے لیے کوئی مصروفیت ڈھونڈنے میں لگ گیا ہوگا۔"

"میں اس سے بات کرلوں گا۔" اُوشان غرّایا۔

"اور اگر وہ آمادہ نہ ہُوا تو . . . ؟"

"تو میں تمھارا دایاں کندھا بھی بے کار کردُوں گا۔" اُوشان نے تلخی سے کہا۔

"اُوشان . . ." شہزاد نے پیار سے کہا۔

"کیا بات ہے؟" اُوشان چونک کر اُسے گھُورنے لگا۔ شہزاد اس لہجے میں اُسے بہت کم مخاطب کیا کرتا تھا۔

"تم شاید ایک بات سے ناواقف ہو۔"

"کس بات سے؟"

"یہی کہ غصّے میں تمھارا حُسن کس قدر بڑھ جاتا ہے۔"

"بکواس مت کرو۔" اُوشان جھینپ گیا۔ اس کے ہونٹوں پر مُسکراہٹ رقص کرنے لگی تھی۔

"کاش! تم میرے دِل میں جھانک کر دیکھ سکتے۔" شہزاد نے مزید جذباتی انداز میں کہا اور اپنی تربیت کے بل بوتے پر آنکھوں میں بے پناہ پیار سمیٹ کر لیا۔

اُوشان اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا۔ اس کے ہونٹوں پر مُسکراہٹ گہری ہوتی جارہی تھی۔ شہزاد جانتا تھا کہ وہ اُسے جذباتی طور پر متاثر کرنے میں کامیاب ہوگیا ہے۔

"تم مُدھے ہو . . . اوّل درجے کے گدھے۔" اُوشان کندھے اُچکاتا ہُوا اُٹھا۔ وی کی طرف بڑھ گیا۔ اس نے ٹی۔ وی کھولا اور اپنے پسندیدہ پروگرام کو دیکھنے میں محو ہوگیا۔

شہزاد خاموش بیٹھا اُسے دیکھتا رہا۔

اس کے ہونٹوں پر اَب بھی مُسکراہٹ تھی۔

**

امریکا کا ایک بینکار اُن دنوں سوئٹزرلینڈ کے مقام لوکرین میں مقیم تھا۔ اس کی حالت خوف اور دہشت کی وجہ سے تباہ ہوچکی تھی اور اس نے اسی عالم میں دس صفحات جلدی جلدی لکھ ڈالے تھے . . . یہ دس صفحات اُس کے مُلک امریکا کی بقا کے لیے بے حد اہم تھے۔

اُس نے ایک بار پھر اپنی تحریر کو پڑھا اور پھر ایک زرد لفافے میں یہ کاغذات رکھ کر اُسے سربمہر کردیا۔ اس نے خط پر وزارتِ خزانہ واشنگٹن کا پتہ لکھا اور سوچ میں پڑ گیا۔

ان دس صفحات میں اس نے امریکا کے صدر کے نام یادداشت تحریر کی تھیں اور آخر میں لکھا تھا کہ اگر امریکا دُنیا کے نقشے پر اپنا وجود برقرار رکھنا چاہتا ہے تو اُسے فوری طور کوئی نہ کوئی احتیاطی تدبیر اختیار کرنی چاہیے۔

پورٹر نامی یہ بینکار جانتا تھا کہ اگر اُس نے یہ خط صدرِ مملکت یا وزیرِ خزانہ کے نام پوسٹ کیا تو کبھی اُن تک نہیں پہنچے گا اس لیے اُس نے وزارتِ خزانہ کے پتے پر اپنی سیکرٹری کا نام لکھ دیا۔ یوں یہ خط ایک نجی خط کی حیثیت اختیار کرگیا۔ اُسے یقین تھا کہ اس کی ہونہار سیکرٹری یہ خط صدرِ مملکت تک پہنچا دے گی . . .

پورٹر گزشتہ تین ماہ سے دُنیا کے مختلف ممالک کا دَورہ کررہا تھا اور اسی دَورے کے دوران میں اُسے ایسے حالات معلوم ہوگئے تھے کہ جن کا علم ہونا اس کی زندگی کے لیے خطرناک بھی ثابت ہوسکتا تھا۔

وہ جانتا تھا کہ اَب اس کی زندگی غیر محفوظ ہے۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے تمام معلومات تحریری شکل میں اپنی سیکرٹری کو بھیجنے کا انتظام کرلیا تھا۔ یہ سب کچھ کرتے وقت وہ حیران تھا کہ آخر اُس کی حکومت ان حالات میں کیا کرسکے گی؟ تب ہی اُسے اُس پُراسرار ہستی کے بارے میں یاد آیا جس کے متعلق اُس نے اپنے مُلکی انٹیلی جنس کے بارے میں بہت کچھ پڑھا تھا . . . لیکن اس ہستی کے حقائق کا اس سے زیادہ علم نہ ہوسکا کہ وہ ایک مافوق الفطرت ہستی ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ہیروئین کا جتنا بڑا ذخیرہ اس ہستی نے کھوج نکالا تھا، وہ کبھی سامنے نہ آتا۔

"کاش! وہی ہستی اُس کام کو بھی اپنے ہاتھ میں لے لے۔" پورٹر نے خود کلامی کے انداز میں کہا اور پھر پیشانی سے پسینہ

پُونچھتا ہُوا فون کی طرف بڑھ گیا۔

اس نے واشنگٹن میں موجود اپنی بیوی کے لیے طویل فاصلے کی کال بُک کروائی اور فون کے قریب ہی بیٹھ کر سلسلہ ملنے کا انتظار کرنے لگا۔ خوف کی زیادتی سے اس کا چہرہ زرد پڑ گیا تھا اور اس کے ہاتھوں میں کپکپاہٹ پیدا ہوگئی تھی۔

اچانک فون کی گھنٹی بجنے لگی۔

"ہیلو . . ." دوسری طرف سے اُس کی بیوی کی سُریلی آواز سُنائی دی۔ اس آواز کو سُن کر پورٹر کا خوف قدرے دُور ہوگیا اور اُسے یُوں محسوس ہونے لگا جیسے خوف، برف کی ایک ایسی سِل کی مانند تھا جو اُس کی بیوی کی آواز سے خود بخود ہی پگھل گئی ہو۔

"ہیلو ڈارلنگ!" پورٹر نے اپنی آواز کو حتی الوسع پُرسکون بناتے ہُوئے کہا۔

"تم کب واپس آرہے ہو، جان؟"

"دو ہفتوں کے اندر اندر . . ." پورٹر نے جواب دیا حالانکہ وہ جانتا تھا کہ باہر چند ایسے لوگ اس کا انتظار کررہے ہیں جو اُسے کبھی واپس نہیں جانے دیں گے۔ یہ خیال آتے ہی اُس کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔ "بچے کیسے ہیں؟" اس نے بھرائی ہُوئی آواز میں پوچھا۔

"سب ٹھیک ہیں، جان . . . لیکن ہم سب کو تمھاری کمی بڑی شدّت سے محسوس ہورہی ہے۔ کیا میں بچّوں کو لے کر سوئٹزرلینڈ آجاؤں؟"

"نہیں . . ." پورٹر نے زندگی میں پہلی بار اپنی بیوی کی فرمائش کو ردّ کرتے ہُوئے کہا۔

"تو پھر پورٹر، پلیز جلدی واپس آجاؤ۔" اس کی بیوی نے بے چینی سے کہا اور پورٹر کو یوں محسوس ہُوا جیسے کوئی اُس کے جسم سے رُوح کو کھینچ کر الگ کررہا ہو۔ اس کے گھٹنے کانپنے لگے۔ وہ صوفے کی پُشت گاہ سے ٹیک کر بیٹھ گیا۔

"میں جانتا ہُوں تم مجھ سے بہت محبت کرتی ہو۔" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "تم نے مجھے بے پناہ خوشیاں دیں . . . تم نے میری تکمیل کی . . . میں آج پہلی اور آخری مرتبہ یہ اعتراف کررہا ہُوں کہ تم نے مجھے زندگی کی سچّی خوشیوں سے روشناس کرایا . . . میں آخری وقت میں بھی تمھیں نہیں بھُولوں گا۔ ڈارلنگ . . ."

"پورٹر . . . یہ تم کیسی باتیں کررہے ہو . . . کیسا آخری وقت؟"

"میں آخر سانس تک تم سے محبت کرتا رہُوں گا۔" پورٹر نے آنسو ضبط کرتے ہُوئے کہا۔ "خُدا حافظ ڈارلنگ . . . بچّوں کو میری طرف سے پیار کرنا۔" یہ کہہ کر اس نے سلسلہ منقطع کردیا۔

کچھ ہی دیر بعد وہ خط پوسٹ کرکے کرائے کی کار میں تھن نامی گاؤں کی طرف جارہا تھا۔ اسے یہ گاؤں بہت پسند تھا مرنے کے لیے وہ جگہ واقعی بہت مناسب تھی۔

وہ سوچنے لگا کہ اگر صدر کے نام یادداشت اس کی سیکرٹری مارگریٹ کو مل گئی تو وہ اسے فوراً ہی صدر تک پہنچانے کا انتظام کرے گی۔ اس نے یادداشت کے ساتھ مارگریٹ کو بھی ایک خط لکھا تھا جس میں ہدایت کی تھی کہ وہ یہ کاغذات بذاتِ خود صدرِ مملکت تک پہنچائے۔

پورٹر نے عقب نُما آئینے میں دیکھا۔ ایک سیاہ کار اس کا تعاقب کررہی تھی۔

پورٹر نے انتہائی جانفشانی کے بعد واشنگٹن میں ہم مقام حاصل کیا تھا . . . لیکن آج واشنگٹن کا وہائٹ ہاؤس نہیں بلکہ پُورا امریکا . . . امریکا کی آزادی . . . مجسّمۂ آزادی . . . سب ہی یہ کہتے محسوس ہورہے تھے کہ پورٹر کو آج مرنا ہے . . . اپنے لیے نہیں بلکہ اپنے وطن کی آزادی کے لیے . . .

وہ اگر چاہتا تو سی آئی اے کی یہ درخواست مسترد کردیتا کہ وہ عالمی جائزے کے دَورے پر چلے لیکن اس نے ہمیشہ کی طرح آج سے تین ماہ قبل بھی ایک ایسی ذمّے داری قبول کرلی جس کی اہمیت کا اسے اُس وقت احساس نہیں تھا . . . اور اب جب اہمیت کا اندازہ ہُوا تو موت اس کی طرف بڑھ رہی تھی۔

تین ماہ قبل سی آئی اے کے چیف نے اُسے بُلا کر خِدمانہ سوال پُوچھے تھے۔

"ایک ارب ڈالر کی حقیقت کیا ہے مسٹر پورٹر؟"

"کس شکل میں؟" پورٹر نے جواباً پوچھا تھا۔

"سونے کی شکل میں۔"

"اتنا سونا بہت کم مُلکوں کے پاس ہے . . . اور جن کے پاس اتنا سونا موجود ہے، وہ اسے گوداموں میں چُھپا چُھپا کر رکھتے ہیں تاکہ ان کی کرنسی میں استحکام برقرار رہے۔"

"بعض ممالک ایک ارب ڈالر کا سونا جمع کرنے کی کوشش کیوں کرتے ہیں؟" سی آئی اے کے چیف نے پوچھا تھا۔

"محض عادتاً۔" پورٹر نے جواب دیا تھا۔ "لوگ صدیوں سے سونا جمع کرنے کے خبط میں مُبتلا ہیں حالانکہ امریکی ڈالر از خود سونے جیسی اہمیت کا حامل ہے۔"

"اگر کوئی ملک ایک ارب ڈالر کا سونا خریدے تو کیا ہوگا' مسٹر پورٹر؟"

"ہم خود کیوں نہیں خرید لیتے؟" پورٹر نے اُلٹا اسی سے سوال کیا۔

"اگر کوئی چیز ایک ارب ڈالر مالیت کے سونے کی شکل میں فروخت کی جارہی ہو تو کیا آپ یہ پتہ چلا سکتے ہیں کہ کیا چیز بک رہی ہے اور خریدار کون ہے؟"

"اس صورت میں تو کوئی ملک ہی بک سکتا ہے... اور خریدنے والا بھی کوئی ملک ہی ہوسکتا ہے۔" پورٹر نے جواب دیا۔

"مسکریہ... مجھے خوشی ہے کہ آپ بات کی تہ تک پہنچ رہے ہیں۔" سی آئی اے کے چیف نے کہا اور یوں دو روز بعد پورٹر عالمی مالیاتی منڈیوں کے دورے پر نکل گیا تھا۔ تب اسے معلوم ہوا کہ کون کون سے ممالک سونے کی خریداری میں مصروف ہیں اور انھیں سونا کہاں سے مل رہا ہے۔ اس نے عملی طور پر تصدیق کے لیے چوبیس لاکھ ڈالر واشنگٹن سے منگوائے اور جب اس نے سونا خریدنے کی کوشش کی تو اسے معلوم ہوا کہ ان ملکوں کو سونے کی ضرورت کیوں ہے۔ یہ ممالک یہ سونا عام نیلام میں رکھنا چاہتے تھے اور پہلی بولی کم از کم ایک ارب ڈالر رکھی تھی اور جب اسے یہ علم ہوا کہ نیلام گھر میں کیا کچھ ہو رہا ہے تو اسے اندازہ ہوگیا کہ امریکا کی آزادی کا تحفظ اب بہت مشکل ہے۔ وہ ان معلومات سے سی آئی اے کے چیف کو بھی آگاہ نہیں کرنا چاہتا تھا جس نے اسے عالمی منڈیوں کے دورے کا کام سونپا تھا۔

وہ سوچنے لگا کہ لوگوں کو میری لاش تین چار روز کے بعد ملے گی... پھر اسے تدفین کے لیے امریکا بھیج دیا جائے گا لیکن سیکرٹری مارگریٹ' میری آخری رسوم میں شرکت کے لیے موجود نہیں ہوگی۔ وہ میری یادداشت کو صدر تک پہنچانے کے بعد خود بھی اپنی زندگی بچانے کے لیے بھاگ دوڑ کر رہی ہوگی۔ اسے یقین تھا کہ مارگریٹ اور صدر کی غیر معمولی ملاقات کے بعد ملک دشمن عناصر مارگریٹ کے پیچھے بھی پڑ جائیں گے اور امریکی صدر اس کی زندگی بچانے کے لیے کچھ بھی نہیں کرسکیں گے بلکہ وہ یادداشت پڑھ کر مارگریٹ کو مشورہ دیں گے کہ وہ کہیں روپوش ہوجائے۔

★★

امریکی صدر نے مسٹر پورٹر کی پرائیویٹ سیکرٹری سے ملاقات کے لیے بمشکل پانچ منٹ کا وعدہ کیا تھا لیکن ملاقات ایک گھنٹے تک جاری رہی۔ وہ مارگریٹ کو وہائٹ ہاؤس کے عقبی دروازے تک جانے والے راستے پر چھوڑنے کے لیے خود ہی آئے اور جب وہ چلی گئی تو صدر بھی تیز تیز قدم اُٹھاتے ہوئے اپنی خواب گاہ کی طرف بڑھ گئے۔ ان کے دل و دماغ میں پورٹر کے خط کا آخری جملہ گونج رہا تھا۔ "خدا حافظ صدر محترم! مجھے یقین ہے کہ تمام تر دشواریوں کے باوجود آپ عظیم تر امریکا کو تباہی سے بچانے میں کامیاب ہوجائیں گے۔"

صدر نے بیڈ روم میں آکر کپڑے نہیں بدلے بلکہ انھوں نے اپنی میز کی ایک دراز کھینچی جس میں سُرخ رنگ کا ایک فون رکھا تھا۔ اُنھوں نے ایک نمبر ڈائل کیا۔

"ڈاکٹر بہرام اسپیکنگ!" دُوسری طرف سے باریک سی آواز سُنائی دی۔

"میں بات کر رہا ہوں۔" صدر نے کہا۔

"میں سمجھ گیا تھا۔" بہرام نے کہا۔

"فوراً میرے پاس پہنچو۔" صدر کی آواز میں بے چینی تھی۔

"میں اپنے عملے کو ہدایت کر رہا ہوں کہ تمھیں فوری طور پر میرے کمرے میں پہنچا دیا جائے۔"

"کیا بات ہے جناب! آپ بہت پریشان ہیں؟" بہرام نے پوچھا۔

"ہاں... یہ ایک ایسی پریشانی ہے جسے تھا رگروپ ہی دُور کرسکتا ہے۔"

"لہٰذا..." بہرام نے دُوسری طرف ایک طویل سانس لی۔

"اور تم اپنے آدمی کو بھی چوکس کردو۔" صدر نے کہا۔

"لیکن جناب! ٹائیگر کو چوکس کرنے سے پہلے میں یہ ضرور پوچھنا چاہوں گا کہ پریشانی کی بات کیا ہے؟" بہرام نے وضاحت چاہی۔

"میرا ملک اس وقت سنگین ترین حالات سے دوچار ہے۔" صدر نے جواب دیا۔ "تم یہاں آؤ گے تو تمھیں سب کچھ معلوم ہوجائے گا۔"

صدر نے فون دراز میں بند کرکے دس صفحے کا وہ خط نکال لیا جسے پڑھنے کے بعد اُنھوں نے مجبوراً بہرام سے درخواست کی تھی کہ وہ شہزاد کو ایک نئے آپریشن کے لیے تیار کردے۔ انھیں شہزاد کی صلاحیتوں پر اعتماد تھا اور خط سے یہ بات صاف عیاں تھی کہ اگر اُنھوں نے کسی امریکی کو اعتماد میں لیا تو سازش ناکام نہیں ہوگی بلکہ امریکی حکومت اور آزادی کو لاحق خطرہ قریب ہی نہیں مزید سنگین بھی ہوجائے گا۔

★★

شہزاد عباسی کے سلور کلب کے گولف گراؤنڈ میں کھیل رہا تھا۔ صبح کے ساڑھے پانچ بجے تھے۔ اندھیرا آسمان روشن ہونے لگا تھا۔ اس نے اب تک کئی گیندیں کھو نہ جانے کہاں کہاں اُچھالا کہ کلب کا ملازم ان گیندوں کو واپس نہیں لا سکا تھا۔ کندھا درست ہونے کے بعد وہ پہلی بار اپنے کمرے سے باہر آیا تھا۔ اس نے ملازم سے ایک گیند لی' اسے زمین پر جمایا اور اسٹک سے گیند کو چھوا۔ گیند ایک سُوراخ میں لڑھک گئی۔ وہ چلنے لگا تو کلب کے ملازم کو یوں لگا جیسے شہزاد پانی پر سفر کر رہا ہو۔ اس کے جسم کی ہر حرکت متناسب تھی۔ فولاد کھیلتے ہوئے نہ تو اس کے اعصاب منتشر ہوئے اور نہ ہی عضلات میں تناؤ پیدا ہوا۔ اس کا چہرہ دھوپ سے تمتما رہا تھا اور اس کے ہونٹوں پر تقریباً مسکراہٹ تھی۔

ملازم گیند کو سُوراخ سے نکال کر واپس لایا۔ شہزاد نے گیند پر پھر ضرب لگائی اور اس سے پہلے کہ گیند تیسرے سُوراخ میں گرتی' خود شہزاد چوتھے سُوراخ سے آگے بڑھ گیا۔ اس مرتبہ گیند تیسرے سُوراخ میں نہیں بلکہ گراؤنڈ سے باہر ایک سوستر گز آگے جارہی تھی۔ ملازم نے حیرت سے شہزاد کی طرف دیکھا اور حیرت زدہ انداز میں گیند کو واپس لانے کے لیے دوڑتا چلا گیا۔

شہزاد کو علم تھا کہ ملازم واپس آنے میں دیر لگائے گا چنانچہ وہ ایک درخت سے ٹیک لگا کر کھڑا ہوگیا۔ اسے یاد تھا کہ کل غیر متوقع طور پر بہرام سے رابطہ قائم کرنا پڑا تھا۔ کل رات جب وہ ہوٹل واپس آیا تو اس نے بہرام کے خفیہ نمبر ڈائل کیے۔

"شہزاد... کل تم اپنے آپ کو تیار کرلو۔ میں تم سے دس بجے ڈلاس امپورٹ پر ملوں گا۔ شناخت چھپانے کے لیے ضروری کارروائی کا وقت نہیں۔ لہٰذا جس حالت میں بھی ہو۔ اسی میں آجاؤ۔" بہرام نے کہا تھا۔

"کیا...؟" شہزاد جھنجلا گیا۔ اسے اتنی جلد کسی ہنگامے کی توقع نہیں تھی۔

"تم میری بات سُن چکے ہو... کل رات دس بجے تم سے ملاقات ہوگی۔" بہرام نے سخت لہجے میں کہا۔

شہزاد شرٹ اور انڈر ویئر میں کھڑا تھا۔ اُس نے دُوسرے کمرے میں دیکھا۔ اُدشان مسلسل تین گھنٹے سے ٹیلی وژن دیکھ رہا تھا۔ مرکنڈ شیئر کی ہلکی ہلکی آواز کمرے میں گونج رہی تھی۔

"میرا خیال ہے کہ میں اپنے چیف بہرام ہی کی آواز سُن رہا ہوں۔" شہزاد نے ایک مرتبہ پھر جھنجلاہٹ کا اظہار کیا۔

"بالکل... اس نمبر پر میرے علاوہ اور کون بات کرسکتا ہے؟" بہرام نے کہا۔

"میں صرف اس حیرت کا اظہار کر رہا ہوں جو نئی ہدایات سُننے کے بعد محسوس ہو رہی ہے۔ آپ نے کہا تھا کہ ہر معرکے میں میرا چہرہ مختلف ہوگا اور ہر معرکے کے بعد میرے چہرے کی پلاسٹک سرجری ہوگی لیکن آپ کہہ رہے ہیں کہ میں جس حالت میں ہوں' اُسی میں ملنے آؤں۔"

"ہاں... اور یہاں تک تمھاری تیاری کا سوال ہے تو اُدشان کا کہنا ہے کہ تم نیم تیاری کی حالت میں بھی ہر کارنامہ سرانجام دے سکتے ہو۔" بہرام نے کہا۔

"یہ اُدشان کا کہنا ہے؟" شہزاد نے حیرت سے کہا۔

"ہاں..." بہرام کی آواز قدرے نرم تھی۔

"اور میں جو کچھ کہہ رہا ہوں' اس کی آپ کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں کہ میں عدم تیاری کی حالت میں ہوں۔"

"اس بارے میں ہم کل رات بات کریں گے۔" بہرام نے جواب دیا اور سلسلہ منقطع ہوگیا۔ شہزاد نے وہ حساس آلہ ٹیلی فون سے الگ کردیا جس کے باعث ٹیلی فون پر ہونے والی گفتگو کسی اور لائن پر سنائی نہیں دے سکتی تھی۔ یہ آلہ شہزاد کے ہاتھ میں تھا۔ وہ بہرام کی نئی ہدایت کے بارے میں سوچتا رہا۔ اس کے ہاتھ کے عضلات سخت ہونے لگے... اور پھر یوں ہے کہ وہ آلہ' پلاسٹک کے کسی کھلونے کی طرح اس کے ہاتھ میں ٹوٹا اور فرش پر بکھرتا چلا گیا۔

شہزاد دُوسرے کمرے میں آیا جہاں اُدشان کنول کا آسن جمائے ٹیلی وژن دیکھ رہا تھا۔ اس کے کندھوں پر ایک مشنری طرز کا لبادہ پڑا ہوا تھا۔ "اُدشان!" شہزاد نے اسے مخاطب کیا۔ "تم نے بہرام کو یہ کیوں بتا دیا کہ میں نیم تیاری کی حالت میں بھی کام کرسکتا ہوں؟"

اُدشان نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کے دونوں آسمانی ہاتھ گود میں رکھے ہوئے تھے۔

"تم مجھے ہلاک کروانا چاہتے ہو' اُدشان؟" شہزاد نے شکایت آمیز لہجے میں کہا۔

اُدشان اب بھی خاموش تھا۔ کمرے میں ٹیلی وژن کی آواز گونج رہی تھی۔

"میں یہ ٹیلی وژن سیٹ اُٹھا کر پھینک دوں گا' اُدشان!" شہزاد نے دھمکی دی۔

"شش...!" اُدشان نے دائیں ہاتھ کی انگشت شہادت اپنے لبوں پر رکھ کر آواز نکالی۔ ٹیلی وژن پروگرام کے دوران باتیں کرنا اُسے پسند نہیں کرتا تھا۔ چند لمحے بعد پروگرام ختم ہوگیا اور اشتہارات آنے لگے تو اس نے طویل سانس لے کر کہا۔ "تمھیں مکمل تیاری کے احتمالہ تصور سے نجات حاصل کرنا چاہیے میرے بچے۔ تم تو کسی ایسی کار کی مانند ہے جو دس میل فی گھنٹہ کے علاوہ ایک سو میل فی گھنٹہ کی رفتار

سے بھی دوڑ سکتی ہے۔"

"لیکن اس رفتار سے کار الٹ بھی سکتی ہے۔" شہزاد نے اعتراض کیا۔

"اس کا دارومدار کار کے ڈرائیور پر ہے۔"

"کار کی راہ میں رکاوٹیں بھی تو آسکتی ہیں۔" شہزاد نے کہا۔

"جن ڈرائیوروں میں حوصلہ ہو وہ رکاوٹوں کی پروا نہیں کرتے بلکہ ریس جیت لیتے ہیں۔" اوشان نے جواب دیا۔

"فکر یہ مقدس اُستاد!" شہزاد نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ اس کی ساری جھنجلاہٹ اُوشان سے محض چند باتیں کرنے میں ختم ہوگئی تھی۔ "آپ سے باتیں کرکے بڑا سکون ملتا ہے ... کل رات مجھے کوئی نیا کام مل رہا ہے۔"

"تب پھر اپنے جسم کو حکم دو کہ وہ تمہارے ذہن کے تابع ہوجائے ..." اوشان نے کہا۔ "میرے بچے! ذہن تمہارا غلام ہے، جسم ذہن کے تابع ہے اور تم آقا ہو ... اپنے اس غلام کو تیار کرلو ..."

"بہت بہتر، مقدس اُستاد ..."

"اور کبھی غصّے کو اپنے قریب مت آنے دو۔ غصّہ عمل کی راہ میں دُنیا کی سب سے بڑی رُکاوٹ ہے۔ غصّہ، فہانت کو ہڑپ کرلیتا ہے۔ ہم ذہن کے بغیر گائے سے زیادہ گندذہن اور کچھوے سے زیادہ سُست ہوجاتے ہیں لیکن ذہن کی وجہ سے ہم ہر چیز پر حکمرانی کرتے ہیں۔"

شہزاد اوشان کے کمرے سے اپنے بیڈ رُوم میں واپس آیا۔ اب وہ جسم کو ذہن کے تابع کرنے کی مشق کررہا تھا۔ پہلے اس نے کمرے میں چہل قدمی کی ... پھر برفتار تیز کی اور ایک دیوار سے دُوسری دیوار تک دوڑنے لگا ... ایک دیوار سے دُوسری دیوار تک کا فاصلہ طے کرنے میں ہر چکر کے بعد اس کی رفتار تیز ہوتی رہی حتیٰ کہ وہ کمرے میں اُڑتا محسوس ہونے لگا اس کے پیر فرش پر نہیں لگ رہے تھے حالانکہ وہ فرش پر دوڑ رہا تھا۔

شہزاد کو درخت سے ٹیک لگائے کھڑے سوچوں میں ڈُوبے خاصی دیر ہوگئی تو وہ چونک اُٹھا۔ اسی وقت ملازم گیند لے کر واپس آگیا۔ اس کی سانس بُری طرح پھول رہی تھی۔

"یہ ... یہ ..." ملازم نے گیند کی طرف اشارہ کیا جو اس کے ہاتھ میں دُبی ہوئی تھی ... "یہ گراؤنڈ کے باہر پڑی ہوئی تھی۔ ... میں نے آج تک اتنا شاندار شاٹ نہیں دیکھا۔ آج تک یہ گیند اتنی دُور کبھی نہیں گئی۔"

ملازم کی بات سُن کر شہزاد کو احساس ہُوا کہ اس نے بہرام اور اپنی گفتگو کو کچھ زیادہ ہی اعصاب پر سوار کرلیا ہے اور اسی باعث اس نے جھنجلاہٹ کے عالم میں گیند پر غیر معمولی چوٹ لگادی تھی۔

"کمال ہے بھئی ... پتہ نہیں ایسا شاٹ کس طرح لگ گیا۔" شہزاد نے بات بناتے ہوئے گیند کو سوراخ نمبر ایک سو گیارہ کی طرف شوٹ کیا۔ یہ سُوراخ ذرا دُور تھا۔ ساتھ ہی وہ خود بھی اس سوراخ کی طرف دوڑا ... لیکن اسی لمحے گولیاں چلنے کی آواز سنائی دی۔ شہزاد نے پلٹ کر ملازم کو دیکھا۔ اس کی کھوپڑی سے خُون کا فوارہ بلند ہورہا تھا۔ ملازم گر پڑا۔ اگلے ہی لمحے اس کے جسم میں مزید دو گولیاں لگیں۔

شہزاد زمین سے چپک گیا تھا۔ اس نے اندازہ لگایا کہ فائرنگ کرنے والا درختوں کی آڑ میں بیٹھا ہُوا طاقت وَر گن استعمال کررہا ہے ... اس نے اپنی حساس آنکھ پر زور دیا۔ آنکھ پہلے تو کچھ ہچکچائی مگر پھر ایک درخت پر مرتکز ہوگئی۔

ملازم کی لاش ایک بار پھر اُچھلی۔ شاید اس نے آخری ہچکی لی۔

شہزاد اُچھلا اور درختوں کے جُھنڈ کی طرف دوڑنے لگا جہاں اس کی حساس آنکھ نے ایک رائفل کی نال دیکھ لی تھی۔ وہ بہت تیزی سے دوڑ رہا تھا۔ گولیاں پھر چلیں لیکن شہزاد زِگ زیگ انداز میں دوڑتا رہا۔ گولیاں اس کے دائیں بائیں گزرتی رہیں ... جُھنڈ اور شہزاد کا درمیانی فاصلہ تیزی سے کم ہورہا تھا ایک گولی اس کے پیر کے قریب ریت میں گھُسی اور اسی وقت جُھنڈ میں سے دو آدمی باہر آگئے۔ ان کے ہاتھوں میں پستول تھے ان کے چہرے کمانڈوز کی طرح سیاہ نقاب میں چھُپے ہوئے تھے۔ ان کی وردیاں نیلی اور بوٹ سیاہ تھے۔

شہزاد نے اپنا رُخ تبدیل کیا اور ان کے پیچھے پہنچ گیا۔ وہ اسے آگے تلاش کررہے تھے ... اور پھر شہزاد کو ایک اور شخص نظر آیا۔ اس کے ہاتھ میں رائفل تھی۔ شاید اسی کی گولیوں سے ملازم مارا گیا تھا۔ شہزاد سب سے پیچھے کھڑے ہوئے شخص پر جھپٹا۔ اس نے اپنے انگوٹھے کو چُوما اور پھر انگوٹھا کسی کڑی کمان کے تیر کی طرح اس شخص کے پیٹ میں گھُستا چلا گیا۔ خُون کا فوارہ بلند ہوا۔ "آہ ..." کی زوردار آواز بلند ہُوئی اور وہ شخص پیٹ پکڑ کر زمین پر چلّانے لگا۔ دُوسرا شخص فوراً ہی پلٹا،

وہ اپنے آٹومیٹک پستول سے شہزاد کا جسم چھلنی کرنے کا ارادہ ہی کررہا تھا کہ شہزاد کی لات اس کے پستول پر پڑی اور پستول دُور جاگرا ... وہ شخص اپنی کلائی پکڑ کر اس طرح چیخا جیسے گائے ذبح کی جارہی ہو ... وہ آگے بڑھا لیکن شہزاد نے بائیں ہاتھ کے پانچوں ناخن بُری طرح اس کے چہرے پر گاڑ دیے ساتھ ہی اس کی دائیں ٹانگ چلی اور وہ شخص پیٹ کے نیچے ہاتھ رکھ کر اوندھا ہوگیا۔

... عین اُسی وقت رائفل والا سامنے آگیا۔ اس نے یہ محسوس کرکے کہ شہزاد بہت قریب ہے اور رائفل اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ رائفل پھینک دی اور کراٹے کے مخصوص انداز میں ایڑیاں اُٹھائے، ہاتھوں کو حرکت دینے لگا۔

شہزاد اس کی طرف دیکھ کر مُسکرانے لگا۔

"آگے آؤ ..." وہ غرّایا۔ اس کی وردی پر جونشانات تھے، اس کے مطابق وہ کرنل تھا۔ شہزاد نے اس مرتبہ مُسکراہٹ پر اکتفا نہیں کیا بلکہ زوردار قہقہہ لگایا۔ اس نے دونوں ہاتھ کمر پر رکھ لیے۔ اس کے قریب دو مُردہ جسم پڑے تھے۔ کرنل کا چہرہ غُصّے کی وجہ سے سُرخ تھا اور شہزاد کے چہرے پر طنزیہ مسکراہٹ بدستور موجود تھی۔ شہزاد "جان بُوجھ کر ایک قدم پیچھے ہٹا ... کرنل ایک قدم آگے بڑھا ... اس نے مٹھیوں کو بھینچ رکھا تھا۔ اس کی آنکھوں میں شدید نفرت تھی۔

"تمہیں کراتے کس نے سکھایا؟" شہزاد نے کراٹے کے مخصوص انداز میں آگے بڑھنے والے کرنل سے پُوچھا۔

"مجھ سے مقابلہ کرو مشرقی چوہے! کرنل دھاڑا۔ "میں امریکا کو تمہارے وجود سے پاک کردوں گا۔"

"ناممکن!" شہزاد نے ایک اور قہقہہ لگایا۔ "تم کراٹے کے ذریعے مجھے زیر نہیں کرسکتے۔"

"ٹھہرے رہ کر مقابلہ کرو ..." کرنل غرّایا۔

"میں اس وقت تک مقابلہ نہیں کروں گا جب تک تم مجھے یہ نہیں بتادو گے کہ تم نے کراٹے کا یہ احمقانہ فن کہاں سے سیکھا ہے۔" شہزاد نے کہا۔

"ٹھیک ہے ... بھاگنا مت ... میں نے کراٹے یو ایس اسپیشل فورس میں سیکھا ہے۔" یہ کہہ کر وہ آگے بڑھا، شہزاد کے قریب آیا اور اس نے پُوری قوت کا استعمال کرتے ہوئے دایاں ہاتھ کسی برچھی کی طرح فضا میں بُلند کرکے شہزاد کی گردن پر مارنے کی کوشش کی مگر پھر وہ کسی زخمی کتّے کی طرح بلبلا اُٹھا۔

خہزاد کا بایاں ہاتھ فضا میں بُلند ہُوا تھا اور کرنل کے دائیں ہاتھ کے تینوں جوڑ ٹوٹ چکے تھے۔ شہزاد نے کرنل کا بایاں ہاتھ پکڑا اور اُسے گھسیٹنے لگا۔ کرنل کا جسم پیچھے گرنے لگا تو شہزاد نے اپنا گھٹنا اس کی کمر کے نیچے رکھ دیا۔ کشش ثقل کا اصول مُستند ہے۔ کرنل کی ریڑھ کی ہڈی شہزاد کے گھٹنے سے ٹکرائی اور چٹخا چُور ہوگئی۔

شہزاد اُوپر لیف گراؤنڈ سے باہر آیا تو اس کی قمیص کندھے سے اتنی پھٹی ہوئی تھی جیسے قمیص کسی کانٹے سے اُلجھ گئی ہے۔ لیکن شہزاد کو علم تھا کہ ایک گولی قمیص کو چھُوتی ہوئی گزری تھی۔ وہ شدید غصّے میں تھا۔ کمرے میں واپس آیا تو اُوشان نے اُسے گہری نظروں سے دیکھا۔ "میں نے کہا تھا، میرے بچے! تم نیم تیاری کی حالت میں بھی مکمل تیار رہتے ہو ..." اُوشان نے پھٹی ہوئی قمیص دیکھ کر کہا۔

وہ سوچ رہا تھا کہ جب بہرام سے ملاقات ہوگی تو اُسے بتائے گا کہ تنظیم اور ٹائیگر دونوں ہی کچھ لوگوں کی نظروں میں آگئے ہیں اور جب وہ اپنے اُوپر حملے کی تفصیلات بتائے گا تو بہرام کا چہرہ سفید پڑجائے گا۔

**

۴ جولائی کو جب امریکی قوم آزادی کی اہمیت کے بارے میں اپنے سیاستدانوں کی لمبی چوڑی تقریریں سُن رہی تھی تو عین اسی وقت انٹرفورس، کا جنرل بلیک آزادی کی قیمت میں اضافہ کررہا تھا۔ اُسے دشمن کے خلاف کارروائی کرنے کی طویل تربیت دی گئی تھی لیکن وہ اپنے ہی مُلک کے ایک شہر پر بم گرا رہا تھا۔

شہر سینٹ لوئیس پر دس میگاٹن وزنی ایٹم بم گرا۔ یہ بم اگر پھٹ جاتا تو سینٹ لوئیس جیسے چار شہر فنا ہوجاتے لیکن بم پھٹا نہیں بلکہ شہر کے وسطی میدان میں اتنا بڑا سوراخ کرگیا کہ اس میں مزید کئی بم سما سکتے تھے۔

انٹرفورس پولیس، ملٹری پولیس اور ایف بی آئی والوں نے اس سوراخ کا معائنہ کرلیا۔ انا مک انرجی کمیشن کے ماہرین طلب کیے گئے جن کی مدد سے زندہ بم کو مُردہ بنا کر نکالنے کی کوششیں شروع ہوگئیں۔

جنرل بلیک نے بم سے امریکا کو کچھ نقصان پہنچایا ہو یا نہیں، اُس نے ملک کو اپنی ذات سے ضرور نقصان پہنچایا۔ بم پھینکنے کے فوراً بعد وہ طیارے سے پیراشوٹ باندھے بغیر کُود پڑا۔ وہ گھریلو ٹیلی ویژن کے ایک انٹینا پر گرا ... پھر انٹینا سمیت

کھپریل کی چھت پر آ رہا۔ چند ٹائلیں ٹوٹے ... پولیس نے جنرل کے جسم کی باقیات اسفنج کے گدّوں میں لپیٹ کر اُٹھائیں... اور جب گھر کے مالک کو علم ہوا کہ اس کے اینٹیا کو توڑنے کیلئے آسمان سے گرنے والی شے، ائر فورس کا ایک جنرل تھا تو وہ اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھا۔

طیارے کے معاون ہوا باز کرنل اینڈرسن نے اس واقعے کی ایف بی آئی، اپنے کمانڈنگ آفیسر سی آئی اے اور ڈاکٹر بہرام نامی ایک شخص کے رُوبرو وضاحت پیش کی۔ ڈاکٹر بہرام کے بارے میں وہائٹ ہاؤس نے صرف یہ بتایا تھا کہ وہ قومی سلامتی کے سلسلے میں صدارتی حلقے کے اہم نئے رکن ہیں۔

کرنل اینڈرسن کے مطابق بمبار طیارہ واشنگٹن کے اینڈریوز ائر فورس بیس سے معمول کی تربیتی پرواز پر تھا کہ جنرل بلیک نے معمول کے خلاف سینٹ ٹوئیس کی طرف رخ کیا۔ اور اُس کے تمام اعتراضات کے جواب میں خاموش رہا۔

"کیا تم نے جنرل سے پوچھا کہ وہ راستہ کیوں بدل رہا ہے؟" سخت اور کھردرے چہرے والے ڈاکٹر بہرام نے کرنل اینڈرسن سے پوچھا۔ اس سوال پر ائر فورس کے ایک جنرل نے پہلو بدلا جو فضائیہ کا کمانڈنگ آفیسر تھا... لیکن اس نے زبان سے کچھ نہیں کہا۔

"نہیں ..." کرنل اینڈرسن نے جواب دیا۔

"پرواز کے دوران اس نے تم سے کچھ تو کہا ہوگا؟" بہرام نے سوال کیا۔

"نہیں ... بس وہ گنگنا رہا تھا۔"

"اوہ ... وہ کیا گنگنا رہا تھا؟" بہرام نے چونک کر پوچھا۔

پنٹاگان کے خفیہ کمرے میں ہونے والی اس پوچھ گچھ میں شریک ائر فورس کے جنرل نے زور سے میز پر ہاتھ مارا۔

"یہ سوال فضول ہے۔ جنرل نے ایک امریکی شہر پر ایٹم بم دے مارا، اہم بات یہ ہے کہ کیوں؟ سوال یہ نہیں کہ وہ کیا گنگنا رہا تھا۔"

"کرنل اینڈرسن؟" بہرام نے جنرل کا اعتراض نظرانداز کرتے ہوئے پوچھا۔ "میں نے جو سوال کیا تھا، اس کا جواب دو۔"

"مجھے ٹھیک سے یاد نہیں۔" کرنل کا چہرہ ندامت کی وجہ سے سُرخ ہو گیا۔

"کچھ تو یاد ہوگا۔" بہرام نے کہا۔ اس مرحلے پر ایف بی آئی کا آدمی بھی کُرسی پر پہلو بدلنے لگا۔ "مجھے اپنے سوال کا جواب چاہیے ..." بہرام نے ایف بی آئی کے آدمی کو بھی نظرانداز کر دیا۔

"ڈا... ڈا ... ڈا ... ڈوم ڈاڈم ڈوم... ڈا... ڈا... ڈا... ڈا... ڈوم ڈوم..." کرنل اینڈرسن نے جواب میں ایک لے گنگنا کر سُنائی۔ ہر شخص حیرت سے ڈاکٹر بہرام کی طرف دیکھنے لگا۔ جو ایک پیڈ پر کچھ لکھ رہا تھا۔ "ذرا پھر سے گُنگناؤ..." بہرام نے کہا۔ "میں اس کے بول لکھنا چاہتا ہوں..."

"کیا حماقت ہے..." ائر فورس کا جنرل چڑ گیا۔

"آپ بہت غیر معمولی باتیں کر رہے ہیں، ڈاکٹر بہرام۔" ایف بی آئی کے چیف نے کہا۔

"کرنل! تُم دھن دوبارہ گنگناؤ... اور اسی انداز میں جس طرح جنرل بلیک گنگنا رہا تھا۔" بہرام نے دونوں کے اعتراضات کو خاطر میں لائے بغیر ائر فورس کے کرنل کو حکم دیا۔

"کیا آپ واقعی ایوانِ صدر سے آئے ہیں؟" جنرل نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں ..." بہرام نے جنرل کو دیکھے بغیر کہا۔ "تم میرے کاغذات دیکھ چکے ہو..."

"میں نے آج تک آپ کو وہائٹ ہاؤس میں نہیں دیکھا۔" جنرل نے اعتراض کیا۔

"تب پھر صدرِ مملکت سے رابطہ قائم کرو... لیکن اُسی دوران میں جنرل بلیک کی دُھن دوبارہ سُن لوں..." بہرام نے جواب دیا۔ "ہاں کرنل! شروع ہو جاؤ..."

کرنل اینڈرسن کا چہرہ پھر سُرخ ہو گیا لیکن وہ گنگنانے پر مجبور تھا۔ وہ وہی دُھن دوبارہ گنگنانے لگا۔ "ڈا ڈا ڈا ڈا... ڈوم ڈا ڈا ڈا... ڈوم ڈوم۔"

"نہیں کرنل... سپاٹ انداز میں نہیں... اُسی طرح گاؤ جیسے جنرل گا رہا تھا..." بہرام نے فرمائش کی۔

"میرے خُدا..." جنرل چیخ اُٹھا۔ ایف بی آئی کا چیف بھی بھنچکا گیا۔ سی آئی اے کا چیف تو واک آؤٹ کر گیا۔ کرنل اینڈرسن بھی جھنجلا گیا۔ اس مرتبہ اس نے باقاعدہ گا کر دُھن پیش کی اور پھر جیت کو گھورنے لگا۔

"شکریہ ..." بہرام نے کہا۔ "تم نے بتایا تھا کہ جنرل بلیک، پیراشوٹ کے بغیر ہی بمبار جہاز سے کود گیا تھا؟"

کرنل اینڈرسن نے اثبات میں گردن ہلا دی۔

"نہیں یہ تو علم ہوگا کہ اینڈریوز ائر بیس پر اس کا تبادلہ کس نے کیا تھا؟" بہرام نے کرنل سے پوچھا۔

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟" جنرل نے تیز لہجے میں

مداخلت کی۔ "اس کا تبادلہ میں نے کیا تھا۔ اُن دنوں وہ میجر جنرل تھا..."

"... اور آپ کا نام کیا ہے، جنرل...؟" بہرام نے پُرسکون لہجے میں سوال کیا۔

"جنرل وینس..."

"شُکریہ جنرل... آپ سے کہاں رابطہ قائم ہو سکتا ہے؟"

"پنٹاگان میں..." جنرل وینس نے نخوت سے جواب دیا۔

"آپ کی رہائش کہاں ہے؟" بہرام نے پوچھا۔

"دور جینا میں..."

"فیکسیہ ... کیا میں رات کے وقت بھی آپ سے فون پر بات کر سکتا ہوں؟"

"ہاں ... اور کچھ؟" جنرل وینس چڑ گیا۔

بہرام نے نفی میں گردن ہلائی۔ وہ اب دوبارہ کرنل اینڈرسن کی طرف دیکھ رہا تھا۔ "کرنل! جب تم نے دیکھا کہ جنرل بلیک، پیراشوٹ کے بغیر ہی کُود رہا ہے تو تم نے کوئی احتجاج نہیں کیا!"

"وہ جنرل تھا اور میں اس کا ماتحت!" کرنل اینڈرسن نے بے چارگی سے کہا۔

بہرام نے پیڈ پر کچھ لکھا اور پوچھا۔ "... اور کوئی خاص بات؟"

"خاص بات یہی ہے کہ وہ پیراشوٹ کے بغیر طیارے سے کُود گیا تھا۔" کرنل نے جواب دیا۔

"اس کی کوئی غیر معمولی حرکت...؟" بہرام نے سوال کیا۔

"اوہ ... ہاں... مجھے یاد آیا..." کرنل بولا۔ "جب جنرل بلیک طیارے سے کُودا تو اُس نے اپنے ہاتھ کو کسی مرتبہ یوں حرکت دی جیسے وہ پیراشوٹ کی دو ڈوریاں باندھ رہا ہو۔ ہمارے پیچھے آنے والے ہوا باز نے بھی یہ فیز معمولی بات محسوس کی تھی۔"

"شکریہ... میں جو کچھ پوچھنا چاہتا تھا۔ وہ پوچھ چکا ہُوں۔" بہرام نے پیڈ اور قلم سنبھال کر جیب میں رکھا۔ اسے یقین تھا کہ یہ ساری معلومات شہزاد کے بہت کام آئیں گی۔ وہ جب پنٹاگان کے اس خفیہ کمرے سے نکلا تو ایف بی آئی کا چیف اور ائر فورس کا جنرل اسے اس طرح گھُور رہے تھے جیسے وہ وہائٹ ہاؤس سے کیا ہُوا کوئی معجوبہ رہا ہو۔

"صدر کے قریب کیسے کیسے لوگ رہنے لگے ہیں؟" جنرل وینس نے کہا اور پھر کرنل اینڈرسن سے اپنے طور پر کچھ پوچھ گچھ کرنے لگا۔ جنرل کا چہرہ بہت پُرکشش تھا... لیکن وہ مزید چودہ گھنٹے تک اس چہرے کا مالک رہ سکتا تھا اور چودہ گھنٹے بعد اس کا چہرہ، اس کے اپنے بستر کے تکیے میں، موم کی طرح مسخ ہو جانے والا تھا۔ اس کی گردن اتنی خاموشی سے کٹنے والی تھی کہ اس کی بیوی کو بھی علم نہیں ہو سکتا تھا۔

جنرل وینس کسی جُرم کا مرتکب نہیں ہُوا لیکن وہ اس زنجیر کی ایک کڑی تھا جس کو توڑنے کے لیے شہزاد کو حکم ملا تھا اس نے چند ہفتے قبل جنرل بلیک کا تبادلہ کر کے گویا اپنی موت کے پروانے پر دستخط کر دیے تھے۔

ڈاکٹر بہرام پنٹاگان سے نکلا تو محض پینتالیس منٹ بعد ہی جنرل بلیک کا تبادلہ کرنے والے احکامات پر موجود دستخط شناخت کر لیے گئے۔ ڈیڑھ گھنٹے بعد وہ تصاویر بہرام کو مل گئیں جو جنرل بلیک کا تعاقب کرنے والے طیارے نے لی تھیں۔

سولہ ایم ایم کی یہ تصاویر ایک ایسے شخص کی تھیں جو طیارے سے کُود رہا تھا۔ چہرے کو انلارج کرتے ہوئے فوٹو لیبارٹری کے ڈارک رُوم اسسٹنٹ نے سوچا کہ خودکشی کرنے والا شخص بھی کیسا بے جگر انسان تھا کہ اس کے چہرے پر متوقع موت کا خوف نہیں تھا۔ اُس نے محدب عدسے کی مدد سے جنرل بلیک کے چہرے کو دیکھا۔ جنرل بلیک کے ہونٹ اس طرح سکیڑے ہُوئے تھے جیسے وہ زمین پر گرنے سے قبل کوئی دُھن گنگنا رہا ہو۔

آئندہ چند گھنٹوں کے دوران جنرل بلیک کی آخری تصاویر کا تفصیلی نفسیاتی تجزیہ مکمل ہونے والا تھا۔ بہرام نے کرنل اینڈرسن اور جنرل وینس سے جو سوالات کیے تھے، وہ اور جنرل بلیک کی نفسیاتی رپورٹ کو ڈکرنے کے بعد اس دیو پیکر کمپیوٹر کے حوالے کی جسے بہرام نے امریکا آتے ہی حکومت کی مدد سے اپنے نئے ہیڈ کوارٹر میں لگوا لیا تھا۔ اسی کمپیوٹر میں وہ رپورٹ بھی ڈالی گئی جو ہینکار رپورٹر نے بھیجی تھی۔ کمپیوٹر چلتا اور پھر چھوٹا سا نوٹ ٹائپ ہو جاتا۔

"پورٹر کی موت کے بارے میں مزید تفصیل کی ضرورت ہے۔ یہ معلوم کیا جائے کہ مرتے وقت وہ گنگنا تو نہیں رہا تھا۔" آخری نوٹ ٹائپ ہو گیا اور بہرام ایک طویل سانس لے کر کمپیوٹر سے ہٹ گیا۔ وہ اب ایک ایسے شخص کے بارے میں غور کر رہا

تھا جیسے یہ پتہ چلانے کی کوشش کرنی تھی کہ پورٹر نے اپنی موت سے پہلے کیا کچھ کیا تھا۔

☆☆

ٹیلی ویژن پر اٹرفورس کا ترجمان پریس کانفرنس میں یہ تفصیل بتا رہا تھا کہ بمبار طیارے سے گرنے والی چیز محض ایک فیول ٹینک تھا۔ اُس نے اس سوال کو رد کر دیا کہ کوئی ڈیتھم سینٹ لوئیس پر گرا ہے۔ اس نے البتہ یہ تسلیم کر لیا کہ طیارے کا ہوا باز حادثاتی طور پر طیارے سے گر کر ہلاک ہو گیا تھا۔

طویل و عریض، شاندار کمرے میں جمع لوگوں میں سے ایک نے ٹیلی ویژن بند کر دیا۔ یہ فرانسیسی سفیر کا سرکاری گھر تھا۔ کمرے میں موجود کئی لوگ ایئر فورس کے ترجمان کی باتوں پر ہنس پڑے تھے اور پھر ٹیبل کے گلاسوں کے ٹکرانے سے جلترنگ بجنے لگی تھی۔

فرانسیسی سفیر کی بیوی نے محسوس کیا کہ قہقہوں سے برطانوی اور امریکی مہمان کے درمیان تلخ کلامی ہونے والی ہے تو وہ ان دونوں کے بیچ میں آ گئی۔ "آخر فوجی جذباتی اعتبار سے زیادہ جارح کیوں ہوتے ہیں؟" فرانسیسی سفیر کی بیوی نے گفتگو کا موضوع بدلنے کی خاطر پوچھا۔

"حسن کی موجودگی میں ہر شخص جذباتی اعتبار سے جارحانہ رویہ اختیار کر سکتا ہے مادام!" برطانوی اتاشی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا

"لیکن اطلاقوجی افسروں... اور محاذ پر موجود جوانوں کو جذباتی اظہار کے مواقع کم ملتے ہیں۔" امریکی ایڈمرل بولا۔

فرانسیسی سفیر کی بیوی کے ہونٹوں پر ایک دل آویز مسکراہٹ ناچنے لگی۔ وہ مہین کپڑے کا بلاؤز پہنے ہوئے تھی جس کے آر پار دیکھنا مشکل نہ تھا۔ کاک ٹیل پارٹی کے دوران میں نسوانی قہقہے گونجتے رہے لیکن اچانک ہی یہ قہقہے دم توڑ گئے۔ فرانسیسی سفیر کی اہلیہ نے سنہرے بالوں والی ایک لڑکی کو کمرے میں داخل ہوتے دیکھا۔ یہ لڑکی اس کی دوست تھی۔ لڑکی بے مثال حسن کی مالک تھی اس لیے مردوں کے چہرے اسے دیکھتے ہی بھوکی مسکراہٹ ناچنے لگی۔ فرانسیسی سفیر کی بیوی کے چہرے کی دل آویز مسکراہٹ نے دم توڑ دیا۔ وہ دوسری عورتیں بھی اندر آنے والی لڑکی کو دیکھ کر احساسِ کمتری میں مبتلا ہو گئیں۔ وہ اپنے شوہروں کو گھور رہی تھیں جو آنے والی حسینہ میں کھو کر رہ گئے تھے۔

"اوہ... میرے خدا... اتنا مکمل حسن!" برطانوی اتاشی نے فرانسیسی سفیر کی بیوی سے سرگوشی میں کہا۔ "یہ کون ہے؟"

"ڈاکٹر ٹینا..." فرانسیسی سفیر کی بیوی نے جواب دیا۔

"یہ دُنیا کی حسین ترین عورت ہے۔" برطانوی اتاشی نے امریکی ایڈمرل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"لگتی تو خوبصورت ہے۔" ایڈمرل نے تائید کی...

لیکن بیس سال کے بعد یہ کسی عجائبے کی طرح کھول جائے گی اور اس کا حسن غارت ہو جائے گا۔"

"اوہ... وہ ہماری طرف آ رہی ہے۔" سفیر کی بیوی بوکھلا گئی۔

برطانوی کرنل نے اپنے بال ٹھیک کیے، ٹائی کو درست کیا اور پھر ڈاکٹر ٹینا کی طرف دیکھنے لگا جو مردوں پر بجلیاں گراتی ہوئی واقعی سفیر کی بیوی، ایڈمرل اور کرنل کی طرف بڑھ رہی تھی۔

"ہیلو ڈیئر!" سفیر کی بیوی نے منافقانہ مسکراہٹ کے ساتھ ڈاکٹر ٹینا کا خیر مقدم کیا۔ "حضرات! یہ ہیں ڈاکٹر ٹینا موسٹر... فرانس کی ایک حسین دوست... اور ڈاکٹر ٹینا! یہ ہیں کرنل سر ریمنڈ، برطانوی سفارتخانے کے فوجی اتاشی اور یہ ایڈمرل جیمز ہیں... آف امریکن نیوی..."

"اوہ ایڈمرل! آپ سے مل کر بے پایاں مسرت ہوئی۔" ٹینا برطانوی اتاشی سے ہاتھ ملا کر ایڈمرل کے بالکل قریب کھڑی ہو گئی اور اس نے فوراً ہی اُوچک کر ایڈمرل کا گال چوم لیا۔

"تو آپ دونوں ایک دوسرے سے واقف ہیں!" سفیر کی بیوی نے حیرت سے پوچھا۔

"نہیں... ابھی ملاقات ہوئی ہے۔" ٹینا نے جواب دیا اور پھر وہ تمام تر توجہ ایڈمرل پر صرف کرنے لگی۔ برطانوی اتاشی، ایڈمرل سے رقابت محسوس کرنے لگا۔ سفیر کی بیوی وہاں سے ٹل گئی اور برطانوی اتاشی کو بھی وہاں سے اُٹھ جانا پڑا کیونکہ ٹینا نے اسے اپنی نگاہِ التفات کا مستحق نہیں سمجھا تھا۔ وہ جب وہاں سے اُٹھا تو اس وقت ایڈمرل جیمز اور ٹینا اس امریکی جنرل کی بات کر رہے تھے جس نے ایٹم بم پھینک کر خود بھی جہاز سے چھلانگ لگا دی تھی۔

ٹینا کا خیال تھا کہ جنرل بلیک شدید احساسِ کمتری کا شکار ہے اور وہ جنرل بلیک کے اس حادثے کو چند روز کے علاج کے بعد ختم کر سکتی ہے۔

برطانوی اتاشی نے ایک گھنٹے بعد ٹینا کو ایڈمرل جیمز کا ایک اور بوسہ لیتے ہوئے دیکھ کر آنکھیں بند کر لیں۔ وہ واپس جا

ہی تھی اور یہ الوداعی بوسہ تھا۔ جونہی ٹینا کمرے سے گئی، کمرے میں موجود عورتوں میں زندہ دلی کی ایک نئی لہر پیدا ہو گئی۔

ٹینا اپنی شاندار کار کی عقبی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ ڈرائیور نے اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔ ڈاکٹر ٹینا اس وقت ایک اہم مسئلے پر غور کر رہی تھی اس وقت تک غور کرتی رہی جب اس کی کار واشنگٹن سے نکل کر میری لینڈ میں... اور پھر میری لینڈ کی ہیومن لیبارٹری میں داخل نہیں ہو گئی۔ یہ منزل عمارت پہاڑوں اور مرغزاروں کے درمیان واقع تھی۔

دسویں منزل تک لفٹ میں سفر کرنے کے دوران ہی وہ سوچتی رہی۔ دسویں منزل پر اس کا انتہائی شاندار کمرہ تھا۔ کمرے میں پہنچ کر اس نے اپنا ریشمی لبادہ اتار پھینکا۔ اسے بلیک کی موت کا افسوس نہیں تھا کیونکہ اس کی موت تو اس کے منصوبے کا ایک حصہ تھی۔ اسے مرنا ہی تھا۔ لوگ اس سے پوچھتے کہ اس نے ایٹم بم کیوں گرایا؟ اسی سوال سے بچنے کے لیے بلیک نے ڈرت کی حسین دیوی کو اگناتے ہوئے گلے لگا لیا... اور پورٹر... اسے بھی مرنا تھا... پتہ نہیں پورٹر کو منصوبے کی سُن گُن کس طرح مل گئی۔ چنانچہ یہی سُن گُن اس کی موت کا باعث ہی... پورٹر نے خود سے موت کو گلے نہیں لگایا بلکہ اُسے قتل کیا گیا تھا... لیکن اسپیشل فورس کا کرنل؟ ٹینا کو اس کی موت کا صدمہ تھا۔ وہ ضائع گیا۔ اس کا ضائع جانا مہنگا بھی پڑ... سکتا تھا۔

ٹینا سنگِ مرمر کی میز کی طرف بڑھ گئی۔ اس نے دراز سے ایک زرد رائٹنگ پیڈ نکالا۔ اب وہ پہلے کاغذ پر ایک ڈایاگرام بنا رہی تھی جس کے وسط میں ایک تیر اور تیر کے ساتھ ساتھ چھ نقطے تھے۔

پہلا نقطہ ٹیلی فون کمپنی کے سیکورٹی مین کی علامت تھا جس نے بہرام کے ہیڈ کوارٹر تک ایک خفیہ ٹیلی فون لائن بچھا رکھی تھی۔

دوسرا نقطہ، وہائٹ ہاؤس کا تھا جہاں سے اس لائن کے ذریعے کسی بہرام نامی شخص سے بات کی تھی۔

تیسرا نقطہ، ایک خاص شخصیت کے بارے میں تھا۔ صدر بہرام سے درخواست کی تھی کہ وہ اس شخصیت کو تیار رکھے۔

ٹینا نے سوچا کہ شاید میں نے کہیں غلطی کی ہے کیونکہ اسے جس آدمی کے تیار رہنے کی فرمائش کی ہے، وہ یقیناً ٹائگر اغراض رسال ہو گا۔ ٹینا کے نزدیک اس شخصیت کو راستے سے ہٹانا بے حد ضروری تھا۔ اس نے اسی کام کے لیے اسپیشل یو ایس فورس کے کرنل کو استعمال کیا لیکن... شہزاد ٹائیگر ابھی تک زندہ تھا۔ ٹینا سوچنے لگی کہ آخر کرنل اپنے ساتھیوں سمیت ایسے کس جال میں پھنس گیا جس سے وہ اور اس کے ساتھی زندہ نہ بچ سکے۔

"ٹھیک ہے مسٹر شہزاد۔" ٹینا نے اپنے بھرے بھرے جسم کو آئینے میں گھورتے ہوئے کہا۔ "اب تم ایک ایسی ہستی سے ملو گے جس نے آج تک ناکامی کا منہ نہیں دیکھا۔" یہ کہہ کر اس نے آخری نقطے پر کراس کا نشان بنایا۔

یہ آخری نقطہ شہزاد کے لیے مخصوص تھا۔

☆☆

... اور وہ شخص جو زرد رنگ کے کاغذ پر آخری نقطے کی حیثیت سے موجود تھا، اس وقت اُس کی آنکھیں واشنگٹن کے ڈلاس ائرپورٹ پر اپنے چیف بہرام کو گھور رہی تھیں جو اُس کے قریب ہی موجود تھا۔

"یہ ایک اہم ترین مسئلہ ہے..." بہرام نے کہا۔ "شاید ہمارے معرکوں میں سب سے مشکل مسئلہ یہی ثابت ہو گا۔"

"مشکل مسئلہ؟" شہزاد نے برہمی کا اظہار کیا۔ "کاغذ کا ٹکڑا کھو جائے تب بھی آپ لوگ اسے مشکل مسئلہ قرار دے کر میرے سر تھوپ دیتے ہیں کہ جاؤ جا کر کلپ تلاش کرو۔"

"میں نے صرف یہ کہا ہے کہ ہم ایک سنگین صورتحال سے دوچار ہیں۔" بہرام غرایا۔

"ہم... ہم کیوں..." شہزاد نے اعتراض کیا۔ "ہم امریکی نہیں ہیں۔"

"ہاں... لیکن اس بڑی طاقت کا نیلام ہو رہا ہے۔" بہرام نے سرگوشی کی۔ "اور وہ بھی عالمی منڈی میں۔"

"اوہ... تب تو یہ عالمی مسئلہ ہوا۔" شہزاد سنجیدہ ہو گیا۔

"میرا مطلب یہ ہے کہ کوئی حکومت امریکا کے اہم عہدوں اور شعبوں کو نیلام کر رہا ہے۔ محکمہ دفاع، قومی سلامتی، وزارت خزانہ، محکمہ سراغ رسانی... ہر شعبہ برائے فروخت لگتا ہے۔"

"مگر میں یہ تمام شعبے خریدنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔" شہزاد نے بے پروائی کا مظاہرہ کیا۔

"ٹائیگر... سنجیدہ ہو جاؤ..." بہرام کی بھنویں کمان ہو گئیں۔

"میں بہت سنجیدہ ہوں چیف!" شہزاد نے جواب

دیا۔ میں اس وقت بھی سنجیدہ ہوتا ہوں جب کسی ایسے شخص کو ہلاک کرتا ہوں جس کی مجھ سے کوئی دشمنی نہیں ہوتی۔ میں ایسے مرحلوں پر بھی سنجیدگی کی مظاہرہ کرتا ہوں، جب مجھے اپنی شناخت چھپانے کے لیے اپنے کسی پرانے دوست کو قتل کرنا ہوتا ہے۔ میں... میں ایسے لمحوں میں بھی سنجیدگی کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتا جب مجھے سنگ دل ہو جانا پڑتا ہے۔"

"اوہ... تو تم جذباتی بھی ہو سکتے ہو۔" بہرام نے مسکراتے ہوئے تبصرہ کیا۔ "اچھا اٹھو... باہر چلتے ہیں، میں تمہیں کچھ سنانا چاہتا ہوں..."

"کیا سنانا چاہتے ہیں؟" شہزاد نے رُوٹھے ہوئے انداز میں کہا۔

"پورٹر نامی ایک شخص کی گفتگو..." بہرام نے سنجیدگی سے کہا۔

دونوں انٹرویو روم سے باہر آ گئے۔ وہ دونوں آوارہ گردوں کی طرح ایک سڑک پر چل دیے۔ "پورٹر نے سازش کا پتہ چلانے کے لیے اپنے تمام اثاثے قربان کر دیے، شہزاد..." بہرام کے لہجے میں دُکھ تھا۔ "اُس نے اپنی قوم کے لیے اپنی ساری جمع پونجی اور زندگی تک کو قربان کر دیا۔" یہ کہتے ہوئے اس نے اپنا بریف کیس اسٹریٹ لائٹ کے پول سے ٹکا کر کھولا۔ اس میں سے ایک ٹیپ ریکارڈ نکال لیا۔ "سنو..." یہ کہتے ہوئے بہرام نے سوئچ آن کر دیا۔

ٹیپ ریکارڈ سے پورٹر کی آواز نکل رہی تھی۔

شہزاد نے پورٹر کی پوری گفتگو سُنی حتیٰ کہ پورٹر نے اپنی بیوی کو خدا حافظ کہا اور اس کے ساتھ ہی ٹیپ بھی بے جان ہو گیا۔ شہزاد، پورٹر کے کردار سے بہت متاثر ہوا کیونکہ اس کے نزدیک پورٹر نے اپنے وطن کی خاطر بیوی بچوں کو خدا حافظ کہا تھا۔

"ٹھیک ہے۔" وہ بگڑے ہوئے لہجے میں بولا۔ "میں ہر کام کرنے کے لیے تیار ہوں۔"

بہرام اُسے مزید تفصیل بتانے لگا۔

... لیکن ابھی وہ ٹیپ سُن کر فارغ ہی ہوئے تھے کہ تین نوجوانوں نے انہیں گھیر لیا۔

"ٹھیک ہے..." شہزاد نے ان لوگوں کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ "میں آج امریکی جنرل کو دیکھ لوں گا اور کل صبح تم سے ملاقات ہو گی۔ میں اُوشان کو واشنگٹن بُلا لیتا ہوں کیونکہ اُن کی غیر موجودگی میں مجھے اُدھورے پن کا احساس ہوتا ہے۔"

مخاصمہ کرنے والوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ وہ ان دونوں کو عقل سے پیدل سمجھ رہے تھے۔

"ٹھیک ہے... لیکن میں سمجھتا ہوں، تم نے محسوس کر لیا ہو گا کہ معاملہ کتنا اہم ہے۔ میں نے پنٹاگان میں ہونے والی پوچھ گچھ اور اس امریکی جنرل کے بارے میں بھی تمہیں بتا دیا ہے، جو میٹنگ میں شریک تھا۔" بہرام نے کہا۔

"ویسے میں تمہارے لیے ایک بُری خبر بھی لے کر آیا تھا۔" شہزاد بولا۔

مخاصمہ کرنے والے اب بھی حیرت سے ان کی گفتگو سُن رہے تھے۔ ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ آخر یہ دونوں کس قسم کی باتیں کر رہے ہیں۔

"بُری خبر؟" بہرام چونک پڑا۔

"ہاں... کچھ لوگوں کو ہمارے وجود کا علم ہو گیا ہے۔" شہزاد بولا۔ "میں کل تک جہاں مقیم تھا، وہاں ایک واقعہ ہوا۔" ابھی وہ گولف کلب کے واقعہ کی تفصیل بتانا ہی چاہتا تھا کہ مخاصمہ کرنے والے تین نوجوانوں میں سے ایک نے پستول نکال لیا۔

"تم لوگ جرائم پیشہ لگتے ہو۔" اس نے شہزاد سے کہا۔

"تم ہم سے کیا چاہتے ہو؟" شہزاد نے نہایت مہذب الفاظ میں پوچھا۔

"ایک سو ڈالر..." نوجوان نے جواب دیا۔

"پچاس لے لو..." بہرام بولا۔ وہ صورتحال سے لطف اندوز ہونا چاہتا تھا۔

"نہیں پورے ایک سو..." دوسرے نوجوان نے ضد کی۔ "تم کہیں ڈاکا ڈال کر آ رہے ہو... تمہارے بریف کیس میں بھاری رقم موجود ہے۔"

"چلو... پچھتر پر سودا کر لیتے ہیں۔" شہزاد نے مسکرا کر کہا۔

"نہیں..." تیسرے نوجوان نے انکار کر دیا۔

"تب پھر ایک ڈالر بھی نہیں ملے گا۔" شہزاد نے یہ کہتے ہوئے پہلے نوجوان کو دوسرے نوجوان پر پھینک دیا۔ تیسرے کی ٹانگ پر ٹھوکر ماری اور وہ کسی کتے کی طرح بلبلاتا ہوا پیچھے گر پڑا... تینوں کو یوں لگا جیسے انہیں مارنے والا کوئی چھلاوا ہو اور جب ان کی آنکھ کھلی تو وہ اسپتال کے ایمرجنسی روم میں پڑے ہوئے تھے۔

**

مسز وینس نے پولیس سے کچھ باتیں بہرحال چھپائیں انہوں نے پولیس کو جو بیان دیا اس کے مطابق سوتے سوتے وہ نہ جانے کس وجہ سے جاگ اٹھیں، انہوں نے اپنے پہلو میں لیٹے ہوئے جنرل وینس کی طرف دیکھا... وہ مر چکے تھے... ان کا چہرہ غائب تھا... مسز وینس کے بقول انہوں نے کمرے میں دھینگا مشتی کے کوئی آثار نہیں دیکھے اور نہ ہی کوئی آواز سُنی۔

"گویا کسی نے آپ کے شوہر کو قتل کر دیا اور آپ کو علم بھی نہیں ہو سکا۔" سُراغ رساں نے مسز وینس کے دیوان پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"تمہارا لہجہ طنزیہ ہے... کیا تمہارا کمانڈنگ آفیسر تمہارے اس لہجے کی شکایت سُن کر ناراض نہیں ہو گا؟" بیوہ نے برہمی کا مظاہرہ کیا۔

"میں پولیس والا ہوں، خاتون! فوج کا سپاہی نہیں ہوں۔" سُراغ رساں نے خشک لہجے میں جواب دیا۔ "اور میں قتل کی تحقیقات کرنے آیا ہوں۔" اس وقت دو افراد جنرل وینس کی لاش اسٹریچر پر ڈال کر لے جا رہے تھے۔ "... اور جس وقت جنرل کو قتل کیا گیا۔ اس وقت صرف آپ ہی ان کے ساتھ تھیں۔ آپ بھی قانون کی نظر میں مشکوک ہیں۔"

"بکواس مت کرو۔" مسز وینس چیخ پڑی۔ "وینس فور اسٹار جنرل تھا... پانچویں ستارے کا اضافہ ہونے ہی والا تھا... بھلا میں اسے قتل کیوں کرتی؟"

"عہدہ اور منصب ہی سب کچھ نہیں ہوتا، خاتون!" سُراغ رساں بولا۔ "بعض اوقات عورت اور مرد کے درمیان جسمانی رشتے بھی جھگڑے کا باعث بن جاتے ہیں۔ کیا اب بھی آپ اس بات پر اصرار کر رہی ہیں کہ آپ نے کوئی آواز نہیں سُنی تھی؟"

"ہاں..." مسز وینس نے اپنے گلابی نائٹ گاؤن کو جسم کے گرد کس کر کہا۔ وہ ایک خوبصورت عورت تھی۔ ایسی عورتوں کو سُراغ رساں جذباتی بلیاں کہتے تھے۔ اس کی آنکھیں دیکھتے ہی کمرے میں موجود سُراغ رساں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ وینس کی موت سے قبل یا بعد میں مسز وینس نے کسی کے ساتھ وقت گزارا تھا۔ وینس اور مسز وینس کے کوئی اولاد نہیں تھی۔

مسز وینس نے درحقیقت سُراغ رساں سے زیادہ جھوٹ نہیں بولا لیکن اس نے صرف ایک بات چھپائے رکھی تھی۔ مسز وینس کو یاد تھا کہ وینس کی لاش دیکھنے سے قبل... محض ایک گھنٹہ پہلے اس نے کوئی آواز سنی، وہ اپنے بستر میں کسمسائی اور پھر اُسے کسی کی گرم گرم سانسوں کے ساتھ ہی اپنی آنکھوں پر ہاتھ کا دباؤ محسوس ہوا تھا۔ وہ پوری طرح بیدار ہو گئی لیکن اُس نے اپنی آنکھیں بند رکھیں۔ چند منٹ بعد لباس سرسرانے کی آواز سنائی دی۔ اس نے 'وینس' کو پکارا... اس کی آنکھوں پر ابھی تک ہاتھ موجود تھا... اور پھر وہ سو گئی... وہ اسی وقت بیدار ہوئی جب اُسے احساس ہوا کہ اس کے شانے پر کوئی رقیق سا مادّہ بہہ رہا ہے۔ اُس نے پلٹ کر دیکھا تو اس کے شوہر کا کٹا گیا خون سے تر تھا۔ "اوہ... نہیں..." وہ اس خوفناک منظر کو دیکھ کر چیخ پڑی تھی۔

اس کے بعد مسز وینس نے پولیس کو فون کیا اور اب یہ بدتمیز سُراغ رساں اس سے سوالات کر کے اُسے زچ کر رہا تھا۔

"مسز وینس!" سُراغ رساں نے انہیں پکارا اور وہ خیالات کی دُنیا سے باہر آ گئی۔ "میں ایک بار پھر پوچھنا چاہتا ہوں کہ جس وقت آپ کے شوہر کا سر کاٹا جا رہا تھا، اس وقت آپ نے کوئی آواز سُنی تھی یا نہیں؟"

"نہیں... میں نے کوئی آواز نہیں سُنی۔" مسز وینس نے کہا۔ "... جب بیدار ہوئی تو اس وقت میں بے لباس تھی۔"

"اوہ... مگر وینس مکمل لباس میں تھے... آپ کے بے لباس ہونے کی کیا وجہ تھی مادام؟" سُراغ رساں کی آنکھیں چمکنے لگیں۔

مسز وینس چکرا گئی۔ سُراغ رساں محض ایک اشارے کو اہمیت دے رہا تھا۔ اس لیے بالآخر مسز وینس کو بتا دینا پڑا کہ کسی اجنبی ہاتھ نے اس کی آنکھیں بند کر کے اُسے جذبات کی حسین دُنیا میں دھکیل دیا تھا۔

**

چوبیس سالہ امریکی دوشیزہ ایلن ہاؤس آف رافین برگ کے ممتاز بینکار مسٹر گنشیر کی سیکرٹری تھی۔ وہ مسٹر گنشیر کے دفتر واقع زیورچ میں تعینات تھی اور اُسے دُنیا کی سیاحت کا بہت شوق تھا۔ مسٹر گنشیر کے ساتھ اس نے کئی ملکوں کے دورے کیے لیکن اب مسلسل تین ماہ سے مسٹر گنشیر زیورچ ہی میں مقیم تھے۔ لہٰذا ایلن کو بھی یہیں رہنا پڑا۔ مسٹر گنشیر

سونے اور کرنسی کی قیمتوں کے بارے میں بہت فکرمند رہتے تھے۔ ایلن کو بینکاری سے کوئی دلچسپی نہیں تھی چنانچہ وہ کرنسی نوٹوں اور سونے کی قیمتوں کے درمیان فرق کی اہمیت کبھی محسوس نہ کر سکی۔ وہ تو یہی سمجھتی تھی کہ کرنسی نوٹوں سے تمام ضروری اشیا خریدی جا سکتی ہیں۔ جب کہ سونے سے محض زیورات ہی بنتے ہیں۔ گزشتہ تین ماہ کے دوران گنشیر کی حرکات و سکنات میں عجلت اور تاثرات میں زیادہ اعتماد آتا جا رہا تھا۔ وہ گھنٹوں کمرے میں بند رہتا۔ اس کی ڈیسک پر کرنسی، اثاثوں اور سونے کی عالمی گردش کے چارٹ نظر آنے لگے تھے۔

ایک روز گنشیر دفتر آیا تو ایلن سے بولا: "نیویارک اسٹاک ایکس چینج میں سونے کے ذخائر تیزی سے کم ہو رہے ہیں، ایلی!"

"یہ تو بہت ہی اچھی بات ہے۔" ایلن نے مسکرا کر جواب دیا۔

"اچھی بات! یہ بڑی عجیب بات ہے۔" گنشیر نے معنی خیز لہجے میں کہا اور اپنے کمرے میں گھس گیا۔

اس روز کے بعد ایلن کی ڈیوٹی یہ ہو گئی کہ وہ دنیا کی اہم مالیاتی منڈیوں کے یومیہ اعداد و شمار جمع کرے۔ خاص طور سے اُسے سونے کی قیمت پر نظر رکھنے کے لیے کہا گیا تھا... اور جب پچھلے ماہ ایلن نے گنشیر کو بتایا کہ سونے کی قیمت میں اضافے کا رجحان پیدا ہو گیا ہے تو گنشیر نے مسکرا کر اُسے آنکھ ماردی تھی۔ ایلن، گنشیر کی اس حرکت کا سبب نہ جان سکی لیکن اسے یہ احساس ضرور ہو گیا کہ سونے کی قیمت میں اضافے سے گنشیر کو بے حد خوشی ہوئی ہے۔

پھر ایک روز مسٹر گنشیر سے مسٹر جونز نامی ایک شخص ملنے آیا۔ گنشیر نے اُسے فوراً ہی اپنے کمرے میں بُلا لیا۔

"مجھے خوشی ہے کہ آپ کے ملک نے نیلام میں بولی دینے کا فیصلہ کر لیا ہے!" گنشیر نے کہا۔ "مجھے توقع ہے کہ سینٹ لوئیس پر ایٹم بم گرنے کے بعد آپ کو یقین ہو گیا ہو گا کہ امریکی حکومت کے اہم مفیچے خطرناک سے خطرناک کام کرنے پر بھی آمادہ ہو سکتے ہیں۔"

جونز نے خاموشی سے اثبات میں سر ہلا دیا۔ "میں ذرمنفعت لے آیا ہوں..."

"ڈالر کی شکل میں؟" گنشیر نے پوچھا۔

"جی ہاں..." مہمان نے جواب دیا۔

"آپ کو نیلام کے ضابطوں کا بھی علم ہے؟"

"میں یہ ضابطے دوبارہ سننا چاہتا ہوں..."

"آپ کے بیس لاکھ ڈالر میرے پاس بطور ذرِ ضمانت محفوظ رہیں گے۔" گنشیر نے کہا۔ "سات روز بعد نیویارک میں وِل بروک نامی فرم کے دفاتر میں نیلام ہو گا۔"

"میں نے اس فرم کا نام کبھی نہیں سنا۔" جونز نے اعتراض کیا۔

"اور یہی اس بات کا ثبوت ہے کہ ہمارا ہر قدم خفیہ اور ایک سربستہ راز ہے۔" گنشیر نے جواب دیا۔ "یہ ایک بیکار فرم ہے۔ بہرحال وہاں نیلام میں خود کروں گا۔ ہر ملک کو صرف ایک بولی دینے کی اجازت ہو گی۔ بولی کی کم از کم رقم ایک ارب ڈالر ہے... ایک ارب ڈالر سونے کی شکل میں... جو بھی سب سے زیادہ بولی لگائے گا، نیلام میں جیت اُسی کی ہو گی۔"

"ایک ارب ڈالر! یہ تو بہت زیادہ رقم ہے..." جونز نے اعتراض کیا۔

"اس کے عوض جو چیز نیلام کی جا رہی ہے اس کی قدر و قیمت کا شاید آپ کو احساس نہیں ہے۔" گنشیر نے کہا۔ "ہم تاریخ عالم کی سب سے طاقت ور قوم کی حکومت کا کنٹرول نیلام کر رہے ہیں۔ آپ کے علاوہ دوسرے ترقی یافتہ ممالک کی طرف سے بھی بولی آنے کی توقع ہے... اور میرا ملک سوئٹزرلینڈ بھی اس نیلام میں حصہ لے گا۔"

"تم لوگ تو ہمیشہ ہی سے مہم جو ہو..." جونز نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اور تم جرمن! تم دنیا کا اقتدار حاصل کرنے کے لیے روزِ اوّل ہی سے کوشاں ہو۔" گنشیر بولا۔ "بہرحال... دوسری شرط یہ ہے کہ بولی تحریری شکل میں سربمہر دی جائے گی جو ممالک بولی میں کامیاب نہیں ہوں گے ان کا زرِ ضمانت واپس کر دیا جائے گا۔ زرِ ضمانت کی رسید میں آپ کو ابھی دے دیتا ہوں۔"

"دل چسپ بات یہ ہے کہ حکومت کون فروخت کر رہا ہے، میرا خیال ہے کہ صدر مملکت کے علاوہ اور کوئی..."

"یہ اہم بات نہیں ہے۔" گنشیر نے جونز کی بات کاٹ دی۔ "وہ جو کوئی بھی ہے، اتنا طاقت ور ہے کہ امریکی حکومت کو فروخت کر سکتا ہے۔ سینٹ لوئیس کے واقعے نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ فروشندہ ہر کام کروا سکتا ہے۔ سرکاری افسر، محکمہ سراغ رسانی کے ایجنٹ، وزارتِ خزانہ اور فوج تک اس کے اثر میں

ہم اس کی طاقت کا ایک اور ثبوت پیش کرنے والے ہیں۔ تم جلد ہی سی آئی اے کے بارے میں اہم ترین خبر سنو گے۔ اگر نیلام میں تمہارا ملک کامیاب ہو گیا تو امریکی حکومت کنٹرول تمہیں دے دیا جائے گا۔"

"لیکن ایک ارب ڈالر کا سونا! تم نے اندازہ لگایا کہ کتنا زیادہ ہو گا؟"

"تم یہ فکر مت کرو کہ ہم سونا کہاں رکھیں گے۔ سوئٹزرلینڈ میں ہمارے پاس گودام موجود ہے۔"

"ممکن ہے، ہم نیلام میں حصہ نہ لیں۔" جونز نے سرسری طور میں خدشہ ظاہر کیا۔

"تب پھر تمہارا ملک خسارے میں رہے گا۔ ذرا سونے کی منڈی کی طرف دیکھو... اسٹاک ایکس چینج میں سونے کا بھاؤ مسلسل چڑھ رہا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سونا خریدا جا رہا ہے اور وہ بھی اندھا دھند..." یہ کہہ کر گنشیر مسکرایا۔ اسے معلوم تھا کہ خود جرمنی میں بھی سونے کی قیمتیں بڑھ رہی ہیں۔ جرمن حکومت نے سونے کی خریداری شروع کر دی تھی۔

جونز نے اپنا بریف کیس کھولا اور گنشیر کے سامنے رکھ دیا۔ "گننا چاہو گے؟" اس نے پوچھا۔

"نہیں... یہ اعتماد کا سودا ہے۔" گنشیر بولا۔

جونز اُٹھ گیا اور گنشیر اُسے دروازے تک چھوڑنے گیا۔

واپس آ کر اس نے بریف کیس پر نظر ڈالی۔ ایک ایک کے نوٹوں کی گڈیاں بریف کیس میں بھری ہوئی تھیں۔ ضمانت کی رقم بیس لاکھ ڈالر تھی۔ گنشیر پھر باہر گیا تو ایلن ناخنوں پر پالش کر رہی تھی۔

"ایلن! پیرس اور لندن کی اسٹاک مارکیٹ رپورٹ نکالو اور اتوار کے روز نیویارک جانے کے لیے جہاز کی دو نشستیں محفوظ کرا لو۔"

"میں تمہیں حاصل کرنا چاہتا ہوں ٹینا..." برٹن بڑبڑایا۔

اس وقت ڈاکٹر ٹینا کے کمرے میں تھا جو کھلے گلے کی ٹی شرٹ پہنے ہوئے تھی۔

"آج تم کچھ زیادہ ہی بے چین ہو برٹن!" ٹینا نے جواب دیا۔ وہ مسکرا رہی تھی۔ برٹن، ٹینا کے بُلانے پر یہاں آیا تھا۔

"میں پریشان نہیں ہوں... صرف یہ چاہتا ہوں کہ ایک مرتبہ... صرف ایک مرتبہ تم مجھے اجازت دے دو... صرف ایک بار مجھے اپنا لو ٹینا!"

"تم شاید اپنی ملازمت کی نوعیت کے باعث، جذباتی اُلجھاؤ کا شکار ہو۔" ٹینا بولی۔ وہ ٹی شرٹ کا تیسرا بٹن کھول رہی تھی۔

"ملازمت... سی آئی اے کی ملازمت... برٹن سی آئی اے کا ڈائریکٹر ہے... اُسے کوئی کمی نہیں... وہ صرف یہ چاہتا ہے کہ تم صرف ایک مرتبہ..."

"تمہیں یاد ہے کہ ہماری ملاقات کس نے کرائی تھی؟" ٹینا نے پوچھا۔

"ہاں... بینسن نے... سارجنٹ بینسن نے۔ میں جذباتی ہیجان میں مبتلا تھا اور وہ مجھے علاج کے لیے تمہارے پاس لایا تھا۔ میں تمہاری لیبارٹری میں وہ کر بظاہر صحت یاب ہو گیا ہوں لیکن... لیکن اب، اب میں پھر مریض بن جاؤں تاکہ..."

"تم اب بھی نسوانی توجہ کی ضرورت محسوس کرتے ہو، برٹن! کاؤچ پر لیٹ جاؤ... ہم اطمینان سے گفتگو کریں گے۔" ڈاکٹر ٹینا نے کہا۔ برٹن نے کاؤچ پر لیٹ کر اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ ٹینا اس کے خاندانی پس منظر کے بارے میں سوالات کرتی رہی اور برٹن اُسے سب کچھ بتاتا رہا۔

"برٹن!" ٹینا نے سرگوشی کی۔ "کیا میرے ساتھ کچھ وقت گزار کر تمہاری ذہنی اُلجھن دور ہو جائے گی؟"

برٹن اُچھل کر بیٹھ گیا۔ وہ بے یقینی کے عالم میں ڈاکٹر ٹینا کو گھورنے لگا۔ ڈاکٹر ٹینا سنگدلی سے مسکرا دی۔ سی آئی اے کا طاقتور ڈائریکٹر اس وقت کسی موم کے پتلے کی طرح نرم پڑ گیا تھا۔

"لیکن اتنی جلدی بھی نہیں، برٹن..." ڈاکٹر ٹینا اس کی بے چینی سے لطف اندوز ہوتے ہوئے بولی۔ "پہلے ہم کچھ پیش گے اور پھر تم میرے ساتھ ایک گیت گنگناؤ گے..."

"کیا مطلب؟" برٹن ششدر رہ گیا۔

"یہ ضروری ہے برٹن... میں گنگنائے بغیر تمہارے قریب بھی نہیں آؤں گی۔"

"کون سا گیت..."

"ڈاڈا ڈاڈا... ڈم ڈا ڈم ڈم... ڈاڈا ڈاڈا... ڈم ڈم..." ٹینا نے سُریلی آواز میں دُھن سنائی۔

"اوہ... یہ گیت تو ایک فلم میں تھا..." برٹن بڑبڑایا۔

"ہاں ... اور اب تم ہمارے میرے ساتھ گنگناؤ ..." ٹینا یہ کہتے ہوئے کاؤچ کی طرف بڑھ گئی۔ برٹن بھی گنگناتا ہوا اُسی طرف آ رہا تھا۔

☆☆

... اور جب برٹن نیشنل پریس کلب واشنگٹن میں داخل ہوا تو اس وقت بھی وہ یہی دُھن گنگنا رہا تھا۔ وہ ڈم ڈم، کی تان لگا کر کلب کے اسٹیج پر چڑھ گیا۔ "حضرات! میں چند اہم انکشافات کرنا چاہتا ہوں ..." وہ چلایا۔ کلب میں موجود صحافیوں نے اس کی آواز سُنی تو کیمرے اور ٹیپ ریکارڈر سنبھال کر اس کی طرف لپکے۔

"خواتین و حضرات! میں یہ اہم ترین انکشاف کر رہا ہوں کہ امریکی سی آئی اے میں سات نازی ملازم ہیں۔ یہ جنوبی امریکا میں خدمات انجام دے رہے ہیں۔" یہ کہتے ہوئے برٹن نے ان سب کے نام بتلائے، جنوبی امریکا میں ان کے گھروں کے پتے بتلائے اور یہ بھی بتایا کہ اسرائیلی ان ساتوں کی تلاش میں ہیں۔ "اور چار فراد ... سی آئی اے کے چار ایجنٹ کیوبا میں کاسترو کا تختہ اُلٹنے کے لیے دو ماہ قبل بھیجے گئے ہیں۔" وہ چلایا اور اُس نے ان چاروں کے نام پتے بھی بتا دیے۔

"تم کون ہو؟" ایک خاتون صحافی نے پوچھا۔

"ریجنل ڈائریکٹر سی آئی اے ..." یہ کہتے ہوئے برٹن نے اپنا شناختی کارڈ اُن کی طرف اچھال دیا۔

"تم یہ انکشافات کیوں کر رہے ہو؟ واشنگٹن پوسٹ کے نمایندے نے پوچھا۔

"اپنے ضمیر کے ہاتھوں مجبور ہو کر ..." برٹن نے جواب دیا۔

"... تم لوگ میرے انکشافات کی تصدیق کسی بھی ذریعے سے کر سکتے ہو۔ اب مجھے جانا ہے کیوں کہ میرے ان اعلانات کے بعد سی آئی اے والے میرے پیچھے پڑ جائیں گے۔" یہ کہتے ہوئے وہ اسٹیج سے اُترا اور ایک دُھن گنگناتا ہوا کلب سے نکل گیا۔

برٹن نے سچ کہا تھا۔ سی آئی اے والے چند ہی منٹ بعد اس کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ برٹن اپنے دفتر میں موجود نہیں تھا۔ وہ گھر میں بھی نہیں ملا اور نہ ہی ہومن لیبارٹری میں مل سکا۔

رات گئے برٹن واشنگٹن پبلک لائبریری کے ایک چھوٹے سے کمرے میں داخل ہوا۔ وہ جُوتوں کے چمڑی تسموں کا ایک بانڈل اُٹھا لایا تھا۔ غسل خانے میں، اس نے تسمے ایک دوسرے سے اس طرح باندھے کہ ایک رسّی بن گئی پھر اُس نے اس رسّی کو پانی میں بھگویا اور گیلے تسموں کی رسّی کو اپنی گردن کے گرد لپیٹنے لگا۔ اس نے پوری رسّی گردن کے گرد لپیٹ لی اور دوسرے سرے سے کمرے

کے نام وکی اور ٹریسی تھے۔ شہزاد کمرے کے گرد تولیہ لپیٹے کھڑا رہا... بینسن اس کے قریب ہی کھڑا تھا۔ وہ تینوں بظاہر شہزاد سے زیادہ طاقت ور دکھائی دیتے تھے۔

وکی اور ٹریسی نے لاؤنج میں جھانک کر اُوشان کو دیکھا اور دونوں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے سے کچھ کہا۔

"مشرقی ہے۔" ٹریسی بولا۔ اس وقت اُوشان کرتا اور پائجامہ پہنے ہوئے تھا۔

"شش!" اُوشان نے ان کی طرف دیکھے بغیر اُنہیں باتیں کرنے سے منع کیا۔

"مشرقی ہے؟" سارجنٹ نے شہزاد سے پوچھا۔

"ہاں ... لیکن ٹی وی دیکھتے ہوئے شور و غل پسند نہیں کرتا۔" یہ شہزاد نے اُنہیں خبردار کیا۔

"... اور تم شہزاد ہو!" ٹریسی نے دریافت کیا۔

"بالکل درست ..." شہزاد نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"مسٹر شہزاد ...!" سارجنٹ بینسن نے بھاری آواز میں شہزاد کا نام پکارا۔ "میں صرف یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ تم نے گولف کلب میں اسپیشل فورس کے آدمیوں کو کیوں قتل کیا؟ اس کے علاوہ تم نے جنرل وینس کو کیوں قتل کیا؟"

شہزاد نے قدرے بے پروائی سے کندھے اُچکائے لیکن اس کا ذہن تیزی سے کام کرنے لگا تھا۔

"ہم یہ پوچھنے پر مجبور ہیں کہ تم نے فلوریڈا میں کچھ ایسے لوگوں کو، جن کا تعلق امریکی حکومت سے تھا، انہیں کیوں قتل کیا ہے؟ ہم اسی بارے میں تم سے بات کرنا چاہتے ہیں۔" وکی نے کہا۔

"ہم انصاف کرنا چاہتے ہیں ..." سارجنٹ بینسن کی آواز غرّاہٹ آمیز تھی۔

"بہتر یہ ہے کہ تم ریاست ہائے متحدہ امریکا کے خلاف اپنے جرائم کا رضاکارانہ طور پر اقبال کر لو۔ مسٹر شہزاد!" ٹریسی نے لقمہ دیا۔ "تم نے ریاست ہائے متحدہ امریکا، اخلاق، انسانیت، آزادی اور جمہوریت کے خلاف جرائم کیے ہیں ..."

"میرا خیال ہے، تم لوگ یہاں سے چلے جاؤ ..." شہزاد نے نرم لہجے میں انہیں مشورہ دیا۔

"سارجنٹ! کیوں نہ ان دونوں کو ہیڈ کوارٹر لے چلیں۔" وکی نے کہا۔ "یہ اس طرح کچھ نہیں اُگلے گا۔"

"ہم یہیں فیصلہ کریں گے، وکی!" سارجنٹ کے لہجے میں غصّہ تھا۔ اس نے اشارہ یہ تین آٹھ کا ریوالور نکال لیا۔

بہرے سے کس کر باندھ دیا وہ لائبریری کے کمرے میں واپس آیا۔ چند منٹ تک وہ اسی طرح بیٹھا رہا... تسموں کی رسّی خشک ہونے لگی تو اس کے گوشت میں گھستی چلی گئی۔ رسّی برٹن کے حلق اور گردن میں اس طرح گھس رہی تھی جیسے کوئی تیز دھار کا چاقو گردن کاٹ رہا ہو۔

چشم دید گواہوں کا کہنا ہے کہ اُنہوں نے جب برٹن کو مرتے دیکھا تو وہ اُس وقت ایک گیت گنگنا رہا تھا۔ مرنے سے پہلے اس نے ڈا ڈا ڈا، ڈم ڈا ڈم ڈم، ڈا ڈا ڈا ڈا۔ ڈم ڈم کی ایک دور دار تان لگائی تھی۔

☆☆

شہزاد نے بہرام کو فون کرنے کے لیے ریسیور اُٹھایا ہی تھا کہ اس کے دروازے پر دستک ہوئی۔ اس نے ریسیور رکھ دیا اور ابھی آواز دے کر دستک دینے والے کا نام پُوچھنا ہی چاہتا تھا کہ دروازہ کھُل گیا۔ دروازے پر اُوشان کھڑا تھا اور اس کے پیچھے ہوٹل کے دو ملازم ڈوٹی سوٹ کیس سنبھالے کھڑے تھے۔

ان سوٹ کیسوں میں اُوشان کے کپڑے نہیں بلکہ ٹیلی ویژن پروگرام کے وی سی آر کیسٹ تھے۔ اُوشان ٹیلی ویژن کے بہترین پروگرام چھوڑ کر شہزاد کی ایک ہی کال پر عیاری سے واشنگٹن پہنچ گیا تھا۔ ہوٹل کے ملازم کمرے میں داخل ہوئے اور انہوں نے سوٹ کیس ایک طرف رکھ دیے۔ اُوشان گہری نظروں سے کمرے کا جائزہ لینے لگا۔ شہزاد کو علم تھا کہ اُوشان کبھی ملازموں کو چُپ نہیں دے گا چنانچہ اس نے یہ کام خود ہی کیا۔

"تم بالکل امریکی بننے جا رہے ہو ..." اُوشان نے شہزاد سے کہا۔ "ہر بات میں چُپ ..."

شہزاد مُسکرا کر فون کی طرف بڑھ گیا۔

اُوشان اپنا سامان کھولنے لگا۔

"سیون فور فور!" شہزاد نے دوسری طرف سے ریسیور اُٹھائے جانے کی کلک سُنتے ہی کہا۔

"یس ..." بہرام کی آواز سُنائی دی۔ "تم نے لائبریری میں ہونے والے واقعے کی تفصیلات اخباروں میں پڑھ لی ہوں گی؟"

"ہاں ... میں پڑھ چکا ہوں۔"

"وہ بھی اسی ذخیرے کا ایک حصّہ تھا جس کا ہر اہم تلاش کر رہے ہیں، شہزاد!" بہرام نے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ اب تم ہیومن لیبارٹری جا کر تھوڑا بہت آرام کر لو ... یہ لیبارٹری بائی موٹر پچاس میل دُور واقع ہے۔ تمہیں وہاں ایک مریض کی حیثیت سے ہونا ہوگا۔ وہ یقیناً شہزاد نامی مریض کو فوراً ایڈمٹ کر لیں گے۔"

"وہاں مجھے ورزش کرنی ہوگی؟" شہزاد نے مسکراتے ہوئے پوچھا اور بہرام نے جواب دینے کی بجائے ریسیور رکھ دیا۔ دراصل شہزاد نے یہ پوچھا تھا کہ کیا اُسے اپنے اُوپر حملوں کی اجازت دینی ہے... بہرام نے جواب نہیں دیا تو اس کا مطلب یہ تھا کہ حملوں کو برداشت کیا جائے تاکہ سازشیوں کا پتہ چل سکے۔

شہزاد اور بہرام نے کمپیوٹروں کی مدد سے یہ معلوم کر لیا تھا کہ جنرل بلیک، جنرل وینس، سی آئی اے کا ڈائریکٹر برٹن، ان چاروں ہی ڈاکٹر ٹینا کے زیرِ علاج رہے ہیں ... اور یہی ایک ایسا نقطہ تھا جس کو پیشِ نظر رکھ کر آخری کڑی تک پہنچا جا سکتا تھا۔

☆☆

شہزاد نہا رہا تھا مگر دروازے پر دستک کے باوجود اُوشان نے انہاک سے ٹیلی ویژن دیکھنا جاری رکھا۔

"اُوشان! دیکھو تو کون ہے؟" شہزاد نے آواز لگائی۔

ساتھ ہی ساتھ وہ کمرے کے گرد تولیہ بھی لپیٹ رہا تھا۔ اُوشان نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ ٹیلی ویژن دیکھتا رہا۔ شہزاد نے مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھا اور دروازے کی جانب بڑھ گیا۔

"کون ہے؟" اس نے پوچھا

"ایف بی آئی ..." دروازے کی دوسری طرف سے آواز آئی۔

"میں نہا رہا ہوں ..." شہزاد نے اعتراض کیا۔

"ہم صرف ایک منٹ لیں گے ..."

شہزاد نے اُوشان کی طرف دیکھا، جو کنول کا آسن جمائے ٹی وی کے ڈرامے میں غرق تھا۔ شہزاد نے دروازہ کھول دیا... باہر تین آدمی کھڑے تھے۔ سب کے سب بھورے اوور کوٹوں میں ملبوس تھے۔ ان کا لباس چغلی کھا رہا تھا کہ وہ ایف بی آئی ہی کے ایجنٹ ہیں۔ آگے والے شخص نے اپنا شناختی کارڈ شہزاد کو دکھایا۔ "کیا ہم اندر آ سکتے ہیں؟" اس نے پوچھا۔

"وارنٹ لائے ہو ...؟" شہزاد نے اُلٹا سوال کیا۔

"ہاں ..." اس شخص نے جواب دیا۔ اس کا نام سارجنٹ بینسن تھا۔

"ٹھیک ہے، اندر آ جاؤ لیکن شور و غل مت کرنا۔" شہزاد دروازے سے ہٹ گیا۔

وہ تینوں اندر آ گئے۔

بینسن کو چھوڑ کر باقی دو کی آنکھوں میں اضطراب تھا۔ ان

"ٹریسی!" وہ غرایا۔ "تم بوڑھے کو پکڑ لو..."

"ششش!" بوڑھے اُوشان نے اپنا کرخت سُن پھر آواز نکالی جیسے کسی بلی کو شکار کر بھگا رہا ہو۔

"سُنو..." شہزاد نے ٹریسی کو مخاطب کیا۔ "اس کے قریب نہ جانا..."

"جاؤ ٹریسی، بوڑھے کو یہاں لے آؤ..." سارجنٹ نے کہا اور کچھ گنگنانے لگا۔ شہزاد کے عضلات یہ دُھن سُنتے ہی سخت ہونے لگے۔ اس نے ریوالور کی نال کا رُخ اپنے پیٹ کی طرف ہوتے دیکھا۔ ٹریسی اُوشان کی طرف بڑھنے لگا۔

"اس کے قریب مت جاؤ..." شہزاد نے اُسے پھر متنبہ کیا۔

"مسٹر! میرے آفیسر نے جو حکم دیا ہے، وہ پُورا ہو گا خواہ یہ ضابطوں کی خلاف ورزی ہی کیوں نہ ہو۔" ٹریسی نے جواب دیا۔

"میں نے گولیوں سے چھلنی لوگوں کو نئی زندگی ملتے دیکھی ہے لیکن اُو... کا ہاتھ جس پر اُٹھ جائے، اس کی مجال بھی تبسم سے بلبلاتی ہوئی نکل آتی ہے۔" شہزاد پُرسکون لہجے میں ٹریسی سے بولا۔

اسی لمحے ٹریسی نے اُوشان کے قریب پہنچ کر اس کے برف جیسے سفید بال پکڑ لیے لیکن اُوشان کی بائیں کہنی صرف چند ہی انچ اُوپر اُٹھی اور ٹریسی کا جسم کسی گیند کی طرح کمرے کے فرش اور چھت کے درمیان اُچھلا، چھت سے ٹکرایا اور پھر فرش پر گر پڑا۔ ٹریسی نے بوڑھے اُوشان کو سمجھنے میں غلطی کر کے اس کا اندازہ مجھ لگا لیا تھا۔ اس کی لاش ہڈیوں اور گوشت کے لوتھڑوں کی شکل میں فرش پر پڑی نظر آنے لگی۔

یہ سب کچھ ایک سیکنڈ ہی میں ہو گیا تھا اور اسی ساعت شہزاد نے اُوشان کو لپکتے ہوئے دیکھا۔ سارجنٹ بینسن نے ریوالور کی نلی دبانے کی کوشش کی تھی لیکن اس سے پہلے ہی اُوشان اُڑتا ہوا اس کی طرف آیا۔ اُوشان کے دائیں پیر کی ایڑی بینسن کی ایک آنکھ پر پڑی اور آنکھ مغز کے ایسے حصّے میں جا گھسی جس کا تعلق دل سے تھا۔ بینسن نے سسکی بھی نہیں لی۔ وہ دھڑام سے فرش پر گر پڑا۔

اُوشان اب پورے کمرے میں ناچ رہا تھا۔ وہ شاید وکی کو آخری سانس لینے کا موقع دے رہا تھا۔ وکی نے گھبرا کر پستول نکالنے کی کوشش کی لیکن بوکھلاہٹ میں اس کا ہاتھ ہولسٹر کی بجائے اپنی جیب میں گھس گیا۔ وہ کسی خوف زدہ چوہے کی طرح نظر آیا... اُوشان کی ایڑی، بینسن کے خون سے تر تھی اس نے جہاں جہاں یہ ایڑی رکھی، وہاں خون کا گول فکس بنتا چلا گیا۔

بالآخر وکی نے پستول نکال لیا... اُوشان اس کے سامنے آیا، وکی نے پستول سے اس کے سینے کا نشانہ لیا... اور... اور پھر اُوشان قہر بن کر اس پر ٹوٹ پڑا۔ اس کا دایاں ہاتھ وکی کی اس کلائی کو کسی لکڑی کی طرح دو حصّوں میں تقسیم کر چکا تھا جو میں وکی نے پستول سنبھال رکھا تھا۔ اُوشان نے فلائنگ کِک لگا کر وکی کی کنپٹی کو نشانہ بنایا تھا۔ چٹاخ کی آواز کے ساتھ ہی وکی کی گردن ٹوٹ گئی۔

وکی کے گرتے ہی اُوشان پھر لپکا... لیکن اس مرتبہ اس کا رُخ ٹیلی ویژن کی طرف تھا، جس پر اس کا پسندیدہ پروگرام آ رہا تھا۔ وہ کنول کا آسن جما کر ٹی وی کے سامنے بیٹھ گیا۔ بالکل اس طرح جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

شہزاد تین لاشوں کے درمیان کھڑا تھا۔

شہزاد نے ایف بی آئی کے بزرگ ڈائریکٹر... اور سارجنٹ بینسن کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا۔ ایف بی آئی کے دفتر سے یہ چلا کہ سارجنٹ بینسن کسی اہم کام سے گئے ہوئے ہیں۔

"ٹریسی اور وکی؟" شہزاد نے پوچھا۔

"وہ بھی ان کے ساتھ ہیں۔" آپریٹر نے جواب دیا۔

"اُن سے کہاں ملاقات ہو سکتی ہے؟" شہزاد نے دریافت کیا۔

"پتہ نہیں جناب! وہ بتا کر نہیں گئے۔"

شہزاد نے شکریہ ادا کر کے ریسیور رکھ دیا۔ حالات واضح تھے۔ سارجنٹ بینسن، کو شہزاد کے قتل کا کام سرکاری طور پر نہیں سونپا گیا تھا۔ اس نے اپنے طور پر شہزاد کو قتل کرنے کی کوشش کی تھی جب کہ وکی اور ٹریسی محض اس لیے اس کے ساتھ تھے کہ وہ اُن کا اَفسر تھا۔

شہزاد نے تینوں لاشیں باتھ ٹب میں رکھ دیں اور کپڑے پہننے لگا۔ وہ اِن لاشوں کو ٹھکانے لگانے کے لیے انتظام کرنے جا رہا تھا۔

"اُوشان... کسی کو اندر مت آنے دینا۔" شہزاد نے ہانک لگائی۔

"ششش!" اُوشان نے اُسے خاموش رہنے کی تلقین کی۔ اس وقت ٹیلی ویژن پر ایک خوبصورت رُومانی منظر چل رہا تھا۔

شہزاد نے مُسکراتے ہوئے اُوشان کی جانب... بھٹ واشوں کی طرف دیکھا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

شہزاد نے سب سے پہلے چمڑے کے تین ایسے تھیلے خریدے جو سات سات فٹ طویل تھے اور پھر ایکسٹرا لارج سُوٹ کیسوں کی طرف بڑھ گیا... اس نے تین سُوٹ کیس بھی خرید ڈالے۔

واپس آ کر اس نے تینوں لاشیں، چمڑے کے تھیلوں میں ڈالیں اور پھر ہر تھیلا الگ الگ سُوٹ کیس میں ڈال دیا۔ سُوٹ کیسوں پر لکھا تھا۔ "اہم و دستاویزات... از راہِ کرم آگ سے دُور رکھیں..." یہ تینوں سُوٹ کیس اس نے اپنے چیف ہیرام کے حالیہ ہیڈ کوارٹرز کے پتے پر بُک کروا دیے۔

☆☆

ہیومن لیبارٹری کی حسین استقبالیہ کلرک نے شہزاد اور اس کے ساتھی کو بتایا کہ لیبارٹری میں کوئی کمرہ خالی نہیں ہے لیکن اگر شہزاد اوقاتِ کار کے بعد مل کر اس سے گفتگو کرے تو وہ اسے اور اس کے ساتھی کو کسی دوسری لیبارٹری میں جگہ دلا سکتی ہے۔ استقبالیہ کلرک کی عمر بیس سال سے زائد نہیں تھی۔ وہ انتہائی مختصر اور کسا ہوا بلاؤز پہنے ہوئے تھی۔

شہزاد کاؤنٹر پر اتنا جُھک گیا کہ وہ لڑکی کے جسم سے اُٹھنے والی مہک تک سُونگھ سکتا تھا۔ لڑکی کے ریشمیں بھورے بال اس کی گردن کو چُوم رہے تھے۔ "تم مجھے رجسٹر کر سکتی ہو تو کر لو..." شہزاد نے سرگوشی کی اور لڑکی اس معمولی سے جملے پر بھی حیا کے باعث سُرخ ہو گئی۔

"کاش... کاش میں تمہیں رجسٹر کر سکتی..." اس نے ایک سرد آہ بھری... "لیکن ڈاکٹر ٹینا تمام نئے مریضوں کو خود ہی رجسٹر کرتی ہیں... میں کچھ نہیں کر سکتی..." لڑکی کی آنکھوں میں سچ مچ اداسی اور حسرت تھی۔

"تب ڈاکٹر ٹینا سے میری بات کروا دو..." شہزاد نے کہا۔

"ڈاکٹر سے... لیکن اگر تم اُن سے مل لیے تو مجھے فراموش کر دو گے؟" لڑکی نے حسرت سے کہا۔ وہ شہزاد کی شخصیت سے بے پناہ متاثر ہوئی تھی۔

"نہیں... تم میرے دل میں رہو گی۔" شہزاد نے مُسکرا کر اُسے حوصلہ دیا۔

"وعدہ کر رہے ہو؟"

"پکّا وعدہ..." شہزاد کی مُسکراہٹ مزید گہری ہو گئی۔

"میں اُن سے بات کرتی ہوں لیکن شاید وہ تم سے ملنے پر تیار نہ ہوں۔" لڑکی نے کہا۔ اس کا چہرہ شہزاد کی سحر انگیز شخصیت کے قُرب ہی سے دمک اُٹھا تھا۔ اس نے ریسیور اُٹھا لیا۔ شہزاد اُوشان کے پاس واپس آ گیا جو ہیومن لیبارٹری کے ماحول میں خود کو جذب کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ یہاں اُوشان کی حیثیت شہزاد کے انسٹرکٹر کی تھی جب کہ شہزاد ایک نفسیاتی مریض بن کر آیا تھا۔

"تم نے لڑکی کو جال میں پھنسا لیا ہے، میرے بچّے!" اُوشان نے کہا۔ اس کے حساس کان شہزاد اور لڑکی کی پُوری گفتگو سُن چکے تھے۔

"مقصد براری کے لیے ایسا جال پھینکنا پڑتا ہے، مجاہی فادر۔" شہزاد نے جواب دیا۔ اس نے ایک قریبی میز پر پڑا ہُوا پمفلٹ اُٹھایا اور ہنس پڑا۔ "لوگوں کے سامنے بے لباس ہونا پڑے گا۔" یہ کہتے ہوئے شہزاد نے پمفلٹ اُوشان کی طرف بڑھا دیا۔ "تم بھی پڑھ لو۔" لیکن اُوشان نے پمفلٹ کو نظر انداز کر دیا۔

شہزاد صرف اس وجہ سے ہنسا تھا کہ اس نے آج تک اُوشان کو بے لباس نہیں دیکھا تھا۔ اُوشان عموماً لمبے چغے میں ملبوس رہتا تھا... لیکن لباس تبدیل کرتے ہوئے بھی شہزاد کو اس کے جسم کا کوئی ایسا حصّہ نظر نہیں آیا جو عریانیت کی مشرقی تعریف پر پورا اُترتا ہو۔ یہ تھی وہ فون کی گھنٹی جس کی منتظر لڑکی نے شہزاد کو بتایا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی تو اس نے ریسیور اُٹھا لیا۔ "میں نے تمہیں سختی سے ہدایت کی تھی کہ مجھے ڈسٹرب مت... کیا... شہزاد... شہ... زاد... اوہ... بھیج دو... پندرہ منٹ بعد میں اس سے انٹرویو کے لیے تیار ملوں گی۔" ٹینا نے بے یقینی کے انداز میں فون کو گھورا اور پھر کریڈل پر ریسیور کو اتنی احتیاط سے رکھا جیسے وہ کانچ کا کوئی نازک سا برتن رکھ رہی ہو۔ "وہ آ گیا... وہ پہنچ گیا... وہ یہاں آ گیا۔" ٹینا لاشعوری طور پر بڑبڑانے لگی۔

"کون آ گیا؟" ٹینا کے کمرے میں بیٹھے ہوئے شخص نے پُوچھا۔

"ایک ایسی شخصیت، جس تک پہنچنے کے لیے میں خود تڑپ رہی تھی۔" ٹینا بولی۔ "ایک ایسا شخص جو ہمارے کھیل کو تن تنہا ہی بگاڑ سکتا ہے... لیکن یہ میری خوش قسمتی ہے کہ وہ خود ہی یہاں آ رہا ہے۔"

شہزاد کے کمرے میں آنے سے قبل، ٹینا نے نئی صورتحال

تفصیل غور کیا۔ صرف ایک گھنٹہ قبل اُسے اطلاع ملی تھی کہ ہیلموٹ ہنسن اور اُس کے ساتھی شہزاد کو قتل کرنے کی بجائے خود ہی مقتول ہو گئے ہیں۔ سارجنٹ ہنسن کی شخصیت ٹینا کے لیے بے حد اہم تھی۔ وہ اہم سرکاری اُمور کو علاج کی غرض سے ٹینا کے پاس بھیجتا رہتا تھا لیکن شہزاد نامی اس شخص نے اسے بھی ہلاک کر دیا۔

سارجنٹ ہنسن مر چکا ہے۔

جنرل ونس مر گیا۔

اسپیشل فورس کا کرنل بھی شہزاد کے ہاتھوں مارا گیا۔

"لیکن اب... شہزاد... تم کو میں خود ہی ختم آمدید کہوں گی۔" ٹینا بڑبڑائی۔ "میں، تمہیں ایک ایسے کھیل میں اُلجھا دُوں گی کہ تمہارا شاطر ذہن، تمہاری جذباتی خواہشات کے تابع ہو جائے گا۔ میں جانتی ہوں کہ تم کو مجھ سے کیا کام لینا ہے۔ تم مجھ سے ملنے آ رہے ہو۔ ضرور آؤ... لیکن میں تمہاری تمام صلاحیتیں کسی جاذب کی طرح جذب کر لوں گی۔"

عین اسی وقت ایک اور شخص بھی کچھ سوچ رہا تھا۔

ہیومن لیبارٹری کی ایک فراخ کھڑکی کے سامنے کھڑا ہوا یہ شخص سنہری لبادے میں تھا۔ "میرے بچے!" اس نے اپنے شاگرد کے ذہن میں کہا۔ "میں نے تمہیں بہترین تربیت دی ہے۔ تم جرائم کی دُنیا کے لیے ایک تباہ کُن عفریت ہو۔ جاؤ... اس حسین ساحرہ کے پاس بے خوف و خطر جاؤ جو ذہنوں کو اپنے تابع کر لیتی ہے۔ کوئی طاقت تمہیں تابع نہیں کر سکتی۔ تمہاری صلاحیتیں عمل توجہ کی عظیم تر صلاحیتوں کے مقابلے میں ہزار گنا عظیم ہیں۔ میں جانتا ہوں... میں اس عمارت کا ماحول دیکھ کر جان چکا ہوں کہ وہ اپنی نسوانیت اور عمل توجہ کے ذریعے لوگوں کو کسی بے بس پرندے کی طرح پھانس لیتی ہے لیکن تم عام انسان نہیں ہو بلکہ ٹائیگر ہو... تم میرے شاگرد ہو۔ تم نے مجھ سے اپنے مجازی باپ اُوشان سے بہت کچھ سیکھا ہے... جاؤ میرے بیٹے! اس ساحرہ کے پاس جاؤ۔"

شہزاد اپنے ذہن میں اُوشان کی آوازیں سُنتا رہا۔

وہ اب ایک بار پھر لڑکی کے قریب کھڑا تھا۔ لڑکی نے شہزاد کی طرف دیکھا۔ "تم اب ڈاکٹر کے پاس جا سکتے ہو۔" یہ کہتے ہوئے لڑکی نے مُسکرا کر اُس کی طرف دیکھا۔ "لیکن وعدے کے مطابق آج رات میرے پاس ضرور آنا۔"

اسی وقت اُوشان بھی کھڑکی سے ٹہلتا ہوا ان کی طرف آیا۔ لڑکی نے حیرت سے اُوشان کے ہاتھ دیکھے۔ "جناب!" اُس نے کہا۔ "یہ آپ کے ناخن... اتنے لمبے کیسے ہو گئے؟"

"تم بہت شریر بچی ہو۔" اُوشان نے سنہری لبادے میں ہاتھ چھپاتے ہوئے کہا۔

شہزاد لفٹ کے ذریعے دسویں منزل تک پہنچ گیا۔

چند منٹ بعد وہ ایک انتہائی خوبصورت اور سجے ہوئے کمرے میں تھا۔ خوبصورت ٹینا... کمرے کے ماحول کی طرح دلکش ٹینا ایک میز سے اُٹھی۔ "ہیلو شہزاد... خوش آمدید! میں تمہارا انتظار کر رہی تھی۔" اُس نے کہا اور اس کی مسکراہٹ مزید گہری ہو گئی۔

☆☆

شہزاد نے ہیومن لیبارٹری کے بارے میں جو کچھ پڑھا تھا اُس کے مطابق یہ لیبارٹری انسان کے غیر فعال اعصاب اور حساس اعضا کو مختلف ورزشیں کرا کے ایک بار پھر زندگی بخشتی تھی۔

اُوشان لیبارٹری کے کمرے میں اپنا سامان کھولتے ہوئے شہزاد کو بتا رہا تھا کہ اُس نے شہزاد کی ٹینا کے کمرے میں موجودگی کے دوران لیبارٹری کی عمارت میں کیا کچھ دیکھا ہے۔ "بہت سے لوگ ایک ہال میں بے لباس کھڑے ہو کر ریالیٹ کو ورزش کر رہے تھے۔" اُوشان نے قدرے نفرت سے کہا۔

"تم نے کوئی خاص بات دیکھی... ہال میں ہونے والی حرکتوں سے زیادہ غیر معمولی حرکتیں نظر آئیں؟" شہزاد نے پُوچھا۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب تو مجھے بھی نہیں معلوم۔" شہزاد نے مُسکرا کر جواب دیا۔

اُسی شام ڈاکٹر ٹینا نے شہزاد کے مختلف ٹیسٹ کیے۔

شہزاد نے اعصابی مرض کی شکایت کی تھی۔ شہزاد نے ڈاکٹر ٹینا کے ہر ٹیڑھے سوال کا جبر، شرافت سے جواب دیا، اُس کے باعث اُوشان بہت خوش تھا۔ اُسے یہ خوشی تھی کہ شہزاد ٹینا کے بعض بے ہُودہ سوالوں کے باوجود غصے میں نہیں آیا۔ اگرچہ ٹیسٹ کے وقت اُوشان کی موجودگی ضروری نہیں تھی تاہم اُوشان وہاں موجود رہا تھا۔ بعد میں اُس نے ٹینا کے طریق کار کو محض مذاق قرار دیا۔

اُوشان سہ پہر کی ورزش کے بعد کمرے میں شہزاد سے باتیں کر رہا تھا کہ اچانک ٹیلیفون کی گھنٹی بج اُٹھی۔ "شہزاد اسپیکنگ!" شہزاد نے ریسیور اُٹھاتے ہوئے کہا۔

"ڈاکٹر ٹینا آپ سے فوراً ملنا چاہتی ہیں، مسٹر شہزاد!" ایک نسوانی آواز نے اُسے مطلع کیا۔

شہزاد چند لمحوں کے بعد اُس وقت ٹینا کے کمرے میں داخل ہوا جب سُورج ڈُوب کر اپنی شکست کا نوحہ پڑھ رہا تھا۔ پہاڑوں کی اوٹ میں سُورج کی آخری جھلک کے غائب ہوتے ہی شہزاد، چاند کی طرح ٹھنڈی ٹینا کے رُوبرو کھڑا تھا۔

ٹینا اس وقت غیر روایتی لباس میں ڈیسک کے قریب اس طرح کھڑی نظر آئی کہ شہزاد اس کا چہرہ نہ دیکھ سکا لیکن وہ پُشت سے بھی انتہائی دلکش نظر آ رہی تھی۔ نہ جانے کیوں شہزاد جیسے انسان کے دل میں بھی ٹینا کا یہ رُوپ بسنے لگا۔ اُس کے دل میں ایک ایسی خواہش نے جنم لیا جسے کچلنے کے لیے اُسے اُوشان نے خصوصی تعلیم دی تھی۔

"یہ تو شہزاد!" ٹینا کی نقرئی آواز شہزاد کے کانوں میں مقدس گھنٹیوں کی طرح دَر آئی۔ ٹینا نے اُسے کُرسی پر نہیں بلکہ کاؤچ پر بیٹھنے کی دعوت دی تھی... پھر وہ خود بھی کاؤچ کے قریب آ گئی۔ "میں یہ بتانا چاہتی تھی کہ تمہارے ٹیسٹ کا کیا نتیجہ رہا؟"

"میں منتظر ہوں۔" شہزاد نے جواب دیا۔ وہ ٹینا کی طرف سے نگاہیں چُرا رہا تھا۔

"تم نے مٹھوں پتھر کے ہلاک کو توڑ کر یہ ثابت کیا ہے کہ تم جسمانی اعتبار سے کمزور نہیں ہو... لیکن تمہارے انسٹرکٹر نے دو کوششوں میں پتھر توڑا۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تمہارا انسٹرکٹر تم سے زیادہ طاقتور نہیں ہے۔ ممکن ہے، تمہارے اندر تمہارے انسٹرکٹر سے زیادہ جارحانہ جذبے ہوں۔" یہ کہتے ہوئے ٹینا شہزاد کی طرف جھک گئی۔ اُس کے بدن کی مہک شہزاد کے نتھنوں میں گھس آئی۔ یہ مہک کسی بھی مرد کو بے قابو کر دینے کے لیے کافی تھی لیکن شہزاد نے خود پر قابو رکھا، وہ عام مرد نہیں تھا۔

"ہاں... وہ جارحانہ جذبوں سے عاری ہے۔" شہزاد نے جواب دیا۔

"مگر کیوں؟" ٹینا کاؤچ پر بیٹھ گئی۔

"اس لیے کہ اُس نے اپنے تمام جارحانہ جذبے ایک اور ذات کی نذر کر دیے ہیں۔"

"اوہ..." ٹینا نے بکھرے ہُوئے بال سمیٹ کر پُشت پر ڈال لیے۔ "... اچھا، اب تم آرام سے لیٹ جاؤ۔ ہمیں چند اور ضروری امور پر گفتگو کرنا ہو گی تاکہ میں تمہارے مرض کی جڑ تک پہنچ سکوں۔"

شہزاد چمڑے کے نرم کاؤچ پر لیٹ گیا۔ اُس کی نظر کھڑکی سے باہر کھلے آسمان پر پڑی، جہاں ایک باز کسی کبوتر پر لپک رہا تھا۔ وہ سوچنے لگا کہ شاید ٹینا مجھے بھی کبوتر سمجھ رہی ہے اور پھر اُس کے ذہن میں اُوشان کی آواز گُونجنے لگی۔ "میرے بچے! تم عمل توجہ کو اس طرح شکست دے سکتے ہو جیسے کوئی عظیم جرنیل بعض احمق جرنیلوں کو شکست دیتا ہے۔"

شہزاد کو احساس تھا کہ ٹینا، اپنے شکار پر کسی باز کی طرح جھپٹتی ہو گی۔ وہ سوچنے لگا کہ بعض عورتیں اپنے جسم کو ہتھیار کی طرح استعمال کرنے میں مہارت رکھتی ہیں اور ٹینا بھی انہی میں سے ایک ہے۔

"... شہزاد! اگر کوئی شخص سینما ہاؤس میں لگی ہوئی فلم کو نظر انداز کر کے تمہارے سے آگے کھڑا ہو جائے تو تم کیا کرو گے؟" ٹینا نے پُوچھا۔

"میں اُس سے کہوں گا کہ وہ بھی قطار کی طرح وہ بھی قطار میں کھڑا ہو جائے۔" شہزاد نے جواب دیا۔ وہ سمجھ چکا تھا کہ ٹینا انتہائی حملے کی تیاری کر رہی ہے۔

"اگر اس نے تمہاری بات نہ سنی تب؟"

"تب میں اُسے اُٹھا کر قطار کے آخر میں پھینک دُوں گا۔" شہزاد نے کہا۔

"کیا تم نے کبھی کسی کو قتل کیا ہے؟"

"ہاں... لیکن گنتی مجھے یاد نہیں۔ بے شمار لوگ میرے ہاتھ سے مارے گئے۔" شہزاد نے جواب دیا۔ وہ حتی الامکان سچ بول رہا تھا۔

"ملکی جنگ میں بھی...؟"

"میرا ایسی کسی جنگ سے کوئی تعلق نہیں۔" شہزاد نے جواب دیا۔

"امریکا میں ہمیں تمہارے بارے میں کوئی ریکارڈ نہیں ملا۔ شہزاد!" ٹینا نے کہا۔ "اس لیبارٹری میں اغلاط ان بھی آتے ہیں۔ ہم ہر مرلیض کی کڑی جانچ پڑتال کرتے ہیں۔ لیکن کیا یہ عجیب بات نہیں کہ ہمیں تمام تر ذرائع استعمال کرنے کے باوجود یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ تم کون ہو؟"

"یہ تمہیں کبھی معلوم نہیں ہو سکے گا ڈاکٹر ٹینا!" شہزاد نے مُسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"... اور تم نے یہاں اپنے کوائف درج کراتے ہوئے یہ لکھوایا ہے کہ تم گولف کے ایک پیشہ ور کھلاڑی ہو لیکن پُورے امریکا میں شہزاد نام کا کوئی شخص، گولف کا پیشہ ور کھلاڑی نہیں ہے۔ تم کون ہو شہزاد؟"

شہزاد دھیرے سے مُسکرایا۔ اُس نے مناسب سمجھا کہ ٹینا کو بتا دے کہ وہ درحقیقت کون ہے۔ "میں وہ شخص ہوں ٹینا۔"

جس کے ہاتھوں تمہاری موت لکھی گئی ہے۔" یہ کہتے ہوئے اُس نے ٹینا کی آنکھوں اور ہاتھوں پر نگاہ رکھی لیکن نہ تو ڈاکٹر کے ہاتھ کپکپائے اور نہ ہی اُس کی آنکھوں میں کوئی مضطرب سایہ رقص کرتا نظر آیا۔

"آہ... ذہنی جارحیت..." ٹینا نے مسکرا کر کہا۔ "میں نے یہ تشخیص کی ہے کہ تم اپنی ذہنی جارحیت سے خوفزدہ ہو... اچھا اب یہ بتاؤ کہ تم مجھے کیوں مارنا چاہتے ہو؟"

"یہ کس نے کہا کہ میں مارنا چاہتا ہوں... میں تمہیں قتل کروں گا۔" شہزاد نے جواب دیا۔

"مگر یا تم اپنی خواہش کے برعکس مجھے قتل کرو گے!"

"ہاں... لیکن ابھی نہیں... مجھے احساس ہے کہ تمہیں قتل کر کے میں دُنیا کو ایک حسین ترین عورت سے محروم کر دوں گا۔ لیکن میں تمہیں قتل کرنے پر مجبور ہوں۔"

"مگر تم مجھے قتل کیوں کرو گے شہزاد؟" ٹینا نے ہلکے سے اپنے جسم کو حرکت دی تاکہ شہزاد اُس کی قیامت خیزیوں کو محسوس کر سکے۔

"اس لیے کہ تمہیں قتل ہونا چاہیے۔"

"مگر میرا قصور؟" وہ ایک ادائے دلربائی کے ساتھ بولی۔

"صرف یہ کہ تم ایک ہدف ہو۔"

"... لیکن یہ فیصلہ کس نے کیا کہ میں تمہارا ہدف ہوں؟"

"صرف میں نے..." شہزاد نے جواب دیا۔

"تم نے ان لوگوں کے بارے میں کبھی کچھ سوچا جو تمہارا نشانہ بن چکے ہیں؟" ٹینا نے پوچھا۔

"اور تم نے کبھی اپنے ان مریضوں کے بارے میں سوچا جو تمہارا نشانہ بنتے رہے ہیں؟" شہزاد نے فوراً جوابی سوال کیا۔

"مجھے اپنے مریضوں کے خلاف کبھی کچھ نہیں کرنا پڑا... میں اُن سے نفرت نہیں کرتی۔"

"لیکن میں جس ذات کو اپنا نشانہ بنا لیتا ہوں، اُس سے نفرت میری رگ و پے میں سرایت کر جاتی ہے۔" شہزاد نے کہا۔

"اوہ، گویا تم جذباتی احساسِ محرومی کا شکار ہو!" ٹینا نے اپنے ابرو نچائے۔

"نہیں..." شہزاد نے انتہائی سخت لہجے میں جواب دیا۔ "تم نے کبھی کسی کو قتل کر کے جذباتی ہیجان محسوس نہیں کیا؟" ٹینا نے پوچھا۔ "... تمہیں کبھی قتل کے بعد دکھ ہوا؟"

"نہیں... کیونکہ میں قتل کرتا ہوں، قتل نہیں ہوتا!"

"تم اپنے والدین کے بارے میں کس قسم کے جذبات محسوس کرتے ہو؟"

"میں اپنے والدین سے واقف نہیں ہوں۔ میری تربیت اور پرورش ایک یتیم خانے میں ہوئی تھی... اور جن عورتوں نے وہاں میری دیکھ بھال کی، وہ بہت اچھی تھیں۔"

"تب تم اپنی آنکھیں بند کر لو۔ اپنے ذہن کو آزاد چھوڑ دو اور مجھے یہ بتاؤ کہ تمہارے نزدیک ایک آئیڈیل... مثالی مرد کون ہے؟" ٹینا اب اُس کے اور قریب آ گئی۔

شہزاد نے یہ سوچتے ہوئے اپنے جسم کو بالکل آزاد چھوڑ دیا کہ ٹینا اپنا کھیل شروع کرنے والی ہے۔ "... مثالی مرد...! مثالی مرد وہ ہوتا ہے جس کا ذہن اور دل اس کے تابع ہو... جو اپنے اعصاب کو لگام ڈال کر رکھے۔ جو امن کے جذبوں میں ہلکورے لے رہا ہو۔ مثالی مرد غیر ضروری خطرات کی تلاش نہیں کرتا... بلکہ خطرات کے سامنے آنے پر اُن سے نمٹ لیتا ہے۔ مثالی مرد کو علم ہوتا ہے کہ موت ہی فنا کا دروازہ ہوتی ہے۔ اسے یقین رہتا ہے کہ وہ ضرور مرے گا۔ میرے نزدیک مثالی مرد وہ ہے جو گھنٹوں کنول کا آسن جمائے چپ چاپ بیٹھا رہے۔ اس کے دُبلے پتلے ہاتھ اس کے چوغے کی جھولی میں رکھے ہوتے ہیں۔ وہ اپنے جسم اور ماحول کے علاوہ اپنے دل و دماغ کا بے تاج بادشاہ ہوتا ہے۔ وہ ایسا استاد ہوتا ہے جس کو اپنے شاگرد سے والہانہ محبت ہوتی ہے۔"

"کیا تم اس مشرقی بُوڑھے کے بیٹے ہو جو تمہارے ساتھ یہاں آیا ہے؟" ٹینا نے سوال کیا۔

"نہیں..." شہزاد نے آنکھیں بند رکھتے ہوئے جواب دیا۔

"آہ... میرے شہزاد! تم نے پہلی مرتبہ جذباتی ہیجان کا مظاہرہ کیا ہے۔" ٹینا نے بُرا مانے بغیر کہا۔ "جب تم لوگوں کو قتل کرنے کی باتیں کر رہے تھے تو مجھے جذبات سے عاری انسان نظر آئے۔ گویا تمہارے اندر ایک بے رحم قاتل چھپا ہوا ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ تم ایسے مرد ہو... جو غصے سے بھڑک بھی سکتا ہے۔ میں اب یہ کوشش کروں گی کہ تمہارے اندر چھپے ہوئے قاتل کو قتل کر دوں میں تمہارا علاج کروں گی تاکہ تمہاری شخصیت کے منفی پہلو کچل جائیں اور مثبت پہلو اُجاگر ہو جائیں۔ تمہارے اندر بے رحمی کی جو صفات ہیں ان کو ذہنیت تھراپی کے ذریعے کچلا جا سکتا ہے۔ اچھا یہ بتاؤ کہ تم ان صفات کے حامل شخص کو کیا کہو گے؟"

"ٹائیگر!" شہزاد نے جواب دیا۔

"تب پھر ہم دونوں اس ٹائیگر کو قتل کر دیں گے۔" ٹینا نے دونوں ہاتھ سینے پر باندھ لیے۔

"ٹائیگر کو..." شہزاد کا ذہن سے کھڑا ہو گیا۔ وہ مسکرا رہا تھا۔ "بہت سے لوگوں نے ٹائیگر کو قتل کرنے کی سازش کی... مگر وہ مٹی میں مل گئے۔"

"اوہ..." ٹینا نے سینہ تان کر شہزاد کی طرف دیکھا۔ "وہ نرے احمق ہوں گے، ہو ناکام رہے... ہم ہیومن لیبارٹری میں دیکھیں گے کہ ٹائیگر کے ساتھ کیا سلوک کر سکتے ہیں۔ ہم شہزاد کو ٹائیگر سے بچائیں گے۔"

ٹینا کو دیکھ کر شہزاد کے اندر چھپے ہوئے مرد نے انگڑائی لی لیکن اسے معلوم تھا کہ اگر وہ بہک گیا تو ٹینا واقعی ٹائیگر کو ختم کر دے گی۔

شہزاد نے کھڑکی سے باہر جھانکا... باز غائب ہو چکا تھا اور کبوتر چوگے کی مدد سے اپنے پَر صاف کرنے میں مصروف تھا۔

☆☆

شہزاد کے جانے کے بعد ٹینا بہت دیر تک اپنی کرسی پر بیٹھی کچھ سوچتی رہی۔ کچھ دیر بعد اس نے ریسیور اُٹھایا اور ہیومن لیبارٹری کے کسی کمرے کے نمبر ملائے۔ "وہ ابھی ابھی گیا ہے۔" وہ بولی۔ "اس کی گفتگو سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسے کسی نے ہمارے منصوبے خاک میں ملانے کے لیے بھیجا ہے۔"

"تب اسے قتل کر دو۔" مرد کی آواز آئی۔

"یہی ایک طریقہ ہے لیکن میں اسے یہاں قتل کرنا نہیں چاہتی۔ اس طرح لیبارٹری میں پولیس کی آمد و رفت شروع ہو سکتی ہے جو ہمارے منصوبے کو نقصان پہنچائے گی۔"

"کہیں بھی لے جا کر مار ڈالو... مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" مرد نے کہا۔

☆☆

صبح ہو چکی تھی۔ شہزاد اور اُوشان کو آج پہلی مرتبہ اجتماعی جسمانی ورزش میں حصّہ لینا تھا۔

لفٹ کے دروازے تیسری منزل کے ایک شاندار ہال میں کھُلے جس کی دیواروں پر غالیچے لگے ہوئے تھے جب کہ چھت پر بھُورے رنگ کا پینٹ کیا گیا تھا۔ کمرے کے وسط میں تکیوں سے دائرہ سا بنایا گیا تھا۔ ہر تکیے کے قریب ایک ایش ٹرے رکھی ہوئی تھی۔ شہزاد اور اُوشان اس ہال میں داخل ہوئے تو وہاں ورزش شروع ہو چکی تھی۔

ٹینا ایک بڑے تکیے پر بیٹھی نظر آئی۔ وہ ڈاکٹروں کے روایتی لباس میں تھی جب کہ ہال میں موجود دوسری عورتیں اور مرد لباس کی قید سے آزاد تھے۔ ایک موٹی لڑکی مسلسل رو رہی تھی... لیکن شہزاد کو دیکھتے ہی وہ چُپ ہو گئی۔ ایسا لگتا تھا جیسے شہزاد کی شخصیت اس کے دل میں اُترتی چلی گئی ہو۔ شہزاد نے لڑکی کو نظر انداز کر دیا۔

"دیکھو..." لڑکی پھر رونے لگی۔ "یہ چلتا اس طرح ہے جیسے مَردوں کا بادشاہ ہو۔ میں اسے خود کو چھونے بھی نہیں دوں گی۔"

"کیا حال ہے شہزاد..." ٹینا مسکرائی۔ "اس ماحول میں تم کیا محسوس کر رہے ہو؟"

"بھلا اس عُریاں ماحول میں کیا محسوس کیا جا سکتا ہے۔" شہزاد نے جواب دیا۔

"میں تم سے نفرت کرتی ہوں۔" وہی لڑکی چیخ پڑی۔ اب وہ بلک بلک کر رو رہی تھی۔ اس کا نام فلورا تھا۔ گروپ کے کئی مَرد فلورا کے قریب گئے۔ وہ اس کے شانے دُبا رہے تھے۔ کسی نے فلورا کی کنپٹیوں پر مالش شروع کر دی۔

"یہ جذباتی عارضے میں مبتلا ہے۔" ٹینا نے شہزاد کو بتایا۔ "جذباتی محرومی اس کی یادداشت اور اعصاب کو کچل چکی ہے۔"

دوسری طرف مرد فلورا کی دلجوئی کر رہے تھے۔ کسی نے اس کے حُسن کی تعریف کی تو وہ بھڑک اُٹھی۔ "مگر وہ..." فلورا شہزاد کی طرف اشارہ کر رہی تھی۔ "وہ مجھے بدصورت سمجھتا ہے۔"

شہزاد نے ان لوگوں کی طرف دیکھا جو فلورا کی دلجوئی میں مصروف تھے لیکن ایک موٹا تازہ شخص فلورا اور ٹینا سے دُور الگ کھڑا رہا۔ اس کا وزن کم از کم ساڑھے چار سو پونڈ ہو گا۔ وہ سیاہ فام تھا اور اس کے لٹکے ہوئے گال، گوشت کے لوتھڑے لگ رہے تھے۔ شہزاد نے ایک ہی نظر میں اندازہ لگا لیا کہ موٹاپے کے عارضے میں مبتلا ہے۔ وہ شہزاد ہی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

شہزاد نے اُوشان کی تلاش میں اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ اُوشان ان لوگوں میں شامل ہو گیا تھا جو فلورا کی دلجوئی کر رہے تھے۔ وہ فلورا کی پیٹھ پر مالش کر رہا تھا۔ شہزاد کے دیکھتے ہی دیکھتے اُوشان نے دوسرے لوگوں کو فلورا کے قریب سے ہٹا دیا اور پھر وہ تنہا فلورا کی ریڑھ کی ہڈی پر مالش کرنے میں مصروف ہو گیا۔ "تم تو ایک نازک اور خوشبوؤں سے بھرے ہوئے پھُول کی طرح ہو، میری بچّی۔" اُوشان کی سرسراتی ہوئی پُراسرار اور سحر انگیز آواز ہال میں گونجی۔ "تم محبت ہو... تم جذبوں کی سرمستی،

عشق کی انتہا اور حُسن کی عظمت ہو، پیاری لڑکی۔" اُوشان کے ہاتھ بہت تیزی سے فلورا کی گردن سے ریڑھ کی ہڈی تک مالش کر رہے تھے۔ "پھولوں نے تم سے نزاکت اور خوشبو لی ہے۔ تم کسی خوشنما تتلی کی طرح دلربا ہو۔ تم ایک عورت ہو۔ . . بھرپور عورت . . ."

"آہ . . کوئی تو ایسا ہے جس نے میری تعریف کی۔" احساسِ کمتری میں مبتلا فلورا نے کہا۔

"تم قابلِ تعریف ہو، پیاری بچی۔" اُوشان نے موٹی فلورا کی بات کا جواب انتہائی سنجیدگی سے دیا۔

"اُس سے کہو کہ وہ بھی میری تعریف کرے۔" لڑکی مچل کر بولی۔

"کس سے کہوں؟" اُوشان نے پُوچھا۔

"اس سے . . . جو تمہارے ساتھ آیا ہے۔" لڑکی بولی۔ اُوشان نے شہزاد کی طرف دیکھا، جو گہری دل چسپی سے یہ باتیں سُن رہا تھا پھر اُوشان، شہزاد کے قریب تکیے پر آ کر بیٹھ گیا۔ اُوشان اپنے خاص انداز میں بیٹھا تھا۔ شہزاد نے یہ دیکھنے کے لیے کہ کسی نے اُوشان کے اس انداز کو محسوس تو نہیں کیا، ہر چہرے کا جائزہ لیا . . صرف سیاہ فام موٹا ہی اُوشان کو گھور رہا تھا۔

☆☆

فرانس نے کرنسی نوٹوں کے عوض سونے کی خریداری شروع کر دی۔ سب سے پہلے فرانس اور جنوبی افریقہ کے درمیان سودا ہُوا جس کے تحت فرانس نے سات کروڑ تیس لاکھ ڈالر کا سونا خریدا۔ اس کے بعد فرانس نے امریکی وزیرِ خزانہ کو یہ بتایا کہ وہ مجبوراً اپنی کرنسی کی قیمت میں اضافہ کر رہا ہے اور امریکا نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ امریکی وزیرِ خزانہ کو ابھی تک یہ علم نہیں ہو سکا تھا کہ فرانس سونا خرید رہا ہے۔ کچھ ہی روز بعد فرانس کے قومی بینک میں مزید بتیس کروڑ ڈالر کا سونا جمع کرا دیا گیا۔

فرانس جو کچھ کر رہا تھا، گنیشر کو اس کا علم ہوتا رہا۔

. . . لیکن گنیشر اب بھی خوش نہیں تھا کیونکہ دو بڑے ممالک کی طرف سے نیلام میں حصّہ لینے کی تاحال کوئی خواہش ظاہر نہیں کی گئی تھی۔ ان میں سے ایک ملک کا کہنا تھا کہ اگر نیلام میں بحری فوج کا کنٹرول شامل نہیں تو نیلام محض ایک مذاق ہے۔ انہی حالات کے پیشِ نظر گنیشر نے امریکا کال کی۔

"ہیلو . . ." ایک بھاری آواز سنائی دی۔

"جون ہل اور نکولائی ابھی تک آگے نہیں آئے۔" وہ اس وقت تک کسی سرگرمی کا مظاہرہ نہیں کریں گے جب تک ہم انہیں بحریہ کے بارے میں مطمئن نہ کر دیں۔"

"کیا چاہتے ہیں؟" بھاری آواز میں پُوچھا گیا۔ "ہم نے امرفورس اور سی آئی اے پر تو اپنا کنٹرول ثابت کر دیا ہے۔"

"میں جانتا ہوں . . میں نے پوری وضاحت کر دی ہے لیکن وہ مطمئن نہیں ہیں۔" گنیشر نے جواب دیا۔ دُوسری طرف چند لمحوں تک خاموشی رہی اور پھر طویل سانس لینے کی آواز سنائی دی۔

"ٹھیک ہے . . . ہم بحریہ کے بارے میں کچھ کرنے کی فوری کوشش کریں گے۔"

ڈاکٹر ٹینا، دسویں منزل پر اپنے شاندار کمرے میں بیٹھی یہ سوچ رہی تھی کہ شہزاد کا قصّہ کس طرح تمام کیا جائے۔ عین اُسی وقت اُس کے نجی فون پر سُرخ بلب جل اُٹھا۔ ٹینا نے فوراً ہی رسیور اُٹھایا۔ "بحریہ کے بارے میں کچھ کرنا ہے . . . یہ ثابت کرنا ہے کہ ہم بحریہ پر بھی کنٹرول رکھتے ہیں۔" بھاری آواز سُنائی دی۔

ٹینا بُری طرح ہانپنے لگی۔ "ہم کیا کر سکتے ہیں . . تم بتاؤ کہ کیا کریں!" ٹینا نے غیور آواز میں پُوچھا۔

"جو چاہو کرو۔" بھاری آواز نے جواب دیا۔ "لیکن جو کچھ بھی کرنا ہے، فوراً کرو۔"

"اوکے ڈارلنگ!" ٹینا نے کچھ سوچتے ہوئے جواب دیا ہے۔ "کیا آج رات میں تم سے مل سکتی ہوں؟"

"میرا خیال ہے ہمیں پہلے اپنے منصوبے کو مکمل کرنا چاہیے۔"

"تم زیادتی کر رہے ہو۔" ٹینا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ "میں تمہاری ہر ہدایت پر بے چون و چرا عمل کرتی ہوں اور تم . . تم مجھے نظر انداز کر دیتے ہو۔"

"شٹ اپ!" دُوسری طرف سے کہا گیا اور ساتھ ہی کلک کی آواز سُنائی دی۔ مَرد نے فون کا رسیور رکھ دیا تھا۔ ٹینا رسیور رکھ کر اپنی کُرسی پر نیم دراز ہو گئی۔

"ابھی تین روز رہتے ہیں۔" ٹینا نے سوچا۔ "تین روز بعد نیلام ہو گا۔ اور پھر شہزاد . . ." ٹینا کے سُرخ ہونٹوں پر ایک عجیب سی مسکراہٹ ناچنے لگی۔ اب وہ ایک تیر سے دو شکار کرنے کا فیصلہ کر رہی تھی۔

☆☆

شہزاد اور اُوشان کو سومن لیبارٹری میں آئے چھتیس گھنٹے گزر چکے تھے لیکن ابھی تک ایسی کوئی غیر معمولی بات نہیں ہُوئی

وہ اُٹھ کھڑا ہُوا اور کمرے سے نکل کر باہر راہ داری میں آ گیا۔

ابھی وہ موڑ پر گھوم ہی رہا تھا کہ اُسے جھٹک جانا پڑا۔ اُس کی پیشانی ٹھنڈے ٹھنڈے پسینے میں تر ہونے لگی۔ اُس کی حسّاس سماعت سے کہیں سے گنگنانے کی آواز ٹکرا رہی تھی۔ یہ وہی دُھن تھی، وہی گنگناہٹ تھی جس کی وجہ سے اب تک مُلک کی اہم ترین محفلیں ہلاک ہو چکی تھیں۔ شہزاد وہاں تھا، وہیں بے حس و حرکت کھڑا اس قاتل گنگناہٹ کو سُنتا رہا اور اُس کے دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہوتی رہیں۔

☆☆☆

اس قاتل گنگناہٹ کا سُراغ لگانے کے لیے شہزاد ٹائیگر نے تمام تر غیر معمولی صلاحیتوں کو بُروئے کار لانے کی کوشش کر لی تھی لیکن ابھی تک وہ اس سمت کا تعین بھی کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا، جدھر سے آواز آ رہی تھی۔

اس نے چاروں طرف دیکھا۔

اُس کی پیشانی پر پسینے کی بُوندوں کی تعداد بڑھتی رہی۔ اُسے یوں لگ رہا تھا جیسے یہ آواز چاروں طرف سے آ رہی ہو . . بلکہ جیسے جیسے وہ سماعت پر زور ڈال رہا تھا، یہ آواز بڑھتا جا رہا تھا کہ گنگنانے کی یہ آواز خود اس کے اپنے وجود سے خارج ہو رہی ہے۔

اس نے سر کو بُری طرح جھٹک دیا۔

. . . اور پھر اچانک ہی گنگنانے کی آواز بند ہو گئی۔

شہزاد نے ایک طویل سانس لی اور آگے بڑھ گیا۔ اس کے بے ترتیب دھڑکنوں کو قرار آ گیا لیکن اس سکون کے ساتھ ساتھ اس کا دماغ بُری طرح سُلگنے لگا تھا۔ غصّے کی زیادتی میں اس کی مٹھیاں بھنچنے لگیں۔

اس نے فیصلہ کر لیا کہ اس تباہ کُن سازش کو جلد ہی بے نقاب کر کے مُجرموں کو کیفرِ کردار تک پہنچا دے گا . . لیکن پھر اچانک احساس نے اس کے مُٹھیاں بھینچنے کی آنچ دھیمی کر دی۔

شہزاد کو معلوم تھا کہ بہرام نے اسے معلومات حاصل کرنے کے لیے یہاں بھیجا ہے . . لیکن معلومات تو انیفہ بی آئی ڈی والے حاصل کر سکتے تھے، اور یہی ایک ایسا سوال تھا جس پر غور کرتے شہزاد اس نتیجے پر پہنچا کہ امریکی انتظامیہ میں کوئی بھی ایسا رہا ہے جو ٹینا کے گروہ کا سُراغ لگا سکے۔ خود امریکی حکومت کے فروعت تھی۔ ایسے میں ظاہر ہے، حکومت کے کارندے پہلے ہی سے بک چکے ہوں گے۔ جنرل بلیک، جنرل ونیس ایف بی آئی کا بینسن اور اسپیشل فورس کا کرنل . . . ان سب کی یہ مثالیں شہزاد کے سامنے تھیں۔

شہزاد کو یہ تو پتہ چل چکا تھا کہ امریکی حکومت کو نیلام کرنے والی شخصیت ٹینا کے علاوہ کوئی اور ہی ہے . . اور وہ پُراسرار شخصیت اسی لیبارٹری میں مقیم ہے۔ گزشتہ رات کی ورزش ختم ہونے پر جب پورا گروپ ہال سے نکلا تھا تب بھی شہزاد نے مُردانہ آواز میں اس مانوس گنگناہٹ کو سُنا تھا اور پھر اس نے بہت کوشش کی لیکن وہ گنگنانے والے کا سُراغ لگانے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔

٦

اُس صبح ٹینا اپنے مریضوں کو ورزش کرانے کے لیے ہال میں نہیں آئی بلکہ وہ مہمان لیبارٹری کی بجائے واشنگٹن کے ایک فائیو اسٹار ہوٹل میں بحریہ کے ایڈمرل جیمز سے ملاقات کے لیے گئی تھی۔

ایڈمرل جیمز، فرانسیسی سفیر کی کاک ٹیل پارٹی میں پہلی مرتبہ ٹینا سے ملا تھا اور وہ آج تک اس قیامت کو فراموش نہیں کر سکا تھا۔ چنانچہ جب ٹینا نے اسے فون کیا تو وہ خوشی سے دیوانہ ہو گیا۔ ٹینا اس سے تنہائی میں ملنا چاہتی تھی۔ ٹینا نے خود ہی اس ہوٹل میں ملنے کی تجویز پیش کی تھی اور جب ایڈمرل جیمز نے ریسیور رکھا تو اس نے اپنے جسم میں ایک ایسے شخص کو انگڑائی لیتے ہُوئے محسوس کیا جو ایک سال پہلے مر چکا تھا۔ یہ جذباتی جیمز ایک بار پھر زندہ ہو گیا تھا اور ڈاکٹر ٹینا سے ملاقات کے لیے بے چین تھا۔

ہوٹل جاتے ہُوئے راستے میں ایڈمرل نے بوربن کی ایک بوتل خرید لی۔ وہ اس وقت ایک ایسا نوجوان لگ رہا تھا جس کی کسی لڑکی سے پہلی ملاقات طے ہُوئی ہو۔ جب وہ ہوٹل کے کمرے میں داخل ہوا تو اس وقت ٹینا کھڑکی کے قریب کھڑی تھی۔ اس نے ایک مہین ریشمی گاؤن پہن رکھا تھا۔ کھڑکی سے آنے والی روشنی اس مہین گاؤن کے آر پار ہو رہی تھی۔ اسی روشنی کی وجہ سے ایڈمرل جیمز کو یوں لگا جیسے ٹینا بالکل بے لباس کھڑی ہو۔ ٹینا آہٹ سُن کر اس کی طرف پلٹی تو وہ مسکرا رہی تھی۔ اس نے اپنی بانہیں وا کر دیں۔ "اوہ . . . جم . . . ڈارلنگ! تم آ گئے۔" وہ جذبات سے بھاری آواز میں بولی۔

جیمز کا جسم سنسنانے لگا۔ "ٹینا! تم کیسی ہو؟" اس نے بمشکل کہا۔ اس کا حلق خشک ہونے لگا تھا۔ ٹینا نے قریب آ کر جیمز کا ہاتھ

مقام لیا اور اسے صوفے تک لائی۔ اسے صوفے پر دھکیل کر وہ خود صوفے کے سامنے پڑی ہوئی ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔ "جم!" ٹینا کے بھرے بھرے ہونٹ حرکت میں آئے۔ "مجھے معلوم ہے کہ تم بہت ہی مصروف تھے۔ میں تمہاری مصروفیات میں مخل ہونے پر نادم ہوں۔"

جیمز نے فوراً ہی نفی میں سر ہلا دیا۔ وہ ٹینا کے قرب کی وجہ سے نیم مدہوش تھا۔ ٹینا کے جسم سے گل یاسمین کی خوشبو آ رہی تھی۔

"جم! میں نے تمہیں یہ بتانے کے لیے زحمت دی ہے کہ تمہاری زندگی خطرے میں ہے۔"

"میری زندگی؟" ایڈمرل جیمز مسکرانے لگا۔ "مگر کس سے... مجھے کون مارنا چاہتا ہے؟"

"میرا ایک مریض شہزاد، اسی جان لینے کے درپے ہے۔" ٹینا نے جواب دیا۔

"شہزاد! میں نے آج تک یہ نام نہیں سنا... میں اس سے واقف بھی نہیں ہوں۔" ایڈمرل جیمز نے سنجیدگی سے کہا۔ "اور یہ اجنبی آخر مجھے کیوں مارنا چاہتا ہے؟"

"مجھے اسی بات کا علم نہیں ہو سکا۔" ٹینا نے جواب دیا۔ "مجھے اس شخص سے خوف محسوس ہوتا ہے۔ وہ تمہاری زندگی چھین لینا چاہتا ہے۔" یہ کہتے ہوئے ٹینا نے کرسی آگے کھینچ لی۔ اس کا گاؤن کھسکنے لگا۔ "میرا خیال ہے کہ شہزاد کسی غیر ملکی دشمن طاقت کا ایجنٹ ہے۔"

ایڈمرل یوں مسکرانے لگا جیسے وہ ٹینا کے خدشات کو بے بنیاد سمجھ رہا ہو۔

"جم..." ٹینا نے سرگوشی کی۔ "اس بات کو ہنسی میں مت اڑاؤ۔ میں طبی ضابطۂ اخلاق کی خلاف ورزی کر کے اپنے ایک مریض کے ارادوں سے تمہیں آگاہ کر رہی ہوں۔" یہ کہہ کر وہ کرسی سے اٹھی اور صوفے پر بیٹھ گئی۔

ایڈمرل نے اپنی موٹی یونیفارم کے باوجود ٹینا کا لمس محسوس کیا۔ "ٹینا! میں تمہارا مشکور ہوں... کیا تم مجھے اس بارے میں مزید تفصیلات بتاؤ گی؟"

"شہزاد چند روز قبل ہی علاج کے لیے لیبارٹری میں داخل ہوا ہے۔" ٹینا نے جواب دیا۔ "اس نے ایڈمشن فارم پر اپنے کوائف غلط لکھے ہیں لیکن کل رات جب میں عمل توجہ کے ذریعے اس کا مرض معلوم کرنے کی کوشش کر رہی تھی تو اس کی شخصیت سامنے آ گئی۔ میں شہزاد کے دل اور دماغ تک پہنچ گئی۔ وہ ایک پیشہ ور قاتل ہے جم... اور اس کا آئندہ نشانہ تم ہو۔"

"اس نے یہ تو بتایا ہو گا کہ وہ مجھے کیوں قتل کرنا چاہتا ہے؟" ایڈمرل نے اُلجھ کر سوال کیا۔

"نہیں..." ٹینا نے مایوسی سے سر ہلا دیا۔ "میں نے جیسے ہی یہ سوال کیا تھا، وہ شعور کی دنیا میں واپس آ گیا۔ لہٰذا میں ناکام رہی..."

"تب پھر میں ایف بی آئی کو فون کر دیتا ہوں۔" ایڈمرل نے کہا۔ وہ اُٹھنا ہی چاہتا تھا کہ ڈاکٹر ٹینا نے اس کا بازو پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا۔

"نہیں جم... تم ایف بی آئی کو فون نہیں کرو گے اس طرح میری لیبارٹری بدنام ہو جائے گی۔ تمہیں اپنے طور پر خود اپنی حفاظت کرنی چاہیے۔"

"تب تم اس سے یہ معلوم کرو کہ وہ مجھے کیوں قتل کرنا چاہتا ہے؟" ایڈمرل نے کہا۔

"ضرور... آج رات میں اسے کمرے میں بُلا کر عملِ توجہ کے ذریعے معلوم کر لوں گی۔" وہ مسکرانے لگی۔ وہ ایڈمرل کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال چکی تھی۔ ٹینا کی آنکھیں کھلے سمندر کی طرح نیلی تھیں۔

ایڈمرل اور ٹینا باتیں کرتے رہے۔ جیمز اس تجویز پر رضامند ہو گیا کہ وہ جنگی جہاز الباما لے کر خلیج پیک میں لنگر انداز ہو جائے گا۔ ٹینا کی یہ تجویز بھی اس نے قبول کر لی کہ وہ اپنی حفاظت کے لیے غوطہ خور حاصل کرے گا تاکہ غوطہ خور اگر شہزاد کو جہاز میں آتا دیکھیں تو اسے روک لیں۔ ٹینا نے کہا تھا کہ اگر شہزاد جہاز کے آس پاس بھی نظر آئے تو اسے قتل کر دیا جائے۔ جیمز نے اتفاق کرتے ہوئے اثبات میں گردن ہلا دی۔

"جم..." ٹینا اس پر جھک گئی۔

جیمز بھونچکا رہ گیا۔

"میں تمہاری ہوں، جم... لیکن پہلے ہم کچھ پئیں گے اور اس کے بعد تم میرے ساتھ ایک گیت گنگناؤ گے۔"

جیمز نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ وہ کسی پالتو کتے کی طرح ٹینا کے سامنے دُم ہلا رہا تھا۔

اُوشان، ہیومن لیبارٹری کے چمن زار میں مریضوں کو پھولوں کی اقسام اور ان کی خوبیوں کے بارے میں بتا رہا تھا۔ فلورا اور دُوسری عورتیں اُوشان کے لیکچر میں بہت دلچسپی لے رہی تھیں۔ مرد بھی اُوشان کے تجربے سے استفادہ کرنے میں

مگن تھے۔ اسی عالم میں شہزاد ان سب کو وہاں چھوڑ کر ہیومن لیبارٹری سے نکل گیا۔ اسے کسی ٹیلی فون بُوتھ کی تلاش تھی۔

دوپہر ایک بجے کا عمل تھا۔ شہزاد فون کی تلاش میں ہیومن لیبارٹری سے ساڑھے چھ میل دُور نکل آیا... حتیٰ کہ اسے ایک پبلک ٹیلی فون بُوتھ نظر آ ہی گیا۔ اس نے جلدی جلدی بہرام کے خفیہ نمبر ڈائل کیے اور بہرام کی آواز سُنتے ہی ایک طویل سانس لی۔

"شہزاد!" وہ دھیرے سے بولا۔

"کوئی خاص بات؟" بہرام نے پوچھا۔

"کوئی بھی نہیں۔" شہزاد نے بُرا سا مُنہ بنایا۔ "میں مسلسل یہی انتظار کر رہا ہوں کہ کوئی مجھ پر حملہ کرے اور میں اپنا کام شروع کر دوں۔"

"ہُوں..." بہرام نے ہنکارا بھرا۔ "بہرحال، تمہیں یہ بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ فرانس نیلام میں حصّہ لینے کی تیاریاں مکمل کر چکا ہے۔ ہم فی الوقت نیلام کا مقام اور دن معلوم کرنے کے لیے کوشاں ہیں۔ نیلام میں کئی دوسرے بڑے ملک بھی حصّہ لے رہے ہیں۔ پُوری دُنیا کی منڈیوں سے سونا غائب ہو گیا ہے۔ تاہم ابھی تک دو بڑے ممالک نے کسی خاص دلچسپی کا مظاہرہ نہیں کیا ہے۔"

"ہو گا... اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔" شہزاد نے ناگواری سے جواب دیا۔ "میں اب زیادہ دیر، ہاتھ پر ہاتھ دھرے نہیں بیٹھا رہ سکتا۔ میں ٹینا سے مل کر دیکھوں گا کہ وہ کھُل کر بات کر سکتی ہے یا نہیں۔ میری کوشش یہ ہو گی کہ اس سے پُورا منصوبہ معلوم کر کے اُسے ختم کر دوں۔"

"تم جو چاہو کر سکتے ہو۔" بہرام نے خشک لہجے میں جواب دیا۔ "لیکن یہ یاد رکھو کہ معاملہ بہت اہم ہے اور اس ملک میں ہماری تنظیم کو کافی تحفظ مل سکے گا۔"

"میرے ذمّے سونپا جانے والا ہر کام اہم ہوتا ہے، چیف۔" شہزاد نے خشک لہجے میں کہا۔ "ویسے کیا آپ کو موسیقی سے بھی کوئی دلچسپی ہے؟"

"موسیقی!" بہرام ایک لمحے کو چکرایا۔ "کس قسم کی موسیقی؟"

"مجھے زیادہ پتہ نہیں... لیکن جب میں نے اسپیشل فورس کے کرنل اور اُوشان نے مینسن کو قتل کیا تب وہ دونوں زیرِ لب کچھ گنگنا رہے تھے... اُن کے آخری وقت، میں نے جو دُھن سُنی، وہی گنگناہٹ میں ہیومن لیبارٹری میں بھی سُن چکا ہُوں لیکن یہ پتہ نہیں چل سکا کہ کون گنگنا رہا تھا۔"

"ذرا گنگنا کر سُناؤ۔" بہرام نے فرمائش کی۔

"چیف!" شہزاد نے احتجاج کیا۔ "میں کوئی گلوکار نہیں ہُوں کہ دُھن یاد رکھتا پھروں۔ ویسے میرے کانوں میں ڈاڈا ڈم ڈم ڈم ڈاڈا..."

"غلط... بالکل غلط۔" بہرام کی پُرجوش آواز سُنائی دی۔ "مجھ سے سُنو... ڈاڈا ڈاڈا ڈم ڈم ڈا ڈم ڈم ڈاڈا ڈاڈا ڈم ڈم!"

"میرے خُدا... بالکل یہی... آپ نے کہاں سُنی؟" شہزاد نے حیرت سے پُوچھا۔

"جنرل بلیک، سینٹ لوئیس پر بم گرانے وقت یہی دُھن گنگنا رہا تھا اور ہم نے سُنا ہے کہ سی آئی اے کے ڈائریکٹر بھی خودکشی کرتے وقت یہی دُھن سیٹی پر بجا رہا تھا۔"

"لیکن اس کا مقصد؟" شہزاد نے پُوچھا۔

"مجھے معلوم نہیں... ممکن ہے، یہ کوئی شناختی اشارہ ہو۔"

"اوہ چیف! پلیز۔ کیا آپ میری ایک بات مان سکتے ہیں؟"

"بولو کیا بات ہے؟"

"ہم یہ مشکل زندگی چھوڑ کر ایک میوزیکل گروپ قائم کر لیتے ہیں... اُوشان بہترین طبلچی ہے۔" شہزاد نے مسکرا کر کہا۔

"ناممکن..." بہرام بھی مسکرا دیا۔ "میں ہارمونیم یا گٹار بجانا نہیں جانتا اور ویسے بھی فنِ موسیقی کے بارے میں، کور ذوق واقع ہُوا ہُوں۔"

"اچھا خیر... دیکھا جائے گا۔" شہزاد نے کہا۔ "لیکن ازراہِ کرم آپ اب محتاط رہیں کیوں کہ وہ مجھ سے واقف ہو گئے ہیں اور شاید آپ تک بھی پہنچ جائیں۔" اب وہ بالکل سنجیدہ تھا۔

"میں نے احتیاطی تدابیر کر لی ہیں۔" بہرام نے جواب دیا۔

اسے اس بات پر حیرت تھی کہ شہزاد کو اس کی بھی فکر ہے۔

ریسیور کریڈل پر لٹکا کر شہزاد نے محسوس کیا کہ وہ کچھ تھکا تھکا سا ہے چنانچہ اس نے سڑک پر چلتے چلتے آنکھوں اور بازوؤں کی ورزش کی اور اُسی طرح ورزش کرتے ہُوئے تین بجے کے قریب ہیومن لیبارٹری کے بیرونی احاطے میں داخل ہُوا جہاں سے اصل عمارت ایک میل دُور تھی۔ اسی لمحے اسے اپنے عقب سے کسی کار کے انجن کی گڑگڑاہٹ سُنائی دی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا ٹینا کی رولز رائس کار اس کے بالکل قریب آ کر رُکی تھی۔

"شہزاد..." ٹینا نے آواز دی اور ساتھ ہی اپنی طرف کا

دروازہ کھول دیا۔ "آؤ . . . میں تمہیں لیبارٹری تک چھوڑ دوں۔" وہ بولی۔

شہزاد فوراً ہی ٹینا کے ساتھ ہو لیا۔ ڈاکٹر ٹینا کے سنہرے بال بکھرے ہوئے تھے۔ اس کے ریشمی مہین گاؤن پر سلوٹیں تھیں اور اس کا چہرہ چغلی کھا رہا تھا کہ وہ دن کے اُجالے میں ہی، رات کی سیاہی کسی کے چہرے پر مَل کر آ رہی ہے۔

"ایسا لگتا ہے جیسے تم کوئی پالا مار کر آئی ہو۔" شہزاد بولا۔

"اوہ . . . تم تو خلیہ دیکھ کر ہی بہت کچھ سمجھ لیتے ہو۔" ٹینا نے ایک ادا کے ساتھ کہا۔

"لیکن یہ بھی لگتا ہے کہ تم نے اچھا وقت نہیں گزارا۔" شہزاد نے کہا۔

"یہ کیسے کہہ سکتے ہو؟"

"اس لیے کہ تمہاری آنکھوں میں ابھی تک پیاس کے دیپ روشن ہیں۔ اگر وقت اچھا گزرتا تو یہ دیئے بجھے ہوتے۔"

"میں، تمہارا انتظار کروں گی۔"

ٹھیک سات بجے شہزاد دسویں منزل پر پہنچا تو ٹینا کی سیکرٹری جا چکی تھی۔ شہزاد نے اس کے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹایا۔

"آجاؤ۔" ٹینا کی آواز سُنائی دی اور شہزاد کمرے میں گھس گیا۔

کمرے میں خواب ناک روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ شہزاد نے محسوس کر لیا کہ ٹینا نے کمرے کے ماحول کو سحر انگیز بنانے کے لیے روشنیاں کم کر رکھی ہیں۔ وہ سُرخ رنگ کے گاؤن میں ملبوس تھی۔ اس کے دونوں ہاتھوں میں کسی مشروب کے گلاس نظر آ رہے تھے۔

"شہزاد . . ." وہ انتہائی لگاوٹ بھرے انداز میں بولی۔ "مجھے خوشی ہے کہ تم وعدے کے مطابق آ گئے۔ یہ کہتے ہوئے وہ اس کے قریب آئی اور ایک گلاس شہزاد کی طرف بڑھا کر دوسرا اپنے ہونٹوں تک لے گئی۔ "آنکھوں کے روشن چراغوں کے نام!" یہ کہہ کر ٹینا نے پورا گلاس ایک ہی سانس میں پی لیا۔

شہزاد نے محض دکھاوے کے لیے گلاس ہونٹوں سے لگا کر ایک گھونٹ بھرا اور پھر یہی گھونٹ انتہائی غیر محسوس طریقے سے گلاس میں واپس چلا گیا۔ وہ شراب کا رسیا نہیں تھا۔ اُوشان کی تربیت ہی ایسی تھی کہ اس نے آج تک غیر ضروری طور پر شراب کو ہاتھ تک نہیں لگایا تھا۔ "روشن چراغوں کے نام جو بجھ جائیں گے۔" شہزاد نے گلاس بلند کرتے ہوئے سرگوشی کی اور نیم وا آنکھوں سے ڈاکٹر ٹینا کی طرف دیکھنے لگا۔

اس نے گلاس ایک بار پھر مُنہ سے لگایا اور ڈاکٹر ٹینا ہی کے انداز میں پی گیا۔ ساتھ ہی اس نے معدے کے عضلات کو ایک خاص انداز میں حرکت دی اور برانڈی، معدے کے اُس حصّے میں چلی گئی، جہاں سے وہ دماغ اور اعصاب پر اپنا نشہ آور ڈنک استعمال نہیں کر سکتی تھی۔

شہزاد سوچنے لگا کہ میں ٹینا کو قتل کرنے سے پہلے اس کی ذات میں چھپے ہوئے راز معلوم کروں گا . . . اور اس سے بھی پہلے وہ منصوبہ اگلوا لوں گا جو حکومت کو فروخت کرنے کے سلسلے میں تیار کیا گیا ہے۔ وہ جلد از جلد اس منصوبے کو ناکام بنا دینا چاہتا تھا۔

ڈاکٹر ٹینا نے اپنا گلاس میز پر رکھا اور شہزاد کا بازو تھام لیا۔ "کھڑے کیوں ہو . . . آؤ . . . صوفے پر بیٹھ جاؤ۔" یہ کہتے ہوئے اس نے شہزاد کو بڑی اپنائیت سے صوفے پر بٹھایا اور خود بھی اس کے قریب ہی بیٹھ گئی۔ اس نے شہزاد کا گلاس بھی اس کے ہاتھ سے لے کر فرش پر رکھ دیا۔

شہزاد ذہنی طور پر تیار ہو گیا۔ وہ جانتا تھا کہ ڈاکٹر ٹینا اب اس پر تنویمی عمل کرنے والی ہے۔ اس نے فوراً ہی اپنے ذہن اور جسم کو اپنے تابع کرنا شروع کر دیا . . . جسم کو خاموش کرنے کے لیے اس نے اُوشان کی تربیت کے مطابق طویل سانسیں لیں، پھیپھڑوں کو آکسیجن سے بھرا اور دماغ کو محض ایک نکتے پر مرتکز کر دیا . . .

"میں شہزاد ہوں۔" وہ سوچ رہا تھا۔

"شہزاد . . . تم سو رہے ہو۔" ڈاکٹر ٹینا کی سرگوشی سُنائی دی۔

شہزاد نے فوراً ہی آنکھیں بند کر لیں۔ وہ اپنے دِل کو ذہن کے تابع رکھنے کے لیے مسلسل گہری سانسیں لے رہا تھا۔ ڈاکٹر ٹینا نے اس کی شرٹ کے بٹن کھول کر ایک انگلی سے اس کے سینے پر خیالی دائرہ بناتے ہوئے کہا۔ "اب تم صرف میری آواز سُنو گے، شہزاد۔" اس نے سرگوشی کی۔

شہزاد جواباً محض ایک طویل سانس لے کر رہ گیا۔

"تمہارا نام کیا ہے؟"

"شہزاد . . .؟" اس نے خواب آلود لہجے میں جواب دیا، جیسے وہ واقعی ڈاکٹر ٹینا کے سحر کا شکار ہو گیا ہو۔

"تم کس کے لیے کام کرتے ہو؟"

"سی آئی اے کے لیے . . ." شہزاد نے جواب دیا۔

"ٹائیگر کون ہے؟"

"یہ میرا خفیہ نام ہے۔" شہزاد نے اس طرح جواب دیا جیسے اس کا شعور سو چکا ہو۔

"تم یہاں کیوں آئے ہو؟" ڈاکٹر ٹینا نے سرسراتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"حکومت کے خلاف سازشیں کرنے والوں کی تلاش میں۔" شہزاد نے سچ بولنے میں کوئی تامل نہ کیا۔

"کیا تم نے ان لوگوں کو تلاش کر لیا جو یہ سازشیں کر رہے ہیں؟"

"نہیں . . . میں ناکام رہا ہوں۔"

"شہزاد . . . میری بات غور سے سُنو۔ میں تمہاری مدد کرنا چاہتی ہوں۔" ٹینا نے تنویمی اثر گہرا کرنے کے لیے اس مرتبہ شہزاد کے ہونٹوں پر انگلی رکھتے ہوئے کہا۔ "کیا تم میری بات سُن رہے ہو؟"

"ہاں . . ." شہزاد بولا۔ "میں سُن رہا ہوں۔"

"ہمارے ملک کے خلاف ایک مذموم سازش کی جا رہی ہے، شہزاد . . . سازشیوں کا منصوبہ یہ ہے کہ یہاں پر قبضہ کر لیا جائے اور اس سازش کو تیار کرنے والے کا نام ایڈمرل جیمز ہے۔ نام دُہراؤ شہزاد۔"

"ایڈمرل جیمز۔" شہزاد کسی معمول کی طرح نام دُہرانے لگا۔

"ایڈمرل جیمز انتہائی مکروہ شخصیت کا مالک ہے۔ وہ حکومت پر قبضہ کرنا چاہتا ہے۔ تمہارا فرض ہے کہ تم اس کی سازش کو ناکام بنا دو۔"

"ہاں . . . میرا فرض ہے کہ میں حکومت کے خلاف ہر سازش ناکام بنا دوں۔" شہزاد نے جان بُوجھ کر ذو معنی بات کہی۔

"اور وہ ایک جنگی جہاز الباما میں موجود ہے۔ یہ جہاز خلیج میکسیکو میں لنگر انداز ہے . . . چند ہی گھنٹوں کے بعد ایڈمرل جیمز اپنے منصوبے پر عمل شروع کرنے والا ہے۔ اسے ہر قیمت پر روکنا ہے شہزاد . . .!"

"ہاں . . . اسے ہر قیمت پر روکنا ہے . . . مگر کیسے؟"

"تم الباما کے عرشے پر جاؤ گے اور ایڈمرل جیمز کو قتل کر دو۔ میری بات دُہراؤ، شہزاد۔"

"میں الباما کے عرشے پر جا کر ایڈمرل کو قتل کر دوں گا . . .!" شہزاد نے کہا۔

"اور یہ کام آج ہی رات ہو جانا چاہیے سمجھے گئے؟"

"میں آج ہی شب ایڈمرل کو قتل کر دوں گا۔" شہزاد نے جواب دیا۔ ڈاکٹر ٹینا نے شہزاد کی گردن سہلائی اور اس کے کان پر جھک گئی۔ اس نے سرگوشی کی۔ "میں، تمہیں بعد میں ملوں گی شہزاد۔ اب تم سو جاؤ . . . اُٹھو گے تو تمہارا جسم بالکل تر و تازہ ہو گا۔ تم سمجھو گے کہ تم نے آنکھوں کے چراغ بجھا دیے ہیں۔ بیدار ہو کر یہی سمجھنا کہ میں نے تمہارے ساتھ بہت اچھا وقت گزارا ہے . . . پھر تم فوراً ہی ایڈمرل جیمز کا قصّہ تمام کرنے کے لیے چلے جاؤ گے اب تم گہری نیند میں ڈوب جاؤ، شہزاد۔"

"میں سو رہا ہوں . . . میں سو رہا ہوں . . . میں . . . سو . . . رہا . . . ہوں۔" یہ کہتے ہوئے شہزاد نے جان بُوجھ کر خراٹے لینے شروع کر دیے۔

ڈاکٹر ٹینا نے بڑی احتیاط سے اس کا سر صوفے پر رکھ دیا اور اُٹھ کھڑی ہوئی۔ شہزاد وہیں لیٹا رہا۔ اس کا دماغ بڑی تیزی سے کام کر رہا تھا۔ سوال صرف یہ تھا کہ ڈاکٹر ٹینا، ایڈمرل جیمز کو کیوں قتل کرانا چاہتی ہے؟ کیا ایڈمرل نے اس سازش کو بھانپ لیا ہے؟ کیا ٹینا اُسے ہپناٹائز کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکی؟ . . . یا پھر ایڈمرل ہی ٹینا کا باس ہے اور ڈاکٹر ٹینا اپنی کامیابی کو سامنے دیکھ کر خود اسی کو راہ سے ہٹانا چاہتی ہے۔

شہزاد ابھی یہ سوچ ہی رہا تھا کہ ڈاکٹر ٹینا نے ایک ایسی غلطی کی جس کی وجہ سے شہزاد کو یقین ہو گیا کہ ایڈمرل جیمز اس کا باس نہیں ہے اور اس کا یہی یقین اس بات کی ضمانت بن گیا کہ اب ایڈمرل اس کے ہاتھوں قتل نہیں ہو گا . . . بلکہ اس کی زندگی محفوظ رہے گی۔

ڈاکٹر ٹینا، شہزاد کے پاس سے اُٹھ کر ٹیلی فون کی طرف گئی تو وہ اُدھ کھلی آنکھوں سے اُسے دیکھتا رہا۔ ٹینا نے تین نمبر ڈائل کیے "ہیلو . . . ڈنر کیسا رہا؟" اس نے پوچھا۔ اس کے بعد وہ دوسری طرف سے بولنے والے کی بات سُننے لگی۔ اب شہزاد کو بھی علم ہو گیا تھا کہ ٹینا جس کسی سے بھی بات کر رہی ہے، وہ میامون لیبارٹری ہی میں موجود ہے کیوں کہ تین نمبر لوکل کال کے لیے نہیں بلکہ انٹر کام میں استعمال ہوتے ہیں۔

"تم اس کی فکر مت کرو۔" ڈاکٹر ٹینا نے ماؤتھ پیس پر ہونٹ رکھتے ہوئے کہا۔ "تم نے جو ہدایت کی تھی، اس کے مطابق ہی عمل کر رہی ہوں۔"

اس فقرے سے شہزاد کو یقین ہو گیا کہ وہ اپنے باس یا پھر

نزدیک کار سے گفتگو کر رہی ہے۔

"کل . . ." ٹینا کی آواز پھر سنائی دی۔

شہزاد سوچ میں پڑ گیا کہ کل کیا ہوگا؟ کیا ایڈمرل جیمز کی موت کے بعد کچھ اور بھی ہونے والا ہے؟ شہزاد نے کچھ اور سننے کی کوشش کی لیکن ٹینا نے بات ختم کر کے ماؤتھ پیس سے ہونٹ ہٹائے اور ریسیور رکھ دیا۔

شہزاد نے فوراً ہی آنکھیں بند کر لیں۔

ڈاکٹر ٹینا بے حد خوش تھی۔ آج رات اس کی راہ سے شہزاد کا کانٹا نکلنے والا تھا۔ اُس نے ایک ایسا جال بُنا تھا کہ شہزاد، ایڈمرل جیمز کو قتل کرنے کے ارادے سے الباما کے عرشے پر جائے گا جہاں ایڈمرل کے محافظ اسے قتل کر دیں گے . . . اور پھر کل ایڈمرل جیمز ایک ایسا ہولناک بحری حادثہ کرائے گا جس کے بعد باقی دو بڑی طاقتیں بھی نیلام میں شرکت کرنے پر مجبور ہو جائیں گی۔ یہ ایسا منصوبہ تھا جس میں ڈاکٹر ٹینا کو ناکامی کی مستقم نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس نے معنوی خواب شہزاد کو دیکھا اور پھر کھلکھلا کر ہنس پڑی . . . اور ہنستے ہنستے بے حال ہو گئی۔ اب وہ ایک مانوس سی دُھن گنگنا رہی تھی . . . ایسی دُھن جو شہزاد گزشتہ چند روز میں کئی مرتبہ سُن چکا تھا۔ یہ دُھن، موت اور تباہی کا نغمہ تھی۔

یہ پہلا موقع تھا کہ شہزاد نے اس دُھن کو کسی کے مُنہ سے سُنا تھا۔

ڈاکٹر ٹینا چند لمحے بعد اس صوفے کی طرف پلٹی جس پر شہزاد لیٹا ہُوا تھا۔ وہ شہزاد کے رُوبرو کھڑی ہو گئی "شہزاد . . .؟ اس نے سرگوشی کی۔ "اُٹھ جاؤ شہزاد . . .؟"

شہزاد نے بڑی کاہلی سے ایک انگڑائی لی اور آنکھیں کھول دیں۔ اس نے ڈاکٹر ٹینا کے چہرے کو اپنے چہرے سے محض چند انچ دُور دیکھا اور بڑبڑایا "اوہ . . . میں خود کو کتنا ہلکا پھلکا محسوس کر رہا ہوں۔" یہ کہتے ہُوئے شہزاد نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ اس وقت وہ بے حد شاندار اداکاری کر رہا تھا۔ آنکھوں کی پیاس کے جلتے چراغ بجھ گئے۔

"ہاں . . . شہزاد . . . تم بے حد شاندار ہو۔" ڈاکٹر ٹینا نے سرگوشی کی۔

شہزاد اُٹھ کھڑا ہُوا۔

"کیا تم کچھ دیر اور رُکو گے نہیں؟"

"نہیں . . ." شہزاد بڑبڑایا۔ وہ جانتا تھا کہ ڈاکٹر ٹینا اُسے رُکنے کی دعوت دے کر درحقیقت اپنے عمل توجہ کی کامیابی کا یقین کرنا چاہتی ہے۔ اگر وہ رُک جاتا تو ڈاکٹر ٹینا سمجھ جاتی کہ اُس کی کوشش رائگاں گئی ہے۔ "نہیں ٹینا! میں نہیں رُک سکتا . . . مجھے چند ضروری کام کرنے ہیں لیکن جب بھی تمہیں میری ضرورت ہو، میں تمہارے ایک ہی اشارے پر یہاں آ سکتا ہوں۔" یہ کہہ کر شہزاد نے ٹینا کا ہاتھ تھام لیا اور پھر وہ کمرے سے نکل آیا۔ شہزاد، ایڈمرل جیمز سے مِل کر اُسے اس خطرے سے آگاہ کرنا چاہتا تھا کہ اس کی زندگی خطرے میں ہے۔

ج

جنگی جہاز الباما خلیج میں لنگر انداز تھا۔ جہاز بے شمار روشنیوں اور متحرک سرچ لائٹس کے باعث بقعہ نُور بنا ہُوا تھا۔ شہزاد نے اندازہ لگایا کہ الباما خشکی سے چار سو گز دُور لنگر انداز ہے۔

اس نے دُور ہی سے جہاز کا جائزہ لیا لیکن وہ ان درجن بھر مسلح افراد کو نہ دیکھ سکا جو غوطہ خوری کے لباس میں، عرشے پر موجود تھے اور جن کو ایڈمرل جیمز نے ہدایت کر رکھی تھی کہ اگر انہیں کوئی اجنبی نظر آئے تو اُسے فوراً ہی گولی مار دیں۔

ایڈمرل جیمز اس وقت نہ تو اپنی زندگی کے بارے میں پریشان تھا اور نہ ہی کوئی جنگی حکمت عملی سوچ رہا تھا بلکہ وہ تو ڈاکٹر ٹینا کے تصورات سے دِل بہلانے میں مگن تھا . . . ڈاکٹر ٹینا . . . جس نے پانچ سال کے بعد اسے ایک بار پھر جوان ہونے کا احساس دلایا۔ ڈاکٹر ٹینا سے مِل کر اس کی زندگی کی بہاریں لوٹ آئی تھیں۔ ایڈمرل سوچ رہا تھا کہ اگر ٹینا سے دوبارہ ملاقات نہ ہُوئی تو اس کی زندگی کسی خالی بوتل کی طرح ہو کر رہ جائے گی۔ وہ محسوس کر چکا تھا کہ اُسے ڈاکٹر ٹینا سے شدید محبت ہو گئی ہے۔

ایڈمرل کے کیبن سے نیچے . . . ساٹھ فٹ نیچے . . . سطحِ آب پر ایک چھوٹی سی پاور بوٹ کا انجن بند ہُوا۔ کشتی جہاز کے پہلو میں کھڑی ہو گئی۔ شہزاد نے کشتی کو اس طرح لنگر انداز کیا کہ عرشے سے اگر کوئی جھانک کر دیکھے تو بھی کشتی نظر نہ آ سکے۔ شہزاد نے جہاز ہی کے لنگر کو پکڑ کر کسی بندر کی طرح اوپر چڑھنا شروع کیا اور چند ہی لمحوں میں ساٹھ فٹ بلند عرشے پر پہنچ گیا۔ اس نے عرشے کی ریلنگ پکڑ کر خود کو اتنا اُٹھایا کہ اس کا سر عرشے کے برابر آ گیا۔ اس نے دیکھا کہ نیلے جیکٹ اور جینز میں ملبوس ایک مسلح شخص چند قدم دُور ٹہل رہا ہے۔ اس کے ہاتھ میں ایک شاٹ گن دبی ہُوئی تھی۔ شہزاد نے عرشے پر کچھ اور فاصلے تک دیکھا۔ مزید دو افراد بھی

شاٹ گنز تھامے پہرہ دے رہے تھے۔

شہزاد اس وقت تک بے حس و حرکت رہا جب تک قریبی محافظ ٹہلتا ہُوا، کچھ دُور نہیں نکل گیا . . . اور پھر شہزاد نے کوئی آواز پیدا کیے بغیر خود کو عرشے پر پھینک دیا۔ اب وہ کسی سانپ کی طرح بے آواز رینگ رہا تھا۔ اس کا رُخ مسلح محافظ کی طرف تھا۔ محافظ کچھ دُور نکل گیا تو شہزاد نے سمت تبدیل کی اور سانپ ہی کی طرح رینگتا ہُوا جہاز کے اس دروازے میں گھس گیا جو کیبن سیکشن کے لیے مخصوص تھا۔

اب وہ ایک تنگ سی راہداری میں تھا۔ اس نے اپنی سفید اسپورٹس شرٹ اُتار کر اُلٹی کی اور اس طرح پہن لی کہ اس کے بٹن سینے پر نہیں بلکہ پُشت کی طرف رہیں۔ اس نے پھُرتی سے گدی سے نیچے کمر تک تمام بٹن بند کر لیے۔ اب وہ باس کی مناسبت سے کوئی ملاح ہی لگتا تھا۔

شہزاد عام سے انداز میں، راہداری سے اوپر جانے والی سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ سیڑھیاں ختم ہُوئیں تو ایک اور راہداری نظر آئی جس کے دونوں طرف کیبن بنے ہُوئے تھے۔ اس نے ایک کونے میں چھُپ کر پوری راہداری کا جائزہ لیا تو ایک مسلح شخص چوتھے کیبن کے سامنے کھڑا نظر آیا۔ یہی ایڈمرل کا کیبن ہو سکتا ہے۔ شہزاد نے سوچا پھر اس نے ایک ہی لمحے میں لائحہ عمل تیار کر لیا اور چوبی دیوار پر ٹنگے ہُوئے آگ بجھانے والے آلے کو اُتار کر اپنے کندھے پر اس طرح رکھ لیا کہ اس کا چہرہ کسی کو نظر نہ آ سکے۔ اس کے بعد وہ بے دھڑک راہداری میں نکل آیا۔

محافظ اسے دیکھتے ہی چوکس ہو گیا۔ شہزاد اور محافظ کے درمیان فاصلہ مسلسل کم ہونے لگا . . . حتیٰ کہ وہ محافظ کے قریب پہنچ گیا۔

"ٹھہرو . . . کہاں جا رہے ہو؟" محافظ نے اسے للکارا۔

"نیچے جا کر اس آلے کو دوبارہ چارج کرنے کا حکم ملا ہے۔" شہزاد نے ممنیاتی ہُوئی آواز میں جواب دیا۔

"ٹھیک ہے . . . جاؤ۔" محافظ نے مطمئن ہو کر اُسے جانے کی اجازت دے دی۔

شہزاد خاموشی سے آگے بڑھ گیا لیکن محافظ کے قریب سے گزرتے ہُوئے اس نے کندھے کی ہلکی سی جنبش سے وزنی آلے کا ایک حصّہ محافظ کے سر سے ٹکرا دیا۔ محافظ آواز نکالے بغیر ہی ڈھیر ہو گیا۔ شہزاد نے آلہ اس کے قریب ہی ڈال دیا۔ اسے یقین تھا کہ محافظ پندرہ منٹ تک بے ہوش رہے گا۔

محافظ کی طرف سے مطمئن ہو کر وہ ایڈمرل کے کیبن میں جا گھُسا، ایڈمرل جیمز بستر پر نیم دراز تھا۔ اس کے ہاتھ فون کی طرف بڑھ رہے تھے شاید وہ ڈاکٹر ٹینا کو فون کر کے ایک اور ملاقات کی . . . درخواست کرنا چاہتا تھا۔

کیبن کا دروازہ کھلتے ہی ایڈمرل اچھل پڑا۔ اس نے دیکھا کہ ایک شخص اندر گھُس کر دروازہ بند کر چکا تھا۔

"ایڈمرل جیمز؟" نووارد نے سرگوشی کی۔

"تم دستک دیے بغیر اندر کیسے آ گئے؟" ایڈمرل غرایا۔ "تم کون ہو؟"

"میری شناخت فی الوقت ضروری نہیں، ایڈمرل!" شہزاد نے کہا۔ "میں صرف آپ کو خبردار کرنے آیا ہُوں کہ آپ کی زندگی خطرے میں ہے۔"

ایڈمرل نے سوچا کہ ڈاکٹر ٹینا کے بعد ایک اور شخص اسے شہزاد کی طرف سے پیش آنے والے خطرے سے آگاہ کرنے آیا ہے لیکن جب اس نے کیبن میں موجود نوجوان کی آنکھوں میں دیکھا تو اسے اپنے جسم میں سنسنی کی لہر سی دوڑتی محسوس ہونے لگی۔ نہ جانے کیوں اسے یہ احساس ہونے لگا کہ اس کے سامنے جو نوجوان کھڑا ہے، درحقیقت وہی شہزاد ہے۔ اس کے ساتھ ہی اُسے اندازہ ہو گیا کہ یہ نوجوان کس قدر خطرناک ہے۔ اس نے فیصلہ کیا کہ وہ اس کا مقابلہ کرنے کے لیے اپنے اعصاب کو ممکنہ حد تک پُرسکون رکھے گا۔

"میرے قریب آؤ نوجوان! تم کیا کہنا چاہتے ہو؟" ایڈمرل نے لہجے میں نرمی پیدا کرتے ہُوئے کہا۔

"آپ ڈاکٹر ٹینا سے واقف ہیں، ایڈمرل؟"

"ہاں . . ." ایڈمرل نے جواب دیا۔ "میں انہیں جانتا ہُوں۔"

"وہ آپ کو قتل کرانا چاہتی ہے۔ اس وقت وہ دِل میں یہی سوچ رہی ہو گی کہ میں، آپ کو قتل کرنے کے لیے الباما کے عرشے پر پہنچ چکا ہُوں۔"

ایڈمرل جیمز کی آنکھوں میں حیرت کا تاثر اُبھر کر فوراً ہی زائل ہو گیا . . . پھر اس نے اُلجھن سے کہا "ڈاکٹر ٹینا سے میری صرف دو ملاقاتیں ہُوئی ہیں۔ آخر وہ مجھے قتل کیوں کروانا چاہتی ہے؟"

"اس کی آپ سے کوئی ذاتی دُشمنی نہیں ہے بلکہ وہ آپ کے ملک کی دُشمن ہے۔ مجھے امریکا کے خلاف ہونے والی سازش کی تفصیل تو معلوم نہیں لیکن حالات سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کے اکثر

ٹینا کے منصوبے کی راہ میں حائل ہیں لہٰذا اس نے آپ کو راستے سے ہٹانے کا فیصلہ کر لیا۔"

"مگر تم کون ہو؟" ایڈمرل نے دریافت کیا۔

"آپ کے ملک کا ایک خیر خواہ۔۔۔" شہزاد نے جواب دیا اور دروازے سے آگے بڑھ کر کیبن کے وسط میں آ گیا۔

"گویا میری زندگی خطرے میں ہے؟" ایڈمرل نے پُرتفکر انداز میں کہا۔ "بہرحال، اس صورتِ حال میں تم کیا تجویز پیش کرتے ہو؟"

"محافظوں کی تعداد دوگنی کر دیں۔" شہزاد نے مشورہ دیا۔ "اور انہیں حکم دے دیں کہ آئندہ چند روز میں کوئی بھی اجنبی شخص جہاز کے عرشے پر نظر آئے تو اسے بے دریغ گولی مار دیں۔"

"گویا چند ہی روز میں حالات بہتر ہو جانے کی توقع ہے؟"

"جی ہاں۔۔۔ چند روز میں سازش اور سازشی بے نقاب ہو جائیں گے۔" شہزاد نے بڑے اعتماد سے جواب دیا۔

"تم بہت کچھ جانتے ہو۔ تمہاری باتوں سے تو یہی اندازہ ہوتا ہے۔ کیا تم مزید تفصیل سے نہیں بتا سکتے؟"

"میں معذرت خواہ ہوں، ایڈمرل۔۔۔ اس معاملے میں سرکاری طور پر رازداری برتی جاتی ہے۔"

"رازداری۔۔۔" ایڈمرل نے مسکرا کر کہا اور دروازے کی طرف دیکھنے لگا۔

اسی لمحے دروازہ اچانک ہی کھل گیا اور شہزاد نے اپنی کھوپڑی پر ایک رائفل کی نال کا دباؤ محسوس کیا۔ "اس نے آپ کو پریشان تو نہیں کیا، جناب؟" شہزاد کی سماعت سے ایک آواز ٹکرائی۔

"نہیں کیپٹن! مگر میں حیران ہوں کہ محافظ کی موجودگی میں یہ اندر کیسے آ گیا؟" ایڈمرل نے کرخت لہجے میں کہا۔

"محافظ تو باہر بے ہوش پڑا ہے، جناب۔" کیپٹن نے جواب دیا۔ "ہم نے اسے راہداری میں دیکھ لیا تھا لیکن ہم نے سوچا کہ دیکھنا چاہیے، یہ کرتا کیا ہے۔"

ایڈمرل ابھی کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ کیبن کے فون کی گھنٹی بجنے لگی۔

ایڈمرل نے کیپٹن اور اس کے تین ساتھیوں کو کیبن ہی میں رُکنے کا اشارہ کر کے ریسیور اُٹھا لیا۔ "ہیلو۔۔۔ ہاں۔۔۔ اوہ ٹینا۔۔۔" یہ کہتے ہوئے اس نے مسکرا کر شہزاد کی طرف دیکھا۔

شہزاد کو پہلی مرتبہ احساس ہوا کہ وہ کسی جال میں پھنس گیا ہے۔

"ذرا ہولڈ کرو۔۔۔" ایڈمرل نے کہا اور پھر اپنے عملے کی طرف متوجہ ہو گیا۔ "مسٹر شہزاد کو انتہائی عزت و احترام کے ساتھ ان کی آخری منزل تک پہنچا دو۔"

"یس سر۔۔۔" کیپٹن نے ایڑیاں بجاتے ہوئے کہا۔ "چلو۔۔۔"

اس نے شہزاد کی گردن پر رائفل کی نال کا دباؤ بڑھاتے ہوئے حکم دیا۔

شہزاد اس وقت اپنے آپ کو انتہائی احمق سمجھ رہا تھا۔ اس نے خطرے کو سونگھنے کی شعوری طور پر کوئی کوشش ہی نہیں کی تھی کیوں کہ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ایڈمرل، ٹینا کا ساتھی ہو سکتا ہے۔ اب وہ اس حماقت کا خمیازہ بھگت رہا تھا۔ ٹینا نے اسے کسی بچے کی طرح جال میں پھنسنے پر مجبور کر دیا تھا۔ ٹینا نے جو جال بُنا تھا، اس میں وہ کسی احمق اور اندھے شخص کی طرح خود ہی آ پھنسا تھا۔

ایڈمرل نے ریسیور کو پھر کان سے لگا لیا۔ دروازے پر پہنچ کر شہزاد نے پلٹ کر ایڈمرل کی طرف دیکھا۔ وہ اپنے بیڈ پر نیم دراز ہو گیا تھا اور اس کی آنکھیں بے جان سی لگ رہی تھیں۔ شہزاد نے ایک طویل سانس لی۔ وہ سمجھ گیا کہ ایڈمرل بھی ڈاکٹر ٹینا کے عملِ توجہ کا شکار ہو چکا ہے اور اب اسے بچانا ممکن نہیں رہا۔ اس نے کمرے سے نکلتے وقت ایڈمرل کی آواز سُنی۔ وہ وہی مخصوص قاتل اور مہلک دُھن گنگنا رہا تھا۔

شہزاد کا جی چاہا کہ وہ خود کو انتہائی بھیانک سزا دے۔ ایڈمرل اس کے وجود اور نام سے اچھی طرح پہلے سے واقف تھا اور یہ ڈاکٹر ٹینا ہی تھی جس نے ایڈمرل کو شہزاد کے بارے میں بتایا ہے اور اب ڈاکٹر ٹینا نے یہ یقین کرنے کے لیے فون کیا ہو گا کہ شہزاد الہاما کے عرشے پر پہنچ چکا ہے یا نہیں۔۔۔ اب تین ملاح اور کیپٹن اُسے جہاز پر آنے کی حماقت کی مزا دینے کے لیے ساتھ لے جا رہے تھے۔

کیبن کے باہر محافظ بدستور بے ہوش پڑا تھا۔ کیپٹن اور ملاحوں نے اسے نظر انداز کر دیا۔ وہ شہزاد کو سیڑھیوں کی طرف لے جا رہے تھے۔ کیپٹن اب بھی شہزاد کے پیچھے چل رہا تھا اور شہزاد، اپنی گردن پر رائفل کی سرد نال اب بھی محسوس کر رہا تھا۔ وہ سیڑھیوں سے اتر کر راہداری میں پہنچے اور وہاں سے عرشے پر آ گئے۔

"تم یہاں تک کس طرح پہنچے تھے، شہزاد؟" کیپٹن نے چلتے چلتے سوال کیا۔

"تیر کر۔۔۔" شہزاد نے جان بوجھ کر اس کشتی کا تذکرہ نہیں کیا، جس پر وہ جہاز تک پہنچا تھا۔

"گویا تم ایک اچھے تیراک بھی ہو۔ ساحل کنارا یہاں سے فاصلہ چار ہو گز ہے۔"

"میں ایک ہزار گز کی پیراکی کا مقابلہ جیت چکا ہوں۔"

"لیکن تمہارے کپڑے تو بالکل خشک ہیں۔"

"میں گزشتہ تین گھنٹے سے عرشے پر ہوں۔ میں ایڈمرل کے کمرے میں داخل ہونے کے لیے موقعے کی تلاش میں تھا۔ اس دوران میں میرے کپڑے سُوکھ گئے۔"

وہ ایک کشتی کے قریب پہنچ گئے۔ سمندر کی نمکین ہوا اور لہروں کے اُڑتے ہوئے قطرے سانس تک کو نمکین اور گیلا بنا رہے تھے۔ سب سے پہلے شہزاد کو کشتی میں بٹھایا گیا اور پھر وہ چاروں بھی کشتی میں سوار ہو گئے۔

اگلے ہی لمحے کشتی سمندر کے فراخ سینے پر ڈولنے لگی۔ کیپٹن شہزاد کے پیچھے بیٹھا تھا جب کہ ایک ملاح کشتی کے انجن کی طرف متوجہ ہو گیا۔ کشتی سمندر کی موجوں سے لڑتی بھڑتی آگے بڑھنے لگی اور الہاما۔۔۔ رفتہ رفتہ دور ہونے لگا۔ شہزاد نے خشکی کی طرف دیکھا وہاں کچھ ایسی روشنیاں نظر آئیں جیسے ساحل پر ہزاروں چھوٹے چھوٹے روشن چراغ ٹمٹما رہے ہوں۔

جہاز سے تقریباً ڈیڑھ سو گز دور جا کر کیپٹن نے انجن بند کرنے کا حکم دیا۔ انجن بند ہوا تو کشتی ایک بار پھر سمندر کے رحم و کرم پر ڈولنے لگی۔ کیپٹن نے شہزاد کی طرف دیکھا اور سفاک لہجے میں بولا۔

"اب تمہاری زندگی کا انجن بھی بند ہونے والا ہے، مسٹر شہزاد۔"

"زندگی ختم ہونے کے لیے ہی دی جاتی ہے، کیپٹن۔" شہزاد نے کہا۔ "اوہ۔۔۔ یہ لانچ کہاں سے آ رہی ہے۔" شہزاد نے دُور افق کی طرف اشارہ کیا۔

کیپٹن چونک کر پلٹا تاکہ آنے والی لانچ کو دیکھ سکے مگر اسی لمحے شہزاد کے آہنی بازو بغلوں سے ہوتے ہوئے اس کی گردن تک جا پہنچے۔ اُوشان اس ڈاؤ کو ہیڈ چیٹ لاک کہتا تھا۔

کیپٹن کی رائفل ہلکی سی آواز کے ساتھ کشتی کے فرش پر گر کر پھسلتی ہوئی پانی میں جا گری۔ شہزاد، کیپٹن کو سنبھالے خود بھی سمندر میں گر گیا۔۔۔ تینوں مسلح ملاح لمحوں کے اس کھیل میں حصہ نہ لے سکے اور حیران و ششدر پانی کی سطح کو گھورتے رہ گئے۔

کیپٹن غوطہ زنی کا ماہر تھا لیکن غوطہ زنی آزاد رہ کر ہوتی ہے جب کہ اس کے جسم سے ایک عفریت چمٹا ہوا تھا اور شہزاد نے اسے جس انداز میں جکڑ رکھا تھا، اگر کیپٹن ذرا سی بھی جدوجہد کرتا تو اس کی ریڑھ کی ہڈی چٹخ سکتی تھی۔ کیپٹن نے اس داؤ میں آئے ہوئے بڑے بڑے پہلوانوں کو مٹی چاٹتے دیکھا تھا۔

شہزاد، کیپٹن کو ساتھ لیے پانی میں تیرتا رہا۔ وہ کشتی سے دُور ہوتا جا رہا تھا۔ کیپٹن اور شہزاد دونوں ہی جانتے تھے کہ ملاح فائر نہیں کریں گے کیوں کہ اس صورت میں کیپٹن کی زندگی بھی خطرے میں پڑ سکتی تھی۔

کیپٹن نے کوشش کر کے اپنا ایک ہاتھ پُوری قوت سے شہزاد کے پیٹ کے نچلے حصے پر مارنے کی کوشش کی لیکن پانی کے مخالف دباؤ کے باعث یہ داؤ کامیاب نہ ہو سکا۔

"میرے بیٹے! اتنی بے چینی ٹھیک نہیں۔" شہزاد نے سانس لینے کے لیے سطحِ آب پر نمودار ہوتے ہوئے کہا اور پھر کیپٹن کے بال پکڑ کر اس کی گردن چھوڑ دی۔ اب وہ کیپٹن کو کسی بے جان شے کی مانند پانی کے اندر لے جا رہا تھا۔ کیپٹن ایک بار پھر تڑپا اور شہزاد کی گردن پکڑنے میں کامیاب ہو گیا۔ شہزاد نے ایک جھٹکا دیا لیکن کیپٹن کسی جونک کی طرح اس سے لپٹ رہا تھا۔ دونوں سطحِ آب سے دس فٹ نیچے تھے۔۔۔ شہزاد نے فوراً کیپٹن کے بال چھوڑ کر کمر تھام لی اور دونوں ہاتھوں کی انگلیوں سے اس کی پیٹھ پر دباؤ ڈالنے لگا۔

کیپٹن کا دم گھٹنے لگا۔ جسم و دماغ کی ساری شقیں اکارت گئیں۔ اس کا منہ کھلا اور پانی منہ کے راستے معدے تک اُتر گیا۔۔۔

وہ بلبلا رہا تھا مگر شہزاد نے انگلیوں کا دباؤ کم نہ کیا اور پھر اس کی انگلیاں کیپٹن کے گوشت اور پسلیوں کا درمیانی فاصلہ طے کر کے پسلیوں سے بھی آگے نکل گئیں۔

اگر دن کا وقت ہوتا تو کیپٹن اپنا خون خود بھی دیکھ سکتا تھا۔ شہزاد نے ایک جھٹکے سے انگلیاں باہر کھینچیں۔ اس کی گردن پر کیپٹن کی گرفت ختم ہو گئی تھی اور وہ کسی بے جان لکڑی کی طرح پانی میں ڈال رہا تھا۔ شہزاد نے اسے چھوڑ دیا۔ کیپٹن کی لاش آہستہ آہستہ پانی میں اِدھر اُدھر ہلکورے کھانے لگی۔

شہزاد نے سمت کا تعین کرنے سے پہلے ایک اور طویل سانس لینے کے لیے سطحِ آب پر اُبھرا۔ کشتی کم از کم پچاس گز دُور تھی۔ شہزاد نے غوطہ لگایا اور ایک بار پھر اس کا رُخ الہاما جہاز کی طرف ہو گیا۔

کشتی میں موجود تخریب کار ملاحوں کو اپنے کیپٹن کی موت کا ابھی تک علم نہیں ہوا تھا۔ وہ اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر کیپٹن اور شہزاد کو تلاش کر رہے تھے لیکن انہیں، ان دونوں میں سے کوئی بھی دکھائی نہیں دیا تاہم انہیں یقین تھا کہ کیپٹن چار پانچ منٹ بعد ہی شہزاد سے نمٹ کر واپس آ جائے گا۔

شہزاد پانی کے اندر تیرتا ہوا تیزی سے بحری جہاز کے اس حصے کی طرف بڑھتا رہا جہاں اس نے اپنی موٹر بوٹ چھوڑی تھی۔ کچھ ہی دیر بعد الباما کے پہلو میں لنگر انداز اپنی کشتی کو کھول رہا تھا۔ اس نے انجن اسٹارٹ کیے بغیر ہی چپوؤں کی مدد سے ساحل کی طرف سفر شروع کر دیا۔

اس کی رفتار بے حد تیز تھی لیکن اگلے ہی لمحے اُسے ایک گرج دار آواز سُنائی دی کشتی اچھلی لیکن پھر پانی کے سینے پر بہنے لگی۔ شہزاد نے پلٹ کر دیکھا۔

الباما کے تمام انجن اسٹارٹ ہو چکے تھے۔

شہزاد نے بھی کشتی کا انجن اسٹارٹ کرنے میں دیر نہیں لگائی۔ اس کی کشتی اب انتہائی رفتار سے ساحل کی طرف دوڑ رہی تھی۔ شہزاد نے دیکھا کہ دوسری جانب ایک اور کشتی الباما کی طرف جا رہی ہے۔ . . مقلاح شاید اپنے کیپٹن کی زندگی سے مایوس ہو کر واپس جا رہے تھے۔

شہزاد نے سوچا کہ ڈاکٹر ٹینا نے ایک سُنہرا جال تیار کیا تھا لیکن وہ اس میں پھنس کر بھی نکل آیا تھا۔

الباما کے انجنوں کی گرج کچھ اور تیز ہو گئی۔ شہزاد کی سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ الباما کے خاموش انجن اچانک ہی کیوں زندہ ہو گئے ہیں؟ کیا جہاز کہیں جا رہا ہے؟ اس نے کیبن سے نکلتے وقت ایڈمرل کو جو دُھن گنگناتے سُنا تھا۔ کیا وہ کسی نئے ہنگامے کا اعلان تھی؟

☆☆

مین ہٹن جزیرے پر سورج طلوع ہو چکا تھا۔ صبح کی خوشگوار مگر خنک ہوا میں لوگ اِدھر اُدھر جا رہے تھے اور خلیج کے متلاطم پانی میں ایک جنگی جہاز داخل ہو رہا تھا۔ . . یہ الباما جہاز تھا۔

الباما کے کنٹرول رُوم کے باہر انجن چلانے والا اپنے افسر سے احتجاج کر رہا تھا: "شاید وہ پاگل یا کم از کم نشے میں ضرور ہو گیا ہے۔"

"کیا مطلب؟" افسر نے حیرت سے پوچھا۔

"اس نے مجھے کنٹرول رُوم سے دھکے دے کر نکال دیا۔ . . مگر اس کے ہر انداز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ بے حد خوش ہے۔ . . جب وہ مجھے نکال کر انجن کی طرف بڑھا تو ایک عجیب سی دُھن گنگنا رہا تھا۔"

"کوئی دُھن گنگنانے میں تو کوئی مضائقہ نہیں۔" افسر نے مُسکرا کر جواب دیا: "تم نیچے جاؤ اور پانی کی گہرائی پر نظر رکھو۔"

اُدھر کنٹرول رُوم میں ایڈمرل جیمز اب بھی دُھن گنگنا رہا تھا وہ اپنے کیبن میں واپس آ گیا۔ . . پھر کیبن سے انجن رُوم میں گیا، جہاں اَب اس کی جگہ اُس افسر نے لے لی تھی جو چند لمحے قبل ہی انجن چلانے والے کا احتجاج سُن رہا تھا۔

"رفتار بڑھا دو۔" افسر نے: ایڈمرل نے انجن سے ملحقہ کنٹرول رُوم میں جاتے ہوئے کہا۔ اس نے کنٹرول رُوم کی چھت پر نظر دوڑائی اور پھر گنگناتے ہوئے کھڑکی سے جھانک کر دیکھا۔ ریفائنریوں کی چمنیوں سے دُھواں بلند ہو رہا تھا۔ اس کے دائیں طرف بروک لین کی عمارتیں نظر آ رہی تھیں۔ کچھ ہی دُور جزیرۂ آزادی تھا۔ . . مجسمۂ آزادی . . آزادی کی مشعل بلند کیے آسمان کو تک رہا تھا کہ ابھی قوم آزاد ہے۔

ایڈمرل جیمز نے مجسمۂ آزادی کا خیال آتے ہی مائیکروفون پر حکم دیا: "رفتار بڑھاؤ . . جہاز پوری رفتار سے چلے گا۔"

جہاز کے پاور پلانٹ سیکشن میں عملے کے لوگوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ "ایڈمرل تو شاید یہ سمجھتا ہے کہ جہاز کو عملے سے چلایا جا رہا ہے۔ . جتنا کوئلہ ڈالو گے اتنی ہی رفتار تیز ہو جائے گی۔" ایک میکینیشن نے چڑ کر کہا: "آخر یہ ہمیں کہاں لے جا رہا ہے؟"

"پتہ نہیں۔" ایک سینئر لیفٹیننٹ نے کہا: "لیکن اس رفتار کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں جہاں کہیں بھی پہنچنا ہے، بہت جلد پہنچ جائیں گے۔"

کنٹرول رُوم میں ایڈمرل جیمز نے جہاز کو موڑنے کے لیے دھیرے دھیرے بائیں طرف گھمایا۔ . . بحری جہاز کسی کھلونے کی طرح گھوما اور جنوب کی طرف جانے والی وسیع و عریض نہر میں داخل ہو گیا۔ ایڈمرل نے وہیل کو مخصوص پوزیشن پر سیٹ کر دیا۔ اب جہاز نہر میں سیدھا چل رہا تھا۔

ایڈمرل جیمز نے ایک بار پھر باہر کا نظارہ کیا اور دُور . . . پیچھے دُور مجسمۂ آزادی نظر آتے ہی اس نے ایک بار پھر اُسی مخصوص دُھن کو گنگنانا شروع کر دیا۔ . .

مجسمۂ آزادی تیزی سے جہاز کے قریب آ رہا تھا۔

ہزاروں گز کا فاصلہ چند ہی منٹ میں سینکڑوں گز رہ گیا۔ ایڈمرل جیمز نے دُھن کو گنگنانے کے ساتھ ساتھ اَب وِسل بھی شروع کر دیا۔ رفتار بڑھاؤ: وہ مائیک کے قریب آ کر چلایا اور پھر گانے لگا۔

الباما کی ایک لائف بوٹ اتنی تیز رفتاری برداشت نہ کر سکی اور جہاز سے الگ ہو کر نہر میں گر گئی۔ مجسمۂ آزادی کی طرف جانے والے سیاحوں نے ایک بحری جہاز کو کسی بپھرے ہوئے سانڈ کی طرح اپنی طرف آتے دیکھا تو اُنہوں نے فوراً ہی اپنی لانچ کا رُخ مخالف سمت میں کر دیا۔ اسی اثنا میں الباما لانچ کے قریب سے گزرا۔ بلند لہریں اُٹھیں اور انہوں نے لانچ کو گھیر لیا۔ . . مگر ماہر ناخدا لانچ کو ان لہروں کے قہر سے بچانے میں کامیاب ہو گیا الباما کے اوپر بحریہ کے طیارے پرواز کر رہے تھے۔ . . انہیں حکم ملا تھا کہ الباما کی ہر حرکت اور ہر سمت پر نگاہ رکھی جائے۔ ایک طیارے کے ہوا باز نے الباما کے کنٹرول رُوم سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی لیکن اُسے کوئی جواب نہ ملا۔ ہوا باز نے فوراً ہی نیول اُتر اسٹیشن کو پیغام بھیجا کہ الباما سے کسی سوال کا جواب نہیں مل رہا ہے۔

جزیرۂ آزادی اور الباما کے درمیان اب محض دو سو گز کا فاصلہ تھا۔ الباما ابھی مزید پچاس ساٹھ گز آگے آیا ہو گا کہ بائی تھلا ہو گیا۔ الباما کے نیچے لگے ہوئے تیز دھار والے پنکھے مٹی کو کاٹنے لگے لیکن جہاز اپنی رفتار کی وجہ سے فوراً ہی اتھلے پانی میں نہیں رُک سکا۔ مزید پچاس گز دُور جا کر پنکھے بھی جواب دے گئے . . . اب جہاز چلنے کی بجائے پھسل رہا تھا۔ . . اس کی رفتار اَب بھی بہت تیز تھی۔ جُوں جُوں اس کے پنکھے مٹی میں دھنستے گئے، اس کی رفتار بھی کم ہوتی گئی حتیٰ کہ الباما کنکریٹ کے ایک ستون سے ٹکرا گیا۔ ستون تو نہ اُڑا اور جزیرے کے ساحل پر جا گرا، جو اَب محض پندرہ گز دُور تھا۔ جہاز پھسلتا رہا۔ . چلتا رہا۔ . حتیٰ کہ جزیرے کے ساحل نے اس کو مزید آگے بڑھنے سے روک دیا۔ ساحل اور جہاز کے تصادم سے مٹی کا طوفان اُٹھا اور جزیرے پر چھا گیا۔ جزیرے پر موجود ہزاروں لوگوں میں افراتفری مچ گئی اور سب اندھا دھند اِدھر اُدھر بھاگنے لگے۔

جہاز کی رفتار میں کمی کا احساس ہوتے ہی ایڈمرل جیمز کسی سحر زدہ شخص کی طرح کنٹرول رُوم سے نکل کر انجن رُوم تک چلا گیا۔ بھاگتے بھاگتے پر بہت سے ملاح لوگ ہلاہٹ کے عالم میں دوڑ رہے تھے۔ ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آ سکا کہ کنٹرول رُوم میں موجود شخص پر دیوانگی کیوں کر طاری ہے۔ کئی ملاحوں نے پانی میں چھلانگ لگا دی۔ نہر میں موجود تمام چھوٹے جہازوں نے خطرے کے سائرن بجائے اور مدد کے لیے الباما کی طرف لپکے۔

ایڈمرل گنگناتے ہوئے انجن رُوم میں داخل ہوا: "جہاز کو خالی کر دو۔" اس نے دھاڑ کر حکم دیا۔

انجن رُوم میں صرف ایک اَفسر موجود تھا۔ انجن رُوم کے قریب کھڑے ہوئے ملاحوں نے حکم سُنا تو وہ دروازے سے نکل کر عرشے کی طرف دوڑ پڑے۔

"سر . . ؟" افسر نے ایڑیاں بجاتے ہوئے کہا: "کیا میں آپ کے ساتھ یہاں ٹھہر سکتا ہوں؟"

"بھاگ جاؤ۔" ایڈمرل نے غرا کر ہاتھ لہرایا۔

"یس سر . . مگر آپ . . ؟"

"میں ایک مثال قائم کرنے والا ہوں . . . میں یہیں ٹھہروں گا۔" یہ کہتے ہوئے ایڈمرل نے افسر کو دروازے کی طرف دھکیل دیا۔ آفیسر انجن رُوم کے باہر جا گرا اور ایڈمرل نے دروازے کو اندر سے مقفل کر لیا۔

اس نے چاروں طرف مُسکراتے ہوئے دیکھا . . . وہ اَب پھر گنگنا رہا تھا۔ ساتھ ہی ساتھ اس نے انجن رُوم میں لگے ہوئے کئی بٹن بھی دبا دیے۔ انجن رُوم کے روشندان کھلے اور . . اور نیلا پانی انجن رُوم میں داخل ہونے لگا۔ پانی سب سے پہلے دیو قامت مشینوں پر گرا۔ مشینوں کے اندر گھسا، انجن کے اندر تک گھستا چلا گیا۔ . . اور مشینیں آخری سانس لے کر خاموش ہو گئیں . . انجن بھی تھرتھرایا۔ . . اور پھر بند ہو گیا۔

"ایڈمرل . . ؟" افسر نے دروازہ پیٹ ڈالا: "دروازہ کھولیے جناب . . ؟"

"بھاگ جاؤ . . ڈوبا ڈوبا ڈوبا . . ؟"

پانی چاروں طرف سے انجن رُوم میں داخل ہو رہا تھا۔ آفیسر نے دروازہ توڑنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔

ایڈمرل جیمز . . پانی سے کھیلتا رہا . . کلکاریاں کرتا رہا . . وہ مسلسل گنگنا رہا تھا۔ پانی نے اس کو فرش سے اُٹھایا . . وہ پانی کے ساتھ ساتھ انجن رُوم کی چھت تک چلا گیا لیکن اس کے ہونٹوں پر مُسکراہٹ تھی۔ وہ اس وقت بھی گا رہا تھا جب پانی اور چھت کے درمیان ذرا سا بھی فاصلہ باقی نہیں رہا۔

☆☆

ٹیلی فون کی گھنٹی کے شور سے بچنے کے لیے شہزاد نے تکیہ کانوں پر رکھ لیا لیکن آواز تھی کہ مسلسل کانوں میں گھُسی چلی آ رہی تھی۔

"اُدشان! فون تو دیکھیے۔" شہزاد چیخ کر چیخ پڑا لیکن اوشان ہیڈ مین لیبارٹری کے اس کمرے کی بجائے نیچے لان پر پھول چُن رہا تھا۔ مجبوراً شہزاد نے اُٹھ کر ریسیور اُٹھایا: "کون ہے؟" اس نے جھلا

کر کہا۔

"بہرام . . ." دوسری طرف سے پُرسکون آواز سُنائی دی۔

"اوہ . . . میرا خیال ہے کہ آپ اس وقت کیلوں کی شراب کے نشے میں دُھت ہوں گے۔" شہزاد بڑبڑایا۔ "اس اوپن لائن پر گفتگو کا مقصد؟"

"مقصد صرف یہ ہے کہ اگر اب بھی ہم مشن کے نتائج حاصل نہیں کر سکے تو ہمارے خاتمے میں زیادہ دیر نہیں لگے گی۔ تم ایڈمرل جیمز سے واقف ہو؟" بہرام نے پوچھا۔

"جی ہاں۔ میں نے یہ نام سُنا ہے . . . کیوں کیا ہُوا؟" شہزاد فوراً چوکس ہو کر بستر پر بیٹھ گیا۔

"آج صبح اس نے جنگی جہاز الباما کو جسمۂ آزادی پر چڑھانے کی کوشش کی تھی . . . پھر وہ انجن رُوم کے روشندان کھول کر خود بھی ڈوب مرا۔ مرتے وقت اس کے لبوں پر وہی دُھن تھی . . . قاتل دُھن . . ."

"بے چارہ . . . بدبخت . . ." شہزاد بڑبڑایا۔ "کل رات میں نے اس سے ملاقات کی اور اسے بتایا کہ وہ خطرے میں ہے لیکن شاید اسے تنبیہہ کرنے میں مجھ سے کافی تاخیر ہو گئی تھی۔ وہ لوگ اسے پہلے ہی پھانس چکے تھے۔"

"اوہ . . ." بہرام کے لہجے میں حیرت تھی۔ "تو تم اس سے مل چکے ہو . . . بہرحال، میں کوشش کر رہا ہوں کہ شام تک نیلام کے بارے میں تمہیں کوئی ٹھوس اطلاع فراہم کر دوں۔"

"گڈ . . . میں آپ سے خود ہی رابطہ قائم کرنے کی کوشش کروں گا مگر اس سے پہلے مجھے کچھ کوڈ ا کوکٹ صاف کرنا ہے۔"

"جذبات میں مت بہہ جانا۔" بہرام نے شہزاد کا مقصد بھانپتے ہوئے کہا۔ "ہر قدم محتاط رہ کر اُٹھانے کی ضرورت ہے۔"

"میں ہمیشہ محتاط رہتا ہوں چیف۔" شہزاد نے جواب دیا اور بہت آہستگی سے ریسیور رکھ دیا۔

وہ سوچ رہا تھا کہ ڈاکٹر ٹینا نے اس کے لیے بہت عمدہ جال تیار کیا تھا۔ اس نے اسے ایڈمرل کو قتل کرنے کے لیے بھیجا اور ساتھ ہی ایسا انتظام کیا کہ خود شہزاد کے بچ نکلنے کی بھی کوئی توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔ اس کے بعد ایڈمرل دیوانہ وار مجسمۂ آزادی کی طرف لپکا۔ شاید ایڈمرل نے وہ کام کر دکھایا جس کی فرمائش ٹینا نے کی تھی مگر شہزاد اس جال سے بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔

گزشتہ رات وہ جب واپس آیا تو ڈاکٹر ٹینا اپنے دفتر میں بھی اور نہ ہی دفتر سے ملحق شاندار اپارٹمنٹ میں کہیں دکھائی دی۔ شاید وہ شہزاد کے قتل کا جشن منانے چلی گئی تھی۔ اُسے تو بہرصورت شہزاد کی موت کا یقین ہو گا لیکن اب شہزاد صرف یہ چاہتا تھا کہ وہ اس یقین کو حقیقتِ حال میں بدل کر کھیل ختم کر ڈالے۔

وہ اب بھی کل رات کے کپڑوں میں ملبوس تھا جو نمکین پانی میں بھیگ جانے کے باعث نمکین ہو رہے تھے۔ اس نے عجلت کے عالم میں کپڑے تبدیل کیے اور ہال میں آ گیا۔

آتشی صبح وہاں کوئی نظر نہیں آیا۔

شہزاد نے محتاط انداز میں گردن ہلائی اور لفٹ کے ذریعے دسویں منزل پر پہنچ گیا۔ ڈاکٹر ٹینا کی سکریٹری ابھی نہیں آئی تھی۔ شہزاد، سیکرٹری کے کاؤنٹر سے گزرتا ہُوا ڈاکٹر ٹینا کے دفتر میں داخل ہُوا . . . کمرہ صبح کی کنواری روشنی سے جگمگا رہا تھا لیکن ٹینا وہاں بھی موجود نہیں تھی۔

اس نے ایک دروازہ دیکھا تو اُسے کھول کر ایک اور کمرے میں پہنچ گیا۔ یہ ڈریسنگ رُوم تھا لیکن ڈاکٹر ٹینا کا یہاں بھی نام و نشان تک نہیں تھا۔

شہزاد نے ابھی واپسی کا ارادہ کیا ہی تھا کہ اسے خفیف سی آواز سُنائی دی۔

اس نے اپنے حساس کانوں کو آواز پر لگا دیا۔

آواز دائیں طرف سے آ رہی تھی۔ وہ اسی طرف بڑھ گیا۔ یہاں بھی دیوار میں ایک خوب صورت دروازہ موجود تھا . . . وہ دروازے سے گزر کر ایک ایسے کمرے میں پہنچ گیا جہاں اس نے ایک ڈبل بیڈ دیکھا۔

کمرے کی ہر چیز سیاہ رنگ کی تھی۔ موٹے، دبیز اور سیاہ قالین، سیاہ بیڈ کور اور پردے سبھی کچھ کمرے کے ماحول کو پُراسرار بنا رہا تھا۔ کھڑکیوں کے راستے باہر سے روشنی کی ایک بھی کرن کمرے میں داخل نہیں ہو سکتی تھی البتہ کمرے میں روشنی صرف ایک چھوٹے لیمپ کی وجہ سے ہو رہی تھی جو ڈریسنگ ٹیبل پر رکھا ہُوا تھا . . . وہ آواز جو شہزاد نے ڈریسنگ رُوم میں سُنی، باتھ رُوم سے آ رہی تھی۔

یہ شاور سے پانی گرنے کی آواز تھی اور اب اسی آواز میں ایک نسوانی آواز میں گیت گانے کی آواز بھی شامل ہو گئی تھی۔ آواز سُریلے تاثر سے بھرپور اور پُراثر تھی۔

شہزاد کو یوں لگا جیسے اس کے کانوں میں جلترنگ سے بج اُٹھے ہوں۔ وہ ڈاکٹر ٹینا کے بستر پر بیٹھ گیا اور اس کا انتظار کرنے لگا۔ شکاری اپنے شکار کو مار ڈالنے کے بعد کتنا خوش ہوتا ہے اس کا اندازہ ٹینا کے لہجے کی نغمگی سے بہ آسانی ہو سکتا تھا۔

ڈاکٹر ٹینا بھی کسی شکاری سے کم نہیں تھی۔ پورٹر، جنرل بلیک اور ایڈمرل جیمز اس کی بے رحمی کا براہِ راست نشانہ بن چکے تھے . . . سی آئی اے کا ڈائرکٹر، اسپیشل فورس کا کرنل اور ایف بی آئی کے تین ایجنٹ یہ سب کے سب ڈاکٹر ٹینا کی وجہ سے مارے گئے تھے لیکن اب وہ خود بھی اپنی جان دینے والی تھی اور شہزاد اُسے شکار کرنے آیا تھا۔

یکایک شاور سے پانی گرنے کی آواز آنا بند ہو گئی اور ٹینا کے نغمے میں تیزی آ گئی۔

شہزاد اس صورتِ حال سے لُطف لینے کے لیے خود بھی گانے لگا۔ بول وہی تھے جو ڈاکٹر ٹینا گا رہی تھی . . . پھر اس نے گانے کی بجائے . . . وہ دُھن سیٹی پر چھیڑ دی . . . وہی مہلک اور قاتل دُھن . . . فوراً ہی باتھ رُوم سے آلے والی نسوانی آواز دم توڑ گئی۔

ڈاکٹر ٹینا نے سیٹی کی آواز سُن لی تھی۔

آہستہ آہستہ باتھ رُوم کا دروازہ کھلا اور ڈاکٹر ٹینا باتھ رُوم کی روشنی میں نہائی ہُوئی دکھائی دینے لگی۔ اس کی جلد ہی اس کا لباس تھی۔

اس نے بستر پر بیٹھی ہُوئی شخصیت کو پہچاننے میں فطلی کی تھی تبھی تو اس کے چہرے پر ایک ملکوتی مُسکراہٹ نے جنم لیا تھا . . . لیکن اچانک ہی چہرے کے تاثرات حیرت اور خوف میں بدل گئے تھے۔

چینی لیمپ کی دُھندلی روشنی میں اس نے شہزاد کو پہچان لیا تھا۔

اس کا مُنہ کھُلا کا کھُلا رہ گیا۔

"تم کہیں اور کے اُنتظار میں تھیں۔" شہزاد نے مایوسی سے کہا۔

ٹینا کے چہرے پر تاثرات بدلتے چلے گئے۔ اس نے خود کو چھپانے کے لیے دونوں ہاتھ کندھوں پر رکھ لیے۔

"بے کار ہے، ڈاکٹر ٹینا . . ." شہزاد نے مُسکرا کر کہا۔ "مجھ سے تم کہاں چھُپ سکتی ہو؟"

ٹینا ایک لمحے کو ہچکچائی جیسے کوئی فیصلہ کر رہی ہو اور پھر اس نے دونوں ہاتھ گرا دیے۔

شہزاد کا دل پسلیوں کے پنجرے میں شدت سے دھڑکنے لگا تھا . . .

"مجھے یاد ہے، شہزاد۔" وہ بولی۔ شہزاد کی طرف بڑھی . . . پھر چند انچ کے فاصلے پر رُک گئی۔

شہزاد بستر پر بیٹھا رہا۔

"شہزاد . . . میرے پاس سے جانے کے بعد تم نے کیا کیا؟" وہ پوچھ رہی تھی۔

"اگر تم یہ معلوم کرنا چاہتی ہو کہ میں نے ایڈمرل کو ہلاک کر دیا یا نہیں، تو میرا جواب نفی میں ہے . . . اور اگر یہ پوچھنے کے لیے اداسی دکھا رہی ہو کہ کیا میں تمہارے جال میں پھنس کر ایڈمرل کے محافظوں کی گولیوں سے چھلنی ہو گیا، تب میں سراپا جواب بن کر تمہارے سامنے حاضر ہوں۔ خود ہی دیکھ لو۔" یہ کہتے ہُوئے شہزاد کا ہاتھ ٹینا کی گردن تک اُٹھ گیا۔

ٹینا نے ایک جھرجھری سی لی۔

اسی لمحے شہزاد نے اس کی سُنہری ریشمیں زلفیں پکڑ کر اسے انتہائی بے رحمی سے جھنجھوڑ ڈالا۔ وہ اُٹھا اور اس نے ٹینا کے بھرے بھرے سُرخ گال پر ایک زوردار تھپڑ مار کر اُسے بستر پر گرا دیا۔ شہزاد کی آنکھوں میں نفرت ہی نفرت تھی۔

"تم نے مجھے زبردست دھوکا دیا تھا، سوئیٹ ہارٹ۔" وہ غرایا۔ "اور اب میں دھوکا کھانے کا معاوضہ لینے آیا ہوں۔"

ٹینا پہلے تو کسی خوف زدہ بلّی کی طرح دُبکی رہی لیکن پھر انتہائی سکون سے لیٹ گئی۔

وہ اب مُسکرا رہی تھی۔

اندھیرے میں اس کے سفید ہموار اور موتیوں جیسے دانت چمک رہے تھے۔ اس نے دعوت دینے کے سے انداز میں دونوں ہاتھ شہزاد کی طرف بڑھا دیے۔

شہزاد آگے بڑھا لیکن اس نے کن انکھیوں سے دیکھ لیا کہ ڈاکٹر ٹینا کا ایک ہاتھ غیر محسوس انداز میں بیڈ کی کھُلی دراز میں رینگ گیا ہے۔

ہاتھ واپس آیا تو اس میں ایک قینچی دبی ہُوئی تھی۔ ڈاکٹر ٹینا کا دوسرا ہاتھ شہزاد کی پیٹھ پر رکھا ہُوا تھا۔ وہ قینچی والے ہاتھ کو بھی اس کی پیٹھ تک لے گئی . . . اب اس نے دونوں ہاتھوں سے قینچی پکڑ لی اور بیڈ کی پشت گاہ تک سرک گئی۔

شہزاد سب کچھ دیکھنے کے باوجود انجان بنا رہا۔ اُسے

چُوہے بلی کے اس کھیل میں لُطف آ رہا تھا۔ یکایک ڈاکٹر ٹینا کے حلق سے ایک کراہ نکل گئی۔ . . یہ لطف و مسرت کی کراہ نہیں بلکہ نفرت کی پُکار تھی۔

اس نے دونوں ہاتھوں سے قینچی کو جکڑ لیا۔ . . دونوں ہاتھ بلند ہُوئے اور پُوری طاقت سے نیچے آئے لیکن شہزاد ان ہاتھوں کی زد سے، اتنی تیزی سے نکلا کہ ڈاکٹر ٹینا کو احساس تک نہ ہو سکا . . . اور اس کے ہاتھ . . وہ ہاتھ جن میں قینچی دبی ہُوئی تھی . . . نوکدار قینچی . . . نیچے آ چکے تھے . . ٹینا کو اتنی بھی مہلت نہ مل سکی کہ وہ اپنے ہی ہاتھوں کو روک سکتی۔ قینچی شہزاد کے بازو کے قریب سے ہوتی ہُوئی ٹینا کے سینے میں گھُس گئی اور وہاں سے خون کا فوارہ اُبل پڑا۔

ٹینا نے حیرت اور تکلیف کے ساتھ شہزاد کو دیکھا . . . مگر شہزاد قاتل خون اور قینچی کو دیکھ رہا تھا۔

تیز دھار دُکیلی قینچی ڈاکٹر ٹینا کے دل تک اُتر چکی تھی۔

"سوئیٹ ہارٹ"۔ اس لیے قریب المرگ ٹینا کو کرب کی وجہ سے چلاتے اور تڑپتے ہُوئے دیکھ کر پُچکارا "تمہاری حسین آنکھیں الوحسین سرا یا . . یہ سب کچھ موت کے فرشتے کو فریب نہیں دے سکتا"۔

ڈاکٹر ٹینا بستر سے اُچھل پڑی۔ اس کے دونوں ہاتھ خون آلود قینچی پر تھے، جو ابھی تک اس کے سینے میں دھنسی ہُوئی تھی . . شاید وہ قینچی باہر کھینچنا چاہتی تھی مگر عین اس وقت، جب ہاتھ قینچی کے دستے تک پہنچے، اس کی مجروح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ دونوں ہاتھ کسی ناکام معرکے کی طرح بستر پر گر گئے۔ وہ منزلِ مُراد کو نہیں پہنچ سکے تھے۔

☆☆

اپنے سینی ٹوریم میں ڈاکٹر بہرام اپنی مخصوص میز کے پیچھے کُرسی پر بیٹھا بے شمار کاغذات کو اُلٹ پلٹ کر دیکھ رہا تھا۔ اسے شہزاد کے پیغام کا شدت سے انتظار تھا۔

اسے آج تین فون کالز ملنے کی توقع تھی۔ ایک سوئٹزرلینڈ سے، دوسری کال شہزاد کی طرف سے آنی تھی . . . اور تیسری؟ . . تیسری کال کے بارے میں سوچتے ہُوئے بہرام نے سر کو جھٹک دیا۔ اسے تیسری کار . نیادہ انتظار نہیں تھا کیوں کہ شہزاد کی کال آنے سے قبل اب وہ مزید کوئی رپورٹ پیش نہیں کرنا چاہتا تھا۔

بہرام اپنی سوچوں میں گم نہ جانے کیا کچھ سوچتا رہا۔ وہ ابھی اپنے اور ٹائیگر کے مستقبل کے بارے میں ہی غور کر رہا تھا کہ فون کی گھنٹی بجنے لگی۔

"ہیلو . . "۔ اس نے بھاری آواز میں کہا۔ یہ کال سوئٹزرلینڈ سے آئی تھی . . فون کرنے والا ایک ایسا شخص تھا جسے بظاہر ایسا کارڈ دیا گیا جو ایسے انسدادِ منشیات کا سرکاری کارکن ظاہر کرے لیکن درحقیقت وہ بہرام کے لیے کام کرتا تھا۔

"میں نے سوئس انٹرلائینرز میں کام کرنے والے ایک دوست سے معلومات حاصل کیں۔ اس کے مطابق ایک سوئس بینکار اپنی سیکرٹری کے ہمراہ آج نیویارک پہنچ رہا ہے۔ وہ دونوں کل ہی واپس چلے جائیں گے۔ اس شخص نے رپورٹ پیش کی "کیا میں ان کے سامان کی تلاشی لوں؟ ممکن ہے کہ اس میں ہشیش . . "

"نہیں . . "۔ بہرام نے رپورٹ دینے کو منع کیا۔ وہ بہرام کو انسدادِ منشیات کے خفیہ محکمے کا افسرِ اعلیٰ سمجھتا تھا۔ "انہیں بلا کسی روک ٹوک کسٹمز سے گزار دو"۔

"لیکن سر . . "

"لیکن ویکن کچھ نہیں . . ان لوگوں کو احساس بھی نہ ہونے پائے کہ وہ ہماری نگاہ میں مشکوک ہیں"۔ یہ کہتے ہُوئے بہرام نے ریسیور رکھ دیا۔

اسے کچھ دیر پہلے ہی یہ اطلاع ملی تھی کہ مختلف ممالک کے محکمۂ سُراغ رسانی کے سربراہ جعلی نام اور نقلی پاسپورٹ استعمال کر کے نیویارک پہنچنا شروع ہو گئے ہیں۔ بظاہر وہ اپنے اپنے ملکوں کے دفاتر برائے اقوامِ متحدہ کے کام سے آئے تھے لیکن بہرام کو یہ بھی معلوم ہُوا تھا کہ ان سب نے کل رات ہی واپسی کے لیے ٹکٹ محفوظ کرا لیے ہیں۔ گویا نیلام کل ہو گا مگر کہاں؟

"کل . . "۔ بہرام غرّایا۔ وقت بہت تیزی سے گزر رہا ہے۔ اس نے سوچا۔ شہزاد پر اب ایک ایک پل بھاری ہو گا . . امریکا کے لیے ایک ایک لمحہ قیمتی ہے۔

بہرام کھڑکی کے قریب جا کھڑا ہُوا۔ وہ چٹانوں سے ٹکرانے والی سمندری موجوں کے قہقہے باآسانی سن سکتا تھا۔ اسے آج یہ احساس ہُوا کہ ناکامی اور کامیابی کے درمیان کتنا مختصر سا فاصلہ ہوتا ہے۔ وقت اس کا غلام نہیں تھا . . اور اگر وقت گزر گیا تو ٹائیگر کی تنظیم کی ساکھ کا بُری طرح ٹوٹ جانے گا۔ کیا شہزاد ناکام بھی ہو سکتا ہے؟ اس نے خود کلامی کے انداز میں کہا اور مضطرب ہو کر کمرے میں ٹہلنے لگا۔

سورج نصف النہار پر پہنچ چکا تھا۔

اچانک ایک بار پھر فون کی گھنٹی بج اُٹھی "ہیلو . "۔ بہرام نے لپک کر ریسیور اُٹھاتے ہُوئے کہا۔

"وہ مر چکی ہے"۔ دوسری طرف سے شہزاد کی آواز سُنائی دی۔

بہرام نے ایک طویل سانس لی اور فکرمندی سے بھرپور لہجے میں بولا "اور نیلام کل ہو رہا ہے"۔

"کہاں؟" شہزاد کے لہجے میں بھی بے چینی تھی۔

"ابھی تک کچھ پتہ نہیں چل سکا"۔ بہرام نے کہا "ٹینا کے مرنے کے بعد اب شاید وہ نیلام ملتوی کر دیں"۔

"ناممکن . . "۔ شہزاد نے جواب دیا "ٹینا محض ایک آلۂ کار تھی . . اصل ڈوریاں کوئی اور ہی ہلا رہا ہے"۔

"وہ کون ہے؟" بہرام مضطرب ہو گیا۔

"معلوم نہیں . . لیکن میں جلد ہی اس کا پتہ چلا لوں گا"۔ گویا . . ہم ابھی تک منزلِ مقصود کے قریب نہیں پہنچ سکے"۔ بہرام کے لہجے میں مایوسی تھی۔

"فکر نہ کریں چیف"۔ شہزاد نے اسے تسلی دی "کل تک ان سب کو باندھ لیا جائے گا۔ نیلام کے بارے میں بھی فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ اب سب کچھ مجھ پر چھوڑ دیں"۔

"ٹھیک ہے شہزاد! سارا دارومدار ہمیشہ کی طرح آج بھی تمہاری ذات پر ہے . . مجھ سے رابطہ رکھنا"۔ بہرام نے بھرائی ہُوئی آواز میں کہا اور ریسیور رکھ دیا۔

شہزاد سے گفتگو کر کے اس کے دل کا بوجھ کچھ ہلکا ہو گیا تھا "یہ کچھ نہ کچھ ضرور کر دکھائے گا"۔ بہرام بڑبڑایا اور پُراعتماد انداز میں میز پر گھُونسا مارا . . اسی لمحے تیسرے فون کی گھنٹی بجنے لگی وہ اسی فون سے بچنا چاہ رہا تھا۔ اس نے فون کی طرف دیکھا اور پھر سے ریسیور اُٹھانا ہی پڑا۔

"یس . . "۔ اس نے ماؤتھ پیس کو مُنہ سے ذرا دُور رکھتے ہُوئے کہا۔

دوسری طرف سے کوئی پُورے تیس سیکنڈ تک بولتا رہا۔

اس دوران بہرام کے چہرے پر کئی رنگ آ کر گزر گئے اور پھر اس نے کھنکار کر اپنا گلا صاف کیا "جناب صدر! میں اتنی بلند، گفتگو کا عادی نہیں ہوں لیکن آپ چونکہ ایک قومی مسئلے کی وجہ سے پریشان ہیں لہٰذا میں آپ کے لہجے کا بُرا نہیں مانوں گا۔ میں آپ کو آخری مرتبہ یقین دلا رہا ہوں کہ سب کچھ ہمارے ہاتھ میں

ہے . . میرا آدمی، سازشیوں کے گرد گھیرا تنگ کر رہا ہے"۔ یہ کہہ کر اس نے ریسیور رکھ دیا۔

وہ دوسری طرف سے بولنے والے کی مزید باتیں سُننا نہیں چاہتا تھا۔ امریکا میں اپنا ہیڈ کوارٹر زبنانے کے بعد بہرام کو سب سے زیادہ امریکی صدر کے لہجے سے کوفت ہُوئی تھی اور اسی بات نے اُسے مجبور کر دیا کہ وہ دوسرے ممالک کے لیے بھی کام کرے اور شہزاد ٹائیگر پُوری دُنیا میں انسانیت کے علمبردار ہی کی حیثیت سے نام پیدا کرے۔ بہرام نے حالیہ تفصیل کو امریکی صدر سے پُرشیدہ رکھا تھا کیوں کہ صورتِ حال ایسی تھی کہ خود امریکی صدر بھی ان غیر معمولی ذہین اور طاقت وَر مجرموں کا آلۂ کار ہو سکتا تھا۔

ہ

شہزاد نے بہرام کو جو یقین دہانی کرائی تھی اس کا شہزاد کے پاس کوئی جواز نہیں تھا۔ اس نے ڈاکٹر ٹینا کے قتل ہونے کے بعد اس کے دفتر میں رکھی ہُوئی تمام فائلیں ایک بار نہیں بلکہ تین تین مرتبہ پڑھیں لیکن فائلوں سے کوئی ایسی بات معلوم نہ ہو سکی جو نیلام گھر اور نیلام کرنے والوں تک پہنچنے کے لیے کارآمد ثابت ہوتی۔ وہ تھک کر ٹینا کی کُرسی پر بیٹھ گیا۔

اس کے چاروں طرف کاغذات بکھرے ہُوئے تھے۔

اس نے غصّے میں آ کر میز پر رکھی ہُوئی فائلوں کو ہوا میں اُچھار کر فرش پر پھینک دیا اور پھر کاؤچ کی طرف دیکھنے لگا جس پر ٹینا کی سیکرٹری بندھی پڑی تھی۔

شہزاد کو ٹینا کی فائل کیبنٹ میں دوسرے مریضوں کی طرح اپنی اور اُوشان کی فائل بھی ملی تھی۔ ٹینا نے اس کی فائل پر لکھا تھا کہ مریض جارحانہ انداز فکر کا حامل ہے . . لیکن ان فائلوں میں جنرل بلیک، کرنل اینڈرسن یا ایڈمرل جیمز کی کوئی فائل نہیں تھی۔

شہزاد سوچ رہا تھا کہ ٹینا انتہائی خفیہ فائلیں کہیں اور رکھتی ہو گی۔ جب اسے یقین ہو گیا کہ وہ صحیح سمت میں سوچ رہا ہے تو وہ اُٹھا اور کاؤچ کی طرف بڑھ گیا جس پر ٹینا کی وہ سیکرٹری دراز تھی جس نے پہلی ہی ملاقات میں شہزاد کے ساتھ کچھ وقت گزارنے کی خواہش ظاہر کی تھی۔

کاؤچ پر بندھی ہُوئی لڑکی نے شہزاد کو اپنی طرف آتے دیکھا تو اس کی نیلی نیلی آنکھیں خوف کی وجہ سے دُھندلا سی گئیں۔

ڈاکٹر ٹینا نے اپنے حُسن کی مناسبت سے، اپنے لیے ایسی ہی حسین سیکرٹری کا انتخاب کیا تھا۔

شہزاد لڑکی کے قریب رُک کر دیر تک اس کی نیلی آنکھوں

میں جھانکتا رہا۔ لڑکی کی حسین اور بڑی بڑی آنکھیں پکار پکار کر کہہ رہی تھیں کہ وہ ایک بھرپور عورت ہے۔

لڑکی کے بازو اس کی پیٹھ پر بندھے ہوئے تھے۔ شہزاد نے ہاتھ باندھنے کے لیے اسکاچ ٹیپ استعمال کی جس کے کئی پیکٹ کمرے ہی میں مل گئے تھے۔ مُوا یہ تھا کہ شہزاد ٹینا کے مرنے کے بعد اس کی دراز یں کھول کر تلاشی لینے میں مصروف تھا کہ اچانک ہی سیکرٹری آن ٹپکی چنانچہ شہزاد کے پاس اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہ رہا کہ وہ اس حسین گڑیا کو بے دردی سے دو تین ہاتھ رسید کرنے کے بعد باندھ کر اسی کمرے میں ڈال دے۔

شہزاد نے گہری نگاہ سے لڑکی کا جائزہ لیا۔ وہ ہلکا سا تنگ سوئیٹر پہنے ہوئے تھی جس کے بٹن پشت پر ہاتھ بندھ جانے کے باعث ٹوٹ گئے تھے۔

شہزاد کاؤچ کے قریب بیٹھ گیا۔ اس کا ایک ہاتھ سرک کر لڑکی کے ہاتھ پر جم گیا۔ لڑکی کا جسم ایک لمحے کے لیے کانپ کر ساکت ہو گیا۔ وہ مزید پیش قدمی کی منتظر تھی لیکن شہزاد خفیہ فائلوں کے بارے میں بات کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ اُسے اس حسین و جمیل سیکرٹری سے فی الحال کوئی اور دلچسپی نہ تھی۔

"کیا تم جانتی ہو کہ میں کون ہوں؟" شہزاد نے سرگوشی کی۔

لڑکی نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"میں ایک قاتل ہوں۔" اس نے خوفناک لہجے میں کہا۔

لڑکی کی آنکھوں میں خوف ناچنے لگا لیکن اسی کے ساتھ شہزاد کا ہاتھ مزید آگے سرکا تو سیکرٹری کی آنکھوں سے خوف غائب ہو گیا اور اس کے ہونٹ کانپنے لگے۔

"کیا تم نے میری فائل نہیں دیکھی؟"

لڑکی نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اس کی نظریں فائل کیبنٹ کی طرف تھیں۔

"میری فائل وہاں نہیں ہے۔ ڈاکٹر ٹینا اہم فائلیں کہاں رکھتی تھی؟"

لڑکی محض سر ہلا کر رہ گئی چنانچہ شہزاد نے اس کی نسوانیت سے فائدہ اُٹھانے کا فیصلہ کیا۔ اس نے اپنی آنکھوں میں بے پناہ پیار سمیٹ لیا۔ لڑکی کی آنکھیں بھی مسکرانے لگیں اور وہ خود فراموشی میں مبتلا ہونے لگی۔

"ایک بار پھر سوچ، گڑیا۔۔۔ فائلیں کہاں ہیں؟" شہزاد نے سرگوشی کی اور لڑکی کے ہونٹوں سے اسکاچ ٹیپ ہٹا دی۔

"بتاؤ ڈارلنگ۔۔۔؟" شہزاد نے اس مرتبہ انتہائی خوابناک لہجے میں درخواست کی۔

"بعض مریضوں کی فائلیں انتہائی خفیہ ہوتی ہیں۔۔۔ اگر میں نے بتا دیا کہ کہاں رکھی ہیں تو ڈاکٹر مجھے نوکری سے نکال دے گی۔" وہ کسمسا کر بولی۔ اس کی آنکھیں جل رہی تھیں۔

"تم ٹینا کی فکر مت کرو۔" شہزاد نے کمالِ نرمی سے انکشاف کیا۔ "وہ مر چکی ہے۔"

"کک۔۔۔ کیا؟" لڑکی خود فراموشی کے باوجود کانپ گئی۔

"میں نے اسے قتل کر دیا ہے۔" شہزاد نے یوں مسکرا کر کہا جیسے ڈاکٹر ٹینا کی بجائے کسی مکھی کی ہلاکت کا تذکرہ کر رہا ہو۔

لڑکی عجیب انداز سے اُسے دیکھتی رہی۔

"مجھے فائل کی ضرورت ہے، سوئیٹ ہارٹ!" شہزاد نے لڑکی کی خاموش درخواست کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ "اس کے بعد ہی میں تمھارے بارے میں کچھ سوچ سکوں گا۔"

شہزاد نے یہ درخواست ایک ایسے وقت کی تھی جب کہ لڑکی اس سے بہت سی توقعات وابستہ کر چکی تھی۔ لڑکی نے انجانے جذبوں کی سرشاری میں اسے وہ جگہ بتا دی جہاں خفیہ فائلیں رکھی ہوئی تھیں۔

"ٹھیک ہے۔۔۔" شہزاد فوراً کھڑا ہو گیا اور اس نے لڑکی کے ہونٹوں پر ٹیپ کو دوبارہ چپکا دیا۔ ساتھ ہی اس نے لڑکی کی کنپٹی پر ہتھیلی سے خفیف سا دباؤ ڈالا۔

وہ بے ہوش ہو گئی۔

لڑکی نے شہزاد کو بتایا تھا کہ خفیہ فائلیں ٹینا کے بیڈ روم میں دیوار کے ساتھ نصب ایک لاکر میں ہوتی ہیں اور لاکر کی چابی ٹینا اپنے پاس ہی رکھتی ہے۔ شہزاد بیڈ روم میں واپس گیا۔ ٹینا کی لاش ابھی تک اسی حالت میں پڑی تھی تاہم خون رسنا بند ہو گیا تھا۔ اس کی آنکھیں یوں کھلی ہوئی تھیں جیسے وہ کسی کی منتظر ہوں۔۔۔ لیکن آنکھوں کی سحر انگیز چمک غائب ہو چکی تھی۔ خون اس کے جسم پر جمنے لگا تھا اور تمتمایا بھی اب ٹیڑھی ہو کر جسم کو چھو رہی تھی۔

شہزاد نے لاکر کی چابیاں تلاش کرنے میں وقت ضائع کرنا مناسب نہیں سمجھا بلکہ وہ سیدھا لاکر کی طرف گیا جس پر ایک مخصوص قفل لگا ہوا تھا۔ شہزاد نے قفل کا جائزہ لیا اور اس کے بازوؤں کے عضلات سخت ہو گئے۔ اس نے سانس روک کر قفل کو ہاتھ میں پکڑ لیا۔ اگر وہاں کوئی دیکھنے والا ہوتا تو یہی سمجھتا کہ شہزاد نے قفل کو ہلکا سا جھٹکا ہی دیا تھا۔

قفل ٹوٹ گیا اور لاکر کے دروازے کھلتے چلے گئے۔

لاکر میں تین ریک تھے جن میں سُرخ فائلیں رکھی ہوئی تھیں۔ شہزاد نے تمام فائلیں نکالیں اور ڈاکٹر ٹینا کے دفتر میں پہنچا دیں۔ اس کے بعد وہ کاؤچ کے قریب ہی قالین پر بیٹھ کر فائلیں کھول کھول کر پڑھنے لگا۔ اسے یقین تھا کہ ان فائلوں میں کچھ نہ کچھ ضرور ملے گا لیکن کیا مل سکتا ہے؟ اس کا جواب خود شہزاد کے پاس بھی نہیں تھا۔

پہلی فائل میں کچھ نہ ملا۔

یہ کسی ایسے مریض کی فائل تھی جو اپنی بہن کے ساتھ بے پناہ جذباتی تعلق رکھنے کی وجہ سے ذہنی مریض بن گیا تھا۔ شہزاد نے گہری دلچسپی سے یہ فائل پڑھی۔ فائل کے آخر میں زرد رنگ کے ایک صفحے پر نسوانی طرزِ تحریر میں مریض کا نفسیاتی تجزیہ درج تھا۔ شہزاد نے پڑھنے کے بعد یہ فائل پھینک دی۔

فائل نمبر دو سے نمبر تیرہ تک کوئی کام کی بات معلوم نہ ہو سکی۔ یہ سب فائلیں اصلاحِ کام کے بارے میں تھیں اور سب کے سب کسی نہ کسی نفسیاتی یا جسمانی مرض میں مبتلا تھے۔ ہر فائل میں پیتھالوجی ٹیسٹ اور نفسیاتی تجزیوں کی رپورٹیں بھی منسلک تھیں۔

شہزاد نے ہر وہ فائل دیکھ لی جس پر نمبر پڑا ہوا تھا۔ آخر میں صرف ایک ایسی فائل بچی، جس پر کوئی نمبر نہیں تھا۔ شہزاد کی پوری توجہ اب اسی فائل پر تھی۔ یہی فائل اُمید افزا ثابت ہو سکتی تھی۔

اس نے فائل کھول لی۔

اس فائل میں نہ تو کسی مریض کے کوائف تھے اور نہ ہی کوئی رپورٹ تھی۔ فائل میں ڈاکٹر ٹینا کی تحریر میں چھ صفحات لکھے ہوئے تھے۔ ہر صفحے پر سرکاری افسروں کی ترتیب وار فہرست تھی۔ پہلے صفحے پر نظر پڑتے ہی شہزاد ہنس پڑا۔

یہ وہی نام تھے جن کی ذاتی فائلیں فرش پر بکھری پڑی تھیں۔ شہزاد احتیاط سے اس فائل کا مطالعہ کرنے لگا۔

ہر نام کے آگے نمبر لکھا ہوا تھا۔ نمبر کے بعد متعلقہ شخص کا سرکاری عہدہ اور ٹیلی فون نمبر درج تھا۔ ٹیلی فون نمبر کے بعد وہ رقم تحریر تھی جسے ٹینا نے بطور فیس وصول کیا تھا۔ بعض لوگوں نے پچاس منٹ کی فیس دو سو ڈالر تک ادا کی تھی۔ فیس کے بعد ایک اور کالم تھا اور یہی کالم شہزاد کی دلچسپی کا باعث بنا۔

سب سے پہلا نام اسسٹنٹ سیکرٹری ڈیفنس کا تھا اور اس نام کے بعد آخری کالم میں لکھا تھا: "سربستہ رازوں کا انکشاف کر سکتا ہے، اہم کاغذات کی نقول تیار کر لی گئیں۔"

دوسرا نام وزارتِ خزانہ کے ایک اعلیٰ افسر کا نکلا، اس کے آگے لکھا تھا: "فورٹ نوکس گولڈ کی تفصیل حاصل کی گئی۔"

شہزاد تیزی سے فائل کا مطالعہ کرنے لگا۔

فائل میں جنرل بلیک، کرنل اینڈرسن اور بیبن کے نام بھی نظر آئے۔ ان ناموں کے آگے وہ کام لکھے ہوئے تھے جو ان لوگوں سے لیے گئے تھے۔

نمبر ایک تا بہتر، ہر نام چونکا دینے والا تھا۔

شہزاد نے کاغذات فائل سے الگ کر کے اپنی جیب میں ٹھونس لیے۔ بہرام ان کاغذات کا زیادہ بہتر طور پر استعمال کر سکتا تھا۔۔۔ پھر شہزاد چونک سا گیا۔ اس کے پاس بہتر ناموں کی فہرست تھی لیکن اس کے سامنے بہتر فائلیں پڑی ہوئی تھیں اس نے آخری فائل ایک بار پھر اُٹھائی، اسے کھولا اور ایک مرتبہ پھر اس فائل کو پڑھنے لگا جسے اس نے محض طبی اصلاحات کی فائل سمجھ کر چھوڑ دیا تھا۔

اس فائل میں وہ سب کچھ تھا جس کی کسی بھی وقت شہزاد کو ضرورت پڑ سکتی تھی۔ یہ فائل ٹینا کے ساتھی یا باس سے متعلق تھی۔ شہزاد نے فائل پر لکھا ہوا نام پڑھا اور دوبارہ فائل کے مطالعے میں مصروف ہو گیا۔

فائل میں ٹینا نے سب کچھ لکھ دیا تھا۔ یہ بھی لکھا کہ ڈاکٹر ٹینا لوگوں کو ہپناٹزم کے ذریعے قابو میں کرتی تھی اور اس سے قبسل انہیں جذباتی اشتعال میں مبتلا کر کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیتوں سے محروم کر دیتی تھی۔ فائل میں یہ بھی درج تھا کہ ٹینا کا شکار راہنما کام مکمل کرتے وقت گنگناتا کیوں ہے۔ فائل کے آخری پیراگراف سے ظاہر ہوتا تھا کہ ڈاکٹر ٹینا اس شخص سے محبت کرتی تھی جس کے بارے میں فائل بنائی گئی تھی اور یہی شخص وہ ہولناک نیبلام کر رہا تھا۔

شہزاد نے یہ تمام کاغذات فائل سے نکال کر جیب میں ٹھونس لیے اور پھر فائلوں کے اوپر سے ہوتا ہوا کاؤچ کی طرف آیا۔۔۔ لڑکی ایک بار پھر ہوش میں آ رہی تھی۔

"آرام کرو گڑیا۔" شہزاد نے اس کی آنکھوں میں جھانک کر کہا۔ "میں کسی کو بھیج کر تمہیں آزاد کرا دوں گا۔ تم سے ملاقات کبھی نہ کبھی ضرور ہو گی۔۔۔ یہ میرا وعدہ ہے۔" یہ کہہ کر اس نے لڑکی کی کنپٹیاں دبائیں اور وہ ایک بار پھر بے ہوشی میں ڈوب گئی۔

شہزاد ہیومن لیبارٹری کی چھٹی منزل پر واقع ایک مریض کے کمرے میں گھس گیا۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی اسے ٹھک... ٹھک... کی آواز سنائی دی۔ یہ مانوس آواز تھی لیکن کس چیز کی؟ ... اس بارے میں شہزاد فوراً ہی کوئی فیصلہ نہ کر سکا۔

"بھاگ جاؤ..." مریض دھاڑا۔ "میں بہت مصروف ہوں۔"

"میں بھی ایک ضروری کام سے آیا ہوں، لیری گرانڈ۔" شہزاد نے مسکرا کر کہا۔

موٹا لیری گرانڈ کمرے کے وسط میں کھڑا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھوں میں ڈارٹ تھے۔ لیری گرانڈ نے پلٹ کر شہزاد کو دیکھنے کی زحمت نہیں کی کیوں کہ اگر وہ پلٹ کر دیکھنا چاہتا تو اسے اپنے چوڑے گھیر کے وجود کو دو تین قدم آگے بڑھا کر گھومنا پڑتا۔ اس کی موٹی رانیں، بھاری بھرکم ہاتھ اور چوڑی پشت کمرے کے ماحول میں اسے عفریت بنا کر پیش کر رہی تھی۔ ایک ایسا عفریت جو سیاہ فام ہونے کے باعث بقایا احساسِ کمتری میں مبتلا تھا۔

لیری گرانڈ نے پورے وجود کو تکلیف دینے کے بجائے گردن گھما کر شہزاد کی طرف دیکھا۔

"بھاگ جاؤ..." وہ پھر غرایا۔

شہزاد نے اس کی غراہٹ نظر انداز کر دی... بلکہ چند قدم آگے بڑھ گیا۔ اس نے دیکھا کہ کمرے میں ڈاکٹر ٹینا کی قدِ آدم تصویر رکھی ہوئی ہے اور اسی تصویر پر لیری گرانڈ ڈارٹ کھیل رہا تھا۔

... اور ٹینا ڈارٹ کی سوئیاں جسم پر سجائے مسکرا رہی تھی۔ تصویر ایسی تھی جیسے ڈاکٹر ٹینا زندہ ہو۔ اس کی مسکراہٹ بھی زندہ تھی۔ ٹینا تصویر میں ایک ادائے دلنوازی کے ساتھ بیٹھی تھی۔ اس کی آنکھوں میں ڈارٹ کی سوئیاں چبھی ہوئی تھیں۔ اس کے پیٹ میں بھی تین سوئیاں پیوست نظر آئیں۔

"شہزاد..." لیری گرانڈ کو دیکھنے لگا۔

"میں نے کہا ہے کہ مجھے تنہا چھوڑ دو۔" لیری گرانڈ نے محسوس کر لیا کہ شہزاد نے ٹینا کی تصویر اور اس کا مشغلہ دیکھ لیا ہے۔

"میں سن چکا ہوں۔" شہزاد نے جواب دیا۔

لیری گرانڈ نے ایک ہاتھ بلند کیا۔ اس ہاتھ میں ڈارٹ کی سوئی تھی جو لکڑی کے ٹکڑے سے منسلک تھی۔ دائیں ٹانگ... وہ بڑبڑایا اور ڈارٹ اس کے ہاتھ سے نکل کر ٹینا کی ٹانگ میں چبھ گئی۔

"کھیل ختم ہو چکا ہے، لیری گرانڈ۔" شہزاد نے دھیرے سے کہا۔

"تو اس چڑیل نے تمہیں سب کچھ بتا دیا؟" لیری گرانڈ نے اس مرتبہ ڈاکٹر ٹینا کے مُنہ کا نشانہ لیتے ہوئے کہا۔

"نہیں... وہ کچھ بھی نہ بتا سکی۔ اس نے ایک بھی لفظ ادا کیے بغیر جان دے دی۔"

"میں جانتا تھا کہ وہ زبان نہیں کھولے گی۔" لیری گرانڈ نے ایک طویل سانس لی اور اس کا جسم لرز سا گیا۔

"لیکن لیری گرانڈ! تم نے اس ملک کے خلاف اتنی گھناؤنی سازش کیوں کی؟ کیا اس لیے کہ تمہیں ایک سفید فام ٹریفک کانسٹیبل کی وجہ سے پوری رات حوالات میں گزارنا پڑی تھی؟"

"رُخسار..." لیری گرانڈ چلایا اور ڈارٹ اس کے ہاتھ سے پھسلا کر ٹینا کے رُخسار میں چبھ گئی۔ "نہیں... صرف ٹریفک کانسٹیبل کی وجہ سے نہیں شہزاد۔" اس نے شہزاد کی بات کا جواب دیا۔ "صرف اس وجہ سے کہ تمہارا ملک ہم لوگوں کی صدیوں سے استحصال کرتا رہا ہے۔ میں حساب برابر کرنا چاہتا تھا۔"

"تمہارے لوگوں کا استحصال؟" شہزاد نے زہریلے لہجے میں کہا۔ "شاید تم نے یہ نہیں سوچا کہ اگر تمہاری سازش کامیاب ہو جاتی تو سفید فاموں کے علاوہ سیاہ فام بھی کسی اور طاقت کے غلام بن سکتے تھے۔"

"میں یہی دیکھنا چاہتا تھا کہ کوئی اور قوم ہم سے کس طرح پیش آتی ہے۔" لیری گرانڈ نے ڈبے سے مزید ڈارٹ نکالتے ہوئے کہا۔

شہزاد نے کوشش کی تھی کہ لیری گرانڈ اور اس کے درمیان آٹھ فٹ سے کم فاصلہ نہ ہو۔

"بایاں انگوٹھا..." لیری گرانڈ نے چیخ کر کہا اور ڈارٹ اس کے ہاتھوں سے نکل کر ٹینا کی تصویر کے بائیں انگوٹھے میں پیوست ہو گئی۔

"یہ منصوبہ کس نے تیار کیا تھا، ٹینا نے یا..."

"صرف میں نے..." لیری گرانڈ نے جواب دیا۔ "وہ اتنی ذہین نہیں تھی کہ ایسا شاندار منصوبہ بنا لیتی... میں یہاں فزیکل تھراپی کرانے آیا تھا اور یہیں میں نے سوچ سمجھ کر منصوبہ تیار کیا۔ میں نے ٹینا کو دیکھتے ہی اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ اپنے حسن کے جادو کے باعث بہت کارآمد ثابت ہو سکتی ہے۔"

"تم نے اسے منصوبے میں کس طرح شامل کر لیا... وہ تیار کیسے ہو گئی؟"

"وہ مجھ سے محبت کرنے لگی تھی۔" لیری گرانڈ نے جواب دیا۔

"اور تم نے لوگوں کو جال میں پھانسنے کے لیے اس شراب میں خاص ادویہ کی ملاوٹ کی جسے وہ لوگوں کو پینے کے لیے دیتی تھی۔ اس نے ہپناٹزم کا فن بھی استعمال کیا؟"

"ہاں... لیکن سب سے پہلے وہ اپنے حُسن کے جادو سے کام لے کر لوگوں کے ذہن کو قابو میں کر لیتی تھی... نہ جانے لوگ اس کے سحر میں کیوں مبتلا ہو جاتے تھے۔ میرے لیے تو وہ کسی خاص توجہ کی مالک نہیں تھی۔"

"لیکن ہپناٹزم کے تحت کسی کو زیادہ عرصے قابو میں نہیں رکھ سکتے۔" شہزاد نے اعتراض کیا۔

"یہ کہنا محض حماقت ہے کہ میں اور ٹینا محض ہپناٹزم سے کام لیتے رہے ہیں۔" لیری گرانڈ نے کہا۔ "ہم نے سائنسی انداز اختیار کیا۔ سائنس اور نفسیات کو جذباتی خواہشات کے ساتھ منسلک کر دیا۔ اگر تم کسی شخص سے کام لینا چاہتے ہو تو اسے یقین دلا دو کہ وہ کام بالکل جائز اور ضروری ہے۔ مثال کے طور پر... گولف کلب میں جس کرنل نے تم پر حملہ کیا اُسے ہپناٹزم کے ذریعے یقین دلا دیا گیا تھا کہ تم ایک غیر ملکی جاسوس ہو... اور جنرل بلیک... اسے یقین تھا کہ وہ سینٹ لوئیس کی بجائے دشمن ملک پر بم گرا رہا ہے۔ ایڈمرل جیمز! اسے یقین دلایا گیا کہ جمہورِ آزادی ان لوگوں کی کمین گاہ بن چکا ہے جو ملک کے خلاف سرگرم ہیں... جب ان لوگوں کو یقین ہو گیا کہ وہ اپنے ملک کے مفاد میں کام کر رہے ہیں تو کوئی طاقت انہیں اس کام سے روک نہیں سکتی تھی۔"

"اور وہ دُھن..." شہزاد نے پوچھا۔

"یہ ایک لطیف سی تجویز تھی۔" لیری گرانڈ نے مسکرا کر کہا۔ "ہم نہیں چاہتے تھے کہ ہمارا کوئی شکار کام کرتے ہوئے مرتے وقت کوئی ایسا لفظ ادا کر جائے جس کے باعث ہم ناکام ہو جائیں... چنانچہ ٹینا، عملِ توجہ کے ذریعے انہیں ایک ایسا گیت یاد کرا دیتی تھی جو ان کے لاشعور میں اس ہدایت کے ساتھ محفوظ ہو جاتا کہ کام کرتے وقت وہ یہ گیت گنگنائیں گے۔"

"شاندار..." شہزاد داد دیے بغیر نہ رہ سکا۔ "میں تمہاری ذہانت کا معترف ہو گیا ہوں، لیری گرانڈ... اب صرف یہ بتا دو کہ نیلام کہاں ہو رہا ہے؟"

لیری گرانڈ نے اس سوال کو نظر انداز کر دیا۔ "صرف ایک بات

میرے اضطراب کا باعث ہے، شہزاد۔" اس نے عجیب لہجے میں کہا۔ "میں نے اس ملک کی انتظامیہ کے ستونوں کو اپنا بنا لیا تھا لیکن افسوس میں نے تمہیں نظر انداز کر دیا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ حکومت کے کسی بھی اعلیٰ افسر کو تمہارے وجود کا علم نہیں تھا ہمیں بھی علم نہ ہو سکا... پھر جب ہماری مہم شباب پر پہنچی تو اچانک ہی ایک ایسی تنظیم کے وجود کا علم ہوا جس کی اصل طاقت صرف تمہاری ذات ہے... اور اب... اب اگر تم زندہ رہنا چاہتے ہو... اگر تم اپنی آنکھوں، کنپٹی یا دل کو ڈارٹ کی ان مہلک سوئیوں سے محفوظ رکھنا چاہتے ہو، جو میرے ہاتھ میں ہیں، تو بتا دو کہ تم کہاں سے آن ٹپکے ہو اور تمہاری تنظیم کا نام کیا ہے؟"

شہزاد نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔ "لیری گرانڈ... تم ہارے ہوئے مہرہ ہو۔" اس کا لہجہ تضحیک آمیز تھا۔

یہ قہقہہ لیری گرانڈ کو مشتعل کر گیا۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ بلند کیے... وہ شہزاد سے آٹھ فٹ دُور تھا۔ شہزاد نے اس کے ہاتھوں پر نگاہ رکھی۔ ڈارٹ کی دونوں سوئیاں سنسناتی ہوئی شہزاد کی آنکھوں کی طرف آنے لگیں۔

شہزاد اپنی جگہ ساکت کھڑا رہا... جب ڈارٹ کی نوکدار سوئیاں نے چار فٹ کا فاصلہ طے کر لیا تو شہزاد کے دونوں ہاتھ اپنی آنکھوں کے قریب آئے... ڈارٹ کی سوئیاں آنکھوں سے ایک فٹ دُور رہ گئیں تو اس کے ہاتھ حرکت میں آئے اور اس نے انہیں چٹکیوں میں تھام لیا۔

لیری گرانڈ کا مُنہ حیرت کی زیادتی کے باعث کھلا رہ گیا۔ اس نے ڈارٹ کے ڈبے کی طرف لپکنے کی کوشش کی لیکن ابھی اس کا دایاں ہاتھ ڈبے تک ہی پہنچا تھا کہ شہزاد نے جوابی حملہ کر دیا۔ ڈارٹ کی طویل نوکدار کیل لیری گرانڈ کے موٹے ہاتھ میں آر پار ہو گئی۔ وہ کسی زخمی بھیڑیے کی طرح غرایا۔

"پنڈلی..." شہزاد کی آواز کمرے میں گونجی اور لیری گرانڈ اپنے زخمی ہاتھ کو بھول کر پنڈلی پکڑتا ہوا ڈھیر ہو گیا... کمرے کے فرش پر لیری گرانڈ کا وجود گوشت کے کسی متحرک پہاڑ کی طرح لگ رہا تھا۔

گرانڈ نے تڑپتے ہوئے، ہاتھ میں چبھی ہوئی کیل نکالی اور ڈکراتا ہوا پھر ڈھیر ہو گیا۔ ہاتھ سے خون کا فوارہ چھوٹ رہا تھا۔ پنڈلی والی کیل ٹخنے کو چھید کر آر پار ہو چکی تھی۔ اس کا موٹے قالین پر گرا ہوا خون ایک تہائی میں آ گھسی اور وہ شدتِ تکلیف

سے تڑپتا رہا۔

"اوہ کے، سوئیٹ ہارٹ۔" شہزاد نے مسکرا کر کہا۔ "اب بتاؤ کہ نیلام کہاں ہوگا؟"

گرانڈیوں لمبے لمبے سانس لے رہا تھا جیسے اسے سانس لینے میں دقت محسوس ہو رہی تھی۔ ہاتھ اور پنڈلی خون سے تر تھی۔ سینہ ٹھوڑی سے لگ گیا تھا۔ اس کے باوجود اس نے جواب دینے سے انکار کر دیا۔

شہزاد نے آگے جھک کر ڈبے سے ایک اور ڈارٹ نکالی . . . اور یہ ڈارٹ لیری گرانڈ کی بغل میں اُتر گئی۔ . . گرانڈ نے ایک دلدوز چیخ ماری اور بُری طرح تڑپنے لگا۔ بغل کے گوشت میں پوری کیل غائب ہو گئی، صرف لکڑی کا ٹکڑا ہی باہر رہ گیا تھا۔

"بولو لیری گرانڈ۔ . ." شہزاد غرایا۔ "نیلام کہاں ہو رہا ہے . . . ورنہ میں اب تمہارے جسم کے اس حصّے کو نشانہ بناؤں گا، جسے زخمی . . ."

"تم . . . تم . . . مجھے قتل نہیں کر سکتے۔" لیری گرانڈ بولا۔ "میں انٹیی توانائی کا ماہر ہوں۔"

"جنرل بلیک اور ایڈمرل جیمز بھی اپنے شعبوں کے ماہر تھے، لیری گرانڈ۔" شہزاد نے جواب دیا۔ "تم نے ان کی جان لینے میں کوئی رعایت نہیں کی . . . میں تمہیں کتے کی موت مارنے سے بھی باز نہیں رہوں گا۔"

"پولیس کو بُلاؤ . . ." لیری گرانڈ تڑپ کر بولا۔ "مجھے پولیس کے حوالے کر دو . . . تم مجھے قتل نہیں کر سکتے۔ اگر میں سفید فام ہوتا تو تم اتنی بے دردی کا مظاہرہ کبھی نہ کر سکتے۔"

"تم مجھے کسی بھی رنگ میں ملتے، لیری گرانڈ۔ میں تب بھی تمہارے جسم کا ریشہ ریشہ الگ کر دیتا۔" شہزاد کے لہجے میں کسی بھیڑیئے کی سی غراہٹ تھی . . . اور پھر اس نے ڈارٹ کا کھیل کھیلنا شروع کر دیا۔

لیری گرانڈ کے چہرے پر دو کیلیں پیوست ہو گئیں . . . ران پر ایک کیل لگی . . . توند پر لگاتار تین کیلیں آ کر چبھ گئیں . . . لیری گرانڈ کسی ایسے سانڈ کی طرح ڈکرا رہا تھا جسے ذبح کیا جا رہا ہو۔ ایک اور ڈارٹ آئی . . . لیری گرانڈ نے ڈارٹ کے سامنے اپنا زخمی ہاتھ لانے کی کوشش کی لیکن وہ حلق میں گھس گئی۔ وہ کسی مُردہ چھپکلی کی طرح قالین پر چت لیٹ گیا۔ خون کے فوارے جسم کے مختلف حصّوں سے بہہ رہے تھے۔

شہزاد نے ایک اور ڈارٹ لیری گرانڈ کی شہ رگ کی طرف اُچھال دی۔

شہزاد جب اپنے کمرے میں واپس پہنچا تو اُوشان حسبِ عادت کنول کے آسن میں بیٹھا تھا۔ شہزاد نے کچھ کہنا چاہا مگر اُوشان نے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ اس وقت ٹیلی ویژن پر موسیقی کا پروگرام آ رہا تھا۔ کچھ دیر بعد اُوشان نے اُٹھ کر ٹی۔ وی کا سوئچ آف کر دیا۔

"کیا حال ہے، میرے مجازی باپ۔" شہزاد نے مسکرا کر کہا۔ "میرا خیال ہے، آپ یہاں بہت سکون سے ہیں؟"

"کسی حد تک میرے بچّے۔" اُوشان نے جواب دیا۔ "اس سکون گاہ میں تمہارا قیام کیسا رہا؟"

"بے حد تعجب خیز . . ." شہزاد نے خوش دلی سے کہا۔ "لیکن اب ہم اس پُرسکون عمارت کو خدا حافظ کہنے پر مجبور ہیں۔"

"گویا ہمارا کام ختم ہو گیا؟" اُوشان نے پوچھا۔

"کسی حد تک . . ." شہزاد نے جواب دیا۔ "ہم یہاں جس کام سے آئے تھے وہ البتہ ختم ہو گیا۔ اب ہمیں کہیں اور جا کر کچھ اور کام کرنا ہے۔"

"میں چند منٹ میں واپسی کے لیے تیار ہو جاؤں گا۔" اُوشان نے کہا اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

نصف گھنٹے بعد وہ اس عمارت سے اپنے ہوٹل واپس پہنچ گئے لیکن یہاں صرف اتنی دیر تک رُکے کہ ہوٹل کا بل ادا کر سکیں۔ شہزاد نے لفٹ مین کو سو ڈالر دیے تاکہ وہ اس کا سامان جرسی کے ساحل پر واقع ایک خوب صورت علاقے میں خفیہ پتے پر پہنچانے کے انتظامات کر دے اور پھر دونوں کرائے کی کار میں بیٹھ کر لافلنگٹن کے باہر ڈلاس ائیرپورٹ کی طرف روانہ ہو گئے۔

دوسری صبح وہ جلد ہی بیدار ہو گئے۔ اُوشان نے شہزاد کو ورزش کرائی . . . کچھ ہی دیر بعد شہزاد کمرے میں اتنی تیزی سے دوڑ رہا تھا کہ اس پر نگاہ جمانا مشکل ہو گئی۔ صبح کی اس ورزش سے شہزاد کے جسم میں بجلی سی بھر گئی۔

آج معرکے کا آخری دن تھا۔ شہزاد پھر کے کے اختتام کو قریب دیکھ کر نفاست سے شیو کرنے کا عادی ہو گیا تھا۔ اس نے شاندار سوٹ زیبِ تن کیا کیوں کہ آج اسے جہاں جانا تھا وہاں سوٹ کے بغیر جانا معیوب سی بات ہوتی۔

روانگی سے قبل اس نے ڈاکٹر ٹینا کی فائوں سے نکالے ہوئے کاغذات اُوشان کے حوالے کر دیے۔ "میری واپسی تک ان کاغذات کی اپنی زندگی سے زیادہ حفاظت کرنا، اُوشان۔" اس نے ٹھوس لہجے میں کہا۔

اُوشان نے کاغذات لے کر اپنے قریب ہی فرش پر ڈال دیے اور شہزاد کمرے سے نکل گیا۔

باہر ٹیلی فون بُوتھ میں گھس کر اس نے مطلوبہ نمبر تلاش کیا نمبر ڈائل کرتے ہی دوسری طرف سے ایک نسوانی آواز سنائی دی۔

"میں ایک سرمایہ کار ہوں . . . کیا آج میں آپ کی انجمن کے کسی عہدے دار سے مل سکتا ہوں؟" شہزاد نے خوش گوار لہجے میں کہا۔

"مجھے افسوس ہے، جناب! ہمارا دفتر آج سہ پہر تین بجے مرمت کے لیے بند ہو جائے گا۔" نسوانی آواز نے جواب دیا۔ "صرف مسٹر ڈیوڈ دفتر میں موجود رہیں گے تاکہ مرمت کی نگرانی کر سکیں۔"

شہزاد نے ریسیور رکھ دیا۔ "گویا نیلام تین بجے شروع ہو گا۔" وہ بڑبڑایا۔

اب اسے ان کاغذات کی اہمیت کا احساس ہو رہا تھا جو لیری گرانڈ کی جیب سے نکلے تھے۔ انہی کاغذات میں اس انجمن کا پتہ بھی تھا۔ اس نے سوچا کہ نیلام میں یقیناً کئی ملکوں کے نمایندے آئیں گے . . . اور وہاں پر مدعو مہمانوں کی بڑی تعداد میں ایک بن بُلائے مہمان کی بھی گنجائش نکل سکتی ہے۔

ٹھیک تین بجے شہزاد عالمی سرمایہ کاری کی انجمن کی عمارت کے آٹھویں فلور پر پہنچ گیا۔ عمارت میں واقعی مرمت کا کام جاری تھا لیکن آج مزدوروں کو تین گھنٹے پہلے ہی چھٹی دے دی گئی تھی۔

نویں منزل سے ایک لفٹ نیچے آئی اور باقی بچ جانے والے مزدور بھی چلے گئے۔ مزدوروں کے ساتھ آٹھویں منزل کے ہال پر۔ ایک نوجوان نظر آیا جس نے مزدوروں کو ہال سے نکال کر دروازہ بند کر دیا۔ شہزاد آٹھویں منزل ہی پر موجود رہا۔ پانچ منٹ بعد ہال سے فون کی گھنٹی بجنے کی آواز سنائی دی . . . کسی نے دوسری گھنٹی بجنے سے پہلے ہی ریسیور اُٹھا لیا۔

پانچ منٹ بعد ایک لفٹ نیچے سے آٹھویں منزل پر آ کر رُک گئی۔ دروازہ کھلا اور لفٹ نے مختلف قوموں کے آٹھ افراد اُگل دیے۔ شہزاد ایک کونے میں چھپ کر انہیں دیکھتا رہا۔ وہ جن جن قوموں کے ترجمان تھے ان کی علامات ان کے چہروں سے ٹپک رہی تھی۔ یہ لوگ ہال کے دروازے پر رُکے، ہال کا دروازہ کھلا اور وہ اندر چلے گئے۔

دروازہ پھر سے بند ہو گیا۔

شہزاد نے ہال کے دروازے پر جا کر کان ایک کواڑ سے لگا دیا لیکن وہ کوئی آہٹ یا آواز نہ سُن سکا۔ یقیناً وہ سب کے سب ہال میں بنے ہوئے کسی کمرے میں ہوں گے۔ شہزاد نے دروازہ کھولنے کے لیے ہینڈل گھمایا لیکن دروازہ اندر سے مقفل تھا۔ وہ ہال کے عقبی دروازے کی طرف گیا۔ یہ دروازہ دُھندلے شیشے کا تھا۔ شہزاد نے ایک سکّہ نکال کر دروازے پر دستک دی۔ دروازہ صرف اتنا کھُلا کہ اندر والا باہر جھانک سکے۔

"کون ہے؟" دروازہ کھولنے والے نے پوچھا۔

"مسٹر ڈیوڈ تشریف رکھتے ہیں؟" شہزاد نے پوچھا۔ اسے یقین تھا کہ ڈیوڈ نامی شخص عقبی دروازے کی بجائے مرکزی دروازے پر ہو گا۔

"ہاں . . . موجود ہیں۔"

"انہوں نے مجھے بلایا ہے۔" شہزاد بولا۔ ساتھ ہی ساتھ وہ اپنی ایک اُنگلی اس زنجیر کی طرف بڑھا رہا تھا جو دروازے اور چوکھٹ سے منسلک تھی۔ اسی زنجیر کے باعث دروازہ پوری طرح نہیں کھُل سکتا تھا۔ اس نے ایک جھٹکے سے زنجیر توڑ دی۔

دروازہ کھُل گیا . . .

وہ اندر گھُسا اور اس نے اس نوجوان کو دبوچ لیا جو اس کی راہ میں مزاحم ہونے کی کوشش کر رہا تھا۔

"تمہارا نام؟" شہزاد غرایا۔ اس کے دونوں ہاتھ نوجوان کے نرخرے پر تھے۔

"ڈیوڈ . . ." نوجوان نے شہزاد کی گرفت سے آزاد ہونے کی جدوجہد کرتے ہوئے کہا۔

شہزاد نے اسے ایک کرسی پر دھکیل دیا۔

"تمہیں اپنے بچّوں سے تو محبت ہو گی؟" شہزاد نے اس کی طرف جھک کر سرگوشی کی۔

ڈیوڈ اثبات میں سر ہلا کر رہ گیا۔

". . . تب پھر تم میرے بارے میں زبان بند رکھو گے، ورنہ تمہارے بچّے، باپ کے بغیر ہی پرورش پائیں گے۔" شہزاد نے دھمکی دی۔ یہ کہہ کر اس نے ڈیوڈ کی کنپٹی پر ہاتھ مارا . . .

ڈیوڈ بیس منٹ سے پہلے ہوش میں نہیں آ سکتا تھا۔

شہزاد نے ڈیوڈ سے نٹ کر دایاں کان ایک دیوار پر لگا دیا . . . اور پھر اس راہداری میں بڑھ گیا جو عقبی دروازے سے ہال اور کمروں کی طرف جاتی تھی۔ ہال میں کوئی نہ ملا . . . وہاں بالکل سناٹا تھا۔

ہال کے آخری حصّے پر ایک کمرے کا دروازہ تھوڑا سا کھُلا

نظر آیا شہزاد دبے پاؤں اس دروازے پر جا کھڑا ہوا۔ اب وہ اندر ہونے والی گفتگو آسانی سے سُن سکتا تھا۔

"حضرات!" شہزاد نے کسی کی آواز سُنی۔ "آپ سب نیلام کے ضابطوں کو ذہن نشین کر چکے ہیں۔ اب میں ہر کسی کی سربمہر پیش کش وصول کرنے کے دوسرے کمرے میں جاؤں گا۔ وہاں میں یہ لفافے کھولوں گا اور واپس آکر اس ملک کے نام کا اعلان کروں گا جس نے سب سے زیادہ بولی لگائی ہوگی۔ کامیاب ملک کے نمائندے کے سوا باقی تمام حضرات فوراً تشریف لے جائیں گے۔ ان کا زرِ ضمانت زرِ ضمانت واپس مل جائے گا۔ کامیاب ملک کا نمائندہ میرے موکل سے گفتگو کرے گا تاکہ سونا منتقل کرنے کے انتظامات کیے جا سکیں۔ آپ لوگ سمجھ گئے؟"

ہال میں موجود لوگوں نے یس، یس، ایہا، جاہا اور ڈا کی آوازیں نکالیں۔ ہر کسی نے اپنی زبان میں تائید کی تھی۔

"از راہِ کرم اپنے لفافے مجھے عنایت کر دیں۔" بولنے والے نے درخواست کی۔

شہزاد نے کرسیاں کھسکنے کی آوازیں سُنیں۔ لوگ نیلام کرنے والے کو سربمہر لفافے دے رہے تھے۔

"اب مجھے اجازت دیجئے تاکہ میں دوسرے کمرے میں جا کر بولیوں کا جائزہ لوں۔" کچھ دیر بعد لفافے وصول کرنے والے نے کہا۔

"ایک منٹ مسٹر گنشیر۔۔۔" بگڑی ہوئی انگریزی میں کسی نے کہا۔ "ہم پر کس طرح یقین کریں کہ آپ واقعتاً اس ملک کو کامیاب قرار دیں گے جس نے سب سے زیادہ بولی دی ہوگی۔ کیا آپ ہمیں بولی کی مالیت بتا دیں گے؟"

"نہیں۔۔۔" جواباً کہا گیا۔ "ہم کامیاب بولی کی مالیت بتانے کے پابند نہیں اور نہ ہی بتائیں گے کیوں کہ اس طرح کامیاب بولی دینے والا ملک سفارتی پریشانیوں میں مبتلا ہو سکتا ہے۔ آپ کا یہ شک غیر معقول ہے کہ ہم نیلام میں کوئی بے ایمانی کریں گے۔۔۔ کیوں کہ اگر ہم بے ایمانی کرتے تو نیلام عام نہ ہوتا بلکہ درونِ خانہ ہی سودا طے کر لیا جاتا۔ دوسری بات یہ کہ ہماری تنظیم، ۔۔۔ ہاؤس آف رعین برگ اور عالمی سرمایہ کاری کی انجمن کسی ایسے مالی کاروبار میں ہاتھ نہیں ڈالتی جس میں بے ایمانی یا دھاندلی کی ذرا سی بھی گنجائش ہو۔" گنشیر کی تقریر کے بعد خاموشی چھا گئی۔

شہزاد نے ایک کرسی کھسکنے کی آواز کے ساتھ ہی قدموں کی چاپ بھی سُنی۔

وہ دروازے سے ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ ایک شخص ہال کے دروازے سے نکلا۔ اس کے ہاتھ میں کئی لفافے تھے۔ وہ سیدھا سامنے والے کمرے میں گھس گیا۔ شہزاد نے ہال کی سی خاموشی سے اس کا تعاقب کیا۔

گنشیر دروازہ بند کرنے کے لیے پلٹا ہی تھا کہ شہزاد اس کے سر پر پہنچ گیا۔

"تم کون ہو؟" گنشیر گڑبڑا گیا۔

"میں ایک پرائی کار خریدنے کے لیے قرضہ لینے آیا ہوں۔" شہزاد نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"دفتر بند ہو چکا ہے۔۔۔ یہاں سے فوراً چلے جاؤ ورنہ میں پولیس کو بلا لوں گا۔" گنشیر نے دھمکی دی۔

"اوہ۔۔۔ اگر تم کار خریدنے کے لیے قرض نہیں دے سکتے تو میں کچھ اور خرید لوں گا۔۔۔ کوئی حکومت برائے فروخت ہو تو بتاؤ۔"

"کیا بکتے ہو؟" گنشیر نے بظاہر چیخنے کی کوشش کی تھی لیکن حیرت اور خوف کی وجہ سے اس کی آواز حلق میں پھنس کر رہ گئی تھی۔

"میں بک نہیں رہا ہوں، پیارے بلکہ نیلام میں حصہ لینے آیا ہوں۔"

"کس قوم سے تعلق رکھتے ہو؟" گنشیر نے تھوک نگل کر پوچھا۔

"اور تمہاری قوم نے زرِ ضمانت کیوں جمع نہیں کرائی؟"

"میرا تعلق فی الحال امریکی قوم سے ہے اور یہ قوم پورٹو، جنرل بلیک، اڈمرل جیمز اور کرنل اینڈرسن کی شکل میں زرِ ضمانت کے علاوہ پوری ادائیگی بھی کر چکی ہے۔" شہزاد کا لہجہ بے حد سفاکانہ تھا۔

گنشیر نے ایک طویل سانس لی۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ کھیل ختم ہو چکا ہے۔ وہ کسی سوئس بینکار کی طرح سودا طے کرنے کے لیے اپنی کرسی پر بیٹھ گیا۔

"مگر میرا موکل۔۔۔ اس کا کیا ہوا؟" گنشیر نے پوچھا۔

"وہ مر چکا ہے۔" شہزاد نے جواب دیا۔

"میری آج کل اس سے ملاقات نہیں ہوئی۔۔۔ وہ کیسا شخص تھا؟" گنشیر نے بے چینی سے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔

"وہ پاگل کتا تھا۔" شہزاد بولا۔ "لیکن میں تمہیں قتل نہیں کرنا چاہتا، مسٹر گنشیر۔ میری تجویز ہے کہ تم آج ہی سوئٹزرلینڈ واپس جا کر بینکوں کے کاروبار میں، دوبارہ مصروف ہو جاؤ۔ میں اپنا کام مکمل کر چکا ہوں۔"

"تب مجھے اجازت دو کہ میں کمرے میں واپس جا کر ان لوگوں کو بتا دوں کہ نیلام ختم ہو گیا ہے۔"

"نہیں۔۔۔" شہزاد نے کہا۔ "یہ کام مجھے کرنے دو۔" یہ کہہ کر

ں نے گنشیر سے تمام لفافے چھین لیے۔ اسی کے ساتھ اس نے پنا انگوٹھا گنشیر کی کنپٹی پر مارا۔ وہ فرش پر لڑھک گیا۔ شہزاد جانتا فا کہ وہ پندرہ منٹ سے پہلے بیدار نہیں ہو سکتا۔

شہزاد فوراً ہی نیلام گھر کی طرف چل دیا۔ لفافے اس کے ھ میں تھے۔ سولہ آنکھوں نے اسے حیرت سے دیکھا۔ یہ آنکھیں شیر کی منتظر تھیں لیکن اب گنشیر کی بجائے ایک خوب صورت نوجوان ن کے سامنے تھا۔

"موسیو گنشیر کہاں ہیں؟" کسی نے پوچھا۔

"وہ بیت الخلا میں ہیں لہٰذا مجھے آنا پڑا۔" شہزاد نے مضحکہ یز انداز میں جواب دیا۔ "انہوں نے مجھے نیلام مکمل کرنے کی ہدایت ں ہے۔" یہ کہہ کر وہ کانفرنس ٹیبل کے سرے پر کھڑا ہو گیا۔ "اس سے بل کہ میں کامیاب بولی دینے والے کا اعلان کروں، میں اس یلام کے بارے میں چند نکات کی وضاحت کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔"

شہزاد نے دیکھا کہ تمام غیر ملکی دل چسپی اور تجسس کے الم میں اسے دیکھ رہے ہیں۔

"پہلے یہ اعلان کیا گیا تھا کہ کامیاب بولی دینے والا سونے ں شکل میں ادائیگی کرے گا لیکن میں اعلان کر رہا ہوں کہ کامیاب لی وہ ہے، جس کے تحت سونے سے زیادہ قیمتی شے ادا کی گئی ہے ا میاب بولی دینے والے نے ہمت، خون اور خلوص کی شکل میں پوری ادائیگی کر دی ہے۔ حضرات! کامیاب بولی دینے والے ملک کا نام ہی ہے جس کی آپ بولی لگانے یہاں تشریف لائے ہیں:"

کمرے۔۔۔ فوراً ہی احتجاج سے پُر آوازیں سُنائی دینے لگیں ر سب لوگ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔

"میرا ملک اپنی بولی دُگنی کرنے کو تیار ہے۔" ایک نمائندے نے کہا۔

"ہم بھی بولی دُگنی کر سکتے ہیں۔" ایک اور نمائندہ چیخ پڑا۔

"ہماری بولی میں دو سو فی صد اضافہ ہو سکتا ہے۔" تیسرا نمائندہ بھی غرایا۔

"حضرات!" شہزاد نے میز پر ہاتھ مار کر بولی ختم۔۔۔ نیلام گھر ندکیا جاتا ہے۔ آپ لوگ ہار چکے ہیں۔"

"مگر۔۔۔" ایک مغربی ملک کا نمائندہ بولا۔

"اگر مگر کچھ نہیں۔" شہزاد غرایا۔ "اگر آپ لوگ اپنے اپنے ملک بخیریت واپس جانا چاہتے ہیں تو ابھی اور اسی وقت تشریف لے جائیں ورنہ میں فیڈرل بیورو آف انوسٹیگیشن سے رابطہ قائم کروں گا، اور اس صورت میں آپ کے ملکوں کو عالمی سطح پر ندامت کا سامنا کرنا پڑے گا۔۔۔ آپ لوگ اپنے ملک واپس جا کر اپنے حکمرانوں سے کہہ دیں کہ کسی ملک کی آزادی اور حکومت برائے فروخت نہیں ہوا کرتی اگر آپ کے ملک کسی کی آزادی سلب کرنا چاہتے ہیں تو پھر سونے کی بجائے ہتھیاروں سے بات کریں۔ اب آپ چلے جائیں۔۔۔ یہ لفافے اس حکومت کی تحویل میں رہیں گے۔"

غیر ملکی، شکست خوردہ انداز میں شہزاد کو دیکھتے ہوئے کمرے سے نکل گئے۔ تھوڑی ہی دیر بعد عالمی سرمایہ کاری کی انجمن کے لیے مخصوص اس عمارت میں کسی کے قدموں کی چاپ تک باقی نہ رہی۔

شہزاد نے کمرے سے نکل کر گنشیر کے کمرے میں جھانکا۔۔۔ وہ ابھی تک سو رہا تھا۔ اس نے ڈیوڈ کی طرف دیکھا، وہ بھی بیہوش تھا۔ شہزاد ان دونوں کو قتل نہ کر کے خوشی محسوس کرنے لگا۔ ان لوگوں سے پولیس اب آسانی سے نمٹ سکتی تھی۔

دو بجے دوپہر شہزاد ہوٹل واپس آیا تو اُوشان اب بھی کنول کے آسن میں ٹی۔ وی دیکھ رہا تھا۔ وہ کاغذات جو شہزاد نے اُوشان کو حفاظت سے رکھنے کے لیے دیے تھے، اب بھی فرش پر پڑے تھے لیکن اُوشان شہزاد کی طرف دیکھتے ہی اُچھل پڑا اور اس نے لپک کر شہزاد کو گلے لگا لیا۔

"اس گرم جوشی کی کوئی خاص۔۔۔ محترم اُستاد۔" شہزاد نے حیرت سے کہا۔

"آج تمہاری آنکھوں میں وہی چمک ہے جو کسی مشن کی کامیاب تکمیل پر نظر آتی ہے، میرے بچے!" اُوشان نے جواب دیا۔ "مجھے خوشی ہے کہ تم کامیاب اور بخیریت واپس آ گئے۔"

"مگر ہم نے ابھی تک بعض ضروری امور طے نہیں کیے ہیں۔" شہزاد نے جواب دیا اور فون پر بہرام کا نمبر ملانے لگا۔

بہرام نے فوراً ہی ریسیور اُٹھایا، جیسے وہ اسی کال کا منتظر تھا۔

"نیلام ختم ہو چکا ہے، چیف!" شہزاد نے کہا۔ "ہم جیت گئے۔"

"خدایا۔۔۔" دوسری طرف بہرام نے طویل سانس لی۔ "کوئی جانی نقصان؟"

"نہیں۔۔۔"

"گڈ۔۔۔" بہرام کی آواز میں خوشی کا گہرا تاثر تھا۔ "اب ہم اپنی محدود سی انجمن کو انسانیت کی فلاح کے لیے وسیع تر کر سکیں گے۔"

"اُوشان ایک فہرست لے کر آپ کے پاس پہنچ رہا ہے۔ اس فہرست میں اعلیٰ عہدے داروں کے نام ہیں۔ ایک شخص صدارتی

مشیر بھی ہے، کانگریس کے کئی ارکان بھی فہرست میں شامل ہے۔ یہ سب لوگ ڈاکٹر مینا کے عاشق اور تابع تھے۔"

"گڈ۔۔۔" بہرام نے پُرجوش لہجے میں کہا۔ "مجھے تم پر فخر ہے، ٹائیگر۔"

"ڈاڈاڈاڈا۔۔۔" شہزاد نے مسکراتے ہوئے وہی مہلک دھن گنگنانا شروع کر دی۔

"باز آجاؤ شہزاد۔" بہرام کھلکھلا کر ہنس پڑا۔ "اس دھن نے مجھے بہت پریشان کیا ہے۔"

شہزاد ٹائیگر اس خطرناک سازش کے بخیئے ادھیڑنے کے بعد اُوشان کے ساتھ ہوٹل پلازو میں منتقل ہو گیا جہاں اُس نے اپنے اُستاد کی نگرانی میں روزمرہ کی ورزش جاری رکھی اور نئی نئی باتیں سیکھنے اور ان کی مشق کرنے لگا۔ اس کی شخصیت میں روز بروز نکھار پیدا ہوتا جا رہا تھا اُوشان بھی اپنے ہونہار شاگرد سے بے حد خوش اور مطمئن تھا۔

ہوٹل پلازو نیویارک کا سب سے اچھا ہوٹل تھا اور اس کی عمارت ساخت کے اعتبار سے ٹائیگر کو اس لیے پسند تھی کہ وہ یہاں اپنی ورزش کو بہ آسانی جاری رکھ سکتا تھا۔ اُدھر اس کا چیف بہرام بھی بے حد خوش تھا کیونکہ امریکی صدر نے ٹائیگر کے کارنامے کو سراہتے ہوئے اس کی طاقت اور ذہانت کو تسلیم کر کے یہ اعلان کر دیا تھا کہ بہرام اپنی تنظیم کو وسیع تر اختیارات کے ساتھ فعال بنا سکتا ہے۔ اس نے بہرام کی تنظیم "چارہ گر" کو اپنے فلک تک محدود کرنے کی خواہش بھی ظاہر کی تھی لیکن بہرام نے یہ کہہ کر اُسے رد کر دیا تھا کہ ٹائیگر پوری انسانیت کا اثاثہ ہے۔ اُسے کسی ایک قوم یا ملک کے لیے محدود نہیں کیا جا سکتا۔ امریکی صدر نے اس بات پر شاید یہ سوچ کر خاموشی اختیار کر لی تھی کہ اگر بہرام نیویارک میں اپنا ہیڈکوارٹر بنا رہا ہے تو اس تنظیم کی خدمات سے زیادہ تر خود انہی کو استفادہ کرنے کا موقع ملتا رہے گا اس لیے فی الحال "چارہ گر" کو امریکا کے لیے وقف کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔

بہرام نے امریکی صدر سے یہ وعدہ بھی کیا تھا کہ وہ ان غیر معمولی معاملات میں ٹائیگر کو بلا تامل استعمال کرے گا جو امریکی اداروں کے بس سے باہر ہوں گے۔ تاہم اُس نے ٹائیگر کے لیے وہ اجازت نامہ ضرور حاصل کر لیا تھا جس کے تحت وہ کوئی بھی وضاحت کے بغیر امریکا میں کسی کو بھی قتل کر سکتا تھا۔ یہ اجازت نامہ حاصل ہو جانے کے بعد بہرام کو "چارہ گر" کی جڑیں مضبوط کرنے کا موقع مل گیا تھا اور اُس نے دن رات محنت کر کے فلکرافٹ سے بھی زیادہ مضبوط قلعہ بنا لیا تھا۔ یہ قلعہ ایک سینی ٹوریم کا نصف حصہ تھا جہاں آمد و رفت عام آدمی کے لیے ممکن نہیں تھی۔

بہرام، ٹائیگر اور چارہ گر کا تعلق براہِ راست امریکی صدر سے تھا اور اس تنظیم کے بے پناہ اخراجات کی ذمے داری بھی خود حکومت نے ہی اپنے سر لے رکھی تھی۔ بہرام نے ان سب باتوں سے شہزاد کو آگاہ کر دیا تھا اور اُسے ہدایت کر دی تھی کہ وہ ہر وقت کسی نہ کسی غیر معمولی معاملے میں کُود پڑنے کے لیے خود کو ذہنی اور جسمانی طور پر تیار رکھے۔ شہزاد بھی یہاں خوش تھا۔ اُسے اپنی شخصیت پر ناز تھا اور اب اُس کی یہی کوشش تھی کہ وہ اپنے اُستاد اُوشان سے ہر وہ داؤ سیکھ لے جو اُسے بالآخر اس صدی کا ماسٹر بنا دے۔

ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے لگی۔

اُوشان کے کان پر جُوں تک نہ رینگی۔ وہ ٹی۔وی پر اپنا پسندیدہ پروگرام دیکھنے میں محو رہا۔ جب کہ شہزاد کمرے میں دیواروں کے ساتھ ساتھ یوں دوڑ رہا تھا کہ عام آدمی کے لیے اس پر نگاہ جمانی مشکل تھی۔

آٹھویں گھنٹی پر وہ فون کے قریب رُک گیا اور دائیں ہاتھ سے ریسیور اُٹھا کر پُرسکون آواز میں بولا۔ "شہزاد۔۔۔" دوڑنے کے باوجود اب تک اُس کی سانس نہیں پھولی تھی۔

"ڈاکٹر بہرام۔۔۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"میری طبیعت آج کل خاصی سنبھلی ہوئی ہے، ڈاکٹر صاحب!"

"کیا مطلب؟"

"آپ کی دوا سے۔" شہزاد نے مسکرا کر کہا۔ "ویسے میں ذاتی طور پر احتیاط بھی کر رہا ہوں۔"

"کیا ہانک رہے ہو؟" بہرام کا لہجہ ناخوش گوار ہو گیا۔

"میں نے آج کل ایسی تمام لڑکیوں سے فاصلہ رکھنا شروع کر دیا ہے جن کے چہروں پر ان گنت بھوسے بھورے تل ہوتے ہیں۔"

دوسری طرف سرد خاموشی چھائی رہی۔

"اور آپ تو جانتے ہی ہیں ڈاکٹر سویٹ ہارٹ!"

شہزاد خوش دلی سے کہتا رہا۔ "جس لڑکی کے چہرے پر اَن گنت بھورے بھورے تل نہیں ہوتے اس کی مثال ایک ایسی رات جیسی ہوتی ہے، جب آسمان پر ستارے نہیں نکلتے۔"

"ہُوں۔۔۔ تم آج کل فرصت کی وجہ سے پھر اُنہی پُرانے خیالات میں کھوئے رہنے لگے ہو اس لیے میں نے ایک مصروفیت ڈھونڈ نکالی ہے۔" بہرام کے لہجے میں بے پناہ متانت تھی۔

"مم۔۔۔ مصروفیت!" شہزاد نے تھوک نگل کر کہا۔۔۔ لیکن اگلے ہی لمحے وہ بے حد سنجیدہ ہو چکا تھا۔ "کیا بات ہے، سویٹ ہارٹ؟"

"پہلے خود کو بات کرنے کے لیے تیار تو کر لو۔"

"اوہ۔۔۔ سوری۔۔۔ ایک منٹ ہولڈ کیجیے۔" شہزاد نے کہا اور ریسیور میز پر رکھ کر تیزی سے الماری کی طرف بڑھ گیا۔ وہاں سے اس نے ایک آلہ نکالا اور اُسے ماؤتھ پیس پر فٹ کرنے لگا۔ اس آلے کی تنصیب کے بعد اب اس لائن پر بہرام کے علاوہ کوئی اس کی بات نہیں سُن سکتا تھا۔

"ٹھیک ہے، اب آپ اطمینان سے اظہارِ محبت کر سکتے ہیں۔" شہزاد نے مسکرا کر کہا اور تصور کی آنکھ سے دیکھا کہ اس جملے پر اُس کے چیف بہرام نے کیسا مُنہ بنایا ہو گا۔

"گرگرل۔۔۔ ڈربرل۔۔۔ گرگرل۔۔۔ ڈربرل۔۔۔"

ٹائیگر کے ہونٹوں پر مسکراہٹ منجمد سی ہو کر رہ گئی۔ اس نے حیرت سے آنکھیں پھیلائیں۔ دوسری جانب سے اس کے چیف بہرام نے جو کچھ کہا تھا وہ اس کی سمجھ میں نہ آسکا۔

"چیف۔۔۔" اس نے تجسس سے کہا۔ "کسی زمینی زبان میں بات کریں۔ اُوشان نے مجھے ابھی تک مریخی زبان نہیں سکھائی۔"

"گرگرل۔۔۔ ڈربرل۔۔۔ گرگرل۔۔۔"

شہزاد دوسری بار بھی ایسی ہی بے معنی سی آوازیں سُن کر بوکھلا گیا۔ "چیف۔۔۔ کیا آپ مذاق کر رہے ہیں؟" اس نے چیخ کر کہا۔

"مجھے افسوس ہے۔ انسٹرومنٹ میں شاید کوئی خرابی ہو گئی تھی۔" اس بار بہرام کی آواز صاف اور نمایاں تھی۔

شہزاد جواباً ایک طویل سانس لے کر رہ گیا۔

"کیا تم نے ڈیوی کا نام سُنا ہے؟"

"جی ہاں۔۔۔ میں آج کل اُسی سے حجامت بنوا رہا ہُوں۔"

"ٹائیگر۔۔۔" بہرام کا لہجہ ناگوار ہو گیا۔ غالباً وہ بے حد سنجیدہ تھا۔ "میں تم سے چند منٹ کی سنجیدگی چاہتا ہُوں۔"

"آپ کچھ پریشان ہیں، چیف۔" ٹائیگر واقعی سنجیدہ ہو گیا۔

"ڈیوی آج کل جیل میں ہے اور تمھیں اس سے ملنا ہے۔" بہرام نے جلدی سے کہا۔ "مجھے ایک خاص ذریعے سے معلوم ہُوا ہے کہ اس کے پاس بے حد قیمتی معلومات ہیں۔۔۔ اور ان معلومات کا تعلق کسی بہت بڑی شخصیت کے قتل سے ہے۔"

ٹائیگر کے کان کھڑے ہو گئے۔

"لیکن یہ کام تو اس مُلک کی پولیس اور سُراغ رساں۔۔۔"

"مجھے معلوم ہے۔" بہرام کے لہجے میں برہمی تھی۔ "لیکن اپنے پاؤں یہاں مضبوطی سے جمانے کے لیے ضروری ہے کہ ہم ان تمام محکموں پر سبقت لے جائیں۔"

شہزاد نے ایک طویل سانس لی اور توجہ سے سُنتا رہا۔

بہرام نے اُسے اس جیل کے بارے میں بتایا جہاں ڈیوی نام کا مجرم ان دنوں قید تھا۔۔۔ اور پھر چند ہدایات دینے کے بعد اس نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

ٹائیگر نے ریسیور رکھ کر وہ مخصوص آلہ اُتار کر الماری میں رکھ دیا اور ویسٹ سائیڈ فیڈرل جیل جانے اور ڈیوی سے ملاقات کا لائحہ عمل ترتیب دینے میں مصروف ہو گیا۔

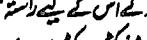
ٹائیگر نے زرد رنگ کے جُبّے میں بے پناہ گرمی محسوس کی تو اُسے اپنے آپ پر غصہ آنے لگا۔ اتنے موٹے کپڑے پہننے کی ضرورت یُوں پیش آئی کہ یہ ایک مجبوری تھی۔ وہ اس وقت ایک راہب کے بھیس میں ڈیوی سے ملاقات کے لیے جا رہا تھا اور موٹے زرد کپڑے کے نیچے اس کا جسم پسینے سے بُری طرح بھیگ چکا تھا۔

اس کی کمر کے گرد گانٹھ دار ایک رسّی لپٹی ہُوئی تھی جس کی دو لڑیاں اس کے پیٹ سے نیچے گھٹنوں تک لٹکی ہُوئی تھیں اس نے چلتے چلتے ایک گانٹھ دار لڑی کو تھام لیا اور رُسّے ٹٹولتے ہُوئے سوچنے لگا کہ کسی کو گلا گھونٹ کر ہلاک کرنے کے لیے یہ رسّی ایک بہترین ہتھیار ثابت ہو سکتی ہے۔

وہ اس وقت جیل کے آہنی پھاٹک کے سامنے کھڑا

اس کے کھلنے کا انتظار کر رہا تھا۔ اس کی ہتھیلیاں تک پسینے سے بھیگ گئی تھیں۔ اُس وقت ٹائیگر کو اپنی زندگی کا وہ لمحہ یاد آ رہا تھا جب وہ ایسی ہی ایک جیل میں تھا اور سرگوش راہب کے رُوپ میں اُس سے ملنے کے لیے آیا تھا۔ اُس نے بہرام کی کال سُننے کے بعد جیل میں ڈیوی سے ملاقات کا پروگرام بنایا تھا تو ایک یہی ترکیب اس کے ذہن میں آئی تھی۔ اس نے بہرام کو اپنے پروگرام سے آگاہ کر دیا تھا تاکہ وہ جیل کے حکّام سے رابطہ قائم کر کے اس کے لیے راستہ ہموار کر سکے۔ جیل کے دروازے کے سامنے کھڑے کھڑے وہ یہی سوچ رہا تھا کہ اُس کے بارے میں پہلے سے محافظوں کو اطلاع دے دی گئی ہوگی۔

اچانک پھاٹک میں ایک چھوٹی سی کھڑکی کھل گئی اور اس میں سے دو خونخوار آنکھیں ٹائیگر کو گھورنے لگیں۔



شہزاد کی نگاہ آہنی دروازے پر جمی ہوئی تھی۔

اس نے پسینے سے بھیگی ہوئی اپنی ہتھیلیاں زرد رنگ کے پتلون پر رگڑیں اور اُس چھوٹی سی کھڑکی کو گھورنے لگا جس سے اُسے دو خوف ناک آنکھیں نظر آ رہی تھیں۔

یہ جیل کا محافظ تھا جس کی آنکھیں اس کھڑکی سے شہزاد ٹائیگر کا جائزہ لے رہی تھیں۔ اس نے جب جیل کے پھاٹک پر ایک زرد چوغے والے راہب کو دیکھا تو اس کے چہرے پر بیزاری کے تاثرات اُبھر آئے۔ غالباً وہ ایک ایسا شخص تھا جسے مذہب یا مذہبی لوگوں سے زیادہ دل چسپی نہیں تھی۔ . . لیکن وہ کسی راہب کو کسی قیدی سے ملاقات کرنے سے محض اس لیے تو روک نہیں سکتا تھا کہ وہ راہبوں کو پسند نہیں کرتا تھا۔ اس نے اپنی ڈیسک پر لگے ہُوئے ایک بٹن کو دبا دیا۔

بٹن دبتے ہی جیل کا بھاری بھرکم دروازہ کانپ سا گیا اور آہستہ آہستہ کھلنے لگا۔ دروازہ چھٹکے کھا کھا کر ایک ایک انچ کرتے ہُوئے کھل رہا تھا اور اس کی وجہ سے عجیب عجیب آوازیں پیدا ہو رہی تھیں۔

بیس انچ کے قریب کھل کر دروازہ غیر متحرک ہو گیا۔

شہزاد نے دروازے میں اس طرح کا موڈ مزید بگڑ گیا وہ اپنے غیر معمولی کشادہ کندھوں کی وجہ سے سیدھا اندر نہیں جا سکتا تھا۔ اس نے خود کو گھمایا اور پہلو کے بل دروازے سے اندر قدم رکھا تو اس نے پھاٹک کا گہری نگاہ سے جائزہ لیا۔

دو انچ موٹی دھات کا بنا ہُوا یہ دروازہ واقعی بے حد مضبوط تھا اور اسے توڑ کر جیل سے فرار ہونا ایک ناممکن سی بات تھی۔ ابھی وہ دروازے سے دو قدم ہی آگے بڑھا تھا کہ عقب میں ویسی ہی عجیب عجیب آوازیں پیدا ہُوئیں جیسی دروازہ کھلتے وقت اُس کی سماعت سے ٹکرائی تھیں۔

اس نے پلٹ کر دیکھا۔

جیل کا مضبوط دروازہ تیزی سے جھٹکے کھاتا ہُوا بند ہو رہا تھا۔

اُس نے ایک طویل سانس لی اور اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ یہ جیل کا استقبالیہ ہی تھا. . .

اس کمرے میں نصف درجن کے قریب سیاہ فام عورتیں بیٹھی تھیں غالباً انھیں اپنے عزیزوں سے ملاقات کے وقت کا انتظار تھا۔ ان کی درجن بھر آنکھیں نو عمر راہب کو دیکھ کر عقیدت سے جُھک گئیں۔

شہزاد دل ہی دل میں مُسکرانے لگا۔

استقبالیے میں موجود کسی بھی شخص کو یہ شُبہ نہیں ہو سکتا تھا کہ اس وقت جو نوجوان، راہب بنا اُن کے سامنے موجود ہے، یہ ایک اعتبار سے دُنیا کا سب سے خطرناک انسان ہے اور اس کے ہاتھوں کو خصوصی اجازت نامہ حاصل ہے کہ وہ جب اور جسے بھی چاہے، کوئی وجہ بتائے بغیر ہلاک کر سکتا ہے حالانکہ ٹائیگر ایک آہنی انسان ہونے کے باوجود زندہ دل، رحم دل اور حساس انسان تھا۔ اس کے ہاتھوں صرف وہی لوگ مرتے تھے، جن کی موت اس کے نزدیک انسانیت کی بہبود کے لیے لازمی ہوتی ہے۔

ٹائیگر نے سرسری نگاہ سے چاروں طرف دیکھا۔

اس کی آنکھوں میں بے پناہ چمک تھی۔

کوئی عام سا آدمی یا عورت تو اس سے آنکھیں چار کرنے کی بھی جرأت نہیں کر سکتی تھی۔ وہ پھاٹک کے اندر متعین محافظ کی میز کے قریب سے گزرتا ہُوا بُلٹ پروف شیشے کی طرف بڑھ گیا۔

بُلٹ پروف شیشے پر جھکتے ہی اس نے محسوس کیا کہ یہ شیشہ بھی آہنی پھاٹک کی طرح ٹھوس اور مضبوط ہے، اس کی موٹائی کسی طرح بھی ایک انچ سے کم محسوس نہیں ہوتی تھی اور اسے غالباً توپ کے گولے سے ہی ذرّات میں بکھیرنا ممکن تھا۔

عقب میں محافظ نے پھاٹک بند کر کے اُسے ڈبل لاک کر دیا۔

شہزاد کا دِل آہستگی سے دھڑک رہا تھا۔

وہ خود کو پُوری طرح پُرسکون رکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

اس نے ہتھیلی کے نچلے حصّے سے بُلٹ پروف شیشے پر دستک دی۔ شیشے کے اُس پار بیٹھے ہُوئے محافظ نے پلٹ کر اس کی طرف دیکھا اور اُسے ایک فون کی طرف متوجہ کرنے کے لیے اشارہ کر دیا۔

شہزاد نے اس طرف دیکھا جدھر محافظ کی اُنگلی اشارہ کر رہی تھی بائیں طرف دیوار میں ایک شیلف تھا جس میں ایک سفید رنگ کا فون نظر آیا۔ محافظ نے اس فون پر بات کرنے کا اشارہ کیا تھا کیوں کہ بُلٹ پروف شیشے کی وجہ سے آواز دوسری طرف نہیں جا سکتی تھی اور نہ ہی اس طرف سے کہا گیا کوئی لفظ اُدھر سے سُنا جا سکتا تھا۔

ٹائیگر نے بڑھ کر سفید رسیور اُٹھا لیا۔

اس نے اپنی آواز بے حد پُرسکون رکھنے کی کوشش کی تھی۔

"میں فادر مُک ہُوں۔" اس نے رُوحانی تاثر سے بھرپُور آواز میں کہا۔ "اور مجھے ایک قیدی سے ملنا ہے۔"

"قیدی کا نام؟" دوسری طرف سے پُوچھا گیا۔

"ڈیوی . . ."

"ذرا ایک منٹ توقف کریں فادر۔"

شہزاد نے بُلٹ پروف شیشے سے دیکھا۔ محافظ نے فون پر بات کر کے رسیور رکھ دیا تھا اور اس نے رسیور کو کریڈل پر رکھنے میں آتی کاہلی اور سُست روی سے کام لیا تھا کہ مارے غصّے کے ٹائیگر کی کنپٹیاں تک سُلگ اُٹھی تھیں۔

وہ شیشے سے اس محافظ کی مصروفیت کا جائزہ لیتا رہا۔

محافظ نے دراز سے ایک ٹائپ شُدہ کاغذ نکالا۔

اس کاغذ پر غالباً اُن قیدیوں کے نام درج تھے جن کی ملاقاتیں اس روز طے تھیں۔ کاغذ میز پر رکھ کر وہ اُسی کاہلی سے اُنگلی کو اُوپر سے نیچے تک لے گیا. . . حتیٰ کہ تکلیف دہ انتظار کے بعد اس کی اُنگلی کا ٹائپ شُدہ کاغذ پر سفر ختم ہُوا۔

"ڈیوی. . . فادر مُک . . ."

اس کے ہونٹوں سے شہزاد نے اندازہ لگایا کہ وہ کیا کہہ رہا ہوگا. . .

پھر اس کا ہاتھ اپنی میز پر رکھے ہُوئے فون کی طرف بڑھا اور اس نے رسیور اُٹھا کر کہا۔

"ٹھیک ہے، فادر۔ آپ کی ملاقات طے ہے۔" اس نے ہاتھ کے اشارے سے اسی کمرے میں بنے ہُوئے ایک دروازے کی نشاندہی کی۔ "آپ اس دروازے سے اندر آ جائیے۔"

"شکریہ! میرے بچّے۔" شہزاد نے رسیور میں کہا اور دل میں بولا۔ "سؤر کے بچّے!" اُس نے رسیور رکھ دیا اور اس مضبوط دروازے کی طرف بڑھ گیا جس کی طرف گارڈ نے اشارہ کیا تھا۔ یہ بھی ایک آہنی دروازہ تھا۔ فرش سے کمرے کی چھت تک اسٹیل کی موٹی چادر سی تنی ہُوئی تھی۔ اس پر ایک تختی آویزاں تھی جس کا فرمان تھا۔ "دروازہ دھکیلیے۔"

یہ تختی تو نئی تھی لیکن دروازے کا فریم پُرانا تھا اور اس پر زنگ کی رنگت نظر آ رہی تھی۔

تختی کے نیچے ایک بٹن لگا ہُوا تھا اور اسی بٹن کو دبانے کے لیے تختی پر ہدایت درج تھی۔

شہزاد نے بٹن پر اُنگلی رکھ دی۔

اس کی کنپٹیوں نے سُلگنا بند کر دیا تھا کیوں کہ وہ ذہنی طور پر خود کو پُرسکون کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اُنگلی نے بٹن پر دباؤ ڈالا تو دروازے نے آہستہ آہستہ کھلنا شروع کر دیا۔

وہ دروازے سے اندر داخل ہو گیا۔

فوراً ہی دروازہ بند ہو کر خود کار نظام کے تحت مقفل ہو گیا۔ ٹائیگر اب ایک اور چھوٹے سے کمرے میں تھا۔ استقبالیے اور اس کمرے کے درمیان اسٹیل کا یہ بھاری بھرکم دروازہ اور بُلٹ پروف شیشے کی دیوار حائل تھی۔

اس نے دوسرے کمرے میں قدم رکھتے ہی اِدھر اُدھر دیکھا۔

بائیں جانب ایک دروازہ تھا جس سے سیڑھیاں نظر آ رہی تھیں۔ اس میں بھی ایک بُلٹ پروف شیشہ لگا ہُوا تھا۔ شہزاد نے اس دروازے کے قریب پہنچ کر اُسے دھکیلا لیکن دروازہ ٹس سے مس نہ ہوا۔ وہ کندھے کے اوپر سے عقب میں محافظ کی طرف دیکھنے لگا لیکن محافظ اس کی طرف متوجہ نہیں تھا۔ وہ کسی سے باتیں کر رہا تھا۔

شہزاد نے تیز آواز میں کھنکار کر اُسے متوجہ کیا۔

محافظ نے چونک کر اُس کی طرف دیکھا۔

. . . پھر اس کی آنکھوں میں معذرت کا تاثر اُبھرا۔ اُس نے جلدی سے ایک بٹن دبا دیا۔ اس بار شہزاد نے دروازے کو دھکیلا تو وہ یوں کھل گیا جیسے ہوا کے خفیف سے جھونکے سے آنچل لہراتا ہے۔ وہ سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔

یہ زینہ اُوپر جانے کی بجائے نیچے تہ خانے میں اُترتا گیا۔ گویا جیل کا کچھ حصّہ زیرِ زمین بھی تھا اور وہاں غالباً وہ مُجرم رکھے جاتے تھے جن کے لیے کڑی نگرانی ضروری ہوتی ہے۔

شہزاد آہستہ آہستہ سیڑھیاں اُترنے لگا۔

اس کے بعد

ایگر کے دوسرے حصے کا مطالعہ کریں۔

ٹائیگر

ڈاکٹر ایم اے قریشی





سیڑھیوں کا ابتدائی سیٹ طے کرنے کے بعد وہ قدرے ہموار جگہ پہنچا تو سامنے دیوار تھی جس میں ایک قدِ آدم آئینہ لگا ہوا تھا۔ اس نے سیڑھیوں کا دوسرا سیٹ طے کیا تو وہاں بھی ایک ایسا ہی آئینہ نظر آیا۔

اس نے پلٹ کر پہلے آئینے کی طرف دیکھا۔

استقبالیے کے بعد والے کمرے میں موجود ایک گارڈ اُسے اس آئینے میں نظر آیا۔ اس نے ایک طویل سانس لی۔ وہ محافظ اپنے کمرے میں بیٹھے بیٹھے تمام سیڑھیوں پر نگاہ رکھ سکتا تھا اور اس میں اُسے کوئی دشواری اس لیے پیش نہیں آسکتی تھی کہ آئینے میں اُسے سب کچھ نظر آتا تھا...

نچلے زینے سے اوپر تک، آئینہ در آئینہ یہ ایک بے مثال نظام تھا۔ شہزاد کو یقین ہو گیا کہ کوئی بھی شخص محافظ کو قبل از وقت اپنا عکس دکھلائے بغیر نہیں رہ سکتا۔

سیڑھیاں اُترتے وقت شہزاد کو اپنے لمبے چوغے کی طرف سے خاص طور پر محتاط رہنا پڑ رہا تھا کیوں کہ ایک بار پاؤں اُلجھ جاتا تو وہ سیڑھیاں اُترے بغیر ہی نیچے پہنچ سکتا تھا۔

کئی سال پہلے وہ اسی طرح کے زینے سے اُتر کر اپنی حوالات میں گیا تھا۔ اس جیل میں قدم رکھتے ہی اس کے جذبات عجیب سے ہو گئے تھے۔ اُسے بار بار اپنی وہ کال کوٹھری یاد آتی تھی جہاں وہ اپنی زندگی کی آخری سانسیں شمار کرتے ہوئے قید کر دیا گیا تھا... پھر سرگوش کا چہرہ اس کے ذہن پر چھا گیا۔

سرگوش بھی تو اسی طرح راہب بن کر اُس تک پہنچا تھا اور پھر اُس نے جو کچھ بھی کیا تھا، اس سے قدرے ملتا جلتا کام کرنے کے لیے ہی شہزاد ڈیوِن کے پاس جا رہا تھا۔

پسینے کی وجہ سے اس کی حالت خراب ہو رہی تھی۔

وہ حیران ہو رہا تھا کہ آخر یہ راہب لوگ ایسے چوغے گرمیوں میں کس طرح برداشت کرتے ہوں گے۔ خود اُس کی تو بغلیں تک پسینے سے بھیگ گئی تھیں۔

سیڑھیاں اُترتے ہوئے اُسے احساس ہو رہا تھا جیسے وہ کسی گہرے کنویں میں اُتر رہا ہو۔ اَن گنت زینے تھے۔ وہ ایک بار پھر اپنے ماضی کے بارے میں سوچنے لگا۔

نیا جنم قابلِ فخر اور دُنیا کی نعمتوں کے علاوہ سچے انسانوں کی

دُعاؤں سے مالا مال تھا لیکن پہلے جنم میں زندگی کس قدر سزا دہ تھی۔ وہ ایک پولیس افسر تھا۔ اس سے پہلے اس نے فوجی خدمات سرانجام دی تھیں۔ . . لیکن وہ دُھندآلود، بھیگی بھیگی اور تاریک رات اُسے مرتے دم تک نہیں بھُول سکتی تھی جب ایک نشے باز اس کے ہاتھوں ہلاک ہوگیا تھا۔ قتل کے جُرم میں اُسے پھانسی موت سُنا دی گئی تھی . . . اور پھر ڈاکٹر بہرام کا دستِ راس، سرگرشش اُسے مکتھن میں سے بال کی طرح موت کے دہانے سے نکال لایا تھا۔

سیڑھیاں ختم ہوئیں تو اس کے حلق سے ایک طویل سانس نکل گئی۔ سامنے ایک آئینہ نظر آیا۔

اُس نے رُک کر اپنا سراپا دیکھا۔

جہاں جہاں سے جوغہ اس کے جسم سے مسلسل مَس ہو رہا تھا، وہاں وہ جسم سے اُٹ چپک گیا تھا اور پسینے میں اُسے پسینے کی گیلاہٹ صاف دِکھائی دے رہی تھی۔

سیڑھیوں کے اختتام پر ایک دروازہ تھا۔

بالکل ویسا ہی دروازہ جیسا ماضی میں اس نے موت کی کُرسی کی طرف بڑھتے وقت دیکھا تھا۔ ان چند لمحوں نے ماضی کے کئی مناظر اس کے پردۂ ذہن پر بکھیر دیئے۔ اُن گنت سائے ایک دوسرے میں تیزی سے گڈمڈ ہونے لگے اور وہ یہ سوچے بغیر نہ رہ سکا کہ اگر جلد از جلد اس مخدوش جیل کا کام ختم کر کے باہر کھُلی فضا میں نہ نکل گیا تو اس کا دَم گھُٹ جائے گا۔

اس نے دروازے پر دستک دی۔

دروازہ فوراً ہی کھُل گیا۔

شہزاد نے کمرے میں داخل ہو کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ سامنے ہی لکڑی کی ایک بڑی سی میز کے پیچھے ایک باوردی محافظ براجمان تھا۔ اُس نے تھکی تھکی آنکھوں سے شہزاد کی طرف دیکھا۔ اس کی جیب پر ایک ٹیگ لگا ہُوا تھا جس پر گارڈ کا نام لکھا ہُوا تھا۔

"ادیبرن . . ." شہزاد نے دھیمی آواز میں نام پڑھا اور محافظ کا جائزہ لینے لگا۔

ادیبرن ایک درمیانے قد کا آدمی تھا۔ شہزاد نے پہلی ہی نگاہ میں محسوس کر لیا کہ اس کا ایک بازو، دوسرے کے مقابلے میں قدرے چھوٹا ہے۔ اس کی موٹی موٹی بھدّی کلائیاں نیلی وردی کی آستینوں سے جھانک رہی تھیں۔ اس کی آنکھیں مُنہوں جیسی چھوٹی چھوٹی اور نیلگوں تھیں۔ ناک کا کنارہ، ایک بھری ہُوئی مَس کی وجہ سے اس کی بدصُورتی میں اضافہ کر رہا تھا۔

"میں فادر مک ہُوں۔" شہزاد نے ایک بار پھر اپنا تعارف کرایا اور میں ڈیوی نام کے ایک قیدی سے ملنے آیا ہُوں۔"

"اوہ . . کس قدر گرمی ہے، فادر۔" محافظ نے تبصرہ کیا۔

شہزاد نے آسمان کی طرف اُنگلی اُٹھاتے ہُوئے دِل میں کہا۔

"گرمی تو تمھیں جہنم میں جا کر لگے گی، برخوردار۔"

محافظ نے اپنے گریبان میں پھُونک ماری۔

وہ ابھی تک اپنی سیٹ سے اُٹھا بھی نہیں تھا۔

"ڈیوی . . پلیز۔" شہزاد نے غصّہ ضبط کرتے ہُوئے، بے حد ملائمت سے یاد دہانی کرائی۔

اوبیرن آہستہ آہستہ کُرسی سے اُٹھا تو شہزاد کا جی چاہا کہ بڑھ کر اُسے گردن سے تھام لے اور ایک جھٹکے سے کھڑا کرنے کے بعد اتنے زور سے جھٹک دے کہ اس کی ساری کاہلی چھُو ہو جائے۔ نہ جانے کیوں اُسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے جیل کے حُکام نے یہاں سارے ایسے ہی آدمی بھرتی کر رکھے تھے جنھیں جیل کے محافظوں کی بجائے سلاٹوشن پکچروں میں کوئی کردار ادا کرنا چاہیئے تھا۔ شہزاد نے محسوس کیا کہ محافظ اوبیرن اسے بڑی گہری نگاہ سے دیکھ رہا ہے۔ اس کی آنکھوں میں جو تاثرات تھے، ان سے شہزاد بہ آسانی یہ اندازہ لگا سکتا تھا کہ اوبیرن کو اس کے راہب ہونے پر یقین نہیں آ رہا ہے۔ وہ اس شخص کے مشاہدے کو سہہ نہ سکا۔

وہ نہایت آہستگی سے اُٹھ کر بڑی ہی سُست رفتاری سے میز کے گرد گھُومتا ہُوا شہزاد کے سامنے آ گیا۔ اس کے دائیں ہاتھ کے قریب ہولسٹر تھا جس سے ریوالور کے دستے کی جھلک دیکھی جا سکتی تھی۔

شہزاد نے دِل ہی دِل میں سوچا کہ اگر اس محافظ نے کوئی گڑبڑ کرنے کی کوشش کی تو اس کے جسم کا کون سا حصّہ پہلے توڑنا مناسب ہوگا؟ اس کے ساتھ ہی وہ دُعا بھی کر رہا تھا کہ یہ اتنی اپنے کام سے کام رکھے تو اچھا ہے۔ وہ بلاوجہ اسے ہلاک نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن ٹائیگر کی شخصیت بے نقاب کرنے کی کوشش خودکشی ہی کے مترادف تھی . . .

اگرچہ محافظ اوبیرن بڑے سرسری سے انداز میں اس کی طرف دیکھ رہا تھا لیکن شہزاد نے سمجھ لیا کہ وہ دِل ہی دِل میں اس کے راہب نہ ہونے پر یقین کر چکا ہے۔

اس کی دھڑکنیں قدرے بے ترتیب ہونے لگیں۔

وہ منتظر تھا کہ محافظ بھی کوئی ایسی بات کہے گا جس کے جواب میں اُسے اپنے مسلک پر ہاتھ کو زحمت دینی پڑے گی . . لیکن اوبیرن نے کچھ بھی نہیں کہا۔ بعد وہ سُست سے سُست رفتار سے کاؤنٹر کے دائیں جانب پہنچا جہاں اس نے ٹائیگر سے درخواست کی وہ بیٹھ جائے۔ یہ کہتے

وقت محافظ کی آواز بے حد نرم اور دھیمی تھی۔

"آپ کو چند لمحے انتظار کرنا پڑے گا، فادر۔"

"کوئی بات نہیں، میرے بچّے۔" شہزاد نے خوش دِلی سے کہا۔

محافظ نور، ہی ایک دروازے میں جا کر اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ شہزاد پسینے سے شرابور بیٹھا رہا۔ جواب اُس کے چوغے کے نیچے جسم پر باقاعدہ بہنے لگا تھا۔

پانچ منٹ بعد محافظ واپس آ گیا۔

اس کے ساتھ ایک اور شخص بھی تھا۔

"بیٹھ جاؤ، ڈیوی۔" محافظ نے اس شخص سے کہا۔

ڈیوی، شہزاد کے سامنے پڑی ہُوئی ایک کُرسی پر بیٹھ گیا . . . وہ ایک دراز قامت اور دُبلا پتلا آدمی تھا۔ جیل کے لباس میں اس کی شخصیت مضحکہ خیز ہی لگ رہی تھی۔ اس کے بال سیاہ اور لہریئے دار تھے۔ اس کی جلد کی رنگت بتاتی تھی کہ اُسے دُھوپ میں گھُومتے پھرتے شاید ساری زندگی ہی گزر گئی ہے۔

اس کی عُمر تیس سال کے لگ بھگ تھی۔

انداز سے وہ ایک ایسا شخص لگتا تھا جسے اپنی ذات پر ضرورت سے زیادہ ہی اعتماد رہا ہو۔ اس کی آنکھوں سے ذہانت کا اندازہ ہوتا تھا۔ آنکھوں کے گرد ننھی ننھی ایسی جھُرّیاں نظر آتی تھیں جو عموماً ہنستے وقت ہر شخص کی آنکھوں کے کناروں پر پیدا ہو جاتی ہیں۔ شہزاد نے محسوس کیا کہ اس نے اپنی زندگی بہت اچھے انداز میں گزاری ہے۔

شہزاد خاموش بیٹھا اُسے دیکھتا رہا۔

وہ محافظ کے جانے کا انتظار کر رہا تھا۔

چند لمحے بعد گارڈ دونوں کو اس مختصر سے کانفرنس روم میں تنہا چھوڑ کر دروازے کی طرف بڑھ گیا اور پھر اپنی میز پر جا بیٹھا . . کچھ یاد آیا تو وہ اُٹھ کر دروازے میں آ کھڑا ہُوا۔

"بات چیت ختم ہو جائے تو دروازے پر دستک دے کر مجھے اطلاع دے دیجئے گا، فادر۔" اس نے کہا اور دروازہ بند کر دیا۔

شہزاد نے دروازہ مقفل ہونے کی آواز سُنی۔

ڈیوی، شہزاد کی آنکھوں میں ٹائیگر کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس نے ہونٹوں پر اُنگلی رکھ کر ڈیوی کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور بڑی سے بھی زیادہ خاموشی سے جبتا ہُوا دروازے تک جا پہنچا۔ اس نے تالے کے سوراخ سے جھانک کر دیکھا۔

محافظ کی پُشت دروازے کی طرف تھی اور وہ واپس اپنی میز پر جا بیٹھا تھا۔ شہزاد نے اطمینان میں سر ہلا کر گہرا سانس خارج کیا اور واپس مڑ کر ڈیوی کے سامنے بیٹھ گیا۔

"ٹھیک ہے۔ اب تم اپنی کہانی سُنا سکتے ہو۔" شہزاد نے کہا۔

ڈیوی نے دھیمی آواز میں بولنا شروع کیا تو شہزاد کے لیے اپنی پوری توجہ اس پر مرکوز رکھنا دُشوار ہو گیا۔ ماحول اُسے بار بار ماضی کے خواب دِکھانے لگتا تھا۔ اس نے اپنی بے پناہ قوتِ ارادی استعمال کر کے بالآخر ماضی کے ان خیالی بھُوتوں سے نجات حاصل کر ہی لی اور ڈیوی کی طرف متوجہ ہو گیا۔

اسکوسیا کی افریقی قوم . . اس مُلک کو دُنیا بھر کے تمام جرائم پیشہ افراد کے لیے پناہ گاہ بنانے کی کوشش اور اسکوسیا کے صدرِ مملکت کی ہلاکت کا منصوبہ۔ اس کے علاوہ وائس پریذیڈنٹ کا صدرِ مملکت کی حیثیت سے تقرر . . شہزاد یہ تفصیل سُن کر بور ہو رہا تھا۔

یہ سب باتیں اُس کے لیے بے حد مُشتبہ ثابت ہو رہی تھیں کیوں کہ وہ کوئی سیاست داں نہیں تھا۔ اُسے حکومت کا خواب دیکھنا نہیں سکھایا گیا تھا۔ وہ تو اِیمرجنسی ایکشن تھا۔ اگر کسی مقابلے کی یا حُسن و عشق کی داستان ہوتی تو شاید وہ زیادہ توجہ سے سُنتا۔

جب کہانی ختم ہو گئی تو اس نے ایک طویل سانس لی۔

"کیا تم نے کبھی کسی عورت کو ٹوٹ کر چاہا ہے؟"

"میں نے آج تک صرف مطلب کی محبت کی ہے۔"

"کوئی ایسی عورت جس کے چہرے پر اُن گنت بھُورے تل ہوں۔ اُسے تم کس سے مثال دو گے؟"

"میں ایسی عورت پر لعنت بھیجتا ہُوں۔"

"آہ . ." شہزاد نے ایک طویل سرد آہ بھرتے ہُوئے اس بدذوق قیدی کی طرف دیکھا۔ "تم نہیں جانتے، میرے بچّے!" اس نے بجرائی ہُوئی آواز میں کہا۔ "جس عورت کے چہرے پر اُن گنت چھوٹے چھوٹے بھُورے تل نہیں ہوتے، اس کی مثال ایک ایسی رات جیسی ہوتی ہے، جب آسمان پر ستارے نہیں نکلتے۔"

قیدی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اس راہب کو گھُورنے لگا۔

. . . اور راہب وہ سوالات یاد کرنے کی کوشش کر رہا تھا، جنھیں پُوچھنے کے لیے اس کے چیف بہرام نے اُسے خاص طور سے یہاں بھیجا تھا۔

"اس سارے معاملے کے پیچھے کس کا ہاتھ ہے؟"

"مجھے نہیں معلوم۔"

"وائس پریذیڈنٹ ہو سکتا ہے؟"

"نہیں . . میرا خیال ہے، ایسا نہیں ہے۔" قیدی نے جواب دیا۔

"اس سلسلے میں تمہیں کہاں سے اطلاعات ملیں؟"

"میں اسکومبا کے ایک شخص کے لیے کام کرتا ہوں۔ اس شخص کو ایسے معاملات سے گہری دلچسپی رہتی ہے۔ اسی سے مجھے یہ سب کچھ معلوم ہوا ہے۔ میں نے اس شخص کے لیے بعض قانونی معاملات میں ریسرچ کی تھی۔"

"مجھے معلوم ہے کہ امریکا کی تنظیم مافیا کے وکیل کی حیثیت سے تمہارا نام بڑی شہرت کا حامل ہے۔" شہزاد نے سخت لہجے میں کہا۔ "تم ٹھگوں اور قاتلوں کو جیل سے رہائی دلانے میں ماہر سمجھے جاتے ہو۔"

"ہر کسی کو مدافعت کرنے کا حق ہے۔"

"لیکن اب تم مدافعت نہیں کر رہے ہو کیوں کہ یہ تمہارا ذاتی معاملہ ہے۔ تم نے کوئی راہِ فرار نہ دیکھ کر خود کو کچھیرا شروع کر دیا ہے تاکہ تمہاری گلو خلاصی ہو جائے۔"

"بلاشبہ! مجھے ایسا کرنا بھی چاہیے۔ یہ بھی ایک بنیادی حق ہے کہ انسان اپنے آپ کو مصیبت سے نکالے اور پھر کسی جگہ جا کر پُرسکون زندگی گزارے۔" اس کے لہجے سے ہلکی ہلکی برہمی ظاہر ہونے لگی۔ "اور فادر... میں بہت سچائی سے یہ کہہ دینا چاہتا ہوں کہ اپنی یہ کہانی سُنا سُنا کر میں عاجز آ چکا ہوں۔"

شہزاد اسے گھورتا رہا۔

اس نے ڈیوی کی بات پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔

"اب تک حکومت کے نہ جانے کتنے آدمی آ چکے ہیں۔ آخر میں کب تک یہ الف لیلوی داستان سُناتا رہوں گا؟"

"میں اس سلسلے کا آخری آدمی ہوں۔" شہزاد نے ٹھوس لہجے میں کہا اور اُٹھ کھڑا ہوا۔

چند لمحوں تک اس کی آنکھیں ڈیوی کا جائزہ لیتی رہیں... پھر وہ پنجوں کے بل دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ ڈیوی اُسے حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے آج تک راہب تو درکنار کسی جانور کو بھی اس قدر غیر معمولی اور بے آواز انداز میں چلتے نہیں دیکھا تھا۔ اُسے یوں لگ رہا تھا جیسے شہزاد کے پاؤں فرش پر لگ ہی نہ رہے ہوں بلکہ وہ زمین سے چند انچ اوپر فضا میں چل رہا ہو۔

ٹائیگر ایک بار پھر اس دروازے تک جا پہنچا جو اُن کے اور محافظ کے درمیان حائل تھا۔ اس نے تھک کر مالے کے سوراخ سے آنکھ چپکا دی۔ محافظ اوبرن ابھی تک اپنی سیٹ پر بیٹھا تھا اور اخبار کے مطالعے میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس کی کشادہ پشت سانس کی آمد و رفت سے متحرک نظر آ رہی تھی۔ قریب ہی ڈیسک پر ایک ریڈیو رکھا تھا جس سے ہلکی موسیقی کی لہریں نشر ہو رہی تھیں۔

جب شہزاد واپس قیدی کے پاس پہنچا تو اس نے قدرے بگڑے ہوئے لہجے میں کہا۔ "فادر... مجھے بتاؤ کہ حکومت مجھے یہاں سے کب اور کیسے نکالے گی یا پھر میں پریس کانفرنس طلب کروں؟"

"نہیں، تمہیں اس کی ضرورت نہیں پڑے گی۔" شہزاد نے قدرے نرمی سے اُسے سمجھایا۔ "اس سلسلے میں ہم ہر قسم کا کام مکمل کر چکے ہیں۔"

ٹائیگر جانتا تھا کہ اُسے کیا کرنا ہے۔ اس نے اپنے چوغے میں ہاتھ ڈال کر صلیب نکالی۔ یہ ایک چوبی صلیب تھی۔ اس نے صلیب قیدی کے سامنے کر دی۔ "اِدھر دیکھو۔" اس نے دھیمے لیکن تحکمانہ لہجے میں کہا۔ "مسیح کے قدموں میں ایک چھوٹی سی سیاہ ٹکیہ رکھی ہوئی ہے۔" اس نے بائیں ہاتھ سے اس سیاہ ٹکیہ کی نشاندہی کر دی۔ "جب گارڈ اندر آئے تو تمہیں مسیح کے قدموں پر جھک جانا ہے اور پھر قدم بوسی کے وقت تم اس ٹکیہ کو اپنے دانتوں میں دبا کر اُٹھا لو گے۔ یہاں سے جب تم اپنی... کوٹھری میں واپس جاؤ گے تو وہاں پہنچتے ہی تمہیں اس سیاہ ٹکیہ کو نگل لینا ہے... لیکن نگلنے سے پہلے اسے چبا لینا۔ اس نے تو بے ہوش ہو جاؤ گے۔ ہمارے آدمی جیل کے اسپتال میں موجود ہیں۔ جیسے ہی تمہیں اسپتال میں پہنچایا جائے گا، وہ تمہارا معائنہ کر کے کہیں گے کہ تمہیں اسپتال میں داخل کر کے کچھ عرصے تک زیرِ علاج رکھا جائے گا۔ کچھ کے فوراً ہی بعد اسپیشل ٹریٹمنٹ کے لیے تمہیں ایک پرائیویٹ اسپتال میں منتقل کر دیا جائے گا۔ جو ایمبولینس تمہیں اس پرائیویٹ اسپتال کے لیے لے جائے گی وہ کبھی کسی اسپتال تک نہیں پہنچے گی۔ اس طرح تم ہر غم سے آزاد ہو جاؤ گے۔"

"بہت ہی آسان سا منصوبہ ہے۔" قیدی نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "میں نہیں سمجھتا کہ یہ کامیابی سے ہمکنار بھی ہو سکے گا۔"

"میں اسے اب تک اَن گنت بار کامیابی سے پایۂ تکمیل تک پہنچا چکا ہوں۔" شہزاد نے سخت لہجے میں کہا۔ "تمہارا کیا خیال ہے، میں اس منصوبے پر پہلی بار عمل کر رہا ہوں؟ اس منصوبے کے بعد تم ایک ہزار سال تک زندہ رہ سکتے ہو۔"

وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔

"ٹھیک ہے..." ڈیوی نے ایک طویل سانس لی۔

"میں گارڈ کو بُلا رہا ہوں۔" ٹائیگر نے کہا۔ "ہمیں باتیں کرتے ہوئے اب کافی دیر ہو چکی ہے۔"

قیدی نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

شہزاد دروازے کی طرف بڑھا۔ اس بار بھی وہ اپنے مخصوص بے آواز انداز میں تیرتا ہوا چل رہا تھا۔ اس نے دائیں ہاتھ سے دروازے

پر دستک دی۔

دروازہ بے پناہ گونج پیدا کرتا ہوا خاموش ہو گیا لیکن ملاقات کے اس مختصر سے کمرے میں شور کی لہریں دیر تک گشت کرتی رہیں فوراً ہی دروازہ غیر مقفل ہو کر کھل گیا۔

دروازے کے فریم میں محافظ اوبرن کھڑا دکھائی دیا۔

اس وقت تک شہزاد دوبارہ قیدی کے پاس پہنچ چکا تھا۔ اس نے دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "ہماری بات چیت ختم ہو چکی ہے۔"

"بہت بہتر... مقدس باپ!" اوبرن نے کہا۔

شہزاد نے صلیب قیدی کی طرف بڑھا دی۔ ڈیوی مسیح کی قدم بوسی کے لیے جھک گیا۔ شہزاد نے اُس کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے انگلیاں اس انداز میں جھکا لیں کہ محافظ کی نگاہ قیدی کے منہ کی طرف نہیں جا سکتی تھی۔

"خدا تم پر اپنی رحمت نازل کرے، میرے بچے!" ٹائیگر نے روحانی رُعب و دبدبے سے بھاری آواز میں قیدی کو دُعا دی۔

ڈیوی نے اب تک کوئی حرکت نہیں کی تھی۔ شہزاد نے دل ہی دل میں اُسے کوسنا شروع کر دیا۔

وہ محافظ کو سُنانے کے لیے اُسے دُعائیں دے رہا تھا لیکن دل میں کہہ رہا تھا۔ "اب اس ٹکیہ کو دانتوں میں تھام لو، برخوردار... اور یہ کام جلدی کرو۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو مجھے اسی جگہ تمہیں تھکانے لگا دینا پڑے گا... اور تمہارے ساتھ ساتھ یہ بے چارہ محافظ بھی اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔"

اس نے صلیب کو قیدی کے مُنہ سے اور قریب کر دیا۔

"خدا تمہاری حفاظت کرے گا۔" اس نے بلند آواز میں کہا۔

"... اور اگر تم نے یہ ٹکیہ دانتوں میں نہ دبا لی تو تمہیں صرف خدا کی پناہ ہی میرے ہاتھوں سے بچا سکے گی۔ اس کے علاوہ دُنیا کی کوئی طاقت تمہاری زندگی کو محفوظ نہیں رکھ سکتی۔"

اس نے ایک بار پھر صلیب قیدی کے مُنہ کے قریب کر دی۔

ڈیوی نے نگاہ اُٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔

اس کی آنکھوں اور چہرے پر تشکک کے سائے تھے...

پھر اس نے بے پروائی کے اظہار میں کندھوں کو اُچکایا اور مسیح کے قدموں میں جھک گیا۔ اس نے بوسہ دیتے وقت وہ سیاہ ٹکیہ دانتوں میں دبا لی۔

"تمہاری لیے حیاتِ ابدی کی دُعا ہے۔" شہزاد نے روحانی دبدبے سے بھاری آواز میں کہا۔ نگران کی نظر بچا کر ڈیوی کو آنکھ سے اشارہ کیا کہ اُسے مطمئن رہنا چاہیے۔

قیدی کو پوری طرح مطمئن نہ ہوا لیکن اس کی تشویش خاصی حد تک کم ہو گئی تھی۔ شہزاد دروازے کی طرف چل دیا۔

محافظ اوبرن اب بھی گہری نگاہ سے اُسے دیکھ رہا تھا اور اس کی آنکھوں میں ابھی تک شبہے کی پرچھائیاں رقص کر رہی تھیں۔ غالباً اس کے ذہن میں ایک بار پھر یہ کشمکش شروع ہو گئی تھی کہ شہزاد واقعی کوئی راہب ہے یا نہیں۔

"کیا آپ باہر جانے کا راستہ تلاش کر لیں گے، فادر؟" محافظ نے دریافت کیا۔

"ہاں... میرے بچے۔"

"تو پھر آپ چلیے، میں قیدی کو واپس اس کی کوٹھری میں پہنچا دیتا ہوں۔ گڈ ڈے فادر۔"

شہزاد نے راہبانہ انداز میں سر کو جنبش دی اور دروازے سے نکلتے وقت اس نے قیدی کی طرف دیکھا جس کا بایاں گال ٹکیہ کی موجودگی کو ظاہر کر رہا تھا... پھر اس کی نگاہ صلیب کے پیروں کی طرف اُٹھ گئی۔

وہ سیاہ ٹکیہ واقعی غائب ہو چکی تھی۔

"ڈیوی! اب تم ایک مُردہ آدمی ہو۔" اس نے دل میں قیدی سے مخاطب ہو کر کہا۔ "اب تمہیں دُنیا کا کوئی خوف، کوئی فکر اور کوئی اندیشہ لاحق نہیں ہو سکتا۔ تمہاری سانسیں گنی جا چکی ہیں... لیکن تم خوش قسمت ہو کیوں کہ تمہیں بے حد آسان موت نصیب ہو رہی ہے۔"

وہ سیڑھیاں چڑھنے لگا۔

اب اُسے جلد از جلد اس جیل سے نکل جانا چاہیے تھا۔

جیسے ہی وہ زینے پر پہنچا، اوپر کے آئینے میں محافظ نے اس کا عکس دیکھ لیا۔ خود شہزاد بھی سامنے لگے ہوئے آئینے میں محافظ کی شبیہ دیکھ رہا تھا۔

جب وہ سب سے اوپر والے زینے پر پہنچا تو اس وقت تک عقب سے کوئی غیر معمولی آواز یا اشارہ سُنائی نہیں دیا تھا جس کا مطلب تھا کہ اب تک خیریت ہی ہے۔ ٹائیگر جانتا تھا کہ اسے جیل سے نکلنے میں زیادہ سے زیادہ تین منٹ لگیں گے۔ اس وقت تک خیریت ہی رہنی چاہیے تھی۔

جیل کی چار دیواری سے باہر دھوپ میں آیا تو اس کا جسم پسینے سے بُری طرح تر ہو چکا تھا۔ شدید گرمی نے اسے ہانپنے پر مجبور کر دیا۔

باہر آتے ہی وہ تیزی سے ایک طرف چل دیا۔

وہ جیل کے پھاٹک اور اپنے درمیان زیادہ سے زیادہ فاصلہ پیدا کر لینا چاہتا تھا۔ اس کے علاوہ بھاری کپڑے کے اس چوغے سے جلد

نجات حاصل کرنا بھی ضروری تھی۔

یہ جلد بازی ہی تھی جس کی وجہ سے وہ ان دو آدمیوں کی طرف متوجہ نہیں ہو سکا تھا۔ . . وہی دو آدمی جو سامنے والی ایک عمارت کی دیوار سے ٹیک لگائے کھڑے تھے، جن کی بے چین نگاہیں گیل کے دروازے پر جمی ہوئی تھیں۔

انھوں نے کچھ فاصلے سے شہزاد ٹائیگر کا تعاقب کرنا شروع کر دیا چونکہ شہزاد کی رفتار خاصی تیز تھی، اس لیے وہ بھی تیزی سے چل رہے تھے۔

شہزاد ان کی موجودگی سے بے نیاز چلتا رہا۔

ہوٹل پلازہ کا ریوالونگ ڈور دھکیل کر شہزاد نے ہوٹل کی ڈیوڑھی میں قدم رکھا تو مارے گرمی کے اس کی حالت خراب ہو رہی تھی۔ دروازے سے اندر آتے ہی وہ اِدھر اُدھر دیکھے بغیر تیزی سے لفٹ کی طرف بڑھ گیا۔

لفٹ آپریٹر نے ایک راہب کو آتے دیکھا تو حیران رہ گیا۔

"فادر . . . ؟" اس نے پھنسی پھنسی آواز میں کہا۔

"میں آخری رسوم ادا کرنے آیا ہوں۔" شہزاد نے جھلا کر جواب دیا۔

"مگ . . . مگر ہوا کیا فادر؟"

"اگر تم نے مجھے جلدی سے اوپر نہ پہنچایا تو وہ آخری رسوم تیری بھی ہو سکتی ہیں۔" وہ غرایا۔

لفٹ آپریٹر نے گہری نگاہ سے ٹائیگر کی طرف دیکھا اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کا نام و نشان تک نہیں تھا۔ بلکہ اس کے چہرے پر بے پناہ سختی نظر آ رہی تھی۔ آپریٹر گھبرا کر ایک طرف ہٹ گیا۔

شہزاد لفٹ کے ذریعے گیارہویں منزل کی طرف روانہ ہو گیا۔ ساتویں فلور پر ایک دو لوگوں کے لیے لفٹ رُکی اور ایک بوڑھی عورت اندر آ گئی۔ شہزاد نے ہاتھ اٹھا کر اُسے دُعا دی۔ بڑھیا نے عقیدت سے سر جھکا لیا۔ وہ گیارہویں منزل پر اُتر گئی۔

گیارھویں منزل پر لفٹ سے اُتر کر شہزاد تیز رفتاری سے اپنے مہنگے سوٹ کی طرف بڑھ جو راہداری کی بائیں سمت میں واقع تھا۔ اس وقت وہ راہداری میں کوئی بھی نہیں تھا۔

شہزاد نے اپنے سوٹ کے دروازے کو دیکھا تو اس کی جان میں جان آئی۔ خالی راہداری کو دیکھ کر اُس کا جی بے اختیار چاہنے لگا تھا کہ چوغے کو یہیں سے آزاد کرنا شروع کر دے۔ اس چوغے کی وجہ سے آج بے پناہ اذیت برداشت کرنا پڑی تھی۔

دروازے تک چلنا دُوبھر ہو رہا تھا۔

جب وہ دروازے کے سامنے پہنچا تو اُسے یوں محسوس ہوا جیسے گرمی کی شدت سے اس کا دم گھٹنے لگا ہو۔ وہ رُک کر چند لمحوں تک اندر سے آنے والی آوازیں سنتا رہا۔ وہی معمول کے مطابق ٹی۔ وی سے اُٹھتی ہوئی آوازیں تھیں۔ اس کا مطلب تھا کہ اُوشان، سیٹ کے سامنے بیٹھا اپنا کوئی پسندیدہ پروگرام دیکھنے میں محو ہے۔

شہزاد نے جیب سے چابی نکال اور دروازے کو غیر مقفل کر کے اُسے دھکیلتا ہوا اپارٹمنٹ میں داخل ہو گیا۔ دروازے کے سامنے ایک چھوٹی سی راہداری تھی یہاں سے اپارٹمنٹ کے انتہائی حصے میں واقع ایک چھوٹا سا کمرہ نظر آتا تھا۔ شہزاد نے دروازہ بند کرتے وقت اسی چھوٹے سے کمرے میں اُوشان کی جھلک دیکھی۔

وہ حسبِ معمول کنول کا آسن جمائے بیٹھا تھا۔

جب شہزاد اس کمرے میں داخل ہوا تو اُوشان کے انداز میں کوئی تبدیلی رُونما نہ ہوئی اور نہ ہی اس نے نگاہ کا زاویہ بدل کر شہزاد کی طرف دیکھا بلکہ اس کا انداز ایسا رہا جیسے وہ شہزاد کی آمد سے بالکل بے خبر رہا ہو۔

شہزاد اس کے قریب جا کھڑا ہوا۔

. . . پھر اس نے آہستہ آہستہ اُوشان کی طرف جُھکنا شروع کیا کان کے قریب مُنہ لے جا کر ٹائیگر پوری آواز سے چیخ پڑا۔ "ہیلو . . . مسٹر اُستاد!"

اس کا خیال تھا کہ اُوشان اُچھل پڑے گا لیکن اُچھلنا تو درکنار اُوشان کے عضلات تک میں حرکت نہ پیدا ہوئی۔ ایک رعشہ بھی اس شور سے متاثر نہیں ہوا۔ یوں لگتا تھا جیسے شہزاد کسی زندہ انسان کی بجائے ایسے ٹھوس جسم کے قریب مُنہ کر کے چیخا ہو جو سماعت سے محروم رہا ہو۔

شہزاد آہستہ آہستہ سیدھا کھڑا ہو گیا۔

"ہیلو اُوشان!" اس نے نرمی سے، مگر قدرے آمیز لہجے میں کہا۔

"ہیلو . . . ؟ اُوشان کی بھیدی سی آواز شہزاد کے کانوں سے ٹکرائی . . . اور اس کے ساتھ ہی اس نے نگاہ اُٹھا کر ٹائیگر کی طرف دیکھا تو اُسے توہینِ جنگ ہے ہو، فرزند! یوں لگتا ہے جیسے تم بہت سی نگاہوں کا مرکز بنے پھرتے رہے ہو۔ تمھیں اندر آتے وقت اپنی دُم کو اچھی طرح چھپا لینا چاہیے تھا!"

شہزاد کا موڈ مزید خراب ہو گیا۔

وہ پاؤں پٹختا ہوا اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

اُوشان تب کچھ عرصے سے عجیب عجیب تبدیلیاں پیدا ہو رہی تھیں شہزاد نے اپنے اُستاد کے اسی سالہ بظاہر ناتواں سے جسم میں اتنی طاقت

[illegible] ہاتھ کے سامنے موم کی ہو جاتی تھیں۔ اس نے درجنوں آدمیوں پر ستاد کے بظاہر لاغر سے جسم کو حاوی دیکھا تھا۔ اس بوڑھے کی ٹائیگر میں بڑی عزت تھی اور وہ اس کا مذاق اُڑاتے وقت احترام کو ملحوظ لی ہی کوشش کرتا تھا۔ بہرام نے اسے خاص طور سے شہزاد کے ں سے ڈھونڈا تھا۔ . . نہیں . . . بہرام نے نہیں . . . بلکہ ں کی دریافت تھی۔

شہزاد اس کے بارے میں تشویش میں مبتلا تھا کیوں کہ آپ چند سے اس نے شہزاد کی مشقوں میں دل چسپی لینی چھوڑ دی تھی۔ اس ہ، وہ پہلے کی طرح اُسے ٹوکتا بھی نہیں رہتا تھا۔ خود اپنے بارے اس کی احتیاطی تدابیر کم ہو گئی تھیں۔ اب وہ تھا اور ٹی۔ وی کے تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے ان پروگراموں کے علاوہ اس صدی کے سٹر اُوشان کو آپ کسی اور چیز سے ذرا سی بھی دل چسپی نہ رہ گئی ہو۔

اُوشان نے ہیلو اُوشان، کے جواب میں اُس سے جو باتیں کی انہیں اُس نے درخورِ اعتنا نہیں سمجھا بلکہ اُلٹا اُوشان کے سلسلے تشویش میں مبتلا رہا۔

اس نے چوغہ اُتار پھینکا۔

لعنت ہو اس موٹے لباس پر . . ." وہ بڑبڑایا۔ "یہ جانے یہ ا تھی گینڈے اتنی موٹی کھالوں کو زندگی بھر اوڑھے کس رہتے ہیں؟"

س بات پر خود ہی وہ ہنس پڑا۔

ر کنڈیشنر کی وجہ سے اُسے بے پناہ سکون کا احساس ہو رہا تھا۔ ری سانسیں لے لے کر ٹھنڈی ہوا اپنے جسم میں اتارنے کی رہا تھا۔

ا اُوشان پاگل ہوتا جا رہا ہے؟" اس نے خود کلامی کے انداز میں ننے کے ساتھ ساتھ دماغ بھی تو متاثر ہوتا ہے۔ ہو سکتا ہے، ہو۔"

ں نے چوغے کا ایک گولا سا بنایا اور اُسی کی تکلی ہوئی ڈوریوں سے پھر اسے ردی کی ٹوکری میں پھینک دیا۔ الماری سے ہلکی سی ں نکال کر زیبِ تن کر کے، وہ خود کو بے حد تر و تازہ محسوس

ہو کر وہ اُس کمرے کی طرف بڑھ گیا جہاں اُوشان بیٹھا ٹیلی تھا۔ ابھی وہ چند قدم ہی آگے بڑھا تھا کہ فون ں سے بجنے لگی۔

ٹرنک کر رُک گیا۔

اس نے ناگواری سے ٹیلی فون سیٹ کو گھورا اور آگے بڑھ گیا۔

وہ جانتا تھا کہ یہ بہرام ہی کی کال ہو گی۔ اس نے ریسیور اُٹھانے سے پہلے وہ مخصوص آلہ الماری سے نکال لیا جسے ایئر پیس سے منسلک کر دینے کے بعد کسی اور فون پر ان دونوں کی بات چیت نہیں سُنی جا سکتی تھی۔

"ہیلو . . ." شہزاد نے بھوس آواز میں کہا۔

"ڈاکٹر بہرام!" دوسری طرف سے اُس کے چیف کی آواز آئی۔ "کیا تم نے وہ آلہ . . ."

"ہاں، سویٹ ہارٹ۔ آپ اطمینان سے چیخ سکتے ہیں۔ کوئی آپ کی آواز نہیں سُن سکے گا۔"

"کیا تم ڈیوی سے مل چکے ہو؟"

"ہاں . . . ابھی ابھی واپس آیا ہوں۔"

"تفصیل سے بتاؤ، کیا رہا؟"

شہزاد نے جواباً تفصیل سے اُسے سب کچھ بتا دیا اور اس کے بعد قدرے تلخی سے بولا۔ "چیف! کیا آپ کے جگر میں درد ہے؟"

"نہیں . . . کیا مطلب؟"

"میں تو سمجھا تھا کہ شاید سارے جہاں کا درد آپ کے جگر میں ہے۔" اس کے لہجے میں خفیف سی تلخی اب بھی موجود تھی۔ "آپ ایسے کاموں میں کیوں توانائی ضائع کر رہے ہیں، جن کا تعلق ہم سے نہیں ہے۔"

"میں پچھلی اور وضاحت کر چکا ہوں۔" بہرام نے سخت لہجے میں کہا۔ "ابھی ہمیں یہاں اپنی پوزیشن کو مزید مضبوط بنانا ہے اس لیے ضروری ہے کہ تم صدرِ مملکت کی آنکھوں کے تارے بن جاؤ۔"

شہزاد خاموش رہا۔

اس کے ذہن میں وہ ساری باتیں گھوم رہی تھیں جنھیں اس نے ڈیوی کی زبان سے سُنا تھا اور کچھ دیر قبل اپنے چیف کے لیے دُہرایا تھا۔ اسکوبا کے صدر کو قتل کرنے کی سازش کی جا رہی تھی اور اس چھوٹے سے ملک کو دُنیا بھر کے جرائم پیشہ افراد کی جنت بنانے کا خواب دیکھا جا رہا تھا۔ ڈیوی نے اپنے بیان میں خیال ظاہر کیا تھا کہ آسفرنامی نائب صدر اس ملک کا نیا صدر بنے گا۔

"کیا ڈیوی نے تمھیں اس سازش کے سرغنہ کے متعلق کچھ نہیں بتایا؟" دوسری طرف سے بہرام نے کھنکار کر گلا صاف کرتے ہوئے سوال کیا۔ "اس سازش کو کون لیڈ کر رہا ہے، ٹائیگر؟"

"اس نے صرف آسفر کا نام لیا تھا۔ سرغنہ کے متعلق وہ خود بھی تاریکی میں تھا۔"

"اس سازش پر عمل درآمد کب ہو رہا ہے؟"

"ایک ہفتے کے اندر اندر . . ." شہزاد نے ایک طویل سانس لے

کر کہا وہ سمجھ رہا تھا کہ اب یہ معاملہ بھی اسے ہی نمٹانا پڑے گا۔

"اوہ، وقت بے حد کم ہے۔" بہرام بڑبڑایا۔

"ایک ہفتے کی زندگی میں مہلت مل جائے تو انسان اپنے سارے ہی ارمان پورے کر سکتا ہے۔" شہزاد بولا۔ "آپ اسکو مبا کے صدر سے رابطہ قائم کر کے اُسے اطلاع کیوں نہیں دے دیتے کہ وہ اس ایک ہفتے میں اپنی تشنہ آرزوؤں کی تکمیل کر لے۔ . . اور . . . یہ بات اُسے ضرور بتا دیجئے گا کہ جس عورت کے چہرے پر چھوٹے چھوٹے اَن گنت تل نہیں ہوتے، اس کی مثال ایک ایسی رات . . ."

"ٹائیگر . . ." بہرام دوسری طرف سے دھاڑا تو شہزاد کا کان جھنجھنا اُٹھا۔

"چیف . . ." اس نے ایک ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے کہا۔ "ایک نہ ایک روز آپ کو میرے اس مقولے کا قائل ہونا ہی پڑے گا۔"

"دیکھا جائے گا۔" بہرام نے جذبات سے عاری لہجے میں کہا۔ "کیا تم نے کبھی نیراف کا نام سُنا ہے؟"

"شاید قصہ چہار درویش میں پڑھا تھا۔"

"بکواس مت کرو۔ آج کی دُنیا میں یہ نام سب سے خطرناک مُجرم کی حیثیت سے پکارا جاتا ہے۔ الجزائر میں اس کی ایک شاندار کوٹھی ہے اور آج وہاں ایک مہمان بھی موجود تھا۔"

"آہ . . . یہ آپ کے خبر رساں . . ."

"جانتے ہو، یہ مہمان کون تھا؟"

شہزاد خاموش رہا۔

"اسکومبا کا نائب صدر آسفر . . ."

"اوہ . . ." شہزاد نے حیرت سے کہا۔

"اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نیراف اس معاملے میں ملوث ہے۔ ممکن ہے اس بھیانک سازش کا خالق وہ خود ہی ہو۔ اس معاملے میں سب سے زیادہ خطرناک پہلو یہی ہے کہ نیراف اس میں اہم کردار ادا کر رہا ہے۔"

"لیکن سویٹ ہارٹ میں اس سلسلے میں . . ."

"تم ایک بات بار بار بھول جاتے ہو ٹائیگر۔" بہرام نے سرد آواز میں کہا۔ "تمہاری تخلیق صرف اس لیے کی گئی تھی کہ تمہیں جُرم کے خلاف ایک طاقت ور انسانی مشین کے طور پر استعمال کیا جائے۔ اپنے بنیادی مقصد کو سامنے رکھتے ہوئے کیا تم اس بات کو پسند کرو گے کہ دُنیا میں جرائم پیشہ لوگ من مانیاں کرتے رہیں اور اچھے لوگ ان مُجرموں کے ہاتھوں ذبح ہوتے رہیں؟"

"بہرحال، میں سمجھ چکا ہوں کہ اس معاملے کو نمٹانے کے لیے آپ کی نظرِ انتخاب مجھی پر رُک گئی ہے۔"

"تم میری اُمیدوں کا آخری سہارا ہو۔"

"بڑھاپے میں یہ بات زیادہ اچھی لگتی۔ ابھی تو آپ جوان چیف! ایسی دقیانوسی باتیں نہ کیا کریں۔"

"میں تمہارے اس مشورے پر عمل کرنے کی کوشش کرُ گا۔" بہرام نے اس بار ہنس کر کہا۔ غالباً وہ اس لیے خوش ہو گیا شہزاد نے بڑی آسانی سے اور زیادہ بحث کیے بغیر کام ہاتھ میں پر رضامندی ظاہر کر دی تھی۔ "میں تمہیں ایک فائل بھجوا رہا ہوں اس میں تمام کوائف تفصیل سے درج ہیں۔ تم آسانی سے صورت کا اندازہ کر لو گے اور مجھے توقع ہے کہ اپنے لیے جلد ہی کوئی لائز ایکشن بھی تجویز کر لو گے۔ او۔ کے؟"

"جی ہاں . . ." شہزاد نے جواب دیا۔

دوسری طرف سے لائن بے جان ہو گئی۔

شہزاد نے وہ مخصوص آلہ اُتارا اور ریسیور کریڈل پر رکھ اس کا موڈ بڑی حد تک ٹھیک ہو چکا تھا۔ کمرے کی سرد فضا میں حواس بھی تھکانے آ گئے تھے اور بہرام کے بتائے ہوئے معاملے دلچسپی لینے کی وجہ سے وہ اس وقت قدرے سنجیدہ بھی ہو گیا ریسیور رکھنے کے بعد وہ اُس کمرے کی طرف بڑھ گیا جہاں اُدشا کا آسن جمائے بیٹھا تھا۔

"کہیں گھومنے کے لیے چلیں گے، اُدشان؟" اس نے قر پہنچ کر بڑی محبت سے دریافت کیا۔ "میں باہر جانا چاہتا ہوں اُدشان نے سر کو نفی میں ہلا دیا۔

وہ ٹی۔ وی کی طرف متوجہ رہا۔ شہزاد نے اُسے باہر جو پیش کش کی تھی، اس میں درحقیقت اُدشان کو باتوں میں کا مقصد پوشیدہ تھا لیکن جب وہ ٹس سے مس نہ ہوا تو شہزاد نے اُسے ہوٹل کی لابی میں جا کر دل بہلانا چاہیے۔

بیرونی دروازہ غیر مقفل کر کے وہ باہر آ گیا۔

لفٹ کے ذریعے وہ گراؤنڈ فلور پر پہنچا تو اُس کا موڈ خوش گوار تھا۔ . . لیکن لفٹ سے باہر قدم رکھتے ہی اس کی غیر حسیات نے اُسے بے چین کر نا شروع کر دیا۔ اس نے محسوس کہ چند آنکھیں اُسے خصوصی دلچسپی سے دیکھ رہی ہیں۔

اس نے سرسری سے انداز میں، لابی میں بیٹھے ہوئے دیکھا اور تبھی اُس کی نگاہ دو آدمیوں پر ایک لمحے کو رُک گئی یہی دو آدمی اُسے گھور رہے تھے۔ اُس نے بے چینی کی لہر کا تعین کر کے ان دونوں کے بارے میں اندازہ لگانا چاہا۔

وہ دونوں آخری جملے میں آئینے سامنے کی کرسیوں پر براجمان تھے ریسپشن کے سامنے کافی کے برتن رکھے ہوئے تھے شہزاد نے پہلی نگاہ میں ان دونوں کے بارے میں جو اندازہ لگایا، وہ یہ تھا کہ دونوں آدمی کا تعلق مقامی پولیس سے ہے لیکن پولیس والوں کو اس سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے؟ یہ بات البتہ اس کے لیے حیرت انگیز تھی کہ دونوں سادہ لباس والے ہوں۔ اس نے سوچا لیکن اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ باوردی یا سادہ لباس والے ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہوتے ہیں۔ نہ جانے اس خیال پر خود ہی مُسکرا دیا لیکن یہ مسکراہٹ لبوں پر سرگوشی کی خفیف سی لہر پیدا کر کے غائب ہو گئی تھی۔

وہ اب ان دونوں کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا لیکن اس کی غیر معمولی حسیات اُسے بتا رہی تھیں کہ وہ دونوں اُسی کو دیکھ رہے ہیں . . . پھر اس نے کن انکھیوں سے انھیں، ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر اثبات میں سر ہلاتے پایا تو اُس کی دھڑکنیں قدرے بے ترتیب ہونے لگیں۔ جوش و خروش کی ہلکی سی لہر اُسے شروع میں ذرا سا بے چین کر دیتی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ یہ دونوں اس سے کیا چاہتے ہیں اور ان سے کس معاملے کی شروعات کیسے ہوں گی؟

اس نے بے پروائی کے انداز میں کندھے اُچکائے اور ٹیونر پیہ مینڈ کی طرف بڑھ گیا جہاں ایک دُبلی پتلی سی بڑھی سیلز گرل میں کھڑی تھی۔ اس نے مُسکرا کر شہزاد کا استقبال کیا اور اس کا مطلوبہ اخبار اُسے دے دیا۔

شہزاد نے ادائیگی کر کے ریزگاری لینے سے انکار کرتے ہوئے دروازے کی طرف قدم بڑھا دیئے۔ اس نے ان چند لمحوں میں یہ فیصلہ کیا کہ ان دونوں کو شرفِ ملاقات بخشنے کے لیے اُسے ہوٹل سے چلے جانا چاہیے۔

دروازے کے قریب ہی وہ دیوار سے ٹیک کر کھڑا ہو گیا۔

اس نے اخبار پھیلا لیا۔

کن انکھیوں سے وہ اُن دونوں کی طرف بھی متوجہ رہا۔

انہوں نے کافی کا بل ادا کیا اور معنی خیز اشارے کرتے ہوئے کھڑے ہوئے۔ شہزاد کو یوں بنا کھڑا رہا جیسے اُسے گرد و پیش کا ذرا ہوش نہ ہو حالانکہ وہ ان کے بڑھتے ہوئے قدموں کی چاپ نمک اپنی کھوپڑی میں محسوس کر رہا تھا۔

اُسے زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑا۔

وہ اس کے دائیں بائیں کھڑے ہو گئے۔ تب شہزاد نے محسوس ان کا تعلق پولیس سے نہیں ہے۔ وہ جرائم پیشہ لوگوں کے انداز پہچانتا تھا۔ پولیس والوں کو اس کی پسلیوں سے ریوالور لگا کر باہر چلنے کی دعوت دینے کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ اُسی جگہ اس سے بات کر سکتے تھے۔

شہزاد نے باری باری دونوں کی طرف دیکھا۔

ان میں سے ایک نقش و نگار سے اٹالین لگتا تھا۔ وہ دُبلا پتلا لیکن سخت گیر آدمی تھا۔ اس کی جلد رنگ جیسے وہ شدید خون کی کمی کے مرض میں مبتلا ہو۔ اس کی آنکھوں میں چھید کر رکھ دینے والی چمک تھی۔ گول گول سانپ جیسی آنکھیں تھیں اور ہونٹ پتلے پتلے تھے جن پر مچھلی کے دانے کا احساس ہوتا تھا۔

دوسرے آدمی کی آنکھیں بھی پہلے سے ملتی جلتی تھیں۔ اور سے ان کے نقش و نگار اور آنکھوں کی ساخت غیر معمولی محسوس نہیں ہوئی تھی جب کہ قریب سے دیکھنے پر وہ بے حد عجیب آنکھوں کے مالک نظر آئے تھے۔ شہزاد کو اپنی پسلیوں میں کسی سخت سی چیز کی چبھن محسوس ہوئی۔ یہ ایک ریوالور کی نال تھی۔

اس سے پہلے کہ ان دونوں میں سے کوئی اس سے مخاطب ہوتا، شہزاد مُسکرا کر بولا۔ "میں جانتا ہوں کہ یہ ریوالور کی نال ہے۔" اس نے آواز دھیمی ہی رکھی تھی۔ "اور میں یہ بھی سمجھتا ہوں کہ اگر میں نے تمہاری باتوں پر بے چون و چرا عمل کیا تو مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔"

اٹالین نقش و نگار والا مُسکرانے لگا۔

اس کی مسکراہٹ بے حد بھیانک اور سفاک تھی۔

"مجھے خوشی ہے کہ تم ایک سمجھ دار آدمی ہو۔" اس نے دھیمی آواز میں شہزاد کی اس بات کو سراہتے ہوئے کہا۔ "یہ بہت اچھی بات ہے ورنہ عام طور پر ہمیں لوگوں کو پہلے یہی اطلاع دینی پڑتی ہے کہ انھیں جو چیز چبھ رہی ہے، وہ ریوالور کی نال ہے۔"

شہزاد نے جواباً اثبات میں سر ہلا دیا۔

اس کے انداز سے ظاہر ہوتا تھا جیسے وہ ان دونوں سے بے حد تعاون پر آمادہ ہو۔ اٹالین نقش و نگار والے کا ساتھی ہیز یرہ ہوئی کار میں بیٹھنے والا تھا۔ اس کے نقش و نگار قدرے ہندی سے تھے۔ ممکن ہے وہ پولینڈ کا باشندہ ہو۔ شہزاد اس سلسلے میں کوئی حتمی فیصلہ نہ کر سکا۔

"اگر تم اتنے ہی سمجھ دار آدمی ہو۔" وہ سے آدمی نے کہا۔ "تو اس میں یہ بھی سمجھ داری ہے گی کہ ہمیں کسی بات کو دُہرانا نہیں پڑے گا۔" یہ کہتے ہوئے وہ اس انداز میں سامنے کھڑا ہو گیا کہ لابی میں بیٹھے ہوئے لوگ شہزاد کو نہیں دیکھ سکتے تھے۔ شہزاد ایک طرح سے اس کی آڑ میں ہو گیا تھا۔

"تم دونوں مجھ سے کیا چاہتے ہو؟" شہزاد نے پوچھا۔

"ایک دو معمولی سے سوالات میں۔" اٹالین بولا۔ "تم کس کے لیے

کام کر رہے ہو؟"

"ٹائیگر صرف بورڈ کمپنی کے لیے۔"

فوراً ہی اس کی پسلیوں پر ریوالور کا دباؤ بڑھ گیا۔ سامنے کھڑے شخص کے چہرے سے مزید سختی جھلکنے لگی۔ "میرا خیال تھا کہ تم ایک سمجھ دار آدمی ہو لیکن معلوم ہوتا ہے، میرا اندازہ غلط تھا۔"

"کیا اس کمپنی کے ملازمین احمق ہوتے ہیں؟" شہزاد نے حیرت سے کہا۔ "یہ تو سمجھ داری ناپنے کے لیے کوئی پیمانہ نہیں ہو سکتا۔"

"وقت ضائع نہ کرو۔"

"میں سمجھتا ہوں کہ تم دونوں نے کسی اور کے دھوکے میں مجھے پکڑ لیا ہے۔" شہزاد مسکرانے لگا۔ "میں واقعی اس کمپنی میں کام کرتا ہوں جس کا نام میں ابھی ابھی تمھیں بتا چکا ہوں۔"

"اور کمپنی کی طرف سے تمھیں یہ کام سونپا گیا ہے کہ تم راہبوں جیسا لباس زیب تن کر کے جیل میں ملاقاتیں کرتے پھرو۔" اٹالین نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "ٹھیک ہے، نا؟"

"ممکن ہے، وہ کچھ اور بھی کہتا لیکن اس کے ساتھی نے آنکھ کے اشارے سے اُسے منع کر دیا۔۔۔ اور اس کے ہونٹ سختی سے بھنچ گئے۔

ٹائیگر کا ذہن تیزی سے کام کرنے لگا۔

راہب کے لباس میں جیل تک جانے اور کسی سے ملاقات کرنے کا حوالہ دینے کا مطلب تھا کہ وہ اس کے بارے میں کافی جانتے تھے۔ شہزاد سمجھ گیا کہ یہ دونوں تھانے دار سے اس کے تعاقب میں ہیں۔ اُسے افسوس ہونے لگا کہ وہ چوٹے کی وجہ سے ذہنی طور پر اس قدر اُلجھ گیا تھا کہ آس پاس کا دھیان ہی نہ رہا۔

شہزاد نے ایک طویل سانس لے کر باری باری ان دونوں کی طرف دیکھا۔ اس طرح اس نے یہی ظاہر کیا تھا جیسے اپنے بارے میں حقائق بے نقاب ہونے کے بعد اس نے شکست تسلیم کر لی ہے۔

"ٹھیک ہے، دوستو!" اس نے نرمی سے کہا۔ "تم دونوں غالباً کچھ زیادہ ہی واقف حال ہو۔ لہٰذا تم سے اَب کیا چھپایا جائے۔ دراصل میں ایک ذاتی نوعیت کے کام کرنے والا مُرغِ رسماں ہوں۔"

"اور تمھارا نام کیا ہے؟"

"رچرڈ ولیس۔۔۔؟" شہزاد نے جواب دیا۔

"بڑا عجیب نام ہے۔ میں نے آج تک کسی مرغِ رسماں کا ایسا نام نہیں سُنا۔" اٹالین نے مضحکہ اُڑانے کے سے انداز میں کہا۔

"کیا تم دونوں میرے نام کا مذاق اُڑا رہے ہو؟" شہزاد نے غصّے کا اظہار کرنا شروع کر دیا۔ جیسے اس شخص نے نام کا مضحکہ اُڑا کر اس کی اَنا کو ٹھیس پہنچائی ہو۔

"نہیں۔۔۔ زیادہ غصّے میں آنے کی ضرورت نہیں۔" نے جلدی سے ہموار لہجے میں کہا۔ "میں، تمھارا مضحکہ نہیں اُڑا رہا۔ بہرحال تم کس کے لیے کام کر رہے ہو؟"

"مم۔۔۔ غالباً کوئی پیرین ہے۔"

"اس کا کوئی نام تو ضرور ہو گا؟"

"نیمراف۔۔۔" شہزاد نے وہی نام لے دیا جو اس نے چیف بہرام سے سُنا تھا اور کن انکھیوں سے باری باری ان دو کے چہروں کے تاثرات کا جائزہ لینے لگا۔

ان کے چہرے جذبات و تاثرات سے عاری رہے۔

شہزاد سمجھ گیا کہ یہ دونوں نیمراف کے بارے میں کچھ نہ کچھ جانتے ہیں۔ گویا انھوں نے جرائم کی دُنیا کے اس خطرناک ترین شخص کا پہلے ہی نہیں سُنا تھا۔ اس کا یہی مطلب اخذ کیا جا سکتا تھا کہ وہ دو کے بدمعاش ہیں اور انہیں اونچے درجے کے جرائم پیشہ لوگوں میں زیادہ معلومات نہیں۔

"اس شخص نے تمھاری خدمات کس سلسلے میں حاصل کی تھیں؟" اٹالین نے سوال کیا۔

"مقصد تو مجھے معلوم نہیں۔ اس نے ایک خط اور چیک ڈاک مجھے بھجوا دیا تھا اس لیے میں کام پر آمادہ ہو گیا۔"

"کیا وہ خط تمھارے پاس اب بھی موجود ہے؟"

"ہاں۔۔۔ میرے کمرے میں ہے۔" شہزاد نے جواب دیا۔ "دوست! میں کوئی پریشانی مول نہیں لینا چاہتا۔ یہ ایک معمولی تھا جس میں مجھے چند باتیں ہی کرنا پڑی تھیں۔ اگر یہ کوئی خط کا معاملہ ہے تو مجھے بتا دو۔ میں اس پر لعنت کے چار حرف بھیج کر الگ ہو جاؤں گا۔ میں عموماً کسی قسم کی دردِ سری میں مبتلا ہونا پسند نہیں کرتا۔"

"تم معقول آدمی لگتے ہو۔" رچرڈ نے اٹالین نے اس بار طنز بھرے انداز میں کہا تھا۔ "اس لیے تمھیں کوئی دردِ سری لاحق ہو گی۔" اس نے ریوالور کی نال کو تھوڑا سا دبا کر ہٹا لیا اور ریوالور میں رکھتے ہوئے بولا۔ "چلو۔ ہم تمھارے کمرے تک چل کر وہ خط دیکھنا چاہتے ہیں۔"

ٹائیگر نے گہری سانس سے ان دونوں کا جائزہ لیا۔ اگرچہ اس نے بڑی ملائمت اور بظاہر خلوص بھرے انداز میں کمرے تک جانے کی ہامی بھری تھی لیکن ٹائیگر نے فوراً ہی دو باتوں کو محسوس کر لیا۔ پہلی بات تو اُسے ہرگز کوئی شبہ نہیں تھا کہ ان دونوں نے اسے قتل کرنے کا ارادہ کر رکھا ہے۔ دُوسری بات یہ تھی کہ اٹالین کا ساتھی ایک عادی قاتل معلوم ہوتا تھا۔ وہ دل ہی دل میں مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔

یہ دونوں آدمی اُس معیار پر ہرگز اعتبار سے پُورے نہیں اُترتے تھے جو ٹائیگر نے قتل کرنے کے لیے ذہنی طور پر تیار کر رکھا تھا۔ اس کے جی میں تو آیا کہ ان دونوں سے اسی جگہ نمٹ لے۔۔۔ لیکن پھر ہوٹل میں موجود لوگوں کے سامنے تماشا بننے کے خیال نے اُسے باز رکھا۔ اس نے کندھے اُچکائے "واپس لفٹ کی طرف چل دیا۔

دونوں ایک قدم کا فاصلہ برقرار رکھتے ہوئے اس کے پیچھے پیچھے چل دیئے۔

شہزاد نے لفٹ کا بٹن دبا دیا۔

وہ اس کے ساتھ لفٹ میں سوار ہو گئے۔

اپنے فلور پر لفٹ رُکتے ہی سب سے پہلے شہزاد باہر آیا۔ دونوں آدمی اس کے دائیں بائیں آ کھڑے ہوئے۔ ٹائیگر جانتا تھا کہ ریوالور کی نال جیب سے اس کے بائیں پہلو کی طرف ہے۔۔۔ ٹھیک اس طرف جہاں اس کا بایاں گردہ تھا۔

شہزاد، اٹالین کی بجائے اس کے دُوسرے ساتھی میں زیادہ دلچسپی لے رہا تھا کیونکہ وہ کوئی پیشہ ور قاتل ہی نہیں بلکہ جنونی آدمی نظر آتا تھا۔ اس کی آنکھوں میں دیوانگی رقص کر رہی تھی۔ ان آنکھوں کو ایک بار پھر دیکھ کر شہزاد کو ایک عجیب سا احساس ہونے لگا۔ بالکل ایسی ہی آنکھیں اوشان کی بھی تھیں۔ اس نئے احساس نے اسے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا۔ اس کا ایک مطلب تو بالکل واضح تھا کہ یہ شخص بھی اسی علاقے کا باشندہ ہے، جہاں کا اوشان بننے والا ہے۔ گویا اس بار اوشان کے ایک ہم وطن سے ملاقات ہو گئی تھی۔۔۔ اور شہزاد اس کے ساتھ ہی یہ بھی سوچ رہا تھا کہ ممکن ہے یہ اوشان کا ہم وطن بھی مارشل آرٹس میں مہارت رکھتا ہو۔

وہ اپنے دروازے کے سامنے رُک کر اُن دونوں کی طرف پلٹا۔ اس نے جیب سے چابیاں نکال کر ہاتھ میں لے لی تھیں۔

"دوستو۔۔۔" اس نے نرمی سے کہا۔ "میں کوئی پریشانی کھڑی کرنا نہیں چاہتا۔ میں تمھیں یہ احساس بھی نہیں دلانا چاہتا کہ میں تم سے کوئی فریب کروں گا۔ مگر میرا ایک پارٹنر موجود ہے۔ اس کی وجہ سے تمھیں مہذب رویہ اختیار کرنا ہو گا۔"

"کیا وہ مسلح ہے؟" اٹالین نے دریافت کیا۔

"مسلح۔۔۔" شہزاد ہنس پڑا۔ "وہ ایک اسّی سالہ بوڑھا ہے اور تمھارے اس دوست کا ہم وطن ہے۔ دراصل وہ میرے دادا جان کا دوست تھا۔" شہزاد نے محسوس کیا کہ اپنے ہم وطن کے بارے میں سُن کر دُوسرے

منقول

الماس ایم اے قیمت:=/150

قاتل کی آنکھیں سکڑ گئی تھیں۔ وہ دل ہی دل میں ہنس پڑا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ ایک عرصے بعد اپنے کسی ہم وطن کو دیکھ کر اُوشان کے کیا جذبات ہوں گے؟

"چابی میرے ساتھی کو دے دو۔" اٹالین نے کہا۔

شہزاد نے چابی اُسے تھما دی۔

اُوشان کے ہم وطن نے دروازے کو غیر مقفل کرنے کے بعد دھکا مار کر کھولا تو وہ خاصے پُرشور انداز میں دیوار سے ٹکرا گیا۔ سامنے ہی کمرے میں اوشان کی پُشت نظر آئی۔

وہ اب بھی کنول کے آسن میں فرش پر براجمان تھا۔

دروازہ کھلنے کا دھماکا سن کر اُس کے کان پر جُوں تک نہیں رینگی اور نہ ہی پلٹ کر یہ دیکھنے کی زحمت کی کہ یہ کیسی آواز تھی۔ اُوشان کے ہم وطن نے شہزاد کی طرف پلٹ کر پوچھا۔ "یہی ہے؟"

"ہاں۔۔۔ یہ ایک بے ضرر آدمی ہے۔"

وہ کمرے میں داخل ہو گئے۔

دروازہ ایک بار پھر دھماکے سے بند ہو کر مقفل ہو گیا۔

شہزاد کو حیرت تھی کہ ان دونوں نے باقی روم یا کسی اور کمرے میں جھانکنے کی زحمت بھی گوارا نہیں کی حالانکہ انھیں اندر قدم رکھتے ہی سب سے پہلے یہ اطمینان کر لینا چاہیے تھا کہ کوئی اور تو پارٹنر میں موجود نہیں ہے۔

اُوشان کا ہم وطن سب سے آگے تھا۔ وہ کمرے کے وسط میں جا کھڑا ہوا۔ شہزاد اس سے چند قدم پیچھے رُک گیا۔ اٹالین اس کے عقب میں کھڑا تھا۔

"اے بڑے میاں!" اُوشان کے ہم وطن نے بوڑھے اُوشان کو متوجہ کرنے کے لیے توہین آمیز زبان استعمال کی۔

ٹائیگر کی کنپٹیاں سُلگنے لگیں۔

اُوشان نے پلٹ کر بھی نہیں دیکھا۔ اس کے جسم میں معمولی سی بھی حرکت نہیں ہوئی تھی۔ شہزاد نے اس آئینے کی طرف دیکھا جس میں اُوشان کا چہرہ نظر آ رہا تھا۔ اُوشان نے یہ آواز سُن لی تھی اور وہ آئینے میں اپنے عقب میں موجود افراد کا جائزہ لے رہا تھا۔ چند لمحے بعد وہ دوبارہ سکرین پر رقص کرتے ہوئے کرداروں میں کھو گیا۔

"اے بوڑھے!" اُوشان کا ہم وطن دھاڑا۔ "میں تم سے مخاطب ہوں نجیب!"

اس بار بھی اُوشان اُس کی طرف متوجہ نہ ہوا تو وہ شخص تیز تیز

چلتا ہوا اُوشان کے سامنے جا ٹھہرا۔ اس نے جھک کر مارکرٹی۔ وی سیٹ کہا:

اُوشان کا بظاہر تاثرات جسم آہستہ آہستہ فرش پر بلند ہوا یوں محسوس ہوا تھا جیسے دھوئیں کا کوئی مجسمہ حرکت میں آیا ہو۔ شہزادہ کو اُس کے اس طرح اُٹھنے کا انداز بے حد پسند تھا اور وہ اکثر اس کی ناکام مشق کرتا رہتا تھا۔

اُوشان نے گہری نگاہ سے اُس شخص کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں جو نمایاں چمک بجلی کے کوندے کی طرح لپک کر غائب ہوگئی تھی اس نے شہزادہ پر یہ ظاہر کردیا کہ اُوشان نے اپنے ہم وطن کو پہچان لیا ہے۔

"تم نے میری تعریح غارت کردی۔" شہزادے نے اُوشان کو شکایت کرنے سنا۔ اس کے لہجے میں ملال تھا، غصّے کی رمق تک نہیں تھی۔

جواباً اس کے ہم وطن نے اپنی مادری زبان میں کچھ کہا جسے شہزادہ نہ سمجھ سکا۔ اُوشان سکون سے اس شخص کی باتیں سُنتا رہا اور شہزادے نے دیکھا کہ جیسے جیسے وہ شخص بولتا جارہا تھا۔ اُوشان کی آنکھوں میں رونگٹے اور غصّے کی جھلک بڑھتی جارہی تھی۔

جب وہ خاموش ہوگیا تو اُوشان نے اُسے مادری زبان میں جواب نہیں دیا۔ غالباً اُسے ٹائیگر کی دشواری کا احساس تھا۔ "تم نے یہاں آکر بہت بڑی غلطی کی۔" اُوشان کہہ رہا تھا۔ "تم نے اس صدی کے ماسٹر آف تو ہین کی... میں سناجو کی شمشیر کا مالک ہوں۔ سناجو کا ماسٹر ہوں۔"

اُوشان کے ہم وطن کا چہرہ یکایک سپید پڑ گیا۔

"سناجو کا ماسٹر کوئی نہیں ہے۔" اس نے دھیمی آواز میں کہا۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے اس کی ساری اکڑ فوں رخصت ہوگئی ہو۔

"میرے غصّے کو بھڑکنے کی دعوت نہ دو۔" اُوشان غرّایا۔

جواباً اس شخص نے دو لفظ مجمل ادا کیا۔

غالباً اس نے مادری زبان میں اُوشان کو کوئی گالی دی تھی۔ شہزادہ نے دیکھا کہ وہ شخص گلے ہی لمحے زمین سے اچھل پڑا تھا اور جب اس نے نگاہ جمائی تو وہ شخص فرش پر پڑا تھا۔ اُوشان ابھی تک فضا میں معلق تھا۔ اس کے پاؤں کی ہلکی ٹھوکر اپنے ہم وطن کے گلے پر لگی تھی اور وہ شخص فرش پر سی دیو یکپیر پرندے کی طرح بازو پھیلائے پڑا تھا۔ اس کی زندگی ختم ہوچکی تھی اور اس کے بازو، دم توڑتے ہوئے پرندے کے پروں کی طرح آہستہ آہستہ اپنے جسم کی طرف سمٹ رہے تھے۔

اُوشان واپس فرش پر پہنچا۔

اب وہ ٹائیگر اور ٹائین کی طرف متوجہ تھا۔

اس کا جسم دونوں پنجوں پر متوازن تھا اور اس کی مُٹھیاں بھنچ رہی تھیں۔ ہر عضو جس تھی۔ شہزادے نے گھوڑے ٹائین کے ہنہنانے کی آواز سُنی... پھر کروں کی سرسراہٹ نے اُسے بتایا کہ وہ شخص ریوالور نکالنے کی کوشش کررہا ہے۔

اُوشان کا جسم ذرا سا متحرک ہوکر رُک گیا۔

"نہیں محترم اُستاد۔ اس شخص کو میرے ہاتھوں مرنے کی سعادت حاصل کرنے دو۔" شہزادے نے درخواست کی۔

ٹائین نے ریوالور نکالنے میں بڑی پھرتی دکھائی تھی لیکن شہزادے کی کہنی نے اُس سے کہیں زیادہ تیز رفتاری سے حرکت کی۔ اس نے عقب میں حملہ کیا تھا۔

شہزادے نے کسی غضبناک چیتے کی طرح پلٹ کر اُسے دیکھا لیکن گھومتے وقت اُس نے کہنی کی ضرب سے ٹوٹنے والی ہڈیوں کی کڑکڑاہٹ سُن لی تھی... چوٹ کھا کر وہ شخص کسی بدمست شرابی کی طرح لڑکھڑاتا ہوا پیچھے ہٹنا چاہتا تھا لیکن اس کی ٹانگیں بے جان ہوگئی تھیں۔

اس کی آنکھیں مارے حیرت اور خوف کے اپنے حلقوں سے اُبل پڑی تھیں اور اس کے چہرے پر ناقابلِ یقین صورتِ حال کے تاثرات منجمد ہو چکے تھے۔ اس کا ریوالور دالا ہاتھ اب بھی اُٹھا ہوا تھا لیکن اس میں نرمی رفتہ رفتہ جھکاؤ پیدا ہوتا جارہا تھا۔

... پھر اس کے قدموں نے حرکت کرنا بند کردی۔

وہ رُک کر ایک ہی جگہ جھولنے لگا۔

اُس کا اُٹھا ہوا ہاتھ خاصا جھک گیا تھا اور اب اس کی اُنگلیاں ڈھیلی کھل رہی تھیں جیسے کوئی غیر مرئی طاقت اس کی انگلیوں کو کھول رہی ہو... یا پھر اس کی انگلیاں ریوالور کو سنبھالنے میں ناکام ہوگئیں۔

ریوالور مدھم سی آواز پیدا کرتا ہوا فرش پر گر گیا۔

اس کے ساتھ ہی اس کا جسم بھی گرا۔

گرتے وقت اس کی کھوپڑی کا عقبی حصّہ ایک قریبی الماری سے ٹکرا گیا تھا لیکن وہ سر کی چوٹ محسوس کرنے سے کئی لمحے پہلے ہی اس دارِ فانی سے کوچ کرچکا تھا۔

ٹائیگر نے پلٹ کر اپنے اُستاد کی طرف دیکھا اور پھر تعظیماً جھک گیا۔ جواباً اُوشان بھی مُجک کر کورنش بجا لایا۔ شہزادے نے اُوشان کے ہم وطن کی طرف دیکھتے ہوئے افسوس کے اظہار میں سر ہلاتے ہوئے کہا: "یہ شخص خاصا تھا۔ تعارف سے متاثر نہیں ہوا تھا۔"

"یہ اس صدی کا سب سے بڑا احمق تھا۔" اُوشان نے نفرت سے تھوک کر کہا۔ "اس کی ماں نے جو گن کیا تھا۔ یہ اس کا بدلہ چکانے کے لیے ہر سفید رنگ کے چہرے والے شخص کا دشمن ہوگیا تھا۔ اُف دُنیا میں اب کیسے کیسے نفسیاتی احمق پائے جاتے ہیں۔"

جواب میں شہزادے بھی افسوس سے سر ہلا کر رہ گیا۔

"میرا خیال ہے۔ ہمیں اپنے شکار کو ٹھکانے لگا دینا چاہیے۔" شہزادے نے مسکرا کر کہا۔ "محترم اُستاد۔ تم نے شکار سے نجات حاصل کرنے کی تدبیر کردی۔"

"یہ کام بھی تم ہی کروگے۔" اُوشان غرّایا۔

"ورنہ..." ٹائیگر نے اُس کی آنکھوں میں دیکھا۔

"میں تین سے کم لاشیں ٹھکانے لگانا پسند نہیں کرتا۔" اُوشان کے لہجے میں بے حد سفاکی لیکن ہونٹوں پر شریر سی مسکراہٹ تھی۔

شہزادے نے مسکرا کر کانوں کو ہاتھ لگایا اور دروازہ کھول کر باہر راہ داری میں جھانکنے لگا۔

راہ داری سنسان پڑی تھی۔

اُسے لفٹ کے قریب ایک خالی لانڈری کارٹ کھڑی دکھائی دی۔ وہ تیزی سے سُنسان راہ داری میں اس چھوٹی سی گاڑی تک پہنچا اور اُسے دھکیل کر کمرے میں لے آیا۔

"بہت خوب! اس طرح تم دونوں لاشوں کو آسانی سے ٹھکانے لگا سکو گے۔" اُوشان نے مسکرا کر تعریفی لہجے میں کہا۔

"لیکن میں تمہارے مُردے کب تک ڈھوتا رہوں گا محترم اُوشان؟" شہزادے نے بظاہر بے زاری سے کہا۔ ویسے وہ دل ہی دل میں خوش تھا کہ اُوشان پر جو برف پڑی ہوئی تھی، وہ اس ہنگامے کی وجہ سے پگھل گئی ہے۔

"پرانے زمانے میں شاگرد اُستادوں کے جوتے سیدھے کیا کرتے تھے اور گھر کا سارا سامان..."

"لیکن مُردے ہرگز نہ ڈھوتے ہوں گے۔" شہزادے نے لاشوں کو گاڑی میں ڈالتے ہوئے کہا اور پھر گیلے کپڑے سے فرش بھی پونچھ ڈالا۔ اس نے بستر کی چادر کھینچی اور لاشوں کو ڈھانپ دیا... پھر وہ لانڈری کارٹ کو دھکیلتا ہوا باہر راہ داری میں لے آیا۔

ہال سے گزرتے ہوئے وہ اس ڈھلان تک جا پہنچا، جہاں سے اس نے میلے کچیلے کپڑوں کے ڈھیر نیچے گرتے دیکھے تھے۔ وہ جانتا تھا کہ لانڈری کا کام بے حد سُست رفتاری سے ہوتا ہے اس لیے اس نے اطمینان سے گاڑی کو ڈھلان پر روک کر الٹ دیا۔ چادر میں لپٹ کر دونوں لاشیں لڑھکتی ہوئی اس کی نگاہوں سے اوجھل ہوگئیں۔

اس نے ہاتھ گاڑی کو صفائی والے کمرے کے سامنے چھوڑا اور دھیمے سُروں میں سیٹی بجاتا ہوا اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ جب وہ کمرے میں پہنچا تو اُوشان بہت اچھے موڈ میں تھا۔

"میں محسوس کرتا رہا ہوں کہ تم میرے بارے میں کافی پریشان رہنے لگے ہو۔" اُوشان نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "کہیں میرا یہ احساس غلط تو نہیں ہے؟"

"محترم اُوشان!" شہزادہ بے پناہ سنجیدہ ہوگیا۔ "میں واقعی آپ کے لیے بے حد متفکر ہوں۔ مجھے تو یوں محسوس ہونے لگا ہے جیسے آپ زندگی کے لطف و لذت ہی سے محروم ہوگئے ہوں۔"

"مجھے افسوس ہے کہ میرے رویّے سے تمہیں فکرمندی میں مُبتلا ہونا پڑا۔" اُوشان نے بھی سنجیدہ ہوتے ہوئے زیرِلب کہا۔ "بر سبیلِ تذکرہ ایک بات تو بتاؤ۔ جب تم نے ابھی کچھ دیر قبل اپنے ہدف پر حملہ کیا تھا تو تمہاری بھنچی ہوئی مُٹھی، تمہارے سینے سے کتنے فاصلے پر تھی؟"

"معلوم نہیں..." شہزادے نے حیرت سے کہا۔

"تمہارے سینے سے مُٹھی کا فاصلہ آٹھ انچ تھا۔"

"اوہ... آپ نے اتنی سی مہلت میں یہ بھی دیکھ لیا؟"

"نہ صرف دیکھ لیا بلکہ یہ بھی محسوس کرلیا کہ تم میرے لیے ایک شرمناک شاگرد ہو۔" اُوشان کی آنکھوں میں سُرخی آگئی۔ "وہ شخص کسی طرح بھی سناجو کی شمشیر کا اہل نہیں ہوسکتا جسے یہی معلوم نہ ہو کہ بیک ایل بُوتھر سٹ نامی وار کرتے وقت مُٹھی کو سینے سے قریب تر رہنا چاہیے۔"

"مجھے افسوس ہے کہ آپ..."

"افسوس کی بجائے تمہیں مشق کرنی چاہیے۔ آج رات سونے کے وقت تک تم اسی ایک داؤ کی پریکٹس کرتے رہو گے... چلو شروع ہوجاؤ۔"

ٹائیگر نے ایک طویل سانس لی اور پریکٹس شروع کرنے کا انداز اختیار کرلیا۔ اُوشان کی بے پناہ سنجیدگی اور غصّے نے اُسے اس کی مرضی کے مطابق مشق کے لیے مجبور کردیا تھا۔

... پھر وہ سب کچھ بھول کر مشق میں مصروف ہوگیا۔

اس وقت اُسے اپنے بوڑھے اُستاد پر بے پناہ فخر کا احساس ہو رہا تھا جس نے لمحوں کے اس کھیل کے دوران میں بھی ٹیکنیک کا خاص خیال رکھا تھا۔

اسٹون والی ہوٹل الجانز کا پورا ایک فلور نیراف کے تصرف میں تھا۔ یہ فلور اس نے پورے چھ ماہ کے لیے بُک کروایا تھا لیکن وہ آج کل یہاں مقیم نہیں تھا۔ وہ کوئی معمولی آدمی نہیں تھا اس لیے اخباروں نے اس خبر کو بڑی الجھن اور تشویش سے شائع کرتے ہوئے مختلف قیاس آرائیاں کی تھیں۔ خصوصاً سیکورٹی کے آلات کی تنصیب سب کے لیے حیران کُن تھی۔ اس پر کیے گئے تبصرے سب سے زیادہ دلچسپ تھے۔ الجیریا میں واقع اپنے شان دار

محل میں نیراف ناشتے کی میز پر اس وقت بیٹھا اخبار میں شائع ہونے والے تبصرے پڑھ پڑھ کر لطف اندوز ہو رہا تھا۔

اخبار سے نگاہ ہٹا کر اس نے اسے بڑی نفاست سے تہ کیا اور قریبی تپائی پر یوں احتیاط کے ساتھ رکھ دیا جیسے وہ کوئی ٹوٹ پھوٹ جانے والی چیز ہو۔

. . . پھر اس کے حلق سے قہقہہ اُبل پڑا۔

اُس کا اس انداز میں ہنس پڑنا کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ یہ بات اس کے قریب رہنے والوں کو خوب اچھی طرح معلوم تھی کہ نیراف جب اس انداز میں ہنستا ہے تو کس قدر تباہی آتی ہے۔

وہ اپنی پوری زندگی میں شاید چند بار ہی اس انداز میں ہنسا ہوگا۔ وہ ایک لمبوترے سر والا آدمی تھا جس کی پیشانی چوکور تھی اور جس کے چہرے عجیب سے انداز میں اُبھرے ہوئے تھے۔ اس کے بالوں کی رنگت خون جیسی سُرخ تھی جن کے نیچے اس کی گول گول سی آنکھیں بڑی ہی خوف ناک لگتی تھیں۔ اس کے چہرے کا رنگ زرد تھا۔ . . لیکن یہ زردی بیمار یا خوف زدہ ہونے والے کسی چہرے جیسی ہرگز نہیں تھی۔ اس کے رخساروں پر چند جھُرّیاں تھیں جن سے اس کی سفاک فطرت کا بخوبی اندازہ ہوتا تھا۔

نیراف کا قد چھ فٹ آٹھ انچ کے لگ بھگ تھا . . . اور وزن ڈیڑھ سو پاؤنڈ سے کچھ زیادہ۔ اپنے اس وزن کو برقرار رکھنے اور قد و قامت میں جھکاؤ سے بچنے کے لیے وہ روزانہ چھ بار کھانا کھایا کرتا تھا۔ اس کے جسم کو ہمیشہ ہی متحرک پایا جاتا تھا۔ کبھی کوئی ٹانگ حرکت کرتی رہتی اور کبھی ہاتھ متحرک ہو جاتے تھے۔

اس کی نیند بے چین تھی۔ معمولی سی آہٹ بھی اسے بیدار کرنے کے لیے کافی ثابت ہوتی تھی۔ وہ خوراک اور نیند کے معاملے میں اس قدر نازک تھا۔ رات بھر میں دو بار نیند اچاٹ ہو جانے یا دو بار کھانا نہ کھانے کی وجہ سے ایک ہی روز میں اس کا وزن پانچ سے دس پاؤنڈ تک گر جاتا۔

اگر اُسے محض بہتر گھنٹے تک بھوکا پیاسا رکھا جائے تو اس کی موت واقع ہو سکتی تھی . . . اسی طرح اس کا ہنسنا بھی صحت کے لیے مُضر سمجھا جاتا تھا۔

اس کی ہنسی بڑی ہی خوف ناک اور شیطانی تاثر سے بھرپور تھی۔ اس کا جسم اس قہقہے کی وجہ سے اس انداز میں لرز رہا تھا کہ اس کی توانائی تیزی سے خرچ ہوتی صاف محسوس ہو رہی تھی۔

اس نے بالکنی سے شہر کی طرف دیکھا۔

نہ جانے کیوں اُس کی ہنسی ایک بار پھر تیز ہو گئی۔

سب کچھ اُس کے منصوبے کے عین مطابق ہی ہو رہا تھا۔ یہ بات اُسے اپنے بارے میں خبریں اور تبصرے پڑھنے کے بعد ہی محسوس ہوئی تھی۔ اُسے یوں محسوس ہُوا تھا جیسے ان گنت لوگ محض اس پریشانی میں مبتلا ہو گئے ہیں کہ آخر ہوٹل کے اس فلور پر کیا ہو رہا ہے؟

وہ اس صورتِ حال سے محظوظ ہو رہا تھا۔

اس کے لیے یہ بیان دینا کوئی بڑی بات نہیں تھی کہ اس نے جو فلور بُک کرایا ہے، اس پر کوئی غیر معمولی حرکت نہیں ہو رہی ہے بلکہ وہ محض آرام و سکون کی خاطر یہاں رہ رہا ہے . . . لیکن اس نے کوئی بیان نہیں دیا۔ کوئی وضاحت نہیں کی . . . اور یوں اس نے لوگوں کے تجسس کو مزید ہوا دی تھی۔ اس وقت وہ اسی بات سے لطف اندوز ہو کر ہنس رہا تھا۔

اس نے ہر کسی کی توجہ اس جانب صرف اس لیے مبذول کرائی تھی کہ لوگ اس خاص جگہ کے بارے میں سوچ بھی نہ سکیں جہاں وہ آیندہ چند دنوں میں ایک اہم منصوبے کو عملی جامہ پہنانے والا تھا . . . اور اُسے اپنے اس مقصد میں کامیابی ہُوئی تھی۔

وہ محض اتفاقات کے سہارے آگے بڑھنے والا آدمی نہیں تھا۔ یہ بات اُس مہمان کو بھی معلوم تھی جو اس وقت نیراف کے ساتھ ناشتے کی میز پر موجود تھا۔

یہ شخص آسفر تھا۔

نائب صدر آسفر گہری توجہ سے نیراف کی طرف دیکھ رہا تھا۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ نیراف کے ہنسنے کی وجہ معلوم کرنے کے لیے بے تاب ہو . . . لیکن اس سے وضاحت چاہنے سے گھبرا رہا ہو۔

کافی دیر بعد نیراف نے اپنے مہمان کی طرف دیکھا۔

"سب کچھ ٹھیک ہو گیا آسفر۔" اس نے خوش گوار لہجے میں کہا: "ہر چیز منصوبے اور میری توقع کے مطابق عمل میں آ رہی ہے۔ میرے اس بھونڈے قہقہے کو بھول جاؤ۔ میں دراصل ان لوگوں کے بارے میں سوچ کر ہنس پڑا تھا، جو ہمیں روکنے جیسی حماقت میں مبتلا ہیں . . . یقین کرو، آسفر! ہم آسانی سے انھیں احمق بنا ڈالیں گے۔ وہ ہماری ذہانت کو ہرگز نہیں پہنچ سکتے۔ ہم دونوں، ان لوگوں سے کہیں زیادہ ذہین ہیں۔"

"اور آپ کے دیگر مہمانوں کا کیا رہے گا؟"

"ان کی آمد کا سلسلہ کل سے شروع ہو جائے گا۔ آؤ۔ میں، تمھیں بعض انتظامات دکھاؤں۔"

وہ دونوں ایک ساتھ ناشتے کی میز سے اُٹھ کھڑے ہُوئے۔

نیراف اس وقت . . . آسفر کی طرف متوجہ نہیں تھا اس لیے وہ اس کی آنکھوں میں مایوسی کی جھلک نہ دیکھ سکا۔

آسفر اپنے میزبان کے پیچھے چلتا ہُوا بالکنی تک پہنچا۔

نیراف نے ایک طرف ہاتھ پھیلا دیا۔

مہمان نے اس کے پھیلے ہُوئے ہاتھ کی سمت میں دیکھا۔

"تم دیکھ رہے ہو کہ اس جگہ تک آنے کے لیے صرف ایک ہی سڑک ہے۔" نیراف کہہ رہا تھا۔ "اور یہ بتانے کی تو غالباً ضرورت ہی نہیں کہ اس راستے کے دونوں طرف مسلح محافظ پوشیدہ ہیں . . . یہاں آنے والے ہر مہمان کے لیے پہلے مجھ سے منظوری لینا ضروری ہے۔ اس کے علاوہ کوئی کار کسی بھی ذریعے سے یہاں تک نہیں پہنچ سکتی۔"

نیراف کا ہاتھ ایک جھٹکے سے گر گیا۔

"اور اُدھر دیکھو۔" اس نے دوسرے ہاتھ سے اشارہ کیا۔

آسفر نے اشارے کی طرف دیکھا تو اُدھر ہر طرف ہریالی پھیلی ہُوئی تھی۔ گھنی جھاڑیوں کا سلسلہ دُور دُور تک نظر آ رہا تھا . . . یہ پہاڑی علاقہ تھا لیکن جھاڑ جھنکاڑ کی وجہ سے چٹانیں دکھائی نہیں دیتی تھیں۔

"ان ڈھلانوں میں ہر طرف میرے آدمی پھیلے ہُوئے ہیں۔" نیراف نے بڑے فخریہ لہجے میں کہا: "سب کے سب مسلح ہیں۔ انھیں اچھی طرح سے علم ہے کہ کسی ایسے شخص سے کیسے نمٹا جا سکتا ہے، جو زبردستی اس علاقے میں گھس آنے کی کوشش کرے گا۔"

آسفر نے حفاظتی انتظامات پر اطمینان کے اظہار میں گردن ہلا دی۔ اب وہ قدرے مطمئن دکھائی دے رہا تھا۔ کچھ دیر قبل اس کی آنکھوں میں جو بے اطمینانی پیدا ہُوئی تھی، وہ اب غائب ہو چکی تھی۔

". . . اور . . ." نیراف نے ڈرامائی انداز میں کہا: "شکاری کتے بھی ہیں۔ بلکہ ان کی تو پُوری فوج ہے جو ناپسندیدہ عناصر کی تلاش میں رہتی ہے اور انھیں ہر وقت چیر پھاڑ کی بھوک کا احساس ہوتا رہتا ہے۔" وہ خفیف سا مسکرا دیا۔

آسفر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"الیکٹرونک آلات . . . الیکٹرونک آنکھیں اور ٹیلی وژن کیمرے کے علاوہ مائیکروفونز کا وسیع سلسلہ کسی بھی مداخلت کرنے والے کی فوری نشان دہی کرنے کے لیے کافی ہے۔"

یہ کہہ کر وہ بالکنی سے ہٹ گیا۔

اس نے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف پھیلا دیئے۔

"یہ سارے انتظامات ایک طرف اور ہمارا ہیلی کاپٹر اسکواڈ ایک طرف . . . یہ ہیلی کاپٹر قلعے کے اُوپر مسلسل چکر لگاتے رہیں گے۔"

آسفر نے نگاہ اُٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا۔

نیراف محل کی فصیل سے کچھ فاصلے پر ایک جہاز نما فضا میں بڑی آہستگی سے پرواز کرتا دکھائی دے رہا تھا۔

میزبان نے آسفر کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہُوئے دوستانہ لہجے میں کہا: "اب تمھیں مطمئن ہو جانا چاہیے۔ میرا پروگرام ناقابلِ شکست ہے۔ ہمیں کسی قسم کی رُکاوٹ یا مداخلت کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔"

آسفر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

نیراف اپنے مہمان کا ہاتھ تھام کر کانچ کے اس دروازے کی طرف بڑھ گیا جو کمرۂ نشست میں کھُلتا تھا۔

"آؤ۔ اب میں تمھیں وہ انتظامات دکھاتا ہُوں جن کے تحت ہماری کانفرنس کو بے پناہ سہولتیں حاصل ہوں گی۔ اس دوران میں، تم مجھے اپنی پرواز کا حال سُناؤ۔ سوئٹزرلینڈ سے یہاں تک ہوائی سفر کیسا رہا . . . اور ہاں، ائیر ہوسٹس کیسی تھی؟"

آسفر نے ائیر ہوسٹس کی تعریف کی اور اس کا خاکہ اس انداز میں کھینچا کہ نیراف نچلا لب دانتوں سے تھامنے پر مجبور ہو گیا۔ اس نے ائیر ہوسٹس کے بارے میں اس طرح بولنا شروع کر دیا تھا جیسے وہ اس کے سامنے کھڑی ہو اور وہ اسے دیکھ دیکھ کر تبصرہ کر رہا ہو۔

نیراف سفید لباس پہنے ہُوئے تھا۔ سر سے پاؤں تک سوائے بالوں کے ہر چیز سفید تھی۔ آسفر نے جو سیاہ سُوٹ پہن رکھا تھا، اس کی وجہ سے نیراف کے سفید کپڑوں کی رنگت کچھ اور اُجلی اُجلی سی لگ رہی تھی۔ آسفر ایک طویل سفر کے بعد نیراف محل پہنچا تھا اور اب تک اُسے اپنے کپڑے بھی تبدیل کرنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ یہی وجہ تھی اس کی بغلوں کا پسینہ نہ صرف سیاہ سُوٹ کی بغلوں سے جھانکنے لگا تھا بلکہ تشنگی ہوتے ہُوئے پسینے کی وجہ سے نمک کی خفیف سی تہ بھی نظر آنے لگی تھی۔

دونوں ایک آئل پینٹنگ کے سامنے جا کھڑے ہُوئے۔

یہ ایک قیمتی اور نایاب شہ کار تھا۔

"اس محل میں ستر کمرے ہیں، وائس پریذیڈنٹ!" نیراف نے فخریہ لہجے میں کہا: "اور ہمارے ٹرسٹ کا کی ضرورت سے کہیں زیادہ ہیں۔" اس نے ہاتھ اُٹھایا اور پینٹنگ کے فریم میں لگے ہُوئے ایک بٹن کو دبا دیا۔

پینٹنگ فوراً ہی سرک گئی۔

قدِ آدم فریم ہٹ گیا تو سامنے ایک لفٹ دکھائی دی۔

وہ لفٹ میں سوار ہو گئے۔

نیمراف نے ایک ایسا بٹن دبایا جس پر انگریزی کا حرف دی بنا ہوا تھا۔ لفٹ بے انتہا تیزی لیکن حیرت انگیز خاموشی سے اوپر اٹھنے لگی اور جلد ہی منزلِ مقصود پہ جا پہنچی۔

لفٹ کا دروازہ کھل گیا۔

وہ ایک وسیع و عریض کمرے میں داخل ہو گئے۔

اس کمرے کا جائزہ لیتے ہوئے وائس پریذیڈنٹ نے اندازہ لگایا کہ بالائی حصہ اس کا طول ایک سو فٹ اور عرض چالیس فٹ ہو گا۔ اس کی دیواریں بھی اسی مضبوط پتھر سے بنی ہوئی تھیں، جن سے پورے محل کی تعمیر کا کام لیا گیا تھا۔

کمرے میں مہنگائی کا قیمتی فرنیچر سجا ہوا تھا۔

کانفرنس ٹیبل بے حد قیمتی اور چمک دار تھی۔ اس کے گرد چالیس کرسیاں ترتیب سے رکھی گئی تھیں۔ میز پر، ہر کرسی کے سامنے ضرورت کے مطابق لکھنے پڑھنے کا سامان موجود تھا۔

"ہماری میٹنگ اس کمرے میں ہو گی۔" نیمراف نے اعلان کرنے والے انداز میں کہا۔ "تین روز بعد، ٹھیک اسی کمرے میں سب لوگ جمع ہوں گے اور یہاں ایسے فیصلے کیے جائیں گے جن کے تحت تمہیں وائس پریذیڈنٹ کی بجائے پریذیڈنٹ بنا دیا جائے گا۔ تم اپنی مملکت کے صدر بن جاؤ گے، آسفر۔"

آسفر کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔

اس کے سیاہ چہرے پر سفید دانت بڑے ہی عجیب محسوس ہو رہے تھے۔ اس کی آنکھوں میں خوشی کی بے پناہ چمک تھی۔

"اس کے علاوہ تمہاری قوم، دُنیا کی طاقت ور قوموں میں شمار ہونے لگے گی۔" نیمراف نے دونوں ہاتھوں کو دائرے میں یوں گردش دی جیسے وہ پوری دُنیا کا احاطہ کر رہا ہو۔

وہ آسفر کو کمرے میں گھمانے لگا۔

"ذرا سوچو تو سہی، آسفر۔" نیمراف فخریہ لہجے میں کہتا رہا۔ "ایک ایسی قوم جو جرائم کے پرچم تلے ہو گی۔ دُنیا بھر کے مفرور مجرموں کی پناہ گاہ... ایک ایسی پناہ گاہ جہاں دُنیا کی کوئی طاقت اُنھیں چھونے کا تصور بھی نہیں کر سکے گی... اور اس قوم کا کنٹرول تمہارے ہاتھ میں ہو گا۔ اس طرح تم دُنیا میں سب سے زیادہ طاقت ور آدمی بن جاؤ گے۔ تمہارے نام سے ایک عالم کپکپایا کرے گا۔"

آسفر اپنے ہی خیالوں میں کھو گیا۔

وہ نیمراف کے پتلے پتلے ہونٹوں پر ایک عجیب سی مسکراہٹ نہ دیکھ سکا۔ اس مسکراہٹ میں بے پناہ سفاکی تھی۔

آسفر خیالوں سے چونک کر چھت کی طرف متوجہ ہو گیا۔

چھت سے ایک قیمتی فانوس جھول رہا تھا۔

نیمراف نے اس کی نگاہوں کے تعاقب میں فانوس کی طرف دیکھا اور بولا۔ "یہ بُلٹ پروف ہے... اور بتاؤ، کیا تم نے کبھی اتنا خوب صورت فانوس پہلے کہیں دیکھا ہے؟"

"واقعی بہترین فانوس ہے۔"

"اس فانوس میں سورج کی روشنی استعمال ہوتی ہے۔" نیمراف نے وضاحت کی۔ "اس سوراخ سے کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا جا سکتا جو چھت میں نظر آ رہا ہے کیوں کہ اوپر ہیلی کاپٹر موجود رہتے ہیں۔"

آسفر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"کیا آپ کے مہمان کل آئیں گے؟" آسفر نے سوال کیا اور کوشش کی کہ اس کے لہجے سے پریشانی ظاہر نہ ہونے پائے۔

"کاروباری مہمان..." نیمراف نے جواب دیا۔ "بعض مہمان تو اس وقت بھی محل میں موجود ہیں۔ ان میں سے ایک سے تمہیں خصوصی طور پر ملنا چاہیے۔ آؤ، میں تمہیں اس سے متعارف کراؤں۔ یقیناً تم اس طویل سفر کے بعد تھک گئے ہو گے۔ میں نے تمہاری تھکن زائل کرنے کے لیے خصوصی انتظام کر رکھا ہے۔"

آسفر پہلی بار خوش دلی سے ہنس دیا۔

غالباً وہ نیمراف کی ذو معانی بات کو اچھی طرح سمجھ گیا تھا۔

وہ ایک بار پھر لفٹ میں سوار ہو گئے۔

اس مرتبہ نیمراف نے نیلے رنگ کا ایک بٹن دبایا تھا۔

لفٹ کا دروازہ بند ہو گیا اور ایک بار پھر آسفر غیر محسوس انداز میں سفر کرنے لگا۔ غالباً یہ دُنیا کی جدید ترین لفٹ تھی۔ ذرا سی بھی آواز یا جھٹکے کا احساس تک نہیں ہوتا تھا۔

وہ ایک طویل و عریض ہال وے میں اُتر گئے۔

اس ہال وے کا فرش جانوروں کی کھالوں سے بنے ہوئے قالین سے سجایا گیا تھا۔ دونوں طرف قدِ آدم آئینے لگے ہوئے تھے اور دیواروں پر ایسے نقش و نگار تھے کہ آسفر نے کبھی خواب میں بھی نہیں دیکھے ہوں گے۔ کہیں کہیں قدرتی لباس میں مجسمے بھی نظر آئے۔ ایک ایک چیز سے دولت کا پتہ چلتا تھا۔

نیمراف اپنے مہمان کو دائیں طرف کے ایک اور ہال وے میں لے گیا۔

اس ہال وے میں دونوں طرف دروازے ہی دروازے تھے۔

نیمراف ایک ایسے دروازے کے سامنے رُک گیا جس پر کوئی نمبر نہیں

درج تھا۔ اس کا دایاں ہاتھ بلند ہوا۔

خفیف سی معنی خیز دستک سنائی دی۔

... پھر اس نے خود ہی دھکیل کر دروازہ کھول دیا۔

دروازہ کھلتے ہی وہ ایک طرف ہٹ گیا۔

آسفر نے کمرے میں جھانکا۔

یہ ایک پُر تعیش خواب گاہ تھی۔ اس کی چھت پر بھی آئینے لگے ہوئے تھے۔ دیواریں منقش تھیں اور ان میں بھی جا بجا قدِ آدم آئینے نظر آ رہے تھے۔ اتنا بڑا، آرام دہ اور خوش نما بستر آسفر نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

اس بستر پر ایک خوب صورت عورت نیم دراز تھی۔

وہ دیکھنے میں لمبے قد کی مالک لگتی تھی۔ اس کی جلد کا رنگ بادامی تھا جیسے وہ سن ریز سے غسل کر کے وہاں آ بیٹھی ہو۔ اس کے سُنہرے بال روشنی کے انعکاس سے سفید نظر آ رہے تھے لیکن ان کی چمک و دمک اُس کے حُسن کو چار چاند لگا رہی تھی۔ یہ بال اُس کے کندھوں پر کھلے پڑے، لہرا رہے تھے۔

عورت کسی ایسی تصویر کی مانند تھی جسے خاص طور سے اس لیے بنایا گیا ہو کہ ہر شخص اسے دیکھنے کے لیے ٹھٹک جائے۔ اس نے گلاب کی پنکھڑیوں جیسی رنگت کا سبک لباس زیبِ تن کر رکھا تھا۔

اس کی نگاہ جیسے ہی نیمراف اور آسفر پر پڑی، وہ بڑی ادا سے اُٹھی اور بستر سے اُتر کر اُن کی طرف چلنے لگی۔

اس کا انداز خرام نشہ آور لگتا تھا۔

اس کے ہونٹوں میں خفیف سا خم تھا۔ بالائی لب تھوڑا سا کمانی حالت میں تھا۔ غالباً یہ اس کی مخصوص مسکراہٹ تھی جس کے باعث اس کے چمک دار موتیوں جیسے دانتوں کی قطار جھانک رہی تھی۔ اس نے دونوں ہاتھ استقبالیہ انداز میں آسفر کی طرف بڑھا دیئے۔

"دیکھا تم نے..." نیمراف نے مسکرا کر کہا۔ "یہ تمہارا ہی انتظار کر رہی تھی۔" اس نے عورت کی طرف دیکھا اور معنی خیز انداز میں اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "شکریہ۔"

آسفر کو اپنا حلق خشک ہوتا محسوس ہو رہا تھا۔

یوں لگتا تھا جیسے وہ خیالوں ہی خیالوں میں اس حسین ہیکر کو نگل لینے کی ناکام کوشش کر رہا ہو۔ اس کی آنکھیں پتھرائی پتھرائی سی لگ رہی تھیں جیسے اُسے سکتہ ہو گیا ہو۔

نیمراف نے اس کی طرف دیکھا تو وہ اُسے ایک ایسا احمق ہی دکھائی دیا جس نے اپنی پوری زندگی میں پہلے کبھی کوئی عورت ہی نہ دیکھی ہو۔ بہت خوب صورت ہے، نا؟ اس نے دھیمی آواز میں پوچھا۔

آسفر نے احمقانہ انداز میں سر ہلا کر تائید کر دی۔

"یہ خاتون تمہارا ہر طرح سے خیال رکھے گی۔" نیمراف نے کہا۔ "مجھے اب اجازت دو۔ میرا خیال ہے، تم دونوں ایک دوسرے سے خود ہی زیادہ بہتر طور پر متعارف ہو سکو گے... لیکن خیال رہے، میں دوپہر کے کھانے کی میز پر تمہارا انتظار کروں گا۔"

آسفر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

نیمراف نے اسے نرمی سے کمرے میں دھکیل کر دروازہ بند کر دیا۔

وہ واپس لفٹ کی طرف چل دیا۔

لفٹ میں اس نے ایک بٹن دبایا جس پر رومن ہندسہ گندہ تھا۔

جلد ہی لفٹ کا دروازہ کھلا اور نیمراف ایک ایسے ہال وے میں اُتر گیا جو اُوپر والے ہال وے جیسا ہی تھا۔ وہ تیز تیز چلتا ہوا ایک دروازے کی طرف بڑھا۔ یہ دروازہ مقفل تھا۔

نیمراف نے دروازے کا تالا کھولا۔

اندر جانے کے بعد اس نے ایک بار ادھر اُدھر دیکھا... پھر پلٹ کر دروازہ مقفل کر دیا۔ اس نے جلدی سے آگے بڑھ کر ایک الماری کھولی۔ اس الماری میں سامنے ہی چھتیس انچ کی ٹیلی وژن اسکرین تھی اور بٹن ہی بٹن ایک قطار میں نظر آ رہے تھے۔

اس نے دو بٹن دبائے اور سامنے پڑی کرسی پر نیم دراز ہو گیا۔ اس کی نگاہ الماری میں لگی ہوئی ٹیلی وژن اسکرین پر جمی ہوئی تھی جس پر پہلے تو روشنی کے جھماکے ہوتے رہے... پھر تصویر صاف ہو گئی۔

وہ اُس کمرے کا منظر دیکھ رہا تھا جس میں ابھی ابھی اپنے مہمان نائب صدر آسفر کو چھوڑ کر آیا تھا۔

اس نے ایک ایسا بٹن دبا دیا جس پر لفظ ٹیپ کندہ تھا۔

اب وہ اطمینان سے یہ منظر دیکھ رہا تھا جیسے آٹومیٹک ساؤنڈ سسٹم پر نہ صرف ٹیپ کیا جا رہا تھا بلکہ ایک ایک آہٹ تک ریکارڈ ہو رہی تھی۔ نیمراف کے انداز سے ظاہر ہو رہا تھا جیسے وہ کوئی بے حد پسندیدہ پروگرام دیکھ رہا ہو۔

●

شہزاد اُس وقت بے حد خوش گوار موڈ میں تھا۔

وہ ائرپورٹ کو تیزی سے، رن وے پر دوڑتے ہوئے جہاز سے پیچھے کی طرف ہٹتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا، جیسے پس منظر آہستہ آہستہ فیڈ آؤٹ ہو رہا ہو۔

اس نے بیرونی منظر سے نگاہ ہٹا کر ایک میگزین اُٹھا لیا۔

چند لمحوں تک وہ اُس کی ورق گردانی کرتا رہا۔

اچانک ایک آواز نے اُسے چونکا دیا۔ بائیں طرف کی قطار میں کوئی مسافر ائرہوسٹس کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے پکار رہا تھا۔ اُسے اس شخص پر بے حد غصہ آیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ یہ جاہل اور گنوار شخص کال لائٹ کے ذریعے بھی تو ائرہوسٹس کو اپنی طرف متوجہ کر سکتا تھا۔ اس طرح کم از کم دوسرے مسافر تو ڈسٹرب نہ ہوتے۔

اس نے نگاہ اُٹھا کر ائرہوسٹس کی طرف دیکھا۔

ائرہوسٹس مسکرا رہی تھی۔

اس کی مسکراہٹ میں کوئی تاثر نہیں تھا۔

وہ اُن لوگوں کے بارے میں سوچ سوچ کر حیران ہو رہا تھا جو ائرہوسٹس کی محبت میں گرفتار ہوتے ہیں۔ اُس کی اپنی دانست میں تو یہ لڑکیاں پلاسٹک کی بنی ہوئی خوبصورت نما گڑیاں ہوتی ہیں جو مسافروں کی پکار پر بے اختیار مسکرانے لگتی ہیں۔

ائرہوسٹس اس کے قریب سے گزر کر آگے بڑھ گئی۔

شہزاد دوبارہ میگزین کی طرف متوجہ ہو گیا۔

اچانک اس کی سماعت سے ائرہوسٹس کی آواز ٹکرائی۔ وہ کسی سے درخواست کر رہی تھی۔ "پلیز سگریٹ بجھا دیجیے، جناب! آپ کو فوراً سگریٹ بجھا دینی چاہیے۔ پلیز!"

"میں کسی چیز کو آگ تو نہیں لگانا چاہتا۔" جواباً ایک اور آواز بھی شہزاد کے کانوں تک پہنچی۔

شہزاد نے پلٹ کر دیکھا۔

سگریٹ نوشی کرنے والے نے سگریٹ والا ہاتھ جارحانہ انداز میں ائرہوسٹس کے خوش نما چہرے کی طرف اٹھا دیا تھا جیسے وہ تنبیہ کر رہا ہو کہ اگر لڑکی نے سگریٹ نوشی سے روکنے پر اصرار جاری رکھا تو وہ اس کا چہرہ داغ دار کر دے گا۔

"مجھے افسوس ہے، جناب!" ائرہوسٹس اب بھی نرمی سے کہہ رہی تھی۔ "آپ کو فضائی کمپنی کے اصولوں کی پابندی کرنی چاہیے... اگر آپ نے فوراً سگریٹ نہ بجھائی تو مجھے پائلٹ سے شکایت کرنی پڑے گی۔"

"تم چاہے پوری ائرفورس کیوں نہ طلب کر لو، میں تو سگریٹ نہیں بجھاؤں گا۔"

شہزاد بُری طرح چونک پڑا۔

اُسے یہ آواز قدرے مانوس محسوس ہو رہی تھی۔

"میں نے یہ آواز پہلے کہاں سُنی ہے؟" اس نے اپنے آپ سے سوال کیا اور تیزی سے دماغ میں محفوظ یادوں کو کریدنے لگا...

آواز اب بھی سُنائی دے رہی تھی اور اس کے اعصاب جھنجھنا رہے تھے لیکن وہ اِس آواز سے اُس شخص کے بارے میں کوئی واضح خاکہ اپنے ذہن میں تعمیر نہ کر سکا۔

وہ اپنی سیٹ پر تھوڑا سا جھک گیا۔

یہاں سے اس شخص کی صورت دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

وہ کچھ اور جھک گیا۔ اس بار جھکاؤ ایزل کی طرف تھا۔ اس نے دیکھا کہ جو شخص ائرہوسٹس سے سگریٹ نوشی کے سلسلے میں اُلجھا ہوا ہے، وہ درمیانے قد اور گٹھے ہوئے جسم کا مالک ہے۔ پہلو سے اس کا چہرہ کسی بچے کے چہرے جیسا دکھائی دے رہا تھا۔

شہزاد نے اِس سے پہلے کبھی کوئی ایسا چہرہ نہیں دیکھا تھا۔ تب وہ شخص اپنی سیٹ پر قدرے ترچھا ہو کر بیٹھ گیا۔ اس طرح شہزاد اس کے چہرے کا مزید ایک چوتھائی حصہ دیکھنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس نے فوراً ہی اس چہرے میں ایک خاص چیز دیکھ لی۔ اس شخص کی آنکھوں کے گرد خفیف سی ایسی جھرّیاں تھیں جن کو کسی طرح بھی حقیقی نہیں کہا جا سکتا تھا۔ تب اس نے یہ بات محسوس کی کہ اِن جھرّیوں کے باوجود اس شخص کے چہرے کی جلد تنی ہوئی ہے۔ اس کی ناک کی کھال بھی ایسی ہی تھی۔ تب وہ چہرہ اس کے سامنے کچھ اور بھی نمایاں ہو گیا۔ اس بار شہزاد نے اس کی کنپٹی پر ایک اُبھار دیکھ لیا۔

یہ اُبھار بھی مصنوعی تھا لیکن اسے صرف شہزاد کی تجربہ کار آنکھ ہی دیکھ کر پہچان سکتی تھی۔ یہ بظاہر تو تنے کا اُبھار تھا لیکن شہزاد جانتا تھا کہ ایسے اُبھار خود اس کے چہرے پر بھی نمودار ہو چکے ہیں اور ایسا عموماً اس وقت ہوتا ہے، جب پلاسٹک سرجری کے ذریعے میک اَپ کرتے ہوئے میک اَپ کے ماہر سے معمولی سی بھول چوک یا جلد بازی سرزد ہو جاتی ہے۔ یہ پلاسٹک کی جھلی کے سُکڑ جانے سے پیدا ہونے والا مسئلہ تھا۔

وہ سمجھ گیا کہ یہ شخص میک اَپ میں ہے۔

اس نے اپنے چہرے کی ساخت میں تبدیلی پیدا کرنے کے بعد یہ سفر شروع کیا تھا اور اُسے جہاز تک پہنچنے کی اتنی جلدی تھی کہ خود اُسے تو درکنار اُس کے میک اَپ مین کو بھی چہرے کی خامیاں دُور کرنے کا موقع نہیں ملا ہو گا۔

بہرحال، عام آدمی کے لیے یہ شناخت کرنا مشکل تھا کہ وہ میک اَپ میں ہے۔ شہزاد نے چونک کر اُس شخص کی طرف دیکھا، وہ اب کھل کھلا کر ہنس پڑا تھا۔

"تم مجھے سگریٹ نوشی سے نہیں روک سکتیں۔" یہ کہتے ہوئے اس شخص نے ایک بار پھر سگریٹ والے ہاتھ سے ائرہوسٹس کے چہرے

کی طرف اشارہ کیا۔

"وہ کیوں جناب؟"

"اس لیے کہ اب سگریٹ نوشی ختم کرنے کا وقت گزر چکا ہے۔"

ائرہوسٹس نے چونک کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ وہ روشن وارننگ بجھ چکی تھی جس کے مطابق مسافروں کو سگرٹ بجھا دینی پڑتی تھی۔ ائرہوسٹس کھسیا کر وہاں سے ہٹ گئی۔ اب وہ واقعی اس شخص کو سگریٹ پینے سے نہیں روک سکتی تھی۔

شہزاد اب بھی اپنے ذہن میں دفن ماضی کی یادوں کو تیزی سے ٹٹول رہا تھا... اچانک اُسے سب کچھ یاد آ گیا۔ اس کے ذہن کی اسکرین پر ماضی کا ایک منظر اُبھر آیا تھا۔

اس شخص سے اُس کی ملاقات اُن دِنوں ہوئی تھی جب وہ فوج سے پولیس کی ملازمت میں آ گیا تھا۔ ایک شام اُس نے چند افراد کو ایک کھلی جگہ قمار بازی میں مصروف دیکھا تھا۔ جزیرہ فردوس میں سرِعام جُوا کھیلنا خلافِ قانون تھا اس لیے شہزاد نے ان افراد کو قمار بازی ختم کر کے وہاں سے اُٹھ جانے کے لیے کہا تھا۔ تبھی یہ شخص بالکل اسی انداز میں اُس سے اُلجھ پڑا تھا اور اس نے جلتی ہوئی سگریٹ اس کے چہرے کی طرف اُٹھاتے ہوئے اُسے دھمکی دی تھی کہ اگر اس نے اپنے کام سے کام نہ رکھا تو اُسے ملازمت سے ہاتھ دھونے پڑیں گے۔

شہزاد کو غصہ آ گیا تھا۔ اس نے نہ صرف داؤ پر لگی ہوئی تمام رقم اپنے قبضے میں کر لی تھی بلکہ ان افراد کو تھانے میں لا کر بند بھی کروا دیا تھا... لیکن وہ شخص واقعی تین گھنٹے بعد رہا ہونے میں کامیاب ہو گیا تھا اور شہزاد کی ملازمت بال بال بچ گئی تھی... پھر اُس نشے باز والا قصہ سامنے آیا جس کی موت شہزاد کے ہاتھوں واقع ہوئی تھی اور شہزاد کو ایک قاتل کی حیثیت سے عدالت نے سزائے موت سُنا دی تھی... لیکن پھر سرگوشی نے اُسے رہا کرا لیا اور آج وہ ٹائیگر کا ٹائٹل لیے دُنیا کی ایک اہم ترین شخصیت بن چکا تھا۔

اُس نے اِس شخص کا نام یاد کرنے کی کوشش کی۔

"جانسن... ہاں... اس کا نام جانسن ہی ہے۔"

اس شخص کو تو وہ زندگی بھر کبھی بھول ہی نہیں سکتا تھا کیوں کہ اس سے ہونے والی پہلی ہی مڈبھیڑ میں اس کی زندگی کی سب سے پہلی ناکامی ثابت ہوئی تھی... اُسے شدید ہوا رہا تھا کہ جو نشے باز اس کے ہاتھوں ہلاک ہوا تھا، درحقیقت وہ سازش اس باثر شخص جانسن ہی نے کی تھی۔ شہزاد نے اس نشے باز کو زود کوب ضرور کیا تھا لیکن اس کی ہلاکت کسی اور ہی کے ہاتھوں عمل میں آئی تھی۔ عین ممکن تھا کہ اُسے جانسن ہی نے قتل کیا ہو۔

وہ سوچتا رہا...

اس کا غصہ بڑھتا رہا۔

نفرت کا احساس اُس کے دل و دماغ پر چھا رہا تھا۔

اس کے ماضی کا ایک کردار، حال میں آ گیا تھا... بالکل اس کے سامنے... اور وہ بدلے ہوئے حلیے میں تھا۔ اس وقت شہزاد اُلجیریا جا رہا تھا۔ یہ الجیریا ہی کی فلائٹ تھی اس کا مطلب تھا کہ جانسن بھی وہیں جا رہا ہے۔

بہرام نے شہزاد کو گزشتہ رات ہی اطلاع دی تھی کہ الجیریا میں نیمراف کے عمل میں دُنیا بھر کے جرائم پیشہ لوگوں کا اجتماع ہونے والا ہے۔ جانسن الجیریا ہی جا رہا تھا تو اس کا صاف مطلب یہی تھا کہ وہ نیمراف ہی سے ملنے جا رہا ہے کیوں کہ کوئی بھی شخص الجیریا، کم از کم تفریح کی غرض سے تو ہرگز نہیں جا سکتا۔

فلائٹ بڑے خوش گوار انداز میں اپنی منزلِ مقصود کی طرف رواں دواں تھی لیکن شہزاد کے دل و دماغ میں طوفان سے اُٹھ رہے تھے۔ وہ خود بھی الجیریا ہی جا رہا تھا بلکہ بہرام نے اُسے خاص طور سے وہاں جانے کا حکم دیا تھا۔

اچانک اُسے ایزل میں، اپنے عقب میں قدموں کی چاپ سُنائی دی۔ اُس نے سرسری سے انداز میں پلٹ کر دیکھا۔

جانسن باتھ روم کی طرف جا رہا تھا۔

شہزاد نے اُسے گزشتہ سات گھنٹوں میں مسلسل پیتے ہوئے ہی دیکھا تھا اور اب وہ دائیں بائیں جھولتا ہوا چل رہا تھا، جیسے نشے کی زیادتی چلنے کی راہ میں بے حد دشواری پیدا کر رہی ہو۔

باتھ روم سے وہ جلد ہی واپس آ گیا۔

واپسی پر بھی جانسن کی حالت ویسی ہی تھی۔

باہر تاریکی پھیل رہی تھی اور جہاز کے بیشتر مسافر اپنی اپنی سیٹ کھول کر نیم دراز ہو چکے تھے بلکہ چند ایک نے تو سائڈ لائٹ بجھا کر خود کو گہری نیند میں غرق کر دیا تھا۔

جانسن واپس اپنی سیٹ پر آیا اور دھپ سے بیٹھ گیا۔

سُنہرے بالوں والی ائرہوسٹس، پائلٹ کے کیبن سے نکل کر ایزل میں چلی آ رہی تھی۔ اس کی، تہیں دانتوں والی مخصوص مسکراہٹ اب بھی اُس کے چہرے پر موجود تھی۔ شہزاد بھی مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔ وہ حیران تھا کہ جب اس لڑکی کو کسی کے لیے دل کی گہرائیوں سے مسکرانا پڑتا ہو گا تو اسے کس قدر دشواری ہوتی ہو گی...؟

شہزاد نے پلٹ کر جانسن کی طرف دیکھا۔

جانسن اُسے کڑے تیوروں سے گھور رہا تھا۔

دونوں کی نگاہیں مقفل ہو گئیں۔ یُوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ اپنی اپنی قوتِ ارادی کے ذریعے ایک دوسرے کی تسخیر میں مصروف ہوں . . . بالآخر جانسن نگاہ پھیرنے پر مجبور ہو گیا۔

اٹر ہوسٹس کی سینڈل سے کِلک کِلک کی خفیف سی آوازیں اُبھر رہی تھیں۔ وہ دائیں بائیں دیکھتی ہُوئی آگے بڑھ رہی تھی جیسے اُس بات کا جائزہ لے رہی ہو کہ کسی مسافر کو کسی چیز کی ضرورت تو نہیں۔

"اے لڑکی . . ." جانسن کی کرخت آواز اُبھری۔

اٹر ہوسٹس اس انداز مخاطب پر ٹھٹک گئی۔

"اِدھر آؤ۔" جانسن غرّایا۔

اٹر ہوسٹس کی آنکھوں میں لمحاتی ناپسندیدگی پیدا ہُوئی لیکن اس کے ہونٹوں پر خوش اخلاقی سے پُر مسکراہٹ برقرار رہی . . . وہ تیزی سے اُس کی طرف بڑھ گئی۔

شہزاد نے نیل میں جُھک کر اُس کی طرف دیکھا۔

جانسن نے اٹر ہوسٹس کو جس انداز میں مخاطب کیا تھا، اس میں کوئی خاص بات تھی۔ شہزاد کے بازوؤں کے عضلات تن گئے . . . لیکن وہ ضبط کیے بیٹھا رہا۔ ویسے وہ دل ہی دل میں خوش تھا کہ اُسے جانسن سے نمٹنے کا موقع مل رہا ہے۔

"میں، آپ کے لیے کیا کر سکتی ہُوں، جناب؟" اٹر ہوسٹس نے خوش اخلاقی سے دریافت کیا۔

شہزاد نے دیکھا کہ جانسن نے اُسے کوئی اشارہ کیا، جس کی وجہ سے لڑکی اُس کی طرف جُھک گئی تھی۔ جانسن اس کے کان میں کچھ کہہ رہا تھا۔ اٹر ہوسٹس کا چہرہ شہزاد کی طرف تھا اور جانسن کے برابر والی سیٹ خالی تھی۔ شہزاد نے اٹر ہوسٹس کے ہونٹوں سے مُسکراہٹ یوں غائب ہوتے دیکھی جیسے کسی نے رُومال سے اس کی لپ اسٹک پُونچھ دی ہو۔ اس کا چہرہ غصّے کی زیادتی سے سُرخ ہو رہا تھا اور اس کے رُخسار اس سُرخی سے جلتے ہُوئے محسوس ہو رہے تھے۔ اس کا نچلا لب بُری طرح کانپنے لگا۔

اٹر ہوسٹس کا خُوش نما چہرہ یکایک ایسا دکھائی دینے لگا تھا جیسے اس نے اپنے چہرے پر دہشت اور خوف کی نقاب چڑھالی ہو۔

اس وقت تک بیشتر مسافر سو چکے تھے اور کسی کو یہ احساس تک نہیں ہو رہا تھا کہ خُوب رُو اٹر ہوسٹس ایک وحشی کے چنگل میں پھنسی ہُوئی ہے . . . جانسن نے دست درازی شروع کی تو شہزاد اپنی سیٹ سے اُٹھ کھڑا ہُوا۔ نفرت کا سانپ اس کے خیالوں کو بُری طرح ڈسنے لگا تھا۔

ایزلی میں بے آواز چلتا ہُوا، وہ جانسن کی سیٹ کے قریب جا کھڑا ہُوا۔ جانسن نے دھیمی لیکن تحکمانہ آواز میں کہا۔

ایک لمحے کا سکوت رہا۔

. . . پھر جانسن نے اپنے کندھے کے اوپر سے شہزاد کی طرف دیکھا۔

"کیا بات ہے؟ تم کیا چاہتے ہو؟" وہ غرّایا۔

"لڑکی کو چھوڑ دو، ہمیں کچھ بات چیت کرنی ہے۔"

"میں کوئی بات نہیں کرنا چاہتا۔" جانسن نے نشے سے بھاری لہجے میں کہا۔ "اور میں اس لڑکی کو بھی نہیں چھوڑوں گا۔"

شہزاد اس کے چہرے کی طرف جُھک گیا۔

"لڑکی کو چھوڑ دو ورنہ میں تمہارے چہرے پر نظر آنے والے مسّے کو پکڑ کر کھال اُدھیڑ دُوں گا۔"

جانسن کی آنکھوں سے فوراً ہی یہ ظاہر ہُوا جیسے وہ شہزاد کی بات سُن کر بُری طرح چونک پڑا ہو۔ اس کے ساتھ ہی اس کی آنکھوں میں شدید غصّے اور ناگواری کے تاثرات اُبھر آئے۔ شہزاد نے ان تاثرات کی اوٹ میں شدید حیرت کا تاثر بھی دیکھ لیا۔ غالباً وہ حیران ہو رہا تھا کہ شہزاد کو یہ کیسے معلوم ہو گیا کہ اس کے چہرے پر ایک مصنوعی جھلّی چسپاں ہُوئی ہے۔

کچھ دیر جانسن تذبذب کا شکار رہا . . . پھر اس نے لڑکی کو چھوڑ دیا۔ وہ واقعی بڑے دِل گُردے والا آدمی معلوم ہوتا تھا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ جہاز میں، مسافروں کی موجودگی میں اٹر ہوسٹس پر اس انداز میں ہرگز ہاتھ نہ ڈالتا۔

شہزاد نے اٹر ہوسٹس کا ہاتھ تھام لیا۔ اس کے انداز سے بے پناہ نرمی جھلک رہی تھی۔ "مجھے افسوس ہے، مس!" اس نے ایسے ہی لہجے میں کہا جو پہاڑ جیسے دِل کی مالک کسی عورت کو بھی پگھل جانے پر مجبور کر سکتا تھا۔ "مسٹر جانسن اس وقت بے حد نشے میں ہیں۔ مجھے توقع ہے کہ اب آپ کو مزید کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی؟"

"اے . . ." جانسن غرّایا۔ "بہت زیادہ نشے سے تمہارا کیا مطلب ہے؟"

"تم اپنی زبان کو تھوڑی دیر کے لیے قابو میں رکھو۔" شہزاد نے جواب دیا اور اٹر ہوسٹس کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اس کے چہرے پر ذلّت کے احساس سے پسینے کی چادر سی تن گئی تھی اور آنکھوں سے آنسوؤں کی طغیانی رُخساروں کی ڈھلانوں پر بہہ آئی تھی۔ اس کے ہونٹ کانپ رہے تھے اور اس کا پُورا جسم غصّے اور توہین کے احساس سے لرز رہا تھا۔

شہزاد نے ایک طویل سانس لی۔

اگر رات کا یہ پہر نہ ہوتا تو معاملہ بے چیدگی پیدا ہو سکتی تھی۔

نے اٹر ہوسٹس کی طرف دیکھا۔ وہ اس کے لب و لہجے کے مرہم ے واقعی سنبھل گئی تھی ورنہ کچھ عجب نہ تھا کہ وہ چیخ چیخ کر ہر شخص کو ا کر کے اپنی طرف متوجہ کر لیتی۔ تب شاید حالات شہزاد کے سنبھالنے ے بھی نہ سنبھلتے۔

شہزاد نے نرمی سے اٹر ہوسٹس کا ہاتھ تھام رکھا تھا، اس نے بت آمیز انداز میں اس کا ہاتھ دبا کر چھوڑ دیا۔

"کیا آپ نے ایک نشے میں بہکے ہُوئے شخص کی حرکت کو معاف دیا ہے، مس؟" شہزاد نے ایک بار پھر گھلا دینے والے لہجے ں کہا۔

اٹر ہوسٹس چند لمحوں تک اُسے دیکھتی رہی . . . پھر اس نے یں جُھکا لیں اور آہستہ آہستہ ایزل پر چلتی ہُوئی کیبن کی طرف بڑھ گئی۔ ہزاد نے اطمینان سے سر ہلایا اور جانسن کی طرف دیکھا۔

وہ اس کے پہلو میں بیٹھ گیا۔

"تمہارا چہرہ بے حد اچھا لگ رہا ہے۔" اس نے مُسکرا کر کہا۔

"لیکن مجھے تمہاری منحوس صورت بالکل پسند نہیں آئی۔"

"میں تمہارے پلاسٹک سرجن کا پتہ معلوم کر کے اس سے ضرور ں گا۔" شہزاد نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "تاکہ تم جیسا خوش نما چہرہ والوں:

"دیکھو مسٹر۔" جانسن نے اکھڑے ہُوئے لہجے میں کہا۔ اس کے از سے ظاہر ہوتا تھا جیسے وہ بے پناہ ضبط کا مظاہرہ کر رہا ہو۔ ں نہیں جانتا کہ تم کون ہو اور مجھے یہ بھی معلوم نہیں کہ تم کیا ہتے ہو۔ میں پوچھتا ہُوں، آخر تم آپ یہاں سے دفع کیوں یں ہو جاتے؟"

"مجھے نیراف نے بھیجا ہے۔"

"یہ کس فرقتے کا نام ہے؟"

"وہی جس کی دعوت پر تم اتنا طویل ہوائی سفر کر رہے ہو۔"

"سُنو دوست!" جانسن نے سخت لہجے میں کہا۔ "میں یں اب بھی نہیں پہچان سکا۔ اس کے علاوہ تم مجھے بالکل پسند یں آئے۔ اس سے پہلے کہ میں تمہیں اس اٹر ہوسٹس کی جگہ ے ظلم و ستم کا نشانہ بناؤں، بہتر ہو گا کہ تم یہاں سے چلے جاؤ۔"

"میرا خیال ہے، تم انتہائی احمق اور بد تمیز آدمی ہو۔" شہزاد کا اس کے ریمارک پر ایسا ہو گیا کہ ایک لمحے کے لیے جانسن بھی پ کر رہ گیا۔ "اگر تم میں اتنی ہمت ہوتی تو تم اٹر ہوسٹس ہی کو نہ نے دیتے۔ بہر حال۔" شہزاد نے ایک طویل سانس لی۔ "میں ایک لمحوں اور میرا یہ فرض ہے کہ تمہیں ایک سالم ٹکڑے میں نیراف

ٹک پہنچاؤں۔ اٹر پورٹ پر پولیس تمہیں جعلی پاسپورٹ کی وجہ سے گرفتار کر سکتی ہے اور اٹر ہوسٹس بھی تمہارا چہرہ اپنے لمبے ناخنوں سے نوچ سکتی تھی . . . لیکن میرے فرض نے مجھے مداخلت کے لیے مجبور کر دیا۔"

جانسن قدرے ڈھب پر آتا دکھائی دینے لگا۔

"تمہارا نام کیا ہے؟" اس نے پوچھا۔

"روجر ولیس . . ." شہزاد نے وہی نام بتا دیا جو اس سے پہلے اُن دو عنڈوں کو بھی بتا چکا تھا جن کی لاشیں ابھی تک لانڈری کے میلے کچیلے کپڑوں میں پڑی ہُوئی ہوں گی۔

"میں نے یہ نام پہلے کبھی نہیں سُنا۔"

"لیکن مسٹر جانسن! میں نے صرف تمہارا نام بار ہا سُن چکا ہُوں بلکہ میں، تمہیں اچھی طرح جانتا بھی ہُوں۔ یہی وجہ ہے کہ نیراف نے تمہارے لیے مجھے یہاں بھیجا ہے۔"

"کیا تمہارے پاس تمہاری شناخت کا کوئی ذریعہ بھی موجود ہے؟"

"میرے بریف کیس میں ہے۔"

"جاؤ . . . لا کر دِکھاؤ۔"

شہزاد نے چاروں طرف دیکھا اور پھر ایک طویل سانس لے کر بولا۔ "تم واقعی سرک گئے ہو، جانسن!" اس کی نگاہ آکسیجن ماسک پر جم گئی۔ وہ تیزی سے سوچ رہا تھا۔ ایک بار تو اس کے ذہن میں یہ خیال آیا کہ آکسیجن ماسک زبردستی جانسن کے مُنہ پر چڑھا دے اور پھر آکسیجن کی لائن کو دبا کر گیس کا سلسلہ منقطع کر دے۔ اس طرح جانسن کی موت دَم گھٹنے کی وجہ سے واقع ہو سکتی تھی۔

. . . لیکن یہ مناسب نہیں ہو گا۔ اس نے خود کو سمجھایا۔

کوئی بھی مسافر کسی ضرورت کے تحت اُٹھ کر ایزل سے گزرتے وقت یہ منظر دیکھ سکتا تھا اور اس طرح اُلجھنیں پیدا ہونے کا خدشہ تھا۔

"میں تمہاری شناخت کا کاغذ دیکھنا چاہتا ہُوں۔" جانسن نے دُہرایا۔

"میں ابھی جا کر اپنا بریف کیس نہیں کھول سکتا۔" شہزاد نے سمجھانے والے انداز میں کہا۔ "بہر حال، اگر تم بضد ہو تو بائیں طرف کے باتھ رُوم میں چلے جاؤ۔ میں پانچ منٹ بعد اپنی شناخت کا کاغذ لے کر وہیں آجاؤں گا۔"

"ٹھیک ہے۔ میں، تمہیں شناخت کرنے سے پہلے مطمئن نہیں ہو سکتا۔" جانسن نے کہا اور ایک جھٹکے سے اُٹھ کھڑا ہُوا۔

وہ تیزی سے باتھ رُوم کی طرف بڑھ گیا۔

شہزاد ایک سرد آہ بھر کر اُٹھا اور واپس اپنی سیٹ پر آ بیٹھا۔ وہ چند منٹ آنکھیں بند کیے بیٹھا رہا۔ . . اس نے کلائی گھڑی کے ریڈیم ڈائل پر نگاہ ڈالی۔

ہوائی جہاز آیندہ چند منٹ بعد منزل مقصود پر پہنچنے والا تھا۔ اس نے سوچا کہ ان چند منٹوں کو کار آمد بنا لینا چاہیے۔

وہ اُٹھ کھڑا ہُوا۔

اس نے ایزل پر ایک نگاہ ڈالی۔ وہ ویران پڑا تھا۔ . . جہاز کے تمام مسافر گہری نیند میں ڈوب چکے تھے۔ دو ایک سیٹیں روشن تھیں لیکن اُن کے مسافر بھی اُونگھنے میں مصروف تھے۔

جانسن اپنی سیٹ پر موجود نہیں تھا۔

گویا وہ شہزاد کی ہدایت کے مطابق باتھ رُوم میں تھا اور وہاں اس کا انتظار کر رہا تھا۔ شہزاد ٹہلنے کے انداز میں باتھ رُوم کی طرف چل دیا۔ اُس نے دروازہ کھولا۔

باتھ رُوم میں جانسن مُنہ دھو کر فارغ ہو چکا تھا اور اب سنک کے سامنے کھڑا ٹشو پیپر سے بڑی نزاکت کے ساتھ میک اپ شُدہ چہرے کو خشک کر رہا تھا۔

سنک کے آئینے میں ان کی نگاہیں چار ہُوئیں۔

اچانک شہزاد کو جانسن کی بائیں آستین میں کسی چیز کی چمک کا احساس ہُوا۔ وہ سمجھ گیا کہ جانسن نے آستین میں چاقو چھپا رکھا ہے۔ شہزاد جانتا تھا کہ پُرانے زمانے میں جانسن چاقو زنی کا زبردست ماہر سمجھا جاتا تھا۔

وہ جارحانہ انداز میں شہزاد کی طرف پلٹا۔

اُسی لمحے شہزاد کا ہاتھ اُٹھا، اس کی اُنگلی خنجر کی نوک کی طرح جانسن کی بائیں آنکھ کے نچلے حصے پر لگی اور اگلی ہی ساعت انگوٹھے نے حملہ آور اُنگلی کی معاونت کی۔ جھلّی شہزاد کی گرفت میں آگئی جسے اس نے ایک جھٹکے سے کھینچ لیا۔

اُنگلی نے جھلّی میں گھُس کر جانسن کے رُخسار کو بھی نقصان پہنچایا تھا۔ خون کی ایک باریک سی ندی رُخسار کے زخم سے بہہ نکلی۔

"یہ میری شناخت کا ایک انداز ہے۔" شہزاد نے مُسکرا کر کہا۔ "اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ میں ایک ایسا آدمی ہوں جو عورتوں پر تشدد کرنے والوں کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔"

"باسٹرڈ۔" جانسن شیر کی طرح دھاڑا۔

شہزاد نے دروازہ بند کر دیا۔

اُب ان دونوں کے درمیان ذرا سا بھی فاصلہ نہیں تھا۔

جو چند انچ کا فاصلہ ان کے درمیان ہونا چاہیے تھا، اس میں جانسن کا اُٹھا ہُوا بازو حائل تھا۔ . . اور وہ ہاتھ جس میں چاقو دبا ہُوا تھا۔ چاقو شہزاد کے پیٹ سے محض ایک انچ دُور رہا ہو گا۔ جانسن کے بائیں رخسار سے ڈھلکی ہُوئی جھلّی کی وجہ سے اس کا چہرہ بے حد بھیانک ہو گیا تھا۔

"اور جو کچھ میں، تمہارے ساتھ کرنے والا ہُوں۔" جانسن نے سفاکی سے مُسکراتے ہُوئے کہا۔ "اس سے تمہارے معدے میں میرے چاقو کی نوک سے دستخط بن جائیں گے جن سے پتہ چلے گا کہ یہ ماہرانہ انداز کا زخم صرف جانسن ہی لگا سکتا ہے۔"

"تم نیراف کو بھُول رہے ہو۔" شہزاد کا لہجہ یکایک دوستانہ ہو گیا۔

"نیراف کی ایسی تیسی۔ اُس نے میری خدمات محض اس لیے حاصل کی ہیں کہ میں اس کے قریب رہوں۔ ممکن ہے کسی وقت اُسے میری مدد کی ضرورت پڑ جائے۔ میں نے اس کا کام اس لیے قبول نہیں کیا تھا کہ اس کے دو ٹکے کے بدمعاش مجھ پر ہاتھ اُٹھاتے پھریں۔"

اس کی آنکھوں سے پتہ چلتا تھا کہ اب دُنیا کا کوئی بہانہ اُسے چاقو استعمال کرنے سے باز رکھنے میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ شہزاد چند انچ پیچھے ہٹ کر دروازے سے ٹیک گیا۔

"مجھے، تم سے بہت شکایت ہے، جانسن۔" شہزاد نے مُسکرا کر کہا۔ "کسی پُرانے دوست کے استقبال کا آخر یہ کون سا طریقہ ہے۔"

"پُرانا دوست، اوہ اچھا۔" جانسن غرّایا۔

"ہم ایک بار پہلے بھی مِل چُکے ہیں۔ یہ غالباً جزیرہ فردوس کی بات ہے۔ جہاں تُم فوج سے پولیس میں منتقل ہو گیا تھا اور پھر تُم، تم سے ایک جگہ مِلا تھا۔ یاد آیا؟"

"نہیں . . ." جانسن کسی سانپ کی طرح پھُنکارا۔

"میں نے تمہیں قمار بازی کے الزام میں گرفتار کیا تھا اور تم اپنے اثر و رسوخ سے کام لے کر . . ."

جانسن کی آنکھیں سفید شیشوں والے چشمے کے عقب میں سُکڑ گئیں۔ "ہُوں تو تم وہی پولیس آفسر ہو . . . میں بھی اتنی دیر سے حیران تھا کہ مجھ پر ہاتھ اُٹھانے کی جرأت کون کر سکتا ہے؟"

"مجھے اچھی طرح دیکھ لو۔" شہزاد نے خوف ناک لہجے میں کہا۔ "یہ چہرہ، وہ آخری چہرہ ہے جسے تم دیکھ کر مرتے وقت اپنے

میں محفوظ رکھ سکو گے . . . اس طرح قیامت کے روز تمہیں قاتل کو پہچاننے میں آسانی رہے گی۔ ٹھیک ہے، نا؟"

جانسن نے بڑی پھرتی سے ہاتھ آگے بڑھایا تھا لیکن وہ اس کی طرف سے غافل نہیں تھا۔ وہ چاقو والے ہاتھ کی حرکت کے ساتھ ہی ایک طرف سرک گیا اور چاقو کی نوک دروازے سے جا ٹکرائی۔ نوک چمکنی دھات پر پھسلتی ہُوئی کہ ایک دراڑ تک جا کر رُک گئی۔

شہزاد نے ایک جھٹکے سے دروازہ کھول دیا۔

جانسن ذرا سا لڑکھڑایا۔

اس کا ہاتھ دروازے میں پھنس گیا۔ اب چاقو والا ہاتھ دروازے سے باہر تھا اور دروازہ بند ہونے کی وجہ سے جانسن کی کلائی پھنس کر رہ گئی تھی۔ اُسی لمحے شہزاد کے ہاتھ کا کنارہ دروازے کے پھلے کی طرح جانسن کے چہرے سے ٹکرا گیا۔

یہ چہرے کو ٹکڑے ٹکڑے کر دینے والی چوٹ تھی۔

وہ عقب میں لڑھکڑایا۔

شہزاد نے دروازہ کھول دیا۔

وہ لڑکھڑاتا ہُوا ٹائلٹ کی سیٹ پر گر گیا۔

چاقو اس کے ہاتھ سے نکل گیا تھا اور اس کی کلائی ہاتھ ٹوٹ کر لٹک گیا تھا۔ دروازے بند کرتے وقت غالباً نے غیر معمولی طاقت صرف کی تھی۔ شہزاد کسی درندے ح آگے بڑھا۔ . . . اس کا ایک بازو جانسن کی بغل سے میں نکل گیا تھا اور دوسرا کندھے کے اُوپر سے اس لن پر یوں جم گیا کہ ہتھیلی کا کنارہ اس کی گُدی پر تھا۔ اس خرے پر بھی بجُوئی کلائی کو دبانا شروع کر دیا۔

سانس کی نالی پہ کڑا دباؤ بڑھا تو جانسن کا دم گھٹنے لگا اور بار ہا ہی ہے اُب کی طرح مُنہ کھولنے اور بند کرنے لگا۔ اس ھیں رفتہ رفتہ پھیلتی جا رہی تھیں۔

شہزاد نے اُسے اس وقت چھوڑا جب اس کی آنکھیں رجے تک پھیل کر ساکت اور منجمد ہو گئیں۔

جانسن مر چکا تھا۔

شہزاد ایک طویل سانس لے کر ہٹ گیا۔

وہ سوچ رہا تھا کہ وقت بھی کتنا ستم ظریف ہے۔ کبھی ص کو حاوی کر دیتا ہے اور کبھی اُسی شخص کو اتنا حقیر بنا ہے کہ اُسے کسی چیونٹی کی طرح آسانی سے مسلا جا ہے۔

یہ سفر یقیناً کامیاب رہے گا۔ اس نے اپنے شکار کی طرف دیکھتے ہُوئے مُسکرا کر سوچا۔ جانسن کا پاسپورٹ اس کے بہت کام آ سکتا تھا۔ اس کی مدد سے نیراف تک پہنچنے میں اُسے خاصی آسانی ہو سکتی تھی۔

اس نے جانسن کے جیکٹ کی اندرونی جیبوں کی تلاشی لے کر اس کا پاسپورٹ اور نوٹوں کی گڈی برآمد کر لی۔ جانسن کی لاش کو اس نے کموڈ پر سنک کے سہارے بٹھا دیا تھا۔ دروازہ کھولتے ہی اگر کسی کی اس پر نگاہ پڑے گی تو دیکھنے والا پہلی نگاہ میں یہی سمجھے گا کہ کوئی شخص رفع حاجت کے لیے اپنا انتہائی زور لگا رہا ہے۔

شہزاد نے پاسپورٹ کا جائزہ لیا۔

پاسپورٹ پر نام تو جانسن ہی لکھا ہُوا تھا لیکن تصویر دوسری تھی۔ اس وقت وہ چشمہ پہنے جس میک اپ میں تھا، یہی تصویر اس کے پاسپورٹ پر چسپاں تھی۔

شہزاد نے پاسپورٹ اپنی ہپ پاکٹ میں رکھ لیا۔

اپنا پاسپورٹ نکال کر اس نے جانسن کے جیکٹ کی اندرونی جیب میں ٹھونس دیا اور اس کا چشمہ اُتار کر اپنی آنکھوں پر سجاتے ہُوئے، آئینے میں جائزہ لیا۔

اگر کوئی تصور سے اس کا موازنہ کرتا تو اس غیر معمولی بڑے شیشوں والے چشمے کی موجودگی میں آسانی سے بیوقوف بن سکتا تھا۔ چشمے کی وجہ سے اس کے خدوخال کی طرف توجہ دینے کی کسی کو ضرورت ہی نہیں پڑ سکتی تھی۔ اس نے چونکہ روجر ولیس کے پاسپورٹ کے تحت یہ سفر شروع کیا تھا اور وہ پاسپورٹ اس وقت جانسن کی جیب میں تھا اس لیے شہزاد نے اس کی طرف جُھک کر کہا۔

"خدا حافظ، مسٹر روجر ولیس۔"

اس نے باتھ رُوم سے نکلنے سے پہلے جانسن کے چہرے کا میک اپ بالکل صاف کر دیا۔ اب وہ سوچ رہا تھا کہ صرف ائر ہوسٹس ہی اُسے شناخت کر سکتی ہے کہ وہ جانسن نہیں ہے . . . لیکن وہ جانسن کی لاش دیکھ کر اُسے بھی یقیناً پہچان لے گی اور تب یقیناً وہ اپنی زبان بند رکھنے پر مجبور ہو جائے گی۔ ویسے وہ دِل ہی دِل میں اس درندے کی موت پر بے حد خوش ہو گی جس نے جہاز ہی میں اس کی عزت پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی تھی . . . اور شہزاد یہ بھی جانتا تھا کہ جب تک جانسن کی لاش کا پتہ چلے گا، وہ ائرپورٹ سے میلوں دُور نکل چُکا ہو گا . . .

وہ باتھ رُوم کا دروازہ اپنے عقب میں بند کرتا ہوا سیٹوں کے درمیانی راستے میں چلنے لگا۔ ابھی وہ اپنی سیٹ پر بیٹھا ہی تھا کہ وہ ہدایت روشن ہوگئی جس کے تحت تمام مسافروں کو سیٹ بیلٹس باندھ لینی چاہیے تھیں۔

ائرہوسٹس مسافروں کو بیدار کر کے انہیں سیٹ بیلٹ باندھنے کی ہدایت کرتی ہوئی ایزل میں چلتی شہزاد کی سیٹ پر پہنچی۔ اُس نے گہری نگاہ سے شہزاد کی طرف دیکھا اور اُس کے چہرے پر جانس کا چشمہ دیکھ کر بے اختیار اسکی نظر سیٹ کی طرف اُٹھ گئی اُسے خالی پا کر وہ چند لمحوں تک شہزاد کو خالی خالی نظروں سے دیکھتی رہی... پھر اُس کا منہ کچھ کہنے کے لیے کھلا لیکن شہزاد نے اُس سے پہلے ہی اُس کا ہاتھ تھپک کر کہا۔

"جو کچھ بھی ہوا ہے، تمہارے لیے بہتر ہی ہے۔ میں نے تمہاری عزت بچائی، اُسے یاد رکھنا اور اُس کا معاوضہ صرف یہ ہے کہ تم اپنی زبان ہمیشہ بند رکھو گی۔"

ائرہوسٹس کے ہونٹوں پر طمانیت بھری مسکراہٹ کھیلنے لگی۔ عین اُسی لمحے جہاز رن وے پر اُتر گیا۔ جھٹکے کی وجہ سے وہ لڑکھڑا گئی لیکن شہزاد نے اُسے دونوں ہاتھوں سے تھام کر سہارا دیا۔ "میں تمہیں ہمیشہ یاد رکھوں گی، حسین فرشتے!" وہ بڑبڑائی اور اُس کی گرفت سے نکل کر کیبن کی طرف بڑھ گئی۔

شہزاد ایک طویل سانس لے کر سیٹ کی پشت گاہ سے ٹک گیا۔ جہاز رن وے پر تیزی سے دوڑ رہا تھا اور کھڑکی کے شیشے سے ائرپورٹ کی روشنیاں تیزی سے پھرتی ہوئی دکھائی دے رہی تھیں۔

★★

شہزاد اسٹون وال ہوٹل کی لابی میں داخل ہُوا۔

نیمراف نے دُنیا بھر کے جرائم پیشہ لوگوں کو ٹیلی گرام دے کر یہیں طلب کیا تھا۔ اُس نے چالیس ٹاپ کریمنلز کو تار بھجوائے تھے اور اکتالیسواں تار جانس کو دیا تھا۔

شہزاد نے اپنے بیگ میں جہاز سے اترتے وقت جانس کا بریف کیس بھی رکھ لیا تھا۔ اُسے توقع تھی کہ کسٹم پر اُسے کسی دُشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا... کلرک نے اُس کی توقع کے مطابق سرسری نگاہ سے جانس کی چشمے والی تصویر دیکھی تھی اور پھر شہزاد کے چشمے پر ایک نظر ڈال کر اُس نے اطمینان کے اظہار میں سر کو مثبت جنبش دے دی تھی۔

اسٹون وال کی لابی اُس وقت سنسان پڑی تھی۔

شہزاد نے سوچا کہ وہ کچھ جلدی پہنچ گیا ہے۔

ائرپورٹ سے چلتے وقت اُسے توقع تھی کہ ہوٹل کی لابی میں ہر طرف دُنیا کے بڑے بڑے مجرم پھیلے ہوئے ہوں گے... لیکن وہاں تو دیکھنے کو بھی آدمی نہیں مل رہا تھا۔

وہ دروازے کے قریب، ڈیسک کی طرف مُنہ کر کے ایک کُرسی پر بیٹھ گیا اور اخبار تان کر پڑھنے لگا۔ اچانک ایک عورت آئی اور استقبالیہ ڈیسک کی طرف بڑھ گئی۔ شہزاد اخبار کے نیچے سے عورت کی خوش نما ٹخنوں کو دیکھنے میں محو ہوگیا۔

عورت کے بال سیاہ تھے اور اُس کی رنگت گندمی تھی۔ اُس کی آنکھوں پر اُلو کی آنکھوں جیسی ساخت کا چشمہ تھا۔ بھاری مُونچھوں والا استقبالیہ کلرک فوراً ہی اُس کی پذیرائی کے لیے آگے بڑھا۔ اُس کے ہونٹوں پر بڑی زبردست مسکراہٹ تھی جیسے وہ اُسے دیکھ کر خوشی سے پھول اُٹھا ہو۔

شہزاد فوراً ہی اُٹھ کھڑا ہُوا۔

"میرا نام جانسن ہے۔" اُس نے بلند آواز میں کہا۔ "میرے پاس میری ریزرویشن ہوگی۔" اُس نے کاؤنٹر کے آئینے میں دیکھا۔ لڑکی اب اُس کے سر کی پُشت کو گھور رہی تھی۔

کلرک نے فہرست نکالی۔

"اوہ... ہاں، جناب۔" اُس نے کہا۔ "آپ کی ریزرویشن ہے۔" یہ کہتے ہوئے اُس نے نقرئی گھنٹی بجا دی۔

شہزاد نے آئینے میں دیکھا۔

وہ لڑکی اب بھی اُس کی طرف متوجہ تھی۔

شہزاد کا دل دھڑکنے لگا۔ اس کی دھڑکنیں اُس خدشے کے تحت بے ترتیب ہو رہی تھیں کہ کہیں یہ عورت جانسن سے واقف تو نہیں؟ اُس نے کلرک کی طرف دیکھا۔

"کمرہ نمبر ۲۵۱ جناب۔" کلرک نے جواب دیا اور پیتل کی ایک چابی اُسے تھما دی۔

"کسی ملازم کو زحمت دینے کی ضرورت نہیں۔" شہزاد نے شاہانہ انداز میں کہا۔ "مجھے راستہ بتا دو۔"

کلرک نے اُسے راستہ سمجھا دیا لیکن شہزاد لفٹ کی طرف نہیں گیا۔ وہ لابی کے اُس حصّے کی طرف بڑھ گیا جہاں وہ سانولی لڑکی اب ایک کُرسی پر جا بیٹھی تھی۔ وہ اُس کے

سامنے رُک گیا۔ اُن کے درمیان بہ مشکل چند انچ کا فاصلہ ہوگا۔

لڑکی نے اُس کی موجودگی پر چونک کر اخبار کے اُوپر سے شہزاد کی طرف دیکھا۔ اُس کی آنکھیں مُسکرا رہی تھیں "دنیا ہے؟" اُس نے بڑی خوش اخلاقی سے دریافت کیا۔

"مجھے افسوس ہے، خاتون... لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے میں آپ سے پہلے بھی کہیں مل چکا ہُوں۔"

لڑکی ہنس پڑی۔ بڑی سُریلی ہنسی تھی۔

"لیکن میں آپ سے کبھی نہیں ملی۔" یہ کہہ کر وہ دوبارہ اخبار کی طرف متوجہ ہوگئی۔

"کیا آپ ہمیشہ اخبار کو اُلٹا کر ہی پڑھتی ہیں؟" شہزاد نے جھک کر پوچھا۔ تو لڑکی کا چہرہ یوں لگنے لگا۔ جیسے صدمے نے اُس کی کھوپڑی تک کو گھما دیا ہو۔

... لیکن یہ حالت زیادہ دیر برقرار نہ رہی۔

وہ حیرت انگیز طور پر خود کو جلد ہی سنبھالنے میں کامیاب ہوئی تھی۔ اس نے تیزی اور سرد مہری سے جواب دیا۔ "اخبار اُلٹا نہیں ہے۔"

... لیکن شہزاد اُسے جس بوکھلاہٹ میں مبتلا کرنا چاہتا تھا اس میں اُسے کامیابی ہو چکی تھی۔ چند لمحوں کے لیے سہی لڑکی اس خوف اور خدشے کا شکار ہوگئی تھی کہ کہیں اخبار واقعی اُلٹا تو نہیں ہے۔

"میں بھی جانتا ہُوں۔" شہزاد نے اپنے مخصوص لہجے میں ہکلا کر کہا۔ اس مُسکراہٹ میں دُنیا جہاں کا شہد گھل جاتا تھا۔ "عام طور پر کسی لڑکی سے متعارف ہوتے وقت میں عموماً یہی کہتا ہُوں۔"

"ہاں... اپنے اپنے مُلک کے ماحول کا اثر ہے۔" لڑکی نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔ اس کے لہجے سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ اطالوی نژاد ہے۔ "بہرحال۔" لڑکی نے ایک طویل سانس لی۔ "تمہارے بارے میں اس کے سوا کچھ نہیں جانتی کہ..."

شہزاد اس کا جُملہ پُورا ہونے کا انتظار کرتا رہا۔

"... کہ تم ایک پُرکشش نوجوان ہو۔"

وہ نرمی سے ہنس پڑا۔ حالانکہ یہ بات مجھے کہنی چاہیے۔ شہزاد نے کہا۔ "کیا میں تمہیں ڈنر کی دعوت دے سکتا ہُوں؟"

"بشرطیکہ ڈنر اور ڈنر کی جگہ دونوں میری پسند کے مطابق ہوں۔"

"مجھے منظور ہے۔" شہزاد نے مسکرا کر کہا۔ "ڈنر کا لُطف دوبالا کرنے کے لیے تم اب مجھے اپنا نام بتا سکتی ہو؟"

"میرا نام میگی ہے اور میں یہاں تعطیلات گزارنے کے لیے آئی ہُوں۔"

"تنہا...؟"

"اب نہیں ہُوں۔" وہ معنی خیز انداز میں مسکرا دی۔

"ٹھیک نو بجے۔ اسی ہوٹل کے سامنے..." شہزاد نے کہا اور اس کا جواب اثبات میں پا کر الوداعی انداز میں ہاتھ لہراتا ہُوا لفٹ کی طرف بڑھ گیا۔

★

وہ مقررہ وقت پر ہوٹل کے سامنے میگی کے انتظار میں ٹہل رہا تھا۔ اپنے کمرے میں جا کر اس نے طویل فاصلے کی کال بُک کروا کر ایک فرضی خالو سے بات چیت کی تھی اور اُسے اپنی خیریت سے آگاہ کر دیا تھا۔ یہ نمبر اُسے اس کے چیف بہرام نے دیا تھا اس لیے شہزاد کو توقع تھی کہ بہرام تک مطلوبہ پیغام پہنچ ہی جائے گا۔ یہ اطلاع دینی اس لیے بھی ضروری تھی کہ ہوائی جہاز کے باتھ رُوم سے جو لاش ملی تھی، پاسپورٹ کے اعتبار سے وہ روجر ویلس کی تھی اور شہزاد نے یہ ہوائی سفر اسی فرضی نام سے کیا تھا اس لیے بہرام کو اُس کے بارے میں تشویش ہو سکتی تھی۔

نو بج چکے تھے اور میگی ابھی تک نہیں آئی تھی۔

اچانک ایک ٹیکسی سامنے سے گزری اور پچاس گز دُور جا کر رُکی اس کا دروازہ کھلا اور ایک ٹانگ باہر سڑک تک پہنچی۔ مخملیں سے گھٹنے تک ٹانگ کا جائزہ لینے کے بعد شہزاد نے پہچان لیا کہ یہ میگی ہی ہے۔ وہ توجہ سے ٹیکسی کی طرف دیکھنے لگا۔ عقبی نشست پر کوئی اور بھی موجود تھا جس کا صرف سایہ ہی دیکھنے میں وہ کامیاب ہو سکا۔

میگی چند لمحوں تک اس سے باتیں کرنے کے بعد ٹیکسی سے اُتر گئی اور گاڑی تیزی سے آگے بڑھ گئی۔ شہزاد کے قریب پہنچ کر میگی نے چند منٹ تاخیر سے آنے کی معذرت کی اور اُس کا ہاتھ تھام کر ایک طرف چلنے لگی۔ شہزاد نے اُس سے ٹیکسی میں بیٹھے ہوئے شخص کے بارے میں کچھ نہیں پُوچھا اور یوں بنا رہا جیسے اس نے کسی کا سایہ تک نہیں دیکھا تھا۔

وہ دونوں ٹہلتے ہوئے ایک طرف بڑھتے رہے۔

شہزاد نے محسوس کر لیا تھا کہ کھیل شروع ہو چکا ہے۔ وہ میگی کی اپنی ذات میں دلچسپی کو بیلا مقصد نہیں سمجھ رہا تھا۔ میگی نے اُسے بتایا کہ وہ قریب ہی ایک ریستوران تک جانا چاہتی

ہے کیونکہ وہاں کا کھانا اُسے بے حد پسند ہے۔

"تمھیں ٹیکسی کو روک لینا چاہیے تھا۔" شہزاد نے کہا۔

"میں نہیں چاہتا کہ الجیریا کے لوگ ہم دونوں کو غلاموں کے کسی سوداگر کے حوالے کر دیں۔"

میگی ہنس پڑی۔ وہ اس قسم کی باتیں کرتے ہوئے آگے بڑھتے رہے۔ روشن سڑک سے میگی ایک نسبتاً تاریک سڑک کی طرف گھوم گئی شہزاد اس کا ہاتھ تھامے چلتا رہا۔

اچانک شہزاد کی نگاہ ایک سیاہ کار پر پڑی۔

یہ کار سو فٹ کے فاصلے پر، سڑک کے ایک موڑ پر کھڑی تھی فاصلے کے باوجود شہزاد نے محسوس کر لیا کہ اس کا انجن بیدار ہے۔ پھر وہ کار نہایت آہستگی سے متحرک ہوئی۔

کار کا رُخ انھی دونوں کی طرف تھا۔

سیاہ کار جب قریب آگئی تو شہزاد نے اس کی کھڑکی سے دھات کی چمک دیکھ لی۔ نیلے رنگ کی یہ چمک دار نال یقیناً کسی رائفل ہی کی تھی۔ اس نے پھرتی سے بائیں طرف دیکھا۔

ایک کار اس جانب بھی پارک تھی۔

شہزاد نے میگی کو دھکا دیا اور خود بھی چھلانگ لگا دی...

اُسی لمحے کھڑکی سے جھانکنے والی نال سے شعلے نکلنے لگے اور فضا گولیوں کے شور سے گونج اُٹھی۔

میگی کی چیخ نے سناٹے کو مجروح کر دیا تھا۔

اس کا دل دھک سے رہ گیا۔

'کیا میگی کو گولی لگ گئی ہے؟' یہ خیال اس کے ذہن میں تیزی سے گھوم گیا تھا۔ اس خیال نے اس کے دل و دماغ میں غصّے کی تیز لہر دوڑا دی۔ اُس نے دل ہی دل میں اس خبیث کو کوسا جس کی وجہ سے اُس کی اچھی خاصی پُر لطف رات ضائع ہو گئی تھی۔

اس نے میگی کو کھڑکی کار کے نیچے سے دھکیل کر دوسری طرف فٹ پاتھ پر پہنچا دیا اور خود فٹ پاتھ سے اچھل کر کھڑکی کار کی چھت پر جا گرا۔ جس سیاہ کار سے ان پر گولیاں برسائی گئی تھیں، وہ اب بھی ریگ رہی تھی اور اس کی کھلی کھڑکی سے جھانکتی ہوئی نال کے عقب میں شہزاد کو ایک ضبوط سیاہ ہاتھ دکھائی دے رہا تھا۔

اس سے پہلے کہ وہ کوئی انتقامی یا مدافعت آمیز حرکت کرتا، رائفل ایک بار پھر گرج اُٹھی۔ غالباً فائر کرنے والے نے اُسے کھڑی کار کی چھت پر کُودتے اور لیٹتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔

اچانک ٹائیگر کو یوں محسوس ہوا جیسے اس کی دا مارے تکلیف کے چیخا جا رہی ہو۔

اس نے کنپٹی کو چھُو کر دیکھا۔

خون سے اس کی انگلیاں لتھڑ گئیں۔ وہ فیصلہ کر گولی اس کی کنپٹی میں گھُس کر کھوپڑی کو توڑتی ہوئی عقب سے نکل گئی ہے یا ابھی اس کی کھوپڑی ہی میں موجود ہے

اس کی آنکھوں کے سامنے تاریکی پھیلنے لگی۔

ایک لمحے کے لیے شہزاد ٹائیگر کو یوں محسوس ہوا کا ذہن ماؤف ہوتا جا رہا ہو... اس نے دونوں ہاتھوں اپنی گھومتی ہوئی کھوپڑی کو سنبھالنے کی کوشش کی لیکن رہا۔ اندھیرا چاروں طرف سے اُس پر یلغار کر چکا تھا۔

اگلی ہی ساعت وہ کار کی چھت سے فٹ پاتھ کے پہلو میں گرا اور ساکت ہو گیا۔

**

جب اس کی آنکھ کھُلی تو وہ ایک نرم نرم بستر پر تھا اور ایک جوان سال لڑکی اُس پر جھکی اُس کا جائزہ لے رہی شہزاد نے پلکیں جھپکا کر اس لڑکی کی طرف دیکھا۔

وہ بے حد حسین تھی۔

اس کا جسم بھی بے پناہ پُرکشش تھا۔

لڑکی نے قریبی میز پر رکھے ہوئے برتن سے چھوٹا ہُوا تولیہ نکالا اور اُسے نچوڑ کر شہزاد کی جلتی ہوئی پیشانی پ دیا۔ اس یخ بستہ تولیے کی وجہ سے شہزاد کو بے پناہ سکو احساس ہُوا۔

اسے ہوش میں دیکھ کر لڑکی مُسکرا دی۔

"مسٹر جانسن!" لڑکی کی مترنم آواز شہزاد کی سماعت ٹکرائی۔ وہ برطانوی لہجے میں اس سے مخاطب ہُوئی تھی تمھاری طبیعت کیسی ہے؟"

'جانسن۔؟' اس نے سوچا۔

"ہاں... میرا خیال ہے اب میری طبیعت خاص ہے۔" اُس نے خود کو سنبھالتے ہوئے جواب دیا۔ یہ لیکن۔ یوں محسوس ہو رہا ہے، جیسے مارے تکلیف کے میرا سر پھ جا رہا ہو۔"

"غالباً ایسی ہی بات ہے۔" لڑکی بڑبڑائی۔

لڑکی سفید لباس زیبِ تن کیے ہوئے تھی۔ اُس

آنکھوں میں شیرینی کی آنکھوں جیسی چمک تھی۔ بے اختیار شہزاد کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ کاش یہ لڑکی محض ایک بے حس سی نرس نہ ہو۔ اس نے تمنّا کی کہ کاش یہ لڑکی کوئی ایسی ہو جسے وہ جانتا ہو۔ کوئی دوست یا پھر بیوی...

"کیا ہُوا ہے؟" شہزاد نے خود کلامی کے انداز میں پوچھا۔

"تمھیں یاد نہیں؟"

"مجھے تو کچھ بھی یاد نہیں۔" شہزاد نے بے بسی سے کہا۔

"ہم دونوں ڈنر کے لیے ریستوران کی طرف جا رہے تھے کہ ایک نیم تاریک سڑک پر کسی نے تم پر گولیاں برسانا شروع کر دیں۔ ایک گولی تمھاری کنپٹی کو چیرتی ہوئی گزر گئی تھی۔"

"کسی نے مجھ پر گولیاں برسائیں؟" شہزاد نے حیرت سے کہا۔

"ہاں... یہی ہُوا ہے۔"

"لیکن کسی کو مجھ پر گولیاں برباد کرنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"میں کیا کہہ سکتی ہوں۔" لڑکی نے بے بسی سے کندھے اُچکا دیے۔ "میرا تو خیال تھا کہ شاید تم اپنے دشمنوں سے واقف ہو۔"

"مجھے کچھ بھی یاد نہیں آ رہا ہے۔" وہ کراہ کر اُٹھ بیٹھا۔ کنپٹی میں دَرد کی ایک تیز لہر سرایت کر گئی لیکن شہزاد نے اسے نظر انداز کر دیا۔ اس نے کمرے میں اِدھر اُدھر نگاہ دوڑائی۔

یہ کسی ہوٹل کا ایک شان دار کمرہ تھا۔

نہ جانے کیوں شہزاد کے ذہن میں یہ خیال پیدا ہوا کہ اس کمرے کا کرایہ کون ادا کرتا ہو گا؟

"یہ کون سی جگہ ہے؟" اس نے سفید لباس والی لڑکی سے سوال کیا۔ "اور میں کہاں ہوں؟"

لڑکی ہنس پڑی۔ "میں پہلے ہی بہت پریشان ہوں۔ تم آخر مجھے اور کیوں زچ کر رہے ہو؟"

"نہیں۔ یہ بات نہیں ہے۔" شہزاد نے جلدی سے وضاحت کر دی۔

"یہ الجیریا کا ہوٹل اسٹون وال ہے اور تم اس وقت اپنے کمرے میں ہو۔"

"الجیریا..." شہزاد کے لہجے سے مزید حیرانی جھلکنے لگی۔ میں الجیریا میں کیا کر رہا ہوں؟" وہ خاموش ہو گیا۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ گہری سوچ میں ڈوب کر خود ہی ان باتوں کی وضاحت تلاش کر رہا ہو... لیکن پھر اس کی آنکھوں میں مایوسی پھیل گئی۔ اس نے سفید لباس والی لڑکی کی طرف وضاحت طلب انداز میں دیکھا۔

اچھی لڑکی! ایک بات تو بتاؤ۔ آخر میں کون ہوں؟"

لڑکی نے اُسے فوراً ہی کوئی جواب نہیں دیا بلکہ وہ مسلسل دس سیکنڈ تک اُسے گھورتی رہی... پھر اُس نے بھیگا ہُوا مختصر سا تولیہ شہزاد کے ماتھے سے ہٹا لیا اور کنپٹی کے زخم کا جائزہ لینے لگی۔

"زخم زیادہ خطرناک نہیں ہے۔" اس نے شہزاد کی بات کا جواب دینے کی بجائے زخم کی حالت پر تبصرہ کیا۔ "معمولی سی مرہم پٹّی سے بات بن جائے گی لیکن اس زخم نے تمھارے سر کو بڑی تکلیف میں مبتلا کر دیا ہو گا۔"

"تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔" شہزاد نے یاد دہانی کرائی۔ "بتاؤ۔ میں کون ہوں؟"

"تمھارا نام جانسن ہے۔"

یہ نام اس وقت شہزاد کے لیے ذرا سی بھی دلچسپی کا باعث نہیں تھا۔ "اور میں اس وقت الجیریا میں ہوں؟" اس نے ایک بار پھر اطمینان کرنا چاہا۔

"ہاں... میں تمھیں پہلے بھی بتا چکی ہوں۔"

"اور میں اس ملک میں کیا کر رہا ہوں؟"

"اس سلسلے میں میں تمھیں کچھ نہیں بتا سکتی۔"

"وہ کیوں؟"

"اس لیے کہ میں خود اندھیرے میں ہوں۔" لڑکی نے جواب دیا..... اس بار خود اُس کے لہجے سے حیرت کا اظہار ہو رہا تھا۔

شہزاد نے کمرے میں اِدھر اُدھر نگاہ دوڑائی۔ وہ جانتا تھا کہ محض نام معلوم کرنا ہی کافی نہیں ہوتا۔ جب تک اس نام کا کچھ پس منظر یاد نہ ہو، یہ نام بے مقصد اور ناکارہ ہی ہوتا ہے... خود اس کی یادداشت بھی کچھ ایسے ہی حادثے کا شکار ہو گئی تھی۔

"جانسن کون ہے؟" اس نے زیرِ لب کہا۔

"تم ہو۔" لڑکی نے جواب دیا۔

"نہیں میرا مطلب یہ نہیں... میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ میں کون ہوں؟ اور میں یہاں کیوں آیا ہوں؟"

"کیا تم واقعی سب کچھ بھول گئے ہو؟"

"میں کچھ نہیں جانتا۔"

لڑکی اس کا جواب سُن کر اُٹھ کھڑی ہُوئی۔ وہ بستر کے قریب سے ہٹ گئی۔ وہ تکیے پر تھوڑا سا جُھک کر لڑکی کو دیکھتا رہا۔ وہ واقعی ایک پُرکشش لڑکی تھی۔ اس کا جسم کسی رقاصہ کی

طرح اِدھر سے اُدھر متحرک تھا... لیکن یہ لڑکی کون ہے؟

وہ رُک کر پلٹی اور اُسے دیکھنے لگی۔

"بات دَراصل یہ ہے کہ میں بھی تمھیں نہیں جانتی۔" اس نے مترنم آواز میں کہا۔ "ہماری صرف ایک ملاقات ہُوئی اُس کے بعد یہ حادثہ پیش آگیا۔ تم فٹ پاتھ پر زخمی ہو کر گر گئے تھے۔ میں تمھیں اُٹھا کر یہاں لے آئی۔ تم شاید کنپٹی کی چوٹ لگنے سے اپنی یادداشت کھو بیٹھے ہو۔ میرا خیال ہے تمھارے سامان سے تمھاری ذات کے بارے میں کچھ نہ کچھ معلوم ہو سکتا ہے۔"

"یادداشت کھو بیٹھنا..." شہزاد بڑبڑایا۔ "میرے خیال میں تو یہ ٹرم کا کوئی شعبدہ ہوتا ہے۔"

"نہیں... یہ واقعی ایک باقاعدہ مرض ہے۔ میں نرسنگ جانتی ہُوں اور میں نے یادداشت کھو دینے والے مریضوں کو دیکھا ہے۔ خوش قسمتی سے تمھارا معاملہ عارضی قسم کے ذہنی دھچکے سے تعلق رکھتا ہے۔"

"میں یہ چند گھنٹے گزار سکتا ہُوں بشرطیکہ تم میرے ساتھ رہو۔" شہزاد نے مُسکرا کر کہا۔

"اس دوران میں بہتر ہوگا کہ میں تمھارے سامان کا جائزہ لے لُوں۔ ممکن ہے اس طرح کوئی کارآمد بات معلوم ہو جائے۔" اس نے میزوں اور الماریوں کی تلاشی لینی شروع کر دی۔ اس نے ایک ایک کپڑے کی جیب ٹٹولی... اور موزے تک ٹٹول ڈالے لیکن کوئی کارآمد شے نہ ملی۔ پھر اس نے پہلی دراز سے اس کا اچکی کیس نکال لیا۔ اس نے لاک کھولے۔

شہزاد توجہ سے اس کی ایک ایک حرکت دیکھ رہا تھا۔ وہ اس کی تیکنیک سے متاثر ہُوئے بغیر نہ رہ سکا۔

اچکی کیس کا جائزہ لیتے ہوئے وہ گنگنا بھی رہی تھی۔

شہزاد اُس کے متحرک ہاتھوں کی طرف دیکھتا رہا۔ وہ حیران تھا کہ یہ لڑکی درحقیقت کیا تلاش کر رہی ہے؟ وہ بستر سے اتر آیا۔ اس حرکت سے اُسے سر میں بے پناہ تکلیف ہُوئی لیکن وہ برداشت کر گیا۔

وہ آہستہ آہستہ لڑکی کی طرف بڑھنے لگا۔

اُس اچکی کیس میں نوٹوں کی گڈیاں بڑی صفائی سے چُنی ہُوئی تھیں۔ اس نے کھڑے کھڑے اندازہ لگایا کہ رقم پچیس ہزار ڈالر سے کم نہیں ہوگی۔ "جالسن ہونا اس اعتبار سے تو بہت اچھا معلوم ہو رہا ہے۔" اس نے کرنسی نوٹوں کو دیکھ کر تبصرہ کیا۔

"اس کے علاوہ یہاں ایک ٹیلی گرام بھی موجود ہے۔" لڑکی نے ایک زرد رنگ کا کاغذ نکالتے ہُوئے کہا۔

"ذرا اسے پڑھ کر تو سناؤ۔" شہزاد دھیمی آواز میں بولا۔

"یہ ٹیلی گرام مسٹر جالسن کے نام بھیجا گیا ہے... اور یہ ہے کہ اسٹون وال ہوٹل پہنچو۔ وہاں تمھارے لیے ایک کمرہ مخصوص ہے۔ تم سے مستقبل قریب میں بہترین کاروباری تعلقات استوار ہونے کی توقع ہے... اور ان تعلقات میں تمھیں بے پناہ مالی فائدہ ہوگا۔"

"ٹیلی گرام کس نے بھیجا ہے؟"

"نیمراف..." لڑکی نے جواب دیا۔

"یہ نیمراف کون ہے؟"

لڑکی نے فوراً ہی کوئی جواب نہیں دیا جس سے شہزاد کو اندازہ ہو گیا کہ وہ نیمراف کو جانتی تو ہے لیکن اس کے بارے میں بتاتے ہوئے ہچکچا رہی ہے۔

شہزاد اس کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھتا رہا۔

"میں نہیں جانتی۔" لڑکی نے بالآخر ذہنی طور پر کسی فیصلے پر پہنچتے ہوئے کہا۔ "لیکن یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ تم اپنی منزلِ مقصود پر پہنچ چکے ہو۔ غالباً تم اس تار کے مضمون کے مطابق ہی یہاں موجود ہو۔"

شہزاد نے اس بات پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔

وہ لڑکی کو اُلجھن آمیز نگاہوں سے دیکھتا رہا۔

لڑکی اُس کی نگاہوں کی تاب نہ لاتے ہوئے ایک بار پھر مصروف ہو گئی۔ اس بار وہ کپڑوں کی الماری کھول کر کھڑی ہو گئی تھی اور اس کے ہاتھ تیزی سے کپڑوں کو ٹٹولنے لگے تھے۔ شہزاد بھی اس کے عقب میں جا کھڑا ہُوا۔ اُس نے کن انکھیوں سے کونے میں لگے ہُوئے قدِ آدم آئینے میں اپنا عکس دیکھا تو چونک پڑا۔

وہ پلٹ کر اپنا سراپا دیکھنے لگا۔

آئینے میں ایک اجنبی چہرہ اس کی طرف متوجہ تھا۔ ایک بُرا چہرہ تھا۔ جس میں کوئی جاذبیت نہیں تھی۔ اس کنپٹی پر جو پٹی بندھی ہُوئی تھی، چہرہ اس کی وجہ سے ہی بدنما نہیں لگ رہا تھا بلکہ کوئی اور بھی بات تھی۔ اس کے بال چھوٹے چھوٹے اور گھنگریالے تھے۔ اس کی آنکھوں میں سختی اور سفاکی جھلک رہی تھی۔ اُسے اپنی ہی آنکھیں اجنبی سی محسوس ہو رہی تھیں۔ اس کے ہونٹ لمبے لمبے اور پتلے

تھے اور اس کا چہرہ ایسا نظر آ رہا تھا۔ جیسے چہرے کی ہڈیوں پر چمڑے کی تہ چڑھی ہوئی ہو اور گوشت کا اس کھال کے نیچے نام و نشان تک نہ ہو۔ وہ آئینے کی طرف مزید جھک گیا تاکہ اپنے چہرے کا مزید گہرے انداز میں جائزہ لے سکے۔

اس نے اپنی انگلیوں کی پوروں کو کنپٹی سے نیچے جبڑے کی ہڈی پر پھیرا۔ جلد معمول سے کچھ کم پتلی محسوس ہو رہی تھی۔ جیسے کھال کی مہین سی تہ کھینچ کر اُس کے چہرے پر چڑھائی گئی ہو۔ اس نے کن انکھیوں سے چہرے کے دوسرے حصّے کا جائزہ لیا۔ دوسرا رُخسار اور اس کی ہڈی پر بھی ایسی ہی کھال نظر آ رہی تھی۔

'پلاسٹک سرجری...؟'

اس کے ذہن میں فوراً ہی یہ خیال گھوم گیا۔

وہ اثبات میں سر ہلا کر رہ گیا۔ پلاسٹک سرجری کے سلسلے میں کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس نے چہرے کا جائزہ لینے کے بعد لڑکی کی طرف دیکھا۔ وہ الماری اور اُس میں لٹکے ہُوئے کپڑوں کا جائزہ لے چکی تھی اور اب اس کی طرف متوجہ ہو کر یہ دیکھ رہی تھی کہ وہ اپنے چہرے کو کیوں ٹٹول رہا ہے۔

"کیوں...؟" لڑکی نے عجیب سے لہجے میں کہا۔ "کیا تمھیں اپنا چہرہ پسند نہیں آیا؟"

"کتنی عجیب بات ہے۔" شہزاد نے کہا۔ "انسان ہوش میں آ کر جب آئینہ دیکھے اور اُسے اپنی بجائے کسی اجنبی کا چہرہ دکھائی دے تو اُس کے جو بھی حساسات ہو سکتے ہیں، بالکل ویسے ہی احساسات میں اس وقت میں بھی مُبتلا ہُوں۔"

وہ اُلجھن آمیز انداز میں سر ہلاتا ہُوا بستر کی طرف بڑھ گیا۔

لڑکی بھی اس کے پیچھے ہی آئی۔ اس کا ہاتھ پہلوؤں تھا۔ جیسے وہ اس میں کچھ چھپانے کی کوشش کر رہی ہو۔ شہزاد بستر پر بیٹھ گیا اور وہ اس کے سامنے کھڑی ہو گئی۔

"دیکھو یہ کیا چیز ہے؟" لڑکی نے کہا۔

شہزاد نے سوالیہ انداز میں اس کی طرف دیکھا۔

لڑکی نے اس کے سامنے اپنی ہتھیلی پھیلا دی۔

شہزاد چونک پڑا۔ لڑکی کی ہتھیلی پر ایک خنجر چمک رہا تھا۔ اس کا بلیڈ دیکھ کر نہ جانے کیوں شہزاد کو جھرجھری سی آ گئی۔ غالباً وہ محسوس کر چکا تھا کہ خنجر کا بلیڈ کسی اُسترے کی طرح تیز دھار ہے۔ اس نے خنجر لڑکی کی ہتھیلی سے اُٹھا لیا۔

لمبائی میں خنجر تقریباً آٹھ انچ تھا اور اسے ہاتھ میں لیتے ہی شہزاد کو اندازہ ہو گیا کہ یہ کسی پیشہ ور قاتل کا ہتھیار ہے... لیکن یہ احساس اور اندازہ خود شہزاد کو اجنبی سا محسوس ہو رہا تھا۔ اس نے خنجر کو ہاتھ میں گھمایا۔ اس کی نگاہ خنجر کی دُہری دھار پر جمی ہوئی تھی جس پر بلب کی روشنی منعکس ہو کر سورج کی کرنوں کی طرح بکھر رہی تھی۔ اس نے خنجر کو دستے سے تھاما اور پھر اُسے فضا میں اُچھال کر نوک سے انگلیوں میں تھام لیا۔ اگلے ہی لمحے اُس نے ہاتھ کو گھمایا اور خنجر پھینک مارا۔ نشانہ ہوٹل کے کمرے کا چوبی دروازہ تھا۔

خنجر اس کی گرفت سے نکل کر تیزی سے فضا میں اُڑتا ہُوا دروازے کی طرف لپکا اور پھر رُک گیا۔ دروازے سے ٹکرا کر وہ دو انچ کے قریب لکڑی میں دھنس گیا تھا۔ اس کا دستہ اب بھی ہلکی سی لرزش میں مبتلا تھا۔

لڑکی نے خنجر کی طرف دیکھا اور پھر شہزاد کی طرف متوجہ ہو گئی۔ شہزاد خنجر کو اس وقت تک دیکھتا رہا جب تک اس کے دستے کی لرزش ختم نہیں ہو گئی... پھر وہ لڑکی کی طرف دیکھ کر مُسکرانے لگا۔

"بالآخر..." اس نے دھیمی آواز میں کہا۔ "مجھے کم از کم یہ تو پتہ چل ہی گیا کہ میں کون ہُوں۔"

"کیا واقعی؟" لڑکی چونک پڑی۔ "کون ہو تم؟"

"میں غالباً کسی سرکس میں کام کرتا ہُوں اور وہاں خنجر پھینکنے کا مظاہرہ کرتا ہُوں... لیکن فی الحال میں، تمھیں یہ نہیں بتا سکتا کہ میں اس خنجر کو اتنی کامیابی سے دروازے میں پیوست کرنے میں کیسے کامیاب ہو گیا۔"

لڑکی بستر کے کنارے بیٹھ گئی۔

اس نے شہزاد کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔

"یوں محسوس ہوتا ہے، یہ نیمراف نامی شخص ہی بتا سکتا ہے کہ تم کون ہو۔ ظاہر ہے، اُسی نے تمھیں تار دے کر یہاں بُلایا ہے۔ میں کچھ دیر کے لیے باہر جا رہی ہُوں۔ میں یہ معلوم کرنے کی کوشش کروں گی کہ یہ نیمراف کون ہے اور اس کا قیام کہاں ہے۔ اس کے بعد ہی ہم کوئی فیصلہ کر سکیں گے کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے۔" یہ کہتے ہوئے لڑکی نے نرمی سے اس کے ہاتھوں کو دبایا..... اور مُسکرانے لگی۔ "کیا تم چند منٹ تک ٹھیک ٹھاک رہ سکتے ہو؟"

"تمھارے بغیر...؟" شہزاد نے چونک کر کہا۔ "میں یقین

سے کچھ نہیں کہہ سکتا کہ تنہائی میں میرے کیا احساسات ہوں گے۔"

"میں واپس آکر تمہارے احساسات کو معمول پر لے آؤں گی۔" لڑکی نے نفگی سے بھرپور لہجے میں کہا۔

"تب پھر جلدی جلدی اور فوراً واپس آجانا۔"

لڑکی نے اثبات میں سر ہلایا کر جلد واپسی کا خاموش وعدہ کیا اور کپڑوں کی سلوٹیں ہاتھوں سے دُور کرتی ہوئی دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ اس نے دروازہ کھولا اور اسے اپنے عقب میں بند کرتی ہوئی اُس کی نگاہوں سے اوجھل ہوگئی۔

شہزاد بستر پر بیٹھا نیم وا آنکھوں سے خنجر کی طرف دیکھتا رہا جو دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی وجہ سے ایک بار پھر کپکپاہٹوں کا شکار ہوگیا تھا۔ شہزاد اپنے بارے میں غور کرنے لگا کہ آخر اس انداز میں خنجر پھینکنے میں ماہر ہونے کی حیثیت سے وہ کون ہے اور کس قماش کا آدمی ہے؟

★★

میگی نام کی لڑکی نے بڑی بے چینی سے لفٹ کے بٹن پر انگلی سے دباؤ ڈالا اور انتظار میں، ہوٹل اسٹون وال کی پچیسویں منزل کے ہال دے میں بچھے ہوئے قالین پر اپنے سینڈل کی اونچی ایڑی مارنے لگی۔ لفٹ اگرچہ جلد ہی آمد تھی لیکن میگی کو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ برسوں سے اس کے انتظار میں کھڑی رہی ہو۔ دروازہ کھلتے ہی وہ لفٹ میں سوار ہوگئی۔

وہ لفٹ کے ذریعے بارھویں منزل پر پہنچی اور پھر تیز تیز چلتی ہوئی کمرہ نمبر ۱۲۲ کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔ اس نے اپنے ہینڈ بیگ کو ٹٹول کر چابی نکالی اور دروازہ غیر مقفل کرتی ہوئی اندر گھس گئی۔ شہزاد کے کمرے میں اُس نے جتنا بھی وقت گزارا تھا، اس دوران میں وہ بے حد خوش گوار موڈ میں رہی تھی کیونکہ اس کا کمرہ شہزاد کے بہترین کمرے کے مقابلے میں فضول ہی لگ رہا تھا۔ اس نے اپنے عقب میں دروازہ بند کرلیا۔

کمرے میں داخل ہو کر وہ چند لمحوں تک کھڑی ہانپتی رہی ... پھر تیزی سے فون کی طرف بڑھ گئی۔

اس نے جلدی جلدی کسی کا نمبر ڈائل کیا اور سلسلہ ملنے کا انتظار کرنے لگی۔

"یس ...؟" دوسری طرف سے ایک ناگوار مردانہ آواز سُنائی دی جسے سُن کر میگی مزید بدمزہ ہوگئی۔

"میگی بول رہی ہوں۔" اس نے کہا۔

"ہاں ... کیا بات ہے؟ تمہارے دوست کا کیا حال ہے؟"

"میرے دوست کی کنپٹی پر گولی لگ گئی ہے۔"

"اوہ ..." دوسری طرف سے ایک طویل سانس لی گئی۔

"لیکن وہ ٹھیک ٹھاک ہے۔" اُس نے ہونٹ چباتے ہوئے مزید کہا۔ "گولی اس کی کنپٹی کو رگڑتی ہوئی گزری جس کی وجہ سے وہ اب اپنی یادداشت کھو بیٹھا ہے۔ اُسے یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ کون ہے۔"

"بے حد دلچسپ۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔ "نیمراف کیا رہا؟"

"وہ اس نام سے ناواقف ہے۔"

"کتنی عجیب صورتِ حال پیدا ہوگئی ہے۔" مردانہ آواز میں کہا گیا۔ "نیمراف نے ایک بے حد خطرناک قاتل کی خدمات حاصل کیں لیکن بدقسمتی سے وہ شخص نہ صرف نیمراف سے ناواقف ہے بلکہ یہ بھی بھول گیا ہے کہ وہ خود ایک پیشہ ور قاتل ہے۔"

"ہاں ... کچھ ایسی ہی بات ہے۔" میگی نے کہا۔ "لیکن جب نیمراف اس سے ملاقات کے لیے آئے گا تو کیا ہوگا؟"

"ہونا کیا ہے۔" مرد نے ہنس کر کہا۔ "اس طرح تمہیں جالنسن نامی اس قاتل کی نرس کی حیثیت سے نیمراف کے ہال کھسنے میں مدد ملے گی۔ کیا تم اس کی نرس بننا پسند کرو گی؟"

"تمہاری نرس بننے سے اس شخص کی نرس بننا غالباً میرے لیے زیادہ محفوظ ثابت ہوگا۔" میگی کے لہجے سے سرد مہری جھلکنے لگی۔

"یہ ہمارے فرض کا ایک حصّہ ہے میگی۔" اس بار دوسری طرف سے بولنے والے کا لہجہ قدرے بدل گیا تھا۔ "اس کارنامے سے ہر مبتدی کی نگاہ میں تمہاری اہمیت بڑھ جائے گی۔"

"کیا میں اس تبصرے پر خوش ہو کر تمہارا شکریہ ادا کروں؟" میگی کا لہجہ اب تضحیک آمیز ہوگیا تھا۔

"اس کی ضرورت نہیں۔ بس یہ کوشش کرو کہ جالنسن نامی اس قاتل کے ذریعے تم نیمراف تک رسائی حاصل کرنے میں کامیاب ہوجاؤ۔ اسکومبا کے خلاف ہونے والی سازش کو ہر حال میں ناکام بنانا ضروری ہے۔ نیمراف کو روکو... اور اگر یہ ناممکن ہو جائے تو ..."

"تو پھر مجھے کیا کرنا چاہیے؟" میگی نے بے قراری سے پوچھا

"جالنسن نامی اس خطرناک قاتل کو ہلاک کر دو۔"

میگی کچھ دیر خاموش رہی۔

"کیا تم لائن پر موجود ہو؟"

"ہاں ... میں سوچ رہی ہوں کہ جالنسن نام کے اس شخص کی یادداشت واپس آجائے گی تو یہ تمہیں قتل کر دے گا۔ میں نے اس کے خنجر پھینکنے کا مہلک مظاہرہ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اگر اس شخص کو قتل کرنا اتنا ہی ضروری ہے تو اس سے پہلے کہ یہ تمہیں قتل کر دے تمہیں اس کو ہلاک کر دینا چاہیے۔"

"وہ مجھے نہیں بلکہ تمہیں قتل کر دے گا، ہنی۔" مردانہ آواز میگی کی سماعت سے ٹکرائی۔ "اسے ہلاک کرنے میں ذرا بھی ہچکچاہٹ تمہاری موت کا پیغام بن جائے گی۔ کاش! اس کیس پر تمہاری جگہ میں کام کر رہا ہوتا۔"

"میری بھی یہی خواہش ہے۔" میگی کا لہجہ ناخوش گوار تھا۔

"بدقسمتی ... میری جسمی حالت ..." ایک طویل سانس لے کر دوسری طرف سے بولنے والے نے جملہ اُدھورا ہی چھوڑ دیا۔

"تمہارے ساتھ شروع سے ایسا ہی ہے۔"

"سیکرٹ سروس کے کارکنوں کو محتاط رہنا چاہیے۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔ "محتاط رہو... صورتِ حال بے حد نازک ہے۔ اس وقت عالمی امن ایک پلڑے میں ہے اور بین الاقوامی جرائم دوسرے پلڑے میں ہیں۔ نیمراف کے منصوبے کو ناکام بنانے کے سامنے اس وقت کوئی بھی چیز اہم نہیں ہے۔ اس میں تمہاری یا میری زندگی کی بھی کوئی اہمیت نہیں، ہنی۔"

"یہ سب باتیں آیندہ کے لیے محفوظ رکھو۔" میگی نے جواب دیا اور سلسلہ منقطع کر کے فون کو گھورنے لگی۔

چند لمحوں تک وہ یونہی کھڑی سوچتی رہی... پھر اُس نے رسیور والی سے کندھے اچکا دیے۔ وہ سوچ رہی تھی کہ ایک انڈر کور ایجنٹ کی حیثیت سے اُسے وہی کچھ کرنا چاہیے جس کا اُسے حکم دیا گیا ہے۔ اس پیشے میں جذبات کی قطعاً گنجائش نہیں۔

ایک اور خیال سے خود ہی مُسکرادی۔

جالنسن نامی اس پیشہ ور قاتل کی نرس کی حیثیت سے اپنا کردار ادا کرنا ہے... اور کچھ عجب نہیں کہ نرسنگ کے دوران میں وہ جالنسن کو جو دوا دے اس کی دوسری خوراک دوا کی بجائے خطرناک اور مہلک زہر ہو۔

★★

شہزاد کا چیف بہرام بے حد پریشان تھا۔

ٹائیگر کو دوپہر کے وقت اُسے فون کر کے تازہ ترین صورتِ حال سے آگاہ کرنا چاہیے تھا... لیکن مقررہ وقت گزرے دو گھنٹے ہوگئے تھے اور ابھی تک شہزاد کی کال نہیں آئی تھی۔ آج تک کبھی ایسا نہیں ہوا تھا۔ بہرام ٹائیگر کی صلاحیتوں اور طاقت سے خوب واقف تھا۔ کوئی انسان اُسے فنا نہیں کر سکتا تھا، اس کے باوجود ٹائیگر، بہرحال ایک انسان ہی تو تھا، کوئی مشین نہیں تھا، اس بار دو چار مجرموں کا معاملہ نہیں تھا بلکہ پوری مجرم برادری متحد ہو رہی تھی۔

خدشات اور وسوسے بہرام کو بے چین کیے دے رہے تھے۔ وہ بار بار فون کی طرف دیکھتا اور ہر مرتبہ اس کی نگاہیں ناکام لوٹ آتی تھیں۔ فون یوں خاموش تھا جیسے وہ قوتِ گویائی سے محروم کوئی لاش ہو۔ اس نے ہر خدشے کو ذہن سے نکال کر صرف اس بات پر غور کرنا شروع کر دیا تھا کہ آخر ٹائیگر اس وقت کہاں اور کس حال میں ہے؟ کہیں وہ کسی خطرے میں تو نہیں پڑ گیا؟ اگر ایسا ہے تو اُسے دُنیا کے اس سب سے قیمتی آدمی کو بچانے کے لیے کیا کرنا چاہیے؟ ٹائیگر نے چند منٹ کی تاخیر تو کی تھی لیکن ماضی میں کبھی دو گھنٹے کی تاخیر کا جرم اس سے کبھی سرزد نہیں ہوا تھا۔

اس کا صاف مطلب تھا کہ ٹائیگر کسی مصیبت میں گرفتار ہوگیا ہے۔ بہرام جانتا تھا کہ دُنیا کے باقی ممالک بھی نیمراف کی اس سازش کو ناکام بنانے کے لیے سر توڑ کوششوں میں مصروف ہوں گے... لیکن وہ سب سے زیادہ اپنے ٹائیگر پر بھروسا کرتا تھا۔

وہ اُٹھ کر بے چینی سے ٹہلنے لگا۔

جب اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا اور ٹائیگر کے سلسلے میں مزید انتظار ناممکن ہوگیا تو اس نے فون کا رسیور اُٹھا لیا اور تیزی سے ایک نمبر ڈائل کرنا شروع کر دیا۔

"اُدشان ..." دوسری طرف سے کچھ دیر بعد آواز سُنائی دی۔

"میں بہرام ہوں... ڈاکٹر بہرام ..."

"کیا بات ہے؟"

"مجھے تمہارے شاگرد کی کال موصول نہیں ہوئی۔"

"اس نے مجھے بھی فون نہیں کیا۔" اُدشان نے جواب دیا۔

"جب وہ یہاں سے گیا تھا تو اس کا موڈ کیسا تھا؟"

"اگر تم یہ سوچ رہے ہو، ڈاکٹر بہرام۔۔" اُوشان نے ناگواری سے جواب دیا "کہ وہ کہیں فرار ہوگیا ہے تو تمہارا خیال غلط ہے۔"

"کیا تمھیں یقین ہے کہ ایسی کوئی بات نہیں؟"

"ہاں۔۔۔ میں نے اُسے دیانتداری کا سبق، فنِ حرب سے زیادہ سکھایا ہے۔ وہ میری تربیت کو دھوکا نہیں دے سکتا۔"

"کہیں وہ نشے میں دُھت ہو کر۔۔۔"

"یہ ناممکن ہے۔" اُوشان کا لہجہ مزید بگڑ گیا۔ اس کے ساتھ ہی اُس نے سلسلہ منقطع کر دیا۔ اُسے یہ احساس ہی نہیں ہُوا کہ دوسری جانب سے بہرام نے بھی اُسی لمحے فون بند کر دیا تھا۔

بہرام نے کریڈل دبانے کے بعد فوراً اپنے سیکرٹری سے رابطہ قائم کیا اور اُسے ہدایت کی کہ وہ الجیریا کے اسٹون وال ہوٹل میں مقیم جانسن نامی شخص کے بارے میں معلومات حاصل کر کے اُسے فوراً اطلاع دے کہ وہ اس وقت کہاں ہے اور کیا کر رہا ہے؟

شہزاد نے فرضی خالو کو فون کر کے اُسے بتا دیا تھا کہ وہ جانسن کو قتل کر کے اس کا بہروپ اختیار کر چکا ہے اور اسٹون وال ہوٹل میں مقیم ہے۔ یہ کال اُس نے وہاں پہنچتے ہی کی تھی اور آخر میں کہا تھا کہ وہ اگلے روز دوپہر کو دوبارہ رابطہ قائم کرے گا۔

سیکرٹری کو حکم دینے کے بعد بہرام نے دوبارہ بے چینی سے ٹہلنا شروع کر دیا۔ اُسے اب نئی اطلاعات کا انتظار تھا۔ اس دوران میں اُسے یہ توقع بھی تھی کہ شاید ٹائیگر اس سے ذاتی طور پر رابطہ قائم کر کے ہر خدشے اور وسوسے کو باطل کر دے گا ... لیکن دوپہر گزر گئی ... اور پھر شام کے سائے پھیلنے لگے۔ کسی کی کال نہیں آئی۔ نہ اس کے سیکرٹری نے فون کیا اور نہ ہی ٹائیگر کی طرف سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی گئی۔

بہرام نے ایک طویل سانس لے کر کھڑکی سے باہر دیکھا۔ کائنات پر اندھیرے کا تسلط ہو گیا تھا۔

"آخر یہ سیکرٹری کہاں مر گیا؟" اس نے بائیں ہتھیلی پر دائیں ہاتھ سے گھونسہ مارتے ہوئے کہا۔ "اس نے ابھی تک کال کیوں نہیں کی؟ ... اور ٹائیگر تم کہاں ہو؟ پلیز... مجھ سے رابطہ قائم کرو۔ تم کہاں اور کس حال میں ہو؟ پلیز ٹائیگر!" اس کی آواز بھرا گئی۔ اُس وقت بہرام کی حالت کسی ایسے محبت کرنے والے باپ جیسی تھی جس کا معصوم بچہ کہیں کھو گیا ہو۔

اچانک فون کی گھنٹی بجنے لگی۔

وہ کھڑکی کے قریب کھڑا باہر دیکھ رہا تھا۔

فون کی گھنٹی سُن کر وہ یوں بدکا جیسے کسی نے اس کی کھوپڑی پر کوئی وزنی چیز دے ماری ہو۔ چند لمحوں تک وہ بے یقینی کے عالم میں فون کی طرف دیکھتا رہا۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے سوچ رہا ہو کہ واقعی فون کی گھنٹی ہی بج رہی ہے یا اس کے کان بجنے لگے ہیں؟ ... پھر وہ کسی باز کی طرح فون کی طرف جھپٹ پڑا۔

دوسری طرف سے اس کا سیکرٹری ہی بول رہا تھا۔

"اتنی دیر۔۔۔؟" بہرام دیوانوں کی طرح چیخ پڑا۔

"مجھے افسوس ہے جناب! یہ اطلاع یہاں امریکا سے نہیں بلکہ الجیریا سے حاصل کر کے آپ تک پہنچائی تھی۔" سیکرٹری نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔

"اطلاع کیا ہے؟" بہرام کا دل شدت سے دھڑکنے لگا۔

"جانسن نامی شخص ابھی تک ہوٹل اسٹون وال میں مقیم ہے۔ گزشتہ شام ایک فائرنگ کے حادثے میں وہ زخمی ہو گیا تھا۔ اس کے زخموں کی تفصیل کوشش کے باوجود معلوم نہیں ہو سکی ... جبکہ یہ بات پورے یقین سے کہی جا سکتی ہے کہ کسی ڈاکٹر کو اُس کی دیکھ بھال کے لیے طلب نہیں کیا گیا۔"

"جانسن اس وقت کہاں ہے؟" بہرام نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"وہ ابھی تک اپنے کمرے میں موجود ہے۔"

"شکریہ!" بہرام نے خشک لہجے میں کہا اور سلسلہ منقطع کر کے جلدی جلدی اُس ہوٹل کا نمبر ڈائل کرنا شروع کر دیا جہاں اُوشان مقیم تھا۔ اُوشان اور شہزاد ہوٹل پلازو میں فرضی ناموں سے ٹھہرے ہُوئے تھے۔ شہزاد کا نام روجر ویلس تھا۔ اور اُوشان مسٹر پارک کی حیثیت سے اس کے ساتھ مقیم تھا

رابطہ قائم ہوتے ہی ہوٹل کی آپریٹر کی دل کش نسوانی آواز سُنائی دی۔

"کمرہ نمبر گیارہ۔ گیارہ... جلدی۔" بہرام آپریٹر نے فوراً ہی کوئی جواب نہیں دیا

دوسری طرف ایک بار پھر فون کی گھنٹی بجنے لگی تھی۔ غالباً آپریٹر نے کسی اور فون پر رابطہ قائم کر لیا تھا۔

"استقبالیہ۔۔" ایک نئی نسوانی آواز سنائی دی۔

"میں نے کمرہ نمبر گیارہ۔ گیارہ مانگا۔" بہرام دھاڑنے

لگا۔ مارے جھلاہٹ کے اس کی حالت بگڑ گئی تھی۔

"آپ کس سے بات کرنا چاہتے ہیں؟" استقبالیہ کلرک نے پوچھا۔

"اسی سالہ بوڑھے مسٹر پارک سے۔۔۔"

"مجھے افسوس ہے جناب!" دوسری طرف سے استقبالیہ کلرک کی معذرت آمیز آواز سنائی دی۔ "مسٹر پارک موجود نہیں ہیں۔"

"اوہ خدایا!" بہرام کا ایک ہاتھ اپنی پیشانی پر پہنچ گیا۔ "کیا انھوں نے کوئی پیغام بھی نہیں چھوڑا؟ وہ کہاں گئے ہیں؟"

"انھوں نے میرے پاس صرف یہ پیغام درج کروایا تھا جناب کہ وہ چند روز کے لیے کہیں باہر جا رہے ہیں۔"

"انھوں نے اپنی منزلِ مقصود کے بارے میں۔۔۔"

"شاید انھوں نے الجیریا کا نام لیا تھا۔"

"شکریہ۔" بہرام نے کہا۔ اس کی آواز بے حد دھیمی ہو گئی تھی۔ اس نے کانپتے ہاتھوں سے ریسیور رکھ دیا اور جیب سے رُومال نکال کر چہرے کا پسینہ پونچھنے لگا۔ اُسے یہ سُن کر بے پناہ سکون محسوس ہُوا تھا کہ اُوشان الجیریا روانہ ہو گیا ہے۔ اس کا مطلب تھا کہ اُس نے خود ہی کسی خطرے کی بُو سُونگھ لی تھی۔ بہرام کو اس بوڑھے ماسٹر پر بے پناہ اعتماد تھا۔ یہ بات بھی اُس کے علم میں تھی کہ اُوشان کو اپنے شاگرد سے کسی باپ کی طرح محبت ہے۔

وہ کرسی پر گر گیا۔

اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ وہ بے پناہ تھکن محسوس کر رہا تھا۔

◎

وہ شخص جو اپنے بارے میں باور کر چکا تھا کہ اس کا نام جانسن ہے، ابھی تک اُسے اپنے ماضی کی کوئی بات یاد نہیں آئی تھی۔ وہ مسلسل ذہن پر زور دے کر اپنے ماضی کو ٹٹول رہا تھا۔ لیکن ماضی تو جیسے تاریکی کے گہرے پردے میں پوشیدہ ہو گیا تھا۔

گزشتہ شب جب وہ انگریز لڑکی اُس کے کمرے سے گئی تھی تو اُس نے اپنے جیب میں رکھے ہوئے پرس کا جائزہ لیا تھا۔ اس میں جانسن کے نام کا پاسپورٹ کے علاوہ چار ہزار ڈالر کی رقم رکھی ہوئی تھی۔ پاسپورٹ کے متعلق البتہ شہزاد کو یقین تھا کہ یہ جعلی ہی ہو گا۔ اس پاسپورٹ کے علاوہ کوئی شناخت نامہ یا ایسا کاغذ برآمد نہ ہو سکا جس سے جانسن کی شخصیت پر روشنی پڑ سکتی۔ ابھی تک یہ بات بھی راز ہی میں تھی کہ آخر کسی کو اس پر فائرنگ کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ یہ تو اُسے احساس تھا کہ گولیاں اسے قتل کرنے کے لیے ہی چلائی گئی تھیں لیکن آخر اسے کوئی کیوں قتل کرنا چاہتا ہے۔۔۔ تھا؟ اس نے سوچا۔ نہیں یہ کوشش تو دوبارہ بھی کی جا سکتی ہے۔"

اس کے سامنے صرف ایک ٹیلی گرام تھا جو کسی نیمراف نامی شخص نے اسے بُلانے کے لیے بھیجا تھا۔۔۔ لیکن یہ نیمراف کون ہے؟ کہیں اسی نے مجھے قتل کرنے کے لیے تو یہاں نہیں بُلا بھیجا؟

اُسے ہنسی آ گئی۔

دُنیا کا بڑے سے بڑا احمق بھی کسی دُشمن کے بُلاوے پر مرنے کے لیے دوڑا نہیں آ سکتا۔ اس کا مطلب ہے کہ نیمراف اور جانسن نہ صرف ایک دوسرے کو جانتے ہیں بلکہ ان کو ایک دوسرے پر اعتماد بھی ہے۔

وہ نیمراف کے بارے میں سوچتا اور اُلجھتا رہا۔

اچانک کمرے کا دروازہ کھُل گیا۔

اس نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا۔ وہ انگریز لڑکی کمرے میں داخل ہو رہی تھی۔ شہزاد، نیمراف کے بارے میں سوچنا چھوڑ کر اس لڑکی کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اس لڑکی نے اُسے اپنا نام میگی بتایا تھا۔ وہ برطانوی نژاد تھی۔ گزشتہ شب وہ سفید لباس میں اُسے کوئی نرس ہی دکھائی دی تھی لیکن وہ طبّی اصطلاحوں میں دخیل ہونے کے باوجود نرس نہیں تھی بلکہ وہ ایک انگریز لڑکی تھی... ایک ایسی لڑکی جو آسانی سے کسی غیر قوم کے مَرد میں دلچسپی نہیں لیتی۔ شہزاد یہ سوچ کر مسکرائے بغیر نہ رہ سکا کہ جانسن واقعی کوئی زبردست کارنیگر قسم کا آدمی رہا ہو گا... ورنہ یہ لڑکی اتنی جلدی اُس کی طرف متوجہ نہ ہوتی۔

وہ ایک شان دار لڑکی ثابت ہوئی۔

◎ انھوں نے ناشتہ بستر ہی میں کیا۔ دوپہر کا کھانا بھی بستر ہی میں کھایا حتیٰ کہ ڈنر کا وقت ہو گیا۔ کنپٹی کی چوٹ کی وجہ سے میگی اُسے ذرا سی بھی حرکت کرنے کی اجازت نہیں دے رہی تھی حالانکہ شہزاد نے سر پر پٹّی آراستہ کر دی تھی اور میگی نے کنپٹی کے زخم پر تھوڑا سا پلاسٹر چپکا دیا تھا۔ یاد داشت کھو جانے سے شہزاد اُلجھن کا تو شکار تھا لیکن میگی کی رفاقت نے اُسے زیادہ سوچنے کا موقع نہیں دیا۔

ڈنر کے بعد دونوں لیٹے ہُوئے باتیں کر رہے تھے تو دونوں کے انداز سے بے پناہ خوشی ظاہر ہو رہی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے شہزاد یہ بھول ہی گیا ہو کہ اس کا ماضی گم ہو چکا ہے۔

اور وہ حال کی بھول بھلیوں میں بھٹک رہا ہے... لیکن وہ خوش تھا کہ بھٹکے ہوئے راہی کو ایک حسین ساتھی کی رفاقت حاصل ہے۔ ادھر میگی یوں اس کے ساتھ چپک کر رہ گئی تھی جیسے اُسے شہزاد کی تیمارداری کے علاوہ دُنیا کا کوئی اور کام ہی نہ ہو۔

"میں پہلے ایسی نہیں تھی۔" میگی نے سرگوشی کی "لیکن تم میں نہ جانے کیا جادُو ہے کہ میں خود کو اپنے اختیار میں نہیں پاتی۔"

شہزاد جواباً مسکراتا رہا۔ ظاہر ہے اس بات کا اُس کے پاس کیا جواب ہو سکتا تھا۔ اس نے میگی کی آنکھوں میں دیکھا اور بے اختیار اُس کا جی چاہا کہ وہ بھی میگی ہی کا جملہ دُہرا دے ... لیکن میگی اس کے بولنے سے پہلے ہی بول اُٹھی۔ "اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ تم خنجر سے وار نہ لگانے والے کوئی بازی گر نہیں ہو۔"

"پھر میں کیا ہوں؟" شہزاد نے چونک کر پوچھا۔

میگی نے جُھک کر اُس کے کان میں کچھ کہا۔

یقیناً کوئی ایسی ہی بات تھی کہ شہزاد جیسے مرد کے کانوں کی لویں تک سُلگ اُٹھی تھیں... لیکن وہ جلد ہی خود کو سنبھالنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس نے قدرے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے جواب دیا۔ "ممکن ہے میں کوئی بازی گر نہ ہوں... یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ اس انداز میں خنجر پھینکنا میرا مشغلہ رہا ہو ... اور کون کہہ سکتا ہے کہ میں باقاعدہ اس پیشے سے ہی وابستہ ہوں۔"

"اگر ایسا ہے تو تم نے غلط پیشہ اپنا رکھا ہے۔"

اس سے پہلے کہ شہزاد، میگی کو اس بات کا کوئی جواب دیتا، اُسے چونک کر دروازے کی طرف متوجہ ہو جانا پڑا۔

میگی بھی بُری طرح اچھل پڑی تھی۔

دروازہ ایک دھماکے سے کھُل گیا تھا اور دروازے کے فریم میں جو شخص دکھائی دے رہا تھا۔ پہلی نگاہ میں اُسے انسان تو ہرگز نہیں سمجھا جا سکتا تھا۔ وہ ایک سیاہ فام تھا شہزاد حیران تھا کہ دروازہ مقفل ہونے کے باوجود یوں آسانی سے کھُل گیا جیسے محض اس کے کواڑ ہی بند تھے... لیکن جب اس نے دروازے میں کھڑی مخلوق کا جائزہ لیا تو اُسے اندازہ ہو گیا کہ معمولی قسم کے تالے اس شخص کے سامنے کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔

سیاہ فام دیوقامت تھا۔ اس نے سبز شلوار پہن رکھی تھی اور جسم پر ایک نیلے رنگ کا جیکٹ جس کے کناروں پر سفید حاشیہ لگا ہُوا تھا۔ اگر یہ حاشیہ نہ ہوتا تو شاید یہ پتہ بھی نہ چلتا اُس نے اپنے تارکول جیسے سیاہ جسم پر کوئی چیتھڑا پہن بھی رکھی ہے یا نہیں اس کا مضبوط سیاہ جسم گوشت کے اُبھرے اُبھرے سے لوتھڑوں پر مشتمل تھا۔ اس کے بازوؤں کی مچھلیاں پھڑک رہی تھیں۔ وہ دانستہ انھیں متحرک کیے ہُوئے تھا یا توانائی کی وجہ سے خود ہی مچھلیوں میں حرکت پیدا ہو رہی تھی، اس کا شہزاد اندازہ نہ لگا سکا... لیکن جب اس نے سیاہ فام کے چہرے کی طرف دیکھا تو اُسے احساس ہو گیا کہ مچھلیاں بھرپور توانائی کے باعث ازخود ہی متحرک ہیں۔ سیاہ فام متشنج کے چہرے پر سفید سفید آنکھیں بڑی بڑی اور خوفناک تھیں۔ اس کا قد کسی طرح بھی چھ فٹ پانچ انچ سے کم نہ رہا ہو گا۔

اس نے سر پر ایک سُرخ ٹوپی پہن رکھی تھی۔ پھندنے والی اِس ترکی ٹوپی کی وجہ سے اُس کا قد مزید لمبا لگ رہا تھا۔ سیاہ طاقتور کا پیکر یہ شخص بے حد خونخوار اور وحشی لگتا تھا چہرے پر سیاہی پر اس کی سفید سفید آنکھیں خوب نمایاں تھیں۔ وہ شہزاد اور میگی کی طرف ہی دیکھ رہا تھا لیکن اس کی آنکھوں میں دلچسپی کی کوئی علامت نہیں تھی۔ میگی نے اس پر نگاہ پڑتے ہی حلق سے خوف کی ایک دبی دبی سی چیخ نکالی اور بستر کی چادر کو اپنی ٹھوڑی تک کھینچ لیا۔

"تم غلط جگہ آ گئے ہو دوست!" شہزاد نے بلند آواز میں کہا اس کا لہجہ بے حد خوش گوار تھا۔ "یہ جنگل نہیں ہے۔ میرا کمرہ ہے جہاں تم جیسے کسی وحشی کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہے۔"

سیاہ فام نے کوئی جواب نہ دیا۔

وہ ان دونوں کی طرف دیکھتا رہا۔

یوں لگتا تھا جیسے ابھی تک اس کی آنکھیں کمرے کے اندرونی منظر سے مانوس نہ ہُوئی ہوں... شہزاد کی آواز پر اُس نے پلکیں تک نہیں جھپکائی تھیں گویا اس نے شہزاد کی آواز نہیں سُنی تھی یا پھر اُس نے شہزاد کی بات کو کسی اہمیت کے قابل ہی نہیں سمجھا تھا۔

شہزاد کو غصّہ آ گیا۔

وہ بستر سے اُترا اور اس انداز میں سیاہ فام کی طرف بڑھنے لگا۔ جیسے وہ اس کی موجودگی کو خاطر میں لائے بغیر ہی دروازہ یوں بند کر دے گا کہ کواڑوں کی چوٹ سے سیاہ فام کا چہرہ ہی مسخ ہو جائے گا۔

"کیا تمھارا یہی نام جانسن ہے؟" سیاہ فام بول پڑا۔

اس کی آواز بلند، بھاری اور گرج دار تھی۔ جیسے وہ شہزاد

سے مخاطب ہوتے ہُوئے عثرایا ہو۔ شہزاد نے قریب پہنچ کر اندازہ لگایا کہ اس سیاہ فام کا وزن کسی طرح بھی ڈھائی سو پونڈ سے کم نہیں ہو گا۔

"ہاں... اتفاق سے یہ میرا ہی نام ہے لیکن میں تمھارے قبیلے سے کوئی تعلق نہیں رکھتا اور نہ ہی میں جنگل سے فرار ہُوا ہوں۔" شہزاد نے ہنس کر جواب دیا۔

"نیمراف نے تمھیں یاد کیا ہے۔"

"میری طرف سے اس یاد آوری کا شکریہ ادا کر دینا۔"

"اُس نے تمھیں بُلایا ہے۔" اس بار عثراہٹ میں درندگی تھی۔

شہزاد نے پلکیں جھپکا کر کہا۔ "اوہ... تو کیا ملاقات کا وقت آ پہنچا ہے؟" یہ کہتے ہُوئے وہ سوچ رہا تھا کہ "واقعی وقت آ پہنچا ہے کہ اُسے اپنی آمد کے بارے میں پتہ چل جائے گا اور یہ بات بھی کھل جائے گی کہ وہ خود دَر حقیقت کون ہے؟"

میگی بھی بستر سے باہر آ گئی۔

"یہ ٹھیک کہتا ہے، ڈارلنگ۔" اس نے شہزاد کے عقب میں پہنچ کر اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہُوئے کہا۔ "ہمیں نیمراف کو زیادہ انتظار کی زحمت نہیں دینی چاہیے۔ چلو جلدی سے تیار ہو جاؤ۔"

شہزاد نے کوئی جواب نہیں دیا۔

وہ سیاہ فام کو گھُور رہا تھا۔

"کیا نیمراف کچھ دیر انتظار نہیں کر سکتا؟" شہزاد نے قدرے غصیلے لہجے میں سیاہ فام سے سوال کیا۔

"اُس نے تمھیں ابھی اور اسی وقت طلب کیا ہے۔"

"اُس نے تمھیں یہ بھی کہا تھا کہ میں کپڑے بدلے بغیر ہی دوڑا چلا آؤں یا مجھے کپڑے تبدیل کرنے کی اجازت ہے؟" شہزاد نے مضحکہ اُڑانے والے انداز میں کہا لیکن سیاہ فام کی آنکھوں میں غصّے کی خفیف سی جھلک بھی پیدا نہیں ہُوئی۔ غالباً وہ طنز و مزاح سمجھنے کی حس سے ہی عاری تھا۔ شہزاد اس کی طرف جواب طلب نگاہوں سے دیکھتا رہا۔

سیاہ فام نے ہاتھ کے اشارے سے اُسے کپڑے بدلنے کی اجازت دے دی تو شہزاد کا جی چاہا کہ بڑھ کر اُس کی ٹھوٹھنی پر ایسا ہاتھ رسید کرے کہ سارے ہی دانت چٹخے ہوئے انار کے دانوں کی طرح فرش پر گر پڑیں اور اس کا سیاہ چہرہ خون سے سُرخ ہو جائے... لیکن اس نے اپنی خواہش کا گلا گھونٹ دیا اور پلٹ کر الماری سے کپڑے نکالنے لگا۔

اس دوران میں میگی تیار ہو چکی تھی۔

سیاہ فام دروازے کے فریم میں کسی بے جان بُت کی طرح ساکت کھڑا اُن کی ایک ایک حرکت کا جائزہ لیتا رہا۔

"چلو جانسن۔" میں تیار ہُوں۔" میگی نے چہکتی ہوئی آواز میں کہا۔

اسی لمحے دروازے میں کھڑے سیاہ مجسّمے میں حرکت پیدا ہوئی اور وہ ایک قدم کمرے میں آ گیا۔ اس نے دایاں ہاتھ کسی ٹریفک کانسٹیبل کی طرح بلند کیا جیسے وہ ٹریفک روک رہا ہو۔

"تم نہیں جاؤ گی۔" اُس نے عثراتی ہُوئی آواز میں کہا۔

"کیوں...؟" میگی تنک کر بولی۔

"نیمراف نے صرف اِسے بُلایا ہے۔" سیاہ فام نے شہزاد کی طرف اشارہ کیا۔ اس کے لہجے سے حقارت جھلک رہی تھی۔ ویسی ہی حقارت جو کسی امتیاز زدہ کھنے والے سفید فاموں کے لیے ظاہر ہوتی ہے۔

"لیکن میں جانسن کی مستقل ساتھی ہُوں۔"

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔"

"ہم دونوں ہمیشہ ہر جگہ ساتھ ساتھ جاتے ہیں۔" میگی نے احتجاج کیا۔ وہ بُری طرح چیخنے لگی تھی۔

"اس سے بھی کوئی فرق نہیں پڑتا۔" سیاہ فام نے جواب دیا اور پہلی بار مُسکرایا۔ اس کے دانت بھی آنکھوں کی طرح سفید اور خوفناک تھے۔ سیاہ چہرے پر اس کے سفید سفید دانتوں کی جھلک بڑی ہی بھیانک لگ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں میگی کے لیے مزید نفرت جھلکنے لگی تھی۔

"جانسن تمھارے ساتھ تنہا نہیں جا سکتا۔" میگی پاؤں پٹخ کر بولی۔ "ہم دونوں ہمیشہ ساتھ ساتھ ہی کسی جگہ جاتے ہیں۔"

اس بار سیاہ فام نے کچھ کہنے کی بجائے دانتوں کی مزید نمائش کر دی۔ شہزاد نے ان دونوں کے جھگڑے سے لطف اندوز ہونے کے باوجود میگی کو سمجھانے والے انداز میں کہا۔ "کوئی بات نہیں، میگی۔ میں تنہا ہی جاؤں گا۔ میں وعدہ کرتا ہُوں کہ ہر ممکن جلدی تمھارے پاس واپس آ جاؤں گا۔"

میگی کا مُنہ بن گیا۔

اس کی آنکھوں میں سیاہ فام کے لیے یکایک ہی بے پناہ سرد مہری پیدا ہو گئی تھی۔ اس کے ہونٹ یوں سُکڑ گئے تھے جیسے وہ اس سیاہ جانور کے مُنہ پر تھوک دینا چاہتی ہو۔ شہزاد

لے آئینے میں اپنا سراپا دیکھا۔ وہ نیمراف سے ملاقات کے لیے بالکل تیار ہو چکا تھا۔ اپنی کنپٹی پر لگے ہوئے پلاسٹر کے علاوہ کوئی چیز اُسے ناپسندیدہ نہیں لگ رہی تھی۔ اس کی انگلی اس پلاسٹر پر گردش کرنے لگی۔

اسے اب ذرا سا بھی دردِ سر محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ کنپٹی میں بھی کوئی تکلیف نہیں تھی۔ وہ بالکل ٹھیک ٹھاک ہو چکا تھا بس ایک ہی مسئلہ لاحق تھا کہ آخر وہ کون ہے اور یہاں کیا کرنے آیا ہے؟... اور یہی سب سے بڑی اُلجھن تھی جسے دُور کیے بغیر وہ کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔

اپنے سراپا کا جائزہ لیتے ہوئے وہ اب بھی حیران تھا کہ آخر اس نے خنجر کو اس قدر ماہرانہ انداز میں پھینکنا کہاں سے سیکھا ہے؟ اس کے علاوہ میگی نے اُسے دُنیا کا بہترین محبت کرنے والا مرد قرار دیا تھا۔ وہ حیرت سے یہ بھی سوچے بغیر نہ رہ سکا کہ اس انداز سے محبت کرنے کا سبق اس نے کہاں سے حاصل کیا ہے؟ کہیں میں غلاموں کی تجارت کرنے والے کسی گروہ کا آدمی تو نہیں ہوں؟ اس کے ذہن میں خیال پیدا ہوا... پھر اُس نے کندھے اُچکا دیے۔ اس نے خود کو سمجھایا کہ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ انسان اس سے بھی زیادہ گرے پڑے پیشوں سے وابستہ ہے اور زندگی گزار رہا ہے۔

میگی اس کے قریب آ گئی۔

اس نے جانسن کے کان کی طرف جُھک کر بے حد دھیمی آواز میں کہا "محتاط رہنا، جانسن! نیمراف بے حد خطرناک ہے۔ میں تمھیں کچھ نہیں بتا سکتی لیکن اتنی ہدایت ضرور کر دیتی ہوں کہ نیمراف کو تمھاری یادداشت کے متاثر ہونے کا احساس تک نہیں ہونا چاہیے۔"

"فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔" اس نے میگی کا ہاتھ تھام کر کہا۔ اس کے ہونٹوں پر اطمینان دلانے والی مسکراہٹ تھی۔ اُسے احساس ہو گیا تھا کہ لڑکی اُس کے بارے میں جو کچھ ظاہر کرتی رہی ہے، اس سے کہیں زیادہ جانتی ہے۔ اس نے دل ہی دل میں فیصلہ کیا کہ جب وہ واپس آئے گا تو اس لڑکی سے سب کچھ اُگلوا لے گا۔ فی الحال اُسے صرف نیمراف کی طرف متوجہ رہنا چاہیے۔ وہ اُس سیاہ فام کی طرف پلٹا جو اُسے لینے کے لیے آیا تھا۔ "چلو کنگ کانگ کے بیٹے! کہاں چلنا ہے؟" شہزاد یہ کہہ کر دروازے سے نکل گیا۔

سیاہ فام نے اپنی جگہ سے ذرا سی بھی حرکت نہیں کی تھی۔

راہ داری میں جب شہزاد کو تنہائی کا احساس ہوا تو وہ یہ دیکھنے کے لیے پلٹا کہ سیاہ فام کمرے میں کیوں رُک گیا ہے وہ چونک پڑا۔ سیاہ فام دروازے کے سامنے نہیں تھا۔

وہ تیزی سے دروازے تک پہنچا اور پھر اُسے وہیں ٹھٹک جانا پڑا۔ کمرے میں جو منظر اس کے سامنے تھا، اس کا شہزاد کبھی تو قع بھی نہیں کر سکتا تھا۔

اس نے سیاہ فام کی طرف دیکھا جس نے اس کے دیکھتے ہی دیکھتے میگی کو بازو سے تھام کر مسہری پر بٹھا دیا تھا اور دو قدم کے فاصلے پر کھڑا لڑکی کو گھُورنے میں مصروف تھا۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک تھی۔ شہزاد سمجھ گیا کہ وہ لڑکی کو قتل کرنے جا رہا ہے۔

میگی بستر پر گری پھٹی پھٹی آنکھوں سے سیاہ فام کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کا چہرہ دہشت کی زیادتی سے سفید پڑ گیا تھا۔ غالباً وہ بھی اپنی موت کے بارے میں پُریقین ہو گئی تھی۔ سیاہ فام نے شہزاد کو چند لمحوں کا چکما دیا تھا اور وہ ان لمحوں میں میگی کو ٹھکانے لگا سکتا تھا لیکن شہزاد اس کی توقع کے خلاف جلد ہی صورتِ حال محسوس کر کے پلٹ آیا تھا۔ ابھی تک میگی اور سیاہ فام دونوں میں سے کسی کی بھی نگاہ اُس پر نہیں پڑی تھی۔ دونوں ایک دوسرے کی طرف متوجہ تھے اور یوں لگ رہا تھا جیسے ان کی نگاہیں مقفل ہو کر رہ گئی ہوں۔

شہزاد نے کواڑ کی طرف دیکھا۔

وہ خنجر ابھی تک دروازے میں پیوست تھا۔

اس کا ہاتھ آہستہ آہستہ خنجر کی طرف بڑھنے لگا۔

سیاہ فام دونوں ہاتھ اُٹھائے میگی کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ایک لمحے کے لیے شہزاد کو یوں محسوس ہوا جیسے میگی ایک بے بس چڑیا ہے اور سیاہ فام کسی خونخوار چیتے کی طرح اُس کی طرف پیش قدمی کر رہا ہے۔

شہزاد کا ہاتھ خنجر کے دستے پر جم گیا۔

اس نے ایک جھٹکے سے خنجر کو دروازے سے کھینچ لیا۔

شہزاد کا ہاتھ اُٹھا اور پھر جھٹکا کھا گیا۔ اس کی انگلیوں کی گرفت سے خنجر نکلا اور ہوا میں اُڑتا ہوا سیاہ فام کے سامنے سے گزر کر مسہری کی پٹی میں پیوست ہو گیا۔

خنجر کے سفر کے دوران میں عجیب سرسراتی ہوئی سی آواز پیدا ہوئی تھی۔ سیاہ فام یوں ٹھٹک گیا جیسے اس سے ایک انچ کے فاصلے سے کوئی سنسناتا ہوا تیر گزر گیا ہو۔

سیاہ فام فرش پر منجمد سا ہو گیا تھا۔

اس نے پلٹ کر دروازے کی طرف دیکھا۔

"کنگ کانگ کے بیٹے!" شہزاد کے لہجے میں اس بار خونخواری کی جھلک تھی۔ "اگر تم نے ایک انچ بھی آگے بڑھنے کی کوشش کی تو میرے دوسرے خنجر کا نشانہ تمھارا نرخرہ ہو گا۔"

سیاہ فام کی آنکھوں میں لمحے بھر کے لیے ایسی چمک پیدا ہوئی جیسے وہ شہزاد پر حملہ کرنے کا ارادہ کر رہا ہو... لیکن اگلے ہی لمحے اس نے اثبات میں سر ہلا کر گویا خود کو اس ارادے سے باز رکھنے پر آمادہ کر لیا۔ وہ خاموشی سے دروازے کی طرف آیا اور شہزاد کے قریب سے گزر کر باہر چل دیا۔ شہزاد نے میگی کی طرف دیکھا۔

وہ تیزی سے خود کو سنبھالنے میں مصروف تھی۔

"ہوٹل کی انتظامیہ کو فون کر کے دروازے کا تالا بدلنے کے لیے کہہ دو۔" اس نے میگی کو ہدایت کی اور پھر سیاہ فام کی طرف اشارہ کیا۔ "اور اس کے بعد دروازہ مقفل کر کے بیٹھنا۔ ممکن ہے کوئی ایسی ہی اور مخلوق بھی آس پاس موجود ہو۔"

میگی نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

اس کی پھٹی پھٹی سی آنکھیں معمول پر آ گئی تھیں۔

شہزاد نے مسہری کے قریب آ کر خنجر نکالا اور اُسے اس جیب میں رکھ لیا جس میں ویسا ہی ایک اور خنجر بھی موجود تھا۔ وہ الوداعی انداز میں ہاتھ لہراتا ہوا کمرے سے نکل آیا۔

سیاہ فام باہر راہ داری میں اس کا منتظر تھا۔ اُسے دیکھتے ہی وہ پلٹا اور لفٹ کی طرف بڑھ گیا۔

شہزاد بھی اس کے پیچھے پیچھے چل دیا۔ وہ سوچ رہا تھا نیمراف تک پہنچنے سے پہلے ہی اس کے ایک پالتو جانور سے دشمنی مول لے لی ہے... اب دیکھیے آگے کیا ہوتا ہے؟

★★

سیاہ فام بڑی خاموشی سے کار ڈرائیو کر رہا تھا۔

یوں لگتا تھا جیسے وہ آبنوسی لکڑی کا کوئی ایسا مجسمہ ہو جس کے صرف دونوں بازو ہی کسی کل پُرزے کی مدد سے حرکت کرنے کے قابل ہوں اور باقی جسم ٹھوس اور ساکت ہو۔ شہزاد اس وقت بے حد خوش گوار موڈ میں تھا۔ اس نے خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دیا تھا۔ اس نے فیصلہ کیا تھا کہ یادداشت کھو دینے کے باوجود وہ اس معاملے میں خود دلچسپی لے گا جس میں اُسے ملوث کرنے کی کوشش کی جا رہی تھی۔

یہ بات تو خوب اچھی طرح ذہن نشین کر چکا تھا کہ وہ کسی اہم معاملے کو نمٹانے کے لیے الجیریا آیا ہے... وہ معاملہ کیا ہے، یہ اسے معلوم نہیں تھا۔

اس نے سیاہ فام کی طرف دیکھا۔

وہ ونڈ اسکرین پر نگاہ جمائے خاموش ڈرائیونگ میں مصروف تھا۔

"علی بابا..." شہزاد نے اُسے چھیڑا۔ "اگر تم کسی ترقی یافتہ ملک میں جا کر ٹیکسی ڈرائیونگ شروع کر دو تو چالیس چوروں کی مدد سے حاصل ہونے والی رقم سے کہیں زیادہ کما سکتے ہو۔"

"ترقی یافتہ ممالک میں سُنا ہے، ایسے ٹیکسی ڈرائیوروں کو بے حد پسند کیا جاتا ہے، جو بولنے کے فن سے ناواقف ہوتے ہیں یا جنھیں اپنی زبان پر اس قدر اختیار ہوتا ہے کہ وہ اُن کی مرضی کے خلاف ایک لفظ بھی نہیں بول سکتی۔"

اس بار بھی سیاہ فام کے ہونٹ سختی سے بھنچے رہے۔

شہزاد ٹائیگر اس وقت سیاہ لیموسائن گاڑی کی عقبی نشست پر بیٹھا تھا۔ سیاہ فام نے اسٹون وال ہوٹل میں واقع اس کے کمرے سے نکلنے کے بعد سے اب تک اس سے ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا جبکہ شہزاد کو نہ جانے کیوں باتیں کرنے کا دورہ سا پڑ گیا تھا۔ وہ مسلسل بول رہا تھا اور بولنے کے لیے اُسے کسی خاص موضوع کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ سیاہ فام بڑے صبر و تحمل سے اس کی ہر بات سُن رہا تھا جب کسی بولنے والے کو کوئی اتنا اچھا سُننے والا مل جاتا ہے تو اُسے شہزاد کی طرح بے تکان بولنا بھی چاہیے... اور شہزاد اپنے اس حق سے پورا پورا استفادہ کر رہا تھا۔ دراصل وہ اپنے ذہن کو اس خیال سے ہٹائے رکھنا چاہتا تھا کہ وہ اپنی یادداشت کھو چکا ہے۔

اسے اس سیاہ فام سے بے پناہ نفرت محسوس ہو رہی تھی۔ یہ نفرت فطری تھی لیکن جب سے اس نے میگی پر دست درازی کی تھی، تب سے اس نفرت میں اضافہ ہو گیا تھا۔ اس شدید نفرت کے باوجود وہ مسلسل اس سے باتیں کر رہا تھا۔ ممکن ہے، ان تضحیک آمیز باتوں کے پس منظر میں سیاہ فام سے اُلجھ پڑنے کی شدید خواہش کارفرما رہی ہو جس سے شہزاد اب تک ہر ممکن حد تک پہلوتہی کرنے کی کوشش کرنا چاہتا تھا... لیکن بے قابو زبان کو لگام ہی نہیں پڑ رہی تھی۔ ویسے اب وہ بہت زیادہ بولتے بولتے اُکتاہٹ کا بھی شکار ہونے لگا تھا۔ اس لیے وہ دائیں بائیں کے مناظر میں دلچسپی لینے پر مجبور ہو گیا۔

دل ہی دل میں وہ سیاہ فام کے ضبط اور تحمل کو بھی سراہ رہا تھا۔

جس سڑک وہ سیاہ کار تیزی سے دوڑ رہی تھی اس کے دونوں طرف گھنی جھاڑیاں پھیلی ہوئی تھیں۔ اچانک اس کی نگاہ ایک قلعے پر پڑی۔ اس، راستے میں صرف یہی ایک قلعہ تھا اس لیے شہزاد کو یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ وہ اپنی منزلِ مقصود کے قریب پہنچ رہے ہیں۔

یقیناً یہ نیمراف کا قلعہ ہے۔ اس نے سوچا۔

نیمراف کا نام ذہن میں آتے ہی ایک بار پھر اس کے ذہن میں خیالات منتشر ہونے لگے اور وہ ان گڈمڈ خیالوں میں اپنے گم شدہ ماضی کو تلاش کرنے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ وہ کون ہے؟ یہاں کیوں آیا ہے؟ نیمراف کون ہے اور اس نے اسے کیوں طلب کیا ہے؟

وہ اس وقت جانسن کے میک اپ میں تھا... جانسن کے میک اَپ میں نہیں بلکہ اس حُلیے میں تھا جو جانسن نے اختیار کر رکھا تھا۔ اُس نے چہرے کو ٹٹول کر یہ باور کر لیا تھا کہ خود اُس کے نقش و نگار بے حد مختلف ہوں گے... لیکن عجیب اتفاق تھا کہ آنکھ کھُلنے کے بعد سے اب تک اس نے اپنی اصل صورت بھی نہیں دیکھی تھی۔ یہ خیال اس کے ذہن کو ڈسنے لگا کہ کاش اس نے آئینے میں اپنی حقیقی صورت دیکھ لی ہوتی، ممکن تھا کہ اس طرح اُسے اپنے بارے میں کچھ یاد آجاتا۔

... لیکن اب کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔

وقت نکل چکا تھا اور وہ نیمراف سے ملنے جا رہا تھا۔

اس نے قلعے کے اوپر ایک ہیلی کاپٹر کو پرواز کرتے دیکھا۔ پرواز کے انداز سے ظاہر ہوتا تھا کہ ہیلی کاپٹر اس علاقے کی ٹوہ گشت میں مصروف ہے۔ اُسی لمحے شہزاد کی نگاہ بائیں طرف کی جھاڑیوں میں ایک شخص پر پڑی اس کی جھلک ایک لمحے کے لیے دکھائی دی تھی لیکن شہزاد نے دیکھ لیا تھا کہ وہ شخص شکاریوں جیسا لباس پہنے ہوئے ہے۔ شہزاد کو اُس کی ایک جھلک نے یہ بھی باور کروا دیا تھا کہ لباس کے باوجود وہ کوئی شکاری نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کی دانست میں کوئی بھی شکاری مشین گن لے کر نہیں گھومتا۔ یقیناً ان جھاڑیوں میں گھومنے والا یہ نام نہاد شکاری کوئی نگران ہے۔ اس نے تھوڑی ہی دیر میں ایسے چند اور شکاری دیکھ لیے تو اُسے اپنا اندازہ درست معلوم ہونے لگا۔

وہ اپنے ذہن کو پُرسکون کرنے میں مصروف ہو گیا۔

اُسے احساس تھا کہ وہ کسی اہم شخصیت سے ملنے جا رہا ہے اور وہاں اس کے لیے اَن گنت پریشانیاں بھی منتظر ہو سکتی ہیں۔ اس کی پچھلی کارزیادہ تر انحصار اس بات پر تھا کہ نیمراف جانسن نامی اس شخص کو ذاتی طور پر نہ جانتا ہو، جس کے میک اَپ میں وہ اس وقت، سیاہ فام کی رفاقت میں سفر کر رہا تھا۔

نہ جانے کیوں شہزاد کو بار بار یہ احساس ہونے لگا کہ اس کی کھوئی ہوئی یادداشت جلد ہی واپس آجائے گی۔ بہرحال یہ معلوم کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ جانسن کون ہے اور وہ خود کون ہے۔

ایک موڑ سے گھوم کر وہ کار گیٹ ہاؤس کے سامنے رُک گئی۔

اس آہنی دروازے پر دو مسلح گارڈ متعین تھے۔ انھوں نے ٹامی گنیں اپنی بغلوں میں دبا رکھی تھیں۔ ان میں سے ایک نے جُھک کر ڈرائیور کو دیکھا اور پھر دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔

آہنی دروازہ کھُل گیا۔

سیاہ فام نے گاڑی آگے بڑھا دی۔

اَب ان کے سامنے چڑھائی تھی۔ نیمراف کا قلعہ بلند پر واقع تھا۔ کار تیزی سے چڑھائی طے کرنے لگی اور وہ ہر گزرتے ہوئے لمحے کے ساتھ اس محل سے قریب تر ہوتے چلے گئے۔

اُسی لمحے محل کے پس منظر سے ایک دیو ہیکل جیٹ طیارہ نمودار ہوا۔ شہزاد نے غور سے اس ہوائی جہاز کی طرف دیکھا۔ یہ ایک مسافر بردار طیارہ تھا اور غالباً الجیریا کے ائرپورٹ پر لینڈ کرنے کی تیاری کر رہا تھا۔ شہزاد جس کار میں سفر کر رہا تھا، وہ اچانک ہی تیزی سے گھوم گئی۔ اس کے ٹائروں سے کنکریاں اطراف میں پانی کے چھینٹوں کی طرح اُڑنے لگی تھیں۔ کار ایک دھچکے سے رُک گئی۔

شہزاد نے اِدھر اُدھر دیکھا۔

اس وقت وہ محل کے سنگی چبوترے کے نیچے ایک کھُلی میدانی جگہ پر تھے۔ یہ مقام غالباً پارکنگ کے لیے مخصوص تھا۔ یہاں پچاس سے ساٹھ گاڑیاں پارک کرنے کی گنجائش رکھی گئی تھی۔

سیاہ فام نے کار کو ایک شدید دھچکے سے روکا تھا، شہزاد نے غالباً اس کی شرارت سمجھ لی تھی اس لیے اس کا سر کسی چیز سے ٹکرا نہ سکا۔ اس صورتِ حال نے سیاہ فام کی آنکھوں میں مایوسی کے تاثرات پیدا کر دیے۔

اُس نے انجن بند کر دیا اور کار سے اُتر کر اُن سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا جو سنگی چبوترے پر جاتی تھیں۔ چند قدم چل کر وہ رُک گیا... اور پلٹ کر شہزاد کی طرف دیکھنے لگا... پھر اُس نے اپنی انگشتِ شہادت سے مخصوص اشارہ کرتے ہوئے شہزاد کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا اور تیزی سے سیڑھیاں چڑھنے لگا۔

شہزاد بھی کار سے اُتر آیا۔

اُس نے نیچے آکر ادھر اُدھر دیکھا۔

نیمراف نے جن جھاڑیوں اور چٹانی سرزمین پر اپنا محل بنایا تھا، اُدھر کانچ کا جدید ترین دروازہ نظر آیا۔ یہ نئی اور پرانی طرزِ تعمیر کا ایک جدید نمونہ تھا۔ عمارت کی تعمیر برسوں پرانی تہذیب کی مظہر تھی، تو یہ دروازہ اُسے جدید ترین تہذیب کے قریب لاتا تھا۔ یہ پھسلواں دروازے تھے اور ان کی تعداد تین تھی۔ صرف درمیانی دروازہ کھُلا تھا۔

سیاہ فام اس کھُلے دروازے سے گزر کر جس کمرے میں پہنچا، وہ فرنیچر آرائش اور الماریوں میں رکھی اَن گنت کتابوں کے باعث لائبریری ہی معلوم ہوتا تھا۔ دروازے سے اندر آتے ہی دائیں جانب سنگی زینے بالائی منزل کی طرف جاتے تھے اور وہیں لفٹ بھی لگی ہوئی تھی۔ شہزاد نے کن انکھیوں سے اس لفٹ کی طرف دیکھا اور ذہن میں پکی پکی یادداشت کا محدود ذخیرہ ٹٹولنے لگا تو اُسے احساس ہوا کہ ایسی جدید لفٹ اُس نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔

"تمھیں یہاں انتظار کرنا ہوگا۔" سیاہ فام نے لائبریری نما کمرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

شہزاد نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

سیاہ فام اُسے چھوڑ کر لفٹ کی طرف بڑھ گیا۔

شہزاد حیران تھا کہ محل کے دروازے پر کوئی دربان کیوں نہیں ہے۔ محل پر خاموشی مسلط تھی۔ اگر سیاہ فام کے بھاری بھرکم جوتوں کی آواز نہ گونج رہی ہوتی تو آسانی سے یہ بات تسلیم کی جا سکتی تھی کہ یہ محل صدیوں سے متروک ہے۔

لفٹ کی بجائے وہ تیزی سے سیڑھیاں چڑھتا ہوا شہزاد کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔

شہزاد لائبریری کی ایک ایسی دیوار کے ساتھ ساتھ آگے بڑھنے لگا جس پر دنیائے مصوری کے بیش قیمت شاہکار آویزاں تھے۔ ان تصویروں کو دیکھتا ہوا، وہ ایک کھڑکی کے سامنے رُک گیا۔

کھڑکی سے اُس نے سامنے پھیلے ہوئے نشیب کا جائزہ لیا۔

نہیں، دِل بھی کالا ہے اور اس دل میں سفاکی کے سیاہ جذبات بھوتوں کی طرح منڈلا رہے ہیں۔

سیاہ فام ایک بھلکے سے گھوما اور چبوترے پر چلنے لگا۔

اُس کے بڑے بڑے کفشوں جیسے بوٹوں کی وجہ سے خاصی بلند آوازیں پیدا ہو رہی تھیں۔

شہزاد بھی اس سے دو قدم کے فاصلے پر، پیچھے پیچھے چلنے لگا۔

چبوترے پر ایک طرف سیاہ آہنی میز اور کرسیاں پڑی ہوئی تھیں اور یوں لگتا تھا جیسے یہ کسی محل کے سامنے کا چبوترہ نہیں بلکہ کوئی کھلی فضا کا ریستوران رہا ہو۔

چبوترے کے جس حصے کی طرف سیاہ فام بڑھ رہا تھا، اُدھر کانچ کا جدید ترین دروازہ نظر آیا۔ یہ نئی اور پرانی طرزِ تعمیر کا ایک جدید نمونہ تھا۔ عمارت کی تعمیر برسوں پرانی تہذیب کی مظہر تھی، تو یہ دروازہ اُسے جدید ترین تہذیب کے قریب لاتا تھا۔ یہ پھسلواں دروازے تھے اور ان کی تعداد تین تھی۔ صرف درمیانی دروازہ کھُلا تھا۔

سیاہ فام اس کھُلے دروازے سے گزر کر جس کمرے میں پہنچا، وہ فرنیچر آرائش اور الماریوں میں رکھی اَن گنت کتابوں کے باعث لائبریری ہی معلوم ہوتا تھا۔ دروازے سے اندر آتے ہی دائیں جانب سنگی زینے بالائی منزل کی طرف جاتے تھے اور وہیں لفٹ بھی لگی ہوئی تھی۔ شہزاد نے کن انکھیوں سے اس لفٹ کی طرف دیکھا اور ذہن میں پکی پکی یادداشت کا محدود ذخیرہ ٹٹولنے لگا تو اُسے احساس ہوا کہ ایسی جدید لفٹ اُس نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔

"تمھیں یہاں انتظار کرنا ہوگا۔" سیاہ فام نے لائبریری نما کمرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

شہزاد نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

سیاہ فام اُسے چھوڑ کر لفٹ کی طرف بڑھ گیا۔

شہزاد حیران تھا کہ محل کے دروازے پر کوئی دربان کیوں نہیں ہے۔ محل پر خاموشی مسلط تھی۔ اگر سیاہ فام کے بھاری بھرکم جوتوں کی آواز نہ گونج رہی ہوتی تو آسانی سے یہ بات تسلیم کی جا سکتی تھی کہ یہ محل صدیوں سے متروک ہے۔

لفٹ کی بجائے وہ تیزی سے سیڑھیاں چڑھتا ہوا شہزاد کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔

شہزاد لائبریری کی ایک ایسی دیوار کے ساتھ ساتھ آگے بڑھنے لگا جس پر دنیائے مصوری کے بیش قیمت شاہکار آویزاں تھے۔ ان تصویروں کو دیکھتا ہوا، وہ ایک کھڑکی کے سامنے رُک گیا۔

کھڑکی سے اُس نے سامنے پھیلے ہوئے نشیب کا جائزہ لیا۔

ہے اور اُس نے محسوس کر لیا ہے کہ جانسن کی بجائے کوئی اور ہی اُس کے سامنے موجود ہے۔

اُس شخص کا چہرہ ایک بڑا سا سوالیہ نشان نظر آنے لگا۔

"مسٹر جانسن۔۔۔ اوہ! اچھا اچھا۔۔۔" وہ شخص بولا تو اُس کی آواز کسی بھیڑیے کی غراہٹ سے مشابہہ تھی۔ "میں نیمراف ہوں۔"

شہزاد ایک اطمینان بھری سانس خارج کرتے کرتے رہ گیا۔ اس بات کا مطلب تھا کہ وہ جانسن سے غائبانہ طور پر ہی واقف تھا اور اُس نے جانسن کو پہلے کبھی نہیں دیکھا۔

"مجھے یہاں آکر خوشی محسوس ہو رہی ہے۔" شہزاد نے مسکرا کر کہا۔ اُس نے لہجے میں زبردست خود اعتمادی اور وقار برقرار رکھا تھا۔

"پلاسٹک سرجری کا کمال۔۔۔" نیمراف نے کہا۔ "تم اپنی تصویروں سے بے حد مختلف نظر آرہے ہو۔"

شہزاد ہنس پڑا۔ اُس نے دل ہی دل میں کلمۂ شکر ادا کیا تھا کہ جانسن اور نیمراف پہلے کبھی نہیں ملے تھے۔ اگر ایسا ہوتا تو اُسے بڑی خطرناک صورتِ حال کا سامنا کرنا پڑتا۔ خصوصاً ایسے موقعے پر جب کہ وہ اپنے ماضی اور حال دونوں کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا تھا۔

"مجھے بعض مصلحتوں کے تحت ایسا کرنا ہی پڑتا ہے۔" شہزاد نے اپنی بدلی ہوئی شخصیت کے بارے میں سرسری سی وضاحت کرنے کی کوشش کی اور انداز ایسا ہی رکھا جیسے خود اُس کے نزدیک اس میک اپ کی کوئی خاص اہمیت نہ رہی ہو۔

"میں اُمید کرتا ہوں کہ تمہارا سفر بے حد خوشگوار رہا ہوگا۔ کہیں راستے میں نیمو نے تم سے کوئی گستاخی تو نہیں کی؟"

"نیمو۔۔۔؟" شہزاد نے استفہامیہ انداز میں کہا۔

"میں اپنے خواجہ سرا کی بات کر رہا ہوں۔"

"خواجہ سرا؟" اس بار بھی شہزاد کا لہجہ سوالیہ تھا۔

"وہی سیاہ فام جو تمہیں ہوٹل سے یہاں لایا ہے۔" نیمراف نے وضاحت کی اور مسکرانے لگا۔

"اوہ۔۔۔ ہاں۔۔۔" شہزاد کھل کھلا کر ہنس پڑا۔ اُس نے اِس طرف تو دھیان ہی نہیں دیا تھا کہ وہ سیاہ فام ایک ہیجڑا ہے۔ اسی لمحے وہ منظر شہزاد کی نگاہوں میں گھوم گیا۔ جب سیاہ فام نیمو نے ہوٹل کے کمرے میں اُس سفید فام لڑکی پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ شہزاد کو یاد آیا کہ اُس نے سیاہ فام کی آنکھوں میں جذباتی جھٹکے کی بجائے ایک عجیب سی چمک دیکھی تھی۔ اس چمک کو وہ کسی کی زندگی سے کھیلنے کی خواہش سمجھا تھا اور اُس نے غلط قیاس آرائی نہیں کی تھی... تب اُسے حیرت کا جھٹکا لگا تھا کہ دُنیا میں کوئی ایسا مرد بھی ہو سکتا ہے جو عورت کے حُسن سے متاثر ہو کر کسی جذباتی خواہش میں مُبتلا ہونے کی بجائے اُسے قتل کر کے لطف اندوز ہوتا ہو۔

نیمراف نے یہ بتا کر کہ سیاہ فام نیمو ایک خواجہ سرا ہے اُس کی اُلجھن رفع کر دی تھی۔ وہ جان گیا کہ نیمو جس کسی کے بارے میں دل میں کینہ رکھتا ہے، اُسے قتل کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ وہ شہزاد کے بارے میں بھی نفرت کا شکار تھا اس لیے کسی بھی لمحے اُس کی طرف سے قاتلانہ حملے کی توقع کی جا سکتی ہے۔

"نیمو میرا دایاں بازو ہے۔" نیمراف کہہ رہا تھا۔ "اگر اُس نے تم سے کوئی گستاخی کی ہے تو میں اس کے لیے معذرت خواہ ہوں۔ دراصل اُسے اندازہ ہی نہیں مسٹر جانسن کہ تم کس قدر اہم شخصیت ہو۔"

"لیکن تم نے دائیں بازو کے طور پر ایک خواجہ سرا کیوں پال رکھا ہے؟" شہزاد نے نیمراف کی طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔ انداز ایسا تھا جیسے اُسے اس اطلاع پر حیرت ہو رہی ہو۔

"الجیریا کی قدیم روایت۔۔۔" نیمراف نے کہا۔ "یہاں مرد نوکر کو ناکارہ بنا کر اُن کی باقی جسمی حالت کو غیر معمولی بنایا جاتا ہے اور خواجہ سرا عورتوں کے لیے بے ضرر ہونے کے ساتھ ساتھ بے حد خطرناک ہوتے ہیں۔ یقین کرو جانسن! خواجہ سراؤں سے بڑھ کر باڈی گارڈ کوئی اور نہیں ہو سکتا۔ نیمو کے جوہر دیکھو گے تو تمہیں حیرت ہوگی۔"

"عجیب سی بات ہے۔"

"خواجہ سرا اپنے مالک کی سب سے وفادار ہستی ہوتا ہے۔ وہ اپنے مالک کے لیے سب سے پہلی قربانی یہ دیتا ہے کہ مردانہ خواہشوں کو وفاداری کی خاطر ترک کر دیتا ہے۔ یہ ایک طرح کی مقامی قسم کی عبادت بھی ہے۔ مرد اگنی کا ایک میدان کھود کر یہ خواجہ سرا مردانگی کے دوسرے میدانوں میں قسمت آزماتے ہیں اور کامیاب رہتے ہیں۔ تم اتنی آسانی سے کسی عورت کو قتل نہیں کر سکتے جتنی آسانی سے نیمو ہلاک کر ڈالے گا۔ تم عورت کے حُسن اور نسوانیت سے کچھ دیر کے لیے ضرور متاثر ہو جاؤ گے۔"

"نہیں۔۔۔" شہزاد نہ چاہتے ہوئے بھی غرایا۔ "جب کسی کو ہلاک کرنا مقصود ہو تو پھر ہے نزدیک اُس کی شخصیت بے معنی ہو جاتی ہے۔"

یہ بات اُس نے بالکل غیر ارادی طور پر کہی تھی۔ حالانکہ اُسے اپنی شخصیت کے بارے میں کچھ بھی یاد نہیں تھا۔ اُسے تو یہ تک نہیں تھا کہ وہ کون ہے اور کہاں سے آیا ہے... اور یہاں اُس کی آمد کا درحقیقت کیا مقصد ہے۔

حدِ نگاہ تک سرسبز جھاڑیاں ہی جھاڑیاں دکھائی دے رہی تھیں۔ معاً شہزاد کو اُن جھاڑیوں میں ایک متحرک سایہ نظر آیا۔ اُس نے غور سے دیکھا۔ بلندی کی وجہ سے اگرچہ وہ اس سایے کو صاف نہ دیکھ سکا تاہم وہ ایک متحرک انسانی سایہ تھا۔ اُسے دیکھتے ہی شہزاد کی نگاہوں میں وہ آدمی گھوم گئے جنہیں اُس نے شکاریوں کے رُوپ میں جھاڑیوں میں چہل قدمی کرتے دیکھا تھا۔ اس کے ساتھ ہی شہزاد کو یہ بھی یاد آیا کہ اُس نے ہر شکاری کے پاس رائفل کی بجائے جدید ساخت کی مشین گن دیکھی تھی۔

کانچ کے دروازے پر کسی دربان کی عدم موجودگی پر حیرانی یک لخت ختم ہو گئی۔ وہ سمجھ گیا کہ ایسے ہی اَن گنت مسلح آدمی جھاڑیوں میں دُور دُور تک پھیلے ہوئے محل کی نگرانی کا فرض ادا کر رہے ہیں۔

معاً سامنے متحرک انسانی ہیولے کی طرف دیکھتا رہا جو جھاڑیوں میں گھوم رہا تھا۔ ایک میدانی جگہ وہ رُک گیا۔ شہزاد کی نگاہ اُس پر جمی رہی۔ اُس نے دیکھا کہ شکاری نے اپنے دائیں پہلو میں جھولتی ہوئی کوئی چیز اٹھا کر اپنے مُنہ سے لگائی تھی۔

پہلی نظر میں یوں محسوس ہوا جیسے اُس شخص نے اپنے بیلٹ میں کوئی بوتل لٹکا رکھی تھی اور وہ اُس سے چھوٹے چھوٹے گھونٹ لے رہا تھا۔ لیکن شہزاد کی تیز نگاہ نے دیکھ لیا کہ وہ بوتل کی بجائے کوئی اور ہی چیز ہے... گھونٹ لینے کے لیے ضروری تھا کہ وہ مُنہ اُوپر آسمان کی طرف اُٹھاتا لیکن اس شخص نے ایسا نہیں کیا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ بوتل نہیں ہے۔ اُسی لمحے شہزاد کی نگاہ ایک اور ہیولے پر جم گئی۔ اُس نے بھی رُک کر دائیں پہلو سے جھولتی ہوئی ویسی ہی چیز اپنے مُنہ سے قریب کر لی تھی۔

یقیناً یہ کوئی محدود دائرۂ عمل کا ٹرانسمیٹر تھا۔ شہزاد نے اندازہ لگایا اور اپنے ہی خیال کی تائید میں سر ہلانے لگا۔ گرد و پیش سارے کے سارے شکاری محل کی نگرانی پر مامور ہیں تو جھاڑیوں کے اس پار ٹرانسمیٹروں ہی سے مدد لے سکتی تھی۔

شہزاد جس کھڑکی کے سامنے کھڑا تھا، وہاں سے محل کی تین منزلوں کا جائزہ لیا جا سکتا تھا۔ اس نے تینوں اطراف میں ایسے شکاریوں کو منڈلاتے ہوئے دیکھا تو اُسے یقین ہو گیا کہ چوتھی سمت بھی اُن سے خالی نہیں ہوگی۔

اُس نے اندازہ لگایا کہ نیمراف کے محل کے گرد شکاری محافظوں کی چار لائنیں ہیں جن میں سے دو کا مکمل دائرہ فاصلہ وے کے باہر رُک گئے جب کہ باقی دو قطاریں محل سے قریب رہ کر نگرانی کر رہی ہیں۔ ان کے گھومنے اور گشت کرنے کے طریقے اور اس ترتیب سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ جھاڑیوں میں تلاشی لینے کے انداز کو اپنائے ہوئے ہیں... وہ ایک طویل سانس لے کر کھڑکی سے ہٹ گیا۔

محل کے گرد جو حفاظتی حصار تھا، بلاشبہ وہ بے حد مؤثر اور باقاعدہ تھا۔ کوئی بھی شخص ان شکاریوں کی نگاہ سے بچ کر محل میں داخل نہیں ہو سکتا۔

اچانک شہزاد کی حساس سماعت سے ایک آواز ٹکرائی۔ اُس نے پلٹ کر دیکھا۔

کانچ کا ایک دروازہ متحرک تھا۔ یہ وہی دروازہ تھا جس سے وہ محل میں داخل ہوا تھا۔ دروازہ خود بخود ہی حرکت کر رہا تھا... گویا کسی میکنزم کے ذریعے اُسے بند کیا جا رہا تھا۔

وہ توجہ سے اس بند ہوتے ہوئے دروازے کو گھورتا رہا۔ اس کی دھڑکنیں معمول پر تھیں البتہ اُسے ہلکی سی بے چینی کا احساس ہو رہا تھا اور یہ بے چینی نیمراف سے مُلاقات کے بعد ہی رفع ہو سکتی تھی۔

معاً لفٹ کا دروازہ بے آواز کھلنے لگا۔

یوں لگ رہا تھا جیسے دیوار پھٹ رہی ہو۔

لفٹ سے جو شخص باہر آیا اُس کا قد کسی طرح بھی سات فٹ سے کم نہیں تھا۔ شہزاد نے توجہ سے اُس شخص کی طرف دیکھا۔ اُس کے چہرے کی ساخت عجیب سی تھی۔ اُس کے لباس سے پتہ چلتا تھا کہ وہ کوئی ذی حیثیت شخص ہے اور اُس کی چال بتاتی تھی کہ وہی اس محل کا مالک ہے۔ اُس کے ہاتھ پاؤں مضبوط تھے اور اُس کے جسم کے ایک ایک حصے سے توانائی جھلک رہی تھی۔

شہزاد آہستہ آہستہ اُس کی طرف بڑھا۔

یکایک اُس شخص کے ہونٹوں پر مُسکراہٹ نظر آنے لگی۔ مُسکراہٹ دوستی کے تاثر سے بھرپور تھی۔

اُس نے شہزاد کی طرف مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ شہزاد نے اُس کا ہاتھ تھام لیا۔ اُس شخص کا ہاتھ بھی غیر معمولی ساخت کا تھا۔ شہزاد کا ہاتھ اُس نے تھوڑا سا دبایا۔ یہ دباؤ بھی دوستانہ تھا۔ نوواردہ کی آنکھیں شہزاد کی آنکھوں میں گڑ گئی تھیں اور ان میں عجیب سی چمک کا احساس ہوتا تھا۔

ایک لمحے کے لیے شہزاد کو یوں محسوس ہوا جیسے وہ شخص برسے جیسی چھید دینے والی آنکھوں سے اُس کے دل میں جھانک رہا ہو۔

شہزاد کی دھڑکنیں خفیف سی بے ترتیب ہو گئیں۔

وہ شخص متلاشی نگاہوں سے اُس کا چہرہ دیکھتا رہا جو اُس وقت میک اپ میں تھا۔ شہزاد سمجھ گیا کہ ابھی تک یہ شخص اُلجھن میں

"میں تمھارے بارے میں بہت کچھ سن چکا ہوں۔" نیمراف نے کہا اور بڑی بے تکلفی سے اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ "اچھا چھوڑو ان باتوں کو، ڈنر سے پہلے کچھ لینا پسند کرو گے؟"

یہ کہہ کر وہ پلٹا اور اُس نے تالی بجائی۔

تالی کی آواز یوں گونجی جیسے اُس نے گولی داغ دی ہو۔

وہ لائبریری ہی میں پڑی ہوئی ایک میز پر بیٹھ گیا اور شہزاد کو بھی بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ تالی کے جواب میں ایک شخص غوراً ہی نہ جانے کہاں سے نمودار ہوا۔ شہزاد کو یوں محسوس ہوا جیسے نیمراف نے چراغ رگڑ کر کوئی جن حاضر کر لیا ہو۔

یہ بھی ایک مقامی آدمی تھا۔ اس کا جسم ٹھوس تھا اور چہرے پر کرختگی کے تاثرات تھے۔ اگر اُس نے بٹلر جیسی وردی نہ پہن رکھی ہوتی تو شہزاد یہی سمجھتا کہ وہ نیمراف کا کوئی باڈی گارڈ ہی ہے۔

"کیا یہ بھی خواجہ سرا ہے؟" شہزاد نے پوچھا۔

"نہیں۔۔۔ نیمراف نے مسکرا کر کہا۔" یہ خواجہ سراؤں کا محل نہیں ہے، مسٹر جانسن۔" پھر وہ چونک کر شہزاد کی طرف دیکھنے لگا۔ اُس کی آنکھوں میں مٹھے بھر کو عجیب سی چمک لہرا گئی۔ "اور میں بھی خواجہ سرا نہیں ہوں۔"

شہزاد ہنس پڑا۔ وہ سمجھ گیا کہ نیمراف نے یہ بات کس لیے کہی ہے۔ غالباً اُسے توقع تھی کہ کچھ دیر بعد شاید شہزاد اُسی سے پوچھ لے گا۔۔۔ کہ کہیں وہ خود بھی خواجہ سرا تو نہیں ہے۔

شہزاد کے ہنسنے سے نیمراف کی آنکھوں میں خفیف سی سُرخی تیرنے لگی جسے محسوس کر کے شہزاد فوراً ہی سنجیدہ ہو گیا۔ اُس نے بے تکلفی سے میز پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔" بعض اوقات ذاتی باتیں اور شخصیت سے متعلق سوالات اُلجھن پیدا کر دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے اپنے نقش و نگار پلاسٹک سرجری کے ذریعے چھپا لیے ہیں اور انھیں صرف خاص خاص موقعوں ہی پر ظاہر کرتا ہوں۔"

اس نے یہ کہتے ہوئے کن انکھیوں سے نیمراف کی طرف دیکھا جس کے انداز سے برہمی زائل ہو گئی تھی۔ وہ اب ایک بار پھر نارمل تاثرات کے تحت اُس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

بٹلر قریب آ گیا۔

نیمراف نے اُسے اشارہ کیا۔

یہ غالباً کھانے کے لیے مخصوص اشارہ تھا۔ سیاہ فام پلٹا اور اگلے ہی لمحے چاندی کی ایک ٹرے اُٹھا لایا۔ اس ٹرے میں اتنا کچھ تھا کہ تین عام آدمی آسانی سے شکم سیر ہو کر کھا سکتے تھے۔ چاندی کی ٹرے میز پر، نیمراف کے سامنے رکھ کر بٹلر ایک طرف مؤدب کھڑا ہو گیا۔۔۔

نیمراف کا دایاں ہاتھ بے تابی سے ٹرے کی طرف بڑھا۔ اُس نے جلدی سے گوشت کا ایک پارچہ اُٹھا کر منہ میں رکھ لیا۔

شہزاد کا خیال تھا کہ وہ، اُسے دعوت دے گا۔۔۔ لیکن نیمراف اس ٹرے میں رکھے ہوئے گوشت کے پارچوں کو اُٹھا اُٹھا کر۔۔۔ یوں منہ میں رکھ رہا تھا جیسے اُسے خدشہ ہو کہ کہیں شہزاد ایک آدھ پارچہ نہ اُٹھا لے۔۔۔ پھر اُس نے منہ چلاتے ہوئے کہا۔

"مسٹر جانسن! میرے محل کے گودام، کھانے پینے کی اشیاء سے بھرے ہوئے ہیں۔ اپنی پسند اور ضرورت کے مطابق جو چاہو منگوا لو۔ تمھیں چاول پھلی اور مینڈک تک مل سکتے ہیں۔"

"چاول۔۔۔" شہزاد نے ہلا سوچے سمجھے کہہ دیا۔ "اور ابلی ہوئی پھلی۔" دونوں چیزوں کا نام اُس نے غیر شعوری طور پر لیا تھا۔

بٹلر کی آنکھوں سے حیرت ٹپکنے لگی۔

"ابلی ہوئی پھلی، جناب!" اُس نے حیرت سے دُہرایا۔

"ہاں، مجھے مچھلی، اشیا پسند نہیں۔ چاولوں میں بھی چکنائی نہ ڈالنا۔" شہزاد نے وضاحت کی۔

بٹلر نے اس انداز میں کندھے اُچکائے جیسے اُس کی بلا سے۔ شہزاد کیا پسند کرتا ہے۔ اُسے تو محض حکم کی تعمیل کرنی ہے۔ "بہت اچھا جناب!" بٹلر نے شائستگی سے کہا اور میز کے پاس سے ہٹ گیا۔

نیمراف گوشت کے پارچے نگلتا رہا۔

اُس نے ایک بار بھی شہزاد کو اُس کھانے میں شریک ہونے کی دعوت نہیں دی تھی۔ وہ بالکل ندیدوں کی طرح کھا رہا تھا۔ گوشت کے پارچے ختم کر کے اُس نے سُوپ کا بڑا سا پیالہ اُٹھا کر منہ سے لگا لیا۔۔۔ اور جیسے جیسے پیالہ اُٹھ رہا تھا، نیمراف کا چہرہ اُس کی اوٹ میں چھپتا جا رہا تھا۔

شہزاد، اُس کی جسامت اور تن و توش کی وجہ سمجھ گیا تھا وہ، نیمراف کی طرف دیکھتا رہا۔

اُس نے پیالے کا سارا سُوپ اپنے معدے میں اُتارنے کے بعد، پیالہ رکھ دیا اور ہونٹ پونچھتے ہوئے بولا۔ "عجیب غذا ہے۔۔۔ مچھلی اور چاول۔۔۔ اور وہ بھی بغیر چکنائی کے۔۔۔ تم نے یہ مشرقی لوگوں کی غذا کیوں کھانا شروع کر دی ہے، مسٹر جانسن؟"

شہزاد نے بے پروائی کے انداز میں کندھے اُچکا دیے۔

وہ خود بھی اس کی وجہ نہیں جانتا تھا۔ یہ دونوں اشیاء اُس نے بس یونہی منگوالی تھیں۔

شہزاد نے کوئی جواب نہیں دیا بلکہ جواباً اثبات میں سر ہلا کر رہ گیا تھا۔

دس منٹ میں اُس کی مطلوبہ غذا میز پر پہنچ گئی۔

شہزاد نے کھانا شروع کیا۔۔۔ وہ اب بھی بار بار کن انکھیوں سے نیمراف کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس شخص کے بارے میں ہوٹل سے رخصت ہوتے وقت اُس نے میگی سے جو کچھ سُنا تھا، وہ سچ ہی معلوم ہو رہا تھا۔

ابھی تک صورتِ حال ایسی تھی کہ شہزاد کو ذرا سی بھی گڑبڑ کا احساس نہیں ہو رہا تھا۔۔۔ نیمراف کا انداز ایسا تھا جیسے وہ، شہزاد کو جانسن سمجھ کر مطمئن ہے اور اُسے کسی قسم کا بھی شُبہ نہیں ہوا۔

کھانے سے نمٹ کر نیمراف کرسی کی پُشت گاہ سے ٹک کر بیٹھ گیا۔ اُس کے دونوں بازو پہلوؤں میں جھول رہے تھے۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ کھانے کھاتے کھاتے ہانپ گیا ہو۔

"مجھے بے حد خوشی ہے کہ تم آ گئے، مسٹر جانسن!" نیمراف نے کہا۔ "میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ مالی معاملات اطمینان بخش رہے ہوں گے۔"

"نہایت اطمینان بخش۔" شہزاد نے جواب دیا۔ اُس کے ذہن میں وہ پچیس ہزار ڈالر گھوم گئے جو اُس کے بریف کیس میں موجود تھے۔

سیاہ فام بٹلر نے میز پر کافی کے برتن لگا دیے۔

پیالی میں کافی اُنڈیلتے ہوئے، نیمراف نے نیم وا آنکھوں سے شہزاد کی طرف دیکھ کر کہا۔ "اور اب کافی کی چُسکیاں لیتے ہوئے، مجھے بتاؤ کہ تمھاری یہاں آمد کا مقصد کیا ہے؟"

شہزاد کو اپنا دل حلق میں دھڑکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔

نیمراف نے کافی کی پیالی اُٹھائی۔۔۔ پھر تیز آواز میں ایک بڑا گھونٹ لیا۔ شہزاد خاموشی سے اپنے کپ کی طرف دیکھتا رہا۔۔۔ اور اس کے کنارے پر انگلی پھیرتا رہا۔ اس کا انداز ایسا تھا جیسے اُس نے نیمراف کی بات سُنی ہی نہ ہو۔

"تم یہاں کُتّی کاموں کے لیے آئے ہو۔" نیمراف کی آواز دوبارہ اُس کی سماعت سے ٹکرائی۔

شہزاد کی دھڑکنیں فوراً ہی معمول پر آ گئیں۔

"سب سے پہلی وجہ بلاشُبہ تمھاری وہ ساکھ ہے جس کا تذکرہ دورے ملک کے ہر شخص کی زبان پر ہے۔" نیمراف کہہ رہا تھا۔ "مجھے امید ہے کہ تم یہاں بھی اپنی ساکھ کو برقرار رکھو گے۔۔۔ تمھارے پیشے سے تعلق رکھنے والے تمھاری بے حد عزت کرتے ہیں۔"

شہزاد کا دل ایک بار پھر دھڑکنے لگا۔

اُس نے بمشکل خود کو یہ سوال کرنے سے باز رکھا۔ "کون سا پیشہ؟۔۔۔ میرا پیشہ کیا ہے؟"۔۔۔

۔۔۔ لیکن وہ خاموش رہا۔ اُسے توقع تھی کہ نیمراف کی باتوں سے اُسے کم از کم اپنے پیشے کے متعلق تو معلوم ہو ہی جائے گا لیکن اُس نے فوراً ہی اُس کی آمد کی دوسری وجہ بیان کرنا شروع کر دی تھی۔

"یہاں آنے کی دوسری وجہ بے حد اہم ہے۔" نیمراف کہہ رہا تھا۔ "الجیریا میں اس وقت ایسے بہت سے لوگ موجود ہیں جو ہمارے مقصد کو پایۂ تکمیل تک پہنچنے سے روکنے کی سرتوڑ کوشش کر رہے ہیں۔ یہ تمھاری ذمے داری ہے کہ وہ لوگ، ہماری راہ میں حائل نہ ہو پائیں۔ اُنھیں روکنا ہے۔۔۔ لیکن پہلے یہ طے کرنا ضروری ہے کہ تم میرے ساتھ شامل ہو رہے ہو یا نہیں۔"

شہزاد نے پیالی سے نگاہ اُٹھا کر نیمراف کی طرف دیکھا۔

اُس نے خاموشی برقرار رکھتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔

اب اُسے ایک بات کا یقین ہونے لگا تھا کہ وہ جس شخص کے بھیس میں یہاں آیا ہے، وہ شخص پیشہ ور قاتل ہے۔ وہ حیران تھا کہ اصل جانسن کہاں گیا اور اُس نے اُس کا میک اَپ کب اور کیسے کر لیا؟ کہیں ایسا نہ ہو کہ اصل جانسن بھی یہاں پہنچنے میں کامیاب ہو جائے۔ ایسی صورت میں مجھے کیا کرنا ہو گا؟

وہ اندیشوں میں اُلجھ رہا تھا لیکن اُس نے اپنی آنکھوں کو تاثرات ظاہر کرنے سے روکنے کی بھرپور کوشش کی تھی چہرے پر میک اَپ کی وجہ سے اُس کے تاثرات خود بخود ہی جھلی کے نیچے دب کر رہ گئے تھے۔

یہ بات۔۔۔ یہ انکشاف اور یہ خیال شہزاد کے لیے سوہانِ رُوح بن رہا تھا کہ وہ ایک پیشہ ور قاتل ہے۔ اُس نے تو اپنے بارے میں اندازہ لگایا تھا کہ وہ ایک بازی گر یا جنجر زن ہو گا۔

"اوہ۔۔۔" ایک اور خیال نے اُسے پُرسکون بنا دیا۔

یقیناً یہ کوئی خطرناک معاملہ نہیں ہے۔ شاید کسی اسٹیج شو کی تیاری کی جا رہی ہے۔۔۔ اور اس ڈرامے میں مختلف کردار حصہ لے رہے ہیں۔۔۔ ایک خواجہ سرا ہے، ایک عجیب الخلقت نیمراف ہے۔۔۔ اور ایک وہ خود ہے جو خنجر پھینکنے میں مہارت رکھتا ہے۔

"ارے! یہ کیا۔۔۔؟" اچانک نیمراف کی حیرت زدہ آواز اُبھری۔

شہزاد فوراً ہی خیالوں کی دُنیا سے نکل آیا۔

"یہ کیا ہوا؟" نیمراف نے اُس کی کنپٹی کی طرف اشارہ کیا۔

شہزاد نے ایک طویل ٹھنڈی سانس خارج کی۔ نیمراف نے غالباً پہلی بار، اُس کی کنپٹی پر چپکا ہوا پلاسٹر دیکھا تھا۔

"کہیں تم زخمی تو نہیں ہو گئے، مسٹر جانسن؟"

"نہیں۔۔۔ کوئی خاص نہیں۔"

"ہُوا کیا تھا؟"

"کل رات، ایک چھوٹا سا حادثہ ہُوا۔ میں ہوٹل کے سامنے تھا کہ کسی نے مجھ پر فائرنگ کی تھی۔"

"اوہ! یہ تو بے حد خطرناک بات ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ کوئی یہاں تمھاری موجودگی سے آگاہ ہے۔ جس کسی نے بھی فائرنگ کی ہے، وہ تمھاری ذات سے خوفزدہ ہے۔"

"ہو سکتا ہے، اُس نے اسی خوف سے نجات حاصل کرنے کے لیے مجھ پر قاتلانہ حملہ کیا ہو۔" شہزاد نے سرسری سے انداز میں کہا۔ حالانکہ وہ بھول چکا تھا کہ اُس کے ساتھ کیا حادثہ پیش آیا تھا۔ یہ بات جو اُس نے نیمراف کو بتائی تھی، محض اُن باتوں کی روشنی میں اُگل دی تھی، جو اُس نے سفید فام لڑکی میگی سے سُنی تھیں۔

اُس نے نیمراف کی طرف دیکھا۔

نیمراف کی آنکھوں میں تشویش کے گہرے سائے تھے۔

"اس کے علاوہ ایک اور بات بھی ہو سکتی ہے۔" شہزاد نے اپنی بات کو متوازن اور صورتِ حال کو خوش گوار بنانے کے لیے کہا... "ممکن ہے، یہ حادثہ ہمیشہ دُور دراز رقابت کا نتیجہ رہا ہو۔"

"ہاں... یہ ممکن ہے۔" نیمراف نے جلدی سے تائید کی۔

اُس نے کافی کا کپ خالی کر کے میز پر رکھ دیا اور اپنے لبادے کی آستین سے مُنہ پونچھنے لگا۔

"تم شاید یہ سوچ رہے ہو گے، مسٹر جانسن، کہ میں نے اب تک رقم کے سلسلے میں بات کیوں نہیں کی۔" نیمراف نے کہا۔ "دراصل، میں سب سے پہلے یہ اطمینان کر لینا چاہتا تھا کہ تم میرے ساتھ شامل ہونے کے لیے تیار بھی ہو یا نہیں۔ اب میں پُوری طرح مطمئن ہُوں۔"

وہ آگے جُھک گیا۔

اُس نے ایک کہنی میز پر رکھ لی۔

نیمراف کا کھُردرا، جیسا مُنہ، شہزاد کے چہرے کے قریب آگیا۔

"جانسن!" اس کے لہجے میں رازونیاز کا گہرا تاثر تھا۔ حالانکہ آواز بے حد دھیمی تھی۔ "میں تمھیں بحیثیت ملازم، اپنے ساتھ شامل نہیں کرنا چاہتا بلکہ تمھاری حیثیت بہت بڑی ہونا چاہیے۔"

"میں تمھارا مطلب نہیں سمجھا۔" شہزاد نے اُلجھن سے کہا۔

"میری خواہش ہے کہ تم اس منصوبے میں بحیثیت ایک پارٹنر کے شریک ہو جاؤ۔" نیمراف نے وہ راز فاش کر دیا جسے بتانے کے لیے اس کی طرف جُھک گیا تھا۔

"صرف میں ہی کیوں؟" شہزاد نے سوال کیا۔

"میں ایک ایسا منصوبہ بنا چُکا ہُوں جسے سُنو گے تو تم خوشی سے پاگل ہو جاؤ گے۔ کیا تم نے کبھی نمرود وچ کا نام سُنا ہے؟"

"غالباً یہ بھی کسی خواجہ سرا کا نام ہے اور یہ رشتے میں سیاہ فام نیمو کا بھائی ہے۔" شہزاد نے مزاحاً کہا۔

نیمراف ہنس پڑا۔

اُس کی ہنسی سے پُوری لائبریری گُونج اُٹھی اور در و دیوار کانپنے لگے۔ اُس نے دونوں ہاتھ میز پر رکھ لیے۔ شہزاد نے اُسے دیکھا... اور مُسکرانے لگا۔

وہ سوچ رہا تھا کہ مستقبل میں اگر کسی نے اُس سے پُوچھا کہ اُس نے کبھی کسی گھوڑے کو قہقہہ لگاتے سُنا ہے یا دیکھا ہے؟ تو وہ فوراً نیمراف کا نام لے دے گا۔

نیمراف کا پیٹ، قہقہے سے اس قدر متحرک ہُوا، شہزاد کو یہ خدشہ لاحق ہو گیا کہ اُس نے جو گوشت کے پارچے نگلے تھے، کہیں وہ اُس کی نلکی نما آنتوں کو قہقہے کی وجہ سے ضخیم نہ ہو جائیں۔ ایسے میں نیمراف کو مزید کھانے کی ضرورت محسوس ہونے لگے گی۔

اس کا خدشہ ٹھیک ہی ثابت ہُوا۔

نیمراف نے قہقہہ لگانے کے بعد، ایک بار پھر گولی داغنے کے انداز میں تالی بجائی تو فوراً ہی چاندی کی ایک اور ٹرے، اُس کے سامنے پہنچ گئی۔

"نمرود وچ کسی خواجہ سرا کا نام نہیں ہے، مسٹر جانسن!" نیمراف نے گوشت کا ایک پارچہ مُنہ میں ٹھونستے ہُوئے کہا۔ "یہ شطرنج کے ایک شہرت یافتہ ایک کھلاڑی کا نام ہے۔ اُس نے اپنی زندگی میں ایک ایسی چال چلی تھی جسے بُنیاد بنا کر میں نے اپنا منصوبہ ترتیب دیا ہے۔"

شہزاد ہمہ تن گوش ہو گیا۔

"میں، اسکوموبا کو ایک ایسی حکومت بنانا چاہتا ہُوں جو بھرے مجرموں کو پناہ دیا کرے گی۔ امریکا میں ایسی چھوٹی موٹی تنظیمیں لیکن یہ مجرموں کی ایک ایسی تنظیم ہو گی جس کی طاقت کو پُوری تسلیم کرنے پر مجبور ہو گی۔ میں نے حکومت کے محکمِ بالا کو اپنے قبضے میں کر لیا ہے۔ اسکوموبا میں مقیم صدر کو ہلاک کرنے کے بعد، یہ منصوبہ پہلا مرحلہ پُورا کرے گا۔ اس وقت تک مجھے چند اُلجھنوں کا سامنا کرنا پڑے گا ہے... لیکن تم جیسے دوستوں کی موجودگی میں، میں ہر اُلجھن کو آسانی سے دُور کر لوں گا۔ ٹھیک ہے، نا؟"

شہزاد نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"بشرطیکہ میری اپنی اُلجھن دُور ہو گئی۔" اُس نے دل میں کہا۔

"میں نے منصوبہ تیار کرنے کے بعد، امکانی خطرات کو بھی میں رکھا تھا۔ اس لیے میں نے بڑی تحقیق اور تلاش کے بعد تمھیں

شریک کار کی حیثیت سے منتخب کر لیا۔

"تمھارا نام سامنے آنے کے بعد، میں نے تمھیں یہاں آنے کی دعوت دی جسے تم قبول کر کے تم نے میری بڑی عزت افزائی کی ہے... میں چاہتا ہُوں کہ ہمارے مابین معاملات جتنی بھی جلد ممکن ہو، طے ہو جائیں تاکہ کام کا آغاز کیا جا سکے۔"

شہزاد خوش تھا کہ نیمراف خود ہی سب کچھ کہے جا رہا ہے اور اُسے ابھی تک کسی امتحان سے نہیں گزرنا پڑا ہے... لیکن اُس کے ذہن کے کسی گوشے میں ایک پھُنس سی تھی جو بار بار اسے احساس دِلا رہی تھی کہ بہت جلد اُسے ایک ایسے امتحان کا سامنا کرنا پڑے گا، جو شاید اس کی زندگی کا سب سے کڑا امتحان ہو گا۔

"تم اپنے پیشے میں مہارت اور ساکھ رکھتے ہو۔" نیمراف کہہ رہا تھا "اس ساکھ سے زیادہ قیمتی بات یہ ہے کہ تمھاری دہشت پھیلی ہُوئی ہے۔ جب اسکوموبا کی حکومت میں تمھیں کوئی اعلا عہدہ دیا جائے گا... تو تمھارا نام سُن کر امریکا کے تمام جرائم پیشہ لوگ ہم پر فوراً یقین کر لیں گے اور وہ جوق در جوق یہاں آجائیں گے۔ اس طرح ہماری طاقت بڑھ جائے گی اور اس طاقت کو کسی بھی ضرورت کے وقت استعمال کر کے دشمن کو ٹھکانا لگایا جا سکے گا... تمھارا نام سامنے آنے سے ایک فائدہ یہ بھی ہو گا کہ تمھاری قوم کا کوئی سرپھرا، ہم سے اُلجھنے کی کبھی کوشش نہیں کرے گا۔"

"منصوبہ تو قابلِ تعریف ہے۔" شہزاد نے چونک کر کہا۔

اُس کا دل شدّت سے دھڑکنے لگا تھا۔ جو صورتِ حال اُس کے سامنے آئی تھی، اُس نے اُسے چکرا کر رکھ دیا تھا... وہ گہری توجہ سے نیمراف کی باتیں سُننے کی کوشش کر رہا تھا۔

"اس سلسلے میں نائب صدر آسفر میرا سب سے بڑا مہرہ ہے۔ میں، تمھیں جلد ہی اُس سے ملواؤں گا۔ جب اُسے پتہ چلے گا کہ تم امریکا میں کس قدر شہرت یافتہ ہو اور تمھارے نام کی دہائی کتنی دہشت ہے تو اُسے منصوبے کی تکمیل کے لیے کام کرنے میں مزید تیزی پیدا کرنا ہو گی۔"

"کیا نائب صدر، موجودہ صدر مملکت کی جگہ لے گا؟"

"ہاں... بہرحال، میں اس وقت تمھاری ذات کے بارے میں بات کر رہا تھا۔ تم اپنے ہی مُلک میں قانون اور حکومت کو مطلوب ہو۔ تم وہاں آزادی سے زیادہ عرصے تک سانس نہیں لے سکتے۔ یہاں اگر تم بالکل نئی زندگی کا آغاز بھی کر سکتے ہو کثیر دولت... اور لامحدود طاقت تمھارے پاس ہو گی۔ تم یہاں شہنشاہوں جیسی زندگی گزارو گے۔"

"دولت اور طاقت؟"

"ہاں... بے پناہ دولت اور طاقت۔"

"کتنی دولت...؟" شہزاد نے اس انداز میں پُوچھا، جیسے وہ پُوری طرح یقین کر لینا چاہتا ہو... وہ خود کو محض خوابوں سے بہل جانے والا شخص ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا۔

نیمراف نے تعریفی نگاہ سے اُس کی طرف دیکھا۔

"مجھے خوشی ہے، جانسن! کہ تم ایک حقیقت پسند آدمی ہو لیکن میں، تمھیں یقین دِلاتا ہُوں کہ اس دولت کا تم تصوّر بھی نہیں کر سکتے۔"

"پھر بھی میں ایک اندازہ لگانا چاہتا ہُوں۔"

"تمھارا اصرار، میرے دل میں تمھاری عزت بڑھا رہا ہے... بہرحال، اگر تم اندازہ ہی لگانا چاہتے ہو تو ضرور لگاؤ... اسکوموبا کی حکومت کو جتنی بھی آمدنی ہو گی، اُس کا دس فی صد تمھیں ہر سال ادا کیا جاتا رہے گا۔"

"اور یہ دس فی صد کتنا ہو گا؟"

"کروڑوں ڈالر سالانہ، جانسن! کروڑوں ڈالر۔"

شہزاد نے ایک طویل سانس لے کر اثبات میں سر ہلا دیا۔

اب اس بات میں کوئی شُبہ نہیں رہا تھا کہ وہ ایک پیشہ وَر قاتل ہے... اور قاتل بھی معمولی نہیں بلکہ عالمی شہرت یافتہ... ایک ایسا خوفناک قاتل جسے سارشی نیمراف جیسا شخص بھی پوری حکومت کی آمدنی کا دس فی صد حصّہ ادا کرنے پر مجبور ہو گا۔

اس خیال نے شہزاد میں کوئی ہیجان پیدا نہیں کیا۔ اُس نے اپنی سوچوں اور جذبات کو ٹٹولا تو خود کو اس معاملے میں بے حس پایا۔

'میں جانسن ہُوں۔' وہ بار بار یہی سوچ رہا تھا... 'پیشہ وَر قاتل جانسن، جس کی امریکی حکومت کو تلاش ہے اور جس کی دہشت پُورے مُلک میں پھیلی ہُوئی ہے۔'

وہ حیران تھا کہ اپنی گم شدہ شخصیت کے بارے میں اتنا زبردست انکشاف ہونے کے باوجود اس میں کوئی انقلاب کیوں نہیں آیا؟... اُسے خوشی کیوں نہیں ہُوئی؟... وہ تو یوں پُرسکون تھا جیسے اُس کے لیے یہ کوئی خاص بات ہی نہ رہی ہو۔

نیمراف نے کروڑوں ڈالر سالانہ آمدنی کا مژدہ سُنایا تھا۔ اتنی دولت بھی اس کی دھڑکنیں بے ترتیب کرنے میں کامیاب نہ ہو سکی تھی۔ آخر اس کی وجہ کیا ہے؟

'اگر میں کوئی پیشہ وَر قاتل ہُوں اور پورے امریکا میں میرے نام کو خوف سے پُکارا جاتا ہے تو میں محض ایک خنجر زن ہی نہیں ہو سکتا۔

مجھے قتل کرنے کے اور بھی ان گنت طریقے معلوم ہونا چاہیں۔ ممکن ہے مجھے بہت کچھ معلوم ہو لیکن میں اپنے گم شدہ ماضی اور شخصیت کے ساتھ ساتھ اس مہارت کو بھی کھو بیٹھا ہوں۔" اس نے سوچا۔

اُس نے نیمراف کی طرف دیکھا۔

نیمراف بھی خاموشی سے اُسے گھور رہا تھا۔

غالباً شہزاد کی طویل خاموشی نے اُسے اُلجھن میں ڈال دیا تھا۔

"تم کس سوچ میں ڈوب گئے جانسن؟" نیمراف کے لہجے میں تشویش تھی۔ "کیا تمھیں یہ سب کچھ پسند نہیں آیا... یا پھر تم اپنے حصّے کا اندازہ لگانے میں ناکام رہے ہو؟ اس آمدنی کو صرف دماغ کے ذریعے جمع نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے لیے تمھیں پورا ایک محکمہ رکھنا پڑے گا۔"

"تم نے ملاقات کے ابتدائی لمحوں میں کہا تھا۔" شہزاد نے اپنی سوچ کا جواز پیش کرتے ہوئے کہا۔ "میرا کام یہ ہوگا کہ ان لوگوں کو روکنے کی کوشش کروں جو منصوبے کی راہ میں حائل ہونے کی کوشش... کریں گے۔"

"اس وقت میں کچھ اور سوچ رہا تھا۔ بہرحال، کیا اس بات کو میں، تمھاری رضامندی سمجھ لوں؟"

"ہاں، میں تمھارے ساتھ کام کرنے کے لیے آمادہ ہوں۔"

نیمراف اُٹھ کھڑا ہوا۔

وہ یکایک بے حد خوش نظر آنے لگا تھا۔

اُس نے ہاتھ بڑھا کر شہزاد کا ہاتھ تھام لیا اور اُسے دوستی کے شدید جذبے کے تحت دُہراتے ہوئے کہا۔ "بہت خوب! مجھے تم سے اسی جواب کی توقع تھی۔ ہماری کامیابی کے لیے تمھاری شراکت بے حد ضروری تھی۔"

"یہ میری خوش نصیبی ہے۔"

"آؤ..." اُس نے ایک طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ "اب ہمیں اسٹور کی طرف چلنا چاہیے۔ اسٹور میں اسلحہ موجود ہے۔ وہاں تم اپنی پسند کا ہتھیار منتخب کر سکتے ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ ہم وہاں بھی نوعیت کے چند مسئلوں پر بات چیت بھی کریں گے۔ کیونکہ آیندہ چند دنوں میں تمھیں ان مسائل سے بہرحال دُو چار ہونا پڑے گا۔"

شہزاد، اُس کے ساتھ چل دیا۔

نیمراف کا رُخ، کانچ کے دروازوں کی طرف نہیں تھا۔ اُس نے لائبریری سے نکل کر بائیں جانب ایک دیوار کا رُخ کیا تھا۔ اس دیوار تک پہنچتے پہنچتے شہزاد کو ایک فرشی دروازہ نظر آ گیا۔

فرشی دروازہ کھول کر، نیمراف سیڑھیاں اُترنے لگا۔

شہزاد بھی تہ خانے کی سیڑھیاں اُترتا رہا۔ زیرِ زمین اس کمرے میں تیز روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ حالانکہ وہاں ایک بلب بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے یہ روشنی دیواروں سے پھوٹ رہی ہو۔

یہ ایک وسیع و عریض تہ خانہ تھا۔ شہزاد نے گہری توجہ اور دلچسپی سے اِدھر اُدھر دیکھا۔ وہاں ضرورت کی تمام اشیا کے انبار لگے ہوئے تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے یہ کسی ذخیرہ اندوز کا تہ خانہ ہو۔ لیکن نیمراف اُسے جس اسٹور میں لے جانا چاہتا تھا اُس کے لیے شہزاد کو ایک لفٹ میں سوار ہونا پڑا۔

یہ تیز رفتار لفٹ، پہلے زیرِ زمین کمرے سے مزید نیچے کی طرف سفر کر رہی تھی اور شہزاد کو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ اپنی دُنیا سے پاتال کی طرف جا رہا ہو۔

پاتال کا سفر چند سیکنڈ تک ہی جاری رہا۔

لفٹ رُک گئی اور اس بار شہزاد جس زمین دوز کمرے کے سامنے پہنچا، وہ مقفل تھا۔ وہاں ایک گارڈ بھی متعین تھا... حالانکہ پُورے محل میں کہیں کوئی مسلح آدمی دکھائی نہیں دیا۔

نیمراف کو دیکھتے ہی وہ شخص یوں مستعد ہو گیا جیسے اُس کا جسم کبھی کاہلی سے آشنا ہی نہ رہا ہو۔

اُس نے نیمراف کے اشارے پر تالا کھولا اور ایک طرف مؤدّب کھڑا ہو گیا۔ نیمراف نے فخریہ انداز میں اشارہ کر کے شہزاد کو آگے بڑھنے کے لیے کہا... اور اندر قدم رکھتے ہی شہزاد کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

کمرے میں گن آئل کی بُو پھیلی ہوئی تھی۔

شہزاد کو یہ بُو مانوس محسوس ہوئی۔ اُس نے آنکھوں سے حیرت کا تاثر فوراً ہی زائل کر دیا اور یوں چاروں طرف دیکھنے لگا جیسے وہ جو کچھ بھی دیکھ رہا تھا، اُس کی اُس کے نزدیک زیادہ اہمیت نہ ہو۔

"یہ میرا اسلحہ گھر ہے جانسن!" نیمراف نے فخر سے کہا۔

"میرا خیال ہے، کسی مُلک میں انقلاب لانے کے لیے جتنے اسلحے کی ضرورت ہو سکتی ہے وہ یہاں موجود ہے۔" شہزاد نے تعریف کرتے ہوئے کہا۔ اور ایک مشین ریک کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

اسلحہ گھر میں اَن گنت رائفلیں، ریوالور اور مشین گنیں موجود تھیں۔ دستی بموں کا بھی زبردست ذخیرہ تھا۔ سب کچھ ترتیب اور قاعدے سے رکھا ہوا تھا۔ شہزاد نے محسوس کیا کہ ہر ریوالور یا رائفل بہترین حالت میں ہے۔ انھیں فوری استعمال کے لیے تیار رکھا گیا تھا۔

یہ کمرہ پچاس فٹ لمبا اور اتنا ہی چوڑا تھا۔ دیکھنے میں کمرہ روشن خورد و روم جیسا تھا۔ دیواروں میں لکڑی کے ریک تھے۔ کمرے انتہائی حصّے میں چھ ٹٹیاں تھیں۔ انسانی جسم اور نقش و نگار دار

ہر ٹٹی دُور سے دیکھنے پر کوئی انسان ہی معلوم ہوتی تھی۔

"یہ میری شوٹنگ گیلری ہے۔" نیمراف نے اس طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا جہاں دیوار کے ساتھ ٹٹیاں استادہ تھیں۔

شہزاد نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

وہ دیکھ چکا تھا کہ وہاں دُنیا کا تقریباً ہر ہتھیار موجود تھا۔ خنجر، کلہاڑے اور تیر کمان تک دیکھنے کو مل گئیں۔ شہزاد نے پلٹ کر نیمراف کی طرف دیکھا۔ دونوں کی نگاہیں چار ہوئیں اور ایک دوسری میں پیوست ہو کر رہ گئیں... پھر شہزاد کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیل گئی۔

"یہ ایک قابلِ تعریف ذخیرہ ہے۔" شہزاد نے تبصرہ کیا۔

"دراصل، میں نے یہ سب چیزیں مشغلے کے طور پر جمع نہیں کیں۔" نیمراف کے لہجے میں سنجیدگی تھی۔ وہ اب بھی شہزاد کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ "مغربی جرمنی میں ایک اسلحہ ساز فیکٹری سے میرا تعلق ہے جو ڈیمانڈ کے مطابق مجھے دُنیا کے ہر حصّے میں اسلحہ فراہم کر سکتی ہے۔ مجھے جتنے بھی اسلحے کی ضرورت ہوتی ہے، وہ ہر حال میں مجھے پہنچا دیا جاتا ہے۔ چلو، ان ہتھیاروں کو آزما کر بھی دیکھ لو۔"

شہزاد کے ہونٹوں پر ایک بے ساختہ مسکراہٹ مچل گئی۔

وہ سمجھ گیا تھا کہ نیمراف کی اس بات کا مقصد کیا ہے۔

نیمراف درحقیقت، اُس کی مہارت دیکھنا چاہتا تھا۔ شہزاد کو وہ اس اعتبار سے پسند آیا تھا کہ وہ ذاتی تجربے سے قبل مطمئن ہونے والا آدمی نہیں تھا... اس خیال کے ساتھ ہی شہزاد کو یاد آیا کہ نیمراف لاکھ محتاط اور مکمل قسم کا آدمی ہونے کے باوجود خود اس سلسلے میں دھوکا کھا گیا ہے۔

اسلحہ گھر میں آنے کے بعد، نہ جانے کیوں شہزاد کو اس بات میں شبہ محسوس ہونے لگا تھا کہ وہ کوئی پیشہ ور قاتل ہے۔ اس شبے کا کوئی جواز، اُس کے پاس موجود نہیں تھا۔ بس ایک احساس تھا اور اس احساس کو کوئی نام دینا مشکل تھا۔

اُس نے کندھے اُچکائے اور اُس ریک کی طرف بڑھ گیا جس میں دُنیا بھر کے ریوالور اور پستول تھے۔

ہر ریوالور صاف ستھرا تھا۔ کسی کی نال پر گرد کی خفیف سی تہ بھی نہیں تھی۔ انھیں صاف کر کے تیل دیا ہوا تھا۔ اُس نے اعشاریہ تین، پانچ، سات کا ایک ہر من لیوگر منتخب کیا۔

ریوالور کو ہاتھ میں لے کر اُس نے اُچھالا اور اُسے اپنی اُنگلی کے گرد گھمایا۔ نہ جانے کیوں اُسے یقین تھا کہ وہ، اس ریوالور کو بے حد مہارت سے استعمال کر سکتا ہے۔ ریوالور کو اُنگلی کے گرد گھمانے کے بعد، اُس کی نال میں بھانک کر اُس نے ریوالور کو واپس رکھ دیا۔

اس ریوالور کے قریب ہی ایک اور ریوالور آویزاں تھا۔ اُس نے دوسرا ریوالور، ریک سے نکال لیا۔

یہ اعشاریہ تین آٹھ کا ریوالور تھا۔

ریوالور، ہاتھ میں آتے ہی شہزاد کو اس سے مانوسیت محسوس ہونے لگی۔ اُس نے اس ریوالور کو اُچھالا اور اُنگلی کے گرد گھمایا تو احساس مزید شدّت اختیار کر گیا۔

"یہ میرا پسندیدہ ریوالور ہے۔" نیمراف نے کہا۔ "آؤ، گولیاں تمھیں شوٹنگ گیلری میں ملیں گی۔ میں تمھارے بارے میں بہت سے قصّے سُن چکا ہوں اور یہ میری خوش قسمتی ہے کہ آج اپنی آنکھوں سے تمھاری مہارت بھی دیکھوں گا۔"

اُس نے شہزاد کا بازو، کہنی سے تھام لیا اور دوستانہ انداز میں دھکیلتا ہوا، اسلحہ گھر کے اس حصّے میں لے آیا جہاں انسان نما بُت رکھے ہوئے تھے۔ شہزاد نے دیکھا کہ دائیں بائیں، اَن گنت ریک ٹنگے ہوئے ہیں بے شمار خانے بنے ہوئے ہیں۔ ہر خانے پر مختلف نمبر پڑے ہوئے تھے۔ اُس نے اعشاریہ تین، آٹھ نمبر کی دراز کھولی اور اُس میں سے گولیاں نکال کر ریوالور میں بھر لیں... پھر وہ، انسان نما ٹٹی سے کافی فاصلے پر کھڑا ہو گیا اور نیمراف کی طرف دیکھ کر مسکرانے لگا۔

نیمراف نے جواباً مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔ شہزاد نے بایاں ہاتھ اُٹھایا اور اُسے سینے کے سامنے تان کر، ریوالور والا ہاتھ، کلائی کا سہارا لے کر رکھتے ہوئے ایک ٹٹی کا نشانہ لیا اور فائر کر دیا۔

نشانہ سچا ثابت ہوا۔

گولی لگنے سے ٹٹی بُری طرح کانپتی نظر آئی۔ ٹٹی کے اُوپر ایک اسکرین تھی جس پر فوراً ہی ٹٹی کا خاکہ اُبھرا اور اس خاکے میں دل کے مقام پر ایک سُوراخ نظر آنے لگا، جس سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ شہزاد نے دل کا نشانہ لے کر جو گولی چلائی تھی وہ اپنے ہدف پر بیٹھی ہے۔

"گڈ شاٹ..." نیمراف نے تالی بجاتے ہوئے تحسین آمیز لہجے میں کہا۔ "خاص طور سے کسی دوسرے کے ہتھیار سے اتنا سچا نشانہ لگانا واقعی بڑی مہارت کی بات ہے۔"

لیکن نہ جانے کیوں شہزاد کا موڈ یکایک خراب ہو گیا۔ اُس کی نگاہ اب بھی اسکرین پر بنے ہوئے روشن خاکے پر جمی ہوئی تھی اور وہ محسوس کر رہا تھا کہ دل کے جس حصّے کو درحقیقت اُس نے نشانہ بنانے کی کوشش کی تھی، گولی اُس سے ایک انچ ہٹ کر لگی ہے۔ اس بات نے شہزاد کو یہ احساس دلایا کہ اُس کا نشانہ درحقیقت خطا گیا ہے۔

وہ اپنے احساس کی کوئی معقول وجہ سمجھنے سے قاصر تھا لیکن وہ کوشش کے باوجود اپنے ذہن کو اس احساس سے بچانے میں کامیاب نہ ہو سکا۔

اُس نے دوسری بار کلائی کا سہارا لینے کی بجائے ریوالور کو دائیں ہاتھ کی انگشت شہادت پر تیزی سے گھمایا اور ہاتھ کو ایک جھٹکے سے اُٹھایا جیسے ہی ہاتھ سینے کے سامنے پہنچا، ریوالور کی انگلی کے گرد گردش ختم ہو گئی۔ اُس کی مٹھی بھنچ گئی اور اگلے ہی لمحے انگلی نے تین بار تیزی سے حرکت کی۔

اُوپر تلے تین فائر ہوئے...

تین انسان نما ڈھیاں گولیاں لگنے سے لرز گئیں۔

اُس نے نگاہ اُٹھا کر اسکرین کی طرف دیکھا، جس پر تین خاکے روشن ہو چکے تھے۔ ہر خاکے میں دل کے مقام پر ایک دھبہ گولی لگنے کے مقام کو ظاہر کر رہا تھا۔ شہزاد نے دیکھا کہ تینوں خاکوں کے ہدف میں گولی ایک ہی مقام پر پیوست ہوئی تھی۔ اس بات کو نیمراف نے بھی محسوس کیا تو عقب سے اس کا نعرۂ تحسین بلند ہوا۔ اگلے ہی لمحے شہزاد نے اُس کا خیر معمولی بڑا ہاتھ اپنی پیٹھ پر محسوس کیا۔

نیمراف نے اُس کی پشت تھپتھپاتے ہوئے کہا۔ "بہت خوب، مسٹر جانسن! بہت خوب... میں نے اپنی زندگی میں بہت سے نشانچی دیکھے ہیں لیکن کسی کو اتنی سُرعت سے نشانہ لگاتے نہیں دیکھا۔"

شہزاد نے کوئی جواب نہیں دیا۔

اس بار اسے اپنے نشانے کے سلسلے میں کوئی تکلیف دہ احساس نہیں ہو رہا تھا۔ جس کا مطلب تھا کہ اس دفعہ وہ اپنے نشانے سے ذاتی طور پر بھی مطمئن ہے۔

"بہت خوب... مسٹر جانسن! اس مظاہرے نے میرا مزاج خوش کر دیا ہے۔ تمہارے بارے میں جو کچھ سُنا تھا، وہ بالکل درست نکلا۔ مجھے فخر ہے کہ میں نے تم جیسے ساتھی کا انتخاب کیا ہے۔ اس مظاہرے سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ تم اعشاریہ تین، آٹھ کے ریوالور کو بے حد مہارت سے چلا سکتے ہو اور یہی تمہارا بھی پسندیدہ ریوالور ہے۔"

اچانک اس تہ خانے میں کسی کے قدموں کی آواز گونجنے لگی۔

شہزاد چونک پڑا۔

وہ اس آواز کو پہچانتا تھا۔

یہ آواز اُس نے کافی دیر پہلے اُس وقت سُنی تھی جب نیمو اُسے لائبریری میں چھوڑ کر نیمراف کو اس کے بارے میں اطلاع دینے گیا تھا۔ اُس نے پلٹ کر دیکھا۔ نیمراف کے عقب میں چند قدم کے فاصلے پر وہی سیاہ فام خواجہ سرا موجود تھا۔ اُس کی آنکھوں میں بے پناہ چمک تھی اور شہزاد نے ان میں اپنے لیے کینہ پروری مچلتی ہوئی صاف دیکھی۔

بات اُس کے مُنہ سے کیوں نکل گئی۔ یہ ایک احساس تھا جس میں وہ نشانے بازی کے دوران میں مُبتلا ہو گیا تھا۔ اُسے اپنے اس خیال کو لفظوں کا جامہ نہیں پہنانا چاہیے تھا... لیکن وہ بالکل غیر ارادی طور پر یہ بات کہہ بیٹھا... اور اب اُسے نبھانا ضروری ہو گیا تھا۔

"اگر ریوالور تمہارا ہتھیار نہیں ہے تو پھر کیا ہے، مسٹر جانسن؟" نیمراف نے کہا۔ مارے حیرت کے وہ مُنہ چلا کر لقمہ نگلنا بھی بھول گیا تھا... اور اُس نے یہ بات پھنسی پھنسی سی آواز میں کہی تھی۔

اس بات کا شہزاد کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ بات کرنے کے بعد وہ خود بھی شدت سے یہ خواہش محسوس کر رہا تھا کہ کاش! اُسے معلوم ہوتا کہ درحقیقت اُس کا پسندیدہ ہتھیار کون سا ہے۔

نیمراف کی بات کا جواب دیے بغیر وہ اسلحہ گھر میں چلنے لگا۔ اس کی نگاہ الماریوں پر جمی ہوئی تھی اور انداز ایسا تھا جیسے وہ کوئی خاص چیز تلاش کر رہا ہو۔ اُس نے کن انکھیوں سے نیمراف کی طرف دیکھا جو اب بھی مُنہ نہیں چلا رہا تھا۔ مارے حیرت کے وہ کھانا بھی بھول گیا تھا اور شہزاد کی طرف غالباً اس لیے گھور رہا تھا... کہ اُسے شہزاد کے پسندیدہ ہتھیار دیکھنے کا شدید تجسس تھا۔

شہزاد اُس الماری کے سامنے رُک گیا جس میں قسم قسم کے چاقو رکھے ہوئے تھے۔ اُس نے ایک ایک کر کے کئی چاقو نکالے، انھیں دستوں سے پکڑا، پھر انھیں نوک سے پکڑا لیکن کوئی بھی چاقو ہاتھ سے ہم آہنگ نہ ہو سکا۔

وہ مزید چاقوؤں اور خنجروں کو دیکھتا اور تولتا رہا۔

اُس نے چار خنجروں کا انتخاب کیا۔

وہ بُو دیکھ کر حیران رہ گیا یہ چاروں خنجر ساخت اور وزن کے اعتبار سے ایک ہی جیسے تھے اور سب سے زیادہ حیرت کی بات یہ تھی کہ ہر خنجر اُس خنجر جیسا تھا، جو اُس نے ہوٹل کے کمرے میں پایا اور جسے اُس نے دروازے سے علاوہ سیاہ فام خواجہ سرا نیمو پر بھی پھینکا تھا۔

غالباً یہی خنجر میرے ہتھیار ہیں، اُس نے دل میں سوچا۔

وہ چاروں خنجر لے کر واپس آ گیا۔

ڈھیوں سے بیس قدم کے فاصلے پر رُک کر اُس نے نیمو اور نیمراف کی طرف دیکھا۔ دونوں ہی توجہ سے اُس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ایک کی آنکھوں میں حیرت اور تجسس کے تاثرات تھے جب کہ دوسرے کی آنکھیں تجسس کے علاوہ ایک اور جذبے کو ظاہر کر رہی تھیں... اور یہ جذبہ تھا، نفرت... شدید نفرت!

شہزاد نے چاروں خنجر، نوکیں اپنی طرف کر کے قریبی ریک پر رکھ دیے اور پھر ایک کو نوک سے پکڑ کر اُٹھاتے ہوئے فضا میں اُچھال کر دوبارہ تھام لیا۔ خنجر اُس کے ہاتھ میں کسی زندہ اور بے چین گلہری کی طرح حرکت کر رہا تھا۔ اچانک اُس نے ہتھیلی پر خنجر کو پھسلا کر نوک سے پکڑا اور ہاتھ سَر سے بلند کرتے ہوئے، اُسے ڈھڈی کی طرف کھینچ مارا۔

خنجر اُس کے ہاتھ سے بجلی کے کوندے کی طرح لپک پڑا... اور اپنے ہدف پر دستے تک دھنس گیا۔

اُس نے ڈھڈی کی چَڑ کو نشانہ بنایا تھا۔

"تمہارے اعزاز میں میرے پیارے خواجہ سَرا۔" شہزاد نے پلٹ کر کہا اور اُس کا ہاتھ تیزی سے حرکت کرنے لگا۔ باری باری تینوں خنجر اُس کے ہاتھ میں آئے اور پھر بجلی کے کوندے کی طرح نکل کر اُسی ہدف میں جا پیوست ہوئے، جس میں پہلا خنجر گڑ گیا تھا۔ ہر بار اُس نے پلٹ کر خواجہ سَرا نیمو کو مخاطب کیا تھا اور اُسے اطلاع دی تھی کہ یہ نشانہ وہ اُسی کے اعزاز میں لگا رہا ہے۔

آخری خنجر پھینک کر وہ عقب میں کھڑے دونوں تماشائیوں کی طرف متوجہ ہو گیا۔ نیمراف کی آنکھوں میں اب احترام کے تاثرات پیدا ہو گئے تھے جب کہ نیمو کی آنکھیں کسی زخمی درندے کی آنکھوں میں بدل گئی تھیں۔

"بہت خوب... بہت ہی خوب!" نیمراف نے خوشی سے بے قابو ہوتے ہوئے کہا۔ اُس نے بچوں کے سے انداز میں تالیاں تک بجائی تھیں۔

... لیکن وہ شخص جو ہوش میں آنے کے بعد سے اب تک خود کو جانسن سمجھ رہا تھا، خنجر پھینکنے کے بعد خاموش کھڑا سوچ رہا تھا کہ خنجر زنی بھی درحقیقت اُس کا پسندیدہ فن نہیں ہے۔ ریوالوروں کو مسترد کرنے کے بعد اُس نے خنجروں کو بھی بطور ہتھیار مسترد کر دیا تھا اور اُسے نیمراف کی داد و تحسین سے ذرا بھی خوشی نہیں ہو رہی تھی۔

وہ ذہن پر زور دے دے کر یہی سوچ رہا تھا کہ آخر اس کا پسندیدہ ہتھیار کیا ہے؟ جب وہ ریوالور چلانے اور خنجر پھینکنے میں اتنا ماہر ہے اور یہ محسوس کر رہا ہے کہ یہ دونوں اس کے ہتھیار نہیں ہیں تو یقیناً وہ جانسن بھی نہیں ہے۔ اگر میں جانسن نہیں ہوں تو پھر کون ہوں؟ شہزاد نے سوچا۔

"اس سے تو یہی اندازہ ہوتا ہے کہ تم کسی بھی چیز پر جان لیوا اور بالکل درست نشانہ لگا سکتے ہو، جانسن!" نیمراف کہہ رہا تھا۔

شہزاد کو کوئی جواب دیے بغیر آگے بڑھنے لگا۔

اس کا رُخ اُسی طرف تھا، جہاں اُس نے خنجر پیوست

کیے تھے۔

اچانک اُس نے عقب میں کچھ گڑبڑ محسوس کی۔

اُس نے پلٹ کر نہیں دیکھا۔

نیمو نے اپنے آقا کی طرف دیکھا۔ نیمراف ایک آرام کرسی میں دھنس گیا۔ اُس نے نیم وا آنکھوں سے اپنے خادم کی طرف دیکھا۔ نیمو کی آنکھوں میں نفرت اور انتقام کی آگ سی بھڑک اٹھی تھی... شہزاد نے اس کی توہین کی تھی اور وہ اس سے بدلہ لینا چاہتا تھا۔

نیمراف نے بھی شاید اس موقعے سے استفادہ کرنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ وہ اپنے مہمان کے دو مظاہرے دیکھ چکا تھا اور تیسرے... مظاہرے کے لیے اس کے ملازم کی آنکھیں اجازت طلب کر رہی تھیں نیمراف نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

مالک کی رضامندی پاکر... سیاہ فام نیمو کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیل گئی۔ وہ فائرنگ لائن پر آگے بڑھنے لگا۔ اُس کی آنکھیں شہزاد پر جمی ہوئی تھیں۔ شہزاد ایک ڈبی کے سامنے رُک گیا۔

اُس نے ڈبی کے جسم میں دھنسے ہوئے خنجر کی طرف ہاتھ بڑھایا تو اُس کے حساس کانوں نے عقب میں کسی پُراسرار سرگرمی کا احساس دلایا۔ اس کا جسم تن گیا۔ وہ جہاں اور جس حالت میں تھا، اُسی میں منجمد ہو گیا۔

ایک سنسناتی ہوئی چیز عقب سے اُس کی طرف بڑھ رہی تھی۔

وہ چیز اُس کے خنجر کی طرف بڑھتے ہوئے ہاتھ کے قریب سے گزر کر ایک انچ کے فاصلے پر ڈبی میں پیوست ہو گئی۔ شہزاد کا ہاتھ خنجر کے دستے پر منجمد ہو کر رہ گیا تھا۔

اُس نے کندھے کے اُوپر سے عقب میں دیکھا۔

بیس قدم کے فاصلے پر سیاہ فام نیمو کھڑا مسکرا رہا تھا... اُس کی آنکھیں دو جلتے ہوئے نتھنے الاؤ بن چکی تھیں... اور اس کی مسکراہٹ میں درندگی کا بھرپور تاثر تھا۔

سیاہ فام کے بائیں ہاتھ میں تین چاقو دبے ہوئے تھے گویا اُس نے چار چاقو لیے تھے اور اُن میں سے پہلا بطور تنبیہ شہزاد کی طرف پھینکا تھا۔ شہزاد نے اُس کے بائیں ہاتھ میں دبے ہوئے چاقوؤں کو متضحکہ خیز انداز میں دیکھا اور مسکرانے لگا۔

اس کی مسکراہٹ حوصلہ شکن تھی۔

... لیکن سیاہ فام پر اس مسکراہٹ کا کوئی اثر نہ ہوا۔

"تمھاری یہ دوربینی جنس سے تعلق رکھنے والی مخلوق چاقو پھینک مارنے کے فن میں بے حد ماہر معلوم ہوتی ہے۔" شہزاد نے نیمراف کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "میرا خیال ہے میرے مظاہرے کو اُس نے اپنے لیے ایک دھمکی سمجھ لیا ہے۔"

"ہاں... شاید اس کی اَنا کو ٹھیس پہنچی ہے... اور میں کسی کو انتقام کی پیاس میں تڑپتا ہوا نہیں دیکھ سکتا۔" نیمراف نے کہا۔

"تو پھر ٹھیک ہے۔ یہ اپنی ساکھ بحال رکھنے کی کوشش کر سکتا ہے۔ چاقو، خنجر اور پستول میرے پسندیدہ ہتھیار نہیں ہیں۔"

"میرا خیال ہے مسئلہ ہتھیاروں کے ساتھ نہیں ہے۔" نیمو نے اپنے مالک کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "بلکہ گڑبڑ اس شخص کے دل میں ہے۔"

شہزاد نے دیکھا کہ خواجہ سرا اپنے پنجوں پر کھڑا ہے اور اس کا عظیم جسم مالک کے خفیف سے اشارے کا منتظر ہے۔

"اپنی بات کی وضاحت کرو۔" نیمراف غرایا۔

"بزدلی۔ میرے آقا!" سیاہ فام نے وضاحت کی۔ "یہ بزدلی ہے جو مسٹر جانسن کو ہتھیاروں کے انتخاب میں پریشان کر رہی ہے۔ میں امریکا میں موجود سیاہ چیتوں سے سُن چکا ہوں کہ وہاں کے سفید فام بے حد بزدل ہوتے ہیں۔ انھیں اگر قتل و غارت گری کی ضرورت پڑے تو آج کے علاوہ کسی طرح بھی کامیابی حاصل نہیں کر سکتے۔"

شہزاد کھل کھلا کر ہنس پڑا۔

نیمراف کے گھوڑے جیسے چہرے پر بھی مسکراہٹ آ گئی۔

"مجھے اجازت دیجیے آقا۔ میں اس کا امتحان لینا چاہتا ہوں۔"

نیمو نے نیمراف کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

نیمراف کی نگاہ شہزاد پر جمی ہوئی تھی۔

وہ اس کے تاثرات کا جائزہ لینے کی کوشش کر رہا تھا... لیکن اُس کی آنکھوں سے جذبات کی عکاسی نہیں ہو رہی تھی۔ اُس نے اپنے غلام کی طرف دیکھا۔ جس کی آنکھوں میں غصّے اور نفرت کے اندھے جذبات مچل رہے تھے۔ اُس نے غالباً صورتِ حال محسوس کر لی تھی۔

"تم بھول رہے ہو نیمو۔" نیمراف کے لہجے میں سرزنش تھی۔ "مسٹر جانسن ہمارے مہمان ہی نہیں، ہمارے پارٹنر بھی ہیں۔"

"اِسے اجازت دے دو باس۔" شہزاد نے متضحکہ خیز لہجے میں کہا۔ "اس کی تربیت غالباً ان سیاہ فاموں نے کی ہے جنھیں سیاہ چیتے کہا جاتا ہے۔ یہ اپنے فن، اپنی طاقت اور اپنی توانائی پر نازاں ہے... اور اس میں انانیت کی مقدار بھی کچھ زیادہ ہی ہے۔ حالانکہ خواجہ سراؤں میں اَنا ہونی ہی نہیں چاہیے۔ بہرحال اسے اپنی اَنا کی قیمت وصول کر لینے دو۔"

"لیکن مسٹر جانسن..." نیمراف نے کچھ کہنا چاہا۔

"کچھ نہیں۔" شہزاد نے اُس خنجر کے دستے سے ہاتھ ہٹا لیا جسے وہ ڈبی سے نکالنا چاہتا تھا لیکن عقب سے آنے والے چاقو کی آواز سُن کر اس کا ہاتھ دستے پر منجمد ہو کر رہ گیا تھا۔

اب وہ خالی ہاتھ کھڑا تھا۔

"مجھے کوئی فکر نہیں ہے۔" شہزاد نے کہا۔ "اس لیے تمھیں بھی کوئی فکر نہیں ہونی چاہیے۔"

"جیسے تمھاری مرضی۔" نیمراف نے ہنس کر کہا۔ "اگر تم میرے شہ زور سے مقابلہ کرنا ہی چاہتے ہو تو میں کیا کر سکتا ہوں۔"

نیمراف نے سیاہ فام کی طرف دیکھتے ہوئے، اثبات میں سر ہلا دیا۔

سیاہ فام پلٹ کر شہزاد کی طرف متوجہ ہو گیا۔

اس نے اپنے بائیں ہاتھ میں دبے ہوئے چاقوؤں میں سے ایک نکالا اور اُسے نوک کی طرف سے انگوٹھے اور دو انگلیوں کی مدد سے یوں تھام لیا جیسے اس نے چاقو کی نوک اپنی چٹکی میں دبا رکھی ہو۔

چاقو والا ہاتھ آہستہ آہستہ بلند ہونے لگا۔

"ٹھہر جاؤ نیمو۔" نیمراف کی دھاڑ سُنائی دی۔

سیاہ فام ٹھٹک گیا۔

اس کا اُٹھا ہوا ہاتھ جھک گیا۔

وہ پلٹ کر اپنے آقا کی طرف دیکھنے لگا۔ شہزاد بھی نیمراف کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ نیمراف کرسی پر نیم دراز ان دونوں کی طرف ہی متوجہ تھا۔ اس نے اپنے غلام سے کہا۔ "انتظار کرو۔ میرے مہمان کو بھی اپنا ہتھیار اُٹھا لینے دو۔"

"میرے پاس ہتھیار موجود ہیں۔" شہزاد بولا۔

"کہاں ہیں؟" نیمراف چونک پڑا۔

"میرے دونوں ہاتھ ہی میرے ہتھیار ہیں۔" شہزاد نے وضاحت کی اور ایک بار پھر وہ اس بے نام سے احساس کو کرید نے لگا جس کے تحت وہ غیر شعوری طور پر نہ جانے کیا کیا کر رہا تھا... لیکن اس بار یہ احساس بے حد شدید تھا۔ ریوالور یا خنجر اس کے ہتھیار نہیں تھے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس کے دونوں ہاتھ ہی اصل ہتھیار ہیں۔

"نیمو کے خلاف تم صرف اپنے دونوں ہاتھ استعمال کرو گے؟" نیمراف کے انداز میں حیرت آ گئی۔

"ہاں..." شہزاد نے خود اعتمادی سے بھرپور لہجے میں کہا اور نیمو کی طرف دیکھنے لگا۔ "جلدی سے اپنا کام کر لینے دو۔"

پُرکار کو کیوں کہ میں نے شہر میں ایک خوبصورت لڑکی کو ملاقات کا وقت دے رکھا ہے۔"

"کیا وہی لڑکی جو تمھارے کمرے میں تھی؟" یہ سوال سیاہ فام نے کیا تھا اور اس کا لہجہ بے حد کھردرا تھا۔

اس کا ہاتھ... چاقو والا ہاتھ ایک بار پھر بلند ہونے لگا تھا سر سے اُوپر ہاتھ لے جا کر اُس نے مزید کہا۔ "یہ محض اتفاق ہے کہ وہ لڑکی ابھی تک زندہ ہے۔"

"جن لڑکیوں کا مجھ سے کوئی تعلق ہوتا ہے، وہ عموماً کافی لمبی عُمر پاتی ہیں۔" شہزاد نے مسکرا کر کہا۔

اُسی لمحے نیمو نے چاقو پھینک مارا۔

چاقو اُڑتا ہوا شہزاد کی طرف لپکا۔ کمرے میں ایک نقرئی لکیر سی لمحے بھر کو چمکی اور معدوم ہو گئی۔ شہزاد نے اپنے جسم کو خفیف سا گھمایا اور چاقو اس کے کندھے کے اُوپر سے، کوئی نقصان پہنچائے بغیر گزر گیا۔

چاقو عقب میں کھڑی ڈبی میں پیوست ہو گیا۔

شہزاد کے ہونٹوں پر مسکراہٹ رقص کرنے لگی۔

وہ دو قدم آگے بڑھا اور رُک گیا۔

"غالباً فاصلہ زیادہ تھا۔" اس نے خواجہ سرا کی طرف دیکھتے ہوئے مضحکہ اڑانے والے انداز میں کہا۔ "ایک بار پھر کوشش کرو۔ میرا خیال ہے، امریکا کے سیاہ چیتوں نے تمھیں کافی گُر سکھا رکھے ہوں گے۔"

"سور... اَخواجہ سرا چیخ پڑا۔

"کاش تمھاری یہ چیخ بھی کوئی خنجر جیسی ٹھوس شے ہوتی۔" شہزاد نے قہقہہ لگایا۔ "بہرحال، یہ چیخ میرے دل میں اُتر گئی ہے۔"

نیمو نے ایک اور چاقو تھام لیا۔

اس کا ہاتھ بلند ہونے لگا۔

شہزاد نے مزید دو قدم بڑھائے اور رُک گیا۔

اچانک نیمو کے ہاتھ سے چاقو نکل گیا اس کا تیز دھار بلیڈ ایک لمحے کے لیے چمکا را اور پھر نیمو کا یہ نشانہ بھی خطا گیا۔ اُس نے پُھرتی سے ایک اور چاقو کھینچ مارا۔

شہزاد مسلسل آگے بڑھ رہا تھا۔

پہلی بار سیاہ فام خواجہ سرا کے چہرے پر اُلجھن اور بے یقینی کے تاثرات نمایاں ہوئے۔ اب اس کے ہاتھ میں صرف ایک ہی چاقو باقی تھا۔ اس وقت دونوں حریفوں کے درمیان بارہ قدم کا فاصلہ تھا اور شہزاد آہستہ آہستہ اس فاصلے کو بھی کم کر رہا تھا۔

مگر سیاہ فام نے آخری چاقو پھینکا۔

شہزاد اس موقعے کے لیے ذہنی طور پر تیار تھا۔ اس نے کمر کو تھوڑا سا بل دیا اور جسم کو اڑتے ہوئے چاقو کی راہ سے ہٹا دیا... لیکن چند ہی ساعتوں میں، جب کہ چاقو شہزاد کی کمر کے سامنے سے گزر رہا تھا، اچانک اس کا ہاتھ تیزی سے آگے بڑھا اور اس نے اڑتے ہوئے چاقو کو دستے سے تھام لیا۔

چاقو ہاتھ میں دبائے وہ سیاہ فام کی طرف بڑھتا رہا حتیٰ کہ اس کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ "کاش تم مرد ہوتے۔" شہزاد نے زیرلب کہا۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ فاصلے کی وجہ سے اس سیاہ فام کا آقا ان کی دھیمی باتیں سننے کے قابل نہیں رہا تھا۔ "تو میں تمہارے جسم کے اس حصے میں یہ چاقو گھونپ دیتا، جہاں سب سے زیادہ تکلیف ہوتی ہے۔"

شہزاد نے چاقو فرش پر پھینک دیا۔

چاقو کے گرنے سے ہلکی سی آواز سنائی دی۔ شہزاد کی نگاہ سیاہ فام خواجہ سرا پر جمی ہوئی تھی اور وہ آہستہ آہستہ چاقو کی طرف بڑھ رہا تھا۔

"کیا تم ہی وہ شخص ہو جس نے مجھ پر گولی بھی چلائی تھی؟" شہزاد نے اچانک ہی سوال کیا۔ وہ اب نیمو سے صرف پانچ قدم کے فاصلے پر تھا۔

"میں نے گولی لڑکی پر چلائی تھی اور یہ میری بدقسمتی ہے کہ وہ اب تک زندہ ہے۔ میں تم دونوں میں سے کسی ایک کو بھی ہلاک کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔" نیمو نے غراتی ہوئی آواز میں جواب دیا اور ایک گرج دار قہقہہ اس کے حلق سے ابلنے لگا۔

یکایک اس نے آگے بڑھ کر شہزاد کو اپنے بازوؤں کے حصار میں لے لیا اور بانہوں کا یہ حلقہ ہر گزرتے ہوئے لمحے کے ساتھ تنگ ہونے لگا۔ نیمراف اپنی پچی پچی آنکھوں سے ان دونوں کو دیکھ رہا تھا۔ اس نے شہزاد کو نیمو کی گرفت میں دیکھا تو بے چین ہو گیا۔ نیمو کی گرفت میں بڑے بڑے مضبوط آدمی، موم کے پتلوں کی طرح چُورا چُورا ہو گئے تھے۔ نیمراف سوچ رہا تھا کہ اس کے مہمان جانسن کا بھی یہی حشر ہونے والا ہے... لیکن اس نے جو کچھ بھی دیکھا، اس پر اسے کسی بھیانک خواب کا گمان ہونے لگا۔

شہزاد نے قصداً ارادی طور پر اپنے جسم کے عضلات سخت کرنے شروع کر دیے تھے اور پھر اس نے ایک جھٹکے سے دونوں ہاتھ اٹھا لیے۔ وہ اس کے بازوؤں کی گرفت سے یوں نکل آیا جیسے وہ نیمو جیسے دیوہیکل شخص کے بازو نہ ہوں بلکہ ریشم کے دو معمولی سے تار رہے ہوں۔

اس نے نیمو سے خود پر گولی چلانے کا جو سوال کیا تھا، وہ بھی غیر ارادی طور پر ہی کیا تھا حالانکہ اس موقعے پر یہ سوال اس کے ذہن میں آنا ہی نہیں چاہیے تھا۔ ممکن ہے وہ خواجہ سرا کی بلاوجہ کی نفرت اور دشمنی کی وجہ سے یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا ہو کہ اسے گولی کا نشانہ بھی اسی نے بنایا ہوگا۔

دیوہیکل سیاہ فام کی گرفت ختم کر کے اس نے پہلو میں آتے ہوئے اس کی کنپٹی پر انگلی سے وار کیا۔ سیاہ فام کسی چھپکلی کی طرح پٹ سے گر گیا... اور اس کے گرتے ہی شہزاد نے جھک کر اس کی پیشانی پر وار کیا۔

نیمراف کو یوں محسوس ہوا جیسے شہزاد نے دیوہیکل سیاہ فام کے ماتھے پر کسی کلہاڑی سے وار کیا تھا۔ اس کی پیشانی دو حصوں میں تقسیم ہو گئی لیکن وہ کلہاڑی کہیں نظر نہیں آ رہی تھی جس سے یہ وار کیا گیا تھا۔

فہزاد نے اپنے حریف کی پھٹی ہوئی پیشانی سے ابلتے ہوئے خون کو دیکھا تو اثبات میں سر ہلا دیا۔ کافی دیر سے اسے ہتھیاروں کے سلسلے میں جو اُلجھن تھی، وہ اب رفع ہو گئی تھی۔

وہ اٹھ کھڑا ہوا اور نیمراف کی طرف دیکھنے لگا۔

نیمراف جوش کے عالم میں اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

مارے خوشی کے اس کی آنکھیں چمک اٹھی تھیں اور اس کے دانت نکلے پڑ رہے تھے۔ اس نے اپنی زندگی میں پہلے کبھی کوئی ایسا منظر نہیں دیکھا۔ اسے یقین ہو گیا کہ جانسن نامی یہ شخص وہی ہے، جس کی اسے شدت سے ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔ وہ اپنے ہاتھوں سے کلہاڑی کا کام لے سکتا تھا۔ اسے یقین ہو گیا کہ پورے امریکا میں اس شخص کے نام سے جو دہشت پھیلی ہوئی ہے، وہ بلاوجہ نہیں ہے۔ جو شخص کسی ہتھیار کا محتاج نہ ہو، اس کا نام عام لوگوں کو واقعی کانپ جانے پر مجبور کر سکتا ہے۔

نیمراف نے شہزاد کا ہاتھ تھام لیا۔ وہ اس کی ہتھیلی کا جائزہ لے رہا تھا جس کی نچلی دھار خون آلود ہو رہی تھی۔ اس نے ایک بار بھی اپنے جانثار خواجہ سرا کی طرف نہیں دیکھا تھا۔

"تم نے بعض بڑی قسم کے مسائل کا تذکرہ کیا تھا۔" شہزاد نے اس انداز میں کہا جیسے دیوہیکل خواجہ سرا کی موت اس کے نزدیک کوئی اہمیت ہی نہ رکھتی ہو۔

"ہاں..."

"چلو، شروع ہو جاؤ۔ میں اس کے بعد ہوٹل واپس جانا

چاہتا ہوں۔"

"میں نے تمھیں بتایا تھا کہ ہماری راہ میں چند ہتیاں حائل ہونے کی کوشش کریں گی۔ اس لیے ان سے نمٹ لینا ضروری ہے۔"

"ان کے نام بتاؤ۔"

"ان دونوں کا تعلق تمھارے ہی ملک سے ہے اور ان کے بارے میں مجھے کل رات ہی معلوم ہوا ہے۔" نیمراف نے تفکر آمیز لہجے میں کہا۔ "نیویارک کے رابطے نے ان کے بارے میں اطلاع دیتے ہوئے کہا تھا کہ وہ دونوں بے حد خطرناک ہیں۔ ان میں سے ایک تو مشرقی ہے اور دوسرا کسی قدیم زمانے سے تعلق رکھتا ہے۔"

"ان میں سے جواں سال شخص کا نام شہزاد ہے... اور دوسرا بوڑھا ہے جس کا نام اوشان بتایا جاتا ہے۔"

"اور تم کیا چاہتے ہو؟"

"ان دونوں کو قتل کر دو۔" نیمراف نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا

شہزاد نے زیرلب ان دونوں کے نام دہرائے۔ "شہزاد... اور... اوشان۔" اس نے نیمراف کی طرف دیکھا۔ "ٹھیک ہے، میں ان دونوں کو قتل کر دوں گا۔"

نیمراف اس کا ہاتھ تھام کر دروازے کی طرف چل دیا۔

شہزاد کے ذہن میں آندھیاں سی چل رہی تھیں

اُسے عجیب سے احساسات نے گھیر رکھا تھا۔ خیالوں کی دُنیا میں اندیشوں کے بگولے گردش کرنے لگے تھے۔ پُرپیچ بے چین لہروں کی طرح ذہن میں سرگوشیاں پھرتی تھیں لیکن انھیں شاملِ مُراد نصیب نہیں ہو رہا تھا۔

"اُن میں سے جواں سال شخص کا نام شہزاد ہے... اور دوسرا بوڑھا ہے جس کا نام اُوشان بتایا جاتا ہے۔" نیمراف کے لفظ اُس کے ذہن میں گونجنے لگے اور سوچوں کے سمندر میں الکل ویسے ہی چکراتے ہوئے دائرے بن بن کر بکھرنے لگے جیسے پانی کی پُرسکون سطح پر پتھر پھینک دینے سے پیدا ہوتے ہیں۔

اُسے یُوں لگ رہا تھا جیسے وہ ان بے سروپا باتوں اور رچوں کی گہرائی میں ڈوب کر پاگل ہو جائے گا۔ پہلے اس کا خیال تھا کہ وہ نیمراف سے ملنے کے بعد اپنی گم شدہ شخصیت کا سُراغ لگا لے گا۔ اس نے اس مقصد میں کامیابی حاصل کر لی تھی لیکن اس طرح جو شخصیت سامنے آئی، وہ بے حد خوف ناک تھی۔ نہ جانے کیوں، وہ یہ یقین کرنے پر آمادہ نہیں ہو پا رہا تھا کہ وہ ایک پیشہ ور قاتل اور درندہ ہے۔

"نہیں، نہیں... میں درندہ ہرگز نہیں ہوں۔" اس نے دل ہی دل میں اپنے بارے میں کہا۔ "میں اگر پیشہ ور قاتل ہوں تو میرے دل میں ایک عجیب سا درد کیوں جاگ اُٹھا ہے، میں مسلسل بے چینی کا کیوں شکار ہو...؟ میں نے ایک ایسے سیاہ فام خواجہ سرا کو قتل کیا ہے، جس سے مجھے بلاوجہ کی نفرت ہو گئی تھی۔ وہ ایک سفاک قاتل تھا اور اُسے خون بہا کر تسکین ملتی تھی۔ اس اعتبار سے وہ ایک درندہ تھا... اور میں نے ایک درندے کا خون بہایا ہے۔"

وہ ہنس پڑا۔

"ٹھیک تو ہے۔ ایک درندہ ہی تو دوسرے درندے کو ہلاک کر سکتا ہے۔ اگر میں درندہ نہ ہوتا تو اسے ہرگز ہلاک نہ کرتا... میں درندہ ہی ہوں۔" اس نے سوچا اور پھر یہ الفاظ غیر ارادی طور پر اس کی زبان پر بھی آ گئے۔ "میں درندہ ہوں..."

"کیا مطلب؟" نیمراف چونک پڑا۔

"آں... وہ خود بھی خیالوں کی دُنیا سے باہر آ گیا۔

"یہ ابھی ابھی تم کیا کہہ رہے تھے؟" نیمراف نے دریافت کیا۔ وہ اُلجھن آمیز نگاہ سے اُس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"نہ جانے کیا کہہ رہا تھا۔" شہزاد نے خفیف ہوتے ہوئے کہا۔ "شاید خیالوں میں ڈوب کر کچھ بڑبڑانے لگا تھا۔ تم نے سُنا کہ میں کیا کہہ رہا تھا؟"

"تم کہہ رہے تھے، میں درندہ ہوں۔" نیمراف نے کہا۔

"اوہ، ہاں..." شہزاد پھر ہنس پڑا۔ "لوگ مجھے درندہ کہتے ہیں۔"

"غلط تو نہیں کہتے۔" نیمراف نے یکایک لہجہ بدل کر کہا۔ "لیکن جانسن! تم ایک سدھائے ہوئے درندے ہو۔ کاش! میں، تمھیں اپنا پالتو درندہ بنا سکتا۔"

"اس کے لیے شاید تمھاری پہلی شرط یہ ہوگی کہ میں خواجہ سرا بن جاؤں۔"

نیمراف کھل کھلا کر ہنس پڑا۔

اس وقت دونوں ایک پُرسکون کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے اور ان دونوں کے علاوہ اس کمرے میں کوئی بھی نہیں تھا۔ کمرے کی کھڑکیاں اور

دروازے بند تھے اور آتش داں میں لکڑیاں چیخ رہی تھیں۔ نیمراف کے ہمقلمے سے کمرے کی دیواریں تک گونج اٹھیں۔ اس کے چہرے کی مناسبت سے، یہ اس کے ہنسنے کا انداز بھی گھوڑے کی ہنہناہٹ جیسا تھا۔ شہزاد نیم وا آنکھوں سے اس کی طرف دیکھتا اور اس منفرد نوعیت کے قہقہے سے لطف اندوز ہوتا رہا۔

کافی دیر ہنسنے کے بعد جب نیمراف کے گھوڑے جیسے چہرے پر سنجیدگی آئی تو اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں پانی تیر رہا تھا۔ ان آنکھوں میں اس وقت بے پناہ چمک تھی۔ آتش داں میں جلتی ہوئی لکڑیوں کا عکس اس کی آنکھوں میں نظر آ رہا تھا۔ شہزاد کو یوں لگا جیسے نیمراف کی آنکھوں میں آگ کے زندہ شعلے سیر رہے ہوں۔

وہ اسپ رُو نیمراف کی طرف دیکھتا رہا۔

"مسٹر جانسن!" نیمراف کے بھدے ہونٹوں پر ایک بار پھر مسکراہٹ آ گئی۔ "تم ایک زندہ دل درندے ہو۔"

"خرّہ نوازی ہے، تمھاری۔"

"تم نے میرے خواجہ سرا نیمو کو جس انداز میں ہلاک کیا ہے، وہ منظر میں زندگی بھر نہیں بھول سکتا۔ میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ جس شخص کو اپنے ہاں آنے کی دعوت دے رہا ہوں، اُسے انسانی جانوں سے کھیلنے کے لیے کسی ہتھیار کی ضرورت ہی نہیں ہوتی بلکہ وہ جنگلی درندوں کی طرح اپنے پنجوں سے شکار کو چیر پھاڑ ڈالنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔"

"اس سیاہ فام نے اپنی موت کو خود ہی دعوت دی تھی۔"

"بھول جاؤ اُسے۔" نیمراف نے ہاتھ اُٹھا کر کہا۔ "وہ ایک قیمتی چیز تھی لیکن اب ضائع ہو چکی ہے۔۔۔ اور مجھے اس سے بھی زیادہ قیمتی شے مل گئی ہے۔"

"اچھا۔ ان باتوں کو چھوڑو۔۔۔ اور مجھے ان دونوں آدمیوں کے بارے میں بتاؤ جنھیں سب سے پہلے شکار کرنا ہے۔" شہزاد نے کہا۔

"وہ دونوں۔۔۔" نیمراف کی پیشانی پر سلوٹیں اُبھر آئیں۔ "تم ان سے کچھ زیادہ ہی متاثر ہو۔"

"ہاں۔۔۔ میں ان کے بارے میں بہت کچھ سُن چکا ہوں۔۔۔"

"مثال کے طور پر؟"

"مجھے نیویارک کے رابطے سے معلوم ہوا ہے کہ وہ دونوں بے حد خطرناک ہیں اور انھیں امریکا کے صدرِ مملکت تک رسائی حاصل ہے۔ بوڑھا وشان غالباً اسّی سال کا ہے۔"

"اسّی سال کا بوڑھا!" شہزاد چونک پڑا۔

"ہاں۔۔۔ میری معلومات غلط نہیں ہیں۔"

"افسانوی باتیں نہ کرو، نیمراف!" شہزاد نے بے یقینی سے کہا۔ "ایک اسّی سالہ بوڑھا کسی کے لیے کیسے خطرناک ہو سکتا ہے۔ اوہ، وہ غالباً کوئی بوڑھا جادوگر ہو گا اور چھڑی لے کر چلنے کی بجائے، ایک نوجوان کو ساتھ رکھتا ہو گا تاکہ اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر گھوم پھر سکے۔"

"ان دونوں کا تعلق جزیرہ فردوس سے ہے۔" نیمراف اس کا تبصرہ نظر انداز کرتے ہوئے بولا۔ "بوڑھا، اُستاد ہے اور نوجوان شہزاد اس کا شاگرد۔۔۔ سُنا ہے اُس نے ایک موقعے پر آٹھ مسلح آدمیوں کو صرف اپنے ہاتھوں سے ٹھکانے لگا دیا تھا۔"

شہزاد بے یقینی سے ہلنے لگا۔

"اپنے بارے میں ایسی افواہیں پھیلانے کے لیے ان دونوں نے ماضی میں کافی دولت خرچ کی ہو گی۔" شہزاد کا لہجہ طنزیہ تھا۔

"میں کہہ چکا ہوں کہ میرا رابطہ جھوٹا نہیں ہے۔" اس بار نیمراف کا لہجہ سخت اور تحکمانہ تھا۔ "یہی وجہ ہے کہ میں ان دونوں کو سب سے پہلے، راستے سے ہٹانا چاہتا ہوں۔ انھیں جس قدر بھی جلد ممکن ہو، ٹھکانے لگا دو۔"

شہزاد اُٹھ کھڑا ہوا۔

وہ چند لمحوں تک نیمراف کی گھوڑے جیسی خصوصیت کو غور سے دیکھتا رہا۔۔۔ پھر ٹہلنے کے انداز میں کھڑکی کی طرف بڑھ گیا۔ اس نے کھڑکی کھول دی۔ باہر سرد ہوا کے جھونکے برس رہے تھے۔ ایک کھنکھناتا ہوا آوارہ جھونکا، شہزاد کے مُنہ سر کے بالوں کو چھوتا ہوا گزر گیا۔ اس نے باہر جھانکا۔

آسمان پر دم توڑتے ہوئے دن کا خون، دُور اُفق پر منجمد ہو رہا تھا اور تاریکیاں اُسے تیزی سے چاٹتی جا رہی تھیں۔ ایک اور دن، نصب کی گرد میں اَٹ رہا تھا۔ جھاڑیاں تاریکی میں ڈوب چکی تھیں لیکن وہ ہوا کے جھونکوں کی چھیڑ چھاڑ سے سرسرا رہی تھیں۔ شہزاد پلکیں جھپکائے بغیر تاریکی میں گھورتا اور جھاڑیوں کی سرسراہٹ سُنتا رہا۔ اُسے تھوڑی دیر قبل جو گھٹن محسوس ہو رہی تھی، اُس نے خود بخود ہی دم توڑ دیا تھا۔

اُس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ خود کو بلاوجہ کی سوچوں میں نہیں اُلجھائے گا۔ سیاہ فام خواجہ سرا جس انداز میں اُس کے

ہاتھوں ہلاک ہوا تھا، اُس میں شہزاد کی ہر حرکت غیر اختیاری تھی۔ اُسے یوں محسوس ہوا جیسے وہ کسی انجانی طاقت کے زیرِ اثر آ گیا ہو۔۔۔ اور اسی بے نام سی لیکن حقیقی طاقت نے نیمراف کے شہ زور کو بڑی ہی بھیانک موت سے دوچار کر دیا تھا۔

شہزاد کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیل گئی۔

وہ سوچ رہا تھا کہ اگر میگی اس وقت یہاں ہوتی تو خواجہ سرا کی موت پر کس قدر خوش ہوتی۔ اس سیاہ دیو نے اُس نازک سی لڑکی کو مرنے کی حد تک خوف زدہ کر دیا تھا۔ اس کے ذہن میں ہوٹل کا منظر گھوم گیا۔

اچانک دو نام اُس کے ذہن میں چوکے لگانے لگے۔

"شہزاد۔۔۔ اور۔۔۔ اوشان!"

"ٹھیک ہے، میں ان دونوں کو سب سے پہلے قتل کروں گا۔" شہزاد نے نیمراف کی طرف پلٹے بغیر کہا۔ "لیکن یہ دونوں اس وقت کہاں ہیں؟"

نیمراف بھی اُٹھ کر اُسی کھڑکی کی طرف آ گیا۔

وہ شہزاد کی پشت پر رُکا اور اس کا پیلچے جیسا ہاتھ شہزاد کے کندھے پر پہنچ گیا۔ "نیویارک سے ملنے والی اطلاع کے مطابق۔۔۔ شہزاد چند روز پہلے ہی وہاں سے غائب ہو گیا تھا۔ وہ یقیناً یہیں آیا ہے لیکن ابھی تک میرے آدمی اُسے تلاش نہیں کر سکے۔"

"کیسی اُلجھن؟"

"تم نے کل شام مجھ پر قاتلانہ حملہ کیوں کروایا تھا؟"

"قاتلانہ حملہ۔۔۔" نیمراف کے لہجے میں حیرت تھی۔

شہزاد پلٹ کر اُس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ نیمراف اداکارانہ صلاحیتوں کا مالک نہیں ہے اس لیے اس کے لہجے اور اسپ نما چہرے پر جو حیرت کے تاثرات تھے، وہ انھیں حقیقی سمجھنے پر مجبور ہو گیا۔

"یہی سوال میں نے سیاہ فام خواجہ سرا سے بھی کیا تھا۔"

"کب کی بات ہے؟" نیمراف مزید حیرت زدہ دکھائی دینے لگا۔

"جب اسلحہ گھر میں ہم ایک دوسرے کے آمنے سامنے کھڑے تھے تو میں نے اُس سے پوچھا تھا۔" شہزاد نے نیمراف کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں اُس وقت صرف تمھاری ذات میں اُلجھا ہوا تھا۔" نیمراف نے جواب دیا۔ "مجھے افسوس ہے کہ میں تم دونوں کی باتیں نہ سُن سکا۔"

"لیکن نیمراف!" شہزاد کا لہجہ یکایک خوشگوار ہو گیا۔ "وہ تمھارا غلام تھا اور جب تک تم اُس کی زنجیریں نہیں ہلاتے، وہ کچھ نہیں کرتا تھا۔"

"کل شام وہ ایک برطانوی سیکرٹ ایجنٹ سے نمٹنے گیا تھا۔" نیمراف نے سوچ میں ڈوبے ہوئے لہجے میں کہا۔ "تم درمیان کہاں سے کود پڑے؟"

"برطانوی سیکرٹ ایجنٹ!"

"ہاں۔۔۔ وہ ایک خوبصورت لڑکی ہے اور اسٹون وال ہوٹل میں مقیم ہے۔ اوہ، ہاں! نیمو نے مجھے بتایا تھا کہ وہ کسی مرد کے ساتھ پیدل چلی جا رہی تھی۔ کیا تھی اُس کے ساتھ تھے؟"

"شاید۔۔۔ نیمو نے مرنے سے پہلے کہا تھا کہ وہ لڑکی کو قتل کرنا چاہتا تھا لیکن نہ صرف وہ بلکہ میں بھی بال بال بچ گیا اور اُسے اس بات کا دُکھ تھا۔" شہزاد نے کہا۔ "وہ لڑکی برطانوی ایجنٹ نہیں، میری ساتھی میگی ہے۔"

"اوہ، کیا تم اس پر یقین ہے؟"

"اگر تم مجھ پر اعتماد کرتے ہو تو میرے اس یقین کو ضرور اہمیت دو۔ اگر نیمو نے ہوٹل سے چلتے وقت اُس سے زیادتی کی ہوتی تو شاید میں اُسے ہلاک نہ کرتا۔" شہزاد کی مٹھیاں بھنچ گئیں۔

آمنے سامنے کھڑے ہونے کے باوجود نیمراف کا ہاتھ ابھی تک شہزاد کے کندھے پر تھا۔ شہزاد نے محسوس کیا کہ اُس کی بات سنتے ہی نیمراف کے ہاتھ کی گرفت اُس کے کندھے پر بڑھ گئی ہے۔

"اوہ، وہ بدنصیب غلام!" نیمراف بڑبڑایا۔ "طاقت کے نشے نے اُسے ذہنی طور پر بالکل دیوالیہ کر دیا تھا۔۔۔ اور وہ اپنی حماقت سے مارا گیا۔ کاش! اُس نے یہ بات میرے کان میں بھی ڈال دی ہوتی۔"

شہزاد نے اس بات پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔

"بہرحال، وہ لڑکی نہیں تو اُسی جیسی کوئی لڑکی برطانیہ سے یہاں آئی ہے۔ خیر، اس سے بعد میں نمٹ لیا جائے

گا۔ تم ان دونوں کو تو جہنم رسید کرو جن سے کام میں زیادہ رُکاوٹ کا امکان ہے۔"

"میری رضامندی کے اظہار سے تمہیں یہ سمجھ لینا چاہیے کہ ان دونوں کی سانسیں گنی جا چکی ہیں۔"

"مجھے یقین ہے، مجھے اعتماد ہے۔"

"تو پھر اب مجھے جانے کی اجازت دو۔" شہزاد نے اُس کندھے کو یوں جھٹک دیا، جس پر نیمراف کا بھاری ہاتھ رکھا تھا، جیسے کئی پونڈ وزنی ہاتھ کی بجائے نھنا سا کبوتر اُس کے کندھے پر بیٹھا ہو۔ اُس نے خفیف سے جھٹکے سے اُڑا دیا ہو۔

شہزاد نے نیمراف کے تاثرات جاننے کے لیے پلٹنے کی ضرورت نہیں محسوس کی، نیمراف اُس وقت نہ جانے کن خیالوں میں کھویا ہُوا تھا، اس نے شاید شہزاد کی اس حرکت کو محسوس ہی نہیں کیا تھا۔

"مجھے اب کون چھوڑنے جائے گا؟" شہزاد نے رُک کر سوال کیا اور پلٹ کر نیمراف کی طرف دیکھنے لگا۔

"میرا خیال ہے، تم گاڑی سے کہ خود بھی جا سکتے ہو۔" نیمراف بولا۔

شہزاد نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

اس نے نیمراف کے عقب میں، کھلی کھڑکی کے نیچے، باہر پھیلے ہُوئے اندھیرے کی طرف دیکھا۔ اچانک اُسے تاریکی میں ایک روشن ٹارچ دکھائی دی۔۔۔ پھر کچھ فاصلے پر ایسی ہی ایک اور روشنی نظر آئی۔ تب اُس کے ذہن میں وہ فکاری گھوم گئے جو مشین گن سنبھالے اُن جھاڑیوں میں منڈلاتے پھر رہے تھے۔

★★

اُوشان نے ائیرپورٹ لاؤنج میں پہنچنے کے بعد ایک گہری سانس لی اور اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ البیرہ اُس نے سے پہلے وہ بے حد پریشان تھا لیکن نہ جانے کیوں یہاں کی سرزمین پر قدم رکھتے ہی اس کی بے چینی ختم ہو گئی تھی۔

اُسے یُوں محسوس ہو رہا تھا جیسے یہاں کی فضاؤں میں شہزاد ٹائیگر کی خوشبو بسی ہوئی ہو۔ بہرام نے گھبرا کر جب اُس سے رابطہ قائم کیا تھا، اس وقت خود اُوشان بھی شہزاد کی طرف سے کوئی اطلاع نہ ملنے پر اُلجھن میں گرفتار تھا۔ شہزاد اس کی زندگی کا سرمایہ تھا، اُس کی زندگی اور تجربے کا نچوڑ تھا اور اُس کی فنی مہارت کا جیتا جاگتا شہکار تھا۔ اُوشان کے دل میں اُس کے لیے بے پناہ محبت تھی اور اُوشان، شہزاد اور اپنی جان کو دو قالب میں ڈھلا ہُوا سمجھتا تھا۔

سرگوش نے جب اُوشان سے رابطہ قائم کر کے اُسے ٹائیگر کی تخلیق کے بارے میں بتایا تھا تو اس صدی کے ماسٹر کی رُوحانی قوت نے فوراً ہی یہ بات ذہن میں پیدا کر دی تھی کہ اُوشان، تم جس تخلیقت کی تعمیر کے لیے جا رہے ہو، وہ تمہاری سب سے بڑی کمزوری بن جائے گی۔۔۔ اور اگر زندگی کے کسی لمحے، وہ تم سے نگاہیں پھیر گیا تو وہ تمہاری زندگی کا آخری لمحہ ہو گا۔ اس کے ساتھ ہی اُوشان کی وجدانی قوتوں نے اُسے بتا دیا تھا کہ اوّل تو اس کا موقع نہیں آئے گا۔۔ لیکن اگر کبھی ایسا ہُوا تو خالق کے ہاتھوں مخلوق کی موت واقع ہو جائے گی۔۔۔ اور پھر بے پناہ محبت خود اُس کی بھی جان لے لے گی۔ وہ اپنے شہکار کو تباہ کر کے خود بھی ہلاک ہو جائے گا۔ اس کی دھڑکیں تھم جائیں گی اور اس صدی کا ماسٹر بھی مٹی سے اُٹھ جائے گا۔

شہزاد ٹائیگر کی تعمیر اور اس کی تربیت کے دوران میں بارہا یہ خیال اُس کے ذہن میں کچوکے لگاتا رہا تھا کہ وہ جس قیمتی شخصیت کو بنا رہا ہے، اُسے خود اپنے ہی ہاتھوں سے توڑنا پڑے گا۔۔۔ اور جب شہزاد ٹائیگر بن گیا، تب اُس نے فرخ و انبساط کے لمحوں میں یہ بات ذہن سے جھٹک دی تھی اور ان کوششوں میں مصروف ہو گیا تھا جو ٹائیگر کو ایسی نوبت لانے سے دُور رکھ سکیں۔ اس نے ٹائیگر کو عام لوگوں کے لیے ناقابلِ تسخیر بنا دیا تھا لیکن اُس کی رُوحانی تربیت کی تکمیل کے لیے مزید وقت اور حالات کا انتظار ضروری تھا۔۔۔ جب کہ اُوشان کا دل کہہ رہا تھا کہ ٹائیگر کا آخری وقت قریب آ چکا ہے۔

وہ زندگی میں پہلی بار سر سے پاؤں تک کانپ گیا۔

اس نے بھُورے رنگ کا لبادہ پہن رکھا تھا جس سے اس کے مخصوص زردی مائل چہرے کے علاوہ صرف ہاتھ دکھائی دیتے تھے۔ اس نے آس پاس کے اُن تمام لوگوں کو نظر انداز کر دیا جو اُسے عجیب الخلقت بُوڑھا سمجھ کر حیران نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔

اگرچہ بہرام کی اس بات نے اُسے متاثر نہیں کیا تھا کہ شہزاد ٹائیگر فرار ہو گیا ہو گا اور وہ اب اپنی بے پناہ طاقت کے بل بوتے پر آزادی سے کام کرنا چاہتا ہے۔ اس کی رُوحانی

طاقتوں نے اُسے صرف ایک بات سمجھائی تھی کہ شہزاد یقیناً کسی مصیبت میں مبتلا ہو گیا ہے۔۔۔ اور اسی بات نے اُسے مجبور کر دیا تھا کہ وہ البیرہ پہنچ جائے۔

وہ البیرہ پہنچ گیا تھا اور اب شہزاد کی تلاش باقی تھی۔

بہرام کی اطلاع کے مطابق شہزاد کی آخری کال ہوٹل اسٹون وال سے آئی تھی جہاں وہ بدنام زمانہ جالن کے بھیس میں، جالن ہی کے نام سے مقیم تھا۔

اُوشان نے فیصلہ کیا کہ وہ بھی اسی ہوٹل میں قیام کرے گا اور ٹائیگر کی تلاش بھی وہیں سے شروع ہو گی۔

اس نے اپنا مختصر سا بیگ اُٹھایا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

اپنا بھُورا لبادہ ایک ہاتھ سے سنبھالے اور دوسرے ہاتھ میں بیگ لیے وہ لاؤنج کے دروازے سے نکلا اور ٹیکسی اسٹینڈ کی تلاش میں اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ اچانک اُسے ایک نوعمر جوڑا سامنے سے آتا دکھائی دیا۔

لڑکی اُسے دیکھ کر ٹھٹک گئی۔

اس نے اپنے ساتھی کی پسلیوں میں ٹھوکا لگایا۔

اُوشان نے گہری نگاہ سے ان دونوں کی طرف دیکھا لڑکی نے اپنے ساتھی کی طرف جُھک کر کچھ کہا تھا۔ آواز بے حد دھیمی تھی لیکن اُوشان نے لڑکی کے ہونٹوں کی جنبش سے اندازہ لگایا کہ وہ کیا کہہ رہی ہے۔

اُس کے ہونٹوں پر تلخ مسکراہٹ کھیل گئی۔

"دیکھو، کس قدر کمزور بُوڑھا ہے۔ تم بھی اس عمر کو پہنچ ایسے ہی ہو جاؤ گے تو میں کیا کروں گی، ڈارلنگ؟" لڑکی کے ہونٹوں کی جنبش سے مفہوم نکلا۔

اُوشان کے ذہن میں جنرل لاما کی نوجوان بیوی کا چہرہ گھوم گیا جس نے اُسے وہ طعنہ دیا تھا جسے دُنیا کا کوئی بھی مرد برداشت نہیں کر سکتا۔۔۔ اور پھر ایک ہی لمحے میں وہ منظر بھی اُوشان کے ذہن میں گردش کر گیا جب اُس نے مسز لاما کی اس غلط فہمی کو عملاً غلط ثابت کر کے اُسے باتھ رُوم میں، شاور سے نوعمر جوڑا اُس کے قریب سے گزر گیا۔

عقب سے لڑکی کا کھنکھناتا قہقہہ سُنائی دیا۔

اُوشان نے اُسے نظر انداز کر دیا۔۔۔ اور ایک ٹیکسی صرف بڑھ گیا جو اُسی لمحے آ کر پارکنگ میں رُکی تھی اور اُس سے ایک ادھیڑ عمر کا آدمی اُتر کر ادائیگی کر رہا تھا۔

ڈرائیور نے نگاہ اُٹھا کر اُوشان کی طرف دیکھا۔

انداز استفہامیہ تھا۔

"ہوٹل اسٹون وال؟" اُوشان نے کہا۔

"وہ لوگ تمہیں اندر بھی نہیں گھسنے دیں گے۔"

"کیا مطلب؟" اُوشان چونک پڑا۔

"بڑے میاں! کسی چھوٹی موٹی سرائے کا نام تو بتاؤ، تمہیں وہاں چھوڑ آتا ہُوں لیکن پہلے نوٹوں کی جھلک دکھاؤ۔" ڈرائیور نے مضحکہ خیز لہجے میں کہا۔

اُوشان کا ہاتھ آگے بڑھا اور ڈرائیور کے اُس بازو پر جم گیا جسے ڈرائیور نے کھڑکی میں رکھا ہُوا تھا۔ اس کی انگشت شہادت نے خفیف سا دباؤ ڈالا۔ پہلے تو ڈرائیور کی سمجھ میں کچھ نہ آیا اور وہ ہنسنے لگا لیکن اچانک ہی اُسے احساس ہُوا کہ اُس کا بازو مفلوج ہو چکا ہے اور وہ کوشش کے باوجود اُسے حرکت نہیں دے سکتا۔ اس کے چہرے پر زلزلے کے اثرات اُبھر آئے۔

وہ ایک مقامی آدمی تھا اور توہم پرستی اس کی گھٹی میں پڑی تھی۔ وہ حیرت، خوف اور بے یقینی سے اس بُوڑھے شخص کی طرف گھُورنے لگا جس کا چہرہ بتا رہا تھا کہ وہ اپنی طبعی عمر گزارنے کے بعد فرشتوں کی بھُول چُوک سے منافقے کے دن گزار رہا ہے۔۔۔ لیکن اُس نے انگلی کے ایک اشارے سے اُس کا بازو ناکارہ کر دیا تھا۔

"مم۔۔۔ مجھے معاف کر دو، بڑے میاں!" ڈرائیور نے لرزتی ہُوئی آواز میں کہا۔ "تمہیں دیکھتے ہی مجھے سمجھ لینا چاہیے تھا کہ تم کوئی بہت بڑے جادوگر ہو۔"

"اسٹون وال چل رہے ہو یا نہیں؟"

"ب۔۔۔ بیٹھو، بیٹھو۔۔۔ لیکن میں ایک ہاتھ سے ٹیکسی ڈرائیو نہیں کر سکتا۔" ڈرائیور نے گڑگڑاتے ہُوئے کہا۔

اُوشان کا ہاتھ ہٹ گیا۔ اُس نے ہاتھ ہٹاتے وقت وہ مخصوص رگ پھر سے ہموار کر دی تھی جس پر اُس کی انگشت شہادت نے ستم ڈھایا تھا۔ وہ عقبی دروازہ کھول کر بیٹھ گیا۔

ڈرائیور نے بدحواسی کے عالم میں ٹیکسی اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔

"آپ۔۔۔ آپ۔۔۔ کہاں سے تشریف لائے ہیں؟" اُس نے ہکلا کر پُوچھا۔

"نیویارک سے...."

"آپ، آپ... جادو...؟"

"توجہ سے گاڑی چلاؤ۔" اُوشان کا لہجہ ناخوشگوار ہوگیا۔ "تم ایک ٹیکسی ڈرائیور ہو اور تمھارا کام صرف یہ ہے کہ جو مسافر کہیں جانا چاہتے ہوں، اُنھیں منزلِ مقصود پر پہنچا کر ان سے معقول معاوضہ لے لو... لیکن تم تو مجھے ایسے نقاد لگتے ہو جسے شاید یہاں کی انتظامیہ نے غیر ملکیوں پر تبصرے کرنے کے لیے چھوڑ رکھا ہے۔"

ٹیکسی ڈرائیور خاموش ہوگیا۔

وہ بظاہر تو بڑے انہماک سے ڈرائیونگ میں مصروف لگ رہا تھا لیکن عقب نما آئینے میں اس کی نگاہ بار بار اُوشان کا جائزہ لے رہی تھی۔ اُس کی آنکھوں میں یکایک خوف کی جگہ احترام پیدا ہوگیا۔

"میں اپنے رویّے کے لیے معذرت خواہ ہوں، مقدّس باپ!"

"مقدّس بیٹے! دھیان سے گاڑی چلاؤ۔ سامنے سے ٹرک آرہا ہے۔"

ٹیکسی ڈرائیور نے بروقت سنبھالا لیا ورنہ ٹیکسی، ٹرک سے ٹکرا کر پچک گئی ہوتی۔ اس کے ہونٹ متحرک تھے۔ شاید وہ کلمۂ شکر ادا کر رہا تھا۔

"ہوٹل یہاں سے کتنے فاصلے پر ہے؟" اُوشان نے پُوچھا۔

"مزید بیس منٹ کا راستہ ہے۔"

اُوشان نے اثبات میں سر ہلایا اور اطراف میں دیکھنے لگا۔

"جناب...!" ٹیکسی ڈرائیور نے جیب سے بٹوہ نکالا۔ "میرا خیال ہے، ایک کار ہمارے پیچھے لگی ہوئی ہے۔"

"تم شاید جاسوسی ناول زیادہ پڑھتے ہو۔" اُوشان ہنس پڑا۔

"میں غلط نہیں کہہ رہا، مقدّس باپ!"

"تمھیں کیسے اندازہ ہوا؟" اُوشان نے دل چسپی لیتے ہوئے پُوچھا۔

"میں آپ کے بارے میں سوچتے ہوئے، ذہنی طور پر اتنا مصروف تھا کہ راستے کا دھیان نہ رکھ سکا اور ایک غلط موڑ سے گھوم گیا۔ اس کار کو سیدھی چلے جانا چاہیے تھا لیکن ایسا نہیں ہوا... پھر میں نے آزمانے کے لیے ٹیکسی کو دوبارہ غلط راستوں پر موڑ دیا لیکن یہ کار ابھی تک ٹیکسی کے پیچھے ہی لگی ہوئی ہے۔"

"بہت خوب۔" اُوشان نے مسکرا کر کہا۔ "تمھیں تو ٹیکسی ڈرائیور کی بجائے کوئی سُراغ رساں ہونا چاہیے تھا۔" یہ کہتے ہوئے اُوشان نے اپنی مخصوص حسیات کو کام میں لانا شروع کر دیا۔

ٹیکسی میں خوف و ہراس کے گہرے تاثرات تھے... لیکن اُوشان کی ناک موت کی بُو محسوس کرنے لگی تھی۔ اس کا دہانہ سُکڑ گیا اور آنکھیں لمحے بھر کو بند ہوگئیں۔ اس نے ٹیکسی ڈرائیور کی طرف دیکھا۔ عقب نما آئینے میں اُن کی نگاہیں چار ہوئیں تو اُوشان نے دیکھا کہ ڈرائیور کے ماتھے پر پسینے کی موٹی موٹی بوندیں نمودار ہوگئی ہیں۔

"تمھارا نام کیا ہے، مقدّس بیٹے؟"

"نگارو، جناب!"

"شادی شدہ ہو؟"

"جی ہاں! میرے تین بچے ہیں۔" ڈرائیور نے جواب دیا۔

"اوہ، پھر تو تمھیں ابھی زندہ رہنا چاہیے۔" اُوشان بڑبڑایا۔

"کک... کیا مطلب؟" ٹیکسی ڈرائیور کا ہاتھ ایک بار پھر بہک گیا۔ ٹیکسی تیزی سے لہرائی لیکن ڈرائیور نے اُسے جلد ہی سنبھال لیا۔ وہ بُری طرح ہانپنے لگا تھا۔ اس کی آنکھیں پھیل کر غیر معمولی حجم کی ہوگئیں اور اُوشان کو خوف و دہشت کی خنکی کا احساس ہونے لگا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر ڈرائیور کے کندھے پر رکھ دیا۔

ڈرائیور کا پورا جسم اس کے ہاتھ تلے کانپ گیا۔

"کسی ویران سی جگہ گاڑی روک کر مجھے اتار دو۔" اُوشان نرمی سے کہا۔ "اور پھر جتنی تیزی سے ٹیکسی چلا سکو، اسے چلاتے بھاگ جاؤ۔"

"مم... لل... لیکن میں..."

"گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ تمھیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا اور ہاں..." اُوشان نے اس کے کندھے سے ہاتھ ہٹا کر لبادے سے ایک نوٹ نکالا اور ہاتھ دوبارہ ڈرائیور کے کندھے کی طرف بڑھا دیا۔

کرنسی نوٹ ڈرائیور کے گال کو چھونے لگا۔

"اسے سنبھالتے ہوئے جانا۔ ممکن ہے، اس طرح تمھاری گاڑی قدرے معمول پر آجائیں۔" اُوشان کے لہجے میں بے پناہ مٹھاس تھی۔

"نہیں، مقدّس باپ! میں یہ نوٹ نہیں لے سکتا۔"

"اب اتنے سعادت مند بھی نہ بنو۔" اُوشان نے کہا۔ "تمھارے جذبات کا مجھے اچھی طرح اندازہ ہے۔ لے لو۔"

اس نے نوٹ سے انگلیوں کی گرفت ختم کر دی۔ وہ کی آغوش میں کسی زخمی پرندے کی طرح پھڑپھڑاتا ہوا گر گیا

نے پلٹ کر اس کار کی طرف دیکھا جس کے بارے میں ڈرائیور نے بتایا تھا۔

یہ ایک سیاہ کار تھی اور اس وقت دونوں گاڑیوں میں بیس فٹ سے زیادہ فاصلہ تھا۔ ڈرائیور نے ٹیکسی ایک طرف کر کے روک دی اور دونوں ہاتھوں سے وُہیل اسٹیرنگ تھام لیا جیسے اُسے جبڑے اکھاڑنے کے لیے زور لگانے کا ارادہ ہو۔

اُوشان کا ہاتھ دروازے کے ہینڈل پر جم گیا۔

اچانک ٹیکسی ڈرائیور کے حلق سے ڈری ڈری سی آواز نکلی۔ سیاہ کار تیزی سے قریب آئی اور پھر اُسے چلانے والی ایک حسین لڑکی نے پُوری قوت سے بریک دبا دیے۔ اس نے کار ٹیکسی کے برابر ہی روکی تھی۔

"کیا بات ہے، ٹیکسی میں کوئی خرابی پیدا ہوگئی ہے؟" لڑکی نے ہمدردی سے پُوچھا۔

اُوشان پلکیں جھپکائے بغیر لڑکی کو دیکھتا رہا۔

اُس نے ایک بار پھر اپنی حیثیت کو بروئے کار لا کر صورتِ حال کا جائزہ لیا... پھر کندھے جھٹک دیے اور لڑکی کو گھُورتے ہوئے بولا: "تمھیں ایک اسّی سالہ بوڑھے کا تعاقب کرتے ہوئے شرم آنی چاہیے تھی۔"

لڑکی نے کچھ نہ سمجھنے کے انداز میں پلکیں جھپکائیں اور پھر اس کا چہرہ غصّے سے سُرخ ہوگیا: "ہوش کے ناخن لو، حضرتِ خضر! تمھیں اس عمر میں بھی اپنے بارے میں کوئی خوش فہمی ہے۔ اگر مجھے سٹون وال کا راستہ معلوم ہوتا تو میں کبھی اس ٹیکسی کا پیچھا نہ کرتی۔"

"اوہ، تو تم میری ٹیکسی کو گائیڈ کی حیثیت سے استعمال کر رہی تھیں؟"

"اور نہیں تو کیا تم جیسے بڈھے کھوسٹ کا پیچھا کر کے اپنی عاقبت خراب کر رہی تھی۔" لڑکی نے بُرا سا منہ بنا کر کہا اور ایک جھٹکے سے کار آگے بڑھا دی۔

"پھلو پھر خوار!" اُوشان نے کھی کھی کر کے اپنے مخصوص انداز میں ہنستے ہوئے کہا: "یہ لڑکی تو عاقبت ٹھکن نکلی۔"

ڈرائیور نے اطمینان کی ایک طویل سانس لے کر ٹیکسی آگے بڑھا دی۔

اُوشان چند لمحوں کے لیے ہی غیر سنجیدہ ہُوا تھا، پھر وہ ہر متانت سے صورتِ حال پر غور کرنے لگا۔ لڑکی کے انداز سے تو یہی پتہ چلتا تھا کہ وہ ائیر پورٹ سے ہوٹل سٹون وال لینے کے لیے ٹیکسی کے پیچھے لگ گئی تھی اور جس وقت اُوشان ٹیکسی ڈرائیور کو ہوٹل چلنے کے لیے کہہ رہا تھا تو وہ کہیں آس پاس ہی موجود تھی... لیکن اُوشان نے اُسے نہیں دیکھا تھا تاہم اُس نے ٹیکسی ڈرائیور سے تصدیق کر لینی چاہی۔

"اس عاقبت ٹھکن لڑکی کو ائیر پورٹ پر دیکھا تھا؟"

"میرا خیال ہے، یہ اس وقت آپ کے پیچھے سے مُڑی تھی..."

"ناممکن... ذہن پر زور دے کر سوچو۔" اُوشان نے اصرار کیا۔

"میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔" ٹیکسی ڈرائیور نے بے چینی سے کہا۔

"جو کچھ بھی کہو ہمیشہ یقین سے کہا کرو۔"

"بہت بہتر مقدّس باپ!"

اُوشان حیران تھا کہ ان نے موت کی جو بُو محسوس کی تھی اس کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔ یہ احساس بلاوجہ تو نہیں ہُوا ہوگا۔ کوئی نہ کوئی وجہ ضرور موجود تھی۔ پھر وہ چونک کر ڈرائیور سے مخاطب ہُوا۔ "سچ بتانا، کچھ دیر پہلے تم اپنی موت کے بارے میں بھی سوچ رہے تھے؟"

ٹیکسی ڈرائیور نے نگاہ اُٹھا کر عقب نما آئینے میں اُوشان کا عکس دیکھا۔ دونوں کی نگاہیں چار ہوئیں۔ ڈرائیور کی آنکھوں اور چہرے سے شدید حیرت ظاہر ہو رہی تھی۔ "آپ کو کیسے معلوم ہُوا مقدّس باپ؟" ڈرائیور کی تحیّر زدہ آواز سُنائی دی۔

"میری بات کا جواب دو۔"

"جی ہاں، میں خوف زدہ ہو کر سوچ رہا تھا کہ شاید آپ مجھے ہلاک کر دینا چاہتے ہیں یا پھر عقب سے آنے والی کار میں آپ کے ایسے دُشمن سوار ہیں جو آپ کے ساتھ ساتھ مجھے بھی قتل کر دیں گے۔"

"احمق..." اُوشان نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔

"لیکن آپ کو کیسے معلوم ہُوا کہ میں کوئی ایسی بات سوچ رہا ہوں؟" ڈرائیور کے لہجے میں اب بھی حیرت تھی۔ "میں اس دوران میں بڑبڑاتا بھی نہیں رہا جس سے..."

"بھول جاؤ، ان باتوں کو... اور الٹے سیدھے خدشات سے اپنے ذہن کو ہمیشہ پاک رکھنے کی کوشش کیا کرو۔ بے بنیاد خدشات بے حد مہلک ہوتے ہیں۔"

ڈرائیور خاموشی سے ٹیکسی چلاتا رہا۔

ہوٹل سٹون وال کی پُرشکوہ عمارت کے سامنے ٹیکسی رُکی تو ڈرائیور کسی غلام کی طرح مستعدی سے اُترا۔ اُس نے اُوشان کے لیے عقبی دروازہ کھولا اور مؤدّب ایک طرف کھڑا ہوگیا۔

اُدخان ٹیکسی سے اُتر اتر ہوٹل کا ایک ملازم دوڑا دوڑا آیا۔

اس نے اُدخان کو خوش آمدید کہا اور اس کے ہاتھ سے بیگ لے لیا۔

اُدخان، ٹیکسی ڈرائیور کی طرف دیکھ کر اثبات میں سر ہلاتا ہُوا آگے بڑھا۔۔۔ پھر دو قدم چلنے کے بعد پلٹ کر بولا "موت کو ہمیشہ یاد رکھو۔ یہ آتی ضرور ہے۔۔۔ لیکن اسے کبھی آنے کی دعوت نہیں دینی چاہیے۔ جاؤ، خُدا تمہارا نگہبان ہو۔"

ٹیکسی ڈرائیور کے دانت نکل پڑے۔ وہ اس وقت بے حد مسکرُالمزاج لگ رہا تھا۔ اس توہم پرست احمق نے اُدخان کو نہ جانے کیا سمجھ لیا تھا کہ اسکے آخری بول سُن کر وہ خوشی سے جھوم اُٹھا تھا۔

اُدخان، اسٹون وال کے استقبالیے پر پہنچ گیا۔

**

شہزاد واپس اپنے ہوٹل آیا تو رات ہو چکی تھی۔

وہ اُس شاندار گاڑی میں آیا تھا جو نیراف نے اس کے حوالے کر دی تھی۔ نیراف کے تحفے سے ہوٹل تک اُسے کسی ادارے سے دو چار نہیں ہونا پڑا۔۔۔ پھر اس سے بڑے کسی حادثے کی توقع بھی نہیں تھی کہ وہ بیٹھے بٹھائے اپنا ماضی ہی گُم کر چکا ہے۔

"کتنی عجیب بات ہے؟ آدمی اطمینان سے سو جائے اور جب اُس کی آنکھ کھُلے تو سب کچھ بھُول چکا ہو۔ ماضی کہیں کھو چکا ہو، حال بے یقینی کا صحرا بن گیا ہو اور مستقبل کے بارے میں کچھ سوچنا ہی محال ہو گیا ہو۔۔۔ پھر ایسی حالت میں سب سے بڑا ذہنی صدمہ یہ بھی ہے کہ کچھ دیر کی بے ہوشی کے بعد اُٹھتے ہی آدمی اپنے آپ کو ایک خوف ناک قاتل کے رُوپ میں پائے۔"

شہزاد نے ایک طویل سانس لی اور کار روک دی۔

ہوٹل اسٹون وال کے سامنے کار میں بیٹھے بیٹھے، اس نے دونوں کہنیاں اسٹیئرنگ پر جما کر سر تھام لیا۔ اس کے ذہن میں دو نام گھُوم رہے تھے۔

اُدخان۔۔۔ اور۔۔۔ فہزاد

ان دونوں کو اُسے قتل کرنا تھا۔

"کتنی احمقانہ بات ہے۔" وہ بڑبڑایا۔ "میں ان دونوں کو نہیں جانتا لیکن مجھے کسی کے اشارے پر انھیں قتل کرنا ہے؟"

یہ شاید وہ رُوحانی قوت کام کر رہی تھی جو جبلی طاقت کے ساتھ ساتھ اُدخان نے اس کے اندر پیدا کر دی تھی۔ یہ رُوحانی طاقت اُسے بار بار بے چین کر دیتی تھی۔ شہزاد نے ونڈ اسکرین سے آسمان کی طرف دیکھا۔ آسمان اپنی ان گنت چمک دار آنکھوں کو جھپکا جھپکا کر اُس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

ٹھٹھرا دینے والی ہوائیں چل رہی تھیں۔

"میں کون ہوں۔۔۔ کہاں سے آیا ہوں اور یہاں کیا کر رہا ہوں؟" شہزاد نے جھنجلا کر سوچا۔ "کہیں ایسا تو نہیں کہ میں فلو پر ہوں؟"

وہ سرخ رہا تھا کہ اب تک کے حالات سے یہ بات کھل کر سامنے آگئی ہے کہ اس کا نام ایک معروف اور سفاک قاتل کی حیثیت سے لیا جاتا ہے۔ اس سے تو یہی ثابت ہوتا تھا کہ وہ ایک قاتل ہی ہے۔ پیشہ ور قاتل۔

"لیکن میں قتل کرنے کے طریقوں سے ناواقف ہوں۔" وہ بڑبڑایا۔ اس کے ساتھ ہی دو پسکر، سیاہ فام خواجہ سرا کا خاکہ اس کی نگاہوں میں گھُوم گیا اور اس کی گرفت اپنے سر پر بڑھ گئی۔ اس کی انگلیوں نے بالوں کو جکڑ لیا۔۔۔ اور وہ اُنھیں زور زور سے کھینچنے لگا۔

"اگر میں قاتل نہیں ہُوں تو اس عظیم الجثہ شخص کو اتنی آسانی سے ہلاک کرنے میں کیسے کامیاب ہو گیا؟ اس کے مہلک حملوں سے خود کو کیسے بچا لیا؟"

سب کچھ ناقابلِ فہم تھا۔

ہر چیز بے یقینی میں لپٹی ہوئی تھی۔

صرف یہ واضح تھا کہ وہ ایک پیشہ ور قاتل ہے اور اُس نے دو آدمیوں کو قتل کرنا ہے ان میں سے ایک کا نام شہزاد ہے۔ دوسرے کا نام اُدخان! یہ اُدخان بھی کتنا عجیب نام ہے۔

اس نے سوچا۔ نیراف نے اُسے بتایا کہ وہ کوئی بوڑھا آدمی ہے۔

کوئی ایسی طاقت اس میں موجود ہے، جسے وہ بھُول رہا ہے لیکن وہ طاقت چونکہ موجود ہے، اس لیے وہ کام کر رہی ہے اور یہی طاقت تھی جس نے نیمو جیسے گرانڈیل خواجہ سرا کو ہلاک کر دیا۔ یہ طاقت اُس کی تابع نہیں رہی لیکن جب ضرورت پڑتی ہے یہ خود بخود عود کر آتی ہے اور وہ اس طاقت کے زیرِ اثر وہ کر گزرتا ہے، جسے اس کا شعور قبول نہیں کرتا۔

اس نے سر سے ہاتھ ہٹا لیے۔

"ٹھیک ہے۔" وہ خُود کلامی کے انداز میں بولا۔ "ان

کے بارے میں پتہ چلا ہے کہ ایک ابھی یہاں نہیں پہنچا اُسے یہاں آنے میں دو ایک روز لگ جائیں گے اس وقت تک میں اپنے بارے میں کافی حد تک جان لُوں گا۔ میں اپنی ذہنی حالت اور شعوری کیفیت پر قابو پا لینے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔ میری صلاحیتیں، میرے شعور کے تابع ہو جائیں گی، وہ یہ سوچتے ہُوئے خود بخود مسکرا دیا۔

دو ایجنٹ اس کے ہاتھوں ہلاک ہونے والے تھے۔

۔۔۔ پھر اُس کے ذہن میں وہ حسین پیکر گھُوم گیا جو اسٹون وال میں آنکھ کھولتے ہی اُسے دکھائی دیا تھا۔ شہزاد کو یاد آیا کہ نیراف نے اس لڑکی کو قتل کرنے کے لیے نیمو کو بھیجا تھا۔ گویا میگی بھی ایک ایجنٹ ہے۔۔۔ اور وہ گولی جو اس کی کنپٹی پر لگی تھی، وہ درحقیقت اُسی لڑکی کے لیے چلائی گئی تھی۔

پہلی بار ایک عجیب سا منظر اُس کے ذہن کے کسی گوشے میں لمحے بھر کو اُجاگر ہُوا اور پھر غائب ہو گیا۔ شہزاد کے ہاتھ ایک بار پھر اسٹیئرنگ پر جم گئے۔

"یہ کیسا منظر تھا؟" وہ حیرت سے بڑبڑایا۔

اس نے صرف ایک لمحے کے لیے دیکھا تھا کہ ایک سیاہ کار تیزی سے دوڑ رہی ہے اور اُس کی عقبی کھڑکی سے شین گن کی خوف ناک نال جھلک رہی ہے۔ اس سیاہ نال کے پیچھے ایک بالوں سے بھرا ہوا سیاہ ہاتھ تھا۔ شہزاد کے ذہن سے یہ ہاتھ چپک کر رہ گیا۔ اُس نے ایک طویل سانس لی۔ یہ سیاہ فام خواجہ سرا نیمو کا ہاتھ تھا۔

اُسے ہوش میں آنے کے بعد سے اب تک پہلی بار بے ہوشی سے پہلے کا ایک منظر دکھائی دیا تھا اور اس منظر نے اُس کی سوچوں میں طوفانی لہریں سی پیدا کر دی تھیں۔

"وہ پاگل وجہ ہی میرا دُشمن نہیں ہو گیا تھا۔" شہزاد بڑبڑایا۔ "میری ہی وجہ سے اس کا نشانہ خطا گیا تھا۔ اُسے لڑکی کو قتل کرنے میں ناکامی جُو ملی تھی۔۔۔ ایک بار نہیں، دو مرتبہ۔۔۔ پہلی بار وہ اُسے گولیوں کی زد سے بچا گیا اور دوسری بار ہوٹل کے کمرے میں بمر کے ہاتھوں سے محفوظ کر لیا۔"

وہ یکایک بے حد خوش ہو گیا۔

ماضی قریب کا ایک منظر اُس کے ذہن میں گھوم گیا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ جلد ہی ماضیٔ بعید کے مناظر بھی دیکھنے لگے گا۔ لیکن فی الحال اس ایک منظر کے عقب میں تاریکی اور گمنامی کا اندھیرا پھیلا ہُوا تھا۔

اس نے کار کا دروازہ کھولا اور نیچے اُتر آیا۔

کار سڑک ہی پر چھوڑ کر وہ زینے کی طرف بڑھ گیا۔ اس نے کار کو مقفل کرنے کی بھی ضرورت نہیں محسوس کی تھی۔ اچانک اُسے ٹھٹک جانا پڑا۔

عقب سے سیٹی سُنائی دی تھی۔

شہزاد نے پلٹ کر دیکھا۔

ایک باوردی پولیس مین کھڑا اُنگلی کے اشارے سے اُسے اپنی طرف بُلا رہا تھا۔ شہزاد جہاں تھا، وہیں کھڑا رہا۔ "کیا بات ہے؟" اس نے وہیں کھڑے کھڑے پُوچھا۔

"یہ کار کس کی ہے؟" پولیس مین نے سوال کیا۔

"نیراف۔۔۔" شہزاد نے کہا۔ "کوئی خاص بات؟"

"اوہ، نہیں جناب۔" پولیس مین نے جلدی سے کہا۔ "بہت بہتر جناب! میں صرف معلوم کرنا چاہتا تھا۔"

"اب جب معلوم ہو گیا ہے تو اس پر نگاہ بھی رکھنا۔ میں نے اُسے مقفل نہیں کیا۔" شہزاد نے پلٹتے ہُوئے کہا۔ اس نے پولیس مین کا جواب بھی عقب ہی سے سُنا تھا۔ "بہت بہتر جناب!"

شہزاد نے اس معمولی سے واقعے کے بعد شدت سے محسوس کیا کہ نیراف کی شخصیت الجیریا میں کافی اہمیت کی حامل ہے۔ اُسے یُوں محسوس ہُوا تھا جیسے اس نے نیراف کی بجائے اس مُلک کے صدر کا نام لیا ہو۔ اس نے کندھے اُچکائے۔ ٹھیک ہی تو ہے۔ اب نیراف ہی اس ملک کا صدر ہو گا۔۔۔ وہ مُلک جہاں پوری دُنیا کے جرائم پیشہ لوگ جمع ہوں گے اور جہاں دُنیا میں پہلی مجرد نرآبادی تو۔۔۔ گی۔

وہ ہوٹل کی ۔۔۔ میں داخل ہُوا۔

اُس نے استقبالیے کی طرف دیکھا۔

وہاں لڑکیوں کی قطار لگی ہُوئی تھی۔ سب رنگ استقبالیہ کلرک کو گھُور رہے تھے۔ وہ ایک ہنس مُکھ لڑکی تھی۔ اس کے ہونٹ اُدھ کھلی گلاب کی کلی کی طرح نیم وا تھے اور ان پر تبسم کا سُرور تیر رہا تھا۔ قطار میں کھڑے آدمی، ایک دُوسرے سے باتوں میں بھی مصروف تھے۔ ان باتوں سے عجیب سی بھنبھناہٹ لابی میں پھیلی ہُوئی تھی۔

معاً شہزاد کی نگاہ دو آدمیوں پر پڑی۔

یہ دونوں، رجسٹریشن کے لیے منتظر لوگوں سے ہٹ کر، کاؤنٹر پر کہنیاں جمائے کھڑے تھے۔ انھوں نے ہلکے رنگوں کے سوٹ پہن رکھے تھے لیکن چہرے تنے ہُوئے اور ان سے اُن دونوں

کی خدمت جھلک رہی تھی۔

شہزاد کی نگاہ باری باری ان دونوں کا طواف کرنے لگی۔

اُن کی بغلوں میں جو اُبھار نظر آ رہے تھے، اُن سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ بغلی ہولسٹر پہنے ہوئے ہیں۔ ہولسٹروں میں بھاری بھرکم ریوالور بھی موجود تھے... اور ان ریوالوروں سے اُن کے پیشے کا اندازہ ہوتا تھا۔ وہ قاتل تھے۔

شہزاد... نے لابی میں پڑی ہوئی کرسیوں کی طرف دیکھا۔ اُن پر بھی آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ ایسے آدمی جن کے چہروں پر دل کی تاریخ اور جغرافیہ پوری تفصیل سے لکھا ہوا تھا ان میں ایک بھی ایسا چہرہ دکھائی نہیں دیا، جسے عام انسانی چہرہ کہا جاسکے۔ کیوں لگتا تھا جیسے جنگل کے درندے بھیس بدل بدل کر انسانی جسموں میں یہاں آ بیٹھے ہوں۔

یقیناً یہ وہی جرائم پیشہ لوگ ہیں جو کسی نہ کسی ملک کے قانون کو مطلوب ہیں اور وہ اپنے اپنے ملک سے فرار ہو کر یہاں آ گئے ہیں تاکہ نیمراف کو مجرموں کا ملک بنانے میں بھرپور مدد دے سکیں۔ شہزاد خاموش کھڑا ایک ایک چہرے کا جائزہ لے رہا تھا۔ اُس کی یہ حرکت معیوب بھی جاسکتی تھی لیکن وہ ان چہروں میں کسی شناسا چہرے کو تلاش کر رہا تھا۔ کوئی ایسا چہرہ جو اس کے ماضی سے تعلق رکھتا ہو... اور جسے دیکھ کر اُسے اپنا ماضی یاد آجائے۔

ان لوگوں نے بھی غالباً اُس کی ٹٹولتی ہوئی نظروں کو محسوس کر لیا تھا۔

سب جوابا اُسے گھورنے لگے۔

شہزاد کی نگاہ ایک شخص پر جم گئی۔

اس کے ماتھے پر پسینے کی بوندیں چمک رہی تھیں۔

وہ شہزاد کی طرف ایسی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا جیسے اُسے اپنی آنکھوں پر یقین نہ آ رہا ہو۔ "یہ شخص یقیناً مجھے جانتا ہے۔" شہزاد نے سوچا۔ اس نے انگلی کے اشارے سے اُس شخص کو اپنی طرف بُلایا۔

ایک لمحے کے لیے اس شخص کے انداز میں ہچکچاہٹ نظر آئی... پھر وہ اُٹھا اور اس انداز میں شہزاد کی طرف بڑھنے لگا۔ جیسے تنویمی اثر کے تحت حرکت کر رہا ہو۔ اس کی آنکھیں پھیل کر غیر معمولی دکھائی دینے لگی تھیں۔

وہ بار بار تھوک نگل رہا تھا۔

قریب آکر اُس نے سرگوشی کی "مجھے افسوس ہے!"

شہزاد نے مصافحے کے لیے ہاتھ آگے بڑھا دیا۔ اس کا ہاتھ اپنے پہلو میں رہا جیسے وہ اس سے مصافحہ نہ کرنا چاہتا ہو۔

شہزاد نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ یوں لگا۔ ہاں، وہ شخص بے حد خوف زدہ ہے۔

اس کا چہرہ زرد ہو رہا تھا۔

آنکھوں میں دہشت ناچ رہی تھی۔

اس کے ہونٹ ہلکے ہلکے کانپ رہے تھے۔

"کک... کیا تم نے مجھے معاف کر دیا ہے، جالنس؟" اس نے خوف سے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔ وہ بے یقینی سے ہاتھ کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو دیکھ رہا تھا۔ "کک... کیا واقعی تم نے مجھے معاف کر دیا ہے؟"

"اگر میرا ہاتھ مزید دو لمحوں تک اسی طرح اُٹھا رہا تو میں، تمھیں کبھی معاف نہ کروں۔" شہزاد نے لہجے کو بے حد خوفناک بناتے ہوئے کہا۔

بالکل میکانکی انداز میں اس شخص کا ہاتھ آگے بڑھا۔ شہزاد نے اس کا ہاتھ تھام کر زبردستی کا مصافحہ کیا۔ "کب آئے ہو؟" اُس نے عام سا سوال کیا۔

"ابھی ابھی پہنچا ہوں۔" اُس نے تھوک نگل کر کہا۔ "لیکن..."

"سب کچھ بھول جاؤ۔" شہزاد نے جواب دیا۔

وہ سمجھ گیا تھا کہ جالنس اس شخص کے خون کا پیاسا رہا ہے جبھی تو اُسے یقین نہیں آ رہا کہ جالنس اس کی طرف دوستی کا ہاتھ بھی بڑھا سکتا ہے۔ وہ حیران تھا کہ جالنس اور اس شخص کے درمیان کیا جھگڑا رہا ہوگا؟

"مجھے حیرت ہے! شدید حیرت!" وہ کہہ رہا تھا۔ "میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ جالنس کبھی جاگر کو معاف بھی کر سکتا ہے۔"

"یہاں نئی زندگی کا آغاز کرنے آئے ہو؟"

"ہاں... لیکن میری نئی زندگی تمھاری مرہونِ منت ہوگی۔" اس کے لہجے میں بے پناہ عاجزی آگئی تھی۔ "تم نے مجھے معاف دیا تو میں اسی کو نئی زندگی سمجھوں گا۔ یقین کرو، جالنس اس لڑکی کے قتل میں میرا کوئی قصور نہیں تھا۔"

"تو پھر اُس نے خودکشی کر لی ہوگی۔"

"نہیں، اُسے میں نے ہی مارا تھا لیکن کاش! مجھے پہلے معلوم ہو جاتا کہ تم اُسے پسند کرنے لگے ہو۔"

شہزاد نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ بات بڑی حد تک صاف ہو گئی تھی۔ اس شخص کا نام جاگر تھا۔ اس نے کسی ایسی لڑکی کو قتل کر دیا تھا جسے جالنس پسند کرتا تھا۔ اس کے بعد غالباً جالنس اُسے ڈھونڈتا رہا ہوگا اور شاید اس نے یہ قسم بھی کھائی ہوگی کہ وہ جاگر کو زندہ نہیں چھوڑے گا۔

"اگر میں یہ کہوں کہ میں سب کچھ بھول چکا ہوں تو...؟"

شہزاد نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

"تو پھر میں اس کا پلیٹ پر خوشیوں کا چراغاں کر دوں گا۔"

"تمھیں ماضی کو بھول جانا چاہیے۔" شہزاد نے کہا۔ وہ اب تک جو دو معانی باتیں کرتا رہا تھا جنھیں اپنے حالات پر فٹ کر کے جاگر نامی شخص خود ہی جواب بھی دیتا جا رہا تھا۔ "میں بھی سب کچھ بھول چکا ہوں۔"

"سچ... کیا واقعی؟" وہ اُچھل پڑا۔

"ہاں۔ کیا تمھیں یقین نہیں آ رہا؟"

"یہ اس صدی کا سب سے بڑا واقعہ ہے۔" وہ بے چینی سے ہاتھ ملتے ہوئے بولا۔ "اس کے لیے میں نیمراف کا شکریہ ادا کروں گا۔"

"میں نے تمھیں، نیمراف کے کہنے پر معاف نہیں کیا۔"

"پھر... پھر...؟"

"اس کی کچھ ذاتی وجوہ ہیں۔"

"بہرحال، جالنس! مجھے خوشی ہے کہ میری طرف سے تمھارا ذہن صاف ہو گیا اور تم نے مجھے معاف بھی کر دیا۔"

"تم نے کمرہ حاصل کر لیا؟"

"ابھی نہیں۔ قطار بہت لمبی تھی اس لیے انتظار میں بیٹھ گیا تھا۔"

"کمرہ حاصل کر کے مجھے فون کرنا۔" شہزاد نے اپنے کمرے کا نمبر بتا دیا۔ "اور یاد رکھو! میں دوسری بار کسی کو معاف نہیں کیا کرتا۔"

"الجیریا کی سرزمین واقعی باکمال ہے۔" وہ زیرِلب بولا اور گرم جوشی سے مصافحہ کر کے واپس اُسی سیٹ کی طرف چل دیا جس سے اُٹھ کر آیا تھا۔

شہزاد اُسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔

وہ شخص چہرے سے ایک خونخوار قاتل لگتا تھا۔ اس کی آنکھوں سے بے رحمی جھلکتی تھی لیکن وہ اس کے سامنے بھیگی بلی بن گیا تھا۔ شہزاد سوچ رہا تھا کہ کیا وہ واقعی جالنس ہی ہے۔ وہ جالنس جس کے سامنے آنے سے جاگر جیسے درندے بھی کانپتے ہیں؟

اچانک دروازے کی طرف سے تیز آوازیں اُبھرنے لگیں۔

شہزاد نے چونک کر اُدھر دیکھا۔

دو، درشت چہروں والے آدمی ایک دوسرے سے چند قدم کے فاصلے پر کھڑے گرما گرم بول رہے تھے۔ ان کی آنکھوں میں ایک دوسرے کے لیے خون کی پیاس تھی اور وہ یوں ایک دوسرے کو گھور رہے تھے جیسے جس کسی کو بھی موقع ملا، وہ اپنے حریف کو چیر پھاڑ کر رکھ دے گا۔

ان کا انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ ایک دوسرے کو الزام دے رہے ہوں۔ شہزاد اس صورتِ حال پر دل ہی دل میں مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔ دنیا بھر کے جرائم پیشہ افراد کا کسی ملک میں یوں رہنا واقعی بے حد خطرناک تھا۔ یہاں ایک دوسرے کے خون کے پیاسے بھی آ رہے تھے۔ کسی کو اپنا دشمن تلاش کرنے کے لیے مارے مارے نہیں پھرنا پڑے گا۔ سب یہیں مل جائیں گے اور پھر ایسے ہی مناظر دیکھنے کو ملیں گے۔

معاً ایک نے جیب میں ہاتھ ڈالا۔

اگلے ہی لمحے اس کی مٹھی میں کوئی چیز دبی نظر آئی۔

اس نے مٹھی میں دبی ہوئی چیز کو جھٹکا دیا۔ ہوٹل کی لابی میں تیز روشنی کے بلب لگے ہوئے تھے۔ اس روشنی میں چاقو کا پھل چمکنے لگا۔

لابی میں موجود لوگوں میں سے کسی نے ان دونوں کی طرف زیادہ توجہ نہیں دی۔ سب کا انداز ایسا ہی تھا جیسے انھیں کسی دوسرے کے معاملے سے کوئی دلچسپی نہ ہو۔ شہزاد نے سب پر طائرانہ نگاہ ڈالی اور وہیں کھڑے کھڑے اُن دونوں کی طرف متوجہ ہو گیا جو نہ جانے کس ملک سے نیمراف کی دعوت پر آئے تھے اور الجیریا کی سرزمین پر اُن دو دشمنوں کا آمنا سامنا ہو گیا تھا۔

جس شخص نے چاقو نکالا تھا، وہ جارحانہ انداز میں چاقو والے ہاتھ کو گردش دے رہا تھا۔ اس کی آنکھیں اپنے حریف پر جمی ہوئی تھیں اور وہ آہستہ آہستہ، رینگنے کے انداز میں آگے بڑھ رہا تھا۔

نہتا شخص بھی بے حد غصے میں تھا۔ وہ پلکیں تک نہیں جھپکا رہا تھا اور اُس کی سانپ جیسی گول گول سیاہ آنکھیں چاقو

بدست و خمن پر جمی ہوئی تھیں۔ اس کے چہرے پر گھبراہٹ کا ہلکا سا بھی تاثر نہیں تھا۔ یوں محسوس ہوا جیسے اُسے چاقو کی کوئی پروا ہی نہ ہو۔

اچانک کاؤنٹر پر بیٹھی ہوئی لڑکی چیخ پڑی۔

شاید اس کی نگاہ ان دونوں پر اب پڑی تھی۔

"کوئی انہیں روکے۔ یہ کیا ہو رہا ہے یہ کاؤنٹر کلرک حیرت اور خوف سے لابی میں موجود لوگوں کی طرف دیکھ رہی تھی۔ جن میں سے کوئی ایک بھی ان دونوں میں بیچ بچاؤ پر آمادہ نہیں نظر آ رہا تھا۔ "تم کیسے بے حس لوگ ہو۔" حسین لڑکی ہذیانی لہجے میں کہہ رہی تھی۔ "اس سے چاقو چھین لو ورنہ یہ اُس شخص کو قتل کر دے گا۔ پلیز کوئی اسے روکے یو"

یہ ایک حسین لڑکی کی استدعا ہی تھی جس نے بعض لوگوں کو جھنجوڑ کر رکھ دیا تھا ورنہ ان میں سے کسی کو بھی اُن دونوں کی زندگی سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ شاید یہ چند آدمی لڑکی کا دل جیتنے کے لیے، چاقو بدست آدمی کو روکنے کی خواہش میں مبتلا ہو گئے تھے۔

"رُک جاؤ۔" ایک نے دھاڑ کر کہا۔

"چاقو پھینک دو۔" دوسرے کی گھبراہٹ اُبھری۔

"اے تم ادھر آ جاؤ۔ زیادہ سیر و مت بنو ورنہ تمہاری انتیں نکال کر تمہارے ہاتھ میں تھما دے گا۔" تیسری آواز نہتے آدمی سے مخاطب تھی۔ وہ اپنی بات پر خود ہی کھل کھلا کر ہنس دیا جیسے اُس نے کوئی بے حد دل چسپ بات کی تھی اور اُسے خود ہی بے حد لطف آیا تھا۔

اس کی ہنسی میں کسی نے شرکت نہیں کی۔

وہ دوسرے ہی لمحے کھسیا کر خاموش ہو گیا۔

دروازے کے قریب، ایک دوسرے کی موت کے خواہاں، دونوں آدمی اب بھی ایک دوسرے کو پھاڑ کھانے والی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ اُن کے انداز سے پتہ چلتا تھا کہ اُنھوں نے سمجھانے اور للکارنے والوں کو سرے سے کوئی اہمیت ہی نہیں دی ہے۔ چاقو بدست، اپنے حریف کی طرف بڑھ رہا تھا۔

اچانک کرسیوں سے اُٹھنے والوں میں سے ایک تیزی سے آگے بڑھا اور دونوں کے درمیان حائل ہو گیا۔

"چاقو پھینک دو، دوست!" اس نے کہا۔

"سامنے سے ہٹ جاؤ۔" اس نے مداخلت کرنے والے کو عقب سے حکم دیا۔

جس شخص نے اُن کے درمیان حائل ہو کر معاملہ کو سلجھانے کی کوشش کی تھی، اس نے کندھے کے اُوپر سے عقب اور ریوالور پر نگاہ پڑتے ہی اس کے صلح صفائی کرانے پر اُتر آیا تھا۔

اُس نے بے چارگی سے کندھے اُچکائے اور سامنے سے ہٹ جانا چاہا لیکن اس سے ایک خطا سرزد ہو گئی تھی جس کی وجہ سے چاقو بدست کے حریف کو ریوالور نکالنے کا موقع مل گیا تھا اس لیے چاقو والا اُس کا بھی دشمن ہو گیا۔

شہزاد خاموش تماشائی بنا دیکھتا رہا۔

دفعتاً چاقو والے نے بڑھ کر ہاتھ مارا۔

اس سے پہلے کہ صلح صفائی کرنے والا کچھ سمجھتا کی پسلیوں میں اُتر گیا۔ اس کے حلق سے ایک گھٹی گھٹی گئی۔ چاقو بدست نے بڑی پھرتی سے بڑھ کر اُسے وہ اس کی آڑ لے چکا تھا لیکن ریوالور نکالنے میں کا ہو جانے والا حریف اس موقعے کو ہاتھ سے نہیں جانے چاہتا تھا۔ اس نے ٹرائیگر دبا دیا۔ اُسی لمحے چاقو بد قوسی حالت میں گھوما۔

چاقو اُس کے ہاتھ سے نکل گیا۔

ریوالور کی نال سے نکلنے والی گولی صلح صفائی کر کے لگی اور اس کا جسم چیرتی ہوئی، اپنی منزل پر پہنچ گ منزل، چاقو بدست کا پیٹ تھی۔ وہ یوں پیچھے ہٹا جیسے چاقو کے ہلکے وار سہنے کے بعد، مداخلت کرنے وا لاش نے اُسے بُرے دھکیل دیا ہو۔

وہ پیٹ سنبھالے کئی قدم پیچھے ہٹتا چلا گیا۔

شہزاد نے اُس شخص کی طرف دیکھا جس نے گولی اس پر چاقو پھینکا گیا تھا۔ شاید اُسے توقع نہیں تھی کہ حریف گولی کھا کر بھی کامیاب نشانہ لگائے گا۔ اسی دھ اب وہ اُس خنجر کو گھور رہا تھا جو اس کے نرخرے میں ہو گیا تھا۔

اُس کے ہاتھ سے ریوالور گر گیا۔

کاؤنٹر پر بیٹھی ہوئی لڑکی کے حلق سے، بیک وقت لاشیں دیکھ کر ایک بھیانک چیخ نکل گئی۔ شہزاد نے پلٹ کی طرف دیکھا۔ لڑکی کاؤنٹر سے ٹکی بیٹھی تھی لیکن اس کا چہرہ دہشت کی نادر تصویر بن گیا تھا۔ خوف دہر اس کے

چہرے پر منجمد ہو کر رہ گئے تھے اور اس کی آنکھیں پھٹ

ے میں گولی کھانے والا تڑپ رہا تھا۔

کے حلق میں چاقو پیوست ہوا، اُس کی لاش بھی تڑپ

اور وہ، جس نے ان دونوں کو روکنے کی کوشش کی ے درمیان ساکت پڑا تھا۔ دونوں زخم مہلک تھے اور وہ بری ٹھنڈا ہو گیا تھا۔ شہزاد نے کن انکھیوں سے جاگر یکھا۔

ی اس کی جانب ہی دیکھ رہا تھا۔

اد کے ہونٹوں پر ایک بے ساختہ مسکراہٹ آ گئی۔

جھ گیا کہ جاگر اس وقت کیا سوچ رہا ہو گا۔ یقیناً اس ایہ خیال گردش کر رہا تھا کہ اگر جانس اُسے معاف س وقت اُس کی لاش بھی اسی طرح فرش پر پڑی ہوتی۔

، حد خطرناک صورت حال ہے۔ شہزاد نے سوچا۔ نہ نے اس سلسلے میں کیا سوچا ہے۔ جرائم پیشہ لوگ حکومت قائم کر لیں گے لیکن وہ حکومت کس پر کریں اور بڑی مچھلی والا ہی معاملہ رہے گا تو آئے دن ناظر دیکھنے کو ملا کریں گے اور چند ہی دنوں میں تمام ں، جرائم پیشہ لوگوں کے اس سندر سے ختم ہو کیا ہو گا؟ کیا بڑی مچھلیاں ایک دوسرے پر جھپٹ ایسا ہوا تو الجیریا جہنم بن جائے گا؟

دنے کندھے اُچکا دیے۔

ل مجھے اس جہنم کی فکر نہیں ہونی چاہیے جو ابھی تیار نہیں

ف اپنے حال اور مستقبل کے صحرا کا جائزہ لینا چاہیے ی کی یادوں کا ایک بھی سائے دار درخت نہیں ہے ندگی کے ریگ زار میں آیندہ کا سفر کیسے طے ہو گا؟

لے شہزاد کے ذہن میں ایک جما کا سا ہوا۔

امانی قریب کا ایک منظر اپنی جھلک دکھا کر غائب ب گیا۔

نے کچھ دیر قبل کاریں بیٹھے بیٹھے دیکھا تھا۔

دھے اُچکاتا اور سر جھٹکتا ہوا لفٹ کے بجائے طرف بڑھ گیا۔ دُور کہیں سے پولیس کار کا سائرن سنائی دے رہا تھا۔ لابی میں پیش آنے والے واقعے نے اُسے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اُسے ایک احساس خاص طور سے ہوا کہ خود اُس کی زندگی بھی شدید خطرے میں ہے۔ ممکن ہے، اُس کے کئی دشمن ہوں۔۔۔ ضروری تو نہیں کہ ہر کوئی جاگر کی طرح بزدل اور خوف زدہ ہی ثابت ہو۔ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ کوئی اپنی زندگی محفوظ رکھنے کے لیے احتیاطاً اُسے ہی ٹھکانے لگا دے۔ اس لیے ضروری ہے کہ کسی کو اپنی احتیاط کا تقاضا پورا کرنے کا موقع دینے سے پہلے ذاتی احتیاط کو ملحوظ رکھا جائے۔

سیڑھیاں چڑھتے وقت وہ غیر ارادی طور پر دوڑنے لگا۔

اس کے پنجے زینوں پر معمول سے جھکتے اور وہ اُوپر چڑھتا چلا گیا۔ اُسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اُس کے پیروں کے نیچے پر لگ گئے ہوں۔ وہ اپنی اس خصوصیت پر خوش ہونے کے ساتھ ساتھ حیرت زدہ بھی تھا۔

زینے خالی تھے، ورنہ لوگ اس انداز میں اُسے سیڑھیاں چڑھتے دیکھ کر یقیناً ٹھٹک جاتے۔ شہزاد جلد ہی اپنے فلور کی راہ داری میں پہنچ گیا۔ اُس نے محسوس کیا کہ لمحوں ہی میں اُس نے اُن گنت سیڑھیاں طے کی ہیں لیکن اس کی سانس ذرا سی بھی... بے ترتیب نہیں ہوئی۔

وہ راہ داری میں اسی مخصوص چال سے آگے بڑھنے لگا۔

اس کے پیروں سے ذرا سی بھی آہٹ پیدا نہیں ہو رہی تھی۔

اچانک وہ ایک خیال کے تحت ٹھٹک گیا۔

اُس نے پلٹ کر دیکھا۔ ایک سیاہ فام لڑکی اپنے کمرے کے دروازے میں کھڑی اُسے حیرت سے دیکھ رہی تھی۔ شہزاد کو اس کی آنکھیں اپنی پشت پر چبھتی ہوئی محسوس ہوئی تھیں اور وہ اسی احساس کے تحت پلٹ کر دیکھنے پر مجبور ہو گیا تھا۔

لڑکی سے آنکھیں چار ہوتے ہی وہ مسکرا دیا۔

سیاہ فام لڑکی بھی جواباً مسکرا دی۔

اُس کی مسکراہٹ میں جوانی کے خواب گھلے ہوئے تھے۔

شہزاد نے دوستانہ انداز میں ہاتھ لہرایا اور اپنے کمرے کے دروازے پر جا پہنچا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ لڑکی اس کے چلنے کے انداز پر نہ جانے کیا کیا اندازے لگا رہی ہو گی۔ کچھ بھی تھا اس کی مسکراہٹ میں، اُس کے لیے پسندیدگی کے تاثرات تھے۔

"تم واقعی کوئی باکمال آدمی ہو، مسٹر جانس!" اُس نے خود کلامی سے اپنے آپ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "معلوم نہیں، تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو لیکن یہ بات طے ہے کہ تم ایک باکمال

ہستی ہو؟"

اس نے چابی نکال کر دروازے کے سوراخ میں داخل کی اور اُسے گھمانا چاہا تو چابی نے حرکت کرنے سے انکار کر دیا۔ وہ سمجھ گیا کہ بعد میں میگی نے تالا بدلوا لیا ہے۔ نہ جانے، وہ لڑکی اندر ہوگی یا نہیں؟ اس نے سوچا اور دروازے پر دستک دینے لگا۔

دوسری ہی دستک پر اندر سے قدموں کی آہٹ سنائی دی جسے محسوس کر کے شہزاد نے ایک طویل سانس لی۔ لڑکی ابھی تک یہیں تھی اور اس نے اندر سے دروازہ مقفل کر رکھا تھا۔

"کون ہے؟" دروازے کے عقب سے سُریلی آواز سنائی دی۔

"جانسن۔" شہزاد نے جواب دیا۔

فوراً ہی دروازہ کھل گیا۔

وہ سامنے کھڑی مُسکرا رہی تھی۔ بعد میں اُس نے شاید غسل کر کے خود کو آئینے کے سامنے کافی دیر تک مصروف رکھا تھا۔ وہ بے حد نکھری نکھری اور اُجلی اُجلی سی لگ رہی تھی اس کے ہونٹ سُرخ ہو رہے تھے جن پر لپ اسٹک کی غیر معمولی سی تہ چمک رہی تھی۔ اس نے بالوں کو کھول کر کندھوں پر پھیلا رکھا تھا۔ جن کے درمیان، اس کا گول حسین چہرہ، سیاہ بالوں میں سے جھلکنے والے پُورے چاند کی طرح پُرکشش نظر آ رہا تھا۔

شہزاد نے دروازے سے اندر قدم رکھا تو میگی نے کھٹاک بند کر کے اُنھیں دوبارہ مقفل کر دیا... پھر اس نے تیزی سے آگے بڑھ کر شہزاد کا ہاتھ تھام لیا۔ اس کی سانسیں بے ترتیب تھیں اور بالائی دھڑ کا اتار چڑھاؤ بے چینی ظاہر کر رہا تھا۔ آنکھوں میں شکایتوں کا دفتر مچل رہا تھا۔ غالباً وہ اس کے دیر سے آنے پر برہم تھی۔

"اتنی دیر...؟" بالآخر ہونٹوں نے پہلی شکایت کو الفاظ کا جامہ پہنا کر شہزاد تک پہنچا دیا اور باقی شکایتیں آنکھوں ہی میں اظہار کے لیے منتظر، مچلتی رہیں۔ "تم نے بہت دیر لگا دی، ڈارلنگ!"

شہزاد نے چونک کر اس کے سراپا کا جائزہ لیا۔

میگی کی شکایت کا انداز وہی تھا جو نئی نویلی بیویاں اختیار کرتی ہیں نہ جانے کیوں اُسے یہ انداز بے حد پسند آیا... حالانکہ وہ سمجھتا تھا کہ ان دونوں کے درمیان کوئی ایسا قانونی رشتہ نہیں ہے۔

پہلی بار شہزاد نے دیکھا کہ میگی نے چہرے ہی پر نہیں بلکہ لباس پر بھی خاص توجہ دی ہے۔ اس نے جھلمل جیسا نفاست لباس پہن رکھا تھا۔ وہ دیر تک اس لباس کی کرشمہ سازیوں میں اُلجھا رہا... پھر اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ رقص کرنے لگی۔

وہ خود کو بے حد مطمئن محسوس کر رہا تھا حالانکہ اُس وقت شہزاد کے ذہن میں غیراف کے وہ الفاظ گھوم رہے جو اُس نے میگی کے بارے میں کہے تھے۔ اس نے بتایا تھا ایک برطانوی ایجنٹ ہے... لیکن جو عورت اُس کے سا کھڑی تھی، کیا موت اتنی حسین بھی ہو سکتی ہے؟ شہزاد سوچا اور اس کی مُسکراہٹ مزید گہری ہو گئی۔ اگر موت اتنی حسین ہوتی تو اس کے ہاتھوں میں پہنچنے سے کس کو انکار ہو تھا۔ نہیں... موت بے حد بھیانک ہوتی ہے۔ اس نے مو کے خلاف پیدا ہونے والے سارے ہی خیالات ذہن جھٹک دیے۔ موت، تو ان تین بدمعاشوں کی عبرتناک کا نام ہے جنھیں وہ ابھی ابھی لابی میں دیکھ کر آ رہا تھا... یا اُس حالت کو کہا جا سکتا ہے، جو سیاہ فام خواجہ سرا پر خود کے ہاتھوں، طاری ہو گئی تھی۔

"یہ حسین لڑکی، میری موت نہیں ہو سکتی۔ یہ لطف کا شیرازہ یہ دار ہے جس کی شاخیں جسم کو راحت اور جس کی رُمح کو تازگی دیتی ہے اگر یہ میری متوقع قاتل ہوتی تو اس کے مجھے، ایک کرنا کوئی مشکل کام نہ تھا۔ میں دنیا و مافیہا بے خبر اس کے قبضے میں تھا۔ یہ آسانی سے مجھے قیمے میں بدل میں بہا سکتی تھی۔"

"کن خیالوں میں کھو گئے؟" وہ متبسم ہو کر بولی۔

"مجھے اچانک یوں محسوس ہونے لگا تھا جیسے میں اُونٹ پر بیٹھا، کسی صحرا میں سفر کر رہا ہوں اور ہچکولے مجھے لطف دے رہے ہیں۔"

"ایک کوہان کا اُونٹ تھا یا دو کوہانوں والا؟"

"میں نے محسوس کرتے وقت اس طرف توجہ نہیں دی۔" وہ کھل کھلا کر ہنس پڑی۔

"اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے؟" وہ یکایک سنجیدہ کر بولا۔

"تمھیں اتنی دیر خاموش دیکھ کر میں محسوس کر رہی کہ شاید تم دوسری بار بھی یادداشت کھو بیٹھے ہو اور اب میں تمھارے لیے اجنبی بن گئی ہوں۔"

"تم جیسی حسین لڑکی کو یادداشت سے اتارنے کی بھی نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔" شہزاد نے اس کا سراپا آنکھوں سے دل میں اتارتے ہوئے جواب دیا۔

"بہرحال، کیا تم اپنے بارے میں، کچھ معلوم کرنے کامیاب ہو گئے؟"

"ہاں... میں جانتی ہی ہوں۔"

"اور جانسن درحقیقت کون ہے، کیا ہے؟"

"اس سلسلے میں میری جستجو ابھی جاری ہے۔" شہزاد نے بھی زمیں جواب دیا۔ "لیکن جو کچھ اب تک سامنے آ چکا ہے، بے حد خناک ہے۔"

"تم خوفناک نہیں ہو سکتے۔" اُس نے اِک ادا سے کہا۔

شہزاد نے جھلی جیسے لباس کو تنقیدی نگاہ سے دیکھنا شروع کر دیا۔ اچانک پولیس کاروں کے سائرن تیزی سے بجنے لگے اور وہ دونوں ہی چونک کر ایک دوسرے کی آنکھوں میں وضاحت تلاش کرنے لگے۔

"شاید نیچے کوئی گڑبڑ ہو گئی ہے۔" میگی نے زیرلب کہا۔

"تین قتل ہوئے ہیں۔"

"اوہ... کون تھے؟"

"ایک دوسرے کے خون کے پیاسے دو آدمی اور ایک گناہ!" شہزاد نے جواب دیا اور کھڑکی کے قریب جا کھڑا ہوا۔ نے جھانک کر نیچے دیکھا۔

تین پولیس کاریں اسٹون وال کے سامنے رُکی تھیں اور ان سے کئی پولیس مین اُتر کر جائے واردات کی طرف دوڑے ہے تھے۔ اچانک فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ شہزاد چونک کر فون رف متوجہ ہو گیا۔

وہ حیران تھا کہ اُسے کون کال کر سکتا ہے؟

نے میگی کی طرف دیکھا... لیکن وہ خود بھی اُلجھی اُلجھی نظروں فون گھور رہی تھی۔ شہزاد آہستہ آہستہ فون کی طرف چلنے لگا۔ کسی نے سے جذبے کے تحت اُس کی دھڑکنیں بے ترتیب ہو تھیں۔

... پھر اُس نے ایک جھٹکے سے ریسیور اُٹھا لیا۔

"مسٹر جانسن!" دوسری طرف سے ایک آواز سُنائی دی۔

"ہاں... میں ہی بول رہا ہوں۔ کون ہے؟"

"تمھارا فرضی خالو..." اس بار دوسری جانب سے بولنے لے کا لہجہ بے پناہ خوش دلی ظاہر کر رہا تھا۔

شہزاد نے فوراً ہی کوئی جواب نہ دیا۔ اس نے ابھی تک نہیں پہچانی تھی... لیکن یہ البتہ محسوس کر لیا تھا کہ دوسری سے بولنے والا اُسے اچھی طرح سے پہچانتا ہے۔ وہ اُلجھن تھا کہ کیا جواب دے۔

"کیا، میں آپ کو پہچانتا ہوں؟" بالآخر اس نے کہہ دیا۔

"کیوں نہیں۔" دوسری طرف سے عجیب سی ہنسی سنائی دی، "میں نے تمھیں ایک خاص بات بتانے کے لیے اتنی دُور سے کال کی ہے۔"

"میں سُن رہا ہوں لیکن کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔"

"بات یہ ہے کہ میں بالآخر تمھارے نظریے سے متفق ہو گیا ہوں۔"

شہزاد جواباً خاموش رہا۔

"تم ٹھیک ہی کہتے تھے۔ جس عورت کے چہرے پر اَن گنت جھُرّے جھُرّے تِل نہیں ہوتے، اس کی مثال ایک ایسی رات جیسی ہے... جب ستارے نہیں نکلتے۔"

"کیا یہ کسی فرضی خالہ کی تعریف ہے؟"

دوسری طرف سے کوئی جواب نہیں دیا گیا۔

"ہیلو... ہیلو..." شہزاد نے کریڈل کو کئی بار دباتے ہوئے کہا... لیکن دوسری طرف سے لائن بے جان ہو چکی تھی۔ اس نے ریسیور رکھ دیا۔ اس کا پورا جسم پسینے میں شرابور تھا اور دھڑکنیں بے ترتیب تھیں۔

"کون تھا، ڈارلنگ؟" لڑکی کی معطر سانسیں، اس کے کان کی لَو سے ٹکرانے لگیں۔

"ماضی کا کوئی آسیب!" اُس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا اور دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر بستر کی طرف بڑھ گیا... پھر وہ دبیز گدّے پر گر کر یوں محسوس کرنے لگا جیسے دُھم کی دلدل میں پڑا ہے اور اس کی زمامیں اُسے دھیرے دھیرے نگلتی جا رہی ہیں۔ اس نے آنکھیں سختی سے بھینچ لیں۔ اس کا سر بُری طرح چکرا رہا تھا۔

★★

بہرام نے ریسیور رکھ دیا۔

اُس نے ایک طویل سانس لی اور ماتھے کا پسینہ پونچھنے لگا۔

بالآخر اس نے شہزاد کی آواز سُن لی تھی۔ یہ آواز سُن کر اُسے کتنا سکون ملا تھا۔ جب سے اُدھان غائب ہوا تھا، بہرام کے دل و دماغ میں بے چینیاں بھر گئی تھیں۔ بار بار ایک مہیب خدشہ، کسی مغفرت کی طرح، جاگتی آنکھوں اُسے ڈراتا تھا کہ کہیں ٹائیگر جاپانی تو نہیں ہو گیا۔

ٹائیگر کی بغاوت کا مطلب تھا۔ موت... لامتناہی سلسلۂ اموات۔

وہ تباہ کار تھا اور اُسے خاص طور سے تباہی کی تربیت

دی گئی تھی لیکن اُس کے ہاتھوں میں رُوحانی تربیت کی آہنی کڑیاں تھیں، جو صرف بُرائی اور جُرم کے راہگیروں کو گھیر کر دار تک پہنچانے کے لیے ہی خود بخود اُتر جاتی تھیں جب کہ عام حالات میں وہ ایک پُرکشش، ہنس مُکھ اور دلفریب ہستی بن کر کسی عام سے آدمی کی طرح، عام آدمیوں کے درمیان، زندگی کے دن گزارنے لگتا تھا۔ بہرام نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔

اس نے ہوٹل اسٹون وال کے آفس کے، طویل فاصلے کی ٹیلی فون کال کی تھی جہاں سے شہزاد نے اُسے چند روز قبل اطلاع دی تھی کہ وہ جانسن کی حیثیت سے وہاں مقیم ہے۔ بہرام نے فون پر جس شخص سے بات کی تھی، وہ خود کو جانسن ہی کہہ رہا تھا اور آواز سنتے ہی صدمے سے ٹائیگر ہی کی تھی لیکن اس کے بھیجے کی اجنبیت سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ بہرام کی آواز پہچاننے میں ناکام رہا ہے ... آخر کیوں؟ یہ بھلا کیسے ممکن ہے؟ شہزاد اُسے پہچاننے سے انکار کر سکتا ہے؟

اُس نے دو باتوں کے لیے شہزاد کے کمرے میں فون کیا تھا۔

ایک تو وہ، یہ اطمینان کر لینا چاہتا تھا کہ شہزاد زندہ و سلامت ہے اور دُوسرے اس طرح وہ اُسے یہ یاد دہانی کرا سکتا تھا کہ بہرام سے فوری طور پر رابطہ قائم کرنا ضروری ہے۔

بہرام نے فون کی سرت دیکھا۔

سیٹ خاموش تھا، کسی نقاہت سے رُوٹھے ہوئے شخص کی طرح، اس کے بولنے کا امکان کم ہی نظر آ رہا تھا۔ بہرام کا ہاتھ یُوں فون کی طرف بڑھا جیسے وہ اُسے گدگدی کر کے منانا لینا چاہتا ہو۔

ریسیور ہاتھ میں لے کر وہ چند لمحوں تک گہری سوچ میں ڈوبا رہا... پھر اُس نے تیزی سے اپنے اُس سیکرٹری کا نمبر ملایا جو اس کی ہدایت پر الجیریا گیا تھا۔ اُسے توقع تھی کہ وہ واپس آ چکا ہو گا۔

"ہیلو..." اُس نے مطمئن لہجے میں کہا۔

"میں ابھی ابھی پہنچا ہوں" دوسری طرف سے سیکرٹری کی تھکی تھکی سی آواز سُنائی دی۔

"جلدی بتاؤ، کیا صورتِ حال ہے؟" بہرام کے لہجے میں بے چینی تھی۔

"میرا خیال ہے، جناب! ہمارا ایجنٹ، دشمنوں سے مل گیا ہے" سیکرٹری نے جواب دیا۔ "وہ آج... ایک سیاہ فام خواجہ سرا کے ساتھ نیمراف کے محل گیا تھا۔ واپسی پر وہ تنہا تھا اور اُس کے پاس نیمراف کی کار تھی۔"

"اوہ..." بہرام کا دل، سینے میں، کسی پنجرے کے زخمی پرندے کی طرح پھڑپھڑانے لگا اور اُسے اپنی سانس رُکتی ہوئی محسوس ہونے لگی۔ حلق میں پھندہ سا پڑ گیا تھا۔ "ناقابلِ یقین!"

"اگر ایسا نہ ہوتا، جناب تو نیمراف کے محل سے اُس کی واپسی کا ممکن نہ ہوتی کہ وہ نیمراف کی خاص کار چلا رہا ہوتا... پھر اُس نے ایک ڈیوٹی کانسٹیبل سے یہ بات کہی تھی کہ کار نیمراف ہی کی ہے لہٰذا وہ اس کا خیال رکھے۔"

"وہ بُوڑھا، مسٹر پارک...؟"

"وہ کل شام اسٹون وال پہنچا تھا اور اب بھی وہیں موجود ہے لیکن ایک بار کمرے میں داخل ہونے کے بعد وہ پھر کبھی باہر نہیں دیکھا گیا۔ یُوں محسوس ہوتا ہے، جیسے اُس نے خود کو کمرے میں محبوس کر لیا ہو۔"

"ہوں... کیا تمھیں یقین ہے کہ جانسن کے بھیس میں جو شخص نیمراف کے محل سے واپس آیا تھا، وہ ہمارا ایجنٹ ہی تھا؟" بہرام نے اپنی بے چینی پر قابو پاتے ہوئے دریافت کیا۔

"جی ہاں، وہ کوئی اور نہیں تھا۔"

"اگر یہ بات ہے" بہرام نے ٹھوس لہجے میں کہا۔ "تو اپنے پانچ ایجنٹ فوری طور پر اسٹون وال پہنچا دو۔ اُنھیں ایجنٹ اور بوڑھے، مسٹر پارک کی نگرانی کرنا ہے۔ تمھیں سختی سے ہدایت کر دو، تمھیں ایک ایک پل کی خبر دیتے رہیں۔ ٹرانسمیٹر اپنے لبِ نفس کے قریب رکھ لو اور سونے میں بھی ان کی رپورٹیں سنتے رہو۔ اس سلسلے میں ذرا سی بے پروائی بھی برداشت نہیں کی جا سکتی۔ یہ سمجھ لو کہ ہم سب تباہی کے دہانے پر ہیں۔ سمجھ گئے؟"

"یس سر..." سیکرٹری کی مستعد آواز سنائی۔ اس کے لہجے سے تھکن کا ذرا سا بھی احساس نہیں ہوتا تھا۔

"لیکن اپنے آدمیوں سے کہہ دینا کہ کوئی بھی مسٹر پارک اور جانسن کے معاملات میں مداخلت نہیں کرے گا۔ حالات چاہے کچھ بھی کیوں نہ ہو جائیں، عملی اقدام کے لیے میرے احکامات کا انتظار کیا جائے۔"

"بہت بہتر جناب!"

بہرام نے سلسلہ منقطع کر دیا۔ اس کا چہرہ پسینے سے بھیگا ہوا تھا اور اس کی سانس ابھی تک بے ترتیب تھی... پھر اُس نے آنکھیں بھینچ لیں اور اس کا ذہن خدشوں کی خوف ناک گہرائیوں میں ڈوبتا چلا گیا۔

شہزاد نے دائیں بائیں دیکھا اور ایک دروازے کے سامنے رُک گیا۔

اُس نے نمبر پڑھا اور پھر اثبات میں سر ہلا کر انھیں الفاظ کو دہراتے ہوئے دستک دینے لگا۔ پہلی ہی دستک کے جواب میں کمروں کی چاپ اُبھری۔

"کون...؟" اندر سے دریافت کیا گیا۔

"جانسن..." شہزاد نے بھاری لہجے میں جواب دیا۔

دروازہ فوراً ہی کھل گیا۔ دروازے کے سامنے کھڑے شخص کے ہاتھ میں ریوالور تھا۔ شہزاد کی آنکھیں سکڑ گئیں۔ اس کے ہونٹ بھنچ گئے۔ "میں اس انداز کا استقبال پسند نہیں کرتا، جاگر" وہ غرایا۔

"میں معذرت خواہ ہُوں، جانسن!" جاگر نے ایک طویل سانس لے کر ریوالور گاؤن میں چھپا لیا۔ "حالات ایسے ہیں کہ اس قسم کی احتیاطی کارروائی ضروری ہو گئی ہے۔ آؤ، اندر آ جاؤ۔"

وہ سامنے سے ہٹ گیا۔

شہزاد نے کمرے میں قدم رکھتے ہی پلٹ کر دروازہ بند کر دیا۔ جاگر کے چہرے پر بُرائیاں اُڑ رہی تھیں۔ وہ بے حد پریشان نظر آ رہا تھا۔ غالباً شہزاد کی آمد اُس کے لیے غیر متوقع تھی اور وہ اُسے اس طرح سے خال نہیں سمجھ رہا تھا۔ وہ خوف زدہ لیکن محتاط نظروں سے شہزاد کی طرف دیکھنے لگا۔

شہزاد ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

"کیا تم نے نیمراف کو اپنے آنے کی اطلاع دے دی ہے؟"

"نہیں..." جاگر نے تھوک نگلتے ہوئے کہا۔ "اس کی ضرورت نہیں تھی۔ رجسٹر کے اندراج سے اُسے خود ہی معلوم ہو گیا کہ میں یہاں پہنچ چکا ہُوں۔"

"گُریاوہ، تم سے رابطہ قائم کر چکا ہے؟"

"ہاں اور میں نے..."

وہ کچھ کہتے کہتے رُک گیا۔ اس نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے شہزاد کی طرف دیکھا۔ جو اُسی کی طرف متوجہ تھا اور اس کی نگاہ استفہامیہ تھی۔

"میں اُسے بتا چکا ہُوں کہ تم نے مجھے معاف کر دیا ہے" رُک رُک کر تھوک نگلتے ہوئے کہا۔

"کیا تمھیں میری بات پر یقین نہیں آیا تھا؟" شہزاد نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سخت لہجے میں کہا۔

"مم... مجھے یقین ہے اور..."

"تم نے شاید احتیاطاً نیمراف کو یہ اطلاع دی ہو گی کہ ہمارے مابین کوئی پُرانی عداوت بھی ہے۔ اس طرح شاید تم نے یہ پیش بندی کی ہے کہ کہیں میں، تمھیں قتل نہ کر دوں... اور اگر میں ایسا کر بھی گزروں تو کم از کم نیمراف اس بات سے آگاہ رہے کہ تمھاری ہلاکت کی ذمے داری صرف مجھی پر عائد ہو سکتی ہے؟"

"نہیں... یہ بات نہیں ہے" وہ تھوک نگل کر بولا۔

"پھر کیا بات ہے؟"

"خود اُسی نے مجھ سے تمھارے بارے میں پُوچھا تھا۔"

"کیا مطلب؟" شہزاد کی تیوریاں چڑھ گئیں۔

"شاید اُس کے کسی آدمی نے لابی میں، ہمیں ایک دُوسرے سے باتیں کرتے ہُوئے دیکھ لیا تھا۔" جاگر نے وضاحت کی۔ "اسی بنیاد پر وہ مجھ سے پُوچھ رہا تھا کہ میں، تمھیں کیسے جانتا ہُوں۔"

"ہُوں... اور تم نے اُسے کیا بتایا؟"

"یہی کہ ہم ماضی بعید میں بہترین دوست ہُوا کرتے تھے لیکن ماضی قریب میں، ایک لڑکی کی موت نے ہمارے درمیان ناخوشگوار فضا قائم کر دی تھی جو کل یہاں آتے ہی ایک بار پھر دوستانہ ہو گئی۔"

شہزاد ہنس پڑا۔

"کل جن تین آدمیوں کی موت واقع ہُوئی ہے، اس کے بعد میں میرے دل پر گہرا اثر کیا تھا؟" شہزاد کے انداز میں سفاکی کے بجائے ملامت آ گئی۔ "مرنے سے بہتر ہے کہ انسان دُشمنی کے جذبات ہی کچل ڈالے۔"

"سچ بتاؤ، جانسن!" جاگر نے تحیر زدہ لہجے میں کہا۔ "تمھارے سوچ میں یہ انقلاب کس وجہ سے پیدا ہُوا؟"

"انقلاب؟" شہزاد نے مُسکرا کر کہا۔ "کیا میری سوچ اس سے مختلف بھی ہُوا کرتی تھی؟"

"تم کہی کو معاف کر دینے کے قائل نہیں ہوتے تھے۔ تمھارا نظریہ تھا کہ معاف کر دینا، جرائم پیشہ لوگوں کی دُنیا کا سب سے بڑا المیہ ہی نہیں ایک حماقت اور ایک ایسی لغزش ہے، جو بالآخر معاف کرنے والے کو ہی موت کے دہانے پر لے جاتی ہے۔"

شہزاد کا قہقہہ بے حد جان دار تھا۔

"یہ نظریہ تو شاید اب بھی برقرار ہے۔"

"کک... کیا مطلب؟" جاگر نے بوکھلا کر کہا اور اس کا ہاتھ

آہستہ آہستہ اپنے گاؤن کے اندرونی حصّے کی طرف رینگنے لگا۔

"جب کوئی یا نظریہ بن جاتا ہے تو پرانا نظریہ اُس کے نیچے دب جایا کرتا ہے۔" شہزاد نے فلسفیانہ لہجے میں کہا اور نیم وا آنکھوں سے جاگر کی طرف دیکھتا رہا جس کا ہاتھ گاؤن کے اندر پہنچ کر غالباً ریوالور کے دستے پر جم چکا تھا۔

"سنو جاگر۔" شہزاد نے دھیمی آواز میں کہنا شروع کیا۔ "یہ ریوالور نکال کر میز پر رکھ دو۔ میں اس وقت کوئی ہتھیار لے کر تمہارے کمرے میں نہیں آیا ہوں۔ میں، تم سے چند سوال کروں گا، تمہیں ان سے ہر ایک کا ٹھیک ٹھیک جواب دینا ہے سمجھ گئے؟"

جاگر نے کانپتے ہاتھوں سے ریوالور نکالا اور میز پر رکھ دیا۔

"تم مجھ سے کیا معلوم کرنا چاہتے ہو؟" اس نے کن انکھیوں سے ریوالور کی طرف دیکھتے ہوئے دریافت کیا۔

"کیا تم سچ بولنے کا وعدہ کرتے ہو؟"

"اگر مجھے کوئی ایسی بات معلوم ہے، جو تمہاری معلومات میں اضافہ کر سکتی ہے۔ تو میں یقیناً جھوٹ نہیں بولوں گا۔"

"ہُوں..." شہزاد اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا۔ بہرحال، مجھے یہ کہنے میں کوئی عار نہیں کہ تمہاری زندگی کا دارومدار سچ پر ہے..."

"لیکن تم مجھے معاف کر چکے ہو۔"

"ہاں، تمہارے اس جُرم کی حد تک تمہیں معافی مل چکی ہے۔"

"میں، تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔"

"سیدھی سی بات ہے، اس معافی کا اطلاق کسی نئے جُرم پر نہیں ہو سکتا۔" شہزاد نے وضاحت کر دی۔ "اور جھوٹ بول کر تم ایک ناقابلِ معافی جُرم کر دو گے۔ سمجھ گئے؟"

جاگر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ وہ اب بھی اُلجھن آمیز نظروں سے شہزاد کی طرف دیکھ رہا تھا۔ بار بار وہ بے یقینی سے پلکیں جھپکانے لگتا تھا جیسے وہ اس صورتِ حال کو ذہنی طور پر قبول کرنے کے لیے آمادہ نہ ہو۔

"تم، مجھ سے کیا معلوم کرنا چاہتے ہو؟"

"یہی کہ میں درحقیقت کون ہُوں؟" شہزاد نے کہا۔

"تت... تم جانتے ہو... ایک پیشہ ور قاتل... جس سے جرائم پیشہ لوگوں کی اکثریت کانپتی ہے۔"

"کیا تم جانتے ہو کہ میں اس وقت اصلی چہرے میں نہیں ہُوں؟"

"ہاں۔ تم نے میک اپ کر رکھا ہے۔"

"پھر تم نے مجھے جاننی کی حیثیت سے کیسے پہچان لیا؟"

"اوہ، تو یہ بات ہے۔" جاگر ہنس پڑا۔ "میرا خیال ہے، اس میں اُلجھنے کی تو کوئی بات نہیں تھی۔ تم اس وقت جس میک اپ میں ہو، اس میں تمہیں بارہا دیکھ چکا ہُوں۔ شاید تم بھول گئے ہو کہ ہم ماضیٔ بعید میں بہت اچھے دوست ہُوا کرتے تھے اگر اُس لڑکی کا معاملہ بیچ میں نہ آ جاتا تو..."

شہزاد نے ہاتھ اُٹھا کر اُس کی بات قطع کر دی۔

"اس لڑکی کو بھول جاؤ۔" شہزاد نے ٹھوس لہجے میں کہا۔ "تمہارا مطلب ہے کہ میرا موجودہ حلیہ تمہارے لیے نیا یا انوکھا نہیں ہے؟"

"بالکل یہی بات ہے۔"

"کیا تم نے میرے حقیقی نقش و نگار بھی دیکھ رکھے ہیں؟" جاگر ہنسنے لگا۔

"میری بات کا جواب دو۔" شہزاد کا انداز جارحانہ ہو گیا جاگر کا قہقہہ اُس کے حلق میں ہی گھٹ کر رہ گیا۔ "سنو جاگن" اُس نے ہاتھ اُٹھا کر قدرے خوش دلی اور بے تکلفی سے کہا۔ "تم ہمیشہ سے انوکھے مذاق کرنے کے عادی ہو لیکن تمہارا یہ مذاق میری سمجھ سے بالاتر ہے۔"

یہ مذاق نہیں، ایک تلخ حقیقت ہے اور میری بھی سمجھ سے بالاتر ہے۔" شہزاد نے کہا۔ "تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔"

"ہاں... میں، تمہیں اصلی نقش و نگار کے ساتھ کئی بار دیکھ چکا ہُوں۔" جاگر نے کہا۔

شہزاد نے اطمینان کی ایک طویل سانس لی اور اس کا ہاتھ آہستہ آہستہ اپنے چہرے کی طرف اُٹھ گیا۔ اس کی انگلیاں نرمی سے اپنے چہرے پر حرکت کرتی رہیں جیسے وہ اپنا چہرہ ٹٹول رہا ہو... پھر اس کی انگلیاں رُخساروں سے پھسل کر اپنی گردن اور گردن کے سامنے والے حصّے پر گردش کرنے لگیں۔

"کیا تم اب یہ آ کر پاگل ہو گئے ہو؟"

"شاید..." شہزاد نے مختصر سا جواب دیا۔

اُس کی انگلیاں اب اپنے نرخرے کو ٹٹول رہی تھیں۔

ایک بار پھر جاگر کی آنکھوں سے خوف جھلکنے لگا۔ وہ اس کی متحرک انگلیوں کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ شہزاد نے نرخرے سے کچھ نیچے ایک جگہ چھوٹی بھری اور جھلی کو تھام لیا... پھر اس نے دوسرے ہاتھ کی انگلیوں کی مدد سے اس جھلی کو اُدھیڑنا شروع کر دیا۔

وہ اپنے چہرے پر چڑھی ہُوئی جھلی اتارتا رہا۔

... پھر اُس نے پلاسٹک کے وہ باریک ٹکڑے بھی ہٹا دیے جن سے اس کے نقش و نگار معمول سے مختلف ہو گئے تھے۔

اس نے اپنے حقیقی چہرے کے ساتھ جاگر کی طرف دیکھا۔

جاگر پیچھے ہٹ کر دُور جا کھڑا ہُوا۔

وہ تھر تھر کانپ رہا تھا۔ اُس کی آنکھوں سے اب اتنی دہشت ظاہر ہو رہی تھی کہ اگر دہشت کوئی سیّال شے ہوتی تو اُس کی آنکھوں کے کٹورے اُسے سنبھالنے میں ناکام ہو جاتے اور وہ چھلک پڑتی۔

"میں کون ہُوں؟"

"تت... تم جاننی نہیں ہو۔" وہ بوکھلا کر بولا۔

شہزاد نے ایک طویل سانس لی۔ وہ جاگر کے چہرے کے تاثرات دیکھ رہا تھا اور ان سے اُسے اندازہ لگانے میں دشواری نہیں ہو رہی تھی کہ وہ ٹھیک ہی کہہ رہا ہے۔

"تو پھر میں کون ہُوں؟" شہزاد بڑبڑایا۔

"معلوم نہیں۔ جاننی کہاں ہے؟" جاگر نے خوف اور حیرت کے ملے جُلے تاثرات سے بھرپور لہجے میں پوچھا۔ "کیا تم نے اُسے قتل کر دیا ہے؟"

"شاید... کیا تم نے مجھے پہلے کبھی نہیں دیکھا؟"

"کبھی نہیں۔ تم میرے لیے اجنبی ہو۔"

"ذہن پر زور ڈالو اور سوچو... ممکن ہے تم نے مجھے دیکھا ہو۔"

"میں قسم کھاتا ہُوں کہ میں نے تمہیں پہلے کبھی نہیں دیکھا۔" شہزاد کے ذہن میں طوفان سا اُٹھ رہا تھا۔ بار بار اس کے ذہن میں ایک بڑا سا سوالیہ نشان اُبھر اُبھر کر معدوم ہو رہا تھا۔ میں اگر جاننی نہیں ہُوں تو پھر کون ہُوں؟... پھر جاننی کہاں گیا؟

"مجھے کیا کرنا چاہیے؟" وہ بڑبڑایا۔

"کیا تم اپنی یادداشت کھو چکے ہو، دوست؟"

شہزاد نے کوئی جواب نہیں دیا بلکہ وہ اس کی آواز سُن کر محویت سے چونک اُٹھا۔ اس نے گہری نگاہ سے جاگر کی طرف دیکھا۔ جو اس کی نگاہوں کی تاب نہ لا کر پسینہ پسینہ ہو رہا تھا۔ شہزاد آہستہ آہستہ اُس کی طرف بڑھنے لگا۔ جاگر کسی بدکی ہوئی گلہری کی طرح اُچھل کر دو ڈا۔ اُس کا رُخ دروازے کی طرف تھا۔ اس نے فرار ہونے کے لیے مُڑنا بھی کھولا لیکن خوف کے باعث آواز اُس کے حلق ہی میں اٹک گئی تھی۔ شہزاد نے کسی چیتے کی طرح جست لگا اُسے دبوچ لیا تھا۔ وہ اُس کی گرفت میں بُری طرح مچلنے لگا۔ انداز میں دیوانگی تھی لیکن جس نے اُسے جکڑ رکھا تھا اُس کی دیوانگی کے سامنے کسی کی دیوانگی کوئی حقیقت ہی نہیں رکھتی تھی۔

"مم... مجھے چھوڑ دو۔ میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟" نے گڑگڑا کر کہا۔

"ابھی تک تو نہیں لیکن آئندہ ضرور بگاڑو گے۔" شہزاد نے خونخوار لہجے میں جواب دیا۔ "تم یہ فرض کر لو کہ تمہیں، تمہارے کسی جُرم کی قبل از وقت سزا مل رہی ہے... پھر سزا دینے کے لیے ضروری تو نہیں کہ مجرم کرنے کا انتظار بھی کیا جائے۔"

"میں وعدہ کرتا ہُوں کہ تمہارے بارے میں..."

جاگر کا جُملہ اُدھورا ہی رہ گیا۔ شہزاد نے اس کی کنپٹیاں دبا ڈالنا شروع کر دیا تھا۔ "مجھے تمہارے وعدے پر یقین ہے تم یقیناً کسی سے کچھ نہیں کہو گے کیوں کہ تم کچھ کہنے کے لیے زندہ نہیں رہو گے۔"

وہ اُسے بے ہوش کر کے باتھ رُوم کی طرف لے گیا۔

باتھ ٹب سے اُس کی پیشانی ٹکرانے سے پہلے شہزاد نے اُس کا لباس اُتار دیا اور پھر اُسے یوں ٹب میں پھینک دیا جیسے وہ پاؤں پھسل جانے کی وجہ سے گرا ہو۔ گرنے سے اس کے ماتھے پر گہری چوٹ لگی ہو... اور اس کے بعد وہ پانی سے بھرے ہُوئے باتھ ٹب میں اُلٹ گیا ہو۔

لاش، ٹب میں پھینک کر اُس نے پانی کھول دیا۔

"تمہیں دفن کرنے والوں کو غسل دینے کی ضرورت نہیں پڑے گی، جاگر۔" شہزاد نے مُسکرا کر کہا اور باتھ رُوم سے نکل کر کمرے میں آ گیا۔ اُس نے کُرسی کے نیچے گری ہُوئی جھلی اور پلاسٹک کے ٹکڑے اُٹھائے اور آئینے کے سامنے بیٹھ گیا۔ اس نے غور سے اپنے چہرے کی طرف دیکھا۔

آئینے میں اُسے جو صورت نظر آ رہی تھی، یہ مانوس تھی لیکن اُسے دیکھنے کے باوجود شہزاد کو یہ معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کون ہے اور بس چہرے کو دیکھ رہا ہے، اس کا مالک کس پیشے سے تعلق رکھتا ہے۔

دیر تک وہ اپنی ہی آنکھوں میں جھانکتا رہا... پھر اُس نے پلاسٹک کے ٹکڑے چہرے پر جمانے شروع کر دیے۔ باتھ رُوم میں پانی اب بھی گر رہا تھا۔

❁ میگی نے چونک کر فون کی طرف دیکھا۔

گھنٹی کی تیز آواز سناٹے میں سماعت شکن محسوس ہو

رہی تھی۔ اس نے ایک لمحے کے لیے سوچا کہ اُسے کال سُننی چاہیے یا نہیں... پھر وہ بستر سے اُٹھ کھڑی ہُوئی اور آہستہ آہستہ فون کی طرف چلنے لگی۔ اس کا دل شدّت سے دھڑکنے لگا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ یہ کس کی کال ہو سکتی ہے؟

"ہیلو..." ایک مردانہ آواز سُنائی دی۔

"ہیلو..." میگی نے آواز پہچانتے ہُوئے ناگواری سے کہا۔ "تم نے مجھے یہاں کیوں فون کیا؟"

"کل سے تمھاری کوئی رپورٹ نہیں ملی؟"

"کیا تم مجھے سبق پڑھانا چاہتے ہو؟" وہ چیخ پڑی۔

"میگی... تم اپنے کمرے سے مسلسل غائب ہو۔" دوسری طرف سے بولنے والے کی آواز میں بدن کو تھرتھرا دینے والا تاثر تھا۔ "اور اس وقت بھی تم جانسن کے کمرے میں ہو۔ میں اندازہ لگا چکا ہُوں کہ تم تنہا ہو۔"

"تو پھر...؟"

"تمھیں اپنے فرض سے کوتاہی نہیں برتنا چاہیے تھی۔"

"کیا کہنا چاہتے ہو؟" وہ غرّائی۔

"اب تک جانسن کو ہلاک ہو جانا چاہیے تھا۔"

"وہ اپنی یادداشت کھو چکا ہے اور میں ابھی تک نیلوفر کے محل، جانے میں بھی کامیاب نہیں ہُوئی اس لیے..."

"شٹ اپ!" دوسری طرف سے بولنے والے کا لہجہ بے حد بگڑا ہُوا تھا۔ "تمھیں کل صبح کا سورج طلوع ہونے سے پہلے پہلے جانسن کو قتل کر دینا ہوگا۔"

"ورنہ...؟" وہ غرّائی۔

"ورنہ اس کی جگہ تمھاری لاش اُٹھے گی۔" دوسری جانب سے بے انتہا سرد لہجے میں کہا گیا اور اس کے ساتھ ہی سلسلہ منقطع ہو گیا۔

میگی کو یُوں محسوس ہُوا جیسے اُس کا پُورا جسم یکایک سرد پڑ گیا ہو۔ وہ سر سے پاؤں تک کسی نازک پتّے کی طرح کانپ گئی۔ اس کے جس ہاتھ نے ریسیور تھام رکھا تھا، وہ یکایک مفلوج سا محسوس ہونے لگا۔ ریسیور کئی من وزنی ہو گیا اور اس کی انگلیاں اس بوجھ کو اُٹھانے میں ناکام ہونے لگیں۔ ریسیور اُس کے ہاتھ سے پھسلتا چلا گیا۔

اچانک اُسے کمرے کے باہر، راہ داری میں کسی کے قدموں کی چاپ سُنائی دی۔ کوئی آہستہ آہستہ اُسی طرف چلا آ رہا تھا۔ میگی کے ہاتھ سے گرا ہُوا ریسیور میز سے ٹکرا کر فرش سے چند انچ اُوپر جھُول رہا تھا۔

"خود کو سنبھالو میگی!" اُس نے اپنے آپ کو سمجھانا چاہا۔ "تم اپنے شکار کی محبت میں مُبتلا ہو رہی ہو حالانکہ فرض کے سامنے محبت بے معنی ہوتی ہے۔ تم ایک سیکرٹ ایجنٹ ہو اور تمھارے کوئی جذبات نہیں ہیں۔ تم ایک پتھر کا مجسّمہ ہو... تمھیں محض مردانہ ہاتھوں کے لمس سے موم نہیں ہونا چاہیے... عورت جب موم ہو جاتی ہے تو اُسے کُند سے کُند اوزار سے بھی بہ آسانی کاٹا جا سکتا ہے۔ وہ آ رہا ہے... خود مرنے سے بہتر ہے، اُسے ٹھکانے لگا دو۔ اُس نے تمھاری دھڑکنوں میں جو امرت جگایا ہے، وہ تو کوئی اور بھی جگا سکتا ہے... لیکن کوئی تمھیں دُوسری زندگی نہیں دے سکتا۔ فرض اور اپنی زندگی کی خاطر یہ وقتی جذبے فراموش کر دو..."

قدموں کی چاپ مزید قریب آ رہی تھی۔

اس وقت پُوری عمارت خاموشی میں لپٹی ہُوئی تھی اس لیے یہ آوازیں نمایاں اور خوفناک لگ رہی تھیں۔ وہ تیزی سے مسہری کی طرف لپکی۔ اُس نے گدّا اُٹھایا اور وہ ریوالور سنبھال لیا جسے اُس نے جانسن کی بے ہوشی کے دوران وہاں چھُپا دیا تھا۔ ریوالور ہاتھ میں لیتے ہی اُسے تحفّظ اور سکون کا احساس ہونے لگا۔

راہ داری میں قدموں کی آواز تھم گئی۔

آنے والا دروازے کے سامنے رُک گیا تھا۔

میگی نے جلدی سے ریوالور اپنے لبادے میں چھُپا لیا۔ وہ خوش تھی کہ اُس نے جانسن کے جاگتے ہی لباس تبدیل کر کے یہ کھلے گھیر کا گاؤن پہن لیا تھا۔ اگر وہ ایسا نہ کرتی تو اِس وقت ریوالور چھُپانے میں کتنی دُشواری ہوتی؟

جانسن کے پاس چابی موجود تھی۔

وہ دروازے کی طرف دیکھنے لگی۔

کواڑ آہستہ آہستہ کھل گئے اور وہ کمرے میں داخل ہُوا۔

اُس کی آنکھیں دُور ہی سے چمکتی نظر آ رہی تھیں۔ دروازہ بند کر کے وہ قریب آیا تو میگی کی دھڑکنیں بے ترتیب ہوتی چلی گئیں۔ اُس کے دِل و دماغ میں ایک بار پھر جذبات اور مفاد کے درمیان جھڑپوں کا آغاز ہو گیا۔ وہ خود اعتمادی کھونے لگی۔ غالباً اُس کے تاثرات، جانسن نے بھی بھانپ لیے تھے۔ اُس کی آنکھوں میں اُلجھن نظر آنے لگی۔

"کیا بات ہے ڈارلنگ؟" اُس نے مردانگی سے بھرپُور آواز

میں پوچھا اور میگی کو یُوں محسوس ہُوا جیسے دل اور دماغ میں مفاد اور جذبات کی جنگ یکایک سرد پڑ گئی ہو۔ وہ ہونٹ چبا کر رہ گئی۔

اُس نے جانسن کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔

"میں پُوچھتا ہُوں، کیا بات ہے، تم اس قدر اُلجھی اُلجھی کیوں لگ رہی ہو؟" شہزاد نے اس بار قدرے زور دے کر سوال کیا۔

"تم کہاں چلے گئے تھے؟"

"باہر گیا تھا۔"

"وہ تو میں بھی جانتی ہُوں لیکن کہاں؟"

"بتانا ضروری ہے؟" شہزاد نے مسکرا کر کہا۔ "تم اس وقت ایک ایسی سخت گیر بیوی نظر آ رہی ہو جسے اپنے شوہر پر... بے راہ روی کا شبہ ہو۔"

اچانک اُس کی نگاہ شہزاد کے چہرے سے پھسلتی ہُوئی اُس کے گلے پر جم گئی۔ وہاں اُسے ایک جھلّی کا سِرا نظر آ رہا تھا۔ وہ چونک پڑی۔ اُس نے اس طرف تو دھیان ہی نہیں دیا تھا۔

"یہ کیا ہے؟" وہ بے ساختہ آگے بڑھی تو اُس کا ہاتھ...

بے اختیار شہزاد کے گلے کی طرف لپکا جسے اُس نے آدھے ہی راستے میں ہاتھ بڑھا کر تھام لیا۔ اُس نے ایک جھٹکا دیا تو شہزاد نے گرفت ختم کر دی۔ "یہ تمھارے گلے پر کھال کچھ اُدھڑی ہُوئی سی کیوں لگ رہی ہے؟"

"میگی..." شہزاد نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ "ایک عجیب بات سامنے آئی ہے۔"

"کیا بات، جانسن، تم جلدی سے بتاتے کیوں نہیں؟"

"میں جانسن نہیں ہُوں۔" شہزاد نے بھاری آواز میں جواب دیا۔

میگی اُچھل پڑی۔ اُس کی آنکھوں میں یکایک عجیب سی چمک لہرا گئی تھی۔ جیسے یہ سُن کر اُسے بے پناہ خوشی حاصل ہُوئی ہو۔ اُس نے ہونٹ کاٹ کر اپنی [illegible] کو مُسکرا دا کرنا چاہا تھا کہ اُس نے جانسن پر فوراً ہی گولی نہیں چلا دی...

"کک... کیا تمھاری یادداشت واپس آ گئی ہے؟" اُس نے پُرجوش لہجے میں پُوچھا۔ "تم کون ہو، کیا تمھیں پتہ چل گیا؟"

"نہیں..." شہزاد نے نفی میں سر ہلاتے ہُوئے سوگواری سے کہا۔ "لیکن ایک شخص نے میرا اصل چہرہ دیکھ کر بتایا ہے کہ میں جانسن نہیں ہُوں۔"

اُس نے دزدیدہ نظروں سے میگی کی طرف دیکھا۔

جس کے ہونٹ ہی نہیں پُورا چہرہ مُسکرا اُٹھا تھا۔

"تم یہ جان کر بے حد خوش دکھائی دینے لگی ہو کہ میں جانسن نہیں ہُوں۔" شہزاد نے اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہُوئے کہا۔ "کیا بات ہے، میگی؟"

"پھر تم کون ہو؟" میگی نے مُسکراہٹیں دبا کر سوال کیا۔

"یہی سوال میں تم سے بھی کر سکتا ہُوں۔"

"مم... میں..." وہ ہکلا گئی۔

"کیا تم بھی یادداشت کھونے والی کوئی عورت ہو؟"

"نہیں..." میگی نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔

"پھر بتاؤ کہ تم کون ہو؟" شہزاد نے اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہُوئے کہا۔

"میں میگی نہیں ہُوں۔" اُس نے دھیمی آواز میں جواب دیا۔

شہزاد ہنس پڑا۔

"اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے؟" میگی نے بوکھلا کر کہا۔

"یہی کہ میں جانسن نہیں ہُوں اور تم میگی نہیں ہو... تو پھر ہم دونوں کون ہیں؟" اُس نے ہنسی ضبط کرتے ہُوئے کہا۔

"میں تو اپنے بارے میں جانتی ہُوں۔" میگی نے مُسکرا کر کہا۔

"تم میرے بارے میں بھی تو جانتی تھیں کہ میں جانسن ہُوں۔"

"تمھارے چہرے پر جو میک اَپ ہے، یہ جانسن کا میک اَپ ہے۔"

"نہیں، یہ جانسن کا اصلی چہرہ نہیں ہے۔"

میگی نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"کیا تم نے جانسن کو کبھی اُس کے اصلی حلیے میں دیکھا ہے؟"

میگی نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"تو پھر تم میری صُورت دیکھ کر بتا سکتی ہو کہ میں کون ہُوں؟" شہزاد نے کہا اور اُس کی اُنگلیاں اپنے گلے پر گھومنے لگیں۔ اُس نے جھلّی کا قدرے اُبھرا ہُوا حصّہ تھام لیا اور اسے اُدھیڑنے لگا۔

اُس نے جھلّی الگ کر کے پلاسٹک کے [illegible] اور میگی کی طرف دیکھنے لگا۔

میگی کی نگاہ اُس کے چہرے پر منجمد ہو کر رہ گئی۔ اُس کی آنکھیں غیر معمولی حد تک پھیلی پھیلی لگ رہی تھیں اور اُس کے بالائی دھڑ کا زیر و بم اُس کی ہیجانی کیفیت کا اظہار کر رہا تھا۔ "تم واقعی جانسن نہیں ہو۔" اُس نے سرسراتی ہُوئی آواز میں کہا۔

"پھر میں کون ہُوں؟" شہزاد غرّایا اور اُس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا۔ وہ کچھ دیر اسی حالت میں بیٹھا رہا... پھر اُس نے میگی کی طرف دیکھا۔ "میگی! میں اس صُورت حال سے بے پناہ اُلجھن محسوس کر رہا ہُوں۔ کیا میں تم سے توقع کر سکتا ہُوں کہ اپنے

بارے میں جو کچھ بھی بتاؤ گی، وہ درست ہوگا۔"

"میں جانسن کی ساتھی نہیں ہوں۔" میگی نے دھیمی آواز میں کہا۔ نہ جانے کیوں اُس کا جی چاہ رہا تھا کہ اس نوجوان کے سامنے اپنا دل بے دھڑک کھول کر رکھ دے۔ "میں ایک سرکاری ایجنٹ ہوں اور مجھے یہاں چند انسان دشمن آدمیوں کو ٹھکانے لگانے کے لیے بھیجا گیا تھا۔"

"جانسن بھی اُن میں شامل تھا؟"

میگی نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"اوہ...! تو گویا تم نے جانسن کو ہلاک کر دیا اور پھر جب میں اپنی یادداشت کھو بیٹھا تو تم نے میرے چہرے پر جانسن کا میک اَپ کر دیا۔ یہی بات ہے، نا؟"

"نہیں... میں نے تمھارے چہرے پر میک اَپ نہیں کیا..." میگی نے جواب دیا۔ "اور نہ ہی میں نے جانسن کو ہلاک کیا ہے۔"

"پھر وہ کہاں غائب ہو گیا ہے؟"

"ممکن ہے، تم نے ہی اُسے قتل کیا ہو۔"

"ہو سکتا ہے...!" شہزاد بڑبڑایا۔ "تو تم برطانوی ایجنٹ ہو۔" اُس نے میگی کی طرف دیکھا جو یہ بات سُن کر بُری طرح اُچھل پڑی تھی...

"تمھیں کیسے معلوم ہوا؟" اُس نے تیز آواز میں کہا۔ "میں نے اپنے بارے میں بتاتے ہوئے کہا تھا کہ میں ایک سرکاری ایجنٹ ہوں۔ بھئی تم نے...؟"

"بیبی... شہزاد نے اُس کا ہاتھ تھام لیا۔ "میرے قریب بیٹھ جاؤ اور مجھے سب کچھ بتا دو۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمھیں کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا اور تم سے ہر ممکن تعاون کروں گا۔"

میگی کچھ دیر تو خاموش اور اُلجھی اُلجھی سی رہی... پھر اُس نے شہزاد سے پہلی ملاقات اور اپنے بارے میں سب کچھ تفصیل سے بتا دیا۔ اُس نے اس بات کی بھی وضاحت کی کہ یہاں آنے کا مقصد کیا ہے اور اُس کے کیا کیا عزائم ہیں۔

"گویا تم نیمراد کا مشن ناکام بنانا چاہتی ہو؟"

"صرف میں ہی نہیں، دُنیا کے سارے ممالک اس سلسلے میں کوشاں ہیں۔" میگی نے جواب دیا۔ "مجھے اُمید ہے کہ ہر ملک کا کوئی نہ کوئی ایجنٹ یہاں آ چکا ہے... اور اسی روشنی میں مجھے یہ توقع بندھ گئی ہے کہ تم بھی کسی ملک کے ایجنٹ ہی ہو۔ تم کرائے کے قاتل نہیں ہو سکتے۔"

شہزاد نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"ہو سکتا ہے، تمھارا خیال درست ہو۔" اُس نے کہا۔ "لیکن جب تک اس راز سے پردہ نہیں اُٹھتا کہ اصلی جانسن کہاں ہے اور میں اُس کے بھیس میں یہاں کیسے آ گیا۔ اس وقت تک حتمی طور پر کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا۔"

"تم کسی اچھے ڈاکٹر سے کیوں نہیں ملتے؟"

"نہیں... یہ راز فی الحال ہم دونوں کے درمیان رہنا چاہیے۔" شہزاد نے کہا۔ "میں محسوس کر رہا ہوں کہ تمھیں شریکِ راز بنا کر مجھ سے غلطی سرزد ہو رہی ہے لیکن اس وقت میں نے خود کو اس طاقت کے دھارے پر چھوڑ رکھا ہے جو میرے اندر موجود ہے اور میری گمشدہ شخصیت کے باوجود رہنمائی کر رہی ہے۔ اس طاقت نے مجھے احساس دلایا ہے کہ تم ایک ایسی عورت ہو، جسے ہلاک نہیں ہونا چاہیے۔ ورنہ یقین جانو میں آج تمھارا خاتمہ کر دیتا۔"

"کچھ ایسا ہی معاملہ اِدھر بھی ہے۔" میگی نے مسکرا کر کہا۔

"کیا مطلب؟"

"تمھاری آمد سے کچھ ہی دیر قبل مجھے سختی سے حکم دیا گیا تھا کہ تمھیں قتل کر دیا جائے۔ میں اس کے لیے خود کو تیار کر چکی تھی لیکن..."

"لیکن کیا...؟"

"کسی انجانے جذبے نے مجھے احساس دلایا کہ تم جانسن نہیں ہو۔ اس لیے تمھیں قتل نہیں کرنا چاہیے۔" اُس نے اپنے لبادے سے ریوالور نکال کر شہزاد کی طرف بڑھا دیا۔ "مجھے حیرت ہو رہی ہے کہ تمھاری شخصیت نے مجھے کس حد تک متاثر کیا ہے۔ یہ تمھاری شخصیت کا سحر ہی تھا کہ میں نے تمھاری بے ہوشی کے دوران میں بھی تمھارا ایک اپ ختم کر کے اصل چہرہ دیکھنے اور یہ تصدیق کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی کہ تم جانسن ہو۔"

"اس کی وجہ غالباً یہ رہی ہوگی کہ تمھیں میرے جانسن ہونے کا سو فی صد یقین تھا۔" شہزاد نے مسکرا کر کہا۔

"اب تم کیا کرو گے، جانسن؟"

"جانسن!" شہزاد نے دُہرایا۔ "ہاں، جب تک میری حقیقی شخصیت بے نقاب نہیں ہو جاتی، میں جانسن ہی بنا رہوں گا۔"

"تم نیمراد سے ملے تھے؟" میگی نے اچانک ہی سوال کیا۔

"ہاں... لیکن میں اس ملاقات کے سلسلے میں تمھیں فی الحال کچھ نہیں بتاؤں گا۔"

"کیوں...؟"

"میں چاہتا ہوں کہ تم مجھ پر اندھا اعتماد کرو۔"

"کوئی عورت اپنا آپ اُس وقت تک مَرد کے قدموں میں نچھاور نہیں کرتی جب تک اُس پر اعتماد نہ ہو۔ اعتماد ہی نسوانیت کی اصل قیمت ہے۔"

"یہ قیمت کبھی کبھی چند سکوں تک بھی محدود ہو جاتی ہے۔ اس لیے ان باتوں کو چھوڑو اور خود کو قابو میں رکھو۔ مجھے اُمید ہے کہ بہت جلد میں اپنے بارے میں کسی ٹھوس نتیجے پر پہنچ جاؤں گا۔"

"اور میرا مشن؟"

"اسے فی الحال ملتوی کر دو۔"

"ہیڈ کوارٹر میرا دشمن ہو جائے گا۔"

"پروا نہ کرو۔ میرے ہوتے ہوئے کوئی تم تک نہیں پہنچ سکتا۔"

"لیکن میں اُنھیں کیا جواب دوں گی؟"

"کچھ بھی کہہ کر مطمئن کر دینا۔" شہزاد نے کہا اور اس ریوالور کو نیم وا نظروں سے دیکھنے لگا جسے اُس نے میگی کے ہاتھ سے لیا تھا... پھر وہ فوم کے اُس گدّے کی طرف متوجہ ہو گیا جس کی دلدل میں نرم ہڈیاں پوشیدہ تھیں۔

وہ تھکے تھکے سے انداز میں بستر پر لیٹ گیا۔

●

اُوشان کنول کے آسن میں بیٹھا ٹی۔ وی سکرین پر نگاہ گاڑے ہوئے تھا کہ اچانک اُس کے نتھنے پھڑکنے لگے۔ اُسے موت کی بُو محسوس ہونے لگی تھی۔ اُس کی پُتلیوں میں حرکت پیدا ہوئی لیکن اُسے حدِ نگاہ تک کوئی ایسی چیز دکھائی نہ دی جسے وہ موت سے منسوب کر سکتا۔

سامنے کھڑکی کھلی تھی۔ اس نے کھڑکی سے باہر دیکھا۔

احاطے کے اُس پار ایک تاریک کھلی جگہ تھی۔ وہ آہستہ آہستہ اُٹھ کھڑا ہوا۔ اُس نے اپنے کمرے کے دروازے کی طرف دیکھا جو بند تھا۔ اُس نے دروازے کے قریب پہنچ کر ایک بار پھر عقب میں دیکھا لیکن تاریک کھڑکی میں کچھ دکھائی نہ دیا... البتہ موت کی بُو کا احساس اب بھی ہو رہا تھا۔

دروازہ کھول کر وہ کمرے سے باہر آ گیا۔

راہ داری بالکل خالی پڑی تھی۔

وہ آہستہ آہستہ سنسان راہ داری میں چلنے لگا۔ اچانک سامنے سے دو آدمی آتے دکھائی دیے۔ وہ اُوشان کے قریب پہنچے تو پہلے اُن کی آنکھوں میں حیرت کے تاثرات اُبھرے پھر اُنھوں نے کن انکھیوں سے ایک دُوسرے کی طرف دیکھا اور مسکرانے لگے۔ اُوشان ضبط کیے آگے بڑھتا رہا۔ ان دونوں کی تضحیک آمیز نگاہوں کو وہ نظر انداز کر دینا چاہتا

تھا...

نیمراد نے بھی کیسے کیسے جانوروں کو یہاں آنے کی دعوت دے رکھی ہے۔" اُوشان کی سماعت سے ایک کی آواز ٹکرائی۔

وہ ان کے دُور ہوتے قدموں کی آہٹیں سُنتا ہوا آگے بڑھتا رہا... پھر اُسے ایک دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی آواز سُنائی دی۔ نہ جانے کیوں اُوشان کے ہونٹوں پر ایک عجیب سی مسکراہٹ رقص کرنے لگی۔ اُس نے آہستہ سے گردن گھما کر دیکھا۔ اس وقت ان دونوں میں سے آخری آدمی کمرے میں داخل ہو رہا تھا۔ اُوشان نے دروازے کو ذہن میں محفوظ کر لیا۔

راہ داری میں اس کا مختصر سا لیکن رُوحانی طاقتوں کا کندن جسم تیزی سے متحرک تھا۔ وہ گھوم گیا اور اُس کمرے کے دروازے پر جا پہنچا جس کی عقبی کھڑکی اُس کے کمرے کی کھڑکی کے سامنے واقع تھی...

اُوشان نے دروازے پر دستک دی۔

اندر سے کوئی جواب نہ ملا۔

اُس نے دائیں بائیں دیکھا۔

راہ داری سنسان تھی۔ اُوشان کا ہاتھ دروازے کے لٹو پر جم گیا۔ اُس نے اسے گھمایا تو دروازہ کھل گیا۔ گویا دروازہ مقفل نہیں تھا اور نہ ہی اُسے اندر سے چٹخنی لگا کر بند کیا گیا تھا۔

دروازہ کھلتے ہی اُوشان کو موت کی بُو مزید تیز محسوس ہونے لگی۔ وہ کمرے میں داخل ہوا اور اُس نے عقب میں دروازہ بند کرتے ہوئے غور سے ادھر اُدھر دیکھا۔

کمرے میں کوئی غیر معمولی بات نظر نہ آئی۔

ہلکی روشنی کا ایک بلب اس کمرے میں روشن تھا۔ وہ دوسرے کمرے میں آ گیا۔ اس تاریک کمرے میں وہ کھڑکی تھی جس سے اُوشان اپنے کمرے کی عقبی کھڑکی کو بہ آسانی دیکھ سکتا تھا۔ اُس نے کمرے میں قدم رکھتے ہی غسل خانے میں پانی گرنے کی آواز سُنی۔ اُس کا ہاتھ آہستہ آہستہ لائٹ کے سوئچ کی طرف بڑھ گیا۔

اگلے ہی لمحے کمرہ روشنی میں نہا گیا۔

اُوشان نے باتھ رُوم کی طرف دیکھا۔

باتھ رُوم کا دروازہ بند تھا۔ اُس کمرے میں آ کر اُسے پسینے، خوف اور موت کی شدید بُو محسوس ہونے لگی اور اُس کے نتھنے پھڑکنے لگے... وہ آہستہ آہستہ باتھ رُوم کی طرف بڑھ گیا۔

باتھ رُوم کا دروازہ باہر سے بند تھا۔ اُس نے آنکھیں نچائیں۔ ظاہر ہے غسل خانے میں نہانے والے نے دروازہ باہر سے بند

نہیں کیا ہوگا۔ اُسی لمحے اُسے ایک اور عجیب سا احساس ہُوا۔ اس احساس نے اُسے چاروں طرف دیکھنے پر مجبور کر دیا لیکن کوئی خاص چیز دکھائی نہیں دی۔ یہ شہزاد کی موجودگی کا احساس تھا جسے اُوشان نے کافی دیر بعد محسوس کیا تھا۔

اُس کا دل شدّت سے دھڑک اُٹھا۔

اُس کی مٹھیاں بھِنچ گئیں۔

فوراً ہی اُس کے ذہن میں یہ خیال گھُوم گیا کہ کیا اُس کا شاگرد موت سے ہمکنار ہوگیا ہے؟ اُس نے باتھ رُوم کا دروازہ ایک جھٹکے سے کھول دیا۔ سامنے باتھ ٹب میں ایک لاش تیر رہی تھی۔

اُوشان دیر تک اُسے دیکھتا رہا۔

یہ شہزاد کی لاش نہیں تھی۔

اُس نے ایک طویل سانس لی۔ اس کا مطلب تھا کہ شہزاد کچھ دیر قبل اس کمرے میں موجود تھا اور لاش کی حالت بتا رہی تھی کہ اُسے شہزاد ہی نے ہلاک کیا ہے۔ اُوشان کی آنکھوں میں موج کی پرچھائیاں رقص کرنے لگیں۔

اُس نے دروازہ بند کر دیا لیکن اُسے باہر سے کُنڈی نہیں لگائی۔

وہ تیزی سے بیرُونی دروازے کی طرف چل دیا... ابھی وہ دروازے سے چند قدم کے فاصلے پر تھا کہ اچانک دروازہ ایک جھٹکے سے کھُل گیا۔

اُوشان رُک گیا۔

دروازے کے فریم میں ایک لڑکی کھڑی تھی۔

لڑکی اُسے دیکھ کر چونک پڑی۔

"جاگر کہاں ہے؟" اُس نے پُوچھا۔ "اور تم کون ہو؟"

اُوشان ایک طرف ہٹ کر دیوار سے ٹیک لگائے کھڑا ہو گیا۔ اُس کی چمک دار آنکھیں لڑکی کا جائزہ لے رہی تھیں۔ لڑکی کا چہرہ آوارگی کی تصویر تھا۔ اُس کے بال بکھرے ہُوئے تھے اور اُس کی آنکھوں میں مُجرموں کی سی انگڑائیاں لے رہی تھی۔ اُوشان کے ہونٹ نفرت سے بھِنچ گئے۔ وہ اس لڑکی کے سامنے سے ہٹ جانے کا منتظر تھا تاکہ کمرے سے نکل سکے۔

"جاگر...؟" لڑکی نے زور سے پُکارا۔

وہ دو قدم اندر آگئی۔

جیسے ہی وہ جاگر کو آوازیں دیتی ہُوئی آگے بڑھی، اُوشان دروازے سے باہر آگیا۔ وہ راہ داری میں تیز تیز چلنے لگا... ابھی وہ موڑ سے گھُوما ہی تھا کہ اُس کی سماعت سے ایک تیز نسوانی چیخ ٹکرائی...

دہشت میں ڈُوبی ہُوئی اس آواز نے ماحول کو کانپنے پر مجبور کر دیا اور سناٹے میں ڈُوبی ہُوئی عمارت کے دَر و دیوار اُس چیخ سے گُونج اُٹھے۔ اُوشان کی رفتار مزید تیز ہوگئی۔ سنسان راہ داری آباد ہونے سے پہلے پہلے اپنے کمرے میں جانا چاہتا تھا۔

اُس کے قدم تیزی سے اُٹھنے لگے اور اس کا لبادہ لہرانے دکھائی دینے لگا۔ یُوں لگ رہا تھا جیسے وہ راہ داری میں چہل قدمی کی بجائے، فرش سے چند انچ اُوپر ہوا میں تیزی سے اُڑنے میں مصروف ہو...

ابھی وہ اپنے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر پہنچا ہی تھا کہ باہر راہ داری میں دروازے کھُلنے کی آوازیں پیدا ہونے لگیں۔ اُوشان نے کمرے کی روشنی بُجھا دی اور تاریک کھڑکی میں کھڑا ہو کر اُس کھڑکی کو گھُورنے لگا جو اُس پار دکھائی دے رہی تھی۔

❂

بہرام بے حد پریشان تھا۔

البیرہ میں مقیم اس کا سیکرٹری اُسے ہر ایک گھنٹے بعد تمام تر رپورٹ دے رہا تھا لیکن ابھی تک اُسے اس کے علاوہ کوئی خاص بات معلوم نہیں ہو سکی تھی کہ مسٹر پارک ہوٹل اسٹون وال پہنچ گئے ہیں۔ اُوشان نے اسی نام سے وہاں کمرہ حاصل کیا تھا۔ اُوشان کے سلسلے میں اُسے آخری اطلاع یہی ملی تھی کہ وہ اپنے کمرے میں جانے کے بعد اب تک باہر نہیں آیا۔

"آخر یہ بڑے میاں وہاں کیا کرتا پھر رہا ہے؟" بہرام نے باہر ہتھیلی پر دایاں گھونسہ مارتے ہُوئے زیرِ لب کہا۔ "اس نے ابھی مجھ سے رابطہ قائم نہیں کیا؟"

شہزاد کے بارے میں اس کے سیکرٹری نے تازہ ترین اطلاع دی تھی کہ وہ ہوٹل واپس آگیا ہے اور اب وہ اپنے کمرے میں ایک انگریز لڑکی کے ساتھ موجود ہے۔ سیکرٹری نے ہوٹل اسٹون وال میں ہونے والے دو بدمعاشوں کے تصادم کی بھی اطلاع دی تھی اور یہ ظاہر کیا تھا کہ البیرہ میں اب ہر لمحے اور ہر جگہ ایسی واردا تیں ہونے کا امکان پیدا ہوگیا ہے۔

"نیرانف...!" بہرام خود کلامی کے انداز میں بولا۔ "تمہیں البیرہ کا مالک بنانے میں لاکوں پتنے چلانے پڑیں گے۔ شاید تم نہیں جانتے کہ کا آپس کا تصادم کس قدر ہولناک ہو سکتا ہے۔"

بہرام کو دیگر ممالک کی سیکرٹ سروسز کے رہنماؤں سے رابطہ کرنے کے بعد اس بات کا اندازہ ہوگیا تھا کہ تقریباً ہر مُلک نے اپنا ایجنٹ وہاں بھیج دیا ہے تاکہ وہ دُنیا کے نقشے پر کسی مجرم آبادی کے سے ایک ملک کے اُبھرتے ہُوئے وجود کو نیست و نابود کر سکے... سلسلے میں دُنیا کے تمام ترقی یافتہ ممالک بے حد پریشان تھے اور ہر ی اپنے اپنے طور پر نیرانف کی اس سازش کو ناکام بنانے کی کوشش مصروف ہوگیا تھا۔

دُنیا کا ہر شخص اس بات کو اچھی طرح سمجھ سکتا ہے کہ جب ملک کی پُوری آبادی مُجرموں پر مشتمل ہوگی تو کیا ہوگا؟ پُوری دُنیا جرائم کی زبردست لہر پھیل جائے گی اور قانون کو بے بس کرنے کی ششیں تیز ہو جائیں گی۔ ہر جرم پیشہ شخص یہ سوچ کر قانون شکنی شروع ے گا کہ فرار ہو کر البیرہ میں پناہ گزیں ہو جائے گا... پھر نیرانف جیسا ناک شخص شاید دُنیا کی ہر حکومت سے خراج وصول کرنا شروع کر ے گا۔

"نہیں... ایسا نہیں ہو سکتا۔" بہرام نے ایک بار پھر ہتھیلی پر مارتے ہُوئے کہا۔ "ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔"

اُس نے سگار سُلگایا اور دُھوئیں کا ایک بادل سا اُگل دیا۔ اس کی آنکھیں مُرخ ہو رہی تھیں۔ اس کے ہونٹ خشک تھے اور ان پر پپڑیاں جم گئی تھیں۔ اس کے بال بکھرے ہُوئے تھے اور ایک پریشان سی الجھن اس کی پیشانی پر بھی اُتر آئی تھی۔ اس کی شیو بڑھ کر رخساروں پر کانٹوں جیسی فصل بن گئی تھی۔ اس نے سگار کا ایک اور کش لگا کر دُھواں خارج کرتے ہُوئے فون کی طرف دیکھا جو خاموش تھا۔ ٹرانسمیٹر کی سُرخ بتی روشن تھی لیکن اس پر دُور افتادہ آوارہ ہواؤں کی سرسراہٹ کے علاوہ کچھ سُنائی نہیں دے رہا تھا۔

"ٹائیگر..." بہرام نے بڑے کرب ناک لہجے میں یہ نام لیا۔ "اس کے لیے مجھ سے رابطہ قائم کرو... پلیز... ٹائیگر۔" اس کی آواز بھرا گئی۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں۔

اُسے اپنی کھوپڑی چٹختی ہُوئی محسوس ہو رہی تھی۔

سوچوں اور اندیشوں نے اُسے نڈھال کر دیا تھا۔

وہ گزشتہ تین روز سے اسی کمرے میں قید تھا اور اس کا زیادہ تر وقت سے سر ہلاتے ہُوئے ہی گزرا تھا۔ ان تین دنوں میں وہ تھوڑے تھوڑے سے سویا بھی تھا لیکن نیند میں بھی اُسے ڈراؤنے ہیولے خوفزدہ کرتے رہے۔ اندیشے اور خدشے خواب میں ایسے ایسے مناظر دکھاتے کہ بے قرار ہو کر اُٹھ بیٹھتا۔

بہرام جانتا تھا کہ اگر وہ مزید ایک آدھ روز اسی حالت کا شکار رہا تو شاید وہ اپنا ذہنی توازن ہی کھو بیٹھے۔ اُسے سب سے زیادہ فکر ٹائیگر کی تھی جس پر نہ جانے کیا افتاد ٹوٹ پڑی تھی۔

اچانک ٹرانسمیٹر پر آواز اُبھرنے لگی۔

وہ چونک کر ادھر متوجہ ہوگیا۔

"یس... میں سیٹ پر موجود ہُوں۔" اس نے بے چینی سے کہا۔

"ہوٹل اسٹون وال میں ایک قتل ہوگیا ہے۔" سیکرٹری کی آواز سُنائی دی۔ ہونٹوں کے شور میں اس کی آواز بار بار دھیمی ہو جاتی تھی لیکن بہرام ہمہ تن گوش تھا۔ جاگر نامی ایک امریکی مُجرم اپنے باتھ رُوم میں مُردہ حالت میں پایا گیا ہے۔ اس کے بارے میں مختلف آرا سُننے میں آ رہی ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ وہ پھسل کر گر گیا اور مر گیا... کوئی کہتا ہے وہ پھسل کر ٹب میں بے ہوش ہوگیا اور پانی کی وجہ سے بعد میں ہلاک ہُوا۔"

"سیکرٹری...." بہرام کی آواز میں جھلاہٹ تھی۔

"پلیز چیف! مجھے کہنے دیں۔"

"مجھے ان بدمعاشوں کی موت سے کوئی دلچسپی نہیں۔"

"لیکن چیف، یہ بُھی بھی کیا جا رہا ہے کہ جاگر کی موت کے ذمے دار مسٹر پارک ہیں۔ وہی بوڑھا شخص جن کی نگرانی کے لیے آپ نے خاص حُکم دیا تھا۔"

بہرام کو یُوں محسوس ہُوا جیسے اس کی کھوپڑی بھک سے اُڑ جائے گی۔ اس کے دونوں ہاتھ اپنے سر پر پہنچ گئے اور اُنگلیاں پریشانی کے عالم میں بالوں کو اُلجھانے لگیں۔ مارے حیرت کے اس کا بُرا حال تھا۔ اس کی سمجھ میں یہ بات نہیں آ رہی تھی کہ البیرہ کی سرزمین پر قدم رکھتے ہی لوگوں کو کیا ہو جاتا ہے۔ اُوشان سے اُسے کسی خلاقت کی توقع نہیں تھی۔

"مسٹر پارک، جاگر کے کمرے میں موجود تھے کہ جاگر سے ملنے والی ایک لڑکی وہاں پہنچ گئی۔ اس نے مسٹر پارک کو کمرے میں دیکھ لیا... پھر وہ جاگر کو پکارتی ہُوئی باتھ رُوم تک جا پہنچی۔ اس نے لاش دیکھی تو دہشت زدہ ہو کر چیختی ہُوئی باہر آگئی اس وقت تک مسٹر پارک راہ داری سے غائب ہو چکے تھے۔ کسی نے انھیں راہ داری میں دوڑتے ہُوئے نہیں دیکھا... البتہ دو افراد کا بیان ہے کہ اُنھوں نے مسٹر پارک کو اپنے کمرے سے نکلتے ضرور دیکھا تھا۔ پولیس مسٹر پارک کی تلاش میں ہے۔"

"اوہ... اور وہ خود کہاں ہے؟"

"انھیں ہوٹل سے باہر جاتے نہیں دیکھا گیا۔"

"کیا مطلب؟" بہرام کی کھوپڑی گھُوم گئی۔ "وہ ہوٹل میں موجود ہے اور کسی کو نظر نہیں آ رہا؟"

"جی ہاں! کچھ ایسا ہی پُراسرار معاملہ ہے۔ پولیس کئی بار ان کے کمرے میں جا چکی ہے لیکن ہر مرتبہ انھیں مسٹر پارک کو دیکھنے میں ناکامی

ہوتی ہے جب کہ وہ لوگ جیسے ہی کمرے سے باہر آتے ہیں، اندر سے مسٹر پارک کی موجودگی کا احساس ہونے لگتا ہے؟

"خُدایا..." بہرام نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر زور زور سے دبانا شروع کر دیا۔ "اگر میں کوئی بھیانک خواب دیکھ رہا ہوں تو میری آنکھ کھول دے ورنہ میں پاگل ہو جاؤں گا۔"

"مسٹر پارک کو بے حد پُراسرار شخصیت سمجھا جانے لگا ہے جناب!" سیکرٹری اُس کی بڑبڑاہٹ سُنے بغیر کہتا رہا۔ "آج ہی ایک ٹیکسی ڈرائیور نے بھی اخبار نویسوں کو اُن کے بارے میں چند باتیں بتائی تھیں۔ ٹیکسی ڈرائیور نے انہیں کوئی زبردست جاسوس سمجھا اور بعض ایسی باتیں بھی اُن سے منسوب کر دیں جو مجھے یقین ہے کہ سراسر غلط ہیں۔ بہرحال اُن کے کمرے کو باہر سے مقفل کر دیا گیا ہے اور ایک مسلح پولیس مین دروازے پر متعین ہے۔ جس پر ہوٹل کی انتظامیہ چراغ پا ہو رہی ہے۔ توقع ہے کہ کل تک اس سلسلے میں صورتِ حال کھل کر سامنے آ جائے گی۔"

"اور جانسن کا کیا ہوا؟"

"وہ ایک انگریز لڑکی کے ساتھ اپنے کمرے میں ہے۔"

"ہوں..." بہرام نے کہا۔ "ٹھیک ہے، تم مجھے تازہ ترین صورتِ حال سے آگاہ کرتے رہو۔ میں نے کسی بھی اہم بات کے لئے ٹرانسمیٹر سیٹ کھلا رکھا ہے اور ہر وقت اِسی فریکوئنسی پر موجود ملوں گا۔"

"بہت بہتر، جناب!" سیکرٹری نے مؤدب لہجے میں کہا۔

سیٹ پر ہواؤں کی سنسناہٹ گونجنے لگی۔

بہرام دزدیدہ نظروں سے فون کی طرف دیکھنے لگا۔ اُس نے شہزاد کے کمرے میں ایک فون کال کی تھی اور اُسے اسی کا ایک مقفول سُنایا تھا۔ لیکن شہزاد کی آواز سے اُسے یوں محسوس ہُوا تھا جیسے وہ اپنے اس مخدوش جملے کو بھول گیا ہو... بلکہ اُس کے انداز سے تو یہ بات نمایاں تھی کہ اس نے بہرام کو سرے سے پہچانا ہی نہیں ہے۔ یہ بات بہرام کی اُلجھنوں اور پریشانیوں کو مزید بڑھا رہی تھی کہ آخر شہزاد نے اس قدر اجنبیت کا اظہار کیوں کیا تھا؟

"یقیناً اُس کے قریب کوئی موجود ہو گا۔" اُس نے زیرِ لب کہا۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ خود کو تسلی دینے کی کوشش کر رہا ہو... "وہ لڑکی اُس کے قریب ہو گی۔ اسی لیے اُس نے مجھے پہچاننے سے انکار کر دیا..."

اس خیال کے تحت، اُس نے چونک کر ٹرانسمیٹر سیٹ کی طرف دیکھا اور تیزی سے سیکرٹری سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ جلد ہی دوسری طرف سے ہَوا کی تیز سرسراہٹوں میں سیکرٹری کی آواز سُن کر اُس نے کہا۔

"میں چاہتا ہُوں کہ جب وہ انگریز لڑکی، ایجنسٹ کہیں جائے تو مجھے فوری طور پر اطلاع دی جائے۔"

"اوہ... ایک منٹ جناب!" سیکرٹری نے کہا۔ بہرام نے فون کی گھنٹی سُنی۔ غالباً سیکرٹری کے فو پر کال آئی تھی... کچھ دیر وہ فون پر مصروف رہا... پھر وہ وا بولا۔ "لڑکی اس وقت لابی میں تنہا ہے اور اس کی میز پر ایک سا شخص موجود ہے۔ لڑکی اور اُس کے درمیان شاید کوئی ہو رہا ہے۔"

"اور ایجنٹ...؟" بہرام نے سوال کیا۔

"وہ اس وقت اپنے کمرے میں تنہا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" بہرام نے جلدی سے کہا اور فون کی متوجہ ہو گیا۔ اُس نے طویل فاصلے کی کال ملانے کی کوشش کر دی... لیکن اُسے کامیابی نہیں ہُوئی۔ کافی دیر بعد جب کے آپریٹر کی آواز سُنائی دی تو اُس نے جواب دیا کہ مسٹر جا کمرے سے کوئی جواب نہیں مل رہا۔ شاید وہ اس وقت ا ہیں۔ آپریٹر نے اُس سے کوئی پیغام دینے کے لیے کہا تو بہرا "ٹھیک ہے، اُس سے کہہ دینا کہ اُس کے خانو کا ٹیلی میں اُس کی طرف سے بے حد پریشان ہُوں۔ اُس سے کہہ د بالآخر اُس سے متفق ہوں کہ جس لڑکی کے چہرے پر اُن گنت جھُوریے تل نہیں ہوتے، اُس کی مثال ایسی رات جیسی ہے جب ستارے نہیں نکلتے۔"

دوسری طرف سے لیڈی آپریٹر کے ہنسنے کی آواز سُنا بہرام نے جھلا کر سلسلہ منقطع کر دیا۔

☆☆

میگی نے چونک کر اُس عجیب الخلقت آدمی کی طر جو بڑی بے تکلفی سے اُس کے سامنے والی کرسی پر آ بیٹھا تھا۔ وقت لابی میں بیٹھی تھی اور اُسے شہزاد کا انتظار تھا۔

رات بہت دیر تک، وہ اُسی کے کمرے میں رہی تھی اُس نے اپنے کمرے میں آ کر، اپنے ہیڈ کوارٹر کو اطلاع دے دی وہ جسے جانسن سمجھ رہی تھی، وہ جانسن کی بجائے کوئی اور ہے پر دوسری جانب سے خاصی تلخ کلامی ہُوئی تھی لیکن میگی نے یہ کہہ کر کر دی تھی کہ وہ اپنی ذمّے داری پر سب کچھ کر رہی ہے... اور بہتر نتائج کی توقع ہے۔

صبح، اُس کی آنکھ دیر سے کھلی تھی۔

اُس نے شہزاد یعنی جانسن سے فون پر رابطہ قائم کیا

لابی میں ناشتے کے لئے بُلایا... لیکن وہ ابھی تک نہیں آیا تھا اور اُس کی جگہ یہ عجیب الخلقت آدمی اُس کے سامنے براجمان تھا۔

"لابی میں اور بھی بہت سی میزیں خالی ہیں۔" میگی نے درشت لہجے میں کہا۔

"ہاں..." خوفناک شخص نے کہا۔ "لیکن وہ میزیں خالی ہیں اور میں خالی میز پر بیٹھنا پسند نہیں کرتا۔"

ڈھٹائی کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ میگی نے سوچا اور اُٹھ کھڑی ہُوئی۔ "ٹھیک ہے۔" اُس نے بلند آواز میں کہا۔ "تم بیٹھو میں دوسری میز پر چلی جاتی ہُوں۔"

"بیٹھ جاؤ، لڑکی!" خوفناک شخص نے کہا۔

اس کی آواز میں نہ جانے کیا اثر تھا کہ میگی کو اپنی ریڑھ کی ہڈی میں سرد سی لہر دوڑتی ہُوئی محسوس ہونے لگی۔ وہ کوشش کے باوجود اپنی جگہ سے حرکت نہ کر سکی۔ اُسے لگا ایک اپنی ٹانگیں بے جان سی گلنے لگیں۔ وہ نہ چاہتے ہُوئے بھی بیٹھ گئی۔

اُس نے دزدیدہ نگاہوں سے لفٹ کی طرف دیکھا۔

لفٹ کے دروازے بند تھے اور یہ اندازہ لگانا مشکل تھا کہ لفٹ کون سی منزل پر ہے، نیچے آ رہی ہے یا اُوپر جا رہی ہے... یا پھر کہیں رُکی ہُوئی ہے۔ اُس نے زینے کی طرف دیکھا... لیکن جانسن کہیں نظر نہ آ رہا تھا۔ وہ حیران تھی کہ جانسن کہاں چلا گیا؟ اُس نے تو کہا تھا کہ لابی میں چل کر بیٹھے، وہ جلد ہی اُس کے پاس پہنچ جائے گا۔

اُس نے ایک طویل سانس لی اور خود کو ذہنی طور پر سنبھالنے لگی۔

وہ کوئی عام لڑکی نہیں تھی کہ کسی عجیب سے چہرے والے کی موجودگی ہی سے گھبرا جاتی لیکن اس شخص میں کوئی ایسی بات ضرور تھی جس نے اُس کی چھٹی حس کو خطرے کا اظہار کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔

"کون ہو تم اور مجھ سے کیا چاہتے ہو؟" اُس نے تیکھی نظروں سے عجیب الخلقت شخص کی طرف دیکھتے ہُوئے سوال کیا۔

"میں جو کچھ ہُوں، تم دیکھ رہی ہو۔" وہ بے حیائی سے مُسکرایا۔

"اور چاہتے کیا ہو؟"

"کسی عورت سے کیا چاہا جا سکتا ہے؟"

اچانک میگی کا دایاں ہاتھ چل گیا۔ اُس نے پوری قوت سے تھپڑ مارا تھا۔ اس کا ہاتھ اچانک ہی بے قابو ہو گیا تھا... اور اب اُسے خود بھی اپنی اس جرأت پر حیرت ہو رہی تھی۔ جس شخص کی موجودگی ہی اس کے لیے اتنی پریشان کُن تھی، اُس پر اتنی دلیری سے ہاتھ بھی اُٹھا سکتی ہے، یہ اُس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا... لیکن اس بے حیا نے اُسے کوئی سستی عورت سمجھ کر جو کچھ کہا تھا، میگی کی نسوانیت اُسے برداشت نہیں کر سکی تھی۔ وہ، اس طمانچے کا ردِ عمل دیکھنے لگی۔

خوفناک چہرے والے شخص کے انداز میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہُوئی تھی۔ یُوں لگتا تھا جیسے میگی نے یہ تھپڑ، اُس کی بجائے کسی اور کو مارا ہو۔ اس کے ہونٹوں پر البتہ وہی خوفناک مسکراہٹ تھی جسے اُس نے پہلی نظر میں دیکھتے ہی محسوس کر لیا تھا۔

"کرارا ہاتھ ہے۔" خوفناک شخص نے دھیمی آواز میں کہا۔ "اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ تم ساری کی ساری کیسی ہو۔"

"میں کوئی جسم فروش عورت نہیں ہُوں۔" وہ تقریباً کھولتی ہُوئی بولی۔ "اپنی یہ منحوس صورت لے کر یہاں سے دفعان ہو جاؤ۔"

"کوئی بھی عورت جسم فروش نہیں ہوتی۔" خوفناک چہرے والے شخص نے فلسفیانہ انداز میں کہا۔ "عورت بس عورت ہوتی ہے اور مرد کا جو جی چاہے، اُسے سمجھ لے یا بنا لے۔" اُس نے میز پر قدرے جھکتے ہُوئے، میگی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر، ہونٹوں پر پھر وہی سفاک مسکراہٹ سجالی۔ "جانتی ہو، میں تمہیں کیا بنانا چاہتا ہُوں؟"

"مجھے، تم جیسے منحوس صورت شخص کو لے پالک بنانے کی کوئی خواہش نہیں۔" میگی نے ہونٹ کاٹتے ہُوئے زخمی ناگن کی طرح... پھُنکارتے ہُوئے کہا۔

"سُنا ہے، ناگن جتنی زہریلی ہوتی ہے، اتنی ہی جان دار ہوتی ہے۔" خوفناک شخص ڈھٹائی سے بولا۔

"اور سپیرے کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟" ایک مردانہ آواز سُنائی دی۔

میگی اور اُس شخص نے بیک وقت نگاہ اُٹھا کر اس طرف دیکھا جدھر سے آواز آئی تھی۔ شہزاد کی نگاہ، اُس شخص پر جمی ہُوئی تھی اور وہ دو قدم کے فاصلے پر یُوں کھڑا تھا جیسے اس شخص کے حرکت میں آتے ہی اُس پر پل پڑے گا۔ اُس کے ہونٹوں پر بھی بڑی خوفناک مسکراہٹ تھی۔ اُس کی آنکھوں میں جو چمک نظر آئی، اُسے میگی نے اب تک کی رفاقت میں پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

"جاؤ..." خوفناک شخص غرّایا۔ "چلے جاؤ۔"

"جانسن..." میگی نے اُٹھتے ہُوئے کہا۔ "چھوڑو اِسے۔ کہیں اور بیٹھ جاتے ہیں۔"

"نہیں... تم کہیں نہیں جاؤ گی۔" وہ شخص غرّایا اور اُس نے میگی کا ہاتھ تھام لیا۔ "تم میرے پاس ہی بیٹھو گی۔"

شہزاد آگے بڑھا اور اُس خوفناک شخص کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ میگی کو یُوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس شخص کی ٹھوس اُنگلیاں، اُس کی کلائی کی ہڈی کو چکنا چور کر دیں گی... لیکن پھر اچانک ہی وہ سنگلاخ

اُنگلیاں موم ہوگئیں۔ اُس نے گرفت ختم کردی اور ہاتھ کھینچ لیا۔
میگی نے سوچا کہ اب وہ شخص جانسن سے اُلجھ پڑے گا...

لیکن ایسا نہیں ہُوا۔ اُس کی آنکھوں کا خوفناک تاثر یکایک زائل ہوگیا اور اس کی جگہ کرب کے تاثرات اُبھر آئے۔ جس ہاتھ سے اُس نے میگی کی کلائی جکڑی تھی، وہ اُس کے پہلو میں یوں جھول گیا تھا جیسے اس میں سے جان ہی نکل گئی ہو۔

شہزاد نے اُسے ہاتھ سے دبا کر کرسی پر بٹھادیا۔

... پھر اُس نے کندھے سے ہاتھ ہٹالیا۔

لابی میں اس وقت دو، ایک میزیں ہی آباد تھیں لیکن کسی نے اُن کی طرف متوجہ ہونے کی کوشش نہیں کی تھی۔ گزشتہ روز دو بدمعاشوں کے ہولناک اور عبرتناک انجام کی وجہ سے غالباً ہر شخص نے اپنے کام سے کام رکھنے کا ارادہ کرلیا تھا۔

وہ شخص اب بُری طرح ہانپنے لگا تھا۔

شہزاد اس انداز میں کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا جیسے اس شخص کو خود اُسی نے دعوت دے کر وہاں بلایا ہو۔ اُس نے بڑی بے تکلفی سے خوفناک شخص کے دوسرے بازو کو مقبض تھپایا۔ میگی کو اپنا پورا جسم برف میں لگا ہُوا محسوس ہونے لگا۔ اُس نے دیکھا کہ خوفناک شخص کا دوسرا بازو بھی جیسے بے جان ہوگیا ہو۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ رُوئی کا بنا ہُوا کوئی کھلونا ہو اور شہزاد کا ہاتھ، اُس کے جسم کے جس حصّے سے بھی چھُو جاتا ہے، وہاں زندگی کے اثرات ختم ہو جاتے ہیں۔

"کیا منگواؤں؟" شہزاد نے بڑے پیار سے پوچھا۔

وہ، اس وقت بے حد غمگسار موڈ میں نظر آرہا تھا۔

میگی حیرت سے اُس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

وہ خوفناک شخص، جس نے اپنی چند لمحوں کی موجودگی میں اُس کی سانسیں بے ترتیب کردی تھیں، اب یوں بیٹھا تھا جیسے اُسے سانپ سُونگھ گیا ہو... یا پھر وہ پتھر کا ہوگیا ہو۔ اُس کی پلکیں تک نہیں جھپک رہی تھیں۔ اُس کے دونوں بازو پہلوؤں میں لٹکے ہُوئے تھے جیسے اُن دونوں کا اُس کے جسم سے کوئی تعلق نہ ہو۔

"کیا تم چاہتے ہو کہ تمہارے دونوں بازو پھر سے کارآمد ہوجائیں؟" شہزاد کا لہجہ اب بھی ایسا تھا جیسے وہ اپنے کسی بے حد عزیز دوست سے ہم کلام ہو۔

خوفناک شخص جلدی جلدی اثبات میں سر ہلانے لگا۔

"تو پھر خاموشی سے اُٹھ جاؤ اور شام کو مجھ سے ملنا۔"

"ل... لیکن..." وہ ہکلا گیا۔

"اگر تم نے ایک لمحہ بھی ضائع کیا تو تمہاری دونوں ٹانگیں مفلوج ہوجائیں گی۔" شہزاد نے کہا اور اس کا پاؤں میز کے نیچے آہستہ... اس شخص کی طرف بڑھنے لگا۔

وہ اُچھل کر کھڑا ہوگیا۔

"مم... میں..." اُس نے بھرائی ہُوئی آواز میں کچھ کہنا چاہا۔

"شام کو... شام کو یہیں آجانا۔" شہزاد نے کہا۔

وہ آہستہ آہستہ چلتا ہُوا، میز سے دُور ہوتا گیا۔ اس کے دونوں بازو، پہلوؤں میں بے جان لٹک رہے تھے اور وہ یوں چل رہا تھا جیسے خواب کی حالت میں ہو۔ کچھ فاصلے پر میز کے اطراف میں بیٹھے ہُوئے آدمیوں نے حیرت سے اُس کی طرف دیکھا اور پھر شہزاد کی طرف دیکھنے لگے۔ غالباً وہ کوئی ایسی ہی شخصیت تھی جس سے ان دونوں کا یوں خاموشی سے پسپا ہوجانے کی ہرگز توقع نہ رہی ہوگی۔

شہزاد میگی کی طرف متوجہ ہوگیا۔ اب اس کے انداز سے یوں لگ رہا تھا جیسے کچھ دیر قبل ہونے والی ساری بدمزگی، اُس کے ذہن سے محو ہوچکی ہو اور اُسے میگی کے علاوہ کسی بھی چیز سے کوئی دلچسپی نہ ہو۔

"تم نے اس شخص کے ساتھ کیا کیا جانسن؟" میگی نے سرگوشی میں پوچھا۔

"میں اس کی وضاحت نہیں کرسکتا۔"

"کیا وہی طاقت جس کا تم نے کل رات تذکرہ کیا تھا؟"

"شاید یہی بات ہے۔"

"حیرت انگیز... ناقابلِ یقین۔"

"میں خود بھی حیران ہُوں۔" شہزاد نے جواب دیا۔ "اچھا چھوڑو، کیا تم نے ناشتے کے لیے آرڈر دے دیا ہے؟"

"نہیں... میں ابھی آکر بیٹھی ہی تھی کہ یہ سر پر سوار ہوگیا۔"

شہزاد نے ویٹر کو اشارے سے قریب بُلایا اور اُسے ناشتے کا آرڈر دینے لگا۔ ناشتہ آنے تک وہ شخص ان کی میز سے ہٹ کر سیدھا فیئنے کی طرف گیا۔ گویا وہ اسی ہوٹل میں مقیم تھا اور یقیناً وہ بھی کوئی ایسا ہی نامی گرامی مجرم رہا ہوگا جس کا ریلا اس ملک میں آیا ہُوا تھا۔

"نیمراف نے رابطہ قائم کیا؟"

"نہیں..." شہزاد نے جواب دیا۔

"کیا تم آج اس کے محل جاؤ گے؟"

"نہیں۔ آج کا سارا دن میں تمہارے ساتھ تفریح میں ہی گزاروں گا۔"

"تم نے آج کا اخبار دیکھا؟"

شہزاد نے نفی میں سر ہلاتے ہُوئے استفہامیہ انداز میں اس کی طرف دیکھا۔ "نہیں۔ کوئی خاص بات؟"

"کل رات یہاں ایک لاش پائی گئی ہے۔" میگی نے بتایا... "سٹون وال کی انتظامیہ اس سلسلے میں بڑی بااثر ہے کہ اپنے ہاں قیام کرنے والوں کو زحمت میں نہیں ڈالتی۔ ہمارے فلور چونکہ بلندی پر ہیں اس لیے نچلی منزلوں پر ہونے والے ہنگاموں کا ہمیں اندازہ نہیں ہوتا اور نہ ہی کوئی آواز سُنائی دیتی ہے۔"

میگی نے اخبار میں شائع والی پُوری خبر اور اس پر تبصرہ کرنے کے بعد کہا۔ "اس سلسلے میں ایک بوڑھے آدمی کا نام بار بار لیا جا رہا ہے۔ اس کا نام شاید مسٹر پارک ہے اور وہ نیویارک سے یہاں آیا ہے۔"

شہزاد خاموشی سے سُنتا رہا۔

نہ جانے کیوں مسٹر پارک کے سلسلے میں میگی کی باتیں سُن کر اس کا جسم سنسنی کا شکار ہوتا جا رہا تھا۔ اس نے لاش کے سلسلے میں مسٹر پارک کا نام ذہنی طور پر قبول نہیں کیا کیوں کہ وہ جانتا تھا کہ جاگر کو اُس نے خود اپنے ہاتھوں سے قتل کیا تھا۔ اُسے یہ بھی یقین تھا کہ اس وقت اس پاس کوئی موجود نہیں تھا اور کسی نے بھی اُسے جاگر کے کمرے میں جاتے نہیں دیکھا اور نہ اس کے بارے میں بھی اخبار میں کچھ نہ کچھ ضرور ہوتا... یا پھر کم از کم پولیس اس سے باز پُرس تو یقیناً کرتی۔

میں کون ہوں؟ کہاں سے آیا ہُوں... اور میری آمد کا مقصد کیا ہے؟ ایک بار پھر اس کے ذہن میں یہ تین سوال تیزی سے گردش کرنے لگے۔ اس نے سر جھٹک کر ان پریشان کُن سوالات سے ذہن صاف کرلینا چاہا لیکن کامیاب نہ ہوسکا۔ اب تو صورتِ حال مزید پیچیدہ ہوگئی تھی۔ اُسے یہ معلوم ہوگیا تھا کہ وہ جانسن نہیں ہے حالانکہ اس وقت وہ اُسی حلیے میں تھا جس میں جانسن کو یہاں آنا چاہیے تھا... تو پھر جانسن کہاں غائب ہوگیا؟

یہ ایسے سوالات تھے جن کا اُس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔

اچانک اُسے یاد آگیا کہ نیمراف نے اس کے ذمّے دو آدمیوں کو ٹھکانے لگانے کا کام لگایا ہے۔ شہزاد... اور... اوشان! آخر یہ دونوں کون ہیں؟ نیمراف کے منصوبے کی تکمیل میں حائل ہونے والے دو دشمن! اس کے ذہن میں جواب اُبھرا لیکن اس طرح اس کا دِل مطمئن نہ ہوسکا۔

ایک خلش اسے بے چین کیے دے رہی تھی۔

ایک چبھن تھی جس نے اُسے بے قرار کر رکھا تھا۔

ناشتہ کرتے کرتے اس کا ہاتھ رُک گیا اور اُسے شدّت سے گھٹن محسوس ہونے لگی۔ یُوں جیسے کوئی اس کا دِل مٹھی میں لے کر اسے دھیرے دھیرے دبانے لگا ہو۔ اس نے بائیں ہاتھ سے اپنا سینہ رگڑا تو میگی چونک پڑی۔

"کیا بات ہے، جانسن؟"

"جانسن!" شہزاد نے چونک کر کہا۔

... پھر وہ ہوش میں آگیا اور حقیقت کا ادراک ہوتے ہی ہنس پڑا لیکن اس کی ہنسی میں کھوکھلاپن تھا۔ اچانک اُسے اپنی آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا پھیلتا محسوس ہُوا۔ اس نے آنکھیں سختی سے بھینچ لیں۔

"مسٹر جانسن!" ایک دھیمی سی آواز سُنائی دی۔

... لیکن شہزاد نے آنکھیں نہیں کھولیں۔ اُسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کے ذہن میں جھماکے سے ہو رہے ہوں۔ ایک منظر اس کے ذہن میں تیزی سے گردش کر رہا تھا۔ وہی منظر جس کی اس نے دوبار پہلے بھی جھلک دیکھی تھی... لیکن اس بار شہزاد کو یوں لگا، جیسے وہ منظر قدرے پھیل گیا ہو۔

"مسٹر جانسن! پلیز!" آواز اس بار قدرے بلند تھی۔

ایک دم اس کا ذہن صاف ہوگیا۔

اس نے آنکھیں کھول دیں۔

ہوٹل کا ایک ملازم مؤدب اس کے قریب کھڑا تھا۔ شہزاد نے پلکیں جھپکا کر اُس کی طرف دیکھا۔ "آپ کی کال ہے، جناب۔"

"اوہ اچھا۔" اس نے ایک طویل سانس لے کر کہا اور میگی کی طرف دیکھا۔ "میں ابھی آتا ہوں۔"

"میں بھی تمہارے ساتھ..."

"نہیں... اس کا لہجہ یکایک درشت ہوگیا۔

میگی ہانپ کر بیٹھ گئی۔ شہزاد کے اس لہجے کے سامنے اُسے شکست ہو جاتی تھی۔ شہزاد تیزی سے کاؤنٹر کی طرف بڑھا، جہاں بیٹھی ہُوئی ایک حسین لڑکی نے پلکیں جھپکا کر اس کی پُرکشش چال کو دیکھا اور اس کی آنکھیں خواب ناک ہوگئیں۔

"مسٹر جانسن، پلیز؟" اس نے پوچھا۔

شہزاد نے اثبات میں سر ہلا کر اس کے ہاتھ سے ریسیور لے لیا۔

"ہیلو..." اس نے ٹھوس لہجے میں کہا۔

"جانسن؟" دوسری طرف نیمراف تھا۔

"بول رہا ہُوں۔" شہزاد نے جواب دیا۔

"وہ بوڑھا اس وقت اپنے کمرے میں موجود ہے۔" نیمراف نے کہا۔

"تم اسے آسانی سے ٹھکانے لگا سکتے ہو۔"

"کون، اُدوشان؟" شہزاد نے دھیمی آواز میں کہا اور کن انکھیوں سے استقبالیہ کلرک کی طرف دیکھا جو اپنے کام میں مصروف ہوگئی تھی۔

"ہاں، اُدوشان!" نیمراف نے کہا۔ "اسے ٹھکانے لگا دو۔"

"بہتر ہے۔" شہزاد نے کہا اور ریسیور رکھ دیا۔ نیمراف نے اُسے اُدوشان کا کمرہ نمبر بتا دیا تھا۔ شہزاد نے اُس طرف دیکھا جہاں میگی بیٹھی اُسی کی جانب دیکھ رہی تھی۔

شہزاد نے دُور ہی سے ہاتھ لہرا کر اُسے انتظار کرنے کے لیے کہا اور استقبالیہ کلرک کی طرف متوجہ ہوگیا۔ "کمرہ نمبر ۱۰۱ کس فلور پر ہے؟"

"چھٹے فلور پر جناب!"

"وہاں جو شخص مقیم ہے، اُس کا کیا ہے؟"

"مسٹر پاک جناب!"

"اوہ... وہی جس کے بارے میں اخبارات نہ جانے کیا کیا لکھ رہے ہیں؟" شہزاد نے حیرت سے کہا۔ "کیا وہ اس وقت کمرے میں موجود ہے؟"

کافی دیر پہلے انھوں نے فون پر کھانا طلب کیا تھا لیکن جب ویٹر اُن کا کھانا لے کر اندر گیا تو وہ موجود نہیں تھے۔ وہ کھانا رکھ کر واپس آگیا۔ استقبالیہ کلرک نے سرگوشی کی۔ "تھوڑی دیر قبل جب ویٹر برتن لینے گیا تو خالی برتن میز پر موجود تھے لیکن وہ پُراسرار بوڑھا غائب تھا۔ مجھے تو حیرت ہے کہ وہ اچانک ہی کہاں غائب ہوجاتا ہے؟"

"میں بھی اسی پُراسرار سی صورتِ حال کے تحت اس میں دلچسپی لینے پر مجبور ہوگیا ہوں۔" شہزاد نے مسکرا کر کہا اور اس سے پہلے کہ استقبالیہ کلرک خود اس کے بارے میں کوئی سوال کرتی وہ زینے کی طرف بڑھ گیا۔

سیڑھیاں طے کرتے وقت اُس کے قدم تیزی سے اُٹھنے لگے۔ اُس کے ذہن میں متضاد خیالات اور دل میں متضاد جذبات انگڑائیاں لے رہے تھے اور وہ انھی خیالات و جذبات کی جنگ میں گھرا ہوا اس دروازے تک جا پہنچا جس کی دُوسری جانب وہ بوڑھا موجود تھا جسے قتل کرنے کے لیے اُسے حکم دیا گیا تھا۔

دروازے پر کوئی نگراں موجود نہیں تھا۔ غالباً اسی روز ہوٹل کی انتظامیہ کے احتجاج پر پولیس وہاں سے ہٹا دی گئی تھی۔

شہزاد نے دروازے پر دستک دینے کی بجائے اُسے دھکیلا تو وہ کھلتا چلا گیا۔ اُس نے اندر قدم رکھتے ہوئے سامنے دیکھا۔ ایک بوڑھا کنول کا آسن جمائے بیٹھا اُسے گھور رہا تھا۔

شہزاد نے حیرت سے پلکیں جھپکائیں۔

اُسے بتایا گیا تھا کہ اُس کا شکار ایک اسّی سالہ بوڑھا آدمی ہے۔ اس کے سامنے جو بوڑھا کنول کا آسن جمائے بیٹھا تھا بلاشبہ اس کی عمر کسی طرح بھی اسّی سال سے کم نہیں تھی لیکن وہ خطرناک ہرگز محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ شہزاد ہنس پڑا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ جُرم کرنے والے بھی کتنے محتاط ہوتے ہیں، اس بوڑھے کو ٹھکانے لگانے کی بجائے قبر کے کنارے لے جا کر بٹھا دینا زیادہ بہتر تھا تاکہ خالقِ حقیقی سے ملنے کے لیے اُسے محض ایک ہی قدم کا فاصلہ طے کرنا پڑے۔

شہزاد دروازے میں کھڑا اس بوڑھے کا جائزہ لیتا رہا۔

اس کے بارے میں وہ اب تک بہت سے افسانے سُن چکا تھا۔ اس کمرے تک آنے سے پہلے اُس نے کاؤنٹر کلرک سے بات چیت کی تھی تو لیڈی کلرک نے بتایا تھا کہ بوڑھا پل بھر میں کہیں غائب ہوجاتا ہے اور پھر فوراً ہی نہ جانے کہاں سے نمودار ہوجاتا ہے۔

شہزاد نے دیکھا کہ وہ ایک بے حد دُبلا پتلا اور ناتواں سا بوڑھا ہے جس کے چہرے کی رنگت بے پناہ زرد ہے۔ اس کی آنکھیں البتہ جان دار تھیں اگر اُس کی آنکھیں بھی ایسی نہ ہوتیں تو شہزاد اُسے زندہ سمجھنے پر کبھی آمادہ نہ ہوتا۔

وہ پلکیں جھپکائے بغیر شہزاد کو دیکھ رہا تھا۔

شہزاد نے ایڑی سے عقب میں دروازہ بند کر دیا۔

چند قدم آگے بڑھ کر وہ بوڑھے سے کچھ اور قریب ہوگیا۔

"کیا تم ہی اُدوشان ہو؟" شہزاد نے مضحکہ اُڑانے والے انداز میں سوال کیا۔ "تمھارے نام کی مناسبت سے تو میں کسی دھاکڑ قسم کے بوڑھے کی توقع کر رہا تھا۔"

اُدوشان کی پتلیاں ساکت رہیں۔

اُس کی آنکھوں میں بے پناہ چمک تھی۔

"جواب دو۔" شہزاد غرایا۔ "یا مجھے دیکھتے ہی تمھاری رُوح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی ہے؟"

اُدوشان کی آنکھوں میں یکایک سُرخی پیدا ہوگئی۔

شہزاد نے اُس کی آنکھوں میں دیکھا تو اُسے ایک شدید ذہنی جھٹکا لگا۔ اُسے کیوں محسوس ہوا جیسے بوڑھے اُدوشان کی آنکھیں، اُس کی آنکھوں میں جھانک رہی ہوں۔ خود وہ اپنی آنکھوں

میں ناکام محسوس کر رہا تھا۔ اُسی لمحے ٹائیگر کو اپنا سر گھومتا محسوس ہوا۔

وہ بدستور جھکا کا سا ہوا تھا۔

اُن میں ایک زبردست جھٹکا سا ہوا۔ اُن کے سامنے سے اندھیرا چھٹنے لگا۔ بوڑھا بھی غائب ہوگیا اور وہ، یہ تک بھول گئے کہ وہ وقت کہاں اور کس حال میں کھڑا ہے۔ اُس کے ذہن میں ایک منظر تیزی سے اُبھر رہا تھا۔ ایک سیاہ کار تیزی سے آرہی تھی... پھر اس کار کی عقبی کھڑکی سے اُسے سیاہ نالی جیسے ایک سیاہ ہاتھ نے سختی سے جکڑ رکھا تھا۔ اگلے ہی لمحے ایک تیز سی زبان لپکی اور ٹائیگر نے بے اختیار دونوں ہاتھوں سے اپنی آنکھوں پر رکھ لیے۔

اگلے لمحوں کا یہ ٹوٹا ہوا منظر ختم ہوتے ہی اُسے ادراک ہوا کہ وہ اسی حالت میں کھڑا ہے۔ اس نے جلدی سے دونوں ہاتھ ہٹا لیے۔ اُسے اپنا پورا جسم لرزتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ اُسے فوراً ہی اپنی بے ترتیب دھڑکنوں پر قابو پانا شروع کرنا پڑا۔

اب بار بار اُس کی نگاہ اُدوشان پر جم جاتی تھی۔

اُدوشان اب بھی کنول کے آسن میں براجمان تھا۔

شہزاد نے ایک طویل سانس لی۔

وہ سوچ رہا تھا کہ یہ بوڑھا کمزور اور ناتواں ہی نہیں، کچھ ہوا بھی ہے۔ اس کی ذہنی حالت جو چند لمحوں کے لیے زبردست جھٹکوں میں مبتلا ہوگئی تھی۔ اس موقعے پر خود اس کے لیے خطرناک بھی ثابت ہوسکتی تھی۔ بوڑھا اس پر فائر کر سکتا تھا۔ کم از کم فرار تو ضرور ہوسکتا تھا... لیکن اس نے دونوں میں سے ایک بھی حرکت نہیں کی تھی بلکہ وہ تو اسی طرح پلکیں جھپکائے بغیر اپنی گول گول، سانپ جیسی چمک دار آنکھوں سے گھورنے میں مصروف تھا۔

شہزاد نے اپنی قوتِ ارادی مجتمع کی اور اُدوشان کی آنکھوں میں گھورتے ہوئے مسکرانے لگا۔ "سنو، بڑے میاں!" اُس نے کچھ بھرائی آواز میں کہا۔ "میں محسوس کر رہا ہوں کہ تمھیں اپنی زندگی سے اکتاہٹ ہوگئی ہے اور تمھارا دل بیٹھا جا رہا ہے... لیکن میں تمھارے ساتھ سے چند باتیں کرنا چاہتا ہوں۔" اس نے یہ کہہ کر اِدھر اُدھر دیکھا۔

"وہ کہاں ہے؟" اس نے اُدوشان کی طرف پلٹ کر پوچھا۔

اُدوشان نے کوئی جواب نہیں دیا لیکن اس کی آنکھوں میں سوالیہ تاثرات ضرور اُبھر کر غائب ہوگئے تھے۔

"تمھارا ساتھی، شہزاد... ؟" شہزاد ٹائیگر نے غراہٹ آمیز آواز میں سوال کیا۔

جواباً اُدوشان کی آنکھیں حیرت ظاہر کرنے لگیں۔

"شہزاد کہاں ہے؟"

اُدوشان کے ہونٹ متحرک ہوئے لیکن کوئی آواز نہیں نکلی۔

ٹائیگر نے میز پر پڑے ہوئے پانی کے جگ کی طرف دیکھا... پھر آگے بڑھ کر اس نے پانی گلاس میں انڈیلتے ہوئے گلاس اُدوشان کی طرف بڑھا دیا۔ "لو چند گھونٹ پیو تاکہ خوف کے تاثرات تمھارے حلق سے معدے میں اُتر جائیں اور گھٹی ہوئی آواز آزاد ہوجائے۔"

شہزاد ٹائیگر کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ تھی جو تضحیک آمیز بھی کہا جا سکتا تھا لیکن اس میں رحم کے تاثرات کی بھی آمیزش تھی... اس کے انداز سے یوں لگتا تھا جیسے وہ اس ناتواں بوڑھے کو اپنے ہاتھوں سے ہلاک نہ کرنا چاہتا ہو۔ شہزاد کو اپنی یاد داشت کھونے کے بعد اپنے اندر جس ناقابلِ فہم قوت کا احساس ہوا تھا، وہ قوت اُسے اُدوشان پر ہاتھ اُٹھانے سے روک رہی تھی۔

"پانی پیو..." شہزاد کے لہجے میں غراہٹ آگئی۔

اچانک اُدوشان کا ہاتھ آہستہ آہستہ بلند ہوا۔

شہزاد نے غور سے اس کے استخوانی ہاتھ کی طرف دیکھا۔ جھُریوں رنگ کے لبادے کی کھلی آستین میں اُدوشان کا ہاتھ کسی ڈھانچے کا ہاتھ ہی معلوم ہوتا تھا۔ دفعتہً اُدوشان کی ایک انگلی نے حرکت کی اور شہزاد کے ہاتھ سے گلاس نکل گیا۔ اس کی گرفت زیادہ مضبوط نہیں تھی تاہم گلاس اس طرح ہاتھ سے نکلنا نہیں چاہیے تھا۔ شہزاد نے حیرت سے اُوپر دیکھا لیکن گلاس اُوپر نظر نہیں آیا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔

گلاس عقبی دیوار سے ٹکرایا تھا اور چکنا چُور ہوگیا تھا۔ پانی دیوار کے ساتھ ساتھ نیچے بہہ رہا تھا۔ شہزاد کی آنکھیں حیرت اور بے یقینی سے پھیل گئیں۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیوار کے اس حصّے کی طرف دیکھ رہا تھا، جہاں گلاس ٹکرا کر ٹوٹ گیا تھا۔

"ناممکن..." وہ بڑبڑایا۔

اس نے اُدشان کے اُٹھے ہوئے ہاتھ کی ایک انگلی کو خفیف سی حرکت کرتے مزید دیکھا تھا لیکن وہ انگلی کب گلاس کے پچھلے حصے سے ٹکرائی تھی اور گلاس کب اس کی انگلیوں کی گرفت سے نکل گیا تھا۔ یہ سب کچھ وہ دیکھنے سے قاصر رہا تھا۔ . . پھر اگر گلاس اُس کے ہاتھ سے نکل بھی گیا تھا تو اُسے اُوپر چھت کی طرف جانا چاہیے تھا لیکن ایسا نہیں ہُوا۔

گلاس اس کے ہاتھ سے نکل کر عقبی دیوار سے جا ٹکرایا تھا۔

اس کا مطلب تھا کہ گلاس اس کے سامنے سے بُلند ہُوا اور پھر سر یا کندھے کے اُوپر سے گزر کر دیوار سے جا ٹکرایا تھا۔

شہزاد نے دیوار پر بہتے ہُوئے پانی اور کانچ کے بکھرے ہُوئے ٹکڑوں سے اندازہ لگا لیا تھا کہ گلاس بے پناہ قوت سے، دیوار سے ٹکرایا تھا۔ . . اتنی قوت سے جو کسی انسانی ہاتھ سے ممکن نہیں تھی۔ . . اور خاص طور سے کسی اسّی سالہ بوڑھے میں اتنی توانائی تو ایں بھی ناقابلِ یقین تھی۔

ٹائیگر کے ذہن میں اُدشان کے سلسلے میں سُنی ہُوئی ساری ہی پُراسرار باتیں گھُوم گئیں اور تب اُسے احساس ہُوا کہ وہ جس بوڑھے کو کمزور اور ناتواں سمجھ کر نظر انداز کر رہا تھا، وہ درحقیقت بے حد خطرناک ہے۔ یمراف نے اُسے قتل کرنے کا حکم دے کر واقعی بہتر اندازہ میں سوچا تھا۔

اس کی مُٹھیاں سختی سے بھِنچ گئیں۔

وہ ایک جھٹکے سے پلٹ پڑا۔

اس نے سوچا تھا کہ بوڑھے اُدشان کی گردن مروڑ ڈالے گا۔ . . لیکن مُڑتے ہی اُسے ایک اور شدید ذہنی جھٹکے سے دوچار ہونا پڑا تھا۔ اس کی بھِنچی ہوئی مُٹھیاں کھل گئیں اور اس کی آنکھیں حلقوں سے اُبل پڑیں۔ وہ شدید حیرت اور بے یقینی سے دیکھ رہا تھا۔

. . . لیکن اُدشان وہاں موجود نہیں تھا۔

ٹائیگر نے اِدھر اُدھر اور عقب میں دیکھا لیکن اُدشان کہیں دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ بے یقینی اور حیرت کی بات یہ تھی کہ کمرے میں کسی کے چھپنے کے لیے کوئی جگہ نہیں تھی۔

اُدشان ٹی۔ وی کے سامنے قالین پر براجمان تھا۔ وہ وہاں سے بھلا کیسے غائب ہو سکتا تھا؟ شہزاد کی نگاہ کھڑکی کی طرف اُٹھ گئی۔ کمرے کی کھڑکی کھُلی ہوئی تھی وہ آندھی کے تیز جھکڑ کی طرح کھڑکی کی طرف بڑھا اور اس سے جھانک کر نیچے اور دائیں با

شہزاد نے لمحے بھر کے لیے آنکھیں بند کر لیں۔

اُسے چکر سا آ گیا تھا۔

اُدشان کا کمرہ پندرھویں منزل پر تھا اور عقبی حـ کوئی کارنس بھی نہیں تھی۔ وہ حیران تھا کہ بوڑھا اُدشان کیسے غائب ہو گیا۔ عقبی حصّے کی طرف کھڑکی سے اترنا نا کسی گرفت پوست کے انسان سے اُس کی توقع ہ جا سکتی تھی۔

"ناممکن . . ." شہزاد دوبارہ بڑبڑایا۔

وہ پلٹ کر ایک بار پھر دیوار کے اس حصّے کی طر لگا جہاں گلاس ٹکرایا تھا۔ پانی ابھی تک بہہ رہا تھا اور پانی اب جا کر فرش تک پہنچی تھی۔ اُسے پلٹ کر دیکھنے میں سی دیر لگی تھی وہ اور دوبارہ اُدشان کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اُدشان اس ذرا سی مہلت سے فائدہ اُٹھا کر یُوں فائب گیا جیسے فرش نے پھٹ کر اُسے اپنے اندر سمو لیا ہو یا پھ دیوار نے پھٹ کر اُس کا ناتواں وجود نگل لیا ہو۔

شہزاد نے دروازے کی طرف دیکھا۔

دروازہ بند تھا۔

اس کی زنجیر ساکت نظر آ رہی تھی۔

وہ ایک بار پھر کھڑکی تک گیا اور جھانک کر باہر د لگا۔ اُدشان کا دُور دُور تک نام و نشان بھی نہیں تھا۔ اس کمرے کا کونا کونا چھان مارا تھا۔ رُوم اور ملحقہ کمرہ تک دیکھ اُدشان کہیں نہ ملا۔

"نہ جانے یہ خبیث بوڑھا کہاں غائب ہو گیا" وہ سے بڑبڑایا۔ وہ اب بھی اُسے تلاش کر رہا تھا اور پھر اُسے اپنی حماقت کا احساس ہو گیا۔ اس کے تلاش کرنے کا انداز تھا جیسے وہ اسّی سال عمر کے کسی شخص کی بجائے کوئی کتاب ڈ رہا ہو۔ اُدشان کی تلاش میں اُس نے صوفے کی گدیاں تک کر دیکھی تھیں۔

شہزاد ہنس پڑا۔

کچھ دیر قبل اُسے جو غصّہ آیا تھا، وہ ہُوا ہو گیا۔

ٹائیگر کو خود بھی اس بات پر حیرت ہُوئی۔ اس اپنی کھوپڑی میں غصّے کا کھولاؤ نہیں بلکہ ہلکی سی ٹھنڈک محسو کرنی شروع کر دی تھی۔ اُسی لمحے اُسے پھر یُوں لگا جیسے ا کا رخ بدلنے لگا ہو۔

اس نے آنکھیں بند کر لیں۔

دونوں ہاتھ فوراً ہی کنپٹیوں پر پہنچ گئے۔

ماضی قریب کا وہی منظر ایک بار پھر شہزاد ٹائیگر کے ذہن میں گھُومنے لگا تھا۔ وہی سیاہ کار، وہی سیاہ ہاتھ اور وہی سیاہ نال جس سے سُرخ سُرخ شعلے کسی ناگ کی دوشاخہ زبان کی طرح لپک رہے تھے۔

شہزاد کا پُورا جسم پسینے میں شرابور ہو گیا۔

اسے اپنی کھوپڑی پھٹتی ہُوئی محسوس ہو رہی تھی۔

وہ محسوس کر رہا تھا جیسے اس کی کھوپڑی میں طوفان اُٹھ رہے ہوں اُن گنت گُرزباد تھے جو اس کا ذہن اُلجھا رہے تھے۔ وہ دونوں ہاتھوں سے کنپٹیاں دبائے کھڑا کانپتا رہا۔

بار بار اُس کے ذہن میں ایک بڑا سا سوالیہ نشان اُبھر اُبھر کر معدوم ہو رہا تھا۔ "میں جانتا نہیں ہوں . . . پھر میں کون ہوں؟ . . . اور وہ جانتا کہاں گیا جس کے بھیس میں، میں یہ عذاب جھیل رہا ہوں۔ اُف! کاش مجھے صرف اتنا ہی معلوم ہو جائے کہ میں کون ہُوں، کہاں سے آیا ہُوں اور کس لیے آیا ہُوں؟"

یکایک اُسے احساس ہُوا کہ وہ کہاں ہے۔

اس نے کنپٹیوں سے ہاتھ ہٹا لیے اور آنکھیں کھول دیں کمرے میں اِدھر اُدھر دیکھنے کے بعد اس نے خود کو بے حد احمق سمجھا۔ "یہ جاننے میں کس گدھے دھندے میں پھنس گیا ہُوں؟" اس نے بے بسی سے زیرِ لب کہا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

وہ گہری سوچ میں ڈوبا ہُوا تھا اور یُوں سر جھکائے چل رہا تھا جیسے اس کا سب کچھ کہیں کھو گیا ہو۔ اس میں کوئی مُبالغہ بھی تو نہیں تھا۔ اس کی شخصیت گم ہو گئی تھی۔ اس کا ماضی کھو گیا تھا ماضی ہی نہیں اس کا حال بھی گمنامی کے اندھیروں میں لپٹ گیا تھا اور مستقبل پر تو اتنی گاڑھی دھند کا قبضہ ہو گیا کہ دُور دُور تک کچھ سجھائی ہی نہیں دے رہا تھا۔

دروازے کے قریب ہی اُسے ٹھٹک جانا پڑا۔

ٹیلی فون کی گھنٹی پُرشور آواز میں بجنے لگی تھی۔

اس نے پلٹ کر فون کی طرف دیکھا۔

اگلے ہی لمحے اس نے ایک فیصلہ کیا اور تیزی سے فون کی طرف بڑھ کر ریسیور اُٹھا لیا۔ "ہیلو . . ." دوسری طرف سے آواز آئی۔ "کرن بول رہا ہے؟"

"تم کون ہو؟"

"میں تم سے پُوچھ رہا ہُوں" شہزاد نے کہا۔ اس کا لہجہ ناخوش گوار ہو گیا تھا۔

"مجھے اُدشان سے بات کرنی ہے" دوسری طرف سے بولنے والے کا لہجہ بھی ناخوش گوار ہو گیا۔

"وہ اس وقت یہاں موجود نہیں ہے"

"لیکن تم کون ہو؟"

شہزاد نے ریسیور رکھ دیا۔ بات چیت اس انداز میں شروع ہوئی تھی کہ وہ اُسے جاری نہیں رکھ سکتا تھا۔ اس نے ایک بار پھر کمرے میں اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر بُری طرح چونک پڑا۔

وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر کھڑکی کی طرف دیکھنے لگا۔

ایک لمحے کے لیے اُسے یُوں محسوس ہُوا جیسے وہ جاگتی آنکھوں کوئی الف لیلوی قسم کا خواب دیکھ رہا ہو۔ اس نے اُسی بوڑھے کی ایک جھلک دیکھی تھی جو کمرے سے اچانک ہی غائب ہو گیا تھا۔ اُدشان کھڑکی کے سامنے سے گزرا تھا اور انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ محض ہاتھ پیروں کی مدد سے ہَوا میں پرواز کر رہا ہو۔

کھڑکی کا فریم اب خالی تھا۔

بوڑھے اُدشان کا سایہ تک دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

شہزاد جانتا تھا کہ اس وقت وہ جس کمرے میں موجود ہے، وہ پندرھویں منزل پر واقع ہے اور باہر کارنس بھی موجود نہیں ہے کیوں کہ اس کمرے کی کھڑکی ہوٹل کے عقبی حصّے کی طرف کھُلتی تھی پھر کسی سہارے کے بغیر اُدشان فضا میں کیسے تیر رہا تھا؟

"ناممکن . . ." وہ بڑبڑایا "ضرور مجھے دھوکا ہُوا ہے"

اُسی لمحے اُدشان دوبارہ دکھائی دیا۔

اس بار بھی وہ کھڑکی کے سامنے سے گزرا تھا اور انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ فضا میں پرواز کرتا ہُوا کھڑکی کے سامنے سے گزرا ہو۔ شہزاد کا ہاتھ جیب میں رینگ گیا اور ریوالور پر اس کی گرفت سخت ہو گئی۔

وہ تیزی سے کھڑکی کی طرف جھپٹ پڑا۔

کھڑکی سے باہر جھانک کر دیکھا تو دائیں بائیں اُسے اُدشان کا نام و نشان تک دکھائی نہیں دیا۔ مارے حیرت کے اس کی آنکھیں اُبلی پڑ رہی تھیں لیکن اس نے اُدشان کو دوبارہ کھڑکی کے سامنے سے گزرتے دیکھا تھا۔

ایک بار کا معاملہ تو اتفاق سمجھا جا سکتا تھا . . لیکن ایک

سے۔ امداد اگر کوئی چیز سامنے آئے تو۔ وہ اتفاق نہیں ہو سکتا۔
وہ ریوالور ہاتھ میں لیے کھڑکی میں کھڑا رہا۔
اُسے حیرت تھی کہ کوئی سہارا نہ ہونے کے باوجود اُوشان کے سامنے سے اس انداز میں یکسے گزرا کہ اس پر پرواز کے گمان ہُوا تھا۔ دائیں، بائیں، بھی خاصا فاصلہ تھا۔ کوئی بھی چھلانگ بھی نہیں لگا سکتا۔۔۔ پھر یہ منظر دوبارہ کیسے دیکھا؟
فرہاد کو یقین ہو گیا کہ اس پُراسرار بڈھے کے بارے میں جو باتیں مشہور ہیں، وہ سب کی سب سچی ہیں۔ ایک ایک بات اس کے ذہن میں گھوم گئی۔ اس کے جبڑے سختی سے بھنچ گئے۔
اُسے افسوس ہونے لگا کہ اس نے اُوشان کو پہلی ہی بار میں کیوں نظر انداز کر دیا۔ اُسے فوراً ہی گولی مار دینی چاہیے تھی۔۔۔ لیکن کیا ایسا ممکن ہوتا؟ اس بات کا شہزاد کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ کسی نامعلوم احساس کے تحت البتہ یہ بات اس کے ذہن میں ضرور آ گئی کہ وہ کوشش بھی کرتا تو اُوشان کو کوئی نقصان پہنچانے میں کامیاب نہ ہوتا۔
دفعتہً اس کا سر چکرانے لگا۔
ریوالور اس کے ہاتھ سے گر گیا۔
اس نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔
"اُف!۔۔۔ اس کے حلق سے بمشکل تکلیف کی ہلکی سی سسکاری نکل گئی۔
اس کا ذہن ایک بار پھر تاریکی میں ڈوب رہا تھا اور وہ منظر دیکھ رہا تھا جو اب تک کئی بار سے دیکھ چکا تھا لیکن اس بار جو یادداشت میں کوئی اضافہ نہیں ہُوا تھا۔ ہر چیز وہیں تھی جہاں وہ چکراتے ہُوئے سر کے پہلے تھا۔
وہ تھکے تھکے سے قدموں سے ایک بار پھر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ اس کا ذہن بُری طرح اُلجھ رہا تھا اور سوچیں اس کے دماغ کو اندر ہی اندر کاٹ رہی تھیں۔
دروازے میں پہنچ کر وہ پھر ٹھٹک کر رہ گیا۔
فون کی گھنٹی بجنے لگی تھی۔
۔۔۔ لیکن اس بار وہ فون کی طرف متوجہ نہیں ہُوا تھا۔ نہ جانے کیوں اس کے دل میں یہ خواہش بے اختیار پیدا ہوئی تھی کہ اُسے ہر ممکن جلدی یہاں سے نکل جانا چاہیے۔
اس کی پیشانی پسینے سے تر ہو گئی۔
اس کا دل شدت سے دھڑک رہا تھا۔
دروازہ کھول کر وہ باہر آ گیا اور تیزی سے راہداری میں چلنے لگا۔ اس کے انداز سے خوف کا اظہار ہوتا تھا۔ وہ خوف جو ٹائیگر کی شخصیت سے بعید تھا۔۔۔ نہ جانے کیوں اچانک ہی اُسے اپنی زندگی خطرے میں محسوس ہونے لگی تھی۔

☆☆

وہ ایک خونخوار شخص تھا۔
اس کی آنکھیں جلتے ہُوئے انگاروں کی طرح دہک رہی تھیں۔ اور اس کے جبڑے اتنی سختی سے بھنچے ہُوئے تھے کہ اس کی کنپٹیوں کی نسیں اُبھر کر تڑپنے لگی تھیں۔ وہ ایک طرف گھورے جا رہا تھا۔
ہوٹل اسٹین وال کے فلور پر اس وقت اَن گنت جوڑے محوِ رقص تھے اس خوں خوار شخص کی نگاہ ایک جوڑے پر مرکز تھی جو گرد و پیش سے بے خبر ایک دوسرے سے ہر ممکن حد تک قریب رہتے ہُوئے ڈانس فلور پر تھرک رہا تھا وہ جدھر جدھر جاتا اس خونخوار شخص کی آنکھیں بھی اسی طرف حرکت کر رہی تھیں۔
خونخوار شخص کا ہاتھ سامنے پڑے جام پر جم کر رہ گیا تھا۔ اس کی گرفت اتنی سخت تھی کہ اس کی انگلیوں کے جوڑ تک سفید پڑ گئے تھے اور پوروں کا تو یہ حال تھا جیسے ان میں خون کی ایک بوند بھی باقی نہ رہ گئی ہو۔
"کیا بات ہے، ٹائیگر؟" اس کے قریب بیٹھی ہُوئی عورت چونک کر بولی۔ "تم کسے گھور رہے ہو؟"
"آہم۔۔۔" خونخوار شخص کے حلق سے غراہٹ نکل گئی۔
عورت نے اس کی نگاہوں کے تعاقب میں اس جوڑے کی طرف دیکھا جسے ابھی تک شاید یہ محسوس نہیں ہُوا تھا کہ کئی آنکھیں کینہ توز نظروں سے گھورنے میں مصروف ہے۔
"اوہ۔۔۔" عورت کے حلق سے ایک طویل سانس نکل گئی۔
خونخوار شخص کے انداز میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔
"میلوڈی ہے نا؟" عورت نے سرگوشی کی۔
"ہاں۔۔۔" خونخوار شخص کا جواب بھیڑیئے کی غراہٹ سے ملتا جلتا تھا۔ "وہی ہے۔"
"کیا تم اُسے ابھی تک نہیں بھولے؟" عورت نے ٹھٹھکا کر کہا

"دغاباز عورتوں کو بھولنا فرگو کی عادت نہیں۔" خونخوار شخص نے سرد لہجے میں کہا۔ "بھولو تو۔ میری موجودگی میں تھیں۔۔۔"
"نہیں۔۔۔" فرگو نے کہا۔ "میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"
"پلیز فرگو! تم بلاوجہ ماضی کی تلخیوں کو حال کی بہاروں پر اثر کر رہے ہو۔"
فرگو ایک جھٹکے سے اُٹھ کھڑا ہُوا۔ "سنو، ڈارلنگ!" اس نے حتمی لہجے میں کہا۔ "اس عورت کو میں نے چاہا تھا لیکن اس نے مجھے دھوکا دیا۔ میں اُسے عبرتناک سزا دینا چاہتا ہوں تاکہ۔۔۔"
"تاکہ۔۔۔؟" عورت نے چونک کر کہا۔
فرگو نے دونوں ہاتھ میز پر رکھے اور جھک کر اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔ اس بار وہ رازدارانہ انداز میں بولا تو اس کی آواز سرگوشی کا گمان ہوتا تھا۔ "تاکہ تم جیسی دغاباز عورتوں کے دل دہل جائیں۔ میں ایسی عورتوں کے ساتھ کیا سلوک کرتا ہوں۔"
یہ ایک واضح دھمکی تھی۔ عورت کے چہرے کا رنگ اُڑ گیا۔ اس کے ہونٹ خوف سے کانپ گئے۔
فرگو ایک جھٹکے سے گھوما اور ڈانس فلور کی طرف گیا۔
وہ مقامِ جوڑوں کو ادھر اُدھر دھکیلتا ہُوا اُس جوڑے کی طرف بڑھ رہا تھا جس کی محویت میں ابھی تک کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہُوئی تھی۔
"میلوڈی!" فرگو قریب پہنچ کر دھاڑا۔
اس کی دھاڑ نے موسیقی کے سُروں کو بکھیر دیا اور مقامِ محل کے پُرزوں میں بیڑیاں ڈال دیں۔ سب رُک گئے اور اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ وہ جوڑا بھی رُک گیا۔
عورت نے اپنے ساتھی سے الگ ہوتے ہوئے فرگو کی طرف دیکھا۔
ایک لمحے کے لیے میلوڈی نامی اس عورت کی آنکھوں میں حیرت پر تشویش کے تاثرات لہرائے پھر اس کے ہونٹوں پر دلکش مسکراہٹ اُبھر آئی۔ اس کی آنکھیں کسی غضبناک چٹان کی طرح چمک اُٹھی تھیں۔
فرگو کا ہاتھ اپنی جیب میں رینگ گیا۔
جب وہ باہر آیا تو اس کی گرفت میں ایک چاقو تھا۔
اس نے چاقو کا بٹن دبا دیا۔
تیز دھار اور چمکدار بلیڈ آہنی زبان کی طرح لپکا۔
"تم نے فرگو سے دغابازی کی؟" وہ غرایا۔ "اب اس کی سزا بھگتنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔"
"ہنہہ۔۔۔" میلوڈی نے بل کھا کر کہا۔ "تمہیں اس وقت فرگو میں ہونا چاہیے تھا۔"
"اور وہاں تمہارا انتظار کرنا چاہیے تھا۔" میلوڈی نے مضحکہ اُڑانے والے لہجے میں کہا۔
"یقیناً۔۔۔ فرگو کی بیوی کو ایسا ہی کرنا چاہیے تھا۔"
"تاکہ فرگو اپنی بیوی کو چھوڑ کر دوسری عورتوں کے ساتھ دادِ عیش دیتا پھرے۔" میلوڈی نے زہر میں بجھے ہُوئے لہجے میں کہا۔
فرگو کی آنکھوں میں خون اُتر آیا۔
وہ ایک جھٹکے سے آگے بڑھا۔
"ٹھہرو۔۔۔" ایک سخت آواز گونجی۔
اس کے ساتھ ہی ایک شخص نے فرگو کے چاقو والے ہاتھ پر ہاتھ ڈال دیا اور اُسے گرفت میں لے کر ایک شدید جھٹکا دیا۔ فرگو کو شاید اپنی بیوی کے دوست سے مداخلت کی توقع نہیں تھی اس لیے یہ غفلت اُسے بہت مہنگی پڑی۔
جھٹکا کھاتے ہی اس کا بازو گھوم گیا۔
فرگو کا ہاتھ تھامنے والے نے بڑی پھرتی دکھائی تھی۔ اس نے حریف کا بازو مروڑ کر اس کی پشت سے لگا دیا اور پھر قوی قوت سے اس کی ریڑھ کی ہڈی پر گھٹنے کی چوٹ لگائی۔ فرگو کے حلق سے زخمی چیتے جیسی آواز نکلی۔ وہ چوٹ کھا کر منہ کے بل گرنے ہی والا تھا کہ بازو پر گرفت کی وجہ سے تھم گیا۔ ایک ہلکی سی آواز پیدا ہُوئی۔ سارا زور اس کے کندھے پر پڑا تھا اس لیے کندھے کی ہڈی چٹخ گئی۔ یہ آواز پورے ہال میں سنائی دی تھی حالانکہ آواز اتنی ہلکی تھی جیسے کسی نے محض چٹکی بجائی ہو۔
فرگو کے حلق سے ایک کراہ نکل گئی۔
اس کی انگلیوں کی گرفت چاقو پر سے ختم ہو گئی تو وہ ہاتھ سے نکل کر فرش پر گر گیا۔ وہ اس وقت غصے سے پاگل ہوتا نظر آ رہا تھا۔ ایک لمحے کے لیے کندھے کی ہڈی ٹوٹنے سے اس کے چہرے پر جو زلزلے کی سی کیفیت پیدا ہُوئی تھی، وہ ختم ہو گئی اور اس نے نتائج سے بے پروا ہو کر آزاد ہاتھ اُٹھا لیا۔

اگلے ہی لمحے اس ہاتھ نے حرکت کی۔

عقب میں کھڑے شخص کے پیٹ سے اس کی کہنی پوری قوت سے ٹکرائی تھی۔ اس کے حلق سے کراہ تو نکلی لیکن وہ اس تکلیف کو برداشت کر گیا۔ اس نے فرگو کا بازو ابھی تک اپنی گرفت میں رکھا تھا۔

ایک بار پھر فرگو ہی کہ اس کھنچاؤ کا عذاب بھی جھیلنا پڑا۔

اس بار اُس کے حلق سے ایک دلدوز چیخ نکلی تھی کندھے کی چٹخی ہوئی ہڈی پر مزید جھٹکا پڑا تھا اور اب تکلیف اس کے لیے ناقابل برداشت ہو گئی تھی۔

فرگو کے حریف نے ایک بار پھر پڑھ کی ہڈی پر گھٹنے کی چوٹ ماری اور اس کے ساتھ ہی ہاتھ چھوڑ دیا۔ فرگو منہ کے بل گر گیا اور فرش پر گویں پڑا دکھائی دینے لگا جیسے فرش چاٹنے میں مصروف ہو۔

حریف نے فرش پر گرا ہوا وہ چاقو اُٹھا لیا اور فرگو کو گھورنے لگا۔ "اٹھو! فرگو اور میری موجودگی میں میری ساتھی پر ہاتھ اٹھانے کی دوسری بار بھی جرأت کرو۔" اس شخص نے خونخوار لہجے میں کہا۔

ڈانس فلور پر موجود ہر آنکھ دلچسپی سے ان کی طرف نگراں تھی کسی نے آگے بڑھ کر اس معاملے کو نمٹانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ غالباً سبھی کے ذہن میں وہ واقعہ ابھی تک تازہ تھا جس میں ایک حمایتی دو دشمنوں کے درمیان صلح صفائی کراتے ہوئے ہلاک ہو گیا تھا۔

فرگو کی بیوی نے اس طرف دیکھا جدھر وہ عورت بیٹھی تھی جس کے قریب سے اس کا شوہر اٹھ کر آیا تھا... پھر اس نے اپنے ساتھی کے ہاتھ سے چاقو لے لیا اور اپنے شوہر پر جھک گئی۔

"میں اس عورت کو معاف نہیں کروں گی، فرگو جو تمہیں ورغلا کر یہاں تک لائی ہے۔" اس نے کسی ناگن کی طرح پھنکار کر کہا۔

فرگو کراہتا ہوا فرش چاٹتا رہا۔ وہ چاقو ہاتھ میں لیے پلٹی۔ تو چوکڑی کی اس میز پر وہ عورت موجود نہیں تھی۔

وہ دیوانگی کے تاثرات آنکھوں میں سجائے اِدھر اُدھر دیکھنے لگی تو وہی عورت تیزی سے دروازے کی طرف جاتی دکھائی دی۔ فرگو کی بیوی تیزی سے آگے بڑھی لیکن کسی کی ٹانگ سے اُلجھ کر گر گئی۔

سنبھل کر اٹھنے میں جو دیر لگی وہ فرار ہونے والی عورت کے لیے کافی تھی۔ وہ دروازے سے نکل کر غائب ہو گئی تھی۔ فرگو کی بیوی ہونٹ دانتوں میں دبا کر بل کھاتی رہ گئی۔ اس کی سانسیں بے ترتیب تھیں اور اس کی آنکھیں شعلے اگل رہی تھیں۔

وہ ایک جھٹکے سے فرگو کی طرف متوجہ ہوئی۔

فرگو اب فرش پر بیٹھ چکا تھا۔ اس کا ٹوٹا ہوا بازو جھول رہا تھا۔ اس کے چہرے پر بے پناہ تکلیف کے آثار تھے اور اس کی آنکھیں خون اُگلتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔

"تم مجھے ایک بچی سے زیادہ اہمیت نہیں دیتے۔" فرگو کی بیوی چیخ کر بولی۔ "تم خود کو ایک ایسا مرغ سمجھتے ہو جس کا پورے محلے کی مرغیوں پر حق ہوتا ہے... لیکن میں تمہیں دکھا دینا چاہتی ہوں کہ بے وفا عورت نہیں ہوتی بلکہ مرد بے حیا ہوتا ہے۔"

وہ تیزی سے آگے جھپٹی۔

چاقو والا ہاتھ فرگو کی طرف گرتا دکھائی دیا۔

یہ لمحوں کا کھیل تھا۔ فرگو نے چاقو کی دھار اپنی زندگی کی ڈور پر گرتی محسوس کی تو ہوش میں آ گیا، اس نے پلٹنے میں بڑی تیزی دکھائی تھی اور یہی تیزی اس کی زندگی کی ضمانت بن گئی۔

بیوی جھونک میں اس جگہ گری جہاں کچھ دیر قبل فرگو بیٹھا تھا۔ وہ اوندھے منہ گری۔ اس کا چاقو والا ہاتھ فرش سے ٹکرایا اور چاقو کی نوک چکنے فرش پر پھسلتی چلی گئی۔

فرگو نے بڑے جارحانہ انداز میں پلٹا کھایا تھا۔ اس نے دوسرے ہاتھ سے چاقو والے ہاتھ پر جھپٹا مارا اور اگلے ہی لمحے وہ فرش پر گری ہوئی عورت پر تھا۔ اس کا جھولتا ہوا بازو بے پناہ تکلیف دے رہا تھا لیکن فرگو کی حالت جنونی ہو گئی تھی اس نے چاقو والا ہاتھ بلند کیا اور اگلے ہی لمحے وہاں موجود لوگوں کی آنکھیں ساکت ہو گئیں۔ چاقو کا تیز دھار بلیڈ عورت کے جسم میں اترتا چلا گیا۔

عورت کے حلق سے بڑی ہی دلدوز چیخ نکلی تھی۔

فرگو کا ہاتھ ایک بار پھر بلند ہوا۔

اس کی بیوی جس نوجوان کے ساتھ کچھ دیر قبل رقص کر رہی تھی، اور جس نے تھوڑی دیر پہلے فرگو سے چاقو چھین کر اس کا ایک بازو ناکارہ کر دیا تھا، وہ نوجوان تیزی سے آگے بڑھا لیکن اس وقت تک فرگو مہلک وار کرنے میں کامیاب ہو چکا تھا۔

اس بار فرگو کی بیوی کے حلق سے جو چیخ نکلی وہ ایسی

ہی چیخ تھی جو زندگی، موت سے گلے ملتے وقت فضا میں بکھیرتی ہے۔ اس کا خوبصورت جسم ایک بار تڑپا اور ہمیشہ کے لیے ساکت ہو گیا۔

نوجوان ٹھٹک کر رہ گیا۔

اس کی آنکھیں کیوں پھیل گئی تھیں جیسے اُسے یقین نہ آ رہا ہو کہ وہ جس منظر کو دیکھ رہا ہے، وہ حقیقی ہے یا کسی بھیانک خواب کا ایک خوفناک حصّہ ہے۔ چند لمحے قبل وہ جس عورت کے ساتھ رقص کر رہا تھا، وہ اب لاش بن گئی تھی۔

فرگو تیزی سے اُٹھ کھڑا ہوا۔

اس نے پلٹ کر خونخوار نظروں سے نوجوان کی طرف دیکھا جو اب بھی پھٹی پھٹی آنکھوں سے اپنی محبوبہ کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"میں تم دونوں کو ایک ہی راستے پر روانہ کرنا چاہتا ہوں۔ تم دونوں نے ایک دوسرے کو پسند کیا تھا، نا؟" فرگو بھیانک انداز میں ہنس کر بولا۔

نوجوان سنبھل کر کھڑا ہو گیا۔

"فرگو! چاقو پھینک دو۔" وہ غرایا۔ لہجے میں تنبیہ تھی۔

"میں تمہاری یہ خواہش ضرور پوری کروں گا۔" فرگو کا لہجہ درندگی سے بھرپور تھا۔ "آخر تم میری بیوی کے محبوب ہو۔" یہ کہتے ہوئے اس نے چاقو پھینک دیا۔

اگرچہ اُس نے چاقو بائیں ہاتھ سے پھینکا تھا لیکن اُس کے انداز میں مہارت تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ دونوں ہاتھوں سے یکساں طور پر کام لینے کا عادی رہا ہو۔ چاقو اُس نے نوجوان کے سینے کی طرف پھینکا تھا۔ نوجوان کو شاید اس انداز میں چاقو خود پر پھینکے جانے کی توقع نہیں تھی اس لیے وہ لمحے بھر کو بھونچکا رہ گیا اور پھر حیرت ہی میں ڈوبا چاقو کی طرف دیکھتا رہ گیا۔

چاقو اُس کے سینے میں پیوست ہو گیا تھا۔

اُس کے دونوں ہاتھ چاقو کی طرف بڑھنے لگے۔

وہ دائیں ہاتھ سے چاقو کا دستہ پکڑنے میں کامیاب بھی ہو گیا لیکن اس وقت تک اُس کی ٹانگیں بے جان ہو چکی تھیں۔

وہ لڑکھڑا گیا۔

لڑکھڑاتے ہوئے اُس نے سنبھلنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ چاقو کا بلیڈ اُس کے دل تک اُتر گیا تھا۔ اگلے ہی لمحے اوندھے منہ گر گیا اور رقص گاہ فرگو کے بھیانک قہقہے سے گونجنے لگی۔ وہ یوں حلق پھاڑ پھاڑ کر ہنس رہا تھا جیسے ذہنی توازن کھو بیٹھا ہو۔

باہر پولیس کار کا سائرن گونجنے لگا۔

اچانک ہال تاریک ہو گیا۔

ہجوم کا شور بپا ہوا جو تاریکی میں گونجتا رہا۔

پولیس رقص گاہ میں پہنچی اور جب روشنی ہوئی تو سبھی چونک کر ڈانس فلور کے اُس حصّے کی طرف دیکھنے لگے جہاں دو لاشیں پڑی تھیں اور اُن کے درمیان ایک خونخوار چہرے والا بدمعاش درندگی سے بھرپور انداز میں ہنس رہا تھا... لیکن سب یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ وہاں لاشوں اور قہقہے لگانے والے فرگو کا نام و نشان تک نہیں تھا۔

★★

اُوشان نے ایک طویل سانس لی اور خود کو دیوار کے قریب رکھتے ہوئے کونے پر پہنچ کر موڑا کہ اس کے دونوں ہاتھ کنارے پر جم گئے۔ اس وقت وہ کسی دیوہیکل چھپکلی کی طرح دیوار سے چپکا ہوا تھا۔

اُس نے بائیں طرف گردن گھمائی۔

وہ اُس کھڑکی کی طرف متوجہ تھا جس کے سامنے سے گزر کر آیا تھا۔ پھر وہ کونے سے دیوار کے ساتھ ساتھ پھسلتا ہوا نیچے اُترتا چلا گیا۔ اس کی حرکات و سکنات میں تیزی نہیں تھی بلکہ یوں لگتا تھا جیسے وہ کسی چھپکلی کی طرح اپنے ناخن دیوار میں گاڑنے پر قادر ہو اور ان ناخنوں کے سہارے اپنا جسم متوازن رکھنے میں اُسے کسی قسم کی دشواری نہ ہو رہی ہو۔

زمین پر پہنچ کر اُس نے اوپر دیکھا۔

کھڑکی خالی تھی۔ حالانکہ اُس نے چند لمحے پہلے وہاں اُسی نوجوان کا ہیولا دیکھا تھا جس نے اُس کے کمرے میں آ کر ایسی گفتگو کی تھی کہ آج تک کسی نے اس انداز میں اُوشان سے مخاطب ہونے کا حوصلہ تک نہیں کیا تھا۔

اُوشان کا ذہن پُرسکون تھا۔

اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ عمارت کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک اتنی کامیاب چھلانگیں لگانے میں کبھی کامیاب نہ ہوتا۔

بس اُس نے چھلانگ لگانے کے بعد صرف یہ کیا تھا کہ اپنے کمرے کی کھڑکی کے سامنے سے گزرتے وقت جسم کو اُڑنے کے انداز میں ہموار کر لیا تھا۔

اُس نے لمحاتی جائزے میں شہزاد کی آنکھوں میں حیرت دیکھ لی تھی اور اس حیرت پر دل ہی دل میں ہنس پڑا تھا۔

وہ اُترتے ہی لان کی طرف بڑھ گیا۔

ایک درخت کے قریب پہنچ کر اُس نے تنے سے ٹیک لگا لی۔

اب اُس کے ذہن میں خیالوں کی لہریں سی اُٹھنے لگی تھیں اور اُس کی دھڑکنیں بھی بے ترتیب ہونے لگی تھیں۔ جو نوجوان اُس کے کمرے میں آیا تھا اگرچہ اُس کی صورت شہزاد ٹائیگر جیسی نہیں تھی لیکن اُوشان اُسے پہلی ہی نگاہ میں پہچان گیا تھا۔

ٹائیگر کو پہچاننے میں کسی قسم کی غلط فہمی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ وہ تو دُور سے اس کی بُو سُونگھ کر اُس کی موجودگی محسوس کر لیتا تھا پھر سامنے دیکھ کر کیسے دھوکا کھا جاتا... لیکن شہزاد اُس سے اس انداز میں مخاطب ہونے کی جرأت نہیں کر سکتا۔

اُوشان اُلجھن کا شکار ہو گیا۔

ٹائیگر اُس کا شاہکار تھا۔ اُس کی تخلیق تھا اور اُس کی شخصیت کا پَرتو تھا لیکن وہ اس سے کیسی عجیب گفتگو کر رہا تھا۔ اُوشان کے ذہن میں باری باری وہ تمام باتیں گھوم گئیں۔ جو اُس نے شہزاد کے مُنہ سے سُنی تھیں۔ اس کا انداز تخاطب جارحانہ اور گستاخی سے بھرپور تھا اور اُوشان کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ٹائیگر اس سے اس انداز میں بھی مخاطب ہو سکتا ہے۔ یقیناً کوئی گڑبڑ ہے۔

...پھر اس نے تو یہ بھی پوچھا تھا کہ شہزاد کہاں ہے؟

اس خیال کے تحت اُوشان چونک پڑا۔

"گڑبڑ ضرور ہے... لیکن کہاں؟" وہ بڑبڑایا۔

وہ دیر تک درخت کے تنے سے ٹیک لگائے کھڑا رہا اور سوچتا رہا... پھر اُس نے معنی خیز انداز میں سر کو اثبات میں ہلایا اور عمارت کی طرف بڑھنے لگا۔ اس وقت وہ جس حصّے میں تھا، یہاں ویرانی تھی۔ یہ ہوٹل کا عقبی حصّہ تھا جہاں درخت پھیلے ہوئے تھے۔

اچانک اُس کی سماعت سے ایک چیخ ٹکرائی۔

اُس نے رُکے بغیر آواز کی طرف دیکھا۔

آواز ہوٹل کے اندر سے اُبھری تھی۔ اس سے پہلے اُس نے مختلف سازوں کی آوازیں سُنی تھیں اور پھر اس چیخ نے ہر آواز کو جیسے نگل لیا تھا۔ پھر نسوانی چیخیں سُنائی دیں اور تھوڑی دیر بعد پولیس کار کا سائرن چیختا سُنائی دینے لگا۔

اُوشان نے کندھے جھٹکے اور آگے بڑھتا رہا۔

وہ کنارے پر پہنچ کر دیوار کا جائزہ لینے لگا اور پھر اُس کے ہاتھوں نے دیوار تھام لی۔ اگلے ہی لمحے وہ تیزی سے اُس پر چڑھتا جا رہا تھا۔ اپنے کمرے کی کھڑکی تک پہنچنے میں اُسے کوئی دشواری نہیں ہوئی۔

وہ کمرے میں پہنچا تو شہزاد وہاں سے واپس جا چکا تھا۔

اُوشان نے محتاط انداز میں ادھر اُدھر دیکھا اور پھر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ دروازہ کھول کر اُس نے باہر راہ داری میں جھانکا۔ راہ داری ویران پڑی تھی۔

اُس نے دروازہ بند کر لیا اور ابھی اُسے مقفّل ہی کر رہا تھا کہ اچانک فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ وہ فون کی طرف بڑھ گیا۔ اس کے چلنے کا انداز بے حد دلفریب تھا۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے اس کے چوغے کے نیچے پاؤں حرکت نہ کر رہے ہوں بلکہ چوغہ زمین سے چند انچ اُوپر ہَوا میں تیر رہا ہو۔

"ہیلو... اُوشان؟" اُس نے سرسراتی ہوئی آواز میں کہا۔

"بہرام..." دُوسری طرف سے آواز آئی۔

"کیا بات ہے! بہت پُرجوش معلوم ہو رہے ہو؟"

"کچھ دیر قبل کس نے کال سُنی تھی؟" بہرام نے بے قراری سے پوچھا۔

"کیا تم نے نہیں پہچانا؟"

"آواز میرے لیے غیر مانوس تھی۔"

"وہ شہزاد تھا۔"

"شہزاد..." بہرام نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "ٹائیگر"

"ہاں! وہی تھا۔" اُوشان نے کہا اور کبھی کبھی کر کے اپنے مخصوص انداز میں ہنسنے لگا۔ اس وقت وہ بے پناہ خوش گوار موڈ میں نظر آ رہا تھا۔ بات کرنے کا انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ بہرام کو یہ اطلاع دے کر بے حد خوش ہو رہا ہو۔ جب کہ دُوسری طرف بولنے والے بہرام کی آواز میں بے چینیاں ہی بے چینیاں بھری ہوئی تھیں۔

"اُوشان! تم بتاتے کیوں نہیں کہ کیا بات ہے؟"

"فی الحال میں خود بھی اُلجھن میں ہوں۔"

"شہزاد سے تمھاری ملاقات ہو چکی ہے؟" بہرام نے پوچھا۔

"ہاں... لیکن بڑے ہی عجیب حالات میں۔" اُوشان نے

جواب دیا۔ "وہ میرے کمرے میں شہزاد کو تلاش کرتا ہوا آیا تھا۔"

"اُوشان!" بہرام کا لہجہ بے حد جھلاہٹ آمیز تھا۔ "اگر تم اس وقت مذاق کے موڈ میں ہو تو یقین کر لو کہ میرے اعصاب ٹوٹنے کی حد تک تن چکے ہیں۔ بس لیے میں درخواست کروں گا کہ سنجیدہ ہو جاؤ۔"

"میں سنجیدہ ہوں، بہرام... لیکن حالات غیر سنجیدہ ہیں۔"

"تم اس فون پر اب کھُل کر بات کر سکتے ہو۔ اس میں ایک ایسا آلہ نصب ہے جس کی وجہ سے ہماری گفتگو نہیں سُنی جا سکتی۔"

"ٹھیک ہے... تو پھر غور سے سُنو۔" اُوشان نے کہا اور اب تک پیش آنے والے تمام حالات تفصیل سے بہرام کے گوش گزار کر دیے...

دُوسری طرف کافی دیر تک خاموشی چھائی رہی۔

"بہرام۔ کیا تمھارا انتقال ہو چکا ہے؟" اُوشان نے خاموشی سے اُکتا کر سوال کیا۔

"نہیں..." بہرام کی آواز سُنائی دی۔ اُس نے غالباً ایک طویل سانس لی تھی۔ "میں سوچ رہا تھا۔"

"ذرا بلند آواز میں سوچو تاکہ میں بھی سُن سکوں۔" اُوشان نے کہا۔ "تم نے کیا اندازہ لگایا، بہرام؟"

"میری تو عقل ہی خبط ہو کر رہ گئی ہے۔"

"ہُوں..." اُوشان نے ہنکارا بھرا۔

"کیا کچھ تمھاری سمجھ میں آ رہا ہے، اُوشان؟"

"ہاں... میں بھی اس سلسلے میں غور کرتا رہا ہوں۔"

"میرا تو خیال ہے، ٹائیگر باغی ہو گیا ہے۔" بہرام بڑبڑایا... "سے ہلاک کر دینا چاہیے۔"

"بہرام..." اُوشان کے لہجے میں یکایک درندگی آ گئی۔ "شاید تم بھول رہے ہو کہ یہ احکامات تمھاری طرف سے مجھے پہلے بھی مل چکے ہیں۔ ان موقعوں پر بھی میں نے انکار کرتے ہوئے تمھیں سمجھایا تھا کہ ٹائیگر کی رُوحانی تربیت اس انداز میں کی گئی ہے کہ اُس سے عقاری کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ وہ جس روز بھی باغی ہو گیا، اُسی روز میرے ہاتھ اُس کی گردن تک پہنچ جائیں گے۔"

"تو پھر اس صورتِ حال کی کیا وضاحت ہے؟"

"وہ جب کمرے میں آیا تھا تو اُس کی آنکھوں میں میرے لیے ذرا سی بھی شناسائی نہیں تھی۔ میرے قریب کھڑے ہو کر جب وہ بولا تھا تو اُس کا لہجہ بھی اجنبی تھا۔ اُس کے چہرے پر کسی اجنبی شخص کا میک اَپ ہے۔ غالباً اُسی بدمعاش جانشن کا جسے اُس نے ہوائی جہاز میں ہلاک کر دیا تھا اور یہاں پہنچتے ہی تمھیں رپورٹ دی تھی؟"

"لیکن اس کے بعد..."

"خاموشی سے سُنتے رہو۔" اُوشان چیخ پڑا۔

دُوسری طرف سے بھاری بھاری سانسوں کی آواز سُنائی دیتی رہی۔

"اُس نے میرا مضحکہ اُڑایا۔ مجھے بڑے میاں کہا۔ میرے ساتھ اس انداز میں گفتگو کی جیسے میں ایک حقیر سا چیونٹا ہوں۔ اُس نے مجھ سے پوچھا کہ شہزاد کہاں ہے؟ اس کا مطلب سمجھتے ہو؟"

"ہاں..." بہرام کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔ "ایسا وہ صرف اُسی صورت میں کہہ سکتا ہے جب اُسے یہ معلوم نہ ہو کہ وہ خود کون ہے؟"

"گڈ..." اُوشان ہنس پڑا۔ "یہی بات ہے۔ وہ یقیناً اپنی یادداشت کھو بیٹھا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ کبھی مجھے بڑے میاں کہنے کی جرأت نہ کرتا اور مجھ سے اتنے گستاخانہ انداز میں بھی پیش نہ آتا۔ وہ میرا شاگرد ہے اور میں جانتا ہوں کہ اُس کے دل میں میرے لیے بے پناہ محبت ہے بلکہ ہم دونوں یک جان دو قالب ہیں۔" اُوشان کے لہجے میں پیار سمٹ آیا۔ "جانتے ہو بہرام! اگر وہ زندہ نہ رہا تو میرا وجود بھی تحلیل ہو جائے گا۔ میں بھی موت کے مُنہ میں پہنچ جاؤں گا۔ یہ ہماری محبت ہی ہے جس نے ہمیں اس عظیم رشتے میں باندھا ہے۔ یہ خالق اور تخلیق کی محبت ہے۔ ایسی لافانی محبت جس کا خاتمہ دونوں کی موت ہے۔"

"کیا تم نے اُسے نہیں بتایا کہ وہ خود ہی شہزاد ہے؟"

"نہیں... یہ خیال ابھی کچھ دیر پہلے ہی میرے ذہن میں آیا تھا کہ وہ اپنی یادداشت کھو بیٹھا ہے۔"

"تمھاری بات کچھ دِل کو لگتی تو ہے۔" بہرام کی بڑبڑاہٹ سُنائی دی۔ "میں نے اُس سے دوبارہ فون پر بات کی تھی تو اُس نے جواباً جو کچھ کہا تھا اس سے تمھارے اس خیال کی تائید ہوتی ہے۔"

"لیکن ابھی یہ خیال تحقیق طلب ہے۔"

"اسے کسی اسپتال میں کیوں نہ منتقل کر دیا جائے؟"

"نہیں... حالات بے حد ناقابلِ فہم اور بھیانک ہیں۔ یہاں ہر طرف درندگی ہی درندگی پھیلتی نظر آ رہی ہے۔ میں اس دوران میں ایک لمحے کے لیے بھی غافل نہیں رہا ہوں۔ تمھاری اطلاع کے لیے اتنا کہہ دیتا ہوں کہ ایک بہت بڑی ہستی شاید آج رات موت کے گھاٹ اُتار دی جائے۔"

"اوہ..." بہرام کے حلق سے غرّاہٹ سُنائی دی۔

"فی الحال میں شہزاد کے سلسلے میں اتنا فکرمند نہیں ہوں۔" اُسمان کہہ رہا تھا۔ "میں جب بھی ضرورت محسوس کروں گا، اس سے نمٹ لوں گا۔ فوری طور پر مجھے اس سازش کے خلاف توجہ دینے کی ضرورت ہے جس کے باعث ایک پُرسکون مُلک تباہی کے دہانے پر پہنچ گیا ہے۔ خلقِ خُدا اذیت اور بربادی میں مبتلا ہو رہی ہے۔ یقین کرو، بہرام مجھے تو یوں محسوس ہونے لگا ہے جیسے جنگل کے سارے ہی درندے شہر میں آ گئے ہوں اور ہر طرف دندناتے پھر رہے ہوں۔ اس وقت یہاں تمھارے کتنے آدمی ہیں؟"

"مقصد بیان کرو۔"

"میں آج رات ان سب کے دِتے تھوڑا تھوڑا کام لگانا چاہتا ہوں۔ تم چند اشارے ذہن نشین کر لو۔ یہ اشارے اپنے آدمیوں کو سمجھا دینا تاکہ میں بوقتِ ضرورت انھیں استعمال کر سکوں۔"

بہرام خاموشی سے سُنتا رہا۔

اُسمان دس منٹ تک اُسے سمجھاتا رہا اور پھر اُس نے بات ختم کرتے ہوئے ایک طویل سانس لی جیسے ان باتوں سے ذہن ہی کا نہیں اُس کی زبان کا بوجھ بھی ہلکا ہو گیا ہو۔

★★

اُسپ رُو نیمراف کی گول گول آنکھیں شہزاد پر جمی ہوئی تھیں اور اس کے جبڑے مسلسل حرکت کر رہے تھے۔ وہ گوشت کے بڑے، بڑے پارچے یوں مُنہ میں ٹھونس رہا تھا جیسے کسی دشمن کو تصوّر ہی تصوّر میں کچّا ہی نگل رہا ہو۔

اُس کی آنکھوں میں ہمیشہ کی طرح اس وقت بھی پانی تیر رہا تھا۔

"ہُوں۔" اُس نے مُنہ چلاتے ہوئے کہا۔ "تو اس بُوڑھے کے بارے میں مجھے جو اطلاعات ملی تھیں، وہ ٹھیک ہی ثابت ہوئیں۔"

"مجھے تو وہ کوئی خبیث رُوح ہی لگتی ہے۔" شہزاد بڑبڑایا۔

"مسٹر جانسن!" نیمراف کا گھوڑے جیسا مُنہ چلتے چلتے رُک گیا۔ اُس نے مُنہ میں بھرا ہُوا نوالہ پُرشور انداز میں حلق سے اُتارا اور اُس کی آنکھوں میں تشویش کے سائے اُتر آئے۔ "میں آج رات ہر حال میں اپنے مشن کی تکمیل چاہتا ہوں۔ تم دیکھ رہے ہو کہ حالات خراب تر ہوتے جا رہے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے یہاں پہنچنے کے بعد دُنیا بھر کے مجرموں نے اپنے اپنے انتقام کی پیاس بجھانا شروع کر دی ہے۔ اس صُورتِ حال کو زیادہ عرصے تک برداشت نہیں کیا جا سکتا۔ میں نے حکم دے دیا ہے کہ آیندہ ذاتی دشمنیوں کی آڑ میں ہونے والی خونریزی کے ذمّے داروں کو سخت سزا دی جائے تاکہ دُوسروں کو عبرت حاصل ہو۔"

"لیکن جناب!" شہزاد نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ "اس طرح ان لوگوں کو عدم تحفّظ کا احساس ہونے لگے گا۔ وہ جس آزادی کی توقع لے کر آئے ہیں، وہ ختم ہو جائے گی۔ ہر کوئی یہ سوچنے پر مجبور ہو جائے گا کہ وہ قانون کے ایک ضابطے کے اثر سے نکل کر دُوسرے قانون کے زیرِ اثر آ گیا ہے۔"

"کیا تم اس خونریزی کی حمایت میں ہو؟" نیمراف نے گوشت کا پارچہ مُنہ میں ٹھونستے ہوئے کہا۔

"نہیں... لیکن یہ جذباتی سی گھٹن ہے جسے ختم ہونے دیا جائے۔"

"اس طرح بدامنی پھیلنے کا اندیشہ ہے۔"

"یہ بدامنی آپ کے لیے مفید ہے۔"

نیمراف سوچ میں ڈوب گیا۔

"عوام حکومت سے بدظن ہوتی جائے گی تو تمھارا کام اور بھی آسان ہو جائے گا۔ یاد رکھو عوام کو ورغلانا اتنا آسان نہیں ہوتا لیکن ایک بار کوئی بات اُن کے ذہن میں بیٹھ جائے تو پھر اُسے نکالنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس وقت جو کچھ بھی ہو رہا ہے اس سے بے چینی اور عدم تحفّظ کا احساس بڑھے گا۔ یہ دونوں چیزیں جتنی زیادہ پھیلیں گی، اتنا ہی زیادہ تمھارا کام آسان ہو جائے گا۔"

"بات تو ٹھیک ہے لیکن کیا ان لوگوں کو کسی ضابطے کے تحت نہیں رکھا جائے گا؟"

"ابھی نہیں... حالات قابو میں آنے کے بعد۔"

"تم تو بہت بڑے مشیر بھی ہو۔"

"ذرّہ نوازی ہے تمھاری۔" شہزاد نے مُسکرا کر کہا۔

"لیکن جانسن!" گھوڑے کی شکل والا رئیس یکایک سنجیدہ ہو گیا۔ "میں نے تمھارے ذمّے ایک کام لگایا تھا، وہ پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچا۔"

"پھر لانے کی ضرورت نہیں۔ شہزاد جیسے ہی سامنے آیا سمجھو میں نے اُسے اور اس بوڑھے جادوگر کو ہلاک کر دیا۔"

"تمھیں اس بوڑھے سے چھٹکارا حاصل کر لینا چاہیے تھا۔"

"ہاں... لیکن وہ نہ جانے کہاں غائب ہو گیا۔"

"کیا تم ان دونوں سے نمٹ لینے میں کامیاب ہو جاؤ گے؟"

"میں آج رات ہی اس بوڑھے کا بندوبست کر دوں گا۔"

"نہیں! آج رات نہیں۔" نیمراف نے ہاتھ اُٹھا کر کہا۔ "آج تمھیں ایک اہم شخصیت کو ٹھکانے لگانے میں اہم کردار ادا کرنا ہے۔"

ابھی کچھ دیر بعد نائب صدر آسفر یہاں پہنچنے والا ہے، میں چاہتا ہوں کہ تم اُس سے بھی مل لو۔"

شہزاد نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

اُسی لمحے ایک باوردی بٹلر اندر آیا۔

اُس نے جھک کر کورنش بجا لاتے ہوئے کہا۔ "جہاز کے آنے کا وقت ہو گیا ہے، جناب!"

"ہُوں۔" نیمراف نے گوشت کا ایک پارچہ اُٹھاتے ہوئے کہا۔ "چلو جانسن! ہم محل کی چھت پر چل رہے ہیں۔"

شہزاد خاموشی سے اُٹھ کھڑا ہُوا۔

"کوئی اور بھی آ رہا ہے؟" شہزاد نے چند لمحے توقف کے بعد دریافت کیا

نیمراف نے مُسکراتی ہُوئی نگاہوں سے اُس کی طرف دیکھا۔ "شاید آسفر کے ساتھ ایک اہم شخصیت بھی آ رہی ہے۔" اُس نے اس انداز سے گوشت کا پارچہ مُنہ میں ٹھونس لیا جیسے شہزاد کی بات کا جواب دینے میں جو توانائی صرف ہُوئی تھی، اُسے بحال کرنا چاہتا ہو۔

"اہم شخصیت؟" شہزاد بڑبڑایا۔

نیمراف نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"کون ہے، وہ؟"

"ممکن ہے آسفر تنہا ہی آئے... لیکن اُس اہم شخصیت کی متوقع ہے۔" نیمراف کا انداز زچ کر دینے والا تھا۔ "میں، تمھیں اس کا نام نہیں بتاؤں گا۔ بس تم اُسے دیکھو گے تو دیکھتے ہی رہ جاؤ گے۔" اُس کا لہجہ خباثت سے بھرپور ہو گیا۔

شہزاد نے مزید وضاحت نہیں چاہی۔

نیمراف مُنہ چلاتا ہُوا دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

وہ قد و قامت میں سات فٹ سے کسی طرح کم نہیں تھا۔ اس سے وہ بالکل ایک آدمی لگتا تھا اور اس کی شخصیت ایسی تھی کہ شاید عام حالات میں کوئی اس کی طرف دیکھنا بھی پسند کرتا۔ وہ انسان کم اور عجیب الخلقت مخلوق زیادہ لگتا تھا۔ اس کے ہاتھ پاؤں بے حد مضبوط تھے اور اس کے جسم کے ایک حصّے سے توانائی جھلکتی تھی۔

شہزاد اس سے دو قدم کے فاصلے پر پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔

وہ نیمراف کے محل میں داخل ہُوا تھا تو اُسے توقع تھی کہ یہ نیمراف، شہزاد اور اُسمان کو ٹھکانے لگانے کے کام میں حال ناکامی پر چراغ پا ہو جائے گا... لیکن اُسے یہ دیکھ کر حیرت ہُوئی کہ نیمراف نے اس سلسلے میں سختی سے کام نہیں لیا تھا۔

لفٹ میں سوار ہونے کے بعد وہ تیزی سے اُوپر اُٹھنے لگے۔

شہزاد پہلی بار نیمراف کے محل کی چھت پر جا رہا تھا۔ اُوپر پہنچ کر اُس نے دیکھا تو حیران رہ گیا۔ واقعی چھت پر آسانی سے ایک چھوٹا سا جہاز اُتر سکتا تھا اس سلسلے میں وہاں ہر قسم کے انتظامات موجود تھے۔ چھوٹا سا رن وے تھا جس کے دونوں طرف روشنیاں لگی ہُوئی تھیں۔

ابھی اُنھیں چھت پر پہنچے چند لمحے ہی ہُوئے تھے کہ اچانک فضا میں پَروں کی پھڑپھڑاہٹ سُنائی دینے لگی۔ شہزاد نے نگاہ اُٹھا کر آواز کی سمت دیکھا تو ایک ہیلی کاپٹر دکھائی دیا۔

ہیلی کاپٹر جلد ہی چھت پر آیا اور کچھ دیر معلق رہنے کے بعد مختصر سے رن وے پر اُتر گیا۔

پَروں کی پھڑپھڑاہٹ اور انجن کا شور ابھی پُوری طرح ختم نہیں ہُوا تھا کہ پائلٹ کے پہلو سے ایک شخص نیچے اُترا۔

شہزاد نے گہری نگاہ سے اس کی طرف دیکھا۔ اس شخص کے انداز میں بے پناہ رعونت تھی لیکن جیسے ہی اس کی نگاہ نیمراف پر پڑی وہ بھیگی بلّی نظر آنے لگا۔

وہ بڑے پُروقار انداز میں آگے بڑھا لیکن اس کا وقار بھی ایسا ہی تھا جیسا کسی بھیگی ہُوئی بلّی کا ہو سکتا ہے۔ شہزاد دل ہی دل اس کی حالت پر مُسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔

"ہیلو آسفر!" نیمراف نے مُسکرا کر اس کا استقبال کیا لیکن اس کے گھوڑے جیسے دہانے پر مُسکراہٹ بڑی عجیب لگ رہی تھی۔ شہزاد نے محسوس کیا کہ وہ جبراً ہی مُسکرا رہا ہے۔

"نیمراف! میرے عزیز دوست!" آسفر نے بڑھ کر اس کا ہاتھ دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔

"اس سے ملو۔ یہ میرا خاص آدمی ہے۔" نیمراف نے کہا اور شہزاد کی طرف اشارہ کر دیا۔

نہ جانے کیوں اپنے لیے خاص آدمی کا خطاب شہزاد کو قطعاً پسند نہیں آیا۔ اُسے یُوں لگا جیسے نیمراف اُسے اپنے کسی وفادار غلام خواجہ سرا کی حیثیت سے متعارف کرا رہا ہو۔ اس نے بڑے ضبط سے کام لیا اور ہونٹوں پر جبری مُسکراہٹ طاری کر لی۔

"آپ سے مل کر خوشی ہُوئی مسٹر آسفر۔" اس نے اخلاقاً کہا۔

آسفر نے اس سے مصافحہ کیا اور مُسکرانے لگا۔

"تمھیں اس سے جو بیس گھنٹے بعد مل کر اور بھی زیادہ خوشی ہو گی، جانسن!" نیمراف نے کہا۔ "کیوں کہ اب سے ٹھیک

چوبیس گھنٹے بعد ہمارا یہ دوست اس مملکت کا صدر بننے والا ہے۔"
آسفر کے ہونٹوں پر مسکراہٹ مزید پھیل گئی۔
اس کی گردن معمول سے کچھ زیادہ اکڑی اکڑی نظر آنے لگی۔
"مجھے یقین ہے کہ تم نے اپنا یہ مختصر سا سفر بڑے لطف سے گزارا ہوگا۔" نیمراف نے کہا۔ اس کا لہجہ معنی خیز ہو گیا تھا۔
"ہاں۔۔۔" نائب صدر آسفر نے مسکرا کر کہا۔ "تم نے مجھے جو تحائف بھجوائے تھے، ان سے لطف اندوز ہوتے وقت میں محسوس کر رہا تھا جیسے تم نے ساری دنیا کی نعمتیں میری جھولی میں ڈال دی ہوں۔"
"اوہ، وہ تو کچھ بھی نہیں تھیں۔"
"کیا مطلب؟" آسفر چونک پڑا۔
"وہ میرے محل کی سب سے معمولی لڑکیاں تھیں۔"
"اوہ۔۔۔" آسفر خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گیا۔
"میں تمہارے صدر بنتے ہی جو لڑکیاں تمہیں بھیجوں گا میں بھجواؤں گا، وہ اپنی مثال آپ ہوں گی اور ان پر تم بجا طور پر فخر کر سکو گے۔" نیمراف بڑے فخریہ لہجے میں کہہ رہا تھا۔ "تمہاری بیوی نہیں آئی؟"
آسفر نے نفی میں سر ہلا دیا۔ اس کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔
نیمراف نے معنی خیز نگاہوں سے شہزاد کی طرف دیکھا اور مسکرانے لگا۔
وہ باتیں کرتے ہوئے اس طرف چل رہے تھے جدھر لفٹ کا دروازہ تھا۔ بے آواز [illegible] میں سوار ہونے کے بعد ان کا سفر شروع ہوا تو شہزاد آسفر کے ہانپنے کی آواز صاف سن رہا تھا۔ وہ غالباً جاگتی آنکھوں خواب دیکھنے لگا تھا۔ اس کی آنکھوں میں بھرک کا شعلہ لرز رہا تھا۔ نہ جانے کیوں شہزاد کو اس شخص سے بے پناہ نفرت کا احساس ہونے لگا۔
جلد ہی وہ اس کمرے میں پہنچ گئے جسے خاص خاص مہمانوں کے ساتھ نشست رکھنے کے لیے وقف کیا گیا تھا۔ آسفر ایک زبردست صوفے میں دھنس گیا۔ نیمراف اس کے سامنے بیٹھا تھا اور شہزاد کچھ فاصلے پر کیوں بیٹھ گیا جیسے اسے ان دونوں سے کوئی دلچسپی نہ ہو۔
بیٹھتے ہی اس رو نیمراف کے سامنے رات کی ٹرے پہنچ گئی اور وہ بڑھ چڑھ کر ہاتھ مارنے میں مصروف ہو گیا۔ طبلچی نے باری باری آسفر اور شہزاد سے ان کے پسندیدہ مشروبات کے بارے میں معلوم کیا اور چلا گیا۔ نیمراف کے سلسلے میں تو غالباً انہیں خاص ہدایات ملی ہوئی تھیں۔ وہ اپنے بھاری کم جسم کو تھوڑی سی حرکت بھی دے کر ساکت ہوتا تھا تو اس کے لیے کچھ نہ کچھ فوری طور پر پیش کر دیا جاتا تھا جیسے ان حرکات و سکنات میں خنجر ہونے والی توانائی کو بحال کیا جا رہا ہو۔۔۔ اور اس میں کوئی مبالغہ بھی نہیں تھا جسامت کے اعتبار سے اسے توانا رہنے کے لیے بے پناہ خوراک کی ضرورت تھی اور وہ ایسے لوگوں میں سے تھا جنہیں محض کھلکھلا کر ہنسنے کے بعد بھی بھوک ستانے لگتی ہے۔ اس کا مظاہرہ شہزاد چند روز قبل اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا تھا۔
"نیمراف! میں، تمہاری دوستی پر جتنا بھی فخر کروں، کم ہوگا۔" آسفر منکسر المزاجی ظاہر کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ "لیکن یقین کرو، تمہاری وہ دونوں فاختائیں مجھے زندگی بھر بھول نہیں سکیں گی۔"
نیمراف نے اثبات میں سر ہلا دیا۔
شہزاد نے محسوس کیا کہ نیمراف نے طوعاً و کرہاً اس بات پر تائید میں سر ہلایا ہے ورنہ اسے آسفر کی بات پسند نہیں آئی تھی۔۔۔ بذات خود شہزاد بھی آسفر کی بات کا قائل تھا کیونکہ جن دو اداؤں فروش لڑکیوں نے اس کے ساتھ وقت گزارا تھا وہ واقعی اسے زندگی بھر نہیں بھول سکتی تھیں۔ ٹھیک چوبیس گھنٹے بعد وہ اس ملک کا صدر بننے والا تھا اور اس کے بعد دونوں لڑکیاں اس بات پر فخر کر سکتی تھیں کہ انہوں نے اس کے صدر کی رفاقت میں کچھ وقت گزارا تھا۔
شہزاد جانتا تھا کہ جن لڑکیوں کو نیمراف نے اس کے پاس بھیجا تھا وہ بازاری لڑکیاں ہی رہی ہوں گی لیکن بازاروں میں اس بات کا تذکرہ بڑے فخر سے کرتی ہیں کہ اس وقت کوئی بھی ان کی باتوں کو اہمیت نہیں دیتا بلکہ انہیں مذاق کا نشانہ ہی بننا پڑتا ہے۔ ظاہر ہے کون اس بات پر یقین کرے گا کہ اس ملک کی اتنی بڑی شخصیت نے ان گرگٹوں کے بے لطف لوتھڑوں کو کوئی اہمیت دی ہوگی۔ وہ آسفر کی طرف متوجہ ہو گیا۔
نیمراف اسے صورت حال سمجھا رہا تھا۔
ان کے درمیان چند منٹ تک بات چیت ہوتی رہی۔ اس دوران میں شہزاد بے تعلق بیٹھا رہا۔ اس کے کان ان دونوں کی باتوں پر لگے ہوئے تھے اور وہ ایک ایک بات نوٹ کرتا جا رہا تھا۔
"حالات کے بارے میں کیا کہتے ہو؟" نیمراف نے

چلاتے ہوئے سوال کیا۔ "فوج کے اعلا افسران سے معاملات طے ہو گئے؟"
"ہاں۔ سب کچھ قابو میں ہے۔ فی الحال پولیس کام کر رہی ہے اور انہیں روکنا مناسب نہیں۔ جو جرائم پیشہ لوگ اب تک یہاں آ چکے ہیں، ان پر تو جیسے یمانی دخمی چکانے کا بھوت سوار ہے۔ میرا خیال ہے ان چند دنوں میں جتنے قتل ہوئے ہیں، وہ گزشتہ سال بھر میں بھی یہاں نہیں ہوئے ہوں گے۔ بہرحال اس سلسلے میں تمہارے اقدام قابل تعریف ہیں۔"
"میں نے حالات کا جائزہ لے کر فوری طور پر ایک ایسی ٹیم تیار کر دی تھی جو اس صورت حال کا بآسانی احاطہ کر سکتی ہے۔ کل رات ہوٹل اسٹون وال کی رقص گاہ میں فرگونامی ایک بدمعاش نے اپنی بیوی اور اس کے دوست کو ہلاک کر دیا اور خود اپنا ایک بازو تڑوا بیٹھا اس حادثے کی اطلاع فوراً ہی پولیس کو دے دی گئی لیکن پولیس کے آنے سے پہلے پہلے لاشیں غائب کر دی گئیں اور زخمی فرگو کو اسپتال پہنچا دیا گیا۔ رقص گاہ میں زیادہ تر لوگ، اپنے ہی تھے۔ عوام میں سے چند ایک تھے بھی تو ان سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔"
"فرق پڑتا ہے، نیمراف!" آسفر نے کہا۔ "ان واردات سے ملک میں بے اطمینانی کی لہر دوڑ جائے گی۔"
"تمہارا خیال درست ہے۔" نیمراف نے کہا۔ "اس طرف میرے دست راست جالنسن نے بھی توجہ دلائی تھی لیکن میرا خیال ہے کہ جب تک تمہاری صدارت کا اعلان نہیں ہو جاتا، اس قسم کی وارداتیں ذہن ہموار کرنے کے لیے بے حد ضروری ہیں۔ اس طرح موجودہ قیادت کے خلاف عوامی نفرت پھیل جائے گی اور جیسے ہی تم اوپر آؤ گے، ہر واردات دبا دی جائے گی، اس طرح عوام کو امن و امان مل جائے گا اور لوگ خوش ہو جائیں گے کہ تمہاری قیادت نے ملک کو بڑا سہارا دیا ہے۔"
"لیکن نیمراف!" اس بار آسفر کے لہجے میں تشویش تھی۔
نیمراف اسے گھورنے لگا۔
اس نے منہ چلانا بند کر دیا تھا۔
شہزاد بھی متوجہ ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔
"کیا بات ہے؟ آسفر! تم کچھ تشویش زدہ لگ رہے ہو۔" نیمراف کا ہاتھ ٹرے کی طرف بڑھتے بڑھتے رک گیا تھا۔
"جنیلا کے نقشے پر پہلی بار ایک ایسے ملک کا ظہور ہونے والا ہے جس کی زیادہ تر آبادی جرائم پیشہ لوگوں پر مشتمل ہوگی۔" آسفر نے تھوک نگلتے ہوئے کہا۔ "کیا تم ان سب لوگوں کو سنبھال لو گے؟ کہیں ان کا سیل رواں سبھی کچھ نہ بہا لے جائے۔ یاد رکھو اگر عوامی سطح پر بغاوت پھیل گئی تو ملک خانہ جنگی کا شکار ہو جائے گا۔ تب میں اپنے وفاداروں تک کو قابو میں، رکھنے میں ناکام ہو سکتا ہوں۔"
"یہ سب کچھ تمہارا دردِ سر نہیں ہے۔" نیمراف غرایا۔
"الجزیائیں۔۔۔"
"بھول جاؤ، دوست!" نیمراف کا لہجہ مزید سرد ہو گیا۔ "میں نے سب کچھ سوچ سمجھ کر ہی کیا ہے۔ جو دنیا کا ہر شخص یہ بات اچھی طرح جانتا ہے کہ کسی ملک کی پوری آبادی مجرموں پر مشتمل ہونے کا کیا مطلب ہو سکتا ہے۔ دنیا بھر میں جرائم کی زبردست لہر دوڑ جائے گی اور ہر جرم پیشہ شخص یہ سوچ کر قانون سنکنی کرے گا کہ وہ فرار ہو کر مجرموں کی اس جنت میں پناہ لے سکتا ہے۔ اس کے بعد جب تمام حکومتیں عاجز آ جائیں گی تو میں ایک ایک سے خراج وصول کرنا شروع کر دوں گا۔"
"امن و امان برقرار رکھنے کا خراج؟" آسفر ہنس کر بولا اور پھر نیمراف کا قہقہہ بھی اس کی ہنسی میں شامل ہو گیا۔
شہزاد بھی زیر لب مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔
نیمراف قہقہے کے بعد توانائی بحال کرنے کے لیے ٹرے کی طرف متوجہ ہو گیا اور آسفر کن انکھیوں سے شہزاد کی طرف دیکھنے لگا۔
"مسٹر جالنسن کے بارے میں تم نے کچھ اور نہیں بتایا نیمراف!" آسفر کے لہجے میں خاصی بے تکلفی تھی۔ اب وہ پہلے کی طرح بھیگی بلی نہیں نظر آ رہا تھا۔ غالباً اس دوران میں ہونے والی آزاد بات چیت سے اس کی خود اعتمادی بحال ہو گئی تھی۔
"اوہ جالنسن!" نیمراف نے یوں چونک کر کہا اور شہزاد کی طرف دیکھنے لگا جیسے اس دوران میں اسے بالکل ہی بھلا بیٹھا تھا۔ "۔۔۔ پھر اس کے ہونٹوں پر فخریہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ "یہ موت کی مشین ہے۔"
"موت کی مشین!" آسفر نے حیرت سے دہرایا۔
"ہاں۔۔۔ جالنسن موت کی مشین ہے۔ اسے ہلاکت خیزی کے لیے ہتھیاروں کی ضرورت نہیں پڑتی۔" نیمراف نے کہا۔
"اوہ۔۔۔" آسفر کی آنکھوں میں عجیب سی چمک پیدا ہو گئی۔
"شاید تمہیں یقین نہیں آیا۔"
"تمہاری بات کو جھوٹ سمجھنے کی کون جرأت کر سکتا ہے۔"
"اس کے باوجود میں، تمہیں مظاہرہ دکھاؤں گا۔" نیمراف نے منہ چلاتے ہوئے کہا اور پھر قلادہ حلق سے اتار کر اس نے تالی بجائی۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے اس نے گولی داغ دی ہو۔

ایک جسیم سیاہ فام کمرے میں داخل ہوا اور ایک طرف مؤدب کھڑا ہو گیا۔ اس کی آنکھیں سُرخ تھیں۔ اس کے ہونٹ درندوں جیسے بھاری اور لٹکے ہوئے تھے۔ اس نے سبز واسکٹ پہن رکھی تھی اور نیچے سُرخ شلوار تھی۔ سر پر چُندے دار ٹوپی تھی اور ایک کان میں بالی جھول رہی تھی۔

"جانس!" عمران نے شہزاد کی طرف دیکھا۔

شہزاد اُٹھ کھڑا ہوا۔

"یہ میرے محل کا شہ زور ہے۔"

"لیکن میں ہر وقت عورتوں سے لڑنے جھگڑنے سے تنگ آ گیا ہوں۔" شہزاد نے کن انکھیوں سے سیاہ فام کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

عمران ہنس پڑا۔

اس کا قہقہہ بے حد خوف ناک تھا۔

سیاہ فام اپنی تربین پر چراغ پا ہو رہا تھا۔ اس کی آنکھیں دہک اُٹھی تھیں۔ اس کا سینہ دھونکنی کی طرح چل رہا تھا اور اس کے سفید سلیٹی دانت نمایاں ہو کر بے حد خوف ناک دکھائی دے رہے تھے۔

وہ طاقت کا پہاڑ لگتا تھا۔

شہزاد نے پلٹ کر آسفر کی طرف دیکھا۔ وہ حیرت زدہ نظر آ رہا تھا شہزاد سمجھ گیا کہ وہ کس وجہ سے حیران ہے۔ شہزاد اُس سیاہ فام کے مقابلے میں بہت کمزور اور مختصر نظر آتا تھا اور دیکھنے میں ان دونوں کا کوئی جوڑ نہیں تھا۔ ہاتھی اور بچے جیسا مقابلہ تھا۔ وہ دل ہی دل میں مُسکرائے بغیر نہ رہ سکا لیکن اُسی لمحے شہزاد کا ذہن تیزی سے تاریک ہونے لگا۔

اس کا دل ڈوبنے لگا۔

دُوسرے ہی لمحے یہ حالت اس لمحے اُس کے لیے خطرناک ہی نہیں جان لیوا بھی ثابت ہو سکتی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ عمران کے محل میں جتنے بھی خواجہ سرا ہیں، وہ سب کے سب اپنے خواجہ سرا ساتھی نیمری کی موت کے بعد سے اس کے جانی دُشمن بن چکے ہیں اور وہ اُسے ہلاک کرنے کا کوئی بھی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیں گے۔

اس نے اپنی ذہنی حالت جلدی جلدی سنبھالنے کی کوشش کی لیکن اس کا ذہن تاریک تر ہوتا جا رہا تھا۔

دماغ میں بار بار جھماکے ہو رہے تھے۔

یُوں لگ رہا تھا جیسے اس کے ذہن میں کئی مناظر تیزی سے گڈمڈ ہو رہے ہوں۔ اس کے لیے اپنی آنکھیں کھُلی رکھنا کوشوار ہو رہا تھا۔ وہ بار بار آنکھیں بھینچنے اور کھولنے لگا۔

اس دوران میں وہ دیکھ رہا تھا کہ سیاہ فام خواجہ سرا آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھ رہا ہے اس کے ہاتھ میں ویسا ہی خنجر تھا جیسا کہ وہ چند روز قبل سیاہ فام خواجہ سرا نیمو کے ہاتھ میں دیکھ چکا تھا۔

سیاہ فام پہاڑ کی پیش قدمی جاری رہی۔

شہزاد کے ذہن کی تاریکی میں اضافہ ہوتا رہا۔

بے یقینی کا صحرا اُس کی ہستی کو نگلنے لگا۔

اس نے پُوری قوت سے آنکھیں بھینچ کر آنکھیں کھولا تو دیکھا کہ سیاہ فام اس کے سامنے پہنچ چکا ہے۔ شہزاد نے اس طاقت کو پکارا جو اس کی ہستی میں کہیں پڑی سو رہی تھی۔

لگے ہی لمحے اس کے ذہن سے تاریکیاں چھٹنے لگیں۔

وہ حواس میں آیا تو سیاہ فام کو منتظر آمیز انداز میں مُسکراتے دیکھا۔ وہ دو تین قدم سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھا۔ اس کا دایاں ہاتھ سر سے بُلند تھا لیکن وہ حملہ نہیں کر رہا تھا۔

"اپنے آپ کو سنبھالو، سفید چمڑی والے!" سیاہ فام غرایا۔

"مرت تم سے محض تین قدم دُور کھڑی ہے۔ تمھاری گردن پر نیمو کا خون ہے ہم میں سے ہر ایک نے قسم کھائی ہے کہ اس کی ایک ایک بوند کا قرم سے حساب لیں گے۔"

شہزاد کے حواس بجھ گئے۔

وہ اب پُوری طرح ہوش و حواس میں تھا۔

اس نے عمران اور آسفر کی طرف دیکھا۔

دونوں کے انداز سے اُلجھن ظاہر ہو رہی تھی۔ غالباً اس کے آنکھیں بند کرنے پر اُنھیں یہ خدشہ لاحق ہو گیا تھا کہ شہزاد اس سیاہ فام کا بُھرتہ دیکھ کر گھبرا گیا ہے۔ عمران کا تو دماغ بھی حیرت اور بے یقینی سے کھُل گیا تھا۔ اس کے ایک ہاتھ میں گوشت کا پارچہ دبا ہُوا تھا جسے تشدید حیرت کی زیادتی کے باعث وہ مُنہ میں ڈالنا ہی بھُول گیا تھا۔

شہزاد نے دوبارہ سیاہ فام کی طرف دیکھا۔

اس نے خنجر والا ہاتھ جُھکا لیا تھا۔

وہ اس کے ظرف کا قائل ہو گیا۔

اگر یہ سیاہ فام جلد بازی سے کام لیتا تو اب تک خنجر شہزاد کے سینے میں خوفناک پیدا کر چکا ہوتا . . . لیکن اس نے اپنے حریف کی آنکھیں بند دیکھ کر توقف کیا تھا اور ایسا کسی صاحب ظرف دُشمن ہی سے متوقع ہو سکتا تھا۔ شہزاد نے اس کی طرف دیکھ کر اثبات میں سر ہلایا۔

"میں کسی کا خون بہانے سے پہلے کچھ دیر کے لیے آنکھیں بند کر لیتا ہُوں۔" اس نے مُبہم آواز میں کہا۔ "اسے تم ایک طرح کی

بھی کہہ سکتے ہو۔" یہ بات اس نے غیر اف کی اُلجھن دُور کرنے کے لیے کہی تھی۔

"ٹھیک ہے! اب تم خنجر نکالو اور . . . ."

"میں کوئی ہتھیار استعمال نہیں کروں گا۔" شہزاد نے سیاہ فام حریف کی بات کاٹ دی۔

"تو پھر سنبھلو!" سیاہ فام نے کہا اور تیزی سے وار کیا۔

وہ بے پناہ پھرتیلا ثابت ہُوا تھا۔ جسامت کے اعتبار سے اس کی یہ پھرتی ناقابلِ یقین ہی لگتی تھی . . . لیکن شہزاد نے اس سے بھی کہیں زیادہ تیزی دکھائی۔

وہ پلک جھپکتے ہی خنجر کی راہ سے ہٹ گیا۔

سیاہ فام کا خنجر والا ہاتھ فضا میں لہرا کر رہ گیا۔

"واہ!" عمران نے بے ساختہ کہا۔

شہزاد نے اس کی بات سُنی لیکن وہ اس کی طرف متوجہ نہیں ہُوا۔ وہ تو اپنے سیاہ فام حریف کو آنکھوں ہی آنکھوں میں تول رہا تھا۔ اس نے محسوس کر لیا تھا کہ بدّ مقابل اپنی جگہ بے حد مضبوط ہے اور ظرف والے حریف ہمیشہ مہلک اور خطرناک ہی ثابت ہوتے ہیں۔

اس نے سیاہ فام کی آنکھوں میں اذیت پسندی کی جھلک بھی دیکھ لی تھی۔ اس تاثر نے شہزاد کے دل میں اُس کے لیے نفرت کا طوفان پیدا کر دیا۔

وہ اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

اُسے خدشہ لاحق تھا کہیں اُس کی ذہنی حالت پھر سے تبدیل نہ ہو جائے یہ ایک خطرناک عارضہ تھا جو اس کی زندگی کی بھینٹ بھی لے سکتا تھا۔ اس نے اُس طاقت کو محسوس کرنا شروع کر دیا جو اس کی نس نس میں تڑپنے لگی تھی۔ شہزاد کو اب بڑی محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کے تن بدن میں بجلیاں ہی بجلیاں بھر گئی ہوں۔ اس نے سیاہ فام حریف نے دُوسرا وار کیا۔

اس نے بے انتہا خطرناک داؤ آزمایا تھا۔

دائیں ہاتھ سے خنجر بائیں ہاتھ میں پلک جھپکتے ہی منتقل کر گیا تھا اور پھر اس نے بائیں ہاتھ سے وار کیا تھا لیکن شہزاد خبر نہیں تھا، وہ پہلے تو اس کے دائیں ہاتھ کی زد سے محفوظ رہا . . . پھر اس نے بائیں ہاتھ کی پہنچ بھی ناکام بنا دی۔ وہ اُچھل اس کی پشت پر پہنچ چکا تھا۔

اس سے قبل کہ شہزاد اس پر عقب سے حملہ آور ہوتا، سیاہ فام زخمی ناگ کی طرح پلٹ پڑا۔ اس نے یُوں اُچھل کر پینترا بدلا تھا جیسے اس کے پیر دو ہتھے طاقت ور اسپرنگ لگے ہوئے ہوں۔

شہزاد اس کی پھرتی پر عش عش کر اُٹھا۔

عمران نے بھی بلند آواز میں اس اقدام کو سراہا تھا۔

آسفر البتہ یُوں ساکت بیٹھا تھا جیسے وہ بیٹھے بیٹھے پتھر کا ہو گیا ہو۔

خنجر اب سیاہ فام خواجہ سرا کے دونوں ہاتھوں کے درمیان تیزی سے گردش کر رہا تھا۔ دیکھنے میں وہ دو خنجر لگتے تھے جبکہ ایک خنجر تڑپ کر ایک سے دوسرے ہاتھ کی طرف سفر کر رہا تھا . . . اس دوران میں سیاہ فام کی آنکھیں شہزاد پر جمی رہی تھیں۔

وہ موقعے کی تلاش میں تھا۔

شہزاد مضبوط قدموں سے کھڑا رہا۔

اس کی ٹانگوں کے عضلات تنے ہوئے تھے اور وہ کسی بھی لمحے چاروں طرف حرکت کر سکتا تھا۔

سیاہ فام آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگا۔

خنجر کی گردش اس کے ہاتھوں کے درمیان مزید تیز ہو گئی تھی۔

اب اس کے ہاتھوں کے درمیان چکراتے ہوئے خنجر پر نگاہ جمانا مشکل ہو رہی تھی۔ یُوں لگتا تھا جیسے خنجروں کا ایک سلسلہ ہے جو ایک سے دُوسرے ہاتھ کے درمیانی فاصلے میں متحرک ہے اور کسی بھی لمحے ان میں سے ایک خنجر تڑپ کر حریف کے جسم میں پیوست ہو جائے گا۔

شہزاد اس بار جہاں کھڑا تھا، وہیں جما کھڑا رہا۔ اس نے کسی طرف حرکت نہیں کی تھی۔ اچانک سیاہ فام کا دایاں ہاتھ بلند ہُوا۔ شہزاد نے اس ہاتھ کی طرف کوئی توجہ نہیں دی کیوں کہ لمحوں کے اس وقفے میں وہ دیکھ چکا تھا کہ خنجر اُٹھے ہوئے ہاتھ کی بجائے بائیں ہاتھ میں دبا ہُوا ہے۔

عمران اور آسفر بڑی توجہ سے سیاہ فام کے مشاق ہاتھوں کی طرف دیکھ رہے تھے لیکن انھیں پتہ بھی نہ چل سکا کہ کب سیاہ فام کے بائیں ہاتھ نے حرکت کی اور کب خنجر اس سے نکل کر شہزاد کی طرف اُڑا تھا۔ اُنھوں نے تو بس یہی دیکھا کہ خنجر اب سیاہ فام کی بجائے شہزاد کے ہاتھ میں دبا ہُوا ہے۔

اس نے خنجر کو دائیں ہاتھ میں لہرایا اور پھر اُسے گھما کر پھینکا تو وہ عمران اور آسفر کے درمیان بڑی سُبکی سے بچھی میز کی سطح پر لٹو کے بل گر گیا۔ چاقو کا پھل چوبی سطح میں دھنس گیا تھا اور اس کا دستہ کانپتا نظر آ رہا تھا۔

آسفر اُچھل کر کھڑا ہو گیا۔
اس کے چہرے پر زلزلے کے آثار تھے۔
نیمراف کا قہقہہ فلک شگاف تھا۔ کمرے کے در و دیوار تک گونج اُٹھے تھے۔ شہزاد نے کن انکھیوں سے اس کی طرف دیکھا۔ وہ جانتا تھا کہ نیمراف اس قدر کبھی خوش ہے۔ اس نے نیمراف کی توقعات پر پورے اُتر کر اُسے نہال کر دیا تھا۔ نیمراف کے قہقہے سے آسفر کے چہرے کی رنگت بھی لوٹ آئی اور وہ آہستہ آہستہ یوں صوفے پر بیٹھ گیا جیسے جھاگ بیٹھتی ہے۔
اس دوران میں شہزاد ایک لمحے کے لیے بھی اپنے حریف کی طرف سے غافل نہیں ہوا تھا... لیکن وہ یہ بھی محسوس کر چکا تھا کہ سیاہ فام کے سارے کس بل نکل چکے ہیں اور وہ نہتا ہو کر اُس سے مقابلہ نہیں کر سکتا۔
"اگر تم زندگی کی بھیک مانگ لو تو میں، تمھیں معاف کر سکتا ہوں۔" شہزاد نے عجیب۔ سے لہجے میں کہا۔ اس کی آواز میں نفرت اور رحم کی ملی جُلی کیفیت تھی۔
نیمراف کا قہقہہ دم توڑ گیا۔
"نہیں... جانسن!" وہ دھاڑا۔ اس کے لہجے میں تنبیہ تھی۔
"بولو...؟" شہزاد، سیاہ فام کی طرف متوجہ رہا۔ اس نے نیمراف کی بات پر کوئی توجہ نہیں دی تھی۔
"میں زندگی کی بازی ہارنا، بھیک مانگنے سے زیادہ..."
شہزاد کسی درندے کی طرح غرایا اور حملہ آور ہوا۔ اس کا ایک ہاتھ کلہاڑے کی طرح اُٹھا اور دُوسرا نیزے کی طرح آگے بڑھا۔ اس کی انگلیاں سیاہ فام کے بالوں سے بھرے ہوئے سینے سے ٹکرائیں اور گوشت یوں اطراف میں ہٹ گیا جیسے وہ سیاہ فام گوشت پوست کی بجائے موم کا بنا ہوا ہو۔ اس کے سینے میں شگاف ہو چکا تھا جس سے خون کا فوارہ اُبل پڑا۔ اُسی لمحے کلہاڑے کی طرح اُٹھا ہوا ہاتھ اُس کی کھوپڑی پر گرا۔ چٹاخ کی آواز پیدا ہوئی اور کھوپڑی کسی کچے ناریل کی طرح پھٹ گئی۔
نیمراف جرشر کے عالم میں اُٹھ کھڑا ہوا۔
آسفر کا چہرہ کسی لاش کے چہرے کی طرح سپید پڑ گیا۔
کمرے میں چند لمحوں کے لیے گہرا سکوت چھا گیا... پھر لاش کسی ٹوٹی ہوئی چٹان کی طرح گر گئی۔
"دیکھا تم نے آسفر...؟" نیمراف نے فخریہ لہجے میں کہا۔ "میں نے کہا تھا نا کہ جانسن موت کی مشین ہے۔"
"آں... ہاں..." آسفر چونک کر بولا۔
"کیا یہ ہاتھ، درجنوں دُشمن چند لمحوں میں ٹھکانے نہیں لگا سکتے؟" نیمراف کی آواز بھاری تھی۔
"بلاشبہ۔ میں نے ایسا منظر زندگی میں پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔" آسفر بولا۔ "یہ صاحب کمال تم نے کہاں سے حاصل کیا، نیمراف؟"
جواباً نیمراف فخریہ انداز میں ہنس پڑا۔
شہزاد آہستہ آہستہ چلتا ہوا اُس میز کے قریب پہنچا جس کی سطح پر بیست خنجر ابھی تک کانپ رہا تھا۔ اس نے لرزتے ہوئے دستے کو تھام کر اسے ایک جھٹکے سے کھینچ لیا۔
یہ خنجر اس نے اپنی گردن کے عقب میں رکھ لیا جہاں قمیص میں میان سی بنی ہوئی تھی۔ یہ مجھے ایسے خنجر بکثرت نشانی جمع کر کے بے حد خوشی ہوتی ہے۔" اس نے کہا اور باری باری نیمراف اور آسفر کی طرف دیکھنے لگا جن کی آنکھوں میں اس کے لیے بے پناہ احترام تھا۔

سانولی سی لڑکی نے ایک بار پھر گھبرا کر عقب میں دیکھا۔
وہ دونوں اب بھی اس کے پیچھے چلے آ رہے تھے۔ راستہ ویران تھا اور اُس نے اس سڑک پر آ کر بڑی غلطی کی تھی لیکن اب اس غلطی کا خمیازہ بھگتنے کا وقت آ گیا تھا۔ اس غلطی کا ازالہ ممکن نہیں تھا واپسی کی کوئی صورت نہیں تھی۔
اُسے افسوس ہونے لگا کہ وہ بلاوجہ گھبراہٹ کا شکار ہو کر ادھر نکل آئی۔ اگر وہ ہوش و حواس برقرار رکھتی تو وہ ہجوم ہی میں گھری رہتی۔ تب شاید یہ دونوں بدمعاش اُسے چھونے کی کوشش بھی نہ کرتے... لیکن اب کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔
اس نے سامنے دیکھا۔
دُور دُور تک سڑک ویران تھی۔
"اُف! یہ میں نے کیا حماقت کی؟" وہ بڑبڑائی اور اس نے خود کو بُری طرح کوسنا شروع کر دیا۔
اچانک عقب سے سیٹی کی آواز سُنائی دی۔
یہ بُلاوا تھا۔ یہ ایک خبیثانہ پکار تھی جسے اس نے جوانی کے چند سالوں میں ان گنت بار سُنا تھا اور کبھی اس کو اہمیت نہیں دی تھی لیکن آج اس آواز کو نظر انداز کرنا اس کے لیے ممکن نہیں تھا۔
تاریکی میں وہ دونوں آسیبوں کی طرح اس کے پیچھے چلے آ رہے تھے یہ ویران سڑک دراصل اس سانولی لڑکی کے گھر پہنچنے کا سب سے

چھوٹا راستہ تھی۔ غالباً اسی لیے غیر ارادی طور پر اس کے قدم اسی سڑک پر اُٹھنے لگے تھے۔
عقب سے آنے والے قدموں کی آہٹ اُسے کھوپڑی کے عقبی حصے میں دھمک کی طرح محسوس ہو رہی تھی اور جیسے جیسے اس دھمک میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا، اس کے قدموں میں تیزی آتی جا رہی تھی۔
اچانک اُسے یوں محسوس ہوا جیسے دونوں آسیبی سائے اس کے وجود پر چھانے کے لیے بے چین ہو گئے ہوں۔ وہ دوڑنے لگی۔ اس وقت وہ کسی خوف زدہ ہرنی کی طرح دوڑ رہی تھی لیکن کھوپڑی کی پشت پر پڑنے والی قدموں کی چاپ کی چوٹیں شدید ہوتی جا رہی تھیں۔
اس کی سانس بُری طرح پھول گئی۔
پاؤں من من بھاری ہو گئے۔
دوڑنا محال ہوتا چلا گیا۔ حلق میں کانٹوں کی چبھن محسوس ہونے لگی۔ آتی جاتی سانس دُہری دھار کے خنجر کی طرح سینے میں چبھ رہی تھی... وہ نڈھال ہو گئی۔ وہ لڑکھڑانے لگی اور پھر اس کی ٹانگیں جسم کا بوجھ سہارنے سے قاصر ہو گئیں۔
وہ گر گئی۔
دو سائے اس پر جھک آئے۔
وہ بھی بُری طرح ہانپ رہے تھے۔
لڑکی نے آنکھیں بند کر لیں۔ وہ پاکیزگی اور عصمت مآبی کو اہمیت کا زیور خیال کرتی تھی اور اب تک اس نے خود کو تمام خطروں سے محفوظ رکھا تھا۔ آخر ایک کمزور سی لڑکی بھیڑیوں کے جنگل میں کب تک محفوظ رہ سکتی ہے؟ اس نے بے بسی سے سوچا۔ ایک کے جبڑے سے بچ نکلے گی تو دُوسرا بھیڑیا دانت نکوسے منتظر ہو گا۔
"میرے خدا..." اس نے آسمان کی طرف دیکھا... لیکن آسمان کی بجائے دونوں ہیولے دکھائی دے رہے تھے۔ آسمان تھا۔ ان ہیولوں کے پس منظر میں چھپ گئے تھے۔
"جانی..." ایک نے ہانپتے ہوئے کہا۔ "یہ ہرنی میری ہے پہلے میں نے دیکھا تھا۔"
"بکواس مت کرو۔ تمھیں انتظار کرنا پڑے گا..." دوسرا غرایا۔
"خدایا..." لڑکی کے کانپتے ہوئے ہونٹوں سے فریاد نکلی۔
اچانک دونوں سائے اس کے اوپر سے ہٹ گئے۔ یوں لگتا تھا جیسے کسی بے پناہ طاقت ور ہاتھ نے انھیں نوچ کر الگ پھینک دیا ہو... وہ تاریکی میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگی۔ اس کا دل کہہ رہا تھا کہ یقیناً خدا نے اس کی فریاد سُن لی ہے اور وہ آسمانوں سے اُتر کر زمین پر اس کی مدد کے لیے پہنچ گیا ہے۔
اس کے سامنے تاریکی میں تین ہیولے تھے۔
تینوں ایک دُوسرے پر جھپٹ رہے تھے۔
خونخوار بھیڑیوں کی طرح وہ ایک دوسرے کو چیر پھاڑ ڈالنے پر تلے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔ ایک کراہ نے تاریک کا سینہ چیر ڈالا۔ پھر دوسری کراہ سُنائی دی اور اندھیرا خاموش ہو گیا۔ ہر طرف سناٹے کی سلطنت ہو گئی۔
لڑکی کانپ کانپ گئی۔ تیسرا ہیولہ آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ بھیڑیا ہے یا میرا محسن؟ محسن بھیڑیا نہیں ہو سکتا۔ ذہن کے ننھے سے گوشے میں یہ خیال اُبھرا اور معصوم سا دل کانپ کانپ گیا۔
"کیا تم ٹھیک ہو، لڑکی؟" ایک سرسراتی ہوئی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔ "اُنھوں نے تمھیں کوئی نقصان تو نہیں پہنچایا...؟"
"میں ٹھیک ہوں لیکن تم کون ہو؟" وہ لرزتی ہوئی آواز میں بولی۔
"اندھیروں کی آبرو..."
"لوٹنا چاہتے ہو؟" وہ سر سے پاؤں تک کانپ گئی۔
"نہیں بچانا چاہتا تھا۔" سرسراتی ہوئی آواز نے کہا۔ "کیا میں بروقت پہنچ گیا تھا؟"
"ہاں... میرے محسن!"
"تو پھر اُٹھو اور اپنے گھر کی طرف چلو۔" سرسراتی ہوئی آواز اس سے دوبارہ مخاطب ہوئی۔ "تمھارا گھر یہاں سے کتنی دُور ہے؟"
"زیادہ دُور نہیں۔"
"تو پھر چلو۔ میں تمھیں گھر تک پہنچا دوں۔"
"تم نے ابھی تک اپنے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔"
"بتا تو چکا ہوں۔" سرسراتی ہوئی آواز تاریکی میں گونجی۔ "ان دونوں کا کیا حال ہے؟"
"ماضی، حال اور مستقبل سے بے نیاز ہو گئے۔"

"اوہ اتم نے انھیں مار ڈالا؟" وہ کانپ گئی۔ اُسے اپنا وجود ایک ننھا سا اور کمزور پتہ محسوس ہو رہا تھا جو ہوا کے خفیف سے جھونکے کی بھی تاب نہیں لا سکتا اور کھڑکنے لگتا ہے۔ مضبوط شاخ میں پیوست ہونے کے باوجود اُس پر گھبراہٹ طاری ہو جاتی ہے۔

"کیا تمھیں ان کے مرنے کا افسوس ہے؟"

"زندگی بہت قیمتی ہوتی ہے۔"

"ہاں... لیکن میں نے پھر زندگی نہیں بلکہ درندگی کا خاتمہ کیا ہے۔" سرسراتی ہوئی آواز نے جواب دیا۔

اچانک لڑکی کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔

اس کے ہاتھ پر ایک ہاتھ جم گیا تھا۔

...لیکن اس ہاتھ میں گوشت پوست تو محسوس ہی نہیں ہو رہا تھا۔ یہ ہڈیاں ہی ہڈیاں تھیں جو اس کے ہاتھ کے گرد لپٹ گئی تھیں۔ لڑکی کے کپکپانے میں اضافہ ہو گیا۔

استخوانی ہاتھ کی گرفت مضبوط تھی۔ پہلے تو اُسے یوں لگا جیسے یہ پنجر کا ہاتھ اس کے ہاتھ کو پیس ہی ڈالے گا... پھر گرفت نرم پڑ گئی اور اُسے تحفظ کا احساس ہونے لگا۔

"چلو... کیوں وقت ضائع کر رہی ہو۔"

وہ چل دی۔

اس کی ٹانگوں میں اب بھی گویا جان نہیں تھی لیکن انھوں نے جیسے تیسے جسم کو سہار لیا تھا۔ وہ چلتی رہی لیکن اس کا زیادہ تر بوجھ اس پُراسرار ہیولے نے سنبھال رکھا تھا جس کے ہاتھ نے اس کا ہاتھ اپنی گرفت میں لے رکھا تھا۔

چند قدم چلنے کے بعد دل قدرے سنبھلا تو لڑکی نے سرگوشی کی۔ "تم کہاں سے آ گئے۔ میں نے تو خدا کو پکارا تھا۔"

"مجھے خدا نے ہی بھیجا ہے، اچھی لڑکی۔"

وہ سسک پڑی۔ استخوانی ہاتھ اس کے کندھے پر پہنچ گیا اور وہ بے پناہ سکون محسوس کرنے لگی۔ ہاتھ اُسے تھپ تھپا رہا تھا۔ اس کے دل و دماغ سے وسوسوں کے سانپ نوچ کر پھینک رہا تھا۔ اس کے قدموں کی چاپ تک سُنائی نہیں دے رہی تھی۔

میں نے ان دونوں کو بازار ہی میں دیکھ لیا تھا۔ ان کی آنکھوں میں شیطانی ارادے مچل رہے تھے..."

"پھر تم نے پہنچنے میں اتنی دیر کیوں لگائی تھی؟"

"میں دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ کیا کرتے ہیں۔"

"اوہ! تمھیں مایوسی ہوئی ہو گی۔"

"کیا مطلب؟"

"تمھیں دیکھنے کو کچھ بھی تو نہیں ملا۔"

"خاموش! میں یہ اطمینان کر لینا چاہتا تھا کہ وہ دونوں واقعی اس انجام کے مستحق ہیں یا نہیں، جس سے میں نے انھیں دوچار کر دیا ہے۔ شاید تمھارا ذہن ابھی خوفناک خیالوں کے زیر اثر ہے۔" سرسراتی ہوئی آواز نے اسے ڈانٹ دیا۔

اس ڈانٹ ڈپٹ میں کتنی محبت تھی۔

کتنی اپنائیت سے اس نے ڈانٹا تھا۔

لڑکی کا رُواں رُواں خوشی سے رقص کرنے لگا۔ جھوم سی گئی۔ اس کی لڑکھڑاہٹ یکایک بڑھ گئی۔ اسے لگ رہا تھا جیسے وہ نشے میں دھت، ایک انجانی راہ پر اجنبی کے ساتھ، کسی نامعلوم منزل کی طرف بڑھتی چلی جا رہی ہو... انجام سے بے پروا ہو کر...

"وہ رہا، میرا گھر۔" وہ چیخ پڑی۔

"وہی، جہاں روشنی ہو رہی ہے؟"

"ہاں... میری ماں جاگ رہی ہو گی۔"

"اور باپ؟"

"وہ تاریک راہوں پر کہیں مارا مارا پھر رہا ہو گا۔"

"ٹھیک ہے! اب تم جاؤ۔" سرسراتی ہوئی آواز نے کہا۔ "تمھارا گھر سامنے ہے اور اب تمھیں کوئی خطرہ بھی نہیں۔"

"لیکن تم...؟"

"مجھے اب جانے دو۔"

"ٹھہرو... میں، تمھیں دیکھنا چاہتی ہوں۔"

جواباً ہنسنے کی آواز سُنائی دی۔

"یقین کرو۔ میں تمھیں دیکھے بغیر نہیں جانے دوں گی۔" لڑکی کے لہجے میں ضد تھی۔ "میں نے کبھی خدا کو نہیں دیکھا۔"

"گستاخ مت بنو۔"

"میں ٹھیک کہتی ہوں۔ درندوں سے کوئی درندہ

بچایا کرتا۔ انسانوں سے کوئی انسان نہیں محفوظ رکھ سکتا۔"

"تم ایک اچھی لڑکی ہو۔"

"تو پھر میرے ساتھ میرے گھر چلو۔" لڑکی کے لہجے میں محرومیاں ہی محرومیاں تھیں۔ وہ اس کا ہاتھ تھام کر گھر کی طرف چلنے لگی۔ وہی سایہ اس کے ساتھ یوں گھسٹنے لگا جیسے وہ یکایک جسمی توانائی کھو بیٹھا ہو۔ لڑکی کا صادق جذبہ اُسے موم بنا کر اُڑائے لیے جا رہا تھا۔

...اور پھر گھر کی روشنی میں وہ اُسے دیکھ کر چونک پڑی۔ ایک لمحے کے لیے اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا... پھر وہ اس کے لبادے میں سما گئی اور بھورے لبادے والے کا ہاتھ محبت و شفقت سے اس کے سر پر گھومنے لگا۔

★★

شہزاد نے کار روک دی۔

اُسی لمحے یوں محسوس ہوا جیسے کوئی چیز سرسراتی ہوئی اس کی کار کے اوپر سے گزر گئی ہو۔ اس نے محتاط نظروں سے دائیں بائیں دیکھا۔ تاریکی کی وجہ سے کوئی خاص چیز نظر نہ آئی۔ وہ کار سے اُتر آیا۔

ویسی ہی سرسراہٹ دوبارہ سنائی دی۔

ٹائیگر نے اُس طرف دیکھا جدھر سے آواز کا سلسلہ شروع ہوا تھا۔

درختوں کے نیچے اَن گنت سائے ایک دوسرے میں گڈمڈ ہو رہے تھے۔ اس نے ڈیش بورڈ سے ٹارچ نکالی اور درختوں کی طرف دوڑ پڑا۔

وہ جھکا جھکا دوڑ رہا تھا۔

درختوں کا جھنڈ جیسے جیسے قریب آ رہا تھا مختلف آوازیں اس کے کانوں سے ٹکرا رہی تھیں۔ اس نے ٹارچ زمین پر رکھ دی اور اُسے روشن کرتے ہی ایک طرف چھلانگ لگا دی۔

اس کا خیال تھا کہ روشنی پر فائر ہو گا لیکن کوئی دھماکا نہیں ہوا۔ اس نے ٹارچ کے روشن دائرے میں دیکھا، دس آدمی کسی ایک چیز پر پل پڑے تھے۔ وہ چیز اُن کے درمیان تھی اور فاصلے کی وجہ سے دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ شہزاد ایک درخت کی آڑ میں ہو گیا۔

وہ حیران تھا کہ یہ سب لوگ اندھیرے میں کس چیز کے گرد حصار بنائے کھڑے ہیں؟ اُسے اس بات پر بھی حیرت تھی کہ دائرے کی شکل میں کسی چیز پر قابو پانے کی کوشش میں مصروف ان لوگوں نے ابھی تک روشنی کو کوئی اہمیت کیوں نہیں دی۔ اسی لمحے ایک اور منظر دیکھنے میں آیا۔

دس کے دس آدمی چاروں طرف فضا میں اچھلتے دکھائی دیے۔ یوں لگتا تھا جیسے ان کے درمیان کوئی زوردار دھماکا ہوا ہو جس نے انھیں اپنی بے پناہ طاقت سے منتشر کر دیا ہو۔

دس آدمیوں کا حصار ختم ہوا تو ٹارچ کی روشنی میں شہزاد کو ایک عجیب منظر دکھائی دیا۔ اُسے گٹھری بنا ہوا ایک جسم دکھائی دیا جو بھورے لبادے میں لپٹا ہوا تھا۔

چاروں طرف گرنے والے ایک بار پھر سنبھل گئے تھے۔ ان میں سے جس جس کے حواس ٹھکانے آ رہے تھے، وہ اس گٹھری کی طرف لپک رہا تھا... اور پھر شہزاد کا دل خوش ہو گیا۔

اس نے زمین پر پڑی ہوئی گٹھری کو کھلتے دیکھا۔

اس کے سامنے اُوشان کھڑا تھا۔

اس کے ہونٹوں پر بڑی ہی عجیب مسکراہٹ تھی۔

آنکھیں چمک رہی تھیں اور چہرہ اسی طرح زرد لیکن پُرسکون نظر آ رہا تھا جس طرح شہزاد نے اس کے کمرے میں داخل ہوتے وقت دیکھا تھا۔ پہلی نظر میں وہ کوئی ایسی لاش نظر آیا جو کسی صدیوں پرانے قبرستان سے نکل آئی ہو... لیکن اس کی چمک دار متحرک آنکھیں اس کی زندگی کا اعلان کر رہی تھیں۔

دس آدمیوں میں سے ایک اس کی طرف جھپٹ پڑا اور وہ جیسے ہی اُوشان کے قریب پہنچا، اُوشان زمین سے تھوڑا سا اُچھلا۔ اس کا دایاں ہاتھ کب سر سے بلند ہوا اور کب اس شخص کی کھوپڑی پر پڑا، یہ شہزاد دیکھ تو چکا تھا لیکن اُسے اتنی پھرتی محض اپنا فریب نظر ہی محسوس ہوئی تھی۔

جس شخص کی کھوپڑی پر اُوشان کا ہاتھ ضرب لگا چکا تھا، وہ دو حصوں میں تقسیم ہو گئی تھی۔ اُسی لمحے عقب سے تین آدمی اُوشان کے قریب پہنچ گئے۔ اُوشان فضا میں اُچھلا۔ اس کی ایک ٹانگ نے حرکت کی، پھر دوسری ٹانگ متحرک ہوئی اور پھر فضا میں معلق حالت ہی میں اس نے قلابازی کھائی اور تیسرے شخص کی پشت پر جا گرا لیکن گرتے گرتے بھی اُس نے تیسرے شخص کی گردن پر وار کیا تھا۔

شہزاد اچھل پڑا۔

"واہ..." بے اختیار اُس کی زبان سے نکلا لیکن آواز

بے حد دھیمی تھی، اس نے بولنے کے فوراً ہی بعد گنڈیہ بھینچ لیا۔

جس شخص کی گردن پر وار ہوا تھا اس کی لاش گر رہی تھی لیکن اس کا سر دھڑ پر موجود نہیں تھا۔ باقی چھ آدمی جہاں اور جس حالت میں بھی تھے وہ وہیں منجمد ہو کر رہ گئے۔

چند لمحوں تک وہ پھٹی پھٹی نظروں سے اپنے ساتھیوں کا حشر دیکھتے رہے... پھر وہ چیختے ہوئے یوں بھاگے جیسے انھوں نے کوئی آسیب دیکھا ہو۔ شان کچھ دیر کھڑا پلکیں جھپکائے بغیر ان بھگوڑوں کو دیکھتا رہا... پھر اس نے روشن ٹارچ کی طرف دیکھا۔

آہستہ آہستہ اس کا وجود ٹارچ کی طرف متحرک ہو گیا۔

شہزاد کی مٹھیاں بھنچ گئیں۔ اب تک وہ جس سحر میں مبتلا تھا وہ فوراً ہی ختم ہو گیا کیونکہ اسے وہ منظر یاد آ گیا تھا جب وہ اُوشان کے کمرے میں اس بوڑھے اور اس کے نوجوان ساتھی کو ہلاک کرنے کے ارادے سے گیا تھا۔ وہ درخت کے تنے کی

اوٹ سے نکل آیا۔ وہ بے آواز چل رہا تھا۔

اُوشان اب بھی ٹارچ کی طرف ہی بڑھ رہا تھا۔

قریب پہنچ کر اس نے ٹارچ اُٹھالی۔

شہزاد اور اس کے درمیان دس قدم کا فاصلہ رہا ہو گا۔

اُوشان نے ٹارچ کی روشنی اِدھر اُدھر پھینکی اور پھر شہزاد کو ٹھٹک جانا پڑا۔ روشنی کا دائرہ اس پر مرکوز ہو گیا تھا۔ روشنی براہِ راست اس کی آنکھوں میں پڑ رہی تھی۔

اس نے جلدی سے ہاتھ آنکھوں پر رکھ لیا۔

نہ جانے کیا بات تھی کہ روشنی آنکھوں میں پڑتے ہی اس کے ذہن پر تاریکی نے حملہ کر دیا تھا۔ اس نے آنکھوں پر ہاتھ رکھا تو ساتھ ہی آنکھیں بھی بند کرنا پڑ گئیں... اور آنکھیں بند ہوتے ہی اُسے یوں لگا جیسے اس کا دماغ اندھیروں میں ڈوبتا جا رہا ہو۔

دفعتاً اس کے کانوں سے عجیب سی آواز ٹکرائی۔

یہ کبھی کبھی گرکے ہنسنے کی آواز تھی۔ اُوشان اپنے مخصوص انداز میں ہنس پڑا تھا۔ شہزاد پر زلزلے کی سی کیفیت طاری ہو گئی۔ اس کے دائیں ہاتھ کی مٹھی ابھی تک بھنچی ہوئی تھی۔ بائیں ہاتھ سے اس نے اپنی آنکھیں ڈھانپ رکھی تھیں، تاریک ذہن میں شرارے سے اُڑتے محسوس کرتے ہوئے وہ سر سے پاؤں تک کانپ گیا۔ وہ یہ تک بھول گیا تھا کہ کوئی اس کے سامنے کھڑا ہے اور ایک ٹارچ کی طاقت ور روشنی اس

کے چہرے پر پڑ رہی ہے۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا پیچھے ہٹنے لگا۔ عقب میں چند قدم کے فاصلے پر وہ درخت تھا جس کی اُس نے کچھ دیر قبل آڑ لے رکھی تھی۔ وہ پیچھے ہٹتا رہا، یہاں تک کہ درخت سے اس کی پشت ٹکرا گئی۔ اس نے درخت کے تنے سے ٹیک لگالی۔

وہ بُری طرح ہانپ رہا تھا۔

اُسے اپنی پیشانی پسینے سے بھیگی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ طاقت جسے وہ اپنے جسم کی گہرائیوں سے اُٹھتے ہوئے محسوس کیا کرتا تھا، نہ جانے رُوح کے پاتال میں کب تک بے خبر سوتی رہے گی۔ اس وقت تک وہ ایک ناکارہ سا انسان تھا... ایک ایسا انسان جو کسی کمزور بچے کی طرح اپنی حفاظت بھی نہیں کر سکتا تھا۔ ذہن میں چھائی ہوئی تاریکی میں جو شرارے اُڑ رہے تھے۔ انھوں نے اب ایک باقاعدہ منظر کو روشن کرنا شروع کر دیا تھا۔

یہ منظر وہ نہیں تھا، جو اب تک کئی بار دیکھ چکا تھا۔

ایک نئی ہی تصویر تھی۔

... لیکن اس سے پہلے کہ وہ پیکر اُس کے ذہن میں نمایاں ہوتا اور اس کے خدوخال ظاہر ہوتے، تاریکی یکایک چھٹنے لگی۔ شہزاد نے پلکیں جھپکائیں۔ اس نے چند ہی لمحوں بعد احساس قائم ہوتے ہی آنکھیں کھول دیں اور پھر جو چاروں طرف دیکھا تو ہر جانب تاریکی ہی تاریکی تھی۔

روشن ٹارچ کا کہیں نام و نشان تک نہیں تھا۔

وہ بوڑھا بھی غائب تھا جس نے اب اس کے اعصاب کو متاثر کرنا شروع کر دیا تھا۔ شہزاد درخت کے تنے سے ٹیک لگائے کھڑا رہا۔ وہ بُری طرح ہانپ رہا تھا۔ اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ کسی ڈاکٹر سے ضرور ملے گا۔ ورنہ یہ حالت اس کے لیے مہلک بھی ثابت ہو سکتی ہے۔

اُوشان اُسے آسانی سے قتل کر سکتا تھا۔

اس خیال کے تحت وہ بُری طرح چونک پڑا۔

"آخر اُس نے مجھے زندہ کیوں چھوڑ دیا؟" وہ زیرِ لب اپنے آپ سے مخاطب ہوا۔ یہ ایک حیرت انگیز ہی نہیں ناقابلِ یقین بات بھی تھی۔

شہزاد نے بوڑھے کے کمرے میں جا کر نہ صرف اس سے گستاخانہ گفتگو کی تھی بلکہ اُس نے اُوشان کو قتل کرنے کا اعلان کیا تھا۔ بوڑھا اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ اس کا دشمن ہے پھر اس نے اُسے کیوں زندہ چھوڑ دیا؟

"ممکن ہے، سیاہ فام خواجہ سرا کی طرح یہ بھی صاحب ظرف ہے۔" اس نے خود کو سمجھانے کی کوشش کی۔ "اور میری کھوئی ہوئی طاقت دیکھ کر اس نے مجھ پر حملہ کرنے کا ارادہ ملتوی کر دیا ہو۔"

اُوشان غائب ہو چکا تھا۔ ٹارچ اس کے کوٹ کی جیب میں موجود تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اُوشان اس کے قریب آیا تھا اور ٹارچ اُسی نے جیب میں ڈالی تھی۔

شہزاد بے پناہ اُلجھن محسوس کرنے لگا۔

یکایک اُسے یاد آیا کہ اُس پاس بکھرے ہوئے اندھیرے میں کئی لاشیں بھی موجود ہیں۔ شہر میں خون ریزی بڑھتی ہی جا رہی تھی اور پولیس کا کام اتنا بڑھ گیا تھا کہ اب وہ کسی فون کال پر توجہ دینے کے قابل بھی نہیں رہی تھی۔ اس نے ٹارچ نکالی اور اُسے روشن کر کے اِدھر اُدھر لہرایا۔ لاشیں اُسی طرح زمین پر بکھری ہوئی تھیں اور ہوٹل اسٹون وال کا یہ حصہ اسی وقت سُنسان تھا۔ شہزاد نے ٹارچ بجھائی اور تیزی سے ایک رُخ پر چلنے لگا۔ وہ جلد از جلد اپنے کمرے میں پہنچ جانا چاہتا تھا۔

اپنی کار کے قریب واپس پہنچ کر اُس نے اُسے مقفل کیا اور چابی اُچھالتا ہوا ہوٹل اسٹون وال کے چبوترے کی طرف بڑھ گیا۔

اُس نے استقبالیہ کلرک کی طرف دیکھا۔

پہلی بار اُسے استقبالیے پر لڑکی کی بجائے ایک مرد دکھائی دیا۔ وہ جانتا تھا کہ گزشتہ چند دنوں سے ہوٹل میں جو وارداتیں ہو رہی ہیں، ان سے گھبرا کر مقامی لڑکیوں نے اسٹون وال سے دُور ہی رہنے میں عافیت سمجھی ہو گی۔

لفٹ کے ذریعے وہ جلد ہی اپنے فلور پر پہنچ گیا۔

وہ بے پناہ تھکن محسوس کر رہا تھا۔

"میگی؟" اس نے زیرِ لب کہا۔

اس لڑکی نے اُس کا بے حد ساتھ دیا تھا۔ اگرچہ وہ ابھی تک اُس کے بارے میں کسی حتمی فیصلے پر نہیں پہنچ سکا تھا لیکن لڑکی اُس کے دل میں بس چکی تھی۔ اب اُسے یہ خیال نہیں آتا تھا کہ لڑکی اُسے قتل کرنا چاہتی ہے کیونکہ اُس نے کئی موقعے دانستہ طور پر کھو دیے تھے۔ وہ اُسے آسانی سے ٹھکانے لگا سکتی تھی لیکن اُس نے ایسا نہیں کیا تھا۔ اس کا مطلب یہی نکل سکتا ہے کہ وہ اس کی دُشمن نہیں ہے...

دروازے کے سامنے پہنچ کر اُس نے دستک کے لیے ہاتھ اُٹھایا۔

اُس کا ہاتھ اُٹھا ہی رہ گیا۔

دروازے میں ایک انچ کے قریب جھری تھی۔

گویا دروازہ کھلا ہوا تھا۔

شہزاد کا پورا جسم تن گیا۔ اُس کی رگوں میں خون کا بہاؤ تیز تر ہونے لگا۔ اُس کی مٹھیاں بھنچنے لگیں۔ دروازہ مقفل ہونا چاہیے تھا۔ اُس نے میگی کو خاص طور سے اس بات کی ہدایت کی تھی اور وہ خود بھی تو اس سلسلے میں بے حد محتاط تھی... پھر ایسا کس طرح ممکن ہے؟

اُس نے دروازہ پورا کھول دیا۔

اندر روشنی ہو رہی تھی۔

"میگی..." اُس نے دروازے سے دو قدم اندر آتے ہوئے اُسے آواز دی لیکن کوئی جواب نہ ملا۔

اُس کی خاموش آنکھوں نے پورے کمرے کا جائزہ لیا لیکن کوئی گڑبڑ نظر نہ آئی۔ ہلکی سی آواز بھی سنائی نہیں دے رہی تھی۔ شہزاد نے دروازہ عقب میں ایڑی مار کر بند کر دیا۔

اُس نے ایک طویل سانس لی۔

اُس کا کمرہ پُرسکوت اور پُرسکون تھا۔

بے ترتیبی دکھائی نہ دینے کا مطلب تھا کہ میگی کسی ضرورت کے تحت دروازہ کھلا ہی چھوڑ کر باہر چلی گئی ہو گی۔ اُسے یاد آیا کہ اُس کے پاس چابی نہیں ہے۔

"یقیناً یہی بات ہے۔" اُس نے خود کو سمجھایا اور تھکے تھکے سے انداز میں بستر کی طرف بڑھ گیا۔ اُس نے خود کو بستر کی نرماہٹوں میں گرا دیا اور آنکھیں بند کر لیں۔ ذہن پر اتنی تکان طاری تھی کہ

اُس نے جوتے نہ اُتارنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

غنودگی بڑھتی ہی جا رہی تھی کہ اُس کے حساس کانوں نے ایک آواز سُن لی۔ اس کے اعصاب میں یکایک تناؤ پیدا ہو گیا۔ اُس نے آنکھیں کھول دیں اور غور سے ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔

تبھی اُس کی نگاہ غسل خانے کے دروازے پر جم گئی۔

باتھ رُوم کا دروازہ بند تھا۔

... لیکن دروازے کے نیچے سے پانی کمرے کے فرش پر بہہ رہا تھا۔ وہ بستر سے اُچھل کر اُترا اور آندھی کے تیز جھکڑ کی طرح باتھ رُوم کی طرف بڑھا۔ دروازہ کھولتے ہی اُس کے حلق سے

ایک طویل سانس نکل گئی۔

وہ جو منظر دیکھ رہا تھا، اُس کی کبھی توقع نہیں کر سکتا تھا۔ سامنے شاور سے میگی اُلٹی لٹکی ہوئی تھی۔ اُس کے بال نیچے پانی سے بھرے ہوئے ٹب کی سطح سے چھو رہے تھے اور پانی ٹب سے بہہ بہہ کر غسل خانے میں جمع ہو رہا تھا اور یہی پانی اب کمرے میں بہنے لگا تھا۔

میگی کے کپڑے کوڑ پر بڑے سلیقے سے تہ کیے رکھے تھے۔ شہزاد کے ذہن میں اچانک ہی دھماکے ہونے لگے۔

"یہ منظر میں نے پہلے بھی کہیں دیکھا ہے۔" وہ بڑبڑایا۔

معاً میگی کے حلق سے ایک کراہ نکل گئی۔ غالباً وہ ہوش میں آ رہی تھی۔ شہزاد نے بڑھ کر اُسے سہارا دیا اور شاور سے نیچے اُتار لیا۔ میگی کے حواس ابھی ٹھکانے نہیں آئے تھے... البتہ وہ وقفے وقفے سے کراہنے لگتی تھی۔ شہزاد اُسے بستر پر لے آیا اور اُس پر کمبل ڈال دیا۔

کافی دیر بعد میگی ہوش میں آ گئی۔

وہ پلکیں جھپکاتی رہی... پھر اُس نے شہزاد کی طرف دیکھا۔ اُس کی آنکھوں میں اجنبیت تھی جیسے وہ اسے پہچاننے میں ناکام ہو رہی ہو... لیکن تھوڑی ہی دیر میں یہ اجنبیت دُور ہو گئی۔

"جج... جانسن!" وہ کھوکھلی آواز میں بولی۔

"کیا بات ہے، میگی! یہ تم نے کسی چمگادڑ کی طرح اُلٹے لٹک کر کب سے نہانا شروع کر دیا؟" شہزاد نے مسکرا کر پوچھا۔

"اوہ، وہ... بوڑھا کہاں گیا؟"

"کون سا بوڑھا؟" شہزاد چونک پڑا۔

"وہ ایک زرد چہرے والا مدقوق سا بوڑھا تھا... لیکن اس میں کسی درندے جیسی طاقت تھی۔ مجھے اُسی نے شاور سے لٹکایا تھا۔"

"اوہ..." شہزاد کے جبڑے بھنچ گئے۔

وہ کچھ دیر تو میگی کو گھورتا رہا... پھر اُس نے جھپٹ کر ریسیور اُٹھا لیا۔ وہ آپریٹر سے اس کمرے کا نمبر مانگ رہا تھا جس میں اُدشان مقیم تھا۔ آپریٹر نے بتایا کہ اُدشان کمرے میں موجود نہیں ہے۔

"وہ جیسے ہی آئے، فوراً مجھے اطلاع دینا۔" شہزاد غرایا اور اُس نے پوری قوت سے ریسیور پٹخ دیا۔ ابھی وہ پلٹنا ہی چاہتا تھا کہ اُسے ٹھٹک جانا پڑا۔ اُس کی گردن پر کوئی چیز چبھنے لگی تھی۔

اُسی لمحے میگی کی دلدوز چیخ سے کمرے کا سکون درہم برہم ہو گیا۔ شہزاد کا پورا جسم تن گیا اور اُس کی گردن پر چبھن بھی بڑھ گئی۔ وہ محسوس کر چکا تھا کہ خنجر کی نوک اُس کی گردن میں ہوتی ہے۔ میگی کی چیخ ایک بار پھر سُنائی دی اور یوں لگا جیسے اُس کے نرخرے پر کسی درندے کا پنجہ جما ہوا ہو۔

شہزاد آہستہ آہستہ گھومنے لگا۔

✡ ✡

شہزاد کو اپنے جسم کے سارے ہی ریشے سختی سے ہوئے وائلن کے تاروں جیسے محسوس ہو رہے تھے۔ مارے اس کا عجب حال ہو رہا تھا۔ میگی اُسے جس حالت میں ملی تھی دیکھنے کے بعد شہزاد کو یوں لگ رہا تھا جیسے اس کی کھوپڑی غصے کا اُبال بار بار پیدا ہو کر کھوپڑی توڑتا ہوا بہہ نکلے گا کی ہستی تک کو ہلا دے جائے گا۔

"ہستی..." اس کے ذہن میں یہ لفظ گھومنے لگا۔ "یہ ہستی تو کھو چکی ہے۔ میرا وجود خود میرا ہوتے ہوئے بھی ہے!"

اچانک اُسے گردن پر چبھن کا احساس ہوا۔

اس نے گردن کے پٹھے غیر ارادی طور پر اکڑا لیے سب کچھ محض ایک احساس کے تحت ہو رہا تھا اور وہ اس احساس کو کوئی نام دینے میں ابھی تک کامیاب نہیں ہوا تھا میگی کی دلدوز چیخ سے اس کے تنے ہوئے اعصاب بوجھ پڑا اور وہ آہستہ آہستہ گھومتا چلا گیا۔ میگی کی چیخ ایسی جیسے اُس کے نرخرے پر کسی درندے کا پنجہ جما ہوا ہو۔

پلٹ کر دیکھتے ہی شہزاد کو یوں لگا جیسے اس کی نس میں خون کی بجائے گرم گرم لاوا دوڑنے لگا ہو۔ کمرے میں بھیانک آدمی موجود تھے۔ ان دونوں کو اُس نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

"نہیں، مسٹر جانسن!" ایک کھردری آواز سنائی دی۔

شہزاد نے اُس بھیانک چہرے والے کی طرف دیکھا اُس کے پہلو میں کھڑا تھا اور جس کے دائیں ہاتھ میں جکڑا ہوئے خنجر کی نوک اُس کی گردن سے چھو رہی تھی۔

"اطمینان سے کھڑے رہو۔ یہ خنجر بدست آدمی نے کہا۔ سی غلط حرکت تمھاری گردن، تمھارے ہی خون سے رنگین بھی سکتی ہے۔"

میگی ایک بار پھر چیخ اُٹھی۔ اس بار چیخ گھٹی گھٹی سی تھی اور یُوں آواز نکلی تھی جیسے اس کا دم گھٹنے ہی والا ہو۔

شہزاد نے اس درندے کی طرف دیکھا جو میگی کے وجود ہی گیا تھا، وہ اس کی گرفت میں کسی ننھے سے پرندے رح پھڑپھڑا رہی تھی اور اس کے ہاتھ پیروں کی حرکت سے ہوتا تھا کہ وہ چند سیکنڈ سے زیادہ مزاحمت کرنے میں اب نہیں ہو سکے گی۔

... پھر جو کچھ بھی ہوا، قطعاً غیر ارادی طور پر ہو گیا۔

اس کی دائیں کہنی پہلو میں چلی اور خنجر بدست یوں اُچھل جیسے اس کی پسلیوں پر کسی نے کلہاڑے سے وار کر دیا ہو۔ اس کے ہاتھ سے نکل گیا اور اس نے دونوں ہاتھوں سے ہوں کا وہ حصہ تھام لیا جہاں کہنی کی چوٹ پڑی تھی۔

اس کے حلق سے ایک کربناک دھاڑ نکل گئی۔

کہنی اپنا کام کر گئی تھی۔ اس شخص کا منہ دھاڑنے کے بعد کا کھلا ہی رہ گیا جیسے وہ اُسے بند کرنا بھول گیا ہو... یا پھر سے منہ بند کرنے کی مہلت ہی نہ ملی ہو۔

وہ فرش پر ڈھیر ہو گیا۔

اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں اور ان سے بے یقینی کا اظہار ہو رہا تھا... لیکن جس شخص کی کہنی نے اس پسلیاں توڑ کر جسم کے اندرونی نظام تک کو درہم برہم کر دیا خا، وہ اس کے قریب نہیں تھا بلکہ اس کی آنکھوں کے سامنے رش سے یوں بُلند ہوا تھا جیسے اس کے بازوؤں کی جگہ پر لگ گئے ہوں اور وہ ان پَروں کی مدد سے اُڑنے لگا ہو۔

شہزاد اُڑتا ہوا اس شخص پر جا پڑا جو میگی کو بے بس کرنے کے لیے جدوجہد کر رہا تھا۔ اس پر گرتے ہی شہزاد نے کروٹ ا اور اُسے لیتا ہوا بستر سے فرش پر جا پہنچا۔

وہ شخص کسی زخمی ریچھ کی طرح اس سے لپٹ گیا۔

میگی بستر پر اُٹھ بیٹھی۔

اس کی سانس تیزی سے چل رہی تھی اور وہ کسی ماہی بے آب ی طرح منہ کھولے ہانپ رہی تھی۔ اس کی غیر معمولی حد تک کشادہ آنکھیں شہزاد اور اُس درندے پر جم گئیں جو فرش پر ایک دوسرے سے اُلجھے ہوئے تھے تبھی اس نے پلٹ کر اُس طرف دیکھا جہاں اُسے ایک لمحے کے لیے خنجر بدست آدمی دکھائی دیا تھا۔

وہ شخص اب ایک ایسی لاش بن چکا تھا جسے خنجر پھینکنے کی بھی حسرت ہی رہ گئی۔ وہ کسی ڈھیر کی طرح فرش پر پڑا تھا اس کی کھلی آنکھیں بستر کی طرف گھور رہی تھیں اور یہ گھورتی ہوئی آنکھیں بھی منجمد ہو گئی تھیں۔ اس کے جسم تلے گاڑھا گاڑھا سُرخ خون پھیل رہا تھا۔

منٹوں ایک غراہٹ کمرے میں گونج اُٹھی۔

میگی جلدی سے شہزاد کی طرف متوجہ ہو گئی۔

شہزاد نے اس شخص کو بُری طرح اُچھالا تھا، جو اس سے لپٹ پڑا تھا۔ وہ ہاتھ پاؤں مارتا ہوا فرش سے بُلند ہوا اور اس کا وجود پوری قوت سے، چھت سے جا ٹکرایا... پھر وہ دھپ کی آواز پیدا کرتا ہوا فرش پر گرا اور بے حس و حرکت ہو گیا۔ جتنی قوت سے وہ چھت سے ٹکرایا تھا، اس سے میگی کو اندازہ ہو چکا تھا کہ وہ شخص بھی رُوح سے اپنا تعلق توڑ بیٹھا ہے۔

کمرے میں یکایک گہرا سکوت چھا گیا۔

میگی کو اپنی دھڑکنیں صاف سنائی دے رہی تھیں ابھی ایک لمحے قبل موت اس سے اتنی قریب آ گئی تھی کہ زندگی کا دامن اُس کے ہاتھ سے چھوٹتے ہی والا تھا لیکن اب زندگی مسکرا رہی تھی اور موت اُن دو بدصورت آدمیوں کی لاشوں میں تبدیل ہو کر فرش پر ساکت پڑی تھی۔

"جانسن!" اس نے سرگوشی کی۔

شہزاد فرش پر لیٹا رہا۔ اس کا جسم بھی بے حس و حرکت تھا۔

میگی گھبرا کر فرش پر اُتر آئی۔ اس کا دایاں ہاتھ اب بھی اپنے نرخرے پر تھا جہاں اس بدصورت وحشی کی سنگلاخ انگلیوں سے پیدا ہونے والی خراشیں اب بھی جل رہی تھیں۔ وہ ابھی تک اپنی بے ترتیب سانسوں پر قابو پانے میں کامیاب نہیں ہو سکی تھی... پھر شہزاد کے بے حس و حرکت لیٹے رہنے سے اس کی بے قراری مزید بڑھ گئی تھی۔ اس نے جھک کر شہزاد کی طرف دیکھا۔

اس کا سینہ متحرک تھا۔ سانس کی آمد و رفت جاری تھی۔

دہانہ سُکڑا ہوا اور آنکھیں چھت کی طرف گھورتی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔ یُوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ لیٹے لیٹے ذہنی طور پر کسی اور ہی دُنیا میں جا پہنچا ہو۔ اس کا متحرک سینہ دیکھ کر میگی نے ایک طویل سانس لی اور اس پر جھک کر سرگوشی کی: "کیا بات ہے، جانسن؟ تم اس طرح کیوں لیٹے ہوئے ہو؟"

شہزاد نے کوئی جواب نہ دیا۔

وہ اس کی آواز ہی نہیں سن رہا تھا۔

اس کا ذہن تاریک ہو چکا تھا اور اس اندھیرے ذہن میں ان گنت چنگاریاں سی پھوٹ رہی تھیں۔ یُوں لگتا تھ

جیسے یہ چنگاریاں نہیں بلکہ کسی منظر کے منتشر حصے ہوں جو ایک دوسرے میں پیوست ہو کر باقاعدہ کوئی منظر بننے کے لیے کوشش ہوں۔ وہ الجھا رہا۔ اس کے ذہن میں اندھیرے اور چنگاریوں کی یہ آنکھ مچولی جاری رہی۔

چنگاریاں تیزی سے متحرک تھیں اور ایک دوسرے میں پیوست ہو کر شکل اختیار کرتی جا رہی تھیں۔ چنگاریوں کا یہ کھیل چند لمحوں تک ناقابلِ فہم رہا پھر اس کے ذہن میں ایک منظر ترتیب پا گیا۔

وہ ایک باتھ رُوم کے دروازے میں کھڑا تھا اور اس کے سامنے شاور سے ایک لڑکی اُلٹی لٹک رہی تھی۔ وہ بندھی ہوئی تھی اور اس کے بال نیچے ٹب میں بھرے ہوئے پانی میں ڈوب رہے تھے۔ وہ کراہ رہی تھی۔ اس کا لباس نفاست سے تہ کیا ہوا قریبی کموڈ پر رکھا ہوا تھا۔

اس لڑکی کی صورت اُسے اجنبی نہیں لگی لیکن شہزاد اُسے پہچاننے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ یقیناً یہ منظر میگی کو شاور سے لٹکے دیکھ کر اُس کے ذہن میں اُبھرا تھا اور اس منظر کا تعلق اس کے ماضی سے تھا۔

"ماضی... میرا گم شدہ ماضی..." شہزاد نے بڑے کرب سے سوچا اور اس کا ذہن ایک بار پھر گھومنے لگا۔ کچھ دیر بعد اس نے پلکیں جھپکائیں تو اس کے مختصوں سے ایک منحنی کن خوشہ ٹکرانے لگی... پھر اس کی آنکھوں کے سامنے ایک چہرہ آ گیا۔ حسین اور زندہ چہرہ... میگی کا چہرہ۔

"اوہ..." وہ ایک طویل سانس لے کر اُٹھ بیٹھا۔

"میں تو سمجھی تھی کہ تم شاید کسی اور ہی دُنیا میں کھو گئے ہو۔" میگی نے مترنم آواز میں کہا۔

"ہاں... میں کھو گیا تھا۔" وہ بڑبڑایا۔

"کہاں کھو گئے تھے؟"

"اپنے ماضی کی دُنیا میں۔"

"تمھاری یہ حالت خطرناک بھی ہو سکتی تھی، جانسن! تم آج کل جس صورتِ حال کا شکار ہو، کہیں یہ تمھارے لیے مہلک نہ ثابت ہو۔ ہم اس وقت درندوں کی ایک بستی میں ہیں جہاں ذرا سی بے احتیاطی ہمیں موت سے بھی ہمکنار کر سکتی ہے۔"

"ہاں... لیکن یہ میرے اختیار میں نہیں ہے۔" شہزاد بڑبڑایا۔

"کیا تم ماضی کا کوئی منظر دیکھ رہے تھے؟"

"ہاں... میں ایک لڑکی کو شاور سے لٹکے دیکھ رہا تھا۔"

"اوہ! کون تھی وہ لڑکی؟"

"اس کا چہرہ جانا پہچانا تھا لیکن میں نہیں بتا سکتا کہ وہ کون تھی اور اس سے میرا کیا تعلق تھا۔" شہزاد دھیمی آواز میں کہہ رہا تھا۔ "بالکل ایسا ہی منظر تھا جیسا کہ میں نے کچھ دیر پہلے باتھ رُوم میں دیکھا تھا۔"

"اوہ۔ اس کا مطلب ہے کہ یہ خبیث بوڑھا تمھارے ماضی سے کوئی نہ کوئی تعلق ضرور رکھتا ہے۔"

"بوڑھا!" شہزاد اُچھل کر کھڑا ہو گیا۔

"ہاں۔ مجھے اسی پُراسرار بوڑھے نے اس انداز میں شاور سے لٹکا دیا تھا اور تم کہتے ہو کہ ماضی میں بھی تم کو ایسا منظر دیکھ چکے ہو تو اس کا صاف مطلب ہے کہ بوڑھا ماضی میں بھی یہی حرکت کسی ایسی لڑکی کے ساتھ کر چکا ہے جو کا تم سے کوئی قریبی تعلق رہا ہے۔"

"یقیناً یہی بات ہے۔"

"میں تو حیران ہوں کہ یہ بوڑھا کون ہے۔ کس دُنیا کی مخلو ہے اور یہاں کیا کر رہا ہے؟ یقین کرو، جانسن! اُسے دیکھ کر احساس ہوتا ہے کہ ابھی ایک دو پل بعد اس کا جنازہ اُٹھنے والا ہے لیکن میں اس کی طاقت اور پھرتی دیکھ کر ہکا بکا رہ گئی تھی۔"

"کیا ہوا تھا؟" شہزاد نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔ اس کا ذہن بُری طرح اُلجھ رہا تھا اور اس کی سمجھ میں کچھ بھی نہیں آ رہا تھا... لیکن وہ کسی حد تک مطمئن تھا کہ اس نے پہلی بار ماضی کا ایک مکمل منظر دیکھا ہے، وہ ایک اور منظر بھی دیکھتا رہا تھا جس کا تعلق ماضی قریب سے تھا۔ وہی سیاہ ہاتھ... وہی سیاہ کار... اور وہی گولی کا سنسناتا ہوا شعلہ جس نے اس کی کنپٹی پر خراش ڈال کر اُس سے ماضی کی ساری ہی یادیں چھین لی تھیں۔

میگی بستر کے کنارے بیٹھ گئی۔

اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے تھے۔ اس کی آنکھیں سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں جیسے وہ اس منظر کو ذہن میں تازہ کر رہی ہو۔ شہزاد بغور اس کی طرف دیکھتا رہا۔ میگی کا چہرہ کبھی سُرخ ہو جاتا اور کبھی اس پر زردی پھیل جاتی۔ کبھی اس کے ہونٹ سختی سے بھنچ جاتے اور کبھی ان میں کپکپاہٹ پیدا ہو جاتی تھی۔

اس کی یہ حالت چند لمحوں تک برقرار رہی... پھر اس نے ایک جھرجھری سی لی اور شہزاد کی آنکھوں میں دیکھنے لگی۔ اس کے ہونٹ متحرک ہو گئے۔

"میں غنودگی سی محسوس کر رہی تھی۔" اس نے سوچ میں ڈوبے ہوئے لہجے میں کہا۔ "میں بستر پر لیٹی تھی اور میری آنکھیں بند تھیں۔ اچانک مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے چہرے سے دو انچ کے فاصلے پر ایک اور چہرہ بھی موجود ہے۔ اُسے تم میرا روحانی احساس کہہ سکتے ہو جس کے تحت عورتوں کو کسی کی نگاہوں کی حرارت محسوس ہو جاتی ہے... لیکن میں نے آنکھیں نہیں کھولیں۔ میں نے اُسے وہم سمجھ کر نظر انداز کرنے کی کوشش کی تھی کیوں کہ باہر کا دروازہ بند تھا اور میں نے کسی کی آہٹ بھی نہیں سُنی تھی۔" وہ شہزاد کی طرف دیکھ کر مسکرانے لگی۔ اس کی آنکھوں میں اچانک ہی محبت کی بے پناہ چمک پیدا ہو گئی تھی۔ شاید میں نے لاشعوری طور پر یہ سمجھ لیا تھا کہ وہ چہرہ کسی اور کی بجائے تمھارا ہی چہرہ ہے۔ میں خوابوں میں کھو گئی۔ غنودگی کی بڑھتی ہی جا رہی تھی کہ اچانک میں نے اپنے رخساروں پر نرم گرم بکا محسوس کیا۔ اس بھیگے نے میرے خواب کو ریزہ ریزہ کر دیا۔ میں نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں۔"

وہ خاموش ہو گئی۔ اس کی آنکھیں دہشت زدہ ہو گئیں۔

"تم نے کیا دیکھا؟" شہزاد نے بے چینی سے پوچھا۔

"ایک عجیب سا چہرہ، جس پر غیر معمولی زردی پھیلی ہوئی تھی۔" میگی نے ہانپتے ہوئے کہا۔ "جانسن! اُس بوڑھے کا چہرہ... جس کا نام اُدشان ہے۔ اس کی آنکھوں میں اتنی چمک تھی کہ میں خود کو اندھا ہوتے دیکھنے لگی اور یہ ذرّہ بھر اس کی آنکھوں کی بے پناہ مقناطیسی کشش کے سامنے بے بس ہو گیا۔ میں نے گھبرا کر پیچھے ہٹنے کی کوشش کی لیکن میرا حلق مارے خوف کے خشک ہو چکا تھا اور آواز نہیں نکل سکی تھی اس بوڑھے سے جیسے ہی میری آنکھیں چار ہوئیں، وہ مسکرانے لگا۔ اس کی مسکراہٹ میں بڑی درندگی اور سفاکی تھی۔ وہ پرانے زمانے کے کسی خوف ناک جادوگر کی طرح لگ رہا تھا۔ میں نے گھبرا کر دونوں ہاتھ اُٹھا دیے تاکہ اُسے دھکیل کر دُور کر دوں لیکن میں نے محسوس کیا کہ میرے دونوں بازو مفلوج ہو گئے ہیں۔"

"اوہ..." شہزاد اتنا ہی کہہ سکا۔

"وہ مسکراتا رہا اور اس کی چمک دار آنکھیں مجھ پر مرکوز ہیں۔ پھر اس کے ہاتھ متحرک ہو گئے اور میرا وجود بستر سے باتھ رُوم کی طرف سفر کرنے لگا۔ میں حیران ہوں کہ اس ناتواں بوڑھے میں اتنی طاقت کہاں سے آ گئی تھی کہ اس نے مجھے باتھ رُوم میں لے جا کر شاور سے لٹکا دیا۔ میں اپنے لبادے کے ذریعے وہاں لٹکی رہی۔ تب میں خود کو ایک لاش ہی محسوس کر رہی تھی۔ جانتے ہو جانسن، شاور سے لٹکی ہوئی حالت میں مجھے ذرا سی بھی تکلیف کا احساس نہیں ہو رہا تھا۔"

"کیا مطلب؟" شہزاد چونک پڑا۔

"یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میرے جسم کے وہ حصے جہاں اس طرح لٹکنے کی وجہ سے کھنچاؤ پیدا ہونا چاہیے تھا، وہ ربر کے بن گئے ہوں اور ان کی لچک اتنی بڑھ گئی تھی کہ میں ذرا سی بھی تکلیف محسوس نہیں کر سکتی تھی۔ میں نے خود کو شاور سے لٹکنے کے باوجود بالکل ایسے ہی پایا جیسے میں زمین پر کھڑی ہوں اور میرے جسم کے کسی بھی حصے میں کھنچاؤ کی حالت پیدا نہیں ہو رہی ہے۔ وہ میرے سامنے کھڑا مجھے شرارت آمیز نظروں سے دیکھتا رہا... پھر وہ کمرے سے ایک رسّی لے آیا۔ اس رسّی سے باندھنے سے پہلے اس نے میرے کپڑے بڑی نفاست سے تہ کر کے کموڈ پر رکھ دیے اور میرے ہاتھ پیروں کو باندھنے لگا۔ تب اس نے مجھے الٹا لٹکا دیا۔ یقین کرو اس حالت میں بھی مجھے ذرا سی تکلیف کا احساس نہیں ہو رہا تھا۔ میں اُلٹی لٹکی رہی اور اُسے دیکھتی رہی!"

"کیا اس نے تم سے کوئی زیادتی بھی کی تھی؟"

"نہیں نہیں... ہرگز نہیں۔" وہ کانپ گئی۔ "اس کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ اس نے میرے ساتھ بس یہی زیادتی کی کہ مجھے شاور سے الٹا لٹکا دیا... اس کی آنکھوں میں جو چمک تھی، اس میں کوئی شیطانی جذبہ ہرگز نہیں تھا۔ وہ چمک پاکیزہ تھی اور اس کی مسکراہٹ میں جو شرارت تھی اس کا تاثر بھی خباثت سے پاک تھا۔"

"ہوں..." شہزاد بڑبڑانے لگا۔ "میں حیران ہوں کہ..." وہ خاموش ہو کر گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

"کیا بات ہے، جانسن؟" میگی چونک پڑی۔

"میں اس بوڑھے کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔ یہ عجیب ہے۔ اس نے مجھے حکم دیا تھا کہ اُسے اور اس کے ساتھی شہزاد کو قتل کر دوں۔"

"شہزاد؟" میگی نے حیرت سے کہا۔

"کیا تم نے اس کے ساتھی کو قتل کر دیا؟"

"نہیں، وہ اب تک سامنے ہی نہیں آیا۔"

"ایک بات میری بھی سمجھ میں نہیں آئی۔" میگی بڑبڑائی۔ "اگر اوشان چاہتا تو مجھے آسانی سے قتل کر سکتا تھا لیکن اس نے ایسا نہیں کیا، آخر کیوں؟"

"یہ 'کیوں' ہی تو میری سمجھ میں نہیں آ رہی۔" شہزاد نے کہا۔ "وہ مجھے بھی آسانی سے قتل کر سکتا تھا لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔"

"کیا مطلب؟" میگی چونک پڑی۔

شہزاد نے اسے جواباً وہ سب کچھ بتا دیا جو اب تک اوشان کے سلسلے میں اس کے ساتھ پیش آ چکا تھا۔ میگی مبہوت بیٹھی اس کی باتیں سنتی رہی اس کے چہرے پر یقین اور بے یقینی کے ملے جلے تاثرات پھیلے ہوئے تھے اور اس کی ایک انگلی دانتوں میں دبی ہوئی تھی۔

"تم نے اسے اڑتے ہوئے دیکھا تھا؟" وہ زیرِ لب بولی۔

"اسے تم اڑنا ہی کہہ سکتی ہو۔" شہزاد نے کہا۔ "لیکن رات وہ بہت سے آدمیوں میں گھرا ہوا تھا، اتنے آدمیوں میں گھر کر بھی وہ نہ صرف سب کو ہلاک کرنے میں کامیاب ہو گیا بلکہ وہ مجھے بھی جھکولر چلا گیا۔ میں اسے قتل کرنے گیا تھا تو وہ فرار ہو گیا۔ اس کے باوجود کل اسے جس طرح معلوم ہو چکا تھا کہ میں اسے زندگی سے محروم کرنا چاہتا ہوں۔ ایسے میں میگی، بتاؤ، وہ کسی جانی دشمن کو کیسے نہ چھوڑ سکتا ہے؟"

"اس کی صرف ایک ہی وجہ ہو سکتی ہے۔"

"وہ کیا؟" شہزاد نے چونک کر پوچھا۔

"یہی کہ تم اس کے جانی دشمن نہیں ہو۔"

"لیکن میں اس کا جانی دشمن ہوں اور اسے قتل کرنے کی کوشش بھی کر چکا ہوں اور وہ شریر بوڑھا اچھی طرح جانتا ہے کہ مجھے جیسے ہی موقع ملا، میں اسے ہلاک کر دوں گا۔"

"میں تمہاری بات نہیں کر رہی ہوں۔" میگی نے وضاحت کی۔ "میرا مطلب تھا کہ ممکن ہے وہ تمہیں اپنا جانی دشمن نہ سمجھتا ہو۔۔۔"

"یہ کیسے ممکن ہے۔ ایک شخص دوسرے کو اپنا جانی دشمن سمجھے اور دوسرا اسے اپنا محبوب سمجھتا رہے۔"

میگی ہنس پڑی۔ "کچھ ایسا ہی ہم دونوں کا معاملہ بھی تو تھا۔"

"جانسن!" میگی نے یکایک سنجیدہ ہوتے ہوئے کہا۔ "میں تمہیں کئی بار مشورہ دے چکی ہوں کہ کسی ڈاکٹر سے مشورہ کر لو۔"

"میں بھی اسی نتیجے پر پہنچا ہوں۔"

"اگر تم کہو تو میں کسی ڈاکٹر سے رابطہ قائم کر دوں؟"

"اس وقت؟"

"ڈاکٹروں سے ہر وقت رابطہ قائم کیا جا سکتا ہے۔"

"میرا خیال ہے یہ کام کل دن میں بھی آسانی سے ہو سکتا ہے ایک ہی رات میں کایا کو نہیں پلٹ جائے گی۔ پھر ابھی مجھے۔۔۔" اس نے باری باری ان دو لاشوں کی طرف اشارہ کیا جنہیں وہ ابھی تک نظر انداز ہی کر رہے تھے۔ "ان لاشوں کو بھی ٹھکانے لگانا ہے۔"

"لاشیں!" میگی چونک پڑی۔

انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ ان لاشوں کو بھول ہی گئی۔

"یہ کون لوگ ہو سکتے ہیں، جانسن؟" اس نے سوال کیا۔

"میں نے انہیں پہلے کبھی نہیں دیکھا۔"

"لیکن ان میں سے ایک نے غالباً تمہیں جانسن کہہ کر مخاطب کیا تھا۔" میگی نے ذہن پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"اس کا مطلب ہے کہ وہ تمہیں ضرور جانتا تھا۔"

"ہو سکتا ہے۔" شہزاد نے کہا اور دروازے کی طرف بڑھنے لگا۔

اس نے دروازہ کھول کر باہر دیکھا۔ راہ داری روشن تو تھی لیکن ہر طرف سناٹا تھا۔ کبھی کبھی اس سناٹے میں کوئی آواز بھی گونج اٹھتی لیکن شہزاد اس قسم کی شیطانی آوازوں کو اہمیت دینے والا آدمی نہیں تھا۔ وہ جانتا تھا کہ راہ داری میں نظر آنے والے بند دروازوں کے پیچھے کیا ہو رہا ہے ان آوازوں سے اس قسم کا اندازہ لگانا کوئی دشوار بات نہیں تھی۔

دروازے سے کچھ فاصلے پر ایک مضبوط ٹرالی موجود تھی شہزاد نے کمرے سے نکل کر یہ ٹرالی دھکیلی اور اپنے کمرے میں لے آیا۔ دروازہ بند کر کے وہ ان دو لاشوں کی طرف متوجہ ہو گیا جو فرش پر ابھی تک اپنی موت کے سلسلے میں بے یقینی کے منجمد تاثرات لیے پڑی تھیں۔ میگی بات چیت میں جا چکی تھی۔

شہزاد نے باری باری ان لاشوں کو اٹھا کر ٹرالی پر ڈالا لیکن اس سے پہلے وہ ٹرالی میں پڑے ہوئے کپڑے نکال

نہیں بھولا تھا۔ لاشیں ڈال کر اس نے انہی میلے کچیلے کپڑوں کی مدد سے انہیں ڈھانپ دیا۔

ٹرالی دھکیل کر وہ ایک بار پھر دروازے کی طرف بڑھا اور باہر راہ داری میں نکل آیا۔

اس نے احتیاط سے آگے پیچھے دیکھا لیکن راہ داری ویران پڑی تھی۔ وہ ٹرالی دھکیلتا ہوا ایک طرف بڑھنے لگا۔ اس کی نگاہ اب بھی اطراف کا جائزہ لے رہی تھی۔

اچانک اسے ایک عجیب سا احساس ہوا۔

اس وقت وہ اپنے کمرے کے برابر والے کمرے کے سامنے سے گزر رہا تھا اس نے محسوس کیا کہ کمرے کا دروازہ پوری طرح بند نہیں ہے بلکہ اس کے کواڑوں میں تھوڑا سا خلا ہے۔ گویا دروازہ کھلا ہوا ہے، کھلا ہوا دروازہ کسی تشویش کا باعث نہ ہوتا، شہزاد کو جو احساس ہو رہا تھا، وہ یہ تھا کہ اس تھوڑے سے خلا سے دو آنکھیں اسے گھور رہی تھیں۔

شہزاد نے رفتار تیز کر دی۔

ٹرالی کے پہیے ربر کے تھے اس لیے خفیف سی آواز ہی پیدا نہیں ہو رہی تھی۔ وہ راہ داری کے آخری حصے میں پہنچا اور پھر اس نے اس طرف رخ کر لیا جدھر لانڈری تھی۔ لانڈری کی ٹرالیاں جہاں کھڑی تھیں، وہاں اس ٹرالی کو چھوڑ کر شہزاد تیزی سے واپس چل دیا۔ اب اگر لاشیں دریافت ہوتیں تو اس پر براہِ راست کسی قسم کا شبہ نہیں جا سکتا تھا۔

وہ واپس اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

چلتے چلتے وہ ایک بار پھر اسی دروازے کے سامنے آ گیا جس میں اسے خلا نظر آیا تھا۔ وہ خلا جوں کا توں برقرار تھا۔ اس میں ذرا سی بھی کمی بیشی نہیں ہوئی تھی اس کا مطلب تھا کہ دروازہ کھول کر کوئی باہر نہیں آیا تھا۔ اندر تاریکی تھی جس کے پیچھے دروازے کی جھری سے روشن نہیں تھی، شہزاد آگے بڑھ گیا۔

چند لمحوں تک وہ اُلجھن سے اس تاریک خلا کو دیکھتا رہا۔۔۔ پھر اس نے پاؤں کی خفیف سی ٹھوکر سے دروازہ کھول دیا۔ دروازے کے سامنے سے فوراً ہی ہٹ گیا تھا لیکن اس پر سے نہ تو کوئی فائر ہوا اور نہ ہی کسی قسم کی آواز سنائی دی۔ تجسس کے جذبے نے اسے کمرے میں داخل ہونے پر مجبور کر دیا۔

دروازے سے اندر قدم رکھتے ہی اسے یوں لگا جیسے اندھیرا اس کے جسم سے چمٹ گیا ہو۔۔۔ لیکن اندھیرے کے ہاتھ پاؤں نہیں ہوتے۔ یہ کوئی آدمی ہی تھا اور آدمی بھی ایسا جس کے تن پر لباس نام کی کوئی شے نہیں تھی اور اس کا جسم بالوں سے بھرا ہوا تھا۔

اسی لمحے شہزاد کو غراہٹ سنائی دی۔

یہ انسانی غراہٹ نہیں تھی۔

یوں لگتا تھا جیسے تاریکی میں کسی گوریلے نے اسے جکڑ لیا ہو۔ گرفت میں درندگی تھی۔ شہزاد نے جسم کو تیزی سے اکڑایا۔ اگر اسے اس سلسلے میں ذرا سی بھی تاخیر ہو جاتی تو اس کی ہڈیاں تک چرمرا گئی ہوتیں۔

اس نے دونوں ہاتھوں سے بالوں سے بھرے ہوئے ان دونوں بازوؤں کو تھام لیا جنہوں نے اسے اپنے حصار میں لے کر کچلنا شروع کر دیا تھا۔ شہزاد نے ان بازوؤں پر انگلیاں گاڑ دیں۔

رفتہ رفتہ اس کی گرفت سخت ہوتی جا رہی تھی۔

گوریلا نما اس ہستی کا زور بھی اسی رفتار سے ٹوٹتا جا رہا تھا۔

شہزاد نے ایک زوردار جھٹکا مارا۔

ایک ادھ غراہٹ اندھیرے میں گونجی اور شہزاد کے جسم سے وہ حصار ختم ہو گیا جو اسے چند لمحے قبل کچلنے کے لیے ڈالا گیا تھا۔۔۔ پھر شہزاد کے ذہن کو ایک جھٹکا لگا۔ وہ لڑکھڑا گیا۔ اس کے ذہن میں یکایک ویسی ہی چنگاریاں سی پھوٹنے لگی تھیں۔ شہزاد کا دل شدت سے دھڑک اٹھا۔

وہ لڑکھڑایا اور اس نے خود کو ایک طرف گرا دیا۔

گرتے وقت اس نے دونوں ہاتھ سر پر رکھ لیے تھے۔ اگر ایسا نہ کرتا تو اس کی کھوپڑی دیوار سے ٹکرا کر چٹخ ہی گئی ہوتی۔ اسے اندھیرے میں قدموں کی بھاری بھاری دھمک سنائی دے رہی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے کوئی بے حد وزنی جاندار دوڑا چلا آ رہا ہو۔

شہزاد پر غنودگی طاری ہونے لگی۔

اسے احساس تھا کہ وہ اس وقت انتہائی خطرناک حالت میں ہے ایسی حالت میں اسے آسانی سے شکار کیا جا سکتا ہے وہ خود کو ذہنی طور پر سنبھالنے کی کوشش۔۔۔ کرنے لگا۔۔۔ لیکن ذہن بغاوت پر آمادہ تھا۔ وہ کوشش

نہا گیا۔

شہزاد نے اِدھر اُدھر دیکھا۔

کمرے میں اس کے علاوہ کوئی بھی موجود نہیں تھا۔

وہ اندرونی دروازے کی طرف متوجہ ہوگیا۔

جہاں تک اس کمرے کی روشنی پہنچ رہی تھی وہاں تک تو دلچسپی کی کوئی بھی چیز نظر نہیں آرہی تھی... لیکن نیم تاریکی میں اُسے ایک چمکتی ہوئی چیز کا احساس ہوگیا۔ یہ چمک دار چیز ڈھیر کی شکل میں پڑی تھی۔

شہزاد نے دوسرے کمرے میں آکر وہاں بھی روشنی کردی۔

کمرہ روشن ہوتے ہی اس نے ایک عورت کی لاش دیکھی۔

اس کا ریشمی لباس تار تار تھا اور اس کا سراپا، لوتھڑوں کا مجموعہ بن چکا تھا چہرے پر بھی اَن گنت خراشیں تھیں۔ ایسی خراشیں جو کسی درندے کے پنجے ہی سے بن سکتی ہیں۔

شہزاد آہستہ آہستہ آگے بڑھتا گیا۔

لاش کے قریب پہنچ کر اُس نے اِدھر اُدھر دیکھا۔

کمرے میں افراتفری کے آثار نہیں تھے۔

یُوں لگتا تھا جیسے یہ لاش کہیں اور سے لاکر اس کمرے میں پھینک دی گئی ہو... یا پھر عورت جدوجہد کرنے کے قابل ہی نہ رہ گئی تھی۔ پہلی بار ایک لاش دیکھ کر وہ کانپ اُٹھا۔

اُس کا جسم اب بھی پسینے میں شرابور تھا اور اس کے کپڑے جسم سے چپک گئے تھے۔

اچانک اُسے احساس ہُوا کہ وہ اس کمرے میں آکر ہی غلطی کا مرتکب نہیں ہُوا بلکہ یہاں کھڑے رہ کر مزید حماقت کا ثبوت دے رہا ہے۔ وہ تیزی سے پلٹا۔ اسی لمحے اُسے بیرونی دروازہ ایک بار پھر کھٹکنے کی آواز سنائی دی۔

"جالن!" ایک نسوانی آواز نے اُسے پکارا۔

وہ ایک طویل سانس لے کر رہ گیا۔

یہ میگی کی آواز تھی۔

وہ غالباً اُسے تلاش کرتی ہُوئی یہاں تک پہنچی تھی۔

شہزاد تیزی سے دوسرے کمرے میں پہنچا۔ میگی نے حیرت سے اُسے دیکھا اور بے چینی سے بڑھ کر اس کا بازو تھام لیا۔ "یہ تم کیا کرتے پھر رہے ہو؟" وہ کانپ کر بولی۔

"میں خود بھی نہیں جانتا۔" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"کیا تم پاگل ہوگئے ہو؟" وہ غرائی۔

"شاید... اِہ" وہ بڑبڑایا۔

"اُف میرے خُدا!" وہ کانپ گئی۔ اس کی آنکھیں اُس دروازے پر جمی ہُوئی تھیں جس سے شہزاد اس کمرے میں آیا اور غالباً وہ اُسی لاش کو دیکھ رہی تھی جسے دیکھ کر دُنیا کا سب سے طاقت ور انسان ٹائیگر بھی ایک لمحہ پہلے کانپ گیا تھا۔ "کیا اسے تم نے قتل کیا ہے؟"

"نہیں... میں عورتوں کو بہت کم قتل کرتا ہُوں۔"

"پھر یہ کس کا کارنامہ ہے؟"

"بھاگ گیا۔" شہزاد نے جواب دیا۔

"میں باہر تھی۔ مجھے تو کوئی آواز سنائی نہیں دی۔" میگی نے کہا۔ "میں راہ داری کے آخری حصّے تک تمہیں دیکھ آئی ہُوں راستے میں بھی کسی سے مڈبھیڑ نہیں ہُوئی۔"

"تم کتنی دیر سے باہر راہ داری میں موجود ہو؟"

"شاید پندرہ منٹ سے۔" میگی نے جواب دیا۔

"اوہ!" شہزاد کے ہونٹ سکڑ گئے۔ "ممکن ہے، وہ تمہاری آمد سے پہلے ہی نکل جانے میں کامیاب ہوگیا ہو... اور پھر تم راہ داری میں کتنی دیر سے یہاں موجود ہُوں۔"

"تم پُورے پون گھنٹے سے غائب ہو۔"

"اوہ..." شہزاد کے حلق سے ایک طویل سانس نکل گئی۔ "اس کا مطلب ہے کہ مجھے اس کمرے میں آئے تقریباً نصف گھنٹہ ہوگیا ہے۔"

"اس دوران میں تم یہاں کیا کرتے رہے؟"

"ماضی سے رابطہ قائم کرتا رہا۔"

"جالن!" وہ تڑپ کر بولی۔ "تم اپنی جان ہتھیلی پر کیوں گھوم رہے ہو۔ اگر اس حالت میں تمہیں کوئی نقصان پہنچ جاتا تو..."

"کسی نہ کسی کو تو نقصان پہنچتا ہی ہے۔" شہزاد نے مُنہ بنا کر کہا۔ "بہرحال تاریکی نے میرا بہت ساتھ دیا۔ وہ یقیناً کوئی طاقت ور آدمی تھا بلکہ شاید کوئی درندہ ہی تھا۔ اس نے کسی دیوقامت گوریلے کی طرح ہاتھوں کے حلقے میں لے لیا۔"

"چلو اپنے کمرے میں چلو۔" وہ گھبرا کر بولی۔

دونوں تیزی سے باہر آگئے اور اپنے کمرے کی طرف بڑھے۔

دروازہ بند کرکے میگی نے اُسے مقفل کردیا۔ شہزاد نے دیوار گیر گھڑی کی طرف دیکھا۔ صبح کے ساڑھے چار بج رہے تھے۔

کرتا رہا اور ناکام ہوتا رہا۔ چنگاریوں کی رفتار ہر گزرتے ہُوئے لمحے کے ساتھ تیز ہوتی جارہی تھی۔

شاید اُسے زندگی میں پہلی بار اس بات پر افسوس ہو رہا تھا کہ وہ اس کمرے میں کیوں گھس آیا۔ اُسے سیدھا اپنے کمرے میں واپس جانا چاہیے تھا... لیکن اس افسوس سے زیادہ حیرت کی بات یہ تھی کہ ابھی تک وہ گوریلا نما چیز اس پر دوبارہ حملہ آور نہیں ہوئی تھی۔

اس کا ذہن بیک وقت دو قسم کے حالات سے دوچار تھا۔ وہ موجودہ صورتِ حال پر اُلجھ رہا تھا اور اس کی ذہنی قوت ماضی کا کوئی منظر کریدنے پر تُلی ہُوئی تھی... پھر شہزاد بالکل ہی بے بس ہوگیا... لیکن اس بار وہ ایک انتہائی عجیب منظر دیکھ رہا تھا۔

اس کے ذہن میں ایک کُرسی نمودار ہو رہی تھی۔

ایسی کُرسی جس پر سزائے موت کے مُجرموں کو بٹھایا جاتا ہے۔ بجلی کی یہ کُرسی دیکھ کر نہ جانے کیوں اس کا پُورا جسم کانپنے لگا۔ اُسے اپنے جسم کے ہر مسام سے پسینہ بہتا محسوس ہو رہا تھا۔ کُرسی پر کوئی شخص بیٹھا ہُوا تھا۔

شہزاد نے ذہن پر مزید زور ڈالا تو وہ شخص اس کے ذہن میں نمایاں ہوگیا۔ یہ خود اُسی کی شبیہ تھی۔ خود شہزاد ہی بجلی کی کُرسی پر براجمان تھا اور اُسے سزائے موت دی جا رہی تھی۔ یکایک وہ خود کو بے حد کمزور محسوس کرنے لگا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔

یُوں لگ رہا تھا جیسے اس کی کھوپڑی ٹوٹ کر بکھر جائے گی۔ ریزہ ریزہ ہوجائے گی اور اس کا وجود فضا میں تحلیل ہوجائے گا۔ اسے اپنے مُنہ کا ذائقہ کڑوا محسوس ہونے لگا۔

نہ جانے کیوں اُسے ایسا لگا جیسے اُس کے مُنہ میں کوئی گلیر رکھی ہُوئی ہو اور وہ اُسے زبان سے اپنے مُنہ کے اندر گھمانے میں مصروف ہو... پھر اچانک ہی تاریکی چھا گئی۔

وہ فرش پر دیوار کے قریب جہاں لیٹا تھا، وہیں پڑا رہا اور گہری سانسیں لیتا رہا۔ اس کا ذہن ایک بار پھر اندھیرے میں ڈوب گیا تھا۔ چنگاریاں غائب ہوگئی تھیں۔

... لیکن اس کی جسمانی حالت اب بھی قابو میں نہیں آئی تھی:

اگلے ہی لمحے ذہن کی تاریکی پھر چھٹنے لگی۔

شہزاد نے محسوس کیا کہ اس کی ذہنی تاریکی میں کوئی سورج طلوع ہو رہا ہو۔ اس کے ہاتھ بے اختیار اپنی کھوپڑی پر پہنچ گئے۔ اس بار اُس کی کھوپڑی بُری طرح درد کر رہی تھی۔ تکلیف ناقابلِ برداشت ہو رہی تھی۔ شہزاد نے زبان دانتوں تلے دبالی۔ اگر وہ ایسا نہ کرتا تو اس کے حلق سے ایک بے ساختہ سسکاری ضرور نکل گئی ہوتی۔

ایک بار پھر اُس کے ذہن میں کوئی منظر پیدا ہو رہا تھا۔

اس مرتبہ ایک اور چہرہ اُس کے سامنے آیا۔

یہ چہرہ راہبوں جیسے لبادے میں تھا لیکن غور کرنے کے باوجود شہزاد کو یقین نہ تھا کہ وہ اس کا اپنا چہرہ نہیں ہے۔

وہ ذہن میں پیدا ہونے والے اس منظر کو دیکھتا رہا۔ اُس کے خیالوں کی رَو ایک بار پھر اُلجھ گئی اور ذہن خالی ہوگیا۔

اس کا پورا جسم پسینے میں شرابور تھا۔

دھڑکنیں طوفانی تھیں۔

حلق خشک ہوگیا تھا اور نرخرے میں ہلکی سی چبھن محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے دونوں ہاتھ اپنے چہرے پر رکھ لیے اور سر کو دائیں بائیں جھٹکنے لگا۔ ایک مرتبہ ماحول کا احساس ہوتے ہی وہ اُچھل کر بیٹھ گیا۔ یکایک اُسے اپنے ناتواں جسم میں بجلیاں سی دوڑتی محسوس ہونے لگی تھیں۔ احساس کے اس کھیل نے اُسے دیوانہ کردیا تھا۔

وہ اُٹھ کھڑا ہُوا۔

عقب میں مخدوش دیوار تھی۔

وہ دونوں ہاتھ آگے بڑھا کر اِدھر اُدھر ٹٹولنے لگا۔

کسی جسم سے اس کا ہاتھ مَس نہیں ہُوا۔ تب اُسے یاد آیا کہ وہ جسے تلاش کر رہا ہے، وہ تو شاید بھاگ بھی چکا ہے۔ جب وہ ماضی سے ذہنی رابطہ قائم کرنے کی غیر ارادی کوشش میں مصروف تھا تو اس نے کسی کے دوڑنے کی بھاری بھاری آوازیں سُنی تھیں۔

ایک طویل سانس لے کر شہزاد واپس دروازے کی طرف قدم بڑھانے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ اُسے یاد آگیا۔ وہ جس جذبۂ تجسس میں مبتلا ہو کر اس کمرے میں آیا تھا، وہ تو جُوں کا تُوں تھا۔ اس نے دیوار پر اِدھر اُدھر ہاتھ لہرایا اور کچھ دیر ٹٹولنے کے بعد بجلی کا سوئچ تلاش کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ اس نے سوئچ آن کردیا۔

وہ جس چھوٹے سے کمرے میں کھڑا تھا، وہ روشنی میں

رات ... ہنگاموں میں بیت گئی تھی۔

وہ بستر پر لیٹ گیا۔

اُسے بے پناہ تھکن محسوس ہو رہی تھی۔

ذہنی حالت بھی عجیب سی تھی۔ کبھی تو وہ خود کو ایک فیز معمولی انسان محسوس کرنے لگتا تھا اور کبھی یوں لگتا تھا جیسے وہ اسفنج کا ایک بے جان پتلا ہو جسے جو چاہے بھینچ کر فضا میں اُچھال ڈالے۔

وہ میگی سے اس صورتِ حال پر تبادلہ خیال کرتا رہا اور اس کی آنکھیں بند ہو گئیں۔ اسفنج کا احساس رفتہ رفتہ رخصت ہو رہا تھا اس کے دل میں زندہ جذبوں جیسی گدگدی سی ہونے لگی تھی۔

اس نے آنکھیں کھول کر میگی کی طرف دیکھا۔

"تم کل سب سے پہلا کام یہ کرو گے کہ کسی ڈاکٹر سے..."

یقیناً... اس نے ہونٹوں سے میگی کا جملہ اُچک لیا۔ "لیکن ضروری اہمیت علاج تو تم بھی جانتی ہو۔"

میگی ہنس پڑی۔ اس کی ہنسی میں موسیقی تھی۔

"جانسن! کیا تم جانتے ہو تم کس قدر اچھے محبوب ہو؟"

"میں اپنے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا، تمہیں تو معلوم ہی ہے۔"

اس نے مسکرا کر کہا۔ "یہی وجہ ہے کہ مجھ سے جو کوئی بھی کہتا ہے میں اس کی بات مان لیتا ہوں۔"

میگی نے ہاتھ بڑھا کر روشنی بجھا دی۔

ریشمی اندھیرے میں فنہزاد ریشم کی دُنیا میں ڈوب گیا۔ اس کی سماعت سے دھیمے قہقہوں اور مدھم آوازوں کے ریشے ٹکرا رہے تھے۔

✡

بہرام نے سر جھٹکا اور اُٹھ کھڑا ہوا۔

اس نے ٹرانسمیٹر کا بٹن بڑے غصے کی حالت میں آف کیا تھا۔ وہ دو گھنٹے سے مسلسل کوشش کر رہا تھا لیکن کسی سے بھی رابطہ قائم نہیں ہوا تھا۔ اُوشان کی طرف سے بھی کوئی اطلاع نہیں آئی تھی اور شہزاد ٹائیگر نے تو جیسے اُسے ذبح کرنے کی قسم ہی کھالی تھی۔

"مجھے خود ہی وہاں جانا ہوگا۔" وہ بڑبڑانے لگا۔

نصف گھنٹے تک وہ بے حد مصروف رہا۔ اس دوران میں بار بار اُس کی نگاہ ٹرانسمیٹر اور فون کی طرف اُٹھ رہی تھی۔ الجیریا میں مقیم اس کے سیکرٹری نے اب تک جو اطلاعات اسے پہنچائی تھیں، ان سے اس کا اطمینان نہیں ہوا تھا... پھر گزشتہ رات سے اُوشان بھی غائب تھا۔ اس کے سیکرٹری نے اُوشان کے سلسلے میں جو معلومات فراہم کی تھیں، انھوں نے بہرام کو مزید اُلجھن میں ڈال دیا تھا۔

"کیا وہاں جا کر ہر شخص پاگل ہو جاتا ہے؟" وہ بڑبڑاتا رہا اور اپنی تیاری کرتا رہا۔ نصف گھنٹے بعد اُس نے تیسری بار فون کیا تو معلوم ہوا کہ اس کی سیٹ بک ہو چکی ہے اور جہاز کی روانگی میں پون گھنٹہ باقی ہے۔ بہرام نے حکم دیا کہ ٹکٹ اور دیگر کاغذات اُسے ائرپورٹ ہی پر پہنچا دیے جائیں۔

وہ فلکرانڈ میں جس اطمینان سے کام کرتا تھا، اس قسم کی سہولتیں اُسے نیویارک میں تو حاصل نہیں تھیں لیکن وہ بے اثر شخصیت کا مالک بھی نہیں تھا۔ صدرِ مملکت سے اس کا یہاں بھی براہِ راست تعلق تھا۔ اُسے خوشی تھی کہ یہ صدر اُس کے جزیرۂ فردوس والے صدر کی طرح جلد باز نہیں ہے اور بار بار فون کر کے اس کا ناک میں دَم نہیں کرتا اس کے باوجود اس نے صدرِ مملکت کے لہجے سے پریشانی بھانپ لی تھی۔

بات تھی بھی تو پریشانی کی... ایک ایسی حکومت کا قیام عمل میں آنے والا تھا جو مستقبل میں زمین پر مجرموں کی سب سے بڑی مملکت بننے والی تھی اور جہاں دُنیا بھر کے جرائم پیشہ لوگوں کو تحفظ مل سکتا تھا ایک ایسی مملکت پُورے کرۂ ارض کے لیے تباہی کا باعث بن سکتی تھی اور اس کے قیام کا منصوبہ درہم برہم کرنا ضروری تھا۔

دفتر سے نکل کر بہرام ایک ٹیکسی میں ائرپورٹ روانہ ہو گیا۔

اگرچہ وہ... گمنام رہ کر کام کرنے والا آدمی تھا اس کے باوجود ہمیشہ محتاط رہنا اس کی فطرت تھی اور اسی فطرت کے بلبوتے

وہ اس بات کا خیال رکھ رہا تھا کہ کہیں کوئی کار اُس کی ٹیکسی کا تعاقب تو نہیں کر رہی؟... لیکن کسی نے اس کا تعاقب نہیں کیا۔

وہ ائرپورٹ پہنچ گیا۔

ائرپورٹ کے ویٹنگ لاؤنج میں بیٹھتے ہی اُس نے متلاشی نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھا لیکن کوئی بھی اس کی ذات میں دلچسپی نہیں لے رہا تھا۔ طیارے کی روانگی میں ابھی بیس منٹ باقی تھے۔

اچانک کانچ کا دروازہ کھلا اور ایک شعلہ سا بھڑکتا دکھائی دیا۔ سُرخ رنگ کے لباس میں وہ لڑکی اندر آئی اور اِدھر اُدھر دیکھتی ہوئی سیدھی بہرام کی طرف آئی۔

"مسٹر ٹیارو؟" اس نے سوالیہ نگاہوں سے اُس کی طرف

دیکھتے ہوئے پوچھا۔ وہ اس کے لباس کا تنقیدی نظر سے جائزہ لے رہی تھی۔

بہرام نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

اس نے جس لباس کا حوالہ دیا تھا، اس وقت وہ وہی لباس پہنے ہوئے تھا... یہی وجہ تھی کہ لڑکی نے اُسے پہلی ہی نظر میں پہچان لیا۔ وہ زرد کوٹ پہنے ہوئے تھا اور یہ زردی سیکرٹری کے ہجوم میں صاف نظر آ سکتی تھی۔ بہرام نے اپنے حُلیے میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں کی تھی البتہ اس نے نیویارک کے ایک ایسے شخص کا نام استعمال کیا تھا جو ان دنوں زیرِ حراست تھا۔

لڑکی نے ایک پیپر بیگ اس کی طرف بڑھا دیا۔

"آپ کے تمام کاغذات اس میں موجود ہیں۔" لڑکی نے کہا۔

بہرام نے پیپر بیگ لے لیا اور اُسے ایک طرف رکھتے ہوئے اظہارِ اطمینان کے لیے سر کو اثبات میں ہلا دیا۔ لڑکی فوراً ہی واپس چل دی۔ بہرام نے کافی کی پیالی سے آخری گھونٹ لیا اور بل ادا کرتا ہوا اُٹھ گیا۔ لاؤنج کا دیئر اوب سے ایک طرف پڑا گیا۔

ٹھیک دس بجے بہرام کا جہاز فضا میں بلند ہو گیا۔

جہاز میں اس وقت زیادہ مسافر نہیں تھے۔ بہرام نے بیٹھتے ہی حفاظتی بند باندھ کر آنکھیں بند کر لی تھیں اور اونگھنے لگا تھا۔ وہ الجیریا میں اپنے آیندہ لائحہ عمل پر غور کر رہا تھا۔

اُوشان، مسٹر پارک کے نام سے ہوٹل اسٹون وال میں مقیم تھا اور شہزاد نے جانسن کی شخصیت اختیار کر رکھی تھی۔ پہلے تو بہرام نے سوچا تھا کہ وہ الجیریا پہنچتے ہی اپنے سیکرٹری کے پاس پہنچ جائے گا۔ لیکن اب اس نے ارادہ کیا کہ وہ بھی ہوٹل اسٹون وال ہی میں قیام کرے گا۔ مسٹر ٹیارو کی حیثیت سے وہاں اُسے اپنی دلچسپی کی کئی باتیں معلوم ہو سکتی تھیں۔ خاص طور سے وہ شہزاد ٹائیگر کو ایک نظر اپنی آنکھوں سے دیکھ لینے کی خواہش میں مبتلا تھا۔

فلائٹ بغیر کسی گڑبڑ کے جاری تھی۔

اس نے کافی دیر بعد آنکھیں کھول کر ارد گرد کا جائزہ لیا۔ بیشتر مسافر سو رہے تھے۔ دو ایک اُونگھ بھی رہے تھے۔ ان میں چار عورتیں بھی شامل تھیں اور ایک عورت کے ساتھ بچہ تھا۔ اس عورت کے علاوہ بہرام نے جہاز میں موجود تمام آدمیوں کا جائزہ لیا۔

زیادہ تر چہرے جرائم پیشہ لوگوں کے ہی دکھائی دیے۔

وہ ایک طویل سانس لے کر رہ گیا۔

'الجیریا میں حالات واقعی بڑی تیزی سے خراب ہوتے جا رہے ہیں۔' اس نے سوچا۔ 'نہ جانے جرائم پیشہ لوگوں کا یہ سیلاب کب سے اس ملک کی طرف بہہ رہا ہے اور اب تک نہ معلوم کتنے ریلے وہاں تک پہنچ چکے تھے۔ سیکرٹری نے اُسے جن حالات سے آگاہ کیا تھا، ان سے پتہ چلتا تھا کہ پولیس بے بس ہوتی جا رہی ہے اور شہروں میں آئے دن ایسی وارداتیں ہونے لگی ہیں کہ عوام کی طرف سے بغاوت اور نسلی فساد کا اندیشہ بڑھ گیا ہے۔ الجیریا کا صدر بے حد پریشانیوں میں مبتلا ہے اور اس صورتِ حال کے تدارک کے لیے نہ جانے کیا کیا کرنے میں مصروف ہے۔

بہرام نے ایک بار پھر آنکھیں بند کر لیں۔

جو کچھ ہو رہا تھا، بہت بُرا ہو رہا تھا لیکن مصیبت یہ تھی کہ اُس کا بس نہیں چل رہا تھا۔ اس کا سب سے بڑا ہتھیار ٹائیگر نہ صرف غیر مؤثر ہو گیا تھا بلکہ اُلٹا اُسی سے تباہی کا خطرہ پیدا ہو چکا تھا۔

سوچتے سوچتے وہ گہری نیند میں ڈوب گیا۔

اُوشان بڑی دیر سے اس گوریلے کا تعاقب کر رہا تھا۔

یہ گوریلا نما شخص اگر لباس میں نہ ہوتا تو اُسے گوریلا ہی کہا جا سکتا تھا کیونکہ جہاں جہاں سے لباس اُس کا جسم ڈھانپنے میں ناکام ہو رہا تھا۔ وہاں وہاں سے اُس کے موٹے موٹے سیاہ بال نظر آ رہے تھے۔

گوریلا نما شخص ہیکٹر تھا۔ اسے جرمنی کا بگولا بھی کہا جاتا تھا اور اُوشان نے اس کی زندگی کے کئی واقعات ماضی میں سُن رکھے تھے... لیکن ایک ایسا واقعہ بھی ہُوا تھا جسے اخبار میں پڑھ کر اُوشان نے اپنے دل میں عہد کیا تھا کہ اگر زندگی میں کبھی یہ شخص اُس کے سامنے آیا تو وہ اسے اپنے ہاتھوں سے ٹھکانے لگا دے گا۔ اس ارادے پر برسوں کی گرد پڑ گئی تھی لیکن جیسے ہی ہیکٹر اُسے دکھائی دیا، یہ گرد خود بخود ہی ہٹ گئی اور ارادہ پھر سے جوان ہو گیا۔

اس جرمن بگولے کی خصوصیت تھی کہ یہ حسین عورتوں کو قتل کر کے لُطف حاصل کرتا تھا۔ اس کے انداز میں اتنی سفاکی تھی کہ بعد میں مقتول عورت کی لاش دیکھ کر بڑے بڑے دل گُردے کے آدمیوں کو جھرجھری آ جاتی تھی۔

آج صبح ہوٹل اسٹون وال کے ایک کمرے میں بھی ایسی ہی لاش پائی گئی تھی۔ اُوشان نے اس لاش کی صرف ایک ہی جھلک دیکھی تھی اور نہ جانے کیوں اُس کے ذہن میں جرمن بگولا گھومنے لگا تھا۔ وہ واقعی ایک حسین عورت تھی لیکن اُس کا جسم ہڈیوں اور گوشت کا ڈھیر تھا۔ چہرے پر پُرسکون آنکھیں مُرنے کے بعد بھی پُرسکون ہی تھیں اور چہرہ مسخ نہیں ہُوا تھا لیکن گردن سے پاؤں کے انگوٹھے تک جسم کے کسی حصّے کی شناخت ممکن نہیں رہ گئی تھی۔ سب کچھ آپس میں مل گیا تھا۔

اُوشان ہوٹل اسٹون وال میں آج صبح اچانک ہی نظر آنے لگا تھا۔ اُس کے بارے میں گزشتہ دنوں جو افواہیں گردش کرنے لگی تھیں، اُن کے پیشِ نظر اُوشان کی شخصیّت بے حد پُراسرار سمجھی جانے لگی تھی۔ لوگوں کا خیال تھا کہ پولیس ایک بار پھر اس بوڑھے کے پیچھے لگا دی جائے گی جو مسٹر پارک کے نام سے وہاں مقیم تھا لیکن ایسا نہیں ہُوا۔ وہ ہال میں بیٹھا عجیب و غریب کھانوں سے ناشتہ کرتے دیکھا گیا۔ پھر اُسے کئی لوگوں نے سیڑھیاں چڑھتے بھی دیکھا... اور جب لاش دریافت ہُوئی اور پولیس اس عجیب لاش کو ایک ٹرالی میں نیچے لائی تو اُوشان قریب ہی موجود تھا۔ اُس نے پولیس کو دیکھ کر فرار ہونے کی کوشش نہیں کی تھی اور نہ ہی پولیس والوں نے اُسے توجّہ کے قابل سمجھا تھا۔ بعض لوگوں نے خاص طور سے محسوس کیا تھا کہ پولیس دانستہ اُسے نظر انداز کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ اس چشم پوشی کا کوئی جواز تھا یا نہیں، یہ تو کسی کو بھی معلوم نہیں تھا البتہ ہر ایک اپنی جگہ مختلف اندازے لگا کر حیرت زدہ ضرور تھا۔

اُوشان نے جب ٹرالی میں اس عورت کی لاش دیکھی تھی تو اُس کے قریب کھڑا ہُوا شخص گھبرا کر دو قدم پیچھے ہٹ گیا تھا۔

اُوشان کی بڑبڑاہٹ خوفناک تھی اور اُس شخص کو اپنی ریڑھ کی ہڈّی میں سنسنی کی لہر دوڑتی محسوس ہُوئی تھی۔ اُس نے بعد میں قسم کھا کر اپنے چند دوستوں کو بتایا تھا کہ اُوشان کوئی جادوگر ہے اور اس وقت وہ جادو ہی کرنے میں مصروف تھا۔ ہو سکتا ہے، وہ جادو کے زور سے قاتل کا سُراغ لگا رہا ہو... لیکن درحقیقت اس وقت اُوشان اُس عہد کو دُہرا رہا تھا جو اُس نے برسوں پہلے اپنے آپ سے کیا تھا۔

آئندہ تین گھنٹوں کے دوران مزید دو لاشیں بھی دریافت ہُوئی تھیں لیکن ان لاشوں کو دیکھ کر یہ پتہ نہیں چلتا تھا کہ مُرنے والوں کو کسی نے محض لُطف و لذّت کے لیے اس حالت میں مبتلا کیا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ ان دو بدصورت آدمیوں کی لاشیں دیکھ کر اُوشان نے کوئی خاص تاثر نہیں لیا تھا لیکن پہلی لاش اب بھی اُس کے ذہن سے چپکی ہُوئی تھی۔

... اور جب اُس کی نظر ہیکٹر پر پڑی تو اُسے یقین ہو گیا کہ لاش دیکھ کر اُس نے قاتل کے بارے میں جو اندازہ لگایا تھا، وہ غلط نہیں ہے۔ یہ قتل کی وارداتیں ہیکٹر ہی کے ہاتھوں ہُوئی تھی اور اُس نے اس حسین و جمیل عورت کو کسی دُشمنی یا مفاد کے لیے نہیں بلکہ محض تسکینِ طبع کے لیے قتل کیا تھا اور یہ عمل اس گھناؤنے انداز میں پایہ تکمیل کو پہنچایا تھا کہ درندگی آخری حدوں سے بھی تجاوز کر گئی تھی۔

گویا قاتل ہیکٹر اس وقت ایک بھرے پُرے بازار میں چلا جا رہا تھا۔ اُوشان اُس سے زیادہ دُور نہیں تھا۔ کئی بار ہیکٹر نے پلٹ کر بھی دیکھا لیکن چونکہ وہ اُوشان کو نہیں جانتا تھا، اس لیے اُس نے ایک ایسے بوڑھے کو کسی توجّہ کا مستحق نہیں سمجھا، جو چوراہے چوراہے میں اپنا ناتواں جسم چھپاتے سڑک پر چل رہا تھا۔ اگر اُسے ذرا سا بھی شُبہ ہو جاتا کہ جس کمزور جسم کو وہ نظر انداز کر رہا ہے، وہ درحقیقت سر سے پاؤں تک ایک موت کا متحرک ہتھیار ہے تو شاید وہ اپنے بچاؤ کی کوئی صورت ضرور کرتا... لیکن وہ بزعمِ خود جرمن بگولا تھا اس لیے کسی ایسے بوڑھے کو خاطر میں لانا اُس کی سوچوں سے بھی بعید تھا۔

البتہ وہ چلتے چلتے اس شخص کے بارے میں ضرور سوچ رہا تھا جس سے رات کی تاریکی میں مڈبھیڑ ہو گئی تھی۔ اُس نے اُسے دونوں بازوؤں میں جکڑ لیا تھا اور اُس کی یہ جکڑبندی کسی بھی انسان کی ہڈیاں تک پیس ڈالنے کے لیے کافی تھی۔ لیکن وہ شخص شاید آہنی انسان تھا۔ اُس نے زیادہ دیر اس سے اُلجھنے کی کوشش نہیں کی تھی بلکہ موقع پاتے ہی فرار ہو گیا تھا

وہ جس وقت تاریک کمرے سے نکلا تھا تو اُسے برابر کے کمرے سے ایک اور حسین لڑکی بھی نکلتی دکھائی دی تھی اور اس کا جذبۂ شوق اُبھر آیا تھا لیکن اس نے اُس لڑکی کو قتل کرنا تو درکنار اُس کے سامنے آنا بھی گوارا نہیں کیا تھا کیونکہ قریب ہی اندھیرے میں وہ آہنی انسان موجود تھا۔

اُسے حیرت تھی کہ آہنی انسان نے اس پر دوبارہ حملہ کرنے کی کوشش کیوں نہیں کی؟ وہ اتنی دیر دروازے کی آڑ میں کھڑا رہا جب تک برابر کے کمرے سے نکلنے والی لڑکی راہداری کے آخری حصّے سے ایک طرف گھوم نہیں گئی تھی۔ لڑکی جیسے ہی نگاہوں سے اوجھل ہُوئی تھی، وہ کمرے سے نکل کر مخالف سمت میں دوڑتا چلا گیا تھا... رات کے بارے میں سوچتے سوچتے ہیکٹر کی مُٹھیاں سختی سے بھنچ گئی تھیں اور وہ بازار میں آگے ہی آگے بڑھتا جا رہا تھا۔

اُوشان نے اندازہ لگا لیا تھا کہ ہیکٹر اس وقت کسی خاص جگہ جا رہا ہے۔ اُس کی چال میں عجلت تھی اور وہ کبھی کبھار ہی اِدھر اُدھر دیکھتا ہُوا اپنی منزلِ مقصود کی طرف بڑھتا چلا جا رہا تھا۔

ہیکٹر نے اسٹون وال سے نکلنے کے بعد کوئی ٹیکسی نہیں لی تھی جس سے اُوشان کو اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ زیادہ دُور نہیں جائے گا... لیکن اُس کا یہ اندازہ غلط ہی ثابت ہُوا۔

چلتے چلتے نصف گھنٹہ ہو گیا تھا اور اب بھی ہیکٹر کے قدم رُکتے دکھائی نہیں دیتے تھے۔ ایک لمحے کے لیے اُوشان کو شُبہ ہُوا کہ کہیں وہ ہیکٹر کی نظروں میں تو نہیں آ گیا؟... اس خدشے کے باوجود وہ اس کا تعاقب کرتا رہا۔

ایک بازار میں پہنچ کر ہیکٹر نے رُکتے ہُوئے اِدھر اُدھر دیکھا۔

اس کا انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ کسی خاص چیز کی تلاش میں اِدھر اُدھر نگاہیں دوڑا رہا ہے... پھر اُس نے جیب سے ایک چھوٹی سی نوٹ بُک نکالی اور اس کی ورق گردانی کرنے لگا۔ غالباً وہ کسی خاص عمارت کی تلاش میں تھا۔ ڈائری دیکھنے کے بعد ہیکٹر نے اثبات میں سر ہلایا اور ایک عمارت کی طرف بڑھ گیا۔ اُوشان کا اندازہ درست ہی نکلا۔ وہ کسی عمارت ہی کی تلاش میں تھا اور اب وہ عمارت اس کے سامنے تھی۔ اُس کی تصدیق ہیکٹر نے غالباً اپنی ڈائری میں لکھے ہُوئے نام سے کی تھی۔

عمارت کے صدر دروازے کے سامنے وہ ایک لمحے کو ٹھٹک گیا۔

اُوشان پلٹ کر ایک دُکان کا شوکیس دیکھنے لگا۔

اُس نے شوکیس کے شیشے میں ہیکٹر کو دیکھا۔ وہ متلاشی نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا جیسے یہ اطمینان کر رہا ہو کہ عمارت میں داخل ہوتے وقت وہ خصوصیت سے کسی کی نگاہ میں تو نہیں آ رہا...؟

غالباً وہ مطمئن ہو گیا تھا۔

وہ تیزی سے عمارت میں داخل ہُوا اور اُوشان کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ اُوشان نے پلٹ کر صدر دروازے کی طرف دیکھا۔ وہ آہستہ آہستہ عمارت کے اُسی دروازے پر جا پہنچا جہاں سے ہیکٹر اندر گیا تھا۔

دروازے سے داخل ہوتے ہی ایک وسیع ڈیوڑھی تھی۔ ڈیوڑھی میں ایک طرف لفٹ تھی اور دُوسری طرف زینے تھے۔ لفٹ پر 'خراب ہے' کی تختی، دروازے میں داخل ہوتے ہی نظر آ گئی تو اُوشان نے زینے کی طرف دیکھا۔ اُس کی رُوحانی حِسیات تیزی سے سرگرمِ عمل ہو گئیں۔ وہ ان خفیف سی آہٹوں کو سُن رہا تھا جو زینہ چڑھتے ہُوئے ہیکٹر کے پیروں سے پیدا ہو رہی تھیں۔

اُسی لمحے اُوشان کو موت کی بُو محسوس ہونے لگی۔

وہ چونک پڑا۔

اس کا مطلب تھا کہ یہ گویرلا نما شخص یہاں بھی کسی کو قتل کرنے کے ارادے سے آیا ہے۔ اس سے پہلے اُوشان کا خیال تھا کہ وہ اپنے کسی پُرانے دوست کے ہاں مشغلِ نوشی کے ارادے سے جا رہا ہو گا... لیکن موت کی یہ بُو محسوس کر کے اُس کے جبڑوں کا تناؤ بڑھ گیا۔ وہ دل ہی دل میں خوش بھی ہُوا کہ اس گویرلے کو رنگے ہاتھوں پکڑ لے گا اور پھر اسے موقع ہی پر سزا بھی دے سکے گا۔

وہ تیزی سے سیڑھیاں چڑھنے لگا۔

اُس کے پاؤں زینے پر متحرک تھے لیکن ذرا سی بھی آواز نہیں پیدا ہو رہی تھی۔ اُس کے پاؤں لبادے کے نیچے دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ سیڑھیوں سے چند انچ اُوپر ہُوا میں معلق ہو اور تیرتا ہُوا اُوپر جا رہا ہو۔

ہیکٹر کے قدموں کی بھاری آواز اب بھی اُوشان کی سماعت سے ٹکرا رہی تھی۔ یہ ایک چھ منزلہ عمارت تھی اور چوتھے فلور کی سیڑھیوں سے قدموں کی آہٹیں اُس کے کانوں تک پہنچ رہی تھیں جبکہ وہ ابھی دوسری ہی منزل کے زینے طے کر رہا تھا۔

جلد ہی چوتھی منزل پر جا پہنچا۔

اس وقت تک ہیکٹر شاید اپنے شکار کے دروازے پر پہنچ چکا تھا۔

اُوشان نے دروازہ کھٹ کھٹانے کی آواز سُنی۔

وہ زینے ہی میں رُک گیا۔

اُس نے اُوپر دیکھا تو ہیکٹر دکھائی نہیں دیا۔ تب اُوشان اپنی سماعت پر زور دے کر یہ اندازہ لگانے لگا کہ ہیکٹر کس دروازے پر دستک دے رہا ہے۔ دروازہ کھلا اور پھر کسی عورت کی حیرت اور خوف میں ڈوبی ہُوئی آواز سُنائی دی۔

دفعتہً یہ آواز دب گئی۔

یوں محسوس ہوتا تھا جیسے ہیکٹر نے اس عورت کا مُنہ دبا لیا ہو جو اُس پر نگاہ پڑتے ہی حیرت و خوف کا اظہار کر رہی تھی۔ اُسے افسوس ہونے لگا۔ عورتیں عموماً محتاط ہوتی ہیں اور محض دستک پر بلا تحقیق دروازہ نہیں کھولتیں لیکن یہ عورت غالباً کوئی بے حد غیر محتاط سی عورت تھی۔

ہیکٹر نے اس عمارت کا نام اپنی ڈائری میں لکھ رکھا تھا اس کا مطلب تھا کہ یہ عورت پہلے سے اُس کی نگاہ میں تھی اور اُس نے شکار کی حیثیت سے اُس کا نام چُن لیا تھا۔ اُوشان زینے سے اُوپر آگیا۔

راہ داری ویران پڑی تھی۔

موت کی بُو کا اُسے اب بھی احساس ہو رہا تھا۔

وہ تیزی سے آگے بڑھنے لگا۔

اس دروازے تک پہنچنے میں اُسے زیادہ دُشواری نہیں ہُوئی جس سے ہیکٹر اندر گیا تھا۔ اُس کے باہر لگی زنجیر ابھی تک متحرک تھی۔ اس کے علاوہ اندر سے گھٹی گھٹی سی آوازیں بھی باہر سُنائی دے رہی تھیں۔ اس راہ داری میں چھ دروازے تھے جن میں تین پر تالے دکھائی دے رہے تھے۔ باقی دو دروازوں پر تالے تو نہیں تھے البتہ وہ اتنی سختی سے بند تھے کہ ان کے پیچھے بسنے والو تک اس بے چاری عورت کی آہ و زاری نہیں پہنچ سکتی تھی۔ خود اُوشان بھی ان مدّھم آوازوں کو محض اپنی رُوحانی حسیات کی وجہ سے سُننے میں کامیاب ہو رہا تھا۔

اُس نے دروازے پر ہاتھ رکھ کر دھکا دیا۔

دروازہ بند تھا اور شاید اندر سے مقفل کر دیا گیا تھا۔

اُوشان نے دروازے پر دستک دی۔

فوراً ہی آوازوں کا سلسلہ ختم ہو گیا۔

اُوشان نے دوسری بار دروازہ کھٹکھٹایا۔

"کون ہے؟" اندر سے غرّاتی ہُوئی آواز سُنائی دی۔

"دروازہ کھولو۔ پولیس!" اُوشان نے لہجے کو بھاری بناتے ہُوئے کہا۔

اندر سے فوراً ہی کوئی جواب نہیں دیا گیا۔ غالباً ہیکٹر کسی سوچ میں پڑ گیا تھا تب اُوشان نے سوچا کہ اُسے زیادہ مُہلت نہیں دینی چاہیے۔ اُس کا دایاں ہاتھ آہستہ آہستہ بلند ہُوا اور پھر جب یہ ہاتھ کواڑ پر گرا تو اُس نے چوبی کواڑ کو یوں کاٹ دیا تھا جیسے کسی کلہاڑے سے دروازے کے پرخچے اُڑا دیے جائیں...

دوسری ضرب سے دروازہ ٹوٹ کر الگ ہو گیا۔ اُسی لمحے اندر سے ایک فائر ہُوا اور گولی اُوشان کے کان کے قریب سے گزر گئی۔ اُس نے جو لبادہ اوڑھ رکھا تھا، گولی اُس میں سوراخ کر گئی تھی۔

اُوشان اُچھلا۔

ایک لمحے کے لیے فضا میں معلق دکھائی دیا۔

... پھر اُس کے دونوں پاؤں دروازے کے باقی ماندہ حصّے کو ذرّوں میں تبدیل کرتے ہُوئے گزرے اور وہ اندر فرش پر یُوں گرا کہ ہیکٹر کے ریوالور سے نکلنے والی پے در پے دو گولیاں اس کے دائیں بائیں سے گزر گئیں۔

اُوشان آہستہ آہستہ فرش پر کھڑا ہو گیا۔

گولیوں کی وجہ سے عمارت کے اُس حصّے میں کافی شور پیدا ہو گیا تھا لیکن ابھی تک نہ تو پڑوس کا کوئی دروازہ کھلا تھا اور نہ ہی کوئی ایسی انسانی آواز سُنائی دی جو ان دھماکوں کی وجہ جاننے کے لیے بے چین ہو... یا تو اس عمارت کے مکین ہی بے حس تھے یا پھر وہ اپنی گھریلو مصروفیات میں مگن ہو کر ہر طرف سے بے پروا ہو جاتے تھے۔

اُوشان نے سامنے دیکھا۔

ہیکٹر ریوالور ہاتھ میں لیے کھڑا تھا۔

اُس کی درندوں جیسی آنکھوں میں خون اُترا ہُوا تھا اور اُس کے کھلے ہونٹوں سے اُس کے بھیانک دانت کسی خونخوار آشام کی طرح نوکیلے لگ رہے تھے۔ اس کا ہاتھ ریوالور کے دستے پر منجمد تھا۔ یہ ریوالور بھی عام سائز سے خاصا بڑا تھا۔ اس کے باوجود ہیکٹر کے ہاتھ میں چھوٹا سا کھلونا ہی لگ رہا تھا۔

"کون ہو تم؟" ہیکٹر غرّایا۔

"موت کا فرشتہ۔" اُوشان نے جواب دیا اور کبھی کبھی کرنے کے اپنے مخصوص انداز میں ہنس پڑا۔ اس انداز میں وہ اُسی وقت ہنستا تھا جب اُسے کسی معاملے میں رُوحانی خوشی حاصل ہوتی تھی۔ غالباً ہیکٹر جیسے درندے کی موت کا تصوّر کر کے وہ رُوحانی خوشی محسوس کر رہا تھا۔

"میرے ریوالور میں ابھی دو گولیاں باقی ہیں اور یہ موت کے فرشتے کا مُنہ موڑ سکتی ہیں۔" ہیکٹر نے تضحیک آمیز لہجے میں کہا۔

"بہتر ہو گا کہ واپس اپنی قبر میں چلے جاؤ اے خبیث رُوح۔"

اُوشان کی کھی بھی جاری تھی۔

"بند کرو یہ شیطانی قہقہے۔" ہیکٹر غرّایا۔ "اور چلے جاؤ۔"

"میں قبرستان جاتے وقت تمھیں ساتھ لے جانا چاہتا ہُوں۔"

"سُنو بُوڑھے!" ہیکٹر کے لہجے میں بے پناہ درندگی تھی۔ "تم ایک کمزور اور قریب المرگ بُوڑھے ہو اور میں تم جیسے ہڈیوں کے پنجروں پر ہاتھ اُٹھانا اپنی توہین سمجھتا ہُوں اس لیے بہتر ہو گا کہ اپنی موت کا سامان کہیں اور جا کر تلاش کرو۔"

"تم نے اپنی تین گولیوں کا حشر تو دیکھ ہی لیا ہے۔" اُوشان نے بے پناہ سنجیدگی سے کہا۔ "اپنی باقی گولیاں بھی آزما کر دیکھ لو۔"

"میں نے وہ تینوں گولیاں محض تنبیہہ کے طور پر چلائی تھیں۔" ہیکٹر نے تضحیک آمیز لہجے میں کہا۔ وہ اب بھی اُوشان کو کوئی اہمیت نہیں دے رہا تھا اور اس کی وجہ صرف یہی تھی کہ اُوشان ظاہری طور پر ایک مختصر اور قریب المرگ بوڑھا ہی نظر آتا تھا۔ غالباً اُس گوریلے نے دروازہ ٹوٹنے پر توجہ نہیں دی تھی۔ یا پھر وہ یہ سمجھا ہو گا کہ اُوشان نے کواڑ کلہاڑے کا وار کر کے توڑے ہوں گے۔ ابھی تک اُوشان نے اُسے خوف زدہ محسوس نہیں کیا تھا۔

کمرہ موت اور دہشت کے تاثرات سے بھرا ہُوا تھا لیکن یہ تاثرات اُس سہمی سہمی لڑکی کے تھے جو دیوار سے لگی تھر تھر کانپتی ہُوئی ایک ننھی سی چڑیا ہی لگ رہی تھی۔ اس کی آنکھیں حلقوں سے اُبل کر غیر معمولی لگ رہی تھیں اور اس کا دہانہ گولائی میں پھیل کر وہیں ساکت ہو گیا تھا۔

اچانک ہیکٹر خوف زدہ نظر آنے لگا۔

اس کی آنکھوں میں اُلجھن کے تاثرات تیرنے لگے۔

"تت... تم وہی تو نہیں...؟" وہ بڑبڑایا۔

"کون؟" اُوشان نے بے پروائی سے سوال کیا۔

"وہی جس کے بارے میں اخبارات نے پچھلے دنوں ناقابلِ یقین باتیں لکھی تھیں۔ کیا تم مسٹر پاک ہو؟"

"ہاں... میں وہی ہُوں۔"

"لیکن میرا تمھارا کیا جھگڑا؟"

"کیا تم اس لڑکی کا قصور بتا سکتے ہو جسے ہلاک کرنا چاہتے تھے؟"

"یہ...!" ہیکٹر کی آنکھوں میں خوف اُمڈ آیا۔ اس کا ریوالور والا ہاتھ کپکپاہٹوں کا شکار ہو گیا تھا لیکن اس کے باوجود ریوالور کی نال اب بھی اوشان ہی کی طرف اُٹھی ہُوئی تھی۔

"اس کا قصور شاید یہ ہے کہ قدرت نے اسے بے پناہ حُسن عطا کیا ہے۔" اُوشان کہہ رہا تھا۔ "اور تمھیں حسین عورتوں سے اس لیے نفرت ہے کہ ایک خوبصورت عورت نے تمھیں جنم دیا تھا۔ اس میں تمھاری خوبصورت ماں کا کوئی قصور نہیں تھا ہیرمن بگوئے! قصور سراسر تمھارے مقدر کا تھا۔ اگر وہ بدصورت نہ ہوتا تو شاید تم اتنے بدصورت نہ ہوتے۔"

"تم میرے ذاتی معاملات کے بارے میں بڑے وثوق سے باتیں کر رہے ہو۔ اگر یہ میرا نظریہ ہے تو اس سے تمھیں کیا دلچسپی ہے؟"

"جس طرح تمھیں غیر ضروری باتوں سے دلچسپی ہے، بالکل اسی طرح مجھے بھی غیر ضروری باتوں میں اُلجھنے کا شوق ہے۔"

"کیا تم مجھے پولیس کے حوالے کر دو گے؟"

"نہیں..." اُوشان مسکرانے لگا۔

"پھر... پھر؟" ہیکٹر کی آواز کانپ گئی۔

"میں تمھیں اس دُنیا کے لیے ناقابلِ قبول قرار دے کر واپس خالق کے پاس بھیجنا چاہتا ہُوں تاکہ تمھاری درندگی سے اس دُنیا کا حُسن پامال نہ ہونے پائے۔ تم اب تک ان گنت لڑکیاں ہلاک کر چکے ہو۔ اس سے تمھیں کیا بلاء میرا خیال ہے ان بے گناہ لڑکیوں کے خُون سے تمھاری انگلیوں کی پوریں تک خوبصورت نہیں ہو سکیں؟"

"میں کہتا ہُوں میرا اور تمھارا کوئی جھگڑا نہیں ہے۔"

"ہے... میں کہتا ہُوں کہ جھگڑا ہے۔"

وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگا۔

"رُک جاؤ ورنہ گولی مار دُوں گا۔" ہیکٹر غرّایا لیکن اس کی دھمکی میں زور نہیں تھا۔ یُوں لگتا تھا جیسے خوف نے اس کی غرّاہٹ سے بھی درندگی کا تاثر چھین کر اسے سرگوشی بنا دیا ہو۔

اُوشان آہستہ آہستہ اُس کی طرف بڑھتا رہا۔

"میں تمھیں مارنے سے پہلے ایک بات ضرور بتا دینا چاہتا ہُوں۔" اُوشان نے قدم قدم آگے بڑھتے ہُوئے سرسراتی ہُوئی آواز میں کہا۔ "تمھاری موت بھی بالکل ویسی ہی ہو گی جیسی معصوم لڑکیوں کی تمھارے ہاتھوں واقع ہو چکی ہے۔"

ہیکٹر آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنے لگا۔

اس کے چہرے پر زلزلے کی سی کیفیت تھی۔

یوں محسوس ہوتا تھا جیسے اس کے پہاڑ جیسے جسم میں چوہے جیسا دل ہو جو اُوشان کے سامنے دھڑکنا تک بھولتا جا رہا ہو۔

"چلے جاؤ۔ وہ دیوانہ دار چیخ پڑا۔

اُوشان نے کوئی جواب نہ دیا۔

اس کی پیش قدمی جاری رہی۔

ہیکٹر پیچھے ہٹتا ہُوا دیوار کے قریب جا پہنچا اور پھر پیچھے ہٹنے میں دیوار آڑھے آنے لگی۔ وہ دیوار سے ٹک کر کھڑا ہو گیا۔ ریوالور ابھی تک اس کے ہاتھ میں دبا ہُوا تھا اور اس کی اُوشان کی طرف اُٹھی ہُوئی نال میں لرزش صاف دیکھی جا سکتی تھی۔

اُوشان کی پتلیاں مائکت تھیں۔

اس کے جبڑے سختی سے بھنچے ہُوئے تھے اور وہ قہر کا نرشتہ بنا ہُوا تھا۔ دیوار کے ساتھ دوسری جانب لگی ہُوئی لڑکی ایک منجمد اور ٹھوس مجسمہ بن کر رہ گئی تھی۔ اس کے چہرے پر خوف، دلچسپی تجسس اور بے بسی کے جو تاثرات تھے، وہ بھی منجمد ہو کر رہ گئے تھے۔ دُنیا کا کوئی بھی فن کار شاید کسی مجسمے میں اتنے تاثرات بیک وقت اُبھارنے میں کامیاب نہیں ہو سکتا تھا۔ جتنے اس لڑکی کے چہرے پر دِکھائی دے رہے تھے۔

ہیکٹر کی حالت ایسی ہو رہی تھی جیسے وہ رفتہ رفتہ اپنے ہوش و حواس کھو رہا ہو۔ اس کے درندگی سے بھرپور نقش و نگار والے چہرے پر خونیں آنکھوں میں بے بسی کے تاثرات، اُوشان کی زندگی کا حاصل تھے۔ وہ ان تاثرات کو دیکھنے کے لیے ایک عرصے سے بے چین تھا۔

ایسے تاثرات اس نے پہلے بھی کئی ایسے آدمیوں کی آنکھوں میں دیکھے تھے، جنھیں اس نے جامِ مرگ پینے پر مجبور کیا تھا لیکن ان لوگوں کی بات اور تھی۔ اس درندے کے لیے تو اس کے دِل میں برسوں سے خواہش تھی اور اب ایک عرصے بعد یہ خواہش شرمندۂ تکمیل ہو رہی تھی۔

"مجھے... مجھے معاف کر دو۔" وہ بڑبڑایا۔

"خالق کے پاس تمھیں بالمشافہ معافی کے لیے ہی بھیج رہا ہُوں، مگر لے۔" اُوشان نے زہر خند سے کہا۔ "وہاں جا کر جی بھر کے معافیاں مانگتے رہنا۔"

"مجھے... مجھے پولیس کے حوالے کر دو۔" وہ چیخ پڑا۔

اُسی لمحے دُور کہیں سے پولیس کار کا سائرن سُنائی دینے لگا۔ اُوشان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

"پولیس... پولیس..." ہیکٹر حلق پھاڑ پھاڑ کر چیخنے لگا۔

"وہ ابھی بہت دُور ہے، ہیکٹر!" اُوشان نے ہنس کر کہا۔ "خدا کی قسم، اگر پولیس اس اپارٹمنٹ کے دروازے پر بھی پہنچ چکی ہوتی تو تمھیں میرے ہاتھ سے نہیں بچا سکتی تھی۔ تم صرف اُس تیرہ سالہ معصوم سی بچی کو یاد کرو جسے تم نے درندگی سے ہلاک کیا تھا اور جس پر ملک بھر کے اخبارات نے جو واویلا کیا تھا، وہ اپنی جگہ دُنیا بھر کے اخبار بھی چیخ پڑے تھے لیکن پولیس تمھیں گرفتار کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکی تھی۔ مَیں نے اس تیرہ سال کی معصوم بچی کی تصویر اخبار میں دیکھی تھی، تب مَیں نے اپنے آپ سے عہد کیا تھا کہ تمھیں بھی ویسی ہی موت ماروں گا۔"

"مم... مَیں... مَیں..." ہیکٹر ہکلانے لگا۔

"اپنی زبان کو زیادہ زحمت نہ دو، کیوں کہ یہ جو کچھ کہنا چاہتی ہے، اس پر موت کا خوف غالب ہے۔ تمھارے پاس کہنے کے لیے کچھ بھی نہیں ہے، ہیکٹر۔ مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔"

یکایک ہیکٹر نے فائر کر دیا۔

گولی کا دھماکا ہُوا اور ماحول گونج اُٹھا۔

نیچے سڑک پر غالباً ہجوم ہو گیا تھا۔ ان گنت آوازیں سُنائی دینے لگی تھیں اور ان آوازوں میں پولیس کار کا سائرن نمایاں تھا لیکن پولیس کار اَب بھی عمارت سے دُور تھی۔ اس کے علاوہ اپارٹمنٹ کے دروازے والی راہ داری میں بھی اَب آوازیں اُبھر رہی تھیں۔ غالباً اس پاس کے چند مکینوں نے گولیوں کے دھماکے بالآخر سُن ہی لیے تھے اور تجسس اُنھیں، گھروں سے باہر کھینچ لایا تھا۔

"اَب تمھارے پاس ایک ہی گولی ہے۔" اُوشان بولا۔ "اسے بھی چلا دو تاکہ مرنے کے بعد تمھارے دِل میں کوئی حسرت نہ رہ جائے۔" یہ کہتے ہُوئے اُوشان اپنی جگہ سے اُچھل پڑا۔

اس کا دایاں پاؤں لمبا دے سے نکلا۔

ہیکٹر نے آخری گولی بھی چلا دی۔

اُوشان نے فضا ہی میں قلا بازی کھائی اور جب وہ زمین پر آیا تو اس کا پاؤں اپنا کام کر چکا تھا۔ ٹھوکر جرمن بگولے کے سینے پر پڑی تھی۔ اس کا سینہ کھل گیا۔ خون یُوں اُبلا جیسے دریا کا بند ٹوٹ جائے تو پانی بہہ نکلتا ہے۔ دوسری ٹھوکر ناف پر لگی اور پیٹ پھٹنے کا دھماکا ہُوا۔ ممکن ہے ہیکٹر چیخا بھی ہو لیکن موت کی یہ آخری چیخ اس کی ہڈیوں کے ٹوٹنے اور جسم پر پڑنے والی کنگ فوکی مار چوٹوں کی آوازوں میں دب کر رہ گئی تھی... البتہ وہ چیخ بڑی دلدوز تھی جو اس منظر کو دیکھ کر لڑکی کے حلق سے نکلی تھی... لہراتی اور فرش پر گر گئی۔

اُوشان اَب بھی رقص کر رہا تھا۔

موت کا یہ رقص چند منٹ ہی جاری رہا... لیکن ان منٹوں میں اس درندے کا جسم ٹوٹ پھوٹ کر ڈھیر بن گیا تھا۔

گردن اور چہرہ سلامت تھا لیکن اس پر بھی اتنی لکیریں دار ہو گئی تھیں کہ اُسے شناخت کرنے والے دھوکا کھا سکتے تھے۔

اُوشان کا رقص تھم گیا۔

موت کے قدم رُک گئے۔

آہٹیں ہی آہٹیں ہر طرف گونج رہی تھیں۔ اُوشان نے مڑ کر اس لڑکی کی طرف دیکھا جو فرش پر کسی لاش کی طرح پڑی تھی۔ وہ ایک لمحے کے لیے اس کے قریب بیٹھ گیا اور اس کی کنپٹیوں کو ٹٹول رہا تھا۔ اس دوران میں اُوشان کی اُنگلیاں بڑے ماہرانہ انداز میں چل رہی تھیں۔

لڑکی کی طرف سے مطمئن ہونے کے بعد وہ اُٹھا اور ہوا کی تیز جھونکے کی طرح دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ اگلے ہی لمحے وہ سیڑھیوں کی طرف جا رہا تھا جہاں سے عمارت کے عقبی حصّے کی طرف کُود کر وہ آسانی سے فرار ہو سکتا تھا۔

❁

بہرام نے گھڑی پر وقت دیکھا۔ رات کے دس بج رہے تھے۔

وہ گزشتہ رات یہاں آنے کے بعد سیدھا اسٹون وال پہنچا تھا اور ایک کمرہ لے کر اطمینان سے سو گیا تھا۔ صبح ہونے میں چند گھنٹے باقی تھے اس لیے وہ اپنے کام کا آغاز علی الصباح کرنا چاہتا تھا۔

چھ بجے آنکھ کھل گئی تو وہ بستر چھوڑ کر باہر جانے کے لیے تیار ہو گیا۔

اس نے سب سے پہلے تو نائٹ کلرک کو رشوت دے کر رجسٹر میں شہزاد اور اُوشان کے کمروں کے نمبر معلوم کیے تھے اور یہ بھی اطمینان کر لیا تھا کہ دونوں ہی اپنے اپنے کمرے میں موجود ہیں۔ حالات جس انداز میں اُلجھ گئے تھے، ان کے پیشِ نظر بہرام نے فیصلہ کیا تھا کہ جب تک وہ ذہنی طور پر سب کچھ سمجھ نہیں لے گا، اس وقت تک اُوشان یا شہزاد کے قریب بھی نہیں پھٹکے گا۔

اگرچہ وہ رات ہوٹل اسٹون وال ہی میں مقیم تھا لیکن اسے کوئی غیر معمولی آواز یا شور سُنائی نہیں دیا تھا جس سے کسی خطرے کا اندازہ ہوتا۔ لیکن صبح ہوتے ہی اُسے معلوم ہُوا کہ اسی شب میں یہاں تین انسانی جانیں تلف ہو چکی ہیں... ان میں سے دو تو بے حد بدصورت اور جرائم پیشہ لوگ تھے اور تیسرا حسین دوشیزہ تھی جو غالباً کسی مشرقی ملک سے سیر و سیاحت کے لیے یہاں آئی ہُوئی تھی... پھر بہرام نے اُوشان کو دیکھا۔

وہ اس وقت لاش دیکھنے والے ہجوم میں تھا۔ اس لیے اُوشان کی نگاہ اس پر نہیں پڑی تھی اور نہ ہی بہرام نے اسے متوجہ کیا تھا۔

اچانک اُسے اُوشان ایک طرف جاتا دکھائی دیا۔

اس سے پہلے کہ بہرام اس کے پیچھے جانے کا ارادہ کرتا، اس کی نگاہ زینے کی طرف اُٹھ گئی جہاں شہزاد ٹائیگر ایک حسین برطانوی لڑکی کے ساتھ آہستہ آہستہ اُترتا نظر آ رہا تھا۔ اُسے دیکھتے ہی بہرام نے اُوشان کے تعاقب کا خیال ذہن سے نکال دیا اور شہزاد کو کن انکھیوں سے دیکھنے لگا۔

اتفاق سے شہزاد اُس کے قریب ہی سے گزرا تھا اور محض اتفاقاً ہی ان کی نگاہیں بھی چار ہُوئی تھیں لیکن ٹائیگر کی آنکھوں میں اس نے اپنے لیے شناسائی کی ہلکی سی جھلک بھی نہیں پائی تھی۔

وہ کسی اجنبی کی طرح اُس کے قریب سے گزر گیا تھا۔

بہرام کا مارے غصّے کے عجب حال ہو گیا۔

... لیکن یہ غصّے سے بے حال ہونے کا موقع نہیں تھا۔ اس لیے اُس نے اپنی کھوپڑی میں جلتی ہوئی غصّے کی آگ پر مصلحت کی راکھ ڈالی دی اور ایک طرف جا بیٹھا۔ ناشتہ وہ بہت پہلے ہی کر چکا تھا۔ اس لیے بہرام نے صرف ایک کپ کافی کا آرڈر دیا جب کہ شہزاد اور برطانوی لڑکی نے باقاعدہ ناشتے کے لیے آرڈر دیا تھا۔

بہرام اور شہزاد سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھا اس لیے شہزاد اور برطانوی لڑکی کی آوازیں اسے صاف سُنائی دے رہی تھیں... شہزاد اس وقت بھی جانسن ہی کے میک اَپ میں تھا۔ اسی حُلیے کی وجہ سے بہرام نے اُسے پہلی ہی نظر میں پہچان بھی لیا تھا کیوں کہ جب شہزاد نے پہلی بار اسے صورتِ حال سے آگاہ کرنے کے لیے فون کیا تھا اور جانسن کے بارے میں اطلاعات فراہم کی تھیں تو اس نے فی الفور جانسن کا پولیس ریکارڈ طلب کر کے اس کا بغور مطالعہ کر لیا تھا۔ اس فائل میں جانسن کی کئی تصویریں تھیں... اور خاص طور سے یہ تصویر بھی تھی جس میں اُس نے اپنا پسندیدہ میک اَپ کر رکھا تھا۔ شہزاد اس وقت جانسن کے اسی میک اَپ میں تھا۔ اگر وہ جانسن کی بجائے کسی اور میک اَپ میں ہوتا، تب بھی بہرام کے لیے اُسے شناخت کرنا کوئی مشکل کام نہیں تھا کیوں کہ وہ شہزاد ٹائیگر کی مخصوص چال ہی سے اُسے پہچان سکتا تھا۔

شہزاد اپنی ساتھی کو میگی کے نام سے پکار رہا تھا اور بہرام ذہن پر زور دے رہا تھا کہ یہ نام اس نے پہلے کہاں سُنا ہے۔ یہ نام اُس کا سُنا ہُوا تھا لیکن ضروری تو نہیں تھا کہ وہ وہی میگی ہوتی۔

. . . پھر ایک خیال کے تحت وہ چونک اُٹھا۔

اس نے کن انکھیوں سے شہزاد اور میگی کی طرف دیکھا۔

دونوں ناشتہ کرنے میں مصروف تھے اور ان کے انداز سے جلد بازی ظاہر نہیں ہو رہی تھی۔

بہرام بل ادا کر کے سیدھا بیرونی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

وہ کسی پبلک کال بُوتھ سے ایک ضروری فون کرنا چاہتا تھا اور اُسے توقع تھی کہ اتنی دیر میں یہ دونوں بمشکل ناشتہ ہی کر کے فارغ ہوں گے . . . پھر اس نے ان دونوں کی باتوں سے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ کہیں جانے کا پروگرام بنا رہے ہیں۔

ایک قریبی بُوتھ میں جا کر اُس نے جلدی جلدی اپنے سیکرٹری سے رابطہ قائم کیا جو اُس کی آواز سُنتے ہی بوکھلا گیا۔ غالباً وہ توقع بھی نہیں کر سکتا تھا کہ اس کا چیف یُوں اچانک ہی الجیریا بھی پہنچ جائے گا۔

"ہیلو چیف!" سیکرٹری نے کہا: "مَیں نے رات کئی بار رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی تھی لیکن . . ."

"فی الحال سب کچھ بھُول جاؤ۔" بہرام غرّایا: "مَیں ایک لڑکی میگی کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتا ہُوں۔ مجھے شُبہ ہے کہ یہ برطانوی سیکرٹ سروس سے تعلق رکھتی ہے اور اس کا حقیقی نام میگی ہی ہے۔ اس کے سلسلے میں براہِ راست برطانوی چیف سے رابطہ قائم کر کے معلومات حاصل کرو اور حوالے کے لیے میرا نام استعمال کرو۔ مَیں چار گھنٹے بعد فون کر کے تم سے صورتِ حال معلوم کر لوں گا۔"

بہرام نے یہ کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا اور اُس گاڑی کی طرف بڑھ گیا جس کا انتظام اس نے ناٹک کلرک کے ذریعے آتے ہی کر لیا تھا۔ کار کا دروازہ کھول کر وہ اسٹیئرنگ پر بیٹھ گیا اور سگار سُلگانے لگا۔

اس کی نگاہ ہوٹل اسٹون وال کے صدر دروازے پر جمی ہُوئی تھی اور وہ میگی اور شہزاد کے باہر آنے کا انتظار کر رہا تھا۔ اس نے بُوتھ میں چند منٹ سے زیادہ وقت نہیں لگایا تھا۔

پندرہ منٹ گزر گئے لیکن ان دونوں میں سے کوئی بھی باہر آتا دکھائی نہیں دیا۔ بہرام کے جبڑے سختی سے بھینچے ہُوئے تھے اور بے چینی کی لہریں اس کے پُورے وجود میں کروٹیں لے رہی تھیں۔ وقت جیسے تھم گیا تھا۔ یہ پندرہ منٹ بھی اس نے بڑی مشکل سے گزارے تھے۔

اکیسویں منٹ پر اُس نے ضبط کا دامن چھوڑ دینے کا ارادہ کر لیا لیکن ابھی اس کا ہاتھ کار کے دروازے کے ہینڈل تک ہی پہنچا تھا کہ شہزاد دکھائی دیا۔ وہ میگی کے ساتھ باہر آ رہا تھا۔

بہرام نے ایک طویل سانس لی اور ہاتھ دوبارہ اسٹیئرنگ پر رکھ دیے۔

وہ اس انداز میں بیٹھا رہا جیسے کسی کا انتظار کر رہا ہو اور میگی اُسے اسٹون وال کی پارکنگ کی طرف جاتے دیکھ رہے تھے جب کہ بہرام سامنے والی سڑک پر اپنی کار میں ہُوا تھا۔

شہزاد نے کار کا دروازہ کھولا اور پھر میگی کے لیے بھی طرف کا دروازہ کھول دیا۔ میگی کے بیٹھتے ہی شہزاد نے کار کی اور پارکنگ سے سڑک پر لے آیا . . . پھر ان کی کار قریب سے ہُوئی شہزاد کی کار کا تعاقب شروع کر دیا۔

بہرام نے کار اسٹارٹ کر کے مناسب فاصلہ برقرار ہُوئے شہزاد کی کار کا تعاقب شروع کر دیا۔

اُس کی پیشانی پر سلوٹوں کا جال تھا۔

اس کے لبوں پر عجیب سی مُسکراہٹ تھی جیسے عقب آئینے میں دیکھنے پر وہ خود بھی کوئی معنی پہنانے سے قاصر یہ مُسکراہٹ نہیں تھی بلکہ اس کے ہونٹوں کی ساخت ہی ایسی تھی جب بھی انھیں سختی سے بھینچ لیتا تھا تو یوں لگتا تھا جیسے رہا ہو۔

بہرام کے جذبات اس وقت بے حد عجیب ہو رہے تھے اُسے وہ وقت یاد آ رہا تھا جب اس کے مگری دوست سرگوش نے پہلی بار شہزاد کا ذکر کیا تھا۔ سرگوش نے اس کے بارے میں جتنے بھی دعوے کیے تھے شہزاد نے ٹائیگر کا خطاب حاصل کرنے کے بعد پورے کر دیے تھے لیکن اب ایک ایسی ناقابلِ فہم صورتِ حال سامنے آ گئی تھی کہ ٹائیگر کے ضائع ہونے کا امکان پیدا ہو گیا تھا۔ یہ امکان ماضی میں بھی پیدا ہُوئے تھے لیکن اس وقت حالات اور عوامل دوسرے تھے جب کہ اس وقت ٹائیگر اپنے مشن اور اصولوں ہی کے خلاف ایک باغی کی حیثیت اختیار کر چُکا تھا۔

"ہُنہ . . ." وہ بڑبڑایا: "کسی غلط فہمی میں نہ رہنا ٹائیگر

نے بغاوت کی تو سب سے پہلے میری ہی گولی تمہارے سینے کو چھلنی کرے گی۔"

شہزاد تیز رفتاری سے کار ڈرائیو کر رہا تھا۔

یہ اس کی عادت تھی . . . اور اس عادت میں وہ نیویارک کے بعد ہی مبتلا ہُوا تھا حالانکہ پہلے وہ متوازن رفتار کا حامی تھا۔ اُس کا قول تھا کہ مشینری پر کبھی اعتماد نہیں کرنا چاہیے کیونکہ مشینری بے نیاز آگے ہی آگے بڑھتی چلی جا سکتی ہے۔ انسان کی طرح جان دار اور ذاتی سوجھ بوجھ نہیں رکھتی۔ خطرہ محسوس کر کے خود ہی رُک جاتا ہے جب کہ کار خطرے سے مختلف سڑکوں سے ہوتی ہُوئی شہزاد کی کار شہر کے اندرونی حصّے کی طرف جا رہی تھی۔ بہرام نے اب تک فاصلہ برقرار رکھنے میں احتیاط سے کام لیا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ شہزاد یا اس کی ساتھی اس تعاقب سے باخبر ہو . . . ایسی صورت میں اس کی خاک بھی تلاش نہیں کر سکتا تھا کیوں کہ وہ فائر یا سُراغ رساں نہیں بلکہ ایک دماغ تھا، تھنکر تھا . . . جو اپنے کمپیوٹروں اور مشینوں کے درمیان تجرد کی زندگی بسر کرتے کرتے عمر رسیدہ ہو گیا۔

اچانک اُسے شہزاد کی کار رُکتی دکھائی دی۔

کار جس عمارت کے سامنے رُکی تھی۔ اس میں زیادہ تر طبی و نفسیاتی امراض کے ماہر ڈاکٹروں کے ذاتی کلینک تھے۔ بہرام سوچ رہا تھا کہ وہ دونوں یہاں کیوں آئے ہیں؟ کیا کسی سے ملنے کے لیے آیا ہے . . . ؟ وہ مزید نہ سوچ سکا اور کار آگے بڑھا لے گیا۔

عمارت سے کچھ دُور اُس نے ایک درخت کے نیچے کار کھڑی کر دی۔ شہزاد کی گاڑی کی طرف دیکھنے لگا۔ اُسی لمحے اُسے چونکنے پر مجبور کر دینے والا ایک سُرخ رنگ کی کار شہزاد کی کار سے کچھ فاصلے پر آ کر رُکی۔

شہزاد اپنی گاڑی سے اُترا اور میگی کا ہاتھ تھام کر عمارت کے اندر داخل ہو گیا۔ جب وہ صدر دروازے سے اندر چلے گئے تب سُرخ کار کا دروازہ کھُلا اور ایک سیاہ فام نیچے اُترا۔

بہرام نے غور سے اس کی طرف دیکھا۔

وہ سُرخ شلوار اور سبز جیکٹ پہنے ہُوئے تھا اور اس کے سر پر سُرخ ٹوپی بھی تھی۔ جیکٹ کے نیچے سے اس نے کچھ نہیں پہن رکھا تھا۔ اس لیے اس کا سیاہ جسم جھلک رہا تھا۔ اس کے جسم کے پٹھوں ہی کا ہو سکتا تھا۔ اس سے توانائی

جیسے ہی میگی اور شہزاد نگاہوں سے اوجھل ہُوئے یہ سیاہ فام بھی صدر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ وہ اپنے لباس، جسامت اور قد کے اعتبار سے منفرد اور عجیب سا دکھائی دے رہا تھا۔

بہرام نے واضح طور پر محسوس کر لیا تھا کہ یہ سیاہ فام شہزاد اور میگی کے تعاقب میں یہاں تک آیا ہے۔ وہ حیران تھا کہ کیا سیاہ فام نے خود اُسے نظر انداز کر دیا ہو گا؟ یقینی بات یہی ہے ورنہ وہ مجھے یُوں ذہن سے جھٹک کر شہزاد اور میگی کے تعاقب میں اندر نہ چلا جاتا۔

کہیں اُس کا کوئی اور ساتھی تو اس پاس موجود نہیں؟

اس خدشے کے تحت بہرام نے اِدھر اُدھر دیکھا لیکن کسی کو اپنی ذات میں دل چسپی لیتے نہیں پایا۔ بہرام نے اپنے کوٹ کی جیب ٹٹولی، اس میں بھرا ہُوا ریوالور موجود تھا۔

ریوالور پر اس کی گرفت سخت ہو گئی۔

وہ کار سے اُترا اور تیز تیز عمارت کے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

دروازے سے اندر جانے کے بعد اس کے لیے یہ اندازہ کرنا مشکل ہو گیا کہ شہزاد اور میگی کہاں گئے ہیں۔ وہ تو وہ اُسے سیاہ فام بھی دِکھائی نہیں دے رہا تھا۔ بہرام بُری طرح بے چین ہو گیا۔

اتنی شدت سے اس کا دل پہلے بھی بارہا دھڑکا تھا لیکن آج وہ اپنے کمرے میں بیٹھا سوچ سوچ کر ان دھڑکنوں کو نہیں سُن رہا تھا بلکہ خود میدان میں کُود چُکا تھا۔ وہ سامنے والی راہداری کی طرف متوجہ ہُوا وہ آخری حصّے تک خالی تھی۔ عقب میں بھی کوئی نظر نہیں آیا . . . وہ ایک بالکنی میں رُک گیا۔

اچانک اُس کی نگاہ چھت کی طرف اُٹھ گئی۔

وہ بُری طرح اُچھل پڑا۔

سیاہ فام اُسے ایک پائپ کے سہارے کسی بہت بڑے بندر کی طرح چھت کی طرف جاتا دکھائی دیا۔ بہرام جلدی سے ایک ستون کی آڑ میں ہو گیا۔ اس کا ہاتھ اب بھی کوٹ کی جیب میں رکھے ہُوئے ریوالور پر جما ہُوا تھا اور وہ اندازہ لگا چُکا تھا کہ فاصلہ زیادہ نہیں ہے اس لیے ضرورت پڑنے پر آسانی سے اس سیاہ فام کو نشانہ بنانے میں کامیاب ہو جائے گا۔

سیاہ فام چھت پر چڑھنے کے بعد جھکی جھکی حالت میں دوڑنے لگا۔

اگرچہ یہ ایک طب و نفسیات کے دفاتر کی عمارت تھی لیکن اس وقت وہاں سناٹا تھا۔ غالباً ایک آدھ ہی ڈاکٹر اپنے

کلینک میں موجود تھا اور ہمیشہ ڈاکٹر شام ہی کو یہاں بیٹھتے تھے۔

"... لیکن شہزاد اور میگی کہاں ہیں؟"

اس سوال کا جواب صرف یہی تھا کہ سیاہ فام پر نگاہ رکھی جائے، اگر وہ انھی دونوں کی ٹوہ میں ہُوا تو آسانی سے پتہ چل جائے گا کہ وہ کس کمرے میں موجود ہیں۔

سیاہ فام چھت پر لیٹ گیا۔

اس کے انداز سے بے پناہ چُبھتی ہوئی ظاہر ہو رہی تھی۔

بہرام ستون کی اوٹ میں کھڑا دیکھتا رہا۔ اُس نے دیکھا کہ سیاہ فام چھت پر جس جگہ لیٹا ہے، وہاں ایک روشن دان تھا۔ وہ جُھک کر اُسی روشن دان میں سے کمرے میں جھانکنے کی کوشش کر رہا تھا۔ بہرام نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ اُسے ایک نرس دکھائی دی جو ایک کمرے سے نکلی اور کسی بتلی کی طرح لہراتی ہُوئی ایک اور دروازے میں جا کر غائب ہو گئی۔

دروازہ ایک دھماکے سے بند ہو گیا۔

ایک بار پھر سناٹا چھا گیا۔

کبھی کبھی باہر سڑک پر سے گزرنے والی کسی کار کی آواز سُنائی دیتی تھی یا پھر کسی کا قہقہہ کبھی کبھی ماحول اور سناٹے کو مجروح کر دیتا تھا، اس کے علاوہ اس عمارت میں کوئی آواز نہیں تھی۔

بہرام نے ریوالور نکال کر ہاتھ میں تھام لیا۔

سیاہ فام چھت کے کنارے سے جُھک کر ایک روشندان سے جھانکتا ہُوا اب صرف اس جگہ سے ہی دکھائی دے رہا تھا، جہاں بہرام کھڑا تھا۔ بہرام کی دھڑکنیں بے ترتیب تھیں اور وہ اپنی اُلجھی ہُوئی سانسوں پر قابو پانے کی کوشش کر رہا تھا۔

معاً اُسے سیاہ فام کا بازو دکھائی دیا۔

اس کے سیاہ ہاتھ میں کسی چیز کی چمک محسوس ہُوئی تھی۔

بہرام نے غور سے دیکھا۔

سیاہ فام کے ہاتھ میں چمکتے ہُوئے بلیڈ والا خنجر تھا۔ بہرام کے ہاتھ کی گرفت ریوالور پر سخت ہو گئی۔ پہلے تو وہ، یہ سمجھا تھا کہ سیاہ فام شہزاد اور اس کی ساتھی کی ٹوہ میں رہنا چاہتا ہے... لیکن ٹوہ میں رہنے کے لیے ہاتھ میں خنجر رکھنا تو ضروری نہیں ہوتا۔ اس کا صاف مطلب تھا کہ وہ شہزاد یا میگی یا پھر ڈاکٹر تینوں میں سے کسی ایک کو قتل کرنا چاہتا ہے۔ ڈاکٹر کو قتل کرنے کا ارادہ ہوتا تو سیاہ فام روز روشن میں یہاں نہ آتا۔ وہ اُسے رات کی تاریکی میں اُس کے گھر جا کر بھی خاموشی سے قتل کر سکتا تھا۔ اس طرح متوقع شکار دو ہی باقی رہ جاتے تھے۔

شہزاد... اور... میگی۔

بہرام کوئی خطرہ مول نہیں لینا چاہتا تھا لیکن وہ کو نظر انداز کرنا بھی ممکن نہیں تھا۔ اگر کسی طرح ممکن ہوتا تو کو اس سیاہ فام کے بارے میں آگاہ کر دیتا لیکن اس تو فی الحال سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا۔

سیاہ فام خنجر پھینکنے کے فن میں ماہر معلوم ہوتا تھا۔ چھت پر اوندھے لیٹ کر روشن دان سے اندر کمرے میں شکار پر خنجر پھینکنے کا جو انداز اختیار کیا، وہ اپنی ذات پر خود اعتمادی کی علامت تھی اور یہ خود اعتمادی کسی ماہر کے لیے ممکن ہو سکتی تھی۔

لیٹے لیٹے سیاہ فام کا ہاتھ چھت سے نیچے جھُولا۔ وہ خنجر کو نوک کی طرف سے پکڑے ہُوئے تھا اور ہاتھ کو گھما رہا تھا۔

بہرام نے ریوالور دونوں ہاتھوں میں تھام لیا اور ستون سے ٹِکا دیا۔ اس نے سیاہ فام کا نشانہ لیا اور گو... پھر اس کا دِل اُچھل کر حلق میں اٹک گیا۔ خنجر اس سے نکلتا دکھائی دیا تھا کہ بہرام کی چلائی ہُوئی گولی اُس کی کھو... وہ چھت سے جس حد تک جُھکا ہُوا تھا، وہیں... اور کھوپڑی کو گولی نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا۔

بہرام نے ریوالور جیب میں ڈالا اور تیزی سے زینے کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

●

ڈاکٹر فلورنس ایک حسین و جمیل عورت تھی۔

وہ شہزاد کی باتیں... سُننے کے بعد مسکرا... دونوں اس کے سامنے بیٹھے اس کی خوش گوار مسکرا... اندوز ہو رہے تھے۔ شہزاد نے اُسے حقائق سے پوری طرح... کیا تھا لیکن صورتِ حال یوں بیان کر دی تھی کہ ڈاکٹر... کی پریشانی سے آگاہ ہو گئی تھی۔ کہانی ختم ہوتے ہی وہ... میں مسکرائی تھی، اس پر شہزاد کو اپنی دھڑکنیں بے ترتیب... ہونے لگی تھی۔

"آپ نے جن مناظر کا ذکر کیا ہے، وہ آپ سے... ہی تعلق رکھتے ہیں۔" ڈاکٹر فلورنس نے پُرسکون انداز... ہُوئے شہزاد سے کہا۔ "اور ان مناظر کی آمد سے پتہ چلتا... کی یادداشت مکمل طور پر ضائع نہیں ہوئی۔ یہ ایک فا...

جوں جوں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ خود ہی ٹھیک ہو جائے گا۔"

"کتنا وقت ڈاکٹر؟" شہزاد نے بے چینی سے پوچھا۔

"ایک ماہ اور زیادہ سے زیادہ ایک سال۔"

"اوہ... لیکن میں ایک سال کی مدت کا متحمل نہیں ہو سکتا۔"

"یہ مدت حتمی تو نہیں ہے۔"

"حتمی نہ سہی، امکانی ہی سہی لیکن میں..."

"عام طور سے یادداشت کھو جانے کے سلسلے میں جو علاج کیا جاتا ہے، اُسے استعمال کرنا ممکن تو ہے لیکن میں سمجھتی ہُوں کہ فی الحال آپ کو ذہن میں چھپا جانے والے اندھیرے اور ان چنگاریوں پر قابو پانے کی کوشش کرنی چاہیے جو آپ کی موجودہ شخصیت کو پریشانیوں سے دوچار کر رہی ہیں۔ آپ سر دست تو یہی چاہتے ہیں، نا؟"

"ہاں... یہ تو ناگزیر ہے لیکن..."

"اس کے لیے میں آپ کو ادویات تجویز کر دیتی ہُوں۔" ڈاکٹر فلورنس بولی۔ "مجھے اُمید ہے کہ یہ صورتِ حال جلد ہی قابو میں آ سکتی ہے۔"

"اور یادداشت کی مکمل بحالی؟"

"اس کے لیے وقت کی ضرورت ہے۔"

"سُنا ہے، جن لوگوں کی یادداشت کسی چوٹ کی وجہ سے کھو جاتی ہے، انھیں اُسی مقام پر دوبارہ چوٹ لگ جائے تو یادداشت از خود واپس آ جاتی ہے۔" میگی نے مداخلت کی۔

"آپ کا خیال دُرست ہے لیکن اس کا تعلق اتفاقات سے ہے۔ محض اتفاق ہی سے اُس مقام پر چوٹ لگ جاتی ہے... تو یادداشت کا سلسلہ بحال ہو جاتا ہے۔" ڈاکٹر فلورنس نے مسکرا کر کہا۔

"ایسی صورت میں، ڈاکٹر! کیا یہ ممکن نہیں کہ اس حصّے کو از خود تلاش کر کے دوبارہ معمولی صدمے سے دوچار کر کے سسٹم بحال کر دیا جائے۔"

"کہنے کو تو یہ ایک سادہ سی بات ہے... لیکن مسٹر جانسن!" فلورنس براہ راست شہزاد کی طرف متوجہ ہو گئی۔ "کیا آپ یقین سے بتا سکتے ہیں کہ آپ کی کنپٹی پر کس مخصوص جگہ چوٹ لگی تھی؟"

شہزاد نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"تو پھر بتائیے۔"

شہزاد نے اپنی کنپٹی پر ایک جگہ انگلی رکھ دی اور پھر انگلی کی پور حرکت کرنے لگی حتیٰ کہ اس نے تقریباً تین انچ کے قریب اوپر اور نیچے حرکت کی جس پر ڈاکٹر فلورنس کھل کھلا کر ہنس پڑی۔ شہزاد دیکھا گیا۔

"کسی ایک جگہ انگلی رکھیے، مسٹر جانسن!"

شہزاد نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"نہیں۔ کسی ایک جگہ انگلی نہیں رکھی جا سکتی۔" اس نے کہا۔

"تو پھر آپ خود ہی بتائیے، جب آپ اس جگہ کا سُراغ نہیں بتا سکتے جسے چوٹ لگی ہے تو ہم کیسے بتا سکیں گے؟"

"کیا اس جگہ کا سُراغ لگانا آپ کے لیے ممکن نہیں ڈاکٹر؟"

"اگر ہے تو اس کا ذریعہ آپریشن ہے۔" ڈاکٹر فلورنس نے جواب دیا۔ "اور یہ آپریشن بھی خاصا پیچیدہ ہوتا ہے۔ عموماً ہم اس آپریشن کی اتنی جلدی ہامی نہیں بھرتے۔ چوٹ والی جگہ کا آپریشن کر کے ان تمام ریشوں کا جائزہ لیا جاتا ہے، جو براہ راست دماغ سے تعلق رکھتے ہیں اور یہ دیکھا جاتا ہے کہ ان میں سے کون سا ناکارہ ہو چکا ہے۔ اس ناکارہ ریشے کو درست کیا جاتا ہے۔ کیا آپ..."

"نہیں، نہیں۔" شہزاد نے جلدی سے کہا۔ "میں کوئی آپریشن نہیں کرانا چاہتا۔ آپ وہ دوائیں تجویز کر دیں جو میری ذہنی حالت میں کبھی بھار پیدا ہونے والی خرابی کو کنٹرول کر سکیں۔"

ڈاکٹر فلورنس نے چند ادویات لکھ دیں۔

شہزاد نے پرچہ اس کے ہاتھ سے لے لیا۔

معاً اس کے ننھے پٹھے کھنچنے لگے۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کا خوابیدہ احساس بیدار ہو رہا ہو۔ اُسے ایک عجیب سی بُو محسوس ہونے لگی تھی موت کی بُو... اس نے اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر اُس کی نگاہ اُس نسخے پر جم گئی جو اُسے ڈاکٹر فلورنس نے دیا تھا۔ شہزاد کی بھویں سکڑ گئیں۔

اس نے گہری نظر سے ڈاکٹر فلورنس کی طرف دیکھا۔

اُس کے ہونٹوں پر بڑی ہی خوشگوار اور صحت مند مسکراہٹ تھی۔

شہزاد حیران تھا کہ اُسے موت کی بُو کیوں محسوس ہو رہی ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ اس نسخے میں کارآمد ادویات کی بجائے کوئی ایسی دوا لکھ دی گئی ہو جو اس کی ہلاکت کا باعث بن جائے۔ یقیناً ڈاکٹر فلورنس کی اس حسین مسکراہٹ کی اوٹ میں اُس کی موت پر لگا یا جانے والا قہقہہ دبا ہُوا ہے۔ وہ جس انداز میں ڈاکٹر فلورنس کی طرف دیکھ رہا تھا، وہ انداز فلورنس کو شاید پسند نہیں آیا تھا کیونکہ اچانک ہی اس کی مسکراہٹ ختم ہو گئی اور اس کی جگہ بے پناہ سنجیدگی اور سختی نے لے لی۔

"کیا بات ہے، ڈارلنگ؟" میگی بھی چونک پڑی۔

"کچھ نہیں..." شہزاد نے کہا اور اُٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے نسخہ تہ کر کے اپنی جیب میں رکھ لیا تھا۔

ڈاکٹر فلورنس بھی اُٹھ گئی تھی۔

شہزاد نے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا... پھر اچانک ہی فلورنس کے ہاتھ کو جھٹکا لگا اور وہ میز پر آگے کی طرف جھک گئی۔ اس کے حلق سے ایک گھٹی گھٹی سی چیخ نکلی جو اچانک ہی دلدوز ہوگئی۔ شہزاد نے جلدی سے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔

خود اس کی آنکھیں بھی حیرت اور بے یقینی سے پھیل گئی تھیں۔

ڈاکٹر فلورنس میز پر اوندھی پڑی تھی اور اس کی پشت پر ایک خنجر پیوست ہوگیا تھا۔ اسی لمحے ایک فائر کی آواز سنائی دی۔

میگی کے حلق سے گھٹی گھٹی سی چیخ نکل گئی۔

وہ بھی پھٹی پھٹی آنکھوں سے ڈاکٹر فلورنس کی لاش کو گھور رہی تھی۔

شہزاد نے خنجر کے رُخ سے اندازہ لگایا کہ اسے کس طرف سے پھینکا گیا ہے۔ اس سمت میں دیکھتے ہوئے اُسے اچانک وہ روشن دان نظر آگیا۔ اس دوران وہ میگی کی طرف سے مطمئن ہوچکا تھا۔ رننگ فائر کی آواز اور میگی کی چیخ پر وہ یہی سمجھا تھا کہ میگی کا کام بھی تمام ہوچکا ہے... لیکن گولی میگی کی بجائے جسے لگی تھی اس کے خون کے چھینٹے روشن دان کے شیشوں پر بکھر رہے تھے۔

وہ کسی بچھڑ کے ہوئے چیتے کی طرح دروازے کی طرف لپکا۔ راہ داری میں پہنچتے ہی اُسے ایک شخص دوڑتا دکھائی دیا۔ شہزاد بھی راہ داری میں دوڑنے لگا۔ اس کی رفتار بے حد تیز تھی لیکن راہ داری کا چکر دار فاصلہ بہت زیادہ تھا اس لیے وہ جب تک باہر پہنچا، اُسے ایک کار اسٹارٹ ہوکر تیزی سے جاتی دکھائی دی۔

وہ دائیں ہاتھ کا گھونسہ ہائیں ہتھیلی پر مار کر کار کی طرف دیکھتا رہ گیا جو چک جھپکتے ہی نگاہوں سے اوجھل ہوگئی تھی۔ شہزاد تیزی سے دوڑتا ہوا واپس اسی کمرے کی طرف بڑھا جہاں وہ میگی کو چھوڑ آیا تھا۔ موت کی جو بُو اُسے محسوس ہوئی تھی، وہ یقیناً ڈاکٹر فلورنس ہی کی موت سے متعلق تھی لیکن ایک لمحہ قبل شہزاد کو ایک عجیب سا احساس ہوا۔ وہ اپنی سیٹ سے فوراً ہی اُٹھ کھڑا ہوا تھا اور ڈاکٹر فلورنس کا ہاتھ چھپنے کے لیے اس نے خود کو عقب میں جھکایا تھا۔ نہ جانے کیوں بار بار اُسے یہ محسوس ہو رہا تھا کہ ڈاکٹر فلورنس بے گناہ ماری گئی ہے۔

وہ خنجر ڈاکٹر فلورنس کی بجائے خود اس کے لیے پھینکا گیا تھا لیکن خنجر پھینکنے والے کو گولی کس نے ماردی؟

یہ سوال اس کے ذہن میں تیزی سے گردش کرنے لگا تھا جس کسی نے بھی خنجر پھینکنے والے کو قتل کیا تھا، وہ یقیناً اس کا ہمدرد رہا ہوگا ورنہ اُسے قاتل کو ہلاک کرنے کی کیا ضرورت تھی؟

... لیکن اگر وہ کوئی ہمدرد تھا تو اس طرح بھاگ کیوں نکلا؟

شہزاد کا ذہن ایک بار پھر بُری طرح اُلجھنے لگا۔

میگی ابھی تک ڈاکٹر فلورنس کی لاش گھور رہی تھی۔ شہزاد نے فلورنس کی کلائی تھام کر نبض ٹٹولی اور سر کو منفی جنبش دیتے ہوئے خنجر کا جائزہ لینے لگا... پھر خنجر کے دستے پر نگاہ پڑتے ہی وہ چونک پڑا۔

اس قسم کے خنجر وہ پہلے بھی دیکھ چکا تھا۔

یکایک اس کے ذہن پر اُسی تاریکی نے حملہ کر دیا جو اس کی جسمانی طاقتوں کو بھی سلب کر لیتی تھی۔ اس اندھیرے میں جگنو سے چمکنے لگیں اور وہ ایک سیاہ ہاتھ دیکھنے لگا جو ایک کار کی کھڑکی سے جھانک رہا تھا اور اس میں ایک سیاہ نال دبی ہوئی تھی۔ شہزاد نے سر جھٹکا۔

"جانسن..." جانسن؟ اُسے میگی کی آواز کہیں دُور سے آتی سُنائی دی وہ ایک بار پھر سر جھٹک کر رہ گیا لیکن ذہنی تاریکی نہیں چھٹ سکی۔ اس کی حالت سُدھرنے میں چند منٹ لگ گئے۔

"جانسن...؟ اس بار میگی کی آواز خاصی بلند تھی۔

شہزاد نے آنکھیں کھول دیں۔ میگی اُس کا ہاتھ تھام کر دروازے کی طرف کھینچ رہی تھی۔ وہ اس کے ساتھ دروازے کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

فون کی گھنٹی تیز آواز میں بجنے لگی۔

"جانسن!" اس نے بگڑے ہوئے لہجے میں کہا۔

"میں ہیڈ ویٹر بول رہا ہوں، جناب!"

"اوہ..." شہزاد کا لہجہ یکایک بدل گیا۔ اس ویٹر نے اُس نے اُوشان کے سلسلے میں بات کی تھی اور اُسے بھاگنے پر اُکسا دینے کے بعد اس بات پر آمادہ کر لیا تھا کہ اُوشان جیسے ہی اپنے کمرے میں آئے، اُسے اطلاع دے دے۔

"وہ اس وقت اپنے کمرے میں موجود ہے؟" ہیڈ ویٹر کی آواز دھیمی تھی۔ "آپ نے کہا تھا، نا جب وہ اپنے کمرے میں

"ہاں! ہاں۔ میں سمجھ گیا۔" شہزاد نے جلدی سے کہا۔ "میں چاہتا تھا کہ دیئر اُوشان کا نام فون پر پکارے"

"میں نے تمہیں ایک اور نام بھی بتایا تھا؟"

"مجھے یاد ہے، جناب! شمس..."

"ہاں! ہاں۔" شہزاد جلدی سے بول اُٹھا اور ہیڈ ویٹر کی زبان سے شہزاد کا نام فون پر مکمل نہ ہوسکا۔ یہی شہزاد کی خواہش تھی۔ "کیا وہ ابھی تک نہیں آیا؟"

"جی نہیں! وہ نہیں آیا۔" ہیڈ ویٹر نے جواب دیا۔

"نہ جانے یہ اُلّو کا پٹھا کہاں مر گیا۔" شہزاد بڑبڑایا۔

"کیا فرمایا، جناب؟"

"کچھ نہیں۔ میں کچھ سوچ رہا تھا۔" شہزاد نے جلدی سے کہا۔ "تم سنبھال لو۔ اس نام کا کوئی بھی شخص ہوٹل میں مقیم نہیں؟"

"جی نہیں۔" ہیڈ ویٹر نے جواب دیا۔

"بہرحال جو موجود ہے، اس کا نمبر بتاؤ۔"

"دو... پانچ... دو... سات۔"

"گڈ..." شہزاد نے تعریف کی۔ ہیڈ ویٹر نے اس کی زبان سے اندازہ لگایا تھا کہ وہ نہ تو کسی کا نام فون پر استعمال کرنا چاہتا ہے اور نہ ہی کمرہ نمبر زبان سے ادا ہونا چاہیے۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے اُوشان کا کمرہ نمبر اس انداز میں بتایا تھا، جیسے وہ کسی کا فون نمبر بتا رہا ہو۔

"آج تم میرے ہاتھوں سے بچ کر کہیں نہیں جا سکتے۔" اُوشان نے خود کلامی کے انداز میں کہا۔

سلسلہ منقطع کرنے کے بعد اس نے ریوالور چیک کیا۔ پھر خنجر اٹھا لا اور کمرے سے نکل کر دروازہ لاک کرتا ہوا راہ داری میں چلنے لگا۔

اس کا ذہن پُرسکون تھا۔

دل میں ہلکی سی بے چینی ضرور تھی لیکن اس کا وہ مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ ڈاکٹر نے اُسے یقین دلایا تھا کہ وہ ایک ہفتے کے اندر اندر اپنی شخصیت کے بارے میں بیشتر باتیں یاد کرنے میں کامیاب ہوجائے گا۔ اس ایک ہفتے تک وہ کوئی کام نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن تیمراف نے اُسے بڑی سختی سے بتایا تھا کہ شہزاد نہیں ملتا تو اس کا خیال فی الحال ذہن سے نکال دے ورنہ اُسے کئی الفور قتل کرنے پڑ رہے تھے جس کی وجہ اُسے کافی نقصانات

بوڑھے اُوشان کا چہرہ اُس کے ذہن میں گھومنے لگا۔

اُسی لمحے شہزاد کو وہ منظر بھی یاد آگیا جسے دیکھ کر اُسے بے پناہ غصہ آیا تھا۔ میگی کو اُوشان نے جس انداز میں شانوں سے اُٹھا لٹکایا تھا، اسے یاد کر کے شہزاد کی کنپٹیاں سُلگ رہی تھیں... لیکن وہ خود پر قابو رکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

راہ داری میں چلتے چلتے وہ سوچ رہا تھا کہ اس بوڑھے کو ٹھکانے لگانا مناسب ہوگا یا نہیں؟ وہ اُسے اور تیمراف کو ایک ساتھ ٹھکانے لگانے کا خواہش مند تھا لیکن شہزاد غائب تھا۔ اس نے سوچا کہ وہ ابھی تک کیوں نہیں آیا؟ وہ سوچتا اور اُلجھتا ہوا اُوشان کے کمرے کی طرف بڑھتا رہا۔ اس نے فیصلہ کر لیا کہ اگر بوڑھے کی صورت دکھائی دینے تک اُسے کوئی اچھا بہانہ نہیں سوجھا تو وہ اُوشان کو تنہا ہی قتل کر دے گا... اور جب شہزاد سامنے آئے گا تو اس سے بھی نمٹ لے گا۔

وہ کمرہ نمبر ۲۵۲ کے سامنے رُک گیا۔

یہ وہی کمرہ تھا جس میں اُوشان، مسٹر پارک کے نام سے مقیم تھا۔ شہزاد نے رُک کر ادھر ادھر دیکھا۔ راہ داری ویران پڑی تھی۔ اس نے کمرے کے اندر سے کسی آواز کو سُننے کی کوشش کی تو ایک دھیمی سی آواز اس کی سماعت سے ٹکرانے لگی۔

آواز تھی جسے سُن کر شہزاد کے ہونٹوں پر زہر خند نے جنم لے لیا۔

اُوشان اندر موجود تھا اور وہ اس کے گنگنانے کی دھیمی گنگناہٹ کی آواز باہر راہ داری میں یُوں سنائی دے رہی تھی جیسے کمرے میں شہد کی کوئی مکھی بھنبھنا رہی ہو۔

وہ کچھ دیر دروازے کے سامنے کھڑا گنگنانے کی یہ آواز سُنتا رہا۔ اس کا ہاتھ آہستہ آہستہ دروازے کے لٹو پر جم گیا۔ اس نے لٹو کو گھمایا۔

لٹو آسانی سے اس کی گرفت میں گھوم گیا۔

دروازہ اندر سے مقفل نہیں تھا۔

شہزاد نے دروازے کا لٹو پورا گھما دیا اور کواڑ دھکیل کر اُسے کھول دیا۔ دروازے میں کھڑے کھڑے اس نے کمرے کا جائزہ لیا اور پھر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیل گئی۔

بستر کے قریب قالین پر گھٹنوں کے بل بیٹھا ہوا اُوشان اس کے سامنے تھا۔ اُس کی پشت شہزاد کی طرف تھی۔ پشت کے باوجود اُسے دیکھ کر یہ اندازہ لگانا کوئی مشکل کام نہیں تھا کہ اُوشان بے حد بُوڑھا اور ناتواں ہے... ایک ایسا بوڑھا

جسے دیکھتے ہی یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ وہ محض چند گھڑیوں کا مہمان ہے۔

... لیکن شہزاد کو اس کے بارے میں کوئی غلط فہمی نہیں تھی۔ یہی ناتواں اور لب گور بوڑھا اُسے تگنی کا ناچ نچا چکا تھا۔ اس کی طاقت کا مظاہرہ اُس نے گلاس توڑنے سے ہی نہیں اُس واقعے سے بھی لگایا تھا جو جیلر کی کو اُس کے کمرے کے باتھ رُوم میں پیش آیا تھا۔

شہزاد نے دروازہ بے حد آہستگی سے کھولا تھا۔ ذرا سی بھی آواز پیدا نہیں ہوئی تھی۔

وہ دروازے میں کھڑا اپنے حریف کو گھورتا رہا جس کی پشت دروازے کی جانب تھی اور وہ ابھی تک شہزاد کی آمد سے بے خبر تھا۔ شہزاد نے اس کے وجود کا اندازہ لگایا۔ وہ بمشکل ایک مسو پونڈ وزنی رہا ہوگا اور اس کی عمر کسی طرح بھی اسّی سال سے کم نہیں تھی۔ اُسی لمحے شہزاد کو اپنا ارادہ یاد آگیا کہ اگر بوڑھے کو زندہ رکھنے کا کوئی معقول بہانہ سمجھ میں نہ آیا تو وہ اُسے ٹھکانے لگا دے گا۔

شہزاد نے جس خاموشی سے دروازہ کھولا تھا، اُسی طرح بے آواز اپنے عقب میں بند بھی کر دیا۔

اس کی نگاہ اُدشان پر جمی ہوئی تھی۔

اُدشان گھٹنوں کے بل تالین پر کہنیوں بیٹھا ہوا تھا کہ اس کے دونوں ہاتھ اپنی گود میں رکھے ہوئے تھے۔ اس کا سر عقب میں خفیف سا جھکا ہوا تھا جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ اپنے کمرے کی سامنے والی کھڑکی سے باہر گھورنے میں مصروف ہے۔ اس انہماک کی وجہ سے وہ ابھی تک شہزاد کی آمد سے۔ ۔ ۔ ۔ آگاہ نہیں ہوا تھا۔ ۔ ۔ لیکن یہ صرف شہزاد کی قیاس آرائی تھی جو غلط بھی ثابت ہو سکتی تھی۔

شہزاد نے جب دیکھا کہ وہ اب بھی اس کی طرف متوجہ نہیں ہوا تو اس نے دایاں پاؤں فرش پر مارا۔ خامی آواز پیدا ہوئی لیکن اوشان کے جسم میں ذرا سی بھی حرکت پیدا نہیں ہوئی۔ وہ جس انداز میں بیٹھا تھا، اُسی طرح براجمان رہا۔

شہزاد نے دُوسری بار پاؤں پٹخا۔

اس مرتبہ بھی اُدشان کا جسم بے حس و حرکت رہا۔ اس نے کسی بھی طرح یہ ظاہر نہیں کیا کہ شہزاد کی پیدا کی ہوئی آواز اس کے کانوں تک پہنچ گئی ہے۔ شہزاد کو فوری طور پر تو یہی نتیجہ نکلا کہ بوڑھا اس کے ہاتھوں ہلاک ہونے کی بجائے خود ہی انتقال کر گیا ہے... لیکن اگلے ہی لمحے اُسے یاد آیا ایک دو لمحے قبل وہ اس کی گنگناہٹ سُن چکا ہے۔

"اُدشان عرف مسٹر پارک!" اس نے سخت لہ

جواباً اُدشان آہستہ آہستہ فرش سے اُٹھنے لگا۔

اس کے اُٹھنے کا انداز اتنا خوبصورت تھا کہ شہ بھر کے لیے خود فراموشی کا شکار ہو گیا۔ اتنا وقار، اتنا سکو اس قدر شاندار حرکت اُس نے پہلے کبھی کسی جسم میں

تھی۔ یوں لگ رہا تھا۔ جیسے کوئی ناگ آہستہ آہستہ اپنے کھولتا ہوا پھن اُٹھا رہا ہو۔

تالین سے اُٹھتے وقت بھی اُدشان کی اس کی طر پشت ہی رہی لیکن پیروں پر خود کو متوازن کرتے ہ آہستہ آہستہ گھوم گیا۔ اب وہ براہِ راست شہزاد ہی کی ط دیکھ رہا تھا۔

اس کا سنجیدہ چہرہ یکایک مسکراہٹ سے غیر سنجید اس مسکراہٹ میں کتنا سکون تھا۔ کتنی طمانیت تھی۔ یو رہا تھا جیسے وہ اپنے کسی جانی دشمن کو نہیں بلکہ کسی جگری کو دیکھ رہا ہو۔ اس نے ابھی تک لب کشائی نہیں کی تھی

"تمہارا شاگرد کہاں ہے؟" شہزاد نے پوچھا۔

اُدشان نے عجیب سے انداز میں کندھے اچکا

"سُدھر جاؤ بوڑھے!" شہزاد کی کنپٹیاں ایک دم سے سُلگ اُٹھیں۔ "موت تمہارے سر پر پہنچ چکی ہے!"

مسخرہ پن دکھانے کی بجائے، بتاؤ شہزاد کہاں ہے؟"

اُدشان کی آنکھوں میں ایک لمحے کے لیے بے یقی نظر آیا اور پھر اُس کی جگہ کرب کی ہلکی سی علامت نے

وہ شہزاد کو دیکھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ یہ احمق اپنی ذات کے بارے میں کس انداز سے پُرچھ رہا ہے۔ اُ جانتا تھا کہ شہزاد ٹائیگر اُسے کس قدر محترم خیال کرتا بلکہ کرتا تھا اور اب وہ اُس سے جس انداز میں مخاطب اس انداز میں تو اُسے مذاق میں بھی کچھ کہنے کی کبھی جرأت ہوئی تھی۔ یہ محسوس کرتے ہی اس کی مغتصبی بھویں کمان

"قسم سنانجو کے اُستادِ عظیم سے اس انداز میں کرنے کی جرأت کر رہے ہو، لڑکے؟" اُدشان کا لہجہ عجیب تھا۔

"سنانجو..." شہزاد نے حیرت سے دُہرایا۔ اس نے ذہن پر زور ڈالا لیکن یہ نام اس کے لیے

ہی رہا۔

"یہ سنانجو کیا بلا ہے؟" اس نے مُسکرا کر کہا۔ "غالباً تم فرمانجو جیسے فرضی کردار کا حوالہ دینا چاہتے ہو اور نام بھول کر سنانجو کہہ رہے ہو۔"

اُدشان کے چہرے پر غصے کی پہلی جھلک نمودار ہوئی۔

وہ بہت غور سے شہزاد کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کے دل و دماغ میں عجیب سی جنگ ہو رہی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ شہزاد کے اس سوال کا جواب غصے سے دے یا خاموش ہی رہے... پھر اس نے انتظار کرنے کا ارادہ کر کے ہونٹ سختی سے بھینچ لیے۔

شہزاد نے ایک قدم اُٹھایا۔

اس نے یہ حرکت اپنے پنجوں کے بل پر کی تھی۔ اس کی ایڑیاں فرش سے ایک انچ اٹھی ہوئی تھیں۔ اس کا پورا جسم پنجوں پر متوازن تھا اور اس نے پُروقار اور ماہرانہ انداز میں ایک قدم بڑھایا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ پہلوؤں میں ڈھیلے ڈھالے انداز میں جھول رہے تھے اور ان کا جھکاؤ خفیف سا اپنے کولہوں کی طرف تھا۔ اُدشان کی آنکھیں غیر متحرک تھیں اور وہ شہزاد کو سر سے پاؤں تک بغور دیکھ رہا تھا۔ اس نے سمجھ لیا تھا کہ شہزاد اس پر حملہ کرنے کا ارادہ کر چکا ہے اور اس کی آزمائش بھی کر دانستگی ہی میں سہی لیکن شہزاد ٹائیگر اُس پر حملہ نہ کرے۔

اس کا شمار اُس کے دشمن بنا سامنے کھڑا تھا۔

اس کی تخلیق بغاوت پر آمادہ تھی۔

ٹائیگر اس کی زندگی بھر کی محنت کا نچوڑ تھا اور وہ اس انداز میں سامنے مُڑا تھا جیسے اُس نے اُدشان کو کبھی خواب میں بھی نہ دیکھا ہو۔ زندگی بھر کی کمائی اس کے لیے اجنبی بن گئی تھی۔ ہائے دُکھ کے! وشان کا دل تڑپ اٹھا اور اس نے ایک کسک سی محسوس کی جس نے اُس کے پُورے وجود پر لحاظ بلکہ اٹ طاری کر دی۔

... لیکن وہ اس صدی کا ماسٹر تھا اور سنانجو کی شمشیر کا آقا تھا۔ اُسے بڑے بے پناہ تجربت تھی۔ وہ اُسے اور خود کو ایک جان دو قالب سمجھتا تھا۔ اُسے ابھی طرح احساس تھا کہ جسم مرجھا ہے تو رُوح الگ ہو جاتی ہے۔ اور آج رُوح اور جسم ایک دُوسرے کی مخالفت میں آمنے سامنے کھڑے ہ۔ اُدشان کو احساس تھا کہ اگر ٹائیگر حملہ آور ہوا تو سنانجو کی شمشیر کا آقا تہ جائے گا... اور اس جیت کا صاف مطلب تھا شہزاد کی موت... ہ کی تباہی... اور اس کے دل کا وہ گوشہ بھی اس کے ساتھ ہی تباہ ہو ئے گا جہاں شہزاد ٹائیگر کی محبت تھی۔

محبت مر جائے گی۔ لحنت جگر پارہ پارہ ہو جائے گا۔

تخلیق خالق کے ہاتھوں فنا ہو جائے گی۔

وہ اپنا دل اپنی ہی مٹھی میں دبا کر توڑ پھوڑ ڈالے گا کیونکہ ٹائیگر کے ہاتھوں سنانجو کی موت کا مطلب تھا دُنیا کی تباہی۔ اگر اُدشان مر گیا تو ٹائیگر آزاد ہو جائے گا۔ تب دُنیا کی تباہی بچ جاتی ہے جیسے جنگل کا شیر کسی شہر میں آزاد گھوم رہا ہو، اُدشان کو اچھی طرح احساس تھا کہ اُس کے لیے ٹائیگر کو ہلاک کرنا کس قدر ضروری ہے۔ وہ اسے تباہی کا پیغامبر سمجھ کر دُنیا میں زندہ نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ ٹائیگر کی موت صرف اسی کے ہاتھوں ممکن تھی۔ خالق ہی اپنی تخلیق کو ختم کر سکتا تھا۔ اُدشان نے تہیہ کر لیا کہ اگر شہزاد اس کے ہاتھوں ہلاک ہو گیا تو وہ کبھی اس جیسی کوئی اور تخلیق نہیں کرے گا بشرطیکہ شہزاد کی ہلاکت کے بعد وہ خود بھی زندہ رہ گیا تو...

شہزاد کی آنکھیں اُدشان کی آنکھوں میں گڑی ہوئی تھیں اور وہ اس کا گہری نظر سے جائزہ لے رہا تھا۔ وہ ان احساسات اور طوفانوں سے بے خبر تھا جو اُدشان کے دل میں اُٹھ رہے تھے۔ اس کا ذہن کہہ رہا تھا کہ اب اُسے آگے بڑھ کر اس بوڑھے کا کام تمام کر دینا چاہیے۔ صرف ایک ہی بار ہاتھ کو حرکت دینے کی ضرورت تھی... اور اس کے بعد یہ بوڑھا وجود ہمیشہ کے لیے نجات حاصل کر جائے گا لیکن دل آمادہ نہیں ہو رہا تھا۔ وہ صاف دیکھ رہا تھا کہ اُس کے سامنے کھڑے ہوئے شخص کی عمر کسی طرح بھی اسّی سال سے کم نہیں اور وہ ایک ناتواں بوڑھا ہے۔ اس کے مقابلے میں جسمانی طور پر بے حد مختصر ہے۔ وہ طاقت ور ہے اور صرف ایک ہی ضرب میں اس بوڑھے کو ناقابلِ شناخت لاش میں بدل سکتا ہے... لیکن وہ ایسا نہیں کر سکا۔ کسی ایسے بوڑھے پر اسے ہاتھ نہیں اُٹھانا چاہیے۔

اچانک اسے ایک کہاوت یاد آگئی۔

یہ کہاوت اس نے کس سے اور کہاں سُنی تھی، یہ تو اُسے یاد نہ آسکا لیکن کوئی اس کے دل کی گہرائی میں بیٹھا بول رہا تھا۔

"کبھی کسی کو کمزور نہ سمجھو۔ ہمیشہ بانس کو ذہن میں رکھو جو دیکھنے میں کمزور اور پتلا دکھائی دیتا ہے لیکن جب آندھی چلتی ہے تو بڑے بڑے درخت جڑ سے اکھڑ کر زمین بوس ہو جاتے ہیں تب بھی بانس نہیں ٹوٹتا۔ وہ کیونکر آندھیوں سے طاقت ور ہی نبرد آزما ہو سکتا ہے۔"

یہ بوڑھا جو میرے سامنے کھڑا ہے، اس کی مثال بھی بانس جیسی ہے وہ اس کے کمالات اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا تھا۔ اچانک اُسے احساس ہوا کہ بوڑھا کمزور نہیں ہے۔ اس کی سُوکھی ہوئی بانہوں میں کسی ہاتھی کی سُونڈ جیسی طاقت لہریں مار رہی ہے۔ اُس نے اُدشان کی آنکھوں میں یہی محسوس کر لیا کہ خود اُسے بھی اس بے پناہ توانائی کا احساس اور یقین ہے۔ شہزاد

کو ایک اور بھی احساس ہُوا کہ اس بُوڑھے سے ہونے والی فائٹ ایک یادگار ہوگی بشرطیکہ وہ زندہ رہا۔

"زندہ رہا؟" اس نے حیرت سے سوچا۔ "یہ خیال میرے ذہن میں کہیں آیا ہی نہ جانے کیوں اُسے بار بار یہ احساس ہونے لگا تھا کہ اگر اُوشان سے فائٹ ہُوئی تو وہ ہلاک ہو جائے گا۔ اس نے اس احساس سے پیچھا چھڑانے کے لیے ذہن سے ہر خیال جھٹک دیا اور حملہ کرنے کے لیے تیار ہو گیا۔ لیکن اُسی لمحے عقب میں دروازہ ایک دھماکے سے کھُل گیا اور شور سن کر شہزاد تیزی سے پلٹ گیا۔ اس نے یہ خیال بھی نہ کیا کہ اُس کی پُشت اُوشان کی طرف ہو گئی ہے۔

وہ تو حیرت اور بے یقینی سے دروازے کی طرف دیکھ رہا تھا... دروازے کے فریم میں جو شخصیت تھی اس کے ہاتھ میں ریوالور تھا اور اس کی نال شہزاد کی طرف اٹھی ہُوئی تھی۔

❸❹

ٹائیگر کی آنکھیں ساکت تھیں۔

وہ پلکیں جھپکائے بغیر اُس شخصیت کو گھُور رہا تھا جو دروازے کے فریم میں کسی ایسے مجسمے کی طرح کھڑی تھی، جس میں زندگی کی لہر دوڑ گئی ہو۔ اس کے ہاتھ میں چھوٹا سا آٹومیٹک تھا جس کی نال ٹائیگر کے سینے کی طرف اٹھی ہُوئی تھی۔

شہزاد نے پلٹ کر عقب میں دیکھا۔

اس کا خیال تھا کہ اُوشان اس بار بھی پہلے کی طرح عقبی کھڑکی سے فرار ہو جائے گا لیکن ایسا نہیں ہُوا۔ وہ نہ صرف موجود تھا بلکہ اس کی آنکھیں بھی دروازے میں موجود شخصیت پر جمی ہُوئی تھیں۔

وہ ذرا بھی خوف زدہ نظر نہیں آ رہا تھا۔

شہزاد کے ذہن میں اچانک ہی تاریکی پھیلنے لگی۔

اُس نے آنکھیں بند کر لیں۔ پُوری قوت صرف کر کے اُس نے ذہن پر مسلط ہو جانے والی یہ تاریکی ختم کر دینے کی کوشش کی۔ اُس نے حال ہی میں جو دو ائیں استعمال کی تھیں، ان سے اُسے کچھ افاقہ ہُوا تھا لیکن یہ اندھیرا اُسے حال سے بے نیاز کر دیتا تھا... اور اس وقت وہ حال کے ایک ایسے مرحلے میں تھا، جہاں ذرا سی بے پروائی اس کے لیے ہلاکت کا باعث بھی بن سکتی تھی۔

ذہنی قوت کو جس انداز میں وہ اب استعمال کر رہا تھا، ایسا کرنا اس کے لیے عجیب سا تجربہ تھا... لیکن اُسے یہ محسوس کر کے بے حد خوشی ہُوئی کہ وہ ناکام نہیں رہا ہے۔

ذہن سے تاریکی کا پردہ فوراً ہی ہٹ گیا۔

وہ چنگاریاں سی نہیں پھُوٹی تھیں، جو ماضی کا کوئی نہ کوئی منظر اس کے تاریک ذہن میں اُجاگر کر دیتی تھیں اور اس کے ساتھ ہی اس کی جسمانی قوت بھی سلب ہو جاتی تھی۔

آنکھیں کھولتے ہی اُس نے دروازے کی طرف دیکھا۔

وہ شخصیت اب بھی سامنے موجود تھی۔ ریوالور کی نال کا رُخ اب بھی اُس کے سینے کی طرف تھا۔ وہ نیلے لباس میں بے حد حسین نظر آ رہی تھی۔ شہزاد ایک جھٹکے سے آگے بڑھا اور اُس کے دونوں ہاتھوں سے مِیگی کے کندھے تھام کر سخت لہجے میں کہا۔

"میں نے تمھیں انتظار کرنے کے لیے کہا تھا۔"

"لیکن میں، تمھارے لیے فکر مند ہو گئی تھی۔"

"کسی فکر میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہیں۔" ٹائیگر نے حلق سے غراہٹ نکل گئی۔ "فوراً اپنے کمرے میں واپس جاؤ۔"

"لیکن جانسن..."

شہزاد نے اس کا احتجاج نظر انداز کر دیا اور اُسے کمرے سے باہر دھکیل کر دروازہ ایک دھماکے سے بند کر دیا۔ مِیگی کی خلاف توقع آمد نے اس کا موڈ خراب کر دیا تھا لیکن نہ جانے کیوں اُسے مِیگی کی مداخلت دِل سے پسند آئی تھی۔ اس کا ذہن متضاد خیالات کا آماجگاہ بن گیا تھا۔ خیالوں کا ایک ریلا اُسے مجبور کر رہا تھا کہ وہ اُوشان کو قتل کر دے... لیکن دوسرا ریلا یہ خیال بہالے جاتا تھا کہ اس کے دِل میں خوف کے تاثرات بھر دیتا۔ تب اس کے ذہن کی وہ کہاوت گھُوم جاتی کہ کسی کو کمزور نہ سمجھو اور ہمیشہ بانس کو ذہن میں رکھو جو دیکھنے میں کمزور اور پتلا ہوتا ہے لیکن جب آندھی چلتی ہے تو بڑے بڑے تن آور درخت اُکھڑ کر زمین بوس ہو جاتے ہیں، تب بھی بانس نہیں ٹوٹتا۔ وہ باقی رہتا ہے... اور اس کی بقا ظاہر کرتی ہے کہ وہ طاقت ور ہوتا ہے۔ صرف طاقت ور ہی طوفانوں کا مقابلہ کرنے کے بعد باقی رہتے ہیں اور بقا صرف انھی کا مقدر ہوتی ہے جن کا وجود توانائیوں کا خزانہ ہوتا ہے۔

دروازہ بند ہوتے ہی وہ اُوشان کی طرف پلٹا۔

"تم نے مجھ پر پُشت سے کیوں حملہ نہیں کیا؟" اس نے اُوشان کی آنکھوں میں دیکھتے ہُوئے عجیب سے لہجے میں سوال کیا۔

"مجھے لفظ پُشت سے نفرت ہے۔" اُوشان بڑبڑایا۔ "اس لیے نہ تو میں پُشت دِکھاتا ہوں اور نہ ہی پُشت سے حملہ کرنا پسند کرتا ہُوں۔"

شہزاد نے پلکیں جھپکائیں۔

بُوڑھا بے حد نڈر نظر آ رہا تھا۔

وہ کسی بے حرکت مجسمے کی طرح استادہ تھا اور انتظار کر رہا تھا۔ اس کے ہونٹوں کے گوشے پھڑک رہے تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے بے ساختہ قسم کی مُسکراہٹیں دبانے کی کوشش کر رہا ہو۔

نہ جانے کیوں شہزاد کے دِل میں اس بُوڑھے کے لیے یکایک ہمدردی کے جذبات پیدا ہو گئے۔ وہ بے پناہ بوڑھا تھا۔ بے حد کمزور لگتا تھا اور اس کے جسم کو کسی تنکے سے تشبیہ دی جا سکتی تھی۔ ایک ایسا تنکا جسے شہزاد محض دو اُنگلیوں میں دبا کر چٹخا سکتا تھا۔

اس نے اچانک ہی ایک فیصلہ کر لیا۔

"ٹھیک ہے، بڑے میاں۔" شہزاد نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "تم میرے ساتھ چل رہے ہو۔"

"اور ہم کہاں جا رہے ہیں؟" اُوشان نے دھیمی آواز میں پوچھا۔

"اس سے تمھیں کوئی دِل چسپی نہیں ہونی چاہیے۔" شہزاد یکایک جھلا گیا۔ "تمھارا دوست شہزاد جب تمھیں تلاش کرتا ہُوا یہاں پہنچے گا تو یہ یقین ہے، وہ وہاں ضرور آنے کی کوشش کرے گا، جہاں میں تمھیں لے جا رہا ہُوں... پھر میں تم دونوں سے ایک ساتھ نمٹ لوں گا۔"

"ایسا کبھی نہیں ہو گا۔"

"میں تمھیں دِکھا دوں گا کہ ایسا ہی ہو گا۔"

"تم ہمیشہ سے بڑے منطقی ذہن کے مالک رہے ہو۔" اُوشان کے لہجے میں پیار اُمڈ آیا۔ اس کے لبوں پر ایسی مُسکراہٹ اُبھر آئی جو کسی بزرگ کے ہونٹوں پر اس وقت اُبھرتی ہے، جب وہ کسی شریر بچے کی لاف و گزاف سے محظوظ ہو رہا ہو۔

اُوشان کے ذہن میں بھی اس وقت طوفان اُٹھ رہا تھا۔

وہ جانتا تھا کہ اس کے سامنے جو نوجوان کھڑا اپنی طاقت کے گھمنڈ میں بول رہا ہے، یہ شہزاد ہی ہے... لیکن اس کی شخصیت میں کوئی ناقابلِ فہم تبدیلی پیدا ہو گئی ہے۔ ایک ایسی تبدیلی جس نے اس سے اپنے اُستاد کی پہچان تک چھین لی ہے۔ تب ہی اُوشان کے ذہن میں آسمانی کتاب کی ایک آیت گھُوم گئی۔ وہی آیت، جس کے مطابق خُدا نے حضرت ابراہیمؑ کو حکم دیا تھا کہ وہ اپنے لختِ جگر کو قربان کر دے۔ اُوشان سوچ رہا تھا کہ یقیناً حضرت ابراہیمؑ کے ذہن میں بھی اس وقت ایسے ہی طوفان اُٹھ رہے ہوں گے۔ اپنے جگر گوشے کو اپنے ہاتھوں ذبح کرنا کوئی آسان کام نہیں تھا... لیکن حضرت ابراہیمؑ نے ایسا کیا تھا۔ خُدائے بزرگ و برتر نے اُسے جس امتحان میں ڈالا تھا، وہ اُس سے سُرخ رُو ہو کر حیاتِ ابدی پا گیا تھا... اس وقت خود اُوشان بھی اُسی نقشِ پا پر کھڑا تھا، اس کے سامنے جو نوجوان تھا، اس کی موت، اس کے ہاتھوں مقدر ہو رہی تھی اور وہ اس امتحان میں ناکامی سے دوچار نہیں ہونا چاہتا تھا۔

ٹائیگر کو زندہ چھوڑنے کا مطلب تھا، انسانوں کی بستی میں کسی درندے کو آزاد چھوڑ دیا جائے... وہ ٹائیگر کو نیست و نابود کرنے کے لیے تیار تھا لیکن اس سے پہلے اُوشان نے صدقِ دل سے دُعائیں مانگی تھیں کہ اُسے ٹائیگر کو ہلاک نہ کرنا پڑے... اور پھر خُدا نے بالآخر اُس کی دُعا قبول کر لی تھی۔ مِیگی کی آمد سے وہ مرحلہ ٹل گیا تھا، جب اُسے شہزاد پر ہلاکت خیز حملہ کرنا تھا۔ مِیگی کے جانے کے بعد شہزاد کے ذہن سے بھی اس پر حملہ کرنے کا ارادہ نکل گیا تھا اس لیے اُوشان کو اُس پر حملہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔

وہ اُسے اپنے ساتھ کہیں لے جانا چاہتا تھا... اور اُوشان اس کے ساتھ ہر جگہ جانے پر آمادہ تھا۔ وہ اُسے قتل کرنے کے علاوہ ہر قدم اُٹھانے کے لیے تیار تھا۔ اُسے جتنی بھی مہلت مل سکتی تھی، وہ اس سے استفادہ کرنا چاہتا تھا... اور یہ مہلت اُسے قدرت نے اُن دُعاؤں کی قبولیت کی صورت میں دی تھی، جنھیں اس نے دل کے خون اور آنسوؤں کی آمیزش کے ساتھ تھرتھراتی ہُوئی ٹوٹی زبان سے بلکھ کر اپنی دِلدوز آہوں کے دوش پر خُدا کے حضور بھیجا تھا۔

اچانک فون کی گھنٹی بجنے لگی۔

شہزاد نے چونک کر انسٹرومنٹ کی طرف دیکھا۔ اُوشان نے فون کی طرف دیکھنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی تھی۔ وہ تو گہری نگاہ سے ٹائیگر کی جانب دیکھ رہا تھا۔

ٹائیگر آہستہ آہستہ چلتا ہُوا فون کے قریب گیا اور اس نے ایک جھٹکے سے ریسیور اُٹھا لیا۔ "ہیلو..." اس نے غراتی ہُوئی آواز میں کہا۔ اس کا دِل شدت سے دھڑکنے لگا۔ اس کا خیال تھا کہ یہ کال اُوشان کے اُسی ساتھی شہزاد نے کی ہے جس کی تلاش میں وہ بے حد متفکر اور بے چین ہو رہا تھا۔

"ہیلو، اُوشان..." دوسری طرف سے ایک بھرائی ہُوئی آواز سُنائی دی۔

"یہاں اس نام کا کوئی آدمی نہیں رہتا۔" شہزاد نے مُسکرا کر کہا۔ "یہ ایک اسّی سالہ بوڑھے، مسٹر پارک کا کمرہ ہے۔"

"اوہ! مسٹر پارک ہی سے بلوا دو۔"

"گویا تم اسّی سالہ بوڑھوں کے علاوہ کسی سے بات کرنا پسند نہیں کرتے۔" اس نے بدستور مُسکراتے ہُوئے کہا۔ "تم کون ہو؟"

"تم کون ہو؟" دوسری طرف سے ناگوار لہجے میں پوچھا گیا۔

جواباً شہزاد خاموش رہا۔

"اگر یہ میری کال ہے تو تمہیں ریسیور میرے حوالے کر دینا چاہیے۔" اُوشان نے اس کے قریب آتے ہوئے کہا۔

"سُنو۔۔۔" شہزاد نے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "اگر دوسری طرف سے تمہارا وہی دوست بول رہا ہے، جس کی مجھے تلاش ہے تو اُسے یہاں بُلا لو۔ سمجھ گئے ہو؟"

اُوشان چند لمحوں تک اس کی طرف دیکھتا رہا۔۔۔ اس کی آنکھوں میں لمحے بھر کے لیے اُلجھن پیدا ہوئی لیکن نہ جانے کیوں، اس نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے ریسیور شہزاد سے لے لیا۔

"خبردار۔ اُسے کوئی اشارہ۔۔۔ ٹائیگر کے لہجے میں لکا یک درندگی آگئی۔ "کوئی تمہاری مدد نہیں کر سکتا۔"

اُوشان نے اس کی بات نظرانداز کر دی اور ماؤتھ پیس میں بولا۔ "میں، پارک بول رہا ہوں۔ کون ہے؟"

"بہرام۔۔۔" دوسری طرف سے آواز سُنائی دی۔

"اوہ، تم یہاں کب آئے؟"

"کل آیا تھا۔۔۔ لیکن حالات میرے لیے ناقابلِ فہم ہیں۔"

"شہزاد کو دیکھا کہیں؟" اُوشان نے کن انکھیوں سے شہزاد کی طرف دیکھتے ہوئے بہرام سے سوال کیا۔

"ہاں۔ وہ کل ایک لڑکی میگی کے ساتھ نظر آیا تھا۔ دونوں ایک لیڈی ڈاکٹر سے ملنے گئے تھے۔ وہ ڈاکٹر دماغی امراض۔۔۔ خصوصاً یادداشت کے عارضے میں حرفِ آخر کی حیثیت رکھتی تھی۔"

"تھی۔۔۔" اُوشان نے دُہرایا۔

"ہاں۔۔۔ وہ مر چکی ہے۔" بہرام نے کہا اور وہ سب کچھ بتا دیا جو اس نے دیکھا تھا۔ اس دوران میں اُوشان بار بار کن انکھیوں سے شہزاد کی طرف بھی دیکھ رہا تھا کیوں کہ اس کے انداز میں، ہر گزرتے ہوئے لمحے کے ساتھ ساتھ بے چینی پیدا ہوتی جا رہی تھی۔

"اوہ۔۔۔ تو یہ بات ہے۔" اُوشان نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "مسٹر بہرام، مجھے افسوس ہے، اس وقت میں آپ کی کوئی خدمت نہیں کر سکتا کیوں کہ میں ایک مہمان کے ساتھ مصروف ہوں۔"

"یہ مہمان کون ہے؟" بہرام نے چونک کر پوچھا۔

"زندگی رہی تو پھر ملاقات ہو گی۔" اُوشان نے یہ کہہ کر ریسیور رکھ دیا۔ بہرام دوسری طرف سے ہیلو ہیلو ہی کرتا رہ گیا تھا۔ ریسیور رکھ کر اُوشان، شہزاد کی طرف متوجہ ہوا۔

"چلو، کہاں چلنا ہے؟" اس نے مسکرا کر کہا۔

"کیا تم شہزاد کے بارے میں کچھ نہیں بتاؤ گے؟" شہزاد نے اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سرد لہجے میں سوال کیا۔

"وہ میری آنکھوں کے سامنے ہے۔"

"کہاں؟" شہزاد نے چونک کر اپنے عقب میں دیکھا اور پھر پلٹ کر اُوشان کو گھورنے لگا۔ "شاید، تم اس وقت شاعری کے موڈ میں ہو۔ اگر میں نے دل میں تمہارے لیے ایک فیصلہ نہ کر لیا ہوتا تو یقین جانو ابھی اور اسی وقت تمہارا یہ مختصر سا وجود۔۔۔"

"باقی دھمکی وہاں پہنچنے کے بعد پوری کرنا، جہاں تم مجھے لے جانا چاہتے ہو۔" اُوشان نے پُرسکون لہجے میں، اس کی بات کاٹ دی۔

غصّے کی ایک لہر شہزاد کو اپنی کنپٹیوں پر رینگتی محسوس ہونے لگی لیکن اس کے فیصلے، ارادے اور اس کی سوچیں بے لگام نہیں تھیں۔ اُسے ان پر پُورا قابو تھا۔

"چلو۔۔۔" شہزاد نے ہاتھ بڑھا کر اُوشان کو آگے دھکیلنا چاہا، لیکن، اس سے پہلے کہ اُس کا بجلی کی سی سُرعت سے لپکا ہُوا ہاتھ اُوشان کے کندھے سے مَس ہوتا، اُوشان کا جسم حرکت میں آ چکا تھا اور شہزاد کی اُنگلیاں اُسے چھُونے میں ناکام رہی تھیں۔

شہزاد کو ایک جھٹکا سا لگا۔

اُوشان دروازے کے قریب رُکا اور پلٹ کر شہزاد کی طرف دیکھنے لگا۔ شہزاد آندھی کے تیز جھکڑ کی طرح آگے بڑھ گیا۔

• •

بہرام نے ایک طویل سانس لے کر ریسیور رکھ دیا۔

اُوشان کی باتوں سے اُسے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ کسی غیر معمولی صورتِ حال کا شکار ہے۔ اس سے پہلے جب شہزاد اس سے مخاطب تھا تو وہ لہجے کی تبدیلی کے باوجود پہچان گیا تھا کہ دوسری جانب سے شہزاد ہی بول رہا ہے۔۔۔ لیکن اس نے یہ اظہار کرنا مُناسب نہیں سمجھا کہ وہ اُسے پہچان چُکا ہے۔

وہ مضطرب ہو گیا تھا کیوں کہ اُوشان اور شہزاد کی ایک ہی کمرے میں موجودگی اس کے لیے ناقابلِ فہم تھی۔ بہرام اس وقت ہوٹل اسٹون وال کے قریب ایک پبلک ٹیلی فون بُوتھ میں تھا۔ یہیں سے اس نے اُوشان کو کال کی تھی۔

کچھ دیر اس کی ہیجانی پوسوچ کی سلوٹیں برقرار رہیں۔۔۔ پھر اس نے ریسیور ہُک سے ہٹا کر مشین میں سکّے گراتے ہوئے اپنے سیکرٹری سے رابطہ قائم کرنا شروع کر دیا۔

دوسری طرف سے آواز سُنتے ہی اس نے اپنا ذاتی فرضی نام جس کے تحت، اسکوٹ بانک رسائی حاصل کی تھی، "میں پیارو بول رہا ہوں۔"

"ہیلو سر۔۔۔" سیکرٹری نے جلدی سے کہا۔

"میں نے تمہیں کچھ معلومات حاصل کرنے کے لیے کہا تھا۔"

"میں برطانوی چیف سے بات کر کے ابھی ابھی فارغ ہُوا ہوں۔ ان سے رابطہ قائم کرنے میں بہت دیر لگ گئی۔ اس کے لیے جانے کیسے کیسے جتن کرنے پڑے ہیں۔ بہرحال، وہ لڑکی میگی، ایل سیکرٹ ایجنٹ ہے۔۔۔ چیف کو صورتِ حال سے آگاہ کر چکا ہے اور ان کا آپ کے نام پیغام ہے کہ اس معاملے میں وہ آپ کو ممکن تعاون کے لیے آمادہ ہیں اور جواباً آپ سے تعاون کے توقع ہیں۔ میں نے، آپ کی طرف سے انھیں ہر ممکن تعاون دلا دیا ہے۔"

"دیری گڈ۔۔۔" بہرام کے ہونٹوں پر نہ جانے کتنے دنوں بعد مسکراہٹ آ گئی۔ وہ اس وقت اچانک ہی خود کو بے حد سرد محسوس کرنے لگا تھا۔

"اگر آپ میگی سے رابطہ قائم کرنا چاہیں تو کوڈ نمبر نوٹ کر لیں۔" وہ کہہ رہا تھا۔ "اس کوڈ نمبر کا حوالہ دے کر آپ اُسے احکامات بھی دے سکتے ہیں۔ یہ برطانوی چیف کی طرف سے آپ کے لیے پہلا تعاون فراہم ہے۔"

سیکرٹری نے وہ کوڈ دُہرا دیا اور بہرام نے اسے نوٹ کرنے کے بجائے ذہن میں محفوظ کر لیا۔

"چیف۔۔۔" سیکرٹری کی آواز سُنائی دی۔ "اس کے علاوہ ذرائع سے مجھے ایک اور بات بھی معلوم ہوئی ہے۔"

"میں سُن رہا ہوں۔"

"آج رات نائب صدر آسفر کے گرگے صدرِ مملکت کو راہ سے ہٹانے کی کوشش کر رہے ہیں۔" سیکرٹری نے تشویش آمیز لہجے میں کہا۔

"یہ محض افواہ تو نہیں؟"

"میں یقین سے نہیں کہہ سکتا، جناب!۔۔۔ لیکن جو حالات ہمارے سامنے ہیں، ان سے بھی اسی قسم کی صورتِ حال کی توقع کی جا سکتی ہے۔"

"اوہ۔۔۔" بہرام بے چین ہو گیا۔ "گویا نیا رُخ بڑی تیزی سے اپنی شکل کے مراحل طے کر رہا ہے۔ ٹھیک ہے، میں اس سلسلے میں کچھ انتظام کرواں گا۔ تم مسٹر پارک اور جانسن پر نگاہ رکھنے والے تمام آدمیوں کو ہٹا لو۔ میں سمجھتا ہوں کہ اصل کھیل شروع ہو چکا ہے اس لیے اپنی طاقت ایک مرکز پر جمع کر لینا ضروری ہے۔ میں جلد ہی تم سے دوبارہ رابطہ قائم کروں گا۔"

"چیف! کیوں نہ سارے آدمی صدرِ مملکت کے گرد جمع کر دیے جائیں۔" سیکرٹری نے مشورہ دیا۔

"کیا پریذیڈنسی تک رسائی تمہارے لیے ممکن ہو گی؟"

"جی ہاں، جناب!"

"ٹھیک ہے۔ میں تمہاری کارکردگی سے بے حد مطمئن ہُوں۔ تم نے اس بار واقعی بہت آگے جا کر کام کیا ہے۔ جتنے بھی آدمی میسّر آ سکیں، سب کو پریذیڈنسی میں داخل کر دو۔ انھیں میرے بارے میں بتا دینا اور خود بھی اپنے لیے کوئی جگہ بنا لینا۔ او۔ کے؟"

"آپ بے فکر رہیں، جناب۔ میں سب کچھ کر لوں گا۔"

بہرام نے مطمئن ہو کر ریسیور رکھ دیا اور باہر آ گیا۔

اچانک اس کی نگاہ ہوٹل اسٹون وال کے زینے کی طرف اُٹھ گئی۔ وہ بُری طرح چونک پڑا۔ اس نے دیکھا کہ اُوشان آگے آگے ہے اور شہزاد، جانسن کے رُوپ میں اس سے ایک قدم پیچھے چل رہا ہے۔

دونوں اس وقت پارکنگ کی طرف جا رہے تھے۔

بہرام جلدی سے، دوبارہ بُوتھ میں جا گھُسا اور تیزی سے ہوٹل اسٹون وال کے استقبالیہ سے رابطہ قائم کر کے میگی سے بات کرنے کی خواہش ظاہر کر دی۔

"ایک منٹ، جناب!" آپریٹر نے کہا۔ "آپ کون بول رہے ہیں؟"

"مسٹر پارو۔۔۔" بہرام نے اپنا فرضی نام بتا دیا۔

دوسری طرف فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ آپریٹر نے جلد ہی میگی سے اس کا رابطہ قائم کروا دیا۔ وہ اس وقت اُسی کمرے میں تھی، جس میں شہزاد، مسٹر جانسن کے نام سے مقیم تھا۔ میگی کی آواز اُبھرتے ہی آپریٹر نے اُسے بتایا کہ کوئی مسٹر پارو اس سے بات کرنے کے لیے لائن پر موجود ہیں۔ میگی نے اجازت دی تو آپریٹر نے لائن براہِ راست کرتے ہُوئے اپنا تعلق بیچ میں سے ختم کر دیا۔

"ہیلو۔۔۔" میگی نے اُلجھن آمیز لہجے میں کہا۔

بہرام نے ٹھوس لہجے میں وہ کوڈ دُہرا دیا جو میگی کے چیف نے اس کے سیکرٹری کو بتایا تھا۔ یہ کوڈ سُنتے ہی، میگی بولی تو اس کے لہجے میں بہرام کے لیے احترام کا تاثر پیدا ہو گیا تھا۔

"فرمایئے جناب! میں آپ کی کیا خدمت کر سکتی ہُوں؟"

"مسٹر جانسن کہاں ہیں؟"

"وہ مسٹر پارک کے کمرے میں ہیں، جناب۔"

"حالانکہ وہ دونوں اس وقت اسٹون وال سے باہر جا رہے ہیں۔" بہرام نے ٹھوس لہجے میں کہا۔

"اوہ، مجھے معلوم نہیں تھا، جناب۔ میں کچھ دیر پہلے جانسن کو بوڑھے مسٹر پارک ہی کے کمرے میں چھوڑ کر آئی تھی۔"

"جانسن کے بارے میں کیا جانتی ہو؟"

"کیا یہ بتانا ضروری ہے، جناب؟"

"بے حد ضروری۔"

"وہ جانسن نہیں ہے۔" میگی نے سرگوشی کی۔

"اوہ... پھر وہ کون ہے؟" بہرام کی دھڑکنیں بے ترتیب ہونے لگیں۔ وہ جانتا تھا کہ ایسے انکشافات ہونے کا وقت آگیا ہے کہ انسانی کھوپڑی ان کے اثر سے چیتھڑوں میں پھٹ سکتی ہے۔

"معلوم نہیں جناب۔" میگی نے سرگوشی کی۔

"میں تم پر کس حد تک اعتماد کر سکتا ہوں؟"

"جانسن کی موت کے علاوہ، آپ ہر قسم کا اعتماد کر سکتے ہیں۔"

"کیا تمہیں اس سے اتنی ہی محبت ہے؟"

"زندگی سے بھی زیادہ۔" وہ جذباتی ہو گئی۔

"غالباً تم غلیل بہت زیادہ دیکھتی ہو۔" بہرام نے خشک لہجے میں کہا۔ "وہ مسٹر پارک کے ساتھ جا رہا ہے۔ جانتی ہو، مسٹر پارک کون ہے اور وہ جانسن کے ساتھ کیا سلوک کر سکتا ہے؟"

"مم... میں نہیں جانتی... لیکن کیا جانسن کی زندگی خطرے میں ہے، جناب؟" میگی نے جلدی سے سوال کیا۔

"ہاں... جانسن اور تم دونوں ڈاکٹر فلورنس کے پاس کیوں گئے تھے؟" بہرام نے بالآخر اپنی ذہنی خلش دور کرنے کے لیے پوچھ ہی لیا۔

جواباً میگی نے جانسن سے ملاقات اور اس کی یادداشت کھو جانے کے بارے میں سب کچھ تفصیل سے بتا دیا۔ اس دوران میں بہرام نے ایک بار بھی مداخلت نہیں کی تھی۔ بس خاموشی سے بت بنا اس کی ایک ایک بات سنتا رہا تھا اور اس کی پیشانی ٹھنڈے ٹھنڈے پسینے سے بھیگتی رہی تھی۔ جب میگی اسے صورتِ حال سے آگاہ کر چکی تو اس نے کہا: "ٹھیک ہے۔ میں سمجھ گیا۔ کیا تم اندازہ لگا سکتی ہو کہ اس وقت جانسن، مسٹر پارک کو لے کر کہاں جا سکتا ہے؟"

"نیراف کے محل کے علاوہ کوئی جگہ سمجھ میں نہیں آتی۔" میگی نے دھیمی آواز میں جواب دیا۔

"ٹھیک ہے، میگی! اگر وہ نیراف کے قلعے میں جا رہے ہیں، تو تمہیں یہاں کمرے میں بیٹھ کر کچھ حاصل نہ ہو گا۔ اگر تمہیں اس فرضی جانسن سے اپنی زندگی سے زیادہ محبت ہے تو فوراً ان کا پیچھا کرنے کی کوشش کرو... اور یہ بات یاد رکھو۔ اگر ان دونوں میں زندگی اور موت کی جنگ شروع ہو جائے اور مسٹر پارک کی ہلاکت یقینی محسوس ہونے لگے تو بلا تاخیر جانسن کو گولی مار دینا۔ اسے زندہ رکھنا اُن کی تباہی کا باعث بھی بن سکتا ہے۔"

"لیکن..." وہ ہچکچانے لگی۔

جواباً بہرام نے ایک بار پھر وہی کوڈ دہرا دیا جو میگی کے چیف نے بتایا تھا۔ اس کوڈ کے تحت کہا گیا ہر لفظ خود میگی کے چیف کے حکم کا درجہ رکھتا تھا۔ بہرام نے کوڈ دہرانے کے بعد ایک بار پھر اپنا حکم دہرایا اور سلسلہ منقطع کر دیا حالانکہ ریسیور کان سے ہٹاتے وقت اس نے میگی کی مبہم سی آواز سنی تھی جس کا مطلب تھا کہ وہ ابھی اس سے مزید بات چیت کرنا چاہتی ہے۔

ریسیور رکھ دینے کے بعد بہرام، بوتھ سے باہر آگیا۔ اس نے پارکنگ کی طرف دیکھا۔

شہزاد ٹائیگر ایک کار کا دروازہ کھول رہا تھا۔ دروازہ کھولنے کے بعد اس نے اوشان کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ اوشان کار کے گرد گھوم کر فرنٹ سیٹ پر شہزاد کے پہلو میں بیٹھ گیا۔ گاڑی اسٹارٹ ہوئی اور تیزی سے گھومی اور ہوا کے تیز جھونکے کی طرح سرسراتی ہوئی سڑک کی طرف دوڑنے لگی۔ ابھی یہ کار سڑک تک نہیں پہنچی تھی کہ بہرام کو میگی دکھائی دی۔

وہ سیڑھیوں پر کھڑی تھی۔

ایک لمحے کے لیے اس کی نگاہ شہزاد کی کار پر جمی رہی... پھر وہ بھی پارکنگ کی طرف دوڑنے لگی اور اگلے چند لمحوں بعد اس کی طوفانی رفتار سے اسی طرف جا رہی تھی، جدھر شہزاد، اوشان کو لے کر گیا تھا۔ بہرام نے ایک طویل سانس لی اور آہستہ آہستہ سڑک کی طرف چلنے لگا۔ اس کی نگاہ ایک خالی ٹیکسی پر جمی ہوئی تھی جس ابھی ابھی ایک مسافر اُتر کر ہوٹل کے زینے کی طرف جا رہا تھا۔

▼▼

اوشان کے ہونٹوں پر اب بھی مسکراہٹ تھی۔

وہ قطعاً فکرمند نہیں نظر آ رہا تھا بلکہ فرنٹ سیٹ پر شہزاد کے پہلو میں بیٹھا باہر کے مناظر دیکھ رہا تھا جیسے شہزاد اسے اغوا کرنے کے لیے نہیں بلکہ گھمانے پھرانے کے ارادے سے ساتھ لے کر نکلا ہو۔

شہزاد نے دو ایک بار کن انکھیوں سے اس کی طرف دیکھا۔

وہ اس کی بے فکری پر متحیر تھا۔

ان کی کار تیزی سے اسی سڑک پر دوڑ رہی تھی جو نیراف کے قلعے کی طرف جاتی تھی۔ اچانک اوشان ہنسنے لگا۔ اس کی ہنسی بڑی عجیب تھی۔ وہ ہی ہی ہی کر کے یوں ہنسا تھا جیسے کوئی بطخ کسی کو دیکھ کر بے قراری سے بولتی ہے۔

"کیا بات ہے، بڑے میاں؟" شہزاد نے چونک کر پوچھا۔ "تمہیں کس بات پر ہنسی آ رہی ہے؟"

"کار میں گھومنے کے لیے یہ ایک شان دار دن ہے۔" اوشان نے خوش دلی سے جواب دیا۔ "میرا خیال ہے، ہمیں سیدھے کسی پکنک اسپاٹ پر چلنا چاہیے۔"

"اگر تم اسے محض ایک تفریحی سفر سمجھ کر خوش ہو رہے ہو، تو جتنا جی چاہے خوش ہو لو۔" شہزاد نے غراہٹ آمیز لہجے میں کہا۔ "میں تو اتنا جانتا ہوں کہ اس سفر کے انجام پر تمہارے اس مختصر سے وجود کو حیرت کا ایک بہت بڑا جھٹکا لگنے والا ہے۔"

جواباً اوشان اسی مخصوص انداز میں ہنستا رہا۔

"جیسے ہی تمہارا وہ ست گرد، تمہاری تلاش میں آیا، وہ ہمارے نرغے میں پھنس جائے گا۔ تب تم دونوں کو ایک ساتھ راہیِ ملکِ عدم کر دیا جائے گا۔"

"کیا تم ایک بات بتانا پسند کرو گے، برخوردار؟" اوشان اب بے پناہ سنجیدہ نظر آنے لگا تھا۔

"پوچھو، کیا بات ہے؟"

"آخر ہم دونوں نے ایسا کون سا جرم کیا ہے کہ تمہارے ہاتھوں ایسی عبرت ناک موت ہمارے مقدر میں لکھی گئی ہے؟"

"کوئی ذاتی وجہ نہیں ہے، بڑے میاں۔"

"پھر کیا بات ہے؟"

"بات اتنی سی ہے کہ میرا باس ایسا چاہتا ہے۔"

"تمہارا باس کون ہے؟"

"نیراف..." شہزاد نے جواب دیا۔

"اور ایک بہترین قاتل کی حیثیت سے تم اپنا فرض ادا کرنا چاہتے ہو۔ یہی بات ہے، نا؟"

"یقیناً... اور کیا بات ہو سکتی ہے۔"

"بہت خوب۔" اوشان مسکرانے لگا۔ "میں سمجھتا ہوں کہ تمہاری شخصیت اس معاملے میں شہزاد سے بہت اچھی ہے۔"

"وہ کیوں؟"

"اس لیے کہ وہ جذبات کو بہت زیادہ اہمیت دیتا ہے۔ فرض کی بجائے جذبات اس کے نزدیک زیادہ اہم ہیں۔" اوشان نے وضاحت کی۔ "جب جذبات، فرض کی راہ میں حائل ہو جاتے ہیں تو کام کبھی مکمل نہیں ہو پاتا..."

"ہاں۔ یہ تو واقعی ایک نقص ہے۔" شہزاد نے اتفاق کرتے ہوئے کہا۔ "اس کاروبار میں جذبات کو کوئی دخل نہیں ہے۔"

"کتنی سچی بات کہی، تم نے۔" اوشان کا لہجہ تعریفی ہو گیا۔ "ایک اور بات بتا سکتے ہو؟"

"مرنے سے پہلے، تم مجھ سے ہر بات پوچھ سکتے ہو۔"

"تم نے ہمیں موت کے گھاٹ اتارنے کے لیے کن ہتھیاروں کا انتخاب کیا ہے؟" اوشان نے اسے کن انکھیوں سے دیکھتے ہوئے دریافت کیا۔

"فی الحال میں نے اس سلسلے میں غور نہیں کیا۔" شہزاد نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا۔ "عام طور پر میں اپنے ہاتھوں سے کام لینا زیادہ پسند کرتا ہوں۔ میرے ہاتھ ہی میرے ہتھیار ہیں۔"

"اوہ، کس قدر سادہ اور مؤثر ہتھیار ہیں۔" اوشان کا لہجہ تعریفی ہو گیا۔ "سادگی اور پُرکاری ہی فن کی جان ہوتی ہے۔ اس سے فن میں حقیقت... رسل جاتا ہے اور فن کی قدر و قیمت بڑھ جاتی ہے۔ ایک اچھا فن کار وہی ہے، جو اپنے ہاتھوں پر بھروسا کرتا ہو۔"

شہزاد نے چونک کر اس زرد رُو بوڑھے کی طرف دیکھا جو اس سے ہتھیاروں کے سلسلے میں یوں بحث کر رہا تھا جیسے یہ ہتھیاروں کی خرید و فروخت کا کوئی معاملہ رہا ہو... اور خود بوڑھے کی زندگی کو کوئی خطرہ لاحق نہ ہو۔

"تم یہ سب کچھ اس لیے کر رہے ہو یا دل بہلانے کے لیے کر رہے ہو یا مجھے بہلا رہے ہو؟" شہزاد سے نہ رہا گیا تو بول ہی پڑا۔

"برسبیلِ تذکرہ۔" اوشان اس کی بات نظر انداز کر کے سرسری سے لہجے میں بولا۔ "میں نے اس شہزاد نامی نوجوان کو کبھی پسند نہیں کیا۔ کیا تم اس کی وہ ایک کمزوریوں سے آگاہ ہونا چاہتے ہو؟"

"بولتے رہو۔ میں سن رہا ہوں۔"

"اس کے دہانے پر ایک براہِ راست گھونسہ جڑ دینا۔"

"کیا مطلب؟" شہزاد چونک پڑا۔

"ممکن ہے، جس وقت اُسے قتل کرنے کی نوبت آئے، اس وقت شہزاد کا منہ کسی مشروب، کھانے یا ایسی ہی کسی شے سے بھرا ہوا ہو۔"

"یہ تو کوئی خاص بات نہیں۔ ہر شخص ان اشیا کو استعمال کرتا

ہے۔ یہ بتاؤ کہ وہ اور کیا کیا کھاتا ہے؟" شہزاد نے بھی وقت گزاری کے لیے بوڑھے اُوشان کی باتوں میں دل چسپی لینا شروع کر دی۔

"چاول اور مچھلی بڑے شوق سے کھاتا ہے۔"

"اوہ . . ." شہزاد چونکتے ہوئے کہا۔ "کیا تمھارے نزدیک ان دو اشیا کا استعمال خامی ہے؟"

"مَیں تو یہی سمجھتا ہُوں۔"

"لیکن مَیں نے کل رات خود بھی چاول کھائے تھے اور میں مچھلی بڑے شوق سے کھاتا ہُوں . . . اگرچہ رات کے کھانے میں یہ دونوں چیزیں مَیں نے خود ہی منگوائی تھیں لیکن میں اب بھی نہیں بتا سکتا کہ مَیں نے چاول اور مچھلی کا آرڈر کیوں دیا تھا۔"

"ہاں، میرے بچے!" اُوشان نے ایک سرد آہ بھرتے ہُوئے کہا۔ "انسان بعض اوقات جو کچھ بھی کرتا ہے، اس میں اُس کے ارادے کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔"

شہزاد نے جواباً کچھ نہیں کہا۔

وہ بڑی توجہ سے ڈرائیو کر رہا تھا۔

کار کی رفتار خاصی تیز تھی حالانکہ وہ اسے دانستہ تیز نہیں چلا رہا تھا۔ اس نے ماضی میں کبھی خطرناک حد تک تیز رفتاری سے کار نہیں ڈرائیو کی تھی کیوں کہ وہ مشینری پر اعتماد کرنے والا آدمی نہیں تھا . . . اور اب اُسے لاشعوری طور پر جیسے ہی احساس ہُوا کہ وہ کار تیز رفتاری سے چلا رہا ہے، تو از خود اس کے پاؤں کا دباؤ پیڈل پر ہلکا پڑ گیا۔

"ایک قاتل کی حیثیت سے تم جو زندگی گزار رہے ہو، مجھے اس کے بارے میں بتاؤ کہ یہ زندگی کیسی ہے؟" اُوشان نے کہا۔ "کیا اس میں خاطر خواہ معاوضہ مل جاتا ہے؟ آخر تم نے خصوصیت سے یہی ایک پیشہ کیوں اختیار کیا؟"

"مَیں یہ کام دولت کے حصول کی خاطر ہی کرتا ہُوں۔" شہزاد نے جواب دیا۔ "اور یہ کام بھی دُنیا کے دوسرے کاموں جیسا ہی ہے۔ جس طرح ایک کلرک فائلوں میں سر کھپاتا ہے، بالکل اسی طرح میں ایک قاتل کی حیثیت سے انسانی جسموں میں سر کھپاتا ہُوں۔"

"بہت خُوب . . . اور معاوضہ کیا ملتا ہے؟" اُوشان نے تعریفی لہجے میں کہا۔ "میرا خیال ہے، کوئی قاتل کسی کلرک کی تنخواہ پر تو کام نہیں کر سکتا۔"

شہزاد خاموش رہا۔ نہ جانے کیوں اُسے اُوشان کی باتوں سے اُلجھن سی ہونے لگی تھی۔ اس نے اُوشان کی طرف دیکھا جو سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"تمھیں معاوضہ تو بہت معقول ملتا ہوگا؟" اُوشان نے اپنا سوال ایک بار پھر اس کے کانوں میں ٹھونسا۔

"معقول سے بھی زیادہ۔" شہزاد نے سرسری لہجے میں کہا۔

"مَیں ایک دولت مند آدمی ہُوں۔"

"مجھے یقین ہے کہ تم واقعی ایک دولت مند آدمی ہو گے۔" اُوشان نے تائید میں کہا۔ "دولت کے اعتبار سے ہی نہیں تم رُوحانی طور پر بھی کافی مال دار ہو۔ تمھاری ماں کو تم پر بہت ناز ہوگا۔"

"مَیں تمھاری ان باتوں کا مطلب سمجھ رہا ہُوں۔" شہزاد یکایک غرّایا۔ "تم شاید یہ سمجھ رہے ہو کہ اس طرح مجھے خود سے مانوس کر لو گے اور پھر مجھے ایک مانوس ہستی کو مُکانے لگاتے وقت تکلیف ہوگی تو میں اس تکلیف سے بچنے کے لیے تمھیں بخش دوں گا . . . اپنا دہانہ بند رکھو۔ مَیں اَب کوئی بات نہیں سُننا چاہتا۔"

"مجھے افسوس ہے، میرے بچے۔" اُوشان نے درویشانہ انداز میں کہا۔ "میرا خیال ہے، مَیں اعصابی طور پر ناکارہ ہو کر ایسی باتیں کر رہا ہوں۔ آخر ایک ایسے بوڑھے سے تم کیا توقع رکھ سکتے ہو جو ایک نامور قاتل جانسن کے ہاتھوں ہلاک ہونے والا ہو۔" یہ کہہ کر وہ اتنے زور سے ہنسا کہ شہزاد کا ہاتھ اسٹیئرنگ پر بہک گیا۔

کار بڑے زور سے لہرا گئی۔

"بکواس بند کرو۔" وہ تلملا کر چیخ پڑا۔

چیختے وقت اچانک ہی شہزاد کی نگاہ کار کے عقب نُما آئینے پر جم گئی۔ اس نے دیکھا ایک کار پیچھے پیچھے چلی آ رہی ہے۔

"میرا خیال ہے، ہمارا تعاقب کیا جا رہا ہے۔" شہزاد بڑبڑایا۔

"کون ہو سکتا ہے؟" اُوشان نے سرگوشی کی۔

"ممکن ہے، تمھارا شاگرد ہو۔"

"نہیں، وہ نہیں ہو سکتا۔"

"بڑے وثوق سے کہہ رہے ہو۔" شہزاد نے بُرا سا منہ بناتے ہُوئے کہا اور اُوشان کو ایک لمحے تک گھورتا رہا۔

"مَیں اسے بہت اچھی طرح جانتا ہُوں۔" اُوشان بڑبڑایا۔

شہزاد نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ عقب نُما آئینے پر نگاہ جمائے ڈرائیو کرتا رہا۔ کار اس وقت شہر سے نکل کر مضافاتی سڑک پر دوڑ رہی تھی۔ سڑک کے دونوں طرف ہریالی ہی ہریالی تھی . . . اور جھاڑیوں کا سلسلہ دُور اُفق تک جاتا نظر آ رہا تھا۔

اس نے رفتار کم کی تو عقب میں آنے والی کار کی رفتار بھی کم ہو گئی . . . اور جب اس نے رفتار بڑھا دی تو تعاقب کرنے والی کار بھی تیز ہو گئی۔ اب اس میں شبہے کی کوئی بات نہیں تھی کہ

کار میں موجود جو کوئی بھی ہے، وہ ان کی دُم پکڑنے کی فکر میں ہے۔

شہزاد کے ہونٹوں پر سفاک مُسکراہٹ اُبھر آئی۔

وہ ایک سیاہ جگوار تھی جو مناسب فاصلہ برقرار رکھتے ہُوئے سفر کر رہی تھی۔ اس سڑک پر اور بھی کاریں آ جا رہی تھیں۔ کبھی دو ایک کاروں کو گزر جانے دیتی اور ان کی آڑ میں چلتی رہتی۔ کبھی دو تین کاروں کو اوورٹیک کرتی ہُوئی قریب آ جاتی تھی لیکن ابھی تک وہ کار اتنی قریب نہیں آئی تھی کہ شہزاد اس کے ڈرائیور کی صورت دیکھنے میں کامیاب ہو جاتا۔ وہ عقب نُما آئینے پر نگاہیں جمائے بیٹھا رہا۔

اسی سڑک پر ایک جگہ ایک پیٹرول پمپ تھا۔

شہزاد نے وہاں پہنچ کر بڑی پھرتی سے کار ایک طرف روک دی۔

اگرچہ تعاقب میں آنے والی کار بھی پھرتی سے رُکی لیکن وہ اتنی قریب تھی کہ اس کی ڈرائیونگ سیٹ پر موجود شہزاد کی نگاہوں سے پوشیدہ نہ رہ سکی۔

وہ میگی تھی۔

"یہ لڑکی . . ." شہزاد غرّایا۔ "نہ جانے یہ کیوں ہمارا پیچھا کر رہی ہے؟"

حالانکہ اس نے یہ بات محض سرسری انداز میں کہی تھی اور نہ ہی اُوشان کے لیے کوئی سوال پوشیدہ نہیں تھا لیکن نہ جانے کیوں اُوشان بھی خاموش نہ رہ سکا۔

"شاید اسے بھی تمھارے مظاہرے کی جھلک پڑ گئی ہے۔"

"کیسا مظاہرہ؟" شہزاد چونک پڑا۔

"وہی جو تم مجھے اور میرے ساتھی کو ہلاک کر کے دکھانا چاہتے ہو۔" اُوشان نے بے چارگی کا تاثر لہجے میں پیدا کرتے ہُوئے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ اگر تم یہ کام کسی پنڈال میں کرو تو لوگ ٹکٹ خرید کر جوق در جوق اسے دیکھنے آئیں گے۔"

"ایسی صورت میں، مَیں انھیں مایوس نہیں کروں گا۔" شہزاد کے لہجے سے خونخواری جھلکنے لگی۔ اس نے کار اسٹارٹ کی اور پوری تیزی سے ڈرائیو کرنے لگا کہ اُوشان بھی لمحے بھر کو بوکھلا گیا لیکن اس تیز رفتاری کا یہ فائدہ ہُوا کہ میگی کی کار نہ جانے کہاں رہ گئی اور وہ اس کے تعاقب سے پیچھا چھُڑانے میں کامیاب ہو گئے۔

شہزاد کو اچانک ہی یاد آیا کہ نیراف نے اس لڑکی کے بارے میں اس سے کیا کہا تھا۔

نیراف نے کہا تھا کہ یہ لڑکی برطانوی سیکرٹ ایجنٹ ہے۔ اس کے باوجود نیراف نے اُسے لڑکی کو قتل کرنے پر مجبور نہیں کیا تھا . . . شہزاد نے دل ہی دل میں سوچا کہ جب تک میگی کو قتل کرنے کا واضح طور پر کوئی حکم نہیں مل جاتا وہ اُسے کچھ نہیں کہے گا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اُسے اپنی دھڑکنوں میں ہیجان پیدا کرنے کے لیے اپنے ساتھ رکھے ہُوئے تھا۔ یہ خالص نجی قسم کی وجوہ تھیں جن کے لیے وہ میگی کی سرِدست موت کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو وہ یوں آسانی سے اس کا تعاقب کرنے کی جرأت نہ کرتی اور نہ ہی شہزاد کو اُسے غچہ دے کر نکل جانے کی ضرورت محسوس ہوتی۔ اس نے عقب نُما آئینے میں دیکھا۔

سڑک دُور دُور تک سُنسان تھی۔

وہ خاصی تیز رفتاری سے ڈرائیو کر رہا تھا۔ سڑک ویران دیکھ کر اس کے پاؤں کا بوجھ پیڈل پر خود بخود ہلکا پڑ گیا۔

اس نے کن انکھیوں سے اُوشان کی طرف دیکھا۔

وہ بھی اس کی طرف ہی متوجہ تھا۔

"مَیں نے کسی نوجوان کو آج تک کسی لڑکی سے یوں گھبرا کر بھاگتے نہیں دیکھا۔" اُوشان نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

شہزاد جھینپ کر رہ گیا۔

"کیا یہ لڑکی کوئی فسٹ زور ہے؟" اُوشان نے اُسے پھر چھیڑ دیا۔

شہزاد حیران تھا کہ اس بوڑھے کو اپنی موت کی ذرا بھی پروا نہیں ہے۔ موت اس کے سر پر منڈلا رہی تھی اور وہ لڑکی کے بارے میں یوں باتیں کر رہا تھا جیسے شہزاد کا کوئی بے تکلف دوست رہا ہو۔

"یہ تم جیسے بوڑھوں کے کرنے کی باتیں نہیں ہیں۔" وہ جھلا کر بولا۔

اُوشان کی آنکھوں میں سُرخی کی ایک لہر سی کوند گئی۔ اُسی لمحے شہزاد کو بھی یاد آ گیا کہ میگی غسل خانے میں شاور سے اُلٹی لٹکی ہُوئی پائی گئی تھی تو اپنی اس حالت کا فتے دار اُس نے اُوشان ہی کو ٹھہرایا تھا۔

"تم نے اُسے شاور سے کیوں لٹکایا تھا؟" شہزاد نے غرّا کر پوچھا۔

"تاکہ وہ پاک صاف ہو جائے۔"

"ہوں . . . تمھارے ہاتھ کافی مضبوط معلوم ہوتے ہیں۔"

لڑکیوں کو اُٹھانے کے علاوہ بھی اپنے ہاتھ کا میابی سے استعمال کر لیتا ہوں۔" اُوشان نے بے پروائی سے جواب دیا۔

"کیا تمھیں ذرا بھی احساس نہیں کہ موت تمھارے سر پر منڈلا رہی ہے؟" شہزاد کے لہجے میں حیرانی ہی نہیں بے چینی بھی تھی۔

"منڈلانے کو تو سر پر مکھیاں تک منڈلاتی رہتی ہیں، میں اُنھیں بھی منع نہیں کرتا۔"

"ہاں... تم اتنے بوڑھے ہو گئے ہو کہ تمھیں اپنی زندگی سے اب محبت ہونی بھی نہیں چاہیے۔" شہزاد بڑبڑایا۔ "آخر انسان کب تک زندہ رہ سکتا ہے۔ اُسے ناکارہ ہو کر مرنا ہی پڑتا ہے۔"

"تمھیں وہ منظر کیسا لگا تھا؟"

"کون سا منظر؟" شہزاد نے چونک کر پوچھا۔

"جب تمھاری دوست، اشاور سے لٹکی ہوئی تھی۔"

"اوہ... شاید تم نہیں جانتے، تمھاری موت کے وقت میں نے جو اذیت دینے کا تہیہ کر رکھا ہے، وہ اس سلسلے میں ہوگی۔"

"کیا وہ منظر دیکھ کر تمھیں کچھ یاد آیا تھا؟"

"کیا مطلب؟" شہزاد اس بار بُری طرح چونکا تھا۔

"ویسا ہی کوئی اور منظر؟"

"ہاں..." اس کے لہجے میں حیرت تھی۔ "نہ جانے کیوں محسوس ہو رہا تھا کہ یہ منظر میں پہلے بھی کہیں دیکھ چکا ہوں۔"

"یقیناً دیکھا ہوگا۔" اُوشان کے لہجے میں لاپروائی آ گئی۔

"تمھیں کیسے معلوم ہے؟"

"تم نے وہ فلم دیکھی ہوگی۔" اُوشان نے دھیمی آواز میں کہا۔

"میں نے تو جنرل لامو کی فلم میں یہ منظر دیکھا تھا۔"

"جنرل لامو..." شہزاد بڑبڑایا۔

"کیا یہ نام تمھارے ذہن میں محفوظ ہے؟"

"سمجھ میں نہیں آتا۔" شہزاد بے بسی سے بولا۔ "ذرا تفصیل سے بتاؤ، کیا منظر تھا، اس فلم میں؟"

جواباً اوشان نے اُسے وہ کہانی سنا دی جو لازلی لینڈ کے جنرل لامو کے سلسلے میں ان کے ہاتھوں انجام کو پہنچی تھی۔ جب تک وہ بولتا رہا تھا، شہزاد کے چہرے اور آنکھوں سے طرح طرح کے تاثرات ظاہر ہوتے رہے تھے۔ کبھی اس کی آنکھیں سوچ میں ڈوب جاتی تھیں اور کبھی اس کی آنکھوں میں چمک کا احساس ہونے لگتا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے اس کے ذہن میں خیالات کی جنگ چھڑ گئی ہو۔

"یہ سب کچھ سُن کر یوں لگتا ہے، جیسے میں نے بہت عرصہ قبل کوئی خواب دیکھا تھا اور اس خواب میں یہی سب کچھ تھا۔ تم ابھی ابھی مجھے سُنا رہے تھے۔" شہزاد بے خیالی میں بولتا رہا۔

"تمھاری یادداشت خاصی متاثر لگتی ہے۔"

شہزاد نے کوئی جواب نہیں دیا۔

اُسے یکایک ہی یہ احساس ہو گیا تھا کہ اس بوڑھے سے بار پھر اس قسم کی باتیں شروع ہو گئی ہیں، جنھیں ان کے درمیان نہیں ہونا چاہیے۔ وہ بوڑھا اس کے ہاتھوں موت کا جام پینے والا تھا۔

"میں نے محسوس کیا ہے کہ تم اپنی شخصیت کے بارے کچھ اُلجھنوں کے شکار ہو۔" اُوشان کے لہجے میں ہمدردی سمٹ آئی۔ شہزاد کے ہونٹ سختی سے بھنچے رہے۔

یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ اب اس بوڑھے کی کسی بات کا جواب نہ دینے کا تہیہ کر چکا ہو... پھر اُوشان نے بھی مزید چھیڑنا مناسب نہ سمجھتے ہوئے خاموشی سادھ لی۔

کار تیزی سے منزلِ مقصود کی جانب دوڑ رہی تھی۔

شہزاد نے ایک بار پھر عقب نما کی طرف دیکھا۔

دُور دُور تک کسی اور گاڑی کا نام و نشان تک نہیں تھا۔

"ہم کہاں جا رہے ہیں؟" اُوشان نے خاموشی سے اُکتا کر ہی لیا۔

"چند منٹ کا راستہ باقی ہے۔" شہزاد نے جھلا کر کہا۔ "تم اپنی آنکھوں سے دیکھ لوگے... اور اگر زیادہ بے چینی ہو رہی ہے تو وہ سامنے جو محل نظر آ رہا ہے، ہم وہیں جا رہے ہیں... اور وہاں موت تمھارا انتظار کر رہی ہے۔"

اُوشان مخصوص انداز میں ہنس پڑا۔

شہزاد کی کھوپڑی غصّے سے کھولنے لگی۔

اس کے ہاتھ سختی سے اسٹیئرنگ پر جم گئے اور جبڑوں کی ہڈیاں اُبھر آئیں۔ نہ جانے کیوں اُوشان کے ہنسنے کے اس مخصوص انداز سے اس کے دِل میں بے چینیاں ہی بے چینیاں بھر جاتی تھیں۔

وہ اسٹیئرنگ پر ہاتھ جمائے کار ڈرائیو کرتا رہا جو ہر گزرتے ہوئے لمحے کے ساتھ نیراف کے محل سے قریب تر ہوتی جا رہی تھی۔

نیراف کے محل کی چھت پر اُس وقت ایک ہیلی کاپٹر پرواز کے لیے تیار تھا۔ نیراف اپنے خاص مہمان کو الوداع کہنے کے لیے خود چھت پر آیا تھا اور اس وقت اُس کے دونوں ہاتھ، آسفر کا ہاتھ دبائے ہوئے تھے... وہی آسفر جو اسکوبا کے صدر کے بعد ملک کا سب سے بڑا منصب سنبھالنے والا تھا۔

ہیلی کاپٹر کے پَر نرمی اور آہستگی سے گھوم رہے تھے اور ان کی حرکت سے پیدا ہونے والے ہوا کے جھونکے چھت پر کھڑے لوگوں کے کپڑوں سے اٹکھیلیاں کر رہے تھے۔ نیراف غور سے اپنے اس مہمان کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"مجھے یقین ہے، میرے دوست کہ تم نے یہاں رات کا تھوڑا سا وقت گزارا ہے، وہ بہت اچھا گزارا ہوگا۔" نیراف نے اپنے گھوڑے جیسے ہونٹوں پر مسکراہٹ اور نرمی پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

آسفر کا سیاہ چہرہ مُسکراہٹ سے پھیل گیا۔

"اوہ، بہت اچھا... بہت ہی اچھا۔" وہ بڑبڑایا۔ اس کی آواز خواب ناک تھی اور یوں لگتا تھا جیسے وہ نشاط کی ان گھڑیوں کے تصوّر میں ڈوب کر ایک بار پھر لُطف اندوز ہونے لگا ہے، جنھیں گزارنے کے لیے وہ خاص طور سے نیراف کے محل میں آیا تھا۔ "میں ان لمحوں کو کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔" اس نے کہا۔

"اور وہ دونوں لڑکیاں بھی بے حد خوش ہیں۔" نیراف بولا۔

"تمھارا انتخاب قابلِ داد ہے، نیراف۔"

"یاد رکھو کہ تمھیں بھی میں نے ہی منتخب کیا ہے۔"

آسفر اِک سار سے ہنس پڑا۔

نیراف نے غلط نہیں کہا تھا۔ اسکوبا کے صدر کے بعد وہ اب صدر کی کرسی سے اُٹھ کر مسندِ صدارت سنبھالنے والا تھا اور اس سب کچھ نیراف ہی کی کوششوں کا نتیجہ تھا۔

"اب مجھے اجازت دو۔" آسفر نے نرمی سے اپنا ہاتھ نیراف کے بھاڑوں جیسے ہاتھوں کے درمیان سے کھینچتے ہوئے کہا۔ "مجھے ابھی بہت سے اہم کام نمٹانا ہیں۔ میں تمھارا انتظار کروں گا؟"

"گھبراؤ نہیں۔ آیندہ چند گھنٹوں کے بعد ہم تمھارے پاس ہوں گے۔" نیراف نے اس کے کندھے پر بے تکلفی سے ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "میں نے سارے انتظامات مکمل کر لیے ہیں۔"

آسفر کے ہونٹوں پر طمانیت بھری مُسکراہٹ پھیل گئی اور اس کے سیاہ بھدے ہونٹوں سے چمک دار سفید دانت جھانکنے لگے... پھر وہ آہستہ آہستہ چلتا ہیلی کاپٹر تک پہنچا اور چند ہی لمحوں میں ہیلی کاپٹر اُسے لے کر پھڑپھڑاتے ہوئے پَروں کے ساتھ فضا میں بلند ہو گیا۔

نیراف کے ہونٹوں پر بڑی ہی سفاک مسکراہٹ تھی اور اس کی آنکھیں خطرناک انداز میں چمک اُٹھی تھیں۔

• •

میگی بڑے عجیب سے احساسات کا شکار تھی۔

اُس نے فون پر جو آواز سُنی تھی، وہ اس آواز سے بہت مختلف تھی جسے سُن کر اُسے غصّہ آ جاتا تھا۔ اس آواز میں تحکم تھا اور ٹھہراؤ کے علاوہ خود اعتمادی کی فراوانی تھی۔ بولنے والے نے اپنا نام نہیں بتایا تھا، صرف وہ کوڈ دُہرا کر حکم سُنا دیا تھا، جس کوڈ کے بعد انکار اُس کے لیے موت کا درجہ رکھتا تھا۔ یہی بات اُسے کھائی گئی تھی۔ آواز چونکہ اُس کے باس کی نہیں تھی اس لیے اُسے حیرانی ہو رہی تھی کہ آخر وہ کون تھا؟ اگر وہ کوئی اجنبی تھا تو اُسے کوڈ کیسے معلوم ہوا؟ یہ کوڈ صرف باس اور اُس کے درمیان ہی مخصوص تھا اور اس کے تحت کہی گئی بات اُسے اپنی زندگی سے بھی زیادہ عزیز ہونی چاہیے تھی۔

جانسن کی شخصیت اُس کے لیے ایک الگ معمّا تھی۔

وہ اس سے اس قدر قریب ہو چکی تھی، جہاں پہنچنے کے بعد کسی بھی عورت کے لیے واپس جانا ممکن نہیں ہوتا... لیکن وہ بھول رہی تھی، وہ عورت نہیں تھی، ایک سیکرٹ ایجنٹ تھی، ایسی سیکرٹ ایجنٹ جس کی کوئی جنس نہیں ہوتی۔ عورت کے جذبات اُس کے لیے اب بے معنی تھے لیکن جانسن کی شخصیت اُس کے دل میں ہر چیز پر حاوی تھی۔ وہ حیرانی سے سوچ رہی تھی کہ جب جانسن کو قتل کرنے کا موقع آیا تو اُس کے ہاتھ، اُس کا ساتھ دے سکیں گے یا نہیں؟

اُس نے ایک پیٹرول پمپ پر جانسن کی کار رُکتے دیکھ کر اپنی گاڑی دُور ہی روک لی تھی... اُس کا خیال تھا کہ اُسے ابھی تک تعاقب کا اندازہ نہیں ہوا ہوگا لیکن جب جانسن کی کار غائب ہو گئی، تب اُسے احساس ہوا کہ جانسن غافل نہیں تھا، اُسے محسوس ہو چکا تھا کہ وہ اُس کا پیچھا کر رہی ہے۔

"جانسن..." وہ بڑبڑائی۔ اس نام کی ادائیگی کسی آہ کی طرح ہوئی تھی۔ اُس نے اپنی کار اُسی سڑک پر سیدھی آگے ڈال دی تھی، جس پر اُس نے جانسن کی کار کو غائب ہوتے دیکھا تھا... اور پھر نیراف کا محل دُور سے دیکھتے ہی اُس نے کار سڑک کے کنارے

روک لی۔

نیمراف کے عمل کے بارے میں اُسے جو معلومات حاصل تھیں وہ اگرچہ ناکافی تھیں لیکن اب اُس کے لیے بڑھتے ہوئے قدموں کو روکنا ممکن نہیں تھا۔ وہ دیر تک سڑک کے کنارے نیمراف کے عمل کو گھورتی رہی جس جگہ وہ کھڑی تھی، وہاں سے عمل تک جھاڑیاں ہی جھاڑیاں پھیلی ہوئی تھیں۔ ان جھاڑیوں میں کیسی کیسی مصیبتیں چھپی ہوئی ہوں گی، اس کا اُسے علم تو نہیں تھا لیکن وہ اندازہ ضرور کرسکتی تھی... اُس نے اپنے گریبان سے وہ چھوٹا سا آٹومیٹک نکال لیا جو دیکھنے میں ہلکا پھلکا لیکن کارکردگی میں بے حد جان دار تھا۔ آٹومیٹک ہاتھ میں لیتے ہی اُسے بے پناہ سکون محسوس ہوا۔

وہ حیران تھی کہ جانسن اس بوڑھے کو لے کر نیمراف کے عمل کیوں گیا ہے۔ اگر اُسے قتل کرنا ہی مقصود تھا تو ہوٹل میں بھی ایسا کیا جاسکتا تھا۔

... وہ جھاڑیوں میں گھس گئی۔ جھاڑیوں میں گھستے ہی اُس نے جھک کر آگے بڑھنا شروع کردیا۔ اس دوران میں وہ بے حد چوکنا رہی تھی۔ معمولی سی آہٹ، ذرا سی غیر معمولی سرسراہٹ یا کوئی اور آواز سنتی تو ٹھٹک جاتی اور اُس وقت تک آگے نہ بڑھتی جب تک مطمئن نہ ہوجاتی۔

"جانسن..." اُس نے دل کی گہرائی سے یہ نام پکارا۔ "لیکن نہیں، وہ جانسن نہیں ہے۔" اُس نے خود کلامی کے انداز میں کہا۔ "یہی وجہ ہے کہ اُسے مرنا نہیں چاہیے۔"

آسفر کا بیل کاپٹر ابھی نیمراف کے عمل کے اوپر فضا میں بلند ہی ہو رہا تھا کہ شہزاد کی کار اُس کچی سڑک پر پہنچ گئی جو عمل کی طرف جاتی تھی جیسے ہی اس کی کار گیٹ پر پہنچی ایک مسلح گارڈ سامنے آگیا۔

شہزاد نے کار روک دی۔

اُوشان خاموش اور بے حس و حرکت بیٹھا اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔ اس کی نگاہ محافظ پر جمی تھی لیکن اس کی آنکھوں پر چہرے پر کوئی تاثر نہیں اُبھرا۔ اس نے دیکھا کہ مسلح گارڈ کے علاوہ بھی چار رائفل بردار محافظ گیٹ کے آس پاس موجود ہیں۔

ان سب کی رائفلیں کار کی طرف اُٹھی ہوئی تھیں۔

گیٹ پر جو کیبن بنا ہوا تھا، اس کے قریب چھ خوفناک کتے بھی بندھے ہوئے تھے۔ کتوں نے اپنے محافظ ساتھیوں کو چوکنا دیکھا تو وہ بھی اپنی خوفناک زبانیں نکال کر ہانپتے ہوئے کار کی طرف متوجہ ہوگئے۔ ان کی آنکھوں سے بھاڑ کھانے کی بھوک جھلک رہی تھی اور ان کے نوکیلے دانت گوشت میں اُترنے کے لیے بے چین محسوس ہو رہے تھے۔

اُوشان نے کتوں کو دیکھتے ہی اندازہ لگا لیا کہ اُنھیں طور سے انسانی شکار کی تربیت دی گئی ہوگی۔ یہ کتے اپنے مو کے محض ایک اشارے پر کسی بھی انسان کو چیر پھاڑ سکتے تھے کتوں سے نگاہ ہٹا کر وہ اس محافظ کی طرف متوجہ جس نے کار کے سامنے رُک کر اُنھیں رُکنے پر مجبور کردیا تھ دوران میں باقی محافظ رائفلیں تانے کسی بھی گڑبڑ کے منتظر رہے۔

یکایک کتوں نے غرّانا شروع کردیا۔

ان میں سے ایک کتا اُوشان کی طرف متوجہ تھا۔ اُو کتے کے درمیان چھ فٹ کے لگ بھگ فاصلہ رہا ہوگا۔ اس ہوئے کتے کی طرف دیکھا۔

کتے کے ارادے خطرناک ہی معلوم ہوتے تھے۔

وہ غالباً اُوشان کے عجیب سے حلیے کی وجہ سے اس تھا۔ شہزاد نے اس طرف توجہ نہیں دی تھی۔ وہ اُس محافظ کو رہا تھا جو کار کے سامنے کھڑا تھا۔

یکایک کتے کی غرّاہٹ مزید تیز ہوگئی۔

وہ اچھل پڑا۔

دونوں ٹانگیں اُٹھا کر وہ عقبی ٹانگوں کے سہارے کھ اور بُری طرح اُس زنجیر کو ہلانے لگا جو اُس کے گلے میں پڑی ہ اُوشان جس طرف بیٹھا تھا، اس جانب کھڑکی کا شیشہ کھلا تھ وہ دلچسپی سے اس کتے کا جوش و خروش دیکھنے لگ اس کے ہونٹوں پر بڑی ہی عجیب مسکراہٹ کھیل رہی

"اے بڑے میاں۔" شہزاد نے پلٹ کر کہا۔ "اپنی طرف پھاڑ لو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ میرے ہاتھوں مرنے کے بجائے تم کتے کے جبڑوں میں پہنچ جاؤ۔"

"بہت سہارا جانور رہے۔" اُوشان بے خیالی میں بڑبڑا تم اجازت دو تو میں اس کے جبڑوں میں جھانکنا چاہتا ہوں"

"وہ کیوں؟"

"تاکہ دیکھ سکوں کہ اب تک کتنے آدمی اس کے جبڑوں پہنچ چکے ہیں۔" اُوشان نے ایک شان بے نیازی سے کہا۔

"خاموش بیٹھو اور شیشہ چڑھا لو۔" شہزاد غرّایا اور محافظ کی طرف متوجہ ہوگیا جو کار کے سامنے سے ہٹ کر اب کھڑکی کی طرف آگیا تھا، جس کے قریب شہزاد براجمان تھا۔

"کیا یہ کار تمھارے لیے جانی پہچانی نہیں ہے؟" شہزاد

جے میں برہمی تھی: "کیا تم لوگ نیمراف کی کار نہیں پہچانتے؟"

"خوب پہچانتے ہیں جناب۔" محافظ نے نرمی سے کہا۔

"پھر تم نے ہمیں روک کر وقت کیوں ضائع کیا؟"

"آپ کا نام کیا ہے؟"

"میرا نام جانسن ہے۔"

"اور یہ بوڑھا کون ہے؟"

"میرا قیدی!" شہزاد نے برہمی سے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔ آپ کے بارے میں ہمیں اطلاع مل چکی ہے" س نے اطمینان کا اظہار کیا اور اُس سنتری کو اشارہ کرنے لگا جو بیٹ کھولتا تھا... لیکن وہ سنتری تو کتوں کو سنبھالنے میں لگا ہُوا تھا۔

جو کتا اُوشان پر غرّا رہا تھا، وہ شاید پاگل یا ذہنی توازن کھو بیٹھا تھا کیونکہ اس کی کوششوں سے اب یہی ظاہر ہونے لگا تھا جیسے وہ زنجیر توڑ کر اُوشان پر حملہ آور ہونے کے لیے بے قرار ہو۔

اُوشان نے زبان نکال کر کتے کو دکھائی۔

کتا غضبناک ہوگیا۔

اس نے گردن کو ایک جھٹکا مارا، نہ جانے زنجیر ٹوٹی تھی یا کسی طرح کتا ہی اپنی گردن پٹے میں سے نکالنے میں کامیاب لگا تھا کہ اچانک وہ آزاد ہوگیا۔

اگلے ہی لمحے وہ تیر کی طرح کار کی طرف آیا۔

اُسی لمحے شہزاد نے کار اسٹارٹ کرکے آگے بڑھانی چاہی تاکہ اُوشان نے اپنی طرف کا دروازہ کھول دیا۔

کتے اور کھلتے ہُوئے دروازے کا زبردست تصادم ہُوا۔

کتا اُلٹ کر سڑک پر جا گرا۔

... لیکن کتے کی پھرتی قابلِ داد تھی۔ وہ تیزی سے پلٹا تھا اُو نے ایک بار پھر اُوشان پر چھلانگ لگائی تھی... لیکن اُوشان ہاں کہاں تھا۔ وہ تو کار سے باہر سڑک پر تھا نتیجتہً کتا فرنٹ سیٹ براجمان شہزاد سے جا ٹکرایا۔

شہزاد اس صورتِ حال کے لیے تیار نہیں تھا۔

اس نے بوکھلا کر کتے پر ہاتھ اُٹھانا چاہا لیکن نہ جانے کس طرح کتا اس سے ٹکراتے ہی واپس ہوگیا۔ یوں محسوس ہُوا جیسے کسی نے اس کی عقبی ٹانگیں پکڑ کر کھینچ لیا ہو۔

مسلح محافظ اس افراتفری پر بوکھلا گئے۔

انھوں نے رائفلوں کے گھوڑے چڑھا لیے لیکن ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کس پر گولی چلائیں۔ کتے کو مار ڈالیں یا اس بوڑھے کو ہلاک کردیں جس نے ان کی آنکھوں کے سامنے کسی چھلاوے کی طرح دو تین ایسی حرکتیں کی تھیں کہ وہ مبہوت ہو کر رہ گئے تھے۔

اُوشان نے کتے کو عقبی ٹانگیں پکڑ کر کھینچ لیا تھا اور نہ کتے کے دانت شہزاد کی گردن میں پیوست ہوگئے ہوتے... پھر اس نے پھرتی سے ہٹ کر کتے کو فضا میں اچھال دیا۔

کتے کے حلق سے خوفناک غرّاہٹیں نکل رہی تھیں اور وہ فضا میں ٹانگیں چلا رہا تھا، جب وہ زمین پر گرا تو اس نے خوفناک جست لگائی۔ اس بار وہ سیدھا اُوشان ہی کی طرف آیا تھا جو اس کی طرف سے غافل نہیں تھا۔

شہزاد بوکھلاہٹ میں کار سے نکل آیا تھا اور اس دلچسپ صورتِ حال میں اس قدر محو ہوگیا تھا کہ اُسے کچھ کرنے کا احساس ہی نہ رہا۔

کتا ابھی اُوشان تک پہنچنے میں کامیاب نہیں ہُوا تھا کہ اُوشان سڑک سے اُچھل پڑا۔ ایک لمحے کے لیے ہر دیکھنے والی آنکھ کو یہی گمان گزرا کہ اُوشان کے جسم پر نادیدہ پَر لگے ہوئے ہیں۔

کتا اپنی ہی جھونک میں سڑک سے ٹکرا گیا۔

اس کی تھوتھنی سڑک سے بڑے زور سے ٹکرائی تھی اور وہ اُلٹ کر گرا تھا لیکن دیوانگی نے اس کی کھوپڑی پر قبضہ جما رکھا تھا۔

"کتے کو روکو... اسے پکڑو۔" شہزاد غرّایا۔

"مجھے افسوس ہے جناب۔ اسے پکڑنا ممکن نہیں۔" محافظ نے معذرت کرلی۔

"تو پھر اسے گولی مار دو۔" شہزاد کا غصہ بڑھ گیا۔

"باس کے حکم کے بغیر ایسا کرنا بھی ممکن نہیں جناب۔"

"کیوں ممکن نہیں۔"

"یہ بے حد قیمتی کتا ہے جناب!... اور باس کے نزدیک اس کتے کی قیمت دس انسانوں سے بھی زیادہ ہے۔" محافظ نے ادب سے جواب دیا۔ وہ باتیں تو شہزاد سے کر رہا تھا لیکن اس کی نگاہ اُوشان اور کتے پر جمی ہُوئی تھی... اور وہ دنیا کا سب سے تحیر خیز منظر دیکھنے میں محو تھا۔

شہزاد ہونٹ چبا کر رہ گیا۔

وہ بھی اُوشان کی طرف متوجہ ہوگیا۔

... پھر اس نے جو کچھ بھی دیکھا، اُسے دیکھ کر نہ جانے کیوں اُسے بے پناہ خوشی ہُوئی۔ اس کا جی چاہا کہ وہ کھل کھلا کر ہنس پڑے اور اتنی زور سے چیخے کہ اس کا حلق پھٹ جائے... لیکن وہ اس خواہش کو عملی جامہ پہنانا بھول کر اس منظر میں محو ہوگیا۔

دیوار کتا پلٹ کر سڑک پر یوں کھڑا تھا جیسے وہ کوئی بھٹکا ہوا درندہ ہو اور اپنے شکار پر جست لگانے کا ارادہ کر رہا ہو۔ اس کے جبڑے کھلے تھے جن سے رالیں ٹپک رہی تھیں ان رالوں میں... خون کی بھی آمیزش ہو گئی تھی۔ اس کی آنکھیں دُھندلا رہی تھیں جیسے غصّے کی سُرخی نے سوائے شکار کے 'ہر نظارا' اُس کی بینائی سے چھین لیا ہو۔ اس کے کان بھی آس پاس کی آوازیں سننے سے محروم ہو گئے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جو محافظ چیخ چیخ کر اُسے روکنے کی کوشش کر رہا تھا' وہ بھی مایوس ہو کر خاموش ہو گیا تھا۔ وہ ان کتوں کے قریب کھڑا تھا' جو نہ جانے کیوں پُرسکون ہو گئے تھے اور اپنی خوفناک آنکھوں سے نظارا کرنے میں مصروف تھے۔

اُوشان بھی بے حد پُرسکون تھا۔

اس کے ہونٹوں پر شریر سی مسکراہٹ تھی۔

شہزاد کو لمحہ بھر کے لیے وہ کوئی ایسی شیطانی رُوح محسوس ہُوا جو مجسم ہو کر زمین پر اُتر آئی ہو۔

بار... لاکتا ایک بار پھر اُچھل پڑا۔

اگر اُوشان اپنی جگہ سے ہٹ نہ جاتا تو کتے کے سامنے والے پنجے اس کے سینے پر لگتے اور اس کے نوکیلے دانت اُس کا نرخرہ اُدھیڑ کر رکھ دیتے... لیکن اُوشان کتے کے پہنچنے سے پہلے ہی اپنی جگہ سے حرکت میں آ گیا تھا۔ اس بار اُس نے فضا میں اُچھلنے کی کوشش نہیں کی تھی بلکہ بڑے اطمینان سے ایک قدم دائیں طرف ہٹ گیا تھا۔

اور پھر شہزاد کے حلق سے بے ساختہ "واہ" کا نعرہ نکل گیا۔

کتا زخمی چیتے کے انداز میں جست لگا کر آیا تھا لیکن اس کا وجود اُوشان کے بائیں پہلو سے گزر گیا تھا... اُسی لمحے اُوشان کا بایاں ہاتھ اُٹھا تھا اور پھر گر گیا تھا۔ قریب سے گزرتے ہوئے تیر کی طرح تیز رفتار کتے پر کب اس کے ہاتھ نے چوٹ لگائی یہ شہزاد نے تو دیکھ لیا البتہ وہاں موجود محافظ نہ دیکھ سکے... لیکن اس کا جو ردِعمل ہوا، وہ البتہ انھیں نظر آ گیا۔

کتے کی بائیں ٹانگ سڑک پر پڑی تھی۔

اس کے بعد کتے کے حلق سے جو آواز نکلی، وہ چیخ سے مشابہ نہیں تھی لیکن یوں ہی محسوس ہُوا تھا جیسے ایک ٹانگ سے محروم ہو کر وہ بہت زور سے چیخا اور عقب میں کئی فٹ دُور جا کر گرا۔

گرتے ہی اس نے لڑھکنی کھائی اور گیٹ کی آہنی سلاخوں سے جا ٹکرایا۔ اُوشان بھی پلٹ کر اس کی طرف دیکھنے لگا تھا۔

شہزاد کا خیال تھا کہ ایک ٹانگ ضائع ہو جانے کے بعد کتا وہیں ڈھیر ہو کر رہ جائے گا لیکن یہ دیکھ کر اس کی حیرت بڑھ گئی کہ جھٹکے سے ٹکرانے کے بعد نہ صرف سنبھل گیا بلکہ اُٹھ بھی کھڑا ہُوا۔

وہ اب تین ٹانگوں کے سہارے کھڑا تھا۔

اس کی جو ٹانگ جسم سے الگ ہو گئی تھی، وہ کئی فٹ دُور اُس کے قریب پڑی تھی اور کتے کے جسم کے اُس حصّے سے خون بہہ رہا تھا جہاں سے ٹانگ ٹوٹ کر علیحدہ ہُوئی تھی۔

کتے کا جسم پوری طرح کانپ رہا تھا۔

وہ تینوں ٹانگوں پر چھلانگ لگاتا ہُوا آگے بڑھنے لگا۔

اس کے جوش و خروش میں ابھی تک کمی نہیں آئی تھی۔

"اُف میرے خدا... یہ بوڑھا کون ہے" محافظ بڑبڑایا۔

"باس اس نقصان پر ہم سب کو گولی سے اُڑا دے گا۔"

"میں نے تمھیں کہا تھا کہ کتے کو روک لو" شہزاد نے کہا۔

"یہ ممکن نہیں تھا۔"

"جو کچھ ممکن تھا، وہ ہو گیا" شہزاد نے ہنس کر کہا اور کتے کی طرف متوجہ ہو گیا جس نے ایک بار پھر چھلانگ لگائی تھی۔ اس بار بھی اس کی جست مہلک تھی لیکن اُوشان اُسے سزا دینے کے لیے تیار کھڑا تھا۔

اس مرتبہ اُوشان جہاں تھا، وہیں کھڑا رہا۔

اس نے دائیں بائیں ہٹنے کی کوشش نہیں کی تھی... جیسے ہی کتا اس کے قریب پہنچا اس کا دایاں ہاتھ آگے بڑھ گیا۔

اس کی اُنگلیاں سیدھی سامنے کی طرف تنی ہُوئی تھیں اور یوں لگتا تھا جیسے وہ ہاتھ کے اشارے سے کتے کو روکنے کی کوشش کرنا چاہتا ہو... لیکن کتا نہیں رُکا اور پھر کتے کی سامنے والی ٹانگوں کا درمیانی حصّہ اس کی اُنگلیوں سے ٹکرا گیا۔

محافظوں کے مُنہ حیرت اور خوف سے کھلے کے کھلے رہ گئے۔

اُنھوں نے بھٹی بھٹی آنکھوں سے دیکھا کہ اُوشان کی تنی ہوئی بھتیلی اور تنی ہوئی اُنگلیاں جُوں کی توں رہیں اور کتے کی دونوں ٹانگوں کا درمیانی حصّہ ایک ایسے شگاف میں تبدیل ہوتا چلا گیا جس سے خون کا فوارہ بہہ نکلا تھا۔ خون کی اس بوچھار سے بچنے کے لیے اُوشان البتہ تیزی سے ایک طرف ہٹ گیا تھا۔

کتا بے دم ہو کر گر گیا۔

وہ چند لمحوں کے لیے تڑپا اور سرد ہو گیا۔

محافظوں کھڑے تھے جیسے انھیں سانپ سُونگھ گیا ہو۔

اُوشان نے دونوں ہاتھوں یوں جھاڑنے شروع کر دیے جیسے گرد جھاڑ رہا ہو... پھر وہ اطمینان سے کار کی طرف بڑھا اور یوں

گیا جیسے کچھ دیر پہلے وہ کوئی خوفناک مظاہرہ نہیں دکھا رہا تھا بلکہ ہوا میں ایک دو گہری گہری سانسیں لینے کے ارادے سے نیچے اترا تھا اور اب واپس آ کر بیٹھ گیا ہو۔

"اب کیا ہو گا جناب" محافظ نے عجیب سے لہجے میں سوال کیا۔

"ہو گا سے تمھارا کیا مطلب ہے؟" شہزاد نے پوچھا۔

"میرا مطلب ہے، میں اس بوڑھے کے کرتب دیکھنے میں محو ہو گیا تھا حالانکہ مجھے فوری طور پر اس صورتِ حال کی اطلاع باس کو دینی چاہیے تھی۔"

"یہ تمھارا فرض تھا، مجھے اس سے کیا دلچسپی ہے" شہزاد نے سفاکی سے جواب دیا۔

"میں سمجھتا ہُوں، ہم میں سے سب سے زیادہ خطرناک ریشن فلورگ کی ہے" محافظ بڑبڑاتا رہا۔

شہزاد نے کوئی جواب نہ دیا۔ اُسے اُلجھن ہو رہی تھی کہ آخر یہ لڑھا گیٹ کیوں نہیں کھول رہا۔

"میرا خیال ہے تمھیں باتیں بنانے کی بجائے گیٹ کھول دینا چاہیے" شہزاد نے اُسے سمجھانے والے انداز میں کہا۔

"کتوں کی نگرانی کا کام اُسی کی ذمّے داری ہے" محافظ اس باتوں پر کان دھرے بغیر کہتا رہا۔ وہ کتوں کے نگران کی طرف ہمدردی سے دیکھ رہا تھا۔

"گیٹ کھولو..." شہزاد نے ناگواری سے کہا۔

"ایک منٹ جناب۔ اس صورتِ حال کے بعد مجھے عمل سے مزید نکات لینے پڑیں گے" یہ کہہ کر وہ دوڑتا ہُوا کیبن میں چلا گیا۔

کیبن میں ٹیلی فون موجود تھا۔

اس نے ریسیور اُٹھایا اور عمل سے رابطہ قائم کرنے لگا... پھر اس گیٹ پر پیش آنے والی صورتِ حال بتاتے ہُوئے مزید احکامات طلب کیے۔ اگلے لمحوں تک وہ دُوسری طرف سے کسی کی باتیں سُنتا رہا... پھر ریسیور رکھ کر کیبن سے باہر آ گیا۔

باہر کتے اب بھی بے چین تھے۔

ان کے حلقوم سے غرّاہٹیں نکل رہی تھیں۔

وہ بار بار تھوتھنی اُٹھا کر فضا میں کچھ سُونگھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اگرچہ ان کے انداز سے عجلت اور بے چینی جھلک رہی تھی لیکن وہ حملہ آور ہو کر نہیں گئے تھے۔ اُنھوں نے اپنے ایک ساتھی کا جو حشر دیکھا تھا اس کے باعث ان میں ہچکچاہٹ پیدا ہو گئی تھی ورنہ اُوشان کا خیال تھا کہ اب وہ سامنے کے سامنے بغیر پیچھے مڑ کر اس پر حملہ آور ہو جائیں گے۔

"لٹھے ہاتھوں میں واقعی بڑی جان ہے" شہزاد نے وقت گزاری کے لیے اُوشان سے کہا۔ وہ یہ اس کی آنکھوں میں احترام کے خفیف سے تاثرات بھی پیدا ہو گئے تھے۔

اُوشان مسکراتا رہا اور جواباً کچھ نہ بولا۔

"میں حیران ہُوں کہ اس کتے نے تم پر کیوں حملہ کیا؟"

"شاید اسے محسوس ہو گیا تھا کہ بلی اور چوہے کا کھیل شروع ہونے والا ہے" اُوشان نے عجیب سے لہجے میں جواب دیا۔

"بلی اور چوہا..." شہزاد بے خیالی میں بڑبڑایا "تم بلی کسے کہہ رہے ہو اور چوہا کون ہے؟"

اُوشان کی گردن آہستہ آہستہ گھُومی اور وہ شہزاد کی طرف دیکھنے لگا۔ ایک لمحے کے لیے دونوں کی نگاہیں چار ہُوئیں۔ شہزاد کو اپنے جسم میں جھرجھری سی محسوس ہُوئی... پھر اُوشان کے ہونٹوں پر بڑی ہی عجیب مسکراہٹ اُبھر آئی۔

"کون بلی اور کون چوہا؟" شہزاد نے سوال دُہرایا۔

"بہت جلد تمھیں پتہ چل جائے گا۔"

محافظ شہزاد کی کار کے قریب پہنچ گیا اور اس نے مجھکتے ہوئے کہا "ٹھیک ہے، مسٹر جانسن! آپ جا سکتے ہیں۔ باس آپ کا انتظار کر رہا ہے۔ میں نے اسے ساری صورتِ حال بتا دی ہے۔"

"بہت خُوب۔ اب یہ جہنمی دروازہ کھول دو۔ تم لوگوں نے بلاوجہ بہت سا قیمتی وقت ضائع کر دیا ہے۔"

"وقت سے بھی زیادہ قیمتی کتا ضائع ہو گیا، جناب۔"

شہزاد نے اثبات میں سر ہلا کر کن انکھیوں سے اُوشان کی طرف دیکھا جو خاموشی سے سر ڈالے کسی گہری سوچ میں ڈُوبا نظر آ رہا تھا۔

"کیا یہ کسی سرکس میں کام کرتا ہے؟" محافظ نے غیر متوقع سے مجبُور ہو کر سوال کیا۔ "میں نے اتنا پھرتیلا بُوڑھا آج تک نہیں دیکھا۔"

شہزاد نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"آپ نے کہا تھا کہ یہ قیدی ہے" محافظ بڑبڑایا۔

"ہاں یہ قیدی ہی ہے۔"

"ایسے پھرتیلے بُوڑھے کو باندھ کر لانا چاہیے تھا، جناب۔"

"تم اپنے کام سے کام رکھو" شہزاد نے غرّا کر کہا اور کار ایک جھٹکے سے آگے بڑھ گئی۔

کُھلے گیٹ سے کار کسی زخمی چیتے کی طرح جست لگاتی ہُوئی نکلی تھی اور پھر لہریوں سڑک پر دوڑنے لگی جیسے نیچی پرواز کر رہی ہو۔

"انسان بھی کتنا بڑا تماشا بین ہے" اُوشان بڑبڑا رہا تھا۔

آس محافظ کو قیمتی کتا ضائع ہونے کا ملال تھا۔"

"حالانکہ میرا قیمتی قیدی ضائع ہوجاتا تو مجھے تمہاری موت کا ملال ہوتا۔" شہزاد نے ہنس کر کہا۔

کارمل کے چبوترے کے پاس پہنچ چکی تھی۔

شہزاد نے اسے ایک طرف پارک کیا تو دیکھا کہ پارکنگ میں نصف درجن کے قریب مزید کاریں پہلے سے موجود ہیں۔ یہ تمام کاریں نیراف کی تھیں یا کچھ لوگ اس سے ملاقات کے لیے آئے ہوئے تھے، کاریں دیکھ کر شہزاد اس بات کا اندازہ نہ لگا سکا۔

اچانک اس کی نگاہ ایک مرسیڈیز گاڑی پر پڑی۔

یہ کار وہ شہر میں بھی کہیں دیکھ چکا تھا۔

وہ چند لمحوں تک اس کار کو گھورتا رہا... پھر اُترا اور اُدشان کو بھی اُترنے کا اشارہ کیا۔ اُدشان کار سے اُتر آیا تو شہزاد سیڑھیوں کی طرف چل دیا۔ اُدشان اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔

سیڑھیوں پر چلتے وقت شہزاد اپنے مخصوص انداز میں زینے طے کرنے لگا۔ ذرا سی بھی آواز پیدا نہیں ہو رہی تھی اور یوں لگتا تھا جیسے اس کے پیر زمینوں پر نہیں لگ رہے بلکہ اُن سے چند انچ اُوپر ہی ہوا میں ٹانگیں چلاتا ہُوا سیڑھیاں طے کر رہا ہو۔

اُدشان تعریفی نظروں سے اُسے دیکھتا رہا۔

وہ آہستہ آہستہ سیڑھیاں چڑھ رہا تھا۔ اس کے پاؤں لیے چوڑے کی وجہ سے نظر نہیں آرہے تھے۔ صرف اس کا چہرہ اور گردن کا کچھ حصہ چوغے سے باہر تھا۔ وہ اوپر ہاتھ بھی آستینوں میں چھپ گئے تھے... اور وہ حرکت کرتا ہُوا یوں لگ رہا تھا جیسے لہراتے سیڑھیوں کے اُوپر فضا میں تیر رہا ہو۔

نیراف اسی کمرے میں ان کا منتظر تھا جس میں اس نے سب سے پہلے شہزاد سے ملاقات کی تھی۔ اس کے سامنے میز پر گوشت کے تلے ہُوئے پارچے رکھے ہُوئے تھے اور اس کا گھوڑے جیسا مُنہ چل رہا تھا۔

اس نے ان دونوں کی طرف دیکھا تو مُنہ چلاتے ہُوئے اثبات میں سر ہلا دیا... لیکن جب اس کی نگاہ اُدشان پر پڑی تو اس کا متحرک دہانہ ساکت ہوگیا اور اس کی خوفناک آنکھیں اُدشان پر جم گئیں۔ اس کے چہرے اور آنکھوں سے حیرت ظاہر ہو رہی تھی۔

"کیا تم کچھ کھاؤ گے؟" اس نے کچھ دیر بعد اُدشان سے نگاہ ہٹا کر شہزاد سے پوچھا۔

"نہیں۔ شکریہ۔" شہزاد نے سرسری لہجے میں جواب دیا۔

"یہ کون ہے؟"

"یہ وہی آدمی ہے جس کی تمہیں تلاش تھی۔"

"اُدشان...؟" نیراف کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں۔ یہ وہی بُوڑھا ہے۔" شہزاد نے جواب دیا۔ "اور ہوٹل اسٹوا میں سٹر پارک کے نام سے مقیم ہے۔"

"لیکن میں نے تمہیں حکم دیا تھا کہ اسے قتل کردو... اور تم اسے زندہ لے آئے ہو۔" نیراف نے خوفناک لہجے میں کہا۔ وہ اب بھی مُنہ چلا رہا تھا۔ اُدشان کو گھور رہا تھا۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ لقمہ چبانا اور نگلنا ہی بھول گیا ہو۔ یہی وجہ تھی کہ اس کی آواز میں خوفناکی کا عجیب تاثر پیدا ہوگیا تھا۔

شہزاد نے اثبات میں سر ہلا کر اس کی تائید کی۔ "یہ درست کہ تم نے اسے قتل کرنے کا حکم دیا تھا۔" اس نے نرمی سے کہا۔ "لیکن تم اب بھی مُردہ ہی سمجھ سکتے ہو۔ یہ تمہاری قید میں ہے۔ جب جی چاہے اسے ہلاک کرڈالنا۔"

"اسے یہاں لاکر تم نے بہت بُری غلطی کی ہے۔"

"اگر تم اس کتے کی موت پر میرے اس اقدام کو غلطی قرار دے رہے ہو تو میں وضاحت کردینا چاہتا ہُوں کہ ابھی اس کا ساتھی شخص زندہ ہے۔" شہزاد نے ٹھوس لہجے میں کہا۔

"میرے کتے بے حد قیمتی ہیں۔" نیراف نے نقرئی کر کہا۔ "اور وہ شہزاد کہاں ہے؟ تم نے اُسے کیوں نہیں ٹھکانے لگا دیا؟"

"یہی بات تو میں تمہیں سمجھانا چاہتا ہُوں۔" شہزاد کا لہجہ ٹھوس رہا۔ "وہ غائب ہے... نہ جانے کہاں مرگیا ہے۔ اس کی تلاش میں وقت ضائع کرنے کی بجائے میں اسے پکڑ لایا ہُوں۔ جب اسے پتہ چلے گا کہ اس کا بُوڑھا دوست غائب ہے تو وہ یقیناً اس کی تلاش میں آئے گا۔ تب اسے اطمینان سے ٹھکانے لگا دُوں گا۔"

"مجھے فون پر اس کتے کی موت کا جو حال بتایا گیا ہے، وہ بے حد خوفناک ہے جیسے یہ بُوڑھا ایسا ہے کہ اسے پھُونک مار کر اُڑایا سکتا ہے کہیں میرے محافظ پاگل تو نہیں ہوگئے؟"

"نہیں۔ وہ پاگل نہیں ہیں۔" شہزاد ہنس پڑا۔ "البتہ یہ بُوڑھا بہت بڑا شعبدے باز ہے۔"

"اسے فوراً قتل کردو۔" نیراف غرایا۔

"مجھے جو کہنا تھا، وہ میں کہہ چکا۔" شہزاد کے لہجے میں ناگواری پیدا ہوگئی۔ "اب جو تمہارا جی چاہے کرتے رہو۔"

نیراف نے ایک لقمہ مُنہ میں ٹھونسا اور تیزی سے مُنہ چلانے لگا۔ اس کی نگاہ اُدشان پر جمی ہوئی تھی۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ کچھ سوچ رہا ہو... اُسی لمحے فون کی گھنٹی بجنے لگی۔

وہ چونک کر فون کی طرف متوجہ ہوگیا۔

شہزاد نے ایک طویل سانس لی۔

وہ سمجھ گیا کہ بوڑھے کی موت کا مسئلہ ایک بار پھر ٹل جائے گا۔ وہ نیراف کی طرف دیکھنے لگا جو ریسیور اُٹھائے کہہ رہا تھا "ہاں۔ کیا بات ہے؟" کچھ دیر وہ دُوسری طرف سے بولنے والے کی بات سُنتا رہا۔ اس دوران میں یکایک اس کی آنکھوں میں چمک بے پناہ بڑھ گئی۔

"بہت خُوب۔ بہت خُوب۔" اس نے تعریفی لہجے میں کہا اور ریسیور رکھ کر شہزاد کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کے ہونٹوں پر بڑی ہی عجیب سی مسکراہٹ پیدا ہوگئی تھی۔

"واقعی۔ تمہارا منصوبہ کارآمد رہا۔" اس نے کہا۔

شہزاد وضاحت طلب نظروں سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔

"اس بوڑھے کے پیچھے بہت سے لوگ لگے ہُوئے ہیں۔ ابھی ابھی میرے محافظوں نے جھاڑیوں میں چھپے ہوئے ایک ایجنٹ کو گرفتار کرلیا ہے جو یقیناً اس کے تعاقب میں یہاں آنے کی کوشش کر رہا ہوگا۔"

"بہت خُوب۔" شہزاد نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "ممکن ہے وہ شہزاد ہی ہو۔" یہ کہہ کر وہ اُدشان کی طرف متوجہ ہوگیا۔ "کیا خیال ہے بڑے میاں! چوہے بلی کا کھیل شروع ہوچکا ہے یا نہیں... اور ہاں اب بتاؤ بلی کون ہے؟" اس کا انداز مضحکہ خیز تھا۔

"بلی نے ابھی تک اپنے پنجوں کی نمائش نہیں کی۔" اُدشان نے دھیمی آواز میں جواب دیا۔

اس سے پہلے کہ شہزاد کوئی جواب دیتا۔ نیراف نے تالی بجائی۔ فوراً ہی سفید لباس والا ایک شخص اندر آگیا اور مودب کھڑا حکم کا انتظار کرنے لگا۔

"مسٹر جانسن کے ساتھ جاؤ اور اس بُوڑھے کو قید خانے میں پہنچا دو... پھر جانسن کو ملاقاتیوں کے لیے مخصوص کمرے میں لے آنا۔" نیراف نے حکم دیا۔

سفید لباس والے نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"بہت بہتر جناب۔" اس نے شہزاد کو چلنے کا اشارہ کیا۔

"اور ہاں...!" نیراف نے ہاتھ اُٹھا کر مزید ہدایت جاری کی۔ "آنے والے باقی مہمانوں کی خُلد توضع کا بھی بندوبست کرو۔"

سفید لباس والے نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بچوں کے بل گھُوم کر ایک اندرونی دروازے کی طرف چلنا شروع کردیا۔ شہزاد نے اُدشان کا بازو تھام لیا اور اُسے نرمی سے آگے دھکیل دیا۔

وہ اسٹڈی سے گزر کر ہال وے میں آئے۔

خُفیہ لفٹ کے قریب سے گزر کر سفید لباس والا خاص محافظ ایک لمبے زینے کی طرف بڑھ گیا جو محل کے عقبی حصے کی جانب جاتا تھا۔

ان سیڑھیوں پر چڑھنے کا، شہزاد کو پہلے اتفاق نہیں ہُوا تھا۔ زینہ مرطوب تھا اور دہلیز تاریکی پھیلی ہُوئی تھی۔ لگتا تھا وہ کسی زیرِ زمین حصے کی طرف جارہے ہوں۔

زینے میں ہَوا کا بھی گزر نہیں تھا اس لیے وہ جلد ہی پسینے میں نہاگئے۔ سیڑھیاں یا بھُول بھلیاں۔ کبھی اُوپر، کبھی دائیں اور کبھی نیچے یا پھر اُوپر اُٹھنے لگتی تھیں۔

جب وہ آخری سیڑھیاں اُتر رہے تھے تو نہ جانے کیوں شہزاد کو محسوس ہونے لگا کہ یہ سیڑھیاں جس دیوار کے ساتھ ساتھ بنی ہُوئی ہیں، اس کی دُوسری جانب وہی مشق گاہ ہے، جہاں اس نے سیاہ فام کو ٹھکانے لگایا تھا۔

سیڑھیاں ایک تنگ سے راستے پر ختم ہوگئیں۔

سامنے ایک کمرہ تھا۔

وسیع و عریض کمرہ جس میں تین طرف کوٹھریاں بنی ہُوئی تھیں۔ ایسی کوٹھریاں جن پر سلاخ دار دروازے لگے ہوئے تھے۔ کس کمرے میں کوئی کھڑکی یا روشن دان نہیں تھا اور وہاں سیلن محسوس ہو رہی تھی۔ یقیناً یہ تہ خانہ ہی تھا لیکن جس انداز کی سیڑھیاں طے کرکے وہ یہاں پہنچے تھے، ان سے ہرگز اندازہ نہیں ہوتا تھا کہ وہ کسی تہ خانے میں اُتر رہے ہیں۔

"کیا میں اس جگہ قیام کروں گا؟" اُدشان نے پُوچھا۔

"عارضی طور پر۔" شہزاد نے جواب دیا۔

"اور اس کے بعد؟"

"اس کے بعد زمین کے کسی مناسب سے ٹکڑے میں تمہیں مستقل قیام کی غرض سے دفن کردیا جائے گا۔"

"لیکن یہاں تو میں سردی سے ٹھٹھر کر مرجاؤں گا۔"

"پروا نہ کرو۔ اس طرح تمہیں آسان موت نصیب ہوجائے گی۔"

سفید لباس والا خاص محافظ اُنہیں لے کر آگے بڑھا تو فرش کی سیلن نے ان کے قدموں کی چاپ کو نگلنا شروع کردیا... پھر وہ رُک گیا تاکہ اُدشان گزر جائے... پھر اس نے اُدشان کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہُوئے اُسے ایک کوٹھری میں دھکیل دیا... لیکن اُسے دھکیلنے کی حسرت ہی رہی تھی۔ اُدشان اس کے ہاتھ کی پہنچ سے آگے جاچکا تھا۔

سفید لباس والا خاص محافظ جھٹکا کھا اُٹھا۔ اس نے ایک بار پھر اُدشان کو دھکیلنا چاہا تو اُدشان پلٹ کر غرایا۔ "اپنے ہاتھ دُور رکھو۔ میں جانسن کو جس بات کی اجازت دے سکتا ہُوں، ہر کسی کو اُسے آزمانے کا موقع نہیں دے سکتا۔" یہ کہہ کر وہ کوٹھری میں موجود چارپائی پر جا بیٹھا اور شہزاد کی طرف دیکھ کر عجیب سے لہجے میں بولا۔ "بہت شکریہ امیرے بچے! میں

تمھیں ہمیشہ یاد رکھوں گا۔"

"اگر تم یہ بتا دو کہ تمھارا دوست شہزاد کہاں ہے تو میں تمھارے لیے کچھ کر سکتا ہوں۔" شہزاد نے کہا۔

"وہ زیادہ دُور نہیں ہے۔" اُوشان نے معنی خیز انداز میں کہا اور مسکرانے لگا۔ "بہت قریب... بہت ہی قریب ہے۔"

شہزاد چونک پڑا۔ اُسے قدموں کی آہٹیں سُنائی دے رہی تھیں۔ یُوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی سنگی زینے پر خُوب زور و رسے پاؤں مارتا ہُوا چلا آ رہا ہو۔

اس نے پلٹ کر اُوشان کی طرف دیکھا۔

"کیا تمھیں اپنی زندگی سے ذرا بھی محبت نہیں؟"

"یہ سوال تم مجھ سے پہلے بھی کر چکے ہو۔"

"میں پُوچھتا ہُوں، شہزاد کہاں ہے؟" شہزاد چیخ اُٹھا۔

"زیادہ چیخنے سے تمھاری آواز خراب ہو جاتی ہے اس لیے حلق نہ پھاڑو۔" اُوشان نے مشورہ دیا۔ "شہزاد مجھ سے زیادہ دُور نہیں ہے اور مجھے یقین ہے کہ تم جلد ہی اُسے دیکھ لوگے۔"

سیڑھیوں کی طرف سے آنے والی آوازیں اب نمایاں ہو گئی تھیں۔ شہزاد کے ذہن میں اس فون کال کا خیال آیا جو کچھ دیر پہلے نیراف کو موصول ہُوئی تھی اور کسی نے بتایا تھا کہ ایک ایجنٹ پکڑا گیا ہے۔

قدموں کی چاپ اب تہ خانے میں گونجنے لگی تھی حالانکہ جو کوئی بھی آ رہا تھا، وہ سیڑھیوں ہی میں پوشیدہ تھا۔

اُس نے نگاہ اُٹھا کر سیڑھیوں کی طرف دیکھا۔

اچانک اُسے میگی دکھائی دی۔ وہ یوں سیڑھیاں اُتر رہی تھی جیسے کوئی طاقت اُسے عقب سے دھکیل رہی ہو۔ لڑکھڑاتی ہُوئی وہ فرش تک آئی تو سیڑھیوں پر نیراف دکھائی دیا۔

وہ سیڑھیاں اُتر کر آیا تو میگی کی پشت پر رُک گیا۔

دونوں کی جسامت میں اتنا فرق تھا کہ میگی کے عقب میں وہ ایک بلند و بالا مینار ہی لگ رہا تھا۔ نیم تاریک تہ خانے میں سپ رُو نیراف کو دیکھ کر کسی ایسے بھُوت کا تصور ذہن میں اُبھرتا تھا، جو خوابوں میں آ کر ڈراتا ہے۔ اس کی آنکھوں میں بڑی ہی خوفناک چمک تھی۔

اس نے میگی کو ایک بار پھر دھکا دیا۔

میگی لڑکھڑاتی ہُوئی آگے آئی اور شہزاد سے ٹکرا کر اس کے قدموں میں گر گئی۔ شہزاد کی آنکھوں میں لمحاتی کرب پیدا ہُوا... پھر اس کی آنکھیں ہر تاثر سے خالی ہو گئیں۔

"تم کچھ حیرت زدہ نظر آ رہے ہو، جانسن؟"

نیراف نے ہنس کر کہا۔

شہزاد خاموش رہا۔

"یہ وہی ایجنٹ ہے جسے جھاڑیوں میں پھیلے ہُوئے میرے محافظوں نے گرفتار کیا ہے۔"

"کیا یہ میرے تعاقب میں یہاں آئی ہے؟"

"ہو سکتا ہے۔" نیراف غرّایا۔

"اور تمھارے خیال میں یہ برطانوی سیکرٹ ایجنٹ ہے شہزاد کا لہجہ تلخ ہو گیا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر میگی کے بال مٹھی میں جکڑ لیے۔ "تم میرا تعاقب کر رہی تھیں۔ اب تمھیں اس حرکت کا مزا آ جائے گا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم میری ٹوہ میں رہتی ہو اس نے میگی کے بالوں کو جھٹکا دیا۔

میگی جواباً خاموش رہی... لیکن اس نے جو ردِ عمل ظاہر کیا وہ کسی ایسی عورت کا ہرگز نہیں ہو سکتا جو بطور سیکرٹ ایجنٹ کام کر رہی ہو۔ وہ دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپائے سسکیاں بھرنے لگی تھی۔

نیراف نے ہاتھ بڑھا کر اُسے پکڑا اور اُٹھا کر اس طرح دھکیلا کہ میگی چیختی ہُوئی مسلح محافظ کے قبضے میں چلی گئی۔

"اسے بند کر دو۔" وہ غرّایا۔ "اور میں چاہتا ہُوں کہ اُسے ہر طرح کا آرام مہیا کیا جائے۔"

جواباً محافظ جس انداز میں مُسکرایا تھا، اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ نیراف نے جو حکم دیا ہے، اس کا مفہوم کچھ اور ہی ہے۔ شہزاد نے کن انکھیوں سے میگی کی طرف دیکھا۔ اس کی حالت قابلِ رحم تھی۔ اس کا چہرہ آنسوؤں سے دُھل گیا تھا اور ابھی تک اس کی ہچکیاں بند نہیں ہُوئی تھیں۔

محافظ میگی کو دھکیلتا ہُوا ایک سلاخ دار دروازے کی طرف لے گیا۔ یہ کوٹھری اس کوٹھری کے سامنے واقع تھی جس میں اُوشان کو قید کیا گیا تھا۔ محافظ نے دروازہ کھول کر اُسے اندر دھکیل دیا۔

میگی فرش پر گری۔ چند لمحوں تک وہ اس حالت میں پڑی رہی... پھر آہستہ آہستہ اٹھی اور پلٹ کر سلاخ دار دروازے سے نیراف اور شہزاد کی طرف دیکھنے لگی۔ لمحے بھر کو اس کی آنکھوں میں دفترِ شکایات اُبھرا لیکن پھر خود اعتمادی کی چمک ہر شکوے کو بہا لے گئی۔

وہ یوں تن کر کھڑی ہو گئی جیسے ہر ستم سہنے کا تہیہ کر چکی ہو۔

"جانسن نے جس لڑکی کو منتخب کیا ہو، اس میں تم جیسی ہی دم خم ہونا چاہیے۔" شہزاد نے مُسکرا کر کہا اور داد طلب نظروں سے نیراف کی طرف دیکھنے لگا۔

نیراف ہنس پڑا۔

"اس کے دم خم کا ابھی پتہ چل جاتا ہے۔" اس نے محافظ کو اشارہ کیا کہ وہ میگی کو باندھ دے۔

میگی کی آنکھوں سے نفرت ٹپکنے لگی تھی۔ اس کے ہونٹ سختی سے بھینچ گئے تھے اور وہ غضبناک ناگن دکھائی دینے لگی تھی... لیکن شہزاد جانتا تھا کہ اب اس کا غصہ اور اس کی نفرت کسی کام نہیں آ سکتی۔ اُسے افسوس ہونے لگا۔ یہ لڑکی اس سے بہت قریب رہ چکی تھی اور وہ اسے پامال ہوتے نہیں دیکھ سکتا تھا لیکن اس کے سلسلے میں کوئی بھی اقدام اسے نیراف کی نظروں میں گرا سکتا تھا، اس لیے وہ خاموش تماشائی بنا کھڑا رہا۔

محافظ نے دیوار کی ایک کھونٹی سے ہتھکڑیوں کا ایک بڑا اُتارا اور میگی کی کلائیوں میں ڈال دیا... پھر اس نے دو مزید زنجیروں کے کڑے میگی کے ٹخنوں میں ڈال کر انھیں مقفل کر دیا۔

شہزاد نے اُوشان کی کوٹھری کی طرف دیکھا۔

وہ سلاخوں کو تھامے کھڑا تھا۔

اس کے چہرے پر بے پناہ سنجیدگی تھی اور اُس کی آنکھیں غیر معمولی طور پر چمک دار نظر آ رہی تھیں۔ وہ سامنے والی کوٹھری کی طرف دیکھ رہا تھا، جہاں محافظ میگی کو زنجیروں میں جکڑ رہا تھا۔

"تم اس لڑکی کے ساتھ کافی دلچسپ وقت گزار چکے ہو، جانسن۔" نیراف نے یکایک شہزاد کے کندھے پر ہاتھ مارتے ہُوئے بے تکلفی سے کہا۔ "اب میرے آدمی اسے آزمائیں گے۔"

"اسے قتل کر دینا مناسب ہو گا۔"

"لاش کسی کام کی نہیں ہوتی، جانسن۔" نیراف نے سفاک لہجے میں کہا۔ "لاش بننے سے پہلے یہ جس حد تک مفید رہے گی، اس سے کام لیا جاتا رہے گا۔" وہ پلٹ کر میگی کی طرف دیکھنے لگا جو اس وقت اپنی جلد کے لباس میں بے حد پُرکشش لگ رہی تھی۔

شہزاد مُسکرانے لگا۔

"تم نے اسے کیوں نہیں باندھا؟" نیراف اچانک برہم ہو گیا۔ اس کی نگاہ اُوشان پر جمی ہُوئی تھی۔

"اس بوڑھے...."

شہزاد نے کچھ کہنا چاہا تھا لیکن نیراف کی مُتراہٹ نے اس کی بات فوراً ہی کاٹ دی۔ "اسے فوراً زنجیریں پہنا دو۔ میں کوئی بھی خطرہ مول نہیں لینا چاہتا۔"

"اسے میں باندھ دیتا ہُوں۔" شہزاد نے کہا اور سلاخ دار دروازہ کھولتا ہُوا اُوشان کی کوٹھری میں داخل ہو گیا۔ اس نے دیوار میں کھونٹی سے ہتھکڑی اور پیروں کے لیے کڑوں سے مزین زنجیریں اُتاریں اور یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ بوڑھے اُوشان نے زنجیریں پہننے میں کوئی اعتراض نہیں کیا بلکہ وہ اس سے تعاون کرتا رہا حتیٰ کہ وہ اسے ہتھکڑیاں اور زنجیریں پہنانے کے بعد ہٹ گیا تو اس کی پیشانی کے اوپر بالوں میں نہ جانے کیوں پسینہ آ گیا تھا۔

زنجیریں پہنتے وقت اُوشان کچھ بڑبڑانے لگا تھا۔

شہزاد نے غور سے سُنا تو یوں محسوس ہُوا جیسے وہ زیرِ لب کوئی دُعا مانگ رہا ہو۔ نہ جانے کیوں اُسے اُوشان پر رحم آنے لگا۔ یہ واحد شخص تھا جس کے بارے میں اس کے تاثرات اور جذبات میں بڑی جلدی جلدی تبدیلیاں پیدا ہو رہی تھیں حالانکہ وہ میگی سے زیادہ، اس کے دل سے قریب نہیں رہا تھا... اور اگر رہا بھی تھا تو اُسے یاد ہی کہاں تھا۔ وہ تو اپنا ماضی کھو دینے کے بعد سبھی کچھ بھُول گیا تھا... ایسے میں اُسے یہ کیسے یاد آتا کہ وہ پچیس بوڑھے کو پابہ زنجیر کر کے تذلیل کا باعث ثابت ہو رہا ہے، وہ اس کا استاد اُوشان ہے۔ وہی اُوشان جو اُسے اپنا لختِ جگر سمجھتا ہے۔

شہزاد نے توجہ سے سُننے کی کوشش کی کہ اُوشان کیا کہہ رہا ہے... پھر آواز دھیمی ہونے کے باوجود اس نے اپنی حساس سماعت سے اس کی آواز میں سُننی شروع کر دیں۔

"اوہ... سنا نجو کے اُستاد... اس صدی کے ماسٹر... اپنے بزرگوں کو یاد کر۔ ان پر بھی ایسے کڑے وقت آئے تھے اور انھوں نے ہر مصیبت کو بڑی ثابت قدمی سے جھیلا تھا... یہ زمین قاتلوں سے بھری ہُوئی ہے... یہاں درندے بھی ہیں، جو معصوموں پر جھپٹتے ہیں اور انھیں چیر پھاڑ ڈالتے ہیں... لیکن بدی کی طاقتیں کبھی بھی نیکی پر غالب نہیں آ سکتیں کیونکہ نیکی درحقیقت بہت بڑی درندگی کا نام ہے جو اپنی درندگی صرف بدی کے خلاف ہی استعمال کرتی ہے... لیکن میرے مالک... میرے خُدا... میں جس امتحان میں مُبتلا ہوں، وہ میری طاقت سے باہر ہے... میری ہستی کو موت سے ہمکنار کر دے... مجھے توڑ پھوڑ دے... لیکن میرے ہاتھوں میری تخلیق کو تباہ و برباد نہ کروا... میں بے بس ہوتا جا رہا ہُوں... میری طاقت سلب ہوتی جا رہی ہے... میرا دم گھٹ رہا ہے... تو کیسی ری

رہنمائی کر... مجھے راہ سُجھا... میری طاقت اور میرا حوصلہ بحال کر دے... میرے مالک..."

اُوشان نے آنکھیں کھول دیں۔

اُس نے شہزاد کی طرف دیکھا جو عجیب نظروں سے اُسے گھور رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں دُھندسی نظر آ رہی تھی جیسے اس کے دل کا پانی آنکھوں میں تیر رہا ہو۔

یکایک شہزاد پلٹ کر سلاخ دار دروازے کی طرف چلنے لگا۔ اس کی چال میں عُجلت اور بے قراری تھی۔

سلاخ دار دروازہ بند کر کے وہ وہاں جا کھڑا ہُوا جہاں نیمراف موجود تھا۔ اس نے ایک بار پھر اس دروازے کی طرف دیکھا جس کی سلاخوں کے پیچھے مینگی کا وجود تھا۔

وہ اب بھی کوٹھری۔ کے درمیان کھڑی تھی۔

وہ چٹان نظر آ رہی تھی

ایک ایسی چٹان جسے پیار۔ سے تو تسخیر کیا جا سکتا ہو... لیکن طاقت سے اس کی مضبوطی کو یکسر ناممکن نہ ہو۔ نیمراف نے دُور ہی سے اُوشان کو زنجیروں میں جکڑے جاتے دیکھ لیا تھا اور اب کافی حد تک مطمئن نظر آ رہا تھا۔ اس نے محافظ کو متوجہ کرنے کے لیے تالی بجائی اور بولا "ان دونوں کا خیال رکھنا۔"

شہزاد کن انکھیوں سے اُوشان کی طرف دیکھتا رہا۔

"اور تم، جانسن!" نیمراف نے اُسے مخاطب کیا "تم ان دونوں کی لاشوں کو فرصت کے کسی وقت ٹھکانے لگا دینا۔ فی الحال میرے ساتھ چلو۔"

"اس بوڑھے کو کون ٹھکانے لگائے گا؟"

"اس کی فکر نہ کرو۔"

"لیکن نیمراف! میری ایک خواہش ہے۔"

"کیا کہنا چاہتے ہو؟" نیمراف نے چونک کر کہا۔

"اس بوڑھے اور اس لڑکی کو میرے علاوہ کوئی قتل نہ کرے۔ یہ دونوں میرے شکار ہیں۔"

"لیکن ان دونوں کی حد تک تمہارا فرض پورا ہو چکا ہے۔"

"میں نے فرض کا نہیں، اپنی خواہش کا اظہار کیا تھا۔" شہزاد نے اکھڑ لہجے میں کہا۔

نیمراف نے اُسے ایسی نظروں سے دیکھا جیسے شہزاد کا اندر اس کے لیے ناقابلِ فہم ہو۔ اس کے گھوڑے جیسے ہونٹ سکڑ گئے تھے اور اس کی آنکھوں میں شکوک کی پرچھائیاں رقص کرنے لگی تھیں۔

"تمہارے انداز سے بغاوت کی بُو آ رہی ہے جانسن"

"یہ بغاوت نہیں، ضد ہے۔"

"اوہ..." نیمراف بے ساختہ مُسکرا دیا۔ وہ آہستہ آہستہ چلتا ہُوا اس سلاخ دار دروازے تک پہنچا جس کے عقب میں اُوشان چارپائی پر بیٹھا ہُوا تھا۔ "کیا تم بھی جانسن کے ہاتھوں مرنا چاہتے ہو؟"

"موت کسی کے ہاتھوں تو بعد میں آئے گی۔" اُوشان نے عجیب سے انداز میں مُسکرا کر جواب دیا "میں شاید سردی ہی سے ٹھٹھر کر مر جاؤں۔"

"کیا تمہیں اس لڑکی کو دیکھنے کے بعد بھی سردی لگ رہی ہے؟" نیمراف نے مینگی کی کوٹھری کی طرف اشارہ کرتے ہُوئے کہا "میں روح کی سردی کا ذکر کر رہا تھا۔"

"اوہ... ہا ہا ہا..." نیمراف کا قہقہہ اس کے حلق سے اُبل پڑا۔ وہ ہنستا تو تہ خانہ گونج اُٹھا اور اس کا ایک محافظ تیزی سے زینے کی طرف دوڑا۔ شاید وہ اس کے لیے مقابل لینے جا رہا تھا۔ نیمراف کو عموماً ذرا سی حرکت کے بعد کھانسنے کی ضرورت پڑ جاتی تھی۔ نیمراف کا پیٹ بُری طرح حرکت کر رہا تھا۔

یُوں لگ رہا تھا جیسے قہقہے اس کے پیٹ میں جنم لے رہے ہوں اور اس کے حلق سے اُبل رہے ہوں۔ اس کا وجود زلزلے کی سی کیفیت کا شکار نظر آ رہا تھا۔

بڑی مشکل سے اس کا قہقہہ تھما۔ اس وقت تک محافظ گوشت کے پارچوں کا تھال لے آیا تھا۔ نیمراف نے ایک ٹکڑا مُنہ میں ڈالا اور اُسے چباتے ہُوئے شہزاد کی طرف دیکھنے لگا۔

"ٹھیک ہے جانسن۔ یہ دونوں تمہارے ہی ہاتھوں ہلاک ہوں گے لیکن ان کی ہلاکت کا نظارا کرنے کے لیے میں بھی موجود رہوں گا۔" اُس نے مُنہ میں ایک اور ٹکڑا ڈالتے ہُوئے کہا "آؤ چلیں۔"

شہزاد اس کے ساتھ سیڑھیوں کی طرف چل دیا۔

"میں نے آتے وقت نصف درجن کاریں دیکھی تھیں۔" شہزاد نے کہا۔

"ہاں..." وہ مُنہ چلاتا ہُوا بولا۔

"کیا تمہارے مہمانوں کی آمد کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے؟"

"مہمان آ رہے ہیں اور جلد ہی میٹنگ شروع ہو جانے والی ہے۔" نیمراف نے فخریہ لہجے میں کہا "میں برسوں سے جو خواب دیکھتا چلا آ رہا ہوں، اس کے شرمندۂ تعبیر ہونے کا وقت آ پہنچا ہے۔"

"کون کون آیا ہے؟" شہزاد نے پوچھا۔

"فی الحال نیویارک کا ایک خاص مہمان آیا ہے۔" نیمراف نے زینے

پر چڑھتے ہوئے کہا "یہ واحد مہمان ہے جو شہزاد کو جانتا ہے۔"

"اوہ..." شہزاد نے اثبات میں سر ہلایا۔

"مجھے یقین ہے کہ وہ شہزاد کو پکڑنے میں ہمارا بہترین مددگار ثابت ہو گا۔"

"ہو سکتا ہے لیکن وہ ہے کون؟"

"اس کا نام اوبیرن ہے۔" نیمراف نے جواب دیا "اور وہ نیویارک کی جیل میں بطور گارڈ کام کر رہا ہے۔ اس نے میرے لیے بہت سی قابلِ انجام دی ہیں۔"

"بہت خوب۔ میرا خیال ہے۔ مجھے فوراً اس سے مل لینا چاہیے تاکہ شہزاد کو پکڑا جا سکے۔" شہزاد نے کہا اور تیزی سے سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ اس کا دل شدت سے دھڑکنے لگا تھا۔

وہ سوچ رہا تھا کہ جس شخص کی تلاش میں اُسے نہ جانے کتنے پاپڑ بیلنے پڑے ہیں، کم از کم اس کا حُلیہ تو اُسے معلوم ہو ہی جائے گا... اور جب شہزاد نامی شخص سامنے آئے گا تو وہ اسے اپنی بے دردی سے مار ڈالے گا۔ کیونکہ اس طرح وہ نیمراف کی نظروں میں بلند مقام پا سکے گا... لیکن اُسے حیرت تھی کہ آخر شہزاد نام کا یہ شخص کون ہے جس سے نیمراف جیسا آدمی اس قدر خوف زدہ ہے؟

وہ شخص اب واقعی اس سے زیادہ دُور نہیں تھا۔

• •

شہزاد، نیمراف کے تعاقب میں آہستہ آہستہ چلتا ہُوا پہلی منزل پر پہنچ گیا۔ دروازے سے داخل ہوتے ہی نیمراف کے حلق سے ایک عجیب سی آواز نکلی۔ یوں محسوس ہُوا تھا جیسے وہ کسی دلکش خوشی سے چہک پڑا ہو۔

"اوہ، مسٹر فاہیو! کیسے ہیں، آپ؟ آپ کی آمد سے مجھے کس قدر خوشی ہو رہی ہے۔"

شہزاد نے اس طرف دیکھا جدھر نیمراف لپک رہا تھا۔

ایک سفید جلد والا شخص آگے بڑھ رہا تھا۔ اس کے انداز سے عیاں ہوتا تھا کہ وہ کسی مجرم گروہ کا سرغنہ ہے۔ شہزاد نے اندازہ لگایا کہ یقیناً مافیا جیسی کسی تنظیم کا سربراہ ہو گا۔

مسٹر فاہیو نے نیمراف سے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھا دیا۔

"یہ کون ہے؟" اس نے نیمراف کے عقب میں کھڑے شہزاد کی طرف دیکھتے ہُوئے سوال کیا۔

نیمراف خوش دِلی سے ہنس پڑا۔

"ابھی تم دونوں کو متعارف کراتا ہوں۔" اس نے پلٹ کر شہزاد کی طرف دیکھتے ہُوئے کہا "یہ واحد مہمان ہے جو شہزاد کو جانتا ہے۔"

"اوہ..." شہزاد نے اثبات میں سر ہلایا۔

"مجھے یقین ہے کہ وہ شہزاد کو پکڑنے میں ہمارا بہترین مددگار ثابت ہو گا۔"

"ہو سکتا ہے لیکن وہ ہے کون؟"

"اس کا نام اوبیرن ہے۔" نیمراف نے جواب دیا "اور وہ نیویارک کی جیل میں بطور گارڈ کام کر رہا ہے۔ اس نے میرے لیے بہت سی قابلِ انجام دی ہیں۔"

"بہت خوب۔ میرا خیال ہے۔ مجھے فوراً اس سے مل لینا چاہیے تاکہ شہزاد کو پکڑا جا سکے۔" شہزاد نے کہا اور تیزی سے سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ اس کا دل شدت سے دھڑکنے لگا تھا۔

وہ سوچ رہا تھا کہ جس شخص کی تلاش میں اُسے نہ جانے کتنے پاپڑ بیلنے پڑے ہیں، کم از کم اس کا حُلیہ تو اُسے معلوم ہو ہی جائے گا... اور جب شہزاد نامی شخص سامنے آئے گا تو وہ اسے اپنی بے دردی سے مار ڈالے گا۔ کیونکہ اس طرح وہ نیمراف کی نظروں میں بلند مقام پا سکے گا... لیکن اُسے حیرت تھی کہ آخر شہزاد نام کا یہ شخص کون ہے جس سے نیمراف جیسا آدمی اس قدر خوف زدہ ہے؟

وہ شخص اب واقعی اس سے زیادہ دُور نہیں تھا۔

• •

شہزاد، نیمراف کے تعاقب میں آہستہ آہستہ چلتا ہُوا پہلی منزل پر پہنچ گیا۔ دروازے سے داخل ہوتے ہی نیمراف کے حلق سے ایک عجیب سی آواز نکلی۔ یوں محسوس ہُوا تھا جیسے وہ کسی دلکش خوشی سے چہک پڑا ہو۔

"اوہ، مسٹر فاہیو! کیسے ہیں، آپ؟ آپ کی آمد سے مجھے کس قدر خوشی ہو رہی ہے۔"

شہزاد نے اس طرف دیکھا جدھر نیمراف لپک رہا تھا۔

ایک سفید جلد والا شخص آگے بڑھ رہا تھا۔ اس کے انداز سے عیاں ہوتا تھا کہ وہ کسی مجرم گروہ کا سرغنہ ہے۔ شہزاد نے اندازہ لگایا کہ یقیناً مافیا جیسی کسی تنظیم کا سربراہ ہو گا۔

مسٹر فاہیو نے نیمراف سے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھا دیا۔

"یہ کون ہے؟" اس نے نیمراف کے عقب میں کھڑے شہزاد کی طرف دیکھتے ہُوئے سوال کیا۔

نیمراف خوش دِلی سے ہنس پڑا۔

"ابھی تم دونوں کو متعارف کراتا ہوں۔" اس نے پلٹ کر شہزاد کی طرف دیکھتے ہُوئے کہا اور پھر اپنے مہمان کو کہنی سے پکڑ کر قریب کر لیا۔ شہزاد نے چبوترے کی طرف دیکھا۔

ایک آرام کرسی پر مسٹر فاہیو کا باڈی گارڈ براجمان تھا اور اس کے انداز سے بے تعلقی ظاہر ہو رہی تھی... لیکن شہزاد محسوس کر چکا تھا کہ وہ ہر طرف سے چوکنا بیٹھا ہے اور خفیف سی گڑبڑ پر اس کے دونوں ریوالور نکل کر اس کے ہاتھوں میں پہنچ سکتے ہیں۔

اس نے مسٹر فاہیو کا بڑھا ہُوا ہاتھ تھام لیا۔

شہزاد کا دل بڑی تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ ایک بار پھر اُسے شدت سے احساس ہو رہا تھا کہ وہ جانسن نہیں ہے... اور جانسن کی حیثیت سے اس کا راز کسی بھی وقت فاش ہو سکتا ہے۔

"یہ مسٹر فاہیو ہیں۔" نیمراف کہہ رہا تھا "یہ یونائٹڈ اسٹیٹس سے آئے ہیں اور وہاں کی اہم ترین ہستیوں میں سے ایک ہیں۔"

شہزاد نے غور سے اس شخص کی طرف دیکھا۔

اس کا چہرہ بھرا بھرا تھا۔ اس کی ہائیں آنکھ سے کان کی لَو تک ایک پُرانے زخم کی خشک خراش تھی۔ اس کی جلد معمول سے کہیں زیادہ سفید لگتی تھی جیسے اس نے اپنے پُورے جسم پر سفید رنگ کروا رکھا ہو۔ نہ جانے کیوں شہزاد نے محسوس کیا کہ وہ شخص کچھ خوف زدہ سا ہے۔

"اور یہ میرا سب سے قریبی ساتھی... مسٹر جانسن۔" نیمراف شہزاد کے بارے میں بتاتے ہُوئے مُسکرانے لگا۔

شہزاد کی گرفت میں مسٹر فاہیو کا ہاتھ یکایک سخت ہو گیا۔ شہزاد نے اس کے ہاتھ پر گرفت نہیں بڑھائی... وہ محسوس کر چکا تھا کہ اس کا نام سُن کر مسٹر فاہیو کی حالت بگڑ گئی ہے۔

اس نے شہزاد کی گرفت سے اپنا ہاتھ نکالا تو اس کا بازو نمایاں طور پر کانپ رہا تھا... پھر وہ دانستہ دو تین قدم پیچھے ہٹ گیا اور نیمراف کی طرف دیکھتے ہُوئے بولا "یہ جانسن نہیں ہے۔"

نیمراف کھل کھلا کر ہنس پڑا۔

"میں ٹھیک کہہ رہا ہُوں، نیمراف۔ یہ جانسن نہیں ہے۔" مسٹر فاہیو نے اصرار کیا۔

شہزاد کی دھڑکنیں کسی پرندے کی پھڑپھڑاہٹ جیسی ہو گئیں اور میک اَپ زدہ چہرے پر جھلی کے اندر ہی اندر پسینہ بہنے لگا۔ وہ ساکت کھڑا تھا لیکن اس نے احتیاطاً اپنے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھیر لی تھی۔

نیمراف کا قہقہہ مزید جان دار ہو گیا۔

"تم ہنس رہے ہو۔" مسٹر فاہیو نے حیرت سے کہا "میں کہہ رہا

ہوں کہ یہ جانسن نہیں ہے۔"

"تمھارا کہنا اپنی جگہ دُرست ہے۔" نیراف نے کہا۔

شہزاد کو یوں محسوس ہوا جیسے اس کا دِل اُچھل کر حلق میں اٹک گیا ہو۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس کا مطلب ہے، نیراف کو پہلے ہی سے معلوم تھا کہ وہ جانسن نہیں ہے۔

وہ حیران تھا کہ اس پوزیشن میں نیراف کے ساتھ اس کا تعلق کیا رُخ اختیار کرے گا؟ نیراف اُسے ایک قاتل اور غنڈے کی حیثیت سے قبول کرے گا یا اس کی موت کا حُکم جاری کر دے گا۔

اب تک اس نے اپنی آنکھوں سے کسی قسم کا تاثر ظاہر نہیں ہونے دیا تھا جس سے نیراف یا مسٹر فابیو کو اندازہ ہوتا کہ وہ دِل ہی دِل میں کن گھاٹیوں کا شکار ہے... لیکن اُسے حیرت تھی کہ نیراف کے اندازے ابھی تک خوشگوار نہیں جھلکی تھی۔ وہ اَب بھی تفریحی انداز میں ہنس رہا تھا اور بار بار دونوں کی طرف دیکھ کر اس صورتِ حال سے لُطف اندوز ہو رہا تھا۔

مسٹر فابیو کے چہرے پر بے پناہ حیرت مترشح تھی۔

"جب یہ جانسن نہیں ہے۔" مسٹر فابیو نے کچھ دیر بعد تھوک نگلتے ہُوئے کہا۔ "اور یہ بات تمھارے علم میں بھی ہے تو تم اسے جانسن کیوں کہہ رہے ہو... پھر تم نے اسے جانسن ہی کی حیثیت سے مجھ سے متعارف بھی کرایا ہے؟"

نیراف اس بار ہنسا تو اُس کے قہقہے سے پُورا کمرہ گونج اُٹھا۔ شہزاد خاموش کھڑا رہا۔

اس کی دھڑکنیں بڑی حد تک معمول پر آچکی تھیں۔

اس نے خود کو ذہنی طور پر سنبھال لیا تھا اور کسی بھی ناموافق صورتِ حال سے نمٹنے کے لیے وہ پوری طرح تیار تھا۔ ان کی باتیں مسٹر فابیو کا باڈی گارڈ بھی سُن چُکا تھا۔

وہ دونوں ریوالور اپنے ہاتھوں میں لیے ان کی طرف متوجہ ہو گیا۔ یہ دیکھ کر تو نیراف پر گویا قہقہوں کی دیوانگی طاری ہو گئی۔ اس نے دونوں ہاتھ پیٹ پر رکھ لیے اور ہنستا چلا گیا۔

دروازے میں جو محافظ نظر آیا، اس کے ہاتھ میں گوشت کے پارچوں کا خوش نُما تھال تھا۔ نیراف نے آگے بڑھ کر شہزاد کے کندھے کا سہارا لیا اور بمشکل اُبلتے ہُوئے قہقہوں پر قابو پایا۔ بے پناہ ہنسنے کی وجہ سے اس کی غیر معمولی چمک دار آنکھوں میں پانی تیرنے لگا تھا۔ اس کی تھوتھنی سے بھی رال ٹپک رہی تھی۔

خود کو سنبھالنے کے لیے وہ شہزاد کے کندھے پر ہاتھ رکھے

رہا۔ اِدھر باڈی گارڈ کے دونوں ریوالور ابھی تک شہزاد کی طرف اُٹھے ہُوئے تھے۔ شہزاد نے نیراف کے ہاتھ کی گرفت کندھے پر محسوس کی تو اس میں بھی جارحیت نہیں تھی۔ اس کا انداز دوستانہ تھا۔ یہ محسوس کرتے ہی شہزاد کو کچھ سکون محسوس ہُوا تھا ورنہ اس کے ذہن میں یہ بات جم چُکی تھی کہ اب اُسے نیراف کے محل میں خون کی ہولی کھیل کر ہی وہاں سے نکلنا پڑے گا۔

"نیراف..." مسٹر فابیو کے انداز میں اب جھلاہٹ سی آ گئی تھی۔

"احمق! نیراف کا مُوڈ بھی یکایک خراب ہو گیا۔ "کیا تم نے مجھے بالکل ہی گاؤدی سمجھ رکھا ہے۔ کیا مجھے اتنی بھی تمیز نہیں کہ اپنے دوستوں اور دُشمنوں میں تمیز کر سکوں۔" اس نے فخریہ انداز میں شہزاد کی طرف دیکھا۔ "یہ تھیں جانسن نظر نہیں آئے گا... لیکن یہ جانسن ہی ہے۔"

"یا تو میری عقل پر پتھر پڑ گئے ہیں یا پھر تمھاری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا۔" مسٹر فابیو نے کہا۔ "کوئی شخص بیک وقت جانسن اور غیر جانسن کیسے ہو سکتا ہے؟"

"میک اَپ..." نیراف غرّایا۔

"اوہ..." مسٹر فابیو کی آنکھیں سُکڑ گئیں۔

"کامیاب اور بہترین میک اَپ۔" نیراف کا لہجہ مزید فخریہ ہو گیا۔ "تم اسے نہیں پہچان سکے، یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ جانسن کے چہرے پر جو پلاسٹک سرجری ہُوئی ہے، وہ بے مثال ہے۔"

شہزاد نے مسٹر فابیو کی طرف دیکھا۔

اس کی آنکھوں سے بھی فخریہ تاثرات جھلکنے لگے تھے۔

مسٹر فابیو یُوں اُسے دیکھ رہا تھا جیسے اس کی سمجھ میں نہ آ رہا ہو کہ حالات یکایک یہ کیسا پلٹا کھا گئے ہیں۔ اس کے باڈی گارڈز البتہ فوری طور پر ریوالور واپس ہولسٹروں میں ڈال لیے تھے اور دوبارہ اسی آرام کُرسی پر نیم دراز ہو گیا تھا۔ شہزاد محسوس کر رہا تھا کہ مسٹر فابیو کا دِل اُس کی طرف سے ابھی تک صاف نہیں ہُوا ہے۔ وہ اپنی کینہ توز نظروں سے اُسے گھُور رہا تھا لیکن ہونٹوں پر خفت آمیز مُسکراہٹ سجالی تھی۔

"جانسن۔" اس نے کہا۔ "کیا یہ واقعی تم ہی ہو؟"

شہزاد نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

اس بار مسٹر فابیو کی نگاہ کئی لمحوں تک اس کے چہرے پر جمی رہی۔ شہزاد دِل ہی دِل میں اس کی قوتِ مشاہدہ کو سراہے بغیر نہ رہ سکا۔ اس کے ہونٹوں پر شکست خوردہ مسکراہٹ پیدا ہو گئی۔ آنکھوں سے ندامت ظاہر کرتے ہوئے اس نے معذرت آمیز لہجے میں کہا۔

"جانسن! مجھے خوشی ہے کہ تم اتنی زبردست پلاسٹک سرجری کروانے میں کامیاب ہو گئے ورنہ میں تو تمھارے بارے میں سوچ سوچ کر پریشان ہو رہا تھا۔ میں ہی نہیں، تمھارے لیے ہر شخص پریشان ہے۔ تم نے یہاں آنے کے بعد کسی دوست کو اپنی خیریت سے اطلاع بھی تو نہیں دی۔ ایسے میں ہم جو بھی خدشات اپنے دِل میں پالتے، ان کے لیے حق بجانب ہیں۔"

شہزاد کے بولنے سے پہلے ہی نیراف بول پڑا۔

"شاید تم جانسن کی مصروفیات سے بے خبر ہو۔ اس کے یہاں آنے کے چند ہی گھنٹے بعد میں نے بُلا بھیجا اور اس کے بعد یہ بعض ضروری کاموں میں مصروف ہو گیا۔ میں دو آدمیوں کی طرف سے خاص طور پر پریشان تھا۔"

"کون دو آدمی؟"

"اُوشان اور شہزاد۔" نیراف نے جواب دیا۔

"اوہ! تو جانسن نے انھیں ٹھکانے لگا دیا ہو گا۔"

"ابھی نہیں۔" نیراف بولا۔ "ان میں سے ایک ہماری قید میں ہے اور دوسرے کی تلاش جاری ہے۔"

"تم سُناؤ یار۔" مسٹر فابیو ہنس کر کہا۔ "کہاں کہاں گھُومتے رہے؟"

"میں نیا چہرہ بنوانے کے لیے ایک زبردست آپریشن کروانے کا متحمل تھا۔" شہزاد نے اُکھڑے ہُوئے لہجے میں کہا۔ "وہ دِل ہی دِل میں دُعا کر رہا تھا کہ کاش یہ بات موقعے کے اعتبار سے درست ہی ثابت ہو۔" پھر یہاں آیا تو نیراف نے مجھے یُوں جکڑ لیا ایک لمحے کی بھی فرصت نہیں ملی۔"

"وہ واقعی بالکل ڈاکٹر تھا۔" مسٹر فابیو نے مُسکرا کر کہا۔ "اس معمار چہرہ ہی نہیں دماغ بھی بدل دیا ہے۔"

"کیا مطلب؟" شہزاد نے سرسری لہجے میں پوچھا۔

"تمھارا گفتگو کرنے کا انداز تک بدل گیا ہے اور تم پہلے سے زیادہ اچھے انداز میں گفتگو کر رہے ہو۔"

"اس تعریف کے لیے مجھے تمھارا شکریہ ادا کرنا چاہیے۔" شہزاد نے کہا اور قہقہہ لگایا۔ "میں نے اپنی شخصیت کو جس مثالی انداز میں ڈھال بنایا ہے، اس کے سامنے لانے کا ارادہ کیا تھا، گویا میں اس میں کامیاب ہُوا۔ بتاؤ میری نئی شخصیت کیسی رہی؟"

"واقعی یہ نئی شخصیت، پہلی کے مقابلے میں بے مثال ہے۔" مسٹر فابیو نے کہا۔ "میں سمجھتا ہُوں کہ اپنی ساری زندگی میں، میں نے تم سے زیادہ بدصورت اور بھدّا آدمی نہیں دیکھا تھا۔"

"یہ بات تم نے میرے مُنہ پر پہلے کبھی نہیں کہی۔" شہزاد کے لہجے میں شرارت کا عنصر تھا۔ شریر سی دھمکی تھی جو عموماً ایک دوست دوسرے دوست کو دیتا ہے۔

"مجھے اپنا گلا بھی تو سلامت رکھنا تھا، نا!" مسٹر فابیو نے جواباً کھسیائے ہُوئے انداز میں ہنس کر کہا۔ "بہرحال، تم نے واقعی کمال کر دیا۔ میں تو صاف دھوکا کھا گیا تھا۔ اب وہ تمام لڑکیاں تمھاری تمنا کر سکیں گی جنھیں تمھاری سابقہ صورت پسند نہیں آتی تھی۔"

"لڑکیوں کا تذکرہ رہنے دو۔" شہزاد نے بُرا سا مُنہ بنایا۔

"اوہ تو کیا تم پارسا بھی بن گئے ہو؟"

"اس کی پارسائی کا ایک نمونہ نیچے تہ خانے میں بھی بند ہے۔" نیراف نے ان کی باتوں میں دخل دیتے ہُوئے کہا۔

مسٹر فابیو نے وضاحت طلب نظروں سے شہزاد کی طرف دیکھا۔ اُس نے نگاہیں جُھکا لیں۔

نیراف نے میگی کے سلسلے میں اس انداز سے تذکرہ شروع کیا کہ شہزاد کو واقعی پسینہ آ گیا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس کے بارے میں کسی شخص کی ایسی گھٹیا رائے بھی ہو سکتی ہے... لیکن جلد ہی اُسے احساس ہو گیا کہ یہ رائے خود اس کے بارے میں نہیں ہے بلکہ اُس ناہنجار کے متعلق ہے جس کے میک اَپ میں وہ جانسن بنا پھر رہا ہے۔

"ہُوں۔ تبھی تو کہوں کہ یہ پارسائی کہاں سے ٹپک پڑی۔" مسٹر فابیو نے شہزاد کے کندھے پر بے تکلفی سے ہاتھ مارتے ہُوئے قہقہہ لگایا... پھر فوراً ہی سنجیدہ ہو گیا۔ "تو گویا تم بھی نیراف کے ساتھ شامل ہو گئے ہو؟"

"ہاں بھئی۔ اُس نے مجھے بُری طرح پھانس لیا ہے۔"

"مسٹر فابیو۔" نیراف نے مداخلت کی۔ "میں نے جانسن جیسا باکمال آدمی آج تک نہیں دیکھا۔ ہمارے درمیان ایک باقاعدہ کاروباری معاہدہ طے پا گیا ہے۔ میں سمجھتا ہُوں کہ مسٹر جانسن کی ساکھ کو مدِّنظر رکھتے ہُوئے اُسے حصّے دار بنانا گھاٹے کا سودا ہرگز نہیں ہو سکتا۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو نیراف۔" مسٹر فابیو نے تائید کی۔ "جانسن! تمھیں وہ میٹی نام کا آدمی یاد ہے جسے تم نے قتل کر دیا تھا؟"

"ہاں... لیکن وہ تو معمولی سا کام تھا۔" شہزاد نے انکسار سے کہا۔

"معمولی سا کام؟" مسٹر فابیو کے لہجے میں حیرت تھی۔ "حالانکہ

پولیس اس کی لاش کے ٹکڑے ہفتوں میں جمع کر پائی تھی؟"

شہزاد انکار سے ہنس پڑا۔

وہ اس وقت بے حد خوش تھا۔ مقدر اُسے جس قسم کے چرکے لگا رہا تھا، وہ اس کہیں سے بھی لطف اندوز ہو رہا تھا اور ساتھ ہی ساتھ اُسے اپنی گم شدہ شخصیت اور کھوئے ہوئے ماضی کی بھی تلاش تھی۔ وہ جانتا تھا، انہی بھول بھلیوں میں کہیں اُس کی شخصیت موجود ہے اور وہ جلد ہی اُسے تلاش کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔

نیمراف نے اپنے خواجہ سرا کا واقعہ سُنانا شروع کر دیا۔

مسٹر فابیو تعریفی نظروں سے شہزاد کو دیکھتا رہا۔

کچھ دیر وہ جانسن کی شخصیت پر باتیں کرتے اور ہنستے رہے ... پھر یکایک نیمراف کی مسکراہٹ ہونٹوں پر ہی دم توڑ گئی... جیسے سوئچ آف کر کے روشنی کا سلسلہ منقطع کر دیا جاتا ہے۔

"میرا خیال ہے، ہم باتوں میں بہت وقت ضائع کر چکے ہیں؟" اُس نے یکایک کھردرے لہجے میں کہا۔ "مسٹر فابیو، چلو اُوپر چلیں۔ میٹنگ ہونے والی ہے اور ہمارے بہت سے دوست وہاں ہمارا انتظار کر رہے ہوں گے۔"

یہ کہہ کر وہ ایک دیواری تصویر کی طرف متوجہ ہو گیا۔

اس تصویر کو حرکت دے کر اُس نے ایک طرف کر دیا تو سامنے ایک دروازہ نظر آیا۔ دروازہ بے آواز کھل گیا تھا۔ نیمراف ایک طرف ہٹ گیا تاکہ مسٹر فابیو پہلے اندر جا سکے۔

"وہ شخص جس کا تم نے تذکرہ کیا تھا، کہاں ہے؟" شہزاد نے پوچھا۔

"اوہ - اوبیرن!"

"وہ اسٹڈی میں ہے۔ میرا خیال ہے تم اس سے جا کر مل لو۔ وہ تمہیں شہزاد کے بارے میں تفصیل سے بتا دے گا کہ وہ کیسا ہے اور اُسے کیسے شناخت کیا جا سکتا ہے۔"

شہزاد نے تائید میں سر ہلا دیا اور نیمراف اس دروازے سے داخل ہو گیا جس میں اس سے پہلے مسٹر فابیو گیا تھا۔ دروازہ بند ہوا تو اس کے فوراً ہی بعد وہ تصویر بھی دوبارہ اپنی جگہ واپس آ گئی۔

اب وہاں لفٹ کے دروازے کا نام و نشان تک نہیں تھا۔

اس نے ایک طویل سانس لی۔

وہ ہال ہال پہنچ گیا تھا۔ مسٹر فابیو جلد ہی پہل گیا۔ ورنہ لینے کے دینے بھی پڑ سکتے تھے۔ شہزاد اس کامیابی پر بے حد مسرور تھا۔ وہ پلٹا اور اسٹڈی کی طرف چل دیا تاکہ اس شخص سے مل سکے جو شہزاد کے بارے میں اسے معلومات فراہم کر سکتا تھا۔

عادتاً وہ اس وقت بے آواز ہی چل رہا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ جب اسٹڈی میں داخل ہوا تو وہاں موجود مہمان اس کی آمد سے فوری طور پر آگاہ نہ ہو سکا... پھر کمرے میں، باہر ڈوبتے سورج کی وجہ سے تاریکی تھی اور اُس شخص کو شاید کہنے کا خیال ہی نہیں آیا تھا۔ شہزاد نے اِدھر اُدھر دیکھا۔

اُسے کسی شخص کا سایہ نظر آ رہا تھا۔ وہ شخص کھڑکی کے قریب کھڑا باہر دیکھنے میں محو تھا۔ اس کے کندھے کے اُوپر سے شہزاد نے بھی کھڑکی سے باہر کا منظر دیکھا تو اُسے ایک ہیلی کاپٹر اڑتا نظر آنے لگا۔

وہ اس ہیلی کاپٹر کو دیکھتا رہا۔ اس کے ذہن میں فوراً ہی یہ خیال آیا کہ نائب صدر آسفر، پریذیڈنسی کی طرف جا رہا ہے۔

ظاہر ہے، اُسے پریذیڈنسی کی طرف ہی جانا چاہیے تھا کیونکہ چند ہی گھنٹے بعد اُسے وہاں کا مالک بننا تھا۔ وہ سازش جسے نیمراف کے شیطان ذہن نے تیار کیا تھا، اس کے تکمیل کی گھڑی آ پہنچی تھی۔

کھڑکی میں کھڑا آدمی بھی ہیلی کاپٹر کی پرواز ہی کا نظارہ کر رہا تھا۔

شہزاد آہستہ آہستہ قدم اُٹھاتا ہوا اس کی پشت پر پہنچ گیا۔ وہ اس کے اتنا قریب تھا کہ ذرا سا ہاتھ بڑھاتا تو اس کا کندھا چھو سکتا تھا۔ "اوبیرن!" اس نے دھیمی آواز میں سائے کو پکارا۔

اوبیرن اُچھل پڑا۔

وہ پلٹ کر شہزاد کو گھورنے لگا۔ شہزاد نے اتنے قریب سے پکار کر اُسے بُری طرح چونکا دیا تھا۔ اس کے دائیں ہاتھ میں کھڑکی کا پردہ تھا، وہ چھوٹ گیا اور نیم تاریکی میں اس کی آنکھیں شہزاد کو اپنے جسم سے پار ہوتی محسوس ہونے لگیں۔

یکایک اُسے احساس ہوا کہ ایسی ہی چھید دینے والی تاثیر سے بھرپور آنکھیں وہ پہلے بھی کہیں دیکھ چکا ہے... لیکن کہاں؟ یہ ذہن پر زور ڈالنے کے باوجود اُسے یاد نہ آ سکا اور اگلے ہی لمحے وہ یہ دیکھ کر الجھے بغیر نہ رہ سکا کہ جس شخص سے وہ شہزاد کے بارے میں معلوم کرنے کے لیے آیا تھا، وہ خود اُسی کو دیکھ کر بُری طرح چونک پڑا تھا۔

"تم نے تو مجھے بُری طرح بوکھلاہٹ میں مبتلا کر دیا تھا۔" اوبیرن نے شکایتی لہجے میں کہا۔ "میں تمہاری آمد سے بالکل باخبر نہیں ہو سکا۔"

"معاف کرنا، میرے پیروں میں ٹینس شوز ہیں، ان کی وجہ سے آہٹ پیدا نہیں ہوئی۔" شہزاد نے خوش دلی سے جواب دیا۔ "تم کون ہو اور کیا چاہتے ہو؟"

"مجھے نیمراف نے بھیجا ہے۔" شہزاد نے جواباً کہا۔

اوبیرن نے پلکیں جھپکائیں۔ انداز استفہامیہ تھا۔

"نیمراف کا کہنا ہے کہ تم شہزاد کو جانتے ہو۔"

"نہیں..." اوبیرن نے جواب دیا۔ "میں اُسے اچھی طرح جانتا تو نہیں ہوں۔ البتہ میں نے اُسے ایک بار دیکھا ضرور ہے۔" یہ کہہ کر وہ رگڑ کھانے والے انداز میں شہزاد کے قریب سے گزر کر کرسی کی طرف بڑھ گیا اور پھر اس نے اپنا جسم کرسی پر ٹیک دیا۔

شہزاد نے کھڑکی کا پردہ ذرا سا اور کھسکا دیا۔

باہر ڈوبتے سورج کی آخری کرنیں اندر آنے لگیں تو کمرے کی تاریکی میں خفیف سی کمی ہو گئی اب وہ اوبیرن کو بہتر دیکھ سکتا تھا۔ پردہ ہٹا کر وہ اوبیرن کی طرف بڑھا۔

"اس کا حلیہ بتا سکتے ہو؟" شہزاد نے اُس کے سامنے رکتے ہوئے دریافت کیا۔ "میں اس کے بارے میں کچھ مزید معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں جو تمہیں معلوم ہے۔"

"دراصل میں نے جب اُسے دیکھا تھا تو وہ ایک راہب کے لبادے میں تھا۔" اوبیرن نے ذہن پر زور دیتے ہوئے بتایا۔ "لیکن اتنی سی بات سے تو مجھے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔"

"ٹھہرو۔ مجھے سوچنے دو۔" اوبیرن بڑبڑایا۔ "تم نے عقب سے اس کا کریہہ اعصاب کو متاثر کر دیا ہے۔"

شہزاد میز کے کنارے سے ٹک گیا۔

اوبیرن کی آنکھیں بھوری تھیں؟ اوبیرن ذہن پر زور دیتے ہوئے بڑبڑایا۔ "لیکن عام بھوری آنکھوں جیسی نہیں بلکہ ان میں بے پناہ گہرائی کا احساس ہوتا تھا... اور یوں محسوس ہوتا تھا جیسے اُس کی پتلیوں سے بے نیاز ہیں۔ میں نے اُس کی آنکھوں میں کاسہ گدائی نہیں دیکھی جو ہر انسانی آنکھ میں دُور ہی سے نظر آتا ہے۔ کیا تم سمجھ رہے ہو کہ میں کیا کہہ رہا ہوں؟"

"ہاں۔ میں سمجھ رہا ہوں۔"

اُس کا چہرہ درشت تھا۔ جیسا کہ میں بتا چکا ہوں کہ وہ ایک کالے لبادے میں لپٹا ہوا تھا لیکن یقین کرو، وہ چہرے اور

آنکھوں سے کوئی راہب ہرگز دکھائی نہیں دیتا تھا۔ اس کی ناک سیدھی تھی اور وہ ان آدمیوں میں سے تھا، جو براہ راست دوسروں کی آنکھوں میں جھانکنے کے عادی ہوتے ہیں؟"

اوبیرن نے یہ کہہ کر شہزاد کی طرف دیکھا... لیکن شہزاد جس انداز میں اُس کے قریب کھڑا تھا، اس میں کھڑکی سے آنے والی روشنی اُس کے چہرے کی بجائے، کھوپڑی کے عقبی حصے پر پڑ رہی تھی۔ اس لیے اُس کے نقش و نگار مزید تاریک ہو گئے تھے... اور اوبیرن کو صرف اُس کا خاکہ ہی دکھائی دے رہا تھا۔

"تم نے تو اس انداز میں بولنا شروع کر دیا ہے، جیسے کوئی لیکچر دے رہے ہو۔" شہزاد کا لہجہ ناگوار ہو گیا۔ "شاید تمہیں اندازہ نہیں کہ اس شخص کی تلاش کس قدر اہم ہے۔ اس کے قد و قامت کے بارے میں بتاؤ؟"

"وہ ایک طویل القامت شخص ہے۔ میرا خیال ہے اس کا قد کسی طرح بھی چھ فٹ سے کم نہیں ہو گا لیکن وہ زیادہ جسیم نہیں ہے۔ اس کی کلائیاں البتہ خوب بھری بھری سی ہیں۔"

شہزاد آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگا۔

وہ اوبیرن کی کرسی کے قریب رُک گیا۔

اوبیرن اس وقت نگاہ جھکائے سوچ رہا تھا لیکن جیسے ہی شہزاد نے حرکت کی تو وہ اس کے پیروں کی طرف متوجہ ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ خاص طور پر اس نے پنجوں کی حرکت کو نوٹ کیا۔ شہزاد اس کی طرف جھک گیا اور میز پر کہنیاں جما دیں۔

"ہاں ہاں۔ بولتے رہو اور کیا دیکھا تم نے؟"

اوبیرن نے چونک کر نگاہ اُٹھائی اور بڑبڑایا۔ "جیسا کہ میں کہہ رہا تھا کہ اس کی کلائیاں غیر معمولی ہیں... بالکل تمہاری کلائیوں جیسی۔" وہ میز پر کھڑی شہزاد کی کلائیاں دیکھ کر بولا۔ "اس کے علاوہ ایک بات اور بھی تھی۔"

"وہ کیا؟" شہزاد کے صبر کا پیمانہ لبریز ہونے لگا۔

"اس کا دہانہ..." اوبیرن نے بغور شہزاد کی طرف دیکھتے ہوئے انکشاف کیا۔ "غور سے دیکھنے پر یوں لگتا تھا جیسے وہ ہونٹوں سے محروم ہو۔ اس کے ہونٹ پتلے پتلے تھے۔ اس کے چہرے سے بے پناہ سفاکی جھلکتی تھی۔ اس کا دہانہ اس کی سفاکی کا مظہر تھا۔"

شہزاد نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

اوبیرن نے اس کی طرف ہاتھ اُٹھا دیا۔

"اس کا چہرہ بالکل تمہارے چہرے جیسا تھا؟"

"اور اس کی آنکھیں بھوری تھیں؟"

"ہاں... بالکل تمہاری آنکھوں جیسی۔"

شہزاد کے ذہن میں آندھیاں چلنے لگیں۔ ایک بار پھر اس کی دھڑکنیں طوفانی ہوگئیں۔ اب اُسے کچھ اور ہی احساس ہونے لگا تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے اس کی آنکھوں کے سامنے سے کوئی پردہ سرکتا جارہا ہو اور وہ اس بھاری پردے کی اوٹ میں چھپی ہوئی ہر چیز دیکھ سکتا ہو۔ وہ ادیبرن کی طرف مزید جھک گیا۔

"اور اس کے بال کیسے تھے؟" اس نے سرگوشی کی۔

"سیاہ بال... بالکل تمہارے بالوں جیسے۔" یہ کہتے ہوئے ادیبرن کرسی سے اُچھل پڑا۔ اس کا ہاتھ تیزی سے اپنی دائیں جیب کی طرف حرکت کر گیا۔ "تم... تم شہزاد ہو... تم شہزاد ہو..." وہ چیخ پڑا۔

شہزاد کو یوں محسوس ہوا جیسے اُسے سکتہ ہوگیا ہو۔

شہزاد کی حالت بے حد عجیب ہو رہی تھی۔

سکتے کی اس ناقابلِ فہم حالت میں مبتلا وہ ادیبرن کو گھورتا رہا جس نے یہ کہہ کر کہ وہ خود ہی شہزاد ہے، اس کی کھوپڑی پر ایک دھماکا کر دیا تھا۔ شہزاد کی آنکھوں کے سامنے کئی صورتیں یکے بعد دیگرے گھوم گئیں۔ ان میں اُوشان کا چہرہ تو اس کے ذہن سے چپک کر رہ گیا تھا۔

اب اُسے احساس ہوا کہ اُوشان [illegible] کرنے [illegible] لاشعوری طور پر [illegible] تھا۔ تند بذب [illegible] اور ادیبرن پر جمی محویت تھی۔ جس کی آنکھیں دہشت کی زیادتی سے پھیل گئی تھیں اور نقش و نگار مسخ ہوتے جارہے تھے.... پھر وہ سنبھل گیا۔

سنبھلتے ہی اس کا جسم متحرک ہوگیا۔

وہ ایک بار پھر اُچھل پڑا۔

اس کا ہاتھ تیزی سے اپنی جیب میں رینگ گیا۔

اُسی لمحے شہزاد کو بھی جیسے ہوش آگیا۔ سکتے کی حالت ختم ہوگئی اور اس نے ادیبرن کا جیب میں رینگتا ہوا ہاتھ دیکھ لیا۔ وہ کسی زخمی درندے کی طرح آگے بڑھا اور ادیبرن کو یوں محسوس ہوا جیسے اس کا وہ ہاتھ حرکت کرنے کے قابل نہ رہ گیا ہو جس سے اس نے ریوالور نکالنے کی کوشش کی تھی۔

وہ دوبارہ کرسی پر ڈھیر ہوگیا۔

اُسے بازو میں کوئی تکلیف نہیں ہوئی تھی بس یکایک یوں لگا تھا جیسے اس کا بازو مفلوج ہوگیا ہو اور اس میں دوڑتا ہوا خون منجمد ہوگیا ہو۔

"کیا بات ہے، دوست!" شہزاد اس پر جھکا کہہ رہا تھا۔ "تمہیں یکایک کیا ہوگیا ہے؟"

ادیبرن اُسے پھٹی پھٹی آنکھوں سے گھورتا رہا۔

"میں پوچھتا ہوں، تمہیں ایک دوست پر ریوالور نکالنے کی ضرورت کیوں پیش آئی تھی؟" شہزاد نے اس کی آنکھوں میں گاڑھتے ہوئے سوال کیا۔

"بس اب مجھے دھوکا دینے کی کوشش نہ کرو۔" ادیبرن نے کہا۔ "بتاؤ تم یہاں تک پہنچنے میں کیسے کامیاب ہوگئے؟"

"یہ تم نے ایکا ایکی کیا بکنا شروع کر دیا ہے۔" شہزاد اُلجھن ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ "میں نیمراف کے لیے کام کرتا ہوں۔"

"کیا واقعی؟" ادیبرن کے لہجے میں بے یقینی تھی۔ "تو مطلب ہے کہ نیمراف کے ہاتھ اب اتنے لمبے ہوگئے ہیں کہ شہزاد جیسے خوفناک سرکاری ہتھیاروں کو بھی خرید سکتا ہے۔"

"کون شہزاد؟... اور کون سے ہتھیار؟" شہزاد بڑبڑایا۔ "تم بیٹھے بٹھائے پاگل ہوگئے ہو؟"

"تم وہی ہو، دوست! وہی ہو۔" شہزاد۔ "تم نیمراف کو دھوکا دے سکتے ہو لیکن میری آنکھیں کبھی دھوکا نہیں کھا سکتیں۔ شہزاد ہو تم۔"

"اور تم پاگل ہو۔" شہزاد نے بے پناہ جھلاہٹ ظاہر کی۔ "احمق آدمی! نیمراف نے مجھے شہزاد کو قتل کرنے پر مامور کر رکھا ہے۔"

"تو پھر اپنی گردن اُڑا دو۔" ادیبرن بڑبڑایا۔ "شہزاد ہلاک ہو جائے گا اور یوں تمہارے فرض کی بھی تکمیل ہو جائے گی۔"

"شاید تم کوئی خواب دیکھ رہے ہو؟"

"دیکھو شہزاد۔" ادیبرن نے کہا۔ "میں نہیں جانتا کہ تم یہاں کیا کر رہے ہو... لیکن مجھے بتاؤ کہ میں کیا کروں؟ کیا میں تمہارا کوئی مدد کر کے اپنی زندگی کی ضمانت حاصل کر سکتا ہوں؟"

اس دوران میں شہزاد کا ذہن بڑی تیزی سے کام کر رہا تھا۔

ادیبرن نے جو کچھ کہا تھا، وہ اُس کی روشنی میں حالات کا تجزیہ کرنے میں مصروف تھا... لیکن مصیبت یہ تھی کہ وہ اپنی شخصیت کھو چکا تھا۔ اس کے ماضی کی تاریکی چھٹنے میں نہیں آرہی تھی۔ یہ بات اُسے بہت پہلے ہی معلوم ہوگیا تھا کہ وہ جانسن نہیں ہے۔ یہ بات دو تین آدمی واضح طور پر کہہ چکے تھے لیکن کوئی یہ نہیں بتا سکا تھا کہ وہ کون ہے جب کہ یہ شخص اُسے شہزاد کہہ رہا تھا... لیکن میں

کیسے ہو سکتا ہوں؟

"سنو..." شہزاد نے لہجے میں قدرے نرمی پیدا کرتے ہوئے کہا۔ "حال ہی میں، میں نے پلاسٹک سرجری کرائی ہے۔"

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔" ادیبرن بڑبڑایا۔

"ممکن ہے، میرا حلیہ محض اتفاقاً ہی شہزاد سے مل گیا ہو۔"

"نہیں... یہ جھوٹ ہے۔ تم سو فی صد شہزاد ہو۔" ادیبرن نے کہا... پھر اس کی آنکھیں عجیب سے انداز میں چمک اُٹھیں۔ "... نیمراف ایک دولت مند آدمی ہے۔ کیوں نہ اس کی دولت غارت کر لیں۔ ہم دونوں آدھی آدھی بانٹ لیں گے۔ یہ ایک منصفانہ تقسیم ہوگی۔"

"منصفانہ تقسیم۔" شہزاد نے دُہرایا۔

اُسی لمحے ادیبرن کا دوسرا ہاتھ حرکت میں آیا۔

وہ ریوالور نکالنا چاہتا تھا۔

شہزاد نے گہری نظر سے ادیبرن کی طرف دیکھا اور اس کا دل اس کی طرف سے، نفرت سے بھر گیا۔ اس شخص نے اُسے زندگی کے سب سے بڑی اُلجھن میں مبتلا کر دیا تھا۔ وہ خود کو ایک بیشرور آدمی سمجھ کر مطمئن ہوگیا تھا لیکن اس شخص نے سارے ہی اطمینان چھین لیے تھے۔

ادیبرن کا ہاتھ اب بھی جیب کی طرف بڑھ رہا تھا۔

"منصفانہ تقسیم۔" شہزاد نے کہا۔ "ہے، نا؟"

ادیبرن نے اثبات میں سر ہلایا۔

شہزاد کا ہاتھ آہستہ آہستہ فضا میں بلند ہوا... پھر اس کی کھڑکی جیسی تیزی سے ادیبرن کی کھوپڑی پر گری۔ ایک ہلکا سا دھماکا ہوا۔ لگا جیسے کئی آئیس کیوب ایک ساتھ ٹکرا گئے ہوں۔ اس کی کھوپڑی کی ہڈیاں اطراف میں بکھر گئیں۔ اس کی ٹوٹی ہوئی کھوپڑی سے خون اُبل کر گودا بہہ رہا تھا اور اس کے دونوں ہاتھ اُٹھنے کی ناکام کوشش میں گر کر ساکت ہو چکے تھے۔

اس کا جسم رفتہ رفتہ سامنے کی طرف جھکنے لگا۔

شہزاد اس کے فرش کی طرف گرتے ہوئے جسم کو دیکھتا رہا۔

پھر اس کے ہونٹوں پر سفاک مسکراہٹ پیدا ہوگئی۔

"منصفانہ تقسیم..." یہ کہتے ہوئے وہ کھل کھلا کر... ہنس پڑا۔

ادیبرن کی لاش گر گئی۔

شہزاد نے گہری نظر سے اس کی طرف دیکھا۔ اس کے لبوں پر اب بھی خونخوار مسکراہٹ تھی... لیکن اس کا ذہن تیزی سے سوچ رہا تھا۔ صرف ایک لمحے پہلے یہ لاش، ایک زندہ آدمی کے روپ میں اس کے سامنے بیٹھی، اس سے سودے بازی کر رہی تھی لیکن وہ ایک بے رُوح جسم بن کر رہ گئی تھی۔ شہزاد نے اپنے ہاتھ کی طرف دیکھا۔ یہ شیر کا پنجہ تھا۔

"یہ قاتل کا ہاتھ ہے۔" اس نے خود کلامی کے انداز میں کہا۔ "جانسن ایک پیشہ ور قاتل ہے... اور میں جانسن ہی ہوں۔"

یہ خیال صرف ایک لمحے کے لیے اس کے ذہن میں آیا تھا اور پھر اس کے دماغ میں بُوڑھے اُوشان کا چہرہ گردش کرنے لگا۔ اُسے اُوشان کی باتیں یاد آنے لگیں۔ تب اُسے احساس ہوا کہ بوڑھا اس کی حقیقت سے واقف ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ اپنے متوقع قاتل سے یوں ٹھٹھول بازی ہرگز نہ کرتا۔

ٹائیگر اُلجھن زدہ کھڑا رہا۔

وہ ان اُلجھنوں سے فرار کا ذہنی طور پر جو بھی راستہ اختیار کرتا، اس راستے کا اختتام اُوشان پر جا کر ہوتا تھا... وہی ناتواں سا بوڑھا جو تہ خانے کی ایک کوٹھڑی میں اس کے ہاتھوں قتل ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔ شہزاد کو یقین ہونے لگا کہ اس کے ذہن کی ہر گرہ کا جواب صرف اسی بوڑھے کے پاس ہے جسے وہ قیدی بنا کر لے آیا تھا۔

اچانک وہ کمرہ فون کی گھنٹی سے گونج اُٹھا۔

ٹائیگر خیالوں کی دُنیا سے نکل آیا اور فون کی طرف دیکھنے لگا جو ایک اخروٹ کی میز پر رکھا ہوا تھا۔ وہ تیزی سے فون کے قریب پہنچا اور رسیور اُٹھا کر بولا۔ "ہیلو..."

"مسٹر جانسن؟" دوسری طرف سے نیمراف کی آواز آئی۔

"ہاں۔ میں ہی بول رہا ہوں۔"

"اور ادیبرن کچھ کارآمد ثابت ہوا؟"

"ہاں..." ٹائیگر نے جواب دیا۔ "بہت زیادہ کارآمد۔"

"بہت خوب! کیا میں اس سے بات کر سکتا ہوں؟"

"نہیں..." شہزاد نے ادیبرن کی لاش کو گھورتے ہوئے کہا۔ اس نے لہجہ ہر ممکن حد تک سرسری رکھنے کی کوشش کی تھی۔ "وہ لیٹ گیا ہے۔" اس نے دیکھا کہ ادیبرن کی کھوپڑی سے خون اُبل کر گودا بہہ رہا تھا۔

"کیوں، کیا بات ہے؟" نیمراف نے پوچھا۔

"کہہ رہا تھا کہ سر میں شدید درد ہو رہا ہے۔"

دوسری طرف خاموشی رہی۔

"اوہ! ٹھیک ہے۔" نیمراف نے خاموشی کے ایک وقفے

کے بعد کہا۔ "میں دراصل کانفرنس کا آغاز کرنے والا ہوں... لیکن میرے دوست اُس انگریز لڑکی کے لیے بے چین ہو رہے ہیں۔ سوچتا ہوں، پہلے ان سب کی خاطر تواضع کر دوں۔"

شہزاد نے کوئی جواب نہ دیا۔

"کیا تم ان دونوں کو ٹھکانے لگا کر پانچویں منزل پر واقع کانفرنس رُوم میں نہیں پہنچ سکتے؟" یکایک نیمراف نے بدلے بدلے سے لہجے میں کہا۔ یوں محسوس ہوا جیسے اس نے قیدی لڑکی کے سلسلے میں فوراً ہی اپنا پروگرام تبدیل کر دیا ہو۔

"ٹھیک ہے۔ میں ہر ممکن جلدی پہنچ رہا ہوں۔"

"ہم انتظار کر رہے ہیں۔" نیمراف نے خوش دلی سے کہا اور سلسلہ منقطع کر دیا۔

شہزاد نے بھی ریسیور رکھ دیا۔

اس نے پلٹ کر ایک نظر ایرین کی لاش پر ڈالی... پھر آہستہ آہستہ قدم اُٹھاتا دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

وہ اس وقت صرف اُوشان ہی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اس نے ہال سے باہر آنے تک یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ اُوشان سے معاملہ اب طے کر ہی لینا چاہیے ورنہ ان اُلجھنوں میں نہ جانے کب تک اضافہ ہی ہوتا رہے گا۔

راہ داری خالی اور سنسان تھی۔

شہزاد اس صورتِ حال پر لمحے بھر کے لیے ٹھٹک گیا کیونکہ اس کے سامنے ہی نیمراف نے حکم دیا تھا کہ اُوشان اور لڑکی کا خیال رکھا جائے... پھر وہ نگران کہاں غائب ہو گیا۔

شہزاد ٹائیگر نے حیرت سے سوچا۔

وہ پنجوں کے بل چکنے فرش پر یوں چل رہا تھا جیسے کوئی چیتا اپنے شکار کی طرف دبے قدموں بڑھ رہا ہو۔

سلاخ دار دروازے کے سامنے وہ رُک گیا۔

دروازے پر ایک وزنی تالا لگا ہُوا تھا۔

ٹائیگر نے تالا ہاتھ میں تھام لیا اور اِدھر اُدھر دیکھا۔ اُسے نگران کی تلاش تھی کیونکہ چابی اس کے پاس تھی... لیکن وہ کہیں دکھائی نہیں دیا۔ تہ خانے میں خاموشی کا راج تھا۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہاں میگی کے سوا کسی اور کا وجود ہی نہ ہو۔ میگی کی سسکیاں سُنائی دے رہی تھیں۔

ٹائیگر کے ہونٹوں پر ایک بے رحم مُسکراہٹ رقص کرنے لگی۔

نگران کی عدم موجودگی میں اس کے سامنے صرف ہی صورت باقی تھی کہ وہ تالا توڑ دیتا۔ اس نے تالے وزن کا اندازہ کیا۔ پھر اس نے تالے کو مروڑنا شروع کر دیا وہ دھات پھٹ گئی اور تالا اس کے ہاتھ میں کسی نازک کان کی طرح مُڑ تُڑ گیا۔

تالا دروازے سے الگ کرنے کے بعد اس نے کر سلاخ دار دروازہ کھولا اور اندر قدم رکھنے کے بعد عقب میں دروازہ بند کرتے ہُوئے سوچنے لگا کہ اُوشان سے کر ہی وہ میگی کی طرف متوجہ ہو گا... نہ جانے کیوں اچانک میگی کی سسکیاں اُسے پریشان کرنے لگیں۔

تالا کھولتے وقت ٹائیگر کو یاد آیا کہ اُوشان کو آخری اُس نے کس حالت میں دیکھا تھا۔ اسے زنجیروں سے جکڑ بے بس کر دیا گیا تھا۔ اس کی کلائیاں اور ٹخنے تک وزنی زنج باندھ دیے گئے تھے۔

اچانک اس کی نگاہ اُوشان پر جم گئی۔

وہ چبوترے پر تن تنہا بیٹھا تھا... شہزاد نے اس پہلو میں رکھی ہُوئی کسی شے پر نگاہ گاڑ دی۔ یہ دھات سے ٹکڑے تھے جن کے کناروں سے اندازہ ہوتا تھا کہ بالکل اسی طرح توڑا گیا ہے جیسے اس نے ایک دو لمحے تالا توڑا تھا۔

...اور تب ہی اس نے حیرت سے دیکھا کہ اُوشا جسم پر ایک بھی زنجیر نہیں ہے گویا قریب پڑے آہنی ٹ

اُنھی زنجیروں کے ٹکڑے، جنھیں اوشان کو پہنایا گیا تھا۔ شہز ان ٹکڑوں کا جائزہ لیا۔ اُنھیں دیکھ کر اندازہ ہوتا تھا جیسے نے بے پناہ طاقت صرف کرتے ہُوئے ہتھوڑے کی ما ان سلاخوں کو کاٹ ڈالا ہو جس کسی نے بھی ان سلاخوں کو کے جسم سے اتارا تھا، یقیناً وہ غیر معمولی طاقت کا پیکر رہا ہو

...لیکن جلد ہی یہ بات ٹائیگر کے ذہن میں بیٹھ گئی زنجیریں یا کڑیاں کسی اور نے کاٹی تھیں تو اُوشان کی کلائیاں جُ ٹخنے بھی ہو سکتی تھیں... لیکن ایسا نہیں تھا۔ اس کے جسم کھلے حصّوں پر خفیف سا زخم بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔

ٹائیگر جیسے ہی اس کوٹھری میں داخل ہُوا۔ اُوشان چبو سے اُٹھ کھڑا ہُوا۔ اس کے ہونٹوں پر مضحکہ اُڑانے والی مُس تھی۔ وہ اُسے دیکھ کر نہ صرف پذیرائی کے انداز میں کھڑا ہو گیا

بلکہ جُھک کر کورنش بھی بجا لایا تھا۔

ایک لمحے کے لیے تو ٹائیگر کی سمجھ میں یہ بات ہی نہ آ سکی کہ یہ ناتواں سا بوڑھا ان وزنی زنجیروں کی قید سے کیوں کر آزاد ہُوا ہو گا... پھر اُس کے ذہن میں پچھلے چند روز کے وہ محیّر العقول مناظر گھُوم گئے جنھوں نے اس کے تن بدن میں غُصّے کی آگ بھڑکا دی تھی۔

"بڑے میاں!" اس نے جذبات سے عاری لہجے میں کہا۔ اُوشان نے ناگواری سے پلکیں جھپکائیں۔

"مجھے تمھاری مدد کی ضرورت ہے۔"

"میں تیار ہُوں بشرطیکہ تم مدد کی درخواست کرو۔" اُوشان نے سرسراتی ہُوئی آواز میں جواب دیا۔ "کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"میں جانتا ہُوں کہ میں کون ہُوں لیکن مجھے ابھی تک یقین نہیں آیا۔ مجھے اس سلسلے میں تمھاری مدد درکار ہے۔"

اُوشان کی نگاہ کنپٹی کے اس حصّے پر پڑی جہاں اب پٹّی نہیں تھی لیکن زخم پر کھرنڈ موجود تھا۔ "تمھیں شاید کنپٹی پر زخم آیا تھا...؟"

"ہاں۔ مجھے ایک گولی چھُوتی ہُوئی گزر گئی تھی۔"

"اور وہ جاتے وقت تمھاری یادداشت بھی لے گئی؟"

"تم ٹھیک سمجھے۔ یہی بات ہے۔" شہزاد نے جواب دیا۔ "میں اپنا ماضی بھُول چکا ہُوں اور میری یادداشت کھو چکی ہے۔"

"اس کا ایک علاج سمجھ میں آتا ہے۔"

"وہ کیا؟"

"ویسی ہی ایک اور چوٹ!" اُوشان نے کہا اور پھر اس سے پہلے کہ ٹائیگر کچھ سمجھتا یا ردِّ عمل ظاہر کرتا، اُوشان اپنی جگہ سے حرکت میں آ چکا تھا۔ اس کا دایاں ہاتھ لبادے کی آستین میں سے نکلا اور اس کے انگوٹھے کی پور شہزاد کی کنپٹی پر لگی۔ یہ سب کچھ پلک جھپکتے میں ہو گیا تھا۔

شہزاد کو یُوں محسوس ہُوا جیسے اس کی کھوپڑی میں کہکشاں سی اُتر آئی ہو وہ اُن گنت ستاروں کو دیکھتا ہُوا اپنی جگہ سے اُچھل کر کئی قدم پیچھے ہٹ گیا۔ اس نے ذہن پر اچانک ہی چھا جانے والے دھند کو صاف کرنے کے لیے سر کو بُری طرح جھٹکا دیا... اور ساتھ ہی یادداشت کی بحالی کا عمل شروع ہو گیا۔ اُن گنت مناظر اس کے ذہن میں یُوں گڈمڈ ہونے لگے جیسے بیک وقت کئی فلمیں کسی ہی اسکرین پر دکھائی جانے لگی ہوں۔

اُسے اپنی شخصیت۔ اپنا ماضی اور ماضی کے بے شمار واقعات ایک ساتھ ہی یاد آئے تھے اور وہ یُوں کھڑا تھا جیسے فوری طور پر کچھ بھی اس کی سمجھ میں نہ آ رہا ہو۔ اُسے ایک ہی سیکنڈ میں سب کچھ یاد آ گیا تھا کہ وہ کون ہے، کیا ہے اور کس مہم پر روانہ ہُوا تھا۔

"ہاں... مجھے یاد آ گیا... سب کچھ یاد آ گیا۔" اس نے خوش دلی سے کہا اور اس کے ہونٹوں پر مُسکراہٹ پھیل گئی وہ اب بھی سر کو دائیں بائیں جھٹک رہا تھا جیسے ذہن پر چھائے ہُوئے غبار سے نجات حاصل کرنا چاہتا ہو۔ "میں جانتا ہُوں، میں کون ہُوں۔" وہ بڑبڑایا۔

"کون ہو تم؟" اُوشان نے کڑے لہجے میں پُوچھا۔

"میں شہزاد ہُوں... شہزاد ٹائیگر۔" اس نے جواب دیا۔

"اور میں کون ہُوں؟"

"میرے اُستاد... میرے رُوحانی باپ!"

"نہیں... میں کچھ اور ہُوں۔" اُوشان نے کہا۔

"کک... کون...؟" شہزاد واضح طور پر ہکلا گیا... اور پھر اُسے کئی قدم پیچھے ہٹ کر دیوار سے لگ جانا پڑا۔ اس بار مرگھٹ سے پڑا تھا، وہ اس کے مُنہ پر پڑا تھا۔

"میں بڑے میاں ہُوں۔" اُوشان اپنی بند مٹھی کو گھُورتے ہُوئے بولا۔

ٹائیگر بے بسی سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔

اس گھر لسے نے اس کے چودہ طبق روشن کر دیے تھے۔ لیکن اس گھر لسے سے یہ فائدہ ہُوا کہ اس کی کھوپڑی میں اُتری ہُوئی کہکشاں غائب ہو گئی اور مناظر ٹھہر گئے۔ اُسی لمحے اُوشان کا بایاں بازو اُٹھا۔ ٹائیگر نے اُوشان کی آنکھوں میں دیکھنا شروع کر دیا۔

"اُوشان! کیا تم پاگل ہو رہے ہو؟" وہ چیخ کر بولا۔

"نہیں میرے بچے! میں پاگل نہیں ہُوں بلکہ تمھارے پاگل پن کا علاج کر رہا ہُوں۔ تم نے مجھے جتنی بار بھی بڑے میاں کہا ہے، میں تمھیں اتنے گھونسے ضرور ماروں گا۔"

"اچھا اُدھار رہے۔" شہزاد نے ہاتھ اُٹھا کر کہا۔ "لیکن یقین کر لو اس طرح تم جوان نہیں ہو سکو گے۔"

اُوشان اپنے مخصوص انداز میں ہنس پڑا۔ یہ ہنسی سُن کر شہزاد کی جان میں جان آئی۔ یادداشت کی بحالی کا عمل بڑی تیزی سے رُونما ہُوا تھا... اور اب تک اُسے بہت سے دُوسرے واقعات یاد نہیں آئے تھے، وہ واقعات جن سے وہ یادداشت کھو جانے کے بعد دوچار ہُوا تھا۔

"کیا تم پریشان ہو گئے تھے، اُوشان؟" وہ بڑبڑایا۔

"ہونہہ۔ تمہارے یہ پریشان ہونے کی مجھے کیا ضرورت تھی...؟"

شہزاد مسکرا کر رہ گیا۔ جب وہ ذہنی طور پر خود کو جانچ چکا تھا تو اس کو ٹھری میں آنے کے بعد وہ اُدشان سے یہ پوچھنے کے لیے بے چین ہو گیا تھا کہ آخر اس نے زنجیریں کیسے توڑ ڈالی تھیں۔ لیکن ٹائیگر جاگنے کے بعد اب یہ سوال بھی اس کے ذہن کے کسی گوشے میں گہری نیند جا سویا تھا۔ اب یہ ایک غیر ضروری سوال بن گیا تھا۔ بڑے سے اُدشان کے لیے ان زنجیروں کو توڑنا کوئی بڑی بات نہیں تھی۔

شہزاد کا ذہن اب تیزی سے کام کر رہا تھا۔

لمحوں ہی میں سب کچھ اس کے ذہن میں گھوم گیا۔

"اوشان!" اس نے بڑے پیار سے کہا۔ "میرا خیال ہے، ہمیں اس وقت ایک ضروری مہم درپیش ہے۔"

اُدشان چند لمحوں تک اس کی طرف دیکھتا رہا... پھر اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ شہزاد کے ذہن میں وہ منظر گھوم گیا جب اُدشان کا انگوٹھا اس کی کنپٹی سے ٹکرایا تھا۔ اس کی انگلیاں پھیلی ہوئی تھیں اور انگوٹھا نیچے کی طرف جھک کر انگلیوں سے عمودی حالت اختیار کر گیا تھا... پھر ہتھیلی اور انگلیاں تو شہزاد کے رخسار سے ٹکرائی تھیں جب کہ انگوٹھا کنپٹی پر چوٹ لگانے کے بعد پھسلتا چلا گیا تھا۔

دونوں کوٹھری سے نکل کر باہر راہ داری میں آ گئے۔

اب انھیں میگی کی سسکیاں سنائی دے رہی تھیں۔

شہزاد نے پلٹ کر اُس سلاخ دار دروازے کی طرف دیکھا جس کی اوٹ میں میگی رو رہی تھی۔ وہ ایک ایجنٹ تھی لیکن آخر ایک عورت تھی۔ ایک ایجنٹ کی حیثیت سے اُسے کسی بات کی پروا نہیں تھی لیکن عورت کا تقدس، ہر عورت کو عزیز ہوتا ہے۔ یہ آنسو اور یہ سسکیاں شاید اسی خوف کے تحت تھیں جو اس کے تقدس کو لاحق تھا۔

شہزاد ٹھٹک گیا۔

سلاخ دار دروازے کا تالا موجود نہیں تھا۔

وہ کوٹھری میں داخل ہوا تو اُس نے وہی محافظ دیکھا اور تب اُسے یاد آیا کہ باہر محافظ کیل دکھائی نہیں دیا تھا۔ وہ کوٹھری میں موجود تھا اور میگی کے عقب میں کھڑا تھا اور اس کی توجہ کسی اور طرف تھی۔ اس لیے وہ شہزاد کی آمد سے بے خبر رہا۔

شہزاد نے کنکھار کر اپنی موجودگی کا اظہار کیا۔ محافظ چونک کر اُس کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اس نے ٹائیگر کو دیکھا تو ایک لمحے کے لیے اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔ اس نے عقب میں کھلے دروازے کی طرف دیکھا لیکن اُدشان اُسے نظر نہیں آیا کیوں کہ وہ راہ داری کی دیوار کے سامنے میں چھپا کھڑا تھا۔ شہزاد کی آمد سے خوں خوار مخلوق کی مصروفیت میں خلل پیدا ہوا تھا جس پر وہ برہم نظر آنے لگا... لیکن اگلے ہی لمحے وہ ہنس پڑا۔

"آؤ... تم بھی بہتی گنگا میں ہاتھ دھو لو۔ جانس!" اس نے قہقہہ لگا کر کہا۔

"ادھر آؤ، ٹائیگر۔" اس نے غرایا۔

"کیا مطلب؟" محافظ چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگا... وہ میگی کو چھوڑ کر شہزاد کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ اس کے انداز میں ایک بار پھر برہمی آ گئی تھی۔

"مجھے تمہارا یہ انداز بے حد پسند آیا۔" ٹائیگر نے زہر خند سے کہا اور پھر اس کا ہاتھ یوں اُٹھا جیسے وہ محافظ کا گلا گھونٹنا چاہتا ہو۔ لیکن اگلے ہی لمحے محافظ نے اپنا ہاتھ رکھے دیکھ کر پیچھے ہٹنے لگا۔ اُسے دو قدم ہٹنے کی بھی مہلت نہ مل سکی۔ اس کا منہ ماہی بے آب کی طرح کھلا تھا اور اس کے نرخرے پر پڑنے والی چوٹ نے اس کی ہوا کی نالی پھاڑ دی تھی۔

حلق کے سوراخ سے سانس لیتا ہوا وہ بے حد عجیب نظر آیا۔

وہ گرا لیکن گرنے سے پہلے ہی اس کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر چکی تھی۔

میگی نے دھیرے دھیرے سر اُٹھایا۔ وہ گھٹنوں میں سر دیے سسکیاں بھر رہی تھی اور جیسے اس کی نگاہ ٹائیگر پر پڑی اس کی آنکھوں اور چہرے پر بے پناہ نفرت پیدا ہو گئی شہزاد کو ایک لمحے کے لیے یوں محسوس ہوا جیسے اس نے نفرت کا نقاب چہرے پر چڑھا لیا ہو۔ وہ آہستہ آہستہ قدم اُٹھاتا اُس کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ اس دوران اُدشان بھی اندر آ گیا۔ اس نے میگی کے کپڑے درست کرنے میں اس کی مدد کی... شہزاد اُسے تسلی دینے کے لیے کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ میگی بھڑک اُٹھی۔

"تم... مجھ سے دُور رہو۔" وہ حلق کے بل چیخی تھی۔ "تمہاری مدد کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔"

"میگی..." شہزاد نے دھیمی آواز میں کہا۔ "سردست کوئی وضاحت نہیں کر سکتا۔ تھوڑی ہی دیر میں تمھیں سب معلوم ہو جائے گا... لیکن میں چاہتا ہوں کہ تم مجھ پر اعتماد

کرو۔ ہم دونوں ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں۔"

میگی کی نفرت کم نہ ہوئی حالانکہ شہزاد کا لہجہ آخر میں محبت آمیز ہو گیا تھا جس میں اس نے تھوڑے سے مسخرے پن کی بھی آمیزش کر دی تھی۔ وہ شہزاد کے منہ پر نفرت سے تھوکنا چاہتی تھی لیکن اُسی لمحے اس کی نگاہ اُدشان کی طرف اُٹھ گئی جو اس کے جسم پر پڑی ہوئی آہنی زنجیروں کو یوں توڑ رہا تھا جیسے وہ لوہے کی بجائے تنکوں کی بنی ہوئی ہوں اس کی خوفناک آنکھیں شدید حیرت سے پھیل کر مزید حسین لگنے لگیں۔

اُدشان نے اس کی ہتھکڑیاں بھی توڑ ڈالیں۔

یہ آہنی زیور اس کے جسم سے فرش پر گرا تو میگی کو احساس ہوا کہ وہ اس کے دشمن نہیں بلکہ دوست ہیں۔ وہ اپنی کلائیاں رگڑنے لگی وہ اب بھی ان زنجیروں اور ہتھکڑیوں کو ناقابلِ یقین انداز میں دیکھ رہی تھی جنھیں اُدشان نے توڑ ڈالا تھا۔

"آؤ چلیں۔" شہزاد نے اس کی کہنی چھوتے ہوئے کہا۔ "نیمراف بڑی بے چینی سے ہمارا انتظار کر رہا ہو گا۔"

اس بار میگی نے نفرت کا اظہار نہیں کیا۔ اس کی آنکھوں میں سکون کی جھلک پیدا ہو گئی اور ہونٹ ممنونیت سے مسکرا اُٹھے تھے۔ اوشان اور شہزاد کوٹھری سے باہر گئے تو وہ بھی خاموشی سے ان کے تعاقب میں چل دی۔

دروازے میں پہنچ کر وہ ٹھٹک گئی... پھر وہ تیزی سے پلٹی اور اس نے مُردہ محافظ کے ہولسٹر سے اعشاریہ چار یا پانچ کا بھاری آٹومیٹک کھینچ لیا۔ اس نے دروازے کی طرف دیکھا۔ ٹائیگر اور اُدشان رُک کر اسی طرف دیکھ رہے تھے وہ ریوالور اپنے لباس میں چھپا کر مسکرانے لگی۔

"میرا خیال ہے، مجھے اس کی ضرورت محسوس ہو گی۔" میگی نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اب اس کے انداز سے قطعاً ظاہر نہیں ہوتا تھا کہ کچھ دیر قبل وہ ایک مجبور کی التاش بھی تھی۔ ایک ایسی لاش جو آخری سسکیاں بھر رہی ہو۔

"ہمارے راستے میں نہ آنا۔" شہزاد نے جواب دیا۔ "اس طرح تمھیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا اور تم محفوظ رہو گی۔"

"وہ کیوں مسٹر جانس!"

"میں جانس نہیں ہوں۔"

"پھر تم کون ہو؟"

"میں اپنے بارے میں سب کچھ جان چکا ہوں۔"

"اوہ تو تمہاری یادداشت واپس آ گئی؟"

"ہاں..." شہزاد نے مسکرا کر جواب دیا۔

اچانک... میگی حیران نظر آنے لگی۔ "وہ کیسے؟"

"یہ سب اُدشان کا کمال ہے۔ یہ آدمیوں کا مکینک ہے۔" ٹائیگر نے جواب دیا اور فخریہ انداز میں اپنے استاد کی طرف دیکھنے لگا۔

وہ راہ داری سے زینے تک پہنچے اور پھر جلد ہی اُوپر والی منزل پر آ گئے۔ میگی اس اچانک پیش آنے والی صورتِ حال پر اب بھی متحیر تھی لیکن وہ اُدشان کا جو مظاہرہ اپنی آنکھوں سے دیکھ چکی تھی اس کے بعد کسی شک و شبہے کی گنجائش ہی باقی نہیں رہ گئی تھی۔ بس یہی سوچ کر اس کا اطمینانِ قلب واپس آ گیا تھا۔

لفٹ کے سامنے پہنچ کر وہ رُک گئے۔

ٹائیگر نے لفٹ کا وہ بٹن دبایا جس پر انگریزی کا حرف بنا ہوا تھا۔

لفٹ تیزی سے اُوپر اٹھتی چلی گئی۔

❁

نیمراف کے کانفرنس رُوم کی میز کے گرد رکھی ہوئی تمام کرسیاں بھر گئی تھیں۔ اس وقت دُنیا بھر سے آئے ہوئے تمام بڑے بڑے مجرم وہاں موجود تھے۔ سفید فام، سیاہ فام اور زرد رُو آدمی نظر آ رہے تھے اور رنگ رنگ چہروں کی وجہ سے کانفرنس رُوم کا ماحول عجیب سا محسوس ہونے لگا تھا۔ ہر شخص اپنے مُلک کے لباس میں تھا۔ یہ آدمی تعداد میں تیس تھے لیکن ان کے درمیان جس مسئلے پر بحث ہو رہی تھی، وہ مسئلہ ہزاروں آدمیوں کی موت پر مشتمل تھا۔ ان میں سے ہر شخص اپنی اپنی جگہ جرم کا ایک مکتب تھا۔ ان سب نے مل کر اب تک ہزاروں آدمی ہلاک کر دیے تھے ہزاروں لڑکیاں ان کے ہاتھوں ذلت کی زندگی گزارنے پر مجبور ہو گئی تھیں اور ہزاروں بچے مجرم کی راہوں پر نکل گئے تھے۔

... لیکن نیمراف نے جس جرم کی داغ بیل ڈالی تھی، یہ جرم دُنیا کا سب سے انوکھا جرم تھا اور غالباً اس کی انفرادیت ہی ہر شخص کے لیے کشش کا باعث بن رہی تھی... چانک کانفرنس ہال میں خاموشی چھا گئی۔

ہر دہانہ بند ہو گیا۔

سرگوشیاں تک سنائی نہیں دے رہی تھیں۔

سب کے سب جہتن گوش تھے اور اُوپر چھت پر مختصر سے ہوائی اڈے پر کسی ہیلی کاپٹر کے پروں کی چھٹر چھٹر اہٹ گونج رہی تھی۔ وہ سب اس آواز کو سُن رہے تھے۔ کانفرنس ٹیبل کے گرد بیٹھے ہُوئے آدمیوں میں ریاست ہائے متحدہ امریکا کا بڑا آدمی انجیلو بھی موجود تھا۔ اس کی انگلیاں سامنے رکھی پنسل سے کھیل رہی تھیں۔ اُسے نیمراف کا آئیڈیا بے حد پسند آیا تھا یہی وجہ تھی کہ وہ اس پروگرام میں شرکت کے لیے خاص طور پر یہاں آیا تھا۔ کبھی کبھی اس کی نگاہ پوپیسو کی طرف اُٹھ جاتی جو کیلی فورنیا سے آیا تھا یا پھر وہ کن انکھیوں سے پیٹرو کی طرف دیکھنے لگتا جو نیویارک سے یہاں پہنچا تھا اور اس کے جسم پر ہمیشہ کی طرح ایک میلا کچیلا سوٹ نظر آرہا تھا۔ جب بھی انجیلو کی ان دونوں سے نگاہیں چار ہوتیں، وہ مُسکرا دیتے اور اثبات میں سر ہلا دیتے۔ گویا وہ اس صورتِ حال پر اطمینان کا اظہار کر رہے ہوں۔

... لیکن انجیلو کے ذہن میں ایک کھٹک سی تھی۔ ایک پھانس سی اس کے دل میں چبھ رہی تھی۔ کوئی نہ کوئی گرد، گرد مُرد تھی لیکن وہ اسے سمجھنے سے قاصر تھا۔ وہ چونک کر نیمراف کی طرف متوجہ ہوگیا جو اپنی سیٹ سے اُٹھ کھڑا ہُوا تھا۔

نیمراف کا چہرہ شدتِ جذبات سے سُرخ ہو رہا تھا۔

وہ اپنے دیو قامت جسم کے ساتھ یُوں کھڑا تھا جیسے آدمی کی بجائے کوئی بے ترتیب سا ستون ہو۔ اس نے دونوں ہاتھ میز پر رکھے ہُوئے تھے۔

"ذرا سوچیے حضرات! اس نے کسی ماہر مقرر کی طرح کہا۔ "ہم سب کے سب جرائم کے جھنڈے تلے جمع ہو رہے ہیں۔ اس طرح ہم مجرموں کا ایک باقاعدہ وطن ہوگا جس کی اپنی ایک طاقت ہوگی اور جس کی طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھنا قانون کے لیے ممکن نہ ہوگا۔ حالانکہ اس جگہ موجود ہر شخص اپنی اپنی جگہ ایک مستحکم آدمی ہے اور کسی کو قانون سے کوئی خطرہ نہیں لیکن اس کے باوجود ہر شخص تنہا ہونے کی وجہ سے کمزور ہے۔ ہمارے ملک میں ہر قسم کی منشیات آزادی سے تیار ہوں گی۔ کوئی ہمیں پوست کی کاشت سے روک نہیں سکے گا... دُنیا زمین پر جو بھی شخص عام انسانی معاشرے سے پناہ حاصل کرنا چاہے گا اُسے یہاں کی شہریت دی جائے گی۔ اُسے مکمل تحفظ حاصل ہو جائے گا۔ اس طرح ہم ترقی کرتے کرتے اقوامِ عالم سے اپنی طاقت کا لوہا بھی منوا سکتے ہیں۔ تب ہماری بادشاہت ہوگی اور...!"

وہ رُک گیا اور ڈرامائی انداز میں باری باری ہر ایک کے چہرے کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کی نگاہ جس کسی کے بھی چہرے پر رُکتی تھی دھیمی آواز میں اپنی رضامندی ظاہر کر دیتا تھا۔ اب تک تیس میں سے کسی ایک بھی شخص نے اختلاف نہیں کیا تھا... البتہ ایک زرد شخص نے اپنی پتلون کی کریز پر اُنگلی پھیرتے ہُوئے کہا جیسے وہ چاقو کی دھار کو اُنگلی سے آزما رہا ہو۔

"لیکن ہم آسفر کی وفاداری کا یقین کیسے کر سکتے ہیں؟" اس نے اپنی باری آنے پر سوال داغ دیا۔

نیمراف ہنس پڑا۔ اس کا انداز تضحیک آمیز تھا۔

"اس طرف مسٹر ڈونگ!" اس نے ہاتھ کے اشارے سے اس کی اُنگلی ڈونگ نامی اس نمائندے کے عقب میں اشارہ کر دی جہاں ایک اسکرین دیکھی جا سکتی تھی۔ فارایسٹ کا یہ بڑا مجرم یا کر دیکھنے لگا۔

"اسکرین پر توجہ دو، ڈونگ!" نیمراف نے فخریہ لہجے میں اس کے ساتھ ہی میز کے گرد رکھی ہُوئی وہ کرسیاں حرکت میں آگئیں جن کی پُشت ٹی۔ وی اسکرین کی طرف تھی۔ نیمراف دیوار کے قریب گیا اور اس نے ایک بٹن دبا دیا۔ فوراً ہی ٹی۔ وی اسکرین روشن ہوگئی۔

اسکرین پر جو منظر تھا، اس میں آسفر اور دو لڑکیاں دکھائی دے رہی تھیں۔ وہ جس حالت میں تھے، اُسے شرمناک ہی نہیں افسوسناک بھی کہنا چاہیے لیکن میز کے گرد بیٹھے ہُوئے آدمی یُوں گھور رہے تھے، جیسے وہ کسی فلم کی بجائے کوئی حقیقی منظر دیکھ رہے ہوں۔

جیسے ہی منظر ختم ہُوا کسی کی آواز گونجی "اسے چلنے دو! بند نہ کرو!"

اس پر ایک زوردار قہقہہ پڑا۔

نیمراف نے مزید تیس سیکنڈ تک اس منظر کی نمائش جاری رکھی... پھر اسکرین تاریک کر کے وہ اپنے مہمانوں کی طرف متوجہ ہوگیا۔

"یہ وہ شخص ہے جو جلد ہی یہاں کا صدر مملکت بننے والا ہے۔" نیمراف نے قہقہہ لگا کر کہا۔ "جو شخص اخلاقی اعتبار سے اتنا گھٹیا ہو سکتا ہے، اس سے ہم ہر قسم کا کام لے سکتے ہیں۔"

فارایسٹ کا فتنہ غالباً اب بھی مطمئن نہیں ہُوا تھا۔ اس نے کھنکار کر گلا صاف کرتے ہُوئے کہا۔ "ٹھیک ہے... لیکن نیمراف جب یہی شخص صدر بن جائے گا تو وہ ہمارے لیے تباہ کن بھی ثابت ہو سکتا ہے۔ اسے تب ہماری ضرورت باقی نہیں رہے گی۔ اس کے پاس دولت اور مرتبہ ہوگا۔ تب وہ مجرموں کو کیسے قبول کرے گا؟"

کانفرنس رُوم میں موجود ہر شخص گہری توجہ اور دلچسپی سے مسٹر ڈونگ کی طرف دیکھنے لگا۔ بعض کے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ بھی تھی۔

"آپ نے واقعی ایک بہت اچھا نکتہ اُٹھایا ہے، مسٹر ڈونگ!" نیمراف نے جواب دیا اور پھر چہرہ اس کی طرف متوجہ ہوگیا۔ "یہ درست ہے کہ صدر کی حیثیت سے آسفر کے پاس مقام اور مرتبہ ہوگا لیکن جہاں تک دولت کا تعلق ہے، اس سلسلے میں اس کا خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہوگا۔"

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔" ڈونگ نے کہا۔

"گزشتہ پانچ ہفتوں سے صدر کے محل کے نیچے ایک سُرنگ بنائی جا رہی ہے۔ یہ سُرنگ بنانے والے میرے ہی آدمی ہیں۔"

کانفرنس رُوم میں بھنبھناہٹ شروع ہوگئی۔

"اس سے کیا ہوگا؟"

"ایسی ہی ایک سُرنگ محل کے مشرقی حصّے میں بھی تیار ہو رہی ہے۔ جیسے ہی موجودہ اقتدار ختم ہوگا، تمام خزانہ وہاں سے ہٹا لیا جائے گا... اور تب آسفر کو پتہ چلے گا کہ وہ ایک ایسے ملک کا صدر بن گیا ہے جس کے خزانے میں چھوٹا سا سکّہ بھی موجود نہیں ہے۔ اس کے پاس تو سابق صدر کی تدفین کے لیے بھی پیسے نہیں ہوں گے۔" نیمراف یہ کہہ کر کھل کھلا کر ہنس پڑا۔

وہ بڑی دیر سے اس کمرے میں موجود تھا اور اب تک اس کے لیے گوشت کے پارچوں کی ایک بھی پلیٹ نہیں لائی گئی تھی غالباً وہ خود پرہیز کر رہا تھا اور اس سلسلے میں اس نے باقاعدہ حکامات دے رکھے تھے ورنہ کوئی وجہ نہیں تھی کہ اس عرصے میں تین سے زیادہ پلیٹیں اُسے پیش نہ کر دی گئی ہوتیں۔

"آسفر صدر ضرور بنے گا لیکن اسے کام کرنے کے عوض ہماری طرف سے باقاعدہ وظیفہ ملے گا۔ وہ کسی خزانے کا مالک نہیں ہوگا۔ ایسے میں اُسے ہماری ہی ضرورت پڑے گی مسٹر ڈونگ!"

کمرے میں بیک وقت کئی آدمی ہنس پڑے۔

"وظیفہ خوار..." کسی نے کہا اور اس پر مزید قہقہے لگے۔

نیمراف کی اس وضاحت کے بعد جن لوگوں کے ذہن میں کوئی شبہ تھا، وہ بھی رفع ہوگیا اور اب ہر شخص بڑے زور و شور کے ساتھ اس کی حمایت میں مصروف نظر آرہا تھا۔ اسی لمحے ڈونگ کی طرف دیکھتے ہُوئے انجیلو بول پڑا۔

"اور مسٹر جانسن کے بارے میں کیا کہتے ہو نیمراف؟" اُس نے کہا۔ "کیا مطلب؟"

"وہ یہاں کیوں موجود ہے؟"

"میں ابھی اسی سلسلے میں بات کرنے والا تھا، مسٹر انجیلو!" نیمراف نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "یہ شخص آسفر کی وفاداریوں کے سلسلے میں ضمانت کی حیثیت رکھتا ہے جو لوگ ریاست ہائے متحدہ امریکا سے آتے ہیں، وہ یقیناً مسٹر جانسن کی شخصیت سے آگاہ ہوں گے اور میں یہ کہنے کی بھی جُرأت کر رہا ہُوں کہ بہت سی دُوسری قوموں کے لوگ بھی اس سے ناواقف نہیں ہوں گے۔ میری تجویز یہ ہے کہ جانسن کو یہاں پریذیڈنٹ مینجر کی حیثیت سے رکھا جائے... اور آسفر کو صاف لفظوں میں تنبیہ کر دی جائے کہ اگر اس نے ہمارے متعین راستے سے ایک انچ بھی اِدھر اُدھر ہونے کی کوشش کی تو جانسن اس کی زندگی کا آخری دن قریب لے آئے گا۔ جانسن، آسفر کے سر پر ایک لٹکتی ہُوئی تلوار کی حیثیت اختیار کرے گا۔ اس کے علاوہ ہمیں جانسن کے دیگر فوائد بھی ہیں۔"

سب سوالیہ نظروں سے نیمراف کی طرف متوجہ ہوگئے۔

"وہ ایک ایسا قاتل ہے جس کا نشانہ کبھی خطا نہیں جاتا۔ اس کی حیثیت موت کے ایک ہرکارے جیسی ہوگی۔" نیمراف یہ کہہ کر انجیلو کی طرف متوجہ ہوگیا۔ "کیا اس وضاحت سے تمہارا کچھ اطمینان ہوگیا ہے؟"

جواباً انجیلو نے جو کچھ کہا۔ وہ ایک تائیدی جملہ تھا لیکن یُوں محسوس ہُوا تھا جیسے اُس کے حلق سے ایک غراہٹ نکل گئی ہو۔

"مسٹر جانسن اس وقت میرے محل میں موجود ہے۔" نیمراف نے کہا۔ "اور وہ کسی بھی لمحے کانفرنس میں شرکت کے لیے آنے والا ہے۔ اس موقعے پر میں ایک بات کی وضاحت بھی کر دینا چاہتا ہُوں کہ جن لوگوں نے اُسے ماضی میں دیکھ رکھا ہے، ممکن ہے اُنھیں جانسن کو شناخت کرنے میں کچھ دُشواری پیش آئے کیونکہ وہ اس وقت زبردست میک اپ میں ہے۔ اس نے پچھلے دنوں پلاسٹک سرجری کروائی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اب آپ کو پہلے سے قدرے مختلف نظر آئے گا۔"

"ہم میں سے بیشتر اس کے کام سے واقف ہیں۔"

"لیکن میں سمجھتا ہُوں کہ آپ نے اُسے اپنی آنکھوں سے کسی کام کی تکمیل کرتے نہیں دیکھا ہوگا۔ وہ موت کا فرشتہ ہے۔ اُسے ہتھیاروں کی ضرورت نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں اُسے اپنا دستِ راست بنا کر رکھنا چاہتا ہُوں۔"

کانفرنس ٹیبل پر اُمرا کی جرائم پیشہ لوگ آخری حصّے کے قریب بیٹھے تھے۔ ان میں سے ہر ایک نے تائید میں سر ہلا دیا۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ صرف جانسن سے واقف ہی نہیں ہیں بلکہ اس کے کام سے مطمئن بھی ہیں۔

انجیلو اور ڈونگ البتہ گہری سوچ میں ڈُوبے ہُوئے تھے۔

"جنتی معاہدہ کیا ہوگا؟" ڈونگ نے کچھ دیر بعد سوال کیا۔

"ہم لوگ جو اس کانفرنس میں شریک ہیں، پہلا تعلق بائیس مختلف قوموں سے ہے... بائیس ملکوں کے نمائندے یہاں موجود ہیں۔ امریکا سے آنے والوں کی تعداد اگرچہ زیادہ ہے لیکن ہم انھیں ایک فیملی شمار کریں گے۔ میں ہر فیملی سے پانچ لاکھ ڈالر ادا کرنے کا معاہدہ کرنا چاہتا ہوں۔ اس کے علاوہ ہر فیملی کے ممبر کو پچیس ہزار ڈالر بطور ممبرشپ فیس ادا کرنے ہوں گے۔"

"اور اس کے بدلے میں اُسے کیا ملے گا؟" کیل فور نیا کے نمائندے نے پوچھا۔

"حکومت کو جتنی بھی سالانہ آمدنی ہوگی وہ ممبران میں تقسیم کردی جائے گی۔" ٹیمراف نے جواب دیا۔ "فی الوقت میں جس رقم کا تقاضا کررہا ہوں، یہ صورتِ حال قابو میں لانے کے لیے استعمال ہوگی۔"

ہال میں باتوں کی بھنبھناہٹ شروع ہوگئی۔

"یہ منصوبہ کب پایۂ تکمیل کو پہنچے گا؟" کسی نے سوال کیا۔

"آیندہ چوبیس گھنٹوں میں..." ٹیمراف نے فخریہ لہجے میں گویا اعلان کیا۔

"فرض کرو کہ اس موقع پر ہم سب تمھاری اس اسکیم میں شامل ہونے سے انکار کردیتے ہیں۔" ڈونگ نے کہا۔ "ایسی صورت میں کیا ہوگا؟"

"چونکہ وقت کم ہے اس لیے میں فوری طور پر دوسرے لوگوں سے معاہدہ کرنے پر مجبور ہو جاؤں گا۔"

"لیکن تم جس رقم کا تقاضا کررہے ہو، وہ بہت زیادہ ہے۔"

"منافع کو بھی ذہن میں رکھو۔"

اس صورتِ حال پر ایک بار پھر بحث کا آغاز ہوگیا۔ ہر شخص اپنے دائیں بائیں بیٹھے آدمی سے مشورے میں مصروف ہوگیا تھا۔ ٹیمراف نے جس رقم کا تقاضا کیا تھا، وہ واقعی بہت زیادہ تھی لیکن منافع بھی کم نہیں تھا۔

چند منٹ بعد ڈونگ اپنی سیٹ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"ٹیمراف...!" اس نے مسکرا کر کہا۔ "مجھے تمھارے ساتھ شامل ہونے میں خوشی محسوس ہوگی۔"

اس پر کانفرنس ہال تالیوں سے گونج اُٹھا اور وہاں موجود ہر شخص نے ٹیمراف کی شرائط مان کر اس معاہدے کی تائید کردی۔ ٹیمراف اور ان لوگوں کے مابین طے پانے والا تھا۔ اچانک ٹیمراف کے کان کھڑے ہوگئے۔ وہ لفٹ کی خفیف سی سرسراہٹ سن رہا تھا۔

"شکریہ، ڈونگ!" اس نے مسکرا کر کہا۔ "میرا خیال ہے جانسن اپنا کام مکمل کرکے آپہنچا ہے۔ آپ لوگ نئے پریذیڈنٹ مینیجر سے ملاقات کے لیے یقیناً بے حد بے قرار ہوں گے۔"

وہ اپنی جگہ سے متحرک ہوا اور لفٹ کے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ یہ دروازہ ایک چھوٹے سے کمرے میں تھا اور اسی وقت یہ دروازہ کھلا۔ لفٹ کا دروازہ کھل گیا اور شہزاد لفٹ سے اُتر آیا۔

"جانسن؟" ٹیمراف نے اس پر نگاہ پڑتے ہی مسکرا کر کہا۔ "جلدی چلو، میرے بہت سے مہمان تمھیں دیکھنے کے لیے بے چین ہو رہے ہیں۔"

"لیکن میرے ساتھ اور لوگ بھی ہیں۔" شہزاد ٹائیگر نے جواب دیا اور اس کی نگاہ دروازے کے اس پار کانفرنس ٹیبل پر بیٹھے لوگوں پر سے ہوتی ہوئی لفٹ کی طرف گھوم گئی۔

اُوشان لفٹ سے اُترا۔ اس کے بعد میگی بھی لفٹ سے باہر آگئی۔

"لیکن میرا تو خیال تھا کہ تم انھیں ٹھکانے لگا کر آؤ گے۔" ٹیمراف نے کہا۔

"تمھارا خیال غلط تھا۔" ٹائیگر کا لہجہ بے حد سرد ہوگیا۔ وہ آدھے وقت تک کانفرنس روم کے دروازے میں پہنچ چکے تھے۔ ٹائیگر نے ٹی وی اسکرین کی طرف دیکھا جہاں متوقع صدر کی ریل اب بھی چل رہی تھی۔ شہزاد نے ٹیمراف کے اٹھے ہوئے کسی نے دوبارہ سوئچ آن کردیا تھا۔ ٹائیگر کی آنکھیں ایک لمحے کے لیے ٹی۔ وی اسکرین پر اور پھر کانفرنس ٹیبل پر موجود لوگوں کے چہروں کا جائزہ لینے لگیں۔ سب کے سب اُٹھی کی طرف متوجہ تھے۔

ٹیمراف نے ٹائیگر کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور اس کے کان کی طرف جھکتے ہوئے جھنجھلاتی ہوئی آواز میں سرگوشی کی۔ "تمھیں کیا ہوگیا ہے جانسن؟ تمھیں کیا ہوگیا ہے؟ سارا منصوبہ کامیابی سے ہمکنار ہو رہا ہے اور تم..."

"دو غلطیاں ہوئی ہیں، ٹیمراف۔" ٹائیگر نے خوفناک لہجے میں کہا۔ "سب سے پہلی اور بڑی غلطی یہ ہے کہ میں جانسن نہیں ہوں۔ میں شہزاد ٹائیگر ہوں... اور دوسری غلطی یہ ہے کہ تمھارا منصوبہ کامیابی سے ہمکنار نہیں ہو رہا بلکہ تمھاری موت کامیابی سے ہمکنار ہو رہی ہے۔"

وہ دروازے کے سامنے سے ایک قدم بائیں جانب ہٹ گیا۔ اسی لمحے اُوشان کمرے میں داخل ہوا۔

اُوشان کی نگاہ ڈونگ پر جم گئی جو سرسری انداز میں اب بھی ٹی۔ وی اسکرین کا منظر دیکھ رہا تھا... لیکن کسی غیر مرئی طاقت نے جیسے اس کو دروازے کی طرف متوجہ کردیا تھا۔ اُس نے اُوشان کی طرف دیکھا جو اپنے لبادے میں بے حد پُراسرار لگ رہا تھا۔

"یہ آدمی کون ہے؟" وہ ٹیمراف سے بولا۔

ٹیمراف نے اُوشان کی طرف دیکھا جو اُس وقت ڈونگ کے قریب پہنچنے کی کوشش کررہا تھا۔ اس سے پہلے کہ ٹیمراف کوئی جواب دیتا خود اُوشان نے اپنے بارے میں بتاتے ہوئے کہا۔ "میں سناجوتی شیشر کا مالک ہوں۔"

یکایک ڈونگ کے حلق سے ایک دلدوز چیخ نکل گئی۔

اس نے اُوشان کے بارے میں بہت کچھ سن رکھا تھا۔ مارے دہشت کے اس کے چہرے کی رنگت لاش کے چہرے جیسی ہوگئی اور وہ چیخ پڑا۔ اس کی چیخ سے کانفرنس روم میں موجود ہر شخص کا چہرہ دھواں دھواں ہوگیا۔

ڈونگ اچانک ہی اپنی کرسی سے اُٹھ کھڑا ہوا... پھر اس نے ہال سے بھاگ نکلنے کی کوشش کی۔ کانفرنس روم میں موجود ہر شخص بے تو یوں بیٹھا رہا جیسے صورتِ حال سمجھ میں نہ آئی ہو... پھر وہ بے ہی تیزی سے اُٹھنے لگے اور ان میں سے ہر ایک کا ہاتھ جیکٹ نیچے دبے ہوئے ریوالور کی طرف بڑھ رہا تھا۔

اُوشان اُچھل پڑا۔

ایک لمحے کے لیے وہ اپنے لبادے سمیت فضا میں معلق نظر آیا... پھر وہ تیرتا ہوا کانفرنس ٹیبل پر پہنچ گیا۔ اس کا لباس جسم کی حرکت کے ساتھ ساتھ بالکل اس انداز میں حرکت کررہا تھا جیسے وہ کوئی دیوپیکر پرندہ ہو۔ اس کے چہرے پر مہیب سختی تھی، اتنی سختی شہزاد نے بھی پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ وہ اُسے بلاسوچے سمجھے موت کا چہرہ کہہ سکتا تھا۔ اُوشان نے موت کا رقص شروع کردیا۔

"انسانیت کا خون چوسنے والے بھیڑیو اور جرم کے گیدڑو۔" وہ غرّا کر بولا۔ "تمھارا انجام قریب ہے۔ یہ موت کا وقت ہے۔ مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ اپنے گناہوں کا حساب دینے کے لیے مستعد ہو جاؤ۔ اب میری باری ہے۔ تم لوگ بازی ہار چکے ہو۔"

ڈونگ پر اب بھی لرزنے کی سی کیفیت طاری تھی۔ وہ کرسیوں اور لوگوں سے اُلجھ کر بار بار گرتا اور ہر بار سنبھل کر فرار ہونے کی کوشش ناکام ہو کر پڑتا تھا۔ اس کے حلق سے ڈری ڈری سی آوازیں نکل رہی تھیں۔

یہ آوازیں یکایک بند ہوگئیں۔

اس کی گردن غیر فطری انداز میں بائیں طرف ڈھلک گئی۔

اُوشان نے فضا میں چہکتے ہوئے اس کی گردن پر ایک رسید کردیا تھا۔ یہ کلہاڑے جیسی کاٹ کا حامل وار تھا۔ ڈونگ کی ناک تو نہیں البتہ بائیں کندھے سے جا کر لوں ٹک گئی تھی جیسے ناک کے تمام ریشے یکایک دبر جیسی لچک پیدا کرنے کے قابل ہو گئے ہوں... پھر وہ مُردہ بن کر گر گیا۔

اُوشان میز پر چکرا رہا تھا۔

اس پر بوکھلاہٹ طاری ہونا مشکل تھی۔

ڈونگ کی لاش گرتے ہی ہنگامہ مچ گیا۔ وہ سب کے سب بہت بڑے مجرم تھے اور ہزاروں افراد محض ان کا نام ہی سن کر کانپ جاتے تھے لیکن اب وہ سب کے سب کانپ رہے تھے۔ ان کی آنکھوں نے جو کچھ بھی دیکھا، وہ فطری نہیں تھا اور کسی غیر فطری شخصیت سے لڑنا اُن کے تصور سے بھی بعید تھا۔

میز کے گرد بیٹھے ہوئے لوگ منتشر ہونے لگے۔

... لیکن میز کے اُوپر اور ہال سے فرش تک اُوشان کا جسم کسی چھلاوے کی طرح متحرک تھا۔ کسی نے اب تک اس پر حملہ کرنے کی جرأت نہیں کی تھی۔ سب کے سب فرار ہونے کی فکر میں تھے۔

شہزاد اطمینان سے کھڑا یہ منظر دیکھ رہا تھا۔

میگی کی آنکھوں میں حیرت ہی حیرت تھی۔

ٹیمراف کے گھوڑے جیسا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا تھا۔ وہ اس طرح کھڑا تھا جیسے کھلی آنکھوں کوئی خواب دیکھ رہا ہو۔ یکایک شہزاد نے میگی کا ہاتھ تھام کر اپنی طرف گھسیٹ لیا اور پھر اسے لے کر ایک دیوار سے جا لگا۔

"تم یہاں کھڑی ہو کر یہ نظارا دیکھو۔" اس نے مسکرا کر کہا۔ "اُوشان آج غصے میں ہے اس لیے میں بھی دیکھوں گا اس انداز میں اسے میں نے بہت کم دیکھا ہے۔"

اُوشان کی حرکات میں بے پناہ تیزی آگئی تھی۔ وہ گولی سے بھی زیادہ تیزی سے حرکت کررہا تھا۔ اس کے ہاتھ اور پاؤں ایک ساتھ متحرک تھے۔ اس کا ہاتھ جس کھوپڑی سے ٹکراتا وہ پاش پاش ہو جاتی جس کندھے پر لگتا، وہ لٹک جاتا اور جس پیٹ پر اُس کا پنجہ لگتا، وہاں سے اگلے ہی لمحے خون اُبل پڑتا تھا۔ ہڈیاں ٹوٹنے کی آوازیں، انسانی کراہیں، ڈری ڈری سی آوازیں اور فرار کی کوششوں سے پیدا ہونے والا شور۔ یہ سب کچھ مل کر ناقابلِ فہم صوتی تاثر پیدا کررہا تھا۔

اس دوران میں کئی ریوالور ہولسٹروں سے نکلے لیکن کسی بھی ریوالور کی نال سے شعلہ نہ نکل سکا۔ ریوالور بھی فضا میں اُڑتے نظر آرہے تھے۔ کسی کے ساتھ کلائی تک ٹوٹا ہوا ہاتھ بھی موجود ہوتا اور کسی کی محض انگلیاں ہی ریوالور کے دستے پر جمی رہ جاتیں۔

چند ایک نے چاقو بھی نکالے لیکن ان کے خالی ہاتھ فضا

میں لہراتے نظر آتے اور پھر وہی چاقو کسی نہ کسی کے نرخرے میں پیوست نظر آتے۔ اُوشان اُس وقت بے حد خطرناک ہو گیا تھا۔ میز پر پڑی ہوئی پنسلیں اور قلم تک اس کے لیے ہتھیار بن گئے تھے آنکھوں میں گڑی ہوئی پنسلیں اور کھوپڑی میں اُترے ہوئے قلم بھیانک اور نارنگ لگتے تھے۔ یکایک ایک قلم اُڑتا ہوا اس طرف آیا جہاں ٹائیگر کھڑا تھا۔ قلم اس کے قریب سے گزر کر چوبی پینل میں گھس گیا جیسے قلم کی بجائے خنجر رہا ہو۔

میگی نے نہ جانے کب سے سانس تک نہیں لی تھی۔ کانفرنس رُوم کسی قصاب کی دُکان لگنے لگا تھا۔ جگہ جگہ کٹے پھٹے انسانی اعضا۔ ٹوٹی ہوئی کھوپڑیاں اور مسخ چہرے نظر آ رہے تھے۔

میگی نے سختی سے مُٹھ بند کر لیا۔

وہ جو دیوانہ تو خانے۔ سے اُٹھا لائی تھی اس کے استعمال کا موقع ہی نہیں ملا۔ موقع ہوتا بھی تو وہ اپنے حواسوں میں کب تھی جن لوگوں نے بھی اُوشان کو مارگرانے کی کوشش کی تھی، وہ جہنم رسید ہو گئے تھے لیکن باقی لوگوں میں سے بھی کوئی فرار ہونے میں کامیاب ہوتا دکھائی نہیں دیتا تھا حالانکہ اب لڑنے کی بجائے ہر کسی کی یہی کوشش تھی کہ اس کمرے سے نکل جانے میں کامیاب ہو جائے۔ جو بھی دروازے تک پہنچ جاتا، اُسے پلٹ کر کانفرنس رُوم ہی میں آنا پڑتا یہ الگ بات ہے کہ وہ صحیح و سالم حالت میں واپس نہیں آتا تھا بلکہ اس کے اعضا منتشر ہو جاتے تھے۔

ٹائیگر نے اب تک اس جنگ میں حصّہ نہیں لیا تھا اور اس کے انداز سے ظاہر بھی نہیں ہوتا تھا کہ وہ ہاتھ پاؤں ہلائے گا۔ وہ تو کسی ایسے بچے کی طرح یہ نظارا دیکھ رہا تھا جسے ایک عرصے بعد کوئی دل پسند چیز دیکھنے کو ملی ہو۔ اچانک چند آدمی ٹائیگر کی طرف لپکے اُسی لمحے وہ بھی حرکت میں آ گیا۔ میگی ایک چیخ مار کر ہٹ گئی اور تب اُس نے اپنی زندگی کا دُوسرا حیرت انگیز منظر دیکھا.... وہ تو کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ دُنیا میں کوئی ایسا شخص بھی ہو گا جس کے محض ہاتھ پاؤں ہی بھیانک ہوں گے... شہزاد ٹائیگر نے اپنی طرف آنے والوں کا ڈھیر سا لگا دیا اور ہاتھ جھاڑنے لگا۔

یُوں لگتا تھا جیسے کسی نے چند آدمیوں کو کاٹ چھانٹ کر ایک ڈھیر کی شکل میں جمع کر دیا ہو... بالکل ایسا ہی ایک ڈھیر اب کمرے کی وسطی میز پر بھی نظر آنے لگا تھا۔ اُوشان اب بھی بجلی کی طرح پُورے کانفرنس رُوم میں تڑپتا پھر رہا تھا... اور پھر سکوت چھا گیا۔

میگی، ٹائیگر اور اُوشان کے علاوہ کوئی بھی اپنے پیروں پر نہیں کھڑا تھا۔ ٹائیگر نے اس کی طرف دیکھا اور تعریفی انداز میں مسکرانے لگا۔

"پلیز..." میگی نے پھنسی پھنسی سی آواز میں کہا۔ "مجھے بتاؤ کہ تم دونوں کون ہو... میں، تمھیں اپنی دُنیا کی مخلوق سمجھنے کے لیے آمادہ نہیں ہوں۔"

"تمھارے لیے بہتر یہی ہو گا کہ تمھیں کچھ بھی معلوم نہ ہو۔" ٹائیگر نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے نرمی سے جواب دیا۔ "لیکن یہ ضرور سمجھ لو کہ ہمارا تعلق انسانیت اور قانون کو سربلند رکھنے والے ادارے سے ہے اور ہم بھی اُسی مہم پر یہاں آئے ہیں جس پر تمھیں بھیجا گیا ہے۔"

"اوہ تو تم واقعی جانسن نہیں ہو؟" میگی نے جلدی سے کہا۔

"نہیں۔ میں شہزاد ہوں۔"

"اور جانسن کہاں گیا؟"

"اُسے تو میں نے یہاں پہنچنے سے پہلے ہی ہوائی جہاز کے غسل خانے میں قتل کر دیا تھا۔" ٹائیگر نے کہا۔ "اے دیکھو! وہ کیسی پُرلطف فلم چل رہی ہے... بل... لیکن میگی تم نہ ہی دیکھو تو بہتر ہے۔"

میگی کھسیا کر ہنسنے لگی۔

شہزاد نے اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر مسکرانے لگا۔ "اُوشان! تمھارا مظاہرہ دیکھنے میں اس قدر محو ہُوا کہ ایک خاص آدمی کے انجام کی طرف مجھے خیال ہی نہیں رہا۔ اُسے میں خاص طور سے مرتے ہوئے دیکھنا چاہتا تھا۔"

"کون... نیمراف!" میگی بھی چیخ پڑی۔ "یقیناً اُس کی لاش بھی انھی لاشوں میں شامل ہو گی۔"

"ہاں، دیکھنا چاہیے۔" یہ کہہ کر ٹائیگر لاشوں کا جائزہ لینے لگا۔

اُنھوں نے ایک ایک کر کے سارے ہی چہرے دیکھ ڈالے لیکن نیمراف ان میں موجود نہیں تھا۔ ٹائیگر کے چہرے سختی سے بھنچ گئے۔

"اُوشان! وہ فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ وہ دروازے کے قریب ہی تھا اس لیے صورتِ حال دیکھتے ہی خاموشی سے کھسک گیا۔"

"اگر تم محض تماشائی نہ بنتے تو وہ ہرگز نکل جانے میں کامیاب نہ ہوتا۔" اُوشان نے ناگواری سے کہا۔

"میرا خیال ہے، وہ موت کا رقص شروع ہونے سے پہلے ہی غائب ہو گیا تھا۔" میگی نے خیال آرائی کی۔ "مجھے تو خیر اِدھر اُدھر کا ہوش ہی نہیں تھا لیکن تم...."

"کانفرنس روم میں اس وقت جتنی بھی لاشیں ہیں، ان سے نمٹنا اب تمھارا کام ہے۔" ٹائیگر نے جلدی سے میگی کی بات قطع کرتے ہوئے کہا۔ "آخر نیمراف کہاں غائب ہو گیا؟"

اچانک انھیں عجیب سی پھڑپھڑاہٹ سنائی دی۔

"اوہ... اوپر..." ہیلی کاپٹر۔ ٹائیگر کے حلق سے غرّاہٹ نکل گئی۔ "وہ یقیناً اُوپر ہی گیا ہے لیکن..." تب اس نے پہلی بار اِدھر سے اِدھر اُدھر دیکھا تو اُسے یوں محسوس ہُوا کہ وہ واقعی چوٹ کھا گیا ہے۔ کوئی لفٹ یا سیڑھی دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ کانفرنس رُوم کی ساخت ایسی تھی کہ اس کی چھت پر لگے ہُوئے شیشے میں سے چھت کا منظر دیکھا جا سکتا تھا۔

ایک ہیلی کاپٹر چھت کے رن وے پر آہستہ آہستہ کسی بیکر پرندے کی طرح بیٹھ رہا تھا۔ شیشے کے اوپر ہیلی کاپٹر کے آنے کی وجہ سے کانفرنس رُوم میں تاریکی سی پھیلی جا رہی تھی۔

"اوہ..." ٹائیگر غرّایا۔ "اُوپر کیسے پہنچا جائے؟"

اُوشان ہنس پڑا۔ "بس اکڑو خان! اتنی سی بات ہے؟" اس کا انداز مضحکہ اڑانے والا تھا۔ "دیکھتے رہنا..." یہ کہہ کر وہ اُچھل کر اس کے قدم ایک لمحے کے لیے کانفرنس ٹیبل پر پڑے... اور وہ ہوا میں بلند ہوتا ہُوا شیشے کی طرف بڑھنے لگا۔ اچانک اُس نے فضا ہی میں قلابازی کھائی اور پھر اس کے دونوں پیر اُس کے پچھلے حصّے شیشے سے ٹکرا گئے۔

ایک زوردار چھناکا ہُوا۔

شیشے کے ٹوٹتے ہی اس نے ایک بار پھر قلابازی کھائی اور پھر میگی حیرت سے ہانپ کر رہ گئی۔ اس نے دیکھا کہ اُوشان ہاتھوں کی مدد سے لٹکا ہُوا اپنا جسم ٹوٹے ہُوئے شیشے کے ذریعے اُوپر اُٹھا رہا ہے۔ یہ دونوں سلاخیں شیشے کا کچھ حصّہ سنبھالے ہُوئے تھیں اور اُوشان نے پہلے کانچ کے اسی حصّے کو توڑا تھا۔ اوپر جاتے وقت اس نے ٹائیگر کو بھی اشارہ کیا تھا۔

شہزاد نے اس کی تقلید کرتے ہُوئے پہلے تو میز پر قدم مارا اور پھر وہ بھی اُوشان ہی کی طرح فضا میں بلند ہو کر شیشے کے ٹکڑوں میں سے گزر کر اُوپر جا پہنچا۔ وہاں سے اس نے نیچے جھانک کر دیکھا اور چیخ کر بولا۔

"میگی! تم ہمیں انتظار کرو۔"

وہ اگلے ہی لمحے اُوشان کے قریب جا کھڑا ہُوا تھا... ان دونوں کو بہت دیر ہو چکی تھی۔ نیمراف کا ہیلی کاپٹر فضا میں بلند ہو کر محل سے اتنی دُور پہنچ چکا تھا کہ اُوشان بھی چھلانگ لگا کر وہاں تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا تھا۔ ٹائیگر دانت پیسنے لگا۔

ہیلی کاپٹر تیزی سے جنوبی سمت میں پرواز کر رہا تھا۔

جس وقت اُوشان اور ٹائیگر محل کی چھت کے ہوائی اڈے پر پہنچے تھے تو نیمراف ایک ہیلی کاپٹر میں فرار ہو چکا تھا۔ اس وقت وہاں ایک اور ہیلی کاپٹر بھی موجود تھا جو پہلے سے قدرے بڑا تھا۔ اس کے پَر بھی فوراً ہی متحرک ہُوئے تھے۔

اس ہیلی کاپٹر کی آواز سُنتے ہی اُوشان اور ٹائیگر دونوں ہی چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگے۔ اور پھر اُوشان تیزی سے اس کی طرف دوڑ پڑا۔ شہزاد نے بھی اپنے اُستاد کے پیچھے ہی دوڑ لگا دی تھی۔

عین اس وقت جب کہ وہ ہیلی کاپٹر زمین سے بلند ہونے والا تھا، اُوشان نے جست لگائی اور پائلٹ کیبن کی طرف لپک پڑا۔

اچانک پائلٹ کیبن کا ہڈ ہٹ گیا اور معاون پائلٹ کا ہاتھ باہر آیا۔ غالباً وہ گھونسہ مار کر اُوشان کو ہیلی کاپٹر سے نیچے گرا دینا چاہتا تھا۔ اُوشان نے قلابازی کھائی اور اگلے ہی لمحے معاون پائلٹ اپنی سیٹ سے اُچھل کر ہیلی کاپٹر سے باہر جا گرا۔ وہ اتنی شدّت سے فرش کے ساتھ ٹکرایا تھا کہ دوبارہ نہ اٹھ سکا اور کسی ڈھیر کی طرح وہیں ساکت پڑا رہ گیا۔

اگلے ہی لمحے پائلٹ نے بھی سر اُبھارا۔

اس وقت تک ٹائیگر اس کے قریب پہنچ چکا تھا۔

... اور پھر پائلٹ بھی اپنے معاون کی طرح سیٹ سے اُچھل کر باہر فرش پر جا گرا۔ شاید پائلٹ نے انجن بند کر دیا تھا۔ اس کے ساکت ہوتے ہُوئے جہاز کے پنکھے بھی ساکت ہو گئے تھے۔

ٹائیگر بھی فرش پر کُود گیا اور اُوشان کے قریب جا کھڑا ہُوا۔ دونوں کی نگاہ اسی سمت اُٹھی ہُوئی تھی جدھر نیمراف کا ہیلی کاپٹر گیا تھا۔

"کیا ہمیں اس ہیلی کاپٹر کا تعاقب کرنا چاہیے؟" اُوشان نے پلٹ کر ٹائیگر سے پوچھا۔

"یقیناً۔" شہزاد نے جواب دیا۔

"کیا تم ہیلی کاپٹر اُڑانا جانتے ہو؟"

"نہیں..." شہزاد کے لہجے میں مایوسی تھی۔

"میں بھی نہیں جانتا۔" اُوشان بڑبڑایا۔ "تمھیں پائلٹ کو نہیں مارنا چاہیے تھا۔ اگر وہ زندہ ہوتا تو ہم اسے مجبور کر سکتے تھے۔"

اچانک انھیں عجیب سی آواز سُنائی دی۔

یوں لگتا تھا جیسے کوئی کار اُن کے عقب میں رُکی ہو...

پھر سر سراہٹ بلند ہوئی اور ان کے دیکھتے ہی دیکھتے چھت میں خفیہ لنڈ کا دروازہ نمودار ہوا۔ دونوں چونک کر اس دروازے کو گھورنے لگا۔

دروازہ کھلا اور میگی باہر آتی دکھائی دی۔

اس کے دائیں ہاتھ میں ریوالور دبا ہوا تھا۔

اُدشان اور ٹائیگر پر نگاہ پڑتے ہی وہ دوڑتی ہوئی اُن کے قریب آگئی اور ہانپتے ہوئے کہا: "میں وہ خفیہ دروازہ تلاش کرنے میں کامیاب ہوگئی تھی۔ نیمراف کہاں ہے؟"

ٹائیگر نے اس طرف اشارہ کر دیا جدھر نیمراف کا ہیلی کاپٹر گیا تھا۔ وہ اب کافی فاصلے پر کسی سُرخ دھبے کی طرح نظر آرہا تھا۔

"اوہ... تو تم نے اس کا پیچھا کیوں نہیں کیا؟" میگی نے کہا۔

"یہ طعون مشین چلانا ہمارے بس کی بات نہیں۔" ٹائیگر نے ہیلی کاپٹر کی طرف اشارہ کیا۔

"جلدی سے بیٹھو۔ میں اسے اُڑا سکتی ہوں۔" میگی چیخ پڑی۔

ٹائیگر نے اُدشان کو اشارہ کیا۔

دونوں ہیلی کاپٹر میں بیٹھ گئے۔

میگی نے پائلٹ کی سیٹ سنبھال لی تھی اور اس نے انجن کو اسٹارٹ کر دیا تھا۔ اس کے ہاتھ بڑی مہارت سے کام کر رہے تھے۔ شہزاد اس کے عقب میں تھا اور اُدشان سب سے پیچھے بیٹھا تھا۔

چند ہی لمحوں میں جہاز فضا میں بلند ہوگیا۔ نیمراف کے محل کی چھت سے اُوپر اُٹھتے ہی ہیلی کاپٹر تیزی سے اُسی سمت میں پرواز کرنے لگا جدھر نیمراف گیا تھا۔ میگی رفتار میں اضافہ کرتی جا رہی تھی۔ شہزاد اس کی ایک ایک حرکت کا جائزہ لے رہا تھا۔

اس نے کچھ دیر بعد مطمئن ہو کر ایک طویل سانس لی۔

میگی واقعی ایک بہترین پائلٹ ثابت ہوئی تھی۔

"ہم اس کا پیچھا کیوں کر رہے ہیں؟" اوشان نے عقب سے شہزاد کے کندھے پر مُنہ رکھتے ہوئے چیخ کر کہا۔ "کیوں نہ کہیں اُتر کر سہرام کو فون کر دیں۔"

"معلوم نہیں وہ اس وقت کہاں ہوگا۔" ٹائیگر بڑبڑایا۔

"وہ یہاں موجود ہے۔"

"اوہ..." ٹائیگر کے ہونٹ سکڑ گئے۔ "لیکن ہم اس کا پیچھا کرنے پر مجبور ہیں۔ یاسکومبا کے صدر کو قتل کرنے کے 'مصوبے کو پایہ تکمیل تک پہنچانے جا رہا ہے اور ہمیں ہر حال میں اُسے روکنا ہے۔"

"اُدشان خاموش ہوگیا۔

شہزاد چند لمحوں تک میگی کی طرف دیکھتا رہا جو بڑی مہارت سے ہیلی کاپٹر اُڑا رہی تھی... پھر وہ اس کے کان کی طرف جُھک کر زور سے بولا: "کیا برطانیہ کے ہر سیکرٹ ایجنٹ کو پائلٹ کا کورس کرنا پڑتا ہے؟"

"نہیں..." وہ پلٹ کر چیخی۔ "میں نے ذاتی شوق کی بنا پر کورس کیا تھا۔ مجھے اُڑنے اور اُڑانے سے بہت دلچسپی ہے۔"

ٹائیگر ہنس پڑا۔

"خدا کا شکر ہے کہ تمھیں بعض کار آمد شوق بھی ہیں۔" ٹائیگر نے تبصرہ کیا اور اس سرخ دھبے کو گھورنے لگا جو اب تیزی سے پھیل رہا تھا۔ میگی نے اپنے ہیلی کاپٹر کی رفتار خاصی تیز رکھی تھی اور پھر وہ نیمراف کے ہیلی کاپٹر سے بڑا دکھی تھا اس لیے دونوں جہازوں میں فاصلہ تیزی سے کم ہوتا جا رہا تھا۔

"بعض نہیں، میرے سارے ہی شوق کار آمد ہیں۔" میگی نے پلٹ کر کہا۔

"جب ہم واپس ہوٹل جائیں گے تو میں تم سے تمھارے باقی مشاغل اور دلچسپیوں میں دلچسپی لینے کی کوشش کروں گا لیکن میں تمھیں اس کی اجازت نہیں دوں گی۔"

"وہ کیوں؟"

"اس لیے کہ میں نے جانسن سے محبت کی تھی، تمھیں نہیں چاہا تھا۔ تم جانسن نہیں، شہزاد ہو۔"

"میں تمھاری رفاقت میں فوراً ہی اپنی یادداشت کھو دیا کروں گا۔" شہزاد نے ہنس کر کہا۔ "وہ تو اچھا ہوا کہ میری یادداشت واپس آئی تو میں ماضی قریب کے واقعات نہیں بھولا۔ یہ بھی تو ہو سکتا تھا کہ میں گم شدہ یادداشت کے وقفے کی ہر بات بھول جاتا۔"

"بھول جاتے تو اچھا تھا۔" میگی نے شریر لہجے میں کہا۔

"پرواہ نہ کرو میں تمھیں بلیک میل نہیں کروں گا۔"

"تم کیا کرو گے۔" میگی کے لہجے میں اب بھی شرارت تھی۔

"بلیک میل تو اب میں تمھیں کروں گی۔"

"کیا تمھیں واقعی جانسن سے محبت ہوگئی تھی؟"

"ہاں... اور اب مجھے اس کا سوگ منانا پڑے گا۔ وہ میری پہلی اور آخری محبت تھا۔"

شہزاد نہ جانے کیوں خاموش رہا۔ اس نے اُس آئینے کی طرف دیکھا جو پائلٹ سیٹ کے دائیں طرف لگا ہوا تھا۔ وہاں اس کی نظریں میگی سے چار ہوئیں تو وہ مُسکرا رہی تھی۔ ٹائیگر کے ہونٹوں پر بھی مُسکراہٹ آگئی۔

دونوں جہاز تیزی سے اسکومبا کے صدارتی محل کی طرف پرواز کر رہے تھے لیکن میگی جس ہیلی کاپٹر کو اُڑا رہی تھی، وہ اُن کے ہیلی کاپٹر کے مقابلے میں زیادہ تیزی سے فاصلہ طے کر رہا تھا۔

شہزاد نے دونوں جہازوں کے درمیان فاصلے کا اندازہ لگایا اور میگی کے کان کی طرف جُھک کر پوچھا: "ایک منٹ کی پرواز ہے، نا؟"

"ہاں... اگلے ایک منٹ کے اندر اندر ہم اس ہیلی کاپٹر تک پہنچنے میں کامیاب ہو جائیں گے... لیکن اس کا پائلٹ حد مشتاق لگتا ہے۔ کوئی عام پائلٹ ہوتا تو میں اب تک ہیلی کاپٹر تک پہنچ چکی ہوتی۔"

یکایک نیمراف کے جہاز کی بلندی کم ہونے لگی۔

ٹائیگر نے نیچے دیکھا۔

نیمراف کا ہیلی کاپٹر صدارتی محل کی طرف جھک رہا تھا۔

وہ منزلِ مقصود پر پہنچ گئے تھے اور اس خوفناک مہم جوئی کا آخری مرحلہ کسی بھی لمحے سامنے آنے والا تھا۔

صدارتی محل کے گرد و نواح کی جگہ کافی جہاں لمبی لمبی گھاس دُور سے دکھائی دے رہی تھی۔ اس حصے میں باغ بھی تھے ایک تالاب بھی نظر آرہا تھا۔

نیلے پتھروں کا بنا ہوا یہ خوبصورت محل دیکھ کر میگی کی آنکھوں میں تعریف اور ستائش کے تاثرات پیدا ہوگئے۔ نیمراف کا ہیلی کاپٹر تیزی سے گھاس کے میدان کی طرف اُتر رہا تھا۔

ان کے دیکھتے ہی دیکھتے جہاز زمین پر پہنچ گیا۔

اس میں سے تین آدمی اُترے اور انھوں نے زمین قدم رکھتے ہی ایک طرف تیزی سے دوڑنا شروع کر دیا۔ میگی نے رفتار مزید بڑھا دی۔ اب ہیلی کاپٹر خطرناک پرواز کر رہا تھا لیکن جب وہ اُٹھے اور انھوں نے اِدھر اُدھر دیکھا تو اُس پاس اُدشان کا کہیں نام و نشان تک نہیں تھا۔

وہ حیرت زدہ رہ گئے... پھر اُنھوں نے سوالیہ نظروں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ "ارے! یہ بوڑھا کہاں غائب ہوگیا؟" ایک محافظ کی سرسراتی ہوئی آواز خشک حلق سے نکلی۔ "دروازہ بھی بند ہے!"

سر ہلاتے ہوئے کہا: "مجھے، تمھارے بارے میں سنجیدگی سے غور کرنا پڑے گا۔"

وہ جواباً خوش دلی سے مُسکرا دی۔

اس کے چہرے سے غم کا تاثر ظاہر نہیں ہو رہا تھا۔ تہ خانے کی کوٹھری میں اس کے ساتھ جو سلوک ہوا تھا، اس کے اثرات تک زائل ہو چکے تھے شہزاد نے ہیلی کاپٹر کے رُکتے ہی نیچے چھلانگ لگا دی۔ اُدشان اس سے پہلے ہی اتر چکا تھا۔

"اُدشان!" شہزاد نے بے چینی سے کہا۔ "محل میں گھس جاؤ صدرِ مملکت کی زندگی خطرے میں ہے۔ نائب صدر آسفر کسی بھی لمحے اُسے ہلاک کر سکتا ہے۔ میں اور میگی نیمراف کے پیچھے جاتے ہیں، وہ غالباً مشرقی حصے میں واقع سرنگ کے ذریعے خزانے تک پہنچنے کی کوشش کر رہا ہوگا۔"

اُدشان نے اثبات میں سر ہلایا اور تیزی سے دوڑنے لگا۔ اس کا بابدہ ہوا کے جھونکوں کے سہارے لہرا رہا تھا اور لمبی لمبی گھاس کی وجہ سے اس کے متحرک پاؤں نظر نہیں آرہے تھے۔ دُور سے دیکھنے والوں کو یہی محسوس ہوتا جیسے وہ زمین پر پاؤں لگائے بغیر ہی تیرتا ہوا چلا جا رہا ہو۔

دروازے پر دو محافظ تھے۔ یہ پہلو کا دروازہ تھا اس لیے یہاں صرف دو ہی محافظ کافی تھے۔ وہ رائفلیں تھامے بے حس و بے حرکت کھڑے محتاط نظروں سے ہیلی کاپٹروں کی طرف دیکھ رہے تھے... اور جیسے ہی ان کی نگاہ اُدشان پر پڑی، وہ ایک دوسرے کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے۔

اُدشان گھاس کے میدان میں تیرتا ہوا اُنھی کی طرف بڑھا چلا آرہا تھا۔ وہ اُسے روکنے کے لیے تیار ہوگئے کیونکہ انھیں سختی سے ہدایت کی گئی تھی کہ کسی کو بھی اندر آنے کی اجازت نہ دیں۔ یہ حکم خود نائب صدر آسفر نے دیا تھا اس لیے وہ کچھ زیادہ ہی مستعد ہوگئے تھے۔

اُدشان اُن کے سامنے پہنچ گیا۔

وہ رائفلیں سنبھالے اُسے روکنے کے لیے لپکے اور پھر ایک دوسرے سے اُلجھ کر گر گئے۔ سنبھلنے میں اُنھیں چند لمحے ہی لگے تھے لیکن جب وہ اُٹھے اور انھوں نے اِدھر اُدھر دیکھا تو اُس پاس اُدشان کا کہیں نام و نشان تک نہیں تھا۔

وہ حیرت زدہ رہ گئے... پھر اُنھوں نے سوالیہ نظروں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ "ارے! یہ بوڑھا کہاں غائب ہوگیا؟" ایک محافظ کی سرسراتی ہوئی آواز خشک حلق سے نکلی۔ "دروازہ بھی بند ہے!"

"مجھے تو وہ کوئی جادوگر ہی لگ رہا تھا۔" دوسرے کے لہجے میں خوف کی لرزش پیدا ہوگئی۔ "نہ جانے کہاں غائب ہوگیا۔ کیا تم نے سُنا تھا، اس نے کیا کہا تھا؟"

"نہیں۔۔۔ مجھے تو کوئی آواز نہیں آئی۔"

"اس نے کہا تھا۔ معاف کرنا دوستو! مجھے بہت جلدی ہے۔"

"میرا خیال ہے، ہم دونوں بیک وقت ایک ہی وہم ہوگیا تھا۔" پہلا ہنس کر بولا اور پلٹ کر مہمان کاپٹروں کی طرف دیکھنے لگا۔ "ارے یہ کون ہیں؟"

دونوں وہیں کھڑے کھڑے ٹائیگر اور میگی کی طرف دیکھنے لگے جو محل کے مشرقی حصّے کی طرف، گھاس کے میدان میں دوڑے چلے جارہے تھے۔

دیوار سے محل کے اندر کُود جانے کے بعد اُوشان تیزی سے آگے بڑھا تو اندرونی دروازے پر بھی ایک محافظ موجود تھا۔ وہ اس وقت دروازے کی طرف مُنہ کیے، نہ جانے کیا سوچ رہا تھا کہ اس کے کندھے پر دستک دینے کے انداز میں تھپکی دی گئی۔

وہ چونک کر پلٹ پڑا۔

عقب میں اُوشان کو دیکھ کر لمحے بھر کے لیے محافظ کے چہرے پر زلزلے کی سی کیفیت طاری ہوگئی لیکن اگلے ہی لمحے اس نے سنبھل کر سوال کیا۔ "تم یہاں کیا کر رہے ہو اور کون ہو؟"

اس نے ہاتھ بڑھا کر اُوشان کو پکڑنا چاہا لیکن اُوشان اس سے پہلے ہی اس کا ہاتھ پکڑ چکا تھا اور پھر محافظ کو یوں محسوس ہُوا جیسے اس کا وہ بازو مفلوج ہوگیا ہو۔ اس نے یکایک بے پناہ اذیت محسوس کی تھی۔

"صدرِ مملکت کہاں ہیں؟" اُوشان نے پوچھا۔

جواباً محافظ کراہنے لگا۔

"احمق، جلدی جواب دو، ورنہ زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھو گے۔"

"وہ۔۔۔ اوپر۔۔۔ سیڑھیوں کے آخر میں واقع کمرے۔۔۔"

وہ بے ہوش ہوکر گر پڑا اور اس کا جملہ اُدھورا ہی رہ گیا لیکن اُوشان کے لیے اتنی سی معلومات ہی کافی تھیں۔ وہ آندھی کے تیز جھکڑ کی طرح دروازے سے اندر گھُس کر سیڑھیوں کی طرف دوڑنے لگا۔

سیڑھیوں کے آخری حصّے پر ایک دروازہ تھا لیکن وہاں کوئی بھی محافظ موجود نہیں تھا۔ اُوشان نے ایک دھماکے سے دُبل ڈور کھول دیا اور اندر گھُس گیا۔ اندر قدم رکھتے ہی اُسے ٹھٹک جانا پڑا۔

"خوش آمدید مسٹر اُوشان۔"

اُوشان اپنا نام سُن کر چونک پڑا۔ اس نے سامنے میز کی طرف دیکھا جس کی اوٹ میں اسکومبا کا صدر بیٹھا تھا۔ اس کے ہونٹوں میں ایک سگار دبا ہُوا تھا جس کے جلتے ہُوئے گوشے سے دُھوئیں کی ایک باریک سی لکیر اُٹھ رہی تھی۔

"اندر آجایئے جناب! میں آپ ہی کا انتظار کر رہا تھا۔" سگار مُنہ سے نکال کر صدر نے کہا۔ "مسٹر بہرام نے آپ کا غائبانہ تعارف کروا دیا تھا؟"

"اوہ۔۔۔ تو بہرام یہاں پہنچ چکا ہے۔"

"جی ہاں! میں آپ حضرات کا بے حد شکر گزار ہوں۔۔۔ لیکن ابھی تک مسٹر بہرام نے مجھے یہ نہیں بتایا کہ معاملہ کیا ہے۔"

"جلد ہی سب کچھ کھل کر آپ کے سامنے آجائے گا، جناب!" اُوشان نے مُسکرا کر کہا۔ "جو بات بہرام نے نہیں بتائی تھی وہ بھلا اُوشان اتنی جلدی سے کیسے بتا سکتا تھا۔ فی الحال آپ صرف اتنا سمجھ لیں کہ آپ کی زندگی خطرے میں ہے۔"

صدرِ مملکت نے اثبات میں سر ہلایا تو ان کی آنکھوں میں گہری تشویش کے سائے اُبھر آئے تھے۔ اُوشان نے عقب میں دروازہ بند کر دیا۔

نچلی منزل کے ایک ہال کمرے میں نائب صدر آسفرد دو آدمیوں کے ساتھ کھڑا باتیں کر رہا تھا۔ اس کے انداز سے بے چینی عیاں تھی۔ وہ بار بار اپنی اُنگلیاں مروڑ رہا تھا جیسے شدید ہیجانی کیفیت نے اس کی شخصیت کو اپنے شکنجے میں لے رکھا ہو۔

یہ ایک چھوٹا سا دفتری کمرہ تھا۔

صدرِ مملکت کے محل میں، نائب صدر کے دفتر کے اندر ان دونوں آدمیوں کے سامنے ٹہلتے ٹہلتے رُک کر آسفرد نے کہا۔ "وقت ہوگیا ہے۔" اس نے دیوار گیر کلاک کی طرف نگاہ اُٹھائی۔ "نیراف کا ہیلی کاپٹر باہر پہنچ چکا ہے۔"

اپنے دفتر کی کھڑکی سے باہر جھانکنے کے بعد آسفرد پلٹ کر اپنے دونوں مہمانوں کی طرف متوجہ ہوگیا۔ دونوں ہی طویل قامت تھے اور ان کے چہروں سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ یورپین ہیں۔

"میں نے صدر شیتائی کے دفتر پر متعین دونوں محافظوں کو ہٹا دیا ہے۔ بس تمھیں اندر جا کر اُسے گولی ہی مارنا پڑے گی۔ گولی کا دھماکا سنتے ہی میں وہاں پہنچ جاؤں گا۔ اس کے بعد کی کہانی تو تیار ہی ہے۔ تم دونوں کہو گے کہ شیتائی پر قاتلانہ حملہ ہُوا تھا تو تم دونوں نے قاتلوں کو روکنے کی کوشش کی تھی لیکن ناکام رہے۔۔۔ ادھر میں اس کہانی کی تائید کر دوں گا۔"

دونوں مہمان مُسکرانے لگے۔

ان مُسکراہٹوں کا مفہوم ان دونوں ہی کو معلوم تھا۔

"اب جلدی سے چلے جاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ وہ محافظ واپس آ بُریں۔ میں نے انھیں جس کام سے بھیجا ہے، وہ جلد ہی مکمل کر واپس اپنی ڈیوٹی پر آجائیں گے۔"

دونوں طویل قامت آدمیوں نے اثبات میں سر ہلا دیے۔ دفتر سے نکل کر ہال کمرے میں پہنچ گئے۔ یہاں سے وہ تیزی کے ساتھ ان سیڑھیوں کی طرف بڑھنے لگے جن کے اختتام پر صدر شیتائی کا دفتر تھا۔

آسفرد اپنے دفتر کے دروازے میں کھڑا رہا۔

وہ انھیں اس وقت تک دیکھتا رہا جب تک کہ دونوں دروازہ دھکیل کر کھولنے کے بعد صدر شیتائی کے دفتر میں داخل نہیں ہوگئے۔ اب اُسے صرف گولی کے دھماکوں کا انتظار تھا۔

آسفرد کے ہونٹوں پر بڑی ہی مکروہ مسکراہٹ رینگ آئی۔ "بس ایک لمحے میں تم دونوں کی مدد کر دوں گا اور تمھیں یہاں سے سلامت نکال کر تمھاری منزلِ مقصود پر پہنچا دوں گا۔ تازہ کھُدی ہُوئی قبریں تمھارا انتظار کر رہی ہوں گی۔" وہ خود کلامی کے انداز میں کہنے لگا۔

وہ سوچ رہا تھا کہ اُسے جیسے ہی گولیوں کی آواز سُنائی دے وہ دوڑتا ہُوا صدر شیتائی کے دفتر تک جائے گا۔۔۔ اور پھر وفادار نائب صدر اس کے علاوہ کیا کر سکتا ہے کہ وہ اپنے رب صدر شیتائی کے قاتلوں کو فوراً ہی گولی مار کر ہلاک کر دے؟ اس کا تعاون اور حمایت حاصل کرنے کے لیے اس کے پاس ایک صورت تھی۔۔۔ اور اُسے توقع تھی کہ اس کہانی پر ہر ماننے والا بھی کر لے گا۔

وہ اپنے کمرے کے دروازے میں کھڑا رہا۔

جیسے ہی ان دونوں کے عقب میں صدر شیتائی کے دفتر کا دروازہ بند ہُوا، اس نے ہولسٹر سے ریوالور نکال لیا۔ چند لمحوں میں کی خوف ناک فال کا جائزہ لیتا رہا۔۔۔ پھر اس نے اسے واپس ہولسٹر میں پہنچا دیا۔

اب وہ پیش آنے والی ہر خطرناک صورتِ حال سے نمٹنے کے لیے تیار تھا۔ اس کی نگاہ دروازے پر جمی رہی جس کے عقب سے اُسے گولیوں کے دھماکے سُنائی دینے کی توقع تھی۔ انھیں سننے کے لیے وہ تن گوش ہوگیا۔

نیراف نے محل میں داخل ہونے کی کوشش نہیں کی تھی۔

وہ تیزی سے دیوار کے ساتھ ساتھ دوڑتا ہُوا مشرقی حصّے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس کا دیو قامت ہیولا جس تیزی سے متحرک تھا، وہ دیکھنے والوں کے لیے ایک عجوبے ہی کی حیثیت رکھتا تھا۔۔۔ کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا کہ اتنا جسیم آدمی، اتنی تیزی سے دوڑ بھی سکتا ہے۔

نیراف کا رُخ جس حصّے کی طرف تھا، اس جانب گزشتہ مہینے سے ایک خفیہ سُرنگ کھودی جا رہی تھی۔ اس کام پر جو لوگ متعین تھے، وہ نیراف کے خاص آدمی تھے۔ ان کے فورمین کی نگاہ جیسے ہی نیراف پر پڑی، پہلے تو وہ اس جسیم اور عجیب الخلقت آدمی کو دوڑتے دیکھ کر متحیر رہ گیا۔۔۔ پھر وہ فوراً ہی مستعد ہوگیا۔

"چلو۔۔۔" نیراف نے ہانپتے ہُوئے کہا۔ "ہمیں جلدی سے کام مکمل کرنا ہے۔"

فورمین اچھل کر کھڑا ہوگیا۔

اگلے ہی لمحے وہ دونوں سُرنگ کے دہانے کی طرف دوڑ رہے تھے۔ فورمین ایک دُبلا پتلا لیکن مضبوط آدمی تھا جب کہ نیراف کسی گینڈے سے مماثل تھا۔ اس کے باوجود فورمین کو اس کے ساتھ دوڑتے ہُوئے پسینے آگئے تھے۔

محل کی مشرقی دیوار کے ساتھ ساتھ یہ سُرنگ انتہائی مہارت سے کھودی گئی تھی اگر کسی کو کانوں کان پتہ نہیں چلا تھا کہ سُرنگ درحقیقت کس مقصد کے تحت کھودی گئی ہے۔

سُرنگ اگرچہ خاصی کشادہ اور اُونچی تھی لیکن اس کے باوجود نیراف کو اپنی طویل قامتی کے باعث جُھک کر دوڑنا پڑ رہا تھا۔ ایک جگہ اُسے چند آدمی نظر آئے جو کام میں مصروف تھے۔ سامنے دیوار تھی۔ فورمین اس کے قریب رُک گیا۔

"بس جناب! تھوڑا سا ہتھوڑے کا کام ہے۔ اس دیوار کے ہٹتے ہی راستہ صاف ہو جائے گا۔" فورمین نے ہانپتے ہُوئے کہا۔

"جلدی کرو۔ وقت بہت کم ہے۔" نیراف غرّایا۔

فوراً ہی کام شروع ہوگیا۔

نیراف نے ایک ہاتھ اپنے پیٹ پر رکھ لیا۔ دوڑنے کی وجہ سے اُسے شدید بھوک لگ رہی تھی۔ جس شخص کی توانائی کے استعمال کا یہ عالم ہو کہ وہ محض قہقہہ لگانے کے بعد بھوک محسوس کرنے لگتا ہو، اس کے لیے تو دوڑنا مر جانے ہی کے مترادف ہو سکتا ہے۔۔۔ لیکن نیراف ابھی زندہ تھا کیوں کہ اسے اپنی بھوک

کی زیادہ پروا نہیں تھی۔ وہ صرف دولت کی بھوک کے لیے فکرمند تھا جو چند منٹوں میں اس کی جھولی میں گرنے والی تھی۔

وہ جانتا تھا کہ آیندہ چند منٹ بعد آسفر ایک ملک کا صدر بن جائے گا۔ ایک ایسا صدر جس کے پاس ایک چھوٹی کوڑی بھی نہیں ہوگی تب میدان نیراف کے ہاتھ رہے گا اور وہ اپنی مرضی کا سرکھیل کھیل سکے گا۔

نورمین نے تین آدمیوں کی مدد سے ہتھوڑا چلانا شروع کر دیا۔ سُرنگ میں ہتھوڑوں کی چوٹوں سے بڑی ہی دہشت ناک آوازیں گونجنے لگیں۔ اس دوران میں نیراف جاگتی آنکھوں اس خزانے کے خواب دیکھتا رہا۔

ہتھوڑوں کی چوٹوں سے جو خوف ناک آوازیں پیدا ہو رہی تھیں۔ انھیں سُن سُن کر نیراف کے بھدے ہونٹوں پر بڑی ہی مکروہ مُسکراہٹ آگئی تھی۔ یہ آوازیں اس کے لیے موسیقی کی تانوں سے کم نہیں تھیں۔ یہ آوازیں اُسے ایک بہت بڑے خزانے کا مژدہ سُنا رہی تھیں۔

یکایک آوازیں تھم گئیں اور نورمین نے ہانپتے ہوئے کہا۔

"کام ہوگیا جناب... آجایئے۔"

نیراف بے چینی سے آگے بڑھ گیا۔

اس جگہ تاریکی تھی۔ وہ ٹٹول ٹٹول کر آگے بڑھتا رہا حتیٰ کہ اس سُوراخ تک جا پہنچا، جہاں سے وہ خزانے کے کمرے میں قدم رکھ سکتا تھا۔

وہ اندھوں کے انداز میں ٹٹولتا ہُوا اس سُوراخ سے دوسری طرف نکل گیا۔ یہ ایک چھوٹا سا کمرہ تھا۔ صرف بیس فٹ کے قریب مربع شکل کے اس کمرے میں تاریکی تھی۔

اچھی طرح نیراف کی آنکھیں اندھیرے سے مانوس نہیں ہُوئی تھیں۔ وہ بار بار پلکیں جھپکاتا رہا تھا چند لمحوں میں وہ کمرے کی تاریکی میں دیکھنے کے قابل ہُوا تو اس نے جائزہ لینے کے لیے اِدھر اُدھر دیکھا۔

کمرے کے اِنتہائی حصّے میں اسٹیل کا ایک بھاری دروازہ تھا جس کے بارے میں نیراف جانتا تھا کہ اس میں ہائی وولٹیج کرنٹ دوڑ رہا ہے اور اس کی دوسری جانب مسلح محافظ بھی موجود ہیں...

لیکن اَب نیراف کو کسی کی پروا نہیں تھی۔

اس کمرے میں ہر طرف سونے کی اینٹوں کے انبار لگے ہُوئے تھے۔ یہ پُوری قوم کا سرمایہ تھا اور نیراف نقب لگا کر اس خزانے تک پہنچنے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ کامیابی کو اس قدر قریب دیکھ کر وہ خوشی سے پاگل ہُوا جا رہا تھا۔ وہ ہنس پڑا۔

اس کی ہنسی بڑی ہی خوف ناک تھی جو کمرے کی محدود فضا میں گونج کر رہ گئی۔ وہ نئے صدرِ مملکت کو زبردست حیرانی میں مبتلا کرنا چاہتا تھا اور اس کی یہ خواہش اَب تکمیل کے آخری مرحلے میں داخل ہو چکی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ جانسن نے اس سے غدّاری کی ہے۔ اس نے دُنیا کے کئی بڑے بڑے مجرموں کو ہلاک کر دیا ہوگا۔ ممکن ہے ان جرائم پیشہ لوگوں نے ہی انھیں ہلاک کر دیا ہو۔ نیراف مطمئن تھا کہ ان لوگوں کے بغیر بھی وہ اپنا کام مکمّل کر لے گا... اور تعاون کے لیے اُسے بہت سے آدمی مِل جائیں گے کیوں کہ دُنیا جرائم پیشہ لوگوں سے بھری ہُوئی ہے۔

نیراف اپنے ہی خیالوں میں ڈُوبا اس تاریک کمرے میں کھڑا رہا... پھر اس نے غار کے دہانے کی طرف دیکھتے ہُوئے نورمین سے کہا۔ "اپنے تمام آدمیوں کو بُلا لو۔ سب کے سب ایک قطار میں کھڑے ہو جائیں تاکہ یہ طلائی اینٹیں ایک سے دوسرے کے ہاتھ میں منتقل ہوتی ہُوئی باہر پہنچ جائیں۔ جلدی کرو..."

مطلع روشن ہوگیا۔

ہر چیز ظاہر ہوگئی۔ تب نیراف نے سونے کی اَن گنت اینٹیں دیکھیں اور انھیں دیکھتے دیکھتے جیسے ہی اس کی نگاہ اینٹوں کے ایک ڈھیر کی طرف اُٹھی تو وہ بُری طرح اُچھل پڑا۔

سونے کی اینٹوں کے اس ڈھیر پر اُس کا دوست جانسن بیٹھا مُسکرا رہا تھا۔ تب نیراف کو احساس ہُوا کہ اندھیرے کمرے میں یکایک اتنی تیز روشنی کیسے پیدا ہوگئی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ شاید نورمین نے ہی کوئی سوئچ تلاش کر کے آن کر دیا ہوگا۔

شہزاد کے ساتھ میگی بھی تھی۔ وہ دو ہی تھے اور ان کی چار آنکھیں نیراف کو گھور رہی تھیں۔ پہلی بار نیراف نے اس انداز میں تھوک نگلا جیسے اس کا حلق تیزی سے خشک ہوتا جا رہا ہو۔

ریوالور بدست وہ دونوں آدمی صدر شیتائی کے دفتر میں داخل ہُوئے تو صدرِ مملکت کی کُرسی کا رُخ بدلا ہُوا تھا۔ وہ کشادہ اور بلند کُرسی کی پُشت دیکھ رہے تھے۔ صدر شیتائی اس کُرسی پر بیٹھے غالباً کھڑکی سے باہر کا نظارا کر رہے تھے۔ کُرسی آگے پیچھے جھول رہی تھی۔ دونوں قاتل رُک گئے اور معنی خیز نظروں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر مسکرانے لگے۔ ان کے ریوالور ان کے ہاتھوں میں تھے لیکن اس جگہ سے فائر کرنے سے بات بگڑ بھی سکتی تھی۔ انھوں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں طے کیا کہ صدر شیتائی کے پہلوؤں میں پہنچ کر دونوں طرف سے ایک ایک گولی ان کی کھوپڑی میں داخل کر دینا چاہیے۔

دروازے اور کُرسی کا فاصلہ بھی زیادہ تھا۔ اس کے علاوہ کُرسی کی پُشت پر گولی چلانے سے خاطر خواہ نتیجہ بھی برآمد نہیں ہو سکتا تھا۔ صدر شیتائی نظر نہیں آ رہے تھے۔ وہ دونوں کُرسی کی طرف بڑھنے لگے۔ دائیں بائیں سے آگے بڑھتے وقت دبیز قالین کی وجہ سے ان کے قدموں کی آواز پیدا نہیں ہو رہی تھی۔ اس کے باوجود نہ جانے کیا ہُوا کہ صدر کی کُرسی گھوم گئی۔

... اور پھر دونوں قاتلوں کو رُک جانا پڑا۔

کُرسی پر صدر شیتائی نہیں ایک بوڑھا آدمی براجمان تھا۔

بوڑھے کی آنکھیں سُرخ تھیں لیکن ہونٹوں پر زہریلی ہنسی تھی۔ قاتلوں کے ریوالور والے ہاتھ بلند ہوگئے... لیکن انھوں نے گولی نہیں چلائی کیوں کہ وہ جس تخصیص کے شکار ہوئے تھے، وہ تو اپنی جگہ سرے سے موجود ہی نہیں تھی۔

باہر راہ داری کے سرے پر آسفر بے چینی سے ان دونوں کا انتظار کر رہا تھا اس کے دائیں ہاتھ میں ریوالور پکڑا ہُوا تھا اور وہ محض ایک دھماکا سُن کر دروازے کی طرف دوڑ لگانے کے لیے تیار تھا... لیکن نہ جانے ابھی تک اندر سے کوئی آواز کیوں سُنائی نہیں دی تھی۔

اچانک اُوپر تلے دو گولیاں چلیں۔

دو دھماکے گُونج اُٹھے۔

آسفر کے ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ رقص کرنے لگی۔ اگلے ہی لمحے وہ ریوالور ہاتھ میں دبائے صدر شیتائی کے دفتر کی طرف دوڑنے لگا۔ اس نے ایک دھماکے سے دروازہ کھول دیا۔ اس کا ریوالور والا ہاتھ بلند ہُوا لیکن اُسے شدید حیرت و خوف کی وجہ سے دروازے ہی میں منجمد ہو جانا پڑا۔

دونوں قاتل صدر شیتائی کی کُرسی کے دائیں بائیں کھڑے اور ان کے جسم بے جان تھے... لیکن آسفر کے لیے سب سے زیادہ حیرت کی بات اس بوڑھے کی موجودگی تھی جو صدر شیتائی کی کُرسی پر براجمان تھا اور اس کے دونوں ہاتھوں نے دونوں قاتلوں کو تھام رکھا تھا۔

آسفر پر نگاہ پڑتے ہی اُوشان صدر کی کُرسی سے اُٹھ کھڑا ہُوا۔

اس نے دونوں ہاتھ سر سے بلند کر لیے جیسے ہی اُن کے ہاتھوں کی گرفت ختم ہُوئی، دونوں اطراف میں گر گئیں۔ وہ ساکت تھیں۔ ان کے جسموں میں خفیف سی کپکپاہٹ بھی موجود نہیں تھی۔ یُوں لگتا تھا جیسے اُنھیں مرے ہُوئے عرصہ بیت گیا ہو اور لاشیں اکڑ گئی ہوں۔

آسفر نے بوڑھے کو ہاتھ سر سے بلند کرتے دیکھا تو اُسے قدرے حوصلہ ہُوا وہ آگے بڑھا تو اُوشان کی کھنکتی ہُوئی آواز سُنائی دی۔

"تمھارے ان دونوں آدمیوں کا نشانہ خطا گیا۔" اس نے کہا اور پھر آسفر کی آنکھیں حیرت کی زیادتی سے پھیلتی چلی گئیں۔ اس نے ایسے مناظر جاگتی آنکھوں کبھی نہیں دیکھے تھے۔ اس کا ریوالور والا ہاتھ اُوشان پر فائر کرنے کے لیے بلند ہو رہا تھا تو اُوشان بھی کُرسی سے میز پر اور میز سے فضا میں اُڑتا ہُوا اس کی طرف آ رہا تھا اور ساتھ ہی ساتھ وہ اپنا جملہ بھی مکمل کر رہا تھا۔ "لیکن آسفر امیر! نشانہ کبھی خطا نہیں جاتا کیوں کہ میں سنانجوی شمشیر کا مالک ہوں۔"

... پھر آسفر کو پتہ بھی نہ چل سکا کہ کیا ہُوا۔ اس نے ریوالور والا ہاتھ اُٹھایا تھا اور ٹریگر بھی دبا دیا تھا لیکن نہ جانے کیوں اس بوڑھے کو گولی نہیں لگی تھی اور وہ اپنے تاریک ہوتے ہوئے ذہن کے ساتھ دبیز قالین کی طرف گرتا جا رہا تھا... پھر اس تاریکی نے پل ہی بھر میں اس کے پُورے وجود کو نگل لیا۔

دفعتہً ایک وارڈ روب کا دروازہ کھلا۔ الماری کے قدِ آدم پٹ کے ہٹتے ہی صدر شیتائی باہر آ گئے۔ وہ چابی کے سوراخ سے اب تک سبھی کچھ دیکھتے رہے تھے۔ اسی طرح ایک اور الماری کا دروازہ کھلا اور ہرام بھی باہر آ گیا جو اُوشان سے پہلے ہی صدر شیتائی کے دفتر پہنچ گیا تھا۔

"بہت خوب، اُوشان!" ہرام نے سامنے آتے ہُوئے کہا۔ "ٹائیگر کا کیا رہا؟"

"وہ بھی آس پاس ہی موجود ہے... اور مجھے اپنا باپ ماننے لگا ہے۔" اُوشان نے مسکرا کر جواب دیا اور تہ تہ تو کی مخصوص ہنسی اس کے حلق سے اُبلتی چلی گئی۔

صدر شیتائی تعریفی نظروں سے کبھی ہرام اور کبھی اُوشان کی طرف دیکھ رہے تھے جب ان کے حواس قدرے ٹھکانے آئے تو وہ آگے بڑھے اور اُنھوں نے اُوشان کا ہاتھ تھام لیا۔ اگلے ہی لمحے یہ ہاتھ بلند ہُوا اور صدر شیتائی کے ہونٹ اس پر جم گئے۔ عقیدت کا بوسہ دینے کے بعد اُنھوں نے بھرائی ہُوئی آواز میں کہا۔

"محترم بزرگ! میں آپ کی اس نوازش کا آپ کو کیا انعام

پیش کرسکتا ہوں؟"

"ایک... یہ اور یہ" اُوشان نے شاہانہ انداز میں کہا۔ "تم انسانیت کے نقیب ہو، فیتائی اس لیے تمہارے وجود کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا تھا۔ سیاہ قلب ہمیشہ گھاٹے میں رہتے ہیں... اور میرے لیے تمہارا یہ خلوص بھرا بوسہ ہی دُنیا کے سب سے بڑے خزانے کے برابر ہے۔"

عقیدت سے صدر فیتائی دوبارہ اُوشان کے ہاتھ پر جُھک گیا اور اُس کے ہاتھ پر خلوص و عقیدت کی مہریں ثبت کرتا چلا گیا۔ حتیٰ کہ دُور کہیں گولیاں چلنے کی آوازیں سنائی دیں تو وہ ٹھٹک گیا۔

"بہرام! اب ان کی حفاظت کرنا تمہارا کام ہے میں دیکھتا ہوں، میرا وہ نالائق شاگرد کیا کرتا پھر رہا ہے؟"

صدر فیتائی نے حیرانی سے بہرام کی طرف دیکھا جیسے وہ کچھ بھی سمجھ نہ پا رہا ہو... پھر اس نے پلٹ کر اُوشان کو دیکھنا چاہا تو وہ وہاں موجود نہیں تھا۔ صدر کی آنکھیں دروازے پر جم گئیں۔ دروازہ بند تھا۔ اس نے دروازہ کھُلنے یا بند ہونے کی آواز نہیں سُنی تھی۔ نہ جانے کب اور کیسے خاموشی سے اُوشان وہاں سے نکل جانے میں کامیاب ہُوا تھا اُنھوں نے اس انداز میں سر جھٹکا جیسے کچھ بھی ان کی سمجھ میں نہ آ رہا ہو... پھر ان کی نگاہ لاشوں کی طرف اُٹھ گئی۔ ان تینوں کو اُنھوں نے اپنی آنکھوں کے سامنے مرتے دیکھا تھا۔ تین مسلح آدمیوں کو اُوشان نے یُوں ختم کر دیا تھا جیسے وہ اُوشان کی بجائے موت کا بے رحم فرشتہ رہا ہو۔ بہرام مُسکرا رہا تھا۔ اس کی مُسکراہٹ میں بڑی سی طمانیت تھی...

"اسے پکڑ لو!" اچانک نیمراف چیخ پڑا۔

یہ کہتے ہوئے وہ غار کے دہانے سے ایک طرف ہٹ گیا۔ فرمین اور اس کے پیچھے آدمیوں کی ایک طویل قطار اندر آ گئی۔ اس دوران میں فہزاد خاموش بیٹھا دلچسپ نگاہوں سے انھیں دیکھتا رہا۔ اندر آنے والے ہر آدمی کے ہاتھ میں کوئی نہ کوئی اوزار تھا اور ان کے خطرناک عزائم چہروں سے ظاہر تھے۔

معاً شہزاد نے ہاتھ بڑھا کر قریبی دیوار میں لگا ہُوا سوئچ آف کر دیا۔

کمرہ ایک بار پھر تاریکی میں ڈُوب گیا۔

نیمراف نے تاریکی میں دیکھنے کی کوشش کی لیکن اُسے کچھ نظر نہ آ سکا۔ اچانک اس کی سماعت سے ایک کراہ ٹکرائی... کوئی اوزار کسی کی کھوپڑی سے ٹکرایا تھا اور کھوپڑی غالباً پھٹ گئی تھی۔

"کیا تم لوگ اُسے مارنے میں کامیاب ہو گئے؟" نیمراف نے پُکارا۔

"نہیں نیمراف!" ٹائیگر کی آواز تاریکی سے اُبھری۔ "یہ ناکام ہو گئے اور اب میری باری ہے۔"

یکایک اندھیرا کراہنے لگا، چیخنے لگا، سسکنے لگا۔ کچھ نہیں چل رہا تھا کہ اس اندھیرے میں کیا ہو رہا ہے۔ انسانی جسم ٹوٹ رہے تھے۔ ہڈیاں چٹخ رہی تھیں۔ کراہیں گونج رہی تھیں اور بار بار کسی کے گرنے کی آوازیں بھی پیدا ہو رہی تھیں۔ اس صورتِ حال کو زیادہ دیر برداشت نہ کر سکا۔ وہ چپکے سُرنگ کے دہانے کی طرف بڑھا اور پھر اس کی تاریکی میں دوڑ چلا گیا۔

ٹائیگر نے وہ اوزار پھینک دیا جو اس نے پہلے حملے سے چھینا تھا اور پھر اسی اوزار سے اُس نے چاروں طرف کیے تھے۔ ہر طرف خاموشی چھا گئی تھی۔

"نیمراف..." فہزاد نے اُسے پُکارا لیکن کوئی جواب وہ تیزی سے اس دیوار کی طرف بڑھا جس پر سوئچ تھا۔ کوئی ہو گیا تو اس نے بکھری ہُوئی لاشوں کے درمیان نیمراف کو تلاش کرنے کی کوشش کی لیکن وہ غائب ہو چکا تھا۔

"میگی! تم ٹھیک ہو، نا؟"

"ہاں... میں ٹھیک ہُوں۔" میگی نے جواب دیا۔

"میں نیمراف کے پیچھے جا رہا ہُوں۔" یہ کہہ کر وہ تیزی سے سُرنگ کی طرف لپکا تو میگی بھی اس کے پیچھے ہی لپکی۔ وہ دونوں ہُوئے سُرنگ سے باہر آئے تو نیمراف اس وقت تک اپنے جہاز تک پہنچ چکا تھا۔

اُسے دُور سے دوڑتے دیکھ کر سمجھ دار پائلٹ نے اسٹارٹ کر دیا تھا اس لیے جیسے ہی نیمراف کاک پٹ میں داخل ہُوا، جہاز تیزی سے بُلند ہو گیا۔ فہزاد نے فاصلے کا اندازہ لگایا اور پھر میگی سے ریوالور لے لیا۔ ہیلی کاپٹر تیزی سے پرواز اختیار کر چکا تھا۔ مغا شہزاد کو کسی گڑبڑ کا احساس ہُوا۔ اس نے دھکا دے کر میگی کو زمین پر گرا دیا اور خود بھی گھاس پر لیٹ گیا۔

ہیلی کاپٹر سے فائرنگ ہُوئی۔

گولیاں زمین پر چھید کرتی ہُوئی گزر گئیں۔

"میگی..." ٹائیگر نے سرگوشی کی لیکن کوئی جواب نہ ملا۔

اس نے دُوسری بار بلند آواز میں اُسے پُکارا لیکن پھر بھی کوئی آواز نہ آئی تو ٹائیگر نے پلٹ کر ہیلی کاپٹر کی طرف دیکھا۔ وہ واپس آ رہا تھا۔ شہزاد نے گھاس میں کروٹیں لیتے ہُوئے خُود کو اس جگہ پہنچا دیا جہاں میگی کو گرایا تھا... اور پھر اس کی آنکھیں جل اُٹھیں۔

میگی آسمان کی طرف گھُور رہی تھی۔ اس کا مُنہ بے آب مچھلی کی طرح کھُلا ہُوا تھا اور اس کی آنکھیں گھُھنڈلائیں جسم کے درمیانی حصّے میں، ایک ہی قطار میں تین سُوراخ تھے جن سے خون اُبل رہا تھا۔ وہ تیزی سے اس کے قریب ہو گیا۔ "میگی..." اس نے سرگوشی کی۔

میگی نے اس کی طرف دیکھا، خفیف سی مُسکرائی اور پھر اس کی گردن ڈھلک گئی۔ شہزاد کا ہاتھ ریوالور کے دستے پر سخت ہو گیا۔ ہیلی کاپٹر ایک بار پھر تیزی سے حملہ آور ہونے کے لیے نیچے آ رہا تھا۔

اُس نے ریوالور والا ہاتھ اُٹھایا لیکن اعشاریہ چار پانچ کے ریوالور سے اتنے فاصلے پر متحرک ٹارگٹ کو نشانہ بنانا ممکن نہیں تھا۔ اس کے باوجود اُس نے اُوپر تلے کئی فائر کر ڈالے لیکن فائرنگ کا یہ فائدہ ہُوا کہ ہیلی کاپٹر سے مزید فائرنگ نہیں ہُوئی بلکہ پائلٹ نے اُسے فوراً ہی اُوپر اُٹھانا شروع کر دیا تھا۔ کسی محل کی دیوار پر اُوشان نمودار ہُوا۔

اس نے صرف ایک ہی ساعت میں صورتِ حال کا جائزہ لیا اور پھر اس کے دائیں ہاتھ میں ایک ریوالور نظر آنے لگا۔ یہ وہی ریوالور تھا جسے اس نے صدر فیتائی پر حملہ کرنے والوں میں سے ایک سے چھینا تھا۔ پائلٹ اور نیمراف کی توجہ اُسی طرف تھی جس شہزاد گھاس کے میدان میں لیٹا ہُوا تھا اس لیے وہ اُوشان کو دیکھ سکے... یہی وجہ تھی کہ جیسے ہی ہیلی کاپٹر دیوار کے اُوپر سے گزرا تو بُلند و بالا فصیل پر کھڑے اُوشان کے لیے اُسے نشانہ کرنا مشکل کام نہیں تھا۔

ریوالور سے ایک شعلہ نکلا اور پائلٹ اپنی سیٹ پر سامنے کی طرف لڑھک گیا۔

ہیلی کاپٹر لہرایا اور پھر اس نے نیچی پرواز شروع کر دی۔ وہ محل سے کچھ ہی دُور زمین سے ٹکرا گیا۔ ایک خوف ناک دھماکا ہُوا اور اُسے آگ لگ گئی۔ اُوشان دیوار پر کھڑا دیکھتا رہا کہ ہیلی کاپٹر کے شعلوں سے کوئی بھی نہیں نکلا اور نہ ہی کسی نے فرار ہونے کی کوشش کی تھی۔ گویا اس میں موجود نیمراف کے بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے تھے۔

اُوشان نے میدان کی طرف دیکھا۔ شہزاد گھاس میں جُھک کر کچھ اُٹھا رہا تھا... پھر میگی اس کے ہاتھوں پر جھُولتی نظر آئی تو وہ دیوار سے کُود کر تیز جھکڑ کی طرح ٹائیگر کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

اسکوبما میں حالات نے جس تیزی سے کروٹ لی تھی، اس کے بارے میں کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ جو لوگ الجیریا میں کسی مہم حکومت کے خواب دیکھ رہے تھے، ان کے خوابوں اور ارادوں پر اوس پڑ گئی تھی... اور جن کا خیال تھا کہ اب اس ملک کی تاریک فضاؤں میں کبھی پُرسکون سورج طلوع نہیں ہو گا، اُنھیں اپنی قسمت پر ناز محسوس ہونے لگا تھا۔ وہ خود کو یہاں کا کوئی بے حس باشندہ سمجھ کر نگاہیں نہیں چُراتے تھے بلکہ بات بات پر ہر محبِ وطن یہ حوالہ دینے لگا تھا کہ اُس کا تعلق الجیریا سے ہے۔

پولیس اور فوج کے وہ افسران جنھیں نائب صدر نے بڑے بڑے سبز باغ دکھائے تھے، وہ سب کے سب ایسی کوٹھڑیوں میں پہنچا دیے گئے جہاں سبزہ تو درکنار بہار کی ہواؤں کا ایک باسی جھونکا تک نہیں پہنچ سکتا تھا... اور محبِ وطن افسران نے اس کارکردگی کا مظاہرہ کیا جس پر انسانیت بجا طور پر فخر کر سکتی تھی۔

شہزاد اور اُوشان صدرِ مملکت کے مہمان تھے اور بہرام حالات پُرسکون ہوتے ہی واپس امریکا چلا گیا تھا۔ شہزاد اور اُوشان میں چھیڑ چھاڑ کا ایک نیا سلسلہ شروع ہو چکا تھا اور دونوں اس صورتِ حال سے بے حد لطف اندوز ہوتے تھے... صدرِ مملکت نے ان دونوں کا جس انداز میں شکریہ ادا کیا تھا، اس پر شہزاد جیسی چٹان کے بھی آنسو ٹپک پڑے تھے... اور اُوشان اپنی، بے پناہ طاقتوں کے باوجود ہونٹوں کو دانتوں تلے دبا کر ایک بے ساختہ سسکی پینے میں کامیاب ہو سکا تھا۔

... لیکن بات ابھی وہیں کی وہیں تھی۔

کوئی یقین سے نہیں بتا سکتا تھا کہ اس چند روزہ مہلت سے فائدہ اُٹھا کر دُنیا کے کتنے جرائم پیشہ لوگ الجیریا پہنچ چکے تھے۔ بے اندازہ گرفتاریاں ہُوئی تھیں... لیکن اس کے باوجود شہزاد محسوس کر رہا تھا کہ ابھی کچھ لوگ یہاں باقی ہیں جو اپنی

مجرانہ کارروائیوں کو کامیابی سے ہم کنار کرنے میں کوشاں ہیں۔

وہ سارا سارا دن گھومتا رہتا۔

رات کا بیشتر وقت بھی وہ تاریک گلی کوچوں میں چہل قدمی کرکے گزارتا اور جہاں اُسے خفیف سی بھی بھنک پڑ جاتی، وہیں وہ ایک عام بے ضرر سے انسان کی بجائے ٹائیگر بن جاتا۔ لاشیں گرتیں اور نقشہ دب جاتا۔ اُسے یہاں بھی ٹائیگر کا ٹائیٹل برقرار رکھنے کا اجازت نامہ مل گیا تھا... اس خطاب کا مطلب تھا، وہ کوئی بھی وجہ بتائے بغیر کسی کو بھی قتل کر سکتا تھا۔ وہ ایک سرکاری ہتھیار تھا۔ قانونی تامل تھا... لیکن اس کی طاقت، توانائی اور ایک ایک صلاحیت صرف اور صرف انسانیت کی بقا کے لیے وقف تھی۔

آج کل اُوشان بے حد مسرور نظر آتا تھا۔

خدائے ذوالجلال نے اس کی دلی دُعاؤں کو قبولیت بخشی تھی اور ٹائیگر سے تصادم ہونے کا موقع ختم ہو گیا تھا۔ نہایتوں میں اُوشان جب بھی اس صورتِ حال پر غور کرتا تو اس کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے۔ اس نے قدیم کتابوں میں حضرت ابراہیمؑ کے جذبۂ امتحان کا احوال پڑھا تھا اس سے وہ اس عظیم قربانی کا دل سے اور بھی زیادہ قائل ہو گیا تھا جو خالقِ حقیقی نے اپنے پیغمبر سے مانگی تھی۔

اُوشان شاہی مہمان خانے کے ایک خاص کمرے میں بیٹھا اپنی عادت کے مطابق کنوں کا آسن جمائے چھت کو تک رہا تھا اور اس کی آنکھیں ٹی۔ وی پر جمی ہوئی تھیں لیکن شہزاد دُور بیٹھا محسوس کر رہا تھا کہ اُوشان ذہنی طور پر پروگرام کی طرف متوجہ نہیں ہے۔

"میرے مختصر سے ابا جان!" اس نے دُور ہی سے ہانک لگائی۔ "آپ اپنے ننھے سے دماغ کو کس زحمت میں مبتلا کیے ہوئے ہیں؟"

اُوشان کی پتلیوں میں خفیف سی حرکت پیدا ہوئی۔ اُسے اپنے لیے شہزاد کا یہ نیا خطاب بالکل پسند نہیں آیا تھا... لیکن آج کل وہ شہزاد کی ہر بات پر مسکرانے لگا تھا۔ اس وقت بھی اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ رقص کرنے لگی تھی۔

شہزاد کہیں باہر جانے کے لیے تیار تھا اور اُوشان کو چھیڑنے کا مقصد یہی ہو سکتا تھا کہ وہ اسے بھی اپنے ساتھ لے جانا چاہتا ہے... لیکن اُوشان کے انداز سے کسی رغبت کا اظہار نہیں ہو رہا تھا۔

"کہیں جا رہے ہو، فرزند؟" اس نے پلٹ کر پوچھا۔

شہزاد چونک پڑا۔

اُوشان کی آنکھوں میں عجیب سی اُداسی تیر رہی تھی۔

"کیا بات ہے، اُوشان؟" وہ بے چین ہو کر اس کے قریب پہنچ گیا۔ "تم کچھ فکرمند نظر آتے ہو؟"

"میں موت کی بُو سونگھ رہا ہوں۔" اُوشان بڑبڑایا۔

"اوہ۔" ٹائیگر کے ہونٹ سکڑ گئے۔ "پچھلے چند دنوں سے موت یہاں کثرت سے رقص کرتی رہی ہے۔ میرا خیال ہے اس نے رقص سے فارغ ہو کر غسل نہیں کیا ہوگا۔ اسی لیے اس کی بُو تمہیں محسوس ہو رہی ہوگی۔"

"یہ بات نہیں ہے، برخوردار۔"

"پھر کیا بات ہے؟" شہزاد جھلا گیا۔

"کچھ ہونے والا ہے۔" اُوشان اب بھی بڑبڑا رہا تھا۔

"آپ کو... اور... اس عمر میں؟"

اُوشان کے ہونٹوں پر یکایک مسکراہٹ آگئی۔ "بیٹا جاؤ! ٹائیگر... اور توجہ سے میری بات سنو۔" اس کے ہونٹوں پر اب بھی مسکراہٹ تھی لیکن لہجہ تحکمانہ ہو گیا تھا۔

یہ مخصوص انداز تھا۔ شہزاد سمجھ گیا کہ اس کا اُستاد بے حد سنجیدہ ہے اس لیے مضحکہ اُڑانے کا خیال ذہن سے جھٹک کر وہ قریب ہی بیٹھ گیا اور سوالیہ نظروں سے اُوشان کی طرف دیکھا۔

"جس کثرت سے جرائم پیشہ لوگ یہاں آئے تھے، اس کثرت سے گرفتاریاں نہیں ہوئیں۔" اُوشان سوچ میں ڈوبی ہوئی آواز میں بولا۔ "یہی وجہ ہے کہ میں مزید اموات کی توقع کر رہا ہوں۔ بیشتر لوگ گرفتار ہو چکے ہیں۔" شہزاد نے جواب دیا۔ "اور سمجھ دار جرائم پیشہ لوگ حالات بدلتے ہی یہاں سے اپنی دُنیا میں واپس جا چکے ہیں... اگر چند ایک باقی رہ گئے ہیں تو پولیس اور فوج انھیں آسانی سے سنبھال سکتی ہے۔"

"ٹائیگر...!" اُوشان کا لہجہ تنبیہی تھا۔ "قدرت نے تمہیں جن صلاحیتوں سے نوازا ہے، ان کے لیے اس کا شکریہ ادا کرو۔ قدرت تم سے جو کام لینا چاہتی ہے، وہ کسی لمحے بھی تمہارے ذہن سے محو نہیں ہونا چاہیے۔"

شہزاد خاموش رہا۔

"یہ میری روحانی قوت ہے، جو بتا رہی ہے کہ بہت جلد کوئی بہت ہی خوفناک صورتِ حال پیدا ہونے والی ہے۔ تمہیں اس کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ سانپ زخمی ہو کر مرتا نہیں ہو جاتا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ انکوبرا ایسے زخمی سانپوں کو نہیں ہوا ہے۔ تم کیا سمجھتے ہو کہ نیولے ہی اس سازش کا حصہ ہیں؟ جانے تم نے مٹا ڈالا ہے۔"

شہزاد کی پیشانی پر سوچ کی گہری سلوٹیں نمودار ہو گئیں۔ اُوشان کی سنجیدگی سے یہ سب کچھ گہرا رہا تھا وہ اُسے نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔ یقیناً کوئی خاص بات تھی اور یقیناً کچھ ہونے ہی والا تھا۔

"لیکن اُوشان! جب سانپ کی کمر ٹوٹ جاتی ہے تو وہ اپنی جگہ سے حرکت کرنے کے بھی قابل نہیں رہ جاتا۔ ایسے میں کوبرا سانپ کسی حریف کو اُسی وقت نقصان پہنچا سکتا ہے جب حریف خود اس کے قریب چلا جائے اور اُسے نقصان پہنچانے کا موقع فراہم کر دے۔"

"بات قریب جانے کی نہیں ہے۔ ہم دونوں وہاں نہیں جا سکتے لیکن ہمارے علاوہ ان گنت لوگ ہیں۔" اُوشان بولتے بولتے یکایک چونک گیا۔ اس کی نگاہ ایک ہارپھرتی وی اسکرین پر جم گئی تھی جس پر اناؤنسر کوئی غیر معمولی بات کہہ رہا تھا۔

شہزاد بھی اُدھر متوجہ ہو گیا۔

"... اور پھر ٹائیگر کی دھڑکنیں بے ترتیب ہوتی چلی گئیں۔" ابھی ٹی۔ وی کی طرف دیکھتا اور کبھی اُوشان کی جانب متوجہ ہو جاتا۔ اناؤنسر ایک ایسی ناقابلِ یقین واردات کا ذکر کر رہا تھا اُوشان کی حسیات کو سچ ثابت کر رہی تھی۔ اُسی لمحے ٹیلی فون کی گھنٹی تیزی سے بجنے لگی۔ ٹائیگر نے کن انکھیوں سے فون کی طرف دیکھا۔

یہ ہنگامی حالات سے تعلق رکھنے والا فون تھا اور اس گھنٹی کی آواز اتنی پُرشور تھی کہ مُردے بھی اس آواز کو سُن کر قبروں سے نکل آتے۔ وہ اُٹھا تو اس کی دونوں مٹھیاں سختی سے بھنچی ہوئی تھیں اور آنکھوں میں عجیب سا تاثر تھا۔ وہ شیر کے بل کسی پُروقار چیتے کی طرح فون کی طرف چلنے لگا۔

اُوشان کے ہونٹوں پر بڑی ہی خوفناک مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔

❁

پولیس مین کے ہاتھ سے کافی کا کپ گر گیا۔

اُس کے ہونٹوں میں دبی ہوئی سگریٹ کپکپائی اور پھر وہ بھی گر گئی... پھر وہ خود بھی لہرایا اور زمین کی طرف جھکتا چلا گیا۔ اس کی حالت یکایک ہی غیر ہو گئی تھی اور جو کچھ اس نے جاگتا تھا، اگر خواب میں بھی اُسے نظر آ جاتا تو شاید ایسی ہی حالت ہوتی جب کہ یہ سب کچھ اس کی کھلی آنکھوں نے دیکھا تھا، شہر کے ایک سرکاری سُراغ رساں نے جلدی سے اُسے سہارا دیا ورنہ وہ زمین سے یوں ٹکراتا کہ شاید اُٹھنا بھی اس کے نصیب میں نہ ہوتا۔

جس کمرے کے باہر پولیس مین کی یہ حالت ہوئی تھی، اس کے اندر ایک ڈاکٹر پھسل گیا... وہ اندھا دھند کمرے میں داخل ہوا تھا اس لیے یہ نہ دیکھ سکا کہ چکنے فرش پر کیا چیز پھیلی ہوئی ہے۔ وہ اس انداز میں پھسلتا ہوا آگے بڑھا تھا جیسے اس کے پیروں تلے پہیے لگ گئے ہوں... اور پھر وہ پشت کے بل گر گیا۔

اس نے سفید سُوٹ پہن رکھا تھا لیکن جب وہ کھڑا ہوا تو اس کے سُوٹ کا عقبی حصہ سُرخ رنگت اختیار کر گیا تھا۔ سامنے سے سفید اور پیچھے سے سُرخ کپڑے والے سُوٹ کا مالک یہ ڈاکٹر پھٹی پھٹی آنکھوں سے کمرے میں اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے صورتِ حال اس کی سمجھ میں نہ آئی ہو۔

یکایک وہ ایک بار پھر پھسل پڑا۔

اس بار وہ آگے کی طرف جھک گیا تھا۔ اس لیے فرش پر گرتے ہی اُس نے گھٹنے فرش سے لگا لیے۔ اس نے دونوں ہاتھ بھی پہلوؤں میں لٹکا لیے تھے۔ اس لیے جب وہ اُٹھنے میں کامیاب ہوا تو اس کی ہتھیلیاں سُرخ ہو گئی تھیں اور اس کے گھٹنے یوں لال لال نظر آئے جیسے وہاں سے کپڑا ہٹ گیا ہو اور اُس کے گھٹنوں کی گولائیاں چھل گئی ہوں۔

ڈاکٹر جہاں تھا، وہیں بے حس و بے حرکت ہو گیا۔

کمرے سے ایسی بدبو اُٹھ رہی تھی جیسے وہ کسی کرے کی بہائے گائے کے پیٹ کے اندر کھڑا ہو۔

ہر طرف خون ہی خون پھیلا ہوا تھا۔

تھانے کے انچارج چیف انسپکٹر فرطوسی نے باہر کھڑے کانسٹیبل کی حالت دیکھی تو بڑبڑائے بغیر نہ رہ سکا۔

"نہ جانے لوگ لاشیں دیکھ کر اتنا کیوں گھبرا جاتے ہیں؟" اس نے دھیمی آواز میں تبصرہ کیا۔

"لاشیں غیر معمولی ہوتی ہیں، جناب! اس لیے انھیں خوفناک سمجھا جاتا ہے۔" ایک سُراغ رساں نے جواب دیا۔

"ہمیشہ یاد رکھو۔ ہمیشہ زندہ چیزیں ہی خوفناک ہوتی ہیں۔ بے رُوح چیزوں اور مٹی کے ڈھیر میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ زندہ چیز نقصان پہنچا سکتی ہے۔ کوئی ایسی چیز بھلا کیا نقصان پہنچائے گی جو اپنی زندگی ہی برقرار نہ رکھ سکی ہو۔"

آس پاس کھڑے تمام آدمیوں نے اثبات میں سر ہلا کر گویا چیف انسپکٹر کی اس رائے کی تائید کر دی۔ چیف انسپکٹر کتابی چہرے والا ایک جسیم شخص تھا۔ اس کی آنکھوں سے سنگدلی جھلکتی تھی اور نقش ونگار بے حد سفاک تھے۔ وہ ہر وقت مُنہ میں ایک موٹا سا سگار ٹھونسے رکھتا تھا جو رات چیت کے دوران مُنہ ہی میں پھنچا رہتا اور ہونٹوں کی حرکت کے ساتھ ساتھ حرکت کرتا رہتا تھا۔

چیف انسپکٹر نے اِدھر اُدھر دیکھا۔

ابھی تک اخباری نمایندے وہاں نہیں پہنچے تھے حالانکہ کچھ دیر قبل ٹی۔ وی اس ناقابلِ یقین اور خوفناک واردات کی خبر نشر کر چکا تھا۔ اچانک چیف انسپکٹر کی نگاہ ایک طرف اُٹھ گئی۔

اس نے دیکھا کہ ڈاکٹر کمرے سے باہر آرہا ہے۔ اس کے گھٹنے اور ہاتھ خون آلود ہیں اور صدمے کی وجہ سے اس کی آنکھیں پھٹی پھٹی سی لگ رہی ہیں۔

"سارجنٹ!" وہ چیخ پڑا۔ "جلدی سے کسی ڈاکٹر کو بُلاؤ۔"

"ڈاکٹر تو جا چکے ہیں، جناب!" سارجنٹ نے جواب دیا۔

"اور جو موجود ہیں سامنے کے سامنے اندر مُردہ پڑے ہیں۔"

"میرا خیال ہے، یہ ڈاکٹر زخمی ہے۔" فرطوسی نے کمرے سے نکلنے والے ڈاکٹر کی طرف دیکھ کر کہا۔ اس کے انداز سے مضمحلہ خیزی نہیں بلکہ سنجیدگی جھلک رہی تھی۔

"یہ میرا خون نہیں ہے۔" کمرے سے نکلنے والے ڈاکٹر نے بھرائی ہوئی آواز میں، ناحت کی۔

"اوہ..." فرطوسی نے غور سے دیکھا اور اثبات میں سر ہلا دیا۔ اسی لمحے اس کی نگاہ پریس کی کار پر پڑی جو عمارت کے سامنے رُکی رہی تھی۔ وہ آہنی سیڑھیوں کی طرف بڑھا تو اس نے دیکھا کہ کمرے سے نکلنے والا ڈاکٹر جہاں سے گزر رہا ہے وہاں اس کے پیروں کے نشانات خون آلود ہو گئے ہیں... "خونی فٹ پرنٹس..." چیف انسپکٹر فرطوسی ان نشانات کو دیکھ کر بڑبڑائے بغیر نہ رہ سکا۔

اس نے انگلی کے دباؤ سے سامنے والا دروازہ کھولا۔

چند لمحوں تک وہ اِدھر اُدھر دیکھتا رہا... پھر اس نے ایک قدم آگے بڑھایا اور ٹھٹک گیا۔ جیسے اُسے کسی غیر معمولی صورتِ حال کا احساس ہُوا ہو۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ کمرے کے فرش پر خون کے جو تالاب سے بنے ہُوئے تھے۔ اُنھیں نظر انداز کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔

اس کا دہانہ متحرک ہو گیا اور اس کے دانت سگار چبانے لگے۔ اس پر ہیجانی کیفیت طاری ہو رہی تھی اور اس حالت میں عموماً وہ جلدی جلدی سگار رہی چبا، جلد ہی وہ اپنی حالت پر قابو پانے میں کامیاب ہو گیا اب جو اُس نے گہری نظر سے کمرے میں دیکھا تو ایک سے دوسری دیوار تک اُسے فرش پر خون کی سُرخی ہی سُرخی پھیلی دینے لگی۔ کمرے میں ڈیڑھ سو واٹ کا ایک روشن بلب لٹکا ہُو اور فرش پر پھیلے ہُوئے خون سے منعکس ہونے والی اس بھی سُرخی مائل نظر آرہی تھیں۔

چیف انسپکٹر دُھک دُھک کری سی لے کر رہ گیا حالانکہ اس اور کانسٹیبل کی حالت پر۔ باہر خاصی کڑی تنقید کی تھی۔ اس کمرے کا طواف کرتی ہُوئی دائیں جانب ایک جسم پر جم گئیں

ایک چہرہ بھی بجھی بجھی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھ اس کی کنپٹی پر ایک گول سوراخ تھا۔ اس نے ایک آہنی طرف دیکھا جس کے پیچھے اسے تین ٹانگیں نظر آرہی تھیں ان تین ٹانگوں کے نیچے تین مختلف قسم کے جُوتے تھے کا مطلب تھا کہ تین اموات واقع ہُوئی ہیں۔

"اوہ..." چیف انسپکٹر کے حلق سے آواز نکلی۔

اس نے اپنی زندگی میں بڑی بڑی خوفناک لاشیں تھیں لیکن یہاں کے منظر نے اس کا بھی پتہ پانی کر دیا تھا دیر تک کھڑا لاشوں کو گھورتا رہا... پھر وہ وہاں سے ہٹ آگیا۔ باہر کھلی فضا میں اس نے خوب گہری گہری سانسیں لیں خود کو جلد ہی پُرسکون کر لیا۔

اس نے لاشیں اُٹھا کر مُردہ خانے میں پہنچانے کا دے دیا اور سارجنٹ کی طرف متوجہ ہو گیا۔ جو پریس والوں روکنے کی کوشش کر رہا تھا۔ جس کمرے سے وہ ابھی ابھی آیا تھا اس میں جو لاشیں پڑی تھیں ان کے ہاتھ پاؤں کٹے تھے اور جسم کو جگہ جگہ سے اس طرح کاٹ ڈالا گیا تھا جیسے کوا ماہر قصاب وہاں مصروف رہا ہو۔

ہاتھ، پاؤں اور دھڑ اُٹھائے جانے لگے۔

"اے... تم کچھ بھولے جا رہے ہو۔" فرطوسی غرّایا۔

"کیا جناب؟" مُردہ خانے کا ملازم بوکھلا کر بولا۔

"اوہ، ذرا ان کھوپڑیوں کی طرف تو دیکھو۔"

سب کی نگاہ کھوپڑیوں کی طرف اُٹھ گئیں۔ تب انھوں نے دیکھا کہ کوئی بھی کھوپڑی پوری نہیں ہے۔ ہر کھوپڑی کے

تھی اور اس میں سے دماغ نکال لیا گیا تھا۔

"ان کھوپڑیوں کے دماغ بھی سمیٹ کر لے جاؤ۔" فرطوسی نے کہا۔

"کوئی دماغ نہیں ہے، جناب!"

"کیا مطلب؟" فرطوسی نے حیرت سے پوچھا۔

"کمرے میں دماغ کے علاوہ سبھی کچھ موجود تھا۔"

"گویا کوئی ان سب کو قتل کر کے ان کے دماغ چُرا کر لے گیا ہے۔" چیف انسپکٹر نے زیرِ لب کہا اور اس کا دہانہ ایک بار پھر تیزی سے متحرک ہو گیا۔ سگار تیزی سے اُوپر نیچے ہلنے لگا رہ اس کا گوشہ چبانے میں مصروف ہو گیا۔ بار بار وہ دی میں ں کا جسم کانپ رہا تھا جیسے کوشش کے باوجود وہ جھرجھری لیے بغیر نہ رہتا ہو۔

"دماغ چوری ہو گئے... اُف... انسانی دماغ۔" سارجنٹ نے بھی زیرِ لب کہا تو اس کی آواز بُری طرح کانپ رہی تھی۔

چیف انسپکٹر فرطوسی نے اخباری نمایندوں کو ملاقات کی اجازت دے دی لیکن انھیں زیادہ وقت نہیں دیا۔ یہ بات ں نے البتہ راز میں نہیں رکھی کہ اندر جتنی بھی لاشیں پائی ئی تھیں، ان سب کے اعضا جسم سے بڑی نفاست کے ھ ماہرانہ انداز میں کاٹے گئے تھے اور پھر ہر کھوپڑی میں ے دماغ نکال لیا گیا تھا۔

موقع واردات سے نمٹ کر وہ گھر پہنچا تو کافی رات ہو ئی تھی۔

چیف انسپکٹر فرطوسی نے کھانا بھی برائے نام ہی کھایا ...اور پھر اپنی حسین وجمیل بیوی کی رفاقت میں بھی چھت ہی طور تا رہا۔ اس کے ذہن میں اَن گنت سوالات تھے جنھوں نے اسے پریشان کر رکھا تھا۔

اگلے روز صبح بھی اس کی بیوی نے اُسے خیالوں میں ے ہُوئے دیکھا تو پریشان ہو گئی۔ وہ ایک شکی مزاج کی عورت ، اس نے الزام لگایا کہ فرطوسی کسی اور کے خیالوں میں کھویا ہے۔ وہ دفتر پہنچا تو بیوی نے وہاں بھی فون کر کے اُسے سنائیں... اور اس کی ازدواجی زندگی خطرے میں پڑ ، فرطوسی بے حد پریشان تھا کیونکہ اُسے جلد از جلد حکام بالا پورٹ دینی تھی۔ اس کے علاوہ اُسے صدرِ مملکت کے ی حکم پر ایک خاص نمبر پر فون کر کے بھی رپورٹ دینی تھی۔

وہ ایک بار پھر اُسی عمارت کی طرف بڑھ گیا جس کے گراؤنڈ فلور کے ایک کمرے میں وہ خوفناک لاشیں پائی گئی تھیں۔ وہ ان تصویروں کی طرف متوجہ ہو گیا جو سرکاری فوٹو گرافروں نے لاشیں اُٹھنے سے پہلے اُتاری تھیں۔

اس کمرے کا ایک بار پھر جائزہ لینے کے لیے وہ اندر گیا تو ایک چیز نے اُسے چونکا دیا۔ کمرے کا فرش چوبی تختوں کا بنا ہُوا تھا۔ وہ ایک ایک تختے کا جائزہ لیتا ہُوا ایک ایسے تختے پر پہنچ گیا جو اُسے قدرے ڈھیلا محسوس ہو رہا تھا۔

اسے اٹھانے کے بعد فرطوسی بُری طرح چونک پڑا۔

اس کی نگاہ ایک تھیلی پر پڑی۔

تھیلی کو کھولا تو اس میں حشیش بھری ہُوئی تھی۔

وہ مزید توجہ سے اس خلا کا جائزہ لینے لگا۔ تب اُسے کئی ایسے تھیلے مل گئے۔ ان تھیلوں میں جتنی حشیش بھری ہُوئی تھی، اس کی مالیت کا وہ اندازہ بھی نہیں لگا سکتا تھا... یہ چوبی فرش اُکھاڑتے اُکھاڑتے وہ ایک ٹیپ ریکارڈر برآمد کرنے میں بھی کامیاب ہو گیا جس کا ٹیپ اب بھی گھوم رہا تھا۔ اس نے ٹیپ کو ری وائنڈ کیا اور آوازیں سُننے لگا۔

یہ ایک لڑکی اور چند مردوں کی آوازیں تھیں۔ عجیب سے جملے تھے لیکن مسٹر ریگل جیسا نام وہ خوب اچھی سمجھ گیا۔ یہ نام کئی بار دورانِ گفتگو ٹیپ ہُوا تھا۔

جو آوازیں اُس نے سُنیں، ان سے اندازہ ہوتا تھا کہ چوبی فرش پر رقص ہوتا رہا تھا اور وہ تمام شیطانی کھیل بھی وہاں کھیلے گئے تھے جن کی انسانیت نے کبھی اجازت نہیں دی تھی۔ ان آوازوں سے ایک اور خاص بات یہ سامنے آئی کہ سب کے سب فن کی دُنیا سے تعلق رکھتے تھے یا فن کے قدردان تھے۔ پینٹنگ اور مجسمہ سازی کی باتیں بھی زیرِ بحث آئی تھیں... اور پھر اچانک ہی چیخوں اور کراہوں کا لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ ہڈیاں ٹوٹنے کی آوازیں، آہ وزاری کا شور اور منت سماجت کے مکالمے سُنائی دینے لگے۔

رفتہ رفتہ یہ خوفناک آوازیں بھی دَم توڑ گئیں۔

اس نے ٹیپ ریکارڈر بند کر دیا۔

اُس کی پیشانی پسینے سے بھیگ گئی تھی۔

یہ سب کچھ صرف ایک ہی آدمی نے کیا تھا اور اس میں اُسے صرف پچاس سیکنڈ لگے تھے۔ ٹیپ سے فرطوسی یہ اندازہ بہ آسانی لگا سکتا تھا۔ اسے ایسی آوازیں سُنائی دی تھیں جیسے اعضا بُریدگی کا کام کرنے والے نے کوئی اوزار ہی استعمال

کیا ہو۔ اس نے کوئی پاور مشین استعمال نہیں کی تھی اور پانچ آدمیوں کو ہلاک کر کے ان کے اعضا کاٹے تھے۔ لاشوں کے ٹکڑے کیے تھے اور پھر سب کے دماغ نکال لیے تھے۔

"ہیلو سر!" ایک آواز نے اُسے بُری طرح چونکا دیا۔ اس نے دروازے کی طرف دیکھا۔ ایک کانسٹیبل کھڑا تھا۔ فرطوسی کو پہلی نگاہ میں ہی محسوس ہو گیا کہ وہ اس کانسٹیبل کو پہلے بھی کہیں دیکھ چکا ہے... لیکن جیسے ہی اس کی نگاہ کانسٹیبل کے بیج پر پڑی، اُسے احساس ہُوا کہ وہ نقلی ہے... اور اس کے ساتھ ہی ٹیپ ریکارڈر کی ایک آواز اس کے ذہن میں گونجنے لگی۔ وہ آواز یقیناً اسی شخص کی تھی سفاک... جذبات سے عاری اور درندگی کی مظہر...

چیف انسپکٹر کا جسم ٹھنڈے پسینے میں بھیگتا چلا گیا۔ کانسٹیبل کے ہونٹوں پر بڑی ہی ناقابلِ فہم مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔

✡ ✡

اس کی ناقابلِ فہم مسکراہٹ، بے حد سفاک تھی۔

چیف انسپکٹر بھرجھری سی لے کر رہ گیا۔ جذبات سے عاری اور درندگی سے بھرپور وہ آواز اب بھی فرطوسی کے ذہن میں گونج رہی تھی۔ وہ ٹیپ ریکارڈر اب بھی اس کے سامنے موجود تھا...

فرطوسی بڑے دِل گُردے والا آدمی تھا لیکن اس نے جو واردات دیکھی تھی، اُس نے ہمت و جرأت کی دیواریں شگاف ڈال دیا تھا۔

وہ خود پر تیزی سے قابو پانے لگا۔

"تم کون ہو؟" چیف انسپکٹر فرطوسی نے پولیس مین کی طرف دیکھتے ہُوئے سوال کیا۔ اس نے لہجہ تحکمانہ رکھنے کی کوشش کی تھی تاکہ اس کی گھبراہٹ کا کم از کم آواز سے اظہار نہ ہو سکے۔

"میں پٹرول میں چھ نو چھ نمبر ہوں جناب۔" وہ غیر انسانی آواز پولیس مین کے حلق سے نکلی۔ اب فرطوسی کو کوئی شک و شبہ نہیں رہا۔ یہ وہی آواز تھی جسے وہ کچھ دیر قبل ٹیپ ریکارڈر کے ذریعے سُن چکا تھا۔

"بہت خوب!" اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"مجھے معلوم ہُوا تھا کہ یہ کیس آپ کے سُپرد کیا گیا ہے؟"

"ہاں..." فرطوسی نے خوش اخلاقی کا مظاہرہ کیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس مشتبہ شخص کو باتوں میں لگا کر ہیڈ کوارٹر تک لے چلنا چاہیے... وہاں پہنچتے ہی ریوالور نکال کر اسے زد میں لینا ایک بے حد آسان کام ہوگا۔ اس کے ساتھ ہی یہ خیال بھی فرطوسی کو آ رہا تھا کہ آخر اس شخص کو اُس نے پہلے کب اور کہاں دیکھا تھا۔ سلسلے میں ہلکی سی یاد بھی اس کے ذہن میں نہیں اُبھر سکی۔

"آپ نے پولیس کو بڑا ہی عجیب بیان دیا تھا، جناب۔" مین دوستانہ انداز میں کہہ رہا تھا۔ "آپ نے اس واردات دہشت گردی کی ایک مثال ظاہر کیا ہے۔ آپ نے تخلیق کا تذکرہ نہیں کیا؟"

"کیا مطلب؟" فرطوسی نے چونکنے کی کامیاب اداکاری کی۔

"کیا اس انداز میں قتل کرنا، جرائم کی دُنیا میں ایک تخلیق نہیں ہے۔ آپ نے لاشیں تو دیکھی ہی تھیں۔ اس سے پہلے کسی قاتل نے اپنے پیچھے ایسی لاشیں کبھی نہیں چھوڑیں، جو فن کاری برتی گئی ہو؟"

فرطوسی کا دِل دھک دھک کرنے لگا۔

"کیا آپ اسے ایک فن کارانہ واردات نہیں سمجھتے؟"

"یقیناً... یقیناً..." فرطوسی نے زبردستی ہنس کر کہا۔ نے فن کاری کا اتنا اور نمونہ اس سے پہلے زندگی میں کبھی نہیں ہیڈ کوارٹر کا ہر شخص اسے فن کاری ہی تصور کرتا ہے۔ میرا خیال ہمیں اس سلسلے میں مزید بات چیت کے لیے یہاں سے باہر جا چاہیے۔ میں واپس ہیڈ کوارٹر جا رہا ہوں، چاہو تو میرے ساتھ ہی

"آپ غالباً جھوٹ بول کر یہاں سے جانا چاہتے ہیں؟"

"جھوٹ؟" فرطوسی گڑبڑا گیا۔ "کیسا جھوٹ؟" میں اس وار کو فن کارانہ خیال کرتا ہوں اس لیے میں نے تمہارے سامنے کھل کر اظہار کر دیا... جھوٹ کی اس میں کیا بات ہے؟"

"لیکن میں صرف سچ سُننا چاہتا ہوں۔" پٹرول مین نے انداز میں کہا جیسے وہی چیف انسپکٹر فرطوسی کا باس رہا ہو۔ "آپ خیر جاتے ہی ہیں کہ تکلیف و اذیت کے لمحوں میں انسان بعض ایسی باتیں بھی کر جاتا ہے، جنھیں عام حالات میں اس کی زبا سُننا ممکن نہیں ہوتا۔"

چیف انسپکٹر نے اثبات میں سر ہلایا اور ایسا تاثر دیا جیسے اس کی بات نہ سمجھنے کے باوجود اختلاف رائے سے بچنا چاہتا ہو۔ اب اسے یقین ہو گیا تھا کہ وہ قاتل کے نرغے میں پھ گیا ہے۔

اس نے ہمت مجتمع کی اور دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔

عقب میں ہٹتے وقت اس نے بڑی پھرتی سے پرلب اسپیشل نکالنے کی کوشش کی تھی تاکہ اس درندہ صفت شخص

ن لے... لیکن ابھی اس کا ہاتھ ریوالور کے دستے پر بھی پہنچا تھا کہ اُسے ہر جذبہ و جہد ترک کر کے اپنا آپ محفوظ رکھنے کی ش کرنا پڑی، جو ناکام ثابت ہُوئی۔

فن کار قاتل بے حد پھرتیلا تھا۔

اس سے قبل کہ چیف انسپکٹر فرطوسی ریوالور نکالتا، وہ کسی ے کی طرح اس پر حملہ آور ہُوا۔

فرطوسی کو یوں محسوس ہُوا جیسے اس کی آنکھوں کے ڈھیلے سختی سے ئے جا رہے ہوں۔ اس کے ہاتھ مفلوج ہو گئے تھے اور وہ اندھا کر ے والا کرب محسوس کر رہا تھا۔ اس کے ذہن میں آگ جیسی پیش ہو گئی تھی... اور پھر وہ نہ چاہتے ہُوئے بھی سب کچھ اُگلتا لیا۔

وہ قاتل کو فوراً ہی پہچان گیا تھا اور اُسے ہیڈ کوارٹر لے جانا ہتا تھا۔ یہ حقیقت اس نے اس وقت بتائی جب وہ اپنی ہستی کو کے شعلوں میں لپٹے محسوس کر رہا تھا۔ تب اس نے اپنی زندگی ہ دہشت ناک منظر دیکھا جسے عام آدمی دیکھتا تو مارے خوف کے ال کی حرکتِ قلب ہی بند ہو جاتی... حرکتِ قلب تو چیف انسپکٹر ں بند ہو گئی تھی لیکن خوف کی زیادتی سے نہیں بلکہ اس ہاتھ کے ٹ جو کسی تیز دھار خنجر کی طرح اس کے سینے میں دھنسا تھا اور پھر پار ا تھا۔ قاتل کے اطمینان میں اب بھی کوئی فرق نہیں آیا۔

"یہ بھی ایک تخلیقی کام ہے، جس میں میرا فن بلندیوں پر ہے۔" نے فرطوسی کے مُردے سے کہا جو اب بھی پھٹی پھٹی آنکھوں سے ال کی طرف دیکھ رہا تھا۔ چہرے پر زرد و کرب کی اَن گنت سلوٹیں ئیں اور ایک ہی لمحے میں منجمد ہو گئیں۔ تب یوں لگا جیسے فرطوسی ہرہ پتھر کا چہرہ ہو کر رہ گیا ہو۔

★★

ان لاشوں کو ٹائیگر نے بھی دیکھا تھا اور دِل ہی دِل میں ل کی فن کاری کو سراہا بھی تھا... لیکن یہ جنگل نہیں، انسانوں کی گی، جہاں زندگی، قانون کی محتاج ہے اور جو لوگ قانون کو زندہ کھنے کے لیے مالی معاونت ہی نہیں اس کی سختی سے پابندی بھی تے ہیں، ان کا تحفظ قانون کی ذمے داری ہے۔ یہی خیال شہزاد ذہن میں غصے کی آنچ تیز کر رہا تھا۔

اُدشان نے سب کچھ ٹی۔ وی پر دیکھا تھا... یا پھر اخبارات پڑھا تھا۔ ٹائیگر نے زندگی میں پہلی بار اپنے رُوحانی باپ کو سر سے ناک کانپتے دیکھا تو اس کے دِل و دماغ میں غصے کی آنچ، کتے ہُوئے شعلوں میں تبدیل ہو گئی۔ اس نے قسم کھائی کہ وہ اس سفاک قاتل کو اسی انداز میں موت سے ہمکنار کرے گا... اور اپنی ساری فن کاری اس جسم پر صرف کر دے گا جس نے انسانوں کی دُنیا میں درندگی پھیلا کر قانون کا مذاق اڑانے کی کوشش کی تھی

اُسی شام ٹائیگر نے اپنے چیف بہرام کو بھی صورتِ حال سے آگاہ کر دیا۔ تب اُسے پتہ چلا کہ بہرام بھی بعض مجبوریوں کے تحت واپس آ رہا ہے۔ اس نے فون پر کسی مجبوری کا اظہار نہیں کیا لیکن ٹائیگر کی چھٹی حس بتا رہی تھی کہ بہرام کو کوئی بے حد نازک معاملہ درپیش ہے۔

بہرام واپس اسکاٹ لینڈ پہنچا تو ٹائیگر نے اس کی آنکھوں میں پہلی بار دہشت کے سائے منڈلاتے ہُوئے دیکھے۔

"کیا بات ہے، سویٹ ہارٹ؟" اس نے مُسکرانے کی کوشش کی تھی۔

"ایک طویل عرصے بعد تمہارے مُنہ سے اپنے لیے یہ الفاظ سُن کر مجھے کتنی خوشی ہو رہی ہے۔" بہرام نے پھیکی پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "لیکن معلوم ہوتا ہے، اب ہمارے درمیان سارے ہی رشتے ٹوٹ جائیں گے۔"

"کیا مطلب؟" ٹائیگر کو اپنی دھڑکنیں بے ترتیب ہوتی محسوس ہونے لگیں۔

"پروگرام..." بہرام نے بھرائی ہُوئی آواز میں کہا۔ "ہمارے کمپیوٹر کا خاص پروگرام چُرا لیا گیا ہے۔"

"اوہ، کیا اب کوئی ڈراما کرنے والے تھے؟" ٹائیگر نے خود پر قابو رکھتے ہُوئے ایک بار پھر زندہ دِلی دکھائی۔ "اگر کوئی پروگرام چوری ہو گیا ہے تو اُسے از سرِ نو ترتیب دیا جا سکتا ہے۔ اس میں اتنا دہشت زدہ ہونے کی کیا بات ہے؟"

"میں کسی ریڈیو پروگرام کا تذکرہ نہیں کر رہا ہوں۔" بہرام نے جھلا کر کہا۔

ٹائیگر کو سنجیدہ ہوتے ہی بنی... اور جب بہرام نے اُسے صورتِ حال سمجھائی تو ٹائیگر یوں اپنے ہاتھوں کی طرف دیکھنے لگا جیسے ان میں موجود خطرے پھر سے کہیں اُڑ گئے ہوں۔ وہ کمپیوٹر پروگرام واقعی بے حد اہم تھا۔ اگر وہ چوری ہُوا ہے اور کسی جرائم پیشہ شخص کے ہاتھوں میں پہنچ گیا ہے تو اس کا صاف مطلب یہی ہو گا کہ ٹائیگر اور اس کے پُشت پناہ ادارے کا راز فاش ہونے میں کوئی کسر باقی نہیں رہ گئی۔

اچانک فون کی گھنٹی بجنے لگی۔

ٹائیگر نے فون کی طرف دیکھا۔ اُدشان نے بھی کنول کے آسن میں بیٹھے بیٹھے آنکھیں کھول دیں اور بہرام کی پیشانی پر اَن گنت

سلوٹیں نمودار ہوگئیں۔

"ہیلو... بشنہ!" ٹائیگر نے کہا۔ "چیف رپورٹ مائنڈ..."

وہ ان دنوں صدر شیتانی کے محل سے ہوٹل اسٹون وال واپس آگیا تھا۔ چہرے میں معمولی سی تبدیلی بھی کرلی تھی تاکہ پہلی نگاہ میں اسے کوئی بھی شناخت نہ کرسکے۔ یہ قدم اُٹھوں نے شہر میں ہونے والی لرزہ خیز واردات کے بعد اُٹھایا تھا تاکہ ضرورت کے وقت فوری طور پر مقررہ جگہ پر پہنچا جاسکے۔ ٹائیگر کی حیثیت برقرار تھی اور وہ کوئی وجہ بیان کیے بغیر کسی کو بھی قتل کرسکتا تھا۔ یہ خصوصی اجازت نامہ اُسے صدر شیتانی کی طرف سے ملا تھا... لیکن اس کے ساتھ ساتھ اُسے ایک پولیس کارڈ بھی فراہم کیا گیا تھا جس کے مطابق ٹائیگر اسکوبما میں، عالمی شہرت یافتہ ہفت روزہ ٹائمز کا چیف رپورٹر تھا۔

"روم نمبر ۲۱۷۔ اسٹون..." ایک نسوانی آواز نے پوچھا۔

"ہاں۔ میں اسی کمرے سے تمہاری آواز سن رہا ہوں۔"

نسوانی آواز میں ہنسی شامل ہوگئی۔ "حیرت ہے! جب کہ لوگ عموماً ایسے موقعے پر یہی کہتے ہیں کہ میں فلاں جگہ سے بول رہا ہوں۔"

"میں جدت پسند ہوں۔" ٹائیگر نے بہرام کی باتوں سے پیدا ہونے والا اعصابی تناؤ کم کرنے کے لیے اس عورت کی خوب صورت آواز ہی سے دل بہلانا شروع کردیا۔ اگر تم مجھے صرف اتنا بتادو کہ تمہارے چہرے پر بے شمار بھورے تل ہیں یا نہیں... تو میں تمہارے بارے میں اظہار رائے بھی کرسکتا ہوں۔"

تل تو بہت ہیں لیکن صرف چہرے کی حد تک نہیں، ہر جگہ پھیلے ہوئے ہیں۔"

"اوہ..." شہزاد نے مسکرا کر بہرام کو آنکھ ماری اور ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔ "کیوں چیف، چہرے کے علاوہ عورتوں کے تل کہاں کہاں اچھے لگتے ہیں؟"

"شٹ اَپ!" بہرام جھلا کر غرایا۔

"کیا تم پروگرام خریدنا چاہتے ہو؟" نسوانی آواز پوچھ رہی تھی۔

"کون سا پروگرام؟" شہزاد یکایک سنجیدہ ہوگیا۔ بہرام کا اندازہ درست ثابت ہو رہا تھا کہ ہیڈ کوارٹر سے چرایا ہوا کمپیوٹر پروگرام اسکوبما میں پہنچا دیا گیا ہوگا... اور یہ بھی اُسی سلسلے کی ایک کڑی ہے جسے وہ دو ہفتے قبل نشانہ بنا چکے تھے۔

"کمپیوٹر پروگرام...؟"

"اگر تم اس میں ہیروئن کا کردار ادا کرنے کے لیے آمادہ ہوجاؤ تو میں یہ پروگرام خریدنے کے لیے آمادہ ہوں۔" ٹائیگر نے جواب دیا اور بہرام کو اشارہ کیا کہ وہ دوسرے فون پر باتیں سنے۔ بہرام آندھی کے تیز جھکڑ کی طرح فون کی طرف جھپٹ پڑا۔

اُدشان کنول کا آسن جمائے بے حرکت بیٹھا رہا۔

اس نے دوبارہ آنکھیں بند کرلی تھیں۔

★★

وہ تعداد میں تین تھے۔

دو نوجوان اور ایک نوعمر لڑکی... اور تینوں ہی شہزاد کی پریس کارڈ دیکھنے کے لیے بضد تھے۔ ان تینوں کے ہاتھوں میں ریوالور تھے۔ جارج کا ریوالور ٹائیگر کی بائیں آنکھ سے بمشکل نصف انچ دُور تھا جب کہ لڑکی کے ریوالور کی نال اُس کی ریڑھ کی ہڈی پر چبھ رہی تھی۔ تیسرا نوجوان ریوالور ہاتھ میں لیے کچھ دُور کھڑا تھا اور اس کے ریوالور کی نال ٹائیگر کی کھوپڑی کو زد میں لیے ہوئے تھی۔

"ایسی...!" جارج نے سرگوشی کی۔ "اگر یہ ذرا سی بھی غلط حرکت کرے تو اس کی کمر میں ساری ہی گولیاں اُتار دینا۔"

جواباً لڑکی ہنس پڑی۔

اس کی ہنسی، شہد آلود محسوس ہوتی تھی اور ٹائیگر اس کا ذائقہ محسوس کرکے مسرور ہو رہا تھا۔ یہ وہی لڑکی تھی جس نے اس سے فون پر کمپیوٹر پروگرام فروخت کرنے کے سلسلے میں بات چیت کی تھی۔ اس کے چہرے پر واقعی اَن گنت تل تھے لیکن یہ تل اس کی گردن اور گریبان پر بھی نظر آرہے تھے۔ شہزاد نے تیسرے نوجوان کی طرف دیکھا جو اُن دونوں سے زیادہ محتاط نظر آرہا تھا۔

شہزاد نے جیب سے وہ پریس کارڈ نکال کر سامنے کھڑے نوجوان کی طرف بڑھا دیا جسے جارج کے نام سے مخاطب کیا جا رہا تھا۔

"برادر چی!" اس نے کارڈ پر نگاہ ڈالتے ہوئے تیسرے نوجوان کی طرف دیکھا۔ "یہ تو پریس کارڈ ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ اگر یہ محض پریس کارڈ ہی ہوتا تو میں ابھی اور اسی وقت اسے گولی مار دیتا۔ یہاں پر یہ پریس کارڈ، دراصل پولیس ہی کی طرف سے دیے جاتے ہیں۔"

"اس کے علاوہ تمہارے پاس کیا کیا ہے؟" جارج غرایا۔

"ہاتھ میں یہ بریف کیس ہے۔" ٹائیگر نے کہا اور گردن گھما کر ایسی کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرایا۔ "اور دل میں سینکڑوں ارمان۔"

"یہ جدت پسند ہے۔" ایسی نے اس کی مسکراہٹ کو شرفِ قبولیت بخشتے ہوئے کہا۔ "اور میں اسے شدت سے پسند کرنے لگی ہوں۔"

"جانتی ہو، جن عورتوں کے چہرے پر اَن گنت بھورے تل نہیں ہوتے، ان کے بارے میں میری کیا رائے ہے؟" اس انداز میں لگاوٹ سے باتیں کرنے لگا جیسے وہ ان مشکوک سے مسروقہ کمپیوٹر پروگرام کی خریداری کے لیے نہیں بلکہ صرف اسے سے اظہارِ محبت کرنے آیا ہو۔

ایسی نے دل چسپی لیتے ہوئے سر کو نفی میں ہلا دیا۔

شہزاد نے ایک طویل سرد آہ بھرتے ہوئے کہا۔ "ایسی ل کی مثال اُس رات جیسی ہے جب آسمان پر ستارے نہ نکلتے..."

ایسی نے عجیب سے انداز میں سسکی لی جیسے کہیں چوٹ لگی ہو۔

شہزاد نے اس نوجوان کی طرف دیکھا جسے برادر چی کہہ کر یا تھا۔ اس کی اُنگلی ٹرائیگر سے صرف اتنی دُور تھی کہ اگر اُسے ی چھینک آجاتی تو بے اختیار اُنگلی کا دباؤ لبلبی پر بڑھ جاتا اور ماحل ہوجاتی۔

وہ جارج کی طرف متوجہ ہوگیا جس کے ماتھے پر پسینے کی ں چمکنے لگی تھیں۔ اس کے ہونٹ خشک اور پھٹے پھٹے تھے، ب کہ وہ سوکھے ہوئے حلق کو تر کرنے کے لیے بار بار تھوک نگل تھا۔

"یہ پولیس کا آدمی بھی ہوسکتا ہے۔" جارج نے تھوک نگل ہا۔

"پھر کیا ہوا؟" برادر چی غرایا۔

"تم جانتے ہو کہ میں پولیس والوں کو پسند نہیں کرتا۔"

"میرا خیال ہے، تم دونوں اسے میرے حوالے کردو۔" ایسی نے اُسی انداز میں کہا تو اس کے لہجے میں یکایک مردانگی جھلک ، وہ مٹھاس سے بھرپور آواز نہ جانے کہاں غائب ہوگئی تھی، ٹائیگر کے سارے ہی روئیں کانپ جانے پر مجبور کردیے ، میں اس سے سودے بازی کرلیتی ہوں۔"

"خاموش رہو، ایسی باتوں کا موقع نہیں ہے۔"

"ہر قسم کی باتوں کا موقع ہے، ڈیئر۔" شہزاد نے مسکرا کر کہا ں نے جس انداز میں ایسی کی طرف دیکھا، وہ ایسی تو کیا کسی شہزاد سرپرست لڑکی کو بھی لڑکھڑا دینے والی مسکراہٹ تھی... ایسی ہوشی کی حالت میں محسوس ہونے لگی تو جارج کی مسکراہٹ ر بھیانک ہوگئی۔ ٹائیگر نے دیکھا کہ اس کی اُنگلی بھی ریوالور

چلانے کے لیے بے قرار ہے۔

شہزاد نے دوبارہ ایسی کی طرف دیکھا۔ وہ گھائل ہوچکی تھی۔

اس نے نظریں جُھکا لی تھیں اور اس کا چہرہ زرد پڑتا جا رہا تھا۔ اس کے ہاتھوں میں بھی کپکپاہٹ پیدا ہوگئی تھی۔ یہ ٹائیگر کی مسحورانہ وجاہت کا کمال تھا جسے ایسی تو ایسی، اس کے دونوں ساتھی بھی محسوس کیے بغیر نہ رہ سکے۔

اسی دوران برادر چی نے بڑھ کر جارج سے وہ پریس کارڈ لے لیا جو ٹائیگر نے اپنی جیب سے نکال کر دیا تھا۔

برادر چی نے ایک نظر کارڈ پر ڈالی... پھر وہ ٹائیگر کی طرف متوجہ ہوگیا۔ "ٹھیک ہے، تم وہی ہو۔" اس نے قدرے مطمئن لہجے میں کہا۔ "کیا تم رقم لائے ہو؟"

"اگر مطلوبہ شے تمہارے پاس موجود ہے تو میں ادائیگی کے لیے تیار ہوں۔"

"اس بات کا اطمینان کیسے ہو کہ وہ شے تمہیں واقعی پسند آجائے گی اور تم اس کی ادائیگی کے لیے تیار بھی ہوجاؤ گے؟"

"تین ریوالوروں کی موجودگی میں تم یہ بات کہہ رہے ہو؟" شہزاد نے حیرت ظاہر کرتے ہوئے کہا اور کن انکھیوں سے لڑکی کو دیکھنے لگا۔

"میں اس شخص پر اعتماد نہیں کرسکتا۔" جارج بڑبڑایا۔

"گھبرانے کی ضرورت نہیں، جارج۔" برادر چی نے کہا۔ "یہ ٹھیک ٹھاک آدمی ہے۔"

"اس کی آزمائش کے لیے مجھے کمرے میں اس کے ساتھ تنہا..."

"شٹ اَپ ایسی!" برادر چی غرایا اور اس نے اپنا ریوالور بیلٹ میں اُڑس لیا۔ گویا وہ ٹائیگر کی طرف سے پوری طرح مطمئن ہوگیا تھا۔

"میں کہتا ہوں، اسے قتل کردو۔" جارج ہذیانی انداز میں چیخ پڑا۔ "ہم وہ سب کچھ اپنی مرضی سے جہاں بھی چاہیں گے، شائع کروا دیں گے۔"

وہ شہزاد کے بے حد قریب تھا اسی لیے ٹائیگر کی شخصیت اس کے دل و دماغ پر اثر انداز ہوتی جا رہی تھی۔ شہزاد جانتا تھا کہ وہ زیادہ دیر اس صورتِ حال کو برداشت نہیں کرسکے گا اور پھٹ پڑے گا اس لیے اس نے زیادہ تر توجہ ایسی کی طرف ہی رکھی جس نے ریوالور اپنے گریبان میں رکھ لیا تھا اور وہ اَب بھی بار بار کن انکھیوں سے شہزاد کی طرف دیکھ رہی تھی۔ ٹائیگر جانتا تھا کہ عام زندگی میں وہ ایک بے حیا لڑکی ہے جسے شرم جیسے نسوانی زیور کی اہمیت کا

احساس تک نہیں . . . لیکن اس وقت وہ خود کو ایک لڑکی سمجھنے پر مجبور تھی اور یہ احساس اُس کے دل میں ٹائیگر کی مردانہ وجاہت نے بیدار کیا تھا۔ اس کا چہرہ زرد ہو رہا تھا جیسے وہ اپنی ہی آگ میں جل رہی ہو . . . اور اُس کا خون رگوں میں خشک ہوتا جا رہا تھا۔

اس کے ہاتھوں میں اب بھی نمایاں کپکپاہٹ تھی۔

"سُنو جارج!" برادر چی نے اپنے ساتھی کا کندھا تھپتھپا کر کہا۔ "ہم جو کچھ بھی چاہتے ہیں، اُس کا تعلق صرف دولت سے ہے۔ یہ ایک سیدھا سادہ بلیک میلنگ کا کام ہے . . . لیکن ہم نے ایک ایسی چیز پار کی ہے جس کے بارے میں جب اس کا ہفت روزہ ضمن شائع ہو گا تو دنیا میں کہرام برپا ہو جائے گا۔ امریکی حکومت نے ایک خود مختار ادارہ بنایا، جس کا سربراہ ایک ایسا شخص ہے جو عام حالات میں بحیثیت ڈاکٹر زندگی بسر کرتا ہے لیکن درحقیقت وہ ایک ایسے ہتھیار کا مالک ہے، جو انسان کے رُوپ میں تباہی کا آلہ ہے۔ اُسے ٹائیگر کا خطاب دیا گیا ہے۔ اس ٹائیگر کو بے پناہ اختیارات دیے گئے ہیں۔ وہ جسے چاہتا ہے، بغیر کسی جواز کے قتل کر دیتا ہے۔ کیا یہ سب باتیں دُنیا کے لیے ایک انکشاف نہیں ہیں۔ تم نے اپنے محکمے کی آنکھوں میں دُھول جھونک کر اس پروگرام کو تحریر الیا لیکن اب آخری مرحلے پر تمہارا یوں دم نکلا جا رہا ہے۔"

"اسے قتل کر کے رقم چھین لو۔" جارج فرّایا۔

"میرا خیال ہے، یہ اختلافِ رائے ہمیں، ایک دوسرے سے مشورہ کر لینے پر مجبور کر رہا ہے۔ ہم بیٹوں میں سے دو اس کے حق میں نہیں ہیں کہ رپورٹر کو قتل کر دیا جائے۔ کیوں ایکسی؟" اس نے لڑکی سے رائے طلب کی۔

"اسے میرے حوالے کر دو۔" ایکسی نے جواب دیا۔

"تم نے دیکھا۔" برادر چی نے مسکرا کر جارج کی طرف دیکھا۔ "یہ اسے زندہ دیکھنا چاہتی ہے . . . لیکن بہرحال، وہ ان دونوں کا ذاتی معاملہ ہو گا۔" اس نے معنی خیز نظروں سے باری باری شہزاد اور ایکسی کی طرف دیکھا۔

"لیکن اسے قتل کر دینے میں کیا قباحت ہے؟"

"اس کا تعلق ایک عالمی شہرت یافتہ رسالے سے ہے۔ اس کی موت پر پُوری دُنیا میں کہرام مچ جائے گا۔ تمہارا کیا خیال ہے۔ اس نے رقم کا بندوبست کرنے کے لیے اپنے پبلشر کو صورتِ حال نہیں بتائی ہو گی؟ اگر یہ مارا گیا تو جو کچھ بھی شائع ہو گا، وہ ہماری تباہی کا باعث بن سکتا ہے۔"

"چند ہزار آدمیوں کو معلوم ہو جائے تو کوئی قیامت نہیں آ جائے گی۔" جارج نے ہاتھ لہرا کر احتجاج کیا۔ "مجھے اس شخص سے خوف آ رہا ہے۔ یہ کوئی انسان نہیں ہے، یہ تباہ کار لگتا ہے۔ مجھے اس سے موت کی بُو محسوس ہو رہی ہے۔"

"اب تم خاموش رہو گے۔" برادر چی کا لہجہ تحکمانہ ہو گیا۔

جارج نے ہونٹ سختی سے بھینچ لیے۔

برادر چی نے شہزاد کو اشارہ کیا کہ وہ اندر کمرے میں چلا جائے۔ اب تک وہ دروازے کے سامنے ہی کھڑے تھے۔ لڑکی نے جلدی سے عقب میں دو کھڑکیاں بند کر دیا اور تیزی سے کھڑکیوں پر بھاری پردے گرا دیے۔ ٹائیگر نے ان کھڑکیوں کی طرف دیکھا جن پر پردے پڑ گئے تھے۔ ان کھڑکیوں سے نیچے، سڑک تک بارہ منزلیں تھیں۔ شہزاد کمرے کے وسط میں پڑی ایک چھوٹی سی میز پر جھک گیا۔ ہر طرف سے مطمئن ہونے کے بعد برادر چی نے باتھ رُوم کی طرف اشارہ کیا۔

ایکسی فوراً باتھ رُوم میں چلی گئی۔ جب وہ واپس آئی تو اس کے آگے آگے ایک خستہ حال بوڑھا بھی تھا جس کے چہرے کی جلد بے پناہ زرد تھی۔ وہ بمشکل چل رہا تھا۔ اس کے عقب میں ایکسی ایک وزنی بریف کیس اُٹھائے ہوئے تھی۔

"کیا تم نے اس سے رقم حاصل کر لی ہے؟" بوڑھے نے پوچھا۔

"رقم بھی مل جائے گی۔" برادر چی نے جواب دیا۔

بوڑھے نے وہ بریف کیس فرش پر رکھا اور اُسے کھولنے لگا۔ اس دوران میں وہ شہزاد کی طرف دیکھ کر بولا۔ "میں تمہیں حقیقتِ حال سے آگاہ کر دوں گا۔ میرے پاس ہر بات کی وضاحت موجود ہے۔" اس نے بریف کیس میں سے کاغذات کا ایک پلندہ نکال لیا۔ ٹائیگر نے غور سے دیکھا۔ یہ کمپیوٹر کے پرنٹ تھے۔

"تم نے آج تک اپنے پرچے میں جو کچھ بھی شائع کیا ہے، یہ کہانی اس سارے مواد سے زیادہ دلچسپ ہے۔ ہر اسکینڈل اس کہانی کے سامنے ہیچ ہو جائے گا۔ آج امریکا کا اقتدار میرے ہاتھوں میں ہے، جسے میں بہت کم داموں تمہارے ہاتھ فروخت کر رہا ہوں۔"

"یہ یہاں سودا خریدنے کے لیے ہی آیا ہے۔" ایکسی نے ناگواری سے کہا۔ "تم اپنے مال کی صفات گنوانے میں وقت ضائع نہ کرو . . . اور اسے جلدی سے فارغ کر دو۔"

"اوہ، ہاں . . ." بوڑھے نے معنی خیز انداز میں کہا۔ "میں تمہارے عارضے کو تو بھول ہی گیا تھا۔ یقیناً تمہیں اس کی فوری طور پر ضرورت ہو گی۔" اس نے مسکرا کر ٹائیگر کی طرف دیکھا جو اپنی ساکت آنکھوں

سے اس خبیث بوڑھے کو گھور رہا تھا۔

"یہ سب کچھ تمہیں کہاں سے حاصل ہوا؟" ٹائیگر نے اشتیاق آمیز لہجے میں پوچھا۔

"میں جزیرۂ فردوس میں کمپیوٹر آپریٹ کیا کرتا تھا . . . لیکن وہاں حالات خراب ہو گئے تو ڈاکٹر بہرام کو ٹائیگر اور اُدھان کے ساتھ فرار ہونا پڑا . . . اس نے وقتی طور پر نیویارک میں اپنا اڈا بنایا اور امریکی صدر کی خدمات سرانجام دینے کی ہامی بھر لی۔ میں بھی جزیرۂ فردوس سے نیویارک پہنچ گیا اور پھر ڈاکٹر بہرام کو تلاش کرنے میں مجھے بڑی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا . . . لیکن بالآخر میں اس تک پہنچ ہی گیا۔ میں نے ایک پُرانے ساتھی کو نظرانداز نہیں کیا اور مجھے نیویارک ہیڈ کوارٹرز کے کمپیوٹر ڈپارٹمنٹ میں ملازم رکھ لیا۔ میں کام کرتا رہا حتیٰ کہ اسکو ما میں محرموں کی آزادی مملکت کا اعلان ہوا۔ بہرام اور اس کے ساتھی بھی یہاں آ گئے . . . اور مجھے جارج کے ساتھ مل کر یہ پروگرام اُڑانے کا موقع مل گیا۔ ہم نے اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر یہ کام سرانجام دیا اور یہاں آ گئے۔ ہمارا خیال تھا کہ یہاں کی حکومت ہماری مدد کرے گی لیکن معلوم ہوا کہ عنیراف کا منصوبہ ناکام ہو گیا ہے۔ اب یہاں سے فرار کے لیے ہمیں دولت کی ضرورت ہے۔ ہم امریکا واپس نہیں جا سکتے ورنہ اس کمپیوٹر پروگرام کے بہت دام لگ سکتے ہیں۔"

"کیا تمہارے پاس اس ہیڈ کوارٹر کی تصویریں بھی ہیں؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"نہیں . . . لیکن ان تصویروں سے تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا کیوں کہ اس عمارت کی ظاہری حالت کسی اسپتال جیسی ہے جہاں تنظیم کا سربراہ ڈاکٹر بہرام مریضوں کو دیکھتا رہتا ہے۔"

"تو یا اصل کام تہ خانوں میں کہیں پوشیدہ رہ کر کیا جاتا ہے۔" ٹائیگر نے خیال آرائی کی۔ "وہاں تہ خانے ہوں گے؟"

"ہاں۔ تہ خانے موجود ہیں۔" بوڑھے نے کہا۔ "بہرحال، میں نہیں جانتا کہ تم کمپیوٹروں کے بارے میں کچھ معلومات رکھتے ہو یا نہیں . . . لیکن اس سلسلے میں تمہیں فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں ڈرائنگز تشریح ساتھ لایا ہوں۔"

ٹائیگر خاموشی سے بوڑھے کی طرف دیکھتا رہا۔

بوڑھے نے ٹائیگر کی کہانی سنانا شروع کر دی۔ شہزاد کا جسم اندر ہی اندر پسینے میں شرابور ہوتا رہا لیکن اس نے آنکھوں یا چہرے سے کوئی تاثر نہیں ظاہر ہونے دیا۔ وہ دل ہی دل میں ان احمقوں پر ہنس رہا تھا جو اس سے خود اسی کے سلسلے میں سودے بازی کر رہے تھے اور نہیں جانتے تھے کہ انھوں نے اپنی موت کو کس انداز میں اپنے سروں پر مسلط کر لیا ہے۔ وہ مزید توجہ سے سُننے لگا کیونکہ اب بوڑھا چند ایسی باتیں بتا رہا تھا جو دُنیا میں صرف چار آدمیوں کو معلوم ہونا چاہیے تھیں اور ان کے علاوہ کسی کے علم میں آنے کا مطلب تھا، وہ تنظیم ختم کر دینی چاہیے جسے انتہائی خفیہ طور پر کام کرنے کے لیے بنایا گیا تھا۔

بوڑھا جو کچھ بتاتا جا رہا تھا، اس سے متعلق کمپیوٹر شیٹ نکال کر ہاتھ میں لے لیتا اور گاہے گاہے اس پر ایک نظر بھی ڈال لیتا۔ اس گفتگو میں بوڑھے نے بعض ایسی باتیں بھی کیں جن کا خود ٹائیگر کو علم نہیں تھا۔ کئی ایسے اداروں کے نام لیے جو اس خفیہ تنظیم چارہ گر کے لیے کام کر رہے تھے اور خود ان اداروں کو بھی معلوم نہیں تھا کہ درحقیقت وہ کس کے لیے اور کس مقصد کے تحت عمل پیرا ہیں۔

ٹائیگر نے ان تینوں کا جائزہ لیا جو اس گفتگو کا ایک ایک لفظ سُن چکے تھے۔ اس کی نگاہ لڑکی پر جم گئی جو اسے پُرشوق نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ جیسے ہی ان کی آنکھیں چار ہوئیں، لڑکی یوں لرزنے لگی جیسے اس کے سراپا میں جذبات کے ان گنت آتش فشاں بیک وقت پھٹ پڑے ہوں۔ ٹائیگر کے ہونٹوں پر ناقابلِ فہم مسکراہٹ پیدا ہو گئی۔

"مجھے کیسے یقین آئے گا کہ تم نے ان کاغذات کے مزید پرنٹ یا فوٹو اسٹیٹ نہیں بنوائے ہوں گے؟" ٹائیگر نے سوال کیا۔

بوڑھا سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔ گویا وہ سمجھ نہیں پایا تھا کہ ٹائیگر اس سے کیا معلوم کرنا چاہتا ہے اور اس کا مقصد کیا ہے۔

"میرا مطلب ہے، تم ان کاغذات کی فوٹو اسٹیٹ حریف رسالوں کو بھی تو فروخت کر سکتے ہو۔ ایسے میں اتنی بڑی رقم خرچ کرنے کا، ہمارے ادارے کو کیا فائدہ ہو گا؟"

"اوہ، یہ بات ہے۔" بوڑھے نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "اگر تم غور سے ان کاغذات کی طرف دیکھو تو تمہیں پتہ چلے گا کہ ان کے کنارے بے داغ ہیں۔ جب ان کاغذات کی فوٹو کاپی بنائی جاتی ہے تو کاغذ کے کنارے سُرخ پڑ جاتے ہیں جب کہ ان میں سے ایک بھی شیٹ کے کنارے کسی مشین کی روشنی سے متاثر نہیں ہوئے۔"

"لیکن اس مقصد کے لیے کوئی مشین استعمال کرنے کی بجائے کیمرے سے بھی تو کام لیا جا سکتا ہے۔ تصویر کشی سے تو کاغذ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔"

"تم یہ کاغذات خریدنا چاہتے ہو یا نہیں؟" برادر چی فرّایا۔ غالباً وہ ٹائیگر کی اس بات سے بیزار ہو گیا تھا۔

"چلو ٹھیک ہے۔" ٹائیگر نے کہا۔ "میں مطمئن ہو جاتا ہوں کہ تم ان کاغذات کی نقول کہیں اور فروخت نہیں کرو گے۔" وہ دہاڑا۔ اُسی بوڑھے کی طرف متوجہ ہو گیا جس نے ابھی تک اپنا نام نہیں بتایا تھا۔ "اور آرنی ..." شہزاد نے اُسے باقاعدہ اس کے نام سے مخاطب کیا تو بوڑھے کی آنکھیں خوف و دہشت کی مظہر بن گئیں۔ "میرا خیال ہے اب تمہیں اصل بات کہہ کر الفاظ میں بتا دینی چاہیے۔"

بوڑھے آرنی کا نام سُن کر ایک لمحے کے لیے تینوں ساتھی اچھل ہی تو پڑے۔ اگلے ہی لمحے برادر چی کا ریوالور نکل آیا لیکن جارج اس سے پہلے ہی ٹائیگر پر گولی چلا چکا تھا۔ انھوں نے اس ایک لمحے میں ٹائیگر کو اپنی جگہ سے حرکت کرتے دیکھا... لیکن یہ نہ دیکھ سکے کہ جارج کے ریوالور سے نکلی ہوئی گولی نے برادر چی کے چہرے پر سُرخی کیسے بکھیر دی تھی اور اس کے خون آلود گوشت کے لوتھڑے، جیلی کے ٹکڑوں کی طرح کیوں اڑنے لگے تھے۔ خود برادر چی کی چلائی ہوئی گولی نہ جانے کہاں اڑ گئی تھی۔ ٹائیگر نے اپنے جسم کی بے پناہ توانائی اور رفتار کے سہارے اس صورتِ حال میں تبدیلی رُونما کی تھی۔ اپنی جگہ سے اُچھل کر اس نے قریب کھڑے برادر چی کو اپنے ہدف پر پہنچایا اور پھر جارج کی طرف بڑھ گیا تھا۔

جارج نے دوبارہ گولی چلانے کے لیے ہاتھ اُٹھایا۔

ایکسی ابھی تک مسحور کھڑی تھی۔

یکایک اُسے احساس ہوا کہ موت اس کے سر پر پہنچ گئی ہے۔ اس نے ریوالور والا ہاتھ اُٹھانا چاہا تو یوں لگا جیسے اس نے اپنے پیروں میں کسی وزنی چیز کے گرنے کی آواز سُنی ہے۔ وہ جُھک کر دیکھنے لگی اور پھر جو کچھ اُسے نظر آیا، اُسے دیکھ کر نہ صرف اس کے ہاتھ سے ریوالور گر گیا بلکہ خود وہ بھی بے ہوش ہو کر فرش کی طرف جُھکتی چلی گئی۔

اس کے پیروں میں کلائی سے ٹوٹا ہوا ایک ہاتھ پڑا تھا۔

ہاتھ کی انگلیاں ابھی تک ریوالور کے دستے پر جمی ہوئی مُعتبر اور انگشت شہادت ٹرائیگر پر جیسے منجمد ہو کر رہ گئی تھی۔ یہ ہاتھ صرف دو لمحے قبل جارج کے جسم کا حصہ تھا لیکن اب فرش پر یوں پڑا نظر آیا جیسے کسی نے بڑی صفائی سے کلہاڑا مار کر اسے جسم سے الگ کر دیا ہو۔

"خدا حافظ ڈارلنگ!" ایکسی نے فرش کی طرف جُھکتے ہوئے ٹائیگر کو کہتے سُنا اور پھر اس کی کھوپڑی یوں بکھر گئی جیسے کچے ناریل پر کسی نے زوردار چوٹ لگا کر اُسے کئی ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا ہو۔

جارج اپنی اُدھوری کلائی کو گھورتا ہوا پیچھے ہٹنے لگا اس کی آنکھیں دہشت اور تکلیف سے پھٹ گئی تھیں۔

اچانک ٹائیگر نے اس پر جست لگا۔ اس کی انگلیاں اگرٹیگر اور پھر ان اکڑی ہوئی انگلیوں میں اس نے جارج کی پسلیوں کا ایک حصہ جکڑ لیا۔ اس کی انگلیاں تیز دھار اور نوکیلے خنجروں کی طرح گوشت میں پیوست ہو گئیں اور جارج، ٹائیگر کے ہاتھ کی طرف چُرمراتا ہوا جھکنے لگا۔

"آرنی ..." ٹائیگر نے بوڑھے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اگر تمہارے پاس کوئی تعویز ہے تو مجھے دے دو۔"

"مم... میرے پاس... کوئی تعویز نہیں ہے۔" وہ ہکلانے لگا۔ "جھوٹ نہ بولو۔"

"میں قسم کھاتا ہوں کہ میرے پاس کوئی تعویز نہیں ہے۔"

"تو پھر مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔"

"میں اپنی مُردہ ماں کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ...."

"ٹھیک ہے۔ مجھے یقین آ گیا کہ تم جھوٹ نہیں بول رہے ہو۔" ٹائیگر نے مسکرا کر کہا۔ "کیا تم اپنی کوئی آخری خواہش بتانا چاہتے ہو؟"

"مم... مجھے معاف کر دو۔" وہ گڑگڑانے لگا۔

"یہ خواہش نہیں، معذرت ہے۔"

"مم... میں زندہ رہنا چاہتا ہوں۔" وہ گڑگڑاتا ہوا گھٹنوں کے بل جھک گیا۔

"تم مر رہے ہو اس لیے آخری خواہش بتاؤ۔ تمہاری آخری خواہش کا تعلق زندگی سے نہیں بلکہ تمہاری موت سے ہے۔"

آرنی نے آنکھیں بند کر لیں۔

"جانتے ہو، میں کون ہوں۔" ٹائیگر نے خوفناک لہجے میں کہا۔ "میں وہی ہوں جس کے بارے میں تم ابھی کچھ دیر قبل بڑے بڑے انکشاف کر رہے تھے۔"

"نٹ... ٹا... ئی... گر۔" اس نے دم توڑتے ہوئے کہا کیونکہ ٹائیگر کی کھڑی ہتھیلی اس کے کندھے سے پسلیوں کے درمیان پہنچ کر رُک گئی تھی۔ اس کی لاش چند لمحوں تک ٹائیگر کے ہاتھ کے سہارے کھڑی رہی...

"ہاں... میں ٹائیگر ہوں۔" شہزاد نے کہا۔ "لیکن تم نے مجھے پہچاننے میں بہت دیر کر دی۔" اس نے یہ کہتے ہوئے لاش جھٹک کر فرش پر پھینک دی۔

شہزاد نے ایک نظر کمرے میں بکھری ہوئی لاشوں کا جائزہ لیا اور پھر کمپیوٹر کارڈز کا بریف کیس اُٹھا لیا۔ اس نے ایکسی کی طرف دیکھا جس کے چہرے پر اَن گنت بھوڑے پھوڑے نمودار تھے لیکن اب اس کا چہرہ خون کے چھینٹوں سے، سُرخ سُرخ دھبّوں سے اور نیلوں نشانات سے بھرا ہوا تھا۔

اس نے ریوالور اُٹھائے اور انھیں لاشوں کے قریب پھینک دیا۔ وہ دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

اس کے پاؤں بے آواز حرکت کر رہے تھے۔

★★

ٹائیگر کے لیے یہ صبح بڑی ہی اذیتناک تھی۔

وہ اُوشان کی طرف دیکھ رہا تھا جس کی آنکھوں میں سُرخی بڑھ رہی تھی۔ رات انھوں نے مہرام کو روکنے کی مہمت کوشش کی تھی لیکن اُسے چند بھی نوعیت کے کام تھے اور وہ بعض آدمیوں سے ملاقات بھی کرنا چاہتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے ساحل پر مبنی ہوٹل میں سوئٹ کرائے پر لے لی تھی تاکہ وہاں سکون سے کچھ تکھنے پڑھنے کا بھی نمٹا سکے۔ خاص طور سے اُس کمپیوٹر پروگرام پر کام کرنا ضروری تھا جسے چارہ گر کے ہیڈ کوارٹر سے چُرا لیا گیا تھا اور پھر ٹائیگر کے ہاتھ سے فروخت کرتے ہوئے تین مرد اور ایک لڑکی ماری گئی تھی۔

... اور اب انھوں نے اخبار میں جلی حروف کے ساتھ شائع ہونے والی یہ افسوسناک خبر پڑھی تھی کہ رات ساحل پر بم کا ایک زبردست دھماکا ہوا جس میں امریکا سے آیا ہوا ایک مستند ڈاکٹر، مہرام شدید زخمی ہو گیا۔ مریض کو اس وارڈ میں پہنچا دیا گیا جہاں اس کی نگرانی کے لیے ہر وقت ایک ڈاکٹر اور نرسیں موجود رہیں۔

ٹائیگر حیران تھا کہ آخر یہ کیا ایک کیا شروع ہو گیا ہے۔

پہلے چند پُراسرار لاشیں پائی گئیں جن کے دماغ چُرا لیے گئے تھے... پھر نیویارک میں ان کے عارضی ہیڈ کوارٹر سے وہ کمپیوٹر پروگرام چوری کر لیا گیا جس پر اُن کی تنظیم چارہ گر کا دارومدار تھا۔ اتفاق سے بعض سہولتوں اور ضرورتوں کے تحت ٹائیگر نے مدر کرسٹینائی کے خاص مہمان خانے کی سکونت ترک کر دی اور ہوٹل مون وال پہنچ گیا۔ شخصیت چھپانے کے لیے اس نے چہرے میں مصنوعی سی تبدیلیاں کیں اور مشہور عالم ہفت روزہ رسالے ٹائمز کے نامہ نگار لڑکی کی حیثیت سے لوگوں کے سامنے آیا۔ ابھی اُسے اسٹون ماؤنٹین منتقل ہوئے زیادہ دن نہیں ہوئے تھے کہ ایک لڑکی نے کمپیوٹر پروگرام فروخت کرنے کا ارادہ ظاہر کیا اور وہ اپنی دانست میں کاغذات لے آیا تھا، تمام مجرم بھی کیفرِ کردار کو پہنچا دیے گئے، ان کاغذات کے بارے میں مہرام نے اطمینان کا اظہار کر دیا تھا کہ ان کی نہ تو فوٹو اسٹیٹ بنوائی گئی ہیں اور نہ ہی کیمرے کی مدد سے تصاویر لی گئی ہیں۔ کیمرے کی تصویر کے سلسلے میں اس نے کاغذ کی مخصوص ساخت کا حوالہ دیا تھا کہ اگر ان پر فلیش لائٹ پڑتی تو حروف کی رنگت بدل گئی ہوتی جب کہ تمام حروف جُوں کے تُوں تھے۔

ٹائیگر سوچوں کے بھنور سے نکلا تو ایک ہی چیز سامنے آئی۔

"یقیناً وہ چاروں مجرم ہی حرفِ آخر نہیں تھے۔"

"کوئی اُن کے پیچھے ضرور موجود ہے۔"

"... لیکن کون؟"

وہی جس نے مہرام پر حملہ کیا۔ جس نے بم کا دھماکا کر کے مہرام کو زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا کر دیا۔ وہ حیران تھا کہ اس حملے کے بعد حملہ آور وہ کاغذات دوبارہ لے جانے میں کامیاب ہو گیا ہے یا نہیں؟

اس بات کا جواب صرف اور صرف مہرام ہی دے سکتا تھا۔

... اور مہرام اسپتال میں شاید زندگی کی آخری گھڑیاں گزار رہا تھا۔

ٹائیگر کے ذہن میں ماضی کا ایک پیکر اُبھرا اور اُسے بے چین کر گیا۔ سرگوش کی موت کا منظر اس کی نگاہوں میں گھوم گیا۔ کیا مہرام بھی اسی طرح ہلاکت کے حصار میں جا پہنچا ہے؟

"اُوشان ..." اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "میرا دل بے حد پریشان ہے اگر مہرام کو کچھ ہو گیا تو...؟"

"چند گہری گہری سانسیں لو، میرے بچے۔" اُوشان نے نہایت سنجیدگی سے مشورہ دیا۔ "تمہاری ذہنی پریشانی دُور ہو جائے گی۔"

"میں نے ذہنی پریشانی دور کرنے کا نسخہ نہیں معلوم کیا تھا۔" ٹائیگر نے غصّے سے دانت پیستے ہوئے کہا۔

"اس نسخے پر عمل کرتے ہی تمہارا ذہن کام کرنے لگے گا اور تمہیں پتہ چل جائے گا کہ ایسے موقعوں پر کیا کرنا چاہیے۔" اُوشان کا لہجہ بھی سخت ہو گیا۔ "تم کوئی عام آدمی نہیں ہو جو ایک حادثے کی خبر سُن کر ہاتھ پاؤں ڈالنے پر مجبور ہو۔ تم ٹائیگر ہو۔ تمہیں جذبات سے دُور رہنا چاہیے۔ جذبات، بڑی سے بڑی طاقت کو کمزور کر دیتے ہیں، میرے بچے۔"

"میرے باپ!" ٹائیگر غرّایا۔ "مہرام ایک عظیم انسان ہے، وہ انسانیت کا سنگِ میل ہے۔ اگر وہ مر گیا تو...؟"

"جسے مرنا ہوتا ہے، وہ مر جاتا ہے۔" اُوشان بڑبڑایا۔ "اُسے

مرنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔"

"میں اسپتال جارہا ہوں۔"

"آسمانوں کا شہنشاہ تمہارا نگہبان ہے۔"

"تمہارا رویہ مجھے اُلجھن میں ڈال رہا ہے۔"

"یہی رویہ اختیار کرو تو اُلجھن ختم ہو جائے گی ورنہ اُلجھنیں بڑھتی ہی چلی جائیں گی اور اندیشے تمہیں کوئی ایک بھی اُلجھن سُلجھانے کی اجازت نہیں دیں گے۔"

"شکریہ! مختصر سے اباجان۔" ٹائیگر نے کہا اور اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مُسکراہٹ آگئی حالانکہ اس کی کنپٹیاں ابھی تک سُلگ رہی تھیں۔ اس نے غیر ارادی طور پر مخصوص انداز میں گہری گہری چند سانسیں لی تھیں اور اس کے بعد اُس کا ذہن واقعی خدشات کی دُھند سے نجات حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

اُوشان نے اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مُسکراہٹ دیکھی تو اطمینان کے اظہار میں سر کو مثبت جنبش دیتے ہوئے اُسے اسپتال جانے کی اجازت دے دی... اور خود کنول کا آسن جما کر بیٹھ گیا۔

شہزادے نے دیوار گیر کلاک کی طرف دیکھا۔

اُوشان کے پسندیدہ ٹی وی پروگرام کا وقت ہوئے پانچ منٹ گزر گئے تھے لیکن اس نے ٹی وی کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہیں کیا تھا حالانکہ بعض اوقات تو یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ جان دے دے گا لیکن پسندیدہ پروگرام نہیں چھوڑے گا۔

اُوشان کی آنکھیں بند تھیں۔

اُس کے ہونٹ دھیرے دھیرے حرکت کر رہے تھے۔

ٹائیگر نے اپنے روحانی باپ کی طرف دیکھا اور اس کے ہونٹوں پر فخریہ مُسکراہٹ رقص کرنے لگی... لیکن یہ مُسکراہٹ ہوٹل اسٹول وال سے اسپتال تک راستے میں ایک بار بھی اس کے ہونٹوں پر نہیں آئی... البتہ معلومات کے کاؤنٹر پر بیٹھی ہوئی اس پختہ عمر کی عورت کی طرف دیکھتے ہوئے نہ صرف اس کی آنکھیں بے پناہ فراخیوں کی آماجگاہ بن گئیں بلکہ اس کے ہونٹ بھی شہد ملی مُسکراہٹوں سے لرزنے لگے۔

انفارمیشن کلرک نے اپنے سامنے ایک ایسے نوجوان کو دیکھا، جس کی شاید وہ بھی خواب ہی میں خواہش کر سکتی تھی... لیکن اس مثالی نوجوان کے ہونٹوں پر پیار بھری مسکراہٹ تھی اور اس کی آنکھوں میں محبت کی جھیلیں سمٹ آئی تھیں۔ اس نے متحیر ہو کر دائیں بائیں دیکھا لیکن جب یہ خوابوں کی سی کیفیت، زندہ جاوید، اُسے اپنے ہی لیے مخصوص معلوم ہوئی تو اُس کا دل، سینے کے پنجرے میں بالکل اسی طرح دھڑک اُٹھا جیسے شادی کے وقت اپنے دُلہا کی رفاقت میں دھڑکا تھا۔

شہزادے کو اس خاتون سے معلومات حاصل کرنے میں ذرا سی بھی دُشواری نہیں ہوئی۔ وہ یوں بولتی چلی گئی جیسے اس پر جادو کر دیا گیا ہو... یا وہ کوئی عورت نہیں بلکہ ایک ٹیپ ریکارڈ ہو جس کا بٹن دب گیا تھا اور آوازوں کا نہ رُکنے والا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔

کلرک نے بتایا کہ ایک شخص کو انتہائی خطرناک حالت میں داخل کیا گیا ہے اور وہ اسی کا یہ شکار اس وقت خاص کمرے میں موجود ہے جہاں اس کی جان بچانے کے لیے زبردست کوششیں کی جا رہی ہیں۔

استقبالیہ کلرک نے ٹائیگر کو یہ بھی بتایا کہ امریکا میں موجود ڈاکٹر بہرام کی بیوی کو بھی اس حادثے کی اطلاع دے دی گئی ہے۔ یہ سُن کر ٹائیگر زیرِ لب مُسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔ اس نے اپنے سحر میں مبتلا عورت سے درخواست کی کہ وہ ڈاکٹر بہرام سے ملنا چاہتا ہے جس پر وہ بُری طرح بوکھلا گئی۔ اس نے شدت سے سر کو دائیں بائیں حرکت دیتے ہوئے انکار کیا اور اپنے اس جواب پر وہ خود ہی پریشان بھی ہو گئی... کیوں کہ ٹائیگر جیسی شخصیت کی کوئی بات ٹالنا کم از کم کسی عورت کے بس کا روگ نہیں تھا۔ اُس نے نسوانی جذبات کے سلسلے میں جو مخصوص تربیت حاصل کی تھی، اس نے پہلے تو کبھی اُسے دھوکا نہیں دیا تھا... پھر آج یہ عورت کیسے انکار کر رہی ہے؟

ٹائیگر نے آنکھوں اور مسکراہٹوں کی آنچ مزید بڑھا دی۔

اُس نے اب تک ساری گفتگو میں پہلی بار اُس عورت کی خوشنما آنکھوں کی تعریف بھی کی... اور تب ٹائیگر نے اس کے خسارے پر سُرخی چھلتی دیکھ لی۔

"اس حلقے میں سفید کوٹ پہننے والوں کے علاوہ کسی کو جانے کی اجازت نہیں۔" عورت نے ہانپتے ہوئے کہا۔ اس کا اشارہ ڈاکٹروں کی طرف تھا۔

"ٹھیک ہے، میں سفید کوٹ پہن لیتا ہوں۔" ٹائیگر نے کہا۔

"آج شام میرے ساتھ گزارنے کے بارے میں کیا خیال ہے...؟"

...اور ہاں، لانڈری کس طرف ہے؟"

عورت کی انگلی نے ایک طرف اشارہ کیا۔

ٹائیگر نے دیکھا کہ اس کی وہ انگلی کانپ رہی تھی۔

"میں آٹھ بجے چھٹی کروں گی۔" اُونچی نیچی سانسوں میں کہا گیا۔

"ٹھیک آٹھ بجے..." ٹائیگر نے مُسکرا کر کہا اور تیزی سے راہ داری میں آگے بڑھ گیا۔ اس کا رُخ لانڈری کی طرف تھا۔ اُسے توقع تھی کہ لانڈری میں دُھلنے کے لیے آیا ہوا کوئی نہ کوئی سفید کوٹ

اور دیگر کپڑے اُسے ضرور مل جائیں گے وہ اس بات سے بے خبر رہا کہ اس کی رقص کرتی ہوئی چال نے کاؤنٹر پر براجمان عورت کی سانسیں تک روک لی ہیں۔

لانڈری کے سامنے رُک کر اُس نے دائیں بائیں اور عقب میں دیکھا۔

وسیع و عریض اسپتال کی یہ عمارتیں راہ داریاں اُس وقت ویران پڑی تھیں اور کسی نامعلوم وجہ کے تحت لانڈری کے دروازے پر بھی تالا لگا ہوا تھا... ٹائیگر نے بولٹ پکڑا اور اس کی انگلیاں رفتہ رفتہ سخت ہوتی چلی گئیں۔

بولٹ ڈرائیور تھاما ہو گیا تو اس نے کواڑوں پر دباؤ ڈالا۔

دروازہ کھل گیا۔

وہ تیزی سے لانڈری میں گھس گیا۔

اپنے ناپ کا لباس ڈھونڈنے میں اُسے چند منٹ صرف ہو گئے لیکن ناکامی کا منہ نہیں دیکھنا پڑا۔ اب وہ کوئی ڈاکٹر ہی نظر آ رہا تھا۔ لانڈری سے نکل کر وہ سُنسان راہ داری میں دوڑتا چلا گیا۔

لفٹ کے ذریعے اُوپر جاتے ہوئے دو نرسوں اور ایک مریض کے ایک ٹیکنیشن سے مڈبھیڑ ہوئی۔ ایک نرس نے مُسکرا کر اس کی طرف دیکھا تو ٹائیگر نے جواباً سر کو خفیف سی جنبش دی اور آگے بڑھ گیا۔

جلد ہی وہ آئی سی یو وارڈ میں پہنچ گیا۔

بہرام اس وقت آکسیجن ٹینٹ میں تھا۔ اس کے نتھنوں میں دو پتلی پتلی ٹیوبیں لگی ہوئی تھیں۔ اس کے سر کا بایاں حصہ سر جا ہوا تھا اور وہاں سفید رنگ کی ٹیپ چپکی ہوئی تھی۔

اگرچہ اس کی سانسیں اعتدال پر نہیں تھیں لیکن ٹہلنے والوں نے پہلی ہی نگاہ میں جائزہ لے لیا کہ وہ جس انداز میں سانس لے رہا ہے، وہ اس بات کی علامت ہے کہ جلد ہی صحت یاب ہو جائے گا۔

"بہرام..." اس نے دھیمی آواز میں اُسے پکارا "چیف...؟"

بہرام نے اس کی آواز سُن لی اور اپنی دائیں آنکھ کھول کر دیکھا "ہیلو..." اس نے کمزور سی آواز میں کہا "تم آگئے؟"

"ہاں چیف..." اس نے جذبات سے بھاری آواز میں کہا "کیا ہوا تھا؟"

"معلوم نہیں۔" بہرام نے نقاہت بھرے لہجے میں جواب دیا "میرے کپڑے کہاں ہیں؟" اس نے اپنی اکلوتی آنکھ اِدھر اُدھر گھما کر دیکھنے کی کوشش کی۔

"لیکن چیف! تم کہیں جا نہیں سکتے۔" ٹائیگر نے اس کا ارادہ بھانپ کر جلدی سے کہا اور ان نیولوں کو دیکھنے لگا جن کا سلسلہ مختلف نلکیوں اور مشینوں سے بہرام کے جسم سے ملا ہوا تھا اور یوں لگتا تھا جیسے بہرام اسی آکسیجن ٹینٹ کا ایک ناگزیر حصہ ہو۔ جو اگر وہاں سے ہٹ گیا تو ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا۔

"میں جانتا ہوں۔" بہرام نے جواب دیا۔ "کمپیوٹر پروگرام کے کاغذات میرے جیکٹ کی جیب میں تھے؟"

"میں انھیں وہاں سے لے لوں گا۔" ٹائیگر نے جلدی سے کہا "ان کاغذات کی فکر چھوڑو چیف اور مجھے بتاؤ کہ یہ حادثہ کیسے ہوا؟"

"میں کل گھر سے نکلا تو ایک جج چلا گیا تھا، جہاں مجھے ایک مجسمہ بے حد پسند آگیا میں نے اُسے اپنے ہٹ بھجوانے کی ہدایت کر دی۔ وہ مجسمہ پھٹ گیا۔ غالباً اس میں کوئی ٹائم بم نصب کر دیا گیا تھا۔"

"یہ کوئی باقاعدہ سازش لگتی ہے۔"

جواباً بہرام خاموش رہا۔

"کیا اس معاملے کا تعلق چوروں سے ہو سکتا ہے؟"

"نہیں... وہ آرٹی کی حماقت تھی اس نے دولت حاصل کرنے کے چکر میں اپنی زندگی گنوا دی... لیکن اس معاملے کا تعلق انقلاب سے ضرور لگتا ہے۔ وہی انقلاب جو تمہاری وجہ سے پہلے بھی ناکام ہو چکا ہے۔"

"کیا کمپیوٹر ان کے ہاتھ لگ چکا ہے؟"

"ابھی تک نہیں۔"

"میرے بارے میں تاثرات آرٹی کو کہاں سے معلوم ہوئے تھے؟"

"کمپیوٹر بینک کے علاوہ کوئی ذریعہ نہیں۔"

"لیکن وہ بہت مختلف باتیں تھیں۔"

"دس سال پرانی ہوں گی۔"

"کیا میرے بارے میں کسی نے اُوشان کا انٹرویو لیا تھا؟"

"نہیں... کیوں کیا بات ہے؟"

"کچھ نہیں۔" ٹائیگر نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔

"میری جیب سے وہ کاغذات نکال کر اپنے قبضے میں لے لو۔ میں نقاہت محسوس کر رہا ہوں۔" بہرام نے نیند سی بھیگی میں کہا۔

"مجھے آرام کرنا چاہیے۔"

"تم نے کوئی دوا لی؟"

"نہیں... میں نے ہر قسم کی دوا کھانے یا انجکشن لگوانے سے انکار کر دیا ہے ممکن ہے ان میں سے کوئی مہلک ثابت ہو۔"

"اچھا کیا..." ٹائیگر نے کہا اور ہاتھ بڑھا کر بہرام کے سفید بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگا۔ اس کا ہاتھ آہستہ آہستہ ریلنگ ہلانے

نیکے اور سر کے نیچے والے حصے میں پہنچ گیا... پھر اُس کی انگلیاں اُس جگہ ہلکا ہلکا دباؤ ڈالنے لگیں جہاں ریڑھ کی ہڈی سر سے آکر ملتی ہے۔ یہ مخصوص جسم کا دباؤ تھا اور ٹائیگر کی انگلیاں بڑی مہارت سے دباؤ ڈالنے میں معروف تھیں۔

اس نے ہاتھ کھینچ لیا۔

"چیف!" اس نے دھیمی آواز میں کہا۔ "اب سانس لو... خوب گہری سانس اور یہ سوچ کر تم ہوا یا آکسیجن سے اپنے خالی جسم کو غبارے کی طرح بھرنا چاہتے ہو... ایں محسوس کرو جیسے سفید سفید اور شفاف سا تم اپنے جسم میں کھنچ رہے ہو۔ محسوس کرو... چیف... محسوس کرو کہ تم روشنی بن رہے ہو۔ ... اُسے محسوس کرو...."

ہرام اس کی ہدایات پر عمل کرتا رہا۔

"ہاں... اب میں تکلیف میں کافی افاقہ محسوس کر رہا ہوں۔" کچھ دیر بعد اس نے مسکراتے ہوئے بتایا۔ "شکریہ ٹائیگر... شہزاد... سوئیٹ ہارٹ!"

وہ بے ساختہ مسکرا دیا۔

"جس عورت کے چہرے پر اتنی گنگت بھورے بھورے تل نہیں ہوتے وہ ٹائیگر نے مسکرا کر کہا۔ "اس کے بارے میں کیا خیال ہے، سوئیٹ ہارٹ؟"

"اُس کی مثال ایک ایسی رات جیسی ہوتی ہے، جب ستارے نہیں نکلتے۔" ہرام نے اب تک کی زندگی میں پہلی بار اُس کے اس مقولے سے اتفاق کیا۔

"مسز ہرام کے چہرے پر کتنے تل ہیں، چیف؟"

"اوہ...." ہرام کی آنکھیں حیرت ظاہر کرنے لگیں۔ "کیا تم اب میری ٹوہ میں رہنے لگے ہو؟"

"پھر ملیں گے، چیف!" اس نے خندیدہ لہجے میں کہا اور بائیں آنکھ دباتا ہوا آکسیجن ٹینٹ کے قریب سے ہٹ گیا۔ وہ دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کر رہا تھا کہ اس وقت اتفاق سے ایک ایسا مریض آگیا تھا کہ ڈیوٹی ڈاکٹر اور دو نرسیں اس کی دیکھ بھال میں معروف ہو گئی تھیں اس لیے کسی نے اس کی طرف توجہ نہیں دی تھی... یا پھر یہ اُس سفید کوٹ کا کمال تھا جو ظاہر کر رہا تھا کہ وہ ایک ڈاکٹر ہے اور اپنے مریض کی دیکھ بھال میں معروف ہے۔ درحقیقت یہ اتنا بڑا اسپتال تھا کہ وہاں محض سفید کوٹ دیکھ کر ہی اطمینان کر لیا جاتا ہوگا۔

ٹائیگر ہال وے میں نکل آیا۔

اچانک اس کی نگاہ ایک نرس پر پڑی۔

نرس کا لباس فکسی آلود تھا اور اس پر جگہ جگہ دھبے یہ ظاہر کر رہے تھے کہ وہ کسی ذہنی مریض کی رفاقت سے نمٹ کر آئی ہے... لیکن اس کا چہرہ بے حد مختلف تھا۔ وہ ٹائیگر کو ڈاکٹر سمجھ کر مسکرائی تو اُسے یقین ہو گیا کہ یہ زبردستی کی مسکراہٹ ہے ورنہ یہ عورت مردوں کی طرف دیکھ کر دل سے کبھی نہیں مسکراتی ہوگی۔ اس نے نرس کو روک لیا۔

"اس وارڈ کے مریضوں کے کپڑے کہاں رکھے جاتے ہیں؟" اس نے نرس کی سرد آنکھوں میں دیکھتے ہوئے نرمی سے پوچھا تو اُسے محسوس ہوا جیسے نرس کی پتلیاں، برف کی بنی ہوئی ہوں۔ اس کی... نگاہیں اتنی سرد تھیں کہ شہزاد جیسا شخص بھی جھرجھری لے کر رہ گیا۔

"ادھر... اسٹور نمبر دو..." نرس نے اشارہ کیا۔

ٹائیگر زیرلب اس کا شکریہ ادا کرتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

اسٹور میں ڈاکٹر ہرام کے کپڑوں پر اس کے نام کی سلپ لگی ہوئی تھی کپڑے خون آلود تھے۔ شہزاد نے جیکٹ سے وہ کاغذات نکالے تو اس کے ہاتھ ایک لمحے کے لیے کانپ کر رہ گئے۔

کاغذات کے کنارے سُرخ تھے۔

گویا ان کی فوٹو اسٹیٹ بنوائی جا چکی تھی۔

اسٹور کیپر بھی ایک لڑکی ہی تھی اور اس نے ٹائیگر کو کرتی یا ڈاکٹر سمجھ کر اُس سے بے حد خوش اخلاقی برتی تھی بلکہ اس نے اپنی زندگی کی بیشتر مسکراہٹیں ان چند منٹوں میں ٹائیگر پر نچھاور کر دی تھیں... اور جواباً ٹائیگر کا اس کی طرف دیکھ کر ایک بار ہی مسکرانا کافی ثابت ہوا۔

وہ ہرہات کے جواب میں اُسے ڈاکٹر کہہ کر ضرور مخاطب کرتی تھی تب ٹائیگر کو احساس ہوا کہ برف کی ڈلیوں جیسی آنکھوں کی مالک جس نرس سے وہ ڈاکٹر ہرام کے وارڈ سے باہر ملا تھا، اس نے ایک بار بھی اُسے ڈاکٹر نہیں کہا تھا۔

ٹائیگر اسٹور سے باہر آیا تو اس کی پیشانی پر موٹی موٹی دو تین سلوٹیں نظر آنے لگیں۔ اس کی آنکھیں سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ اس نے کمپیوٹر پروگرام کے جو کاغذات دیکھے تھے، ان کے کنارے پنسل سے کئی اضافے کیے گئے تھے اور تحریر اس کے چیف ہرام ہی کی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ یہ نوٹس لکھے جانے کے بعد ہی کسی نے ان کاغذات کو فوٹو اسٹیٹ کروایا تھا... اور یہ کام یقیناً اسپتال ہی میں ہوا ہوگا۔

ٹائیگر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اب اُسے سو فی صد یقین ہو گیا تھا کہ ہرام کو بھیجا جانے والا مجمّہ دانستہ طور پر تباہ کن بنایا گیا

تھا۔ گویا وہ جس سازش کی بیخ کنی کے سلسلے میں معلوم ہو گیا تھا، وہ ابھی تک اپنی جگہ باقی تھی اور صرف تین چار مہرے ہی پٹ پائے تھے۔

وہ تیزی سے واپس اُسی وارڈ کی طرف چل دیا جہاں ہرام کو آکسیجن ٹینٹ میں رکھا گیا تھا۔ دروازے پر پہنچ کر اس نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ راہ داری سنسان پڑی تھی۔ اس نے دروازہ دھکیل کر اندر قدم رکھا تو اُسے یوں محسوس ہوا جیسے اس کی کھوپڑی بجک سے اُڑ گئی ہو۔

وہ چکرایا چکرایا سا دروازے ہی میں کھڑا رہ گیا۔

ہرام کا آکسیجن ٹینٹ غائب تھا۔

وہ جگہ یوں سُونی سونی پڑی تھی جیسے وہاں سرے سے کسی مریض کا وجود ہی نہیں تھا۔ دیوار پر صرف ایک تار جھول رہی تھی۔ اس تار سے ایک بٹن منسلک تھا جس کے ہونے لیے نرس کو فوری طور پر طلب کیا جا سکتا تھا۔

اس نے بٹن دبا کر پوچھا۔ "مریض کہاں گیا؟"

"اُسے یہاں سے ہٹا دیا گیا ہے، جناب!"

"اب وہ کہاں ہے؟"

"ہال میں...."

ٹائیگر نے مزید کچھ سنے بغیر دروازے کی طرف دوڑ لگائی۔ وہ باہر راہ داری میں آیا اور دوڑتا ہوا ہال کی طرف لپکا... لیکن سنسان راہ داری طے کرتے ہی اُسے اپنی رفتار معمول کے مطابق کر لینا پڑی۔ وہ جانتا تھا کہ ایک دوڑتا ہوا ڈاکٹر اسپتال میں بے چینی کی لہر پیدا کر سکتا ہے۔ دیکھنے والے ہیجان میں مبتلا ہو سکتے ہیں اور اسپتال انتظامیہ خاص طور سے اس کی طرف متوجہ ہو سکتی ہے۔

وہ ہال میں پہنچا۔

وہاں صرف ایک مریض تھا۔

ٹائیگر نے جلدی سے بڑھ کر آکسیجن ٹینٹ میں دیکھا تو اُسے جھرّیوں سے بھرا ہوا ایک چہرہ دکھائی دیا... لیکن وہ ہرام نہیں تھا بلکہ کوئی بوڑھی مریضہ تھی جسے شاید آخری سانسیں اطمینان سے لینے کے لیے وہاں ڈال دیا گیا تھا۔

وہ ہال سے باہر آگیا۔

دفعتاً اُسے وہی عورت آنکھوں اور برف کی ڈلیوں جیسی پتلیوں کی مالک نرس دکھائی دی جو اس کی طرف اشارہ کر کے کہہ رہی تھی۔

"وہ رہا...."

ٹائیگر نے چونک کر اس کی طرف دیکھا تو اس کے ساتھ دو بھاری بھرکم آدمی نظر آئے جن کا تعلق یقیناً پولیس سے تھا۔ اُنھوں نے نرس کے اشارے پر اثبات میں سر ہلایا اور ٹائیگر کی طرف بڑھنے لگے۔

نرس تیزی سے سیڑھیوں کی طرف گئی اور اگلے ہی لمحے اس کا وجود زینوں میں غائب ہو گیا۔

"لے... ٹھہر ذرا..." ایک پولیس مین غرایا۔ "تم کون ہو؟"

"میں ایک مریض کی تلاش میں ہوں۔"

"ہم بھی ایک مریض کو تلاش کر رہے ہیں۔" پولیس مین نے کہا۔ "کیا تم اپنے کاغذات دکھانا پسند کرو گے؟"

"مجھے ایک ایسے مریض کی تلاش ہے، جسے زبردست توجہ کی ضرورت ہے۔" ٹائیگر نے جلدی سے کہا۔ "وہ ایک اونچے عہدے کا آدمی ہے۔ کیا تم نے کوئی آکسیجن ٹینٹ کسی کمرے میں منتقل ہوتے دیکھا ہے؟"

"ہم صرف یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ تم کون ہو؟"

ٹائیگر نے کوئی جواب نہیں دیا بلکہ ان دونوں کے درمیان سے گزر کر ایک دروازے پر پہنچا اور اسے دھکیل کر کھول دیا۔ یہ بھی مریضوں کو مخصوص توجہ رکھنے کے لیے مخصوص کمرہ تھا لیکن ہرام کا بستر وہاں بھی دکھائی نہیں دیا۔

"اے... رُک جاؤ۔" پولیس مین کے تیور بگڑ گئے۔ "تم کیا کرتے پھر رہے ہو۔ ہم پولیس آفیسر ہیں۔ تمھیں رُک کر ہم سے بات کرنی پڑے گی۔"

ٹائیگر نے کوئی جواب نہیں دیا۔

اس نے ایک اور دروازہ کھولا۔

ہرام کا بستر یہاں بھی دکھائی نہیں دیا۔

اس کمرے میں ایک بچہ تھا۔ جو آکسیجن ٹینٹ میں لیٹا ہوا بڑا ہی مضبوط رنگ سا تھا لیکن ٹائیگر کے حواس بگڑتے جا رہے تھے اس کے دل میں ہرام کی فکر ہر گزرتے ہوئے لمحے کے ساتھ بڑھتی ہی جا رہی تھی۔

"تم گرفتاری میں مزاحمت کر رہے ہو۔" پولیس مین غرایا۔

"یہ سب باتیں میں بعد میں سنوں گا۔" ٹائیگر نے پلٹتے ہوئے کہا اور ایک نئے دروازے کی طرف بڑھ گیا... لیکن اس کمرے میں بھی ہرام موجود نہیں تھا۔

"تمھیں گرفتار کیا جاتا ہے۔" پولیس مین ضبط کا دامن چھوڑ بیٹھا۔ وہ ٹائیگر کے بچھے گدگدم گھوم کر بُری طرح جھاڑ گیا تھا۔ بھاری بھرکم ہونے کی وجہ سے اس کی سانس بھی پھول گئی تھی۔

ٹائیگر نے کوئی جواب نہیں دیا۔

وہ ان دونوں سے اُلجھنا نہیں چاہتا تھا۔

اس کا ذہن تو اپنے چیف کی تلاش میں مصروف تھا اور اس کی بے چینیاں بڑھتی ہی جا رہی تھیں۔ اس نے سیڑھیوں کی طرف دیکھا۔ برف کی ڈلیوں جیسی پتلیوں کی مالک وہ نرس اب کہیں دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ اس نے کسی اور نرس کی تلاش میں ادھر اُدھر نگاہ دوڑائی لیکن یوں محسوس ہوتا تھا جیسے اسپتال کے اس حصّے کی تمام نرسیں اچانک ہی کہیں غائب ہوگئی ہوں۔

مغنّا اُسے ایک اور دھاتی دروازہ دکھائی دیا۔

وہ تیزی سے اس دروازے کی طرف بڑھا۔ یہ بھی ایک اسپیشل وارڈ تھا لیکن اندر جا کر معلوم ہوا کہ وہ نرسنگ کے لیے مخصوص وارڈ ہے وہ باہر آیا تو دونوں جیسم پولیس مین ہانپتے ہوئے اُسی دروازے کی طرف دوڑے آ رہے تھے۔ ان کی یہ بھاگ دوڑ بڑی تیز رفتاری سے عمل میں آ رہی تھی لیکن ابھی تک وہ ٹائیگر اپنے چیف کو ڈھونڈ نکالنے میں کامیاب ہوا تھا اور نہ ہی پولیس مین اُسے پکڑنے میں کامیاب ہوئے تھے۔ انھیں دیکھ کر کیوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ آنکھ مچولی کھیلنے میں مصروف ہو۔

"اگر تم نے نہیں تو میں گولی چلا دوں گا۔" پولیس مین نے دھاڑ کر کہا۔ اس نے اپنا ریوالور نکال لیا تھا اور اس کے تاثرات بتا رہے تھے کہ وہ اب فائرنگ سے باز نہیں رہے گا۔

جس نے شہزاد کو گولی مارنے کی دھمکی دی تھی۔ اس کا ساتھی تو دیوار سے ٹیک کر کراہیں ہانپنے لگا تھا جیسے اس کی سانسیں ہی اکھڑی جا رہی ہوں۔ اچانک ٹائیگر کی نگاہ ایل ویٹر کی طرف اُٹھ گئی۔

یہ لفٹ مریضوں کے بستر لے جانے کے لیے مخصوص تھی۔ وہ تیزی سے اُسی طرف بڑھ گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ ممکن ہے بہرام کا ایکسجن ٹینٹ لفٹ کے ذریعے کہیں لے جایا جا رہا ہو۔

اس نے لفٹ کا بٹن دبا دیا۔

لفٹ کا دروازہ کھل گیا۔ اس دوران میں ٹائیگر اس موٹے پولیس مین کی طرف سے ہوشیار رہا تھا کیوں کہ اس نے بڑے جارحانہ انداز میں گولی مارنے کی دھمکی دی تھی۔

جیسے ہی لفٹ کا دروازہ کھلا دو سبز کوٹوں والے آدمی دکھائی دیے ان کے درمیان ایک بستر تھا جس پر چادر سے ڈھکا ہوا ایک مریض صاف نظر آ رہا تھا۔ ٹائیگر نے چادر ہٹائی تو دونوں آدمیوں نے احتجاج کیا لیکن ٹائیگر نے کسی کی پروا نہیں کی۔ اس نے دیکھا کہ مریض کا چہرہ پٹیوں میں لپٹا ہوا ہے۔ اس سے پہلے کہ سبز کوٹوں والے اس کے ارادے سے آگاہ ہوتے ٹائیگر نے جلدی جلدی پٹیاں ہٹانا شروع کر دیں۔ کوٹوں والے جب اس صورتِ حال کو سمجھنے کے قابل ہوئے تو وہ اُسے روکنے کے لیے جدوجہد کرنے لگے۔ انھوں نے بُری طرح چیخنا شروع کر دیا تھا۔

پٹیوں کی اوٹ سے جو چہرہ نکلا وہ کسی اجنبی کا چہرہ تھا۔

یہ بھی بہرام نہیں تھا۔

ٹائیگر نے عقب میں دیکھا۔ پولیس مین نے ریوالور کی نال اُس کی طرف اُٹھا دی تھی اور اس کی انگلی ٹریگر پر دباؤ بڑھا ہی چکی تھی کہ یا وہ اس پر فائر کرنے ہی جا رہا تھا۔۔۔ لیکن اچانک وہ آگے بڑھا اور پھر ریوالور بیٹی میں اُڑس کر ٹائیگر کو چت کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ ٹائیگر نے اُسے اُٹھا کر لفٹ سے باہر رکھ دیا اور لفٹ کا بٹن دبا دیا۔

لفٹ تیزی سے اُوپر اُٹھنے لگی۔

مریض کے ساتھ موجود دو سبز کوٹوں والے دونوں آدمی ٹائیگر سے اُلجھ گئے۔ ان کے حلق سے ایسی آوازیں نکل رہی تھیں جیسے وہ دیوانے ہو گئے ہوں۔ ٹائیگر ان کے وار روکتا رہا۔ اس نے اب تک ان پر ایک بار بھی ہاتھ نہیں اُٹھایا تھا جس کی وجہ سے سبز کوٹوں والوں کے حوصلے بڑھتے ہی جا رہے تھے۔

ہر فلور پر لفٹ روک کر ٹائیگر باہر کھڑے آدمیوں سے پوچھتا کہ کیا اُنھوں نے کوئی ایسا ایکسجن ٹینٹ دیکھا ہے جس میں موجود مریض کو کہیں لے جایا جا رہا ہو؟ نفی میں جواب ملتے ہی وہ دوبارہ لفٹ اُوپر کی طرف چلا دیتا۔

سبز کوٹوں والے سرجن تھے۔

ان کا غصّہ اور بے بسی دیکھنے والی تھی۔

اُنھوں نے تھک ہار کر ٹائیگر سے درخواست کی کہ اُنھیں دُوسری منزل پر جانا ہے اس لیے لفٹ نیچے لے چلے۔۔۔ وہ سرجن تھے اور انھیں اس مریض کا فوری آپریشن کرنا تھا۔

"شش!" ٹائیگر نے اُنھیں خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

"میں اس وقت کسی عام آدمی کی زندگی بچانے سے کہیں زیادہ اہم کام میں مصروف ہوں اس لیے مجھے پریشان مت کرو۔"

اس نے اُوپر سے نیچے تک تمام فلور دیکھے۔ ہر فلور پر لفٹ روک کر معلوم کیا لیکن کسی کو بہرام کے بارے میں کوئی خبر نہیں تھی۔ کسی نے اس کا بستر کہیں منتقل ہوتے نہیں دیکھا تھا۔ ٹائیگر حیران تھا کہ بہرام اسپتال کی عمارت میں یوں اچانک ہی کہاں غائب کر دیا گیا ہے۔ اس کا جسم اب ٹھنڈا ٹھنڈا پسینہ اگلنے لگا تھا اور تشویش نے بڑھ کر بے چینی و بے قراری کی صورت اختیار کر لی تھی۔

سبز کوٹوں والے دوسری منزل پر اپنے مریض کے ساتھ اُتر گئے تو شہزاد فرسٹ فلور پر آ گیا۔ اس نے آپریشن تک دیکھ لیا لیکن وہاں بھی اُسے بہرام نہ مل سکا۔ اب اسپتال میں اُسے تلاش کرنا بیکار تھا۔

ٹائیگر تیزی سے باہر دوڑا۔

اُسی لمحے اُسے پولیس کی سائرن بجاتی ہوئی اسکواڈ کار دکھائی دی۔ اس کے پیچھے پولیس کی تین اور کاریں تھیں۔ کاریں رُک گئیں اور ہر ایک میں سے مسلح پولیس مین تیزی سے اُترنے لگے ان کے ریوالور اُن کے ہاتھوں میں تھے اور وہ سب کے سب دوڑتے ہوئے اسپتال میں جا گھسے تھے۔

ٹائیگر نے ایک پولیس کار میں بیٹھتے ہوئے اُسے تیزی سے آگے بڑھا دیا۔ پولیس والے اتنی جلدی میں تھے کہ اُنھوں نے کاروں کے سوئچ بھی آف نہیں کیے تھے۔۔۔ لیکن ابھی ٹائیگر کی کار اسپتال کی پارکنگ سے دروازے تک ہی پہنچی تھی کہ پولیس والے پلٹ آئے اور جلد ہی ان کی کاریں ٹائیگر کی کار کا تعاقب کرنے لگیں۔ ٹائیگر نے رفتار بڑھا دی۔

وہ پولیس کار کو سیدھا ساحل کی طرف لے گیا۔

اُسے معلوم تھا کہ اب صورتِ حال ایسی ہو چکی ہے کہ پولیس اس پر فائرنگ سے باز نہیں رہے گی الّا وہ پولیس سے کسی بھی طرح اُلجھنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ لوگ اپنے فرض کی وجہ سے مجبور تھے ورنہ نہیں جانتے تھے کہ کس کا تعاقب کر رہے ہیں۔ وہ جس شخص کا پیچھا کر رہے تھے، اُسے صدر شیاتی نے قتل کرنے کا خصوصی اجازت نامہ دے رکھا تھا۔ اگر ٹائیگر ان سب پولیس والوں کو ٹھکانے لگا دیتا تو اس سے کوئی بھی باز پرس نہیں ہو سکتی تھی، لیکن ٹائیگر صرف جرائم پیشہ لوگوں کا قاتل تھا۔ وہ قانون کے ایک بھی محافظ کے خون سے اپنے ہاتھ نہیں رنگنا چاہتا تھا۔ ساحل پر پہنچ کر اس نے کار ویران حصّے کی طرف موڑ دی۔

ایک چٹان کے قریب کار روک کر اُس نے نیچے پانی میں چھلانگ لگا دی۔

نیچے جاتے وقت وہ اپنا کوٹ بھی اُتارتا جا رہا تھا۔

کوٹ سمندر کی سطح پر پھیلا رہ گیا اور ٹائیگر کا تیز رفتار جسم بالی کو چیرتا ہوا اندر ہی اندر دُور نکل گیا۔ اس نے جب کافی فاصلے پر جا کر سطحِ آب پر سر اُبھارا تو دیکھا کہ پولیس والے چٹان پر کھڑے نیچے گولیاں برسا رہے ہیں۔

ان کا ہدف وہ سفید کوٹ تھا جس سے ٹائیگر کا جسم نکل کر اُن کی زد سے بہت دُور پہنچ چکا تھا۔ ساحل کے ساتھ ساتھ تیرتا ہوا وہ بہت دُور نکل گیا۔۔۔ اور پھر باہر آ کر وہ آہستہ آہستہ ایک کیبن کی طرف بڑھ گیا۔

وہ جانتا تھا کہ اُوشان اب اسٹون وال سے اس کیبن میں منتقل ہو گیا ہو گا جہاں اس نے چلتے وقت کہہ دیا تھا۔ اُوشان واقعی اس کیبن میں موجود تھا۔ شہزاد کیبن میں پہنچا اور تھکے تھکے انداز میں ایک بستر پر گر گیا۔

اُوشان نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"بہرام شدید زخمی تھا۔" اس نے تھکے تھکے لہجے میں بتایا۔

"اور اسپتال سے کسی نے اُسے اغوا کر لیا ہے۔"

"کیا وہاں کوئی محافظ نہیں تھا؟"

"مجھ سے بڑا محافظ کون ہو سکتا ہے، اُوشان؟" اس نے پھیکی سی مسکراہٹ سے کہا۔ "وہ اُسے میری ناک کے عین نیچے سے نکال لے گئے۔"

اُوشان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔

۔۔۔ لیکن اس کی آنکھوں میں بڑی ہی خطرناک چمک تھی۔

ٹائیگر نے آنکھیں بند کر لیں اور اس کے ذہن پر تھکن کا شدید غلبہ ہو گیا جس نے تھوڑی ہی دیر میں اُسے نیند کی وادیوں میں دھکیل دیا۔

**

بہرام نے ٹائیگر کو اپنی طرف بڑھتے دیکھ کر اطمینان کی سانس لی تھی۔

اُسی لمحے ایک نرس کمرے میں آ گئی۔ یہ وہی نرس تھی جس سے ٹائیگر نے اسٹور کی سمت معلوم کی تھی۔ نرس نے اندر آتے ہی بہرام سے کہا۔

"ہم آپ کو دوسری جگہ منتقل کر رہے ہیں۔"

اس کے ساتھ ہی بہرام نے اپنا بستر متحرک محسوس کیا۔ وہ ایکسجن ٹینٹ میں جس طرح لیٹا تھا، ویسے ہی لیٹا رہا اور پورا میکنزم حرکت میں آ گیا۔ گویا اُسے بستر پر جس انداز میں لٹایا گیا تھا، اُسی حالت میں دوسری جگہ منتقل کیا جا رہا تھا۔ ہر چیز خود بخود ہی تیرنے لگی تھی۔ بہرام کو صرف وہ تارہی جھولتا باقی دکھائی دیا جس کے نچلے حصّے میں کال بٹن لگا ہوا تھا۔

بستر کے حرکت کرنے سے خفیف سی آواز بھی پیدا نہیں ہو

رہی تھی۔

بہرام کو یوں لگ رہا تھا جیسے وہ سمندری لہروں پر تیر رہا ہو۔

اس نے چھت پر لگی ہوئی روشنیوں کی طرف دیکھا۔ بلب دھندلے چاند کی طرح نظر آرہے تھے اور آکسیجن ٹینٹ سے اُسے نرس کا چہرہ بھی پلاسٹک کا بنا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ . . وہ جلد ہی کارگو لفٹ کے سامنے پہنچ گئے۔

ایلی ویٹر میں اس کا بستر دھکیل دیا گیا۔

بہرام نے اوپر دیکھا تو اُسے یوں محسوس ہوا جیسے لفٹ کی چھت اس کی طرف جھکتی جارہی ہو۔ گویا ایلی ویٹر کا نچلے فلوروں کی طرف سفر شروع ہوگیا تھا۔ اس نے آنکھیں بند کرلیں کیوں کہ لفٹ کی جھکتی ہوئی چھت دیکھ کر اس کا سر چکرانے لگا تھا۔ ٹائیگر نے اس کی گردن کے پٹھوں کی جس طرح تراش کی تھی، اس سے بے حد فائدہ پہنچا تھا لیکن بستر کی حرکت سے ایک بار پھر اس کے اعصاب شل ہونے لگے تھے۔

"نرس . . ؟" اس نے آنکھیں بند کیے رکھیں اور پوچھا "کیا میرا آپریشن ہونے والا ہے؟"

"نہیں . . ." نرس کی آواز اُسے اپنی کھوپڑی کے عقبی حصّے سے سُنائی دی۔

وہ چونک پڑا۔

اس کے پپوٹے پھڑپھڑا کر وا ہو گئے۔

نرس کی آواز میں پیشہ ورانہ لوچ اور گداز نہیں تھا۔ نرسوں کی طرح اس کی آواز میں مٹھاس گھلی ہوئی نہیں تھی۔ بلکہ اس کا لہجہ جذبات سے عاری اور بڑی حد تک یکسانی محسوس ہوا تھا۔

بہرام کو اپنی زندگی میں اس سے پہلے بھی کئی بار خوف کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ جنگ کے دوران میں اس پر دہشت بار حملہ آور ہوئی تھی . . لیکن نرس کی آواز سُن کر اس پر جو خوف چھا گیا تھا، ایسے خوف اور ایسی دہشت سے اس کا پہلے کبھی سابقہ نہیں پڑا تھا۔

اُسے اپنی ریڑھ کی ہڈی میں ایک سرد سی لہر اٹھتی محسوس ہو رہی تھی اور اس لہر کی وجہ سے اُسے اپنی ہستی کے بکھر جانے کا احساس ہو رہا تھا۔ اب تک اس نے خوف کی جتنی بھی حالتیں اپنے آپ پر طاری کی تھیں، دہشت کا یہ تاثر ان تمام حالتوں سے یکسر مختلف اور اعصاب شکن تھا۔ پہلے کبھی اس پر خوف کا حملہ ہوا تھا تو صورتِ حال خود اس کے اپنے ہاتھ میں رہی تھی لیکن اب وہ بے بس تھا۔ اگر کوئی ایسی ویسی بات ہوئی تو اس کے لیے اپنا دفاع کرنا ناممکن نہیں تھا۔ اس کی حالت کسی ایسے بچے جیسی تھی جو چند گھنٹے قبل دُنیا میں آیا ہو اور کوئی بھی محض ہاتھ کے ایک اشارے سے ہی اُسے ہلاک کرسکتا ہو۔

اُسے اپنا دِل شدّت سے دھڑکتا محسوس ہونے لگا۔

اس کا جسم بے بس تھا۔ اگرچہ اس کی ذہنی حالت کام کر رہی تھی لیکن دماغ ایک مفلوج جسم سے کسی طرح بھی کام نہیں لے سکتا۔ وہ جانتا تھا کہ اگر اس نے اپنا سر ذرا سا بھی اُٹھانے کی کوشش کی تو بے ہوش ہو جائے گا۔ بہرام کو اپنا سینہ یوں لگ رہا تھا جیسے اس پر کسی نے کھولتا ہوا پانی ڈال دیا ہو۔ اُس کی بائیں کنپٹی کی ایک نس بار بار تڑپنے لگی۔ پپوٹے اب بھی پھڑپھڑا رہے تھے لیکن اس نے انھیں اُٹھانے کی کوشش نہیں کی تھی۔

وہ بے بس حالت میں پڑا تھا، اسی حالت میں بے بس لیٹا رہا۔

اس نرس کی آواز میں سفّاکی کا جو تاثر تھا، اس نے بہرام کے جسم کے تمام مساموں کی کارکردگی بڑھا دی تھی اور وہ بعض ایسے حصّوں پر بھی پسینے کی موجودگی محسوس کر رہا تھا، جہاں اب تک کی زندگی میں کبھی پسینہ نہیں آیا تھا۔

اس نے آہستہ آہستہ پلکیں اُٹھائیں۔

چھت اب بھی تیزی سے گرتی محسوس ہو رہی تھی۔

بیس منٹ میں پہنچ کر ایلی ویٹر کی متین ساکت ہوگئی۔

نرس دروازہ کھول کر باہر چلی گئی۔

اب وہ لفٹ میں تنہا تھا . . لیکن وہ اپنی مدد کرنے سے قاصر تھا۔ اُسے حیرت تھی کہ ٹائیگر نے اس نرس کو کیسے نظر انداز کر دیا۔ اس کی حسیات غیر معمولی تھیں اور وہ ان باتوں کو محسوس کر لیتا تھا جن کا احساس کرنا ایک عام آدمی کے لیے ناممکن ہوتا ہے۔

اس نے آنکھوں کو حرکت دے کر لفٹ کے دروازے کی طرف دیکھا۔

دروازہ بند ہو چکا تھا۔

ابھی وہ سوچ ہی رہا تھا کہ ایک بے بس آدمی کی حیثیت سے وہ کیا کچھ کرسکتا ہے کہ لفٹ کا دروازہ کھل گیا۔ وہی نرس اندر آگئی۔ بہرام نے دوبارہ آنکھیں بند کرلیں۔ اس کا دل اتنی تیزی سے دھڑک رہا تھا کہ جیسے کوئی پرندہ کسی محدود سی جگہ تیزی سے پھڑپھڑاتا ہوا چکرا رہا ہو۔

اچانک اس کے بستر کو خفیف سا جھٹکا لگا۔

بستر ایک بار پھر متحرک ہوگیا تھا۔

وہ باہر کھلی فضا میں آگیا تو کھوپڑی کے عقبی حصّے سے کئی کاروں کی آوازیں سُنائی دینے لگیں۔ یہ پولیس کاریں تھیں . . .

سائرن بجاتی ہوئی اسکواڈ کاریں یوں لگتا تھا جیسے ان کاروں کے ڈرائیور ایک دوسرے سے ریس لگانے میں مصروف ہوں۔ آوازیں رفتہ رفتہ دُور ہوتی گئیں۔

اسکواڈ کاریں، اب تک دُور جا چکی تھیں کہ ان کی آواز بہرام کی سماعت تک نہیں پہنچ سکتی تھیں . . لیکن وہ ان آوازوں سے کوئی استفادہ بھی تو نہیں کرسکتا تھا۔ وہ مجبور اور بے بس تھا . . اس کی آنکھوں، ناک اور دماغ کے علاوہ ہر چیز جیسے مفلوج ہو کر رہ گئی ہو۔

اچانک بستر کو ایک اور جھٹکا لگا۔

وہ آنکھیں بند کیے لمبی لمبی سانسیں لیتا رہا۔

اس بار بستر کو جو جھٹکا لگا تھا، اس کی وجہ سے بہرام کا شُبہ یقین میں بدل گیا کہ اُسے اسپتال ہی کے کسی اور حصّے میں منتقل نہیں کیا گیا بلکہ کہیں اور ہی لے جایا جا رہا ہے . . لیکن کہاں؟

اس نے آنکھیں کھول دیں۔

بستر کی حرکت اور مختلف آوازوں سے اُس نے اندازہ لگایا کہ وہ اپنے آکسیجن ٹینٹ والے بستر سمیت کسی ٹرک کے عقبی حصّے میں پڑا ہوا ہے اور چونکہ دروازہ بند ہے اس لیے ٹرک میں تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ وہ اس وقت خود کو تاریکی کے سمندر میں ڈوبتا محسوس کر رہا تھا۔

اچانک عقبی حصّے میں روشنی پھیل گئی۔

یہ اتنی تیز روشنی تھی کہ اس کی دونوں آنکھوں پر باریک سی پٹّی کا سایہ ہونے کے باوجود کریں اس کی آنکھوں میں پہنچ کر تکلیف کا باعث بن رہی تھیں۔ اُسے کئی اور کاروں کی آوازیں سُنائی دیں . . پھر تیل کی بُو کا احساس ہوا۔ یوں لگا جیسے سمندر کی ان گنت لہریں ایک ساتھ کسی چٹان سے ٹکرا کر اُسے پاش پاش کرنے کی کوشش کر رہی ہوں۔ معاً اس کا ایک کندھا درد کرنے لگا۔

یہ کوئی معمولی تکلیف نہیں تھی۔ اس نے ایک سسکاری لے کر زبان دانتوں تلے دبالی لیکن کندھے کا درد کم نہ ہوا۔ یہ تکلیف ایسی تھی جیسے اس کے کندھے پر کسی نے دہکتا ہوا کوئلہ رکھ دیا ہو۔ اس کے ساتھ ہی وہی منجمد کر دینے والی سرد آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی . . .

"ہاں لو . . ڈاکٹر بہرام" نرس کہہ رہی تھی "میں دیکھ رہی ہوں کہ تم اس وقت کافی تکلیف میں ہو۔"

بہرام نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا لیکن نرس اُسے کہیں نظر نہ آئی۔ وہ صرف آواز ہی سُن رہا تھا۔ سرد . . . ہڈیوں میں گودا منجمد کر دینے والی آواز . . .

"ہاں . . ." بہرام نے ہانپ کر جواب دیا "مجھے شدید تکلیف ہے۔ تم کون ہو اور میں یہاں کیا کر رہا ہوں؟"

"تمھیں یہاں بعض سوالوں کا جواب حاصل کرنے کے لیے لایا گیا ہے۔"

"میں ہر سوال کا جواب اسپتال میں بھی دے سکتا تھا۔" بہرام نے احتجاج کیا "پھر مجھے یہاں لانے کی کیا ضرورت تھی؟"

"تاکہ تمھارا ہر جواب سچائی پر مبنی ہو۔"

"نرس! میں تم سے کیوں جھوٹ بولنے لگا؟" اس نے لہجے میں حیرت پیدا کی۔

"ابھی پتہ چل جاتا ہے۔" نرس نے کہا "تمھارے ساتھی شہزاد کا تعلق کس مُلک سے ہے اور وہ کون سی قوم کا آدمی ہے؟"

"کون شہزاد؟"

اچانک اس کے کندھے کی تکلیف ناقابلِ برداشت ہوگئی۔

وہ چیخ پڑا۔

"وہی شہزاد جو کچھ دیر قبل ڈاکٹر کے رُوپ میں تم سے ملاقات کرنے آیا تھا۔" درد کی شدّت سے بھرپور آواز سُنائی دی۔ یہ نرس کسی طرح بھی کسی عورت کی نہیں ہوسکتی تھی۔ یہ اس کو یہ آواز کسی ایسی بدروح کی معلوم ہونے لگی جو آسمانی عذاب سے گھبرا کر ملبلاتی ہوئی زمین پر اتر آئی ہو۔

ایک بار پھر اُس کے حلق سے چیخ نکل گئی۔

"وہی شہزاد جو ایک بوڑھے کے ساتھ رہتا ہے۔ وہ بوڑھا تو غالباً چینی ہے لیکن شہزاد کون ہے اور کہاں کا رہنے والا ہے؟"

"میں بتاتا ہوں . . بتاتا ہوں۔ اس تکلیف دہ عمل کو بند کرو۔" وہ چیخ کر بولا۔ اس کا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔ یہ بات اچھی طرح اس کی سمجھ میں آگئی تھی کہ وہ انتہائی بے بس ہے اور اذیت برداشت کرنا اس کے بس کی بات نہیں۔ شہزاد اور اُدوشان کے سلسلے میں کچھ بتانا ممکن نہیں تھا لیکن اس اذیت کو سہنا بھی اس کے بس سے باہر تھا۔ اگر وہ زخمی نہ ہوتا تو شاید ہر اذیت سہنے کے لیے تیار ہو جاتا اور نرس کو کچھ بھی نہ بتاتا . . لیکن اب تو وہ پہلے سے زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا تھا۔ اُوپر سے جسمانی اذیت اُسے سیدھا موت کے مُنہ میں ہی دھکیل سکتی تھی۔

"کیا تمھیں وہ دونوں آدمی یاد آگئے؟"

"کک . . کون دونوں؟"

"شہزاد... اور... اُوشان؟"

"ہاں... " اس نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ اس کی غیر معمولی دھڑکنیں اس کے ذہن کو بھی متاثر کر رہی تھیں اور اُسے یوں محسوس ہُوا رہا تھا جیسے اگر دل اس رفتار سے دھڑکتا رہا تو اس کے دماغ کی کوئی نس پھٹ جائے گی۔ "ہاں... مَیں اِن دونوں کو جانتا ہُوں۔"

"بہت خوب!" اس کی آواز کے ساتھ ہی اس کے کندھے کی تکلیف میں قدرے کمی واقع ہو گئی۔ "شہزاد کس مُلک اور قوم سے تعلق رکھتا ہے؟"

"وہ مشرقی ہے۔"

کس مُلک سے اس کا تعلق ہے؟"

مَیں نہیں جانتا... صرف اتنا پتہ ہے کہ وہ کسی مشرقی مُلک کا باشندہ ہے۔" بہرام نے ہانپتے ہُوئے جواب دیا۔ "مَیں قسم کھاتا ہُوں کہ مجھے اس سے زیادہ اس کی قومیت کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں ہے۔ وہ بس ہمارے محکمے کے لیے کام کرتا ہے۔"

ایک بار پھر کندھے کی تکلیف بڑھنے لگی۔

وہ دَرد کے مارے چیخ پڑا۔

اِس بار تکلیف اتنی شدید تھی کہ اُسے اپنے ذہن پر بیہوشی کا غلبہ ہوتا محسوس ہونے لگا۔ اُسے اچھی طرح اندازہ ہو گیا کہ یہ نرس اس سے حقیقت اُگلوائے بغیر باز نہیں آئے گی۔ اس کا مطلب تھا کہ اُسے تھوڑی سی مہلت لے کر اس انداز میں جواب دینے چاہئیں کہ ان پر جھوٹ کا گمان نہ ہو سکے... اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ ایسا ہی کرے گا۔

ہم تینوں کا تعلق سی۔ آئی۔ اے سے ہے۔" اس نے چیخ کر کہا۔

فوراً ہی درد کی لہر اُترتی چلی گئی۔

شہزاد کے سلسلے میں سوال دُہرایا گیا جس کا جواب بہرام نے دہی دیا جو اس سے پہلے بھی دے چُکا تھا۔ اس بار اُس کے سینے پر ایسی آوازیں پیدا ہونے لگیں جیسے کوئی ریگ مال سے اُسے رگڑ رہا ہو۔ لاکھ کوشش کے باوجود وہ اپنی چکراتی ہُوئی کھوپڑی کو اندھیروں میں ڈُوبنے سے نہیں بچا سکا۔

وہ بے ہوش ہو گیا۔

بے ہوشی کا اندھیرا دُور ہُوا تو اُسے پھر وہی تیز روشنی دِکھائی دی جس سے آنکھیں چُندھیا رہی تھیں۔

یکایک اس کے بائیں کندھے میں پھر تکلیف شروع ہو گئی۔

"ٹھیک ہے۔ میں ایک بار پھر سوال کرتی ہُوں۔" وہی مٹھاس دینے والی آواز بہرام کی سماعت سے ٹکرانے لگی۔ "مَیں جانتی ہُوں، تم کچھ چھپانے کی کوشش کر رہے ہو۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ تم ایسا کیوں کر رہے ہو... لیکن ایک بات یاد رکھو کہ مجھے تمھاری تنظیم تمھارے کسی معاملے سے کوئی دِلچسپی نہیں۔"

"پھر تم کیا چاہتی ہو؟"

"مَیں شہزاد اور اُوشان کے پیچھے ہُوں۔"

"وہ کیوں؟"

"مَیں انھیں قتل کر دینا چاہتی ہُوں۔"

"اس خون ریزی کی کیا وجہ ہے؟"

"وجہ... وجہ یہ ہے کہ مَیں زندہ رہنا چاہتی ہُوں۔"

"وہ تمھیں زندہ رہنے سے روک سکتے تو نہیں... پھر اُنھیں..."

"مَیں جس انداز میں زندہ رہنا چاہتی ہوں۔ اس کے لیے ان دونوں کی ہلاکت ضروری ہے، ورنہ مَیں خود موت کے جبڑوں میں پہنچ جاؤں گی۔ جب تک وہ زندہ ہیں، میرا وجود خطرے میں رہے گا۔ اگر تمھیں ضرورت محسوس ہو تو میں تمھارے لیے شہزاد کا پتا فراہم کر دوں گی۔ وہ شہزاد سے بھی بہتر طور پر کام کر سکتا ہے۔"

"وہ کون ہے؟"

"وہ مَیں ہُوں۔" نرس نے جواب دیا۔ "لیکن میری خدمات حاصل کرنے کے لیے تمھیں تعاون کرنا پڑے گا۔"

"ٹھیک ہے۔" بہرام بڑبڑایا۔ "مَیں سمجھتا ہوں کہ اس کے علاوہ کوئی چارہ بھی نہیں ہے۔" وہ کوئی بزدل آدمی نہیں تھا۔ زندگی اس کے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتی تھی اور وہ موت سے بھی نہیں ڈرتا تھا... لیکن کسی غیر دانشمندانہ وجہ کے تحت مَرنا بھی اسے پسند نہیں تھا۔

"اگر تم نے تعاون کیا تو یقین کرو، مَیں تمھارے لیے معقول ہی نہیں، بے حد کارآمد بھی ثابت ہوں گی۔" سرد آواز سُنائی دی۔

"شہزاد کی قوم یا مُلک کے بارے میں حتمی طور پر ہمیں کچھ بھی معلوم نہیں ہو سکا تھا۔" بہرام نے دھیمی آواز میں کہنا شروع کیا "دراصل وہ ایک یتیم بچہ تھا۔"

"یتیم بچے سے تمھارا کیا مطلب ہے؟"

"ایک ایسا بچہ جس کے والدین نہیں ہوتے۔"

"لیکن کوئی یتیم بچہ ایسا نہیں ہو سکتا۔ وہ تو ایک دِن بھی زندہ نہ رہتا۔"

"اس نے ایک مغربی مُلک کے یتیم خانے میں پرورش پائی،

جہاں راہبوں اور راہب خواتین نے اس کی دیکھ بھال کی تھی۔"

"لیکن وہ جو کچھ کرتا پھر رہا ہے، یہ سب کچھ اس نے کہاں سیکھا؟"

"کہتے ہیں کہ انھی راہبوں نے اُسے سکھایا تھا۔"

"اور اُوشان کون ہے؟ اس کے بارے میں کیا بتا سکتے ہو؟"

"وہ سناپچو کا ماسٹر ہے۔" بہرام نے جواب دیا۔

"یہ سناپچو کس بلا کا نام ہے؟ کوئی ہتھیار ہے؟"

"نہیں... یہ چین کا ایک علاقہ ہے۔ جس کی سرحدیں کوریا چلتی ہیں۔" بہرام کی آواز اب کافی حد تک پُرسکون ہو گئی تھی۔ وہ اب گھٹ گھٹ کر بول رہا تھا اور اُسے توقع تھی کہ وہ بدرُوح اس کی باتوں سے مطمئن ہو جائے گی۔

"کیا وہاں کے سبھی لوگ ایسے ہوتے ہیں؟"

"کیسے ہوتے ہیں؟"

"مینیجر... اُستاد... ماسٹر؟"

"نہیں۔ یہ تنہا ہی ایسا ہے۔"

"ہُوں۔ مجھے یقین ہے کہ تم اب کم سے کم جھوٹ بول رہے یہ دونوں کیا کام کرتے ہیں، ڈاکٹر بہرام؟"

"دونوں قاتل ہیں۔" بہرام نے جواب دیا۔

"ان کی خدمات مخصوص ہیں؟"

"نہیں... سناپچو کا یہ استاد دولت کے لیے اپنی بات فروخت کرتا ہے۔ اس نے بادشاہوں اور دولت مندوں کے کئی کام کیے ہیں وہ تباہی کی ایک ایسی مشین ہے جو گولیوں اور گوشت پوست سے بنی ہُوئی ہے۔ وہ ہماری تنظیم سے بھاری رقم حاصل کرتا ہے، اُسے اپنے علاقے کے تباہ حال لوگوں کی بہتری کے لیے اپنے ملک بھجوا دیتا ہے۔"

"کیا میں اُوشان کی خدمات حاصل کر سکتی ہُوں؟"

"میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

"کیا اُوشان تخلیقی کار ہے؟"

"اس سلسلے میں بھی میری معلومات ناقص ہیں۔"

"اُوشان کن کن چیزوں کو پسند کرتا ہے؟"

"وہ جی۔ ڈی کے چند خاص پروگرام بڑی رغبت سے دیکھتا ہے۔" بہرام نے جواب دیا۔ "اس سے زیادہ مجھے اس کے بارے کچھ معلوم نہیں۔"

"جو پروگرام اُسے پسند ہیں، کیا ان کا تعلق تخلیقی شعبوں سے ہے؟"

"نہیں۔ وہ عام سے تفریحی پروگرام ہیں۔"

"لیکن جو کچھ بھی ہو رہا ہے، اس میں ایک تخلیقی قوت کام کر رہی ہے۔" ڈاکٹر بہرام کی لڑکی کا لہجہ سرد ہو رہا تھا۔ یُوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ اپنی آواز میں کسی تاثر کی آمیزش پسند ہی نہیں کرتی۔

"تم جس بھی مُلک سے تعلق رکھتی ہو، وہاں بھی کوئی نہ کوئی تخلیقی کام ضرور ہوتا ہو گا۔" بہرام نے سرسری لہجے میں جواب دیا۔

"اوہ تو اب تم میرے بارے میں معلوم کرنے کے لیے بیچین ہو گئے ہو۔"

"ہاں... کیوں، کیا مجھے بے چین نہیں ہونا چاہیے؟"

"ہونا چاہیے۔" لڑکی نے کہا۔ "ایسی صورت میں، میں تم سے سودے بازی ضرور کروں گی۔ مَیں تخلیق کار نہیں ہُوں... اور مجھے کسی تخلیق کار کی شدید ضرورت ہے۔"

"مَیں تخلیق کاروں کا مداح ہُوں۔"

"کہیں تم جھوٹ تو نہیں بول رہے ہو؟"

"یہ بات تم کیسے کہہ سکتی ہو؟"

"جھوٹ بولتے وقت آواز میں تبدیلیاں پیدا ہو جاتی ہیں، جنھیں بولنے والا محسوس نہیں کر سکتا البتہ سُننے والا ذرا سی توجہ صرف کر کے مزہ محسوس کر لیتا ہے۔"

"کیا تم بھی سناپچو کے انداز حرب جانتی ہو؟"

"نہیں۔ مَیں تخلیق کار نہیں ہوں۔ اگر ایسا ہوتا تو میں اپنا کام اب تک آسانی سے نمٹا چکی ہوتی... اور مجھے کوئی بھی خوف یا خدشہ لاحق نہ ہوتا۔"

"ممکن ہے، میں تمھارے لیے مددگار ثابت ہو سکوں۔" بہرام نے کہا اور پہلی بار وہ اس نرس کے بارے میں سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ وہ کون ہے، کیا ہے، اور درحقیقت کیا چاہتی ہے

"اب تم جھوٹ بول رہے ہو۔" نرس نے کہا اور وہ پہلی بار ہنس پڑی اس کی ہنسی بھی کسی بدرُوح کا قہقہہ محسوس ہو رہی تھی۔

"ڈاکٹر بہرام! ایک بات تو بتاؤ۔ تم نے وہ مجسمہ کیوں خریدا تھا۔ اس میں کیا چیز تمھیں پسند آئی تھی؟"

"اس کی سب سے بڑی خوبی اس کا متوازن حالت تھی جس نے مجھے بے حد متاثر کیا تھا۔" بہرام نے بڑی صاف گوئی سے کام لیا۔

"میں سوچ رہی تھی کہ شاید اس مجسمے کے حُسن نے تمھیں

متاثر کر دیا تھا۔"

"نہیں..." بہرام نے جھوٹ بولنے کی ضرورت نہیں محسوس کی۔

"کیا تم آج تک کسی عورت کے مجسمے سے متاثر نہیں ہوئے؟"

"نہیں..." بہرام نے جواب دیا۔

"کسی زندہ عورت سے؟"

"نہیں..." اس نے صاف گوئی سے بتایا۔

"تمھاری جیب میں جو کاغذات تھے، وہ کیا تھے؟"

"تنظیم کی تنخواہوں کا حساب تھا۔"

"تمھاری آواز بدل رہی ہے اس کا مطلب ہے کہ تم جھوٹ بول رہے ہو۔"

"وہ تنظیم کے ملازمین کی تنخواہوں کا حساب تھا۔" اس بار بہرام کا لہجہ سخت ہو گیا وہ اس کانپ سی لرزش پر قابو پانے میں کامیاب ہو گیا تھا جس کی وجہ سے اس کے جھوٹ کا پتہ چلایا جا سکتا تھا۔

"تم جھوٹ نہیں بول رہے ہو۔" لڑکی نے کہا۔ لہجہ سپاٹ رہا۔ جذبات سے عاری اور سرد آواز تھی۔ "لیکن اس کے باوجود تمھاری آواز میں تبدیلی ہے۔"

بہرام حیران تھا کہ لڑکی نے اپنی آواز سے تحیر کا تاثر کیسے زائل کیا ہو گا۔

"بہر حال، اس جواب میں جھوٹ یا سچ کی زیادہ اہمیت بھی نہیں۔" لڑکی نے کہا۔ "کیا تم شہزاد اور اوشان کو حکم دے سکتے ہو کہ وہ خودکشی کر لیں؟"

"نہیں..." بہرام نے جواب دیا۔

"وہ کیوں...؟" لڑکی کا لہجہ مزید سرد ہو گیا۔

"وہ اس لیے کہ دونوں ہی اسے مار دیں گے۔"

"ٹھیک ہے، ڈاکٹر بہرام۔" لڑکی نے کہا۔ "میں خوش ہوں کہ تم نے میرے ساتھ بھرپور تعاون کیا۔" اس کے ساتھ ہی روشنیاں بجھ گئیں۔

بہرام تاریکی میں پلکیں جھپکاتا رہ گیا۔

... لیکن وہ اپنی پلکوں کا بوجھ بھی زیادہ دیر تک سنبھالے نہ رکھ سکا اور اس کے پپوٹے آنکھوں پر کسی ڈھکنے کی طرح بند ہوتے چلے گئے... پھر اسے یوں لگا جیسے تاریکیاں زندہ ہو کر اسے نگلتی جا رہی ہوں۔ وہ اندھیرے کے قالب میں اتر گیا اور اسے گرد و پیش کی ذرا سی بھی خبر نہ رہی۔

کافی دیر بعد اس کے حواس کا سلسلہ بحال ہو گیا۔

اس نے ہر ممکن گہری گہری سانسیں لیں۔

ان سانسوں سے اس کے اعصاب کی کشیدگی کسی حد تک کم ہو گئی۔ وہ اب بھی اسی ٹرک کے عقبی حصے میں بستر پر دراز تھا اور وہاں تاریکی ہی تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کے جھونکے نہ جانے کہاں سے آ آ کر اس کے چہرے سے ٹکرا رہے تھے۔

وہ چند لمحوں سے زیادہ ہوش میں نہ رہ سکا۔

ایک بار پھر اس کے ذہن پر بے ہوشی طاری ہو گئی۔

اگلی مرتبہ اس کی آنکھ کھلی تو سب سے پہلے اس کے نتھنوں سے جو بو ٹکرائی، وہ دواؤں کی ناگوار سی بو تھی۔ سانس روک دینے والی بو... اس نے آس پاس روشنی بھی دیکھی۔ تب اس نے اوپر نگاہ اٹھائی تو دیکھا کہ اسے اپنے سر سے کچھ اوپر لینٹ کی چھت نظر آ رہی ہے۔ چھت اوپر اٹھتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

اس نے ایک طویل سانس لی۔ اس کا مطلب تھا کہ اسے واپس اسی اسپتال میں پہنچایا جا رہا ہے جہاں سے اسے اغوا کیا گیا تھا۔ نہ جانے کیوں اس کے ذہن پر کیوں تھکن سی سوار ہو رہی تھی۔ اس نے بیشتر وقت سو کر گزارا تھا اس کے باوجود اسے اپنے اعصاب چٹختے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔

اب جو اس نے آنکھیں کھولیں تو سورج چمک رہا تھا اور کھڑکی کے شیشے سے اس کی کرنیں اندر آ رہی تھیں اور کمرے میں ہال نرس بھی موجود تھی۔

"آپ آج کیسا محسوس کر رہے ہیں، ڈاکٹر بہرام؟" نرس نے مسکرا کر پوچھا۔ "آپ کی بیوی ملاقات کے لیے تشریف لا چکی ہیں۔ کل رات تو آپ نے ہمیں بے حد پریشان کیا۔ آپ اچانک ہی کہاں چلے گئے تھے؟"

"کیا تمھیں نہیں معلوم؟" بہرام نے سوال کیا۔

"نہیں... مجھے بھلا کیسے معلوم ہو سکتا ہے۔"

"اوہ... تو پھر... میرا خیال ہے، میں نے کوئی خواب دیکھا ہو گا۔ دماغی چوٹوں میں عموماً اس قسم کے خواب دکھائی دیتے ہیں۔" یہ کہتے ہوئے وہ سوچ رہا تھا کہ گزشتہ رات جو کچھ بھی ہوا ہے اس کے دوران میں یہی نرس اسے کوئی بدروح معلوم ہو رہی تھی۔ ایک ایسی بدروح محسوس ہوئی تھی جو صرف شہزاد، ٹائیگر اور اوشان کو قتل کرنے کے لیے خاص طور سے یہاں بھیجی گئی ہو۔

... لیکن وہ حیران تھا کہ اپنے ہی کمرے میں موجود ہے اور نرس بھی اس کے قریب ہی کھڑی ہے اس نے ادھر ادھر نگاہ

زائیں لگا جیسے کمرے میں نیا نیا رنگ و روغن کیا گیا ہو۔ روغن کی بو اس کے نتھنوں سے ٹکرا رہی تھی۔

"ہاں... شاید۔ میں نے کوئی خواب ہی دیکھا تھا۔" وہ بڑبڑانے لگا۔

"تمھیں یہی تاثر برقرار رکھنا چاہیے۔" اس بار نرس کا لہجہ سرد ہو گیا اور ویسی ہی میکانکی آواز سنائی دی جیسی اس نے گزشتہ رات سنی تھی۔

"اوہ، میرے خدا۔" بہرام بڑبڑایا اور اس کی کھوپڑی میں دھماکا سا ہوا جس نے اسے مزید بے ہوشی میں پھینک دیا۔

**

ٹائیگر بے حد پریشان تھا۔

اس کے خدشے اپنی جگہ بجا تھے کیوں کہ بہرام ایک اچھڑا کا کمزور آدمی تھا۔ اگر اس پر کسی قسم کا بھی تشدد کیا گیا تو اس کی ہلاکت یقینی ہو گی... اور اسے اغوا کرنے کا صرف ایک ہی مقصد ہو سکتا تھا کہ اس سے معلومات حاصل کی جائیں... لیکن جب سیدھی انگلیوں سے گھی نہ نکلے تو انگلیاں ٹیڑھی کرنا پڑتی ہیں۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ بہرام سے جو کچھ بھی پوچھا جائے گا، وہ ان کا جواب دے دے گا جس کے نتیجے میں تشدد کیا جائے گا... اور وہ اس نرس کی ہے کہ معمولی سا تشدد بھی برداشت نہیں کر سکتا۔

اچانک اس کے ذہن میں وہ نرس گھوم گئی۔

وہ ابھی اس کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ اوشان کی آواز نے اسے چونکا دیا۔ "تم نے بیٹھے بٹھائے عورتوں کے بارے میں کیوں سوچنا شروع کر دیا؟"

"محترم روحانی باپ!" ٹائیگر نے بڑے ادب سے کہا۔ "عورتوں کے متعلق سوچنا، مردوں کی صحت مندی کی علامت ہے... اور میں جس عورت کے بارے میں سوچ رہا تھا، وہ ایک مسیحا جیسی عورت ہے۔"

"ہوں... تم بہرام کے سیکرٹری کو فون کیوں نہیں کرتے؟"

"اسی سے اندازہ لگا کر عورتوں کے بارے میں سوچنا کتنا مفید ہوتا ہے۔" اوشان نے جواب دیا اور قہقہہ لگا کر مخصوص انداز میں ہنسنے لگا۔

ٹائیگر نے جلدی جلدی بہرام کے سیکرٹری کا نمبر ڈائل کیا۔ دوسری طرف دیر تک گھنٹی بجتی رہی۔ شہزاد نے اپنا نام بتاتے ہوئے سیکرٹری سے پوچھا۔ "چیف کے بارے میں کوئی اطلاع؟"

"کیا مطلب؟" سیکرٹری حیران رہ گیا۔ "آج صبح ان کا فون تو آیا تھا۔"

"اوہ... کہاں سے کال کی گئی تھی؟"

"اسپتال سے۔" سیکرٹری نے جواب دیا۔

"کون سے اسپتال سے؟"

"وہیں، جہاں وہ کل داخل ہوئے تھے۔ ان کی طبیعت کافی بہتر ہے۔ مجھ سے دس منٹ تک بات چیت کرتے رہے تھے۔ لیکن مسٹر ٹائیگر! آپ اس وقت بے حد پریشان محسوس ہو رہے ہیں۔ خیریت تو ہے، نا؟"

"ہاں، خیریت ہے۔" ٹائیگر بڑبڑایا۔ "کیا تمھیں یقین ہے کہ چیف نے آج صبح تم سے فون پر بات کی تھی اور وہ اسی اسپتال سے بول رہا تھا، جہاں اسے کل داخل کیا گیا تھا؟"

"سو فی صد یقین ہے، مسٹر ٹائیگر۔"

شہزاد نے فون بند کر کے یہ اطلاع اوشان کو دی تو اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ گہری ہو گئی۔ "حالانکہ تم بے حد پریشان تھے۔" اس نے تبصرہ کیا۔

"میں اس تنظیم کے لیے بے چین تھا جسے زندہ رہنا چاہیے۔"

"نہیں۔ یہ تمھاری اپنی زندگی کا معاملہ ہے، ٹائیگر۔" اوشان نے ٹھوس لہجے میں کہا۔ "ہر کسی کو اپنی بقا کا خود ہی خیال رکھنا پڑتا ہے۔ فرعون، نمرود اور بڑے بڑے بادشاہ اب دنیا میں کیوں موجود نہیں ہیں... اس لیے کہ انھوں نے زندہ رہنے کی کوشش ہی نہیں کی تھی۔"

"یہ بڑا گہرا فلسفہ ہے، دنیا کے مختصر ترین والد صاحب!" ٹائیگر نے مسکرا کر کہا۔ "اسے فی الحال اپنی ذات تک محدود رکھو۔"

"اب تم کیا کرنا چاہتے ہو؟"

"میں اسپتال جا کر بہرام سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"میں بھی تمھارے ساتھ چلوں گا۔"

"لیکن میں دن کی روشنی میں وہاں نہیں جاؤں گا۔ ممکن ہے کوئی مجھے پہچان لے۔ کل مجھے پولیس کی وجہ سے، وہاں سے دوڑ لگانی پڑ گئی تھی۔"

اوشان ہنسنے لگا۔ "زیادہ گوشت کھانا، شراب پینا اور عورتوں کے بارے میں سوچتے رہنا۔ یہ تینوں بری عادتیں ہیں۔ انھیں ترک کر دو گے تو تمھیں کبھی دوڑنے کی ضرورت محسوس نہیں ہو گی۔"

"بہر حال، ہم رات کو وہاں چلیں گے۔"

ٹائیگر نے حتمی لہجے میں کہا اور گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

تاریکی پھیلنے میں ابھی کئی گھنٹے باقی تھے اس لیے وہ وقت گزاری کے لیے سو جانا چاہتا تھا۔ اُسے معلوم تھا کہ یہ ایک سخت کام ہے جس میں اعصاب پر بہت بوجھ پڑے گا۔ اس لیے وہ اپنے لاشعور کو ہر اعتبار سے پُرسکون بنالینا چاہتا تھا۔ وہ ان معاملات میں گُرو اُدشان کا مدِمقابل تھا لیکن اس کی حسیات جلدی جلدی دھکالینے لگی تھیں۔ جب کہ اُدشان کی رُوحانی قوت بہت زیادہ تھی۔ وہ تو اب اس کے خیالات بھی پڑھنے لگا تھا۔

شام کے سائے پھیلتے ہی وہ اپنی ہٹ سے نکل کھڑے ہوئے بیس منٹ کے مختصر سے فاصلے سے اندر پہنچنا اُن دونوں کے لیے کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ ٹائیگر، اُدشان کے ساتھ سیدھا اُسی وارڈ کی طرف بڑھنے لگا جہاں وہ گزشتہ روز بہرام سے مل چکا تھا۔

جب وہ اُس کمرے میں پہنچے تو وہی نرس ڈیوٹی پر تھی۔

"میں، تم سے بات کرنا چاہتا ہوں..." ٹائیگر نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"فی الحال تو تمھیں ڈاکٹر بہرام سے بات چیت کرنی چاہیے"

"رُک جاؤ، ٹائیگر" اچانک اُدشان کی آواز نے اُس کے قدم روک لیے۔ "اُس نرس کے قریب نہ جانا"

نرس ہنس پڑی۔ اس کی سرد آواز، ٹھٹھر دینے والا لہجہ اور انداز گفتگو بے حد عجیب اور ناقابلِ فہم تھا۔ "اوہ! اس لڑکے نے مجھے پہچان لیا" نرس کہہ رہی تھی اور ٹائیگر اُس سے کچھ فاصلے پر رُکا حیرت سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ "میں نے اپنی جسمانی ساخت میں جو نسوانی تبدیلیاں کی ہیں، وہ اس بوڑھے نے بہت جلد دیکھ لیں... اور وہ انھیں دیکھ کر دھوکے میں مبتلا نہیں ہوا"

"یہ کیا ہو رہا ہے؟" ٹائیگر نے حیرت سے کہا۔ معاملہ ابھی تک اس کی سمجھ میں نہیں آسکا تھا۔

"اگر تم ڈاکٹر بہرام سے ملنا چاہتے ہو تو کمرے میں چلے جاؤ" نرس کہہ رہی تھی۔

"شہزاد..." اندر سے آواز آئی۔ "کیا دروازے پر تمھی موجود ہو؟"

"میں اندر جا رہا ہوں" ٹائیگر نے کہا اور بُری طرح چونک پڑا۔ اسی لمحے اُسے اپنے کندھے پر اُدشان کی انگلیوں کی سخت گرفت محسوس ہو رہی تھی۔

اس نے ان انگلیوں کی گرفت سے نکل جانے کے لیے اپنا جسم متحرک کرنا چاہا لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔ وہ خود کو سنبھالنے کی کوشش کرتا رہا لیکن اچانک ہی اس کا پاؤں چکنے فرش پر پھسل گیا اور وہ لڑکھڑا گیا۔

وہ گر گیا۔

اسی لمحے اُس کی نگاہ نرس کی طرف اُٹھ گئی۔

نرس نے آہستہ آہستہ ان دونوں کی طرف بڑھنا شروع کر دیا تھا۔

ٹائیگر نے اپنے اُستاد کو فوراً ہی اُچھل کر کھڑے ہوتے دیکھا۔ نرس دائرے میں حرکت کر رہی تھی اور ٹائیگر نے دیکھا کہ اس کی چال میں خفیف سی لنگڑاہٹ ہے۔

"اُدشان!" نرس کہہ رہی تھی۔ "معاملے کے بارے میں بہت کچھ سُن چکی ہوں اور بہت کچھ جانتی ہوں"

"پہلے تذکیر و تانیث کا صیغہ درست کر لو، پھر بات کرو۔ ایک مرد کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ خود کو عورت ظاہر کرے اور عورتوں جیسی باتیں کریں" اُدشان اب بھی ساکت پتلیوں سے نرس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

نرس آہستہ آہستہ حرکت کرتی رہی۔

"مختصر باپ!" ٹائیگر نے کچھ نہ سمجھنے کے انداز میں کہنا چاہا۔

"خاموش رہو... اور مذاق سے باہر آجاؤ" اُدشان غرایا۔ "اس کی طرف سے ہوشیار رہو۔ یہ بڑی متوازن حرکات کا اظہار کر رہا ہے"

"اس کے باوجود میں تمھاری حرکات کا مقابلہ نہیں کر سکتا" نرس کے حلق سے آواز آئی۔ وہی سرد اور سفاک آواز۔

"تم کون ہو؟" ٹائیگر کی کنپٹیاں گرم ہونے لگیں۔

اُدشان نے اپنی مادری زبان میں ٹائیگر کو حکم دیا کہ وہ جہاں ہے، وہیں ساکت ہو جائے۔ اس قسم کے چند الفاظ اس نے خاص طور سے اُسے ذہن نشین کرا دیے تھے۔ ٹائیگر رُک گیا۔ اُدشان نے جس انداز میں اُسے حکم دیا تھا، اُسے سُن لینے کے بعد اس پر عمل نہ کرنا، ہلاکت کا دوسرا نام تھا۔

نرس نے ٹائیگر کی طرف دیکھا۔

اب وہ مسکرا رہی تھی۔ کتنی جذبات سے عاری مسکراہٹ تھی، وہ ٹائیگر کی مٹھیاں آہستہ آہستہ بھینچنے لگیں... لیکن وہ اُدشان کے حکم کا پابند تھا اس لیے حرکت نہ کر سکا ورنہ اس کا جی چاہ رہا تھا کہ بڑھ کر ایک ہی کلہاڑے جیسا وار کر کے اس نرس کا جبڑا پاش پاش کر دے تاکہ درندگی آمیز اس مسکراہٹ کا خاتمہ ہو سکے۔

"وہ..." اب معاملہ کچھ کچھ ٹائیگر کی سمجھ میں آنے لگا۔

"مجھے خوشی ہے کہ صورتِ حال تمھاری سمجھ میں آرہی ہے" اس نے جواب دیا۔ "ویسے اگر میں تمھاری جگہ ہوتی تو اس وقت حملہ کرنے کا نہ سوچتی کیوں کہ اندر بہرام موت سے بے حد قریب لیٹا ہوا ہے"

"شہزاد!" اندر سے بہرام کی آواز آئی۔ "باہر تمھارے ساتھ کون ہے؟"

"تم جس حالت میں ہو، ویسے ہی خاموش لیٹے رہو..." ٹائیگر نے جواب دیا۔ "ہم تمھیں بچانے کی کوشش ضرور کریں گے"

"کوئی تم دونوں کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گیا ہے" اندر سے بہرام کی آواز سُنائی دی۔ "میرا خیال ہے اس کا نام مسٹر گورڈنزہے"

"بات کچھ میرے پلے پڑتی جا رہی ہے" ٹائیگر بڑبڑایا۔

"میں دیکھ رہی ہوں کہ اس وقت ہم ایک دوسرے کے اہل آگئے ہیں" نرس کی ٹھٹھرا دینے والی آواز سنائی دی۔

"باہر کیا ہو رہا ہے؟" اندر سے بہرام کی چیختی ہوئی آواز سنائی دی۔

"فی الحال اسپرین کی دو گولیاں کھا لو" ٹائیگر نے بلند آواز میں کہا۔ "اور کل صبح مجھ سے فون پر بات کر لینا۔"

"اس بات کا امکان تھا کہ تم فوراً ہی کمرے میں جا گھستے..." اس نے کہا۔ "لیکن تم نے ایسا نہیں کیا... کیوں؟"

"اسے کچھ نہ بتانا، شہزاد" اُدشان نے سرد لہجے میں کہا۔

"تم زبردست مُفکر لگتے ہو، بلّے" نرس نے اُدشان سے اس کے بارے میں یہ خطاب سُن کر اُدشان کی آنکھیں غصّے سے سُرخ ہونے لگیں۔

"میرا خیال ہے، ہمیں اس معاملہ کو یہیں نمٹا دینا چاہیے"

ٹائیگر نے کن انکھیوں سے نرس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"نہیں..." اُدشان کا لہجہ اب بھی سرد تھا۔

"میں، تمھاری اس سوچ کی قدر کرتی ہوں"

"تم کیا چاہتے ہو؟" اُدشان کی آواز مزید سخت ہو گئی۔

"تمھاری تباہی..."

"وہ کس خوشی میں؟"

"تمھاری زندگی، میری تباہی کا باعث بن سکتی ہے"

"میں یہاں دُنیا کی بادشاہت نہیں کر رہا ہوں"

"اور میں بھی مرنے کے لیے نہیں آئی بلکہ مجھے زندہ رہنا ہے۔ تم اور تمھارا یہ نوجوان ساتھی، دراصل تم دونوں ایک قوت ہو جس کا تباہ ہونا لازمی ہے"

اسی لمحے ایک اور نرس آئی۔ اس نے دروازے کے سامنے کھڑی نرس اور اس کے دونوں طرف موجود ٹائیگر اور اُدشان کی طرف دیکھا... پھر وہ اپنی ہی جنس کی نرس کو دیکھ کر مسکراتی ہوئی بہرام کے کمرے میں داخل ہو گئی۔

ٹائیگر کی نگاہ اس پر جم گئی۔

نرس نے اندر جاتے وقت دروازہ بند کر دیا تھا۔

... لیکن وہ زیادہ دیر اندر نہیں رہی۔ چند لمحوں کے بعد وہ باہر آئی اور ہال کی طرف جانے والی سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔

"تم نے دیکھا؟" پہلی نرس نے جذبات سے عاری لہجے میں کہا۔ "اس نرس کی طرح تم بھی اندر جا سکتے ہو"

"شہزاد!" اُدشان کا لہجہ اب بے حد سرد اور تحکمانہ ہو گیا تھا۔ "اس دروازے کے قریب نہ جانا"

نرس مسکراتی رہی۔ یہ تاؤ دلانے والی مسکراہٹ تھی۔

"تم ہمیں کیوں تباہ کرنا چاہتے ہو؟"

"اس کی وجہ وہ قوت ہے جو صدیوں سے سفر کرتی ہوئی تمھاری ذات تک محدود ہو کر رہ گئی ہے۔ کیا یہ درست ہے، اردو آدی؟"

"ہاں۔ یہ درست ہے" اُدشان بڑبڑایا۔

"تب پھر اسی قوت کو مزید کئی صدیوں تک تم لوگوں کے پاس ہی رہنا ہوگا... لیکن میں ایسا نہیں ہونے دُوں گی۔ مجھے زندہ رہنا ہے، اس لیے تمھیں مرنا پڑے گا۔ میں اپنی زندگی کو تحفظ دے رہی ہوں"

اُدشان آہستہ آہستہ حرکت کرنے لگا۔

وہ اس انداز میں آگے بڑھ رہا تھا کہ اس کے ایک ہی وار سے نرس کا رخسار ٹوٹ کر گر جائے۔ ایسا کرنا اس کے لیے کوئی مشکل کام نہیں تھا لیکن اب اُسے احساس ہونے لگا تھا کہ دل یا دماغ پر چوٹ لگانا ہی کارگر ثابت ہوگی۔

"آخر اس سے کیا فرق پڑتا ہے" ٹائیگر نے دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں اندر جا کر بہرام کی طبیعت کا اندازہ کرتا ہوں"

"نہیں۔ تم اپنی جگہ سے نہیں ہلو گے"

"میں پوچھتا ہوں باہر کیا ہو رہا ہے" اندر سے بہرام کی چیختی ہوئی آواز پھر سُنائی دی۔

"تم نے کیا کارگیری کر رکھی ہے؟" اُدشان غرایا۔

"یہ دیکھنا تمھارا کام ہے۔ میں جا رہی ہوں" نرس نے کہا۔

"لیکن اس بات کو ذہن سے نہ نکالنا دینا۔ میں تم دونوں کو تباہ کر دوں گی..."

"خدا حافظ، مخلوق" اوشان نے قہقہہ لگا کر کہا "اور تم بھی یہ بات ہمیشہ یاد رکھنا کہ انسان نے جو کچھ بھی بنایا، وہ تباہ ہوگا جب کہ انسان جس کی صناعی کا نمونہ ہے، وہ رہنما تخلیق لواب تک برقرار رہے ہوئے ہے۔"

"میں نئی نسل کی پیداوار ہوں، بوڑھے لعنتی" نرس نے مسکرا کر جواب دیا۔

شہزاد حیرت زدہ سا یہ سب کچھ دیکھ اور سن رہا تھا لیکن ابھی تک ایک بھی بات اس کے پلے نہیں پڑی تھی۔

نرس آہستہ آہستہ چلتی ہوئی دروازے کی طرف گئی اور نگاہوں سے اوجھل ہوگئی۔ "میں، تم سے بہت خوش ہوں ٹائیگر" اوشان نے اس کا کندھا تھپتھپاتے ہوئے کہا "تم بروقت سننے اور فوراً عمل کرنے لگے ہو۔"

"لیکن استعاذہ یہ چکر کیا ہے؟" ٹائیگر نے حیرت سے پوچھا۔

"اسے سمجھنے کے لیے پہلا سوال سنو" اوشان نے مسکرا کر کہا "کیا تم جانتے ہو کہ ہرام کس چیز سے زخمی ہوا تھا؟"

"ایک مجسمہ دھماکے سے پھٹ گیا تھا۔"

"وہ مجسمے سے نہیں بلکہ دھماکے سے زخمی ہوا تھا" اوشان بولا۔ وہ دروازے کی طرف بڑھا اور کچھ دور رک کر بلند آواز میں ہرام کو مخاطب کیا "اس کمرے میں کون کون سی چیز نئی ہے، ہرام؟"

"کچھ بھی نہیں" ہرام نے جواب دیا "میں پوچھتا ہوں باہر کیا ہو رہا ہے؟"

"موت کی گھڑی گنگنا رہا ہوں۔"

"یہ موت کی نہیں نئے رنگ و روغن کی بو ہے۔"

"کیا اندر سے پورے کمرے کو رنگ کر لیا گیا ہے؟"

"ہاں..." ہرام نے جواب دیا۔

"اور رنگ سے ہر چیز ڈھکی ہوئی ہے؟"

"آخر بات کیا ہے؟" ہرام کی آواز جھنجلائی تھی۔

"گھبرانے کی کوئی بات نہیں" اوشان نے پرسکون لہجے میں کہا "تم جہاں لیٹے ہو، اطمینان سے وہیں پڑے رہو۔ اسی طرح صوت یاب ہو جاؤ لیکن یہاں سے اس وقت تک باہر نکلنے کی... کوشش نہ کرنا جب تک ہم دونوں میں سے کوئی آ کر تمہیں نہیں کہتا۔"

"اندر آؤ اور مجھے تفصیل سے بتاؤ۔"

"اندر آنے کے بعد تفصیل بتانے کی نوبت ہی نہیں آئے گی..."

"وہ کیوں؟" ہرام نے چیخ کر پوچھا۔

"اس لیے کہ ہم خود تفصیل سے فرش پر بکھر جائیں گے۔"

"تم دونوں ایک دوسرے پر کیوں گرج برس رہے تھے..." ہرام نے پوچھا۔

"سنو ہرام!" اوشان نے بند دروازے کو گھورتے ہوئے کہا "ایک جال تیار کیا گیا ہے جو ابھی تک ہمارے لیے ناقابل فہم ہے... لیکن میری حسیات کہہ رہی ہیں کہ کوئی نہ کوئی گڑبڑ ضرور ہے۔ بالکل ویسا ہی معاملہ ہے جیسا کہ تمہیں مجسمے کے سلسلے میں پیش آیا تھا۔"

"لیکن کمرے میں کوئی مجسمہ نہیں ہے۔"

"اس کمرے میں کچھ نہ کچھ ضرور ہے۔ ممکن ہے، دیواریں ہی موت اگلنے کے لیے تیار ہو جائیں" اوشان نے جواب دیا "میں سمجھ نہیں کہ اگر ہم دونوں نے اندر قدم رکھا تو کوئی ایسا حادثہ پیش آ جائے گا جس سے ہمارا زخمی ہو جانا، ناگزیر ہے... اور یہ بھی ممکن ہے کہ ہلاکت ہمارا مقدر بن جائے۔"

"اوہ میرے خدا! ایسی حالت میں ہمیں کیا کرنا چاہیے؟"

"بس خاموش لیٹے صحت یاب ہونے کی کوشش کرتے رہو۔ اور کمرے سے باہر قدم رکھنے کی زحمت نہ کرنا" اوشان نے دوبارہ ہدایت کی "اگر تم نے باہر آنے کی کوشش کی تو میری دانست میں وہ آلہ تباہی پھیلا دے گا جسے اس کمرے میں نصب کیا گیا ہے میں تمہارے جدید آلات کے بارے میں معلومات نہیں رکھتا لیکن میرا دل کہتا ہے کہ دیواروں پر کیا گیا نیا رنگ و روغن چاروں طرف سے موت کا پیغام ہے۔"

"لیکن ایسا رنگ تو چھت پر بھی موجود ہے۔"

"تو پھر سمجھ لو کہ موت پانچ سمتوں سے جھپٹ سکتی ہے۔"

"میں فون کر کے کوئی ٹیکنیشن طلب کر لیتا ہوں جو اس آلے کا سراغ لگا کر اسے ناکارہ بنا دے گا۔"

"لیکن تم یقین سے کیسے کہہ سکتے ہو کہ ٹیکنیشن کی ذرا سی غلطی سے یہ معاملہ بگڑے گا نہیں، بہرحال، جب تمہیں نکلنا ہوگا، میں اس کی ترکیب ضرور بتا دوں گا" اوشان نے اسے اطمینان دلانے کی کوشش کی حالانکہ اس وقت خود اس کا ذہن بھی کچھ سمجھنے سے قاصر ہو گیا تھا۔

"لیکن تم کیا کر سکو گے؟" ہرام کی آواز مایوسی ظاہر کرتی محسوس ہوئی...

"اسے حالات پر چھوڑ دو۔"

"چیف! اطمینان سے سو جاؤ" ٹائیگر نے کہا "پانچ طرف سے ن کا گھیرا ہو تو سناٹا ہے، بڑی گہری نیند آتی ہے۔ اپنے ذہن فی الحال ہر خیال جھٹک دو۔ ہم جلد ہی اس کا کوئی سدِ باب کر لگے۔"

"خدا حافظ، شہزاد" ہرام نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

دونوں وارڈ کے دروازے سے ہٹ گئے۔

"اوہ، میرے خدا" ٹائیگر نے دھیمی آواز میں کہا "اندر بم ب ہیں؟"

"اور تم اونٹ کی طرح منہ اٹھائے اندر جا رہے تھے۔"

"مجھے کیا پتہ تھا کہ گورڈنز نے پالا پڑ گیا ہے" ٹائیگر نے جھلا جواب دیا "اس کے بارے میں تو کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ وہ انہ ذہنیت بھی اختیار کر سکتا ہے۔ وہ ایک ذہین سائنس دان ہے اس نے کافی خدمات سرانجام دی ہیں۔ پھر یکایک اس کا ن کیسے پلٹ گیا؟"

اوشان نے کوئی جواب نہیں دیا۔

ٹائیگر نے کن انکھیوں سے اس کی طرف دیکھا۔

وہ اسے خوف زدہ یا فکرمند نظر نہیں آ رہا تھا۔

سیڑھیاں اترتے ہوئے شہزاد کا دل مسلسل سے دھڑکنے صورتِ حال ایسی تھی کہ انہیں یہ بھی پتہ نہیں تھا کہ کہاں اور ہ اختیاطی تدابیر اختیار کرنی ہے۔ اس کے دل و دماغ میں ایک زلزلہ سا جذبہ بھونچال پیدا کرنے لگا۔

"خوف... دہشت"

**

ڈاکٹر رابرٹ ایک زبردست سرجن تھا لیکن اس میں یہ ی تھی کہ وہ شراب پینے پر آتا تو اس کا ہاتھ روکنے کا نام ہی نہیں تھا... وہ اسی اسپتال کا چیف سرجن تھا جہاں ہرام کو انتہائی ی حالت میں داخل کیا گیا تھا... لیکن اس وقت وہ اپنے ہسپتال کے آپریشن روم میں نہیں تھا۔

وہ ایک ایسی لیبارٹری میں تھا جہاں اس کے سامنے چار سلی دماغ رکھے ہوئے تھے۔ اس نے گزشتہ روز گورڈنز نامی ص شخص سے معاملات طے کیے تھے، اس کی آمد کا وقت ہو ہا تھا۔

رابرٹ نے وہ دماغ تھیلیوں میں بند کر کے فریج میں رکھ دیے تھے اور یہاں آتے ہی انہیں دوبارہ نکال کر ان کا جائزہ لینے لگا تھا۔ چاروں دماغ دیکھنے میں ایک ہی جیسے تھے... لیکن یہ چار مختلف فن کاروں کے دماغ تھے چاروں فن کار مختلف شعبوں سے تعلق رکھتے تھے۔ جس کسی نے بھی ان دماغوں کو فن کاروں کی کھوپڑیاں توڑ کر نکالا تھا، لاکھ احتیاط کے باوجود، یہ دماغ کسی نہ کسی جگہ سے متاثر ہو گئے تھے۔

ڈاکٹر رابرٹ نے شراب کا ایک جام لبریز کیا اور پھر اپنا معدہ لبریز کرنے میں مصروف ہو گیا۔ گورڈنز نامی شخص نے اسے جو معاوضہ پیش کیا تھا، وہ اتنا زیادہ تھا کہ اس کا تصور ہی ڈاکٹر رابرٹ کے لیے شادیٔ مرگ طاری کرنے کا اثر رکھتا تھا... لیکن وہ نشے کی وجہ سے اس اثر میں نہیں آیا تھا اور یہ نشے ہی کی حالت تھی جس نے اسے یہ عجیب و غریب کام کرنے پر آمادہ بھی کر لیا تھا۔

جب پہلے پہل اسے اس عمارت میں لایا گیا تھا تو وہ ہی سوچ رہا تھا کہ اس سے کوئی اہم نوعیت کا آپریشن خفیہ طور پر کروایا جائے گا... لیکن اس کی بجائے اس کے گاہک نے چار دماغ اس کے سامنے رکھ دیے تھے۔

اچانک دروازہ کھلا اور اس کا گاہک اندر آ گیا۔

ڈاکٹر رابرٹ نے اس کی طرف دیکھ کر گلاس والا ہاتھ اٹھایا اور پھر اسے منہ سے لگا کر ایک بڑا سا گھونٹ بھر لیا۔

"کیا تم نے کام مکمل کر لیا ڈاکٹر؟" نووارد نے پرسکون لہجے میں سوال کیا۔

"اطمینان سے بیٹھ جائیں مسٹر گورڈنز... اور ایک جام پیئیں۔ پھر اطمینان سے باتیں کریں گے" ڈاکٹر رابرٹ نے جواب دیا۔

"میں پوچھتا ہوں، تم نے کام مکمل کر لیا؟"

"بنیادی طور پر..." ڈاکٹر رابرٹ نے جواب دیا "لیکن میں حیران ہوں کہ تم ان دماغوں سے درحقیقت کیا کام لینا چاہتے ہو؟"

"میں اس سلسلے میں تمہیں تفصیل سے بتا چکا ہوں" گورڈنز کا موڈ خراب ہو گیا۔ غالباً وہ اپنی بات کو دہرانا پسند نہیں کرتا تھا۔

"لیکن مجھے یہ بھی یاد ہے۔ تم نے کہا تھا کہ ایسا فوری نہیں ہے" اس نے جام دوبارہ لبریز کیا اور پینے لگا۔ اسے ایسے لوگوں سے شدید نفرت تھی جو جلد بازی کا ارادہ بدل لیتے ہوں "یہ تم نے کسی نرس کے کپڑے کیوں اٹھا رکھے ہیں؟" اس نے گورڈنز کے ہاتھ میں دبے ہوئے لباس کی طرف اشارہ کر کے پوچھا "کیا وہ ان میں سے نکل بھاگی ہے یا تم بھاگتی نرس کی یونیفارم بصد اشتیاق بھاگتے چور کی لنگوٹی، اسے اٹھا لائے ہو؟"

"جن باتوں سے تمہارا کوئی تعلق نہ ہو، ان میں مداخلت

کہ کے اپنا اور میرا وقت ضائع نہ کیا کرو۔" گورڈونز ہنسا۔ "میں نے تمہیں چار انسانی دماغ دیئے تھے اور ہدایت کی تھی کہ ان حصوں کا سراغ لگاؤ جہاں خیالات خود بخود پیدا ہوتے ہیں۔ یہ خیالات کیوں پیدا ہوتے ہیں؟ وہ کون سے محرکات ہیں جو خیالات پیدا کرنے میں مدد دیتے ہیں؟ اس کے علاوہ کیا اس حصے میں اپنی مرضی کے خیالات بھی کوئی پیدا کر سکتا ہے؟ وہ حصہ کمپیوٹر کا درجہ رکھتا ہے اور میں اس کمپیوٹر سے بعض خاص کام لینا چاہتا ہوں۔ کیا تم اس حصے کا سراغ لگانے میں کامیاب ہو گئے ہو جہاں تخلیق کا مرحلہ طے پاتا ہے؟ ایک بار انسانی ذہن کا یہ حصہ جسم کا الیکٹرو کیمیکل سگنل نظر انداز کر کے ہمارا الیکٹرونک سگنل قبول کرنے میں کامیاب ہو گیا تو میں اس عمل کو ان دماغوں پر استعمال کر دوں گا جو ابھی زندہ انسانوں کی کھوپڑیوں میں کام کر رہے ہیں۔"

"تم واقعی ایک ذہین آدمی ہو ڈاکٹر گورڈونز۔" ڈاکٹر رابرٹ نے مسکرا کر کہا اور اس توقف میں ایک اور جام حلق میں انڈیل لیا۔

"تم نے میرا بتایا ہوا کام مکمل کیا یا نہیں؟" گورڈونز غرایا۔

"نہیں۔۔۔" رابرٹ نے صاف گوئی سے کہا۔

"کیوں نہیں کیا؟"

"میرا خیال ہے یہ ایک غیر سائنسی فعل ہے۔" ڈاکٹر رابرٹ نے جواب دیا۔ "ایک جام انڈیل لو، ابھی اس موضوع پر بحث کرتے ہیں۔"

"مجھے شراب کی کبھی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔"

"تو پھر ٹھیک ہے۔" ڈاکٹر رابرٹ نے کہا۔ "میں بہت صاف گوئی سے اس موضوع پر بات کرنا پسند کروں گا۔ میں نے یہ کیس اس لیے اپنے ہاتھ میں لیا تھا کہ اس سلسلے میں تمہاری مدد کر دوں گا لیکن مسئلہ یہ پیدا ہو گیا کہ تم نے ہی میری مدد نہیں کی۔"

"میں تمہاری مدد کس طرح کرتا؟"

"مجھے مزید معلومات بہم پہنچا کر۔" سرجن رابرٹ نے کہا۔ "دراصل تم نے دیانت داری سے مجھے کچھ بھی نہیں بتایا۔"

"عام حالات میں، میں کبھی بد دیانتی کا مرتکب نہیں ہوتا۔"

"تو ایسی صورت میں تمہیں مجھ جیسے کسی سرجن کی نہیں بلکہ کسی ماہر نفسیات کی ضرورت ہے۔ انسان کے لیے ناممکن ہے کہ وہ ہمیشہ ہی دیانت دار رہے۔ تمہاری آمد کا شکریہ۔ یہ ایک ناکام کیس ہے۔ حالانکہ لوگ میرے پاس ایسے ہی کیس لاتے ہیں جو کسی کی بھی سمجھ میں نہیں آتے لیکن یہ ایک ایسا کیس ہے جو خود میری بھی سمجھ میں نہیں آیا۔ میں دماغی آپریشن کرنے والوں میں سب سے ماہر مانا جاتا ہوں۔ میں نے بڑے بڑے ناکارہ دماغوں کا آپریشن کر کے انہیں فعال بنا دیا ہے لیکن یہ مُردہ دماغ میرے لیے عجیب اور ناقابل فہم ہیں۔ ان پر کوئی تحقیقی کام کروانے کی بجائے اگر تم خود اپنا دماغی آپریشن کروا لو تو میں سو فی صد نتائج کی ضمانت دینے کے لیے تیار ہوں۔"

"سرجن رابرٹ۔۔۔" ڈاکٹر گورڈونز نے بڑے ضبط کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ "میں کسی ذہنی عارضے میں مبتلا نہیں ہوں بلکہ یہ ایک سائنسی حقیقت ہے۔ مجھے ذہن کے تخلیقی حصے سے گہری دلچسپی ہے۔"

"تم اپنی قوت تخلیق میں اضافہ چاہتے ہو۔" سرجن رابرٹ نے زیر لب کہا۔ "اگر ایسی ہی بات ہے تو میں تمہیں ہالی وڈ جانے کا مشورہ دوں گا۔ اگر تمہیں اپنی کھوپڑی کھلوانے کا شوق ہے تو میں حاضر ہوں تم جو کچھ کہہ رہے ہو، وہ تو میری سمجھ سے بالاتر ہے البتہ ممکن ہے تمہاری کھوپڑی میں جھانک کر میں کچھ معلوم کرنے میں کامیاب ہو جاؤں۔"

"میرا خیال تھا کہ تم دماغ کے اس حصے کی نشاندہی کرنے میں کامیاب ہو جاؤ گے جہاں تخلیقی قوتیں کام کرتی ہیں۔" ڈاکٹر گورڈونز نے مایوسی سے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "لیکن تمہیں تو شراب پینے سے ہی فرصت نہیں ملتی تو کام کیا کرو گے۔"

"تم اس حصے میں پیر وفی لوبز نہیں دو ڈال سکتے۔" سرجن نے غصے سے ہاتھ لہراتے ہوئے کہا۔ "آئندہ فضول خیالات لے کر میرے پاس مت آنا۔ تم نے میرا اب تک کا سارا نشہ ہرن کر دیا ہے۔" یہ کہہ کر وہ مزید شراب انڈیلنے لگا۔

"میں نے تمہارے تجربے کے لیے چار مایہ ناز دماغوں کے دماغ چوری کروائے ہیں۔" ڈاکٹر گورڈونز غرایا۔

"انہیں فوراً نگ پین میں ڈالو اور مغز فوراً ہی کالعدم اٹھاؤ۔ اس کے علاوہ یہ دماغ کسی کام نہیں آ سکتے۔" سرجن نے ڈاکٹر گورڈونز کی طرف دیکھتے ہوئے مضحکہ اڑانے والے انداز میں کہا اور خود آنکھوں سے اس شخص کو دیکھنے لگا جو مشین بنانے کے سلسلے میں دنیا کا سب سے بڑا ماہر تسلیم کیا جاتا تھا۔ اس نے اب تک ایسی مشینیں بنائی تھیں کہ عقل انسانی انہیں دیکھ کر دنگ رہ گئی تھی اور اب وہ ایک ایسی مشین بنانے کی فکر میں تھا جو انسان کی طرح تخلیقی ذہن کی مالک بن سکے۔۔۔ اور اس کی وجہ صرف اور صرف یہ تھی کہ وہ خود تخلیقی کمزوریوں کا شکار تھا حالانکہ ایک موجد اور ایک سائنس دان تخلیق کار ہی ہوتا ہے لیکن وہ جس تخلیق کے لیے خود کو تخلیقی قوت کے انحطاط میں مبتلا محسوس کر رہا ہوتا ہے، وہ انسانی پہنچ سے دور کی بات تھی۔ یہ خدائی کام تھا اور وہ خدا ہی اسے کر سکتا ہے۔ کسی انسان کی مجال نہیں کہ اس سلسلے میں کوئی قدم اٹھائے یا کامیابی کا تصور بھی کر سکے۔

سرجن رابرٹ اب اس معاملے کو ایک اور پہلو سے دیکھ رہا تھا اور اسی پہلو سے اُسے اختلاف تھا۔ وہ جانتا تھا کہ جو لیبارٹری ڈاکٹر گورڈونز نے تیار کی ہے، اس کا مقصد صرف اور صرف تباہی ہے۔ ڈاکٹر گورڈونز جو کبھی کبھی مسٹر ریگل کا نام بھی اختیار کر لیتا تھا، وہ ایک تباہ کار تھا اور سرجن رابرٹ کسی تباہ کار کی انگلیوں پر ناچنے والا آدمی ہرگز نہیں تھا۔

وہ سوچ رہا تھا کہ اب اُسے اس جگہ سے نکل جانا چاہیے۔

"اچھا دوست! اب مجھے اجازت دو۔" اس نے بوتل۔۔۔ اٹھاتے ہوئے کہا۔

"کیا تم میرا کام نہیں کرو گے؟"

"نہیں، ڈاکٹر گورڈونز۔ تم اپنا ذہنی علاج کراؤ۔"

"کیا تم انکار کر رہے ہو؟"

"افسوس! میرے پاس اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں۔"

"میں ایک بار پھر تم سے درخواست کروں گا کہ۔۔۔"

"ہشت! سب بکواس ہے۔ نان سنس۔" سرجن رابرٹ نے کہا اور بوتل پر گرفت مضبوط کر لی۔ اُسی لمحے اس کا پاؤں فرش پر پھسل گیا۔ اس نے نیچے دیکھا لیکن کوئی ایسی چیز نظر نہیں آئی جس پر اس کا پاؤں پھسلا ہو۔

تب وہ ایک دھکے کے ساتھ فریج میں بند ہو گیا۔ اس نے کندھے اُچکائے۔ بوتل اُس کے پاس موجود تھی اس لیے اُسے اتنے وسیع و عریض فریج کی ٹھنڈک کی بھی کوئی پروا نہیں تھی۔ یکایک اُسے نیند آنے لگی۔۔۔ گہری نیند۔۔۔

**

یہ شہزاد، ٹائیگر کے لیے بے حد پریشانیوں کے دن تھے۔ ہر نیا دن اُس کے لیے ایک نئی اُلجھن لے کر آتا اور اس کے اعصاب کو منتشر کر دیتا تھا یہی وجہ تھی کہ اُس نے سانس کی مشق کرنے کا وقت بڑھا دیا تھا۔ اُس صبح بھی اس انداز میں سانس روکے لیٹا تھا کہ دُور یا نزدیک سے دیکھنے والے کو یہ مُردہ، کوئی لاش ہی نظر آ رہا ہو گا۔ اس کے ہاتھ، پاؤں غیر معمولی انداز میں مُڑے تُڑے تھے اور اس کا جسم مُردے کی طرح ساکت تھا۔ اس حالت میں اُسے نصف گھنٹے سے زیادہ وقت گزر گیا تھا اس کی حرکت قلب مدھم ہو کر رُکنے کے قریب پہنچ گئی تھی۔ خون کا بہاؤ بھی نسوں میں رُکتا ہوا لگ رہا تھا۔۔۔ لیکن اس سے دل و دماغ ہر۔۔۔ روشنی ہی روشنی تھی۔ اس کے اعصاب یوں ڈھیلے پڑ گئے تھے جیسے ان میں اُلجھن کی وجہ سے کبھی تناؤ پیدا ہی نہ ہوا ہو۔

رفتہ رفتہ اُس نے یہ حالت ختم کر دی اور ایک طویل سانس لے کر اُٹھ کھڑا ہوا۔

اس نے اوشان کی طرف دیکھا۔

وہ ٹی۔ وی پر صرف پروگراموں کو دیکھنے میں محو تھا جنہیں اس کی غیر موجودگی میں نشر کیا گیا تھا اور جو وی۔ سی۔ آر کے ذریعے ریکارڈ ہوئے تھے۔

گزشتہ روز انہوں نے ایک عجیب حرکت کی تھی وہ دونوں ہی بہرام سے ملنے گئے تھے اور پھر اوشان کسی بات پر برہم ہو گیا تھا۔ تب اس نے وہ زبان اختیار کی تھی جس کے بارے میں شہزاد نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا ہو گا کہ اوشان اتنی خطرناک زبان بھی استعمال کر سکتا ہے۔۔۔ لیکن اس سے زیادہ حیرت انگیز بات یہ ہوئی تھی کہ جواباً بہرام نے بھی ان دونوں کو جی بھر کر گالیاں دی تھیں۔ اس کے بعد اوشان بہت غصے کے عالم میں اسپتال سے واپس آیا تھا اور ٹائیگر کو بھی وہ ساتھ ہی دھکیل لایا تھا۔ رات بھر وہ غصے میں رہا تھا اس لیے ٹائیگر کو اس صورت حال کے بارے میں بحث کرنے کی صلاحیت ہی نہیں ملی تھی۔

وہ دونوں اسپتال گئے تھے تو انہوں نے بہرام کے کمرے میں جانے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی تھی کیوں کہ اوشان کی حیات اب بھی کسی ہلاک دھماکے کی طرف اشارہ کر رہی تھیں۔ اسی بات پر اختلاف ہوا تھا۔ بہرام کی رائے تھی کہ وہ خطرہ ٹل گیا ہے اس لیے اس کا ساتھ دینے سے کترا رہا ہے جب کہ اوشان بضد تھا کہ بہرام انہیں اندر بُلا کر ہلاک کروانے کے منصوبے میں دشمنوں سے مل گیا ہے۔

اس دوران میں ٹائیگر نے ان دونوں ہی کو سمجھانے کی کوشش کی تھی لیکن اوشان اس بُری طرح گرج رہا تھا کہ وہاں کئی آدمی جمع ہو گئے تھے اور پھر وہ پاؤں پٹختا ہوا وہاں سے ٹائیگر کے ساتھ واپس آ گیا تھا۔ آتے وقت اس نے بہرام کو دھمکی دی تھی کہ اس نے محض اپنی زندگی محفوظ رکھنے کے لیے ان دونوں کو ناکارہ استعمال کرنے کی کوشش کی ہے اس لیے وہ بہرام پر بلکہ اس کے دیے ہوئے معاوضے کی خطیر رقم پر تھپیجتا ہے۔

وہ جس ہٹ میں ان دنوں مقیم تھے، وہاں آنے کے بعد اوشان نے بڑی الزائمری کے عالم میں تباہی کی تھی اور ٹائیگر کے ساتھ ایک اور ہٹ میں منتقل ہو گیا تھا جو پہلے ہٹ سے کئی میل دُور ایک بارونق جگہ واقع تھی۔ اس دوران میں اُس نے شہزاد کی کوئی بھی بات سننے سے انکار کر دیا تھا۔۔۔ اور ٹائیگر

چونکہ اُس سے اِس ردِّعمل کی توقع ہی نہیں کر سکتا تھا اس لیے، وہ بھونچکا رہتے ہوئے اپنے اُستاد اور روحانی باپ کے احکامات کی تعمیل کرتا رہا تھا۔

اس نے اُوشان کی طرف دیکھا جس کا موڈ آج بے حد خوشگوار نظر آ رہا تھا اور وہ بات بے بات قہقہے لگا رہا تھا۔

"محترم ابّا جان!" اس نے اُوشان کے مسخرے سراپا کا مضحکہ اُڑاتے ہوئے کہا لیکن اس کا لہجہ بے حد سخت تھا۔ "کیا تم کل والے رویّے کی وضاحت نہیں کرو گے؟"

"میں بہرام سے محبت کرتا ہوں۔" اُوشان نے کہا۔

"وہ تو میں بھی کل دیکھ ہی رہا تھا۔ تم کسی بازاری آدمی کی طرح اس کی ماں اور بہن کی شان میں گستاخیاں کر رہے تھے۔ آخر وہ ہم دونوں کا باس ہے۔ تمہیں اس انداز میں اُسے جُوا بھلا نہیں کہنا چاہیے تھا۔"

"وہ میرا نہیں، صرف تمہارا باس ہے۔" اُوشان نے ناگواری سے کہا۔ "میں تو آزاد آدمی ہوں اور اس کے لیے ٹھیکے پر لاشیں کاشت کرتا ہوں۔"

"لیکن ابھی ابھی تم اس سے محبت کا دعویٰ کر رہے تھے۔" ٹائیگر نے اُلجھن سے کہا۔ "اگر تمہیں مجھ سے بھی ایسی ہی محبت ہے تو میں ابھی ہاتھ جوڑ کر تم سے اپنی غلطیوں کی معافی مانگ کر یہاں سے رخصت ہو جانا چاہتا ہوں۔"

"کہاں جاؤ گے؟"

"جدھر سینگ سمائیں گے، نکل جاؤں گا۔"

"لیکن تم سرکاری سیف کے کرفار نہیں ہو سکتے۔" اُوشان نے مسکرا کر کہا۔ "احمق۔ وہ سب کچھ محض ایک ڈراما تھا۔"

"اگر تم ڈراما کر رہے تھے تو بہرام نے اس میں کیسے حصّہ لیا؟"

"میں نے یہ خیالات اس کے ذہن تک پہنچائے تھے۔"

"ہانک لو، جتنی ہی چاہے۔" ٹائیگر نے کندھے اُچکا کر کہا۔

"ٹیل پیتھی۔۔۔" اُوشان نے مسکرا کر وضاحت کی۔

"لیکن اس حرکت کی وجہ کیا تھی؟"

"تاکہ دشمن یہ سمجھ لے کہ ہم دونوں کا اس سے اختلاف ہو گیا ہے۔"

"اوہ۔۔۔ تم واقعی بڑے خطرناک ہو، ابّا جان۔" ٹائیگر نے اُبا [illegible] کہا۔ "[illegible] وہ نرس اپنے گرفت پرست کے جسم کے ساتھ بہرام کے کمرے میں جا کر زندہ کیسے واپس آ گئی تھی؟ اس وقت دھماکا کیوں نہیں ہوا؟"

"وہ دھماکا صرف ہم دونوں کے لیے محفوظ ہے۔"

"کیا یہ ممکن ہے؟"

"ڈاکٹر گورڈنز ایک بے مثال مُوجد ہے۔ ٹائیگر! اس بات کو ہمیشہ ذہن میں رکھنا۔ جس طرح تمہاری توانائی اور طاقت تمہارے دائرہ اختیار میں ہیں، اس طرح شیشیں اس شخص کی غلام ہیں اور اس کے اشاروں پر کام کرتی ہیں۔ یہ محض جسمانی لہروں کا کھیل ہے جس سے اس نے خاطر خواہ استفادہ کیا ہے۔"

"اور یہ سٹ چھوڑ کر دوسری ہٹ میں قیام کا کیا مقصد ہے؟"

"یہی کہ گورڈنز ہمیں معذور سمجھ لے۔"

"اس طرح تو ہم قیامت تک اس سے نہیں نمٹ سکیں گے۔"

"وہ ہمیں تلاش کرے گا ٹائیگر! بہت جلد وہ ہمارے سامنے آ جائے گا۔" اُوشان نے حتمی لہجے میں کہا۔

"ہُوں۔۔۔" ٹائیگر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اُوشان نے وضاحت کی تھی، اُسے وہ اچھی طرح سمجھ گیا تھا اور یُوں بہت سی اُلجھنیں صاف ہو گئی تھیں۔ "میں باہر جا رہا ہوں۔ کیوں چُوہوں کا رہا ڈبک کر رہنا میرے بس سے باہر ہے۔"

"جاؤ اور جا کر بہرام کو فون کر دو۔"

"لیکن ہماری تو اس سے۔۔۔"

"صرف میری۔ ہماری نہیں۔" اُوشان نے جلدی سے قطع کر دی۔

"اور اگر اس نے میری آواز سُنتے ہی مُغلظات فحش کر دیں تو۔۔۔؟"

"جو تمہارے مُنہ میں آئے، تم بھی کہہ ڈالنا۔"

"یہ میرے لیے ممکن نہ ہو گا۔"

"مگر پھر ہر گالی کے جواب میں اُسے صحت یابی کی دعائیں دیتے رہنا۔"

ٹائیگر باؤں پٹختا ہُوا باہر آ گیا۔ یہ بات اس کی سمجھ میں آ گئی تھی کہ وہ بہرام کو کیوں فون کر دار ہا ہے۔ یقیناً اُوشان کی خواہش تھی کہ بہرام سے ہونے والی فون پر گفتگو سن کر ڈاکٹر گورڈنز کو یہ باور ہو جائے کہ وہ کہاں ہیں۔ شاید اس دوران میں اُوشان نے کوئی اور منصوبہ بنا لیا تھا جس کی وہ اس انداز میں تکمیل کرنا چاہتا تھا۔

وہ ایک قریبی ریستوران میں گیا اور وہاں سے بہرام کے دار ڈ میں موجود فون کا نمبر ملایا اور آپریٹر کے جیسے ہی فون کیٹر کی آواز سنائی دی، وہ بولا۔

"میں شہزاد بول رہا ہوں۔"

اس ریستوران میں سیاہ جیکٹوں والے بے شمار نوجوان موجود تھے اور باہر ان کی موٹر سائیکلیں کھڑی تھیں۔ اُنھوں نے ریستوران کے اندر اور باہر بڑے بڑے بینر لگا رکھے تھے جن پر اخلاقی قسم کے نعروں کا تصور پیش کر رکھا تھا اور اب ٹائیگر نے انھیں کئی نعروں سے اُلجھتے، رُٹتے اور دھکیلتے ہوئے سنا تھا لیکن وہ یہاں فون کرنے آیا تھا اس لیے ان سیاہ جیکٹوں والے نوجوانوں کو نظر انداز کرنے پر مجبور ہو گیا۔

عین سیٹک کے بعد اُسے بہرام کی آواز سنائی دی۔

اس نے اُوشان کے رویّے پر شدید تنقید کی اور پھر بتایا کہ میری پگھلی پر چوٹی بندھی ہُوئی ہے، وہ اگلے ہفتے کھیلنے کی اور ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ اس کے ایک ہفتے بعد اپنے پیروں پر چل سکوں گا۔

"ایسا نہ کرنا۔" اس نے تلقین کی۔

"میں جانتا ہوں۔" بہرام نے جواب دیا۔ "مگر تمہارا معاملہ ہوتا تو اب تک نہ جانے کیا کر چکا ہوتا۔"

"ٹھیک ہے، میں پھر تمہاری خیریت معلوم کروں گا۔" ٹائیگر نے اس دوران میں چند ایسے جملے بھی بولے جنھیں صرف بہرام ہی سمجھ سکتا تھا اور عام سُننے والے کے لیے وہ غیر اہم سی باتیں تھیں۔ اس نے صرف وہ باتیں کہی تھیں بلکہ اس نے جو ابا چند بے معنی جملے بول کر یہ اظہار بھی کر دیا تھا کہ وہ اس کی باتیں خوب اچھی طرح سمجھ چکا ہے۔

کچھ دیر اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد اس نے ریسیور رکھ دیا اور کُرسی سے باہر آ گیا۔۔۔ لیکن دو قدم چلتے ہی اُسے دھچکا لگا۔ اُس کے سامنے سیاہ جیکٹ والا ایک جوان کھڑا تھا جس کے جسم پر گُرریلوں جیسے بال تھے اور اپنی سُرخ سُرخ آنکھوں سے ٹائیگر کو گھور رہا تھا۔ اس کے ساتھ ویسی ہی کرخت صورت والا ایک اور نوجوان تھا۔۔۔ شہزاد نے محسوس کیا کہ ریستوران میں جتنے بھی جیکٹوں والے براجمان ہیں، وہ درحقیقت کن انکھیوں سے اُسی کو دیکھ رہے ہیں۔

گُرریلا نما جوان نے جو جیکٹ پہن رکھی تھی اس پر سواستیکا کا نشان بنا ہُوا تھا اور اس جوان کی ہیبت میں خوف ناک کا تاثر بڑھا ہُوا تھا۔ گُرریلا نما، جیکٹ والے نے آہستہ آہستہ ٹائیگر کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔

ٹائیگر جہاں تھا، وہیں منجمد کھڑا رہ گیا۔

وہ حیران تھا کہ اس بار اُن کا دشمن کس انداز میں اُنھیں نقصان پہنچانے کی کوشش کرے گا۔ وہ کن انکھیوں سے سیاہ جیکٹوں والے نوجوانوں کو دیکھنے لگا جن میں سے بیشتر اُسے درندوں کی طرح گھور رہے تھے۔

ٹائیگر نے ایک طویل سانس لی۔

یہ سانس اس نے اپنے سینے میں روک لی اور دھڑکنیں سُننے لگا۔ دھڑکنیں آہستہ آہستہ [illegible] جارحانہ انداز میں اُٹھ رہے تھے اور دونوں کے درمیان فاصلہ کم ہوتا جا رہا تھا۔

جب دھڑکن بالکل معدوم ہونے لگی تو شہزاد ٹائیگر نے سانس خارج کرنی شروع کی، اس کے ساتھ ہی دل آہستہ آہستہ دھڑکنے لگا۔ اس کے ساتھ ساتھ شہزاد سے دائیں بازو کے عضلات میں تناؤ پیدا ہوتا چلا گیا۔

جس جوان نے پُرانے زمانے کا ہیلمٹ پہن رکھا تھا، وہ رُک گیا۔

اب اس کے اور ٹائیگر کے درمیان صرف دو قدم کا فاصلہ تھا اگر وہ ہاتھ بڑھاتا تو آسانی سے جیکٹ والے جوان کی مُونچھوں کو چھو سکتا تھا۔ ٹائیگر نے یکایک اس کی طرف سے نگاہ پھیری اور بار ٹینڈر کی طرف دیکھا۔۔۔ پھر اس نے کسی مشروب کا آرڈر دے دیا۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ اس جوان کو نظر انداز کرنا چاہتا ہو۔

"مشروب کی بجائے، یہ بیئر کیوں نہیں پیتے؟" سیاہ جیکٹ والے جوان نے ٹائیگر کو مخاطب کیا اس کے لہجے میں شرارت ہی نہیں سفاکی بھی تھی۔

ٹائیگر نے پلٹ کر گُرریلا نما اُس جوان کی طرف ایسی نظروں سے دیکھا جیسے وہ پہلی بار اس کی موجودگی سے آگاہ ہُوا ہو۔ اس کی نگاہ جھیل جانے والے تاثر سے بھرپور تھی اور گُرریلا نما جوان نے اُسے محسوس بھی کر لیا تھا۔ ایک لمحے کے لیے اس کی آنکھوں میں اُلجھن بھی نظر آئی تھی لیکن دُوسرے ہی لمحے وہ پھر شریر سی مسکراہٹ اور چمک دار آنکھوں سے ٹائیگر کی طرف دیکھنے لگا تھا۔

اس نے اپنا بیئر کا گلاس ٹائیگر کے ہاتھ میں تھما دیا۔

ٹائیگر نے اُسے قریبی میز پر رکھتے ہوئے کہا۔ "میں شراب نہیں پیتا۔"

"اس کے علاوہ کن کن چیزوں سے پرہیز کرتے ہو؟"

"تمباکو نوشی، گوشت، اذیت سے لُطف اندوزی... اور

بافیذ خیالات"

"اوہ، کہیں تم کوئی فرشتے تو نہیں جو غلطی سے زمین پر اتر آئے ہو؟" اس نے بچے میں مضحکہ خیز حیرت پیدا کرتے ہوئے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا جو اس بات پر کھل کھلا کر ہنس پڑے تھے۔

ٹائیگر نے خود پر ضبط کیا۔

وہ سمجھ چکا تھا کہ یہ آوارہ لڑکوں کا گروہ ہے وہ لڑکے جو سیاہ جیکٹ پہن کر گروہ در گروہ گھومتے ہیں اور اُن کی دندناتی ہوئی موٹر سائیکلیں کمزوروں کو بُری طرح کچلتی ہوئی گزر جاتی ہیں پہلے اس نے ان لڑکوں کو بھی اُن مجرموں کا ساتھی سمجھا تھا لیکن اب اُسے احساس ہُوا کہ یہ لڑکے محض لُطف اندوزی کے لیے اس سے چھیڑ خانی کر رہے ہیں تاہم گوریلا نما جوان وہاں موجود تمام لڑکوں کا سرغنہ معلوم ہوتا تھا اور ٹائیگر اس کے توہین آمیز اور گستاخ رویے کے لیے اُسے چھوٹی موٹی سزا ضرور دینا چاہتا تھا اس نے ایک نظر پیٹر کے گلاس کی طرف دیکھا اور پھر گوریلا نما جوان کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"نہیں، میں فرشتہ نہیں ہُوں" ٹائیگر نے خوش گوار لہجے میں کہا۔ "میں تو ایک ایسا آدمی ہُوں جو اپنے ہاتھوں سے سرجری کرتا ہے۔"

"کس چیز کی سرجری؟"

"چہروں کی..." ٹائیگر نے جواب دیا۔ "اور میری سرجری کے بعد چہرے خاصے بہتر ہو جاتے ہیں۔" جملہ ختم کرتے کرتے ضبط کے باوجود اس کا لہجہ سخت ہو گیا تھا۔

"اوہ پھر تو تم سے اپنے چہرے کی سرجری ضرور کروانا چاہیے" گوریلا نما غنڈے نے کہا اور اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھنے لگا۔

اس پر ریستوراں میں موجود تمام لڑکے زور زور سے ہنسنے لگے۔

"ایک منٹ!" ٹائیگر نے دایاں ہاتھ اُٹھا کر انہیں خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ "میں اس کے چہرے کی سرجری ضرور کروں گا کیوں کہ یہ اس کی ذاتی خواہش ہے۔ میں دیکھ رہا ہُوں کہ اس کی ناک کچھ بدنما ہے اور اس نے مونچھوں کو ٹھیک سے چھلنے پھولنے کا موقع نہیں دیا لہٰذا میں سب سے پہلے ناک ہی کی سرجری کروں گا۔"

ٹائیگر کے پُرسکون لہجے، کھڑے ہونے کے متوازن انداز، بے پناہ چمک دار آنکھوں اور پتلے پتلے ہونٹوں پر پھیلتی ہُوئی، خود اعتمادی سے بھرپور مسکراہٹ نے سبھی کو متاثر کیا تھا۔ سب کے سب اکٹھے ہو کر تفریح کے لیے نکلے تھے اس لیے شہزاد ٹائیگر کی شخصیت کا اثر عارضی ثابت ہُوا... پھر انہیں اپنے سرغنہ پر کچھ زیادہ ہی اعتماد تھا اس لیے وہ اُس کے ہاتھ سے کوئی کمال دیکھنے کے لیے بے چین ہو رہے تھے۔

"کیا تم لوگوں نے کبھی دیکھا ہے کہ کسی کی ناک چٹکی میں پکڑی جاتی ہے؟" شہزاد نے کہا۔ "بہر حال، میں آپ کو اس کا مظاہرہ دکھاتا ہُوں۔"

اس نے دایاں ہاتھ قدرے اُوپر اُٹھا لیا۔

انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ غنڈوں کے کسی گروہ کی بجائے کمرۂ جماعت میں بیٹھے لڑکوں کو کوئی سبق سکھا رہا ہو۔

"بہت آسان کام ہے" ٹائیگر کہہ رہا تھا "بس اپنا ہاتھ سامنے کھڑے مریض کے چہرے کی طرف لے جائیں، انگوٹھے کو ہتھیلی سے لگا لیں اور انگلیاں موڑ لیں... پھر انگشت شہادت اور درمیانی انگلی کی مدد سے ناک پکڑ لیں۔"

"ہاں... بہت آسان ہے" ایک لڑکا چیخ پڑا۔ "جلدی سے اس کی ناک پکڑو لیکن خیال رکھنا اگر اُسے چھینک آ گئی تو بہت دُور جا گرو گے۔"

اس پر ریستوراں میں قہقہوں کا طوفان آ گیا۔

یوں لگ رہا تھا جیسے ہر لڑکے پر ہنسی کا دورہ پڑ گیا ہو۔

"ٹھیک ہے" سرغنہ غرایا "اسے عملی مظاہرہ کرنے دو۔"

اس کے بعد میں اسے دکھاؤں گا کہ اپنی زنبیر کی مدد سے میں سرجری کرتا ہُوں۔" دوستو" اس نے جیکٹ سے ایک زنبیر نکال کر ہاتھ میں لہرائی۔ "آج تمہارے سامنے دو ماہر سرجنوں کا کمال کیا جانے والا ہے، یہ فیصلہ کرنا اب تمہارا کام ہو گا کہ ہم دونوں سے کون بہتر سرجن ثابت ہوتا ہے؟"

ٹائیگر کے ہونٹوں پر بڑی ہی عجیب مسکراہٹ رقصاں تھی۔

ریستوراں میں بیٹھے ہوئے نئی نسل کے بگڑے ہوئے نوجوان بُری طرح ہنس رہے تھے اور بیئر کے جام لنڈھانے میں مصروف تھے۔

"بس کرو، لڑکو!" بار ٹینڈر نے چیخ کر کہا۔

"تم نے مجھ سے کچھ کہا؟" زنبیر بدست گوریلا پلٹ کر غرایا۔

"یہ ایک ریستوراں ہے اور یہاں..." بار ٹینڈر بولتا رہا۔

"لیکن سرجری کے سلسلے میں پہلا اعلان اس نے کیا ہے

گوریلے نے الزام کی انگلی ٹائیگر کی طرف اُٹھا دی۔

"میں جانتا ہُوں کہ اس شخص نے بلاوجہ تم لوگوں سے اُلجھ کر خود کو مصیبت میں ڈال لیا ہے... لیکن میری خواہش ہے کہ میرا ریستوراں..."

"بس تم اتنا ہی یاد رکھو کہ ہم جو کچھ بھی کریں گے، اپنے دفاع میں کریں گے۔"

بار ٹینڈر تھوک نگل کر رہ گیا۔

"کیا تم تیار ہو؟" ٹائیگر نے خوش مزاجی سے پُوچھا۔

"ہاں، ہاں، بالکل تیار ہُوں" گوریلے نے زنبیر لہراتے ہُوئے کہا۔

"لیکن ریستوراں..."

"اس کی فکر نہ کرو" وہ مسکرا کر بولا۔

"بس ٹھیک ہے" ٹائیگر نے کہا اور اُسے ایک لمحے تک انتظار کرنے کا اشارہ کر کے باقی لڑکوں کی طرف متوجہ ہو گیا "دوستو! جیسا کہ میں کہہ چکا ہُوں کہ میرا کام، اپنے ہاتھوں سے سرجری کرنا ہے۔ ابھی میں اس گوریلے کی بدنما ناک پر سرجری کروں گا۔ اس کے بعد اگر تمہیں اس کی مونچھیں مزید پُرکشش نظر آئیں... تو دوسرا نوجوان سرجری کے لیے آگے آ سکتا ہے۔ ایک بات کا خیال رکھنا، اگر تم سب نے ایک ساتھ سرجری کروانے کی خواہش ظاہر کر دی تو مجھ سے بھول چوک ہو سکتی ہے۔ ایسے میں ناک کے علاوہ جسم کے باقی حصوں کی سرجری بھی ہو جائے گی جس کے لیے میں ذمے دار نہیں ہوں گا۔"

"سنو... زنبیر بدست گوریلا غرایا۔ اگر تم خوف زدہ ہو تو اپنا دعوا واپس لے لو اور ایک قدم پیچھے ہٹ جاؤ۔"

"ایسی صورت میں کیا تم اپنا دعوا واپس لینا چاہتے ہو؟"

"نہیں، میں کسی کو مایوس کرنا پسند نہیں کرتا۔"

"تو پھر یہ لو میں اپنا کام شروع کرتا ہُوں" ٹائیگر نے کہا۔ اس کی انگلیاں اس انداز میں پھڑپھڑائیں جیسے کوئی پرندہ اپنے پر پھڑپھڑاتا ہے یہ دیکھ کر ریستوراں میں موجود لڑکوں کی مسکراہٹیں چہروں سے رخصت ہو گئیں۔ شہزاد کا ہاتھ گوریلے کی طرف بڑھنے لگا۔

گوریلے کے ہاتھ کی گرفت زنبیر پر بڑھ گئی۔

اس کا زنبیر والا ہاتھ آہستہ آہستہ اُٹھنے لگا۔

اُوپر اُٹھتے اُٹھتے ٹائیگر کے ہاتھ میں اچانک ہی تیزی آ گئی۔ اتنی تیزی کہ وہاں موجود کوئی بھی لڑکا نہ دیکھ سکا کہ کب اس کا ہاتھ گوریلے کے چہرے تک پہنچ گیا اور کب اُس نے پہلے سے بتائی ہُوئی ترکیب کے مطابق دونوں مُڑی ہُوئی انگلیوں کی چٹکی میں ناک تھام لی۔

ایک لمحے کے لیے یُوں لگا جیسے گوریلا منجمد ہو گیا ہو۔

اس کے ہاتھ کی گرفت مزید بڑھ رہی تھی لیکن اب زنبیر والا ہاتھ تشنجی کیفیت کا شکار ہو گیا تھا۔ ریستوراں میں آنی خاموشی چھا گئی کہ اگر وہاں پتہ بھی گرا دیا جاتا تو اس کی آواز آسانی سے سُنائی دے سکتی تھی... غالباً یہی وجہ تھی کہ ٹائیگر کی انگلیوں کے دباؤ سے پیدا ہونے والی خفیف سی آواز بھی یُوں سُنائی دی جیسے کسی نے دیوار پر کوڑا دے مارا ہو۔

گوریلے کی ناک کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی۔

اگلے ہی لمحے آوارہ لڑکوں کے سرغنہ نے اپنے سر کو عقب میں جھٹکا مارا۔ غالباً وہ جھٹکے سے اپنی ناک ٹائیگر کی انگلیوں کی گرفت سے نکال لینا چاہتا تھا وہ جھٹکا مارنے میں تو کامیاب ہو گیا لیکن شہزاد کی گرفت سے اپنی ناک آزاد کرانے میں اُسے کامیابی نہیں ہُوئی۔

اس ناک کو وہ ہاتھ کی مدد سے ہی حاصل کر سکتا تھا کیوں کہ ناک ابھی تک ٹائیگر کی انگلیوں میں دبی ہُوئی تھی۔ زندگی میں پہلی بار اپنی ناک اور اپنے چہرے کے درمیان نصف فٹ کا فاصلہ دیکھ کر گوریلے کے چہرے اور اس کی آنکھوں میں زلزلے کی سی کیفیت پیدا ہو گئی۔

اچانک ہی اس کا عمل تنفس بے حد مضحکہ خیز ہو گیا۔

اس کی مونچھوں کے بالائی بال نتھنوں میں لہراتے صاف نظر آنے لگے۔

وہ اس سوراخ سے براہ راست سانس لے رہا تھا جو ناک، چہرے سے ہٹ جانے کی وجہ سے پیدا ہُوا تھا ریستوراں میں براجمان تمام لڑکوں کی آنکھیں حیرت اور خوف کی زیادتی سے اُبل پڑیں۔

... پھر مونچھوں کے اُوپر اور آنکھوں کے درمیانی حصے کے درمیان واقع مقام پر جو خلا پیدا ہُوا تھا، وہاں سُرخی پھیلنے لگی۔ یہ سیال سُرخی رفتہ رفتہ بڑھتی جا رہی تھی۔

گوریلا ساکت کھڑا بڑا ہی بھیانک لگ رہا تھا۔

ابھی تک اس کے چہرے سے تکلیف ظاہر نہیں ہُوئی تھی۔

"اپنی ناک مجھ سے حاصل کر لو" ٹائیگر نے مسکرا کر کہا۔

اس نے گوریلے کی ناک اپنی ہتھیلی پر رکھی اور ہتھیلی اُس کے سامنے پھیلا دی "اُٹھا لو۔ یہ تمہاری ہی ناک ہے"

ٹائیگر کے لہجے میں اب بھی مزاح کا عنصر عروج پر تھا۔ "یاتم نے راسے ابھی تک پہچانا نہیں"

گوریلا اب بھی خاموش کھڑا رہا۔

ریستوراں پر موت کا سا سناٹا طاری ہوگیا۔

ٹائیگر کی ہتھیلی پر رکھی ہوئی ناک ارغوانی رنگت اختیار کرتی جارہی تھی وہ چند لمحوں تک اُسے گھورتا رہا... پھر اُس نے سرخ رنگ کے چہرے سے الگ کی ہوئی ناک اُس گلاس میں ڈال دی جو کچھ دیر قبل ٹائیگر کو پیش کیا گیا تھا۔

گلاس میں بیئر تھی اور بیئر میں ناک تیر رہی تھی۔

ٹائیگر کچھ دیر اس دل چسپ تماشے کو دیکھتا رہا... پھر اس نے ریستوراں میں بیٹھے ہوئے سیاہ جیکٹوں والے غنڈوں کی طرف دیکھا اب ان میں سے کسی ایک کا بھی چہرہ جارحانہ تاثرات کا حامل دکھائی نہیں دے رہا تھا وہ مرعوب ہی نہیں، مرنے کی حد تک دہشت زدہ ہوچکے تھے۔

"اپنی بیئر پی لو، دوستو! اور غصہ تھوک دو" ٹائیگر نے تیرتی ہوئی ناک والا گلاس اُٹھا کر گوریلے کی طرف بڑھا دیا۔ جو آہستہ آہستہ عقب میں جھک رہا تھا اور پھر اس کی ٹانگوں میں خم پیدا ہوگیا۔

وہ گرتا لیکن گرنے سے کئی لمحے قبل اس کا جسم بے ہوشی کی لپیٹ میں آچکا تھا۔ ٹائیگر نے ایک نظر اُس کی طرف دیکھا اور پھر قریب ترین بیٹھے ہوئے سیاہ جیکٹ والے لڑکے سے پوچھا۔

"ناک ہٹ جانے سے ... ں کی موجھیں اچھی لگ رہی ہیں نا؟"

لڑکے نے اثبات میں سر ہلانے کی کوشش کی لیکن غالباً اس کا سر بے حد بھاری ہوچکا تھا۔ وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوسکا اور وہیں میز پر اوندھے منہ گر کر بے ہوش ہوگیا۔

ٹائیگر ہنس پڑا۔

اس نے بار ٹینڈر کی طرف دیکھا جو کاؤنٹر پر سر ٹکائے اُسے یوں گھور رہا تھا جیسے اس کی آنکھیں حلقوں سے نکل کر کاؤنٹر پر گرنے والی ہوں۔ خبر اڑ جاتا تھا کہ اس پر بھی بے ہوشی کا غلبہ ہوچکا ہے۔

"کسی کو یہ حرکت ناپسند آئی ہو؟" اس نے ریستوراں میں ادھر اُدھر دیکھتے ہوئے سوال کیا۔ انداز و چیلنج کرنے والا تھا۔

"جسے بھی یہ حرکت پسند آئی ہو، وہ یہاں سے جاسکتا ہے۔"

ٹائیگر کے حلق سے نکلنے والی آواز اب شیر کی دھاڑ سے مشابہہ ہوگئی تھی۔

اچانک وہاں افراتفری پھیل گئی۔

سیاہ جیکٹوں والے ملوفان کی باغی اور تباہ کار لہروں کی طرح میزوں سے اُٹھے لیکن اس طوفان کا رُخ دروازے کی جانب تھا۔ بیک وقت کئی لڑکوں نے ایک ساتھ دروازے سے نکلنے کی کوشش کی تو دروازہ گنجائش کے اعتبار سے مختصر ہوگیا وہ دروازے میں پھنس گئے اور بُری طرح جدوجہد کرنے لگے۔

"قطار بنا کر فرار ہو میرے حضرات۔ قطار بنا کر" ٹائیگر غرایا۔

وہ دیر تک وہیں کھڑا رہا۔

باہر ان گنت موٹر سائیکلیں اسٹارٹ ہوئیں۔ اتنا شور ہوا کہ کانوں کے پردے متاثر ہونے لگے۔ ٹائیگر نے ایک نظر فرش پر پڑے بے ہوش گوریلے کی طرف دیکھا جس کی مونچھیں خون میں تر ہوکر ڈوبے اور بھیگے ہوئے چوہے کی شکل اختیار کر گئی تھیں... پھر وہ اُس لڑکے کی طرف متوجہ ہوا جو میز پر سر رکھے بے ہوشی میں ڈوبا ہوا تھا۔

ٹائیگر نے ایک طویل سانس لی اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

اُس کی آنکھوں میں ولی کرب تھا۔

اُس کے ہونٹ بھینچے ہوئے تھے اور اس کا چہرہ دُکھ کا آئینہ دار تھا... وہ سوچ رہا تھا کہ بعض اوقات غیر معمولی ہونا بھی کس قدر دُکھ کا باعث بن جاتا ہے وہ اپنی کار میں بیٹھ گیا اور اگلے ہی لمحے اُس کی کار تیزی سے سڑک پر دوڑنے لگی۔

عقب میں، ریستوراں کے سامنے ہجوم بڑھتا جارہا تھا۔

دُور کہیں سے پولیس کار کا سائرن چیخ رہا تھا اور ٹائیگر کو وہ آواز اپنے دل سے نکلی ہوئی کراہ محسوس ہو رہی تھی۔

اُس نے تکلیف دہ خیالات سے ذہن کو نجات دلانے کے لیے ریڈیو کھول دیا۔

ریڈیو پر کسی خاتون کا بیان نشر ہو رہا تھا یہ عورت جیلوں میں قیدیوں پر ہونے والے ظلم و ستم اور قانون کے تشدد پر بحث کر رہی تھی وہ غور سے سننے لگا تاکہ ایسے تمام تکلیف دہ خیالات اُس کے ذہن سے نکل جائیں جو ایک بے راہ رو لڑکے کی موت سے پیدا ہوکر اُسے بے چین کر رہے تھے۔

"قانون جب تشدد سے کام لیتا ہے تو جرم مزید فروغ پاتا ہے" عورت کہہ رہی تھی۔ ٹائیگر سن پڑا وہ یہ سوچنے پر مجبور ہوگیا کہ عورت شاید اس بات سے بے خبر ہے کہ اگر قانون سختی کرنا چھوڑ دے تو ہر شریف شہری، جرائم پیشہ لوگوں کے خوف سے اپنی چار دیواری میں، شرافت کی طویل المیعاد قید بھگتنے کے لیے بند ہوکر رہ جائے۔ اُسی لمحے ناک سے محروم نوجوان کا چہرہ اُس کی نگاہوں میں گھوم گیا۔

"اگر میں اس کا یہ حشر نہ کرتا تو شاید اس وقت میں خود اُس کی جگہ فرش پر لیٹا ہوتا" اس نے زیر لب کہا اور ریڈیو بند کرتے کرتے رہ گیا۔ عورت کی آواز سُنائی دے رہی تھی۔

ٹائیگر کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیلنے لگی۔

عورت کا کہنا تھا کہ اگر جرائم کے سلسلے میں کسی کے ذہن میں کوئی خاص بات یا کوئی بہتر ین خیال آجائے تو وہ اس سے خط و کتابت کے ذریعے رابطہ قائم کرے۔ وہ اپنا پتہ بتا رہی تھی اور ٹائیگر کا ذہن نہ جانے کیوں یہ پتہ محفوظ کرتا جارہا تھا

(۲)

اس نے ایک جھٹکے سے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

وہ اپنے شان دار دفتر میں بیٹھی تھی اور اس کا خوبصورت سراپا غصے کی زیادتی سے کانپ رہا تھا وانڈا کو مُلک بھر میں زبردست شہرت حاصل تھی وہ ایک اداکارہ تھی لیکن دُنیا بھر میں اس کی تخلیقی قوتوں کا مقابلہ کرنے والا کوئی نہیں تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جب مختلف اور ڈائریکٹر نے اس کے خیال سے اختلاف کیا تو مارے غصے کے اس کی سانسیں بے ترتیب ہونے لگیں۔ اس نے اپنی سیکرٹری کی طرف دیکھا جو ایک خوشگوار چہرے والی لڑکی تھی۔

"جاؤ... ایک آئس کریم لے آؤ" وانڈا نے زیر لب کہا۔

"لیکن ڈیئر!" سیکرٹری نے مسکرا کر کہا "آئس کریم تمہارے لیے نقصان دہ ہے اور تم جانتی ہو کہ آئس کریم کھا کر تمہیں کتنی تکلیف اُٹھانی پڑتی ہے۔"

"اختلاف..." وانڈا نے اپنی منہ چڑھی سیکرٹری کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے زیر لب کہا "اختلاف... اب تم دد منگاؤ گی"

سیکرٹری میز کے ٹاپ پر وانڈا کے سامنے بڑی بے تکلفی سے بیٹھی تھی عام حالات میں اُسے یوں بیٹھنے کی نہ صرف اجازت تھی بلکہ یہ وانڈا کا حکم تھا کہ اس سے بے تکلف رویہ رکھا جائے... لیکن سیکرٹری اختلاف کر کے پریشان ہوگئی تھی اور یہ اختلاف بھی درحقیقت وانڈا کی طرف سے ہی اس کے فرائض میں شامل کیا گیا تھا... وہ صف اوّل کی اداکارہ تھی اور اُسے اپنے جسم کو ہر اعتبار سے موزوں رکھنا پڑتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ میٹھی اور مرغن اشیا

استعمال نہیں کرتی تھی لیکن آئس کریم کا معاملہ دُوسرا تھا یہ چیز اُس کی کمزوری بن گئی تھی۔ خصوصاً غصّے کی حالت میں وہ کئی کئی ٹکڑے ہڑپ کر جاتی تھی۔

... اور اس وقت وہ غصّے میں تھی۔

"اختلاف..." اس نے ایک بار پھر کہا۔

حسین سیکرٹری سر سے پاؤں تک کانپ گئی وہ اپنی باس کو خوب اچھی طرح جانتی تھی۔ غصّے کی حالت میں وہ اختلاف... برداشت نہیں کرسکتی تھی اس نے ایک بار پھر وانڈا کو سمجھانے کی کوشش کی "ڈیئر وانڈا۔ یہ مٹھاس تمہارے حسن اور تمہاری صحت کے لیے زہر ہے۔ خود کو سنبھالنے کی کوشش کرو۔"

"چار ٹکڑے..." وانڈا نے دانت پیستے ہوئے تعداد بڑھا دی۔

سیکرٹری کا چہرہ زرد پڑنے لگا۔

"تمہارا یہ حسین سراپا... تمہارے گلاب جیسے عارض..."

"چھ ٹکڑے" وانڈا کی آواز کسی ناگن کی پھنکار بن گئی۔

سیکرٹری تیزی سے پلٹ کر دروازے کی طرف دوڑی۔ وہ جانتی تھی کہ اب معاملہ حد سے باہر ہوجائے گا۔ دروازہ بند کر کے اس نے اپنی میز پر رکھے ہوئے فون پر جلدی جلدی تقریباً ریستوراں سے رابطہ قائم کیا جہاں کی آئس کریم وانڈا کو بے حد پسند تھی۔ اس نے یہ سوچ کر کچھ آئس کریم لانے کا آرڈر دے دیا کہ جب وانڈا ایک ٹکڑا کھا چکے گی تو اس کا غصہ قدرے کم ہوجائے گا تب وہ اُسے مزید آئس کریم کھانے سے روکنے میں کامیاب ہوجائے گی۔

"لاؤ مجھے دے دو" وہ تیزی سے نوجوان کی طرف بڑھی۔

"نہیں..." نوجوان نے مسکرا کر کہا "میں یہ آئس کریم اپنے ہاتھوں سے میلم وانڈا کو پیش کرنا چاہتا ہوں"

"وہ تم جیسے کم تر نوجوان کی طرف دیکھنا بھی پسند نہیں کرتی" سیکرٹری نے ناگواری سے کہا "کیا تم نہیں جانتے کہ وانڈا..."

"آئس کریم..." اندر سے تیز چیخ سُنائی دی۔

سیکرٹری بوکھلا گئی کیوں کہ نوجوان جس انداز میں جھکائی دے کر اس کی بغل کے نیچے سے نکل گیا تھا، اس پر وہ چند لمحوں کے لیے ششدر رہ گئی تھی اور جب تک اس کے حواس قابو میں آئے تھے، نوجوان آئس کریم کا ڈبہ لے کر وانڈا کے دفتر میں داخل ہوچکا تھا۔

"اُف میرے خدا" سیکرٹری کی آنکھوں سے خوف جھانکنے لگا "اب شاید وہ مجھے جان ہی سے مار ڈالے گی" وہ بڑبڑاتی ہوئی دروازے کی طرف دوڑی اور جب اس نے وانڈا کے دفتر کا دروازہ

کھولا تو نوجوان ایک آئس کریم وانڈا کے ہاتھ میں تھما چکا تھا اور وہ آدھی آئس کریم نگل بھی چکی تھی۔

دیکھتے ہی دیکھتے وانڈا نے باقی ماندہ آئس کریم بھی ہڑپ کرلی۔

نوجوان نے جلدی سے دوسری آئس کریم ڈبے سے نکال کر آگے بڑھادی۔

"بس... بس وانڈا ڈیئر۔" سیکرٹری چیختی ہوئی آگے بڑھی۔ "ظلم کیوں اپنے آپ پر ظلم کررہی ہو؟"

وانڈا نے دوسری آئس کریم اتنی تیزی سے کھالی کہ نوجوان کی آنکھوں میں بھی ایک لمحے کے لیے حیرت اُتر آئی...

"لاؤ... یہ ڈبا، مجھے دے دو۔" وانڈا نے جھپٹ کر نوجوان سے ڈبا چھین لینا چاہا لیکن وہ بھی آفت کا پرکالہ تھا۔ اس نے ایک بار پھر حیرت انگیز انداز میں اُسے ڈاج کیا اور وانڈا کے عقب میں پہنچ کر تیسری آئس کریم بھی اُس کے ہاتھ میں تھمادی۔

وانڈا نے تیسری آئس کریم بھی جلدی جلدی کھالی اُس کی آنکھوں میں اَب بھی غصّہ تھا۔ اس کا سُرخ لیکن حسین دہانہ آئس کریم سے تھرگیا تھا لیکن وہ پھر بھی بے حد پُرکشش نظر آرہی تھی۔ اس کی آنکھیں ساکت تھیں اور اُن پر برف کی ڈلیوں کا گمان ہوتا تھا۔

سیکرٹری بُری طرح چیخنے لگی اور نوجوان کو پکڑنے کے لیے اُس کی طرف دوڑی۔ دونوں آگے پیچھے کمرے میں دوڑنے لگے۔ چند لمحے اسی طرح بھاگ دوڑ میں گزر گئے اور سیکرٹری ہانپ کر رُک گئی شاید اسے محسوس ہوگیا تھا کہ وہ اس چھلاوے کی گرد کو بھی نہیں پاسکتی نوجوان اب پھر وانڈا کے قریب کھڑا اُسے چڑھتی آئس کریم پیش کررہا تھا۔ سیکرٹری دیوار سے لگ کر بُری طرح ہانپتے ہوئے اس کے چہرے پر زلزلے کے سے آثار تھے۔

چوتھی آئس کریم سے نمٹ کر جب وانڈا نے نوجوان سے پانچویں آئس کریم حاصل کی تو پہلی بار اُس کی آنکھوں میں تحیّر کی جھلک نمودار ہوئی۔ آج تک کسی کو بلا اجازت اس کے کمرے میں داخل ہونے کی جرأت نہیں ہوئی تھی... پھر یہ نوجوان کیسے اندر آگیا؟ اسی خیال میں ڈوبے ہوئے وہ پانچویں آئس کریم بھی کھا گئی۔

پانچویں آئس کریم کی ٹھنڈک نے اُس کا غصّہ اُتار دیا اور وہ سوچنے سمجھنے کے قابل ہوگئی۔ تب تک نوجوان نے مُسکرا کر چھٹی آئس کریم بھی اس کے ہاتھ میں تھمادی... لیکن وانڈا نے یہ آئس کریم کھانے کی کوشش نہیں کی۔ اس کے چہرے پر ایک بار پھر غصّے کی جھلک نمودار ہوئی لیکن یہ دل کی گہرائی سے اُٹھنے والا غصّہ نہیں تھا اور اس غصّے کے نتائج اُس کے ملنے جُلنے والوں کو اکثر بھگتنے پڑتے تھے۔

"تم نے مجھے آئس کریم کیوں کھانے دی؟" وہ اپنی سیکرٹری کی طرف دیکھ کر گرجنے لگی تو سیکرٹری کا مُنہ حیرت اور خوف کھلا کا کھلا رہ گیا۔

وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگی۔

اس دوران میں وہ تیزی سے سوچ بھی رہی تھی۔

... لیکن اس سے پہلے کہ وہ کوئی معقول جواز پیش کر میں کامیاب ہوتی، اُسے ٹھٹھک جانا پڑا۔ آئس کریم کا لکڑا وا کے ہاتھ سے نکلا اور تیر کی طرح آکر سیکرٹری کی آنکھوں کے بی ناک پر بیٹھا۔ نقاوم سے آئس کریم چپٹی ہوگئی، ایک لمحے کے وہ تھرتھراتے ہوئے چہرے کے ساتھ کھڑی رہی، پھر اس نے د ہاتھوں سے چہرہ چھپالیا اور دوڑتی ہوئی دفتر سے نکل گئی.. جانتی تھی کہ اس قدر بھیانک چہرے کے ساتھ وانڈا کے سا کھڑے رہنا ایک ناقابلِ معافی جُرم ہے سیکرٹری کو وہاں خ تکلیفیں تھیں لیکن وانڈا آنخواہ دینے اور انعام واکرام سے نو میں حاتم طائی سے بھی دو ہاتھ آگے کی چیز تھی اس لیے اُس سارے ہی ملازمین ہنسی خوشی سب کچھ برداشت کرلیا کرتے تھ

سیکرٹری کے جاتے ہی دروازہ بند ہوگیا۔

وانڈا نے اس نوجوان کی طرف دیکھا جو ایک طرف کھڑا رہا تھا اس نوجوان نے ویٹروں جیسے کپڑے پہن رکھے تھے لیکن نہ جانے کیوں وہ کوئی ویٹر نہیں لگتا تھا۔ "تم کون ہو...؟" وانڈا نے اُسے گھورتے ہوئے سرگوشی کی۔

"عظیم وانڈا کا ایک ادنیٰ خادم۔" وہ اُسی انداز میں جُھک کر بولا جس طرح اس نے سیکرٹری کو وانڈا کے سامنے جُھکتے دیکھا تھا۔

"ہُوں... اَب یہاں کھڑے کیا کررہے ہو؟" وانڈا کا چڑھنے لگا۔

"میں محسوس کررہا ہُوں کہ عظیم وانڈا کسی اُلجھن کا شکار ہے۔" نوجوان نے بڑے ادب سے کہا۔ "ممکن ہے، میں تمہارے کچھ کام آسکوں۔"

"تم...؟" وانڈا نے حقارت سے کہا۔ "تم آئس کریم لانے کے علاوہ میرے کس کام آسکتے ہو؟"

"میں آپ کا دل بہلانے کے لیے دو ایک کرتب دکھا تا ہُوں۔" نوجوان نے کہا اور اس کا دایاں ہاتھ آہستہ آہستہ بلند ہوا پھر تیزی سے میز کے کنارے پر لگا۔ اگلے ہی لمحے میز کا کنارا ایں فرش پر گ

وہاں سے کسی تیز دھار اوزار کی مدد سے کاٹا گیا ہو۔

وانڈا نے چیز نہ سمجھنے کے انداز میں پلکیں جھپکائیں۔

نوجوان اس کی طرف دیکھ کر مسکراتا رہا۔ اس کے انداز ذرا سی بھی جارحیت نہیں تھی لیکن اس کی کھڑی ہتھیلی نے جو ل دکھایا تھا اُسے وانڈا نے صرف فلموں ہی میں دیکھا تھا اور قعت میں کبھی کوئی ایسا منظر سامنے نہیں آیا تھا۔

وہ اب بھی کچھ نہ سمجھنے کے انداز میں پلکیں جھپکا رہی تھی۔

رفتہ رفتہ نوجوان کا ہاتھ میز کے ٹاپ پر پہنچ گیا اور پھر اس انگلیاں ٹھوس ٹاپ میں یوں اُترنے لگیں جیسے میز موم کی بنی ئی ہو۔

وانڈا کو اپنی سانس رُکتی ہوئی محسوس ہونے لگی۔

"تمہاری حیرت زدہ حالت سے پتہ چلتا ہے کہ تم مجھے غیر معمولی سمجھنے لگی ہو۔" نوجوان نے مُسکرا کر کہا۔ "اس سے تمہیں اندازہ ہو ہوگا کہ میں تمہارے لیے کافی فائدے مند ثابت ہوسکتا ہُوں۔"

"تمہارا نام کیا ہے؟" وانڈا نے سرگوشی کی۔

"بروگر... لیکن یہ میرا اصلی نام نہیں ہے۔"

"پھر یہ نام بتانے سے فائدہ...؟"

"تاکہ مجھے مخاطب کرنے میں آسانی رہے۔"

"ہُوں... تم میرے لیے کیا کرسکتے ہو؟"

"غالباً میں تمہاری ہر اُلجھن دُور کرسکتا ہُوں۔" بروگر نے کہا۔

"وہ کیسے؟"

"اس کا جواب تو میں تمہاری اُلجھن معلوم کرنے کے بعد ہی دے سکتا ہُوں۔"

"ہُوں..." وانڈا نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "لیکن میں اُلجھن میں مُبتلا ہُوں، اُسے حل کرنے کے لیے تمہارے سب بیکار ثابت ہوں گے۔"

"وہ کس طرح...؟"

"وہاں طاقت نہیں ذہانت کی ضرورت ہے۔"

"تم غیر معمولی ذہین ہو۔" بروگر نے کہا۔

"ہاں... لیکن وقت کم ہے اور غور و فکر یا عمل کے لیے ت کی ضرورت ہوتی ہے۔" وانڈا نے سرگوشی میں جواب دیا۔

"جب وقت کم ہو تو ذہن بدلنے کے لیے صرف ایک ہی یہ ہوتا ہے۔"

"وہ کیا...؟" وانڈا چونک پڑی۔

"تکلیف... درد..."

"گویا مجھیں اذیت پہنچائی جائے۔" وانڈا نے سوچ میں ڈوبی ہوئی آواز میں کہا۔ "کیا تم اذیت کی کوئی خاص ترکیب بتا سکتے ہو...؟"

"اگر کسی کے دونوں بازو کندھوں سے اُکھاڑ دیے جائیں ہوں تو وہ ان کے اُکھڑنے سے پہلے ہی اپنی سوچ بدل سکتا ہے۔" بروگر نے عجیب سے لہجے میں کہا۔ "یہ ایک آزمودہ نسخہ ہے۔"

"ہاں..." وانڈا بڑبڑائی... "پھر کسی خیال کے تحت چونک کر بولی۔ "کیا تمہیں مجھ سے محبت ہے، بروگر؟"

"نہیں، ہرگز نہیں۔ یہ خیال تمہارے ذہن میں کیسے آیا؟"

ایک لمحے کے لیے وانڈا کی آنکھیں قدرے پھیلی پھیلی سی نظر آئیں پھر اگلی ہی ساعت اس نے خود پر قابو پالیا۔ اس کے حلق سے ایک طویل سانس نکل گئی۔ اُسے احساسِ جمال تھا اور وہ یہ بھی جانتی تھی کہ ملک بھر کے آدھے سے زیادہ نوجوان اس کی محبت میں گرفتار ہیں۔ وہ اس کے ایک ہی اشارے پر جہنم میں بھی کُود جانے پر آمادہ ہوسکتے ہیں... لیکن یہ نوجوان اپنی طرز کا انوکھا نوجوان تھا.... جس نے بڑی صاف گوئی سے اعلان کردیا تھا کہ اُسے وانڈا کے حسن و جمال سے ذرا سی بھی دل چسپی نہیں ہے۔

"اگر تمہیں مجھ سے محبت نہیں ہے تو پھر تم میرے لیے یہ سب کچھ کیوں کرنے پر آمادہ ہو؟" وانڈا نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"مجھے بھی اس کے بدلے میں تم سے ایک کام لینا ہے۔"

"وہ کیا کام ہے؟"

"پہلے تم اپنا کام تمام کرو۔ اس کی تکمیل کے بعد میں اطمینان سے اپنے مسئلے پر بات کروں گا۔" بروگر نے سرسری سے لہجے میں جواب دیا۔

وانڈا گہری سوچ میں ڈوب گئی۔ دو ہستیوں نے اس کی حکم عدولی کرنے کی جسارت کی تھی۔ ایک تو ڈائریکٹر تھا اور دُوسرا رائٹر... مصنف اس کی مرضی کے مطابق مسودے میں تبدیلیاں کرنے پر آمادہ نہیں تھا اور ڈائریکٹر نے اس کے پسندیدہ ہیرو کی موجودگی میں ڈائریکشن دینے سے صاف انکار کردیا تھا جب کہ وانڈا کا خیال تھا کہ ان تبدیلیوں کے بعد ہی اس کی تازہ ترین فلم کامیابیوں کے جھنڈے گاڑ سکتی ہے۔

"تمہارا اصلی نام کیا ہے، بروگر...؟" وانڈا نے اچانک سوال کیا۔

"کیا یہ ضروری ہے؟"

"ہاں۔ اعتماد کے بغیر تعلق برقرار نہیں رہ سکتا، خواہ وہ

کتنا ہی عارضی کیوں نہ ہو۔" وانڈا نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"میرا نام گورڈنز ہے... ڈاکٹر گورڈنز..."

"اوہ..." وانڈا کے ہونٹ سکڑ گئے۔ جیسے وہ اتنی اہم ہستی کو اپنے سامنے محض ایک ڈیلیوری بولائے کے روپ میں دیکھ کر ششدر رہ گئی ہو۔ "تم پر واقعی اعتماد کیا جاسکتا ہے..." اس نے زیرِ لب کہا اور دراز سے ایک کاغذ نکال کر اس کے سامنے رکھ دیا۔

*

وہ اطمینان سے کرسی پر بیٹھا اخبار پڑھ رہا تھا۔

سامنے پہاڑوں کے اوٹ سے طلوع ہونے والے سورج کی نوخیز کرنیں اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ اس تک پہنچ رہی تھیں اور وہ بڑی آسودگی محسوس کر رہا تھا۔ والٹر ایک کامیاب فلم ڈائریکٹر تھا اور اس کی کوئی بھی فلم کبھی ناکامی سے ہمکنار نہیں ہوئی تھی... صرف وانڈا ایک ایسی فلم کیلئے اس سے زبردستی کر رہی تھی جس میں اُسے سوائے ناکامی کے کچھ بھی سجھائی نہیں دیتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے صاف جواب دے دیا تھا اور اخبار پڑھتے ہوئے وانڈا کا خیال آنے پر بھی اسی لیے اس کا موڈ خراب ہو گیا تھا۔

اس وقت وہ اپنے سوئمنگ پُول کے کنارے ایک کرسی پر براجمان تھا۔ اچانک اُسے یوں محسوس ہوا جیسے اس کے بائیں پاؤں کو جھٹکا لگا ہو۔ اس نے دونوں پاؤں تالاب میں لٹکا رکھے تھے۔

"ایسا مت کرو، ولیری!" اس نے سخت لہجے میں کہا۔

"کیا کہہ رہے ہو؟" اس کے عقب میں بیٹھی ولیری نے کہا۔ وہ اس کی بیوی تھی اور فرصت کے اوقات میں فلم کے مسودات کا مطالعہ کر کے بڑی اچھی رائے دیا کرتی تھی اس وقت بھی وہ ایک مسودہ دیکھ رہی تھی کہ اُسے اپنے شوہر کی یہ عجیب... اور ناقابلِ فہم بات سنائی دی تھی۔

"اوہ... تم تو عقب میں بیٹھی ہو۔" والٹر نے جھینپ کر کہا۔ "میں سمجھا تھا، شاید تم سوئمنگ پُول میں پیراکی کر رہی ہو اور تم نے مجھے پاؤں سے پکڑ کر تالاب میں گھسیٹنے کی کوشش کی ہے۔"

ولیری شوہر کی اس بات پر قہقہہ لگائے بغیر نہ رہ سکی۔ مگر والٹر کو یوں محسوس ہوا کہ وہ اپنا پاؤں متحرک نہیں کر سکتا۔ یک لخت وہ پاؤں منجمد سا ہو گیا تھا جیسے اس پر فالج گر گیا ہو۔ اس نے متاثرہ ٹانگ کھینچنے کی کوشش کی لیکن وہ تو اسے حرکت دینے میں بھی کامیاب نہیں ہو سکا۔

"ہیلپ!" وہ حلق کے بل چیخ پڑا۔

اس کے ذہن پر اچانک ہی خوف نے اپنے زہریلے پنجے گاڑ دیے تھے۔

اس کی بیوی یہ آواز سن کر اُچھل پڑی۔ مسودہ اس کے ہاتھ سے گر گیا اور وہ تیزی سے تالاب کے کنارے کی طرف بڑھی جہاں اس نے جھک کر دیکھا کہ اس کے شوہر کا پاؤں کروم لیڈ میں پھنسا ہوا تھا۔ اس نے سیڑھی کے پائدان میں پھنسے ہوئے پاؤں کو نکالا اور مسکراتی ہوئی واپس اپنی کرسی کی طرف بڑھ گئی جہاں اس نے مسودہ اٹھایا اور ایک بار پھر اس کے مطالعے میں ڈوب گئی۔

"یہ سیڑھی پہلے تو یہاں نہیں تھی۔" والٹر نے چہرے سے ندامت کا پسینہ پونچھتے ہوئے کہا۔ اس کی عمر اٹھاون سال تھی اور اس کے سینے کے بال تک سفید ہو گئے تھے... وہ کن انکھیوں سے اپنی بیوی کی طرف دیکھنے لگا۔

"میرا خیال ہے، یہ سیڑھی شروع سے یہیں ہے۔"

"لیکن میں جانتا ہوں کہ پہلے کوئی ایسی سیڑھی یہاں نہیں تھی۔" والٹر نے اصرار کیا۔

"تمہیں اپنے خیالوں سے فرصت ہی کب ملتی ہے کہ ایسی چیز کی طرف توجہ دے سکو۔" بیوی نے اس کا مضحکہ اڑاتے ہوئے کہا۔ "یوں بھی بڑھاپے میں آدمی بہت جلد سٹھیا جاتا ہے۔"

"یہ درست ہے کہ میں جس فلم پر کام شروع کرنے والا ہوں میرا زیادہ تر وقت اسی سلسلے میں غور و فکر میں گزر جاتا ہے لیکن یہ سیڑھی..." اچانک اُسے یوں محسوس ہوا جیسے کرسی نے اسے جکڑ لیا ہو۔

وہ بُری طرح جدوجہد کرنے لگا۔

اس کی گردن عقبی حصے سے گزر کر نشست گاہ کی پٹیوں میں پھنس گئی تھی۔ ایسا کیوں کر ہوا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ کرسی کے ہتھوں پر سختی سے جم گئے اور اس نے ایک بار پھر زور لگا کر خود کو کرسی کی گرفت سے نکالنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔ اس کے حلق سے عجیب عجیب آوازیں نکلنے لگیں۔

بیوی نے اُسے ایک نئی مصیبت میں مبتلا دیکھا تو وہ بڑبڑاتی ہوئی اُسے نکالنے کی کوشش کرنے لگی۔

والٹر کا چہرہ تیزی سے نیلا پڑتا جا رہا تھا۔

اگرچہ یہ ایک ناقابلِ فہم صورتِ حال تھی لیکن والٹر بڑے یقین سے کہہ سکتا تھا کہ اس نے ایک مردانہ آواز سنی تھی جو تحکم آمیز آواز... جو اُسے کہہ رہی تھی کہ وہ فوراً وانڈا سے فون پر رابطہ قائم کرے۔ یُوں محسوس ہوا تھا جیسے یہ آواز کرسی کے پایوں سے اس کی سماعت تک پہنچی تھی۔

"ہاں... ٹھیک ہے۔" اس نے ہانپتے ہوئے کہا۔

اُسی لمحے اُس کی بیوی نے ایک جھٹکے سے اُسے کھینچ کر کرسی سے اُٹھا دیا۔ "اُف میرے خدا!" اس کی بیوی ہانپ کر بولی۔ "کیسا تمہارا دماغ چل گیا ہے تم نے اپنی گردن کیسے پھنسالی تھی؟ کیا تم خودکشی کرنا چاہتے تھے؟"

"کرسی نے مجھے جکڑ لیا تھا۔"

"چلو ڈیئر... ہمیں اب زیادہ دیر دھوپ میں نہیں بیٹھنا چاہیے۔" بیوی نے ترحم آمیز نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ والٹر ہانپتا ہوا اپنی بیوی کے ساتھ کمرۂ نشست میں آ گیا۔

اس کے چہرے پر شدید حیرت تھی۔

اس کی آنکھیں پھٹی پھٹی سی تھیں اور ان سے بے یقینی کا اظہار ہو رہا تھا۔ وہ ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔ یہ ایک وسیع و عریض کمرۂ نشست تھا اور اس میں چرمی فرنیچر اس طرح بنایا گیا تھا کہ ہر چیز کا نپلا حصہ فرش سے چسپاں تھا۔

بیوی نے اس کے لیے وھسکی کا ایک بڑا گلاس تیار کیا وہ باہر سوئمنگ پُول پر پیش آنے والے کرسی کے حادثے سے ابھی تک کانپ رہا تھا۔ اس نے جام... ایک ہی سانس میں خالی کر دیا جو کچھ بھی ہوا تھا، ابھی تک اُس کی عقل اسے سمجھنے اور تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہوئی تھی۔

یکایک اس نے تالی بجائی۔ ... یہ ہاؤس بوائے کو طلب کرنے کا اشارہ تھا... تالی کی آواز سن کر ملازم لڑکا چراغ کے جن کی طرح حاضرِ خدمت ہو جایا کرتا تھا لیکن نہ جانے کیا بات تھی کہ وہ ابھی تک نہیں آیا تھا۔

"یہ لڑکا کہاں غائب ہو گیا؟" والٹر نے برہمی سے کہا۔

"وہ ابھی آ جائے گا۔" بیوی نے مسکرا کر کہا اور پھر اس کا لہجہ طنزیہ ہو گیا۔ "وہ وانڈا نامی اداکارہ کی کہانی کا کردار نہیں ہے۔ آخر انسان ہے۔"

"ہاں وانڈا... اس نے جو کہانی لکھی ہے اس سے میں کبھی متفق نہیں ہو سکتا۔" والٹر نے ناگواری سے کہا۔ "وہ چاہتی ہے کہ میں اس کی فلم ڈائریکٹ کر کے خود کو تباہی کے گڑھے میں پھینک دوں۔"

"میں جانتی ہوں، ڈیئر۔" بیوی نے اس کے فیصلے پر خوش ہوتے ہوئے کہا۔ "اس کا تو شاید دماغ ہی خراب ہو گیا ہے۔ میں دعوے سے کہہ سکتی ہوں کہ وہ جھٹ اپنا اثر و رسوخ استعمال کر کے کہانی فلمانا چاہتی ہے ورنہ وہ کہانی کسی طرح بھی کامیاب نہیں ہو سکتی۔"

والٹر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

بیوی سے باتوں کے دوران وہ بھول ہی گیا کہ اس نے تالی بجا کر ملازم لڑکے کو طلب کیا تھا جو ابھی تک نہیں آیا تھا وھسکی کا بڑا گلاس پینے کے بعد اس کی حالت کافی سنبھر گئی تھی اس لیے... وہ باتھ رُوم جانے کے لیے اُٹھ کھڑا ہوا۔

اس نے باتھ رُوم کا دروازہ کھولا اور پتلون کے بٹن کھولے لیکن اندر ٹب پر نگاہ پڑتے ہی وہ بدحواس ہو کر دوڑا تو واپس کمرۂ نشست میں آتے ہوئے اُسے پتلون کے بٹن بند کرنے بھی یاد نہیں رہے۔

وہ ہانپتا کانپتا سیدھا فون کی طرف دوڑ رہا تھا۔

ریسیور اُٹھا کر اس نے کانپتی ہوئی انگلی سے جلدی جلدی وانڈا کے نمبر ڈائل کیے اور بڑی بے چینی سے سلسلہ ملنے کا انتظار کرنے لگا۔

"ہیلو وانڈا ڈیئر۔" اس نے ہانپتی ہوئی آواز میں کہا۔ اس کی آنکھیں دہشت کی زیادتی سے پھٹی ہوئی تھیں اور چہرہ کسی لاش کے چہرے کی طرح زرد پڑ گیا تھا۔ "مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم مجھ سے کوئی بات کرنا چاہتی ہو۔"

اس کی بیوی نے حیرت سے دیکھا اور پھر چونک کر باتھ رُوم کی طرف متوجہ ہو گئی جہاں والٹر نے نہ جانے کیا دیکھ لیا تھا کہ اس نے ایک ہی لمحے میں واپس آ کر وانڈا سے فون پر بات چیت شروع کر دی تھی اور اس کے انداز سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ وانڈا کی ہر بات ماننے کے لیے تیار ہو چکا ہے۔

ولیری کی آنکھیں بھی خوف سے پھیلنے لگیں۔

باتھ رُوم کے کھلے دروازے سے اُسے ہاؤس بوائے کی پشت دکھائی دے رہی تھی۔ وہ گھٹنوں کے بل فرش پر جھکا ہوا تھا اور اس کا چہرہ نہانے کے ٹب میں ڈوبا ہوا تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے کوئی پیاس سے نڈھال، بے سروسامان مسافر کسی ندی کے کنارے جھکا پانی پی رہا ہو... لیکن لڑکے کے کندھے ٹب کے کنارے

پر رکھے ہوئے تھے ٹب پانی سے لبالب بھرا ہوا تھا اور لڑکے کے بال پانی کی سطح پر تیرتے ہوئے صاف دکھائی دے رہے تھے۔

ولیری کے حلق سے ایک گھٹی گھٹی سی چیخ نکل گئی۔

لڑکے کی ناک یا منہ سے ہوا خارج نہیں ہو رہی تھی درنہ سطحِ آب پر کوئی نہ کوئی بلبلہ ضرور نظر آتا... اور تب ولیری کی نگاہ لڑکے کی گردن پر جم گئی اُسے یوں محسوس ہوا جیسے خود اس کا دم بھی گھٹ رہا ہو۔ لڑکے کی گردن کے گرد ایک پائپ سختی سے لپٹا ہوا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ اُسے دن دیہاڑے قتل کر دیا گیا تھا۔

"وانڈا کو میرا ابھی سلام کہہ دینا۔" ولیری نے بلند آواز میں کہا حالاں کہ اس کی آواز میں مسہڑیائی تاخر نمایاں تھا۔

والٹر کن انکھیوں سے باتھ روم اور ولیری کی طرف دیکھتے ہوئے وانڈا سے بات کر رہا تھا اور اس کی ہر بات پر بلا چون و چرا ہامی بھرتا جا رہا تھا۔

برٹرام کے پاس اُن دنوں وارنر برادرز کا ایک مسوّدہ تھا اور وہ دن رات اسی پر کام میں مصروف تھا۔ وہ ملک کا نامور ادیب تھا اور فلمی کہانیوں کے مسودات پر اس کا کام حرفِ آخر سمجھا جاتا تھا اس وقت وہ جس مسودے پر کام میں مصروف تھا، اس کے ایک ایک لفظ پر اُسے فخر کا احساس ہو رہا تھا اور اسے حیرت ہو رہی تھی کہ آخر وانڈا خود کو کیا سمجھتی ہے؟ کیا اس نے اُسے کوئی اتنا ہی گرا پڑا مصنف سمجھ رکھا ہے، جو ہر لمحے سیدھے... آئینڈیے پر کام کرنا شروع کر دے گا۔ وانڈا پلاٹ پر ایک بڑبست ہیروئن تھی اور وہ اس کی اداکارانہ صلاحیتوں کا معترف تھا لیکن اس کی غیر معمولی ذہانت نے غالباً اس پر سنک سوار کر دی تھی کہ وہ ایک لچر سے تھیم پر اس سے کام لینا چاہتی تھی... لیکن اس نے صاف انکار کر دیا تھا اور ابھی تک اپنے اس فیصلے پر قائم تھا۔

سر پہ کے وقت اُسے ذرا سی کسل مندی محسوس ہوئی تو اس نے انگڑائی لی اور پھر یہ انگڑائی ادھوری ہی رہ گئی۔ یہ اس کی نگاہ کا دھوکا تھا یا حقیقت تھی لیکن وہ قسم کھا کر کہہ سکتا تھا کہ جس فروٹ کے کریٹ پر اس کی نشست تھی، وہ خود بخود حرکت کرنے لگا تھا۔

اگرچہ اُسے ایک مسودے پر کام کرنے کے لاکھوں ڈالر ملتے تھے لیکن وہ بے حد کنجوس قسم کا آدمی تھا وہ جس ٹائپ رائٹر پر بیٹھا کام کر رہا تھا، دس سال قبل اس میں خرابی پیدا ہو گئی تھی اور وائی کا حرف ٹائپ نہیں ہو سکتا تھا۔ اس نے آج تک اس کی "ی" کو ٹھیک کرانے کی ضرورت نہیں سمجھی تھی کیوں کہ اس کے بغیر بھی کام چل رہا تھا وہ اس قدر کنجوس تھا کہ کرسی ٹوٹ جانے کے بعد اس نے فروٹ کی ایک خالی پیٹی اس کی جگہ رکھ لی تھی اور اُسی سے کام چلا رہا تھا۔ دس سال سے وہ جس کریٹ پر بیٹھا کام کر رہا تھا، اس میں پہلے کبھی کوئی ایسی تاثر پیدا نہیں ہوا تھا... پھر اچانک ہی اس میں کیسے حرکت پیدا ہو گئی تھی؟

یہ ایک ناقابلِ فہم معاملہ تھا اور اس کی عقل اسے تسلیم کرنے پر کسی طرح بھی آمادہ نہیں ہو رہی تھی بالکل اس طرح جیسے اس کی ذہانت نے وانڈا کے آئینڈیے کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

دفعتہً کریٹ کہ پھر جھٹکا لگا۔

اس بار یہ جھٹکا پہلے سے کہیں شدید تھا۔

اُسی لمحے برٹرام کو یوں محسوس ہوا جیسے اس کے حلق میں پھندا سا پڑ گیا ہے اور کوئی اس پھندے کو سخت تر کرتا جا رہا ہے اس کے حواس کام کرنا بند کرنے لگے اس کی آنکھوں کے سامنے دھند لاہٹ آ گئی جو رفتہ رفتہ تاریکی میں تبدیل ہوتی جا رہی تھی۔ اسی لمحے اُسے اپنی سماعت سے کسی کی خوف ناک آواز ٹکراتی محسوس ہوئی۔

"وانڈا کو فون کرو۔" انداز حکمانہ تھا۔

اچانک اس کے گلے سے پھندہ ہٹ گیا۔

کریٹ نے ایک اور جھٹکا لیا۔

وہ چاروں خانے چت فرش پر گر گیا۔

ابھی وہ سنبھل کر اُٹھ ہی رہا تھا کہ اچانک اُسے گھاس کاٹنے کی مشین اُڑتی دکھائی دی۔ یہ مشین اس کے سر سے گزر کر کھڑکی سے ٹکرائی اور پھر باہر فضا میں تیرتی ہوئی سمندر میں جا گری۔ اس کا گھر ساحل پر تھا اور گھر سے سمندر کا نیلگوں پانی زیادہ فاصلے پر نہیں تھا، اس کے باوجود یہ بات انسانی طاقت سے بعید تھی کہ کوئی گھاس کاٹنے کی آہنی مشین اُٹھا کر یوں پھینک دے کہ وہ نصف فرلانگ کا فاصلہ طے کر کے سمندر میں جا گرے۔

اُسے اپنی کھوپڑی گھومتی ہوئی محسوس ہونے لگی۔

یہ سب کچھ خواب نہیں تھا۔ وہ جاگتی آنکھوں سب کچھ دیکھ رہا تھا۔

... اور وہ انسانی لیکن غیر انسانی تاثر سے بھرپور آواز بھی اس نے ہوش و حواس ہی کے عالم میں سُنی تھی۔ کوئی کہہ رہا تھا۔

"وانڈا سے فون پر بات کرو۔"

وہ ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھا۔

اگلے ہی لمحے وہ تیزی سے وانڈا کے نمبر ڈائل کر رہا تھا۔

"وانڈا ڈیئر..." اس نے ہانپتے ہوئے کہا۔ "کیا تم مجھ سے قائم کرنے کی کوشش کر رہی تھیں؟ مجھے افسوس ہے کہ میں نیت کی وجہ سے جلد رابطہ قائم نہ کر سکا میں تمہاری کیا خدمت ا ہوں؟"

"ہاں برٹ!" وانڈا نے خوش گوار لہجے میں کہا۔ "دراصل یک مرکزی خیال پر تم سے کچھ تحریری کام لینا چاہتی ہوں۔"

سے انداز میں بات کر رہی تھی جیسے اس سے پہلے ان دونوں رمیان اس موضوع پر سرے سے کوئی بات ہی نہ ہوئی ہو ں کہ وانڈا اُسے تھیم سُنا چکی تھی اور برٹرام نے اُسے سختی سے ی کر دیا تھا۔

"اوہ، وہی مرکزی خیال؟" اس نے ہانپ کر کہا۔

"ہاں... جانتے ہو، والٹر اس فلم کی ڈائریکشن کے لیے تیار ہے؟"

"تم نے اُسے کیسے رضامند کر لیا؟" وہ حیرت سے بولا۔

"بھلا تم کیسے رضامند ہو گئے ہو برٹ؟" وانڈا نے دریافت کیا۔

برٹرام کی پیشانی پر پسینے کی بوندیں نمودار ہو گئیں اور وہ کا چلنے لگا۔ ابھی کچھ دیر قبل اس نے جو ناقابلِ یقین منظر دیکھا ں کا تصور ہی اُس کی رُوح فنا کر دینے کے لیے کافی تھا وہ چے بغیر نہ رہ سکا کہ والٹر جیسے عالمی شہرت یافتہ فلم ڈائریکٹر کو... کرنے کے لیے وانڈا نے نہ جانے کون سا خطرناک حربہ ال کیا ہو گا؟

"کیا تم نے میرے فرنیچر میں کوئی گڑبڑ کر دی ہے؟" اس نے ی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"تم مجھے اچھی طرح جانتے ہو، برٹ! میں اپنی بات منوانے یلے کہاں تک جا سکتی ہوں۔" وانڈا نے فخریہ لہجے میں کہا۔

"لیکن تمہارا آئینڈیا احمقانہ ہے، ڈیئر۔ کیوں اس پر اپنا ، سرمایہ اور صلاحیتیں ضائع کر رہی ہو؟" اس نے وانڈا کو انا چاہا۔

"کیا تم اب بھی انکار کر رہے ہو؟"

"ن... نہیں... لیکن ممکن مسودہ کب چاہیے؟"

"ایک ہفتے کے اندر اندر۔"

وانڈا نے کہا اور اس کے ساتھ ہی سلسلہ منقطع ہو گیا۔

وہ بے حد خوش تھی کیوں کہ ڈاکٹر گورڈنز نے جو وعدہ کیا تھا، پورا کر دیا تھا وہ دونوں ہٹ دھرم آدمی اس کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو گئے تھے، جن سے وہ لاکھ بات چیت کر چکی تھی لیکن وہ قائل ہی نہیں ہو رہے تھے۔

یہ بات جلد ہی فلمی حلقے میں پھیل گئی۔

وانڈا کی ایک قریبی دوست نے رازداری سے پوچھا۔

"کیا تم نے کرائے کے قاتلوں سے ساز باز کر لی تھی؟"

وہ کھل کھلا کر ہنس پڑی۔ "نہیں۔ کیا تم ذہانت کی قائل نہیں ہو؟ بات یہ ہے کہ یہ لوگ نیا تجربہ کرنے سے خوف زدہ تھے ان کا خیال تھا کہ کہیں اس نئے تجربے سے ان کا نام ہی نہ ڈوب جائے... لیکن اب انھیں اندازہ ہو گیا ہے کہ وہ کتنے اہم اسکرپٹ پر کام کر رہے ہیں۔ میں بہت بڑی فلم بنا رہی ہوں، ڈارلنگ...!"

سب کچھ وانڈا کی مرضی کے مطابق ہو گیا تھا۔ وہ پوری طرح مطمئن ہو گئی تھی لیکن اس اطمینان کی تہ میں بے چینی کا ایک دریا موجزن تھا۔ وہ حیران تھی کہ آخر ڈاکٹر گورڈنز اس سے کیا چاہتا ہے؟ یقیناً وہ اس سے کوئی ایسی ہی چیز چاہتا ہو گا جو اُسے دُنیا میں سوائے اس کے کسی اور سے نہیں مل سکتی۔

اس وقت وہ اپنی فقید المثال خواب گاہ میں تھی۔

اس خواب گاہ میں کسی کو بھی داخل ہونے کی اجازت نہیں تھی اور اس کے باہر ہمیشہ مسلّح گارڈ موجود رہتا تھا۔ آج تک پرندہ بھی اس پہرے دار کی نگاہ بچا کر اندر آنے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا... یہی وجہ تھی کہ جب وانڈا کی نگاہ گورڈنز پر پڑی تو وہ حیرت اور خوف سے اُچھل ہی پڑی۔

"اوہ... یہ تم ہو؟" اس نے شدید حیرت سے کہا۔

"ہاں جانِ من۔" ڈاکٹر گورڈنز نے مسکرا کر جواب دیا لیکن اس کی مسکراہٹ میں ذرا سی بھی جذباتی حرارت نہیں تھی حالاں کہ وانڈا کی خواب گاہ تو اس کے چاہنے والے خواب ہی میں دیکھ کر خوش ہو جایا کرتے تھے "میں نے اپنا کام تمہاری مرضی کے مطابق ختم کر دیا ہے... اور اب تمہاری باری ہے۔"

"تم کیا چاہتے ہو...؟" وانڈا نے نشیلی نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا لیکن جب اس نے ڈاکٹر گورڈنز کو برف کی ڈلی محسوس کیا تو اس کے انداز میں حیرت پیدا ہو گئی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی کہ دُنیا میں کوئی مرد ایسا بھی ہے، جو اُس جیسی حسین عورت کو نظر انداز کر سکتا ہے۔

ڈاکٹر گورڈنز بیٹھ گیا۔

اس کے انداز سے ذرا سی بھی جلد بازی ظاہر نہیں ہو

رہی تھی۔

وہ دھیمی آواز میں اپنی کہانی سُنانے لگا۔ یہ ایک طرح سے اس کی داستانِ حیات تھی۔۔۔ پھر اس نے دو ایسے آدمیوں کا ذکر کیا جن کی وجہ سے وہ بے حد پریشان تھا۔

"اُوں۔۔۔" وانڈا نے ایک طویل سانس لی۔ اس کی یہ غلط فہمی تو دُور ہو گئی تھی کہ ڈاکٹر گورڈنز درحقیقت اس کے قریب کا طلب گار ہوگا۔

"سنا نجو۔۔۔" اس نے زیرِ لب دُہرایا۔ "تمھارا مسئلہ بے حد عجیب ہے، ڈاکٹر گورڈنز۔ تمھارا کہنا ہے کہ سنا نجو کی ریاست صدیوں سے قائم ہے۔"

"جہاں تک مجھے معلوم ہُوا ہے، ایسا ہی ہے۔"

"تم نے ان دونوں کے پاس ہرام سے جو کچھ دیکھا ہے، مجھے وہ ترکیب بے حد پسند آئی ہے۔ واقعی یہ ایک غیر معمولی ذہانت سے بھرپور کارنامہ ہے۔"

"وہ محض ایک کوشش تھی لیکن میں اس میں کامیابی سے ہم کنار نہیں ہو سکا۔ بہرحال، ابھی تو یہی ترتیب کی جا سکتی ہے کہ وہ دونوں جائیں اور ہرام کو آزاد کرانے کی کوشش کریں اگر وہ ایسا کرتے ہیں تب تو میرا مسئلہ خود بخود حل ہو جاتا ہے۔۔۔ لیکن مجھے نہ جانے کیوں یقین ہے کہ وہ اس جال میں نہیں پھنسیں گے۔"

"کیا تمھیں یقین ہے کہ مجھ سے تمھیں کوئی دلچسپی نہیں؟" وانڈا نے ایک بار پھر سوال کیا۔

"یہ حقیقت ہے کہ میں تم سے کوئی دلچسپی محسوس نہیں کرتا۔"

"تم ایک غیر معمولی آدمی ہو۔"

"میں جانتا ہوں کہ تم بھی ایک غیر معمولی عورت ہو۔"

"ظاہر ہے۔ ورنہ تم میرے پاس کیوں آتے۔" وانڈا نے مُسکرا کر کہا۔ "آؤ، کچن میں چلتے ہیں۔۔۔ لیکن ایک بات تو بتاؤ۔ تم اندر آنے میں کیسے کامیاب ہوئے جب کہ باہر ایک مسلح محافظ۔۔۔ موجود ہے۔۔۔؟"

"وہ اب بھی مستعد کھڑا ہوگا۔"

"اور تم۔۔۔"

"میں غالباً اُسے دکھائی ہی نہیں دیا ہوں گا۔"

"وہ کس طرح۔۔۔؟"

"جس طرح ڈائریکٹر اور اسکرپٹ رائٹر مجھے دیکھنے میں کامیاب نہیں ہو سکے تھے۔" ڈاکٹر گورڈنز نے کہا۔ "اسے تم ہپناٹزم کا کمال کہہ سکتی ہو۔"

"اوہ۔۔۔ کیا تم عملِ تنویم کے بھی ماہر ہو؟"

"میرا تو یہی خیال ہے۔"

"ہاں۔ اب تو میں بھی تم سے متفق ہُوں۔"

وہ خواب گاہ سے باہر آ گئے اور کچن کی طرف چل دیے۔ جب وہ مسلح محافظ کے قریب سے گزرے تو وانڈا نے اس کی آنکھوں میں شدید حیرت دیکھی غالباً وہ اس بات پر ششدر تھا کہ جس شخص کو اس نے وانڈا کی خواب گاہ میں جاتے نہیں دیکھا، وہ اس کی خواب گاہ سے کیسے برآمد ہُوا ہے۔۔۔ پھر اس سے بھی زیادہ حیرت کی بات یہ تھی کہ وانڈا بہ رضا و رغبت اس کے ساتھ کچن کی طرف چلی جا رہی تھی اور دونوں ہنس ہنس کر باتیں بھی کر رہے تھے۔

کچن کے دروازے سے داخل ہوتے وقت وانڈا نے شیشے میں دیکھا۔ مسلح محافظ اپنی آنکھیں مَل مَل کر انھیں دیکھ رہا تھا۔ ایسا ہی تھا جیسے اُسے شبہ ہو کہ وہ کوئی خواب دیکھ رہا ہو۔۔۔ یا پھر اُسے اپنی آنکھوں پر یقین نہ آ رہا ہو۔

"تخلیق۔۔۔ تخلیق۔۔۔" وانڈا نے ذہن پر زور دیتے ہُوئے کہا وہ خواب گاہ سے کچن تک آتے ہُوئے اس مختصر سے راستے میں یہی بحث کرتے آئے تھے۔ "آخر ہم تخلیق تک کس طرح رسائی حاصل کر سکتے ہیں؟"

"اس سلسلے میں، مَیں نے اپنے آپ کو ناکام قرار دے دیا ہے۔ میں بھی ایک تخلیق کار ہُوں لیکن میری فیلڈ دُوسری ہے۔ مجھے منصوبہ چاہیے ایسا منصوبہ جو کسی طرح بھی ناکامی سے ہم کنار نہ ہو سکے اور یہ منصوبہ میرے لیے کوئی دُوسرا تخلیق کار بنا سکتا ہے ایک ایسی ہستی جس کے ذہن میں یہ منصوبے قدرتی طور پر بنتے ہیں اور وہ ہستی تم ہو، وانڈا۔"

"میں اپنی اس خوبی کو جانتی ہُوں۔"

"اسی لیے میں نے تمھارا کام کر دیا۔ تم یقیناً کوئی بہترین منصوبہ بنا کر ان دونوں کو رام کر سکتی تھیں لیکن وانڈا اس میں کافی وقت لگ سکتا تھا۔ بہرحال۔۔۔"

"تم ایک بات تو جانتے ہی ہو گے ڈاکٹر گورڈنز کہ دُنیا میں کوئی بھی کام، معاہدے کے بغیر نہیں ہو سکتا۔"

"ہاں۔۔۔ میں جانتا ہُوں۔"

"تو پھر مجھ سے چند سال کا معاہدہ کر لو۔ میں۔۔۔"

"تم جب تک کا چاہو معاہدہ کر لو۔" ڈاکٹر گورڈنز بولا۔ "لیکن ایک بات یاد رکھنا۔ جس شخص نے تمھ سے آخری معاہدہ کیا تھا وہ اس وقت ایک وسیع و عریض فریزر میں منجمد پڑا ہے اس کے جسم کے ساتھ ساتھ اس کا معاہدہ بھی ہمیشہ کے لیے منجمد ہو چکا ہے۔"

وانڈا کے چہرے پر ایک رنگ سا آ کر گزر گیا۔

"ٹھیک ہے۔" اس نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "بہرحال، تم تخلیقی نوعیت کی منصوبہ بندی چاہتے ہو۔ نئے قسم کے خیالات تھیں درکار ہیں خالص اور انوکھے خیالات اور ان خیالات کا تعلق اس بات سے ہے کہ تم ان دو آدمیوں کو کیسے ہلاک کر سکتے ہو؟"

"بالکل یہی بات ہے۔" ڈاکٹر گورڈنز نے تائید کی۔

"تم سینٹ کیوں نہیں استعمال کرتے؟" وانڈا نے کہا۔

"ان دونوں کے پیروں کو سینٹ میں منجمد کر کے انھیں کسی دریا میں ڈبو دو۔"

"اگر یہ ممکن ہوتا تو میں اب تک کر گزرا ہوتا۔"

"ہم سے انھیں اُڑا دو۔ کار میں بم رکھ کر آسانی سے۔۔۔"

"یہ ایک عام سا طریقہ کار ہے جس میں ناکامی کا امکان سو فی صد ہے۔"

"مشین گن۔۔۔؟"

"احمقانہ تجویز ہے۔"

"کسی ایسی عورت کی خدمات حاصل کرو جو انھیں اپنی طرف متوجہ کر کے ان کی طاقت سلب کر لے اور پھر تم انھیں ٹھکانے لگا دو۔"

"فلمی انداز کا منصوبہ ہے اور ناکامی کا امکان بھی برابر کا ہے۔۔۔"

وانڈا نے گہری نظروں سے ڈاکٹر گورڈنز کی طرف دیکھا اس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک پیدا ہو گئی تھی۔ اس نے جتنے بھی منصوبے بتائے تھے، سب کے سب امکانی تھے اور انھیں کئے دن دُنیا بھر میں آزمایا جاتا ہے۔

"بس تو پھر ایک ہی ترکیب ممکن ہے۔" اس نے مُسکرا کر کہا۔

"وہ کیا۔۔۔؟" ڈاکٹر گرڈنز سہمتن گوش ہو گیا۔

"انھیں نظر انداز کر دو۔ سب سے بہتر انتقام کو زندہ رکھنا ہے۔"

"میں ایسا نہیں کر سکتا۔ ان کی زندگی میری موت کا دُوسرا نام ہے اور ان کی موت میرے لیے زندگی کا پیغام ہے۔"

"وہ کس کاروبار سے تعلق رکھتے ہیں؟"

"جہاں تک مجھے معلوم ہُوا ہے، وہ قاتل ہیں۔"

"تو پھر ہمیں قدرے زیادہ باریک بینی سے غور کرنا پڑے گا۔" وانڈا اب کافی حد تک سنجیدہ ہو گئی تھی اور اس کے ماتھے کی شکنیں ظاہر کر رہی تھیں کہ وہ اپنے ذہن کے تخلیقی خانے پر کافی زور ڈال رہی ہے اس نے فریج کھولا اور اُس میں سے ایک آئس کریم نکال کر کھانے لگی۔ اس کا ذہن برف ہوتا جا رہا تھا اور وہ اس برف کو پگھلا دینا چاہتی تھی۔

اس دوران میں وہ یہ بھی سوچتی جا رہی تھی کہ ڈاکٹر گورڈنز اس کے لیے مزید کس حد تک کارآمد ثابت ہو سکتا ہے؟۔۔۔ وہ دُنیا کے ہر شخص کو اُس کی مرضی کے مطابق معاہدہ کرنے پر آمادہ کر سکتا تھا۔ حتیٰ کہ وہ ہالی وُڈ تک رسائی حاصل کر سکتی تھی۔ ڈاکٹر گورڈنز نے اُسے جو کہانی سُنائی تھی، اس میں کمپیوٹر کے ایک پروگرام کا بھی حوالہ تھا۔ ان کاغذات کے مطابق دو قاتل دُنیا میں ایسے بھی ہیں جنھیں تباہ کرنا تقریباً ناممکن ہے۔ وہ سوچنے لگی کہ ڈاکٹر گورڈنز نے جن کاغذات کا حوالہ دیا تھا، کیا وہ ان سے بھی کوئی فائدہ اُٹھا سکتی ہے یا نہیں؟

"تم نے ان کی عمریں نہیں بتائیں۔" وانڈا نے چونک کر پوچھا۔

"نوجوان تیس سے زیادہ نہیں اور بوڑھا اسّی سال سے کم نہیں ہے۔" ڈاکٹر گورڈنز نے جواب دیا۔

"ان کی کوئی اور خاص بات؟"

"میں سمجھتا ہُوں، وہ روایت پرست بھی ہیں۔"

"روایت پرست۔۔۔ روایت پسند۔" وانڈا نے دُہرایا۔ وہ اب دوسری آئس کریم کھا رہی تھی اور اس کی حسین پیشانی پر بڑی ہی پُرکشش شکنیں نمودار ہو رہی تھیں۔ "اُن کی روایات اپنا لو، ان میں گھل مل جاؤ۔ تم تیار چکے ہو کہ مطابقت پذیری تمھاری فطرت میں شامل ہے۔ بالکل ویسے ہی بن جاؤ، انھی کی طرح سوچو اور انھی جیسا عمل کرو۔ تب تمھیں ان دونوں کو راستے سے ہٹانے کا راستہ معلوم ہو جائے گا۔"

"میں یہ کوشش بھی کر کے دیکھ چکا ہُوں۔" ڈاکٹر گورڈنز نے ایک طویل سانس لیتے ہوئے کہا۔ "یہی وجہ ہے کہ جب نوجوان شہزادہ میرے سامنے تنہا آیا تھا تو میں نے اس پر حملہ نہیں کیا۔ میں نے اُنھی کے انداز میں سوچا تو یہ خیال میرے ذہن میں آیا کہ وہ کبھی دو میں سے ایک کو ہلاک کرنے کی کوشش نہ کرتے۔ وہ اس وقت تک انتظار کرتے جب تک دونوں دُشمن ایک ساتھ سامنے نہ آ جاتے۔ ایک ایسا موقع آیا لیکن بوڑھا بے حد زیرک نکلا۔ وہ میری زد سے باہر رہا اس لیے میں وہاں بھی ناکامی سے ہمکنار رہا۔"

"کیا تم نے انھیں بددعائیں دے کر ہلاک کرنے کی ترکیب بھی آزمالی ہے؟" وانڈا نے پوچھا۔

"کیا مطلب؟" ڈاکٹر گورڈونز نے حیرت سے پوچھا۔

"کسی طرح انھیں احساس دلاؤ کہ ایک سو آدمی محض ان کی موت کی دعائیں مانگنے کے لیے کسی جگہ جمع ہوتے ہیں اور دن رات..."

"اگر تم نے اب کوئی ایسی احمقانہ تجویز پیش کی تو میں آئس کریم بار تمھارے کان کے پردے سے اندر پہنچا دوں گا۔" ڈاکٹر گورڈونز کا لہجہ ناگوار ہوگیا۔ "کہیں میں نے تمھاری تخلیقی قوتوں کے بارے میں غلط اندازہ تو نہیں لگایا تھا؟"

"تم بہت جلد بازی سے کام لے رہے ہو!"

"بکواس مت کرو۔ جلد بازی سے کام لینے والے کسی منفرد طریقۂ کار کی تلاش میں یوں مارے مارے نہیں پھرا کرتے جیسے میں تمھارے پیچھے بھٹک رہا ہوں۔"

"ہوں..." وانڈا نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے تیسری آئس کریم نکالی اور اُسے چاٹتی ہوئی بڑبڑائی: "ان کے بارے میں کچھ اور بتاؤ۔"

"بوڑھا ٹیلی ویژن پروگرام دیکھنے کا بہت شوقین ہے۔"

"اوہ... کوئی خاص پروگرام؟"

"ہاں۔ تم لوگ شاید اس پروگرام کو سپر اوپیرا کہتے ہو۔"

"اوہ، ہاں... ریڈ ایکس..." وانڈا نے زیرلب کہا۔ "ٹھیک ہے، مجھے تھوڑا سا وقت دو۔ تمھارا کام ہوجائے گا۔"

"وہ کیسے...؟"

"میرے ذہن میں ایک مبہم سا خیال آیا ہے جو جلد ہی واضح ہوجائے گا۔" وانڈا اس انداز میں بول رہی تھی جیسے اس پر خواب کی حالت طاری ہوگئی ہو۔

ڈاکٹر گورڈونز کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

اس نے محسوس کرلیا تھا کہ وہ جس تخلیقی قوت سے کام لینا چاہتا تھا، اس طاقت نے وانڈا کے میز معمولی ذہن میں کام شروع کردیا ہے۔ وہ بے حد مطمئن اور مسرور دکھائی دینے لگا۔

وانڈا نے یکے بعد دیگرے تین عدد آئس کریم نکال لیں۔

ڈاکٹر گورڈونز کچھ دیر کھڑا اُسے دیکھتا رہا پھر وہ دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ دروازے میں رک کر اس نے عقب میں دیکھا۔ وانڈا اب بھی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی اور اسے اس کے جانے کا بھی احساس نہیں ہوا تھا۔

وہ مسکراتا ہوا باہر آگیا اور چلتے وقت اس نے بڑی آہستگی سے دروازہ بند کردیا تاکہ وانڈا کے استغراق میں خلل نہ پیدا ہونے پائے۔

ریڈ ایکس خاموش بیٹھا کھڑکی سے باہر دیکھ رہا تھا

اس کی آنکھیں سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ وہ بے حد متناسب جسم کا مالک تھا۔ اس کے جسمانی حُسن پر عورتیں ہی فدا نہیں تھیں بلکہ مرد بھی اُسے رشک کی نگاہ سے دیکھتے تھے سب سے بڑی بات یہ تھی کہ وہ اُوشان کا پسندیدہ اشار تھا۔ اُوشان کو جولی، وی سیریز پسند تھی، ریڈ ایکس اُسی سیریز کا ہیرو تھا۔ اس کی جسمانی حرکات، اس کا متوازن انداز اُوشان کو بے حد پسند تھا ... اور بار ہا ٹائیگر سے کہہ چکا تھا کہ وہ اس نوجوان کا انداز اپنائے لیکن اُسے ریڈ ایکس سے چڑ تھی۔ نہ جانے وہ کیوں اکثر محسوس کرتا تھا کہ کسی نہ کسی روز اسی ریڈ ایکس سے اُس کی خوف ناک جنگ ہو جائے گی۔

ٹائیگر اس بات سے ناواقف تھا کہ ریڈ ایکس مارشل آرٹس پر اتھارٹی ہے گو وہ اُوشان کی طرح اس صدی کے فائٹروں کا ماسٹر نہیں تھا لیکن اس کی حیثیت فن کے اعتبار سے کچھ کم بھی نہیں تھی اگر ایسا نہ ہوتا تو اُوشان اُس کی فلم سپر ہیرو اتنی توجہ، شوق اور لگن سے کبھی نہ دیکھتا۔ جہاں تک ٹائیگر کو یاد تھا، اُوشان نے اس کی کبھی کوئی فلم مس نہیں کی تھی۔ اگر کسی وجہ سے کوئی پروگرام دیکھنے سے رہ جاتا تو اُسے وی سی آر پر اس کے لیے محفوظ کرلیا جاتا تھا اور اُوشان بعد میں، فرصت کے وقت اُسے دیکھ لیتا۔

ریڈ ایکس گزشتہ دو روز سے بے حد اُداس تھا۔

یہ اُداسی کبھی کبھی اس کے لیے بڑی اذیت ناک ہوجاتی تھی۔

وہ عوام میں بے پناہ مقبول تھا۔ اتنا مقبول کہ اس کی ڈاک دیکھنے کے لیے پندرہ افراد پر مشتمل ایک باقاعدہ ڈپارٹمنٹ کام کر رہا تھا، اس کے باوجود بعض اوقات ڈاک کے کئی کئی تھیلے ضائع کردینے پڑتے تھے۔

ریڈ ایکس کی اداسی کی وجہ اپنی یہ مقبولیت ہی تھی۔

لوگ اُسے دیوتا سمجھتے تھے۔ اُسے پوجتے تھے اور اُسے ایک نظر دیکھنے کے لیے گھنٹوں کھڑے رہتے تھے یہی وجہ تھی کہ اس کے لیے اپنے گھر سے نکلنا دوبھر ہوجاتا تھا۔ ٹی وی پروگراموں میں حصہ لینے کے لیے اُسے گھر سے بھیس بدل کر نکلنا پڑتا تھا، جب کہیں اُسے ٹی وی اسٹیشن پہنچنے میں کامیابی ہوتی تھی...

لیکن ریڈ ایکس درحقیقت ایک قاتل تھا۔ ایک خوف ناک قاتل جس کی گرفت سے اب تک ایک بھی فنکار بچ نکلنے میں کامیاب نہیں ہوسکا تھا۔

اب تک وہ کسی زیرزمین سرگرمیوں کی حامل تنظیم کے باس کا ملازم تھا اور اس کی وجہ اُس کے ماضی کی چند مجبوریاں تھیں، جن کے تحت اُسے بلیک میل کیا جارہا تھا وہ بلیک میل کرنا پسند کرتا تھا لیکن کسی کے زیراثر یا بلیک میل ہوکر کام کرنا کبھی اُس کی فطرت سے بعید تھا... اور اب تو اس پر جیسے قیامت ہی ٹوٹ پڑی تھی... وہ جس خفیہ تنظیم کے باس کے حکم پر پُراسرار انداز میں قتل و غارت گری کر رہا تھا، اس باس نے اُسے فروخت کردیا تھا۔ گویا اس کی خدمات بیچ دی گئی تھیں... اور یہ ریڈ ایکس کے لیے اپنی زندگی کا سب سے بڑا المیہ تھا۔

گزشتہ دو روز سے ایک عورت وانڈا اُس سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس نے اُسے صورت حال بتا دی تھی لیکن وانڈا باقاعدہ معاہدے پر دستخط چاہتی تھی جس سے ریڈ ایکس نے انکار کردیا تھا۔

وانڈا شاید دُنیا کی سب سے حسین اداکارہ تھی۔ ریڈ ایکس نے اُسے بارہا دیکھا تھا اور وہ دل ہی دل میں اُسے پسند بھی کرتا تھا لیکن اب وانڈا جس خوف ناک انداز میں سامنے آئی تھی، اس نے ریڈ ایکس کا دل کاٹ کر رکھ دیا تھا وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وانڈا جیسی حسینہ، عالم اتنی سفاک اور اس قدر بھیانک کردار کی بھی مالک ہوسکتی ہے۔

عام حالات میں وہ کوئی رنگ نہیں کرتا تھا۔ یہ عام حالات نہیں تھے۔ اُسے ایک کروڑ پتی ہیروئن کے ہاتھوں فروخت کردیا گیا تھا۔ ایک اعتبار سے یہ تبدیلی ریڈ ایکس کے لیے فائدے مند بھی تھی کہ اُسے تنظیم سے ہر ہفتے جو معاوضہ ملتا تھا، وانڈا نے اس سے دس گنا زیادہ ادائیگی کی ہامی بھری تھی... لیکن ریڈ ایکس کے لیے دولت اب کوئی مسئلہ نہیں تھی اس کے پاس اتنا کچھ جمع ہوگیا تھا کہ اس کی تین نسلیں کوئی کام کیے بغیر اطمینان سے زندگی بسر کرسکتی تھیں... حالاں کہ ابھی تک نہ تو اس نے شادی کی تھی اور نہ ہی کوئی عورت اس کے سامنے تھی جسے وہ بیوی کی حیثیت سے قبول کرلیتا... یہی عورت وانڈا اُس کے دل میں بسی ہوئی تھی لیکن گزشتہ دو روز سے اس کا چہرہ بھی ریڈ ایکس کے خیالوں سے غائب ہوگیا تھا... وہ اب اس قابل نہیں تھی کہ اُسے خیالوں یا خوابوں میں بسایا جاتا۔

ریڈ ایکس نے اپنے لیے ایک جام تیار کیا۔

اس نے چھوٹے چھوٹے گھونٹ لے کر اُسے ختم کردیا۔

اچانک اُسے وانڈا کی دھمکی یاد آگئی، اس نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا وانڈا نے اس کا ماضی بے نقاب کرنے کے علاوہ بھی ایک دھمکی دی تھی اور اس دھمکی کا تعلق ڈاکٹر گورڈونز سے تھا۔ ریڈ ایکس یہ نام بھی سُن چکا تھا۔ اُسے معلوم تھا کہ ڈاکٹر گورڈونز زبردست ہپناٹسٹ اور ذہین ترین مُوجد ہے اس نے قانون پر بالادستی حاصل کرنے کے لیے جتنی بھی ایجادات کی تھیں، اب تک ان کا توڑ دریافت نہیں ہوا تھا... لیکن اُسے یہ بھی معلوم تھا کہ ان دونوں ڈاکٹر گورڈونز بعض اُلجھنوں کا شکار ہے وانڈا اور ڈاکٹر گورڈونز کا ملاپ بڑا خوف ناک تھا اور اس کے نتائج پر غور کرتے کرتے ریڈ ایکس کی کھوپڑی گھوم گئی تھی اُسے آج تک ڈاکٹر گورڈونز سے ملاقات کا شرف حاصل نہیں ہوا تھا تاہم وہ دل کی گہرائی میں اس سے خوف زدہ تھا وہ ہر غیرفطری اور غیرانسانی خصوصیت سے خوف زدہ ہوجاتا تھا... جیسے سنا نجو کا ماسٹر اُوشان!

اپنی تربیت کے ابتدائی دنوں میں اور تربیت حاصل کرنے کے بعد اُس نے یہ نام بارہا سنا تھا اس کے کارنامے بھی سُنے تھے اور ماسٹر اُوشان اس کے نزدیک ایک ایسی ہستی بن گیا تھا جس سے وہ کبھی کبھی خوف کھانے لگتا تھا... یہ خوف غالباً اس بات کا تھا کہ صرف وہی اس کا حریف بن کر سامنے آسکتا ہے۔ اُوشان کو بھی وہ مافوق البشر خیال کرتا تھا اور ڈاکٹر گورڈونز کی حیثیت بھی کچھ ایسی ہی تھی وہ اس بات سے قطعاً بے خبر تھا کہ اُوشان اس کا سب سے بڑا قدرداں ہے۔

"اگر یہ دونوں اس دُنیا سے رخصت ہوجائیں تو کائنات کتنی حسین ہوجائے۔" اس نے دوسرا جام پیتے ہوئے خودکلامی کے انداز میں کہا۔

"ریڈ ایکس..." اچانک ایک آواز اُس کی سماعت سے ٹکرائی۔

وہ بے حس و حرکت ہوگیا۔

یہ آواز غیرانسانی تھی اس میں جو دھات جیسا ٹھوس تاثر تھا، یہ کسی انسان کی آواز میں تو ہرگز پیدا نہیں ہوسکتا۔ وہ جس حالت میں اور جہاں بھی بیٹھا تھا، وہیں ساکت ہوگیا۔ اس نے یہ آواز وہم سمجھ کر نظرانداز کردینی چاہی... نہ جانے کیوں اس میں پلٹ کر دیکھنے کا حوصلہ بھی نہیں پیدا ہوا... یا پھر وہ کسی ایسی آواز کے مالک

کو دیکھنا ہی پسند نہیں کرتا تھا۔

"ریڈ ایکس۔۔۔" وہی آواز دوبارہ سنائی دی۔

اس بار ریڈ ایکس نے بڑی آہستگی اور وقار کے ساتھ آنکھیں متحرک کر کے دائیں، بائیں اور آگے پیچھے دیکھا لیکن کمرے میں خود اس کے علاوہ کوئی بھی موجود نہیں تھا تاہم اس نے دوسری بار بڑے واضح انداز میں آواز سنی تھی۔

جب اُسے کوئی نظر نہ آیا تو وہ کندھے اُچکا کر رہ گیا۔

وہ جانتا تھا کہ گزشتہ دو روز سے اس کے ذہن پر بہت بوجھ ہے۔ جب انسانی اعصاب بوجھ برداشت نہیں کر پاتے تو عموماً ایسا ہی ہوتا ہے ایسے ہی وہم اس کے دل میں پیدا ہونے لگے ہیں اور ایسی ہی آوازیں اُسے سنائی دینے لگتی ہیں خود ساختہ خدشے اور خود ساختہ آوازیں، وہ مسکرانے لگا۔ مجھے خود کو ہر وہم سے نجات دلا کر پُرسکون ہونا چاہیے۔ عنقریب میرا پروگرام ہے۔ اگر یہ اعصابی ہیجان اسی طرح برقرار رہا تو میری کارکردگی متاثر ہوگی اور اس کا مطلب یہ ہوگا کہ میں اپنے قدر دانوں کی نگاہ میں ہیچ ہو جاؤں گا۔

اُسے اپنے وقار کا بہت خیال رہتا تھا معمولی سے معمولی بات بھی وہ پُر وقار انداز میں کرتا تھا حتیٰ کہ قتل کرتے وقت بھی وقار کو نظر انداز نہیں کر پاتا تھا۔

"ریڈ ایکس۔۔۔" آواز ایک بار پھر سنائی دی۔

اس نے اب بھی آواز پر کوئی توجہ نہیں دی اور اپنے لیے تیسرا جام تیار کرنے لگا جام تیار کر کے وہ کرسی سے اُٹھا اور ایک آرام دہ صوفے پر جا کر بیٹھ گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ جب وانڈا سے بات چیت ہو جائے گی تو وہ سب سے پہلے چند روز کی چھٹی لے کر کسی پُرسکون جگہ پر چلا جائے گا اور وہاں جا کر خوب اطمینان سے اپنے اعصابی بوجھ سے چھٹکارا حاصل کرے گا۔

"وانڈا۔۔۔" اس نے زیر لب کہا۔

"ریڈ ایکس۔۔۔" وہی پُراسرار آواز پھر سنائی دی۔ اس بار آواز اتنی سرد تھی کہ اُسے اپنی ریڑھ کی ہڈی میں ایک یخ بستہ لہر دوڑتی ہوئی محسوس ہوئی "تمہارے لیے ایک ٹیلی فون کا پیغام ہے۔"

یہ آواز اس مرتبہ بہت قریب سے سنائی دی تھی اور اس میں دھات جیسا ٹھوس تاثر بھی موجود تھا۔ اب اُسے کسی طرح بھی وہم قرار نہیں دیا جا سکتا تھا اس نے پلٹ کر نہیں دیکھا۔ یہ آواز غیر مرئی تھی اور وہ اسے انسانی آواز سمجھنے پر آمادہ نہیں تھا وہ سوچ رہا تھا کہ اگر بولنے والا بھی اپنی آواز ہی جیسا ہے تو اس کی طرف دیکھنا بھی نہیں چاہیے۔

"کون ہے؟" اس نے اپنے گلاس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا اس نے اپنا لہجہ بے حد پُرسکون رکھنے کی کوشش کی تھی اس کے باوجود آواز میں خفیف سی کپکپاہٹ پیدا ہو گئی۔ جسے محسوس کر کے وہ خود بھی حیران ہو گیا۔ وہ ڈرنا نہیں جانتا تھا بلکہ لوگ اُس سے ڈرتے تھے، وہ لوگ جو اُسے موت کے رُوپ میں دیکھ لیتے تھے ان میں سے بعض کی تو قتل ہونے سے پہلے ہی حرکت قلب بند ہو جاتی تھی۔۔۔ لیکن ایسے لوگ تعداد میں زیادہ نہیں تھے زیادہ تر لوگ اُسے اپنے محبوب ترین ٹی۔ وی پروگرام کا ہیرو خیال کر کے خیالوں ہی خیالوں میں اس کی پوجا کرتے تھے۔

"کون ہے؟" اُس نے دوبارہ پوچھا۔

اس بار ریڈ ایکس کا لہجہ مضبوط تھا وہ کپکپاہٹ غائب ہو گئی تھی جس کی وجہ سے صرف ایک ہی لمحے وہ خود بھی حیران ہو گیا تھا اس نے گلاس سے نگاہ ہٹا کر سامنے دھات کے ایک کانٹر کی طرف دیکھا جہاں وہ عقب میں کھڑے ہوئے کسی بھی شخص کا عکس آسانی سے دیکھ سکتا تھا۔

اُسے کوئی غیر معمولی یا خطرناک عکس دکھائی نہیں دیا۔

"ٹیلی فون پر آیا ہوا پیغام سنو۔" آواز ایک بار پھر آئی۔

ریڈ ایکس جس جگہ بیٹھا تھا، وہاں اُس کے دائیں ہاتھ کی رسائی میں فون موجود تھا اس نے گلاس اُٹھایا، اس سے دو گھونٹ لیے پھر اس نے ٹیلی فون کا بٹن دبا کر ریسیور اُٹھا لیا۔ اس ٹیلی فون کے ساتھ ایک ٹیپ ریکارڈر منسلک تھا جو اس کی عدم موجودگی میں آئی ہوئی کال ریکارڈ کر لیا کرتا تھا۔

ٹیپ ریکارڈر آن ہوتے ہی وانڈا کی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔ یہ آواز سن کر ریڈ ایکس کے اعصاب ایک بار پھر متاثر ہونے لگے۔

"ایکس ڈیئر! تم مجھ سے ابھی تک ناراض ہو؟" وانڈا اُس وقت غالباً کچھ زیادہ ہی خوش گوار موڈ میں تھی۔ "بہر حال تمہیں یہ سن کر خوشی ہوگی کہ میں نے اس تنظیم کی سربراہی اختیار کر لی ہے جس کے لیے قریب تک کام کرتے رہے ہو۔ اس لیے اب ہم دونوں پہلے سے زیادہ قریب ہو گئے ہیں۔۔۔ میں تمہارے اس انداز میں کام لینا چاہتی ہوں کہ ہمارے درمیان چھوٹے بڑے گلے نہیں بلکہ دوستانہ رشتہ استوار ہو جائے وہی رشتہ جس کے کبھی تم خواہش مند تھے اور جسے میں بھی دل سے چاہتی تھی لیکن تب حالات اس رشتے کے مخالف تھے میں نے ملک بھر کی فلم انڈسٹری کو اپنے قبضے میں کر لینے کا فیصلہ کیا ہے اس فیصلے پر

عمل درآمد ہو چکا ہے اور چند بنیادی اہمیت کے لوگ بھی تعاون کرنے پر آمادہ ہو چکے ہیں۔ جلد ہی باقی لوگ بھی میری مرضی کے مطابق چلنے پر مجبور ہو جائیں گے، ایسی صورت میں مجھے تمہاری کوئی ضرورت نہیں ہے۔"

ریڈ ایکس ریسیور کان سے لگائے سنتا رہا۔

اس کے جبڑے مسلسل حرکت کر رہے تھے حالانکہ وہ خالی پیٹ جبڑوں کو حرکت دے رہا تھا۔ اس کی آنکھیں سکڑی ہوئی تھیں نہ جانے وہ اس وقت کیا کیا سوچ رہا تھا۔ اُسے اپنی ذہنی حالت ماؤف ہوتی محسوس ہو رہی تھی۔

"فلم انڈسٹری پر میرا قبضہ ہو جائے گا اس دوران میں ڈرامہ، ٹی۔ وی کمپنیاں بھی میری مٹھی میں آ جائیں گی، بہر حال میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ تمہیں اپنی خدمات پیش کروں۔ یہ بات ہم دونوں کے لیے کارآمد ہوگی، میرا مطلب ہے میں تمہاری مدد کروں گی اور تم میری مدد کرو گے۔"

"جہنم میں جاؤ۔" ریڈ ایکس غرایا۔

"تم مجھے اپنا ہمیشہ دوست پاؤ گے ایکس!" وانڈا اُس کے غصے سے بے خبر کہہ رہی تھی "میں تمہیں ضمانت دیتی ہوں دنیا کے سب سے ہینڈسم قاتل بن جاؤ گے۔ تم میری چہیتی ہو جاؤ گے، میں تمہیں ٹی۔ وی سے اُٹھا کر سیلولائیڈ پر منتقل کر دوں گی، تب تم اپنی مقبولیت دیکھنا، اس مقبولیت کے لیے تمہیں لڑنا ہوگا، تمہیں اپنے راستے کی ایک دو بھاری چٹانیں خود ہٹانی پڑیں گی، باقی سب کچھ میں سنبھال لوں گی۔"

"ہنہہ۔۔۔!" ریڈ ایکس کے لہجے میں حقارت تھی۔

"میں سارے معاملات طے کرنے کے لیے اپنے اہم آدمی بھیج رہی ہوں، تمہیں مسٹر گرڈنرز سے مل کر یقیناً خوشی ہوگی۔ ڈاکٹر گرڈنرز معاہدہ تیار کر کے تمہارے پاس لایا ہے ایک اچھے بچے کی طرح اس پر دستخط کر دینا اور میرا مشورہ ہے کہ ڈاکٹر گرڈنرز سے زیادہ اُلجھنا۔ تم اس کے بارے میں بہت کچھ سن چکے ہو گے، وہ اس کے بارے میں پھیلے ہوئے افسانوں سے کہیں زیادہ حقیقی اور خطرناک ہے۔"

"مافوق الفطرت۔۔۔" ریڈ ایکس بڑبڑایا۔

ٹیلی فون لائن بے جان ہو چکی تھی اور خاموشی چھا جانے سے پہلے وانڈا کا قہقہہ گونجا تھا۔ گھوڑے کی ہنہناہٹ جیسا قہقہہ سے ریڈ ایکس کو شدید نفرت ہو چکی تھی۔

"ملعون عورت!" وہ چیخ پڑا۔

"ایک ایسی خاتون کے بارے میں یہ رائے کچھ اچھی نہیں، دوست! جو تمہارا بھلا چاہتی ہے۔" وہی سرد اور غیر انسانی آواز سنائی دی۔

"تو یہ تم ہو ڈاکٹر گرڈنرز!" ریڈ ایکس کی غراہٹ میں درندگی تھی اس کا گلاس والا ہاتھ آہستہ آہستہ جھکا اور اس نے گلاس میز پر رکھ دیا۔

"ہاں میں گرڈنرز ہی ہوں۔"

ریڈ ایکس آہستہ آہستہ کھڑا ہوا۔

اس نے بڑے ہی پُرسکون انداز میں پلٹ کر دیکھا۔ اس کے گھومنے کا انداز بڑا ہی پُروقار اور پُرکشش تھا لیکن محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی سانپ اپنے بل کھول رہا ہو۔ ایسا سانپ جو اپنے دشمن کے جسم میں زہر انڈیلنے کے لیے اندر ہی اندر طوفان چھپائے ہوئے ہو۔

۔۔۔ اور جب اس کی نگاہ اپنے عقب میں کھڑے شخص پر پڑی تو وہ بے ساختہ مسکرا دیا۔ ڈاکٹر گرڈنرز کی عمر تیس سے کچھ ہی زیادہ رہی ہوگی اس کے بالوں کا رنگ ہلکا بھورا تھا۔ جنھیں اس نے بڑے خوش نما انداز میں سنوار رکھا تھا اور اس کی پیشانی پر ڈھلکی ہوئی ایک لٹ بڑی ہی حسین لگ رہی تھی چہرے اور ظاہری حالت سے وہ اتنا خوف ناک اور خطرناک نہیں لگ رہا تھا جتنا کہ ریڈ ایکس کو اس کے بارے میں توقع تھی۔

وہ کوٹ پہنے ہوئے تھا لیکن اس نے ٹائی نہیں باندھ رکھی تھی اور اس کی قمیص کے کھلے گریبان سے ہار میں پڑی ہوئی ایک چابی جھول رہی تھی۔ یہ چابی دیکھ کر ریڈ ایکس بُری طرح چونک گیا۔

اس کی کُرید حانی قوت اور اس کے روحانی باپ نے ایک بات اُسے بہت پہلے ہی بتا دی تھی کہ وہ کسی ایسے آدمی کے ہاتھوں ہلاک ہو جائے گا جس کے گلے کے ہار میں ایک چابی پڑی ہوگی۔ اس خیال نے ایک بار پھر ریڈ ایکس کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ دوڑا دی۔

اس کی مسکراہٹ کے جواب میں ڈاکٹر گرڈنرز کے ہونٹ بھی مسکرانے لگے تھے لیکن اس کی مسکراہٹ میں دوستی یا محبت کی گرم جوشی نہیں تھی بلکہ بے پناہ سرد مہری تھی۔ "کیا میں تمہارے لیے کچھ آفر کر سکتا ہوں، ڈاکٹر گرڈنرز؟" اس نے قدرے بے تعلقی سے دعوت دی۔

"میں شراب نہیں پیتا۔" ڈاکٹر نے جواب دیا اور وہ اس جواب کے ساتھ اخلاقاً مسکرایا بھی نہیں تھا۔ "میں تمہارے لیے

وانڈا کی طرف سے ایک معاہدہ نامہ لایا ہوں کیا تم اس پر دستخط کرنا پسند کرو گے؟"

ڈاکٹر نے جیب سے تہہ کیے ہوئے چند کاغذات نکالے اور اس کی طرف بڑھا دیے... لیکن ریڈ ایکس نے کاغذات لینے کے لیے ہاتھ نہیں بڑھایا۔

"ان کاموں کے لیے ابھی بہت وقت ہے۔" ریڈ نے کہا۔ "اگر میں ایک جام اور پی لوں تو تمہیں غالباً کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔"

"تمہاری شراب نوشی کی عادت سے میرا کوئی تعلق نہیں۔" ڈاکٹر کے متحرک ہونٹوں سے آواز نکلی تو ریڈ ایکس کو یوں محسوس ہوا جیسے وہ کسی انسان کی بجائے روبوٹ کے منہ سے آواز سن رہا ہو۔ "میں یہاں صرف تمہاری رضامندی حاصل کرنے اور اس معاہدے پر دستخط کروانے آیا ہوں۔"

ریڈ ایکس اپنے آپ میں مسکرا کر رہ گیا۔

اس نے ایک جام بھر لیا اور جرعہ جرعہ کر کے اسے پیتا رہا۔

"میرا خیال ہے، تم شراب نہیں پیتے تو اس کی وجہ غالباً..."

"سنو دوست! ہوا ڈاکٹر گورڈونز کا بھیجا خوار ہو گیا۔ تمہارے لیے میں جس قدر ضبط کر سکتا تھا اس کی حد ختم ہو گئی ہے اب تم آخری دو پیراگراف جلدی سے پڑھو اور معاہدے پر دستخط کر دو۔"

"اتنا سخت لہجہ نہ اختیار کرو ڈاکٹر۔" ریڈ ایکس کا لہجہ بھی بدل گیا۔ "میرے ضبط کی بھی ایک حد ہے جو ختم ہو جاتی ہے تو میں کسی کو نہیں بھی نہیں کیا کرتا۔ اس کے بعد صرف خون بہتا ہے۔"

جواباً ڈاکٹر گورڈونز کی آنکھوں سے سفاکی جھلکنے لگی۔

ریڈ ایکس نے اُسے دیوار پر آویزاں اپنے ہتھیار دکھانے کے لیے اشارہ کیا۔ "ان کو غور سے دیکھ لو، ڈاکٹر! یہ جتنے سکون سے اس وقت دیوار پر آویزاں ہیں، میرے ہاتھوں میں آنے کے بعد ان کا طوفانی شور اتنا ہی بڑھ جاتا ہے۔"

"اس کے باوجود تم معاہدے پر دستخط کرو گے۔"

"چلے جاؤ۔" ریڈ ایکس غرایا۔

"تم معاہدے پر دستخط کر رہے ہو یا نہیں؟"

"میں اس ملعون عورت سے خود ہی بات کر لوں گا۔"

"وہ بات چیت ہو چکی ہے، اب صرف دستخط کرنا باقی ہیں۔"

"ہنہ... میں دھونس میں آ کر کوئی کام کرنا پسند نہیں کرتا۔" یہ کہہ کر وہ آہستہ آہستہ دوبارہ اپنے کاؤنٹر کی طرف بڑھ گیا اس نے محسوس کیا کہ ڈاکٹر بھی اس کے ساتھ ساتھ چلا آ رہا ہے۔

"ٹھیک ہے، اسے آنے دو۔" ریڈ ایکس نے سوچا۔

وہ خاموشی سے اپنے لیے جام بھرنے لگا۔ اس کا خیال تھا کہ ڈاکٹر اب اُسے بھلانے کی کوشش کرے گا۔ اس کی منت سماجت پر اتر آئے گا لیکن ایسا نہیں ہوا۔ ڈاکٹر گورڈونز نے اس سے بحث بھی کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی تھی۔

ڈاکٹر اس کے سامنے کاؤنٹر پر بیٹھ گیا۔

جیسے ہی ریڈ ایکس کا جام لبریز ہوا، گورڈونز نے ہاتھ کو حرکت دے کر اُسے اٹھا لیا۔ ریڈ ایکس کی کنپٹیاں سُلگ اٹھیں۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کرتا، اُسے اپنی زندگی کا سب سے حیرت انگیز منظر دیکھنا پڑا اور وہ مبہوت ہو کر رہ گیا۔

گورڈونز نے باؤ ڈال کر گلاس کو اچھی طرح جانچ کر دیکھا تھا۔ کانچ کا گلاس کسی کی انگلیوں کی گرفت میں یوں ٹوٹتے ریڈ ایکس نے پہلی بار دیکھا تھا کہ گلاس توڑنے والے ہاتھ میں سے خون ایک قطرہ بھی برآمد نہ ہوا۔ گورڈونز کی ہتھیلی پر گلاس کے چند ٹکڑے اب بھی موجود تھے باقی جام اور شراب گویا اس کی گود میں پھیل گئی تھی۔

گورڈونز نہ تو مسکرایا اور نہ ہی اس کی نگاہ ریڈ ایکس پر جمی ہوئی تھی وہ تو اپنی ہتھیلی پر پڑے ان کانچ کے ٹکڑوں کو دیکھ رہا تھا جو گلاس ٹوٹنے کے بعد اس کی مٹھی میں دبے رہ گئے تھے اس کی گود میں نہیں گر سکے تھے۔ اس کی دائیں ہتھیلی پر چار جگہ چمک رہے تھے۔

کانچ کے یہ ٹکڑے بے ترتیبی سے ٹوٹے تھے اور ان کناروں پر خنجر جیسی دھار بن گئی تھی لیکن حیرت کی بات کہ ڈاکٹر گورڈونز کے ہاتھ یا انگلیوں پر خفیف سا زخم بھی نہ آ رہا تھا۔

اچانک اس کی ہتھیلی سمٹنے لگی۔

مٹھی کی شکل میں بند ہونے کے بعد اس کی انگلیوں نے کانچ کے چاروں ٹکڑوں کو یوں پیس ڈالا جیسے وہ کسی انسان کے ہاتھ کی انگلیاں نہ رہی ہوں بلکہ کوئی پیسنے والی مشین ہو جو کوئلے کو ذرات میں تبدیل کرنے کی قوت رکھتی ہو۔

پیسنے، رگڑنے اور مٹھنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ کانچ ذرات میں تبدیل ہو رہا تھا۔

کوئی بھی کرچی اس کے گوشت میں پیوست نہ ہوئی۔

وہ کانچ کے ان ذروں کو انگلیوں سے یوں مسل رہا تھا جیسے وہ پیسنے کے تیز دھار ذرات نہ ہوں بلکہ ریت ہو۔

"مافوق الفطرت...!" ریڈ ایکس بڑبڑایا۔

یہی ایک نفسیاتی گرہ تھی جو اُسے روک دیتی تھی۔

ایک بار پھر اس چابی پر جم گئی جو ڈاکٹر گورڈونز کے گلے کی زنجیر میں پڑی جھول رہی تھی۔ اور جسے وہ صاف دیکھ سکتا تھا۔

ڈاکٹر گورڈونز نے کانچ کے ذرات کاؤنٹر پر ڈال دیے۔

یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کسی ہتھوڑے سے چوٹیں مار مار کر شیشہ پاؤڈر بنا دیا گیا ہو۔ ننھی ننھی کئی ریت جیسی کرچیاں روشنی میں چمک رہی تھیں اور ڈاکٹر گورڈونز بڑے اطمینان سے تولیہ نکال کر اپنے کپڑے صاف کر رہا تھا جن پر خراب گر گئی تھی۔

اچانک ڈاکٹر گورڈونز نے دوسرا جام اٹھا لیا۔

ریڈ ایکس ہکا بکا سا یہ منظر دیکھ رہا تھا جو اس سے پہلے بھی وہ دیکھ چکا تھا اور جسے دیکھ کر اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا تھا... ڈاکٹر گورڈونز نے اسی حیرت انگیز منظر کا اعادہ کر دیا تھا کانچ ٹوٹنے کی مدھم مدھم سی آوازیں بہت دُور کہیں ٹوٹنے والی بڑی بڑی ہڈیوں کی آوازوں سے ملتی جلتی تھیں۔

رفتہ رفتہ گورڈونز نے دوبارہ ہاتھ کھول دیا۔

اس کی ہتھیلی پر شیشے کا پاؤڈر رکھا ہوا تھا۔

اُس نے یہ پاؤڈر ہتھیلی کھول کر پھونک مارتے ہوئے فضا میں بکھیر دیا۔ ریڈ ایکس کی حالت ایسی تھی جیسے وہ سانس تک لینا بھول گیا ہو۔ اس کا چہرہ حیرت کا جیتا جاگتا شاہکار لگ رہا تھا اور اس کی آنکھوں سے اب بھی بے یقینی جھلک رہی تھی حالاں کہ وہ سب کچھ ایک نہیں بلکہ دو بار اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا تھا۔

اس نے گورڈونز کی آنکھوں میں دیکھا۔

گورڈونز بھی اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

"میں یہی سب کچھ تمہاری کھوپڑی پر بھی آزما سکتا ہوں۔" ڈاکٹر گورڈونز کا لہجہ دھمکی آمیز تھا۔ "اب تم ایک لمحہ بھی ضائع کیے بغیر معاہدے پر دستخط کر دو۔"

"جب تم اتنے ہی طاقت ور اور ناقابل تسخیر ہو تو وہ ملعون عورت تمہیں سے معاہدہ کیوں نہیں کر لیتی، میری ضرورت کیوں محسوس ہو رہی ہے؟"

"اس کی بھی ایک وجہ ہے۔" ڈاکٹر نے کہا۔ "اور وہ وجہ صرف اتنی سی ہے کہ تم میں تخلیق کا مادہ مجھ سے کہیں زیادہ ہے اور ہمیں اپنے مقصد کے حصول کے لیے تم جیسے ہی آدمی کی ضرورت ہے تم دستخط کر رہے ہو یا نہیں؟"

ریڈ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیل گئی۔ "لاؤ... وہ معاہدہ کہاں ہے؟" اس نے جیب میں قلم ٹٹولتے ہوئے کہا اور اس کی مسکراہٹ معنی خیز ہو گئی۔

ٹائیگر اپنے کیبن کے ایک کمرے میں فرش پر لیٹا ہوا تھا۔ اس کی دونوں ٹانگیں ملی ہوئی تھیں اور ہاتھ جسم کے ساتھ پیوست تھے۔ اگر کوئی سرسری نگاہ سے دیکھتا تو وہ ایک لاش ہی نظر آتا۔ اس کے پپوٹے ساکت تھے۔ پیشانی بے شکن تھی اور ہونٹوں پر ذرا سا بھی کھچاؤ نہیں تھا۔ جبڑے بھی ڈھیلے ڈھالے انداز میں تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے اس کے جسم میں خون کی گردش رُک گئی ہو اور اس کے عضلات ناکارہ ہو گئے ہوں۔ نرخرے میں ذرا سی بھی حرکت نہیں تھی جو سانس کی آمد و رفت ظاہر کرتی اور سینے کا زیر و بم بھی مفقود تھا۔

اس کی نبضیں تیزی سے ڈوب رہی تھیں۔

دل کی دھڑکن رفتہ رفتہ معدوم ہوتی جا رہی تھی۔

یکایک اس کے نتھنوں میں خفیف سی حرکت پیدا ہوئی۔

اب وہ دوبارہ سانس لے رہا تھا۔ گزشتہ پندرہ منٹ سے وہ سانس کی مخصوص مشق میں مصروف تھا۔ اس نے فی منٹ ٹھوکریں کم سے کم چوبیس تک پہنچائی تھیں اور پھر انھیں بڑھا کر چھیانوے تک لے گیا تھا۔

اس کے اعصاب اور دماغ پر جو بوجھ تھا، وہ اب ختم ہو چکا تھا۔

تصور کی آنکھ سے اس نے روحانی طور پر ایک پیچ بستہ علاقے کا سفر کیا تھا اور یہ روحانی تفریح ہمیشہ کی طرح آج بھی اس کے لیے بے حد خوش گوار ثابت ہوئی تھی۔ دو منٹ بعد ہی اس نے آنکھیں کھول دیں۔

وہ بہرام کے بارے میں نہیں سوچنا چاہتا تھا جواب بھی اسی اسپتال کے کمرے میں بند تھا جہاں وہ اور اوشان اُسے چھوڑ آئے تھے۔ اوشان کا رویہ بے حد پُراسرار ہو گیا تھا۔ شہزاد نے محسوس کیا کہ وہ سیڈ ایکس کے پروگراموں میں پہلے سے کہیں زیادہ دلچسپی لینے لگا ہے اور بعض اوقات تو وہ ایک ایک پروگرام کئی کئی بار دیکھنے لگا تھا۔

بہرام سے آخری ملاقات ہوئے آج سات روز گزر گئے تھے وہ حیران تھا کہ اوشان اُسے کیوں نظر انداز کر رہا ہے؟

صورت حال ایسی تھی کہ وہ ذاتی طور پر کچھ بھی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اوشان کا اضطراب اس کے لیے ایک انوکھی بات تھی اس لیے وہ بے حد محتاط ہو گیا تھا۔ ایک بات کا اُسے شدت

سے احساس تھا کہ اُوشان بلاوجہ بہرام سے دُور نہیں ہے۔ یقیناً اسی میں ان سب کی بہتری مضمر تھی۔

سانس کی مشق ختم کر کے وہ اُٹھ کھڑا ہُوا۔

دوسرے کمرے سے ٹی۔ وی کی آواز سُنائی دے رہی تھی۔

اُوشان اپنا پسندیدہ پروگرام دیکھنے میں محو تھا۔

وہ کمرے میں داخل ہُوا۔ اس وقت ریڈ ایکس ایک فائیٹ میں مصروف تھا۔ اور اُوشان گہری نظر سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں پسندیدگی کی چمک تھی۔ ٹائیگر نے ریڈ ایکس کی طرف دیکھا۔ پہلی بار اس نے توجہ سے اس کی فائیٹ دیکھی تو بے اختیار اس کے مُنہ سے ریڈ ایکس کے لیے ایک تعریفی جملہ نکل گیا۔

"دیکھا... دیکھا شہزاد" اُوشان نے مُسکرا کر کہا۔

"ہاں دیکھا" ٹائیگر نے ایک طویل سانس لے کر جواب دیا۔ "اسکرین پر جو کچھ بھی نظر آتا ہے، وہ کیمرے کا کمال ہوتا ہے اس کی خامیوں کو کیمرے کی تیزی یا سُستی دُور کر دیتی ہے اور دیکھنے والے کو احساس نہیں ہو پاتا کہ..."

"ہم دونوں عام دیکھنے والے نہیں ہیں" اُوشان نے ناگواری سے کہا۔

"بہرحال، اُوشان! میں جا رہا ہُوں" ٹائیگر کے لہجے میں یکایک بے پناہ سنجیدگی آگئی۔ اُوشان نے پلٹ کر اُس کی آنکھوں میں دیکھا۔ اندازہ مبہم ہی سہی۔ جو بادہ ہے بغیر نہ رہ سکا۔ "ہمیں چل کر بہرام کو اس حال کے اس کمرے سے رہائی دلانی چاہیے۔ میرا خیال ہے" اس ڈاکٹر گورڈنز سے بلاوجہ محتاط ہو رہے ہو"

"اپنی خوش قسمتی پر ناز کرو، میرے بچے! اس روز اپنا ہاتھ میں تم یقیناً اُس کے ہاتھوں مارے جاتے... اور اگر زندہ بھی رہ جاتے تو زندگی بھر کے لیے ناکارہ ہو جاتے۔ میں بعض چیزیں صرف محسوس کر کے دعوے سے کہہ دیتا ہُوں تو وہ غلط نہیں ہُوا کرتیں"

"ٹل فادر..." ٹائیگر کے لہجے میں سختی آگئی "کیا تم ڈاکٹر گورڈنز سے خوف زدہ ہو؟"

"نہیں..." اُوشان نے اس کی برہمی پر مُسکرا کر کہا "میں اس پوری کائنات میں صرف دو ہستیوں سے ڈرتا ہُوں"

"وہ کون ہیں ٹل فادر؟" ٹائیگر نے چونک کر پوچھا۔

"ایک تو اُوپر رہتا ہے" اُوشان نے درویشانہ انداز آسمان کی طرف اُنگلی اُٹھاتے ہُوئے کہا "اور ایک اس وقت سامنے ہے"

"کیا تمہارا اشارہ میری طرف ہے" ٹائیگر کے لہجے میں مزید حیرت پیدا ہو گئی۔

"ہاں..." اُوشان نے گہری سنجیدگی سے کہا "اور اس کی وجہ بھی تم جانتے ہی ہو۔ میری جان ہمیشہ تمہی میں اٹکی رہتی ہے"

ٹائیگر ہنس پڑا۔ وہ جانتا تھا کہ اُوشان اس سے کس قدر محبت کرتا ہے۔ گزشتہ دنوں جب کنپٹی پر گولی لگنے سے اس کی یادداشت متاثر ہو گئی تھی اور اس نے خود اپنے ہی مشن کے خلاف کام کرنا شروع کر دیا تھا تو سب سے زیادہ اذیت اُوشان ہی کو سہنا پڑی تھی۔ اس نے ایک طویل سانس لی اور اُوشان کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کے دل میں اپنے استاد اور رُوحانی باپ کے لیے بے پناہ احترام تھا اور اس عقیدے کی جھلک اُس کی آنکھوں میں بھی پیدا ہو گئی تھی۔

"بہرحال..." ٹائیگر نے ہر خیال ذہن سے جھٹک کر دوبارہ مقصد کی بات پر آتے ہُوئے کہا "ہمیں یہاں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھنے کی بجائے بہرام کی مکمل خلاصی کے لیے کچھ کرنا چاہیے یا آپ یہ سوچ رہے ہیں کہ ڈاکٹر گورڈنز تنگ آ کر خود ہی اُسے چھوڑ دے گا؟"

"ویسے تم نے ڈاکٹر گورڈنز کے بارے میں کچھ تو سوچا ہو گا؟" اُوشان نے سوال کیا۔

"لعنت بھیجیے اُس پر" ٹائیگر نے سخت لہجے میں کہا۔ "میں پوری زندگی اس کی نظروں سے چھُپ کر نہیں گزارنا چاہتا۔ اگر میری موت اُسی کے ہاتھوں لکھی گئی ہے تو اسے کون ٹال سکتا ہے، ٹل فادر؟"

"کچھ صبر سے کام لو"

"صبر... صبر..." ٹائیگر جھنجلا گیا "آپ نے تو شاید اس سے نمٹنے کا کوئی پچاس سالہ منصوبہ بنا رکھا ہے۔ اتنا انتظار میں نہیں کر سکتا"

اچانک ٹی۔ وی پر اُوشان کا پسندیدہ پروگرام دوبارہ شروع ہو گیا۔

اسکرین پر ریڈ ایکس دکھائی دے رہا تھا۔

وہ براہِ راست کیمرے کی طرف دیکھ رہا تھا اور یوں لگ رہا تھا جیسے وہ اپنے قدر دانوں کی آنکھوں میں گھور رہا ہو۔

گزشتہ ہفتے سے ٹی۔ وی پر یہ اعلان ہو رہا تھا کہ ریڈ ایکس کا پروگرام کچھ عرصے کے لیے بند کیا جا رہا ہے۔ شاید یہ آخری پروگرام تھا اور ریڈ ایکس اپنے قدر دانوں سے اس سلسلے میں کچھ کہنا چاہتا تھا۔

اُوشان ہمہ تن گوش ہو گیا۔

"آپ لوگوں کو یہ سُن کر خوشی ہو گی کہ پچھلے ہفتے سے میرا پروگرام کچھ عرصے کے لیے بند کرنے کا جو ارادہ کیا جا رہا تھا وہ ارادہ ملتوی کیا جا رہا ہے... اور آپ اپنے پسندیدہ پروگرام کو باقاعدگی سے دیکھتے رہیں گے"

اُوشان کے حلق سے نعرہ نکل گیا۔

ٹائیگر اس کی اس حرکت پر مُسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔

"اس کے علاوہ..." ریڈ ایکس کہہ رہا تھا "مجھے حُسن، دانش اور قوت کی تلاش ہے۔ یہ خوبیاں جس ماسٹر میں جمع ہیں، وہ میرا محبوب ہے اور میں اس سے ملاقات کے لیے بے چین ہو گیا ہُوں" یہ سب کچھ کہتے ہُوئے ریڈ ایکس کا لہجہ عجیب سا ہو گیا۔

ٹائیگر بھی چونک پڑا۔

اُوشان کے ہونٹوں پر بڑی ہی پُراسرار مُسکراہٹ رقص کرنے لگی۔

اس نے ہاتھ بڑھا کر ٹی۔ وی بند کر دیا اور ٹائیگر کی طرف متوجہ ہو گیا "بس فرزند مجھے ایسی ہی کسی انہونی کی توقع تھی"

"کیا مطلب؟" ٹائیگر نے چونک کر کہا۔

"تم نے سُنا نہیں کہ ریڈ ایکس کیا کہہ رہا تھا؟"

"سُنا تو ہے لیکن وہ آپ سے تو مخاطب نہیں تھا"

"اس نے ماسٹر کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اس کے علاوہ اُسے حسن، دانش اور قوت کے خزانے کی تلاش ہے"

"ممکن ہے وہ اپنے کسی گم شدہ حجام کی تلاش میں رہا ہو"

"بکواس مت کرو" اُوشان کی آنکھیں دہک اُٹھیں اور اس کا تنفس تیز ہو گیا "اس نے براہِ راست مجھے چیلنج کیا ہے"

"اور ڈاکٹر گورڈنز؟"

"یہ اُسی کا کمال ہے، ٹائیگر" اُوشان نے معنی خیز انداز میں کہا۔

ٹائیگر سوچ میں پڑ گیا۔ بات اب کچھ کچھ اس کی سمجھ میں بھی آ رہی تھی۔ اس نے ڈاکٹر گورڈنز کے بارے میں یوں تو سوچا ہی نہیں تھا... دراصل بہرام کی حالت اور اپنی بے بسی کے احساس نے اس کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ہی زنگ آلود کر دی تھی۔ وہ کبھی خواب میں بھی نہیں سوچ سکتا تھا کہ اس کا استاد اور رُوحانی باپ اُوشان بھی کسی انسان کے سامنے بے بس ہو سکتا ہے... لیکن ایسا ہو رہا تھا اور یہ بات اس کے لیے بڑی ہی اذیتناک تھی۔

اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ اُوشان سے متفق ہو گیا ہو۔

"میرا خیال ہے اب ہمیں اپنا سامان باندھ لینا چاہیے" اُوشان نے کہا اور اُٹھ کھڑا ہُوا۔ ٹائیگر نے اس کے اُٹھنے کا انداز دیکھا اور اس کا دل فخر و انبساط سے بھر گیا۔ یوں محسوس ہُوا تھا جیسے کسی نے بڑی آہستگی سے اوشان کا لبادہ کالروں سے پکڑ کر اُٹھایا ہو۔ اس کا جسم ذرا سا بھی متحرک نظر نہیں آیا تھا۔ بالکل دھوئیں کے سے پُراسرار، پُرسکوت انداز میں اس کا جسم کنول کے آسن سے فرش چھوڑ کر بلند ہُوا تھا اور پھر لبادہ متحرک ہو گیا۔ یقیناً اس لبادے کے نیچے اُوشان کے پاؤں بھی حرکت کر رہے تھے لیکن ان کی حرکت دیکھی نہیں جا سکتی تھی۔

یہ کوبرا کا مخصوص انداز تھا۔ جس طرح کوبرا پُروقار انداز میں لہراتا ہُوا زمین سے بلند ہوتا ہے اور پھر آدھے دھڑ سے آگے بڑھتا ہے، بالکل اسی طرح اُوشان دوسرے کمرے میں گیا اور پھر دروازہ بند ہو گیا حالانکہ شہزاد نے صرف کواڑوں کو کھُلتے ہی دیکھا تھا۔ معلوم نہیں کب اُوشان دروازے میں داخل ہو گیا اور اس نے کواڑ بند بھی کر دیئے تھے۔

"اُوشان..." اس نے بند دروازے کی طرف دیکھتے ہُوئے پکار کر کہا۔

"بولو فرزند۔ میں سُن رہا ہُوں"

"ریڈ ایکس نے صرف تمہیں ہی کیوں پیغام دیا ہے؟"

"سنا نجو کا ماسٹر کوئی گمنام سا آدمی نہیں ہے" دروازے کی دوسری جانب سے اُوشان کی تیکھی آواز سنائی دی "اور نہ ہی زیادہ تر لوگ اتنے احمق ہوتے ہیں، جتنے کہ تم شروع شروع میں ہُوا کرتے تھے"

"لیکن وہ تم سے کیوں ملنا چاہتا ہے؟"

"میں، تمہیں بتا چکا ہُوں"

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ محض تمہارا شاگرد بننا چاہتا ہو۔"

"نہیں... وہ پرفیکٹ ہے۔ اُسے کسی کی شاگردی کی ضرورت نہیں۔"

"تو پھر وہ تمہیں اپنی شاگردی میں لینا چاہتا ہوگا۔" ٹائیگر نے ناگواری سے کہا۔ "اگر تم اس کے شاگرد بن گئے، اٹل فادر تو میرے لیے وہ دادا جان بن جائے گا... اور میں کسی کنوارے کو اپنا دادا جان ہرگز نہیں بنا سکتا۔"

دروازے کے عقب سے اُوشان کی مخصوص ہنسی سنائی دی۔ بطخ کے سے انداز میں ہنسنا اس کی عادت تھی لیکن یہ آواز صرف اسی وقت اُوشان کے حلق سے نکلتی تھی جب وہ زبردست ہیجانی کیفیت میں مبتلا ہوتا تھا یا پھر بے پناہ خوشی کے جذبات اسے مغلوب کر لیتے تھے۔

ٹائیگر کی دھڑکنیں بے ترتیب ہو گئیں۔

وہ محسوس کر رہا تھا کہ کچھ نہ کچھ ہونے والا ہے اور یہ کچھ نہ کچھ بے حد اہم ہے۔ اتنا اہم کہ اس پر اُن دونوں کی بقا کا انحصار تھا۔ وہ سوچ میں پڑ گیا۔ اس وقت بار بار یہی خیال اس کے ذہن میں گردش کر رہا تھا کہ اُسے کسی نہ کسی طرح ریڈ ایکس سے ملاقات کر لینی چاہیے۔ اس سے قبل کہ اُوشان اور ریڈ ایکس کا آمنا سامنا ہو، اُسے ریڈ ایکس سے نمٹ لینا چاہیے۔

"اُوشان..." وہ مُسکرا کر بولا۔

"میں سُن رہا ہُوں، فرزند۔"

"کیا تم جانتے ہو جس عورت کے چہرے پر اَن گنت بھُورے بھُورے تِل نہیں ہوتے، میں ان کے بارے میں کیا رائے رکھتا ہُوں؟"

"ہاں۔ ایسی عورت کو تم کبھی اپنی دادی جان بنانا پسند نہیں کرو گے۔" اُوشان نے خوش گوار لہجے میں جواب دیا۔ ایک طویل عرصے بعد وہ اتنے زبردست موڈ میں محسوس ہُوا تھا۔ "لیکن شاید تم نے ایک بات پر غور نہیں کیا۔"

"وہ کیا، مختصر سے ابا جان؟"

"ریڈ ایکس کے چہرے پر بھی اَن گنت بھُورے بھُورے تِل ہیں۔"

"اوہ۔" ٹائیگر آنکھیں سُنپا کر رہ گیا۔

"اگر اس کے چہرے پر یہ تِل نہ ہوتے تو تمہاری اس کے بارے میں کیا رائے ہوتی، شہزاد؟" اُوشان نے شریر لہجے میں پوچھا۔

"تو میں اُسے ایک دن سے تشبیہہ دیتا، جب ہر طرف سے مکھیوں کا صفایا ہو گیا ہو اور وہ کسی چہرے پر نہ بیٹھی ہوں۔" جواباً اُوشان کا قہقہہ بڑا ہی جان دار تھا۔

"کیا یہ خود غرضی نہیں ہے، اُوشان؟"

"کیسی خود غرضی؟"

"یہی کہ تم بہرام کو نظر انداز کر کے ایک نوجوان لڑکے کے پیچھے دوڑے جا رہے ہو۔" ٹائیگر کے لہجے میں بھی شرارت تھی کیونکہ وہ اپنے طور پر ایک ایسا فیصلہ کر چکا تھا جس کے لیے اُسے کسی کی اجازت لینے کی بھی ضرورت نہیں تھی۔

"کیا تم میرے ساتھ چلنے کے لیے آمادہ نہیں ہو؟"

"بالکل آمادہ ہُوں۔"

"پھر یہ بہانے بازی کس لیے؟"

"میں صرف اطمینان کر لینا چاہتا ہُوں کہ اس معاملے میں بنیادی حیثیت ڈاکٹر گورڈنز ہی کی ہے۔"

"اس کے لیے تمہیں مجھ پر اعتماد کرنا چاہیے۔"

"تو پھر میں تمہارے ساتھ چل رہا ہُوں۔"

"اگر موقع ملا تو میں تمہارا امتحان ضرور لُوں گا۔" اُوشان کی آواز بند دروازے کی دوسری جانب سے آئی۔ "اور مجھے توقع ہے کہ ایک موقع ایسا ضرور ملے گا۔"

"سنو لٹل فادر۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ ڈاکٹر گورڈنز اُسے اپنی کسی ایجاد کے سہارے ناقابلِ تسخیر بنا چکا ہو؟"

"دُنیا اور کائنات میں خُدائے بزرگ و برتر کے علاوہ کوئی بھی شے ناقابلِ تسخیر نہیں ہے۔ ہر چیز اور ہر قوت کو تسخیر کیا جا سکتا ہے۔"

"مجھے تم پر فخر ہے، اُوشان۔"

"میں بھی تم پر ناز کرتا ہُوں۔ چلو اب جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ ہمیں اسی وقت یہاں سے روانہ ہو جانا ہے۔" اُوشان کی آواز سنائی دی اور ٹائیگر نے ایک طویل سانس لے کر اپنے کمرے کا رُخ کیا... لیکن جانے سے پہلے وہ ریڈ ایکس کے سلسلے میں بعض ضروری معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا۔

اس نے فون پر بہرام کے اُس سیکرٹری سے رابطہ قائم کیا جو اسکو مبا میں اب بھی سرگرمِ عمل تھا۔ اس سے ریڈ ایکس کے سلسلے میں ضروری کوائف حاصل کرنے کا کہہ کر ٹائیگر نے پندرہ منٹ کی مہلت دی اور تیاری میں مصروف ہو گیا۔

جب تک وہ تیار ہُوا، فون کی گھنٹی بجنے لگی۔

اس نے ریسیور اُٹھا لیا اور دوسری طرف سے سیکرٹری کی باتیں سُننے لگا۔ ریڈ ایکس کے سلسلے میں اُسے جو کچھ بھی بتایا جا رہا تھا، وہ تحیر خیز تھا۔ اس نے فون سُن کر ریسیور رکھ دیا اور اس کی آنکھیں سُکڑ گئیں۔ "لانڈا..." اس نے زیرِ لب کہا۔ "وانڈا ڈیئر... میں آ رہا ہُوں۔"

شہزاد ٹائیگر اس وقت بڑے موڈ میں تھا۔

وجہ صاف ظاہر تھی۔ گوشہ نشینی سے نجات ملنے پر وہ عموماً اسی طرح خوش گوار موڈ میں آ جاتا تھا لیکن اس بار تو صورتِ حال کچھ ایسی ہو گئی تھی جیسے اُوشان نے ڈاکٹر گورڈنز سے شکست تسلیم کر کے ٹائیگر کو دُم دبا کر بھاگنے پر مجبور کر دیا ہو۔ اگر بہرام کی حالت تشویشناک نہ ہوتی تو شاید وہ زیادہ پُرانہ کرتا... لیکن مسئلہ اس کے سویٹ ہارٹ باس کی زندگی اور موت کا تھا۔ وہی باس جس نے اس کی شخصیت تخلیق کرنے میں بڑا اگر اہم کردار ادا کیا تھا۔ اس کے علاوہ اسے بہرام سے محبت تھی اور دل میں اُس کے لیے بے پناہ احترام تھا۔ بہرام، انسان کے رُوپ میں ایک دیوتا تھا۔ انسانیت کا دیوتا... اور یہی دیوتا اب اسپتال میں بے بس پڑا اپنی زندگی کی گھڑیاں گن رہا تھا۔

ہوٹل میں آتے ہی ٹائیگر نے سب سے پہلے اسپتال فون کرنے کا ارادہ کیا۔ اس نے آپریٹر سے نمبر مانگا اور سلسلہ ملنے کا انتظار کرنے لگا۔ دوسری طرف سے بہرام کی آواز سنتے ہی اس نے چہک کر کہا۔ "ہیلو سویٹ ہارٹ!"

"تم دونوں کہاں غائب ہو گئے ہو؟" بہرام نے چیخ کر کہا۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے بسترِ مرگ پر پڑا کہ اس کا ذہنی توازن بھی متاثر ہو گیا ہو۔

"ہم ابھی ابھی دوبارہ ظاہر ہو گئے ہیں، چیف۔" ٹائیگر کی خوش مزاجی برقرار تھی۔ "میں اور اُوشان یہ تہیہ کر کے آئے ہیں کہ اب ہر کام چھوڑ کر فلموں یا ٹی وی کے کسی نہ کسی پروگرام میں کام کریں گے۔"

"بہت بڑی خوش خبری ہے۔" بہرام نے زہریلے لہجے میں کہا۔ "جبکہ میں یہ سوچ سوچ کر پاگل ہو رہا تھا کہ کہیں تم دونوں وقت ضائع نہیں کرتے پھر رہے ہو۔ بہرحال، میرے بارے میں کیا سوچا ہے؟ کیا مجھے کسی فلمی رول میں نہیں لیا جا سکتا؟ میں اس کرے سے فوری طور پر نکل جانا چاہتا ہُوں، سمجھے گئے؟"

"ذرا ایک منٹ جناب!" ٹائیگر نے مسکرا کر کہا اور کھڑکی کی طرف دیکھا جہاں اُوشان کھڑا باہر سوئمنگ پُول کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس نے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھنے کی بھی زحمت نہیں کی اور چیخ کر بولا۔ "اُوشان! بہرام اسپتال کے کمرے سے نکلنا چاہتا ہے۔"

"وہ جو کچھ بھی کرنا چاہے، کر سکتا ہے۔" اُوشان نے پلٹ کر دیکھے بغیر بلند آواز میں کہا۔ "سنا نچو کی شمشیر کا مالک اُوشان کسی اور ہی چکر میں مصروف ہے۔"

ٹائیگر کو اس جواب کی توقع نہیں تھی۔ اس نے ایک نظر کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے کہا۔ "کیا تم سوئمنگ پُول میں غسل کرنے والی خواتین کے چکر میں مصروف ہو یا کسی اور مصروفیت کا بہانہ کر رہے ہو؟"

"شٹ اَپ۔" اُوشان غرایا۔

"اس کا مطلب ہے کہ بہرام کے ساتھ چاہے جو کچھ بھی ہوتا رہے، تمہیں اس کی کوئی پروا نہیں، اٹل فاکس فادر؟" ایک بار پھر اس کا لہجہ شوخ ہو گیا۔

"جب میں خود اپنی ہی منزل کی تلاش میں پڑ جاتا ہُوں، تب مجھے کسی کی بھی پروا نہیں رہ جاتی۔" اُوشان نے جواب دیا۔

"اور تمہاری منزلِ مقصود ریڈ ایکس ہے؟"

"ہو سکتا ہے۔" اُوشان بولا۔

"بالفاظ دیگر ٹی وی کا ایک معمولی اداکار تمہیں بہرام سے زیادہ عزیز ہے اور تمہیں اپنی تنظیم کی بھی کوئی پروا نہیں؟"

یہ سُن کر اُوشان نے پلٹ کر دیکھا اور جب اُسے ٹائیگر کے ہونٹوں پر شریر مسکراہٹ اور ہاتھ میں ریسیور نظر آیا تو وہ اُسے کڑے تیوروں سے گھُورے بغیر نہ رہ سکا لیکن اس کا جواب اُب بھی عجیب تھا۔ "کبھی کبھی تو موسم کا حال معلوم کرنا بھی میرے لیے ڈاکٹر بہرام سے زیادہ اہم ہو جاتا ہے، فرزند!... لیکن بہرام کی قدر و منزلت اپنی جگہ ہے۔ میں اُسے اسپتال سے نکالنے کے لیے کوئی ترکیب سوچ رہا ہُوں... اور اس کا حل اب کچھ کچھ میری سمجھ میں آ گیا ہے۔"

ٹائیگر نے اس کی بات سُن کر اثبات میں سر ہلا دیا۔ اُوشان اس کی شرارت جلد ہی سمجھ گیا تھا اس لیے وہ اپنا یہ شغل زیادہ دیر تک جاری نہ رکھ سکا۔ وہ دوبارہ فون کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"ہیلو چیف! تم نے اپنے دوست کے تاثرات تو یقیناً سُن لیے ہوں گے۔ اب بتاؤ تم اور کیا چاہتے ہو؟" اس نے ماؤتھ پیس میں کہا۔

"صرف اتنا کہ میں زندگی بھر یہاں پر نہیں پڑے رہنا چاہتا۔ میں بستر پر کھاتے اور بیڈ پین لیتے لیتے عاجز آ گیا ہوں۔ یہ سب کچھ محض اس دھماکے کے خوف سے ہو رہا ہے جس کا ہم سب کو وہم ہو گیا ہے۔ میں تو حیران ہوں کہ میرے بغیر دفتر کا نہ جانے کیا حال ہو گا؟ مجھے فوری طور پر اپنے کام کی طرف توجہ دینی ہے۔"

ٹائیگر کو کیا یک اپنے چیف پر رحم آ گیا۔

وہ کتنا عظیم تھا۔ بستر مرگ پر پڑا بھی کام کا رونا رو رہا تھا۔

"چیف! اس نے گہری متانت سے کہا۔ "ابھی دو ایک روز مزید اسی کمرے میں رہو۔ ڈاکٹر گورڈنر نہیں کہیں موجود ہے۔ اگر ہم فوری طور پر آپ سے رابطہ کرنے میں کامیاب نہ ہوئے تو کم از کم تھیں رہا کرانے ضرور آ جائیں گے۔"

"ٹھیک ہے لیکن ذرا جلدی کرو۔"

"کیوں نہیں، سویٹ ہارٹ۔ یہ میرا وعدہ ہے۔ ویسے ایک بات تو بتاؤ چیف! ان دنوں موت کے اس قدر قریب رہ کر بھی تمہیں یہ خیال آیا کہ جس عورت کے چہرے پر اُن گنت بھنورے بھنورے تل نہیں ہوتے، اس کی مثال..."

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو چکا تھا اس لیے وہ ایک طویل سانس لے کر ریسیور رکھنے پر مجبور ہو گیا۔ کریڈل دبانے کے بعد اس نے فوراً ٹی۔ وی اسٹیشن فون کیا تاکہ معلوم ہو سکے کہ وہ ریڈ ایکس سے کیسے ملاقات کر سکتا ہے؟

تیسری فون کال کے لیے اس نے آپریٹر کو وانڈا کا نام دیا۔

دوسری ہی گھنٹی پر وانڈا کے دفتر سے ایک سُریلی نسوانی آواز سُنائی دی۔ "میں مس وانڈا کی سیکرٹری بول رہی ہوں۔"

"مجھے ریڈ ایکس کی تلاش ہے۔" ٹائیگر نے کہا۔

"لیکن آپ نے ابھی تک اپنا تعارف تو کرایا ہی نہیں۔" سیکرٹری کی آواز میں سرد مہری کا عنصر بہت زیادہ تھا۔

"میں فرعونِ اوّل بھی ہو سکتا ہوں۔" وہ مسکرا کر بولا۔ "لیکن خوش قسمتی یا بدقسمتی سے وہ نہیں ہوں۔"

اس کا جملہ جیسے ہی ختم ہوا، وانڈا کی سیکرٹری نے جلدی سے معذرت کا لہجہ اپنا لیا۔ "مجھے افسوس ہے جناب! کہ میں نے آپ کو بلاوجہ پریشان کیا۔ مس وانڈا آپ سے فون پر بات کر رہی ہیں۔"

چند لمحوں کے لیے فون پر سکوت طاری رہا... پھر وانڈا کی کانوں میں رس گھول دینے والی آواز سُنائی دی۔

"تم جہاں کہیں سے بھی بول رہے ہو۔" دوسری طرف سے وانڈا نے کہا۔ "وہ جگہ قبرستان ہے اور میں سمجھتی ہوں کہ قبرستانوں میں ٹیلی فون کا سلسلہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔"

"کیا واقعی؟ لیکن میں تو..."

"میں جانتی ہوں کہ تم کیا چاہتے ہو لیکن سوال تو یہ ہے کہ تم درحقیقت کون ہو؟"

"مجھے ریڈ ایکس سے ایک ضروری کام ہے۔"

"تمہارا نام کیا ہے؟"

"میں کئی نام استعمال کرتا ہوں۔" ٹائیگر نے بڑی ملائمت سے کہا۔ "لیکن تم فی الحال مجھے ماسٹر کہہ سکتی ہو۔" یہ کہہ کر اُس نے کھڑکی کی طرف دیکھا تو اُوشان کو ایک بار پھر اپنی طرف گھورتے پایا۔

وہ شریر انداز میں مسکرا دیا۔

"لیکن آواز سے تو تم ماسٹر نہیں لگتے؟"

"کہوں، کیا ماسٹر مُرغاب کا پَر لگا کر بولتا ہے؟"

"میں اس کی آواز کا رعب و دبدبہ نہیں محسوس کر رہی۔"

"اوہ!" ٹائیگر نے مسکرا کر کہا۔ "بہرحال. سچ تو یہ ہے کہ میں ماسٹر کا معاون ہوں۔"

اُوشان نے یہ سُن کر اثبات میں سر ہلا دیا جیسے اُس کے اس جواب سے مطمئن ہو۔

"کیا تم میرے لیے کوئی نام تجویز نہیں کر سکتیں؟" وہ فون کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے بولا۔ "عورتیں میرے لیے بے حد حسین نام تجویز کرتی ہیں۔"

"ہوں... تمہارا نام شہزاد کیسا رہے گا؟" وانڈا کی آواز سنائی دی۔

"نام تو اچھا ہے لیکن...؟"

"مجھ سے ملو گے تو دیکھ کر کوئی اور اچھا سا نام تجویز کر دوں گی۔" وانڈا نے پہنچتا ہوئی آواز میں قہقہہ لگایا۔ "ماسٹر کو میرا سلام کہنا۔"

اس سے پہلے کہ شہزاد کوئی اور بات کہتا، دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو گیا۔ "لعنت ہو تم پر۔" ٹائیگر نے ریسیور رکھتے ہوئے سخت لہجے میں کہا۔ اچانک ہی اس عورت سے اُسے شدید نفرت محسوس ہونے لگی تھی۔ خاص طور سے اس کے قہقہے نے تو ٹائیگر کی کنپٹیاں ٹک سُنگا دی تھیں۔ یہ قہقہہ کچھ ایسا تھا جیسے حلق سے شروع ہو کر مُنہ ہی کے اندر ختم ہو گیا ہو۔ اس میں سفاکی کا بھرپور تاثر تھا۔

ٹائیگر سوچ میں پڑ گیا۔

وہ فوری طور پر وانڈا سے ملنا چاہتا تھا لیکن اُوشان اس راہ میں سب سے بڑی رُکاوٹ بن سکتا تھا۔ اس نے سوچا کہ کسی بہانے باہر چلا جائے اور پھر سیدھا وانڈا کے دفتر جا پہنچے۔ غلط بیانی کر کے تنہا چلے جانا کوئی مسئلہ نہیں تھا۔

... اور اس نے ایسا ہی کیا۔

نہ جانے کیوں وانڈا کے دفتر میں داخل ہوتے وقت اُسے یہ محسوس ہوا کہ اُوشان کی نظر نہ آنے والی آنکھیں اُسے گھور رہی ہیں۔ اس نے حساس اُسے تب بھی ہوا تھا جب اس نے اُوشان سے بہانہ کیا تھا کہ وہ چہل قدمی کے لیے باہر جا رہا ہے اور جلد ہی واپس آئے گا۔ اُوشان نے کوئی اعتراض نہیں کیا تھا لیکن اس کی آنکھوں میں ٹائیگر کو شبہے کی ہلکی سی جھلک صاف نظر آ گئی تھی۔

بہرحال، اس کی خواہش پوری ہو گئی تھی اور وہ اس وقت وانڈا کے سامنے، اس کے دفتر میں بیٹھا مسکرا رہا تھا لیکن اس کی آنکھیں اس وقت کی مشہور ہیروئن کے سراپا پر جم کر رہ گئی تھیں وہ اُسے گہری دلچسپی سے دیکھ رہی تھی۔ اس کی کلائیوں میں طلائی کنگن پڑے ہوئے تھے جو بازوؤں کی خفیف سی حرکت پر یوں بجنے لگتے تھے جیسے بہت سے خالی گھڑے ایک دوسرے سے ٹکرا جاتے ہیں تو کھوکھلی کھوکھلی سی آوازیں پیدا ہوتی ہیں۔

"تم کیا چاہتے ہو؟" وانڈا نے اس کی چمک دار آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں ڈاکٹر گورڈنر کی تلاش میں ہوں۔"

"کون ڈاکٹر؟"

"سنو وانڈا!" اس نے بھاری آواز میں کہا۔ "ہمیں اب یہ خیر گفتگو ختم کر دینی چاہیے۔ میں خوب اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم ریڈ ایکس کی نمائندہ ہو۔ تم نے اس کی خدمات حاصل کر لی ہیں۔ وہ مجھے اور میرے پارٹنر کو ملاقات کی دعوت دے چکے ہیں۔ ہم نے دعوت قبول کر لی ہے۔ اس سلسلے میں صرف ایک ہی شخص کو یہی ہو سکتی تھی ... اور وہ ہے، ڈاکٹر گورڈنر۔ اس نے تم سے رابطہ قائم کیا اور تم نے ریڈ ایکس سے معاملے کر لیا۔"

وہ پلکیں جھپکا جھپکا کر اُسے دیکھتی رہی۔

"بتاؤ، ڈاکٹر گورڈنر کہاں ہے؟"

"کیا تم نے کبھی اپنی شخصیت پر غور کیا ہے، شہزاد؟" اس نے موضوع بدلتے ہوئے سوال کیا۔ "تمہاری شخصیت عورتوں کے لیے کتنی کشش ہے؟"

"ہاں. لیکن تمہارے نزدیک یہ کشش بے معنی ہے کیونکہ تم عورت نہیں ہو بلکہ محض ایک عورت نما ہو... اور عورت نما چیزیں مجھے قطعاً پسند نہیں آتیں۔"

وہ مسکرانے لگی۔ اس کے انداز سے یہ ظاہر نہیں ہوتا تھا کہ اس نے ٹائیگر کا یہ جملہ محسوس کیا ہے۔ اس نے وانڈا کے حسن کی تضحیک کی تھی لیکن وانڈا نے کوئی تاثر قبول نہیں کیا تھا۔ اگر کیا بھی تھا تو ہرگز ظاہر نہیں کر رہی تھی یا پھر شہزاد اس کے اداکارانہ چہرے سے اندازہ نہیں لگا پا رہا تھا۔

"تم ایک بہترین ہیرو بن سکتے ہو۔" وہ کھل کھلا کر ہنس پڑی۔ "میں جانتی ہوں کہ تم صرف اسی شوق میں میرے پاس آئے ہو۔ اگر ایسا ہی ہے تو میں تمہارا اسکرین ٹیسٹ کروا لیتی ہوں اس کے بعد...؟"

"مجھے ڈاکٹر گورڈنر کا پتہ بتا دو۔" ٹائیگر نے خشک لہجے میں کہہ کر اس کی بات کاٹ دی۔ "کیونکہ میں اس کا اسکرین ٹیسٹ لینے آیا ہوں۔"

"لیکن میں کسی گورڈنر کو نہیں جانتی۔"

"کیا تمہیں یقین ہے؟" ٹائیگر نے عجیب سے لہجے میں پوچھا۔

"ہاں... وانڈا کی آنکھوں میں ہٹ دھرمی کا بھرپور تاثر تھا۔

ٹائیگر اپنی جگہ سے اُٹھ گیا اس کے اُٹھنے کا انداز اُوشان کے انداز کی بہترین نقل تھا۔ وانڈا کو یوں محسوس ہوا جیسے کوئی ناگ آہستہ آہستہ فضا میں بلند ہوا ہو۔ وہ دلچسپی لینے والے انداز میں اس کی طرف دیکھتی رہی حتیٰ کہ ٹائیگر اس کے قریب پہنچ گیا... پھر اس کا ہاتھ آہستہ آہستہ وانڈا کی طرف بڑھا۔

وہ ساکت بیٹھی رہی۔

ٹائیگر کا ہاتھ اُس کی کلائی کی طرف آیا اور پھر اُس نے طلائی کنگن تھام لیا... اس نے یہ دزدانہ کنگن پہلی اور دوسری انگلی کے درمیان یوں رکھا تھا جیسے قینچی میں کوئی چیز پھنسالی گئی ہو۔ اگلے ہی لمحے اس کی دونوں انگلیاں قینچی کی طرح چلیں۔ ایک لمحے کے لیے تو وانڈا حیرت زدہ رہی لیکن دوسرے ہی لمحے اس کی آنکھیں خوف اور دہشت سے پھیلتی چلی گئیں اور اس کے ساتھ ہی اُس کے حلق سے ایک دلدوز چیخ نکل گئی۔

دفتر کے باہر کسی کے دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز اُبھرنے لگی۔

وہ ایک حسین عورت تھی لیکن خوف کی حالت میں اس کا حُسن آتشِ قیامت خیز ہو جائے گا، یہ تو شہزاد کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔ اس کی دہشت سے پھیلی ہوئی آنکھیں بلور کی گولیاں لگ رہی تھیں جن کے گرد سفید سفید کشادہ گولائیاں آنکھوں کی کشش میں اضافے کا باعث بن رہی تھیں۔

شہزاد نے اس کی کلائی سے ہاتھ ہٹا لیا۔

وزنی طلائی کنگن وانڈا کی کلائی سے اُتر کر یوں میز پر گر گیا جیسے اُسے کسی بہت بڑی قینچی سے کاٹ دیا گیا ہو۔ وہ بے یقینی میں لپٹی ہوئی دہشت سے ٹائیگر کی انگلیوں کی طرف دیکھ رہی تھی جن پر ہلکا سا نشان بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس سے پہلے وہ ڈاکٹر گورڈنز کے ہاتھوں کا کمال بھی دیکھ چکی تھی لیکن ٹائیگر کی شخصیت میں نہ جانے کیا اثر تھا کہ وانڈا کو موت اپنے آس پاس منڈلاتی ہوئی محسوس ہونے لگی تھی۔ . . اور اس کے یوں ولدوز انداز میں چیخنے کا باعث بھی یہی احساسِ مرگ ہی تھا جس نے اس کے اعصاب کی طنابیں توڑ ڈالی تھیں۔

وہ دہشت زدہ انداز میں ٹائیگر کی طرف دیکھتی رہی۔

ٹائیگر کے انداز میں خفیف سی بھی گھبراہٹ نہیں تھی۔

وفد کے باہر تو دوڑتے قدموں کی آواز ابھی تھی، وہ دروازے کے اندر آ کر ختم ہو گئی۔ وانڈا کی تتلی جیسی رنگین سیکرٹری بدحواسی کے عالم میں، کمرے میں آ کر رُک گئی تھی اور پلکیں جھپکا جھپکا کر کبھی تو وانڈا اور کبھی ٹائیگر کی طرف دیکھ رہی تھی۔ ابھی تک اس کی سمجھ میں یہ نہیں آیا تھا کہ اس کی مالکہ اتنے ولدوز انداز میں کیوں چیخی تھی۔

"کیا بات ہے، ڈیئر!" سیکرٹری نے اٹکتے ہوئے سوال کیا۔

وانڈا کی حسین پیشانی پر حسین موتی، پسینے کے قطروں کے رُوپ میں جھلک رہے تھے اور وہ اپنے کنگن کی طرف ٹکٹکی لگائے دیکھ رہی تھی۔

"آئس کریم . . ." وانڈا بڑبڑائی۔

"لیکن جان۔ تم اس وقت آئس کریم کھاؤ گی تو . . ."

"جلدی . . ." وانڈا نے غصّے سے چیخ کر کہا اور سیکرٹری بدحواسی کے عالم میں واپس دوڑ گئی۔

شہزاد کے ہونٹوں پر بڑی ہی جان دار مسکراہٹ تھی۔

وہ آہستہ آہستہ وانڈا سے قریب ہوا اور جھک کر اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بڑبڑایا۔ "شکریہ، ڈیئر۔ تم نے اپنی اور اس حسین تتلی کی زندگی بچالی، ورنہ . . ." اس نے اپنی انھی دونوں اُنگلیوں کی طرف دیکھا جن کی مدد سے اس نے مضبوط طلائی کنگن کاٹ دیا تھا اور جملہ ادھورا ہی چھوڑ دیا۔

ٹائیگر کے ہونٹوں پر بڑی ہی پُرکشش مسکراہٹ تھی لیکن اس کے لہجے میں نہ جانے کون سا تاثر تھا جس کی وجہ سے وانڈا اپنی ریڑھ کی ہڈی میں تھرتھری کی لہر سی دوڑتی محسوس ہونے لگی تھی۔

وہ تھوک نگل کر رہ گئی۔

اُسی لمحے سیکرٹری آئس کریم لے کر آ گئی۔

آئس کریم کی ٹھنڈک نے حسبِ معمول وانڈا کی ہیجانی حالت جلد ہی ختم کر دی اور وہ اپنے حواس پر قابو پانے میں کامیاب ہو گئی۔ تب اس نے سیکرٹری کو چلے جانے اور دروازہ بند کر دینے کا حکم دیا اور شہزاد کی طرف متوجہ ہو گئی۔

"تم درحقیقت کون ہو؟" اس نے سرگوشی میں پوچھا۔

"وہی جو تمہارے سامنے موجود ہوں۔"

"تم نے کچھ دیر قبل مجھے عورت نما کہا تھا۔" وہ نیلا ہونٹ چبا کر بولی۔

"میں تمہیں قطب نما بھی کہہ سکتا ہوں، بشرطیکہ تم ڈاکٹر گورڈنز تک رہنمائی کرنے پر آمادہ ہو جاؤ۔"

"کسی عورت کو عورت نما کہنا اس کی زبردست توہین ہے۔"

"تم اس توہین کا مجھ سے بدلہ لے سکتی ہو۔"

"لیکن میں تمہیں مرد نما نہیں کہہ سکتی۔"

"انتقاماً کہنے میں کیا حرج ہے۔"

"میں انتقاماً بھی غلط بیانی کرنا پسند نہیں کرتی۔"

"یہی وجہ ہے کہ میں نے محض تمہارا کنگن ہی توڑا ہے۔ اگر مجھے یقین ہوتا کہ جھوٹ بولنا تمہاری فطرتِ ثانیہ ہے تو اس وقت تم اپنے کنگن کے ٹکڑوں کی بجائے اپنی کلائی کی ہڈیوں کو گھور رہی ہوتیں۔"

"تم میں بے پناہ اسکرین ہیوٹی ہے۔ اگر تم میری کسی فلم میں کام کرنے کا ارادہ لے کر آئے ہو تو میں تمہیں چانس دے سکتی ہوں۔"

"کس قسم کا رول ملے گا؟" ٹائیگر نے مسکرا کر پوچھا۔

"تم میں زہر پینے کی صلاحیتیں ہیں۔"

"تو پھر سب سے پہلے اس دلن کا پتہ بتا دو۔"

"تم کس کی بات کر رہے ہو؟"

"ڈاکٹر گورڈنز۔" شہزاد کا لہجہ ایک بار پھر سرد ہو گیا۔

وانڈا سر سے پاؤں تک کانپ گئی۔ "تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ میں ڈاکٹر گورڈنز کو جانتی ہوں؟" اس نے دھیمی شکست خوردہ آواز میں پوچھا۔

"ریڈیکس آج کل تمہاری اُنگلیوں پر ناچ رہا ہے۔ اس نے تمہارے رُوحانی باپ کو چیلنج کیا ہے، وہ یقیناً تمہارے ہی اشارے پر کیا ہے . . . اور چونکہ تم سے ہماری کوئی پرخاش نہیں تو ظاہر ہے، تمہارے اس اشارے کے پیچھے ڈاکٹر گورڈنز کا ہاتھ ہی کارفرما ہے۔"

"وہ تمہیں جان سے مار ڈالنا چاہتا ہے۔" وہ بڑبڑائی۔

"کون . . . ڈاکٹر گورڈنز یا ریڈیکس؟"

"دونوں . . ." وانڈا نے نچلے ہونٹ پر لگی آئس کریم کو زبان کی نوک پر لیا اور پھر زبان اتنی پھرتی سے واپس دہانے میں چلی گئی جیسے کسی ناگن نے لمحے بھر کے لیے اپنی دوشاخہ زبان ظاہر کر کے غائب کر لی ہو۔

"ہوں . . ." ٹائیگر مسکرانے لگا۔ "میں چاہتا ہوں کہ جلد از جلد ڈاکٹر گورڈنز کے ہاتھوں انجام کو پہنچ جاؤں۔ کیا تم مجھے جلدی سے اس کا پتہ نہیں بتا سکتیں؟"

"مجھے اس کا پتہ معلوم نہیں ہے۔"

ٹائیگر کی بھویں کمان ہو گئیں۔ لمحے بھر کو اس کی دونوں اُنگلیاں اکڑ گئیں لیکن اگلے ہی لمحے اس نے انھیں ڈھیلا چھوڑ دیا۔ اس نے وانڈا کے لہجے میں جھوٹ کی آمیزش نہیں محسوس کی تھی۔

"پھر تم اس سے رابطہ کس طرح قائم کرتی ہو؟"

"وہ خود ہی بوقتِ ضرورت آ جاتا ہے۔"

"اُس نے تمہاری خدمات کیوں حاصل کیں؟" ٹائیگر کی آنکھوں میں وہ نرمی پیدا ہو گئی جس نے وانڈا جیسی اداکارہ کا پتھر جیسا دل پھر دھڑکا دیا۔ یہ اُسی تربیت کا اثر تھا جو اُسے ایسے موقعوں کے لیے خاص طور پر دی گئی تھی۔

"وہ تمہیں قتل کرنے کا کوئی منفرد طریقہ معلوم کرنا چاہتا تھا۔"

"اور وہ طریقہ اُسے تم نے بتایا ہے؟"

وانڈا نے اثبات میں سر ہلایا تو اس کے چہرے پر مجرمانہ احساس کے تحت پسینے کی مزید بوندیں نمودار ہو گئیں جو آب دار موتیوں کی طرح چمکنے لگی تھیں۔

"کیا وہ خود ہمیں قتل نہیں کر سکتا؟"

"منفرد طریقہ . . ." وانڈا نے سرگوشی کی۔ "وہ میری تخلیقی صلاحیتوں سے کام لینا چاہتا تھا۔"

"کیوں . . . کیا وہ خود اس معاملے میں ناکارہ ہے؟"

"ہو سکتا ہے، حالانکہ وہ طاقت میں تم سے کسی طرح بھی کم نہیں۔" وانڈا نے میز کے گوشے کی طرف اشارہ کیا۔ "یہ کنارا اس نے اپنے ہاتھ سے یوں کاٹ دیا تھا جیسے آرمی کی مدد سے کاٹا جاتا ہے۔"

ٹائیگر نے میز کا کنارا دیکھا اور پھر چونک پڑا۔ اس نے جھک کر میز کے کنارے پر دائیں ہاتھ کی ایک نئی پور نرمی سے پھیری . . . پھر سیدھا ہو کر وانڈا کی طرف دیکھنے لگا، جو بڑے انہماک سے اس کی ایک ایک حرکت کا جائزہ لے رہی تھی۔ شہزاد کے ذہن میں اسپتال کا وہ منظر گھوم گیا جب ڈاکٹر گورڈنز ایک نرس کی حیثیت سے اس کے قریب ہی کھڑا تھا اور اُوشان اُسے روک رہا تھا کہ وہ نرس کے نزدیک نہ جائے۔ اس نے بعد میں اُوشان سے اس سلسلے میں اصرار بھی کیا تھا لیکن اُوشان نے اُسے کچھ نہیں بتایا تھا . . . لیکن اب بربات شہزاد پر واضح ہو گئی تھی۔

"ڈاکٹر گورڈنز تم سے کتنی بار مل چکا ہے؟" اس نے پوچھا۔

"شاید چھ بار . . ."

"کیا وہ تمہارا طلب گار بھی رہا ہے؟"

"نہیں۔ اس نے مجھ سے ایسا کوئی مطالبہ نہیں کیا۔"

"جانتی ہو، کیوں؟"

"ہو سکتا ہے، وہ میری بجائے صرف اپنے کام سے دلچسپی رکھتا ہو . . . یا پھر وہ مرد نما ہو جسے حُسن و جمال سے کوئی رغبت ہی نہیں ہوتی۔"

"یہ بات نہیں ہے، ڈیئر وانڈا۔" شہزاد نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔

"پھر کیا بات ہے؟"

"وہ انسان نہیں ہے۔" ٹائیگر نے انکشاف کیا۔

"کک . . . کیا مطلب؟" وانڈا اُچھل ہی تو پڑی۔

"وہ ایک مشین ہے۔" ٹائیگر نے زور دے کر کہا۔ "وہ ایک روبوٹ ہے۔"

"لل . . . لیکن . . ." وانڈا ہکلا کر رہ گئی۔ "یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو؟"

شہزاد نے میز کے کنارے کی طرف اشارہ کر دیا۔

"اور اس سلسلے میں کیا کہتے ہو؟" وانڈا نے اپنے طلائی کنگن کے ٹکڑوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "کیا تم بھی روبوٹ ہو؟"

"نہیں۔ میں روبوٹ نہیں ہوں۔" ٹائیگر نے مسکرا کر کہا۔

"تمھیں دیکھ کر میرا دل شدت سے دھڑک رہا ہے اور میں حُسن و جمال سے گہری دل چسپی رکھتا ہُوں۔ اگر کبھی موقع ملا تو میں یہ ثابت بھی کر دوں گا۔ اگر وہ روبوٹ نہ ہوتا تو تم سے کسی تخلیقی طریقہ کار کے سلسلے میں رابطہ تو ہم نہ کرتا بلکہ اپنی بے پناہ طاقت کے سہارے براہِ راست تم پر آ چڑھتا۔"

"اُس نے ایسا کیوں نہیں کیا؟"

"اس لیے کہ اسے ناکامی کا خوف ہے۔"

"کسی مشین کو خوف سے کیا مطلب؟" وانڈا نے اُلجھن کا اظہار کیا۔

"مشین بھی کسی کی بنائی ہُوئی ہے اور اس مشین کا خالق خوف زدہ ہے۔" ٹائیگر نے کہا۔ "اور جہاں تک اس خالق کا تعلق ہے تو وہ ڈاکٹر گورڈنز کے مشینی دماغ میں کوئی تخلیقی طریقہ اس لیے نہیں ڈال سکا کہ وہ خود اس سے ناآشنا ہے۔ اگر اس خالق کو ٹیکس کی حقیقت معلوم ہوتی تو وہ براہِ راست اُسی کو اپنے لیے کارآمد بنا لیتا، بیچ میں تمھیں ہرگز لانے کی کوشش نہ کرتا۔"

وانڈا نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ . . لیکن وہ اب تک ٹائیگر کے بارے میں اُلجھن کا شکار تھی۔ "کیا تم واقعی کوئی مشین نہیں ہو؟" اس نے بھرائی ہُوئی سرگوشی کی۔

ٹائیگر نے ایک نظر وانڈا کی طرف دیکھا اور پھر آہستہ آہستہ وانڈا کی طرف بڑھنے لگا۔ "شاید تم محض باتوں سے کسی بات کا یقین کرنے والی نہیں ہو۔ میں ابھی ثابت کر دیتا ہُوں۔"

وانڈا کی آنکھوں میں نرمی آ گئی اور پھر اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ اس کا دل ایک عرصے بعد اُن جذبوں کے تحت دھڑکا تھا جنھیں وہ اپنی اداکارانہ زندگی میں نمایاں جگہ دیتی تھی۔

وانڈا اس وقت اپنے گھر کے لان میں بیٹھی تھی اور اس کے سامنے طلائی کنگن کے ٹکڑے پڑے ہوئے تھے۔ وہ انھیں نیم وا آنکھوں سے دیکھ رہی تھی اور اس کا ذہن نہ جانے کن خیالوں میں ڈوبا ہُوا تھا۔ غالباً یہی وجہ تھی، اُسے پتہ بھی نہ چل سکا کہ کب ڈاکٹر گورڈنز اس کے سامنے آ بیٹھا تھا۔

"وہ دونوں یہاں پہنچ چکے ہیں۔" ڈاکٹر گورڈنز کی جذبات سے عاری آواز سنائی دی اور وہ بُری طرح چونک پڑی۔

چند لمحوں تک وہ ڈاکٹر گورڈنز کو یوں گھورتی رہی جیسے وہ کوئی خیالی پیکر ہو جو اس کے خوابوں سے نکل کر اس کے سامنے مجسم ہو گیا ہو۔

"اوہ . . ڈاکٹر گورڈنز . ." وہ خود کو سنبھالتے ہُوئے مُسکرا

سے تمھیں جواب نہیں ملا؟"

"میں تاثرات سمجھنے سے زیادہ لہجے کو اہمیت دیتا ہُوں۔" ڈاکٹر گورڈنز نے ٹھوس لہجے میں کہا۔ "اگر تم جھوٹ بولو گی تو مجھے تمھارے لہجے سے پتہ چل جائے گا۔"

"میں ایک کامیاب اداکارہ ہوں۔" وانڈا نے فخریہ لہجے میں کہا۔ "اگر میرے چہرے اور آنکھوں کے تاثرات سے جھوٹ اور سچ کا پتہ نہیں لگایا جا سکتا تو میرا لہجہ بھی تمھیں دھوکا دے سکتا ہے۔"

"نہیں۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔ بتاؤ، انھوں نے تم سے رابطہ قائم کیا ہے؟"

"اب تک تو نہیں۔" وانڈا کے لہجے میں بیزاری پیدا ہو گئی۔

"ہُوں . . ." ڈاکٹر گورڈنز کی آواز میں اُلجھن کا تاثر نمایاں تھا۔ حالانکہ وہ بقول شہزاد، ایک روبوٹ تھا۔ وانڈا دل ہی دل میں خوش ہُوئے بغیر نہ رہ سکی۔ اُسے اپنی اداکارہ صلاحیتوں پر بے پناہ فخر کا احساس ہونے لگا۔ وہ ایک مشین کو دھوکا دینے میں کامیاب ہو گئی تھی۔

"میں اس سلسلے میں غور کرتی رہی ہُوں۔" اس نے کچھ دیر بعد ڈاکٹر گورڈنز کی طرف دیکھتے ہُوئے کہا۔ "اگر تم انھیں ہلاک کرنا ہی چاہتے ہو تو تمھیں ان کو الگ الگ کرنا پڑے گا۔ اس کے لیے کوئی ترکیب بتاؤ۔"

"وہ دونوں ایک ساتھ ہی مریں گے۔" ڈاکٹر گورڈنز غرّایا۔

"تخلیقی صلاحیت کس میں زیادہ ہے؟" وانڈا کا لہجہ بھی ناخوش گوار ہو گیا۔

"تمھارا کہنا درست ہے۔" ڈاکٹر گورڈنز نے فوراً ہتھیار ڈال دیے۔ "یہ درست ہے کہ مجھ میں تخلیقی قوت نہیں ہے۔ بہرحال، کر بول۔"

"وہ دونوں یہاں پہنچ چکے ہیں۔" ڈاکٹر نے دُہرایا۔

"میں جانتی ہُوں۔"

"کیا انھوں نے تم سے رابطہ قائم کیا؟"

وانڈا نے سر کو منفی جنبش دی۔

"زبان سے جواب دو۔" ڈاکٹر گورڈنز سخت لہجے میں بولا۔

"اس سے کیا ہو گا؟" وانڈا مُسکرانے لگی۔ "کیا میرے سر کی حرکت تم اس سلسلے میں مجھے معاف کر سکتی ہو؟"

"ڈاکٹر گورڈنز . . ." وانڈا نے اس کی سرد مہر آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "کیا تم مجھے ایک بات کا جواب دے سکتے ہو؟"

"کیا بات ہے؟"

"تم اس ملک کے بہت بڑے موجد ہو۔ تمھارا نام اچانک سامنے آیا اور تم نے ایک موجد کی حیثیت سے اپنی کامیابیوں کے جھنڈے گاڑ دیے . . لیکن جب تم تخلیقی سوچوں پر قادر نہیں وہ ایجادات کیسے کر لیتے ہو؟"

"یہ بالکل ایسی ہی بات ہے، جیسے میں تم سے پوچھوں کہ تم اچھی اداکاری کیسے کر لیتی ہو۔" ڈاکٹر گورڈنز نے مُسکرا کر جواب دیا۔ "اداکاری اور ایجادات دونوں ہی میری دانست میں غیر ارادی . . ."

"میرا سوال پھر بھی اپنی جگہ ہے۔"

"تم فضول باتوں میں وقت ضائع کر رہی ہو۔" ڈاکٹر گورڈنز کا لہجہ یکایک آتشناک سرد ہو گیا کہ وانڈا کو اپنی ریڑھ کی ہڈی سنسناتی محسوس ہونے لگی۔ اُسے یقین ہو گیا کہ ڈاکٹر گورڈنز واقعی ایک روبوٹ ہے اور اس کی پُشت پر کوئی بہت بڑا دماغ کام کر رہا ہے۔ ایک بڑا دماغ جو اُوشان اور شہزاد سے خوف زدہ ہے اور اپنے طور پر دونوں کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا . . حتیٰ کہ اس کا یہ روبوٹ بھی انھیں ہلاک کرنے میں ناکام ہو گیا ہے۔

"ہاں تو ہم بات کر رہے تھے کہ ان دونوں کو ایک دوسرے سے الگ کیسے کیا جائے۔" وانڈا نے اصل موضوع پر آتے ہُوئے کہا۔ "تم مجھے وہ اسکرپٹ ابھی تک نہیں دیا جس کے آئیڈیے پر میں نے سٹیج پلے برائم اور ڈائریکٹر والے کام لینے کا تہیہ کر چکی ہُوں اور تم نے ان دونوں کو اس مرکزی خیال پر کام کرنے پر آمادہ کیا تھا۔"

"میں تمھیں چند کمپیوٹر پروگرام دوں گا۔" ڈاکٹر گورڈنز نے کہا۔ "ان کاغذات میں ایک ایسی خطرناک تنظیم کا راز ہے، جو اس وقت زیرِ ملکوں میں اپنی طاقت اور صلاحیت کا لوہا منوا چکی ہے۔ میں ان کمپیوٹر پروگرام کے سلسلے میں ایک ایسے شخص سے بات کروں گا جس سے ان دونوں کو فوراً پتہ چل جائے گا کہ وہ کاغذات کہاں ہیں۔ انھیں وہ کاغذات حاصل کر کے روپوش ہو جانا پڑے گا۔ یقیناً شہزاد ان کاغذات کے حصول میں تمھاری تلاش کے لیے نکل کھڑا ہو گا۔ اس دوران میں بوڑھا اُوشان تنہا رہ جائے گا۔ اُسے ریڈ ایکس فراہم کرنے والا پھر وہ میرے ہاتھوں مارا جائے گا۔ اس سے نمٹ کر فوراً شہزاد کے تعاقب میں جاؤں گا۔ تب اُسے قتل کرنا میرے لیے زیادہ مشکل نہیں ہو گا۔ تم ٹھیک کہتی ہو، انھیں ایک دوسرے سے الگ کر کے ان کی طاقت گھٹا کر ٹھکانے لگانا چاہیے۔"

"لیکن کیا واقعی کسی ایسی خطرناک تنظیم کا وجود ہے؟"

"ہاں . . اور یہ دونوں اسی تنظیم سے تعلق رکھتے ہیں۔"

"ہُوں۔ یہ اُوشان یقیناً کوئی زبردست ہستی ہے۔"

"بڑی زبردست۔" ڈاکٹر گورڈنز نے عجیب لہجے میں کہا۔ "وہ ایک مکمل انسان ہے۔ بے حد غیر معمولی . . اس کا دل خوف کے نام سے بھی آشنا نہیں اور نہ ہی اس میں کوئی ایسی خامی ہے، جسے اس کی ہلاکت کا بہانہ بنایا جا سکے۔" اس نے کوٹ کی جیب سے ایک بڑا سا لفافہ نکال کر میز پر رکھ دیا۔

"یہ کیا ہے؟" وانڈا نے پوچھا۔

"اسی تنظیم کے کمپیوٹر پروگرامز کی فوٹو اسٹیٹ۔"

وانڈا لفافہ لے کر اس کے کاغذات کا جائزہ لینے لگی۔

"میرا خیال ہے، اب مجھے ان کے اس ساتھی سے فون پر بات کر لینی چاہیے، جو اب تک میری گرفت میں ہے اور جس کے ذریعے ان دونوں کو فوراً پتہ چل جائے گا کہ کمپیوٹر پروگرام جب دُنیا کے سامنے آئیں گے تو کیسی کھلبلی مچ جائے گی۔"

وانڈا کاغذات دیکھنے میں اتنی محو تھی کہ وہ اس کی باتوں پر توجہ ہی نہ دے سکی۔

ڈاکٹر گورڈنز نے قریب پڑے انسٹرومنٹ پر اس اسپتال کا نمبر ڈائل کرنا شروع کر دیا، جہاں بہرام بے بسی سے قید ہو کر رہ گیا تھا اور ابھی تک اُوشان اور ٹائیگر اُسے نجات دلانے میں کامیاب نہیں ہو سکے تھے۔

"کیا تم بہرام بول رہے ہو؟" ڈاکٹر گورڈنز نے کچھ دیر بعد سلسلہ ملنے پر کہا۔ "میں گورڈنز بات کر رہا ہوں۔"

کچھ دیر وہ دوسری طرف سے بہرام کی بات سُنتا رہا . . پھر اس نے کہا۔ "تمھیں یہ معلوم کر کے کوئی فائدہ نہیں ہو گا کہ میں اس وقت کہاں ہُوں۔ میں نے تمھیں صرف یہ بتانے کے لیے فون کیا ہے کہ تمھاری آرگنائزیشن کے قیمتی راز میرے پاس ہیں اور وہ جلد ہی پریس کے سامنے آ جائیں گے۔"

دوسری طرف سے نہ جانے کیا کہا گیا۔

وانڈا نیم وا آنکھوں سے اس کی طرف دیکھتی رہی۔

"بہرحال، آج پانچ بجے ایسا ہو جائے گا۔" گورڈنز کی آواز میں دھمکی کا بھرپور تاثر تھا۔ "یہ پریس ریلیز میں وانڈا کے دفتر سے جاری ہو گا۔ وہ اپنی نئی فلم کے موضوع کا اعلان کرے گی۔ اس فلم کا مرکزی خیال، تمھاری تنظیم کے رازوں پر استوار کیا گیا ہے۔"

گورڈنز نے کہہ کر ہنس پڑا۔

اس کی ہنسی بے حد سنسنی خیز تھی۔

"اور جانتے ہو، اس فلم کا ہیرو کون ہو گا؟"

وہ لمحے بھر کے لیے خاموش ہوگیا۔ غالباً منتظر تھا کہ دوسری جانب سے اس سلسلے میں بے چینی سے سوال کیا جائے گا۔

"اس فلم کا ہیرو، ریڈ ایکس ہے۔" گورڈنز نے وانڈا کی طرف دیکھتے ہوئے فاتحانہ انداز میں کہا۔ "ہاں۔۔۔" وہ یکایک بے حد خطرناک انداز میں بولنے لگا۔ "میں ہیرو کو الجھن پیدا کروں گا، جس سے تمہارا یہ سپر مین شہزاد تباہ ہوسکتا ہو۔ میں اس بوڑھے کو بھی زمین میں گاڑنے کا منصوبہ تیار کرچکا ہوں جس پر تمہاری تنظیم کا دارومدار ہے۔ کیسا ہے منصوبہ؟" وہ ہنسنے لگا۔ ایسی ہنسی جسے سن کر وانڈا کو جھرجھری سی آگئی تھی۔

یقیناً دوسری طرف، بہرام بھی کانپ گیا ہوگا۔

"کیا تم میرے اس منصوبے کو داد نہیں دوگے؟" گورڈنز نے کہا اور کچھ دیر دوسری طرف سے ہونے والی بات سننے کے بعد اس نے ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا۔

وانڈا نے اس کا موڈ خراب دیکھا تو پوچھے بغیر نہ رہ سکی۔

"کیا بات ہے؟ وہ کیا کہہ رہا تھا؟"

"اس کا کہنا ہے کہ رات کے شکاری میری تباہی کا باعث بن جائیں گے۔ ہفتہ رات کے شکاری۔۔۔"

وانڈا کے ذہن میں ٹائیگر کا سراپا گھوم گیا۔

وہ سر سے پاؤں تک کانپ گئی۔

"کیا بات ہے، تم کچھ پریشان لگ رہی ہو۔"

"رات کے شکاری؟" وہ لرزتی ہوئی آواز میں بولی۔

ہوا کا گورڈنز کا قہقہہ بڑا ہی خوف ناک تھا۔

"کیا تمہیں بالکل ڈر نہیں لگتا؟" وانڈا نے پوچھا۔

"نہیں۔۔۔ میں کیوں ڈرنے لگا؟" اس کا لہجہ خراب ہوگیا۔

"مجھ سے بات کرتے وقت یہ مت بھولا کرو کہ تم اس وقت جو کچھ بھی ہو، میرے ہی طفیل ہو۔" وانڈا کا موڈ بھی بگڑ گیا۔

"غلط۔۔۔" گورڈنز نے عجیب سرسراتی ہوئی سی آواز میں کہا۔ "تمہارے طفیل نہیں کیوں کہ تم میری خالق نہیں ہو۔ خلا میں موجود وہ سائنس داں میرا خالق ہے، جس کے دستکار ہاتھوں کی خدمات عظیم نیراف نے حاصل کر رکھی ہے۔"

"نیراف۔۔۔ سائنس داں۔۔۔" وانڈا نے زیرلب کہا۔

"ہاں۔ نیراف، جوان دونوں کا ازلی دشمن ہے۔" گورڈنز ہوا۔ "تمہیں میرے بارے میں جان کر حیرت نہیں ہوئی؟"

"کیا جان کر؟" وانڈا نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"یہی کہ میں گوشت پوست کا انسان نہیں بلکہ ایک مشین ہوں۔"

"اگر تم نہ بھی بتاتے تو میں تمہارے طرزِ عمل سے تمہیں پہلے ہی مشین سمجھنے لگی تھی۔" وانڈا نے تلخی سے جواب دیا۔ "تم نے مجھے جس انداز میں نظرانداز کیا، اسی سے میں سمجھ گئی تھی کہ تمہارے خالق نے تمہیں جذبات سے مالا مال کرنے میں کافی مار کھائی ہے۔"

گورڈنز ہنس پڑا۔

وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔ "ٹھیک ہے، میں اب جا رہا ہوں۔"

"یہ کاغذات؟" وانڈا نے کہا۔

"انہیں اب تم اپنے پاس رکھو۔ آج پانچ بجے میری بوڑھی اوشان سے جوڈیتھ ہوگی، اس سے پہلے مجھے کئی کام نمٹانے ہیں۔"

وانڈا اس کی طرف دیکھتی رہی۔

وہ اُسے چھوڑ کر ایک طرف بڑھ رہا تھا۔ جس کسی نے بھی اُسے انسان نما جسم دیا تھا، اس کی کاریگری کو سراہا جاسکتا تھا، کیوں کہ وانڈا، شہزاد کے انکشاف سے پہلے یہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ ڈاکٹر گورڈنز کوئی انسان نہیں بلکہ ایک روبوٹ ہے۔ ایک ایسا مشینی آدمی جسے خلا میں مقیم کسی سائنس داں نے بنایا ہے۔۔۔ اور آج خود گورڈنز نے اس بات کی تصدیق کردی تھی۔ ڈاکٹر گورڈنز بالکل شبہ دیکھنے میں مکمل انسان ہی لگتا تھا۔

اس نے وہ کاغذات اُٹھائے جو گورڈنز اس کے حوالے کر گیا تھا۔

ابھی وہ اُٹھنے کا ارادہ ہی کر رہی تھی کہ فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ اس نے اس طرف دیکھا، جدھر گورڈنز گیا تھا۔ اب وہاں اس کا نام و نشان تک نظر نہیں آرہا تھا۔ اس نے گیٹ تک خاصا طویل فاصلہ پلک جھپکتے ہی میں طے کرلیا تھا۔

"ہیلو۔۔۔" وانڈا نے کہا۔

"میں شہزاد بول رہا ہوں، ڈارلنگ۔" دوسری جانب سے ٹائیگر اس انداز میں بولا جیسے وانڈا سے اس کی پرانی شناسائی ہو اور ان دونوں میں تکلف کی کوئی دیوار حائل نہ ہو۔

"میں سن رہی ہوں۔" وہ قدرے تلخی سے بولی۔ غالباً اُسے شکست کا احساس تلملانے پر مجبور کر رہا تھا۔

"میرا خیال تھا کہ تم ڈاکٹر گورڈنز کے سلسلے میں مجھے اطلاع دو

"ٹائیگر کہہ رہا تھا۔" کیا اس نے تم سے رابطہ قائم نہیں کیا؟"

"کیا ہے؟" وہ غرائی۔

"ہوں۔۔۔ یہ تمہاری نئی فلم کے سلسلے میں کیا سن رہا ہوں؟"

"جو کچھ بھی سن رہے ہو، وہ حقیقت ہے۔"

"لیکن تم ایسا کیوں کر رہی ہو؟"

"کیوں کہ گورڈنز مجھ سے یہی چاہتا ہے۔"

"تم کیا چاہتی ہو؟"

"میری بھی یہی خواہش ہے۔" وانڈا نے ٹھوس لہجے میں کہا۔ "درمیں اس سلسلے میں گورڈنز کی ممنون ہوں کہ اس نے مجھے ایک دلکھا موضوع فراہم کیا۔ یہ کتنا سنسنی خیز موضوع ہے، مسٹر شہزاد۔۔۔ ر۔۔۔ کتنا افسانوی۔۔۔ لیکن درحقیقت کس قدر ٹھوس اور سچا موضوع ہے۔"

اس کے لہجے اور انداز سے یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ شہزاد کو اذیت پہنچانا چاہتی ہو۔ غالباً یہ ان اذیتوں کا جواب تھا جو شہزاد نے اسے اب تک پہنچائی تھیں۔

دوسری طرف سے شہزاد کے طویل سانس لینے کی آواز سنائی دی۔

"جب میں اس موضوع کا اعلان کروں گی تو پوری دنیا کی طرف متوجہ ہوجائے گی۔ تب بچے بچے کی زبان پر میرا نام ہو۔۔۔ اور اس اعلان کے بعد میرے دروازے پر اتنے ہاتھ دستک دیں گے کہ شاید ہی اس سے پہلے کسی اور کے در دولت کو اتنے ہاتھوں کی دستک نصیب ہوئی ہوگی۔"

"اس کا انجام جانتی ہو؟"

"شہرت۔۔۔ اور۔۔۔ دولت۔۔۔"

"اور موت۔۔۔" ٹائیگر کا لہجہ بے حد سفاک تھا۔

"آج پانچ بجے، ڈیئر۔" وہ اس کی بات اور اس کے لہجے کی سفاکی پر توجہ دیئے بغیر کہہ رہی تھی اور اس کا اپنا لہجہ خوشی و کامرانی سے لرز رہا تھا۔ "میں اپنے دفتر سے اس تحریر خیز موضوع کا اعلان کروں گی۔۔۔ اور اس سلسلے میں مجھ سے بحث کرنے کی ضرورت نہیں کیوں کہ میں تم سے اپنی توہین کے ایک ایک لمحے کا بدلہ لینا چاہتی ہوں۔ خدا حافظ، ڈیئر۔"

یہ کہہ کر اس نے ریسیور رکھ دیا اور آنکھیں بند کرکے شہزاد کی حالت کا تصور کرنے اور اس سے لطف اندوز ہونے کی کوشش کرنے لگی۔

○

ٹائیگر اس وقت اسپورٹس مین لاج میں تھا۔

اس نے ریسیور رکھا تو اس کی آنکھوں میں تشویش کے سائے تھے۔ وہ اپنے اُستاد کی طرف دیکھنے لگا جو کنول کے آسن میں آنکھیں بند کیے مراقبہ کر رہا تھا۔ شہزاد آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس کے قریب پہنچ گیا۔

"مختصر یہ کہ!" اس نے سنجیدگی سے کہا۔

اُوشان کی بھویں کمان ہوئیں، پھر ان کے نیچے اس کے پپوٹوں نے حرکت کی، آنکھوں کو بے نقاب کیا تو ان سے غصہ نہیں جھلک رہا تھا بلکہ شرارت کا اظہار ہو رہا تھا۔

"اگر میں عورت ہوتا تو تمہارا یہ خطاب میرے لیے بڑے فخر کا باعث ثابت ہوتا۔" اس نے مخصوص انداز میں کہا اور کسی بطخ کی قہقہہ قہقہہ جیسی آوازیں نکال کر ہنسنے لگا۔

"کیا آپ ریڈ ایکس سے ملاقات کے لیے جا رہے ہیں؟"

"ہاں، میرے بچے! میری اس سے ملاقات طے ہے۔"

"اگر میں آپ کے ساتھ نہ چلوں تو کوئی حرج۔۔۔؟"

"کوئی حرج نہیں۔" اُوشان نے اس کا جملہ پورا کیا تو اس کے لہجے سے برہمی ظاہر ہونے لگی تھی۔ "کیوں حرج نہیں۔ میں تنہا نہیں جاسکتا۔"

"آپ کو تنہا جانے کی ضرورت ہی نہیں پڑے گی کیوں کہ وانڈا کی گاڑی آپ کو لینے آئے گی۔۔۔ میرا خیال ہے، تو گورڈنز نے بالآخر ہمیں ایک دوسرے سے الگ کرنے کا طریقہ نکال ہی لیا ہے۔"

"دیکھا۔ میں نہ کہتا تھا، اس معاملے میں بڑے بڑے اعلا دماغ کام کر رہے ہیں۔" اُوشان کا لہجہ ایک بار پھر شریر ہوگیا۔ "کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ آپ کی چٹنی ہی بنا دے۔"

"میں ریڈ ایکس کا قدردان ہوں، ٹائیگر۔" اُوشان یکایک سنجیدہ ہوگیا۔ "۔۔۔ اور۔۔۔ ریڈ ایکس میری پسندیدہ شخصیت ہی نہیں، میرا آئیڈیل بھی ہے۔ تم اس آئیڈیل کی زندہ تصویر ہو۔ اس سے پہلے ریڈ ایکس میرے لیے ایک خیال پیکر ہوا کرتا تھا۔۔۔ اور جب سے مجھے پتہ چلا کہ وہ واقعی موجود ہے تو میرے دل میں اس کی قدر و قیمت مزید بڑھ گئی ہے۔۔۔ اور اب میرا ہی آئیڈیل میری ہی زندگی سے کھیلنا چاہتا ہے تو دیکھیں گے کہ کیا صورتِ حال سامنے آتی ہے۔"

"ٹھیک ہے، اُستاد۔" ٹائیگر جُھک کر کورنش بجا لایا۔ "آپ اپنے آئیڈیل سے ملنے تشریف لے جائیں۔ میں اپنی آئیڈیالوجی کا جائزہ لے کر آپ کے پاس پہنچ جاؤں گا۔"

"تم کہاں جا رہے ہو؟"

"مجھے ان کاغذات کی تلاش ہے، جو گورڈنز نے وانڈا کے حوالے کر دیے ہیں۔" ٹائیگر نے متفکر لہجے میں کہا۔ "اگر میں اچانک ہی بہرام کو فون نہ کر لیتا تو شاید اس سلسلے میں ہمیں زندگی بھر افسوس ہی رہتا۔"

"ٹھیک ہے۔ اپنا خیال رکھنا ٹائیگر۔" اُوشان نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔ "سنا نجو کی شمشیر کی لاج تمھارے ہی ہاتھ ہے۔"

"خدا حافظ لٹل فادر۔ . ." ٹائیگر نے عقیدت سے جھکتے ہُوئے کہا اور تیزی سے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

▲▲

کاؤبی سٹوڈیوز کا گارڈ ایک محتاط آدمی تھا۔

محض قیمتی گاڑی دیکھ کر گیٹ کھول دینا اس کی عادت نہیں تھی کیوں کہ وہ جانتا تھا کہ اگر کوئی بیش قیمت گاڑی خریدنا مشکل کام ہے تو اُسے چند گھنٹوں کے لیے کرائے پر حاصل کرنا کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ بہت سے آوارہ لوگ محض اسٹارز کو پریشان کرنے کے لیے ایسی گاڑیوں میں آ چکے تھے اور ایسے لوگوں کے سلسلے میں اس کے بعض ساتھیوں کو نوکری سے بھی نکالا جا چکا تھا۔

اس نے جب سیاہ رنگ کی چمک دار کار دیکھی تو ایک ہاتھ ریوالور کے دستے پر رکھے وہ اس انداز میں کار کی طرف بڑھنے لگا، جیسے ذرا سی گڑبڑ محسوس کرتے ہی ریوالور نکال لے گا اور پھر اس کی ساری ہی گولیاں کار میں موجود افراد کے جسموں میں پیوست ہو جائیں گی۔

اس کا دایاں ہاتھ ریوالور کے دستے پر تھا اور بایاں ہاتھ اُٹھا ہُوا، کار کے ڈرائیور کو رُکنے کا اشارہ کر رہا تھا۔ سیاہ رنگ کی رولس رائس کار رُک گئی تھی۔ اس کی ڈرائیونگ سیٹ پر جو ڈرائیور نظر آ رہا تھا، محافظ نے اُسے پہلے بھی کئی بار دیکھا تھا۔ وہ مس وانڈا کا خاص ڈرائیور تھا۔

محافظ جیسے ہی کار کے قریب پہنچا، ڈرائیور نے کھڑکی سے مُنہ نکال کر کہا۔ "مس وانڈا کا ایک مہمان ہے۔"

"کہاں جا رہا ہے؟" محافظ نے پوچھا۔

"مسٹر ڈیما ئیکس سے مُلاقات کے لیے۔" ڈرائیور کا لہجہ ناگوار ہو گیا۔

محافظ نے اس کے لہجے کی کوئی پروا نہیں کی اور جُھک کر عقبی سیٹ پر براجمان شخصیت کا جائزہ لینے لگا اور جب اس نے ایک بے حد کمزور سے اسّی سالہ بوڑھے کو دیکھا تو اس کی آنکھیں بے یقینی سے پھیل گئیں۔

اُوشان نے محافظ کے تاثرات دیکھے تو مُسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔

"یہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔ میں مسٹر ائیکس سے ملنے جا رہا ہُوں۔" محافظ نے اثبات میں سر ہلایا لیکن اس کی آنکھوں سے اب بھی بے یقینی جھلک رہی تھی۔ وہ واپس اپنے کیبن میں پہنچا اور ٹیلی فون بورڈ پر کسی سے رابطہ قائم کر کے تصدیق کرنے لگا۔ . . پھر اس نے دروازہ کھولنے کے لیے خود کار نظام کا بٹن دبا دیا اور کیبن ہی کے دروازے سے ہاتھ لہرا کر انھیں آگے جانے کی اجازت دے دی۔

"ریڈ ائیکس کہاں ملے گا؟" ڈرائیور نے پوچھا۔

"بنگلہ نمبر ۲۲۱ بی۔"

ڈرائیور نے کار آگے بڑھا دی۔ گیٹ سے اندر آنے کے بعد اُوشان نے اس سے پوچھے بغیر نہ رہ سکا۔ "کیا ریڈ ائیکس اس وقت اپنے گھر میں ہے؟"

"ہاں۔ یہاں ہر اسٹار کو ایک ایک بنگلہ دیا گیا ہے، جہاں وہ خود کو شوٹنگ کے لیے تیار کرتا ہے اور آرام کرتا ہے۔"

"بہت خوب۔ بہت خوب۔" اُوشان نے مُسکرا کر اثبات میں سر ہلا دیا۔ وہ اس وقت بے حد پُرجوش لگ رہا تھا۔ ایک عرصے بعد اُسے اپنے پسندیدہ ہیرو سے ملاقات کا موقع مل رہا تھا۔ ظاہر ہے، ایسے میں اُسے خوش ہی ہونا چاہیے تھا۔ . . لیکن اس ہیرو نے ٹی۔ وی کی اسکرین سے اُسے جو پیغام دیا تھا، وہ اُسے بھی نہیں بھُولا تھا۔

مطلوبہ بنگلہ الگ تھلگ تھا۔

ریڈ ائیکس وہاں پہلے سے موجود تھا اور وہ جس قسم کا کردار ادا کرتا تھا، اس کی مناسبت سے اس کے جسم پر لباس بھی چمک رہا تھا۔ اس کے سامنے ایک بوتل رکھی ہُوئی تھی اور گلاس آدھا خالی ہو چکا تھا۔ وہ نیم وا آنکھوں سے اس نوجوان کی طرف دیکھنے لگا جسے وانڈا نے اس کی تیاری کے لیے بھیجا تھا۔

میک اَپ کا سامان قریب ہی ایک میز پر بکھرا ہُوا تھا۔

"یہ کتنی احمقانہ بات ہے۔" ریڈ ائیکس بڑبڑایا۔

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا، جناب!" نوجوان نے مُسکرا کر معذرت کرتے ہُوئے کہا۔ "آپ کس بات کو احمقانہ قرار دے رہے ہیں؟"

ریڈ ائیکس کی آنکھیں ایک بار پھر اس نوجوان کا جائزہ لینے لگیں۔ وہ ایک حسین و جمیل نوجوان تھا۔ اس کے رخساروں پر ایسی سُرخی تھی، جو کسی حیادار لڑکی کے رُخساروں ہی پر پیدا ہوتی ہے۔

"یہی کہ مجھے آج صرف ایک ایسے شخص کے لیے تیار ہونا پڑ رہا ہے، جو میرے پروگرام بڑے شوق سے دیکھتا رہا ہے۔" ریڈ ائیکس نے کہا۔ "کیا تم بھی میرے پروگرام دیکھتے ہو؟"

نوجوان نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"میں تمھیں کیسا لگتا ہوں؟"

"شان دار، مسٹر ائیکس . . . بے حد شان دار۔"

"شکریہ۔" ریڈ ائیکس نے کہا اور اس کی نظریں دیواروں پر آویزاں مختلف ہتھیاروں کی طرف بھٹک گئیں۔ یہ اس کے وہ مخصوص ہتھیار تھے جنھیں وہ اپنے رول میں استعمال کرتا تھا . . . لیکن انھی ہتھیاروں میں سے کوئی ایک اُسے ایک جیتے جاگتے شخص پر استعمال کرنا تھا۔ ایک ایسے شخص پر جو اس کا قدر دان تھا اور محض اُسے دیکھنے کے لیے آ رہا تھا۔

ایک بار پھر ریڈ ائیکس کے دل میں وانڈا کے لیے نفرت اُبھر آئی۔

وہ دل ہی دل میں سوچ رہا تھا کہ جب بھی اسے موقع ملا، وہ سب سے پہلے اسی عورت کی گردن مروڑ کر پھینک دے گا۔ اس عورت نے اُس کی طاقت اور ساری صلاحیتیں اپنے قبضے میں کر لی تھیں . . . اور اُسے ایک ہتھیار کی طرح استعمال کرنا چاہتی تھی . . .

اس کے ساتھ ہی ریڈ ائیکس کے ذہن میں ڈاکٹر گورڈنز کا چہرہ گھوم گیا۔ اس شخص کو بھی اس نے قطعاً پسند نہیں کیا تھا . . . لیکن وہ اس کے کہنے پر معاہدے کے کاغذات پر دستخط کرنے پر آمادہ ہو گیا تھا۔ صرف اس وجہ سے کہ ڈاکٹر گورڈنز، ایک غیر معمولی ہستی کا نام ثابت ہُوا تھا۔ اُسے ابھی تک حیرت تھی کہ کسی شخص کی اُنگلیاں کانچ کو کیسے مَسل سکتی ہیں اور مَسلنا بھی ایسا کہ اُنگلیاں زخمی نہ ہوں اور کانچ مٹی کی طرح اُنگلیوں میں پس کر گِر جائے۔

"تم وانڈا کے لیے کیا کام کرتے ہو، مَیں نے تمھیں پہلے تو کبھی نہیں دیکھا۔" ریڈ ائیکس نے نوجوان سے پوچھا۔

"میں ابھی نیا نیا آیا ہُوں جناب اور میرے ذمّے اداکاروں کا میک اَپ ہے۔" نوجوان نے اس کے چہرے کو آخری ٹچ دیتے ہُوئے کہا۔

اچانک دروازے پر دستک ہونے لگی۔

کچھ ہی دیر قبل انھوں نے باہر کسی کار کے رُکنے کی آواز سُنی تھی۔

"میرا خیال ہے، جناب! آپ کا مہمان آ گیا ہے۔" نوجوان بڑبڑا کر بولا۔

"کیا میں تیار ہو چکا ہوں؟"

"جی ہاں۔" نوجوان نے اس کے چہرے اور لباس کا جائزہ لیتے ہُوئے کہا۔

"جاؤ دروازہ کھول دو۔"

نوجوان کمرے سے نکلا اور دروازے پر پہنچا۔ اس نے دروازہ کھولا تو سامنے ایک بے حد بوڑھے آدمی کو کھڑے پایا۔ وہ کسی اور ہی جہان کی مخلوق نظر آتا تھا۔ اس کا جھُریوں بھرا بدہ زمین تک گرا ہوا تھا اور اس کے پاؤں نظر نہیں آ رہے تھے۔

"فرمائیے . ." نوجوان نے کہا۔

"کیا تم ہی ریڈ ائیکس ہو؟" اُوشان نے مُسکرا کر کہا۔

"جی نہیں۔ وہ اندر ہیں۔"

"میں اس سے ملاقات کے لیے آیا ہُوں۔"

"براہِ کرم اندر تشریف لے آئیے . . . اِدھر سے، جناب . . ." نوجوان نے بڑے انکسار سے کہا اور دروازے کے سامنے سے ہٹ گیا تاکہ اُوشان اندر آ سکے۔

وہ اُوشان کو لے کر اس کمرے میں چلا آیا جہاں ریڈ ائیکس آئینے کے سامنے اپنے چہرے کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس نے آئینے ہی میں اُوشان کو دیکھا اور دیکھتا رہ گیا۔

اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

غالباً اُسے کسی ایسے آدمی کی توقع نہیں تھی۔ وہ پلٹ کر اُوشان کو دیکھنے لگا۔ اس کا دہانہ کُھل گیا تھا اور آنکھیں عجیب سے انداز میں چمک اُٹھی تھیں لیکن ان میں حیرت اور اُلجھن کے تاثرات واضح تھے۔

"اوہ تو یہ تم ہو۔ ریڈ ائیکس۔ مائی ڈیئر۔" اُوشان نے بڑی محبت سے کہا۔

"ہاں۔ مَیں ہی ریڈ ائیکس ہُوں۔"

"تم بالکل ویسے ہی دِکھائی دیتے ہو، جیسے کہ اسکرین پر نظر آتے ہو۔"

ریڈ ائیکس کے ہونٹوں پر مُسکراہٹ آ گئی۔ اس نے نوجوان

میک اَپ مین کی طرف دیکھتے ہوئے آنکھ ماری اور اُوشان کی جانب متوجہ ہو کر بولا: "جو بھی ملتا ہے، یہی کہتا ہے۔" اس کے لہجے سے بے پناہ فخر کا احساس ہوتا تھا۔

"میں تمہاری فلم کا وہ منظر کبھی نہیں بھول سکتا۔" اُوشان نے تعریفی لہجے میں کہا۔ "جس میں تم نے ایک بے بس عورت کی جان بچائی تھی۔"

"غالباً میں نے کچھ زیادہ ہی جم کر اداکاری دکھائی ہوگی۔"

"خاص طور سے جب تم منشیات فروشوں کے ایک گروہ سے لڑ رہے تھے تو تمہارا انداز دیکھنے والا تھا۔ تم پر آنکھ نہیں ٹھہر رہی تھی۔" اُوشان یہ سب کچھ کہتے ہوئے اپنے ہونٹوں اور ایڑیوں پر یوں جھول رہا تھا جیسے کوئی طالب علم پہلی بار اپنے پرنسپل کے حضور پیش ہوا ہو اور اس پر گھبراہٹ طاری ہو۔

"مشکل ترین مرحلے بھی بعض اوقات فلموں میں آسانی سے نمٹ جاتے ہیں۔" ریڈ ایکس نے انکسار سے کہا اور وہ سوچ رہا تھا کہ اس بوڑھے کو ہلاک کرنے کا حکم دے کر وانڈا نے اس سے کس قدر بھونڈا مذاق کیا ہے۔ اُوشان جس قدر لگاوٹ سے اس کا فن سراہ رہا تھا، اس میں اسے ذرا سی بھی بناوٹ نہیں لگ رہی تھی۔ وہ اس کا سچا قدردان محسوس ہو رہا تھا۔۔۔ اور کسی قدردان کو ہلاک کرنا بہت مشکل ہوتا ہے۔

"ہاں۔۔۔ لیکن تم نے جب ایک معصوم بچے کی زندگی بچانے کے لیے چھ آدمیوں کے خوف ناک گروہ سے ٹکر لی تھی تو تمہارے جذبات، جسم میں سنسنی پیدا کر دیتے تھے۔"

ریڈ ایکس نے اثبات میں سر ہلایا اور خاموش رہا۔

وہ سوچ رہا تھا کہ اس بوڑھے کو ہلاک نہیں کرے گا۔ یہ بوڑھا تو یوں بھی دو ایک روز میں اپنی طبعی عمر پوری کر کے مر سکتا ہے۔ ریڈ ایکس آنکھیں سکیڑے اُوشان کو دیکھ رہا تھا اور اس کے دل میں اَن گنت طوفان کروٹیں لے رہے تھے۔ اُوشان کے انداز میں بے پناہ خلوص تھا۔ اس کے اظہار میں سچائی کروٹیں لیتی صاف محسوس ہوتی تھی اور وہ ریڈ ایکس کی طرف یوں دیکھ رہا تھا جیسے کوئی پجاری، کسی دیوتا کو سامنے پا کر عقیدت کے جذبوں سے سرشار ہو گیا ہو۔

اُوشان جب سے اس کے سامنے آیا تھا، اس کی ایک ایک فلم، ایک ایک کردار اور ایکشن کے بارے میں مسلسل بولے جا رہا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے اُسے ریڈ ایکس کی پوری کارکردگی ازبر یاد ہو۔ بذاتِ خود ریڈ ایکس کو بیشتر باتیں بھول گئی تھیں اور اُوشان کی یاد داشت پر اس کے ذہن میں تازہ ہوئی تھیں۔

رفتہ رفتہ اُوشان کی معصومیت، سچائی اور محبت و خلوص نے ریڈ ایکس کے دل میں گھر کرنا شروع کر دیا اور اس کے ذہن سے یہ بات محو ہونے لگی کہ اس بوڑھے کو محض اس لیے اس کے پاس بھیجا گیا ہے کہ وہ اُسے قتل کر دے اور پھر اس کی لاش یوں ٹھکانے لگائے کہ کسی کو ڈھونڈے سے بھی اس کا نشان تک نہ ملے۔

بیس منٹ بعد ریڈ ایکس یوں گھل مل کر اُس سے باتیں کرنے لگا جیسے وہ برسوں سے ایک دوسرے کو جانتے ہوں۔ وہ یہ تک بھول گیا تھا کہ وانڈا کے کہنے پر اس نے اسکرین پر کسی کو چیلنج کیا تھا۔۔۔ اور یہ بوڑھا اسی چیلنج کے جواب میں اس کے پاس آیا ہے۔۔۔ لیکن اب ریڈ ایکس یہ تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں تھا کہ اُوشان ہی وہ ہستی ہے جس کے لیے وانڈا اور ڈاکٹر گورڈنز بے حد پریشان تھے۔

اب تک وہ تین جام پی چکا تھا۔

تعریف و توصیف کی حرارت نے الگ اس کی کھوپڑی گرما دی تھی۔ زندگی میں پہلی بار ایک قدردان اس کے سامنے یوں آیا تھا کہ خود ریڈ ایکس اس کی قدر کرنے پر مجبور ہو گیا تھا۔

نصف گھنٹے بعد ریڈ ایکس کو احساس ہوا کہ وہ اُوشان کی باتوں میں اس حد تک بہہ گیا ہے کہ اگر اس دوران میں اُوشان اس کی گردن پر چھری بھی پھیر دیتا تو اُسے احساس تک نہ ہوتا۔

وہ سنبھل گیا۔ یہ غفلت اس کے لیے مہلک بھی ثابت ہو سکتی تھی۔

اس نے سر جھٹک کر نوجوان میک اَپ مین کی طرف دیکھا جس کی آنکھیں چمک رہی تھیں اور وہ بھی اُوشان کی باتوں میں اس قدر محو تھا کہ اسے آس پاس کی بھی خبر نہیں رہ گئی تھی۔

"ارے! محترم بزرگ!" ریڈ ایکس چونک پڑا۔ "میں بھی کتنا نالائق اور کس قدر غافل ہوں کہ میں نے ابھی تک آپ کو بیٹھنے کے لیے بھی نہیں کہا۔"

"اوہ، کوئی بات نہیں۔ کوئی بات نہیں۔" اُوشان مسکرانے لگا۔ "تمہیں سامنے دیکھ کر میں بھی سب کچھ بھول گیا تھا۔"

"بیٹھ جائیے، پلیز۔ بیٹھ جائیے۔"

اُوشان صوفے کی طرف بڑھا تب ریڈ ایکس نے دیکھا کہ اس کا لبادہ فرش پر یوں حرکت کر رہا ہے کہ اس پر تیرنے کا گمان ہوتا ہے۔ اُوشان کی چال میں اتنی کشش تھی کہ وہ مسحور ہو کر رہ گیا۔۔۔ اور جب اُوشان بیٹھ گیا تو بیٹھتے وقت صرف لبادہ

ہی تہ ہوتا نظر آیا تھا۔ یہ احساس نہیں ہوا تھا کہ اندر اس کے جسم نے بھی کوئی حرکت کی ہوگی۔

"اوہ، مائی گاڈ۔ اوہ، مائی گاڈ۔" ریڈ ایکس بڑبڑایا۔ "تعریف و توصیف کا نشہ بھی کتنا بُرا ہوتا ہے، انسان کو کسی کام کا نہیں رہنے دیتا۔" وہ بڑی توجہ سے اُوشان کی طرف دیکھنے لگا۔ "آپ تو میرے بارے میں خود مجھ سے بھی کہیں زیادہ جانتے ہیں لیکن میری تنگدستی دیکھیے کہ میں آپ کا نام تک نہیں جانتا۔"

"میرا نام اُوشان ہے۔"

"صرف اُوشان؟" ریڈ ایکس نے پوچھا۔

"نام کی حد تک یہی کافی ہے۔"

"اُوشان!" ریڈ ایکس بڑبڑایا۔ "اُوشان! کیا تمہارے پاس میری ایک تصویر بھی ہے، جس پر میں نے دستخط کیے ہوں؟"

"اوہ۔۔۔ ہاں۔" اُوشان نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔ وہ بے پناہ خوش نظر آنے لگا تھا۔ جیسے ریڈ ایکس نے اُسے یاد رکھ کر اس پر کوئی بہت بڑا احسان کیا ہو۔ "وہ تصویر میں نے بذریعہ ڈاک بھلوائی تھی۔"

ریڈ ایکس نے جام کی طرف ہاتھ بڑھاتے بڑھاتے روک لیا تھا۔

وہ اَب بے حد محتاط انداز میں بیٹھا تھا۔ اُسے اُوشان کی ظاہری حالت کے تحت اس پر جو رحم آ رہا تھا، وہ اپنی جگہ لیکن دوست سہی لیکن اس بوڑھے نے اس پر جو غفلت طاری کر دی تھی، ریڈ ایکس کو اس کا بے حد ملال تھا۔ یہ غفلت اس کی تربیت کے منافی تھی۔

"کیا آپ مجھے اپنے بارے میں مزید کچھ نہیں بتائیں گے؟" ریڈ ایکس نے اُوشان سے کہا تو اس کے لہجے میں استدعا تھی۔

"میرا خیال ہے، جناب! مجھے اب اجازت دیجیے۔ ان قیمتی لمحوں میں وقت کا دھیان ہی نہیں رہا۔" نوجوان میک اَپ مین نے کہا۔

ریڈ ایکس نے ہاتھ کے اشارے سے اُسے چلے جانے کے لیے کہہ دیا اور خود اُوشان کی طرف متوجہ رہا جو اس سے کچھ فاصلے پر بڑے ہی سکون سے بیٹھا مسکرائے جا رہا تھا۔ اس کی مسکراہٹ میں کتنی سادگی اور کتنی معصومیت تھی۔ وہ اسّی سالہ بوڑھے کی بجائے کوئی بچہ لگتا تھا۔ ریڈ ایکس کو حیرت تھی کہ دُنیا میں کسی شخص کے چہرے پر اتنی معصومیت بھی ہو سکتی ہے۔۔۔ وہ معصومیت جو صرف فرشتوں کے لیے مخصوص ہے۔

"میں آپ کے بارے میں مزید جاننے کے لیے بے چین ہوں جناب!"

"میرا نام اُوشان ہے۔" اچانک اُوشان کا لہجہ بدل گیا۔ "اور میں سنا نجو کی شمشیر کا مالک ہوں۔"

گورڈنز کے جانے کے بعد وانڈا نے آرام کرسی میں اپنے جسم کو مزید آرام دہ حالت میں نیم دراز کیا اور نیوباڈی آئل کی شیشی اُٹھالی۔ غسل سے پہلے وہ جسمانی حسن برقرار رکھنے کے لیے اس بیش قیمت آئل سے خوب مالش کرنے کی عادی تھی۔

وہ مسکرا رہی تھی۔

اس کے ذہن میں ابھی تک گورڈنز کا وہ جملہ گونج رہا تھا۔

ڈاکٹر گورڈنز نے کاغذات اس کے حوالے کرنے کے بعد سختی سے ہدایت کی تھی کہ وہ شہزاد کے قابو میں نہ آئے اور کسی ایسی جگہ روپوش ہو جائے، جہاں شہزاد اُس تک نہ پہنچ سکے۔

"۔۔۔ احمق۔" اس نے دل ہی دل میں کہا۔ "وہ نہیں جانتا کہ شہزاد مجھ سے اُسی روز میرے دفتر میں مل چکا ہے اور مجھ پر اپنی شخصیت کا ایک ایسا اثر چھوڑ گیا ہے کہ میں اُسے دل ہی دل میں چاہنے لگی ہوں۔۔۔ لیکن نہیں۔۔۔ اس نے جس انداز میں میری توہین کی ہے، اس کے تحت میں اُسے ہرگز معاف نہیں کر سکتی۔"

وہ اپنی گردن اور بازوؤں پر تیل کی مالش کرتی رہی۔۔۔ پھر اس نے آئینہ اُٹھایا اور اپنے چہرے کا جائزہ لینے لگی۔ اُس کے چہرے پر جھریوں کا نام و نشان تک نہیں تھا، حالانکہ وہ جس عمر کو پہنچ چکی تھی، اس میں چہرہ کم ہی جھریوں سے بے نیاز نظر آتا ہے۔۔۔ لیکن وہ اپنی غیر معمولی شخصیت پر بے پناہ توجہ دیتی تھی اسی لیے اپنی عمر سے پانچ سال چھوٹی نظر آتی تھی۔

چہرے کا جائزہ لینے اور خیالوں میں انہماک کے باعث اُسے اندازہ بھی نہ ہو سکا کہ کوئی اس کے قریب ہی، پشت پر آ کھڑا ہوا ہے۔

وہ آئل سے مالش کرنے میں مصروف رہی۔

اچانک عقب سے ایسی آواز سنائی دی جیسے کسی نے کھنکار کر گلا صاف کیا ہو۔ وانڈا نے پلٹ کر دیکھنے کی ضرورت ہی نہیں سمجھی۔ وہ جانتی تھی کہ اس انداز میں صرف ڈاکٹر گورڈنز ہی اس کے قریب آ سکتا ہے۔

"تم سے شاید صبر نہیں ہوتا۔" وہ پلٹے بغیر بولی۔ "میں جانے کی تیاری کر رہی ہوں۔ تھوڑی دیر بعد یہاں سے رخصت

ہو جاؤں گی۔"

ڈاکٹر گورڈنز کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا۔ وانڈا کا خیال تھا کہ وہ اس بات سے مطمئن ہو کر واپس چلا جائے گا۔

عقب سے پھر کھنکار کر گلا صاف کرنے کی آواز آئی۔

"تم یہاں سے دفعان کیوں نہیں ہو جاتے۔" وہ غرائی۔ "کیا تم نہیں جانتے کہ مجھے اپنی شخصیت کا کتنا خیال رکھنا پڑتا ہے۔"

"جیسے تمھاری مرضی ڈیئر۔" عقب سے آواز سنائی دی۔

یہ ڈاکٹر گورڈنز کی آواز نہیں تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ پلٹ کر دیکھتی اور کچھ کرتی، اچانک اُسے یوں محسوس ہوا جیسے پورا ماحول چکرانے لگا ہو۔ اس کا جسم آرام کرسی سمیت فضا میں بلند ہو رہا تھا۔ وہ جس کرسی پر نیم دراز تھی، وہ اسٹیل کی ایک وزنی کرسی تھی، اس کے علاوہ خود وہ بھی ہلکی پھلکی نہیں تھی، پھر میرا جسم یوں فضا میں کیسے معلق ہو گیا؟

ابھی وہ یہی سوچ رہی تھی کہ اس کا جسم کرسی سمیت فضا میں اُڑنے لگا۔ وانڈا کے حلق سے ایک گھٹی گھٹی سی چیخ نکل گئی... اور پھر اُس نے نیچے دیکھا تو اُسے نیلگوں پانی دکھائی دیا۔ وہ گرد ے کی شکل کے اپنے سوئمنگ پول میں گر رہی تھی۔

اس کا جسم کرسی سمیت ایک چھپاکے سے پانی کی سطح سے ٹکرا گیا۔

وزنی کرسی پانی میں فی الفور ڈوب گئی۔

وہ پانی میں گری تو نیلگوں پانی اس کی آنکھوں اور اس کے نتھنوں میں گھس گیا۔ گرتے وقت حیرت سے اس کا منہ کھلا ہوا تھا اور اس نے سانس روک رکھی تھی۔ جب وہ پانی میں گری تو اس نے غیر ارادی طور پر ایک گہری سانس لی۔ اس سانس سے پانی اس کے حلق سے گزر گیا۔

وہ بُری طرح چیخنے سے اُسے کھانسی آ گئی اور پانی اس کا گلا دبانے لگا۔ وہ ہاتھ پاؤں مارنے لگی اور جب اُس نے خود کو اُچھل کر پانی کی گہرائی سے سطحِ آب پر اُبھالا تو اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔

وہ دائیں بائیں سر مار کر خود کو سنبھالنے لگی۔

حواس بحال ہونے کی یہ عالم اگرچہ لمحاتی تھا لیکن اس نے وانڈا جیسی نازک مزاج عورت کی کھوپڑی میں تارے آتار دیے تھے۔ نتھنوں اور آنکھوں میں پانی کی وجہ سے زبردست جلن پیدا ہو گئی تھی۔

وہ سطحِ آب پر اُبھری تو اس کے حلق سے ایک گھٹی گھٹی سی چیخ فضا میں بلند ہو گئی تھی لیکن پھیپھڑوں تک اُترے ہوئے پانی نے آواز میں خرخراہٹ سی پیدا کر دی جس کی وجہ سے اُسے اپنے اعصاب شل ہوتے محسوس ہوئے۔

یہ ایک ناگہانی تھی۔ اس قسم کا مذاق کرنے کی اس سے پہلے کبھی کسی کو جرأت نہیں ہوئی تھی۔ وہ غصے سے کانپ گئی۔ ایک ہی لمحے میں اس کے ذہن میں شاید درجنوں ہار پیدا ہوا تھا کہ وہ ایسا کرنے والے کو بڑی ہی عبرتناک سزا دے گی۔ عبرتناک موت سے ہمکنار کر دے گی۔

اس نے دھندلائی ہوئی آنکھوں سے دیکھا۔

شہزاد سوئمنگ پول کے کنارے کھڑا مسکرا رہا تھا۔

اس کی مسکراہٹ جلتی پر تیل کا کام کر گئی۔ وانڈا کے ذہن و قلب کے جن گوشوں میں اس کے لیے پسندیدگی اور محبت کے کچھ تاثرات تھے، وہاں بھی نفرت ہی نفرت بھر گئی۔ اس کا ہاتھ پاؤں مارتے ہوئے خود کو ڈوبنے سے بچایا اور شہزاد کی طرف دیکھا۔

وہ سوئمنگ پول کے کنارے کھڑا، قدرے جھک کر اُس کی بے بسی سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ وانڈا کسی ایسی شیرنی کی طرح کنارے کی طرف بڑھی جس پر شکار کا جنون سوار ہو گیا ساتھ ہی وہ حلق پھاڑ کر چیخ پڑی۔

"باسٹرڈ!... میں، تمھیں زندہ نہیں چھوڑوں گی۔"

"اوہ! مجھے افسوس ہے ڈیئر۔" شہزاد نے بلند آواز میں کہا۔ "میں تمھیں جہنم رسید کر دوں گی۔"

"جو مزاج یار میں آئے۔" شہزاد نے جھک کر کہا۔ "سر تسلیم خم ہے۔"

"ہیں، تمھیں گولی مار دوں گی۔"

"اگر تم مجھے یہ بتا دو کہ غذات کہاں ہیں تو اس کے بعد میں تمھارے ابرو کی صرف ایک جنبش سے ہلاک ہو جانے کا وعدہ کرتا ہوں۔"

وانڈا تیرتے تیرتے رک گئی۔

اس نے سوئمنگ پول کے کنارے لگے ہوئے پائپ ہاتھوں کی گرفت مضبوط کر لی۔ اور ایک ہی لمحے میں اس کا غصہ کافور ہو گیا۔ صورتِ حال ویسی نہیں تھی، جیسی وہ سمجھ رہی تھی کی قوتِ فیصلہ بہت تیز تھی، اس لیے اُسے فوراً ہی موقع کی نزاکت کا احساس ہو گیا تھا۔

"کاغذات کہاں ہیں؟" ٹائیگر نے سوال کیا۔

"کاغذات؟" اس نے حیرانی ظاہر کی اور خود کو پانی میں

نکالنے کے لیے ہاتھوں کے سہارے اوپر اُٹھانا شروع کر دیا۔

اچانک ٹائیگر کا پاؤں آگے بڑھا۔

وہ اُٹھتے اُٹھتے جہاں تک پہنچی تھی، وہیں رُک گئی۔

شہزاد کا جوتا اُس کی کھوپڑی تک پہنچ گیا تھا۔ یہ ایک ایسی حرکت تھی جو وانڈا پر دیوانگی طاری کرنے کے لیے کافی تھی... لیکن دیوانگی سے پہلے ہی سر پر لگنے والی خفیف سی چوٹ نے اس کے ذہن میں تاریکی بھر دی۔ دو ضرب کے اثر سے ایک بار پھر جھک گئی۔ اس کے ہاتھ پائپ پر گرفت رکھنے میں ناکام ہو گئے اور وہ فوراً ہی پانی میں ڈبکی لگانے پر مجبور ہو گئی۔

اس بار اس کے حلق سے کئی گھونٹ پانی اُتر گیا تھا اور اس کی آنکھیں بُری طرح جل اُٹھی تھیں۔ اُسے یوں محسوس ہوا جیسے شہزاد نے اس کی کھوپڑی پر جوتے سے ہلکی سی چوٹ نہ ماری ہو بلکہ کلہاڑے سے وار کیا ہو جس سے اس کی کھوپڑی دو حصوں میں تقسیم ہو گئی ہو۔

اس کے پاؤں تالاب کے فرش سے ٹکرا گئے۔

وانڈا نے فوراً ہی خود کو اوپر کی طرف اُچھال دیا۔

پانی کی سطح تک آتے آتے وہ یہ اندازہ کرنے میں کامیاب ہو گئی تھی کہ شہزاد اس کی دھمکیوں سے مرعوب ہونے والا آدمی نہیں ہے۔ اس نے جس انداز میں اس کے سر پر ضرب لگائی تھی، اس سے وانڈا کو یہ بھی پتہ چل گیا تھا کہ وہ اس کی نسوانیت کو بھی خاطر میں نہیں لائے گا۔

ایک لمحے کے لیے اُسے حیرت بھی ہوئی کہ شہزاد اُس کے گھر تک کیسے پہنچ گیا... اور پھر گھر میں داخل ہو کر انتہائی خاموشی سے سوئمنگ پول تک کیسے آ گیا۔ اب تک ڈاکٹر گورڈنز یہی ایسا کرنے میں کامیاب ہوا تھا۔ اس کی غیر معمولی حیثیت کے تحت وہ اپنے باڈی گارڈ کو معاف کرنے کے لیے آمادہ ہو گئی تھی۔

'لیکن یہ شہزاد...!'

'ہاں...!' اس کے ذہن نے تاویل پیش کی۔ 'شہزاد بھی غیر معمولی ہے۔'

"کاغذات کہاں ہیں، ڈارلنگ؟" اس نے پانی کی سطح سے سر اُبھارتے ہی شہزاد کی آواز سُنی۔ اگرچہ اُس نے یہ بات بڑی ہی ملائمت سے پوچھی تھی۔ لیکن اس ملائمت اور نرمی کے پیچھے درندگی اور سفاکی کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر تھا۔

"کک کون سے کاغذات؟" وہ منہ میں بھرے ہوئے پانی کو تھوک کر چیخ پڑی۔

"کمپیوٹر کے کاغذات۔" شہزاد بولا۔

وہ پانی سے اُبھر کر ایک بار پھر کنارے کا پائپ تھامنے میں کامیاب ہو گئی تھی لیکن اس مرتبہ ایک عجیب سے احساس نے اس کا دل شدت سے دھڑکا دیا تھا۔ وہ نہ جانے کیوں محسوس کرنے لگی تھی کہ اس وقت موت اُس سے زیادہ دُور نہیں ہے۔ وہ جس تالاب میں تیر رہی تھی، یہ تالاب اس کی قبر بننے والا ہے۔ ... وہ کانپ گئی۔ اس نے کبھی اپنی موت کے بارے میں سوچا ہی نہیں تھا چہ جائیکہ آبی قبر کا تصور ہی اس پر کپکپی طاری کرنے کے لیے کافی تھا۔

"کمپیوٹر کے کاغذات۔" ٹائیگر نے دُہرایا۔ "میں اُنھی کاغذات کا تذکرہ کر رہا ہوں جن پر تم دُنیا کی سب سے انوکھی فلم بنانے کا ارادہ کر رہی ہو... تمھیں ان کاغذات کے بارے میں کچھ یاد آیا یا نہیں؟"

"مجھے یاد ہے۔" وہ تلخی سے بولی۔ "لیکن تم احمق ہو۔"

"میری حماقت کا تمھاری یادداشت سے کیا تعلق؟"

"وہ کاغذات صرف ایک گھنٹے بعد پریس کے ہاتھوں میں پہنچنے والے ہیں۔" وانڈا نے دھمکانے والے انداز میں کہا۔

"اوہ! کیا واقعی؟"

ٹائیگر نے حیرت کا اظہار کیا، اس کے ساتھ ہی اُس کا پاؤں تیزی سے وانڈا کی کھوپڑی کی طرف بڑھا۔

وانڈا نے بڑی تیزی اور سرعت سے اس کی ٹانگ پکڑ کر اُسے بھی تالاب میں گھسیٹ لینا چاہا تھا لیکن اس سے پہلے ٹائیگر کا پاؤں اس کی کھوپڑی پر دباؤ ڈال کر واپس اپنی جگہ پہنچ چکا تھا۔

اس کا دوسرا ہاتھ بھی پائپ سے ہٹ گیا اور وہ ایک بار پھر تالاب کے پانی میں ڈوبتی چلی گئی۔

پانی میں ڈوبتے وقت وانڈا نے اس بار آنکھیں بند نہیں کی تھیں۔ غالباً یہی وجہ تھی کہ اُسے پانی میں بڑے بڑے سیاہ دھبے سے چکراتے ہوئے محسوس ہونے لگے تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے یہ دھبے، عفریتوں کی طرح اُسے اپنی لپیٹ میں لینے کے لیے بڑھ رہے ہوں۔

اس نے گھبرا کر آنکھیں بند کر لیں۔

خوف اب رفتہ رفتہ اس کے اعصاب پر اپنے پنجے گاڑ رہا تھا۔

وہ ایک بار پھر سطحِ آب پر آ گئی۔

خوف کے ساتھ ساتھ احساسِ ذلت اس پر دیوانگی طاری کر رہا تھا۔ اس نے آنکھوں سے پانی جھٹکا اور قہر آلود نظروں سے ٹائیگر کی طرف دیکھنے لگی، جو تالاب کے کنارے اس جانب جھکا ہوا تھا۔

"میرا خیال ہے، اب تک تمہیں یہ اندازہ ضرور ہو گیا ہوگا کہ میں یہاں تم سے کوئی مذاق کرنے نہیں آیا ہوں۔" ٹائیگر کے لہجے میں اس بار خاصی سنجیدگی تھی۔ "اس کے بعد دانش مندی کا تقاضا یہی ہے کہ تم مجھے ان کاغذات کے بارے میں بتا دو۔"

وانڈا ہونٹ چبائی اور پانی تھوکتی رہی۔

شہزاد کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔

وہ بالکل اسی انداز میں مسکرا رہا تھا جیسے اُس کے دفتر میں طلائی کنگن کو دو انگلیوں کی مدد سے کاٹتے وقت مسکرایا تھا۔ تب وہ اس مسکراہٹ میں کسی جذبے کی جھلک دیکھنے میں کامیاب نہیں ہوئی تھی لیکن اب اُس نے اس مسکراہٹ کو خوب اچھی طرح پہچان لیا تھا۔

یہ ایک بے رحم قاتل کی مسکراہٹ تھی جو ٹائیگر کے مردانہ وجاہت سے بھرپور چہرے پر دیکھنے والوں کو بڑی ہی غلط فہمی میں مبتلا کر دیتی تھی اور اُسے فوری طور پر پہچان لینا ہر کسی کے بس میں نہیں تھا۔ یہ ایک پیشہ ور قاتل کی مسکراہٹ تھی جو ایک محبت کرنے والے نوجوان کے چہرے پر سجی ہوئی تھی۔

وانڈا سمجھ گئی کہ اس حسین و جمیل نوجوان کے چہرے پر جب محبت کے تاثرات پیدا ہوتے ہیں تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ محبت کرنا اس کا پیشہ ہے ... اور جب یہ قاتل مسکراہٹ اُبھرتی ہے تو اس کا مطلب سوائے اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ قتل کرنا اس کا پیشہ ہے۔

خوف اور دہشت کی ایک سرد لہر اُس کی ریڑھ کی ہڈی کے نچلے حصے میں پیدا ہوئی اور اس کا رُواں رُواں کانپ گیا۔ پائپ پر گرفت رکھنا اس کے لیے مشکل ہو گیا۔ یوں لگا جیسے کسی بھی وقت اس کی اُنگلیاں بے سہارا ہو جائیں گی اور وہ اپنے خوش نما تالاب کی گہرائی میں ... آبی قبر میں دفن ہو جائے گی۔

ٹائیگر اُس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

وہ محسوس کر چکا تھا کہ وانڈا پر حقیقت واضح ہو گئی ہے۔

"کاغذات کہاں ہیں؟"

"میرے بریف کیس میں ..."

"اور بریف کیس کہاں ہے؟"

"اندر کمرے میں ..." اس نے چیخ کر کہا۔ نہ جانے کیوں اُس کے دل میں بے اختیار یہ خواہش پیدا ہوئی کہ ڈاکٹر گورڈز کسی وجہ کے تحت واپس آ جائے۔ یہ مایوس ذہن کی ایک سوچ تھی، ڈوبتے کو تنکے کا سہارا تھا لیکن دل کی گہرائی سے وہ جانتی تھی کہ گورڈ نراب واپس نہیں آئے گا۔ وہ اپنا کام ختم کر کے واپس جا چکا ہے اور اب اُسے جو کچھ بھی کرنا ہے، وہ کہیں اور ہی کرنا ہے۔

ٹائیگر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"ٹھیک ہے، میں دیکھتا ہوں۔ اتنی دیر میں تم ایک غوطہ اور لگا لو۔" یہ کہہ کر اُس نے بڑی بے رحمی سے پاؤں وانڈا کی کھوپڑی پر رکھ کر ایک بار پھر اُسے پانی میں دھکیل دیا۔ وہ تیزی سے نیچے گئی اور جیسے ہی اُس کے پاؤں فرش سے ٹکرائے اس نے خود کو فوراً ہی اچھال دیا۔

وہ کسی مچھلی کی طرح تیزی اور پانی کو کاٹتی اوپر اُٹھی۔

اس نے جلدی سے پائپ تھام لیا۔

پائپ کے سہارے رُکی کروہ ایک لمحے تک ہانپتی رہی پھر اس نے پانی سے بھری ہوئی آنکھوں سے دروازے کی طرف دیکھا جو تالاب سے کافی دُور تھا ... اور یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ شہزاد کہیں دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اس کا صاف مطلب یہی تھا کہ جب تک وہ تالاب کی تہ سے لگ کر سطحِ آب پر اُبھری، شہزاد اتنی دیر میں گھر کے اندر پہنچ چکا تھا۔

... اور جب وہ خود کو پانی سے نکال کر کنارے پر پہنچا رہی تھی تو اس نے شہزاد کو گھر سے باہر آتے دیکھا۔ اس کے دونوں ہاتھوں میں کاغذات کی تہیں دبی ہوئی تھیں اور تیزی سے ان کا جائزہ لینے میں مصروف تھا۔

"یہ تو مل گئے۔" ٹائیگر نے قریب آتے ہوئے کہا۔ "تم نے یہ کاپیاں کہاں سے بنوائی تھیں؟"

"یہ کاپیاں میں نے نہیں، گورڈ نراب نے تیار کرائی تھیں۔"

"اور ان کی تعداد کیا تھی؟"

"مجھے معلوم نہیں۔" وہ بے بسی سے بولی۔ اس کا حسین سراپا کسی نازک پتے کی طرح کانپ رہا تھا۔

"ہوں ... اس نے تمہیں کتنی نقول دی تھیں؟"

"آٹھ ... اور اصل کاپی جس سے باقی نقلیں تیار کی گئی تھیں۔"

ٹائیگر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ "تعداد میں تو یہ پوری ہی لگتی ہیں۔" اس نے کاپیوں کی تعداد کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ "اس

کے علاوہ بھی کوئی نقل ہے؟ تمہارے دفتر میں ایک آدھ نقل تو ضرور فائل کی گئی ہوگی؟"

"نہیں ..." وانڈا نے کانپتی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

"پریس ریلیز؟"

"نہیں۔ ابھی نہیں دی گئی۔"

"اور فلم کا مسودہ تیار کرنے کے لیے مصنف کو بھی کوئی نقل نہیں بھیجی؟" شہزاد نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

وانڈا نے نفی میں سر ہلا دیا۔ اس کے بالوں کی رنگت دُھل گئی تھی اور بالوں نے ایک دوسرے سے چپک کر پستیوں جیسی شکل اختیار کر لی تھی، جب اس نے سر کو نفی جنبش دی تو یوں لگا تھا جیسے کئی رسیاں دائیں بائیں متحرک ہو گئی ہوں۔

"نہیں پریس کو ہمیشہ زبانی بیان دیا کرتی ہوں۔" وانڈا نے بڑے فخریہ لہجے میں کہا۔ "اور آج بھی میں زبانی ہی سب کچھ کہوں گی۔ ذرا سی صیغے اور زمانے کی تصحیح کر لو۔ ڈارلنگ!" ٹائیگر نے اس کا تفاخر محسوس کر کے کرخت لہجے میں کہا۔ "اب تم پریس کو کوئی بیان نہیں دے سکتیں۔"

"وہ کیوں؟"

وہ اس لیے کہ تمہیں اپنے فرشتوں کو زندگی کے گناہوں کا حساب دینا پڑے گا۔ اس مصروفیت کی وجہ سے تمہیں پریس کو کوئی بیان دینے کی فرصت ہی نہیں مل سکے گی۔" ٹائیگر کا لہجہ ایسا تھا کہ وانڈا کو ٹھنڈے ٹھنڈے پسینے آتے محسوس ہونے لگے۔

وہ ٹائیگر کی آنکھوں میں نوشتۂ مرگ دیکھ رہی تھی۔

اچانک اس کا پاؤں حرکت میں آ گیا۔

چوٹ وانڈا کی ٹانگ پر لگی تھی اور وہ ایک بار پھر پانی میں جا گری تھی۔

ٹائیگر نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ تالاب سے کچھ ہٹ کر ایک بھٹی تھی۔ کیس کی اس بھٹی کو دیکھ کر وہ تیزی سے اس کی طرف بڑھ گیا۔ یہ بھٹی غالباً اہم مسودات کو استعمال کے بعد جلانے کے لیے ہی بنائی گئی تھی۔ یا پھر ممکن ہے، وانڈا اس سے کوئی اور بھی کام لیتی ہو۔ ٹائیگر نے سوئچ دبا کر دروازہ کھولا۔

بھٹی اینٹوں کی بنی ہوئی تھی اور اس میں گیس کا مختصر سا شعلہ نظر آ رہا تھا۔ ٹائیگر نے کنٹرول بٹن کو گھمایا تو یہ شعلہ کسی ناگ کی زبان جیسے انداز میں لپک پڑا۔ اس کے ساتھ ہی گیس کے تیز اخراج کی وجہ سے پھنکاروں جیسی آوازیں پیدا ہونے لگیں۔

وہ چند لمحوں تک شعلوں کا رقص دیکھتا رہا۔

اس نے ہاتھ میں پکڑے ہوئے کاغذات تھوڑے تھوڑے کر کے بھٹی میں ڈالنے شروع کر دیے حتیٰ کہ آخری دستہ بھی اس کے ہاتھ سے نکل کر شعلوں کے نرغے میں پہنچ گیا۔

ٹائیگر نے پوچھ کر اُٹھالی۔

یہ سلاخ آگ میں جلتی ہوئی اشیا کُریدنے کے کام آتی تھی۔ وہ کریدنی کے ذریعے ان کاغذات کو چھیڑتا رہا، جو اپنی تہوں کی وجہ سے شعلوں کی زبان سے محفوظ تھے۔ جب اُسے اطمینان ہو گیا کہ کمپیوٹر پروگرام کی تمام نقول راکھ میں تبدیل ہو چکی ہیں تو اس نے بھٹی کا دروازہ بند کر دیا لیکن آگ کم نہیں کی۔

کریدنی اب بھی اس کے ہاتھ میں تھی۔

وہ پلٹ کر تالاب کی طرف دیکھنے لگا اور چونک پڑا۔

وانڈا اُس سے چند قدم کے فاصلے پر کھڑی تھی۔ اس کے بالوں سے پانی کی بوندیں ٹپک رہی تھیں اور پانی کے قطرے اس کے جسم پر بھی چمکتے نظر آ رہے تھے۔ اس کی آنکھوں میں جنونی قاتلوں جیسی سرخی اور چمک تھی ... لیکن اس سے کہیں زیادہ اُس ریوالور کی نال چمک رہی تھی جسے وانڈا نے تھام رکھا تھا۔ اور جس کی نال ٹائیگر کی طرف اُٹھی ہوئی تھی۔

ٹائیگر نے طنزیہ انداز میں اس کی طرف دیکھا۔

تالاب میں اوپر تلے کئی غوطے لگانے کے بعد وانڈا کا میک اَپ اُتر گیا تھا اور اس کے بال بھی بُری طرح بے ترتیب ہو گئے تھے۔ جن کے باعث وہ اس وقت بے حد بھونڈی لگ رہی تھی۔ زہر سے سُرخ غصے نے اس کے نقش و نگار بھی مسخ کر دیے تھے۔ اس وقت اُسے دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ ملک کی ایسی ہیروئن ہے جس کے خواب دیکھنے والوں کی تعداد لاکھوں کو چھوتی ہے۔

"باسٹرڈ!" وہ دانت پیس کر غرائی۔

"اگر تم پیار سے کہہ رہی ہو تو میں ہرگز بُرا نہیں مانوں گا۔"

"میں تمہیں قتل کر دوں گی!"

شہزاد ہنس پڑا۔ "اوہ ہاں ... غالباً یہ منظر میں تمہاری کسی فلم میں بھی دیکھ چکا ہوں۔"

"یقیناً ... لیکن اُس فلم میں ریوالور سمیت ہر چیز نقلی تھی جبکہ یہاں میری نفرت سے شروع ہو کر ریوالور میں موجود گولیوں تک ہر چیز حقیقی ہے۔" وانڈا نے کسی ٹیرنی کی طرح غراتے ہوئے کہا۔

اس کا ریوالور والا ہاتھ رفتہ رفتہ بلند ہونے لگا۔
ٹائیگر کے ہونٹوں پر مسکراہٹ برقرار رہی۔
"اگر تم یہ ریوالور اس تالاب میں پھینک دو تو میں تمہاری زندگی کے بارے میں سوچ سکتا ہوں۔"
"تم مر رہے ہو، شہزاد۔" وہ دانت کچکچا کر بولی۔
تب پہلی بار ٹائیگر نے اس کی آنکھوں میں وہ چمک دیکھی جو ظاہر کر رہی تھی۔ کہ وانڈا ایک اذیت پسند عورت ہے۔ اس کا کچھ کچھ اندازہ اُسے وانڈا کے دفتر میں، اس کی رفاقت کے دوران بھی ہوا تھا، تب اُس نے اُسے محض ایک وقتی جذبہ سمجھ کر نظر انداز کر دیا تھا، اور، وہ اس کے سامنے کھڑی محض اس لیے دانت پیس رہی تھی کہ اس کی توقع کے مطابق ٹائیگر کے چہرے پر گھبراہٹ اور خوف کے تاثرات نہیں پیدا ہوئے تھے۔ جبکہ وہ ان کی تمنا دل میں لیے انتظار کر رہی تھی۔
اس کا یہ انتظار ٹائیگر کے لیے فائدے مند ثابت ہوا۔
جس وقت شہزاد جھٹکی میں کاغذات جلا رہا تھا، اگر وہ اس وقت چپکے سے عقب میں کھڑی کھڑی دُور ہی سے گولی چلا دیتی تو یقیناً اُسے نقصان پہنچانے میں کامیاب ہو سکتی تھی۔
ریوالور والا ہاتھ بلند ہو چکا تھا۔
وہ دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں گھور رہے تھے۔
ریوالور کی نال ٹائیگر سے اتنے فاصلے پر تھی کہ اگر وہ اپنے ہاتھ میں پکڑی ہوئی سلاخ آگے بڑھاتا تو وانڈا کے ہاتھ کو آسانی سے چھو سکتا تھا۔
"مانگو.. مجھ سے زندگی کی بھیک مانگو۔" وہ غرائی۔
"وہ تمہارے پاس نہیں ہے، جان عزیز۔"
وانڈا کے جبڑے غصے سے بھنچ گئے۔
اس کے رُخساروں کی ہڈیاں نمایاں ہو گئیں اور اُس کی کنپٹی کی ایک رگ تیزی سے پھڑک کر بتا رہی تھی کہ اس وقت جنون اس کے ذہن پر پوری طرح سوار ہو چکا ہے۔
"تم ایک مُردہ عورت ہو، وانڈا۔" ٹائیگر نے اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا اور اس کے ساتھ ہی اُس کا کریدنی والا ہاتھ بلند ہوا۔
ٹائیگر کے دائیں ہاتھ نے اتنی تیزی سے حرکت کی تھی کہ وانڈا کو اس وقت تک احساس نہ ہو سکا کہ جب تک وہ ریوالور کا ٹریگر دبا نہیں چکی تھی۔ سلاخ کا کونا ریوالور کی نال میں گھس چکا تھا، اور ٹائیگر نے اُسے مضبوطی سے دبا رکھا تھا۔
ہلاکت خیز گولی کے لیے نکاسی کا کوئی راستہ نہیں تھا۔
ایک خوفناک دھماکا ہوا اور ریوالور کا چیمبر پھٹ گیا۔
ریوالور کے چیتھڑے اُڑ گئے۔
اب وانڈا کے ہاتھ میں ریوالور نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔
جو کچھ بھی، اس کے اپنے ہی چہرے پر منتشر ہو چکا تھا۔
ریوالور پھٹنے سے دھات کے ٹکڑے اُڑے، جنھوں نے وانڈا کے چہرے کو پلپلا کر دیا۔ جگہ جگہ سے گوشت کے لوتھڑے اُتر گئے۔ یوں لگتا تھا جیسے کسی طاقت ور پنجے نے اس کے چہرے کا گوشت نوچ لیا ہو۔
وہ لڑکھڑا کر پیچھے ہٹ گئی۔
عقب میں تالاب کا کنارا تھا، گیلا فرش جس پر وہ پھسلتی ہوئی پانی میں جا گری۔ ٹائیگر نے دھماکا ہونے سے صرف دو لمحے قبل ایک طرف چھلانگ لگائی تھی اور وہ تالاب کے فرش سے دو گز دُور گھاس پر لیٹا ہوا تھا۔
وہ آہستہ آہستہ کہنیوں کے بل اُٹھ گیا۔
وانڈا تالاب میں گر چکی تھی۔
وہ تالاب کے کنارے جا کھڑا ہوا اور وانڈا کی طرف دیکھنے لگا جو اس وقت کسی مُردہ مچھلی کی طرح چت تیر رہی تھی اور اُس کا رُخ ٹائیگر ہی کی طرف تھا۔ لیکن وہ اُسے دیکھ نہیں سکتی تھی کیونکہ اُس کی آنکھوں کی جگہ دو سوراخ تھے ان سوراخوں سے دونوں ڈھیلے نہ جانے کہاں اُڑ گئے تھے۔
خس کم جہاں پاک، ٹائیگر نے زیر لب کہا اور تالاب سے ہٹ کر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ آتے وقت اس نے وانڈا کے باڈی گارڈ کو ٹھکانے لگا کر اچھا ہی کیا تھا۔ ورنہ اس وقت خاصی دُشواری کا سامنا ہوتا۔

• •

ممکن تھا کہ ریڈ ایکس و شان کے مابین ہونے والی بات چیت بوریت کا شکار ہو جاتی لیکن وُشان نے ایک ایسا موضوع چھیڑ دیا، جس میں ریڈ ایکس دلچسپی لینے پر مجبور ہو گیا۔ وُشان نے اب اس کی فنی خرابیوں پر گفتگو شروع کر دی تھی۔
"ایک قلم میں تم نے جب دائیں ہاتھ سے ایک میز پر ضرب لگا کر اُسے توڑا تھا تو درحقیقت تم اس کے ایک حصے کو فضا میں اس طرح اُچھالنا چاہتے تھے کہ تمہارا حریف اس کی زد میں آ جاتا۔۔۔"

"ہوں۔۔۔ کیا تم جانتے ہو، ریڈ ایکس تم اب تک کیوں زندہ ہو؟"
ریڈ ایکس نے بے بسی سے سر کو منفی جنبش دے دی۔
"اس کی وجہ یہ ہے کہ میں تمہیں پسند کرتا ہوں۔"
"شکریہ وُشان۔ اگر میرے دل میں آپ کے لیے احترام نہ پیدا ہو گیا ہوتا تو شاید میں بھی آپ کو قتل کرنے کی کوشش کر بیٹھتا اور۔۔۔"
"تب بھی میں تمہیں ایک موقع ضرور دیتا۔"
"اوہ۔ وقت ہو گیا۔"
وُشان نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔
"مجھے آپ کو ہلاک کر کے یا زندہ حالت میں ایک جگہ پہنچانا ہے۔" وہ بے چارگی سے بولا۔
"چلو، جلدی چلو۔"
"لیکن وُشان۔۔۔"
"وقت ضائع نہ کرو۔" وُشان کا لہجہ بے حد سخت ہو گیا۔
ریڈ ایکس خاموشی سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ وہ وُشان کو لے کر باہر آیا اور پھر دونوں اسٹوڈیوز کی عمارت کی طرف چلنے لگے۔
"تمہیں یہ کس نے کہا تھا کہ مجھے ہلاک کر دو یا کسی مخصوص جگہ پہنچا دو۔" راستے میں وُشان نے پوچھا۔
"وانڈا کا ایک ہرکارہ۔ ڈاکٹر گورڈنز۔۔۔ شیشنی لاش۔"
وُشان نے اثبات میں سر ہلا دیا۔
ریڈ ایکس اُسے لے کر ایک اندرونی کمرے میں پہنچا جہاں کسی فلم کے لیے سیٹ لگا ہوا تھا۔ وُشان نے وہاں پہنچتے ہی نتھنے پھلا کر کچھ دیر فضا میں سونگھا۔۔۔ پھر مسکرا کر بولا۔ "ٹھیک ہے، وحدات کے فرزند۔ باہر آ جاؤ۔"
ایک لمحے کے لیے خاموشی رہی۔
سیٹ خاموش تھا۔ دیواریں تک چُپ تھیں۔
معاً ایک دروازہ دھماکے سے کھل گیا اور اس میں سے ڈاکٹر گورڈنز نمودار ہو گیا۔ اس کے ہونٹوں پر بڑی ہی عجیب مسکراہٹ تھی۔ "تو تم اسے ٹھکانے لگانے میں ناکام ہو گئے۔" وہ ریڈ ایکس کی طرف دیکھ کر بولا۔ اور آہستہ آہستہ اُس کی طرف بڑھنے لگا۔
"نہیں۔" وُشان کی گرج دار آواز پر وہ ٹھٹک گیا۔ "تم اسے کچھ نہیں کہو گے۔ میں دُنیا کو اتنے اچھے ہیرو سے محروم نہیں کرنا چاہتا۔"
گورڈنز نے دونوں جیبوں میں ہاتھ ڈال کر نکالے تو ان میں ریوالور چمک رہے تھے۔ اس نے قہقہہ لگا کر کہا۔ "اگر یہ تمہاری
"کیا میں اس منظر میں کامیاب نہیں رہا تھا؟"
"یقیناً رہے تھے لیکن وہ کامیابی، کیمرے کی کارکردگی کا کمال ن۔" وُشان نے مُسکرا کر کہا۔ "ٹھہرو، میں تمہیں دکھاتا ہوں۔"
وُشان نے ادھر اُدھر دیکھا۔
"کون سی میز ٹوٹ جانے پر تمہیں کوئی اعتراض نہیں ہو گا؟"
"جو بھی چاہو، منتخب کر لو۔" ریڈ ایکس نے مسکرا کر کہا۔
وُشان نے ایک آہنی میز کی طرف دیکھا۔ اس کے بارے میں کیا خیال ہے؟"
"کیا۔۔۔!" ریڈ ایکس کی آنکھیں بے یقینی سے پھیل گئیں۔
وُشان نے دیوار پر لگے ایک فریم کی طرف اشارہ کیا۔ فرض کر لو کہ یہ فریم میرا ہدف ہے۔ اس نے کہا اور اس کا ہاتھ آہستہ آہستہ فضا میں بلند ہونے لگا۔ ریڈ ایکس کے ہونٹوں پر تضحیک آمیز مسکراہٹ پھیل گئی۔
"وُشان۔" اس نے کہا۔ "میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہارا ہاتھ بے حد کمزور ہے کہیں چوٹ لگنے سے تمہاری کوئی ہڈی نہ ٹوٹ جائے۔"
اُسی لمحے وُشان کا ہاتھ میز کے ٹاپ پر گرا اور ریڈ ایکس کو یوں محسوس ہوا جیسے وہ اپنی زندگی کا سب سے حیرت انگیز منظر دیکھ رہا ہو۔ آہنی میز درمیان سے دو حصوں میں تقسیم ہو گئی تھی۔۔۔ اور اس کا ایک حصہ زمین سے بلند ہو کر تیزی سے اس فریم کی طرف بڑھا جس کا تعین وُشان پہلے ہی کر چکا تھا۔
ایک دھماکا ہوا اور وہ فریم چکنا چُور ہو کر گر گیا۔
"کیا تم کوئی میکانکی انسان ہو؟" ریڈ ایکس نے پوچھا۔
"نہیں، میں گورڈنز نہیں ہوں۔"
"گورڈنز۔۔۔!" ریڈ ایکس کو یوں محسوس ہوا جیسے اس کی کمر پر بڑی بجلک سے اُڑ گئی ہو۔ "کیا گورڈنز روبوٹ ہے؟"
"جیسے تم جانتے ہی نہیں۔" وُشان نے مُسکرا کر کہا۔
ریڈ ایکس کا جسم ٹھنڈے ٹھنڈے پسینے میں بھیگنے لگا۔ اُسے وہ وقت یاد آیا جب گورڈنز نے گلاس توڑ کر کانچ کی کرچیاں اپنی انگلیوں سے پیس ڈالی تھیں۔ وہ خوف زدہ ہو گیا۔
"تم نے مجھے چیلنج کیا تھا، ریڈ ایکس۔" وُشان نے کہا۔
"مم۔۔۔ میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔" وہ ہکلانے لگا۔
"اسکرین پر تم نے۔۔۔"
"وہ وانڈا کی فرمائش پر بولا ہوا ایک ڈائیلاگ تھا۔" ریڈ ایکس نے گھبرا کر کہا۔ "میں نہیں جانتا تھا کہ وہ درحقیقت کسی کے لیے چیلنج ہے۔

آخری خواہش ہے تو میں اسے ضرور پوری کروں گا۔ ریڈ ایکس یہاں سے نکل جاؤ۔ فوراً۔"

ریڈ ایکس نے اُوشان کی طرف دیکھا۔

اُوشان نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

ریڈ ایکس کے جاتے ہی گورڈنز نے کہا۔ "بوڑھے آدمی! اپنے ریوالور نکال لو اور یہ کھیل ختم کرو۔"

"میرے پاس کوئی ریوالور نہیں ہے۔" اُوشان نے جواب دیا اور اُسی لمحے گورڈنز کے دونوں ریوالور گرج اُٹھے۔ اُوشان کا قہقہہ بے حد گرج دار تھا۔

ٹائیگر نے ٹیکسی گیٹ ہی پر چھوڑ دی اور تیزی سے دوڑنے لگا۔

اس کے دوڑنے کا انداز بے حد عجیب لیکن بے حد دلکش تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ زمین پر پاؤں لگائے بغیر ہی، زمین سے کچھ اُوپر، ہوا میں ٹانگیں چلا رہا ہو۔ ہوا اُس کی تیز رفتاری کے باعث اس کے کپڑوں کو کسی عظیم پرندے کے پروں کی طرح پھڑپھڑا رہی تھی۔ ٹیکسی ڈرائیور اسٹیئرنگ پر ہاتھ جمائے اُسے دیکھتا ہی رہ گیا۔

گولی اسٹوڈیوز کا مسلح محافظ اپنے کیبن سے باہر آرہا تھا۔ اُس نے ایک ٹیکسی گیٹ کے سامنے رُکتے دیکھی تھی۔ جتنی دیر میں وہ اپنے کیبن سے باہر آیا تھا، اتنی دیر میں ٹائیگر نہ صرف ٹیکسی سے اُتر آیا تھا بلکہ اس نے گیٹ تک آدھے سے زیادہ فاصلہ بھی طے کر لیا تھا۔ مسلح محافظ کے لیے یہ تیز رفتاری کسی طرح بھی قرینِ قیاس نہیں تھی اس لیے وہ پہلے تو ہکا بکا کھڑا رہ گیا... پھر شہزاد کے پیچھے دوڑ پڑا۔

اتفاق سے اس وقت گیٹ کھلا ہوا تھا کیونکہ اس سے ایک گولف کارٹ باہر آرہی تھی۔ یہ ایک چھوٹی سی گاڑی تھی جس میں سیٹ پر سامان پہنچانے کا کام لیا جاتا تھا۔ گولف کارٹ چلانے والا بھی بدحواس ہو گیا اگر وہ ایک جھٹکے سے بریک نہ لگا دیتا تو وہ سامنے سے آنے والا گاڑی سے ٹکرا کر ڈھیر ہو گیا ہوتا۔

... اور پھر وہ شخص گاڑی سے ٹکرا بھی گیا لیکن وہ شخص خود تو ڈھیر نہ ہوا بلکہ گولف کارٹ چلانے والا نہ جانے کیسے اپنی سیٹ سے اچھلا اور گاڑی سے نکل کر گھاس کے پلاٹ میں جا گرا۔ اگر وہاں نرم نرم گھاس نہ ہوتی تو شاید اس کی ہڈی پسلی ایک ہو گئی ہوتی۔

گرنے کے بعد اُسے سنبھلنے میں شاید ایک ہی لمحہ لگا تھا لیکن اتنے قلیل سے وقفے میں گولف کارٹ نہ صرف تیزی سے گھوم گئی تھی بلکہ وہی شخص اس کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا اُسے واپس دوڑا بھی رہا تھا۔

وہ کہنیوں کے بل اُٹھا اس حیرت انگیز منظر کو دیکھتا رہ گیا۔

دفعتہً اسے کسی اور کے دوڑنے کی آواز سنائی دی۔ وہ پلٹ کر آواز کی طرف متوجہ ہوا تو اُسے مسلح محافظ دکھائی دیا دیوانہ وار دوڑ رہا تھا اور اس کا رُخ بھی ادھر ہی تھا۔ جدھر گولف کارٹ جا رہی تھی۔ مسلح محافظ گولف کارٹ چلانے والے کو دھمکی دیتے ہوئے رُکنے کے لیے کہہ رہا تھا لیکن اس شخص پر نہ جانے کیا دُھن سوار تھی کہ وہ کسی بات کو خاطر ہی میں نہیں لا رہا تھا۔

دوڑتے دوڑتے جب محافظ کو یقین ہو گیا کہ وہ اس طرح اُس نوجوان کی گرد کو بھی نہیں پا سکتا تو وہ رُک گیا۔ اگلی ہی سانس میں اس نے ریوالور نکال لیا۔ گولی چلانے سے پہلے اس نے شہزاد کو ایک بار پھر رُکنے کے لیے کہا لیکن اس پر کوئی اثر نہ ہوا... اور پھر محافظ نے گولی چلا دی۔

دھماکے سے اسٹوڈیوز کا ماحول گونج کر رہ گیا۔

گولی گولف کارٹ کے اوپر سے گزر گئی تھی۔

اب شاید محافظ پر بھی دیوانگی کا دورہ پڑ گیا تھا۔

وہ اوپر تلے، اندھا دھند گولیاں چلاتا رہا حتیٰ کہ ریوالور خالی ہو گیا۔ تب اس نے خالی ریوالور بھی کھینچ مارا — گولف کار بہت دُور نکل گئی تھی۔ محافظ نے دونوں ہاتھ اپنے سر پر رکھ لیے اور پھر بُری طرح بال نوچ نوچ کر دھاڑتا ہوا زمین پر بیٹھتا چلا گیا۔

گولف کارٹ کے پہیوں سے اُٹھنے والی گرد اس کا منہ چڑا رہی تھی۔

کافی گز آگے آنے کے بعد ٹائیگر نے پلٹ کر دیکھا۔

محافظ یا گیٹ پر موجود کوئی بھی شخص اب اس تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔

وہ اندھا دھند گولف کارٹ دوڑاتا رہا... لیکن اب یہ اُلجھن تھی کہ اُوشان کہاں ہے؟ اس نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ اسٹوڈیوز پر ویرانی سی مسلط تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے آس پاس کی ساری ہی عمارتیں خالی پڑی ہوں اور وہاں کسی ذی روح کا نام و نشان تک نہ ہو۔

شہزاد پر دیوانگی سی طاری ہونے لگی۔

وہ بار بار یہی سوچ رہا تھا کہ اُوشان کہاں ہے۔ اس کا دل اتنی تیزی سے دھڑکنے لگا تھا جیسے کسی بھی پل پھٹ

جائے گا یا سینہ چیر کر نکل جائے گا۔ "اُوشان... اُوشان..." اس کی ہر دھڑکن یہی ایک نام پکار رہی تھی۔

اچانک اس نے گاڑی کی رفتار کم کر دی۔

اُسے ایک نوجوان دکھائی دیا۔

وہ آہستہ آہستہ اُسی راستے پر چلا آرہا تھا، جس پر خود ٹائیگر آگے بڑھ رہا تھا۔ اس نوجوان کو دیکھ کر اُسے دُور سے یہی محسوس ہوا کہ وہ اُسے پہلے بھی کہیں دیکھ چکا ہے... اور جب اس کی گاڑی نوجوان کے برابر پہنچی تو اس نے پہچان لیا۔

یہ ریڈ ایکس تھا۔

اُوشان کا پسندیدہ ہیرو۔

"اُوشان کہاں ہے؟" ٹائیگر نے اُس کے قریب گاڑی روکتے ہوئے پوچھا۔

ریڈ ایکس چونک کر اُس کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کی آنکھوں میں سُرخی تھی اور اس سُرخی میں دہشت کے تاثرات گھلے ہوئے تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ کھلی آنکھوں سے کوئی خواب دیکھ رہا ہو... اور وہ کوئی ایسا خواب ہو جس کے بھیانک اثرات نے اس کی ساری شخصیت ہی نگل لی ہو۔

"اُوشان کہاں ہے؟" ٹائیگر کا لہجہ سرد تھا۔

"تم کون ہو؟" ریڈ ایکس نے کانپتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"میں تمہیں صرف ایک موقع اور دُوں گا۔" ٹائیگر نے گاڑی کی سیٹ سے اُچھل کر نیچے آتے ہوئے کہا۔ "اُوشان کہاں ہے؟"

ریڈ ایکس ایک لمحے کے لیے اس کی طرف دیکھتا رہا... پھر اس کی آنکھوں اور ایڑیوں پر یوں جھولنے لگا جیسے اس کے ٹخنوں اور گھٹنوں میں اچانک ہی بے پناہ لچک پیدا ہو گئی ہو۔ اس کے ساتھ ہی اس کا ہاتھ اُٹھ گیا۔

"اُوشان کہاں ہے؟" ٹائیگر کے دونوں ہاتھ گولف کارٹ کے ہینڈل تھام گئے۔

"بہتر ہو گا کہ یہاں سے بھاگ جاؤ۔ اُوشان اس وقت موت کے نرغے میں ہے۔" ریڈ ایکس نے کہا۔ "موت... موت یہاں ہاں گرد منڈلا رہی ہے۔"

ٹائیگر کے دونوں ہاتھ گولف کارٹ پر منجمد تھے اور پھر ریڈ ایکس کی آنکھوں نے اپنی زندگی کا ایک اور حیرت انگیز منظر دیکھا۔ ٹائیگر کی انگلیوں نے وہ مضبوط آہنی راڈ یوں توڑ کر نکال لیا تھا جیسے وہ مضبوط نٹ اور بولٹ سے نہ لگا ہوا ہو بلکہ یوں ہی گاڑی کے ساتھ چپکا ہوا ہو۔ یہ راڈ آہستہ آہستہ بلند ہونے لگا۔

غیر ارادی طور پر ریڈ ایکس کا ہاتھ اپنی کھوپڑی کے تحفظ کے لیے اُٹھ گیا۔

"اُوشان کہاں ہے؟" ٹائیگر کی غراہٹ نے ریڈ ایکس کے جسم میں تھرتھراہٹ دینے والی لہر دوڑا دی۔

"وہ... وہ... وہاں ہے۔" ریڈ ایکس نے ایک طرف اشارہ کر دیا۔

ٹائیگر نے پلٹ کر اس بند دروازے کی طرف دوڑنا شروع کر دیا۔ جس کی طرف ریڈ ایکس نے اشارہ کیا تھا۔ ریڈ ایکس پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس کے دوڑنے کا انداز دیکھتا رہا۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ خود کو دُنیا کا سب سے حقیر آدمی سمجھ رہا ہو۔ ابھی کچھ دیر قبل اُوشان نے اُسے جو کمالات دِکھلائے تھے اور اُسے فرار ہونے کا موقع دے دیا تھا، ریڈ ایکس کا ذہن اس صدمے سے نہیں سنبھلا تھا کہ ٹائیگر کی شخصیت، اس کی نظر میں خود اپنی ہی شخصیت پارہ پارہ کرتی ہوئی گزر گئی۔

ٹائیگر دوڑتا ہوا دروازے تک پہنچا۔

دروازہ بند ہی نہیں، اندر سے شاید مقفل بھی تھا۔

چار قدم کے فاصلے سے ٹائیگر کا جسم فضا میں بلند ہوا...

پھر اس کے دونوں پیر دروازے پر یوں پڑے کہ دروازہ دوسری جانب فرش سے ٹکرایا تو اس سے کافی پہلے ہی ٹائیگر کا جسم دروازے کے فریم میں پیدا ہونے والے خلا سے گزر کر ریڈ ایکس کی نگاہوں سے اوجھل ہو چکا تھا۔

دروازے سے گزر کر وہ سامنے والی راہ داری میں دوڑتا چلا گیا۔

معاً شہزاد کو دھماکا سُنائی دیا۔

قریب ہی کہیں گولی چلی تھی۔

وہ آواز کی سمت کا اندازہ کر کے اس طرف دوڑا۔

جس کمرے سے آواز آئی تھی اس کا دروازہ بھی بند تھا۔

شہزاد اُسے بھی توڑتا ہوا اندر جا گرا... اور گرتے ہی اس نے ایک طرف چھلانگ لگا دی۔

یہ جست ہی اُسے بچانے میں کام آگئی ورنہ ڈاکٹر گورڈنز کی چلائی ہوئی گولی اس کی کھوپڑی پاش پاش کر گئی ہوتی۔

"ٹائیگر..." اُوشان کی تیز آواز سُنائی دی۔ "خود کو بچاؤ۔"

اُوشان کی آواز سُن کر ٹائیگر کو یوں محسوس ہوا جیسے اس کے جسم میں تازگی اور نئی زندگی کی ایک لہر سی دوڑ گئی ہو۔ اس نے خود کو تیزی سے فرش پر لڑھکانا شروع کر دیا۔ اس کے لڑھکنے

میں اتنی تیزی تھی کہ اس پر نگاہ جمانا ممکن نہیں تھا۔ اس کا رُخ ایک وزنی الماری کی طرف تھا۔ جب تک وہ الماری کے قریب پہنچا، اس کے عقب میں، فرش پر دو گولیاں لگیں۔

وہ سنبھل گیا۔

وزنی الماری کی آڑ میں پہنچتے ہی اُسے ڈاکٹر گورڈنز کی سفاک آواز سُنائی دی: "اچھا ہُوا تم بھی یہاں پہنچ گئے۔ میں تمہارے اُستاد سے نمٹ کر تمہیں بھی ٹھکانے لگا دوں گا۔ تم دونوں ایک ساتھ ہی دفن کر دیے جاؤ گے۔"

"یہ تو بہت ہی باتونی ہے، اُوشان۔" ٹائیگر نے قہقہہ لگا کر کہا: "شاید روبوٹوں کا تمیں مارخان ہے۔"

جواباً اُوشان بھی ہنسنے لگا۔

ٹائیگر نے الماری کی اوٹ سے جھانکا۔

اسی لمحے گورڈنز نے دو اور فائر جھونک مارے لیکن یہ گولیاں اس نے ٹائیگر کی طرف نہیں بلکہ اُوشان پر چلائی تھیں... اور اب تک کی شناسائی کے رشتے میں ٹائیگر نے اُوشان کا ایک اور تحیّر خیز کارنامہ دیکھا۔ گورڈنز نے جو گولیاں چلائی تھیں، ان کے جواب میں اُوشان نے دائیں بائیں باقاعدہ اُچھل کُود نہیں مچائی تھی بلکہ وہ کھڑے کھڑے دائیں بائیں ذرا سا گھوم جاتا تھا۔ دونوں ہی گولیاں اس کے کشادہ لبادے میں لگیں۔

لبادے میں دو سوراخ نمایاں نظر آ رہے تھے۔

گولیاں "ٹھڈ ٹھڈ" جیسی آوازوں سے اُوشان کے لبادے سے ٹکرائی تھیں لیکن کوئی ردِعمل ظاہر نہیں ہُوا تھا۔ اُوشان کے حلق سے دَم توڑتی ہُوئی آواز نہیں نکلی تھی اور نہ ہی اس کے لبادے کے سوراخوں سے خون اُبل پڑا تھا۔ یوں لگتا تھا، جیسے لبادے نے وہ دونوں گولیاں آسانی سے نگل کر ہضم کر لی ہوں۔

ٹائیگر ہکا بکا رہ گیا۔

وہ چاہتا تھا کہ چیخ کر اُوشان سے کہے کہ خود کو ہلاکت میں نہ ڈالے اور کسی چیز کی آڑ میں ہو جائے لیکن اُوشان یوں تن کر کھڑا تھا، جیسے وہ ہر گولی اسی انداز میں کھانا چاہتا ہو۔

"تمہارے پاس ابھی اور کتنی گولیاں ہیں؟" گورڈنز کا قہقہہ بڑا بھیانک تھا۔

"دونوں ریوالوروں سے کُل بارہ گولیاں چلائی گئی ہیں۔" شہزاد چیخ پڑا: "ہر ریوالور سے چھ گولیاں۔"

"ہُوں..." اُوشان کی مُسکراہٹ گہری ہو گئی: "یہ اب تک نو گولیاں مجھ پر چلا چکا ہے جب کہ دو تم پر چلائی ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ کُل گیارہ گولیاں چل چکی ہیں اور صرف ایک گولی باقی ہے۔"

"اس نے مجھ پر دو نہیں بلکہ تین فائر کیے ہیں۔" ٹائیگر نے چیخ کر کہا: "اس کے پاس گولیاں ختم ہو چکی ہیں۔"

"گیارہ گولیاں، ٹائیگر۔" اُوشان کا لہجہ خونخوار ہو گیا۔

"بارہ..." ٹائیگر نے بھی اُسی لہجے میں کہا۔ اس کے ساتھ ہی وہ الماری کی آڑ سے نکل کر سامنے آ گیا۔ گورڈنز تیزی سے پلٹ پڑا۔ اس نے دونوں ریوالوروں کا رُخ ٹائیگر کی طرف کر دیا تھا۔

اچانک گورڈنز نے ٹریگر دبا دیا۔

ایک خوف ناک دھماکا ہُوا۔ اگر ٹائیگر ریوالور کی نال سے لپکتی ہُوئی سُرخ زبان کے ساتھ ہی حرکت میں نہ آ گیا ہوتا اور اس کے جسم میں اتنی پھرتی یا لچک نہ ہوتی تو گورڈنز کی چلائی ہُوئی یہ گولی یقیناً اس کے سینے میں اُتر چکی ہوتی۔

گولی سنسناتی ہُوئی اس کے سینے کے سامنے سے گزر گئی اور اُسی الماری سے جا ٹکرائی جس کی اوٹ میں کچھ دیر قبل، شہزاد نے عارضی طور پر پناہ لی تھی۔

"ہاں... اب ہُوئیں، بارہ گولیاں۔" وہ ہنس کر بولا۔

"تمہیں گنتی اور پہاڑے بھی سکھانا پڑیں گے۔" اُوشان کے لہجے میں تلخی تھی اور وہ ٹائیگر کو بڑی برہمی کے عالم میں دیکھ رہا تھا۔

"تو ایسی صورت میں، مَیں تم دونوں کو اپنے ہاتھوں سے تباہ کر دوں گا۔" گورڈنز کی خوف ناک آواز سُنائی دی۔

اس نے دونوں ریوالور فرش پر پھینک دیے۔

وہ آہستہ آہستہ اُوشان کی طرف بڑھنے لگا۔

اُوشان آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنے لگا لیکن وہ اس کے ساتھ ساتھ پھرکی کی طرح گھومنے بھی لگا تھا۔ ٹائیگر چند لمحوں تک صورتِ حال سمجھنے کی کوشش کرتا رہا، پھر وہ سمجھ گیا کہ اُوشان، گورڈنز کو اس سے دُور ہٹانے میں مصروف ہے اور گورڈنز کی پُشت خود ٹائیگر کی طرف ہو گئی تھی۔ ٹائیگر نے تیزی سے پیش قدمی کی۔ اس کا رُخ الماری اور دیوار کے درمیان واقع ایک چھوٹے سے چبوترے کی جانب تھا جس پر ولیئرن سیلون سیٹ تھا۔

چلتے چلتے اس نے بایاں ہاتھ دیوار پر پھیرا۔

اچانک آگ بُجھانے والا آلہ اس کے ہاتھ سے ٹکرا گیا۔

اس نے جلدی سے یہ آلہ دائیں ہاتھ سے سنبھالا اور مزید تیزی سے آگے بڑھا۔ اس دوران میں اُوشان مسلسل دائرے میں حرکت کرتا رہا تھا اور اب اس جگہ پہنچ گیا تھا، جہاں گورڈنز کے دونوں خالی ریوالور پڑے تھے۔

معاً اُوشان جُھک گیا۔

وہ سیدھا ہُوا تو دونوں ریوالور اب اس کے ہاتھ میں تھے۔

"یہ اب تمہارے لیے بے کار ہو چکے ہیں۔ بوڑھے بطخنے..." نے تضحیک آمیز لہجے میں اُوشان سے کہا۔

اُوشان اپنے مخصوص انداز میں ہنسنے لگا۔

ٹائیگر حیران تھا کہ اُوشان آج اتنے کھلنڈرے موڈ میں کیوں ہے۔ روز ڈاکٹر گورڈنز اسپتال میں، نرس کے رُوپ میں ان سے آیا تھا، اس دن اُوشان نہ صرف خود بھیگی بلّی بن گیا تھا نے ٹائیگر کو بھی نرس کے قریب جانے سے روک دیا تھا ب کہ آج اس کے انداز سے ظاہر ہوتا تھا جیسے وہ گورڈنز و میں نہ لا رہا ہو۔ اُسی لمحے ٹائیگر کے ذہن میں ایک اور ما ہُوا۔ اُسے یاد آیا کہ تھوڑی ہی دیر قبل اس نے باہر ریڈ ایکس تھا۔ آخر اُوشان نے ریڈ ایکس کو کیسے سنجش دیا... اُسے کیسے اجازت دے دی؟

ڈاکٹر گورڈنز بھی ہکّا بکّا رہ گیا تھا۔

اس کے دونوں ہاتھ تیزی سے حرکت کر رہے تھے۔

ٹائیگر عقب سے اس کی طرف بڑھتا رہا حتیٰ کہ ڈاکٹر گورڈنز کے درمیان صرف پانچ قدموں کا فاصلہ رہ گیا۔

سنا نجو کی شمشیر کے مالک کے لیے ہر ہتھیار کارآمد ہوتا شان نے اپنی مخصوص ہنسی پر قابو پاتے ہُوئے کہا۔ یوں تھا جیسے وہ ڈاکٹر گورڈنز کے سلسلے میں اچھی خاصی تفریح ہو۔

ٹائیگر کے جبڑے غصّے سے بھنچے ہُوئے تھے اور وہ رُک اس کے دائیں ہاتھ میں، آگ بُجھانے والا آلہ اب بھی جکڑا

اُوشان دونوں خالی ریوالور اُٹھائے، دائرے میں گھومتا ارہا۔ اس دوران میں اس کے ہاتھ بھی متحرک رہے اور ریوالور اُس کے ہاتھوں سے کچھ اُوپر دائرے میں گھومتے لکھائی دے رہے تھے جب کہ اس کی اُنگلیاں متحرک نہیں تھیں۔

ٹائیگر جہاں تھا، وہیں کھڑا رہا۔

وہ بڑی بے چینی سے اُوشان کے اقدام کا انتظار کر رہا تھا۔ صورتِ حال بے حد دلچسپ ہو گئی تھی۔ مشین اور ں مقابلہ ہو رہا تھا۔ ایک ایسا روبوٹ جسے نہ جانے کہاں ل کیا جا رہا تھا، اُوشان اور ٹائیگر کا مقابل تھا۔ وہی روبوٹ جسے ملک بھر میں ڈاکٹر گورڈنز کے نام سے شہرت حاصل تھی اور جس کے پائے کا کسی کو موحد نہیں سمجھا جاتا تھا۔ کسی کو کانوں کان خبر نہیں تھی کہ ڈاکٹر گورڈنز درحقیقت ایک روبوٹ ہے، یہی وجہ تھی کہ گورڈنز ایک ایسا موحد تھا، جس میں تخلیقی قوت نہیں تھی... اور اس تخلیقی قوت کے لیے خود اُسے ہی نہیں بلکہ اس کے خالق کو بھی دوسروں کا محتاج ہونا پڑا۔ ہاں کیوں کہ اُوشان اور ٹائیگر جن فنون سے واقف تھے، ان کے بارے میں دُنیا میں چند ہی لوگ جانتے ہوں گے، بیشتر کے لیے تو وہ سب کچھ پُراسرار، ناقابلِ فہم اور مافوق الفطرت تھا۔

اچانک اُوشان کے ہاتھوں سے ایک ریوالور نکل گیا۔

یہ خالی ریوالور سیب سے نکلے گودے کی طرح گورڈنز کی طرف گیا تھا اور اس کے پیٹ میں جا گُھسا... آہنی ریوالور پلاسٹک اور دھات کے بنے ہوئے میٹریل کو چیر کر گورڈنز کے پیٹ میں اُتر گیا تھا لیکن حیرت کی بات یہ ہوئی کہ اس کا کوئی بھی ردِعمل سامنے نہیں آیا۔

ریوالور جس جگہ سے پیٹ چاک کر کے اندر گھس گیا تھا، وہاں پر واضح شگاف نظر آ رہا تھا، ویسا ہی جیسا کہ کسی انسانی پیٹ کے چاک ہونے پر نظر آتا ہے لیکن اس میں سے انتڑیاں نہیں جھلک رہی تھیں اور نہ ہی اس میں سے خون کا فوارہ اُبلا تھا بلکہ اُوشان اور ٹائیگر کو چند اسپرنگ اور چند تار دکھائی دے رہے تھے۔

پیٹ میں شگاف سے اس کے میکنزم میں عالباً کوئی گڑبڑ نہیں ہو سکی تھی، اس لیے گورڈنز کے انداز میں کسی قسم کی تبدیلی پیدا نہیں ہُوئی۔ اس نے ایک لمحے کے لیے جُھک کر اپنے پیٹ کا جائزہ لیا تھا، پھر اس کی آنکھیں اُوشان کا جائزہ لینے لگی تھیں۔ اس کے حلق سے ایک بھیانک قہقہہ اُبل پڑا۔

وہ اس بار تیزی سے حرکت میں آ گیا لیکن اُوشان اس کی جھپٹ کا اندازہ کر کے پہلے ہی ایک طرف ہٹ چکا تھا۔

ٹائیگر بھی جس جگہ تھا، اس نے وہاں سے جست لگا کر دوسری پوزیشن اختیار کر لی تھی۔

"اُوشان!" ٹائیگر نے چیخ کر کہا: "اس کے سرکٹ کنٹرول کہیں اور ہیں۔ پیٹ پھٹنے سے تو اسے کوئی اثر نہیں ہُوا۔"

"وہ بات بتانے کا شکریہ جو ابھی ابھی خود میری سمجھ میں آ گئی ہے۔" اُوشان نے خوش دلی سے جواب دیا اور گورڈنز کسی طرف متوجہ رہا جو بار بار مٹھیاں بھینچ، ہاتھ اور اُنھیں کھول رہا

تھا۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ ان دونوں کی گردنیں دبانے کے لیے بے چین ہو۔ ایک روبوٹ کے انداز سے انسانی جذبات کا اظہار واقعی اس فن کی انتہا تھی، جس کے تحت اس کی تکمیل کی گئی تھی۔

گورڈنز اپنا حملہ ناکام ہونے پر رُک گیا۔

اس نے پھٹے ہوئے پیٹ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا: "اب ہر بات بے سود ہے۔ میرے سرکٹ کنٹرول تمہاری پہنچ سے بہت دُور ہیں، اس لیے تمہیں جدوجہد کرکے اپنی ان رُوحوں کو زیادہ نہیں تھکانا چاہیے، جنہیں تمہارے جسموں سے نکل کر پرواز کرتے ہوئے ابھی کافی مسافت طے کرنا پڑے گی۔۔۔"

اُوشان کا قہقہہ بے حد جان دار تھا۔

"اب تم مجھے اس انداز میں نہیں بچ سکو گے جس طرح میری گولیوں سے اُچھل کُود کر کے بچ نکلے تھے۔" گورڈنز غرّایا۔

"اور تم میرے ہاتھ سے نہیں بچ سکتے۔" ٹائیگر کے لہجے میں بے پناہ کاٹ تھی۔ "تم نے ایک مشینی ڈھانچے کی حیثیت سے ہمیں جس قدر پریشان کیا ہے، اگر اس کی بجائے تم کوئی مجسم شیطانی طاقت بھی ہوتے تو تمہارا انجام دیکھنے والوں کے لیے عبرت کا باعث ہوتا۔۔۔ لیکن تم تو پُرزوں کے آدمی ہو۔ تم غصے، غیرت اور انتقام کے سچے جذبوں سے ناواقف ہو، کل پُرزے بکھر جانے کے بعد تمہیں کوئی بے چینی نہیں رہے گی۔"

ٹائیگر کے ہاتھ میں جو آگ بجھانے والا آلہ جکڑا ہُوا تھا، اس نے اُسے حرکت دی اور قہر آلود نظروں سے گورڈنز کی طرف دیکھنے لگا، جو قدم قدم اُوشان کی طرف بڑھ رہا تھا۔

آگ بجھانے والا آلہ جب ایک جھٹکے سے شہزاد کے ہاتھوں میں اُلٹا ہُوا تو اس میں خفیف سا کیمیاوی عمل شروع ہوگیا۔ اس عمل کے باعث ٹیس بننے کی ہلکی سی سُوں سُوں جیسی آواز سُنائی دینے لگی۔

یہ آواز غالباً گورڈنز کو تشویش میں مبتلا کر گئی تھی۔

وہ پلٹ کر ٹائیگر کی طرف دیکھنے لگا۔

اُسی لمحے ٹائیگر نے پُوری قوت سے آلے کا ہینڈل دبا دیا۔ کیمیاوی عمل یک لخت تیز ہوگیا اور سفید سفید جھاگ اُبل پڑا۔ یہ جھاگ بڑی سُرعت سے، آلے کے دہانے سے خارج ہُوا اور گورڈنز کے چہرے پر گرنے لگا۔ ایک ہی لمحے میں یوں محسوس ہُوا جیسے اس گاڑھے جھاگ نے گورڈنز کا چہرہ نگل لیا ہو۔

وہ بڑی پھرتی سے اُوشان کی طرف پلٹا۔

اُوشان کے ہاتھ میں باقی ماندہ خالی ریوالور اب بھی گرج کر رہا تھا۔ معاً وہ ریوالور بھی اس کی گرفت سے نکلا اور اُڑتا ہوا گورڈنز کی ڈائیں پنڈلی سے جا ٹکرایا۔ گورڈنز اُچھل پڑا۔ اس نے ہاتھ لہرا کر ٹائیگر اس کے بے حد قریب تھا، وہ پھرتی سے جُھکائی دے گیا ورنہ گورڈنز کا برچھے کی طرح نصف دائرے میں گھومتا ہُوا ہاتھ اس کی گردن پر پڑتا اور اس کی کھوپڑی اُتار کر دُور پھینک دیتا۔ ہاتھ ایک قریبی ستون سے ٹکرایا تو اُسے کاٹتا ہُوا گزر گیا۔

ٹائیگر دھنائی ہوا۔

جھاگ کی وجہ سے گورڈنز کی آنکھیں اُسے دیکھنے میں ناکام رہیں۔

وہ بُری طرح دائیں بائیں ہاتھ مار رہا تھا۔

جو بھی چیز اس کے ہاتھ کی زد میں آتی، ٹوٹ پھوٹ جاتی اور اس کے ریزے بکھر جاتے۔ ٹائیگر ایک ساعت کے لیے گورڈنز کی کھوپڑی پر معلق رہا پھر اس کے پاؤں نے حرکت کی اور وہ اس کی کھوپڑی کے عقبی حصّے پر ایک زوردار ٹھوکر مارتا ہُوا سامنے کی دیوار سے جا ٹکرایا، جہاں اس نے خود کو دونوں ہاتھوں کے سہارے روکا اور پھسلتا ہُوا فرش پر پہنچ گیا۔

اُوشان کے پھینکے ہوئے ریوالور نے گورڈنز کی ایک ٹانگ بے کار کر دی تھی تو ٹائیگر کی ٹھوکر نے اُس کی کھوپڑی کا عقبی حصّہ چٹخا دیا تھا۔ یکایک اس کی کھوپڑی سے چنگاریاں سی نکلنے لگیں۔ گورڈنز نے بُری بے چینی دکھائی اور اپنی آنکھوں سے جھاگ کی چادر ہٹانے کی کوشش کرنے لگا۔ ٹائیگر نے فرش پر گرا ہُوا آگ بجھانے والا آلہ دوبارہ اُٹھا لیا اور گورڈنز کے چہرے پر مزید جھاگ ڈالنے لگا۔ دونوں کے درمیان چند قدم کا فاصلہ تھا۔ گویا ٹائیگر اس کی پہنچ سے کچھ ہی دُور تھا۔ جھاگ تیزی سے گر رہا تھا اور گورڈنز کی بے قراری دیکھنے والی تھی۔

"تم، مجھے سے بچ کر نہیں جا سکتے۔" گورڈنز کے حلق سے چیخ سے ملتی جُلتی آوازیں نکلنے لگیں۔

"آڈ۔۔۔ میں تمہارا انتظار ہی کر رہا ہُوں۔" ٹائیگر کے حلق سے بڑی خوف ناک آواز نکلی۔ "لیکن تم تو ایک روبوٹ ہو، میں تمہارے خالق کے بارے میں سوچ رہا ہُوں۔۔۔ کاش!۔۔۔"

"نیمراف تمہیں کبھی معاف نہیں کرے گا۔" گورڈنز کہہ رہا تھا اس کے دونوں ہاتھ اب بھی آنکھوں سے جھاگ ہٹانے کی کوشش کر رہے تھے لیکن اس کی کھوپڑی کا عقبی حصہ چٹخ جانے سے اور ایک ٹانگ ٹوٹ جانے کے باعث اب صورتِ حال بدل

چکی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے اس کا مشینی نظام ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو رہا ہو۔ اس کی آواز کسی دم توڑتے ہوئے آدمی جیسی تھی۔ لفظ خوب کھینچ کھینچ کر ادا ہو رہا تھا۔

عذاب بھی اس پر جھاگ پھینک رہا تھا۔

گورڈنز گر گیا۔

اس کی دم توڑتے ہوئے آدمی کی طرح تڑپ رہا تھا

اس کے جسم میں تاریں ایک دوسرے سے اُلجھ اُلجھ کر چنگاریاں پھینک رہی تھیں۔ ٹائیگر نے اب تک آلے کا سارا کیمیا وی جھاگ اس کے جسم پر ڈال دیا تھا لیکن چنگاریوں میں کمی نہیں آ رہی تھی۔ تڑپنے کا سلسلہ بڑھتا ہی جا رہا تھا۔

"نیمراف۔۔۔!" ٹائیگر نے چونک کر کہا۔

اُوشان بھی متغیر نظر آنے لگا۔

ٹائیگر نے خالی آلہ پھینک دیا اس میں سے اب جھاگ برآمد بند ہوگیا تھا۔ اُوشان دیر تک کھڑا اس ہلاکت خیز مجسمے کو دیکھتا رہا حتیٰ کہ چنگاریاں دم توڑ گئیں اور گورڈنز کا جسم ساکن ہوگیا۔

"اُوشان! اس کے سرکٹ کہاں تھے؟ کھوپڑی میں یا ٹانگ میں؟" ٹائیگر نے چونک کر سوال کیا۔

"ٹانگ میں۔۔۔"

"وہ کیسے؟" ٹائیگر نے حیرت سے پوچھا۔

"بیرٹ اور سربہت نمایاں حصّے ہوتے ہیں، ذہین انسان نے ایسے مقامات کو یقیناً ذہن میں رکھا ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے سرکٹ ایسی جگہ بنائے جہاں عام آدمی کی توجہ نہیں جا سکتی تھی۔"

"لیکن کھوپڑی چٹخنے سے یہ کافی متاثر ہُوا تھا۔"

"ہاں، اس سے گورڈنز کی بصارت مزید متاثر ہوئی تھی۔"

"لیکن نیمراف۔۔۔" ٹائیگر بڑبڑایا۔

"ہا ہا ہا۔۔۔" ایک ہلکی سی آواز آنکھیں گورڈنز کے تباہ ہوتے سرکٹ سے سُنائی دی۔ "تو تم نے مجھے مار ڈالا؟" وہ دھیمی آواز مارا تھا۔ "ہرگز نہیں، میں پھر آؤں گا۔۔۔ مجھے دوبارہ زندگی ملے گی اور اس بار میں تمہارے لیے زیادہ مہلک بن کر آؤں گا۔ تمہیں اپنے ایک ساتھی سے ہاتھ دھونا پڑیں گے، اگلی بار دونوں کو ٹھکانے لگاؤں گا۔"

گورڈنز کی آواز دھیمی ہوتی ہُوئی ختم ہوگئی۔

"بہرام۔۔۔!" ٹائیگر بڑبڑایا۔ "اُوشان، ہمیں فوراً اسپتال پہنچنا چاہیے۔ بہرام خطرے میں ہے۔"

اُوشان نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

ٹائیگر نے محسوس کیا کہ وہ یکایک بے حد فکر مند ہوگیا ہے۔

اگلے ہی لمحے دونوں دروازے کی طرف دوڑنے لگے۔ دروازے سے نکل کر اُن کا رُخ ایک کار کی طرف تھا، جو انہیں کافی فاصلے پر کھڑی نظر آ رہی تھی۔ کار تک پہنچ کر ٹائیگر نے دیکھا، اگنیشن میں کُنجیاں موجود تھیں۔ وہ جلدی سے اسٹیئرنگ پر بیٹھ گیا۔ اُوشان اس کے پہلو میں بیٹھا بے حد فکر مند نظر آ رہا تھا۔۔۔ پھر ان کی کار آندھی کے تیز جھکڑ کی طرح اسپتال کی طرف روانہ ہوگئی، جہاں بہرام زندگی اور موت کی کش مکش میں مبتلا تھا اور دم توڑتے ہوئے گورڈنز کے ذریعے نیمراف نے اُنھیں دھمکی دے دی تھی کہ بہرام تیزی سے موت کے قریب ہوتا جا رہا ہے۔

بہرام کی زندگی خطرے میں تھی۔

شہزاد بے حد فکر مند تھا۔ اس کے چہرے سے مایوسی ٹپک رہی تھی اور آنکھوں کے گرد جھریاں سی نظر آ رہی تھیں۔ کنپٹی کی ایک رگ بار بار پھڑکنے لگتی تھی۔ وہ اس وقت اندھا دھند ڈرائیو کر رہا تھا۔

جب کہ اُوشان کے انداز سے ذرا سی بھی گھبراہٹ ظاہر نہیں ہو رہی تھی۔ وہ اس انداز میں اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا جیسے کار کی کھڑکی کے باہر دوڑتے ہُوئے مناظر سے لُطف اندوز ہو رہا ہو۔

کبھی کبھی وہ کن انکھیوں سے ٹائیگر کی طرف بھی دیکھ لیتا تھا اور اس کی حالت پر اُوشان کے ہونٹوں کے گوشے مسکراہٹ سے کانپنے لگتے تھے۔

"تم بہت پریشان نظر آ رہے ہو، فرزند۔" بالآخر اُوشان سے رہا گیا تو بول ہی اُٹھا۔

"ہاں۔" مختصر سا جواب "ٹائیگر کے لہجے میں غراہٹ شامل تھی۔ "بہرام کا معاملہ نہ ہوتا تو شاید میں اتنا پریشان نہ ہوتا۔ یوں لگتا ہے، جیسے میری اپنی سانسیں اس کی سانسوں کے ساتھ بندھی ہوئی ہوں۔"

"میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ اُسے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔" اُوشان کے لہجے میں سنجیدگی پیدا ہوگئی۔

"تم یہ بات اتنے یقین سے کیسے کہہ سکتے ہو، ٹبل فادر؟" ٹائیگر چونکے بغیر نہ رہ سکا۔

"احساس۔۔۔ صرف احساس، تم جانتے ہو کہ میں احساس کی

دولت سے مالا مال ہُوں۔ میں جو کچھ محسوس کرتا ہُوں اس میں کوئی مبالغہ یا جھوٹ نہیں ہوتا۔ اس لیے تمھیں بھی مشورہ دیتا رہتا ہوں کہ تم لغویات میں پڑ کر ان صلاحیتوں کو ضائع نہ کرو لیکن تمھارے کان پر تو جوں تک نہیں رینگتی۔"

"اس ڈانٹ ڈپٹ کا شکریہ ٹبل فادر۔۔۔ لیکن یہ تو بتاؤ کہ بہرام کس انداز کی موت کے خوف میں پھنسا ہوا ہے اور ہم اس کی جان کیسے بچا سکیں گے؟" ٹائیگر نے ایک موٹے تیزی کے ساتھ کا رگھماتے ہُوئے سوال کیا۔ اب اس کی پیشانی پر پسینے کے قطرے بھی جھلملانے لگے تھے۔

"تم شاید آنکھیں کھلی رکھنے کے بھی قائل نہیں ہو۔" اُوشان کا لہجہ قدرے بگڑ گیا، یوں محسوس ہُوا جیسے اُسے شہزاد سے مایوسی ہُوئی ہو۔

"اس میں آنکھیں کھلی رکھنے یا نہ رکھنے سے کیا فرق پڑتا ہے۔" ٹائیگر جھلا گیا۔ "میں ٹیکنالوجی کا ماہر ہُوں اور نہ ہی میں کوئی سائنس داں ہوں۔ اب مجھے کیا پتہ۔۔۔ کہ اس خبیث ڈاکٹر گورڈنز نے وہاں کون سا سائنسی شعبدہ پھیلا رکھا ہے۔"

"تمھیں تو یہ بھی بعد ہی میں پتہ چلا تھا کہ گورڈنز انسان نہیں بلکہ ایک روبوٹ ہے۔" اُوشان نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "اور وہ بھی شاید اوکارہ وانڈا سے چند نجی نوعیت کے سوالات پوچھنے کے بعد ہی تمھاری سمجھ میں آیا ہوگا۔"

"کیا آپ کو اس کے بارے میں پہلے سے پتہ تھا، ٹبل فادر؟" ٹائیگر کے لہجے میں حیرت سمٹ آئی۔

"اگر مجھے پتہ نہ ہوتا تو شاید اب تک تمھارا چالیسواں بھی ہو چکا ہوتا۔" یہ کہہ کر وہ اپنے مخصوص انداز میں ہنس پڑا۔

وہی بطخ جیسی آواز اس کے حلق سے نکلی جس سے شہزاد بہت چڑتا تھا لیکن اس وقت وہ اس مخصوص ہنسی سے بدمزہ نہیں ہُوا کیوں کہ اُوشان اپنی غیر معمولی حسیات کے بارے میں ایک اہم انکشاف کرنے والا تھا۔

وہ ہمہ تن گوش رہا۔

اُوشان کا مخصوص قہقہہ ختم ہُوا تو اس نے ترچھی نظر سے ٹائیگر کی طرف دیکھتے ہُوئے کہا۔ "ہر انسان ایک مخصوص انداز میں حرکت کرتا ہے۔ جانوروں کی حرکات و سکنات انسان سے مختلف ہوتی ہیں۔ مشینی اجسام جب متحرک ہوں گے تو اُن کا انداز مختلف ہوگا۔ ان کی چال میں ایک خاص ربط ہوگا جو کمپیوٹر کا مرہونِ منت ہوتا ہے۔ مَیں حرکات و سکنات سے اندازہ لگا سکتا ہوں۔ فاصلے کے باوجود جس کسی متحرک سائے کو دیکھ کر بتا سکتا ہوں کہ وہ درحقیقت کیا ہے۔ حالانکہ میری آنکھ اسے دیکھنے سے قاصر رہتی ہے۔ گورڈنز کی چال میں [illegible] تھا۔ اس کی حرکت میں ایک خاص ترتیب اور ٹھہراؤ تھا جب کہ میں، انسان اپنی چال ڈھال میں یہ خاص ترتیب اور ٹھہراؤ [illegible] رکھنے میں کامیاب نہیں رہتا۔ یہی وجہ تھی کہ مَیں نے تمھیں [illegible] میں اس کے قریب جانے سے روک دیا تھا اور چونکہ اسے پوری [illegible] سمجھ نہیں پایا تھا اس لیے میں خود بھی اس سے دُور ہی رہا تھا۔"

ٹائیگر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اس نے گورڈنز پر اس [illegible] واقعی توجہ نہیں دی تھی اور یہ بھی سچ تھا کہ اُسے گورڈنز کے [illegible] ہونے کا وانڈا سے بات چیت کے بعد ہی پتہ چلا تھا۔ وانڈا ایک [illegible] جمیل عورت تھی۔ اس میں مقناطیسی کشش اتنی زیادہ تھی کہ کوئی [illegible] سیرت انسان بھی اس کی رفاقت میں پاکباز نہیں رہ سکتا تھا چہ [illegible] اس کی زلف گرہ گیر کا اسیر بن گیا تھا اور اس نے وانڈا کی رفاقت [illegible] لُطف اندوز ہونے میں کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھی تھی۔ یہی ایک [illegible] تھا، جس سے گورڈنز نے گریز سے کام لیا تھا۔ اس نے وانڈا کی [illegible] محسوس نہیں کی تھی۔ گویا اس کا دِل اس انداز میں دھڑکنا [illegible] جانتا تھا۔ اس پہلو کو ایک اور طرح سے بھی دیکھا جا سکتا تھا [illegible] شہزاد کو یاد آگیا۔۔۔ کہ اُوشان نے اُسے گورڈنز سے دُور رہنے [illegible] کی تھی، اس کا صاف مطلب تھا کہ وہ یا تو کوئی مشینی آدمی ہے یا [illegible] دونوں سے زیادہ غیر معمولی ہے۔۔۔ غیر معمولی ہونا الگ بات [illegible] وانڈا جیسی حسینہ سے دُور رہنا دوسری بات۔۔۔ اب صرف یہی [illegible] امکان رہ جاتا تھا کہ وہ سرے سے انسان ہی نہیں ہے۔ اس [illegible] وانڈا کے دفتر کی میز جس انداز میں کاٹی گئی تھی، وہ کسی انسانی [illegible] نہیں ہو سکتا تھا۔

"اُوشان۔۔۔" اس نے وِنڈ اسکرین کو گھورتے ہوئے کہا۔ "[illegible] تمھیں پتہ چل گیا تھا کہ وہ ایک روبوٹ ہے تو تم نے اسے اتنے [illegible] نظر انداز کیے رکھا؟"

"گورڈنز اور بہرام کی زندگی میں گہرا تعلق تھا، فرزند۔" اُوشان [illegible] جواب دیا۔ "میں اس وقت تک اُسے ہلاک میں نہیں ڈال سکتا [illegible] جب تک بہرام کے گرد پھیلے ہُوئے اس پُراسرار خطرے کا سُراغ [illegible] لیتا۔ جیسے ہی مجھے اس پُراسرار خطرے کا پتہ چلا، مَیں نے گورڈنز [illegible] دو دو ہاتھ کرنے میں کوئی قباحت نہیں سمجھی۔"

"بہرام کے گرد جس خطرے کا حصار ہے، وہ کیا ہے، ٹبل [illegible]" ٹائیگر نے بے چینی سے سیٹ پر پہلو بدلتے ہُوئے سوال کیا۔

"اگر تم ذہن پر زور ڈالو تو تمھیں اب خود بھی یہ بات معلوم [illegible] ہے کہ کوئی مشینی آدمی کسی کو کیسے ہلاک کر سکتا ہے۔ یہ مت بھولو

اس معاملے میں تخلیقی پہلو ہرگز کارفرما نہیں ہے۔" اُوشان نے مُسکرا کر کہا۔ جیسے اس کی صلاحیت کو چیلنج کر رہا ہو۔

ٹائیگر کی بھویں سُکڑ گئیں۔

وہ بے حد پریشان نظر آ رہا تھا جیسے اس چیلنج کو قبول کرتے ہُوئے اُسے بے پناہ تذبذب کا سامنا ہو یا پھر وہ اپنے ذہن پر حد سے زیادہ زور ڈال رہا تھا۔ "تخلیقی صلاحیت۔۔۔" وہ بڑبڑایا۔ "ہاں، وہ وانڈا سے بھی اسی سلسلے میں ملا تھا لیکن وانڈا بڑی ذہین نکلی۔ اس نے ریڈ ایکس کو مقابلے سے صاف بچا لیا۔"

اُوشان ہنس پڑا۔ "ریڈ ایکس میرا پسندیدہ ہیرو ہے، بیٹے، وانڈا کی بجائے اُسے مَیں نے بچایا ہے۔"

"بہرحال۔۔۔" ٹائیگر نے موضوع پر واپس آتے ہُوئے کہا۔ "وہ تخلیقی صلاحیت سے عاری تھا۔۔۔" وہ خود کلامی کے انداز میں بولنے لگا۔ اس کی نگاہ وِنڈ اسکرین پر جمی رہی اور اس کا ذہن تیزی سے کام کرتا رہا۔ "دھماکا۔۔۔ ہاں۔۔۔ وہ صرف ڈائنامائٹ ہی کے ذریعے بہرام کو ہلاک کر سکتا تھا لیکن اُوشان۔" اس نے پہلو میں بیٹھے ہُوئے اپنے استاد کی طرف دیکھ کر کہا۔ "کیا بہرام اتنا ہی کور مغز ہے کہ وہ ڈائنامائٹ نہیں تلاش کر سکتا؟"

"وہ یقیناً جانتا ہوگا کہ کمرے میں ڈائنامائٹ لگے ہُوئے ہیں۔ انھیں نم ڈائنامائٹ کی بجائے بارُودی سُرنگیں کہو تو زیادہ بہتر ہوگا۔ یہ بارُودی سُرنگیں۔ پھٹے بغیر ضائع نہیں ہوں گی۔ مسئلہ صرف یہ ہے کہ گورڈنز نے ان بارُودی سُرنگوں کو کس طرح استعمال کیا ہے کہ وہ بہرام کے باہر نکلنے سے پھٹ سکتی ہیں۔ اس کے علاوہ اگر ہم دونوں اس کمرے میں داخل ہوں گے، تب بھی ان کا دھماکا ہو جائے گا۔"

شہزاد نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اس کی پیشانی پر پسینے کی ننھی ننھی بوندیں چمکنے لگی تھیں اور اُسے یُوں لگ رہا تھا جیسے اس کا جسم کسی انجانے سے بخار میں مبتلا ہو کر تپ اُٹھا ہو۔

"تمھیں یہ بات نہیں بھُولنی چاہیے کہ ایک نرس بہرام کے کمرے میں آتی جاتی رہی ہے لیکن اس کی آمد و رفت سے کوئی دھماکا نہیں ہُوا۔ دھماکا صرف اسی وقت ہوگا جب بہرام وہاں سے نکلنے کی کوشش کرے یا پھر ہم دونوں اس کمرے میں قدم رکھیں گے۔"

"بڑی ہی عجیب اور ناقابلِ فہم سی بات ہے۔" ٹائیگر بڑبڑایا۔

"احمق۔۔۔" اُوشان کے حلق سے غراہٹ نکل گئی۔ "تم اچھی طرح جانتے ہو کہ بہرام کا کمرہ انرکنڈیشنڈ ہے اور وہاں ہُوا کا دباؤ کیساں رہتا ہے۔ اس کمرے کی ساخت ایسی ہے کہ اگر انرکنڈیشنر بند بھی کر دیا جائے، ہُوا کا دباؤ ایک مخصوص حد تک آکر رُک جائے گا۔ ایسے میں صرف پریشر ہی وہ واحد طریقہ رہ جاتا ہے، جس سے بارُودی سُرنگیں پھٹ سکتی ہیں۔"

"اوہ۔۔۔" ٹائیگر نے ایک طویل سانس لی۔ "کتنی عجیب صورتحال ہے۔۔۔ خُدا کا شکر ہے کہ بہرام نے زندگی سے مایوس ہو کر باہر آنے کی کوشش نہیں کی ورنہ مارا جاتا۔۔۔ لیکن اُستاد۔ اب اُسے وہاں سے نجات دلانے کا کیا طریقہ ہے؟"

"کیا تمھیں اپنا وزن معلوم ہے؟" اُوشان نے عجیب سے انداز میں پُوچھا۔

"میرا وزن۔۔۔ غالباً۔۔۔" ٹائیگر بڑبڑایا۔

"خاموش رہو۔ غالباً کے بچے۔" اُوشان غصّے سے گرج اُٹھا۔ "یہ غالباً کا کھیل نہیں ہے اور نہ ہی اسے محض اندازوں سے کھیلا جا سکتا ہے۔ جب تمھیں اپنا وزن ٹھیک سے معلوم نہیں تو تم بہرام کا وزن کیسے بتا سکتے ہو۔ یہ سب کُچھ تمھاری بے اعتدالیوں کی وجہ سے ہے۔ میرا وزن آج سے دس سال قبل ننانوے پاؤنڈ تھا۔ آج بھی اتنا ہی ہے اور ان دس سالوں میں یہ وزن کبھی کم و بیش نہیں ہُوا۔"

ٹائیگر نے گردن گھما کر حیرت سے اپنے ٹبل فادر کی طرف دیکھا، اور دیدے نچا کر رہ گیا۔۔۔ پھر اس نے ایک طویل سانس لی اور بولا۔ "بس تمھیں صرف ایک ہی بات معلوم نہیں، اُستاد ورنہ تم ایک مکمل آدمی ہو تے۔"

اُوشان چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔ انداز استفہامیہ ہی تھا۔

"تمھیں یہ معلوم نہیں کہ جس عورت کے چہرے پر چھوٹے چھوٹے اَن گنت بھُورے تِل نہیں ہوتے، اس کی مثال ایک ایسی رات جیسی ہوتی ہے جب ستارے نہیں نکلتے۔"

اُوشان مُسکرانے لگا۔ "اگر تم محض احمق ہی ہوتے تو میں تمھیں کبھی اپنی فرزندی میں قبول نہ کرتا۔ تم زندہ دِل ہو اور زندگی سے بھرپور ہو۔" اس کے لہجے میں فخر کا تاثر بہت گہرا تھا۔

"یہ فرزندی میں قبول کرنے والی بات ذرا حلق سے نہیں اُترتی۔" ٹائیگر نے دبی زبان میں کہا تو اُوشان کا ہاتھ اس کی گردن پر پہنچ گیا۔ اس نے فوراً ہی اس گستاخی کے لیے معذرت طلب کر لی ورنہ شاید اُسے گردن پر بے پناہ تکلیف برداشت کرنا پڑتی۔ اُوشان نے جھینپے جھینپے انداز میں ہاتھ اس کی گردن سے ہٹا لیا۔۔۔ پھر سوگواری سے، بولا۔ "مَیں نے آج تک شادی نہیں کی، اس لیے میرا کوئی بچہ نہیں ہے۔ ممکن تھا کہ شادی کر کے میرے ہاں کوئی بچی پیدا ہو جاتی، تب میں تمھیں ہی ترجیح دیتا۔"

ٹائیگر چونک پڑا۔۔۔

اُوشان نے آج سے پہلے کبھی اس انداز میں گفتگو نہیں کی تھی

اور اس نے کبھی پچھتاووں کا اظہار بھی نہیں کیا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ ان احساسات سے عاری نہیں تھا۔ بس اُس نے خود کو کبھی بھی ایسے جذبے میں مبتلا رکھ کر اپنی زندگی اجیرن نہیں کی تھی اور اپنے علم و فن کی خاطر سب کچھ تیاگ دیا تھا۔

"اُدشان۔۔۔!" ٹائیگر نے سنجیدہ ہوتے ہوئے کہا کیوں کہ ان کی کار اب اس اسپتال کے قریب پہنچ چکی تھی جہاں بہرام ایک کمرے میں زندگی اور موت کے درمیان معلق تھا۔ "بہرام کے بارے میں کیا سوچا؟"

"کسی ایسی جگہ گاڑی روکو جہاں تم اپنا وزن کر سکو۔ اس کے علاوہ تمہیں بہرام سے فون پر رابطہ قائم کر کے اس کا وزن بھی معلوم کرنا ہوگا۔" شہزاد نے اثبات میں سر ہلا دیا اور کار ایک ریستوران کی طرف موڑ دی۔ اس ریستوران میں ایک طرف مختلف کھیلوں کے لیے کمرے بھی بنے ہوئے تھے۔ وہاں اس نے اپنا وزن کیا اور پھر اُوشان کو لے کر ایک ٹیلی فون بوتھ کی طرف بڑھ گیا۔ بہرام سے رابطہ قائم کرنے کے بعد اس نے قدرے خوش گوار لہجے میں کہا۔ "چیف! گورڈنز اپنے انجام کو پہنچ چکا ہے۔"

"کمپیوٹر پروگرام کا کیا رہا؟"

شہزاد کے چہرے پر اپنے چیف کے لیے بے پناہ احترام کے تاثرات اُبھر آئے۔ جیسے اپنی زندگی کی کوئی فکر نہیں تھی اور اس نے سب سے پہلے اپنی تنظیم کے کاغذات کے بارے میں پوچھا تھا۔

"پروگرام کے تمام کاغذات حاصل کر کے میں نے خود اپنے ہاتھوں سے ڈیسٹرائے کر دیے ہیں۔" اس نے جواب دیا۔ "بہرحال چیف! اب آپ بھی یہاں سے نکلنے کے لیے تیار ہو جائیں۔ کیا آپ کو اپنا وزن معلوم ہے۔"

دوسری طرف سے بہرام کے ہنسنے کی آواز سنائی دی۔ غالباً وہ شہزاد کی اس بات کو مذاق سمجھا تھا۔

"میں بہت سنجیدہ ہوں، چیف!" شہزاد نے جلدی سے کہا۔ "اُوشان میرے قریب موجود ہیں۔ چاہیں تو اُن سے بات کر لیں۔ آپ کو وہاں سے نکالنے کے لیے ضروری ہے کہ ہمیں آپ کا وزن معلوم ہو۔"

"میرا وزن اسپتال آنے سے پہلے ایک سو اسی پاؤنڈ تھا۔" بہرام نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔ غالباً اُسے ابھی تک شہزاد کی بات پر سنجیدگی سے یقین نہیں آیا تھا۔

"اس وقت کیا ہے؟" ٹائیگر نے کہا۔ "کوئی اسکیل منگوا لیں اور تازہ ترین وزن سے ہمیں آگاہ کریں۔ میں نصف گھنٹے بعد دوبارہ فون کر لوں گا۔"

شہزاد نے سلسلہ منقطع کر دیا اور اُوشان کی طرف دیکھ کر اس نے بائیں آنکھ دبا دی۔ "چیف کی کھوپڑی بھی چکرا کر رہ گئی ہوگی۔"

اُوشان نے مسکرا کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ "تمہارا وزن کیا نکلا شہزاد؟"

اُوشان نے دریافت کیا۔

"ایک سو پچپن پاؤنڈ۔"

"ٹھیک ہے۔ آؤ۔ کہیں بیٹھ کر وقت گزاریں۔" اُوشان نے اور ریستوران کے لیے مخصوص حصے کی طرف بڑھ گیا۔

نصف گھنٹے بعد دونوں ایک بار پھر ٹیلی فون بوتھ میں پہنچ گئے۔ بہرام سے سلسلہ ملنے کے بعد پتہ چلا کہ اب اس کا وزن ایک سو سینتالیس پاؤنڈ ہے۔ اُوشان نے اس کے ہاتھ سے ریسیور لے لیا اور بولا۔ "ہیلو بہرام! تم ایسا کرو، دس دس پاؤنڈ وزنی دو آشپا اُٹھا کر اپنی جیبوں میں ٹھونس لو اور اطمینان سے ٹہلتے ہوئے کمرے سے باہر آ جاؤ۔"

"کیا تم دونوں کچھ زیادہ ہی مذاق کے موڈ میں ہو۔" دوسری طرف سے بہرام کے ہنسنے کی آواز سنائی دی۔

"نہیں، یہ مذاق نہیں ہے۔" اُوشان نے متانت سے کہا۔ "پریشر اور بارودی سرنگوں کا معاملہ ہے۔"

"اوہ۔۔۔" بہرام نے ایک طویل سانس لی۔ "اگر ایسا ہے تو پھر اس کمرے سے ان کو ہٹانا بھی ضروری ہے۔ ورنہ کسی اور کی زندگی خطرے میں پڑ جائے گی۔"

"ہاں۔۔۔ اور اس کے لیے تمہیں یہ کرنا ہوگا کہ فوری طور پر تین رولر منگواؤ۔ ان پر بالترتیب اپنے، میرے اور ٹائیگر کے وزن کے برابر وزنی ویٹ رکھ کر انھیں کمرے میں لڑھکا دو اور پھر اس جگہ سے جس قدر بھی ممکن ہو، دُور چلے جاؤ۔ بارودی سرنگیں پھٹ جائیں گی اور کوئی خطرہ باقی نہیں رہے گا۔"

بہرام نے اس صورتِ حال سے نجات حاصل کرنے کے بعد فون کرنے کی حامی بھر لی اور سلسلہ منقطع کر دیا۔

★★

اُس نے اخبار رکھ دیا۔

وہ ایک جسیم آدمی تھا اور اس کی آنکھیں گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ وہ نجی نوعیت کے، چھوٹے موٹے سُراغ رسانی کے کام کر کے اپنا پیٹ پالتا تھا لیکن اس کی ساکھ جاسوسی قسم کے سُراغ رسانوں سے کہیں زیادہ تھی۔ وہ اخبار میں، گلوبی اسٹوڈیو میں ہونے والے ہنگامے اور مشہور عالم اداکارہ داندا کی پُراسرار موت کے بارے میں پڑھ کر بہت کچھ سوچنے پر مجبور ہو گیا تھا لیکن اس کا ذہن کسی بھی نتیجے پر پہنچنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ زاک کی طبیعت میں شک کرنے کا عنصر بہت زیادہ تھا۔ شاید یہ اس کی خصوصیت ہی تھی۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ اس شخص کی بات پر فوراً ہی توجہ دینا

شروع کر دیتا جو دیر سے اس کی طرف متوقع نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

بُنیادی طور پر زاک جُوئے اور ریس کے گھوڑوں پر شرطیں لگانے والا ایک ایسا آدمی تھا، جو گھوڑ دوڑ میں حصّہ لینے والے جاکیوں پر قطعاً اعتبار نہیں کرتا تھا۔ اس کی دانست میں جاکی آپس میں پہلے ہی سے طے کر لیتے ہیں کہ کس کا گھوڑا جیتے گا۔ اسی طرح زاک کو پولیس والوں پر بھی اعتماد نہیں تھا۔ عورتوں کے سلسلے میں اس کا دل کبھی صاف نہیں رہا تھا۔ وہ ہر کسی کو شک و شبہے کی نظر سے دیکھنے کا عادی ہو چکا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اپنے سامنے بیٹھے اس مختصر سے آدمی پر اعتبار کرنے کے لیے آمادہ نہیں تھا۔ کوتاہ قامت شخص کم بہاٹ میں مبتلا تھا اور اس کی اُنگلیاں بے چینی سے اس سگار کو مسل رہی تھیں، جو نہ جانے کب کا دم توڑ چکا تھا۔ وہ بار بار نگاہ اُٹھا کر زاک کی طرف دیکھتا اور پھر اُس کی آنکھوں میں پیدا ہونے والی زبردست چمک کی تاب نہ لا کر نگاہیں چُرانے پر مجبور ہو جاتا تھا۔

"تمہیں اپنی بات شروع کیے دس منٹ گزر گئے ہیں۔" زاک نے میز پر ہاتھ مارتے ہوئے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "لیکن ابھی تک میں تمہاری کہانی سمجھنے میں کامیاب نہیں ہوا۔ بہرحال، میرا خیال ہے، تمہیں ایک موقع اور ملنا چاہیے۔ چلو، ایک بار پھر کوشش کرتا ہوں۔ شاید اس مرتبہ تمہاری بات میرے پلّے پڑ جائے۔"

مختصر قد و قامت والے شخص نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

وہ جواباً کچھ نہیں بولا تھا۔

"چلو، شروع سے بتانا چاہو تو کوئی مضائقہ نہیں۔"

"کیا تم لوپانو خاندان سے واقف ہو؟" کوتاہ قامت شخص نے پُوچھا۔

زاک ایک طویل سانس لے کر رہ گیا۔ "میرے پاس جو آخری کار تھی، اُسے ایک ایسے کار خانہ نما میں تیار کیا گیا تھا، جو لوپانو خاندان کی ملکیت ہے۔ اس کے علاوہ میں چھ ایسی آئل کمپنیوں سے تیل ڈلواتا ہوں، جن پر اسی خاندان کا غلبہ ہے۔ میرا اکاؤنٹ بھی انھی لوگوں کے بینک میں ہے۔" زاک نے ناگواری سے کہا۔ "بھلے آدمی اس مُلک میں کون ہے، جو یہ کہنے کی جرأت بھی کر سکتا ہے کہ وہ لوپانو خاندان سے واقف نہیں ہے۔ کہیں تم یہ تو نہیں کہنا چاہتے کہ میں ایک احمق آدمی ہوں؟" یہ کہہ کر وہ کڑے تیوروں سے اس شخص کو دیکھنے لگا۔

"نن۔۔۔ نہیں۔۔۔ یہ بات نہیں ہے۔" مختصر آدمی جلدی سے ہاتھ اُٹھا کر بولا۔ "میں نے تو صرف بات کرنے کا ایک انداز اختیار کیا تھا۔"

"ہاں۔ یہی بات لگتی ہے۔" زاک غرّایا۔ اس کا موڈ اب کافی خراب ہو گیا تھا۔ وہ دل ہی دل میں سوچ رہا تھا کہ کیا پیشکش کرنے والا شخص واقعی ہوش مند ہونے کے وقت سے پہلے پہلے اپنی کہانی سنانے میں کامیاب ہو جائے گا؟ اُسے شام سے پہلے ایک گھوڑے پر شرط لگانے کے لیے بکی کے پاس بھی جانا تھا۔

"بہرحال، کوئی شخص لوپانو خاندان کو قتل کرنا چاہتا ہے۔" چھوٹے قد کے اس شخص کے مُنہ سے بالآخر ایک بہت بڑی بات نکل ہی گئی۔

زاک کا جی چاہا کہ وہ کھل کھلا کر ہنس پڑے۔۔۔ پھر اُسے کوتاہ قامت آدمی پر رحم آ گیا۔ وہ یہ سوچنے لگا کہ کہیں اس شخص کا دماغ تو نہیں چل گیا۔ وہ ایک ایسی بات کہہ رہا تھا، جو اگر سرِعام اس کے مُنہ سے نکل جاتی تو اُسے فی الفور سزائے موت دی جا سکتی تھی۔

"مَیں جھوٹ نہیں بول رہا ہوں۔" مختصر آدمی نے اصرار کیا۔ "کوئی اس خاندان کو قتل کرنا چاہتا ہے۔"

"یقیناً۔۔۔" زاک نے اس کی بات سے محظوظ ہوتے ہوئے کہا۔ "لیکن کون سا مُلک ایسا کرنا چاہتا ہے؟ برطانیہ، امریکا یا کوئی اور مُلک۔ شریف آدمی، کیا تم نہیں جانتے کہ ہماری سیاہ فام قوم کو جنگ کی دعوت دیے بغیر کوئی مُلک بھی اس خاندان پر ہاتھ ڈالنے کا ارادہ نہیں کر سکتا۔ کیا تم اس خاندان کی اہمیت سے واقف نہیں ہو؟"

"لیکن کوئی ایسا کرنا چاہتا ہے۔" مختصر قد و قامت والا شخص اَب چیخ پڑا۔ غالباً وہ خود اعتمادی بحال کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اب اس کی آنکھیں براہِ راست زاک کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھیں۔

زاک نے ایک طویل سانس لی۔ "فرض کر لو کہ مَیں، تمہاری بات پر یقین کر لیتا ہوں۔ ایسی صورت میں بتاؤ مَیں، تم یا کوئی اور اس سلسلے میں کیا کر سکتا ہے؟"

"صرف اتنی سی بات ہے کہ وہ خاندان اپنی موت سے بے خبر ہے جب کہ مَیں اچھی طرح جانتا ہوں۔" خود اعتمادی بحال ہونے پر اس مختصر سے آدمی کے لہجے میں اَب کافی مضبوطی پیدا ہو گئی تھی۔ "صرف مَیں ہی جانتا ہوں کہ اس خاندان کو کون قتل کرنا چاہتا ہے۔"

"بہرحال، اس کے بعد؟"

"یہی کہ اگر ان لوگوں کی زندگی بچائی جائے تو ہم دونوں کو بے پناہ انعام مل سکتا ہے۔"

"ہم دونوں ہی کیوں؟" زاک نے دلچسپی سے پوچھا۔

"کیوں کہ مَیں تنہا کچھ نہیں کر سکتا۔" کوتاہ قامت شخص بولا۔۔۔ جیسے جیسے بات آگے بڑھ رہی تھی، اس کا لہجہ زیادہ وزنی ہوتا جا رہا تھا۔ اب اس کی اُنگلیاں بھی بجھے ہوئے سگار کو پہلے کی طرح نہیں مروڑ رہی تھیں اور اس کی آنکھوں سے گھبراہٹ کا تاثر بھی زائل ہو

گیا تھا۔

زاک سے متعارف ہوتے وقت اس نے اپنا نام گوپر بتایا تھا۔ وہ ایک میڈیکل ٹیکنیشن تھا اور ایک ایسی ریسرچ لیبارٹری میں ملازمت کرتا تھا جو اُسی خاندان کی ملکیت تھی جس کی موت کا وہ راگ الاپ رہا تھا۔ زاک نے اس سے کہا کہ وہ جو کچھ بھی جانتا ہے، اُسے تفصیل سے بتادے۔ وہ اس معاملے میں دِل چسپی لینے پر مجبور ہو گیا تھا۔

اگرچہ اس کے دونوں کان گوپر کی باتوں پر لگے ہُوئے تھے، لیکن ساتھ ہی ساتھ وہ لوپانو خاندان کے افراد کے بارے میں بھی سوچتا جا رہا تھا۔ تصور کی آنکھ سے وہ ایک ایک فرد کو دیکھتا رہا اور اس کے متعلق باتیں یاد کرتا رہا۔

لوپانو خاندان کا سربراہ ایمر تھا۔ بوڑھے ایمر کی عمر اسّی سال کے لگ بھگ تھی لیکن اس قدر بوڑھا ہونے کے باوجود وہ خود کو ابھی جوان ہی سمجھتا تھا اور کسی میں اتنی جرأت نہیں تھی کہ اُسے بوڑھا کہہ سکے، حتیٰ کہ اس کی اٹھارہ سالہ بیوی بھی ایسا نہیں کہہ سکتی تھی۔ تیل کے کنوؤں سے ہونے والی آمدنی نے اس شخص کو چند ہی برسوں میں زمین سے آسمان پر پہنچا دیا تھا۔ اس کے تین بیٹے تھے۔ ایمر جونیئر کا نام تو سنا تھا۔ یہ بڑا بیٹا تھا اور ملک کے طول و عرض میں بکھرے ہُوئے اپنے تمام کارخانوں کی ذمے داریاں سنبھالے ہُوئے تھا۔ ایمر کا دوسرا بیٹا ریندی خاندان کے مالی معاملات اور بینکوں کی دیکھ بھال کرتا تھا جب کہ سب سے چھوٹا بیٹا ڈیگی ایک ڈپلومیٹ تھا۔ فنِ سفارت کا یہ ماہر نوجوان اسکوسبا کے صدرِ مملکت شیتانی کی آنکھوں کا تارا تھا اور اُسے حکومتی سطح پر بڑی اہمیت حاصل تھی۔

گوپر نے اُسے جو کہانی سُنائی، اس میں پُورے دو گھنٹے لگ گئے کیوں کہ انجام کار زاک کو اُسے بار بار ٹوکنا پڑتا تھا۔ اس کی باتوں میں تکنیکی قسم کے الفاظ آ جاتے تھے جن کی وضاحت ضروری ہو جاتی تھی۔ زاک اب تک اس کہانی میں اتنی دِل چسپی لے چکا تھا کہ اُسے گھوڑے پر شرط لگانے کا بھی خیال نہیں رہا اور وہ یہ بھی بھُول گیا کہ اُسے شدید بھُوک لگی ہُوئی تھی۔

صُورتِ حال اتنی عجیب اور ناقابلِ یقین تھی کہ وہ ایک ایک بات پر کئی کئی بار نکتے اُٹھاتا تھا۔ دراصل وہ ہر بات اپنے ذہن میں اچھی طرح صاف اور واضح کر لینا چاہتا تھا۔ اس کے علاوہ، وہ اپنی شکی فطرت کی وجہ سے ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ٹٹولتا جا رہا تھا کہ کہیں وہ مختصر سے قد و قامت والا شخص اسے بے وقوف تو نہیں بنا رہا۔۔۔ لیکن گوپر نے اب تک اُسے جو کچھ بھی بتایا تھا، وہ اُسی پر جما ہُوا تھا۔ گویا اس کی بتائی ہُوئی ایک ایک بات سچ پر مبنی تھی۔

جب ہر بات اچھی طرح زاک کے ذہن میں بیٹھ گئی تو اس نے اپنا شک رفع کرنے کے لیے آخری سوال کیا: "اب تم صرف یہ بتا دو کہ اس سلسلے میں میرا ہی نام تمھارے ذہن میں کیوں آیا تھا؟"

"تمھاری ساکھ نے مجھے اس ملاقات پر مجبور کیا ہے۔"

"ہوں۔۔۔ تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟"

گوپر کے پتلے پتلے ہونٹوں پر مُسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ اب بے حد مطمئن نظر آ رہا تھا کیوں کہ زاک کی آنکھوں میں شک و شبہے کی کوئی پرچھائیں رقص نہیں کر رہی تھی۔ "دراصل میں سوچ رہا تھا کہ میرے پاس موجود ان معلومات کی کوئی نہ کوئی بہت بڑی قیمت ضرور ہونی چاہیے۔۔۔ لیکن میں یہ نہیں جانتا کہ یہ قیمت کس سے اور کیسے حاصل کی جا سکتی ہے۔ میں اس سلسلے میں تمھاری مدد چاہتا ہُوں۔"

زاک یہ سُن کر ہنس پڑا۔ اُسے ہنستے دیکھ کر گوپر کی آنکھوں میں ایک بار پھر گھبراہٹ کے تاثرات پھیل گئے۔ وہ پلکیں جھپکا جھپکا کر زاک کی طرف دیکھنے لگا۔

"معلومات!" زاک نے عجیب سے لہجے میں کہا: "نہیں دوست! اگر سچ پُوچھو تو تمھارے پاس کوئی بھی بات نہیں ہے۔ تمھاری کہانی چند حقائق، چند ناموں اور چند خیالوں پر مشتمل ہے۔ تم ان میں سے کوئی بھی چیز ثابت نہیں کر سکتے۔ میرا مطلب ہے، تمھارے پاس کوئی ٹھوس ثبوت نہیں ہے۔ کوئی تحریر نہیں، کوئی رپورٹ نہیں اور نہ ہی کوئی ریکارڈ ہے۔ میں تو تمھاری کہانی پر یقین کر لیتا ہُوں لیکن دُنیا کا ہر شخص تمھیں جھُوٹا کہے گا۔۔۔ اور تم اسے سچ ثابت کرنے کے لیے کوئی شہادت پیش نہیں کر سکتے۔"

گوپر کی حالت دوبارہ پریشانیوں میں مبتلا گلہری جیسی ہو گئی۔ اب وہ پھر اپنی اُنگلیوں میں، نتھنے ہُوئے سگار کو گردش دینے لگا تھا۔ "لیکن زاک! مجھے یقین ہے کہ تم میری کہانی کو جھُوٹی نہیں سمجھ رہے ہو۔"

جواب دینے سے پہلے زاک گہری سوچ میں ڈوب گیا۔۔۔ پھر اس نے کہا: "ہاں، میں تمھیں جھُوٹا نہیں سمجھتا۔ اس سلسلے میں میرے پاس کوئی توجیہہ نہیں ہے لیکن میں تم پر جھُوٹ بولنے کا الزام نہیں لگا سکتا۔"

زاک سوچ رہا تھا کہ اس کیس پر کام کرے یا نہ کرے۔ اب ان کے مابین اس بات پر بحث چل نکلی۔ گوپر کے پاس اتنی رقم نہیں تھی کہ زاک اس کے لیے اپنا وقت برباد کرنا شروع کر دیتا۔ یہ بحث بالآخر اس نتیجے پر پہنچی کہ گوپر کی معلومات فروخت کرنے سے

آمدنی ہو گی، وہ دونوں اُس میں برابر کے حصّے دار ہوں گے۔ اس فیصلے پر بات ختم ہو گئی تو گوپر قدرے اُداس نظر آنے لگا۔ غالباً اُسے اس سے زیادہ کی توقع تھی۔

گوپر کو رُخصت کرنے کے بعد زاک دیر تک اپنی کُرسی پر بے حس و حرکت بیٹھا رہا۔ اس کا پُورا جسم پسینے میں شرابور تھا۔ وہ اپنی زندگی کے سب سے بڑے مشن پر کام کا آغاز کرنے والا تھا۔ سوچتے سوچتے اس کی دماغی نسیں تھکن کا شکار ہو گئیں۔ تب اس نے انگڑائی لی اور اُٹھ کھڑا ہُوا۔ اس دوران میں ایک لمحے کے لیے بھی اس کے ذہن میں گھوڑے پر شرط لگانے کا خیال نہیں آیا تھا۔

دفتر بند کر کے وہ باہر آیا تو شام کے سائے ڈھل چُکے تھے۔

وہ وہاں سے سیدھا فلاسی کے اپارٹمنٹ پہنچا تو حسین فلاسی اپنے بستر پر لیٹی آئس کریم چاٹتی ہُوئی ٹی۔ وی دیکھنے میں مصروف تھی۔ اس کمرے تک پہنچنے کے لیے زاک کو اپنے گھٹنے بچا بچا کر ان گنت چابیاں استعمال کرنا پڑی تھیں۔ فلاسی ایک بے حد محتاط لڑکی تھی اور وہ خود کو سات تالوں میں بند رکھنے کی عادی تھی۔ ان تالوں کی ڈُپلی کیٹ چابیاں صرف زاک کے پاس رہتی تھیں اور صرف اُسی کو وہاں آزادانہ آنے جانے کی اجازت تھی۔

زاک اور فلاسی گزشتہ پانچ سال سے ایک دوسرے کے دوست تھے۔ زاک اس کے اپارٹمنٹ میں کئی راتیں گزار چُکا تھا لیکن دنیا میں صرف یہی ایک عورت تھی جس پر وہ پُورا پُورا اعتماد کرتا تھا۔ لیکن اس قدر بھروسے کے باوجود زاک کے اپارٹمنٹ کی دوسری چابی فلاسی کی تحویل میں نہیں رہتی تھی اور نہ ہی اس نے کبھی زاک کے دفتر کی چابی حاصل کرنے کی خواہش ظاہر کی تھی۔

جب وہ آخری تالا کھول کر کمرے میں داخل ہُوا تو فلاسی اٹھ کر دروازے کی طرف دیکھنے لگی۔ آئس کریم کے کئی ٹکڑے اس کے گریبان پر دکھائی دے رہے تھے اور اس نے اپنے سُنہرے بال میں کنگھی بھی نہیں کی تھی۔ اس کے بکھرے بکھرے بال بے حد پُرکشش دِکھائی دے رہے تھے۔

"اتنی دیر۔۔۔" وہ شکایت آمیز لہجے میں بولی: "معلوم ہوتا ہے، آج تم بے حد مصروف رہے ہو، زاک۔"

"ہاں۔ آج مجھے اپنی زندگی کا سب سے بڑا کیس ملا ہے۔"

فلاسی کی آنکھوں میں دل چسپی کی چمک پیدا ہو گئی: "کتنا بڑا زاک؟"

"ابھی کچھ نہیں بتاؤں گا۔" وہ مُسکرا کر بولا۔

یہ سُن کر فلاسی کا مُنہ بن گیا اور وہ رُخ پھیر کر بیٹھ گئی: "ظاہر ہے، کوئی بہت بڑا کیس ہو گا، جبھی تو تمھارا دماغ بھی آسمان پر پہنچا ہُوا ہے۔۔۔ اور کون کہہ سکتا ہے کہ اس بڑے کیس کی آڑ میں آج تم، مجھ سے کوئی بڑی رقم بطور قرض مانگنے کا ارادہ لے کر نہیں آئے ہو؟"

"یقین کرو، فلاسی۔ واقعی بہت بڑا معاملہ ہے۔"

"میں تو تب یقین کروں گی جب تمھارے پاس کچھ سبز سبز نوٹ نظر آئے گا۔ سبز سبز نوٹوں کی جھلک مجھے ایک لمحے میں قائل کر دے گی۔"

"اس معاملے میں فی الحال تو صرف تصوّر ہی میں کوئی جھلک دیکھی جا سکتی ہے۔" زاک نے ہنس کر کہا: "بہرحال، میں ابھی تمھیں یقین دلا دیتا ہُوں۔ یہ تو بتاؤ کہ تمھیں کبھی لوپانو خاندان کا تذکرہ سُننے کا موقع ملا ہے؟"

"یہ سوال تو اس ملک میں کسی ایسی ہستی سے ہی کیا جا سکتا ہے، جسے کوئی احمق جاننا چاہتا ہو۔" فلاسی کے تیور بگڑ گئے: "اور تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میں اس خاندان کے بارے میں سبھی کچھ جانتی ہُوں۔"

زاک معنی خیز انداز میں مُسکرانے لگا۔

"تمھارا مطلب ہے کہ ان لوگوں نے تمھاری خدمات حاصل کی ہیں۔" فلاسی نے بے یقینی سے دریافت کیا۔

"نہیں۔ بات کچھ مختلف ہے۔"

اس کا جواب سُننے کے لیے فلاسی بستر سے کچھ اوپر اُٹھ گئی تھی لیکن جب معاملہ نفی میں سامنے آیا تو وہ اُس غُبارے کی طرح ٹکیوں پر گر گئی جس میں سے ہَوا خارج ہو رہی ہو۔ گویا اُسے بے حد مایوسی ہُوئی تھی۔

"بات دراصل یہ ہے کہ میں ان لوگوں کی زندگیاں بچانے والا ہُوں۔" زاک نے بڑے فخریہ لہجے میں کہا: "کیا سمجھیں؟"

"یہی کہ صدر شیتانی نے مجھے شادی کا پیغام بھیجا ہے۔"

"کیا بک رہی ہو؟" وہ غرّایا۔

"جب میں تمھاری بکواس کا بُرا نہیں مان رہی تو تمھیں میری اور صدر شیتانی کی شادی پر کیوں تکلیف ہو رہی ہے؟" وہ غصّے سے چیخ کر بولی: "تم جھُوٹ بول کر مجھے بہلا رہے ہو۔۔۔ اور میں اپنا دل خوش کرنے کے لیے صدر شیتانی کی ملکہ بننے کے خواب دیکھ رہی ہوں۔" یہ کہہ کر اُس نے باقی ماندہ آئس کریم پُوری کی پُوری مُنہ میں ڈال لی۔ اب وہ دیر تک بات کرنے کے قابل نہیں

رہ گئی تھی۔ یہ دیکھ کر زاک سیدھا کچن ٹیبل کی طرف بڑھ گیا۔

اس نے میز پر رکھی ہوئی اشیا ہاتھ سے ایک طرف سرکا دیں اور ایک پیڈ پر جلدی جلدی کچھ لکھنے میں مصروف ہوگیا۔۔۔ گویائی میسر آتے ہی فلاسی نے اس سے پوچھا: "یہ تم کیا کر رہے ہو؟"

"بہت اہم معاملہ ہے، ڈارلنگ! اس لیے میں چاہتا ہوں کہ ایک ایک بات تحریر میں لے آؤں۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی بات میرے ذہن سے نکل جائے۔"

"ظاہر ہے۔ معاملہ لوپانو جیسے خاندان کا ہو تو ایسا ہونا بھی چاہیے۔" وہ مضمحک اُڑانے والے انداز میں بولی: "میرا خیال ہے، دُنیا کا یہ دولت مند ترین خاندان کچھ سٹھیا گیا ہے اس لیے انھیں تمھارے علاوہ کوئی سُراغ رساں ہی دکھائی نہیں دیا۔"

"میں نے تم سے غلط بیانی نہیں کی۔" وہ غصّے سے بولا اور اپنے کام کی طرف متوجہ ہوگیا۔ وہ پورے دو گھنٹے تک لکھتا رہا۔ کچھ دیر تو فلاسی اُسے چھیڑتی رہی اور اس کا مضحکہ اُڑاتی رہی، لیکن جب زاک متوجہ نہ ہوا تو وہ کندھے اُچکا کر ٹی۔ وی کی طرف دیکھنے لگی۔ اسے غالباً ابھی تک زاک کی بات پر یقین نہیں آیا تھا۔

زاک نے وہ ساری کہانی من وعن لکھنے کی کوشش کی تھی جسے دو گھنٹے کی زبردست محنت کے بعد وہ کورے سے اُگلوانے میں کامیاب ہُوا تھا۔ لکھتے لکھتے اس نے پیڈ کے کئی کاغذ پھاڑ ڈالے تھے اور اب میز کے گرد کاغذ کے پُرزوں کا اچھا خاصا ڈھیر نظر آنے لگا تھا۔

ٹی۔ وی پر دگرام ختم ہوچکا تھا اس لیے فلاسی اُٹھ کر اُس کے عقب میں آکھڑی ہوئی تھی۔ اس نے پیڈ پر لکھا ہُوا مضمون دیکھا تو مسکرانے لگی۔ "میرا خیال ہے، تم اس دولت مند خاندان کو کوئی محبت بھرا خط لکھ رہے ہو۔ ظاہر ہے، ان لوگوں کو خط لکھنے والے دوسرے لوگوں کی طرح تمھیں بھی یہ توقع ہوگی کہ اُدھر سے جواب ضرور ملے گا۔"

"یہ محبت نامہ نہیں بلکہ ایک کاروباری مسودہ ہے۔"

"سُنو زاک۔" وہ بڑے خلوص سے بولی۔ "باہر جا کر کسی سے اس قسم کی باتیں نہ کرنا۔ ممکن ہے کوئی تمھیں پاگل خانے پہنچا دے اور۔۔۔"

وہ یکایک مُسکرانے لگا۔

یہ بات اسے بہت دیر بعد سمجھ آئی تھی کہ فلاسی کا رویّہ ایسا کیوں ہے۔ دراصل وہ چاہتی تھی کہ زاک اس کی طرف توجہ دے۔ اس کے پاس فلاسی پر توجہ دینے کا وقت نہیں تھا کیونکہ ابھی اُسے کافی کام کرنا تھا۔ جب تحریری کام انجام کو پہنچ گیا وہ نظرثانی کرنے لگا کہ کہیں اس سے کوئی بھول چوک تو نہیں ہوگئی۔ کام ختم کر کے اس نے ایک بھرپور انگڑائی لی اور اُٹھ کر انداز میں فلاسی کی طرف دیکھنے لگا۔ "تمھارے پاس کوئی خالی لفافہ ہوگا؟"

"دراز بھری پڑی ہے۔" وہ ناگواری سے بولی۔

زاک نے دراز کھولی اور اس میں رکھے ہوئے لفافوں کا جائزہ لینے لگا۔۔۔ پھر اس نے ایک نیلا لفافہ منتخب کیا لفافہ کافی مضبوط تھا۔ لفافے میں اپنے لکھے ہوئے کاغذات کر اُس نے اُسے سربمہر کر دیا اور پھر پتہ لکھنے لگا۔

پتہ لکھنے کے بعد اُس نے لفافہ فلاسی کی طرف بڑھا دیا۔ "کیا کروں؟" وہ تیکھے لہجے میں بولی۔

"اگر مجھے کچھ ہوگیا تو تم یہ لفافہ ڈاک کے حوالے کر دینا۔"

وہ چونک پڑی۔ پہلی بار اُس کی آنکھوں میں خوف اور تشویش کے سائے سے لہرائے تھے چند لمحوں تک وہ اُسے دیکھتی رہی۔۔۔ پھر اس نے لفافے پر لکھا ہُوا پتہ پڑھا۔ "صدر شیتائی کے نام خط۔۔۔" وہ بڑبڑائی اور تفکر آمیز نظروں سے زاک کی طرف دیکھ کر بولی: "کیا ہونے والا ہے، جان؟"

"شاید تمھیں اس بات کا کبھی پتہ نہ چل سکے۔" وہ عجیب سے لہجے میں بولا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ گزشتہ پانچ سال میں اتنے رُوکھے پھیکے انداز میں، اس اپارٹمنٹ سے کبھی واپس نہیں ہوئی تھی۔

"کیا تم واقعی سنجیدہ ہو، جان؟" وہ بے چین ہوگئی۔

وہ پلٹے بغیر سر کو مثبت جنبش دیتا ہُوا دروازے کی طرف بڑھتا رہا۔

"کیا تم اپنا خیال نہیں رکھ سکتے، جان؟"

"تم جانتی ہو کہ میں اپنا بے حد خیال رکھتا ہُوں۔"

"میں نہیں چاہتی کہ تمھیں کسی ناخوشگوار صورتِ حال کا سامنا کرنا پڑے۔" فلاسی کی آواز بھرا گئی۔

"مجھے معلوم ہے۔۔۔ اور میں تمھارے جذبوں کی قدر کرتا ہُوں۔" وہ دروازے کے قریب رُک کر جیب ٹٹولنے لگا۔۔۔ پھر اس نے چابیوں کا گچھا نکال لیا۔

"زاک۔۔۔" عقب سے فلاسی کی ہانپتی ہُوئی آواز سُن کر وہ رُک گیا۔ "کیا تم جانے سے پہلے سنک کے نیچے رکھی ہُوئی بوتل مجھے دیتے جاؤ گے؟"

اس نے شراب کی بوتل اُٹھائی اور فلاسی کے ہاتھ میں تھما کر واپس آتے ہی دروازہ کھول دیا۔ یکے بعد دیگرے تمام تالے کھول کر وہ زینے پر پہنچا اور پھر سیڑھیاں اُترتا ہُوا عمارت سے باہر آگیا۔ عمارت کے اندر اپنے کمرے میں فلاسی نے رائی کی بوتل سے ایک گھونٹ لیا، چند لمحوں تک نیلے لفافے کو گھورتی رہی۔۔۔ پھر اس نے وہ لفافہ کمرے کے کونے کی طرف اُچھال دیا۔ لفافہ اس کے ہاتھ سے کسی پھڑپھڑاتے ہُوئے پرندے کی طرح اڑا اور کونے میں پڑے میلے کپڑوں کے ڈھیر پر گر گیا۔

ٹائیگر نے ایک طویل سانس لی اور اپنا جسم ڈھیلا چھوڑ دیا۔

وہ فرش پر لیٹا ہُوا تھا اور اس کے بے حس و حرکت جسم کو دیکھ کر کسی لاش کا گمان ہوتا تھا۔ رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی۔ جسے میں ذرا سی بے اعتدالی اس کے لیے پریشانی کا باعث بن سکتی تھی تو وہ اُوشان کے بتائے ہُوئے چند آسان آزمانے پر مجبور ہوگیا تھا۔

وانڈا اور ڈاکٹر گورڈنز کی ہلاکت کے بعد آج کل وہ ایک عالمی ہوٹل میں مقیم تھا۔ بہرام، اُوشان کے بتائے ہُوئے طریقے سے بارُودی سُرنگوں کا جال توڑنے میں کامیاب ہو کر آزاد ہوچکا تھا اور وہ دونوں اِن دِنوں صدر شیتائی کے محل میں مقیم تھے۔ شہزاد کی آزاد طبیعت کے باعث ہوٹل ہی میں مقیم تھا۔

فرش سے اُٹھتے ہُوئے اچانک اس کی نگاہ کھڑکی سے باہر ایک سائے پر جم گئی۔ یہ سایہ ایک کھڑکی کے شیشے پر لہرا رہا تھا جو کھڑکی بند تھی۔ وہ آہستہ آہستہ اپنے کمرے کی کھڑکی میں جا کھڑا ہوا۔ آتے ہُوئے اس نے روشنی بُجھا دی تھی۔

جس کھڑکی پر اس نے ایک پُراسرار سایہ لہراتے دیکھا تھا، ہوٹل کے پہلو میں واقع ایک عمارت کی دسویں منزل کی کھڑکی تھی۔ وہ خاموش کھڑا اس سائے کی حرکات و سکنات دیکھتا رہا۔ اندازِ خیال سے وہ کسی عورت کا ہیولہ لگتا تھا لیکن اس ہیولے کے قریب ایک مردانہ سایہ بھی تھا۔ اگرچہ دونوں آمنے سامنے کھڑے تھے لیکن سایوں کا خاکہ بتا رہا تھا کہ مرد کے ہاتھ عورت کی گردن پر جمے ہوئے ہیں۔ غالباً کوئی کسی عورت کو قتل کر رہا تھا۔

ٹائیگر نے دونوں عمارتوں کے درمیانی فاصلے کا جائزہ لیا۔ پندرہ فٹ سے کچھ زیادہ ہی فاصلہ تھا لیکن دونوں کھڑکیاں دسویں منزل پر آمنے سامنے واقع تھیں۔ ٹائیگر چند لمحوں تک غور کرتا رہا۔۔۔ پھر اس نے دونوں ہاتھ کھڑکی کی سِل پر رکھے اور جسم کو متوازن کیا۔ وہ خود کو ایک لمبی چھلانگ لگانے کے لیے تیار کر رہا تھا۔

صرف ایک ساعت کے لیے اُس نے سامنے والی کھڑکی کی سِل کا جائزہ لیا۔۔۔ پھر اس کا جسم خفیف سا اُچھلا اور وہ تیرتا ہُوا دونوں عمارتوں کا درمیانی فاصلہ طے کرنے لگا۔ نیچے سڑک پر اِکّا دُکّا گاڑیاں آجا رہی تھیں لیکن شہزاد کو یقین تھا کہ اس وقت کوئی بھی اُوپر نہیں دیکھ رہا ہوگا۔

اس کے دونوں ہاتھ جیسے ہی سامنے والی کھڑکی کی سِل پر پہنچے، اس نے اُسے تھام لیا۔ دونوں ہاتھوں پر جسم کو روک کر وہ آہستہ آہستہ اپنی ٹانگوں کو تہ کر کے ہاتھوں کے درمیان لے آیا اور پھر بیٹھ گیا۔

اس نے کھڑکی سے کان لگا دیا۔

اندر سے آوازیں سُنائی دے رہی تھیں۔ مرد کچھ کہہ رہا تھا۔ اس کے انداز سے غصّے کی جھلک صاف محسوس ہو رہی تھی اور ٹائیگر کی حسّاس سماعت نے ایک سفّاک قاتل کے تاثرات بھی اس کے ذہن تک پہنچا دیے۔

"نہیں، تمھیں اب میرے ہاتھوں سے کوئی نہیں بچا سکتا۔" مرد کی آواز سنائی دی۔

"اگر تم کسی اور عورت سے شادی کرنا چاہتے ہو تو مجھے کیوں قتل کرنا چاہتے ہو۔ میں تمھارے راستے کی دیوار تو نہیں بن رہی ہوں۔ مجھے مت مارو۔۔۔ میں تم سے طلاق۔۔۔"

"خاموش رہو۔" مرد نے اپنی بیوی کو جھڑک دیا۔ "تمھاری موت کے بعد مجھے تمھارا سارا اثاثہ مل جائے گا۔ طلاق سے مجھے کیا فائدہ ہے۔" اس کے ساتھ ہی ایسی آوازیں سُنائی دیں جیسے اس نے عورت کی گردن پر دباؤ بڑھا دیا ہو۔

ٹائیگر کا ہاتھ شیشے پر جم گیا۔ اس نے آہستہ آہستہ دباؤ ڈال کر اسے نکالا اور پھر شیشے کے خلاء میں ہاتھ ڈال کر کھڑکی ایک جھٹکے سے کھول دی پھر جیسے ہی کمرے میں کُودا، وہ شخص چونک پڑا۔ اگلے ہی لمحے اس نے بیوی کی گردن کو جھٹکا دے کر ایک طرف پھینک دیا اور خود ریوالور نکال کر ٹائیگر کی طرف تان لیا۔

"سُنو مسٹر ہیرو۔ یہ کسی فلم کا منظر نہیں ہے۔" ریوالور بدست آدمی غرّایا۔ "اب مجھے ایک اور خون کرنا پڑے گا۔"

"بڑے شوق سے۔۔۔" ٹائیگر نے مسکرا کر کہا اور عورت کی طرف دیکھا جو اب بھی تھر تھر کانپ رہی تھی۔

شوہر کا ریوالور والا ہاتھ اُٹھا ہُوا تھا اور ریوالور کی خوفناک آنکھ شہزاد کو گھور رہی تھی۔ کسی بھی لمحے اس سے موت کا شعلہ

کسی اژدھے کی زبان کی طرح لپکنے والا تھا۔ ٹائیگر کی پتلیاں سکڑ گئیں اور وہ اس شخص کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ خالی وہ شخص کچھ زیادہ ہی بے ضمیر تھا۔ ابھی تک اس کی ذہنی حالت نہیں بگڑی تھی۔ شہزاد کا دل اس کے خلاف نفرت سے بھر گیا۔

"اگر تم اب بھی اپنی بیوی سے معافی مانگ لو تو میں تمہیں معاف کر سکتا ہوں۔" ٹائیگر نے سرسراتی ہوئی آواز میں کہا۔

"ہنہ... معافی۔" وہ ہنس پڑا۔ "کیا تم اس کے کوئی چاہنے والے ہو؟ میں تمہیں جہنم رسید کر رہا ہوں، مسٹر! تمہیں اس وقت صرف اپنے بارے میں سوچنا چاہیے۔"

ٹائیگر نے کن انکھیوں سے عورت کی طرف دیکھا۔

وہ ایک بے حد معصوم سے چہرے والی عورت تھی۔ اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کا سیلاب امڈا تھا اور اس کے رخسار بھیگ گئے تھے۔ وہ اب بھی پیار بھری نظروں سے اپنے بے وفا شوہر کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں تڑپ اور شکایت کے گہرے تاثرات تھے۔ رفتہ رفتہ اس کا چہرہ کسی لاش کی طرح سپید پڑتا جا رہا تھا۔

اچانک ریوالور والے شخص کی انگلی ٹریگر پر دباؤ ڈالنے لگی۔

"گولی کا دھماکا دور دور تک سنائی دے گا۔ تم بچ کر نہیں نکل سکو گے۔" ٹائیگر نے سرسراتی ہوئی آواز میں اسے ایک بار پھر روکنے کی کوشش کی... اور اس بار وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا۔

وہ شخص تذبذب کا شکار ہو گیا تھا۔ اس کی آنکھوں سے بھن جھلکنے لگی تھی۔ اس کا چہرہ بتا رہا تھا کہ وہ اب بھی شہزاد کو گولی مارنے کے ارادے سے باز نہیں آیا بلکہ قدرے پس و پیش میں مبتلا ہو گیا ہے۔ ٹائیگر کی آنکھوں میں چمک بڑھ گئی۔ وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگا۔ وہ اس وقت اپنے پنجوں کے بل چل رہا تھا۔ اس کی چال کسی بلیے قاتل جیسی پُردار اور قابل دید تھی...

اور اس سے پہلے کہ حریف ٹائیگر کے ارادے سے آگاہ ہوتا، وہ کسی چیتے کی طرح اس پر جھپٹ پڑا تھا۔ ریوالور اس شخص کے ہاتھ سے نکل گیا... اور جب اس نے اپنے ہاتھ کی طرف دیکھا تو وہ بھی کلائی کے ساتھ موجود نہیں تھا۔ لمحے بھر کو اس کی آنکھیں پتھرا گئیں۔ شل بازو کی وجہ سے ابھی تک اسے تکلیف کا احساس نہیں ہوا تھا... اس نے اپنے گم شدہ ہاتھ کی تلاش میں اسی طرف نگاہ دوڑائی جدھر سے ریوالور گرنے کی آواز سنائی دی تھی... اور پھر جب اس کی نظریں اپنے ہاتھ پر جم گئیں تو اس کے ساتھ ہی آنکھیں خوف و دہشت سے پھیلتی چلی گئیں۔ کرب کی ایک چیخ اس کے حلق میں پیدا ہوئی لیکن ہونٹوں سے نکل نہ سکی۔ ٹائیگر کا ہاتھ بڑی تیزی سے اس کے دہانے پر جم گیا تھا۔

وہ شخص ہمدرد کس کی باہنوں میں جھول گیا۔

اس پر بے ہوشی طاری ہو گئی تھی۔

شوہر کو بے ہوش دیکھ کر اس کی بیوی تڑپ اٹھی۔ وہ تیزی سے آئی اور بے ہوش شوہر سے لپٹ گئی۔ اس کی آنکھوں سے اب بھی آنسو رواں تھے بلکہ وہ ہچکیوں سے رونے لگی تھی۔ ٹائیگر نے بے ہوش آدمی کو بستر پر لٹا دیا اور اس کی بیوی کا کندھا تھپتھپا کر بولا۔ "مجھے افسوس ہے... لیکن اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا۔"

"میں آپ کی شکر گزار ہوں جناب!" وہ ہچکیوں پر قابو پاتے ہوئے بولی۔ اس نے شوہر کا وہ بازو تھام رکھا تھا جس سے ہاتھ الگ ہو چکا تھا۔ "آپ نے میری جان بچائی ہے... لیکن یہ... یہ جاہل کا ہاتھ..."

"شاید اب یہ زندگی بھر تمہارا وفادار رہے۔" ٹائیگر نے کہا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ اس نے دروازہ کھولا اور پلٹ کر دیکھا۔ عورت اب بھی چھٹی چھٹی سی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

وہ دروازے سے باہر آ گیا اور اگلے ہی لمحے تیزی سے یوں سیڑھیاں اتر رہا تھا کہ اس کے پاؤں پائدانوں سے ٹکراتے دکھائی نہیں دے رہے تھے۔

ز

زاک نے ایک ٹیکسی پکڑی اور لائف لائن لیبارٹریز کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہ بے حد خوش تھا لیکن اس کی دھڑکنوں میں ایک عجیب سی بے چینی رچی ہوئی تھی۔ وہ اس بے چینی کا مفہوم اور اس کی وجہ سمجھنے سے قاصر تھا۔

مشرقی علاقے میں واقع اس بھوری سی عمارت کے سامنے وہ ٹیکسی سے اترا تو دھڑکنیں بڑی حد تک معمول پر آ چکی تھیں۔

لائف لائن لیبارٹریز کی صرف ایک کھڑکی میں ہلکی سی روشنی دکھائی دے رہی تھی۔ وہ ٹیکسی ڈرائیور کو کرایہ ادا کر کے ٹہلتا ہوا عمارت کے سامنے سے گزر گیا۔ اس دوران وہ جائزہ لے چکا تھا کہ عمارت میں کوئی متنفس موجود نہیں ہے۔ وہ گھومتا ہوا جھورے پتھروں کی اس عمارت کے عقبی حصے میں پہنچ گیا۔ اس طرف سے جائزہ لینے پر معلوم ہوا کہ عمارت میں ہنگامی حالات کے تحت بجنے والا خودکار الارم موجود نہیں ہے۔

وہ خاموش کھڑا اس سلسلے میں غور کرتا رہا۔

کسی ایسی عمارت میں الارم کی عدم موجودگی اس کے لیے باعث حیرت تھی۔ اسے معلوم تھا کہ صدر ریشانی کے خلاف لایا جانے والا انقلاب ناکام ہونے کے بعد شہر کی تمام اہم عمارتوں پر ایسے الارم لگا دیے گئے تھے جن کے بجنے کے صرف پندرہ منٹ کے اندر اندر پولیس وہاں پہنچ جاتی تھی۔

اس نے کندھے اچکا دیے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ ممکن ہے اس عمارت میں کوئی محافظ موجود ہو اس لیے انتظامیہ نے الارم لگوانے کی ضرورت ہی محسوس نہ کی ہو... اور آخری صورت یہی سمجھ میں آتی تھی کہ لائف لائن لیبارٹریز میں کوئی ایسی چیز موجود نہیں تھی جس کے چرائے جانے کا خدشہ رہا ہو اس لیے انتظامیہ نے الارم کے علاوہ نائٹ واچ مین کی بھی ضرورت محسوس نہیں کی۔ جب اس نے اپنی سوچ پر نظرثانی کی تو محافظ کی عدم موجودگی والا معاملہ اس کے حلق سے نہیں اتر سکا۔ محافظ کی موجودگی کا امکان ذہن میں آتے ہی وہ مسکرا دیا۔ اسے معلوم تھا کہ راتوں کو نگرانی کے فرائض انجام دینے والے کس قدر فرض شناس ہوتے ہیں۔ کچھ عرصے تک وہ خود بھی نائٹ واچ مین رہ چکا تھا اس لیے اسے پتہ تھا کہ ابتدائی رات شراب نوشی اور انتہائی رات سو کر گزارنا رات کے چوکیداروں کا شیوہ ہوتا ہے۔

جیب سے قفل شکنی کا آلہ نکال کر وہ تالے پر جھک گیا۔

عقبی دروازے کا تالہ کھولنے میں اسے چند سیکنڈ سے زیادہ نہیں لگے۔ بیرونی کھڑکیوں سے سڑک کی طرف سے آنے والی روشنی اس حد تک اندر پہنچ رہی تھی کہ اسے لیبارٹریز میں گھومتے ہوئے کسی دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔

وہ جس کمرے میں داخل ہوا تھا اس میں لمبی لمبی میزیں تھیں جن پر سائنسی سامان سجا ہوا تھا۔ میزوں سے قدرے ہٹ کر دیواروں کے ساتھ ساتھ چھوٹے بڑے پنجرے پڑے تھے۔ اچانک ایک تیز چیخ سن کر اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔

یہ ایک چوہے کی آواز تھی لیکن اس نے زندگی میں پہلے کبھی کسی چوہے کو اس انداز میں چیختے نہیں سنا تھا۔ اس نے چونک کر ان پنجروں کی طرف دیکھا۔ ان میں مختلف جانور بند تھے۔ غالباً ان جانوروں کو تجربات میں استعمال کیا جاتا تھا۔

زاک نے کوشش کی کہ نیم تاریکی میں ان پنجروں سے زیادہ قریب نہ جائے کیونکہ ان جانوروں پر بھی اعتماد نہیں کیا جا سکتا تھا۔ جس لیبارٹری کا چوہا اتنے خوفناک انداز میں چیخ سکتا ہے، اس کے جانوروں سے ہر مصیبت کی توقع کی جا سکتی ہے۔

وہ آہستہ آہستہ عمارت کے اس حصے کی طرف بڑھنے لگا جو سڑک کی جانب واقع تھا۔ راہ داری سے گزر کر جیسے ہی وہ اس کمرے کے قریب پہنچا جس میں روشنی ہو رہی تھی تو وہ رک گیا۔ غالباً اسی کمرے کی کھڑکی کو اس نے باہر سڑک سے روشن دیکھا تھا۔ وہ دیوار کے ساتھ چپک کر کھڑا ہو گیا۔

دیوار کے ساتھ آہستہ آہستہ آگے بڑھتے ہوئے اسے سب سے پہلے ایک میز دکھائی دی۔ اس میز پر دو انسانی ڈھانچے آڑھے ترچھے پڑے تھے اور پھر نیلی پتلون کے پائنچے نظر آ گئے۔ جوتوں کے قریب ہی ایک بوتل بھی دکھائی دی جو آدھے سے زیادہ خالی ہو چکی تھی۔

اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

وہ اپنے اندازے کی درستی پر خود کو شاباش دے رہا تھا عمارت میں رات کا نگران موجود تھا لیکن اس نے اتنی شراب پی لی تھی کہ اسے تن من کا بھی ہوش نہیں رہ گیا تھا۔ یہ بات وہ اس کے ان پیروں کو دیکھ کر آسانی سے محسوس کر سکتا تھا جنہیں نگران نے میز پر رکھا ہوا تھا۔

واپسی راہ داری میں آ کر اس نے پہلے کمرے کی کھڑکیوں کے شیڈ گرا کر روشنی کر دی۔ اب باہر سے روشنی کا پتہ نہیں چل سکتا تھا اور نگران کے لیے اپنے کمرے سے براہ راست اس کمرے کی طرف دیکھنا ممکن نہیں تھا۔ زاک نے سوچا کہ اگر اس نے نگران کی خفیف سی بھی آہٹ سنی تو آسانی سے فوراً ہی روشنی بجھا سکتا ہے۔

لیبارٹری کے کمرے میں روشنی کر کے اس نے ادھر ادھر دیکھا تو حیران رہ گیا۔ یہ جگہ کسی چڑیا گھر سے کم نہیں تھی۔ دیواروں کے ساتھ ساتھ جتنے بھی پنجرے رکھے ہوئے تھے ان سب میں جانور موجود تھے۔ چوہے، بلیاں، بندر، چھپکلیاں اور ایسے ہی ان گنت جانوروں سے پنجرے بھرے ہوئے تھے۔ ان کے علاوہ وہاں ایسے پیمانے بھی دکھائی دیے جن میں کیڑے مکوڑے رکھے گئے تھے۔

کوپر نے انہیں ان جانوروں اور کیڑے مکوڑوں کے بارے میں تفصیل سے بتا دیا تھا لیکن وہ روشنی کر کے انہیں خود اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتا تھا۔ اس کی شکی طبیعت کی اسی طرح تسکین ممکن تھی۔

اس کی گھومتی ہوئی نگاہ ایک ایسے شوکیس پر جم گئی جس کے شیشے پر سیاہ رنگ کیا گیا تھا۔ اس شوکیس کے سامنے شیشے میں ایک آئی پیس لگا ہوا تھا جس سے جھانک کر اندر موجود اشیا دیکھی جا

سکتی تھیں۔ زاک اس شوکیس کے سامنے جا ٹھہرا ہُوا اور پھر اس نے جُھک کر اپنی پیس سے اپنی ایک آنکھ لگا دی۔ اندر ایک فش ٹینک بنا ہوا تھا، جس میں اُسے دو سفید چُوہے نظر آئے۔ یہ چُوہے بے قراری کے عالم میں اِدھر سے اُدھر دوڑتے پھر رہے تھے۔ زاک نے جو بلب روشن کیا تھا، وہ اس شوکیس کے بالکل اُوپر تھا، اس کی تیز روشنی میں یہ چُوہے صاف دکھائی دے رہے تھے اور غالباً اُن چُوہوں کی بھاگ دوڑ کا باعث بھی یہ روشنی ہی تھی۔

وہ کانپ گیا۔ گوپرنے اُسے جو کچھ بھی بتایا تھا، اگر وہ سب کچھ دُرست تھا تو... اس نے فوراً ہی یہ خیال ذہن سے جھٹک دیا اور سوچ آف کر کے کمرے میں اندھیرا کر دیا۔ راہ داری میں اب بھی سامنے والے کمرے سے اتنی روشنی آ رہی تھی کہ وہ شوکیس میں موجود چُوہوں کا جائزہ لے سکتا تھا۔

اس کی آنکھ ایک بار پھر ٹی پیس سے لگ گئی۔

روشنی بجھتے ہی اس نے دیکھا کہ دونوں سفید چُوہے شوکیس کے ایک کونے میں دُبک گئے ہیں لیکن وہ چیخ رہے تھے اور ان کے بدن پر کپکپی سی طاری محسوس ہوتی تھی۔ اُسے حیرت ہوئی کہ چُوہے تاریکی میں خوف زدہ بھی ہو سکتے ہیں۔ یہ بات اُسے گوپر نے بتائی تھی لیکن اُسے یقین نہیں آیا تھا... اور اب وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا کہ سفید چُوہے تاریکی کے باعث خوف زدہ ہو کر کانپ رہے تھے اور ان کے حلق سے عجیب عجیب آوازیں بھی نکل رہی تھیں...

"ہاں... مسٹر زاک! یہ چُوہے تاریکی سے خوف زدہ ہیں۔" عقب سے ایک آواز سنائی دی اور وہ بُری طرح اُچھل پڑا اس کے ساتھ ہی کمرہ روشنی میں نہا گیا تھا۔

اس نے تیزی سے پلٹ کر دیکھا۔ یکایک روشنی ہو جانے کی وجہ سے اس کی آنکھیں چندھیا گئی تھیں۔ وہ آواز کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کمرے سے ملحق ایک دروازہ کھلا ہُوا تھا اور اس کے فریم میں ایک عورت کسی قدِ آدم تصویر کی طرح ساکت کھڑی اُسے گھور رہی تھی۔

زاک نے اپنی پُوری زندگی میں اتنی حسین عورت نہیں دیکھی تھی۔ اس کے بال سُرخ رنگ کے تھے اور روشنی میں پکتے ہُوئے شعلوں کی طرح لگ رہے تھے۔ عورت کی جلد کی رنگت دیکھ کر اُسے پہلی بار پتہ چلا کہ گلابی رنگت کتنی دلفریب ہوتی ہے۔ وہ ہلکے پُھلکے کپڑے زیبِ تن کیے ہُوئے تھی اور ان کپڑوں میں اس کا حُسن مزید بڑھ گیا تھا۔ وہ اس کی طرف دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔ اگر کوئی ایسی ہی عورت ماہر بازار میں اس کی طرف دیکھ کر مسکرائی ہوتی تو شاید اس کا دل مارے خوشی کے جھوم اُٹھا ہوتا... لیکن اس وقت وہ ایک چور کے رُوپ میں رنگے ہاتھوں پکڑا گیا تھا۔

اچانک زاک کی نگاہ ایک اور چیز پر پڑی۔

یہ ایک چھوٹا سا ریوالور تھا، جو اُسی عورت کے دائیں ہاتھ میں دبا ہُوا تھا اور اس کا رُخ زاک کے سینے کی طرف تھا۔ اس ریوالور کی موجُودگی میں عورت کے حُسن کا سارا لُطف زاک کے دل و دماغ سے ڈھل گیا اور اس کی ریڑھ کی ہڈی میں ہلکی سی سنسناہٹ پیدا ہونے لگی۔

"تم میرا نام کیسے جانتی ہو؟" زاک نے پہلا سوال کیا۔

عورت نے اس کا سوال نظر انداز کر دیا اور بڑے ہی سرسری لہجے میں بولی: "ہمارے پاس ان چُوہوں کے علاوہ ایسے بھی چُوہے ہیں جو دُوسری چیزوں سے خوفزدہ ہو جاتے ہیں۔ صرف چُوہے ہی نہیں، دیگر جانور بھی ہیں۔ جن کی خصلت ہمارے تجربات کی وجہ سے بدل چکی ہے۔ ہم جانوروں کو اپنی مرضی کے مُطابق ڈھالنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتے، مسٹر زاک۔"

زاک نے اثبات میں سر ہلا دیا جیسے وہ اس کی بات کو سمجھ رہا ہو۔ یہ عورت اسے جو کچھ بھی بتا رہی تھی، گوپر نے یہ باتیں اُسے سرسری طور پر وقت بتا دی تھیں۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کاش اُسے اُن جانوروں کے بارے میں کچھ اور بھی معلوم ہوتا۔ گوپر نے اُسے بتایا تھا کہ مختلف پروٹین ان جانوروں کے دماغوں میں انجیکٹ کر دیے جاتے ہیں اور اُنھیں ان کی فطرت کے خلاف اشیا سے خوف زدہ ہونے پر مجبور کر دیا جاتا ہے۔ اس بات پر زاک کو یقین نہیں آیا تھا اور اب بھی اُسے یقین کرنے میں تامل تھا حالانکہ وہ اپنی آنکھوں سے سب کچھ دیکھ رہا تھا۔

"تم میرا نام کیسے جانتی ہو؟" زاک نے اپنا سوال دُہرایا۔

"اور کیا تم بتانا پسند کرو گے، مسٹر زاک کہ تمھیں کس چیز سے خوف آتا ہے؟" عورت نے دُوسری بار بھی اس کا سوال نظر انداز کر دیا۔ یُوں لگتا تھا جیسے وہ اس کی بات سُن ہی نہ رہی ہو... بلکہ اس کا ذہن پڑھنے میں مصروف ہو۔ اس کے بھرپُور ہونٹوں پر ابھی تک مسکراہٹ رقص کر رہی تھی جیسے یہ مسکراہٹ ہونٹوں پر چپک کر رہ گئی ہو۔ اس کے ہونٹ یُوں چمک رہے تھے جیسے اس نے اُنھیں حال ہی میں زبان پھیر کر گیلا کیا ہے۔ اس کی آنکھوں میں ویسا ہی خوفناک تاثر تھا، جیسا کہ ریوالور کی بینائی سے محروم آنکھ سے محسوس ہو رہا تھا۔

"کسی چیز سے نہیں، خاتون!" زاک نے ٹھوس لہجے میں کہا۔ "میں کبھی خوف زدہ نہیں ہوتا۔ تمھارا نظریہ بالکل دُرست ہے۔ میں بھی لاپرواؤں کو قابلِ رحم سمجھتی ہوں۔" رفتہ رفتہ اس کے لبوں سے مسکراہٹ ڈھلتی جا رہی تھی۔

ں ہاتھ لہرایا اور عقب کے اسی دروازے کی طرف پلٹ گیا ے وہ لیبارٹری میں داخل ہُوا تھا۔ اس کی حسیات تیزی سے ہری تھیں اور وہ کسی بھی ممکنہ عقب سے ریوالور کی گولی چلنے کا انتظار کر رہا تھا۔

... لیکن عقب سے کوئی آواز نہیں آئی۔

عورت نے گولی نہیں چلائی تھی۔

اس نے دروازے کی ناب تھام لی اور اُسے گھما کر دروازہ کھول دیا۔ دروازہ تو کھل گیا لیکن وہ باہر نہیں جا سکا کیونکہ دروازے کے سامنے دو آدمی کھڑے تھے۔ یہ غیر معمولی جسامت والے آدمی تھے۔

انھوں نے لیبارٹری میں کام کرنے والوں جیسا لباس پہن رکھا تھا۔

اس سے پہلے کہ وہ وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہوتا، ان میں سے جسیم آدمی آگے بڑھے اور اُنھوں نے زاک کو دونوں بازوؤں سے اپنی گرفت میں لے لیا۔ پھر اُنھوں نے اُسے گھما کر اس سمت کے دروازے کی طرف دھکیل دیا۔ وہ اب بھی ریوالور والا ہاتھ زاک کی طرف اٹھائے ہوئی تھی اور اس کی مسکراہٹ میں بھی کسی تبدیلی کا احساس نہیں ہوتا تھا۔ وہی کھلی کھلی سی مسکراہٹ اس کے مرطوب لبوں سے چپکی ہُوئی تھی۔

زاک اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

وہ ایک مضبوط اور بڑے دل گردے والا آدمی تھا۔ اگرچہ اس کا دل گھبرا چکا تھا لیکن اس کے انداز سے ذرا بھی گھبراہٹ نہیں جھلک رہی تھی بلکہ یُوں لگ رہا تھا جیسے وہ اس صُورتِ حال سے لطف اندوز ہو رہا ہو۔ حسین عورت نے اپنا ریوالور اس بیگ میں رکھ لیا جسے اس نے لیبارٹری کی ایک میز پر رکھا ہُوا تھا۔

"ہاں تو تم کہہ رہے تھے کہ تمھیں کسی چیز سے ڈر نہیں لگتا، مسٹر زاک!" عورت نے بدستور مسکراتے ہُوئے کہا۔ "میں تمھارے اس دعوے کی اصل پر پُورا اترتے دیکھنا چاہتی ہُوں۔"

"اور میں نے تم سے دو بار یہ سوال کیا تھا کہ تمھیں میرا نام کیسے معلوم ہُوا؟" زاک نے بے خوفی سے پُوچھا۔

"تمھیں اپنے دوست گوپر کو نہیں بھولنا چاہیے۔" عورت بولی۔ "اس سلسلے میں کچھ لاپرواہ ثابت ہُوا ہے۔"

زاک نے افسوس کے اظہار میں سر کو منفی جنبش دیتے ہُوئے کہا۔ "میں لاپرواہ لوگوں سے شدید نفرت کرتا ہُوں۔"

عورت نے تائید میں گردن ہلا دی۔ "تمھارا نظریہ بالکل دُرست ہے۔ لاپرواہی کا دُوسرا نام موت ہے۔ میں بھی لاپرواہی کو قابلِ سزا سمجھتی ہُوں۔" رفتہ رفتہ اس کے لبوں سے مسکراہٹ ڈھلتی جا رہی تھی۔

دونوں جسیم آدمی زاک کو دھکیلنے لگے۔ وہ اُسے ایک چھوٹے سے دفتر میں لے گئے۔ یہاں فائلیں رکھنے کی دو الماریاں رکھی ہوئی تھیں۔ ایک بُک شیلف پر لگے ہُوئے بٹن کو دبایا گیا تو فائل رکھنے کی ایک الماری اپنی جگہ سے کھسک گئی۔ الماری ہٹتے ہی ایک دروازہ دکھائی دینے لگا۔ اس دروازے سے تہ خانے میں اُترنے والے زینے صاف دکھائی دے رہے تھے۔

"ہر من! سب ٹھیک ہے۔" عورت کی آواز عقب سے سنائی دی۔

"بہت خُوب ڈاکٹر گلیڈ اسٹون!" ایک بھاری آواز، زاک کی سماعت سے ٹکرائی۔ یہ مردانہ آواز دُوسرے کمرے سے آئی تھی اور اس شخص نے عورت کو ڈاکٹر گلیڈ اسٹون کہا تھا۔

زاک سمجھ گیا کہ یہ اُسی نگران کی آواز ہے، جس کے پاؤں اس نے میز پر رکھے ہُوئے دیکھے تھے اور یہ سمجھا تھا کہ وہ نشے میں دُھت ہے۔ اس شخص کی آواز میں ذرا سی بھی لڑکھڑاہٹ نہیں تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ نشے میں نہیں تھا۔ اب زاک کی سمجھ میں یہ بات بھی آ گئی تھی کہ اُسے باہر سے الارم کے تاروں کو دکھائی نہیں دیے تھے۔ الارم کو خاص طور سے وہاں سے ہٹا دیا گیا تھا۔ گویا اس کے لیے جال بچھایا گیا تھا اور وہ اس جال میں آ گرا تھا۔

وہ ایک طویل سانس لے کر رہ گیا۔

اس صُورتِ حال کی اُسے ہرگز توقع نہیں تھی۔ کم از کم وہ یہ تو قطعاً نہیں سوچ سکتا تھا کہ گوپر اس کا نام تک بتا دے گا۔ اُسے افسوس ہونے لگا کہ وہ کسی چُوہے کی طرح اَن کے نرغے میں پھنس گیا ہے۔ ان لوگوں نے جس انداز میں منصُوبہ بندی کی تھی، اس سے بچ نکلنے کا بالکل امکان نہیں تھا لیکن زاک کو کم از کم یُوں آسانی سے ان کے جال میں نہیں گرنا چاہیے تھا... اور اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ کسی پر اعتماد کرنے کا عادی نہیں تھا۔ اس نے پہلی بار کسی اجنبی کی باتوں پر اعتبار کیا تھا اور اب اُسے اس غلطی کا خمیازہ بھگتنا تھا۔

وہ حیران تھا کہ یہ لوگ اُسے تہ خانے میں کیوں لے جا رہے ہیں...

... اور وہ ہاں ہے جا کر اس کے ساتھ کیا سلُوک کیا جائے گا؟

"ڈاکٹر گلیڈ اسٹون..." اس نے زیرِ لب کہا۔ آواز اتنی دھیمی تھی کہ قریب کھڑا شخص بھی سمجھ نہ پایا ہوگا کہ اس نے کیا کہا تھا... لیکن معلوم ہوتا تھا کہ ڈاکٹر گلیڈ اسٹون کی سماعت غیر معمولی تھی۔

"میرا نام تمھیں پسند آیا، مسٹر زاک!" اس کی آواز عقب سے سُنائی دی۔

"جس کسی نے بھی تمھارا نام رکھا ہے، میں اس کی ذہانت کا قائل ہو گیا ہُوں۔" زاک نے زہر خند سے کہا۔ "یقیناً وہ ہستی ہیبتی

کی فتوحات سے مالا مال رہی ہوگی۔ اس نے پہلے روز ہی تحفیں پرکھ لیا تھا۔ اسٹون... اور... گلیڈ۔ واہ۔ واقعی بڑا پُرکشش نام ہے۔"

"میں تمہارے ان پسندیدگی کے تاثرات پر تمہارا شکریہ ادا کرتی ہوں، مسٹر زاک۔" ڈاکٹر نے جواب دیا۔

"چلو... اب باقی باتیں تم سے نہیں چل کر ہوں گی۔" ایک شخص نے اس کا بازو تھام کر سامنے دروازے کی طرف دھکیل دیا۔

زاک کا جی چاہا کہ اس کی کنپٹی پر ایک ایسا گھونسہ رسید کرے کہ مغز بہہ نکلے۔ اُسے بلاوجہ کی طاقت آزمائی پسند نہیں تھی ورنہ وہ اپنی یہ خواہش ضرور پوری کر لیتا۔ وہ خود کو نارمل رکھنے کی کوشش کر رہا تھا کیونکہ حالات اس کے لیے ناقابل فہم تھے... اور وہ کسی بھی ناقابل فہم صورت حال کو قطعی پسند نہیں کرتا تھا۔ ایسے حالات میں سوائے خود کو بہاؤ پر چھوڑ دینے کے اور کوئی چارہ نہیں ہوتا۔ اس نے بھی خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دیا۔

دروازے سے گزر کر وہ زینے پر پہنچ گیا۔

ان گنت زینے نیچے تک چلے گئے تھے۔

آخری زینہ تاریکی میں ڈوبتا محسوس ہو رہا ہے۔

وہ آہستہ آہستہ نیچے اترنے لگا۔ ہر قدم پر اُسے نہ جانے کیوں ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ وہ ایک ایسے کنوئیں میں اتر رہا ہے، جہاں سے واپسی ناممکن ہوگی۔ لیکن وہ بے بس تھا۔ اس نے اوپر دیکھا ہی نہیں تھا کہ جائزہ لے لیا تھا کہ فرار کا مطلب فوری موت کے علاوہ کچھ نہیں ہوگا۔ فرار کے لیے اُسے انتظار کرنا چاہیے۔ اسی نظریے کے تحت وہ آہستہ آہستہ سیڑھیاں اترتا جا رہا تھا۔

جب وہ اس زینے تک پہنچا، جو تاریکی میں ضم ہوتا محسوس ہو رہا تھا تو اچانک ہی چاروں طرف روشنی پھیل گئی۔ عقب میں کسی نے روشنی کے لیے سوئچ آن کیا تھا یا پھر اس زینے کا میکنزم خود کار تھا کہ اس پر بوجھ پڑتے ہی آس پاس روشنی پھیل جاتی تھی۔

تہ خانہ خاصا وسیع و عریض تھا۔

اس میں کمرے بنے ہوئے تھے اور ان کمروں کے دروازے دیکھ کر احساس ہوتا تھا کہ وہ قدیم زمانے کے کسی قید خانے میں قدم رکھ رہا ہے۔ تمام دروازے بند تھے۔ ایک جسیم آدمی نے بڑھ کر ایک آہنی دروازہ غیر مقفل کر کے کھول دیا اور دوسرے آدمی نے زاک کی پشت پر ایک ٹھوکر رسید کر دی۔

وہ لڑکھڑا کر اس کمرے میں پہنچا تو دوسری ٹھوکر نے عقب میں دروازہ بند کر دیا تھا۔ زاک نے ایک طویل سانس لی۔ وہ تہ خانے میں چاروں کھونٹے کی آواز سن رہا تھا جس کمرے میں اُسے پھینکا گیا تھا، وہاں دو آہنی چارپائیاں پڑی تھیں اور ان میں سے ایک چارپائی پر گورپر بیٹھا تھا۔

گورپر کی آنکھیں یوں پھیل کر منجمد ہو گئی تھیں جیسے پھٹ کے بعد انھیں دوبارہ سکڑنے کا موقع ہی نہ ملا ہو۔ زاک کی نگاہ اگر پڑی تو وہ غصے سے مٹھیاں بھینچ کر آگے بڑھا اور غرّانے لگا۔ "تم مجھے اعتماد کرنے کا اچھا صلہ دیا۔"

گورپر نے کوئی جواب نہیں دیا۔

وہ اب بھی اُسے پھٹی پھٹی سی آنکھوں سے گھور رہا تھا۔

اچانک دروازہ کھلا اور ڈاکٹر گلیڈ اسٹون اندر آ گئی۔ دو جسیم آدمی دروازے میں کھڑے تھے۔ ڈاکٹر کے ہونٹوں پر اب وہ پُرکشش مسکراہٹ تھی۔ اس کے ہاتھ میں ایک سرنج تھی۔ اس نے پہلے زاک کچھ سمجھا، ڈاکٹر نے وہ سرنج اس کی گردن میں چبھو دی اگلے ہی لمحے وہ بے ہوش ہو کر گر گیا تھا۔

★★★

اسکوما کے صدر شیتانی کے محل سے واپسی پر بہرام اُوشان اس کے ساتھ تھے۔ بہرام واپس جانے کے لیے پین تھا لیکن صدر شیتانی کی درخواست اور بے پناہ اصرار پر مجبور ہو گیا تھا۔ صدر مملکت نے اس سے ذاتی طور پر استدعا کی تھی کہ جب تک نیمراف کا قصہ پاک نہیں ہو جاتا، وہ واپس نہ جائے۔ بہرام نے صدر کو سمجھانے کی بہت کوشش کی کہ ٹائیگر اور اُوشان کی موجودگی میں، اس کا یہاں موجود رہنا ضروری نہیں لیکن شیتانی نے اس کی ایک نہیں سُنی۔ وہ بہرام کی واپسی کے اصرار پر اتنا سوگوار ہو گیا تھا کہ بہرام ہونٹ کاٹ کر رہ گیا۔

محل میں دوپہر کے کھانے کے بعد وہ دارالحکومت کی ایک سڑک پر اُس ہوٹل کی طرف جا رہے تھے، جہاں آج کل ٹائیگر کا قیام تھا۔

"تم دونوں نے نیمراف کو زندہ چھوڑ کر بہت بڑی غلطی کی تھی۔" بہرام بڑبڑانے لگا۔ شہزاد نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"مجھ سے کچھ کہا، سویٹ ہارٹ؟" وہ خوش دلی سے بولا۔

"میں پوچھتا ہوں تم دونوں نے نیمراف کو زندہ کیوں جانے دیا تھا۔" بہرام کا موڈ کافی بگڑا ہوا تھا۔

ہر شخص اپنی سانسیں پوری کرنے کے بعد ہی مرتا ہے، بہرام۔" اُوشان بولا۔

"میں فلسفہ نہیں سُننا چاہتا۔" بہرام غرّایا۔

"تو پھر میری ہی ایک بات سُن لیجیے۔" ٹائیگر نے نرمی سے کہا۔

"کہو، کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"میں تو ان حالات میں ایک ہی بات کہا کرتا ہوں۔" ٹائیگر نے ایک سرد آہ بھرتے ہوئے کہا۔ "جس عورت کے چہرے پر ان گنت بھورے بھورے تل نہیں ہوتے ان کی مثال ایک ایسی رات جیسی ہوتی ہے، جب ستارے میں نکلتے۔"

"شٹ اپ۔" بہرام کا موڈ مزید خراب ہو گیا۔ "مجھے یوں محسوس ہونے لگا ہے، جیسے میری باقی ماندہ زندگی اف کا معاملہ نمٹانے میں ہی گزر جائے گی اور ہم کبھی یہاں سے کہیں اور نہیں جا سکیں گے۔"

"یہاں سے دل تو میرا بھی اُچاٹ ہو گیا ہے۔" ٹائیگر نے دھیمی آواز میں کہا۔ "ہر طرف کالک ہی کالک دکھائی دیتی ہے۔ چیف! کیوں نہ کوئلوں کی اس دلالی میں مُنہ کالا کرتے ہی بجائے، چپکے سے نکل چلیں۔ صدر محترم اور اُن کے تھی یہی سمجھ کر صبر کر لیں گے کہ نیمراف نے ہمیں ٹھکانے دیا ہے۔"

"تمہاری اخلاقی حالت دن بہ دن تباہ ہوتی جا رہی ہے۔" ان سیاہ فاموں میں کچھ دن اور گزر گئے تو میرا اخلاق سیاہ ہو جائے گا۔" ٹائیگر نے ناگواری سے کہا اور دل دل میں ایک زوردار قہقہہ لگایا۔ وہ بہرام اور اُوشان کو وقت بھڑکانے میں مصروف تھا۔ ذاتی طور پر وہ ان فاموں سے بے حد محبت کرتا تھا اور اس کے نزدیک انیت سیاہ یا سفید رنگوں سے کہیں بلند و بالا تھی۔ اگر ایسا ہوتا تو وہ شاید اسکوما آنے کے بعد یہاں ایک روز بھی نہ کرتا۔ یہاں اس نے اپنی زندگی کے بعض ایسے دن گزارے تھے جن کے بارے میں اُسے کچھ یاد نہیں سُنی سُنائی باتوں سے وہ اس صورت حال کا اندازہ کا سکتا تھا کہ کنپٹی کو چھوتی ہوئی گولی نے اس کی یادداشت ن لی تھی اور وہ جن لوگوں کو ٹھکانے لگانے آیا تھا، وہی ماتھی بن بیٹھا تھا... لیکن محض اندازہ لگانے سے دلی ن نہیں ہوتی تھی اور اُسے ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے اس کی زندگی کا وہ وقفہ کہیں کھو گیا ہو۔

اسے توقع تھی کہ سیاہ فاموں کے بارے میں اس کی خیال آرائی اُوشان کو آگ لگا دے گی اور وہ غصے میں بڑی ہی دلچسپ بک جھک کرے گا لیکن ایسا نہیں ہوا اس نے ترچھی نگاہ سے اُوشان کی طرف دیکھا۔ وہ مسکرا رہا تھا ٹائیگر نے ایک طویل سانس لی۔

وہ سمجھ چکا تھا کہ اس نے دل ہی دل میں جو قہقہہ لگایا تھا، اس کا چیف اُسے نہیں محسوس کر سکا لیکن اُوشان نے اسے بالکل اسی طرح سُنا ہوگا جیسے اس نے واشی زر قہقہہ لگایا ہو۔

"پروا نہ کیجیے، چیف!" وہ یکایک سنجیدہ ہو گیا۔ "نیمراف کا آخری وقت اب زیادہ دُور نہیں ہے۔ بہت جلد میں اس کی فاتحہ خوانی کے لیے آپ کو دعوت نامہ بھجواؤں گا۔"

"ہُنہہ! فاتحہ خوانی کے لیے دعوت نامہ بھجوا دوں گا۔" بہرام کی غراہٹ میں دلی غم و غصہ گھلا ہوا تھا۔

شہزاد نے کار ہوٹل کے سامنے روک دی۔

اُوشان سب سے پہلے اُترا۔ وہ اپنے لمبے لبادے میں اور اپنی مخصوص چال ڈھال کے ساتھ سیاہ فاموں کے لیے بڑی کشش رکھتا تھا۔ اس وقت بھی ہوٹل کے باہر چند غیر ملکی اور تین چار سیاہ فام کھڑے تھے۔ سیاہ فاموں نے اُسے دیکھتے ہی عقیدت سے سر جھکا لیے تھے جب کہ غیر ملکیوں کی نگاہوں سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ اُسے دُنیا کا آٹھواں عجوبہ سمجھ رہے ہیں۔

"چیف!" ٹائیگر نے دھیمی آواز میں کہا۔ "اگر اس ملک سے جلدی جان چھوٹ گئی تو یہاں سے سیدھے امریکا چلیں گے۔"

"کیا مطلب؟" بہرام چونک پڑا۔

"اور وہاں چل کر اپنا ایک سرکس بنائیں گے۔" ٹائیگر جھونک میں بولتا رہا۔ اس کی نگاہ اُوشان پر جمی ہوئی تھی لیکن اُوشان نے پلٹ کر دیکھنے کی بھی کوشش نہیں کی۔

"اُوشان...۔" ٹائیگر نے اُسے عقب سے پکارا۔ "ذرا ایک منٹ کے لیے رُکنا۔"

وہ رُک گیا اور ساکت پتلیوں سے ٹائیگر کو گھورنے لگا۔ "کیا بات ہے؟" اس بار اُس کا لہجہ پھاڑ کھانے والا تھا۔

"میں ذرا یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ کہیں آپ کے سر میں جوؤں کا اسٹاک ختم تو نہیں ہو گیا۔"

"آج تمہاری زبان قینچی کیوں بنی ہوئی ہے؟" بہرام نے

اُسے ڈانٹ دیا۔

"یقیناً اُوشان کا سر جوؤں سے پاک ہوگیا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو اب تک میری باتوں سے تین چار جوئیں تو ہر حال میں رینگ چکی ہوتیں۔"

یکایک اُوشان چونک پڑا۔

وہ کڑے تیوروں سے شہزاد کو گھورنے لگا تھا۔

"کیا بات ہے، ٹِل فادر؟" ٹائیگر نے مسکرا کر پوچھا۔

"تم آج صبح کتنے بجے سو کر اُٹھے تھے؟"

"تین بج کر دس منٹ پر۔"

"بکواس مت کرو۔ تم نے آج صبح مشق نہیں کی۔"

ٹائیگر کی جان ہی تو نکل گئی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اُوشان کو یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ اس نے صبح مشق نہیں کی تھی۔ رات وہ جس ہنگامے میں ملوث ہوگیا تھا اس نے ٹائیگر کا ذہن کافی متاثر کر دیا تھا۔ وہ عورت اپنی آنسو بھری آنکھیں لیے بار بار اس کے خوابوں میں گھس آتی تھی جس کی جان بچانے کے لیے وہ اس کے شوہر سے اُلجھ گیا تھا اور بالآخر وہ شخص اس کے ہاتھوں اپنا ایک ہاتھ گنوا بیٹھا تھا۔ رات بھر خوابوں میں ٹائیگر کو وہ عورت ستاتی رہی اور اسے یوں محسوس ہوتا رہا جیسے وہ اس سے اپنے شوہر کے ہاتھ کا تقاضا کر رہی ہو۔

"ٹِل فادر... دراصل میں..." وہ ہکلا کر وضاحت کرنا چاہتا تھا کہ اُوشان نے جھڑک دیا۔

"تم دن بہ دن بے پروا ہوتے جا رہے ہو۔ آج تمھیں چار گھنٹے تک پیٹ کی ورزش کرنا پڑے گی۔ تمھارا معدہ کچھ ٹھیک معلوم نہیں ہوتا۔"

"میں اپنی زندہ دلی پر نادم ہوں، ٹِل فادر۔" وہ مضحکہ خیز انداز میں رو دینے کو تھا لیکن اُوشان جو سزا سُنا چکا تھا اس پر عمل ہونا ناگزیر تھا۔ وہ ہانپ کر رہ گیا۔ اپنی تمام تر مشقوں میں اُسے صرف پیٹ کی ورزش سے چڑ تھی... لیکن اب کیا ہو سکتا تھا۔ اُوشان کا کہا ہُوا پتھر پر لکیر ہُوا کرتا ہے۔ یہ بات اُسے اچھی طرح معلوم تھی۔ غالباً اسی وجہ سے 'اپنے کرتے' میں پہنچنے تک اس کی زبان سے ایک جملہ بھی نہیں نکلا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اُوشان اس کی حالت پر دل ہی دل میں ہنس رہا ہے... لیکن وہ تو پیٹ کی چار گھنٹے تک ہونے والی ورزش کے خیال سے ہلکان ہُوا جا رہا تھا، اُوشان کے ان قہقہوں پر بھلا کیا توجہ دیتا۔

وہ یقین سے نہیں کہہ سکتا تھا کہ کتنی دیر بے ہوشی کی حالت میں مبتلا رہا ہے.... لیکن جب اُس کی آنکھ کھُلی تو اُسے کچھ دکھائی نہ دیا۔ آہستہ آہستہ اس کے حواس کام کرنے لگے تو اُسے پتہ چلا کہ اُس کے ہاتھ اُو پاؤں بندھے ہوئے ہیں... اور آنکھ کھُلنے کے باوجود، وہ اس لیے دیکھنے کے قابل نہیں رہا کہ اُس کی آنکھوں پر ایک مضبوط پٹی بندھی ہوئی تھی۔

اچانک اُسے اپنی اُنگلیوں کی پوریں دُکھتی محسوس ہونے لگیں۔

رفتہ رفتہ پوروں کی تکلیف بڑھتی گئی۔

اُس نے انگوٹھے کو حرکت دی تو اُس میں تکلیف کا احساس نہیں ہُوا۔ گویا اُس کا انگوٹھا سلامت تھا... لیکن انگلیوں کی پوریں کیوں دُکھ رہی ہیں؟ وہ حیرت سے سوچے بغیر نہ رہ سکا۔ تب اُس نے انگوٹھے کی پور سے باقی پوروں کو چھُوا تو اُس کے حلق سے ایک چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔

اُس کا انگوٹھا کسی گاڑھے سیال سے لتھڑ گیا تھا۔

اُسے یہ سمجھتے میں دیر نہ لگی کہ اُس کی پوروں سے کھال ہٹا دی گئی ہے اور اُس کا انگوٹھا اپنے ہی خون سے لتھڑا ہوا ہے۔ اُسے جو گرم گرم سا لجلجا پن اپنی پوروں کو چھونے سے محسوس ہوا تھا، وہ خود اُسی کا گوشت تھا۔

اچانک ایک نئے احساس نے اُس کے ذہن پر چُونا نوک ہتوڑا۔

پوروں کی تکلیف بھُول کر وہ اس نئے احساس میں ڈوب گیا۔ کوئی چیز اس کے لاشعور کو چھیڑ کر تکلیف میں مبتلا کر رہی تھی اور اس تکلیف کے باعث اس کا لاشعور خوف میں مبتلا ہو رہا تھا۔

شعور سے خارج ہونے والی ان خوف کی لہروں نے اس کے شعور کو بھی متاثر کرنا شروع کر دیا۔ ٹراک زندگی میں کسی بھی چیز سے کبھی خوف زدہ نہیں ہُوا تھا۔ اس نے ڈاکٹر گیلڈاسٹون سے غلط نہیں کہا تھا... لیکن اب تو یوں محسوس ہونے لگا تھا جیسے دہشت کی ایک سرد لہر اس کی ریڑھ کی ہڈی ہی کو نہیں سنسنا رہی بلکہ اس کی رُوح تک کو کچھ کے لگا رہی ہو۔

اُسے موٹر بوٹ کے انجن کی گڑگڑاہٹ سنائی دے رہی تھی۔ واضح... اور... تیز۔

پانی کے تھپیڑے موٹر بوٹ کے پہلوؤں سے ٹکرا کر بڑی خوفناک آوازیں پیدا کر رہے تھے۔ وہ اپنی زندگی کے چار سال نیوی میں بھی گزار چکا تھا اور اُسے کبھی سمندری بخار نہیں ہُوا تھا کیونکہ اُس کی صحت بہت اچھی تھی اور وہ عام لوگوں کی طرح کسی بھی چیز کا تاثر قبول نہیں کرتا تھا۔

آج اُسے متلی محسوس ہو رہی تھی۔ کوئی چیز گولے کی شکل میں اُس کے معدے سے بار بار اُٹھ کر حلق کی طرف سفر کرتی تھی اور وہ تھوک نگل کر اسے واپس کر دیتا تھا۔ ٹراک کانپ گیا۔ اُسے پتہ چل گیا تھا کہ اگر وہ اس گولے کو معدے میں برقرار رکھنے میں کامیاب نہ ہُوا تو یہ گولا اس کے حلق میں پھنس کر اس کی سانس روک دے گا اور وہ دم گھٹنے سے مر جائے گا۔

اُس نے دونوں ہاتھ اُٹھانے چاہے۔

اگرچہ دونوں ہاتھ سامنے بندھے ہوئے تھے اور انھیں حرکت دینے میں کوئی دشواری نہیں ہو رہی تھی لیکن جیسے ہی اُس نے مُنہ اور آنکھوں پر بندھی ہوئی پٹی ہٹانے کی کوشش کی، اس کے دل کی گہرائی سے کربناک چیخیں بلند ہونے لگیں لیکن مُنہ بند ہونے کی وجہ سے یہ آوازیں حلق ہی میں گھُٹ کر رہ گئیں۔ اُس کی اُنگلیوں کی پوریں اذیت ناک ہو گئیں جیسے ہی وہ پٹی سے چھُو گئیں، اُسے اپنی رُوح تک لرزتی محسوس ہونے لگی تھی۔

وہ سمجھ گیا کہ اس کی پوروں سے کھال اُتار کر گوشت کیوں برہنہ کیا گیا ہے۔ وہ ان اُنگلیوں کی مدد سے نہ تو اپنی آنکھوں سے پٹی ہٹا سکتا تھا اور نہ ہی ہاتھوں یا پیروں سے بندھی ہوئی رسیاں کھول سکتا تھا۔

"پانی..." اس کے اندر سے کوئی چیخ پڑا۔ "آبی قبر۔"

یکایک اُسے یوں لگا جیسے اس کے ہر مسام نے پسینہ اُگلنا شروع کر دیا ہو۔ اُسے اپنی حالت برف کی اُس ڈلی سے مختلف نہ لگی جو ہوا کے جھونکوں سے رفتہ رفتہ پگھلتی ہے اور پھر کچھ دیر بعد اس کا وجود سیال بن جاتا ہے۔ ٹراک سمجھ رہا تھا کہ اسی طرح پگھل پگھل کر وہ بھی ختم ہو جائے گا۔

اُس نے اپنی ذہنی حالت سنبھالنے کی کوشش شروع کر دی۔

جب بھی وہ شعور سے خوف کو دھکیل کر نکالنا چاہتا اچانک لاشعور سے خوف اور دہشت کی نئی لہریں آ کر اس کے شعور کو گرفت میں لے لیتیں۔ وہ کانپ کانپ جاتا۔ کسی بھی چیز سے خوف زدہ نہ ہونے والا ٹراک اس وقت اپنے ہی لاشعور میں پیدا ہونے والی دہشتوں کا شکار ہو رہا تھا۔

"آبی قبر..." اُسے اندر سے ایک آواز اُٹھتی محسوس ہوئی۔ یہ غالباً اس کی مُردہ ہوتی ہوئی رُوح کی پکار تھی۔

چند سال پہلے وہ ایک ماہر پیراک ہُوا کرتا تھا لیکن ان چار سالوں میں دفتری زندگی کے دوران میں، اس نے اپنے جسم کی طرف سے بڑی بے نیازی برتی تھی۔ نتیجتہً وہ موٹا ہوگیا تھا۔ اس پر اتنی چربی اور اتنا گوشت چڑھ گیا تھا کہ خود بھی اُسے بمشکل ہی اُٹھا پاتا تھا۔

اُسے خوب اچھی طرح اندازہ ہوگیا کہ ڈاکٹر گیلڈاسٹون کس قسم کی سزا تجویز کر رہی ہے۔ وہ اُسے غرقاب کرنے کے ارادے سے سمندر میں لے آئی تھی اور ٹراک کو معلوم تھا کہ اپنے موجودہ جسم کے ساتھ وہ پانی میں ایک لمحے تک بھی اپنی زندگی برقرار نہیں رکھ سکتا۔ اس مشابے کے باعث وہ چند بار بھی ہاتھ پاؤں نہیں مار سکتا تھا جبکہ اوپر سے اس کے ہاتھ اور پیروں کو رسی سے باندھ بھی دیا گیا تھا۔ ایسی صورت میں تو تیرنے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔

وہ تصور کی آنکھ سے اپنا انجام دیکھنے لگا۔

چشمِ تصور نے اُسے دکھایا کہ پانی اس کے جسم کا احاطہ کر رہا ہے۔ اُس کی ناک پانی میں ڈوب رہی ہے اور نتھنوں میں پانی گھُس رہا ہے۔ مُنہ بھی بند ہے سانس لینے کا عمل اس کے لیے ناممکن ہوتا جا رہا ہے۔ اُس نے خود کو ڈوبنے سے بچانے کے لیے جدوجہد شروع کر دی۔

اس کوشش میں اس کا مُنہ کھُل گیا۔ اُس نے مچھلی کی طرح مُنہ کھول کر سانس لینے کی کوشش کی تو پانی کا ایک ریلا اس کے دہانے میں داخل ہوگیا۔ سانس کی نالی ہوا کی بجائے پانی سے بھر گئی۔

وہ اس کوشش میں جان لڑانے لگا کہ پانی حلق سے نہ اترے اور اس کے پھیپھڑوں میں نہ داخل ہونے پائے... لیکن وہ ناکام رہا۔ اُس کے پھیپھڑے پانی سے بھر گئے.... اور ان میں اتنا پانی جمع ہوگیا کہ وہ غباروں کی طرح پھٹ گئے۔ اُس کی ہستی بکھر گئی۔ وہ ایک دھماکے سے سراپا پھٹ گیا... بکھر گیا۔ سطحِ آب پر اس کی انتڑیاں تیر رہی ہیں... اور دُور کہیں سے گوشت خور مچھلیوں کا ایک غول جُوٹ پاکر تیزی سے اُس کی طرف

بڑھنے لگا ہے۔

مارے دہشت کے اس پر بے ہوشی چھا گئی۔

اُس کے حواس پر تاریک پردہ گر گیا۔

وہ گردوپیش سے بے خبر ہو گیا۔ کاش! یہ بے ہوشی مستقل طور پر اس کے وجود کا احاطہ کر لے... لیکن اب خواہش پوری ہونے کا وقت گزر چکا تھا۔ اب وہ برسات ہو رہی تھی جس کے خلاف وہ کوئی خواہش کر رہا تھا۔ اُسے ہوش آ گیا تو دہشت کے بگولے ایک بار پھر لاشعور اور شعور کے درمیان گردش کرنے لگے

ہوش میں آتے ہی اُسے سب سے پہلا خیال یہ آیا کہ وہ ایک بھیانک خواب دیکھ رہا تھا.... لیکن جب اس نے آنکھیں کھولنے کی کوشش کی تو پپوٹے تک اُٹھا نہ سکے۔ اُس کی آنکھوں پر موٹے کپڑے کی پٹی بندھی ہوئی تھی اور وہ کچھ دیکھنے سے قاصر تھا۔ معاً اسے پانی کے چھپاکے سُنائی دینے لگے۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ کوئی خواب نہیں دیکھ رہا تھا بلکہ درحقیقت بحری سفر کر رہا تھا۔

موٹر بوٹ کے انجن کی آواز اب بھی آ رہی تھی۔

پانی کی لہریں کشتی کے کناروں سے ٹکرا کر بڑی خوفناک آوازیں نکال رہی تھیں۔ اُسی لمحے اُسے ایک اور عجیب سا احساس ہوا۔ اگر میں کسی کشتی میں سوار ہوں اور یہ کشتی سمندر کی لہروں پر سفر کر رہی ہے تو مجھے ہچکولے کیوں محسوس نہیں ہو رہے؟

اس سوال کا زاک کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔

ماسوائے اس کے کہ وہ خود کو پاگل سمجھ کر معاف کر دیتا... لیکن وہ پاگل نہیں بلکہ ایک زمین اور محتاط آدمی تھا۔ وہ کسی پر اعتماد نہیں کرتا تھا.... اور اب اعتماد کر کے اُس کی سزا بھگت رہا تھا۔

اچانک اُسے ڈاکٹر گلیڈاسٹون کی آواز سنائی دی۔

"یہ تم اب بھی کسی چیز سے نہیں ڈرتے مسٹر زاک؟" اُس کے لہجے میں بے پناہ طنز اور کنفیوژن کا تاثر تھا۔

وہ کانپ کر رہ گیا۔ جواب نہیں دے سکتا تھا کیونکہ اُس کی آنکھوں کے علاوہ منہ بھی پٹی کی لپیٹ میں تھا۔

"کیا تم نے محسوس کر لیا کہ اس وقت کہاں ہو؟" ڈاکٹر گلیڈاسٹون کی مترنم آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی "تم اس وقت سمندر میں سفر کر رہے ہو۔" اُس نے خود ہی اپنے سوال کا جواب دیا "تمہارے چاروں طرف پانی ہی پانی ہے... ٹھنڈا اور سیاہ پانی.... کسی گاڑھے سیال جیسا پانی۔"

زاک نے جواباً چیخنے کی کوشش کی لیکن منہ پر بندھی ہوئی سخت پٹی نے ہر آواز اس کے حلق ہی میں قید کر دی۔

"اس کی آنکھوں سے پٹی ہٹا دو۔" ڈاکٹر بولی۔

زاک نے پٹی ہٹتے ہی دیکھا کہ وہ پانی کے اندر نہیں بلکہ کنارے پر کھڑا ہے۔ اُس کے سامنے موجیں مارتا ہوا سمندر، یہ ساحل پر وہ کشتی بھی لنگر انداز تھی جس میں اُسے وہاں تک لایا گیا تھا۔

اُس نے منہ کھلتے ہی چند گہری گہری سانسیں لیں۔

ساحل پر ڈاکٹر گلیڈاسٹون اُس کے سامنے کھڑی تھی جبکہ وہ دونوں جسیم آدمی عقب میں استادہ تھے۔ قریب ہی وہ کوتاہ قامت شخص زمین پر بے ہوش پڑا تھا جس کی وجہ سے زاک پر یہ مصیبت نازل ہوئی تھی۔

"میری مدد کرو...." اُس نے چیخ کر کہا۔

جواباً ڈاکٹر ہنس پڑی۔

"تم جو کچھ چاہتی ہو میں ویسا ہی کروں گا۔"

"مجھے افسوس ہے دوست!" ڈاکٹر بولی۔ اس کے ہونٹوں پر اب نام کی بھی مسکراہٹ نہیں تھی۔ اس کے چہرے کے تاثرات اس کی آنکھوں میں چھائی ہوئی سفاکی اور اس کے بھنچے ہوئے تنفر آمیز لبوں کو دیکھ کر کون کہہ سکتا تھا کہ یہ عورت دل موہ لینے والے انداز میں مسکرانا بھی جانتی ہوگی۔

"میں تمہاری ہر شرط ماننے کے لیے تیار ہوں۔"

"تمہیں مشن دینے کے لیے یہاں لایا گیا ہے مسٹر زاک۔ اُمید ہے کہ تم اس آخری مشن سے خوب لطف اندوز ہو گے۔"

وہ منت سماجت کرتے کرتے یکایک خاموش ہو گیا۔

اُس کی حالت اُس بکرے سے ذرا بھی مختلف نہ تھی جسے قربانی سے پہلے پانی کے قریب لے جایا جا رہا ہو۔ زاک کو یوں لگا جیسے ہر طرف سے موت اس پر جھپٹ پڑنے کے لیے تیار ہو۔ سمندر کی طوفانی لہریں ساحل سے ٹکرا ٹکرا کر شور مچا رہی تھیں۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ لہریں بار بار اُسے نگلنے کے لیے بڑھ رہی ہوں۔

اُس کی کلائیوں میں حرکت پیدا ہوئی۔

زاک سمجھ گیا کہ اس کی رسیاں کھولی جا رہی ہیں۔ اس نے ادھر اُدھر دیکھا لیکن فرار کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ یکایک اُس نے اپنا وجود فضا میں بلند ہوتے دیکھا۔

چار ہاتھوں نے اُسے زمین سے اُٹھا لیا تھا۔

"میں اپنی زندگی کی بڑی سے بڑی قیمت ادا کرنے کے تیار ہوں۔" وہ بڑبڑایا۔

"میں جانتی ہوں۔" ڈاکٹر بولی "اور میں تم سے وہی قیمت وصول کر رہی ہوں مسٹر زاک۔ خدا حافظ۔"

اُس کے ساتھ ہی ان دونوں جسیم آدمیوں نے اُسے ہوا میں جھلانا شروع کر دیا.... اور پھر اُسے یکایک چھوڑ دیا۔ اُن کے ہاتھوں سے نکل کر ہوا میں اُڑنے لگا۔ بغیر پروں کی پرواز۔ بھاری بھرکم جسم کی وجہ سے زیادہ دور تک برقرار نہ رہ سکی اور وہ سمندر میں گر گیا۔

اُسے اپنے کپڑے پانی میں تر ہوتے محسوس ہوئے۔

پانی اُسے نگلنے لگا۔

وہ حلق کے بل چیخ پڑا۔

چاروں طرف سے پانی نے اس پر یلغار کر دی تھی اور خود کو کسی بھنور میں گھومتا محسوس کر رہا تھا۔ اُس نے ہاتھ پاؤں مارنے کی کوشش کی تو اُسے قریب ہی ایک اور زبردست چھپاکا سُنائی دیا۔

اُس نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا۔

اُنھوں نے گورپر کو بھی اس کے فوراً بعد ہی سمندر میں پھینک دیا تھا۔ گورپر جب پانی میں گرا تو اُسے ہوش آ چکا تھا۔ وہ بھی اپنے بچاؤ کے لیے ہاتھ پاؤں مارنے لگا۔ ساحل سے زندگی سے بھرپور قہقہے سنائی دے رہے تھے۔ ڈاکٹر گلیڈاسٹون ہنس رہی تھی، پتھر خوش ہو رہا تھا۔ پتھر کی عورت کو ہنسی آ رہی تھی اور پانی رفتہ رفتہ زاک کو ہڑپ کرنے میں مصروف تھا۔

زندگی ڈوبتی محسوس ہوئی تو اس نے ڈوبتے کو تنکے کا سہارا مصداق گورپر کو پکڑنے کی کوشش کی تاکہ اس پر سوار ہو کر غرقابی سے محفوظ ہو جاتے.... لیکن وہ چھوٹا سا آدمی تو خود ہی ڈوب رہا تھا۔ اُس نے زاک کو قریب دیکھا تو خود اُس پر سوار ہونے کی جدوجہد کرنے لگا۔

دونوں ایک دوسرے سے لپٹ پڑے تھے۔

ان دونوں کی یہی کوشش تھی کہ کسی طرح حریف کو زیر کر کے اس پر سوار ہو جائیں۔ جب زاک نے دیکھا کہ وہ گورپر کو ڈبونے سے بچنے کی بجائے ہلاکت کی طرف بڑھ رہا ہے تو اُس نے پوری قوت سے اُسے دھکیلنے کی کوشش شروع کر دی۔

زاک اپنے موٹاپے کی وجہ سے بُری طرح ہانپ رہا تھا۔

معاً گورپر بازی لے گیا۔

وہ اس پر سوار ہونے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

زاک نے پوری قوت سے ایک جھٹکا مارا۔ اُس کے ساتھ ہی اس کے حلق اور نتھنوں میں پانی گھس گیا۔ وہ بُری طرح ہانپ رہا تھا اور کوشش کر رہا تھا کہ کسی نہ کسی طرح اُس کا منہ پانی سے باہر رہنے میں کامیاب ہو جائے.... لیکن پانی سے لڑنا اب اُس کے بس کی بات نہیں رہی تھی۔

اُس کا دل اتنی شدت سے دھڑکنے لگا کہ اُسے قلب تنکنی کا خدشہ لاحق ہو گیا۔ پانی اب اس کی گردن گردن تک پہنچ چکا تھا۔ اُس نے ایک بار پھر دونوں پاؤں کہیں جما کر اوپر اُٹھنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ پانی تیزی سے بلند ہو رہا تھا اور اب اس کی ٹھوڑی ڈوب رہی تھی۔

وہ ایک بار پھر چیخ پڑا۔

منہ کھلتے ہی پانی بھر گیا اور اُسے غوطہ آ گیا۔

اس بار وہ اُبھرا تو اسے گورپر سطح آب پر تیرتا نظر آیا۔

گورپر کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں اور ان میں پانی جیسی چمک دکھائی دے رہی تھی۔ وہ مر چکا تھا اور اُس کی لاش تیرنے لگی تھی۔ اُسے پُرسکون دیکھ کر زاک نے سوچا کہ اُسے بھی اس اذیت سے نجات حاصل کر لینی چاہیے۔ اس جدوجہد سے کیا فائدہ؟ اسے موت کا استقبال کرنا چاہیے۔ اب وہ اس مقام پر پہنچ چکا تھا جہاں اُسے پانی کے علاوہ ہر مصیبت قبول تھی۔

اُس نے موت کو قبول کر لیا۔

ڈاکٹر گلیڈاسٹون نے اسے بے حس و حرکت ہوتے دیکھا تو مسکرانے لگی۔ زاک اور گورپر کی لاشیں تیرتا ہوا تھا اگلے پانی میں تیر رہی تھیں۔ وہ ہنسنے لگی..... اور پھر اس نے وہ چھوٹی سی بوٹ پارک کے تالاب کے کنارے سے اُٹھائی اور ٹیپ ریکارڈر بند کر دیا جو بٹن دبنے سے ایک لمحے قبل تک موٹر بوٹ کے انجن اور لہروں کے ٹکرانے کی آوازیں نشر کر رہا تھا.... پھر وہ ان دونوں لاشوں کو پارک کے تالاب میں چھوڑ کر اپنے ساتھیوں کی رفاقت میں کار کی طرف بڑھ گئی۔

تالاب کے تیرہ اگ اگلے پانی میں مالٹے کے چھلکوں، استعمال شدہ ٹوپیوں اور سوکھے پتوں کے درمیان دو انسانوں کی لاشیں تیرتی رہیں۔

**

شہر کے پارک میں اس وقت رنگا رنگ پھولوں اور

سبزے سے محظوظ ہونے والے لوگ اپنی زندگی کا سب سے حیرتناک منظر دیکھ رہے تھے۔ پارک کے درمیانی حصے میں ایک تالاب تھا جس میں عام انسانوں کے گھٹنوں سے زیادہ گہرا پانی نہیں تھا۔ اس اُتھلے پانی میں دو انسانی لاشیں تیر رہی تھیں۔

اُدشان اور ٹائیگر بھی اس ہجوم میں شامل تھے۔

ٹائیگر کی نگاہ جسیم آدمی کی لاش کا جائزہ لیتی ہوئی، اس کی انگلیوں کی پوروں پر جم کر رہ گئی تھی، وہ دیکھ رہا تھا کہ ان پوروں سے کسی خاص آلے کی مدد سے کھال اُتار کر گوشت نمایاں کر دیا گیا تھا جب کہ دونوں انگوٹھے سلامت تھے۔ پولیس کا ایک اعلیٰ افسر بڑے افسردہ انداز میں لاشیں دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں اُلجھن کے تاثرات تھے اور وہ بار بار زیرِ لب کچھ کہنے لگتا تھا۔

"خودکشی کی واردات معلوم ہوتی ہے۔" ٹائیگر بڑبڑایا۔

یہ بات اُس نے محض اُدشان کو تاؤ دلانے کے لیے کہی تھی ورنہ وہ پہلی ہی نگاہ میں دیکھ چکا تھا کہ ان دونوں کو قتل کیا گیا ہے۔

"ہاں۔" خلافِ توقع اُدشان نے تائید کر دی۔ اور دونوں نے شاید ایک دوسرے سے شرما کر خودکشی کی ہے میرا خیال ہے، چلو بھر پانی میں ڈوب مرنا اسی کو کہتے ہیں۔"

"ویل فادر۔۔۔" ٹائیگر مسکرانے لگا۔ "اس ملک کی آب و ہوا آپ کے لیے بڑی خوشگوار ثابت ہو رہی ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ کا عصہ دن بدن گھٹتا جا رہا ہے۔ کہیں آپ نے بوڑھا تو نہیں ہونا شروع کر دیا؟"

"یہ دونوں ڈوب کر ہلاک ہوئے ہیں۔" اُدشان نے سخت لہجے میں کہا۔ "اور انھیں قتل کیا گیا ہے جانتے ہو ڈاکٹر ان لاشوں کو دیکھ کر کیا کہے گا؟"

"یہی کہ دونوں حرکتِ قلب بند ہونے سے ہلاک ہوئے ہیں۔"

اُدشان نے چونک کر اُس کی طرف دیکھا اور مسکرانے لگا۔ اُس کی آنکھوں میں اپنے ہونہار شاگرد کے لیے بے پناہ فخر کے تاثرات پیدا ہو گئے۔ پولیس نے ہجوم کو دھکیل کر ایک طرف ہٹا دیا۔ ڈاکٹر آیا، اُس نے لاشوں کا معائنہ کیا اور پھر جو کچھ بھی کہا، اس سے ٹائیگر کے اندازے کی تصدیق ہو گئی۔ دونوں حرکتِ قلب بند ہونے سے ہی ہلاک ہوئے تھے۔

اُدشان نے اُس کا ہاتھ دباتے ہوئے کہا۔ "چلو فرزند۔ میرا خیال ہے ہم لوگوں کے لیے ایک نئی مصروفیت نکلنے والی ہے۔"

"آپ کا ان لاشوں کے بارے میں کیا خیال ہے؟" سر نکالا ہر تو یہ حرکتِ قلب بند ہونے سے ہی ہلاک ہوئے ہیں لیکن درحقیقت ان کی موت غرقابی کے باعث واقع ہوئی ہے۔"

"جھی تو میں کہتا ہوں کہ جس عورت کے چہرے پر اَن گنت بھنورے بھنورے نہ تل نہیں ہوتے۔ اس کی مثال ایک ایسی رات۔۔۔"

"میں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔" اُدشان غرّایا۔

"گھٹنے گھٹنے پانی میں کون ڈوب سکتا ہے اُدشان؟"

"ان کی موت یہیں واقع ہوئی ہے اور یہ اسی پانی میں ڈوب کر انجام کو پہنچے ہیں۔" اُدشان نے کہا اور اُسے اپنے تاثرات کی تفصیل بتانے لگا۔ شہزاد کی آنکھیں رفتہ رفتہ حیرت کے اظہاریے بھیلتی جا رہی تھیں۔۔

فلاس نے ایک طویل انگڑائی لی اور ٹی وی بند کر دیا وہ اپنے اپارٹمنٹ میں گزشتہ چار روز سے بند تھی۔ زاک ابھی تک واپس نہیں آیا تھا اور وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو گئی تھی کہ شاید اب وہ کبھی واپس نہ آئے۔ یہ اس کے دل کی آواز تھی حالانکہ اس کے ذہن میں دُور دُور تک یہ خیال نہیں تھا کہ زاک کو کوئی حادثہ بھی پیش آ سکتا ہے۔

اس نے فریج سے آخری آئس کریم نکالی اور اُسے چاٹنے لگی۔ اس دوران میں، اس کا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا زاک کا رویہ اس روز بے حد عجیب اور ناقابلِ فہم تھا۔ اس وقت تو فلاس نے اُسے کوئی خاص اہمیت نہیں دی تھی لیکن اب ایک ایک بات اس کے ذہن میں گردش کر رہی تھی۔

وہ بُری طرح بے چین ہو رہی تھی۔

زاک کا چہرہ بار بار اس کی نگاہوں میں گھوم جاتا تھا اُس کا پُرجوش انداز اُسے اب احساس دلا رہا تھا کہ وہ کسی بہت بڑے معاملے میں ہاتھ ڈال چکا تھا۔ پورا خاندان کا معا یقیناً بہت بڑا ہو رہا ہوگا۔

اتنے دنوں تک اپارٹمنٹ میں بند رہنے کے بعد آج پہلی بار وہ باہر جانے کے ارادے سے اُٹھی تھی۔ اُس نے کونے میں پڑے ہوئے کپڑوں کے ڈھیر کا رُخ کیا تو اُسے

ایک نیلا لفافہ دکھائی دیا۔

وہ اس لفافے کو تو بھول ہی گئی تھی۔

اس نے لپک کر وہ لفافہ اُٹھا لیا۔

لفافے پر صدر شیتانی کا پتہ لکھا ہوا تھا۔ اس کی آنکھیں متفکر انگیز انداز میں سکڑ گئیں۔ زاک کوئی اتنا بڑا آدمی نہیں تھا کہ صدرِ مملکت سے اس کی خط و کتابت رہتی۔ اگرچہ اس خط کو اس نے پہلے کوئی اہمیت نہیں دی تھی لیکن اب یکایک ہی یہ خط اس کے لیے بے حد اہم ہو گیا تھا۔

پہلے تو اس کا جی چاہا کہ یہ خط کھول کر پڑھ لے۔

جذبۂ تجسس نے اُسے بے چین کر دیا لیکن معاملہ زاک کا تھا۔ زاک کی محبت جذبۂ تجسس پر سبقت لے گئی۔ زاک کو اس پر اعتماد تھا اور وہ بھی دُنیا میں صرف اس پر اعتماد کرتی تھی اگر وہ چاہتا تو بند کرنے سے پہلے یہ خط اُسے پڑھ کر بھی سنا سکتا تھا لیکن اُس نے ایسا کرنے کی زحمت نہیں کی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ اُسے نفسِ مضمون سے بے خبر رکھنا چاہتا تھا۔

"ہاں۔۔ مجھے یہ خط پوسٹ کر دینا چاہیے۔" وہ بڑبڑائی۔

اس نے کپڑے بدلے اور باہر جانے کے لیے تیار ہو گئی۔

چابیوں کا گچھا اُٹھا کر اُس نے پہلا تالا کھولا اور پھر باقی تالے کھولتی ہوئی بیرونی دروازے سے نکل آئی۔ یہ ایک نفسیاتی عارضہ تھا۔ زاک کے بغیر وہ خود کو نہ جانے کیوں غیر محفوظ سمجھتی تھی۔ یہ تالے وہ صرف اس نفسیاتی عارضے کی تسکین کے لیے استعمال کرتی تھی، ورنہ اس کے پاس ضرورت کی چند اشیا کے علاوہ اس اپارٹمنٹ میں رکھا ہی کیا تھا۔

اس نے خط جیب میں ڈال لیا۔

کئی دنوں بعد باہر قدم رکھ کر اُس نے باہر کی دُنیا دیکھی۔ ایک نامعلوم سی بے چینی اس کے دل و دماغ پر چھائی ہوئی تھی۔ نہ جانے کیوں اُس نے خود کو بے حد تنہا محسوس کرنا شروع کر دیا تھا۔ بالکل ویسی ہی صورتِ حال پیدا ہو گئی تھی جیسی کہ زاک سے ملاقات سے پہلے اُس پر چھا گئی تھی۔ زندگی سے مایوسی کا وہ لمحہ اُسے آج تک یاد تھا۔ اگر زاک نہ مل جاتا تو شاید وہ آج زندہ نہ ہوتی۔ اُس نے اُس کی زندگی کے آخری لمحے کو حیات نو کے پہلے لمحے میں تبدیل کیا تھا اور وہ دل کی گہرائی سے اُس کی قدر کرتی تھی۔ لیکن یہ آج ہی پھر سے کیوں مایوسی کے بھنور میں ڈگمگانے لگی تھی؟

اُس نے بار بار یہ سوال اپنے آپ سے کیا تھا لیکن کوئی جواب سمجھ میں نہیں آ سکا۔ فٹ پاتھ پر کھڑے کھڑے وہ دیر تک اِدھر اُدھر دیکھتی رہی۔۔ پھر آہستہ آہستہ ایک طرف بڑھنے لگی۔ اس کا ذہن یکایک غبار آلود ہونے لگا تھا۔ یہ غبار ہر اُٹھتے ہوئے قدم کے ساتھ بڑھتا ہی جا رہا تھا۔

چلتے چلتے وہ رُک گئی۔

اس کا سر بُری طرح چکرا رہا تھا۔

کسی غیر مانوس جذبے نے اُس کی آنکھیں نمناک کر دیں۔

اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا اور اس کا جی چاہا کہ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دے۔ تنہائی کا احساس شدید تر ہوتا جا رہا تھا۔ زاک کہاں گیا؟ وہ دُنیا کے دولت مند ترین خاندان کے کس کام میں مصروف ہے؟۔۔ پھر صدر شیتانی کے نام یہ خط۔۔ آخر اس خط میں کیا لکھا ہے؟۔ وہ سوچتے سوچتے تھک گئی اور ذہن تھکن اُس کے ذہن کے علاوہ اپنی پنڈلیوں میں بھی محسوس ہونے لگی تھی۔۔ بلکہ اب تو یوں لگ رہا تھا جیسے اُس کی ٹانگیں جسم کا بوجھ برداشت کرنے سے قاصر ہوتی جا رہی ہوں۔

وہ فٹ پاتھ پر رُک گئی۔ اس کا دل ڈوب رہا تھا۔ اسے یوں محسوس ہونے لگا جیسے وہ کسی بہت اُونچے اور تیز رفتار جھولے سے اُتری ہو اور اس کی سنسناہٹ ابھی تک جھولے کی گرد و شوں سے نکلنے میں کامیاب نہ ہوئی ہو۔

اس نے خود کو سنبھالا، نمناک آنکھیں پونچھ ڈالیں اور سڑک کے اُس پار دیکھنے لگی۔ لیڈر بس سڑک کے اُس پار اس کا انتظار کر رہا تھا۔ اُس نے دائیں بائیں دیکھا اور لرزتی ہوئی ٹانگوں سے آگے بڑھی۔ سڑک پر قدم رکھتے ہی اُسے ایک بار پھر چکر آ گیا۔ بے اختیار اُس کا ہاتھ اپنی پیشانی پر پہنچ گیا۔

فلاس کو بار بار یہ احساس پریشان کر رہا تھا کہ کوئی طاقت اُسے روک رہی ہے۔۔ لیکن اس کے اندر ایک طاقت تھی جو اُسے آگے بڑھنے میں مدد دے رہی تھی۔ اُس نے دُوسرا قدم اُٹھایا اور پھر اندھا دھند لیڈر بس کی طرف دوڑ پڑی۔ اس نے جیب سے خط نکال کر ہاتھ میں لے لیا تھا۔

دفعتہً کسی گاڑی کے تیز ہارن نے اُسے چونکا دیا۔

ایک کار تیزی سے اُس کی طرف آ رہی تھی۔ اس کی رفتار بے حد تیز تھی۔ غالباً ڈرائیور نشے میں دُھت تھا۔ اس کی نگاہ جیسے ہی فلاس پر پڑی، اس نے پوری قوت سے بریک لگائے۔ جیسے دُور تک گھسٹتے چلے گئے۔

فلاسی کو ایک جھٹکا سا لگا۔

لمحے بھر کے لیے اُسے یوں لگا جیسے وہ فضا میں معلق ہو گیا ہو۔ پھر اس کی آنکھوں کے سامنے دُنیا کی ہر چیز تیزی سے گھومنے لگی۔ وہ فرش پاتھ کے قریب جا گری۔ اس کا سر فرش پاتھ سے ٹکرا گیا۔

اندھیرے تیزی سے اس کے ذہن میں اُترتے چلے آئے اور آنکھوں کے سامنے دائرے سے بنتے گردش کر رہے تھے۔ وہ خود بھی اپنی ہستی کو ان دائروں کی بیچ میں گھومتے دیکھ رہی تھی۔

ایک بار تو اس کا ذہن یوں ڈوبا کہ اُس کے اُبھرنے کی توقع ہی نہیں رہی لیکن اگلے ہی ساعت وہ سنبھل گئی۔

اس نے پلکیں جھپکائیں۔

آنکھوں کے سامنے اُن گنت رنگ ایک دُوسرے میں گڈمڈ ہو رہے تھے۔ اُسے آس پاس بے پناہ شور محسوس ہونے لگا۔

کار کے ٹائر ایک بار پھر چیخے اور چیخیں اس کے کانوں کے پردے پھاڑنے لگیں۔ موٹروں کا ہجوم اور شور بڑھتا جا رہا تھا۔ اُسے آس پاس چہرے ہی چہرے دکھائی دے رہے تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے یہ چہرے اُس کے اردگرد فضا میں معلق ہیں۔ وہ اس پر جھکتے چلے آ رہے تھے۔

اس کی سانسیں اُکھڑنے لگیں۔

اس کا دایاں ہاتھ اپنے عقب کی طرف اُٹھ گیا۔

اس ہاتھ میں وہ خط دبا ہوا تھا جسے پوسٹ کرنے کے لیے وہ گھر سے نکلی تھی۔ اچانک اُسے ایک چھوٹا سا معصوم چہرہ دکھائی دیا۔ یہ کسی بچے کا چہرہ تھا جو اپنی تجسس بھری آنکھوں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"بیٹے... بیٹے... اسے پوسٹ کر دینا۔" اس نے پُرتجسس سی آواز میں کہا، اور خط بچے کی طرف بڑھا دیا۔

بچے نے خط اس کے ہاتھ سے لے لیا۔

وہ لیٹر بکس کی طرف بڑھا۔ فلاسی نے گردن گھمائی اور بچے کو دیکھتی رہی جو ہجوم میں راستہ بناتا ہوا جا رہا تھا۔ اُس نے خط پوسٹ کر دیا اور اس کے ساتھ ہی فلاسی نے آنکھیں بند کر لیں۔

★★

ٹائیگر آہستہ آہستہ پیں رہا تھا۔

اس وقت وہ جن پہاڑوں میں تھا، وہاں برف جمی ہوئی تھی اور ہر طرف سفیدی ہی سفیدی بکھری ہوئی تھی۔ آسمان صاف تھا، اور ستارے چمک رہے تھے۔ ٹھنڈی ٹھنڈی چاندنی میں نہایا ہوا ماحول بے حد حسین لگ رہا تھا۔

ٹائیگر کے جسم پر زیادہ بھاری کپڑے نہیں تھے۔ اس نے جسم کے تمام عضلات میں ایک عجیب سا کھچاؤ پیدا کر رکھا تھا۔ جس کی وجہ سے خنجر کی کاٹ رکھنے والی ہوائیں اس کے جسم پر اثر انداز نہیں ہو رہی تھیں۔

وہ ایک پہاڑی پر رُک گیا۔

دُور اُوپر ایک پہاڑ کی چوٹی پر کیبن بنا ہوا تھا۔ کیبن کی کھڑکیاں روشن تھیں وہ دیر تک اس کیبن کو دیکھتا رہا۔ اس کیبن کی طرف صرف ایک ہی راستہ جاتا تھا لیکن ٹائیگر یہ راستہ اختیار نہیں کرنا چاہتا تھا کیونکہ اُسے چوٹی جس کی خطرے کے بارے میں آگاہ کر چکی تھی۔

صدر خیتائی کو ایک خط ملا تھا اور یہ خط ہیلم کے ذریعے ٹائیگر تک بھیجا گیا تھا۔ اس خط کے مٹ لفافے کے بجائے کھڑے کر دیے تھے۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ مجرم ذہن ظلم و ستم ڈھانے میں اس قدر بھی گر سکتے ہیں۔ اور اس وقت وہ اُسی خط کی رہنمائی میں ان پہاڑوں کی طرف نکل آیا تھا۔

برفانی ہواؤں کی پروا کیے بغیر اس نے اپنا کوٹ بھی اُتار دیا۔

کوٹ اُتارنے کے بعد اس نے کیبن تک پہنچنے کا ایک راستہ ذہن میں متعین کر لیا۔ یہ راستہ خطرناک تھا اور عام آدمی اس انداز میں کیبن تک پہنچنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن ٹائیگر کے لیے بلندی اور فاصلے بے معنی ہو کر رہ گئے تھے۔ اس نے جسم کو متوازن کیا، دونوں پنجوں پر زور ڈالا اور پھر ایک چٹان کی طرف جست لگا دی۔

اس کا جسم کسی ہلکے پھلکے کھلونے کی طرح فضا میں تیرتا ہوا اس چٹان تک جا پہنچا اور پھر اس کی اُنگلیاں سخت ہوتی چلی گئیں۔

اُنگلیاں چٹان کے سر سے چند انچ نیچے ٹھہر گئیں۔

رفتہ رفتہ وہ اپنے ہاتھوں پر بلند ہوا۔

اس چٹان پر پہنچنے کے بعد اس نے دُوسری چٹان کا جائزہ لیا۔ اور ایک بار پھر اُسی طرح جست لگا کر وہاں بھی جا پہنچا۔ دس منٹ بعد وہ اس چوٹی کیبن کی ایک کھڑکی سے لگا کھڑا تھا۔

اس نے کھڑکی سے جھانک کر دیکھا۔

اندر چار آدمی تھے۔

اس نے ایک طویل سانس لی۔ ان میں نیراف شامل نہیں تھا حالانکہ جب وہ اس خفیہ اڈے کی طرف روانہ ہوا تھا تو اُسے توقع تھی کہ نیراف سے ضرور ملاقات ہوگی۔ وہ توجہ سے ان چاروں کی باتیں سننے لگا۔

"بچہ گاڑیوں میں ڈائنامائٹ لگانے کا کام کل سے شروع کرنا ہے۔" ایک خطرناک چہرے والا کہہ رہا تھا۔

"مرکس اسپتال سے کام کا آغاز ہوگا۔"

"غالباً مُون اسٹار سے۔"

"نیں پُوچھتا ہوں۔ معصوم بچوں کی ہلاکت کا انقلاب سے کیا تعلق ہے؟" چوتھے نے ان تینوں کو گھورتے ہوئے کہا۔

"تلہاس۔" پہلے شخص کا لہجہ بے حد سخت تھا۔

"یہ شخص بے حد نرم دل ہے۔" دُوسرے نے ہنس کر کہا۔

"حالانکہ اس کی ابھی شادی نہیں ہوئی اور نہ ہی اُس کا کوئی بچہ ہے۔" تیسرے نے طنز کیا اور پھر وہ تینوں اس کا مذاق اُڑانے لگے جس شخص کو تلہاس کہہ کر مخاطب کیا گیا تھا، اس کی آنکھوں سے افسوس کا تاثر ظاہر ہونے لگا۔ لیکن اُس نے اپنے ساتھیوں کو اپنا مضحکہ اُڑانے سے روکنے کی کوشش نہیں کی۔

"کیا تم اس مشن میں حصہ نہیں لو گے؟"

تلہاس نے چونک کر اپنے اس ساتھی کی طرف دیکھا جو اس سے پُوچھ رہا تھا۔ ٹائیگر نے کھڑکی کی اوٹ سے دیکھا۔ لمحے بھر کو اُسے یوں لگا جیسے تلہاس ابھی انکار کر دے گا۔ لیکن تلہاس نے انکار نہیں کیا۔ اس کی گردن جھک گئی تھی گویا اس نے غیر رضامندی ظاہر کر دی تھی۔

"ٹھیک ہے۔ ہم مُون اسٹار ہی سے اس کام کا آغاز کریں گے۔" درشت چہرے والے نے حتمی لہجے میں کہا۔ "وہاں اس وقت جتنے بھی بچے موجود ہیں، ان سب کی گاڑیوں میں ڈائنامیٹ لگا دیے جائیں۔"

"کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ بچوں کو نظر انداز کر دیا جائے۔" تلہاس ایک بار پھر مداخلت پر اُتر آیا۔

"سنو تلہاس۔" درشت چہرے والا لیڈر بولا۔ "اگر تم اس کام میں ہمارا ہاتھ نہیں بٹا سکتے تو تمہیں اس میں مداخلت بھی نہیں کرنی چاہیے۔"

"تم پہلے تو اتنے بزدل نہیں ہوا کرتے تھے۔"

"شٹ اپ۔" تلہاس اس پر لپٹ پڑا۔

"اگر تمہیں بچوں سے اتنی ہی ہمدردی ہے تو تم اس معاملے سے اپنا ہاتھ کھینچ سکتے ہو۔ چلو باس سے بات کر لو۔ ممکن ہے وہ تمہیں کوئی اور کام سونپ دے۔" ایک ساتھی نے اُسے سمجھانا شروع کر دیا۔

"بزدل..." اُسی شخص نے دوبارہ کہا جس پر تلہاس پہلے بھی گرج چکا تھا۔

"میں بزدل نہیں ہوں۔" تلہاس نے احتجاج کیا۔ "تم سب لوگ مجھے اچھی طرح سے جانتے ہو۔ اگر تم مل کر مجھے کسی شیر کے پنجرے میں بھی پھینک دو تو میں گھبراہٹ میں مبتلا نہیں ہوں گا۔ مجھے صرف اس بات پر دُکھ ہو رہا ہے کہ ان معصوم بچوں کو ہلاو جہ ہلاک کرنے کا منصوبہ بنایا جا رہا ہے جنہوں نے ابھی اس دُنیا میں جنم ہی لیا ہے اور..."

"یہ شاعری کر رہا ہے۔" دوسرا ہنس کر بولا۔

"دیکھو دوست۔" لیڈر نما شخص اس کا کندھا تھپتھپا کر بولا۔ "جب انقلاب لائے جاتے ہیں تو ایسا ہوتا ہی ہے نیراف اس ملک میں انقلاب لانے کی کوشش کر رہا ہے۔ یہ درست ہے کہ اُسے ایک بار ناکامی ہو چکی ہے لیکن یقین کرو اس مرتبہ وہ بڑے ہی منظم طریقے سے کام کر رہا ہے۔"

"مجھے انقلاب سے کوئی اختلاف نہیں۔" تلہاس نے احتجاج کیا۔ "مجھے صرف ان بچوں سے ہمدردی ہے، جنہوں نے ابھی جنم ہی لیا ہے کہ تم لوگ انہیں تباہ کرنے کا منصوبہ بنا رہے ہو... پھر یہ کتنا بھیانک اقدام ہے۔ پھول جیسے بچوں کو گوشت کے لوتھڑوں میں تبدیل کرتے ہوئے کیا تم لوگوں کا دل ذرا بھی نہیں دُکھے گا؟"

"ٹھیک ہے۔" لیڈر حتمی لہجے میں بولا۔ "تم اس مہم پر ہمارے ساتھ نہیں جاؤ گے۔ میں اس منصوبے پر عمل کروں گا اور تم دیکھو گے کہ مجھے کس قدر کامیابی ہوتی ہے۔ ہمیں یہاں دُنیا کے جرائم پیشہ لوگوں کے لیے ایک الگ دُنیا بنانی ہے... اور انقلاب لانا ہے... کل تک میں کامیاب ہو جاؤں گا تو اس منصوبے کی تکمیل پر نیراف کی طرف سے مجھے انعام ملے گا۔"

"نہیں۔ تم کامیاب نہیں ہو سکتے۔"

یہ آواز سُن کر لیڈر کی آنکھیں خوفناک ہو گئیں۔ اس نے تلہاس کی طرف دیکھا لیکن یہ آواز تلہاس کی نہیں تھی۔ وہ باری باری باقی دونوں ساتھیوں کی طرف دیکھنے لگا لیکن

یہ آواز ان میں سے بھی کسی کی نہیں تھی... اور یہ اس کا وہم تو ہرگز نہیں ہو سکتا تھا۔ اسے اچھی طرح سے احساس تھا کہ اس وقت وہ جس کیبن میں بیٹھے باتیں کر رہے ہیں، یہاں تک کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ نیچے سے اوپر آنے کا صرف ایک ہی راستہ تھا اور اس راستے پر انھوں نے بارُودی سُرنگیں بچھا رکھی تھیں۔ انسانی قدم اس راستے پر پہنچتے ہی دھماکے ہوتے اور پھر اس شخص کے بھی چیتھڑے اُڑ جاتے۔

لیڈر اور اس کے ساتھیوں کو کوئی دھوکا کا بھی سُنائی نہیں دیا تھا... پھر وہ بھی تو لیڈر کی طرح اس اجنبی کا سُراغ لگانے کے لیے اِدھر اُدھر دیکھ رہے تھے جیسے حیران ہوں کہ یہ پانچویں آواز کہاں سے آئی تھی۔

اچانک کھڑکی کے پُرزے اُڑ گئے۔

وہ چونک کر اُدھر متوجہ ہوئے تو انھیں ایک خوبصورت نوجوان دکھائی دیا۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ رقص کر رہی تھی لیکن اس کی آنکھیں غیر متحرک تھیں۔ ان میں بے پناہ چمک تھی۔ قندیلوں جیسی یہ آنکھیں اُن پر جمی ہوئی تھیں۔

"تم میں سے تلہاس کس کا نام ہے؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

وہ خاموش رہے۔

تلہاس ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گیا... کچھ دیر بعد اس نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا: "تلہاس میرا نام ہے... کیوں...؟"

"میں تمھیں ایک خوش خبری سُنانا چاہتا ہوں۔"

"وہ کیا؟" تلہاس نے حیرت سے پوچھا۔

"یہی کہ تمھاری موت بہت آسان ہوگی۔" ٹائیگر نے کہا اور اس کے ساتھ ہی وہ کسی چیتے کی طرح اُچھل پڑا۔

کیبن میں موجود چاروں آدمیوں کے ہاتھ اپنے اپنے ہولسٹر کی طرف لپکے۔ ریوالور نکل آئے۔ بیک وقت چار دھماکے ہوئے اور کیبن کی محدود فضا دلدوز چیخوں سے گونج اُٹھی۔

ان چیخوں میں وہ آوازیں کھو رہ گئی جو ایک کھوپڑی ٹوٹنے کی وجہ سے پیدا ہوئی تھی لیکن خون کی سُرخی اور بکھرتا ہوا گوشت چھپا نہ رہ سکا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے کیبن میں خون اور گوشت کے بوتھڑوں کی بارش شروع ہو گئی ہو۔

☆☆☆

انھوں نے بڑی پھرتی سے ریوالور نکالے تھے۔

گولیاں بھی فوراً ہی چلی تھیں لیکن ٹائیگر غافل نہیں تھا... رفتار اور مہارت دونوں کا بیک وقت استعمال اتنے اچھے انداز میں پہلے کبھی نہیں ہوا تھا اگر ٹائیگر کا رُوحانی باپ اُوشان اس وقت وہاں ہوتا تو یقیناً وہ ٹائیگر کی اس کارکردگی کے لیے پناہ مانگتا۔

درشت چہرے والا لیڈر سب سے پہلے زد میں آیا تھا۔

ٹائیگر کا دایاں ہاتھ کسی وزنی ہتھوڑے کی طرح اس کی کھوپڑی پر گرا تھا اور کھوپڑی چٹخنے کی آواز پیدا ہوتے ہی خون کے چھینٹے اُڑے تھے جیسے تربوز ٹوٹنے سے اس کا گودا بکھر جاتا ہے۔ وہ اپنی پھٹی ہوئی کھوپڑی کے ساتھ ساکت کھڑا تھا۔ خون کی چند لکیریں پیشانی سے اس کی آنکھوں اور اس کے رخساروں پر بھی آگئی تھیں اس کی آنکھوں میں کوئی تاثر نہیں تھا جیسے اُسے احساس ہی نہ ہو کہ اس کی کھوپڑی پر کیا قیامت ٹوٹ چکی ہے... پھر سلوموشن کے انداز میں اس کا جسم جھکنے لگا ساتھ ہی اس کی آنکھیں بھی بند ہوتی چلی گئیں۔ نصف کے قریب جھکنے کے بعد وہ تیزی سے گرا اور گرنے کی آواز کیبن میں گونج اُٹھی وہ پتھر کے کسی مجسمے کی طرح دھماکے سے گرا تھا حالاں کہ اس کی رُوح کئی لمحے قبل جسدِ خاکی سے رُوٹھ کر جا چکی تھی۔

درشت چہرے والے لیڈر کا چہرہ اَب مزید بھیانک ہو گیا۔

اس کے ہاتھ سے ریوالور گر چکا تھا اور نال سے اُٹھنے والی دھوئیں کی لکیر ابھی تک فضا میں ٹھہری ہوئی تھی جیسے شدید ٹھنڈک کے باعث منجمد ہو کر رہ گئی ہو۔ ریوالور سے نکلنے والی گولی ٹائیگر کی بائیں بغل سے نکل کر عقب میں موجود شخص کے سینے پر پڑی تھی اور اس کے ریوالور نے جو شعلہ اُگلا تھا، وہ ٹائیگر کے سر سے گزرتا ہوا چوبی دیوار میں پناہ گزیں ہو گیا تھا۔ لکڑی کی دیوار کا وہ سیاہ سوراخ کسی ویران آنکھ کی طرح سُونا سُونا لگ رہا تھا اور وہاں بھی خفیف سا دھواں فضا میں منجمد نظر آ رہا تھا۔ شاید یہ ہلکا سا دھواں لکڑی جلنے سے پیدا ہوا تھا۔

کیبن میں موجود باقی دو آدمیوں میں سے ایک تلہاس تھا۔ وہی تلہاس جسے ٹائیگر نے آسانی موت کا مژدہ سنایا تھا ریوالور نکالنے میں اس نے بھی کسی قسم کی کوتاہی نہیں کی تھی لیکن اس نے ٹرائیگر نہیں دبایا تھا اس کی وہ انگلی جیسے مفلوج سی ہو کر رہ گئی تھی جس سے وہ ٹرائیگر دبا سکتا تھا اس کے دائیں بازو سے ٹائیگر کی ایک انگلی اس وقت چھو کر گزر رہی تھی، جب اس کا ہاتھ درشت چہرے والے لیڈر کی کھوپڑی پر گرنے کے لیے بلند ہو رہا تھا ان لمحوں میں وہ ریوالور تو نکالنے میں کامیاب ہو گیا لیکن ٹرائیگر دبانے کی نوبت نہیں آئی کیوں کہ اس وقت تک اس کا پورا بازو ہی ناکارہ ہو گیا تھا۔ سُن.... بے حس... اور ساکت بازو جس کے ہاتھ میں ریوالور تو دبا ہُوا تھا لیکن انگلیاں حرکت کرنے سے معذور ہو گئی تھیں۔

وہ جہاں تھا اور جس بھی حالت میں تھا، بھونچکا کھڑا رہ گیا۔ اس نے ٹائیگر کو حرکت کرتے دیکھا تھا لیکن یُوں لگ رہا تھا جیسے ٹائیگر کی بجائے کوئی آسیب حرکت کر رہا ہو۔ اتنی تیزی جیسے فلموں میں انتہائی تیز رفتاری سے چلنے والی ریل کے باعث تصویر حرکت کرتی ہے۔ اس پر نگاہ جمانا مشکل ثابت ہو رہا تھا۔

کیبن میں موجود ان چار درندہ صفت لوگوں میں موجود چوتھا آدمی زمین پر پڑا تھا اور اس کی شہ رگ سے یُوں جل تھل خون بہہ رہا تھا جیسے اُسے کسی تیز دھار آلے سے کاٹ ڈالا گیا ہو۔

وہ ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہا تھا۔

اس کی انگلیوں میں پھنسے ہوئے ریوالور کی نال سے نکلنے والے دھوئیں کے رُخ سے اندازہ ہوتا تھا کہ گولی چلتے وقت ریوالور کی نال اپنی سمت بدل کر خود اُسی کے جسم کی طرف ہو گئی تھی۔

اس کی دائیں پسلی میں ایک سوراخ تھا اور وہاں سے خارج ہونے والا خون قسطوں میں جمع ہو رہا تھا... پھر خون قسطوں سے رِس رِس کر کیبن کے فرش تک پہنچ گیا وہ اپنے ہی ریوالور سے چلی ہوئی گولی کا شکار ہوا تھا لیکن اس کی موت ابھی واقع نہیں ہوئی تھی۔

وہ بُری طرح تڑپ رہا تھا۔

جو گولی اس کی پسلیوں کے پنجرے میں داخل ہوئی تھی اُس نے غالباً دل کو نقصان نہیں پہنچایا تھا اور ٹائیگر کی بائیں قمیص کے کنارے نے کسی تیز دھار چھُری کی طرح جو اُس کے نرخرے پر وار کیا تھا، اس نے شہ رگ کاٹ دی تھی۔ جسم اور رُوح کا رشتہ محض چند کچے ریشوں کی وجہ سے قائم تھا اور یہ ریشے بھی اس کے تڑپنے کی وجہ سے ایک ایک کر کے ٹوٹتے جا رہے تھے۔

آخری ریشہ بھی ٹوٹ گیا۔

وہ ساکت ہو گیا اس کے چہرے پر کرب و اذیت کے تاثرات منجمد ہو کر رہ گئے تھے اور اس کا چہرہ دیکھ کر کسی انسانی چہرے کا ہرگز گمان نہیں ہوتا تھا۔ تلہاس پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس کی موت کا منظر دیکھ رہا تھا۔

ٹائیگر نے تلہاس کی طرف دیکھا۔

"میں نے تم سے وعدہ کیا تھا۔" وہ بڑے ہی خوش گوار انداز میں بولا۔ "تمھاری موت بے حد پُرسکون ہو گی۔"

"لل... لیکن... مم... میں..."

"نہیں دوست۔" ٹائیگر نے ہاتھ اُٹھا کر اُسے روکتے ہوئے کہا۔ "تم ایک اچھے آدمی ہو۔ کچھ دیر پہلے میں نے جو گفتگو کی تھی، اس نے مجھے بے حد متاثر کیا تھا اور اسی سے یہ اندازہ بھی ہوا کہ تم واقعی ایک اچھے آدمی ہو... اور میں کسی اچھے آدمی کو مرنے سے پہلے ہکلاتے دیکھنا پسند نہیں کرتا۔"

"مگر میں..." تلہاس تھوک نگل کر بولا۔

"اچھا ایک شرط پر میں تمھیں معاف کر سکتا ہوں۔"

تلہاس کی آنکھوں میں مایوسی کی جھیلیں تیر رہی تھیں، ان جھیلوں میں اچانک ہی اُمید کی ایک لہر اُٹھتی محسوس ہوئی۔

"اگر تم میری ایک بات کا جواب دینے میں کامیاب ہو گئے تو میں تمھاری زندگی نہیں چھینوں گا۔"

"مم... میں کچھ بھی نہیں جانتا۔"

"وہ تو مجھے بھی معلوم ہے کہ مہروں کو کبھی حقائق سے آگاہ نہیں کیا جاتا۔" ٹائیگر نے نرم لہجے میں کہا۔ "لیکن میں جو کچھ پُوچھنا چاہتا ہوں، اس کا تعلق جمالیات سے ہے۔"

"جج... جمالیات!" تلہاس گڑبڑا گیا۔

"ہاں۔ کیا تم بتا سکتے ہو، ایک ایسی عورت جس کے چہرے پر چھوٹے چھوٹے اَن گنت بھُورے تل نہیں ہوتے، وہ کیسی ہوتی ہے؟"

تلہاس نے ٹائیگر کے سوال پر یُوں آنکھیں پھیلائیں جیسے اُسے اپنی سماعت پر اعتبار نہ آ رہا ہو یا پھر اُسے یقین ہو گیا... کہ شہزاد ٹائیگر پاگل ہو گیا ہے۔

"تم نے جواب نہیں دیا۔" شہزاد کا لہجہ بگڑنے لگا۔

"مجھے نہیں معلوم... میں ایسی عورتوں کو پسند نہیں کرتا۔"

"اچھا..." ٹائیگر کے ہونٹ بھنچ گئے... پھر اس کے ہونٹوں پر بڑی ہی ناقابلِ فہم مسکراہٹ اُمڈ آئی۔ اس نے دایاں ہاتھ آگے بڑھا دیا۔ "ملاؤ ہاتھ..." تلہاس نے ہاتھ آگے بڑھایا اور پھر وہ کسی ایسے آہنی ذرّے کی طرح ٹائیگر کی طرف لپکا جس کے قریب بہت ہی زیادہ طاقت ور مقناطیس رکھ دیا گیا ہو۔

اگلے ہی لمحے ٹائیگر نے اُسے خود سے الگ کیا اور فرش پر ڈال دیا۔

تہاس کے چہرے پر اُسودگی تھی۔ یُوں لگتا تھا جیسے وہ سو رہا ہو اور کوئی خوشگوار خواب دیکھ رہا ہو۔ اس کے ہونٹ مُسکرا رہے تھے... لیکن وہ مر چکا تھا۔

* *

ٹائیگر کا موڈ بے حد خراب تھا۔

اگرچہ کیبن میں موجود چاروں درندے اپنے انجام کو پہنچ گئے تھے لیکن اُن کے منصوبے کی تفصیل ٹائیگر کی سماعت تک پہنچ چکی تھی وہ نیمراف کی ان اونچی حرکتوں پر دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ اگر وہ اُسے روبرو شخص اُس کے سامنے آگیا تو وہ اُسے عملی طور پر ایک ایک انچ کے ٹکڑوں میں کاٹ کر، ایک بوری میں بھر لے گا اور پھر چڑیا گھر لے جا کر یہ بوٹیاں پنجروں میں بند درندوں، تالاب میں تیرتی مچھلیوں اور کانچ کے شوکیسوں میں رینگتے ہوئے اژدہوں کو کھلا دے گا۔

اب تک وہ بڑے بڑے سفّاک مجرموں سے نمٹ چکا تھا لیکن نیمراف ان سب سے مختلف ثابت ہو رہا تھا۔ آج تک کسی مجرم نے خوف و ہراس پھیلانے کے لیے بچّوں کو ستم کا نشانہ نہیں بنایا تھا جب کہ نیمراف کے یہ چاروں گُرگے اسپتال میں موجود، نومولود بچّوں کے پالنوں میں بم رکھنے کی تیاری کر رہے تھے۔

اس نے ایک جھرجھری سی لی۔

ہر طرف برف ہی برف تھی اور چاندنی رات نے نیلگوں رنگ اختیار کر لیا تھا۔ ٹائیگر نے اُس راستے کی طرف دیکھا جو زمین سے پہاڑوں کی طرف آتا تھا۔ اُسے معلوم تھا کہ وہ موت کا راستہ ہے۔ وہاں بارُودی سُرنگیں بچھی ہوئی ہیں اور وہاں قدم رکھنا، موت کے دہانے میں مذاق لے جانے کے مترادف تھا۔

ٹائیگر ایک غیر معمولی نوجوان تھا لیکن موت یکسانی مذاق اُسے قطعاً پسند نہیں تھا۔ اُسے احساس تھا کہ زندگی خُدا کی طرف سے دی گئی ایک بہت بڑی نعمت ہے... پھر اُس کی زندگی تو انسانیت کی خدمت کے لیے وقف تھی وہ انسانیت اور قانون کا دستِ آہن تھا جسے صرف اور صرف جرائم پیشہ لوگوں کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لیے تخلیق کیا گیا تھا یہی وجہ تھی کہ ٹائیگر کو اپنی زندگی بالکل اسی طرح عزیز تھی جیسے کسی دیانت دار شخص کو اپنی تحویل میں پڑی ہُوئی کسی کی امانت عزیز ہوتی ہے۔

اُس نے جُھک کر چٹان پر بکھری ہُوئی برف میں انگلیاں ڈال دیں۔ اگلے ہی لمحے یہ انگلیاں ایک پتھر پر جم گئیں... پھر اُس نے رفتہ رفتہ پتھر پر زور ڈالا اور اُسے چٹان سے توڑ کر الگ کر لیا۔

چٹانی پتھر ہاتھ میں لے کر وہ چند لمحوں تک اُسے گھُورتا رہا۔

پھر اس کی نگاہ کیبن کی طرف آنے والے راستے پر جم گئی۔

اس راستے کا جائزہ لینے کے بعد اُس نے ایک مقام کا تعیّن کیا اور پھر اُس کا ہاتھ بُلند ہو گیا۔ اس نے ہاتھ اُٹھاتے ہی بازو جھلانا شروع کر دیا۔ دوسرے جھٹکے میں اس کی انگلیوں کی گرفت اچانک ہی پتھر سے ہٹ گئی۔

پتھر اس کے ہاتھ سے بالکل اسی طرح نکلا جیسے توپ سے گولا یا کسی منجنیق سے بھاری بھرکم پتھر اُچھل کر نکلتا ہے۔

نیلگوں رات میں وہ بھاری پتھر، طے شدہ مقام کی طرف سفر کرتا رہا حتیٰ کہ وہ عین اُس جگہ جا گرا جہاں ٹائیگر اُسے پھینکنا چاہتا تھا۔ پتھر راستے پر گرا اور لڑھکنے لگا۔

پتھر ایک بارُودی سُرنگ پر پڑا تھا۔

ایک خوف ناک دھماکا ہُوا۔

برف، رُوئی کے گالوں کی طرح اُڑنے لگی۔

برف کے اس طوفان میں شعلوں اور دُھوئیں کی لہر اُبھری تھی پتھر تیزی سے لڑھکتا ہُوا نیچے جا رہا تھا اور راستے میں جہاں جہاں بھی بارُودی سُرنگیں بچھی ہُوئی تھیں، انھیں پھٹنے پر مجبور کرتا ہُوا اپنا سفر طے کرتا رہا۔ بار بار دھماکے ہو رہے تھے۔ شعلے ہی شعلے، دُھواں ہی دُھواں اور برف ہی برف اُڑتی دکھائی دے رہی تھی وہ راستہ اب شہزاد کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا تھا۔

بارُودی سُرنگیں پھٹنے کا سلسلہ اس وقت تک جاری رہا جب تک کہ پتھر چٹانی راستے طے کر کے ذرّات میں تبدیل ہو کر زمین پر نہیں بکھر گیا۔

وہ کسی خاموش تماشائی کی طرح کھڑا یہ تماشا دیکھتا رہا۔

رات کا سناٹا مجروح ہو چکا تھا۔

دُور کہیں سے کسی ہوائی جہاز کی آواز سُنائی دے رہی تھی۔

ٹائیگر چند لمحوں تک آسمان پر ہونے والی گڑگڑاہٹ سُنتا رہا... پھر اس نے ذرا سا جھک کر اپنے پھیلے ہُوئے وہ جگہ چھوڑ دی۔

وہ مختلف چٹانوں پر کُودتا ہُوا نیچے چل دیا۔

نیلگوں رات میں اُسے دُور سے دیکھ کر یہی احساس ہوتا تھا جیسے کوئی رُوح چٹانوں پر رقص کر رہی ہو... یا کوئی سایہ روشنی کے

آگے آگے بھاگ رہا ہو۔ اُس کا یہ رقص اُس وقت تک جاری رہا جب تک کہ اُس کے قدم زمین پر نہیں پہنچ گئے۔

ابھی وہ زمین پر پہنچا ہی تھا کہ دُور کہیں سے پولیس کاروں کے سائرن چیخنے لگے۔ ٹائیگر نے ان آوازوں سے سمت کا اندازہ لگایا اور پھر وہ ایک راستے پر دوڑنے لگا... تیزی سے... اور تیزی سے... حتیٰ کہ اس کے پاؤں زمین پر لگتے دکھائی نہیں دیتے تھے۔

جھیل نیالوک کے کنارے پہنچ کر بھی اُس کی رفتار کم نہ ہُوئی۔

اس جھیل میں ہاؤس بوٹس تیر رہی تھیں۔ ٹائیگر دوڑتا ہُوا ایک ہاؤس بوٹ تک پہنچا اور پھر اس کا دروازہ کھولتا ہُوا یُوں اندر داخل ہُوا جیسے وہ ڈنر کے بعد چہل قدمی کر کے واپس آ رہا ہو۔

اُوشان کنول کا آسن جمائے بیٹھا تھا۔

اُس کی آنکھیں بند تھیں۔

"رُوحانی باپ!" ٹائیگر نے دھیمی آواز میں کہا۔ "مجھے دُعائیں دو کہ میں خیریت سے واپس آ گیا ہُوں ہو"

اُوشان کے پپوٹوں تک میں حرکت پیدا نہ ہُوئی۔

"گدھے کا بچّہ!" ٹائیگر نے زیرِ لب کہا۔

اس نے سنبھلنے میں بڑی پھرتی دکھائی تھی، ورنہ اُوشان کا تمانچہ اُس کے رخسار پر اتنے زور سے پڑتا کہ اُس کی صُورت بگڑ کر رہ جاتی۔ "مم... میں نے تو خود اپنے آپ کو کہا تھا، فادر" وہ ہکلانے لگا۔

اُوشان چند لمحوں تک اُسے گھُورتا رہا، پھر اُس کے پتلے پتلے اور نظر نہ آنے والے ہونٹوں پر مُسکراہٹ کی لکیر نمودار ہُوئی۔

"اکرم نے اپنے بارے میں کہا تھا تو اس طرح گالی کی سنگینی کم نہیں ہُوئی بلکہ بڑھ گئی ہے" اُوشان کی آواز میں عجیب سا تاثر تھا۔

"اگر آپ چانٹا مارنے کی بجائے دولتی جھاڑنے کی کوشش کرتے تو میں اس سنگینی کا جیتا جاگتا نمونہ بن گیا ہوتا" ٹائیگر نے کراہنے کے سے انداز میں کہا۔

اُوشان اُس کے اس مسخرے پن پر مخصوص انداز میں کھی کھی کھی کر کے ہنس پڑا۔ یُوں لگتا تھا جیسے کوئی بطخ بول رہا ہو۔

ٹائیگر نے دونوں کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں... وہ اُوشان کی اس مخصوص ہنسی سے بہت چڑتا تھا "خُدا کے لیے اُوشان!" اس نے فریاد کرنے کا انداز اختیار کر لیا۔ "اگر تمھیں ہنسنے میں انفرادیت قائم کرنے کا اتنا ہی شوق ہے تو کسی اور جانور کی آواز اپنا لو۔ میں اسے برداشت نہیں کر سکتا کہ میرا اُستاد ساخت اور کردار کے اعتبار سے تو درکنار صوتی لحاظ سے بھی بطخ جیسا ہو"

اسی لمحے ہاؤس بوٹ میں موجود وائرلیس کا سیٹ بیدار ہو گیا۔ عجیب سا سگنل موصول ہونے لگا تھا۔ اُوشان چونک پڑا۔ وہ تیزی سے آگے بڑھا اور اس نے سیٹ پر بات چیت شروع کر دی۔

ٹائیگر چند لمحوں تک تو غیر دلچسپی سے اس کی طرف دیکھتا رہا... پھر کندھے اُچکاتا ہُوا دُوسرے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

"ہرام واقعی بڑا ذہین آدمی ہے" اُوشان کی آواز سُن کر ٹائیگر چونک پڑا۔ اس نے کپڑے بدلتے بدلتے دروازے کی طرف دیکھا اور اس کا چہرہ ایک دم سوالیہ نشان بن گیا۔ گویا وہ اُوشان سے اس جملے کی وضاحت چاہتا تھا۔

"غزالہ..." اُوشان نے معنی خیز انداز میں کہا۔

"لک... کیا مطلب؟" اس بار ٹائیگر کی بوکھلاہٹ میں اداکاری نہیں تھی۔ ہرام کے ساتھ کسی لڑکی کا نام اس کے لیے حیرتوں ہی کی... بات تھی۔

"غزالہ رُوبی ٹائیگرس ہے..." اُوشان مخصوص انداز میں ہنسنے لگا۔

"میری مادہ...؟"

اُوشان نے شریر انداز میں سر کو مثبت جنبش دی۔ لیکن صرف نام اور خصوصیات کی حد تک۔ اُوشان نے وضاحت کی۔ "ہرام اس سے بے حد پُرامید ہے اور لڑکی نے مجھے بھی مایوس نہیں کیا۔ بڑی ہی ہونہار شاگرد ثابت ہو رہی ہے"

ٹائیگر کچھ سمجھنے کے انداز میں پلکیں جھپکاتا رہا۔

اُوشان نے بتایا کہ غزالہ، صدر شیخانی کی بھانجی ہے اور حال ہی میں اعلا تعلیم حاصل کر کے واپس آئی ہے۔ مہل میں اُسے اُوشان اور ہرام سے متعارف کرایا گیا اور وہیں ہرام، غزالہ کی خصوصیات سے متاثر ہو گیا اور پھر اس نے غزالہ کو ٹائیگرس بنانے کا فیصلہ کر لیا۔

"دیکھو فرزند! غزالہ روبی ایک آبنوسی لڑکی ہے۔ میرا خیال ہے، تم دونوں کی جوڑی خوب رہے گی" اُوشان ہنستا ہُوا واپس چلا گیا۔

ٹائیگر نے سر تھام لیا۔ وہ جانتا تھا کہ اُوشان اس وقت لاکھ اصرار کے باوجود اس لڑکی کے بارے میں کچھ نہیں بتائے گا، اس لیے فی الحال صبر و تحمل ہی سے کام لینا چاہیے... لیکن وہ دل ہی دل میں خوش ضرور ہو رہا تھا کیوں کہ ٹائیگر کے ساتھ ایک عدد ٹائیگرس کی موجودگی بہرحال ضروری بھی تھی۔

**

غزالہ اردو بی کی عمر تیئس ۲۳ سال تھی۔

اگرچہ وہ سیاہ فام تھی لیکن اس کے نقش و نگار میں بلا کا تضاد نہیں تھا اور نہ ہی وہ جسمانی طور پر گئی گزری تھی وہ اجنوسی حسن کا شاہکار تھی اور ذہانت میں اتنی آگے کی چیز تھی کہ بہرام نے اسے بالکل اسی طرح فی الفور دل میں اتار لیا جیسے شہزادہ ٹائیگر کو اب تک قلب و نظر میں بسائے ہوئے تھا۔

صدر شینائی کی یہ بھانجی اب بہرام کے ساتھ ہی مقیم تھی۔

بہرام ایک شان دار کوٹھی کے ایک کمرے میں بیٹھا تھا اور اس کے سامنے ایک وائرلیس سیٹ رکھا ہوا تھا۔ خیر اف کے سلسلے میں صورت حال اتنی خطرناک ہوگئی تھی کہ بہرام نے مجبوراً اسکو دبا میں بھی اپنی تنظیم چارہ گر کی ایک شاخ بنانے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ اس وقت وہ جس عمارت میں موجود تھا، یہ صدر شینائی نے چارہ گر کے لیے بطور خاص فراہم کی تھی اور بہرام نے اسے عارضی ہیڈ کوارٹر بنالیا تھا۔ یہیں غزالہ بھی اس کے ساتھ مقیم تھی اور اس نے دفتری امور سنبھال رکھے تھے۔

بہرام نے ایک گھنٹی کا بٹن دبایا۔

اس بٹن کا تعلق اس گھنٹی سے تھا جو غزالہ کے کمرے میں لگی ہوئی تھی گھنٹی کی آواز سنتے ہی غزالہ اٹھی اور مادہ چیتے جیسی پُروقار چال کے ساتھ بہرام کے کمرے میں داخل ہوئی۔

"یس انکل؟" اس نے گہری سنجیدگی سے پوچھا لیکن اس کی آنکھوں میں متانت کی بجائے، شرارت کی چمک تھی۔

بہرام نے اس خط سے نگاہ اٹھائی جسے وہ اس کی آمد سے پہلے پڑھ رہا تھا۔ "تمہیں ایک لکھنے والے کو تلاش کرنا ہے؟"

"کس پاگل خانے میں انکل؟" وہ مسکرا کر بولی۔ لیکن جب اس نے دیکھا کہ بہرام اس وقت مذاق کے موڈ میں نہیں ہے تو وہ بھی سنجیدہ ہوگئی۔ "بہت بہتر انکل۔" اس نے یہ کہتے ہوئے، بہرام کے ہاتھ سے کئی صفحات پر مشتمل وہ خط لے لیا۔

یہ وہی خط تھا جو زاک نے اپنی گم شدگی سے قبل لکھ کر فلاسی کو پوسٹ کرنے کے لیے دیا تھا۔ ایک بچے نے یہ خط پوسٹ کر دیا تھا اور فلاسی ایک حادثے میں زخمی ہوگئی تھی، ہجوم میں سے کسی ہمدرد نے اسے اسپتال پہنچا دیا تھا اور ابتدائی طبی امداد کے بعد وہ واپس اپنے اپارٹمنٹ پہنچ گئی تھی... لیکن زاک نے اس خط کے خر میں اپنا نام و پتہ نہیں لکھا تھا۔

غزالہ نے وہ کاغذات کمپیوٹر کے حوالے کیے اور نصف گھنٹے تک کام میں مصروف رہی۔ کمپیوٹر کا ذخیرہ معلومات فراہم کرتا رہا۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد وہ ایک ایسی حد کو پہنچ گئی جہاں سے خط لکھنے والے کی شخصیت بے نقاب ہونا شروع ہوگئی تھی۔ بالآخر اس نے زاک کا نام حاصل کرلیا۔

اب اس نام اور شخصیت کے بارے میں معلومات حاصل کرنا تھیں۔ کمپیوٹر کے ٹیپ چلتے رہے اور برقی دماغ، یادداشت کے ذخیرے سے پرانی باتیں نکال نکال کر اسکرین پر روشن کرتا رہا۔

زاک ایک مسابق نوجی تھا۔ فوج کا ریکارڈ روشن دار تھا، تعلیمی ریکارڈ بھی بہترین ثابت ہوا... لیکن مالی حالات کا پتہ الگم ٹیکس کے ریکارڈ سے چلا۔ یہ ریکارڈ قابلِ شرمناک تھا۔

اس نے ٹیلی فون ڈائریکٹری اٹھالی۔

ڈائریکٹری میں زاک کا فون نمبر موجود تھا لیکن اس نمبر پر رابطہ قائم نہ ہوسکا۔ آپریٹر نے بتایا کہ عرصہ ہوا بل کی ادائیگی نہ ہونے کے باعث زاک کا فون کاٹ دیا گیا تھا۔

غزالہ نے وہ ڈائریکٹری نکالی جس سے نمبروں کے ذریعے ایڈریس معلوم کیا جاسکتا تھا اس نے پتہ نوٹ کرلیا اور پھر یہ ساری معلومات لے کر واپس بہرام کے کمرے میں پہنچ گئی۔

"خط لکھنے والے کا نام زاک ہے، جناب! اس نے گہری متانت سے بتایا۔ "وہ ایک سُراغ رساں ہے... لیکن گزشتہ تین ہفتوں سے غائب ہے۔ نہ تو اپنے گھر پہنچا اور نہ ہی دفتر میں اسے دیکھا گیا۔"

بہرام نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

وہ گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔

"ٹھیک ہے! میں، تمہیں اس کام پر لگا رہا ہوں۔"

"شکریہ انکل۔" اس کے لبوں پر مسکراہٹ اور آنکھوں میں بے پناہ چمک پیدا ہوگئی۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے کسی بچے کو کھیلنے کی اجازت دے دی گئی ہو۔ میں بھی دفتر میں بیٹھ کر کام کرتے کرتے بور ہوگئی تھی۔"

بہرام کے ہونٹوں پر شفیق مسکراہٹ پھیل گئی۔

"کیا میں زاک کو تلاش کروں، انکل؟"

"ہاں..." بہرام نے جواب دیا اور وضاحت سے بتایا کہ اصل معاملہ کیا ہے۔ جب اس نے لوپانو خاندان کو تباہ کرنے کے منصوبے کا انکشاف کیا تو غزالہ کے پُرکشش ہونٹ سٹ کر ایک دائرے کی شکل اختیار کرگئے۔ "اگر اس خاندان کو نہ بچایا گیا تو یہ ملک تباہ ہو جائے گا ایسی صورت میں نیمراف کے لیے یہاں فیصلہ کرنا بے حد آسان ہوجائے گا۔"

"اوہ... لیکن آپ اپنے ٹائیگر کو کیوں استعمال نہیں کرتے؟"

"وہ کام کر رہا ہے۔"

"میرا مطلب تھا اسے لوپانو خاندان کی حفاظت پر مامور کر دیا جائے؟"

"اوہ... بہرام نے ایک طویل سانس لی۔ "تمہارا مشورہ تو درست ہے لیکن ٹائیگر کو محض باڈی گارڈ کے طور پر استعمال نہیں کیا جاسکتا وہ بے حد قیمتی آدمی ہے، غزالہ! میں اُسے انتہائی ناگزیر حالات میں ہی استعمال کرنا چاہتا ہوں۔"

"میرا خیال ہے، حالات ناگزیر ہی ہیں جناب۔"

"ٹھیک ہے، میں اس موضوع پر غور کروں گا۔"

"میرا خیال ہے، مجھے اب یہاں سے نکل کر میدانِ عمل میں کود پڑنا چاہیے۔"

"ہاں... تم جاؤ۔ میں آج رات شہزاد سے ملوں گا اور دیکھوں گا کہ لوپانو خاندان کے لیے اس کی خدمات کس حد تک حاصل کی جاسکتی ہیں۔"

وہ دروازے میں رُک گئی اور پلٹ کر بولی۔

"انکل... اس کی آواز جوش اور ولولے سے کانپ رہی تھی۔" اگر میں آپ کے ٹائیگر سے پہلے کامیاب ہوگئی تو...؟"

بہرام نے چونک کر اس کی طرف دیکھا... پھر اس کے ہونٹوں پر محبت آمیز مسکراہٹ پھیل گئی۔ "ایسی صورت میں میں تمہیں ٹائیگر کا خطاب ضرور دے دوں گا۔"

"اوہ! گریٹ انکل۔" وہ خوشی سے جھوم کر بولی اور دروازہ کھول کر کمرے سے نکل گئی۔ بہرام خاموش بیٹھا مسکراتا رہا۔ اس کے کانوں سے غزالہ کے سینڈلوں کی آوازیں ٹکرا رہی تھیں، جو راہ داری میں رفتہ رفتہ دُور ہوتی جارہی تھیں حتیٰ کہ آوازوں کا سلسلہ ختم ہوگیا اور سناٹے نے ماحول کو جکڑ لیا۔

**

ٹوکیو کے سب سے بڑے بینک کی عمارت میں گیارھویں منزل پر واقع ایک کشادہ کمرے میں چودہ جاپانی ایک بڑی سی میز کے گرد بیٹھے جُھوٹے تھے۔ یہ سب کے سب کاروباری آدمی تھے۔ جاپان کے چوٹی کے بزنس مین... ان میں سے ہر ایک دُوسرے کی خدمت و اطاعت کا معترف نظر آرہا تھا۔

اُنھوں نے اپنے اپنے کارڈ نکالے۔

ہر شخص کے پاس تیرہ کارڈ جمع ہوگئے۔ ان سب نے ایک دُوسرے کا نام ترتیب وار رکھا تھا لیکن کبھی مل بیٹھنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ ان میں سے بعض کے پاس کیمرے تھے اور بعض نے اپنے بریف کیسوں میں ٹیپ ریکارڈر فٹ کر دار رکھے تھے۔ دو ایک کے پاس ایسے بریف کیس بھی تھے جن میں کارڈلیس فون "نصب تھے۔

متعارف ہونے کے بعد ان میں سے ہر شخص کی نگاہ دیوار گیر گھڑی کی طرف اُٹھ گئی... پھر اُنھوں نے اپنی کلائی کی گھڑیاں دیکھیں اور ہر ایک کے حلق سے ایک طویل سانس خارج ہوگئی۔

ان کی آنکھوں میں انتظار کا گہرا تاثر تھا۔

ملاقات کا وقت ہو چکا تھا اور گھڑی کی سُوئیاں بتا رہی تھیں کہ لوپانو خاندان کا بڑا بیٹا لومر وقت کا پابند نہیں ہے ان چودہ جاپانی بزنس مینوں کو لومر ہی کا انتظار تھا۔

یہ ایک خفیہ اجلاس تھا اس لیے وقت کی پابندی اور بھی ضروری ہوگئی تھی... لیکن لومر ابھی تک نہیں آیا تھا۔

اگر انھیں ٹریڈ کونسل نے خاص طور سے ہدایات نہ دی ہوتیں تو شاید وہ اس اجلاس کو مذاق ہی پر محمول کرتے... لیکن ٹریڈ کونسل ان سے مذاق نہیں کرسکتی تھی۔

جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا، ان کی حیرت بڑھتی جارہی تھی۔ حیرت کے ساتھ ساتھ بے چینی میں بھی اضافہ ہو رہا تھا۔

مارکو خاموشی نہ رہ سکا۔ "کاش! وہ جلدی آجاتا۔ مجھے ایک بے حد ضروری کام سے جانا تھا۔"

اس بات پر تیرہ سروں نے اثبات میں جنبش کی۔

پانچ منٹ اور تیرہ سیکنڈ کی تاخیر ہوچکی تھی۔

"گیارہ بج کر پانچ منٹ اور تیرہ سیکنڈ۔" ایک بزنس مین ناگواری سے بڑبڑانے لگا۔ "کافی دیر ہوگئی ہے۔"

اس بات پر بھی تیرہ سروں نے مثبت جنبشیں کیں۔

"مجھے یقین ہے کہ وہ ابھی تھوڑی دیر بعد یہاں آجائے گا۔" ایک بزنس مین نے کہا تو تیرہ چہرے اس کی طرف متوجہ ہوگئے۔ اُنھوں نے اس بات پر بھی تائید میں گردنیں ہلا دی تھیں۔ گریبان میں سے کوئی بھی، کسی سے اختلاف کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا۔

سب ہی جانتے تھے کہ وہ ایک انتہائی اہم میٹنگ کے لیے آئے ہیں... لیکن اتنا تاخیر اُن کے لیے ناقابلِ برداشت تھی۔

وقت گزرتا رہا تھا۔

بے چینی بڑھتی جارہی تھی۔

رفتہ رفتہ ہر آنکھ اور ہر چہرے پر مایوسی اور نا اُمیدی کے تاثرات پیدا ہوتے چلے گئے۔ دس منٹ کی تاخیر کے باوجود لومر کا دُور دُور تک نام و نشان بھی نہیں تھا۔

★★

لوپانو خاندان کے بڑے بیٹے لومر نے اپنے سیکرٹری کی طرف دیکھا اور دھیمی آواز میں بولا: "نہیں... میں وہاں نہیں جانا چاہتا..."

وہ ایک نوجوان آدمی تھا اور سیاہ سُوٹ میں اس کی مردانہ وجاہت کچھ اور بھی بڑھ گئی تھی۔ اس کے کلین شیو چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے اور وہ بار بار اپنی انگلیوں کی پوریں رخساروں پر رگڑنے لگتا تھا۔

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا جناب!" سیکرٹری کے لہجے میں حیرت ہی نہیں شدید بوکھلاہٹ بھی تھی۔ یُوں لگتا تھا جیسے اُسے اپنی سماعت پر اعتبار نہ آرہا ہو۔ اس نے بھی سیاہ سُوٹ پہن رکھا تھا لیکن چہرے مُہرے اور انداز سے پتہ چلتا تھا جیسے اُس کی پیدائش اسپتال کی بجائے کسی مُردہ گھر میں ہوئی ہو۔

"اس میں سمجھنے کی کوئی بات نہیں ہے" لومر بڑبڑایا۔ "بس میں وہاں جانا نہیں چاہتا۔ نہ جانے کیا بات ہے کہ وہاں جانے کی خواہش ہی نہیں ہو رہی ہے۔ یُوں لگتا ہے جیسے کوئی گڑبڑ ہو اور میری چھٹی حس مجھے وہاں جانے سے روک رہی ہو۔"

وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔

اس کا قد لمبا تھا اور اس طویل قامتی کے باعث اس کی کشش مزید بڑھ گئی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا کھڑکی کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ اس نے کھڑکی سے باہر سڑک پر بہتے ہوئے ٹریفک کے سیلاب کا جائزہ لیا اور تیزی سے پیچھے ہٹ گیا۔ یُوں لگتا تھا جیسے اُسے کوئی ایسی شے نظر آگئی ہو جسے وہ طبعاً پسند نہ کرتا ہو۔

سیکرٹری کے چہرے پر تشویش بڑھتی جارہی تھی۔

گزشتہ روز لومر ایک خفیہ مشن کی تیاری کے سلسلے میں اسکوٹ سے جاپان آنے کے لیے بے حد بے قرار تھا۔ لیکن جاپان ائرپورٹ پر اترنے کے بعد اس میں ایک عجیب سی تبدیلی رُونما ہوئی۔ اس نے ایسے تقاضے کیے، جن کا پہلے کبھی اس کی زبان سے ذکر تک نہیں سُنا گیا تھا۔ ائرپورٹ سے ہی وہ عقبی دروازے سے چھپ کر نکلا تھا اور اس نے سختی سے ہدایت کی تھی کہ ہوٹل تک لے جانے والا ڈرائیور جاپانی نہیں ہونا چاہیے۔

ہوٹل میں آنے کے بعد وہ کہیں باہر نہیں گیا۔

اس نے سیکرٹری کو ہدایت کر دی کہ اس کے کمرے میں کوئی جاپانی مرد یا جاپانی عورت قدم نہ رکھے حتیٰ کہ ویٹر اور ویٹرس کو بھی اس کی نگاہوں سے دُور رکھا جائے۔

"لیکن جناب! آپ کا البتہ..." سیکرٹری نے گزشتہ روز اعتراض کیا تھا۔

"میں اپنا بستر خود ہی تیار کر لوں گا۔"

اس طرح گزشتہ بارہ گھنٹوں کے دوران میں اُس نے نہ تو کسی جاپانی سے ملاقات نہیں کی اور نہ ہی کسی جاپانی لڑکی کو خراگاہ میں آنے کی اجازت دی۔ سیکرٹری حیران تھا کیوں کہ لومر جاپانی عورتوں سے گہری دلچسپی لیتا تھا اور وہ انھیں بے حد پسند کرتا تھا۔ جاپان میں اس کا بیشتر وقت جاپانی عورتوں ہی کی رفاقت میں گزرتا تھا۔

...اور اب وہ اپنے کمرے میں کسی ایسے جانور کی طرح بے چینی سے ٹہل رہا تھا جسے جنگل کی آزاد فضاؤں سے زبردستی لاکر کسی پنجرے میں بند کر دیا گیا ہو۔ وہ بار بار دونوں ہاتھ ملنے لگتا تھا۔

"مجھے ان زرد قالینوں سے کس قدر نفرت محسوس ہو رہی ہے۔" وہ رُک کر فرش کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

یہ بات بھی سیکرٹری کے لیے تحیر خیز تھی کیوں کہ زرد رنگ لومر کا پسندیدہ رنگ تھا... تب سیکرٹری کو یاد آیا کہ گزشتہ دو روز سے وہ سیاہ سُوٹ پہن رہا ہے حالاں کہ پہلے وہ زرد کپڑے کا سوٹ بڑے شوق سے پہنا کرتا تھا۔

"جیرالڈ۔ تمھارا چہرہ بھی کچھ زرد ہوتا جارہا ہے۔" وہ پلٹ کر بولا۔ "اپنی صحت کا خیال رکھو۔ مجھے زرد رنگ کی چیزوں ہی سے نہیں زرد چہروں سے بھی نفرت محسوس ہوتی ہے۔"

سیکرٹری بوکھلا گیا۔ یہ ایک بالکل ہی نرالی بات تھی وہ اپنی انگلی دانتوں میں دبا کر چبانے پر مجبور ہو گیا کہ کہیں یہ سب کچھ کوئی خواب تو نہیں ہے؟ انگلی میں تکلیف نے اُسے فوراً احساس دلا دیا کہ وہ کوئی خواب نہیں دیکھ رہا ہے۔

اس نے سوچا کہ اُس کا باس نروس بریک ڈاؤن کا شکار ہو گیا ہے۔

"ٹھیک ہے جناب" اس نے دھیمی آواز میں کہا۔ "میں فون کر کے ان لوگوں کو اطلاع دے دیتا ہوں کہ آپ کی طبیعت... خراب ہے۔"

لومر نے چونک کر اُس کی طرف یُوں دیکھا جیسے اس کی موجودگی کا پہلی بار احساس ہوا ہو... پھر اس نے سر کو منفی جنبش دیتے ہوئے کہا...

"نہیں... یہ بہانہ کارآمد ثابت نہیں ہو سکتا۔" اس کے اپنے لہجے میں تشویش گھلی ہوئی تھی۔ سب جانتے ہیں کہ لوپانو خاندان کے افراد کبھی بیمار نہیں پڑتے۔ کم از کم میرے ڈیڈی اس بات پر کبھی یقین نہیں کریں گے۔ ہمیں اس میٹنگ میں جانا ہی پڑے گا، جیرالڈ۔ بس یہی کوشش کرنا کہ ہر ممکن جلد یہ میٹنگ ختم ہو جائے۔ میں وہاں زیادہ دیر نہیں بیٹھ سکوں گا۔"

وہ عمارت سے باہر آئے۔

لومر نے ایک ایسے راستے کا انتخاب کیا جس میں کسی سے مڈبھیڑ کا امکان بہت کم تھا۔ اس سلسلے میں جیرالڈ نے اس کی خاصی مدد کی۔ باہر جو کار کھڑی تھی، اس کا ڈرائیور ایک سیاہ فام تھا۔ کار کی کھڑکیوں پر ایسے پردے پڑے ہوئے تھے جن سے باہر نہیں دیکھا جا سکتا تھا۔

منزلِ مقصود پر پہنچ کر وہ کانفرنس رُوم کی طرف جانے والی راہ داری میں چلنے لگے۔ لومر اپنے سیکرٹری کی طرف جھکتے ہوئے بولا۔ "میرے قریب ہی رہنا، جیرالڈ! مجھے کسی وقت بھی تمھاری ضرورت محسوس ہو سکتی ہے۔"

سیکرٹری نے اُلجھن آمیز انداز میں سر ہلا دیا۔ "بہتر جناب!" اس نے کہا وہ حیران تھا کہ آخر لومر کس پریشانی میں مبتلا ہے۔

کانفرنس رُوم کے دروازے پر پہنچ کر جیرالڈ جلدی سے آگے بڑھا اس نے دروازہ کھولا اور پھر ایک قدم ہٹ کر کھڑا ہو گیا تاکہ لومر کانفرنس رُوم میں داخل ہو سکے۔ کمرے میں موجود چودہ جاپانی بزنس مینوں کی نگاہ جیسے ہی لومر پر پڑی، وہ اس کی پذیرائی میں اُٹھ کھڑے ہوئے۔

ان کے اُٹھتے ہی اور ان پر نگاہ پڑتے ہی لومر کی عجیب حالت ہو گئی۔ سیکرٹری نے دیکھا کہ لومر یُوں جھک رہا ہے جیسے اس کے سامنے چودہ کا ردباری آدمی اس کے استقبال میں نہیں بلکہ اس پر حملہ آور ہونے کے لیے کھڑے ہوئے ہوں۔

لومر دروازے میں ٹھٹک گیا جیسے اس کا پورا وجود اس کی پوری ہستی اور اس کی رُوح تک منجمد ہو گئی ہو۔ اس کی آنکھیں پھٹی پھٹی سی لگ رہی تھیں ان میں وحشت تیر رہی تھی اور چہرے سے ہوائیاں اُڑتی محسوس ہو رہی تھیں ——— سیکرٹری نے لومر کی یہ حالت دیکھی تو وہ جلدی سے دروازہ بند کر کے آگے بڑھا۔ کانفرنس رُوم میں موجود لوگوں کی طرف تعظیماً جھک کر بولا۔

"بہت بہت فکر یہ حضرات!" اس کا لہجہ بے حد مؤدب تھا "براہِ کرم اپنی اپنی نشستوں پر تشریف رکھیے۔"

چودہ آدمی اطمینان سے بیٹھ گئے۔

...لیکن یہ اطمینان زیادہ دیر تک برقرار نہ رہ سکا۔

لومر کی حالت اتنی تیزی سے بدل رہی تھی کہ ان لوگوں سے چھپی نہ رہ سکی۔ سب کے سب پہلے تو اُلجھن زدہ دکھائی دیئے پھر اُن کے انداز سے حیرت جھلکنے لگی جو ہر گزرتے ہوئے لمحے کے ساتھ ساتھ بڑھتی ہی جارہی تھی۔

لومر نہایت احتیاط سے قدم رکھ رہا تھا۔

اس کی پھٹی پھٹی آنکھوں میں دہشت کا تاثر بڑھتا چلا گیا... لیکن وہ خود پر قابو پا کر ایک بار اثبات میں، سر ہلانے میں کامیاب ہو گیا۔ وہ اب پھر گھبرائی گھبرائی نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگا تھا۔ اس کی حالت کسی ایسے چوہے جیسی تھی جو بل کے نزدیک سے نکلنے کے لیے راہِ فرار تلاش کر رہا ہو۔

وہ میز کے کونے تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔

اس نے سیکرٹری کا ہاتھ پہنچنے سے پہلے ہی کرسی پکڑ کر گھسیٹ لی اور اُسے میز سے چار قدم کے فاصلے تک کھینچ لیا... پھر وہ کرسی کے کنارے یُوں بیٹھ گیا جیسے کسی بھی لمحے بھاگ اُٹھنے کا ارادہ رکھتا ہو۔

اس کا دل شدت سے دھڑک رہا تھا۔

سیکرٹری اس سے زیادہ دُور نہیں تھا اور لومر کی دھڑکنوں کی آواز اُسے بھی سنائی دے رہی تھی۔ یا پھر ممکن ہے یہ خود اس کے اپنے ہی دل کی دھڑکنوں کی آواز تھی وہ بھی بُری طرح گھبرا رہا تھا کیوں کہ لومر کی وجہ سے اس پر بہت بڑی ذمے داری عاید ہوتی تھی۔

چودہ جاپانی بزنس مین تجسس بھری نظروں سے لومر کی طرف دیکھ رہے تھے ان میں سے تقریباً ہر شخص پہلے کبھی نہ کبھی اس سے مل چکا تھا۔ غالباً اسی لیے ہر شخص کو حیرت تھی کہ لومر جیسا خوش مزاج یکایک اس قدر تبدیل کیسے ہو گیا؟

اس کانفرنس کی رہنمائی مارکر کے ذمے تھی۔

اس نے لومر کرا اپنی کرسی میز سے چار قدم دُور ہٹا کر بیٹھتے دیکھا تو وہ بھی اُٹھا اور اس نے بھی اپنی کرسی چار قدم دُور ہٹالی۔ یہ غالباً معزز مہمان کو مزید عزت دینے کے لیے کیا گیا تھا۔ مارکر نے جیسے ہی نشست اختیار کی کانفرنس رُوم میں موجود باقی تیرہ آدمیوں

کی کرسیاں بھی چار چار قدم پیچھے سرک گئیں۔ اب ان کرسیوں اور کرسیٔ میز کے درمیان اتنا فاصلہ پیدا ہوگیا تھا کہ اگر کسی شخص کو میز پر رکھے ہوئے بریف کیس سے کوئی چیز نکالنا پڑتی تو اُسے چار قدم چلنے کے بعد ہی اس میں کامیابی حاصل ہوسکتی تھی۔

سیکرٹری نے کن انکھیوں سے باس کی طرف دیکھا۔

لومر کی پیشانی پر پسینے کے قطرے چمک رہے تھے۔

"جیرالڈ!" اس کی پھنسی پھنسی آواز سُنائی دی۔ "تم بھی ایک کرسی لے لو اور میرے قریب ہی بیٹھ جاؤ۔"

سیکرٹری کو اب پوری طرح یقین ہوگیا تھا کہ اس کا باس نرکس بریک ڈاؤن کا شکار ہوگیا ہے۔

چودہ جاپانی بزنس مین اب مُسکرا رہے تھے لیکن ان کی آنکھوں میں ابھی تک اُلجھن کے تاثرات منجمد تھے۔ جیرالڈ بھی ایک کرسی گھسیٹ کر لومر کے قریب ہی بیٹھ گیا۔ اس نے نشست اختیار کرتے وقت ایسا زاویہ اختیار کیا تھا جس سے وہ کانفرنس رُوم کے ہر شخص پر نگاہ رکھ سکتا تھا۔

اچانک اُسے لومر میں ایک اور تبدیلی محسوس ہوئی۔

لومر کا جسم تھر تھر کانپ رہا تھا۔

اس کی ہتھیلیاں اور بُدرے کا پُورا چہرہ پسینے میں ڈوب گیا تھا وہ باری باری ان چودہ زرد چہروں کو دیکھ رہا تھا.... جو خود اُس کی طرف متوجہ تھے اور اس بات کا انتظار کر رہے تھے کہ وہ کچھ بولے۔ سیکرٹری حیران تھا کہ باس کو کیا ہوگیا ہے؟ کیا یہ کسی خاص چہرے کی تلاش میں ہے؟

یکایک لومر نے بولنے کے لیے مُنہ کھولا۔

وہ بولنے لگا... لیکن یُوں لگ رہا تھا جیسے بولنے میں اُسے زبردست دُشواری ہو رہی ہو۔ ایک ایک لفظ بڑی مشقت کے بعد ادا ہو رہا تھا۔

"آپ حضرات جانتے ہیں کہ ہم یہاں کس لیے جمع ہوئے ہیں۔" لومر نے یہ جملہ کم و بیش ایک منٹ میں ادا کیا تھا۔

ایک جُملہ ادا کرنے کے بعد وہ رُک گیا اور خاموش ہوتے ہی یُوں مُنہ بگاڑنے لگا جیسے بار بار تھُوک نگل رہا ہو۔

چودہ جاپانی آدمیوں نے بڑی نرمی سے سَروں کو اثبات میں ہلایا۔

"ہمارے مہربان صدرِ مملکت چاہتے ہیں کہ ہمارے درمیان ایک ایسا کاروباری معاہدہ ہوجائے جو دونوں ممالک کے لیے ہی فائدے مند ثابت ہو۔" یہ جملہ لومر نے مزید اٹک اٹک کر اڑھائی منٹ میں ادا کیا تھا۔

دُشواری سے ادا کیا تھا۔

اس بار پھر چودہ سَروں نے مثبت جنبش دی۔

"میں جانتا ہُوں کہ..." اب لومر کا لہجہ تیز اور بولنے کی رفتار غیر معمولی ہوگئی۔ "مجھے معلوم ہے کہ تم زرد چہروں والے شیطانوں پر ہرگز اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ تم لوگوں نے جو کچھ بھی کیا ہے، وہ میں بھولا نہیں ہُوں۔"

سیکرٹری کی حالت یوں ہوگئی جیسے اُسے سانپ سُونگھ گیا ہو۔

چودہ جاپانیوں کے چہرے بھی حیرت سے بگڑ گئے۔

ہر کوئی سکتے کی حالت میں بیٹھا تھا۔

باری باری انھوں نے بڑبڑاہٹوں میں احتجاج کیا۔ اس بھنبھناہٹ کے جواب میں لومر غصّے سے چیخنے لگا۔

"مجھ سے بحث کرنے کی ضرورت نہیں۔ تم لوگ آسمانی بلائیں ہو۔" وہ یوں بول رہا تھا جیسے ہوش و حواس کھو بیٹھا ہو۔ "میں جانتا ہوں، تم لوگ مجھے بے خبری میں شکار کرلینا چاہتے ہو۔ تم میری بوٹیاں نوچ لینا چاہتے ہو۔"

"جناب!" سیکرٹری نے جھک کر دھیمی آواز میں کہا۔ شاید وہ اسے ان باتوں سے روکنا چاہتا تھا... اور پھر جیسے ہی اس کی نگاہ لومر کے ہاتھوں پر پڑی، اُسے اپنی ریڑھ کی ہڈّی میں سنسنی کی لہر دوڑتی محسوس ہونے لگی۔

لومر نے دونوں ہاتھ اتنی سختی سے کرسی کے ہتھوں پر جما رکھے تھے کہ اس کی اُنگلیوں کے جوڑوں سے سپیدی جھلکنے لگی تھی۔ اس کے ہاتھوں پر بھی پسینے کی بُوندیں تھیں اور کانپتے ہُوئے ہاتھوں کی وجہ سے یہ بوندیں بھی لرزتی ہُوئی محسوس ہو رہی تھیں۔

کانفرنس کا لیڈر ایک جھٹکے سے اُٹھ کھڑا ہُوا۔

اس کا چہرہ غصّے سے سُرخ ہو رہا تھا۔

"مسٹر لومر...!" اس نے گونج دار آواز میں کہا۔ "میں احتجاج کرتا ہوں۔"

اس سے پہلے کہ مارکو کچھ اور کہتا، اس کے اُٹھتے ہی لومر یوں کُرسی میں سُکڑ گیا جیسے خدشہ ہو کہ مارکو اس پر جھپٹ پڑے گا۔

"مجھ سے دُور رہو!" لومر غیر پانی انداز میں چیخ پڑا۔

"مسٹر لومر...!"

"دُور... مجھ سے دُور رہو!" لومر کسی دہشت زدہ بچّے کی طرح چیخنے لگا تھا۔ "میرے قریب بھی مت آنا!"

"آپ کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ اس طرح ہمارے ملک میں آکر ہمیں..." اس سے پہلے کہ لیڈر مارکو کی بات پُوری ہوتی، اس کے تیرہ ساتھی بھی اُٹھ کھڑے ہُوئے۔ ان میں سے ہر ایک کا چہرہ غصّے سے سُرخ ہو رہا تھا لیکن ان کی آنکھوں میں اب بھی تحیّر کی جھلک تھی۔ اُنھیں حیرت تھی کہ ایک ایسا شخص جس کے ملک نے خصوصی درخواست پر یہ میٹنگ طلب کی تھی، وہ اس قسم کی توہین آمیز باتیں کیوں کر رہا ہے... پھر خود اس کی حالت کسی ایسے بچّے جیسی ہو رہی تھی جسے ہر طرف سے آسیبوں نے گھیر لیا ہو۔

لومر سفید پڑ گیا تھا۔

اس کا وجود تھر تھر کانپ رہا تھا۔

کسی نازک سے تنکے کی طرح کانپتا ہُوا یہ حسین اور پُرکشش جوان اس وقت بالکل پاگل لگ رہا تھا... ایسا پاگل جس پر خوف اور دہشت کا دَورہ پڑ گیا ہو۔

"آپ کو کیا ہوگیا ہے، مسٹر لومر؟" مارکو چونک پڑا۔

اس کے چہرے سے غصّے کے آثار یکایک چھٹ گئے تھے۔

یوں لگتا تھا جیسے اُسے احساس ہوگیا ہو کہ لومر کسی ذہنی عارضے میں مبتلا ہوگیا ہو۔ اس احساس نے مارکو کے دل میں لومر کے لیے ہمدردی کی لہر دوڑا دی اور وہ اُسے سہارا دینے کے لیے آگے بڑھا۔

اُسے اپنی طرف بڑھتے دیکھ کر لومر کی چیخیں دلدوز ہوگئیں۔

"نہیں! میری قربت مت آنا!" وہ حلق پھاڑ پھاڑ کر چیخنے لگا۔

اس نے دونوں ہاتھ یوں سامنے پھیلا لیے جیسے وہ اپنی طرف بڑھتے ہُوئے مارکو، کو پرے دھکیل ڈالنا چاہتا ہو۔ یکایک وہ یوں گھونسے چلانے لگا جیسے کمرے میں موجود چودہ کے چودہ جاپانی اس پر حملہ آور ہوگئے ہوں اور وہ دفاع کر رہا ہو۔

"دُور رہو... زرد شیطانو... مجھ سے دُور رہو۔"

تمام جاپانی حیرت سے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔

سیکرٹری جیرالڈ کا جسم بھی پسینے میں نہا گیا تھا۔

اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ ان حالات میں کیا کرے۔ وہ تولیوں ششدر کھڑا تھا جیسے اس کا جسم اور سوچیں تک مفلوج ہوگئی ہوں۔

وہ دیکھ رہا تھا کہ تمام جاپانی بزنس مین اپنی اپنی جگہ کھڑے ہیں حتیٰ کہ مارکو بھی رُک گیا تھا... لیکن لومر یوں مُکّے چلا رہا تھا جیسے ان سب سے اس کی جنگ چھڑ گئی ہو۔ ساتھ ہی ساتھ وہ چیختا بھی جا رہا تھا۔

"میں جانتا ہُوں تم کیا چاہتے ہو۔ تم لوگ میری بوٹیوں سے میرا گوشت نوچ ڈالنا چاہتے ہو۔ تم درندے ہو... تم میرا گوشت کھانا چاہتے ہو... تمھارے دانت میرا نرخرہ اُدھیڑنے کے لیے... بے چین ہیں۔"

وہ تصوراتی دشمنوں سے ہاتھا پائی میں مصروف رہا۔

"تم خون آشام ہو..." وہ حلق کے بل چیخا۔

اس کی آواز بھرّا گئی تھی۔

آنسو اس کی آنکھوں سے بہہ بہہ کر رخساروں پر ڈھلک رہے تھے اور اس کا چہرہ کسی لاش کے چہرے کی طرح سپید پڑ گیا تھا۔

"جج... جناب!" سیکرٹری نے سنبھلتے ہُوئے کہا۔ "میرا خیال ہے، بہتر ہوگا کہ ہم یہاں سے..."

اس سے پہلے کہ جیرالڈ کا جُملہ پورا ہوتا، لومر کے آوارہ ہاتھوں کا ایک گھونسہ اُسی کے جبڑے پر پڑا۔ دیوانگی سے بھرپور، طاقت ور اور بھیانک گھونسہ۔ جیرالڈ فرش سے یوں اُچھلا جیسے وہ کوئی ہلکا پھلکا گُڈّا رہا ہو۔

وہ واپس کُرسی میں گر گیا۔

گھونسہ اتنا زبردست تھا کہ جیرالڈ کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا پھیل گیا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے اس کا جبڑا ہی ٹوٹ گیا ہو۔

"تت... تم... تم بھی ان گدیھ نما آدمیوں کے ساتھ ہو۔" لومر نے اس پر ایک اور گھونسہ اُچھالتے ہوئے کہا۔

مارکو اور اس کے ساتھیوں نے افسوس اور رنج کے اظہار میں سَروں کو جنبش دی۔ معاملہ ان کے لیے ناقابلِ فہم تھا۔ اس نے اپنے ساتھیوں کی طرف وضاحت طلب نظروں سے دیکھا۔

مارکو کی سوالیہ نظروں کے جواب میں تیرہ سَروں نے اثبات میں جنبش کی۔ گویا وہ سب کے سب احتجاجاً واک آؤٹ کرنے کے لیے تیار تھے۔ مارکو نے پلٹ کر دروازے کی طرف چلنا شروع کردیا۔

اس کے متحرک ہوتے ہی باقی تیرہ آدمی بھی اپنا اپنا سامان اُٹھانے اور کمرے سے نکل جانے کی تیاری کرنے لگے۔ وہ ایک قطار میں کھڑے تھے اور یہ قطار اب میز کے گرد گھوم کر دروازے کی طرف بڑھنا چاہتی تھی۔

"تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے!" انھیں حرکت میں آتے دیکھ کر لومر حلق کے بل دھاڑنے لگا۔ "میری طرف بڑھنے کی کوشش نہ کرو۔" یہ کہہ کر وہ پلٹا اور تیزی سے دوڑنے لگا۔

دوڑتے دوڑتے اس کی ٹانگ اپنے سیکرٹری کی کُرسی سے ٹکرا گئی۔ سیکرٹری اپنی کُرسی پر بے ہوش پڑا تھا۔ کُرسی کو جھٹکا لگا تو سیکرٹری قالین پر گر گیا۔ خود لومر بھی اُلجھ کر گرا۔

گرتے وقت اس کے حلق سے کسی ذبح ہوتے ہُوئے بکرے جیسی آواز بن نکل رہی تھیں۔ وہ اچھل کر کھڑا ہُوا اور پھر تیری سے

پلیٹ گلاس کی طرف دوڑنے لگا۔ اگلے ہی لمحے اس کا طویل قامت وجود شیشے سے ٹکرایا اور ایک زبردست چھناکا ہوا۔

کانفرنس روم میں کانچ کے ٹکڑے بکھر گئے۔

لومر کا وجود شیشے کو توڑتا ہوا باہر فضا میں چلا گیا۔

ایک ساعت کے لیے وہ وہاں معلق دکھائی دیا... پھر وہ چاروں ہاتھ پیر مارتا ہوا گیارھویں منزل سے نیچے پختہ سڑک کی طرف گرتا چلا گیا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے کوئی دیو ہیکل پرندہ پَر کٹ جانے کے باعث تیزی سے نیچے آ رہا ہو۔

چودہ بزنس مین ابھی کانفرنس روم کے دروازے تک نہیں پہنچے تھے کہ یہ المیہ وقوع پذیر ہو گیا۔ انھوں نے پہلے تو حیرت اور بے یقینی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا... پھر وہ سارے کے سارے ٹوٹے ہوئے شیشے کی طرف دوڑے۔

انھوں نے جھک کر نیچے دیکھا۔

گیارھویں منزل سے گرنے والا لومر کا جسم زمین پر بے حس اور بے حرکت لیٹا ہوا تھا اور اوپر سے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ زمین سے ٹکرا کر چپٹا ہو گیا ہو۔ جاپانی بزنس مین کانپ گئے۔

سیکرٹری ہیرالڈ نے اپنے باس کا حشر دیکھا تو اس کے حلق سے ایک دلدوز چیخ نکل گئی۔ اس نے دونوں ہاتھ اپنی آنکھوں پر رکھ لیے اور سسکیاں بھر بھر کر رونے لگا۔

☆☆

ڈاکٹر گلیڈا سٹون اپنی لیبارٹری کے دفتر میں بیٹھی تھی۔

اس کی آنکھوں میں سوچ کی گہری پرچھائیاں رقص کر رہی تھیں۔ وہ ایک حسین و جمیل اور جوان عورت تھی۔ اچانک فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ وہ خیالوں کی گہرائی سے چونک اٹھی... اور فون کی طرف دیکھنے لگی۔ اس وقت ڈاکٹر گلیڈا سٹون کا انداز یکسر جنگلی بلی جیسا تھا۔ ایک ایسی جنگلی بلی جسے خطرے کا احساس ہو گیا ہو۔

فون کی گھنٹی صرف ایک بار بجی تھی اور پھر خاموش ہو گئی تھی لیکن اس کے خاموش ہوتے ہی ایک سُرخ بلب روشن ہو گیا تھا۔

ڈاکٹر نے میز کے نیچے ہاتھ لے جا کر ایک بٹن دبا دیا۔

اس بٹن کے دبتے ہی دفتر کے سارے دروازے اور کھڑکیاں خود کار نظام کے تحت بند ہو گئیں اور فوراً ہی ڈبل لاک بھی ہو گئیں۔

اِدھر سے اطمینان ہوتے ہی ڈاکٹر نے ریسیور اٹھا لیا۔

"ہاں..." اس نے سرسری انداز میں کہا۔

دوسری طرف سے بولنے والے شخص نے نوبل خاندان کے سب سے بڑے بیٹے یعنی لومر کی افسوسناک موت کی تفصیل سنائی۔

"اوہ مجھے افسوس ہے۔" ڈاکٹر بولی۔

"میں اُسے مُردہ نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔" آواز سنائی دی۔

"لیکن یہ بات کبھی یقین سے نہیں کہی جا سکتی کہ کوئی شخص کب درکیا ردِعمل ظاہر کرے گا۔" ڈاکٹر نے جواز پیش کیا۔ "آپ جانتے ہی ہیں کہ بسب کچھ ابھی تجرباتی دور میں ہے۔"

"آئندہ ایسا نہیں ہونا چاہیے۔" پُراسرار آواز سنائی دی۔

"میں ایسا نہیں ہونے دوں گی۔" ڈاکٹر نے اس انداز میں کہا جیسے وہ وعدہ کر رہی ہو۔ اس نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا اور پھر دونوں ہاتھ گردن بکھ کر اپنی کرسی کی پشت گاہ کی طرف جھک گئی۔

اگلے ہی لمحے اس کے حلق سے ایک بھیانک قہقہہ اُبل پڑا تھا۔

وہ دیر تک ہنستی رہی۔

ہنستے ہنستے اس کی آنکھوں میں پانی تیرنے لگا۔

☆☆

ٹائیگر نے کہرن کی طرف دیکھا۔

"آپ کیا چاہتے ہیں۔ سویٹ ہارٹ کہ ہم کیا کریں؟" اس نے اس انداز میں دریافت کیا۔ جیسے بہرام کی بات اس کی سمجھ میں نہ آئی ہو۔

"بہرام کا کہنا ہے کہ تمھیں نوبل خاندان کی حفاظت کرنی ہے۔" اوشان بول پڑا۔ "کیا یہ بات تمھاری سمجھ میں نہیں آئی؟"

"یہ بات تو سمجھ میں آگئی ہے۔" ٹائیگر کا بھنگ بگڑ گیا۔ "لیکن میں سوچ رہا ہوں کہ قطب شمالی کے کسی تنہا گوشے میں چلا جاؤں اور وہاں جا کر سارا وقت کسی ایسی عورت کی یاد میں گزار دوں جس کے چہرے پر ان گنت...."

"خاموش! اگر تم سنجیدہ نہ ہوئے تو تمھارے چہرے پر ان گنت نشان نمودار ہونے شروع ہو جائیں گے۔" بہرام غرایا۔

"سویٹ ہارٹ!" ٹائیگر یکایک مسکرانے لگا۔ "دیکھا وہ خاندان اتنا ہی غریب ہو گیا ہے کہ کوئی باڈی گارڈ نہیں رکھ سکتا۔"

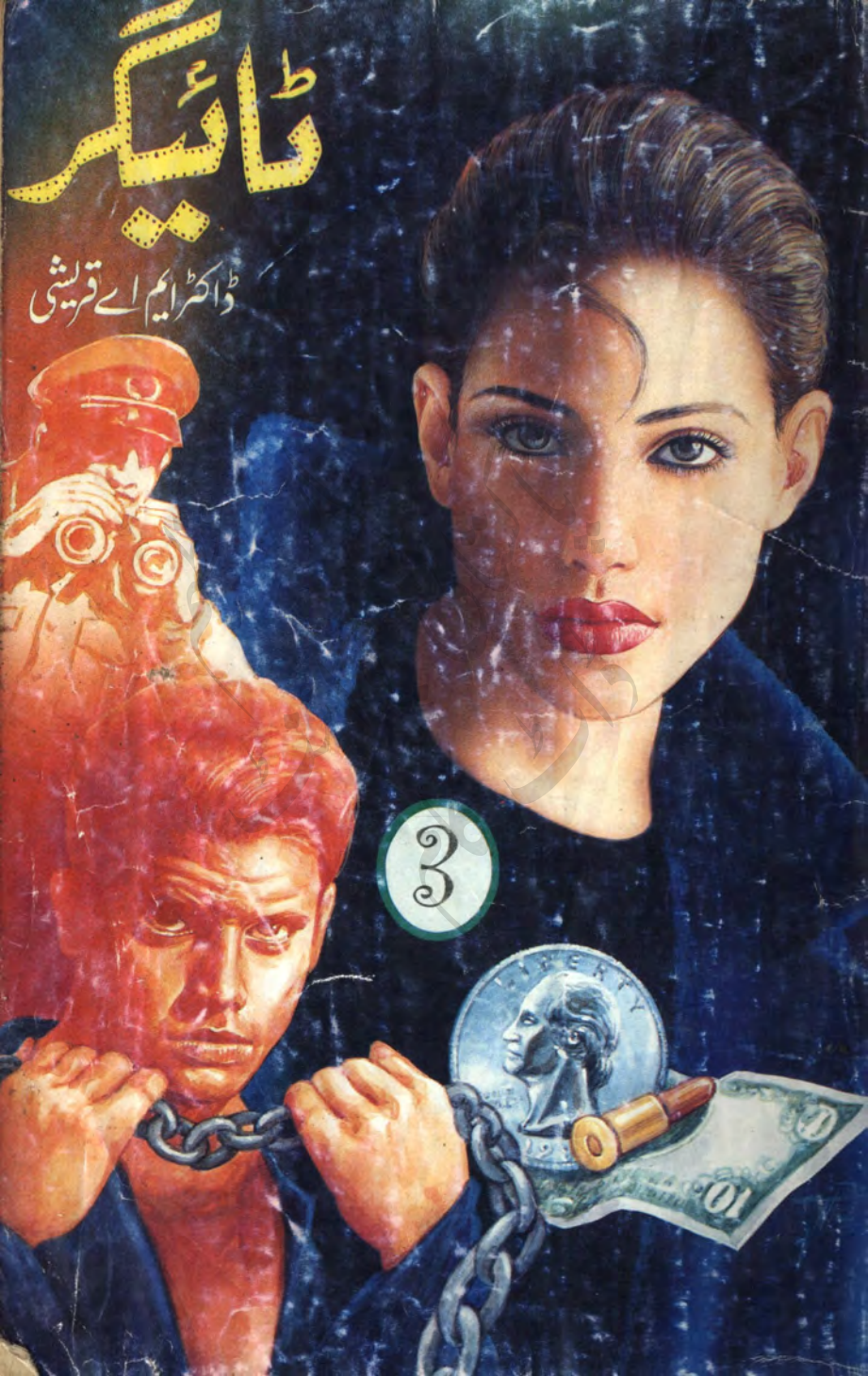
بہرام نے سر کو منفی جنبش دیتے ہوئے کہا۔ "بات باڈی گارڈ مہیا کرنے کی نہیں ہے۔ ان کی زندگیاں بچانے کی ہے اگر انھیں کسی عام آدمی سے خطرہ ہوتا تو عام سا باڈی گارڈ کام کر سکتا تھا..... لیکن معاملہ نیمراف کا ہے اس لیے تمھیں اس سلسلے میں فوراً آمادہ ہو جانا چاہیے۔"

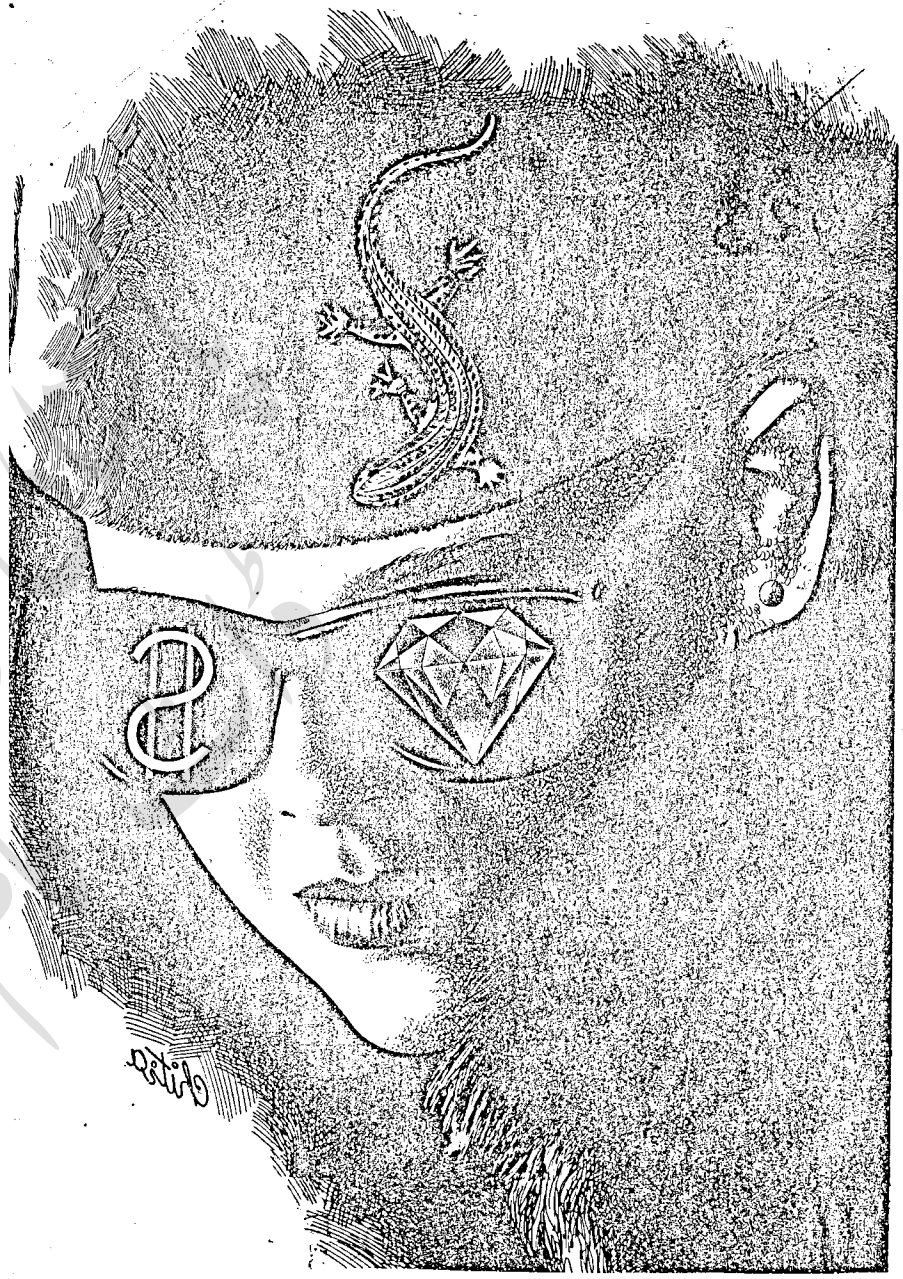
"نیمراف کا اس خاندان سے کیا تعلق؟" ٹائیگر فوراً سنجیدہ ہو گیا۔

"کیا تم نے ٹوکیو میں ہونے والے اس حادثے کی خبر نہیں سنی؟" بہرام نے سوگوار لہجے میں کہا۔ "نوبل خاندان کے بڑے بیٹے نے گیارھویں منزل کے کمرے سے کود کر خود کشی کر لی ہے۔"

ٹائیگر

ڈاکٹر ایم اے قریشی





لوپانو خاندان کا سربراہ ایمر اپنے بستر پر لیٹا چھت گھور رہا تھا اس کی آنکھیں گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں جب کہ اس سے دو بالشت کے فاصلے پر محوِ خواب اُس کی بیوی گلوریا کے ہونٹوں پر حسین مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ ایمر کی عمر اسی سال کے لگ بھگ تھی جب کہ اس کی بیوی گلوریا نے ابھی جوانی کی دہلیز پر قدم رکھا ہی تھا کہ ایمر کی نگاہِ انتخاب اس پر پڑ گئی تھی۔

ایمر کچھ دیر بے حرکت لیٹا رہا.... پھر وہ آہستہ سے اُٹھا۔

وہ آنی جانی سی، بستر سے اُترا تھا کہ اس کی محوِ خواب بیوی کی نیند میں ذرا سا بھی خلل پیدا نہیں ہوا تھا۔ ایمر کے نقش و نگار میں سختی تھی۔ یوں لگتا تھا، زندگی کا ابتدائی زمانہ اُس نے جس مشقت میں گزارا تھا، اس کے آثار ابھی تک اس کی شخصیت پر منجمد ہیں۔

اس کے سر کے تمام بال اس قدر سپید تھے کہ اُن پر اُون کا گمان ہوتا تھا۔ اس کی آنکھیں نیلی تھیں۔ جن کے گرد بھنوؤں کا حصار تھا۔ آنکھوں میں وحشت جیسی سختی اور بھید دینے والا تاثر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔

مسہری سے اُتر کر اُس نے اپنی نوعمر بیوی کی طرف دیکھا۔

تکیے پر اُس کے گولڈن بالوں نے بکھر کر بڑا ہی خوشنما منظر تخلیق کر رکھا تھا۔ اس منظر میں، اُس کا چہرہ نمایاں تھا اور ہونٹوں پر پھیلی ہوئی مسکراہٹ، دھڑکنوں کو تیز کرنے کے لیے کافی تھی۔ ایمر کی نگاہ گلوریا پر جم گئی تو اس کی دھڑکنیں از خود ہی بے ترتیب ہونے لگی تھیں کیونکہ وہ اُسے بے حد پسند کرتا تھا۔ اُس نے گلوریا کو اس بات کا شاید ہی احساس ہونے دیا ہوگا کہ وہ اُسے بے خبر رکھ کر اس کے حسنِ بلاخیز سے متاثر ہوتا رہتا ہے۔

گلوریا اُمید سے تھی اور تین ماہ بعد ماں بننے والی تھی۔

یہی وجہ تھی کہ ایمر اس کے لیے دیوانہ ہو رہا تھا۔ ماں بننے کی علامات ظاہر ہوئیں تو ایمر کی محبت بھی وقت کے ساتھ ساتھ بڑھنے لگی تھی۔ گلوریا تھی بھی اتنی ہی پُرکشش اور حسین کہ ایک بار دیکھنے کے بعد اُس کی شخصیت سے نگاہ ہٹانی مشکل ہو جاتی تھی۔

وہ دیر تک محبت پاش نظروں سے اپنی بیوی کی طرف دیکھتا رہا... پھر آہستہ آہستہ اور بے آواز قدموں سے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ دروازے کھولتے وقت بھی اس نے بے پناہ احتیاط کا مظاہرہ کیا تھا۔ خفیف سی آواز بھی پیدا نہیں ہوئی۔

خواب گاہ کے برابر والا کمرہ ڈریسنگ روم تھا۔

وہ اطمینان سے لباس تبدیل کرنے لگا۔

لباس تبدیل کرتے ہوئے اس کی نگاہ دیوار کی کلاک پر جم گئی۔ جو ساڑھے چھ بجے کا اعلان کر رہا تھا۔ تیار ہونے کے بعد وہ کچن کی طرف چل دیا۔ جہاں گریٹی اس کا انتظار کر رہی تھی۔ گریٹی جب اس گھر میں ملازمہ کی حیثیت سے آئی تھی تو اس کی عمر زیادہ نہیں تھی جب کہ اس وقت عمر کا ساٹھواں سال شروع ہو چکا تھا۔

"صبح بخیر گریٹی!" ایمر نے اس کے قریب سے گزرتے ہوئے بلند آواز میں کہا۔ "رات کیسی گزری؟"

"شاندار... بیٹا بوڑھی گریٹی نے جواب دیا۔" آپ کا ناشتہ تیار ہے"

ایمر ناشتے کی میز پر بیٹھ گیا۔

ناشتہ کرتے ہوئے وہ تنقیدی نظروں سے مسلسل اِدھر اُدھر دیکھتا جا رہا تھا۔ "بڑی ہی سہانی صبح ہے، آج کا دن بے حد عظیم ثابت ہوگا" اس نے کافی کی چسکی لیتے ہوئے کہا۔

"آپ کو یہ کہتے ہوئے شرم آنی چاہیے، جناب" بوڑھی ملازمہ کا لہجہ ناگوار ہو گیا۔ "عمر کا اپنی قبر میں گئے ابھی زیادہ وقت نہیں ہوا اور آپ دنوں کو بھی عظیم قرار دینے لگے"

بوڑھا ایمر مسکرائے بغیر نہ رہ سکا حالانکہ یہ اس کے بڑے بیٹے کی موت کا تذکرہ تھا۔ "ٹھیک ہے" اس نے ایک طویل سانس لیتے ہوئے کہا۔ "عظیم دن ہمیشہ انہی لوگوں کے لیے ہوتے ہیں، گریٹی! جو زندہ ہوتے ہیں۔ میری بیوی، میرے بچے کو جنم دینے والی ہے۔ اس لیے آج کل

بڑے پُرسکون ماحول میں محسوس ہوتا ہے۔ تم نے میرے لیے اتنا شاندار ناشتہ تیار کیا ہے، یہ بھی آغازِ صبح کا...؟"

"پلیز سر ایمیر!" بوڑھی ملازمہ نے کہنا چاہا "میری بیٹی کی نئی بے چین ہو رہی ہوگی۔ ایسی باتیں نہ کریں۔ لومر کی موت سے اس خاندان کو ناقابلِ تلافی نقصان ہوا ہے۔"

بوڑھے ایمر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

اس کی نگاہ میں سابق بیوی میری کا چہرہ گھوم گیا۔ وہ ایک ہٹ دھرم اور ضدی عورت تھی۔ اس نے ایمر کے ساتھ تیس سال کی ازدواجی زندگی گزاری اور اس کے تین بیٹوں کی ماں بنی تھی۔

"ایسی اور بھی بہت سی باتیں ہیں۔" وہ دھیرے سے بولا۔ "جو اسے قبر میں چین سے سونے نہیں دیتی ہوں گی۔"

یوں محسوس ہوتا تھا۔ جیسے وہ اپنے خوش گوار موڈ میں کسی قسم کی تبدیلی کا خواہش مند نہیں ہے۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے بوڑھی ملازمہ کی بات مذاق میں ٹال دی تھی۔

ناشتے سے فارغ ہونے کے بعد وہ اٹھا اور سیدھا ہال وے سے اپنے دفتر کی طرف چل دیا۔ اس کا دفتر عمارت کے انتہائی حصے میں واقع تھا۔ اگرچہ خاندانی دولت کی اب گیدہ ہندسوں میں پیمائش کی جاسکتی تھی لیکن بوڑھے ایمر نے اس قدیم طرز کی عمارت سے اپنی رہائش کیں اور تبدیل نہیں کی تھی۔

دفتر کی طرف جاتے ہوئے وہ سوچ رہا تھا کہ لومر کو ابھی نہیں مرنا چاہیے تھا۔ اسے جس مشن پر بھیجا گیا تھا، اس کی تکمیل سے پہلے لومر کی موت نہیں واقع ہونی چاہیے تھی۔ دراصل یہ منصوبہ ہر گز نہیں تھا.... پھر وہ کیسے مر گیا؟

اپنے دفتر میں بیٹھنے کے بعد بھی وہ اپنی خیالوں میں کھویا رہا۔

ٹھیک نو بجے اس نے پہلی ملاقات کی اجازت دے دی۔

ملاقاتی کی آمد تک اس نے اپنا جیکٹ اتار لیا اور بائیں آستین چڑھاتے ہوئے بولا۔ "منصوبہ یہ تو ہرگز نہیں تھا کہ لومر ہلاک ہو جاتا۔"

آنے والی شخصیت ڈاکٹر گلیڈا سٹون تھی۔

اس نے آتے ہی اپنا میڈیکل باکس کھولا اور ایک سرنج نکال کر انجکشن تیار کرنے لگی۔ اس نے بوڑھے ایمر کا سوال سن لیا تھا لیکن اس نے فوراً ہی کوئی جواب نہیں دیا۔

"تم نے میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔" ایمر کا لہجہ بگڑ گیا۔

"وہ ایک افسوس ناک حادثہ تھا، جناب۔" ڈاکٹر گلیڈا سٹون نے اپنی مترنم آواز میں کہا۔ "جب تجرباتی ادویات زیرِ استعمال آتی ہیں تو کبھی کبھی ایسا بھی ہو جاتا ہے۔ کیا خیال ہے، یہ سارا کام فی الحال روک دیا جائے؟"

"میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔" ایمر بڑبڑایا۔

"میرا خیال ہے آپ کو صرف یہ کرنا ہی نظر انداز کر دینی چاہیے بلکہ اسے ذہن سے بھی نکال دینا چاہیے۔" ڈاکٹر لیڈی نے اطمینان سے کہا۔ "اس طرح کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوگی۔"

"میں جانتا ہوں۔" ایمر کے لہجے میں غراہٹ پیدا ہو گئی۔ "اب تمہیں مزید محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔"

لیڈی ڈاکٹر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

ایمر نے اپنا بازو آگے بڑھا دیا تاکہ اس میں انجکشن لگایا جاسکے۔

ڈاکٹر اُس کی طرف دیکھ کر مسکرانے لگی۔ اس کے سفید دانت موتیوں کی طرح چمک رہے تھے۔ اس کے سُرخ بالوں میں شعلوں جیسی چمک تھی۔

"فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ مترنم آواز میں بولی۔ "سرنج تو بھر لینے دیں۔ میرا خیال ہے، یہ کوما اپنا کام خوب دکھا رہا ہے؟"

بوڑھے ایمر نے تائید میں سر کو جنبش دیتے ہوئے کہا۔ "ہاں...

میری بیوی بھی ٹھیک ہے۔ تم نے اپنا ایک شریک کار ڈاکٹر بیٹز جو یہاں چھوڑ رکھا ہے، وہ ہر وقت گلوریا کا خیال رکھتا ہے۔"

"اور خود آپ کا کیا حال ہے؟" ڈاکٹر کا لہجہ معنی خیز تھا۔

بوڑھے ایمر نے بڑی پُھرتی سے جھپٹا مارا لیکن ڈاکٹر غالباً پہلے سے اس کا ارادہ بھانپ گئی۔ وہ جلدی سے ہٹ گئی اور ایمر کا پنجہ ہوا میں لہرا کر رہ گیا۔

"میں بھی بالکل ٹھیک ہوں۔" وہ کھسیا کر بولا۔

"مجھے اندازہ ہو گیا ہے۔" ڈاکٹر مسکرا کر بولی۔ "بہرحال آپ عمر کے جس حصے میں ہیں، اس میں اتنا بھی کافی ہے۔"

ایمر مسکرا تا رہا۔ ڈاکٹر نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ پھوٹی سے اس نے بازو پر ایک جگہ الکحل ملنے کے بعد سرنج کی سوئی دبائی اور اس میں بھرا ہوا سیال بوڑھے کی کمزور رگوں میں طاقت بن کر دوڑنے لگا۔

"آپ کو قدرے احتیاط بھی کرنی چاہیے۔" گلیڈا سٹون بولی۔ "ورنہ اس گھر میں ہر طرف نوزائدہ بچوں کے رونے کی آوازیں گونجتی سنائی دیں گی۔"

"مجھے صرف ایک ہی بچے کی خواہش ہے۔ گلوریا کے بطن سے ایک بیٹا ہو جائے گا تو میں تمہارا مشورہ مان لوں گا۔"

گلیڈا سٹون نے انجکشن لگانے کے بعد سوئی نکال لی۔

"لیجیے۔ انجکشن لگ گیا۔ یہ دوا آئندہ دو ہفتوں کے لیے کافی ثابت ہوگی۔"

بوڑھے ایمر نے آستین اُتارتے ہوئے اس کی آنکھوں میں

دیکھا اور مسکرا کر بولا۔ "جانتی ہو، میں تم سے زیادہ لمبی عمر پا کر قبرستان کا سفر کروں گا... ممکن ہے، تمہیں آسمانوں پر مجھ سے بھی پہلے ہی جانا پڑ جائے۔"

"ممکن تو سبھی کچھ ہے۔" لیڈی ڈاکٹر بڑبڑائی۔

انجکشن لگوانے کے بعد وہ اٹھا اور اس نے ایک بٹن دبا کر دروازے اور کھڑکیاں مقفل کر دیں۔ وہ ڈاکٹر کی طرف دیکھ کر مسکرا رہا تھا اور گلیڈا سٹون اس مسکراہٹ کا مقصد خوب اچھی طرح جانتی تھی۔

اس نے دروازے اور کھڑکیاں مقفل ہونے پر کوئی احتجاج نہیں کیا بلکہ خود اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ مزید گہری ہو گئی تھی۔

**

لوپاز خاندان کی سربراہ خاتون گلوریا ابھی تک محوِ خواب تھی۔

وہ جب سے ایک بچے کی ماں بننے کی حالت میں مبتلا ہوئی تھی، اس کی آنکھ قدرے دیر ہی سے کھلتی تھی۔ اس کے بدن میں حرکت پیدا ہوئی۔ وہ قدرے کسمسائی پھر اس نے کروٹ بدلنے کی بجائے آہستہ آہستہ آنکھیں کھول دیں۔

اس نے دائیں جانب دیکھا۔

مسہری کا وہ حصہ خالی پڑا تھا جہاں اس کا شوہر سویا تھا۔

وہ دیوار گیر گھڑی کی طرف دیکھنے لگی۔

اس نے ایک انگڑائی لی اور مسکرانے لگی۔ حالتِ خواب میں اس کی مسکراہٹ جتنی معصوم لگتی تھی، اب اس میں وہ تاثر نہیں تھا۔ اس نے میز کی طرف ہاتھ بڑھا کر ایک بٹن دبا دیا۔

بیس منٹ بعد سیاہ بالوں والا ایک نوجوان کمرے میں داخل ہوا۔ اس شخص کی آنکھیں ہلکے سبز رنگ کی تھیں وہ سائڈ ڈور سے خوابگاہ میں داخل ہوا تھا۔ سیاہ سوٹ اور سفید قمیص کے ساتھ سُرخ پھولوں والی ٹائی نے اس کی شخصیت اور مردانہ وجاہت میں چار چاند لگا دیے تھے۔

گلوریا اُس کی طرف دیکھ کر مسکراتی رہی۔

"دروازوں کو مقفل کر دو۔" اس کا لہجہ قدرے تحکمانہ تھا۔

ڈاکٹر بیٹز نے اس کے حکم کی تعمیل کی۔

"میں معائنہ کروانا چاہتی ہوں، ڈاکٹر۔"

"میں اس لیے حاضر ہوا ہوں مادام۔" ڈاکٹر بیٹز نے ادب سے جھکتے ہوئے کہا اور اس کی مسکراہٹوں میں بے پناہ پیار سمٹ آیا۔

***

بوڑھے ایمر نے اپنا جیکٹ پہن لیا۔

"مجھے خوشی ہے، جناب کہ میرا مریض روبصحت ہے۔" ڈاکٹر گلیڈا سٹون کے لہجے میں شہد کی آمیزش تھی۔

"یہ سب تمہاری بہترین تشخیص کا نتیجہ ہے۔"

"لائف وائن لیبارٹری اپنی موثر ادویات کے لیے بے حد مستند ہے۔"

"میں چندہ دینے میں بے حد فراخ دل ہوں۔" بوڑھا ایمر بولا۔ "میں نے اب تک جتنے اداروں کو بھی رقمیں دی ہیں، ان میں سے صرف تمہارا ادارہ ہی میرے لیے کارآمد ثابت ہوا ہے۔"

"مجھے خوشی ہے کہ ہم نے آپ کو مایوس نہیں کیا جناب۔"

اچانک انٹر کام کا بزر بج اٹھا۔ اس انٹر کام کا رابطہ فوراً ہی ایک سبز رنگ کے فون سے مل جاتا تھا۔ بوڑھے ایمر نے بڑھ کر جلدی سے ریسیور اٹھا لیا۔ "ہاں... کیا بات ہے؟" وہ خوش گوار لہجے میں بولا۔

"میں تمہارے بارے میں سوچ رہی تھی، ڈیئر۔" گلوریا کی مترنم آواز بوڑھے کے کانوں میں رس گھول گئی۔

"اور میں تمہارے متعلق سوچ رہا تھا..." بوڑھے نے کن انکھیوں سے ڈاکٹر گلیڈا سٹون کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اب تمہاری طبیعت کیسی ہے؟"

"بہترین۔" یہ کہہ کر وہ ہنس پڑی۔

"اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے؟"

"دراصل ڈاکٹر بیٹز معائنے کے لیے آئے ہوئے ہیں۔"

"تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے، نا؟"

"ایک دم ٹھیک۔"

"اپنا خیال رکھنا، ڈیئر۔" ایمر نے ہدایت کی۔ "اور ڈاکٹر کی ہدایات کو نظر انداز نہ کرنا۔"

"میں ڈاکٹر کی ہدایات کا خیال رکھتی ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔ میں پتے سے کچھ دیر بعد تم سے ملنے آؤں گا۔"

"بائی... بائی ڈیئر۔" گلوریا نے کہا اور سلسلہ منقطع کر دیا۔

ایمر نے ریسیور رکھ دیا اور پلٹ کر ڈاکٹر اسٹون کی طرف دیکھنے لگا۔ "ایلینا...." اس نے پہلی بار ڈاکٹر کو اس کے خاص نام سے مخاطب کیا۔ "ڈاکٹر بیٹز بے حد فرض شناس نوجوان ہے۔"

"آپ لوگوں کو خوش رکھنا ہمارا فرض ہے، جناب... اور ہمیں اپنی خدمات کا معاوضہ ادا کیا جاتا ہے۔" ایلینا نے مسکرا کر جواب دیا... لیکن اس کی مسکراہٹ طنزیہ تھی۔ بوڑھا ایمر اس کی مسکراہٹ کا یہ تاثر دیکھنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔

وہ اپنا میڈیکل باکس سنبھال کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

دروازوں کے خودکار قفل کھول دیے گئے اور وہ دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر مسکرانے لگے۔

**

ان کی کار جیسے ہی اس سڑک پر پہنچی جو پوپانو اسٹیٹ میں داخل ہو کر سیدھی محل کی طرف جاتی تھی تو وہاں انھیں مسلح گارڈ نظر آئے۔ آگے اگر جب وہ آہنی گیٹ کے سامنے رُکے تو وہاں بھی رائفل بردار موجود تھے۔

یہ آہنی گیٹ بارہ فٹ بلند پتھروں سے بنی ہوئی محفوظ دیوار میں نصب تھا۔ ان کی کار گیٹ سے کوئی سو گز آگے آئی تو انھیں مزید مسلح محافظ دکھائی دیے جو محل کے چاروں طرف پھیلے ہوئے تھے۔ ان محافظوں کا کام ایک مخصوص فاصلہ برقرار رکھتے ہوئے گشت کرنا بھی تھا۔

فرنٹ ڈور کے اندر بھی دو محافظ موجود تھے۔

ایک مسلح آدمی راہ داری میں بھی ٹہل رہا تھا۔

وہ گارڈ جس نے فون پر شہزاد ٹائیگر اور مسز اوشان کو اندر آنے کی اجازت دیتے ہوئے سابقہ محافظوں کو ہدایات دی تھیں، وہ اُن کی کار رُکتے ہی تیزی سے قریب آگیا۔

"اس طرف سے تشریف لے آیے جناب!" اُس نے مؤدب ہو کر کہا۔

وہ اس کے تعاقب میں ایک ہال کمرے تک پہنچے۔ اس ہال میں بڑی نادر پینٹنگز لگی ہوئی تھیں۔ پکاسو کے شاہکار بھی دکھائی دے رہے تھے۔

"کتنی بھونڈی تصویریں ہیں۔" اوشان بڑبڑایا۔

"ان کی قیمت لاکھوں ڈالر ہے۔ ٹیلی فادر"

"لاکھوں ڈالر۔" اوشان دھیمی آواز میں ہنس پڑا۔ "شاید وہ ڈالر جو اب متروک ہو چکے ہیں اور جن کی قیمت صفر ہو گئی ہے۔"

"شش..." ٹائیگر نے اُسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

"ہمارے گاؤں میں بھی ایک مصور ہے۔ وہ اگر سمندری لہر کی تصویر بناتا ہے تو وہ لہر ہی دکھائی دیتی۔ کچھ اور نہیں۔" اوشان نے اس کا اشارہ خاطر میں نہ لاتے ہوئے تبصرہ جاری رکھا۔

"ان باتوں کا مقصد؟" ٹائیگر بڑبڑا گیا۔

"میں مسز ایمر کو اس مصور کی تصویریں خریدنے کا مشورہ دینا چاہتا ہوں۔ آخر اس کا جھونپڑا کہاں ٹھکانے سے کیا فائدہ؟"

"پکاسو کی اس تصویر کی قیمت چار ہزار پانچ سو ڈالر ہے جناب!" گارڈ ان کی باتوں پر خاموش نہ رہ سکا تو بول اُٹھا۔

"میں تمھارے اس مذاق کی حوصلہ افزائی نہیں کر سکتا۔"

"میں ٹھیک کہہ رہا ہوں، جناب۔"

"کیوں شہزاد؟" اوشان نے تصدیق چاہی۔

"ہو سکتا ہے، یہ ٹھیک ہی کہہ رہا ہو۔"

"مجھے یہاں کی فضا اور ماحول سے دلہوائنگی کی بُو آرہی ہے۔" اوشان نے نتھنے پھیلاتے ہوئے کہا۔ "ممکن ہے کوئی ایسی ہی بات ہو۔"

گارڈ ایک دروازے کے سامنے رُک گیا۔

اس نے اطلاعی گھنٹی کا بٹن دبا دیا۔

اندر گھنٹی بجنے لگی تو اس وقت بوڑھا ایمر اپنی معالج ڈاکٹر گلیڈ اسٹون یعنی ایلینا کو دروازے تک چھوڑنے آرہا تھا۔ گھنٹی کی آواز سنتے ہی وہ اپنی معالج کی طرف جھکا اور سرگوشی میں بولا۔

"معلوم ہوتا ہے وہ دونوں سکیورٹی مین آگئے ہیں۔"

"اوہ..." لیڈی ڈاکٹر کے ہونٹ سکڑ گئے۔

"بہرحال میری ہدایت یاد رکھنا۔ تمھیں اب بے حد محتاط رہنا ہوگا۔"

"میں سمجھتی ہوں۔"

"گڈ..." ایمر نے یہ کہتے ہوئے دروازہ کھول دیا۔

ایلینا گلیڈ اسٹون نے ہال میں قدم رکھا تو اس کی نظر ٹائیگر سے چار ہوگئیں۔ ایک لمحے تک وہ دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے۔ پھر ایلینا کی آنکھیں ٹائیگر کی سیاہ آنکھوں کی تاب نہ لا سکیں۔

وہ جلدی سے نگاہ پھیرنے پر مجبور ہو گئی۔

ٹائیگر کے قریب سے گزرتے وقت اُس نے اپنے جسم میں ایک عجیب سی سنسناہٹ محسوس کی۔ وہ گردن اکڑائے اس کے پاس سے گزر گئی۔ اُس کا رُخ ہال کے بیرونی دروازے کی طرف تھا۔

"اندر آجاؤ۔" بوڑھا ایمر اُن دونوں سے کہہ رہا تھا۔

ٹائیگر کی نگاہیں ابھی تک ڈاکٹر ایلینا پر جمی ہوئی تھیں جو تیز تیز قدموں سے چلتی ہوئی اب ہال کے آخری حصے میں پہنچ چکی تھی۔

دروازے کے قریب وہ رُک گئی۔

اس نے پلٹ کر دیکھا اور جیسے ہی محسوس کیا کہ ٹائیگر اُس کی طرف متوجہ ہے، وہ گھبرا کر دروازے سے نکلتی چلی گئی۔

بوڑھا ایمر، اوشان کے ساتھ اپنے دفتر میں داخل ہو رہا تھا۔ ٹائیگر تیز تیز اُن کے پیچھے ہی چل دیا۔ جب وہ بوڑھے ایمر کے دفتر میں داخل ہوا تو اُسے ویسی ہی خوشبو محسوس ہوئی جسے اس نے چند ساعتیں قبل محسوس کیا تھا۔

"بے حد حسین خاتون تھی۔" اس نے تبصرہ کیا۔

"بد بُو بہت خراب لگا رہی تھی۔" اوشان بڑبڑایا۔

ٹائیگر نے بڑی مشکل سے ایک بے ساختہ قہقہہ ضبط کیا۔

"یہ خاتون میری نجی معالج ہے۔" بوڑھے ایمر نے سرسری لہجے میں بتایا اور گارڈ کی طرف متوجہ ہو گیا جو اب بھی دفتر کے دروازے میں موجود تھا۔

"تم اپنی جگہ واپس جا سکتے ہو۔"

گارڈ تعظیماً جھکا اور واپس چلا گیا۔

جاتے جاتے اس نے دروازہ بھی بند کر دیا تھا۔

"اوہ بالنصیب دشمناں کہیں آپ کی طبیعت تو..."

"نہیں..." ایمر نے ٹائیگر کی بات کاٹ دی۔ "میں بیمار نہیں ہوں۔ بس باقاعدگی سے اپنا چیک اپ کراتا رہتا ہوں۔" اس نے اشارہ کیا کہ دونوں بیٹھ جائیں۔ "میں آپ دونوں صفات کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

"میرے گاؤں میں ایک مصور کے پاس سنانوے تصویریں۔"

"اوشان پلیز۔" ٹائیگر نے استدعا کی۔

اس کے بعد میں کوئی ایسی ہی بات تھی کہ اوشان فوری طور پر سنبھل گیا۔ اُس نے دونوں ہاتھ اپنے سینے پر باندھ لیے اور چھت کو گھورنے لگا۔ ٹائیگر ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔ اس صوفے سے وہی مہک محسوس ہو رہی تھی جسے اس نے بوڑھے ایمر کی معالج ڈاکٹر ایلینا کے گزرتے وقت محسوس کیا تھا۔

"کیا آپ جانتے ہیں، جناب کہ ہم دونوں کون ہیں؟" ٹائیگر نے بوڑھے ایمر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں تو صرف اتنا ہی جانتا ہوں کہ اعلا حکام نے ہماری حفاظت کے لیے دو آدمی بھیجے ہیں اور اس کی ضرورت کیوں پیش آرہی ہے، یہ مجھے معلوم نہیں بلکہ میں سرے سے کچھ جانتا ہی نہیں، مجھ سے کہا گیا ہے کہ تم دونوں سے تعاون کروں۔ تم نے یہاں آتے وقت دیکھ ہی لیا ہوگا کہ اتنا اچھا حفاظتی نظام تو صدر نشتائی کا بھی میسر نہیں ہے۔"

"اور آپ کا اپنے اس بیٹے کے بارے میں کیا خیال ہے جس نے ٹوکیو کی ایک بلند عمارت سے زمین کی طرف چھلانگ لگا دی تھی۔ کیا وہ اپنی حفاظت کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا؟" ٹائیگر نے سوال کیا۔

بوڑھے ایمر کا چہرہ سُرخ ہو گیا۔

اس کی دونوں مٹھیاں بھنچ گئیں۔

"لومڑ بیمار تھا۔" وہ دانت کچکچا کر بولا۔ "اس کے اعصاب پر بہت بوجھ تھا۔"

"بوجھ تھا نہیں بلکہ ڈالا گیا تھا۔" ٹائیگر نے کہا۔ "اور یہ میرا نہیں جاپان کے ماہرین کا خیال ہے۔ غیر معمولی دباؤ جو اس کے لیے ہلاکت خیز ثابت ہوا۔"

"نہیں۔ یہ جھوٹ ہے۔ میں نہیں مانتا۔" بوڑھا ایمر غرایا۔

"اب وہ جاپانی کاروباری مہم کس کے سپرد کی گئی ہے؟"

"میرا بیٹا رینڈی جائے گا۔ وہ کاروباری معاہدہ ہر حال میں ہونا چاہیے۔" ایمر بے حد پُرجوش نظر آنے لگا۔

"تو پھر ہم اُسی کی حفاظت کے لیے آئے ہیں۔" ٹائیگر نے عجیب سے لہجے میں کہا۔ "وہ اس وقت کہاں ہے؟"

بوڑھے ایمر نے اپنے بیٹے رینڈی کا پتہ بتا دیا۔

"میں اُسے فون کر کے تم لوگوں کے بارے میں اطلاع دے دیتا ہوں۔"

"شکریہ، جناب۔" ٹائیگر نے کہا اور اُٹھ کھڑا ہوا۔ "چلیے ٹیلی فادر۔" اس نے اوشان سے کہا۔ جو اُداس سے چھت گھور رہا تھا۔ وہ غالباً ابھی تک اسی اُلجھن میں گرفتار تھا کہ ناقابلِ فہم تصویروں کی مالیت ہزاروں ڈالر کیوں ہے جب کہ خوش نما تصویروں کو کوئی خریدنا بھی پسند نہیں کرتا۔

ٹائیگر اور اوشان دروازے کی طرف بڑھ گئے۔

دروازے میں رُک کر ٹائیگر پلٹا اور بولا۔ "آپ کا بیٹا لومڑ" اس نے عجیب سے لہجے میں کہا۔ "کیا اُسے جانوروں سے کوئی دلچسپی تھی؟"

"کیا مطلب؟" ایمر چونک پڑا۔

"کیا اس کے پاس کوئی پالتو جانور بھی تھا؟"

"نہیں... کیوں؟"

"جانوروں سے کسی قسم کا بھی تعلق نہیں تھا؟"

"میرے علم میں تو ایسی کوئی بات نہیں۔ کیوں، کیا بات ہے؟"

"میں ابھی یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔" ٹائیگر بولا۔ "لیکن اس معاملے میں کہیں نہ کہیں جانور ضرور ملوث ہیں۔"

"ممکن ہے یہ بات تمھارے لیے قابلِ فہم ہو لیکن میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔" ایمر نے اُلجھن زدہ لہجے میں کہا۔

"میرے لیے بھی ناقابلِ فہم ہے۔" ٹائیگر نے کہا۔ "بہرحال، پھر ملاقات ہوگی، جناب! آپ کا بہت بہت شکریہ۔"

ایر نے بٹن دبا کر گھنٹی بجائی تو دَر وازہ کھل گیا اور وہی شخص اندر آ گیا جو ٹائیگر اور اُوشان کو اس دفتر تک لایا تھا۔ بُوڑھے ایر نے اُسے ہدایات دیں کہ اُنھیں حفاظت اور احترام سے باہر پہنچا دے۔

وہ گارڈ کے ساتھ باہر آئے تو اچانک ٹائیگر کی نگاہ ایک حسین و جمیل لڑکی پر پڑی۔ یہ لڑکی اُمید سے تھی اور اُس کے انداز سے فخر و انبساط کا اظہار ہو رہا تھا۔

"بے حد خوبصورت خاتون ہے۔" ٹائیگر بڑبڑایا۔

"یہ کون ہے؟" اُوشان نے پُوچھا۔

"مسز ایر۔۔۔" گارڈ نے جواب دیا۔

"اوہ۔۔۔" شہزاد کے ہونٹ سیٹی بجانے کے انداز میں سکڑ گئے لیکن کوئی آواز نہیں نکلی۔ "اُوشان۔ تمھارے لیے بڑے شرم کی بات ہے۔" وہ بڑبڑایا۔

اُوشان کا ہاتھ اُس کی گردن کی طرف بڑھا لیکن ٹائیگر اس وقت تک گارڈ کے آگے آگے چلنے لگا تھا اس لیے اُوشان کے لیے اُس کی گردن پر ہاتھ ڈالنا ایک حسرت ہی رہی۔

گلوریا پارک کران تینوں کی طرف دیکھنے لگی۔

ٹائیگر سے نگاہیں چار ہوتے ہی اس کے ہونٹوں پر پُرکشش مسکراہٹ رقص کرنے لگی۔ اس کی آنکھوں میں حیرت اور تجسس کے تاثرات تھے کیونکہ اس نے پہلے کبھی کسی شخص کو اتنے مسحور کُن انداز میں چلتے نہیں دیکھا تھا۔ کیوں لگتا تھا جیسے ٹائیگر کسی لچیلے رقاص کی طرح فرش پر تھرک رہا ہو۔

گلوریا کی مسکراہٹ کے جواب میں ٹائیگر بھی مُسکرا دیا تھا اور یہ مسکراہٹ سیدھی گلوریا کے دِل میں اُتر گئی تھی۔

دھکے کے سے عالم میں کھڑی اُنھیں دَروازے سے نکلتے دیکھتی رہ گئی۔

★★

ٹائیگر اور اُوشان کے جانے کے بعد اپنے دفتر میں بیٹھے ایر کی آنکھیں دِل پریشانی کا اظہار کرنے لگیں۔ چند لمحوں تک وہ گہری سوچ میں ڈُوبا رہا۔۔۔ پھر اس نے ایک سُرخ فون کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ اس فون پر کی جانے والی کال براہِ راست کاروں میں نصب کارڈلیس ٹیلی فون پر سُنی جا سکتی تھی۔

بوڑھا ایر جانتا تھا کہ ڈاکٹر گلیڈ اسٹون ابھی لیبارٹری نہیں پہنچی ہوگی۔ اس نے اس فون کا نمبر ڈائل کیا جو لیڈی ڈاکٹر کی کار میں نصب تھا اور سلسلہ ملنے کا انتظار کرنے لگا۔

سلسلہ ملتے ہی وہ پریشانی کے عالم میں بولنے لگا۔

"وہ دونوں آدمی جو تمھاری موجودگی میں یہاں آئے تھے، وہ جانوروں کے متعلق کچھ معلوم کرنا چاہتے تھے؟"

"اوہ۔۔۔ میں سمجھ گئی۔" ایلینا نے کہا۔

"میرا خیال ہے، یہ معاملہ۔۔۔"

"اسے مجھ پر چھوڑ دیں، جناب!" ڈاکٹر کی آواز سُنائی دی اور اس کے ساتھ ہی سلسلہ منقطع ہو گیا۔

ڈاکٹر گلیڈ اسٹون اپنی شان دار کار میں لیبارٹری کی طرف اُڑتی چلی جا رہی تھی۔ کار کے فون پر بُوڑھے ایر نے جو اطلاع دی تھی، اس نے چند لمحوں کے لیے اُسے پریشان کر دیا تھا۔۔۔ لیکن جلد ہی اس کی حالت سنبھل گئی۔

اس نے تصوّر کی آنکھ سے ٹائیگر کو دیکھا۔

اس نوجوان نے اسے صرف ایک ہی جھلک دِکھا کر بُری طرح بے چین کر دیا تھا۔ اس بے چینی کا تعلق صرف جذبات ہی سے نہیں تھا بلکہ اس کے جسم میں خوف کی ایک سرد سی لہر بھی دوڑ گئی تھی۔

اس نے ٹائیگر کے ساتھ ناتواں سے بوڑھے کی طرف زیادہ توجہ نہیں دی تھی لیکن وہ بوڑھا بھی اُسے اَب بے حد پُراسرار محسوس ہونے لگا تھا۔ خصوصاً انھوں نے جانوروں کا حوالہ دے کر ڈاکٹر ایلینا کے دِل و دماغ میں بے چینیاں بھر دی تھیں۔

اُسے یاد آیا کہ شہزاد کس انداز میں چل رہا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ کوئی اتھلیٹ ہو اور کھیل کے میدان میں مخصوص چال کے ساتھ کوئی مظاہرہ دِکھانے والا ہو۔۔۔ لیکن نہیں۔ اس نے خود ہی یہ خیال ذہن سے جھٹک دیا۔ وہ نوجوان کوئی اتھلیٹ ہرگز نہیں تھا۔

لائف لائن لیبارٹری کی عمارت کے سامنے پہنچ کر اس نے اپنی کار پارکنگ میں کھڑی کر دی اور اس کا دروازہ لاک کرتی ہوئی وہ سیدھی اپنے کمرے میں جا گھسی۔ اس نے وہاں پہنچتے ہی دو فون کالیں کیں۔

پہلی کال میں اس نے وضاحت کی کہ حکومت کی طرف سے متعین کردہ دو آدمی بوڑھے ایر کے ہاں گئے تھے اور انھوں نے جانوروں کا حوالہ دیا تھا۔ اس کال کے جواب میں اُسے دو الفاظ سُنائی دیے۔

"اسے قتل کر دو۔"

"لیکن وہ بوڑھا؟"

"میں اس سے خود ہی نمٹ لوں گا۔" جواب سُنائی دیا اور اس کے ساتھ ہی سلسلہ منقطع ہو گیا۔

دوسری کال اس نے نیشنل بینک کے ہیڈ آفس میں کی تھی اور بوڑھے ایر کے بیٹے ریندی سے رابطہ قائم کیا تھا۔

"ریندی! میں ڈاکٹر گلیڈ اسٹون بول رہی ہوں۔" رابطہ بحال ہوتے ہی اس نے کہا۔

"ہیلو، ایلینا!" دوسری طرف سے ریندی کی جواں آواز سُنائی دی۔ اس کے لہجے میں محبت کا گہرا تاثر تھا جیسے وہ اس کی کال سُن کر بے حد خوش ہوا ہو۔ "بتاؤ۔ میں تمھارے لیے کیا کر سکتا ہوں؟"

"تمھارے چیک اَپ کا وقت ہو گیا ہے۔" ڈاکٹر بولی۔ "لنچ کے بعد میں آ رہی ہوں۔"

"مجھے افسوس ہے۔ اس وقت میں بے حد مصروف ہوں گا۔"

"لیکن یہ آپ کے فادر مسٹر ایر کا حکم ہے۔"

"اوہ پاپا!" ایک طویل سانس لے کر کہا گیا۔ "وہ بعض اوقات بڑے تکلیف دہ ہو جاتے ہیں۔"

"مجھے افسوس ہے، ڈیئر۔۔۔ لیکن یہ ضروری ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ تم ایک بجے آ جاؤ۔" ریندی نے جواب دیا اور اس کے ساتھ ہی سلسلہ منقطع ہو گیا۔

ڈاکٹر گلیڈ اسٹون کے ہونٹوں پر بڑی ہی عجیب اور ناقابلِ فہم مسکراہٹ رقص کرنے لگی تھی۔ اس نے اپنا بیگ اُٹھایا اور وہ اوول کی ایک کیبنٹ کی طرف بڑھ گئی۔

★★

روبی غزالہ نے گلی میں پھیلے ہوئے کُوڑے اور غلاظت کو دیکھ کر نفرت سے ناک اور ہونٹ سکوڑ لیے۔ زاک کے سلسلے میں تحقیق کرتی ہوئی وہ یہاں تک آ پہنچی تھی۔ کار کھڑی کر کے وہ پیدل ہی عمارت کی طرف بڑھ گئی۔

عمارت میں داخل ہو کر اس نے منتظم کے دفتر کی تلاش میں اِدھر اُدھر دیکھا۔

ایک کمرے پر اُسے منتظم کے نام کی تختی نظر آ گئی۔

دروازے پر دستک کے جواب میں ایک غرّاہٹ سُنائی دی۔

۔۔۔ پھر دھڑ سے دروازہ کھلا اور ایک بر ہم شخص نے جھانک کر باہر دیکھا۔ غزالہ ایک پُرکشش لڑکی تھی۔ اس کے ہونٹوں پر بڑی ہی پیاری مسکراہٹ رقص کر رہی تھی لیکن معلوم ہوتا تھا، وہ شخص بڑا ہی بدذوق ہے۔ اس پر غزالہ کے حُسن اور اس کی مسکراہٹ نے کوئی اثر ہی نہیں کیا تھا۔

"کیا چاہتی ہو؟" وہ ناگواری سے بولا۔

غزالہ نے اپنے پرس سے ایک کارڈ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔ اس کارڈ کے مطابق وہ فیڈرل بیورو کی تحقیقاتی افسر تھی۔ اس کارڈ کو دیکھ کر منتظم قدرے نرم پڑ گیا۔ اس نے سوالیہ نظروں سے غزالہ کی طرف دیکھا۔

"میں مسٹر زاک کا اپارٹمنٹ دیکھنا چاہتی ہوں۔"

"اندر سے یا باہر سے؟"

"دونوں۔۔۔" غزالہ نے لہجہ قدرے تحکمانہ کر لیا۔

"کیا تمھارے پاس کوئی وارنٹ موجود ہے؟"

"اس کی ضرورت ہے؟" غزالہ کا لہجہ تیکھا ہو گیا۔

"اوہ۔ اس کا مطلب ہے کہ تمھارے پاس وارنٹ نہیں ہے۔" منتظم نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "اور اس کا یہ بھی مطلب ہے کہ تم کسی کمرے میں داخل نہیں ہو سکتیں۔"

"اگر تم وارنٹ پر اتنا ہی اصرار کر رہے ہو تو ٹھیک ہے۔" غزالہ نے دھمکی آمیز لہجے میں کہا۔ "میں جا رہی ہوں لیکن یاد رکھو۔ جب میری واپسی ہوگی تو وارنٹ کے ساتھ میں تنہا نہیں ہوں گی۔"

"پھر کیا تم کوئی توپ لے کر آؤ گی؟"

"نہیں، میں ہیلتھ ڈیپارٹمنٹ کا عملہ بھی ساتھ لاؤں گی۔" غزالہ نے عمارت میں پھیلی ہوئی غلاظت کی طرف انگلی اُٹھاتے ہوئے کہا۔

"اوہ۔ اس کے لیے وہ عمارت کے مالک کو جرمانہ کریں گے میرا کیا ہے؟"

"تم یہاں کے منتظم ہو۔ تمھیں جیل بھیج دیا جائے گا۔"

"میں کبھی جیل نہیں گیا۔"

"اور میرا مشورہ ہے کہ وہاں جانا بھی نہیں۔"

"تمھارا مشورہ ٹھیک ہی معلوم ہوتا ہے۔"

"لاؤ۔ زاک کے اپارٹمنٹ کی چابی نکالو۔" غزالہ نے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

"یہیں ٹھہرو۔ میں دیکھتا ہوں۔" وہ دروازہ بند کر کے اندر چلا

گیا اور پھر پانچ منٹ سے پہلے اس کی واپسی عمل میں نہیں آئی۔
"جب وہ تمہیں مل جائے تو اُسے میرا پیغام دے دینا کہ میں اس کا سامان ضبط کرنے والا ہوں۔" اس نے واپس آتے ہی کہا۔ "تین ہفتوں کا کرایہ چڑھ چکا ہے۔"

غزالہ نے مسکرا کر منتظم کی طرف دیکھا۔ وہ ایک ایسا آدمی تھا جس کے جسم کا ساٹھ فی صد حصہ اس کی توند پر مشتمل تھا۔ اس نے توند پر ہاتھ پھیرتے ہوئے غزالہ کی طرف دیکھا۔ اس کا صاف مطلب تھا کہ وہ ساتھ چلنے پر آمادہ نہیں ہے۔ وہ اس کی کاہلی پر مسکرائے بغیر نہ رہ سکی۔

غزالہ چابی لے کر اپارٹمنٹ کا معلوم کر کے سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔ وہ اس عمارت کی ناگوار فضا میں، سانس لیتے ہوئے بے حد دشواری محسوس کر رہی تھی۔

اُسے اپارٹمنٹ تلاش کرنے میں زیادہ دشواری نہیں ہوئی۔ اپارٹمنٹ میں نصف گھنٹہ صرف کرنے کے بعد وہ مایوس ہو گئی کیونکہ کوئی بھی کارآمد شے ہاتھ نہیں لگی تھی۔

اس کی ٹیلی فون بک میں کسی کا فون نمبر نہیں لکھا ہوا تھا حالاں کہ یہ بک پچھلی سال پرانی تھی۔ کسی دوست یا رشتے دار کا پتہ بھی نہیں درج تھا۔ صرف ایک تصویر ملی۔ یہ زاک ہی کی تصویر تھی اور غزالہ نے اندازہ لگایا کہ آدمی ذہین ہے... لیکن آنکھیں اس کے احمق ہونے کا اشارہ دے رہی تھیں۔

کمرے میں زیادہ تر کاغذات گھوڑوں پر شرطیں لگانے سے متعلق تھے۔ گویا وہ ریس کا رسیا تھا۔ ان کاغذات سے ایک قریبی ریستوران اور ریس کی شرطیں بدنے والے ایک آدمی کے نام کے علاوہ کوئی کارآمد بات معلوم نہ ہوئی۔

اس نے دروازہ مقفل کر دیا۔

واپسی میں منتظم کو چابیاں واپس کرتے ہوئے اس نے پوچھا "کیا مسٹر زاک کا کوئی ملاقاتی یہاں آتا رہا ہے؟"

"نہیں۔ اس سے ملنے کوئی نہیں آتا تھا۔"

"شکریہ۔" وہ پلٹ کر عمارت کے صدر دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

جس ریستوران کا پتہ اُسے زاک کے اپارٹمنٹ سے ملا تھا، وہ اس گلی کی نکڑ پر واقع تھا۔ وہ ریستوران کے کاؤنٹر پر پہنچی تو کاؤنٹر مین زاک کا شناسا نکلا۔ غزالہ نے اس سے معلوم کیا کہ اُس نے بتایا۔

"ہاں۔ وہ ہفتے میں دو تین بار یہاں آیا کرتا تھا۔"

"میں اُسے تلاش کر رہی ہوں۔ تم نے اُسے آخری بار کب دیکھا تھا؟"

"دو تین ہفتوں سے کہیں دکھائی نہیں دیا۔"

"وہ کس سے ملتا جلتا تھا؟ اُس کا کوئی دوست وغیرہ؟"

"میں نے اُسے کبھی کسی کے ساتھ نہیں دیکھا۔" یہ کہتے ہوئے کاؤنٹر کلرک کی بھویں سکڑ گئیں۔ "لیکن تم یہ بار بار پوچھ کیوں رہی ہو؟"

"میرے باس نے مجھے اس کی تلاش پر مامور کیا ہے۔ میرے باس کے پاس اُس کے لیے کچھ دولت ہے۔"

"دولت اور مسٹر زاک کے لیے۔" کاؤنٹر کلرک کو شاید یقین نہیں آیا۔

"ہاں..." غزالہ نے خود اعتمادی سے بھرپور لہجے میں جھوٹ بولا تو کاؤنٹر مین کو یقین آ گیا... اچانک اُسے چونک جانا پڑا۔ کسی کے کندھے پر کسی نے ہاتھ رکھ دیا تھا اور انگلیوں کی آہنی گرفت اتنی سخت تھی کہ غزالہ کو اپنے کندھے کی ہڈی ٹوٹتی ہوئی محسوس ہونے لگی۔

اس نے پلٹ کر اُس شخص کی طرف دیکھا جس نے اتنی بے تکلفی اور جارحیت سے یہ حرکت کی تھی۔ اگلے ہی لمحے اس کا جسم سنسنا اور اُسے اپنے بدن کے ایک ایک مسام سے پسینہ آتا محسوس ہونے

غزالہ نے اپنی زندگی میں اتنا خوف ناک آدمی پہلے نہیں دیکھا تھا۔

اس نے بالمقابل کھڑے شخص کی طرف دیکھا تو اس کی آنکھیں اُسے اپنی آنکھوں میں چبھتی محسوس ہوئیں۔ لگیں ہلکی سی کپکپاہٹ اس کے پورے وجود پر طاری ہو گئی تھی۔ "بات ہے؟" اس نے سامنے کھڑے شخص سے پوچھا۔ لہجہ ٹھوس کی کوشش ناکام ہو گئی۔

"کیا تم مجھے ایک جام پلا سکتی ہو؟"

"اوہ..." غزالہ کے حلق سے ایک طویل سانس نکل گئی۔ نے پلٹ کر کاؤنٹر مین کی طرف دیکھا۔ "اسے ایک جام دے دو۔"

"گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے، مس۔" کاؤنٹر مین نے نکالتے ہوئے کہا۔ "ہاگردن دیکھنے میں دیو قامت اور خوف ناک ہے لیکن درحقیقت یہ کسی چیونٹی کی طرح بے ضرر ہے۔"

"اور تم..." غزالہ نے لہجہ سخت کرتے ہوئے کہا۔ "آ

ہی لڑکی کے کندھے پر اس طرح ہاتھ نہ رکھنا۔ جانتے ہو، میرے کندھے کی ہڈی میں اب تک تکلیف ہو رہی ہے۔ اگر یہ ہڈی ٹوٹ جاتی تو؟"

"مجھے افسوس ہے، مس۔" خوف ناک چہرے اور کسی ریچھ جیسے بدن کے مالک ہاگردن نے معذرت کی لیکن اس کی آواز اب بھی غراہٹ آمیز تھی۔

"اس کے علاوہ بہتر ہوگا کہ تم ایک ایک جام کی بھیک مانگنے کی بجائے فلم انڈسٹری میں چلے جاؤ۔ وہاں تمہیں بھوتوں کا رول سانی سے مل جائے گا۔"

ہاگردن نے اثبات میں سر ہلا دیا اور بارٹینڈر سے جام لے کر ایک میز کی طرف بڑھ گیا۔ غزالہ ایک بار پھر کاؤنٹر مین کی طرف متوجہ ہو گئی جو اس سے پوچھ رہا تھا۔ "تمہارا باس کون ہے؟"

"اگر میں اس کا نام لے لوں تو تم اُسے یقیناً پہچان لوگے۔ اسی سے اندازہ لگا لو کہ وہ کتنی اہم شخصیت ہے... لیکن میں اس کا نام نہیں لینا چاہتی۔" غزالہ نے نرم لہجے میں، سمجھانے والے انداز میں کہا۔ "دراصل زاک نے اس کی بیوی کے سلسلے میں کچھ تفتیشی کام کیا تھا۔ سمجھ گئے نا؟"

"ہاں... میں سمجھ گیا۔" کاؤنٹر مین نے مسکرا کر کہا۔

"ہاں تو تم نے بتایا نہیں کہ میں زاک سے کہاں رابطہ قائم کر سکتی ہوں۔" غزالہ نے اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں سمجھتا ہوں، وہ تمہیں بادری بار میں مل جانا چاہیے۔ اگر وہ یہاں نہیں آتا تو وہاں چلا جاتا ہے۔ وہاں آرنی کی نشست رہتی ہے اور زاک کے ساتھ اس کے کاروباری تعلقات ہیں... گھوڑوں کا کاروبار..."

غزالہ سمجھ گئی کہ آرنی کسی بکی کا نام ہے اور زاک اس کے ذریعے گھوڑوں پر شرطیں لگاتا ہے۔ وہ کاؤنٹر مین کا شکریہ ادا کر کے باہر آ گئی۔ اُسے زاک کے سلسلے میں اگرچہ کوئی قابل ذکر کامیابی نہیں ہوئی تھی لیکن چونکہ سلسلہ چل نکلا تھا اس لیے وہ توقع تھی کہ جلد ہی وہ کوئی نتیجہ خیز بات معلوم کر لے گی۔

اس کی کار تیزی سے بادری بار کی طرف روانہ ہو گئی۔

بیس منٹ سے بھی کم وقفے میں وہ وہاں پہنچ گئی۔ کار ایک طرف پارک کر کے وہ اندر پہنچی اور آرنی کے بارے میں دریافت کیا۔ ویٹر نے ایک میز کی طرف اشارہ کر دیا۔ آرنی دروازے کے قریب ہی ایک میز پر تنہا بیٹھا ہوا تھا۔ بلو سوٹ میں وہ ایک عجیب الخلقت آدمی لگ رہا تھا۔ وہ اپنے دائیں شانے کے اُوپر سے باہر سڑک کی طرف دیکھ رہا تھا۔

خود کو ایک اہم ہستی کی سیکریٹری بتانے کے بعد وہ اس کے سامنے بیٹھ گئی۔ چند لمحوں تک آرنی مضطرب رہا... پھر پُرسکون ہو کر زاک کے بارے میں باتیں کرنے لگا۔

"وہ میرا بہت ہی اچھا اور پرانا دوست ہے۔" آرنی نے کہا۔ "اگر وہ تمہیں کہیں مل جائے تو کہہ دینا کہ دوستوں میں لین دین ہوتا ہی رہتا ہے اس لیے گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ مجھ سے ملاقات کر لے۔ آئندہ جیت کی رقم..."

"لیکن میں تو خود اس کی تلاش میں ہوں۔" غزالہ نے اس کی بات کاٹ دی۔

"اوہ! کیا وہ تمہارا بھی مقروض ہے؟" آرنی چونک پڑا۔

"نہیں۔ یہاں معاملہ قدرے اُلٹ ہے۔ میں اس کی مقروض ہوں۔ میرے پاس اس کے لیے کچھ رقم موجود ہے۔"

آرنی کی آنکھیں حیرت اور بے یقینی سے پھیل گئیں۔ اس نے سُرخ شراب کے جام سے چہرہ اُٹھا کر اُس کی طرف دیکھا۔ "کیا کہہ رہی ہو؟" اس کی آنکھوں میں یکایک بے پناہ دلچسپی کی چمک پیدا ہو گئی۔ "کتنی رقم ہے؟"

"وہ رقم حقیقتاً میرے پرس میں موجود نہیں۔ بہرحال میں اُسے پانچ سو ڈالر ادا کر دوں گی۔ اگر وہ مجھے مل جائے تو اُسے اپنے باس کے پاس لے جاؤں گی جو اُسے یہ رقم دے دے گا۔"

"پانچ سو ڈالر... بس کافی ہیں؟" آرنی بڑبڑایا۔

"کس مقصد کے لیے کافی ہیں؟" غزالہ چونک پڑی۔

"اُسے میری آتشی ہی رقم ادا کرنی ہے۔"

"خیر... کیا تم بتا سکتے ہو کہ وہ مجھے کہاں ملے گا؟"

"اگر مجھے معلوم ہوتا تو میں اُسے گردن سے پکڑ کر اپنی رقم نہ وصول کر لیتا۔"

"تم اس کے کسی دوست سے تو ضرور واقف ہو گے؟"

"دوست... نہیں... اس کا کوئی دوست نہیں۔" آرنی نے جماہی لیتے ہوئے کہا۔ "لیکن ٹھہرو..." وہ چونک پڑا، جیسے کوئی بات اچانک ہی یاد آ گئی ہو۔ "۲۲ ویں گلی میں... لیکن کیا تم مجھے یقین دلا سکتی ہو کہ میری رقم مجھے مل جائے گی۔ دراصل مجھے اس سے تین سو ڈالر لینے ہیں۔"

"بس تم تو یہ سمجھ لو کہ رقم تمہاری جیب میں آ گئی۔" غزالہ نے اُسے دلاسا دیا۔ "وہ جیسے ہی ملا، اُسے پانچ سو ڈالر مل جائیں گے

اور پھر میں اسے پکڑ کر تمہارے پاس لے آؤں گی۔"

"ٹھیک ہے۔ تم ایک اچھی لڑکی نظر آتی ہو۔ میں تم پر اعتبار کرتا ہوں۔" آرنی نے گہری نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "۲۲ ویں گلی کے ساتویں یا آٹھویں اپارٹمنٹ میں ایک عورت رہتی ہے۔ اس کا نام فلاسی ہے۔ ناک کی دنیا بھر میں صرف اسی عورت سے ملتا ہے۔ وہ ایک پیشہ ور عورت ہے۔ اگر گھر پر موجود نہ ہو تو تم اسے وہاں کے کسی شراب خانے میں آسانی سے تلاش کر سکتی ہو۔ ممکن ہے، زاک تمہیں اس کے گھر میں مل جائے۔ میرا خیال ہے، کبھی کبھی وہ اس کے ہاں بھی قیام کرتا ہے۔"

"فلاسی کا حلیہ۔۔۔؟"

جواباً آرنی نے اسے فلاسی کا حلیہ تفصیل سے بتا دیا۔

"شکریہ آرنی۔" غزالہ نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "وہ مجھے جیسے ہی ملا، تمہارے تین سو ڈالر تمہیں مل جائیں گے۔"

"میں انتظار کروں گا۔" آرنی نے امید بھرے لہجے میں کہا۔

غزالہ اس شراب خانے سے باہر آئی۔ تفتیش کی گاڑی کچھ اور آگے بڑھ گئی تھی۔ وہ فلاسی کے بارے میں سوچنے لگی۔۔۔ اس عورت سے ملاقات کے بعد اسے کوئی انکشاف ہونے کی توقع تھی۔ وہ تیزی سے اس طرف بڑھنے لگی جہاں اپنی کار پارک کی تھی۔۔۔ اور پھر کچھ فاصلے سے اس نے دیکھا کہ ٹریفک پولیس کا ایک ٹرک کار کے قریب کھڑا ہے اور ٹرک ڈرائیور اس کی کار کے بمپر سے زنجیر باندھنے ہی والا ہے۔

وہ وہیں سے چیخ پڑی۔ "ابے۔۔۔ ٹھہر جاؤ۔ یہ میری کار ہے۔"

ٹرک ڈرائیور ایک موٹا سا سیاہ فام آدمی تھا۔ اس نے غزالہ کی آواز سُنی تو چونک کر رُک گیا اور پلٹ کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔ غزالہ تیزی سے دوڑتی ہوئی اس کی طرف چلی آ رہی تھی۔۔۔ قریب آ کر اس نے ہانپتے ہوئے پوچھا۔

"یہ تم کیا کرنے جا رہے تھے، موٹے سؤر؟"

"یہ کار غیر قانونی طور پر پارک کی گئی ہے۔"

"وہ کیسے؟" غزالہ کی آنکھیں سکڑ گئیں۔ "بتاؤ، کہاں بورڈ لگایا ہے، تم لوگوں نے؟"

سیاہ فام پولیس ٹرک ڈرائیور نے دائیں بائیں دیکھا اور ایک بلاک دُور کسی عمارت کی طرف اشارہ کر دیا۔ "وہ رہا، ٹریفک سائن۔"

غزالہ نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اس سائن کی طرف دیکھا لیکن فاصلے کی وجہ سے بآسانی نہ دیکھ سکی۔ ایک میل دُور لگا ہوا وہ سائن۔۔۔" اس نے غصّے سے کہا۔ "اس سائن کا دائرۂ اثر کیا پورے شہر تک ہے؟"

"میں سائن لگانے والوں کا انچارج نہیں ہوں، مس۔" موٹے پولیس ڈرائیور نے دانت نکالتے ہوئے معذرت آمیز لہجے میں کہا۔ "میں تو غیر قانونی طور پر پارک کی ہوئی گاڑیاں گھسیٹ کر پولیس ہیڈ کوارٹر پہنچاتا ہوں۔"

"ہوں۔۔۔ لیکن عقل کے اندھے یہ بھی تو دیکھو کہ سائن بہت دُور ہے۔"

"میں مجبور ہوں، مس۔"

"اگر تم میری گاڑی یہاں سے گھسیٹ لے جاؤ تو پولیس ہیڈ آفس سے اس کی واپسی کے لیے مجھے کتنا خرچ کرنا پڑے گا؟" غزالہ نے پوچھا۔

"پچھتر ڈالر، مس۔" جس میں سے پچیس ڈالر چالان کے اور باقی گاڑی کو وہاں تک گھسیٹ لے جانے کا خرچہ۔"

"میرا خیال ہے، ہم ایک دوسرے سے اس سلسلے میں بات چیت کر سکتے ہیں۔" غزالہ نے اس کی طرف ایک عدد مسکراہٹ بکھیرتے ہوئے کہا۔ "کیوں نہ تمہیں یہیں پچاس ڈالر ادا کر دوں؟"

موٹا ڈرائیور سوچ میں پڑ گیا۔ کچھ دیر بعد اس نے غزالہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "ٹھیک ہے۔ اگر تم یہ معاملہ یہیں نمٹانا چاہتی ہو تو مجھے اسّی ڈالر ادا کر دو۔ میں تمہیں چھوڑ دوں گا۔"

"میرا خیال ہے۔ تم بے حد لالچی آدمی ہو۔ کیا چربی تمہارے دماغ پر بھی چڑھ گئی ہے؟ ابھی ابھی تم کہہ رہے تھے کہ مکمل پچھتر ڈالر خرچ آئے گا اور اب تم اسّی ڈالر کی ہانک رہے ہو۔"

"اب میں اسّی نہیں نوّے ڈالر لوں گا۔"

"مائی فٹ۔" غزالہ برہم ہو گئی۔

"ایک سو ڈالر۔۔۔" ٹرک ڈرائیور نے نیلامی کی بولنے لگانے والے کی طرح کہا۔

"تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔"

"ایک سو دس ڈالر۔۔۔" یہ کہہ کر پولیس مین زنجیر سنبھال کر دوبارہ کار کی طرف متوجہ ہو گیا۔ وہ بمپر سے زنجیر باندھنے لگا تو غزالہ کھوپڑی غصّے سے کھول اُٹھی۔ وہ پولیس ٹرک کے عقب میں چلی جتنی دیر میں ٹریفک پولیس کے ٹرک ڈرائیور نے زنجیر باندھ غزالہ نے اس کے ٹرک کے عقبی پہیّے کی ہوا نکال دی۔ اس کے بعد وہ دوسرے ٹائر کی طرف متوجہ ہو گئی۔ پہیّے سے ہوا نکلنے کا

سُن کر ٹرک ڈرائیور چیخ پڑا۔

"ابے۔۔۔ تم کیا کر رہی ہو؟"

"میں نے دو پہیّوں کی ہوا نکال دی ہے۔" غزالہ نے اُسے گھونسہ دکھاتے ہوئے کہا اور پولیس مین کے موٹے جسم کو گھورنے لگی۔ "اور اگر تم نے مزید بکواس کی تو تمہاری بھی نکال دوں گی۔"

"ابے تم۔۔۔ تم احمق لڑکی۔۔۔" وہ غصّے سے مٹھیاں بھینچ کر غرّایا۔

"ایک اور ٹرک منگواؤ۔ اگر میری گاڑی گھسیٹ کر لے جائی جائے گی تو تمہارا ٹرک بھی اسی طرح جائے گا۔" یہ کہہ کر غزالہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

ٹرک ڈرائیور تیزی سے اس کی طرف لپکا۔

غزالہ بڑی پھرتیلی ثابت ہوئی۔

وہ اس کے قریب آنے سے پہلے ہی ٹرک کی دوسری جانب پہنچ چکی تھی۔ ایک خالی ٹیکسی کو ہاتھ دے کر روکنے کے بعد وہ عقبی نشست پر بیٹھ گئی۔ "۲۲ ویں گلی۔" اس نے ڈرائیور کو منزلِ مقصود کے بارے میں بتایا اور پلٹ کر دیکھا۔

موٹا ٹرک ڈرائیور لڑکھڑاتا ہوا قریبی شراب خانے کی طرف جا رہا تھا تاکہ وہاں سے فون کر کے دوسرا ٹرک منگوا سکے۔

غزالہ نے ہنس کر اُسے انگوٹھا دکھایا اور پھر ٹیکسی کی سیٹ سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر لیں۔ وہ فلاسی کے بارے میں سوچ رہی تھی۔

ٹیکسی تیزی سے ۲۲ ویں گلی کی طرف دوڑنے لگی۔

★★

لوپانو خاندان کا دوسرا میٹا رینڈی اپنے دفتر میں داخل ہوا تو سیٹی بجا رہا تھا۔ یہ دیکھ کر اس کی دونوں سیکریٹریاں حیران رہ گئیں۔ یہ ایک عجیب سی بات تھی۔ رینڈی ایک بے حد سنجیدہ جوان تھا اور اُسے آج تک کسی نے گھنڈے موڈ میں نہیں دیکھا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اُسے سیٹی بجاتے دیکھ کر ایک سیکریٹری نے حیرت اور بے یقینی سے دوسری سیکریٹری کی طرف دیکھا اور بڑبڑائی۔ "اگر مجھے نئے پوپ کی جگہ مل جائے تو حیران نہ ہونا۔"

"مسٹر رینڈی کو سیٹی بجاتے دیکھ کر احساس ہوتا ہے کہ اس دُنیا میں سبھی کچھ ممکن ہے۔ میں سمجھتی ہوں کہ یہ جوان اب اپنے کمرے میں جا کر میز پر چڑھ جائے گا اور رقص کرنا شروع کر دے گا۔"

وہ ان کے قریب سے گزر کر اپنے دفتر میں چلا گیا۔

ایک سیکریٹری اٹھی اور تیزی سے مسٹر رینڈی کے آفس کی طرف چل دی۔ دروازہ کھول کر وہ کمرے میں داخل ہوئی تو رینڈی اب بھی سیٹی بجا رہا تھا۔ اس نے اپنی ٹائی ڈھیلی کر لی تھی اور قمیص کا کالر کھول رہا تھا۔

"آپ کی طبیعت ٹھیک ہے، نا جناب؟" سیکریٹری نے پوچھا۔

"بہت اچھی۔۔۔ میں آج خود کو نیا آدمی تصور کر رہا ہوں۔۔۔" رینڈی نے مسکرا کر جواب دیا۔ "میرے لیے بیئر کی ایک بوتل بھجوا دو۔ جلدی۔"

سیکریٹری حیرتوں کے سمندر میں غوطہ زن اس کے دفتر سے نکل آئی۔ سیٹی بجانا اور بیئر طلب کرنا۔ دونوں ہی غیر معمولی باتیں تھیں۔

دو بجے کے قریب سیکریٹری جب کسی کام سے غالباً بارھویں مرتبہ رینڈی کے کمرے میں داخل ہوئی تو وہ کسی نئی اور حیران کُن بات کے لیے ذہنی طور پر بالکل تیار تھی۔ اندر قدم رکھتے ہی اس نے دیکھا کہ کوئی گڑبڑ ہے۔

رینڈی نے اپنا جیکٹ اُتار دیا تھا۔ اُس کی ٹائی میز پر پڑی تھی اور اس کے چہرے سے عجیب تاثرات ہویدا تھے۔ سیکریٹری جینی کے ہاتھ میں ایک فائل تھی۔ اُس نے اپنے باس کی یہ بدلی بدلی سی حالت دیکھی تو اس کا رنگ زرد پڑ گیا۔ فائل اس کے ہاتھ سے گرتے گرتے بچی۔۔۔ لیکن رینڈی اس کی طرف متوجہ نہیں تھا۔

جینی کے دیکھتے ہی دیکھتے وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔

اس نے اپنی قمیص بھی اتار دی اور پھر بوٹ اتار کر کمرے میں ایک طرف اُچھال دیے۔ "اوہ۔ میرے خدا۔" وہ بڑبڑایا۔ "مجھے ان چیزوں سے کس قدر وحشت ہو رہی ہے۔ کپڑے اور جوتے۔۔۔ میں اُنھیں برداشت نہیں کر پا رہا ہوں۔"

وہ محض ایک زیرِ جامہ پہنے اپنی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ سامنے میز پر بیئر کی کئی بوتلیں رکھی تھیں۔ جو خالی ہو چکی تھیں صرف ایک بوتل میں چند گھونٹ باقی تھے۔ رینڈی نے وہی بوتل اُٹھالی اور اس سے ایک بڑا سا گھونٹ لے لیا۔

۔۔۔ پھر اس نے بنیان بھی اتار دی۔

سیکریٹری نے دیکھا کہ اس کی جلد کی رنگت زرد ہو رہی ہے اور اس پر سُرخ سُرخ نشانات اُبھر رہے ہیں۔ وہ ششدر کھڑی اپنے باس کی طرف دیکھتی رہی۔۔۔ اور جب کسی عجیب و غریب مرض میں مبتلا رینڈی نے جسم پر آخری لباس بھی برداشت نہیں کیا تو وہ منہ پھیر کر رینڈی کے دفتر سے نکل آئی۔

باہر آئی تو اس کی آنکھیں خوف سے پھٹی پھٹی لگ رہی تھیں۔ وہ پریشان تھی کیوں کہ سوا تین بجے ایک غیر ملکی بینک

کا وائس پریذیڈنٹ، ریندی سے ملاقات کے لیے آنے والا تھا۔ یہ بڑی حیران تھی کہ اس اہم میٹنگ کے لیے اس کا باس تیار بھی ہوگا یا نہیں۔ یہ میٹنگ ایک خصوصی درخواست کے بعد بڑی مشکل سے طے پائی تھی اس لیے اس میں کسی گڑبڑ کا صاف مطلب تھا ... تباہی... اور یہ تباہی ملکی معیشت پر بھی بُری طرح اثر انداز ہو سکتی تھی۔

سیکریٹری کو یہ سب کچھ سوچتے ہوئے یوں لگ رہا تھا جیسے اس کی سانس رُک جائے گی اور دم گھٹنے کی وجہ سے اس کی موت واقع ہو جائے گی۔ اُسے حیرت تھی کہ ریندی جیسا شخص اچانک ہی کس عذاب میں مبتلا ہو گیا ہے۔ ظاہری طور پر وہ دماغی اعتبار سے بالکل ٹھیک تھا اور گزشتہ کئی سال سے اُسے زکام تک نہیں ہوا تھا، وہ جس خاندان سے تعلق رکھتا تھا، اس کے سارے ہی افراد صحت کے اعتبار سے قابلِ رشک تھے اور ان میں سے کبھی کوئی بیمار نہیں پڑا تھا۔ اس نے اپنی نوٹ بک نکالی اور ملاقات کا دن اور وقت دوبارہ دیکھا۔ ہر چیز جُوں کی تُوں تھی۔ کسی اٹل حقیقت کی طرح... بس صرف ریندی بدل گیا تھا... اور یہ تبدیلی بھی ایسی تھی جس سے ملک کی معیشت دوچار کی نقصان پہنچنے کا احتمال تھا۔

اس مسئلے کو سمجھنے کے لیے وہ ایک بار پھر ریندی کے دفتر کی طرف چل گئی۔

... اور اس مرتبہ اُسے دروازے ہی میں ٹھٹک جانا پڑا۔

اس کا خیال تھا کہ ریندی اپنی لمبی چوڑی میز کے عقب میں اپنی شاندار کرسی پر براجمان ہوگا... لیکن وہ وہاں نہیں تھا۔ ادھر اُدھر دیکھنے کے بعد بالآخر سیکریٹری کی نگاہ کوچ پر جم گئی وہ وہاں دراز تھا۔ غالباً ریندی نے دروازہ کھلنے کی آواز سُن لی تھی وہ چونک کر اُس کی طرف دیکھنے لگا۔

"جینی... ادھر آؤ۔" اس نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

وہ کانپتی ہوئی آگے بڑھی اور سوچتی رہی کہ آج تو سبھی کچھ ممکن ہے۔ ریندی ان آدمیوں میں سے نہیں تھا جو... اپنی سیکریٹریوں سے فلرٹ کرتے ہیں... لیکن آج جو کچھ بھی ہو جائے کم ہوگا۔ اب تک جو کچھ سامنے آیا تھا، اس کی روشنی میں کوئی بڑی سے بڑی بات بھی حیران کُن ثابت نہیں ہو سکتی تھی۔

سیکریٹری نے آگے بڑھ کر دروازہ بند کر دیا اور پلٹ کر ریندی کی طرف دیکھنے لگی۔

"جناب..." اس نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔ "آج آپ کو ایک غیر ملکی بینک کے وائس پریذیڈنٹ سے ملاقات کرنا ہے اور اس ملاقات میں صرف پانچ منٹ باقی ہیں۔"

"کوئی بات نہیں۔ تم دیکھ رہی ہو کہ میں دفتر میں موجود ہوں۔"

"لیکن جناب! آپ اس حالت میں... ملاقات کیسے کر سکتے ہیں۔" جینی نے کمرے میں بکھرے ہوئے کپڑوں کی طرف اشارہ کرکے کہا۔

یہ سُن کر ریندی نے اپنے وجود کی طرف اس انداز میں دیکھا جیسے پہلے اُسے اپنی حالت کا احساس ہی نہ ہو... پھر اس نے دھیمی آواز میں جواب دیا۔ "میرا خیال ہے، تم ٹھیک ہی کہتی ہو... لیکن جینی میں تمہیں کیسے بتاؤں کہ اچانک ہی مجھے کپڑوں سے شدید نفرت ہو گئی ہے۔ بہرحال، ملاقات کے وقت میں کوشش کروں گا کہ کوئی چادر اوڑھ لوں۔ میرے لیے ایک چادر کا بندوبست کر دو۔" یہ کہتے ہوئے وہ متوقع نظروں سے اپنی سیکریٹری کی طرف دیکھنے لگا تو اس کے چہرے پر بے بسی کے تاثرات پھیل گئے تھے۔

جینی نے افسوس کے اظہار میں سر کو دائیں بائیں جنبش دی۔ "نہیں جناب! یہ تو سوچیے کہ آپ سے ملنے کون آ رہا ہے۔"

"اوہ... تم ٹھیک کہتی ہو۔ ٹھیک ہے۔ میں ابھی کپڑے پہن کر تیار ہو جاتا ہوں۔"

سیکریٹری اپنی سیٹ پر واپس آ گئی۔ ریندی کے وعدے پر اُسے کچھ سکون مل گیا تھا لیکن بے چینی پھر بھی موجود تھی۔

طے شدہ وقت پر جب وہ اہم شخصیت ملاقات کیلئے پہنچ گئی تو جینی نے انٹرکام پر رابطہ قائم کرتے ہوئے خاص طور سے پوچھا۔ "کیا آپ واقعی تیار ہو چکے ہیں جناب؟"

"اوہ ہاں۔ میں تمہارا مطلب سمجھ گیا۔" ریندی نے ہنس کر جواب دیا۔ "میں اس وقت اپنے کپڑوں میں بیٹھا ہوا ہوں۔"

"تھینک گاڈ۔" جینی نے کہا اور مہمان کو ریندی کے دفتر تک پہنچانے کے لیے اُٹھ کھڑی ہوئی جب وہ ریندی کے کمرے میں پہنچی تو اس کے جسم پر قمیص تو تھی البتہ کالر ٹائی سے بے نیاز تھے۔ عام حالات میں وہ اُٹھ کر اپنے مہمانوں کا استقبال کرتا تھا لیکن آج وہ اپنی سیٹ پر بیٹھا رہا حالاں کہ اس مہمان کے لیے اُسے سر کے بل کھڑے ہو جانا چاہیے تھا۔ اس کے تیور دیکھ کر سیکریٹری کی سمجھ میں آئی تو وہ ایک طویل سانس لے کر رہ گئی۔ اس نے دائیں بائیں دیکھا۔

کمرے میں، ایک صوفے کے قریب ریندی کے جوتے پڑے تھے اور وہاں پر پتلون بھی نظر آ رہی تھی۔ اس کے علاوہ جیکٹ بھی وہیں پڑا تھا جہاں جینی نے اُسے کچھ دیر قبل دیکھا تھا۔ وہ اپنے باس کی طرف متوجہ ہو گئی۔

"کسی اور چیز کی ضرورت تو نہیں پڑے گی، جناب؟"

"نہیں۔ سب ٹھیک ہے۔" ریندی نے جواب دیا۔ "سب ٹھیک ہے۔"

وہ دروازے کی طرف چل دی۔ کواڑ کھولتے ہی اُسے عقب سے ریندی کی آواز سنائی دی۔ "جینی! گھر جانے سے پہلے مجھ سے مل لینا۔"

اس نے اثبات میں سر ہلا کر دروازہ بند کر دیا۔

میٹنگ دو گھنٹے تک جاری رہی۔ بینک کے دو اعلیٰ افسران ایک کمرے میں ساتھ ساتھ بیٹھے تھے اور ملکی معیشت کے لیے اہم کاروباری گفتگو ہو رہی تھی۔

جو غیر ملکی بینکار، ریندی سے ملاقات کے لیے آیا تھا، اُسے حیرت تھی کہ اتنے بڑے آدمی نے یہ کس انداز کے کپڑے پہن رکھے ہیں؛ آتے وقت اس کا خیال تھا کہ وہ ایک تیسرے مقابلے کے لیے جا رہا ہے جب کہ یہاں آنے کے بعد محسوس ہوا کہ اس تیسرے کے دانت جھڑ چکے ہیں اور وہ بالکل بے ضرر ہو کر رہ گیا ہے۔

بات چیت کے دوران میں ریندی کی نگاہ بار بار گھڑی کی طرف اُٹھ رہی تھی۔ اس گھڑی کو اُس نے کلائی سے اُتار کر اپنی میز پر ایک طرف رکھ دیا تھا... اس کے علاوہ مہمان نے یہ بھی دیکھا کہ آخری وقت تک وہ کلائی کے اس جتنے کو وقفے وقفے سے رگڑنے لگتا تھا جہاں وہ گھڑی باندھتا تھا اور جہاں گھڑی کے چین کا نشان بن گیا تھا۔

میٹنگ ٹھیک وقت پر ختم ہو گئی۔

مہمان رخصت ہو گیا۔

ساڑھے چار بجے شام جینی، خارجی دفتر میں گھر جانے کے لیے تیار ہو رہی تھی، دوسری سیکریٹری نے کسی دوست کو ملاقات کا وقت دے رکھا تھا، اس لیے وہ معمول سے کچھ پہلے ہی رخصت ہو گئی تھی۔ جینی نے دن بھر میں چوتھی بار اپنی لپ اسٹک درست کی اور پھر غالباً تیسری بار آئی شیڈو ٹھیک کیا۔ آج اُسے پہلی بار آنکھ دیر ہو رہی تھی ورنہ ان کا دفتر ٹھیک چار بجے بند ہو جاتا تھا۔ سیکریٹری اپنی زیبائش کا خاص خیال رکھتی تھی کیوں کہ اس کا خیال تھا کہ ریندی نے اُسے اسی لیے ملازم رکھا ہے کہ وہ ایک حسین اور پُرکشش عورت ہے۔ یہیں اُسے یہاں کام کرتے چھ ماہ ہو گئے تھے اور ریندی کی طرف سے کوئی پیش قدمی نہیں ہوئی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ محض خوش فہمی میں مبتلا تھی۔

میٹنگ کے لیے آئے ہوئے مہمان نے اس کی سیٹ کے قریب سے گزرتے وقت کہا تھا۔ "مسٹر ریندی! تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔"

وہ اس کے جاتے ہی آئینہ پرس میں رکھ کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کا دل شدت سے دھڑک رہا تھا کیوں کہ وہ مہمان کے چہرے سے کوئی تاثر قائم کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکی تھی تاہم وہ دل ہی دل میں اپنے بدترین خدشات کی تصدیق کے خوف میں مبتلا تھی۔ وہ ریندی کے دفتر کی طرف بڑھ گئی۔

اس کا خیال تھا کہ باس ایک بار پھر اپنے لباس سے نفرت کے مرض میں مبتلا ہو گیا ہوگا۔ سیکریٹری جانتی تھی کہ ریندی کے بڑے بھائی نے ٹوکیو میں ایک عمارت کی بلند ترین منزل سے کود کر خودکشی کر لی تھی۔ اس لیے جب ریندی کے رویے میں تبدیلی دیکھی تو یہی سمجھی کہ یونانی خاندان میں یونانی کا مرض موجود ہے۔

ریندی کے دفتر میں داخل ہونے کے بعد اس نے سکون کی ایک گہری سانس لی۔ وہ اپنی میز کے عقب میں موجود تھا اور اس کے جسم پر قمیص بھی نظر آ رہی تھی۔ جینی پر نگاہ پڑتے ہی وہ مسکرانے لگا۔

اس مسکراہٹ نے جینی کی دھڑکنیں بے ترتیب کر دیں۔ کیا یہ دیوانگی سے لبریز مسکراہٹ ہے؟ اس نے سوچا۔

"جینی..." ریندی نے نرم لہجے میں کہا۔ "میں حیران ہوں کہ کہوں تو کیسے کہوں۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا ہے۔"

وہ کچھ نہ سمجھنے کے انداز میں پلکیں جھپکا کر رہ گئی۔

"کیا تم آج شام مصروف ہو؟" ریندی نے ایک عجیب سا سوال کر ڈالا۔

وہ ششدر اُسے دیکھنے لگی۔

"میں کہیں باہر جا رہا ہوں اور میری خواہش کہ کوئی میرے ساتھ رہے۔ کیا تم میرا ساتھ دے سکتی ہو، جینی؟" ریندی نے کہا۔

"دراصل میں..." وہ ہکلا گئی۔

"میں تمہیں کسی خاص جگہ نہیں لے جانا چاہتا۔" وہ اس کی ہچکچاہٹ محسوس کر کے بولا۔ "تم جہاں کہو، وہیں چلیں گے۔

ڈنر، ڈانس وغیرہ"۔

اگرچہ اُسے شام گزارنے کے لیے کہیں نہیں جانا تھا پھر بھی نہ جانے کیوں وہ سوچ رہی تھی کہ ریندی سے دُور رہے۔ لیکن جب اس نے اپنے باس کی طرف دیکھا تو اس کی آنکھوں میں استدعا تھی، وہ تڑپ اُٹھی۔

"ٹھیک ہے۔ ہم ڈسکو کے لیے چلتے ہیں"۔ وہ مُسکرا کر بولی۔ "میں خارجی دفتر میں جا رہی ہوں۔ آپ تیار ہو کر آ جائیے"۔ یہ کہتے ہُوئے اس نے صوفے پر پڑے کپڑوں کی طرف دیکھا۔

"جب تک آپ تیار ہوتے ہیں، میں ایک فون کر لوں گی"۔

وہ ریندی کے دفتر سے باہر آ گئی۔

فون کرنے کے بعد وہ اس کا اپنی سیٹ پر بیٹھے بیٹھے انتظار کرنے لگی۔

ریندی باہر آیا تو وہ اپنے مکمل لباس میں تھا۔ اس کے چہرے اور اس کی آنکھوں میں اب بھی عجیب اور ناقابلِ فہم سا کرب چھلکا ہُوا تھا۔

اُنھوں نے بینک کی عمارت سے قریب ہی ایک ریستوران میں رات کا کھانا کھایا۔ اس دوران میں ریندی مسلسل اپنا جسم کھجاتا رہا۔ یُوں لگتا تھا جیسے سر سے پاؤں تک وہ کسی پریشان کُن جلدی مرض میں مبتلا ہو گیا ہو۔

جب وہ ڈسکو سے قبل ڈرنکس کے لیے ایک بار میں جا بیٹھے تو جینی کو یقین ہو چکا تھا کہ اس کا باس ایک بے حد شریف النفس آدمی ہے اور اس میں آوارگی برائے نام بھی نہیں ہے یہ سوچتے ہُوئے اس نے دفتر میں ہونے والی تمام باتیں ذہن سے جھٹک دیں۔

ریندی اُس سے اپنی زندگی کی چھوٹی موٹی دل چسپیوں پر باتیں کرتا رہا۔

اسی دوران جینی کے ذہن میں یہ خیال آیا کہ کہیں ریندی اپنی بیوی کی طرف سے غیر مطمئن تو نہیں؟ اس کی حرکتوں میں جو بے چینی تھی، اس کی ایک وجہ یہ بھی ممکن تھی۔ اسی دوران جینی نے یہ فیصلہ بھی کر لیا کہ ملاقات کے آخر میں اگر ریندی نے اس کے ساتھ اپارٹمنٹ چلنے کی ضِد کی تو وہ اُسے ہرگز اپنے ساتھ نہیں لے جائے گی... لیکن جیسے جیسے وقت گزرتا گیا، اس کا یہ ارادہ متزلزل ہوتا گیا حتیٰ کہ اس نے سوچا کہ اگر ریندی اُس کے ساتھ چلنا چاہے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

نو بجے رات وہ ڈسکو پہنچ گئے۔

راستے میں ریندی نے اپنی ٹائی اُتار کر ڈرائیور کے حوالے کر دی تھی۔

وہ کار سے اُس کا ہاتھ پکڑ کر اندر پہنچی تو وہاں خاصا ہجوم تھا۔ اُنھوں نے جیسے ہی اندر قدم رکھا، کئی جوڑوں نے رشک بھری نظروں سے ان کی طرف دیکھا۔ تب پہلی بار جینی کے ذہن میں یہ خیال آیا کہ کاش! ریندی اس... شوہر ہوتا۔

اندر روشنیوں کا سیلاب تھا اور موسیقی کی لہروں میں کان پڑی آواز بھی سُنائی نہیں دیتی تھی۔ ڈانس کا چھوٹا سا فلور تھا اور اس پر اَن گنت جوڑے محوِ رقص تھے۔ ریندی سے ان لوگوں کی طرف حیرت سے دیکھا۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ پہلی بار کسی ایسے رقص میں شریک ہونے آیا ہو... اور اس میں کوئی شبہ بھی نہیں تھا وہ دُنیا کے چند دولت مند ترین خاندانوں میں سے ایک خاندان کا فرد تھا اور اُسے عام لوگوں میں اُٹھنے بیٹھنے کی کبھی مہلت ہی نہیں ملی تھی۔

"کیا یہاں ہمیشہ اتنا ہی ہجوم رہتا ہے؟"

"ہاں..." جینی نے مُسکرا کر کہا۔ "یہ ڈسکو کی خصوصیت ہے"۔

ریندی نے رقص کرنے کی بجائے اس کا ہاتھ تھاما اور ایک میز پر جا بیٹھا۔ جہاں اس نے ویٹر کو ڈرنکس کا آرڈر دیا۔ جینی بیٹھے بیٹھے ہی تھرکنے لگی۔ پُورا ماحول رقص کرتا محسوس ہو رہا تھا۔

اچانک اس نے محسوس کیا کہ ریندی پھر ویسی ہی بے چینی محسوس کرنے لگا ہے۔ جیسی کہ دفتر میں کی تھی۔ وہ میز پر ہاتھ مَلنے لگا اور پھر اس نے بڑی بے قراری کے عالم میں اپنا جیکٹ اُتار دیا۔ جیکٹ اُتارتے اُتارتے وہ اُٹھ کھڑا ہُوا تھا۔

وہ بے چین نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔

جیکٹ اُتارنے کے بعد وہ دوبارہ بیٹھ گیا تو جینی کی جان میں جان آئی۔

اس بار جیکٹ اُتارنا کوئی معیوب بات نہیں تھی۔ اس نے اطمینان سے اپنا جام اُٹھا لیا اور ہلکی ہلکی چسکیاں لینے لگی۔

اس دوران میں جینی نے اِدھر اُدھر دیکھا تو اُسے دو معروف فلم اسٹار، ایک نامور ادیب اور چند معروف شخصیتیں دکھائی دیں۔ انھیں دیکھ کر وہ بے حد پُرجوش ہو گئی۔ یہ شہر کی سب مہنگی جگہ تھی۔ اگر ریندی جیسا غیر معمولی دولت مند جوان اس کے ساتھ نہ ہوتا تو شاید اُسے یہاں گھسنے کی بھی اجازت نہ ملتی۔ وہ اپنی قسمت پر ناز کرنے لگی۔

یہ گویا اس کی زندگی کی سب سے شان دار رات تھی۔

اچانک ریندی نے ایک چمچہ گلاس سے ٹکرا کر ساز کے مطابق دُھن بجانے لگا۔ آس پاس کی میزوں سے کچھ لوگوں نے ناگواری سے اِدھر دیکھا لیکن جب ان کی نگاہ ریندی پر پڑی تو ناگواری سے بھیچے ہُوئے ہونٹوں پر مُسکراہٹیں دوڑ گئیں۔ ریندی اتنا دولت مند تھا کہ ان کی دانست میں وہ سبھی کچھ کرنے کے لیے آزاد تھا۔ اُنھیں اس کی یہ ادا بھا گئی اور چند دوسروں نے بھی چمچے اُٹھا کر گلاس پر مارتے ہُوئے تال دینی شروع کر دی۔

جینی بھی مُسکرائے بغیر نہ رہ سکی۔

"اُف یہ کپڑے..." ریندی نے کہا۔ "میری برداشت سے باہر ہو جا رہے ہیں"۔

"کیا کہا، جناب؟" وہ چونک پڑی۔

"کچھ نہیں۔ آؤ... رقص کرو گی؟"

"کیا آپ رقص کرنا جانتے ہیں، جناب؟" اس نے پُوچھا اور سوچ میں پڑ گئی کہ اس دولت مند جوان کے ساتھ اُٹھا بیٹھا، رقص کر کے کہیں اس کی ہُتک نہ ہو جائے... پھر اُسے یاد آیا کہ ریندی نے جس انداز میں چمچے سے گلاس کو بجانا شروع کیا تھا، وہ لاکھ نابندیدہ سہی لیکن لوگوں نے اس کی تائید کی تھی۔

"نہیں..." ریندی نے جواب دیا۔ "میں رقص کرنا نہیں جانتا لیکن آسان ہی نظر آتا ہے"۔ یہ کہتے ہُوئے اس نے جینی کا ہاتھ تھام لیا اور اُسے ڈانس فلور پر لے گیا۔

دونوں ناچنے لگے۔

ریندی جس انداز میں دوسروں کی طرف دیکھ دیکھ کر رقص کر رہا تھا، وہ بے حد بھونڈا تھا لیکن جینی محسوس کر رہی تھی کہ اس کے باوجود لوگ بڑی، احترام بھری نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ اس کا خیال دُرست ہی نکلا۔ لوگوں نے اس کا یہ بھونڈا پن بھی قبول کر لیا تھا۔

مغار ریندی نے کھل کھلا کر ہنسنا شروع کر دیا۔

وہ دوسروں کی نقل کر کر کے رقص کر رہا تھا اور اس صُورتِ حال سے بے حد لطف اندوز ہو رہا تھا... لیکن اس کی آنکھیں... جینی کانپ گئی... اس کی آنکھوں میں کوئی ایسی بات ضرور تھی جس نے اُسے بے قرار کر دیا۔

ریندی کے قہقہوں میں دوسروں کے قہقہے بھی شامل ہو گئے۔

جینی سوچ رہی تھی کہ شاید ریندی اپنی زندگی میں پہلی بار اس قدر ہنس رہا ہے۔ اس نے پہلے کبھی اُسے ہنستے نہیں دیکھا تھا۔

رقص کرتے ہُوئے ابھی تین منٹ بھی نہیں ہوئے تھے کہ ریندی نے اپنی قمیص کے بٹن کھولنا شروع کر دیے۔ اس نے فوراً ہی قمیص اُتاری اور اُسے اپنی کرسی پر پھینک دیا۔ خوشامد پسند لوگوں نے اس کی حوصلہ افزائی میں اپنی اپنی قمیصیں اُتارنی شروع کر دیں۔

سیکریٹری جینی کا جسم ٹھنڈے ٹھنڈے پسینے میں ڈوبنے لگا۔ وہ جانتی تھی کہ قمیص اُتارنے کے بعد کیا ہو گا۔ سب کچھ اسی انداز میں ایک بار پھر شروع ہو گیا تھا جیسا کہ دفتر میں ہُوا تھا۔

ناچتے ناچتے ریندی نے اپنی بنیان بھی اُتار دی اور جب معاملہ کچھ آگے بڑھا تو خوشامد پسندوں کو بھی پسینہ آنے لگا۔ وہ رُک گئے اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ریندی کی طرف دیکھنے لگے۔ کوئی یہ توقع بھی نہیں کر سکتا تھا کہ یورپا خاندان کا کوئی فرد اس قدر بے حیا بھی ہو سکتا ہے۔

ویٹر بھی فلور کے گرد جمع ہو گئے۔

وہ حیران تھے کہ اس صُورتِ حال میں اُنھیں کیا کرنا چاہیے۔

"پلیز مسٹر ریندی..." جینی نے اُسے سمجھانے کی کوشش کی۔

... لیکن ریندی اس کی آواز نہیں سن رہا تھا۔ اس کا تھرکتا ہُوا جسم ساز بند ہو جانے کے باوجود متحرک رہا۔ اب وہ تنہا ہی رقص کر رہا تھا اور جینی مارے شرم کے زمین میں گڑی جا رہی تھی۔

"مسٹر ریندی..." وہ چیخ پڑی۔

وہ رقص کرتا رہا۔

جینی دہشت زدہ ہو گئی۔ کسی نے منیجر کو اطلاع دے دی۔ وہ بوکھلایا بوکھلایا بھاگا چلا آیا اور جب اس نے ریندی کو اس انداز میں رقص کرتے دیکھا تو اس کا مُنہ بے یقینی سے کھُلتا چلا گیا اور وہاں موجود لوگوں کو یہ خدشہ لاحق ہو گیا... کہ کہیں اسی انداز میں مُنہ کھُلتے کھُلتے اس کی باچھیں نہ چر جائیں۔

اچانک ریندی کی آنکھوں سے موٹے موٹے آنسو رخساروں پر ڈھلکنے لگے اور پھر وہ دیوانہ وار رقص کرنے لگا۔ منیجر اور اسٹاف اُسے پکڑنے میں مصروف ہو گیا۔ جینی نے جلدی سے

پولیس کو فون کر دیا اور جب وہ واپس آئی تو ریندی کی حالت دیکھ کر اس کا دل بیٹھنے لگا۔

اگلے ہی لمحے وہ بے ہوش ہو کر ڈائننگ فلور پر گر گئی۔

ریندی ویٹروں اور اسٹاف کے دیگر آدمیوں کی گرفت میں بے بس نہیں ہوا تھا۔ بلکہ اب بھی ہاتھ پاؤں مار رہا تھا۔ اس کے حلق سے ہمکتے ابل رہے تھے اور اس کی آنکھیں آنسو برسا رہی تھیں۔

۲۲

ٹائیگر نے کھڑکی پر نگاہ ڈالی اور اس کے ساتھ ہی اس کے ماتھے پر الجھن کی چند سلوٹیں ابھر آئیں... پھر اس نے سامنے والی عمارت کی طرف دیکھا۔ یہ ایک ایسا اسپتال تھا جہاں بوڑھوں کا علاج معالجہ ہوتا تھا۔

اسے اس اسپتال کے سامنے کھڑے نصف گھنٹہ گزر گیا تھا اور ابھی تک کوئی ایسی بات سامنے نہیں آئی تھی جس پر وہ توجہ دیتا۔

"سویٹ ہارٹ" اس نے زیر لب چیف بہرام کو کوسنا شروع کر دیا۔ "تم مجھ سے بس ایسے ہی الٹے سیدھے کام لیتے رہا کرو۔"

وقت گزرتا گیا اور اس کا موڈ خراب ہوتا گیا۔

بار بار اس کی نگاہ اسپتال کی عمارت کی طرف اٹھ جاتی تھی۔ عمارت قدیمی کے حصار میں تھی لیکن بعض کھڑکیاں اب بھی روشن تھیں۔ انتظار کرتے کرتے بالآخر وہ اس قدر تنگ آ گیا کہ اس نے نبل سے ہٹ جانے کا ارادہ کر لیا... لیکن اگلی ہی ساعت اسے چونک جانا پڑا۔ اس کی نگاہ ایک روشن کھڑکی پر جم گئی۔

اس کھڑکی میں اسے ایک غیر معمولی سایہ دکھائی دیا تھا۔ لمحے بھر کو اسے یوں لگا جیسے کوئی دیو پیکر ریچھ کھڑکی کے سامنے نظر آیا ہو... اس کی آنکھیں سکڑ گئیں اور وہ مزید توجہ سے دیکھنے لگا۔ تب وہ چیز اسے نظر آ گئی۔

وہ واقعی کوئی ریچھ ہی تھا۔

یہ ریچھ پائپ کے سہارے تیزی سے اوپر چڑھ رہا تھا۔

ٹائیگر کو حیرت تھی کہ یہ ریچھ اچانک ہی کہاں سے ٹپک پڑا۔ اس کی معلومات کے مطابق اس اسپتال کے قریب کوئی جنگل نہیں تھا اور چڑیا گھر کسی طرح بھی بیس میل سے کم فاصلے پر نہیں تھا۔ اگر وہاں سے کوئی ریچھ بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو جاتا تو یہاں تک ہرگز نہیں پہنچ سکتا تھا۔ راستے میں پولیس اور لوگوں کا ہجوم اسے کسی طرح بھی نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔

ریچھ اس وقت چوتھی منزل کی کھڑکی کے قریب تھا۔

ٹائیگر نے دیکھا کہ وہ جس پائپ کے سہارے اوپر چڑھ رہا ہے اس کے قریب دو رسٹن کھڑکیاں تھیں اور وہ ان خالی کھڑکیوں کو نیچے چھوڑ آیا تھا۔ اگر ریچھ چاہتا تو آسانی سے کسی بھی ایک کھڑکی سے کمرے میں کود سکتا تھا۔ اس نے ایسا نہیں کیا تھا۔ اس سے صرف یہی ایک بات سامنے آئی تھی کہ ریچھ دستہ اوپر جا رہا ہے اور اس کی منزل مقصود بالائی منزل کی کوئی کھڑکی ہی ہو سکتی ہے۔

ٹائیگر نے پائپ کے نچلے حصے کی طرف دیکھا۔

وہاں اسے کوئی بھی دکھائی نہیں دیا۔ وہ کسی گاڑی کی تلاش میں ادھر ادھر دیکھتا رہا... پھر اس کی نگاہ دوبارہ اس ریچھ کی طرف اٹھ گئی جو پائپ کے سہارے اوپر جا رہا تھا۔ پائپ بھی بڑا مضبوط تھا، ورنہ عام سا پائپ تو اتنے جسیم ریچھ کا بوجھ بھی برداشت نہ کر پاتا۔ تیرھویں منزل کی ایک کھڑکی کھلی تھی۔

ریچھ اب اس کھلی کھڑکی کے قریب پہنچ چکا تھا۔

شہزاد ٹائیگر نے ادھر ادھر دیکھا اور پھر اس کے ہونٹوں پر بڑی ہی سفاک مسکراہٹ رقص کرنے لگی۔ اس کی آنکھوں میں خونخوار کی چمک پیدا ہو گئی تھی۔ اس کا جسم آہستہ آہستہ اکڑ رہا تھا... پھر اس نے ایڑیاں اٹھائیں اس کا بوجھ اب اپنے پنجوں پر رکھا۔

ریچھ تیرھویں منزل کی کھڑکی کے قریب رک گیا... پھر اس نے پائپ سے ایک ہاتھ ہٹا لیا۔ یہ ہاتھ اب کھڑکی کی سل پر پہنچ گیا اور اس کے ساتھ ہی ٹائیگر بھی حرکت میں آ گیا۔

اس کا جسم اپنے پنجوں پر متحرک تھا۔ اگر کوئی اس کی طرف متوجہ ہوتا تو اسے ایک سایہ ہی حرکت کرتا نظر آتا... ایک ایسا سایہ جس پر نگاہ جمانا مشکل تھی۔ وہ بے پناہ تیزی سے دوڑ رہا تھا۔ اسے خود بھی اپنے پاؤں زمین سے لگتے محسوس نہیں ہو رہے تھے۔ پائپ سے کچھ دور وہ ایک لمحے کے لیے ٹھٹکا... پھر اس نے چھلانگ لگا دی۔

اس کے پاؤں اسی انداز میں متحرک رہے، جیسے وہ زمین پر دوڑ رہا تھا۔ لیکن اب اس کا جسم سیدھا نہیں تھا۔ اس کے جسم نے عمارت کی عقبی دیوار کے ساتھ توسے درجے کے زاویے پر توازن برقرار رکھا تھا، اس حالت میں وہ تیرھویں منزل تک جا پہنچا۔

پائپ سے کھڑکی کی سل پر کودتے وقت وہ موم کا کوئی پتلا ہی معلوم ہوا تھا۔

سل پر پہنچتے ہی وہ جھک گیا اور ریچھ اس کا سر آہستہ آہستہ بلند ہوا۔

اس نے کھڑکی سے جھانک کر دیکھا۔

ریچھ اپنا ہدف پہنچ چکا تھا۔ اس کمرے میں ایک نوعمر لڑکی بستر سے لگی، فرش پر بیٹھی تھی، بستر پر سفید بالوں والی ایک عورت دراز تھی۔ اس کے بال اتنے سفید تھے کہ سفید سفید اور اجلے بستر پر پہلی نظر میں انہیں دیکھنا بھی ممکن نہیں تھا۔ وہ ایک سفید چادر اوڑھے ہوئے تھی اور اس کی آنکھیں بند تھیں۔ اس کے بستر سے لگی بیٹھی لڑکی کے چہرے پر کرب کے آثار تھے۔ وہ غالباً اس بوڑھی خاتون کی پنڈلیاں دباتے دباتے نیند کی آغوش میں گر گئی تھی۔

ٹائیگر نے دیکھا کہ ریچھ لڑکی سے چند قدم کے فاصلے پر رک گیا ہے۔

اس کی مستعد حسی جھاگ سے بھری ہوئی تھی اور آنکھوں میں اتنی سرخی تھی کہ ان پر سرخ بلبوں کا گمان ہوتا تھا۔ ٹائیگر جہاں تھا، وہیں رک کر ریچھ کی حرکات و سکنات کا جائزہ لیتا رہا۔ ریچھ اب آہستہ آہستہ لڑکی کی طرف بڑھ رہا تھا، اس کے دونوں ہاتھ پھیل گئے۔ بالوں سے بھرے ہوئے بھدے اور خوفناک ہاتھ لڑکی تک پہنچے اور پھر انھوں نے اسے دبوچ لیا۔

ایک جھٹکے سے لڑکی، فرش سے بلند ہو گئی۔

اس جھٹکے نے اس کی نیند اچاٹ کر دی۔

ایک ساعت کے لیے تو غالباً وہ سمجھ ہی نہیں کہ اس کے ساتھ کیا حادثہ پیش آیا ہے... پھر اس کا شعور خیند کے چنگل سے آزاد ہو گیا۔ شعور بیدار ہوتے ہی لڑکی کا حسین و جمیل چہرہ اپنی رنگت ہی نہیں خدوخال بھی بدلنے لگا۔ خوف و دہشت کی زیادتی سے ٹائیگر نے چہروں کو بگڑتے دیکھا تھا لیکن اس انداز میں کوئی حسین چہرہ مسخ ہوتے وہ پہلی بار دیکھ رہا تھا۔

لڑکی کا منہ کھل گیا۔

غالباً وہ بے ہوشی چیخنا چاہتی تھی لیکن خوف کی زیادتی نے کوئی آواز نہ نکلنے دی۔ ریچھ اسے دونوں ہاتھوں میں دبوچے چند ساعتوں تک اس کا جائزہ لیتا رہا۔ پھر اس نے لڑکی کو پوری قوت سے کھڑکی کی طرف اچھال دیا۔

لڑکی کا جسم ہوا میں کسی ایسے جسیم پرندے کی طرح اڑتا ہوا کھڑکی کی طرف آیا جس کے پر ٹوٹ گئے ہوں۔ ٹائیگر نے دونوں ہاتھ اٹھا دیے۔

جیسے ہی لڑکی کھڑکی سے نکل کر اس کی گرفت میں پہنچی، اس نے اسے دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔ وہ بے ہوش ہو چکی تھی اور بے ہوشی کے عالم میں بھی اس کے چہرے پر دہشت کے تاثرات منجمد ہو گئے تھے۔ ٹائیگر کو صرف یہی خدشہ تھا کہ کہیں لڑکی کی حرکت قلب نہ بند ہو گئی ہو۔

اس نے لڑکی کو سہارا دے کر کھڑکی کی چوکھٹ پر بٹھایا اور پھر اسے اپنے مضبوط ہاتھوں کے سہارے سے اٹھا کر کمرے میں لے آیا، ریچھ اس وقت بوڑھی مریضہ کی طرف متوجہ تھا۔ ٹائیگر نے لڑکی کو آرام سے فرش پر لٹا دیا۔

ریچھ کے دونوں ہاتھ بوڑھی مریضہ کے گلے کی طرف بڑھنے لگے۔

ٹائیگر اٹھ کھڑا ہوا۔ لڑکی اس کے پیروں میں، فرش پر دراز تھی۔

اچانک دروازہ دھڑ سے کھل گیا۔

دروازے سے ایک نرس اندر آئی۔ اس کے دائیں ہاتھ میں ایک سرنج دبی ہوئی تھی۔ اس نے دروازے سے اندر آتے وقت غالباً بستر کی طرف نہیں دیکھا تھا۔ دروازہ بند کر کے وہ پلٹی تو اس کی نگاہ ریچھ پر پڑی۔

ریچھ بھی اس کی آمد سے آگاہ ہو چکا تھا۔

وہ بوڑھی مریضہ کا خیال چھوڑ کر اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

نرس کے حلق سے ایک گھٹی گھٹی سی چیخ نکل گئی۔ وہ پلٹ کر دروازے کی طرف دوڑی لیکن ریچھ نے ایک ہی جست میں اسے جا لیا۔ نرس نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی سرنج ریچھ کے چہرے کی طرف اچھالی جو اس کی متوحش سے ٹکرا کر ٹوٹ گئی۔

وہ اس کی گرفت میں بری طرح چیخ رہی تھی۔

ٹائیگر نے جست لگائی، اور ریچھ کی پشت پر پہنچ گیا۔ اس کے دونوں ہاتھ، ریچھ کے ان بازوؤں پر جم گئے جن میں اس نے نرس کو جکڑ رکھا تھا۔ شہزاد پر نگاہ پڑتے ہی نرس کی جان میں جان آئی... اور پھر نرس یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ ریچھ کی گرفت اس کے جسم پر کمزور پڑتی جا رہی ہے۔

اس کا جسم جیسے ہی ریچھ کی گرفت سے آزاد ہوا، وہ تیزی سے پیچھے ہٹی اور دیوار سے لگ کر بری طرح ہانپنے لگی۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے ٹائیگر اور ریچھ کی طرف دیکھ رہی تھی جو ایک دوسرے سے زور آزمائی میں مصروف تھے۔

ریچھ کی دونوں کلائیاں اب ٹائیگر کی گرفت میں تھیں اور اس کی انگلیوں کا دباؤ بڑھتا جا رہا تھا۔ معاً ریچھ کے حلق سے ایک غراتی ہوئی آواز نکل گئی۔ ان آوازوں نے مریضہ کے آرام میں خلل ڈالا، وہ بیدار ہو گئی۔ جیسے ہی اس کی نگاہ کمرے میں موجود ریچھ اور اس

سے اُلجھے ہوئے شہزاد پر پڑی، اس کا مُنہ کھُل گیا۔

ایک شیونگ چیخ اس کے حلق سے نکل گئی۔

ٹائیگر کانپ گیا۔ بڑھیا کی یہ چیخ اُسے کسی تیز دھار خنجر کی طرح اپنے دل میں پیوست ہوتی محسوس ہوئی تھی۔ اس نے پلٹ کر بستر کی طرف نہیں دیکھا کیونکہ وہ سمجھ چکا تھا کہ بوڑھی مریضہ موت کی آخری ہچکی لے چکی ہے۔

ریچھ کے دونوں بازو شل ہوتے جا رہے تھے۔

اس کا دہانہ خوفناک انداز میں کھُلا ہوا تھا اور وہ بار بار اپنی تھُوتھنی بڑھا کر ٹائیگر کا نرخرہ اپنے دانتوں میں دبانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اچانک ٹائیگر اُسے چھوڑ کر ایک طرف ہٹ گیا۔

ریچھ نے اس پر چھلانگ لگائی۔

ٹائیگر اس کے سامنے سے ہٹ گیا اور ہٹتے ہٹتے اس کا بایاں ہاتھ کام کر گیا۔ ریچھ کے حلق سے ایک خوفناک آواز نکلی اور اس کا ایک بازو جسم کے ساتھ کسی ٹوٹی ہوئی شاخ کی طرح لٹک گیا۔ نرس دیوار کے قریب کھڑی کلہاڑی اچانک ہی بیٹھتی چلی گئی۔

ٹائیگر نے پلٹ کر دوسرا ہاتھ ریچھ کی گردن پر مارا۔ وہ چند لمحوں تک کھڑا جھولتا رہا۔ اس کے حلق سے ہلکی ہلکی غراہٹیں نکلتی رہیں۔ پھر وہ ایک ڈھیر کی طرح فرش پر پڑا نظر آنے لگا۔

شہزاد کچھ دیر اس کی طرف دیکھتا رہا پھر اس نے کھڑکی کے قریب پہنچ کر نیچے دیکھا دُور درختوں کے نیچے سے ایک وزنی ٹرک مُڑتا ہوا اور اسپتال کی طرف آتا دکھائی دیا۔ اس ٹرک سے تین آدمی اُترے۔ وہ اس پاٹ کے قریب کھڑے ہو کر باتیں کرنے لگے۔ غالباً وہ اوپر چڑھ کر دیکھنے کے لیے مشورہ کر رہے تھے۔ ٹائیگر نے پلٹ کر ریچھ پر دونوں ہاتھوں کی گرفت ڈالی اور اُسے اُٹھا لیا۔

وہ اُسے کھڑکی کے قریب لایا اور پھر اُس نے ریچھ کو نیچے پھینک دیا۔

تینوں آدمی اس طرف سے غافل اپنی بحث میں مصروف تھے۔

اچانک فضا ان کی گھٹی گھٹی چیخوں سے گونج اُٹھی۔ اسپتال میں کہرام برپا ہو گیا۔ غالباً کسی نے پولیس کو بھی فون کر دیا تھا۔ پولیس کاروں کے سائرن سنائی دے رہے تھے۔ ٹائیگر نے کھڑکی کے قریب بڑی معصوم لڑکی کی طرف دیکھا اور پھر کھڑکی سے نیچے کُود گیا۔ اگلے ہی لمحے وہ یوں چلا جا رہا تھا جیسے تیرھویں منزل سے نہ کُودا ہو بلکہ فٹ پاتھ سے اُتر کر سڑک پر خراماں خراماں چل رہا ہو۔

اس کے دل و دماغ پر بوڑھی مریضہ کی موت کا بڑا گہرا اثر تھا۔

★★

ریندی کو جس اسپتال میں پہنچایا گیا تھا وہ ایسٹ سائیڈ میں واقع تھا۔

ڈاکٹر اسٹون نے اس کا بازو تھپتھپایا اور گہری نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔ ریندی بستر پر دراز تھا اور اس کے دونوں بازوؤں کو گرفت میں رکھنے کے لیے مجبوراً ہتھکڑیاں ڈالنا پڑی تھیں۔

"ڈسکوڈانسر۔" ڈاکٹر اسٹون نے مسکرا کر کہا۔ "اب کیسی ہے طبیعت؟"

اب ریندی کی حالت پہلے سے کافی بہتر تھی۔ اس نے خاموش نظروں سے ڈاکٹر کی طرف دیکھا جیسے پُوچھ رہا ہو کہ میرا کیا ہوگا، ڈاکٹر۔

"کسی قسم کا فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔" ڈاکٹر نے اُسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ "سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہو جائے گا۔"

اس نے اپنے میڈیکل بیگ میں سے ایک سرنج نکالی اور اس کے ساتھ ہی سُرخ رنگ کے سیال سے بھری ہوئی ایک وائل بھی نکال لی۔ ڈاکٹر نے بڑی تیزی سے یہ سُرخ سیال سرنج میں بھر لیا اور پھر ریندی کی بائیں کہنی کے مخالف سمت میں ایک نس تلاش کر کے وہ دوا وہاں انجیکٹ کر دی۔

سرنج سے ہونے والی تکلیف پر ریندی کے حلق سے دھیمی سی کراہ نکل گئی۔ ڈاکٹر نے انجیکشن لگا دیا۔ ریندی نے دیکھا کہ سرنج ایسی تھی جسے ایک بار استعمال کرنے کے بعد پھینک دیا جاتا ہے... لیکن ڈاکٹر نے اسے پھینکنے کے بجائے واپس اپنے بیگ میں رکھ لیا تھا۔

ڈاکٹر ایلنا اسٹون کے ہونٹوں پر بڑی ہی مسحور کن مسکراہٹ تھی۔

ریندی ڈیزر: وہ بولی۔ "تم میرے مریض ہو اس لیے تمہیں فکرمند نہیں ہونا چاہیے۔" یہ کہتے ہوئے اس نے اپنا میڈیکل بیگ بند کر لیا اور دروازے کی طرف چل دی۔ ریندی کی نگاہیں اس کا تعاقب کر رہی تھیں۔

دروازے کے قریب پہنچ کر وہ رُک گئی اور پلٹ کر بولی۔

"خدا حافظ ریندی... اور میں تمہیں واقعی خدا حافظ کہہ رہی ہوں۔"

ڈاکٹر اسٹون کے ہونٹوں پر اس بار جو مسکراہٹ اُبھری تھی اس نے ریندی کے دل میں بے چینیاں بھر دیں۔ وہ نہ جانے کیوں دہشت زدہ ہو گیا۔ اچانک ڈاکٹر اسٹون نے اپنے سُرخ بالوں کو عقب میں جھٹکا دیا، اس کی ٹھوڑی بلند ہو گئی اور پھر اس کے حلق سے ایک قہقہہ اُبل پڑا۔ وہ دروازہ کھول کر ہنستی ہوئی باہر چلی گئی۔

ہال میں پہنچ کر ڈاکٹر اسٹون نے اپنے دائیں جانب دیکھا اور

چونک پڑی۔

نرس کی ڈیسک کے سامنے اس کی طرف پُشت کیے دو آدمی کھڑے تھے۔ ان میں سے ایک تو وہی تھا جس سے بوبانو خاندان کے سربراہ کے ہاں نگاہیں چار ہوئی تھیں تو اس کے جسم میں سنسنی کی لہر سی دوڑ گئی تھی اور دوسرا زرد چہلو والا ایک بوڑھا تھا جس نے گیروے رنگ کا چوغہ پہن رکھا تھا۔

ان دونوں نے اُسے نہیں دیکھا تھا کیونکہ وہ نرس کی طرف متوجہ تھے۔

ڈاکٹر اسٹون تیز تیز چلتی ہوئی دروازے سے نکل گئی۔ ہال سے نکل کر وہ سیڑھیاں اُترتی ہوئی استقبالیے پر پہنچی۔ یہاں ایک پبلک ٹیلی فون بوتھ موجود تھا۔ اس نے مشین میں سکے گرائے اور ایک نمبر ڈائل کرنے لگی۔

سلسلہ ملتے ہی اس نے دھیمی دھیمی سانسوں کے درمیان کہا: "میں ڈاکٹر ایلنا اسٹون بول رہی ہوں۔ وہ پانچ منٹ کے اندر اندر اس جہانِ فانی سے کُوچ کر جائے گا۔"

دوسری طرف سے کوئی تبصرہ نہیں کیا گیا۔

ایلنا نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

★★

نرس جس وارڈ کی نگراں تھی، وہاں ریندی سے زیادہ اہمیت کی حامل شخصیت پہلے کبھی نہیں آئی تھی اس لیے وہ ضرورت سے زیادہ ہی پُرجوش اور چاق و چوبند ہو گئی تھی... لیکن اس وقت جو نوجوان اس کے سامنے کھڑا تھا، اُسے دیکھ کر وہ جو کڑی ہی بھول گئی تھی۔

ٹائیگر کی آنکھوں میں بے پناہ مقناطیسی کشش تھی اور اس کے ہونٹوں پر جو مسکراہٹ تھی، اُسے وہ عموماً مخصوص قسم کی عورتوں کو گھائل کرنے کے لیے استعمال کیا کرتا تھا۔ نرس ایک ناپختہ ذہن کی عام سی لڑکی تھی اس لیے یہ مسکراہٹ اس کے لیے قاتل ثابت ہو رہی تھی۔ دل کو سنبھالنا اس کے بس سے باہر ہو گیا تھا۔ وہ سب کچھ بھول کر شہزاد کی آنکھوں میں کھوئی جا رہی تھی۔

"ریندی کس کمرے میں ہے؟" ٹائیگر نے پوچھا تو اس کی آواز میں شہد ہی شہد تھا۔

"دو سو بارہ..." وہ بے اختیار بولی۔

"شکریہ! میں تمہیں ہمیشہ یاد رکھوں گا۔"

"لک... کیا آپ واپس آئیں گے؟" وہ ہکلائی۔

"یقیناً..." ٹائیگر نے جواب دیا اور اوشان کو اشارہ کرتا ہوا کمرہ نمبر دو سو بارہ کی طرف بڑھ گیا۔ وہ جانتا تھا کہ جوان نرس بے بس ہو چکی ہے۔ اگر وہ اپنا مخصوص حربہ استعمال نہ کرتا تو شاید اسے قیامت تک اندر جانے کی اجازت نہ ملتی کیونکہ ڈاکٹر نے سختی سے ہدایت کر دی تھی کہ کوئی بھی ریندی کے آرام میں مخل نہ ہو۔

کچھ آگے آنے کے بعد اوشان کی بڑبڑاہٹ نے شہزاد کو چونکا دیا۔

"کیا بات ہے، بلیک فادر۔ کیوں کڑھ رہے ہو؟"

"یہ لڑکیاں صرف تمہیں ہی کیوں پسند کرتی ہیں؟"

"ہائیں! ٹائیگر کی آنکھیں پھیل گئیں۔" بڑے میاں! کیا جنت کی حوروں سے محروم ہونے کا ارادہ ہے۔ جوانی میں آپ کیا کرتے رہے، فادر؟"

"میں اب بھی جوان ہوں، فرزند۔" اوشان غرایا۔

"اسی لیے نرس درحقیقت کسی اور آنکھوں سے آپ کی طرف دیکھ رہی تھی۔"

جواباً اوشان بڑبڑاتا رہا اور وہ کمرہ نمبر دو سو بارہ کے سامنے پہنچ گئے۔ جب وہ کمرے میں داخل ہوئے تو انھوں نے دیکھا کہ ریندی نے اوڑھنے کی چادر کا ایک کنارہ اپنے مُنہ میں دبا رکھا ہے اور دانتوں سے اُسے کاٹنے کی کوشش میں مصروف ہے۔

ٹائیگر نے بستر کے قریب پہنچ کر اس کے ہاتھ سے چادر کا وہ کونا چھین لیا اور اُسے اُس کے مُنہ سے نکالتے ہوئے مسکرا کر بولا۔

"ہیلو سسر... آپ ہمیں نہیں جانتے... لیکن ہم آپ کے فادر کا کام کرتے ہیں۔ آج رات کیا ہوا تھا؟"

"چادر... چادریں..." ریندی بڑبڑایا۔ "اُف... مجھ پر کتنی چادریں ڈال دی گئی ہیں۔ کتنے کپڑے ہیں..." وہ اپنے حواسوں میں دکھائی نہیں دیتا تھا۔ اس کی آنکھوں سے دیوانگی جھلک رہی تھی اور وہ انھیں مسلسل دائیں بائیں حرکت دے رہا تھا۔ اس کی حالت بے حد قابلِ رحم تھی۔

ٹائیگر نے چونک کر اوشان کی طرف دیکھا۔

"بلیک فادر... تمہیں معلوم ہے کہ میں فلسفے کا شاگرد نہیں رہا ہوں۔ یہ شخص کیا کہہ رہا ہے؟"

اوشان کی آنکھوں میں بے پناہ چمک تھی۔

وہ ریندی کو گھُور رہا تھا۔

اچانک وہ تیزی سے آگے بڑھا اس نے ریندی کی کلائیاں دیکھیں۔ ان میں ہتھکڑیاں پڑی ہوئی تھیں۔ یہ آہنی کڑیاں دیکھ کر شہزاد بھی چونکے بغیر نہ رہ سکا۔ اوشان نے دونوں انگلیوں میں آہنی کڑی ہاری ہاری پھنسا کر توڑ دی اور اس کے ہاتھ آزاد کر دیے۔

ہاتھ آزاد ہوتے ہی ریندی اسپتال کا گاؤن اتارنے کے لیے کوشش کرنے لگا۔ اس کی انگلیوں میں جیسے بجلیاں سی بھر گئی تھیں۔

یوں لگتا تھا جیسے وہ اس لباس کے ٹکڑے ٹکڑے کردے گا۔ شہزاد ٹائیگر کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ اس نے اُبھی سے پہلے تو ریندی کی طرف دیکھا پھر اوشان کی طرف متوجہ ہوگیا۔

اُوشان کی آنکھوں میں چمک بڑھتی ہی جارہی تھی۔

ان کے دیکھتے ہی دیکھتے ریندی نے اپنا گاؤن پھاڑ ڈالا اور اس کے ٹکڑے فرش پر اچھال دیے اب وہ بستر پر کسی کھال اُترے ہوئے جوہے کی طرح پڑا تھا۔ اس کی نگاہیں اطراف میں بھٹک رہی تھیں۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ فرار کا کوئی راستہ تلاش کررہا ہو۔

"بھاری ...." وہ بڑبڑایا۔ "بہت بھاری ...."

"تمھیں فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔" اُوشان نے آگے بڑھ کر اُسے تسلی دی۔ "اب تمھیں کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔"

"بھاری ... بہت بھاری ... فضا بوجھل ہورہی ہے ... ہوا مجھ پر دباؤ ڈال رہی ہے۔ مجھے پیس ڈالنا چاہتی ہے۔" ریندی کی آواز بلند ہونے لگی جیسے اس پر دورہ پڑرہا ہو۔ وہ دونوں ہاتھ فضا میں بلند کرکے چیخنے لگا۔

"اسے کیا ہوگیا ہے اُوشان؟" ٹائیگر اُلجھن سے بولا۔ اُسے یکایک بے بسی کا احساس ہونے لگا تھا۔ ریندی کی حالت دیکھ کر اس کے دل میں نرم گوشہ پیدا ہوگیا اور وہ اس سے بے پناہ ہمدردی محسوس کرنے لگا۔

"اس پر کوئی شیطانی دوا آزمائی گئی ہے۔" اُوشان نے کہا۔ "شیطانی دوا۔" وہ ناک اُٹھا کر اِدھر اُدھر سونگھنے لگا۔

لمحات گزرتے جارہے تھے اور ریندی کی حرکتوں اور چیخوں میں تیزی آتی جارہی تھی۔ شہزاد حیران تھا کہ اگر کوئی شیطانی دوا استعمال کرائی گئی ہے تو وہ اس سلسلے میں کیا کرسکیں گے۔ "میں ڈاکٹر کو بُلاتا ہوں۔" اس نے جلدی سے کہا۔

"بیکار ہے۔" اُوشان بولا۔ "میں دیکھ لوں گا۔ کوئی اندر نہ آنے پائے، خیال رکھنا۔"

اُوشان اب بھی گہری نظروں سے ریندی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ فضا میں یوں ہاتھ چلا رہا تھا جیسے بادلوں کو اِدھر اُدھر ہٹا کر آسمان پر پہنچ جانا چاہتا ہو۔ معاً اُوشان نے اس کا بازو تھام لیا۔

اس نے ریندی کی کہنی کے مخالف سمت دیکھا تو وہاں ایک خفیف سا نشان دکھائی دیا۔ یہ وہی سوراخ تھا، جو ڈاکٹر اسٹون کے انجکشن کی وجہ سے پیدا ہوا تھا۔ ٹائیگر بھی جُھک کر اس نشان کا جائزہ لینے لگا۔

اُوشان نے اس کا بازو چھوڑ دیا۔

ریندی ایک بار پھر ہاتھ لہرا لہرا کر چیخنے لگا۔

"دروازہ فوراً بند کردو اور اندر سے کنڈی لگا دو۔" اوشا نے حکم دیا۔

"لیکن لارڈ فادر ہم کیا کرسکیں گے؟"

"دیکھا جائے گا۔ یہ یوں بھی تو مر ہی رہا ہے، نا؟" یہ کہتے ہوئے اس نے ریندی کی گردن ٹٹولی اور پھر نرخرے کے قریب ایک جگہ اس کی اُنگلی رُک گئی۔ اس کا دوسرا ہاتھ ریندی کے پیٹ پر گردش کرنے لگا۔ ناف سے کچھ ہٹ کر اُس نے ایک جگہ دوسرے ہاتھ کی انگلی رکھ دی۔ اس نے رفتہ رفتہ دونوں انگلیوں کو یوں حرکت دی جیسے وہاں مالش کررہا ہو۔

ریندی کسی ذبح کیے ہوئے بکرے کی طرح چیخ رہا تھا۔

باہر لوگ جمع ہونے لگے۔ اسپتال کا عملہ بھی پہنچ گیا لیکن شہزاد نے کسی کو اندر آنے کی اجازت نہیں دی۔ اُوشان انگلیوں پر دباؤ ڈالتا رہا۔ کچھ ہی دیر بعد ریندی کے تڑپنے اور چیخنے میں کمی آنے لگی اور وہ پُرسکون ہوتا دکھائی دینے لگا۔ اس کی آنکھیں رفتہ رفتہ بند ہوتی چلی جارہی تھیں۔

چند سیکنڈ میں اس کی پلکیں بند ہوگئیں اور وہ بے سُدھ ہوگیا۔

"اس کے جسم میں زہر موجود ہے۔" اُوشان نے ٹائیگر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "یہ زہر اس کے دماغ پر اثر انداز ہورہا تھا۔ اس حالت میں یہ ذہنی طور پر بُری طرح ہاتھ پاؤں مارنے کے لیے مجبور ہوگیا اور یہی مجبوری اس کے لیے مہلک ثابت ہورہی تھی۔ میں نے اسے بے ہوش کردیا ہے جس کی وجہ سے اس کے ہاتھ پاؤں کی حرکت رُک گئی اور زہر کا دماغ کی طرف بہاؤ کم ہوگیا۔"

"کیا ہم اس کے لیے کچھ اور بھی کرسکتے ہیں؟"

اُوشان بستر کے گرد گھوم کر دوسری طرف جا کھڑا ہوا۔ "اگر دماغ کی طرف زہر کا بہاؤ بالکل ختم ہوجائے تو اُسے جسم سے خارج کرنا زیادہ مشکل ثابت نہیں ہوگا۔" یہ کہتے ہوئے اس نے نرخرے کے دائیں حصے پر دباؤ ڈالنا شروع کردیا۔

ریندی اب گہری نیند میں ڈوب چکا تھا۔

اس کے چہرے کی رنگت بے پناہ سُرخ تھی۔

اُوشان کی اُنگلی کے دباؤ اور مخصوص انداز میں مالش کی وجہ سے اس کے چہرے کی سُرخی رفتہ رفتہ کم ہونے لگی۔ اُوشان نے پورے دس سیکنڈ تک یہ مخصوص عمل جاری رکھا پھر اس نے ریندی کی بائیں بغل میں اپنی اُنگلیاں گھسیڑ دیں۔

اچانک اُوشان کے حلق سے ایک عجیب سی آواز نکلی۔

"زندہ رہو ..." اس نے روحانیت کے تاثر سے بھرپور لہجے میں کہا تھا۔

ٹائیگر سر سے پاؤں تک لرز گیا۔

وہ خود کو اپنے اُستاد کے مقابلے میں بے حد حقیر محسوس کرنے لگا تھا۔ اُوشان اُس کی بغل میں اُنگلیاں ڈالے جھٹکا دیتی ہوئی آواز میں مسلسل یہی دو الفاظ دُہراتا جارہا تھا۔ "زندہ رہو ..."

ٹائیگر غور سے اس کی ایک ایک حرکت دیکھ رہا تھا۔

اُوشان، ریندی کے جسم کی بڑی بڑی خون کی نسوں کو بند کرتا جارہا تھا۔ اچانک شہزاد کو یاد آیا کہ ایک بار اس کے جسم سے زہر نکالنے کے لیے اُوشان نے یہ عمل خود اس پر بھی کیا تھا۔ تب اُس کے پوچھنے پر اُوشان نے وضاحت کی تھی کہ زہر کو جسم پر اثر کرنے سے روکنے کے لیے یہ ترکیب صدیوں پرانی ہے۔ اس نے فیصلہ کرلیا کہ آیندہ وہ اُوشان کی باتوں کو نظرانداز نہیں کرے گا اور اس کی ہمیشہ یہی کوشش ہوگی کہ روحانیات کے سلسلے میں بھی سبق لیتا رہے۔

اُوشان نے سر سے تلوؤں تک یہ عمل نہایت محتاط انداز میں کیا۔ ٹائیگر جانتا تھا کہ اگر اس معاملے میں معمولی سی بھی غلطی ہوگئی تو ریندی کی موت پلک جھپکتے میں واقع ہوجائے گی۔ اس نے بغیر سوچے سمجھے کہہ دیا۔ "ذرا احتیاط سے اُوشان ..."

اُوشان نے گہری نگاہ سے اس کی طرف دیکھا اور پھر ریندی کی باہیں ران کے گوشت پر انگلیاں منجمد کردیں۔

"فکر نہ کرو فرزند۔" وہ گہری متانت سے بولا۔ "میں ہمیشہ اُسی کام میں ہاتھ ڈالتا ہوں جس میں مجھے شک و شبہ نہیں ہوتا۔ اگر تمھیں نوبت سے فرصت ملے تو ایسی کارآمد باتیں ضرور سیکھو تمھارے بہ کار ہاتھوں کو مسیحائی بھی آنی چاہیے کیونکہ تم بدی کی علامت نہیں بلکہ نیکی کے شہکار ہو۔"

"لارڈ فادر ..." وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "ایک نیم مُردہ شخص کی موجودگی میں میری کمزوریوں کی نشاندہی نہ کرو۔ جسے تم معمولی بات پر محمول کرتے ہو اس کا تعلق جمالیات سے ہے۔ اس سلسلے میں کچھ سیکھنا چاہو تو میری خدمات حاضر ہیں۔ جمالیات کا پہلا سبق یہ ہے کہ ایک ایسی عورت جس کے چہرے پر اُن گنت جھُریاں ہوں، تیل نہیں ہوتے، اس کی مثال اُس رات جیسی ہوتی ہے، جب ستارے نہیں نکلتے۔"

"یاد رکھو۔" اُوشان غرایا۔ "کسی روز ایسا ہاتھ ماروں گا کہ سارے کے سارے ستارے تمھاری کھوپڑی میں اُتر آئیں گے۔"

ٹائیگر اپنی کھوپڑی سہلاتا ہوا، ساکت ریندی کی طرف متوجہ ہوگیا۔ اس نے بستر کے گرد گھوم کر اس کا جائزہ لیا ... پھر اس کی کلائی تھام لی اور نبض دیکھنے لگا۔ اچانک اُسے ایک مسحور کردینے والی خوشبو محسوس ہوئی۔

یہ خوشبو وہ پہلے بھی کسی جگہ سونگھ چکا تھا اور اس کی یاد ٹائیگر کے ذہن میں محفوظ تھی۔ اس نے خوشبو کا خیال اپنے ذہن سے نکالا۔

وہ اب ریندی کی دھڑکنیں محسوس کررہا تھا۔

اُوشان اس وقت ریندی کے دائیں ٹخنے میں ایک بڑی شریان پر کام کررہا تھا۔ ٹائیگر نے محسوس کیا کہ اس وقت ریندی ہر سو سیکنڈ بعد ایک سانس لیتا ہے۔

کام ختم کرکے اُوشان نے نگاہ اُٹھا کر اُس کی طرف دیکھا۔

ٹائیگر نے ریندی کے سینے سے ہاتھ ہٹا لیا۔

"کیا یہ زندہ رہے گا فادر؟" اس نے پوچھا۔

"اس کا انحصار اس کی زندگی پر ہے۔"

"میں پوچھتا ہوں کیا یہ زندہ رہے گا؟"

"یقین سے کچھ نہیں کہا جاسکتا۔" اُوشان بڑبڑایا۔ وہ نیم وا آنکھوں سے ریندی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کے جسمانی نظام میں زہر کا کافی حد تک اثر انداز ہوچکا ہے۔ اب سارا انحصار اس بات پر ہے کہ یہ شخص ذاتی طور پر کب تک زندہ رہنا چاہتا ہے۔"

"یہ کس قسم کا زہر ہے لارڈ فادر؟"

اُوشان نے کروٹ منفی جنبش دیتے ہوئے کہا۔ "یہ ایک ایسی بات ہے جو مجھے کسی طرح بھی معلوم نہیں ہوسکتی۔ میں تو صرف اتنا جانتا ہوں کہ اس پر جو زہر آزمایا گیا ہے، وہ جسم کے بجائے دماغ پر اثر انداز ہوتا ہے۔ اس سے دماغ میں تبدیلیاں رُونما ہوتی ہیں۔ یہ اپنے بچاؤ کی باقاعدہ جنگ لڑ رہا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ ہولناک حد تک وزنی ہوتی جارہی ہے اور کسی بھاری کمبل کی طرح اس کا دم گھونٹ رہی ہے۔"

"ایسا اس کے بڑے بھائی کے ساتھ بھی ہوچکا ہے۔" ٹائیگر بڑبڑایا۔ "وہ چاپانیوں کو دیکھ کر اتنا خوفزدہ ہوگیا کہ اس نے بلند ترین منزل سے سڑک پر چھلانگ لگا کر خودکشی کرلی۔"

اُوشان پلکیں جھپکائے بغیر ٹائیگر کی طرف دیکھنے لگا۔

"ہم دماغ پر اثر انداز ہونے والے زہر پر بات چیت کررہے تھے۔ تم نے اس کے بھائی کا تذکرہ کہاں سے نکال لیا؟"

"اس کا بھائی چاپانیوں کو برداشت نہیں کرسکتا تھا... اور یہ شخص کپڑوں کو برداشت نہیں کررہا تھا۔"

"میرا خیال ہے چاپانیوں کو پسند کرنے کے سلسلے میں تم کسی زہر کو الزام نہیں دے سکتے۔ اس کا تعلق جمالیات سے ہے۔"

"زندہ باد، مختصر ابا جان۔ زندہ باد۔"

"بتاؤ، زہر اور جمالیات میں فرق ہے یا نہیں؟"

"لاحول۔۔۔" ٹائیگر فوراً سنجیدہ ہوگیا اور رد دینے والے انداز میں بولا۔ "بس اب کوئی لیکچر نہیں پلیز۔ آپ کو اُن بچوں کی قسم جو شادی نہ ہونے کی وجہ سے پیدا ہونے سے محروم رہ گئے۔"

اُوشان کا دایاں ہاتھ آہستہ آہستہ بند ہونے لگا۔

ٹائیگر نے اُن آنکھوں سے اُس کی رد دیکھا اور دفاع کے لیے پوری طرح تیار ہوگیا لیکن اُوشان کا ہاتھ بند نہیں کھلنے میں مصروف ہوگیا تھا۔ وہ ریندی کی جانب متوجہ ہوگیا۔

ریندی اب بے حد پُرسکون نظر آرہا تھا۔

اس کے اعضا، ریشوں اور پٹھوں میں جو کھچاؤ تھا اُس میں بڑی حد تک کمی آگئی تھی اس لیے وہ اکڑی ہوئی لاش کی بجائے ایسا آدمی لگ رہا تھا جو گہری اور پُرسکون نیند میں ڈوبا ہوا ہو۔

"میں سمجھتا ہوں کہ یہ بالکل ٹھیک ہوجائے گا۔" ٹائیگر نے تبصرہ کیا۔

اُوشان نے اس کی بات کو کوئی اہمیت نہیں دی۔ وہ ایک بار پھر اُن حصّوں کا جائزہ لے رہا تھا، جہاں جہاں اس نے کام کیا تھا۔

"مجھے اب بھی یقین نہیں آتا کہ اس کے بازو میں جو انجکشن لگایا تھا اُس کا تعلق اِس حالت سے بھی ہوسکتا ہے۔"

"میں انگریزی دواؤں کے سلسلے میں کچھ نہیں جانتا۔"

"میرا خیال ہے، اس ڈاکٹر کے بارے میں پتہ چلانا چاہیے جو اس کے علاج پر مامور تھا۔" ٹائیگر نے کہا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ "غالباً وہ نرس اس سلسلے میں رہنمائی کرسکتی ہے، جو باہر موجود ہے۔"

وہ کمرے سے نکلا تو باہر خاصا ہجوم تھا۔

اس نے بلند آواز میں بتایا کہ مریض کی حالت پہلے سے کافی بہتر ہے اس لیے کسی کو تشویش میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے۔ نرس کے پاس پہنچ کر اُس نے اپنے مخصوص حربوں کا بے دریغ استعمال کیا اور پوچھا۔ "ریندی کا علاج کون کررہا ہے؟"

"مسٹر ریندی ایک دولت مند گھرانے کے چشم و چراغ ہیں اس لیے تقریباً سارے ہی ڈاکٹران پر توجہ دیتے رہے ہیں۔" یہ کہہ کر اُس نے پوری ایک فہرست بنا کر کاغذ اُس کے ہاتھ میں تھما دیا۔

وہ اس کا شکریہ ادا کرکے واپس آگیا۔

جب وہ مریض کے کمرے میں واپس آیا تو ریندی اب بھی سو رہا تھا اور اُوشان کی ساکت آنکھیں اس کا جائزہ لے رہی تھیں۔

کچھ دیر وہ کمرے میں بیٹھا رہا پھر بہرام کو اطلاع دینے کے لیے اُٹھ کھڑا ہوا۔ وہ میں ذرا چیف کو بتا دوں کہ کیا صورت حال ہے وہ ایک بار پھر کمرے سے نکل آیا۔

ٹیلی فون بوتھ میں پہنچ کر اس نے سلسلہ ملایا اور بہرام کی آواز سنتے ہی خوش دلی سے بولا۔ "بس چیف! اب جلدی سے زچہ خانہ کھولو۔ اُوشان دایا کا کام کرنے میں زبردست مہارت رکھتا ہے۔"

"کیا بات ہے؟" دوسری طرف سے بہرام کی بڑی ہوئی آواز سنائی دی۔ "تم کہاں سے بول رہے ہو؟"

"میں اسپتال میں ہوں۔"

"بوکس کے ہونے والا ہے۔ تمھارے؟" بہرام غرایا۔

"نن۔۔۔ نہیں تو۔" ٹائیگر گڑبڑا گیا۔

"پھر اُوشان کے سلسلے میں تم کیا بک رہے تھے؟"

"میں کہہ رہا تھا کہ لوپانو خاندان کا دوسرا چشم و چراغ اس وقت اسپتال میں ٹمٹما رہا ہے۔" ٹائیگر نے جلدی سے بات بدل دی۔ "اس کے دماغ میں کوئی خلل پیدا ہوگیا تھا۔ میرا خیال ہے یہ بالکل ویسا ہی معاملہ ہے، جو اس کے بڑے بھائی کے ساتھ ٹوکیو میں پیش آیا تھا۔"

"ہوں۔۔۔ میں سمجھ گیا۔ اب اس کی طبیعت کیسی ہے؟"

"فی الحال تو جامے میں ہے۔ کچھ دیر قبل پاجامہ بھی اسے قبول نہیں تھا۔"

"اُسے جو ذہنی خلل لاحق ہے، کیا وہ چھوت کا مرض ہے؟"

"نہیں سویٹ ہارٹ۔"

"تو پھر تمھارے دماغ میں کیا خرابی پیدا ہوگئی ہے؟"

"اوہ، سوری! میرے دماغ میں نہیں، زبان میں کچھ گڑبڑ ہورہی تھی۔" وہ مسکرا کر بولا۔ "بہرحال اُوشان کا دعوا ہے کہ ریندی زندہ رہے گا۔ میرا مشورہ ہے کہ اس کے لیے کسی محافظ کا بندوبست کردو جائے۔ کیا آپ اس کے خاندان کو اس حادثے کی اطلاع دے کر محافظ بھیجنے کے لیے کہہ سکتے ہیں؟"

"میں خود کوئی محافظ بھیج دیتا ہوں۔"

"آپ ذرا معلومات حاصل کرنے میں لگے رہیں کہ کوئی شخص لوپانو خاندان کے پیچھے کیوں ہاتھ دھو کر پڑ گیا ہے۔ صدر شیتائی سے بھی رابطہ قائم کرکے پوچھ لیں کہ کہیں خاندانی منصوبہ بندی کا محکمہ تو اس ذمے دار نہیں۔"

"ریندی کو کیا ہوا تھا؟" بہرام نے اس کی بکواس نظرانداز ہوئے پوچھا۔

"اسپتال ہی میں کسی ڈاکٹر نے اسے زہر بلا انجکشن دے دیا تھا۔ اس انجکشن سے اس کی موت واقع ہوجاتی لیکن قدرت نے اُوشان کے مسیحا ہاتھوں سے اُسے بچا لیا۔ لوپانو خاندان کے افراد میں ہی گڑبڑ کا امکان ہے۔ ممکن ہے یہ لوگ آپس میں ہی ایک دوسرے کو ٹھکانے لگانے کی کوشش میں مصروف ہوں۔ وہی ڈاکٹر اور وہی۔۔۔"

اچانک اُسے وہ مخصوص خوشبو محسوس ہونے لگی جیسی اس نے لوپانو خاندان کے سربراہ کے کمرے میں سونگھا تھا۔ وہی خوشبو اس نے ریندی کے بستر سے بھی محسوس کی تھی۔۔۔ یہ خوشبو اچانک ہی اس کے لاشعور میں چبھنے لگی۔

"کہاں کھو گئے؟" بہرام غرایا۔

"کچھ نہیں، چیف! اُس ٹائیگر مس کا کیا حال ہے؟"

"تم اس کی فکر نہ کرو۔"

"کیسے نہ کروں۔ وہ ٹائیگر کی مادہ ہے۔"

"ممکن ہے، وہ اس معاملے میں تمھیں شکست فاش دینے میں کامیاب ہوجائے۔" بہرام کا موڈ ایک بار پھر خوش گوار ہوگیا۔

"مرحبا، شکست فاش دینے والے۔" ٹائیگر تضحیک آمیز انداز میں ہنس پڑا۔ "چیف! کیا اس کا رنگ بدل کر سفید نہیں ہوسکتا؟"

"وہ سیاہ فام ہے۔ کیوں؟"

"سیاہ چہروں میں ایک خرابی ہوتی ہے۔ اُن پر آن گنت بجوکے جھرّے تل نہیں پیدا ہوتے۔ ایں! بند کردیا فون؟" اس نے خود کلامی کے انداز میں کہا اور سلسلہ منقطع کرکے بوتھ سے باہر آگیا۔

ڈاکٹر ایلنا اسٹون سو رہی تھی۔

براؤن اسٹون نامی عمارت ایسٹ اینڈ پر واقع تھی۔ اسی عمارت کا ایک شاندار خواب گاہ میں یہ شیطانی حسن محوِ خواب تھا۔

اچانک فون کی گھنٹی بجنے لگی۔

دوسری ہی گھنٹی پر ڈاکٹر اسٹون کی نیند اچاٹ ہوگئی۔ اس نے کسمسا کر کروٹ بدلی اور پھر سونا چاہا لیکن ٹیلی فون کی گھنٹی بجتی ہی رہی۔ اس نے جھنجھلا کر آنکھوں کے ساتھ ہاتھ بڑھا کر ریسیور اُٹھا لیا۔

"اُوں۔۔۔" اس کے حلق سے مبہم سی آواز نکلی۔

دوسری جانب سے ایک مانوس آواز سنائی دی۔ یہ آواز سنتے ہی وہ اُچھل پڑی اور بستر پر سیدھی بیٹھ گئی۔ اب اس کی آنکھوں میں نیند تو درکنار، اس کا خمار بھی باقی نہیں رہا تھا۔

"زندہ ہے؟" وہ چونک کر بولی۔ دوسری طرف سے بولنے والے نے غالباً اُسے کوئی خاص اطلاع دی تھی جس پر وہ بُری طرح چونک کر بولی تھی۔ "یہ ناممکن ہے۔ میں نے اُسے انجکشن اپنے ہاتھ سے لگایا تھا۔"

دوسری طرف سے آواز سننے کے بعد وہ خاموش ہوگئی۔

"ہاں۔۔۔ میں نے اُنھیں وہاں دیکھا تھا لیکن وہ اُسے نہیں۔۔۔"

اُس کا جملہ ادھورا ہی رہ گیا۔ غالباً دوسری طرف سے بولنے والے نے اس کی بات کاٹ دی تھی۔ وہ چند لمحوں تک ہونٹ چباتی ہوئی سنتی رہی پھر بولی۔ "میں نہیں جانتی۔ مجھے اس سلسلے میں سوچنا پڑے گا۔ کیا وہ دونوں اس وقت بھی کلینک میں ہیں؟"

دوسری طرف سے کوئی دیر تک بولتا رہا۔

ڈاکٹر ایلنا گہری سوچ میں ڈوب گئی۔

"ٹھیک ہے۔" اس نے ایک طویل سانس لیتے ہوئے کہا۔ "میں کل بات کروں گی۔" یہ کہہ کر اس نے ریسیور رکھ دیا۔ اس کی آنکھوں سے گہری فکرمندی جھلک رہی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ بوڑھا اور پُراسرار نوجوان ریندی کو بچانے میں کیسے کامیاب ہوگئے۔

ریندی کا زندہ رہنا ممکن نہیں تھا۔ اس نے جو انجکشن دیا تھا، اس کے بعد کسی انسان کا بچ جانا معجزہ ہی کہا جاسکتا ہے۔۔۔ لیکن فون پر بات کرنے والی ہستی نے جو کچھ کہا تھا، اسے بھی غلط نہیں سمجھا جاسکتا تھا۔ گویا وہ دونوں ریندی کو بچانے میں کامیاب ہو گئے تھے۔

"کچھ کرنا چاہیے۔" وہ خود کلامی کے انداز میں بولی۔ "ابھی تو مجھے لوپانو خاندان کے کئی افراد کو قتل کرنا ہے۔"

اُسے جو اطلاع ملی تھی، اس میں تشویش کا پہلو یہ تھا کہ وہ دونوں پُراسرار آدمی، لوپانو خاندان کے دوسرے افراد کو بھی بچانے کی کوشش کرسکتے تھے۔ یکایک اُسے نوجوان یاد آگیا۔ ٹائیگر کی آنکھیں، اس کی مسکراہٹ اور اس کی چال ڈھال اس کے ذہن میں تازہ ہوگئی۔ وہ اندر ہی اندر کانپ گئی۔

دیر تک اس کا شیطانی ذہن سوچتا رہا۔۔۔ پھر اُس نے اثبات میں سر ہلایا جیسے کسی نئے خیال کے تحت مطمئن ہوگئی ہو۔ اگلے ہی لمحے وہ فون کا ریسیور اُٹھا کر ایک نمبر ڈائل کررہی تھی۔

۲۲ ویں گلی میں واقع ہر ریستوران اور شراب خانہ دیکھنے کے بعد غزالہ تھک گئی تھی۔ لیکن فلاسی سے ابھی تک ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ ان مقامات پر گھومتے پھرتے اسے رنگا رنگ آدمیوں سے ملنے اور بات کرنے کا موقع ملا تھا۔ لیکن خوش قسمتی سے اگر دن کے علاوہ کوئی ناخوش گوار واقعہ نہیں ہوا۔

اس نے بازار میں آگے بڑھتے بڑھتے مزید دو شراب خانے دریافت کر لیے۔ یہ غیر قانونی شراب خانے تھے، جہاں غیر قانونی طور پر جُوا بھی ہوتا تھا۔ ایک بار پھر اُسے اُمید کا دامن تھام لینا پڑا۔

وہ ایک ویٹر کے قریب پہنچی اور بولی: "کیا تم فلاسی نام کی کسی عورت کو جانتے ہو؟"

"تم کون ہو؟ مس اور کسی کے بارے میں کیوں پُوچھ رہی ہو؟"

"کیا تم اسے جانتے ہو؟" اس نے ویٹر کی بات نظر انداز کر کے دوبارہ سوال کیا۔

"نہیں۔ مَیں اس نام کی کسی عورت کو نہیں جانتا۔"

"وہ ایک حسین عورت ہے۔ اس کا جسم موٹاپے اور بال سنہرے ہیں۔" وہ فلاسی کا حُلیہ بتانے لگی۔ یہ حُلیہ اُسے آرنی نے بتایا تھا اور وہ سوچ رہی تھی کہ کہیں آرنی سے حُلیہ بتانے میں کوئی غلطی تو نہیں ہُوئی۔

"تم اُسے کیوں تلاش کر رہی ہو؟" ویٹر نے شکوک ہو کر پوچھا۔

"کیا تم اس حُلیے کی کسی عورت کو جانتے ہو؟"

"نہیں..." معاً وہ ویٹر بولا: "تم اُسے کیوں ڈھونڈ رہی ہو؟"

"وہ میری محبوب ہے اور مَیں اس کی تلاش میں دُنیا کی خاک چھانتی پھر رہی ہُوں۔" غزالہ اس تکرار سے جھلا گئی۔

"ٹھیک ہے۔ مَیں نہیں جانتا۔ کہیں اور ڈھونڈو جا کر۔" اس بار ویٹر کے صبر کا پیمانہ بھی لبریز ہو گیا۔

غزالہ بڑبڑاتی ہُوئی شراب خانے سے باہر آ گئی۔ صرف ایک شراب خانہ باقی رہ گیا تھا۔ اگر فلاسی وہاں بھی نہ ملی تو کیا ہو گا؟ اس خیال نے غزالہ کو بُری طرح بے چین کر دیا۔ وہ ہر لمحہ کے سامنے ناکامی کا مُنہ نہ دیکھنا چاہتی تھی۔

... اور پھر وہ آخری بار میں داخل ہُوئی تو اس کی ساری تمکین دُور ہو گئی۔ آخری میز پر سنہرے بالوں والی ایک موٹی تازی عورت بیٹھی تھی۔ اس کے چہرے پر اُداسیوں کا پہرہ تھا۔ اس نے سُرخ پھُولوں کے پرنٹ سے بنا ہُوا لباس پہن رکھا تھا۔ اس کے بال اُلجھے اُلجھے سے تھے اور اس کی آنکھیں ویران نظر آ رہی تھی۔

غزالہ نے دُور ہی سے اس کا جائزہ لیا۔

اگرچہ فلاسی ایک پیشہ ور عورت تھی لیکن اس کے انداز اور حُلیے سے اس کا اظہار نہیں ہوتا تھا۔ یُوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ کوئی گھریلو عورت ہو جو تھکن اُتارنے کے لیے کچھ دیر کے لیے یہاں آ بیٹھی ہو۔

وہ آہستہ آہستہ فلاسی کی طرف بڑھنے لگی۔

دو آدمی کے قریب دو بدمعاش بیٹھے تھے۔ انھوں نے غزالہ کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے سیٹی بجائی لیکن اس نے ان کی طرف کوئی توجہ نہیں دی۔ فلاسی جس میز پر براجمان تھی، وہ وہاں پہنچی اور ایک کرسی گھسیٹ کر بڑی بے تکلفی سے بیٹھ گئی۔

فلاسی نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

غزالہ کے ہونٹوں پر بڑی ہی جنت بھری مسکراہٹ پھیل گئی۔ یہ ایک ایسی مسکراہٹ تھی جس میں پتھر سے پتھر دل کو بھی پگھلانے کا انداز موجود تھا۔ وہ اپنی زندگی میں پہلے بھی کئی اجنبی لوگوں کو اس مسکراہٹ سے اپنا غلام بنا چکی تھی۔

"ہیلو فلاسی!" وہ دھیمی اور نرم آواز میں بولی: "کچھ پینا پسند کرو گی؟"

فلاسی پہلے تو حیرت سے اس کی طرف دیکھتی رہی... پھر تو اس کے مطابق فوراً ہی پگھل گئی۔ اس نے اثبات میں سر ہلا کر رضامندی ظاہر کر دی۔ غزالہ نے اپنے جیکٹ کی جیب سے پانچ ڈالر کا ایک نوٹ نکال لیا۔ تھوڑی بہت رقم وہ اس انداز میں بھی رکھتی تھی کیونکہ اسے معلوم تھا کہ ایسے مقامات پر اپنا پرس کھول کر رقم نکالنا کس قدر خطرناک ہوتا ہے۔ لوگ پلاد جہ ہی متوجہ ہو جاتے ہیں اور جب اُنھیں زیادہ رقم نظر آ جاتی ہے تو وہ اس کے حصول میں دُوسرے کی زندگی سے کھیلنے سے بھی باز نہیں رہتے۔

"ہم دونوں کے لیے ایک ایک جام لاؤ۔" غزالہ نے ویٹر سے کہا اور پانچ ڈالر کا نوٹ اس کے حوالے کر فلاسی کی طرف متوجہ ہو گئی۔

"کیا مَیں تمھیں پہلے سے جانتی ہُوں؟" فلاسی نے کچھ اُلجھن میں پُوچھا۔

"نہیں... کیونکہ میرے دوستوں کی تعداد بہت کم ہے۔" غزالہ نے جواب دیا۔ وہ فلاسی کے لہجے سے اندازہ لگا چکی تھی کہ وہ ایک بے حد محتاط عورت ہے۔ بولتے وقت غالباً وہ اس بات کا خیال رکھنے کی عادی تھی کہ کہیں اس کی زبان سے کوئی غلط بات نہ نکل جائے۔

"لیکن مَیں تمھیں جانتی ہُوں۔" غزالہ نے اندھیرے میں ایک تیر چھوڑا۔

"وہ کیسے؟"

"مَیں نے ایک بار تمھیں زاک کے ساتھ دیکھا تھا۔"

"زاک...!" فلاسی نے نام دُہرایا: "اوہ زاک... ہاں... لیکن مَیں اس کے ساتھ تو تم سے کبھی نہیں ملی... اور زاک سیاہ فام عورتوں کو پسند نہیں کرتا۔"

"مَیں جانتی ہُوں۔" غزالہ اس کی ذہانت کی قائل ہو گئی: "ہم دونوں دوست نہیں ہیں بلکہ ایک بار ہم دونوں نے مِل کر

کمین پر خفیہ کام کیا تھا۔"

جام آ گئے۔ دونوں نے گلاس اُٹھا لیے۔

غزالہ نے ویٹر سے کہا کہ وہ مزید ایک ایک جام لے آئے۔

فلاسی ابھی تک غور سے اس کی طرف دیکھتے ہُوئے نفی میں ہلا رہی تھی۔ لگتا تھا وہ اپنے ذہن پر بہت زیادہ زور دے رہی ہے۔

"نہیں... مَیں نے تمھیں پہلے کبھی نہیں دیکھا۔"

"ٹھہرو۔ مَیں تمھیں یاد دلاتی ہُوں۔" غزالہ نے نرمی سے کہا: "یہ تین یا چار ماہ پہلے کی بات ہے۔ ساتویں اسٹریٹ پر جہاں تم رہتا ہے، ہم دونوں وہاں ملے تھے۔ اس کے بعد مَیں زمین دوز ریلوے سے اس کے ساتھ سفر کرتی رہی حتیٰ کہ اسٹیشن پر وہ یہ کہہ کر مجھ سے جُدا ہو گیا کہ تم سے ملنے ۲۲ ویں اسٹریٹ جا رہا ہے۔ اتفاق سے میں بھی اسی طرف جا رہا تھا۔ تم اس وقت میٹرمیاں اُتر کر غالباً کھانے کے لیے کچھ خریدنے جا رہی تھیں۔"

"نہیں... مَیں کبھی کھانا خرید کر گھر نہیں لے جاتی۔"

"بہرحال چھوڑو۔ ہم بھی کن باتوں میں اُلجھ گئیں۔" غزالہ نے کہا۔ "سناؤ زاک کا کیا حال ہے؟ مجھے تو وہ کئی دنوں سے نظر نہیں آیا؟"

"مَیں اس سلسلے میں کوئی بات نہیں کرنا چاہتی۔"

"اوہ۔ وہ کیوں؟ کیا وہ تمھیں چھوڑ کر کسی اور کے پاس چلا گیا؟"

فلاسی کی آنکھوں میں عجیب سے تاثرات پیدا ہو گئے۔ کچھ وہ عذر کرتی ہی جیسے پُرانی یادیں کریدنا نہ چاہتی ہو... پھر اس نے ایک سرد آہ بھر کر کہا: "ہاں... وہ چلا گیا ہے۔ ایک رات وہ میرے گھر گیا، لیکن ایسا گیا کہ آج تک واپس نہیں آیا۔ اس کے جانے کے بعد مجھے تو کھانے پینے کے بھی لالے پڑ گئے ہیں۔ وہ مجھے تنہا چھوڑ گیا۔ بے سہارا ہو گئی۔ اب مَیں دوبارہ اُسی گھناؤنے کاروبار کی طرف رجوع کر رہی ہُوں۔"

"اوہ۔ مجھے یہ سُن کر افسوس ہُوا۔" غزالہ نے گہری ہمدردی سے کہا: "یہ کب کی بات ہے کہ وہ تمھارے ہاں سے گیا اور پھر کبھی واپس نہیں آیا؟"

ویٹر کے مزید دو جام آ گئے اور فلاسی گلاس کی طرف متوجہ ہو گئی۔

اس نے ایک گھونٹ لیا اور سوچ میں ڈوب گئی۔

"معلوم نہیں... مجھے تو لگتا ہے جیسے سالوں بیت گئے ہوں۔"

"دو ہفتے ہو گئے ہوں گے؟" غزالہ نے سوال کیا۔

فلاسی نے غور کیا اور پھر اثبات میں سر ہلا دیا: "ہاں شاید اتنا عرصہ ہی گزرا ہے۔ ممکن ہے ایک ماہ بیت گیا ہو۔" وہ اب کہنے لگی تھی۔

غزالہ نے مزید ایک ایک جام کا آرڈر دے دیا۔

"کیا وہ کسی بڑے کیس پر کام کر رہا تھا؟" اس نے ہمدردی سے پُوچھا۔

"زاک... نہیں... اُسے زندگی میں کبھی بڑا کیس نہیں ملا۔" فلاسی نے جواب دیا وہ اب کھُلتی جا رہی تھی۔ "وہ میرے اپارٹمنٹ میں بیٹھ کر ہی بڑا آدمی بننے کے خواب دیکھتا تھا۔ اس نے خطوط لکھے اور کاغذ رَدّی کر کر کے میرے ہاں کافی غلاظت پھیلا دی۔ اب تم ہی بتاؤ۔ یہ بھی بھلا کوئی طریقہ ہے۔ محض خط لکھ کر بھی کبھی کوئی بڑا آدمی بن سکتا ہے؟"

مزید بیئر آ گئی۔ فلاسی مزید بہک گئی۔

"اس نے ان خطوط کا کیا کیا؟" غزالہ نے پُوچھا۔

فلاسی نے کندھے اُچکا دیے۔

جب اُس نے نئے گلاس سے چند گھونٹ لے لیے تو غزالہ نے سوال دُہرایا۔

"کون کہہ سکتا ہے۔ اس نے خط لکھے اور اُنھیں ٹوک کے حوالے کر دیا گیا۔"

"کیا وہ خط صدر شیتائی کے نام تھا؟"

"ہاں... وہ خط صدر ہی کے نام لکھا گیا تھا اور اُسے میں نے ہی پوسٹ کیا تھا۔ اس روز مجھے ایک حادثہ بھی پیش آ گیا تھا لیکن میں بال بال بچ گئی۔"

غزالہ نے ایک طویل سانس لی۔ یہ بات اُسے معلوم ہو گئی تھی۔ اب صرف ایک ہی بات باقی رہ گئی تھی کہ خود زاک کہاں ہے؟

دونوں اُسی بار میں بیٹھی رہیں۔ وہ بیئر پیتی رہیں۔ حتیٰ کہ بار بند ہونے کا وقت ہو گیا۔ اس دوران میں غزالہ نے فلاسی کو ہر طرح سے ٹٹولا لیکن وہ یہ بتانے سے قاصر رہی کہ زاک کہاں غائب ہو گیا ہے۔ اُسے یقین ہو گیا کہ فلاسی اس سلسلے میں کچھ بھی نہیں جانتی۔

فلاسی اس سے پہلے دروازے سے نکل گئی۔

اچانک ایک شخص نے غزالہ کا ہاتھ تھام لیا۔ غزالہ نے اس کی طرف دیکھا اور پھر اپنا بیگ کھول کر اعشاریہ تین آٹھ کا ریوالور نکال لیا۔

ریوالور پر نگاہ پڑتے ہی اس شخص نے غزالہ کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ اس کا نشہ ہرن ہو گیا تھا اور اس کی آنکھوں میں دہشت اُمڈ آئی تھی۔

غزالہ اُسے سکتے کی سی حالت میں چھوڑ کر باہر آئی تو فلاسی فٹ پاتھ پر کھڑی تھی۔ "میرا خیال ہے، اب ہمیں ایک دوسرے

سے رخصت ہو جانا چاہیے۔" وہ غزالہ پر نگاہ پڑتے ہی بولی۔

"میں تمہارے ساتھ پیدل چلنا چاہتی ہوں۔"

"اوہ... لیکن میرا اپارٹمنٹ بہت گندہ ہو رہا ہے، مجھے موقع نہیں ملا اس لیے میں نے وہاں صفائی بھی نہیں کی۔"

"کوئی بات نہیں۔ میں ان چیزوں کی زیادہ پروا نہیں کرتی۔"

وہ آہستہ آہستہ چلنے لگیں۔ فلاسی کی چال میں ہلکی سی لڑکھڑاہٹ تھی۔ غزالہ راستے میں بھی اس سے زاک کے سلسلے میں باتیں کرتی رہی لیکن کوئی کارآمد بات معلوم کرنے میں کامیاب نہ ہو سکی۔

"کیا وہ تمہاری مالی امداد بھی کیا کرتا تھا؟" اس نے ایک نیا پہلو اختیار کیا۔

"وہ صرف گھوڑوں پر شرطیں لگانے والوں کی مالی امداد کرتا تھا۔" فلاسی نے عجیب سے لہجے میں جواب دیا اور پھر اس انداز میں بات دُہرائی جیسے غزالہ نے پہلی بار یہ بات نہیں سُنی تھی۔

یہ چہل قدمی کے انداز میں وہ اس عمارت تک پہنچ گئیں، جہاں فلاسی کا اپارٹمنٹ تھا۔ عمارت تاریک تھی اور غلاظت کی وجہ سے بدبو کے بھبکے محسوس ہوتے تھے۔ غزالہ نے کسی چیز کی پروا نہیں کی۔ اسے ایک موہوم سی اُمید فلاسی کے اپارٹمنٹ کی طرف لے جا رہی تھی۔

زاک نے صدر شیتائی کو جو خط لکھا تھا اس میں لوپانو خاندان کے افراد کو قتل کرنے کا تذکرہ تھا لیکن اس نے کسی جگہ یا کسی شخص کا نام نہیں لکھا تھا۔ غزالہ کوئی ایسا نام ہی معلوم کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

فلاسی نے اپنے اپارٹمنٹ پہنچ کر جب چابیوں کا گچھا نکالا اور اُوپر تلے کئی تالے کھولتی مجرمی اپنے سونے کے کمرے میں داخل ہوئی تو غزالہ کے لیے ہنسی روکنا دُشوار ہو گئی۔ بھائیں بھائیں کرتا اپارٹمنٹ تھا اور اس نے تالے یُوں لگا رکھے تھے جیسے سرکاری خزانہ وہاں رکھا جاتا ہو۔

"مجھے تو نیند آ رہی ہے۔" فلاسی نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"تم سو جاؤ۔ میں کچھ دیر دم لے کر چلی جاؤں گی۔"

اس بات کے جواب میں فلاسی کے خرّاٹے سنائی دینے لگے۔

غزالہ اپارٹمنٹ کی ہر چیز کا جائزہ لینے لگی۔ اس تلاشی میں اس کا کافی وقت ضائع ہو گیا لیکن بالآخر وہ اس میز تک پہنچ ہی گئی جس پر بیٹھ کر زاک نے صدر شیتائی کے نام خط لکھا تھا۔ اس میز کے اِرد گرد دائیں بُنت مُڑے تڑے کاغذ پڑے تھے۔

وہ احتیاط سے ان کاغذات کو جمع کرتی رہی... پھر اس نے ایک کُرسی سنبھال لی۔ اطمینان سے بیٹھ کر ادھورے خط پڑھنے لگی۔ پڑھتے پڑھتے صرف تین کاغذ باقی رہ گئے تو غزالہ پر مایوسی طاری ہونے لگی۔ اب تک کسی بھی کاغذ سے کوئی معلوم نہیں ہوئی تھی۔

اس نے باقی تین کاغذ بھی دیکھ ڈالے اور آخری کاغذ پڑھتے ہوئے وہ اُچھل ہی تو پڑی۔ اس میں ایک نام موجود تھا۔

"لائف لائن لیبارٹریز..." اس نے زیرِ لب دُہرایا اور اس کا پورا وجود ہلکا پھلکا ہو گیا۔ شدید محنت بالآخر رنگ لے آئی۔ اس نے کاغذ تہ کر کے اپنے بیگ میں رکھا اور فلاسی پر ایک الوداعی نظر ڈالتی ہوئی بیرونی دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

••

وہ ایسٹ سائیڈ کلینک سے نکلے تو دو آدمیوں کا تعاقب شروع کر دیا۔

اُدشان کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا... لیکن ٹائیگر ان دونوں کی طرف سے شبہے میں مبتلا ہو گیا۔ اگرچہ فٹ پاتھ پر اور لوگ بھی چل رہے تھے لیکن وہ ان کے قدموں کی آواز سُن رہا تھا جب کہ وہ دونوں محتاط انداز میں چل رہے تھے یہ معمولی سی بات تھی لیکن ٹائیگر کا ذہن ایک خاص تربیت کے باعث اُسے محسوس کر سکتا تھا۔

اُس نے اُدشان کی طرف دیکھا۔

اپنے اُستاد کے لیے اس کے دل میں بے پناہ احترام پیدا ہو گیا۔

یہ سب کچھ اسی اُستاد کا دیا ہوا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اُدشان جن باتوں سے بچنے کے لیے اُسے ہدایات دیتا تھا ان کا کیا نقصان ہوتا ہے... اور جن باتوں پر اُسے عمل کی تلقین کی جاتی ہے، اُن سے کیا فائدے ہوتے ہیں... ترتیب... ترتیب... یہ اُدشان کا پہلا اُصول تھا۔ یہ ترتیب ہی کا اُصول تھا، جس نے عقب سے آنے والی آوازوں میں شامل نہ ہونے والی قدموں کی خاموش چاپ کا احساس دلایا تھا۔

"اُدشان۔ ذرا رُک جائیں۔" اس نے دھیمی آواز میں اس اسٹور کے شوکیس میں لگی ہوئی نمونے کی اُس چیز کی طرف اشارہ کیا جس کی طرف وہ دیکھ رہا تھا۔

اس وقت وہ ۶۰ ویں اسٹریٹ پر پہنچ چکے تھے۔

سڑک کے ایک جانب پارک تھا اور دُوسری جانب دکانوں کے شوکیس سجے ہوئے تھے۔ اُدشان نے اس کی بات پر توجہ نہیں دی اور مسلسل چلتا رہا۔

"میں اس دُکان کے شوکیس میں چیزیں دیکھنا چاہتا ہوں۔" ٹائیگر نے دُہرایا۔

"ضروری نہیں۔" اُدشان نے ناگواری سے کہا۔ "وہ تعداد میں دو ہیں، دونوں طاقت ور، جسیم اور سُنہرے بالوں والے ہیں۔ ان کا وزن بھی تم سے زیادہ ہے۔"

ٹائیگر کو یُوں لگا جیسے اس کے پُورے بدن میں کرنٹ دوڑ گیا ہو۔ اس کا خیال تھا کہ اُستاد جی اس طرف سے غافل ہوں گے اس لیے شوکیس میں چیزیں دیکھنے کے بہانے تعاقب کرنے والوں کا جائزہ لے لے گا... لیکن یہاں تو وزن تک معلوم کیا جا چکا تھا۔

"ان میں سے ایک قدرے لنگڑا کر چل رہا ہے۔" اُدشان نے مزید دھماکا کیا۔ "بائیں طرف والے کی چال خوبصورت ہے۔" وہ بے آواز چلنے میں کامیاب ہے جب کہ ہلکا سا لنگڑا کر چلنے والا خفیف سی آواز پیدا کر رہا ہے۔"

"آپ کو یہ سب باتیں کیسے معلوم ہو گئیں؟" ٹائیگر نے حیرت سے پُوچھا۔

"تمہیں ان دونوں کے بارے میں کیسے پتہ چلا؟"

"بس پتہ چل گیا۔" ٹائیگر بولا۔ "میں وضاحت نہیں کر سکتا۔"

"بالکل یہی بات میرے ساتھ بھی ہے۔"

"آپ کو صرف ایک ہی بات کا پتہ نہیں چل سکا۔"

"وہ کیا؟" اُدشان چونک پڑا۔

"جس عورت کے چہرے پر آن گنت جھُرّیوں کے جنگل نہیں ہوتے..."

"شٹ اپ۔" اُدشان کا موڈ خراب ہو گیا۔ "یہ تبصرہ ہی تھیں کچھ کرنے نہیں دیتے۔"

"پھر بتائیے کہ آپ کو کیسے پتہ چلا؟"

"جس طرح پرندہ اُڑتا ہے اور مچھلی تیرتی ہے اور وجہ جانے بغیر وہ ایسا کرنے پر قادر ہیں۔ بالکل اسی طرح میں بعض باتیں محسوس کر لیتا ہوں۔ اگر تم میری لگائی ہوئی تمام پابندیاں قبول کر لو تو کوئی وجہ نہیں کہ یہ رُوحانی قوت تم میں بھی پیدا نہ ہو جائے۔"

"میں لنڈورا ہی بھلا، اِبلیس نہ بنوں۔" وہ جھلّا کر بولا۔

اُدشان کے ہونٹوں پر مُسکراہٹ آ گئی۔ اس نے دونوں ہاتھ لبادے کی جیبوں میں ڈال لیے۔ وہ فٹ پاتھ پر چل رہا تھا لیکن نیچے تک ڈھکا ہُوا لبادہ اس کے پاؤں چھپا رہا تھا اس لیے اس کے پیروں کی حرکت محسوس نہیں کی جا سکتی تھی۔ یُوں لگتا تھا جیسے وہ فٹ پاتھ پر پھسل کر آگے بڑھتا جا رہا ہو۔

وہ دونوں باتیں کرتے ہُوئے مسلسل آگے بڑھتے رہے۔

آگے فٹ پاتھ ویران ہوتا جا رہا تھا۔ اگرچہ اُدشان عقب میں نہیں دیکھ رہا تھا لیکن وہ تعاقب کرنے والوں کی ایک ایک حرکت سے آگاہ تھا۔

"وہ دونوں اب تیزی سے ہماری طرف بڑھ رہے ہیں۔" اچانک اُدشان نے اُسے بتایا۔ "تم باتوں کی وجہ سے غافل ہوتے جا رہے ہو فرزند... اور غفلت، موت کا دوسرا نام ہے۔ فوری طور پر دفاع کرو۔ ایسا نہ ہو کہ مجھے کوئی نیا شاگرد تلاش کرنا پڑے۔"

ٹائیگر کسی خونخوار درندے کی طرح پلٹ پڑا۔

وہ دونوں واقعی ان کی طرف دوڑے چلے آ رہے تھے۔

ان میں جس شخص کی چال میں خفیف سی لنگڑاہٹ تھی، اس کے دائیں ہاتھ میں ایک کھلا چاقو دبا ہُوا تھا جس کے بلیڈ سے روشنی منعکس ہو کر بڑی ہی خوف ناک محسوس ہو رہی تھی۔ دُوسرے کے ہاتھ میں ایک فٹ لمبی آہنی سلاخ دبی ہُوئی تھی۔

چاقو والا، ہاتھ اُٹھائے شہزاد کی طرف لپکا۔

اس نے ہاتھ یکایک جُھکا لیا اور پھر ٹائیگر کے بائیں جانب وار کیا۔

ٹائیگر تیزی سے گھوم گیا۔ چاقو والا ہاتھ ابھی اپنے ٹارگٹ تک نہیں پہنچا تھا کہ گھومتے گھومتے ٹائیگر نے اپنی بائیں ٹانگ چلائی۔ ٹھوکر چاقو والے کے دراز بازو پر لگی اور اس کے حلق سے کراہ نکل گئی۔

چاقو اس کے ہاتھ سے فوراً ہی نکل گیا۔

اس نے اُدشان کی طرف دیکھا۔ وہ مسکرا رہا تھا۔

سلاخ والے نے سلاخ گھما کر اُدشان کے سر پر ماری چاہی۔ اُدشان نے اپنا بازو آگے بڑھا دیا۔ سلاخ اس کی کلائی سے ٹکرائی۔ نہ تو سلاخ کا کچھ بگڑا اور نہ ہی اُدشان کی کلائی زخمی ہُوئی البتہ مارنے والے کا ہاتھ کلائی کے قریب سے چٹخ گیا۔ ہڈی ٹوٹنے کی آواز صاف سُنائی دی تھی۔

اس کے ہاتھ سے سلاخ گر گئی۔

چاقو والا اس وقت تک سنبھل چکا تھا۔ اس نے اپنا ہاتھ نظر انداز کر دیا جسے ٹائیگر کی ٹھوکر نے توڑ دیا تھا اور جھپٹی ہُوئی

چھال کے سہارے لٹکی ہوئی شاخ کی طرح جھول رہا تھا۔ اس نے ٹائیگر پہ چھلانگ لگا دی۔

ٹائیگر نے دونوں ہاتھ بلند کر دیے۔

اس کی چاروں انگلیاں ایک دوسرے سے پیوست، کسی تیز دھار بھالے کی طرح اٹھی ہوئی تھیں۔ وہ شخص اپنے ہی زور میں، پورے بوجھ کے ساتھ اس کے دونوں کھڑے ہاتھوں پر گرا اور دونوں ہاتھ یوں اس کے پیٹ اور سینے میں اتر گئے جیسے وہ گوشت پوست کی بجائے موم کا بنا ہوا ہو۔

وہ اس کے دونوں ہاتھوں پر ساکت ہو گیا۔

ٹائیگر نے اسے فٹ پاتھ پر پھینک دیا۔

لاش تڑپے بغیر ہی فٹ پاتھ پر ساکت نظر آنے لگی۔

اوشان کا حریف کچھ فاصلے پہ کھڑا اوشان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں دیوانگی کی جھلک تھی۔ اس نے شاید اپنے ہاتھی کا انجام نہیں دیکھا تھا ورنہ وہ فرار ہونے کی کوشش ضرور کرتا۔ اچانک اوشان کی کلائی اس نے پیٹھ کے پیچھے چھپالی اور دوسرے ہاتھ سے اوشان کی گردن پکڑنے کی کوشش کی۔

اس کا ہاتھ اوشان کی گردن کے قریب سے گزر کر آگے بڑھ گیا جبکہ اس کی کلائی کندھے پر ٹک گئی۔ اسی لمحے اوشان نے سر جھکایا۔ اس شخص کی کلائی اوشان کی گردن اور کندھے کے درمیان آئی۔ اپنی کلائی کھنچنے میں اس نے بڑی پھرتی دکھائی تھی لیکن جب اس نے اپنے بازو پر نظر ڈالی تو پریشان ہو گیا۔ ایک لمحے کے لیے تو اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ اس کے بازو کا کچھ حصہ کم ہو گیا ہے۔۔۔ پھر جب معاملہ شعور کے افق میں پہنچا تو اس کی چیخ نکل ہی ولدوز تھی۔ اس کا ہاتھ کلائی سے الگ ہو گیا تھا۔

اس نے اوشان کی پشت پر کوئی چیز فٹ پاتھ پر گرتے دیکھی۔ یہ اس کا وہی ہاتھ تھا جس سے اس نے نہ جانے کتنی انسانی جانیں ضائع کی تھیں۔

وہ دونوں بازوؤں کو اپنی گود میں چھپا کر نیچے بیٹھتا چلا گیا۔

اس سے پہلے کہ ٹائیگر اوشان کو روکتا، وہ بجلی کی سی تیزی سے آگے بڑھا اور اس کی ہتھیلی کا کنارا سامنے بیٹھے حریف کی کھوپڑی سے ٹکرایا اور اس کا سر کیلے تاڑ کی طرح چٹخ گیا۔ وہ حلق سے خفیف سے کراہ تک نکالے بغیر ڈھیر ہو گیا۔

"اسے کچھ دیر زندہ رہنا چاہیے تھا۔" ٹائیگر نے افسوس کا اظہار کیا۔

"جس کی جتنی لکھی ہوتی ہے، وہ اتنا ہی زندہ رہتا ہے۔" اوشان کا فلسفہ اپنی جگہ ہے لیکن اب یہ کیسے معلوم ہو کہ ان دونوں کو ہم سے کیا تکلیف تھی اور یہ ہمیں کیوں زندہ نہیں دیکھنا چاہتے تھے؟"

"انھیں جو بھی تکلیف رہی ہو گی، وہ اب رفع ہو چکی ہے۔" اوشان برا سا منہ بنا کر بولا۔ "اور اگر کچھ پوچھنا ضروری تھا تو تم نے اپنے حریف کو کیوں مار ڈالا تھا؟"

ٹائیگر اپنی کھوپڑی سہلا کر رہ گیا۔

"چلو اب یہاں سے کھسک چلو۔" اوشان بولا۔ "ایسا ہو کہ آس پاس پولیس کی دوڑیاں ہی دوڑیاں نظر آنے لگیں۔"

وہ سنسان سڑک پر تیزی سے آگے بڑھ گئے۔ ٹائیگر الجھن میں پڑ گیا تھا۔ ان دونوں آدمیوں کے لباس سے معلوم ہوتا تھا کہ ان کا تعلق کسی اسپتال سے تھا۔ وہ اس وقت ایک اسپتال ہی سے واپس آ رہے تھے اس لیے ٹائیگر کی الجھن اپنی جگہ بجا تھی۔

انھوں نے مرنے والوں کی تلاشی لی اور فٹ پاتھ پر چلتے ہوئے، ایک بار رونق جگہ نکل آئے۔ یہاں ایک ریسٹورنٹ تھا۔ ٹائیگر نے سوچا کہ اسے ہرام کو اس صورت حال سے آگاہ کر دینا چاہیے۔ اوشان ایک شوکیس میں رکھی ہوئی چیزوں کا نظارا کرنے لگا اور وہ فوجھ میں جا گھسا۔

جلد ہی دوسری طرف سے ہرام کی آواز سنائی دی۔

"یوپانو خاندان کے سلسلے میں کوئی نئی بات، سویٹ؟" اس نے خوش دلی سے پوچھا۔

"کچھ نہیں۔ یوں لگتا ہے، جیسے ان میں سے کسی کو دوسرے سے کوئی پرخاش نہ ہو۔" ہرام نے جواب دیا۔ "اور یہ بھی پتہ نہیں چل سکا کہ ان کی ذہنی حالت میں عجیب عجیب خرابیاں کیوں ہو رہی ہیں؟"

"اوشان کا کہنا ہے کہ یہ کسی زہر کی وجہ سے ہو رہا ہے۔"

"خون میں کوئی خارجی چیز نہیں پائی گئی۔" ہرام غرایا۔ "کسی زہر کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

"لیکن اگر اوشان کا کہنا ہے کہ اسے زہر دیا گیا ہے تو میں میڈیکل رپورٹ سے زیادہ اوشان کی بات مانوں گا۔ یہ زہر ہی ہو گا۔"

"کیا تم کچھ معلوم کرنے میں کامیاب ہوئے؟"

"نہیں۔۔۔ البتہ ابھی کچھ دیر قبل دو آدمیوں نے مجھے اوشان کو ہلاک کرنے کی کوشش کی تھی۔"

"وہ کون لوگ ہیں؟"

"میں نہیں بلکہ وہ۔ وہ انتقال فرما چکے ہیں۔" وہ چہک کر بولا۔ "ان کے پاس کوئی شناختی کارڈ وغیرہ نہیں تھا لیکن۔"

"لیکن کیا۔۔۔؟" ہرام کے لہجے میں بے چینی تھی۔

"ان دونوں نے اسپتال کی یونیفارم پہن رکھی تھی۔ میں سوچ رہا ہوں کہیں میڈیکل سائیڈ تو اس معاملے میں ملوث نہیں۔ اس چیز کو ذہن میں رکھتے ہوئے معلومات حاصل کریں۔"

"ٹھیک ہے۔ میں دیکھوں گا۔"

"غزالہ کی طرف سے کوئی نئی اطلاع ملی؟"

"ابھی نہیں۔" ہرام نے جواب دیا۔

"اس کا خیال رکھا کریں، سویٹ ہارٹ!" ٹائیگر نے ہنس کر کہا لیکن اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ کہتا دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو گیا۔

دنیا کے دولت مند ترین خاندانوں میں سے ایک یوپانو خاندان کا سربراہ ایمرے جدآد اس تھا۔ وہ ابھی ابھی اس اسپتال سے واپس آیا تھا، جہاں اس کا بیٹا ریندی زیر علاج تھا۔ وہ اسے بے ہوشی کی حالت میں دیکھ کر واپس آ رہا تھا۔

اپنی خواب گاہ کی طرف جانے والی سیڑھیاں چڑھتے وقت اس کے قدم بہت ہی آہستہ آہستہ اٹھ رہے تھے۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہیے۔ اسے اپنی زندگی میں ایک عجیب سے خلا کا احساس ہو رہا تھا اور اس خلا میں اس کا دم گھٹتا جا رہا تھا۔

وہ سوچ رہا تھا کہ اپنی بیوی کو یہ سب کچھ کیسے بتائے۔ وہ جن بیٹوں سے شدید محبت کرتا تھا، ان سے بے پناہ نفرت ہو گئی تھی اور وہ انھیں زندگی سے محروم کرنے میں مصروف تھا۔

ابھی وہ اپنی خواب گاہ سے چند قدم دور تھا کہ اسے اندر سے کسی کے ہنسنے کی آواز سنائی دی۔ ایک نسوانی اور ایک مردانہ قہقہہ بلند ہوا تھا۔ دروازے سے اندر قدم رکھنے سے پہلے اس نے ایک بار دستک دی اور پھر کواڑ کھولتا ہوا خواب گاہ میں داخل ہو گیا۔

اس کی جواں سال بیوی گلوریا نائٹ گاؤن پہنے بستر پر بیٹھی تھی اور ایک اسٹول پر اس کا معالج ڈاکٹر ہنیز براجمان تھا۔ ایمرے کو دیکھتے ہی دونوں سنجیدہ ہو گئے۔ ڈاکٹر ہنیز نے جلدی سے رومال اپنے منہ پر رکھ لیا اور کھانسنے لگا۔ اگر بوڑھا ایمرے اس وقت ذہنی طور پر غیر حاضر نہ ہوتا تو وہ صاف محسوس کر لیتا کہ ڈاکٹر اور اس کی بیوی ایک دوسرے سے کس حد تک قریب ہو چکے ہیں۔ ان دونوں کا انداز ایسا ہی تھا جیسے چوری کرتے پکڑے گئے ہوں۔

"تمھاری مریضہ کیسی ہے ڈاکٹر؟" بوڑھے نے خود کو سنبھالتے ہوئے پوچھا۔ اس کا اشارہ اپنی بیوی کی طرف تھا۔

"بہترین، جناب!"

"گڈ۔۔۔" اس نے تعریفی نظروں سے بیوی کی طرف دیکھا۔ "ڈاکٹر کیا تم ہم دونوں کی طرف سے معذرت قبول کر سکتے ہو؟"

"یقیناً جناب! گڈ نائٹ!" ڈاکٹر جلدی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

وہ جیسے ہی دروازے سے نکلا اور کواڑ بند ہوئے ایمرے نے مسکرا کر کہا۔ "بہت اچھا جوان ہے!"

گلوریا نے اپنے بوڑھے شوہر کی طرف دیکھا اور مسکرانے لگی۔ "ہاں۔ بے حد فرض شناس ہے۔ میں اس سے بے حد مطمئن ہوں۔"

ایمرے نے اپنا جیکٹ اتار کر کرسی کی طرف اچھال دیا۔

بستر پر لیٹے وقت اس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی لیکن گلوریا نے صاف محسوس کر لیا کہ وہ کچھ پریشان ہے۔ "کیا بات ہے، ڈیئر؟" وہ پوچھے بغیر نہ رہ سکی۔

"میں بہت خوش ہوں۔" ایمرے نے جانتے بوجھتے موضوع بدل دیا۔ "مجھے تم سے بے پناہ محبت ہے۔۔۔ اور عنقریب تم میرے بچے کو جنم دینے والی ہو۔ خدا کرے، یہ بچہ ایک خوبصورت لڑکا ہو۔" یہ کہتے کہتے بوڑھے ایمرے کی آواز بھرا گئی۔

"تمھیں کوئی پریشانی لاحق ہے، ڈیئر؟"

"ہاں۔۔۔ میں سوچ رہا ہوں کہ اپنے پہلے بیٹوں کے لیے بھی میرے یہی جذبات ہوا کرتے تھے لیکن پھر مجھے ڈاکٹر اسٹون نے بتایا کہ وہ میرے بیٹے نہیں ہیں۔ حالانکہ ان تینوں کو میری بیوی نے ہی جنم دیا تھا۔" اس کی آواز ٹوٹ گئی۔

"ایمرے ڈیئر۔ یہ سب باتیں ہم پہلے بھی کر چکے ہیں۔" گلوریا نے پرسی آواز سے کہا۔ "اب تم اس قصے کو ٹھیں چھیڑ بیٹھے ہو؟ کوئی بھی شخص اپنے ماضی میں کوئی ردوبدل نہیں کر سکتا۔ ایک عورت نے بیوی بن کر تمھیں دھوکے میں رکھا اور پھر تین بیٹوں کو جنم دے کر مر گئی۔ بس۔ اب اسے بھول جاؤ اور درگزر سے کام لو۔"

وہ اپنی جواں سال بیوی کی طرف دیکھنے لگا۔

اس کی بوڑھی آنکھ میں ایک آنسو تیر آیا۔ "کاش میں ایسا کر سکتا۔ کاش۔ میں نے ایسا ہی کیا ہوتا۔" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "لیکن میں ایسا نہیں کر سکا۔ میری انا کو زبردست ٹھیس پہنچی تھی۔ مجھے شدید غصہ آ گیا تھا اور انتقام لینے کے لیے بے چین ہو گیا تھا۔ کیا تم ان تجربات کے بارے میں جانتی ہو جنھیں ڈاکٹر اسٹون

اپنی لیبارٹری میں کر رہی ہے؟"

"نہیں ڈیئر! تم جانتے ہو کہ مجھے سائنس سے کوئی دلچسپی نہیں۔"

"وہ جانوروں پر تجربات کر رہی ہے۔ اس نے ایسی ادویات تیار کی ہیں جن کے استعمال سے انسانی عادات کو بدلا جا سکتا ہے۔ انسان کی طبیعت میں انقلاب لایا جا سکتا ہے۔ اس نے اُنھی ادویات سے میرا بھی علاج کیا ہے۔ میں نے اس سے کہا تھا کہ وہ..." بولتے بولتے وہ جھجک گیا۔ "میں نے اُسے ہدایت کی تھی کہ میرے تینوں بیٹوں پر وہ مخصوص دوا استعمال کرے۔"

گلوریا کی آنکھیں پھیل گئیں۔

وہ شدید حیرت زدہ نظر آ رہی تھی۔

بوڑھے ایمر نے افسوس کے اظہار میں سر ہلایا۔ "لیکن میں درحقیقت ان تینوں کو کوئی جانی نقصان نہیں پہنچانا چاہتا تھا... میں صرف ان کو سبق دینا چاہتا تھا جو کچھ میرے ساتھ ہوا ہے۔ میں اس کا بدلہ لینا چاہتا تھا۔"

"ڈیئر! اس میں ان بے چاروں کا کیا قصور تھا؟ اُن کی ماں نے... میں ہی جو کچھ کیا، اس کی ذمے داری ان تینوں پر تو عاید نہیں ہو سکتی۔"

"یہ بات مجھے بھی معلوم تھی لیکن اس کا احساس بہت دیر بعد ہوا۔ میں اُنھیں دہشت زدہ کرنا چاہتا تھا لیکن بڑے بیٹے لومر کو زائد مقدار میں دوا دے گئی۔ وہ ٹوکیو میں بڑی ہی عجیب موت سے ہمکنار ہوا... اور آج رات ریسندی بھی اسپتال میں پڑا ہے۔ وہ بھی تقریباً مر چکا ہے۔ یہ سراسر میری ہی غلطی ہے۔ میں ابھی ابھی اُسے دیکھ کر آ رہا ہوں۔"

"اوہ! مائی..." گلوریا نے اپنے بوڑھے شوہر کا ہاتھ تھپتھپاتے ہوئے کہا۔ "مجھے یہ سن کر بے حد افسوس ہوا لیکن تمھیں خود کو مجرم نہیں سمجھنا چاہیے۔ اس سے تو کوئی بھی مسئلہ حل نہیں ہوگا۔"

"لیکن بڑا بیٹا لومر تو ہلاک ہو چکا ہے۔"

"یہ درست ہے کہ ٹوکیو میں اس کی موت واقع ہو گئی ہے لیکن اب اس کے لیے کوئی کر بھی کیا سکتا ہے۔ سوائے افسوس کے کیا ہو سکتا ہے۔"

"احساسِ جرم تو کیا جا سکتا ہے نا۔" یہ کہتے ہوئے بوڑھے ایمر کی آنکھیں برس پڑیں اور وہ ہچکیوں سے رونے لگا۔

"بھول جاؤ ڈیئر! اپنے لیے، میرے لیے... اپنے ہونے والے بچے کے لیے۔ یہ تلخ باتیں بھول جاؤ۔" گلوریا بھی سسک پڑی۔ "جو مر گیا... اُسے بھول جاؤ۔ جو زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا ہے، اس پر توجہ دو کہ وہ مرنے نہ پائے۔"

"تھینک یو ڈیئر!" وہ آنسو پونچھ کر بولا۔ "تم کتنی ہمدرد ہو۔ میں ڈاکٹر اسٹون کو فون کر کے کہہ دیتا ہوں کہ دوسرے بیٹے ریسندی کو مرنے نہ دیا جائے۔" یہ کہہ کر اس نے اسپتال فون کر دیا اور پھر ڈاکٹر بیئرز کو طلب کر کے حکم دیا کہ اسپتال میں موجود ریسندی کے علاج میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھی جائے اور اُسے ہر ممکن جتن کر کے بچایا جائے۔

ڈاکٹر بیئرز اُسے اطمینان دلا کر رخصت ہو گیا تو بوڑھے ایمر کے دل کا بوجھ کچھ ہلکا ہو گیا۔ گلوریا نے مسکرا کر اپنے ہیرزال شوہر کی طرف دیکھا۔ "اب سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ تم کپڑے بدل کر لیٹ جاؤ۔ میں ذرا باتھ رُوم جاؤں گی۔"

باتھ رُوم میں گھس کر اس نے پانی کا نل پُرشور آواز میں کھول دیا اور دروازہ اندر سے مقفل کر کے شاک کے قریب لگے ہوئے فون کا ریسیور اُٹھا لیا۔ اس نے کوئی نمبر ڈائل کیا اور دوسری طرف سے آواز سنتے ہی سخت لہجے میں بولی۔ "اسے قتل کر دیا جائے۔"

گلوریا کی حالت اس وقت کسی جنونی عورت جیسی تھی۔

فون پر قتل کا حکم دینے کے بعد اُس کے چہرے پر جو تاثرات تھے، اُنھیں دیکھ کر کون کہہ سکتا تھا کہ یہ وہی عورت ہے جس کی معصومیت اور کشش پر لوہانو خاندان کا سربراہ مسٹر ایمر دل و جان سے فدا ہے؟ وہ قہر و غضب کی دیوی لگ رہی تھی۔ سفاک اور خون کی پیاسی عورت، جس کے سینے میں دل کی جگہ پتھر کا ٹکڑا تھا۔

ریسیور رکھنے کے بعد اُس نے ہاتھ دھوئے اور نل بند کر کے واپس اپنی خواب گاہ میں آ گئی جہاں اس کا بوڑھا شوہر سو رہا تھا۔ اُس نے ہونٹوں پر بڑی ہی دل فریب مسکراہٹ بکھیر لی لیکن دل میں سوچ رہی تھی کہ اب اس دولت مند ترین خاندان کے دو افراد باقی ہیں، جنھیں وہ جلد ہی راستے سے ہٹا دے گی سب سے بڑا بیٹا ٹوکیو میں ایک بلند و بالا عمارت سے گرا سر انداز میں کُود کر ہلاک ہو گیا تھا، دوسرے کی موت کے لیے وہ ابھی ابھی حکم دے کر آئی تھی... اور اب تیسرے بیٹے کی باری تھی۔ ٹونگلو نام کا یہ تیسرا بیٹا اور باقاعدہ خود کُو ڈھا ایمر... اس کے بعد ساری دولت اُسے مل سکتی تھی۔

بوڑھا اپنی جگہ مطمئن تھا کہ اس نے ڈاکٹر بیئرز کو حکم دے

ہے کہ ریسندی کو مرنے سے بچا لیا جائے... یہی وجہ تھی کہ جب اُسے ڈاکٹر کی کال موصول ہوئی کہ مزید طبی امداد ملنے سے پہلے ہی ریسندی مر چکا ہے تو یہ صدمہ بوڑھے باپ کے لیے ناقابلِ برداشت ہو گیا۔

"میں اور ڈاکٹر اسٹون ہر ممکن کوشش کرتے رہے لیکن..." ڈاکٹر بیئرز کی آواز بھرا گئی۔ "ایک لمحے کے لیے تو اس کی حالت سنبھلتی دکھائی دی تھی لیکن دوسرے ہی لمحے وہ دم توڑ گیا۔ مجھے افسوس ہے، جناب کہ..."

"تمھیں کوئی الزام نہیں دیا جا سکتا۔" بوڑھے ایمر نے دل گرفتہ ہو کر کہا۔ "قصور سراسر میرا ہی ہے۔ مجھے فیصلہ کرنے میں دیر ہو گئی تھی۔" اس نے کانپتے ہاتھوں سے ریسیور رکھ دیا۔

اس کا دل بھاری بھاری سا ہو رہا تھا۔ سینے کا بوجھ بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ اس نے گلوریا کی طرف دیکھا۔ صورتِ حال بتانے کے بعد اس نے گلوریا کا ہاتھ تھام لیا اور اس کے آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگے۔

گلوریا اُسے بہلانے کا فن جانتی تھی۔

کچھ ہی دیر میں بوڑھا ایمر خواب آور دوا اور حسین و جمیل گلوریا کی میٹھی میٹھی باتوں کے زیرِ اثر سو گیا تو گلوریا بھی لیٹ گئی... لیکن اس کی آنکھوں میں نیند نہیں تھی۔

وہ ایک ایسی ناگن کی طرح چھت کی طرف گھور رہی تھی جس کی آنکھوں میں بڑی ہی خطرناک ارادوں کی چمک جاگ اُٹھی ہو۔

غزالہ اپنے ہوٹل کے کمرے میں لیٹی ہوئی تھی۔ رات کے دو بج چکے تھے لیکن اس کی آنکھوں میں نیند کا ہلکا سا شائبہ تک نہیں تھا۔ وہ صبح رہی تھی۔ اگرچہ رات اپنا سفر آدھے سے زیادہ طے کر چکی تھی لیکن ہوٹل کے سامنے کی سڑک پر اب بھی ٹریفک کا شور تھا... لیکن غزالہ کی نیند اس شور کی وجہ سے اُچاٹ نہیں ہوئی تھی بلکہ وہ ٹائیگر کے بارے میں سوچ رہی تھی۔

شہزادے اُسے گہری محبت ہو چکی تھی لیکن اس نے ابھی تک ٹائیگر کے سامنے اس کا اظہار نہیں کیا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ ٹائیگر کا دل جیتنے کے لیے اُسے ٹائیگرس ہی بننا پڑے گا... وہ اس سلسلے میں کافی جاگ دوڑ کر رہی تھی، اوشن نے ابھی اُسے باقاعدہ ٹریننگ دینی نہیں شروع کی تھی بس کبھی کبھار وقت ملتا تھا تو اُسے کچھ نہ کچھ سکھا دیتا تھا۔ تاہم اُسے ہرام کی پوری پوری حمایت حاصل تھی... لیکن ٹائیگرس کی تسخیر اُسے اپنے بس کی بات نہیں لگتی تھی۔

کروٹیں بدلتے بدلتے جب وہ بے چین ہو گئی تو اس نے بیڈ لیمپ روشن کیا اور ہرام کا نمبر ڈائل کرنے لگی۔ دوسری طرف سے کوئی ڈائل ٹون سنائی نہیں دی۔ ہرام کے کمرے میں ایک خاص قسم کا فون لگا ہوا تھا۔ اس فون کی گھنٹی نہیں بجتی تھی۔ بس ایک چھوٹا سا سُرخ بلب روشن ہو جاتا تھا۔ ہرام نے اب تک کی زندگی کچھ اس انداز سے گزاری تھی کہ اس ننھے سے بلب کے جلتے ہی اُس کی چھٹی حس اُسے نیند کی گہرائی سے نکال کر بیداری کے عالم میں لے آتی تھی۔

وہ فوراً ہی بیدار ہو گیا۔

"ہرام..." اس کی آواز میں نیند کا بھاری پن نہیں تھا۔

"میں غزالہ ہوں، انکل۔ مجھے افسوس ہے کہ میں آدھی رات گئے آپ کو فون کرنے پر مجبور ہو گئی۔ دراصل مجھے نیند نہیں آ رہی تھی۔"

"میں بھی جاگ رہا تھا۔" ہرام نے جھوٹ بولا لیکن اس کے لہجے سے جھوٹ کی نشاندہی ممکن نہیں تھی۔ وہ فون پر بات کرنے والوں کو پریشان کرنا یا گھبراہٹ میں مبتلا کرنا پسند نہیں کرتا تھا، اور اس کی وجہ یہ تھی کہ اس طرح بات کرنے والا اس کا زیادہ وقت ضائع کرنے میں کامیاب نہیں ہوتا تھا۔ "کیا تم کچھ معلوم کرنے میں کامیاب ہو گئیں؟"

"آپ کو وہ سُراغ رساں تو یاد ہو گا، انکل!" غزالہ نے قدرے فخریہ لہجے میں بتایا۔ "مجھے یقین ہو گیا ہے کہ صدر فیستائی کو جو خط لکھا گیا تھا، وہ اسی نے تحریر کیا تھا۔ وہ گزشتہ دو ہفتوں سے غائب ہے اب میں یقین سے کہہ سکتی ہوں کہ لوہانو خاندان کے خلاف یہ سازش ترتیب دی گئی ہے، اس کا تعلق ایسٹ سائڈ سے ہے۔"

"کوئی خاص مقام؟"

"جی ہاں... لائف وائن لیبارٹریز..." غزالہ نے جواب دیا۔ "اس کے علاوہ، سُراغ رساں زاک کے ساتھ ایک اور شخص بھی تھا۔"

"وہ کون تھا؟" ہرام چونک پڑا۔

"غالباً اسی شخص نے زاک پر صورتِ حال منکشف کی تھی۔"

"تمھیں یہ سب کچھ کیسے معلوم ہوا؟"

"میں تفتیش کرتی ہوئی ایسی جگہ جا پہنچی، جہاں بیٹھ کر زاک نے وہ خط لکھا تھا۔ وہاں کئی پھٹے ہوئے کاغذ تھے جنھیں زاک نے خط لکھنے کے دوران ضائع کرنے کی کوشش کی تھی۔ ان کاغذوں میں اس نے یہ باتیں تحریر کی تھیں اور بعض وجوہ کے تحت اس نے صدر فیستائی کو بھیجنے والے خط سے یہ باتیں حذف کر دیں..."

"تمھارے خیال میں زاک کے ساتھ کیا ہوا ہے؟"

"میں سمجھتی ہوں کہ وہ اپنے انجام کو پہنچ چکا ہے۔"

"ہاں... یہی لگتا ہے!"

"ٹائیگر کہاں تک پہنچا، انکل؟"

"تم نے جو کچھ بتایا ہے، اس سے ٹائیگر کی فراہم کردہ معلومات کی تصدیق ہوتی ہے۔" بہرام نے جواب دیا اور پھر اُسے بتایا کہ کس طرح اُوشان اور ٹائیگر پر قاتلانہ حملہ کیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ بہرام نے لوپانو خاندان کے دوسرے بیٹے ریندی کو پیش آنے والی صورتِ حال بھی بتا دی جن دو آدمیوں نے اُوشان اور ٹائیگر پر حملہ کیا تھا، اُن کے جسم پر پائے جانے والے کپڑوں کا تعلق کسی اسپتال یا دوسرے لفظوں میں لیبارٹری سے تھا۔ ٹائیگر کا خیال ہے کہ اس سلسلے معاملے میں میڈیکل سائنس ملوث ہے۔"

"اوہ... تو ٹائیگر کامیابی کے قریب تر پہنچ چکا ہے۔" وہ ایک طویل سانس لے کر بولی۔ "مجھے اپنی کارکردگی میں اضافہ کرنا پڑے گا۔"

بہرام ہنسنے لگا۔ "سلو غزالہ!" اس نے شفقت سے کہا۔ "اپنے ذہن سے ٹائیگر سے مقابلہ کرنے کا جذبہ اُتار دو اور اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر اپنا ذاتی مقام بنانے کی کوشش کرو۔"

غزالہ روبی ایک ٹھنڈی سانس لے کر رہ گئی۔

"تم کچھ دیر انتظار کرو۔ میں لائف لائن لیبارٹریز کے سلسلے میں معلومات حاصل کرتا ہوں۔" بہرام نے کہا اور ایک لمبے فون کی طرف متوجہ ہو گیا جس کا سلسلہ کمپیوٹر سے ملا ہوا تھا۔ دس منٹ تک وہ اس فون پر بات کرتا رہا اس کی باتوں کے جواب میں میکانکی قسم کی آواز آتی رہی... پھر اُس نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

اس کی آنکھوں میں سوچ کی پرچھائیاں تھیں۔

"ہیلو..." اس نے غزالہ سے کہا۔ "تمہارا اندازہ درست ہے۔ لائف لائن لیبارٹریز اُسی دولت مند ترین خاندان کے سائے سے چل رہی ہے، جس کے خلاف سازش کی گئی ہے۔ اس کے سربراہ دو ڈاکٹرز ہیں۔ ایک عورت اور ایک مرد۔ ڈاکٹر اسٹون ایلینا اور ڈاکٹر بیٹرز... یہ دونوں ہی لوپانو خاندان کے فیملی ڈاکٹر بھی ہیں۔"

"اوہ... لیکن انکل! یہ لوگ لائف لائن لیبارٹریز میں کیا کرتے ہیں؟"

"عادات اور مزاج پر تحقیقی کام ہو رہا ہے۔"

"انسانی عادات اور مزاج؟"

"شاید... ممکن ہے، اس تحقیق میں جانور بھی شامل ہوں۔"

"میں سمجھ گئی۔ ٹائیگر آج کل کہاں مقیم ہے؟"

جواباً بہرام نے اُسے اُس ہوٹل کا پتہ بتایا جہاں اُوشان اور ٹائیگر ان دنوں مقیم تھے۔ "اب تم کیا کرنا چاہتی ہو؟" بہرام نے پوچھا۔

"میں اس لیبارٹری میں گھسنے کا ارادہ کر رہی ہوں، انکل!"

"میں تمہیں اس جگہ تنہا جانے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ بہتر ہو گا کہ تم ٹائیگر سے رابطہ قائم کرو۔"

"لیکن انکل اس کے ساتھ جانے میں سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ وہ راستے میں آنے والی ہر چیز توڑ پھوڑ ڈالتا ہے۔ لیبارٹری میں بھی اگر ایسا ہی ہوا تو میں کچھ بھی معلوم نہیں کر سکوں گی۔"

"میں تمہیں کسی خطرے میں کُودنے کی اجازت نہیں دُوں گا۔" بہرام کا لہجہ اچانک ہی سخت اور حکمانہ ہو گیا۔

"ٹھیک ہے، انکل!" وہ ایک ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔ "میں ٹائیگر سے رابطہ قائم کر لوں گی۔"

"گُڈ... اور مجھ سے بھی رابطہ قائم رکھنا۔" یہ کہہ کر بہرام نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

غزالہ نے ریسیور رکھ دیا اور مُسکرانے لگی۔ وہ جانتی تھی کہ بہرام نے ٹائیگر سے رابطہ قائم کرنے کے لیے کیوں کہا ہے۔ ٹائیگر اور اس کے درمیان لطیف جذبات کا سلسلہ تو شروع ہو گیا تھا۔ لیکن ابھی تک دونوں اپنی اپنی جگہ ٹھٹکے ہوئے تھے۔ ان میں سے کوئی ایک بھی پہل نہیں کرنا چاہتا تھا۔ غزالہ کو اُوشان کی... وہ باتیں یاد آنے لگیں جو اُس نے ایک روز ٹریننگ کے دوران میں اُس سے کہی تھیں۔ اُوشان کی خواہش تھی کہ وہ دونوں شادی کر لیں۔ اس شادی کے نتیجے میں، ٹائیگر جیسی جسامت اور غزالہ جیسی ذہانت کا بچہ پیدا ہونے کا امکان تھا، اُوشان اسی امکان کو حقیقت کا رُوپ دینا چاہتا تھا۔

وہ زیرِ لب مُسکرا دی۔

اُسے یاد آیا کہ اُوشان کی اس بات کا اُس نے کیا جواب دیا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ اگر بچہ غزالہ جیسی جسامت اور شہزاد جیسی ذہانت لے کر پیدا ہوا تو کیا ہو گا؟ اُوشان اس بات پر معنی خیز انداز میں ہنس کر خاموش ہو گیا تھا... لیکن آج غزالہ سوچ کے دوراہے پر کھڑی تھی۔

کبھی تو اس کا جی چاہتا کہ وہ شہزاد کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دے اور اس کی برتری تسلیم کر کے خود کو اس کی بانہوں کی قید میں ڈال دے اور کبھی اس کی ضدی فطرت عود کر آتی اور اپنی ذہانت اور برتری ثابت کرنے پر غور کرنا شروع کر دیتی۔

مغالطے سے بہرام کی باتیں یاد آ گئیں تو اس نے یہ خیالات سے جھٹک دیے۔

بہرام نے اُسے بتایا تھا کہ لائف لائن لیبارٹریز میں عادات اور مزاج پر تحقیقی کام ہو رہا ہے یہ غیر معمولی تحقیقات کا ایک سلسلہ تھا۔ وہ جُوں جُوں اس پر غور کر رہی تھی، اس کی بے چینی میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

... اور پھر وہ بستر سے نکل آئی۔

اس نے تیار ہونے میں چند منٹ ہی لگائے تھے۔ عورتیں کی طرح تیاری میں کئی کئی گھنٹے صرف کرنا اس کی عادت نہیں تھی کیوں کہ وہ ہر حال عام عورتوں سے بے حد مختلف تھی۔ اُس نے اپنا پرس لیا اور کمرے کا دروازہ مقفل کر کے ہوٹل سے باہر آ گئی۔ ان دنوں اُس پر کام کا بھُوت سوار تھا، اسی لیے اُس نے بہرام کے ساتھ رہائش رکھنے کی بجائے ہوٹل میں کمرہ لے لیا تھا۔

باہر آ کر اُس نے ایک ٹیکسی روکی اور عقبی نشست پر بیٹھتے ہُوئے بولی۔ "مُردہ خانے چلو۔"

لیکسی ڈرائیور نے چونک کر عقب میں دیکھا۔

رات کے پونے تین بجے کا عمل تھا۔ اس وقت کسی تنہا جوان لڑکی کا مُردہ خانے جانا غیر معمولی بات تھی۔ "سنو اچھی لڑکی!" وہ ہمدردی سے بولا۔ اس کا لہجہ اچانک ہی مزاحیہ ہو گیا تھا۔ "اگر وہاں خودکشی کرنے جا رہی ہو تو میں تم سے شادی کرنے کے لیے تیار ہُوں۔"

غزالہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیل گئی۔

"شادی کے بعد بھی مُردہ خانے ہی جانا پڑتا ہے اس لیے میں پہلے ہی وہاں چلی جانا چاہتی ہُوں۔" یہ کہتے کہتے اس کا لہجہ سخت ہو گیا۔ "بس اب چل، دو میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔"

ڈرائیور نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

غزالہ نے اس کی آنکھوں میں خوف کی ہلکی سی جھلک محسوس کر لی۔ وہ بار بار عقب نما آئینے میں اس کی طرف دیکھنے لگتا تھا وہ اپنی دل میں اس کی گھبراہٹ پر ہنس پڑی۔ یہ بات آج تک اس کی سمجھ میں نہیں آئی تھی کہ لوگ مُردوں سے کیوں ڈرتے ہیں۔ یہ بے رُوح جسم سے خوف کھانا بڑی ہی عجیب اور ناقابلِ فہم بات تھی... لیکن انسانی فطرت... انسانی مزاج... اور... اچانک اس کا ذہن لائف لائن لیبارٹریز کی طرف بھٹک گیا جہاں انسان کے اسی پہلو پر تحقیقات ہو رہی تھیں۔

ٹیکسی ایک دھچکے سے رُک گئی۔

وہ چونک پڑی۔ منزل مقصود آ گئی تھی۔

اُس نے کرایہ ادا کر کے ٹپ دی اور باقی رقم پرس میں رکھتے کی ڈرائیور مُسکرا کر بولا۔ "کیا آپ یہاں ملازمت کرتی ہیں؟"

"نہیں... بلکہ قیام یہیں ہے۔"

"کک کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ میں ایک مُردہ لڑکی ہُوں۔" غزالہ نے لہجہ پُراسرار اور خوف ناک بنا لیا۔ اور اکثر راتوں کو اِدھر اُدھر گھومتی رہتی ہُوں۔"

ڈرائیور کی ساری زندہ دلی رخصت ہو گئی لیکن غزالہ اس کی گھبراہٹ اور خوف سے لُطف اندوز ہونے کے لیے مزید وہاں رُکنے کی بجائے مُردہ خانے کے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اس وقت ڈیوٹی پر موجود پولیس والوں کی جھلاہٹ بھی برداشت کرنی پڑے گی... لیکن اُسے اطمینان تھا کہ اپنی... شناخت کے لیے اس کے پاس چند ایسے مخصوص کاغذات موجود ہیں جنہیں دیکھنے کے بعد وہ لوگ نہ صرف خوش اخلاق بننے پر مجبور ہو جائیں گے بلکہ ان کی آنکھوں سے نیند بھی اُچاٹ ہو جائے گی۔

ڈیوٹی کانسٹیبل نے اس کے کاغذات کا بڑی باریک بینی سے جائزہ لیا پھر بیزار سی نگاہ اس پر ڈالتے ہوئے پوچھا کہ وہ کس کی لاش دیکھنا چاہتی ہے۔ غزالہ نے گہری نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ اس کی سانسوں میں وہسکی کی بُو رچی ہُوئی تھی۔

کانسٹیبل ایک موٹا سا آدمی تھا جس کے چھوٹے ہُوئے پیٹ میں بیلٹ پیوست لگ رہی تھی۔ غزالہ یہ سوچے بغیر نہ رہ سکی کہ یقیناً یہ شخص کسی اُفسر کا سالا ہے ورنہ اتنے بے ڈھنگے جسم اور خراب نوشی کی عادت کے ساتھ اُسے یہ ملازمت ہرگز نہیں مل سکتی تھی۔

غزالہ نے اپنے پرس سے زاک کی تصویر نکالی۔

"میں اس شخص کی لاش دیکھنے آئی ہُوں۔" اس نے لہجہ نرم ہی رکھا۔

موٹے کانسٹیبل نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر تصویر دیکھی پھر اس کا تربوز جیسا سر دائیں بائیں حرکت کرنے لگا۔ "نہیں..." وہ بولا۔ "میں نے اسے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ یُوں بھی لاشیں تقریباً ایک ہی جیسی ہوتی ہیں۔ اسے یہاں کب لایا گیا تھا؟"

"گزشتہ دو ہفتوں کے دوران، کسی بھی وقت، کسی بھی روز۔"

"اوہ..." موٹا کانسٹیبل بے چین نظر آنے لگا۔

"کیا بات ہے؟"

"کچھ نہیں۔" اس کا انداز رد دینے والا تھا۔ "دو ہفتوں کے دوران تو دو درجن لاشیں آئی ہوں گی۔ سب کی سب دیکھنی پڑیں گی۔ کیا تم لاش کی آمد کا دن، سوچ کر نہیں بتا سکتیں؟"

"مجھے افسوس ہے۔" غزالہ نے مُسکرا کر کہا۔ "جواباً آپ اُنہیں

ایک نظر سے دیکھنا شروع کر دیں؟

کانسٹیبل اسے لے کر سرد خانے کی طرف بڑھ گیا۔

تمام لاشیں فولاد کی دراز میں رکھی گئی تھیں۔ یہ دراز تین لمبے اسٹیل کے بنے ہوئے تھے۔ مُردہ خانے کے اندر بے انتہا ٹھنڈک تھی۔ باہر کے ماحول میں ایک عجیب سی بُو کا رچاؤ تھا۔ فولاد کھول کر جیسے ہی دراز نما جسد باہر کھینچا جاتا تو سب سے پہلے لاش کا سر دکھائی دیتا تھا۔ ہر لاش ایک بے رنگ سفید چادر سے ڈھکی ہوئی تھی۔

کانسٹیبل باری باری فولاد کھولتا گیا اور درازیں کھینچ کھینچ کر اسے لاشیں دکھاتا رہا۔ ہر لاش کے پیروں کی طرف پاؤں کے انگوٹھے سے ایک ایک ٹیگ لٹکا ہوا تھا جس پر لاش کی آمد کی تاریخ اور دیگر کوائف درج تھے۔ ایسا صرف اُن لاشوں پر تھا جنہیں شناخت کیا جا چکا تھا۔ دوسری لاشوں پر ٹیگ خالی تھے۔ بیشتر لاشیں گمنام تھیں اور ان میں سے ہر لاش پر گولی کا نشان نظر آتا تھا۔

چھت پر نظر رو سینٹ لائٹ تھی جس میں ہر شے صاف دکھائی دیتے تھے۔ غزالہ ایک ایک لاش مزے سے دیکھتی جا رہی تھی... اور کانسٹیبل یکے بعد دیگرے فریزر لاکر کھولتا جا رہا تھا۔ ساتویں خانہ کھلا تو لاش دیکھتے ہی غزالہ چونک پڑی۔

یہی اس کی مطلوبہ لاش تھی۔

زاک کی تصویر اس کے ذہن پر نقش تھی اس لیے دو ہفتے قبل کی یہ لاش دیکھنے کے باوجود غزالہ نے اُسے فوراً ہی پہچان لیا۔ اس لاش پر بھی سفید چادر پڑی ہوئی تھی اور اس کے بال گیلے بکھر کر سر پر بکھرے ہوئے تھے جیسے وہ ابھی ابھی نہا کر باتھ روم سے یہاں آکر لیٹ گیا ہو۔

غزالہ نے خود سے اس کے نقش دنگار دیکھے۔ اگرچہ وہ چہرے سے ایک محتاط اور سمجھ دار آدمی لگتا تھا لیکن جس انداز کی موت اُسے نصیب ہوئی تھی اس سے تو یہی پتہ چلتا تھا کہ وہ ایک انتہائی احمق آدمی تھا۔ غزالہ گہری نظروں سے اُسے دیکھتی رہی۔ اس نے اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا لیا تھا۔ کافی دیر بعد وہ محویت کے عالم سے چونک پڑی۔

"بڑی ہی غیر معمولی موت ہے نا؟" اس نے کانسٹیبل کی طرف دیکھ کر کہا۔

"کیا مطلب...؟" موٹا کانسٹیبل بھی چونک پڑا۔

غزالہ نے لاش کی انگلیوں کی طرف اشارہ کیا تو کانسٹیبل کی آنکھوں میں کوئی تاثر نہیں اُبھرا۔ غائباً لاشوں کے درمیان رہ رہ کر وہ خود بھی ایک چلتی پھرتی لاش سی بن کر رہ گیا تھا۔ غزالہ دیکھ رہی تھی کہ زاک کے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں پہروں سے یوں کٹی ہوئی تھیں جیسے انھیں کسی تیز دھار آلے کی مدد سے اُسے اذیت دینے کے لیے کاٹا گیا ہو۔ غائباً اس سے معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ یہ انگلیاں بتا رہی تھیں کہ زاک عقل مند تھا یا نہیں، بہادر وہ ایک دلیر آدمی تھا اور اس میں بے پناہ قوتِ برداشت تھی اگر اس نے بے پناہ اذیت برداشت نہ کی ہوتی تو یقیناً اس کی ساری ہی انگلیوں کی پوریں یوں نہ کٹی ہوتیں، دو چار پوریں کٹوانے کے بعد اس کی باقی انگلیاں محفوظ رہ گئی ہوتیں۔

غزالہ نے زاک کے پاؤں سے بندھے ہوئے ٹیگ پر نگاہ ڈالی۔

اس ٹیگ پر جو کچھ بھی لکھا تھا اُس کے مطابق زاک کی لاش ایک پارک کے تالاب سے ملی تھی اور اس کے ساتھ ایک اور آدمی کی لاش بھی پائی گئی تھی۔ یہ دونوں لاشیں دو ہفتے قبل دیکھی گئی تھیں اور انھیں ناقابلِ شناخت اور لاوارث ... قرار دے کر مُردہ خانے کے فریزر میں محفوظ کر لیا گیا تھا۔

"دوسری لاش کہاں ہے؟" غزالہ نے پوچھا۔

"اسی ٹیگ پر لکھا ہوگا۔" کانسٹیبل نے بیزاری سے کہا اور جھک کر دیکھنے لگا لیکن اس ٹیگ پر دوسری لاش کے سلسلے میں کچھ بھی نہیں لکھا تھا۔ وہ ایک طویل سانس لے کر سیدھا ہوتے ہوئے بولا۔ "جب یہ لوگ اتنی سادہ سی بات کا خیال نہیں رکھتے تو انھیں معلومات کیا خاک حاصل ہوں گی؟"

"بہرحال، دوسری لاش کہاں ہو سکتی ہے؟"

"باقی لاکروں میں سے کسی ایک میں ہوگی۔" کانسٹیبل بولا۔ "کیا تم اس لاش کے دریشن کر کے فارغ ہو چکی ہو؟"

غزالہ کہنی آگئی لیکن اس نے خود پر قابو پاتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔ کانسٹیبل نے رولنگ ٹرے کو فریزر میں دھکیل دیا۔ لاش لاکر میں تیزی سے آگے کی طرف پھسل گئی اور پھر پیروں والا آہنی حصہ فریزر کی دیوار سے ٹکرا کر خوفناک جھنکار پیدا کر گیا۔ دوسری لاش کی تلاش میں کانسٹیبل کے دونوں ہاتھ تیزی سے حرکت کرنے لگے۔ وہ باری باری لاکروں کو کھولتا چلا گیا اور غزالہ تیزی سے پیروں کی طرف لگے ہوئے ٹیگ دیکھتی چلی گئی۔ چوتھی رولنگ ٹرے باہر آئی تو اس کے ٹیگ سے پتہ چلا کہ یہی لاش زاک کی لاش کے ساتھ پارک کے تالاب سے برآمد کی گئی تھی۔

غزالہ لاش پر جھک گئی اور اس کا جائزہ لینے لگی۔

کانسٹیبل لاش سے چادر ہٹا کر ایک طرف کھڑا ہو گیا تھا۔ اس کی دھیمی تیز سانسیں غزالہ کو سنائی دے رہی تھیں لیکن وہ انھیں ذہن سے جھٹک کر لاش کو گھور رہی تھی۔ اس نے چہرہ دیکھنے کے بعد اس شخص کی انگلیوں کا جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ زاک کی طرح اس کی پوریں بھی بڑی صفائی سے کاٹی گئی تھیں۔ اس نے اثبات میں سر ہلایا اور کانسٹیبل کی طرف دیکھ کر بولی "ٹھیک ہے۔ بند کر دو۔"

کانسٹیبل نے رولنگ ٹرے اندر دھکیل دی۔

"بہت بہت شکریہ، تم بڑے مددگار ثابت ہوئے۔"

"کوئی بات نہیں، رات کے اس پہر لاشیں دیکھنا کوئی اچھا مشغلہ نہیں ہے لیکن تمھارے کاغذات بتلاتے ہیں کہ تم محکمہ خفیہ کی کوئی خاص حقیقاتی افسر ہو۔ میں تمھاری ہمت کی داد دیے بغیر نہیں رہ سکتا۔"

"شکریہ! ہمت تو تمھاری ہے جو رات دن ان لاشوں کے ساتھ رہتے ہو۔"

"اسی لیے ہمیں رات کے وقت تھوڑی سی وہسکی پینے کی اجازت ہے۔" کانسٹیبل مسکرایا۔ "ورنہ تم تو جانتی ہی ہو کہ ڈیوٹی پر پینا جرم قابلِ معافی نہیں ہوتا۔"

غزالہ مُردہ خانے سے باہر آگئی۔

کانسٹیبل دروازے تک اس کے ساتھ آیا تھا... پھر وہ دروازہ بند کر کے واپس چلا گیا اور غزالہ سڑک پر اِدھر اُدھر نگاہ دوڑانے لگی۔ مُردہ خانے سے باہر تازہ ہوا میں آکر اُسے بے پناہ سکون محسوس ہو رہا تھا حالانکہ وہاں کی مخصوص بُو ابھی تک اس کے بدن میں رچی ہوئی تھی۔

صبح کے ساڑھے چار بجنے کا وقت تھا۔

اُسے جلد ہی ایک ٹیکسی مل گئی۔ غزالہ نے ڈرائیور کو اس کا نام اور پتہ بتایا جو ہیرام نے اُسے بتایا تھا اور جہاں ٹائیگر اور شان مقیم تھے۔ ہوٹل پہنچ کر اس نے نائٹ کلرک کی طرف دیکھا جو کاؤنٹر پر بیٹھا اُونگھ رہا تھا۔

ٹائیگر کے کمرے کا نمبر بتا کر اس نے معلوم کیا کہ کمرہ کس طرف ہے پھر وہ لفٹ میں سوار ہو کر تیسری منزل کی طرف بڑھ گئی۔

کمرے کے سامنے وہ رُک گئی۔ چند لمحوں تک وہ کچھ سوچتی رہی پھر اُس نے پرس سے ایک کاغذ اور قلم نکالا اور تیزی سے لکھنے لگی۔

وہ سوچ رہی تھی کہ رات کے اس پہر اُدھر شان اور ٹائیگر کی نیند خراب کرنے کی بجائے یہ پیغام چھوڑ دینا ہی بہتر ہوگا۔ پیغام لکھنے کے بعد اس نے جھک کر دروازے کی نچلی درز سے کاغذ اندر سرکا دیا اور واپس لفٹ کی طرف بڑھ گئی۔

اُدھر شان اُسی کمرے کی چٹائی پر گہری نیند سو رہا تھا۔

جیسے ہی کاغذ دروازے کے نیچے سے اندر پہنچا، وہ بیدار ہو گیا۔ حالانکہ کاغذ کی خفیف سی آواز بھی پیدا نہیں ہوئی تھی احتیاط ہی غزالہ نے راہ داری میں چلتے وقت پیروں سے کوئی آواز پیدا کرنے کی کوشش کی تھی۔

شان نے محسوس کیا کہ دروازے کے نیچے سے کوئی چیز اندر آئی ہے۔

وہ بلی کی طرح بے آواز چلتا ہوا دروازے تک پہنچا۔

چند لمحوں تک وہ بے حس و حرکت کھڑا رہا... پھر یہ تاریکی میں اس نے جھک کر قالین سے کاغذ کا وہ ٹکڑا اُٹھا لیا جسے غزالہ اندر ڈال گئی تھی۔ ٹائیگر اس وقت دُوسرے کمرے میں سو رہا تھا۔ شان نے کاغذ پر نگاہ ڈالی۔ لکھنے والے نے ٹائیگر کو مخاطب کیا تھا۔ یہ دیکھ کر کہ خط اس کے نام نہیں، شان نے اُسے مزید پڑھے بغیر مُچڑا مُچڑا کر دوبارہ قالین پر پھینک دیا اور آہستہ آہستہ گھاس کی نمی ہوئی اس چٹائی کی طرف بڑھ گیا جس پر وہ کچھ دیر قبل سو رہا تھا۔

اگلے ہی لمحے وہ دوبارہ گہری لیکن باچہر نیند میں کھو گیا۔

★★

ڈاکٹر اسٹون کی آنکھوں سے نیند غائب تھی۔

اس وقت وہ لائف لائن لیبارٹریز کے اُوپر واقع اپنے اپارٹمنٹ کی خواب گاہ میں لیٹی ہوئی تھی۔ ابھی کچھ دیر قبل اُسے ڈاکٹر بیئرنے فون پر اطلاع دی تھی کہ وہ اور اپنا خاندان کے دوسرے بیٹے ریندی کا معاملہ خوش اسلوبی سے نمٹانے میں کامیاب ہو چکا ہے۔ اس نے یہ کام ریندی کی زبان سے کوئی بات نکلنے سے پہلے ہی مکمل کر دیا۔ تھا اس لیے ڈاکٹر ایلینا اسٹون بے حد مطمئن اور خوش تھی۔

... لیکن اس خوشی اور اطمینان کے باوجود اس کی آنکھیں نیند سے عاری تھیں کیوں کہ اُسے ایک ایسی کال کا انتظار تھا جو ابھی تک نہیں آئی تھی۔ گھڑی کی سُوئیاں چار بجے کا اعلان کر رہی تھیں اور اب ڈاکٹر اسٹون کے ذہن میں پیدا ہونے والے خدشات یقین میں بدلتے جا رہے تھے۔ وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو گئی تھی کہ اس نے جن دو آدمیوں کو اُکسان اور ٹائیگر کے قتل پر مامور کیا تھا، اب ان کی طرف سے اُسے کبھی کوئی کال نہیں کی جائے گی۔ انھیں اب تک کلم

مکمل کرکے نہ صرف واپس آجانا چاہیے تھا بلکہ ان کی طرف سے کال بھی آجانی چاہیے تھی... اور ایسا نہ ہونے کا صاف مطلب تھا کہ مشن کے وہ دونوں ایجنٹ اُن دو آدمیوں کو ٹھکانے لگانے میں کامیاب ہوچکے ہیں۔

"اوشان... شہزاد..." وہ بڑبڑائی۔

یہ دو نام اس کے ذہن پر سوار تھے اور اُنھی کی وجہ سے اس کی نیند آنکھوں سے دُور ہوگئی تھی اُسے یاد آیا تھا کہ جب اس نوجوان شہزاد سے اُس کی نگاہیں چار ہوئی تھیں تو اس کے دل و دماغ کی کیا حالت ہوئی تھی؟ اُسے پہلے کبھی، محض کسی کی آنکھوں سے، اتنی گھبراہٹ کا احساس نہیں ہوا تھا۔ اس کے علاوہ ریندی کو اُنھوں نے جس انداز میں مرنے سے بچا لیا تھا یہ بات کسی طرح بھی اس کی سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔ بلاشبہ بعد میں ڈاکٹر بیٹرز اُسے ہلاک کرنے میں کامیاب ہوگیا تھا لیکن ریندی کو اُسی حالت میں مرنا چاہیے تھا، جو اُس نے ریندی پر طاری کی تھی۔ تمام تر طبی اصولوں کے مطابق ریندی کی موت واقع ہوجانی چاہیے تھی... پھر اُوشان اور شہزاد اُسے بچانے میں کیسے کامیاب ہوگئے تھے؟

یہ باتیں اس کے لیے ایک چیلنج کی حیثیت اختیار کرگئی تھیں۔ اُس کے جسم میں ایک سرد سی لہر دوڑ گئی اور وہ کانپ گئی۔ وہ ایک سفاک عورت تھی اور اسیم باسطی تھی۔ اس کا نام ہی اسٹون نہیں تھا بلکہ اس کے سینے میں بھی دل کی جگہ ایک اسٹون رکھا ہوا تھا... ایک ایسا اسٹون جو تمام انسانی جذبوں سے عاری تھا جس میں رحم کی ایک خفیف سی رمق بھی پیدا نہیں ہوتی تھی۔ اس کے برعکس وہ حسین سراپا اور گوشت پوست والی ایک پُرکشش عورت تھی لیکن اگر اُسے ایک میکانکی عورت کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

سوچتے سوچتے اچانک ہی اس کے اعصاب پر خوف سوار ہوگیا اور زندگی میں پہلی بار نہ صرف دہشت زدہ ہوئی بلکہ وہ یہ سوچنے پر بھی مجبور ہوگئی کہ اُسے اس معاملے سے اب کنارہ کشی اختیار کرلینی چاہیے۔

اس نے یہ خیال فوراً ہی ذہن سے جھٹک دیا۔

وہ اس معاملے سے ہاتھ نہیں کھینچ سکتی تھی کیوں کہ معاملہ کروڑوں ڈالر کا تھا اور ٹیمراف نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ لوپانو خاندان کی یہ ساری دولت اُسی کو دے دی جائے گی۔ اس کے علاوہ ٹیمراف جس مشن پر کام کر رہا تھا، اس میں اُسے ایک اہم حیثیت بھی حاصل ہونے کی توقع تھی۔ ڈاکٹر اسٹون جانتی تھی کہ وہ ایک دلدل میں پھنس گئی ہے اس سے نکلنا مشکل ہے نکلنے کا دُوسرا مطلب بے بسی کی موت تھا اور وہ کسی بھی صورت میں مرنا نہیں چاہتی تھی۔

اس کے ہونٹوں پر ایک سفاک مسکراہٹ آگئی۔

"میرے خوابوں کی تکمیل میں کوئی بھی چیز مزاحم نہیں ہوسکتی۔" اس نے خود کلامی کے انداز میں کہا۔ "میں اپنے خوابوں کو تعبیر سے ہمکنار کیے بغیر نہیں رہوں گی۔"

اس عزم نے اُسے سکون دیا۔

اعصابی کشیدگی کم ہوگئی اور اگلے ہی لمحے اس کی حسین پلکوں نے پُرکشش آنکھوں کو چھپا لیا اور ہلکی نیند کے بوجھ سے بند ہوتی چلی گئیں۔

❁

غزالہ نے گہری نگاہ سے دروازے کا جائزہ لیا۔

لائف لائن لیبارٹری کے عقبی دروازے میں الارم کے تار موجود تھے۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے دروازے کو چھیڑنے کی کوشش نہیں کی۔ کچھ دیر سوچنے کے بعد اُس نے اپنا پرس کھولا۔ اس میں سے ایک تار نکالا۔ اس تار کے دونوں طرف چپک جانے والے کلپ لگے ہوئے تھے۔ چلتے وقت وہ ایک امکانی صورت حال کے خیال سے تیار ساتھ لیتی آئی تھی اصل میں یہی اس کے کام آرہا تھا۔ اس نے خاموش الارم کے تاروں کو اس تار میں اُلجھا کر کلپ دائیں بائیں چپکا دیے۔ اس طرح ان باریک تاروں کی کار کردگی ختم ہوگئی جن سے الارم جاگ کر آس پاس کے لوگوں کو بھی جگانے کا باعث بن سکتا تھا۔ تاروں کی طرف سے مطمئن ہونے کے بعد اُس نے پرس سے تالا کھولنے والا اوزار نکالا اور دروازے کے لاک پر جھک گئی۔

دروازہ کھولنے میں اُسے زیادہ دیر نہیں لگی۔

اس نے تالا کھول کر کواڑ کھولے اور بے آواز قدموں سے لیبارٹری میں داخل ہوکر دروازہ بند کردیا۔ الارم خاموش رہا۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ اُسے ناکارہ کرنے میں کامیاب ہوگئی تھی... لیکن اس کامیابی کا یہ مطلب نہیں تھا کہ وہ بے فکر ہوجاتی۔ اسے محسوس کر رہی تھی کہ اس نے موت کے گھر میں قدم رکھ دیا ہے۔ اب کچھ ہی دیر قبل اس نے ناک اور اس کے ساتھی کی لاشیں اپنی آنکھوں سے دیکھی تھیں اور اندازہ ہوتا تھا کہ معاملہ کس قدر سنگین مجرموں سے تعلق رکھتا ہے۔

وہ دروازہ بند کرکے اس سے پیٹھ لگا کر کھڑی ہوگئی۔

اُسے دیر تک وہیں کھڑے رہنا پڑا۔

جب اس کی آنکھیں تاریکی سے مانوس ہوگئیں تو اس

نے دیکھا کہ سامنے ہی دیواروں کے ساتھ ساتھ اَن گنت پنجرے رکھے ہوئے ہیں اور ان پنجروں میں کوئی نہ کوئی جانور بھی موجود تھا۔ پنجروں میں مختلف اجسام دیکھ کر اُسے جلد ہی اندازہ ہوگیا کہ بیشتر پنجروں میں چوہے بند ہیں۔ سفید اور بھورے چوہے۔ عام طور سے خواتین چوہوں سے خوف زدہ ہوجاتی ہیں لیکن غزالہ ان عورتوں میں سے نہیں تھی۔ اس نے دس سال کی عمر میں ایک ایسے چوہے کو سینڈل کی ایڑی سے مار مار کر ہلاک کردیا تھا جو اُس کے بستر میں گھس آیا تھا۔ وہ جانوروں سے دہشت زدہ ہونے والی لڑکی نہیں تھی کیوں کہ اس کا نظریہ تھا کہ جانور خود انسان سے خوف کھاتے ہیں اس لیے کسی خوف زدہ چیز سے دہشت زدہ ہونا حماقت نہیں تو اور کیا ہے؟

وہ بے حس و حرکت کھڑی انھیں دیکھتی رہی۔

یہ خیال اچانک ہی اس کے ذہن میں آیا تھا کہ یقیناً زاک بھی اس لیبارٹری میں آچکا ہے... اور اُسے یہیں سے پکڑا گیا ہوگا۔ اس کی لاش غزالہ کی نگاہوں میں گھوم گئی اور اُسے اپنے جسم میں سنسنی کی لہر سی دوڑتی محسوس ہونے لگی۔ اچانک اُسے یاد آیا کہ بہرام نے سختی سے منع کیا تھا کہ وہ کوئی ایسا اقدام تنہا نہ کرے۔ اگرچہ وہ نائیجر کے کمرے میں ایک پیغام چھوڑ آئی تھی لیکن اب یہ احساس شدت سے ہو رہا تھا کہ اس نے یہاں تنہا آکر بہت بڑی غلطی کی ہے لیکن اب تو وہ اندر آہی چکی تھی اس لیے پیچھے ہٹنا بھی اس کی فطرت کے خلاف تھا۔

اُسے محسوس ہوا کہ اس کا جسم ٹھنڈے پسینے میں بھیگتا جا رہا ہے۔

❁

ڈاکٹر اسٹون کی آنکھ کھل گئی۔

اگرچہ اُسے سوئے ہوئے پندرہ بیس منٹ ہی ہوئے تھے لیکن ٹھیک ساڑھے چار بجے صبح وہ تحقیقی کام کے لیے لیبارٹری جانے کی عادی تھی اور اسی عادت کے تحت اُس کی آنکھ کھل گئی تھی وہ ایک انگڑائی لے کر اُٹھ گئی۔ اُس نے بلو جینز اور لیدر شرٹ میں اپنا قامت خیز سراپا قید کیا اور لیبارٹری جانے کے لیے تیار ہوگئی۔ وہ گزشتہ کئی دنوں سے چوہوں پر ایک تجربہ کر رہی تھی اور اس کا تجربہ کامیابی سے ہم کنار ہوچکا تھا۔ اس نے چوہوں کو مختلف دھاتوں سے خوف زدہ ہونے کا تجربہ کیا تھا اور نتیجہ یہ ہے اب اُس کی خواہش کے مطابق اُن دھاتوں سے ڈرنے لگے تھے۔ ڈاکٹر ایلینا اسٹون نے تعلیم مکمل کرنے کے بعد اس نظریے پر کام کرنا شروع کردیا تھا کہ اگر کسی کے ذہن میں کسی چیز کے خوف کا عنصر پیدا کردیا جائے تو یہ عنصر اُس کے جسم سے حاصل کرکے کسی دُوسرے جان دار کو انجیکٹ کردینے سے، اُسی چیز سے خوف زدہ ہونے کی عادت پیدا کی جاسکتی ہے۔ اس نے اپنا تحقیقی کام ہمیشہ راز میں رکھا تھا کبھی کوئی آرٹیکل نہیں لکھا اور کبھی اپنی تحقیقات منظرِ عام پر لانے کی کوشش نہیں کی تھی کیوں کہ اس کا نظریہ تھا کہ دوسروں کے مقابلے میں خود جتنی زیادہ معلومات کی حامل ہوگی، اتنا ہی اُسے فائدہ ہوگا اور اس فائدے کے پیشِ نظر دوسروں کو زیادہ لاعلم رکھنا چاہیے۔

وہ تیار ہوکر ننگے پاؤں ہی اپنے اپارٹمنٹ سے نکل کر اُس راہ داری میں چلنے لگی جو لیبارٹری کی طرف جاتی تھی۔ چند ہی لمحوں کے بعد وہ لیبارٹری میں داخل ہو رہی تھی اور اس کے لیے اس نے اندرونی دروازہ استعمال کیا تھا۔

★★

غزالہ نے لائف لائن لیبارٹریز کی عمارت کے سامنے والے حصے سے گزرتے وقت دیکھ لیا تھا کہ گارڈ دفتر میں موجود ہے۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے اندر آنے کے لیے لیبارٹری کا عقبی دروازہ استعمال کیا تھا۔ لیبارٹری سے ملحقہ ایک اور دفتر بھی وہ دیکھ چکی تھی۔ وہ اسی دفتر میں جاگھسی اور پھر اُس نے محدود روشنی کی ٹارچ جلا کر یہ اطمینان کرلینا چاہا کہ دفتر میں ہنگامی استعمال کے لیے کوئی کھڑکی تلاش کرلینی چاہیے۔

کمرے میں کھڑکی موجود تھی۔

اس نے کھڑکی کھولی اور دفتر کا دروازہ مقفل کردیا۔

وہ اُس میز کی طرف متوجہ ہوگئی جس پر ڈاکٹر ایلینا اسٹون کی تختی رکھی ہوئی تھی۔ اس نے میز پر رکھا ہوا لیمپ روشن کردیا۔ اور میز کے عقب میں رکھی ہوئی الماری کی طرف توجہ مرکوز کردی۔

یہ الماری مقفل تھی۔

اس نے تالا کھولنے والا اوزار نکالا اور اُسے چند ہی لمحوں میں کھول لیا۔ بالائی دراز کھولتے وقت اس کے ہونٹ بے آواز سیٹی بجانے کے انداز میں سکڑ گئے۔ اس وقت وہ بے حد مسرور تھی۔ ہر خوف اور ہر خدشہ اس کے ذہن سے محو ہوچکا تھا۔ اس دراز میں لوپانو خاندان کے افراد کی میڈیکل فائلیں تھیں۔ خاندان کے سربراہ ایمبرٹو، بڑے بیٹے لومبرٹو، دوسرے اور تیسرے بیٹے ریندی اور ڈیگی کی فائلیں ترتیب سے رکھی ہوئی تھیں۔

غزالہ نے ٹیبل لیمپ الماری کے قریب کرلیا۔

وہ آرام کرسی پر بیٹھ گئی تاکہ ان فائلوں کا اطمینان سے

معاملہ درکار تھا۔ وہ پڑھنے میں مشغول ہوگئی اور تھوڑی ہی دیر بعد اُسے گرد و پیش کا بھی ہوش نہ رہا۔

ڈاکٹر ایلینا اسٹون نے بڑے سرسری سے انداز میں لیبارٹری کا اندرونی دروازہ کھولا۔ دروازہ بہ مشکل کہہ کے وہ جیسے ہی اندر آئی، دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑی ہوگئی اور اگلے ہی لمحے اس کا پورا جسم جیسے منجمد سا ہو کر رہ گیا۔

ہال کے آخری حصے میں واقع اس کے دفتر کے دروازے کی نچلی درز روشن تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ کوئی اندر موجود ہے۔ دروازہ عقب میں بند کر کے وہ دبے قدموں اپنے دفتر کی طرف بڑھ گئی۔ اس کے پیروں میں دھمکتے نہیں تھے، اس لیے یوں بھی اس کے قدموں سے آہٹ نہیں پیدا ہو رہی تھی اس کے باوجود وہ کسی بلی کی طرح قدم اٹھاتی ہوئی دفتر تک پہنچی تھی۔

دروازے کے بالائی حصے میں شیشے لگے ہوئے تھے وہ ایک شیشے کے کنارے سے اندر جھانکنے لگی۔ اس کے دفتر میں ایک عورت بیٹھی تھی۔ یہ ایک سیاہ فام لیکن حسین و پُرکشش اور جوان عورت تھی وہ اس کی گھومنے والی کرسی پر بیٹھی، فائل کیبنٹ سے فائلیں نکالے بڑے انہماک سے مطالعہ کر رہی تھی۔ کرسی کے عقب میں دفتر کی کھڑکی کھلی تھی۔ ڈاکٹر اسٹون سمجھ گئی کہ اسے عورت نے ہنگامی حالات میں فرار ہونے کے لیے پہلے سے کھول رکھا ہے۔

ڈاکٹر اسٹون حیرت زدہ رہ گئی۔

'یہ عورت کون ہے؟' وہ سوچ میں پڑ گئی۔ 'اسے یہاں کے بارے میں کیسے پتہ چلا؟' اچانک اُسے یاد آیا کہ اب تک یہاں صرف مُراخ رساں زاک ہی آچکا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ یہ عورت زاک ہی کی کوئی رشتے دار ہے۔ گویا زاک یہاں آتے وقت اس عورت کو بتا کر آیا تھا کہ وہ کہاں جا رہا ہے... اور جب وہ واپس نہیں گیا تو یہ اُس کی تلاش میں یہاں آپہنچی ہے۔

اپنے ننگے پیروں سے بے آواز چلتی ہوئی وہ دروازے کے سامنے سے ہٹ گئی اور لیبارٹری کے فرنٹ ڈور کی طرف بڑھنے لگی۔ ہال کی طرف جانے والی راہ داری میں ایک الماری کھول کر اس نے کچھ ٹٹولا اور پھر کوئی چیز اٹھا کر اپنی قمیص کے اندر رکھ لی۔ اب وہ الماری بند کر کے عمارت کے سامنے والے دفتر کی طرف جا رہی تھی، جہاں گارڈ بیٹھتا تھا:

جیسے ہی اس نے کمرے میں قدم رکھا، گارڈ نے وہ فلمی رسالہ جلدی سے میز کے نیچے پھینک دیا۔ جس کا وہ مطالعہ کر رہا تھا۔

"ہیلو ڈاکٹر!" اس نے مسکرا کر کہا۔ "آپ اس وقت یہاں کیا کر رہی ہیں؟"

"یہ تو میں تمہیں بتا رہی ہوں۔" وہ بولی۔ "اور سوچ رہی ہوں۔ میرا مشورہ ہے کہ تم بھی یہی کیا کرو۔"

وہ حیران نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

ڈاکٹر اسٹون نے اُسے اپنا مؤقف سمجھایا تو اُس نے پوری طرح سمجھ میں نہ آنے کے باوجود اثبات میں سر ہلا دیا اور آمادگی ظاہر کر دی جیسا کہ وہ رہی ہے، ویسا ہی کہے گا۔ ڈاکٹر نے بیرونی دروازہ کھولا اور دسمبر کی اس یخ بستہ رات میں ننگے پاؤں ہی باہر نکل گئی۔ گارڈ بھی اس کے پیچھے ہی باہر آگیا۔

وہ دوسری جانب سے عقبی دروازے کی طرف چل دیا۔

ڈاکٹر اسٹون باہر قدم رکھتے ہی اس کی نگاہوں سے اوجھل ہوگئی تھی۔

گارڈ نے عمارت کے عقبی دروازے پر پہنچ کر ہینڈل گھمایا جیسے یہ دیکھنا چاہتا ہو کہ تالا لگا ہوا ہے یا نہیں۔ اس دوران میں وہ گردن سے سیٹی بجاتے ہوئے ایک دُھن بھی بجا رہا تھا۔ اس کے انداز سے یہ ہرگز پتہ نہیں چلتا تھا کہ وہ ڈاکٹر اسٹون کے دفتر میں کسی کی موجودگی سے آگاہ ہے۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ معمول کے مطابق گشت کر رہا ہو۔

... پھر اُس نے باہر لگے ہوئے ایک بٹن کو دبا دیا۔

اس بٹن کے دبتے ہی دروازے کے اندر واقع راہ داری روشن ہوگئی۔

یہ سب کچھ اُس نے ڈاکٹر اسٹون کی ہدایات کے مطابق کیا تھا اور اب اُسے آخری ہدایت پر عمل کرتے ہوئے، خلافِ معمول جلدی چھٹی کر کے اپنے گھر چلے جانا تھا۔ بٹن دبانے... اور راہ داری میں روشنی کرنے کے بعد وہ وہاں سے رخصت ہوگیا۔

غزالہ اس وقت ڈاکٹر اسٹون کی کرسی پر بیٹھی لوہاٹو خاندان کے فائل دیکھ رہی تھی۔ اس کے حساس کانوں نے بیرونی دروازے کا ہینڈل گھومنے کی آواز سُن لی تھی اور پھر جیسے ہی اندرونی راہ داری روشن ہوئی، ڈاکٹر اسٹون کے کمرے میں بھی ہلکا سا اُجالا ہوگیا۔ یہ دیکھتے ہی غزالہ نے بڑی پھرتی سے ٹیبل لیمپ بجھا دیا۔

اس نے جلدی جلدی فائل دوبارہ کیبنٹ میں رکھے اور جانے کے ارادے سے کھڑکی کے سامنے کھڑی ہوگئی... پھر وہ تھوڑا سا جھکی اس کے گھٹنوں میں خم پیدا ہوا۔ اگلے ہی لمحے اس نے اپنا جسم اچھال دیا۔ گھٹنے سیدھے ہوئے تو اس کا جسم یوں اچھلا جیسے ٹانگوں نے

قوت فراہم کرنے کا کام انجام دیا ہو۔

غزالہ کا جسم فرش سے بلند ہو کر کھڑکی میں پہنچا لیکن اس سے پہلے کہ وہ باہر زمین پر پہنچنے میں کامیاب ہوتی، ایک طرف آڑ سے چالاک ہی ڈاکٹر اسٹون نکل کر اس کے سامنے آگئی۔

ڈاکٹر ایلینا اسٹون کے ہاتھ میں ایک اسپرے دبا ہوا تھا اس نے اسپرے اُٹھایا اور اگلے ہی ساعت پُرتحیر نکلی اور غزالہ کے چہرے پر پڑی... پھر وہ یوں اُلٹ کر واپس دفتر کے فرش پر گر گئی جیسے کسی نے باہر سے گھونسہ مار کر اُسے اندر پھینکا ہو۔

اسپرے سے نکلنے والی پھوار اُس کے چہرے پر جہاں جہاں پڑی تھی، وہاں گدگدی جیسا احساس ہو رہا تھا لیکن آنکھوں میں یوں لگ رہا تھا جیسے کسی نے مرچیں چھڑک دی ہوں۔ اُسے اپنی آنکھیں شدت سے جلتی محسوس ہو رہی تھیں۔

یہ ایک ایسا جھٹکا تھا جس نے غزالہ کی سانسیں بے ترتیب کر دی تھیں اور اب اُسے یوں لگ رہا تھا جیسے اس کا دم گھٹ رہا ہو۔ اس کے پھیپھڑے ہوا سے خالی ہوتے جا رہے ہوں۔ اس کے بعد ہی غزالہ کو کچھ محسوس ہونا جیسے اُس کا جسم مفلوج ہوتا جا رہا ہو اور وہ ہر احساس سے عاری ہوتی جا رہی ہو۔ اس کی انگلیاں تک بے جان ہو کر اکڑتی جا رہی تھیں۔ وہ اب کسی چیز پر گرفت کرنے کے قابل نہیں رہ گئی تھیں۔

دفتر کے فرش پر گرنے کے چند ہی لمحے بعد وہ گرد و پیش سے بے خبر ہوگئی۔

ڈاکٹر اسٹون کھڑکی کے باہر خاموش کھڑی تھی۔

اس کی آنکھوں میں فتح مندی کے تاثر کے ساتھ کچھ اور بھی نظر آرہی تھی۔ جیسے اُسے یقین ہوگیا کہ فرار ہونے..... والی سیاہ فام عورت بے بس ہو چکی ہے تو وہ آہستہ آہستہ کھڑکی کے قریب آگئی۔ اس وقت بھی وہ برہنہ پا تھی۔ کھڑکی کے باہر پڑی نوکیلی لکڑیوں سے بچتی ہوئی، کھڑکی سے وہ دفتر میں داخل ہوئی اور پھر اس نے کھڑکی کے پٹ بھیڑ دیے۔ وہ اپنے دفتر کے اندرونی دروازے پر پہنچی اور اسے کھول کر روشن راہ داری میں نکل آئی پھر اس نے اطمینان کر لیا کہ گارڈ اس کی ہدایت کے مطابق چھٹی کر کے اپنے گھر جا چکا ہے۔ ہر طرف سے مطمئن ہو کر وہ واپس اپنے دفتر میں آگئی اور پھر آہستہ آہستہ کھڑکی کے قریب بے ہوش پڑے جسم کی طرف دیکھنے لگی وہ دیکھنا چاہتی تھی کہ اس نے کیے رنگے ہاتھوں پکڑا ہے

★ ★

ٹائیگر سو کر اُٹھا تو سورج طلوع ہو چکا تھا۔

وہ دوسرے کمرے میں آیا تو اُدشان گھاس کی بنی ہوئی چٹائی پر بیٹھا چھت کی طرف گھور رہا تھا۔ وہ اس وقت کنول کے آسن میں تھا۔ کیا بات ہے، ٹبل فادر۔ آپ سوئے نہیں، کوئی خوفناک خواب تو نہیں دیکھا؟ ٹائیگر نے دریافت کیا۔

"کسی کی بات کا جواب دینا ایک اخلاقی تقاضا ہے۔" اُدشان بڑبڑایا۔

"میں ٹھیک سے سو نہیں سکا۔" اُدشان بڑبڑایا۔

ٹائیگر دل ہی دل میں مسکرانے لگا۔ اُدشان اخلاق و آداب کا بہت خیال رکھنے والا آدمی تھا اور اس نے اُدشان کی اسی دُکھتی رگ پر ہاتھ رکھا تھا، ورنہ اس وقت وہ جتنے خراب موڈ میں تھا، اُسے بولنے پر مجبور کرنا بے حد مشکل کام تھا... لیکن ٹائیگر کو حیرت تھی کہ اُدشان ٹیٹھ سے سو کیوں نہیں سکا؟ وہ ایک رُوحانی پیکر تھا۔ اس کی زندگی کا ایک ایک لمحہ غرض گزارتا تھا... ایسے شخص کی بے خوابی بلاوجہ تو نہیں ہو سکتی۔

"مجھے افسوس ہے، ٹبل فادر۔" بشہزاد نے ہمدردی سے کہا۔

"ہونا بھی چاہیے۔" اُدشان غصے سے بولا۔

"وہ اب بوڑھی ہو چکی ہوگی۔" ٹائیگر بڑبڑایا۔ "اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کا انتقال ہی ہوگیا ہو۔"

"ظاہر ہے، آپ نے جسے خواب میں دیکھا ہوگا، وہ آپ کی جوانی کے دور کی کوئی لڑکی ہوگی۔ کہیں آپ نے اُسے پوتوں اور پوتیوں کے منہ میں تو نہیں دیکھ لیا؟"

"عورتوں کا خیال چھوڑو۔" اُدشان کا لہجہ بدل گیا۔ "یہ خیال زیادہ عرصے تک ذہن میں رہے تو عقل کو چرنا شروع کر دیتا ہے آدمی کی عقل ختم ہو جاتی ہے اور پھر کھوپڑی میں عورت ہی عورت باقی رہ جاتی ہے۔"

"اور اس کے بعد وہ خوابوں میں آکر بے عزابی پیدا کرنے لگتی ہے۔" ٹائیگر نے لقمہ دیا۔

"میں کہتا ہوں، کیا تمہارے بتانے والے دن کے وقت تمہیں کوئی پیغام نہیں دے سکتے؟ جو راتوں کو پرچے بازی کر کے دوسروں کی نیند خراب کرتے ہیں۔" اس بار اُدشان کا لہجہ چھاڑ کھانے والا تھا۔

"میرے نام پیغام؟" ٹائیگر چونک پڑا۔ "کون آیا تھا؟"

"معلوم نہیں۔ اس نے کاغذ کا ایک ٹکڑا دروازے کے نیچے سے اندر کھسکا دیا تھا اور پھر رخصت ہوگیا تھا۔"

"کہاں ہے، وہ کاغذ؟" ٹائیگر سنجیدہ ہوگیا وہ ایک بجے رات کے بعد سویا تھا۔ ظاہر ہے، جو کوئی بھی آیا ہوگا، نصف شب کے بعد ہی آیا ہوگا۔ اس نے کاغذ کی تلاش میں اِدھر اُدھر نگاہ دوڑائی

تو بیرونی دروازے کے سامنے۔۔۔۔ اُسے ایک مُڑا تُڑا پرچہ نظر آگیا۔

وہ آندھی کے تیز جھونکے کی طرح اُس پرچے تک جا پہنچا۔ پرچے کی شکنیں دُور کرکے اس نے نگاہ ڈالی تو اس کی گرفت کاغذ پر بڑھ گئی۔ اس کے جبڑے بھنچ گئے اور اس کی آنکھوں سے فکرمندی جھلکنے لگی۔ اُس نے اُوشان کی طرف دیکھا جواب بھی کنول کے اُس میں بیٹھا چھت گھور رہا تھا۔۔۔ پھر ٹائیگر کی نگاہ دوبارہ اس پرچے پر جم گئی۔

یہ غزالہ کی طرف سے پیغام تھا اس نے لکھا تھا۔

مسٹر طاقت ور!

تمہیں جس کی تلاش ہے، اُس جگہ کا نام لائف لائن لیبارٹریز ہے۔ ایسٹ۔۔۔ اکیاسی۔ اسٹریٹ۔۔۔۔ غزالہ۔"

"اُوشان! یہ پرچہ کب اندر پھینکا گیا تھا؟" اس نے بے چینی سے پوچھا۔

"شاید دو تین گھنٹے قبل۔"

"کیا آپ نے اسے پڑھا تھا؟"

"صرف یہ دیکھا تھا کہ پیغام میرے نام تو نہیں ہے۔"

"اوہ! جانتے ہیں، یہ کس کا غلط ہے۔"

"غزالہ۔۔۔" اُوشان نے مسکرا کر کہا۔

"وہ یقیناً کسی خطرے میں گھر گئی ہے۔"

"ظاہر ہے۔ اتنی رات گئے اظہارِ محبت کرنے والی لڑکیاں خطرات ہی میں گھرتی ہیں۔" اُوشان کا لہجہ فلسفیانہ تھا۔

"یہ محبت نامہ نہیں ہے۔" خبردار غزالہ نے وہ لائف لائن لیبارٹریز میں گئی ہے۔"

"وہ ایک سمجھ دار لڑکی ہے۔" اُوشان نے مسکرا کر کہا۔۔۔ وہ ٹائیگر کی بوکھلاہٹ اور بے چینی سے لُطف اندوز ہو رہا تھا۔ "وہ کسی مصیبت میں نہیں گھر سکتی۔ اُسے اپنی حفاظت۔۔۔ کا فن آتا ہے۔ اگر تم میری بات مان کر اُس سے شادی کر لو تو۔۔۔۔"

"اگر وہ بچ گئی تو یقیناً کر لوں گا۔" ٹائیگر نے فکرمندی سے کہا اور جلدی جلدی بہرام کا نمبر ڈائل کرنے لگا۔

"بہرام۔۔۔" فوراً ہی دوسری طرف سے آواز سنائی دی۔

"غزالہ کے بارے میں کچھ معلوم ہے چیف؟"

"وہ لائف لائن لیبارٹریز گئی ہوگی۔" بہرام نے جواب دیا۔

لیکن میں نے اُسے تاکید کر دی تھی کہ تنہا نہ جائے بلکہ تمہیں ساتھ لے جائے۔"

"اوہ۔۔۔ ٹھیک ہے۔" ٹائیگر نے جلدی سے سلسلہ منقطع کر دیا۔ اس کی پیشانی پر گہری سلوٹیں نمودار ہو گئیں۔

★★

غزالہ کا ذہن تیزی سے ہوش کی حالت کی طرف بڑھ رہا تھا۔ سب سے پہلا احساس اُسے یہ ہوا کہ اس کی گردن میں بے پناہ تکلیف ہے جیسے جیسے اس کا ذہن عالمِ ہوش کی طرف سفر کر رہا تھا، ویسے ویسے گردن کی اس تکلیف کی وضاحت ہوتی جا رہی تھی۔ اس تکلیف کی وجہ بہرام کے لیے کام کرنا تھا، یہ تکلیف شہزاد سے وابستگی کے باعث تھی، حکومت کے لیے کام کرنا بھی اس تکلیف کی ایک وجہ تھی۔ یہ خیالات خود بخود ہی اس کے ذہن میں پیدا ہو رہے تھے۔ لاشعوری طور پر وہ یہ سب باتیں سوچ رہی تھی اور اس کا ذہن ہوش سے ہم کنار ہوتا جا رہا تھا۔ بہرام۔۔۔ اُوشان۔۔۔ شہزاد۔۔۔ حکومت۔۔۔ ان سب کی وجہ سے اس کی گردن میں تکلیف پیدا ہوئی تھی اور اس تکلیف میں ہر گزرتے ہوئے لمحے کے ساتھ اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔۔۔ اور پھر اُس کی آنکھیں کھل گئیں۔

اُس کی گردن میں جس تکلیف کا احساس تھا، وہ اب حقیقت اختیار کر گئی تھی۔ یہ ویسا ہی جلتا ہوا احساس تھا جیسا کہ بچھو کے کاٹنے سے گردن میں پیدا ہو سکتا ہے۔ اُس نے اپنا دایاں ہاتھ اُٹھا کر گردن کے دُکھتے ہوئے حصّے کو چھونا چاہا لیکن وہ اس مقصد میں کامیاب نہ ہو سکی۔

اُس نے گردن جُھکا کر دیکھا۔

ہاتھ ایک اسٹریپ سے بندھا ہوا تھا۔

غزالہ نے گردن گھما کر دُوسرے بازو کی طرف دیکھا۔ یہ ہاتھ بھی بندھا ہوا تھا۔ تب اُس نے جائزہ لیا تو پتہ چلا کہ وہ ساری کی ساری بندھی ہوئی ہے وہ ایک ایسی چارپائی پر دراز تھی جو عموماً اسپتالوں میں، مریضوں کو فراہم کی جاتی ہیں۔ پٹیوں نے اُسے اس بُری طرح جکڑ رکھا تھا کہ وہ جسم کو خفیف سی حرکت بھی نہیں دے سکتی تھی۔

اچانک اُسے سب کچھ یاد آگیا۔

کوئی چیز پھوار کی طرح اُس کے چہرے پر پھینکی گئی تھی۔ یہ سب کچھ اس وقت ہوا تھا جب وہ ڈاکٹر اسٹون کے دفتر کی کھڑکی سے فرار ہو رہی تھی۔ اس نے جہاں تک گردن اجازت دیتی تھی، گھوم کر کمرے کا جائزہ لیا۔ اچانک اُس کی نگاہ کمرے

کے کونے میں، فون کے قریب کھڑی ایک عورت پر پڑی۔

عورت فون پر کسی سے بات کر رہی تھی۔

غزالہ اُس کی آواز نہ سُن سکی۔ عورت، ڈاکٹر اسٹون ہی تھی۔ اس نے گفتگو کر کے ریسیور رکھ دیا اور پلٹ کر اُس کی طرف دیکھنے لگی۔ نگاہیں چار ہوتے ہی ڈاکٹر ایلینا اسٹون کے ہونٹ مسکراہٹ سے پھیل گئے۔ بڑی ہی کشادہ قسم کی مسکراہٹ تھی۔

وہ آہستہ آہستہ اُس کی طرف بڑھنے لگی۔

کمرے میں تیز روشنی پھیلی ہوئی تھی۔

چھت سے، فلورسینٹ ٹیوب کی تیز روشنی میں، کمرے کا ذرّہ ذرّہ روشن تھا۔ غزالہ کو یاد آیا کہ وہ ایسی ہی روشنی حال ہی میں کسی جگہ دیکھ چکی ہے۔ کہاں؟ اس نے خود سے سوال کیا۔ جواب اُس کے ذہن میں پیدا ہوا تو وہ سر سے پاؤں تک کانپ گئی۔ ایسی روشنی اس نے مردہ خانے میں دیکھی تھی۔ اُسی مُردہ خانے میں جہاں وہ ناک اور گومر کی لاشیں دیکھنے گئی تھی۔

"کیا محسوس کر رہی ہو، غزالہ؟" ڈاکٹر اسٹون نے دریافت کیا۔

"تم میرا نام کیسے جانتی ہو؟" وہ چونک پڑی۔

"میں، تمہارے بارے میں کافی جانتی ہوں۔" ڈاکٹر اسٹون نے فخریہ لہجے میں بولی۔

"تمہارا نام، تم کس کے لیے کام کرتی ہو، اور کیا کام کرتی ہو۔ اس کے علاوہ مجھے ان دو آدمیوں کے بارے میں بھی بہت کچھ معلوم ہو گیا ہے، جن کی وجہ سے میں بے حد پریشان تھی، شہزاد۔۔۔ اور۔۔۔ اُوشان۔ مجھے ان کی اصلیت بھی معلوم ہو چکی ہے۔ اس کے علاوہ میں یہ بھی پتہ چلا چکی ہوں کہ دُنیا کے دولت مند ترین خاندان لہراٹو کے سلسلے میں تمہارے کیا تعلقات ہیں اور مسٹر ناک کے سلسلے میں تمہارا کیا نظریہ ہے۔ میں بہت کچھ جانتی ہوں، غزالہ۔۔۔ اس لیے صرف اپنے نام پر ہی اتنا زیادہ نہ چونکو۔ کیوں کہ اس طرح چونک چونک کر تم اپنا اور میرا بے حد قیمتی وقت ضائع کر دو گی۔"

"ہوں۔۔۔ تو تم نے مجھے کوئی دوا استعمال کرائی ہے۔" غزالہ نے شدت سے دھڑکتے دل پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ "یہ وہ دوا جس کے زیرِ اثر میں نے نہ جانے کیا کچھ بک دیا ہوگا۔"

"ہاں ڈیئر! میں نے ایک ایسی دوا استعمال کرائی ہے اب تم صرف ایک بات بتا دو۔" ڈاکٹر اسٹون نے مسکرا کر کہا۔

"کیا یہ بات تم دوا کے زیرِ اثر معلوم نہیں کر سکیں؟"

"نہیں۔۔۔ مجھے افسوس ہے۔" ڈاکٹر اسٹون کے لہجے میں ندامت تھی۔

"تم کیا پوچھنا چاہتی ہو؟"

"یہی کہ اب تم کس انداز میں مرنا پسند کرو گی؟"

"اوّل تو میں مرنا نہیں چاہتی۔" غزالہ نے پُرعزم لہجے میں کہا۔

"دوسرے اگر مجھے مرنا ہی ہے تو بڑی پُرسکون موت چاہتی ہوں۔"

"میں، تمہاری یہ دونوں باتیں رد کرتی ہوں۔" ڈاکٹر اسٹون کی پُرسکون مسکراہٹ کے پیچھے میں بڑی ہی سفاکی پوشیدہ تھی۔ "بہتر ہوگا کہ ہم، تمہاری موت کے سلسلے میں، کسی نتیجے پر پہنچ جائیں۔"

"کچھ دیر صبر سے کام لو۔ مجھے مرنے کی جلدی نہیں ہے۔"

اس دوران میں غزالہ کی آنکھیں کمرے کی ایک ایک چیز کا جائزہ لیتی رہی تھیں۔ اس کمرے کی دیواروں کے ساتھ ساتھ بھی پنجروں میں کئی قسم کے چوہے، خرگوش اور بندر موجود تھے۔۔۔ لیکن ان میں سے کوئی بھی اپنی حیوانی جبلت کے تحت اُچھل کُود نہیں کر رہا تھا۔ اُنھیں دیکھ کر یہ احساس ہوتا تھا، جیسے وہ زندہ جانور نہیں بلکہ جانوروں کے مجسّمے ہوں۔ صرف ان کی چمک دار آنکھیں یا کبھی کبھار پلکیں جھپکانے کا عمل یہ ظاہر کرتا تھا کہ وہ مجسّمے زندگی سے محروم نہیں ہیں۔

اچانک غزالہ کی نگاہ میز پر جم گئی۔

لیبارٹری ٹیبل پر ایک تیز دھار چاقو کُھلا رکھا تھا۔

اس چاقو کی لمبائی، کسی بڑے خنجر کے برابر تھی۔ اسکی دستہ مضبوط تھا اور اس کا بلیڈ تیز روشنی میں چمک رہا تھا۔ غزالہ نے دیکھا کہ چاقو کی نوک پر سُرخ نشان ہے۔ یوں لگتا تھا جیسے کچھ دیر قبل کسی کے جسم میں گھونپا گیا تھا اور نکالتے وقت اتنی دیر کی گئی تھی کہ اس پر خون باقی رہ گیا تھا۔

"کاش! کسی طرح اس چاقو تک میرا ہاتھ پہنچ جائے۔"

اس نے سوچا لیکن یہ محض ایک سطحی اور تمنا ہی ہو سکتی تھی۔ اس کی تکمیل کا کوئی پہلو عقل بلکہ ناممکن نظر آتا تھا۔ وہ بندھی ہوئی تھی۔ اس کے ہاتھ کلائیوں سے اُوپر تک پٹیوں میں جکڑے ہوئے تھے۔ کلائیوں سے نیچے البتہ وہ آزاد تھے اور انھیں حرکت دی جا سکتی تھی۔

"تم میرے بارے میں، خود میری ہی زبانی سب کچھ اُگلوا چکی ہو۔" وہ ڈاکٹر اسٹون کی طرف متوجہ ہو کر بولی۔ "میں تمہاری طبّی میدان میں قابلیت کی قائل ہو گئی ہوں لیکن مجھے حیرت ہے کہ یہاں کیا ہو رہا ہے؟"

"وجہ کچھ بھی ہو رہا ہے، وہ کچھ زیادہ حیران کُن بھی نہیں ہے۔"

ڈاکٹر اسٹون بولی: "کچھ لوگ ایسا کرنے پر قادر ہو جاتے ہیں۔"

"تم نے انسانی رویے اور اعصاب پر جو تحقیق کی ہے وہ بے حد گراں قدر ہے۔ اور میں دیکھ رہی ہوں کہ تم اس تحقیق میں بہت آگے پہنچ چکی ہو۔"

ڈاکٹر اسٹون کی بھویں کمان ہو گئیں۔

"یہ سب کچھ لوپانو خاندان کے افراد کی فائلوں میں نہیں لکھا... پھر تمہیں کیسے معلوم ہو گیا؟" اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

"یہ میرا اپنا نظریہ ہے جو میں نے اخذ کیا ہے تم ان جانوروں کے رویے پر تحقیق کرتی ہو۔ انہیں ان کی جبلت اور فطرت کے خلاف بعض قسم کے خوف اور ڈر میں مبتلا کرتی ہو اور جب ان کا ذہن وہ دہشت قبول کر لیتا ہے تو تم، اس تاثر کو باقاعدہ مادی صورت میں حاصل کر لیتی ہو... پھر یہ سیال تاثر تم کسی بھی دوسرے جاندار کے جسم میں داخل کر کے، اسے اسی دہشت میں مبتلا کرنے پر قادر ہو جاتی ہو۔"

ڈاکٹر اسٹون کی آنکھوں میں چمک پیدا ہو گئی۔

"تم ایک ذہین لڑکی ہو۔" وہ تعریفی لہجے میں بولی۔ "لیکن مائی ڈیئر! مجھے افسوس ہے کہ تمہاری زندگی کے لمحے گنے جا چکے ہیں۔ تمہاری ذہانت مجھے متاثر کر رہی ہے لیکن میں اس تاثر کے تحت تمہیں زندہ چھوڑنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتی۔ تم میری موت کا پیغام ہو، اس لیے میں تمہاری موت کی خواہش مند ہوں۔ ہم دونوں میں سے ایک کو مرنا ہے... تو پھر کیوں نہ تم ہی مرو... میں بہرحال تم سے زیادہ ذہین ہوں۔"

"بلاشبہ تم مجھ سے زیادہ ذہین ہو۔ تمہیں غیر معمولی ذہین کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔" غزالہ نے اس میز کی طرف دیکھا جس پر وہ لمبا شیشہ رکھا تھا جو اس نے یہ غیر معمولی ذہانت منفی انداز میں استعمال کی ہے اور یہی تمہارا جرم ہے۔ اے مثبت انداز میں استعمال کر کے تم کو نیا میں نام پیدا کر سکتی تھیں۔"

"نام تو میں اب بھی پیدا کر رہی ہوں۔ منفی انداز ہمیشہ مثبت انداز سے زیادہ فائدے مند ہوتا ہے۔ تم تصور بھی نہیں کر سکتیں کہ مجھے کیا فائدہ حاصل ہونے والا ہے۔"

"لوپانو خاندان تمہیں کتنی دولت دے سکتا ہے؟"

"ساری کی ساری..."

غزالہ کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ "گویا یہ سچ ہے کہ تم نے لوپانو خاندان کے دو افراد کو غیر معمولی موت کا شکار بنایا ہے۔ مسٹر لومو نے ٹریکر میں جو ردِ عمل ظاہر کیا، وہ تمہارے ہی تباہ کار ہاتھوں کا کارنامہ ہے۔ اس کے علاوہ مسٹر ریندی کا ردِ عمل تمہارا ہی کیا دھرا ہے۔"

"مجھے افسوس ہے، مائی ڈیئر۔ تم ٹھیک کہہ رہی ہو... اور یہی سچائی تمہاری موت کا باعث بن رہی ہے۔" ڈاکٹر اسٹون حال سے لطف لیتے ہوئے بولی۔

"لیکن لوپانو خاندان کے افراد..."

"ہم انہیں باری باری ختم کر دیں گے ان سب کو مرنا ہے۔ میرا خیال ہے تمہارے سوالات ختم ہو گئے ہیں۔ ... اب ہمیں سنجیدگی سے اس طرف توجہ دینی چاہیے کہ تمہارے ساتھ کیا ہونا چاہیے۔ تم دیکھ چکی ہو کہ میں انفرادیت پسند ہوں۔ اس میں کسی الوکے انداز میں تمہاری موت چاہتی ہوں۔"

"فرض کرو کہ تم لوپانو خاندان کے تمام بڑوں کو ہلاک کرنے میں کامیاب ہو جاتی ہو۔" غزالہ نے اس کی باتیں نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ "ایسی صورت میں تمام دولت پھر بھی تمہیں نہیں مل سکتی۔ خاندان کے وارث اس دولت کا دعوا کر دیں گے۔"

"ہم بھی یہی چاہتے ہیں۔" ڈاکٹر اسٹون ہنس کر بولی۔ "ہم یہ ساری کوششیں اس وارث کے لیے ہی کی جا رہی ہیں۔"

"وہ کون ہے؟" غزالہ نے سرگوشی میں پوچھا۔

"اس کی پیدائش میں ابھی کچھ وقت باقی ہے۔"

اس سے پہلے کہ غزالہ اس موضوع پر کوئی اور سوال کرتی، اچانک فون کی گھنٹی گنگنانے لگی۔ وہ چونک پڑی۔ چند لمحوں تک وہ غزالہ کو گھورتی رہی... پھر اس نے پلٹ کر فون کی طرف دیکھا۔ گھنٹی اب بھی بج رہی تھی۔

ڈاکٹر اسٹون ہنوا کے تیز جھونکے کی طرح فون کی طرف بڑھی اور اس نے ریسیور اٹھا لیا۔ چند لمحوں تک وہ دوسری طرف سے بولنے والے کی آواز سنتی رہی پھر اس نے صرف ایک جملہ کہا: "ٹھیک ہے! میں ابھی آتی ہوں۔"

اس نے ریسیور رکھ دیا۔

"تمہارے دوست بھی پہنچ چکے ہیں۔" وہ خوش دلی سے بولی۔ "مسٹر اوشان اور مسٹر شہزاد... میرا خیال ہے سب سے پہلے میں ان سے ملاقات کروں، اس کے بعد تمہارا کام تمام کروں گی۔"

"میں اپنا کام تمام ہونے کا انتظار کروں گی۔" غزالہ کا لہجہ بھی خوش گوار تھا۔ "میں انتظار کے معاملے میں کبھی بے چینی کا اظہار نہیں کرتی۔"

"جانے سے پہلے میں تمہیں بتا دینا چاہتی ہوں... کہ تمہارے لیے میرے ذہن میں کیا ترکیب آئی ہے... لیکن نہیں، اس طرح تکلف اور دھرا رہ جائے گا۔" ڈاکٹر اسٹون نے مسکرا کر کہا اور دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ دروازہ کھول کر اس نے پلٹتے ہوئے ایک اور بات بھی کہی۔ "اور ہاں! مائی ڈیئر، تم اگر چاہو تو خوب حلق پھاڑ پھاڑ کر چیخ سکتی ہو۔ اس سے تمہیں اپنے والیوم کا اندازہ ہو جائے گا لیکن اس بات کی توقع نہ رکھنا کہ تمہاری آواز اس کمرے کے علاوہ بھی کہیں سنائی دے سکتی ہے۔ یہ بڑے ہی عجیب کمرے ہیں مکمل طور پر ساؤنڈ پروف!"

وہ یہ کہہ کر نکل گئی اور اس نے عقب میں دروازہ بند کر دیا۔

غزالہ نے ایک طویل سانس لی اور آنکھیں بند کر لیں۔

اس کا ذہن بڑی تیزی سے کام کر رہا تھا۔ اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ ڈاکٹر اسٹون کتنی سنگدل عورت ہے۔ وہ یہاں بے بسی کی موت نہیں مرنا چاہتی تھی اس لیے اپنے ساتھیوں کی آمد کو نعمت غیر مترقبہ سمجھتے ہوئے اس نے فوراً ہی عمل کا ردِ عمل شروع کر دی۔ اب تک وہ اپنے لیے ایک لائحہ عمل سوچ چکی تھی۔

وہ جس چارپائی پر لیٹی ہوئی تھی، اس کی پائنتی سے بندھی رسی تھی۔ ایسی چارپائیاں عموماً اسپتالوں میں مریضوں کے لیے مخصوص ہوتی ہیں۔ غزالہ نے جو کچھ بھی سوچا تھا، اس کی کامیابی کا انحصار اس بات پر تھا کہ چارپائی میں پہیے لگے ہوئے ہیں یا نہیں؟

اس نے ایک لمحے کے لیے سانس روک لی۔

قوت مجتمع کر کے اس نے زور لگایا۔

چارپائی کو جھٹکا لگا اور وہ دو انچ کے قریب سرک گئی۔

غزالہ کا دل خوشی سے جھوم اٹھا۔ اس کا مطلب تھا کہ چارپائی پہیے دار ہے اور وہ اسی طرح زور لگا لگا کر اسے سرکاتی ہوئی اس میز تک لے جا سکتی ہے، جس پر شیشہ رکھا ہوا تھا۔

اب ضائع کرنے کے لیے اس کے پاس قطعاً کوئی وقت نہیں تھا اس لیے وہ زور زور سے چارپائی کو آگے اور پیچھے دھکیلنے کی کوشش کرنے لگی۔ اسے توقع تھی کہ چارپائی کے پہیے مقفل نہیں ہوں گے... اور اس کا خیال درست ہی ثابت ہوا۔

وہ بندھی ہوئی حالت میں جسم کو جھٹکا دیتی۔ یہ جھٹکا چارپائی کو بھی لگتا اور پہیوں کی وجہ سے چارپائی اپنی جگہ سے کچھ کھسک جاتی۔ غزالہ نے اندازہ لگایا کہ ہر جھٹکے سے وہ چارپائی کو دو انچ کے قریب سرکانے میں کامیاب ہو جاتی ہے۔ اس نے میز اور چارپائی کے درمیانی فاصلے کا اندازہ لگایا اور پھر ایک طویل سانس لے کر رہ گئی۔

اسے دس فٹ کا فاصلہ طے کرنا تھا۔

دو، دو انچ کر کے دس فٹ کا فاصلہ...

وہ جسم کو جھٹکے دیتی رہی اور چارپائی سرکتی رہی...

★★★

ڈاکٹر اسٹون، مین آفس میں داخل ہوئی تو اس کے ہونٹوں پر فاتحانہ تاثر سے بھرپور مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ اسے دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ ایک سفاک اور بے رحم عورت ہے۔ اس کے نقش و نگار میں معصومیت تھی اور اس کی مسکراہٹ دلکش تیز کرنے کے لن سے آشنا تھی۔ اپنی ان خصوصیات کا خود ڈاکٹر اسٹون کو بھی اندازہ تھا اور وہ موقع پڑنے پر ان سے استفادہ کرنے میں کبھی سے کام نہیں لیتی تھی۔

مین آفس میں، الماریوں میں کتابیں ہی کتابیں سجی ہوئی تھیں۔ اس دفتر کا دروازہ باہر سڑک پر کھلتا تھا۔ اسی دفتر میں استقبالیہ کلرک کی میز کے قریب دو مہمان ڈاکٹر اسٹون کے منتظر تھے۔

"صبح بخیر!" وہ مسکراہٹ کو مزید کشادہ کرتے ہوئے بولی۔

ٹائیگر نے گہری نگاہ سے اس کی طرف دیکھا۔

ڈاکٹر اسٹون اور ٹائیگر کی نظریں چار ہوئیں تو اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس شخص کی آنکھوں میں مقناطیس لگے ہوئے ہیں اور وہ لوہے کا ایک حقیر سا ذرہ ہے اسے شدید جھٹکا لگا تھا۔ شہزاد کی گہری، جھیل جیسی آنکھوں میں اس نے اپنی پوری ہستی لمحے بھر کے لیے غوطہ زن دیکھی لیکن وہ جلد ہی سنبھل گئی۔

"میں سمجھتی ہوں کہ آپ دونوں کو مسٹر ایمر نے بھیجا ہے۔" اس نے سنبھالا لیتے ہوئے اوشان کی طرف دیکھا جو میز کی سطح پر نگاہ جمائے بیٹھا تھا اور جس نے ایک بار بھی نگاہ اٹھا کر ڈاکٹر اسٹون کی طرف دیکھنے کی ضرورت نہیں محسوس کی تھی۔

"تمہارا خیال درست ہے، ڈاکٹر۔" شہزاد نے جواب دیا۔ "میرا نام شہزاد ہے اور یہ مسٹر اوشان ہیں۔"

"تم مجھے ماسٹر کہہ سکتی ہو۔" اوشان نے پہلی بار نگاہ اٹھا کر ڈاکٹر اسٹون کی طرف دیکھا۔ ڈاکٹر کو یوں لگا جیسے اس کی ساری جسمانی توانائی زائل ہو گئی ہو۔ وہ سر سے پاؤں تک ایک عجیب سی لہر کے زیرِ اثر آ گئی۔ اس نے زندگی میں پہلے کبھی کوئی ایسا شخص نہیں دیکھا تھا جس کے محض دیکھنے سے اس کی ہستی

یوں متزلزل ہوگئی ہو، وہ ترابی شہزاد کی جھیل جیسی آنکھوں کے تاثر سے نہیں سنبھل پائی تھی کہ اُوشان نے اُسے بے پناہ سنسنی میں مبتلا کر دیا۔

"ماسٹر...!" اس نے زیرِ لب کہا، "کیا آپ کچھ پڑھاتے ہیں؟"

"ہاں..." اُوشان نے معنی خیز انداز میں سر کو جنبش دیتے ہوئے کہا، "میں لوگوں کو انسانیت کی قدر کرنے کا سبق دیتا ہوں۔"

"آپ سے مل کر بے حد خوشی ہوئی، مسٹر اُوشان!" ڈاکٹر اسٹون نے خود کو پوری طرح سنبھالتے ہوئے کہا اور شہزاد کے قریب سے گزرتے وقت اپنی ہستی، اُس سے مس کرتی ہوئی ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔

ٹائیگر کے نتھنے ایک لمحے کے لیے متحرک ہو کر ساکت ہو گئے۔ اُسے ایک مخصوص خوشبو کا احساس ہوا تھا۔ یہ خوشبو اُسے یاد دلا رہی تھی کہ وہ ایسی ہی خوشبو پہلے بھی کہیں سونگھ چکا ہے، کہاں؟ اس سے ذہن پر زور نہیں دیا ورنہ اُسے یاد آ جاتا کہ یہ خوشبو اُسے یوپاز خاندان کے سربراہ مسٹر ایمر کے ہاں سونگھنے کا موقع ملا تھا۔

"میں آپ کی کیا خدمت کر سکتی ہوں؟" وہ مسکرا کر بولی۔

"پہلے لومر اور اس کے بعد ریندی پُراسرار حالات میں ہلاک ہو گیا۔" ٹائیگر نے اُسے دیکھتے ہوئے سوال کیا، "کیا تم بتا سکتی ہو کہ اُنھوں نے اس انداز میں مرنا کیوں قبول کیا؟"

وہ حیران نظر آنے لگی۔

"دراصل ہمیں مسٹر ایمر نے بتایا تھا کہ تم ان کی فیملی ڈاکٹر ہو۔" ڈاکٹر اسٹون کے حلق سے ایک طویل سانس نکل گئی۔ "آپ کا خیال درست ہے، جناب! میں اُن کی فیملی ڈاکٹر ہوں۔" یہ کہتے ہوئے اس نے سر کو معنی جنبش دی، "لیکن میں اس سلسلے میں کچھ نہیں جانتی کہ اُنھوں نے ایسی عجیب و غریب موت قبول کیوں کی۔ ان دونوں کی صحت قابلِ رشک تھی اور ان کا دماغی توازن بھی ہر اعتبار سے ٹھیک تھا۔ اُنھیں کوئی سنجیدہ قسم کا جذباتی مسئلہ بھی لاحق نہیں تھا۔ وہ منشیات کے بھی عادی نہیں تھے۔ میں خود حیران ہوں کہ اُن کے ساتھ کیا مسئلہ درپیش تھا۔"

"ریندی بہت خوف زدہ تھا۔" ٹائیگر نے کہا۔

"آخری لمحوں میں یہ حالت ہو گئی تھی کہ وہ اپنے جسم کے قریب کوئی کپڑا بھی برداشت نہیں کر رہا تھا۔"

"یہ بھی میرے لیے ناقابلِ فہم ہے۔" ڈاکٹر اسٹون اُلجھن سے بولی، "میں نے آج تک کسی ایسی حالت کے بارے میں نہ تو سنا ہے اور نہ ہی کہیں پڑھا ہے۔"

"کیا خیال ہے، تم ان دونوں کی کوئی مدد نہیں کر سکتے؟"

"میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتی۔ اگر مجھے بُلایا جاتا تو شاید کچھ کر لیتی لیکن جب وہ اس پُراسرار مرض میں مبتلا ہوا تو مجھے طلب نہیں کیا گیا تھا۔"

"ہوں..." ٹائیگر نے کہا اور اِدھر اُدھر دیکھنے لگا، "تم یہاں کیا کام کرتی ہو؟" اس نے بڑے ہی عجیب سے لہجے میں دریافت

"یہ شعبہ تحفظ ہے، ہم یہاں امراض کا سُراغ لگاتے ہیں تا ان کے پھیلنے سے پہلے ہی احتیاطی تدابیر اور علاج دریافت کیا جا سکے۔ اس کے علاوہ ہم جسمانی معائنہ بھی کرتے ہیں۔ ا سے بھی ہمیں سنگین قسم کے امراض سے بچاؤ میں بڑی مدد ملتی ہے۔ فرض کریں کہ ہم کسی شخص کی پشت کے عضلات میں کم زیادہ کھچاؤ دیکھتے ہیں تو کرنٹی طرابی پیدا ہونے سے پہلے ہم اس کے لیے ورزش کے مختلف طریقے تجویز کر دیتے ہیں اس طرح وہ شخص کسی عارضے میں مبتلا ہونے سے بال بال بچ جاتا ہے۔"

"خراب مقاصد کے لیے اچھی جگہ ہے۔" اُوشان بڑبڑایا۔

"مجھ سے کچھ فرمایا...؟" ڈاکٹر اسٹون چونک کر اُس کی طرف دیکھنے لگی۔

"نہیں۔ یہ جوان عورتوں کی موجودگی میں بڑبڑانے عارضے میں مبتلا ہیں۔" ٹائیگر نے مسکرا کر کہا، "فرصت ملی تو انھیں یہاں اس مقصد کے لیے ضرور لاؤں گا کہ تم ان کے کوئی ورزشی تجویز کرو۔"

ڈاکٹر اسٹون کھل کھلا کر ہنس پڑی۔

اس نے ٹائیگر کی طرف ایسی نظروں سے دیکھا جن پگھلا دینے والا تاثر بھرا ہوا تھا لیکن جب اس کی نگاہیں ہوئیں تو ڈاکٹر اسٹون یوں محسوس کرنے لگی جیسے وہ خود پگھل رہی ہو، گھبرا کر اس نے جلدی سے نگاہیں جھکا لیں اس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا تھا وہ کچھ ایسا محسوس رہی تھی جیسے شہزاد کی آنکھوں میں پُتلیوں کی بجائے دو خلا ... اور وہ ان دو گول گول خلاؤں میں گم ہوتی جا رہی ہو۔

وہ اُوشان کی طرف دیکھنے لگی۔

اُوشان اُن دونوں کی طرف سے بے نیاز میز کی طر متوجہ تھا۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ خود کو اس کمرے میں تنہا رہا ہو۔ ڈاکٹر اسٹون نے محسوس کیا کہ وہ پینسل ہولڈر میں ر

ئی پینسلوں میں گہری دل چسپی لے رہا ہے۔

"اس جگہ انسانی صحت کے انتہائی اہم پہلوؤں پر کام ہوتا ہے۔" وہ ان دونوں کو خاموش دیکھ کر بولنے لگی، "دل، بلڈ پریشر درجہ میں کمیابی کمی بیشی کے علاوہ..."

"اور یہ سب کچھ تھی کرتی ہو؟" ٹائیگر نے اس کی بات قطع کر دی۔

ڈاکٹر اسٹون کا دل خوشی سے جھوم اُٹھا۔

ٹائیگر کے لہجے میں اس نے اپنے لیے خفیف سی تعریف محسوس کر لی تھی۔

"ہاں... اس کے علاوہ ہم ابتدائی تجربات جانوروں پر کرتے ہیں۔" وہ بڑے فخریہ لہجے میں بتانے لگی، "اس تحقیقی کام کے سلسلے میں مسٹر ایمر بے حد فیاض ثابت ہوئے ہیں۔"

اچانک اُس کی نگاہ بورڈ ہے اُوشان کی طرف اُٹھ گئی۔

اس نے دو پینسلیں ہولڈر سے اُٹھالی تھیں اور وہ سکے کی جانب سے ان کی نوکیں آپس میں ملا رہا تھا۔ اگرچہ یہ ایک عام سی حرکت تھی جو وقت گزاری کے لیے بہت سے لوگ کرتے ہی رہتے ہیں... لیکن نہ جانے کیوں ڈاکٹر اسٹون کا جسم ٹھنڈا ٹھنڈا پسینہ اگلنے لگا۔ وہ کچھ یوں محسوس کر رہی تھی جیسے اُوشان دو خنجروں کی نوکیں آپس میں لڑا رہا ہو۔

مغا اُوشان کی انگلیاں متحرک ہوئیں۔

ڈاکٹر اسٹون کی آنکھیں پھیل گئیں۔

اُوشان نے دونوں کناروں سے پینسلیں تھام لی تھیں اور لوگوں کے سہارے افقی حالت میں یوں تھام لیا تھا جو ڈاکٹر اسٹون کی دانست میں ایک ناممکن کام تھا۔ ٹائیگر نے کن انکھیوں سے اُوشان کی طرف دیکھا اور مسکرانے لگا۔

"ٹرسٹ فادر..." اس نے عرض دل سے کہا، "آج کل کی لڑکیاں اتنی معمولی سی شعبدہ بازی سے نہیں رجھتیں۔"

اُوشان نے نگاہ اُٹھا کر ڈاکٹر اسٹون کی طرف دیکھا۔

"کیا تمھیں یہ شعبدہ پسند نہیں آیا؟" اس کا لہجہ بے حد عجیب تھا۔

ڈاکٹر اسٹون گڑبڑا کر ہنسنے لگی۔

"اوہ! تو تم اسے مذاق سمجھ رہی ہو۔" اُوشان پر ہم ہو گیا۔ "اس پینسل کے سکے کی تباہ کاریوں کے بارے میں تمھاری کیا معلومات ہیں؟"

"پینسل کا سکہ بے ضرر ہے، جناب!"

"ہوں..." اُوشان نے کہا اور دونوں پینسلیں مٹھیوں میں تھام لیں۔ اب وہ اس کی انگلیوں میں یوں دبی ہوئی تھیں جیسے اس نے دو عدد ڈارٹ پکڑ رکھے ہوں... پھر اس نے ایک پینسل دیوار کی طرف پھینک دی۔

پینسل اس کے ہاتھ سے نکلی اور دیوار کی طرف تیر کی طرح گئی۔

ڈاکٹر اسٹون نے پینسل کے تعاقب میں دیکھا اور پھر زندگی میں پہلی بار وہ شدید حیرت سے اُچھل پڑی۔ پینسل دیوار سے ٹکرائی تھی اور اس کے خیال کے مطابق ٹوٹ کر فرش پر نہیں گری تھی بلکہ کسی خنجر کی طرح ٹھوس دیوار میں پیوست ہو گئی تھی وہ بری طرح ہانپنے لگی۔

لیکن دیوار ٹھوس اور سکہ...، وہ بڑبڑانے لگی۔

"اس کا تعلق دیوار کے ٹھوس ہونے یا پینسل کے سکے کی نرمی سے نہیں ہے۔" اُوشان بنرگانہ شفقت سے مسکرا کر بولا۔ "اس کا دارومدار مہارت پر ہے۔"

"بس مسٹر فادر بس۔" ٹائیگر ہنس پڑا، "میں جانتا ہوں کہ ایک بار آپ نے ایک موم بتی دیوار پر دے ماری تھی۔ وہ دیوار آج تک غائب ہے۔"

"کیا واقعی...؟" ڈاکٹر اسٹون تھوک نگل کر بولی، "پھر شاید اُسے خود ہی اپنے حماقتانہ سوال کا احساس ہو گیا اس نے کھنکار کر بڑے ہی محررانہ انداز میں گلا صاف کیا اور بولی، "میں ابھی تک آپ دونوں کی آمد کے مقصد سے بے خبر ہوں۔"

ٹائیگر یکایک سنجیدہ ہو گیا۔ اُوشان دوبارہ پینسلوں سے کھیلنے میں مصروف نظر آنے لگا۔

"یوپاز خاندان کے دو بیٹوں کی پُراسرار اموات کے بعد ہم تیسرے بیٹے کے سلسلے میں فکرمند ہیں۔" ٹائیگر نے کہا۔

"مسٹر ڈیگلی کے بارے میں؟" ڈاکٹر اسٹون نے پوچھا۔

ٹائیگر نے اثبات میں سر ہلا دیا، "ہاں اس کا نام غالباً ڈیگلی ہی ہے۔ تمھارے خیال میں اُسے کوئی ایسا طبی مسئلہ تو لاحق نہیں جو ہمارے علم میں ہونا چاہیے؟"

"نہیں... وہ سب سے چھوٹا بیٹا ہے۔ بلا ناغہ ورزش اس کی عادت ثانیہ ہے اگر ڈیگلی کبھی بیمار پڑ گیا تو سب سے زیادہ مجھے حیرت ہوگی۔"

"میں ایک سیاہ فام عورت کی تلاش میں بھی ہوں۔" ٹائیگر نے اچانک ہی سوال کیا اور ڈاکٹر اسٹون کی آنکھوں میں جھانکنے

لگا ہے کیا تم اُس سے مل چکی ہو؟"

"سیاہ فام عورت؟ یہاں... نہیں... کیا اس خاتون نے یہاں آنا تھا؟" ڈاکٹر اسٹون نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا اور اس کے ساتھ ہی اس کی ریڑھ کی ہڈی میں ایک سرد سی لہر دوڑ گئی۔ اس نے اُدشان کی طرف دیکھا جس نے بڑی ہی عجیب نگاہ سے اس کی جانب دیکھا تھا اور پھر اس کے ہونٹوں پر ناقابلِ فہم سی مُسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

"وہ ہماری ساتھی ہے۔" ٹائیگر نے کہا۔ "اس نے تذکرہ کیا تھا کہ شاید یہاں پر ہم سے ملاقات کرے۔"

"مجھے افسوس ہے۔ وہ ابھی تک تو نہیں آئی۔ اگر آپ کے بعد آئے تو میں اُنھیں کیا پیغام دوں؟"

"کچھ نہیں۔" ٹائیگر نے جواب دیا اور اُٹھ کھڑا ہوا۔ "چلیے اُدشان!"

اُدشان نے دونوں پینسلیں اُٹھالیں۔

"کیا میں انھیں لے سکتا ہوں؟" اس نے پوچھا۔

"یقیناً جناب! آپ نے جو کمال دکھایا ہے، اس پر میں اب تک حیرت زدہ ہوں۔" ڈاکٹر اسٹون کے لہجے میں تعریف کا جو تاثر تھا، اس میں حقیقت تھی۔

دونوں پینسلیں اُدشان کے لبادے میں غائب ہوگئیں۔

چلتے چلتے آپ کو اپنی لیبارٹریز کے باقی کمرے بھی دکھاتی ہوں۔" ڈاکٹر اسٹون نے دعوت دینے کے انداز میں کہا۔ اس کا لہجہ فخریہ تھا جیسے وہ یہ سب کچھ دکھا کر خود نمائی کے جذبے کی تسکین کر رہی ہو۔

وہ آگے آگے چلتی ہوئی راہ داری میں پہنچ گئی۔

یہاں تین دروازے تھے۔

اس نے ایک دروازہ کھول دیا۔ دروازے سے پورا کمرہ صاف دکھائی دیتا تھا۔ "میں اس کمرے میں رہتی ہوں۔" اس نے نیمے کی طرف اشارہ کیا۔ "اس طرف معلّقے کا کمرہ ہے۔" وہ یک اور دروازہ کھول کر کھڑی ہوگئی۔ "یہاں مختلف قسم کی... درزشیں کرائی جاتی ہیں... اور یہ ہمارا استقبالیہ ہے۔"

ٹائیگر نے ان میں سے ہر کمرے میں جھانک کر دیکھ لیا۔ خزانہ کا اُن کمروں میں نام و نشان تک نہیں تھا۔

وہ ڈاکٹر اسٹون کے تعاقب میں چلتے ہوئے ایک اور کمرے تک جا پہنچے۔ یہاں ہر طرف پنجرے ہی پنجرے تھے۔ ان میں چھوٹے بندر، بلیاں اور دیگر چھوٹے موٹے جانور بند تھے۔ یہاں اتنا شور تھا کہ کان پڑی آواز بھی سُنائی نہیں دیتی تھی۔

"یہ تمام وہ جانور ہیں جن پر تجربات کیے جاتے ہیں۔" ڈاکٹر اسٹون نے چیخ کر کہا۔

"تم انھیں کس مقصد کے تحت استعمال کرتی ہو؟" ٹائیگر نے پوچھا۔ "میرا مطلب ہے ان پر کس قسم کے تجربات کیے جاتے ہیں؟"

"ہم ایک دوا پر تحقیق کر رہے ہیں۔" وہ بڑے فخریہ انداز میں بتانے لگی۔ "یہ دوا اعصابی کمزوری دور کرنے کے کام آئے گی... لیکن ابھی ہمارا تجربہ ابتدائی مراحل میں ہے۔ اُمید ہے چند ماہ میں ہم کامیاب ہو جائیں گے۔"

"کیا یہ بندر پینسل سے خوف زدہ ہو سکتا ہے؟" اُدشان ایک پنجرے کے سامنے کھڑا کہہ رہا تھا۔

دونوں چونک کر اس کی طرف متوجہ ہوگئے۔

"اگر آپ کا کوئی کمال شامل نہ ہو تو یقیناً اسے پینسل سے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔" ڈاکٹر اسٹون مسکرا کر بولی۔ "آپ نے یہ سوال کیوں کیا جناب؟"

"اس لیے کہ یہ بندر پینسل سے بے حد خوف زدہ ہو رہا ہے۔" یہ کہہ کر اُدشان نے پینسل آہستہ آہستہ پنجرے میں داخل کر دی۔ بندر آہستہ آہستہ کھسکتا ہوا پیچھے ہٹنے لگا۔

وہ عجیب سلاخوں سے ٹک کر بُری طرح چیخنے لگا۔ اس کی چیخ و پکار سے دُوسرے جانور بھی شور مچانے لگے۔ ٹائیگر کو کیوں محسوس ہُوا جیسے وہ کسی چڑیا گھر میں آپھنسا ہو اس سے پہلے کہ وہ اُدشان سے کچھ کہتا، اُدشان ہنس کر پلٹ پڑا۔

ڈاکٹر اسٹون کی آنکھوں میں حیرتوں کے سمندر موجزن تھے۔

"حالانکہ اسے یہ پینسل بے حد پسند ہے۔" یہ کہہ کر اُدشان نے دوبارہ وہی پینسل پنجرے میں داخل کی تو نہ صرف بندر نے چیخنا چلانا بند کر دیا بلکہ اچانک ہی وہ تیزی سے لپکا اور اس نے اُدشان کے ہاتھ سے پینسل یُوں جھپٹ لی جیسے وہ واقعی اس کی پسندیدہ شے رہی ہو۔

ڈاکٹر اسٹون کا چہرہ زرد ہونے لگا۔

اس کی آنکھیں اب آتشی کشادہ ہوگئی تھیں کہ اگر حیرت کا اظہار ذرا سا اور بڑھ جاتا تو وہ اُبل کر حلقوں سے باہر آگرتیں۔

"میرا خیال ہے، ہمیں اب رخصت ہو جانا چاہیے۔" ٹائیگر نے کہا۔ "ڈاکٹر اسٹون کہیں کسی پتھر کی طرح آپ کے پیچھے پیچھے لڑھکنا ہی شروع نہ کر دے۔"

اس نے خود کو کمال پھرتی سے سنبھالا تھا۔ وہ ٹائیگر کی طرف دیکھ کر مُسکرانے لگی۔ "مجھے بھی کچھ کمالات آتے ہیں۔ اگر کبھی موقع ملا تو آپ دونوں کو ضرور محظوظ ہونے کا موقع دُوں گی۔"

"فی الحال ہمیں بیرونی دروازے تک چھوڑ آؤ۔" ٹائیگر نے کہا۔

وہ ڈاکٹر اسٹون کے پیچھے پیچھے دروازے کی طرف بڑھ گئے۔ اچانک ٹائیگر کو غصہ آگیا کیوں کہ اس کے عقب میں اُدشان پاؤں پٹخ پٹخ کر چلنے لگا تھا... لیکن وہ ضبط کر گیا۔ اُسے معلوم تھا کہ اُدشان کی ہر احمقانہ حرکت کسی نہ کسی گہرے فلسفے پر مبنی ہوتی ہے۔

بیرونی دروازے کے لیے خارجی دفتر میں قدم رکھتے ہوئے وہ بڑے ہی خوشگوار انداز میں مسکرانے لگی۔ "تو یہ تھی ہماری لیبارٹری..."

"اس زحمت کے لیے شکریہ۔" ڈاکٹر ٹائیگر نے کہا۔

اس نے اُدشان کی طرف دیکھا جس کے ہونٹوں پر بڑی ہی معنی خیز مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔ ڈاکٹر اسٹون بھی اُدشان کی طرف دیکھنے لگی۔ اسی دوران اس کی نظریں ایک بار پھر ٹائیگر کی نظروں سے ملیں تو اسے یُوں محسوس ہُوا جیسے اس کا پورا جسم کسی گھنٹی کی طرح بج اُٹھا ہو۔ وہ بے اختیار آگے بڑھی اور اس نے بڑی بے تکلفی سے ٹائیگر کا ہاتھ تھام لیا۔ اس کا جسم کپکپاہٹوں کا شکار ہوگیا۔ اتنی زبردست مقناطیسی کشش تو شاید ٹائیگر جتنے قدوقامت کے مقناطیس میں بھی نہیں ہوگی اس نے سوچا اور اپنے جسم و جان پر چھائے ہوئے زلزلے پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگی۔

وہ ٹائیگر کے ساتھ چلتی ہوئی استقبالیے تک آگئی۔

اُدشان اب بھی عقب میں پاؤں پٹختا ہُوا چل رہا تھا۔

وہ استقبالیے کے سامنے سے گزرے تو وہاں موجود کلرک خاتون انھیں دیکھ کر مُسکرانے لگی۔ اس کے چہرے پر اَن گنت جھُرّیے جھُولے تل تھے۔ ٹائیگر نے آتے وقت ان تلوں کی تعریف میں اپنا مخصوص جُملہ کہا تھا اور یہ الوداعی مسکراہٹ غالباً اسی سلسلے میں اُس کے ہونٹوں پر پھیلی ہُوئی تھی۔

اُدشان اور ٹائیگر دروازے سے نکلے تو ڈاکٹر اسٹون زیرِ لب بولی۔ "مجھے اُمید ہے کہ آپ دونوں سے دوبارہ بھی ملاقات ہوگی۔"

"ہونی تو چاہیے۔" اُدشان بڑبڑایا۔

دروازہ بند کر کے ڈاکٹر اسٹون نے اپنی پشت دروازے سے لگالی۔ وہ بُری طرح ہانپنے لگی تھی۔ ٹائیگر کا ہاتھ تھامنے کے بعد سے اس کی ہستی عجیب سے کیف و سُرور کا شکار ہوگئی تھی۔

اُسے یُوں لگ رہا تھا جیسے اس کے دل میں ان گنت خواہشیں اور بے نام سے گیت جنم لے رہے ہوں۔

لیڈی کلرک دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہو چکی تھی۔

ڈاکٹر اسٹون دروازے کے پیپ ہول پر ٹک گئی۔ اس نے دیکھا کہ دونوں سیڑھیاں اُتر کر سڑک پر پہنچ گئے ہیں۔

اس نے دروازے کے تالے میں لگی ہُوئی چابی گھما کر اُسے مقفل کر دیا۔

دروازہ لاک کر کے وہ استقبالیہ کاؤنٹر کی طرف بڑھی اور لیڈی کلرک سے بولی۔ "آج جس جس سے بھی میری ملاقات طے ہے، اُسے فون کر کے اطلاع دے دو کہ میں بے حد مصروف رہوں گی اس لیے کسی سے نہیں مل سکتی... اور تم بھی یاد رکھنا میں واقعی بے حد مصروف رہوں گی۔"

"میں سمجھتی ہُوں، ڈاکٹر۔" کلرک مسکرانے لگی۔

ڈاکٹر اسٹون تیزی سے ایک بند دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

اُدشان اور ٹائیگر لائف لائن لیبارٹریز کی سیڑھیاں اُتر کر سڑک پر پہنچے تو اس انداز میں آگے بڑھتے چلے گئے جیسے وہ واقعی اس عمارت سے دُور ہوتے جا رہے ہوں... لیکن درحقیقت ان دونوں کے کان عقبی دروازے پر لگے ہوئے تھے، جس میں چابی گھُومی تھی اور انھوں نے اس خفیف سی آواز کو سُن لیا تھا۔

وہ لائف لائن کی عمارت کے برابر والی عمارت کے سامنے رُک گئے۔

"دروازہ بند ہوگیا، مختصر باپ!" ٹائیگر بڑبڑایا۔

اُدشان معنی خیز انداز میں مُسکراتا رہا۔

"کیا خیال ہے، لٹل فادر؟"

"یقیناً یہ عورت جھوٹ بولنے میں لاثانی ہے۔"

"میں جانتا ہُوں۔ اس نے جو خوشبو لگا رکھی ہے۔ اس نے مجھے بہت کچھ یاد دلا دیا ہے۔ یہ خوشبو میں نے اسپتال کے اس کمرے میں بھی محسوس کی تھی جہاں لوپانو خاندان کا دوسرا بیٹا رینڈی زیرِ علاج تھا۔ یقیناً اسی لیڈی ڈاکٹر نے اُسے کوئی... پُراسرار دوا دی تھی۔"

اُدشان نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"اس عورت کی گردن میں ایک نس نمایاں تھی۔" اس نے

گہری متانت سے کہا۔ "جب تم نے غزالہ کے بارے میں اس سے سوال کیا تھا تو میں نے دیکھا کہ نس نے اپنے معمول کی رفتار سے دُگنی رفتار کے ساتھ دھڑکنا شروع کر دیا تھا۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ جھوٹ بول رہی تھی۔"

"آپ کا مطلب ہے کہ غزالہ اسی عمارت میں موجود ہے؟"

"بالکل۔ وہ وہیں ہے۔"

"لیکن آپ میں لڑکیوں کو سونگھنے کی جس قوت کا بچپن سال کی عمر میں ہی مرگئی ہوگی... پھر آپ نے کیسے محسوس کر لیا کہ وہ یہاں موجود ہے؟"

"وہ اسی عمارت میں ہے، فرزند؟"

"لیکن کہاں، لیل فادر؟"

"تہ خانے میں... اور کہاں؟" اُدوشان نے بڑا سا منہ بنا کر کہا۔

"اوہ تو آپ اسی لیے فرش پر پاؤں مار مار کر چل رہے تھے۔" ٹائیگر نے حیرانی سے کہا۔ "میں تو سمجھا تھا، شاید آپ کی ٹانگوں پر چیونٹے چڑھ گئے ہیں۔"

"لیبارٹری کی عمارت کے نیچے ایک بہت بڑا کمرہ ہے۔" اُدوشان نے اس کی بکواس نظر انداز کرتے ہوئے وضاحت کی۔ "مجھے یقین ہے کہ ہم غزالہ کو وہیں تلاش کر سکتے ہیں۔"

"ممکن ہے اب تک اس کا انتقال پُرملال ہو چکا ہو۔"

"نہیں..." اُدوشان کا لہجہ بے پناہ سخت ہوگیا۔ "میں نے وہاں سے موت کی بُو محسوس نہیں کی۔ وہ اب تک تو زندہ ہے البتہ کچھ دیر بعد کیا ہوگا، اس کی ضمانت نہیں دے سکتا۔"

"میرا تو خیال ہے، اسے یہیں رہنے دیا جائے۔" ٹائیگر کا لہجہ خوبصورت ہوگیا۔ "مجھے یقین ہے کہ آپ اُسے دیکھنا پسند نہیں کریں گے۔"

"وہ کیوں...؟" اُدوشان کی بھویں کمان ہوگئیں۔

"ممکن ہے، ڈاکٹر اسٹون اُسے بھی اُسی مرض میں مبتلا کر دے جس میں ربندی کو کیا تھا۔ ظاہر ہے ایسی حالت میں وہ لباس برداشت نہیں کر سکے گی اور آپ اُسے برداشت نہیں کر سکیں گے۔"

"بکواس مت کرو۔" اُدوشان غصے میں آنے کی بجائے پیار سے مسکرا دیا۔ "تم نہیں جانتے شہزاد۔ اس سیاہ فام لڑکی کا دل سونے کا ہے۔"

"اللہ رحم کرے۔" شہزاد بڑبڑایا۔ "اور ٹانگیں کوئلے کی ہیں۔"

اُدوشان نے اُسے واپس لائف وین لیبارٹریز کی طرف دھکیل دیا اور ٹائیگر کراہتا ہوا آگے بڑھتا چلا گیا۔

○

غزالہ کی کوششیں کامیاب رہیں۔

وہ جس آہنی پلنگ پر بندھی ہوئی تھی، اُسے جھٹکے دے دے کر وہ میز تک لے جانے میں کامیاب ہوگئی تھی اور اب وہ چاقو اس کی دسترس میں تھا۔ اس نے ہاتھ بڑھایا اور جیسے ہی اس کی انگلیوں نے چاقو پر گرفت ڈالی، اس کی سماعت سے قدموں کی آہٹ ٹکرانے لگی۔

کوئی سیڑھیاں اتر رہا تھا۔

وہ سمجھ گئی کہ یہ کمرہ ایک تہ خانہ ہے اور آنے والا زینے طے کر کے اسی طرف آ رہا ہے جب ڈاکٹر اسٹون اس زیرِ زمین کمرے میں گئی تھی تو اس کے پیروں میں سینڈل نہیں تھے لیکن اب جو آوازیں سنائی دے رہی تھیں، یہ بلاشبہ سینڈلوں ہی کی آواز تھی۔

چاقو اس کے ہاتھ میں آ چکا تھا لیکن وہ بستر سے بندھی ہوئی تھی اس لیے اُسے آزادانہ استعمال کرنا ممکن نہیں تھا۔

اس کے بندھے ہوئے ہاتھ پاؤں جس قدر اجازت دے سکتے تھے، اُس نے اُنھیں لمبی سی میز کے ساتھ لگا کر جسم کو پوری قوت سے جھٹکا دیا۔ اس شدید جھٹکے کی وجہ سے پلنگ تیزی سے اپنے پہیوں پر پھسلا اور میز سے دُور ہٹ گیا۔

وہ جسم کو زور زور سے جھٹکے دینے لگی۔

اب اُسے اس بات کی بھی پروا نہیں تھی کہ وہ کرسی ہے اچھی طرح سے اس کا بازو، چاقو کی تیز دھار کی زد میں آ کر زخمی بھی ہو سکتا ہے۔ وہ اس ٹیپ کو جلد از جلد کاٹ ڈالنا چاہتی تھی۔

اچانک اُسے احساس ہوا کہ کلائی پر چپٹا ہوا ٹیپ قدرے ڈھیلا پڑ گیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی اُسے اپنے ہاتھ پر گرم گرم سیال بہتا محسوس ہونے لگا۔ اگرچہ تکلیف نہیں ہو رہی تھی لیکن اُسے معلوم تھا کہ یہ بہنے والا سیال خون کے سوا کچھ بھی نہیں ہے اس کی کلائی زخمی ہوگئی تھی۔

زخم کی پروا کیے بغیر وہ ہاتھ کو حرکت دیتی رہی۔

ڈاکٹر اسٹون اُس کی طرف پشت کیے کہہ رہی تھی۔ "میں تمھارے لیے ایک نیا انداز اختیار کرنا چاہتی ہوں۔ میرا خیال ہے، یہ غیر معمولی اور نیا انداز خود تمھیں بھی پسند آئے گا۔ اُسے دیکھنے والے بھی بے حد پسند کریں گے۔ میں سوچ رہی ہوں کہ تمھارے دل و دماغ میں موٹروں اور گاڑیوں کا خوف بھر دوں... اور اس کے بعد تمھیں کسی چوراہے پر چھوڑ دیا جائے تو کیسا رہے گا؟"

جب کے مقام میں تھوڑی سی تبدیلی کو محسوس نہیں کیا تھا۔ اگر وہ آتے ہی انجکشن تیار کرنے میں مصروف نہ ہو جاتی تو شاید اُسے احساس ہو جاتا کہ اس کی عدم موجودگی میں بستر اپنی جگہ سے سرکایا گیا ہے۔ وہ انجکشن کی طرف متوجہ تھی اور اس تھوڑی سی مہلت سے استفادہ کر کے غزالہ کم از کم اپنا ایک ہاتھ تو ہر حال میں آزاد کرا لینا چاہتی تھی۔

انجکشن بھرتے ہوئے وہ پلٹ کر اُس کی طرف دیکھے بغیر بولی۔ "ابھی ابھی تمھارے دو دوست آئے تھے؟" اس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

غزالہ جواباً خاموشی سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"میں نے اُن سے پوچھا تھا کہ وہ تمھیں کوئی پیغام دینا چاہتے ہوں تو مجھے بتا دیں لیکن اُنھوں نے کہا کہ وہ کچھ نہیں کہنا چاہتے۔ اُنھیں تمھارے لیے کوئی نہ کوئی پیغام تو ضرور دینا چاہیے تھا۔ ہے نا؟"

"وہ دونوں احمق ہیں۔" غزالہ بڑبڑائی۔

"ممکن ہے... لیکن میرا خیال تم سے قدرے مختلف ہے۔" یہ کہہ کر وہ دوبارہ سرنج کی طرف متوجہ ہوگئی لیکن اس دوران میں خاموش نہ رہی۔ "اور اب میرا خیال ہے کہ مجھے تم سے بھی نمٹ لینا چاہیے۔"

غزالہ نے چاقو کی حرکت مزید تیز کر دی۔

اب اُسے اس بات کی بھی پروا نہیں تھی کہ وہ کرسی ہے اچھی طرح سے اس کا بازو، چاقو کی تیز دھار کی زد میں آ کر زخمی بھی ہو سکتا ہے۔ وہ اس ٹیپ کو جلد از جلد کاٹ ڈالنا چاہتی تھی۔

اچانک اُسے احساس ہوا کہ کلائی پر چپٹا ہوا ٹیپ قدرے ڈھیلا پڑ گیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی اُسے اپنے ہاتھ پر گرم گرم سیال بہتا محسوس ہونے لگا۔ اگرچہ تکلیف نہیں ہو رہی تھی لیکن اُسے معلوم تھا کہ یہ بہنے والا سیال خون کے سوا کچھ بھی نہیں ہے اس کی کلائی زخمی ہوگئی تھی۔

زخم کی پروا کیے بغیر وہ ہاتھ کو حرکت دیتی رہی۔

ڈاکٹر اسٹون اُس کی طرف پشت کیے کہہ رہی تھی۔ "میں تمھارے لیے ایک نیا انداز اختیار کرنا چاہتی ہوں۔ میرا خیال ہے، یہ غیر معمولی اور نیا انداز خود تمھیں بھی پسند آئے گا۔ اُسے دیکھنے والے بھی بے حد پسند کریں گے۔ میں سوچ رہی ہوں کہ تمھارے دل و دماغ میں موٹروں اور گاڑیوں کا خوف بھر دوں... اور اس کے بعد تمھیں کسی چوراہے پر چھوڑ دیا جائے تو کیسا رہے گا؟"

"لیکن مجھے موٹروں اور گاڑیوں سے خوف نہیں آتا۔" غزالہ بولی...

ڈاکٹر اسٹون نے انجکشن تیار کر لیا۔

اُس نے شیشی سے ایک بے رنگ محلول سرنج میں بھر لیا تھا۔ شیشی دواؤں کی چھوٹی سی کیبنٹ میں رکھ کر اس نے سرنج میز پر ہی چھوڑ دی۔

"تمھارا خیال غلط ہے، ڈارلنگ! وہ بڑی لگاوٹ سے بولی۔ "خوف اور دہشت کے سلسلے میں تمھارا کوئی اختیار نہیں کیوں کہ یہ احساس میں اس دوا کے ذریعے تمھارے خون میں داخل کر دوں گی۔"

غزالہ ہنس پڑی۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے اُسے ڈاکٹر... اسٹون کی بات پر یقین نہ آیا ہو۔ اس کا خیال تھا کہ ڈاکٹر اس بات پر غصے سے پاگل ہو جائے گی... لیکن اس کا خیال غلط نکلا۔ وہ تو اس کی طرف دیکھ کر بڑی ہی محبت پاش مسکراہٹ ہونٹوں پر بکھیر رہی تھی۔ غزالہ اس کی مسکراہٹ پر چونکے بغیر نہ رہ سکی۔ اس مسکراہٹ کو دیکھ کر کون کہہ سکتا تھا کہ ڈاکٹر اسٹون ایک سفاک اور خونی عورت ہے۔

"لیکن میں قدرے تذبذب میں ہوں۔" ڈاکٹر مسکرا کر کہہ رہی تھی۔ "میں سمجھتی ہوں کہ ہمارے پاس کوئی تماشا کر کے لطف اندوز ہونے کا وقت نہیں ہے اس لیے ہمیں کوئی اچھا سا لیکن فوری طریقہ سوچ لینا چاہیے۔ چونکہ یہ تمھاری موت کا معاملہ ہے اس لیے میری دانست میں تمھی بہتر طور پر بتا سکتی ہو کہ تمھیں کیسی موت پسند ہے؟"

"یہ تو اسی وقت بتایا جا سکتا ہے جب میرا مرنے کا ارادہ ہو۔"

ڈاکٹر اسٹون کھل کھلا کر ہنس پڑی۔

قہقہہ لگاتے وقت اس کا چہرہ چھت کی طرف اُٹھ گیا تھا۔

اس عرصے میں غزالہ نے چاقو کو ایک جھٹکے سے چلایا۔

ٹیپ الگ ہوگئی۔ خون اس کی کلائی سے اب بھی بہہ رہا تھا۔ اس کا دایاں بازو جسم کی اوٹ میں تھا اور چند قدموں کے فاصلے کی وجہ سے ڈاکٹر اسٹون کی نگاہ فوری طور پر نہیں پڑ سکتی تھی۔ ایک لمحے کے لیے ڈاکٹر اسٹون اس کی طرف سے غافل ہوگئی تھی۔ لیکن یہ مہلت دایاں بازو اُٹھا کر بائیں بازو کو آزاد کرنے کے لیے ناکافی تھی۔

ڈاکٹر اسٹون نے میز سے سرنج اُٹھالی۔

اس نے انجکشن میں بھرا ہوا سیال دیکھنے کے لیے اُسے اپنے چہرے کے سامنے کر لیا۔ پمپ پر خفیف سا دباؤ ڈالتی ہوئی وہ آہستہ آہستہ غزالہ کی جانب بڑھنے لگی۔ سرنج کی سوئی کے سوراخ سے بلبلے دار سیال خارج ہو رہا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ ان دونوں کا درمیانی فاصلہ بھی کم ہوتا جا رہا تھا۔

وہ انجکشن کی طرف متوجہ رہی۔

غالباً وہ غزالہ کی طرف سے پوری طرح مطمئن تھی اس لیے اُس نے ادھر توجہ دینے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی کہ کہیں اس نے خود کو آزاد تو نہیں کرا لیا؟ وہ بستر کے قریب رُک گئی اور اُس کا بایاں ہاتھ، غزالہ کے بائیں بازو پر کوئی نس ٹٹولنے میں مصروف ہو گیا۔

نس مل گئی تو اس نے سرنج بازو پر جھکا دی اس دوران میں وہ بائیں ہاتھ سے مسلسل اس جگہ کو رگڑ رہی تھی تاکہ نس مزید اُبھر کر سامنے آ جائے۔

اب وہ غزالہ کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔

"مجھے افسوس ہے ڈیئر! اس کا لہجہ پیار کی چاشنی میں ڈوبا ہوا تھا۔ لگتا تھا وہ اس کے جسم میں زہر انڈیلنا چاہتی تھی۔ غزالہ کے دل میں اس کے لیے بے پناہ نفرت پیدا ہو چکی تھی۔ اس نے قبل سے وقفے میں فیصلہ کر لیا تھا کہ اس خبیث عورت کو بڑی ہی دردناک موت سے ہمکنار کرے گی۔

"تمہیں افسوس ہونا بھی چاہیے۔" غزالہ نے لہجے پر قابو رکھتے ہوئے کہا۔ "تم ایک ایسی عورت کو ہلاک کرنا چاہتی ہو جس نے تمہارا کچھ نہیں بگاڑا۔"

"نہ نہ ڈیئر! ایسی باتیں نہ کرو جن کا تعلق دل کے نرم گوشوں سے ہوتا ہے۔ یقین کرو۔ میرے دل کا کوئی بھی گوشہ نرم نہیں ہے۔ ... لیکن ٹھہرو! آج ایک نرم گوشہ پیدا ہو گیا ہے۔ تمہارا یہ دوست شہزاد کیسا آدمی ہے؟"

"آدمی کیسے ہوتے ہیں؟" غزالہ بے ساختہ بولی۔

"یقیناً یہ دوسروں سے بے حد مختلف ہے۔ مجھے موقع ملا تو میں ان دونوں پر بڑا ہی عجیب تجربہ کروں گی۔ اس کے ساتھ عمر بوڑھا لطیفہ ہے، میں اس کے دل و دماغ میں یہ احساس انڈیل دوں گی کہ وہ بیس بائیس سال کا ایک نوجوان ہے اور تمہارے دوست شہزاد کو جوانجکشن لگے گا، وہ اُسے ذہنی اعتبار سے سو سالہ بوڑھا بنا دے گا۔ تب میں اُن کی دلچسپ حرکتوں سے محظوظ ہوں گی۔"

اُدشان نے عقبی دروازے کا جائزہ لیا۔

چند لمحوں تک وہ اُسے گھورتا رہا... پھر وہ ذرا سا فضا میں اُچھلا۔ اس کے دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں تیزی سے حرکت میں آئے۔ شہزاد کوشش کے باوجود یہ نہ دیکھ سکا کہ اُدشان نے سب سے پہلے ان چاروں ہاتھ پیروں میں سے، کس سے ضرب لگائی تھی... لیکن یہ وقت کوئی تکنیک سیکھنے کا نہیں تھا۔ اس کے دل و دماغ پر غزالہ سوار تھی۔ اس سیاہ فام لڑکی سے اس کی اب تک ڈھنگ سے ایک بھی ملاقات نہیں ہوئی تھی لیکن وہ اس کے لیے دل میں نرم گوشہ محسوس کرنے لگا تھا... اور وہ لڑکی اس وقت زندگی اور موت کے درمیان بازِ معلق تھی یا پھر اس کی سانس کی ڈوری کٹ چکی ہوگی۔ اس خیال نے ٹائیگر کے دل میں بے چینیاں بھر دیں۔

دروازے کے پرخچے اُڑ چکے تھے۔

اُدشان تاریک راہ داری میں داخل ہو چکا تھا۔

ایک جگہ رُک کر اس نے دائیں بائیں دیکھا۔ ادھر سے راہ داری دو مخالف سمتوں میں تقسیم ہو جاتی تھی۔ "تم اُدھر جاؤ۔ میں اِدھر دیکھتا ہوں۔" اُدشان نے ایک طرف اشارہ کیا اور خود دوسری طرف دوڑنے لگا۔

وہ ابھی چند قدم ہی آگے بڑھا تھا کہ اُسے ٹھٹک جانا پڑا۔ اس کے نتھنے تیزی سے پھڑکنے لگے۔

"خون کی بُو... " وہ بڑبڑایا۔

اگلے ہی لمحے وہ تیزی سے ایک اور دروازہ توڑتا ہوا اندر گھستا چلا گیا۔ اس کمرے میں داخل ہوتے ہی اُسے ایک زبردست چنگھاڑ سنائی دی اور اُسی لمحے ایک سیاہ جسم اُچھل

کی راہ میں حائل ہو گیا۔

اُدشان کا دایاں ہاتھ تیزی سے آگے بڑھا۔

اس ہاتھ میں وہی پینسل دبی ہوئی تھی جسے اس نے ڈاکٹر سٹون سے مانگا تھا۔ پینسل سیاہ جسم میں داخل ہو گئی۔ وہ جسم تیزی سے اُدشان پر جھکا لیکن اتنی دیر میں وہ اس کی پشت ٹٹول رہا تھا۔ پینسل سیاہ جسم کے دل میں داخل ہو کر پشت کی طرف نکل گئی تھی۔ پینسل نکال کر یہ دیکھے بغیر کہ اس کے ہاتھوں... اچیز ہلاک ہوئی ہے، وہ تیزی سے آگے بڑھ گیا۔ تب اُسے احساس ہوا کہ وہ غلط جگہ آ گیا ہے۔

غلطی کا احساس ہوتے ہی وہ ٹھٹک گیا۔

یہ ایک نیم تاریک کمرہ تھا۔ وہ چند لمحوں تک پلکیں جھپکتا رہا... پھر اس نے چاروں طرف، فرش پر رینگنے والی چیزیں دیکھیں۔ یہ سانپ تھے اور ان میں ایک اژدہا بھی تھا۔ اُدشان نے کمرے میں روشنی کر دی۔ تب اس نے ایک تحیر خیز منظر دیکھا۔ روشنی ہوتے ہی تمام سانپ اژدھے کی طرف لپکے تھے لیکن اگلی ہی ساعت وہ اس پر حملہ آور ہونے کی بجائے اس کے جسم پر لپٹ گئے تھے۔

اُدشان نے دروازے کی طرف دیکھا۔

وہاں ایک بن مانس کی لاش تھی... لیکن جب اس نے غور سے دیکھا تو یہ بن مانس نہیں بلکہ ایک سیاہ فام تھا۔ اس کے جسم پر لباس نام کی کوئی چیز نہیں تھی لیکن جسم بالوں سے اس قدر ڈھکا ہوا تھا کہ اُسے لباس کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ وہ مُنہ کے بل فرش پر پڑا تھا اور اس کی پشت پر دل کے مقام سے خون اُبل رہا تھا لیکن مُردہ سیاہ فام کے جسم میں تڑپ نہیں تھی۔ اس کا جسم ساکت تھا۔

اُدشان اژدہے کی طرف متوجہ ہو گیا۔

مبہم سی کے کانوں سے ایک عجیب سی آواز ٹکرانے لگی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے برابر کے تاریک کمرے میں بیٹھا کوئی کسی کی ہڈیاں چبا رہا ہو۔ اُدشان جیسے ہی اژدہے کے قریب پہنچا، اس نے ایک پھنکار ماری۔ بڑی ہی خوف ناک آواز تھی۔ اس کے ساتھ ہی کوئی چیز دروازے سے اُدشان پر کُودی۔

اُدشان نے ایک نظر اس کی طرف دیکھا اور پھر اس کا دایاں ہاتھ نیم دائرے کی صورت میں لہرایا تھا۔ اس کی ہتھیلی کا کنارا حملہ آور جانور کی گردن پر پڑا تھا اور آنکھوں سے دہانے تک کا حصہ چیخ کر لٹک گیا۔ یہ بھیڑیے جیسا لگتا تھا۔ وہ فرش پر گرا اور تڑپنے لگا۔

بغیر ہی ساکت ہو گیا کیوں کہ وہ اژدہے کے قریب تھا، اس لیے اژدہے نے اُسے اپنی لپیٹ میں لے لیا... اژدہے کے جسم پر ان گنت سانپ لپٹے ہوئے تھے اور وہ خود اس جسیم کتے کی لاش سے لپٹ گیا تھا۔ اس کے بل تیزی سے تنگ ہونے لگے جس کے نتیجے میں ایسی آوازیں پیدا ہوئیں جیسے کتے کی ہڈیاں ٹوٹ گئی ہوں۔ اُدشان نے جھک کر اژدہے کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

اژدہا پھنکار کر اُس کی طرف لپکا۔

اُسی ساعت اُدشان کی انگشت شہادت جنجر کی نوک کی طرح آگے بڑھی اور اژدہے کی کھوپڑی میں اُتر گئی۔ اژدہا بڑے زور سے اُچھل پڑا۔ اس کے گرد لپٹے ہوئے سانپ بیک وقت پھنکارے اور ان کے بل تیزی سے کھلنے لگے...

اُدشان پنجوں کے بل ذرا سا اُچھل پڑا۔

اس کا جسم فرش سے کچھ اُوپر اُٹھا اور پھر وہ فرش کے متوازی جھک کر دروازے کی طرف تیر گیا۔ دروازے میں رُک کر اس نے عقب میں دیکھا۔ سانپ اب اس سیاہ فام کی لاش پر... حملہ آور ہو رہے تھے جس کی پشت سے نکلنے والا خون فرش پر پھیل چکا تھا۔ اُدشان نے دوسرے کمرے میں داخل ہو کر وہاں بھی روشنی کر دی۔

یہ کمرہ بھی مختلف جانوروں کے پنجرے سے بھرا ہوا تھا۔

اُدشان دبے قدموں سامنے کے بند دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

غزالہ خوش تھی کہ ڈاکٹر اسٹون کی نگاہ ابھی تک اس کی ران کی آڑ میں کھلے ہاتھ پر نہیں پڑی تھی۔ اس کی آنکھوں میں کانچ کی گولیوں جیسی چمک تھی۔ بھنچے کے ڈھیلوں سے چھت پر جھولتے ہوئے فلورسینٹ بلب کی چمک دار روشنی منعکس ہو رہی تھی۔

"تم نے اپنی زندگی کی گھڑیاں طویل کر لی ہیں، غزالہ۔" وہ اس کی طرف جھک کر بولی۔ "میں اسے تمہاری آخری خواہش سمجھ کر ضرور پورا کروں گی۔"

غزالہ کا ہاتھ چاقو کے دستے پر منجمد تھا... لیکن اس سے قبل کہ وہ ڈاکٹر اسٹون پر حملہ آور ہوتی، ڈاکٹر تیزی سے پلٹ کر اس کیبنٹ کی طرف بڑھ گئی جس میں مختلف دواؤں کی شیشیاں رکھی ہوئی تھیں۔

اس نے دوسری سرنج نکال اور ایک شیشی سے اُسے

بھرنے لگی۔

غزالہ نے چاقو والا ہاتھ اُٹھایا اور دُوسرے ہاتھ کو آزاد کرانے کے لیے ٹیپ کاٹنے لگی لیکن اس کی توقع کے خلاف ڈاکٹر اسٹون سرنج بھرنے سے جلدی فارغ ہوگئی۔ غزالہ نے بڑی تیزی سے چاقو والا ہاتھ اپنی ران کی اوٹ میں کرلیا۔

ڈاکٹر اسٹون سرنج لیے اس کی طرف آئی۔

وہ قریب آکر مسکرانے لگی۔

اس کی آنکھیں بے پناہ روشن تھیں۔

ایک بار پھر وہ غزالہ کے بائیں بازو پر ہاتھ رکھے نس ٹٹول رہی تھی۔ نس پر انگلی سے رگڑنے کے بعد اس نے سرنج کی سُوئی رکھ دی۔ اور جیسے ہی بازو بڑھایا غزالہ کا چاقو والا ہاتھ حرکت میں آگیا۔

چاقو کا بلیڈ، روشنی میں بجلی کے کوندے کی طرح چمک اُٹھا۔

وار اُس کے اُسی ہاتھ پر ہُوا جس سے وہ غزالہ کو انجکشن لگا رہی تھی ڈاکٹر اسٹون کے حلق سے ایک طویل سسکاری نکلی۔ سرنج پر دباؤ بڑھ گیا اور پھر وہ جہاں انجیکٹ کی جارہی تھی، وہاں کسی ایسے پرندے کی طرح لٹک گئی جس کی چونچ اپنے شکار کے جسم میں پیوست ہوچکی ہو۔

ڈاکٹر اسٹون لڑکھڑا گئی۔

اُسی لمحے غزالہ نے دوسرا وار کیا۔

اس بار چاقو ڈاکٹر اسٹون کی پسلیوں میں گھس گیا۔ اس کے حلق سے ایک دلدوز چیخ نکل گئی۔ وہ لڑکھڑا کر کئی قدم پیچھے ہٹ گئی۔ اس کی آنکھیں بے یقینی سے پھیل گئی تھیں اور اس کا چہرہ مارے غصّے کے تاریک ہوتا جارہا تھا۔ اس نے ایک ہاتھ سے اپنی زخمی کلائی تھام لی اور زخمی ہاتھ پسلیوں پر رکھ لیا جہاں سے خون کی تیز دھار بہہ نکلی تھی۔

غزالہ کو اپنے بائیں بازو میں چنگاریاں سی بھرتی محسوس ہو رہی تھیں۔ اس نے چاقو سے بندش کاٹنے کی بجائے سرنج تھام لی اور اُسے کھینچ کر دُور پھینک دیا۔ سرنج فرش پر گری اور کرچیوں میں تبدیل ہوگئی۔

اس نے چاقو کی طرف ہاتھ بڑھایا تو ڈاکٹر اسٹون پاگلوں کی طرح چیختی ہُوئی اُس پر جھپٹ پڑی۔ یہ ایک مہلک مقابلہ تھا۔ غزالہ کو چونکہ اس سے، اتنی زخمی حالت میں اس حرکت کی توقع نہیں تھی اس لیے وہ بوکھلا گئی اور لمحوں کے اس کھیل میں بوکھلاہٹ کا

دُوسرا نام موت ہے۔ غزالہ موت کا شکار تو نہیں ہُوئی لیکن اس کی موت کا سامان ڈاکٹر اسٹون کے ہاتھ میں پہنچ گیا تھا۔

چاقو ہاتھ میں لیے وہ اُسے گھُور رہی تھی۔

اس کی آنکھوں میں درد کروٹیں لے رہا تھا۔ اس کے ہونٹ سکڑ گئے تھے اور اس کے رخساروں پر زردی پھیل گئی تھی۔

غزالہ کے بائیں بازو میں، جہاں انجکشن لگا تھا، وہاں شدید جلن ہو رہی تھی اور اب دائیں کلائی کا زخم بھی تکلیف دہ ہوگیا تھا۔ اس کے دونوں بازو آزاد تھے لیکن ابھی دھڑکتی ٹانگیں بیڈ پر بندھی ہُوئی تھیں۔ دونوں آزاد ہاتھوں سے وہ ڈاکٹر اسٹون کو کوئی نقصان پہنچا نا تو درکنار، اپنا دفاع بھی نہیں کرسکتی تھی۔ لیکن اس پر مایوسی کا غلبہ نہیں ہُوا تھا وہ صرف اس دُوا سے گھبرا رہی تھی جس کی نہ جانے کتنی مقدار اس کے بازو میں اُتر کر اُس کے خون میں شامل ہوچکی تھی۔

رفتہ رفتہ اس کے بازو میں جلن کم ہوتی جارہی تھی۔ اور چنگاریاں سرد پڑتی جارہی تھیں لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ ذہن پر ایک عجیب سا غبار چھاتا جارہا تھا۔ اُسے اپنے جسم اور اعصاب میں ناقابلِ فہم سا ہیجان محسوس ہونے لگا تھا۔

ڈاکٹر اسٹون خونخوار انداز میں چاقو والا ہاتھ اُٹھائے آگے بڑھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں سے اب دیوانگی جھلک رہی تھی۔ اس کے چہرے پر انتقام کے جو تاثرات تھے، اُنھوں نے اس کا حسین چہرہ بگاڑ کر بڑا ہی بھیانک بنا دیا تھا۔

غزالہ نے جسم کو ایک شدید جھٹکا دیا۔

پہیوں والا بیڈنگ دیوار کی طرف تھوڑا سا کھسک گیا۔

اس نے جسم کو ایک اور جھٹکا دیا۔

پلنگ تھوڑا سا اور کھسک گیا۔ اس دوران میں ڈاکٹر اسٹون بھی تھوڑا سا اور آگے آگئی۔ اس کے ہونٹوں پر بڑی ہی سفاک مسکراہٹ پیدا ہوگئی۔ غزالہ نے اس کے اور اپنے پلنگ کے درمیانی فاصلے کا جائزہ لیا۔ اگر وہ کسی طرح بیڈ کو دیوار کے قریب لے جانے میں کامیاب ہوجائے تو وہاں سے بچاؤ کی کوئی صُورت نکل سکتی تھی۔ اس نے سوچا کہ دیوار کے قریب جاکر وہ ہاتھوں کی مدد سے پلنگ اتنی قوت سے ڈاکٹر اسٹون کی طرف دھکیلے گی کہ اس کی پتی ڈاکٹر کے جسم سے ٹکرا کر اُسے گرنے پر مجبُور کردے گی۔

وہ جانتی تھی کہ زندگی اور موت کے درمیان بس چند قدموں کا فاصلہ ہی باقی ہے۔ ڈاکٹر اسٹون کے دونوں زخم گہرے اور کاری تھے۔ ان سے جس رفتار سے خون بہہ رہا تھا، اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ زندگی تیزی سے خارج ہوتی جارہی ہے۔ وہ ہر گزرتے ہُوئے لمحے کے ساتھ موت کے قریب ہوتی جارہی تھی۔ اُسے اس وقت تک ڈاکٹر اسٹون کی دسترس سے باہر رہنا تھا جب تک اس کی ٹانگیں جسم کا بوجھ سہارنے سے انکار نہیں کردیتیں اور وہ خون کی کمی کے باعث فرش پر گر نہیں پڑتی۔

جسم کو دو تین جھٹکے دے کر وہ اپنا پلنگ دیوار تک پہنچانے میں کامیاب ہوگئی۔

ڈاکٹر اسٹون کی رفتار بے حد سُست تھی۔

اس کی پسلیوں سے خون اب بھی اُبل رہا تھا اور وہ وہاں اپنا ایک ہاتھ رکھے ہُوئے تھی۔ خون ... اس کی انگلیوں کے درمیان سے نکل نکل کر اس کا دامن بھگوتا ہُوا نیچے تک پھیلتا جارہا تھا۔ دیوار کے قریب پہنچ کر غزالہ نے دونوں ہاتھ دیوار سے ٹکائے اور پلنگ کا رُخ بدل دیا۔ اب اُس کے پاؤں ڈاکٹر اسٹون کی طرف تھے۔ اس نے فاصلے کا تعین کیا اور پھر قدرے مطمئن ہوکر اپنے جسم کے گرد لپٹی ہُوئی ٹیپ ہٹانے کی کوشش کرنے لگی۔ اسے اپنی اس کوشش میں کامیابی نہیں ہُوئی۔

ڈاکٹر اسٹون ایک قدم اور آگے بڑھ گئی۔

وہ اب بُری طرح جھومنے لگی تھی۔

اس کا انداز نشے میں دُھت کسی شرابی جیسا تھا... لیکن ابھی تک اس کی مضبوط ٹانگیں جسم کا بوجھ سنبھالے ہوئے تھیں۔ ممکن ہے اُنھیں حرکت دینے میں اُسے دُشواری ہو رہی ہو۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ کب کی چاقو کا بلیڈ غزالہ کے جسم میں داخل کرچکی ہوتی۔ غزالہ نے جسم آزاد کرانے کی جدوجہد ترک کردی۔ اب وہ دیوار سے دونوں ہاتھ ٹکائے صرف ایک قدم اور اُٹھنے کا انتظار کر رہی تھی۔ جیسے ہی ڈاکٹر اسٹون نے قدم آگے بڑھایا، اس نے دونوں ہاتھوں کو دیوار کی طرف دبایا اور پھر جسم کو پُوری قوت سے جھٹکا دیا۔ جھٹکا اتنا شدید تھا کہ ایک بندش بھی ٹوٹ گئی۔ پلنگ تیزی سے پھسلا اور ڈاکٹر اسٹون کی طرف بڑھا۔ وہ اب بھی چاقو ہاتھ میں لیے ایک اور قدم آگے بڑھانے کی کوشش کر رہی تھی... لیکن جب اس نے بیڈ اپنی طرف تیزی سے پھسلتے ہوئے دیکھا تو اس کا چاقو والا ہاتھ سر سے بلند ہوگیا۔ یہ حرکت اسے بہت مہنگی پڑی۔ پسلیوں کے درمیان شگاف میں پھنسا ہُوا، زخم ادھڑے اور کھل گیا۔ خون کا فوارہ سا اُبل پڑا۔ وہ نڈھال ہوگئی۔ اُسی لمحے پلنگ اُس کی دونوں رانوں کے سامنے والے حصّے سے ٹکرایا لیکن چونکہ وہ سامنے کی طرف کچھ جُھک گئی تھی اس لیے رانوں پر ٹکرانے سے اس کے قدم فرش سے اُکھڑ گئے اور وہ مُنہ کے بل

غزالہ پر گر گئی۔ اس کا چاقو والا ہاتھ تیزی سے نیچے آیا تھا لیکن غزالہ اس لمحے دفاع کرنے کے لیے تیار تھی۔ اس نے بڑی حاضر دماغی سے کام لیا تھا۔ اس کا دایاں ہاتھ ڈاکٹر اسٹون کی کلائی پر جم گیا۔

اب صُورتِ حال یہ تھی کہ ڈاکٹر اسٹون اس پر لیٹی ہُوئی تھی۔ اس کا ایک ہاتھ غزالہ کی گرفت میں تھا اور وہ دُوسرے ہاتھ سے اس کے زخمے پر دباؤ ڈال رہی تھی لیکن اس میں زور آزمائی کی ہمت نہیں رہی تھی۔ وہ بُری طرح ہانپ رہی تھی۔ اس کی پھنکاروں جیسی گرم گرم سانسیں غزالہ کو اپنے چہرے پر محسوس ہو رہی تھیں۔ خود غزالہ بھی بُری طرح ہانپ رہی تھی۔ اس کی کلائی کا زخم بے حد تکلیف دہ ہوتا جارہا تھا۔ اسی زخمی ہاتھ سے اس نے ڈاکٹر اسٹون کا چاقو والا ہاتھ روک رکھا تھا... چاقو اپنے بے پھل کی وجہ سے لمحہ بہ لمحہ اس کے جسم سے قریب تر ہوتا جارہا تھا۔

غزالہ کی کوشش تھی کہ چاقو والا ہاتھ اس کے پہلو کی طرف سے پلنگ کی پٹی کی طرف نکل جائے۔ اس طرح وہ اُسے ڈاکٹر اسٹون کی گرفت سے نکالنے کے ساتھ ساتھ چاقو کے بلیڈ کی زد سے محفوظ بھی رہ سکتی تھی... لیکن وہ اپنی اس کوشش میں کامیاب نہ ہوسکی۔

ڈاکٹر اسٹون کا چہرہ اس کے سامنے تھا۔

اس کی آنکھوں سے اب مُردنی جھلکنے لگی تھی۔

غزالہ نے اس کی کلائی کو جھٹکا دیا۔

ڈاکٹر اسٹون کی آنکھوں میں کرب بڑھ گیا لیکن اُس کی دیوانگی میں ابھی تک کمی نہیں آئی تھی۔ اس نے دانت غزالہ کی کھوپڑی میں گاڑ دیے۔ غزالہ تلملا گئی۔ اسی لمحے اس کے ذہن پر وہ پُراسرار غبار شدّت سے حملہ آور ہُوا۔ اس کے نتھنوں میں نوشادر سی بُو گھُس آئی جس نے اس کا دل و دماغ سرشار کردیا۔ اس کی گرفت ڈاکٹر اسٹون کی کلائی پر کمزور پڑتی گئی اور پھر اُس نے دونوں ہاتھوں سے اُسے تھام لیا۔ اس کے جذبوں کی دُنیا میں جو بھونچال سا پیدا ہوتا گیا لیکن ڈاکٹر اسٹون کی رُوح تیزی سے جسم کا ساتھ چھوڑتی جارہی تھی۔

غزالہ کی آنکھیں دُھندلا گئیں۔

وہ بُری طرح کانپ رہی تھی۔

اس کا جسم تیزی سے پسینے میں شرابور ہو رہا تھا۔

اچانک اُسے اپنے سینے پر کوئی گوں سی چیز کراتی محسوس ہوئی۔ اس نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا۔ ڈاکٹر اسٹون کا سر ڈھلک گیا تھا اور اب وہ اس کے سینے پر سر ٹکانے ابدی نیند میں ڈوب گئی تھی۔

ٹائیگر ٹھنک کر رہ گیا۔

اس کی سماعت سے عجیب عجیب آوازیں ٹکرا رہی تھیں۔ اسے حیرت تھی کہ عقبی سمت سے آنے کے بعد انھیں کس قدر تحیر خیز صورتِ حال کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس راہ داری کے بعد عقوبت خانے میں اس قسم کے کمرے بھی ہوں گے جن میں جانوروں کے پنجرے ہی پنجرے بھرے ہوئے ہیں۔

وہ جس آواز کو سُن رہا تھا، یہ ایک ایسی آواز تھی جیسے قریب ہی کوئی انسان بے پناہ اور ناقابلِ برداشت اذیت کے تحت کراہ رہا ہو۔ وہ آواز پر کان لگائے کھڑا رہا... پھر آہستہ آہستہ اُسی سمت بڑھ گیا۔ اُسے احساس تھا کہ جس زیرِ زمین جگہ پر قدم رکھا ہے یہاں قدم قدم پر خطرات ہوں گے... لیکن وہ عام آدمیوں کی طرح دہشت زدہ نہیں ہوتا تھا اور نہ ہی وہ کوئی عام آدمی تھا۔ اس کی شخصیت مثالی تھی اور وہ ایک غیر معمولی آدمی تھا۔ اپنی ذات میں طاقت کا پہاڑ تھا اور اُس کی تنہا ہستی کسی بڑی فوج کے مقابلے میں بھاری تھی۔

ڈاکٹر اسٹون سے ملاقات کے بعد اس کے دل میں عجیب اور ناقابلِ فہم سے جذبات سر اُبھار رہے تھے اب تک وہ بہت سی خطرناک اور غیر معمولی تخصیتوں سے مل چکا تھا اور وہ لوگ اس کے ہاتھوں انجام کو بھی پہنچ گئے تھے... لیکن یہ عورت... وہ کانپ گیا۔ اس کے ذہن میں یورپا نو خاندان کے بڑے لڑکے کی عبرت ناک موت اور اس کے بعد ریندی کی ہلاکت ابھی تازہ تھی۔ وہ محتاط تھا... بے حد محتاط... کیونکہ وہ اپنے روحانی باپ اور اُستاد اُدشان کو بے پناہ محتاط محسوس کر چکا تھا۔

اس کی انگلیوں نے ایک تالا کھول ڈالا۔

تالا الگ کرکے وہ دروازہ دھکیلتا ہوا اندر پہنچا تو اس کے پاؤں فرش پر جم گئے۔ اس کے سامنے تین پنجرے تھے۔ ان میں سے ہر ایک میں کوئی نہ کوئی جان دار موجود تھا۔ ایک پنجرے میں بڑا سا اژدہا تھا، دوسرے میں ایک بھاری بھرکم بندر تھا... اور تیسرے میں ایک بھیڑیا بیٹھا ہوا تھا... وہ تینوں ساکت تھے، حالاں کہ ان کی آنکھیں ظاہر کر رہی تھیں کہ وہ زندہ ہیں۔

ٹائیگر نے دیکھا کہ ان تینوں کی کھوپڑیوں میں ایک ایک نلکی لگی ہوئی ہے ہر نلکی سے ایک باریک ٹیوب منسلک تھی یہ ٹیوبیں پنجروں کے اُوپر سے چھت کی طرف جا رہی تھیں۔ چھت پر ایک گنبد لگا ہوا تھا۔ جس میں سے گزر کر یہ ٹیوبیں کانچ کے ایک مرتبان میں جا گرتی تھیں۔

ٹائیگر کی نگاہ اس مرتبان پر جم گئی۔

اس مرتبان میں سبز سیال بھرا ہوا تھا اور ایک نلکی وہاں سے کمرے کے دوسرے حصّے کی طرف جاتی دکھائی دے رہی تھی۔ ٹائیگر کی نگاہ اس نلکی کے ساتھ ساتھ سفر کرتی ہوئی وہاں تک جا پہنچی جہاں اس کا آخری حصّہ تھا اور تبھی وہ بُری طرح اُچھل پڑا۔ اس کے سامنے ایک اور پنجرہ تھا اس پنجرے میں ایک تین سالہ بچہ بیٹھا ہوا تھا۔ دیگر تین پنجروں میں بند جانوروں کی طرح اس بچے کی آنکھیں بھی چمک رہی تھیں اور وہ ساکت بیٹھا تھا۔ شیشے کے مرتبان سے نلکی اس کی کھوپڑی کے عقبی حصّے تک پہنچتی تھی۔ اور غائباً وہاں سے اندر داخل ہو رہی تھی۔ ٹائیگر نے جو انسانی کراہیں سُنی تھیں، وہ اسی بچے کے حلق سے نکل رہی تھیں۔

اس کا دہانہ بار بار کھل رہا تھا اور بند ہو رہا تھا۔

اچانک بچے کے حلق سے ایک دلدوز چیخ نکل گئی۔

اس نے دونوں ہاتھوں سے پنجرے کی سلاخیں تھام لیں اور پھر ٹائیگر کو یوں محسوس ہوا جیسے اس کا پورا وجود سنسنی کی لہروں میں ڈوب گیا ہو۔ بچے نے آہنی سلاخیں تھاد کر ان پر زور لگانا شروع کر دیا تھا... اور آہنی سلاخیں یوں مُڑتی جا رہی تھیں جیسے وہ موم کی بنی ہوئی ہوں۔ اب سلاخوں میں اتنی جگہ پیدا ہو گئی تھی کہ بچہ ان میں سے باہر آ سکتا تھا۔

وہ پنجرے سے نکلا اور پھر اُس نے ٹائیگر پر چھلانگ لگا دی۔ ٹائیگر بوکھلا گیا "ارے صاحبزادے... ارے..." اس نے بوکھلاہٹ میں کہا اور پھر اس کے دونوں ہاتھ تیزی سے آگے بڑھے۔ اس نے بچے کو دبوچ لیا اور اس کا ایک ہاتھ بچے کے سر میں لگی ہوئی نلکی کی طرف بڑھ گیا۔



ٹائیگر کی بوکھلاہٹ دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔

دُنیا کا طاقت ور ترین شخص اور ایک کھیرے جیسے بچے سے گھبرا جائے۔ بات محسوس کرنے کی حد تک تو مضحکہ خیز تھی لیکن وہ بچہ غیر معمولی تھا۔ شہزادہ اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا تھا کہ اس کی کھوپڑی کی پُشت میں جو نلکی پیوست ہے، اس کا تعلق ایک ایسے مرتبان سے تھا جس میں تین مہلک جانوروں کے جسموں سے منسلک نلکیاں پہنچ رہی تھیں۔ ایک پنجرے میں وہ، بندر بھی دیکھ چکا تھا۔ دوسرے میں اژدہا اور تیسرے میں ایک بھیڑیا اب بھی براجمان تھا... پھر تین سال کے اس بچے نے آہنی پنجرے کی سلاخیں، تنکوں کی طرح بکھیر دی تھیں اور اب وہ ٹائیگر کے ہاتھوں میں دبا ہوا تھا ایک لمحے کے لیے ٹائیگر کو یوں محسوس ہوا تھا جیسے وہ بچہ آگ کا بنا ہوا ہو۔ اُسے یوں لگا تھا گویا اس کے دونوں ہاتھ جھلس گئے ہوں۔ اگلی ساعت اس کے بازوؤں کے رشتے اکڑتے چلے گئے چند ہی لمحوں میں، اس کے بازوؤں میں فولاد کی سی سختی پیدا ہو چکی تھی۔ اس کا جو ہاتھ بچے کی کھوپڑی کی پُشت پر لگی ہوئی نلکی الگ کرنے کے لیے بڑھا تھا، وہ نلکی پر جم گیا تھا... لیکن اس سے پہلے کہ وہ نلکی الگ کرنے میں کامیاب ہوتا، بچے کا ایک پنجہ اُٹھا اور اس نے ٹائیگر کا بازو تھام لیا۔

ٹائیگر بچے کی آنکھوں میں جھانکنے لگا۔

"سنو برخوردار!" وہ ہانپ کر بولا۔ "میں ایک کنوارا نوجوان ہوں اور بچوں کے سلسلے میں میرا تجربہ صفر ہے۔ میں مانتا ہوں کہ تم کرلیس یا گولا ٹھتہ کی نسل سے تعلق رکھتے ہو... لیکن کیا یہ اچھا نہ ہوگا کہ تم بڑوں کا احترام کرنا سیکھ لو۔"

بچے کا جو ہاتھ اُس کے بازو پر جما ہوا تھا، اس نے ٹائیگر کی کھال اُدھیڑ ڈالی تھی۔ ٹائیگر کا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا اُسے سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی تھی کہ یہ غیر معمولی بچہ، اُسی سبز سیال کی وجہ سے اس قدر غیر معمولی ہے، اس لیے سبز سیال کا سلسلہ اس کی کھوپڑی کے عقبی حصّے سے منقطع کر دینا چاہیے۔ لیکن بچے کا پنجہ اس کے بازو پر کسی آہنی شکنجے کی طرح جم گیا تھا۔ اس نے اپنے بھی ریشوں کو مزید سخت کر لیا اور پھر بچے کے پنجے کو ایک جھٹکا دیا۔ اگلے ہی لمحے اس نے نلکی تھام لی۔

بچہ مُنہ کھول کر چیخا۔ یہ چیخ اتنی دلدوز تھی کہ ٹائیگر کے رونگٹے کھڑے ہو گئے لیکن اس کا ہاتھ نلکی تک پہنچ چکا تھا۔ وہ ایک ہاتھ سے بچے کو دبوچے ہوئے تھا اور بچہ اُسے چھپکلی کی طرح چمٹا ہوا تھا۔ ایک جھٹکے سے اس نے نلکی کھینچ لی۔ فوراً ہی اُسے یوں محسوس ہوا جیسے بچہ یکایک نرم پڑ گیا ہو۔ اس کی آنکھوں کی خوف ناک چمک بجھ گئی اور وہ یوں رونے لگا گویا کوئی ننھا سا بچہ رو رہا ہو۔

نلکی جیسے ہی بچے کی کھوپڑی سے جُدا ہوئی، سبز سیال کا مرتبان بلبلا کے سے پھٹ گیا۔ ٹائیگر نے حیرت اور بے یقینی سے کمرے میں موجود تینوں پنجرے دیکھے۔ ان میں موجود تینوں جاندار بھی تڑپنے لگے تھے اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ ساکت ہو کر یوں بن گئے جیسے ان کے جسموں سے روح نکل گئی ہو۔

بچہ اب بھی رو رہا تھا اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے وہ غیر معمولی بچہ اب ایک عام سا بچہ بن گیا تھا۔ اس کی صورت

سے معصومیت ٹپکنے لگی تھی۔ ٹائیگر اُسے دونوں ہاتھوں سے تھامے حیرت زدہ کھڑا تھا بلکہ اس کی سانس تک لمحے بھر کے لیے رُک گئی تھی۔ اچانک ٹائیگر کو چونک جانا پڑا۔

بچے کی کھوپڑی کا عقبی حصّہ... جہاں سے اُس نے نلکی نکالی تھی، وہاں سے خون بہنے لگا تھا۔ خون کی بوندیں فرش پر ٹپک رہی تھیں۔ جیسے جیسے خون خارج ہو رہا تھا، بچے کی حالت بگڑتی جا رہی تھی اور اس کا جسم ٹھنڈا اور نرم ہوتا جا رہا تھا۔

ٹائیگر نے اس سوراخ پر انگلی رکھ دی۔

خون کی بوندیں گرنا بند ہو گئیں۔

بچہ اب بھی رو رہا تھا لیکن اس کی آنکھیں بند تھیں اور یوں لگتا تھا جیسے وہ جھجک سے بلک رہا ہو۔ وہ اُسے بازو کے جھولے میں ٹٹولنے، ایک انگلی، کھوپڑی کے سوراخ پر جمائے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ ایک لمحے قبل وہ اس بچے کو ریزوں میں تقسیم کرنے کا ارادہ کر رہا تھا لیکن اب اُسے بچے کی معصومیت پر پیار آ رہا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اُس نے اُسے دیوار سے دے مارنے کا خیال ذہن سے جھٹک دیا تھا۔

وہ اُس کمرے سے نکل کر دُوسرے کمرے میں آ گیا۔

یہ کمرہ خالی تھا۔

وہ اس کمرے کے دُوسرے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ اچانک اس کی سماعت سے کچھ آوازیں ٹکرائیں کہ اُسے ٹھٹک جانا پڑا۔ یہ آوازیں ملحقہ کمرے سے آ رہی تھیں۔

اُدشان نے بند دروازہ کھول دیا۔

سامنے ایک خالی کمرہ تھا۔ اس نے کمرے میں قدم رکھا تو ٹائیگر کو دیکھ کر ٹھٹک گیا۔ وہ بازو میں ایک بچہ لیے کھڑا تھا۔ اُدشان کی آنکھوں میں لمحے بھر کو حیرت پیدا ہوئی لیکن اگلے ہی لمحے وہ مخصوص انداز میں ہنس پڑا۔

"تمھیں اس حالت میں دیکھ کر مجھے کتنی خوشی ہو رہی ہے۔" اس نے بچے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "یہ کون ہے؟ کس کا بچہ ہے؟"

"کچھ دیر پہلے تو سور کا بچہ تھا۔" ٹائیگر بولا۔ "بڑی مشکل سے آدمی کا بچہ بنانے میں کامیاب ہوا ہوں۔"

"ٹھیک ہے، اسے گود لے لو۔"

"فی الحال تو اپ ہی اسے سنبھالیے، میں اس کرتلے کی لڑکی کو تلاش کرنا چاہتا ہوں۔ اگر اُسے کچھ ہو گیا تو ہرام میرے

دونوں کان کھا جائے گا اور صدر فیصلہ ای ترشاید میری بوٹیاں ہی نوچ ڈالے۔"

ٹائیگر نے پنجہ اوشان کی طرف بڑھا دیا۔

اوشان نے نتھنے پھیلائے اور کچھ سونگھنے لگا۔

"خون... موت... خوف..." وہ بڑبڑایا اور ٹائیگر کے ہاتھ سے پنجہ لے لیا پھر اُسے آہستگی سے فرش پر ڈال دیا۔ بچے نے چند لمحے قبل ہی رونا بند کر دیا تھا اور اب محل پُرسکون تھا جیسے گہری نیند میں ڈوبا ہوا ہو۔

ٹائیگر کا ہاتھ خون میں تھرتھر گیا تھا۔

اوشان نے جھک کر بچے کا جائزہ لیا۔

"یہ مر چکا ہے۔" وہ بڑبڑایا۔

ٹائیگر نے کوئی جواب نہ دیا اور اوشان کی طرف دیکھتا رہا جس کے چہرے پر بڑے ہی عجیب سے تاثرات پھیل گئے تھے۔

"غزالہ خطرے میں ہے۔" اوشان بڑبڑایا اور اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ اس کی نگاہ اس دروازے پر جم گئی جس کے عقب سے ٹائیگر چند عجیب سی آوازیں سن کر رُک گیا تھا۔ اگلے ہی لمحے وہ ہوا کے تیز جھونکے کی طرح اس دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

غزالہ کا ذہن غبار آلود ہوتا جا رہا تھا۔

ڈاکٹر اسٹون کا سر اُس کے سینے پر جھکا ہوا تھا اور وہ مر چکی تھی۔ اس کا چاقو والا ہاتھ پہلو میں بے جان پڑا تھا لیکن ابھی تک چاقو کے دستے پر انگلیوں کی گرفت مضبوط تھی۔ غزالہ نے اپنے ذہن نے اس عجیب سے خمار آلود تاثر کو جھٹک دینا چاہا لیکن اس طرح یہ دھند مزید گہری ہو گئی۔ یوں لگتا تھا جیسے اس پر جنونی کیفیت طاری ہو رہی ہو۔ وہ شدت سے کسی عورت کی ضرورت محسوس کر رہی تھی۔ وہ عورت تھی اور اس پر ایک عورت مُردہ حالت میں جھکی ہوئی تھی۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے ڈاکٹر اسٹون کی لاش اپنے اُوپر سے ہٹانے کی کوشش کی لیکن اس جدوجہد میں اُسے دانتوں پسینہ آ گیا۔ لاش یکایک ہی پتھر کی ہو گئی تھی۔

اُسے افسوس ہونے لگا کہ اس نے ڈاکٹر اسٹون سے ایسا بھونڈا مذاق کیوں کیا تھا۔ اگر وہ اُسے اپنی طرف اس گھناؤنے انداز میں متوجہ ہونے کا طعنہ نہ دیتی تو ڈاکٹر اسٹون کے شیطانی ذہن میں یہ خیال بھولے سے بھی پیدا نہ ہوتا۔ اس نے ڈاکٹر اسٹون کی کینٹ سے فائلیں نکال کر جہاں تک مطالعہ کیا تھا، اس سے یہ بات ثابت ہوتی تھی کہ وہ ایسا کرنے پر قادر ہے۔

...لیکن اب کیا ہو سکتا تھا۔

باتیں بھی تیروں کی طرح ہوتی ہیں، جو ایک بار زبان سے ادا ہو جائیں تو کمان سے نکلے ہوئے تیروں کی مانند کبھی واپس نہیں آتیں۔ اس نے بھی غصے میں آ کر ایک تیر چھوڑ دیا تھا... اور یہ تیر نشانے پر لگ کر حریف کو نقصان پہنچانے کی بجائے خود اس کے لیے ہی مصیبت کا باعث بن گیا تھا۔

اُسے اپنی پلکیں بھاری ہوتی محسوس ہونے لگیں۔

لاکھ کوشش کے باوجود وہ پلکوں کا بوجھ اُٹھانے میں کامیاب نہ ہو سکی۔ اس کے نتھنوں میں اب بھی سوندھی سوندھی بُو گھستی چلی گئی تھی۔ یہی بُو اس کے حواس پر گہری دھند کی چادر ڈال رہی تھی اس نے نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا لیا۔ اس کے دانت اپنے ہی ہونٹ میں پیوست ہو رہے تھے لیکن اُسے تکلیف کا احساس نہیں تھا۔ وہ ایک طاقت ور لڑکی تھی۔ اخلاقی اور جسمی اعتبار سے وہ عام لڑکیوں سے کہیں بلند تھی اور اُسے اپنے جذبوں پر مکمل قابو حاصل تھا لیکن اس وقت یوں لگ رہا تھا جیسے اُس کے جذبات کا بند ٹوٹ جائے گا۔ اُسے اپنا جسم اور اپنی ہستی کسی حقیر سے تنکے کی طرح بہتی محسوس ہو رہی تھی۔ جن خیالات کو اس نے زندگی میں کبھی اہمیت نہیں دی تھی، اُنھوں نے اب اس کے دماغ پر یلغار کر دی تھی... اگر یہ معاملہ صرف خیالات تک ہی محدود رہتا تو شاید وہ کسی نہ کسی طرح خود کو سنبھالنے میں کامیاب ہو جاتی... لیکن یہ خیالات عملی تقاضے اور تکمیل چاہتے تھے اور وہ ایک انجانی سی جنگ میں مبتلا ہو گئی تھی۔ ایک ایسی جنگ جس کے لیے خود اس کا جسم میدانِ جنگ بنا ہوا تھا اور اُس کی پاکیزہ رُوح آلودگی کے خیالوں کے خلاف نبرد آزما تھی۔

یہ سب کچھ اُس انجکشن کی وجہ سے ہو رہا تھا، جو ڈاکٹر ایلنا اسٹون، دُم گھونٹنے سے پہلے اُسے لگانا چاہتی تھی۔ اگرچہ اُسے اپنے مقصد میں پوری طرح کامیابی نہیں ہوئی تھی تاہم سرنج کی سُوئی سے تھوڑی بہت دوا اس کی نس میں داخل ہو چکی تھی اور اب خون میں شامل ہو کر اُس کی رگوں میں شراروں کی طرح گھوم رہی تھی۔

اُس نے ایک بار پھر خود کو اس پریشان خیالی سے بچانے کی کوشش کی۔

سوندھی سوندھی بُو اب بھی اس کے نتھنوں میں گھس رہی تھی۔

تم آلود اور بھیگی ہوئی مٹی جیسی بُو۔ یکایک اُسے احساس ہوا کہ یہ بُو وہ ڈاکٹر اسٹون کی وجہ سے محسوس کر رہی ہے۔ اگر اُس کی لاش اُوپر سے ہٹ جائے تو وہ اپنی پاکیزہ رُوح کو آلود

سے بچانے میں کامیاب ہو سکتی ہے۔

"میں ایسا ضرور کروں گی۔" وہ بڑبڑائی۔

بڑبڑاتے وقت نچلا ہونٹ دانتوں کی گرفت سے نکل گیا اور تب اُسے اپنے مُنہ میں گرم گرم لیکن نمکین سے سیال کی موجودگی کا احساس ہوا۔ وہ اس وقت خود اپنے ہی خون کا مزا چکھ رہی تھی۔ یہ ذائقہ اُسے بڑا ہی عجیب محسوس ہوا۔ یکایک اُس کی طبیعت متلانے لگی۔ اس نے پوری قوت صرف کر کے اپنی بوجھل پلکیں اُٹھائیں۔

ڈاکٹر اسٹون کی لاش اب بھی اس پر بوجھ ڈال رہی تھی۔

اس نے آنکھیں کھولیں تو اُس کا سر بُری طرح گھومنے لگا۔

ایک بار پھر اُسے اپنی رگوں میں دوڑتے بجھے ہوئے شراروں کا احساس ہوا۔ پھر اس کی نگاہ ڈاکٹر اسٹون کے ہاتھ میں جکڑے ہوئے چاقو پر جم گئی۔ اس چاقو کی اُسے شدید ضرورت تھی۔ اس کے بغیر وہ خود کو آزاد نہیں کرا سکتی تھی۔ اس نے ایک ہاتھ چاقو کی طرف بڑھایا۔ اس کا ہاتھ جیسے ہی ڈاکٹر اسٹون کی کلائی سے ٹکرایا، اس کے جسم میں ایک گرم گرم اور جھلسا دینے والے تاثر سے بھرپور لہر دوڑ گئی۔

بڑی مشکل سے اس نے ہاتھ چاقو پر رکھا اور اُسے کھینچنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکی۔ چاقو پر ڈاکٹر اسٹون کی انگلیوں کی گرفت خاصی سخت تھی۔ اس کے علاوہ چاقو کا دستہ اس کی مٹھی میں دبا ہوا تھا اور وہ صرف بلیڈ کی طرف سے ہی اُسے کھینچ سکتی تھی۔ معاً اُسے اپنے پُورے وجود پر زلزلے اور لرزے کا احساس ہوا۔ اس کا ہاتھ اتنی بُری طرح کانپا کہ وہ فوراً ہی اُسے چاقو کے بلیڈ سے نہ ہٹا لیتی، تیز دھار کے باعث کا ہاتھ کٹ گیا ہوتا۔

ایک بار پھر اس کے وجود میں وہی جنگ شروع ہو گئی جس لمحے بھر کے لیے نجات مل گئی تھی۔ اس نے پُوری شدت سے لات ذہن سے نکال دینے کی کوشش کی اور ذہن کو دوبارہ حاصل کرنے کی طرف متوجہ کر لیا... لیکن وہ کپکپاہٹوں پر قابو نہ پا سکی۔ اس کا ہاتھ یوں کانپ رہا تھا جیسے اُسے جاڑا دے بخار آ گیا ہو۔ اس کا پورا وجود دھیرے دھیرے کانپ رہا تھا اور کیفیت میں اُسے اپنی ہستی ڈوبتی محسوس ہو رہی تھی۔

"نہیں... ایسا نہیں ہو گا۔" اس نے سوندھی سوندھی بُو کو ناسے کھرچ ڈالنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "میں ایسا نہ ہونے دوں گی۔ خدایا، میری مدد کر۔"

سر کو دائیں بائیں پٹختے ہوئے اس نے ایک بار پھر چاقو کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ بلیڈ پر اس کی انگلیاں جم گئیں اس نے اُسے کھینچنے کی کوشش کی لیکن چاقو ٹس سے مس نہ ہو سکا۔ یوں لگتا تھا جیسے ڈاکٹر اسٹون کی انگلیاں اکڑ گئی ہوں اور ان کی گرفت سے چاقو نکالنے کے لیے اس کا ہاتھ کاٹ ڈالنا پڑے گا... یہ ناممکن تھا کیوں کہ اگر اس کے پاس کاٹنے کے لیے کچھ ہوتا تو وہ اپنی پلکیں کاٹ کر پھینک دیتی اور اُٹھ کھڑی ہوتی۔

اُٹھنے کا خیال آتے ہی اُس نے سوچا کہ اُسے کم از کم ڈاکٹر اسٹون کی لاش، دھکیل کر نیچے پھینک دینی چاہیے ممکن ہے اسی طرح ذہنی حالت کچھ قابو میں آ جائے۔ اُسے جو سوندھی سوندھی بُو محسوس ہو رہی تھی، وہ ڈاکٹر اسٹون کی وجہ سے ہی تھی۔

اچانک اُس کی سماعت سے ایک خفیف سی کراہ ٹکرائی۔

اس نے اپنے سینے کی طرف نگاہ جھکائی۔

ڈاکٹر اسٹون کا چہرہ رفتہ رفتہ بلند ہو رہا تھا۔

"اوہ... تو تم ابھی زندہ ہو۔" وہ چیخ پڑی لیکن یہ آواز اس کے حلق ہی میں گھٹ کر رہ گئی۔ ڈاکٹر اسٹون کا چہرہ آہستہ آہستہ اُس کے چہرے کے مقابل آ گیا۔ اس کی آنکھوں میں بے پناہ نقاہت تھی لیکن اس کے ہونٹ مسکرا رہے تھے اس مسکراہٹ میں کتنا شیطانی تاثر تھا کتنی مکروہ لگ رہی تھی۔ وہ... غزالہ کانپ کانپ گئی۔

قتل کا احساس ایک بار پھر شدت اختیار کرنے لگا۔

ڈاکٹر اسٹون کی سانسوں نے اس کے ذہن پر پھر وہی غبار چھانے لگا تھا اس نے سانس روک لی لیکن زیادہ دیر ایسا نہ کر سکی۔ اس کا دم گھٹنے لگا اور سینے میں شدید تکلیف ہونے لگی۔ پسلیاں ٹوٹتی محسوس ہونے لگیں۔ مجبوراً اس نے ایک گہری سانس لی۔ یہ سانس قیامت ڈھا گئی۔ اس کی ہستی میں جو جنگ ہو رہی تھی، وہ اپنے عروج پر پہنچ گئی۔

ڈاکٹر اسٹون کی سانسوں کا سلسلہ ایک بار پھر ٹوٹ گیا۔

ایک مرتبہ پھر اس کا سر ڈھلک گیا۔

گول گول، بالوں سے بھرا ہوا سر۔ غزالہ کو کسی ایسی چٹان کی طرح محسوس ہو رہا تھا جو اُسے پیس ڈالنے کی کوشش کر رہا ہو۔

اس نے ایک اور گہری سانس لی پھر اپنی تمام تر توجہ چاقو پر مرکوز کر دی۔ اس کا ہاتھ آہستہ آہستہ چاقو کے بلیڈ کی طرف رینگنے لگا... اور جیسے ہی اس کی انگلیوں نے چاقو کی ٹھنڈک محسوس کی، اس نے اُسے جکڑ لیا اور ہاتھ واپس کھینچا تو وہ اُس کے ہاتھ میں دبا ہوا تھا۔ ڈاکٹر

اسٹون کے ہاتھ سے نکل چلا آیا۔

وہ اطمینان کی ایک سانس لے کر رہ گئی۔

زندگی کی ہو ہلکی سی رمق پیدا ہوئی تھی، اور جب ڈاکٹر اسٹون نے سر اٹھایا تو غالباً جانکنی کے عالم میں بھی وہ اس پر حملہ کرنے کا خیال کر رہی تھی۔۔۔ اس نے چاقو کے دستے پر گرفت مزید مضبوط کر لی ہوگی لیکن جیسے ہی اس کا سر ڈھلکا۔ اس کے ہاتھ کی گرفت بھی ڈھیلی پڑ گئی ہوگی۔ تبھی تو چاقو اس کے ہاتھ سے نکل کر بستر پر گر گیا تھا اور غزالہ کو اسے بہ آسانی نکالنے میں کامیاب ہو گئی تھی۔

منزل قریب آ رہی تھی، اب اپنی کامیابی کا پوری طرح۔۔۔ احساس ہو گیا تھا۔ اس یقین نے اس کی قوت ارادی بڑھا دی۔ اس کے حوصلے بڑھ گئے اور وہ خود کو سنبھالنے میں، کافی حد تک کامیاب ہو گئی۔

چاقو اپنے پہلو میں بستر پر رکھ کر اس نے ہاتھ اٹھا لیا۔

اچانک اسے اپنی زخمی کلائی میں شدید تکلیف کا احساس ہوا۔ اس کے حلق سے ایک گھٹی گھٹی سی چیخ نکل گئی۔

بازو کی حرکت سے غالباً اس کی کلائی کا زخم دوبارہ کھل گیا تھا اور اس سے خون بہہ نکلا تھا۔ اس تکلیف میں غزالہ کے لیے راستوں کا سامان پوشیدہ تھا۔ کرب کی یہ لہر اس کے ذہن پر چھائی ہوئی دھند چھانٹنے میں مددگار ثابت ہوئی۔ توجہ بٹی تو اس کے جسمی میدان جنگ میں ہونے والی تب و تاب بھی ہلکی پڑ گئی۔ ان سکون کے لمحوں میں اس نے ڈاکٹر اسٹون کے بال جکڑ لیے اور اس کا سر اٹھانے کی کوشش کی۔ وہ ایک شدید جھٹکا مارنا چاہتی تھی لیکن زخمی کلائی اور تھکن سے مجروح جذبہ بازو کی وجہ سے ایسا ممکن نہ ہو سکا۔

اس نے نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبا کر دبا دیا۔

ڈاکٹر اسٹون کا سر بالکل اسی انداز میں آہستہ آہستہ بلند ہوا جیسے چند لمحے پیشتر زندگی کی لحاقی رمق کے تحت اٹھا تھا۔۔۔ پھر اس نے بالوں کو پہلو میں کھینچا تو سر اس کے سینے سے پھسل کر پہلو میں گر گیا۔ وہ خود کو ہلکا پھلکا محسوس کرنے لگی۔ اب وہ زیادہ آسانی سے اپنا کام مکمل کر سکتی تھی۔

ڈاکٹر اسٹون کا سر سینے سے ہٹ گیا تو ذہن میں بھونچال پیدا کرنے والی وہ سوندھی سوندھی بو بھی قدرے کم ہو گئی۔۔۔ لیکن اب اس کا جسم تشنج کا شکار ہو رہا تھا۔ رگوں میں دوڑتے ہوئے خون کی گردش اسے تھمتی محسوس ہو رہی تھی۔ غنودگی کا ایک اور ریلا آیا۔ اس نے دانتوں میں زبان دبا کر بڑی طرح پیچ و تاب کھائی۔ تکلیف کی ایک لہر اسے زبان سے شروع ہو کر اپنے تلوؤں کی طرف جاتی محسوس ہوئی۔ اس کرب ناک لہر کے غنودگی کے ریلے کو شکست دے دی۔

اس کا ہاتھ دوبارہ ڈاکٹر اسٹون کے بالوں کی طرف بڑھا۔

اسی لمحے وہ ضبط کے سارے بندھن توڑ بیٹھی۔ اس کے جسم میں نہ جانے یکایک اتنی توانائی کہاں سے آ گئی تھی کہ اس نے اسی ہاتھ سے ڈاکٹر اسٹون کا سر اٹھا لیا، جس سے کچھ دیر قبل وہ زور آزمائی میں ناکام رہی تھی۔ اب اس کا چہرہ اس کے سامنے تھا۔ وہ چند لمحوں تک اسے دیکھتی رہی۔۔۔ پھر اس نے اس کو پوری قوت سے پٹخ لیا۔ انجکشن کا اثر اس کے ہوش و حواس پر چھا چکا تھا۔

*

ڈاکٹر ایلنا کے دفتر تک پہنچنے کے بعد بالآخر انہیں وہ راستہ آ گیا جس سے تہ خانے کے اس مخصوص حصے تک پہنچا جا سکتا تھا۔ اوشان آگے آگے تھا اور اس کی حرکات و سکنات سے گہرا اضمحلال جھلک رہا تھا۔ اگرچہ اس سیاہ فام لڑکی غزالہ کے لیے خود اپنے دل میں فکرمندی تھی لیکن اپنے بوڑھے استاد کی بے چینی دیکھ کر اس سے نہ رہا گیا تھا۔ اگر کوئی اور موقع ہوتا تو وہ اس کا مذاق اڑائے بغیر نہ رہتی۔۔۔ لیکن اس وقت خاموش رہنے میں ہی عافیت تھی۔ وہ جانتا تھا اگر اس نے کوئی الٹی سیدھی بات کی تو اوشان اسے ادھیڑ کر رکھ دے گا۔ وہ اوشان کے غصے سے خوب آگاہ تھا۔

ان کے سامنے ایک دروازہ تھا۔

اوشان فرش سے ذرا سا اچھلا اور پھر دروازے کی طرف یوں لپکا جیسے غضب سے اسے کسی نے پوری قوت سے دھکیلا ہو۔ دروازے سے ٹکراتے وقت اس کے دونوں پیروں اور دونوں ہاتھوں نے خفیف سی حرکت کی تھی اور پھر دروازہ چوپٹ منتشر ہو گیا تھا جیسے وہ ٹھوس لکڑی کی بجائے بھربھرے مواد سے بنا ہوا ہو۔

ٹائیگر کے نتھنے پھڑک اٹھے۔

خون۔۔۔ خوف۔۔۔ اور موت کی بو اسے کافی دیر سے محسوس ہو رہی تھی لیکن یہاں پہنچ کر اس میں بے پناہ شدت آ گئی تھی۔ اس کی خوفناک پیشانی پر ان گنت سلوٹیں نمودار ہو گئیں۔

اوشان دروازے سے داخل ہونے کے بعد ٹھٹک کر خود بھی بت بنا ہوا تھا۔

اچانک ہی اسے ایک عجیب سی بو کا احساس ہوا تھا۔ اس کی وہ فوری نوعیت پر کوئی وضاحت نہیں کر سکا تھا لیکن جو کچھ اس کی آنکھیں دیکھ رہی تھیں، وہ اس بو کی وضاحت اور مکمل تصویر تھی۔

اوشان کے ہونٹ نفرت سے سکڑ گئے۔ اس کی آنکھیں یکایک ہی دہک اٹھی تھیں۔ اس نے ٹائیگر کی طرف دیکھا تو وہ بھی حیرت زدہ سے کھڑا تھا۔ اوشان کی آنکھوں میں اتنا خوفناک تاثر اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے اس کی آنکھوں میں سرخ سرخ دو خون آلود بوٹیاں تیر رہی ہوں اور ان بوٹیوں سے خون کی آنکھوں کی چھوٹی چھوٹی جھیلوں میں منتشر ہو رہا ہو۔

"غلیظ۔۔۔ قابل نفرت۔۔۔" وہ بڑبڑایا۔

ٹائیگر نے غزالہ کی طرف دیکھا اور اسی لمحے غزالہ کی نگاہ ان دونوں کی طرف اٹھ گئی۔ اس نے عجیب سے انداز میں نتھنے پھیلائے اور سیکڑے۔۔۔ پھر اس کی آنکھوں میں نفرت اتر آئی۔ اس کے ہونٹ بھی تنفر آمیز انداز میں سکڑ گئے تھے۔ گویا وہ ان دونوں کو دیکھ کر خوش نہیں ہوئی۔۔۔ بلکہ ان کے لیے اس کے دل میں نفرت ہی نفرت موجود ہو۔

"نکل جاؤ۔ چلے جاؤ۔" وہ دھاڑ اٹھی۔

ٹائیگر اب تک گم صم کھڑا تھا۔

اوشان کا بایاں ہاتھ فضا میں بلند ہوا۔ وہ اب بھی زیر لب کچھ کہہ رہا تھا لیکن الفاظ ٹائیگر کی سمجھ میں نہیں آ رہے تھے۔ اوشان کا فضا میں اٹھا ہوا ہاتھ یکایک مکمل گیا پھر اس کی انگلیاں رفتہ رفتہ ہتھیلی کی طرف جھکنے لگیں حتیٰ کہ صرف انگشت شہادت کھڑی رہ گئی۔

متاثر ٹائیگر ہوش میں آ گیا۔ اس نے تیزی سے اوشان کی کلائی پر ہاتھ ڈال دیا۔ "ذرا صبر سے کام لو، اوشان۔" اسے خود اپنی ہی آواز اجنبی محسوس ہو رہی تھی۔ "ہماری آنکھیں جو کچھ دیکھ رہی ہیں، یہ دھوکا بھی تو ہو سکتا ہے۔"

"نہیں۔۔۔ یہ دھوکا نہیں ہے۔ میں نے اس لڑکی کے بارے میں بڑی اچھی رائے قائم کی تھی۔ یہ تو اس قابل بھی نہیں کہ اس پر تھوکا بھی جا سکے۔"

"شاید تم بھول رہے ہو کہ یہ ایک ایسی ڈاکٹر کا معاملہ ہے جس نے ایک اچھے بھلے جوان کو بدترین عمارت سے کود نے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس کے علاوہ ایک اور جوان لڑکی سے تشدید نفرت میں مبتلا ہو کر موت کے منہ میں پہنچ چکا ہے۔ جس دو آدمیوں کو یہ دونوں کام لیے جا سکتے ہیں، کیا وہ دو آدمی غزالہ کو اپنی مرضی کے خلاف کسی کام پر مجبور نہیں کر سکتی؟"

اوشان کی آنکھوں میں اچانک ہی فکر کی پرچھائیاں اتر آئیں۔

"ہاں۔۔۔ یہ ممکن ہے۔" وہ بڑبڑایا۔

ٹائیگر نے اوشان کی کلائی چھوڑ دی اور آگے بڑھا۔

جیسے ہی اس کے قدم آگے بڑھے، غزالہ پر جیسے دیوانگی سی طاری ہونے لگی۔ اس نے ڈاکٹر اسٹون کی وائٹ پڑے دھکیل دی اور بستر سے اٹھنے کی کوشش کرنے لگی۔ اس کی حالت کسی زخمی شیرنی جیسی ہو رہی تھی۔ اس کی آنکھیں حلقوں سے ابلتی ہوئی دکھائی دینے لگیں اس کی باچھوں سے کف جاری ہو گیا تھا۔ جیسے جیسے ٹائیگر بستر کے قریب پہنچ رہا تھا، غزالہ کی دیوانگی بڑھتی جا رہی تھی۔

"نہیں۔۔۔ نہیں۔۔۔ میرے قریب مت آؤ۔۔۔ خدا کے لیے مجھ سے دور رہو۔ میں تمہارا قرب برداشت نہیں کر سکتی۔ مجھے مردوں سے نفرت ہے۔" وہ بری طرح حلق پھاڑ پھاڑ کر چیخ رہی تھی۔

ٹائیگر کے قدم لڑکھڑانے لگے۔

اس کا پورا جسم پسینے میں شرابور ہو گیا تھا۔

وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ غزالہ جیسی لڑکی کو زندگی میں کبھی اس حالت میں بھی دیکھے گا۔ وہ قابل نفرت ہی نہیں کراہت آمیز محسوس ہو رہی تھی لیکن ٹائیگر جانتا تھا کہ اس میں خود اس بچاری کا کوئی قصور نہیں ہے۔ یقیناً یہ سب کچھ ڈاکٹر اسٹون کی اسی پراسرار دوا کا اثر ہے جس سے وہ پہلے بھی اور کئی کام لے چکی تھی۔

"رک جاؤ، ٹائیگر۔" عقب سے اوشان کی آواز سنائی دی۔

ٹائیگر ٹھٹک کر پیچھے دیکھنے لگا۔

اوشان کا چہرہ اب معمول کے مطابق پرسکون دکھائی دے رہا تھا۔ "اسے میں سنبھالتا ہوں۔" اوشان نے کہا۔ "تم پیچھے ہٹ جاؤ۔" اوشان کے لہجے میں نہ جانے کون سا تاثر تھا کہ ٹائیگر ایک لفظ بھی احتجاجاً کہے بغیر پیچھا ہو گیا۔

ڈاکٹر اسٹون کی لاش اب فرش پر گر چکی تھی۔ اس کی حالت زیادہ قابل رحم اور کراہت آمیز تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے کسی درندے نے اس کی لاش کا بالائی حصہ نوچ نوچ کر ہڑپ کر لیا ہو وہ جو پہلے بے حد حسین اور پرکشش تھی، اب اس کے چہرے کی طرف دیکھ کر بھی خوف آتا تھا۔

"یہ مردوں سے نفرت کے مرض میں مبتلا ہے۔" اوشان بڑبڑایا اور جھک کر ڈاکٹر اسٹون کی لاش اٹھائی۔۔۔ پھر وہ اس کی آڑ میں آگے بڑھنے لگا۔ غزالہ کے نتھنے تیزی سے پھیل پھیل کر سکڑ رہے تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ متضاد تاثرات کا شکار ہو گئی ہو۔ اس کے ہونٹ دم توڑتی ہوئی مچھلی کی طرح کھل کھل کر بند ہو رہے تھے۔ اوشان نے ڈاکٹر اسٹون کی لاش اس کے پہلو میں پھینک دی۔ اسی لمحے غزالہ نے اوشان کی شان میں ایک ایسی گستاخی کی کہ ٹائیگر کی کنپٹیاں تک سنگ اٹھیں لیکن اوشان نے جیسے وہ بات سنی ہی نہیں تھی۔

اس کا دایاں ہاتھ اُٹھا اور بجلی کے کوندے کی طرح جھپک گیا۔ ٹائیگر نے آنکھیں بند کرلیں۔

کچھ دیر وہ اسی طرح آنکھیں بند کیے کھڑا رہا۔ پھر اُدشان کی آواز پر اس نے آنکھیں کھولیں تو جھرجھری لے کر رہ گیا۔ زندگی میں شاید دوسری یا تیسری بار اُسے احساس ہو رہا تھا کہ کسی سے جذباتی وابستگی ہو تو اس کا عبرتناک انجام انسان کو کس قدر تکلیف میں مبتلا کر دیتا ہے۔ اُسے افسوس ہے؟ اُدشان نے کہا۔ اس کے لہجے سے گہرا غم جھلک رہا تھا۔

"اُف اُدشان! آپ نے اسے مار ڈالا؟" ٹائیگر بڑبڑایا۔

"اس لڑکی کو ہلاک کر ڈالا جسے آپ اپنی بہو بنانا چاہتے تھے۔"

"ہاں... کیوں کہ میں اسے مزید اذیت میں مبتلا نہیں رکھنا چاہتا تھا۔" اُدشان کی آواز بھی بھیگی ہوئی تھی۔

"لیکن جس طرح ریندی کا علاج کیا گیا تھا، ویسے اس کا بھی؟" ٹائیگر نے احتجاج کیا۔

"نہیں... یہ اس سے بھی آگے جا چکی تھی۔" اُدشان بڑبڑایا۔ "ہمیشہ یاد رکھو ٹائیگر! زندگی اور موت صرف خدا کے ہاتھ میں ہے تمہارے، یا میرے ہاتھوں مرنے والوں کی اگر موت نہ لکھی ہو تو ہمارے مہلک ہاتھ اُن کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے۔"

"تو پھر ایک ایسا ہی ہاتھ، میری کھوپڑی پر بھی رسید کر دیجیے۔ اگر زندگی رہی تو بچ ہی جاؤں گا۔" ٹائیگر تلخی سے بولا۔

اُس کی نگاہ غزالہ پر جمی ہوئی تھی جس کا چہرہ مرنے کے بعد بھی اذیت ناک انداز میں بگڑا ہوا تھا۔ آبنوسی حسن، موت کی تراش میں بھی کرشمہ کیوں کا شکار تھا۔ اس نے ایک بار پھر آنکھیں بند کرلیں۔ یکایک اُسے اپنے بازو پر اُدشان کے ہاتھ کا لمس محسوس ہوا۔

"مجھے اس لڑکی کے مرنے کا بہت غم ہے، اُدشان!"

"میں جانتا ہوں، میرے بچے!" اُدشان نے بھیگی ہوئی آواز میں کہا۔ "لیکن میں تو تمہیں اپنا دُکھ بھی نہیں بتا سکتا۔ چلو، یہاں سے نکل چلیں۔ یہاں مجھے اپنا دم گھٹتا محسوس ہو رہا ہے۔"

"لیکن یہ لاش..."

"اسے بھول جاؤ۔ غزالہ مر چکی ہے... لیکن تم نے دیکھا، مرنے سے پہلے یہ کیسے غرا رہی تھی۔" ٹائیگر سر ہلا رہی تھی، نا؟"

ٹائیگر کو اپنی آنکھیں جلتی ہوئی محسوس ہونے لگیں۔ وہ تیزی سے پلٹا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ عقب میں اُسے اُدشان کے قدموں کی چاپ دروازے تک سُنائی دی... پھر اُسے یوں محسوس ہوا جیسے کوئی دیو ہیکل دھڑام سے گر پڑی ہو۔ اس نے پلٹ کر نہیں دیکھا۔ وہ جانتا تھا کہ اُدشان اس کمرے کو غزالہ کا مقبرہ بنا رہا ہے۔ فانی وہ نہیں چاہتا تھا کہ جب غزالہ کی لاش ملے تو اس کے بارے میں کوئی ایسی ویسی بات لوگوں کو معلوم ہو جس سے اُس کا وقار مجروح ہو۔

ڈاکٹر بیٹرز اُس وقت ایک شان دار کمرے میں لیٹا ہوا تھا۔

لوپانو خاندان کی اس قیام گاہ میں اُس کے لیے جو کمرہ مخصوص کیا گیا تھا، وہ دولت مند ترین شخص، بوڑھے ایمر اور اس کی جواں سال بیوی گلوریا کے ماسٹر بیڈ روم سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھا۔ یا نظام اس لیے کیا گیا تھا کہ گلوریا کو کسی وقت بھی اس کی ضرورت محسوس ہو سکتی تھی وہ اس کے نجی معالج کی حیثیت سے وہاں مقیم تھا لیکن اُس نے گلوریا کے درد دل کے لیے بھی خاصا سامان پیدا کر دیا تھا حتیٰ کہ وہ اس کے بچے کا باپ بھی بننے والا تھا۔

اچانک فون کی گھنٹی بجنے لگی۔

کمرے کے سناٹے میں گھنٹی کا شور اُسے چونکانے کا باعث بن گیا۔

اس فون کا تعلق وائف لائن لیبارٹریز سے تھا اور اس پر ہمیشہ ڈاکٹر اسٹون ہی اُس سے رابطہ قائم کیا کرتی تھی۔ اُس نے گھڑی پر وقت دیکھا اور کاہل سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ جب اس نے ریسیور اُٹھایا تو دوسری طرف سے لائف لائن کی استقبالیہ کلرک کی آواز سُن کر چونک پڑا۔ "کیا بات ہے، ہیزل؟" اس نے تشویش سے پوچھا۔

"بہت بڑا حادثہ ہو گیا ہے، ڈاکٹر!" وہ گھبرائی ہوئی آواز میں بولی۔

"کیسا حادثہ؟" ہیزل کی سانس رُک گئی۔

"کچھ دیر قبل میں نے تہ خانے کی ایک دیوار گرنے کا دھماکا سُنا تھا۔ میں چھٹی کر کے جا رہی تھی لیکن ایک ضروری کام کی وجہ سے کچھ دیر کے لیے رُک گئی تھی۔ اسی وجہ سے میں یہ دھماکا سننے میں کامیاب ہو گئی۔ جب میں نیچے پہنچی تو وارڈ نمبر ۲ روم کی ایک دیوار اندر دھنسی ہوئی پڑی تھی اور ڈاکٹر اسٹون..." استقبالیہ کلرک کی آواز کانپ گئی۔

"کیا ہوا اُسے۔ جلدی بتاؤ؟" وہ بُری طرح اُچھلنے لگا۔

"وہ اسی کمرے میں موجود تھیں۔ ان کے علاوہ ایک اور لاش بھی دیکھی ہے وہ لاش کسی سیاہ فام لڑکی کی ہے۔ دونوں لاشیں اتنی بُری طرح کچلی گئی ہیں کہ انھیں شناخت کرنا مشکل ہے؟"

"اُف! میرے خدا؟" ڈاکٹر بیٹرز کا بُوڑا جسم پسینے سے شرابور ہو گیا۔ اس کے چہرے پر کسی لاش کے چہرے کا گمان ہونے لگا تھا۔

ں نے جس ہاتھ سے ریسیور تھام رکھا تھا، اسی کی کپکپاہٹ سے ریسیور اُٹھائے رکھنے میں ناکام ہونے پر تلملا اُٹھا تھا۔ ریسیور بانک ہی اتنا بھاری محسوس ہونے لگا تھا کہ ڈاکٹر بیٹرز کو اپنا بازو شل اور ٹکڑے ٹکڑے ہوتا محسوس ہوا۔

"ڈاکٹر بیٹرز، پلیز؟" دوسری طرف سے ہیزل کی آواز سنائی دی۔

"ہیزل..." اس نے بھی بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "لیبارٹری میں فون بند کر کے فوراً وہاں سے رخصت ہو جاؤ۔ باہر تو کوئی موجود نہیں...؟"

"نہیں۔ میں نے بھی مدھم سی آواز ہی سنی تھی۔ باہر تک یہ آواز نہیں پہنچی ہوگی۔" ہیزل نے ہانپتے ہوئے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔ ہر چیز متقفل کر کے فوراً وہاں سے نکل جاؤ اور اس وقت تک وہاں کا رُخ نہ کرنا، جب تک میں خود رابطہ قائم نہ کروں۔ اپنا منہ سختی سے بند رکھنا تمہاری زبان سے نکلا ہوا ایک بھی لفظ ہم سب کی تباہی کا باعث بن سکتا ہے۔"

"لیکن یہ سب کچھ کیا ہے؟ ڈاکٹر؟"

"سنو... کیا تم مجھے پسند کرتی ہو؟"

"مم... میں... مم... وہ ہکلا گئی۔

"میں جانتا ہوں کہ تم مجھے چاہتی ہو۔ میں بھی تمہیں پسند کرتا ہوں، لیکن میں ڈاکٹر اسٹون ہی کی وجہ سے مجبور تھا۔ بہرحال، اب تم ایک اچھی لڑکی کی طرح اپنے گھر جاؤ اور میرا انتظار کرو۔ میں وہاں آ کر ہر بات کی وضاحت کر دُوں گا۔ یاد رکھو، ہیزل۔ اس سلسلے میں تمہارا خاموش رہنا ہی ہم دونوں کی زندگی کی ضمانت بن سکتا ہے۔"

"میں تمہاری ہدایات پر عمل کروں گی، ڈاکٹر۔"

"خدا حافظ۔" ڈاکٹر بیٹرز نے یہ کہہ کر ریسیور رکھ دیا۔

وہ ایک قریبی کرسی پر آں گرا جیسے دل کا دورہ پڑنے پر کوئی شخص جہاں کا تہاں گر پڑتا ہے۔ چند لمحوں تک وہ بے حس و حرکت بیٹھا رہا۔ اگر کنڈیشنڈ ہونے کے باوجود کمرے کی فضا میں اُسے بے پناہ حبس کا احساس ہونے لگا اس نے کچھ دیر میں خود کو سنبھال لیا اور اُٹھ کر اپنے لیے ایک بڑا پیگ تیار کر کے حلق میں انڈیل لیا اس کے ہاتھ بیروں کی کپکپاہٹ کسی حد تک معمول پر آ گئی تو اس کے ذہن نے دوبارہ کام کرنا شروع کر دیا اس نے اپنے کپڑوں کی شکنیں درست کیں اور دروازہ کھول کر باہر راہ داری میں آ گیا۔ دروازہ مقفل کر کے وہ تیزی سے ماسٹر بیڈ روم کی طرف بڑھ گیا۔

ماسٹر بیڈ روم میں گلوریا تنہا تھی۔

وہ اپنے ڈریسر کے سامنے بیٹھی آنکھوں میں کاجل لگا رہی تھی۔

ڈاکٹر بیٹرز کو دیکھ کر اُس کی آنکھیں چمک اُٹھیں اور ہونٹ مسکراہٹ سے کھل اُٹھے۔ کھلے کھلے سرخ اور گداز ہونٹوں کے درمیان سے اس کے سفید سفید دانت یوں چمک رہے تھے جیسے وہ عملاً مسکراہٹوں کے موتی لُٹا رہی ہو۔

"ایلنا مر چکی ہے؟" ڈاکٹر بیٹرز نے دروازہ بند کرتے ہوئے کہا۔

اس خبر سے گلوریا کی مسکراہٹ فوراً ہی دم نہیں توڑ گئی اور نہ ہی اس کی آنکھوں کی چمک یکایک ماند پڑ گئی تھی۔ اس کے ہاتھ سے کاجل کی اسٹک بھی نہیں گری تھی۔ یُوں لگتا تھا جیسے اس نے اتنی دھماکا خیز خبر سنی ہی نہ ہو... کاجل کی اسٹک والا ہاتھ آہستہ آہستہ ڈریسر پر جھکا اور پھر اسٹک اس کی نرم و نازک سی خوبصورت انگلیوں سے گر گئی۔ اس کے ہونٹوں پر ابھی تک مسکراہٹ باقی تھی۔ جب وہ آہستہ آہستہ گھومی تو ڈاکٹر بیٹرز کی طرف دیکھتے ہوئے قدرے سنجیدگی سے بولی "کیا ہوا ہے؟"

"میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔" وہ تفکر آمیز لہجے میں بولا۔ "استقبالیہ کلرک کا کہنا ہے کہ وارڈ روم کی دیوار گر گئی ہے اور وہاں ایلنا کے ساتھ ایک سیاہ فام لڑکی بھی تھی۔ دونوں کی لاشیں ناقابل شناخت حد تک کچلی گئی ہیں۔"

"کیا تم اندازہ لگا سکتے ہو کہ اس حادثے کے پیچھے کس کا ہاتھ ہے؟"

"میں سمجھتا ہوں کہ وہی دونوں آدمی جن کی تمہارے شوہر نے خدمات حاصل کی تھیں۔"

"اوہ۔ میں نے انھیں دیکھتے ہی کہہ دیا تھا کہ یہ ہمارے لیے خطرناک بھی ثابت ہو سکتے ہیں۔" گلوریا کی آواز میں جھلاہٹ تھی۔ "سب سے پہلے انھی دونوں کو ٹھکانے لگانا ضروری تھا۔ اس استقبالیہ کلرک کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟"

"وہ کسی سے کچھ نہیں کہے گی۔ میں نے اسے ہدایت کر دی ہے وہ گھر جا کر میرا انتظار کرے... دراصل وہ میرے بارے میں لطیف جذبات رکھتی ہے۔"

"اوہ۔" گلوریا چہک کر بولی۔ "کون نہیں رکھتا۔" اس کی آواز میں یکایک مٹھاس پیدا ہو گئی تھی۔

اپنی تعریف پر ڈاکٹر بیٹرز مسکرا دیا لیکن اس کی مسکراہٹ زیادہ جان دار نہیں تھی۔ اس کے چہرے سے اب بھی فکرمندی جھلک رہی تھی اور اس کے ماتھے پر پسینے کی بوندیں چمک رہی تھیں۔ "میں اس قدر افزائی کے لیے تمہارا شکریہ ادا کرتا ہوں

حسین گلوریا!"

"زیادہ مت اتراؤ۔" گلوریا کا لہجہ یکایک سرد ہوگیا۔

ڈاکٹر بیئرز اس طرز عمل پر چونکے بغیر نہ رہ سکا۔

"ہم دونوں اس معاملے میں صرف ایک ہی چیز کے طلب گار ہیں۔" گلوریا ٹھوس لہجے میں بولی۔ "مجھے بے پناہ دولت کی ضرورت ہے اور تم بھی دولت حاصل کرنے کے لیے ہی کام کر رہے ہو۔ اگرچہ میں تمہارے پنجے کی ماں بننے والی ہوں لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم دونوں گھر بسا کر رہنا چاہتے ہیں۔"

ڈاکٹر بیئرز کی پیشانی پر پسینے کے قطروں میں اضافہ ہوگیا۔

وہ جانتا تھا کہ گلوریا جو کچھ بھی کہہ رہی ہے اس میں مبالغہ نہیں ہے۔ یہ حقیقت بھی ہے... لیکن اس سے پہلے تو گلوریا نے کبھی اس کھلم کھلا انداز میں اس سے گفتگو نہیں کی تھی وہ ایک دوسرے کے خاموش طلب گار تھے اور انہیں حصول مقصد کے لیے ابھی کچھ اور عرصے تک ایک دوسرے کی رفاقت کا دم بھرنا تھا۔

"ممکن ہے ایسے حالات پیدا ہو جائیں کہ تم ایک گرہستن بننے کو ترجیح دو۔" وہ جھینپی جھینپی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

گلوریا نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔

اس کی انگلیاں ڈریسر پر طبلہ بجانے کے انداز میں حرکت کر رہی تھیں لیکن ان حرکات سے کوئی آواز پیدا نہیں ہو رہی تھی۔

ڈاکٹر بیئرز جانتا تھا کہ وہ اس وقت کچھ سوچ رہی ہے یہ اس کے سوچنے کا مخصوص انداز تھا۔

"ٹھیک ہے۔" وہ کچھ دیر بعد بولی جیسے کسی خاص فیصلے پر پہنچ گئی ہو۔ "ہمیں ڈیگلی سے چھٹکارا حاصل کر لینا چاہیے۔"

"کیا مطلب...؟" بیئرز نے حیرت سے کہا۔

"اس کے بعد تم مجھ سے الگ ہو سکتے ہو۔"

"لیکن بڑے میاں کا کیا ہوگا؟" بیئرز سنبھل کر بولا۔

"اس کے لیے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔" گلوریا سرد مہری سے بولی۔ "اسے دو حادثے پیش آچکے ہیں جب تیسرا بیٹا بھی انجام کو پہنچ جائے گا تو شاید یہ صدمہ اس کے لیے جان لیوا ثابت ہو۔ وہ منحوس اسی سال کا ہو گیا ہے ممکن ہے اس کی حرکت قلب بند ہو جائے۔ ہو سکتا ہے وہ ذہنی توازن کھو بیٹھے۔"

"لیکن مجھے یہ بات پسند نہیں۔" بیئرز نے صاف گوئی سے کہا۔

"تم کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"ہمیں اس معاملے کو تحمل انداز میں ہی انجام تک پہنچانا چاہیے۔ اس کے بعد ہی ہمیں ایک دوسرے کو خدا حافظ کہنا چاہیے۔"

"تم بہت زیادہ بولنے لگے ہو۔" گلوریا کا لہجہ زخمی شیرنی کی دھاڑ جیسا تھا۔ "ہم اس معاملے میں اتنا آگے نکل آئے ہیں کہ اب کسی اختلاف کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ اب ہماری واپسی ممکن نہیں ہے میں نہیں سمجھتی کہ ڈاکٹر اسٹون کی موت کو ریندی اور اس کے بھائی کی پُراسرار اموات سے کسی طرح بھی وابستہ کیا جائے گا۔ فرض کر لو کہ ایسا ہو بھی جاتا ہے تو اس میں تمہارا نام ہرگز نہیں آئے گا، جب ان دونوں کی موت واقع ہوئی تھی تو تم اس گھر میں موجود تھے اور اس بات کے کئی گواہ ہیں۔ تم ایک ڈاکٹر کی حیثیت سے یہاں مقیم ہو جو لوپانو خاندان کے ہونے والے ایک چشم و چراغ کی صحت مند پیدائش کا ذمے دار ہے۔"

ڈاکٹر بیئرز اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا اور سوچتا رہا۔ پھر اس نے تائید میں سر ہلا دیا۔ "ہاں... شاید تم ٹھیک ہی کہتی ہو۔"

"تو پھر ڈیگلی کو ٹھکانے لگا دو۔"

"میں اسے کہاں مل سکتا ہوں؟"

"یہی تو خوبصورت بات ہے۔" گلوریا یکایک مسکرانے لگی۔ اس کا موڈ اچانک ہی خوشگوار ہو گیا تھا۔ "وہ اس وقت یہیں موجود ہے۔ بڑے میاں نے اسے ملاقات کے لیے طلب کیا تھا۔"

"کیوں بلایا ہے اس نے اسے؟" بیئرز کے لہجے میں تشویش پیدا ہو گئی۔

"نہیں... تم لوپانو خاندان کے افراد سے واقف نہیں ہو۔ یہ لوگ گناہوں کے سلسلے میں بے حد حساس ہیں۔ چھوٹا سا گناہ بھی کریں گے تو اسے چھپانے کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا دیں گے۔ بوڑھا کل رات کچھ زیادہ ہی جذباتی ہو رہا تھا۔ دو بیٹوں کی موت نے بہرحال اس کے دل و دماغ پر اثر کیا ہے۔ میں نے اسے ہموار کر دیا تھا۔ اس نے ڈیگلی کو صرف اس لیے طلب کیا ہے کہ اس کے کندھوں پر باقی کاروباری ذمے داریاں بھی ڈال دے۔ مرنے والے دونوں بھائی جو کچھ کر رہے تھے، آخر ان کاموں کو بھی کوئی سنبھالے گا یا نہیں؟"

"میں سمجھ گیا۔" وہ بڑبڑایا۔

"تمہیں بلا تاخیر تیسرے بھائی کو بھی ٹھکانے لگا دینا چاہیے۔"

"ٹھیک ہے۔ کیا ہونا چاہیے؟"

ڈاکٹر بیئرز کی اس بات پر وہ خاموش رہی۔ اس کی آنکھیں سوچ میں ڈوب گئی تھیں۔ سوچتے سوچتے اس نے انگشت شہادت کی پور منہ میں دبالی اور اسے آہستہ آہستہ چوسنے لگی۔

"میں بوڑھے کو یہاں بلاتی ہوں۔ جب وہ اوپر آجائے تو تم خاموشی سے نیچے چلے جانا اور ڈیگلی کا کام تمام کر دینا۔" گلوریا نے سوچ کی گہرائی سے ابھرتے ہوئے صورت حال ظاہر کی۔

بیئرز نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"کیا تم اس کی موت ہارٹ اٹیک کا نتیجہ ظاہر نہیں کر سکتے؟"

"کیوں نہیں کر سکتا۔" بیئرز فخریہ لہجے میں بولا۔ "میرے پاس ہر قسم کی ادویات موجود ہیں اور میں جس کسی کو چاہوں اور جیسی موت چاہوں، دے سکتا ہوں۔"

"کاش تم یہی بات زندگی کے لیے بھی کہہ سکتے۔" گلوریا نے ایک ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے کہا۔

"کم از کم تمہاری مدد تک تو اس کا بھی دعوا کر سکتا ہوں۔"

گلوریا مسکرانے لگی۔ کچھ دیر قبل اس کے انداز میں چٹانوں جیسی سختی اور برف جیسی خنکی پیدا ہو گئی تھی لیکن اب ان دونوں کا نام و نشان تک نہیں تھا۔ ایک بار پھر وہ بے حد حسین اور نرم و نازک سی عورت لگ رہی تھی۔ ایک ایسی عورت جس کے چہرے پر ممتا کا نکھار تھا اور جس کی آنکھوں میں مطمئن اور آسودہ زندگی کی چمک تھی۔ اُسے دیکھ کر کون کہہ سکتا تھا کہ یہ عورت ایک ایسی ناگن بھی ہو سکتی ہے جس نے دنیا کے دولت مند ترین خاندان کی رگوں میں زہر ہلاکت بھر دیا ہوگا۔

"گڈ...۔" وہ خوش دلی سے مسکرا دی۔ "اب تم یہاں سے چلتے پھرتے نظر آؤ تاکہ میں اپنی آنکھوں پر کاجل کا کام مکمل کر لوں۔"

"اس میک اپ کی تکمیل کس کے لیے ہوگی؟" وہ شریر لہجے میں بولا۔

"بکواس بند کرو۔" وہ پیار سے ڈانٹ کر بولی۔ "میں ٹھیک دس منٹ بعد ایمریز کے یہاں بلاؤں گی... پھر تم اسٹڈی میں ڈیگلی سے ملاقات کر سکتے ہو... اور میری کاجل بھری آنکھوں کا کمال یہ ہوگا کہ بوڑھا کچھ دیر کے لیے یہاں رکنے پر مجبور ہو جائے گا۔ میرا خیال ہے اب تم اس میک اپ کی وجہ سمجھ گئے ہو گے۔"

"اگر تم کہو تو یہاں رکنے کے لیے میں بھی مجبور ہو سکتا ہوں۔"

"تمہیں یہاں آنے سے قبل آئینے میں اپنی صورت کا جائزہ لے لینا چاہیے تھا۔" وہ قہقہہ لگا کر بولی۔ "ٹھیک دس منٹ بعد بیئرز... وقت کا خیال رکھنا۔"

"او۔ کے۔ سویٹ ہارٹ۔" بیئرز نے کہا اور ایک قدم آگے بڑھا لیکن اس ایک لمحے میں گلوریا پلٹ کر آئینے کی طرف متوجہ ہو چکی تھی۔ اس نے کاجل کی اسٹک اٹھائی اور اپنی آنکھوں کا خیال کر کے اس میں مصروف ہو گئی۔

بیئرز چند لمحوں تک ساکت کھڑا اس قیامت کو دیکھتا رہا۔

جب گلوریا نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ دی تو اس کے منہ سے ایک طویل سانس نکل گئی اور وہ یوں تھکے تھکے قدموں سے دروازے کی طرف بڑھ گیا جیسے کوئی شراب کا رسیا، مے خانے سے پیاسا واپس جا رہا ہو۔

دروازے پر پہنچ کر اس نے ناب گھمائی اور پلٹ کر دیکھا۔ گلوریا اس کی طرف سے بے نیاز آنکھوں کے میک اپ میں مصروف تھی۔

"ہونہہ۔" اس نے ایک طویل سانس لی اور رک گیا۔

اس نے اوشان کی طرف دیکھا جو اس وقت بھی خاصا سوگوار نظر آرہا تھا۔ اگرچہ مینیجر کی حالت بھی اس سے مختلف نہیں تھی لیکن وہ جانتا تھا کہ کوئی بھی غم مستقل نہیں ہوتا۔ جب وقت کی دھول کسی زخم کو مندمل کر سکتی ہے تو انسان خود ہی اپنے زخموں پر کیوں زعم ہم رکھے۔ یہی خیال اُسے لائف لائن لیبارٹریز کے عقبی دروازے سے نکلتے وقت آیا تھا اور اس نے خود کو ذہنی اور قلبی طور پر نارمل کرنا شروع کر دیا تھا۔

"ہیل ڈیڈی۔" اس نے لہجہ قدرے شگفتہ بناتے ہوئے کہا۔

"میں سمجھتا ہوں کہ ہمارا کام ابھی ختم نہیں ہوا۔"

اوشان بھی رُک گیا اور استفہامیہ نظروں سے مینیجر کی طرف دیکھنے لگا۔

"جب ہم سامنے والے دروازے سے اس عمارت میں داخل ہوئے تھے تو استقبالیے پر ایک لڑکی موجود تھی۔ میرا خیال ہے وہ اب بھی وہاں موجود ہوگی۔"

"پھر...؟" اوشان بڑبڑایا۔

"میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ دیوار گرنے کی آواز اس کے کانوں تک ضرور پہنچی ہوگی۔ اس لڑکی نے اس دھماکے کا سراغ لگانے کی کوشش بھی ہوگی اور پھر یقیناً وہ اس سلسلے میں کسی نہ کسی کو کوئی اطلاع ضرور دے گی۔"

"یہ اطلاع وہ فون پر بھی دے سکتی ہے۔"

"ہاں ہمارے لیے یہ بات معلوم کرنا زیادہ مشکل نہیں ہوگی۔"

"بہرام کو فون کر کے غزالہ کی موت کا بتا دو اور وہی اس لڑکی کے فون کا مسئلہ بھی حل کرے گا۔" اوشان نے جواب دیا۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ بُری طرح اکتا گیا ہو اور اس سلسلے میں مزید کوئی اقدام نہ کرنا چاہتا ہو۔

"ریئل فادر...۔" مینیجر نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ "کیا آپ چاہتے ہیں کہ اس ملک میں موجود غزالہ جیسی باقی لڑکیاں بھی اسی طرح موت کا شکار ہو جائیں؟"

اوشان کو ایک جھٹکا سا لگا۔

"تم کیا چاہتے ہو؟" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"آپ واپس ہوٹل چلے جائیں۔ میں اس معاملے کو نمٹا کر آتا ہوں۔"

بالآخر شہزاد نے اپنے طور پر فیصلہ کر لیا۔ اُدھان چند لمحوں تک تو اس کی آنکھوں کی دیکھتا رہا پھر اس نے سر ہلایا اور تیزی سے آگے بڑھ گیا۔

ٹائیگر کے ہونٹوں پر ہلکی سی سوگوار مسکراہٹ آگئی۔ وہ جانتا تھا کہ اب دوسری ملاقات تک اُدھان ہر طرح سے نارمل ہو چکا ہوگا۔ اُدھان کے جانے کے بعد اس نے لگاتار لائف لائن لیبارٹریز کی عمارت کے صدر دروازے پر نگاہ رکھی ہوئی تھی جہاں سے وہ وہاں سے نکلنے والے کسی بھی شخص کی نگاہوں میں فوری طور پر نہیں آسکتا تھا۔

اُسے وہاں کھڑے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ صدر دروازہ کھلتا دکھائی دیا۔ دروازے سے ایک حسین لڑکی نے باہر جھانکا پھر اس نے دروازے سے نکلتے ہوئے پلٹ کر دروازہ مقفل کر دیا اور دائیں بائیں دیکھنے لگی۔

یہ وہی لڑکی تھی جسے ٹائیگر نے لائف لائن کے استقبالیے پر دیکھا تھا۔

فاصلے کے باوجود اس نے لڑکی کی حرکات و سکنات میں بے چینی محسوس کر لی تھی۔ وہ خاموش کھڑا اُسے دیکھتا رہا۔ لائف لائن لیبارٹریز کا صدر دروازہ مقفل کرنے کے بعد لڑکی اب یوں اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھی جیسے اسے کسی سواری کی تلاش ہو۔ پھر شکن ہے وہ اس بات کا جائزہ لے رہی ہو کہ کوئی اس عمارت کی نگرانی تو نہیں کر رہا ہے۔ چند لمحے وہ اسی متذبذب سی حالت میں مبتلا رہی' پھر وہ ایک طرف چل دی۔

ٹائیگر نے کچھ فاصلے کے اس کا پیچھا کرنا شروع کر دیا۔

لڑکی تیزی سے چل رہی تھی۔ اس کی چال سے بھی اضطراب اور خوف کا اظہار ہو رہا تھا... لیکن اب وہ پلٹ پلٹ کر نہیں دیکھ رہی تھی بلکہ انداز سے جلد بازی کا احساس ہوتا تھا۔ وہ مین بازار میں پہنچ کر ایک بس اسٹاپ پر رُک گئی۔

ٹائیگر بس اسٹاپ کے قریب ایک اخبار فروش کے اسٹینڈ پر کھڑا ہو گیا۔ اُس نے تازہ اخبار خریدا اور اُسے سامنے تان کر کھڑا ہو گیا۔ وہ جس جگہ کھڑا تھا' وہاں سے بس اسٹاپ اتنی دُور تھا کہ عام آدمی اتنے فاصلے سے دور کر بس نہیں پڑھ سکتا تھا۔ تاہم ٹائیگر کے لیے یہ کوئی مشکل بات نہیں تھی۔

اُسے زیادہ دیر انتظار کی زحمت نہیں اُٹھانی پڑی۔

ایک بس آتی دکھائی دی۔ ٹائیگر نے لڑکی کو دیکھا۔ اس کے انداز سے اُسے احساس ہو گیا کہ وہ اسی بس میں سوار ہونا چاہتی ہے۔ جیسے ہی بس اپنے اسٹاپ کے قریب پہنچی' ٹائیگر تیزی سے آگے بڑھ گیا۔ لڑکی کے علاوہ اسٹاپ پر کوئی سواری نہیں تھی۔ وہ جیسے ہی بس میں سوار ہوئی' بس نے آگے بڑھنے کے لیے جھٹکا کھایا۔ اُسی لمحے ٹائیگر بس میں داخل ہو چکا تھا۔ لڑکی ابھی سیٹ پر بیٹھنے بھی نہیں پائی تھی کہ بس تیزی سے اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گئی۔ وہ جس سیٹ پر بیٹھی' اس کے عقب میں کئی سیٹیں خالی تھیں۔ ٹائیگر دو نشستیں چھوڑ کر بیٹھ گیا۔ اس کے کان لڑکی کی آواز پر لگے ہوئے تھے۔ کنڈیکٹر سے اس نے جس جگہ کا ٹکٹ لیا، ٹائیگر نے وہ نام سُن لیا اور سکون سے اخبار میں اپنے سامنے تان لیا۔

کنڈیکٹر اُس کے قریب آیا تو اس نے بھی دھیمی آواز میں اُسی مقام کا نام دہرا دیا جس کا مذکرہ لڑکی نے کیا تھا۔ ٹکٹ لینے کے بعد ٹائیگر اخبار کی قصاویر دیکھتا رہا۔ وہ کبھی کبھی اخبار کا کونا موڑ کر لڑکی کا بھی جائزہ لے لیتا تھا۔

وہ پتھر کے مجسمے کی طرح ساکت بیٹھی تھی۔

ٹائیگر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔ بس ایک معروف تجارتی علاقے سے گزر رہی تھی۔ تقریباً پچیس منٹ بعد بس ایک اسٹاپ پر رُکی تو کنڈیکٹر اس سے چند لمحے قبل ہی جگہ کے نام کا اعلان کر چکا تھا۔ ٹائیگر اُٹھ کھڑا ہوا۔ وہ لڑکی سے پہلے ہی بس سے اُتر جانا چاہتا تھا۔ بس رُکتے ہی، وہ نہ صرف نیچے پہنچ گیا بلکہ اس نے تیزی سے بڑھ کر ایک اخبار فروش سے باتیں بھی شروع کر دی تھیں۔ باتوں کے لیے اس کے پاس موضوع یا مواد کی کبھی کمی نہیں رہتی... اور کچھ نہ ہوتا تو وہ ایسی خواتین کا مذکرہ شروع کر دیتا جن کے چہروں پر اُن گنت جھُرّیوں کے تیل نہیں ہوتے... لیکن اخبار فروش لڑکا بھی ایک ہی کایاں تھا۔ وہ غالباً سمجھ گیا تھا کہ ٹائیگر کسی خاص وجہ سے اُس سے باتوں میں مصروف ہے اس لیے اُس نے اپنے تھیلے سے ایک رسالہ نکالا اور اسے گول کر کے ٹائیگر کے کوٹ کی جیب میں ٹھونس دیا۔

ٹائیگر اس دوران میں کن انکھیوں سے دیکھ چکا تھا کہ لائف لائن لیبارٹریز کی استقبالیہ کلرک بس سے اُتر کر تیزی سے ایک عمارت کی طرف بڑھ رہی ہے۔ اس نے جلدی جلدی لڑکے کے ہاتھ پر ایک نوٹ رکھا اور اسے سوکھتی ہوئی نظروں سے دیکھتے ہوئے اُسی عمارت کی طرف بڑھ گیا جس کی طرف لڑکی گئی تھی۔

عمارت کی لابی میں داخل ہونے تک لڑکی لفٹ میں سوار ہو چکی تھی۔

ٹائیگر نے لفٹ کی نمبر پلیٹ پر لڑکی کی منزل دیکھی۔

وہ ساتویں فلور پر جا رہی تھی۔

عمارت کی لابی میں اس وقت کوئی نہیں تھا۔ ٹائیگر زینے کی طرف دوڑنے لگا۔ اس کے پاؤں تیزی سے متحرک تھے چند زینوں کے بعد اس کی ٹانگوں میں اتنی تیزی آگئی کہ اس کے پاؤں سیڑھیوں سے ٹکراتے محسوس نہیں ہو رہے تھے بلکہ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ فضا میں معلق' جھٹکے کھاتا ہوا اُوپر جا رہا ہو۔

ساتویں منزل کی آخری سیڑھی پر قدم رکھنے سے قبل ہی اُسے لفٹ رُکنے، دروازہ کھلنے اور اس کے واپس جانے کی آہ و اُستائی دے گئی تھی اور اب وہ استقبالیہ کلرک کے سینڈلوں کی ٹک ٹک اپنی دھڑکنوں سے ہم آہنگ کر رہا تھا۔ ان دھڑکنوں کو شمار کرتے ہوئے وہ ابھی تیس تک ہی پہنچا تھا کہ یہ دُھان انجکٹر آواز بند ہو گئی۔ چابی تالے میں گھومنے کی ہلکی سی خراش سنگے جیسی آواز ٹائیگر کے حساس کانوں سے ٹکرا گئی۔ وہ اثبات میں سر ہلاتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

ایک بند ہوتا ہوا دروازہ اُسے دکھائی دے رہا تھا۔

وہ آہستہ آہستہ اس دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

جب وہ دروازے کے سامنے پہنچا تو کواڑ بند ہو چکا تھا اور تالے میں چابی گھوم چکی تھی۔ ٹائیگر چند لمحوں کے مذبذب کے بعد اطلاعی گھنٹی پر اُنگلی رکھ کر انتظار کرنے لگا۔ دروازے کی دُوسری جانب سینڈلوں کی ٹک ٹک رُک گئی۔

فوراً ہی کوئی جواب نہ ملا۔

غالباً لڑکی سوچ میں ڈوب گئی تھی کہ اس کا ملاقاتی کون ہو سکتا ہے؟

قدموں کی آہٹ دروازے کی دُوسری جانب بند ہو گئی۔ اب ٹائیگر کی حساس سماعت اُبھی اُبھی سانسوں کی بھنبھناہٹ سن رہی تھی۔

"ڈکٹر میرز..." اندر سے لڑکی نے سوالیہ انداز میں پُوچھا۔

جواباً ٹائیگر کے حلق سے ایک بے ہنگم سی آواز نکل گئی۔ یہ ایک ایسی آواز تھی جس کا دروازے کے دُوسری طرف کھڑی لڑکی کوئی بھی مطلب لے سکتی تھی... اور اس نے جو بھی مطلب لیا، وہ ٹائیگر کے لیے خاطر خواہ ہی ثابت ہوا۔

"اوہ گاڈ، تھینکس!" اندر سے لڑکی نے "واہ" کہا پھر پرس اُٹھانے کی آوازیں آنے لگیں۔

چابی نکال کر دروازہ غیر مقفل کرنے تک لڑکی نے کئی لمحے لگا دیے۔ اس سے ٹائیگر کو یہ اندازہ لگانے میں کوئی دشواری نہ ہوئی کہ لڑکی کسی ڈکٹر میرز کی آمد کی توقع کر رہی تھی... اور ڈکٹر میرز لڑکی کے لیے اتنی اہمیت رکھتا تھا کہ اس کے آنے پر لڑکی کے ہاتھ پاؤں پھول گئے تھے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو لڑکی کے ہاتھوں میں ہرگز کپکپاہٹ پیدا نہ ہوتی... اور یہ کپکپاہٹ ہی تھی جس کی وجہ سے اسے پرس سے چابی نکالنے اور تالے کے سوراخ میں پیوست کرنے میں دیر لگی تھی۔

دروازہ ایک جھٹکے سے کھل گیا۔

سامنے وہی لڑکی کھڑی تھی جس کے تعاقب میں وہ یہاں تک آیا تھا۔

لڑکی نے جیسے ہی ڈاکٹر میرز کی بجائے ٹائیگر کو دیکھا، اس کا چہرہ لاش کے چہرے کی طرح سپید پڑ گیا اور اس کی آنکھیں دہشت سے پھیل گئیں۔ اس کے مُرخ سُرخ ہونٹوں سے خون کی لالی یکایک ہی سپیدی میں تبدیل ہو گئی تھی۔ وہ دیر تک ٹائیگر کو چھٹی حِس سے گھُورتی رہی۔ اس کے نرخرے میں خفیف سی بھی جنبش نہیں تھی۔ یُوں لگتا تھا جیسے وہ سانس لینا ہی بھول گئی ہو۔ یکایک اس کے ہونٹ پھڑکنے لگے۔

ٹائیگر کے لبوں پر مخصوص مسکراہٹ اُمڈ آئی۔

یہ مسکراہٹ کسی خاتون کا دل جیتنے اور اُسے سحر زدہ کرنے کے لیے اس کے پاس سب سے بڑا ہتھیار تھا۔ اس مسکراہٹ کے لیے اُسے خاص طور سے تربیت دی گئی تھی اور اس سلسلے میں فنونِ لطیفہ سے تعلق رکھنے والے کئی اساتذہ سے اس کا باقاعدہ امتحان لیا تھا۔ ان اساتذہ کی اکثریت کے ایک ماہر نے اس مسکراہٹ پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا تھا، یہ مسکراہٹ اگر تُو جیسی طرح کام کر جائے تو ایک عام عورت کی دھڑکنیں رُک سکتی ہیں اور بعض حالات میں دھڑکنوں کا یہ بند ہونا مستقل بھی ثابت ہو سکتا ہے۔ ایسی صورت میں اس عورت کی موت بھی واقع ہو سکتی ہے۔ اگرچہ اب تک ایسا نہیں ہوا تھا لیکن ٹائیگر کی پوری تمنا تھی کہ کم از کم کوئی عورت اُس کی اس جان لیوا مسکراہٹ کے باعث دم نہ توڑے۔

لڑکی رفتہ رفتہ نارمل ہوتی جا رہی تھی۔

اس کی آنکھوں سے دہشت اور خوفزدگی دُور ہو گئی اور چہرے کی رنگت بھی واپس آنے لگی۔ یہ عمل ٹائیگر واضح طور پر دیکھ رہا تھا۔ اس نے مسکراہٹ کا تاثر کچھ اور گہرا کیا اور آنکھیں لڑکی کی آنکھوں میں گاڑ دیں... پھر وہ بولا تو اس کی آواز شہد میں گھلی ہوئی تھی۔

"کیا تم مجھے اندر آنے کے لیے نہیں کہو گی؟"

"وہ... آیئے... ہاں... آیئے۔" وہ یکایک گڑبڑا گئی۔

ٹائیگر اسے نرمی سے ایک طرف دھکیلتے ہوئے آگے بڑھ گیا اور چلتے چلتے ایڑی کی مدد سے دروازہ بھی عقب میں بند کر دیا۔ لڑکی ایک چھوٹے سے اپارٹمنٹ میں رہتی تھی۔ صاف ستھرے اپارٹمنٹ کی ہر چیز اپنے مکین کی خوش ذوقی کا اظہار کر رہی تھی۔ مختصر سا سامان تھا اور اُسے اتنے سلیقے سے سجایا گیا تھا کہ ٹائیگر دل ہی دل میں لڑکی کی اس نفاست طبع کو سراہے بغیر نہ رہ سکا۔

وہ ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔

اس کی آنکھیں ایک لمحے کے لیے بھی لڑکی کے چہرے سے نہیں ہٹی تھیں۔ ان آنکھوں میں بے پناہ گہرائی تھی۔ ایسی گہرائی جس میں کھو کر کوئی، اپنی ہستی بھی کھو سکتا تھا۔۔۔ اس کے ہونٹوں پر اب بھی سحر زدہ کر دینے والی مسکراہٹ تھی۔ لڑکی بار بار کن انکھیوں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی اور اس کے گالوں پر کشمیری سیبوں جیسی جھلک، گلابی رنگت نمایاں ہو گئی تھی۔

"تمہیں شاید کسی اور کا انتظار تھا۔" ٹائیگر نے بات شروع کی۔

"نہیں تو۔۔۔ میں۔۔۔ دراصل۔۔۔" وہ گڑبڑا گئی۔

"نہیں اچھی لڑکی۔" اس نے مٹھاس میں ڈوبے ہوئے لہجے میں کہا۔ "اتنی حسین لڑکی کے لئے حسین لبوں پر جھوٹ جچتا نہیں ہے۔ بتاؤ تمہیں کس کا انتظار تھا؟"

"ڈاکٹر بیئرز۔۔۔" وہ بڑبڑائی۔ "اور اس کے ساتھ ہی ایک بار پھر اس کی آنکھوں میں خوف سمٹ آیا۔ غالباً اس کے ذہن میں وہ منظر گھوم گیا تھا جسے وہ ابھی کچھ ہی دیر قبل لائف لائن لیبارٹریز کے تہ خانے میں دیکھ کر آئی تھی۔

"ڈاکٹر اسٹون کا ساتھی؟" ٹائیگر نے سوالیہ انداز میں کہا۔

لڑکی نے بے بسی سے سر کو مثبت جنبش دی۔

"تم شاید کچھ خوف زدہ ہو۔ اگر میری وجہ سے ایسا ہے تو معذرت چاہ کر رخصت ہو جاتا ہوں۔" ٹائیگر کے لہجے میں نہ جانے کیا بات تھی کہ لڑکی سر سے پاؤں تک کانپ گئی۔ ٹائیگر اپنا جملہ ختم کر کے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"مجھے افسوس ہے۔ میں تمہارے لیے تکلیف کا باعث بنا۔" اس جملے نے جیسے لڑکی کے دل میں اس کے لیے نرماہٹیں ہی نرماہٹیں بھر دیں اور وہ بے تاب ہو کر آگے بڑھ آئی۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ لوہے کا ایک حقیر سا ٹکڑا ہو اور ٹائیگر کے روپ میں ایک غیر معمولی مقناطیس اسے اپنی طرف کشش کر رہا ہو۔ اس عظیم کشش کے سامنے وہ بے بس ہوتی جا رہی تھی۔

اس نے ٹائیگر کے بازو پر ہاتھ رکھ دیا۔

"مت جایئے۔۔۔ پلیز۔۔۔" اس کے لہجے میں تڑپا دینے والی التجا تھی۔

"تو پھر بتاؤ تم خوف زدہ کیوں ہو؟"

"نہیں تو۔۔۔ میں۔۔۔" وہ دوبارہ گڑبڑا گئی۔

"کیا تم نے کبھی آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر جھوٹ بولا ہے؟"

"کیا مطلب ہے میں درصل۔۔۔"

"اگر تم نے کبھی ایسا کیا ہوتا تو تمہیں اندازہ ہو جاتا کہ جب تم جھوٹ بولتی ہو تو تمہارے ہونٹوں کی پُرکشش قوس اپنا سارا حسن کھو دیتی ہے۔"

"تم مجھے مار ڈالو گے۔" وہ ہنسی ہو گئی۔

"میں تمہارے لیے کوئی تیز سا مشروب بناتا ہوں۔" ٹائیگر نے ادھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہا اور پھر ایک الماری پر اُسے برانڈی کی بوتل نظر آ گئی۔ وہ آہستہ آہستہ الماری کی طرف بڑھا۔ اس کی حسیات بتا رہی تھیں کہ لڑکی اس کی چال کو بغور دیکھ رہی ہے۔ اس کی چال میں کسی مابہ الامتیاز کا تاثر تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ فن میں یکتا ہو۔

بکھری ہوئی نازک نازک پتیوں سے بچ بچ کر پاؤں رکھنے کی کوشش کرتا ہوا وہ کہیں ان میں سے کوئی نادانستگی میں اس کے پیروں تلے کچلی نہ جائے اس نے برانڈی کی بوتل اور ایک جام اٹھا لیا۔ چند گھونٹ برانڈی انڈیل کر وہ لڑکی کی طرف متوجہ ہوا تو وہ کمرے کے وسط میں یوں کھڑی تھی جیسے سحر میں مبتلا ہو کر، پتھر کی مورتی بن گئی ہو۔ وہ اس کے قریب آ گیا۔ اس نے برانڈی کا جام لڑکی کی طرف بڑھایا۔

"میں تمہارا نام تک نہیں جانتا لیکن مجھے یوں لگتا ہے جیسے میں برسوں سے تمہاری ہی تلاش میں جنگ کا ہوں۔"

لڑکی نے جام لینے کے لیے ہاتھ بڑھایا تو دونوں کے ہاتھ ایک دوسرے سے چھو گئے۔

ٹائیگر کی گرفت اگر جام پر مضبوط نہ ہوتی تو لڑکی کے ہاتھ سے وہ گر کر چکنا چور ہو گیا ہوتا۔ اس نے گلاس چھوڑا ہی نہیں تھا کیونکہ وہ دیکھ چکا تھا کہ لڑکی کی انگلیاں اس کی انگلیوں سے چھونے کے بعد کپکپاہٹوں میں مبتلا ہو گئی تھیں۔

اس کا ہاتھ اٹھا اور جام لڑکی کے ہونٹوں سے لگ گیا۔

دو گھونٹ پینے کے بعد لڑکی کے ہاتھ پر لپسپنے کی ننھی ننھی لہریں جھکنے لگیں۔ ان پر شفاف موتیوں کا گمان ہوتا تھا۔

لڑکی کو راہ پر لانے میں اسے مزید پندرہ بیس منٹ لگ گئے اس کا نام ہیزل تھا اور وہ تین سال سے لائف لائن لیبارٹریز میں سیکرٹیا بہ کلرک تھی۔ لیبارٹریز میں اس کے علاوہ صرف چار ملازمین تھے جن میں سے مسلح گارڈ بھی شامل تھا لیکن ہیزل کے بقول کسی کو کسی سے مل جلنے کی اجازت نہیں تھی۔ اُسے وہاں سے اتنی زیادہ تنخواہ ملتی تھی کہ اس پابندی کو کبھی اہمیت ہی نہیں دی تھی۔ ڈاکٹر اسٹون اور ڈاکٹر بیئرز اس لیبارٹریز کے سربراہ تھے۔ ان دونوں کے علاوہ ہیزل نے کبھی کوئی اور ڈاکٹر وہاں نہیں دیکھا تھا۔ اس کی دانست میں یہ ایک ایسی لیبارٹری تھی جہاں تحقیقی کام ہوتا تھا۔ نچلے حصے میں جانور ہی جانور تھے اور وہاں جانے کی کسی کو اجازت نہیں تھی۔ ہیزل نے بتایا کہ اگر وہ دیوار گرنے کا دھماکا نہ سنتی تو اس طرف جانے کا خیال بھی اس کے ذہن میں نہ آتا۔۔۔ پھر اس نے ٹائیگر کو تہ خانے کی گری ہوئی دیوار اور بلے کے نیچے سے جھانکتی ہوئی ڈاکٹر اسٹون اور فرزانہ کی لاشوں کے بارے میں بتایا۔ یہ بتاتے ہوئے کئی بار اس نے خوف سے جھرجھری سی لی اور بار بار اس کا چہرہ کانپ جاتا تھا۔

"ہوں۔۔۔" ٹائیگر نے اُسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ "تم نے کیا کیا؟"

"میں نے فوراً ڈاکٹر بیئرز کو فون کر دیا۔"

"یہاں؟" ٹائیگر کے لہجے میں بے پناہ نرمی تھی۔

"وہ لوپانو خاندان کے ساتھ مقیم ہے اور مسز گلوریا کا ذاتی معالج ہے۔"

"پھر اس نے یہ سب کچھ سن کر تمہیں کیا ہدایت دی؟"

جواباً ہیزل نے اسے سب کچھ بتا دیا۔ اس نے یہ تک کہا کہ یا کہ وہ ڈاکٹر بیئرز سے محبت میں مبتلا تھی۔ یہ بتاتے ہوئے اس نے مجرمانہ انداز میں سر جھکا لیا تھا جیسے بے پناہ ندامت میں مبتلا ہو۔ ٹائیگر نے اسے اطمینان دلایا کہ اس میں اس کا کوئی قصور نہیں۔ یہ تو ایک فطری جذبہ ہے جو خود بخود ہی سرزد ہو جاتا ہے اور انسان اس فطری جذبے کے ہاتھوں بے بس ہے۔

"لیکن جو حالات سامنے آئے ہیں، ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ ڈاکٹر اسٹون اور ڈاکٹر بیئرز کسی مجرمانہ کاروبار میں ملوث ہیں۔" وہ زندگی بھری آواز میں بولی۔ "اور میں ان کی ملازم ہوں۔"

"تمہارا خیال درست ہے لیکن اس سے تمہاری صحت پر کیا اثر پڑے گا؟" ٹائیگر نے اُسے بے جا احساس گناہ سے نجات دلانے کے لیے ایک بار پھر سمجھانے کی کوشش کی۔ "تم جس عمارت میں رہتی ہو کیا اس کے تمام مکینوں سے واقف ہو؟"

"نہیں تو۔۔۔" وہ چونک پڑی۔

"کیا تمہیں معلوم ہے کہ وہ لوگ کیسے ہیں، ان کا کردار کیا ہے اور وہ کیا کیا دھندے کرتے ہیں؟"

"نہیں۔ میں یہ بھی نہیں جانتی۔"

"ایسی صورت میں، تم پر کوئی ذمے داری عاید نہیں ہوتی۔ اور جو خود کو مجرم نہ سمجھو اور خواہ مخواہ ضمیر کی خلش میں مبتلا ہونے کی کوشش نہ کرو۔"

"لیکن مجھے شبہ ضرور تھا کہ وہاں کوئی ایسا دھندہ ہو رہا ہے جسے قانون کی نظروں سے اوجھل رکھنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔"

"میں سمجھ رہا ہوں۔ شاید اسی لیے تم نے تھوڑی بہت مُراغ رسانی بھی کر ڈالی تھی۔" ٹائیگر نے مسکرا کر کہا۔ "لیکن جب تمہارے شبے کو تقویت دینے کے لیے کوئی ثبوت حاصل نہ ہُوا تو تم اپنا تجسس دبانے پر مجبور ہو گئیں۔"

"آپ کو یہ سب کیسے معلوم ہوا؟" وہ حیران رہ گئی۔

"میں تھوڑا تھوڑا قیافہ شناس بھی ہوں۔"

"پلیز۔ بتایئے نا؟" وہ اسد عاکہ نے لگی۔

"سیدھی سی بات ہے۔ اگر تم ایسا نہ کرتیں تو تمہیں یہ کبھی معلوم نہ ہوتا کہ ڈاکٹر بیئرز، لوپانو خاندان کی مسز گلوریا کا ذاتی معالج ہے۔ یہ بات تمہیں خود ڈاکٹر بیئرز نے تو ہرگز نہیں بتائی ہو گی۔ ٹھیک ہے نا؟"

ہیزل ایک طویل سانس لے کر تائید میں سر ہلانے لگی۔

ٹائیگر نے ہیزل سے بات چیت کے بعد یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ ایک صاف ستھری اور اچھے ذہن کی مالک لڑکی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی واضح ہو گئی تھی کہ اس کا لائف لائن لیبارٹریز سے کوئی در پردہ تعلق نہیں ہے۔ جب وہ لڑکی کے بارے میں ایک حتمی نتیجے پر پہنچ گیا تو اس نے بڑے ہی موثر پیرائے میں اُسے بتایا کہ لائف لائن لیبارٹریز میں درحقیقت کیا ہو رہا ہے۔ اس نے ڈاکٹر اینا اسٹون کے سلسلے میں بھی انکشاف کر دیا اور خدشہ ظاہر کیا کہ ڈاکٹر بیئرز بھی اسی سلسلے کی ایک اہم کڑی ہے۔ یہ سب کچھ سن کر ہیزل نے ایک طویل سانس لی تھی اور تشکر آمیز نظروں سے ٹائیگر کی طرف دیکھنے لگی تھی کہ اس نے اُسے تباہ ہونے سے بچا لیا۔

"اب تم سے اس سلسلے میں رائے طلب کرنا چاہتا ہوں۔" ٹائیگر نے کہا۔ "سب کچھ تمہارے علم میں آ چکا ہے اس لیے ذہن پر زور دے کر بتاؤ کہ کہیں تم کوئی ایسی بات تو نہیں بھول رہیں جس کا اس معاملے سے کوئی تعلق ہو؟"

ہیزل سوچ میں ڈوب گئی۔

"ایک بار۔۔۔" اس نے سوچ کی گہرائی سے اُبھرتے ہوئے کہا۔ "ایک بار بڑا ہی عجیب سا شخص دفتر میں آیا تھا۔ میں سمجھتی ہوں یہ سب کچھ اس شخص کی آمد کے بعد ہی شروع ہوا تھا۔"

ٹائیگر بڑے سکون سے اس کی باتیں سن رہا تھا۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ ہیزل ذہن پر بہت زیادہ زور ڈال رہی ہے اس لیے وہ کوئی مداخلت کر کے اس کی سوچیں منتشر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ رفتہ رفتہ غالباً وہ پرانا منظر اس کے ذہن میں اپنی تمام تر جزئیات کے ساتھ اُبھر آیا تھا۔

"یہ تین سال پہلے کی بات ہے۔ میں نئی نئی وہاں ملازم ہوئی تھی۔" اس نے تیزی سے بتانا شروع کیا۔ "وہ شخص استقبالیہ پر آیا اور مجھ سے کہا کہ وہ ڈاکٹر اسٹون سے ملنا چاہتا ہے۔ اس نے ملاقات کا وقت بھی پہلے سے طے نہیں کیا تھا۔ ڈاکٹر ان دنوں ایک اہم تجربے میں مصروف تھی اس لیے۔ اس کا حکم تھا کہ ایسے اچانک آنے والے ملاقاتیوں کی حوصلہ افزائی نہ کروں۔۔۔ لیکن اس شخص میں نہ جانے کیا بات تھی کہ میں ڈاکٹر کی ہدایت فراموش کر بیٹھی۔ میں نے فون پر اُس سے رابطہ قائم کرکے

اس شخص کے بارے میں اطلاع دی تو وہ برہم ہوگئی۔ اس دوران اس شخص نے میرے ہاتھ سے ریسیور لے لیا اور بات کرنے لگا۔ اس نے دو تین ہی جملے ادا کیے تھے اور پھر ریسیور میرے ہاتھ میں واپس تھمادیا ... میں نے ڈاکٹر الماسے بات کی تو اُس نے بڑے پُرجوش لہجے میں کہا... کہ میں اُسے بیسار ٹری کے اوپر واقع اُس کی خواب گاہ میں پہنچا دوں۔ وہ بہت ہی عجیب الخلقت آدمی تھا اور ڈاکٹر اسٹون جیسی مہین عورت اس شخص کے سامنے یوں بچھی جارہی تھی جیسے وہ کسی ملک کا شہنشاہ رہا ہو۔ حالانکہ اس کی صورت اتنی مکروہ تھی کہ اس پر تھوکنے کو بھی جی نہیں چاہتا تھا۔"

"کیا تم اُس کا حلیہ بیان کرسکتی ہو؟" ٹائیگر نے کافی دیر بعد مداخلت کی۔

"اس کی صورت پر گھوڑے کی شکل کا گمان ہوتا تھا۔"

"نیمراف...؟" ٹائیگر کے حلق سے غراہٹ نکل گئی۔

"گ... گ... کیا تم اُسے جانتے ہو؟" ہیزل ایک بار پھر زرد پڑ گئی۔

"نہیں... میں نے اس اسپیشلسٹ شخص کے بارے میں نفرت کا اظہار کیا تھا۔" ٹائیگر نے بڑی خوبصورتی سے بات ٹال دی۔ اس نے گھوڑے کی شکل والے اس خطرناک شخص کے بارے میں کئی سوالات کیے حتیٰ کہ اُسے یقین ہوگیا کہ ڈاکٹر اسٹون اور اس کا رفیق ڈاکٹر بیٹرز نیمراف کے ہاتھوں میں کھیل رہے ہیں۔ وہ ایک طویل سانس لے کر اٹھ کھڑا ہوا۔ "ٹھیک ہے ہیزل۔ ان سب باتوں کو اپنی ذات تک محدود رکھنا بلکہ میرا مشورہ ہے کہ یہ بات اپنے ذہن سے کھرچ ڈالو اور اسے ایک خواب پریشاں سمجھ کر بھول جاؤ۔ اس میں تمھاری بہتری ہے اور یہی تمھاری بقا کی ضمانت بھی ہے۔"

"کیا تم جارہے ہو؟" وہ افسردہ ہوکر بولی۔

"ہاں... اور میری ایک اور بات پر بھی عمل کرنا۔"

"وہ کیا؟" اس نے چونک کر پوچھا۔

"مجھے بھی بھول جانا۔"

ہیزل کے انداز سے مزید افسردگی جھلکنے لگی۔ "کیا تم کچھ دیر رک نہیں سکتے؟" اس کے لہجے میں استدعا تھی۔

"نہیں ہیزل... مجھے فوراً واپس جانا چاہیے۔"

"اگر ڈاکٹر بیٹرز یہاں آئے تو...؟"

"نہیں۔ وہ نہیں آئے گا۔" ٹائیگر کا لہجہ حتمی تھا۔

ہیزل اُسے ایسی نظروں سے دیکھنے لگی جیسے اس کی بات کا مطلب نہ سمجھی ہو... لیکن ٹائیگر اپنی بات کی وضاحت کے لیے نہ رُکا نہیں۔

وہ دروازے کی طرف بڑھ گیا اور جب اس نے ناب پکڑ کر گھمائی تو عقب سے ہیزل کی آواز سن کر پلٹ پڑا۔

"تم نے... تم نے اپنا نام تو بتایا ہی نہیں۔" وہ مسکرا کر بولا "مجھے اجنبی ہی رہنے دو۔" ٹائیگر کا لہجہ نرم ہی رہا۔ "اجنبی کو فراموش کرنا آسان ثابت ہوتا ہے۔" یہ کہہ کر اُس نے دروازہ کھولا اور باہر راہداری میں نکل آیا۔ اُس نے عقب میں بڑی ہی آہستگی سے دروازہ بند کیا تھا۔ خفیف سی آواز اور ہلکی سی کٹ تک نہیں پیدا ہوئی تھی۔ اُسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ دبے قدموں کسی حسین لڑکی کے خوابوں سے نکل آیا ہو۔ صرف ایک لمحے کے لیے وہ دروازے کے سامنے رُکا۔ اس ایک لمحے میں اُسے نفیس سی سسکی سُنائی دی تھی اور پھر وہ لفٹ کی طرف بڑھ گیا تھا۔

لفٹ کے قریب پہنچ کر اُس نے عقب میں دیکھا۔

ہیزل کے اپارٹمنٹ کا دروازہ بند تھا۔

اس نے اطمینان کے اظہار میں سر ہلایا اور گراؤنڈ فلور سے لفٹ اوپر لانے کے لیے بٹن دبا دیا۔ عمارت سے نکلنے کے بعد وہ دروازے کے سامنے چند لمحوں کے لیے ٹھہرا رہا اور اِدھر اُدھر دیکھتا رہا پھر اس نے نگاہ اُٹھا کر ساتویں منزل کی طرف دیکھا۔

ایک بند کھڑکی کے عقب میں نیلگوں پردہ حرکت میں آیا تھا اور اس پردے کی اوٹ سے ایک چہرہ جھانک رہا تھا۔ ایک ایسا چہرہ جس کی آنکھوں سے آنسو بہہ بہہ کر رخساروں پر ڈھلک رہے تھے لیکن ٹائیگر ان آنسوؤں کو نہ دیکھ سکا۔

وہ تیزی سے ایک خالی ٹیکسی کی طرف بڑھ رہا تھا۔

*

بوڑھا ایمرا اب کافی بہتر محسوس کر رہا تھا۔

اس کی جواں سال بیوی جانتی تھی کہ اُسے کیسے خوش رکھا جاتا ہے۔ گزشتہ شب لوباٹو خاندان کے سربراہ ایمرا پر احساس گناہ اتنا حد تک اثر انداز ہوا تھا کہ ضمیر کی خلش اُسے بُری طرح بے چین کر گئی تھی اس کے دو جوان بیٹے بڑے ہی پُراسرار حالات کا شکار ہوکر مرے تھے اور اُسے ان کا خون اپنی گردن پر محسوس ہو رہا تھا... لیکن جیسے گلوریا نے بڑے ہی نرم اور ٹالم لہجے میں اُسے سمجھایا تھا کہ وہ احساس گناہ میں مبتلا ہوکر غلطی کر رہا ہے۔ ایمرا کے ذہن میں بھی یہ بات آگئی تھی کہ وہ واقعی غلطی پر ہے۔ سب سے پہلی بات تو یہ تھی کہ وہ دونوں اس کے حقیقی بیٹے نہیں تھے۔ جب وہ اس کا خون ہی نہیں تھے تو اُن کی موت کا سوگ منانا کیا معنی رکھتا ہے۔ سب سے پہلے بات اُسے لائف لائن لیبارٹریز کی سینئر سائنٹسٹ ڈاکٹر ایلنا اسٹون نے سمجھائی تھی اور اس انکشاف نے بوڑھے ایمرا کی رُوح تک کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا کہ وہ دراصل اولاد پیدا کرنے سے ہی محروم تھا۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر اسٹون نے نہ صرف بلڈ ٹیسٹ کیے تھے بلکہ اس نے کئی ثبوت بھی فراہم کیے تھے جن سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو گئی تھی کہ لومر اور ریمنڈ ی اُس کے حقیقی بیٹے نہیں تھے۔ ڈاکٹر اسٹون نے اپنی مخصوص ادویات سے اُسے اولاد پیدا کرنے کے قابل بنانے کا تجربہ کیا تھا اور پھر اُس نے حسین گلوریا سے شادی کرلی تھی کچھ عرصے بعد وہ واقعی محسوس کرنے لگا کہ صاحبِ اولاد ہونا اب اس کے لیے کوئی مشکل نہیں ہے۔ اس کی حسین و جمیل بیوی اُمید سے تھی اور تقریباً ایک بچے کی ماں بننے والی تھی۔ اس بچے کے لیے وہ بے حد بے چین تھا یہی وجہ تھی کہ اس نے روزِ اوّل ہی سے ڈاکٹر اسٹون کی ہدایت پر ڈاکٹر بیٹرز جیسا ذہین معالج مستقل طور پر اپنے گھر رکھ لیا تھا۔ اس بچے کی آمد ہوتے ہی اس نے بڑے بیٹے لومر یندی اور ٹائیگر کے ذہن سے اُتارنے کی کوشش کی تھی لیکن نہ جانے کیا بات تھی کہ دونوں آنجہانی بیٹے اس کی رُوح کے زخم بن گئے تھے اور وہ کوشش کے باوجود ان کی یاد اپنے دل سے نہیں نکال سکا تھا۔

گزشتہ شب گلوریا نے اُسے سمجھایا تھا کہ پیدائش کے سلسلے میں اس کے تینوں بیٹوں کا کوئی قصور نہیں کیونکہ انھیں تو قدرتی طور پر جنم لینا ہی تھا اس لیے مرنے والے دو بیٹوں کا سوگ نہ منائے اور خود کو ان کی موت کا ذمے دار نہ ٹھہرائے۔ اس کے ساتھ ساتھ گلوریا نے بڑی عالی ظرفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کی آنجہانی بیوی کی بھی صفائی پیش کی تھی کہ ایمرا جیسے شوہر سے وابستہ رہنے کے لیے ضروری تھا کہ وہ اس کے بیٹوں کی ماں کہلاتی۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو اولاد کی خواہش میں وہ کبھی کا اُسے دھتکار کر کسی اور کا ہاتھ تھام چکا ہوتا۔ اس نے دونوں بیٹوں کی موت کو ناگزیر حادثات قرار دیتے ہوئے کہا تھا کہ بوڑھا ایمرا اس سلسلے میں پوری طرح بری الذمہ ہے۔

حسین گلوریا کی رفاقت کے بعد بوڑھے ایمرا نے اس سلسلے میں ذاتی طور پر غور و فکر کے بعد یہ نتیجہ نکالا کہ وہ واقعی بے گناہ ہے اُسے اپنے ضمیر پر کوئی بوجھ نہیں رکھنا چاہیے۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ اُسے اطمینان تھا کہ گلوریا کے بطن سے اس کا اپنا بیٹا جنم لینے والا ہے اس بچے کی پیدائش پر خوشی کے اظہار کے ساتھ ساتھ ایک تکلیف دہ خیال بھی اس کے ذہن میں ہڑبڑا رہا تھا کہ اچھا ہوا دونوں ناجائز بیٹے ہلاک ہوگئے... لیکن ابھی تیسرا بیٹا ڈیگی موجود تھا اس نے تلخی سے سوچا کہ اس سلسلے میں اُسے کیا کرنا چاہیے؟ یہ خیال اُسے مسلسل پریشان کر رہا تھا اور وہ لاکھ کوشش کے باوجود کسی نتیجے پر پہنچنے سے قاصر رہا تھا۔ وہ دُنیا کے چند دولت مند ترین خاندانوں میں سے ایک خاندان کا سربراہ تھا اگر وہ ڈیگی کو فوری طور پر خود سے الگ کردے تو پوری دنیا میں کہرام مچ سکتا تھا۔ اس کے علاوہ پہلے دو بیٹوں کی موت بھی اُسی سے منسوب کی جاسکتی تھی۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ ایک اہم معاملہ یہ تھا کہ اس کے ان تینوں بیٹوں نے اس کا تمام کاروبار بڑی خوش اسلوبی سے سنبھال رکھا تھا۔ دو بیٹوں کی ہلاکت کے بعد جو کاروباری انتظامی امور میں خلا واقع ہوا تھا، اُسے اس کی طرف سے بھی تشویش تھی اس لیے اس نے فیصلہ کیا تھا کہ جب تک وہ ڈیگلی کے بارے میں کسی خاص نہج پر نہیں پہنچ جاتا، دونوں آنجہانی بیٹوں کا کام بھی اُسی کے سُپرد کردینا چاہیے تھا۔ اس سلسلے میں اُس نے گلوریا سے مشورہ کیا تو اس نے نہ صرف اس خیال کی زبردست حمایت کی تھی بلکہ اس کی غیر معمولی ذہانت کو بھی سراہا تھا... اور آج اس سلسلے میں اُس نے ڈیگی کو اپنے ہاں طلب کیا تھا اور اس وقت دونوں باپ بیٹے لائبریری میں آمنے سامنے بیٹھے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔

اُسے سامنے دیکھ کر نہ جانے کیوں بوڑھے ایمرا کا دل اتھل پتھل ہونے لگا۔ اُس نے ایک طویل عرصے تک اس نوجوان کو اپنا حقیقی بیٹا سمجھا تھا اور اس سے سچی محبت کی تھی۔ اس نوجوان نے بھی جوابی چاہت میں اُسے مایوس نہیں کیا تھا۔ اُسے ڈیگی کی محبت پر کئی بار رشک کا بھی احساس ہوا تھا اور اس وقت بھی جذبہ اس کا دل گداز کر رہا تھا۔ تب اس کے ذہن میں اس خیال نے جنم لیا کہ اگر ڈیگلی اس کی جائز اولاد نہیں ہے تو اس میں اس بے چارے کا کیا قصور ہے؟ سارا قصور اس کی ماں کا تھا جو اس وقت قبر میں لیٹی شاید اپنے گناہوں کی سزا بھگت رہی تھی... نہیں... مجھے اس لڑکے کو اپنا بیٹا ہی سمجھنا چاہیے کیوں کہ یہ نہیں جانتا کہ میں اس کا باپ نہیں ہوں... اس خیال نے بوڑھے کے دل میں اضطراب کا سمندر موجزن کردیا۔ کتنا بڑا المیہ تھا۔ وہ اس کی ماں کا شوہر تو تھا لیکن اس کا حقیقی باپ نہیں تھا۔

ابھی وہ ڈیگی سے کاروباری سلسلے میں گفتگو کا آغاز کرنے ہی والا تھا کہ اچانک فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ دونوں باپ بیٹے نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا... پھر بوڑھے ایمرا نے ریسیور اُٹھا لیا۔ دوسری طرف سے کسی کی آواز سُن کر اس کے لبوں پر بڑی ہی آسودہ سی مُسکراہٹ رقص کرنے لگی۔

"ہاں ڈیئر۔" اس نے بڑی محبت سے کہا۔ "میں ابھی اُوپر آرہا ہوں۔ کیا میں ڈیگی کو بھی ساتھ لیتا آؤں؟ اوہ اچھا۔ میں سمجھ گیا۔"

اس نے ریسیور رکھ دیا اور اپنے تیسرے لیکن آخری زندہ بیٹے کی طرف دیکھ کر بولا: "ڈیگ! میرا انتظار کرنا۔ گلوریا کسی اہم معاملے پر مجھ سے فوری گفتگو کرنا چاہتی ہے۔ میں جلد ہی واپس آجاؤں گا۔"

"بہت بہتر، پاپا۔" ڈیگلی نے بڑی سعادت مندی سے جواب دیا۔ وہ اپنے باپ سے بہت کم اختلاف کرنے کا عادی تھا اور یہی وجہ تھی کہ ایڈ اُسے سب سے زیادہ پسند کرتا تھا۔ ڈیگلی ایک صحت مند نوجوان تھا۔ اس کا جسم دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ دن بھر دفتر میں بیٹھنے والا اور ایک تعیش پسند نوجوان ہے۔ اس کا جسم ٹھوس تھا اور اس کے بازوؤں کی مچھلیاں پھڑک پھڑک کر بے پناہ توانائی کا اظہار کرتی تھیں۔ بوڑھا ایمرے کمرے سے نکل گیا تو ڈیگلی کے ہونٹوں پر بڑی ہی شریر سی مسکراہٹ رقص کرنے لگی۔ غالباً وہ اپنے بوڑھے باپ کی کمزوریوں سے خوب آگاہ تھا اور اُسے اندازہ تھا کہ گلوریا نے اس کے بوڑھے پاپا کو کس مقصد کے تحت اوپر بُلایا ہے۔ اُسے معلوم تھا کہ حسین و جمیل گلوریا اس کے باپ پر کس قدر اثر انداز ہے۔ وہ جانتا تھا کہ ایسی جواں سال بیویوں کی، بوڑھے شوہروں کے دل میں کس قدر منزلت ہوتی ہے۔ وہ ایسے کئی مظاہرے اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا تھا۔

ڈیگلی کو یہ بھی معلوم تھا کہ گلوریا نے درحقیقت اس کے باپ سے کیوں شادی کی ہے۔ اگرچہ وہ ظاہر تو یہی کرتی تھی کہ اُسے بوڑھے ایمرے سے بے پناہ محبت ہے لیکن اس محبت کے پس پردہ اربوں کی دولت سے وابستگی کا جذبہ پوشیدہ تھا۔ گلوریا نے بوڑھا ایمرے کو اپنی محبت جتا کر اپنی زُلف کا اسیر بنا چکی تھی لیکن اُسے ڈیگلی کو یقین دلانے میں آج تک کامیابی نصیب نہیں ہوئی تھی کہ وہ ایک وفادار عورت ہے۔

باپ کے جاتے ہی وہ بھی کرسی سے اُٹھ کھڑا ہوا۔

وہ لائبریری میں موجود ایک لمبی سی میز کی طرف بڑھ گیا۔ اس میز کے کناروں پر ہول بنے ہوئے تھے۔ اس نے گولف اسٹک اُٹھائی اور ایک گیند میز پر پھینک کر گولف اسٹک کا سرا آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھانے لگا۔

اچانک لائبریری کا دروازہ کھلنے کی آواز سُنائی دی۔

وہ سمجھا کہ اس کا باپ واپس آگیا ہے۔ گولف اسٹک ہاتھ میں لیے وہ دروازے کی طرف مُڑا تو ڈاکٹر بیٹرز دکھائی دیا۔ ڈاکٹر کے دونوں ہاتھ اُس کی پشت پر بندھے ہُوئے تھے اور وہ یوں چل رہا تھا جیسے ڈیگلی نے ایک فلم میں نپولین کو ٹہلتے دیکھا تھا۔ ڈیگلی کے دل میں جہاں اپنی سوتیلی ماں گلوریا کے لیے ناپسندیدگی کے جذبات تھے، وہاں وہ اس شخص کو بھی پسند نہیں کرتا تھا۔ اس شخص کے بارے میں ڈیگلی کا اندازہ تھا کہ یہ ہر وقت کسی نہ کسی منصوبہ بندی میں مصروف رہتا ہے۔ اُس نے ڈاکٹر بیٹرز کی آمد نظر انداز کرتے ہُوئے دوبارہ گیند کی طرف توجہ مبذول کرلی۔

"ہیلو ڈاکٹر...!" اس نے سرسری سے انداز میں کہا اور اسٹک گیند کی طرف بڑھانے لگا۔ ہیلو کہنے کا انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ اس شخص کو دھتکار رہا ہو۔

"گڈ مارننگ مسٹر ڈیگلی!" بیٹرز نے کہا۔

ڈیگلی نے جواباً اثبات میں سر ہلا دیا۔ اُسی لمحے گولف اسٹک کا سرا گیند سے چھو گیا۔ اس کے ساتھ ہی ڈیگلی کے ذہن میں ایک جھماکا سا ہُوا۔ ڈاکٹر بیٹرز کا دستک دیے بغیر اس کے باپ کی لائبریری میں داخل ہونا بڑا عجیب اور خلافِ معمول محسوس ہُوا۔ "آخر یہ یہاں کیوں آیا ہے؟" اس خیال نے ڈیگلی کا ذہن پریشان کر دیا۔ وہ سبب معلوم کرنے کے لیے ڈاکٹر بیٹرز کی طرف متوجہ ہُوا تو اُسے اپنی جانب بڑھتے پایا۔

اس کے ہاتھ میں ایک سرنج دبی ہُوئی تھی۔

ڈیگلی نے فوراً ہی گولف اسٹک گھمائی لیکن اس دوران میں ڈاکٹر بیٹرز اس کے اتنا قریب پہنچ چکا تھا کہ چھڑی اُسے کوئی نقصان نہ پہنچا سکی۔ اس کی بجائے ڈاکٹر بیٹرز اُسے اطمینان سے پکڑنے اور کھینچ کر اس کے ہاتھ سے نکالنے میں کامیاب ہوگیا۔ اس نے گولف اسٹک ایک طرف پھینک دی اور عجیب انداز میں مسکراتے ہُوئے بولا: "گولف اسٹک سے بلیئرڈ کھیلنا کچھ اچھا نہیں لگتا مسٹر ڈیگلی۔"

"کیا بکواس ہے۔ تم یہاں کیا کر رہے ہو؟" ڈیگلی غرّایا۔

"میں اس گھر کا خدمت گار ہُوں۔" ڈاکٹر بولا۔ "اب آپ اچھے بچوں کی طرح یہ انجیکشن لگوالیں۔" یہ کہتے ہوئے اس نے نہ جانے کس خیال کے تحت گری ہُوئی گولف اسٹک بھی اُٹھالی۔ اب اس کے ایک ہاتھ میں سرنج تھی اور دوسرے ہاتھ میں اس نے چھڑی تھام رکھی تھی۔

ڈیگلی حیرت سے اُسے دیکھتا رہ گیا۔

"میں وعدہ کرتا ہُوں کہ اس انجیکشن سے آپ کو کوئی تکلیف نہیں پہنچاؤں گا۔" ڈاکٹر بیٹرز کے لہجے میں نرمی پیدا ہوگئی۔

ڈیگلی کو اُس کی اس حرکت پر بے تحاشہ غصہ آرہا تھا۔ خاص طور سے چھڑی چھین کر تو اُس نے اس کے تن بدن میں شرارے سے بھر دیے تھے۔ وہ پھرتی سے پلٹا۔ عقب میں الماری تھی۔ اس نے الماری کے ایک خانے میں ہاتھ ڈالا اور جتنی کتابیں بھی اس کی گرفت میں آسکیں، انھیں ڈاکٹر بیٹرز کی طرف اچھال دیا۔

ایک کتاب سرنج پہ لگی۔

سرنج اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر سُنہرے قالین پر گر گئی۔

ڈاکٹر بیٹرز تیزی سے لپکا تاکہ سرنج پر قبضہ کرسکے۔ اس کے ساتھ ڈیگلی نے بھی کسی جانب جست لگائی تھی۔ اس سے قبل کہ وہ بڑھے ہُوئے انجیکشن پر قبضہ جماتا، ڈاکٹر نے دوسرے ہاتھ میں تھامی ہُوئی گولف اسٹک پُوری قوت سے گھمائی۔

اسٹک ڈیگلی کے بائیں جبڑے سے ٹکرائی۔

اس کے جبڑے کا بالائی گوشت پھٹ گیا اور وہاں سے خون بہہ نکلا۔ چوٹ اتنی شدید تھی کہ وہ سنبھل نہ سکا اور لڑکھڑاتا ہُوا قالین پر ڈھیر ہوگیا۔ اس کے چہرے کا بایاں حصّہ شدید تکلیف میں مبتلا تھا۔ درد وہاں سے درد کی لہریں پورے جسم میں پھیل رہی تھیں۔

وہ جہاں گرا تھا، وہیں پڑا رہ گیا جب کہ اس دوران میں ڈاکٹر بیٹرز نے انجیکشن پر قبضہ کرلیا۔

وہ سرنج سنبھالے تیزی سے اُس کی طرف لپکا۔

ڈاکٹر بیٹرز کے انداز سے اچانک ہی بے پناہ درندگی جھلکنے لگی تھی۔ ڈیگلی ابھی تک شدید کرب کی حالت میں، بیٹرز کی طرف سے غافل پڑا تھا۔ ڈاکٹر بیٹرز کے ہونٹوں پر سفاک مسکراہٹ آگئی۔ ایک نوجوان اس کے سامنے بے بس پڑا تھا اور بس اس کے جسم میں سرنج کی سُوئی داخل کرنے کی دیر تھی، اس کے بعد سب کچھ خود بخود ہی ہوجائے گا۔ چوٹ کے اثر سے ڈیگلی کی آنکھوں کے سامنے دُھند سی چھائی تھی اور اس کا ذہن غنودگی کا شکار ہو رہا تھا۔ بیٹرز نے اس کا بازو تھام لیا اور چاہتا تھا کہ ڈیگلی کے جسم میں وہ مہلک سیال داخل کردے کہ ایک آواز نے اُسے ٹھٹک جانے پر مجبور کردیا۔

"تم ہار گئے..." یہ ایک عجیب سی آواز تھی۔

بیٹرز کی نگاہ دروازے کی طرف اُٹھ گئی۔ اسی لمحے ڈیگلی کو بھی کچھ ہوش آگیا۔ اس نے بھی یہ آواز سُن لی تھی۔ وہ دُھند آلود نگاہوں سے آواز کی طرف دیکھنے لگا۔ دروازے میں ایک نوجوان کھڑا مسکرا رہا تھا۔ اس کے بال سیاہ تھے اور اس کی آنکھوں میں اتنی تیز چمک تھی کہ کچھ فاصلہ ہونے کے باوجود اس کی طرف نگاہ جمائے رکھنا مشکل محسوس ہو رہا تھا۔ اس کے عقب میں گیروے رنگ کا بادہ لہرا رہا تھا۔ یہ ایک بوڑھا شخص تھا۔ نحیف اور نزار سایہ۔ بوڑھا کسی طرح بھی اسّی سال سے کم عمر کا نہیں تھا۔ اس بوڑھے کے ساتھ ایک اور شخص بھی موجود تھا۔ نیلے سوٹ میں اس کی شخصیت کچھ اور بھی نکھری نکھری سی لگ رہی تھی۔

"تم کون ہو؟" ڈاکٹر بیٹرز غرّایا۔ "نکل جاؤ یہاں سے۔"

"کھیل ختم ہوگیا۔" ٹائیگر کی آواز کمرے میں گونج اُٹھی

ڈاکٹر بیٹرز کی حالت ایسی ہوگئی جیسے اس پر دیوانگی کا دورہ پڑ گیا ہو۔ اس نے انجیکشن والا ہاتھ اُٹھا کر اپنے منہ تک بلند کرلیا اور پھر اُسے یوں سر پر گھمایا جیسے وہ کوئی چھوٹا سا نیزہ ہو۔ اس کے ساتھ ہی وہ سرنج تان کر ٹائیگر کی طرف لپکا... غیظ و غضب سے اس کا چہرہ مسخ ہوگیا تھا۔

ڈیگلی نے سر جھٹک کر اپنی آنکھوں کے سامنے چھائی ہُوئی دُھند ختم کرنے کی کوشش کی تاکہ وہ اس منظر کو واضح طور پر دیکھ سکے۔ وہ چیخ کر دروازے میں کھڑے اس کھلنڈرے سے نوجوان کو بتانا چاہتا تھا کہ ڈاکٹر بیٹرز ایک خطرناک آدمی ہے لیکن اگلی ہی ساعت وہ پلکیں جھپکا کر رہ گیا۔

جب وہ دوبارہ دیکھنے کے قابل ہُوا تو نوجوان کمرے میں داخل ہوچکا تھا اور اب ڈاکٹر بیٹرز کی پُشت اس کی جانب تھی جبکہ وہ اپنی ہی جھونک میں، سرنج تھامے بوڑھے کی طرف گُھر رہا تھا۔ بوڑھے کے جسم میں کوئی حرکت پیدا نہ ہُوئی... اور اگر ہُوئی بھی تھی تو ڈیگلی اُسے دیکھنے میں کامیاب نہ ہوسکا۔ اس نے تو بس اتنا ہی دیکھا کہ ڈاکٹر بیٹرز اس کی طرف بڑھتے بڑھتے اچانک ہی لٹو کی طرح گھوم کر دوبارہ اس کھلنڈرے نوجوان کے سامنے پہنچ گیا تھا۔ پُرانے زمانے کے جادوگروں کی طرح، اُدوشان اپنے گیروے لبادے میں، دروازے میں جما کھڑا تھا اور اس کے دونوں ہاتھ اپنے سامنے بندھے ہُوئے تھے۔

بیٹرز کو چکر آگیا۔

اس نے بوڑھے کو صرف ایک لمحے کے لیے ہاتھ بڑھاتے دیکھا تھا، اس کے بعد کیا ہُوا اور وہ کیسے گھوم گیا، یہ تو اس کے فرشتوں کو بھی معلوم نہیں تھا۔ ڈاکٹر بیٹرز جیسے ہی گھوما، ٹائیگر کے سامنے آیا، وہ لمحے بھر کو اچھلا، اس کے سامنے سے ہٹا اور پھر اس کا دایاں ہاتھ سانپ کی طرح لپکا اور جب واپس آیا تو اس کی اُنگلیوں میں سرنج دبی ہُوئی تھی۔ اگلے ہی لمحے وہ پھر اچھلا۔ اس بار اُس کی ٹھوکر ڈاکٹر بیٹرز کی ران کے پُرگوشت حصّے پر پڑی تھی۔ ڈاکٹر کی ٹانگ اس کے جسم کا ساتھ چھوڑ گئی اور وہ یوں فرش پر گر گیا جیسے ایک ٹانگ والا کوئی شخص بیساکھی چھن جانے پر چوٹ کھا کر گر پڑتا ہے۔ ٹائیگر نے سرنج میز پر پھینک دی اور ڈیگلی کی طرف متوجہ ہوگیا۔

"کیا تم ہی ڈیگلی لوپانو ہو؟" اس نے پُوچھا۔

ڈیگلی نے جواب دینا چاہا لیکن اس کا حلق خشک ہوچکا تھا۔ اس نے مجبوراً اثبات میں سر ہلا کر ٹائیگر کی تائید کردی۔

"کیا تم ٹھیک ہو؟" ٹائیگر نے دوبارہ پُوچھا۔

"ہاں... میں... زندہ ہوں۔" ڈیگلی بوکھلا کر بولا۔

"اس ہفتے شکار ہونے والوں میں تم پہلے خوش نصیب ہو، جو زندہ رہنے کا دعوا کر سکتے ہو۔" ٹائیگر نے خوش دلی سے مسکراتے ہوئے کہا اور ڈاکٹر بیٹرز کی طرف دیکھنے لگا جو معذوروں کی طرح قالین پر ڈھیر ہو چکا تھا۔

اُدشان اور بہرام بھی لائبریری میں داخل ہو گئے۔

بہرام آگے آیا اور میز کے قریب کھڑا ہو گیا۔

"ہاں تو ڈاکٹر بیٹرز۔۔۔" ٹائیگر نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔ "آسان یا اذیت ناک؟"

"میں اپنے وکیل کو طلب کرنا چاہتا ہوں۔" وہ کراہ کر بولا۔

"اس کا مطلب ہے کہ تم اذیت ناک موت پسند کرتے ہو۔۔۔" ٹائیگر کا لہجہ اچانک ہی بدل گیا۔ "شاید تم نہیں جانتے کہ اب تمھیں دُنیا کا کوئی بھی وکیل نہیں بچا سکتا۔" یہ کہتے ہوئے ٹائیگر کا ہاتھ اس کی طرف بڑھا اور اگلے ہی لمحے اس کی پوروں میں ڈاکٹر بیٹرز کا بایاں کان دبا ہوا تھا۔

اس نے کان مروڑنا شروع کر دیا۔

بیٹرز چیخ اُٹھا۔

اُسے یوں محسوس ہوا تھا، جیسے اس کا کان نکلتا جا رہا ہو۔ اس نے چیخ کر ٹائیگر کو روکنا چاہا لیکن جب اس نے اُسے پیچھے ہٹتے دیکھا تو بولنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ وہ سمجھا تھا کہ ٹائیگر نے خود ہی اُسے چھوڑ دیا ہے۔۔۔ لیکن جب اس نے ٹائیگر کی اُنگلیوں میں دبی ہوئی ایک چیز دیکھی تو وہ پلکیں جھپکا کر رہ گیا۔ اس کے ہاتھ میں یقیناً ایک کان دبا ہوا تھا۔ تب پہلی بار اُسے اس مقام پر حرارت کا احساس ہوا جہاں اس کا کان ہوا کرتا تھا۔ اس کے ساتھ ہی ایک ناقابلِ برداشت ٹیس اُٹھی اور وہ یوں چیخنے لگا جیسے اس کے سینے میں خنجر پیوست ہو گیا ہو۔

ڈیگلی بھی جھرجھری لے کر رہ گیا۔

وہ ایک پڑھا لکھا آدمی تھا۔ اس نے اب تک ایسا منظر نہ تو کبھی دیکھا تھا اور نہ ہی کہیں پڑھا تھا۔ ٹائیگر نے ڈاکٹر بیٹرز کا کان مروڑ کر یوں الگ کر لیا تھا جیسے وہ گوشت پوست کی بجائے موم کا بنا ہوا تھا۔

ٹائیگر نے اس کا کان قالین پر پھینک دیا اور پھر دوسرے کان کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ اس لمحے ڈاکٹر بیٹرز بُری طرح چیخ پڑا۔ "آسان۔۔۔ آسان۔۔۔ اذیت ناک نہیں۔" اس نے دونوں ہاتھ اپنے چہرے کے سامنے کر لیے تھے اور بُری طرح بلبلا بلبلا کر بول رہا تھا۔

ٹائیگر نے ہاتھ کھینچ لیا۔

وہ بیٹرز کو گھور رہا تھا۔ کچھ لمحے قبل کھلنڈرا نظر آنے والا ٹائیگر اس وقت قہر کا دیوتا بنا کھڑا تھا۔ اس کی آنکھوں میں درندگی کی جھلک تھی اور اس کے ہونٹوں پر تنفر آمیز کپکپاہٹ تھی۔

"اگر تم آسانی چاہتے ہو تو بولنا شروع کر دو۔" ٹائیگر غرایا۔

ڈاکٹر بیٹرز نے یوں بولنا شروع کر دیا جیسے ریکارڈ پر سوئی رکھتے ہی اس سے آواز نکلنے لگتی ہے۔ اس نے اوّل تا آخر سب کچھ بتا دیا۔ منصوبہ، اس منصوبے پر کس طرح کام کیا گیا تھا اور اس کی پُشت پر کس کا ہاتھ کام کر رہا تھا۔ اس نے بتایا کہ بوڑھے ایمرلو پانو کا بڑا بیٹا لوم کیے ہلاک ہوا۔ اس نے ریندی کے مُرنے کی تفصیل بھی بتا دی۔ یہ سب کچھ سُن کر ڈیگلی کو یوں محسوس ہونے لگا جیسے اس کا دماغی توازن بگڑنے لگا ہو۔ وہ دیوانہ وار اُٹھ کھڑا ہوا لیکن ٹائیگر کے ہاتھ کا اشارہ پا کر رُک گیا۔

ڈیگلی کے جبڑے سے خون بہہ رہا تھا۔

اس وقت ڈاکٹر بیٹرز ہولناک انکشاف کر رہا تھا، اس نے ایک بار پھر ڈیگلی کے تن بدن میں انگارے بھر دیے۔

ایک بار پھر ٹائیگر کا ہاتھ بلند ہوا۔ وہ اُسے رُکنے اور خود پر قابو رکھنے کا اشارہ کر رہا تھا۔ اگرچہ ٹائیگر کی شخصیت سے مرعوب نہ ہو چکا ہوتا تو شاید وہ اس کے اشاروں کو درخورِ اعتنا بھی نہ جانتا اور ڈاکٹر بیٹرز پر پل پڑتا۔۔۔ اور اس کی بوٹیاں نوچ نوچ کر نکال جاتا۔

ڈاکٹر بیٹرز نے لوپانو خاندان کی بے پناہ دولت ہتھیانے کے لیے جس چال کا انکشاف کیا تھا، وہ بڑی ہی خوف ناک تھی۔ ڈیگلی کی اب ہر بات کی حقیقت کا علم ہو گیا تھا۔

وہ بار بار غصّے سے مُٹھیاں بھینچ رہا تھا۔

اب اُسے اپنے جبڑے کی چوٹ کا بھی احساس نہیں رہا تھا جبکہ ڈاکٹر بیٹرز کراہوں اور دل دوز چیخوں کے درمیان سب کچھ بتا چکا تو ڈیگلی کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔

"اسے چھوڑ دو۔" وہ غرایا۔

"وہ کس کے لیے؟" ٹائیگر نے حیرانی سے پُوچھا۔

"میرے لیے۔" ڈیگلی نے دانت کچکچاتے ہوئے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔ یہ سالم شکار تمھارے حوالے ہے۔" ٹائیگر نے بڑی فراخ دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر بیٹرز کی طرف اشارہ کر دیا اور خود قالین سے بیٹرز کا کان اُٹھا کر اس کے معائنے میں مصروف ہو گیا۔ بہرام اور اُدشان خاموش کھڑے تھے۔

اُن کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

ڈیگلی اپنے شکار پر ٹوٹ پڑا۔ اس پر دیوانگی سوار ہو گئی تھی۔ ڈاکٹر بیٹرز طاقت اور جسامت میں اس سے زیادہ تھا لیکن ڈیگلی کے گھونسوں اور لاتوں میں انتقام کی شدت تھی۔ چند ہی ٹھوکروں اور گھونسوں نے بیٹرز کے چہرے کا بھُرتہ بنا دیا۔۔۔ لیکن وہ بڑا ہی جان دار شخص ثابت ہوا۔ اس کی جس ران پر ٹائیگر کی ٹھوکر لگی تھی، اس کی ہاڈی ٹوٹ چکی تھی لیکن اس کے باوجود وہ نہ جانے کیسے کھڑا ہو گیا۔ کھڑے ہوتے ہی وہ اپنی صحت مند ٹانگ پر اُچھلا اور اگلے ہی لمحے وہ میز پر جا گرا۔

ٹائیگر کی بھویں کمان ہو گئیں۔

اس کے دائیں ہاتھ کے ریشے سخت ہونے لگے۔ جبڑی کا اس کا ہاتھ سخت ہو کر کسی کلہاڑے کے پھل کی طرح مہلک بن گیا۔ اس ہاتھ کا ایک ہی وار ڈاکٹر بیٹرز کی کھوپڑی ریزہ ریزہ کر سکتا تھا۔۔۔ لیکن اس نے یہ ہاتھ استعمال نہیں کیا۔ بس وہ کسی بھی لمحے استعمال کرنے کے لیے تیار ہو چکا تھا۔ جیسے ہی ڈاکٹر بیٹرز میز پر پہنچا، اُسی لمحے ڈیگلی نے بھی حیت لگائی تھی اور اُس پر آن گرا تھا۔ دونوں کے ہاتھ بیک وقت سرنیچ کی طرف بڑھے تھے۔ ڈیگلی نے بیٹرز کے اس جبڑے پر چوٹ لگائی جہاں سے ٹائیگر نے اس کا کان اکھاڑا تھا۔ بیٹرز بلبلا اُٹھا۔ سرنیچ کی طرف بڑھتا ہوا اُس کا ہاتھ اپنے کان کی طرف بھٹکا اور ڈیگلی سرنیچ اُٹھانے میں کامیاب ہو گیا۔

ٹائیگر کے ہونٹوں پر بڑی ہی خوف ناک مسکراہٹ تھی۔

اس نے فاتحانہ انداز میں اُدشان اور بہرام کی طرف دیکھا۔ وہ دونوں پلکیں جھپکائے بغیر یہ تماشا دیکھ رہے تھے۔ ڈیگلی جیسے ہی سرنیچ قبضہ جمانے میں کامیاب ہوا، بہرام کے ہونٹوں پر ایک آسودہ سی مسکراہٹ رقص کرنے لگی۔ وہ جانتا تھا کہ اس خبیث ڈاکٹر نے ڈیگلی کے دو بھائیوں کو ایسے ہی خطرناک انجکشن لگا کر تباہی کے اڈے میں دھکیل دیا تھا اور وہ دُنیا کی سب سے انوکھی اموات کا شکار ہوئے تھے۔ اب وہی ہتھیار ڈیگلی کے ہاتھ میں تھا اور ڈاکٹر بیٹرز اس کے نرغے میں آ چکا تھا۔ ڈاکٹر بیٹرز نے جیسے ہی دیکھا کہ سرنیچ ڈیگلی کے ہاتھ میں پہنچ گئی ہے، اس پر دیوانگی سی طاری ہو گئی۔ اس نے سرنیچ چھیننے کی بہت کوشش کی لیکن ناکام رہا۔۔۔ پھر وہ بچاؤ کے لیے ہاتھ پاؤں مارنے لگا۔۔۔ لیکن ڈیگلی نے سرنیچ اس کے پہلو میں کسی خنجر کی طرح گھونپ دی اور ساتھ ہی اس کا پمپ بھی دبا دیا۔

ڈاکٹر بیٹرز کے حلق سے ایک دل دوز چیخ نکل گئی۔

اس چیخ کی بازگشت دیر تک کمرے کی محدود فضا میں سنائی دیتی رہی تھی۔ پھر کمرے میں موجود لوگوں کے ذہنوں میں اس کی گونج بس گئی تھی۔ اس دوران میں بیٹرز نے سرنیچ کی طرف دیکھا اور پھر اُس کی نگاہ ڈیگلی کے چہرے پر جم گئی۔ اس کی آنکھوں میں کرب اور خوف کا پُرا دفتر تھا۔ اس نے کمرے میں موجود دو لوگوں کی طرف دیکھا۔ ٹائیگر سے اس کی نگاہ اُدشان پر پہنچی لیکن اُدشان شاید اس تماشے سے بیزار ہو چکا تھا۔ وہ اس وقت دیوار پر آویزاں ایک پینٹنگ دیکھنے میں محو تھا۔ بہرام کے بعد ڈاکٹر بیٹرز کی آنکھیں ہچکچاتی ہوئی دوبارہ ڈیگلی پر آ کر جم گئیں۔ اسے اس دوران میں جتنے چہرے دکھائی دیے تھے سب کے سب درشت اور زندگی کے تاثرات لیے ہوئے تھے۔ اس نے بولنے کے لیے مُنہ کھولا لیکن اس کی زبان سے ایک لفظ بھی ادا نہ ہو سکا۔ اچانک اُسے اپنی دھڑکنیں تیز ہوتی محسوس ہونے لگیں۔ اُسے اپنے بازو اور ٹانگیں یوں بھاری بھاری لگنے لگیں جیسے ان میں ٹھوس پتھر بھرتے جا رہے ہوں۔ یا خون کی جگہ سیسہ دوڑنے لگا ہو۔

اس کی آنکھیں رفتہ رفتہ بند ہونے لگیں۔۔۔ پھر اُسے سانس لینے میں دشواری کا احساس ہونے لگا۔۔۔ اور اس کے دماغ نے اُسے بتایا کہ اُسے مدد کے لیے چیخنا چاہیے۔۔۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ کسی کو مدد کے لیے پکارتا، دماغ سے آنے والے پیغامات کا سلسلہ منقطع ہو گیا اور وہ فرش پر گر گیا۔

اس کی غلیظ رُوح، شیطانی ارادوں کی تکمیل میں ناکام ہو کر، اس کا جسدِ خاکی اس کمرے میں چھوڑ کر فرار ہو گئی تھی۔ وہ مر چکا تھا۔

ڈیگلی نے فرش پر پڑی اس کی لاش دیکھی تو اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ کچھ دیر قبل اس پر جو جنونی کیفیت طاری ہو گئی تھی، اس کا دُور دُور نام و نشان تک نہیں تھا۔ وہ بلبتا ایک اچھا نوجوان تھا۔ کشت و خون اس کی سرشت نہیں تھی۔ اس لیے شاید اب اُسے احساس ہو رہا تھا کہ اس کے ہاتھ ایک انسان کے خون سے رنگے ہوئے ہیں اس نے ٹائیگر کی طرف دیکھا جو ڈاکٹر بیٹرز کے جسم سے سرنیچ کھینچ کر اس کا جائزہ لے رہا تھا۔ اُدشان اب بھی تصویر میں محو تھا۔ البتہ بہرام اس کی طرف دیکھ کر شفقت سے مُسکرا رہا تھا۔ اس مسکراہٹ میں اُسے اپنے لیے بے پناہ اپنائیت کا احساس ہوا۔ بے اختیار اُس کا دل بھر آیا اور اُس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

"یہ چھڑی تمھاری ہے؟" ٹائیگر کی آواز نے اُسے چونکا دیا۔

"نہیں۔۔۔ یہ میرے پاپا کی ہے۔"

"اوہ، بہت اچھی چھڑی ہے۔" ٹائیگر نے گولف اسٹک کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ وہ دراصل کمرے میں چھایا ہوا سکوت توڑنا چاہتا تھا۔ اس مقصد کے لیے بالآخر اُسے چیخ اُٹھنا پڑا۔ "کیا تم میں سے کسی کو احساس نہیں کہ یہاں ایک لاش بھی پڑی ہے؟"

اس کا انداز کسی حد تک مضحکہ خیز تھا۔

ڈیگلی کے ہونٹوں پر ایک سوگوار سی مسکراہٹ اُتر آئی۔

"میں نہیں جانتا کہ آپ لوگ کون ہیں۔" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "لیکن میں سمجھتا ہوں کہ مجھے آپ جیسوں کا بے حد شکر گزار ہونا چاہیے۔"

"میں اسی انتظار میں یہ تصویر دیکھ رہا تھا۔" اُوشان پلٹ کر بولا۔ "اب جب کہ تم نے ہمارا شکریہ ادا کر دیا ہے ہمیں ٹھنڈے ٹھنڈے یہاں سے رخصت ہو جانا چاہیے۔"

"مجھے بھی ایک ضروری کام نمٹانا ہے۔" ڈیگلی عجیب سے انداز میں بولا۔

"اگر میں تمہارے ساتھ چلوں، تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں...؟" ٹائیگر نے کہا۔

"آپ میرے بہترین دوست اور مہمان کی حیثیت سے میرے ساتھ چل سکتے ہیں۔" ڈیگلی اُسے تفکر آمیز نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولا۔ "میں آپ کی رفاقت میں فخر محسوس کروں گا۔"

"اگر رفاقت میں فخر محسوس کرنے کا اتنا ہی شوق ہے تو اُن کے ساتھ جاؤ۔" ٹائیگر نے بہرام کی طرف اشارہ کر دیا۔

اس پر اُوشان کھل کھلا کر ہنس دیا۔ کافی عرصے بعد وہ اپنے مخصوص انداز میں کسی لطیفے جیسی آواز نکالتے ہوئے ہنسا تھا۔

وقار کی حد تک ان کی رفاقت بھی بُری نہیں۔" ٹائیگر نے اُوشان کی طرف اشارہ کیا جس پر اُوشان کی ہنسی مزید تیز ہو گئی۔ ٹائیگر بھی خوش دلی سے مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔ بہرام کا چہرہ تو مارے خوشی کے یوں ہی کھلا ہوا تھا۔ "سویٹ ہارٹ!" ٹائیگر اس کی طرف دیکھ کر بولا۔ "آج اتنے خوش ہیں تو کم از کم میری ایک بات کا جواب تو دے دیں۔"

"وہ کیا بات ہے، فرزند۔ بولو۔" بہرام نے مسکرا کر کہا۔

"اگر کسی عورت کے چہرے پر ان گنت جھُرّیوں کے جال ہوں تو اس کی مثال...."

"ٹھہرئیے آپ۔" بہرام یکایک غرّا اُٹھا۔ "اب تم لغویات پر اُتر آئے ہو۔" اگرچہ اس نے خاصی گرج چمک کا مظاہرہ کیا تھا... لیکن ڈیگلی نے صاف محسوس کر لیا کہ اس خفگی میں پیار کا ایک سمندر موجزن ہے۔

وہ حیران حیران نظروں سے کبھی ٹائیگر اور کبھی بہرام کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ٹائیگر نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور اُسے دروازے کی طرف لے جاتے ہوئے بتانے لگا کہ جس عورت کے چہرے پر ان گنت جھُرّیوں کے جال نہیں ہوتے، اس کی مثال ایک ایسی رات جیسی ہوتی ہے، جب آسمان پر ستارے نہیں نکلتے۔

لوپانو خانہ بدوش کے سربراہ بوڑھے ہیرلو پانو کی آنکھوں میں تشویش اور فکرمندی کی پرچھائیاں رقص کر رہی تھیں۔ وہ محبت پاش نظروں سے اپنی جواں سال بیوی کی طرف دیکھ رہا تھا جو بستر پر دراز تھی۔ اس نے ایک پتلی سی چادر سے اپنا جسم ڈھانپ رکھا تھا۔ ایمرہ بہت

کچھ دیر ٹہلنے کے بعد وہ رُک گیا اور فکرمندی سے بولا: "اب تم کچھ بہتر محسوس کر رہی ہو، ڈیئر؟"

گلوریا کے حلق سے ایک عجیبی سی کراہ نکل گئی۔

"ہاں ڈارلنگ!" وہ بولی۔ "مجھے افسوس ہے۔ ابھی چند قبل میں کس قدر دل شکستہ ہو رہی تھی۔ میں اس اندیشے میں مبتلا ہو گئی... کہ..." وہ رُک کر کانپ گئی۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے کسی خیال کے تحت اُس نے جھُرجھری لی ہو۔ "نہ جانے کیوں مجھے یوں محسوس ہونے لگا تھا جیسے بچے کو کوئی نقصان پہنچنے والا ہے۔ "بچے کو بھلا کیا نقصان پہنچ سکتا ہے؟" وہ سمجھانے والے انداز میں بولا۔

"میں نہیں جانتی۔ بس یہ ایک احساس تھا جس نے مجھے دل گرفتہ کر دیا۔" وہ خفت آمیز لہجے میں بولی۔

"شاید تم بھول جاتی ہو کہ ملک کا بہترین ڈاکٹر یہاں ہر وقت موجود رہتا ہے۔ اگر کوئی پیچیدگی پیدا ہو بھی گئی تو وہ اُسے بآسانی سنبھال لے گا۔ ڈاکٹر بیئرز ہے کہاں؟" ایمرہ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے نرمی سے پوچھا۔

"نہیں ایمرہ۔" وہ اک ادا سے بولی۔ یہ ادا بوڑھے کی عقابی دبیز پرجے کا کام کرتی تھی۔ "سب ٹھیک ہے۔ میں نے اُسے کہہ دیا تھا اور وہ میرا معائنہ کر کے جا چکا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ میں ٹھیک ہوں۔ تب مجھے اندازہ ہوا کہ دراصل تم مجھ سے دور رہو سامنے پا کر ہر احساس اور ہر اندیشہ خود بخود دُور ہو گیا ہے۔"

بوڑھا ایمرہ خوش دلی سے مسکرانے لگا۔

"تم چاہو تو اسٹڈی میں واپس جا سکتے ہو، ڈیئر۔"

"اگر تمہاری اجازت ہو تو...."

"میں اب ٹھیک ہوں۔ کچھ دیر آرام کروں گی تو بالکل ہو جاؤں گی۔ مجھے توقع ہے کہ ہمارا بچہ بے حد خوبصورت ہو گا۔"

ایمرہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

دفعتہً عقب سے ایک بھاری آواز سنائی دی۔

"ہاں... وہ بچہ یقیناً خوبصورت ہو گا کیونکہ اس کا باپ اور اس کی ماں دونوں ہی خوبصورت ہیں... لیکن تم انھیں یہ کیوں نہیں بتاتیں کہ اس بچے کا باپ کون ہے۔" بھاری آواز آخر میں مزید کھردری ہو گئی تھی۔

ایمرہ چونک کر دروازے کی طرف پلٹا۔ اس کا چہرہ خشم اور نفرت کی زیادتی سے اپنے نقش و نگار تک کھو رہا تھا۔ سامنے، دروازے میں اس کا سب سے چھوٹا بیٹا ڈیگلی کھڑا گلوریا کو گھور رہا تھا۔ اس کے عقب میں بہرام، ٹائیگر اور اُوشان بھی نظر آ رہے تھے۔

"تمہاری اس ناشائستہ بات کا کیا مطلب ہے؟" ایمرہ غصّے کی طرح چیخ پڑا۔

ڈیگلی اطمینان سے قدم اُٹھاتا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔

"کسی نے کہا تھا کہ بوڑھوں سے زیادہ احمق کوئی نہیں ہوتا، اور آپ نے یہ بات ثابت کر دی ہے۔" ڈیگلی کے لہجے میں بلا کا بوڑھا ایک دفتر تھا۔ اس کی آواز دل کی دھڑکن کی طرح لرز رہی تھی۔ اس کی آنکھوں کے گوشے بھیگے ہوئے تھے۔ "یہ خطرناک آوارہ عورت جس بچے کی ماں بننے والی ہے، وہ آپ کا بچہ نہیں ہے۔"

"شاید تم بھول رہے ہو کہ اس وقت کہاں کھڑے ہو۔" بوڑھا ایمرہ غصّے کی بھرپور لہجے میں بولا... لیکن وہ سوچنے پر مجبور ہو گیا۔ ڈیگلی جیسا سعادت مند نوجوان ایسی باتیں بلاوجہ نہیں کر سکتا۔ خیال کے باوجود اس نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔ "یہاں سے نکل جاؤ۔ آئندہ کبھی ادھر کا رُخ نہ کرنا۔"

"میں ابھی کچھ دیر قبل ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بھی رخصت ہو سکتا تھا۔ بڑی خوش قسمتی سے بچ گیا۔" اس نے چبھتی ہوئی نگاہوں سے باپ کی طرف دیکھا۔ "اور تمہاری بدقسمتی سے میری جان بچ گئی۔" وہ اپنے باپ کی طرف متوجہ ہو گیا۔ "گھبرایئے نہیں پاپا۔ میں آپ کی نگاہوں سے دُور ہو جاؤں گا لیکن پہلے میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں گا کہ آپ کس طرح میرے دو بھائیوں... بلکہ اپنے دو بیٹوں کے قتل میں شریک جرم رہے ہیں۔"

"وہ میرے بیٹے نہیں تھے۔" بوڑھا ایمرہ ضبط کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے لگا۔ "اور اگر جاننا چاہتے ہو تو سن لو کہ تم بھی میرے بیٹے نہیں ہو۔"

"یہ عورت، حماقت بن کر آپ کے خیالوں میں بھی گھل مل گئی ہے۔" ڈیگلی کے لہجے میں بولا۔ "آپ کو اتنا بھی احساس نہ ہو سکا کہ ان لوگوں کے ساتھ آپ کے ساز کیا سازش کی ہے۔ انھوں نے آپ کے ذہن میں سب سے پہلے یہی شبہ بٹھایا کہ ہم آپ کے بیٹے نہیں ہیں۔ ڈاکٹر ایلنا سلون اور ڈاکٹر بیئرز... یہ دونوں شیطان، یہ خوفناک منصوبے کر کے ہمارے خاندان میں داخل ہوئے اور انھوں نے ہمیں تباہ کر ڈالا۔ سب سے پہلے انھوں نے آپ کو یہ ثابت کر کے دکھایا کہ اس سے قبل زندگی بھر آپ اولاد پیدا کرنے کے قابل نہیں تھے۔ یہ سب کچھ ایک مخصوص انجیکشن کی وجہ سے ہوا آپ کی ذہنی حالت ایسی بنائی گئی کہ جو کچھ وہ ثابت کرنا چاہتے تھے، اسے آپ قبول کر لیں۔ آپ نے اس شیطانی دوا کے زیر اثر یہ سب کچھ قبول بھی کر لیا۔ اس کے بعد انھوں نے گلوریا کو آپ کی زندگی میں داخل کیا اور تب دوسرے انجیکشن سے آپ کی پہلی سوچ بحال کر دی۔ اس انجیکشن نے دراصل پہلے انجیکشن کا اثر زائل کر دیا تھا۔ اس کے بعد آپ کو ذہنی طور پر تیار کیا گیا کہ ہم تینوں بھائیوں کو سزائے موت دلوا دیں۔ لومڑ اور درندگی جن حالات میں موت کا شکار ہوئے، وہ آپ سے ڈھکے چھپے نہیں ہیں۔ کیا ایسی اموات پہلے کبھی دیکھنے یا سننے میں آئی ہیں؟ نہیں... انھیں مخصوص دواؤں کے تحت قتل کیا گیا تھا، پاپا۔ کیا آپ اتنا بھی نہیں سمجھ سکتے؟"

بوڑھا ایمرہ یوں کھڑا تھا جیسے کسی نے اُسے پتھر بنا دیا ہو۔ اس کی پیشانی پر اَن گنت شکنیں تھیں۔

آج وہ جتنا بوڑھا دکھائی دے رہا تھا، اس سے پہلے وہ کبھی اتنا بوڑھا نظر نہیں آیا تھا۔ اس نے ڈیگلی کے چہرے سے نگاہ ہٹا کر اس کے عقب میں کھڑے اُوشان کی طرف دیکھا۔ ایمرہ کی نگاہیں سوالیہ تھیں۔

اُوشان نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

ایمرہ کی نگاہ بہرام پر جم گئی۔

"ڈیگلی جو کچھ کہہ رہا ہے، سچ کہہ رہا ہے۔" بہرام نے جواب دیا۔

ایمرہ کی نگاہیں گلوریا کی طرف اُٹھ گئیں۔

"اور اس کا ثبوت آپ کی اسٹڈی میں پڑا ہے، مسٹر ایمرہ۔" ٹائیگر نے گہری متانت سے جواب دیا۔ "آپ کی بیگم کا چہیتا ڈاکٹر بیئرز اس وقت اسٹڈی میں مُردہ پڑا ہے۔ آپ کو اس لیے اوپر لایا گیا تھا تاکہ جب آپ ڈیگلی کو اسٹڈی میں تنہا چھوڑ کر کمرے سے نکل جائیں تو ڈاکٹر اُسے ایک ایسا انجیکشن لگانے میں کامیاب ہو جائے جس کے بعد موت کا باعث حرکت قلب بند ہو جانا ہی تجویز کیا جا سکتا تھا... لیکن کھیل ختم ہو گیا۔ ڈاکٹر بیئرز اُسی انجیکشن کی وجہ سے آپ کی اسٹڈی میں پڑا ہے اور اس کی حرکت قلب بند ہو چکی ہے۔"

ایمرہ کا چہرہ رفتہ رفتہ کسی لاش کی طرح سپید پڑنے لگا۔

"یہ سب کچھ ناممکن ہے..." وہ بڑبڑایا۔

"جو ناممکن تھا... وہ ہو چکا ہے، پاپا۔" ڈیلگی کا لہجہ درد میں ڈوبا ہوا تھا۔ "یہ سب کچھ تو پھر بھی ممکن ہو سکتا تھا۔"

"لیکن یہ...!" ایمر کے لہجے میں ایک بار پھر بے یقینی پیدا ہو گئی۔

"یہ سب کچھ ہارمونز کے انجیکشن سے ہوا۔" ڈیلگی نے وضاحت کی۔ "وہ آپ کو بندر کے ہارمونز دیتے رہے اور آپ کو یہ احساس ہوتا ہوتا رہا کہ آپ کی جوانی واپس آتی جا رہی ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ میں آپ سے اس بے باکی کے ساتھ باتیں کر رہا ہوں لیکن اب کچھ باقی نہیں رہا۔ آپ نے سب کچھ تباہ کر دیا۔ آپ نے اس گھٹیا سی عورت کے لیے اتنا کچھ داؤ پر لگا دیا حالانکہ یہ ایک بازاری عورت ہے اور اسے آپ کا تنخواہ دار ایک معمولی کلرک بھی خرید سکتا تھا۔"

"نہیں... نہیں..." گلوریا چیخ پڑی۔ اس کا انداز ہذیانی تھا۔ "میں یہ توہین برداشت نہیں کر سکتی۔ میرا دل پھٹ جائے گا۔" وہ خود کو پارٹر میں مزید لپیٹ کر بستر کی نرماہٹوں میں دھنسنے کی کوشش کرنے لگی۔

"تم تین ماہ بعد ایک ایسے بچے کی ماں بننے والی ہو جس پر میرا باپ فخر کیا کرے گا۔" ڈیلگی نے تلخ لہجے میں کہا۔ "جب ہم سب کچھ برداشت کر لیتے ہیں تو تم کیوں نہیں برداشت کر سکتیں۔ میں جانتا ہوں کہ تم اس بچے کو ماں باپ ڈاکٹر بیئرز تھا۔"

بوڑھا ایمر اس دوران میں ہکا بکا سا کھڑا تھا۔ اس الزام تراشی اور گلوریا کی بگڑتی ہوئی حالت پر اس کے دماغ نے ایک بار پھر بلیک آؤٹ کھایا اور وہ گلوریا کی طرف دیکھ کر چیخ پڑا۔ "اس سے کہہ دو کہ یہ جھوٹ بول رہا ہے۔" اس نے ڈیلگی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں گلوریا! مجھے ضرور کہو کہ میں جھوٹ بول رہا ہوں۔" ڈیلگی نے استہزائیہ لہجے میں کہا۔

گلوریا کی حالت ہر گزرتے ہوئے لمحے کے ساتھ ساتھ بگڑتی جا رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں ایسے تاثرات تھے جنھیں کوئی معنے نہیں پہنائے جا سکتے تھے۔

"بولو گلوریا... ڈیئر... اسے بتاؤ کہ..." بوڑھے ایمر کی آواز ٹوٹنے لگی۔

"مجھے تم سے شدید نفرت ہے۔" گلوریا چیخ پڑی۔ وہ ڈیلگی سے مخاطب تھی اور دیوانگی سے بھرپور لہجے میں بول رہی تھی اور اس کی سانس کی آمد رفت کا عالم یہ تھا جیسے اس کے پھیپھڑوں کی کارکردگی متاثر ہو گئی ہو۔ "میں تم سے نفرت کرتی ہوں۔"

"آپ نے جواب سن لیا، پاپا؟"

"لیکن کیوں؟" ایمر بڑبڑایا۔ "اس نے ایسا کس لیے کیا؟"

"آپ کی دولت کے لیے۔" ڈیلگی نے جواب دیا۔ "صرف اور صرف دولت کے لیے، پاپا! وہی دولت آپ کی دشمن بھی ہے جس سے آپ کو دنیا جہان کی راحتیں حاصل ہیں۔ یہ آپ کو ایک ناجائز بچے کا تحفہ دے کر ہم سب کو قتل کروا دینا چاہتی تھی۔ اس بچے کی پیدائش کے بعد یہ آپ سے بہ آسانی چھٹکارا پا سکتی تھی۔ تب سب کچھ اس کے بچے کو اور خود اسے مل جاتا اور یہ عیش کی زندگی بسر کرتی۔ ڈاکٹر بیئرز اور ڈاکٹر اسٹون اس کے مددگار تھے اور شاید ان کے پیچھے بھی کوئی تنظیم کار فرما موجود تھا۔"

ٹائیگر نے جھک کر اوشان سے کہا۔ "لڑکا اچھا جا رہا ہے۔"

"منہ بند رکھو۔" اوشان نے ناگواری سے کہا۔

ان دونوں کی بات چیت بہت دھیمی آواز میں ہوئی تھی اس لیے کوئی بھی ان کی طرف متوجہ نہ ہوا۔ بوڑھے ایمر نے دونوں ہاتھوں میں اپنا چہرہ دفن کر لیا اور اس کے جھٹکے کھاتے ہوئے کندھوں سے چلتا تھا کہ وہ رو رہا ہے۔

"اور اب پاپا!" ڈیلگی نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "میں آپ کا گھر چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ آپ میرے دو بھائیوں کے قاتل ہیں۔ آپ نے اپنے حقیقی بیٹوں کو قتل کر دیا... ایک گھٹیا سی عورت اور اس کے ناجائز بچے کی خاطر... آپ نے اپنے حقیقی بیٹوں کی جان لے لی۔ میں آپ کے کاروبار پر بھی تھوکتا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ دولت کیسے کمائی جاتی ہے۔ میں اسے کماؤں گا لیکن آپ کی طرح بے حس نہیں بن سکتا۔"

یہ کہہ کر وہ تیزی سے پلٹ پڑا لیکن ٹائیگر نے اسے روک لیا۔

"رکو، ہاؤ مسٹر ڈیلگی، تم جو کچھ کہہ رہے ہو، یہ ایک جذباتی فیصلہ ہے۔ تمہارا باپ قریب المرگ ہے، اسے چھوڑ کر مت جاؤ۔"

وہ ایک جھٹکے سے رک گیا۔

ٹائیگر کے ہاتھ میں ایک سرنج تھی۔

اس نے بوڑھے ایمر کی طرف دیکھا جو اب بھی دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے سسکیاں بھر رہا تھا۔ ٹائیگر سرنج لے کر آہستہ اس کی طرف بڑھنے لگا۔ ایک لمحے کے لیے ڈیلگی کے چہرے پر الجھن پھیل گئی۔ اس کی آنکھوں میں اپنے باپ کے لیے بے حد ردی کے پیدا ہونے لیکن اگلے ہی ساعت وہ کسی نامعلوم خطرے کی بو سونگھ رہ گیا۔ اس کی آنکھیں سامنے کی دیوار پر جمی ہوئی تھیں جہاں سینری میں سورج طلوع ہو رہا تھا۔

ٹائیگر ایمر کے قریب پہنچ کر رک گیا۔

اس نے سرنج کا پمپ ذرا سا دبایا۔ یہ وہی سرنج تھی جو ڈاکٹر بیئرز نے موت کی آغوش میں پہنچ چکا تھا اور کمرے

وقت ٹائیگر نے نہ جانے یہ سرنج کب اٹھائی تھی۔ اس سرنج میں ابھی کچھ دوا باقی تھی۔

بوڑھا ایمر منہ چھپائے سسکیاں بھر رہا تھا۔

اچانک اسے اپنے بازو میں سوئی کی چبھن کا احساس ہوا۔

اس نے دونوں ہاتھ چہرے سے ہٹا لیے اور ٹائیگر کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں مونیت کے تاثرات تھے۔ اگلے ہی لمحے اس کی گردن ڈھلک گئی لیکن اس کی آنکھیں کھلی رہیں۔ ان آنکھوں میں سکون اور آسودگی کے تاثرات منجمد ہو کر رہ گئے تھے جیسے وہ اپنے انجام سے بے حد خوش ہو۔

ڈیلگی نے ابھی تک اپنے باپ کی طرف نہیں دیکھا تھا۔

اس کی نگاہیں طلوع ہوتے ہوئے سورج کو گھور رہی تھیں جو ایک تصویر میں رنگوں کے افق پر ابھرتا دکھائی دے رہا تھا۔ اچانک اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ سورج طلوع ہونے اور غروب ہونے کے منظر میں کتنی یکسانیت ہوتی ہے۔ یہ سوچ کر اس نے کن انکھیوں سے ٹائیگر کی طرف دیکھا۔

ٹائیگر اب گلوریا کے قریب کھڑا تھا۔

"میں اپنے وکیل کو بلانا چاہتی ہوں۔" وہ خوف زدہ لہجے میں کہنے لگی۔

"مجھے ہی اپنا وکیل سمجھ لو۔" ٹائیگر نے مسکرا کر کہا۔ "مجھے افسوس ہے کہ اس انجیکشن میں اب زیادہ دوا نہیں ہے اس لیے تمھیں اذیت ناک موت سے ہمکنار ہونا پڑے گا۔" یہ کہہ کر اس نے انجیکشن کی سوئی اس کے بازو میں پیوست کر دی۔

گلوریا کی چیخ بڑی ہی کربناک تھی۔

اس کرب ناک اور دل دہلا دینے والی چیخ نے ڈیلگی کے دل سے ساری ہی بے چینیاں دھو ڈالیں۔ اس نے ابھی تک اپنے باپ کی طرف نہیں دیکھا تھا۔ البتہ وہ گلوریا کے تڑپنے سے مسرور و لطف اندوز ہو رہا تھا۔

انجیکشن لگتے ہی گلوریا کی حالت غیر ہونے لگی تھی لیکن دوا کی مقدار کم ہونے کی وجہ سے وہ ڈاکٹر بیئرز اور بوڑھے ایمر کی طرح فوراً ہی موت سے ہمکنار نہ ہو سکی۔ اسے مرنے سے قبل دیر تک تڑپنا پڑا۔

اوشان اور بہرام ساکت کھڑے تھے۔

جب گلوریا کا جسم ٹھنڈا ہونے لگا تو اس کا پیٹ ایک بار پھر ابھر کر اٹھا اور پھر کروں ساکت ہو گیا جیسے جھیل کی سطح پتھر ٹکرانے کے کچھ دیر بعد بے حس ہو جاتی ہے۔ سفید بستر پر خون کی ایک ندی بہنے لگی تھی۔

ڈیلگی پلٹ کر ٹائیگر کی طرف دیکھنے لگا۔

"میں تمھارا شکر گزار ہوں، دوست! تم نے مجھے ایک بہت بڑی الجھن سے بچا لیا۔" یہ کہہ کر وہ اوشان کی طرف متوجہ ہوا۔ "اور میں آپ..."

"نہیں۔" اوشان نے جلدی سے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "میرا شکریہ ادا کرنے کی ضرورت نہیں۔ محض شکریے قبول کر کر کے میرا ہاضمہ متاثر ہو جاتا ہے۔ اس لفظ کو ہضم کرنا بہت مشکل ہے کیونکہ اس کے پس منظر میں کوئی نہ کوئی بڑی ہی تکلیف دہ صورت حال پوشیدہ ہوتی ہے۔"

ڈیلگی کے ہونٹوں پر سوگوار سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

ایک بار پھر اس کی نگاہ سینری کی طرف اٹھ گئی جس میں سورج طلوع ہو رہا تھا لیکن یہی منظر ایسا محسوس ہوا جیسے سورج غروب ہو رہا ہو۔ تب اس نے اپنے باپ کی طرف دیکھا اور اس نے ضبط کا دامن چھوڑ دیا۔

وہ بوڑھے ایمر سے لپٹ پڑا اور اس کی سسکیوں سے کمرہ گونج اٹھا۔

ٹائیگر دروازے کی طرف چل دیا۔ بہرام اور اوشان پہلے ہی باہر جا چکے تھے۔

رات بے حد تاریک تھی اور سردی کے مارے رگوں میں خون منجمد ہوا جا رہا تھا وہ پراسرار شخص جھاڑیوں میں یوں چل رہا تھا۔ جیسے سردی اور تاریکی دونوں ہی اس پر بے اثر ثابت ہو رہی ہوں۔ اس کا رخ جھاڑیوں میں گھری ہوئی ایک عمارت کی طرف تھا۔

عمارت کا بیشتر حصہ تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔

بقی حصے کی ایک کھڑکی روشن تھی اور دور سے اس کی روشنی زرد معلوم ہوتی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے زرد روشنی ایک چوکھٹے میں قید کر دی گئی ہو۔ آسمان پر بادل تھے اور انھوں نے ستاروں کو چھپا رکھا تھا۔ ٹائیگر کے بقول یہ ایک ایسی ہی رات تھی، جس کی مثال وہ کسی ایسی عورت سے دے سکتا تھا جو چہرے پر ان گنت بھورے بھورے تلوں سے محروم ہو۔

ٹائیگر روشن کھڑکی کے نیچے رک گیا۔

وہ جس جگہ کھڑا تھا، یہاں سے دیوار عمودی حالت میں بلند ہوتی تھی۔ روشن کھڑکی غالباً عمارت کی تیسری منزل پر تھی۔ اس نے فاصلے کا اندازہ لگایا اور اچانک ہی اسے اپنے اردگرد کتوں کے غرانے کی آوازیں سنائی دیں۔ اس نے ایک قدم پیچھے ہو کر جست لگائی اور پھر عمودی دیوار پر اس کے پاؤں حرکت کرنے لگے۔ اب وہ یوں اوپر جا رہا تھا جیسے زمین پر دوڑ رہا ہو۔ کھڑکی تک پہنچنے میں اسے زیادہ وقت نہیں لگا۔ بلندی اس نے اسی طرح طے کی تھی جیسے کوئی شخص اتنا فاصلہ زمین پر دوڑ کر طے کرتا ہے۔

نیچے کتوں کا شور بڑھتا جا رہا تھا۔

یوں لگتا تھا جیسے ان کتوں پر دیوانگی طاری ہو گئی ہو... جھاڑیاں ٹوٹ رہی تھیں اور کوئی چیخنے لگا تھا لیکن محافظ کی آواز کتوں کی غراہٹوں میں دب کر رہ گئی تھی۔ ٹائیگر نے کھڑکی کی سل تھام لی اور جسم کو اس پر متوازن کر لیا۔ اب وہ کھڑکی کے شیشے سے اندر جھانک رہا تھا۔ یہ ایک خواب گاہ تھی اور اس کے درمیان ایک بہت بڑا بستر بچھا ہوا تھا۔ اتنی بڑی مسہری ٹائیگر نے زندگی میں پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی... لیکن مسہری خالی تھی اور اس کا بستر... بے شکن تھا۔

کمرے کے دُور افتادہ حصّے میں ایک کشادہ کرسی پر ایک شخص براجمان تھا جس کی پشت کھڑکی کی طرف تھی وہ سامنے رکھی میز پر جھکا کچھ لکھنے میں مصروف تھا۔ ٹائیگر نے نیچے دیکھا۔ محافظ کی ٹارچ سے نکلنے والی روشنی جھاڑیوں میں چمک رہی تھی اور کتوں کی غراہٹیں ختم ہو گئی تھیں۔ اگر محافظ ٹارچ کی روشنی اُوپر ڈالتا تو کھڑکی کی سل پر اُسے ٹائیگر یقیناً نظر آ جاتا لیکن وہ اس بات کی توقع نہیں کر سکتا تھا کہ کوئی شخص ایسی پھسلواں دیوار پر بغیر کسی سہارے کے چڑھ بھی سکتا ہے۔

ٹائیگر نے کھڑکی پر دباؤ ڈالا۔

کھڑکی بند تھی۔

اس نے انگلی کی پور شیشے پر جمائی اور پھر اُسے ہلکے سے دباؤ سے توڑ ڈالا۔ شیشہ چٹخ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا تھا لیکن اندر فرش پر گرتے وقت ان ٹکڑوں کی وجہ سے آواز نہیں پیدا ہوئی تھی۔ ...اس نے ہاتھ ڈال کر نہایت اطمینان سے کھڑکی کھولی اور کمرے میں اُتر گیا۔

کرسی پر براجمان شخص غالباً اپنے کام میں کچھ زیادہ ہی انہماک سے کام لے رہا تھا کہ اُسے وہ آہٹیں سُنائی نہیں دیں، جنہیں ٹائیگر نے دانستہ پیدا کیا تھا۔ کمرے میں اُترنے کے بعد وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھا۔ اب اس کے قدموں سے آہٹیں نہیں پیدا ہو رہی تھیں۔ غالباً اس نے پہلے خیال کو رَد کر کے کچھ اور سوچ لیا تھا۔

وہ اُس شخص کے قریب جا کر رُک گیا۔ اس کی نگاہ اُس کاغذ پر جمی تھی جس پر وہ آدمی کچھ لکھنے میں مصروف تھا۔ ٹائیگر نے پڑھنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکا کیوں کہ جو کچھ بھی تحریر کیا جا رہا تھا، اس کے لیے خطِ تصویری استعمال ہو رہا تھا۔ لکھتے لکھتے وہ شخص رُک جاتا اور پھر میز پر رکھی ہوئی ایک کشادہ طشتری میں موجود گوشت کے پارچوں میں سے ایک ٹکڑا اُٹھا کر مُنہ میں رکھ لیتا۔ جب وہ مُنہ چلاتا تو ایسی چپڑ چپڑ آواز پیدا ہوتی جیسے کوئی کتا اپنی لمبی زبان سے گوشت کے پارچے اپنے حلق میں پہنچا رہا ہو۔

"رات ختم ہو جائے تو میری طرف تحریر دو۔" ٹائیگر غرّایا۔

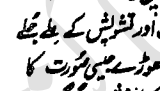
"میں تمہارے باپ کا نوکر نہیں تمہیں قتل کرنے کے لیے منتظر کھڑا رہوں۔"

یہ آواز سُن کر وہ شخص اُچھل ہی تو پڑا۔

اس نے پلٹ کر ٹائیگر کی طرف دیکھا۔

اُس کی آنکھوں میں حیرانی، خوف اور تشویش کے ملے جُلے تاثرات تھے۔ "تم..." وہ بولا تو اس کے گھوڑے جیسی مونچھ کا دہانہ کھلا رہ گیا اور اس میں سے گوشت کا ٹکڑا فرش پر گر گیا۔

"ہاں خیراف!" ٹائیگر نے درندگی سے بھرپور لہجے میں کہا لیکن اس وقت تک خیراف خود کو سنبھالنے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ اس کا ہاتھ آہستہ آہستہ ٹرے کی طرف بڑھا۔ ٹائیگر سمجھ گیا کہ وہ گوشت کا نیا پارچہ اُٹھانے لگا ہے لیکن ٹرے کے برابر میں ایک سفید بٹن لگا ہوا تھا۔ خیراف نے وہ بٹن دبا دیا۔ اگلے ہی لمحے وہ عمارت گھنٹیوں کی خوف ناک آوازوں سے گونج اُٹھی اور اس کے ساتھ ہی کمرہ تاریک ہو گیا۔ مغلظات ٹائیگر کے مُنہ سے نکلیں جیسے اُس کے پیروں سے فرش دھڑام سے گر گیا ہو... پھر اُسے خود اپنا وجود بھی گہرائیوں میں لڑھکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ وہ سر کے بل گرتا چلا گیا اور اُس کی کھوپڑی میں اندھیرے اُترتے چلے گئے۔



ٹائیگر ہوش میں آیا تو اس نے سب سے پہلے اپنی کھوپڑی ٹٹول کر دیکھی۔ کھوپڑی پر ایک گومڑا موجود تھا۔ تب اس کی زندہ دلی بھی حواس کے ساتھ ہی واپس آ گئی اور وہ سوچنے لگا کہ اُن گنت گھوڑے بھوڑے تنوں کے بغیر عورتیں ایسی راتوں جیسی ہوتی ہیں، جب ستارے نہیں نکلتے... اس کی کھوپڑی میں بھی ستارے نمودار ہوئے تھے لیکن کوئی تل دار چہرے والی خاتون دکھائی نہیں دی تھی اور اب تو اس کا خیال ہی عبث تھا کیونکہ اس کی کھوپڑی میں نمودار ہونے والے تمام ستارے غائب ہو چکے تھے۔ اس نے متلاشی نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر اس کے ہونٹوں پر بڑی ہی شریر سی مسکراہٹ رقص کرنے لگی۔

اُسے ایک سلاخ دار کمرے میں رکھا گیا تھا۔

اس پنجرہ نما کمرے میں، اس کی حالت کسی بند پنجرے کے

شیر جیسی ہو گئی اور وہ اُچھل کر کھڑا ہو گیا۔ یہ یقیناً کوئی تہ خانہ ہی تھا۔ ٹائیگر کو یاد آیا کہ وہ خیراف کے کمرے میں تھا تو اچانک فرش اس کے پیروں تلے سے نکل گیا تھا۔ اگر وہ لمحاتی غفلت کا شکار نہ ہوتا تو خیراف کی اس چال میں ہرگز نہ آتا لیکن بہرحال وہ ایک انسان ہی تو تھا... خطا کا پُتلا انسان جس کی سرشت ہی میں غلطیاں اور خطائیں شامل ہوتی ہیں۔

وہ جس پنجرہ نما کمرے میں تھا اُس کے چاروں طرف ایسے کئی اور پنجرے بھی موجود تھے۔ ٹائیگر نے دونوں ہاتھوں سے سلاخیں تھام لیں اور اِدھر اُدھر بکھرے ہُوئے پنجروں کی طرف دیکھنے لگا لیکن ان میں سے کسی بھی پنجرے میں کوئی انسان دکھائی نہیں دیا۔ ٹائیگر کے دونوں بازو آہستہ آہستہ سخت ہونے لگے اور پھر سلاخوں پر اس کی گرفت بڑھنے لگی چند ہی لمحوں میں اس نے سلاخیں تیلیوں کی طرح توڑ ڈالیں۔

پنجرے سے نکل کر وہ ایک آہنی دروازے تک جا پہنچا۔

محافظ نے اس کی طرف دیکھا تو اس کی آنکھیں بے یقینی سے پھیل گئیں اور یہ بے یقینی کی کیفیت ہی بالآخر اس کے لیے موت کا پیغام ثابت ہوئی۔

ٹائیگر کا ہاتھ اُوپر سے نیچے کی طرف لمحاتی سفر کے بعد تھم گیا تو محافظ کی کھوپڑی دو حصّوں میں تقسیم ہو چکی تھی۔

تہ خانے سے نکل کر وہ انسان راہ داری میں پہنچا تو اس کے ہونٹوں پر بڑی ہی خوف ناک مسکراہٹ پیدا ہو گئی تھی۔ وہ حیران تھا کہ خیراف اس کی طرف سے اتنا غافل اور بے پروا کیوں ہو گیا ہے؟ غالباً اُسے اپنے میکانیکی تہ خانوں پر کچھ زیادہ ہی اعتماد تھا کہ اُن راہ داریوں میں بھٹکنے اور سُرخ آدمیوں کو ٹھکانے لگانے کے بعد ٹائیگر بالآخر اُسی کمرے میں پہنچ گیا جہاں سے خیراف نے اُسے تہ خانے میں پھینک دیا تھا۔ اس کمرے کا فرش اب ٹھیک نظر آ رہا تھا اُس دشگاف کا کہیں نام و نشان تک نہیں تھا جس کے ذریعے وہ تہ خانے میں گرا تھا۔

خیراف، وسیع و عریض بیڈ پر پڑا خراٹے لے رہا تھا۔

ٹائیگر بیڈ کے قریب پہنچ کر رُک گیا۔

"خیراف!" اس نے بلند آواز میں کہا۔

جواباً ایک زوردار خراٹا گونج کر رہ گیا۔

"خیراف..." ٹائیگر نے اس کی ہائیں ٹانگ پر ٹخنے کے قریب ہتھیلی سے ایک ضرب لگائی۔

خراٹے فوراً ہی رُک گئے۔ خیراف بیدار ہو گیا اور جیسے ہی اس کی نگاہ ٹائیگر پر پڑی، اس کی گھوڑے جیسی غیر معمولی بڑی بڑی آنکھیں بے یقینی سے پھیلتی چلی گئیں۔ "تم... تم... وہاں سے کیسے نکل آئے؟"

"میں تمہیں بتا سکتا ہوں۔" ٹائیگر نے مسکرا کر کہا۔ "لیکن اس کے لیے پہلے تمہیں یہ بتانا پڑے گا کہ تم ہیلی کاپٹر تباہ ہونے کے باوجود زندہ کیسے بچ گئے تھے؟"

"وہ... وہ میں نہیں تھا۔" خیراف نے کہا اور اُچھل پڑا۔ اس کی نگاہ اپنی ٹانگ کے اس حصّے کی طرف اُٹھ گئی جہاں ٹائیگر نے ضرب لگائی تھی اور جب اس نے وہاں اپنا ایک پاؤں غائب پایا تو دونوں ہاتھوں سے آنکھیں ملنے لگا۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ خود کو خوابناک حالت میں محسوس کر رہا ہو... اور پھر اُسے اچانک ہی تکلیف کا احساس ہُوا لیکن اُس کے حلق سے کوئی چیخ نہیں نکلی۔ ایسی خراہٹ ضرور پیدا ہُوئی تھی جس پر گھوڑے کی ہنہناہٹ کا گمان ہوتا تھا۔

"تم شاید اسے تلاش کر رہے ہو۔" ٹائیگر نے جھک کر بیڈ کے نیچے سے اس کا ٹوٹا ہُوا پاؤں اُٹھاتے ہوئے کہا۔ یہ پاؤں اس نے خیراف کے سینے پر پھینک دیا وہ لیٹا ہُوا تھا اور سینے پر پڑے اپنے پاؤں کو دیکھ دیکھ کر اس کے چہرے پر موت کی سی ویرانی بڑھتی جا رہی تھی۔

"اگر ہیلی کاپٹر میں تم نہیں تھے تو کون تھا؟" ٹائیگر نے پُوچھا۔

خیراف نے ہونٹوں پر گھوڑے جیسی لمبی زبان نکال کر پھیری اور پھر اس کے تاثرات میں بھیانک تبدیلی پیدا ہونے لگی۔ وہ انسان نہیں کوئی بدرُوح لگ رہا تھا۔ ٹائیگر دل ہی دل میں اس کی ہمت اور برداشت کو سراہے بغیر نہ رہ سکا۔ اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو مارے پچھتاووں کے اب تک کرہ گونج اُٹھا ہوتا یا پھر وہ شخص بے ہوش ضرور ہو گیا ہوتا۔ خیراف کی ٹانگ سے خون بہہ نکلا تھا اور بستر پر پیروں کی جانب صحرائی رنگ کے سیال کا تالاب سا بنتا جا رہا تھا۔

"وہ خیراف تھا۔" خیراف نے کچھ دیر بعد عجیب سے لہجے میں جواب دیا۔

"اور تم کون ذات شریف ہو؟"

"میں بھی خیراف ہُوں۔"

"اور غالباً تمہارے باپ کا نام بھی خیراف ہی تھا۔" ٹائیگر کا لہجہ خوف ناک ہو گیا۔ "اور اُس کے باپ کا نام بھی خیراف ہی رہا ہو گا۔ یہی کہنا چاہتے ہو نا؟"

خیراف نے دونوں ہاتھ بستر پر جما کر اُٹھنے کی کوشش کی لیکن ٹائیگر کا سر سے بلند ہونے والا ہاتھ دیکھ کر رُک گیا۔

"جب مجھے تمہاری حقیقت کا پتہ چلا تھا تو میں اپنا ایک ایسا آدمی سامنے لایا تھا، جو میری جگہ لے سکتا تھا۔ وہی آدمی میرے رُوپ میں

...یا...؟"

"...تم تو اصل ہو نا؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

جہانا نیمراف کے حلق سے ایک قہقہہ اُبل پڑا۔ اُسی لمحے اُس کی ...ری ٹانگ پر چوٹ پڑی اور وہ دوسرے پاؤں سے بھی محروم ہو گیا۔ ...ک ہے۔" ٹائیگر غرایا۔ "اگر تم نیمراف نہ بھی ہوتے تو میں تمہیں اس ...سراروپ سمجھ کر ختم کر رہا ہوں... اس کے بعد جتنے بھی روپ میں ...رے سامنے آؤ گے، میں تمہیں ایک ایک کر کے کاٹتا چلا جاؤں گا۔"

"تم نے میرے بارے میں بہت غلط اندازہ لگایا۔" نیمراف بولا۔ اس کی آواز کے لہجے میں خفیف سی کپکپاہٹ تھی۔ "میرے روپ ختم نہیں ہوئے ...اس ملک کو جرائم پیشہ لوگوں کی جنت بنانے کا خواب کبھی نہ کبھی ضرور ...ہو گا۔ میں اب تو مر رہا ہوں لیکن میرا خیال ہے، عنقریب ہی مہذب دنیا ...ہم سے ملاقات ہو گی اور تب..."

یہ سنتے ہی ٹائیگر پر جیسے دیوانگی کا دورہ پڑ گیا۔

کمرے میں ایسی آوازیں گونجنے لگیں جیسے کوئی کلہاڑے سے ...ی کے تنے کے ٹکڑے کر رہا ہو۔ ہڈیاں ٹوٹنے کی آوازیں، گوشت ...ھڑنے کی آوازیں اور خون اُبلنے کی آوازیں کمرے میں پھیل ...لیکن ان میں ایک بھی کراہ شامل نہیں تھی۔

ٹائیگر نے خود کو سنبھالا اور اس ڈھیر کی طرف دیکھنے لگا جو کچھ ...ل نیمراف کی حیثیت سے زندہ تھا۔ اس عفریت کو ٹھکانے لگا کر ...ے بناہ سکون کا احساس ہو رہا تھا... لیکن نیمراف نے مرتے ...ہ جو دھمکی دی تھی، وہ اس کے باعث مضطرب ہو گیا۔ "ہندستان" ...ے لب بولا اور پھر اُس نے ایک طویل سانس لی۔ یہ پروانہ کر دوستا ...ں وہاں بھی ہلوں گا۔ خاص طور سے اُدھشان تو مشرق کے سفر ...لیے یوں بھی بے حد اصرار کر رہا تھا۔"

اس نے کھڑکی کھول دی۔

باہر رات کی تاریکی میں سپیدۂ سحر کی لکیریں، دیوار کی ...ں جیسی لگ رہی تھیں۔ اس نے کھڑکی کی سل پر پاؤں ...ر باہر کُود گیا۔ اگلے ہی لمحے وہ جھاڑیوں میں دوڑ رہا تھا... ...تیں رہا تھا بلکہ اُڑ رہا تھا کیوں کہ اس کے پیروں کی حرکت ...آنکھ کی بینائی سے بعید تھی۔

▽

خُدا نے جہاں انسانی جسموں کو رُوح کا تحفہ ودیعت کیا وہیں ...نے امین آباد کے باشندوں کو موت کا ذائقہ چکھانے کے لیے لاوا ...لے سلسلہ کوہ کی شکل میں، ایک مستقل خطرے سے بھی روشناس ...ا تھا جس کے بارے میں لوگ کہتے تھے کہ وہ ایک صدی میں

ایک مرتبہ موت اور تباہی دربادی اُگلتا ہے... لیکن... جو لوگ سینکڑوں فٹ کی گہرائی میں دفن نہیں ہوئے، جو اپنے منہدم گھروں میں زندہ درگور نہیں ہوئے اور جو اس خطرے سے ناآشنا رہے، اُن کے لیے یہ تباہیاں ایک عام ارضی جمع تفریق یا ارضی تبدیلی سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی تھیں۔ وہ کہتے تھے کہ زمین سے دباؤ کا اخراج ہوتا ہے تو زلزلہ آجاتا ہے۔

یہ زلزلے کوہِ مرگ میں موجود ایک زخم نما سُوراخ سے جنم لیتے تھے جسے بہت کم لوگوں نے دیکھا تھا۔ کوہِ مرگ کے طویل سلسلے میں ایسے کئی سُوراخ تھے جن کے باعث اس سلسلۂ کوہ کو ایک ایسا جیتا جاگتا آتش فشاں سمجھا جاتا تھا، جو کسی بھی وقت پھٹ سکتا تھا۔

کوہِ مرگ کا سلسلہ امین آباد سے شمال کی طرف دُور تک چلا گیا تھا اور جنوب میں اس کی چوٹیاں خاصی بلند تھیں۔ اس کا درمیانی علاقہ امین آباد کے ضلع پر مشتمل تھا اور جب بھی شمال جنوب کی مثبت اور منفی کیفیات کا اتصال ہوتا تو زلزلہ امین آباد کے کئی شہروں اور قصبوں کو تہ و بالا کر کے رکھ دیتا تھا۔ بڑے بوڑھوں کا کہنا تھا کہ ایک صدی میں دو مرتبہ بڑے زلزلے آتے ہیں اور سائنسدانوں کا کہنا تھا کہ شہر جیت گڑھ کے مشرق میں یہ مثبت اور منفی عناصر بالعموم آپس میں مل کر دباؤ پیدا کرتے ہیں اور جب الگ الگ ہوتے ہیں تو قدرت انسانی جانوں کے واجبات وصول کرتی ہے... پھر ایسا لگتا ہے کہ کائنات ختم ہونے والی ہے یا پھر زندگی کا بیج تک نیست و نابود ہونے والا ہے۔

... اور بعض لوگوں کے لیے تو دُنیا میں ایسا ہوتا ہی رہتا ہے۔

بیشتر ماہرینِ ارضیات کو یقین تھا کہ اگر اس مرتبہ زلزلہ آیا تو اس کی تباہ کاریوں کے سامنے ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم کے نقصانات صفر ہو کر رہ جائیں گے۔

سو سال پہلے امین آباد ایک ایسے ہی زلزلے کی وجہ سے برباد ہو گیا تھا، زمین کسی تازہ کیک کی طرح کٹتی چلی گئی تھی، درخت پھٹتی ہوئی زمین میں دفن ہو گئے تھے، گھروں کی چھتیں تاش کے پتوں کی طرح بکھر گئی تھیں یا پھر ان چھتوں نے اپنے مکینوں کو زندہ درگور کر دیا تھا... ہزاروں ذی حس، بے حس ہو گئے تھے۔ ہزاروں جانماز بے جان ہو گئے تھے، تہذیب اور ثقافت زلزلے کا لقمہ بن گئی تھی اور امین آباد صفحۂ ہستی سے مٹ گیا تھا... لیکن جب کوہِ مرگ خاموش ہوا تو زندگی نے ایک بار پھر ڈرتے ڈرتے سر اُبھارنا شروع کر دیا۔ رفتہ رفتہ نئی بستیاں بسنے لگیں اور اہلِ نظر نے امین آباد کے کھنڈرات پر ایک نیا بڑا شہر آباد کیا، جو بہتے ہوئے پانی کی طرح چاروں طرف پھیلا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس نے ملک کے ایک اہم ترین ضلعے کی حیثیت اختیار کر لی جس میں مسلمان آباد تھے، ہندو رہتے تھے اور سکھ بھی رہتے تھے۔ ان تین بڑے مذاہب کے ماننے والوں نے میسا ئیوں، یہودیوں اور دوسرے مذاہب کے لوگوں کو بھی امین آباد کے کشادہ دامن میں جگہ دینے میں بخل سے کام نہیں لیا۔

... اور اب سائنسدانوں کا خیال تھا کہ کوہِ مرگ پُورے ایک سو سال کی خاموشی کے بعد ایک بار پھر اپنی تاریخ دُہرانا چاہتا ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ یہ خاموشی پانچ منٹ، پانچ دن، پانچ ماہ یا پانچ سال کے اندر اندر ٹوٹ جائے گی پھر ہر طرف تباہی ہو گی، موت کا رقص ہو گا اور امین آباد دوبارہ صفحۂ ہستی سے مٹ جائے گا۔

لہٰذا جب دارالحکومت کے اعلیٰ حکام کو ایک شخص نے یہ بتایا کہ وہ لوگوں کو اس خطرے سے نجات دلا سکتا ہے تو انھوں نے اُسے درخورِ اعتنا نہیں سمجھا اور یہ تک نہیں سوچا کہ کوئی انسان اس دعوے کو حقیقت میں بھی بدل سکتا ہے۔

... اس دعوے پر کسی نے توجہ تک نہیں دی لیکن پھر وفاقی دارالحکومت میں ایک ماہرِ ارضیات نے جو باتیں سُنیں، اُن سے اس کی سانس تک رُک گئی۔ وہ ان باتوں پر یقین ہی نہیں کر سکتا تھا۔

"ناممکن..." ماہرِ ارضیات نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "ناممکن، قطعی ناممکن... بالکل اسی طرح ناممکن جیسے..."

"جیسے لوگوں کو تنور میں پھینک دیا جائے۔" امین آباد کی وادیٔ کہسار سے آنے والے شخص نے جواب دیا۔

▽

یہ واقعی ناممکن سی بات تھی لیکن اب انھیں ممکن نظر آ رہی تھی۔

پرندے گھونسلے چھوڑ کر اُڑنے لگے، خرگوش فصلوں کے درمیان بھاگنے لگے۔ گلہریاں درختوں کو چھوڑ کر مکانوں پر اس طرح دوڑنے لگیں جیسے کوئی شکاری ان کے تعاقب میں ہو۔ درختوں سے پتے جھڑنے لگے۔ وادیٔ کہسار میں ہر طرف سُرخ ریت اُڑنے لگی اور ایسا لگا جیسے کوئی امین آباد پر سُرخ ریت گزار رہا ہو۔

وادیٔ کہسار کے چار معزز شہری اور ایک تھانے دار ایک جگہ کھڑے بار بار اپنی گھڑیوں کی طرف دیکھ رہے تھے۔ وہ اس وقت گورنمنٹ سنگھ کے فارم کے مرکزی گیٹ پر ایک غیر ملکی کار کے قریب کھڑے تھے۔ امین آباد کے رُوسائے سرکار کی ہزار پابندیوں کے باوجود ایسی کاریں اپنی آسائش کے لیے کسی نہ کسی طرح درآمد کر لی تھیں۔ تھانے دار نے ان کی سانسیں تک مجلسا دیں مگر وہ اپنے گھروں اور بیوی بچوں کو چھوڑ کر اس تپش اور جلا دینے والی لُو میں ثابت قدمی سے کھڑے رہے۔

... اور پھر وہی ہُوا جس کا تھانے دار یعنی انسپکٹر مدن لال نے ذکر کیا تھا۔

"میرے خُدا..." یہ ناقابلِ یقین ہے۔" ممتاز حسین نے کہا۔ وہ ممتاز ڈیپارٹمنٹل سٹور کا مالک تھا جس کی کئی شاخیں امین آباد کے شہروں میں تھیں لیکن صدر دفتر وادیٔ کہسار ہی میں تھا۔ وہ دارالحکومت کے کسی کالج سے تعلیم حاصل کرنے کے علاوہ ولایت بھی جا چکا تھا اور اس نے وہاں سے چارٹرڈ اکاؤنٹ کی ڈگری حاصل کی تھی لیکن وطن واپس پر اُس نے نوکری کرنے کے بجائے اپنا ذاتی کاروبار شروع کیا... جو توقعات سے کہیں زیادہ کامیاب ہُوا تھا۔ "کیا تمھاری گھڑی میں بھی تین بج کر پچپن منٹ ہُوئے ہیں؟" بولٹی نے اس نے اپنے داہنی طرف کھڑے ہُوئے بلونت رائے سے پوچھا۔

"ہاں..." بلونت رائے نے جواب دیا۔ وہ کہسار ترقیاتی کارپوریشن کا صدر تھا۔ اس کی عمر پچاس سال سے کم نہیں تھی۔ وہ قد میں ممتاز حسین سے ایک ڈیڑھ انچ لمبا تھا لیکن چہرے پر جھُرّیوں کا نام و نشان تک نہیں تھا۔ وہ امین آباد کے تعلیم یافتہ رئیسوں کی طرح گہرے رنگ کے سُوٹ اور سفید قمیص میں پُروقار نظر آ رہا تھا۔

ممتاز حسین مقامی رئیسوں، شاکروں، پنڈتوں اور فالولوں کے برعکس خوب صورت جسم، دل کش چہرے اور انتہائی خوب صورت طور طریقوں کا مالک تھا۔ مقامی لوگ اسے فلموں کے ایک مقبول ہیرو سے زیادہ خوب صورت کہتے تھے لیکن اس وقت ممتاز حسین کے چہرے پر تشویش کے اثرات اتنے گہرے تھے کہ اس کا حسن بھی ماند پڑ گیا تھا...

"اس کا مطلب ہے کہ وہ لوگ واقعی ایسا کر سکتے ہیں۔" اُس نے ہاتھ ملتے ہُوئے کہا۔

"ہاں... اس حد تک تو کر سکتے ہیں۔ اب ہم بھی اس دعوے کی سچائی کے عینی شاہد ہیں۔" بلونت رائے نے جواب دیا، جو آسٹھ ڈور میں ممتاز حسین کا کلاس فیلو رہ چکا تھا۔

"اگر انھیں اس حد تک کامیابی حاصل ہو سکتی ہے تو پھر وہ اس سے کہیں زیادہ کے بھی اہل ہوں گے۔" ممتاز حسین نے سگریٹ سُلگاتے ہوئے کہا۔

"آپ ٹھیک کہتے ہیں۔" انسپکٹر مدن لال نے جواب دیا۔ "اُن کا دعویٰ ہے کہ وہ آتش فشاں جاگتے ہیں۔ ہر آتش فشاں کا زلزلہ پیدا کر سکتے ہیں۔ بھگوان کی سوگند... میں نے پہلے کبھی ایسے لوگ نہیں دیکھے۔ وہ دیکھو..." اس نے اُنگلی سے ایک طرف اشارہ کیا جہاں ایک زرد دار دھما کھڑا تھا۔

"خُدا کی قسم، یہ سب ناقابلِ یقین ہے۔" ممتاز حسین سگریٹ پھینکتے

دھوپ کی شدت میں اضافہ ہو گیا۔ لُو چلنے لگی اور اس لُو

بولا۔

"ایسا لگ رہا ہے جیسے ہم بہاری کے بعد اُٹھنے والا دُھواں دیکھ رہے ہوں۔" مارٹن ریکر نے کہا جو ریکر مینوفیکچرنگ کمپنی کا مالک تھا۔ اس کا اجداد انگلستان سے ایسٹ انڈیا کمپنی کے ساتھ کاروبار کے لیے آئے تھے لیکن پھر انھوں نے پُورے ملک پر تسلط جما لیا تھا تاہم آزادی کے بعد مارٹن نے دوسروں کی طرح مُلک چھوڑنے کو ترجیح نہیں دی اور یہ کہہ کر سب سے انکار کر دیا کہ میری جڑیں اسی ملک میں ہیں اور میں یہیں رہوں گا۔ بڑبڑایا تھا مارٹن۔۔۔ بہاری کے بعد اُٹھنے والا غبار۔"

"ٹھیک ہے دوستو! اس مظاہرے کے بعض مثبت پہلو بھی ہیں جن پر ہمیں غور کرنا چاہیے۔" شرما جی نے کہا۔ وہ وادیٔ کہسار کے ایوانِ صنعت و تجارت کا صدر تھا۔ ریکر، ہالرج وہ بھی چھ فٹ لمبا تھا اور اس کی رنگت بھی نمایاں تھی لیکن عام ہندوؤں کے برعکس وہ انگریزی طرز کا سُوٹ پہنے ہوئے تھا۔ وادیٔ کہسار، امین آباد کا ایسا علاقہ تھا جہاں مغربی طرزِ زندگی کی چھاپ خاصی نمایاں تھی اور دولت نے علاقے کے رئیسوں کو ہر آسائش فراہم کر دی تھیں جو اُن کے آباؤ اجداد نے خواب میں بھی نہیں دیکھی ہوں گی۔

"ہمیں مثبت پہلو پیشِ نظر رکھنا چاہئیں۔" شرما نے پھر کہا۔ "سائنس دانوں نے یہ ثابت کر دکھایا ہے کہ وہ زلزلہ پیدا کر سکتے ہیں اور وہ یہ بھی کرتے ہیں کہ زلزلے کو روکنا بھی اُن کے بائیں ہاتھ کا کام ہے۔ کیا وہ واقعی زلزلہ روک سکتے ہیں تو اس سے اچھی اور کیا بات ہو سکتی ہے؟ ہماری وادی کو اگر زلزلے سے خطرہ لاحق نہ ہو تو یہاں دن دُگنی رات چوگنی ترقی ہو اور جائداد کو تحفظ حاصل ہو گا۔ کیا خیال ہے، مدن لال؟ کیا ہم ان پر اعتماد کر سکتے ہیں؟"

"میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔۔۔ لیکن یہ بات آپ سبھی لوگ جانتے ہیں۔" اُنھوں نے مجھ سے جو کچھ کہا تھا، وہ سچ کر دکھایا ہے۔" سُرخ چہرے والے انسپکٹر نے جواب دیا جس کی توند پُورے دنوں والی کسی خاتون سے ملتی تھی۔ اس کے سینے پر نیلے اور سُرخ رنگ کے تین اُفتادگان تمغے جو کسی کارنامے کے مظہر تھے جب کہ ریوالور پر پانچ بڑے بڑے چمک رہے تھے اور اس کا کہنا تھا کہ یہ نقطے اُن پانچ افراد کی نشست ہیں جو قانون کی تکمیل کی یقینی بنانے کی راہ میں حائل ہوئے اور اس کے ریوالور نے انھیں ہمیشہ کے لیے خاموش کر دیا تھا۔

"ہر ماہ اسی ہزار روپے زیادہ تو نہیں۔" شرما نے پُرجوش انداز میں کہا۔ "زلزلہ روکنے کے لیے یہ بہت ہی معقول معاوضہ ہے۔"

"بہاری کے بعد اُٹھنے والا غبار۔۔۔" ریکر کی نظریں اب بھی پُرمرتکز تھیں اور وہ خود کلامی کے انداز میں مبتلا تھا۔

"ناممکن۔۔۔" ممتاز حسین نے کہا۔

"بیس ہزار روپے فی کس زیادہ نہیں ہوتے؟" مدن لال نے قدرے حقارت سے ممتاز حسین کی طرف دیکھتے ہوئے کہا لیکن اس نے بلونت رائے سے نظریں چُرا لیں جو اُس کے حقارت آمیز لہجے پر قدرے برہمی سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"مجھے روپے پیسے کی فکر نہیں۔۔۔ اس سے دس گنی رقم تو میں امین آباد اور وادی کے اسکولوں کو عطیہ کر چکا ہوں۔ اس سے بچی ہوئی رقم اپنے اثاثوں کو دیتا ہوں۔۔۔ لیکن یہ بیس ہزار روپے بیک میلنگ میں وصول کیے جا رہے ہیں۔۔۔ میں رشوت اور بیک میلنگ پسند نہیں کرتا۔ مدن لال۔" ممتاز حسین نے بڑے پُروقار لہجے میں کہا۔

مدن لال خاموش رہا۔۔۔ ممتاز حسین سے اس کی ہمیشہ ہی ان بن رہتی تھی لیکن وہ ممتاز کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا تھا کیوں کہ وادی کے ہوگ ممتاز سے محبت کرتے تھے، امین آباد میں ممتاز کو ایک خاص مقام حاصل تھا اور اس کی فیاضی نے اُسے دیوتا بنا دیا تھا۔ اس کی فیاضی کا دائرہ مسلمانوں تک ہی نہیں بلکہ ہندوؤں بھیسا پال یا یہ یول عزیز کو ہر ایک تک وسیع تھا اس نے مسجدیں بھی بنوائی تھیں اور آشرم بنوانے کے لیے بھی چندہ دیا تھا۔۔۔ جیت گڑھ کا مرکزی یتیم خانہ اس کی دریا دلی کا فقید المثال ثبوت تھا۔

مدن لال کو اس سے صرف اس وجہ سے عداوت تھی کہ اُس نے غریبوں کی تو ہمیشہ دل کھول کر مدد کی لیکن کبھی خود مدن لال کی طرف توجہ نہیں دی جس کے اخراجات اپنی تنخواہ سے سوگنا زیادہ تھے اور جنھیں پُورا کرنے کے لیے اُسے وادیٔ کہسار کے متمول گھرانوں سے بھیک یا رشوت وصول کرنا پڑتی تھی۔

ان معززین کو مدن لال ہی نے زلزلے کے بارے میں بتایا تھا۔ اس کا کہنا تھا، کسی نے اسے ٹیلی فون کر کے دعویٰ کیا کہ وہ مصنوعی زلزلہ پیدا کر سکتا ہے لیکن بقول مدن لال "میں نے اس سے کہا کہ جہنم میں جاؤ اور پھر فون بند کر دیا۔۔۔" اس پر فون کرنے والے نے کہا کہ وہ اگلے روز دوپہر کے وقت زلزلے کا ہلکا سا جھٹکا پیدا کر کے اپنے دعوے کا ثبوت پیش کرے گا۔۔۔ اور وہ ثبوت پیش کر دیا گیا۔۔۔ اُسی شخص نے دوبارہ فون کیا اور کہا کہ وہ وادیٔ کہسار کو ایک معمولی سا تحفہ دے گا لیکن اس کا اثر زیادہ تر پرندوں پر ہو گا جب کہ کوئی انسان تین بج کر پچپن منٹ پر کھلے میدان میں کھڑا ہو تو زلزلے کا جھٹکا اپنے پیروں سے محسوس کر سکے گا۔

"انھوں نے مجھے بتایا کہ وہ ایسا بھی کیپ (زلزلہ) بھی پیدا کر سکتے ہیں جس سے امین باؤنڈ شوکر رہ جائے، جیسے ختم ہو جائے گا، شہر کے شہر دفن ہو جائیں گے اور سب کچھ ختم ہو جائے گا۔۔۔ کریا کرم کرنے والے بھی نہیں ملیں گے۔"

مدن لال نے مزید انکشاف کیا۔۔۔ اور ایسا زلزلہ رُکوانے کے عوض وہ صرف اسی ہزار روپے مانگ رہے ہیں۔۔۔ بیس ہزار روپے فی کس ماہانہ۔۔۔"

"یہ بیک میلنگ ہے مدن لال۔۔۔ کھلی ہوئی بلیک میلنگ۔" ممتاز حسین نے ایک بار پھر اپنی بات پر زور دیا۔

"میں تمھارے احساسات سمجھتا ہوں، ممتاز۔" بلونت رائے نے دھیمی آواز میں کہا۔ "مارٹن اور شرما بھی تمھاری بات کا ذرا سا دُکھ محسوس کر سکتے ہیں۔۔۔ پر تو تم اُسے بلیک میلنگ کے بجائے یہ سمجھ لو تو بہتر ہو گا اور ضمیر بھی مطمئن رہے گا۔ اس نکتے پر غور کرو۔ آج رات آٹھ بجے تک سب لوگ میرے دفتر آ جائیں پھر ہم کوئی حتمی فیصلہ کریں گے۔"

اُسی شب، بلونت رائے کے دفتر میں داخل ہونے والے لوگوں میں ممتاز حسین آخری شخص تھا اور جب وہ بلونت رائے کے کمرے میں داخل ہوا تو ہر چہرہ اسی کی طرف متوجہ ہو گیا، اس نے دروازہ بند کر دیا اور ایک ملول سانس لی پھر اُس نے جیب سے ایک وزنی لفافہ نکال کر میز پر پھینک دیا جس میں بیس ہزار روپے رکھے ہوئے تھے۔

"یہ رہے بیس ہزار روپے۔" ممتاز حسین نے تلخ لہجے میں کہا۔ "میں یہ رقم پہلی اور آخری بار دے رہا ہوں، اس طرح ہمیں ایک ماہ کی مہلت مل جائے گی اور اس دوران میں دارالحکومت جا کر سرکار سے اس سلسلے میں تفصیلی بات چیت کروں گا۔"

"کیا تمھیں یاد نہیں، یہ دھمکی بھی دی گئی ہے کہ اگر ہم نے اس سلسلے میں کسی سے کچھ کہا تو زلزلے کے جھٹکے وادیٔ کہسار نہیں کریں گے۔" مارٹن ریکر نے گھبرا کر کہا۔

"ایسا نہیں ہو گا۔" ممتاز حسین نے اپنی سُرخ قمیص کا کالر ٹھیک کرتے ہوئے جواب دیا۔ "ہم آتھیں ایک ماہ کا معاہدہ دے رہے ہیں اور جب میں یہاں سے جاؤں گا تو تم لوگوں کے علاوہ کسی کو بھی میری روانگی کا مقصد معلوم نہیں ہو گا۔"

"ہم کوئی خطرہ مول نہیں لے سکتے ممتاز۔" شرما نے کہا جو اُس وقت خلافِ معمول دھوتی اور کُرتے میں ملبوس تھا۔

"اس میں خطرے کی کوئی بات نہیں شرما جی!"

"سنو ممتاز حسین! ہم نے ایک ایسے وقت تمھارے لیے وادی میں گنجائش پیدا کی تھی جب سارا سنسار خون کی ہولی کھیل رہا تھا۔۔۔ ہندو، مسلمانوں کو اور مسلمان ہندوؤں کو تہہ تیغ کر رہے تھے۔ تمھیں سر چھپانے کی بھی جگہ نہیں مل رہی تھی لیکن ہم نے تمھیں خوش آمدید کہا تھا۔۔۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ تم نے وادی کو اپنی جنم بھومی ہی سمجھ کر اس کی بہبود کی ہے، یہاں اسپتال اور اسکول بنوائے۔۔۔ لیکن میں یہ بھی کہتا ہوں کہ اب تم اس برادری کا بھی ایک حصہ ہو اور تمھیں برادری کو خطرے میں ڈالنے کا کوئی حق نہیں ہے۔"

"نہیں شرما جی! مجھے آپ نے اس وادی میں جتنی آسانی سے خوش آمدید کہا نہیں کہا تھا۔" ممتاز حسین نے مُسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "یہاں مجھے جن لوگوں نے سہارا دیا تھا اُن میں شرما نام کا کوئی ساہوکار شامل نہیں۔۔۔ مجھے تو بلونت رائے کی دوستی حاصل تھی ورنہ آپ میرا بھی وہی حشر کرتے جو ایک مہاسبھائی کسی نہتے مسلمان کا کرتا ہے۔ بہرحال میرے کہنے کا اصل مقصد یہ ہے کہ میں واقعی ایک برادری کا حصہ ہوں اس لیے میں نہیں چاہتا کہ میری برادری کے سر پر بلیک میلنگ کی تلوار لٹکتی رہے۔"

"لیکن اگر تم نے کوئی بھی ایسی حرکت کی جس سے وہ لوگ ناراض ہو گئے تو میرے بچے زلزلے کا شکار ہو جائیں گے۔" شرما جی نے بوکھلا کر کہا۔

ممتاز حسین نے بلونت رائے کی طرف دیکھا جو ایک میز کے ساتھ لگا بیٹھا تھا۔۔۔ یہ میز اُسے اپنے باپ گوپی ناراین سے ورثے میں ملی تھی۔۔۔ ممتاز کے والد خواجہ بصیر حسین اور بلونت کے والد ٹاملا کوٹ کے سب سے بڑے کالج میں کلاس فیلو رہ چکے تھے۔

ممتاز خلوصِ دل سے چاہتا تھا کہ اس کا کوئی دوست حتیٰ کہ کوئی دُشمن بھی زلزلے کی سازش کا شکار نہ ہو اور جب شرما نے اپنے بچوں کا ذکر کیا تو وہ ڈگمگا سا گیا۔۔۔ شرما جی بھی اپنی تمام تر خباثتوں کے باوجود اس کی زندگی کا ایک حصہ تھے اور وہ عداوت کے باوجود اُن سے الگ نہیں ہو سکتا تھا۔ اُسے لوگوں سے محبت کرنا سکھائی گئی تھی اسی لیے وہ شرما سے بھی نفرت نہیں کرتا تھا۔ مدن لال بھی ان کے بچپن کے ساتھیوں میں سے ایک تھا۔ برسوں پہلے جب خواجہ بصیر اپنے خاندان سمیت وادیٔ کہسار آئے تھے تو ممتاز کی طرح مدن لال اور دوسرے سب اجنبی ہی تھے۔ اُنھوں نے ایک ساتھ پرورش پائی تھی لیکن جب وہ جوان ہوئے تو اُنھوں نے الگ الگ راستے اختیار کر لیے اور مدن لال انسپکٹر بن گیا۔ مارٹن بھی اُس کا ساتھی تھا۔ لڑکپن میں جب مارٹن نے اپنی چچازاد بہن میری کے ساتھ دست درازی کی تھی تو بہت شور مچا تھا اور میری کو اس کے باپ نے، فوراً اپنی بہن کے پاس انگلستان بھیج دیا تھا۔۔۔ پھر جب مارٹن نے خرما کی بہن پر بھی ویسی ہی نگاہ ڈالی تو مذہبی اختلافات کے باوجود اسے پدمنی سے شادی کرنا پڑی تھی۔

ممتاز بہت کچھ سوچتا رہا پھر ایک نتیجے پر پہنچ کر اس نے گہری سانس لی اور کہا۔ "میں وہی کروں گا جو مجھے کرنا چاہیے۔ مجھے زندگی

بھر اس کا قلق رہے گا کہ ہم لوگوں نے ایک نازک مرحلے پر میرے مشورے کو کوئی اہمیت نہیں دی۔"

فخر ماجی نے دھوتی میں ہاتھ ڈال کر اپنا لفافہ نکالا اور میز پر رکھ دیا۔ بلونت رائے اور ریکر نے بھی اس کی تقلید میں رقم میز پر رکھ دی۔

مدن لال نے چاروں لفافے سمیٹ کر پلاسٹک کے ایک بیگ میں رکھ کر جانے کی اجازت چاہی۔

"تم دارالحکومت جاؤ گے ممتاز!" ریکر نے پوچھا۔

"ہاں... آج ہی رات۔" یہ کہہ کر وہ مدن لال سے پہلے ہی چلا گیا... اور اس کے جاتے ہی وہ چاروں، سر جوڑ کر بیٹھ گئے... انھیں علم تھا کہ زلزلہ پیدا کرنے والوں نے مدن لال کو ایک مخصوص مقام پر رقم رکھنے کی ہدایت کی ہے لیکن وہ نہیں جانتے تھے کہ ممتاز کی ضد کا انجام کتنا بھیانک ہوگا... وہ ممتاز حسین کو روکنے یا دارالحکومت میں اسے بے اثر بنانے کی تجویزوں پر گفتگو کرتے رہے۔

بلونت رائے، اپنے ساتھیوں کے جانے کے بعد بھی دیر تک کمرے میں بیٹھا رہا وہ ممتاز حسین کی طرف سے بے حد فکر مند تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اُسے نقصان پہنچے لیکن اسے یہ بھی احساس تھا کہ اس کے بچپن کے ساتھی کی باتوں میں کافی وزن ہے۔

... پھر وہ اسی طرح سوچ میں ڈوبا ہوا ٹیلی فون کی طرف بڑھ گیا اپنے ایک ایسے قریبی دوست کو ٹیلی فون کیا جو وزیراعظم کے خصوصی مگر غیر سرکاری معاونین میں سے تھا۔ اس نے اسے سب کچھ بتا دیا۔

"میرے خدا..." دوسری طرف سے آواز سنائی دی۔ "اگر تم سچ کہہ رہے ہو تو اس کا مطلب صرف اور صرف یہ ہے کہ وہ لوگ پورے امین آباد کو تباہ کر سکتے ہیں۔"

"ہاں... میرا بھی یہی خیال ہے۔" بلونت رائے بڑبڑایا۔

"ٹھیک ہے بولی... میں وزیراعظم سے فوراً رابطہ کی کوشش کروں گا۔ یقیناً وہ اس مسئلے کا کوئی حل نکالیں گے۔"

★★

... مگر اسے وزیراعظم کے ردِعمل سے دھچکا سا لگا۔ اس نے بلونت رائے سے گفتگو پر مبنی رپورٹ پیشہ وارانہ انداز میں وزیراعظم کو پیش کر دی تھی اور اس کا دعویٰ تھا کہ بلونت رائے کے ایک ایک لفظ پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ اس نے بڑے وثوق سے کہا کہ زلزلہ پیدا کرنے کی باتیں خالی خولی دھمکیاں نہیں ہیں... لیکن جب وہ رپورٹ پیش کر چکا تو وزیراعظم نے اپنے مخصوص بالوں کی سیفید لٹ ایک طرف کرتے ہوئے کہا: "ٹھیک ہے، اب سب کچھ بھول جاؤ جمشید! یہ باتیں کسی اور سے مت کہنا۔"

"... لیکن کیا آپ کو میری اطلاعات پر یقین نہیں آیا ہے۔" جمشید نے بے چینی سے پہلو بدلتے ہوئے پوچھا۔

"مجھے پورا پورا یقین ہے۔"

"تب پھر ملٹری انٹیلی جنس کو کارروائی کا حکم دے دیں۔ یہ عام پولیس کے بس کا روگ نہیں ہے۔"

"تم نہیں سمجھ پا رہے جمشید..." وزیراعظم نے بڑی تمکنت سے جواب دیا: "اب تم بالکل خاموش رہو گے۔ خدا حافظ..."

جمشید اُٹھ گیا اس نے اپنے سامنے بکھرے ہوئے کاغذات اُٹھانا چاہے لیکن وزیراعظم نے حکم دیا کہ تمام نوٹس یہیں چھوڑ جائے اور جب وہ اُلجھن زدہ سا کمرے سے نکل گیا تو وزیراعظم نے حکم کاغذات اُٹھا کر الیکٹرک باسکٹ میں پھینک دیے۔

یہ باسکٹ ہر راز کو جلا کر راکھ کر دیتی تھی۔

اس کام سے فارغ ہو کر وزیراعظم نے ایک الماری سے کاسنی رنگ کا ٹیلی فون نکال کر قالین کے نیچے چھپے ہوئے پلگ میں اس کا سوئچ لگایا اور ایک خاص نمبر ملایا پہلی ہی گھنٹی پر دوسری طرف سے ریسیور اُٹھا لیا گیا۔

"ہم پہلے ہی کام شروع کر چکے ہیں۔" کسی نے رسمی جملوں کے بغیر کہا۔

"امین آباد کے سلسلے میں؟"

"جی ہاں..."

"اوہ... تم بہت تیز جا رہے ہو۔"

"ہمیں تیز ہی چلنا پڑتا ہے۔"

"لیکن وہ لوگ بڑی تباہی مچا چکے ہیں۔"

"جی ہاں... ہمیں معلوم ہے۔" دوسری طرف سے سپاٹ لہجے میں جواب ملا۔ "ہم بھی تباہی مچانے میں مصروف ہیں۔"

"کیا تم اپنا خاص آدمی استعمال کرو گے؟"

"اس کے علاوہ اور کون ایسے کام کر سکتا ہے؟"

"... لیکن اگر اسے کوئی نقصان پہنچا تو کیا ہوگا۔" وزیراعظم کے لہجے میں تشویش تھی۔

"آپ فکرمند نہ ہوں ایسے حالات اور ایسے مجرم اس کے لیے کوئی نئی بات نہیں۔ خدا حافظ!" یہ کہہ کر دوسری طرف سے بولنے والے نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

◆

شہزاد ٹائیگر نے اپنے ہوٹل کے کمرے میں موجود جیالوجی کی بہت سی کتابوں میں سے بالکل ایک ہی کتاب پڑھی تھی۔ اس نے

اس ٹیوٹر پر بھی کوئی توجہ نہیں دی جو اسے جیالوجیکل انسٹرومنٹ اپنی کا لازمی سپلیمنٹ میں سمجھ کر... زمین کی ساخت، پہاڑوں کے اردار اور زلزلوں کے بارے میں کچھ سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ شہزاد نے زلزلے کے بارے میں کچھ سیکھنے کی کوشش ہی نہیں کی۔ اس نے جیالوجی کی کتاب اوّل تا آخر پڑھ کر ایک طرف پھینک دی تھی اور اس کے ذہن میں پہاڑوں کے پینسل سکیچ، پانی اور پہاڑی لوگوں کی تصاویر بنا رہی تھیں اس نے جو کچھ پڑھا تھا اُسے سمجھ بھی لیا تھا لیکن پھر بھی اس نے ان معلومات پر زیادہ توجہ نہیں دی تھی۔ اگلے روز وہ کتاب کا پچاسی فی صد حصہ ذہن نشین کر چکا تھا اور باقی چودہ فی صد اگلے روز اس کے ذہن سے صاف ہو گیا اسے زلزلہ پیدا کرنا یاد رہا لیکن یہ فراموش کر گیا کہ یہ آلہ درحقیقت ہتھوڑا ہے صرف یہ یاد رہا کہ سائنسدان کسی چیز کو زلزلہ پیما کہتے ہیں۔

وہ ہوٹل سے کچھ دُور ایک سبز میدان میں کھڑا سوچ رہا تھا کہ زلزلہ پیما زلزلے کو کیا لیتا ہے؟ اس کے سامنے تقریباً سو گز طویل اور معقول حد تک چوڑی ایک صاف پٹی تھی جس پر گھاس کا نام و نشان تک نہ تھا۔

شاید اسی جگہ پانچ افراد کو مرنا تھا۔

انھیں خاموشی سے موت کی آغوش میں سو جانا تھا... اور اس طرح کہ لوگ ان کی موت کو محض حادثہ تصور کریں۔

... تحمل کرنا... شہزاد کے نزدیک ایک فن تھا اور اسے اس فن میں مہارت حاصل تھی۔

وہ ایک درخت کے تنے سے لگ کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں اور دونوں ہاتھ باندھ لیے۔

وہ ان تین افراد کی باتیں سننے لگا جو اپنے چھوٹے ٹرک کے قریب بیٹھے تھے۔

انھیں یقین تھا کہ کوئی بھی اس جنگل میں انھیں پکڑ نہیں سکے گا اور وہ پُریقین تھے کہ مال جلد ہی آنے والا ہے... وہ خوش تھے اور جانتے تھے کہ اگر کسی نے ان کی راہ میں روڑے اٹکائے تو وہ اس شخص کو دو سو گز کے فاصلے سے بھی نشانہ بنا سکیں گے۔

ان میں سے ایک کا نام کپیل تھا۔

ٹائیگر نے اپنی گردن کو سرخ سے سیکنے کے لیے پہلو بدلا۔ اس وقت وہ جزیرہ ڈوکس کے اس شہزادے سے مختلف نہیں تھا۔ جسے بہرام کی الجھا پر سرگوش نے اٹھا کیا تھا اور پھر کسے دُنیا کے سب سے بڑے اعزاز ٹائیگر کے لیے تربیت دی گئی تھی۔ اسے اپنا ہی معصوم چہرہ بہت اچھا لگتا تھا... لیکن اب کوئی بھی اسے جزیرہ فردوس کا انسپکٹر شہزاد تسلیم نہیں کر سکتا تھا کیوں کہ اسے تو بجلی کی کرسی پر بٹھا کر سزائے موت دے دی گئی تھی۔

وہ پوری توجہ سے ان لوگوں کی باتیں سننے لگا۔

"مجھے کچھ ڈرنگ رہا ہے۔" کپیل کہہ رہا تھا۔

"اگر کوئی گڑبڑ ہوئی تو میں ان سفید فاموں کو مار ڈالوں گا۔ ہم کوئی معمولی کام نہیں کر رہے ہیں... اور اگر پولیس آ گئی تو میں اُسے بھی بھون ڈالوں گا۔"

"سفید فاموں نے دھوکا دیا تو میں بھی ان لوگوں کو نہیں بخشوں گا۔" کپیل نے بڑے عزم سے کہا۔

ٹائیگر کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیلنے لگی وہ سوچ رہا تھا کہ اگر کپیل سفید فاموں کو قتل کر دے تو اس کا کام پورا ہو جائے گا اور پھر وہ گہری نیند سو سکے گا۔ اچانک اسے کہیں دُور سے انجن کی جھنجھناہٹ سنائی دینے لگی۔

"دیکھو تم لوگ کوئی فکر مت کرو۔" کپیل کی آواز سنائی دی۔

"کیسی فکر کپیل؟"

"ارے اس بوڑھی بچارن کی باتوں کے بارے میں کہہ رہا ہوں جو ٹیلے پر مالا جپ رہی تھی۔"

"اس نے کیا کہا تھا؟"

"وہ آج کے بارے میں پیش گوئی کر رہی تھی۔"

"اوہو..." کپیل کے اس انکشاف پر اس کے ساتھی چونک اُٹھے۔

"لیکن وہ تو اس کی فکر مت کرو۔ وہ ایسی ہی فضول باتیں کرتی رہتی ہے۔"

ٹائیگر مسکراتا رہا۔ اُسے یقین ہو گیا تھا کہ کپیل، بچارن کا ذکر چھیڑ کر اب پچھتا رہا ہے لیکن وہ خوب جانتا تھا کہ اس کا پچھتاوا بہت جلد ہی ختم ہو جائے گا۔

"بتاؤ کپیل... بچارن کیا کہہ رہی تھی؟" ایک ساتھی اصرار کرنے لگا۔

"دیکھو... وہ ایسی کوئی چونکا دینے والی بات کبھی نہیں کرتی جس کی وجہ سے ہم اس پر بحث شروع کر دیں۔"

"بتاؤ کپیل ورنہ میں اپنے ٹرک میں بیٹھ کر واپس چلا جاؤں گا۔ پھر تم اپنے سامان کے ساتھ یہیں بیٹھے جھک مارتے رہنا۔" دوسرے نے دھمکی دی۔

"ارے اس نے صرف اتنا ہی کہا تھا کہ آج سب کچھ ٹھیک ٹھاک رہے گا۔" کپیل نے پیچھا چھڑانے کے لیے کہہ دیا۔

"تم جھوٹ بول رہے ہو۔"

"اچھا ٹھیک ہے... لیکن اگر میں نے سب کچھ بتا دیا تو تم کسی ایسی لڑکی کی طرح راہِ فرار اختیار کرو گے جو اپنی ناموس خطرے میں ڈالنا چاہتی ہو؟"

"میں بزدل نہیں ہوں۔"

ٹائیگر کے ہونٹوں پر ایک چبھتی مسکراہٹ آگئی وہ ملزموں کے پیچھے دوڑنا پسند نہیں کرتا تھا بلکہ اس کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ تمام مجرم ایک ہی جگہ جمع ہو جائیں تاکہ وہ انھیں بیک وقت ٹھکانے لگا سکے۔ اُس لڑکی کے بارے میں غور کر سکے جس کے چہرے پر ان گنت جھُرّیے بجُرے تل ہوتے ہیں۔

"میرے دوست! پیچارن نے کہا تھا کہ تم لوگ اگر آج اپنی مہم پر نکلے تو تمھیں ایک ایسی قوت کا سامنا کرنا پڑے گا جو مشرقی دیوتاؤں سے زیادہ طاقت ور ہے اور جس کے سامنے کوئی انسان نہیں ٹھہر سکتا۔"

"اب تم مذاق کرنے لگے ہو کیپل..." دوسرے نے ہنستے ہوئے کہا۔

"نہیں... پیچارن نے خبردار کیا تھا کہ ہمارا مقابلہ ایک ایسے شعلے سے ہوگا جسے کوئی بھی نہیں بجھا سکتا... اس نے کہا تھا کہ ہمیں ایک ایسے شخص سے مقابلہ کرنا ہوگا جس کی رفتار کا مقابلہ ناممکن ہے۔"

وہ سب ہنسنے لگے۔

"شکر ہے کہ تم خوف زدہ نہیں ہو۔ کیپل کی بھیدیہ آواز سنائی دی... لیکن میں تمھیں بتا دوں کہ پیچارن نے یہ پیش گوئی سنگِ مرگ پر بیٹھ کر کی تھی اور کہا تھا کہ اگر مرگِ ناگہانی سے بچنا چاہتے ہو تو مندر میں جا کر پلاتھنا کرو، گنگا جل سے اشنان کرو اور اس شخص سے دُور رہو جو اپنے ہاتھوں میں تمھاری موت لیے گھوم رہا ہے۔"

کیپل کا لہجہ اتنا پُراسرار تھا کہ اس کے ساتھی خاموش ہو گئے اُسی لمحے فضا میں کسی طیارے کے انجن کی آواز اُبھرنے لگی۔ یہ نیچی طیارہ ایک ایسے علاقے سے آرہا تھا جہاں پوست کاشت کی جاتی تھی۔ اس علاقے میں ہیروئن بنانے کی ایک فیکٹری بھی قائم تھی جسے کسی طرح بھی قانونی نہیں کہا جا سکتا تھا۔

اُدھر طیارے کے ہوا باز اور مسافر سے صرف ایک غلطی ہوئی کہ اُنھوں نے گفتگو شروع کر دی۔ ہیروئن کی اسمگلنگ کرنے والے ایسی غلطی کبھی نہیں کرتے... لیکن غلطی سرزد ہو چکی تھی اور اُنھیں اس کا احساس تک نہیں ہوا تھا۔

یہ گفتگو کسی جگہ سُنی گئی، طیارے کی سمت اور لینڈنگ پلیس کا اندازہ لگا کر تمام معلومات مایک خاص فون نمبر پہ دے دی گئیں اور پھر ایک فون کال کے ذریعے ٹائیگر کو اس کی اطلاع مل گئی۔ اس طرح وہ زمانے کی معلومات جمع کرتے کرتے ہیروئن کے چکر میں پڑ گیا تھا۔

ہیروئن کے اسمگلروں کو زیادہ پریشانی کا کبھی سامنا نہیں کرنا پڑتا تھا۔ اگر وہ گرفتار ہو جاتے تھے تو انھیں زیادہ سے زیادہ تین چار سال کی سزا ہوتی تھی لیکن حکومت نے منشیات کی بڑھتی ہوئی اسمگلنگ سے گھبرا کر یہ کیس ایک خیز سرکاری تنظیم کو بھی سونپ رکھا تھا اور اگر اسمگلر اس تنظیم کے ہاتھ آجاتے تھے تو کسی بھی عدالتی فیصلے کے بغیر انھیں جہاں ملیں وہیں مار ڈالو کی بنیاد پر قتل کر دیا جاتا تھا۔

ٹائیگر مختلف مشین معاملات نمٹانے کے ساتھ ساتھ ہیروئن کے اسمگلروں سے بھی نمٹتا رہا تھا۔ اس وقت بھی وہ ایک ایسے ہی مشن پر کام کر رہا تھا۔ حالاں کہ اسے بتایا گیا تھا کہ امین آباد میں ایک اہم اور خطرناک کام اس کا منتظر ہے۔

وہ اونچا طیارے کو نمودار ہوتے دیکھتا رہا۔ طیارہ اب وسیع اور عریض جھیل کے اُوپر پرواز کرتا ہوا میدان کی طرف بڑھ رہا تھا اس کی بلندی بہت کم تھی۔ شاید ہوا باز پکڑے جانے کے خوف سے بھی پرواز کر رہا تھا۔ پرواز کے انداز سے ہوا باز کی مہارت ظاہر ہو رہی تھی اس نے لینڈنگ کے لیے چکر لگانے کے بجائے سیدھی پرواز کو ترجیح دی تھی۔

ٹائیگر کسی سانپ کی طرح قریبی جھاڑیوں میں رینگ گیا اور پھر ٹھیک اس جگہ پہنچا جہاں سے اس طیارے کو گزرنا تھا۔

یکایک طیارے نے ڈبکی لگائی... اس کے پہیے زمین سے لگے لیکن وہ پھر اُٹھ گیا... پہیے دوسری مرتبہ زمین سے لگے تو دھول اُڑنے لگی۔

.... اور پھر شہزاد بھی دوڑنے لگا۔

اس کا اوپری جسم بالکل ساکت تھا لیکن نچلا دھڑ اتنی تیزی سے حرکت کر رہا تھا کہ کیمرہ ٹرک اس کی رفتار کا اندازہ نہیں لگا سکتا تھا اور نہ ہی کوئی کیمرہ اس کے ہیروں کی تصویر لے سکتا تھا۔ اس وقت اگر کوئی اسے دیکھ لیتا تو یہی کہتا کہ اس نے ایک ایسے شخص کو دیکھا ہے جس کے پاؤں دکھائی ہی نہیں دیتے۔

وہ دوڑتا رہا... طیارہ اس سے آگے تھا... ٹائیگر نے اپنی رفتار میں کچھ اضافہ کر لیا تاکہ طیارے کے رُکنے سے قبل ہی اس کی دُم پکڑ لے۔ طیارے اور ملزموں کو ایک ساتھ جہنم رسید کرنے کا یہ اچھوتا خیال بس اچانک ہی اس کے ذہن میں آگیا تھا۔

اس کی قمیص میں ہوا بھر گئی اور بدن کے جن حصّوں پر قمیص ڈھیلی تھی وہاں ہوا کا دباؤ بڑھ گیا... قمیص سے دھجیاں اُڑنے لگیں

... تیز ہوا میں یہ دھجیاں اُڑتی ہوئی نہ جانے کہاں کھو گئیں اور ٹائیگر... طیارے کے پیچھے دوڑتا رہا۔

طیارے اور ٹائیگر کا فاصلہ بمشکل دو گز رہ گیا تو اس نے جست لگا کر اس کی دم پکڑ لی... اب وہ طیارے کے ساتھ ساتھ اچھل رہا تھا لیکن اس نے دُم نہیں چھوڑی تھی۔ وہ اس جگہ سے بمشکل چالیس گز دور تھا جہاں اسمگلروں کا ٹرک اور ان کے تین آدمی منتظر کھڑے تھے اور جن میں کیپل نامی شخص بھی شامل تھا۔

پھر ہوا باز نے انجن بند کر کے بریک لگانے شروع کر دیے۔

شہزاد نے طیارے کی دُم پر دباؤ بڑھا دیا... اس کی وجہ سے طیارے کا اگلا حصّہ زمین سے اُٹھنے لگا اور بریک نہیں لگ سکے اسی لمحے شہزاد نے دباؤ کم کر دیا اور اگلا حصّہ زور سے زمین پر گرا۔ اُس بھنے دُم کو ذرا سا گھمایا تو چھوٹتے ہی طیارے کا رُخ وہیں کی طرف ہو گیا۔ اسمگلروں کا طیارہ اب ٹرک کی طرف دوڑ رہا تھا۔

اسی لمحے ایک زوردار چیخ فضا میں بلند ہوئی اور فضا میں لہراتی ہوئی چلی گئی۔

طیارے کے پنکھے نے ایک شخص کو ٹکر مار کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا باقی دو چیخ کے عالم میں اپنی رائفلیں سیدھی کرنے لگے۔

کاک پٹ سے شہزاد کو غیر ملکی زبان میں ایک مجمد سنائی دیا۔ ہوا باز اور مسافر فرانسیسی زبان میں چیخ چیخ کر باہر کھڑے باقی دو افراد سے کچھ کہہ رہے تھے۔ شہزاد طیارے کے دائیں بازو پر پہنچ گیا... زمین پر موجود باقی لوگوں نے اسے دیکھ لیا اور انھوں نے زمین پر لیٹ کر اس کا نشانہ لینے لگا۔

ٹائیگر نے ہلکی سی جست لگائی مگر اسی رفتار میں وہ دس گز فاصلے طے کر کے نشانہ لینے والے شخص کے عقب میں جا گرا... اسی وہ شخص سنبھلنے کی کوشش ہی کر رہا تھا کہ ٹائیگر کی انگلیاں اس کی آنکھیں۔ ان میں فولاد جیسی سختی آگئی اور پھر دائیں ہاتھ کی انگلیاں اس شخص کی سرخیوں کو مانتی ہوئی نکل گئیں۔ جیسے کوئی خربوزہ کھنڈتا ہے۔

وہ شخص بے آواز ہی موت کی آغوش میں پہنچ گیا۔

ٹائیگر نے اپنے کیڑوں سے انگلیوں پر لگا ہوا بھیجا صاف کیا۔

دوسرے اسمگلر کے ہاتھوں سے رائفل گر گئی اور وہ بے یقینی کے عالم میں اُسے گھورنے لگا۔ طیارے کے پنکھے سے مرنے والا شخص بہت زور سے چیخا تھا مگر ٹائیگر کے ہاتھوں مرنے والے نے سسکی بھی نہیں لی تھی۔

اسی لمحے طیارہ رُک گیا اور ٹائیگر نے اُلٹی چھلانگ لگاتے ہوئے کاک پٹ کا دروازہ کھول دیا... اندر موجود واحد مسافر چیخ چیخ کر ہوا باز سے کچھ کہہ رہا تھا۔ دونوں کے ہاتھوں میں سب مشین گنیں تھیں وہ اسے دیکھ کر اُچھل پڑے۔

"خوش آمدید ہمارے فرانسیسی دوستو!" ٹائیگر نے مسکرا کر استقبالیہ انداز میں کہا اور اس کے ساتھ ہی خدا حافظ..." یہ کہتے ہوئے اس نے سیکنڈ کے ہزارویں حصّے میں اپنا انگوٹھا مسافر کی... آنکھوں پر مارا، آنکھ تو بال بال ہی گئی لیکن انگوٹھا مغز تک گھستا چلا گیا اور وہ ایک کریہہ آواز کے ساتھ کاک پٹ میں، ہوا باز کے قدموں میں گر پڑا۔

ہوا باز کی حالت بھی غیر تھی۔

"سنو... سنو... مجھ سے سودا کرو موسیو!" ہوا باز نے مشین گن پھینک کر دونوں ہاتھ اٹھا دیے۔ اس کی پیشانی پر پسینے کے ان گنت قطرے جھلملا رہے تھے۔ عقبی سیٹ پر کرنسی اور ہیروئن موجود ہے تم چاہو تو طیارے سمیت چلے جاؤ... لیکن مجھے چھوڑ دو... مجھے..." ابھی ہوا باز کا جملہ مکمل بھی نہیں ہوا تھا کہ ٹائیگر کی انگلیاں اس کے سینے کی طرف بڑھیں... وہ پسلیوں کے ڈھانچے میں گھستی چلی گئیں اور انھوں نے پانٹ کا دل تک زخمی کر دیا۔

ہوا باز نے مرنے سے قبل آخری سانس لی اور خون اُگل دیا۔

ٹائیگر دو چھلانگوں ہی میں اس شخص تک پہنچ گیا جو ہوا میں اُڑنے کے بجائے اپنی رائفل سے اس کا نشانہ لے رہا تھا۔ اس نے موت کو سر پر دیکھ کر رائفل پھینک دی اور اس مرتبہ فرار ہونے کی کوشش کی مگر موت تو ہر جگہ تعاقب کرتی ہے... یہی اس کے ساتھ بھی ہوا... ٹائیگر نے اس کی گنپٹی پر ہلکا سا ہاتھ مارا تو وہ پُرسکون انداز میں گر کر مر گیا۔

◇

دونوں لڑکیاں انسپکٹر مدن لال کو دیکھ کر معنی خیز انداز میں... مسکرائیں مگیں جو پلاسٹک بیگ اور اپنی توند سنبھالے مٹی کے ٹیلے کی اوٹ سے ان کی طرف بڑھ رہا تھا۔

ہلکی ہلکی خنک ہوا چل رہی تھی اور مشرقی اُفق پر سُرخ رنگ بکھرا ہوا تھا۔ وہ دونوں ہلکے نیلے لباس میں تھیں اور وضع قطع سے کسی ایسے خاندان کی چشم و چراغ لگتی تھیں جو مغرب سے آنے والے ہر فیشن کو قبل از وقت ہی اپنا لیتا ہے۔

"اگر ہم اُسے کچھ کہہ دیں تو شاید یہ مر ہی جائے گا۔" ایک لڑکی نے آنے والے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا جو اُن سے ابھی کچھ دور تھا۔

"تب پھر کچھ کہہ ہی دیا جائے۔" دوسری نے اپنی بڑی بڑی سیاہ آنکھیں مٹکاتے ہوئے کہا۔ اس وقت وہ نیم کے ایک سایہ دار درخت کے تنے سے ٹیک لگائے نیم دراز تھیں اور کبھی کبھی

ننگے پیر کھردری زمین پر رگڑنے لگی تھیں۔

چند منٹ بعد مدن لال ہانپتا کانپتا اس ٹیلے پر چڑھ آیا جہاں وہ دونوں اس کا انتظار کر رہی تھیں۔

"یہ رہا سب کچھ۔۔۔" مدن لال، پلاسٹک بیگ ان کے قدموں میں رکھتے ہوئے پسینہ پونچھنے لگا یہ۔۔۔ لیکن ممتاز حسین گڑبڑا کر رہا ہے۔"

"ہمارے ساتھ کوئی بھی گڑبڑ نہیں کر سکتا۔" ایک لڑکی نے سینہ تان کر کہا اور مدن لال کی سانس تنگ گئی۔ یہ تو ہو سکتا ہے کہ ان میں سے کوئی تمھیں پریشان کرتا ہو۔۔۔ لیکن تمھاری پریشانی سے ہمارا کیا تعلق؟"

"تو ممتاز حسین تمھیں پریشان کر رہا ہے، موٹے؟" دوسری لڑکی نے ایک ادا سے گھاس کا تنکا چباتے ہوئے پوچھا۔

"ارے چھوڑو۔۔۔ یہ تو ہمیشہ ہی کسی نہ کسی پریشانی کا شکار رہتا ہے۔" دوسری لڑکی نے تبسم ریز انداز میں کہا۔

"مذاق مت کرو لڑکیو!۔۔۔ میرا مطلب ہے خواتین! وہ دار الحکومت جا کر حکام کو سب کچھ بتانے کی دھمکی دے رہا تھا۔۔۔" مدن لال نے بڑی بے چارگی سے جواب دیا۔

"وہ پھر ہم سے شکایت کیوں کر رہے ہو، گولی مار کر اس کا خاتمہ کیوں نہیں کر دیا، اب تک؟"

"گ۔۔۔ گولی۔۔۔ نہیں۔۔۔ میں گولی نہیں مار سکتا۔"

"اچھا۔۔۔ تو تم بزدل بھی ہو۔" ایک لڑکی نے اس کی توند کی طرف ہاتھ بڑھایا تو وہ ایک جھرجھری لے کر دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔

"رقم تو پوری موجود ہے نا؟" دوسری نے پوچھا۔

"ہاں۔۔۔ لیکن ممتاز حسین دار الحکومت جا رہا ہے۔"

"تو اسے سڑک پر۔۔۔ تم نے اپنے فرائض کی بجا آوری میں لگ۔۔۔ کسی نہ کسی طرح راستے سے تو ہٹایا ہوگا۔"

"م۔۔۔ مگر میں اسے قتل نہیں کر سکتا۔۔۔"

"تو پھر ہم کر دیں گی۔۔۔" پہلی لڑکی نے اپنے رخساروں پر انگلیوں سے مساج کرتے ہوئے کہا۔

"لیکن یہ قانون کی خلاف ورزی ہوگی۔" انسپکٹر مدن لال نے کمزور لہجے میں اعتراض کیا۔

"اس ملک میں لوگ بڑے مکوڑوں کی طرح مارے جاتے ہیں، ہمارے پالتو سانڈ۔۔۔!" دوسری لڑکی نے جواب دیا۔

"ہمیں پھانسی بھی ہو سکتی ہے۔۔۔"

"دھمکیاں مت دو، اگلے کے بچے!" پہلی لڑکی غصے سے کھڑی ہو گئی۔۔۔ یہ مت بھولو کہ خود تمھیں بھی سرِ راہ قتل کیا جا سکتا ہے۔"

"ہم۔۔۔ میرا مطلب یہ نہیں تھا۔۔۔" قانون کا محافظ سوم کی طرح نرم ہوتا چلا گیا۔۔۔ "اچھا، یہ بتاؤ کہ کیا زلزلہ پورے ایبن آباد کو تباہ کر سکتا ہے؟"

"ہاں محض ایک ہی جھٹکے سے۔"

"۔۔۔ تو کیا تم اسے۔۔۔ زلزلے پر۔۔۔ قابو بھی پا سکتی ہو؟"

"کیوں نہیں۔۔۔" یہ کہہ کر ایک لڑکی نے مدن لال کو مزید ہدایات دیں اور بتایا کہ اسے ممتاز حسین کے سلسلے میں کیا کرنا ہوگا۔

"کیا اس کی واپسی پر ایسا کرنا ضروری ہوگا؟" مدن لال نے بوکھلا کر پوچھا۔

"کیا تم اسے غیر ضروری کہہ کر مرجانا چاہتے ہو موٹے؟" دوسری لڑکی نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"لیکن ایسا کرنا کیوں ضروری ہے، تم اسے زہر دے سکتی ہو، چاقو مار سکتی ہو، کوئی اور طریقہ کیوں اختیار نہیں کرتیں؟"

دونوں لڑکیاں نفی میں گردن ہلانے لگیں یہ جیسا کہا گیا ہے ویسا ہی ہوگا۔" وہ بیک آواز بولیں۔۔۔ پھر انھوں نے رقم کے بھتے بڑے کیے۔ مدن لال کو دسواں حصہ ملا۔ ساتھ ہی یہ یقین دہانی بھی کرائی گئی کہ اگر مقصد پورا ہونے پر خاطر خواہ عمل ہوتا رہا تو اسے مالا مال کر دیا جائیگا۔

"میں یہ کام روپے پیسے کے لیے نہیں کر رہا ہوں۔" مدن لال نے جواب دیا۔

"تب پھر یہ رقم واپس کر دو۔" ایک لڑکی نے ہنستے ہوئے کہا اور رقم کی طرف ہاتھ بڑھایا۔۔۔ مگر موٹے انسپکٹر نے جلدی سے رقم اپنی جیب میں ٹھونس لی۔

*

دار الحکومت پہنچ کر ممتاز حسین نے اپنے اثر و رسوخ سے کام لیتے ہوئے نائب وزیر داخلہ سے ملاقات کا وقت حاصل کر لیا لیکن پھر اسے معلوم ہوا کہ یہ کیس پہلے سے ہی متعلقہ حکام کو بھیج دیا گیا ہے۔ اسے بتایا گیا کہ وہ وفاقی ادارۂ سراغ رسانی سے رابطہ قائم کرے۔ وہ فوراً ہی اس ادارے کے ہیڈ کوارٹر جا پہنچا۔

"کیا یہ کسی ہیمہ کمپنی کا کوئی نیا بیمہ ہے مسٹر حسین!" ایک افسر نے فائل پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ "یہ آپ کی باتوں سے تو یہی احساس ہوتا ہے کہ کوئی انشورنس کمپنی زلزلے کا انشورنس کر رہی ہے؟"

"نہیں۔ یہ انشورنس کا معاملہ نہیں بلکہ ایک انتہائی گھناؤنا کاروبار ہے۔"

متعلقہ افسر نے اس کے بارے میں چند سوالات کیے۔

اچانک ہی پوچھا۔۔۔ "یہ کیا آپ آج کل اپنی اہلیہ سے ناراض ہیں مسٹر حسین!"

"کیسی ناراضگی؟" اس نے چونک کر افسر کی طرف دیکھا۔

"کہسار کے تھانے دار نے ہمیں فون پر بتایا ہے کہ آج کل آپ خاتگی جھگڑوں کی وجہ سے پریشان ہیں اور ساتھ ہی درخواست بھی کی ہے کہ آپ کا مذاق نہ اڑایا جائے۔ ہم نے وادی کے کئی ممتاز شہریوں اور آپ کے دوستوں سے بھی بات کی ہے جنھوں نے انسپکٹر مدن لال کی تائید کی ہے۔ وہ سب آپ کا بے حد احترام کرتے ہیں اور انھیں آپ کے بارے میں خاصی تشویش بھی ہے۔ ان کا خیال ہے کہ آپ کسی نفسیاتی الجھن کا شکار ہیں لہٰذا میں آپ کو یہی مشورہ دے سکتا ہوں کہ آپ کسی ماہر نفسیات سے رابطہ قائم کریں۔"

اس مرحلے پر ممتاز حسین کو یقین ہو گیا کہ نہ صرف وادیٔ کہسار بلکہ پورا صوبہ ایسے بلیک میلروں کے چنگل میں ہے جو جب چاہیں زلزلہ پیدا کر سکتے ہیں۔ وہ وزارتِ داخلہ کے دفتر واپس گیا جہاں اس نے ایک سیکشن افسر سے بات کی اور جب اس نے زلزلے کے بارے میں تفصیل بتائی تو وہ مسکرانے لگا۔۔۔

"آپ نے اتنی زحمت کی ہے تو میرے مشورے پر پروفیسر مکرجی سے بھی مل لیں۔ وہ زلزلوں میں بڑی دلچسپی لیتے ہیں۔ آپ ان سے پہلی منزل کے کمرہ نمبر پانچ میں ملاقات کر سکتے ہیں۔"

ممتاز حسین کو پہلی منزل پر کمروں کی پیچیدہ بناوٹ کے باعث مطلوبہ کمرہ تلاش کرنے میں بیس منٹ لگ گئے اور جب اس نے کمرے کے دروازے پر دستک دی تو مزید ایک منٹ کی تاخیر سے "آجاؤ" کی آواز سنائی دی۔

ممتاز نے اندر جا کر کسی انسان کو تلاش کرنے کے لیے چاروں طرف نظریں دوڑائیں لیکن اسے فائلوں کے انبار اور کاغذات کے ڈھیر کے سوا کچھ بھی نظر نہ آیا۔ ایک طرف تو فرش سے چھت تک بڑے بڑے ڈبے لگے ہوئے تھے۔ ممتاز کچھ پریشان سا ہو گیا۔

"میں یہاں ہوں جناب!" ایک بڑے ڈبے کے عقب سے آواز سنائی دی۔ "یہ میرا نام مکرجی ہے۔"

ممتاز نے چونک کر ڈبے کے دوسری طرف دیکھا جہاں واقعی ایک نوجوان شخص ٹائپ رائٹر پر جھکا ہوا تھا۔ اس کا جیکٹ ایک طرف پڑا ہوا تھا، ٹائی گلے میں جھول رہی تھی اور وہ موٹے عدسوں والی عینک لگائے ہوئے تھا۔ اس کے چہرے پر معصوم اور بے حد مزے کی مسکراہٹ تھی۔

پروفیسر مکرجی نے گرم جوشی سے مصافحہ کیا۔

"مجھے ممتاز حسین کہتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ آپ کو انٹرکام پر میرے بارے میں اطلاع مل گئی ہوگی۔"

"اوہ۔۔۔" پروفیسر مکرجی کے چہرے پر مسکراہٹ مزید گہری ہو گئی۔ "مجھے تو کوئی اطلاع نہیں ملی، مسٹر حسین!"

"تو پھر آپ نے 'اوہ' کہہ کر حیرت کا اظہار کیوں کیا؟" پروفیسر ممتاز نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"اس لیے کہ مجھے آپ کی آمد کا مقصد معلوم ہے۔"

"شکر ہے میرے خدایا۔۔۔"

"بیٹھو دوست۔۔۔ جہاں بھی جگہ ملے بیٹھ جاؤ، میرا کمرہ زیادہ آراستہ نہیں اور نہ ہی اس میں قیمتی فرنیچر ہے لہٰذا بلا تکلف بیٹھ جاؤ۔"

ممتاز حسین نے کرسی تلاش کرنے کی کوشش کی مگر اسے ناکامی ہوئی کیوں کہ کمرے کی اکلوتی کرسی پر خود پروفیسر مکرجی براجمان تھا لہٰذا ممتاز اس کے قریب میز پر ٹک کر بولا۔ "اب ہمیں کیا کرنا چاہیے پروفیسر؟"

"سب سے پہلے تو یہ بتاؤ کہ تم کس مقصد سے آئے ہو؟" پروفیسر نے بے تکلفی سے پوچھا۔

"آپ تو کہہ رہے تھے کہ آپ کو میری آمد کا مقصد معلوم ہے۔" ممتاز کا دل پھر ڈوبنے لگا۔

"ہاں۔۔۔ میں نے عمومی طور پر کہا تھا کیوں کہ یہاں آنے والے صرف زلزلوں پر گفتگو کرنے آتے ہیں۔ ان میں بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہوتی ہے جو بالائی منزل پر بیٹھنے والے جغادریوں سے مطمئن نہیں ہوتے۔۔۔ اب تم مجھے اپنی کہانی سناؤ، میں ہمہ تن گوش رہوں گا اور ممکن ہوا تو ہر ممکن تعاون بھی کروں گا۔"

"کاش۔۔۔" ممتاز نے ایک لمبی سانس لے کر کہا اور پھر اس نے اپنی پوری کہانی پروفیسر مکرجی کو بھی سنا دی۔

"یہ ہیں وہ حقائق جن کو لوگوں نے میری نفسیاتی بیماری قرار دیا ہے پروفیسر۔۔۔ اور اب شاید آپ بھی ایسا ہی کہیں گے لہٰذا مجھے اجازت دیجئے۔"

پروفیسر نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا۔ یہ دباؤ پُرخلوص اور دوستانہ تھا۔ مکرجی کی آنکھوں میں تشویش اور خوف کے سائے لرز رہے تھے۔ "نہیں ممتاز حسین۔۔۔ تم ایسے نہیں جاؤ گے۔"

ممتاز کا رُواں رُواں خوشی سے جھوم اٹھا۔

"میں ماہر نفسیات ہوں، ممتاز جی۔۔۔ اور تم نے جو کچھ کہا ہے اس پر یقین کرنے کے علاوہ کوئی اور راستہ نہیں۔ تمھیں یہ جاننے سے کوئی فائدہ نہیں کہ ایبن آباد زلزلوں کا علاقہ ہے۔ ہر سال ہزاروں زلزلے

آتے ہیں لیکن انھیں صرف چرند پرند ہی محسوس کر سکتے ہیں۔ تاہم ان زلزلوں کو باقاعدگی سے ریکارڈ کیا جاتا ہے۔ گزشتہ چھ ماہ سے میں بے حد پریشان تھا اور پریشانی کی وجہ صرف یہ تھی کہ امین آباد کے ایک خاص علاقے میں زلزلوں کی فریکوینسی بدل گئی ہے لیکن آج تم سے ملاقات کے بعد مجھے یقین ہو گیا ہے کہ کوئی کارِ دبارِ قدرت میں مداخلت کر رہا ہے... کسی نے وادیٔ کہسار کو اپنے لیے تجربہ گاہ بنا لیا ہے۔"

اسی لمحے ٹیلی فون کی گھنٹی بجی اور مکرجی نے اِدھر اُدھر ہاتھ مار کر کاغذوں کے ایک ڈھیر کے نیچے سے ٹیلی فون سیٹ نکال ہی لیا۔ اس نے ریسیور کان سے لگاتے ہوئے ممتاز کو گھورا اور پھر ریسیور اس حد تک کان سے ہٹا لیا کہ ممتاز بھی گفتگو سن سکے۔ "جی ہاں... انسپکٹر مدن لال!... اوہ... آں... ہاں... وہ یہاں موجود ہیں... انسپکٹر...؟"

اس نے کان ریسیور کے نزدیک کر لیا اور جب اُسے مدن لال کی پُرسکون آواز سنائی دی تو وہ حیرت زدہ رہ گیا۔ اس کا مطلب تھا کہ مدن لال اس کی نگرانی کرتا رہا ہے۔

"پروفیسر صاحب! ہمیں شری ممتاز حسین کے بارے میں بے حد تشویش ہے۔ وادیٔ کہسار کے باشندے ان سے محبت کرتے ہیں۔ ان کی ذات سے آج تک کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ وہ بہت مخلص اور ایمان دار شخص ہیں۔ انھوں نے کئی خیراتی ادارے قائم کیے ہیں، لیکن زلزلوں کے بارے میں وہ ایک نفسیاتی اُلجھن کا شکار ہیں۔ انھیں شُبہ ہے کہ زلزلے کسی سازش اور انسانی کوشش کا نتیجہ ہیں۔ وہ اپنے اس شُبہے پر یقین رکھتے ہیں اور آج کل دوسروں کو بھی قائل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ انھوں نے آپ سے کس قسم کی گفتگو کی ہے۔ کیا انھوں نے آپ کو یہ بتایا کہ انھیں الہام ہوتا ہے؟"

"نہیں..." مکرجی نے ممتاز حسین کو آنکھ کا اشارہ کرتے ہوئے جواب دیا۔

"اوہ... قصہ یہ ہے کہ وہ خود کو اوتار بھی سمجھنے لگے ہیں اور ان کا کہنا ہے کہ بھگوان نے انھیں لوگوں کو زلزلے سے نجات دِلانے کے لیے بھیجا ہے۔ میں وفاقی ادارۂ سُراغ رسانی کے حُکّام سے بھی بات کر چکا ہُوں اور آپ سے بھی درخواست کرتا ہوں کہ انھیں کسی نہ کسی طرح واپس بھیج دیجیے، ان کا معاملہ مت اُڑائیے کیوں کہ اس طرح ان کا حساس دِل ٹوٹ جائے گا۔ بس یہ کہہ کر ٹال دیجیے کہ آپ اس سلسلے میں مکمل تفتیش کریں گے۔ شاید اسی طرح وہ گھر واپس آ کر اپنی بیوی سے صُلح کر لیں جن سے ان کا اسی بات پر جھگڑا رہتا ہے۔"

"اوہ... میں سمجھ گیا۔" پروفیسر نے ایک طویل سانس لے کر جواب دیا۔ "میرا خیال ہے، ہم ممتاز حسین کے اطمینان کے لیے دو تین آدمی وادیٔ کہسار بھیج دیں اور ان آدمیوں کو بھی علم نہ ہو کہ وہ کسی فرضی مشن پر بھیجے جا رہے ہیں۔ اس طرح بات بن جائے گی۔"

"ارے نہیں... میں اس حد تک زحمت کی درخواست نہیں کر رہا تھا پروفیسر۔" مدن لال کی پُرتشویش آواز سُنائی دی۔

"مگر کیوں نہیں انسپکٹر؟"

"میرا خیال ہے کہ یہ غیر ضروری ہوگا۔"

"لیکن میں تو کسی نہ کسی کو ممتاز کے ساتھ مزید بھیجوں گا تاکہ وہ اس کے تصوراتی خدشے کی تحقیق کر سکے۔" مکرجی نے ممتاز کی طرف دیکھا جو اب مُسکرا رہا تھا۔

دوسری طرف سے کسی نے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھا، چند ناقابلِ فہم آوازیں سُنائی دیں اور پھر مدن لال نے کہا۔ "ٹھیک ہے پروفیسر! آپ کی تجویز معقول ہے۔ ہمیں خوشی ہے کہ آپ ایک ذہنی مریض کے اطمینان کے لیے اس حد تک تعاون کر سکتے ہیں۔"

مکرجی نے ریسیور رکھتے ہوئے ممتاز حسین کی پُشت پر ہاتھ رکھ دیا۔ "تم ٹھیک کہتے تھے ممتاز حسین! انسپکٹر مدن لال اتنا ذہین نہیں ہے۔ وہ یقیناً کسی کا آلۂ کار ہے... لیکن اگر یہ کال تمھاری سے قبل آتی تو میں بھی تمھیں نفسیاتی مریض سمجھ کر ٹرخا دیتا... چلو، ذرا کام شروع کر دیں۔"

ممتاز حسین اور مکرجی دونوں ایک گھنٹے بعد عمارت سے نکلے لیکن پروفیسر نے دفتر چھوڑنے سے قبل ایک فل اسکیپ شیٹ کسی کے نام خط ٹائپ کیا۔ یہ ممتاز حسین اور مکرجی کا آخری تحفہ تھا۔ ایسا تحفہ جو کسی نے بھی پہلے کبھی اپنے مادرِ وطن کو نہیں دیا ہوگا۔

... لیکن انھوں نے ایک غلطی کر ڈالی... وہ امین آباد اور انھوں نے زلزلوں کے بارے میں ایک ممتاز سائنس داں اور کی دو معاونین سے تفصیلی گفتگو کر ڈالی۔

▲

... اور جب انسپکٹر مدن لال نے وادیٔ کہسار سے کچھ دُور، رشیش محل ہوٹل میں لاشیں دیکھیں تو اس کا جی متلانے لگا۔ "بھگوان... رحم کر... رحم کر..." یہ کہتا ہُوا وہ ایک غسل خانے میں گھُس گیا جہاں اس نے مُنہ بھر بھر کر اُلٹیاں کیں پھر ہانپتے ہوئے اُس نے مُنہ دھویا۔ "نہیں..." تولیے سے مُنہ پونچھتے ہُوئے اس نے کسی حقیقت کی تردید کرنی چاہی۔ وہ تو کل تک دارالحکومت میں تھا۔

"جی ہاں..." اس کا نوعمر معاون، سب انسپکٹر پرکاش غسل خانے میں گھُس آیا۔ "ایمبولینس منگوا لوں جناب!"

"ہاں..." مدن لال بھرائی ہُوئی آواز میں بولا۔

"اور مقامی پولیس کو بھی اطلاع دے دوں؟ اس ہوٹل کا نصف حصّہ وادیٔ کہسار کے دائرہ کار سے باہر ہے جناب!"

"نہیں... یہ کام ہم خود ہی سنبھال لیں گے۔"

"فوٹو گرافر طلب کر لوں جناب!"

"بالکل دُرست۔"

"ایک لاش کی حالت تو بہت ہی خراب ہے جناب!"

"ہاں... میں نے بھی لاشیں دیکھی ہیں۔" مدن لال کا پارہ چڑھنے لگا۔

"آخر ان کی موت کیسے واقع ہُوئی؟"

انسپکٹر مدن لال نے کوئی جواب نہیں دیا کیوں کہ اُسے معلوم تھا کہ موت کس طرح واقع ہُوئی ہے اور ان اموات کے ذمّے دار کون ہیں۔ وہ لمبی لمبی سانسیں لیتا ہُوا غسل خانے سے باہر آ گیا۔

"کیا آپ اُسی کمرے میں واپس جا رہے ہیں جناب! لاشوں کی حالت بہت خراب ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے دو آہنی ہاتھوں نے مرنے والوں کو بھینچ کر مار دیا ہو۔"

یہ سُن کر انسپکٹر کی طبیعت پھر متلانے لگی اور آنکھیں سُرخ ہونے لگیں۔ اس نے سب انسپکٹر پرکاش کی طرف دیکھا جس کا مُنہ چل رہا تھا اور پھر لوگوں کو راہ داری سے دفعان ہو جانے کا حُکم دے کر ہوٹل کے مالک سے بولا۔ "تم بھی اس کمرے سے دُور رہو، میرا نائب تم سے بعد میں کچھ پُوچھ گچھ کرے گا۔"

"انسپکٹر! یہ تو بہت ہی بُرا ہُوا، میرے ہوٹل کے نام پر دھبہ لگ جائے گا۔" مالک گڑگڑانے لگا۔ "ان میں سے ایک کو تو میں پہچانتا ہُوں، جناب!"

مدن لال اس پر توجہ دیے بغیر قتل گاہ میں داخل ہُوا جہاں دو بے لباس لاشیں پڑی تھیں۔ بھلا کوئی سوچ بھی سکتا تھا کہ ممتاز حسین جیسی شخصیت کا یہ انجام بھی ہو سکتا ہے۔ وہ سوچنے لگا۔ دوسرے شخص کی جیب سے جو شناختی کارڈ نکلا تھا اس کے مطابق وہ سرکاری ماہرِ رضیات، پروفیسر مکرجی تھا۔ وہی مکرجی جس سے کل مدن لال نے فون پر بات کی تھی۔

انسپکٹر کی آنکھیں لاشوں کی ٹانگوں پر رہیں کیوں کہ وہ ان کے چہروں یا سروں کی طرف نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔ دونوں کی کمر کے نیچے بستر پر سُوکھے ہُوئے آبی دھبّے تھے۔

مدن لال کی نظریں اچانک ہی چہروں کی طرف اُٹھ گئیں تو وہ مُنہ پر ہاتھ رکھ کر ایک بار پھر غسل خانے کی طرف بھاگ کھڑا ہُوا۔

وہ اس گھناؤنے منظر کو برداشت نہیں کر سکا تھا۔ مُرنے والوں کی آنتیں اُن کے مُنہ سے باہر لٹکی ہُوئی تھیں، ایسا لگتا تھا، جیسے اُن کے پیٹ پر بے تحاشہ دباؤ ڈالا گیا ہو... مُنہ سے آنتیں اور جسم کے دیگر سُوراخوں سے سیاہی مائل سفید لوتھڑے باہر جھانک رہے تھے۔

انسپکٹر مدن لال کو پہلے ہی بتا دیا گیا تھا کہ اگر کسی نے گڑبڑ کی تو اس قسم کی موت اس کے حصّے میں آ سکتی ہے لیکن اس عملی مظاہرے سے قبل انسپکٹر نے اس دھمکی کو زیادہ اہمیت ہی نہیں دی تھی۔ وہ غسل خانے میں جا کر پیٹ دبانے لگا کیوں کہ اُسے بُری طرح متلی ہو رہی تھی لیکن پیٹ میں کچھ بھی نہ تھا، جو باہر نکلتا۔

☆

انسپکٹر مدن لال کی موٹر سائیکل کا رُخ بلونت رائے کے دفتر کی طرف تھا اور وہ مسلسل سوچ رہا تھا۔ اسی کیفیت میں وہ منزل تک پہنچ گیا اور پھر بلونت رائے کی سیکریٹری اوپی۔ اے سے ملتا ملاتا، رائے کے شانِ دار کمرے میں داخل ہو گیا۔

"ممتاز حسین مَر گیا جناب!" اس نے بلونت رائے کی طرف دیکھے بغیر کہا جو بھنوری چرمی کُرسی میں دھنسا ہُوا تھا۔

"اوہ... نہیں..." بلونت رائے کچھ اس طرح تڑپا جیسے اُسے بچھو نے ڈنک مار دیا ہو۔ "کیا ہُوا... بتاؤ مدن لال، کیا ہُوا؟"

"کچھ پتہ نہیں۔ ممتاز کے ساتھ محکمۂ داخلہ کے ایک آدمی کی لاش بھی ملی ہے۔ میں سیدھا ششیش محل سے آ رہا ہُوں، دونوں وہیں مقیم تھے۔ ان کے جسموں پر ایک دھجی تک نہیں تھی۔ میں نے کل ہی محکمۂ داخلہ کے اس آدمی سے بات کی تھی۔ اس کا نام پرفیسر مکرجی تھا۔ کل اس کی گفتگو سے اندازہ ہُوا تھا کہ ممتاز نے دارالحکومت میں اُس سے ملاقات کی اور دونوں سیدھے یہاں چلے آئے لیکن مجھے حیرت ہے کہ وہ دونوں ہی گھناؤنی عادت میں مبتلا تھے۔"

"بکو مت..." بلونت رائے کا چہرہ طیش کی زیادتی سے سُرخ ہو گیا۔ اس سلسلے میں اگر تم نے کسی سے ایک بھی لفظ کہا تو میں تمھاری کھال اُدھیڑ دوں گا۔ میں جانتا ہُوں کہ ممتاز حسین غلیظ نہیں تھا۔ کیا تم نے بیگم ممتاز کو اطلاع دے دی ہے؟"

"نہیں... میں لاشیں دیکھ کر سیدھا آپ کے پاس ہی چلا آ رہا ہُوں۔" مدن لال نے بسورتے ہُوئے کہا۔ وہ جانتا تھا، اگر بلونت رائے اس کے خلاف ہو گیا تو پھر دارالحکومت کا بھی کوئی اُفسر اسے نہیں بچا سکے گا۔

"ٹھیک ہے۔ تم انھیں پریشان مت کرنا، میں خود اطلاع دے دوں گا... اور ایک بات یاد رکھو... اگر تمھاری رپورٹ میں یہ لکھا ہُوا ملا کہ ممتاز اور مکرجی کی لاشیں اس حالت میں ملیں تو تم وادیٔ کہسار میں نہیں رہ سکو گے۔"

"آپ نے ان کی لاشیں نہیں دیکھیں جناب... ہائیں نے زندگی میں کبھی ایسی گھناؤنی موت نہیں دیکھی۔ ان کی آنتیں مُنہ سے نکلی ہُوئی تھیں اور کئی جگہ سے گوشت کے لوتھڑے جھانک رہے تھے۔"

"اُف..." بلونت رانے نے ایک جُھرجُھری لے کر کانپتے ہُوئے ہاتھوں سے سگریٹ سُلگائی۔ "سُنو، مدن لال! تمھاری رپورٹ میں صرف یہ ذکر ہو گا کہ اُن کی موت کسی ایسی زہریلی غذا سے ہُوئی جو انھوں نے غالباً دارالحکومت میں کھائی تھی۔"

"مَیں حقائق نہیں چُھپا سکتا جناب!"

"تمھیں وہی کرنا ہے جو مَیں کہہ رہا ہوں مدن لال۔"

مدن لال ایک لمحے تک ساکت کھڑا رہا... پھر سر ہلاتا ہُوا کمرے سے باہر چلا گیا۔

★★

پروفیسر مکرجی اور ممتاز حسین مادرِ وطن کے لیے ایک تحفہ چھوڑ گئے تھے۔

یہ تحفہ مکرجی کے ایک خط کی شکل میں تھا جو اس نے اپنے انڈر اعلا کے نام لکھا تھا۔ یہ اعلا افسر ثروت ستانی، بدعنوانی اور ملک دشمنی کی جڑیں کاٹ پھینکنے کے لیے دن رات سرگرمِ عمل رہتا تھا۔

مکرجی نے اپنے خط میں لکھا تھا کہ اسے ایک باا عتبار شخص ممتاز حسین کی زبانی ابین آباد کی وادیٔ کہسار میں ایک ارضیاتی بدعنوانی کا علم ہُوا ہے۔ وہاں کوئی قوانینِ قدرت کو جھٹلا کر ثابت کرنے کے لیے مصنوعی زلزلے پیدا اور انھیں روکنے کے تجربات کر رہا ہے۔ ممتاز حسین کا یہ دعوا غلط نہیں ہے اور اگر اس پر فوری توجہ نہ دی گئی تو ابین آباد تباہ ہو سکتا ہے لہٰذا مَیں وادیٔ کہسار کے ایک سائنس داں سے گفتگو کرنے جا رہا ہُوں۔

اس افسر کو پہلے ہی شُبہ تھا کہ ابین آباد میں کوئی گڑبڑ ہو رہی ہے لہٰذا اس نے یہ خط فائل میں لگانے کے بجائے ان لوگوں کو بھیج دیا جنھوں نے حال ہی میں ابین آباد کے ارضیاتی سروے اور وادیٔ کہسار کے پہاڑوں میں دِل چسپی ظاہر کی تھی۔ یہ لوگ اسے ایسی معلومات کا معاوضہ تو نہیں دیتے تھے لیکن پھر بھی اسے چار ہزار روپے ماہانہ کا بونس ضرور مِل جاتا تھا اور سب سے عجیب بات یہ تھی کہ بونس کے اس چیک پر ٹیکس سے مستثنیٰ کی مُہر لگی ہوتی تھی۔ انھی لوگوں نے اسے تیزی سے ترقی دِلوانے میں بھی اہم کردار ادا کیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ ان لوگوں کا تعلق دفاعی ادارے سُراغ رسانی یا ملٹری انٹیلی جنس کے کسی خُفیہ ترین شعبے سے ہے... لیکن وہ غلط سمجھا تھا۔ ویسے اگر وہ ان لوگوں کو پہچان لیتا تو پھر تنظیم کا مقصد ہی فوت ہو جاتا۔

③ دارالحکومت کی انتہائی شان دار عمارت کی تیسری منزل کے ایک کمرے میں دُبلے پتلے چہرے والا ایک شخص پروفیسر مکرجی کے خط پر جُھکا ہُوا تھا۔ یہ خط اسے محکمۂ داخلہ کے ایک افسر نے بھیجا تھا۔ اس نے خط کا کئی کئی بار مطالعہ کرنے کے بعد ایک طویل سانس لی اور پھر ایک دراز سے گہرے زرد رنگ کا ٹیلی فون سیٹ نکال کر نمبر ملانے لگا۔

"ہیلو... بہرام بول رہا ہوں۔" اس نے پُرسکون لہجے میں کہا اور پھر اس کے لبوں پر پُرشفقت مُسکراہٹ دوڑ گئی کیوں کہ دوسری طرف سے بولنے والا کسی ایسی عورت کا پتہ پُوچھ رہا تھا جس کے چہرے پر ان گنت بھُورے تِل ہوں۔

"بکواس مت کرو... تمھاری چُھٹیاں ختم ہو گئیں۔" بہرام نے زیرِلب مُسکراتے ہوئے اطلاع دی اور پھر ریسیور رکھتے ہی اس نے جھرجھری لی۔ اُسے اچانک ہی غزالہ یاد آ گئی وہ جانتا تھا کہ غزالہ کی لمبی لمبی اور خوف ناک مت کے بجائے ٹائیگر نے کس طرح خود کو اپنے قابو میں رکھا تھا۔ شیطان کی طرح وہ بھی یہی سوچ بیٹھا تھا کہ غزالہ اور شہزاد کی شادی ہو جاتی تو وہ ایک ایسے سپر مین کو جنم دیتے جو ٹائیگر اور غزالہ کی صلاحیتوں کا زندہ جاوید نمونہ ہوتا۔

دوسری طرف فون رکھتے ہی ٹائیگر نے ایک زوردار انگڑائی لی کیوں کہ چھٹیاں ختم ہونے کا مُنحوس ہی اس کا دل شدت سے مرنے لگا۔ وہ جانتا تھا کہ کوئی غیر معمولی کھیل شروع ہونے والا ہے۔

★★

ممتاز حسین کو وادیٔ کہسار کے قبرستان میں سپردِ خاک کر دیا گیا۔ لیکن کسی کو بھی اس کے آخری دیدار کی اجازت نہیں دی گئی۔

تدفین کے بعد بھی کسی کو فوری طور پر یہ علم نہ ہُوا کہ ممتاز کی ساری جائداد اور ڈیپارٹمنٹل اسٹور کا واحد کاروبار شہزاد نامی کسی شخص کو منتقل کر دیا گیا ہے۔ اسی شخص نے ممتاز کا خاندانی مکان بھی خرید لیا تھا اور ممتاز کی بیوہ اپنے بچوں کے پاس دارالحکومت چلی گئی تھی۔

★★

"مگر میں دُکان داری سے بالکل واقف نہیں ہُوں۔ مجھے اس بکھیڑے میں نہ پھنسائیے۔" شہزاد نے سنتے ہی کہہ دیا کہ وہ ڈیپارٹمنٹل اسٹور کا مالک بن گیا ہے، بہرام سے شدید احتجاج کیا۔ وہ بہرام کی کال ملتے ہی دارالحکومت پہنچ گیا تھا... اس وقت وہ بہرام کی کار میں تھا جب کہ پیچھے دوسری کار میں اُوشان اپنے سامان سمیت آ رہا تھا۔

"تمھیں کاروبار کی فکر نہیں کرنی ہو گی کیوں کہ منیجر کو بتا دیا گیا ہے کہ وہ بدستور کاروبار چلاتا رہے اور تم مزید چند ماہ تک سرگرمی سے کاروبار میں دِل چسپی نہیں لے سکتے۔ میرا خیال ہے ہتھاریہ مشن زیادہ مشکل ثابت نہیں ہو گا۔"

"میرے لیے تو ہر چیز آسان سمجھی جاتی ہے۔" ٹائیگر نے تلخی سے جواب دیا۔

"تمھیں معلوم ہو چکا ہو گا، وادیٔ کہسار کے معززین سے کہا گیا ہے کہ وہ رازلزے سے بچاؤ کے لیے رقم ادا کیا کریں۔ ان معززین میں ممتاز حسین بھی شامل تھا اور اب تم اس کی جگہ لے رہے ہو۔ وہ لوگ یقیناً تم سے بھی رقم طلب کریں گے، تمھیں کان اور آنکھیں کھُلی رکھنی ہوں گی... ان لوگوں کو تلاش کرنا ہو گا جو یہ دھندا کر رہے ہیں۔ میری بات یاد رکھنا کہ زندگی کرتا ہی سے بھی یہ معاملہ قومی ایجنسیوں میں بھی سکتا ہے۔ بہت ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے کیوں کہ اگر سانپ کو پتہ چل گیا کہ تم کون ہو تو وہ ایسا زلزلہ پیدا کر دیں گے جس سے صرف وادیٔ کہسار ہی نہیں بلکہ پُورا ابین آباد بھی تباہ ہو سکتا ہے اور یہ دنیا کی تاریخ کا بدترین المیہ ثابت ہو گا۔"

"دوسرا بدترین المیہ چیف..." شہزاد نے بڑی متانت سے کہا۔

"پہلا کون سا تھا..." بہرام نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

"جب انسان نے دھرتی سے اُتر کر لنگوٹی باندھی تھی۔"

"سنجیدہ ہو جاؤ ٹائیگر... تم سمجھتے کیوں نہیں کہ ہم نے مقتیں اپنی سائنس سے روشناس کرانے کے لیے ٹیوٹر کیوں... ان تین وادیٔ کہسار کی صُورتِ حال پر ہم کئی مہینوں سے نظر رکھے ہُوئے تھے لیکن ہم یہ دریافت نہیں کر سکے کہ وہاں کیا ہو رہا ہے اب جب کہ ممتاز حسین اور مکرجی مر چکے ہیں صُورتِ حال مزید خراب ہو گئی ہے۔ ان دونوں کو اُن ہی لوگوں نے قتل کیا ہے جو زلزلہ پیدا کرنا جانتے ہیں۔"

"یہ ضروری تو نہیں کہ زلزلوں کے پسِ پشت کسی کا ہاتھ ہو۔ یہ محض ایک اتفاق بھی تو ہو سکتا ہے... اور یہ بھی ضروری نہیں کہ مکرجی اور ممتاز کو قتل ہی کیا گیا ہو۔"

"نہیں... یہ محض اتفاق نہیں ہے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ ان لوگوں کو قتل کر دیا جائے گا جو زلزلہ پیدا کرنے کا دھندا چلا کر بلیک میلنگ کر رہے ہیں۔"

"ہاں... مگر اسے ذہن میں رکھنا مت سمجھو... تم نے اپنے ٹیوٹر سے زمین اور زلزلے کے بارے میں بہت کچھ سیکھ لیا ہو گا۔"

"نہیں..." شہزاد نے جماہی لیتے ہوئے جواب دیا۔

"تب پھر وادیٔ کہسار میں ڈاکٹر ریم پرکاش سے ملاقات ضرور کرنا... لوگ اسے ڈاکٹر زلزلہ بھی کہتے ہیں۔ گزشتہ چند برسوں میں وہ سٹیمیا گیا ہے لیکن زلزلوں کے بارے میں اس کی معلومات کو کوئی چیلنج نہیں کر سکا۔ مکرجی اور ممتاز اسی سے ملنے گئے تھے۔ ہتھیں جب بھی کسی قسم کی معلومات درکار ہو تو ڈاکٹر پرکاش سے مِل لینا۔"

"ممکن ہے ڈاکٹر زلزلہ ہی اس ڈرامے کا ہدایت کار ہو۔"

"ہو سکتا ہے۔" بہرام نے جواب دیا لیکن اس کے لہجے میں اعتماد نہیں تھا۔ "مجھے ہر بات سے آگاہ کرتے رہنا۔ ممکن ہے ہمیں یہاں ماہرینِ ارضیات کی کوئی ٹیم بھی بھیجنی پڑے۔ ہتھیں اس ٹیم پر بھی نظر رکھنی ہو گی۔"

شہزاد خاموش رہا۔

"اُوشان بھی تمھارے ساتھ رہے گا۔"

"مقدس باپ..." شہزاد نے مسکرا کر عقب نما آئینے میں دیکھا تو اُسے یُوں محسوس ہُوا جیسے وہ اوشان کی موجودگی میں ہر خطرے سے بے نیاز رہے گا۔

وہ جلد ہی ایک وسیع لان کے قریب پہنچے جس کے چاروں طرف سُرخ پتھروں کی چھوٹی سی دیوار تھی۔ لان کی پارکنگ میں کاریں کھڑی تھیں بہت سے لوگ چائے یا شراب کی چسکیاں لینے میں مصروف تھے۔ بہرام نے گاڑی لان کی طرف جانے والی سڑک پر موڑ لی۔ "میرا خیال ہے تمھیں تو کل ہی ہونگنی ہو گی۔" اس نے کہا۔

"آپ نے بتایا تھا کہ مقتولین کی آنتیں مُنہ سے باہر آ گئی تھیں؟"

"ہاں... اسے زبردست دباؤ کے ذریعے قتل کیا جا سکتا ہے۔" بہرام کے جواب میں شہزاد کو بڑی کشش محسوس ہُوئی۔ اسے بھی قتل کرنے کے لیے خصوصی تربیت دی گئی تھی لیکن وہ قتل کے کسی ایسے طریقے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا جس کے باعث مقتول کی آنتیں مُنہ کے راستے باہر نکلنے لگیں۔

"... لیکن اخبارات میں صرف یہی ذکر ہے کہ وہ دونوں زہریلی خوراک کی وجہ سے ہلاک ہُوئے ہیں اور تم بھی اسی پر قائم رہو گے... لو، یہ رکھ لو۔" بہرام نے ایک استعمال شدہ پرس اس کی گود میں پھینکتے ہوئے کہا۔ "اب تم شہزاد احمد ہو اور کاروبار شروع کرنے میں دِل چسپی رکھتے ہو۔ تمھارے والدین کا انتقال، تمھارے بچپن ہی میں ہو گیا تھا... تمھیں تمھاری ایک خالہ بیگم حشمت نے پال پوس کر جوان کیا ہے جو امریکا میں رہتی ہیں۔ تم فراخ دل اور وسیع النظر مسلمان ہو لہٰذا جب بھی کبھی تم سے چندہ مانگا جائے انکار مت کرنا۔"

اس مرحلے پر گاڑی لان کی چار دیواری میں داخل ہو چکی تھی لہٰذا وہ خاموش ہو گیا اور گاڑی دیکھتے ہی وہاں جمع لوگ خاموشی سے منتظر ہونے لگے۔ شاید وہ ممتاز حسین کو آخری خراجِ عقیدت پیش کرنے کے لیے اس لان میں جمع ہُوئے تھے... اور اب یہ گھر شہزاد کی

ملکیت تھا۔

اُسی وقت اُدشان کی سنگھاڑی احاطے میں داخل ہوئی۔ بہرام اور شہزاد اس کے اُترنے کا انتظار کرنے لگے۔ ڈرائیور نے کُود کر کار کا عقبی دروازہ کھولا اور سبز رنگ کے لبادے میں لپٹا لپٹایا اُدشان کو اس طرح کار سے اتارا جیسے کوئی چڑیا چہک کر ایک ٹہنی سے دوسری ٹہنی پر بیٹھ جاتی ہے۔ اُدشان نے بڑے پُراخلاق انداز میں ڈرائیور کا شکریہ ادا کیا جو اسے تقریباً گرا بوڑھا سمجھ کر خود ہی اس کے تینوں سوٹ کیس اُٹھا رہا تھا۔ ڈرائیور نے اُدشان کو پیش کش کی کہ وہ مرکزی دروازے کی سیڑھیاں چڑھنے کے بجائے انہی سوٹ کیسوں پر بیٹھ جائے تاکہ اُسے تھکن نہ ہو۔ اُدشان نے فوراً یہ پیش کش منظور کر لی اور شہزاد کے چہرے پر مسکراہٹ ناچنے لگی۔ اُدشان اس وقت کسی ایسے بوڑھے کی طرح لگ رہا تھا جو کسی سہارے کے بغیر ایک قدم بھی نہیں اُٹھا سکتا۔ حالاں کہ حقیقت یہ تھی کہ یہی بوڑھا محض اپنے ہاتھوں سے اس تنومند ڈرائیور کو تیمے کے ڈھیر میں تبدیل کر سکتا تھا۔

شہزاد نے ایک ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے اس مہمان خصوصی لان کو تعریفی نظروں سے دیکھا جس میں ہر طرف سفید اور سُرخ گلاب کھلے ہوئے تھے پھر اچانک ہی وہ سوچنے لگا کہ انہی سوگ واروں میں سے کوئی ایک مجرم بھی ہے... ایسا مجرم جو محض دولت کی ہوس میں انسانوں کو زلزلے کی بھینٹ چڑھا دینے سے بھی دریغ نہیں کرے گا؟

تبھی ایک گھنے درخت کی شاخوں پر بیٹھے ہوئے بہت سے پرندے اس طرح چہچہاتے ہوئے اُڑ گئے جیسے وہ کسی بلی سے خوف زدہ ہو گئے ہوں۔ شہزاد نے فوراً ہی محسوس کر لیا پرندے زلزلے کے لیے جھٹکے سے خوف زدہ ہوئے ہیں جسے انسان محسوس نہیں کر سکتے۔

▼▼

اُسی رات زلزلے کے دو اور جھٹکے آئے۔ ان سے پختہ مکانات تو متاثر نہیں ہوئے لیکن ان کے مکینوں نے جھٹکے ضرور محسوس کیے۔ شہزاد ننگے پیر باہر نکل آیا۔ اسے یہ دیکھ کر کوئی حیرت نہیں ہوئی اُدشان اپنے کمرے میں گھوڑے بیچ کر سو رہا تھا۔

باہر... لان میں کسی طرف سے بلی کی میاؤں میاؤں سُنائی دی اُدھر... آسمان پر زرد رنگ کا چاند کسی بادل سے ہم آغوش ہونے کی خواہش میں دیوانہ وار دوڑتا نظر آیا... اس نے ایک طویل سانس لی اور جھٹکے کی وجہ سے پیدا ہونے والی ساری بے چینی اسی لمحے ختم ہو گئی۔

اُس رات، وادیٔ کہسار کے کئی کسانوں کے کچے مکانات منہدم ہو گئے، یہ وہ کسان تھے جو بیرایں وادیٔ کہسار کاشت کرتے تھے اور موسم گرما تک دوسروں کی زمین پر کھیتی باڑی میں مصروف رہتے تھے۔ زمینوں کے مالکان نے تو زلزلے کو محسوس نہیں کیا لیکن ان کے کئی گھر تباہ ہو گئے۔ امیروں نے کھڑکیوں سے جھانکنے پر ہی اکتفا کیا، غریب گھروں سے نکل آئے اور اُنھوں نے ملبے میں دبے ہوئے کو نکالنے کا کام شروع کر دیا۔

کسی مکین کی چھت کے نیچے سے ایک معصوم سی آواز سنائی دی تو چند اشخاص کوئی تیز خوار بچہ منہدم مکان کے ملبے میں دبا ہوا تھا۔ لوگوں نے جنونی انداز میں ملبے کو اُٹھانا اور پھینکنا شروع کر دیا۔ پسینے ہو گئے لیکن بچے کو تلاش نہیں کر سکے... اس کی آواز سُنائی دیتی رہی... وہ روتا رہا... کافی دیر بعد رونے کی آواز دم توڑ گئی... وہ بچہ بھی دم توڑ گیا تھا... اور جب تلاش کرنے والے ملبہ ہٹا تک پہنچے تو وہ واقعی مر چکا تھا۔ وہ سب گنگ ہو گئے... ان کی اشک بار ہو گئیں۔

اس رات چھ کسان بھی ہلاک ہوئے۔

اگلی صبح کوئی کسان کھیتوں پر نہیں گیا۔

★★

"میں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ ممتاز حسین کی حرکت پر خبردار کرنے کے لیے زلزلہ آئے گا جناب..." انسپکٹر مدن لال نے ملونت رائے سے کہا۔ "وہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ آئندہ کوئی ایسی حرکت نہ کرے ورنہ اس سے بڑا زلزلہ بھی آ سکتا ہے۔"

"سات افراد مر گئے ہیں مدن لال... یہ کوئی معمولی بات ہے اور وہ سب کے سب کسان تھے۔" ملونت رائے نے سنجیدگی سے کہا۔

"مجھے معلوم ہے... کیڑے مکوڑے اسی طرح کچلے جاتے ہیں۔" مدن لال نے خباثت سے کہا اور رخصت ہو گیا۔ وہ شاہراہ کی طرف جاتے ہوئے بھی یہی سوچ رہا تھا کہ ممتاز حسین کی جائداد اور زمین خریدنے والا نووارد کیسا ہو گا۔ اسے سب سے زیادہ حیرت اس پر تھی کہ نووارد کے ساتھ ایک ایسا نوکر بھی آیا ہے جو خود اپنے بوجھ ثابت ہوتا ہو گا لیکن اس مخنی بوڑھے کے طور طریقوں۔ کہنہ دماغ شکل تھا کہ وہ شہزاد احمد کا نوکر ہے۔ شہزاد احمد کے بارے میں اس کی کسی سے تفصیلی بات چیت نہیں ہوئی تھی لیکن جب ایک نے اُسے یہ بتایا کہ نووارد صبح سویرے بڑی عجیب عجیب ورزشیں کرتا ہے تو وہ ہنس پڑا عورت نے جب یہ کہا کہ اس نے نووارد کو دوڑنے کے بجائے اُڑتے ہوئے دیکھا ہے تو وہ اتنا ہنسا کہ کی توند تھل تھل کر اُٹھی۔

اسی روز وہ ملونت رائے کے پاس گیا اور اس نے زلزلہ کرنے والوں کا کوئی پیغام دینا چاہا لیکن رائے نے تجویز پیش کی کہ کے وقت وہ اس کے گھر آ جائے تاکہ سب کے سامنے گفتگو کی جا سکے۔ ملونت رائے اور مدن لال اس بات پر متفق تھے کہ ممتاز حسین کی جگہ لینے والے شہزاد احمد کو بھی اعتماد میں لیا جانا چاہیے۔

ملونت رائے نے فون ہی پر شہزاد کو اپنے گھر مدعو کیا اور یہ طے پایا کہ انسپکٹر مدن لال اسے ملونت رائے کے گھر پہنچائے گا تاکہ نووارد کو اُسے تلاش کرنے میں کوئی دشواری نہ ہو۔

مدن لال، شہزاد کے لان میں داخل ہوا تو وہ بہت تھکا ہوا تھا۔ اس نے کچھ سوچتے ہوئے فرنٹ ڈور کی اطلاعی گھنٹی پر انگلی رکھ دی۔

دروازہ مغنی سے بڈھے نے کھولا۔

"صاحب تشریف رکھتے ہیں؟"

"کیوں نہیں؟ سانچو کے استاد، مارشل آرٹس کے عظیم آقا ڈوجا ٹاسگر کے خالق نے جواب دیا۔

"کیا میں ان سے ملاقات کر سکتا ہوں؟"

"تم انہی سے ملاقات کا شرف حاصل کر رہے ہو۔"

"اوہ... ہیں... میں دراصل جناب شہزاد احمد سے ملاقات کے لیے حاضر ہوا تھا۔" مدن لال نے اپنے زرد زرد دانتوں کی نمائش کرتے ہوئے کہا۔

مشرقی اسراروں کا مالک بھی مسکرانے لگا۔ اس نے ہلکے سے سر خم کیا۔ "بے چارہ بوڑھا۔" مدن لال نے سوچا۔ بوڑھے نے مدن لال کو اندر آنے کی دعوت دیے بغیر شہزاد کو اطلاع کرنے کے لیے ایک قدم پیچھے ہٹایا ہی تھا کہ مدن لال نے اندر داخل ہونے کی کوشش کی اور پھر معاً ہی اسے پیٹ میں شدید ترین اور جان لیوا تکلیف محسوس ہوئی، ایسا لگا کہ کوئی چاقو ناف کے اوپری حصے میں اُترتا چلا گیا ہو۔

"تمھیں اس مکان میں داخل ہونے کی دعوت نہیں دی گئی تھی انسپکٹر..." اُدشان نے سرد لہجے میں کہا۔ اس کا دایاں ہاتھ جس سے اس نے مدن لال کو پیچھے دھکا دیا تھا اب نیام کے اندر غائب ہو گیا تھا۔

مدن لال پیٹ پکڑ کر دوہرا ہو گیا۔ اسے یقین تھا کہ زخم سے خون بہہ رہا ہے: "ہے بھگوان!" وہ ڈکرانے لگا: "میں مرا... ہائے... ہائے..." اس نے زخم پر ہاتھ رکھا ہوا تھا اُٹھا کر دیکھا لیکن انگلیوں پر خون کا ایک بھی دھبہ نہیں تھا۔ اسے شدید حیرت ہوئی۔ پھر وہ کراہتا ہوا دروازے کی چوکھٹ سے لگ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ دُعا کر رہا تھا کہ شہزاد نامی شخص آ کر اسے اس

ایک نوجوان کی سنسنی خیز لہو رنگ خود نوشت

دہشت گرد

سلیم فاروقی کے ایڈونچرس قلم سے

☆ وہ محبِ وطن ہونے کے باوجود

دہشت گرد کہلاتا تھا

☆ وقت کی راہیں تھامتے،

اس کے ہاتھ لہو ہو گئے تھے

☆ ایک پاکستانی کی سرفروشانہ داستان

چار حصوں میں
مکمل سیٹ =/180 روپے

ناشر

مکتبہ القریش سرکلر روڈ
اردو بازار لاہور نمبر 2
7668958

مصیبت سے نجات دلادے جو سیزلہ دے میں اس کے سامنے کھڑی اسے گھور رہی تھی۔ اسی لمحے دوسرے دروازے سے کوئی سامنے آیا۔ یہ شہزاد ہی تھا۔

"کیا ہو رہا ہے۔ اُدشان؟" اس نے انسپکٹر کی حالت زار سے لُطف لیتے ہوئے لیکن سنجیدہ لہجے میں پوچھا۔

"کچھ بھی نہیں۔" اوشان کے لہجے میں شوخی آگئی۔

"تب پھر انسپکٹر کیوں کراہ رہا ہے؟"

"میں نے اُسے تہذیب سکھانے کی کوشش کی ہے شاید اب یہ کبھی کسی بھی دروازے میں بلا اجازت قدم نہیں رکھے گا۔"

"انسپکٹر مدن لال شدید تکلیف اور غصّے کی وجہ سے اپنے کانٹا بند کرلو۔" شہزاد نے اس کی طرف لپکتے ہوئے کہا۔

"اوہو۔۔۔" شہزاد نے اس کی طرف لپکتے ہوئے کہا۔

"تم تو بہت تکلیف میں مبتلا ہو انسپکٹر۔۔۔ لیٹ جاؤ۔۔ چلو لیٹو۔۔ ہاں۔۔ اب ہاتھ پیٹ سے ہٹالو۔ بس ٹھیک ہے۔" آنکھیں

انسپکٹر نے آنکھیں بند کرلیں اور پھر معاً ہی اُسے احساس ہوا کہ اس کے زخم پر کسی نے ہاتھ پھیرتے ہوئے گدگدی کی ہے لیکن وہ آنکھیں بند کیے پڑا رہا۔ وہی ہاتھ اس کی بغل تک اور پھر ناف تک آیا۔۔ اور پھر۔۔ درد جاتا رہا۔ ایسا لگا کہ درد تھا ہی نہیں حالانکہ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے تھے۔

اس نے آنکھیں کھول کر وہ چاقو دیکھنے کی کوشش کی جو اس کے خیال میں شہزاد نے زخم سے نکالا ہوگا لیکن وہاں تو کچھ بھی نہیں تھا۔ اس کی قمیص پر بھی کوئی دھبہ نہیں تھا۔ اسے یقین ہوگیا کہ مسلمان بھی جادو کے ماہر ہوتے ہیں۔

"شکریہ۔ بہت بہت شکریہ جناب! مگر چاقو کہاں گیا؟" اُس نے اُٹھتے ہوئے پوچھا۔

"کیسا چاقو؟" شہزاد نے حیرت سے پوچھا۔

"وہی جو بڑے میاں نے میرے پیٹ میں گھونپ دیا تھا۔"

"کوئی چاقو وَاقو نہیں تھا انسپکٹر۔!"

"لیکن میں جانتا ہوں کہ چاقو کا گھاؤ کیسا ہوتا ہے۔ اُس نے مجھے چاقو ہی مارا تھا ورنہ اتنی تکلیف نہ ہوتی۔"

"کیا تمہیں اب بھی تکلیف ہو رہی ہے انسپکٹر؟"

"نہیں۔"

"کیا تمہارے جسم پر کوئی زخم ہے۔؟"

"لگتا تو نہیں۔" مدن لال نے اپنی توند پر ہاتھ پھیرتے ہوئے جواب دیا۔

"پھر تب پھر تم اس شریف آدمی پر چاقو زنی کا الزام کیسے لگا سکتے ہو؟ سنو۔۔۔ اس نے تمہیں کوئی زخم نہیں لگایا۔ اُس کی انگلیوں نے کچھ دیر کے لیے تمہاری کھال کے نیچے اعصابی خلیوں کا توازن درہم برہم کردیا تھا اور بس۔"

"اوہ۔" مدن لال نے شہزاد کے پیچھے کھڑے ہوئے بظاہر معصوم اور بے ضرر سے بوڑھے کو دیکھتے ہوئے ایک گہری سانس لی اور پھر مکّہ لہراتے ہوئے بولا۔ "سنو بابا۔۔ اگر تم نے پھر کبھی ہم اعصابی خلیوں سے چھیڑ چھاڑ کی تو میں تمہیں گولی مار دوں گا۔"

شہزاد اور اُدشان دونوں ہی ہنس پڑے۔ مدن لال اُدشان کی مخصوص ہنسی بہت بُری لگی مگر وہ بولا کچھ نہیں۔ پھر وہ احمقوں کی طرح ہنس پڑا۔

چند لمحے بعد شہزاد اپنی درآمد کی ہوئی نئی فیراری میں بلونت رائے کے گھر کی طرف جا رہا تھا۔ مدن لال بار بار اُسے راستہ بتاتا اور پھر کن انکھیوں سے اُسے دیکھنے لگتا۔ وہ اس نوجوان کی شخصیت سے بے حد مرعوب ہو رہا تھا۔

بلونت رائے نے انتہائی گرم جوشی سے شہزاد کا استقبال کیا۔ "مجھے افسوس ہے کہ آپ سے ان حالات میں ملاقات کا شرف حاصل ہو رہا ہے جناب!" رائے نے اُسے کرسی پیش کرتے ہوئے کہا۔

شہزاد سوالیہ نظروں سے اُسے دیکھتا رہا۔

"میں جن حالات کا ذکر کر رہا ہوں اُن کے بارے میں وہ بھی کروں گا۔" بلونت رائے کہتا رہا اور پھر چند لمحے بعد ہی وہ دو افراد اس شاندار کمرے میں داخل ہوئے۔ یہ مارٹن ریکارڈو تھے۔ اُنھوں نے شہزاد سے ہاتھ ملاتے ہوئے اپنا تعارف مسکراہٹ میں چھپانے کی بددیانتی بھی کی تھی۔ اس دوران مدن لال پُرتاسف انداز میں چھت کی طرف دیکھتا رہا تھا۔

موسم اور وادی کے بارے میں عمومی گفتگو کے دوران شہزاد ان چاروں افراد کا باطنی مطالعہ کرنے کی کوشش میں مصروف رہا۔ اسے اُدشان نے ایسے مطالعے کی خاص تربیت دی تھی۔ وہ اندازہ لگا سکتا تھا کہ خطرہ کس طرف سے پیش آسکتا ہے۔ یہ فن کی انتہا تھی کہ اُدشان کسی کے قلب کی گہرائیوں میں بھی جھانک کر اس کا حالِ دل بتا دیتا تھا۔

وہ سوچنے لگا کہ مدن لال نے اگر کسی کو قتل بھی کیا تو وہ قتلِ عمد نہیں ہوگا۔ شرما اور مارٹن ریکر کے بارے میں اُس نے یہ فیصلہ کیا کہ دونوں وقت پڑنے پر قاتل بن سکتے ہیں۔۔۔ لیکن بلونت رائے کے بارے میں اُس نے یہ ٹھوس رائے قائم کی کہ گہری سیاہ آنکھوں اور دیانت دار چہرے والا یہ شخص قتل کرنے کے بعد ہاتھ دھوئے

بغیر بھی کھانا کھا سکتا ہے۔

"شہزاد صاحب۔!" بلونت رائے نے اصل مقصد کی طرف آتے ہوئے کہا۔ "وادیٔ کہسار میں ہم ایک انتہائی مشکل صورت حال کا شکار ہیں۔ آپ جانتے ہی ہیں کہ یہ علاقہ زلزلوں کی زد میں رہتا ہے۔"

"اوہ۔ مرحوم ممتاز کی جائداد کا سودا ہوتے وقت کسی نے یہ بات مجھے نہیں بتائی۔" شہزاد نے چہرے کو مصنوعی طور پر پُرتشویش بناتے ہوئے کہا۔

"۔۔ لیکن اس کا سبھی کو علم ہے۔ یہاں زلزلے بھی کسی قدرتی آفت کی شکل میں آتے ہیں۔ بالکل اسی طرح جیسے بجلی کوک جاتے۔ لوگوں کا کہنا ہے کہ یہاں راہ چلتے ہوئے کوئی بھی مر سکتا ہے۔ حرکت قلب بند ہونے سے۔۔ لیکن موت کی اصل وجہ زلزلے کا جھٹکا ہوتی ہے۔"

"یہ تو بڑا مسئلہ پیدا ہوگیا حضرات! زلزلے سے تو دیواریں تک ناچنے لگتی ہیں اور میں نے بھاری قیمت دے کر یہ سب کچھ خریدا ہے۔ اب کیا ہوگا؟"

شرما اور ریکر نے معنی خیز نظروں سے ایک دُوسرے کی طرف دیکھا اور مدن لال زرد زرد دانت نکال کر بے آواز ہنسنے لگا۔

"جی ہاں۔ لیکن یہاں یہ بھی زندگی کا ایک حصّہ ہے۔ یہاں کار کے حادثوں سے کم اور زلزلوں سے زیادہ اموات واقع ہوتی ہیں۔"

بلونت رائے نے ہاتھ ملتے ہوئے جواب دیا۔ "لیکن۔۔۔ ہم اس پوزیشن میں ہیں کہ آپ کو زلزلے کی پریشانی سے نجات دلا سکیں۔"

"میرا خیال ہے کہ آپ زلزلے کا آملیٹ بنا کر میری بریک فاسٹ ٹیبل پر رکھ دیں گے۔" شہزاد نے بڑی سنجیدگی سے تبصرہ کیا لیکن ان میں سے کسی نے بھی اس جملے پر قہقہہ لگانے کی کوشش نہیں کی۔۔

۔۔ پھر بلونت رائے نے اسے پوری کہانی سنا ڈالی۔

اس نے بتایا کہ زلزلوں سے ہونے والے نقصانات کا ذمہ نہیں لیا جاسکتا لیکن یہ پیش کش کی گئی ہے کہ زلزلے نہیں آئیں گے۔ اُس نے بتایا کہ زلزلہ پیدا کرنے والوں نے ایک مقررہ وقت پر زلزلہ آنے کی پیش گوئی کی تھی جو درست ثابت ہوئی جس کے بعد معززین رقم کی ادائیگی پر رضامند ہوگئے۔

"یہ کون لوگ ہیں؟" شہزاد نے دریافت کیا۔

"۔۔ ہمیں ان کا کوئی پتہ نہیں۔ انسپکٹر مدن لال رقم پہنچاتا ہے لیکن اس نے بھی انھیں نہیں دیکھا اور نہ ہی کبھی ان سے ملاقات ہوئی ہے۔"

"کمال ہے۔" شہزاد نے پہلو بدل کر کہا۔ "آپ لوگ اتنی بڑی رقم آخر کسی غیر مرئی شخصیت کو تو نہیں دے سکتے۔"

"جی ہاں۔۔ لیکن یہ سچ ہے کہ میں نے انھیں کبھی نہیں دیکھا۔" مدن لال نے فقرہ دیا۔

"کیا وہ بھوت ہیں؟"

"میں نے کہا نا کہ میں نے انھیں نہیں دیکھا۔ وہ فون پر ہدایت دیتے ہیں کہ رقم کہاں پہنچانی ہے۔ میں رقم اسی جگہ رکھ آتا ہوں۔" مدن لال نے اس مرتبہ قدرے برہمی سے جواب دیا۔

"تم ان سے فون پر بات کرتے ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ آواز رکھتے ہیں۔ کیا وہ مرد کی آواز ہوتی ہے؟"

"ہاں۔" مدن لال نے سینہ تان کر جواب دیا۔ "اور مجھے اُمید ہے کہ آپ کو ان سے ملاقات کا بھی موقع ضرور ملے گا۔"

"ایک منٹ مدن لال۔ اپنی چونچ بند رکھو۔" بلونت رائے نے بڑی حقارت سے انسپکٹر کو گھورتے ہوئے حکم دیا۔ اور پھر شہزاد کو بتایا کہ وادیٔ کہسار اور کاروبار کی ترقی کے لیے یہ ادائیگی کس قدر ضروری ہے۔

"۔۔ لیکن یہ فیصلہ کون کرے گا کہ رقم کون کون دے گا؟" شہزاد نے اعتراض کیا۔

"میرا خیال ہے کہ۔۔ میں۔" بلونت رائے نے جواب دیا۔

"اور آپ یہاں بینک کے بھی ڈائریکٹر ہیں۔"

"درست۔" بلونت رائے نے قدرے پژمردگی سے جواب دیا کیونکہ وہ شہزاد کا مطلب سمجھ رہا تھا۔

"اسی لیے آپ کو یہ علم ہو جاتا ہے کہ کس کے پاس کتنی رقم ہے۔"

"یہ بھی درست ہے۔"

"۔۔ اور اب کیونکہ میں ممتاز حسین کے اسٹور اور جائداد کا مالک ہوں تو آپ یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ میں بھی رقم ادا کرنے پر تیار ہو جاؤں گا۔" شہزاد نے بلونت رائے کو گھورتے ہوئے کہا۔

"یہ بات نہیں۔ شاید آپ کو معلوم نہیں کہ ممتاز حسین نے زلزلہ پیدا کرنے والوں کو گرفتار کرانے کی کوشش کی تھی۔ کیا آپ نے کل زلزلے کے جھٹکے محسوس نہیں کیے؟" بلونت رائے نے اپنے ناخنوں کو گھورتے ہوئے سوال کیا۔

"نہیں۔ میں نے کچھ بھی محسوس نہیں کیا۔"

"ممکن ہے آپ نے محسوس کیا ہو، ویسے بھی زلزلہ زیادہ شدید نہیں تھا اور اس سے صرف کچے مکان ہی منہدم ہوئے تھے۔ آپ کا مکان کچا نہیں ہے۔"

"بس چند غریب مزارزلزلے کا شکار ہوئے، باقی کسی کو نقصان نہیں پہنچا۔" مدن لال نے بڑی حقارت سے لقمہ دیا اور اس کے اس انداز گفتگو پر ہلونت رائے کا چہرہ غصے سے سرخ ہوگیا لیکن شہزاد کی موجودگی میں اسپیڈر کو تھپڑ مار کر یہ ثابت نہیں کرنا چاہتا تھا کہ قانون کا محافظ اس کے گھر کی لونڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔

"انسپکٹر کو زلزلے سے قبل ٹیلی فون کال ملی تھی کہ ممتاز کی خدائی بدرہی کا اظہار کرنے کے لیے وہ لوگ زلزلہ برپا کریں گے ساتھ ہی انھوں نے ممتاز کو باز رکھنے میں ہماری ناکامی پر سزا دینے کے لیے فی کس رقم، بیس ہزار سے بڑھا کر چالیس ہزار کردی ہے لیکن اگر ہم کاروباری نقطہ نگاہ سے دیکھیں تو یہ رقم دے کر بھی، ہمارے میں نہیں رہیں گے یہ بھی ایک نئی قسم کی سرمایہ کاری ہوگی۔ بہت" رہ اور سود مند سرمایہ کاری۔"

"اتنی سود مند سرمایہ کاری سے مجھے تو معاف ہی رکھیں۔" شہزاد نے جواب دیا۔

"شہزاد صاحب! ذرا ٹھنڈے دل سے سوچیے، یہ سب کچھ ہماری ہی بھلائی کے لیے ہوگا۔" مارٹن ریکر نے پہلی مرتبہ زبان کھولی۔

"لیکن میں اتنی خطیر رقم ادا نہیں کرسکتا۔" شہزاد نے دوٹوک انداز میں جواب دیا۔

ریکر نے جھنجلا کر میز پر گھونسا مارتے ہوئے کہا: "میں بھی ادا نہیں کرسکتا ... میں بھی اتنی استطاعت نہیں رکھتا جناب!"

"تب پھر کیوں ادا کررہے ہیں؟"

"کیونکہ میں اپنے خاندان کو ملبے میں دب کر مرتے ہوئے نہیں دیکھنا نہیں چاہتا۔ اگر ہم نے انھیں رقم ادا نہ کی تو ایسا زلزلہ آئے گا کہ ہماری جائداد، مکان اور زمین حتیٰ کہ سب کچھ تہس نہس ہوجائے گا۔ ادا اگر ہم میں سے کوئی بھی زندہ بچا تو وہ اپنے پیاروں کی لاشیں دیکھ کر یا تو خودکشی کرے گا یا پھر زندہ درگور ہوجائے گا۔"

"میری تجویز یہ ہے کہ زلزلہ پیدا کرنے والوں کو ان کی مطلوبہ رقم اس وادی کا سب سے امیر شخص باقاعدگی سے ادا کرتا رہے۔" شہزاد نے مسکراتے ہوئے، ہلونت رائے کی طرف دیکھ کر کہا۔ "اور میرا خیال ہے، رائے صاحب ہی سب سے امیر ہستی ہیں۔ میں نے وادی کے لوگوں سے سنا ہے کہ یہ اس علاقے کے مالک ہیں۔ اگر انھیں وادی والوں سے اتنا ہی پیار ہے تو پھر ساری رقم یہ خود ہی کیوں ادا نہیں کرتے؟"

"صرف اس لیے کہ یہ میرے ساتھ انصاف نہیں ہوگا۔" ہلونت رائے نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

"تب پھر ہم جارہی کیوں ادا کریں۔ آپ وادی کے لوگوں پر ٹیکس لگا کر مطلوبہ رقم باآسانی حاصل کرسکتے ہیں۔"

"لیکن اس طرح ان کے اس حکم کی خلاف ورزی ہوگی کہ قتل کا معاملہ بھی خفیہ رکھا جائے۔"

"وہ لوگ ہر بات خفیہ رکھنا چاہتے ہیں۔" مدن لال نے لقمہ دیا۔ "میری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ جس شخص کو وادی میں آئے ابھی ایک دن ہی ہوا ہے وہ ہمیں پڑھانے کی کوشش کیوں کررہا ہے۔"

"خاموش رہو مدن لال۔" ہلونت رائے نے انسپکٹر کو کڑی نظروں سے گھورتے ہوئے کہا اور پھر شہزاد کی طرف متوجہ ہوگیا۔ "ہمیں ہدایت کی گئی ہے کہ حکام میں سے کسی کو بھی اس معاملے کی سن گن نہیں ملنی چاہیے ... آپ کو شاید یہ معلوم ہوا ہو کہ ممتاز حسین کی موت زہریلی خوراک کی وجہ سے واقع ہوئی ہے لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے اسے قتل کیا گیا ہے۔ اس کا جرم یہی تھا کہ اس نے حکام کو آگاہ کردیا تھا لہٰذا نہ صرف وہ خود بلکہ اس کے ساتھ آنے والا سرکاری افسر بھی مارا گیا۔"

"شاندار..." شہزاد نے مسکراتے ہوئے کہا اور مارٹن ریکر کی بھویں استعجابیہ انداز میں ہلتے ہوئے دیکھیں۔ شرما کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر اسے دیکھنے لگا اور ہلونت رائے کی آنکھوں میں سرد مہری جنم لینے لگی۔ "شاندار۔" اس نے پھر کہا۔ پھر شرما اور ریکر کو دیکھنے لگا۔ "کیا آپ لوگ بھی ہلونت رائے سے اتفاق کرتے ہیں؟"

ریکر کے چہرے پر حیرت کی پرچھائیاں لرزنے لگیں۔

"میں سمجھا نہیں۔" شرما نے کہا۔

"میں پوچھ رہا تھا کہ کیا آپ لوگ واقعی رقم ادا کرتے ہیں یا محض مجھے لوٹنے کی منصوبہ بندی ہورہی ہے؟"

"ہم ادائیگی کرتے ہیں۔" شرما کے جواب پر ریکر نے بھی اثبات میں سر ہلا دیا۔

"ٹھیک ہے حضرات! میں آپ کی رقم بچا لیتا ہوں۔" شہزاد نے بڑے اعتماد سے اعلان کیا۔ "میں آپ کے سامنے اس شخص کو بے نقاب کیے دیتا ہوں جو سب کو بلیک میل کررہا ہے۔ یہ رہا وہ شخص۔" اس نے انگشت شہادت سے ہلونت رائے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

وہ سب کے سب لرز کر رہ گئے اور شہزاد کہتا رہا۔

"یہی ہے وہ شخص جس نے آپ لوگوں کے سامنے دبے ... مجھے موت کی دھمکی دی ہے۔ کیا آپ نے محسوس نہیں کیا کہ موت کا ذکر کرکے دراصل یہ مجھے دھمکی دے رہا تھا کہ میرا حشر بھی ... سے مختلف نہیں ہوگا۔"

شرما اور ریکر منہ پھاڑے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔

"تم جھوٹے ہو۔" شرما نے پہلی مرتبہ غصے کا اظہار کرنے کے لیے ... میز پر ہاتھ مارا بلکہ آپ گفتگو بھی فراموش کرگیا لیکن شہزاد ... رہا کیونکہ وہ جیت چکا تھا۔ اب زلزلے کے سوداگروں کی باری ... وہ کوئی قدم اٹھائیں۔

... اور شہزاد فیصلہ کرچکا تھا کہ زلزلے کے بیوپاری جب ... ئی قدم اٹھائیں گے، وہ انھیں گھیر کر نہ صرف مرنے والے ... کا حساب چکا دے گا بلکہ اس شیر خوار بچے کی موت کا بھی ... انتقام لے گا جو گھنٹوں ملبے کے نیچے روتے روتے مرگیا تھا۔

فیصلہ کرنے کے لیے نہ تو سینوگراف دیکھنا پڑا اور نہ ہی کیپٹر ... حاصل کرنا پڑی۔ شہزاد کو بہرصورت "مرنا تھا اس کی شخصیت ... ل ثابت ہوسکتی تھی اور بھلا انسپکٹر مدن لال کو شہزاد کی موت ... کرا اعتراض ہوسکتا تھا۔ وہ ایک ٹرالر کے اندر لکڑی کی کرسی ... باہر دیکھ رہا تھا وہ ان کے حسن کی تاب نہیں لاسکتا تھا لہٰذا ... نے ان کی طرف دیکھنے کی کوشش بھی نہیں کی۔

"تم ممتاز حسین کے ساتھ تھیں نا۔" مدن لال نے موضوع ... بدلتے ہوئے کہا۔ "... اور تمھی نے اسے قتل بھی کیا ہے۔"

"ہاں..." سُرملی آواز انسپکٹر کے جسم میں سنسنی پھیلاتی چلی گئی۔

"اور ہم نے سرکاری افسر کو بھی قتل کردیا۔" دوسری آواز نے ... دیا۔

"مگر کیوں؟"

"زیادہ باتیں نہ کرو، موٹے سگودر۔" ایک لڑکی نے اٹھلاتے ... ہوئے اور اپنی لمبی لمبی زلفوں کو جھٹک دیا۔

"اور اگر شہزاد کا بندوبست نہ کیا تو تم بھی ان دونوں کی طرح ... جاؤ گے۔"

"ہم یہ برداشت نہیں کرسکتیں کہ کوئی ہماری راہ میں حائل ... ہے۔ اسے قتل کرنا ضروری ہے۔"

"میں... میں اسے قتل نہیں کرسکتا۔" مدن لال نے بے چارگی ... سے کہا۔

"کیے نہیں کرسکتے، موٹے بھینسے!" ایک لڑکی مسکراتی ہوئی ... بالکل اسی طرح کروگے جس طرح تم نے ممتاز حسین کے بارے میں دارالحکومت فون کیا تھا۔ تمھیں یہ کام کرنا ہوگا۔ ورنہ ہم تمھارے جسم کا کوئی ناگزیر حصہ کاٹ کر بھیج دیں گے۔"

"نہیں..." مدن لال کانپ اٹھا۔

"ہم انکار تو سن ہی نہیں سکتیں، ہمارے نااہل بیل، تم جانتے ہی ہو کہ اگر ہم تے تمھارے ہمارے میں کوئی فیصلہ کرلیا تو تم دُنیا کو منہ دکھانے کے بھی قابل نہیں رہو گے۔"

مدن لال نے آنکھیں بند کرلیں۔ وہ بُری طرح پھنس چکا تھا مجبوریاں اس کے پیروں میں بیڑیوں کی طرح پڑی ہوئی تھیں وہ سوچتا رہا... سوچتا رہا... اور جب کوئی آواز سنائی نہ دی تو اس نے آنکھیں کھول دیں۔

وہ دونوں جاچکی تھیں۔

وہ کھڑا ہوگیا اور اس نے گردن جھٹکتے ہوئے سوچا کہ میں شہزاد کو قتل نہیں کروں گا کیونکہ وہ مجھ سے وعدہ لیے بغیر چلی گئی ہیں۔ وہ جانتا تھا کہ لڑکیاں اب خود ہی شہزاد کا خاتمہ کردیں گی۔ اس نے فیصلہ کیا کہ وہ شہزاد کی لاش دیکھنے بھی نہیں جائے گا ورنہ اسے پھر متلی ہونے لگے گی۔

یہ کسانوں کی موت کے دوروز بعد کا واقعہ ہے کہ سبھاش چند اپنے سوئمنگ پول کے باہر محض ایک جانگیے میں نواڑ کی خوبصورت لان چیئر پر نیم دراز تھا کہ وادی کی کسی سمت سے ایک شخص ملاقات کے لیے آیا۔ سبھاش چند نہ صرف اس شخص سے، بلکہ اس کے باپ سے بھی واقف تھا۔ لہٰذا اس نے آنے والے کو بڑی شفقت سے اپنے پاس بٹھایا اور بڑے ہی خلیق لہجے میں اس سے باتیں کرنے لگا۔ "تم ہمارے پاس کیوں نہیں آتے گوربند سنگھ!" اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔ "آجایا کرو۔ ہمیں بڑی خوشی ہوتی ہے جب تم ہمارے قریب ہوتے ہو۔ شاید تم نے کسی سے میرے خلاف کچھ سن لیا ہے لیکن یقین کرو گوربند کہ وہ سب افواہیں ہیں۔"

گوربند سنگھ کسی غلام کی طرح سر جھکائے بیٹھا رہا۔

"میں اپنے پیاروں کا بہت خیال رکھتا ہوں گوربند! وہ جہاں کہیں بھی ہوں ان کے بارے میں ساری اطلاعات مجھے ملتی رہتی ہیں اب تم اپنی ہی مثال لے لو... مجھے معلوم ہے کہ آج کل تم بہت پریشان ہو اور اس کی وجہ یہ ہے کہ تمھارے کھیت مزدور فصل کو بیچ ہی میں چھوڑ کر جانے کا فیصلہ کرچکے ہیں مجھے معلوم ہے اگر ایسا ہوا تو تمھاری شاندار فصل پکنے سے پہلے ہی تباہ ہوجائے گی۔ لیکن تمھیں پریشان ہونے کی چنداں ضرورت نہیں۔"

گوربند سنگھ کسی چھوٹے سے بچے کی طرح خوش ہو کر سبھاش چند کی طرف دیکھنے لگا۔

"پھر وہ کھلتا چلا گیا۔ اس نے سرمائے کی کمی اور کسانوں میں بے چینی کی تفصیلات بتائیں۔ اس نے مدن لال اور شرما کے بارے میں بھی بتایا جو زلزلہ پیدا کرنے والوں کے لیے رقم کا بندوبست کر رہے تھے۔ اس نے ایسے زلزلوں کے بارے میں بتایا جن کا اسے کبھی احساس نہیں ہوا... پھر بلونت رائے کا بھی ذکر ہوا۔ گوربند سنگھ نے اس شبہے کا اظہار کیا کہ بلونت رائے ہی اس بیک میلنگ کا سرغنہ ہے۔

سبھاش چند نے اُس پر سوالوں کی بوچھار کر دی۔ وہ زلزلہ پیدا کرنے والوں میں زیادہ دلچسپی لے رہا تھا۔

"تمھارا خیال ہے کہ بلونت رائے زلزلہ پیدا کر سکتا ہے؟"

"جی ہاں..."

"مگر زلزلہ پیدا کرنا انسانی کام نہیں گوربند سنگھ! یہ تو بھگوان کا کام ہے۔ تم نے سنا نہیں کہ جب بھی بھگوان کے کوڑے پر زمین کو سینگوں پر اٹھانے والا بیل ہلتا ہے تو زلزلہ آتا ہے... ہم انسان اس کے کاموں میں بھلا کیسے دخل دے سکتے ہیں۔ سب کچھ بھول جاؤ۔ میں تمھیں پچاس ہزار روپے دے رہا ہوں، اس سے تحقیقی پارٹی کا جدید انداز اپناؤ۔ ڈریکٹر خرید لو۔ اس طرح فصلیں اچھی ہوں گی... اور ہاں کھاد کا بھی صحیح استعمال کیا کرو..."

"مگر... میں رقم کا کیا کروں جناب...! مجھے تو کام کرنے والوں کی ضرورت ہے۔"

"تم انھیں انعام کی شکل میں کچھ رقم دے دینا اس طرح وہ... نقل مکانی کا خیال ترک کر دیں گے... میرا خیال ہے، وہ زلزلوں سے کچھ زیادہ ہی خوفزدہ ہو گئے ہیں..."

"لیکن میرے کسان کہتے ہیں کہ یہ چھوٹے چھوٹے زلزلے محض ابتدا ہیں۔ اس کے علاوہ پہاڑوں کے دیوتا جب میدانوں کے دیوتاؤں سے ہاتھ ملانے ہیں تو زمین ہل جاتی ہے۔ یہی نہیں بلکہ میری زمین بھی... منحوس ہے لہٰذا وہ اس پر کام نہیں کریں گے۔"

"فکر نہ کرو گوربند! تم واپس جا کر ان کے لیے بونس کا اعلان کرو، پھر میرے آدمی وہاں پہنچ کر انھیں اچھی طرح سمجھا دیں گے کہ زلزلوں سے زیادہ خطرناک اور بھی چیزیں ہوتی ہیں۔ لہٰذا وہ اس سلسلے میں فکر نہ کریں۔"

"لیکن وہ پھر بھی فرار ہوتے رہیں گے جناب! گوربند نے بڑی مایوسی کے عالم میں جواب دیا... "ان کے خوف کی اصل وجہ وادی میں آنے والے دو اجنبی ہیں۔ میرے کسان اُنھی دونوں سے خوفزدہ ہیں۔"

"اوہ...! اس کا مطلب یہ ہوا کہ اجنبی تمھارے کسانوں کو دھوکا دے رہے ہیں۔"

"نہیں جناب! وہ تو سب سے الگ تھلگ رہتے ہیں۔"

"تب پھر کسانوں کے خوف کی وجہ؟"

"میرے کسان بہت وہمی ہیں۔ آپ کو علم ہی ہے کہ ہمارے ملک میں جادو، ٹونے اور مافوق الفطرت باتوں کو کافی اہمیت دی جاتی ہے۔ کسانوں کا کہنا ہے کہ یہی دو اجنبی اپنے ساتھ موت کر آئے ہیں۔"

"ان میں سے ایک نوجوان ہے، شہزاد... اس نے حال ہی میں ممتاز حسین کی جائداد، مکان اور دکان خریدی ہے۔ اس کے ساتھ ایک انتہائی ضعیف اور منحنی سا بوڑھا ہے جسے لوگ گرو کہتے ہیں۔"

سبھاش چند نے شہزاد کا پتہ نوٹ کرتے ہوئے گوربند کو دلاسا دیا کہ سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہو جائے گا۔ پھر اس نے چیک طلب کر کے دس فیصد ماہانہ سود پر گوربند کو پچاس ہزار روپے کا دیا اور گوربند سنگھ خوش و خرم واپس چلا گیا۔

مہمان کے جاتے ہی سبھاش چند نے مسکراتے ہوئے نا کے چھلکے اچھال دیے اور اپنے آدمیوں کے لیے فون کرنے لگا۔ انھیں فوراً طلب کر رہا تھا لیکن اس نے ہر شخص سے انتہائی ز میں بات کی تھی وہ ہر ایک سے فون پر یہی کہتا رہا "یہ کیا آپ ا تشریف لاسکتے ہیں جناب اعلا!"

اگرچہ محض ایک درخواست تھی لیکن اگر کسی کو کھا دوران فون ملا تو اس نے کھانا چھوڑ دیا۔ اور سب سبھاش کی کوٹھی کی طرف چل دیے۔

ان سب کی ملاقات سبھاش کی وسیع لائبریری میں ہوئی نے کمرے میں داخل ہونے پر سبھاش کے ہاتھ چومے اور اپنی ا کرسیوں پر بیٹھ گئے وہ ان سب کے ساتھ بدرانہ انداز میں کوٹھی کے باہرکاروں کی قطار لگ گئی۔

وہ تعداد میں اٹھائیس تھے۔ سب کے آتے ہی سبھاش کارروائی کا آغاز کیا۔

"گزشتہ چند ہفتوں سے میں ایک معمولی سی بات خا سے دیکھ رہا تھا لیکن میں نے اس پر زیادہ توجہ نہیں دی۔ میرا معمولی سا شک یقین میں بدل گیا ہے..." اس نے بڑے انداز میں ان سب کو مخاطب کیا، جو چپ چاپ پوری توجہ سے کی بات سن رہے تھے "اب میں سوچتا ہوں کہ ہم زیادہ کام

سکتے ہیں، ہماری طاقت میں بے پناہ اضافہ ہو سکتا ہے۔ دنیا ہم سے خوفزدہ ہو سکتی ہے اور لوگ ہمارا زیادہ احترام کرنے پر مجبور ہو سکتے ہیں۔" یہ کہہ کر اس نے باری باری تمام چہروں کا جائزہ لیا اور ان لوگوں کو دیکھا جن کی وہ رگ رگ سے واقف تھا۔

"اب میں یہی عرض کر سکتا ہوں کہ ہیروئن کا کاروبار انتہائی احمقانہ ہے، پولیس کلب میں جانا محض بے وقوفی ہے، کاروں کی... چوری کی بھی کوئی حقیقت نہیں، عورتوں کا دھندا بے کار ہے سب فضول اور غیر منفعت بخش ہے، میرے دوستو!"

تمام چہروں پر حیرت کا غبار منڈلانے لگا۔ اگر کوئی اور ایسی بات کہتا تو وہ پیٹ پکڑ کر ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو جاتے لیکن یہ باتیں سبھاش چند کہہ رہا تھا۔

"میں جس نئے کاروبار کی تجویز پیش کرنے والا ہوں۔ وہ نہ صرف منافع بخش ہے بلکہ اس سے خوف و ہراس بھی پھیل سکتا ہے۔"

"کیا آپ ایٹم بم کی خرید و فروخت پر غور کر رہے ہیں جناب!" اس کے سب سے منہ پھٹ ساتھی جوزف نے پوچھا جو دوغلی نسل سے تعلق رکھتا تھا۔

سب خاموش رہے کیونکہ انھیں یقین تھا کہ اگر سبھاش نے ایٹم بم کی خرید و فروخت کا فیصلہ کیا ہے۔ تو وہ اس پر عمل بھی کر... سکتا ہے۔

"نہیں میرے عزیز دوست!" سبھاش نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے جواب دیا "یہ اس نئے کاروبار کے سامنے ایٹم کے دھندے کی بھی کوئی قدر و قیمت نہیں۔"

یہی وہ مرحلہ تھا، جب بہت سے گرگوں نے لمبی لمبی مانیں لی تھیں اور پھر سبھاش نے انھیں زلزلوں کی تجارت کے بارے میں اپنے منصوبے سے آگاہ کرنا شروع کر دیا۔

"ہم صرف وادیٔ کہسار ہی پر اکتفا نہیں کریں گے دوستو!" اس نے تقریر ختم کرتے ہوئے کہا... "ہمارا دائرہ عمل پورا ملک ہو گا۔ ہم نہ صرف صنعت کاروں، سرمایہ داروں، جاگیرداروں اور عام لوگوں سے زلزلہ ٹیکس... وصول کریں گے بلکہ ہم دنیا کی سب سے بڑی... جمہوری ضد میں مبتلا حکومت سے کہیں گے کہ وہ ہر ہفتے ہمیں زلزلہ ٹیکس ادا کرے ورنہ ہم پورے ملک کو زلزلے سے تباہ کر دیں گے۔ ہمارے ضلعے کی آبادی کیا ہو گی شیورام جی؟" سبھاش نے اچانک ہی ایک موٹے سے سرخ و سپید پنڈت نما شخص سے پوچھا۔

"دو کروڑ پچیس لاکھ انتیس ہزار تو سو بہتر...!"

"آہ... آپ اعداد و شمار کے معاملے میں بے حد محتاط رہتے ہیں شیورام جی... اگر ہم فی کس ایک روپیہ فی ہفتہ ٹیکس لگائیں تو ہر ہفتے دو کروڑ پچیس لاکھ روپے تو مل ہی جائیں گے۔" "ایک کروڑ روپیہ صوبائی حکومت اور اتنی ہی رقم مرکزی حکومت سے وصول کی جائے گی، اس طرح تین چار کروڑ سے زیادہ کی رقم بنے گی۔ لیکن اگر آپ لوگوں کو یہ بھی کم محسوس ہو تو ہم ہر ہل، ہر کارخانے اور ہر جاگیردار پر اضافی ٹیکس بھی لگا سکتے ہیں۔"

"عوام اور سرمایہ داروں سے تو رقم مل جائے گی لیکن مرکزی حکومت یقیناً انکار کر دے گی۔" جوزف نے خدشے کا اظہار کیا۔

"تب پھر ہم وہ ہتھیار استعمال کر سکیں گے جس سے زلزلہ پیدا ہوتا ہے۔ ہم پہاڑوں اور وادیوں کو نچاتے رہیں گے حتیٰ کہ مرکزی اور صوبائی حکومت ہمارا مطالبہ نہ مان لے۔"

"لیکن وہ کیا چیز ہے جس سے زلزلہ پیدا ہوتا ہے؟" امرناتھ نے پوچھا۔

"اس کا تو مجھے بھی علم نہیں..." سبھاش نے صاف گوئی سے کام لیا۔

"کیا وہ ہتھیار ایٹم بم سے بھی زیادہ طاقتور ہے؟" جوزف نے سوال کیا۔

"نہ ہم بم کے شکار، ہیروشیما کو دوبارہ تعمیر کر لیا گیا ہے جوزف۔ مگر زلزلے سے تباہ ہونے والے کسی بھی علاقے کو آج تک تعمیر نہیں کیا جا سکا۔"

پھر یہ فیصلہ ہوا کہ امرناتھ کئی آدمی ساتھ لے کر بلونت رائے سے ملنے جائے اور زلزلے کے بارے میں کسی نہ کسی طرح اس کی زبان کھلوائی جائے۔ انھیں معلوم تھا کہ وادیٔ کہسار کے بلونت رائے کو بھی رقم کی ضرورت ہے کیوں کہ دار الحکومت میں اس کے اثاثے مسلسل کم ہو رہے تھے اگر زلزلوں کا راز دینے کے عوض بلونت رائے نے رقم طلب کی تو امرناتھ اسے منہ مانگی رقم دے دے۔

"مگر وہ کتنی رقم مانگ سکتا ہے جناب!" امرناتھ نے پوچھا

"جتنی چاہے مانگ لے... ہم ایک کروڑ روپے تک دے سکتے ہیں۔" سبھاش نے جواب دیا۔

"فرض کریں کہ میں رقم دیے بغیر ہی اس سے سب کچھ اگلوا لوں تو...؟"

"تب میں تمھیں شمپین کی ایک پوری بوتل پیش کروں گا، شرط صرف یہ ہے کہ اس... سب کچھ معلوم کر لیا جائے۔ اس سلسلے میں کوئی مذبذب قابل قبول... نہیں ہو گا۔ میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ وہ زلزلہ

کیسے پیدا کرتا ہے اور اگر اس میں تمہیں ناکامی ہوئی تو میں یہ سمجھوں گا کہ تم نے شرمناک خوشی ہو۔"

امرتا تھ کی ہتھیلیاں پسیج گئیں۔ وہ جانتا تھا کہ سبھاش کے اس نرم لہجے میں کون سی دھمکی چھپی ہوئی ہے۔ اسے سبھاش کی اہمیت کا اندازہ تھا۔ تنظیم اُسی کے دم سے قائم تھی اور تنظیم کا اصول یہ تھا کہ تنیز کرو یا مر جاؤ۔

جوزف کی گاڑی بہت تیزی سے شہزاد کے گھر کی طرف بڑھ رہی تھی۔ ایرکنڈیشنر پوری رفتار سے چل رہا تھا جس کی وجہ سے کار ڈرائیو فرید کا بایاں گھٹنا شل ہو چکا تھا۔ یہی حال اگلی سیٹ پر براجمان راج کمار کا تھا۔

جوزف نے عقبی نشست پر نیم دراز ہو کر ایک سگریٹ سلگائی' نہ جانے ایسی کیا بات تھی کہ ایرکنڈیشنڈ کار میں ہونے کے باوجود اسے پسینے آ رہے تھے۔ اس نے ایک قیمتی رومال سے پیشانی پونچھی۔ یہ رومال گھر سے نکلتے وقت بے حد نفیس لگ رہا تھا لیکن اب تو اس کی رنگت بھی نہیں پہچانی جاتی تھی۔ جوزف سوچ رہا تھا کہ اُس نے تنہا نہ آ کر غلطی کی ہے۔ یہ سچ تھا کہ یہ دونوں اس کے جانثار تھے لیکن اُن کی پرجوش اور گرم طبیعت بنتے ہوئے کام بھی بگاڑ دیتی تھی۔ وہ بمبئی جیسے شہر میں تو کام آ سکتے تھے لیکن ولوی کہسار جیسی نرم اور لطیف بستی میں انھیں دیکھتے ہی لوگوں کا شک میں مبتلا ہو جانے کا خطرہ بھی تھا۔

جوزف شہزاد نامی شخص کے گھر زبانی جمع خرچ کے لیے جا رہا تھا اور وہاں ان کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ یہ دونوں زبان کے بجائے ہاتھ سے کام لینے کے عادی تھے۔ اسے ان دونوں سے محبت تھی۔ ان میں سے ایک اس کی بہن کا بیٹا راج کمار تھا اور دوسرا... فرید... وہ اس کے بھائی کا بیٹا تھا جو ایک مسلمان لڑکی سے شادی کر کے مسلمان ہو گیا تھا لیکن پھر موت نے بھائی اور بھاوج دونوں کو جدا کر دیا اور فرید اس کے پاس رہنے لگا۔ اس کی بہن بھی عیسائی تھی لیکن اس نے ایک ہندو سے شادی کر لی تھی۔ بہن اور بہنوئی والا لکھنؤ میں رہتے تھے اور راج کمار اس کے ساتھ رہتا تھا۔

"سنو..." اس نے آگے جھکتے ہوئے کہا۔ "وہاں تم دونوں میں سے کوئی بھی بات نہیں کرے گا' سارا کام میں خود کروں گا۔"

"بہت بہتر انکل جوزف..." راج کمار نے ہنستے ہوئے جواب دیا اور فرید غصہ سے منہ پھیر کر رہ گیا۔

شہزاد کے گھر مرکزی گیٹ پر کار رکتے ہی راج کمار نے کود کر جوزف کے لیے کار کا دروازہ کھولا۔ اُترنے سے پہلے اس نے فرید کو راج کمار پر نظر رکھنے کی ہدایت کی تاکہ وہ کوئی گڑبڑ نہ کر سکے۔ وہ دونوں ابھی کار سے اُترے ہی تھے کہ راج کمار نے کال بیل کے بٹن پر ہاتھ رکھ دیا اور ابھی وہ دروازے سے چند قدم دُور ہی تھے کہ دروازہ ہلکی سی آواز کے ساتھ کھلتا چلا گیا۔

چوکھٹ پر ایک منحنی سا بُوڑھا کھڑا انھیں گھور رہا تھا۔

جوزف مسکرانے لگا۔ بُوڑھے کا قد بمشکل پانچ فٹ اور وزن یقیناً اسی پونڈ سے زیادہ نہیں تھا۔ اس کے ناخن لمبے اور لوک دار تھے۔

"فرمایئے... کیا آپ لوگ محض گھورنے کے لیے تشریف لائے ہیں؟" بُوڑھے نے آگے آ کر پوچھا۔

"اوہ... ہمیں اس طرح اچانک آنے پر افسوس ہے۔ میں یہاں کسی سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"کیا تم مجھے کسی کی تعریف میں شامل نہیں کر سکتے؟" بوڑھے کے اس جملے پر راج کمار نے پہلو بدلا لیکن جوزف کی کڑی نگاہ محسوس کر کے خاموش رہنے پر مجبور ہو گیا۔

"کیا آپ کا نام اُدشان ہے' جناب؟" جوزف نے پوچھا۔

"میرا نام اُدشان ہے' چوشان نہیں۔ چوشان ایک چینی بادشاہ کا نام تھا اور میں بادشاہ نہیں ہوں۔" یہ کہتے ہوئے اُدشان نے قریبی کیاری میں تھوک دیا۔ تھوک راج کمار کے جوتے کے محض نصف انچ اُوپر سے گزرا تھا۔

"میں آپ سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ باہر بہت گرمی ہے۔"

"تب پھر تم اندر آ سکتے ہو مگر تمہارے یہ گرگے باہر ہی تمہارا انتظار کریں گے۔ خاص طور سے یہ بدمعاش اور بدصورت شخص' اس پاک صاف گھر میں داخل نہیں ہو سکتا۔" اشارہ راج کمار کی طرف تھا۔

"بہت بہتر..."

راج کمار یہ توہین برداشت نہیں کر سکا تھا لہٰذا جونہی جوزف نے کہے میں قدم رکھا' وہ بھی لپکا لیکن چوکھٹ ہی پر دوہرا ہو گیا...

دروازہ بند ہوتے ہی اس نے دیوار سے ٹیک لگا لی۔ جوزف اور اُدشان بند دروازے کی دُوسری طرف غائب ہو گئے تھے۔

"کیا ہُوا...؟" فرید نے اس پر جھکتے ہوئے کہا۔

"پتہ نہیں کیا ہُوا۔ پیٹ میں مروڑ سے اُٹھ رہے ہیں۔" پھر اس نے سیدھے کھڑے ہو کر کہا۔ "اب ٹھیک ہے۔ شاید کوئی بڑھے نے گھونسا مار دیا تھا۔"

... اور گھر کے اندر جوزف اُدشان کی رہنمائی میں ایک انتہائی نفیس ڈرائنگ روم کا جائزہ لے رہا تھا۔ کمرے میں خوش گوار سی

مہک تھی۔ وہ اُدشان کے کہنے پر ایک گہرے نیلے صوفے میں دھنس گیا۔ اُدشان بدستور کھڑا رہا۔ "اب کہو' کیا بات ہے؟" اس کے لہجے میں اکھڑ پن تھا۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کس طرح کہوں۔"

"جس طرح بھی ممکن ہو... بس شروع ہو جاؤ۔"

"اُدشان صاحب! بات دراصل یہ ہے کہ میرے ایک دوست کے کھیتوں پر کسانوں نے کام کرنا چھوڑ دیا ہے اور بظاہر اس کی وجہ آپ لوگ ہیں۔"

"ہم..." اُدشان اُسے گھورنے لگا۔ اس کی چھوٹی چھوٹی آنکھوں سے چنگاریاں سی نکلنے لگیں۔ جوزف کو یُوں لگا جیسے وہ ان چنگاریوں کی وجہ سے جھلس جائے گا۔ اس کا سر بُری طرح چکرانے لگا۔ آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا۔ دھڑکنیں بہت تیز ہو گئیں۔ یُوں لگا جیسے کمرہ ناچ رہا ہو۔ اسے بُوڑھا کسی ایسی عفریت کی طرح لگا جو اپنی حقیری قامت کے باوجود اسے ہڑپ کر جائے گا۔ اس کے، عضا جواب دینے لگے۔ خُنک ماحول کے باوجود اس کا جسم پسینے سے بھیگ گیا۔ اس کی ہتھیلیوں نے بھی پسینہ اُگل دیا۔ بُوڑھے کی آنکھوں سے نکلنے والی شعاعیں اسے مفلوج کرتی چلی گئیں۔ اس نے گھبرا کر صوفے کی پشت گاہ سے ٹیک لگا لی۔ آنکھیں مَلیں اور ایک بار پھر اُدشان کی طرف دیکھا جو خوفناک انداز میں اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس کا سبز لبادہ بے حد حرکت تھا۔ لیکن قدم مسلسل آگے بڑھ رہے تھے۔ جوزف نے... وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہا تھا۔ فاصلہ مسلسل کم ہونے لگا۔ جوزف کو یقین ہو گیا کہ موت اس کے سامنے نہ صرف موجود ہے بلکہ ہر قدمی بھی کر رہی ہے۔ اس کی آنکھوں کے سامنے تارے سے ناچنے لگے۔ وہ مرنا نہیں چاہتا تھا... لیکن موت اس کی طرف بڑھ رہی تھی۔ اُسی لمحے باہر دروازے پر بے پناہ شور بلند ہوا۔ کواڑوں کو لگا جیسے کوئی دیوانہ وار دھڑدھڑاتا ہوا چلا آ رہا ہو۔ گھر کی پُرسکوت فضا میں اچانک ہی ایک دلدوز چیخ اُبھری اور فوراً ہی معدوم ہو گئی۔ اُدشان کی آنکھیں خون آلود ہو گئیں۔

★

جوزف نے چونک کر آنکھیں کھول دیں۔

اُس نے حیرت سے اِدھر اُدھر دیکھا۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ کہیں اور تھا لیکن جب آنکھ کھلی تو خود کو کہیں اور پایا۔ کمرے میں شدید تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ لیکن سامنے ہی اُدشان کا مسکراتا ہوا چہرہ دیکھ کر اسے یاد آیا کہ وہ کہاں ہے اور اس جگہ کیوں آیا ہے۔ دفعتاً اُدشان نے آگے بڑھ کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ "تم کچھ پریشان دکھائی دے رہے ہو۔"

"آں... نن... نہیں تو..." جوزف بوکھلا گیا اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا لیکن اب اس کی وہ حالت نہیں تھی جو چند لمحے قبل کسی مبتلائے مرگ بستی کی طرح اس پر طاری ہو گئی تھی۔ اب تو یکایک ہی وہ یُوں محسوس کرنے لگا تھا جیسے اس کے جسم میں ہی توانائی جنم لے رہی ہوں۔ وہ نیلے رنگ کے صوفے پر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا اور ماتھے پر چھلملاتے ہوئے پسینے کی بوندیں پونچھنے لگا۔ معاً اسے وہ چیخ یاد آ گئی جسے اس نے کچھ دیر قبل سُنا تھا۔ اس نے بُوڑھے اُدشان کی طرف دیکھا جو بُری بہ بُری سے اُس کی جانب دیکھ رہا تھا۔ اس کے انداز سے تو یہی ظاہر ہو رہا تھا جیسے اس ماحول میں کوئی غیر معمولی بات نہ ہوئی ہو۔

"ہاں تو تم کہہ رہے تھے' مسٹر جوزف!" اُدشان کا لہجہ نرم ہی رہا۔ "کہ تم کسی گرگ کے ذمے دار ہیں؟"

"اوہ ہاں۔" جوزف تھوک نگل کر رہ گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس نے جس کسی کی چیخ سُنی تھی کہیں وہ راج یا فرید میں سے کوئی ایک تو نہیں تھا؟ "میں صرف یہ کہنا چاہتا تھا کہ یہاں کے کسان بے حد وہمی قسم کے لوگ ہیں۔ کل رات وادی میں زلزلہ آیا تھا اور کسان یہ سمجھتے ہیں کہ اس کی وجہ آپ لوگ ہیں۔" جوزف خود پر قابو پا کر بولتا رہا۔ "ان لوگوں کا وعدہ ہے کہ آپ کے ساتھی مسٹر شہزاد کسی پُراسرار لیکن خوفناک قوت کے مالک ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کسانوں نے کام بند کر دیا ہے۔"

"لیکن ہم دونوں کا کاشت کاری سے کیا تعلق ہے؟ کہیں لوگ یہ تو نہیں کہتے کہ ہم اُن کے کھیتوں سے کھاد چُرا لیتے ہیں یا پھر کسی نے ہمیں اپنی فصلوں میں چرتے ہوئے دیکھا تھا؟"

"اوہ نہیں' یہ بات نہیں ہے جناب!" جوزف اس کوئے جواب پر پریشان ہو گیا۔ "میں دراصل یہ چاہتا ہوں کہ آپ دونوں میرے ساتھ ذرا کھیتوں تک چلیں اور لوگوں کو بتا دیں کہ آپ بھی اُن کی طرح عام سے انسان ہی ہیں۔ کوئی بھوت پریت یا آسیب نہیں ہیں۔ اس طرح ان مغربوں کو بھوکوں مرنے سے نجات مل جائے گی۔"

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔" اُدشان کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ظاہر ہے' جب وہ لوگ کام نہیں کریں گے تو اُنھیں فاقے ہی کرنے پڑیں گے۔" جوزف نے وضاحت کی اور اچانک ہی اس کی نگاہ کھڑکی کی طرف اُٹھ گئی۔ اس کھڑکی سے اس کی کار صاف نظر آ رہی تھی۔ اس سے پہلے شاید اس نے اس طرف توجہ ہی نہیں دی تھی ورنہ وہ اُسے پہلے بھی نظر آ جاتی۔

اُدشان نے اس کی نظروں کے تعاقب میں کھڑکی کی

طرف دیکھا۔

باہر فرید اور راج کمار گاڑی سے ٹیک لگائے کھڑے تھے۔

"ٹھیک ہے۔" اُوشان نے بڑے ہی شاہانہ انداز میں کہا۔ "مَیں تمہارے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہُوں لیکن شہزاد کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ وہ اپنی مرضی کا مالک ہے۔"

"لیکن آپ۔۔۔"

"مَیں اپنی مرضی کا مالک ہُوں۔"

"مم۔۔۔ میرا مطلب تھا، آپ جیسے مجبُور کر سکتے ہیں۔"

"سُنو۔۔۔" اُوشان نے ایک بار پھر اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ "لفظ مجبُور مجھے قطعاً پسند نہیں۔ یہ ایک نسوانی خصوصیت کا حامل لفظ ہے اور عورتوں کے لیے ہی سجتا ہے اور تم جانتے ہو کہ انھیں بھی مجبُوری کے ہاتھوں کیا کچھ کر گزرنا پڑتا ہے۔۔۔ پھر اگر شہزاد مجبُور ہونے والا ہوتا تو آج کم از کم دو بچوں کا یقیناً باپ ہوتا اور میرے بچوں کی تعداد کا حساب رکھنے کے لیے محکمہ شماریات کے ملازمین کو اوور ٹائم کی ضرورت محسوس ہونے لگتی۔"

جوزف ہنسنے لگا۔ "آپ بہت زندہ دل آدمی ہیں جناب۔" وہ ہنسی ضبط کرتے ہُوئے بولا۔ "اگر ممکن ہو تو شہزاد صاحب سے میری ملاقات ہی کرا دیں۔"

"ٹھیک ہے، تم یہیں ٹھہرو۔ مَیں اس سے بات کر کے دیکھتا ہُوں۔" یہ کہہ کر اُوشان گلاس ڈور کی طرف بڑھ گیا اور دروازہ کھولتے ہُوئے پلٹ کر بولا۔ "لیکن مَیں اسے مجبُور نہیں کروں گا۔ سمجھے؟"

جوزف اثبات میں سر ہلا کر رہ گیا۔ اگر اس وقت آئینہ رُوبرُو ہوتا تو یقیناً اسے اپنے چہرے کے تاثرات سے پتہ چل جاتا کہ 'مجبور' کسے کہتے ہیں۔

اُوشان دروازے سے راہ داری میں نکل گیا اور پھر پائیں باغ میں پہنچ کر ایک ایسی روش پر چلنے لگا جو سوئمنگ پُول کی طرف جاتی تھی۔ گلاس ڈور کی وجہ سے جوزف اُسے دُور تک دیکھتا رہا اور اُسے حیرت ہوتی رہی کہ یہ بُوڑھا زینوں پر چل رہا ہے یا چند انچ اُوپر ہَوا میں معلق حرکت کر رہا ہے؟ اس کا بھُورے رنگ کا لبادہ یُوں متحرک تھا جیسے اس کے نیچے پاؤں کی بجائے پہیے لگے ہُوئے ہوں۔

سوئمنگ پُول کے قریب پہنچ کر اُوشان رُک گیا۔

اس نے متلاشی نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھا لیکن ٹائیگر کہیں دکھائی نہ دیا۔

اُوشان نے جُھک کر پانی میں دیکھا۔ شفاف پانی کی سطح بے شکن تھی۔ اُوشان کی نظریں آہستہ آہستہ نیچے تک اُترتی گئیں اور سوئمنگ پُول کا فرش اُبھرنے لگیں۔ اچانک ہی اس کے پتلے پتلے ہونٹوں پر شیطانی سی مسکراہٹ دوڑ گئی۔

ٹائیگر سوئمنگ پُول کے فرش پر اوندھا لیٹا ہُوا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ قریبی دیوار کے کنڈوں سے اُلجھے ہُوئے تھے۔ بادی الظاہر میں وہ ایک ایسی بے حس و حرکت لاش ہی لگ رہا تھا جو شفاف پانی میں تہ نشین ہونے کے بعد اُوپر آنے سے قاصر رہی ہو۔

اُوشان چند لمحوں تک اُسے دیکھتا اور مسکراتا رہا۔۔۔ پھر وہ اُسے باہر بُلانے کی کوئی ترکیب سوچنے لگا۔ اُسی لمحے ٹائیگر نے کروٹ اور چت لیٹا نظر آنے لگا۔ اُس کی آنکھیں کھُلی ہُوئی تھیں اور وہ اُوشان کو بہ آسانی دیکھ سکتا تھا۔ اُوشان پر نگاہ پڑتے ہی اُس نے کنڈا چھوڑ دیا اور ہاتھ کے اشارے سے اُسے نیچے آنے کے لیے کہا جبکہ اُوشان اُوپر آنے کے اشارے کرنے لگا۔ ٹائیگر نے اس کے اشاروں کو نظر انداز کر دیا اور جس مشق میں مصروف تھا، اس کی تکمیل کے لیے دوبارہ اُلٹا ہو گیا۔

اُوشان نے متلاشی نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھا۔

سوئمنگ پُول کے قریب ایک چھوٹی سی میز پڑی تھی جس پر اُسے ایک ایش ٹرے نظر آ گئی۔ اُوشان نے ایش ٹرے اُٹھالی۔ سوئمنگ پُول کے پانی میں پُوں گھما کر پھینکی کہ اس کی سطح کسی بے رحم بُوڑھے کے چہرے کی طرح شکن در شکن ہو گئی۔ ایش ٹرے کسی اُڑن طشتری کی طرح اس کے ہاتھ سے نکلی اور پانی میں تہ نشین ہو گئی۔

سرسری طور پر تو یہ ایک عام سی حرکت تھی لیکن اُوشان جانتا تھا کہ پانی میں کتنی زبردست لہریں پیدا ہُوئی ہوں گی اور ٹائیگر کے اعصاب پر کتنا بوجھ پڑا ہو گا۔ یہ ایک اعصاب شکن حرکت تھی جس کا ٹائیگر فولادی اعصاب کا مالک تھا۔ اس کے باوجُود وہ باہر آیا تھا، تھرتھر کانپ رہا تھا۔

"ویل فادر۔۔۔" اس نے طیصلے لہجے میں کہا۔ "آپ کے شاگرد کسی روز میری جان لے لیں گے۔"

"گھبراؤ نہیں فرزند۔" اُوشان مُسکرا کر بولا۔ "مَیں تمہاری اس قوت سے واقف ہُوں۔ تم تنفس کی جو مشق کر رہے تھے وہ اس جگہ ضروری تھی لیکن جب گھر میں کوئی مہمان موجُود ہو تو ایسی مشق سے اجتناب ہی کرنا چاہیے۔"

"کون ہے؟" ٹائیگر نے چونک کر پُوچھا اور سوئمنگ پول کنارے پڑے ہُوئے تولیے سے اپنا جسم خُشک کرنے لگا۔

کپڑے بدلنے تک وہ اُوشان کی ساری باتیں سُن چُکا تھا۔ مسکرا کر بولا۔ "گویا شکار خُود ہی شکاری کے دام میں آ گیا ہے۔ بہرحال ہمیں کیا کرنا چاہیے اُوشان؟"

"ہمیں کسانوں سے بات چیت کرنی چاہیے۔"

ٹائیگر کے ہونٹوں پر بڑی ہی عجیب سی مسکراہٹ رقص کر

وہ اُوشان کے ساتھ اسی کمرے میں آ گیا، جہاں جوزف بڑی بے چینی سے اُن کا انتظار کر رہا تھا۔ ٹائیگر پر نگاہ پڑتے ہی جوزف اُٹھ کھڑا ہُوا اور جب اُس نے مصافحہ کیا تو اُسے یُوں محسوس ہُوا جیسے شیشم کی اس نوجوان کے جسم میں ہائی وولٹیج موجُود ہو اور کرنٹ اس کے ہاتھ سے منتقل ہو رہا ہو۔ اس کے اعصاب جھنجھنا گئے۔ ٹائیگر نے اُس سے سرسری سی بات چیت کی اور پھر تینوں باہر آ گئے جہاں فرید اور راج کمار اُن کا انتظار کر رہے تھے۔

"آپ کو زیادہ دُشواری تو نہیں ہُوئی انکل جوزف؟" راج کمار نے ٹائیگر کو گھُورتے ہُوئے کہا جس کے ہونٹوں پر بڑی ہی معنی خیز مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔

"شٹ اَپ۔" جوزف نے ناگواری سے کہا اور اُسے تیز نظروں سے دیکھنے لگا۔ "چلو۔۔۔ گودبند سنگھ کے کھیتوں کی طرف چلو۔" اس کا لہجہ تحکمانہ تھا۔

راج کمار نے کار اسٹارٹ کی اور تیزی سے آگے بڑھا دی۔ وہ اب بھی بار بار ٹائیگر اور اُوشان کی طرف کن انکھیوں سے دیکھ رہا تھا۔ اس کے دل میں اس نوجوان سے دو دو ہاتھ کرنے کی تمنا جاگ اُٹھی تھی جبکہ اُوشان کے لیے وہ سوچ رہا تھا کہ یہ بُوڑھا شاید چوٹ کھانے سے پہلے ہی انتقال کر جائے۔ وہ جوزف کی طرف دیکھنے لگا اور اُسے حیرت ہُوئی کہ اُس کا انکل اس قدر خوش کیوں ہے؟ جوزف واقعی بہت خوش تھا کیونکہ اپنی دانست میں وہ بغیر کسی تشدد کے اپنی مہم میں کامیاب ہو گیا تھا۔

*

۔۔۔ لیکن وادی ہی میں ایک شخص نہ صرف پریشان بلکہ خوفزدہ بھی تھا۔ اس کے سارے مسامات نے پسینے کی سینکڑوں بُوندیں اُگل دی تھیں۔

یہ بلونت رائے تھا۔

اس کے سامنے دو خونخوار آدمی کھڑے تھے۔

وہ جانتا تھا کہ یہ لوگ جب بھی وادی میں آتے ہیں تو کوئی نہ کوئی گڑبڑ ضرور ہوتی ہے۔

ان دونوں میں سے ایک جینز اور سیاہ جیکٹ پہنے ہُوئے تھا۔ اس کے باوجُود اس کے بازوؤں کی مچھلیاں صاف نظر آ رہی تھیں۔ اس کے ساتھی نے بھُوری ٹیلون اور سفید دھاری دار شرٹ پہن رکھی تھی۔ اس کے چہرے پر ایسے تاثرات تھے جیسے وہ پکنک کے پروگرام سے آیا ہو۔

جینز والا شخص بلونت رائے کے سامنے پڑی ہُوئی کرسی پر بُوجھ گیا جبکہ دُوسرا فتر کی چوکھٹ سے لگ کر اس طرح کھڑا ہو گیا کہ باہر اور اندر دونوں طرف نظر رکھ سکے۔ اس کے ہاتھ میں ایک قلم تراش چاقو تھا جس سے وہ اپنے ناخن صاف کرنے میں مصروف ہو گیا۔

"تم کیوں نہیں بیٹھتے؟" بلونت رائے نے مضطربانہ انداز میں ہاتھ مَلتے ہُوئے پُوچھا۔

جواباً وہ شخص اسی طرح ناخنوں کی صفائی میں مصروف رہا۔

"اچھا۔۔۔ جیسے تمہاری مرضی۔ کیا مَیں تمہاری اس اچانک آمد کا مقصد پُوچھ سکتا ہُوں؟" بلونت رائے نے بے بسی سے سوال کیا۔

"کیوں نہیں، جس طرح تم کاروباری آدمی ہو اسی طرح مَیں بھی ہُوں۔ مَیں تفصیل میں نہیں جانا چاہتا، بس یہ پُوچھنے آیا ہُوں کہ ان پُراسرار زلزلوں کا کیا جواز ہے؟ مَیں ان معلومات کے عوض خطیر رقم ادا کرنے کے لیے تیار ہُوں۔"

"زلزلے۔۔۔؟" بلونت رائے کانپ کر رہ گیا اور اسی لمحے اسے یقین ہو گیا کہ ممتاز حسین غلطی پر نہیں تھا۔ اب اسے پچھتاوا ہُوا کہ اس نے ممتاز کی بات پر کان کیوں نہیں دھرے تھے۔ ممتاز نے یہی تو کہا تھا کہ کچھ دنوں بعد سبھی شدید بحران کا شکار ہو جائیں گے اور حالات کسی کے بھی قابُو میں نہیں رہیں گے۔

۔۔۔ اور حالات اب واقعی قابُو سے باہر ہو چکے تھے۔

"ہاں۔۔۔ بس اتنا بتا دو کہ تم زلزلہ کس طرح پیدا کرتے ہو؟"

"مَیں۔۔۔ مَیں کچھ نہیں جانتا۔" بلونت رائے نے جواب دیا۔

وہ اندرونی طور پر بُری طرح کانپ رہا تھا۔ اسے ان دونوں کے نام تو معلوم نہیں تھے لیکن یہ ضرور علم تھا کہ دونوں کالے دھندے میں ملوث انتہائی معزز شہریوں کے پالے ہُوئے غنڈے ہیں جن پر غنڈہ ہونے کا شبہ کوئی بھی نہیں کر سکتا۔ "یہ تم کیسی باتیں کر رہے ہو۔ میرے پاس زلزلوں کا کوئی راز نہیں ہے۔ اگر اس سلسلے میں کچھ پُوچھنا ہے تو ڈاکٹر پرکاش کے پاس جاؤ، وہی زلزلوں پر تحقیق کرتے رہتے ہیں۔ اس وقت وہ اپنی تجربہ گاہ میں ملیں گے۔"

"بلونت رائے!" جینز اور جیکٹ والے مرناتھ کی سرد آواز کمرے میں گونجنے لگی۔ "مَیں تم پر تشدد نہیں کرنا چاہتا لہٰذا شرافت سے سب کچھ اُگل دو۔ تم جانتے ہو کہ مجھے اُگلوانے کے فن میں خاصی مہارت حاصل ہے۔"

"پتہ نہیں تم کیا کہہ رہے ہو۔" بلونت رائے نے میز پر نظریں گاڑتے ہُوئے کہا۔ جہاں تجارتی اخبار کی ایک کاپی رکھی تھی جس کے مطابق بلونت رائے کا بینک شدید مالی بحران سے دوچار تھا۔ اس نے ان پر یہ جتانے کے لیے کہ وہ خوفزدہ نہیں ہے، سر اُٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔ لہٰذا وہ یہ بھی نہ دیکھ سکا کہ دروازے پر کھڑا ہُوا شخص اس کی طرف بڑھ رہا ہے۔ وہ تو یہ بھی نہ دیکھ سکا کہ اس نے اُس کے سر پر کس چیز سے ضرب لگائی ہے۔

وہ تیورا کر گرا اور بے ہوش ہو گیا۔

امرناتھ جیب سے ایک نوٹ نکال کر چھوٹے چھوٹے قدم اُٹھاتا ہوا اُس کے قریب آیا... اور پھر اُس پر جُھک گیا۔

*

سفید ڈیلوک درختوں سے ڈھکی ہوئی سڑک سے گزر کر ایک کچی سڑک پر اُتر گئی۔ اس کے ٹائروں کی رگڑ سے گرد و غبار اُٹھنے لگا جس نے ہر چیز اپنی لپیٹ میں لے کر نگاہوں سے اوجھل کر دی۔

شہزاد نے دائیں طرف دیکھا تو گرد و غبار کے باوجود اسے مٹی کے گھروندے اور جھونپڑیاں نظر آنے لگیں۔ گاڑی کچھ اور آگے بڑھی تو جھونپڑیوں اور کچے مکانوں کے سامنے بیٹھے ہوئے مرد اور عورتیں بھی نظر آنے لگیں۔ جن کے میلے کچیلے بچے مٹی میں کھیل کود رہے تھے۔

کیڈیلاک ایک جھٹکے سے وہیں رُک گئی۔

وہ انرکنڈیشنڈ کار سے اُترے تو ان کے جسم تحلیل سے ملی۔

راج ان سب سے پہلے اُتر کر کچھ دیر قدم دو قدم کھڑے ایک دُبلے پتلے سے شخص سے باتیں کرنے لگا۔ یہ شخص بے حد غلیظ کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ غالباً یہ کپڑے کسی نے اُترن کے طور پر دیے ہوں گے کیونکہ قمیص اتنی مختصر تھی کہ اس شخص کے پیٹ کے اوپر ہی اٹک کر رہ گئی تھی۔

اس نے اپنی میلی کچیلی ٹوپی اُتارتے ہوئے پسینہ پونچھا اور پھر راج کمار کی کسی بات کا جواب دینے لگا۔ اس کے چہرے پر صدیوں کے استحصال کی پرچھائیاں پڑی ہوئی تھیں۔ اس نے گردن ہلا کر مزید کچھ کہا اور پھر لوگوں کو آوازیں دیتا ہوا جھونپڑیوں کی طرف بڑھ گیا۔

اس اثنا میں راج بھی ان کے پاس واپس آ گیا۔ "سب ٹھیک ہے!" اس نے مسکراتے ہوئے جوزف کو رپورٹ پیش کی۔ "اس کسان کا نام ہری کرشن ہے۔ وہ دوسروں کو بُلانے گیا ہے۔ اکٹھے سب ہم سے گفتگو کر سکیں۔"

"تمہیں کیا کہا ہے؟" شہزاد نے یوں پوچھا جیسے وہ اسکول کا کوئی ننھا سا معصوم بچہ ہو اور جوزف کی طرف دیکھنے لگا۔

"بس اتنا کہنا ہی کافی ہوگا کہ تم لوگوں کے بارے میں ان کے خدشات بے بنیاد ہیں۔" جوزف نے تحلیل فضا میں آپ جناب کے تکلفات ایک طرف رکھتے ہوئے کہا۔

"جیسے تمہاری مرضی۔"

اس دوران اُوشان اپنی گدی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے فصلوں اور کھیتوں کا جائزہ لیتا رہا۔

راج، شہزاد کے قریب آ کھڑا ہوا۔ "کوئی گڑبڑ مت کرنا سیٹ ہارٹ!" اس نے استعزائی لہجے میں ہدایت کی۔

"تمہاری یہ دھمکی کتنی سویٹ ہے!" ٹائیگر نے مسکرا کر کہا۔

"لیکن افسوس میں کسی بھی دھمکی کا اثر قبول نہیں کیا کرتا۔"

"یہ خالی خولی دھمکی نہیں ہے۔ اگر تم نے کوئی گڑبڑ کی تو اس کا نتیجہ فوراً ہی دیکھ لو گے۔"

"میرے خدا... تم تو بڑے ہی نقد فروش لگتے ہو۔" شہزاد نے بوکھلانے کی شاندار اداکاری کرتے ہوئے کہا۔

اب وہاں ہجوم ہونے لگا تھا۔ کرشن نے خانہ بدوش کسانوں اور ان کے بڑے بوڑھوں کو گھوں سے بُلا لیا تھا اور ان کے ساتھ کالے پیلے بچے بھی تھے۔ پھر کرشن ایک قدم آگے بڑھ کر بولا۔ "ہم سب آ چکے ہیں۔"

"ان سے بات کرو۔" راج نے شہزاد کو ٹہوکا دیتے ہوئے کہا۔

شہزاد نے ایک لمحے تک کچھ سوچا اور وہ بھی ایک قدم آگے بڑھ کر کسی مقرر کے سے انداز میں بولا۔ "میرا نام شہزاد ہے اور میرے ساتھی کو اُوشان کہتے ہیں۔ ہم صرف یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ ہماری ذات سے تم لوگوں کو کیا تکلیف ہے جبکہ ہم بالکل بے ضرر سے انسان ہیں۔"

بڑے بوڑھوں نے ایک دوسرے کو تکنا شروع کر دیا۔ پھر کرشن ان کی ترجمانی کرنے لگا۔ "یہاں زمین پھٹتی رہتی ہے اور زلزلے آتے رہتے ہیں۔ ابھی حال ہی میں ہمارے سات آٹھ ساتھی ایک ایسے ہی زلزلے کا شکار ہوئے ہیں۔ ہمارے بزرگوں کا کہنا ہے کہ ایسا اموات بھی واقع ہوں گی۔ وہ کہتے ہیں کہ موت نے ہمارا محاصرہ کر رکھا ہے اور موت کو یہاں لانے والے تم لوگ ہو... تم اور تمہارا بوڑھا ساتھی۔"

"کیا وہ بزرگ ہمیں پہچانتے ہیں؟" شہزاد نے حیرت سے پوچھا۔

"نہیں... لیکن وہ جو حلیہ بتاتے ہیں اس پر تم دونوں پورے اُترتے ہو۔ ہمارے گزرے ہوئے بزرگوں نے بتایا تھا کہ جو لوگ یہاں موت لائیں گے ان میں سے ایک بہت بوڑھا، بُلا ہتا بڑے ذہن والا شخص ہوگا۔ اس کا ساتھی نوجوان ہوگا، جس کے کڑی کمان کے تیر سے زیادہ برق رفتار اور تلوار سے کہیں زیادہ مہلک ہوں گے۔"

"مائی فٹ...!" راج کمار ہنسنے لگا۔

جوزف کانپ گیا۔ اسے بے اختیار اپنا خواب یاد آ گیا۔ اس نے خواب میں ایسے ہی ہاتھوں کو دیکھا تھا۔ یہ موت کے ہاتھ تھے۔ ایک بار پھر اس کی پیشانی پر پسینے کے قطرے جھلملانے لگے۔

"اگر کوئی بڑا بوڑھا یہاں موجود ہو تو سامنے آئے!" ان میں سے ایک لمبن کا یہ دعوا ہے کہ یہاں پر تباہی لانے میں ہمارا ہی ہے۔" شہزاد نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

کرشن ہجوم کی طرف دیکھنے لگا... پھر اس نے اجنبی سی زبان میں کچھ کہا اور اس کے ساتھ ہی ہجوم نے دو حصوں میں تقسیم ہو کر کسی کے لیے راستہ بنا دیا۔

ایک ضعیف سی عورت ہجوم کے درمیان سے نکلتی ہوئی ان کی طرف بڑھنے لگی۔ اس کی کمر خمیدہ تھی۔ اس نے سیاہ کپڑے پہن رکھے تھے اور اس کے چہرے پر صدیوں کے کرب کی جھریاں نمایاں تھیں۔ وہ کرشن کے قریب پہنچ کر رُک گئی۔

"میں نے موت کے برق رفتار ہاتھوں کو خواب میں دیکھا ہے۔" اُس نے شہزاد کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"بس کرو۔" راج کمار نے سرگوشی کی۔ "اب ان سے کہو کہ یہ کام چھوڑ کر واپس چلے جائیں۔"

شہزاد نے راج کمار کی جسامت اور طاقت کا اندازہ لگانے کے لیے نگاہ بھر کر اسے دیکھا اور پھر کرشن کی طرف متوجہ ہو گیا۔ وہ اس سے کچھ کہنا ہی چاہتا تھا لیکن اسی لمحے اُوشان اپنا لبادہ سمیٹتا ہوا اس سے آگے نکل گیا۔

وہ سیدھا بوڑھی عورت کی طرف گیا تھا... پھر وہ ایک لمحے تک ساکت کھڑا رہا۔ عورت اور اُوشان کی آنکھیں ایک دوسری میں پیوست ہو گئیں لیکن دونوں میں سے کسی نے بھی کچھ نہیں کہا۔ اُوشان نے بوڑھی عورت کے ہاتھ تھام لیے انھیں چوما اور پھر پیچھے ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کی پُروقار آواز کھیتوں میں گونجنے لگی۔

"میری بات غور سے سنو۔" اس نے خطبہ دینے والے انداز میں کہا۔ "تمہارے بڑے بوڑھے سچ ہی کہتے تھے کیونکہ انھیں جھوٹ سے نفرت تھی۔ ان کے زمانے میں جھوٹ ہمیشہ زمین کے اندر... بہت اندر دفن رہتا تھا لہٰذا جب انھوں نے تمہیں یہ بتایا کہ موت کے ہاتھ تمہارا محاصرہ کر لیں گے، تو تب بھی وہ سچ ہی کہہ رہے تھے۔"

"یہ بڈھا کیا بک رہا ہے؟" راج نے بے چینی سے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔ وہ فرہاد کے ساتھ اُوشان کے پیچھے جا کھڑا ہوا ان کا مقصد تھا کہ اُوشان اگر کوئی غلط بات کہنا چاہتا ہے تو ان کی موجودگی سے خوف زدہ ہو کر خاموش رہے۔

"میرے پیچھے جو لوگ کھڑے ہیں یہ گناہوں کے سفیر اور ابلیس کے چیلے ہیں، خدا کی زمین پر فساد برپا کرنا چاہتے ہیں۔ انھیں نہ تو تمہارے سروکار ہے اور نہ ہی بھگوان سے... ایسے گناہوں اور بدقماشوں کے لیے صرف ایک ہی راستہ ہے... موت۔ صرف یہی ان کے جرائم کا انجام ہو سکتی ہے۔"

فرہاد اور راج کمار نے لپک کر اُوشان کو جکڑ لیا۔ پانی سر سے گزر چکا تھا۔ اب انھیں کھل کر عمل کرنا تھا۔ اُوشان کے چند ہی ثانیوں نے انھیں بے نقاب کر دیا تھا۔ انھوں نے اُوشان کو دبوچ کر اٹھانے کی کوشش کی لیکن پھر وہ خود ہی پیچھے ہوتے ہوتے چلے گئے۔ ان کے چہروں پر کرب کے آثار نظر آنے لگے۔ اُوشان نے اپنی ہتھیلیاں ان کے پیٹ میں ماری تھیں لیکن ایسا کرتے ہوئے بھی اس کی نگاہیں ہجوم پر ہی مرتکز رہی تھیں۔

"میں تم سے درخواست کرتا ہوں کہ موت کے ظالم ہاتھ سے بچنے کی کوشش کرو۔" اُوشان نے کسانوں سے کہا۔ "اپنے بڑے بوڑھوں کی نصیحت پلے باندھ لو۔ اپنے اپنے علاقوں میں واپس چلے جاؤ لیکن میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ جلد یا بدیر وہ وقت ضرور آئے گا جب تم ایک بار پھر اسی وادی میں سکون کی زندگی گزار سکو گے۔"

"اس کی بکواس بند کراؤ۔" جوزف نے فرہاد اور راج کمار کو حکم دیا جو اُوشان کی ضرب سے نڈھال ہو چکے تھے۔

انھوں نے ایک بار پھر ہمت کر کے اوشان کو جکڑ لینا چاہا لیکن مشرقی اسرار کے آقا اس بانکے بوڑھے کی دو ہی ضرب نے دونوں کو خاک چاٹنے پر مجبور کر دیا۔

فرہاد نے ایک نئی کوشش کی۔ وہ خونخوار انداز میں کراٹے کی طرح اُوشان کی طرف جھپٹا لیکن اُوشان کے قریب پہنچتے ہی یوں اُچھل کر تین فٹ دُور جا گرا جیسے اُوشان کے گرد پھیلی ہوئی غیر مرئی برقی لہریں سے ٹکرا گیا ہو۔

"حرام..." وہ غصے میں بات بھی پوری نہ کر سکا اور مٹھیاں بھینچتے اور دانت پیستے ہوئے جھاڑ کے کسی ماہر کی طرح اچھلتا ہوا اُوشان پر آ رہا۔ اس نے اُوشان کی گردن دبوچ کر زور لگانا شروع کر دیا لیکن پھر اسے یوں لگا جیسے اس کے دونوں ہاتھ مفلوج ہو گئے ہوں۔ انگلیاں اکڑ گئی ہوں اور جسم کے رائیے رائیے میں درد کی لہریں دوڑ رہی ہوں۔

اُوشان نے اس کی نقلوں میں صرف دکھ سے مارے تھے... جو دیکھنے والوں کو بھی اپنی بصارت تحلیل محسوس ہونے لگی۔ فرہاد نے دیکھا کہ اُوشان کی ایک ٹھوکر کھا کر راج کا جسم کسی فٹ بال کی طرح فضا میں بلند ہوا... اس نے فضا میں کئی دو ہاتھ پاؤں مارے لیکن اب کچھ بھی باقی نہیں رہا تھا۔

وہ کسی بیمار پتھر کی طرح سیاہ لبادے والی بڑھیا کے قدموں سے محض چند انچ دُور گرا۔ ایک بار تڑپا، اچھلا اور پھر ہمیشہ کے لیے ساکت ہو گیا۔

بڑھیا اس کی لاش پر تھوک کر پلٹ گئی۔

کسانوں نے بھی اس کی تقلید کی۔ وہ اپنے گھروں کی طرف جا رہے تھے۔

"واپس آجاؤ لوگو! واپس آجاؤ۔" جوزف پاگلوں کی طرح ہاں نوچتے ہوئے چلایا۔ "تم لوگوں کو غلط فہمی ہوئی ہے۔"

"کوئی غلط فہمی نہیں ہوئی۔" شہزاد نے مسکرا کر کہا۔

جوزف نے غصے سے بل کھاتے ہوئے ریوالور نکال لیا۔ اس کی انگلی ریوالور کی لبلبی پر تھی اور وہ آوشان کا نشانہ لے رہا تھا لیکن پھر نہ تو انگلی لبلبی پر رہی اور نہ ہی ریوالور ہاتھ میں رہا بلکہ اس کے قدموں میں گر پڑا۔

شہزاد کے دائیں ہاتھ کی ذرا سی حرکت نے اس کی وہ کلائی ہی توڑ ڈالی تھی۔

وہ ایک کربناک چیخ مار کر شہزاد کی طرف پلٹا۔ اس نے خواب میں موت کے ہاتھ ضرور دیکھے تھے لیکن اب حقیقت میں وہ ہاتھ اتنی تیزی سے چل رہے تھے کہ اس کی آنکھیں انھیں دیکھنے میں کامیاب نہیں ہو رہی تھیں۔ ایسے میں بھلا وہ دفاع کرتا بھی تو کیسے؟ اس کی پیشانی سے پسینے کے قطرے بوندوں کی طرح ٹپکنے لگے۔

وہ صرف یہی دیکھ سکا کہ شہزاد کے بازوؤں نے حرکت کی ہے... پھر وہ بڑی زور سے اچھلا... زمین سے چند فٹ اوپر پہنچنے تک وہ یہی سوچ رہا تھا کہ کیا ہوا؟... لیکن پھر وہ کشش ثقل کی وجہ سے نیچے گرنے لگا۔

اس نے آنکھیں بند کر لیں۔

وہ جانتا تھا کہ اس کا خاتمہ قریب ہے... پھر وہ کسی درخت کی نوکدار ڈالی سے ٹکرایا۔ جو کسی تلوار کی طرح اس کے جسم کو دو حصوں میں تقسیم کرتی ہوئی خود بھی ٹوٹ گئی۔

اس کے جسم کا ایک حصہ جھکی ہوئی ڈالی میں پیوست رہا اور دوسرا زمین پر گر گیا۔

شہزاد نے آوشان کی طرف پلٹ کر دیکھا جس نے مسکراتے ہوئے سر کو خفیف سی جنبش دی تھی۔ "اب تم کسی کو شکار کرتے ہوئے زاویے کا بھی خیال رکھنے لگے ہو۔" اس نے تبصرہ کیا۔

"ہاں منتر باپ! اگر میں اسے تیس درجے کے زاویے سے نہ اچھالتا تو اس کا جسم صحیح و سالم زمین پر گر پڑتا۔ بس اب یہاں سے نکل چلو۔ مجھے کچھ اور بھی کام کرنے ہیں۔"

وہ تین لاشیں چھوڑ کر چلے تو آوشان اگلے مرحلے کے بارے میں پوچھنے لگا۔

"اب اس شخص سے بھی دو دو ہاتھ کر لینے چاہئیں جس نے ہمارے پاس بھیجا تھا۔"

"کون ہے وہ؟" آوشان نے پوچھا۔

بلونت رائے... شہزاد نے جواب دیا۔ وہی اس ڈرامے کا ہدایت کار ہے۔

▼▼

"بلونت رائے کہاں ہے؟ سویٹ ہارٹ!" شہزاد نے سامنے بیٹھی ہوئی سیکریٹری کی طرف اپنی بہترین مسکراہٹ اچھالتے ہوئے پوچھا۔

"وہ اپنے کمرے میں ہیں لیکن انھوں نے ہدایت کر رکھی ہے کہ انھیں ڈسٹرب نہ کیا جائے۔" اس نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے جواب دیا۔ وہ شہزاد کی مخصوص مسکراہٹ فہم نہیں کر پا رہی تھی۔

"کوئی بات نہیں۔ وہ مجھ سے مل کر بہت خوش ہوں گے۔ یہ کہہ کر وہ رائے کے دروازے کی طرف بڑھنے لگا۔

"... مگر آپ ادھر نہیں جا سکتے۔" وہ پہلے ہی دو طمانچوں سے گلنگو کر رہے ہیں۔" لڑکی نے لمبی لمبی سانس لیتے ہوئے کہا لیکن اس کے لہجے میں زور نہیں تھا۔

شہزاد نے اس کی بات پر کوئی توجہ نہ دی اور دروازے کو ہلکا سا دھکا دے کر کھول دیا۔

بلونت رائے کا سر میز پر رکھا نظر آ رہا تھا۔

ٹائیگر چونک پڑا... پھر تیزی سے آگے بڑھا۔

اس نے پندرہ فٹ کا فاصلہ ایک ہی لمحے میں طے کر لیا تھا۔ بلونت رائے کی حالت زیادہ اچھی نہیں تھی۔ اس کے دونوں ہاتھ میز پر تھے اور ہر انگلی سے خون رس رہا تھا۔ انگلیوں کے علاوہ ہتھیلی پر بھی چھوٹے چھوٹے سوراخ تھے۔ اسی قسم کے سوراخ کالر اور گالوں پر بھی نظر آ رہے تھے۔

ٹائیگر نے جھک کر اس کی نبض ٹٹولنا چاہی تو اس کی انگلیاں خون سے لتھڑ گئیں۔ رائے کی کلائیوں پر بھی ایسے ہی سوراخ تھے۔

اسی لمحے بلونت رائے کی سیکریٹری نے ہلکی سی چیخ ماری۔ "نن..." چونک کر پلٹا تو دیکھا کہ مارے دہشت کے سیکریٹری کی حالت بے حد خراب ہے۔ وہ بلونت رائے کو دیکھ کر غش کھا رہی تھی۔

"جلدی کرو۔" شہزاد نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔ "سب سے پہلے ڈاکٹر اور پھر پولیس کو فون کرو۔ تمھارے باس کو فوری طبی امداد کی ضرورت ہے۔"

سیکریٹری بدحواسی کے عالم میں الٹے قدموں دوڑی۔

اس کے جاتے ہی ٹائیگر نے بلونت رائے کی شرٹ کے بٹن کھول کر اس کے دل پر مالش شروع کر دی... پھر وہ اس کے کان پر ہونٹ رکھ کر بولا۔ "رائے... بلونت رائے... میں شہزاد ہوں۔ کچھ بولنے کی کوشش کرو۔ مجھے بتاؤ کہ کیا ہوا؟... تم پر یہ ستم کس نے ڈھایا... کون ہے وہ ظالم؟"

مالش جلد ہی اثر دکھانے لگی اور بلونت رائے کوشش کر کے سر اٹھانے میں کامیاب ہو گیا۔ شہزاد نے اس کی آنکھیں دیکھ کر اپنا نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبا لیا۔

بلونت رائے کی آنکھوں کی جگہ صرف دو خون آلود گڑھے نظر آ رہے تھے۔

"بولو بلونت رائے۔ بتاؤ کیا ہوا؟" شہزاد نے ایک بار پھر کوشش شروع کر دی اب وہ تیزی سے اس کا ہاتھ سہلا رہا تھا۔ "کیا تم اپنے دشمنوں کے نام نہیں بتاؤ گے؟ کیا تم انھیں..."

"وہ شاید... یہ... سمجھتے تھے کہ... زلزلے میں... پیدا کرتا ہوں۔" بلونت رائے کی خفیف سی آواز سنائی دینے لگی اس لیے ٹائیگر خاموش ہو گیا۔

جب کئی لمحوں تک خاموش رہا تو وہ پوچھے بغیر نہ رہ سکا۔ "وہ کون تھے؟"

"تن... تنظیم... کے آدمی... امرناتھ... اس کے پاس... ایک... سوا تھا... سنو... شہزاد... تنظیم کے لوگ... زلزلوں... کا راز... معلوم... کرنا... چاہتے ہیں... اب... بتا... تم... ہم... ابین آباد... کے... ملٹری انٹیلی جنس آفیسر... کیپٹن جگ... جیت سنگھ کو یہ بتا... دینا... یہ... یہ بہت... ضروری ہے..." وہ اٹک اٹک کر بولا۔ ایک ایک لفظ کئی کئی سیکنڈ میں ٹائیگر کی سماعت تک پہنچا تھا۔

"کیپٹن جگ جیت سنگھ؟" ٹائیگر نے کہا۔ اس کے لہجے میں شدید حیرت تھی۔

"ہاں...؟" بلونت رائے اب ہچکیاں لینے لگا تھا۔

"بلونت رائے! میں ایک ضروری بات معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ اس پراسرار تنظیم کے لوگ میرے پیچھے بھی لگے ہوئے ہیں کیا انھیں تم ہی نے بھیجا تھا؟"

"م... میں... ان... ہچ... کے... بارے میں... کچھ بھی نہیں جانتا۔"

"کیا تمھیں معلوم ہے کہ زلزلوں کے پیچھے کس کا ہاتھ ہے؟"

"نن... نہیں...؟"

"امرناتھ کہاں گیا؟"

"ششش... شاید ڈاکٹر پریم... پر... پر... کاش کے... پاس گیا ہے... پر کاش... کی زندگی... بھی خطرے میں... ہے۔" اس نے پھر ہچکی لی۔

ٹائیگر مزید تیزی سے مالش کرنے لگا۔

"شہزاد... کیا تمھارا تعلق... سرکار سے... ہے؟"

"ہاں...؟" ٹائیگر نے جواب دیا۔ وہ ایک دم توڑتے ہوئے آدمی سے جھوٹ نہیں بولنا چاہتا تھا۔

بلونت رائے کا چہرہ پرسکون نظر آنے لگا جیسے اس کے دل سے کوئی بہت بڑا بوجھ ہٹ گیا ہو۔ پھر معاً ہی اس نے ایک اور ہچکی لی۔ اس کا جسم ایک دم اکڑا اور پھر ڈھیلا پڑ گیا۔

اس نے شہزاد کے ہاتھوں ہی میں دم توڑ دیا۔

سیکریٹری اب بھی ٹیلی فون پر نمبر ڈائل کر رہی تھی۔

بلکہ بھی باقی نہیں رہا۔ بیکار اپنی انگلیوں کو زحمت نہ دو۔" شہزاد اس کے قریب پہنچ کر کہا اور تیزی سے باہر آ گیا۔

اس نے اپنی گاڑی اسٹارٹ کی اور پوری رفتار سے ان چھوٹے چھوٹے پہاڑوں کی طرف دوڑانے لگا جو وادی کو گھیرے ہوئے تھے۔

اس نے اپنی غلطی تسلیم کرتے ہوئے سوچا کہ بلونت رائے زلزلوں کے نام پر بلیک میلنگ کا دھندے دار نہیں تھا۔ وہ بے گناہ مارا گیا۔ ساتھ ہی اس کا ضمیر بھی کچوکے لگا رہا تھا کہ اس نے بلونت رائے کو مجرم تصور کر کے اس کی موت میں کسی نہ کسی حد تک کردار ادا کیا ہے۔

قصبے کے باہر سڑک پر چند ہی گاڑیاں نظر آ رہی تھیں ایک موڑ پر ایک ہوٹل دیکھتے ہی اس نے گاڑی روک لی اور وہاں سے فون پر ایک خاص نمبر ڈائل کیا۔

"بہرام...؟" پہلی ہی گھنٹی پر دوسری طرف سے ریسیور اٹھا لیا گیا۔

"میں ہوں، سویٹ ہارٹ؟"

"ہاں۔ کیا رہا؟"

"بلونت رائے نامی ایک شخص قتل ہو چکا ہے۔ اس ڈرامے میں اب کوئی تنظیم بھی شامل ہو گئی ہے۔ اس کے لوگوں نے بلونت رائے سے زلزلوں کا راز اگلوانے کی کوشش کی تھی۔"

"تنظیم...؟" بہرام نے یہ لفظ یوں دُہرایا جیسے شطرنج کی کسی چال پر غور کر رہا ہو۔ "سنو ٹائیگر! ان لوگوں کو تم سے پہلے زلزلے کے تاجروں تک نہیں پہنچنا چاہیئے۔"

"میں جانتا ہوں بلونت رائے نے مرنے سے پہلے مجھ سے درخواست کی تھی کہ میں کسی کیپٹن جگجیت سنگھ کو آگاہ کر دوں کہ تنظیم کے لوگ زلزلوں میں دلچسپی لے رہے ہیں۔"

"ٹھیک ہے اب تم اسے بھول جاؤ۔"

"مگر کیوں؟" ٹائیگر نے حیرت سے کہا۔

"اس لیے کہ کیپٹن جگجیت سنگھ ہمارا ہی آدمی ہے لیکن اس کا خود کیپٹن کو بھی علم نہیں ہے۔ بلونت رائے بھی غیر شعوری طور پر ہمارے لیے ہی کام کیا کرتا تھا۔ بلونت رائے کا پیغام کیپٹن کے لیے تھا اور کیپٹن یہ پیغام ہم تک پہنچاتا، اب جبکہ پیغام براہِ راست مجھ تک پہنچ گیا ہے تو کیپٹن سے رابطہ قائم کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ بہرحال، اب تم کہاں جا رہے ہو؟"

"میں ڈاکٹر پرکاش سے ملنے جا رہا ہوں اور میرا خیال ہے کہ وہ رندے بھی وہیں مل جائیں گے جنھوں نے بلونت رائے کو قتل کیا ہے؟"

"ذرا محتاط رہنا۔" بہرام کے لہجے میں شفقت آمیز تشویش تھی۔

"فکر نہ کرو، چیف... البتہ مجھے ایک چیز خاصی پریشان کر رہی ہے:"

"وہ کیا؟" بہرام نے تجسس سے پوچھا۔

"یہی کہ جس طور سے کے چہرے پر چھوٹے چھوٹے ان گنت بھورے تل..."

بہرام نے بات پوری سنے بغیر ہی ریسیور رکھ دیا تھا اس لیے باقی جملہ ٹائیگر کو پی لینا پڑا۔ وہ ہوٹل سے نکلا اور وامن کوہ کی طرف روانہ ہو گیا۔

بلونت رائے، ممتاز اور مکرجی... تینوں محبِ وطن تھے اور ان کی رُوحیں انتقام انتقام پکار رہی تھیں۔

ٹائیگر کے جبڑے بھنچے سے بھنچ گئے۔

▼▼

عمارت ایک بلند ٹیلے پر تعمیر کی گئی تھی اس مختصر سی عمارت پر کھپریل کی چھت تھی اور دُور سے ایک خوبصورت سا گھروندا ہی نظر آتا تھا۔

نچلی سڑک سے عمارت دکھائی نہیں دیتی تھی لیکن گاڑی جونہی دائرے کی شکل میں بنی ہوئی سڑک سے اوپر پہنچتی تو مزید بلندی پر واقع یہ عمارت اچانک ہی سامنے آ جاتی تھی۔ اس عمارت سے محض سو فٹ کی بلندی پر کوہِ مرگ کا وہ دہانہ تھا جس میں ہر وقت موت کا لاوا پکتا رہتا تھا۔

یہاں کی زمین کئی پھٹی تھی۔ کوہِ مرگ کے اسی دہانے میں برسوں سے دباؤ پیدا ہو رہا تھا اور ماہرین کہتے تھے کہ یہ دباؤ کسی بھی وقت موت کی بارش کر سکتا ہے۔"

ایک چٹان کے قریب شہزاد کو دو بڑے پائپ نصب نظر آئے۔ ان کے قریب ہی ایک چھوٹا سا ٹرالر کیبن تھا جس کے ساتھ ایک ویگن کھڑی تھی۔ اس نے بائیں طرف دیکھا، بہت دُور مزید دو پائپ نظر آ رہے تھے۔

اس نے اپنی کار عمارت کے سامنے روک دی۔ وہاں پہلے ہی ایک کیڈیلاک کھڑی تھی۔ اس نے اُتر کر کار کے بونٹ پر ہاتھ رکھا اور اثبات میں سر ہلانے لگا۔ وہ ابھی تک گرم تھا اور اس کا مطلب تھا کہ پُراسرار تنظیم کے لوگ کچھ ہی دیر قبل یہاں بھی پہنچے ہیں۔

عمارت میں داخل ہونے کا واحد راستہ ایک دروازہ تھا جسے کھول کر وہ ایک لمحے تک خوش گوار خنک ماحول میں کھڑا کچھ سننے کی کوشش کرتا رہا۔ اس کے حساس کانوں نے بائیں طرف باتوں کی آوازیں سُن لیں اور پھر وہ ایک تنگ راہ داری میں چلنے لگا جس کے ایک طرف مختلف کمرے بنے ہوئے تھے۔

ان کمروں میں سے ایک کا دروازہ تھوڑا سا کھلا ہوا تھا۔ وہ بے دھڑک اسی کمرے میں داخل ہو گیا۔

یہ ایک لیبارٹری تھی جہاں ہر طرف ٹیسٹ ٹیوبیں اور بیکر رکھے ہوئے تھے۔ ایک دیوار کے ساتھ کمپیوٹر لگا ہوا تھا جس کے ٹیپ مسلسل گھوم رہے تھے۔ مختلف رنگوں کے نقطے کمپیوٹر پر بار بار جل بجھ رہے تھے۔

باتوں کی آوازیں اس کمرے کے ساتھ والے حصے سے آ رہی تھیں۔ شہزاد اس کے دروازے سے لگ کر کھڑا ہو گیا۔

وہ غور سے باتیں سننے لگا۔

"سائنسی امداد و شمار سے ہمیں کوئی دلچسپی نہیں۔" کسی کی کرخت آواز سُنائی دی۔ "ہم صرف یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ تم زلزلہ کس طرح پیدا کرتے ہو؟"

"اس کا تعلق بھی سائنس سے ہو سکتا ہے۔" ایک بے حد دھیمی آواز سُنائی دی۔

"ہمیں صرف یہ بتاؤ کہ تم زلزلہ کس طرح پیدا کرتے ہو؟"

"میں پیدا تو نہیں کرتا البتہ زلزلہ پیدا ضرور کیا جا سکتا ہے۔"

ی آواز سُنائی دی جسے سننے کے لیے شہزاد کو اپنی سماعت پر بہت زیادہ زور دینا پڑ رہا تھا۔

"میں سُن رہا ہوں۔" ایک غراتی ہوئی آواز سُنائی دی۔

"سمجھنے کی کوشش کرو۔ زلزلے مختلف علاقوں میں آتے ہیں زمین کی ساخت میں بعض خرابیاں ہیں۔ یوں سمجھ لو کہ زمین میں بعض رُکاوٹیں پیدا ہو گئی ہیں جن کی وجہ سے سوراخ کی طرف دباؤ بڑھ جاتا ہے۔ جب یہ دباؤ شدید ہوتا ہے تو زلزلہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ کیا کیا جا سکتا ہے؟ صرف یہ ہو سکتا ہے کہ دباؤ کا کچھ حصہ بتدریج کم کر دیا جائے۔ مثال کے طور پر ایک کیتلی میں پانی اُبل رہا ہے۔ اگر تم اس کیتلی کا ڈھکن ہٹا دو تو دباؤ کم ہو جائے گا اور پانی اُبل کر نیچے نہیں گرے گا۔ اسی اصول کے تحت زلزلے روکے جا سکتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے... لیکن تم دباؤ کیسے کم کرو گے؟"

"ابھی تک تو اس کام میں کسی کو کامیابی نہیں ہوئی جبکہ میں ایک ایسا پمپ ایجاد کرنے کی کوشش کر رہا ہوں جو واٹر پریشر کے ذریعے ایسا کر سکے گا۔ اس طرح ہم چھوٹے چھوٹے زلزلے پیدا کر کے کسی بھی بڑے زلزلے کو روک سکیں گے لیکن پمپ پر بہت سست رفتاری سے کام ہو رہا ہے۔ حکومت نے میرے ریسرچ فنڈ میں خاصی کمی کر دی ہے لہٰذا میں یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ وہ پمپ بنانے میں مجھے کامیابی ہو گی بھی یا نہیں۔"

اس جواب پر پہلے تو کسی فوری ردِ عمل کا اظہار نہیں کیا گیا لیکن پھر وہی کرخت اور سفاک آواز گونجنے لگی۔

"ڈاکٹر پرکاش میں تمھاری باتوں پر یقین نہیں کر سکتا کیونکہ یہاں زلزلے پیدا کیے جا رہے ہیں۔ یا تو تم خود یہ کام کر رہے ہو یا پھر کسی ایسے شخص سے ضرور واقف ہو جو یہ کام کر رہا ہے۔ بہتر ہو گا کہ کھل جاؤ... ورنہ ہم اپنا کام کر کے واپس چلے جائیں گے... اور وہ کام تمھارے لیے بے حد تکلیف دہ ہو گا۔"

"میں تمھارے اس دعوے پر یقین نہیں کر سکتا کہ تمھارا تعلق دفاعی ادارۂ سُراغ رسانی سے ہے۔" ڈاکٹر پرکاش نے بالآخر اپنا خدشہ ظاہر کر ہی دیا۔

"ٹھیک ہے... تو تم ایسے نہیں بتاؤ گے۔" لہجہ دھمکی آمیز تھا۔

شہزاد نے ایک طویل سانس لی۔ اب مزید تاخیر ڈاکٹر پرکاش کے لیے خطرناک بھی ثابت ہو سکتی تھی لہٰذا وہ کمرے میں داخل ہو گیا۔

"نئے ڈاکٹر پرکاش!" اس نے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔ اس کے چہرے پر بڑی احمقانہ سی مسکراہٹ تھی۔

کمرے میں تین افراد تھے اور ان میں سے ڈاکٹر پرکاش کو پہچاننا زیادہ مشکل نہ تھا۔ وہ قدرے بھاری بھرکم آدمی تھا۔ اس کی بے ترتیب بھویں گھنی تھیں، بال سفید اور قدرے چھدرے تھے آنکھوں پر سنہرے فریم کی عینک لگی ہوئی تھی اور وہ لیبارٹری ٹیبل کے قریب اسٹول پر بیٹھا ہوا تھا۔

کمرے میں موجود باقی دو افراد جوان العمر تھے۔ لباس اور حلیے سے ہی پتہ چلتا تھا کہ وہ جرائم پیشہ ہیں۔

"یہ کون ہے؟" ان میں سے ایک نے شہزاد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ڈاکٹر پرکاش سے پوچھا۔

"میں شہزاد احمد ہوں۔ پروفیسر کا خصوصی معاون۔" یہ کہہ کر وہ پرکاش کی طرف پلٹا۔ "میرا خیال ہے ان لوگوں سے کوئی بھی بات چھپائی نہیں جا سکتی۔ انھیں زلزلے کا راز بتا دیا جائے تو بہتر ہے۔"

وہ دونوں حیرت سے اسے گھورنے لگے لہٰذا پرکاش کے چہرے پر اُمڈ آنے والی حیرت سے بے خبر رہے۔

"ہم نے ایک نئی مشین ایجاد کی ہے حضرات!" شہزاد ان گرگوں سے مخاطب ہوا۔ "اسے قدرے زور سے بولنا پڑا کیونکہ کمرے میں کسی مشین کی وجہ سے کافی شور ہو رہا تھا۔ "ہم اسے ایم ایم آئی ایس کہتے ہیں۔"

"اوہ..." دونوں کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ "اور وہ مشین کام کیسے کرتی ہے؟"

"وٹامن ای کمپاؤنڈ سے..." ٹائیگر یہ کہتے وقت اپنی ہنسی پر بمشکل قابو پا سکا تھا۔ "زمین بھی انسان کی طرح ذی حس ہوتی ہے اور کسی بھی چیز کا اثر قبول کر لیتی ہے۔ بعض اوقات زمین کی کیمیاوی کیفیت میں تبدیلی واقع ہونے سے اس کی صحت کا توازن بگڑ جاتا ہے لہٰذا اسے وٹامن ای کے انجکشن دینے پڑتے ہیں۔ میری مراد کیسٹ اسٹور سے ملنے والے وٹامن سے نہیں... بلکہ اس کام کے لیے حقیقی اور انتہائی طاقتور وٹامن درکار ہوتا ہے۔ زمین میں انجکشن لگتے ہی توازن اور عدم توازن کی کیفیت میں تصادم ہوتا ہے اور زلزلہ پیدا ہو جاتا ہے۔" ٹائیگر نے اپنی ہتھیلیوں کی کریز پر انگلی پھیرتے ہوئے بے ساختہ قہقہوں کو حلق ہی میں گھونٹ لیا۔

وہ دونوں احمق یوں حیرت سے مُنہ پھاڑے کھڑے اس کی باتیں سُن رہے تھے جیسے ٹائیگر واقعی کوئی بہت بڑا انکشاف کر رہا ہو۔

"کوئی بھی ایسا کر سکتا ہے۔ ہم نے بھی حال ہی میں چند معمولی

زنے پیدا کر کے اس کا کامیاب تجزیہ کیا ہے، کیا آپ لوگ بھی وہ انجیکشن مفت خریدنا چاہتے ہیں؟"

دونوں غنڈے اُلجھن میں پڑ گئے۔

"پہلے مشین تو دکھاؤ۔" ان میں سے ایک جلدی سے بولا۔

"ڈاکٹر..." شہزاد نے بڑے مؤدب انداز سے پرکاش کی طرف دیکھا۔ "ان لوگوں سے تعاون کرنا ہمارے مفاد میں ہے۔ میں انھیں ایم ایم آئی ایس دکھانے جا رہا ہوں۔" یہ کہہ کر وہ دروازے کی طرف چل دیا۔ اس کا مقصد تھا کہ وہ دونوں پرکاش سے دُور رہیں اور اس کے پیچھے دوسرے کمرے میں آ جائیں۔ اس کی چال کامیاب رہی۔

فوراً ہی ایک غنڈے نے کہا۔ "تم یہیں ٹھہرو گے پروفیسر! اگر تم نے کسی قسم کی گڑبڑ کی تو اس کے بعد اپنی زندگی کے لمحات شمار کرنا شروع کر دینا۔" دوسرے نے بھی گرہ لگا دی۔

وہ دونوں شہزاد کے پیچھے چلتے ہوئے وہاں سے نکل آئے۔ ٹائیگر، انھیں راہ داری سے عمارت کے دوسرے حصّے میں لے آیا۔ اسے کسی ایسے کمرے کی تلاش تھی جس کا دروازہ کھلا ہوا اور پھر اسے جلد ہی کامیابی ہو گئی۔ اس کی تیز نگاہوں نے ایک کمرے کے کواڑوں میں حجری دیکھ لی۔

"اسی کمرے میں ہے۔" اس نے دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا اور دھکا دے کر اندر گھس گیا۔

دونوں غنڈے فوراً ہی اس کمرے میں آ گئے۔

"یہ... یہ تو باورچی خانہ ہے۔" ایک غنڈے نے برہمی سے کہا۔

"درست... مشین، فریج میں رکھی جاتی ہے تاکہ اس کے حساس پُرزے گرمی سے خراب نہ ہو جائیں۔" شہزاد نے بڑے سکون سے جواب دیا۔ ساتھ ہی فریج کھول کر انگشت شہادت سے اشارہ کیا۔ "یہ رہی...!"

وہ دونوں تیزی سے آگے بڑھے... ایک قدم... دو قدم... تین قدم... اور پھر فریج کے قریب آ گئے۔ معاً شہزاد نے اُچھل کر ایک غنڈے کی کھوپڑی پر کہنی ماری۔ کائنہ سرکسی نوروزے کی طرح ہی چیخا اور وہ شخص کوئی آواز نکالے بغیر ڈھیر ہو گیا۔

اس سے قبل کہ دوسرا غنڈہ کچھ سمجھتا، شہزاد نے اس کے دونوں ہاتھ تھام کر مروڑ دیے۔ وہ فریج ہونے والے کسی بکرے کی طرح چلّانے لگا۔ اس کے شانوں میں جان لیوا تکلیف کی لہریں دوڑ گئی تھیں۔

"بولو فرزند! تم میں سے امرناتھ کون ہے؟" شہزاد نے سفاک لہجے میں پوچھا۔

"وہ... یہاں نہیں آیا... لیکن اسی نے ہمیں یہاں آنے کی ہدایت کی تھی اور کہا تھا کہ ہم کام مکمل کر کے اسے اطلاع دیں۔"

"بودنت رائے کو کس نے قتل کیا تھا؟"

"امرناتھ نے..." وہ بلبلا کر بولا۔ کندھوں کی تکلیف اب اس کے لیے ناقابلِ برداشت ہو گئی تھی۔

"تم لوگ کیا چاہتے ہو؟" ٹائیگر غرّایا۔

"کوئی زلزلے پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ سبھاش چند جی نے حکم دیا تھا کہ اس کے بارے میں معلومات حاصل کی جائیں۔"

"سبھاش چند... یہ کون ہے؟"

"وہ... وہی ہمارا لیڈر ہے!"

"تمھارا نام؟"

"شیام..." وہ بمشکل سانس لے رہا تھا کیوں کہ اس کے بازوؤں پر دباؤ اتنا شدید ہو گیا تھا کہ کھال پر خون تک جھلک آیا تھا۔

"ٹھیک ہے شیام... میں تمھاری جاں بخشی کر رہا ہوں۔" اس نے شیام کے ہاتھوں پر دباؤ کم کرتے ہوئے کہا۔ "واپس جاؤ۔ امرناتھ اور سبھاش کو میری طرف سے خبردار کر دو کہ وہ اس چکر میں نہ پڑیں۔ زلزلوں کو بھول جائیں اور پرکاش سے کم از کم ایک ایک میل دُور رہیں۔ ان سے کہنا کہ اگر وہ وادیٔ کہسار آئے تو انھیں مُردہ ڈھونے والی گاڑی میں بھر کر واپس بھیجا جائے گا۔ امرناتھ سے کہ اگر وہ مجھے نظر آ گیا تو اس کی آنجہانی ماں کی رُوح تک مرگھٹ چیختی پھرے گی... سمجھ گئے؟"

"بالکل... بس... سمجھ گیا۔"

شہزاد نے اس کے ہاتھ چھوڑے ہی تھے کہ اس احمق نے پھرتی کے ساتھ ریوالور نکالنے کی کوشش کی لیکن ریوالور کے نکلنے سے پہلے ہی شہزاد نے دوبارہ اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور شیام کا شمار بھی مبتلا ہو گیا۔

بکریلاک میں ہیڑ دل ہے؟"

"آں... ہاں... مم..." شیام کی حالت ایک بار غیر ہونے لگی۔

"تب پھر تم اسے ایک ہاتھ سے چلا سکو گے۔" یہ کہتے ہی شہزاد نے ہلکا سا جھٹکا دیا اور شیام کی بائیں کلائی اس طرح ٹوٹی کہ جھولنے لگا۔ شیام بلبلا اُٹھا۔

"امرناتھ کو میرا پیغام ضرور پہنچا دینا۔ اب بھاگ جاؤ، دوسرا ہاتھ بھی توڑ دوں گا۔" ٹائیگر نے مسکرا کر کہا۔

شیام تکلیف کے باوجود اندھا دھند وہاں سے فرار ہو گیا

ٹائیگر، امرناتھ سے انتقام لینے کے لیے بے چین تھا اور اسے یقین تھا کہ وہ شیام کی کہانی سُن کر وادیٔ کہسار کا رُخ ضرور رے گا۔

وہ لیبارٹری میں واپس آیا تو پرکاش اب بھی اسٹول پر بٹھایا ہوا تھا۔

کارٹر میں لگی ہوئی مشین اب بھی زور و شور سے چل ہی تھی۔

"ڈاکٹر! کیا اس احمقانہ آواز کو بند نہیں کیا جا سکتا؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"نہیں... ایک اچھوتا تجربہ ہو رہا ہے اور مشین تین روز سے سلسل چل رہی ہے۔ میرا خیال ہے، وہ لوگ سرکار کے آدمی تو نہیں تھے؟" پرکاش نے اپنے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ انداز سوالیہ تھا۔

"نہیں... اُن کا تعلق کسی تنظیم سے تھا۔"

"اوہ... مگر وہ مجھ سے کیا چاہتے تھے؟"

"یہی... کہ زلزلہ کس طرح پیدا کیا جاتا ہے۔ وہ دونوں آپ سے اس کا راز حاصل کرنے آئے تھے۔"

"دو... نہیں، وہ تعداد میں چار تھے۔"

"پھر باقی دو کہاں گئے؟" شہزاد نے چونک کر کہا۔ اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

"وہ... وہ تو میری لڑکیوں کے ساتھ گئے تھے۔" پرکاش بھی بوکھلا گیا۔

"اوہ... تب تو آپ کی لڑکیاں بھی خطرے میں ہیں۔"

"نہیں... ہم محفوظ ہیں۔" ان کے عقب سے سُریلی آواز آئی۔

شہزاد پلٹ کر دیکھنے لگا۔ اس پر بجلی سی گر پڑی۔ دونوں لڑکیاں شانہ بہ شانہ عقب میں کھڑی تھیں۔ ان کی عمریں بیس سے زیادہ نہیں تھیں۔ دونوں ایک ہی جیسے لباس میں تھیں اور دونوں کی سفید شرٹوں پر سُرخ رنگ کے مکّے کا نشان بنا ہوا تھا۔ بلوجنیز ان پر قیامت ڈھا رہی تھی۔ اُن کے حُلیے سے زیادہ شہزاد اس بات سے متاثر ہوا کہ وہ قیامت تھیں... سراپا قیامت...

ٹائیگر نے ان کے چہروں کو ثانوی حیثیت دی جو گہرے سیاہ بالوں کے گھونسلے تلے دمک رہے تھے۔ وہ گوری نہیں بلکہ سانولے رنگ کی تھیں لیکن ان کا یہ سانولا پن کسی کو بھی راہ سے بھٹکانے کے لیے کافی تھا۔

دونوں ہم شکل اور جُڑواں بہنیں تھیں۔

"ڈیڈی... آپ تو ٹھیک ہیں نا؟ ہمیں آپ کی طرف سے بے حد فکر تھی۔" اُن میں سے ایک اٹھلا کر چلتی ہوئی پرکاش تک پہنچ گئی۔

"فکر کی کوئی بات نہیں تھی کیوں کہ اس نوجوان نے انھیں مار بھگایا تھا۔"

دونوں لڑکیاں شہزاد کی طرف دیکھنے لگیں۔ ان میں سے ایک شہزاد کے قریب آ کر کھڑی ہو گئی۔

"ہمیں تم دونوں کے بارے میں بے حد تشویش تھی کیوں کہ وہ انتہائی خطرناک غنڈے تھے۔" شہزاد نے قدرتے پیش محسوس کرتے ہوئے کہا۔ "وہ دونوں کہاں گئے؟"

"چلے گئے..." پرکاش کے قریب کھڑی لڑکی نے ایک ادا سے کہا۔

"مگر ان کی کار تو یہیں کھڑی تھی؟"

"وہ چہل قدمی کے شوقین تھے لہٰذا پیدل ہی چلے گئے۔" شہزاد کے قریب کھڑی لڑکی بولی۔ "ان کا کہنا تھا کہ باقی ساتھی سڑک سے انھیں اُٹھا لیں گے۔" یہ کہہ کر وہ بڑی شوخی سے ہنسی اور دوسری نے بھی ہنسنے میں اس کا ساتھ دیا۔

"مگر تم کون ہو؟" پرکاش کے ساتھ کھڑی لڑکی نے دریافت کیا۔

"میرا نام شہزاد ہے۔" وہ اس کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے بولا کیوں کہ صرف یہی ایک ایسا طریقہ تھا جس سے تپش کا احساس کم ہو سکتا تھا۔ "اور تمھارا نام کیا ہے؟"

"اوہ..." پرکاش نے ہاتھ ملتے ہوئے ایک طویل سانس لی۔ "یہ دونوں میری بیٹیاں ہیں۔ مختلف تجربوں میں میرا ہاتھ بٹاتی ہیں۔ یہ چندا ہے اور یہ مالنی..."

شہزاد نے اپنے قریب کھڑی مالنی کی طرف نگاہ اُٹھا کر دیکھا۔ وہ فوراً جھک کر اس کے کان میں بولی۔ "کیا تم سیدھ سے بات کرنا پسند کرتے ہو؟" اس کی سانس حرارت سے بھرپور تھی اور لہجہ اب بھی شوخ تھا۔

"مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" وہ مسکرا کر بولا۔ "ویسے تم دونوں میں کوئی خاص فرق تو ضرور ہو گا؟" اس نے دوسری لڑکی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

"یقیناً... بہت بڑا فرق ہے۔" مالنی نے جواب دیا۔ وہ اب بھی سرگوشی میں بول رہی تھی۔ "لیکن یہ باتیں بتانے کی نہیں ہوتیں۔"

"تم دونوں یہاں کیا کرتی ہو؟"

"اگر تم اُٹھنے میں ندامت محسوس نہ کرو تو میں تمہیں سب کچھ بتا سکتی ہوں۔" مالنی کے لہجے میں شوخی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔

"چلو۔۔۔" شہزاد نے اپنی زندگی کی طویل ترین سانس لے کر کہا اور اس سانس کے ساتھ ہی اس کی حالت نارمل ہوگئی۔

مالنی اپنی قیامت خیز چال کا مظاہرہ کرتی ہوئی اس کونے تک چلی گئی جہاں مشین چل رہی تھی۔ شہزاد بھی اس کے ساتھ ساتھ تھا۔ چندا کی خوب صورت آنکھیں اس پر جم کر رہ گئی تھیں اور پھر وہ بھی ان کے پیچھے آ گئی۔

"یہ ڈیڈی کی ایجاد ہے۔" مالنی نے مشین کی طرف اشارہ کیا۔

"میں تمہارے ڈیڈی کی ایجادات کا قائل ہوگیا ہوں۔" وہ اُسے گہری نگاہوں سے دیکھ کر بولا۔

مالنی نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ اس کی آنکھوں کے ذریعے دل تک جھانکنے کی کوشش کر رہی تھی۔۔۔ پھر وہ بے پروائی سے بولی۔

"اس مشین سے دُنیا کو زلزلوں سے محفوظ رکھا جاسکتا ہے۔"

مشین زیادہ بڑی نہیں تھی۔ بس ایسی ہی تھی جیسے پانچ گیلن کی گنجائش کا کوئی ڈبہ ہوتا ہے۔ اس پر گہرا نیلا پینٹ کیا گیا تھا۔

"یہ کیا ہے؟" وہ چونک کر بولا۔

"تم اسے واٹر لیزر کہہ سکتے ہو۔" مالنی کا لہجہ فاتحانہ ہوگیا۔

"میں نے ایسی کسی چیز کا نام پہلے کبھی نہیں سُنا۔"

"کون بھی کیسے سکتے تھے۔ ابھی تو اس کے بارے میں دُنیا کو معلوم ہی نہیں ہُوا۔ یہ تجرباتی مرحلے میں ہے۔" عقب سے چندا کی آواز سُنائی دی۔

"یہ مشین کیا کام کرتی ہے؟" ٹائیگر نے متجسس لہجے میں پُوچھا۔

"تم نے لاسٹ لیزر دیکھے ہوں گے جو روشنی کی لہروں کو بڑھا کر روشنی کی قوت میں اضافہ کر دیتے ہیں۔ لیزر سے پتھر اور دھات تک کاٹی جاسکتی ہے۔ ڈیڈی نے یہی فارمولا پانی پر استعمال کیا۔ پانی لہروں کی شکل میں بہتا ہے لیکن ڈیڈی نے لہریں ختم کر دیں تاکہ قوت کیساں رہے، کوئی حرکت باقی نہ رہے، کسی قسم کا ارتعاش پیدا نہ ہونے پائے۔ یہ مشین انتہائی زبردست اور طاقت ور آبی دھارے کو فوکس کرسکتی ہے۔"

"مگر اس کا زلزلے سے کیا تعلق ہے؟" شہزاد نے مالنی کے چہرے پر نظر جماتے ہُوئے پوچھا۔

اس اثنا میں پرکاش بھی ان کے قریب آگیا۔

"کوہ مرگ کئی میل تک پھیلا ہُوا ہے۔" پرکاش نے کہا۔

"اور ہر ایک میل کے بعد اس کا ایک چھوٹا یا بڑا دہانہ ضرور ہے۔ ہم نے ہر دہانے میں نگہداشتی کرکے ستون ڈال دیئے ہیں۔ یہ ستون بے حساس ہیں جن سے حرارت، دباؤ اور دوسرے اُمور کے بارے میں معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ دوسرے کمرے میں موجود کمپیوٹر ان کی ریڈنگ ریکارڈ کرتے رہتے ہیں۔ ان کے مسلسل مطالعے سے یہ بتا سکتے ہیں کہ کس دہانے پر دباؤ بڑھ رہا ہے اور کہاں کم ہو رہا ہے۔ قدرت اس دباؤ کو متوازن بنانے کی کوشش کرتی ہے۔ زلزلہ آجاتا ہے۔" یہ کہہ کر وہ خاموش ہوگیا جیسے اس نے ٹائیگر کے سوال کا تسلی بخش جواب دے دیا ہو۔

"مگر یہ مشین کام کیا کرتی ہے۔" شہزاد نے پھر پوچھا جیسے کچھ بھی نہ سمجھا ہو۔

"واٹر لیزر نامی یہ مشین بہت کام کی چیز ہے۔ دباؤ کے نقطے تک پہنچنے سے قبل یہ مشین اُن ستونوں سے لگا کر آتش فشانی میں پانی ڈالا جاسکتا ہے۔ اس پانی کے شدید ترین دباؤ کے باعث چٹان ٹوٹ جاتی ہے اور اس سے انتہائی معمولی جھٹکا محسوس ہوتا ہے لیکن اس طرح ایک بڑے زلزلے سے محفوظ رہا جاسکتا ہے۔"

"اوہ۔۔۔ اگر یہ ایجاد کارآمد ہے تو میں اسے عظیم ترین کہتا ہُوں۔"

"یہ کارآمد ہے جناب!" مالنی نے آنکھیں مٹکاتے ہوئے۔ "ہم اس کا ثبوت پیش کرسکتے ہیں مگر تمہاری حکومت ہمارے کوئی مدد نہیں کرے گی حالانکہ ہمیں مزید تحقیق کے لیے بھاری رقم کی ضرورت ہے۔ تمہاری حکومت ایٹم بم بنانے میں مصروف ہے لہٰذا اُسے ایسی ایجادات سے کیا دلچسپی ہوسکتی ہے۔"

"اگر حکومت نے کوئی مدد نہیں کی تو پھر یہ عمارت کس نے بنائی اور تم لوگوں کی گزر بسر کیسے ہوتی ہے؟" شہزاد نے پوچھا۔

"ہمارے دوست عطیات کے ذریعے سب کچھ کرتے ہیں۔ دوستوں کے عطیات نہ ملتے تو ہم اس مشین کا ڈھانچہ بنانے میں بھی کامیاب نہ ہوتے۔"

"کس حد تک۔۔۔؟" شہزاد نے اس کی سیاہ آنکھوں میں جھانکتے ہُوئے پوچھا۔ "تم لوگ کس حد تک کامیاب ہوچکے ہو؟"

"مشین کا تجربہ کرنے کی حد تک۔۔۔ ہم نے کامیاب کیا ہے۔ اب ہمیں اپنے واٹر لیزر کو بہتر بنانا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کی قوت اور دائرہ عمل وسیع کر دیں۔ کیا تم مشین کا عملی مظاہرہ چاہتے ہو؟"

"کیوں نہیں۔۔۔ مظاہروں کے لیے تو میں بہت بے داقع ہُوا ہُوں۔" شہزاد نے ذومعانی انداز میں کہا۔

دونوں لڑکیاں اُسے گھُورنے لگیں۔

مالنی نے مشین بند کی تو لیبارٹری میں گہری خاموشی چھاگئی۔ اس نے واٹر لیزر کا اُوپری حصہ اُٹھا کر ایک گلاس پانی اُنڈیل دیا۔

"اس مشین میں داخل واٹر سپلائی اصول کے تحت کام کرتا ہے۔" چندا نے وضاحت کی۔

واٹر لیزر کے ایک پہلو میں گیس کین جیسی ٹونٹی لگی ہُوئی تھی جس کے ایک نٹ کو گھماتے ہُوئے مالنی نے کہا۔ "میں دھارے کو محدود کر رہی ہوں۔۔۔" اور پھر اس نے لیزر کو اتنا گھُمایا کہ اس کی ٹونٹی شہزاد کے سامنے آگئی۔

اس نے بارہ مربع انچ کی ایک آہنی پلیٹ اُٹھا کر شہزاد کو تھماتے ہُوئے کہا۔ "اسے ٹونٹی کے سامنے رکھ کر مضبوطی سے تھامے رکھنا۔"

شہزاد نے ایسا ہی کیا۔

لیزر میں صرف ایک گلاس پانی تھا اور وہ سوچ رہا تھا کہ اس پانی کی کتنی قوت ہوگی؟

مالنی نے جیسے ہی ایک سوئچ آن کیا، مشین چلنے لگی۔ اس کی آواز سے صاف پتہ چلتا تھا کہ پانی میں قوت پیدا کی جارہی ہے اور پھر اچانک ہی اُسے ایک زوردار جھٹکا لگا۔

واٹر لیزر کی ٹونٹی سے پانی کی دھار نکلی، آہنی پلیٹ سے ٹکرائی اور پلیٹ دو ٹکڑے ہوگئی۔ ٹائیگر کے بازو جھن جھنا گئے اور وہ پانچ قدم پیچھے تک لڑھکرتا چلا گیا۔

مالنی اور چندا اُس کی اس حالت پر کھل کھلا کر ہنس پڑیں۔۔۔ پھر مالنی نے مشین بند کردی اور ٹائیگر تعریفی انداز میں سر ہلانے لگا۔

"اس مشین کا راز پانی کی عدم حرکت میں ہے۔" مالنی کہہ رہی تھی۔ "پانی میں کوئی اُتھل پُتھل نہیں ہوتی بلکہ یکساں اور زبردست قوت پیدا ہوتی رہتی ہے۔ اگر ہم اس پانی کو تنگ ٹونٹی سے خارج کریں تو وہ آہنی پلیٹ کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا اور اگر ہم قدرے وسیع اور چوڑا اخراج کریں تو یہ پانی تباہی بھی لاسکتا ہے۔ تم نے ابھی صرف ایک گلاس پانی سے ہونے والا مظاہرہ دیکھا ہے جب کہ اس واٹر لیزر میں پانچ گیلن پانی آسکتا ہے۔ آج کل ہم اس لیزر کی کارکردگی کا جائزہ لے رہے ہیں۔"

"کیا تمہارے پاس صرف ایک ہی واٹر لیزر ہے؟" شہزاد نے اُن سے پوچھا۔

"آں۔۔۔ ہاں۔۔۔ ایک ہی ہے۔" وہ لمحے بھر کے توقف سے بولی لیکن اس کا لہجہ جھوٹ کی چغلی کھا رہا تھا۔

"مجھے خدشہ تھا کہ کسی نے تمہاری یہ ایجاد چُرا نہ لی ہو کیوں کہ آج کل کوئی شخص لوگوں کو زلزلہ پیدا کرنے کی دھمکیاں دے رہا ہے۔"

"لیکن اس مشین سے کوئی بڑا زلزلہ نہیں پیدا کیا جاسکتا۔" چندا نے لقمہ دیا، وہ شہزاد کے بہت قریب کھڑی تھی اور اس کی مہک شہزاد کو اپنی رُوح میں اُترتی محسوس ہو رہی تھی۔ "یہ مشین بہت چھوٹی ہے اور اس سے صرف چھوٹے چھوٹے تجربات ہی کیے جاسکتے ہیں۔ ویسے بھی زلزلہ پیدا کرنے والا کوئی احمق ہی ہوگا کیوں کہ اسے اس طرح کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوسکتا۔"

"دولت ہتھیانے کے لیے ہر قسم کی بلیک میلنگ کی جاتی ہے۔"

"ہاں۔۔۔ یہ البتہ سچ ہے۔" مالنی نے مُسکراتے ہُوئے جواب دیا۔ اس کے سفید موتیوں جیسے دانتوں میں بے پناہ چمک تھی۔ "کیا تم کوئی سُراغ رساں ہو شہزاد؟"

"نہیں۔۔۔ وہ ہنستے ہُوئے بولا۔ "میں تو محض ایک دُکان دار ہُوں۔ مجھے تشویش صرف اس بات پر ہے کہ اگر وہ بلیک میلر زلزلہ پیدا کرنے میں واقعی کامیاب ہوگئے تو میرا مال کا اسٹور تباہ ہوجائے گا جسے میں نے حال ہی میں خریدا ہے۔"

ڈاکٹر پرکاش اس وقت تک اپنی ڈیسک پر بیٹھ کر کاغذات کے مطالعے میں گم ہوچکا تھا۔

"سنو۔۔۔" شہزاد نے لڑکیوں سے سرگوشی کے انداز میں کہا۔ "میری مانو تو اپنی حفاظت کے لیے یہاں کوئی محافظ رکھ لو کیونکہ اس تنظیم کے لوگ بڑے خطرناک معلوم ہوتے ہیں، ممکن ہے وہ پھر یہاں آجائیں اور۔۔۔"

"نہیں۔۔۔ ایسا نہیں ہوگا۔" چندا نے تبسم ہو کر کہا۔

"یہ تو بتاؤ کہ ان دونوں کا کیا ہُوا جو ڈیڈی کے ساتھ تھے۔ ہم نے ان کی گاڑی پوری رفتار سے دوڑتی دیکھی تھی۔"

"اُن میں سے صرف ایک واپس جاسکا ہے۔ دوسرا تمہارے کچن میں پڑا ہے۔۔۔ اور اس کی رُوح قفسِ عنصری سے پرواز کر چکی ہے۔"

"اوہ، وہ مر گیا۔" مالنی نے حیرت سے کہا۔۔۔ پھر اچانک ہی وہ سنجیدہ ہو کر واٹر لیزر کی طرف پلٹی۔ "اگر کوئی اور سوال باقی نہیں تو ہم چند ضروری کام نمٹا لیں؟"

"کیوں نہیں۔۔۔ پھر مُلاقات ہوگی۔ تم دونوں کسی بھی روز میرے گھر آسکتی ہو۔ میرے سوئمنگ پُول میں تمہیں بہت لُطف آئے گا۔" شہزاد نے اُنہیں دعوت دیتے ہُوئے کہا۔

"ضرور آئیں گے۔" مالنی نے پلٹ کر کہا اور چندا نے بھی اثبات میں سر ہلا کر اُس کی تائید کردی۔

✡

انسپکٹر مدن لال سڑک کے کنارے اکڑوں بیٹھا ہُوا تھا اور اس کی طبیعت بُری طرح متلا رہی تھی۔ واپسی پر ٹائیگر کی نظر اُس کی موٹر سائیکل پر پڑی تو اس نے فوراً گاڑی روک دی... اور پھر یہ دیکھ کر بے ساختہ اس کی ہنسی چھوٹ گئی کہ مدن لال قے کر رہا ہے اور اس کا نائب اس کے قریب اٹینشن حالت میں کھڑا ہے۔

"کیا کھا لیا تھا انسپکٹر؟" شہزاد نے ہنسی ضبط کرتے ہُوئے پوچھا۔

"اوہ، آپ..." انسپکٹر نے پیٹ پر ہاتھ رکھ کر اس کی طرف دیکھا اور پھر دوسرے ہاتھ سے ایک گڑھے کی طرف اشارہ کر کے دوبارہ مُنہ پر ہاتھ رکھ لیا۔

ٹائیگر نے گڑھے میں جھانک کر دیکھا اور پھر اُسے انسپکٹر سے ہمدردی محسوس ہونے لگی۔ گڑھے کا منظر دیکھ کر کوئی بھی عام آدمی انسپکٹر جیسی حالت میں مبتلا ہو سکتا تھا۔

گڑھے میں دو آدمیوں کی لاشیں پڑی تھیں۔ دونوں نے نیلے سوٹ پہن رکھے تھے اور ایسا لگتا تھا جیسے کسی نے ان کے پیٹ اور معدے کی آلائش کسی چیز سے کھینچ کر نکال دی ہو۔ اُن کے مُنہ سے آنتیں لٹک رہی تھیں۔ گویا ان کے پیٹ پر شدید دباؤ ڈالا گیا تھا اور آنتوں کو نکلنے کے لیے صرف دہانے ہی کا راستہ میسّر آیا ہو۔

"یہ کون لوگ ہیں، انسپکٹر؟" ٹائیگر نے مدن لال کو پتلون سنبھال کر اُٹھتے دیکھ کر پوچھا۔

"معلوم نہیں... ممکن ہے اُنھی میں سے کوئی بلونت رائے کا قاتل بھی ہو۔"

"ویری گڈ... میں تمھاری ذہانت کا معترف ہوتا جا رہا ہوں... ان لاشوں کی اطلاع کس نے دی تھی؟"

"کسی نے فون کیا تھا۔" مدن لال نے گڑھے میں جھک کر ایک لاش کی جیبیں ٹٹولتے ہُوئے کہا لیکن ان دونوں لاشوں کی جیبیں خالی تھیں۔ شہزاد نے دو خاص باتیں نوٹ کیں، پہلی تو یہ کہ ہر پتلون کی زپ کھُلی ہُوئی تھی اور دوسری یہ کہ ان کی کمر کے گرد قمیصیں اور پتلونیں بے رنگ تھیں۔ یُوں لگتا تھا جیسے وہ گیلی ہو کر خشک ہُوئی ہوں۔

"یُوں محسوس ہو رہا ہے جیسے کوئی انھیں اپنی گاڑی سے کُچل کر فرار ہو گیا ہو۔" مدن لال نے اپنی توند پر ہاتھ پھیرتے ہُوئے کہا۔

"مگر ایسی صورت میں لاشوں کی حالت کافی مختلف ہوتی ہے۔"

"اوہ... تو اب آپ بھی مجھے مشورے دیں گے؟" انسپکٹر کو غُصّہ آنے لگا۔ "یہ معاملے میں آپ کی مداخلت پسندیدہ نہیں ہو سکتی۔ بلونت رائے کے دفتر میں بھی آپ کا رویّہ غیر مُناسب تھا۔"

"ٹھیک ہے... ٹھیک ہے... میں جا رہا ہوں تاکہ تم کسی مشورے یا تبصرے کے بغیر ہی اپنا کام کر سکو۔ ویسے یہ تو بتاؤ کہ یہاں ایسی کوئی عورت مِل سکتی ہے جس کے چہرے پر بے شمار گھُورے تِل ہوں؟"

"کک... کیا؟" انسپکٹر کا مُنہ حیرت سے کھُلا کا کھُلا رہ گیا اور ٹائیگر نے مایوسی سے گردن جھٹک کر اپنی گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

مدن لال اس کی شان دار گاڑی کو نظروں سے اوجھل ہونے تک گھُورتا رہا۔ وہ بے حد پریشان تھا... اور پریشانی کی وجہ محض وہ لاشیں نہیں تھیں کیوں کہ وہ ایسی لاشیں پہلے بھی دیکھ چُکا تھا۔ ممتاز اور مکرمی کا بھی یہی حشر ہُوا تھا۔ پریشانی کا اصل سبب وہ فون کال تھی جس سے اُسے ان لاشوں کا پتہ چلا تھا۔ ایک نسوانی آواز نے اسے بتایا تھا کہ لاشیں کہاں پڑی ہیں... اور اسی آواز نے اُسے رات کو ملاقات کے لیے بھی طلب کیا تھا اور اس کا مطلب تھا کہ کوئی نہ کوئی گڑبڑ ہونے والی ہے۔

اب تو یہ نسوانی آواز سُن کر اُس کا خون تک رگوں میں خشک ہونے لگا تھا۔

✡

"شہزاد... شہزاد...! شہزاد!" سبھاش چندر نے ریسیور پٹختے ہُوئے کہا۔ "یہ کیا بکواس ہے آخر؟ کیا میری زندگی محض ایک دُکاندار کے ہاتھوں تباہ ہو جائے گی؟" اس کا پارہ چڑھا ہُوا تھا اور کنپٹی کی ایک رگ زور زور سے پھڑک رہی تھی۔

اس نے شعلہ بار نظروں سے اُمرناتھ کی طرف دیکھا جو چند قدم دُور ایک آرام کرسی پر ساکت بیٹھا ہُوا تھا۔

"میں تم سے خوش نہیں ہُوں اُمرناتھ۔" سبھاش چندر نے پیر پٹختے ہُوئے کہا۔

اُمرناتھ مزید سکڑ گیا۔

"یہ گورنر بند سنگھ کی کال تھی، اُس نے بتایا ہے کہ جوزف، راج کمار اور فرید تینوں ہلاک ہو چُکے ہیں۔ انھیں اُسی مردود شہزاد نے قتل کیا ہے اور... اور تم...؟"

سبھاش چندر بے چینی کے عالم میں ٹہلنے لگا۔

"میں نے تمھیں زلزلوں کا راز معلوم کرنے کے لیے بھیجا تھا تم ایک قتل کر کے واپس آ گئے... پھر کام مکمل کرنے کے بجائے نے اپنے آدمیوں کو پرکاش کے پاس بھیجا اور خود واپس آ گئے۔ رے اپنے دو آدمی بھی لاپتہ ہیں۔ ایک مر چُکا ہے، ایک کا ہاتھ گیا ہے۔ آخر کیوں...؟ صرف شہزاد کی وجہ سے؟ شہزاد..." ش چندر نے جھنجلا کر اپنے بال نوچ ڈالے۔

اُمرناتھ کی حالت دیدنی تھی۔ وہ پسینے پسینے ہو رہا تھا۔

"کیا تمھیں علم ہے کہ غلطی کیا ہُوئی ہے، ناتھ؟" سبھاش نے ے لہجے میں کہا۔ "میں تمھیں بتاتا ہُوں کہ غلطی کیا ہے... میں ں پر اندھا اعتماد کر کے ان سے محبت کرنے لگتا ہُوں۔ میں ں پر اعتماد کرنے لگتا ہوں۔ میں نے ایک معمولی سے کام کے وزف پر اعتماد کیا لیکن یہ معمولی سا کام پہاڑ ثابت ہُوا اور اب ف کی لاش وہاں پڑی ہے۔ میں نے چھوٹی سی معلومات کے م پر اعتماد کیا... لیکن تم بھی نااہل ثابت ہُوئے... اور اب ی کتے کی طرح دُم دبائے یہاں بیٹھے ہو؟"

اُمرناتھ خاموش رہا۔

سبھاش نے بھی سانس لینے کے لیے توقف کیا اور پھر بولا س کا لہجہ نرم ہو گیا تھا۔

"اب بتاؤ، میں تم سے کیا سلوک کروں؟"

اُمرناتھ نے کچھ کہنے کے لیے مُنہ کھولا لیکن پھر بند کر لیا کیونکہ باش چندر اب بھی بول رہا تھا۔

"کیا میں اس جدید دَور میں زمانۂ قدیم جیسی کوئی سزا دُوں؟ میں ایسا کروں گا تو کسی کو بھی اعتراض نہیں ہو گا کیوں کہ غلطی ر پر کوئی بھی معترض نہیں ہوتا لیکن نہیں... میں بہت رحم دل ں۔ میں تمھیں پسند بھی کرتا ہُوں لہٰذا اب میں تمھیں چند باتیں ؤں گا۔"

سبھاش چندر نے سگریٹ نکال کر سُلگائی اور پھر ناتھ کی طرف لٹھے ہُوئے بولا...

"شہزاد ایک معمولی سا نوجوان ہے۔ محض ایک دُکان دار... ں میں کچھ اور بھی سوچ رہا ہُوں۔ وہ سب کچھ تو ہو سکتا ہے ر دُکان دار ہرگز نہیں ہو سکتا۔ مجھے یقین ہو چلا ہے کہ اس کا لی زلزلے پیدا کرنے والوں سے ہو گا... وہ یقیناً زلزلوں کے ر میں وسیع معلومات رکھتا ہے، ہمیں اس سے مطلوبہ علومات حاصل ہو سکتی ہیں... لیکن... وہ ایسا آدمی نہیں جو آسانی سے سب کچھ اُگل دے۔ سیدھی اُنگلیوں سے بھی نہیں نکلے گا۔ اس پر تشدّد کرنا پڑے گا۔ بھیانک تشدّد، صرف اسی صُورت میں اس کی زبان کھُلے گی۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا میرے پاس ایسا کوئی شخص ہے جو ایسا تشدّد کر سکے۔ کل تک میرا جواب اثبات میں ہوتا اور میں سر اُٹھا کر کہتا ہاں... اُمرناتھ ایسا آدمی ہے، لیکن آج مجھے اُمرناتھ کی صلاحیتوں پر اعتماد نہیں رہا۔ شاید ناتھ کا دل بہت نرم ہو گیا ہے، شاید وہ اس کام کے لیے بُوڑھا ہو گیا ہے اور... شاید اب مجھے کوئی ایسا شخص تلاش کرنا پڑے گا، جو تمھاری طرح کمزور اور بُوڑھا نہ ہو گیا ہو۔"

اُمرناتھ ایک جھٹکے سے اُٹھ کھڑا ہُوا۔ اس کا چہرہ سُرخ ہو چُکا تھا۔ "سبھاش چندر جی! ناتھ نہ تو بُوڑھا ہُوا ہے اور نہ ہی نرم دِل ہے... میں درخواست کرتا ہوں کہ مجھے ایک اور موقع دیا جائے۔ میں شہزاد سے نمٹ لوں گا۔ میں اور میرے ساتھی... ہم اس کی زبان کھُلوانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔" اس نے اپنی جیب کو تھپکتے ہُوئے کہا جس میں ایک سُوا رکھا ہُوا تھا۔

"کیا تم ایک ایسے شخص کا مقابلہ کرنے کی ہمّت رکھتے ہو، جس نے تمھیں یہ پیغام دیا ہو کہ وادیٔ کہسار کا کبھی رُخ بھی نہ کرنا؟"

"جی ہاں... میں اُس سے اس گستاخی کا بھی بدلہ لوں گا۔"

اُمرناتھ نے عزمِ نو کے ساتھ کہا۔

"واہ، تو تم اب بھی وہی اُمرناتھ ہو۔ ٹھیک ہے جاؤ... لیکن یاد رکھنا کہ میں تمھیں آخری موقع دے رہا ہُوں۔"

اُمرناتھ کے ہونٹوں پر بڑی ہی خطرناک مُسکراہٹ رقص کرنے لگی۔

✡

انسپکٹر مدن لال کو ایک بے حد اہم پیغام دارالحکومت لے جانا تھا... "مگر میں تو وہاں کسی سے بھی واقف نہیں ہُوں۔" اُس نے بے بسی سے جواب دیا۔

"تب پھر کسی اڈا کارہ سے جا کر ملنا۔ وہ تمھارا کسی بڑے افسر سے تعارف کرا دے گی۔" چھوٹے سے ٹرالر کیبن میں سرد قدر کھڑی مانی نے کہا۔

وہ انتہائی چست جینز پہنے ہُوئے تھی۔ مدن لال بار بار اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر رہا تھا شاید اس کیفیت کا مانی کو بھی اندازہ ہو گیا تھا... اور شاید اسی لیے وہ بڑے ہی عجیب انداز میں چلتی ہُوئی اُس کے قریب آ گئی۔

وہ ایک پرانی سی کرسی پر بیٹھا ہُوا کانپ رہا تھا۔

"تم یقیناً کسی غلیظ سوچ میں مبتلا ہو کورا زادے" وہ اپنے بال ایک جھٹکے سے پُشت پر ڈالتے ہُوئے بولی۔

مدن لال کو یُوں محسوس ہُوا جیسے یکایک چاند بادلوں کی اوٹ سے نکل آیا ہو۔ وہ اُس سے صرف چند انچ کے فاصلے پر کھڑی تھی...

"کیا تم مجھے پسند کرتے ہو، یہ بھاڑ کی اولاد...؟"

"ہاں... ہاں..." وہ تائید میں ہانپنے لگا۔

"تب پھر مجھ سے دُور ہی رہنا۔ اگر زندہ رہنے کی خواہش ہے تو میرے قریب مت آنا ورنہ تمھارا بھی وہی حشر ہوگا، جو ممتاز، مکرجی اور تنظیم کے دو آدمیوں کا ہو چکا ہے۔ وہ بھی مجھے پسند کرتے تھے لیکن ان کے تقاضوں میں، میرے لیے ناپسندیدگی چھپی ہُوئی تھی۔" یہ کہہ کر وہ ہنسنے لگی۔

مدن لال کو یُوں پسینہ آنے لگا جیسے وہ پگھل رہا ہو۔

"خیر چھوڑو۔" وہ قدرے سنجیدگی سے بولی۔ "یہ بتاؤ کہ تم اتنے پریشان کیوں ہو؟ ہم تمھیں دولت مند بنانا چاہتے ہیں اور تم ہو کہ..."

"لل... لیکن مَیں... مَیں دولت مند نہیں بننا چاہتا۔ مَیں تو صرف ایک اچھا قانون کا محافظ بننا چاہتا ہُوں۔"

"وہ تو تم اُسی وقت بن گئے تھے جب تمھاری والدہ نے تمھیں جنم دیا تھا۔ تم اتنے ہی پارسا تھے تو پھر اُس غریب شانتی کو ہوٹل کیوں لے گئے تھے... اور وہاں تم نے اُس کے ساتھ وہ تصویریں اُتارنے کی اجازت کیوں دی تھی؟ وہ تصویریں اب ہمارے پاس ہیں... کیا تم چاہتے ہو کہ ان تصویروں کی سینکڑوں کاپیاں... وادیٔ کہسار اور راجدھانی میں تقسیم کر دی جائیں؟ یہ تو ہماری مروّت ہے کہ ہم تمھیں اپنا حصّے دار بنا رہی ہیں۔"

وہ بولتے بولتے ایک قریبی دیوان پر لیٹ گئی۔

مدن لال کی توند پھُولنے اور پچکنے لگی۔ وہ بُری طرح ہانپ رہا تھا۔

"دارالحکومت سے پہلے تو ممتاز اور مکرجی آئے تو ہم نے... انھیں خبردار کیا کہ مزید کوئی آدمی نہیں آئے گا لیکن اب تمھوں نے اِس شہزاد کو بھیج دیا ہے۔"

"اوہ... تک... کیا وہ کوئی سرکاری آدمی ہے؟" انسپکٹر نے پُوچھا تو اُس کی نگاہیں جُھک گئی تھیں کیونکہ مالنی پر نظریں جمائے رکھنا اُس کے لیے بے حد خطرناک بھی ثابت ہو سکتا تھا۔

"ہاں... اور اب تم دارالحکومت جاؤ گے۔ حکّام کو یہ ضرور بتلانا کہ اُن کے آدمیوں کی مسلسل آمد کے باعث کوئی خوفناک زلزلہ آ سکتا ہے۔ اُن سے کہنا کہ اب انھیں دو کروڑ روپے ادا کرنا ہوں گے... ورنہ امین آباد تباہ ہو جائے گا۔ یہ رقم چھوٹے استعمال شدہ کرنسی نوٹوں میں ہونی چاہیے۔ تم رقم لاکر ریلوے اسٹیشن کے لاکر روم میں رکھ دو گے۔"

مالنی نے ٹرالر میں موجود فنسریج کی طرف اشارہ کرتے ہُوئے کہا۔

وہ ہونقوں کی طرح مُنہ پھاڑ کر رہ گیا۔

"اسے تم اپنا آخری کام سمجھ سکتے ہو، پھر ہم تمھیں کبھی پریشان نہیں کریں گے۔ اس رقم میں تمھارے لیے بھاری بونس بھی شامل ہے، میرا خیال ہے، دس لاکھ روپے کی رقم تو تم زندگی بھر خرچ نہیں کر سکو گے۔" یہ کہتے ہُوئے اُس نے کروٹ بدلی۔

مدن لال کا دل اور بھی پُورے ہونے لگا۔

"اگر تم نے یہ کام مکمل نہ کیا تو پھر... پھر تمھاری تقسیم کر دی جائیں گی۔"

"مُم... مَیں... مَیں ضرور جاؤں گا..." انسپکٹر کا رُواں رُواں کانپ رہا تھا۔ "لیکن دارالحکومت کے لوگ میری پر یقین نہیں کریں گے۔"

"تو پھر مت جاؤ۔" وہ یکایک اُٹھ بیٹھی۔

"پھر کیا کروں؟" وہ بے بسی سے بولا۔

"ایسا کرو کہ شہزاد کو سب کچھ بتا دو۔ وہ سرکاری آدمی ہے، اس طرح یقیناً سرکار کو اطلاع ہو جائے گی اور رقم کا بندوبست ہو جائے گا۔ تم اسے ایک اور بات بھی بتا سکتے ہو تاکہ وہ ہمارے دعوے پر یقین کر سکے۔ اُس سے کہنا کہ کل زلزلہ آئے گا لیکن اس کی شدّت زیادہ نہیں ہوگی البتہ اگر ہمیں دو کروڑ روپے نہ ملے تو ہم اتنا زبردست زلزلہ پیدا کریں گے کہ امین آباد کی تعمیر نو میں صدیاں لگ جائیں گی۔ ہم امین آباد کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیں گے..."

"کیا مَیں شہزاد کو سب کچھ بتا دُوں؟" وہ ٹھوک نگلتے ہُوئے بولا۔

"ہاں... لیکن اگر تم نے ہمارا نام لیا تو تم بھی کسی گڑھے میں پڑے ہُوئے نظر آؤ گے۔"

"رقم لینے کے بعد اُس کا قتل ضروری ہو جائے گا۔"

"نہیں... قتل کا حکم ہم نے واپس لے لیا ہے۔ ہم اسے خود ہی نمٹا لیں گے۔"

"اُسی طریقے سے...؟" مدن لال نے جُھرجُھری لیتے

کہا۔ اُس کی آنکھوں کے سامنے ممتاز اور مکرجی کی لاشیں رقص کرنے لگیں۔

"ہاں... اور ہم اُس کے آخری لمحوں میں اُسے ایسی خوشگوار ساعتیں بخشیں گے کہ اُس کی آئندہ کی تمام موت کے بعد بھی خوش رہے گی..." مالنی نے بازُو چھت کی طرف اُٹھاتے ہُوئے کہا۔

مدن لال نے پھر نظریں جُھکا لیں۔

"... اور اب تم یہاں سے دفعان ہو جاؤ۔ چُندا آنے والی ہے تمھیں دیکھتے ہی اُس کا مُوڈ خراب ہو جاتا ہے۔ وہ جسیم اور مخرب آدمی دیکھ کر بور ہو جاتی ہے۔"

مدن لال اُٹھ کھڑا ہُوا۔

"یہ مت بھُولنا کہ ہمیں رقم کل تک یہیں مل جانی چاہیے۔"

مدن لال نے اثبات میں سر ہلایا اور وہاں سے رُخصت ہو گیا۔ تب اُس کی حالت ایسی تھی جیسے وہ بے پناہ نشے میں لڑکھڑا رہا ہو۔

*

واپسی پر مدن لال یہی سوچتا رہا تھا کہ ان لڑکیوں نے اُس کی زندگی تباہی کے قعرِ عمیق کے کنارے پہنچا دی ہے۔ وہ اُس کی ایک غلطی سے فائدہ اُٹھا کر اُسے بلیک میل کر رہی تھیں اور وہ اُن کے ہاتھوں کھلونا بن کر رہ گیا تھا۔

دفتر پہنچ کر اُس نے ڈائریکٹری میں کسی کا نمبر تلاش کیا اور فوراً ہی ڈائل کرنے میں مصروف ہو گیا۔

دوسری جانب سے ایک بُوڑھی اور مہین سی آواز سُنائی دی...

"شہزاد صاحب سے بات کراؤ۔" وہ بولا۔

شہزاد آیا تو اُس نے اُسے فوراً ملنے کے لیے کہا۔

"مجھے وہاں آکر خوشی ہوگی انسپکٹر۔" ٹائیگر نے خوش دلی سے کہا۔ "ویسے اب تو تمھیں تنے نہیں ہو رہی ہے نا!"

مدن لال نے فوراً رسیور رکھ دیا اور جلدی سے ردّی کی ٹوکری اُٹھالی کیونکہ اُن لاشوں کا خیال آتے ہی اُسے متلی کا احساس ہونے لگا تھا۔

◆

پولیس چوکی کی طرف جاتے ہُوئے شہزاد بھی کچھ سوچ رہا تھا۔ اُسے توقع تھی کہ انسپکٹر اُس سے ہونت رائے کی موت کے بارے میں پُوچھ گچھ کرے گا۔ اُس نے فیصلہ کیا کہ وہ پولیس کو مُرناتھ کے بارے میں کچھ نہیں بتلائے گا، جس نے رائے کو قتل کیا تھا کیونکہ مُرناتھ سے انتقام، ٹائیگر نے ذاتی مسئلہ بنا لیا تھا۔

اُس نے اپنی گاڑی پارک کرتے ہُوئے سوچا... کہ شاید مدن لال ہی سے زلزلوں کے تاجر کے بارے میں کچھ معلومات حاصل ہو سکیں۔ اُس کے ذہن میں کئی لوگوں کے نام تھے اُن میں پرکاش، چندا اور مالنی بھی شامل تھی۔

انسپکٹر بے چینی سے اُس کا منتظر تھا اور شہزاد جونہی اُس کے کمرے میں داخل ہُوا تو اُس نے اُٹھ کر دروازہ بند کر دیا۔

دونوں کرسیوں پر آمنے سامنے بیٹھ گئے۔

"میرا خیال ہے، آپ محض ایک دُکاندار نہیں ہیں مسٹر شہزاد۔" انسپکٹر نے فوراً ہی گفتگو شروع کر دی۔

"کیوں نہیں... کیا تمھیں معلوم نہیں کہ یہاں سے صرف ایک فرلانگ دُور ایک تین منزلہ عمارت میں میرا ڈیپارٹمنٹل اسٹور ہے..."

"میرا خیال ہے کہ آپ کوئی دوسرا دھندا بھی کرتے ہیں۔"

"کیسا دھندا؟ کھُل کر بات کرو انسپکٹر۔"

"مثال کے طور پر... آپ... میرا مطلب ہے کہ آپ سرکار کا بھی کوئی کام کرتے ہیں؟" اُس نے دونوں ہاتھ میز پر رکھتے ہُوئے کہا۔ "مَیں جانتا ہُوں کہ آپ مجھے کچھ نہیں بتائیں گے لہٰذا وقت ضائع کرنے سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ فی الحال آپ میری بات ذرا غور سے سُنیں۔ کچھ ہی دیر قبل مجھے زلزلے کے... بیوپاریوں کی کال وصول ہُوئی تھی۔ اُن کا کہنا ہے کہ کل ایک معمولی سا زلزلہ پیدا کیا جائے گا، وہ چاہتے ہیں کہ مَیں اُن کا پیغام لے کر دارالحکومت جاؤں۔ اُن کا مطالبہ ہے کہ انھیں دو کروڑ... روپے ادا کیے جائیں بصورتِ دیگر وہ اتنا خوفناک زلزلہ پیدا کریں گے کہ امین آباد نیست و نابود ہو جائے گا۔"

"مگر تم یہ باتیں مجھے کیوں بتا رہے ہو؟ مَیں نے تو اتنی بڑی رقم کبھی خواب میں بھی نہیں دیکھی۔" ٹائیگر نے چونک کر کہا اور بوکھلاہٹ کا اظہار کرنے لگا۔

"مَیں پہلے ہی کہہ چُکا ہُوں کہ آپ سرکار کے لیے کام کرتے ہیں اور مَیں یہ پیغام دارالحکومت تک نہیں پہنچا سکتا۔ میرا خیال ہے کہ یہ کام صرف آپ ہی کر سکتے ہیں۔ مَیں اتنا بتانا ضروری سمجھتا ہُوں کہ زلزلے کے بیوپاری بے حد خطرناک لوگ ہیں اور انھوں نے رقم کا مطالبہ بھی سنجیدگی سے کیا ہے۔ امین آباد کو مرگھٹ میں تبدیل ہونے سے روکنے کے لیے مجھے آپ کی مدد درکار ہے، مسٹر شہزاد۔"

"تمہارا خیال غلط ہے انسپکٹر۔" شہزاد نے کامیابی کی بُو سُونگھتے ہُوئے نرم لہجے میں جواب دیا۔ "مَیں سرکاری ایجنٹ نہیں ہُوں لیکن پردھان منتری بھون میں میری تھوڑی بہت جان پہچان ضرور ہے۔ اگر تم کہتے ہو تو مَیں یہ پیغام وہاں تک ضرور بھیج سکتا ہُوں۔"

"یہ ہُوئی نا قاعدے کی بات۔" مدن لال فاتحانہ انداز میں مُسکرانے لگا۔

شہزاد اُٹھ کھڑا ہُوا۔ "کیا تم کچھ دیر تک یہیں رہو گے؟"

اثبات میں جواب ملنے پر وہ پھر بولا۔ "مَیں گھر واپس جا کر چند ٹیلی فون کروں گا پھر تمہیں فون ہی پر صحیح صُورتِ حال سے آگاہ کر دُوں گا۔ یہ تو بتاؤ کہ تمہیں کس نے فون کیا تھا؟"

"کوئی مرد تھا۔ لیکن مَیں نے پہلے کبھی اُس کی آواز نہیں سُنی۔" اُس نے جواب دیا۔

"بلونت رائے کے قاتلوں کا کوئی سُراغ ملا؟"

"رائے کی سیکریٹری نے قاتلوں کا جو حلیہ بتایا تھا، وہ اُن لوگوں سے کسی حد تک ملتا جُلتا ہے جو آج گرفتار ہُوئے ہیں۔" مدن لال نے سفید جھوٹ بولتے ہُوئے کہا۔ "ویسے مَیں نے موت کی وجہ دل کا دَورہ لکھی ہے تاکہ وادی کے لوگوں میں خوف و ہراس نہ پیدا ہو۔"

"اوہ... تمہارا آج کا دن تو بہت ہی مصروف گزرا ہوگا، بلونت رائے کی موت، دو لاشوں کا ملنا اور پھر دو کروڑ روپے کا مسئلہ... بہت زیادہ مصروفیت رہی ہوگی انسپکٹر۔"

"یہی نہیں... بلکہ مجھے معلوم ہُوا ہے کہ گورنبد کے کھیتوں میں بھی تین قتل ہُوئے ہیں۔ کسی نے بتایا تھا کہ قاتل دو تھے۔ ایک بُوڑھا تھا لیکن گورنبد سے بات ہُوئی تو اُس نے کہا کہ یہ سب قصّے کہانیاں ہیں کوئی قتل وَتل نہیں ہُوا۔"

"لہٰذا قصّے کہانیوں پر یقین نہیں کیا جا سکتا۔" شہزاد نے مُسکراتے ہُوئے تبصرہ کیا اور وہاں سے رُخصت ہو گیا۔

ٹائیگر کے چلے جانے پر انسپکٹر سوچتا رہا کہ یہ نوجوان اتنا خراب آدمی بھی نہیں کہ اُسے اتنی بے دردی سے قتل کر دیا جائے

▼▼

ڈاکٹر بہرام ایک پیپر ویٹ سے کھیلتا ہُوا فون پر گفتگو کر رہا تھا۔ "ٹھیک ہے شہزاد... مَیں سمجھ رہا ہُوں... لیکن کیا تمہیں کوئی سُراغ ملا؟"

"نہیں... میرا قیاس کہتا ہے کہ ڈاکٹر پر کاشن کی مشین استعمال کی جا رہی ہے۔"

"تب پھر اسی نکتے پر تفتیش آگے بڑھاؤ۔"

"دو کروڑ روپے کا کیا ہوگا؟"

"تم جہاں ہو، وہیں ٹھہرو، مَیں تمہیں کچھ دیر بعد فون کروں گا۔" بہرام نے جواب دے کر ریسیور رکھ دیا۔

وہ سوچ رہا تھا کہ لوگوں نے حکومت کو بلیک میل کرنے کے لیے کیسے کیسے طریقے اختیار کر رکھے ہیں۔ اب اُسے فوراً وزیرِاعظم سے بات کرنی تھی... اُس نے ایک دراز سے گہرے سُرخ رنگ کا ٹیلی فون نکالا جس کے ریسیور پر ایک سیاہ نقطہ چمک رہا تھا۔

دارالحکومت میں وزیرِاعظم نے گھنٹی سُنتے ہی کمبل ایک طرف پھینکا اور اپنی عمر سے کہیں زیادہ سُرعت کا مظاہرہ کرتے ہُوئے ریسیور اُٹھا لیا۔

"اداسیگی کر دی جائے۔" وزیرِاعظم نے ہونٹ چباتے ہُوئے جواب دیا۔ وہ پُورے ایک منٹ بعد گویا ہُوا تھا۔

"لیکن اگر ایک مرتبہ اداسیگی کر دی گئی تو وہ پھر بھی رقم کا مطالبہ کریں گے اور یہ سلسلہ جاری رہے گا۔" یہ ڈاکٹر بہرام کی آواز تھی...

"ڈاکٹر بہرام! ہمیں اپنی آباد اور اُس کے باشندوں کو بے رحم موت سے بچانا ہے۔"

"ٹھیک ہے... آپ جو فیصلہ کریں۔"

"... اور میرا فیصلہ یہ ہے کہ ہم اُنھیں یہ رقم ادا کریں گے اگر وہ کل کا مجوّزہ زلزلہ بھی منسوخ کر دیں تو ہم اُنھیں مزید رقم بھی دے سکتے ہیں۔ کیا تمہارے پاس اتنی رقم موجود ہے؟"

"جی ہاں۔ آپ نے اس سلسلے میں ہمیں کافی مراعات دے رکھی ہیں اور ہم بھی بے جا خرچ کرنے کے عادی نہیں ہیں۔"

"ٹھیک ہے، اداسیگی کر دی جائے..." وزیرِاعظم نے فیصلہ کُن لہجے میں جواب دیا اور سلسلہ منقطع کر دیا۔

وزیرِاعظم کا حُکم ہے کہ اداسیگی کر دی جائے۔" بہرام نے دوسری طرف سے ریسیور اُٹھائے جانے کے ساتھ ہی کہا۔

"اوہ... اس سے تو آپ کا بجٹ اَلٹ پلٹ ہو کر رہ جائے گا، سویٹ ہارٹ۔" شہزاد نے شوخ لہجے میں جواب دیا۔

"میرا ہی نہیں تمہارا بھی..." بہرام نے جوابی حملہ کیا۔ "تمہیں مسلسل ایک ہفتے تک بغیر پالش کے جُوتے پہننے ہوں گے۔"

"اور بے چارے اُوشان کی خوراک میں بھی کمی کر دی جائے گی..."

"حکومت کا کہنا ہے کہ اگر وہ لوگ کل کا متوقع زلزلہ بھی منسوخ کر دیں تو ہم اُنھیں مزید رقم بھی دے سکتے ہیں۔"

"باپ رے... اتنی فیاضی۔"

"سُنو... وادیٔ کہسار کے مرکزی بینک والے اکاؤنٹ میں کل صبح تک اس رقم کا ڈرافٹ پہنچ جائے گا۔ تم وہیں سے اسے کیش کرا لینا۔ مَیں سارے انتظامات مکمل کر دُوں گا۔ انھوں نے رقم کی حوالگی کے لیے کسے مقرر کیا ہے؟"

"انسپکٹر مدن لال کو..."

"تب پھر یہ معلوم کرنا زیادہ دلچسپ ہوگا کہ اس نے رقم کس کے حوالے کی ہے؟"

"میرا بھی یہی منصوبہ ہے۔" ٹائیگر کی بھاری آواز سُنائی دی...

"اور سُنو... رقم واپس لینے کی بھی کوشش کرنا۔"

بہرام کی ہدایت سُننے کے بعد ٹائیگر نے اثبات میں سر ہلاتے ہُوئے ریسیور رکھ دیا اور پھر فوراً ہی پولیس چوکی کا نمبر ڈائل کیا۔

انسپکٹر مدن لال بے چینی سے اس کے فون کا انتظار کر رہا تھا۔

"سُنو انسپکٹر، مجھے کسی حد تک کامیابی ہُوئی ہے۔" وہ لوگ تم سے اب کس وقت رابطہ قائم کریں گے؟" ٹائیگر نے دریافت کیا...

"شاید صبح ہوتے ہی..." مدن لال کی مضطرب آواز سُنائی دی۔

"ٹھیک ہے، مَیں نے وادالحکومت کے ایک انتہائی اعلا افسر سے بات کی ہے۔ سرکار رقم کی اداسیگی کے لیے تیار ہے... اور اگر وہ لوگ کل کا زلزلہ منسوخ کر دیں تو انھیں مزید رقم بھی دی جا سکتی ہے۔ کیا وہ اس زلزلے کو روک سکیں گے؟"

"معلوم نہیں لیکن مَیں تمہارا پیغام اُن تک پہنچا دُوں گا، مجھے رقم کس طرح ملے گی؟"

"رقم کل تک میرے پاس پہنچ جائے گی اور پھر مَیں تمہیں اداسیگی کروں گا۔"

"ٹھیک ہے۔" مگر انھوں نے یہ بھی مطالبہ کیا تھا کہ رقم پرانے کرنسی نوٹوں پر مشتمل ہونی چاہیے۔"

"مَیں اس کا بھی خیال رکھوں گا۔" یہ کہتے ہُوئے شہزاد نے ریسیور رکھ دیا، گھڑی دیکھی اور پھر تفتیش کی مشق کرنے لگا۔

ٹھیک دو منٹ بعد اُس نے ایک بار پھر پولیس چوکی کا نمبر ملایا لیکن دوسری طرف کی لائن پر پہلے ہی بات ہو رہی تھی اور اس کا مطلب غالباً یہی تھا کہ انسپکٹر مدن لال زلزلے کے بیوپاریوں سے بات کر رہا ہے اور اس کا مطلب یہ بھی نکلتا تھا کہ وہ ان لوگوں کا نمبر جانتا ہے۔ ٹائیگر کو یقین ہو گیا کہ مدن لال بھی اس ڈرامے کا ایک اہم کردار ہے۔ وہ اگر چاہتا تو اُسی وقت انسپکٹر کا کام تمام کر دیتا لیکن اُسے اس سلسلے میں کوئی عجلت نہیں تھی۔ وہ تو پُورے گروہ کو ایک ساتھ اس دارِفانی سے رُخصت کرنے کی حکمتِ عملی پر غور کر رہا تھا اور سب سے اہم کام اس مشین کو تباہ کرنا تھا جس سے زلزلے پیدا کیے جاتے تھے۔

▼▼

مدن لال بٹر ڈائل کرنے کے بعد میز پر اُنگلیاں بجانے لگا۔ گیارھویں گھنٹی پر دوسری طرف سے ریسیور اُٹھایا گیا... "مَیں مدن لال ہُوں۔"

"کیا بات ہے؟ مَیں چندا ہُوں... مَیں نے تم سے کہا تھا کہ ہمیں فون نہ کیا کرو...؟"

"مگر مَیں نے ایک بے حد ضروری کام سے فون کیا ہے اپنی بہن سے کہنا کہ وہ ٹھیک کہہ رہی تھیں۔ شہزاد واقعی ایک سرکاری آدمی ہے۔ مَیں نے اس سے بات کی تھی۔ وہ لوگ نہ صرف مطلوبہ رقم ادا کرنے پر تیار ہیں بلکہ انھوں نے یہ بھی پیش کش کی ہے کہ اگر کل کا زلزلہ روک دیا جائے تو وہ مزید رقم بھی دے دیں گے۔"

چندا نے ایک لمحے توقف کے بعد جواب دیا۔ "ٹھیک ہے، کل کا زلزلہ روک دیا جائے گا، تمہیں رقم کب ملے گی؟"

"کل سہ پہر تک۔"

"ٹھیک ہے۔ تاریکی ہوتے ہی رقم لے کر کیبن میں آ جانا، اس بات کا خیال رکھنا کہ کوئی تمہارا تعاقب نہ کرے۔"

"اور اگر شہزاد نے میرا تعاقب کیا تو مَیں اُس کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالوں گا۔" مدن لال غرّایا۔

"اُس کی فکر مت کرو۔ کل اگر کسی نے تمہارا تعاقب کیا تو وہ شہزاد نہیں ہوگا۔" وہ اس وقت تک گہری نیند سو چکا ہوگا۔" نسوانی آواز نے کہا۔ اُس کے لہجے میں نہ جانے کون سا تاثر تھا کہ مدن لال بھی سر سے پاؤں تک کانپ گیا۔

عین اسی وقت ایک شخص شیش محل ہوٹل میں داخل ہُوا۔ وہ بھی شہزاد کی موت کے بارے میں ہی سوچ رہا تھا... اور اُس کا نام تھا... اُمرتا تھ۔

✻ "یہ رہی تمہاری مطلوبہ رقم مع بونس کے۔" ٹائیگر نے کینوس

کا ایک بیگ اپنے ڈریسنگ روم کے فرش پر ڈالتے ہوئے کہا۔ اس وقت مدن لال اُس کی اپنی چھت کے نیچے تھا۔ "اب تم اس رقم کا کیا کرو گے؟"

"میں یہ بیگ آج ہی شب روٹ نمبر ۱ کی ایک خاص جگہ رکھ دوں گا۔"

"کس جگہ؟" ٹائیگر نے دریافت کیا۔

"مجھے افسوس ہے، شہزاد... یہ تو میں تمہیں نہیں بتا سکتا کیونکہ اگر میرا تعاقب کیا گیا تو بہت بڑا ہنگامہ ہو جائے گا... تم یقیناً میرا مطلب سمجھ گئے ہو گے؟"

"ہاں..." شہزاد اس وقت غسل کے سفید سوٹ میں تھا۔ کیونکہ وہ مدن لال کی آمد سے قبل سوئمنگ پول ہی میں تھا۔ "ٹھیک ہے مدن لال... ویسے اگر تمہیں یہ معلوم ہو جائے کہ نرلزے کے بیوپاری کون ہیں تو مجھے ضرور بتا دینا کیونکہ دارالحکومت والے ان میں گہری دلچسپی لے رہے ہیں؟"

"کیوں نہیں... میں تو خود اُن کے پیچھے پڑا ہوا ہوں۔" انسپکٹر نے بڑے خلوص سے کہا اور بیگ اُٹھا کر ٹائیگر کے گھر سے نکل آیا...

ٹائیگر ایک بار پھر سوئمنگ پول پر واپس چلا آیا۔ راہ داری سے گزرتے ہوئے اُسے کسی فلم کے ڈائیلاگ سُنائی دیئے... وہ مسکراتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ اُوشان اپنی پسندیدہ فلم دیکھنے میں مصروف تھا۔

وہ سوئمنگ پول کے قریب لیٹ کر مدن لال، ڈاکٹر پرکاش، چندا، مالنی، بلونت رائے اور تنظیم کے بارے میں غور کرنے لگا۔ اُس کی چھٹی حس بتا رہی تھی کہ فیصلے کا وقت بہت قریب آ گیا ہے...

اُس نے آنکھیں بند کر لیں... اور پھر اچانک ہی اُسے احساس ہوا کہ وہ تنہا نہیں ہے۔ اُس نے آنکھیں کھول کر دیکھا تو پھر اُس کی سانس تک رُک گئی۔

وہ اس کے قریب ہی کھڑی تھیں۔

مہین، زرد لباسوں میں اُن کا حُسن نکھر رہا تھا۔ انھیں دیکھ کر ٹھنڈے گلابوں کا احساس ہوتا تھا اور اُن کے انگ انگ سے رنگ جھلک رہے تھے۔ بڑی بڑی سیاہ آنکھوں میں نشہ سا تیر رہا تھا اور ہونٹوں پر قیامت خیز مسکراہٹیں کھیل رہی تھیں۔ ٹائیگر نے محسوس کیا کہ وہ دونوں بھی اس کی وجاہت سے خاصی متاثر ہیں۔

"شاندار..." مالنی نے نچلے لب پر زبان پھیر کر اُس کی خشکی برترادت کی تہ بچھا دی۔

"واقعی شاندار..." چندا نے بھی تائید کی۔

ٹائیگر بڑے ہی معصوم انداز میں پلکیں جھپکاتا ہُوا کھڑا ہو گیا...

"تم دونوں خوش گوار حیرت کی پیغام بر ہو؟"

"ہم تحریکی حوصلہ افزائی بھی کرتی ہیں شہزاد ڈیئر۔" مالنی دو قدم آگے بڑھ کر کہا۔ "ہم تمہارا شکریہ ادا کرنے آئی ہیں۔ اگر تم نہ ہوتے تو شاید وہ غنڈے ڈیڈی کو قتل ہی کر دیتے۔"

"کوئی بات نہیں۔ غالباً میری پیدائش بھی اسی لیے عمل میں آئی تھی کہ ایک روز تمہارے ڈیڈی کے کام آؤں گا۔" ٹائیگر نے بڑے انکسار سے کہا۔

ایک لمحے کے لیے تو اس جملے پر وہ دونوں ہی ٹھٹک گئیں... لیکن پھر سنبھل کر مسکرانے لگیں۔ ان کے انداز بڑے ہی خود کار سے محسوس ہو رہے تھے۔

"ویسے بھی حسین لڑکیوں کے والدین کے کام آنا آج کل کے نوجوانوں کا شیوہ ہے۔" ٹائیگر کہہ رہا تھا۔

"ہم تمہارے سوئمنگ پول سے لُطف اندوز ہونے آئی ہیں۔" چندا بولی۔

"زہے نصیب... پانی حاضر ہے۔" ٹائیگر نے سوئمنگ پول کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا اور خود اُچھل کر تالاب میں جا گرا۔

اگلے ہی لمحے وہ دونوں بھی نیلگوں پانی میں حسین مچھلیوں کی طرح تیرتی نظر آ رہی تھیں۔

ڈرائنگ روم میں اُوشان ٹی وی دیکھ رہا تھا کہ ٹائیگر اپنا سیاہ شرٹ کے بٹن لگاتا ہُوا اندر آ گیا۔ "ہیلو ٹل فادر، تیار ہو آپ...؟" اُس نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"میں ہمیشہ تیار رہتا ہوں۔ ساتھ آنے والیوں کا کیا حال ہے؟" اُوشان کا لہجہ خشک تھا۔

"اطمینان سے سو رہی ہیں۔" ٹائیگر نے جواب دیا... اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

جب وہ گھر سے نکلے تو شہزاد کو مالنی اور چندا کی گاڑی، مرکزی دروازے کے قریب کھڑی نظر آئی۔ اُس کی عقبی سیٹ پر نیلا واٹر لیزر رکھا دیکھ کر وہ سورج میں پڑ گیا۔

اُوشان، شہزاد کی گاڑی کی اگلی نشست پر بیٹھ گیا... اور

ٹائیگر نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی لیکن وہ ایک سیاہ کیڈی کو آتا دیکھ کر ٹھٹک گیا۔ اس میں بیٹھے ہوئے اُس شخص کو نہ پہچان سکا جو سُوٹ سے اپنے چہرے کو چھپانے میں مصروف تھا۔

*

"اُوشان، آپ کسی غیر مرتعش یا غیر متحرک چیز کا مقابلہ کس طرح کریں گے؟" شہزاد نے گاڑی موڑتے ہوئے پوچھا۔

"دنیا میں ایسی کوئی بھی طاقت نہیں جو غیر مرتعش ہو..." اُوشان نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

"لیکن میں نے ایک غیر مرتعش چیز کا خود مشاہدہ کیا ہے۔ اس سے زبردست طاقت پیدا ہوئی تھی اور معمولی سا بھی ارتعاش نہیں ہوا تھا۔"

"ارتعاش ہر جگہ ہوتا ہے، فرزند، خواہ وہ چیز کوئی ذرّہ ہو یا پہاڑ ہو... تمہیں اس قسم کے معمولی سے ارتعاش کو بھی محسوس کرنے کا فن سیکھنا چاہیے... اور یہ بھی سیکھنا چاہیے کہ مرتعش چیز کو کس طرح حرکت پذیر کیا جا سکتا ہے۔" اُوشان سینے پر ہاتھ باندھتے ہوئے کہا... "حرکت، ہر جگہ ہوتی ہے، ایسی ہی حرکت جو اس وقت تمہیں محسوس کرنی چاہیے لیکن سے بے پروائی کے باعث نظر انداز کر رہے ہو؟"

"ارتکاز... توجہ...؟" ٹائیگر نے اپنی تمام حسیات کو بیدار کرنے کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں... ہم پر نظر رکھی جا رہی ہے۔ ہماری گاڑی سے ایک سیاہ کیڈی لاک ہے۔ اس گاڑی نے چند لمحے قبل ہمیں کراس کیا تھا اور اب وہ ایک موڑ پر کھڑی ہے۔"

شہزاد نے اپنی گاڑی کی رفتار قدرے کم کرتے ہوئے ی کی طرف دیکھا جس میں بیٹھا ہُوا شخص بظاہر بے نیاز رہا تھا... تاہم ٹائیگر کو فوراً احساس ہو گیا کہ اسی شخص مرتعاش ہونا چاہیے...

ابھی چھ ہی بجے تھے اور مدن لال سے نمٹنے کے لیے کافی ت باقی تھا اس لیے ٹائیگر نے گاڑی ایک ویران راستے پر ل جہاں ٹریفک نہ ہونے کے برابر تھا۔ یہ راستہ ایک رول پمپ کی طرف جاتا تھا جو سرِ شام بند ہو جاتا تھا۔

کیڈی لاک نے ایک بار پھر اُن کا تعاقب شروع کر دیا۔ دونوں کاروں کے درمیان خاصا فاصلہ تھا مگر کوئی اور حائل نہیں تھی۔ چند ہی منٹ بعد پیٹرول پمپ کا نیون سائن آنے لگا۔ ٹائیگر نے بائیں طرف گاڑی موڑتے ہوئے رفتار مزید کم کر دی...

دونوں گاڑیوں کا فاصلہ تیزی سے کم ہونے لگا۔

ٹائیگر کی نگاہ بدستور عقب نما آئینے پر تھی۔

گاڑی ابھی کارواش سینٹر کے قریب ہی پہنچی تھی کہ شہزاد نے اُسے ایک جھٹکے سے دائیں طرف کاٹا۔ کیڈی لاک کے ڈرائیور نے تصادم سے بچنے کی کوشش کی تو اُس کی گاڑی سڑک سے اُتر کر کچے میں چلی گئی۔ اُس نے پوری قوت سے بریک لگائے ورنہ کیڈی کسی درخت سے ٹکرا ہی جاتی۔ اسی زور میں کیڈی آگے نکل گئی اور ٹائیگر نے اپنی گاڑی روک لی۔

دونوں گاڑیاں اب کارواش سینٹر کے ویران دروازے کے سامنے کھڑی تھیں۔

"شاندار... تم بہت اچھی ڈرائیونگ کر لیتے ہو؟" اُوشان نے ہنستے ہوئے کہا۔

شہزاد کا سینہ فخر سے پھول گیا کیونکہ اُوشان نہ چاہتے ہوئے بھی اُس کی تعریف کرنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ وہ کوئی جواب دیئے بغیر گاڑی سے اُتر گیا۔

"ابے او احمق؟" کیڈی لاک کے ڈرائیور نے اپنی گاڑی کا دروازہ ایک دھماکے سے بند کرتے ہوئے کہا۔ "کیا تو پاگل ہو گیا ہے نظر نہیں آتا؟" وہ بُری طرح گرجنے لگا۔ وہ ایک لمبا تڑنگا اور موٹی گردن والا آدمی تھا۔

"تم خود اندھے ہو۔ کیا تمہیں میری گاڑی نظر نہیں آ رہی تھی؟" ٹائیگر نے جھلا کر کہا۔

"تم نے مجھے سائڈ کیوں ماری تھی؟"

"اور تمہیں کیا مارتا؟" ٹائیگر اُسے تاؤ دلانے کی کوشش کر رہا تھا۔

وہ آہستہ آہستہ ٹائیگر کی طرف بڑھنے لگا اور شہزاد، سینٹر کے دروازے کی طرف پیچھے ہٹنے لگا۔

"تمہیں سبق سکھانا ہی پڑے گا۔" وہ شخص آگے بڑھتا رہا حتیٰ کہ ٹائیگر دروازے تک پہنچ گیا۔

وہ شخص اب بھی آگے بڑھ رہا تھا۔ اُس کی آنکھیں چمک رہی تھیں جبکہ ٹائیگر کے ہونٹوں پر تضحیک آمیز مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔

... پھر وہ اسی طرح آگے بڑھتے... اور پیچھے ہٹتے کارواش کے اندر پہنچ گئے۔ وہاں خنکی تھی اور اندر کوئی اور بھی نہیں تھا...

امرناتھ نے جیب میں ہاتھ ڈال کر بڑی احتیاط سے کوئی چیز نکالی... یہ ایک سُوا تھا... وہی سُوا جس سے بلونت رائے کی آنکھیں ضائع کی گئی تھیں۔

"زبانی جھگڑے کی حد تک تو ٹھیک تھا لیکن تم تو...؟" ٹائیگر نے عجیب سے انداز میں کہا جیسے ناتھ نے اس کی کمزوری پر محمول کیا...

"شہزاد...!" امرناتھ نے سرد لہجے میں کہا۔ "تم نے مجھے یہاں خود بُلایا ہے۔ تمھیں وہ شخص یاد ہے جسے تم نے معذور کر کے میرے لیے یہ پیغام بھیجا تھا کہ اگر میں وادیٔ کہسار میں نظر آیا تو میری ماں کی زرد مرگھٹ پر بلکتی پھرے گی۔" یہ کہتے ہوئے سُوئے پر اُس کی گرفت بڑھ گئی۔ اب وہ بہت چھوٹے چھوٹے قدم اُٹھاتا ہوا شہزاد کی طرف بڑھ رہا تھا۔

ٹائیگر پیچھے ہٹتا رہا حتیٰ کہ اُس نے کن انکھیوں سے یہ دیکھ لیا کہ وہ اس کنوئیر بیلٹ کی دُہری زنجیروں کے درمیان کھڑا ہے۔ کار کو اُٹھانے کے کام آتی ہیں۔

"تو، امرناتھ ہو؟" ٹائیگر نے پُوچھا۔

"ہاں... میرا یہی نام امرناتھ ہے۔"

"میں تمھارا منتظر تھا۔" شہزاد نے یکایک سنجیدگی اختیار کر لی۔

"گڈ...؟" امرناتھ مسکرانے لگا۔ "اس سے قبل کہ میں تمھیں ریل ٹکٹ کی طرح پنچ کر کے پھینک دُوں، بتاؤ کہ زلزلہ کون پیدا کرتا ہے؟"

"یہ ایک تدریجی عمل ہے۔" ٹائیگر نے گویا اُس کی معلومات میں اضافہ کرنا چاہا۔

"میں تمھارے ٹکڑے ٹکڑے کر دُوں گا۔"

"اگر تمھیں میرا یہ جواب پسند نہیں آیا تو سنو: زلزلہ میں خود پیدا کرتا ہوں... لیکن اُس کا راز تم جیسے خبیثوں کو معلوم نہیں ہونا چاہیے۔"

"مجھے یقین تھا کہ تمھارا جواب یہی ہوگا۔" امرناتھ کے ہونٹوں پر سفاک مُسکراہٹ دوڑ گئی۔

اب دونوں اپنی اپنی جگہ ساکت کھڑے تھے۔

ان کے درمیان بمشکل پانچ قدم کا فاصلہ تھا۔

ٹائیگر کچھ سوچ کر مزید پیچھے ہٹا۔ اب وہ اس جگہ تھا جہاں کار واش کے ٹاپ سے گیلے کپڑے جھول رہے تھے۔ یہاں سے ٹائیگر کو اپنی گاڑی بھی نظر آ رہی تھی جس میں اُوشان نیم دراز ہو کر کچھ پڑھنے میں مصروف ہو گیا تھا۔

"زلزلہ کس طرح پیدا کیا جاتا ہے؟" امرناتھ نے سُوا ہوئے کہا۔

"وٹامن ای کیپسُولز؟"

"میں کوئی بھی احمقانہ بات سُننے کے مُوڈ میں نہیں ہوں۔"

"مگر میں سچ کہہ رہا ہوں۔ کسی سے بھی پُوچھ لو۔ صُوبہ راج پال سے بات کر لو، وزیرِ اعلا سے پُوچھ لو۔ وہ سب کے میرے شریکِ کار ہیں۔ میں نے سب سے پہلے تمھاری توجہ متوجہ کرنے کی کوشش کی تھی مگر تمھارے تمام آدمی دہشت لڑکیوں کے اغوا اور بے ضرر لوگوں کو قتل کرنے میں مصر تھے لہٰذا میں نے مجبوراً گورنر اور وزیرِ اعلا کو پارٹنر بنا لیا تم بھی اس میں دلچسپی لے رہے ہو تو میں کمائی کے ایک کا ہزاروں حصّہ تمھیں دے سکتا ہوں۔ اس طرح ممکن تمھیں سال بھر میں سَو دو سَو یا پانچ سو روپے مل ہی جائ

"یہ تم اپنی قبر خود ہی کھود رہے ہو۔"

"اور تمھیں شاید اس بے اعتراض ہے کہ تم ایک خ گورکن ہو۔" ٹائیگر نے کلائی گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔ اب ڈرامے کو طُول دینے کا وقت نہیں رہا تھا۔ وہ اپنے شکار جس قدر لُطف اندوز ہونا چاہتا تھا، ہو چکا تھا۔ "ٹھیک امرناتھ! کھیل ختم، پیسہ ہضم۔" یہ کہہ کر اُس نے ایک آگے بڑھایا اور امرناتھ اُس کی چال میں آ گیا۔

اُس نے فوراً ہی ٹائیگر کی طرف جست لگائی لیکن نہ جانے کیسے سُوا اُس کے ہاتھ سے نکل گیا۔

ٹائیگر اُس کے پیچھے پہنچ گیا۔

اُس نے سُوا اُٹھا کر لہرایا تو امرناتھ پیچھے ہٹنے لگا۔ اُس نے دوبارہ جست لگائی اور اُس کی آنکھوں کے سامنے سے ناچنے لگے اور چند ہی لمحوں کے بعد اُسے چاروں طرف تا کا احساس ہونے لگا۔

کچھ دیر بعد وہ ہوش میں آیا تو اُس کی پُشت بھیگی ہُو اور اب بھی چاروں طرف اندھیرا پھیلا ہُوا تھا۔ اُس نے آنکھ پھاڑ پھاڑ کر اندھیرے میں دیکھنے کی کوشش کی تو اُسے صر چھت ہی نظر آئی... وہ اپنی کار کے بوٹ پر لیٹا ہُوا تھا۔

اس نے اُٹھنے کی کوشش کی... مگر فوراً ہی کسی۔ اُس کے مُنہ پر ایک تھپّڑ مارا اور وہ دوبارہ گر گیا۔ اُس نے اُدھر دیکھنا چاہا تو صرف شہزاد ہی نظر آیا جس کے ہاتھ میں تھا اور ہونٹوں پر مُسکراہٹ پھیلی ہُوئی تھی۔

"تم لوگوں کو سُوئے سے قتل کر کے بہت خوش ہوتے تھے ا...؟" ٹائیگر نے بڑھی لگاوٹ سے پُوچھا۔

"ہاں...؟" وہ بوکھلا کر بولا۔

"اور تم بلونت رائے کی آنکھیں پھوڑتے وقت بھی کافی لطف اندوز ہُوئے تھے؟"

"بالکل...؟" اس بار بھی غیر ارادی طور پر اُس کی زبان سے نکل گیا۔

"گڈ... تو پھر یہ لو۔" سُوا فضا میں بلند ہوتے ہی امرناتھ نے آنکھیں بند کر لیں تاکہ موت کو نہ دیکھ سکے لیکن سُوا دل کے بجائے اُس کی کلائی میں پیوست ہو گیا۔

وہ بہت زور سے چیخا لیکن اُس کی آواز سُننے والا اُوشان کے علاوہ کوئی بھی نہیں تھا اور وہ ہر طرف سے بے نیاز، نہ جانے کیا پڑھنے میں مصروف تھا۔

سُوا امرناتھ کی کلائی کے آر پار ہو کر کار کے بونٹ میں گھس گیا۔ شہزاد نے قوت صرف کر کے اُسے موڑ دیا تاکہ وہ کلائی اُوبونٹ سے نکلنے نہ پائے۔

"اب کار واشنگ کے دوران، میرا نام مت لینا..." وہ غرّا کر بولا... "یہ بلونت رائے کے قتل کا بدلہ ہے لہٰذا بلونت رائے کو یاد کرتے رہنا۔" یہ کہتے ہُوئے وہ ایک طرف چلا گیا۔

تکلیف اور صدمے کے باعث امرناتھ کا بُرا حال تھا تاہم اُس نے ہمت کر کے دائیں طرف دیکھا جہاں شہزاد کار واشنگ کے آٹومیٹک بکس میں سکّہ ڈال رہا تھا۔

اچانک ہی ایک گڑگڑاہٹ سُنائی دینے لگی... اور پھر گرم گرم پانی امرناتھ کے چہرے پر گرنے لگا۔ تیزی سے صابن کے جھاگ بہنے لگے جو اُس کی ناک میں گھُسے جا رہے تھے پھر جھاگ اور گرم پانی ناک کے راستے حلق میں اُترنے لگا۔ اُس نے بچنے کی بہت کوشش کی مگر نا کام رہا۔ اب اُسے ایسا لگ رہا تھا جیسے جھاگ اُس کے کان اور ناک سے دماغ میں بھی گھُس رہے ہوں۔ وہ بہت زور سے چلّایا... اور یہ چیخنا ہی اُس کے لیے قیامت ہو گیا۔

گرم گرم پانی، جھاگوں سمیت اُس کے معدے میں پہنچ گیا۔

گڑگڑاہٹ اب تیز ہو گئی تھی۔

اُس نے سر اُٹھا کر دیکھنے کی کوشش کی تو کئی بڑے بڑے برش نیچے اُترتے نظر آنے لگے۔ وہ نازک پتّے کی طرح لرز گیا۔ اُس کی ٹانگیں بُری طرح کانپ رہی تھیں۔ برش محض چند انچ دُور رہ گئے تھے... پھر وہ امرناتھ کے چہرے کو چھونے لگے...

ایک ہی سیکنڈ بعد برش اس کے دائیں بائیں حرکت کرنے لگے اُن کی پہلی حرکت نے اُس کے چہرے سے کھال اُدھیڑ دی۔ برش اپنا کام کرتے رہے، کھال اُترتی گئی... پھر... پھر کھال بھی باقی نہ رہی اور گوشت نکل آیا اور اس کے بعد گوشت بھی اُدھڑنے لگا...

ایک بار پھر گرم پانی اور جھاگ گرا... برش مزید تیزی سے حرکت کرنے لگے۔ اگلی ہی ساعت امرناتھ کو کچھ بھی یاد نہ رہا۔

شہزاد کار واشنگ کنٹرول پینل پر دس منٹ تک کھڑا رہا، پھر اُس نے ایک لیور دبا دیا۔

امرناتھ کی کیبڈی آگے سرک گئی اور شہزاد نے مزید ایک سکّہ جیب سے نکال کر آٹومیٹک بکس کی نذر کر دیا... پھر وہ یہ سوچتا ہُوا اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گیا کہ کل جب امرناتھ کی لاش ملے گی تو وہ نہ صرف خشک ہو چکی ہو گی بلکہ بے پناہ چمک بھی رہی ہو گی کیونکہ اُس نے جو دوسرا سکّہ ڈالا تھا، اُس سے پالش کی مشین کام کرنے لگتی تھی۔

کار میں بیٹھتے ہُوئے اُس نے اُوشان کی طرف دیکھا... جو اب بھی مطالعے میں ڈُوبا ہُوا تھا۔

"کیا تم اتنے بے رحم بھی ہو سکتے ہو شہزاد؟" اُوشان نے اُس کی طرف دیکھے بغیر بڑے ہی سرسری لہجے میں پُوچھا۔

"کیوں نہیں۔ بشرطیکہ مجھے یہ معلوم ہو کہ آپ میری ایک ایک حرکت پر نظر رکھتے ہیں۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔

"اُف! کتنا خوفناک منظر تھا؟" اُوشان نے جھرجھری سی لے کر کہا لیکن ٹائیگر جانتا تھا کہ وہ اس وقت نفوذ کے مُوڈ میں ہے۔ "مجھ جیسا بُوڑھا آدمی بھلا اتنا خوفناک منظر کیسے برداشت کر سکتا ہے۔"

"اگر اس کی جگہ میں ہوتا تو...؟"

"تو شاید میں غور سے دیکھتا کہ تمھاری کھال کس طرح اُدھڑتی ہے اور پھر تمھیں کس طرح پالش کیا جاتا ہے؟" اُوشان نے مُسکرا کر کہا۔

"اسی لیے کہتا ہوں لبلبہ فاسد مرنے سے پہلے پہلے شادی کر لیں۔ سُنا ہے، کنوارے مرجانے والوں کا جنازہ بھی جائز نہیں ہوتا۔" ٹائیگر نے مُسکرا کر کہا... "اور اگر کوئی ایسی عورت مل جائے جس کے چہرے پر اُن گنت بھورے بھورے تِل ہوں... تو عاقبت ہی سُدھر جائے گی۔"

"ایک بات کبھی مت بھولنا۔" اُوشان بڑبڑایا۔

"وہ کیا...؟" ٹائیگر چونک پڑا۔

"یہ مشینیں کاروں کی پالش کر کے انھیں اتنا زیادہ نہیں چمکا سکتیں جتنے کہ میرے ہاتھ مالش کر کے کسی کا جسم چمکا سکتے ہیں، یقین نہ آئے تو شروع کر دوں؟" یہ کہہ کر اُدشان نے دونوں ہاتھ اُس کی طرف بڑھائے تو ٹائیگر نے گاڑی ایک جھٹکے سے آگے بڑھا دی...

اُدشان کے ہونٹوں پر بڑی ہی شریر سی مسکراہٹ رقص کر رہی تھی...

◇

وہ وادیٔ کہسار کے مرکزی علاقے میں داخل ہوئے تو سورج ڈھل چکا تھا۔ مدن لال کی موٹر سائیکل اب بھی پولیس چوکی کے سامنے کھڑی تھی۔ اُنھوں نے اپنی گاڑی سڑک کے دوسری جانب ایک آڑ میں کھڑی کر دی اور مدن لال کا انتظار کرنے لگے...

پورے ایک گھنٹے بعد وہ باہر آیا اور موٹر سائیکل کے کیریئر پر کینوس بیگ مضبوطی سے باندھ کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا پھر مطمئن ہو کر ایک طرف روانہ ہو گیا۔ اُس کا رُخ وادی سے باہر جانے والی سڑک کی طرف تھا۔

شہزاد نے بھی اپنی گاڑی اُس کے پیچھے لگا دی تاہم دریاں قدرے فاصلہ رکھا اور ہیڈ لائیٹس بند ہی رکھیں۔

مدن لال کی موٹر سائیکل تیزی سے دوڑ رہی تھی اور شہزاد کو حیرت ہو رہی تھی کہ اس قدر موٹا شخص اتنی تیز رفتاری کا کس طرح متحمل ہو سکتا ہے؟

کچھ ہی دُور جانے کے بعد ٹائیگر نے وہ سڑک پہچان لی جس پر موٹر سائیکل رَواں دَواں تھی۔ یہ وہی سڑک تھی جو تجربہ گاہ تک جاتی تھی اور جیسے ہی موٹر سائیکل شاہراہ سے ہٹ کر ایک تنگ راستے پر مُڑی تو شہزاد کو یقین ہو گیا کہ انسپکٹر وہیں جا رہا ہے...

شہزاد نے جب موٹر سائیکل کو رُکتے دیکھا تو بریک لگا دیے اور انجن بند کر دیا تاکہ مدن لال اُس کی آواز نہ سن سکے۔ اب اُن کے درمیان صرف ایک سو گز کا فاصلہ تھا لیکن شہزاد کو... حیرت تھی کہ وہ عمارت میں کیوں داخل نہیں ہُوا؟

مدن لال اپنی موٹر سائیکل، اسٹینڈ پر کھڑی کر کے ایک پہاڑی کے دامن کی طرف چلنے لگا اسی لمحے ٹائیگر کو یاد آیا کہ اس طرف ٹرالر کیبن ہے اور وہیں اس نے مالنی اور چندا کی وگنن بھی دیکھی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ دونوں لڑکیاں بھی زلزلے کی اس شیطانی تجارت میں ملوث ہیں۔

اب اُسے پچھتاوا ہونے لگا کہ اس نے تجربہ گاہ میں واٹر لیزر کا مظاہرہ دیکھتے ہی حقیقت کا اندازہ کیوں نہیں کر لیا تھا، وہ سوچ رہا تھا کہ ممکن ہے، ان کے پاس ایسی ہی دوسری کوئی مشین ہو اور شاید ڈاکٹر پرکاش بھی لڑکیوں کی اس حرکت سے بے خبر نہ ہو... دونوں لڑکیاں اس سے مل چکی تھیں اور وہ انھیں آزما چکا تھا۔ دولت کی ہوس انھیں آخری حدوں تک بھی لے جا سکتی تھی۔

"اُدشان! آپ اس کا تعاقب کریں۔" اس نے مدن لال کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "یہ دیکھیں کہ کہاں جاتا ہے اور کیا کرتا ہے۔ میں آپ سے پارکنگ میں ملوں گا۔"

اُدشان اپنا لبادہ سمیٹتا ہُوا کار سے اُتر کر دو قدم ہی چلا اور پھر تاریکی میں نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ وہ سنا نجو کی شخصیت کا مالک تھا اور مشرقی اسرار اس کی گھٹی میں پڑے ہُوئے تھے۔ وہ کسی معمولی پرندے کا بھی تعاقب کر سکتا تھا۔ وہ اپنی مرضی کے تحت ظاہر اور غائب ہونے میں بھی اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا۔ یہ بات ٹائیگر کے علم میں تھی کہ اُدشان کوئی جادوگر نہیں ہے بلکہ اس نے سخت ترین تربیت، ریاض اور مشقوں کے بعد یہ کمال حاصل کیا تھا۔

مدن لال کوہِ مرگ کی پھٹی ہُوئی زمین کے قریب پہنچ کر دھیمے انداز میں سیٹی بجانے لگا۔ یہیں سے کوہِ مرگ کے اس سُورما کا آغاز ہوتا تھا جہاں ہر وقت موت کا مواد پکتا رہتا تھا۔

... اور اس سے صرف اور صرف تین فٹ کے فاصلے پر بوڑھا اُدشان سینے پر ہاتھ باندھے کھڑا تھا لیکن مدن لال کی نظر اسے نہیں دیکھ سکتی تھیں۔

شہزاد نے چند لمحے انتظار کے بعد انجن اسٹارٹ کر کے گاڑی آگے بڑھا دی، اس نے مدن لال کی موٹر سائیکل کے قریب سے گزر کر خالی پارکنگ کے ایک کونے میں گاڑی کھڑی کر دی۔

اس کا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔

وہ سمجھ گیا کہ لڑکیاں ہی اصل مجرم ہیں۔ انھوں نے لوگوں کو قتل کرنے کے لیے یقیناً واٹر لیزر استعمال کیا ہو گا۔ اسی باعث تو مرنے والے کی پشت گیلی نظر آتی تھی۔ پانی کی قوت سے اُن کی آنتیں مُنہ کے راستے نکل پڑی تھیں کیوں کہ انھیں کوئی متبادل راستہ نہیں ملتا تھا... اور یقیناً متبادل راستے میں واٹر لیزر کی ٹونٹی لگا دی جاتی ہو گی۔

وہ کانپ گیا۔ اتنی حسین لڑکیوں سے اتنی درندگی کی توقع بھی نہیں کر سکتا تھا۔

وہ خاموشی سے کار میں بیٹھا سوچتا رہا۔ اسے اپنے اُوپر غُصّہ آ رہا تھا کہ اس نے بروقت ان باتوں کو کیوں محسوس نہیں کیا؟ اسے یہ بھی یاد آ گیا کہ مالنی اور چندا کو اپنے کمرے میں سکون کی نیند سوتے چھوڑ کر جب وہ باہر نکلا تھا تو اُن کی وگنن میں واٹر لیزر موجود تھا۔ وہ یقیناً اس پر بھی یہی حربہ استعمال کرنے آئی تھیں۔ ان کا خیال ہو گا کہ اُسے تھکا کر مارا جائے گا۔ انھیں خود پر ناز تھا لیکن شہزاد کی باطنی قوت نے انھیں شکستِ فاش دی اور نتیجتاً وہ بے بس ہو کر رہ گئیں۔

اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

یکایک اس کی کار کا عقبی دروازہ کھلا لیکن اس نے پلٹ کر نہیں دیکھا۔ اسکی حسیات پوری طرح کام کر رہی تھیں۔ دروازہ بند ہونے پر اس نے پوچھا: "وہ کہاں گیا؟"

"اُدھر ایک ٹرالر کھڑا تھا جس میں ایک ریفریجریٹر بھی تھا۔" اُدشان نے مُسکرا کر کہا۔ "اس نے کرنسی سے بھرا ہُوا تھیلا اس ریفریجریٹر میں رکھ دیا ہے تاکہ کرنسی ٹھنڈی رہے۔"

کچھ ہی دیر بعد موٹر سائیکل اسٹارٹ ہونے کی آواز سُنائی دی اور پھر یہ آواز معدوم ہوتی چلی گئی۔

شہزاد نے پلٹ کر اُدشان کی طرف دیکھا جس کی گود میں وہی بیگ رکھا ہُوا تھا۔ "شاید آپ کرنسی کو ٹھنڈا نہیں ہونے دینا چاہتے تھے، لٹل فادر؟"

"ہاں... لیکن سوال یہ ہے کہ رقم نہ پا کر وہ دونوں کیا سوچیں گی؟" یہ کہہ کر اُدشان بطخ جیسی آواز میں ہنسنے لگا۔ یہ اس کی مخصوص ہنسی تھی۔

ٹائیگر نے کار کا رُخ وادی کی جانب کر دیا اور جب وہ اپنے گھر پہنچے تو خلافِ توقع لڑکیاں وہاں موجود نہیں تھیں۔ ان کی گاڑی بھی غائب ہو چکی تھی۔

*

مدن لال کی موت نے وادی میں سراسیمگی کی لہر دوڑا دی۔

وہ اپنے منتشر سے مگر شاندار گھر کی خواب گاہ میں مُردہ پایا گیا تھا۔ اس کا بستر پانی سے بھیگا ہُوا تھا اور اس کے مُنہ سے اس کی آنتیں بالکل اُسی انداز میں لٹکی ہُوئی تھیں جیسے کہ اُس نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھی تھیں اور اس منظر کو برداشت نہیں کر پایا تھا... اور اب وہ خود ایک ایسے منظر کا حصّہ بن گیا تھا کہ عام انسانی نگاہ اس پر ٹھہر ہی نہیں سکتی تھی۔

مدن لال کا نائب، سب انسپکٹر حیرت سے مُنہ پھاڑے یہ منظر دیکھ رہا تھا اور اب تک کئی بار اُسے اس منظر پر کسی خوفناک خواب کا گمان ہُوا تھا... لیکن اس کے سامنے جو لاش پڑی تھی، وہ حقیقت میں موجود تھی اور وہ منظر بھی صد فی صد سچا تھا۔

وہ سوچ رہا تھا اور کانپ رہا تھا کہ یہ موت کس اذیت سے آئی ہو گی۔ اس نے قاتل کا آلۂ قتل کی تلاش میں پورا گھر چھان مارا لیکن کامیابی نہ ہُوئی۔ اسے شک سا ہونے لگا کہ اس قتل میں شہزاد کا بھی ہاتھ ہو سکتا ہے کیونکہ مدن لال نے شہزاد کا تذکرہ کبھی اچھے لفظوں میں نہیں کیا تھا۔

•

اس نے لاش کے قریب پڑا ہوا ربر الور اُٹھا لیا۔ یہ مدن لال کا ربر الور تھا۔

"ٹھیک ہے انسپکٹر۔ اسی ربر الور سے تمھارا قاتل بھی مارا جائے گا۔" اس کا لہجہ ٹھوس تھا... پھر وہ نصف شب کی تاریکی میں باہر نکل گیا اور اس کی نگاہ بستہ کے نیچے پڑے ہُوئے اس ٹائپ کیے ہُوئے کاغذ پر نہ پڑ سکی جس پر لکھا تھا۔

"غدّار... یہ ہے رقم ہضم کرنے کا انجام۔"

☼

اپنے گھر کے ڈرائنگ روم میں اُدشان کنول کا آسن جمائے بیٹھا تھا جبکہ فون پر شہزاد اور بہرام کی گفتگو جاری تھی۔

"تنظیم کا قصّہ تو ختم ہو گیا چیف، اب مجھے ان دونوں لڑکیوں سے نمٹنا ہے جو ڈاکٹر پرکاش کی بیٹیاں ہیں۔"

"مگر وہ اس معاملے میں کیسے ملوث ہو گئیں؟"

"پتہ نہیں۔ ان کی گفتگو سے ہر حال یہ اندازہ ضرور ہوتا ہے کہ وہ سوچ و فکر کے اعتبار سے انتہا پسند ہیں۔ ممکن ہے، وہ دولت جمع کرنے کے لیے جرم کی مرتکب ہُوئی ہوں... اور ہاں۔ ہم نے پوری رقم بھی واپس لے لی ہے۔"

"گڈ... دیری گڈ۔ اب تم لڑکیوں پر جلد از جلد قابو پا لو تاکہ وہ کوئی خطرناک اقدام نہ کر سکیں۔"

"ہم ابھی روانہ ہو رہے ہیں، سویٹ ہارٹ!" اس نے ریسیور رکھتے ہُوئے کہا اور اُدشان کو چلنے کا اشارہ کیا۔

ابھی وہ گھر سے نکلے ہی تھے کہ مدن لال کے نائب سب انسپکٹر نے ان کی کار جاتے ہُوئے دیکھ لی۔ لہٰذا اس نے وائرلیس پر فوراً تمام چوکیوں کو ہدایت کی کہ وہ ایک ایسی گاڑی کو گھیر لیں جس کی چھت سُرخ رنگ کی ہے اور اس کار میں شہزاد احمد اور اُدشان نامی دو

افراد سوار ہیں اور ان پر قتل کا شبہ ہے۔

شہزاد نے گاڑی پارکنگ میں لے جا کر کھڑی کر کے ایک طویل سانس لی۔ وہ پولیس کی ایک گشتی کار کو چکمہ دے کر یہاں تک پہنچا تھا۔

دونوں دبے قدموں مگر تیزی سے دوڑتے ہوئے ٹرالر کیبن تک پہنچے تھے لیکن وہاں دو جینز دکھائی نہ دی۔ انھوں نے کیبن میں جا کر لڑکیوں کا انتظار کرنے کا فیصلہ کیا۔ انھیں یقین تھا کہ مالنی اور چندا اگر جھنجلا کر کوئی بڑا زلزلہ پیدا کرنا چاہتی ہیں تو وہ آس پاس ہی کہیں موجود ہوں گی۔ شہزاد کو خدشہ تھا کہ رقم سے محروم ہو کر وہ طیش میں آجائیں گی اور کچھ بھی کر گزرنے کا فیصلہ کر لیں گی۔

ٹرالر کے قریب ہی کوہ مرگ کا وہ سوراخ تھا، جس میں دباؤ پیدا ہوتا تھا۔ سوال صرف یہ تھا کہ وہ واٹر لیزر کہاں نصب کریں گی؟... اور سوال یہ بھی تھا کہ اگر واٹر لیزر نصب ہو کر کام کرنے لگا تو امین آباد کا کیا ہوگا؟

"موت... تباہی... آگ... راکھ... اور لاشیں... کتنے لوگ مریں گے؟"

"دس لاکھ... بیس لاکھ... تیس لاکھ...!"

"زندگی کی بڑیں اکھڑ جائیں گی اور ویرانی چھا جائے گی۔"

اچانک وجین کی آواز سنائی دی۔ گاڑی کہیں قریب ہی رکی اور پھر مالنی کی طیش بھری آواز گونجنے لگی۔ "غلیظ پلا! اس نے یقیناً مدن لال کا تعاقب کیا ہوگا اور... چوری بھی اتنی نے کی ہوگی۔"

"ہاں... لیکن مدن لال کو سزا دینا بھی ضروری ہو گیا تھا۔" چندا نے جواب دیا۔ "ویسے مجھے یقین ہے کہ اس موٹے نے شہزاد سے گٹھ جوڑ کر لیا ہوگا۔"

"تم نے دیکھا تھا۔ جب ہم نے واٹر لیزر کی ٹونٹی ڈالی تھی تو مدن لال کے چہرے پر کیسے تاثرات تھے؟" مالنی نے ہنستے ہوئے کہا۔ "کاش ہم شہزاد پر بھی واٹر لیزر استعمال کر سکتے۔"

"بہرحال، وہ احمق سب انسپکٹر اس کا قصہ تمام کر دے گا۔ میں نے اسے بتا دیا ہے کہ ہم نے شہزاد کو مدن لال کے گھر سے نکلتے دیکھا تھا۔ اب وہ شہزاد کے پیچھے لگا ہوا ہوگا۔"

"ممکن ہے۔" چندا نے جواب دیا۔ "بس اب کام شروع کر دو۔ ہمیں واٹر لیزر لگا کر امین آباد کی تباہی سے قبل ہی کسی محفوظ مقام پر پہنچ جانا چاہیے۔"

اوشان اور شہزاد نے قدموں کی آہٹ سنی جو اب دور ہو رہی تھی۔ ٹائیگر نے کھڑکی سے جھانک کر دیکھا۔ چاندنی میں دو لڑکیاں دو واٹر لیزر اٹھائے ٹرالر سے دور ہو رہی تھیں۔ ان کا رخ آتش فشانی سوراخ کی طرف تھا جہاں آہنی ستون بھی نصب تھے۔

"چلیے اوشان..." اس نے سرگوشی کی۔

"نہیں! میں یہیں انتظار کروں گا۔"

"مگر کیوں؟" ٹائیگر نے حیرت سے پوچھا۔

"اس لیے کہ یہاں انتظار کرنا زیادہ فائدے مند ہوگا۔ تم چلے جاؤ۔" اوشان نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

شہزاد کندھے اچکاتا ہوا ٹرالر سے اتر کر آگے بڑھ گیا مگر وہ حیران تھا کہ اوشان کے ذہن میں نہ جانے کیا کھچڑی پک رہی ہے اس نے جلد ہی دونوں لڑکیوں کو دیکھ لیا۔ اب وہ محتاط ہو کر ان کا تعاقب کر رہا تھا۔ وہ اس سے بیس فٹ آگے تھیں اور جب وہ دہانے کے قریب پہنچیں تو رک گئیں۔ انھوں نے جلدی جلدی واٹر لیزر، ستونوں کے ساتھ نصب کیے تاکہ ان کی قوت دگنی کر سکیں اسی لمحے ٹائیگر ان کے قریب پہنچ گیا۔ کیا حال ہے خوبصورت لڑکیو!"

ان کے ہاتھ رک گئے اور وہ مجسمہ سی ہو گئیں۔

"شہزاد...؟" انھوں نے بیک زبان کہا۔

"ہاں۔ میں تم دونوں سے ایک دلچسپ ملاقات کی تمنا لے کر آیا ہوں۔"

مالنی نے ایک طویل سانس لی اور دھیرے دھیرے اس کی طرف بڑھنے لگی۔ "آہ شہزاد! ہم دن بھر تمھارے ہی بارے میں سوچتی رہی ہیں۔" اس کا لہجہ اچانک ہی نرم ہو گیا تھا۔

"تمھیں پتہ نہیں کہ میں بھی سوچتا رہا ہوں۔"

"تم کیا سوچ رہے تھے جاناں؟" وہ بڑی ادا سے بولی۔

"یہی کہ تم ایک قابل نفرت عورت ہو۔" یہ کہتے ہوئے اس نے مالنی کو زوردار دھکا دیا۔

چندا ان دونوں سے بے نیاز واٹر لیزر پر کام کرنے میں مصروف تھی اور اس کے ہاتھ تیزی سے کام کر رہے تھے۔ ٹائیگر تیزی سے اس کی طرف لپکا۔ اسی لمحے ایک زوردار دھماکا ہوا۔ زمین کانپ گئی اور ٹائیگر گرتے گرتے بچا۔

"شہزاد...!" اچانک ایک مردانہ آواز گونج اٹھی۔ "رک جاؤ ورنہ دوسرا دستی بم تمھاری گود میں گرے گا۔"

ٹائیگر ٹھٹک کر رہ گیا۔

... پھر اس نے ایک طویل سانس لی۔ اس کا تو دل ہی دھڑکنا بھول گیا تھا کیونکہ اس دھماکے سے وہ یہی سمجھا تھا کہ چندا زلزلہ پیدا کرنے میں کامیاب ہو گئی ہے اور اب سب کچھ تباہ ہو جائے گا... لیکن یہ نئی مصیبت بھی کچھ کم خطرناک نہیں تھی۔ اسی ساعت اسے

احساس ہوا کہ اس کے شانے سے خون بہہ رہا ہے۔ شاید دستی بم کا کوئی ٹکڑا وہاں لگ گیا تھا۔

اس نے گردن جھٹک کر چندا کی طرف دیکھا۔

وہ واٹر لیزر سے ہٹ کر کھڑی ہو گئی تھی اور مشین کے چلنے کی مانوس آواز سے فضا گونجنے لگی تھی۔

"تمھیں دیر ہو گئی شہزاد۔" مالنی نے سفاک لہجے میں کہا۔ "اس علاقے کی تباہی اور تم سب کی موت میں صرف چند منٹ باقی ہیں۔"

واٹر لیزر چل رہا تھا اور قوت پیدا ہو رہی تھی۔ ٹائیگر نے اس ہیولے کی طرف دیکھا جو دستی بم اٹھائے ہوئے تھا۔ وہ ادھر ادھر دیکھنے لگا لیکن اوشان کا دور دور تک کہیں نام و نشان تک نہیں تھا۔ یہ اس کی زندگی کا خطرناک ترین مرحلہ تھا۔ اس کے بے خوف دل میں غالباً پہلی بار خوف کی ایک لہر پیدا ہوئی اور اس کی ہستی پر چھاتی چلی گئی۔ اس نے دونوں ہاتھ ایک دوسرے سے بھڑا لیے۔ اس کی ہتھیلیوں پر پسینے کی نمی پیدا ہو گئی تھی۔

وہ ساکت کھڑا تھا۔

ایک لمحے کے لیے ٹائیگر کو یوں محسوس ہوا جیسے وہ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ہی کھو بیٹھا ہو۔ اوشان بھی نہ جانے کہاں غائب ہو گیا تھا۔

واٹر لیزر کی منحوس آواز سے ماحول کانپ رہا تھا۔ ٹائیگر نے ایک نظر اس ہیولے کی طرف دیکھا جو پہاڑ پر نظر آ رہا تھا... پھر وہ مالنی اور چندا کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"چلو چندا..." مالنی نے بلند آواز میں کہا۔

"سب انسپکٹر صاحب!" چندا نے چٹان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اس شخص نے ہمیں یرغمال بنا رکھا ہے۔"

"فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں اس پر نگاہ رکھے ہوئے ہوں۔ تم دونوں اوپر آ جاؤ۔ اگر یہ ذرا سی بھی حرکت کرے گا تو اس کے پرخچے اڑا دیے جائیں گے۔"

ٹائیگر سمجھ گیا کہ پہاڑ پر کھڑا ہوا سایہ درحقیقت انسپکٹر مدن لال کا نائب ہے۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ بولتا اچانک ایک اور ہیولا ابھرتا دکھائی دیا۔ یہ ہیولہ سب انسپکٹر کے سائے پر جھکا اور پھر اوپر سے آواز آئی۔ "اے... سب انسپکٹر صاحب تو نیند کے بہت کچے معلوم ہوتے ہیں۔ انھیں نیند آ گئی ہے۔"

ٹائیگر خوشی سے اچھل پڑا۔

اس نے دونوں لڑکیوں کی طرف دیکھا اور بولا۔ "مجھے افسوس ہے، لڑکیو! تمھارا کھیل ختم ہو گیا۔"

اوشان کی آواز ان لڑکیوں نے بھی سن لی تھی اور انھیں احساس ہو گیا تھا کہ بازی واقعی الٹ گئی ہے۔ وہ جنگلی بلیوں کی طرح خونخوار ہو گئیں اور ٹائیگر پر ٹوٹ پڑیں۔ انھوں نے اپنے لمبے نوکیلے ناخنوں، تیز دانتوں، مکوں اور ٹھوکروں کا پورا استعمال کیا لیکن ٹائیگر کو زیر کرنے میں ناکام رہیں... پھر شہزاد نے انھیں دونوں ہاتھوں سے جکڑ لیا۔ وہ انھیں کھینچتا ہوا واٹر لیزر سے آگے لے گیا جہاں کوہ مرگ کا ایک سوراخ تھا اس نے دونوں کو ان کے بالوں سے پکڑ کر اچھال دیا۔

وہ زوردار آواز کے ساتھ سوراخ میں گریں... آٹھ فٹ نیچے اور پھر تڑپنے لگیں، ان کا حسن خاک میں ملنے لگا۔

شہزاد ہٹ کر واٹر لیزر کے پاس آیا جس میں دباؤ مسلسل بڑھ رہا تھا۔ واٹر لیزر کی گیس پانی سوراخ میں پھینکنے کے لیے پوری طرح تیار تھا... اور اگر ایسا ہوتا تو امین آباد کی تباہی یقینی تھی۔

شہزاد نے بڑی تیزی سے مختلف سوئچ دیکھے۔

مشین اب بھی چل رہی تھی۔ اس نے ستونوں کو واٹر لیزر سے ملانے والی تار ڈھونڈ کر پکڑ کر توڑ دی تو اسی لمحے دباؤ کم ہونے لگا لیکن اگلے ہی لمحے ٹونٹیوں میں پانی بھر گیا جو کسی بھی وقت سوراخ میں گر سکتا تھا۔

اس نے جلدی سے ٹونٹیوں پر ہاتھ رکھ دیا۔

اس کے ہاتھ مفلوج ہو گئے پھر شدید دباؤ نے اسے اچھال دیا وہ ایک طرف گر گیا اس نے آخری کوشش کرتے ہوئے واٹر لیزر کو لات ماری تو وہ ایک طرف جھک گیا۔

اسی لمحے پانی تیز دھار کی شکل میں بہہ نکلا مگر وہ سوراخ کے بجائے زمین پر گر رہا تھا اور زمین اس زبردست دباؤ کو برداشت نہ کرتے ہوئے شق ہوتی جا رہی تھی۔

اسی ساعت مٹی کا ایک تودا ٹوٹ کر اس سوراخ میں گر گیا جہاں ٹائیگر نے چندا اور مالنی کو پھینکا تھا۔ لڑکیوں کی انتہائی کرخت چیخیں سنائی دیں پھر خاموشی چھا گئی... مٹی، مٹی میں مل گئی تھی۔

"خدا حافظ حسین فی خاتو...!" اس نے شدید درد کے باوجود کہتے ہوئے کہا۔ "لاکھوں پریوں تم کو قربان کرتا ہوں:"

... لیکن پھر اچانک ہی زمین ہلنے لگی۔

شہزاد دوبارہ گر پڑا۔

یہ کسی دستی بم کا دھماکا نہیں تھا۔ زمین واقعی ہل رہی تھی۔

"زلزلہ۔" وہ حواس باختہ ہو گیا۔ "مگر کیسے؟ واٹر لیزر تو کام نہیں

کر رہا، اس کا پانی ضائع ہو گیا ہے۔"

وہ بمشکل کھڑا ہوا۔ اس نے ایک قدم آگے بڑھایا تبھی اسے احساس ہوا کہ زلزلہ مخالف سمت سے آ رہا ہے۔

"کیا انھوں نے کوئی اور واٹر لیزر بھی نصب کر رکھا ہے؟" یہ سوال اس کے ذہن پر ہتھوڑے برسانے لگا۔

ہلتی ہوئی زمین پر قدم اُٹھانا محال ہونے لگا لیکن اسے بہرصورت اس واٹر لیزر کو بھی تلاش کرنا تھا جس کی وجہ سے تباہی آ رہی تھی۔

وہ دوڑنے لگا۔ ساتھ ہی اسے یہ بھی احساس ہوا کہ شانے کے زخم سے خون ضائع ہو رہا ہے... پھر ایک مغنی سا شخص انتہائی برق رفتاری سے اسے پیچھے چھوڑ گیا۔ یہ اُوشان تھا۔ شہزاد نیچوکا مالک وہ اس طرح دوڑ رہا تھا جیسے ہلتی ہوئی زمین پر دوڑنا بچوں کا کھیل رہا ہو۔

شہزاد نے بھی پوری قوت سے دوڑنے کی کوشش کی لیکن اُوشان مسلسل آگے ہوتا چلا گیا۔ اس سے بہر نظر نہیں آ رہے تھے۔ شاید وہ اُڑ رہا تھا۔ چہرہ دیکھتے ہی دیکھتے تاریکی میں غائب ہو گیا۔ چند پرندخوف سے چیخنے لگے۔ ان کی ٹولیاں آسمان پر اُڑنے لگیں۔ ایک بلی شہزاد کے قدموں تلے آ کر کچلی گئی۔ ہوا بند ہو گئی اور حبس پیدا ہو گیا۔

شہزاد دوڑتا رہا۔ خاردار جھاڑیوں کی پروا کیے بغیر وہ اسی سمت میں دوڑتا رہا جدھر اُوشان گیا تھا۔ چند لمحے بعد ہی وہ ایک میدان میں نکل آیا جہاں کوئی درخت یا ایسی جھاڑی نہیں تھی جو بصارت کی راہ میں حائل ہوتی۔

معاً اس نے ایک بہت بڑی مشین دیکھی اور اس کا دل دھک سے رہ گیا۔ یہ ایک دیوقامت واٹر لیزر تھا۔ مالنی اور چندا کے واٹر لیزر سے بیس گنا بڑا... میدان میں مکمل خاموشی تھی اور آسمان پر زرد چہرے والا چاند چمک رہا تھا۔ اس کی چاندنی میں بہت کے قریبی ٹیلے چمک رہے تھے اور وہیں ایک شخص جھکا ہوا تھا۔

شہزاد نے اسے فوراً پہچان لیا۔

وہ ڈاکٹر پرکاش کے علاوہ اور کوئی نہ تھا۔

شہزاد پہلے تو یہ سمجھا کہ وہ سجدہ کر رہا ہے لیکن پھر اسے احساس ہوا کہ پرکاش عبادت کے لیے نہیں بلکہ تکلیف کے باعث جھکا ہوا ہے۔ اس کے اس احساس کی وجہ پرکاش کے قریب ہی موجود ایک اور سایہ تھا... چھوٹا سا... دُبلا پتلا سا سایہ جس نے کسی گہرے رنگ کی عبا پہن رکھی تھی اور اس کا ایک ہاتھ پرکاش کے نرخرے پر تھا۔

زمین کی تھرتھراہٹ ایک دم ختم ہو گئی... لیکن شاید یہ بھی شہزاد کا گمان ہی تھا کیونکہ درختوں کے تنے اب بھی گر رہے تھے اور ٹیلے مسلسل کانپ رہے تھے۔ وہ لمبی لمبی چھلانگیں لگاتا ہوا ان دونوں کے سر پر پہنچ گیا۔

"اسے روکو پرکاش!" اُوشان کی سرد ترین آواز گونجی۔ اس آواز نے ٹائیگر کے پورے جسم میں سنسنی کی لہر سی دوڑا دی۔

"اب کچھ نہیں ہو سکتا۔" پرکاش نے ہانپتے ہوئے بمشکل جواب دیا۔ "اسے اب کوئی بھی نہیں روک سکے گا۔ اب یہ اپنی مرضی کے تابع ہے جب تک اس سے پانی کا دھارا خارج نہیں ہو گا، یہ رک نہیں سکتی۔"

"نہیں، تم غلطی پر ہو۔ جو چیز شروع کی جا سکتی ہے اسے روکا بھی جا سکتا ہے۔"

"بہت مشکل ہے۔ اگر وہ میری بات مان لیتیں تو آج میں ایسا کرنے پر مجبور نہ ہوتا۔"

اُوشان نے اس کا نرخرہ چھوڑ دیا اور شہزاد کی طرف پلٹ کر بولا۔ "یہ سب کچھ اگل چکا ہے۔"

"مالنی اور چندا کہاں ہیں؟" پرکاش نے شہزاد کو خوفزدہ نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "انھیں یہیں آنا تھا۔"

"وہ اب یہاں نہیں آئیں گی پرکاش جی!" شہزاد نے زہرخند سے جواب دیا۔ "ان کی بے چین آتما آ کے تو شاید آ جائے... مگر اب ان کے بے چین، حسین، دلکش، دلنواز اور قیامت خیز جسموں کو کبھی مل چکا ہے۔"

"ہے بھگوان..." پرکاش نے اپنا سینہ پیٹ ڈالا۔

"بھگوان، ظالموں اور بدکاروں پر رحم نہیں کرتا۔" ٹائیگر نے بڑی بے رحمی سے کہا۔ "اور اب تم بھی کھل جاؤ۔ بتاؤ واٹر لیزر کس طرح بند ہو گا؟"

"یہ بند نہیں ہو سکتا۔" پرکاش کی آنکھوں سے موٹے موٹے آنسو بہہ نکلے۔

"یہ سچ کہہ رہا ہے شہزاد!" اُوشان نے نرم لہجے میں کہا۔ تکلیف اور درد سے نمٹ ہو کر اس نے ہر وہ بات بتا دی ہے جو اسے معلوم تھی۔" اُوشان کی نظریں واٹر لیزر کے الومنیم والے پیٹ فارم پر پیتل کے پائپ پر جمی تھیں۔ "کیا یہی وہ مشین ہے جس میں ارتعاش نہیں ہوتا؟" اس نے ٹائیگر سے پوچھا۔

"ہاں..." شہزاد نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"اوہ..." اُوشان بڑبڑایا۔

"اور یہ اس زمینی سوراخ میں بھرپور قوت سے پانی پھینکے گی تو انتہائی خوفناک زلزلہ آئے گا۔" شہزاد نے وضاحت کی۔

"تو کیا یہ مقام مشین کی وجہ سے غیر مرتعش ہے؟" اُوشان نے ڈاکٹر پرکاش سے پوچھا۔

"ہاں۔" پرکاش نے کہا اور تاریکی میں گھورنے لگا جیسے وہ مالنی اور چندا کو تلاش کر رہا ہو۔

"تم غلط کہتے ہو پرکاش۔" اُوشان نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "ہر وہ چیز جو خود حرکت کرتی ہے غیر مرتعش نہیں ہو سکتی۔ زندگی بھی متحرک اور مرتعش ہے۔"

"اسے میں فلسفہ کہہ سکتا ہوں مگر یہ سائنس نہیں۔" پرکاش نے آنکھیں خشک کرتے ہوئے جواب دیا۔

"اگر تم اسے سائنس کہتے ہو تو یہ بھی ایک سائنس ہے۔ زندگی مرتعش اور متحرک ہوتی ہے۔ حرکت ہی ارتعاش کا نام ہے۔ وجود متحرک ہوتا ہے۔ کائنات متحرک ہے... تمھاری سائنس نے ایک ایسی مشین بنا لی ہے جو اصولِ ارتعاش بھول گئی ہے... بہرحال، میں اسے یہ اصول یاد دلاؤں گا۔"

"اُوشان!" ٹائیگر نے اسے خطرات سے آگاہ کرنا چاہا۔

"کیا تم یہ تصور کرتے ہو کہ سائنس اور روح الگ الگ چیزوں کے نام ہیں؟" اُوشان، شہزاد کو نظر انداز کرتے ہوئے بولتا رہا۔ "مگر یہ روح کا فلسفہ نہیں بلکہ ایک مشین ہے اُوشان!" ٹائیگر نے اُسے ایک بار پھر خبردار کرنا چاہا۔

"ہاں... اور مشین انسان کے مقابلے میں بہت حقیر ہوتی ہے۔" یہ کہتے ہوئے اُوشان نے چند قدم آگے بڑھ کر اس کی پیتل اور ٹونٹی نما پائپ کا جائزہ لیا۔ اس ٹونٹی کا رُخ زمین کے سوراخ کی طرف تھا۔

"میں اس جاہل مشین کو اصولِ ارتعاش یاد دلاؤں گا تاکہ یہ انسان کی مرضی کے تابع ہو سکے۔"

"اب تو ہم موت کی مرضی کے تابع ہیں احمق!" پرکاش نے ہذیانی انداز میں قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ مالنی اور چندا کی موت نے غالباً اس کی ذہنی کیفیت غیر متوازن کر دی تھی۔

"احمق تم ہو... بھارا باپ ہے۔" اُوشان نے غصے سے کہا۔ اور پھر اس کا وجود، لبادے سمیت عظیم الشان مشین کی آڑ میں غائب ہو گیا۔ لبادہ ایک بار پھر نظر آیا لیکن اسی لمحے یوں لگا جیسے زمین ایک دھماکے سے پھٹ جائے گی۔ گہری خاموشی چیخ میں ڈھلنے لگی۔ ٹائیگر ایک قلابازی کھا کر چند قدم دُور جا گرا اور پھر انتہائی زوردار ارتعاش نے اُسے اٹھا کر کھڑا کر دیا۔ اس کے جسم میں شدید درد ہونے لگا اور وہ پھر زمین پر گر گیا۔ اس کی زبان اپنے خون کا ذائقہ چکھنے لگی شاید اس کا ہونٹ پھٹ گیا تھا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے تارے سے ناچنے لگے اور وہ سر جھٹک کر حواس قابو میں رکھنے کی کوشش کرنے لگا۔ اس نے لمبی لمبی سانسیں لیں اور چاند کی طرف دیکھا جس کی زردی پراب دُھند لپٹ رہی تھی... پھر اس نے اُوشان کی آواز سُنی جو اس کے قریب کھڑا تھا۔

"میں نے اسے توڑ دیا۔" اُوشان کے لہجے میں بچوں جیسی شوخی تھی۔ "دُنیا میں میرے سوا کوئی بھی یہ کام نہیں کر سکتا تھا۔"

"اوہ... کیا ہوا اُوشان؟" ٹائیگر نے شدید تکلیف کو ضبط کرتے ہوئے پوچھا۔

"میں نے اس کم بخت مشین کو اصولِ ارتعاش سکھا دیا ہے۔"

"میرے خدا...!" شہزاد کا دل بھر آیا۔ پھر وہ تڑپ کر بولا۔ "اُوشان پرکاش کو فرار نہ ہونے دینا۔"

"فرار...! بھلا اب وہ ہمارے ہاتھ کس طرح آئے گا فرزند! اس کی تو تم سے بھی بُری حالت ہے۔ روح اس کے جسم کا پنجرہ توڑ کر فرار ہو گئی ہے۔"

"اوہ..." شہزاد نے سکون کی ایک گہری سانس لی اور اُٹھنے کے لیے تگ و دو کرنے لگا مگر اس کی ٹانگیں اس کا ساتھ دینے سے انکار کر رہی تھیں۔

"کیا میں دوبارہ چل پھر سکوں گا اُوشان!" اس نے گھبرا کر پوچھا۔

"میرے بچے! تمھارا اصل سوال یہ نہیں ہے! تم تو یہ پوچھنا چاہتے ہو کہ کیا تم ایک بار پھر آوارہ گردی کے قابل ہو سکو گے۔" اُوشان نے اپنے مخصوص انداز میں ہنستے ہوئے کہا۔

"آپ، بے بس لوگوں کی بے بسی سے بہت خوش ہوتے ہیں۔" شہزاد چڑ کر بولا۔

"دیکھو! میں تمھیں ایک عرصے سے یہ مشورہ دے رہا تھا کہ ہمیشہ ایسی خوراک استعمال کرو جو وجود کو برقرار رکھنے کے لیے ضروری ہو لیکن تم نے کبھی اس مشورے پر کان نہیں دھرا، پھر میں نے تمھیں یہ نصیحت کی کہ اپنے ذہن کو صحت مند خیالات کی جگہ بنا لو لیکن تم مالنی اور چندا جیسی لڑکیوں کے ساتھ تالاب میں غسل کرنے میں خوش رہے... اور اب تم اپنی بے بسی کی بات کر رہے ہو۔ مرد جاہتے ہو۔ بھلا میں یہ کیسے یقین کر لوں کہ تم میری یہ مدد بھی نہیں ٹھکراؤ گے۔" اُوشان اسے پوری طرح زچ کرنے میں مصروف تھا۔

"آپ جو کہیں گے میں وہی کروں گا مگر باپ!" شہزاد نے

غصیلے انداز میں چیخ کر کہا۔

"آہ۔ تو پھر لمبی لمبی سانسیں لو۔" اُوشان نے اس کی گردن پر مالش شروع کرتے ہوئے کہا۔ "افسوس تمھیں اپنا پہلا سبق بھی یاد نہیں رہا۔ میں نے تمھیں پہلے روز ہی بتایا تھا کہ ضائع شدہ قوت کی جگہ متبادل توانائی کے حصول میں سانس بہت اہم کردار ادا کرتی ہے۔"

شہزاد لمبی لمبی سانسیں لینے لگا اور اُوشان کا ہاتھ گردن سے ہٹ کر اس کے پیٹ اور پھر ٹانگوں پر مالش کرنے لگا... پھر اسے ایک زوردار جھٹکا لگا اور وہ اُچھل کر کھڑا ہو گیا۔

اس نے فضا میں ہاتھ پاؤں لہراتے ہوئے ہلکی سی ورزش کی اور سراپا تبسم اُوشان کو نظر انداز کرتے ہوئے پرکاش کی طرف دیکھنے لگا جس کا جسم دُہرا ہو چکا تھا۔ اس کی ٹھوڑی پیٹ پر تھی اور ... ریڑھ کی ہڈی پلاسٹک کے اسکیل کی طرح دو حصوں میں ٹوٹ چکی تھی۔ اس کے قریب ہی اس کا وائرلیس بھی یوں ٹوٹا پڑا تھا جیسے کسی بچے نے غصے میں آکر اپنا کھلونا توڑ دیا ہو۔ اس کی ٹوٹنی کا رُخ اب آسمان کی طرف تھا اور پانی فوارے کی شکل میں آسمان کو چھونے کی ناکام کوشش کے بعد بارش بن کر زمین پر برس رہا تھا۔

چاند کی زردی ختم ہو گئی تھی اور سفید براق چاند سیاہ بدلیوں کی طرف لپک رہا تھا۔

"یہ سب کیسے ہوا اُوشان؟" شہزاد نے پوچھا۔

"میں نے مشین کو یاد دلایا ہے کہ وہ پانی کو محض ساکت رکھ کر قوت پیدا کرنے کے لیے نہیں بنائی گئی بلکہ وہ پانی کے علاوہ خود کو بھی حرکت دے سکتی ہے۔ عثمین میری بات سمجھ گئی اور اس کے پائپ کا رُخ آسمان کی طرف ہو گیا لیکن اس کوشش میں اس کے بہت سے پُرزے نکل گئے۔ یوں یہ ناکارہ ہو گئی اور پانی کو بھی فرار مل گئی۔"

"اوہ... اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ آپ الیکٹرک ٹیوننگ مشین بھی ٹھیک کر سکتے ہیں؟" شہزاد نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں... بشرطیکہ مجھے کبھی شیو کرنے کی خواہش محسوس ہوئی۔" اُوشان کے لہجے میں شفقت تھی۔

"اور آپ کو یقیناً اس پورے ڈرامے کے ارضیاتی نتائج کا بھی علم نہیں ہو گا؟"

"نہیں... لیکن میں زمین کو زخمی ہوتے اور بیٹھتے ہوئے نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔ میں نے زمین کو بچانے کے لیے جو بھی سمجھ میں آیا، کر ڈالا۔"

ڈاکٹر بہرام نے فون پر شہزاد کی زبانی چند لفظوں پر مشتمل پیغام سُنی تو اسے سخت صدمہ پہنچا۔ "تو پرکاش بھی مقتول تھا شہزاد؟" اس نے ٹوٹے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"ہاں۔" ٹائیگر نے اس کے لہجے کا درد فوراً محسوس کر لیا اور کہا۔ "غالباً... پرکاش بھی ہمارا آدمی تھا، چیف! آپ کے لہجے سے ایسا ہی لگتا ہے... اور شاید اسی باعث آپ اس کا نام سُن کر مایوس سے ہو گئے ہیں۔"

"میں ایسے ہر شخص کو نہیں جانتا جو ہمارا آدمی ہے۔" بہرام نے خشک لہجے میں جواب دیا۔

شہزاد اپنی گردن پر ہاتھ پھیرنے لگا کیونکہ بہرام کا لہجہ چغلی کھا رہا تھا کہ پرکاش اس کے نزدیک خاصی اہمیت کا مالک تھا۔

"باپ رے... ہمارا آدمی۔" شہزاد نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "اور وہ بھی ایسا جو اپنے ملک کو تباہ کرنے کے لیے حد سے گزر جائے۔"

"دولت کی ہوس بعض اوقات فرشتوں کو بھی شیطان بنا دیتی ہے شہزاد۔" یہ کہہ کر بہرام نے ریسیور رکھ دیا۔

شہزاد نے ٹیلی فون بوتھ سے نکلنے کا ارادہ ترک کرتے ہوئے اپنی ایک انگلی سے ٹیلی فون کے کے والا بکس کھولا اسے مٹھی میں بھر لیا اور پھر بوتھ سے نکل کر تمام سمتوں کے اس طرف اچھال دیے، جہاں ایک میل دُور پرکاش، مالتی اور چند لڑکی کی لاشیں پڑی تھیں۔

ٹائیگر اس وقت بہت مُوڈ میں تھا۔

وائرلیس کی تباہی کے بعد جب وہ خود کو سنبھالنے میں ناکام ہو کر گر گیا تھا تو اس کے اعصاب پر ان گنت انسانی اموات کا خوف اور ملک کے بہت بڑے حصے کی تباہی کا خوف مسلط تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس کے اعصاب متاثر ہوئے اور وہ لمحاتی فالج میں مبتلا ہو گیا تھا... لیکن اس دوران میں اُوشان نے اسے انتازچ کیا تھا کہ بیچ و تاب کھانے کا مفہوم اسے پہلی بار عملاً پتہ چل گیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اُوشان ایسے لمحات میں بے پناہ زندہ دلی کا مظاہرہ کرتا ہے جب عام آدمی سانپ کے سُونگھ جانے والی حالت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

مالتی اور چندا کے سلسلے میں اُس نے اُسے بعد میں انتازچ کیا کہ وہ بے حد جھلا کر گھر سے نکل کھڑا ہوا تھا... اور پھر اس نے سڑک کے کنارے بنا کوئی ارادہ دوڑ ہی لگا دی تھی۔ وہ تو اچھا ہوا کہ ٹائیگر کا رُخ مضافات کی طرف تھا ورنہ اگر وہ شہر کی جانب یوں دوڑتا تو لاکھوں کا مجمع بھی اس کے پیچھے دوڑ پڑتا۔

اس کی ٹانگیں تیزی سے حرکت کر رہی تھیں اور وہ ایک مشینی آدمی ہی لگتا تھا۔ اگر پہلو سے کوئی اسے دیکھتا تو یوں محسوس کرتا جیسے

ٹانگوں کی بجائے جادو ٹانگوں والا کوئی آدمی ہے۔ ٹانگوں کی تیز ترین حرکات کچھ ایسا ہی لگ رہا تھا۔ دوڑتے دوڑتے وہ ایک جگہ رُک گیا۔

اس نے گہری گہری سانسیں لیں اور ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔

نجانے کیوں اچانک ہی اُسے ایک عجیب سے احساس نے گھیر لیا تھا۔ آنکھوں میں زاویے ہی نہیں محبت بھی تھی۔ وہ آس پاس دیکھتا رہا لیکن حدِ نگاہ میں کوئی بھی ذی رُوح دکھائی نہ دیا۔

تب اچانک ہی ایک جھاڑی میں ہل چل سی مچ گئی۔

وہ اُچھل کر اُدھر بھاگا۔

وہ ایک چھوٹا سا ہرن تھا۔ ہرن قلانچیں بھرتا ہوا دوڑا تو ٹائیگر بھی اس کے پیچھے ہی لپک پڑا... اور چند ہی لمحوں میں ہرن اور وہ دونوں ایک دوسرے کے سامنے کھڑے ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ہرن کی معصوم آنکھوں میں اب بے چارگی کی جھلک تھی جبکہ ٹائیگر اُسے محبت سے دیکھ رہا تھا۔

"ہیلو سویٹ ہارٹ!" وہ اس کے مُنہ پر پیار سے انگلی پھیر کر نرم ترین آواز میں بولنے لگا۔ "میں نے جن لگا ہوں کی گمراہ محسوس کی تھی، اگر وہ تمھاری ہی آنکھیں تھیں تو یقین کرو کہ میں تمھاری محبت کو صرف محسوس کر رہا ہوں بلکہ میں نے اُسے دل و جان سے قبول بھی کر لیا ہے۔"

وہ اتنی نرم اور مٹھاس سے بھرپور آواز میں بول رہا تھا کہ ہرن کی آنکھوں سے خوف اور بے بسی کے سائے چھٹنے لگے تھے۔

"تمھاری آنکھوں کی یہ معصومیت بتاتی ہے کہ تم نے مجھے پیار کی نگاہ سے دیکھا تھا اور شاید تمھیں مجھ کو دوڑتے دیکھ کر رشک کا احساس ہوا تھا۔"

ہرن کی آنکھوں سے اب واقعی محبت ظاہر ہونے لگی۔

"آج سے ہم دونوں دوست ہیں..." ٹائیگر نے اس کی تھوتھنی پر ہونٹ جھکاتے ہوئے کہا۔ ہرن نے آنکھیں بند کر لیں۔ اس کی کپکپاہٹ بھی ختم ہو گئی تھی اور اب وہ پوری طرح رام ہو چکا تھا۔ "تم میرا نام نہیں جانتے... میں شہزاد ہوں۔ مجھے میں ٹائیگر کی خصوصیات پائی جاتی ہیں لیکن تمھیں مجھ سے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں جنگلی نہیں شہری ٹائیگر ہوں... لیکن دوست!" وہ رُک گیا اور یوں بن گیا جیسے کسی گہری سوچ میں ہو۔ "تمھارا کوئی نام بھی تو ہونا چاہیے... ہاں، تمھارا نام... ٹھیک ہے... میں تمھیں جمنا کہا کروں گا۔"

ہرن نے مُنہ کھولا اور اس کی باریک سی ننھی منی زبان ٹائیگر کا ہاتھ چاٹنے لگی۔ ٹائیگر کو جو مخصوص لب و لہجے میں بات چیت کرنے کی تربیت دی گئی تھی اس میں اُسے کمال حاصل تھا۔ یہ کمال وہ خواتین پر بارہا کامیابی سے آزما چکا تھا... لیکن جانوروں پر بھی یہ اتنا ہی اثر کر سکتا ہے، اس کے بارے میں تو اُس نے زندگی میں کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔

ہرن کے اس بچے سے ملاقات کے بعد ٹائیگر کا مُوڈ بے حد خوش گوار ہو گیا تھا۔ اس کے انداز سے جھلاہٹ دُور ہو گئی تھی۔ وہ ہرن کے بچے کو چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کا خیال تھا کہ ہرن اس کی گرفت سے نکلتے ہی چوکڑیاں بھرتا ہوا بھاگ جائے گا... لیکن ایسا نہیں ہوا۔

وہ معصوم سا بچہ اپنی تمام تر معصومیت کے ساتھ اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ٹائیگر کا دل خوشی کے اثر سے بھر گیا۔ وہ دو قدم چلا تو ہرن کا بچہ اس کے پیچھے چلنے لگا۔ ٹائیگر نے آہستہ آہستہ دوڑنا شروع کر دیا۔ ہرن بھی اس کے پیچھے دوڑنے لگا۔

دوڑتے دوڑتے وہ بار بار اس کی ایڑیوں پر مُنہ مارنے کی کوشش کر رہا تھا۔ غالباً وہ حیران تھا کہ ٹائیگر کی ٹانگیں اتنی تیزی سے اور اس قدر خوبصورت انداز میں کیسے حرکت کرتی ہیں۔

دونوں آگے پیچھے دوڑتے رہے۔

ٹائیگر نے کھلی فضا میں رُک کر گہری گہری سانسیں لیں۔

ہرن کا بچہ اس اس کے قریب کھڑا رہا۔

"جمنا..." اُس نے ہرن کی طرف دیکھ کر کہا۔ "تمھاری ماں کہاں ہے؟" ہرن کے بچے نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ چاٹنا شروع کر دیا۔

"اوہ... ہا... ہا..." ٹائیگر کھل کھلا کر ہنس پڑا۔ "ٹھیک ہے۔ میں تمھیں گود لوں گا۔"

وہ ہنستا رہا اور جمنا سے باتیں کرتا رہا۔ بڑی دیر بعد اُسے احساس ہوا کہ ایک طویل عرصے بعد اس پر یہ جذباتی سی کیفیت طاری ہوئی ہے۔ اس کیفیت کی وجہ نامعلوم تھی۔ وہ تو ایک ایسا آدمی تھا جس کے سینے میں شروع سے ہی پتھر کا ایک ٹکڑا رکھا ہوا تھا اور یہ قلب نما چٹان، جذبوں کی آنچ پر دھڑکنا نہیں جانتی تھی۔

"اوہ... کتنی عجیب بات ہے۔" وہ خود کلامی کے انداز میں بولا۔ "ایک معصوم سا ہرن پتھر کا دل بھی دھڑکا سکتا ہے۔ یہ تو میں نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔ قدرت کے کھیل واقعی نرالے ہیں۔ انسان اپنے اندر کتنی ہی خصوصیات پیدا کرے۔ اپنی حسیات کو جہاں تک چاہے بڑھا لے، مافوق البشر بن جائے لیکن فطرت کے سامنے ہمیشہ سرنگوں ہی رہتا ہے۔"

اس نے جھک کر ہرن کے بچے کو گود میں اٹھا لیا۔

"جمنا... بیٹے... چلو گھر چلیں۔" اس نے کہا اور اُسے خود اپنی ہی آواز اجنبی محسوس ہوئی۔ پھر اس نے خود ہی ناپسند یا یا اور مسکرانے لگا۔

اس کی زندہ دلی عود کر آئی اور وہ ہرن کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولا۔

"لیکن تم جا کر اچھے بچوں کی طرح رہنا۔ بھائے دادا جان، حشمت کے اعتبار سے تو کسی ہرن ہی کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں لیکن ان کا چڑچڑا پن کبھی کبھی بوا شت سے باہر ہو جاتا ہے... اور سنو... وہ جب کبھی بہت خوش ہوتے ہیں تو اُن کے ہنسنے پر کسی بطخ کے قہقہہ قہقہہ کا گمان ہوتا ہے۔ یہ کہہ کر وہ اُونچا سا ہنسا۔ مخصوص انداز میں ہنس پڑا۔

وہ ہرن کا بچہ اُٹھائے اپس چل دیا۔

سڑک پر ایک سنگ میل دیکھ کر اسے ٹھٹھک جانا پڑا۔

یہ سنگ میل بتا رہا تھا کہ وہ شہر سے اُنیس میل دور نکل آیا تھا۔

آس پاس جنگل تھا اور دُور دُور تک جھاڑیاں ہی جھاڑیاں پھیلی ہوئی تھیں۔

اُس نے ایک طویل سانس لی اور سڑک کے کنارے کنارے دوڑنے لگا۔

سڑک عبور کرنا تک دُشوار پڑی تھی۔ پہلے پہل ہرن کا بچہ اس کی گود میں قدرے کسمسایا... پھر اس نے اس کے بازو پر اپنی تھوتھنی ہمکار آنکھیں بند کر لیں۔

گھر پہنچ کر اُس نے اُوشان کے کمرے کا رُخ کیا اور پھر نیم وا دروازے میں ہرن کا بچہ گود سے اُتار کر اسے آہستہ سے اندر دھکیل دیا۔

اندر اُوشان کونل کا آسن جمائے بیٹھا تھا۔ ٹائیگر کھڑکی کے قریب کھڑا ہو کر اندر جھانکنے لگا۔

وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ اُوشان پر ہرن کے اس بچے کا کیا ردِ عمل ہوتا ہے۔

ہرن کا بچہ دروازے کے اندر گومگو کی حالت میں کھڑا رہا۔ اس کی نگاہیں اُوشان پر جمی ہوئی تھیں اور غالباً وہ اُسے دیکھ دیکھ کر حیران ہو رہا تھا۔ اُوشان کی آنکھیں اب بھی بند تھیں۔ یُوں لگتا تھا جیسے اس کو کمرے میں کسی کی موجودگی کا سرے سے احساس ہی نہ ہو۔ ہرن کے بچے نے ایک پاؤں اُٹھایا... پھر دُوسرا... اور آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگا۔

ٹائیگر مسکراہٹیں دبائے کھڑا یہ دلچسپ منظر دیکھتا رہا۔

اُوشان کے قریب پہنچ کر ہرن رُک گیا... پھر اُس کی ننھی سی تھوتھنی آگے بڑھی اور وہ اُوشان کو سونگھنے میں مصروف ہو گیا۔

سبھاش چند دیوانہ ہو رہا تھا۔

اُسے توقع نہیں تھی کہ ممتاز حسین کی ہلاکت خود اسکو چلانے والا یہ نوجوان شہزاد اس کے لیے اتنی بڑی پریشانیوں کا باعث بن سکتا ہے۔ اس نے ابھی ابھی ریسیور رکھا تھا اور اس کے ذہن میں ابھی تک گوربند سنگھ کی باتیں گونج رہی تھیں۔ امرناتھ کی موت بڑی ہی عبرت ناک تھی اور گوربند سنگھ نے جو کچھ بتایا تھا، اس کے تحت سبھاش چند اس بات کی توقع کر سکتا تھا کہ اب موت اُس سے زیادہ دُور نہیں ہے۔ امرناتھ اس کا ایک بہترین آدمی تھا۔ اس کے ضائع ہو جانے پر وہ جتنا بھی افسوس کرتا، کم تھا... لیکن افسوس کرنے کی بجائے اُسے تو خود اپنی ہی جان کے لالے پڑ گئے تھے۔

وہ اس وقت اپنی مخصوص نشست گاہ میں بیٹھا تھا۔

پسینے کے قطرے اُس کی پیشانی پر اُبھر آئے تھے جیسے ننھے ننھے گلاس کی سطح پر جھلملاتے ہیں۔ اچانک اُسے اطلاع دی گئی کہ دارالحکومت سے ایک سادہ لباس والا ملاقات کے لیے آیا ہے۔ سبھاش چند کچھ دیر تو فکر و تردد میں مبتلا رہا... پھر اس کی آنکھیں کسی انوکھے خیال کے تحت چمک اُٹھیں۔ اُس نے اپنی حسین و جمیل سیکرٹری کی طرف دیکھا جو تشویش کی نگاہوں سے اس کی جانب نگراں تھی۔

"میرا خیال ہے، منوہر آیا ہے۔ تم جا کر اُس کے لیے رقم نکالو۔"

اُس نے سیکرٹری کو حکم دیا اور مسکرانے لگا۔

سیکرٹری اثبات میں سر ہلاتی ہوئی اُٹھ کھڑی ہوئی لیکن وہ حیران تھی کہ اُس کا باس دارالحکومت سے آنے والے اس سادہ لباس والے پولیس مین کی آمد پر پہلے تو کبھی اتنا خوش نہیں ہوا کرتا تھا۔ آج نہ جانے کیا بات ہے؟ سیکرٹری ایک برطانوی نژاد لڑکی تھی اور سبھاش چند اس کی ذہانت اور حُسن کے پیشِ نظر اُسے ڈیٹ فاکس کہا کرتا تھا۔ وہ دھیرے دھیرے موجود تجوری کی طرف بڑھ گئی۔

سبھاش چند کی مخصوص نشست گاہ کے فرش پر سفید قالین بچھا تھا۔ یہ قالین اتنا اُجلا اور بے داغ تھا کہ اس پر سفید سفید برف کا گمان ہوتا تھا۔ اس کی اجازت سے جب سادہ لباس والا نشست گاہ میں داخل ہوا تو سبھاش چند کی آنکھوں میں نظر آنے والی چمک یکایک ماند پڑ گئی۔ گزشتہ دو سال سے منوہر ہی اس سے ڈوکی کے لیے آتا تھا... آج چیف نے کسی اور کو بھیج دیا تھا۔

وہ شخص اندر آیا اور اس نے نہایت ہی متانت سے عقب میں دروازہ بند کر دیا۔ اس کی چال میں بلی کے انداز جیسی خاموشی اور چیتے جیسا وقار تھا۔ لہجے میں اکڑ اس نے ہاتھ اُٹھاتے ہوئے آداب کہا، پھر ایک صوفے کی زیبا ہٹوں میں دھنس گیا۔ اس کی آنکھیں سرد تھیں اور ان پر سفاکت ہونے کا گمان ہوتا تھا۔

سبھاش چند نے قیمتی گلاسوں میں سُرخ سُرخ شراب اُنڈیلی اور گلاس کی طرف اُنگلی سے اشارہ کرتے ہوئے کہا: "یہ وائٹ فیسر... یہ سیکرٹری راتب لا رہی ہے۔"

لفظ راتب پر نوارد کی آنکھوں میں ایک ہلکا سا تاثر پیدا ہوا اور لمحے بھر میں ہی زائل ہو گیا... اس نے جواب دینے کی بجائے اپنی کلائی گھڑی پر نگاہ ڈالی اور نفی میں سر ہلا کر انکار کر دیا۔

"نسوار چلے گی؟" سبھاش چند نے اس کے پُروقار انداز سے متاثر ہو کر سوال کیا۔ اس بار بھی نوارد نے سر کو منفی جنبش دی تھی۔ اس لیے سبھاش چند کو وضاحت کرنی پڑی۔ "شاید تم نہیں جانتے آفیسر... نسوار کو کین کے لیے مُوں نام ہے۔"

دارالحکومت سے آنے والا آفیسر نے اس پر بھی انکار میں گردن ہلا دی۔

سبھاش ہنس پڑا۔ "میں خود بھی کوکین استعمال نہیں کرتا۔ اس دلربا سیل ہذکرہ کہا: میرے نزدیک یہ ایک غلیظ نشہ ہے۔ لحاظ ہے کے لیے کوئی چھوٹا موٹا نشہ استعمال کرنا صحت مندی نہیں، انسان کے لیے ضروری بھی ہے... لیکن ہر وقت نشے میں ڈوبے رہنا حماقت ہے۔"

"جی ہاں..." نوارد نے پہلی بار لب کشائی کی: "آپ کو کین استعمال نہیں کرتے لیکن ایک چوتھائی دُنیا کے لوگوں کو استعمال کراتے ہیں۔ پ ہی کو کمال حاصل ہے۔ مجھے چیف نے آتے وقت آپ کے بارے ں ہدایت کچھ بتایا تھا۔"

سبھاش چند یُوں ہنس پڑا جیسے آفیسر نے اس کی بڑائی کے اعتراف میں کچھ کہا ہو لیکن جب وہ بولا تو اس کے لہجے میں بے پناہ انکسار تھا۔ "میں بھلا کس قابل ہُوں، یہ سب کچھ اعلیٰ مہاراج کی مہربانی سے ہو رہا ہے۔"

اسی لمحے سبھاش کی برطانوی نژاد سیکرٹری ڈیٹ فاکس اندر آ گئی۔ اس کے دونوں ہاتھوں میں نوٹوں کی ایک ایک موٹی سی گڈی دبی ہوئی تھی۔ یہ گڈیاں میز پر رکھ کر اُس نے ایک بڑا سا لفافہ، دراز سے نکالا اور پھر سارے نوٹ اس میں ڈال دیے۔

سبھاش نے لفافے کی طرف اشارہ کیا۔

آفیسر اُٹھا اور اس کا ہاتھ لفافے کی طرف بڑھ گیا۔

اچانک سبھاش نے محسوس کیا کہ کوئی گڑبڑ ہو گئی ہے۔ آفیسر کے انداز میں خوشی کا تاثر نہیں تھا۔ چالاک سبھاش چند نے دراز سے مٹھی بھر نوٹ نکالے اور انھیں آفیسر کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا: "اور یہ حقیر سا نذرانہ صرف آپ کے لیے ہے۔"

سادہ لباس والے پولیس مین نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

اُس کے انداز سے سُرمہری ٹپک رہی تھی۔

"لیکن جناب..." سبھاش نے کسی خیال میں ڈوبتے ہوئے کہا۔ "عام طور پر ایسے کاموں کے لیے کوئی نیا آدمی نہیں بھیجا جاتا۔ اگر آپ بُرا نہ مانیں تو کیا میں فون پر چیف سے تصدیق کر سکتا ہُوں؟"

"کیوں نہیں۔ تصدیق تو آپ کو پہلے ہی کر لینی چاہیے تھی۔"

سبھاش چند اس آفیسر کی وجہ سے بے پناہ بے چینی محسوس کرنے لگا تھا۔ اس سے پہلے جتنے بھی پولیس افسران و ہیڈ کوارٹر سے وصولی کے لیے بھیجا جاتا رہا، وہ سب کے سب تو آتے ہی اس کے سامنے بچھ جایا کرتے تھے جبکہ یہ شخص تو یُوں لگتا تھا جیسے گوشت پوست کی بجائے کسی دھات کا بنا ہُوا ہو اور اس کی تمام تر جسمانی حرکات و سکنات اس کے دماغ کی بجائے کمپیوٹر کے ذریعے تکمیل پا رہی ہوں۔

سبھاش چند نے سیکرٹری کو اشارہ کیا۔

اس نے اپنی پُرکشش مخروطی انگلی سے نمبر ڈائل کیا اور سلسلہ ملنے کا انتظار کرنے لگا۔ جب دُوسری طرف سے لائن مل گئی تو اس نے اپنے باس کا تذکرہ کرتے ہُوئے ریسیور سبھاش چند کے ہاتھ میں تھما دیا۔

"ہیلو..." سبھاش چند نے ماؤتھ پیس پر مُنہ رکھ کر اتنی مٹھاس بھرے لہجے میں کہا جیسے کوئی محتاط نوجوان اپنی محبوبہ سے ازدواجی معاملات میں مصروف ہو: "میں آپ کا خادم عرض کر رہا ہُوں..."

دُوسری طرف سے کسی نے کچھ کہا۔

یقیناً وہ بات سبھاش چند کے لیے خوش گوار ہی تھی کیونکہ وہ جواباً مسکرانے لگا تھا۔ اس کی نگاہ دُوسری طرف سے آواز سُننے کے انتظار میں اجنبی آفیسر کی طرف اُٹھ گئی جو بڑی بے پروائی سے میز پر دیوار کی طرف دیکھ رہا تھا۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ خود کو اس شاندار نشست گاہ میں بالکل تنہا سمجھ رہا ہو... یا پھر اُسے احساس ہی نہ ہو کہ سبھاش چند خود اُس کے بارے میں کسی سے کوئی بات کر رہا ہے۔

"دراصل آج سے پہلے کبھی کوئی اجنبی آفیسر نہیں بھیجا گیا اس لیے میں آپ کو یہ زحمت دینے پر مجبور ہُوا..." اور..."

دُوسری طرف سے بولنے والے نے غالباً اس کی بات کاٹ دی تھی اس لیے وہ خاموش ہو کر سُننے لگا۔ اس کے انداز سے بے پناہ انکسار جھلک رہا تھا۔ بکتا تھا، وہ دُوسری طرف سے بولنے والے پر سو جان سے فدا ہو۔

"میں اس آفیسر کا حلیہ بتاتا ہُوں۔" دُوسری طرف سے بات سُننے کے بعد سبھاش نے دوبارہ کہا اور نشست گاہ میں موجود آفیسر پر نظریں گاڑیں... پھر وہ اس کی طرف دیکھتا رہا اور بولتا رہا۔

حلیہ بتانے کے بعد اُس نے کچھ دیر خاموش رہ کر دُوسری طرف سے بولنے والے کی کوئی بات سُنی اور کھل کھلا کر ہنس پڑا... پھر اس نے تکلیف دہی کے سلسلے میں دوبارہ معذرت کی اور ریسیور رکھ دیا۔

"مجھے افسوس ہے مہاراج۔" اس نے سادہ لباس والے آفیسر سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا: "میں اُمید کرتا ہُوں کہ آپ نے اس تصدیق کو اپنے وقار کے منافی خیال نہیں کیا ہو گا؟"

"نہیں... میرے خیال میں تحقیقات میرے وقار کے عین مطابق

ہے۔" سادہ لباس والے نے جواب دیا اور پھولا ہوا لفافہ کوٹ کی اندرونی جیب میں رکھ لیا۔ اُس نے وہ نوٹ بھی لفافے ہی میں رکھ لیے تھے جو اُسے الگ سے دیے گئے تھے۔ اس کی حرکات و سکنات سے گہرا اطمینان جھلک رہا تھا اور یوں لگتا تھا جیسے اُسے جانے کی جلدی نہ ہو حالانکہ وہ اب تک دو بار اپنی کلائی گھڑی پر نگاہ ڈال چکا تھا۔

"آپ نے کچھ پیا نہیں، آفیسر!" سبھاش چند کے لہجے میں شکایت تھی۔

"میں پانی کے سوا کچھ نہیں پیتا۔"

"وہی ایک گلاس پی لیا ہوتا۔" سبھاش چند کا انداز مزید دوستانہ ہو گیا۔

"وہ میں پی کر آیا تھا۔"

"میں رقم آپ کو ادا کر چکا ہوں۔" سبھاش چند نے اس کے جواب پر دل ہی دل میں پیچ و تاب کھاتے ہوئے بظاہر نرم لہجے میں کہا۔ "اور آپ کی خدمت میں الگ سے کچھ رقم بھی پیش کر دی ہے۔۔۔" یہ کہہ کر اُس نے جُلاہ دھورا ہی چھوڑ دیا۔

اگر کوئی سمجھ دار آدمی ہوتا تو یقیناً سمجھ لیتا کہ سبھاش چند نے ملاقات کا وقت ختم کر دیا ہے۔۔ لیکن وہ شخص کیوں بیٹھا رہا جیسے کسی خاص کام کے لیے وقت کا انتظار کر رہا ہو۔ اس کے چہرے کے تاثرات سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ وہ جانے کا ارادہ کر رہا ہے۔

"میرے لائق کوئی اور خدمت آفیسر؟" سبھاش چند نے ضبط کرتے ہوئے کہا۔

"وہ ہاں۔" جیسے اس پُراسرار شخص کو اچانک ہی کوئی بھولی ہوئی بات یاد آ گئی ہو۔ "قصبہ مقامی میں لطف فروش عورتوں کے سلسلے میں تمہارا رابطہ کون ہے؟"

سبھاش چند چونک پڑا۔

اس نے گہری نظر سے اپنے سامنے براجمان اس گستاخ پولیس آفیسر کی طرف دیکھا اور اس کی جرأت مندی پر حیران رہ گیا۔ سبھاش چند کوئی معمولی آدمی نہیں تھا۔ اس کی رسائی اعلا ترین افسروں تک تھی اور وہ یہاں امین آباد میں رہ کر بھی پورے مُلک کی زیرِ زمین تنظیموں پر حاوی ہوا تھا۔ اس کے ہاتھ بظاہر تو بے حد صاف تھے لیکن وہ ناموس فروشی کے اُن گنت اڈوں کا بلا شرکتِ غیرے مالک تھا۔ منشیات کی اندھا دھند میں اس کے ربطے ایک چوتھائی دُنیا میں موجود تھے۔۔ سبھاش چند کوئی احمق نہیں تھا۔ وہ جانتا تھا کہ قانون کی آنکھوں میں دھول جھونک کر کوئی بھی کام مکمل نہیں ہو سکتا اس لیے اُس نے شروع ہی سے قانون کے ایسے محافظوں سے میل جول رکھا تھا جو بالآخر اس کی پشت پناہی کرنے لگے تھے۔ پولیس چیف کو ہر ماہ ایک خطیر رقم ہیڈ کوارٹر بھیجا کرتی تھی اور اس کے لیے ابتدائی تاریخوں ہی میں پولیس کا ایک سادہ لباس اہل کار اس کے ہاں آیا کرتا تھا۔۔ یہ دھندہ برسوں سے جاری تھا اور آج کسی افسر کو اتنی جرأت نہیں ہوئی تھی کہ وہ اس سے بالمشافہ کوئی ایسا ویسا سوال کرتا۔

"اوہ۔۔" سبھاش چند یکایک مسکرانے لگا۔ "میں سمجھ گیا، مہارا کو ذاتی طور پر شاید کچھ اور رقم کی ضرورت ہے۔"

پُراسرار افسر خاموشی سے اُسے گھورتا رہا۔

اس کی خاموشی کو نیم رضا سمجھ کر سبھاش چند نے قہقہہ لگایا اور اپنی حسین و جمیل سیکرٹری کی طرف دیکھا۔ "ان کے لیے کچھ راتب لے آؤ۔"

سیکرٹری دُوسرے کمرے میں چلی گئی۔

اس کے جاتے ہی وہ سرد مہر افسر اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ آہستہ آہستہ بالکل ٹہلنے کے انداز میں سبھاش چند کی طرف بڑھا اور اس سے ایک قدم کے فاصلے پر رُک گیا۔ اُس کی آنکھیں اب بھی سبھاش کی آنکھوں میں گڑی ہوئی تھیں۔

"رقم کے لیے شکریہ۔" اس نے سرسراتی ہوئی آواز میں کہا۔ "تمہارے پاس اتنی دولت ہے۔ اگر تم وہ ساری کی ساری بھی مجھے دے دو تو میرا سوال اپنی جگہ برقرار رہے گا۔ بتاؤ وہاں تمہارا رابطہ کون ہے؟"

سبھاش چند کے جسم میں خوف اور سنسنی کی لہریں سی دوڑ گئیں۔ وہ سمجھ چکا تھا کہ یہ افسر کسی خاص مقصد کے تحت اس کے پاس آیا ہے اور یہ ایک ایسا شخص ہے جسے کسی بھی قیمت پر خریدا نہیں جا سکتا۔ اگر ہیڈ کوارٹر سے فون پر چیف نے بذاتِ خود اس کے حلیے کی تصدیق نہ کر دی ہوتی تو وہ کبھی یہ باور کرنے پر آمادہ نہ ہوتا کہ یہ کوئی ماتحت افسر ہے اور اسے ماہانہ رقم وصول کرنے کے لیے بھیجا گیا ہے۔

"شاید میں کا نام تمہارے ذہن میں نہیں آ رہا ہے۔" سادہ لباس والے ناقابلِ فہم افسر نے تلخی سے کہا۔ "میں تمہیں اس کا نام بتا دیتا ہوں۔"

"کیا نام ہے؟" سبھاش چند جلدی سے بولا۔

"رتنا بائی۔۔"

"جب تم اس کا نام جانتے ہو تو مجھ سے کیوں پوچھتے ہو؟"

"میں تمہاری تائید چاہتا ہوں۔" سادہ لباس والے نے کہا۔ "اس کے علاوہ مجھے اس کا پتہ بھی درکار ہے۔"

"کیا تم مجھے چیف سے بالا ہی بالا ڈیل کرنا چاہتے ہو؟"

"میں صرف اس کے نام کی تائید اور اس کا پتہ چاہتا ہوں۔"

"اگر میں انکار کر دوں تو؟"

"کوئی بھی عقل مند شخص محض ایک عورت کا پتہ راز میں رکھنے کے لیے اپنی زندگی سے ہاتھ دھونا پسند نہیں کرتا۔۔"

"تو۔۔ تت۔۔ تم۔۔۔ مجھے جان سے مار ڈالنے کی دھمکی دے رہے ہیں ابھی ہیڈ کوارٹر فون کر کے۔۔"

"میں صرف دھمکی ہی نہیں دے رہا ہوں۔" پُراسرار افسر نے جیب میں ہاتھ ڈال لیا اور جب اس کا ہاتھ باہر آیا تو اس میں ایک پولیس پسٹل چمک رہا تھا۔ اس نے ریوالور کی نال اُٹھائی اور اُس کا سوراخ سبھاش چند کے نرخرے سے چپکا دیا۔

سبھاش چند کی آنکھوں سے مُردنی جھلکنے لگی۔

اس کی پیشانی پر پسینے کی بوندیں اتنی تیزی سے نمودار ہوئیں ریوالور بدست اس پُراسرار شخص کی آنکھوں میں بھی تحیر کا تاثر پیدا ہو گیا۔

"آخر۔۔ آخر تم اس کا پتہ کیوں معلوم کرنا چاہتے ہو؟" وہ ہکلا گیا۔

"میں تمہیں اس کی وجہ بتانے کا پابند نہیں ہوں۔ ریوالور کی نال تمہارے نرخرے پر ہے، میرے نرخرے پر نہیں۔۔۔ اس لیے صرف تم بولنے پر مجبور ہو۔ ایک بات یاد رکھو سبھاش چند!" اس شخص کی آواز برف کی سل سے بھی زیادہ سرد تھی۔ "یہ ریوالور کچھ نہیں سنتا، کیونکہ اس کے کان نہیں ہیں۔۔۔ لیکن اس کا منہ موجود ہے اس لیے یہ بولتا بہت ہے۔۔۔ اس کے بولنے کا مفہوم جانتے ہو تم۔"

سبھاش چند کا پورا جسم پسینے سے شرابور ہو گیا۔

اس کے کپڑے جا بجا جسم سے چپکے نظر آنے لگے۔

اب تک کی زندگی میں کبھی کسی نے اتنی جرأت نہیں کی تھی جس کا مظاہرہ وہ شخص کر رہا تھا۔ اس کے تیور بتا رہے تھے کہ وہ جو کچھ کہہ رہا ہے اس پر عمل کرنے میں ذرا بھی تامل سے کام نہیں لے گا۔ لہٰذا جان گنوانے سے بہتر تھا کہ اس عورت کا پتہ بتا دیا جائے۔ سبھاش چند سوچ رہا تھا کہ اس کے جاتے ہی وہ فون پر رتنا بائی کو حکم دے گا کہ وہ اپنی موجودہ قیام گاہ چھوڑ دے۔ ایک بار یہ منحوس شخص یہاں سے نکل جائے پھر وہ اس کے بارے میں بھی آسانی سے کچھ کر سکتا تھا۔

چند مزید لمحوں کے تذبذب سے اس نے رتنا بائی کا پتہ بتا دیا۔

"بہت بہت شکریہ۔" سادہ لباس والے افسر نے کہا اور اس کی ہلکی سی کاہلی ڈائریکٹر پر بڑھتا چلا گیا۔ پہلا دھماکا، اُمر کنڈیشنڈ اور ساؤنڈ پروف کمرے میں گونج کر رہ گیا۔ سبھاش چند کی آنکھوں میں حیرت اور بے یقینی کے تاثرات پیدا ہوئے اور تکمیل تک پہنچنے سے پہلے ہی منجمد ہو گئے۔ اس کی آنکھیں پتھرا گئیں اور یہ تاثرات اُن پر نقش ہو کر رہ گئے۔

سادہ لباس والا دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔

نرخرے میں گولی کا سوراخ لیے سبھاش چند، چند لمحے ساکت کھڑا رہا۔۔ پھر اس کی شہ رگ سے خون اُبل پڑا۔ اس کے ساتھ ہی وہ آہستہ آہستہ سامنے جھکتا چلا گیا حتیٰ کہ وہ منہ کے بل گرا تو اس کی پیشانی سادہ لباس والے افسر کے پیروں سے چھونے لگی۔

برابر کے کمرے سے حسین و جمیل وہائٹ فاکس نوٹوں کی ایک گڈی لے کر واپس آ گئی۔ اس نے کمرے میں قدم رکھتے ہی حیرت سے یہ منظر دیکھا۔ حیرت کے اظہار کا پہلا دور یوں مکمل ہوا کہ اُس کے ہاتھ سے نوٹوں کی گڈی چھوٹ گئی۔۔۔ اور ابھی اظہارِ حیرت کے دُوسرے دَور کا آغاز ایک دلدوز چیخ سے ہونے ہی والا تھا کہ پُراسرار ملاقاتی کا ریوالور ایک بار پھر گرج اُٹھا۔ وہ اُلٹ کر گری اور ہمیشہ کے لیے ساکت ہو گئی۔

**

ٹائیگر نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھول دیں۔

اس کے بائیں رُخسار پر ایک گرم گرم اور گیلی سی چیز گھوم رہی تھی۔ وہ سورج طلوع ہونے سے پہلے، دو گھنٹے ورزش کرنے کا عادی تھا اور اس وقت مشق کے انتہائی دور سے گزر رہا تھا کہ اچانک یہ گرم گرم اور گیلی سی چیز نے اُسے بُری طرح چونکا دیا تھا۔ اس کے عضلات میں اچانک ہی زبردست تناؤ پیدا ہوا تھا۔

وہ ایک طویل سانس لے کر رہ گیا۔

جمنا نامی ہرن کے بچے کی یہ محبت اس کے لیے جان لیوا بھی ثابت ہو سکتی تھی۔ اس خیال نے اُس کے جسم میں سنسنی کی لہری دوڑا دی۔ پُرسکون عضلات میں جتنی تیزی سے ناقابلِ برداشت تناؤ پیدا ہوا تھا اس سے جسم کے بعض حصوں کے ریشے ٹوٹ بھی سکتے تھے۔۔۔ لیکن وہ کسی نہ کسی طرح خود کو بروقت سنبھالنے میں کامیاب ہو گیا تھا اور اس کی جان بچ گئی تھی۔

اُس نے ہاتھ بڑھا کر جمنا کو اپنی طرف گھسیٹ لیا۔

"برخوردار۔۔ تمہاری یہ محبت میرے لیے بہت مہنگی ثابت ہوئی ہے۔" یہ کہہ کر اُس نے ہرن کے سر پر ہاتھ پھیرا جہاں ننھے ننھے سینگ اُگنے کی تیاری کر رہے تھے اور ان مقامات پر ہلکا سا گھاؤ دار پن پیدا ہو گیا تھا۔ یہ ہرن گزشتہ دو ہفتوں سے اس کے پاس تھا اور ٹائیگر نے فرصت کے لمحات میں اُس کی اچھی خاصی تربیت کر ڈالی تھی۔ وہ نہ صرف اپنا نام سُن کر دوڑا دوڑا چلا آتا تھا بلکہ ٹائیگر کے کئی احکامات کی پابندی بھی کرنے لگا تھا۔

ٹائیگر کو اچانک یاد آ گیا کہ پہلے روز جب وہ جمنا کو لے کر اس گھر میں داخل ہوا تھا تو اُوشان اپنے کمرے میں مراقبے میں ڈُوبا ہوا تھا۔ اگرچہ ہرن نہایت آہستگی سے اس کے قریب گیا تھا لیکن اُوشان نے

اپنی غیر معمولی حسیات سے اس کی موجودگی محسوس کرلی تھی اور وہ شہزاد کی طرح ہڑبڑا کر بیدار نہیں ہوا تھا۔

"جمنا۔۔۔" اچانک اُدشان کی تیکھی آواز گونجی۔

ہرن نے فوراً کان کھڑے کردیے۔

ٹائیگر نے اس کی گردن میں ہاتھ ڈال دیا اور اُسے اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی لیکن ہرن کے انداز سے بے چینی ہویدا تھی۔

"جمنا۔۔۔ تولیہ لاؤ۔۔۔" اُدشان کی آواز دوبارہ گونجی۔

ٹائیگر کھل کھلا کر ہنس پڑا اور اس نے جمنا کو چھوڑ دیا۔۔۔ لیکن اگلے ہی لمحے اس کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ ہرن تیزی سے قلانچیں بھرتا ہوا ٹاول اسٹینڈ تک گیا اور وہاں سے تولیہ منہ میں دبا کر غسل خانے کی طرف دوڑ گیا۔ ٹائیگر اُٹھ کھڑا ہوا۔ اُس نے جمنا اور اُدشان کو دو ایک بار ہی ایک دوسرے کے قریب دیکھا تھا لیکن حیرت انگیز بات یہ تھی کہ ان دو ایک ملاقاتوں کو ہرن نے نہ صرف اُس کی ایک ہفتے کی بھرپور رفاقت پر ترجیح دی بلکہ اُدشان کی آواز پر تولیے تک اُٹھا اُٹھا کر باتھ رُوم میں پہنچانے لگا تھا۔

وہ اُٹھا اور تیزی سے دروازے پر پہنچا۔

اس نے جھانک کر دیکھا۔

جمنا تولیہ لیے غسل خانے کے دروازے پر کھڑا تھا۔

اچانک دروازہ تھوڑا سا کھلا اور اُدشان نے ہاتھ نکال کر اُس کے منہ میں دُبا ہوا تولیا نکال لیا۔ دروازہ بند ہوگیا۔ ہرن وہیں کھڑا ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔ اچانک اُس کی نگاہ ٹائیگر پر پڑی تو وہ لپکتا ہوا اُس کے قریب آگیا۔ "دادا جان کا بہت خیال رکھ رہے ہو، برخوردار!" ٹائیگر نے اس کی گردن پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا اور پھر اُس کی آنکھیں کسی شریر خیال کے تحت چمک اُٹھیں۔

وہ جلدی سے دوسرے باتھ رُوم میں گیا اور وہاں سے ایک لوٹا اُٹھا لایا۔ لوٹا ہرن کے منہ میں دبا کر اُس نے جمنا کو پھر اُدشان کے باتھ رُوم کی طرف دھکیل دیا۔ لوٹا وزنی تھا، اُس کے منہ سے نکل کر گر گیا۔ ٹائیگر نے دوتین بار کی کوشش میں اسے اس عمل میں کامیابی سے ہمکنار کردیا۔

۔۔۔ اور جب اُدشان غسل خانے سے باہر آیا تو جمنا منہ میں لوٹا دبائے اس کی طرف بڑی ہی معصوم نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

اُدشان نے اس کے منہ سے لوٹا نکالا اور تعفیلی نظروں سے ٹائیگر کے کمرے کی طرف دیکھا۔۔۔ پھر لوٹا اُس کے ہاتھ سے نکلا اور تیز میٹی جیسی آواز کے ساتھ اُڑتا ہوا ٹائیگر کے کمرے کی سامنے والی دیوار سے جا ٹکرایا۔ وہاں ایک حسینہ کی تصویر کا قیمتی فریم لگا ہوا تھا۔ وزنی لوٹا اس سے ٹکرایا اور فریم کا شیشہ چکنا چور ہوگیا۔

ٹائیگر کا قہقہہ، فریم ٹوٹنے کی آواز سے کہیں زیادہ بلند تھا۔

وہ دروازے میں آ کھڑا ہوا اور پیٹ پکڑ کر ہنستا رہا۔

"جمنا کافی سمجھ دار ہوگیا ہے، ٹیل فادر۔" اس نے ہنسی ضبط کرتے ہوئے کہا۔ "میرا خیال ہے، چند دنوں بعد آپ کو نہانے کی ضرورت نہیں پڑا کرے گی۔ اطمینان سے لیٹے رہیے گا اور جمنا چاٹ چاٹ کر آپ کو نہلا دیا کرے گا۔"

اُدشان کے برہمن پنجے فرش پر ایک عجیب سے انداز میں گھومے۔ ٹائیگر نے کن انکھیوں سے اُس کی یہ حرکت دیکھ لی تھی۔۔۔ لیکن اس سے پہلے کہ اُدشان اُسے سزا دینے کے لیے کوئی کارروائی عمل میں لاتا، اس کے فون کی گھنٹی بجنے لگی۔

اگر یہ عام فون کی گھنٹی ہوتی تو شاید اُدشان پروا نہ کرتا۔۔۔ لیکن گھنٹی اس مخصوص فون کی بج رہی تھی جس کا تعلق بہرام سے تھا۔ ایک وائرلیس ٹیلی فون تھا اور اس پر کال آنے کا مقصد سوائے ایمرجنسی کے اور کچھ بھی نہیں ہوتا۔

ہرن نے بھی گھنٹی کی آواز پر کان کھڑے کرلیے تھے۔

"ٹیل فادر۔۔۔" ٹائیگر نے مسکرا کر کہا۔ "اسے ریسیور اُٹھا کر چیف سے مغز ماری کرنا بھی سیکھا دیجیے تاکہ میری جان چھوٹے۔"

"اگر فون نہ آتا تو بھی چھوٹ جاتی۔" اُدشان غرایا۔

"ہائے یہ تیری نازک نازک غراہٹیں۔۔۔" ٹائیگر نے اُسے تاؤ دلانے کے لیے کہا اور پھر جلدی سے ریسیور اُٹھا لیا۔ "یس سر ہارٹ!" وہ مسکرا کر بولا۔

"سبھاش چند قتل کردیا گیا۔" دوسری طرف سے بہرام کی سنائی دی۔

"تو آپ قاضی بن کر شہر کے غم میں کیوں دُبلے ہو رہے ہیں؟"

"اسے کس نے قتل کیا؟"

"ہائیں۔۔۔ مجھے کیا پتہ۔ ٹھہریے۔ ابھی پوچھ کر بتاتا ہوں۔" نے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھے بغیر اُدشان کی طرف پلٹتے ہوئے کہا۔ "کیوں ٹیل فادر۔ باس پوچھتا ہے کہ آپ نے سبھاش چند کو قتل کیا ہے؟"

"میں نے کسی کو قتل نہیں کیا۔" اُدشان غرایا۔

"سن لیا آپ نے۔" ٹائیگر نے شکایت آمیز لہجہ اختیار کرلیا۔ "بے چاروں نے تو آج تک ایک مکھی بھی نہیں ماری۔ آپ کسی چند نامی خاتون کی بات کر رہے ہیں۔"

"سبھاش چند ایک مردانہ نام ہے۔" دوسری طرف سے جھلائی ہوئی آواز آئی۔ "لغو بات بند کرو اور غور سے سنو۔"

"پہلے آپ میری ایک بات۔۔۔"

"وہ میں پھر کسی وقت سن لوں گا۔" بہرام غرایا۔

"پھر تو موقع ہی نکل جائے گا، سویٹ ہارٹ۔"

"میں جانتا ہوں۔" بہرام کا لہجہ یکایک نرم پڑ گیا۔ "جب عورت کے ہرے پر چھوٹے چھوٹے اُن گنت جھوریں تبل نہیں ہوتے، اُس کی نال ایسی رات جیسی ہے جس رات ستارے نہیں نکلتے۔"

"زندہ باد۔۔۔ اس کا مطلب ہے کہ آپ کو میری بات پر بالآخر یقین آ ہی گیا۔"

دوسری طرف سے بہرام نے اس کی بکواس پر توجہ دیے بغیر بولنا شروع کردیا۔ ایک آدھ جملے پر ٹائیگر نے کوئی توجہ نہیں دی۔۔۔ چہرہ سنجیدہ ہوتا چلا گیا حتیٰ کہ جب بہرام خاموش ہوا تو ٹائیگر کی آنکھوں میں عجیب سی سُرخی تیرنے لگی تھی۔

اس نے ریسیور رکھ دیا اور اُدشان کی طرف دیکھنے لگا جس کی تشویش آمیز نگاہیں خود اس پر جمی ہوئی تھیں۔

*

وہ کچن میں مصروف تھی۔

اس کی جواں سال بیٹی کھانے کی تیاری میں اس کا ہاتھ بٹا رہی تھی جب کہ اس کا شوہر اپنے بیٹے کے ساتھ لاؤنج میں ٹی۔ وی پر کوئی انگریزی فلم دیکھنے میں مصروف تھا۔ رتنا بائی اس علاقے کی مشہور سماجی ورکر تھی اور اس کی شخصیت کو بے حد قابلِ احترام سمجھا جاتا تھا۔ کوئی نہیں جانتا تھا کہ وہ درحقیقت ایک ایسی ناگن ہے جو اندر ہی اندر سماج کے ناموس کو ڈس ڈس کر اب تک اس میں نہ جانے کتنا زہر اُتار چکی ہے۔

اس کا شوہر ایک ناکام وکیل تھا۔

اُسے کچھ کمانے کی ضرورت بھی نہیں تھی کیوں کہ رتنا بائی کی املاک اتنی تھی کہ اس کا ٹھیک سے خود رتنا بائی کو بھی علم نہیں تھا۔ اس کا جواں سال بیٹا اور اس کی جواں بیٹی، دونوں ہی اپنی ماں کی دولت اور شہرت پر نازاں تھے۔ گھریلو زندگی میں وہ ایک بہترین عورت تھی۔ اس کا شوہر تیس سال سے اس کے ساتھ مقیم تھا اور ازدواجی زندگی کی اس طویل مسافت میں اُسے اپنی بیوی کے بارے میں زیادہ باتوں کا علم نہیں ہو سکا تھا۔ شروع شروع میں تجسس کی رگ پھڑکی بھی تو رتنا بائی نے اسے وہیں دُبا دیا تھا۔ اس نے صاف صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ وہ اپنی نجی زندگی میں کسی کی بھی مداخلت برداشت نہیں کرسکتی۔ یہ سن کر شوہر نے کان لپیٹ لیے تھے کیوں کہ وہ آرام و آرائش کی زندگی پر لات مار کر باہر جھوٹی اَنا کا غلام نہیں بننا چاہتا تھا۔

تیس سالہ ازدواجی زندگی کے دوران میں، دونوں میاں بیوی ایک مشترکہ خواب گاہ میں سوتے تھے لیکن ان تیس سالوں میں شوہر کو ایک خاص خواب گاہ میں داخل ہونے کی کبھی اجازت نہیں ملی تھی جو اس مشترکہ خواب گاہ سے منسلک تھی اور جس کا دروازہ ہمیشہ مقفل رہتا تھا۔ راتوں کو اکثر اُٹھ اُٹھ کر رتنا بائی اس خواب گاہ میں چلی جاتی تھی اور پھر وہ وہاں کیا کرتی تھی، اس کا شوہر کو کبھی علم نہیں ہوسکا تھا۔ وہ خواب گاہ دراصل ہر طرف سے بند تھی اور اس میں داخل ہونے کا واحد راستہ مشترکہ خواب گاہ میں تھا اس لیے شوہر کو کبھی یہ خیال نہیں آیا کہ اس کی حسین بیوی کسی اخلاقی مرض میں مبتلا ہے۔۔۔ پھر رفتہ رفتہ اس نے مصلحت کوشی کا دامن تھام کر خود کو یہ سمجھا لیا کہ اُسے پیر گھسنے کی کوئی ضرورت نہیں، بس اطمینان سے آم کھاتے رہنا چاہیے۔

تیس سالوں میں صرف ایک بار دروازہ نیم وا ہونے کی وجہ سے شوہر کو یہ پتہ چلا تھا کہ اندر ایک ٹیلی فون بھی ہے، جس پر اس کی بیوی کسی سے بات کر رہی ہے۔ اس کو اتنی جرأت نہیں ہو سکی تھی کہ وہ کمرے میں جھانک ہی لیتا۔۔۔ بہرحال اُن کی زندگی بڑی ہی پُرسکون تھی اور انھیں ایک دوسرے سے کوئی شکایت نہیں تھی۔ دولت کی ریل پیل تھی اور سماجی طور پر اُن کا رتبہ خاصا بلند تھا۔

اچانک شوہر کی نگاہ ٹی۔ وی لاؤنج کے دروازے کی طرف اُٹھ گئی اور وہ چونک پڑا۔ اس نے دیکھا کہ بیرونی گیٹ سے دو آدمی گھر میں داخل ہو رہے ہیں۔ اُن میں سے ایک سیاہ فام تھا اور دوسرا کوئی مقامی تھا۔ ان کے لباس سادہ تھے لیکن چال بتاتی تھی کہ ان دونوں کا تعلق یا تو فوج سے ہے یا پھر وہ پولیس کے سادہ لباس والے ہیں۔

"یہ کون ہیں؟" وہ بڑبڑایا۔

"میں انھیں پہلے بھی کئی فلموں میں دیکھ چکا ہوں، ڈیڈ!" جواں سال بیٹے نے ٹی۔ وی اسکرین پر نظریں گاڑتے ہوئے جواب دیا۔

"میں ان اداکاروں کی نہیں، ان وردی والوں کی بات کر رہا ہوں، جو گھر میں یوں گھسے چلے آ رہے ہیں، جیسے یہ مکان انھی کی ملکیت ہو۔" اس بار باپ کا لہجہ قدرے سخت تھا۔

بیٹا بھی چونک کر شیشے کی دیوار سے لاؤنج کے اُس پار دیکھنے لگا اور پھر وہ بھی چونکے بغیر نہ رہ سکا۔

"ممکن ہے ممی کے کوئی ملنے والے ہوں۔" لڑکا بڑبڑایا۔

"ہو سکتا ہے۔" باپ نے کہا اور ٹی۔ وی کی طرف متوجہ ہوگیا۔ اس نے ان دونوں سے باز پُرس کرنے کے لیے اُٹھنے کی زحمت تک گوارہ نہیں کی تھی۔

اچانک لاؤنج کا کانچ کا بنا ہوا دروازہ کھلا اور وہ دونوں اندر

آ گئے۔

"مسز رتنا یہیں رہتی ہیں؟" مقامی نے پوچھا۔

دونوں باپ بیٹے چونک کر انھیں دیکھنے لگے۔

"یہ بات معلوم کرنے کے لیے آپ کو بیرونی دروازے پر گرکنا چاہیے تھا۔" وکیل صاحب نے ناگواری سے کہا اور انھیں اخلاقیات کا درس دیا۔

"ہم معذرت خواہ ہیں جناب۔" سیاہ فام نے ندامت آمیز لہجے میں کہا اور آگے بڑھ کر پوری قوت سے ایک گھونسہ مارا۔ وکیل صاحب، مُنہ سے آواز نکالے بغیر ہی ڈھیر ہو گئے۔

"میرا خیال ہے، برخوردار! مجھے تم سے بھی معذرت کر لینی چاہیے۔" مقامی نے کہا۔ اس کا لہجہ خوش اخلاقی کا مظہر تھا۔ . . لیکن اُس نے جو حرکت کی، اس کا اخلاق و آداب سے دُور کا بھی تعلق نہیں تھا۔

لڑکا بھی قالین پر اپنے باپ کے پہلو میں لمبا لمبا دراز نظر آیا۔

باپ تو گھونسہ کھا کر گرا ہی ملکِ عدم ہی سُدھار گیا تھا اور اس کے حلق سے خضب سی کراہ بھی نہیں نکل سکی تھی۔ . . لیکن لڑکا بُری طرح چیخا تھا اور پھر اس کی آواز بھی گھٹ گئی تھی۔

یہ آواز کچن میں مصروف رتنا بائی اور اس کی بیٹی نے بھی سُنی تھی لیکن اس آواز پر اُن دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا تھا اور پھر کھلکھلا کر ہنس پڑی تھیں۔ غالباً وہ اس آواز کو ٹی۔ وی پر دکھائی جانے والی فلم کا ایک حصّہ ہی سمجھی تھیں۔

اچانک کچن کے دروازے میں انھیں دو آدمی دکھائی دیے۔

وہ چونک کر انھیں گھورنے لگیں۔

"کون ہو، تم لوگ؟" رتنا نے رواتی خوش اخلاقی سے پوچھا۔

"یہ لڑکی کون ہے؟" سیاہ فام نے پوچھا۔

"تم سے مطلب؟" رتنا کی خوش اخلاقی کافور ہو گئی۔

"کیا یہ تمھاری بیٹی ہے؟" مقامی رنگ و رُوپ والے نے سوال کیا۔ اس کے لہجے سے خوش اخلاقی کا اظہار ہو رہا تھا اور آواز میں شیرینی تھی۔

"ہاں۔ یہ میری بیٹی ہے، پھر . . .؟"

"کیا تم اس کی عزت و ناموس بھی فروخت کرتی ہو؟"

"کیا اس مت کرو۔" رتنا بائی اتنی زرد سے چیخی کہ اس کے گلے کی رگیں تک پھول گئیں۔ اس کی آنکھوں سے دیوانگی جھلکنے لگی۔ اس کے ہاتھ میں چھری تھی۔ وہ چھری سنبھالے تیزی سے دروازے کی طرف جھپٹی۔

"تم دوسروں کی بیٹیوں کو تو پیشہ کروا سکتی ہو لیکن اپنی بیٹی کے بارے میں سُن بھی نہیں سکتیں۔" سیاہ فام ہنس کر بولا۔

"ممی . . ." لڑکی چیخ پڑی۔

رتنا نے چھری پھینک ماری جو سیاہ فام کے قریب سے گزر گئی اور لاؤنج کے فرش سے ٹکرا کر دُور تک لڑھکتی چلی گئی۔ اُسی لمحے سیاہ فام کا سیاہ ریوالور سے ایک سُرخ سُرخ شعلہ سا لپکا اور کسی انگارے کی طرح رتنا کی کھوپڑی میں پہنچ کر ہی سُرد ہُوا۔ وہ اُلٹ کر کچن ٹیبل پر گر گئی اور اُس کے سر سے بہنے والا خون اُس گوشت میں ملنے لگا جسے وہ چند لمحے پہلے کاٹ رہی تھی۔ کباب کے لیے چھوٹی چھوٹی بوٹیوں میں تقسیم کر رہی تھی۔

نوعمر لڑکی کی آنکھیں بے یقینی اور خوف سے پھٹ گئیں۔ دہشت سے اس کا چہرہ کسی لاش کا چہرہ معلوم ہونے لگا۔

"مَیں جانتا ہُوں تم بے گناہ ہو۔" مقامی نے کہا اور پھر اس کا لہجہ بھی بلند ہو گیا۔ اگلے ہی لمحے اس کے ریوالور سے جو گولی نکلی، وہ لڑکی کا سینہ چھیدتی ہُوئی گزر گئی۔ وہ بے دم ہو کر اپنی ماں کی لاش پر گر گئی۔

ٹی۔ وی لاؤنج سے ابھی تک آوازیں آ رہی تھیں۔

غالباً لڑائی مار کٹائی سے بھرپور کوئی منظر پیش کیا جا رہا تھا۔

نووارد ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھ کر مسکرائے اور پھر خوابگاہ کی طرف بڑھ گئے۔ اگلی ہی ساعت وہ خاص خواب گاہ کا تالا توڑ کر اندر جا رہے تھے۔

ٹائیگر گہری سوچ میں ڈوبا ہُوا تھا۔

اُدشان نے بھی اُسے چھیڑنے کی کوشش نہیں کی کیوں کہ وہ جانتا تھا کہ بہرام نے اُسے یقیناً کوئی خاص بات کہہ دی ہے۔ کوئی ایسی غیر معمولی بات جو اُس نے پہلے کبھی نہیں کہی ہو گی۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ٹائیگر ریسٹ رکھنے کے فوراً بعد ہی اس سے بات چیت شروع کر دیتا۔

"کیا بات ہے، فرزند، کسی اُداسی ہوہ کی طرح مُنہ کیوں لٹکا بیٹھے ہو؟" اُدشان نے مسکرا کر کہا کیوں کہ ٹائیگر تو جیسے خیالوں میں دُور کہیں گرد و پیش سے بے خبر ہی ہو گیا تھا۔

"اَں . . ." ٹائیگر واقعی چونک پڑا۔

"کیا بات ہے؟"

"چیف کی کھوپڑی میں بھُوسہ بھر گیا ہے۔"

"اور تم اُسے چرنے کی ترکیب سوچ رہے ہو؟"

"نہیں . . خود میری کھوپڑی میں بھی شاید بھُوسہ بھر گیا ہے۔"

"اللہ مجھے اپنی امان میں رکھے۔" اُدشان نے چھت کی طرف مُنہ کیا۔ "اگر دونوں کی کھوپڑیوں میں بھُوسہ بھر گیا ہے تو مجھے دو دم گدھے گھوڑے فوری طور پر رکھنے پڑیں گے۔ سُنو فرزند! اُدشان نے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ "سیدھی سادی بات کو اُلجھا کر بیان نہ کیا کرو۔ اس سے دماغ میں آکسیجن کی کمی کا احساس ہوتا ہے۔"

ٹائیگر کی آنکھوں اور چہرے پر کرب کے تاثرات پیدا ہو گئے

دماغ میں آکسیجن بڑھانے کے لیے اُدشان اُسے جس آزمائش میں ڈالا کرتا تھا، اس کا تصور ہی اُسے ہلکان کرنے کے لیے کافی تھا۔

"بات یہ ہے کہ چیف میرے ہاتھوں قانون کے چند محافظوں کو قتل کروانا چاہتا ہے۔" ٹائیگر نے ملازمت کرتے ہُوئے کہا۔

ایک لمحے کے لیے تو اُدشان بھی ایسی حالت میں مبتلا ہو گیا جیسے اس کی بھی سِٹی گم ہو گئی ہو . . پھر وہ فوراً ہی سنبھل گیا۔ اگر میرے پاس ہوش کے ناخن کچھ فالتو ہوتے تو تمھیں دو چار ضرور اُدھار دے دیتا۔" وہ مسکرا کر بولا۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے اُسے ٹائیگر کی بات پر یقین نہ آیا ہو۔

"آپ جانتے ہیں، اٹل فادر! مَیں آپ سے کبھی جھوٹ نہیں بولتا۔"

"اگر یہ سچ ہے تو تمھیں حکم کی بجا آوری سے کیوں انکار ہے؟"

"اس لیے کہ مَیں خود ایک قانون کا محافظ ہُوں۔"

"جب تمھیں حکم دیا جا رہا ہے تو تمھاری حیثیت ملحوظ رکھ کر ہی دیا جا رہا ہو گا۔" اُدشان نے وضاحت کی۔ وہ ہر حال میں بہرام کی طرف داری کرتا تھا۔ یہ بہرام سے عقیدت تھی یا نہ جانے کیا معاملہ تھا کہ وہ اس کی کبھی کوئی بات نہیں ٹالتا تھا۔

"اس کا مطلب ہے، کل کلاں وہ مجھے قصاب کی دُکان کھلوا کر دُرست کاٹنے کا حکم دے گا تو میں اس پر بھی سرِ تسلیم خم کر لوں گا؟"

"تمھاری جگہ اگر مَیں ہوتا تو یہی کرتا۔"

"تو پھر اُسے چاہیے تھا کہ وہ یہ حکم تمھیں ہی دیتا۔" شہزاد چڑ کر بولا۔ "ٹائیگر تم ہو مَیں نہیں۔"

"آپ ٹائیگر کے والد صاحب ہیں۔"

"یقین کرو۔ اس میں میرا کوئی قصور نہیں۔" اُدشان کا لہجہ غمناک ہو گیا۔ "تم اپنی مرضی اور رضامندی سے میری نرسنری میں آئے تھے۔"

"مَیں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اب مجھ میں ٹائیگر کا خطاب برقرار رکھنے کی تمام صلاحیتیں دم توڑتی جا رہی ہیں۔" ٹائیگر نے خود پر قابو رکھتے ہُوئے مغموم لہجے میں کہا۔ "ذرا سوچو اُدشان! میرے ان ہاتھوں نے اب تک کتنی انسانی جانوں کا خون بہایا ہے۔" وہ اپنے ہاتھوں کو گھورنے لگا تھا۔

"خود کو الزام نہ دو۔" اُدشان کا لہجہ ناخوش گوار ہو گیا۔ "کیا تمھیں اپنے ان کارناموں پر افسوس ہو رہا ہے، جو اب تک انجام دے چکے ہو۔ اگر تم نے شہر و زندہ دلاں کا خون بہایا ہے تو یہ بھی مزید سوچو کہ اس طرح کتنے کمزور انسانوں کو زندگی ملی ہے۔ اگر وہ درندے تمھارے یا میرے ہاتھوں نہ مرتے تو وہی درندے اب تک بے پناہ انسانی خون بہا چکے ہوتے . . . ان گنت افراد موت کی آغوش میں پہنچ چکے ہوتے . . تب شاید تمھیں احساس ہوتا کہ ان تمام بے گناہوں کا خون تمھاری ہی گردن پر ہے۔"

"میرا دل گداز ہوتا جا رہا ہے۔"

"دل کو گداز ہی ہونا چاہیے، برخوردار!"

"لیکن مَیں ٹائیگر ہُوں۔ خون بہانے کی ایک مشین۔"

"تم ایک انسان بھی ہو۔ ضرورت پڑنے پر تمھیں مشین بننا پڑتا ہے اور وہ تمھارا فرض ہے، جسے تم پُورا کرتے ہو۔"

"لیکن ٹائیگر کا دل، رحم کے جذبے سے عاری ہونا چاہیے۔"

"مَیں تم سے متفق ہُوں . . لیکن یہ عاری پن ہر کسی کے ساتھ روا نہیں رکھا جا سکتا۔ تم جانتے ہو کہ ہماری زندگی میں ایک موقع ایسا بھی آ چکا ہے، جب مجھے حکم دیا گیا تھا کہ مَیں تمھیں قتل کر دُوں۔"

ٹائیگر چونک پڑا۔ وہ براہِ راست اُدشان کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

"اٹل فادر . ." اُس نے جذبات سے بھاری آواز میں کہا۔ "کیا واقعی آپ مجھے قتل کر دیتے؟"

"ہاں . ." اُدشان نے ٹھوس لہجے میں کہا۔

"کیا واقعی؟" ٹائیگر کی آواز میں خفیف سی لرزش تھی۔

"م جانتے ہو کہ مَیں کبھی جھوٹ نہیں بولتا۔"

"کیا آپ کو دُکھ نہ ہوتا؟"

"اتنا دُکھ ہوتا کہ مَیں بھی ہلاک ہو جاتا۔"

"گویا مجھے قتل کرنا، آپ کے نزدیک خودکشی کے مترادف ہوتا؟"

"ہاں . . لیکن یہ بھی تو سوچو کہ تمھاری موت کے بعد ہلاکت خیزی کا ایک طوفان تھم جاتا۔ تم یادداشت کھو بیٹھے تھے اور نہیں جانتے تھے کہ کیا کر رہے ہو۔ تمھیں حق اور انصاف کے خلاف ایک مہلک ہتھیار کے طور پر استعمال کیا جانے والا تھا۔"

"پھر آپ نے مجھے کیوں زندہ رہنے دیا؟"

"اس لیے کہ مَیں تمھیں اپنی دسترس سے دُور نہیں محسوس کر رہا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ تمھاری یادداشت واپس آ جائے گی۔ مَیں نے خُدائے بزرگ و برتر سے اس سلسلے میں صدقِ دل سے دُعا مانگی تھی۔ جانتے ہو، شہزاد! میری دُعائیں ہمیشہ قبول ہوتی ہیں۔ خُدا نے میری وہ دُعا بھی سُن لی اور تم محفوظ رہے۔"

"اسی طرح کیا ان لوگوں کو بھی موقع نہیں دیا جا سکتا؟" ٹائیگر نے وکالت کی۔ "جن قانون کے محافظوں نے کسی خاص وجہ کے تحت قانون اپنے ہاتھ میں لے کر قتل و غارت گری شروع کر دی ہے، کیا ان کی یادداشت نہیں کھو گئی؟ کیا ان کی یادداشت واپس نہیں لائی جا سکتی؟ کیا انھیں یہ یاد نہیں دلایا جا سکتا . . کہ اس قسم کی سزائیں دینے کا انھیں کوئی حق نہیں ہے۔ انھیں صرف اپنے فرائض کی بجا آوری سے دلچسپی رکھنی چاہیے۔"

"ممکن ہے، بہرام انھیں یہ مہلت دے چکا ہو اور اب پانی سر سے گزر رہا ہو۔" اُدشان نے ایک بار پھر بہرام کی طرف داری شروع کر دی۔

"جمنا.....!" ٹائیگر نے چیخ کر کہا۔

اُسی لمحے اُوشان کا ہاتھ بھی اپنے دل پر پہنچ گیا۔

اس نے آنکھیں بند کر لیں اور اُس کے ہونٹ بے آواز حرکت کرنے لگے۔

ایک دھماکا سنائی دیا تھا اور پھر ان دونوں نے ہی فضا میں خون اور موت کی بُو محسوس کی تھی۔ ٹائیگر تیزی سے باہر نکلا اور لان پر دوڑتا چلا گیا۔ اچانک اس کی نگاہ گھاس کے پلاٹ پر پڑی۔ وہاں اس کا جسما خون میں ڈوبا ہوا لیٹا تھا۔

ٹائیگر نے زخمی نگاہوں سے اِدھر اُدھر دیکھا۔

اُسے کوئی بھی دکھائی نہیں دیا۔

اچانک اُسے اپنے کندھے پر اُوشان کے ہاتھ کا لمس محسوس ہوا۔ "میں بھی تمھیں یہی سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا، میرے بچے! ایسے ہی کئی معصوم، درندوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ تمھیں ان درندوں کو ہلاک کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔"

ٹائیگر اس معصوم ہرن کو دیکھتا رہا جو بڑی محبت سے اس کے ہاتھوں کو چاٹا کرتا تھا۔ اُسے اپنے دل کی گہرائی میں کوئی چیز ایک چھناکے سے ٹوٹتی محسوس ہوئی اور اس نے مارے دُکھ کے آنکھیں بند کر لیں۔

اُس نے ایک لمبی سانس لے کر دونوں ہاتھ اُٹھا دیے اور انگڑائی لینے لگا۔ اس کے انداز سے تھکن ظاہر ہو رہی تھی۔ اس وقت شنکر اپنے دفتر کے ایک ایسے کمرے میں بیٹھا ہوا تھا، جہاں کسی کو بھی آنے جانے کی اجازت نہیں تھی۔

شنکر کو سماج کے ایک ستون کی حیثیت حاصل تھی۔

وہ اس وقت چیئرمین آف کامرس کی ایک اہم میٹنگ میں کی جانے والی تقریر کے نوٹس تیار کر رہا تھا۔ اس تقریر کا موضوع تھا۔ تخلیقی قسم کی سرمایہ کاری کیسے کی جا سکتی ہے اور اچھوتوں سے کیسے نمٹا جا سکتا ہے۔

ابھی وہ اپنا کام مکمل نہیں کر پایا تھا کہ اچانک فون کی گھنٹی بجنے لگی۔

اس کے انداز سے ناگواری جھلکنے لگی۔

وہ اپنی سیکرٹری کو سختی سے ہدایت کر چکا تھا کہ جب تک کام ختم نہ ہو جائے اُسے قطعاً ڈسٹرب نہ کیا جائے... لیکن وہ ایک زُود فہم آدمی تھا۔ سمجھ گیا کہ یقیناً کوئی اہم ترین کال ہو گی ورنہ اس کی حکم عدولی کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔ اس خیال نے اُٹھنے پر مجبور کر دیا۔

ریسیور اُٹھا کر اُس نے بارُعب آواز میں کہا "ہیلو شنکر..."

"شنکر جی! کیا ہو رہا ہے؟" آواز بھونڈی تھی۔

"کون مُورکھ ہو تم اور یہ کیا مذاق ہے؟" شنکر دھاڑ اُٹھا۔

"یہ مذاق نہیں، حقیقت ہے، مہاراج! اگر عزیت پیاری ہو تو کل کی میٹنگ میں شرکت نہ کرنا۔"

"اوہ۔ کیا یہ دھمکی ہے؟"

"ہاں... اور اس پر فوری عمل بھی ہو سکتا ہے۔"

"مجھے وہاں جانے سے کوئی نہیں روک سکتا۔" شنکر نے کہا۔

"شنکر..." اس بار بولنے والے کا لہجہ سفاک ہو گیا اور مسخرہ پن فوری طور پر ختم ہو گیا۔ "میں اس نے بات چیت کا کیا فائدہ ہو نا تو یہ چاہیے تھا کہ تمھیں یہ دھمکی نہ دی جاتی بلکہ براہِ راست ہی ہلاکت میں ڈال دیا جاتا... لیکن اتفاق تم نے دو ایک اچھے کام بھی کیے ہیں، جن کی وجہ سے یہ توقع ہے کہ تم شاید سماج کے لیے ایک اچھے آدمی ثابت ہو سکو۔"

"میں تمھاری یہ بکواس سننے سے قاصر ہوں۔"

"دماغ کو ٹھنڈا رکھو اور وعدہ کرو۔"

"کیسا وعدہ... اور... کیا وعدہ؟" شنکر جھلا گیا۔

"بتاؤ کہ تم کون ہو اور اس بکواس کا مقصد کیا ہے؟"

"اس کا مطلب ہے کہ تمھیں سمجھانا بیکار ہے۔"

"میں پوچھتا ہوں..."

"سنو شنکر۔" دوسری طرف سے ایک دھاڑ سنائی دی۔ شنکر کی بات بیچ میں ہی دم توڑ گئی۔ "یہ میں تمھیں غور کرنے کے لیے صرف تین منٹ دیتا ہوں۔ اگر تمھیں میری بات سے اتفاق ہو تو منٹ بعد دوبارہ کال کروں گا۔ اس وقت تک تم اپنے کمرے رہو گے۔ اگر یہاں سے نکلنے یا کہیں فون کرنے کی کوشش کی تو فیصلہ تمھارے خلاف ہو جائے گا۔ تب تمھیں مرنے سے کوئی نہیں بچا سکے گا۔"

"شٹ اپ۔" شنکر لرز آیا۔ "میں، تمھیں..." لیکن کوئی دینے کی اُسے حسرت ہی رہی۔ دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو چکا تھا۔

اُس کا موڈ بے حد خراب ہو گیا۔ اس نے پوری قوت سے ریسیور کو کریڈل پر پٹخ دیا اور بے چینی سے کمرے میں ٹہلنے لگا، اب تک اس نے یہ محض ایک مذاق سمجھا تھا... لیکن یہ مذاق نہیں تھا۔ اس کے مخصوص فون تک کسی کی رسائی ممکن نہیں تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ فون کرنے والا جو کوئی بھی تھا، اُسے خوب اچھی طرح سے جانتا ہے۔

ٹہلتے ٹہلتے وہ رُک گیا۔

اُس نے ریسیور اُٹھایا تو دوسری طرف سے کوئی آواز سنائی نہیں دی۔ وہ حیرت سے ریسیور کو گھورنے لگا۔ یہ ناممکن تھا۔ اس کی سیکرٹری کو فون پر مزید رہنا چاہیے تھا۔

"کہاں مر گئی؟" وہ تھیلی پر گھونسہ مار کر غرایا۔

اس کا موڈ اتنا خراب ہو گیا تھا کہ اب وہ کوئی تخلیقی کام تو ہرگز نہیں کر سکتا تھا۔ اس لیے سوچا کہ ذرا باہر جا کر سیکرٹری پر برہنہ ہی اتار آئے۔ گرج چمک کے بعد ہی اس کا موڈ ٹھیک ہو سکتا تھا اور وہ مزید کام کرنے کے قابل ہو سکتا تھا۔

اس نے دروازے کا مخصوص لاک کھولا اور خفیہ کمرے سے باہر آ گیا۔ یہ کمرہ ایک راہ داری میں تھا اور باہر سے اس کا دروازہ نہیں دیکھا جا سکتا تھا کیوں کہ وہ دیوار ہی کا ایک حصہ تھا۔

راہ داری خالی پڑی تھی۔

وہ تیز تیز قدموں سے بیرونی دفتر کی طرف بڑھ گیا۔

اس کی سیکرٹری کو نہ صرف بیرونی دفتر میں موجود ہونا چاہیے تھا بلکہ اُسے آنے والی فون کالز کی طرف سے بھی بے حد محتاط رہنا تھا... لیکن اس سے کوتاہی ہوئی تھی اور کال بھی اُسی نے ملائی تھی آخر کیوں؟... پھر یہ فون کرنے والا کون تھا اور وہ اسے چیئرمین آف کامرس کی میٹنگ میں شریک ہونے سے کیوں روکنا چاہتا تھا؟ اس نے اسے صرف تین منٹ کی مہلت دی تھی۔ یہ سوچ کر وہ تلخی سے ہنس پڑا اور بولا "تین منٹ... مائی فٹ!"

خارجی دفتر کا دروازہ کھول کر اُس نے اندر قدم رکھا۔

وہ یہاں کا تہاں ہی رہ گیا۔

اس کی آنکھیں پھیلنے لگیں اور پھر اس حد تک پھیل گئیں کہ عام حالات میں وہ لاکھ کوشش کے بعد بھی اپنی آنکھیں اس حد تک پھیلانے میں، قیامت تک کامیاب نہیں ہو سکتا تھا۔

سامنے، اگر یا تا سیکرٹری اپنی سیٹ پر موجود تھی اور اس کا جسم بائیں پہلو سے میز پر ٹکا ہوا تھا۔ اس کے نرخرے میں ایک چاقو دستے تک پیوست تھا، چاقو کے دستے سے خون کی بوندیں، لڑی کی صورت پر ٹپک رہی تھیں اور وہ چھتائی سی آنکھوں سے چھت کی طرف گھور رہی تھی۔ اس کے چبھنے کا انداز غیر فطری تھا۔

شنکر کی سانس پھول گئی۔

اس کے ہاتھ پاؤں یوں کانپنے لگے جیسے اُسے لرزہ دے کر بخار آ گیا ہو۔

وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس کی زندگی میں کوئی ایسا لمحہ بھی آ سکتا ہے، جب اُسے اتنا خوف ناک منظر دیکھنا پڑے گا۔

اگرچہ وہ ایک زود فہم اور زیرک آدمی تھا لیکن اس وقت اُسے دیکھ کر یہی کہا جا سکتا تھا کہ وہ ذہنی طور پر دیوالیہ ہو چکا ہے۔ اس نے دروازے سے آگے، کمرے میں دوسرا قدم رکھنے کی کوشش نہیں کی۔ اس میں اتنی ہمت بھی نہیں تھی... قدم اٹھانا تو درکنار اس کے لیے اپنی ٹانگوں پر کھڑے رہنا بھی دشوار تھا۔ اس کی پنڈلیاں بے جان ہوتی جا رہی تھیں اور اُسے اپنے پاؤں بے جان محسوس ہو رہے تھے۔

اچانک جیسے وہ ہوش میں آ گیا۔

اس نے ایک نظر کمرے پر ڈالی اور پلٹ کر دوڑنے لگا۔

اچانک ہی جیسے اس کا پورا جسمانی نظام درست ہو گیا ہو۔ وہ بے انتہا تیزی سے دوڑ رہا تھا اور اس کا رُخ لفٹ کی جانب تھا۔ لیکن جب وہ لفٹ کے سامنے پہنچا تو لفٹ نیچے گئی ہوئی تھی۔ اس نے لفٹ کے انتظار میں وقت ضائع نہیں کیا اور سیڑھیوں کی طرف دوڑ پڑا۔

اس نے اپنی زندگی میں اتنی تیزی سے کبھی سیڑھیاں نہیں اتری تھیں۔ اس وقت تو یوں لگ رہا تھا جیسے اس کی ٹانگیں مشینی ہیں اور جسم کا میکنزم کسی خارجی توانائی سے کام کر رہا ہو۔

زینے طے کر کے وہ چھ منزلیں اُترا اور سیدھا پارکنگ کی طرف دوڑا۔

پارکنگ میں اس کی نئی کار موجود تھی۔

وہ اسٹیئرنگ پر بیٹھ گیا اور ہانپتے ہوئے جیبیں ٹٹولنے لگا۔

چابی اگنیشن میں لگاتے وقت اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے... لیکن وہ تھوڑی سی کوشش کے بعد اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا... لیکن اس نے جیسے ہی چابی گھمائی ایک کان پھاڑ دھماکا ہوا اور اس کی کار کے چیتھڑے اُڑ گئے۔ ان آہنی ٹکڑوں میں شنکر کے گوشت کے لوتھڑے بھی شامل تھے۔

جس وقت شنکر زندگی اور موت کی کش مکش میں مبتلا ہو رہا تھا، عین اُسی لمحے دوسری جانب وِکرم راکیش اپنی شام کی مصروفیات سے نمٹ کر وسیع و عریض قیام گاہ کے لان میں نکل آیا تھا اور ایک

پختہ روش پر چل رہا تھا

شام کا سُرمئی رنگ سیاہی کی لپیٹ میں آتا جا رہا تھا۔

اس نے سوئنگ پُل کے چاروں طرف لگی ہوئی بتیاں روشن کر دیں۔ نیلگوں پانی تیز روشنی میں سمندر کے کسی پُرسکون حصّے کی طرح دکھائی دے رہا تھا۔ نج صاحب کا معمول تھا کہ وہ رات کے کھانے سے پہلے کچھ دیر سوئمنگ ضرور کیا کرتے تھے۔

راکشیں نے تالاب کے کنارے کھڑے ہو کر اپنا گاؤن اتار دیا۔

گاؤن کے نیچے اس کا سوئمنگ کاسٹیوم موجود تھا۔ وہ بورڈ کی طرف بڑھ گیا۔۔۔ لیکن ابھی وہ پانی میں غوطہ لگانے کے لیے جسم کو تختے پر متوازن ہی کر رہا تھا کہ اچانک اسے اپنے عقب میں بھاری بوٹوں کی دھمک محسوس ہوئی۔

اس نے حیرت سے پلٹ کر دیکھا۔

تالاب کے کنارے دو آدمی کھڑے تھے۔ یہ کوئی عجیب بات نہیں تھی لیکن ان کے ہاتھوں میں جو چیزیں دبی ہوئی تھیں، وہ ہر اعتبار سے عجیب تھیں۔ یہ خوف ناک ریوالور تھے۔

"نج راکشیں۔۔۔ ادھر آؤ۔" ایک جسیم آدمی نے کہا۔

"کون ہو تم اور یہاں کیا کر رہے ہو؟"

"ہم خدائی فوج دار ہیں اور جو کچھ کرنے آئے ہیں، وہ ابھی تمھارے سامنے ہی پایۂ تکمیل تک پہنچائیں گے۔" دوسرے نے جواب دیا۔ وہ اپنے ساتھی کی طرح جسیم تو نہیں تھا لیکن اس کے ہاتھ پاؤں خاصے مضبوط تھے۔

اچانک راکشیں کی نگاہ ان کے عقب میں ایک پودے کے قریب رکھی ہوئی چیز پر پڑی تو مارے غصّے کے اس کے جبڑے بھنچ گئے۔ یہ اس کا ٹی۔ وی تھا۔ چپے وہ دونوں غالباً ٹی۔ وی لاؤنج سے اُٹھا لائے تھے۔

"اگر تم لوگ چور ہو تو تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ میں ایک نج ہوں۔" اُس نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

"غلط۔۔۔" جسیم آدمی ہنسا۔ "تم بھی ایک چور ہو اور تمھارا جُرم ہم سے زیادہ سنگین ہے کیوں کہ تم ایک منصف ہو۔ تم مسندِ انصاف پر بیٹھ کر قانون کی رُو سے فیصلے کرتے ہو۔۔۔ لیکن تم پر طویل الزامات کی ایک فہرست ہمارے پاس موجود ہے۔"

"مثال کے طور پر۔۔۔؟"

"صرف اتنا ہی سمجھ لو کہ تم ہر اُس جرم کی سزا میں تخفیف کر دیتے ہو جس کا تعلق کسی زیرِ زمین اور مجرم گروہ سے ہوتا ہے تم ایسے تمام مجرموں کو یا تو سرے سے رہا ہی کر دیتے ہو۔۔۔ یا پھر انھیں کم سے کم سزا دیتے ہو۔ یہ انصاف اور قانون کے خلاف ہے، اس لیے ہم تمھیں سزا دینے آئے ہیں۔"

"تمھیں کسی کو سزا دینے کا حق نہیں۔"

"اور تمھیں بھی کسی مجرم کی طرف داری کرنے کا حق نہیں۔"

"اگر تم دونوں ایک منٹ کے اندر اندر یہاں سے رفصت نہ ہو گئے تو میں تمھیں جیل میں ڈال دوں گا۔" نج غرّایا۔

"اس سے پہلے کتنی گولیاں تمھارے جسم میں اُتر سکتی ہیں، کیا تم اس کا اندازہ نہیں لگا سکتے، نج راکشیں؟" جسیم آدمی نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں کہا۔ "تم اب ہمارے رحم و کرم پر ہو اور ہم تم سے پورا پورا انصاف کریں گے۔"

پہلی بار راکشیں کے چہرے پر خوف کا تاثر اُبھرا۔

"تم اگر مجرموں کے ساتھ رعایتی سلوک انسانی ہمدردی کے باعث کرتے تو بھی شاید ہم تمھیں معاف کر دیتے۔۔۔ لیکن ہمارے پاس ٹھوس ثبوت موجود ہیں۔ تمھیں ماہ بہ ماہ اس سلسلے میں ایک باقاعدہ معاوضہ ملتا ہے۔"

راکشیں تھر تھر کانپنے لگا۔

وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ زندگی میں کسی روز اس طرح بے بس بھی ہو سکتا ہے کہ وہ ریوالور بدست افراد خود اس کے ساتھ۔۔۔ انصاف کرنے پہنچ جائیں گے۔۔۔ اس نے گھبرائی ہوئی نگاہوں کے اطراف کا جائزہ لیا۔۔۔ لیکن اس وقت کوئی بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

اس کی متلاشی نگاہوں کا مفہوم سمجھ کر وہ دونوں مسکرانے لگے۔

"تمھاری مدد کوئی نہیں آئے گا۔"

"لک۔۔۔ کیا مطلب؟"

"تمھاری بیک دل بیوی اور تمھاری پاکیزہ ذہن کی مالک بیٹی اس وقت بے ہوش پڑی ہیں۔ ملازمین بھی گہری نیند میں ڈوب چکے ہیں۔"

"تم نے ان سب کو۔۔۔"

"ابھی ہلاک نہیں کیا لیکن جاتے وقت ایسا ضرور کریں گے۔"

"تم لوگ کیا چاہتے ہو؟"

"انصاف۔۔۔" دونوں نے بیک آواز کہا۔

"انصاف کی قیمت کیا ہے؟"

"تمھاری زندگی۔۔۔"

"اور زندگی کی قیمت؟" نج نے ہانپ کر پوچھا۔

"تمھاری موت۔۔۔"

"میں کیش کی بات کر رہا ہوں۔ تمھیں جتنی رقم چاہیے میں ادا کر سکتا ہوں۔" نج نے اُنھیں لالچ دینے کی کوشش شروع کر دی۔

"زندگی کی تمھارے نزدیک کیا قیمت ہے؟"

"جو بھی تم کہو۔"

"تمھارا سب کچھ۔ کیا تم اپنی پائی پائی کو محتاج ہو کر زندہ رہنا چاہتے ہو؟"

"زندہ رہا تو پھر کما لوں گا۔"

"غلط۔۔۔ زندہ رہے تو پھر وہی جرائم راہ اختیار کرو گے جس کی سزا ہماری کتاب میں سوائے موت کے کچھ بھی نہیں ہوتی۔"

"میں مرنا نہیں چاہتا۔" نج بڑبڑایا۔

"وہ لوگ بھی مرنا نہیں چاہتے تھے جنھیں تمھارے ہاتھوں رہا ہونے والے قاتلوں نے قتل کر دیا۔۔۔ کوئی بھی اپنی مرضی سے مرنا پسند نہیں کرتا۔"

"لیکن۔۔۔" نج ہکلایا گیا۔

"کچھ نہیں۔" جسیم آدمی نے ہاتھ اُٹھا کر کہا۔ "اگر تم چاہتے ہو تو تمھیں زندہ رہنے کا ایک موقع دیا جا سکتا ہے۔" اس نے اپنے ساتھی کو اشارہ کیا جس نے پلٹ کر پودے کے قریب رکھا ہوا ٹی۔ وی اُٹھا لیا۔ "یہ ٹی۔ وی ہم تمھاری گردن میں لٹکا رہے ہیں۔ اس سمیت تالاب میں کُود جاؤ اگر زندہ رہے تو تالاب سے نکل آنا، ہم تمھیں کچھ نہیں کہیں گے۔"

"کیا یہ ایک وعدہ ہے؟"

"ہاں۔۔۔" موٹے نے مسکرا کر کہا اور پھرتی۔ وی کا ایریل کھینچ کر نکالا گیا۔ دونوں تاریں اس کی گردن کے گرد کس دی گئیں اور رفتہ رفتہ دباؤ اتنا بڑھتا چلا گیا کہ نج کی آنکھیں حلقوں سے اُبل پڑیں۔

وہ دونوں غیر معمولی طاقت ور لگتے تھے۔

انھوں نے ایریل کی اسٹیل کی تاریں یوں مروڑ ڈالی تھیں جیسے وہ کوئی عام سی نرم تاریں رہی ہوں۔۔۔ نج ان دونوں کی گرفت میں بُری طرح مچلتا رہا لیکن آزاد نہ ہو سکا۔ وہ اس کوشش میں آہستہ آہستہ پیچھے بھی ہٹتا رہا حتیٰ کہ تختے کے سرے پر پہنچ گیا۔ اب اُسے صرف ایک دھکا دینے کی ضرورت تھی۔

اسے دھکا دے دیا گیا۔

گہرے پانی میں، وزنی ٹی۔ وی سیٹ گلے میں لٹکائے، وہ ایک بار گہرا تو دوبارہ نہ اُبھر سکا۔ جہاں وہ گرا تھا، وہاں پانی کی سطح پر گول گول، بھنور جیسی لہریں پیدا ہوتی رہیں۔ اُن میں بُلبلے بھی شامل تھے۔۔۔ پھر تالاب کا نیلگوں پانی بے نمکین ہو گیا۔ اس کی سطح پر تیرتا ہوا۔۔۔ آخری بُلبلہ بھی ٹوٹ کر پانی پانی ہو گیا۔

یہ تمام اموات اور اسی جیسی نصف درجن دوسری اندوہناک اموات کی خبریں کونسل کی سب کمیٹی کے چیئرمین تک پہنچ چکی تھیں اور وہ ہر خبر پر یوں اُچھل اُچھل پڑتا تھا جیسے کرسی کے اسپرنگ بار بار اُسے اُچھلنے پر مجبور کر رہے ہوں۔

ان اموات کے سلسلے میں کئی بار میٹنگ ہوئی۔ اس میٹنگ میں مُلک کے چوٹی کے لوگ شامل رہے اور دھواں دار بحث اور مباحثے کے بعد بالآخر ہر شخص یہ بات قبول کرنے پر آمادہ ہو گیا کہ ان اموات کے پیچھے کسی جرائم پیشہ گروہ کا ہاتھ ہرگز نہیں ہے یہ تو کوئی اور ہی گروہ ہے۔ ایک ایسا گروہ جس نے پہلے کبھی خونریزی نہیں کی۔

پولیس بوکھلا گئی تھی اور اُن کے لیے تحقیقی کام جاری رکھنا محال ہو گیا تھا۔

پولیس چیف نے دوسرے محکموں سے مدد کی اپیل کی جسے فوری اور ہنگامی اجلاس کے بعد قبول کر لیا گیا۔ ایوانِ انصاف کے باہر اُس وقت ایک شخصیت بے حد پریشانی کے عالم میں کھڑی ادھر اُدھر دیکھ رہی تھی۔ یہ بڑی شخصیت دوسری جنگِ عظیم میں حصّہ لے چکی تھی اور موت اس کے لیے ایک بے معنی سی چیز تھی۔۔۔ لیکن آج ایک طویل عرصے بعد اسے احساس ہو رہا تھا کہ وہ اعصابی طور پر بے حد کمزور ہو گیا ہے اور موت کا خوف اُس کی دھڑکنیں بے ترتیب کر رہا ہے۔

یکایک اس کے معدے میں عجیب سی اینٹھن ہوئی اور تب اُسے پتہ چلا کہ اُس کا ذہن ہر سوچ سے عاری ہوتا جا رہا ہے۔ کوئی چیز اُس کے معدے سے اُوپر اُٹھ رہی تھی اور رفتہ رفتہ اُس کے دماغ پر اپنے پنجے گاڑ رہی تھی۔ کچھ لوگ خوف کی حالت میں گرد و پیش اور دُنیا و مافیہا سے بے خبر ہو جاتے ہیں لیکن اشوک کے ساتھ دوسرا ہی مسئلہ لاحق تھا۔ ایسی حالت میں وہ جذباتی طور پر ناکارہ ہو رہا تھا۔ لاشیں ہی لاشیں دیکھ کر وہ ایک بار پہلے بھی ایسی ہی کیفیت کا شکار ہو گیا تھا۔

اشوک ایک خوبصورت خاتون کانتی کا شوہر تھا اور اُن کا بیٹا پورن اُن کی آنکھوں کا تارا تھا۔ جذباتی طور پر بے حسی میں مبتلا ہونے کے بعد بھی نہ جانے کیسے اُس کے ذہن میں کانتی اور پورن کا خیال موجود رہا۔ اُس نے اس عجیب سے خوف کو اپنے ذہن سے جھٹک دینا چاہا لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔

"موت سر پر آ گئی ہے، اشوک؟" اُس نے خود کلامی کے انداز میں کہا۔ "اب مرنے کی تیاری کر لو۔"

یہ ایک بہت بڑی حقیقت پسندانہ بات تھی جسے ایسے حالات میں لوگ عموماً قبول نہیں کرتے... لیکن اشوک کوئی عام آدمی نہیں تھا۔ وہ موت سے ہمکنار ہونے کے لیے تیار تھا اور اس وقت صرف یہ سوچ رہا تھا کہ اسے مرنے سے پہلے کیا کیا کرنا ہے؟

جب وہ کوئی فیصلہ کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا تو ایوانِ انصاف کے سامنے والے باغیچے میں ایک بنچ پر جا بیٹھا۔

اگرچہ وہ سوچنے سمجھنے کے قابل ہو گیا تھا لیکن اس کے باوجود اُس پر موت کے احساس نے جو تاثر طاری کر دیا تھا اُس سے نجات ممکن نہ ہوئی تھی۔ وہ جذباتی طور پر اب بھی بے حس تھا اور اس کے جذبے، بے موت مر رہے تھے۔ ان دم توڑتے ہوئے جذبوں میں وہ اپنی بیوی کا نانی اور اپنے بیٹے پورن کو یاد کر رہا تھا۔

"ٹھیک ہے۔" اُس نے کہا۔ "میں نے جو وصیت تیار کی تھی، وہی کام آجائے گی۔ اور جائداد اور دولت کے مسائل اُسی سے طے ہو جائیں گے۔ اب مجھے صرف اپنی بیوی کو ایک پیغام بھیج دینا چاہیے۔ اس پیغام میں، میں اُس سے کہوں گا کہ مجھے زندگی بھر اُس سے سچی محبت رہی ہے۔ میں اپنے بچے پورن سے لیے بھی ایک پیغام بھیجوں گا۔ یہ ملک زندگی گزارنے کے لیے بہترین ہے اور اُسے اپنی باقی ماندہ زندگی یہیں گزارنی چاہیے۔"

اشوک کو خود بھی اپنے شہر اور اپنے ملک سے بے پناہ محبت تھی۔ وہ قانون کا محافظ ہی نہیں، پولیس ڈپارٹمنٹ کا چیف بھی تھا۔ آج کی میٹنگ میں جو بات سامنے آئی تھی، اس سے اُسے اندازہ ہو گیا تھا کہ اب وہ زیادہ دنوں تک زندہ نہیں رہ سکتا لیکن وہ ایسی موت نہیں مرنا چاہتا تھا، جیسی موت اُس کے باقی ساتھی مرے تھے...

اس خیال کے تحت اُسے نہ جانے کیوں ہنسی آگئی۔

وہ دیر تک ہنستا رہا۔ اُس کی ہنسی میں کوئی جذبہ نہیں تھا، کوئی تاثر نہیں تھا۔ بس کھوکھلی سی ایک آواز تھی جو اُس کے حلق سے نکل رہی تھی۔ کبھی کبھی یہی آواز اُس کے دل کی گہرائیوں سے بلند ہوا کرتی تھی لیکن آج وہ اسے ہنسی کا نام بھی نہیں دے سکتا تھا۔

اچانک اُسے داس کا خیال آگیا۔

وہ اُس کا پرانا ساتھی تھا۔ دونوں جنگِ عظیم دوم میں شانہ بشانہ لڑے تھے اور انھیں ایک دوسرے سے بیٹھ ملا کر لڑنے میں بہت لطف آیا تھا۔ یک جان اور دو قالب ہو کر انھوں نے زندگی کا انتہائی پُرآشوب دور گزارا تھا۔ وہ ایک دوسرے کا دکھ درد سمجھتے تھے اور اس کا مداوا بھی کر لیتے تھے۔

"میرے اس مسئلے کا حل میرے دوست داس کے پاس ہے۔" وہ بڑبڑایا اور اُٹھ کھڑا ہوا۔

سڑک پر آکر وہ تیزی سے ایک فون بوتھ کی طرف بڑھ گیا۔ اُس نے جلدی جلدی نمبر ڈائل کیا اور سلسلہ ملنے کا انتظار کرنے لگا۔ دوسری طرف سے سلسلہ ملتے ہی وہ غرایا: "ہیلو ولد الحرام کیا حال ہے۔ میں اشوک بول رہا ہوں۔"

"اوہ۔ تو تم ابھی زندہ ہو خنزیر زادے؟" دوسری طرف سے اُس کے بے تکلف دوست داس کی چہکار سنائی دی۔ "کہیں کسی مرگھٹ سے تو نہیں بول رہے ہو؟"

"میں زندہ ہوں پیارے۔ اگر مر جاتا تو کوئی ایسا ویسا آدمی نہیں ہوں۔ اخبارات، ریڈیو اور ٹی۔وی سے اس کی خبر ضرور نشر کی جاتی اور تمھیں یقینی طور پر معلوم ہو جاتا۔"

"بہرحال رات کے اس پہر کہاں کھانے کا مقصد کیا ہے وہ جواباً خاموش رہا۔

"تم کیا چاہتے ہو؟" داس دوسری جانب سے غرایا۔

"میں چاہتا ہوں کہ میری بجائے تم مر جاؤ۔" یہ کہہ کر اشوک نے قہقہہ لگایا اور دیر تک ہنستا رہا۔

"بہت خوب۔ کیسے مروں؟ خودکشی کر لوں کیا؟"

اشوک اس پر اور زیادہ کھل کھلا کر ہنس پڑا۔

"گدھے کی طرح رینکنا بند کرو اور بتاؤ کہ اصل بات کیا ہے...؟"

اشوک دفعتہً سنجیدہ ہو گیا۔ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد اُس نے دھیمی آواز میں کہا: "بات یہ ہے داس کہ میں بھی عنقریب موت کا نشانہ بننے والا ہوں۔ اس سے پہلے پہلے میں تم سے آخری ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔"

"کک... کہاں... کیا بک رہے ہو، تم؟" داس ہکلایا۔

"وہیں۔ مخصوص جگہ۔ ابھی روانہ ہو جاؤ۔" اشوک نے یہ کہہ کر ریسیور رکھ دیا اور بوتھ سے باہر آکر ایک طویل سانس لی۔ اُس کے سینے سے نہ جانے کیسے ایک ناقابلِ فہم سا بوجھ خود بخود ہٹ گیا تھا۔

باہر سڑک پر آکر وہ پارکنگ کی طرف بڑھ گیا۔

اُس نے اپنی کار اسٹارٹ کی اور تیزی سے مضافات کی طرف جانے والی سڑک پر مشرقی حصے کی جانب بڑھنے لگا۔ وہ

وقت اپنی زندگی کی تیز ترین ڈرائیونگ کر رہا تھا۔

شہر سے نکل کر اُس نے کار روکی اور اُس کی ڈکی سے بریٹ نکال کر گاڑی کی عقبی سیٹ پر رکھ لیا۔ اس کریٹ شراب کی بوتلیں سجی ہوئی تھیں۔ اُس نے ایک بوتل کھول اسے منہ سے لگا لیا۔ اُس نے پوری بوتل دو تین گھونٹوں ہی پی ڈالی۔ اُس کے سینے میں آگ سی لگ گئی۔ لیکن بعد اُس آگ سے پھر بھی کم وہی جو ایوانِ انصاف کی میٹنگ اس کے سینے میں لگ گئی تھی۔ اس آگ نے تو کی رُوح تک خاکستر کر دی تھی۔

دوسری بوتل کھول کر اُس نے گھونٹوں میں دبالی اور کار سٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔ رات کی تنہائی میں اُس کی کار ان اور تاریک سڑک پر گرجتی ہوئی منزلِ مقصود کی طرف رہی تھی۔

وہ جلد از جلد اُس جگہ پہنچ جانا چاہتا تھا۔

اُسے معلوم تھا کہ داس اُس سے کچھ پہلے ہی وہاں پہنچ جائے گا۔ اس مخصوص جگہ اُن کی مخصوص قسم کی ملاقاتیں ہوا کرتی تھیں اور وہ مخصوص قسم کے مسائل پر وہاں تبادلۂ خیال کیا کرتے تھے۔ یہ ایک ساحلی کیبن تھا۔ جو عام حالات میں ویران رہتا تھا۔ اس ویرانے میں کوئی نہیں آتا تھا اس لیے اس میں موجود اشیا آج بھی وہاں محفوظ تھیں۔

اُس کا خیال درست ہی نکلا۔

جب وہ کیبن کے سامنے پہنچا تو اندر روشنی ہو رہی تھی۔ اس کا دوست اُس سے پہلے ہی وہاں پہنچ چکا تھا اور باہر اُس کی کار بھی موجود تھی۔ دونوں ایک دوسرے سے گلے ملے اور رسمی باتیں کیں... پھر داس نے سنجیدگی سے کہا۔ "اب بتاؤ، خنزیر زادے کیا بات ہے۔ تم اتنے پریشان کیوں ہو؟"

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کہاں سے شروع کروں۔" اشوک نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "یہ ایک خطرناک منصوبہ ہے۔ اگر اسے سطحی طور پر دیکھا جائے تو یوں محسوس ہوگا جیسے ملک و ملت کے مفاد میں ہے لیکن جوں جوں گہرائی میں جائیں تو پتہ چلتا ہے کہ اس صورتِ حال سے ملک کا ہر باشندہ خطرے کی زد میں آتا جا رہا ہے۔"

"کیا تم کمیونسٹوں کی بات کر رہے ہو؟"

"نہیں... یہ ایک اور ہی گروہ ہے اور اس کا نظریہ غالباً یہ ہے کہ موت ہی اصل انصاف ہے۔"

"اگر تم زیادہ چڑھا گئے ہو تو کوئی بات نہیں اور اگر واقعی تمھارے ذہن پر کوئی اثر ہو گیا ہے تو مجھے جوتا اُتارنا پڑے گا۔"

"میں مذاق نہیں کر رہا ہوں، داس۔ مجھے تمھاری مدد کی شدید ضرورت ہے۔ مجھے تمھارا فلسفہ نہیں سننا۔ میری مدد کر سکتے ہو تو بتاؤ ورنہ مجھے مزید پریشان مت کرو۔"

"آخر تم میرے پتے کچھ ڈالو بھی..." داس بھی جھلا گیا۔

"بات یہ ہے کہ لوگوں کا ایک گروہ قانون کو اپنے ہاتھ میں لے چکا ہے۔ انھوں نے اب تک کئی خون کر دیے ہیں۔ ان کے انداز سے پتہ چلتا ہے کہ جرم کرنے والے بے حد تجربہ کار اور منجھے ہوئے ہیں۔ ممکن ہے فوج کے کچھ آدمیوں کے ذہن میں یہ سودا سما گیا ہو یا پھر شاید یہ پولیس ہی کے چند آدمیوں کا گروہ ہے۔ یہ لوگ سیاست دانوں اور ججوں سے گولیوں کے ذریعے لڑ رہے ہیں۔"

"بعض جج بھی تو اپنے اختیارات سے ناجائز فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ آخر تم یہ کیوں نہیں کہتے کہ عوام میں سے بعض عناصر مشتعل ہو کر ایسے لوگوں کو صفحۂ ہستی سے مٹانے پر تُل گئے ہیں۔ ہر شہر، دراصل ایک جنگل ہی تو ہے۔ ممکن ہے بھیڑیوں نے ہی حملہ کر دیا ہو۔ تمھیں چاہیے کہ اپنے انتظامات ذرا سخت کر دو۔ اس طرح یہ تمام بھیڑیے اپنے بھٹ سے باہر آجانے پر مجبور ہو جائیں گے۔"

"ٹھہرو۔ پہلے مجھے بات تو پوری کر لینے دو۔"

"جو کچھ میں کہہ رہا ہوں، اُسے سُن لو۔"

"مجھے سیاست سے کوئی دلچسپی نہیں۔" اشوک نے تلخی سے کہا۔ "ایک بار امریکا میں بھی ایسا ہو چکا ہے۔ وہاں کی پولیس کے چند سر پھرے جمع ہو گئے تھے اور انھوں نے قانون اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے ہاں بھی اسی نظریے کی تقلید ہو رہی ہے اور مجھے یقین ہے کہ ان لوگوں کا گروہ خاصا منظم ہے۔"

"کیا تمھارا کوئی مخبر یہ باتیں بتاتا رہا ہے؟"

"ہرگز نہیں۔" اشوک کی جھلاہٹ بڑھ گئی۔

"تو پھر تم یہ بات اتنے وثوق سے کیسے کہہ سکتے ہو کہ اس معاملے میں پولیس ہی ملوث ہے؟"

"ہاں! یہ سوال تم نے کام کا کیا ہے۔ اچھا، غور کرو کہ کون لوگ ہلاک کیے جا رہے ہیں؟ ایسے افراد جنھیں عام طور سے عام پولیس والے گرفتار نہیں کر سکتے۔ سبھاش چند، مسز تناجائی

شنکر اور جج راکیش کے سلسلے میں تو تم جانتے ہی ہو، ان میں سے ایک بھی شخصیت ایسی نہیں جس پر کوئی عام پولیس والا ہاتھ ڈالنے کا تصور بھی کر سکے۔ ذرا سبھاش چند کے بارے میں سوچو۔ کیا وہ خود کو کسی ایسی پوزیشن میں ڈال سکتا ہے جہاں اُسے موت کا خطرہ لاحق ہو سکتا ہو؟ ہرگز نہیں، اُس کے پاس اَن گنت آدمی ہیں۔ میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ ان لوگوں کو کسی لالچ کے تحت قتل نہیں کیا گیا بلکہ ان قاتلوں کے ذہن میں کوئی دوسری ہی بات ہے۔"

"ٹھیک ہے، تم میرے دوست ہو۔ جاؤ تم بھی کیا یاد کرو گے۔ میں تمہاری بات بلا چون وچرا مان لیتا ہوں اور کوئی حکم؟"

"غور سے سنو۔" اشوک کا لہجہ بگڑ گیا۔ "جج راکیش کی موت کسی طرح بھی قابلِ فہم نہیں، کم از کم کوئی مجرم تنظیم اُسے کسی طرح بھی قتل نہیں کر سکتی کیونکہ وہ پوری طرح اُن کے ہاتھوں بک چکا تھا۔ وہ ہمیشہ ایسی تنظیموں کے افراد کو رعایتیں دیتا رہا ہے۔ ممکن ہے اُس نے رقم لے لی ہو اور کسی مجرم کو اٹھا دیا ہو۔"

"نہیں، ایسا آج تک نہیں ہوا۔"

"کیا یہ ہرکت کسی دیوانے کی نہیں ہو سکتی؟"

"جو کوئی بھی یہ وارداتیں کر رہا ہے، وہ یقیناً دیوانہ ہی ہے... لیکن میرا اصرار یہ ہے کہ دیوانہ تنہا نہیں ہے بلکہ بہت سے دیوانوں کا ایک منظم گروہ ایسا کر رہا ہے۔"

داس نے دو جام تیار کیے۔ ایک اپنے دیرینہ دوست کے ہاتھ میں تھما کر اُس نے دوسرا خود اٹھا لیا اور مسکرا کر بولا۔ "دو گدھوں کے نام پر..." اور وہ گدھے ہم دونوں ہیں۔" یہ کہہ کر اُس نے گلاس منہ سے لگا لیا۔

"دو گدھوں کے نام؟" اشوک نے جواباً کہا۔ "تم واقعی ٹھیک کہہ رہے ہو، اس وقت ہم دونوں ہی گدھے ہیں۔" اس نے کچھ دیر ہنسنے کے بعد خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ "بہرحال داس! میری بات مان لو۔ یہ وارداتیں کرنے والے، فوج یا پولیس سے ہی تعلق رکھتے ہیں، وہ اس اعتبار سے پیشہ ور کہلائیں گے۔"

"چلو مان لیا کہ یہ..."

"ماننا ہے تو یہ بات مانو کہ یہ وارداتیں خود پولیس کے چند افراد ہی کر رہے ہیں۔ فوج کے اتنے سارے آدمی آسانی سے ساتھ نہیں مل سکتے۔ اس کے علاوہ انھیں عوام دشمن عناصر سے کبھی یا لانہیں پڑتا۔ یہ صرف پولیس ہی ہے جو ایسے جرائم پیشہ لوگوں سے آئے دن رابطے میں رہتی ہے اور انھیں مجرموں کے ایک ایک نعل کا پتہ ہوتا ہے۔ بہرحال، سیدھی سی بات یہ ہے کہ اب میری باری ہے۔ میں موت کو خود سے بے حد قریب محسوس کر رہا ہوں۔" یہ کہتے کہتے اُس نے جام حلق میں انڈیل لیا۔

داس خاموشی سے اپنے دیرینہ دوست کو گھورتا رہا۔

"حتمی بات یہ ہے، داس کہ میں مرنے سے پہلے اپنی بیوی اور بچے سے فون پر بات کر لوں گا۔ یہ میری آخری خواہش ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ تم مجھے کسی پنڈت سے ملاقات کی ہرگز اجازت نہیں دو گے؟"

"یہ تم نے کیسی فضول باتیں شروع کر دی ہیں؟"

"میں سمجھ چکا ہوں، تمھیں مجھ کو قتل کرنے کے احکامات مل چکے ہیں یا پھر عنقریب تمھیں اس کام پر مامور کر دیا جائے گا۔ تم قاتل ہو اور کوئی تمھیں استعمال کر رہا ہے۔ وہ شخص جانتا ہے کہ تم مجھے آسانی سے ہلاک کر سکتے ہو، اس لیے اُس نے تمھیں حکم دیا ہوگا کہ مجھے آج شب ہلاک کر دیا جائے۔"

"تمھاری بکواس دلچسپ ضرور ہے۔" داس نے ہنس کر کہا۔ "میں سمجھتا ہوں کہ تمھیں مجھ پر اعتماد ہے۔ تم یہ تصور بھی نہیں کر سکتے کہ میں، تمھیں قتل بھی کر سکتا ہوں... تم میرے دوست ہو۔ میں تمھیں قتل نہیں کر سکوں گا۔"

"میں ایک چلتی پھرتی لاش ہوں، پیارے، یہ بات مان لو۔" اشوک نے زور دیتے ہوئے کہا اور ایک نئی بوتل کھولنے لگا۔ وہ جب سے ایوانِ انصاف کی عمارت سے چلا تھا، مسلسل پی رہا تھا۔ اگرچہ ابھی تک اس کی زبان نہیں لڑکھڑائی تھی تاہم اس کے ہاتھ ہلکا سا بے قابو ہوتے جا رہے تھے۔

"اچھا مسٹر، مجھے بھوک لگ رہی ہے۔"

"تم کھا لو، میں کچھ نہیں کھاؤں گا۔" اشوک نے کہا۔ اسی لمحے باہر کھڑی کاروں میں سے ایک کا فون بجنے لگا۔ گھنٹی کی آواز سن کر اشوک نے کہا۔ "جاؤ، سنو۔ تمھاری کال ہے۔ یقیناً تمھارا باس ابھی ابھی ہوگا۔ اس نے تمھیں مجھ کو قتل کرنے کا حکم نہیں دیا تو اب یقیناً یہی حکم دینے کے لیے یہاں فون کیا ہے۔"

"ممکن ہے، یہ تمھاری کار کا فون بج رہا ہو۔"

"نہیں... وہ فون خراب ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو میں تم سے ایک پبلک فون بوتھ سے کیوں بات کرتا؟"

"اور اگر یہ میرے باس کی کال نہ ہوئی تو کیا بھگوان کے لیے تم پُرسکون ہونے کا وعدہ کرتے ہو؟"

"تم جا کر کال تو سنو۔" اشوک نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

داس باہر چلا گیا۔

اشوک نے اس دوران میں ایک اور بوتل کھول لی۔ اس کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ آگئی تھی۔ اس مسکراہٹ میں تلخی کا عنصر بہت گہرا تھا۔ اس نے اوپر تلے کئی گھونٹ لیے اور بوتل ایک طرف پھینک دی... پھر نئی بوتل کے لیے کریٹ کی طرف ہاتھ بڑھا دیا۔ اس نے باہر کار کے فون پر کسی سے بات کرتے ہوئے اپنے دوست کی آواز سنی اور اس کی مسکراہٹ گہری ہوتی چلی گئی۔

"کیا آپ کو یقین ہے۔" داس کہہ رہا تھا۔ "حیرت ہے... بہت اچھا... بہتر ہے۔ کوئی ٹھوس بات نہیں... ٹھیک ہے..."

داس کی واپسی تک وہ تین بوتلیں اپنے معدے میں انڈیل چکا تھا۔ اب اس کی حالت غیر ہونے لگی تھی۔ اس نے کیبن کے دروازے میں کھڑے اپنے دوست کی طرف دیکھا جس کی آنکھوں میں حیرت، بے یقینی اور اُلجھن کے ملے جلے تاثرات تھے۔

"میں نے غلط تو نہیں کہا تھا۔" اشوک نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

"تمھارا اندازہ درست تھا لیکن..."

"اب کسی لیکن ویکن کی گنجائش نہیں۔ میں جانتا ہوں تمھیں کیا حکم دیا گیا ہے۔" اشوک یہ کہہ کر عجیب سے انداز میں ہنس پڑا۔ اس کی ہنسی میں بے بسی کا عنصر نمایاں تھا۔

"مجھے کیا حکم دیا گیا ہے، اشوک؟" اس نے سوالیہ انداز میں پوچھا۔

"سننا چاہتے ہو؟" وہ طنزیہ بولا۔

"ہاں..." داس کے لہجے میں گہری اداسی تھی۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ ٹوٹ پھوٹ رہا ہو۔ اس کی آنکھیں اپنے دوست پر جمی ہوئی تھیں اور خود اس کی پیشانی پر موتیوں جیسے پسینے کے قطرے چمک رہے تھے۔

"تمھیں کہا گیا ہوگا کہ مجھے اس طرح ہلاک کرو کہ میری موت خودکشی لگے۔ قتل کی واردات معلوم نہ ہو۔" اشوک نے بتایا۔ "کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟"

"تم ٹھیک کہتے ہو... تمھیں کیسے پتہ چلا؟"

"ہر مجرم کو اندر ہی اندر اپنے جرم کا احساس ہوتا ہے اور حقیقت پسند یہ جانتے ہیں کہ ان کو کیا سزا ملنی چاہیے۔"

"یہ سب کچھ جاننے کے باوجود تم نے جرم کا راستہ کیوں اختیار کیا تھا؟"

"ضرورتیں اور لالچ انسان کو اندھا کر دیتی ہیں۔"

"... لیکن میں اب کیا کروں، اشوک..." داس کی آواز بھرا گئی۔

"وہی جو تمھیں حکم دیا گیا ہے۔"

"میں ایسا نہیں کر سکتا۔"

"تو پھر تم کیا کرنا چاہتے ہو؟" اشوک نے چونک کر پوچھا۔

"اس حکم عدولی کی سزا بھی تم لو گے۔"

"جانتے ہو، وہ سزا کیا ہے؟"

"ہاں... میری موت۔" داس نے جواب دیا۔ "اور میں موت کو گلے لگانے کے لیے تیار ہوں۔" یہ کہہ کر اس نے اندرونی جیب سے اپنا ریوالور نکال لیا۔ اس کا ہاتھ دھیرے دھیرے اپنی کھوپڑی کی طرف بلند ہونے لگا۔

"رک جاؤ داس، میری بات سنو۔"

داس نے ریوالور اپنی کنپٹی پر رکھ لیا۔ اس کی انگلی ٹریگر پر تھی "... لیکن انگلی کا دباؤ زیادہ نہیں تھا۔ اشوک کی درخواست پر وہ اس کی بات سننے کے لیے آمادہ ہو گیا تھا لیکن اس کی آنکھوں میں عزم کی پختگی موجود تھی۔ اس نے اپنے دوست کو اپنے ہاتھوں ہلاک کرنے کی بجائے موت کو اپنے گلے لگانے کا ارادہ کر لیا تھا۔

"میری چند سانسیں باقی ہیں۔" اشوک کہہ رہا تھا۔ "شراب میرے لیے زہر ہے۔ ڈاکٹر نے کہا تھا کہ اگر میں نے ایک قطرہ بھی پیا تو مر جاؤں گا۔ میں اب تک چار بوتلیں پی چکا ہوں۔ میرے اندر ٹوٹ پھوٹ شروع ہو گئی ہے۔ تمھارے جذبوں کا میں دل سے احترام کرتا ہوں۔ میری آخری خواہش سن لو..." اس کی آواز ڈوبنے لگی۔

داس چونک پڑا۔

اس نے اپنے دوست کے چہرے پر موت کا سایہ منڈلاتے دیکھ لیا۔

"کیا تم ایک دم توڑتے ہوئے دوست کی آخری خواہش پوری نہیں کرو گے؟"

"میں سن رہا ہوں، خنزیر زادے۔" داس نے کہا تو اس کے لہجے میں بے پناہ درد تھا۔ "بولو تم کیا چاہتے ہو؟"

"میری بیوی کو فون پر بتا دینا کہ مرتے وقت میں نے اس کے لیے کیا کہا تھا۔ مجھے اس سے ہمیشہ محبت رہی ہے۔ میرے بیٹے سے کہہ دینا کہ وہ اپنی زندگی اسی راستے پر آگے بڑھائے جس پر میں نے اُسے بڑی محنت سے ڈالا ہے... اور تم، میرے دوست! تم زندہ رہو گے۔ اگر تم نے خودکشی کی تو میری آتما ہمیشہ پریشان رہے گی اور ہمیشہ بھٹکتی رہے گی۔"

"اشوک..." وہ تیزی سے آگے بڑھا۔

اس کے ہاتھ سے ریوالور گر گیا۔

دونوں ہاتھوں سے اس نے اشوک کو سنبھال لیا۔ جو کھڑے کھڑے جھوم رہا تھا یوں لگتا تھا جیسے اس کی ٹانگیں اس کا بوجھ سہارنے سے انکار کر رہی ہوں۔ وہ دم توڑ رہا تھا۔ اس کا کانپتا ہوا ہاتھ اپنے دوست کے بازو پر رُک گیا اور پھر یوں اُترنے لگا۔ جیسے کوئی پرندہ تڑپ تڑپ کر دم توڑ رہا ہو۔

"اشوک... خنزیر... دے... رُک جاؤ اشوک۔" داس کی آواز بھرا گئی۔ اس کی سانس کی نالی ان آنسوؤں سے بھر گئی جو اُس نے اندر ہی اندر پینے کی کوشش کی تھی۔ "میری بات مان لو... رُک جاؤ... تمہیں میری..."

... لیکن اشوک اس کی آغوش میں ساکت ہو چکا تھا۔

اس کی رُوح قفسِ عنصری سے پرواز کر چکی تھی۔

داس کی آنکھوں سے دو آنسو نکلے اور اشوک کے چہرے پر گر گئے۔ وہ اس کے دوست کے رخساروں پر لڑھک گئے۔ اس کے گلے میں بہہ گئے۔ داس کے حلق سے ایک گھٹی گھٹی سی چیخ نکل گئی اور اس نے پوری قوت سے لاش کو بھینچ لیا۔

وہ دیر تک سسکیاں لیتا رہا۔

بار بار اس کا دل بھرا رہا تھا اور ضبط کا دامن اس کے ہاتھ سے چھوٹ رہا تھا کئی لمحوں بعد اس نے آہستگی سے لاش فرش پر ڈال دی اور پھر جلتے کب تک قریب بیٹھا ویران ویران آنکھوں سے اُسے گھورتا رہا۔

☆

داس بے حد اُداس تھا۔

اشوک کی لاش دیکھ کر اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے تھے۔ وہ ایک سخت جان آدمی تھا اور موت اس کے نزدیک کوئی معنی نہیں رکھتی تھی... لیکن یہ اُس شخص کی موت کا معاملہ تھا جس کی زندگی... بچانے کے لیے وہ دوسری جنگِ عظیم میں کئی بار خود اپنی زندگی خطرے میں ڈال چکا تھا... اور جس نے خود اُس کی اپنی زندگی بچانے کے لیے بارہا اپنے آپ کو خطرات میں ڈالا تھا۔

وہ ایک جان دو قالب تھے اور اُس کے چیف نے اس سے بہت بڑا امتحان لینا چاہا تھا۔ اُسے فون پر حکم دیا گیا تھا کہ وہ اپنے ہاتھوں سے اپنے دوست کو ہلاک کر دے... اگر یہاں بھی اشوک اس کی مدد نہ کرتا تو شاید وہ اس امتحان میں ناکام ہی رہتا۔ اس کے دوست نے خودکشی کی تھی اور اس کے باس کا حکم ہو بہو پورا کر دیا تھا کہ قتل کرنے کے بعد ایسی علامات پیدا کر دی جائیں جن سے یہ ظاہر ہو کہ اشوک کو قتل نہیں کیا گیا بلکہ بعض وجوہ کے تحت وہ خودکشی پر مجبور ہو گیا تھا۔

اشوک کی چھٹی حس نے یہ خطرہ پہلے سے محسوس کر لیا تھا اور اس نے یہ بھی پتہ چلا لیا تھا کہ اُسے قتل کرنے کے لیے کس شخص کا انتخاب کیا جائے گا... اور اب وہ لاعلاج بن کر اُس کے سامنے پڑا تھا۔ اس نے اپنا جان، داس پر نچھاور کر دی تھی۔ حالانکہ اپنے باس کا حکم سنتے ہی داس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ اشوک کو ہلاک نہیں کرے گا۔ بلکہ اپنی موت آپ ہی مر جائے گا۔ یہ اُس کی زندگی کا سب سے کڑا وقت تھا۔ وہ نہ تو مرضی سے چشم پوشی کر سکتا تھا اور نہ ہی اپنے دوست کو قتل کرنا اس کے بس میں تھا وہ ان دونوں معاملات کو صرف اسی طرح نمٹا سکتا تھا کہ موت کے مُنہ میں کود جائے... لیکن یہاں بھی اشوک اس سے بازی لے گیا تھا۔

اس نے لاش پر الوداعی نگاہ ڈالی اور اُٹھ کھڑا ہوا۔

اب اس کیبن میں وہ کبھی واپس نہیں آئے گا۔

اس کا جی چاہ رہا تھا کہ اشوک کی لاش لے جا کر اس کے گھر والوں کے سپرد کر دے نا کہ وہ اپنی مرضی سے اس کی چتا کا بندوبست کر سکیں... لیکن پھر خیال آیا کہ اس طرح تو اشوک کی قربانی ضائع جائے گی اور ایسے شکوک و شبہات سر اٹھائے گیں جن سے اس کی شخصیت اثر انداز ہو گی۔

وہ باہر آ گیا۔

کار میں بیٹھ کر اس نے اسٹارٹ کیا اور واپس چل دیا۔

اس کی کار رات کی تاریکیوں میں گم ہو گئی اور خود اُسے ماضی میں جانے لگا شروع کر دیا۔

☆

ٹائیگر نے اُوشان کی طرف دیکھا جو ایک بلند و بالا درخت کی شاخ پر کھڑا تھا۔ وہ تین گھنٹے سے ایک عجیب سی مشق میں مصروف تھا اور ٹائیگر کو حیرت ہو رہی تھی کہ اُس کے استاد کے سامنے کیا دنیا کی ساری ہی طاقتیں ہیچ ہو کر رہ گئی ہیں؟ وہ ایسے ایسے کرتب کر گزرتا، جو عقل اُسے تسلیم کرنے سے انکار کر دیتی تھی۔ عام آدمی کی عقل تو خیر، خود ٹائیگر کی عقل بھی ہار جاتی تھی۔ اُس نوجوان کی سوجھ بوجھ پر خود آدمیوں کے فہم و ادراک سے بالاتر تھا۔

وہ غور سے دیکھتا رہا۔

اُوشان نے درخت کی شاخ پر کھڑے کھڑے اُچھل کر خود کو فضا میں بلند کیا اور یوں دوسرے درخت کی طرف بڑھنے لگا جیسے پرواز کر رہا ہو۔ وہ کئی گز دُور ایک درخت کی پھیلی ہوئی شاخ پر پہنچا، پھر اس کے دونوں ہاتھ اس مضبوط شاخ سے ٹکرا گئے۔ اگلے ہی لمحے اس نے قلابازی لگائی اور دوبارہ فضا میں بلند ہو گیا۔ یوں لگتا تھا جیسے اس شاخ کو چھوئے کر نہیں، بلکہ اس کے اُوپر سے ہی فضا میں گھوم کر دوسری طرف نکل گیا ہو۔ ایک سے دوسری شاخ پر وہ لمحاتی سہارا

لیتا پھر فضا میں کسی نہ کسی طرف نکل جاتا۔

یہ عمل پندرہ منٹ تک برقرار رہا... پھر وہ اُڑتا ہوا آیا اور ٹائیگر کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ اس کی آنکھوں میں خفیف سی سُرخی تیر رہی تھی۔

"اُوشان..." ٹائیگر نے فخریہ لہجے میں کہا۔ "آپ میں ہر وجود ہے۔ قدرت نے آپ کو بنا تے وقت غالباً فاضل سے بھی قریب ہی کہیں نصب کر دیے تھے جو ٹوٹ پھوٹ کے بعد ناکارہ پُرزے کی جگہ لے لیتے ہیں۔ آپ میں صرف ایک ہی خالی ں طرح وہ بھی دُور کر لیں تو..."

"کسی عورت کا تذکرہ نہ کرنا۔ اس کے علاوہ کیا خرابی ہے؟"

"بس عورت ہی۔" ٹائیگر نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ وغواتین سے یُوں بھاگتے ہیں جیسے کسی خاتون کے بطن سے جنم یا ہو اور آپ کی پیدائش مُردل کی جبر کے کسی کھیت میں ہوئی ہو... نایہ لکڑی کے کھیت میں اُگے ہوں۔"

"لکڑی اچھی چیز ہے۔ اس میں لچک پائی جاتی ہے۔ لیکن یہ ہے کہ اس کے ریشے زیادہ لچک برداشت نہیں کرتے اور وہ جاتی ہے۔"

"تو پھر آپ کو اعلاضل کی لکڑی کہا جا سکتا ہے۔"

"چلو۔ بکواس بند کر کے اُس درخت پر پہنچ جاؤ۔"

"مم... مگر کوئی ہڈی پسلی نہ ٹوٹ جائے۔"

"جس ہڈی میں خاطر خواہ لچک نہ ہو اس کا ٹوٹ جانا ہی ہوتا ہے۔" اُوشان غرایا۔ "آج اس مشق کے بعد کل پھر سول سے ایک سرکس میں شمولیت کے لیے تیار رہنا ہو گا۔"

"سس... سرکس۔" ٹائیگر کی بوکھلاہٹ میں لفظ کا نام اوشان نہیں تھا۔ ایسی حقیقی بوکھلاہٹ اس پر کم ہی طاری ہوتی تھی۔

"ہاں... میں نے ایک سرکس کے مالک سے وعدہ کر لیا ہے۔"

"سرکس اور سسرال میں کوئی فرق نہیں ہوتا، مثلاً خادر آپ بات اغرمان کیوں نہیں لیتے۔ کوئی اچھی سی سُسرال دیکھ کر۔"

اُوشان کا دایاں ہاتھ آہستہ آہستہ بلند ہو رہا تھا لیکن اس سے پہلے کہ وہ ٹائیگر کے جسم کے کسی حصے پر گرتا، ٹائیگر نے وہیں سے قلابازی لگائی اور اس شاخ پر جا پہنچا جس سے اُس کو مشق کا آغاز تھا۔

... اور پھر وہ اُوشان کی ہدایات پر عمل کرتے ہوئے مشق میں مصروف ہو گیا لیکن اس کے ذہن میں بار بار سرکس کا خیال آ جاتا تھا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ بہرام نے ملتوی میں اس سے کچھ کہا ہو گا۔ اور اُسے اچھی طرح معلوم تھا کہ دُنیا کی کوئی بھی طاقت سنا بخوی شیر کے مالک کو بہرام کی حکم عدولی پر مجبور نہیں کر سکتی۔

☆

وہ مُسکرا کر اُس شخص کی طرف متوجہ ہوئی جو ہر شام ہی اُس کے پیچھے لگ گیا تھا اور گیتا جہاں کہیں بھی جاتی تھی وہ سائے کی طرح اُس کا پیچھا کر رہا تھا۔ گیتا ایک حسین لڑکی تھی اور مقامی سرکس میں مجبوبے پر مخصوص رقص پیش کرتی تھی یہ اس کا پیشہ تھا لیکن اس پیشے کی آڑ میں وہ ایک اور بھی رقص کرتی تھی۔ یہ رقص چند مستیوں کے لیے مخصوص تھا اور وہی ہستیاں اُسے زندگی کے حقیقی لُطف سے آشنا کرتی تھیں۔

وہ کبھی کسی سے متاثر نہیں ہوئی تھی۔ وہ تو ایک کٹھ پتلی تھی جو دُوسروں کے اشاروں پر زندگی گزار رہی تھی۔ اور اُسے اس زندگی میں جو آسائشیں فراہم کی جاتی تھیں، ان کا اُس سے جو معاوضہ طلب کیا جاتا تھا، وہ اس کی رُوح تک کو گھائل کر جاتا تھا۔ اُس کی رُوح پر ان گنت زخم تھے اور وہ اندر سے ایک بے چین رُوح کو سنبھالے ہوئے تھی۔ اس کا بدن ایک ایسی بے چین رُوح کا مسکن تھا، جسے کبھی پل بھی سکون میسّر نہیں تھا۔

شاید یہی وجہ تھی کہ اپنا تعاقب کرنے والے اُس شخص کی آنکھوں میں اپنے لیے بے لوث محبت اور چاہت کے تاثرات کو دیکھ کر اُسے عجیب سے کیف و سُرور کا احساس ہو رہا تھا۔ اور غالباً اسی لیے وہ اس شخص میں دلچسپی لینے پر مجبور ہو گئی تھی۔ اس کی مسکراہٹ کے جواب میں وہ نوجوان بھی مُسکرانے لگا۔ اس کی مسکراہٹ پاکیزگیوں میں بھیگو بھیگو کر دھل ہوئی ایک مسکراہٹ تھی جس نے گیتا کی رُوح کے سارے ہی زخم آناً فاناً بھر دیے تھے۔

"میرا نام گیتا ہے۔" وہ اُس کی طرف جھک کر بولی۔ اس وقت وہ گرین بار کے کاؤنٹر کے سامنے ایک اسٹول پر بیٹھی ہوئی تھی اور برابر والے اسٹول پر وہ نوجوان بیٹھا ہوا تھا۔

"تم ایک گیت ہو۔" وہ بے حد تاثراتی لہجے میں بولا۔ "ایک ایسا گیت جو میری دھڑکنوں میں بس گیا ہے اور جسے میری رُوح گنگنا رہی ہے۔"

"تم کون ہو اجنبی اور مجھ سے..."

"تم ایک ایسا گیت ہو جسے میں ملی جلی گانا چاہتا ہوں۔"

"میں پاگل ہو جاؤں گی۔" وہ بے خود ہو کر بولی۔ "تم... تم کون..."

"مجھے اجنبی ہی رہنے دو۔" وہ مُسکرا کر بولا۔ "یہی کیا کم ہے کہ میں تمہیں جانتا ہوں۔"

"کچھ ہو گے۔" وہ مسکرا کر بولی۔

"نہیں... آؤ چلیں۔" اس نے گیتا کا ہاتھ تھام لیا۔

وہ اسٹول سے یوں اُٹھ گئی جیسے لوہے کا حقیر سا ذرہ بہت بڑے مقناطیس کی کشش سے کھنچ جاتا ہے۔ اُسے یوں لگ رہا تھا جیسے اس کے حواس پر ایک نہیں سا پردہ پڑ گیا ہو۔ پردہ بے حد لطیف تھا لیکن اس کے دوسری طرف نہیں دیکھا جا سکتا تھا۔ ایسی بے خودی اس پر پہلے کبھی نہیں چھائی تھی۔

نوجوان اُسے ساتھ لے کر باہر آیا تو ایک شان دار کار کی طرف بڑھ گیا۔ راستے میں گیتا نے دیکھا کہ اُس کی چال رسمی ہی نہ تھی بے حد لطیف تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے سپنوں کا کوئی شہزادہ دور دیس سے بادلوں پر پاؤں رکھتا ہوا چلا آ رہا ہو۔

کار میں بیٹھنے کے بعد وہ بے بس اور بے خود رہی۔

اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اُسے کیا ہو گیا ہے۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس نوجوان کے علاوہ ہر احساس اس کے دل سے غائب ہو چکا ہو اور وہ پروانے کی مانند بے قرار ہو کر شمع کے گرد چکرا رہی ہو۔ نوجوان کون تھا؟ وہ اُسے کہاں لے جا رہا تھا؟ اور وہ اس سے کیا چاہتا تھا؟ وہ کچھ بھی نہیں جانتی تھی اور جاننا بھی نہیں چاہتی تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ تنویمی اثر کے تحت اس نوجوان کے اشاروں پر چل رہی ہو۔

نوجوان اُسے اُس کے سرپرس تک لے گیا۔

بڑے خیمے سے کافی دور اُس نے اپنی کارروائی اور اُس کا ہاتھ تھام کر کار سے اُتر آیا۔ وہ سحر زدہ سی اُس کے ساتھ چلتی رہی۔ بڑے خیمے کے عقب میں تاریکی تھی۔ وہ گیتا کے ساتھ اسی طرف سے خیمے میں داخل ہو گیا۔

"جھولے پر رقص..." نوجوان نے گہری سنجیدگی سے بھرپور لہجے میں کہا۔

"یہاں اندھیرا ہے۔" گیتا بڑبڑائی۔ "جھولا نظر نہیں آ رہا۔"

"پروا نہ کرو۔ میں اندھیرے میں بھی دیکھ سکتا ہوں۔"

گیتا نے ادھر اُدھر دیکھا۔ خیمے کا وہ حصہ خالی پڑا تھا جہاں تماشائیوں کا بے پناہ ہجوم ہوتا ہے۔ اس وقت ایک بھی تماشائی وہاں موجود نہیں تھا اور اس حصے میں ایک مختصر سا بلب اپنی ناتواں زرد روشنی سے تاریکی دور کرنے کی ناکام کوشش میں مصروف تھا۔ نیچے جال بھی موجود نہیں تھا۔ پنڈال میں تاریکی ہولناک تھی لیکن نہ جانے کیوں اجنبی کی موجودگی کا احساس اسے ہر خوف اور خدشے سے دور لے جا رہا تھا۔

وہ نیم خوابی کے عالم میں ایک جھولے پر بیٹھ گئی۔

اس وقت وہ ساڑھی پہنے ہوئے تھی اور اس نے زندگی میں پہلے کبھی ساڑھی میں جھولے پر رقص نہیں کیا تھا... لیکن نوجوان نے اسے کاسٹیوم پہننے کی اجازت نہیں دی تھی۔ جھولے پر سوار ہو کر وہ بیٹھی رہی اور نوجوان نے رسّی کھینچنی شروع کر دی۔

جھولا تیزی سے بلند ہو گیا۔

اب وہ زمین سے اُوپر بڑے خیمے کی چھت سے کچھ ہی فاصلے پر فضا میں معلق جھولے پر بیٹھی تھی اور اس کی آنکھیں اندھیرے میں دُور تک جھولا تلاش کرنے کی ناکام کوشش کر رہی تھیں۔

...پھر نہ جانے کیا ہوا۔

وہ جب بھی بجھ گیا جس سے پنڈال میں خفیف سا اُجالا محسوس ہو رہا تھا۔ اب ہر طرف تاریکی ہی تاریکی تھی۔ بے کراں تاریکی۔ جس پر سرکس کے جانوروں کی آوازیں بڑی ہی بھیانک محسوس ہو رہی تھیں۔

"گیتا..." نیچے سے آواز آئی۔ "دوسرا جھولا عین اسی جگہ جہاں ہمیشہ ہوتا ہے اپنے جھولے سے اس پر کود جاؤ۔"

وہ آہستہ آہستہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔

اس نے خود کو جھولے پر متوازن کیا۔ ایک بار بھی اس کے ذہن میں یہ بات نہ آئی کہ وہ خودکشی کر رہی ہے۔ اس کے دل و دماغ میں تو ہل چل سی مچی ہوئی تھی اور وہ اجنبی نوجوان کی باتوں پر آنکھیں بند کر کے عمل کرنے پر مجبور تھی۔

"کود جاؤ..." نیچے سے آواز آئی اور وہ آنکھیں بند کر کے کود گئی۔ اس نے دونوں ہاتھ پھیلا دیے۔ اس کی اُنگلیاں دوسرے جھولے کو پکڑنے کے لیے بے چین تھیں... لیکن جھولا اس کی دسترس سے دُور تھا۔ وہ دوسرے جھولے کو پکڑنے میں ناکام رہی۔ تب پہلی بار اسے خوف کا احساس ہوا۔

اس کے حلق سے ایک چیخ نکل گئی۔

گھٹی گھٹی سی یہ چیخ آہستہ آہستہ بلند ہو کر ہذیانی چیخ بن گئی۔ سرکس کے علاقے میں کہرام برپا ہو گیا۔ اندھیرے چیخ پڑے اور ہر طرف سے اونگھتے خوابیدہ لوگ اُچھل اُچھل پڑے۔

[redacted]

اُس کا خیال تھا کہ وہ خودکشی کر رہی ہے۔

جھولا جب اس کے ہاتھ نہ آیا تو اُسے اپنا جسم گرتا ہوا محسوس ہوا۔ اُس نے آنکھیں سختی سے بند کر لیں حالانکہ وہ آنکھیں کھلی رکھتی تو اُسے کچھ دکھائی نہ دیتا۔ تاریک خیمے میں یوں بھی اُس وقت ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا تھا۔

زمین تک پہنچنے میں اُسے چند ہی لمحے لگے تھے لیکن ان لمحوں میں بھی اُس نے نہ جانے کتنا سوچ لیا تھا خاص طور سے نوجوان، جس کی باتوں میں آ کر اُس نے یہ مہلک کھیل شروع کیا تھا۔ اُس کے بارے میں اُس کے جذبات اب بھی ویسے ہی تھے جیسے

ان میں محسوس ہوئے تھے۔ اس نوجوان نے اُسے بے بس کر دیا تھا اس کی قوتِ ارادی تک چھین لی تھی... اور اب زندگی کے آخری لمحوں میں وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو گئی تھی کہ آخر اس نوجوان کو اُسے موت سے ہمکنار کرنے کی کیا ضرورت تھی؟

اچانک سب کچھ ساکت ہو گیا۔

گیتا کو اپنی سانس سینے ہی میں اٹکی محسوس ہوئی۔

وہ حیران تھی کہ یہ کیسی موت ہے۔ موت واقع ہو جانے کے بعد بھی اُس کی حسیات کام کیسے کر رہی ہیں؟ اُسے اپنے سینے میں رُکی ہوئی سانس کا احساس کیوں ہے؟ اس کا جسم کسی شکنجے میں کیوں کسا ہوا ہے؟ وہ تصور بھی نہیں کر سکتی تھی کہ اُسے اس قسم کی موت آئے گی۔ موت کے بارے میں تو اس کا تخیل بڑا ہی بھیانک تھا۔

ڈرتے ڈرتے اُس نے سینے میں اٹکی ہوئی سانس چھوڑی۔

سانس کا اخراج ہوتے ہی اُس نے غیر ارادی طور پر ایک اور لمبی سانس لی تو اس کے پھیپھڑے ہوا سے بھر گئے۔ تب اُسے احساس ہوا کہ وہ مری نہیں بلکہ زندہ ہے۔ وہ تین، اور پھر تک سانسیں لے کر اس بات کا یقین ہو گیا کہ وہ ہلاک نہیں ہوئی، تب اُسے اطراف سے، بہت سارے قدموں کی بھاگ دوڑ سنائی دی۔ ان آوازوں نے اُسے زندگی کا یقین دلایا... اور پھر اُسے اُس شکنجے کا احساس ہوا جس نے اس کا جسم جکڑ رکھا تھا۔ اس کا ہاتھ حرکت میں آیا اور رفتہ رفتہ حرکت کرتا ہوا ایک انسانی بازو پر گھومنے لگا۔

اس بازو کی حرارت نے بھی اُسے زندگی کا احساس دلایا۔

"میں... زندہ ہوں؟" اُس نے متمنا ہوئی آواز میں کہا تو اسے خود اپنی ہی آواز نامانوس محسوس ہوئی۔ یوں لگا جیسے کوئی پاتال سے بول رہا ہو۔

"تم بھلا کیسے مر سکتی تھیں!" دیوتاؤں جیسی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی اور اس کا انگ انگ انجانی مسرتوں سے سرشار ہو گیا۔

اچانک خیمے کے دروازے کھلے، روشنیاں اِدھر اُدھر لہرائیں... لیکن اُن میں سے کوئی بھی وہ چھلاوہ نہ دیکھ سکا جو ایک لمحہ پہلے زمین پر ایک لڑکی کو دونوں ہاتھوں میں سنبھالے کھڑا تھا... اور خود وہ لڑکی بھی نہ دیکھ پائی کہ یکایک زمین سے ایک بار پھر بلکہ بوس جھولے پر کیسے پہنچ گئی۔ وہ پلکیں جھپکا جھپکا کر نیچے دیکھتی رہی۔

نیچے اب بھی مختلف روشنیاں رقص کر رہی تھیں۔

لوگ کسی کو تلاش کر رہے تھے اور انھیں مطلوبہ ہستی کہیں دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ انھوں نے کسی لڑکی کے چیخنے کی آواز سُنی تھی۔ ایک واضح چیخ ان کی سماعت سے ٹکرائی تھی اور بلاشبہ آواز اسی خیمے سے آئی تھی... لیکن اب یہاں کسی ریچھ کا نام و نشان تک نہیں تھا۔ ان میں سے کسی نے بھی روشنی اُوپر جھولوں کی طرف نہیں پھینکی ورنہ وہ ٹائیگر اور اس کے ساتھ جھولے پر موجود گیتا کو ضرور دیکھ لیتے۔ لوگوں کی باتوں کی آوازیں بھنبھناہٹ بن کر اُن تک پہنچ رہی تھیں۔

کچھ دیر بعد وہ لوگ واپس چلے گئے۔

غالباً انھوں نے اس چیخ کو اپنا واہمہ قرار دیا تھا حالانکہ ایک ہی وہم اتنے سارے لوگوں کو ایک ساتھ نہیں ہو سکتا تھا... لیکن یہ سے بھاری دماغوں میں شاید یہ موٹی سی بات نہیں آ سکی تھی۔

"تم کون ہو، دیوتا؟" گیتا نے جھجکتی ہوئی آواز میں کہا۔

"میرے بارے میں کچھ نہ پوچھو۔"

"وہ کیوں؟"

"بس۔ مجھے ایک خواب۔ ایک سایہ... ایک ہیولہ سمجھو... اور پھر بھول جاؤ۔"

"میں تمھیں کبھی نہیں بھولوں گی۔"

"اگر یہ ارادہ ہے تو بالکل ہی کچھ مت پوچھو۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ "اچھا میں چلتا ہوں۔ میرے آقا جان انتظار کر رہے ہوں گے۔ وہ میرا رانوں کو اس طرح گھومنا بالکل پسند نہیں کرتے۔"

اس سے پہلے کہ گیتا کچھ کہتی وہ اُسے سمیٹ کر زمین پر... کود گیا۔ اس بار گیتا نے نہ تو آنکھیں بند کیں اور نہ ہی اس کے حلق سے کوئی چیخ نکلی۔ چند ہی لمحوں میں وہ خود کو زمین پر استادہ پا رہی تھی اور اس کے آس پاس پھیلی ہوئی تاریکی میں کسی اور وجود کا نام و نشان تک نہیں تھا۔

کچھ دیر وہ خود بھی خواب زدہ سی حالت میں کھڑی رہی... پھر آہستہ آہستہ خیمے کے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ اس کی چال میں خفیف سی لڑکھڑاہٹ تھی... یوں جیسے وہ کسی پُراسرار نشے میں ڈوبی ہوئی ہو۔

▽

وہ بے سُدھ پڑا سو رہا تھا۔

کمرے میں خفیف سی آواز بھی نہیں تھی۔ اس کی قیمتی اور شاہانہ مسہری کے قریب ایک نسوانی مجسمہ رکھا ہوا تھا۔ اس مجسمے کی آنکھیں روشن تھیں۔ ان میں کم پاور کے بلب لگے ہوئے تھے اور یہ مجسمہ ایک طرح سے نائٹ بلب والے ٹیبل لیمپ کا کام دیتا

الموت

قمر اجنالوی قیمت:-/200

تھا۔ جمتے کی روشن آنکھوں میں بے پناہ حسن تھا اور تاریکی میں وہ جیتی جاگتی آنکھیں لگ رہی تھیں۔ خواب گاہ میں سبز روشنی کی نرم نرم سی شعاعیں پھیلی ہوئی تھیں اور وہ سائبان والی مسہری پر۔ دُنیا و مافیہا سے بے خبر گہری نیند میں ڈوبا ہوا تھا اس کے ہونٹوں پر ایک خوشگوار مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ لگتا تھا، وہ کوئی بڑا ہی حسین سپنا دیکھ رہا ہو۔ اس کے پہلو میں خوابیدہ حسن، اپنے منتشر بالوں میں یوں نظر آرہا تھا جیسے سیاہ بالوں سے چاند کا شرمایا ہوا چہرہ۔

اچانک دروازے پر ایک خفیف سی آہٹ ہوئی۔

آہٹ اتنی دھیمی تھی کہ کچی نیند والا بھی اُسے سُن کر بیدار نہیں ہو سکتا تھا۔ بلرام تو اتنی گہری نیند میں تھا کہ ڈھول بجا کر ہی اس کی نیند زائل کی جا سکتی تھی۔ اس کے قریب دراز حسین لڑکی البتہ ذرا سا کسمسائی تھی۔ نہ جانے اس آہٹ سے یا ایک ہی انداز میں لیٹے لیٹے اس کے جسم نے حرکت کر کے کچھ سکون حاصل کرنے کی کوشش کی تھی۔

دروازہ بے آواز کھلنے لگا۔

کواڑوں میں ایک کمزوری درزیں پیدا ہو رہی تھی جیسے کوئی نادیدہ اوزار اُسے درمیان سے دو حصّوں میں کاٹ رہا ہو۔ راہ داری میں جلنے والا تیز بلب موقع پاتے ہی اپنی تیز روشنی خواب گاہ میں بکھیرنے لگا اور ٹیبل لیمپ کا کام دینے والی حسینہ کے جمتے کی آنکھیں یوں ماند پڑ گئیں جیسے... یہ تیز روشنی ناگوار گزری ہو۔ کواڑوں میں پیدا ہونے والا شگاف اتنا بڑا ہو گیا کہ اس میں سے ایک آدمی آسانی سے گزر سکتا تھا۔

معاً ایک سایہ اس شگاف میں سما گیا۔

کچھ دیر وہ خاموش کھڑا رہا... پھر آہستہ آہستہ اندر آگیا۔

دروازہ ایک بار پھر بند ہو گیا۔ ٹیبل لیمپ کی حسینہ ایک مرتبہ پھر اپنی سبز سبز چمک دار آنکھوں سے خواب گاہ کے ماحول میں جاگتی ہوئی نظر آنے لگی۔

سایہ حرکت میں تھا اور اس کے جُوتوں سے خفیف سی آواز بھی پیدا نہیں ہو رہی تھی۔ یہ غالباً خواب گاہ کے دبیز قالین کا کمال تھا کہ وہ ان آہٹوں کو جذب کر رہا تھا یا پھر اُس شخص کے جُوتوں کے سول کسی ایسی چیز کے تھے، جو چلنے میں آواز نہیں پیدا ہونے دیتے تھے۔

خواب گاہ میں داخل ہونے والا شخص دروازے سے چند قدم آگے آکر رُک گیا۔ مسہری اس کے سامنے تھی اور ٹیبل لیمپ کی

حسینہ کی سبز آنکھوں سے پھوٹنے والی مدھم روشنی میں محوِ خرام بلرام اور اس کے قریب ہی لیٹی ہوئی ایک نوعمر لڑکی اُسے حسین دکھائی دے رہی تھی۔ وہ سر سے پاؤں تک سیاہ لباس میں ملبوس ہوا تھا۔ اس کی پیشانی پر فیڈ ہیٹ کا گوشہ ابرو تک جھکا ہوا تھا اور کوٹ کے اُٹھے ہوئے کالروں کے درمیان اس کا چہرہ تاریک تھا۔ صرف آنکھیں چمک رہی تھیں۔ ان میں نفرت و حقارت کے تاثرات منجمد تھے۔ اس کا انداز اتنا پُرسکون تھا جیسے اُسے کسی کا بھی خوف نہ رہا ہو۔ اس کے دونوں ہاتھ کوٹ کی جیبوں میں ٹھنسے ہوئے تھے۔

دفعتہً اس کا دایاں ہاتھ کوٹ کی جیب سے باہر آگیا۔

اس ہاتھ میں ایک خوفناک ریوالور دبا ہوا تھا۔

دوسرا ہاتھ بھی جیب سے باہر آگیا۔ اس میں سائیلنسر سیاہ پوش نے بڑے ہی اطمینان سے ریوالور کی نال پر سائیلنسر چڑھایا۔ اس دوران میں ایک لمحے کے لیے بھی اس کی آنکھیں مسہری پر دراز دونوں ہستیوں سے نہیں ہٹی تھیں۔

سائیلنسر لگا ریوالور مسہری کی جانب اُٹھا کر وہ ابھی دبا ہی رہا تھا کہ نہ جانے لڑکی کس طرح جاگ گئی۔ اس نے مسہری کے قریب ایک سایہ دیکھا تو اُس کے حلق سے ایک گھٹی گھٹی سی چیخ نکلنے کے لیے بے چین ہو گئی۔ اس کی آنکھیں پھیلنے لگیں۔ آدھی ہونٹ بھی کھل رہے تھے کہ سائیلنسر لگے ریوالور نے آگ کا شرارہ اگل دیا۔ یہ شعلہ اگلی ہی ساعت لڑکی کے کھلتے دہانے میں جا گھسا۔ اُس نے فی الفور ہونٹ بھینچ لیے تھے لیکن شعلہ نگل چکی تھی۔

اس کا جسم لمحے بھر کے لیے مسہری سے اُٹھا اور پھر گر گیا۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے سامنے کی طرف دیکھتی ہوئی ساکت ہو گئی تھی۔

اُس کے قریب۔ لڈّوں کے بعد ناپیدا کنار میں ڈوبا ہوا بلرام بے حرکت رہا۔ لڑکی دم توڑ گئی تو سیاہ پوش نے پوری قوت سے کھنچے پر ایک ٹھوکر رسید کی۔ وہ گھٹی گھٹی سی آواز میں چیخا پھر اُچھل کر بیٹھ گیا۔ اس کے ہونٹوں سے وہ پُرسکون مسکراہٹ کرب و اذیت کی لہروں نے نوچ پھینکی تھی اور اب بلرام سراپا قہر اور غضب بنا رہا تھا۔ اس کی نگاہ جیسے ہی سیاہ پوش پر پڑی، اس کے چہرے پر چھایا ہوا کرب ناک تاثر بھی ڈھل گیا جیسے وہ اس بے پناہ اذیت کو شدید حیرت کے باعث بھول ہی گیا ہو۔

"تت... تم... تم کون ہو؟" وہ ہکلا گیا۔

"اگر تم جاگتی آنکھوں اپنی موت کو دیکھنا چاہتے ہو تو دیکھ لو۔ میں، تمھاری موت ہوں، بلرام۔" سائے کی آواز سرسراتی ہوئی اور بے حد خوفناک تھی۔

"کک... کیا چاہتے ہو؟"

"موت کو صرف ایک ہی چیز کی ضرورت ہوتی ہے۔"

"وہ... وہ کیا؟"

"کسی نہ کسی کی زندگی۔" سائے نے جواب دیا۔

"زندگی کی کوئی قیمت بھی تو ہو سکتی ہے۔" بلرام نے ہنستے ہوئے کہا۔

"ہاں... اور وہ بھی تمھاری موت ہی ہے۔"

"لیکن میں نے تمھارا کیا بگاڑا ہے؟"

"ذاتی طور پر کچھ نہیں... لیکن تم قانون کو مطلوب ہو۔"

"میں اس ملک کا ایک باعزّت آدمی ہوں۔ قانون کو مجھ سے آج تک کوئی شکایت نہیں ہوئی تم کس قانون کی بات کر رہے ہو؟"

"وہی قانون جس کی آنکھوں میں تم دھول جھونکتے رہے ہو۔"

"لیکن میرا جرم؟"

"تمھارے جرائم کی فہرست بہت طویل ہے اور تمھاری زندگی کے لمحات بے حد مختصر ہیں۔ تم جتنی تیزی سے یاد کر سکتے ہو، مجھ سے سُن نہیں سکتے۔" سیاہ پوش نے کہا۔ اسی دوران بلرام کا مُنہ کھلا۔ غالباً وہ چیخنا چاہتا تھا، بے کار ہے، بلرام! تمھاری آواز اس کمرے سے باہر نہیں جا سکتی۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ یہ ایک ساؤنڈ پروف کمرہ ہے۔ اس کمرے میں دہ جانے کتنی آوازیں تمھاری دردناک تان کے کچلی گئی ہوں گی اور باہر کوئی خفیف سی آہٹ بھی نہیں سُن سکا ہوگا۔ آج تم چیخو گے اور تمھاری آواز اس کمرے میں گھٹ کر رہ جائے گی۔ تم ننگِ انسانیت ہو۔ تمھارا وجود معاشرے کے لیے ایک ایسے ناسور کی طرح ہے جس کا آج تک کوئی بھی علاج نہیں کر سکا۔ میں معاشرے کا وہی زخم بھرنے آیا ہوں۔"

"تم ایک انسان ہو کیا مجھ سے کوئی بھی سودے بازی نہیں کر سکتے؟"

"کر سکتا ہوں لیکن تم اسے قبول نہیں کرو گے۔"

"زندگی بچانے کے لیے کسی کچھ کیا جا سکتا ہے۔"

"تو پھر تم ٹریڈ گینگ کے لیڈر کی حیثیت سے درحقیقت تمھیں کس کی پشت پناہی حاصل ہے؟" سیاہ پوش نے ٹھوس لہجے میں کہا۔

"تمھیں... تمھیں کیسے معلوم ہوا؟" وہ ہکلا گیا۔ اب اس کے چہرے پر یقینی دہشت اور آنکھوں میں حقیقی حیرت جاگ اٹھی تھی۔ اب تک غالباً وہ اس خوش فہمی میں مبتلا تھا کہ سیاہ پوش کو اپنا بنا دے کر اپنی زندگی بچانے میں کامیاب ہو جائے گا۔ لیکن ٹریڈ گینگ کا نام سُن کر تو اس کی رہی سہی گم ہو گئی تھی۔ وہ ایک کاروباری آدمی تھا اور ملک کے طول و عرض میں اس کی ملوں کے پارچہ جات دیسی بیمانے پر فروخت ہوتے تھے... لیکن اس سے کہیں زیادہ آمدنی اُسے ایک مخصوص دھندے سے ہوتی تھی اور اس دھندے کا نام

۱

تھا... ریڈ گینگ!

ریڈ گینگ کی سربراہی اس کا اصلی چہرہ تھا جس پر ایک کاروباری رئیس کی نقاب چڑھی ہوئی تھی... اور اس نقاب کے نیچے جھانکنے کا آج تک کسی کو موقع نہیں ملا تھا۔ یہ سیاہ پوش پہلا آدمی تھا جس نے اُسے ریڈ گینگ کے سربراہ کی حیثیت سے مخاطب کر کے شدید ترین حیرتوں سے دوچار کیا تھا۔ اُسے یوں محسوس ہونے لگا جیسے اس کے گرد پھیلا ہوا خاکی حصار، سیاہ پوش کی محض ایک بات سے ٹوٹ گیا ہو... اور وہ ہر طرف سے ایک کاری ہدف بن کر رہ گیا ہو۔

"ریڈ گینگ کے سلسلے میں تمھیں کس کی پشت پناہی حاصل ہے؟" سیاہ پوش نے اپنا سوال دُہرایا۔ "میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔"

"میں تم سے تنہائی میں..."

"اس وقت ہم دونوں کے سوا یہاں کوئی نہیں ہے..." سیاہ پوش غرّایا۔

تب پہلی بار بلرام نے اپنے پہلو میں دراز لڑکی پر نگاہ ڈالی۔ وہ اُسے ابھی تک خوابِ خواب ہی سمجھ رہا تھا... لیکن جیسے ہی اس کی نگاہ لڑکی پر پڑی، اس کی سانس پھولوں گئی اور وہ یوں ہانپنے لگا۔ گویا اچانک ہی اُسے عملِ تنفس میں کسی دشواری کا سامنا ہو گیا ہو۔

لڑکی کے ہونٹ بھینچے ہوئے تھے لیکن آنکھیں اُبلی ہوئی تھیں انداز ایسا تھا جیسے اُس نے حلق کی گنجائش اور اپنی طبیعت کے خلاف کوئی چیز نگل لی ہو اور اُسے نگلنے کے فوراً ہی بعد وہ جس حالت میں تھی، اس کے نقش و نگار وہیں منجمد ہو گئے تھے۔ اس کی باچھوں سے

خون کی پتلی پتلی لکیریں بہہ کر جبڑوں سے پھسلتی ہوئی گردن کی طرف جھک رہی تھیں۔ اس کی کھوپڑی اور گردن کے نیچے سفید اُجلے بستر پر خون ہی خون پھیلا ہُوا تھا۔

"اس نے تمہارا کیا بگاڑا تھا؟" بلرام سسک کر بولا۔

"بگاڑا تو ذاتی طور پر تم نے بھی کچھ نہیں لیکن میں تھیں.."

"کیوں۔ آخر کیوں؟"

سیاہ پوش کی آنکھوں سے درندگی جھلکنے لگی۔ "سنو بلرام! میں تمہیں صرف تین لمحوں کی مہلت دیتا ہُوں۔ میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ یاد رکھو، یہ تین لمحے، تین ٹک گنتی پوری ہوتے ہی ختم ہو جائیں گے۔"

"تم ریڈ گینگ کے بارے میں کیسے جانتے ہو؟"

"ایک.." سیاہ پوش نے بے نیازی سے کہا۔

"نہیں، تمہیں دو لاکھ روپے دینے کے لیے تیار ہُوں۔"

"کیش؟" سیاہ پوش نے دوسرا ہندسہ شمار کیے بغیر پوچھا۔

"ہاں کیش۔" بلرام نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ اس کے انداز سے اچانک ہی سکون جھلکنے لگا تھا۔

"نکالو.." سیاہ پوش نے کہا۔ اس کے لہجے میں ذرا سی بھی لرزش نہیں تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے اُسے اتنی بڑی رقم ملنے کی توقع کے باوجود اس رقم سے کوئی خاص دلچسپی نہ ہو۔

بلرام آہستہ آہستہ بستر سے اُٹھ گیا۔

اُس نے کن انکھیوں سے سیاہ پوش کی طرف دیکھا جس نے فیلڈ ہیٹ کا گوشہ پیشانی سے کچھ اُٹھا دیا تھا اور اب اس کی خوفناک آنکھیں، مزید خوفناک نظر آرہی تھیں۔ وہ ساکت آنکھوں سے اُسے گھور رہا تھا اور اس کی آنکھیں دیکھ کر سانپ کی گول گول آنکھیں ذہن میں گھوم جاتی تھیں۔

"کوئی شرارت نہ کرنا، بلرام!" اُس نے تنبیہہ آمیز لہجے میں کہا۔ "میں اپنے کسی شکار کو کوئی رعایت دینا پسند نہیں کرتا۔"

"بے فکر رہو۔ میں تم سے اپنی زندگی کا سودا کر رہا ہُوں۔ میں تو عام کاروبار میں بھی دیانت داری ملحوظ رکھتا ہُوں۔ آخر زندگی کے سودے میں کیوں بددیانتی کرنے لگا؟" بلرام نے ٹھوس لہجے میں کہا۔

سیاہ پوش نے اثبات میں سر ہلا دیا لیکن اس کے انداز سے یہ ظاہر نہیں ہوتا تھا کہ وہ بلرام کی طرف سے واقعی بے فکر ہو گیا ہے۔ اس کا ریوالور والا ہاتھ خود کار سے انداز میں، بلرام کے ساتھ ساتھ گھوم رہا تھا۔

بلرام نے الیکٹرک سوئچ دبا کر کمرے میں روشنی کر دی۔

تیز روشنی میں کمرے کی ہر چیز یوں اُجاگر ہو گئی جیسے ان چیزوں پر پہلے کوئی پردہ پڑا ہُوا تھا اور بلرام نے اُسے ہٹا دیا ہو۔ خواب گاہ میں دن کا سا اُجالا پھیل گیا تھا۔ بلرام نے ایک نظر سیاہ پوش کی طرف دیکھا جس اس دوران میں وہ اپنا فیلٹ ہیٹ پیشانی پر جھکا چکا تھا اور اب اس کے ابرو تک ہیٹ کے گوشے نکلے چھپے گئے تھے۔

خواب گاہ میں ایک بیش قیمت پینٹنگ لگی ہُوئی تھی۔ بلرام نے وہ پینٹنگ ہٹائی اور اس کے عقب میں لگے لٹو کو گھمانے لگا۔ فریم کے عقب میں، دیوار پر اچانک خلا نمودار ہُوا جس میں ہاتھ ڈال کر بلرام نے ایک قدِ آدم تجوری کھول لی۔ تجوری میں ایک بلب روشن ہو گیا اور خانوں میں تہ در تہ رکھی ہُوئی نوٹوں کی گڈیاں نظر آنے لگیں۔ چند خانوں میں کرنسی نوٹ بھرے ہُوئے تھے جب کہ تین خانے سونے کی اینٹوں سے پُر تھے ایک خانے میں ہیرے جواہرات چمک چمک کر اپنی شان و شوکت دکھانے میں محو تھے۔ بلرام نے چند گڈیاں نکال کر سیاہ پوش کی طرف اُچھال دیں۔

سیاہ پوش نے ایک ایک کر کے تمام گڈیاں اُٹھا لیں اور کوٹ کی جیبوں میں ٹھونستا چلا گیا۔ "تمہاری تجوری میں اس وقت کتنا کیش ہے اور ان لال و جواہر کی کیا مالیت ہے؟" اس نے ریوالور کی نال لہرا کر پوچھا۔

"کروڑوں روپے.." بلرام کا حلق ایک بار پھر خشک ہونے لگا۔ سیاہ پوش کی اس بازپرس پر وہ سمجھا کہ شاید اس کی نیت خراب ہو گئی ہے اور وہ تجوری میں موجود ساری دولت حاصل کرنے کا ارادہ کر رہا ہے۔

"جانتے ہو، میں نے تم سے دو لاکھ روپے زندگی کے کتنے لمحوں کے عوض وصول کیے ہیں؟" سیاہ پوش کا لہجہ پُراسرار ہو گیا۔

"کک... کیا مطلب... تم تو..."

"میری بات کا جواب دو۔"

"میں نہیں جانتا۔" بلرام کے لہجے میں بے بسی آگئی۔

"میں نے صرف ایک ٹک شمار کیا تھا کہ تم نے دو لاکھ روپے پیش کر دی۔ اس کا مطلب ہے کہ تم اس رقم سے صرف دو ٹک خریدنے میں کامیاب ہوئے ہو۔ اسی طرح حساب کر کے کہ یہ دولت تمہیں زندگی کے کتنے لمحات فراہم کر سکتی ہے؟"

"تم پر لالچ سوار ہو گئی ہے۔" بلرام بھڑک اُٹھا۔

"نہیں... میں تمہیں یہی سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا کہ میرے نزدیک اس دولت کی کوئی اہمیت نہیں، ہم ایک زیادتی اور اصلاحی جنگ لڑ رہے ہیں۔ ہماری تعداد دو ہونے سے برابر ہے۔ اور اگر ہم گئی کے لوگ بھی بکاؤ مال بن گئے تو یہ تحریک ایک ہی روز میں دم توڑ جائے گی۔" یہ کہہ کر سیاہ پوش نے جیب سے نوٹوں کی گڈیاں نکال نکال کر بلرام کے پیروں میں پھینکنی شروع کر دیں۔ "اس وقت تمہاری ساری زندگی اور یہ ساری دولت میرے ہاتھ میں ہے میں چاہوں تو تمہیں قتل کر کے سب کچھ لے کر نکل سکتا ہُوں... لیکن اس کی بجائے میں تم سے ایک سودا کرنا چاہتا ہُوں۔"

"کیا... کک... کیا؟" بلرام کی آنکھوں میں ایک بار پھر اُمید کا چراغ جل اُٹھا۔ "تم درحقیقت کیا چاہتے ہو؟"

"مجھے صرف اپنے پشت پناہ کا نام بتا دو۔ میں نہ صرف تمہیں زندگی بخش دوں گا بلکہ یہ ساری دولت بھی تمہاری ہو جائے گی۔"

"وہ... وہ مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا..."

"میرے بارے میں کیا خیال ہے کیا تم سے مذاق کر رہا ہُوں؟" سیاہ پوش کا لہجہ یکایک اتنا سخت ہو گیا کہ بلرام کو اپنے اعصاب ٹوٹتے ہوئے محسوس ہونے لگے۔ "اور اب میں تمہیں صرف تین لمحے دے رہا ہُوں۔ ایک..."

"اس کا نام... اس کا نام... واجد علی ہے..."

ابھی یہ نام اس کی زبان سے نکلا ہی تھا کہ سیاہ پوش کے ریوالور سے سُرخ زبان لپک پڑی اور اس نے بلرام کی زندگی چاٹ لی۔ بلرام الٹ کر اپنی تجوری میں گرا اور اس کے خون کے چھینٹے اس دولت پر پھوار ہونے لگے جسے اس نے نہ جانے کتنے لوگوں کا خون چوس چوس کر جمع کیا تھا۔ اس کے گرنے سے نہ جانے تجوری کی کوئی کل دب گئی تھی کہ اگلے ہی لمحے خفیف سی سرسراہٹ کے ساتھ وہ دیواری خلا برابر ہوتا چلا گیا... درمیانی دیواری پاٹ برابر ہوئے تو بلرام کی لاش کچلی گئی اور پھر دو حصوں میں کٹ گئی۔ ایک حصہ دیوار کے اُدھر تڑپ رہا تھا اور باقی تجوری میں چھپ گیا... دیوار البتہ اب بے داغ نہیں رہی تھی۔ اس پر ایک لکیر دکھائی دے رہی تھی... خون کی سُرخ لکیر...

سیاہ پوش پلٹ کر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

عقب میں ٹیبل لیمپ کی مٹگی سیمنہ اپنی مجھی مجھی اور... ویران آنکھوں سے اُسے گھورتی رہی تھی کہ خواب گاہ کا دروازہ کھل کر دوبارہ بند ہو گیا۔

ٹائیگر کو اپنی سانس رُکتی ہُوئی محسوس ہو رہی تھی۔

اگرچہ وہ گیتا کے ساتھ سرکس کے جھولے پر تاریکی میں حیران کی مخصوص مشق کر چکا تھا لیکن اُوشان کے ساتھ اس تاریکی میں مشق کرتے ہوئے اس کا پورا جسم پسینے میں شرابور ہو گیا تھا... اور آج پہلی بار اُسے محسوس ہُوا تھا کہ اُوشان تاریکی میں بھی بالکل اسی طرح دیکھ سکتا ہے جیسے روزِ روشن میں اس کی بینائی کام کرتی ہے۔ یہ اس کی روحانی قوت ہی تھی جس نے دل کی آنکھیں روشن کر دی تھیں۔ ٹائیگر کو اپنی کمزوریوں اور کوتاہیوں کا شدت سے احساس ہو رہا تھا... لیکن وہ انسان تھا... گوشت پوست کا ایک نوجوان جس کے سینے میں جذبوں سے بھرپور دل دھڑکتا تھا جب کہ اُوشان کندن بن چکا تھا۔

"چلو..." آنکھیں بند۔ میں اور تینوں جھولے ایک ساتھ جھلا کر باری باری ایک سے دوسرے پر پہنچتے ہوئے مجھے محسوس کرو تاریکی میں میرے وجود کو محسوس کر کے مجھ تک پہنچو۔" اُوشان کی مہین آواز نیچے سے سنائی دی اور ٹائیگر نے سینے میں رُکی ہُوئی سانس آہستہ آہستہ چھوڑ دی۔

اُوشان کی مرضی کے مطابق وہ جھولوں پر جھولتا ہُوا نیچے تاریک زمین تک تو پہنچ گیا لیکن وہاں اُوشان کو تلاش کرنا ایک دُشوار کام تھا۔ اُسے اُوشان کا مخصوص قہقہہ سنائی دیتا رہا اور وہ تاریک خیمے میں اِدھر سے اُدھر ہاتھ پاؤں مارتا رہا حتیٰ کہ بے بس ہو کر زمین پر بیٹھ گیا۔

"ڈیڑ پاپا!" اُس نے ہانپتے ہوئے کہا۔ "میں ہار گیا۔"

اچانک اُوپر سے کوئی چیز اس پر گری اور وہ بُری طرح چونک پڑا۔ تب اُسے پتہ چلا کہ وہ اُوشان تھا... وہ دانت پیس کر رہ گیا۔ اُوشان دراصل نیچے زمین پر نہیں تھا۔ وہ اُسے تاریکی میں ٹٹولتا رہا تھا جب کہ وہ شروع سے ہی اس کے ساتھ ساتھ جھولوں پر موجود رہا تھا۔ اس نے بہت پوچھا کہ یہ کیا ٹیکنیک ہے... لیکن اُوشان نے ہنسی میں ٹالتے ہوئے کہا۔ "جب تم اس منزل پر پہنچ گئے تو سب کچھ تمہیں خود بخود ہی سمجھ میں آجائے گا۔"

واجد علی ایک بہت بڑا سرکاری اُفسر تھا۔

اس سے سب ہی کانپتے تھے۔ ماتحتوں کے علاوہ مجرم تک اس کا نام سُن کر لرز جاتے تھے لیکن اس وقت وہ خود کپکپاہٹوں کا شکار تھا اور اس کی گھگھی بندھی ہوئی تھی۔ اس کے سامنے سیاہ لبادے میں جو شخص موجود تھا، اس نے اُسے سارے ہی ثبوت فراہم کر دیے تھے اور اب انکار کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ کہ وہ بلرام کی پشت پناہی کرتا رہا ہے اور دراصل وہ خود ہی ریڈ گینگ کا سرغنہ ہے۔

"تم ایک ناسور ہو... ایک بدبودار وجود ہو... جس نے معاشرے میں تعفن پھیلا رکھا ہے۔ تمھاری مثال اُس پھلی جیسی ہے جو پورے تالاب کو گندہ کر دیتی ہے... اور میں ایسی پھلیوں کا شکار بڑی رغبت سے کرتا ہوں۔" سیاہ پوش بول رہا تھا اور اس کی گرج دار آواز خوف و دہشت پھیلا دینے والی لہروں میں بدل کر واجد علی کے وجود میں سرایت کرتی جا رہی تھی۔

"اگر یہ سب کچھ عوام کے سامنے آگیا تو میں بے موت مر جاؤں گا۔" واجد علی نے کراہتے ہوئے کہا۔

"عوام کے سامنے صرف وہ چیز آئے گی جس سے تم جیسے دوسرے عبرت حاصل کریں۔" سیاہ پوش نے خوفناک لہجے میں کہا۔

"کیا چیز؟" واجد علی چونک پڑا۔

"تمھاری لاش..."

"کیا تم میری اس کوتاہیوں کی کوئی اور سزا تجویز نہیں کر سکتے؟ میں مرنے کے سوا ہر سزا بھگتنے کو تیار ہوں۔"

"مثال کے طور پر...؟"

"تم مجھے بھاری جرمانہ کر سکتے ہو۔"

"تمھارے پاس جو کچھ ہے، اُسے حاصل کرنا ہم انصاف پسندوں کے لیے کوئی مشکل کام نہیں... پھر میں تمھاری بات کیوں مانوں؟"

واجد علی نے حسرت سے اپنے چاروں طرف نگاہ ڈالی اس کی آنکھوں میں موت کی پرچھائیاں رقص کر رہی تھیں اور اُسے یقین ہو گیا تھا کہ اب کچھ بھی باقی نہیں رہے گا۔ ہر وہ چیز ختم ہو جائے گی جسے اس نے زندگی کا معیار بلند کرنے کے لیے جائز و ناجائز ذرائع سے حاصل کیا تھا... جب زندگی ہی نہ رہی تو یہ چیزیں کس کام آئیں گی اب اُسے احساس ہوا کہ کاش وہ اپنی زندگی کے لیے ایسی اُشیا جمع کرنے کی کوشش نہ کرتا۔ جو زندگی کی حفاظت نہیں کر سکتیں... لیکن اب وقت گزر چکا تھا۔

"ہاں... ایک صورت ممکن ہے۔" سیاہ پوش نے غور کرتے ہوئے کہا۔

"کیا...کیا؟" واجد علی کی آنکھوں میں اُمید کی کرن لہرائی

"اگر تم ریڈ گینگ کا پورا کاروبار میرے حوالے کر دو تو میں تمھیں زندہ رہنے کی مہلت دے سکتا ہوں۔"

"مجھے منظور ہے۔" واجد علی چیخ پڑا۔

"تو پھر اس کے تمام کاغذات اور دیگر اشیا تک میری رہنمائی کرو۔"

واجد علی، اُسے لے کر ایک خفیہ کمرے میں جا پہنچا جہاں اس نے سب کچھ سیاہ پوش کے حوالے کر دیا... اور پھر جب اُس نے پلٹ کر سیاہ پوش کی طرف دیکھا تو اس کے ہاتھ میں اب بھی ریوالور دبا ہوا تھا۔

"میں نے کوئی چیز بھی چھپا کر نہیں رکھی۔" وہ بولا۔

سیاہ پوش نے پہلی بار اپنے چہرے سے نقاب ہٹائی اور مسکراتے ہوئے واجد علی کی طرف دیکھنے لگا۔ اُسے دیکھ کر واجد علی کو جیسے سکتہ ہو گیا۔ "واس... تم واس ہو...؟"

"ہاں... لیکن یہ بات تم کسی کو نہیں بتاؤ گے۔"

"میں کسی سے نہیں کہوں گا۔"

"لیکن میں پختہ یقین چاہتا ہوں۔"

"میں تمھیں یقین دلاتا ہوں کہ..."

"اس سے بات نہیں بنے گی۔ میں پختہ یقین چاہتا ہوں اور اس کی ایک ہی صورت ہے... اور وہ صورت یہ ہے..." یہ کہہ کر اس نے ریوالور کا ٹریگر دبا دیا۔

واجد علی پھٹی پھٹی آنکھوں اور کھلے ہوئے منہ سے مرتے دم تک اس کی طرف دیکھتا رہا... اور مرنے کے بعد بھی اس کی آنکھیں اور دہانہ کھلا ہی رہا۔ ایک تکتی نہ جانے کہاں تک آکر اُس کے چہرے پر بھنبھنانے لگی۔

اشوک کی چتا جلی تو واس نے... اس کے بارے میں سوچنا ہی چھوڑ دیا لیکن پھر ایک روز جب موبائل سیکرٹری داخل ہوئی تو ڈاکٹر بہرام، وزیر اعظم نے پُرتفکر لہجے میں کہا۔ بہرام سے ان کی گفتگو ایک خاص ٹیلی فون سیٹ کے ذریعے ہو رہی تھی۔ "میری خواہش ہے کہ تمھارے آدمی اس قسم کے مزید قتل نہ کریں۔"

"میرے آدمی ایسے قتل نہیں کرتے۔" بہرام نے ٹھوس لہجے میں جواب دیا۔ "اور آپ کی اطلاع کے لیے صرف اتنا بتا دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ ان پے در پے وارداتوں کے بعد میں نے قاتلوں کے اس گروہ کی سرکوبی کے انتظامات شروع کر دیے ہیں۔ شب بخیر۔"

* *

اُوشان کنول کا آسن جمائے عمیل وٹیرن دیکھ رہا تھا اور شہزاد کسی سوچ میں غرق تھا۔ اسی لمحے کمرے کے دروازے پر کسی نے دستک دی۔

"آپ کا ٹیلی گرام ہے جناب... شہزاد صاحب!"

"پڑھ کر سناؤ۔" کس نے بھیجا ہے؟" شہزاد نے ویٹر کو اندر آنے کی اجازت دیے بغیر ہدایت کی۔

"آپ کی بچی نے مرشد آباد سے بھیجا ہے جناب۔"

"ٹھیک ہے، شکریہ۔ مجھے ٹیلی گرام نہیں چاہیے۔"

"نہیں چاہیے؟" دروازے کے دوسری طرف سے ویٹر کی حیرت زدہ آواز سنائی دی) اور شہزاد ایک بار پھر کچھ سوچنے لگا۔ چند لمحوں بعد... ..... جب ویٹر کے جاتے ہوئے قدموں کی آہٹ ختم ہو گئی تو اس نے بستر کے نیچے سے سوٹ کیس باہر کھینچ لیا۔ اب اُوشان بھی اسے بغور دیکھ رہا تھا۔ "مجھے بہت صدمہ ہے فرزند!

"کس بات پر مہربان آبا جان؟"

"کہ تمھیں قتل کرنے کے خواہش مندوں کی کوئی کمی نہیں اس کے باوجود دوگورو کو دوست بنانے کے بجائے انھیں دروازے ہی سے دھتکار کر دشمن بنا لیتے ہو۔ اگر ویٹر سے ٹیلی گرام لے لیتے تو تمھارا کیا بگڑ جاتا؟"

"وہ ٹیلی گرام کارو، ماموت کے آغاز کا حکم نامہ تھا اور میں کسی ایسے کاروبار میں ملوث ہونا نہیں چاہتا۔"

"تم نے موت کے کاروبار کو ہر چن کی تجارت کی طرح بے قدر بنا ڈالا ہے عزیز من! لہٰذا اس سے بچ نکلنا راحاصل کرنا بھی مشکل ثابت ہوگا، تمھاری زندگی انسانیت اور فلاح کی امانت ہے۔"

"زندگی... میری زندگی... میری اپنی ہے کسی مصلح کی نہیں میں اپنی مرضی کا آپ مالک ہوں اُوشان۔" شہزاد نے جھپٹ کر ایک گلدان کو ٹھوکر مارتے ہوئے کہا جو کسی تیر کی طرح کمرے میں گھوما، کھڑکی کی طرف مڑا اور پھر باہر سڑک پر جا گرا۔

اُوشان اسے تعریفی نظروں سے دیکھنے لگا۔

"کیا آپ نے اپنا سامان باندھ لیا ہے؟"

اُوشان اسے محض دیکھتا رہا اور یہ اس بات کی علامت تھی کہ وہ روانگی کے لیے تیار ہے اور اب مزید باتیں نہیں کرنا چاہتا۔

XX

خیر گڑھ میں ایک حویلی بقعۂ نور بنی ہوئی تھی۔ بوڑھا ناظر اپنے بچوں اور بچوں کے بچوں سے اپنی صحت یابی پر مبارکبادیں وصول کر رہا تھا لیکن محض ایک ہی گھنٹے بعد وہ حویلی ماتم کدہ بن گئی، چراغ بجھ گئے

اور صف ماتم بچھ گئی۔

دو پولیس والے ٹھاکر جی سے چند ضروری باتیں کرنے آئے تھے لیکن انھوں نے حویلی کی شاندار بیٹھک میں داخل ہوتے ہی فائرنگ شروع کر دی تھی جس کے نتیجے میں سب سے پہلے ٹھاکر، پھر ان کی دونوں بیٹیاں، داماد اور پھر بیٹے مارے گئے۔ بیٹھک میں جہاں کچھ ہی دیر قبل شراب چھلک رہی تھی، وہاں سفید قالین پر خون کے دھبے نظر آنے لگے تھے۔

بستی کے لوگ گھروں سے نکل نکل کر حویلی کی طرف آنے لگے، انھوں نے فائرنگ اور چیخ و پکار کی آواز سن لی تھی۔ ان میں سے کئی خوش تھے کیونکہ نامعلوم لوگوں نے ان کا صدیوں پرانا انتقام لے لیا تھا۔ ٹھاکر جمنا داس اور ان کے آبا و اجداد کسانوں کا بدترین استحصال کرتے رہے تھے۔ کسان صرف یہ معلوم کرنے کے لیے بے چین تھے کہ ٹھاکر کا کوئی وارث زندہ تو نہیں بچ گیا۔

یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ ٹھاکر جی ملک کے انتہائی مشہور سیاستداں تھے لہٰذا اخبارات نے صبح کے ایڈیشنوں میں شہ سرخیوں کے ساتھ اسے شائع کیا تھا۔

انسپکٹر داس نے اخبار ایک طرف پھینک کر جائے کی پیالی ہونٹوں سے لگالی، وہ سوچ رہا تھا کہ سارا کام کتنی صفائی سے ہوا ہے، کسی پولیس مین نے کوئی سُراغ نہیں چھوڑا۔

اس کے ساتھ والے کمرے میں ایک انتہائی بارعب شخص اپنی آرام کرسی پر بیٹھا سوچ رہا تھا کہ کام چل نکلا ہے، خون کے پیاسوں پر مشتمل دستے جلد ہی بڑے بڑے شہروں میں سرگرم عمل ہو جائیں گے اور پھر میں... ریٹائرمنٹ حاصل کرنے کے بعد اس کام پر زیادہ توجہ مرکوز کر سکوں گا۔ داس کی فوج ایوان وزارت عظمیٰ تک رسائی حاصل کر لے گی، اس کے بعد کوئی بُرائی جنم نہیں لے سکے گی، میرا انتقام پورا ہو جائے گا۔ برف کا تودہ ایک بار گرنے لگے تو کوئی طاقت تباہی کو نہیں روک سکتی۔

داس اپنی کرسی سے اُٹھ کر کوٹ پہننے لگا۔ اسے فوری طور پر سیکرٹری داخلہ سے رابطہ قائم کر کے اپنی اس ناکامی کا اعتراف کرنا تھا کہ وہ سازش کا سُراغ لگانے میں ناکام رہا ہے۔ اس کے چہرے پر عجیب سی مُردنی پھیلی ہوئی تھی۔

▼

بہرام نے شہزاد کو اپنے کمرے میں داخل ہوتے دیکھ کر فوراً ایک ہاتھ فضا میں بلند کیا۔ "شہزاد... کسی تل والی عورت کے بارے میں گفتگو نہیں ہوگی، سمجھے؟"

شہزاد دل کھول کر ہنسنے لگا اس کی ساری کوفت اس ایک جملے سے دُور ہو گئی اور پھر اس کی نظریں دو اپنی کیسوں سے ٹکرائیں تو آنکھوں میں حیرت نظر آنے لگی۔ ان میں نئے کرنسی نوٹوں کے بنڈل اوپر تلے رکھے ہوئے تھے۔

"ذرا غور سے سنو۔" بہرام نے بے پناہ سنجیدگی سے کہا لہٰذا شہزاد ہمہ تن گوش ہو گیا۔ "اس رقم کی مدد سے تم دارالحکومت کے جرائم پیشہ لوگوں اور اسمگلروں میں اپنا مقام بناؤ گے اور اس کے لیے ضروری ہے کہ تم متعلقہ پولیس افسروں کو باقاعدگی سے بھتہ دیتے رہو۔ تجربے سے یہ ثابت ہوا ہے کہ کالا دھندا اور اسمگلنگ پولیس والوں کے تحفظ میں پھلتی پھولتی ہے لیکن تمھیں جرائم پیشہ افراد کا کوئی گروہ تشکیل دینے کی ضرورت نہیں۔"

"اس کا مطلب ہے کہ میں پولیس کو فضول ہی بھتہ دیتا رہوں گا؟"

"فضول نہیں، صرف یہ دیکھا۔ تم کے لیے کہ تم واقعی جرائم پیشہ ہو۔" وہ بولا اور اس کے بعد تمھیں ان خود ساختہ انصاف پسندوں کے گروہ کا سُراغ لگانا کہ اس کا صفایا کرنا ہوگا اس مشن میں تمھیں صرف یہ احتیاط رکھنی ہوگی کہ صرف گروہ کی قیادت ہی ماری جائے، عام کارکنوں پر کوئی اثر نہ پڑے کیونکہ ان کی اصلاح بعد میں ممکن بھی ہو سکتی ہے۔"

"لیکن چیف..." شہزاد کی آنکھوں میں شرارت آمیز چمک پیدا ہو گئی۔ "فرض کرو کہ انصاف پسند جیت گئے تو ہم ختم ہو جائیں گے۔ وہ تو ہمارا ہی کام کر رہے ہیں۔"

"نہیں... وہ کوئی انتہائی خطرناک کھیل کھیل رہے ہیں۔" بہرام نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "... اور ممکن ہے، ان کا یہ کھیل ملک کے وجود کے لیے ہی خطرہ بن جائے، بظاہر ایسا لگتا ہے کہ وہ کوئی نیک کام کر رہے ہیں لیکن یہ تو سوچو کہ ہم انسان کو کب قتل کرتے ہیں؟ صرف اس وقت جب اس کی موت ضروری ہو جاتی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ انصاف پسندوں کا گروہ ملک کو پولیس اسٹیٹ بنانا چاہتا ہے اور پولیس اسٹیٹ ہمیشہ عوام کی تباہی کا پیغام لاتی ہے۔"

"ہوں..." شہزاد نے ہنکارا بھرتے ہوئے کرنسی نوٹوں کے ڈھیر کو گھورا اور پھر بہرام نے اسے ایک رپورٹ فراہم کر دی جس میں انصاف پسندوں کے بارے میں ممکنہ حد تک ملنے والی اطلاعات شامل تھیں۔

شہزاد نے رپورٹ پڑھ کر ضائع کرنے کے لیے ایکوریٹ باسکٹ میں پھینک دی۔ "اس کا مطلب ہے کہ ان کے پاس کم سے کم ڈیڑھ سو افراد ہیں اور وہ اپنے دائرہ کار میں توسیع کرنے کے لیے کئی شہروں میں سرگرم عمل ہیں۔"

"درست... یہ اپنی کیس سنبھالو۔ ان میں تقریباً بیس لاکھ روپے ہیں۔ جتنے خرچ ہوں، خرچ کر دینا اور باقی رقم تمھیں واپس کرنی پڑے گی۔"

"ہرگز نہیں۔" شہزاد نے ہنستے ہوئے کہا۔ "باقی رقم تو میں جلا کر راکھ کر دوں گا۔"

شہزاد اپنی کیس سنبھالے سڑک پر آیا تو اس کی چھٹی حس نے اچانک خطرے کی گھنٹی بجانا شروع کر دی۔ اس نے اِدھر اُدھر دیکھا تو اس ظلات سنتے چلے گئے لیکن اس نے کسی ردِعمل کا فوری اظہار کرنے ریز کرتے ہوئے چوک آزادی کی طرف قدم بڑھا دیے۔ اٹیچی کیس اب اس کے ہاتھوں میں جھول رہے تھے وہ کسی بے پروا اور لاابالی ان کی طرح چل رہا تھا۔

اس کی آنکھوں نے اس جوڑے کے چہروں کو یادداشت میں فاکر لیا تھا جو سڑک کے قریب پارکنگ میں کھڑی ایک کار میں بیٹھا زونیاز کر رہا تھا۔

دوسری طرف نیشنل بینک کے کاؤنٹر پر ایک موٹا تازہ شخص اپنی یب میں ہاتھ ڈالے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس نے شہزاد کو پیدل لتے دیکھا تو اس کا تعاقب کرنے لگا۔ شہزاد کن انکھیوں سے دیکھ چکا تھا کار میں رازونیاز کرنے والا مرد اور عورت بھی اکثر کر اس کے تعاقب میں رہے ہیں۔

وہ چلتے چلتے ایک سنسان گلی میں پہنچ گیا... اور پھر اچانک ی وہ موٹا شخص اس کے راستے میں مزاحم ہو گیا۔ اٹیچی کیس میرے حوالے کر دو، لڑکے!"

"بہت اچھا موٹے بھائی۔" شہزاد نے بڑی فرمانبرداری سے جواب دیتے ہوئے اپنی کیس موٹے کی طرف بڑھا دیے۔ موٹا ابھی انھیں پکڑ ہی رہا تھا کہ شہزاد کا پاؤں چالیس کے زاویے سے بلند ہوا اور موٹے کے پیٹ پر لگا۔ اسی لمحے شہزاد پر عقب سے بھی حملہ ہوا لیکن وہ کسی لٹو کی طرح گھوما اور اس نے موٹے کی گردن پر سوٹ کیس سے وار کیا۔ موٹے کا پیٹ پہلے ہی پھٹ چکا تھا اور اس میں سے انتڑیاں گر رہی تھیں... پھر وہ ڈکراتا ہوا کٹی ہوئی گردن سمیت گندی نالی میں گر گیا۔

عقب سے حملہ کرنے والے وہی دو چاہنے والے تھے۔ لڑکی جارحانہ انداز میں اس کی طرف جھپٹ رہی تھی۔ شہزاد نے پہلے تو لڑکی کے حسن کا اندازہ لگانے کی کوشش کی تھی لیکن پھر اسے احساس ہو گیا تھا کہ ذرا سی بھی حُسن پرستی اس کا قصہ تمام کر سکتی ہے لہٰذا اس نے کھیل مختصر کرنے کے لیے سب سے پہلے مرد کو مشتعل کرنے کی خاطر لڑکی کو دبوچ لیا اور جب مرد نے اس پر حملہ کیا تو اس نے لڑکی کی ہونٹ ٹانگیں پکڑ کر اسے کسی بٹن کی طرح گھماتے ہوئے مرد کے سر پر دے مارا۔

گلی میں دو جسمیں بلند ہوئیں۔

مرد کسی قصائی کی طرح گرا اور تڑپنے لگا۔ وہ ابھی مرا نہیں تھا اور یہی حالت لڑکی کی بھی تھی۔ شہزاد گرے ہوئے مرد پر گھٹنے کے بل گرا تو اس نے ایک زوردار چیخ ماری اور ساکت ہو گیا اس کی پسلیاں ٹوٹ کر دل میں گھس گئی تھیں۔

لڑکی بے ہوش ہو چکی تھی لہٰذا شہزاد نے اسے گندے نالے کی جگہ دیوار پر رکھ کر اس کی کنپٹیوں پر ہاتھ رکھ دیے۔ لڑکی محض ایک سیکنڈ تک تڑپی اس کے بعد موت کی حسین دیوی نے اسے اپنی آغوش میں لے لیا۔

اس سے قبل کہ چیخ و پکار سن کر گھروں کی کھڑکیاں کھلتیں شہزاد اٹیچی کیس اُٹھا کر اپنی منزل کی طرف روانہ ہو چکا تھا۔ اس کے دونوں جوتے خون سے تر تھے اور ان کی رنگت سیاہ نہیں رہی تھی لیکن وہ ان سے بے نیاز ٹیکسی کی تلاش میں چلتا رہا۔ راستے میں اُس نے نیوز اسٹال پر رُک کر اخبار کی سرخیاں دیکھیں اور مُنہ بناتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ ہر اخبار کی ایک ہی سرخی تھی کہ ملک کا مختبر ترین سیاستداں ٹھاکر جمنا داس اپنے اہلِ خانہ سمیت ہلاک ہو گیا ہے۔

▼

دارالحکومت کے ایک انتہائی فیشن ایبل علاقے میں شہزاد کے لیے ایک مکان خریدا گیا جو جدید فنِ تعمیر کا نمونہ تھا اور جس کو دیکھتے ہی اُس مکان کے لیے احترام کے جذبات خود بخود پیدا ہو جاتے تھے۔

اسی روز سفیر زاد، اوشان کو لینے ائرپورٹ گیا۔

"میں نے سُنا تھا کہ ہم کسی مکان میں رہیں گے۔" اوشان نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اسی باعث میں چند کپڑے لایا ہوں تاکہ زیادہ دشواری نہ ہو۔"

"اور ان چند کپڑوں کو گھر تک لے جانے کے لیے ہمیں تین ٹیکسیاں کرنا پڑیں گی ابا جان۔" شہزاد نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کوئی ہرج نہیں۔ ویسے باقی نو عدد سوٹ کیسوں میں میرے کپڑے نہیں بلکہ وڈیو کیسٹ ہیں۔"

کار میں بیٹھتے ہی شہزاد نے اُسے بہرام سے ملاقات اور اس کے بعد کے حالات سے آگاہ کرنا چاہا تو اوشان نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "بہرام سے ملاقات کے بعد تمھاری یقیناً کسی سے جھڑپ ہوئی ہے ورنہ تمھارے جوتے پر خون نہ لگا ہوا ہوتا۔"

"ہاں... اسے صاف کرنے کا وقت ہی نہیں ملا۔" شہزاد نے لاابالی انداز میں جواب دیا اور پھر تصادم کی تفصیلات بھی بتا ڈالیں۔

"تم نے محض غصّے کے عالم میں ان تینوں کو بڑے بھونڈے انداز میں ہلاک کیا فرزند! اگر تم ہاتھوں سے کام لیتے تو زیادہ اچھا تھا، خون ہاتھوں پر اچھا لگتا ہے، جوتوں پر نہیں۔"

"میں واقعی غصّے میں تھا اور اب بھی ہوں۔"

"غصّہ انسان کو خشک لکڑی کی طرح جلا ڈالتا ہے۔ غصّہ توازن ختم کر دیتا ہے، تم اس وجہ سے غصّے میں تھے کہ تمھیں بہرام نے ایک ناپسندیدہ کام سونپا ہے۔"

"ہاں... اور میں اب بھی خفے میں ہوں۔"

"تب پھر ان چھوٹے چھوٹے واقعات میں اپنے جوتوں کو ملوث نہ کرو۔"

"میرا خیال ہے کہ ہمیں اب جوتوں کا قصہ ختم کر دینا چاہیے۔" شہزاد نے جھنجلا کر کہا۔ اسے جوتوں کے ذکر ہی سے کوفت ہو رہی تھی اور بار بار وہ موٹا یاد آ رہا تھا جس کی توند کسی غبارے کی طرح پھٹ گئی تھی اس کی کارٹیکسیوں کی رہنمائی کرتی ہوئی ایک خاندار کرسی میں بدل ہو گئی جس پر شہزاد احمد کی نیم پلیٹ لگی ہوئی تھی۔

اوشان کے کمرے میں سامان رکھوانے کے بعد ٹائیگر ورزش میں مصروف ہو گیا اور پھر اچانک رقم سے بھرے ہوئے اپنی کیسوں کا خیال آیا جنہیں کسی محفوظ جگہ رکھنا ضروری تھا دونوں اپنی کیس اب بھی ڈرائنگ روم میں پڑے ہوئے تھے۔ چلتے چلتے اس نے فریج کا دروازہ کھولا تو کھوپڑی میں دھما کا سا ہو کر رہ گیا۔ فریج کے ہر خانے میں بڑے قرینے سے رنگ برنگے لبادے معہ ہیں اور گاؤن سجے ہوئے تھے اوشان رنگ برنگے لباس پہننے کا شوقین تھا اور شہزاد میں اتنی ہمت نہ تھی کہ وہ ان لبادوں کو کہیں اور رکھ سکتا۔

اس نے اپنی رکھنے کے لیے اسٹور کی الماری کھولی تو تلملا کر رہ گیا۔ اس میں بھی نیلے لبادے رکھے ہوئے تھے وہ جھنجلاہٹ کے عالم میں اپنی اوشان کے کمرے میں لے گیا جو کنول کا آسن جمائے ٹیلی ویژن پر اپنی پسندیدہ فلم دیکھ رہا تھا۔ اس نے اپنی کیس کھول کر ساری رقم اوشان کے قدموں میں ڈھیر کر دی۔

پورے گھر میں رقم رکھنے کی کوئی جگہ نہیں اوشان لہٰذا اب اس کی حفاظت آپ کے ذمے ہے۔"

"کیا یہ رقم میرے لیے ہے فرزند؟"

"نہیں... یہ آپریشن کے لیے ہے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ مجھ پر تمہارے علاوہ دولت کی دیکھ بھال کی ذمے داری بھی آن پڑی ہے۔"

شہزاد نے سنی ان سنی کرتے ہوئے اپنی کیس سے گرنے والا ایک پرچہ اٹھا لیا جس میں اس کے لیے بہت سی ہدایات درج تھیں اس نے ان ہدایتوں پر فوری عمل کرنے کا فیصلہ کر لیا اور نوٹوں کے کٹی بنڈل لے کر گھر سے نکل گیا۔ اگلی سڑک پر کاروں کا ایک شوروم تھا جہاں سے اس نے نقد رقم دے کر ٹیلک کار خریدی اور سیلز مین کو ایک ہزار روپے ٹپ دے کر اس کی جائیداد حاصل کر لیں۔ سیلز مین کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ پھر وہ فرنیچر خریدنے گیا۔ اس نے انتہائی قیمتی فرنیچر نقد رقم دے کر اپنے گھر پہنچانے کی ہدایت کی اور پھر سڑکوں کے چکر لگا کر گھر واپس پہنچ گیا۔

اسی رات اس نے حکمت عملی پر عمل کرتے ہوئے مقامی کے ہیڈ آفس میں شناسائی پیدا کرنے کے لیے کارروائی کی وہ ہیڈ گیا جہاں اسے ہدایت کے مطابق پولیس والوں کو رشوت دے پشت پناہی کے لیے مجبور کرنا تھا۔

ڈیوٹی آفیسر ایک سب انسپکٹر تھا۔

"میں اس علاقے میں بالکل نووارد ہوں سب انسپکٹر" شہزاد نے اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا اس کے ہاتھ میں ایک تھا جس کا لمس محسوس کرتے ہی پولیس افسر کی باچھیں کھل گئیں اُ جیب میں جا کر فوراً ہی واپس آ گیا۔ نوٹ اس کے ہاتھ سے غا ہو گیا تھا۔

"میں آپ کے انچارج سے ملنا چاہتا ہوں۔" شہزاد نے ہوئے کہا۔ "خوش آمدید مسٹر شہزاد۔ میں ان سے آپ کا ذکر ضرور گا، وہ دوستوں کے دوست ہیں۔"

ڈیوٹی آفیسر سے اِدھر اُدھر کی باتیں کر کے وہ واپس چل رشوت دینے کا عذاب اس کے ضمیر کو جھنجوڑے جا رہا تھا لہٰذا وہ کی طرف نکل گیا اور ایک گھنٹے بعد جب وہ گھر واپس پہنچا تو باہر کار کھڑی دیکھ کر حیرت زدہ سا ہو گیا۔ اسے صرف یہ حیرت تھی یہاں کیا کر رہی ہے۔ اس نے عجلت میں کار پارک کی اور دوڑ اندر پہنچ گیا۔

اندر... اوشان کے ساتھ ایک جہیم شخص بیٹھا کافی کی چسکی لے رہا تھا۔ وہ شہزاد کو دیکھتے ہی چونک اٹھا۔

"اس دخل در معقولات سے متاثر نہ ہو، اپنی گفتگو جاری میں سن رہا ہوں۔" اوشان نے شہزاد کی طرف دیکھے بغیر اپنے کہا لیکن جب مہمان کچھ ہچکچایا تو اوشان کو شہزاد کی طرف پلٹنا "بیٹھو شہزاد۔ ذرا ان کی داستان تو سنو۔ یہ کیسے اچھے لوگ ہیں اپنی جان ہتھیلی پر لیے پھرتے ہیں۔"

"اب تو نہیں لیکن جب میں کانسٹیبل تھا تو زندگی ہر وقت میں رہتی تھی۔" جہیم شخص نے جواب دیا۔ "ایک مرتبہ تو جوروں سے مقابلہ بھی ہو گیا تھا۔"

"افوہ۔ چوروں سے مقابلہ۔ کیا تم نے کسی چور کو ہلاک بھی کیا نوجوان؟"

"نہیں البتہ ایک زخمی ضرور ہوا تھا۔"

"سنا تم نے شہزاد۔" اوشان نے بچوں کی طرح جوش کا کرتے ہوئے کہا۔ "پولیس مقابلہ بھی کتنا شاندار ہوتا ہوگا۔ مرد ہے ہوں گے، عورتیں رو رہی ہوں گی۔"

"مجھے شہزاد احمد کہتے ہیں جناب۔" اس مرتبہ شہزاد نے اس شخص کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

"میں کیپٹن منور ہوں۔ سب انسپکٹر پریم نے بتایا تھا کہ آپ مجھ سے ملنا چاہتے ہیں۔ آپ کا تلازم بہت ہی دلچسپ آدمی ہے جناب۔ نشہ دو اور ایسی ہی باتوں میں بڑی دلچسپی لیتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ آج کل ملک میں کوئی بھی محفوظ نہیں لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ کا گھر پوری طرح محفوظ ہے۔"

"شکریہ کیپٹن منور۔"

"اور کیپٹن صاحب نے یہ پیش کش بھی کی ہے کہ اگر ہم کبھی کسی خطرے کی بُو سونگھیں تو انہیں فون کر دیں۔ آہ۔ میری عمر کے بوڑھے کے لیے ایسی پیش کش تو دنیا کی سب سے بڑی نعمت ہے۔"

"ہم اپنے بزرگوں کو تحفظ فراہم کرنے میں زیادہ دلچسپی لیتے ہیں جناب! کیپٹن منور نے معنی خیز انداز میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"میں اسی بارے میں آپ سے بات کرنے ہیڈ کوارٹر گیا تھا کیپٹن۔" شہزاد نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "اوشان اب میں کیپٹن سے تنہائی میں چند باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

"اوہ... میں اپنا مقام تو فراموش ہی کر بیٹھا تھا۔" اوشان نے ایک سرد آہ بھرتے ہوئے کہا اور تعظیم بجا لا کر چلا گیا۔

"آپ کا تلازم انتہائی منکسر المزاج ہے جناب!"

"ہاں۔ بالکل اس لہر کی طرح جو شہروں میں سیلاب کا باعث بنتی ہے۔"

"کیا مطلب...؟" کیپٹن چونک پڑا۔

"آں... کچھ نہیں... ہمیں اب مطلب کی بات کر لینی چاہیے۔"

"ضرور... ضرور۔" منور سنبھل کر بیٹھ گیا۔

"میں تمہیں ہر ماہ دو ہزار روپے اور تمہارے عملے میں تقسیم کرنے کے لیے ایک ہزار روپے دے سکتا ہوں کیپٹن منور۔"

"کیا آپ یہاں مستقل قیام کریں گے؟"

"ہاں زندہ رہنے کے لیے کوئی نہ کوئی جگہ تو منتخب کرنی ہی پڑے گی۔"

"مگر ملاقاتوں میں عصمت فروشی کے اڈوں اور منشیات کی فروخت کا کاروبار پر یہ ہی ہمارے ہاتھوں میں ہے اس میں ہم کسی کا اضافہ نہیں چاہتے۔" کیپٹن نے کھل کر بات شروع کر دی۔

"اس کی فکر مت کرو میں اس کاروبار میں دلچسپی بھی نہیں رکھتا۔"

"ہم کسی دوسرے کاروبار کی بھی اجازت نہیں دے سکتے۔"

"ٹھیک ہے اگر تمہیں یہ علم ہو جائے کہ میں کوئی دوسرا کاروبار کر رہا ہوں تو تم مجھے بتا دینا میں اسے بند کر دوں گا۔"

اس کا مطلب ہے کہ آپ بلاوجہ بھتہ دے رہے ہیں۔"

"میں اسی طرح کام کرتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔ آپ کو ہمارا ہر ممکن تعاون حاصل ہوگا جناب۔" کیپٹن نے اس مرتبہ مسکراتے ہوئے کہا اور ایک کارڈ جس پر اس کا نام اور فون نمبر تھا جیب سے نکال کر اس کے سامنے رکھ دیا۔ "جب بھی آپ کو میری ضرورت محسوس ہو، اس نمبر پر فون کر دیں۔"

شہزاد کی نظریں کیپٹن کے کھلے ہوئے برس پر تھیں جس میں ایک انتہائی دیدہ زیب بیج چمک رہا تھا اور اس کے وسط میں ہتھوڑی کے اردگرد ہاتھ کوبنوں والا ستارہ بنا ہوا تھا۔

"یہ تو بہت شاندار بیج ہے۔ سرکاری ہے کیا؟"

"نہیں۔ اس تنظیم کا ہے جس سے میرا تعلق ہے۔ انصاف پسند تحریک۔"

"میں نے آج تک کسی ایسی تنظیم کا نام نہیں سنا۔"

"اب تو سن لیا نا۔" کیپٹن منور ہنستے ہوئے کہا اور اب آپ یقیناً ہمارے لیڈر سے ملنا پسند کریں گے۔ اس کا نام انسپکٹر داس ہے۔ بہت زبردست شخصیت کا مالک ہے۔"

"داس!" شہزاد نے زیر لب کہا اور پھر مسکراتے ہوئے بولا۔ "ضرور... میں داس سے ضرور ملوں گا کیپٹن۔"

راجہ ہری مالک اپنے سوئمنگ پول میں ایک لڑکی پر پانی کے چھینٹے اُڑا رہا تھا کہ اچانک ٹیلی فون کی گھنٹی بج اُٹھی۔ راجہ جی نے سوئمنگ پول کے قریب ہی رکھا ہوا ٹیلی فون اٹھایا اور پھر چونک پڑے۔

"راجہ جی! اب آپ کی شامت آئے گی۔"

"کیا مطلب؟ کون ہو تم؟" راجہ جی نے طیش کے عالم میں پوچھا مگر دوسری طرف سے کوئی جواب نہ ملا۔ اس کے برعکس ان کے سکریٹری روم سے دو پولیس والے نکلے جو مسکرا رہے تھے۔

"کون ہو تم؟" راجہ جی نے ریسیور پٹخ کر پوچھا۔

"انصاف پسند۔" ان میں سے ایک نے جواب دیا۔

"اور آج انصاف کرنے آئے ہیں۔ اس شہر کی کتنی لڑکیاں اس سوئمنگ پول میں غسل کرتی ہیں؟"

"میں سمجھا نہیں۔"

"تم سمجھ بھی نہیں سکتے... جبکہ ہم سب کچھ سمجھ گئے ہیں اور تمہیں سزا دینے آئے ہیں... اور تمہاری سزا موت ہے۔"

دوسرے شخص نے ناروں کا ایک تھیلا نکال کر پٹ تڑپتی ساکٹ

میں لگاتے ہوئے ننگے تار سوئمنگ پول میں ڈال دیے... پھر انھوں نے لڑکی اور راجہ ہری کو ایک ساتھ باندھ دیا۔

"اب خوب عیش کرو۔ راجہ جی..." ایک پولیس والے نے کہا۔

وہ دونوں اس جوڑے کو تالاب میں پھینکنا چاہتے تھے۔ انھیں روکنے والا کوئی نہیں تھا۔ راجہ جی کی آنکھیں مارے خوف کے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ انجام ان کے سامنے تھا اور ان کا کمزور دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ لڑکی کی صورت بھی بگڑ چکی تھی۔ پولیس والے آگے بڑھے تو راجہ جی نے ایک زوردار ہچکی لی۔ ان کا دل جواب دے چکا تھا۔ وہ سزا پوری ہونے سے قبل ہی مر چکے تھے اور لڑکی زور زور سے چیخیں مار رہی تھی۔

وہ دونوں ٹھٹک کر رہ گئے۔

اُنھوں نے راجہ جی کی بُھنبھناتی دیکھی اور مطمئن انداز میں سر ہلاتے ہوئے بیرونی دروازے کی طرف بڑھ گئے۔

لڑکی لمبی لمبی سانسیں لیتی رہی۔ موت اس کے سامنے آکر چلی گئی تھی مگر اس کا جسم راجہ جی سے بندھا ہوا تھا اور وہ جانتی تھی کہ اگر کوئی جلد ہی نہ آیا تو اس کا انجام بھی راجہ ہری سے مختلف نہ ہوگا۔

ملک کا ایک بڑا سرمایہ دار محفل ناؤ نوش کا میزبان تھا۔ آج اس کی ۶۸ ویں سالگرہ تھی اور حسنِ اتفاق یہ تھا کہ وہ آج ہی ساتویں شادی کی پہلی سالگرہ بھی منا رہا تھا اس کی تازہ ترین بیوی مونیکا جس کا تعلق مشرقی پنجاب سے تھا، منی بلاؤ اور ساڈھی میں اِتراتی اور اٹھلاتی ہوئی ایک مہمان سے دوسرے مہمان تک آجا رہی تھی اور اس کا شوہر کام ناتھ راجا بندر بنا بیٹھا تھا۔

اچانک ہی اسے زوردار ہچکی آئی۔

اس کے ہاتھ سے گلاس گرا اور ٹوٹ گیا۔

اس کے ساتھ ہی کام ناتھ ابدی نیند سو گیا۔

پولیس نے فوراً اندازہ لگا لیا کہ اسے زہر دیا گیا ہے اور پھر پوچھ گچھ کے دوران باورچی نے اعترافِ جرم بھی کر لیا۔ اس نے دو افراد کے مجموعہ کرنے پر شراب میں زہر ملا دیا تھا وہ ایسا کرنے پر مجبور تھا کیونکہ وہ فنیات کا عادی تھا۔

باورچی کو حوالات بھیج دیا گیا جہاں اُس نے انہی دو افراد کو پولیس کی وردی میں دیکھا، جنہوں نے اسے نشہ آمیز ہیروئن کے عوض کام ناتھ کو ہلاک کرنے کا کام سونپا تھا۔

وہ انھیں دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا۔ پھر اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں رہا کیونکہ وہ دونوں اسے حوالات سے نکال رہے تھے۔ وہ اسے

ان کی زور آزمائی کو حیرت سے دیکھ جا رہا تھا۔ مگر میں نے ان سے یہ کہا کہ کشور صاحب سے ملنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

"نہیں، مواد!" داس بولا۔ "اچھا ہے، کشور بھی دیکھ لے کہ شہر میں نیا مہمان کون آیا ہے۔ ویسے شہزاد! کشور سے ذرا دیکھ بھال کر ہاتھ ملانا وہ بہت بوڑھا آدمی ہے!"

"تم فکر مت کرو۔" شہزاد نے کوٹ کی جیب سے نوٹوں کی دو گڈیاں نکال کر میز پر اس طرح پھینک دیں جیسے راستے کا کوئی پتھر ہٹا رہا ہو۔

نوٹ دیکھ کر داس اور منوہر کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اس وقت یقیناً داس یہ حساب لگا رہا تھا کہ اسے ہر مہینے اس سونے کی بڑیا سے سونے کے کتنے انڈے مل جایا کریں گے۔

کشور کے کمرے کی طرف جاتے ہوئے شہزاد کی نظریں ایک خوبصورت لڑکی سے ٹکرائیں جس میں کسی چیز کی اگر کمی تھی تو صرف یہ کہ اس کا چہرہ جان اور سپاٹ نظر آرہا تھا۔ ہونٹ اس طرح بھینچے ہوئے تھے جیسے اس نے زندگی بھر نہ بولنے کی قسم کھا رکھی ہو اور آنکھیں ایسی بے جان تھیں جیسے کسی نے آنکھوں کی جگہ کانچ کی گولیاں رکھ دی ہوں۔

"اوہ۔ یہ کون ہے منوہر؟" شہزاد نے رُک کر پوچھا۔

"پدمنی اگروال۔" منوہر نے سرگوشی کی۔ "کشنر اگروال کی اکلوتی بیٹی۔ اس کی کہانی بھی بڑی المناک ہے شہزاد صاحب! جب اس کی عمر سترہ سال تھی تو لفنگوں کے ایک گروہ نے اس کی ناموس لوٹ لی تھی۔ وہ لوگ گرفتار بھی ہو گئے تھے لیکن شناختی پریڈ میں پدمنی کی ذہنی کیفیت کے باعث انھیں شناخت نہیں کیا جا سکا اور انھیں رہا کر دیا گیا۔"

"تو کیا اس واقعے کا اب بھی اس پر اتنا ہی اثر ہے؟" شہزاد کو اس لڑکی سے ہمدردی محسوس ہونے لگی۔

"ہاں۔ یہ مردوں کی صورت سے بھی ڈرتی ہے۔"

"مگر ہے کتنی خوبصورت!"

"اور برف کی طرح سرد۔" منوہر نے جواب دیا۔ "یہاں داس کے ساتھ انتظامی امور کے شعبے میں کام کرتی ہے۔ کمپیوٹر آپریٹر ہے۔"

"ذرا ایک منٹ رُکو۔" شہزاد نے پدمنی کو داس کے کمرے کی طرف جاتے دیکھ کر کہا اور خود بھی اسی طرف بڑھ گیا۔

پدمنی داس کے کمرے سے ملحقہ ایک کمرے میں داخل ہو کر شیلف سے چند فائلیں نکالنے لگی۔

اُس کی پشت شہزاد کی طرف تھی۔

نے کچل دیے اور پھر جب راستے میں اُن میں سے ایک نے اسے گولی مار کر گہری کھائی میں پھینکا تب بھی اسے اندازہ نہ ہو سکا کہ وہ اسے واقعی قتل کرنا چاہتے تھے۔

گڑھ مکھ میانی کا ایک بڑا سیاست دان اپنے عظیم اور دیرینہ ہاتھ ٹب میں لڑکیوں کے ساتھ ہنستا کھیلتا پُراسرار طور پر ہلاک ہو گیا۔ ملک کے اخبارات نے قیامت کھڑی کر دی۔ لڑکیاں چند لمحوں کے کسی کام سے باتھ روم سے باہر آگئی تھیں اور جب وہ واپس گئیں تو وہ مر چکا تھا۔ اسے زہر دیا گیا تھا لیکن اخبارات نے سیاست دان کے بارے میں یہ خبر شائع نہیں کی کیونکہ اس پر شبہ کیا جا رہا تھا کہ در پردہ کسی گھناؤنے کاروبار میں ملوث تھا۔

دارالحکومت کے ہیڈ آفس میں انسپکٹر داس گڑھ مکھ میانی حسن آباد کے واقعات پر مجموم رہا تھا اسے خوشی تھی کہ کار روائی ہو خوبی جاری ہے اور وہ جانتا تھا کہ جلد ہی پورے ملک میں اس کے دستے پھیل کر مزید کارروائیاں شروع کر دیں گے پھر بات چند شہروں تک محدود نہیں رہے گی لیکن اس مشن میں اس کے لیے سب سے بڑی رکاوٹ رقم کی کمی تھی اور اب وہ یہ سوچ رہا تھا کہ ان دستوں کے فنڈز کا بندوبست کرنا بے حد ضروری ہو گیا ہے۔

پھر اچانک ہی اسے اپنی وہ تقریر یاد آگئی جو اس نے انصاف پسندوں کے اجتماعِ عام میں کی تھی، وہ تقریر کیا تھی، ذات پات سے نا اور بھائی چارے کا ابدی پیغام... اسے یقین تھا کہ آنے والا وقت تقریر کو عالمی منشور کا حصہ ضرور قرار دے گا۔

اچانک انٹر کام کا بزر چیخ اُٹھا۔

"کوئی شخص آپ سے ملنا چاہتا ہے انسپکٹر!" استقبالیہ کلرک نے آگاہ کیا۔

"اوہ... ہاں، اسے اندر بھیج دو۔"

"تمھارا کاروبار کیسا ہے شہزاد؟" انسپکٹر داس نے نووارد سے سوا کیا جو کیپٹن منوہر کے ساتھ اندر آیا تھا۔

"کیسا کاروبار؟" شہزاد نے اپنی مخصوص ہنسی کے ساتھ پوچھا

"یہی تو میں بھی پوچھ رہا ہوں۔"

"میں نے جو مناسب سمجھا، کیپٹن منوہر کو بتا دیا، اس کے علاو میں کچھ اور نہیں بتاؤں گا۔" شہزاد نے اس مرتبہ سرد لہجے میں جواب د کیونکہ داس کا لہجہ بھی شستہ نہیں تھا۔

"اس صورت میں ہمیں تم پر کڑی نگاہ رکھنی پڑے گی۔"

"جیسی تمھاری مرضی۔ تم اگر یہ چاہتے ہو کہ میں شہر چھوڑ کر چلا جاؤں تو مجھے یہ بھی منظور ہے۔ اگر تم یہ چاہتے ہو کہ میں اپنا کاروبار بند کر دوں تو انھیں پیسے میرے کاروبار کی نشاندہی کرنی پڑے گی لیکن اگر تم معقولیت کا مظاہرہ کرنے کے خواہاں ہو تو میں تمھیں کبھی مایوس نہیں کروں گا۔ میں پرانی دوستوں سے زیادہ عزیز نہیں سمجھتا انسپکٹر داس!"

داس چونک پڑا۔

اسے دولت کی ضرورت تھی تاکہ وہ اپنے دستوں کو دوسرے شہروں میں بھی منظم کر سکے اور یہ شخص اسے دولت کی پیش کش کر رہا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ ہمیں شہزاد پر اعتماد کرنا چاہیے جناب!" کیپٹن منوہر نے داس کو ہچکچاتے دیکھ کر لقمہ دیا۔

"میری سمجھ میں ابھی تک یہ نہیں آسکا کہ تم یہاں کیوں آئے ہو اور اس شہر میں کیا کرنا چاہتے ہو؟" داس نے ایک لمبی سانس لے شہزاد کی طرف غور سے دیکھا لیکن پھر دیوار کو گھورنے لگا کیونکہ اسے شہزاد کی چمکدار آنکھوں میں کوئی ایسی چیز نظر آگئی تھی جو اس کی اپنی آنکھوں کے لیے ناقابلِ برداشت تھی۔ "ٹھیک ہے تم یہاں رہو... لیکن مجھے ہر مہینے پانچ ہزار روپے دیتے رہو۔"

"پانچ ہزار..." شہزاد نے حقارت سے اس کی طرف دیکھ کر کہا "میں تو دس ہزار کی پیش کش لے کر آیا تھا۔ میں اپنی پیش کش پر قائم ہوں اور میں ہر مہینے دس ہزار روپے دیا کروں گا، بولو منظور ہے؟"

"دس ہزار!" داس نے بمشکل اپنی حیرت کو چھپایا۔ "لیکن کس کے لیے۔ کس چیز کے عوض؟"

"کسی بھی چیز کے عوض نہیں... اور کام... کام کا انتخاب تم مجھ پر چھوڑ دو۔"

"تم سے مل کر بہت خوشی ہوئی شہزاد!" داس نے مسکراتے ہوئے ہاتھ بڑھایا اور جواباً ہاتھ اس کی طرف بڑھا دیا جسے شہزاد نے آہستگی سے تھام لیا۔

یکایک داس کی گرفت مضبوط ہونے لگی۔ وہ اپنی قوت کا مظاہرہ کرنا چاہتا تھا۔ شہزاد بھی مسکرانے لگا اور اس نے داس کے ہاتھ کو اتنی سختی سے دبایا کہ وہ پہلو بدل کر رہ گیا۔ پھر اچانک ہی اس نے داس کی گرفت اتنی آسانی سے کھول دی جیسے کوئی سنگترے سے چھلکا اتار لیتا ہے۔

"آج کل تم کچھ کمزور ہو گئے ہو سوشی؟" شہزاد نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"...اور شاید تم وہ بیٹ بیفلو قسم کی کوئی چیز ہو؟"

"نہیں انسپکٹر! میں تو رولز رائس ہوں۔ میرے شانوں پر دُنیا بھر کا بوجھ ہے۔"

"شہزاد، کشنر سے بھی ملنا چاہتے ہیں جناب!" منوہر نے کہا وہ

"کمادی...!" شہزاد نے انتہائی نرم لہجے میں آواز دی۔

وہ کسی خوفزدہ ہرنی کی طرح پلٹی۔

اُس کی آنکھوں میں شہزاد کو دیکھتے ہی خوف کے سائے منڈلانے لگے۔ دونوں کی آنکھیں صرف ایک لمحے تک ملیں اور پھر شہزاد نے نظریں جھکا لیں۔ وہ ایک نفسیاتی کھیل کھیل رہا تھا۔

"تم... میرا خیال ہے کہ... آ... پ کا قلم فف... فرش پر گر گیا تھا۔ یہ رہا۔" اُس نے منوہر کی جیب سے اُچکا ہوا قلم پدمنی کے سامنے کرتے ہوئے کہا اور اُس کی نظریں بدستور جھکی رہیں۔

"نہیں۔ یہ میرا نہیں ہے۔" لڑکی نے نرم مگر سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

"اوہ... میں معذرت خواہ ہوں کماری۔" شہزاد نے بدستور نیچے دیکھتے ہوئے کہا اور پلٹ کر راہ داری میں آ گیا جہاں منوہر اُس کا منتظر تھا۔ "یہ لو یار... اپنا قلم سنبھالو۔ تم پیچھے پھینک آئے تھے..."

"شکریہ۔" منوہر نے قلم کوٹ کی جیب میں رکھ کر کہا۔ "ویسے ایک بات اچھی طرح سمجھ لو۔ کشنر اگروال دولت جمع کرنے کا عادی نہیں لہٰذا کسی سے لیتا بھی نہیں ہے۔"

شہزاد سر ہلاتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

اُس کا ذہن بہت تیزی سے کام کر رہا تھا۔ اُسے ہیڈ کوارٹر کی فضا میں نفرت اور موت کی بُو محسوس ہو رہی تھی لیکن وہ یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ یہ بُو کہاں سے آ رہی ہے۔

☆

کمشنر اگروال پُرشکوہ، اُداس اور دلگیر چہرے والا شخص نکلا جس کی عمر ریٹائرمنٹ سے دو چار قدم ہی دُور تھی۔ جب منوہر نے اُسے بتایا کہ شہزاد شہر میں مستقلاً قیام کا ارادہ رکھتا ہے تو کمشنر پولیس کے قوانین، شہریوں کے حقوق اور فرائض پر تقریر کرنے لگا۔

"یہاں زندہ رہنے کی کتنی گنجائش ہے جناب؟" شہزاد تقریر کے موڈ میں آ گیا۔

"پولیس کو صرف اسی صورت میں گولی چلانے کا حکم ہے جب..."

"جنٹلمین کمشنر صاحب۔ میں پولیس فائرنگ کی بات نہیں کر رہا ہوں۔ میں تو اُن لوگوں کو درپیش خطرات کی سنگینی معلوم کرنا چاہتا ہوں جو ضروری کاموں سے رات کو نکلتے ہیں۔ کیا وہ لوگ اس شہر میں محفوظ ہیں؟"

"بات یہ ہے کہ... ہماری نفری اتنی نہیں کہ ہم رات کے ہر وقت ہر سڑک اور گلی محلے کا خیال رکھ سکیں۔ اسی باعث جرائم ہی کو زیادہ ہوتے ہیں۔"

"گویا یہ شہر بھی انسانوں کے لیے محفوظ نہیں۔" شہزاد نے اطمینان سے کہا اور ہاتھ ملا کر اُٹھ گیا۔

☆

اُس رات شہزاد کلب سے گھر واپس آ رہا تھا کہ ایک تاریک گلی سے اُس پر فائر ہوا۔ حملہ آور نے شاید کار کی ٹائر پر برسٹ کرنے کی کوشش کی تھی لیکن گولی کار کی ونڈ اسکرین سے ٹکرا کر کہیں اور چلی گئی۔

شہزاد نے فوراً بریک لگا کر گاڑی کھڑی کر دی اور پھر کار سے اُتر کر اندھیرے میں رینگ گیا۔

ان چند دنوں میں پہلی بار اسے اتنا شدید غصہ آ رہا تھا کہ اُس کی کنپٹیاں سُلگنے لگی تھیں۔ وہ کسی سانپ کی طرح رینگتا ہوا اُس گلی میں گھس گیا جہاں سے گولی چلی تھی اور پھر اُسے ایک سایہ نظر آیا جو اُس کی سفید کیڈی لاک کو گھور رہا تھا، شاید یہ دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ کار نشین اب بھی گاڑی ہی میں ہے یا نکل گیا ہے...؟

شہزاد نے اُس سائے کا جائزہ لیا۔ وہ اس پر عقب سے حملہ نہیں کرنا چاہتا تھا کیونکہ یہ بات اُس کے اصول کے خلاف تھی۔ لہٰذا وہ منتظر رہا کہ حملہ آور اُس کی طرف پلٹے... لیکن حملہ آور تو جگہ ساکت کھڑا تھا، وہ نہ تو کار کی طرف جانے کا ارادہ رکھتا تھا اور نہ ہی شہزاد کی سمت میں آنے کا...

"میں اتنا انتظار نہیں کر سکتا۔" شہزاد نے اُس کے پہنچ کر بڑے شکایت آمیز لہجے میں کہا۔

"تت... تم..." سائے نے پلٹ کر اُسے دیکھا اور پھر لگا۔ وہ مقامی باشندہ ہی تھا۔

"ہاں۔ میں۔" شہزاد نے اُس کا وہ ہاتھ پکڑتے ہوئے جس میں ریوالور دبا ہوا تھا۔ اُس شخص نے ہاتھ چھڑانے کی جدوجہد شروع کر دی لیکن شہزاد نے اپنی آنکھوں کا دباؤ بڑھایا تھا کہ حملہ آور کے ہاتھ کی ہڈیاں کچھ اس طرح ہوئی ٹوٹنے لگیں جیسے کوئی خستہ بسکٹ ٹوٹ رہا ہو۔ ذبح ہوتے ہوئے بیل کی طرح ڈکرانے لگا۔

اُس نے ٹائیگر سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کی، مارے، مگر ٹائیگر اُس کے ہاتھ پر اپنی آنکھوں کا دباؤ اور پھر وہ شخص بے ہوش ہو گیا۔ ٹائیگر نے اُس کا ہاتھ چھوڑ دیا لیکن اب وہ ہاتھ کہاں تھا۔ وہ تو محض کھال تھی... ڈھیلی ڈھالی سی کھال... گوشت نہ جانے کہاں غائب ہو گیا تھا اور ہڈیاں تو یقیناً سفوف میں تبدیل ہو چکی تھیں۔

اُس شخص کی وضع قطع سے ظاہر تھا کہ وہ کوئی عام راہزن ہے، لہٰذا ٹائیگر کے نزدیک اس کے لیے اتنی ہی سزا کافی تھی۔ وہ کار میں جا بیٹھا اور گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

▼

بہرام کے نقشے میں ایک اور سُرخ پن لگاتے ہوئے سوچا کہ انصاف پسندوں کی دہشت گردی اب دوسرے شہروں میں بھی پھیل رہی ہے۔ یہ وحشتناک بات تھی۔ اُسے صرف یہ خدشہ تھا کہ انصاف پسندوں کی مختصر تعداد بڑھ کر کہیں فوج نہ بن جائے یا مسلح افواج میں بھی اس کا اثر و نفوذ سرایت نہ کر جائے ایسی صورت میں مُلک کا مستقبل تاریک بھی ہو سکتا تھا۔

وہ نقشے کو گھورتا رہا۔

سُرخ پنوں کی لکیر چیونٹیوں کی قطار کی طرح مشرق کی سمت میں بڑھ رہی تھی تاہم مغرب، جنوب اور شمال سے محفوظ تھے۔

بہرام جانتا تھا کہ اگر اس قطار کو مزید بڑھنے سے نہ روکا گیا تو ایک ہولناک بحران جنم لے گا جس پر کوئی بھی قابو نہیں پا سکے گا... لیکن پھر اس کے چہرے پر ایک آسودہ سی مسکراہٹ دوڑ گئی۔

اُسے شہزاد یاد آ گیا۔

ٹائیگر... جسے یہ مشن سونپا گیا تھا اور تجربات کی روشنی میں بہرام پُورے وثوق سے کہہ سکتا تھا کہ وہ ناکام واپس نہیں آئے گا۔

وہ شہزاد کے بارے میں سوچنے لگا۔

اسے اُس سے بالکل ایسی ہی محبت تھی جیسی اپنے جگر گوشوں سے ہوتی ہے اور اس بات میں کوئی شُبہ بھی نہیں تھا کہ شہزاد اُس کا ہی نہیں بلکہ اُوشان کا بھی جگر گوشہ تھا۔

لیکن سوال صرف یہ تھا کہ کیا شہزاد پولیس والوں کے خلاف کارروائی کرنے میں کسی ہچکچاہٹ کا مظاہرہ تو نہیں کرے گا؟

اُسی ساعت ٹیلی فون کی گھنٹی نے ڈاکٹر بہرام کو خیالوں کی دُنیا سے حقیقی ماحول میں واپس دھکیل دیا۔

"ڈاکٹر بہرام...؟"

"ہیلو چیف۔ میں یہ پُوچھنے کے لیے بے چین تھا کہ جس..."

"کام کی بات کرو ٹائیگر...؟"

"اوہ..." شہزاد نے اُداس ہو کر سرد آہ بھری اور بولا۔ "کبھی انصاف پسندوں کے بارے میں کچھ سُنا ہے؟"

"ہاں، لیکن یہ علم نہیں کہ یہ کیسی تنظیم ہے۔"

"یہ پولیس والوں کی تنظیم ہے چیف؟ ممکن ہے یہ وہی گروہ ہو جس کی ہمیں تلاش ہے۔"

"اس کے سربراہ کا نام کیا ہے؟" بہرام نے مضطرب ہو کر کرسی پر پہلو بدلا۔

"انسپکٹر داس...؟"

"کیا تمہارا اس سے رابطہ قائم ہو گیا ہے؟"

"جی ہاں۔ میں نے اُسے خرید لیا ہے۔ پہلی قسط ادا کر دی گئی ہے۔ اگلے ہفتے دوسری قسط دوں گا۔"

"مگر ہمارے پاس اتنا وقت نہیں ہے شہزاد۔ کیا تم اس قتل اور غارت گری کو فی الفور ختم نہیں کر سکتے؟"

"کوشش کر کے دیکھتا ہوں۔" شہزاد کا لہجہ اس مرتبہ سپاٹ تھا اور حقیقت یہ تھی کہ وہ عجلت پسند نہیں تھا۔ بہرام اُسے مزید کوئی مشورہ دینا چاہتا تھا مگر دوسری طرف سے رابطہ منقطع ہو گیا۔ اس کا مطلب تھا کہ شہزاد کے پاس مزید کوئی اطلاع نہیں تھی۔

جاسوسی ڈائجسٹ کا مقبول سلسلہ

سرکش

محمود احمد مودی کے شہکار قلم سے

12 حصوں میں شائع ہو گیا ہے

قیمت فی حصہ =/50 روپے

مکمل سیٹ =/600 روپے

سرکلر روڈ اردو بازار لاہور

فون 7668958

"اُسے ایسی موت پیش کرو جسے وہ مسترد نہ کر سکے۔" خان بہادر سرفراز نے اپنی مونچھوں پر تاؤ دیتے ہوئے کہا۔

سرفراز کو گزشتہ دو روز سے اطلاعات مل رہی تھیں کہ شہر میں ایک ایسا نوجوان وارد ہوا ہے جس نے پورے پیڈاتس کو اپنا مطیع بنا لیا ہے اور وہ دولت پانی کی طرح بہا رہا ہے۔ اُسے یہ بھی اطلاع مل چکی تھی کہ شہزاد نامی یہ شخص ہر چیز نقد رقم دے کر خرید رہا ہے اور ان چیزوں میں پولیس والے بھی شامل ہیں۔

خان بہادر کو یہ خدشہ دامن گیر تھا کہ کہیں شہر پر اُن کی بے تاج بادشاہت کو اس نوجوان سے کوئی خطرہ لاحق نہ ہو جائے لہٰذا اُنھوں نے گزشتہ شب اُسے قتل کرانے کی بھی کوشش کی تھی لیکن اُن کا خاص آدمی جگو جس حالت میں واپس آیا تھا وہ انتہائی عبرت ناک تھی۔

جگو کا پورا ہاتھ جس میں پانچوں اُنگلیاں بھی شامل تھیں، ضائع ہو چکا تھا۔ اُنگلیوں سے کلائی تک کی ہڈیاں سفوف میں بدل گئی تھیں۔ ناخن تک پس گئے تھے۔ ڈاکٹر نے جگو کا ہاتھ کلائی سے کاٹنے کا مشورہ دیا تھا لیکن خان بہادر کے لیے ایک ایسا شخص بے کار تھا جو اپنے دائیں ہاتھ سے محروم ہو چکا ہو لہٰذا راتوں رات جگو کو ٹھکانے لگا دیا گیا۔

"مگر ابھی تک ہمیں یہ علم نہیں ہو سکا کہ شہزاد کس چکر میں ہے؟" خان بہادر سرفراز کے ایک اور معتمد خاص کشور نے کہا۔

"ہاں... لیکن وہ ہمارے لیے ایک اچانک خطرہ ہے۔ تمھیں شاید اس کا احساس نہیں، تمھیں یاد ہے کہ ہم نے اُسے ملاقات کے لیے مدعو کیا تھا مگر اس نے یہ کہہ کر ہماری دعوت ٹھکرا دی کہ وہ بے حد مصروف ہے۔ ہم اپنی درخواست مسترد کرنے والے کو زندہ دیکھنا نہیں چاہتے لہٰذا اُسے ایسی پیش کش کرو جسے وہ مسترد نہ کر سکے اور یہ پیش کش موت ہونی چاہیے کشور!"

"ٹھیک ہے جناب! یہ کام آج رات ہی ہو جائے گا۔"

"اُس کی موت اُس کے گھر میں واقع ہونی چاہیے کشور۔" خان بہادر نے آخری ہدایت دے کر کشور کو چلے جانے کا حکم دیا اور شراب کی بوتلوں میں سے ایک کی طرف ہاتھ بڑھا دیا۔

▼

شہزاد پُرسکون نیند سو رہا تھا۔ اُس نے محض چند گھنٹے قبل مرکزی بازار میں بدھنی کو شاپنگ کرتے ہوئے دیکھا تھا اور یہ فیصلہ کیا تھا کہ اگلے ہی روز... یا ممکنہ حد تک چند دنوں کے اندر اندر وہ بدھنی کو مردوں کے خوف سے نجات دلا دے گا۔ اس کے لیے اُس نے ایک منصوبہ بھی تیار کر رکھا تھا، بات صرف وقت ملنے کی تھی۔ اُسے یقین تھا کہ اُس کا منصوبہ بدھنی کو نفسیاتی احساس تحفظ اور خوف سے نجات دلا دے گا۔

اُس کی سانس توازن اور تناسب سے چل رہی تھی۔ چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی اور جسم بالکل سیدھا مگر ڈھیلا تھا۔

وہ ایک خواب دیکھ رہا تھا۔ عجیب سا خواب... مگر اچانک ہی خواب میں بمباری شروع ہو گئی۔ ایک بم کسی شخص پر گرا۔ اس کی لرزہ خیز چیخ شہزاد کے کانوں میں بجنے لگی۔ وہ چیخ برابر بڑھتی چلی گئی اور وہ حیران ہو کر اُٹھ بیٹھا۔

آنکھیں کھولتے ہی اُس نے ایک عجیب منظر دیکھا۔ اُس کے کمرے میں قالین پر ایک کالا اور بہت صحت مند شخص اکڑوں بیٹھا ہوا اُوشان کے سامنے ہاتھ جوڑ رہا تھا۔

"شما کر دو مہاراج...!" وہ شخص گھگھیانے لگا۔ "معافی دو مہاراج... غلطی ہو گئی۔ آیندہ کبھی اِدھر کا رُخ نہیں کروں گا۔"

"میرے بچے! میں نے تو تمھیں کچھ بھی نہیں کہا۔" اُوشان نے اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

وہ موٹا بھینسا ایک بار پھر تڑپنے لگا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے اُوشان نے اُس کے کندھے پر ہاتھ نہیں بلکہ منوں وزنی گدا رکھ دیا ہے۔

"یہ کون ہے اُوشان؟" شہزاد نے حیرت سے پوچھا۔

"تمھارے کمرے میں شاید آرام کرنے کے لیے داخل ہونا چاہتا تھا اور اُس کے ہاتھ میں ایک سانپ بھی تھا۔ میں نے سانپ تو ریفریجریٹر میں بند کر دیا اور اسے یہیں لے آیا۔"

"کون ہو تم؟" شہزاد کی آنکھیں اچانک ہی سُرخ ہونے لگیں۔

"مم... مم..." وہ ہکلانے لگا۔

"پانی مانگ رہا ہے۔" اُوشان نے مخصوص انداز میں بلی کی طرح قہقہہ لگا کر کہتے ہوئے کہا۔

دیوزاد کچھ اور خوفزدہ ہو گیا۔

اُوشان نے اُس کے کندھے سے ہاتھ ہٹا لیا۔

"میں دس تک گنوں گا۔ اس کے بعد تمھاری زندگی کی ضمانت نہیں ہو گی لیکن اس دوران اگر تم نے یہ بتا دیا کہ تم کو اور کس کے آدمی ہو تو میں تمھارے بارے میں ہمدردی سے غور کر سکتا ہوں۔"

"مم... میں سچ سچ کہتا ہوں کہ..."

"ایک...؟" اس مرتبہ اُوشان نے گنتی شروع کر دی۔

"بھگوان کی قسم میں..."

"دو...؟" شہزاد نے کہا۔

وہ بیڈ سے اُتر کر اُوشان کے قریب کھڑا ہو گیا۔ ان دونوں کے تیور بڑے خراب تھے۔ اُوشان نے تین کہنے کے بعد دیوزاد کے رخسار پر ہلکی سی چپت لگائی اور وہ مُرغِ بسمل کی طرح تڑپنے لگا۔ ساتھ ہی شہزاد کے قالین کا کچھ حصہ بھی بھیگ گیا۔

اُوشان کی دوسری چپت پر وہ کھُل گیا... بلکہ کھُلتا چلا گیا... اُس نے خان بہادر سرفراز کے بارے میں جو انکشافات کیے انھیں سُن کر ایک لمحے کے لیے تو اُوشان بھی لرز کر رہ گیا۔

خان بہادر نہ صرف عورتوں کا تاجر تھا بلکہ اُس نے ملک بھر میں محتاج اور معذور بچوں کی فراہمی کے اڈے بھی بنا رکھے تھے اور یہ بچے سڑکوں پر بھیک مانگ کر اُس کے لیے دولت جمع کرتے تھے۔

کشور خاموش ہوا تو اُوشان نے بڑی نفرت سے اس کی طرف دیکھا۔ "تمھیں اور تمھارے آقا کو قتل کرنا میرے پاکیزہ اصولوں کی توہین ہو گی... شہزاد، میں سونے جا رہا ہوں شب بخیر۔"

شہزاد نے کشور کی لاش ایک کوڑے دان میں پھینک کر خان بہادر کی محل نما کوٹھی کا رُخ کیا۔ اُس کی کیڈی لاک رات کے سناٹے میں شور مچائے بغیر محل کے سامنے رُکی جس کا لان تاریک مگر بالائی منزل کے ایک کمرے میں ہلکی ہلکی روشنی ہو رہی تھی۔

محل کی چار دیواری لگ بھگ سات فٹ بلند ہو گی۔ مزید ایک فٹ تک تاروں کا جال بنا ہوا تھا جس میں یقیناً کرنٹ دوڑ رہی تھی۔ مرکزی دروازے سے اندر جانے کا سوال پیدا نہیں ہوتا تھا کیونکہ وہاں چھ محافظ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر کھڑے تھے اور اُن کے ہاتھوں میں سب مشین گنیں تھیں۔

شہزاد نے ماحول کا جائزہ لیا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ بندر کی طرح پیپل کے ایک درخت پر چڑھتا چلا گیا۔ یہاں سے چار دیواری کا فاصلہ چار فٹ تھا اور بالائی منزل کی گیلری کا فاصلہ دس فٹ سے کم نہیں ہو گا۔ شہزاد نے محض ایک لمحے کا رکا اور پھر اس کے بدن نے ایک ہلکا سا جھٹکا کھایا۔ وہ درخت کے درخت سے اُچھلا اور ہوا کو چیرتا ہوا گیلری کی طرف جانے لگا۔ اس کے ہاتھ اور پیر اس طرح ہل رہے تھے جیسے فضا میں تیر رہا ہو... پھر اُس نے فضا ہی میں قلابازی کھائی اور چند ہی لمحوں میں گیلری کے اندر اُتر چکا تھا۔

لان اور مرکزی دروازے پر پہرہ دینے والے خوش گپیوں میں مصروف رہے جبکہ شہزاد ہاتھ جھاڑتا ہوا بالائی منزل کی راہ داری میں گھس گیا۔

کونے والے کمرے سے روشنی چھن چھن کر باہر آ رہی تھی۔ وہ اُسی طرف بڑھ گیا۔ اُس نے اندر جھانک کر دیکھا تو اُس کے ہونٹ بے اختیار مُسکرا گئے۔

اندر ایک شخص محوِ خواب تھا۔ اُس کے خراٹوں سے کمرہ گونج رہا تھا اور قریب ہی ایک ساڑھی پڑی ہوئی تھی جب کہ باتھ رُوم سے پانی گرنے کی آواز آ رہی تھی۔ وہ اندر جانا ہی چاہتا تھا کہ باتھ رُوم کا دروازہ کھُلا اور ایک قیامتِ عالم نمودار ہوئی۔

وہ ایک طویل سانس لے کر رہ گیا۔

عورت کی چال ڈھال بتا رہی تھی کہ وہ نشے کی حالت میں ہے۔ اب پہلے اُسے راہ سے ہٹانا ضروری تھا لہٰذا وہ جونہی کمرے کے اندر، دروازے کے قریب سے گزری، شہزاد نے اُس پر ہاتھ ڈال دیا۔ وہ ایک لمحے کو تڑپی پھر ٹائیگر کی باہوں میں جھول گئی۔ اُس نے عورت کی کنپٹی پر ہلکا سا ہاتھ مارا تھا۔

عورت کو قالین پر ایک طرف ڈال کر اُس نے اصل شکار کی طرف دیکھا جس کی سیاہ توند غبارے کی طرح کبھی پھول رہی تھی اور کبھی پچک رہی تھی۔ شہزاد کا دل نہ جانے کیوں مچلنے لگا۔ وہ اس شخص کے گدگدی کرنا چاہتا تھا لیکن اُس نے یہ خواہش کچل دی کیونکہ اس طرح اُس شخص کے حلق سے قہقہے بلند ہوتے جب کہ وہ اُسے روتا دیکھنا چاہتا تھا۔

اُس نے محوِ خواب شخص کو جھنجوڑ کر بیدار کر دیا۔

"تمھی سرفراز ہو؟"

"آں... ہاں... مگر تم کون ہو؟" خان بہادر نے چونک کر اور کسی حد تک خوفزدہ انداز میں پوچھا۔

"ملک الموت..." شہزاد بڑی سادگی سے جواب دے کر اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔

▼

دوسرے روز کے اخبار میں ایک انتہائی ہولناک خبر شائع ہوئی تھی۔ شہر کی سب سے مخیر ہستی خان بہادر سرفراز کو کسی نے قتل کر دیا تھا۔ اُن کی لاش کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے گئے تھے۔ ایک ٹانگ بیڈ رُوم میں تھی تو دوسری بیڈ رُوم کے دروازے پر لٹکی ہوئی تھی... سر ٹیلی ویژن پر رکھا ہوا تھا اور... باقی

دھڑا دھڑ ٹب میں تیر رہا تھا۔ سب سے اہم بات یہ تھی کہ پورے جسم پر کسی تیز دھار چاقو یا ایسے ہی کسی ہتھیار کا کوئی گھاؤ نہیں تھا... ایسا لگ رہا تھا جیسے کسی درندے نے اپنی طاقت کے ذریعے جسم کے اُن حصّوں کو چیر پھاڑ کر الگ کیا ہو۔

خان بہادر کے ساتھ جو عورت تھی وہ لاش دیکھ کر پاگل ہوگئی تھی اور اُس نے صرف اتنا بتایا تھا کہ ایک خوبصورت نوجوان نے اُسے جکڑ لیا تھا، اس کے بعد کیا ہوا، اس کا اُسے علم نہیں۔ وہ نوجوان کا حلیہ بھی نہیں بتا سکی، صرف اتنا کہتی رہی کہ وہ بے حد پُرکشش اور مردانہ وجاہت سے بھرپور تھا۔

▲

تھانہ چاندنی کے انچارج سب انسپکٹر امجد کو کسی تفتیش کے سلسلے میں اس علاقے میں جانا پڑا جہاں کھنڈرات تھے اور جدھر سے کسی کا گزر نہیں ہوتا تھا۔ اُسے ایک مخبر سے یہ اطلاع ملی تھی کہ ان کھنڈرات کو ناپسندیدہ عناصر نے اپنا اڈا بنا لیا ہے۔ امجد نے محض صورتِ حال کا جائزہ لینے کا پروگرام بنایا تھا وہ فی الحال کوئی کارروائی نہیں کرنا چاہتا تھا۔

وہ کھنڈرات میں گھوم پھر رہا تھا کہ اُسے گولیاں چلنے کی آوازیں سنائی دیں۔ اُس نے جُتے اُتار دیے اور آوازوں کی سمت چل دیا۔ یہ آوازیں ایک تہ خانے سے آ رہی تھیں، وہ بلی کی طرح چلتا ہوا تہ خانے میں داخل ہوگیا اور ایک تاریک گوشے میں چھپ گیا۔

یہاں اُس نے جو کچھ بھی دیکھا وہ اتنا حیرت انگیز تھا کہ کئی لمحوں تک وہ سکتے کی سی حالت میں پڑا رہ گیا تھا۔

پولیس ہیڈ آفس کا سب سے ذہین انسپکٹر اور اس کا دوست داس ایک درجن پولیس والوں کو مشین گن چلانے کی تربیت دے رہا تھا۔

امجد جانتا تھا کہ پیشہ ورانہ ٹریننگ میں مشین گن شامل نہیں ہے اور پھر داس جن لوگوں کو تربیت دے رہا تھا، وہ سب کے سب مختلف تھانوں سے تعلق رکھنے والے کانسٹیبل تھے جنھیں تربیتی مراحل سے گزرے عرصہ ہو چکا تھا۔

"تم لوگ اپنے اپنے دستوں کے کمانڈو ہوگے۔" اُس نے داس کی آواز سُنی۔ "اور ہم اس دھرتی سے گناہ کا نام و نشان تک مٹا دیں گے۔ ایک دن وہ آئے گا جب اس زمین پر ہماری حکومت ہوگی۔ کسی طاقت میں ہم سے ہمارے حقوق نہیں چھین سکے گی کیوں کہ حقوق دینے اور سلب کرنے والے ہم نہ ہو رہی ہوں گے۔"

امجد ایک عقل مند نوجوان تھا۔ وہ سب کچھ سُنتا رہا اور جب اسے یقین ہوگیا کہ داس کسی غیر قانونی کام کی تیاریاں کر رہا ہے تو وہ تہ خانے سے اس وقت نکلا جب مشین گنوں کے شور سے کان پڑی آواز سُنائی نہیں دے رہی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ شہر میں صرف ایک ہی شخص ایسا ہے جو اس کی باتوں پر یقین کر سکتا ہے... وہ شخص جمہوریت اور شہری آزادیوں پر پختہ یقین رکھنے والا کمشنر اگروال تھا جس کی بیٹی کو وحشیوں نے روند ڈالا تھا اور انھیں عدالتی کارروائی کے پیچیدگیوں کے باعث سزا تک نہیں ہو سکی تھی۔

▼

"نہیں امجد، میں یقین نہیں کر سکتا۔ کیا یہ سب کچھ تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور کانوں سے سُنا ہے؟" کمشنر نے سر پکڑتے ہوئے اس سے پوچھا۔

اس کے چہرے کی رنگت زرد پڑ گئی تھی اور ایسا لگ رہا تھا جیسے امجد کے انکشافات سے اسے ذہنی صدمہ ہوا ہو۔ "کیا یہ ممکن نہیں کہ داس، رنگروٹوں کو تربیت دے رہا ہو۔"

"نہیں جناب! رنگروٹوں کو مشین گنوں کی تربیت نہیں دی جاتی اور وہ سب کے سب رنگروٹ بھی نہیں تھے۔"

"اوہ، بھگوان! اس ملک پر رحم کر... تو داس ہی اصل مجرم ہے۔ امجد... میرے بیٹے! مجھ سے وعدہ کرو کہ تم یہ باتیں کسی اور کو نہیں بتاؤ گے، کم سے کم اس وقت تک زبان بند رکھو گے جب تک کہ میں خود تمھیں اس کی اجازت نہیں دیتا۔ میرا خیال ہے، مجھے وزیرِ داخلہ سے ملاقات کرنی ہوگی۔ اسی ملاقات میں تم سب کچھ دُہراؤ گے۔ اب میں سمجھ گیا کہ یہیں کس قسم کا خطرہ لاحق ہے۔ تم کل صبح میرے پاس آجانا، میں اس وقت تک حکمتِ عملی تیار کر لوں گا۔"

"ٹھیک ہے جناب! جیسا آپ کا حکم..." سب انسپکٹر امجد ایڑیاں بجا کر کمشنر کے کمرے سے باہر آگیا۔

...لیکن اسے صبح تک کی مہلت نہ ملی۔

کمشنر نے رات بارہ بجے پھر فون کیا اور فوراً اپنے گھر پہنچنے کی ہدایت کی۔

وہ موٹر سائیکل پر گھر سے روانہ ہوا۔ کمشنر کا گھر چار میل دُور تھا اور راستے میں ایک ویرانہ پڑتا تھا۔ یہیں اس پر تین طرف سے فائرنگ کی گئی۔ یہ مشین گنیں ہی تھیں جن کی گولیوں سے اس کا جسم چھلنی ہوگیا۔

وہ موٹر سائیکل سے اُچھل کر ریت پر گرا اور اس کا جوان خون ریت میں جذب ہونے لگا۔

▲

"مجھے افسوس ہے جناب کہ امجد نے سب کچھ دیکھ لیا تھا۔ وہ تہ خانے کا دروازہ بند کر دیا تھا۔ داس نے ٹیلی فون پر کمشنر سے معذرت کرتے ہوئے کہا۔ "ایسی غلطی دوبارہ نہیں ہوگی۔ اوہ، اس بات کا بھی قلق ہے کہ پدمنی اس صورتِ حال سے بہت متاثر ہوئی ہیں... ٹھیک ہے کمشنر صاحب! آئندہ کوئی غلطی نہیں ہوگی۔"

▲

اگلے روز اخبارات میں قتل کی کئی کہانیاں شائع ہوئیں۔ شہر کے سب سے بڑے اسپتال کا سپرنٹنڈنٹ اپنے گھر میں مُردہ پایا گیا۔ اس کے کمرے میں دھینگا مشتی کے آثار بھی ملے اور پہلی مرتبہ قاتلوں کے سلسلے میں کوئی چیز ملی۔

ڈاکٹر کے ہاتھ میں نیلا اور سفید بیج دبا ہوا ملا جس پر پانچ کونوں والا ستارہ اور مُنکے کا نشان بنا ہوا تھا۔ شاید یہ بیج دھینگا مشتی میں قاتل کے ہاتھ لگ گیا تھا۔

دوسرا قتل پرتاپ گڑھ کے ڈپٹی میئر کا ہوا۔ اس کی کھوپڑی میں تین گولیاں ماری گئی تھیں۔ کمرے میں ایک سیف تھا جو پولیس کو خالی ملا۔ ڈپٹی میئر کی بیوی نے، جو قتل کے وقت کسی تقریب میں گئی ہوئی تھی، بتایا کہ سیف کے اندر اس کے زیورات اور ایک لاکھ روپے رکھے ہوئے تھے۔ ایک پولیس والا بیوہ کا بیان قلم بند کرتے ہوئے مُسکراتا رہا اور واپسی پر اُس نے اپنے ساتھی سے کہا: "کتنی جھوٹی بات ہے یہ..."

"ہاں... مان گیا بھئی۔ سیف میں صرف دس ہزار روپے اور رات کے نام پر چند چھلکے تھے... جھوٹی کہیں کی۔"

ایسے ہی کئی واقعات نے نہ صرف دارالحکومت بلکہ پورے ملک میں سنسنی پھیلا دی۔ ہیڈ آفس میں انسپکٹر داس کا کمرہ پولیس افسران سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ سب اپنی اپنی رپورٹ پیش کر رہے تھے۔

"ٹھیک ہے دوستو! کام بہت عمدہ ہو رہا ہے۔" داس نے اُن سے کہا۔ "کل کی کارروائی میں ہمیں مجموعی طور پر تین لاکھ روپے ملے ہیں۔"

شہزاد بے حد اُکھڑا اُکھڑا سا تھا۔ اُس نے گزشتہ دو روز میں داس کا مسلسل تعاقب کیا تھا اور اب ایک ٹیکسی کے پیچھے لگا ہوا تھا جس میں تین پولیس مین سوار تھے۔ وہ اُوشان کے مشورے کے مطابق احتیاط سے کام لے رہا تھا۔

رات کی وجہ سے اُسے تعاقب میں آسانی ہو رہی تھی کیونکہ اس نے اپنی گاڑی کی تمام لائٹیں آف کر رکھی تھیں اور اگلی کار کی ٹیل لائٹیں اس کی رہنمائی کر رہی تھیں۔

اچانک ٹیکسی دائیں طرف کچے میں مُڑ گئی۔

وہ تب بھی اس کے پیچھے لگا رہا۔ پانچ منٹ بعد ٹیکسی ایک بڑی حویلی میں داخل ہوئی تو شہزاد نے اپنی گاڑی جھاڑیوں میں کھڑی کر دی اور دبے قدموں حویلی کی طرف دوڑنے لگا۔

وہ عام رفتار سے دوڑ رہا تھا۔

حویلی کے احاطے میں کتوں کی غراہٹ گونجنے لگی لیکن وہ جلد ہی خاموش ہوگئے۔ دو تین کتے ٹیاؤں ٹیاؤں کرنے کے بعد اُسی طرح خاموش ہوگئے جیسے بے ہوش ہوگئے ہوں۔ "گوشت نے کام دکھا دیا سرینڈر۔" اس نے کسی کی آواز سُنی۔

"یہ کب تک بے ہوش رہیں گے؟" ایک اور شخص نے پوچھا۔

"بارہ گھنٹے تک۔"

"ٹھیک ہے۔ اندر چلو، کام جلد نمٹا دیں تو اچھا ہے۔"

شہزاد کے دیکھتے ہی دیکھتے وہ حویلی کی چار دیواری پر رسّیوں کی مدد سے چڑھے اور پھر رسّیوں کے ذریعے اندر کود گئے۔

ٹائیگر نے ان کی تقلید کرنا مناسب نہ سمجھی بلکہ مرکزی دروازے تک دوڑتا چلا گیا۔

دروازہ مقفل تھا لیکن یہ تالا اس کی ذرا سی کوشش سے کھل گیا۔

اندر مکمل خاموشی تھی۔

لیکن صرف چھ فٹ دُور وہ تینوں خاموشی سے تاریکی میں چھپتے چھپاتے مکان کی طرف بڑھ رہے تھے اور ان کی منزل یقیناً فرسٹ فلور تھی جس کے ڈرائنگ روم میں روشنی ہو رہی تھی۔

وہ ان کے پیچھے لگ گیا۔

اسی لمحے ایک گولی چلی اور وہ تینوں بوکھلا کر آڑ میں چھپ گئے۔ "گدھا... کس نے گولی چلائی؟" ایک شخص نے سرگوشی کی۔

"کسی نے بھی چلائی ہو لیکن اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہوشیار ہو چکی ہے لہٰذا ہمیں اب الگ الگ ہو جانا چاہیے۔"

"لیکن ہم کام مکمل کیے بغیر نہیں جائیں گے سرینڈر۔" تیسرے شخص نے ٹھوس لہجے میں کہا۔ "وہ پہلے بھی ہمارے دو ساتھیوں کو

مار چکی ہے۔ ہمیں اس کا انتقام لینا ہے۔"

شہزاد حسب ضرورت کے مطابق کافی باتیں سن چکا تھا لہٰذا بے آہٹ قدموں سے دوڑتا ہوا عقبی حصے میں آیا اور اُوپر چڑھتا چلا گیا... وہ سیڑھیوں پر اس طرح چڑھ رہا تھا جیسے اُڑ رہا ہو۔ اس کے قدم زمینوں کو چھوتے ہوئے دکھائی نہیں دے رہے تھے۔

وہ ایک کھڑکی میں روشنی دیکھ کر رُک گیا۔

ایک عورت ریوالور سنبھالے چوکس کھڑی تھی۔

عورت کی نظروں میں آئے بغیر کمرے میں داخل ہونے کا صرف ایک ہی راستہ تھا اور وہ تھی عقبی بالکونی... لیکن بالکونی میں جانے کے لیے کمرے سے گزرنا لازمی تھا۔ دوسری صورت یہ تھی کہ وہ چھت پر چڑھ کر بالکونی میں کُود جائے لیکن اس میں ذرا سی بھی غلطی ہاتھ پاؤں توڑنے کے لیے کافی تھی۔ شہزاد کے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ وہ کوئی نئی حکمت عملی تیار کرتا کیوں کہ ان تینوں میں سے کوئی بھی اس طرف آنے ہی والا تھا۔

وہ چھت پر چڑھ گیا۔ اب بالکونی بالکل نیچے تھی۔ اسے کُودتے وقت زاویے کا خیال رکھنا تھا۔ اس نے ریوالور جیب میں اچھی طرح بند کر کے دونوں ہاتھ سینے پر رکھے اور پیر جوڑ لیے... پھر وہ کسی اسپرنگ کی طرح اُچھلا، چھت سے دو تین فٹ بلند ہوا اور کسی گیند کی طرح نیچے گرنے لگا۔

ٹھیک بیس فٹ نیچے، چار فٹ چوڑی اور چھ فٹ لمبی بالکونی میں وہ کسی بلّی کی طرح بے آواز گر چکا تھا۔

اس نے ایک قلابازی کھا کر ہاتھ کھولے، پیر چلائے اور کمرے میں داخل ہو گیا۔

اُس کی پُشت اُس کی طرف تھی لہٰذا کوئی فوری خطرہ نہیں تھا لیکن شاید لڑکی کسی کے وجود کی پہلے ہی متوقع تھی۔

"شاید... ابھی تک تو کوئی نظر نہیں آیا۔"

"آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے خاتون! میں شاید نہیں، شہزاد ہوں۔" اور یہ کہتے ہی اس نے لڑکی کو پکڑ لیا۔

وہ کسی پرندے کی طرح پھڑپھڑانے لگی۔

اس نے چیخنا چاہا لیکن ٹائیگر نے اس کے مُنہ پر ہتھیلی رکھ دی۔ "اگر زندہ رہنا چاہتی ہو تو خاموش رہو۔"

لڑکی کسمسا کر رہ گئی۔

شہزاد نے ہتھیلی پر زور دیا تو اس کی آنکھیں بند ہو گئیں۔ اس نے لڑکی کو فرش پر ڈال کر باہر جھانکا۔ نیچے، جھاڑیوں میں اسے دو سائے نظر آئے گویا تیسرا شخص لڑکی کے کمرے کی طرف ہی آ رہا تھا۔

وہ چند لمحوں تک سوچتا رہا۔ اسے یہ فکر تھی کہ اگر مکان میں کوئی شخص موجود ہے تو وہ کہاں غائب ہو گیا؟

"ممکن ہے، تیسرے شخص نے اس پر قابو پا لیا ہو۔"

یہی ایک سیدھا سا جواب تھا چنانچہ وہ لڑکی کو کسی گڑیا کی طرح اُٹھا کر زینے کی طرف بڑھ گیا۔ اسے بچانے کا راستہ صرف یہ تھا کہ اسے اس مکان سے نکال لیا جائے... لیکن اچانک ہی اسے احساس ہوا کہ زینے پر کوئی پہلے ہی سے موجود ہے۔

وہ لڑکی کو سنبھالے سنبھالے کمرے میں واپس آیا اور بالکونی سے کُود گیا۔ اس کے دونوں پیر بالکل سیدھے تھے، ہاتھوں میں لڑکی تھی اور وہ توازن برقرار رکھے ہوئے تھا۔ وہ پیروں کے بل ہی زمین پر گرا اور پھر دوڑنے لگا۔

اس نے مرکزی دروازے سے نکلنا مناسب نہ سمجھا بلکہ عقبی دروازے سے جو بمشکل ایک گز بلند تھا، چار دیواری پار کر گیا۔

باہر آتے ہی اُس نے لڑکی کو درختوں میں چھپا کر ڈال دیا۔

اسی لمحے ایک اور پولیس کار حویلی میں داخل ہوئی۔ شہزاد لڑکی کو چھوڑ کر اُسی چور دروازے سے اندر داخل ہو گیا۔

"لڑکی مل گئی؟"

"نہیں جناب... پوری حویلی میں کوئی لڑکی نہیں ہے۔" سرپندر نے پہلے ہی قابو پا لیا تھا۔ وہ مر چکا ہے۔"

"ٹھیک ہے، لاش غائب کر دو۔ لڑکی شاید فرار ہو گئی۔ سیدھے ہیڈ آفس واپس پہنچنا۔ وہاں اگر چیف نہ ملے تو سپرنٹنڈنٹ کے گھر پہنچ جانا۔ ۲۸ شادمان اسٹریٹ۔"

✪

شہزاد نے سوچا کہ وہ اب جلد ہی اس قصّے کو تمام کر سکتا ہے لہٰذا اس نے فوری کارروائی کا فیصلہ کیا اور کیڈیلاک میں بیٹھ کر شادمان اسٹریٹ کی طرف چل دیا۔ وہ جانتا تھا کہ داس اس کی سربراہ نہیں ہے جبکہ اُسے گروہ کے سرغنہ کی تلاش تھی۔

اسے ۲۸ نمبر بنگلہ تلاش کرنے میں کوئی مشکل پیش نہیں آئی۔ اسے معلوم تھا کہ اس گھر اور اس کے مکینوں کا جائزہ لینے کے لیے اس کے پاس زیادہ وقت نہیں ہو گا کیوں کہ تینوں پولیس مین بھی جلد ہی وہاں پہنچ جائیں گے۔

مرکزی گیٹ پر کوئی پہرے دار نظر نہیں آیا۔

وہ بے کھٹکے اندر داخل ہو گیا۔

دوسری منزل پر روشنی نظر آ رہی تھی اور وہیں اسے افراد کی پرچھائیوں کی علامت مکمّہ بنا ہوا بھی نظر آ گیا۔ اس نے دروازے کو ہلکا سا دھکا دیا تو وہ کھلتا چلا گیا۔

اب وہ ایک چھوٹی سی راہداری میں تھا اور روشنی ایک بند دروازے سے نکلتی نظر آ رہی تھی۔ وہ عقبی سمت میں چلا گیا اور وہیں سے اسے اس کمرے میں جھانکنے کا موقع بھی مل گیا۔

اچانک فون کی گھنٹی بج اُٹھی۔

"ہیلو... انصاف پسند..." ایک سپاٹ اور نسوانی آواز سنائی دی۔ یہ پدمنی تھی... کمشنہ اگروال کی بیٹی اور اس کے مُنہ سے انصاف پسندوں کا نام سُن کر ٹائیگر حیرت زدہ رہ گیا۔

"نہیں... انسپکٹر داس یہاں نہیں آئے، وہ کافی دیر ہوئی چلے گئے تھے مگر اب کسی بھی وقت واپس آ سکتے ہیں۔ کیا میں انھیں آپ کو فون کرنے کے لیے کہوں؟" اس کی نرم آواز شہزاد کے خوابیدہ جذبوں کو جگانے لگی اور سوچنے لگا کہ پدمنی کا علاج آج اور ابھی کیا جا سکتا ہے۔

"شکریہ..." پدمنی کی آواز پھر سنائی دی۔ "میں اُنھیں بتا دوں گی۔" اس نے ریسیور رکھ دیا اور پھر اس صوفے پر بیٹھ گئی، جو شہزاد کو نظر آ رہا تھا۔ اس کے سامنے میز پر ایک کمپیوٹر پرنٹ آؤٹ رکھا ہوا تھا پھر وہ ایک سادہ کاغذ پر کچھ لکھنے لگی۔

اس کمرے میں ایک اور دروازہ بھی تھا اور اس پر انسپکٹر داس کا نام لکھا ہوا تھا۔

اسی لمحے شہزاد کی حسِ سماعت نے اُسے ہوشیار کر دیا۔

راہداری سے قدموں کی آواز سُنائی دے رہی تھی۔

کوئی آ رہا تھا...

پدمنی اُٹھ کر ایک کیبنٹ ڈیسک کی طرف بڑھ گئی۔ اس کی پُشت اب بھی شہزاد کی طرف تھی لہٰذا وہ موقعے سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے اندر چلا گیا اور سیدھا داس کے کمرے میں گھس گیا۔

اسے اب بھی باہر کی آوازیں صاف سُنائی دے رہی تھیں۔ دو مرد باتیں کر رہے تھے۔ ان میں سے ایک آواز داس کی تھی اور دوسری اُسی سرپندر کی تھی جسے لڑکی کو قتل کرنے کی ذمّے داری سونپی گئی تھی۔

شہزاد کو اس کی چھٹی حس نے خبردار کیا کہ وہ فوراً چھپنے کی جگہ تلاش کر لے۔ اس نے اِدھر اُدھر دیکھا مگر کوئی چیز نظر نہیں آئی۔ کمرے میں لکڑی کی ایک الماری ضرور موجود تھی جو قدرے چوڑی تھی اور اس میں وہ کھڑا بھی ہو سکتا تھا کیوں کہ اندر شیلف نہیں تھے۔

اس نے اسی میں بہتری سمجھی کہ الماری ہی میں چھپ جائے۔ اس کی ٹانگیں خم کھا گئیں اور گردن الماری کی چھت سے ٹکرانے لگی۔

"لڑکی تو بہت خوب صورت ہے۔" کوئی کہہ رہا تھا۔

اسے اچانک ہی الماری کا دروازہ بند کر لینا پڑا کیوں کہ داس اور سرپندر اُسی کمرے میں آ رہے تھے۔

"ہاں... میری بہت مدد کرتی ہے۔" یہ داس کی آواز تھی...

"بس یہ سمجھ لو کہ میری دستِ راست ہے۔ بیٹھو سرپندر... اور بتاؤ کہ کیا ہوا؟"

شہزاد نے الماری کے کواڑ سے کان لگا دیے۔ اُسے الماری میں بند ہو کر پسینہ آنے لگا لیکن اُسے یہ سب کچھ برداشت کرنا تھا۔

شاید کو قتل کرنا بہت آسان ثابت ہوا۔ میرا خیال ہے کہ وہ دل کا مریض تھا۔ مجھے دیکھتے ہی غش کھا کر گر گیا اور پھر ہوش میں نہیں آیا لیکن ساحرہ... وہ کہاں گئی، اس کا مجھے علم نہیں۔"

"کوئی بات نہیں... بھاگ کر کہاں جائے گی۔ اصل مجرم تو وہی ہے۔ اُسی نے ان دونوں پولیس والوں کو گولی ماری تھی جو اس کے گھر میں چوری کی نیت سے داخل ہوئے تھے۔"

"اب تم اپنے تھانے واپس جاؤ گے؟"

"ہاں... میرے آدمی پہلے ہی واپس پہنچ چکے ہوں گے۔"

"تیار رہنا... اگلے مہینے ہم اس تنظیم کا باقاعدہ اعلان کریں گے جو ایک ملک گیر کنونشن میں ہو گا۔"

"مگر اس سے کیا حاصل ہو گا داس؟"

"حاصل کیا ہو گا؟ واہ... یہ بھی تم نے خوب کہی۔ ہم اس ملک کا سب سے طاقت ور گروپ بن جائیں گے سرپندر! اور کوئی بھی ہماری رائے نظر انداز نہیں کر سکے گا۔ ہم چالیس افراد جنھوں نے اس مشن کو شروع کیا تھا ملک کے طاقت ور ترین لوگوں میں شامل ہوں گے۔"

"اور پھر تم انتخابات میں کھڑے ہو جاؤ گے۔" سرپندر نے ہنستے ہوئے کہا۔

"ہاں... اور ممکن ہے ہم اپنے حلقوں سے انتخاب جیت کر حکومت بھی قائم کر لیں... پولنگ اسٹیشنوں پر اپنی مرضی کے نتائج تیار کرنے سے کوئی بھی ہمیں نہیں روک سکے گا۔ ہم ملک کے تمام مانیٹیل اور تھانوں کے خاکروب تک اس تنظیم میں شامل کر لیں گے۔ یہ لوگ ہمیں سیاست دانوں کے بارے میں اطلاعات فراہم کیا کریں گے اور ہمیں علم ہوتا رہے گا کہ وہ کیا سوچ رہے ہیں، کیا کر رہے ہیں، ہمیں ان کی کمزوریاں معلوم ہوں گی تو ہم انھیں بلیک میل کریں گے اور سیاسی پارٹیوں پر قبضہ کر لیں گے۔ سیاست داں ہمارے اشاروں پر ناچا کریں گے جو ہماری مخالفت کرے گا، ہم اسے راستے سے ہٹا دیں گے، ہم ملٹری انٹیلی جنس پر بھی بھاری ثابت ہوں گے۔

"ناکامی کا تو کوئی خدشہ نہیں۔"

"ہرگز نہیں۔ ہمارا منصوبہ مکمل اور ٹھوس ہے۔ ہمیں ان لوگوں کی بھی حمایت حاصل ہوگی جو ہماری پناہ میں ہیں۔ جو ہمیں بھتے دیتے ہیں۔ میری خواہش یہ ہے کہ ہمارا آدمی وزیرِ اعلا ہو۔"

"بھگوان کرے کہ ایسا ہی ہو۔"

"سنو۔ اگلے ہفتے اگر مال تمام نمبروں کو ٹیلی گرام بھیج دے گا۔ جس میں کنونشن کے بارے میں اطلاعات ہوں گی اسی کنونشن میں جرائم کے خلاف جنگ کا اعلان ہوگا اور اسی کے پردے میں ہمارا آپریشن جاری رہے گا خواہ مرکزی حکومت اس کی حمایت کرے یا نہ کرے۔"

اس کے بعد شہزاد نے کرسیاں کھسکنے کی آوازیں سنیں اور پھر پدمنی کی آواز سنائی دی۔ "کیا ہو رہا ہے داس؟"

"مستقبل کی باتیں کر رہے تھے۔" داس نے ہنستے ہوئے کہا۔ "یہ تمھارے ہاتھ میں کیا ہے؟"

"پاپا کے لیے سائنہ کا تحفہ۔ الماری میں رکھنے جا رہی ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔ میں سریندر کے ساتھ نیچے جا رہا ہوں جلد ہی واپس آجاؤں گا۔ تمھیں ڈر تو نہیں لگے گا؟"

"اوہ نہیں۔ میں اتنی بزدل بھی نہیں ہوں۔"

شہزاد نے قدموں کی آواز سے محسوس کیا کہ وہ دونوں کمرے سے چلے گئے ہیں۔ پھر اسے پدمنی کے قدموں کی آواز سنائی دی جو لمحہ بہ لمحہ اس کی طرف آرہی تھی۔

معاً الماری کا دروازہ بھلا اور روشنی شہزاد کے چہرے پر پڑی۔

پدمنی ٹھٹک کر رہ گئی۔

اس نے شہزاد کو بڑی حیرت سے دیکھا اور پھر چیخ مارنے کی کوشش کی مگر شہزاد نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ پھر اسے اندر کھینچ کر دروازہ بند کر لیا۔ اب وہ رو رہا تھا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ حقیقی آنسو اور پدمنی کی سانسیں اس کے سینے پر گر رہی تھیں۔

وہ حیرت زدہ رہ گئی کیونکہ اس کے سامنے... نہیں... اس کے قریب شہزاد جیسا وجیہہ نوجوان رو رہا تھا۔ پھر اس نے پدمنی کے منہ سے ہاتھ ہٹا لیا۔

"تم یہاں کیا کر رہے ہو؟" پدمنی کی حیرت اب بھی ختم نہیں ہوئی تھی تاہم وہ خوفزدہ نہیں تھی کیونکہ روتے ہوئے مرد سے کوئی بھی نہیں ڈرتا۔ "تم شہزاد ہو نا۔ وہی جو اس روز مجھے قلم دے رہا تھا؟"

"ہاں... میں تمھیں دیکھنے آیا تھا۔" شہزاد نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔ "ٹائیگر، پدمنی پر یہ ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ وہ خوفزدہ ہے اور پدمنی اس سے برتر ہے۔ صرف یہی ایک طریقہ پدمنی کی نفسیاتی کیفیت کو معمول پر لا سکتا تھا۔

"مگر کیوں...؟"

"بس... تمھیں دیکھنے کو جی چاہ رہا تھا۔"

"تو اس طرح کیوں ملنے آئے ہو۔ سیدھے طریقے سے ملنے آتے...؟"

"میں ڈر رہا تھا کہ کہیں تم مجھے دھتکار نہ دو۔"

پدمنی پہلی بار مسکرائی... اب وہ اُسے بغور دیکھ رہی تھی۔ الماری میں درزوں سے آنے والی روشنی کافی تھی اور وہ ایک دوسرے کو بغور دیکھ سکتے تھے۔

"بھلا میں کیوں ہنس رہی ہوں؟"

"لڑکیاں مجھے دیکھ کر عموماً ہنسنے لگتی ہیں۔" ٹائیگر نے مسکرا کر کہا اور پدمنی کو پہلی بار کسی سے بے پناہ محبت ہوگئی۔

✪

"تم بہت اچھے آدمی ہو۔ مجھے ایسے مرد پسند نہیں جو عورتوں پر حکم چلاتے ہیں۔ تم واحد شخص ہو جس پر میں نے حکم چلایا ہے۔"

وہ الماری سے نکل آئے اور ابھی ڈرائنگ روم میں صوفے پر بیٹھے ہی تھے کہ شہزاد کو عقب سے ایک آہٹ سنائی دی۔ وہ اچھل کر کھڑا ہوگیا۔

اس نے پلٹ کر دیکھا۔

داس، ریوالور سنبھالے اس کے سامنے کھڑا تھا۔ پدمنی بھی کھڑی ہوگئی۔ اس کی زلفیں پریشان تھیں اور بلاؤز سلوٹ آمیز تھا۔ شہزاد کو داس کے چہرے پر خونخواری نظر آنے لگی۔ وہ چوکنا ہوگیا کیونکہ داس کی آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا۔

وہ ایک قدم پیچھے ہٹا مگر داس ایک قدم آگے آگیا۔ دونوں آنکھوں میں آنکھیں ڈالے ایک دوسرے کو گھور رہے تھے۔

"تم یہاں کیا کر رہے ہو شہزاد؟" داس نے غرا کر پوچھا اسی لمحے ایک زوردار آواز پیدا ہوئی اور وہ سب اچھل پڑے۔

داس، ٹائیگر کی طرف لپک پڑا۔ اس کے دانت کسی خونآشام بھیڑیئے کی طرح چمک رہے تھے۔

ٹائیگر کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔

داس اس وقت ایک خونخوار بھیڑیا ہی لگ رہا تھا لیکن شہزاد بھیڑیوں کا شکاری تھا۔ اس کی آنکھوں میں ایسی چمک تھی کہ راست اس سے نگاہیں ملانا ممکن نہیں تھا۔ داس کا غصہ بڑھتا تھا اور اس کی مٹھیاں بھنچ گئی تھیں۔ یوں لگتا تھا، جیسے وہ شہزاد پر گولیاں فوج ڈان چاہتا ہو... لیکن اسی لمحے ایک زوردار دھماکا ہوا۔ اس آواز نے کمرے میں موجود ہر فرد کو اچھل جانے پر مجبور کر دیا... اور داس شاید کسی ایسے ہی لمحے کا منتظر تھا۔ اس نے ٹائیگر پر جھپٹ لگا دی۔

ٹائیگر اس کی طرف سے بے خبر نہیں تھا۔ وہ آخری ساعت کا انتظار کر رہا تھا۔ کمرے میں موجود پدمنی بھی حیرت زدہ رہ گئی۔ اس کا خیال تھا کہ داس، ٹائیگر کو پیس ڈالے گا لیکن وہ آخری لمحے میں یوں آسانی سے ہٹ گیا جیسے ٹھوس جسم کی بجائے، محض ہوا کا ایک جھونکا رہا ہو۔ داس خود کو سنبھالتے سنبھالتے بھی دیوار سے جا ٹکرایا۔ غیر ارادی طور پر داس کے دونوں ہاتھ آگے بڑھ گئے تھے اس لیے تصادم ہاتھوں اور دیوار کے درمیان ہوا۔ دوسری صورت میں اس کے نقش و نگار پاش پاش ہو سکتے تھے۔

"یہ تم کیا کر رہے ہو، داس؟" پدمنی چیخ پڑی۔

"میں... میں..." وہ غصے سے بلبلا کر رہ گیا۔

"پہلے باہر جا کر دیکھو کہ یہ دھماکا کیوں ہوا تھا۔" یہ کہتے ہوئے ٹائیگر اور داس کے درمیان آگئی۔ اس کے انداز سے دکھائی دے رہا تھا۔

داس یوں لرزنے لگا جیسے پھٹنے سے پہلے کوئی آتش فشاں پھٹنے والا ہے۔ ٹائیگر کے تجربہ کار کانوں نے محسوس کر لیا تھا کہ باہر کھڑا ہوا دھماکا کسی گاڑی کا ٹائر پھٹنے کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ شاید داس نے بھی محسوس کی تھی۔ غالباً اسی لیے وہ اپنی جگہ سے ہلا تک نہیں۔

"تم یہاں کیا کرنے آئے تھے؟" انسپکٹر داس نے ٹائیگر کو گھورتے ہوئے پوچھا۔ اس کی شہزاد سے کوئی دشمنی نہیں تھی لیکن پدمنی کو اس طرح ایک کمرے میں تنہا دیکھ کر اس کی کھوپڑی سلگ اٹھی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ پدمنی اس کی دھمکیوں کا مجسمہ ہے جب کہ اس نے کبھی گھاس نہیں ڈالی تھی... اور اب بھی وہ شہزاد کی حمایت کر رہی تھی۔

شہزاد کا رویہ یکایک بدل گیا۔ وہ بولا تو انداز ایسا ہی تھا کچھ دیر قبل وہ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے نہیں تھے بلکہ ان کے درمیان گاڑھی چھن رہی ہو۔ "بس یوں ہی..." اس نے پدمنی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "ادھر سے گزر رہا تھا، سوچا کہ ان سے بھی ملتا چلوں۔" اس کے لہجے میں بے پناہ معصومیت تھی۔

"ہماری پہلی ملاقات، تمھارے دفتر کے باہر ہوئی تھی۔" پدمنی نے تصحیح کر دیا۔

داس بل کھا کر رہ گیا۔ وہ پدمنی کی لپ اسٹک کی اڑی اڑی سی رنگت اور پریشان بال دیکھ کر بہت کچھ سمجھ چکا تھا۔ اسے حیرت تھی کہ مردم بیزار پدمنی، شہزاد سے اس قدر قریب کیسے آگئی؟ وہ تو مردوں کو چھڑی سے بھی چھونا پسند نہیں کرتی تھی۔ "بہتر ہوگا کہ اب تم یہاں سے چلتے پھرتے نظر آؤ۔" وہ ناگواری سے بولا۔

"او۔ کے۔" ٹائیگر نے سر تسلیم خم کرتے ہوئے کہا۔ "پھر ملیں گے۔"

"میں، تمھیں فون کروں گی، شہزاد۔" کشمیر زادی کا انداز والہانہ تھا۔

داس کو یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے اس کا دل مٹھی میں جکڑ کر پوری قوت سے دبا دیا ہو۔ ٹائیگر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ اس کی چال دیکھ کر پدمنی کی دھڑکنیں بے ترتیب ہوگئیں اور داس بھی سانس روکنے پر مجبور ہوگیا۔ دونوں اسے یوں دیکھ رہے تھے جیسے وہ کوئی ماہر رقاص ہو اور ان کے سامنے رقص کا کوئی انوکھا انداز پیش کر رہا ہو۔

"کتنی دل فریب... کتنی پُرکشش..." پدمنی بڑبڑائی۔

"کیا چیز؟" داس محویت سے چونک کر بولا۔

"چال... تم نے دیکھا، اس کی چال کیسی مستانہ ہے۔"

"ہونہہ۔" داس نے بُرا سا منہ بنا کر تبصرہ کیا۔ "مردوں کی چال میں مردانگی ہونی چاہیے... دوسری جنس کی طرح لپک لپک کر چلنا مردوں کو زیب نہیں دیتا... اور تمھیں اس کی چال پسند آرہی ہے۔"

"یہ خوابوں کے شہزادوں جیسی چال ہے۔" پدمنی نے مسحور ہوتے ہوئے کہا۔ "بادلوں کے اس پار سے آنے والوں کی دل موہ لینے والی چال... لیکن تم ان باتوں کو کیا جانو۔ ان باتوں کا تعلق صرف احساس سے ہے اور جو کچھ کوئی عورت محسوس کر سکتی ہے، اسے ہاتھیوں کی طرح جھوم جھوم کر چلنے والے نہیں سمجھ سکتے۔"

یہ داس پر ایک براہِ راست چوٹ تھی لیکن وہ ہنس کر سہہ گیا۔

"بہرحال..." وہ کچھ دیر بعد بولا۔ "مجھے یہ شخص بالکل پسند نہیں آیا۔"

"وہ کیوں؟" پدمنی نے بکھرے ہوئے بالوں میں ہیئر پن لگاتے

ہُوئے پُوچھا۔ اس کا چہرہ ناقابلِ یقین حد تک شگفتہ تھا۔ آنکھیں چمک رہی تھیں اور اس کے کھڑے ہونے کے انداز میں نسوانی وقار کی انتہا تھی۔ اس کا یہ روپ داس نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اب جو اس پر نظر پڑی تو وہ اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔

"تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔" پدمنی نے بڑی ادا سے پوچھا۔ "یہ شخص تمھیں کیوں اچھا نہیں لگتا؟"

"اس لیے کہ یہ درندہ لگتا ہے۔" داس نے کہا۔ اس کے انداز میں وحشیانہ پن ہے۔ جب یہ چلتا ہے تو یوں لگتا ہے جیسے کوئی شیر، شکار کی تلاش میں بے چینی سے کہیں جا رہا ہو۔"

"شیر... یعنی ٹائیگر..." وہ مسکرانے لگی۔ "تم نے اسے کتنا اچھا نام دیا ہے، داس! واقعی اس کا نام شہزاد کی بجائے ٹائیگر ہی ہونا چاہیے تھا۔" یہ کہہ کر اس نے داس کی آنکھوں میں دیکھا تو وہ خود کو بہت گہرائی میں محسوس کرنے لگا۔ خود پدمنی کی آنکھوں میں کسی شیرنی جیسی چمک پیدا ہو گئی تھی اور داس حیرت سے سوچ رہا تھا کہ ایسا پہلے تو کبھی نہیں ہُوا۔

* *

ٹیلی فون کی گھنٹی بج رہی تھی۔

ٹائیگر نے فون کی طرف دیکھا اور بڑبڑانے لگا۔ "یہ آلہ جس کسی نے بھی ایجاد کیا ہے، یقیناً اس کی زندگی میں کوئی عورت داخل نہیں ہُوئی ہو گی۔" اس نے ریسیور اُٹھا لیا اور زور سے بولا۔ "شہزاد...."

"میں بہرام بول رہا ہوں۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"اوہ، سویٹ ہارٹ!" ٹائیگر کھِل اُٹھا۔ "میں سمجھا شاید کسی ایسی خاتون کو بالآخر مجھ پر رحم آ گیا ہے جس کے چہرے پر اَن گنت بھنورے بھنورے تل ہیں۔"

"بکواس بند کرو۔" بہرام کا مُوڈ خراب ہو گیا۔

ٹائیگر نے فوراً سلسلہ منقطع کر دیا اور اُوشان کی طرف دیکھ کر سیٹی بجانے لگا جو کمرے کے وسط میں کسی مجسمے کی طرح ساکت بیٹھا تھا۔ کنول کے آسن میں اس کا مختصر سا وجود کسی آرائشی بُت جیسا ہی لگ رہا تھا۔

فون کی گھنٹی پھر بجنے لگی۔

ٹائیگر نے ریسیور اُٹھا لیا۔ "شہزاد بول رہا ہُوں۔" اس نے سرسری لہجے میں کہا۔

"تم نے فون کیوں بند کر دیا تھا؟"

"آپ کے حکم کی تعمیل اور بھلا کیسے ممکن تھی؟"

"کیا تم چاہتے ہو کہ میں اُوشان سے کہہ کر تمھاری زبان گُدی سے کھنچوا لُوں؟" اس بار بہرام کا لہجہ بے حد خراب تھا۔

"اُوشان نے یہ دھندا چھوڑ دیا ہے، سویٹ ہارٹ اس وقت آپ کا مُوڈ کچھ زیادہ ہی خراب معلوم ہوتا ہے، کیا حکم ہے؟"

"اوپر تلے ایسے واقعات ہو رہے ہیں جن کے باعث، کے ایوان میں رہنے والی شخصیت کو بے حد تشویش ہے۔"

"ایوانوں میں رہنے والے عموماً کسی نہ کسی تشویش میں ہی ہیں۔ جھونپڑوں میں رہنا اس اعتبار سے واقعی صحت مند ہے۔"

"حالات بے حد خراب ہیں، ٹائیگر!" بہرام کا لہجہ سرد تھا۔

"اور بھی خراب ہو سکتے ہیں۔" اس بار ٹائیگر کے لہجے خنکی کا بے پناہ تاثر پیدا ہو گیا تھا۔

"آخر تم سنجیدگی سے اپنی رپورٹ کیوں نہیں پیش کرتے؟" جھلا گیا۔

"رپورٹ کیا خاک پیش کروں۔ کُل چالیس آدمی ہیں، کچھ کر رہے ہیں۔" ٹائیگر نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "اور ان تعلق پولیس سے ہے۔"

"چالیس... صرف چالیس...؟" بہرام چیخ پڑا۔ "نامکمل کہیں تمھیں غلط اعداد و شمار تو نہیں ملے؟"

"نہیں... یہ اعداد و شمار، انصاف پسندوں کے ایک نے بتائے ہیں۔"

"اوہ، وہ شخص اب کہاں ہے؟"

"ایک کوڑے دان میں پڑا ہے۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔

"یہ کیسے ممکن ہے، شہزاد! تم خود ہی سوچو۔ کیا صرف افراد اتنے بڑے مُلک میں تخریب کاروائیاں کر سکتے ہیں؟"

بہرام خاموش ہو گیا جیسے بولتے بولتے کسی گہری سوچ میں ڈ ہو۔ قدرے توقف سے اس کی آواز دوبارہ سُنائی دی۔ ممکن ہے۔"

"بس ایک ہی چیز ممکن نہیں، چیف! ورنہ دُنیا میں با کچھ ممکن ہے۔"

"تم گدھے ہو۔" بہرام کی ڈانٹ میں پیار کی آمیزش تھی ان لوگوں کے پاس کوئی ایسا کمپیوٹر ہو گا جو شیڈول اور سا انتظامات جدید ترین انداز میں ترتیب دیتا ہے۔"

"ہاں، کمپیوٹر کا امکان تو ہے۔"

"تو پھر وہ جو کوئی بھی ہے، اس کی ذہانت سے انکا

بہرام نے اَن دیکھے دُشمن کی تعریف کی۔ "تمھاری رپورٹ سے سامنے آیا ہے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان انصاف پسندوں کا لیڈر کے علاوہ کوئی اور نہیں ہو سکتا۔"

"یہ بات فی الحال وثوق سے نہیں کہی جا سکتی۔" ٹائیگر نے جواب دیری دانست میں اس کے ہاتھوں مکافاتِ عمل کا سلسلہ جاری یہ کہہ کر اُس نے ریسیور رکھ دیا اور گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

"کیا بات ہے، فرزندِ ارجمند۔ کچھ سوچ رہے ہو، کیا؟" اُوشان کی سُنائی دی۔ جونہ جانے کب اُٹھ کر اُس کے قریب آ کھڑا ہُوا تھا۔

"اُوں... نہیں... کچھ نہیں۔" ٹائیگر چونک پڑا۔

"میرا مشورہ ہے کہ ان انصاف پسندوں کے سلسلے میں سوچنا دو۔ میرے نزدیک وہ اچھے لوگ نہیں ہیں بظاہر تو وہ ان لوگوں فایا کر رہے ہیں جو معاشرے کا ناسور کہلاتے ہیں لیکن مجھے یقین ہے لوں نے اس آڑ میں کوئی گھناؤنا فعل شروع کر رکھا ہے... ہیں معاشرے کو ایسے ہی لوگوں سے پاک کرنا ہے۔"

"لیکن ببّل فادر، وہ قانون کے محافظ ہیں۔ میں بھی قانون حافظ ہوں۔ ایسے میں میں اپنے ہی جیسے لوگوں کو کیسے قتل کر ہُوں؟"

"میں تمھیں پہلے بھی ایک بار سمجھا چکا ہوں کہ قانون اور اف کی بالادستی برقرار رکھنے کے لیے رشتے بے معنی ہو جاتے خُدا کی قسم اگر تمھاری بے پناہ طاقت تخریب کی طرف مائل ہو ئے تو تمھیں صفحۂ ہستی سے مٹانے کا عزم کرنے والا سب سے شخص اُوشان ہی ہو گا۔"

"اوہ، ببّل فادر... اتنا جوش و خروش۔" ٹائیگر مُسکرا کر بولا۔ جانتا ہوں کہ آپ کا ہاتھ مجھ پر جب بھی اُٹھے گا، اس میں ت کا مہلک تاثر نہیں بلکہ شفقت اور محبت کی آمیزش ہو گی۔" کردہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

ٹائیگر دروازے سے گزر کر اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا ن اُوشان کی ساکت آنکھیں ابھی تک دروازے پر جمی ہُوئی تھیں اس دن کو یاد کر رہا تھا، جب بہرام نے اُسے حکم دیا تھا کہ ٹائیگر کو ا کر دیا جائے... تب وہ کس قدر بے بس ہو گیا تھا۔ اس نے دل ولا تو اُسے شہزاد کی بات ٹھیک ہی محسوس ہُوئی۔ وہ ایک طویل س لے کر بیرونی دروازے کی طرف چل دیا۔

رات بے حد تاریک تھی۔

سیاہ کاروں کے سیاہ دلوں جیسی اس سیاہ رات کے سیاہ ن میں، ایک حویلی بقعۂ نُور بنی ہُوئی تھی۔ یہ ایک قدیم حویلی تھی اور اس کے گرد سخت پہرہ تھا۔ اندر مُلک کی ممتاز صنعت کار رونیا نے ایک جشنِ طرب منعقد کر رکھا تھا۔ مدعوین میں مُلک کے نامور سرمایہ دار ہی نہیں، سیاست داں بھی موجود تھے۔ ساغر و مینا کی گردش نے ان سب کو ایک ہی صف میں کھڑا کر دیا تھا۔ کھنک دار لیکن بھدّے قہقہوں سے قالین پوش ہال کمرہ گونج رہا تھا۔ تہذیب مُنہ چھپائے حویلی کے دُور افتادہ گوشوں میں سسک رہی تھی اور اخلاقی قدروں کا پرچار کرنے والے سرِ محفل، عریانیوں کے اتھلے دریا میں بہہ رہے تھے۔ رونیا، اپنی دولت سے خریدے ہُوئے ان لمحوں میں ایک ایسا کھیل کھیلنے میں مصروف تھی، جو اس کی تجوریوں میں سونے اور ہیرے جواہرات کا ڈھیر لگا سکتا تھا۔

ہال کمرے کا ایک گوشہ تاریک تھا۔ اس تاریک گوشے میں ایک آنکھ نہ صرف سب کچھ دیکھ رہی تھی بلکہ وہ سب کچھ محفوظ بھی کرتی جا رہی تھی۔ یہ کیمرے کی آنکھ تھی جو بے حیائی کے ان مناظر کو فلم کے فیتے پر منتقل کر رہی تھی۔ رونیا کو اُمید تھی کہ یہ فلم اُسے سیاسی طور پر ہی نہیں صنعتی طور پر بھی بے پناہ ترقی دینے کا باعث بنے گی... بلکہ میل کرنے کے لیے اس فلم سے زیادہ مستند و ستا ویز بھلا اور کیا ہو سکتی تھی۔

اچانک ہال تاریک ہو گیا۔

... پھر یوں محسوس ہُوا جیسے اندھیرا بول اُٹھا ہو۔ ایسی ایسی آوازیں گونجیں کہ رونیا جیسی فاحشہ بھی چکرا گئی... لیکن یہ تاریکی اس منصوبے کا حصّہ نہیں تھی۔ وہ سب کچھ اُجالوں میں ہوتے دیکھنا چاہتی تھی کیوں کہ اندھیرے میں کیمرے کی اندھی آنکھ کچھ بھی نہیں دیکھ سکتی تھی۔

اس سے پہلے کہ وہ کوئی حکم دیتی۔ بولتے اندھیروں پر روشنی پھیل گئی۔ ایک ہی ساعت میں اَن گنت لباس، اخلاقی حدوں کے اندر واپس آ گئے۔ رونیا کی آنکھوں نے جو کچھ دیکھا، اُسے دیکھ کر خود اس کی نظریں بھی جُھک گئیں لیکن وہ دل ہی دل میں اپنی ذہانت کو سراہ رہی تھی۔ اُسے بے پناہ خوشی تھی کیوں کہ اسے اندازہ تھا کہ جن چہروں کو وہ اپنے ہاں مدعو کر رہی ہے، وہ شراب و شباب کی فضا میں جلد ہی اپنی اپنی نقابیں اُلٹ دینے پر مجبور ہو جائیں گے... لیکن یہ کیا؟

اس کی نگاہ دروازے پر جم گئی۔

وہاں جو کچھ اس نے دیکھا، لمحے بھر کے لیے ایک خوف ناک خواب ہی محسوس ہُوا... پھر یقین کی لہریں اس کے دماغ پر غالب آ گئیں تو وہ سوچنے پر مجبور ہو گئی۔ صرف ایک ہی لمحے کی سوچ نے اس کے قلب و ذہن پر خوف کی تھرتھری پیدا کر دی۔ اس کی آنکھیں بڑی

آہستگی سے لیکن بڑے تسلسل سے پھیلتی چلی گئیں حتیٰ کہ اس مقام پر یہ پھیلاؤ کی حالت ختم ہوئی جہاں سے ذرا سا بھی مزید پھیلاؤ اُس کی آنکھوں کو چیر کر ڈھیلے نکال پھینکنے میں کامیاب ہو جاتا۔

دروازے میں دو پولیس مین کھڑے تھے۔

ان کے ہاتھوں میں سب مشین گنیں دبی ہُوئی تھیں۔

ہال میں یوں خاموشی چھا گئی جیسے ہر فرد کو سانپ سُونگھ گیا ہو۔ ہر فرد کسی اَن دیکھی جادُوئی چھڑی کے زیرِ اثر پتھر اکر رہ گیا تھا۔ دربانے میں اِستادہ پولیس مین کسی سے مخاطب نہ ہُوئے۔ انھوں نے کسی کی طرف توجہ نہیں دی۔ ... بلکہ میکانکی انداز میں چلتے ہُوئے اس تاریک گوشے کی طرف بڑھنے لگے جہاں کیمرے کی آنکھ بھی حیرت سے اُنھیں دیکھ رہی تھی۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے اُنھیں کسی کا کوئی خوف نہ ہو... پھر ایسے لوگوں کو کسی مداخلت کی توقع بھی کیسے کی جا سکتی تھی جو خود اپنا آپ چھُپانے میں مصروف تھے جیسے ان کے بس میں ہوتا تو وہ زمین میں دھنس کر اپنی مکروہ ہستی کو چھُپا لیتے۔

تاریک گوشے میں پہنچ کر اُنھوں نے پوشیدہ کیمرہ اُٹھایا اور ایڑیاں بجاتے ہُوئے جیسے آئے تھے، اُسی انداز میں واپس چلے گئے۔ وینا پھٹی پھٹی آنکھوں سے اَب بھی انھیں دیکھ رہی تھی۔ ... پھر آہستہ آہستہ وہ فرش پر جھکتی چلی گئی حتیٰ کہ اس کا حسین سراپا، کپڑوں کا ایک بے ترتیب سا ڈھیر دِکھائی دینے لگا تھا۔



وہ قانون کا محافظ ہی نہیں، قانوں کا قاتل بھی تھا۔ عام قاتلوں کی طرح اس کے سینے میں بھی پتھر کا ٹکڑا رکھا تھا لیکن پدمنی ایسے حسن و جمال کی مالک تھی کہ اگر اس کا قدم کسی چٹان پر بھی پڑ جاتا تو وہ چٹان تک پگھل جاتی تھی، ایسے میں داس کے دل کا معمولی سا پتھر بھلا کیا حیثیت رکھتا تھا۔ آج کل وہ بے پناہ اذیت میں تھا۔ جب سے اس نے پدمنی کو انوکھے رُوپ میں دیکھا تھا، اس کی حالت ہر گزرتی ہُوئی ساعت کے ساتھ ساتھ ابتر ہوتی جا رہی تھی۔ اسے یقین ہو گیا تھا کہ شہزاد اور پدمنی کچھ دیر کے لیے بَرہی سہی لیکن ایک دُوسرے سے بے حد قریب رہ چکے ہیں۔ اتنے قریب کہ محض اس کی خواہش ہی اُسے ہلاک ہو جانے پر مجبور کر دیتی ہے۔

وہ لمحات داس کے سینے کانٹوں سے بھری ہُوئی لمحات بن گئی تھی۔ ہر ساعت سوچ کا ایک نیا ہرا بھرا کانٹا، اس کے دل میں چُبھتا اور اُس کی رُوح تک بلبلا اٹھتی تھی۔ اس لمحات شہزاد کے جانے کے بعد اس نے پدمنی سے پُوچھا تھا، "کیا تم دونوں میں محبت ہو گئی ہے؟"

"ہاں..." پدمنی نے ذرا سا بھی شرمائے بغیر بڑے فخریہ لہجے میں جواب دیا تھا۔

"تم نے مجھے اس قابل کیوں نہیں سمجھا؟" وہ حرفِ شکایت زبان سے ہی ادا کر پایا۔

"اس لیے کہ تم سوچتے ہو اور وہ پہل کر گیا۔ محبت کے قلعے فتح ہونے کے لیے فاتح کا اقدام کرتے رہتے ہیں۔ جوان قلعوں کی شان و شوکت سے مرعوب ہو کر سوچتے رہ جاتے ہیں، وہ کبھی فاتح نہیں بنتے اور جو اس جاہ و حشمت کو اپنے پیروں میں جُھکا لیتے ہیں، وہ بازی لے جاتے ہیں۔" کہتے ہُوئے پدمنی نے اُسے ایسی نگاہوں سے دیکھا تھا جیسے وہ کوئی نابود ہستی ہو۔

شہزاد کے بارے میں داس کو پہلے یہ شبہ تھا کہ وہ کسی خفیہ ایجنسی کا پیشہ ور گرگہ کا آدمی ہے جس نے دولت کے بل بوتے پر کوئے ہیڈ کوارٹر کو خرید لیا ہے... لیکن پدمنی کی محبت حاصل کر کے وہ داس کا رقیب بن گیا تھا۔ داس کسی رقیب کو زندہ دیکھنا ہرگز پسند نہیں کرتا تھا۔ سوچتے سوچتے وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ اسے شہزاد کو راستے سے ہٹانا ہی پڑے گا۔ اسے قتل کے مقدمے میں پھنسا کر کے پھانسی چڑھا دینا، داس کے لیے کوئی مشکل کام نہیں تھا اس لیے وہ یہ سوچ کر مطمئن ہو گیا۔

شہزاد کو راستے سے ہٹانے کا فیصلہ کرنے کے بعد اُسے سکون محسوس ہونے لگا۔ سینے کی گھٹن کم ہو گئی تو وہ مستقبل کے حسین خوابوں میں کھو کر رہ گیا۔ نیند کی وادیوں میں اس کے خوابوں کی شہزادی اس کے قریب آ گئی اور وہ اس کا ہاتھ تھام کر اُسے دُور نکل گئی جیسے بالآخر دونوں پریتاں اُفق کے اس پار جا کر فضاؤں میں گم ہو گئی ہوں۔



وہ دفتر پہنچا تو بے حد سرور تھا حالانکہ نیند کی دیوی رات بہت دیر بعد اس پر مہربان ہُوئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں سُرخی تھی اور اس سُرخی میں رات کے خواب کا نشہ اب بھی تیر رہا تھا۔ پدمنی اس سے پہلے ہی دفتر پہنچ چکی تھی۔ وہ اسے دیکھ کر دروازے ہی میں ٹھٹک گیا۔ پہلے یہ لڑکی اُسے محض ایک ڈیکوریشن پیس نظر آیا کرتی تھی جبکہ آج اس آرائشی مجسمے میں جان پڑ گئی تھی اور اسے زندہ قیامت کے علاوہ کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا۔ اسکرٹ اور بلاؤز میں ملبوس تھی۔ اس کے عارض تازہ گلاب تھے تو آنکھیں روشن دیپ لگ رہی تھیں۔ اس کی ہستی پر چھائی ہوئی یہ بہار اور آنکھوں کا چراغاں جس شخص کا مرہونِ منت تھا، اس کی سانسیں، داس کے نزدیک گنی جا چکی تھیں اس لیے وہ زیرِ لب مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔

پدمنی نے اس کی طرف مسکراتی ہُوئی نظروں سے دیکھا تو وہ دل ہی دل میں اپنی شکست پر شرمسار ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ وہ اس کی طرف دیکھ کر اثبات میں سر ہلاتا ہُوا اپنے دفتر میں چلا گیا۔

اس روز، اس نے دن بھر کوئی کام نہیں کیا۔ بس صرف ٹیلی فون ہی کی تھیں۔ تین مختلف افراد کو فون پر ہدایت کی تھی کہ وہ ڈیوٹی ختم کرنے کے بعد اس سے انصاف پسند تحریک کے دفتر میں ملاقات کریں۔

اس ملاقات میں وہ شہزاد کی قسمت کا فیصلہ کرنا چاہتا تھا۔

... اور یہ فیصلہ تو وہ قبل از وقت ہی کر چکا تھا... موت... صرف... صرف موت... شہزاد کی موت...

"مجھے اُمید ہے کہ تم لوگ اچھی طرح سمجھ گئے ہو گے۔" داس نے اپنے تینوں افسروں کی طرف دیکھتے ہُوئے کہا، جن کے چہروں پر اُسے تذبذب کے نشان نظر آ رہے تھے۔

"ہاں..." راجیش نے اثبات میں سر ہلا کر کہا۔ "لیکن میں حیران ہوں کہ اس شخص کا نام ہماری فہرست میں شامل نہیں تھا۔ اسے دوستوں کی فہرست میں رکھا گیا تھا... پھر یہ بات خلافِ اصول ہے کہ اس شہر کا رہنے والا قتل کرے۔ ضابطے کے مطابق اس کے لیے ہمیں باہر سے آدمی طلب کرنے پڑیں گے۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو۔" داس نے اس کے اعتراض کی تائید میں کہا۔ "لیکن ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ لہٰذا ہم باہر سے کوئی ٹیم نہیں منگوا سکتے۔ دراصل اسے راستے سے ہٹانے کی وجہ غیر معمولی ہے۔ اسے ہمارے بارے میں کُھل گن مل چکی ہے۔ اگر ہم نے کوئی فوری اقدام نہ کیا تو وہ ہمارا نقصان بھی پہنچا سکتا ہے۔" داس نے ایک جھُرجھُری لی۔ راجیش کرتے نے کہا اور سگریٹ سُلگا کر گہرے گہرے کش لگانے لگا۔ "اور کوئی سوال؟" وہ محسوس کر رہا تھا کہ راجیش اسے عجیب نظروں سے گھُور رہا ہے۔ اس کی آنکھوں میں بے یقینی اور عدمِ اعتماد کے تاثرات ہیں... لیکن جب اس نے براہِ راست اس کی آنکھوں میں جھانک کر دیکھا تو راجیش نے نگاہ جُھکا لی۔

دُوسرے ساتھی بھی خاموش بیٹھے کچھ سوچ رہے تھے۔

داس فیصلہ سُنا کر اُٹھ کھڑا ہُوا۔

"اس کے خلاف جو آپریشن ہو گا، وہ بالکل اسی انداز میں کیا جائے جیسا کہ فائرنگ رینج میں سکھایا گیا ہے... کراس فائر... کوئی غلطی نہیں ہونی چاہیے۔ نقشہ ذہن نشین کر لو۔"

اس نے پنسل سے بنا ہُوا ایک نقشہ نکال کر میز پر رکھ دیا۔ یہ شہزاد کے گھر کا نقشہ تھا اور اس میں ایک ایک چیز کی تفصیل سے نشاندہی کی گئی تھی تاکہ قاتلوں کو کسی دُشواری کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

ٹائیگر نے اُوشان کی طرف دیکھا اور پھر دونوں ہاتھ باندھ کر اُس کے سامنے یُوں کھڑا ہو گیا جیسے اس سے اگلی پچھلی ساری خطائیں معاف کرائے بغیر نہیں ہٹنے گا۔ اُوشان کا اصرار تھا کہ ڈنر میں ایک عدد بطخ پکائی جائے جبکہ ٹائیگر کو بطخوں سے گھِن آتی تھی۔ اس احتجاج کے باوجود اب تک اُوشان اُسے پندرہ بطخیں کھلا چکا تھا اور سولھویں بطخ کھانے کے خیال سے ہی ٹائیگر پر رزلے کی سی کیفیت طاری ہو گئی تھی۔

"آخر بطخ ہی کیوں؟ مختصر یہ! اور کیا سب کے سب جانور مر گئے ہیں؟"

"سُنو برخوردار!" اُوشان نے اس کی حالت سے دل ہی دل میں محظوظ ہوتے ہوئے بظاہر سنجیدگی سے کہا۔ "بطخوں میں وہ تمام ضروری وٹامنز موجود ہوتے ہیں جن کی انسانی جسم کو ضرورت ہوتی ہے۔ بعض گدھے بطخوں کو پسند نہیں کرتے اور وہ جلد مر جاتے ہیں جبکہ بطخ کا گوشت طویل عمری کا باعث بنتا ہے۔ میں تم سے چالیس سال بڑا ہوں اور مجھے توقع ہے کہ مزید ایک سو سال زندہ رہوں گا۔"

"آپ کو یہ حقیر جانور اتنا پسند ہے کہ ہنسنے کے انداز میں بھی اس کی آواز سنائی دیتی ہے۔" ٹائیگر نے کہا۔ "یقین کیجیے! میں کسی روز آدم خور بھی بن جاؤں گا۔" یہ کہتے کہتے اس کا لہجہ خوفناک ہو گیا۔

اُوشان مخصوص انداز میں ق... ق... ق کر کے ہنس پڑا۔ "اچھا اب غصہ تھوک دو۔ چلو میں تمھیں وہ بطخ دکھاؤں جو آج دسترخوان کی زینت بننے والی ہے۔" اس کے جسم پر ان گنت جھُوٹے جھُولتے دِکھتے ہیں جو تھیں...

"خدا کے لیے مسٹر فادر!" ٹائیگر اس کے پیروں میں جھک کر گڑگڑانے لگا۔ "میری جانبخشی جس پر اس قدر قتالانہ حملے نہ کریں ورنہ میں بے موت مر جاؤں گا۔"

اُوشان اُس کی آہ و زاری نظر انداز کرتا ہُوا کچن میں چلا گیا۔

ٹائیگر نے کراہتے ہُوئے ٹی۔ وی سیٹ آن کر دیا۔

ابھی رات کی خبریں ختم ہُوئی تھیں کہ اُوشان ایک بار پھر دروازے میں نمودار ہُوا اور اس نے پرانے زمانے کے خدام کی طرح ہاتھ باندھ کر جُھکتے ہوئے کہا۔ "ڈنر تیار ہے میرے آقا!"

"کیسے اُوشان!" ٹائیگر نے حتمی لہجے میں کہا۔ "اگر آپ بطخ کھلانے پر بضد ہیں تو میں اس کے ساتھ برانڈی بھی لوں گا۔"

"میں سمجھتا ہُوں، برانڈی کی جائے کھانے کے بعد موزائل کا ایک پیگ زیادہ مناسب رہے گا۔"

"موزائل تو غالباً آپ نے سارا کا سارا بطخ پکانے میں صرف کر دیا ہو گا۔"

"تمھاری معلومات قابلِ رشک حد تک احمقانہ ہیں فرزند۔" اُوشان نے مُنہ بنا کر کہا۔ "بطخ ہمیشہ سرسوں کے تیل میں لذیذ پکتی ہیں۔"

اچانک ڈوربیل گنگنانے لگی۔ دونوں ادھر متوجہ ہو گئے۔

اُوشان دروازے کی طرف چلا گیا۔ اس نے کواڑ کھولے تو ایک

لمبوترے چہرے والا شخص دکھائی دیا۔ اس کا قد بھی خاصا لمبا تھا۔ اس نے اُوشان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: "کیا آپ شہزاد احمد ہیں؟"

"یہ سنا کنجر کی شمشیر کے مالک کی توہین ہے۔" اُوشان غرّایا۔ "جو شخص بطخ کھاتا ہے، وہ شہزاد احمد بھلا کیسے ہو سکتا ہے۔"

"سنو، میں لوگوں کے منہ لگنا پسند نہیں کرتا۔" لمبوترے چہرے والا غرّایا۔ "اگر وہ اندر ہے تو اسے بلاؤ۔ میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"آپ کا یقیناً کوئی نام تو ہوگا۔" اُوشان نے مسکرا کر پوچھا۔

"میں بے نام ہوں۔"

"اور کام...؟"

"کوئی کام نہیں۔ بس اسے بلا لاؤ۔"

"بغیر کام کے کسی کے ہاں آنا جانا عزت کم کر دیتا ہے۔" اُوشان نے اسے مشورہ دینے والے انداز میں کہا اور دروازہ بند کر کے اسے مقفل کر دیا۔ وہ کمرہ نشست میں پہنچا تو ٹائیگر اب بھی وہاں موجود تھا۔ اُس نے اُوشان کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا: "کون تھا، اُوشان؟"

"ایک بے نام اور بے کام آدمی..." اُوشان نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "چلو، بطخ ٹھنڈی ہو کر بدمزہ ہو جائے گی۔"

شہزاد ٹھوکر کھا، اس کے ساتھ کمرہ طعام میں چلا گیا اور دونوں کھانے کی میز پر بیٹھ گئے۔ اُوشان نے کھانا نکالا اور یوں مصروف ہو گیا جیسے دروازے کے باہر کھڑے شخص کو ذہن سے بالکل ہی اتار دیا ہو۔ ٹائیگر بُرے بُرے منہ بناتا ہوا کھاتا رہا۔ ابھی اس نے چند ہی لقمے لیے تھے کہ اچانک اطلاعی گھنٹی پُرشور آواز میں بجنے لگی۔ اس بار گھنٹی کے بٹن پر ہاتھ رکھنے والا شاید اُنگلی ہٹانا بھول ہی گیا تھا۔

"ہیں، دیکھتا ہوں، کون ہے۔" ٹائیگر نے کھانے سے ہاتھ کھینچ کر کہا اور تیزی سے بیرونی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ وہ دل ہی دل میں خوش تھا کیونکہ اس طرح بطخ کھانے سے اس کی جان چھوٹ گئی تھی۔ اُوشان مسکراتا ہوا بطخ اُدھیڑنے میں مصروف رہا۔

☆

"کوئی تو رہا ہے۔" راجیش نے سرگوشی کی۔ وہ عمارت کے زینے کی آڑ میں کھڑا تھا اور اس کے کان دروازے کی اندرونی جانب، کسی کے قدموں کی چاپ پر لگے ہوئے تھے... اس کی آواز داکی ٹانگ پر قرمزی جھاڑیوں تک پہنچی جہاں سے فوراً ہی جواب دیا گیا: "ٹھیک ہے، سب تیار ہیں۔"

"ہم تیار ہیں۔" آس پاس سے دھیمی آوازیں اُبھریں اور معدوم ہو گئیں... پھر خاموشی چھا گئی جس میں کسی کے قدموں کی آہٹ مزید بلند محسوس ہونے لگی تھی۔

یکایک دروازہ کھلا اور شہزاد کا مسکراتا ہوا چہرہ نمودار ہوا۔

اس نے دروازے کے سامنے ایک سادہ لباس والا پولیس مین دیکھا تو اس کے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ پیدا ہو گئی۔ "فرمایئے۔" ٹائیگر نے خوش اخلاقی سے دریافت کیا۔

"تمہارا ہی نام شہزاد احمد ہے؟"

"ہاں۔ والدین کو جلدی میں یہی نام سوجھا تھا، ویسے مجھے ذاتی طور پر یہ نام زیادہ پسند نہیں۔ اگر تمہیں بھی..."

"باہر صاحب تمہیں بُلا رہے ہیں۔" پولیس مین اکھڑ لہجے میں بولا۔ "نیچے چلو اور مجھ سے زیادہ باتیں مت کرو۔"

"کیوں۔ کیا تمہارا آلۂ سماعت کچھ خراب ہے؟" ٹائیگر نے چونک کر کہا۔ وہ اُسے باتوں میں لگانا چاہتا تھا کیونکہ اس دوران میں اُس کی غیر معمولی حسیات تیزی سے اردگرد میں کچھ محسوس کرنے میں مصروف ہو گئی تھیں۔ یہی وہ لمحہ تھا جب اس نے فضا میں نقرت اور خون کی بُو محسوس کی تھی... اور تب وہ سمجھ گیا تھا کہ یہ جو کوئی بھی ہے، اُسے قتل کرنے کا ارادہ لے کر آیا ہے۔

راجیش سیڑھیاں اُترنے لگا۔ اس نے پلٹ کر شہزاد کی طرف دیکھا اور دوبارہ زینے اُترتا چلا گیا۔ اس کے عقب میں ٹائیگر بھی زینے سے اُترا تھا اور اُترتے وقت اس نے اتنی تیزی دکھائی تھی کہ راجیش کو احساس تک نہ ہو سکا کہ وہ کب اُس کی پُشت پر آ پہنچا ہے...

اس کے قدموں سے خفیف سی آہٹ بھی پیدا نہیں ہوئی تھی۔

گھر کے بیرونی احاطے میں قدم رکھنے سے پہلے ہی ٹائیگر کی چھٹی حس اُسے بتا چکی تھی کہ دشمن اس کے چاروں طرف موجود ہیں۔ اس کے حساس ترین کان تیز تیز سانسیں سن رہے تھے۔ وہ راجیش کے شانہ بہ شانہ چلنے لگا تاکہ اگر کوئی فائر کرنا چاہے تو راجیش کی جان خطرے میں دیکھ کر اس ارادے سے باز رہے۔ اندھیرے میں چلنے والی گولیاں ہمیشہ ہی اس کے نشانے سے باہر اُچٹ ثابت ہوتی تھیں۔

احاطے میں چند قدم چلنے کے بعد اس نے عقب سے ہاتھ بڑھا کر راجیش کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ لیا۔ اس کا رُخ اپنے گھر کی طرف تھا اور راجیش اس کی گرفت میں رہائی کے لیے مچلنے لگا تھا... لیکن یہ کوئی عام سی جکڑبندی نہیں تھی وہ جیسے جیسے خود کو چھڑانے کے لیے زور لگا رہا تھا، اس کی تکلیف بڑھتی ہی جا رہی تھی۔

حلق سے تیز آواز نہ نکلے۔" ٹائیگر سانپ کی طرح پھنکارا۔ "تمہاری ہڈیوں کا سُرمہ بن جائے گا... ایسا سُرمہ جو صرف چشمِ مرگ ہی میں استعمال ہو سکتا ہے۔ سمجھ گئے؟"

راجیش کی حرکات میں پہلے جیسی تیزی نہ رہی۔

ٹائیگر کی خوفناک آواز اُسے اپنی رُوح کی گہرائیوں تک میں

نیچی محسوس ہوئی تھی اور وہ بڑے دل گردے والا آدمی ہونے کے باوجود مرنے سے پاؤں تک کپکپاہٹوں میں مبتلا ہو گیا تھا۔

"شاباش... اور اب کہیں جاؤ۔ بتاؤ یہاں کس چکر میں آئے تھے؟"

"یہ خط دینے آیا تھا۔" راجیش نے جواب دیا۔ اس نے بڑی حاضر دماغی اور پھرتی کا مظاہرہ کیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ نہ صرف جیب میں ہاتھ ڈالنے میں بلکہ اس میں سے ریوالور نکالنے میں بھی کامیاب ہو گیا... لیکن ٹائیگر کی گرفت اس کے جسم پر اب بھی موجود تھی۔ دونوں کے درمیان اتنا فاصلہ نہیں تھا کہ وہ ریوالور سے ٹائیگر کو نشانہ بنانے میں کامیاب ہو جاتا۔

"اوہ، خط تو بہت اچھا ہے۔ ایسا آہنی اور بارُودی خط مجھے پہلے کسی نے نہیں بھیجا۔" ٹائیگر نے دھیمی لیکن غُصّہ آواز میں کہا اور اس کی کلائی تھام لی۔ اس کی انگلیوں کی گرفت بڑھی تو راجیش کے حلق سے ایک گھٹی گھٹی سی چیخ نکل گئی جسے فضا میں منتشر ہونے سے پہلے ہی روک دیا گیا۔ اگلی ہی ساعت ریوالور ٹائیگر کے ہاتھ میں تھا اور اس کے دوسرے ہاتھ کی ہتھیلی راجیش کی کھوپڑی پر کسی کلہاڑے کی طرح پڑی تھی۔

وہ اس کے ہاتھوں میں بے جان ہو کر جھول گیا۔

تاریکی میں دیکھنے کی عادی آنکھوں نے غالباً یہ منظر دیکھ لیا تھا۔ ٹائیگر نے راجیش کو گرفت سے آزاد کیا تو اس سے قبل کہ وہ زمین پر گرتا، ٹائیگر نے جست لگائی تھی اور اُڑتا ہوا ایک سنگی مجسمے کی آڑ میں چلا گیا تھا جو احاطے میں ایک طرف نصب تھا۔ اسی لمحے آن گنت ریوالور گرج اُٹھے تھے اور اندھیرے میں چاروں طرف یوں روشن سی کیڑے نمودار ہوئی تھیں جیسے ہوا کے تیز جھونکے شرارے بن کر اُڑنے لگے ہوں۔ وہ اب بھی محفوظ نہیں تھا۔ یہ اس کی خوش قسمتی ہی تھی کہ اس مجسمے کی آڑ میں کوئی موجود نہیں تھا ورنہ وہ اتنی آسانی سے اتنی گولیوں سے محفوظ نہیں رہ سکتا تھا۔ اس کے دونوں طرف جھاڑیاں تھیں جن میں مسلح دشمن پوزیشن لیے تھے۔ ٹائیگر کی آنکھیں بھی اب اندھیرے میں دیکھنے کی عادی ہو چکی تھیں۔ وہ دائیں بائیں دیکھنے لگا۔

اچانک اس کی نگاہ بائیں طرف کی جھاڑیوں پر مرکوز ہو گئی۔

اس نے وہاں کچھ حرکت محسوس کی اور چار پیر دیکھے۔ اس سے قبل کہ وہ پاؤں حرکت کرتے، شہزاد نے ایک اور لمبی چھلانگ لگا کر ان پیروں کے مالکان کو دبوچ لیا۔ اُس نے اس کھیل کو طول دینا مناسب نہیں سمجھا اور دونوں کے سر آپس میں ٹکرائے کہ وہ کوئی احتجاج کیے بغیر ہی زمین چاٹنے لگے۔

تین انصاف پسند زمین بوس ہو چکے تھے... مگر خطرہ اب بھی تھا اور اس کا ثبوت وہ دو گولیاں تھیں جو شہزاد کے قریب گرے ہوئے انصاف پسندوں سے محض ایک دو انچ دُور زمین میں پیوست ہوئی تھیں۔

پھر اچانک ہی خاموشی چھا گئی۔

شہزاد نے اپنی سماعت پر زور دیا تو اس کے حساس کانوں نے کسی کی دھڑکنیں سُنیں۔ یہ اُس کی اپنی دھڑکن بھی ہو سکتی تھی۔ تاہم اسے یقین تھا کہ اب صرف ایک ہی شخص زندہ بچا ہے جو کونے والی جھاڑیوں میں پوشیدہ ہے۔

وہ لیٹ کر کسی سانپ کی طرح رینگنے لگا۔

اسے ہر قیمت پر جھاڑیوں کے عقب میں جانا تھا۔ اس نے وہاں پہنچنے کے لیے طویل راستہ اختیار کیا اور پھولوں کے پودے کچلتا ہوا وہاں پہنچ گیا۔

ایک شخص ہاتھ میں ریوالور لیے اُسی جانب دیکھ رہا تھا جہاں شہزاد چند منٹ قبل موجود تھا۔

ٹائیگر جھپٹا اور اس کے ہاتھ سے ریوالور چھین لیا۔ حملہ آور نے تڑپ کر اس کی طرف دیکھا تو شہزاد مسکرانے لگا۔ اس کے سامنے انسپکٹر داس موجود تھا۔ اسی لمحے اسے کسی کی آخری ہچکی سُنائی دی۔

احاطے میں گرنے والا راجیش دم توڑ چکا تھا۔ باقی دو پہلے ہی کھوپڑیاں ٹوٹ جانے کے باعث ہلاک ہو چکے تھے۔ شہزاد اُداس ہو گیا۔

"کیا یہ تینوں پولیس فورس سے تعلق رکھتے تھے، داس؟" اس نے نرم لہجے میں سوال کیا۔ وہ اُوشان کی نصیحتوں کے مطابق غصّہ ضبط کرنے کے لیے کوشاں تھا۔

"ہاں..." داس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

شہزاد کا جی متلانے لگا کیونکہ قانون کے محافظوں کا قتل اس کے ضمیر کے خلاف تھا۔ وہ جانتا تھا کہ ان تینوں سے یہی کہا گیا ہوگا کہ شہزاد کو قتل کر کے وہ ملک کی بڑی خدمت کریں گے۔

وہ داس کو گھورنے لگا۔ اس کے انداز میں سفاکی تھی۔

"کیا تم مجھے ختم نہیں کرو گے شہزاد؟" داس نے پوچھا جو پُوری طرح ٹائیگر کے رحم و کرم پر تھا۔

"نہیں... ابھی نہیں... لیکن یہ بتاؤ کہ تم میرے پیچھے کیوں پڑ گئے ہو۔ میں تو تمہیں جانتا بھی نہیں۔ اگر چکا ہوں۔ اس کے علاوہ میں تمہارے راستے میں بھی نہیں آتا۔"

"مسئلہ لڑکی کا ہے۔" داس نے بے خوفی سے جواب دیا۔

"اوہ... تو تم نے قانون کے تین محافظوں کو محض اس وجہ سے قربان کر دیا کہ کوئی بدمعاش کی تنہائیوں کا ساتھی ہو گیا ہے؟"

"ہاں... اور وہ لڑکی... تم نے مجھ سے بدمعاش کو چھین لیا ہے۔ ویسے بھی تمہارے اور میرے... یہ جُدا جُدا ہیں۔"

"فرض کرو کہ میں پدمنی کو بھول کر تمھارا رفیقِ کار بن جاؤں تو کیا یہ دشمنی ختم ہو سکتی ہے؟"

"آں..." داس چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگا... پھر بڑی احتیاط سے الفاظ منتخب کر کے بولا: "میں کبھی کبھی تمھیں اپنا ساتھی دیکھنا چاہتا ہوں، تم ایک باصلاحیت نوجوان ہو۔"

"تم میرے بارے میں کیا رائے رکھتے ہو؟"

"میرا خیال ہے کہ تم سستے بار اور جوا خانے ہو۔"

"نہیں..." شہزاد نے مسکراتے ہوئے کہا۔ وہ فیصلہ کر چکا تھا کہ فی الوقت اُسے قتل نہیں کرے گا کیونکہ اسے یقین ہو چلا تھا کہ داس انصاف پسند تحریک کا کرتا دھرتا نہیں بلکہ اسے بھی کوئی اور ہدایات دیتا ہے۔ "میں بہت صاف اور کھرا آدمی ہوں داس! اپنے حریفوں کو راہ سے ہٹانا میرا محبوب ترین مشغلہ ہے اور میرا کاروبار بھی یہی ہے۔"

"تب پھر تم مجھ سے تعاون کرو۔ مجھے پتہ ہے کہ تمھیں بہت کچھ معلوم ہو چکا ہے۔ اگر تم میرے ساتھ شامل ہو گئے تو تمھیں دُگنی آمدنی ہوگی۔"

"وہ کس طرح...؟" شہزاد نے کوشش کی کہ داس سب کچھ اُگل دے۔ "کیا تم مجھ سے پولیس چیرمین کے ٹکٹ فروخت کرا دو گے؟"

"اس کی فکر مت کرو۔ ہمیں تم جیسے افراد کی ضرورت ہے اور بس۔"

شہزاد نے یہ بات خاص طور سے محسوس کی کہ داس کچھ دیر قبل تاب تول کر بول رہا تھا لیکن اب اس کی باتوں میں روانی آ گئی ہے۔ اس کے ذہن میں یقیناً کوئی خاص بات تھی۔

"ہیں... کلے تمھاری کیا مُراد ہے؟" ٹائیگر نے دریافت کیا۔

"میں اور میرے ساتھی..." داس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"تب پھر پہلے اپنے ساتھیوں کے بارے میں بتاؤ۔"

اور پھر... جھاڑیوں کی سرسراہٹ کے پس منظر میں داس نے اسے انصاف پسند تحریک کے بارے میں سب کچھ بتا ڈالا۔

"چالیس سپاہیوں پر مشتمل ذہیتھ اسکواڈ پورے ملک میں سرگرمِ عمل ہے۔ اس اسکواڈ کا کام ان لوگوں سے انصاف کرنا ہے جن سے قانون کسی نہ کسی وجہ سے انصاف نہیں کر سکا۔ ان لوگوں کو کیفرِ کردار تک پہنچانا اس اسکواڈ کا پہلا فرض ہے جن کے لیے قانون ٹھوس ثبوت نہیں ہو سکا۔ ہم نے پولیس والوں کی ایک مضبوط انجمن بنائی ہے جس کا نام انصاف پسند تحریک رکھا گیا ہے۔ یہ تنظیم جرائم کے خلاف جنگ کرے گی اور ممکن ہے کہ ایک نہ ایک روز اس تنظیم کو ملک کی سب سے طاقتور تنظیم سمجھ لیا جائے۔"

"وہ کس طرح...؟" شہزاد نے پوچھا۔ اس کا ذہن اس وقت بہت تیزی سے کام کر رہا تھا۔

"ایک لمحے کے لیے یہ سوچو کہ انتخابات میں پولنگ سٹیشنوں کی حفاظت کس کے سپرد ہوتی ہے... پولیس کے سپرد... سیاست دانوں اور سرکاری افسروں کی حفاظت بھی پولیس والے کرتے ہیں۔ ہر مشکوک وقت کو سیاسی جوڑ توڑ کی اطلاعات بھی ہم ہی بھیجتے ہیں لیکن پھر وقت بھی آئے گا جب یہ سب کام ہم کسی اور کے لیے نہیں بلکہ اپنی تنظیم کے لیے کریں گے اور سربراہ ہمارے حکم کا پابند ہوگا۔"

"اُف..." شہزاد نے چونک کر انسپکٹر داس کی طرف دیکھا جو اب ملتجیانہ انداز میں مسکرا رہا تھا۔ اس کے ذہن میں اچانک ہی پولیس اسسٹنٹ کی واضح تصویر گھومتی چلی گئی۔

"اوہ... اسی لیے میں تمھیں تنظیم میں شامل ہونے کی دعوت دے رہا ہوں۔" داس کہتا رہا۔ "اگر تم جلد ہی ہمارے ساتھ شامل نہ ہوئے تو انصاف پسند تم سے بھی بھرپور انصاف کریں گے۔"

"... تم میرے باس ہو گے؟"

"جہاں تک تمھارا تعلق ہے۔ میں ہی تمھارا چیف ہوں گا۔" داس نے اُسے بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

دونوں کی آنکھیں ملیں تو شہزاد یہ سوچے بغیر نہ رہ سکا کہ داس کو قتل نہ کر کے اس نے کوئی غلطی نہیں کی۔ وہ یہ بھی سوچ رہا تھا کہ تنظیم کی صفوں میں داخل ہونے سے کامیابی جلد قریب آ جائے گی۔ سب سے اہم کام تنظیم کے اصل سربراہ کی گرفتاری اور ان چالیس قاتلوں کو تابو میں کرنا تھا جو لوگوں میں موت تقسیم کرتے پھر رہے تھے۔ ان کی فہرست داس سے ہی مل سکتی تھی اور اس کے لیے ضروری تھا کہ وہ داس کو اعتماد میں لے لے۔ اُسے کوئی شک نہ ہونے دے۔

"ٹھیک ہے داس!" ٹائیگر نے ایک طویل سانس لے کر جواب دیا۔ "میں تمھارا ماتحت بن سکتا ہوں بشرطیکہ تم پدمنی سے دستبردار ہو جاؤ۔ ذرا حقیقت پسند ہو۔ تم آج تک کبھی پدمنی کو چھو بھی نہیں سکے جبکہ وہ میری ہو چکی ہے... لہٰذا اس پر میرا حق ہے، صرف میرا..."

داس کی آنکھوں میں لمحے بھر کے لیے ایک خوفناک چمک نظر آئی لیکن پھر جلد ہی معدوم ہو گئی۔ وہ جانتا تھا کہ اب پدمنی کبھی اس کی نہیں ہو سکے گی۔ وہ خود بھی کہہ چکی تھی کہ شہزاد پہل کر چکا ہے لہٰذا کچھ نہیں ہو سکتا۔

داس نے جُھک کر اپنا ریوالور اُٹھایا جو اب زمین پر پڑا ہوا تھا۔

"ٹھیک ہے شہزاد! مجھے بھی اب اس عورت سے کوئی دلچسپی نہیں رہی۔ میں اگلا ہُوا نوالہ لیوں بھی پسند نہیں کرتا۔"

وہ شہزاد سے مصافحہ کر کے ان جھاڑیوں سے نکل گیا۔ اس کے ذہن

میں بار بار خوشی کی لہریں جنم لے رہی تھیں۔ اس نے پدمنی کو تو کھو دیا تھا لیکن اس کی تنظیم کے ہاتھ مضبوط ہو گئے تھے۔ اس لیے اس کا خوش ہونا بھی بجا تھا۔

"زخم آئے اور خون بہنے لگے تو مزہ نہیں آتا۔" شہزاد نے ایک پولیس مین کے پیٹ پر تھپکی سے ضرب لگاتے ہوئے کہا۔

وہ بے چارہ کسی بے آب مچھلی کی طرح تڑپنے لگا... لیکن لمحے بھر میں وہ ٹھیک بھی ہو گیا کیونکہ شہزاد نے اس کے پیٹ پر ایک اور ہلکی سی ضرب لگائی تھی۔

چار پولیس مین اُسے بڑی حیرت سے دیکھ رہے تھے۔

"تم... مجھے کیا ہو گیا تھا؟" پولیس مین نے زمین سے اُٹھتے ہوئے پوچھا۔ اس کا چہرہ زرد ہو رہا تھا۔

"کچھ نہیں تمھیں کچھ نہیں ہوا تھا۔" شہزاد نے جواب دیا۔ "اب غور سے سنو۔ داس نے مجھے اچھی طرح پہچان کر تمھارا ٹریننگ آفیسر مقرر کیا ہے لہٰذا میں جو کچھ بھی کہوں، اس پر پوری توجہ دینا۔ اگر کسی وشن کو زیر کرنا ہو تو اس کے اعصابی خلیوں کا نظام درہم برہم کر دو۔ اگر تم نے اُسے چاقو سے گھائل کیا تو خون بہے گا اور بات بڑھ جائے گی۔ اچھے لوگوں کو انسانی خون بہانے سے گریز کرنا چاہیے۔ دشمن کو قتل کرنا اور بات ہے اور خون بہانا الگ بات... قتل کرنا ہے تو اس طرح کرو کہ پوسٹ مارٹم رپورٹ بھی یہ ظاہر کرے کہ مرحوم حرکتِ قلب بند ہو جانے سے رُخصت ہوا ہے۔ فرض کرو کہ تم کسی کو راستے سے اس طرح ہٹانا چاہتے ہو کہ وہ کبھی واپس نہ آئے۔ اس کا سب سے آسان طریقہ یہ ہے کہ اس شخص پر اپنی انگلیاں رکھ دو۔ وہ مر جائے گا۔"

"اوہو ہو ہو..." ایک پولیس مین نے بے یقینی سے ہنستے ہوئے کہا۔ "یقین نہیں آتا تو اپنا ہاتھ بڑھاؤ۔ میں تمھیں ابھی راہیِ ملکِ عدم کر دیتا ہوں۔" شہزاد نے ایک قدم آگے بڑھاتے ہوئے کہا اور وہ پولیس مین اپنے ساتھیوں کے پیچھے دُبک گیا۔ باقی زور زور سے ہنسنے لگے۔

"میں تمھاری شعبدہ بازی کا رد نہیں بنا سکتا ہوں۔" ایک ہیڈ کانسٹیبل نے آگے بڑھ کر کہا اور شہزاد پر حملہ کر دیا۔

اس نے شہزاد کی ٹانگ پکڑ مارنے کی کوشش کی تھی۔ وہ بہت طاقتور تھا لیکن اُسے طاقت کا ثبوت دینے کا موقع نہیں مل سکا۔ شہزاد نے فضا ہی میں اس کا ہاتھ دبوچ لیا۔

ہیڈ کانسٹیبل ایک لمحے تک جدوجہد کرتا رہا... پھر اس کی حرکات تھمنے لگیں۔

شہزاد کی دو انگلیاں اس کی نبض پر دباؤ ڈالنے لگیں تو اس کی حالت غیر ہو گئی۔ سب سے پہلے بھنچی ہوئی مٹھی کھل گئی... پھر ہاتھ کسی بے جان لوتھڑے کی طرح جھولنے لگا اور اس کے بعد وہ گھٹنوں کے بل گر کر چلانے لگا...

"بس... بس کرو... بس کرو... میں مان گیا... تم اُستاد ہو۔"

شہزاد نے مسکراتے ہوئے اس کی کلائی چھوڑ دی۔

اُس روز وہ بہت دیر تک انھیں تربیت دیتا رہا۔ اس نے عملی تربیت دینے کی بجائے انھیں یہ بتایا کہ دفاع کس طرح کیا جاتا ہے، حریف کی طاقت کا استعمال خود اس کے خلاف کس طرح ممکن ہے اور محض معلومات حاصل کرنے کے لیے طاقتور ترین اعصاب کے مالک شخص کو جھاکس طرح بنایا جاتا ہے۔

اس کے لیے یہ انتہائی اُکتا دینے والا کام تھا کیونکہ اس کی مبادیات وہ برسوں پہلے سیکھ چکا تھا۔ اُوشان نے اُسے ان تمام حربوں کا مالک بنا دیا تھا۔ تربیتی پروگرام کا پہلا روز، دوپہر کے وقت ختم ہوا۔ یہ کام صحرائی کھنڈرات کے قریب ہو رہا تھا۔ اُسی مقام پر جہاں ایک پولیس انسپکٹر نے داس کو شین گن استعمال کرنے کی تربیت دیتے دیکھا تھا۔ وہیں داس اور پدمنی بھی موجود تھے۔

"بس کرو شہزاد۔ لنچ کا وقت ہو گیا ہے۔" پدمنی نے ایک کھنڈر سے شہزاد کو پکارا اور وہ چاروں انصاف پسندوں کو چھٹی دے کر اس کی طرف بڑھ گیا۔

"آپ نے طلب فرمایا ہے مادام۔" شہزاد کے لہجے میں شوخی تھی۔

پدمنی اس وقت بغیر ساڑھی اور منی بلاؤز پہنے ہوئے تھی اور اس لباس میں وہ راجا ندر کے اکھاڑے کی کوئی پری ہی لگ رہی تھی۔

"ہاں۔ میں نے آواز دی تھی۔" وہ اسے نیم وا آنکھوں سے دیکھ کر پیار سے بولی۔ "اور میں جب بھی پکاروں، تمھیں سب کام چھوڑ کر آ جانا چاہیے۔"

"میں نے تو تمھیں کئی بار پکارا... مگر تم کبھی نہیں آئیں۔" شہزاد کا لہجہ کسی فلم کے اداس ہیرو جیسا ہو گیا۔

"میں تمھاری ہوں، صرف تمھاری۔" پدمنی کا لہجہ جذبات سے بھرپور تھا۔ "میں نے تمھاری آواز نہیں سُنی ورنہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر آ جاتی۔ کیا تمھیں یاد نہیں... تم نے اُس رات الماری سے آواز دی تو میں کیسی جل بھن آئی تھی... چلو... داس تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہے۔ پھر میں تم سے باتیں کروں گی۔"

"اس بار بھی کوئی الماری ہی منتخب کی ہے؟" اس نے مسکرا کر پوچھا۔

ایک ہفتے قبل تک پدمنی الجھنوں کی ماری ہوئی ایک لڑکی تھی لیکن اب تو اس نے خود ٹائیگر کو بھی الجھن میں ڈال دیا تھا۔

"تم مسکرا کیوں رہے ہو؟" وہ تیکھے لہجے میں بولی۔

"اس کی وجہ تمہاری سمجھ میں نہیں آئے گی۔"

"سمجھانے کی کوشش تو کرو۔"

"ضرور سمجھاؤں گا لیکن پہلے داس سے تو مل لوں۔ یہ کہتا ہوا وہ اس کھنڈر کی طرف بڑھ گیا جہاں ایک کمرہ صاف ستھرا کر کے اس میں داس کا دفتر بنا دیا گیا تھا اور وہاں ٹیلی فون سمیت ضرورت کی ہر چیز موجود تھی۔

داس فون پر کسی سے گفتگو کر رہا تھا۔ اس نے شہزاد کو دیکھ کر ہاتھ کے اشارے سے کرسی پر بیٹھنے کے لیے کہا۔ ساتھ ہی ہونٹوں پر انگلی رکھ کر خاموش رہنے کی ہدایت بھی کی۔

شہزاد بیٹھنے کے بجائے دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔

"جی ہاں..." داس بات کر رہا تھا۔ "میرا بھی یہی خیال ہے۔ نہیں... میں نے جاسش چند کے قتل کا فوری جائزہ لیا تھا۔ میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ قاتل پولیس گروپ کے بارے میں اشوک کی کمزوری درست نہیں تھی۔ جی... جی ہاں... درست۔ نہیں جناب! کاش میں ایسا کر سکتا۔ میں خود بھی ان کمینوں کو ملیا میٹ کرنے کا آرزو مند ہوں لیکن اب کیا کیا جائے کہ ان کا کوئی وجود ہی نہیں ہے... جی!... ضرور جناب! اگر ایسی کوئی بات ہوئی تو میں خود ان سے نمٹ لوں گا۔ اشوک تو بہرحال میرا عزیز ترین دوست تھا۔"

مزید چند لمحوں کی گفتگو کے بعد داس نے ریسیور رکھتے ہوئے شہزاد کی طرف مسکرا کر دیکھا۔ "وزیر قانون تھا..." اس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "اسے شک ہے کہ سپر پولیس قسم کا کوئی گروہ لوگوں کو قتل کر رہا ہے اور وہ یہ چاہتا ہے کہ میں ایسے گروپ کا قلع قمع کر دوں تم تو جانتے ہی ہو کہ مجھے ایسے کسی گروہ کے وجود کا علم ہی نہیں ہے۔"

"ظاہر ہے تمہیں کیسے علم ہو سکتا ہے۔" شہزاد نے ہنستے ہوئے کہا۔ ویسے اس وقت اس کا جی تو چاہ رہا تھا کہ داس کڑا اس کے ایسے تمام اعضاء سے محروم کر دے جو اس کو حرکت کرنے اور سوچنے سمجھنے میں مدد دیتے ہیں۔

"تم سناؤ... کام کیسا چل رہا ہے؟"

"بہت شاندار۔ رقم کب ملے گی؟"

"کل... تمہیں پوری ادائیگی کی جائے گی۔ آؤ، میرے ساتھ کھانا کھا لو۔"

"نہیں، شکریہ۔"

"ڈائٹنگ کر رہے ہو شاید؟"

"نہیں... البتہ روزے ضرور رکھتا ہوں، مسلمان ہوں نا!"

"اپنی توانائی محفوظ رکھو تمہیں اس کی جلد ہی ضرورت محسوس ہو گی۔"

داس نے اُسے مشورہ دیا۔

اسی لمحے پدمنی بھی اندر آ گئی۔

"میں کھانا کھانے جا رہا ہوں، ساتھ چلو گی؟" اس نے پدمنی سے پوچھا۔

"میں یہیں کھاؤں گی۔" پدمنی نے شہزاد کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور داس منہ ہی منہ میں کچھ بولتا ہوا کمرے سے چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی پدمنی نے دروازہ بند کر دیا۔

وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ہوئی اس کی طرف بڑھی تو شہزاد کو ایسا محسوس ہوا جیسے وہ ٹائیگر نہیں بلکہ بھی ناگخلا لوگی ہے جس کی ناموس خطرے میں ہو۔ وہ دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا اور پدمنی اس کی طرف بڑھتی رہی۔

☆ ☆ ☆

ڈاکٹر بہرام کو شہزاد کی طرف سے ایک ایک لمحے کی رپورٹ مل رہی تھی اور اسے کم سے کم اتنا اطمینان ضرور تھا کہ شہزاد نے جال بچھا دیا ہے ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ پہلے بڑی مچھلی جال میں پھنس جائے ناکہ چھوٹی مچھلیاں خود بخود منتشر ہو جائیں۔

بہرام کو اس وقت بھی شہزاد کی کال کا انتظار تھا... لیکن گھنٹی خاص ٹیلی فون کی بجی۔

"یس!" بہرام نے ریسیور اٹھاتے ہوئے کہا۔

"کیا تمہارا آدمی کامیاب ہو گیا؟" دوسری طرف سے پوچھا گیا۔

"وہ اپنے کام میں معروف ہے۔"

"مگر اسے یہ کام سونپے ایک ہفتہ ہو چکا ہے بہرام۔ آخر وہ مزید کتنا وقت لے گا؟"

"یہ بتانا مشکل ہے کیونکہ کام کی نوعیت بہت پیچیدہ ہے۔"

"وزیر قانون اور وزیر داخلہ کی مشترکہ رپورٹ مجھے آج ہی موصول ہوئی ہے جس میں انھوں نے یہ تسلیم کر لیا ہے کہ وہ قاتل کو تلاش کرنے میں ناکام رہے ہیں۔"

"انھیں ناکام ہونا ہی تھا۔ یہ کام آپ ہم پر چھوڑ دیں۔"

"میں نے ایسا ہی تو کیا ہے... لیکن یہ بھی تو سوچو کہ آخر قتل اللہ غارت گری کا یہ بازار کب تک گرم رہے گا۔ اب تو اس میں بلیک میلنگ بھی شامل ہو گئی ہے۔ مجھے خدشہ ہے کہ یہ سازش کہیں جمہوریت کو تباہ نہ کر ڈالے۔"

"سازش تو یہی ہے... مگر ہم اس کی بیخ کنی میں کامیاب ہو جائیں گے۔" بہرام نے پُراعتماد لہجے میں جواب دیا۔

"مجھے علم ہے کہ تمہارا آدمی کبھی ناکام نہیں ہوا اور میرے ذہن میں امین آباد کی کامیابی ابھی تک تازہ ہے۔ میری نیک تمنائیں تمہارے ساتھ ہیں۔" اس جملے کے بعد دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو گیا۔

بہرام نے اس روز دوسری بار شہزاد کو فون کیا لیکن اس مرتبہ اس

نے اوشان سے گفتگو کی۔ وہ یہ کریدنا چاہتا تھا کہ شہزاد کے ذہن پر کیا اب بھی یہ بھوت سوار ہے کہ وہ قانون کے محافظوں کے خون سے اپنے ہاتھ رنگنا نہیں چاہتا؟... لیکن اوشان شہزاد کا بھی استاد تھا لہٰذا بہرام اس سے کچھ بھی نہ اگلوا سکا۔

"ٹھیک ہے اوشان، میرے دوست کو ایک پیغام تو پہنچا دو گے نا؟"

"کیسا پیغام؟" اوشان کے لہجے میں بے اعتنائی تھی۔

"اس سے کہنا کہ ملک کسی بھی زندگی سے زیادہ قیمتی ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ یہ پیغام اُسے مل جائے گا۔"

بہرام نے فون بند کیا تو اوشان کچھ سوچنے لگا۔ اسے وہ پہلا دن یاد آیا جب اُس نے اس نوجوان کو ناقابلِ تسخیر انسان بنانے کی ذمے داری سنبھالی تھی۔ اس نے شہزاد پر شدید محنت کی تھی۔ اس کے ناز و انداز سے تھے اس کی ناراضگی مول لی تھی لیکن وہ اس مشن میں کامیاب رہا تھا کہ پھانسی کے ملزم کو ایسی طاقت بنا دیا جائے جو برائی کا خاتمہ کرنے میں معاون ثابت ہو اور جو سوچ بھی سکے، جس کے جذبے بھی زندہ رہیں اور جو محض ایک مشینی انسان یعنی روبوٹ نہ ہو۔ شہزاد ٹائیگر ایسا ہی نوجوان بن چکا تھا۔

... اور آج بہرام اسی کے ذریعے شہزاد کو یہ پیغام دے رہا تھا کہ وہ اپنی زندگی کی پروا نہ کرے۔

اوشان سر جھٹکتا ہوا قالین پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا۔ اب وہ پُرسکون تھا، چنانچہ چند گھنٹے بعد جب شہزاد گھر واپس آیا تو اوشان نے اُسے یہ تک نہیں بتایا کہ بہرام کا فون آیا تھا۔ ▲ ▲

"آج کی رات بہت اہم رات ہے شہزاد۔" داس نے ایک سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔ شہزاد اس وقت اسی کمرے میں بیٹھا ہوا تھا۔

"میں سمجھا نہیں۔" شہزاد کے عضلات میں تناؤ پیدا ہو گیا۔ وہ ایک بار پھر اپنی پرانی کیفیت میں واپس آنے لگا جس کا احساس ہوتے ہی اسے یقین ہو جاتا تھا کہ کامیابی قریب تر آنے والی ہے۔

"آج کی رات ہم اس ملک کو حرام سے پاک کرنے کی اصلی مہم کا آغاز کریں گے۔" داس ایک کاغذ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "آج کی رات ہماری اس مہم کا بھی آغاز ہو گا کہ قانون کے محافظوں کو اعلیٰ ترین منصب پر تعینات کیا جائے۔"

بیرونی دفتر میں پدمنی ایک کمپیوٹر پر جھکی ہوئی میموری ٹیپ کر رہی تھی

"آج کی رات... ہمارا گروہ جو چالیس افراد پر مشتمل ہے اسی جگہ جمع ہو گا۔ ہر شخص کو ٹھیک آٹھ بجے آنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ میں گروہ سے تمہارا تعارف کراؤں گا کیونکہ تم اب گروہ کے ٹریننگ ڈائریکٹر ہو۔ اس رسمی تعارف کے بعد ٹھیک ساڑھے نو بجے ہم ایک پریس کانفرنس سے خطاب کریں گے۔ اس پریس کانفرنس ہی میں انصاف بھسند تحریک کے قیام کا رسمی اعلان کیا جائے گا۔"

"کیا پریس کانفرنس میں میرا بھی تعارف کرایا جائے گا؟"

"نہیں..." داس نے سگریٹ بجھاتے ہوئے کہا۔ "تمہاری ذات ہی ہماری تنظیم کا اصل راز ہو گی۔ ہم تمہیں کبھی سامنے نہیں لائیں گے۔"

"گڈ... مجھے تمہاری تجویز بے حد پسند آئی ہے۔" شہزاد نے اٹھنے کے لیے کرسی پیچھے کھسکاتے ہوئے خوشی کا اظہار کیا۔

"صرف ایک بات بے حد اہم ہے۔" داس نے کرسی سے اٹھنے میں پہل کرتے ہوئے کہا اور پھر مزید کچھ کہے بغیر دروازے سے باہر جھانکنے لگا۔

باہر پدمنی اب بھی میموگراف مشین پر مصروف تھی۔ داس نے مطمئن انداز میں سر ہلاتے ہوئے دروازہ اچھی طرح بند کیا تاکہ پدمنی ان کی گفتگو نہ سن سکے اور پھر شہزاد کے قریب میز پر ٹک کر بیٹھ گیا۔

"صرف ایک شخص بہت اہم ہے شہزاد!"

"وہ کون ہے؟" ٹائیگر نے پلکیں جھپکاتے ہوئے پوچھا۔

"اگروال، کنشر اگروال..." داس کے لہجے میں خوفناک حد تک رازداری پنہاں تھی۔

"اس کا ہم سے کیا تعلق؟"

"وہ سب کچھ جانتا ہے اور شاید حکام کو آگاہ بھی کرنے والا ہے۔"

"تو کیا وہ بھی تنظیم میں شامل ہے؟" شہزاد نے اپنا جال سمیٹنا شروع کر دیا۔ حالات خود ہی ایسے موڑ پر آ گئے تھے جہاں شہزاد کو کچھ بھی نہیں کرنا تھا۔ ویسے بھی وہ اس پورے ڈرامے میں اب تک محض تماشائی ہی رہا تھا۔

"میں تمہیں صاف صاف بتا دینا چاہتا ہوں۔ وہ صرف تنظیم میں شامل ہی نہیں بلکہ اس کا کرتا دھرتا بھی وہی ہے۔ انصاف پسند تحریک کے قیام کا خیال بھی اسی کے ذہن کی اختراع ہے۔"

"اوہ... اگروال... وہ تو..."

"ہاں... وہ پدمنی کا باپ ہے۔" داس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "لیکن اب وہ ہمت ہار بیٹھا ہے۔ اس نے مجھے دھمکی دی ہے کہ میں نے اگر آج رات کا پروگرام منسوخ نہ کیا تو وہ خود ہی حکام کے روبرو پیش ہو کر قبائل جرم کرے گا۔"

"میرا خیال ہے، اس میں اتنی ہمت نہیں ہے، وہ ایک شکستہ آدمی ہے۔" شہزاد نے اگروال سے اپنی پہلی ملاقات یاد کرتے ہوئے کہا۔ "میرے تجربے کے مطابق وہ حکام سے ایک لفظ بھی نہیں کہے گا۔"

"مگر ہم کوئی خطرہ مول نہیں لے سکتے شہزاد۔ لہٰذا..."

"لہٰذا..." شہزاد نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔

"لہٰذا اب تمہیں اپنا پہلا کام کرنا ہے۔"

"کام بھی بہت خطرناک نوعیت کا ہے۔"

"ایسا بھی نہیں کہ تم اسے نہ کر سکو۔"

"یہ کام کب اور کہاں کرنا ہے؟"

"اگرووال اپنی عادات کا غلام ہے۔ وہ ہر روز پابندی کے ساتھ ڈنر کرتا ہے۔ تم آج ہی رات اس کا کام تمام کر دو۔ تمہیں اس کے مکان میں داخل ہونے میں کوئی دشواری نہیں ہوگی اور۔۔۔"

"مگر وہاں پابندی بھی تو ہوگی۔"

"اس کی فکر نہ کرو، میں اسے آسان کام دے دوں گا کہ وہ نصف شب سے پہلے فارغ نہیں ہوگی۔" داس نے جواب دیا۔

ٹائیگر کچھ دیر سوچتا رہا۔۔۔ پھر بولا۔ "لیکن مجھے نقد رقم چاہیے۔"

"کتنی۔۔۔؟" داس کا لہجہ سپاٹ تھا۔

"کنشر جیسی شخصیت کے احترام میں صرف پچاس ہزار روپے۔"

"ٹھیک ہے، مل جائیں گے۔"

"پیشگی ادائیگی ضروری ہے۔"

"پیشگی مل جائے گی۔" داس نے ایک الماری کھولتے ہوئے جواب دیا اور پچاس ہزار روپے کی رقم میز پر پھینک دی جو شہزاد کی جیبوں میں چھپ گئی۔

"ایک اور سوال داس، یہ کام تم گروہ کے کسی آدمی سے کیوں نہیں لے رہے ہو؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"میرے آدمی ٹیم کی شکل میں کام کرتے ہیں اور میں چاہتا ہوں کہ یہ کام صرف ایک ہی شخص کے ذریعے انجام پائے۔"

شہزاد کھڑا ہو گیا۔ وہ جانتا تھا کہ پولیس کے کسی بڑے افسر کا قتل کتنی ناممکن بات ہے۔۔۔ اس سے قطع نظر کہ اس کے پاس کسی کو بھی قتل کرنے کا سرکاری اجازت نامہ موجود تھا، وہ قانون کے کسی محافظ کو قتل کرنا پسند نہیں کرتا تھا جبکہ اسے کنشر کو ٹھکانے لگانے کا حکم دے دیا گیا تھا۔ مذا اس نے فیصلہ کیا کہ وہ اگرووال کو قتل کر دے گا۔

شہزاد چلا گیا تو داس نے سگریٹ سلگائی اور ماچس کی تیلی کو جلتے اور پھر راکھ بن کر بجھتے ہوئے دیکھنے لگا۔

باہر نکل کر شہزاد کو یہ احساس ہوا کہ داس نے اسے قتل کے بعد کی ڈیوٹی سے آگاہ نہیں کیا لیکن اس نے اپنے طور پر فیصلہ کر لیا کہ وہ کنشر کے گھر سے یہیں واپس آئے تاکہ آٹھ بجے والے اجلاس میں شرکت کر سکے۔

ڈنر میں ابھی تین گھنٹے باقی تھے لہٰذا وہ اپنے گھر چلا آیا۔ راستے بھر وہ یہی سوچتا رہا کہ اس نے اس کیس میں قانون کی خلاف ورزی سے ہمیشہ گریز کیا ہے لیکن اب جبکہ داس اسے کنشر کے خاتمے کی ہدایت کر چکا تھا تو اسے ذرہ برابر بھی ہچکچاہٹ محسوس نہیں ہو رہی تھی۔

'کیا اگرووال پولیس مین نہیں ہے؟'

اچانک اس کا ضمیر چیخ پڑا۔ "نہیں شہزاد! ناسور کو ختم کرنے کے لیے اہم ترین عضو بھی کاٹ کر پھینک دینا پڑتا ہے۔ اگر ناسور کی حفاظت کی گئی تو سارا جسم گل سڑ جائے گا۔ تمہیں اپنے فرائض میں کسی ہچکچاہٹ سے کام لینا نہیں چاہیے۔۔۔ پھر اگرووال تو اس پوری سازش کا سرغنہ ہے۔"

وہ گھر آ کر خاموشی سے بستر پر لیٹ گیا لیکن اس وقت اس کی تمام حسیات کام نہیں کر رہی تھیں لہٰذا وہ یہ نہ دیکھ سکا کہ اوشان بڑے محتاط انداز میں کچن ڈور سے جھانک کر اسے دیکھ رہا ہے۔

کچھ دیر بعد جب شہزاد کپڑے بدلنے اٹھا تو وہ ایک حتمی فیصلہ کر چکا تھا۔ وہ اگرووال سے بالمشافہ گفتگو کرنا چاہتا تھا تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ انصاف پسند تحریک کی داغ بیل کس نے ڈالی تھی۔ اس نے فیصلہ کیا کہ اگر اس کے برعکس کوئی بات سامنے آئی تو وہ اگرووال کی حفاظت کرے گا۔

وہ تیار ہو کر اوشان سے ملنے ڈرائنگ روم میں آیا تو یہ دیکھ کر حیران ہوا کہ اوشان بھی سفید لبادہ اتار کر اپنے خاص سبز لبادے میں تیار بیٹھا تھا۔

"کہیں جانے کے لیے پر تول رہے ہیں ابا جان؟" اس نے مسکرا کر پوچھا۔

"ہاں۔۔۔ میں تمہارے ساتھ چل رہا ہوں۔"

"میں جہاں جا رہا ہوں، وہاں مجھے آپ کی ضرورت محسوس نہیں ہوگی۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔

"میں چلوں گا۔ سارا دن کھانا پکاتے اور صفائی کرتے ہوئے گزر گیا جبکہ تم باہر رہ کر تفریح کرتے رہے۔" اس کا لہجہ شکایت آمیز تھا

"کیا بات ہے؟ بڑے دلگیر نظر آ رہے ہیں؟"

"سناجو کی شعیرہ کا مالک کبھی دلگیر نہیں ہوا فرزند! بس جی چاہتا ہے کہ کھلے آسمان کے نیچے گھوموں پھروں، گھاس کو قدموں سے روندوں اور۔۔۔"

"مگر اس شہر میں تو گھاس نام کا تنکا بھی نہیں ہے۔" شہزاد پھیکا سا ہنسنے لگا۔ "جہاں تک آسمان کا تعلق ہے تو وہ بھی گزشتہ ایک ہفتے سے ابر آلود ہے۔"

"مگر میں ضرور چلوں گا۔"

"مجھے کوئی اعتراض نہیں بشرطیکہ آپ کار سے نہ اتریں۔ پیدل بھی ہو تو آپ گاڑی میں خاموش بیٹھے رہیں گے۔"

اوشان نے شرارت آمیز انداز میں مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔

○

شہزاد، اوشان کو کار میں چھوڑ کر اگرووال کے شاندار بنگلے میں خاموشی سے داخل ہوا کہ کوئی آہٹ تک نہ ہوئی۔ وہ محض اندازے سے کام لیتے ہوئے راہداری کی دیوار ٹٹولتا ہوا آگے بڑھتا رہا، کچھ دیر بعد اس کی آنکھیں اندھیرے کی عادی ہو گئیں تو اس نے خود کو اسی ڈرائنگ روم کے قریب پایا جس کے نچلی کمرے کی الماری میں اس کی پابندی سے ملاقات ہوئی تھی۔

وہ کمرے کی کھڑکی سے لگ کر کھڑا ہو گیا۔

باہر چار سو تاریکی تھی، ایسی تاریکی جو پورے شہر پر مسلط ہو چکی تھی اور جس میں روشنی کی ایک کرن بھی نظر نہیں آ رہی تھی۔ وہ سوچنے لگا کہ یہی اندھیرا جرائم کو جنم دیتا ہے۔ ہزاروں افراد انہی تاریکیوں میں چھپ کر ہی جرائم کرتے ہیں اور ان کی محض مختصر سی تعداد قانون کے ہاتھوں گرفتار ہوتی ہے۔

وہ سوچنے لگا کہ کیا اگرووال بھی میری ہی طرح انسانیت کو ظلم اور جرم سے نجات دلانے کے لیے کمربستہ ہو گیا تھا؟ کیا اس نے اسی مقصد کے لیے دیانتداری سے تنظیم قائم کی تھی۔۔۔ لیکن نہیں۔۔۔ داس کے گفتگو کے لب لباب یہ امر ثابت ہو چکا تھا کہ تنظیم کا مقصد سیاسی اقتدار اپنے ہاتھ میں لینا ہے اور اس کے لیے تنظیم قتل و غارت گری بلیک میلنگ کو بطور زینہ استعمال کر رہی ہے۔

وہ یہی کچھ سوچتا ہوا ڈائننگ روم تلاش کرنے لگا جو ڈرائنگ روم سے ملحق تھا۔

وہ ڈائننگ روم کی ایک آرائشی دیوار کے پیچھے چھپ کر اگرووال کا انتظار کرنے لگا۔

آٹھ بجنے میں صرف دو منٹ باقی تھے۔

ٹھیک آٹھ بجے اگرووال ڈائننگ روم میں داخل ہوا اور اس نے لائٹ آن کر دی۔

اسی لمحے شہزاد دیوار کی آڑ سے نکل آیا۔

"شام بخیر اگرووال۔۔۔ میں تمہیں قتل کرنے آیا ہوں۔" اس نے واضح اور صاف لفظوں میں اعلان کیا۔

"کک۔۔۔ کیا۔۔۔" اگرووال کے چہرے پر زلزلے کے سے اثرات نظر آنے لگے۔ "کیا تمہارا تعلق تنظیم سے ہے؟"

"میں داس کی طرف سے آیا ہوں، اگرووال۔۔۔"

"آہ۔۔۔" اگرووال کی پیشانی پر پسینے کی بوندیں جھلملانے لگیں۔ اس کے چہرے پر خوف کی جھرپاں نمودار ہو گئیں اور وہ بار بار تھوک نگلنے لگا۔ "مجھے۔۔۔ یہی خدشہ تھا۔ اب تو صرف۔۔۔ صرف ناکامی ہی میرا مقدر بنے گی۔"

"قتل و غارت گری کا بازار کس نے گرم کر رکھا تھا؟" شہزاد کے لہجے میں ملامت تھی جیسے وہ اس شخص کو، اس کے آخری لمحات میں پچھتاوے کا احساس دلانا چاہتا ہو۔

"۔۔۔ اور اس سلسلے کو ختم کون کرے گا؟" اگرووال نے خوفناک لہجے میں دیوار کی طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"اس کے لیے میں حاضر ہوں کنشر صاحب۔۔۔ میرا یہی کام ہے۔۔۔"

"مگر تم کون ہو؟" اگرووال نے ہتھیلی کی پشت سے پسینہ پونچھتے ہوئے پوچھا۔

"میں جو کوئی بھی ہوں اس کا علم تمہیں میری باتوں سے ہو جائے گا۔۔۔ مگر میں تمہارے بارے میں اتنا ضرور کہہ سکتا ہوں کہ تم انتہائی خطرناک شخص ہو اور اگر اس ملک میں تم جیسے پندرہ بیس آدمی اور پیدا ہو جائیں تو پورا ملک تباہ ہو جائے گا۔"

"تم سچ کہتے ہو۔" کنشر نے چندھیائی ہوئی نظروں سے ٹائیگر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "لیکن تم یقیناً برائی کا خاتمہ کرنے والوں میں سے نہیں ہو۔ تمہیں داس نے یہاں بھیجا ہے تاکہ میرا کام تمام کر دیا جائے کیونکہ صرف میں ہی اس کے سیاسی عزائم کی راہ میں رکاوٹ بنا ہوا ہوں۔"

"میں اس کے سیاسی عزائم کی کچھ تفصیل بھی سننا چاہتا ہوں، اگر تم مناسب سمجھو تو کچھ بتا دو۔"

"اس کا پروگرام بہت سادہ ہے، نوجوان!" کنشر کو آواز کانپ رہی تھی۔ "وہ ہر ایسے شخص کو اپنی تنظیم میں شامل کرنا چاہتا ہے جو جرائم کی دنیا سے تعلق رکھتا ہو، انصاف کے مقدس نام کی آڑ میں وہ ظلم کرنے کی انتہا کی طرف گامزن ہے۔ اس کا پروگرام یہ ہے کہ آزاد کونسلیں گیریژن پولیس اور جرائم سے تعلق رکھنے والوں میں منظم کیا جائے، ہر فرقہ پرست کو اس میں شامل کیا جائے اور جب یہ تنظیم طاقت ور ہو جائے تو وہ انتخابی دھاندلیوں کے ذریعے اقتدار حاصل کر لے۔"

"وہ دن کبھی نہیں آئے گا کنشر۔"

"کیا تم اسے روک سکو گے؟" اگروال کے لہجے میں حیرت تھی۔

"مَیں اسے روک کر دکھاؤں گا۔" ٹائیگر کی آواز میں کسی بھڑیے جیسی غراہٹ تھی۔ اس کی آنکھیں اب بھی اگروال پر مرتکز تھیں جو سوئچ بورڈ کے قریب کھڑا تھا۔ "گویا تمہارا تعلق درحقیقت داس اور تنظیم سے نہیں ہے؟" اگروال کے لہجے میں اس مرتبہ خوشی کا گہرا تاثر تھا۔ "لیکن سنو۔ اگر تنظیم کا راز فاش ہو گیا اور لوگوں کو حقیقت معلوم ہو گئی تو اُن کا قانون پر سے اعتماد ختم ہو جائے گا پھر یہ بھی ممکن ہے کہ کچھ لوگ قانون کے محافظوں سے انتقام لینے کے لیے کوئی اور گروہ بنا لیں۔ اس طرح مُلک میں قانون نافذ کرنے والے ادارے اپنا بھرم ہی نہیں، وجود تک کھو بیٹھیں گے۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ تم کامیابی کے بعد یہ بات عام نہ ہونے دو کہ قتل و غارت گری کی اس مہم میں قانون کے محافظوں کے ایک گروہ کا ہاتھ تھا؟"

"مَیں کوشش کروں گا۔" ٹائیگر، کشنر اگروال کے ملتجیانہ لہجے سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔

"نہ جانے کیوں جی چاہتا ہے کہ تم پر اعتماد کر لوں۔" بوڑھے افسر کا ہاتھ جیب کی طرف رینگنے لگا اور شہزاد پوری طرح چوکس ہو گیا۔ "مَیں ریوالور نہیں نکالوں گا بیٹے... صرف کاغذ نکال رہا ہوں۔" ہاتھ باہر آیا تو اس میں ایک لفافہ دبا ہوا تھا۔ "یہ لو... اس لفافے میں سارے راز محفوظ ہیں۔ اگر ممکن ہو تو میری موت کے بارے میں سب کو بتا دینا کہ مجھے قانون شکنوں نے قتل کیا ہے۔ ویسے لفافے میں میرا اقبالِ جرم بھی ہے، مَیں نے اپنی تحریر میں سب کچھ لکھ دیا ہے کسی کو بھی اس کی صداقت پر شک نہیں ہو سکتا۔"

وہ شیلف کی طرف بڑھ گیا جہاں بوتلیں رکھی ہوئی تھیں اُس نے ایک گلاس برآمد کر لیا۔ لفافہ بھی اس نے شیلف ہی پر رکھ دیا۔

"کیا مَیں پوچھ سکتا ہوں کہ اس خطرناک گروہ کا وجود کس طرح عمل میں آیا تھا؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"بہت چھوٹی سی بات اس کا باعث بنی۔" اگروال نے ایک لمبا گھونٹ لیتے ہوئے جواب دیا۔ "مَیں نے اپنی بیٹی پر ظلم کرنے والوں کی تلاش کے لیے چند افراد کو مامور کیا تھا اور یہی مجھ سے بنیادی غلطی ہوئی تھی۔"

"ہر المیے کا آغاز کسی نہ کسی معمولی بات سے ہی ہوتا ہے۔" ٹائیگر نے جواب دیا اور پھر اُس نے اگروال سے کوئی زیادتی کیے بغیر اُسے قتل کر دیا۔ اس نے بوڑھے کو موت کے کرب میں مبتلا نہیں کیا۔ بلکہ اس کے قریب گیا۔ گلاس لے کر شیلف پر رکھا اور اس کی کنپٹیوں پر ہتھیلیاں مار دیں، گرنے سے پہلے ہی وہ اسے سنبھال کر بستر پر لٹا رہا تھا۔

اگروال سکون کی موت مر گیا۔

اس کے چہرے پر تکلیف کے آثار پیدا نہیں ہوئے اور ہی اُس کی آنکھیں پھٹی تھیں... بس وہ مر گیا۔ بالکل اس طرح جیسے کوئی گہری نیند سو رہا ہو۔

شہزاد لفافہ کھول کر تحریر پڑھنے لگا۔

اُس خط میں سب کچھ موجود تھا۔ سازشوں کے مقام اور کے علاوہ شریک کار لوگوں کے نام اور پتے تک درج تھے۔ اس میں سارے واقعات تفصیل سے بیان کیے گئے تھے۔ یہ بھی بتایا تھا کہ داس نے کس طرح قاتل اسکواڈ منظم کیے تھے کس طرح دوستوں کو پولیس کی نوکری دلوائی تھی اور کس طرح انھیں سیا اقتدار حاصل کرنے کے لیے منظم کیا گیا تھا۔

اس میں اشوک کی موت کا بھی ذکر تھا۔ یہ بھی بتایا گیا تھا انصاف پسند تحریک میں شامل کتنے پولیس مَین اصل سازش سے بے خبر تھے۔ داس کے اس فلسفے کا بھی ذکر تھا کہ وہ خود ایسا آدمی وہندہ ہے جسے بھگمان نے حکمرانی کے لیے منتخب کیا ہے اور اس کا بھی ذکر تھا کہ اگروال نے کتنی بار داس کو باز رکھنے کی کوشش اور اُسے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔

ہر صفحے پر اگروال کے مکمل دستخط موجود تھے۔

اسے پڑھتے ہوئے شہزاد کو اندازہ ہو گیا کہ کمشنر نے مو کو بغیر کسی مزاحمت کے کیوں گلے لگا لیا... خط میں اقبالِ جرم کے خودکشی کا بھی اعتراف تھا اور لکھا تھا۔

"زندگی اتنی مکروہ کبھی نہ تھی۔ مَیں جمہوری سیاست کے کھنڈرات پر پولیس اسٹیٹ قائم ہوتے نہیں دیکھ سکتا۔ مَیں نے محض اپنی بیٹی کا انتقام لینے کے لیے ایک بھیانک غلطی کی جس کا خمیازہ اب پوری قوم کو بھگتنا ہوگا لہٰذا مَیں گناہوں کا کفارہ ادا کرنے کے لیے خودکشی کر رہا ہوں۔ کاش میری یہ قربانی رائگاں نہ جائے۔ اگروال۔"

شہزاد نے یہ خط دو مرتبہ پڑھا۔ اس کے ایک ایک میں دُکھ اور ضمیر کا درد سمویا ہوا تھا... اور جب وہ تیسری مرتبہ پڑھ چکا تو اُس کی آنکھیں بھیگ رہی تھیں۔

"تم بزدلوں کی طرح زندہ رہے مگر مَردوں کی طرح مر" شہزاد نے لاش کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم نے موت کو اتنے سے گلے لگایا کہ مَیں تم پر رشک کیے بغیر نہیں رہ سکتا لیکن کرو... داس کو ایسی موت نصیب نہیں ہوگی... خدا حافظ مسٹر

وہ بہت تیزی سے سوچ رہا تھا، اب اسے اس پورے گروہ کا قلع قمع کرنے کے لیے کوئی فوری کارروائی کرنی تھی اور سب سے ضروری کام یہ تھا کہ تنظیم کے اجلاس سے قبل ہی داس کو ختم کر دیا جائے۔ اس کے بعد تنظیم کے ان تمام کارکنوں کو گرفتار کر لیا جائے جن کا ذکر اگروال نے اپنی تحریر میں کیا تھا۔

وہ اسی سوچ میں غرق اگروال کے گھر سے نکلا لیکن لان پر پہنچتے ہی اُسے احساس ہوا کہ وہ تنہا نہیں ہے۔

وہ چونک پڑا۔

"شہزاد...!" اُسے عقب سے آواز سُنائی دی۔

وہ پلٹا تو اُسے تین پولیس مَین نظر آئے۔

وہ سمجھ گیا کہ اس کے لیے جال تیار کیا گیا ہے۔ اس نے فوراً ہی اندازہ لگا لیا کہ وہ تینوں مرکزی دروازے کی آڑ کر ہی اس کے عقب میں آئے ہوں گے اور اس کا یہ اندازہ درست نکلا...

دوسری طرف بھی تین پولیس مَین موجود تھے۔ مسلح اور کسی بھی کارروائی کے لیے تیار... چھ تربیت یافتہ جوان اُسے قتل کرنے کے لیے بھیجے گئے تھے۔

داس نے اُسے بھی دھوکا دیا تھا اور وہ داس کے جال میں بُری طرح پھنس گیا تھا۔

"شہزاد...!" عمارت کے قریب کھڑے ہوئے ایک شخص نے پھر پکارا۔

"کیا چاہتے ہو؟" ٹائیگر نے اُسی سمت بڑھتے ہوئے پوچھا۔ اُس کی حکمتِ عملی یہ تھی، وہ اتنے قریب آ جائیں کہ ہاتھوں سے مقابلہ ممکن ہو سکے۔

"تمہاری موت..." دوسرے شخص نے سب مشین گن کی نال پر ہاتھ پھیرتے ہوئے جواب دیا۔ "چیف کا حکم ہے کہ تمھیں موت کا تحفہ دیا جائے۔"

شہزاد اب ان سے محض چند گز دُور تھا۔

"کیا تم جانتے ہو کہ داس تمھیں استعمال کر رہا ہے؟" شہزاد نے اپنے عقب میں قدموں کی آہٹ سنتے ہوئے کہا۔ وہ جانتا تھا کہ اُسے ہر طرف سے گھیر لیا گیا ہے۔ اس کے ذہن میں مفناطیسی لہریں سی دوڑنے لگیں۔

وہ داس کا منصوبہ سمجھ گیا۔

کل کے اخبارات میں یہ سُرخی ہوگی "کمشنر کا قاتل فرار ہونے کی کوشش میں پولیس کے ہاتھوں مارا گیا۔"

"کچھ بھی ہو، ہمیں تمہارے ضائع ہونے پر بے حد ملال ہوگا۔" ایک پولیس مین نے پستول سے اس کا نشانہ لیتے ہوئے جواب دیا۔

شہزاد کے اعصاب گولی کا جھٹکا سہنے کے لیے تیار ہو گئے۔

پستول والے نے اس کے دل کا نشانہ لیا... مگر ابھی وہ لبلبی دبانے ہی والا تھا کہ کسی کٹے ہوئے درخت کی طرح زمین بوس ہو گیا۔

اُسی لمحے اُوشان کا دُبلا پتلا وجود فضا میں بلند ہوا اور اُس نے باقی دونوں پولیس والوں کو پکڑ لیا۔ شہزاد نے موقع پاتے ہی اُلٹی چھلانگ لگائی۔ اب وہ باقی تین پولیس والوں سے اُلجھا ہوا تھا۔

وہ ان تینوں پر تابڑ توڑ حملے کر رہا تھا اور اپنے عقب سے اُسے اُوشان کے خطرناک گھونسوں کی دھم دھم سُنائی دے رہی تھی۔ اسے احساس ہو گیا تھا کہ اُوشان ان میں سے کسی ایک کو بھی زندہ نہیں چھوڑے گا۔

... اور پھر ہوا بھی یہی۔

چھ جسم زمین پر بے حس و بے حرکت نظر آنے لگے۔

اُوشان کے تینوں شکار اپنے سروں سے نرخرے سے جہنم رسید ہو چکے تھے جبکہ شہزاد کے دونوں حریف ریڑھ کی ہڈی ٹوٹنے سے مرے تھے۔ اس کا تیسرا حریف اب بھی تڑپ رہا تھا۔ اُس کی سانس آجا رہی تھی۔

اُوشان اُس کی طرف لپکا تو شہزاد نے اسے روک دیا۔

"نہیں اُوشان... اس سے کچھ پوچھنا ہے۔" یہ کہہ کر وہ اس نیم مُردہ شخص کے پاس دوزانو بیٹھ گیا۔ "میرے قتل کی اطلاع داس ہی کو دینی تھی نا؟"

"ہاں... آ..." وہ نزع کی حالت میں کراہا۔

"کس طرح؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"فون کی گھنٹی کے ذریعے... اس کے دفتر فون کرنا تھا گھنٹی دو مرتبہ بجنے کے بعد ریسیور رکھ دینا تھا۔ یہی... تمھاری موت کا سگنل... تھا..."

"شکریہ دوست۔" ٹائیگر نے اس کے سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "شاید تم یقین نہ کرو لیکن مَیں حلفیہ کہتا ہوں کہ ہم اس مُلک کی پولیس کو مکمل تباہی سے بچانا چاہتے ہیں۔ داس بڑی گہری سازش کر رہا ہے۔"

"مَیں... تم پر یقین نہیں... کر سکتا۔"

یقین کرو دوست... اور اب سو جاؤ۔" یہ کہہ کر ٹائیگر نے اس کے دل پر ہاتھ رکھ کر دباؤ بڑھا دیا۔

اُدشان لاشوں کے درمیان کھڑا شہزاد کی طرف ہی دیکھ رہا تھا۔ اس کا سبز لبادہ ہوا میں لہرا رہا تھا۔

"کیا سوچ رہے ہیں، لٹل نادر؟" شہزاد نے شوخ لہجے میں پوچھا اور یہ بھی بھول گیا کہ چند لمحے قبل ہی اس کی زندگی کو ایک سنگین خطرہ لاحق ہو گیا تھا۔

"سوچ رہا ہوں کہ تم نے انھیں بڑی شرافت سے ہلاک کیا ہے۔ نہ تو کسی کی شکل بگڑی اور نہ ہی..."

"ہاں... یہ سب رعایت کے مستحق تھے کیونکہ انھیں گمراہ کیا گیا تھا۔" شہزاد نے فلسفیانہ انداز میں جواب دیا۔

"چھ تو مارے گئے۔ اب ساتواں بھی احمقانہ حرکتوں کے الزام میں مارا جائے تو بہتر ہے۔ آخر تم یہاں تنہا آنے کی حماقت کیوں کر رہے تھے؟"

"کبھی کبھی سنک جاتا ہوں نا۔ بہر حال چلیے۔ ایک اور ضروری کام بھی نمٹانا ہے۔"

کار کی طرف بڑھتے ہوئے شہزاد نے ایک طویل سانس لے کر عمارت کی طرف دیکھا جہاں اگر وال کی لاش پڑی تھی۔

"میں نے ایک ایسے شخص کو بھی قتل کیا ہے جو اس سزا کا مستحق نہیں تھا، اُدشان... میں بے چینی محسوس کر رہا ہوں۔"

"تمھارے ہاتھوں آج تک کوئی بے گناہ قتل نہیں ہوا۔ لہٰذا یہ بے چینی دُور کرلو ورنہ میں تمھاری گردن ناپنے میں کوئی عار محسوس نہیں کروں گا۔"

"کیا آپ نے اُن لوگوں کو اس طرف آتے دیکھ لیا تھا؟" شہزاد نے موضوع بدلتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔ پہلے تو مجھے کسی خطرے کا احساس نہیں ہوا لیکن جب انھوں نے پوزیشن سنبھالنی شروع کی تو میں سب کچھ سمجھ کر چھت پر پہنچ گیا لیکن پھر میں نے سوچا کہ چھت سے ان لڑکوں پر کودنا ماسٹر آف سناجُو کے وقار کے خلاف ہوگا لہٰذا..."

وہ بولتے بولتے چپ ہو گیا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کی سماعت کسی خاص جانب مصروف ہو گئی ہو۔

ٹائیگر کے عضلات بھی تن گئے۔

خطرے کی ایک لہر سی اسے ماحول میں دوڑتی محسوس ہو رہی تھی۔

... پھر بیک وقت چار گرانڈیل افراد نے اُن پر دھاوا بول دیا۔ وہ چاروں کار کے پیچھے چھپے ہوئے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں تیز دھار اور چوڑے پھل والے چاقو چمک رہے تھے۔

وہ کسی طوفان کی طرح ان کی طرف لپکے۔

چاروں کی کوشش یہ تھی کہ اُن کے چاقو اُدشان اور شہزاد کے جسم میں اندر تک دھنس جائیں... مگر یہ اُن کی بھول تھی۔

اُن کا مقابلہ عام آدمیوں سے نہیں تھا۔

"واہ..." اُدشان کی آواز فضا میں گونجی اور فوراً ہی تحلیل ہو گئی۔ اس کے بعد خاموشی چھا گئی لیکن کبھی کبھی کسی کی کراہ اس خاموشی کو بھی توڑ دیتی تھی۔

شہزاد نے ایک شخص کی کلائی پر بیک کک سے وار کیا اور دوسرے کے سر پر ہلکا سا دوہتڑ مارا۔ بیک کک کا شکار ہونے والا اپنی کلائی پکڑ کر دوہرا ہو گیا جب کہ دوہتڑ برداشت کرنے والے نے سر جھٹکتے ہوئے خونخوار نظروں سے ٹائیگر کی طرف دیکھا اور ایک بار پھر اُس کی طرف لپکا۔

ٹائیگر نے اس مرتبہ اس کی دونوں کلائیاں پکڑ لیں۔ وہ پہلوانوں کی طرح زور لگانے لگے۔ حریف خاصا تگڑا تھا... لیکن پھر اُس کے چہرے پر کرب کے آثار نمودار ہونے لگے۔ چاقو اس کے ہاتھ سے گر گیا اور وہ گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔ اسی لمحے ٹائیگر نے ایک زوردار ٹھوکر اس کے چہرے پر ماری...

وہ شخص بے ہوش ہو گیا۔ اُس کے چہرے کا بھُرتا بن گیا تھا۔ معاً شہزاد پر عقب سے حملہ ہوا... وہ کسی سانپ کی طرح تڑپ کر پلٹا تھا۔ ڈٹی ہوئی کلائی والا بائیں ہاتھ میں چاقو پکڑے ہوئے تھا۔ اس کا پہلا وار تو اوزان بگڑنے کے باعث ضائع ہو گیا تھا۔ اگر وہ پہلا وار صحیح کرتا تو شاید ٹائیگر زخمی ہو جاتا... مگر اب موت خود اُس کے سر پر منڈلا رہی تھی۔

ٹائیگر نے لپک کر اس کی کمر تھام لی اور پھر وہ شخص فضا میں بلند ہو کر ایک درخت کی نوک دار ٹہنی پر گرا۔ اُس کا جسم اس ٹہنی میں پیوست ہو گیا اور پھر ٹہنی سمیت زمین پر آ رہا... گرنے سے پہلے ہی وہ مر چکا تھا۔

شہزاد نے ہاتھ جھاڑتے ہوئے ادھر اُدھر دیکھا۔

اُس کا پہلا شکار آخری سانس لے رہا تھا۔

دو لاشیں اُدشان کے قدموں میں پڑی تھیں اور اُدشان ایک پھول توڑ کر اُسے سُونگھ رہا تھا۔

شہزاد کو اپنی طرف متوجہ پا کر اس نے پھول اُچھال دیا اور ہاتھ جھاڑتے ہوئے کار میں بیٹھ گیا۔ کار چلی تو اُدشان نے گفتگو وہیں سے شروع کی جہاں منقطع ہوئی تھی۔

"لہٰذا میں چھت سے اُتر کر ان کے قریب جا کھڑا ہوا اور جب اُن میں سے ایک نے تمھیں گولی مارنے کے لیے پستول اُٹھایا تو میرا ہاتھ بھی اُٹھ گیا۔"

"آپ اور بہرام کا نظریہ دُرست تھا اُدشان۔" شہزاد نے کار چلاتے ہوئے کچھ سوچ کر کہا۔ "ان میں کوئی بھی اچھا آدمی نہیں تھا۔ سب ناسور تھے اور باقی بھی ایسے ہی ہیں۔"

"مجھے خوشی ہے کہ تم نے اپنی عقل کو چراگاہ سے واپس بُلا لیا ہے۔ ہاں... میں تو بھول ہی گیا تھا کہ ڈاکٹر بہرام نے تمھیں ایک پیغام بھیجا تھا۔"

"کیسا پیغام؟"

"اُس نے کہا تھا کہ بعض حالات میں کسی کی زندگی مُلک سے زیادہ قیمتی نہیں ہوتی۔"

"یہ پیغام اُس نے کب دیا تھا؟" شہزاد نے حیرت سے پوچھا۔

"یاد نہیں رہا۔"

"یاد نہیں رہا۔" شہزاد ہنس پڑا۔ "آپ نے اُس وقت تک بتانا مناسب نہیں سمجھا جب تک میرے سر سے قانون کے محافظوں کی بے گناہی کا بھوت نہیں اُتر گیا؟"

"یقین کرو میں بھول گیا تھا۔" اُدشان نے دوسری طرف دیکھ کر کہا... پھر اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیلتی چلی گئی۔

انسپکٹر داس کی میز پر رکھے ہوئے فون کی گھنٹی بجی تو اس کا ہاتھ بے ساختہ فون کی طرف بڑھا لیکن اس نے ریسیور نہیں اُٹھایا۔ دوسری گھنٹی بجی۔ تب بھی اس نے ریسیور نہیں اُٹھایا اور ہاتھ میز پر رکھ لیا... فون کی تیسری گھنٹی نہ بجی تو اس کے چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ ناچنے لگی۔

اس کے تمام مسئلے تیزی سے حل ہو رہے تھے۔

اگر وال کو شہزاد نے... اور شہزاد کو اس کے آدمیوں نے قتل کر دیا تھا اور اب پدمنی صرف اُس کی تھی۔ اس نے ایک ضروری کام کے بہانے پدمنی کو ہوائی جہاز سے ایک قریبی شہر بھیج دیا تھا تاکہ وہ اپنے باپ کی ناگہانی موت کی خبر کہیں اور سُنے۔

اس کے کمرے سے باہر کئی پولیس مین موجود تھے۔ اس نے گھڑی دیکھی تو بجنے والے تھے۔ ایک گھنٹہ اوپر ہو گیا تھا میٹنگ شروع ہونے میں تاخیر بہر حال غلط نہیں تھی۔ پریس کانفرنس میں بھی تاخیر کی جا سکتی تھی۔

اس نے میز پر رکھے ہوئے کاغذات ایک بار پھر دیکھے۔ یہ اس کی تقریر تھی۔ اسے اجلاس میں کرنی تھی تاہم وہ سوچ رہا تھا کہ اسے تحریری تقریر سے ہٹ کر بھی کچھ کہنا ہوگا۔ اسے اپنے منصوبے کا اعلان کرنا تھا اور قانون کے محافظوں کو یہ احساس دلانا تھا کہ وہی ملک کی تقدیر کے مالک اور اقتدار کے اصل حقدار ہیں۔ وہ پریس کانفرنس میں اپنے اصل عزائم پوشیدہ رکھ کر یہ اعلان کرنے والا تھا کہ پولیس کی ایک تنظیم قائم کی گئی ہے جو جرائم کے خلاف خفیہ جنگ کرے گی۔

داس نے ہال میں جھانک کر دیکھا جہاں پولیس مین جمع تھے اور زور زور سے قہقہے لگا رہے تھے۔ وہ تعداد میں چالیس کے لگ بھگ تھے لیکن چار سو سے زیادہ افراد کے برابر شور مچا رہے تھے۔

وہ پدمنی کے کمرے سے گزرتا ہوا ہال کی طرف جانے والی راہداری میں آ گیا۔ اس نے ان دو بلند قامت افراد کو دیکھا جو ہال کے آہنی دروازے پر کھڑے تھے۔ وہ اس کے سرجنٹ ایٹ آرمز تھے۔ اس کا دل خوشی سے زور زور سے دھڑکنے لگا ان میں سے ایک دارالحکومت کی میٹروپولیٹن پولیس کا ڈی۔ ایس۔ پی تھا اور دوسرا قریبی شہر کا انسپکٹر... ان کی ڈیوٹی یہ تھی کہ انصاف پسندوں کے علاوہ کوئی اور ہال میں داخل نہ ہو پائے۔

داس مسکراتا ہوا ہال میں داخل ہو گیا۔

▼▼

شہزاد نے دو گھنٹیاں بجنے کے بعد ریسیور رکھ دیا اور تیزی سے کار میں بیٹھ کر اُسے داس کے دفتر کی ناف روڈ دوڑانے لگا۔

"سکون سے گاڑی چلاؤ۔" اُدشان نے تیز رفتاری پر اعتراض کرتے ہوئے کہا۔

"سکون سے ہی گاڑی چلا رہا ہوں، اٹل نادر۔ اس شہر کا اصول یہی ہے کہ اگر گاڑی تیز نہ چلائی جائے تو لوگ اجنبی سمجھ کر پریشان کرنے لگتے ہیں۔" شہزاد نے دو کاروں کے درمیان سے گاڑی نکالتے ہوئے جواب دیا۔

"لیکن اس تیز رفتاری سے تم دوسروں کو خوفزدہ کر رہے ہو، دیکھو وہ ایک کار فوٹ پاتھ پر چڑھ گئی ہے۔"

"تو آپ ہی کیوں ڈرائیو نہیں کر لیتے۔ ہُم۔" شہزاد نے جھلاتے ہوئے کہا۔

"میں اس شیطانی چرخے کو باآسانی کنٹرول کر سکتا ہوں فرزند... ویسے میں اس گاڑی کی ضرور تعریف کروں گا جو اتنی تیز رفتاری کے باوجود ابھی تک نہیں ٹوٹی۔"

"آپ تو بعض اوقات پریشان کر دیتے ہیں۔" شہزاد نے ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔ پچھلی بار پہلے جب تم سب مشین گنوں اور پستول کی زد میں تھے

اس وقت بھی میں تمہیں پریشان ہی کر رہا تھا نا؟"

"خدا کے لیے معاف کر دیجیے۔" شہزاد نے چوکر اسٹیئرنگ پر گھونسا مار دیا اور اُوشان کی مخصوص قہقہ سُن کر اُس نے رفتار مزید بڑھا دی۔

کچھ ہی دیر بعد ان کی گاڑی پولیس ہیڈ کوارٹر سے ہٹ کر ایک طرف رُک رہی تھی۔

۲۲

وہ اُوپر پہنچے تو ان کا سامنا سب سے پہلے ان دونوں سے ہُوا جو داس کے سرجنٹ ایٹ آرمز تھے۔

"ہم معذرت خواہ ہیں جناب! کسی کو ہال میں جانے کی اجازت نہیں اندر ایک خاص اجلاس ہو رہا ہے۔" ان میں سے ایک نے کہا۔

"مگر ہمیں تو انسپکٹر داس نے مدعو کیا ہے۔" شہزاد نے احتجاج کرنے والے انداز میں کہا۔

"اوہ۔" ڈی ایس پی کا ہاتھ جیب میں چلا گیا وہ واپس آیا تو اس میں ایک کاغذ تھا۔

"آپ لوگوں کے نام کیا ہیں؟"

"میں ایس۔ احمد ہوں اور یہ آئی۔ شان۔"

"کہاں سے آئے ہیں؟"

"پرتاپ گڑھ سے۔۔۔"

"ذرا فہرست میں آپ کے نام تلاش کروں۔" ڈی ایس پی نے فہرست پر جھکتے ہوئے کہا تو اس کا ساتھی انسپکٹر بھی فہرست دیکھنے لگا اسی لمحے شہزاد کے دونوں ہاتھ بلند ہوئے، انگلیوں کی کوی ضربیں دونوں پولیس والوں کی ہنسلی کی ہڈیوں پر پڑیں اور وہ آواز نکالے بغیر ہی ڈھیر ہو گئے۔

"کیسا رہا اُوشان؟"

"بہت مناسب۔۔۔ مگر میں تم سے اچھا کام کر سکتا تھا۔"

"میں جانتا ہوں مگر میں نے آپ کو اس لیے موقع نہیں دیا کہ یہ بھی مر جاتے۔ آپ لطف اٹھانے کے بعد بے قابو ہو جاتے ہیں۔" شہزاد نے یہ کہتے ہوئے دونوں بے ہوش اُومیوں کو ایک کمرے میں چھپا دیا۔۔۔ اور پھر وہ ہال میں داخل ہو گئے۔

شہزاد کو داس فوراً نظر آ گیا وہ پولیس والوں میں گھل مل کر باتیں کر رہا تھا کبھی کسی کا کندھا تھپکتا تو کبھی کسی کو گلے لگا کر باتیں کرتا۔ وہ اسی طرح ملتا جلتا اسٹیج کی طرف بڑھ رہا تھا۔

"یہی ہے، وہ۔" انسپکٹر داس۔" شہزاد نے سرگوشی میں کہا۔

"آہ۔۔۔ یہ تو صورت ہی سے ابلیس نظر آ رہا ہے۔" اُوشان بڑبڑایا۔

"یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں؟"

"چہرہ۔۔۔ چہرہ شخصیت کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ انسان کسی نہ کسی وجہ سے انسان کو قتل کرتا چلا آ رہا ہے مگر یہ شخص پلا وجہ قتل کرنے میں لذت محسوس کرتا ہو گا اس کی آنکھوں میں بربریت کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے۔۔۔ میں اس سے پہلے بھی ایسی آنکھیں دیکھ چکا ہوں۔"

لوگ اب کرسیوں پر بیٹھنے لگے تھے۔

"اُوشان! آپ یہیں رہیں۔ میں اس قصے کو ختم کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے، میں یہیں رُکتا ہوں، اگر میری ضرورت پڑے تو سیٹی بجا دینا۔" اُوشان نے کہا اور شہزاد آگے بڑھ گیا۔

۲۲

شہزاد ہجوم میں شامل ہو گیا۔ اس نے اپنا چہرہ جھکا رکھا تھا اگر داس کی نظر اس پر پڑے تو وہ اسے فوری طور پر نہ پہچان سکے بہت سے لوگ اب بھی ہیٹ پہنے ہوئے تھے۔ اس نے بھی ایک فولڈنگ کرسی سے ایک ہیٹ اٹھا کر سر پر رکھ لیا۔

داس اب اسٹیج کی سیڑھیوں پر تھا۔

پلیٹ فارم پر پہنچ کر اس نے ہاتھ کے اشارے سے لوگوں کو کرسیوں پر بیٹھ جانے کی ہدایت کی اور پھر سبھی لوگ اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے۔

"پورے ملک سے آئے ہوئے تربیت یافتہ پولیس مین تخریب کار قاتل بنا دیا گیا تھا۔

شہزاد سوچنے لگا کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کی راہ میں جرائم سے نمٹنے کے بے شمار رکاوٹیں ہوتی ہیں۔ ایسے لوگوں کو داس نے اپنا بنا لیا تھا

داس کا ہاتھ ایک بار پھر بلند ہوا۔ اس وقت وہ لوگوں کو خاموش رہنے کی تلقین کر رہا تھا۔

"انصاف پسندو!" داس کی آواز ہال کی دیواروں سے ٹکرانے لگی "میں تمہیں دارالحکومت میں خوش آمدید کہتا ہوں۔" وہ بڑے باوقار انداز سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ "یہ لمحہ میرے لیے فخر و انبساط کا لمحہ ہے۔ مجھے فخر ہے کہ میں بہترین پولیس والوں سے ملاقات کا اعزاز حاصل کر رہا ہوں۔ آپ لوگ اس قوم کے بہترین سپوت ہیں۔ آپ نے قانون کی۔۔۔ بالادستی کے لیے کئی کئی بار اپنی زندگی داؤ پر لگائی ہے اور آپ وہ سپوت ہیں جنھوں نے اضافی قربانی دینے کا بھی عہد کیا ہے۔ یہ عہد آپ کی برادری کا کوئی دوسرا فرد نہیں کر سکا۔"

شہزاد بغور داس کا ایک ایک جملہ سُن رہا تھا۔

"ایک گھنٹے بعد اختباری تمانندے یہاں پہنچ جائیں گے اور میں ان کے توسط سے قوم کو انصاف پسند تحریک کے قیام کی تفصیل بتاؤں گا۔ میں انھیں بتاؤں گا کہ ہم نے جرائم کے ناسور کاٹ پھینکنے کے لیے کس طرح ایک نجات دہندہ تحریک بنائی ہے۔ آپ لوگوں کو متعارف کرایا جائے گا اور ہم یہ بتائیں گے کہ حال ہی میں جرائم کیوں بڑھ گئے ہیں۔" یہ کہہ کر وہ ہنس پڑا اور کئی دوسرے بھی اس کی ہنسی میں شامل ہو گئے۔

"میں آپ کو بتاتا ہوں کہ ان جرائم کے ذمہ دار عناصر کو سزا ملے گی۔ اس طرح یہ بھی ثابت ہو جائے گا کہ انصاف پسندوں کو کارروائی کرنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔ اس کے بعد ہمارا بنیادی کام یہ ہو گا کہ ملک کا ہر پولیس مین اور ہر سیکورٹی فورس ہماری تنظیم میں شامل ہو جائے تاکہ ہم ایک متحدہ طاقت بن کر اُبھریں اور اپنے مقاصد حاصل کریں۔ جب ملک کے سیاست داں ناکام ہو جائیں، قانون ناکافی ثابت ہو، جب جرائم کا ارتکاب کرنے والے ہی ریاست کے مالک ہوں تو انصاف پسند تحریک کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ اب جہاں کہیں بھی جرم ہو گا، انصاف پسند وہاں پہنچ جائیں گے اور مجرم کو موقعے ہی پر سزا دیں گے۔ میں تو یہ بھی کہہ سکتا ہوں کہ اگر جرائم ایوان وزارت عظمٰی میں ہوئے تو ہم وہاں بھی کارروائی کریں گے۔"

شہزاد منہ نیچے کر کے مسکرانے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ داس نے بہت کچھ کہہ کر بھی اپنے عزائم واضح کر دیے ہیں۔

"ہم نے اپنے کام کا پہلا مرحلہ مکمل کر لیا ہے۔ اسے آپ لوگ منصوبہ بندی اور تیاری کا مرحلہ کہہ سکتے ہیں۔" یہ کہہ کر وہ پھر مسکرایا اور اگلی صفوں میں بیٹھے ہوئے لوگ بھی مسکرانے لگے۔

"۔۔۔ تو خوشی اور مسرت کی بات یہ ہے کہ آج شب میری ملاقات دلیش کے دلیر سپوتوں سے ہو رہی ہے اور ہم ایک ایسے طویل سفر پر روانہ ہو رہے ہیں، جس کی منزل جرائم سے پاک معاشرہ ہو گی ہم وہ دور لانا چاہتے ہیں جس میں ہمارے بچے خوفناکیوں سے محفوظ ہوں گے، کوئی بیگار کیمپ نہیں ہو گا۔۔۔ سڑکوں پر ٹوٹ مار نہیں ہو گی، عورت ناموس محفوظ ہو گی۔۔۔ اور اگر اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے ہمیں سیاسی اقتدار کی ضرورت محسوس ہوئی تو میں اعلان کرتا ہوں کہ انصاف پسند جیالے اسے بھی حاصل کر کے اسے ملک کے مفاد میں استعمال کریں گے۔"

"درست۔۔۔ صحیح ہے۔۔۔ واہ۔۔۔ زندہ باد۔" ہال میں مختلف آوازیں گونجنے لگیں۔

داس نے جان بوجھ کر تقریر میں وقفہ دیا تاکہ لوگ اپنی اپنی رائے کا اظہار کر سکیں۔

"۔۔۔ اور یہی وجہ ہے کہ آج میں بے حد فخر محسوس کر رہا ہوں۔" داس نے وقفے کے بعد تقریر پھر شروع کی۔ "لیکن مجھے فخر و مسرت کے احساس کے ساتھ ایک دُکھ بھی ہے میں کمشنر اگروال کو سلام کرتا ہوں انھوں نے انصاف پسند تحریک کی بنیاد رکھی اور ہر موڑ پر مکمل حمایت کی لیکن ابھی۔۔۔ یہاں آتے ہوئے مجھے اطلاع ملی ہے کہ ہمارے اس تنظیم قائد کو اس کے گھر میں قتل کر دیا گیا ہے۔"

ہال میں خاموشی چھا گئی اور پھر لوگوں نے طویل سانس لے کر داس کو گھورنا شروع کر دیا۔

"پہلے تو میں نے سوچا کہ یہ اجلاس ملتوی کر دیا جائے لیکن عظیم اگروال کی موت کے بعد ان کا مشن ہی ان کی یادگار رہ گیا ہے لہٰذا میں نے فیصلہ کیا کہ تمام تر رنج اور دُکھ کے باوجود اجلاس پروگرام کے مطابق ہونا چاہیے۔ ان کی موت کے بعد میرا عزم اور زیادہ پختہ ہو گیا ہے۔"

"مگر یہ قتل کیسے ہوا؟" کسی نے سوال کیا۔

"وہ اپنے گھر میں قتل کیے گئے۔" داس نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔ "قتل کی ذمے داری شہر کے ایک بدنام بدمعاش اور قاتل پر عائد ہوتی تھی وہ کرائے کا قاتل تھا، وہ ایسا شخص تھا جس نے محکمہ پولیس میں بھی داخل ہونے کی کوشش کی تھی۔ اس شیطان کا نام شہزاد تھا لیکن یہ خوش قسمتی ہے کہ ہمارے بہترین آدمیوں نے اسے اگروال لاج کے قریب ہی ان گنت گولیوں کا نشانہ بنا دیا اور اس طرح ہم ایک حد تک اپنے قائد کے خون کا انتقام لینے میں کامیاب ہو گئے۔" یہ کہتے ہوئے اس نے جیب سے ایک بیج نکال کر سب کو دکھایا۔ یہ وہی بیج تھا جو شہزاد کو کیپٹن منوہر نے دکھایا تھا۔ "یہ انصاف پسند تحریک کا بیج ہے۔ اس کا ڈیزائن کمشنر اگروال نے خود تیار کیا تھا۔ میں دُعا کرتا ہوں کہ ہم سب اس کی آبرو برقرار رکھتے ہوئے اس کا وقار انتہائی بے خوفی اور یہ امر یقینی بنا دیں کہ آئندہ کوئی ساتھی کسی کرائے کے قاتل کی گولیوں کا نشانہ نہیں بنے گا۔"

داس نے ڈرامائی انداز میں بیج کو چومتے ہوئے سینے سے لگایا اور پھر بصد احترام جیب میں واپس رکھ لیا۔

ہال میں خاموشی کی دبیز چادر تن گئی۔

انصاف پسند، اگروال کے سوگ میں ایک منٹ تک خاموش بیٹھے رہے اور جب یہ ایک منٹ پورا ہوا تو ایسا لگا جیسے ہال میں بیٹھے ہوئے لوگوں کے سروں پر کوئی بم پھٹ گیا ہو۔

"داس! تم جھوٹے، مکار اور قاتل ہو۔"

یہ ٹائیگر کی آواز کا بم تھا جس کی دہشت حقیقی بم سے بھی دوچند محسوس ہوئی۔

لوگ ندر زدہ سے باتیں کرنے لگے۔

بہت سے سر اُٹھا اُٹھا کر اس شخص کو دیکھنے لگے جس نے داس کو چیلنج کیا تھا۔ وہ اب اسٹیج کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس نے ابھی تک ہیٹ نہیں اتارا تھا یہی وجہ تھی کہ داس اسے ابھی تک پہچاننے کی کوشش کر رہا تھا اس کے چہرے پر خوف نہیں بلکہ تجسس تھا۔ اس کی نظریں شہزاد پر جمی ہوئی تھیں جو اپنی عام چال کے برعکس جھومتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔

ٹائیگر اسٹیج کی سیڑھی پر پہنچا تو داس کا چہرہ حیرت اور خوف سے بگڑتا چلا گیا۔

اس نے آنے والے کو پہچان لیا تھا۔

اسٹیج پر پہنچ کر ٹائیگر نے سرد نظروں سے انسپکٹر داس کو دیکھا جو ابھی تک یہ فیصلہ نہیں کر سکا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہیے۔ چند لمحوں تک دونوں ایک دوسرے کو گھورتے رہے۔۔۔ پھر شہزاد پولیس والوں کی طرف پلٹ گیا جو سراسیمگی اور مضطرب بیٹھے تھے۔

شہزاد نے ایک ہاتھ بلند کر کے کہنا شروع کیا "میں آپ حضرات کے سامنے وہ خط پڑھنا چاہتا ہوں جو کمشنر اگروال نے اپنی موت سے قبل تحریر کیا تھا۔" ٹائیگر کے لہجے میں اعتماد اور سحر انگیز کشش تھی۔ اس نے جیب سے اگروال کا خط نکال کر کھول لیا۔ "اگروال ذہنی طور پر ایک بیمار شخص تھا، حضرات! اس نے انتقام لینے کے لیے تحریک شروع کی تھی جو بعد میں اس کے ہاتھ سے نکل گئی اور اس تحریک نے ایک ایسی شکل اختیار کر لی جو قانون کے نہیں بلکہ صرف ایک شخص۔۔۔ فساد میں تھی جس کے باعث اگروال نے خودکشی کا فیصلہ کیا اور یہ خط اس کا آخری بیان ہے۔ اس میں اگروال نے سب کچھ دو ٹوک انداز میں لکھ دیا ہے۔ یہ بتایا ہے کہ اس نے انصاف پسند تحریک کس طرح اور کیوں شروع کی۔ آغاز میں اس کا مقصد صرف یہ تھا کہ جو اثم کا سراغ لگایا جائے لیکن پھر یہ تحریک اس کے ہاتھوں سے نکل کر ایک سیاسی تنظیم بنتی چلی گئی۔ اگروال نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس نے تحریک کو سیاسی بننے سے روکنے کے لیے کتنے ہی جتن کیے لیکن وہ ناکام رہا۔ وہ لکھتا ہے "میں یہ سب کچھ صرف اس لیے تحریر کر رہا ہوں کہ حکام احتیاطی تدابیر اختیار کرتے ہوئے اس تنظیم کا قلع قمع کر دیں تاکہ ملک و قوم، انسانیت، جمہوریت اور مساوات کی راہ پر گامزن رہے، آئین برقرار رہے اور بنیادی آزادیوں کی ضمانت کو کوئی آنچ نہ آئے۔"

شہزاد نے یہ پیراگراف پڑھ کر ایک طویل سانس لی۔ "اس نے آپ لوگوں کو ایک وصیت بھی کی ہے۔ وہ لکھتا ہے۔" میں ان جوانوں سے مخاطب ہوں جو وردی پوش ہیں اور جن کی وردیاں انسانیت اور جنگل کے قانون میں امتیاز کرنے کی واحد علامت ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ جب آپ لوگوں کے سامنے حقائق پیش کیے جائیں گے تو آپ بھی یقین کر لیں گے کہ آپ کو گمراہ کیا گیا ہے۔ آپ کا فرض انسان اور انسانیت کو جرائم کا، قانونیت اور آمرانہ رجحانات سے بچانا ہے۔ یہی مقدس نرین مقاصد ہیں جن کو حاصل کرنے والے مہذب کہلاتے ہیں۔ انھی مقاصد کے حصول کی راہ میں، میری قربانی ایک ادنیٰ سی چیز ہے لیکن شاید اسی قربانی سے قانون کے نام پر لاقانونیت کا سلسلہ بند ہو جائے۔"

یہ کہہ کر شہزاد پولیس والوں کے چہروں کا جائزہ لینے لگا۔

"یہ جھوٹ ہے۔" داس نے چلا کر کہا۔ "جعل سازی ہے، اس پر یقین مت کرو۔"

شہزاد نے مسکراتے ہوئے ہیٹ اتار پھینکا۔ "میں کبھی جھوٹ نہیں بولتا۔ میرے محترم استاد نے جھوٹ کو جسم کے لیے زنگ کے مترادف قرار دیا ہے۔ میں سب کچھ جانتا ہوں کیونکہ میں نے ہی اگروال کو قتل کیا ہے۔ میں نے اسے اس لیے قتل کیا کیونکہ مجھے ایسا کرنے کا حکم ملا تھا۔۔۔ اور مجھے یہ حکم کس نے دیا تھا؟ پولیس والوں کے نام نہاد دوست انسپکٹر داس نے۔۔۔ اور اس حکم کی وجہ یہ تھی کہ اگروال اسے سیاسی قوت بننے سے روکنا چاہتا تھا۔"

"تم جھوٹے ہو۔" داس نے ایک مرتبہ پھر چلاتے ہوئے کہا اور پستول بھی نکال لیا۔

"دیکھا حضرات! اب یہ مجھے قتل کرنے کے درپے ہے تم قاتل داس۔۔۔ قاتل۔۔۔ لیکن مجھ پر حملہ کرنے سے قبل اپنے ان آدمیوں کو حشر یاد کرو جنھوں نے کئی مرتبہ مجھے قتل کرنے کی اجتماعی کوششیں تھیں۔ اگر بس دبا نا چاہتے ہو تو میں تمھیں نہیں روکوں گا لیکن بہتر گا کہ تم خود ان لوگوں کو ساری حقیقت بتا دو انھیں بتا دو کہ تم ہی تنظیم کے سرغنہ ہو اور تم نے ہی اگروال کے قتل کا حکم دیا تھا۔"

"نہ۔۔۔ تم۔۔۔ غلیظ شیطان۔ تم جھوٹ بولتے ہو۔" داس نے پیچھے ہوتے ہوئے کہا۔ "اگروال کے قاتل تم ہو۔"

"ہاں۔۔۔ میں نے اس سے کب انکار کیا ہے۔" شہزاد نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "لیکن تم بھی یہ تسلیم کر لو کہ قتل کا حکم تم نے دیا تھا۔"

ٹائیگر اب داس سے صرف تین قدم دور تھا اور اس کی آنکھوں میں ایسی نفرت کی آگ سلگ رہی تھی جس کی حدت سے گلاس تک پگھل سکتا تھا۔

اچانک ہی داس کو اس بھیانک مار پارٹی کا حشر یاد آ گیا جو اس کی قیادت میں شہزاد کو قتل کرنے اس کے گھر گئی تھی۔ اس کی نظروں کے سامنے صحن میں بکھری ہوئی لاشیں رقص کرنے لگیں۔ اسے اچانک ہی موت کی بو محسوس ہونے لگی جو ٹائیگر اپنے ساتھ لے کر آیا تھا۔

"ببلی دباؤ داس!" ٹائیگر نے اسے پھر چیلنج کیا۔ "لیکن ایک بات سن لو۔ جب تمھارا سانس اکھڑ رہا ہوگا۔۔۔ تم آہستہ آہستہ دم توڑ رہے ہو گے تو یہی جوان اپنے بیج اتار کر تمھارے غم مردہ جسم پر ڈالتے رہیں گے تم نے بڑی بھیانک غلطی کی تھی داس! تم انھیں احمق سمجھ بیٹھے لیکن یہ لوگ تم سے کہیں زیادہ ہوشیار ہیں یہ جرم تو ہے کہ جرموں پر گرفت کرتے ہیں۔ ان میں سے چند بے گناہی کا پروانہ حاصل کر کے رہا ہو جاتے ہیں لیکن یہ جانتے ہیں کہ ٹھوس ثبوت کے بغیر انصاف نہیں ہوتا۔ کوئی مجرم رہا ہوتا ہے تو اس میں عدالت یا قانون کا کوئی قصور نہیں ہوتا بلکہ تفتیش کا۔ قصور ہوتا ہے ہمیں زندہ رہنے کا حق ہے لیکن تمھیں مزید سانس۔۔۔ جینے کا کوئی حق نہیں۔۔۔ چلاؤ گولی۔"

ٹائیگر کے چہرے پر انتہائی زہر ناک مسکراہٹ ناچ رہی تھی۔ یہ وہی مسکراہٹ تھی جو داس نے اس کے چہرے پر اس وقت دیکھی تھی جب وہ اپنے صحن میں حلف آفسر قانون کے محافظوں کو ہلاک کر رہا تھا۔

دیکھتے ہی دیکھتے داس کا پستول کی نال بلند ہوئی اور ابھی کوئی کچھ سمجھا بھی نہ تھا کہ اس کی کنپٹی سے خون بہنے لگا۔ اس نے ریوالور کی نال کنپٹی پر رکھ کر ٹریگر دبا دیا تھا۔

پستول اس کی انگلیوں سے نکل کر اسٹیج پر گرا اور پھر اچھل کر عین اس جگہ گرا جہاں داس کا جسم گر رہا تھا۔ اس کی بیب سے بہت سا مغز بھی نکل کر گر گیا۔ یہ داس کی وہ تاریخی تقریر تھی۔ جو اس نے بڑی محنت سے تیار کی تھی۔

شہزاد نے پستول اٹھا کر داس کی لاش پر رکھ دیا اور پھر پولیس والوں کی طرف پلٹا جو یہ ناقابل یقین منظر دیکھ کر اپنی اپنی جگہ جامد ہو گئے تھے۔

"لوگو۔۔۔" ٹائیگر کی سرسراتی ہوئی آواز ہال میں گونجنے لگی۔ "اپنے گھروں کو واپس جاؤ۔ داس اور مجھے بھول جاؤ۔ انصاف پسند تنظیم کو فراموش کر دو۔ جب بھی تمھیں یہ لگے کہ کسی جرم سے انصاف نہیں کیا گیا تو یہ ضرور سوچنا کہ شاید تمھاری تفتیش میں کوئی غلطی ہو گئی تھی۔ جاؤ۔۔۔ لوگ تم پر اعتماد کرتے ہیں۔ تم سے محبت کرتے ہیں کیونکہ تم ان کی آبرو کے محافظ ہو۔"

وہ شاید طبی تقریر کرنے کے موڈ میں تھا لیکن معاً دو شان ایک دروازے کی آڑ سے نکل آیا۔ اس نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر شہزاد کو خاموش رہنے کی ہدایت کی۔

"لوگو! گھر جاؤ۔" شہزاد نے آخری بار بہت نرم لہجے میں سب اور پھر اسٹیج سے کود کر دو شان کے نشانہ لبشانہ صدر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

وہ ابھی صدر دروازے کے قریب ہی پہنچے تھے کہ ہال میں موجود آدمی انصاف پسند تحریک کے یرغمال نکال کر داس کی لاش پر یوں جھپٹنے لگے گویا ان سے اسے سنگسار کر رہے ہوں۔

"تحسین۔ مجھے تم پر فخر ہے بچے!" دو شان نے پُرمسرت لہجے میں کہا۔ "تم نے ان تمام گمراہوں کو راہ راست پر ڈال دیا ہے۔"

"آہ۔۔۔ کاش کوئی ہمیں بھی راہ راست پر ڈال دے۔" شہزاد نے ہنستے ہوئے کہا، وہ بھی میرے ہاتھوں الٹا سیدھا انصاف کراتا رہتا ہے۔"

وہ بڑی دیر سے خاموش اور ساکت بیٹھا ہوا تھا۔

ایک کھٹکا نہ جانے اس اثر کن شیشہ کدے میں کہاں سے گھس آئی تھی۔ یہ کھٹکا بار بار اس کے منہ پر بیٹھ جاتی تھی۔۔۔ اور وہ ہاتھ کی خفیف سی حرکت سے اسے اڑا دیتا تھا۔ شاید اس کے ہاتھ کی ضرب سے دو تین بار بچنے کے بعد کھٹکی کو بھی کچھ لطف آنے لگا تھا۔ اس کا ہاتھ اسے اڑا کر جیسے ہی پہلو میں جھولنے لگتا، وہ اس کی ناک پر آ کر بیٹھ جاتی۔ رفتہ رفتہ اسے غصہ آنے لگا۔ کھٹکی کبھی اس کے رخسار پر بیٹھ جاتی اور کبھی اس کے ابرو کے بالوں میں گدگدی کرنے لگتی۔ غصہ بڑھتا گیا۔۔۔ حتیٰ کہ دو تین بار اس نے اتنے زور سے ہاتھ مارا کہ خود اس کا ہاتھ اپنے رخسار سے ٹکرا گیا۔ چٹاخ کی تیز آواز پیدا ہوئی اور اس کا غصہ دوچند ہو جاتا۔۔۔ لیکن وہ ایک سمجھ دار آدمی تھا۔ اس نے کھٹکی سے اس چھیڑ چھاڑ میں مزید وقت ضائع نہیں کیا اور کھسیا کر اٹھ کھڑا ہوا۔

وہ آئینے کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

اس کی بڑی بڑی مونچھیں اس کے چہرے کا رعب بڑھا رہی تھیں۔ اس نے مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے خود کلامی کے انداز میں کہا۔ "بوستان خان! انسان کی کیا حیثیت ہے۔ قدرت چاہے تو محض ایک حقیر سی کھٹکی کے ذریعے زیچ کر سکتی ہے۔" یہ کہہ کر وہ خوش دلی سے ہنس پڑا۔

بوستان خان ایک دولت مند آدمی تھا۔ کراچی میں اس کا قیام گزشتہ تیس سال سے تھا۔ لوگ کہتے تھے کہ جب وہ یہاں آیا تھا تو اس کے پاس تن ڈھانپنے کے لیے پورے کپڑے بھی نہیں تھے۔۔۔ لیکن آج وہ تیس سال پہلے والا بوستان خان نہیں تھا۔ شہر میں اس کے کئی ریستوران تھے۔ سرکاری طور پر وہ گوشت کا سب سے بڑا سپلائر تھا۔۔۔ اور بھی کئی دھندے تھے جن کو یاد کرنے کے لیے خود بوستان خان کو بھی ذہن پر زور ڈالنا پڑتا تھا۔

وہ اپنی بیوی اور دو بیٹیوں کے ساتھ ڈیفنس کی ایک شاندار کوٹھی میں رہتا تھا۔ اس کی زندگی بڑی صاف ستھری تھی۔ گوشت کی سپلائی کے سلسلے میں یا ہوٹل کے ضمن میں انتظامیہ کے افسران کو تھوڑی بہت رشوت دینے کو وہ گناہ نہیں سمجھتا تھا۔۔۔ وہ تو اس فون کال کو بھی گناہ نہیں سمجھتا تھا جو اسے ہر ہفتے ایک مخصوص وقت پر، ایک مخصوص نمبر پر کرنی پڑتی تھی۔ اس فون کال کے عوض اسے ہر ماہ معقول رقم بذریعہ ڈاک مل جایا کرتی تھی اور اسے صرف اتنا سا کام کرنا پڑتا تھا کہ گوشت کے سلسلے میں اعداد و شمار فون پر بتا دے۔ یہ پُراسرار نمبر اسی کے ایک دوست سے ملایا جاتا، جس سے اس کے بعد کبھی ملاقات نہیں

ہُوئی تھی۔ پہلے تو اس نے اسے مذاق سمجھا تھا لیکن پھر جب آزمایا تو اُسے واقعی سماعت مل گیا۔

وہ جب بھی فون کرتا تھا، دوسری طرف سے ریکارڈ کی ہوئی ایک آواز سُنائی دیتی تھی۔ دس منٹ تک وہ گوشت کی قیمتوں، اسٹاک، سپلائی، گوشت کی تیاری کے سلسلے میں پیش آنے والے مسائل وغیرہ بیان کرتا۔ ٹھیک دس منٹ میں عموماً اس کا بیان ختم ہو جاتا تھا، تب ریکارڈ شُدہ آواز پوچھتی کہ کیا اس کی بات ختم ہوگئی ہے؟ اس کا جواب ملنے کے ٹھیک دس سیکنڈ بعد دوسری طرف سے وہی نسوانی آواز اس کا شکریہ ادا کرتی اور سلسلہ خود کار انداز میں منقطع ہو جاتا تھا۔ وہ گزشتہ گیارہ سال سے بڑی باقاعدگی کے ساتھ اس نمبر پر یہ اطلاعات بہم پہنچا رہا تھا۔

آج بھی اُسی پُراسرار نمبر پر فون کرنے کا دن تھا اور وہ مقررہ وقت کے انتظار میں بیٹھا، مکھی کی وجہ سے پریشان ہو رہا تھا۔ اس نے آخری بار ہاتھ مارا تو مکھی اس کے ہاتھ میں آگئی۔ مکھی کو چٹکی میں تھام کر اس نے دوسرے ہاتھ میں ریسیور اُٹھایا۔ اُسے کندھے اور گردن کے درمیان پھنسا کر نمبر ڈائل کرنے لگا۔

جلد ہی دوسری طرف سے ٹون سُنائی دی... پھر ٹون ختم ہوتے ہی کئی بار کلک کلک کی آوازیں پیدا ہُوئیں... اور بالآخر وہ مسحور کن نسوانی آواز سُنائی دی جسے وہ گزشتہ گیارہ سال سے سُن رہا تھا اور یہ آواز ابھی تک ویسی ہی جوان اور شگفتہ تھی۔ اس کے سحر میں کوئی فرق نہیں آیا تھا حالانکہ خود بوستان خان ادھیڑ عمری کی دہلیز پر قدم رکھ چکا تھا۔ بوستان خان نے اندرونِ سندھ کسی جنگل میں شکار کا پروگرام بنا رکھا تھا اس لیے اُسے کال کرنے کی جلدی تھی... اور اسی جلد بازی میں وہ یہ محسوس نہ کر سکا کہ ڈائل ٹون کے بعد سُنائی دینے والی کلک کلک کی آوازوں میں اس بار ایک آواز زیادہ تھی۔ یہ آواز اس فالتو فون کے ریسیور کی تھی، جو بالائی منزل کے کمرے سے اس کی بیٹی آرزو نے انتہائی خاموشی سے اُٹھا لیا تھا۔

"نام... پتہ... کوڈ نمبر... اور اطلاعات..." نسوانی آواز کہہ رہی تھی۔ یہ مسحور کُن آواز سُن کر بوستان خان بولنا شروع کرتا تھا۔

"سپلائی کا کام حسبِ معمول ہے... لیکن بعض علاقوں میں گوشت کی قلت ہوتی جا رہی ہے... اس کی ایک وجہ گوشت کی خرابی ہے۔ آج میں نے جو گوشت چکھا، اس کا ذائقہ ایسا تھا جیسے میں نے تانبے کا کوئی سکہ مُنہ میں رکھ لیا ہو..." وہ بولتا رہا... پھر اچانک ہی اُسے دوسری طرف سے کچھ عجیب سی آوازیں سُنائی دینے لگیں۔ اسی مداخلت کے باعث وہ جلدی جلدی اپنا بیان ختم کر کے خاموش ہوگیا۔

بیک گراؤنڈ سے اُبھرنے والی آوازیں اَب بھی اس کی سماعت سے ٹکرا رہی تھیں۔ اچانک وہ چیخ پڑا۔ "آرزو... کیا یہ تم ہو؟"

دوسری طرف سے عجیب سی آوازیں آتی رہیں۔ ان آوازوں نے بوستان خان کو خوف زدہ کر دیا۔ آج پہلی بار اُسے محسوس ہوا تھا کہ وہ جس کسی کو بھی اطلاعات دیتا ہے، وہ یقیناً کوئی خطرناک ہستی ہے۔ ان آوازوں سے تو کم از کم یہی ظاہر ہوتا تھا... پھر اُسے تیز تیز سانسوں کی آواز سُنائی دی۔

"آرزو..." وہ پھر غرایا۔ "کیا یہ تم ہو؟"

"ہاں ڈیڈی! یہ آپ کس سے باتیں کر رہے تھے؟" وہ تجسس سے بولی۔

"تمھیں اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہونی چاہیے۔" وہ ناگواری سے بولا۔

"مَیں سب سمجھتی ہوں۔ آپ سیکرٹ سروس کے کوئی اعلا افسر ہیں، نا؟"

"اوہ..." وہ ایک طویل سانس لے کر رہ گیا۔ "ان جاسوسی ناولوں کے مطالعے نے تمھارا دماغ خراب کر دیا ہے۔"

"سچ بتائیے ڈیڈی! ورنہ مَیں ممّی کو بتا دوں گی۔" آرزو نے دھمکی دی۔

"چھوڑو اس قصّے کو..."

"آپ جاسوس ہیں، ڈیڈی؟"

"اوہ تیری لڑکی!" وہ مُسکرا دیا۔ "یہ بچّی اُسے بہت پیاری تھی اور وہ زیادہ دیر تک اس سے ناراض نہیں رہ سکتا تھا۔ "ہاں... اور مَیں گزشتہ گیارہ سال سے یہ کام کر رہا ہوں لیکن یہ راز اپنی ذات تک محدود رکھنا سمجھ گئیں۔ تم اَب اُنیس سال کی ہوگئی ہو اس لیے میں تم پر اعتماد کر سکتا ہوں۔"

"میرا اندازہ دُرست تھا۔" وہ خوشی سے بھرپُور لہجے میں بولی۔ "مَیں نے دوسری طرف کی آوازوں سے اندازہ لگا لیا تھا۔ آپ کسی کمپیوٹر سے باتیں کر رہے تھے ڈیڈی؟"

"واقعی؟" وہ خود بھی حیرت زدہ رہ گیا۔ "خیر... پھر کیا ہُوا؟"

"کیا آپ نہیں سمجھے، ڈیڈی؟"

"نہیں..." وہ جھلّا گیا۔ "مَیں چاہتا ہوں کہ اَب تم اسے بالکل بھُول جاؤ۔ تم نے یہ فون کال نہیں سُنی اور نہ ہی تمھیں کچھ یاد ہے... اور تم اس کا کسی سے بھی تذکرہ نہیں کرو گی۔ حتیٰ کہ تمھاری ممّی کو بھی بے خبر رہنا چاہیے سمجھ گئیں؟"

"مَیں کوئی بچّی نہیں ہوں۔"

"جب تک تم جاسوسی ناولوں سے متاثر ہوتی رہو گی، مَیں تمھیں بچّی ہی سمجھتا رہوں گا۔"

"جیسی آپ کی مرضی، ڈیڈی۔" سولانگ "آرزو نے ایک قہقہہ سلسلہ منقطع کر دیا۔

بوستان خان کے ہونٹوں پر مُسکراہٹ آگئی۔ وہ اپنی بیٹی کی ذہانت ہی دل میں قائل ہوگیا تھا جس نے محض فون پر آوازیں سُن کر لگا لیا تھا کہ وہ کسی کمپیوٹر کو اپنا بیان ریکارڈ کروا رہا ہے جب کہ گیارہ سال کے دوران، اس بات کا اُسے ایک بار بھی شُبہہ ہُوا تھا۔

فون کے پاس سے ہٹ کر وہ اپنی شکاری رائفل کی طرف ہوگیا جسے وہ صبح ہی سے صاف کر کے تیار کر چُکا تھا۔ اس نے وہ تھیلا لیا جس میں اس کی بیوی نے ضروری سامان رکھ دیا تھا اس کی کار باہر تیار کھڑی تھی لیکن وہ ڈرائیور کو ساتھ نہیں لے جانا تھا اس لیے اُسے صبح ہی چھٹی دے دی تھی۔ وہ کار میں بیٹھ کر کے لیے روانہ ہوگیا...

...اور پھر کبھی واپس نہیں آیا۔

▼▼

ٹائیگر نے ایک طویل سانس لے کر ریسیور رکھ دیا۔

"کیا بات ہے، فرزند! یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے تمھاری کل گئی ہو۔ چیف نے تمھاری سماعت پر کسی نئے احکام کی مار دی ہے، کیا؟" اُوشان نے اُسے چھیڑتے ہُوئے کہا۔

ٹائیگر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ وہ بے حد مغموم لگ رہا تھا۔ ہے یہ دُنیا، بُرائیوں کی دُنیا ہے۔ اب پڑوسی مُلک جانا پڑے ہاں بڑے پیمانے پر گوشت کو زہر آلود کیا جا رہا ہے۔"

اُوشان ہنس پڑا۔ "دیکھا... مَیں نہ کہتا تھا، کھانے میں صرف ہی استعمال کیا کرو۔ ان کا گوشت زہر آلود کرنے کا خیال کسی کے میں نہیں آسکتا۔" اُوشان نے مُسکرا کر کہا۔

ٹائیگر نے تھکے تھکے سے انداز میں سر کو مثبت جنبش دی اور کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ انھیں صبح ساڑھے چار بجے کی فلائٹ سے تھا اس لیے اُس کی خواہش تھی کہ کچھ دیر سکون کی نیند سو جائے۔

اندرونِ سندھ ایک زرعی فارم پر، فوج کا ریٹائرڈ میجر امام اپنے پالتو ایسیشین ٹامی کے ساتھ جہل قدمی کرتا ہُوا جنگل رف نکل گیا۔ اُسے جنگل کے درختوں سے بے حد لگاؤ تھا اور ہر شام ل کی شاخوں سے اٹھکیلیاں کرتی ہُوئی ہَوا کے جھونکے اُسے بے حد گوار محسوس ہوتے تھے۔

اس نے چلتے چلتے ایک ٹوٹی ہُوئی شاخ زمین سے اُٹھائی اور اُسے پُوری قوّت سے ایک طرف اُچھال دیا۔ کتّے نے شاخ کا ایک نظر جائزہ لیا پھر اُسے اُٹھانے کے لیے لپک پڑا۔ چند ہی لمحوں میں وہ نگاہوں سے اوجھل ہوگیا۔

میجر صاحب مُسکرائے اور گہری گہری سانسیں لیتے ہوئے آگے بڑھتے رہے۔ ان کا گنا جلد ہی واپس آگیا۔ اس کے مُنہ میں وہی شاخ دبی ہوئی تھی جسے میجر امام نے پُوری قوّت سے فضا میں پھینکا تھا... تو ہَوا کا ایک تیز جھونکا اُسے کہیں دُور لے اُڑا تھا۔

میجر امام نے جھک کر کتّے کے مُنہ سے شاخ نکالنے کی کوشش کی تو کتّے نے محبت سے اپنا اگلا ایک پنجہ ان کی گود میں رکھ دیا... اچانک میجر امام کی بھویں سکڑ گئیں۔

کتّے نے جہاں پنجہ رکھا تھا، وہاں سُرخ رنگ کا دھبّہ بن گیا تھا۔ سُرخ سُرخ... تازہ خون کا دھبّہ۔ اُنھوں نے کتّے کے چاروں پنجوں کا جائزہ لیا تو معلوم ہُوا کہ چاروں کے چاروں خون میں ڈوبے ہُوئے ہیں۔ میجر امام نے بڑی باریک بینی سے چاروں پنجے دیکھے لیکن ان میں سے ایک بھی زخمی نہیں تھا۔ وہ بوکھلا کر اُٹھ کھڑے ہُوئے۔

"اوہ ٹامی! یہ خون... چلو... مجھے دکھاؤ۔ یہ خون تمھارے پنجوں میں کہاں سے لگا ہے؟"

کتّا اُن کے آگے پیچھے دوڑتا ہُوا آگے بڑھنے لگا۔

ایک درخت کے نیچے انھیں زمین سُرخ محسوس ہوئی... انھوں نے جُھک کر زمین کو چھُوا... پھر ان کا ہاتھ اپنی ناک پر پہنچ گیا۔

یہ خون تھا... انسانی خون۔

میجر امام حیرت اور بے یقینی سے اپنے ہاتھوں کو دیکھتے رہ گئے... اور تب ان کی نگاہ اُوپر درخت کی جانب اُٹھ گئی۔ وہ فوج میں رہ چُکے تھے اور انھوں نے جنگیں بھی لڑی تھیں، جن میں اُنھیں ان گنت لاشیں دیکھنے کا موقع ملا تھا... لیکن جو لاش درخت کی شاخ سے جھُول رہی تھی، اس پر نگاہ پڑتے ہی خوف سے ان کا پُورا جسم سرد پڑ گیا تھا۔

یہ کسی شکاری کی لاش تھی۔

...لیکن لاش کی آنکھیں نہیں تھیں۔ اس کے علاوہ دل کے مقام پر بھی سوراخ تھا جہاں سے خون رِس رِس کر زمین پر گر رہا تھا۔

سلطان نورالدین زنگی
الماس ایم اے قیمت:-/250

میجر علی امام بڑے دل گردے والا آدمی تھا لیکن جنگل میں درخت سے جھولتی ہوئی اور خون کی بوندیں ٹپکاتی ہوئی لاش اس کے اعصاب پر گراں تھی۔ خاص طور سے اس کے چہرے پر دو خون آلود لٹھے بے حد خوف ناک لگ رہے تھے۔ میجر امام ایک جھرجھری سی لے کر رہ گیا۔ خوف کا اثر زائل کرنے کے لیے وہ سوچنے لگا کہ کبھی ان آنکھوں کی جگہ جو آنکھیں تھیں، وہ مقتول کے لیے کس قدر اہم رہی ہوں گی اور وہ ان کی حفاظت کے لیے کیا کچھ نہ کرتا ہوگا؟

اس نے اپنے کتے "تامی" کی طرف دیکھا جو زبان نکالے ہانپ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں لاش پر جمی ہوئی تھیں اور جیتا جاگتا سرخ سرخ خون دیکھ کر اُسے چکھنے کی خواہش قطرہ قطرہ رال بن کر اُس کی زبان سے ٹپک رہی تھی۔ اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ "تامی"۔

میجر امام نے کتے کی توجہ ہٹانے کے لیے سخت لہجے میں کہا: "چلو چلیں"۔

کتے نے مالک کی آواز سُنی تو وفاداری کا جذبہ، ازلی بھوک پر غالب آگیا۔ غیر ارادی طور پر اُس کی دُم ہلنے لگی۔ لاش سے نگاہ ہٹ کر اپنے مالک پر مرکوز ہوئی تو اس کی وحشیانہ جبلت پر اوس پڑ گئی۔ میجر امام واپس چل دیا تھا اس لیے کتا بھی اُس کی ایڑیوں سے تھوتھنی ٹکراتا ہوا اُس کے پیچھے پیچھے چل دیا۔

میجر امام کی رفتار خاصی تیز تھی۔

وہ جلد سے جلد گھر پہنچ کر اس خوف ناک لاش کے سلسلے میں قانون سے رابطہ قائم کرنے کے لیے بے چین ہو رہا تھا۔

●

صدرِ مملکت نے حال ہی میں صدارتی ذمّے داریوں کا بوجھ اپنے کندھوں پر اُٹھایا تھا اور اُن کے شب و روز بے حد مصروفیت میں گزر رہے تھے۔ ان کا خاص سیکرٹری اُس وقت دفتر میں موجود تھا اور وہ اُنھیں بعض ایسے حقائق سے آگاہ کر رہا تھا جن کا علم اُنھیں یہ منصب سنبھالنے کے بعد ہی ہو سکتا تھا۔

سیکرٹری شیرازی کچھ دیر قبل ہی صدرِ مملکت کے دفتر میں آیا تھا اور اس نے تھوڑے سے وقت میں ایسے حیرت انگیز انکشافات کیے تھے کہ صدرِ مملکت کی آنکھوں میں حیرت اور بے یقینی کے تاثرات کروٹیں لینے لگے تھے۔

"یہ بڑی ہی تحیر خیز بات ہے، شیرازی"۔ صدرِ مملکت نے مسکرا کر کہا۔ بالآخر وہ حیرتوں کے بھنور سے نکل آنے میں کامیاب ہو گئے تھے اور ان کے ہونٹوں پر سحر انگیز مسکراہٹ رقص کرنے لگی تھی۔ "سیکرٹ سروس کا چیف بھی غالباً اس شخصیت کے بارے میں نہیں جانتا، ورنہ اس کا تذکرہ ضرور کرتا"۔

"آپ کا خیال درست ہے، جناب... لیکن ہمیں خ کہ بالآخر وہ شخصیت نہ صرف ہمارے ہاں آچکی ہے بلکہ ا کرنے کا ارادہ بھی ظاہر کر دیا ہے۔ اس شخصیت نے عالمی سط کارنامے سرانجام دیئے ہیں، وہ میں مختصراً آپ کے گوش گ چکا ہوں"۔

"کیا میں اس شخصیت سے مل سکوں گا؟"

"شاید... اور ممکن ہے، آپ اب تک اس سے مل ہوں لیکن اُسے پہچاننا محال ہے۔ حقیقت یہ ہے، جناب ک جس قدر درپردہ رہے گی، قوم و ملک کے لیے اتنی ہی فائدہ ثابت ہوگی۔ بہرحال، آپ کی دائیں ہاتھ والی نچلی دراز میں سُرخ ٹیلی فون موجود ہے، آپ اس پر اس شخصیت سے را کر سکتے ہیں"۔

صدرِ مملکت نے اثبات میں سر ہلایا اور سیکرٹری کو جا اشارہ کر کے دروازہ بند ہونے کا انتظار کرنے لگے۔ دروازہ بند ہوا، خود کار تالا لگنے کی ہلکی سی کلک سُنائی دی اور صدرِ م نے اپنی دائیں دراز کھول کر فون سے ریسیور اُٹھا لیا۔

اس فون پر ڈائل نہیں تھا۔ گویا لائن براہِ راست تھی نے جیسے ہی ریسیور کان سے لگایا، دوسری جانب سے جنابا عاری ایک مُردانہ آواز سُنائی دی: "یس مسٹر پریذیڈنٹ"۔

ایک لمحے کے لیے صدرِ مملکت کی بھویں ناگواری سے ہو گئیں۔ دوسری طرف سے بولنے کی آواز میں سوالیہ انداز گونج کر بھرا ہوا تھا اور اس نے علیک سلیک یا رسمی باتوں میں ا بھی ضائع نہیں کیا تھا۔

"میں زہر خورانی کے واقعات پر بے حد تشویش میں مبت صدرِ مملکت نے بھاری لہجے میں کہا۔ ان کے لہجے میں قوم و سالمیت کے لیے گہرا خلوص گھلا ہوا تھا۔

"جی ہاں... مسٹر بہرام کی آواز اب بھی جذبات سے "اس سلسلے میں کام کا آغاز کر دیا جائے"۔

"او۔ کے مسٹر پریذیڈنٹ"۔ دوسری طرف سے کہا گیا کے ساتھ ہی سلسلہ منقطع ہو گیا۔ صدرِ مملکت چند لمحوں تک سر ہاتھ میں تھامے اُسے گھورتے رہے... پھر اُن کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی جس نے اُنھیں عوام میں بے پناہ مقبول اس مسکراہٹ میں اُن کی فطری سچائی، وطن پرستی اور خلوص کا سمندر ٹھاٹھیں مارتا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ چاپلوس اور بڑی

لانے والے لوگ کارآمد نہیں ہوا کرتے۔ جنھیں کام کرنا ہوتا ہے، اُن کے پاس رسمی باتوں کے لیے ایک لمحے کی بھی فرصت نہیں ہوا کرتی۔

گزشتہ چند دنوں سے ملک کے سب سے بڑے صوبے میں ایک عجیب و سنگین جرم سر اُبھار رہا تھا اور اس کی وجہ سے کئی اموات واقع ہو چکی تھیں۔ پولیس اور خفیہ پولیس کے دونوں محکمے اس سلسلے میں ناکام ہو چکے تھے۔ ...اور تب ان کے خاص سیکرٹری نے ٹائیگر اور بہرام کے سلسلے میں انکشاف کر کے جہاں اُنھیں حیرت سے دوچار کیا تھا، وہاں اس عظیم قومی المیے کو حل کرنے کے لیے ایک مثبت راہ بھی سُجھا دی تھی۔

●

ٹائیگر نصف شب کے وقت، شہر کے مرکزی حصّے کی ایک سڑک پر لڑکھڑاتا ہوا چلا جا رہا تھا۔ دُور ہی سے پتہ چلتا تھا کہ وہ نشے میں اس بُری طرح دُھت ہے کہ اس کے لیے چلنا دوبھر ہو رہا ہے۔

یہ جنوری کی ایک سرد ترین رات تھی اور ٹائیگر کے جسم پر صرف ایک ٹی شرٹ اور پتلون تھی۔ پتلے سے سُوتی کپڑے کی ٹی شرٹ میں تمام آدمی، اس وقت بستر سے نکلنے کا بھی تصور نہیں کر سکتا تھا جبکہ وہ سڑک پر چل رہا تھا۔ تھپڑ اڈینے والی ہوائیں، اس کے جسم سے ٹکرا رہی تھیں لیکن اب تک اس کے جسم میں کپکپاہٹ کی خفیف سی لہر بھی پیدا کرنے میں ناکام رہی تھیں۔ اچانک ایک ٹھٹھرتی ہوئی پولیس کار اس سڑک پر آگئی۔ اس میں موجود گشتی سپاہیوں نے سڑک کے بیچوں بیچ ایک شخص کو لڑکھڑا کر چلتے دیکھا تو گاڑی روک لی۔

"اے، کون ہو تم... اِدھر آؤ"۔ ایک سپاہی غرّایا۔

شہزاد ٹائیگر نے کوئی توجہ نہیں دی۔

وہ اسی طرح لڑکھڑاتا ہوا چلتا رہا۔

"او ئے۔ تم نے سُنا نہیں"۔ سپاہی کا پارہ چڑھنے لگا۔

ٹائیگر اب بھی سُنی اَن سُنی کر کے آگے بڑھتا رہا۔ دھڑ اُدھڑ پولیس کار کے چاروں دروازے کھلے اور چار پولیس مین کُود کر سڑک پر آرہے۔ ایک لمحے کے لیے سارا علاقہ اُن کے وزنی بوٹوں کی دھمک سے گونج اُٹھا... اور دوسرے ہی لمحے وہ چاروں، ٹائیگر سے گتھ گئے۔ وہ اُسے پکڑ کر گاڑی کی طرف گھسیٹ رہے تھے لیکن نہ جانے، کیا بات تھی کہ انھیں اپنے مقصد میں کامیابی نہیں ہو رہی تھی۔ چند ہی لمحوں میں پولیس مین ہانپ کر الگ ہٹ گئے اور ٹائیگر اپنی جگہ کھڑا کسی ایسے درخت کی مانند دکھائی دینے لگا جس کی جڑیں زمین میں بہت دُور تک پھیلی ہوئی ہوں... اور وہ ہواؤں کے زور پر جھوم رہا ہو...

"کیا بات ہے، گل زمان؟" پولیس کار میں بیٹھے ایس۔ آئی نے پوچھا۔

"یہ آدمی تو اپنی جگہ سے ہلتا تک نہیں، جناب!" ایک پولیس مین نے ہانپتے ہوئے جواب دیا۔

"کیا یہ مزاحمت کر رہا ہے؟" سب انسپکٹر غرّایا۔

"نہیں، یہ بات بھی نہیں ہے، جناب!" گل زمان نے کہا۔

سب انسپکٹر بڑبڑاتا ہوا کار سے اُتر آیا۔ اس نے ہولسٹر سے ریوالور نکالا اور ٹائیگر کی طرف تان کر بولا: "اوئے نشے باز! شرافت سے تھانے چلتا ہے یا بجاؤں تمھاری کھوپڑی؟ سیدھی طرح آگے لگ جا"۔

ٹائیگر نے نشے میں دُھت شرابی کی طرح لہرا کر ایک اُنگلی سب انسپکٹر کی آنکھوں کے سامنے لہرائی اور ایک فلمی گیت گنگنانے لگا تھا۔

"تان سین کی اولاد۔ تھانے چل۔ تمھاری ساری راگنی نکل جائے گی۔ اسے اُٹھا کر گاڑی میں ڈال دو"۔ سب انسپکٹر نے تحکمانہ انداز میں کہا۔

چاروں سپاہی ایک بار پھر اُس پر پل پڑے... لیکن کوشش کے باوجود وہ ٹائیگر کو اپنی جگہ سے ہلانے میں کامیاب نہ ہو سکے... سب انسپکٹر کا غصّہ آسمان کو چھوتا جا رہا تھا... پھر وہ بھی سپاہیوں کے ساتھ شامل ہو گیا لیکن نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات! ٹائیگر اپنی جگہ کھڑا اب بھی جھوم رہا تھا اور اس کے پیروں نے ایک انچ زمین بھی نہیں چھوڑی تھی۔

"نہ جانے کس مٹی کا بنا ہوا ہے"۔ سب انسپکٹر نے کھسیا کر ہٹتے ہوئے کہا۔ وہ بُری طرح ہانپ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں حیرت اور بے یقینی سے پھیل گئی تھیں۔ اس نے سپاہیوں کو دُور ہٹ جانے کا اشارہ کیا اور پہلی بار غور سے ٹائیگر کی طرف دیکھا۔

وہ بے پناہ نشے میں تھا۔ اس کی آنکھیں نیم وا تھیں اور چہرے پر کئی روز کی بڑھی ہوئی شیو کے کانٹے اُگے ہوئے تھے۔ اس کی ٹی شرٹ کے بٹن کھلے ہوئے تھے اور گریبان سے سینے کے سیاہ بال جھانک رہے تھے۔ اس کی ٹی شرٹ اور پتلون پر شکنیں تھیں اور کئی جگہ سے لباس گیلا ہو رہا تھا۔ شراب کی بُو اتنی تیز تھی کہ پولیس والوں کو اپنی کھوپڑیاں فضا میں معلق محسوس ہو رہی تھیں۔

"سنو مسٹر!" سب انسپکٹر نے ہانپتے ہوئے کہا: "تم تھانے چل رہے ہو یا نہیں؟"

"کس جرم میں؟" ٹائیگر نے ایک کروٹ پوچھا۔

"شراب نوشی اور پولیس کے اُمور میں سے زور آزمائی کے

جرم میں۔"

"میں نے پی نہیں ہے بلکہ مجھے پلائی گئی ہے۔" ٹائیگر نے گا کر جواب دیا۔ اور زور آزمائی تو تم لوگ مجھ سے کر رہے ہو۔ کھاؤ قسم، میں نے کچھ کیا ہے؟"

"تم یوں نہیں مانو گے۔" یہ کہہ کر سب انسپکٹر نے ریوالور والا ہاتھ لہرایا۔ ریوالور کا دستہ ٹائیگر کی کھوپڑی کے عقبی حصے پر پڑا اور وہ یوں تن گیا جیسے اس کا جسم مرنے کے بعد لوگوں کے تناؤ سے اکڑ کر رہ گیا ہو۔۔۔ اور پھر وہ آہستہ آہستہ سڑک پر جھکتا چلا گیا۔ حتیٰ کہ لمبا لیٹا نظر آنے لگا۔

"اسے اُٹھا کر گاڑی میں ڈالو۔" سب انسپکٹر نے فاتحانہ انداز میں کہا اور سپاہی ٹائیگر پر جھپٹ پڑے۔ اس بار انھیں کسی مدّ و شواری کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔

ٹائیگر کو پولیس کار میں ڈال دیا گیا اور گاڑی تیزی سے پولیس اسٹیشن کی طرف روانہ ہو گئی۔ ٹائیگر عقبی سیٹ پر سپاہیوں کے درمیان ساکت بیٹھا تھا اور کاریں بدبو کے بھبکے پھیل گئے تھے۔

ق

صدر پولیس اسٹیشن کا انچارج عثمان غنے کے معاملے میں پولیس کا سب سے خراب افسر تصور کیا جاتا تھا۔ وہ ابھی ابھی گشت سے واپس آیا تھا اور اُسے شہزاد ٹائیگر کے سلسلے میں اطلاع دے دی گئی تھی۔ اس اطلاع پر اُس نے غصے سے نہ صرف پاؤں پٹخا تھا بلکہ سب انسپکٹر جہاں زیب کے کندھے پر اتنی زور سے ہاتھ مارا تھا کہ اُس بے چارے کی ٹوپی تک کر کر اگر گئی تھی۔ "ہوں تو تم لوگ اب ایک شرابی سے اس کا نام اور پتہ بھی معلوم نہیں کر سکتے۔ لعنت ہے تم پر۔۔۔ کیا تم نے اُسے میرا نام نہیں بتایا۔ میرا نام سُن کر تو مُردے بھی بول پڑتے ہیں۔"

"یہ شخص اگر مُردہ ہوتا تو ضرور بول پڑتا جناب! مجھے تو لگتا ہے اس پر کوئی جن وغیرہ سوار ہے۔" جہاں زیب نے کراہ کر کہا۔

"کہاں ہے وہ؟" انچارج غرّایا۔

"حوالات میں بند کر دیا ہے۔"

"اسے نکال کر میرے دفتر میں لاؤ۔" انچارج یہ کہہ کر ایڑیاں بجاتا ہُوا اپنے دفتر میں چلا گیا۔ اس کی کھوپڑی گھوم گئی تھی۔ وہ قانون کو سختی سے نافذ کرنے کا حامی تھا اور اس کا نظریہ تھا کہ نہ صرف قانون کو سخت ہونا چاہیے بلکہ پولیس افسروں کو بے انتہا سخت گیر ہونا چاہیے۔ اسے مجرموں کے سلسلے میں سات سال کا تجربہ تھا اور اس تجربے نے یہی سکھایا تھا کہ قانون کی خلاف ورزی کرنے والوں سے نرمی کا سلوک کبھی نتیجہ خیز ثابت نہیں ہُوا کرتا۔

چار پولیس والوں کے سامنے چلتا ہُوا نوجوان جب اس کے دفتر میں داخل ہُوا تو عثمان کی آنکھوں سے یوں لگتا تھا جیسے ان میں خون اُتر آیا ہو۔ اس نے پہلے تو گہری نظر سے ٹائیگر کا جائزہ لیا۔۔۔ پھر معنی خیز انداز میں سر کو اثبات میں ہلانے لگا۔ "ہُوں۔۔۔ تو تم ایک جان آدمی ہو۔" وہ غرّایا۔

"سخت جان ہونا کوئی جُرم تو نہیں، تھانیدار صاحب!" ٹائیگر نے مسکرا کر کہا۔

کمرے میں سناٹا چھا گیا۔ وہاں موجود چاروں پولیس مین یوں کھڑے تھے جیسے انھیں سانپ سونگھ گیا ہو۔ انھوں نے آج تک کسی کو انچارج سے اس انداز میں بات کرتے نہیں سُنا تھا۔ انھیں یکایک اس نوجوان سے ہمدردی محسوس ہونے لگی۔ ان کی دانست میں اس نوجوان کی کھال اس کے جسم سے اُدھڑ کر فرش پر گرنے ہی والی تھی۔ لیکن خلاف توقع عثمان غصّے سے پاگل نہیں ہوا بلکہ اُس کی تجربہ کار نگاہیں ٹائیگر کو تولنے میں مصروف ہو گئی تھیں۔

تھانیدار کے دفتر میں تیز روشنی کا بلب جل رہا تھا۔ اس روشنی میں ٹائیگر ایک ایسے معصوم نوجوان کی طرح نظر آتا تھا۔۔۔ جسے بے تکلف دوستوں نے زبردستی شراب پلا کر بازار میں دھکیل دیا ہو۔ اس کے ہونٹوں پر بڑی ہی پیاری مسکراہٹ رقص کر رہی تھی جسے کسی شرابی کی خمار آلود مسکراہٹ ہرگز نہیں کہا جا سکتا تھا۔ اس کے کھڑے ہونے کے انداز میں بے پناہ اعتماد تھا اور اس کی آنکھوں میں اتنی چمک تھی کہ براہِ راست ان میں دیر تک دیکھنا ممکن نہیں تھا۔

"تمھارا نام؟" عثمان نے ٹھہرے ہُوئے لہجے میں پوچھا۔

"شہزاد۔۔۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔

"باپ کا نام؟" تھانیدار کے لہجے میں ذرا سی حرارت اور پیدا ہُوئی۔

"سُنو!" ٹائیگر نے ہاتھ اُٹھا کر کہا۔ "کیا تم اپنے ماتحتوں سے پوچھ سکتے ہو کہ یہ مجھے زبردستی سڑک سے اُٹھا کر یہاں کیوں لائے ہیں؟"

"اوہ! کیا یہ بھی بتانے کی ضرورت ہے؟"

"یقیناً۔۔۔ مجھے معلوم ہونا چاہیے کہ میرا قصور کیا ہے۔"

"تم نے شراب پی رکھی ہے اور یہ قانوناً ہی نہیں، مذہباً بھی جُرم ہے۔"

"کون کہتا ہے، میں نے شراب پی رکھی ہے؟"

"تو اور کیا یہ مُرے ہوئے اگربتیوں کی خوشبو پھیل ہُوئی ہے؟"

"اس بُو کا یہ مطلب نہیں کہ۔۔۔"

"اسے پچھلے کمرے میں لے جاؤ۔" تھانیدار ہاتھ اُٹھا کر دھاڑا۔ "اور جب اس کی زبان میرے سوالوں کا جواب دینے پر آمادہ ہو جائے تو اسے واپس لے آنا۔"

"میں تمھیں تنبیہہ کرتا ہوں کہ مجھ پر ہاتھ اُٹھا کر تم قانون شکنی کے مرتکب ہو گے۔" ٹائیگر نے پُرسکون لہجے میں کہا۔ "پھر اگر مارنا ہی ہے تو پچھلا کمرہ کیا اور اگلا کمرہ کیا۔ ان سے کہو کہ جو کچھ کرنا ہے، یہیں کر لیں۔"

"اس کا دماغ دُرست کرو۔" تھانیدار چیخ کر بولا اور اس کے ساتھ ہی اس نے میز سے رُول اُٹھایا اور پھر وہ رُول پوری قوت سے ٹائیگر کے بائیں بازو پر دے مارا۔ اُس کے جیسے ہی رُول اُٹھایا تھا، ٹائیگر کے جسم نے غیر محسوس انداز میں اکڑنا شروع کر دیا تھا اور جب رول اس کے بازو سے ٹکرایا تو اس کا جسم پتھر ہو چکا تھا۔ نتیجۃً رول جیسے ٹکرایا، دو ٹکڑے ہو گیا۔

تھانیدار نے حیرت سے رول کی طرف دیکھا۔ اس رُول سے وہ سخت جان جرائم پیشہ لوگوں کی کئی کئی منٹ تک مرمت کر چکا تھا اور اس کی ضربوں سے ان کے فرشتے تک بول اُٹھتے تھے۔۔۔ لیکن آج یہ رُول ٹوٹ گیا تھا اور اُسے یوں محسوس ہُوا تھا جیسے اس نے رُول کی چوٹ کسی انسانی جسم پر نہیں بلکہ پتھر کے کسی بُت پر لگائی ہو۔

"مار مار کر اس کا بھُرکس نکال دو۔" عثمان کی غراہٹ میں کسی اُلّو کے پٹھے جیسی سفاکی تھی۔

ٹائیگر اطمینان سے کھڑا مسکراتا رہا۔ اس کا سکون اُن لوگوں کے لیے چیلنج کی حیثیت رکھتا تھا۔ چاروں پولیس والے اس پر ٹوٹ پڑے۔ ایک نے اس کے جبڑے پر گھونسہ مارا، دوسرے نے لات گھما کر پیٹ میں ماری، تیسرے نے پشت سے دو ہتڑ چلایا اور چوتھے نے اس کی پسلیوں میں جوتے کا اگلا حصّہ آزمایا۔

تھانیدار عثمان کی نگاہ ٹائیگر پر جمی ہُوئی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ اس یلغار سے اُس کی چیخیں نکل جائیں گی۔۔۔ اور وہ ان چیخوں پر ماحول کو مزید ڈرامائی بنا دے گا۔ چیخیں سُنتے ہی اس کا حلق قہقہہ اُگلنے کے لیے بے چین ہو گیا لیکن اس قہقہے نے وہیں دم توڑ دیا۔ آواز مُنہ سے باہر آئی تو اُسے قہقہہ نہیں بلکہ شدید استعجابیہ غرّاہٹ کہا جا سکتا تھا۔۔۔ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ شہزاد نہیں چیخا تھا بلکہ چاروں سپاہی حلق کے بَل چیخ اُٹھے تھے، جنھوں نے اس پر حملہ کیا تھا۔ گھونسہ مارنے والے نے اپنا ہاتھ تھام لیا تھا۔ اس کی انگلیوں کے جوڑ ٹوٹ گئے تھے اور ہڈیاں گوشت سے باہر آ گئی تھیں۔

وہ زخمی ہاتھ دوسرے ہاتھ سے تھام کر کنپٹی ران میں چھپانے کی کوشش کر رہا تھا اور اس کے چہرے پر کرب کی علامتیں زندہ ہوتی جا رہی تھیں۔ جس شخص نے لات گھما کر پیٹ میں ماری تھی، اس نے فرش پر بیٹھ کر اپنا پاؤں تھام لیا تھا۔ اس کا مُنہ بے آب مچھلی کی طرح کھُلا ہُوا تھا اور اس کی آنکھیں اپنے ٹخنے کا جائزہ لے رہی تھیں جہاں کی گول ہڈی اپنی جگہ سے کھسک گئی تھی اور کوئی دوسری ہڈی اپنی جگہ سے ٹوٹ کر نوک دار خنجر کی طرح گوشت اور کھال کو پھاڑتی ہُوئی، گول ہڈی سے بھی آگے نکل گئی تھی۔ اس کے حلق سے اب تک آواز نہیں نکلی تھی۔ مارے تکلیف کے اس سے شاید چیخا ہی نہیں جا رہا تھا۔ تیسرا شخص اپنی ٹوٹی ہُوئی کلائیاں دیکھ کر یوں چیخ رہا تھا جیسے کسی بکرے کو گرا کر ذبح کیا جا رہا ہو۔ اس کے دونوں ہاتھ کلائیوں سے ٹوٹ کر جھول رہے تھے جس شخص نے ٹائیگر کی پسلیوں کو نشانہ بنایا تھا، وہ اس ٹانگ کو اُٹھائے، دوسری ٹانگ پر اُچھل کُود کر رہا تھا اور اس کے حلق سے آتی دلدوز چیخیں نکل رہی تھیں جیسے اُس نے غلطی سے دہکتے ہُوئے کوئلوں پر ننگا پاؤں رکھ دیا ہو۔

عثمان کا مُنہ ابھی تک کھُلا ہُوا تھا۔

وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے ٹائیگر کو گھُور رہا تھا۔

"مسٹر تھانیدار!" ٹائیگر کی آواز اَب گونج دار ہو گئی تھی۔ "اس میں کوئی شک نہیں کہ تم ایک سرکاری آدمی ہو اور تمھیں قانون کا محافظ بنایا گیا ہے۔۔۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم ہر کسی کو ایک ہی لکڑی سے ہانکنے کی کوشش کرو۔ اگر تمھیں مجھ پر شراب پینے کا الزام عاید کرنا تھا تو اس کے لیے میرے معدے سے مواد حاصل کر کے اس کا لیبارٹری ٹیسٹ کروانا ضروری تھا۔ محض بُو سے تم مجھے شرابی قرار نہیں دے سکتے۔"

"تم۔۔۔ تمھیں پھانسی کے پھندے پر لٹکا دیا جائے گا۔" عثمان کی آواز تلخی میں ڈوبی ہُوئی تھی۔

"وہ کس خوشی میں؟"

"ان چاروں کو زخمی کرنے کے سلسلے میں۔"

"حالانکہ تم جانتے ہو کہ میں نے جواباً کوئی کارروائی نہیں کی۔ انھوں نے اپنی حماقت سے اپنا نقصان کیا ہے۔"

"تم یہ بات کبھی ثابت نہیں کر سکو گے۔"

"یہ شوق بھی پورا کر کے دیکھ لو۔"

"اسے لے جا کر بند کر دو اور ابتدائی رپورٹ لکھنے کا رجسٹر میرے پاس لے آؤ۔" عثمان نے کمرے کے باہر دروازے پر کھڑے پولیس والوں سے مخاطب ہو کر کہا جو سپاہیوں کی چیخ و پکار سُن کر وہاں جمع ہو

گئے تھے۔

○

ٹائیگر نے کروٹ لی اور سلاخ دار دروازے کی طرف دیکھا جو عین اسی لمحے کھلا تھا اور اس سے ایک شخص کو اندر دھکیل کر اسے دوبارہ بند کر دیا گیا تھا۔ اندر آنے والا اس انداز میں حوالات میں داخل ہوا جیسے وہ اپنے گھر کے کسی آرام دہ کمرے میں قدم رکھ رہا ہو۔

اس تنگ اور نیم تاریک کمرے میں اس وقت ٹائیگر سمیت چار آدمی تھے۔ دو آدمی بدبودار کمبلوں میں فرش پر پڑے کانپ رہے تھے اور ایک دیوار سے ٹیک لگائے سگریٹ پھونک رہا تھا۔

نووارد نے رُک کر گہری نظروں سے حوالات کے مکینوں کا جائزہ لیا۔

اس نے کھڑے کھڑے اپنی جیب ٹٹولی اور کچھ تلاش کرنے لگا لیکن شاید وہ چیز اُس کی جیب میں سرے سے موجود ہی نہیں تھی۔ اس کا ہاتھ جیب سے نکلا تو اُس میں ایک ماچس دبی ہوئی تھی۔ وہ متلاشی نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔

"اے..." اس نے دیوار سے لگ کر بیٹھے ہوئے شخص سے کہا۔ "مجھے ایک سگریٹ دو۔"

"یہ آخری سگریٹ ہے، اُستاد۔" یہ کہہ کر اس شخص نے ایک آخری کش لگایا اور ٹوٹا دُور باتھ روم کی طرف پھینک دیا جہاں سے بدبُو کے بھبکے لپُٹ کے کمرے میں آ رہے تھے... پھر اس شخص نے بوسیدہ کمبل اوڑھ لیا اور لیٹ گیا۔

اگلے ہی لمحے اس کی چیخ سے پوری حوالات گُونج اُٹھی۔

دو محوِ خواب حوالاتی بھی بوکھلا کر اُٹھ بیٹھے۔

ٹائیگر بھی پلکیں جھپکانے لگا۔ مارے غصّے کے اس کے جبڑے بھنچ گئے تھے۔ نووارد نے اُس شخص کو اتنی زور سے ٹھوکر لگائی تھی کہ شاید اُس کی کوئی پسلی ہی ٹوٹ گئی تھی۔ حوالات کے باہر کھڑے سنتری نے دھاڑ کر چیخنے والے کو خاموش رہنے کا حکم دیا اور وہ بیچارہ کراہ کر رہ گیا۔ اس کے کراہنے اور پھر رونے کی دھیمی دھیمی آوازیں حوالات میں گونجتی رہیں۔

"شلارد کی حکم عدولی، موت کا دوسرا نام ہے۔" نووارد کا لہجہ خوف ناک تھا۔ اُس نے باری باری باقی دونوں سے سگریٹ طلب کی۔ انھوں نے معذرت کر لی کہ وہ سگریٹ نوشی نہیں کرتے... تب وہ ٹائیگر کی طرف متوجہ ہوا۔ "سگریٹ نکالو۔"

ٹائیگر نے جیب میں ہاتھ ڈال کر نکالا اور اُس کی طرف بڑھا دیا... لیکن اس کا ہاتھ خالی تھا۔ نووارد نے چند لمحے تو اس کی طرف یوں دیکھا جیسے یقین کر رہا ہو کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ ٹائیگر کی ہتھیلی سگریٹ کا پیکٹ موجود ہو اور اُسے نیم تاریکی میں دکھائی نہ دے رہا ہو... پھر وہ کسی درندے کی طرح دھاڑتا ہوا ٹائیگر پر آ گرا۔

ٹائیگر نے اپنی جگہ سے ذرا سی بھی جنبش نہیں کی۔

وہ اس سے ٹکرایا اور قریب ہی فرش پر گر گیا۔

گرنے سے خاصی آواز پیدا ہوئی تھی اور پھر وہ شخص جو گرا تھا، وہیں ساکت ہو گیا۔ تب ٹائیگر نے دیکھا کہ اُس کے ہاتھ میں ایک تیز دھار خنجر ہے۔ وہ چند لمحوں تک اس خنجر کی طرف دیکھتا رہا پھر اس کے ہونٹوں پر بڑی ہی عجیب سی مُسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ اس شخص کو اُسے قتل کرنے یا کم از کم شدید زخمی کرنے کے سلسلے میں حوالات میں بند کیا گیا تھا۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو وہ حوالات میں خنجر جیسی چیز لانے میں کبھی کامیاب نہ ہوتا۔ اس نے خنجر اُٹھایا پھر اس کے دونوں ہاتھ حرکت میں آ گئے۔ خنجر اس کے ہاتھوں سے نکل کر چھت کی طرف گیا اور لکڑی کی ایک کڑی میں پیوست ہو گیا۔

اس نے کن انکھیوں سے سلاخ دار دروازے کی طرف دیکھا۔ وہاں سنتری موجود نہیں تھا۔

ٹائیگر نے اثبات میں سر ہلایا اور فرش پر لیٹ گیا۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں اور گہری نیند سونے کی کوشش کرنے لگا حالانکہ حوالاتی اس سے بات چیت کرنے کے لیے بے چین تھے۔

وہ اس سے اس کے بارے میں مختلف سوالات کر رہے تھے لیکن ٹائیگر نے کوئی جواب نہیں دیا۔ چند ہی لمحوں میں وہ گہری نیند میں ڈوب گیا... لیکن اس کی ایک مخصوص حِس بیدار ہو گئی جو خواب میں اس کے آس پاس سے آگاہ رہتی تھی۔ یہ حِس بیدار رہنے کے لیے اُوشان نے اُسے جس قسم کی مشقیں کروائی تھیں، اُن کا آج بھی وہ کانپ جایا کرتا تھا...

وہ اطمینان سے سوتا رہا اور اس کے آس پاس قانون کے محافظ، انتقام کی آگ میں جلتے ہوئے نہ جانے کیسی کیسی کارروائیوں میں مصروف تھے۔

□

ٹائیگر کا موڈ بے حد خراب تھا۔

اس کا جی تو چاہ رہا تھا کہ صدر پولیس اسٹیشن کو قبرستان میں تبدیل کر دے... لیکن پھر وہ اپنے غصّے پر قابو پانے میں کامیاب ہو گیا۔ غصّے کی شدید حالت میں، اُوشان کی ایک تربیت اس کے ذہن میں گھومنے لگی تھی کہ غصّہ انسان کی صلاحیتوں کو توانائیوں کو جلا ڈالتا ہے۔ رات ایک غنڈے کی آمد اور اس سے خنجر برآمد ہونے پر ٹائیگر یہی سمجھا تھا کہ پولیس نے قتل کرانے کے لیے کسی بدمعاش کی خدمات حاصل کی... لیکن وہ شخص تو خود ایسا بے خبر ہو گیا تھا کہ صبح بھی اس کی کھلتی نظر نہیں آ رہی تھی۔ ٹائیگر جانتا تھا کہ وہ مزید چار گھنٹے بے ہوش رہے گا۔

وہ کن انکھیوں سے اُس کڑی کی طرف دیکھنے لگا جہاں اُس نے خنجر پیوست کیا تھا۔ خنجر اب بھی اس میں پیوست تھا۔

رات بھر وہ گہری اور پُرسکون نیند سویا تھا حالانکہ اُسے توقع تھی کہ صبح جب اُسے مجسٹریٹ کے سامنے پیش کیا جائے گا تو اس پر محض شراب نوشی کا مقدمہ نہیں بلکہ نہایت سنگین قسم کی دفعات عاید ہو چکی ہوں گی۔

... لیکن یہ محض اس کا خیال تھا۔ اس پر نشہ استعمال کرنے اور رات کو آوارہ گردی کرنے کا الزام تھا۔ ان دو کے علاوہ اس پر کوئی ناجائز دفعہ نہیں لگائی گئی تھی۔

اُسے حوالات سے نکالا گیا اور دو سپاہی ایک ٹیکسی میں بٹھا کر اُسے سٹی کورٹ لے گئے جہاں اُسے مجسٹریٹ گیلانی کے سامنے پیش کیا جانا تھا۔ ٹائیگر کو پورے تین گھنٹے عدالت کے باہر کھڑا رہنا پڑا۔ اُسے ہتھکڑیاں لگی ہوئی تھیں اور اس کے ساتھ آنے والے دونوں سپاہی یوں خوف زدہ نظر آ رہے تھے جیسے انھوں نے غلطی سے موت کے فرشتے کو گرفت میں لے لیا ہو۔

ٹائیگر سے اب بھی شراب کے بھبکے محسوس ہو رہے تھے، حالانکہ نہ تو رات کو نشے میں تھا اور نہ ہی اب اس پر مستی سوار تھی۔ اُوشان نے اُسے نشوں کی ایک خاص مشق کرائی تھی جسے استعمال کر کے وہ اپنے نتھنے بند کر کے ہر قسم کی بُو باس سے بے نیاز ہو سکتا تھا اور اس دوران خفیف سی سانسوں کا سلسلہ بھی جاری رہتا تھا۔

اس طرح مجسٹریٹ کے حضور پیش ہونے کے خیال سے دل ہتھکڑیوں میں خود کو جکڑے دیکھ کر ٹائیگر کو وہ طوفانی رات یاد آ گئی۔ جب وہ رات کی ڈیوٹی پر تھا اور رات کے لیے پُل کی طرف نکل گیا تھا... اور پھر وہاں اُس نے نشے باز سے مڈبھیڑ ہو گئی تھی جسے اُس نے اتنا زدوکوب کیا تھا کہ وہ ہلاک ہو گیا... اور اس ہلاکت کی سزا ٹائیگر کو سپاہی کے ہاتھوں بھگتنا پڑی۔ وہ دُنیا کی نگاہوں میں ہلاک ہوا، اُسے سزائے موت دے دی گئی... لیکن وہ ایک نئی

زندگی لے کر پھر دُنیا کے سامنے آ گیا اور اس بار وہ پولیس کا ایک عام سا افسر نہیں تھا بلکہ اُس کے پاس دُنیا کے کئی ممالک کے خصوصی اجازت نامے موجود تھے۔ ان اجازت ناموں کی رُو سے وہ بغیر وضاحت کیے کسی کو بھی موت کے گھاٹ اُتارنے کا مختار تھا۔

ٹائیگر کے ہونٹوں پر مُسکراہٹ آ گئی۔

اس نے اپنی کلائیوں کی طرف دیکھا اور پھر سپاہیوں کو دیکھنے لگا۔ "ہمیں اور کتنی دیر انتظار کرنا پڑے گا؟" اس نے نرمی سے سوال کیا۔

"صاحب کی مرضی پر منحصر ہے۔" سپاہی نے ایک جماہی لے کر کہا۔ "ہو سکتا ہے، دن بھر بٹھانے کے بعد کل طلب کر لے۔"

"مجسٹریٹ گیلانی کے بارے میں، میں بھی بہت کچھ سُن چُکا ہوں۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ "اور میں اس سے ملنے کے لیے بے چین ہوں۔"

"تم کوئی عام آدمی اور عادی نشے باز نہیں لگتے ہو۔" دوسرے سپاہی نے کہا۔ وہ عمر رسیدہ تھا اور اس کی آنکھوں سے جھانکتی دیدگی ٹپکتی تھی۔ "میں حیران ہُوں کہ تم اس نوبت کو کیسے پہنچ گئے؟"

"میں سمجھتا ہُوں کہ یہ میری خوش بختی ہے۔" ٹائیگر نے سوچ میں ڈوبے ہُوئے لہجے میں کہا۔

غالباً اس کی بات بوڑھے سپاہی کو بُری لگی تھی۔ اُس نے مُنہ بنا لیا اور پھر دوسری طرف دیکھنے لگا۔ اچانک مُنشی نے آواز لگائی۔ "شہزاد وغیرہ..."

ٹائیگر کے ہونٹوں پر بڑی ہی شریر سی مُسکراہٹ رقص کرنے لگی۔

"سُنو۔" بوڑھے سپاہی نے اُسے اُٹھاتے ہُوئے کہا۔ "بہتر ہو گا کہ تم اپنی یہ زندہ دِلی عدالت کے باہر ہی چھوڑ جاؤ، صاحب کے سامنے کوئی ایسی ویسی بات نہ کرنا ورنہ زندگی کا بقیہ جیل میں گزر جائے گی اور کوئی پوچھنے والا بھی نہ ہو گا۔"

"بہت سخت گیر مجسٹریٹ ہے؟" ٹائیگر نے دریافت کیا۔ اس کے لہجے میں اب بھی شرارت تھی۔

"سخت ترین۔" سپاہی بولا۔

"لیکن میں نے سُنا ہے کہ یہ شخص صرف غریبوں کے لیے ایسا ہے، دولت مندوں کے لیے اس کا رویّہ بالکل مختلف، دوستانہ بلکہ ہمدردانہ ہو جاتا ہے۔ میں کسی مُرتشی افسر سے ڈرنے والا آدمی نہیں ہوں۔"

"تو پھر چلو آگے۔" بوڑھے سپاہی نے کہا لیکن شہزادے نے اس کے لہجے میں اب بھی اپنے لیے ہمدردی محسوس کی تھی۔ وہ دل ہی دل میں اس بوڑھے سپاہی کے جذبات کو سراہتا ہوا کمرۂ عدالت کی طرف بڑھنے لگا۔

دونوں سپاہی اس کے دائیں بائیں تھے۔

ٹائیگر درحقیقت مجسٹریٹ گیلانی سے ملاقات کے لیے یہاں آیا تھا۔ اس نے گزشتہ شب کا ابتدائی بیشتر حصّہ اس کی تلاش میں گزار دیا تھا لیکن قسمت اس پر مہربان نہیں ہو سکی تھی۔ مجسٹریٹ اُسے کہیں نہیں مل سکا تھا۔ وہ اس کے گھر گیا اور پھر اُسے ڈھونڈتا ہوا اس خاتون کے فلیٹ تک بھی جا پہنچا جو اُن دنوں گیلانی صاحب کے دل و دماغ پر حکومت کر رہی تھی۔ اس اپارٹمنٹ کے علاوہ تین چار خاص اڈّے تھے، جہاں شراب، قمار بازی اور شباب آور لمحات میں ڈوب کر گیلانی دن بھر کی ذہنی تھکن اُتارا کرتا تھا لیکن اتفاق سے وہ ان خاص اڈّوں پر بھی نہ مل سکا۔ ایک اڈّے پر اس کی آمد متوقع تھی، اس لیے ٹائیگر نے ایک بوتل شراب کی منگوائی تھی اور اُسے پیتے بیٹھ گیا تھا۔ شراب کا بیشتر حصّہ اُس کے کپڑوں پر گرتا رہا تھا اور باقی معدے میں یوں جمع ہو رہی تھی کہ وہ جب چاہتا ہاتھ رُوہ میں جا کر معدہ خالی کر سکتا تھا۔ رات بہت زیادہ ہو گئی۔ گیلانی نہیں آیا تو ٹائیگر شراب خانے سے نکل کر سڑک پر آگیا اور پیدل ہی ایک طرف چل دیا۔ اسی دوران ایک پولیس کار آئی اور پھر اُسے گرفتار کر کے تھانے پہنچا دیا گیا۔ یہ ایک انوکھا تجربہ تھا اس لیے ٹائیگر نے سوچا کہ اُسے حوالات میں رہ کر اگلے روز مجسٹریٹ کے سامنے پیش ہو کر یہ ملاقات کر لینی چاہیے جس کے لیے اُسے اب تک مارے مارے پھرنا پڑا تھا۔

دن کے ساڑھے گیارہ بج رہے تھے۔ وقت دیکھنے کے لیے ٹائیگر کو گھڑی پر نگاہ ڈالنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اُس کے ذہن میں ایک خیالی گھڑی موجود تھی جس کا حساب دل کی دھڑکنوں سے رکھا جاتا تھا۔ یہ ساعتیں شمار ہو کر خود ہی اس کے ذہن میں محفوظ ہو جاتی تھیں اور وہ ضرورت کے وقت اس کا حساب کر لیا کرتا تھا۔

ٹائیگر نے ایک طویل سانس لی۔ ٹھیک دو گھنٹے بعد اُس کی خلاصی جانے والی تھی اور اسے اس پرواز سے اُڑان کے پاس پہنچنا تھا جو بڑی بے چینی سے اس کا انتظار کر رہا ہو گا۔ "ٹھیک ہے، مَیں کوشش کروں گا کہ دو گھنٹے میں کام نمٹ جائے۔" اس نے خود کلامی کے انداز میں کہا اور عدالت میں داخل ہو گیا۔

سپاہیوں نے اُسے کٹہرے میں لے جا کر کھڑا کر دیا۔ اس کا چالان پہلے ہی پیش کیا جا چکا تھا۔ مجسٹریٹ فائل کی ورق گردانی میں مصروف تھا۔ کچھ دیر بعد اُس نے نگاہ اُٹھا کر ٹائیگر کو دیکھا...

چند لمحوں کے لیے دونوں ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ ایک دوسرے کی شخصیت سے مرعوب ہو گئے ہوں... پھر گیلانی سنبھل گیا اور اس کے تیور بھی سخت ہو گئے۔ "اس سے پہلے کہ عدالت تمھارے خلاف کوئی فیصلہ دے، کیا تم اپنی صفائی میں کچھ کہنا چاہتے ہو؟" مجسٹریٹ کی آواز میں شہروں جیسی گرج تھی۔

"جی ہاں..." ٹائیگر نے کہا۔ "مَیں ایک چیز آپ کے سامنے پیش کے لیے پیش کرنا چاہتا ہوں۔" یہ کہہ کر اُس نے جیب میں ہاتھ ڈالا... پھر اس کی اُنگلی پھٹی ہوئی سلائی میں رینگ گئی اور باہر آئی تو اس کی اُنگلی میں کاغذ کا ایک ٹکڑا پھنسا ہوا تھا۔

اُس نے کاغذ کا یہ تہ کیا ہوا ٹکڑا مجسٹریٹ کی طرف بڑھا دیا۔ مجسٹریٹ اُس کی اس حرکت پر چونکے بغیر نہ رہ سکا۔ چونکہ مُرتشی تھا اس لیے فوراً ہی سمجھ گیا کہ اس نوجوان نے کی ایک نئی راہ نکالی ہے۔ اس نے میز پر جھک کر ٹائیگر سے وہ تہ کیا ہوا کاغذ لے لیا... پھر اُسے کھولا تو نہ صرف کی آنکھیں حیرت اور بے یقینی سے پھیل گئیں بلکہ اس کنپٹیوں میں سیٹیاں سی بھی بجنے لگیں۔ اس کاغذ پر تحریر "آپ سے تنہائی میں ملنا چاہتا ہوں۔ دس ہزار روپے کا منسلک ہے۔ مزید کی بھی توقع رکھیے۔"

"ٹھیک ہے۔" مجسٹریٹ کی گونج دار آواز سنائی دی۔ "تم سے اپنے چیمبرز میں بات کروں گا۔" یہ کہہ کر اس نے کرسیوں پر براجمان وکلا اور اپنے پیش کار کی طرف دیکھا۔ "پندرہ منٹ کے لیے برخواست کی جاتی ہے۔"

"بیس منٹ..." ٹائیگر نے کہا۔

"ٹھیک ہے، بیس منٹ..." مجسٹریٹ نے یوں کہا جیسے وہ ٹائیگر کے تنویمی اثر میں بول رہا ہو۔

"اور اس سے پہلے میری کلائیاں..."

ٹائیگر کا جُملہ مکمل ہونے سے پہلے ہی گیلانی نے سپاہیوں کی طرف دیکھ کر کہا کہ اس کی ہتھکڑیاں کھول دی جائیں۔

عدالت میں سناٹا چھا گیا تھا۔ ایک ایسا نوجوان جس کی شراب بھی رات کی شراب نوشی کے بھیگے آ رہے تھے، مجسٹریٹ پر بھی اثر انداز ہو سکتا ہے، یہ تو کسی نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا ہو گا...

سپاہیوں نے اس انداز میں ٹائیگر کی کلائیاں آزاد کیں، وہ یہ تمام حرکات خواب کے عالم میں کر رہے ہوں۔ وہ بغلی دروازے سے نکل کر اس چیمبرز کی طرف بڑھ گیا جس میں مجسٹریٹ گیا ہوا تھا۔ ٹائیگر نے اندر داخل ہو کر مجسٹریٹ کی طرف دیکھا۔ دروازے کی طرف منتظر نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ جیسے ہی اس کی نگاہ ٹائیگر پر پڑی، اس نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی جانب دیکھا اور پھر زبان سے بھی پوچھا۔ "ہاں... اب بتاؤ۔ یہ سب کچھ کس سلسلے میں ہے؟"

"آپ اس رقم کو پس ماندگان کے لیے منافع سمجھ سکتے ہیں۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔

"پس ماندگان کا منافع!" مجسٹریٹ کے لہجے میں شدید حیرت تھی۔ "مَیں، تمھارا مطلب نہیں سمجھا۔" اس نے وضاحت چاہی۔

"مَیں ایک خاص تنظیم سے تعلق رکھتا ہوں۔" ٹائیگر نے وضاحت کی۔ "جب سے مجھے اس تنظیم میں خاص قسم کے اختیارات ملے ہیں، مَیں نے اپنا ایک ذاتی اصول بنا لیا ہے۔"

"کیسا اصول؟ تمھاری باتیں میری سمجھ میں نہیں آ رہی ہیں۔" مجسٹریٹ کے لہجے میں اُلجھن تھی۔ "اگر بات دس ہزار روپے سے وسیع نہ ہوتی تو شاید اب تک وہ گرج گرج کر ماحول ہی کو کانپ لینے پر مجبور کر چکا ہوتا۔

ٹائیگر اس کا سوال نظر انداز کر کے بولتا رہا۔ "ہر سال، آج کے دن مَیں اپنی سالگرہ مناتا ہوں۔ یہ سالگرہ اس اعتبار سے اہم ہوتی ہے کہ مَیں ملک بھر کے ایک ناسور کا آپریشن کر دیتا ہوں۔ آج کا ناسور تم ہو گیلانی۔ مَیں، تمھیں اپنی سالگرہ کا کیک بھی کر کاٹ ڈالوں گا۔" ٹائیگر کے لہجے میں آہستہ آہستہ کسی وحشی خونخواری پیدا ہوتی جا رہی تھی اور گیلانی کا چہرہ اپنی رنگت بدلتا جا رہا تھا۔

"تم کون ہو؟" اُس نے پھنسی پھنسی سی آواز میں کہا۔

"تم نے اب تک جو کچھ کیا ہے، اس کا مکمل ریکارڈ ہمارے کمپیوٹر میں محفوظ ہے اور مجھے اس سے اندازہ ہو چکا ہے کہ تم عوام کے لیے ایک قاتل ہاتھ کا کردار ادا کر رہے ہو۔ مَیں یہ تباہ کار ہاتھ کاٹ ڈالنا چاہتا ہوں۔ اگر تم کل رات ہی مجھے مل جاتے تو مَیں اب تک نہ جانے کتنی دُور جا چکا ہوتا۔ بہرحال، تم میرے سامنے ہو اور مجھے اپنی سالگرہ کا کیک کاٹنا ہے۔ تمھارے جُرائم کی فہرست طویل ہے اور تمھاری زندگی بے حد مختصر... اس لیے وہ فہرست تمھیں نہیں سُنائی جا سکتی۔ مَیں البتہ تمھیں سوچنے کے لیے چند لمحے ضرور دوں گا۔ ان لمحوں میں تم اپنی پچھلی زندگی پر ایک نظر ڈال سکتے ہو۔ سُنا ہے، انسان مَرنے سے پہلے چند لمحوں میں اپنی پوری زندگی کی فلم ذہنی طور پر دیکھ سکتا ہے۔ تم اپنے جرائم پر نظرِ ثانی کرو، مَیں اپنا کام سرانجام دیتا ہوں۔" یہ کہہ کر ٹائیگر آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگا۔

گیلانی نے مُنہ پھاڑ کر چیخنا چاہا۔ آواز اس کے معدے سے حلق کی طرف آئی اور پھر حلق ہی میں گھٹ کر رہ گئی کیوں کہ اس وقت تک ٹائیگر کی انگشتِ شہادت اس کے نرخرے پر وار کر چکی تھی۔

"نہیں... تمھاری آواز نہیں نکل سکتی۔" ٹائیگر نے کہا۔ "تمھیں اب بولنے یا احتجاج کرنے کا کوئی حق نہیں۔ مَرنے سے پہلے صرف ایک بات سُن لو کہ مَیں نے اپنی سالگرہ منانے کے لیے صرف تمھارا ہی انتخاب کیوں کیا ہے؟ تمھیں وہ فٹ پاتھ یاد ہو گا، جہاں تم نے چند دُکانیں بنا ڈالی تھیں۔ ان دُکانوں کی وجہ سے ایک بیاسا سا معصوم بچّہ ہلاک ہو گیا۔ وہ دُکانیں جس جگہ تعمیر کی گئی تھیں، وہاں فٹ پاتھ بہت ضروری تھا لیکن تم نے اپنے اختیارات سے کام لے کر وہاں سے دولت کمائی اور فٹ پاتھ ختم کر دیا۔ اس موڑ سے ایک تیز رفتار ٹرک آیا۔ ایک بچّہ اسکول سے گھر جا رہا تھا۔ اگر وہاں فٹ پاتھ ہوتا تو وہ اُس پر چلتا لیکن اُسے دُکانوں کی وجہ سے سڑک پر چلنا پڑا جس کے نتیجے میں ایک ٹرک نے اُسے کچل دیا۔ جس روز وہ بچّہ کچلا گیا تھا، اُسی دن مَیں نے تہیہ کر لیا تھا کہ اس کی موت کے ذمّے دار شخص کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

"لیکن وہ بچّہ تو ٹرک سے کچلا گیا تھا۔ تم ابھی خود اپنی زبان سے یہ کہہ رہے تھے... پھر اس کی ذمّے داری مجھ پر کیسے عاید ہوتی ہے؟" گیلانی نے تھوک نگل کر پھنسی پھنسی سی آواز میں احتجاج کیا۔ اس کی آواز سرگوشی سے زیادہ بلند نہیں تھی۔ "پھر اگر تم مجھے ذمّے دار سمجھتے بھی ہو تو مجھے صفائی کا موقع دیئے بغیر کیسے قتل کر سکتے ہو۔ مجھ پر مقدمہ چلاؤ اور..."

"مسٹر گیلانی۔" ٹائیگر کا لہجہ مزید خونخوار ہو گیا۔ "میں جس تنظیم

سے تعلق رکھتا ہوں، اس کا نام ہے چارہ گر... یہ تنظیم برائی کے خلاف ایک جہاد کا درجہ رکھتی ہے۔" یہ کہہ کر ٹائیگر نے پھر انگشتِ شہادت بلند کی۔ مجسٹریٹ سر کے درمیان مانگ نکالنے کا عادی تھا۔ مانگ کی لکیر سے اس کی کھوپڑی کی سفید جلد جھلک رہی تھی۔ ٹائیگر کی اُنگلی اس مانگ میں حرکت کرنے لگی اور کمرے میں یوں آواز گونجی جیسے ہیرے کی کنی کانچ پر چل رہی ہو۔ گیلانی اپنی میز کے سہارے کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھوں کی گرفت میز پر اتنی سخت ہوگئی کہ اس کی اُنگلیوں کے جوڑوں کی سفیدی نظر آنے لگی... جہاں مانگ پر ٹائیگر کی اُنگلی نے خنجر کی طرح کاٹ دار حرکت کی تھی، وہاں لمحے بھر کے لیے ایک گہری لکیر نظر آئی... پھر اس میں خون نمودار ہونے لگا اور چند ہی ساعتوں میں وہ مانگ خون سے بھر کر ایک خونی سیال کی نالی نظر آنے لگی۔ پتلی سی نالی جس میں وہ خون بہہ رہا تھا جسے ٹائیگر اپنی سالگرہ کا تحفہ سمجھ کر دیکھنے کی خواہش رکھتا تھا۔ غلیظ خون... ناجائز کمائی سے پیدا ہونے والا فاسد خون... اس کا سَر آہستہ آہستہ میز کی طرف جھکنے لگا... اور پھر میز سے اس کی ٹھوڑی ٹک گئی۔ ابھی تک شاید گیلانی کو احساس نہیں ہوا تھا کہ اس پر کیا قیامت بیت گئی ہے۔ وہ ٹھوڑی میز پر ٹکائے ٹائیگر کو کھلی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ ٹائیگر کے ہونٹوں پر بڑی ہی طمانیت بھری مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔ وہ براہِ راست اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

اچانک گیلانی کی آنکھوں میں شدید تکلیف کا تاثر اُبھر آیا... پھر اس کی آنکھوں میں ہلکی سی چمک پیدا ہوئی۔ یہ پانی کی پتلی سی چادر تھی جو اس کی پُتلیوں پر پھیل رہی تھی۔ اگلی ہی ساعت یہ چمک ماند پڑنے لگی۔ اس کی آنکھوں میں دھندلاہٹ اُبھری اور پھر مُردنی جھانکنے لگی۔ ٹائیگر نے اس کی نبض دیکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ وہ جانتا تھا کہ گیلانی مر چکا ہے۔ اس کی مانگ کا زخم خون سے اب اتنا بھر چکا تھا کہ خون کی نالی بہنے لگی تھی۔ خون کی ایک پتلی سی، سُرخ سُرخ لکیر اس کی مانگ سے پیشانی پر آئی اور پھر پیشانی سے ناک پر... اور پھر ناک کے بانسے پر چلتی ہوئی اس کے بالائی لب پر پہنچ گئی۔ بالائی لب سے یہ لکیر ایک لمحے کے لیے ساکت رہ کر دونوں طرف پھیلنے لگی... اور پھر اس کی بانچھوں سے ٹھوڑی کے گرد سُرخ نیم دائرہ بنا کر میز پر گرنے لگی۔

میز کی شفاف سطح پر خون کے سُرخ سُرخ قطرے سُرخ ہیروں کی طرح چمکتے دکھائی دیئے اور پھر اس کے دونوں ہاتھ جسم کا بوجھ سنبھالنے میں ناکام ہوگئے۔ اس کا چہرہ گر گیا اور اپنے ہی خون میں لتھڑنے لگا۔ اچانک دروازے پر دستک ہوئی۔

ٹائیگر نے پلٹ کر دروازے کی طرف دیکھا... وہ جانتا تھا کہ اس طرف سے جانا، بہت سے لوگوں کے لیے خطرناک ثابت ہوگا۔ اس کے موت بچھا دار کرنے والے ہاتھ بے قرار تھے لیکن انھیں بے گناہوں کے خون سے نہیں رنگنا چاہتا تھا۔ اگر اندر آکر دروازہ بند ہی نہیں بلکہ مقفل کر دیا تھا۔ دروازے پر دستک ہوئی۔ ٹائیگر نے آخری بار گیلانی کی لاش پر نگاہ ڈالی اس کی پشت پر واقع کھڑکی کی طرف بڑھ گیا۔

یہ عدالت میری منزل پر واقع تھی۔ اس نے عقبی کھول دی۔ چند لمحے وہ عقبی حصّے کی طرف دیکھتا رہا پھر اُچھل کر کی سِرّول پر کھڑا ہوگیا۔ اگلے ہی لمحے وہ جھکا، اس کے دونوں کھڑکی کی سِل پر جم گئے اور دونوں پاؤں باہر جھولنے لگے۔ عما بڑے بڑے پتھروں سے تعمیر کی گئی تھی اور یہ پتھر بظاہر ایسے تھے کہ کوئی ان پر پاؤں جما کر نیچے اُتر سکے لیکن ٹائیگر نے اپنے پتھروں کے جوڑ پر جمائے اور ہاتھ سِل سے ہٹا لیے۔ اس کے پاؤں حرکت میں آگئے اور ہاتھ بھی متحرک ہوگئے۔ اب وہ بڑی پھپھلی کی طرح پتھروں کی اس دیوار سے عقبی حصّے کی تیزی سے اُتر رہا تھا۔

عمارت کے عقبی حصّے میں کار پارکنگ تھی۔ ٹائیگر کی چھت پر کُود گیا اور ایک طرف چھلانگ لگا کر کچہری کے باہر نکل آیا۔ ایک ٹیکسی قریب سے گزر رہی تھی۔ اس کے اشارے سے اُسے روکا اور ائرپورٹ چلنے کا کہہ کر پشت سے ٹیک لگا لی۔

اس نے آنکھیں موند لیں۔

اُس کے چہرے پر بے پناہ سکون تھا۔ اُسے اس وقت کر کون کہہ سکتا تھا کہ ابھی کچھ دیر قبل اُس نے کسی کو انتہ بے دردی سے موت کے حوالے کر دیا ہوگا؟ گیلانی کو قتل کر بعد وہ اس کی میز سے دس ہزار کا وہ پروانہ اور رقعہ اُٹھانا بھولا تھا جس نے گیلانی کو اس سے تنہائی میں بات کر مجبور کر دیا تھا۔

ٹیکسی تیزی سے ائرپورٹ کی طرف دوڑتی رہی اور سے آنکھیں بند کیے، پُشت گاہ سے سر ٹکائے نیم دراز رہا۔

●

دو گھنٹے بعد ٹائیگر ایک شان دار ہوٹل کے سامنے اُ کی بس سے اُتر رہا تھا۔ اس کے پاس سامان نام کی کوئی چیز

تھی۔ اس نے دو گھنٹے کا یہ ہوائی سفر بھی بے سروسامانی کی حالت میں ہی کیا تھا۔ اب اس کے لباس سے بدبُو کے بھبکے محسوس نہیں ہو رہے تھے۔ اس نے کوٹ الٹ کر پہن لیا تھا اور اس کی دِل موہ لینے والی چال موٹل کی حسین استقبالیہ کلرک کو کام چھوڑ کر اس کی طرف دیکھنے پر مجبور کر رہی تھی۔

ٹائیگر نے استقبالیہ کلرک کی طرف کوئی توجہ نہیں دی اور بس باہر پیلے رقّاص کی طرح فرش پر تیرتی ہوئی چال سے لفٹ کی طرف بڑھ گیا۔ لفٹ کا بٹن دبا کر وہ چوتھی منزل پر پہنچ گیا اور پھر ایک دروازے کے سامنے رُک کر آنکھ مُنا اُنگلی سے دستک دینے لگا۔

اُوشان نے دروازہ کھولا اور اس کی طرف دیکھ کر ناک بھوں چڑھانے لگا۔ "تم نے واقعی پی رکھی ہے یا..."

"نہیں، مقدس باپ! مَیں بھلا کیوں پینے لگا۔" ٹائیگر نے کسی شرابی کے سے انداز میں اُنگلی لہرا کر کہا تو اُوشان نے اس کی اُنگلی تھام لی۔

"کہاں سے آرہے ہو؟" اُوشان نے کرخت لہجے میں پوچھا۔ "تم کل دوپہر سے غائب ہو۔"

"مَیں اپنی سالگرہ منانے گیا ہُوا تھا، مقدس باپ!"

"اوہ..." اُوشان کے ہونٹ سُکڑ گئے۔ "خون! مَیں خون کی بو محسوس کر رہا ہوں۔"

"ظاہر ہے، آدمی میں جس چیز کی کمی ہوتی ہے، وہ اُسی کے خواب دیکھتا ہے۔" ٹائیگر نے اُوشان کی مختصر سی شخصیت کا مضحکہ اڑاتے ہُوئے کہا اور پھر جھکائی دے کر اُس کی بغل میں سے نکل جانا چاہا لیکن اُسی لمحے بغل نے اُسے شکنجے کی طرح کس لیا۔

ٹائیگر نے فوراً ہاتھ پاؤں ڈال دیئے۔ وہ جانتا تھا۔ اب وہ جس قدر بھی زور آزمائی کرے گا، خود اُس کی طاقت اپنے ہی خلاف استعمال ہوگی اور کچھ عجب نہیں کہ اُس کی گردن کی ہڈی ہی ٹوٹ جائے۔ "لِٹل فادر..." وہ بھرّائی ہُوئی آواز میں بولا۔ "آپ نے ایک بار کہا تھا کہ مَیں آپ کی اکلوتی اولاد ہوں۔"

"ہاں، کہا تو تھا۔" اُوشان کے لہجے میں بے اعتنائی تھی۔

"تو پھر کیوں خود کو بے اولاد کرنے پر تُلے ہُوئے ہیں۔ یقین کیجیے، آپ کی بغل میں ایک لڑکے کی گردن دبی ہُوئی ہے جو اگر مزید دب گئی تو آپ اس لڑکے کو شہر شہر گھوم کر بھی تلاش نہیں کر سکیں گے۔"

"ایسے موقعوں پر تمھیں ایک خاص ٹیکنیک استعمال کرنی چاہیے فرزند۔" اُوشان نے مخصوص انداز میں ہنستے ہُوئے کہا۔ "مجھے یقین ہے کہ تم وہ مخصوص داؤ بھُولے نہیں ہوگے۔"

ٹائیگر چند لمحے تو ساکت رہا پھر اس کا بایاں ہاتھ آہستہ آہستہ اُوشان کی بغل کی طرف بڑھا اور وہ، وہاں اُنگلی سے گدگدی کرنے لگا۔ اچانک اُوشان نے ایک زوردار قہقہہ لگایا اور اس کی گردن چھوڑ دی۔ "تم بھُول گئے... بھُول گئے... لیکن خیر! عام آدمی تو گدگدی کی وجہ سے لمحاتی بوکھلاہٹ میں مبتلا ہو کر گردن چھوڑ سکتا ہے۔ اب مَیں تمھیں وہ مخصوص داؤ دوبارہ یاد دلاتا ہوں۔ ایسے موقعے پر..."

اس کا جُملہ ادھورا ہی رہ گیا کیوں کہ اُسی لمحے فون کی گھنٹی گنگنانے لگی۔

ٹائیگر موقع غنیمت جان کر فون کی طرف لپکا اور ریسیور اُٹھا کر بولا۔ "شہزادِ پسر اُوشان..."

دوسری طرف سے بہرام کی بھرّائی ہُوئی آواز سُنائی دی۔ "تم کہاں تھے فرزند! مَیں دوسری بار فون کر رہا ہوں۔"

"مَیں اپنی سالگرہ منانے گیا ہُوا تھا۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ "گیلانی کا قصّہ پاک ہو چکا ہے۔"

"گڈ..." بہرام نے کہا۔ "اب تم دونوں جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ تمھیں ایک تدفین میں شرکت کرنی ہے۔"

"تدفین..." ٹائیگر چونک پڑا۔ "کس کی؟ میری یا آپ کی؟"

"ایسے موقعوں پر سنجیدگی اختیار کرنی چاہیے۔" بہرام کا لہجہ تنبیہ آمیز تھا۔ "مَیں چاہتا ہوں کہ تم دونوں ٹھیک سات بجے قبرستان پہنچ جاؤ... اور ٹائیگر..." اس نے معنی خیز انداز میں جملہ ادھورا ہی چھوڑ دیا۔

"کیا بات ہے، سویٹ ہارٹ؟" ٹائیگر کا لہجہ شریر تھا۔

"وہ دس ہزار روپے... کیا تم ساتھ لیتے آئے ہو؟"

"نہیں سویٹ ہارٹ! وہ تو مَیں نے آتے وقت ایک ٹیکسی ڈرائیور کو ٹپ دے دی تھی۔"

دوسری طرف سے ایک کراہ سُنائی دی اور ٹائیگر کے ہونٹوں پر کراہ کے جواب میں پھیلی ہُوئی مسکراہٹ مزید گہری ہوگئی۔

"بہرحال، ٹھیک سات بجے پہنچ جانا۔" بہرام نے کہا اور سلسلہ منقطع کر دیا۔ ٹائیگر نے ریسیور کو کریڈل پر رکھ دیا اور اُوشان کی طرف دیکھنے لگا جس کا چہرہ ایک بڑا سوالیہ نشان بن گیا تھا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ کال بہرام کی تھی۔ بہرام کی کال کا مطلب تھا کہ کوئی نیا کام اور کوئی نئی مصروفیت۔ وہ اسی سلسلے میں ٹائیگر سے پوچھنا چاہتا

تھا لیکن اُس کے ہونٹوں پر شرارت آمیز مُسکراہٹ دیکھ کر سمجھ گیا کہ کوئی زیادہ اہم کام نہیں ہے... اور یہ مُسکراہٹ اُسے یہ بھی بتا رہی تھی کہ ٹائیگر اس وقت تفریح کے مُوڈ میں ہے لہٰذا اس سے سنجیدگی کی توقع فضول ہی ثابت ہوگی۔ اُوشان کمرے میں بچھی ہُوئی چٹائی پر کھڑا تھا۔ یہ چٹائی اس کا سب سے پسندیدہ بستر تھی۔

"لٹل فادر!" ٹائیگر نے یکایک مصنوعی سنجیدگی چہرے پر طاری کرتے ہُوئے کہا۔ "ہمیں ٹھیک سات بجے قبرستان پہنچنا ہے۔"

"وہ کیوں؟" اُوشان نہ چاہتے ہُوئے بھی چونک پڑا۔

"ہمیں ایک تدفین میں شرکت کرنی ہے۔"

"کس کی تدفین؟" اُوشان کی تشویش بڑھ گئی۔ بہرام کی کال کے بعد کسی قبرستان کا تذکرہ کوئی اچھی خبر نہیں تھی۔

"یہ تو بہرام نے نہیں بتایا۔ ممکن ہے وہ قبرستان میں خودکشی کرکے اپنی تدفین کرانا چاہتا ہو۔" ٹائیگر نے جواب دیا اور سیٹی بجاتا ہُوا کپڑوں کی الماری کی طرف بڑھ گیا۔

●

بوستان خان کا جنازہ قبرستان پہنچ چُکا تھا اور قبرستان کے آس پاس اتنی کاریں کھڑی تھیں کہ کسی نے وہاں کاروں کا اتنا بڑا قافلہ آتے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ بوستان خان کی حیثیت کا اندازہ ان کاروں کو دیکھ کر آسانی سے لگایا جا سکتا تھا... لیکن یہ اُس کی آخری شان و شوکت تھی اور پھر اُسے منوں مٹی تلے لیٹ کر اپنے اعمال کا حساب دینا تھا۔

قبرستان کے وزنی آہنی گیٹ کھُلے تھے اور لوگ کاروں سے اُتر اُتر کر اندر آ رہے تھے۔ صبح کا وقت تھا اور سردی کی شدّت سے قبریں تک ٹھٹھری ہُوئی لگ رہی تھیں۔ اس دُھندلا دو صبح کو بہرام کا چہرہ کسی لوحِ مزار کی طرح ٹھوس لگ رہا تھا۔ وہ آہنی گیٹ کے ایک طرف کھڑا تھا۔ اُوشان اور ٹائیگر ابھی ابھی قبرستان پہنچے تھے۔ اُوشان ہلکے زرد چوغے میں ملبوس تھا جب کہ ٹائیگر کے جسم پر پتلون اور قمیص نظر آ رہی تھی۔ جن لوگوں کو زیادہ سردی لگتی تھی، وہ اسے ہلکے کپڑوں میں دیکھ کر کپکپی میں مبتلا ہو رہے تھے۔

"تم لوگ قدرے تاخیر سے پہنچے ہو۔" بہرام کا لہجہ سخت تھا۔

"اُوشان قبرستان جانے سے پہلے لمبی چوڑی توبہ کرنے کا عادی ہے۔ بس اسی وجہ سے دیر ہوگئی۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔

بہرام نے غور اس کی طرف دیکھا۔ چند لمحوں تک اس کی آنکھیں ٹائیگر پر جمی رہیں پھر وہ خفیف سا مُسکرا کر بولا۔ "تم کچھ شاعرانہ مُوڈ میں دِکھائی دیتے ہو۔"

"جب اُوشان جیسا شخص ٹی۔ وی ڈرامے لکھنے پر تُل جائے تو مجھے شاعری کرنے سے کون روک سکتا ہے۔" ٹائیگر کے لہجے میں ہلکا سا کھلنڈرا پن تھا۔ "لیکن سویٹ ہارٹ! یہ آپ نے تجہیز و تکفین کا دھندا کب سے شروع کر دیا؟ ویسے سُنا ہے، بڑا ہی منافع بخش کاروبار ہے۔ ایک کدال اور بیلچے کا کام ہے اور...؟"

"شٹ اَپ!" بہرام کا مُوڈ بگڑ گیا۔ "تم اس وقت قبرستان میں کھڑے ہو۔"

"لیکن یہ ایک پیچیدہ معاملہ ہے۔ ہمیں اس کی طرف فوری توجہ دینی چاہیے۔ بات یہ ہے کہ بوستان خان کے شان دار ہوٹلوں میں سے ایک ہوٹل میں سرو کیا گیا سارے کا سارا گوشت زہر آلود نکلا اور اسے کھانے والے کئی آدمی ہلاک ہو گئے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ زہر ہلاکت محض اتفاق نہیں ہے بلکہ اس کے پیچھے کوئی تخریب کار ہاتھ ہے۔ چونکہ بوستان خان سرکاری طور پر مُلک کا سب سے بڑا گوشت کا سپلائر تھا اس لیے ہم اس کی یہ غیر فطری موت نظر انداز نہیں کر سکتے۔ میری معلومات کے مطابق گوشت کے سلسلے میں جتنے بھی جانور روزانہ ذبح کیے جا رہے ہیں، کسی خاص طریقے سے اُنھیں زہر دے دیا جاتا ہے، جو بعد میں انسانوں کی موت کا باعث بن رہا ہے۔ اس سلسلے میں میں نے حکومتی پیمانے پر ایک خاص کمیٹی لوگوں کو استعمال کرائی ہے جس سے فی الحال تو خاطر خواہ نتیجہ نکل رہا ہے لیکن..."

"جب کمیٹی استعمال ہو رہی ہے تو پھر تشویش کی کیا بات ہے؟" ٹائیگر نے ناک بھوں چڑھاتے ہُوئے کہا۔ یہ اس کا ظاہری رُوپ تھا۔ وہ ہر کام کا آغاز اسی طرح طوعاً و کرہاً ہی کیا کرتا تھا لیکن اس کے دِل میں انسانی ہمدردی کے سوتے پھُوٹ نکلتے تھے اور بے اختیار اس کا دِل چاہنے لگتا تھا کہ وہ پلک جھپکتے میں مُجرم ہاتھ کاٹ کر پھینک ڈالے۔

"نہیں، اس سے مسئلہ حل نہیں ہوتا۔" بہرام نے دھیمی آواز میں اُسے سمجھانے کی کوشش کی۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ ٹائیگر کو راہ پر لا رہا ہو۔ "ہمیں اس جُرم کا مخرج تباہ کرنا ہے۔ ہم نہیں جانتے کہ ہماری دی گئی کمیٹی کتنے لوگ استعمال کر رہے ہیں۔ جو لوگ اس سلسلے میں بے پروائی کریں گے، انھیں موت کا شکار ہونا پڑے گا... اس کے علاوہ ہماری مداخلت کی وجہ محض یہ نہیں ہے۔"

"پھر کیا ہے؟" ٹائیگر نے چونک کر دریافت کیا۔

"اس کی سب سے بڑی وجہ سیاسی ہے۔"

"تو پھر مجھے مُلک بھر کے سیاست دانوں سے بات چیت کا موقع فراہم کیجیے۔ میں اُنھیں قائل کر لوں گا کہ جو شخص بھی اس

کو یہ میری حرکت نہیں ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ میں اپنی سالگرہ منانے میں مصروف تھا۔" یہ کہہ کر اُس نے اُوشان کی طرف دیکھا، جو اُن دونوں سے بے نیاز مولوی صاحب کی طرف متوجہ تھا جن کی آواز خاصی رقت آمیز ہو گئی تھی۔

"میں جانتا ہوں کہ یہ تمھاری حرکت نہیں ہے۔" بہرام بڑبڑایا۔ "لیکن یہ ایک پیچیدہ معاملہ ہے۔ ہمیں اس کی طرف فوری توجہ دینی چاہیے۔ بات یہ ہے کہ بوستان خان کے شان دار ہوٹلوں میں سے ایک ہوٹل میں سرو کیا گیا سارے کا سارا گوشت زہر آلود نکلا اور اسے کھانے والے کئی آدمی ہلاک ہو گئے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ زہر ہلاکت محض اتفاق نہیں ہے بلکہ اس کے پیچھے کوئی تخریب کار ہاتھ ہے۔ چونکہ بوستان خان سرکاری طور پر مُلک کا سب سے بڑا گوشت کا سپلائر تھا اس لیے ہم اس کی یہ غیر فطری موت نظر انداز نہیں کر سکتے۔ میری معلومات کے مطابق گوشت کے سلسلے میں جتنے بھی جانور روزانہ ذبح کیے جا رہے ہیں، کسی خاص طریقے سے اُنھیں زہر دے دیا جاتا ہے، جو بعد میں انسانوں کی موت کا باعث بن رہا ہے۔ اس سلسلے میں میں نے حکومتی پیمانے پر ایک خاص کمیٹی لوگوں کو استعمال کرائی ہے جس سے فی الحال تو خاطر خواہ نتیجہ نکل رہا ہے لیکن..."

"جب کمیٹی استعمال ہو رہی ہے تو پھر تشویش کی کیا بات ہے؟" ٹائیگر نے ناک بھوں چڑھاتے ہُوئے کہا۔ یہ اس کا ظاہری رُوپ تھا۔ وہ ہر کام کا آغاز اسی طرح طوعاً و کرہاً ہی کیا کرتا تھا لیکن اس کے دِل میں انسانی ہمدردی کے سوتے پھُوٹ نکلتے تھے اور بے اختیار اس کا دِل چاہنے لگتا تھا کہ وہ پلک جھپکتے میں مُجرم ہاتھ کاٹ کر پھینک ڈالے۔

"نہیں، اس سے مسئلہ حل نہیں ہوتا۔" بہرام نے دھیمی آواز میں اُسے سمجھانے کی کوشش کی۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ ٹائیگر کو راہ پر لا رہا ہو۔ "ہمیں اس جُرم کا مخرج تباہ کرنا ہے۔ ہم نہیں جانتے کہ ہماری دی گئی کمیٹی کتنے لوگ استعمال کر رہے ہیں۔ جو لوگ اس سلسلے میں بے پروائی کریں گے، انھیں موت کا شکار ہونا پڑے گا... اس کے علاوہ ہماری مداخلت کی وجہ محض یہ نہیں ہے۔"

"پھر کیا ہے؟" ٹائیگر نے چونک کر دریافت کیا۔

"اس کی سب سے بڑی وجہ سیاسی ہے۔"

"تو پھر مجھے مُلک بھر کے سیاست دانوں سے بات چیت کا موقع فراہم کیجیے۔ میں اُنھیں قائل کر لوں گا کہ جو شخص بھی اس انداز میں آبادی کم کر رہا ہے، دراصل وہ دُنیا میں فیملی پلاننگ کا سب سے بڑا حامی ہے۔"

"ٹائیگر..." اس بار بہرام کا لہجہ بے حد سخت تھا حالانکہ آواز اب بھی دھیمی تھی تاکہ قرب و جوار میں پھیلے ہوئے سوگواروں میں سے کوئی ان کی باتیں نہ سُن سکے۔

"میں جانتا ہوں کہ آپ کیا چاہتے ہیں۔" ٹائیگر کے لہجے میں بھی برہمی تھی۔ "اب آپ مجھ سے نہیں کہیں گے کہ میں جانوروں کو زہر دینے والے شخص یا گروہ کا سُراغ لگاؤں اور پھر اُسے اس جُرم سے روک دوں۔ ہمیشہ ایسا ہی ہوتا ہے۔ آپ مجھے کسی شہر کا قاضی کیوں نہیں مقرّر کر دیتے۔ میں شب و روز لوگوں کے غم میں دُبلا ہوتا رہا کروں گا۔"

بہرام نے اس تمسخر کے جواب میں ہونٹوں کو سختی سے بھینچ لیا۔ وہ جانتا تھا کہ ٹائیگر فی الحال اُکھڑا ہُوا ہے۔ اسے راہ پر آنے میں وقت لگے گا۔

"آخر آپ سمجھتے کیوں نہیں ہیں۔" ٹائیگر نے پُرزور انداز میں دھیمی آواز سے کہا۔ "میں ایک سرکاری قاتل ہوں جس کے فتے غیر معمولی جرائم پیشہ لوگوں کا وجود صاف کرنا ہے۔ میں کوئی ڈاکٹر یا سائنس داں نہیں ہوں۔ مجھ سے کام کروانا ہو تو مُراغ رسانی خود کیا کرو، سویٹ ہارٹ... اور پھر اس شخص کی طرف اُنگلی کا اشارہ کرکے مجھے کسی شکاری کتے کی طرح اس کی طرف دوڑا دیا کرو۔" یہ کہہ کر اس نے ایک بار پھر اُوشان کی طرف دیکھا۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ اُس سے تائید چاہتا ہو... لیکن اُوشان اب اُن کے قریب نہیں تھا۔ وہ کچھ فاصلے پر کھڑے سوگواروں کے درمیان کھڑا تھا اور اس کی تمام تر توجہ مولوی صاحب کی طرف تھی جو جنازے کے آخری مراحل طے کرنے میں مصروف تھا۔

ٹائیگر نے بے بسی سے خود بہرام ہی کی جانب دیکھا۔ ان نگاہوں کا مطلب تھا کہ وہ اس معاملے میں دِل چسپی لینے پر آمادہ ہو گیا ہے۔ اس شخص نے مرنے کے قبل آپ کو کیا رپورٹ دی تھی؟ اس نے بھرائی ہُوئی آواز میں پوچھا۔

"اس کی رپورٹ یہ تھی کہ ذبح ہونے والے جانور تیزی سے کم ہو رہے ہیں۔ اس کے علاوہ محکمۂ صحت کی طرف سے اس کے ہوٹل کے گوشت پر جو مہریں لگائی گئی تھیں، وہ معمول سے زیادہ موٹی ہیں۔ ان کو دُور سے اُبھرا ہُوا صاف دیکھا جا سکتا تھا۔ ان مُہروں کا ذائقہ بھی محسوس ہوتا ہے۔ یہ رپورٹ میں نے گزشتہ رات ہی سُنی ہے۔"

"لیکن اس سے تو کچھ بھی ثابت نہیں ہوتا۔" ٹائیگر نے بے بسی سے کہا۔ "یہ تمام گفتگو وہ کہاں سے حاصل کرتا رہا ہے؟"

بہرام چند لمحے سوچ میں ڈوبا رہا... پھر اس نے جواب دیا۔ "سلاٹر ہاؤس... اور وہاں کے سیلز مین کا نام ہے۔ ہارون..."

"ٹھیک ہے۔" ٹائیگر نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "میں اس سے نمٹ لوں گا۔" یہ کہہ کر وہ دوبارہ اُوشان کی طرف متوجہ ہو گیا... اور پھر اُسے چونک جانا پڑا۔ اُوشان، سیاہ بالوں والی ایک حسین و جمیل لڑکی کے ساتھ انھی کی طرف آ رہا تھا۔ ٹائیگر کی نگاہیں اس لڑکی کے سوگوار چہرے سے اُلجھ کر رہ گئیں۔ وہ سیاہ ماتمی لباس میں تھی اور اس کا حسنِ سوگوار ٹائیگر کے دِل میں بے چینیاں بھرنے کے لیے کافی تھا۔

قریب آ کر اُوشان تعظیماً بہرام کے سامنے جُھکا اور اپنی مخصوص آواز میں بولا۔ "میں نے اس معصوم بچی / ہمت دی ہے کہ یہ آپ کو مرحوم کی موت کے سلسلے میں جو کچھ بھی معلوم ہے تفصیل سے بتا دے۔"

بہرام کے انداز سے یوں ظاہر ہُوا جیسے وہ اُوشان کے اس اقدام پر حیران رہ گیا ہو۔

ٹائیگر نے گہری نگاہ سے اس لڑکی کی طرف دیکھا لیکن وہ بہرام کی طرف متوجہ تھی۔ "میرا نام آرزو ہے اور میں مسٹر بوستان کی بیٹی ہوں۔" یہ کہہ کر اس نے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھا دیا۔

بہرام کے چہرے پر اب بھی زلزلے کی سی کیفیت تھی۔ وہ حیران تھا کہ اُوشان نے نہ جانے اس کے بارے میں لڑکی سے کیا کہا ہو گا۔

"اُوشان...؟" اس نے گہری متانت سے اُوشان کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "کیا تم نے... میرے تعلق..." اُس نے جُملہ ادھورا ہی چھوڑ دیا۔ کیونکہ بات مکمل ہونے سے پہلے ہی اُوشان نے ہاتھ اُٹھا کر اُسے خاموش رہنے کا اشارہ کر دیا تھا۔

"تمھیں فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔" اُوشان نے پُروقار لہجے میں کہا۔ "میں نے اسے تمھاری خفیہ ڈیوٹی کے بارے میں کچھ نہیں بتایا اور نہ ہی یہ ظاہر کیا ہے کہ میں اور شہزاد تمھارے منصوبوں پر کس طرح عمل کر کے کسی ملک کی بنیادیں مضبوط بنا دیتے ہیں۔ میرا خیال ہے، تم میری اس مہربانی کو یاد رکھو گے اور کسی نہ کسی روز اس سلسلے میں) انعام ضرور دو گے۔" یہ کہہ کر اُوشان بے ڈھنگے پن سے ہنسنے لگا۔

"رپورٹ باقاعدگی سے دیتے رہنا۔" یہ کہہ کر بہرام گھُوما اور تیز تیز ایک طرف بڑھ گیا۔

ٹائیگر کے لبوں پر شریر سی مسکراہٹ رقص کرنے لگی۔

"بڑا عجیب آدمی ہے۔" آرزو نے بہرام کے بارے میں تبصرہ کرتے ہُوئے کہا۔

"دراصل ہمارا چیف تدفین کے مناظر برداشت نہیں کر سکتا۔" ٹائیگر نے اُسے اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ "ہر انسان میں کوئی نہ کوئی کمزوری ہوتی ہے۔ یہ تو آپ جانتی ہی ہوں گی۔"

آرزو نے ٹائیگر کی طرف نگاہ کی تو اُس کی سیاہ آنکھوں میں ڈوب سی گئی۔ وہ خود فراموشی کے سے عالم میں ایک قدم آگے بڑھی... پھر ٹھٹک کر سنبھل گئی۔ "آپ کا نام کیا ہے؟" اس نے ٹائیگر سے پوچھا۔

"میرا نام شہزاد ہے۔" ٹائیگر نے مسکرا کر جواب دیا۔

"صرف شہزاد؟" لڑکی کا لہجہ معنی خیز تھا۔

ٹائیگر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ "ہاں... صرف شہزاد۔ میرے لیے یہی کافی ہے اور میرے جان پہچان والے لوگ بھی اسی مختصر سے نام سے مطمئن ہو جاتے ہیں۔"

"کیا آپ لوگ میرے ڈیڈی کے دوستوں میں سے تھے؟"

"دوست نہیں، ساتھی تھے۔" ٹائیگر نے عجیب سے لہجے میں جواب دیا جس پر آرزو حیرت زدہ رہ گئی۔ اس نے اپنی کمان دار آنکھوں سے ٹائیگر کا جائزہ لیا پھر بولی...

"تم لوگ گوشت کا کاروبار کرنے والے آدمی تو ہرگز دکھائی نہیں دیتے۔"

"دراصل ہم ہارون کے ساتھ کام کرتے ہیں۔" ٹائیگر نے سیلز مین کا نام لیتے ہُوئے کہا۔

"اوہ... اچھا..." لڑکی قدرے مطمئن نظر آنے لگی لیکن اگلے ہی لمحے ایک نئی تشویش نے اس کی پیشانی پر سلوٹیں بکھیر دیں۔ "ہاں... ہارون... لیکن مجھے حیرت ہے کہ وہ ڈیڈی کے جنازے میں کیوں شریک نہیں ہُوا؟"

"وہ اور تمھارے ڈیڈی تو غالباً ایک دوسرے سے بے حد قریب تھے؟" ٹائیگر نے اُسے ٹٹولا۔

"ہاں... کم از کم اتنے قریب تو ضرور تھے کہ ایک دوسرے کے جنازے میں انھیں بہرحال شریک ہونا چاہیے تھا۔" یہ کہہ کر وہ اُس طرف دیکھنے لگی جہاں ٹھٹھری ہوئی گھاس پر تیز تیز قدم اُٹھا کر گیٹ کی طرف جاتا ہوا بہرام اب بھی دکھائی دے رہا تھا۔ "کیا یہ شخص... اس کا کیا نام تھا؟" وہ ٹائیگر کی طرف دیکھ کر بڑبڑائی۔

"ڈاکٹر بہرام۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔

"اوہ ہاں... کیا ڈاکٹر بہرام کسی وقت ہمارے گھر تشریف لائیں گے؟"

"میں یقین سے نہیں کہہ سکتا۔ کیونکہ تجہیز و تکفین سے زیادہ ان بارٹیوں سے الرجک ہے..."

ٹائیگر خوش مزاجی کا مظاہرہ کرتے ہُوئے بول رہا تھا لیکن اس کی طرف متوجہ نہیں تھی۔ اس کا ذہن تو اپنے باپ کی آخری کال اور کمپیوٹر کی طرف سے ملنے والے جواب میں اُلجھا ہوا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ ان تینوں آدمیوں کا بھی اس کمپیوٹر سے کوئی نہ کوئی تعلق ہو سکتا ہے۔ ممکن ہے ڈاکٹر بہرام کی حیثیت "دماغ" کی ہو اور نوجوان "عضلات" کا کام دیتا ہو جبکہ یہ ستر سالہ پیر زال شخص... اس کے بارے میں کوئی رائے نہ قائم کر سکی۔ اس نے کندھے اچکائے اور یہ سوچ کر رہ گئی کہ اُس شخص کی قسمت کا تعین کرنے کے لیے ابھی کافی وقت ہے۔ اس کے ذہن میں یہ بات بھی گردش کر رہی تھی کہ ممکن ہے ان لوگوں کا تعلق محکمۂ صحت سے ہو۔ یہ وہ آدمی بھی ہو سکتے تھے جنھوں نے اس کے ڈیڈی کو قتل کیا تھا۔ ان باتوں پر غور کرتے کرتے اس کے ذہن میں ایک خیال طوفان مچانے لگا۔ وہ یہ کہ اس پر غور کرتی رہی... پھر اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ بھی اُسی نمبر پر ان کرے گی اور کمپیوٹر کی کلک کلک ریکارڈ کرے گی۔ اس کلک کی آوازوں سے وہ کمپیوٹر کا کوڈ تلاش کرے گی... اور پھر اس کا سُراغ لگا لے گی... اور پھر وہ اس کمپیوٹر تک پہنچ جائے گی۔ اور پھر یہ معلوم کرے گی کہ اس کمپیوٹر کو کون آپریٹ کرتا ہے... پھر وہ اس شخص کو قتل کر دے گی... اور اگر وہ ایک سے زیادہ ہوئے تو وہ ان سب کو قتل کر دے گی۔

❶

مسز بوستان ایک فیشن ایبل خاتون تھی۔ اگرچہ اس کی دو جوان بیٹیاں بھی تھیں لیکن اپنی بیٹیوں میں بیٹھی وہ ان کی والدہ کے بجائے بڑی بہن ہی دکھائی دیتی تھی۔ وہ جھاڑن ہاتھ میں لیے کھڑکی کے سے انداز میں اپنے گھر میں گھوم رہی تھی اور اُسے دیکھ کر ایک ایسی تتلی کا گمان ہوتا تھا جس کی منزل کھو گئی ہو۔

معاً دروازے کی اطلاعی گھنٹی بجنے لگی۔

وہ چونک کر دروازے کی طرف دیکھنے لگی... آج صبح کچرا برسا دینے کے لیے آنے والوں کی وجہ سے اُس کی زندگی اجیرن ہو گئی تھی۔ اگرچہ اُسے اپنے شوہر کے قتل ہونے کا بے پناہ غم ہُوا تھا لیکن وہ ہر وقت غم زدہ رہنا پسند نہیں کرتی تھی۔ اس کا نظریہ تھا کہ انسان کو کم سے کم غم زدہ ہونا چاہیے۔ اُس نے جھاڑن ایک گملے کے عقب میں پھینک دیا۔ اس گملے میں ایک بیش قیمت پودا لگا ہُوا تھا وہ جلدی سے آئینے کی طرف بڑھ گئی۔ دروازہ کھولنے سے پہلے وہ آئینے میں دیکھ لینا چاہتی تھی کہ اُس کے رُخساروں پر آنسوؤں کی خشک لکیریں اب بھی موجود ہیں یا نہیں جنھیں اس نے پانی کے ذریعے میک اپ زدہ چہرے پر بڑی مشکل سے بنایا تھا۔ یہ ایک روایت تھی کہ اُسے اپنے شوہر کے غم میں نڈھال نظر آنا چاہیے... وہ نڈھال تو نہیں ہو سکتی تھی البتہ اس حد تک سوگوار ضرور دکھائی دیتی تھی۔ اس نے سیاہ ماتمی لباس زیبِ تن کر رکھا تھا۔ اپنے چہرے پر سوگواری کے بھرپور تاثر سے متاثر ہو کر اُس نے ولیم کی ایک گولی نگلی اور دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ اسی لمحے اطلاعی گھنٹی پھر بڑے زور سے چیخی تھی۔

مسز بوستان نے دروازہ کھول دیا اور اسکرین ڈور کی دوسری جانب اُسے چھ آدمی دکھائی دیے جنھوں نے مُرغ رنگ کے لمبے لمبے چوغے پہن رکھے تھے۔ منھ انھیں دیکھ کر بے اختیار قہقہہ لگانے کو جی چاہتا تھا لیکن مسز بوستان بڑے ضبط والی عورت تھی۔ اس نے قہقہہ حلق کے نیچے ہی کہیں دفن کر دیا اور سوگوار سے انداز میں بولی۔ "فرمائیے...؟"

جواباً ان چھ آدمیوں میں سے کسی نے بھی کچھ نہیں کہا۔

"کیا آپ لوگ میرے مرحوم شوہر کے دوست ہیں؟" اس نے پھر ہکے بکے لہجے میں پوچھا۔

جواب میں پانچ آدمی تو مجسموں کی طرح ساکت کھڑے رہے جبکہ چھٹا آدمی جو ان کا لیڈر دکھائی دیتا تھا، اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اس کے بعد وہ بھی سنگی مجسمے میں تبدیل ہو گیا۔

"اوہ..." وہ اپنے شوہر کے دوستوں کا معیار دیکھ کر حیران رہ گئی۔ "آپ لوگ اندر تشریف لے آئیے۔"

مسز بوستان کی زبان سے یہ سُننا تھا کہ وہ سب کے سب بے جان مجسموں کی بجائے جیتے جاگتے آدمی بن گئے۔ فوری ردِعمل یہ ہُوا کہ عقب میں کھڑے دو آدمیوں نے فوراً ہی دائیں بائیں دیکھا تھا جیسے وہ آس پاس کا جائزہ لے رہے ہوں۔ مسز بوستان کو توقع نہیں تھی کہ وہ اس کی دعوت قبول کر کے اندر بھی آ جائیں گے۔ اس وقت وہ گھر میں تنہا تھی۔ ان کی یہ شان دار کوٹھی جس جگہ واقع تھی، اتفاق سے اس کے دائیں بائیں کی دونوں کوٹھیاں برائے فروخت تھیں۔ عقب میں اور سامنے ابھی میدانی غیر آباد علاقہ تھا اس لیے یہ کوٹھی ماحول کے اعتبار سے الگ تھلگ اور

سنسان ہی تھی۔

وہ ایک طرف ہٹ گئی اور سب سے پہلے جو شخص اندر آیا، وہ قطار میں سب سے آگے کھڑا تھا۔ اس نے اسکرین ڈور کھولنے کے لیے ہاتھ اُٹھایا تھا تو مسز بوستان پر کپکپی طاری ہو گئی تھی۔ مسز بوستان نے اس کا ایک ناخن دیکھ لیا تھا۔ یہ ناخن کم و بیش تین انچ لمبا تھا اور اس میں ہلکا سا خم تھا۔ ناخن بے حد چمک دار تھا اور آخری حصّے سے کلہاڑی کے سے انداز میں کٹا ہوا تھا۔ مسز بوستان کو نہ جانے یہ ناخن کیوں ایک خطرناک ترین اور مہلک ترین ہتھیار محسوس ہونے لگا تھا۔ چھ کے چھ آدمی اندر آ گئے۔ اندر آتے ہی ان کے انداز میں قدرے بے تکلفی پیدا ہو گئی اور وہ بے ڈھنگے سے انداز میں مسکرانے لگے۔ اُن کا لیڈر دروازہ بند کرنے میں مصروف تھا، وہ سب سے آخر میں اندر آیا تھا۔ اس نے دروازہ مقفل کر دیا اور مسز بوستان کی طرف دیکھ کر مسکرانے لگا۔ "آپ نے ہمیں اندر آنے کی اجازت دے کر کتنی مہربانی کا سلوک کیا ہے۔ اگر دروازہ نہ کھلتا تو شاید ہم اس عمارت میں قدم بھی نہ رکھ سکتے۔"

مسز بوستان کو اس کا یہ تبصرہ بڑا ہی عجیب اور ناقابلِ فہم لگا۔ اب اُسے شبہ ہونے لگا تھا کہ ان لوگوں کا اس کے شوہر سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس کے دوست نہیں ہو سکتے اور اس نے انہیں اندر بُلا کر بہت بڑی غلطی کی ہے... لیکن اب کیا ہو سکتا تھا۔ جو ہونا تھا، وہ تو ہو چکا تھا۔ اس کے ذہن میں سب سے پہلے داخل ہونے والے شخص کا ناخن گھوم گیا۔ اس تصور نے ہی اس کی ریڑھ کی ہڈی سے خوف کی ایک ننھی سی چھپکلی چپکا دی کہ اتنا خوفناک اور تیز دھار ناخن اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھا... اور یہ ناخن محض ایک ہی وار سے کسی کی شہ رگ بہ آسانی کاٹ سکتا ہے۔ لیڈر نے جو کچھ کہا تھا، اس پر ایک شخص نے قہقہہ بھی لگایا... اس کا مطلب تھا کہ یہ لوگ اس سے اظہارِ ہمدردی کے لیے ہرگز نہیں آئے ہیں۔ وہ دل ہی دل میں سوچ رہی تھی کہ اگر اس نے اعصابی سکون کے لیے کچھ ہی دیر پہلے ویلیم کی گولی نہ کھالی ہوتی تو اس وقت نہ جانے اس کا کیا حال ہوتا۔ اس دوا کی وجہ سے وہ خود کو سنبھالنے میں کامیاب ہو رہی تھی۔

اس نے خود کو سنبھالا اور ان ناپسندیدہ مہمانوں سے اندر کمرِ نشست میں چلنے کی درخواست کی۔ وہ مسکراتے ہوئے اس کمرے کی طرف چل دیے جس کی جانب مسز بوستان نے اشارہ کیا تھا۔ ان کے سُرخ لبادے اور زرد چہروں کو دیکھ کر مسز بوستان کی دہشت میں اور بھی اضافہ ہو گیا تھا۔ اس نے کمرۂ نشست میں میزوں پر رکھی ہوئی بوتلوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "بلا تکلف، اپنی مدد آپ کیجیے۔ جس چیز کو جی چاہے، شوق فرمایئے۔"

اچانک مسز بوستان کی ریڑھ کی ہڈی سے چپکی ہوئی خوف کی ننھی سی چھپکلی نے حرکت کی اور اوپر آنے لگی۔ اُسے محسوس ہوا تھا کہ لیڈر بڑی عجیب نگاہوں سے اس کا جائزہ لے رہا ہے۔ "بوستان کے ساتھ جو کچھ ہوا، بڑا ہی خوفناک ہے۔" وہ اس عجیب احساس کو زائل کرنے کے لیے بولی۔ "میں اب تک نہ جانے کتنی بار خود سے یہ سوال کر چکی ہوں کہ آخر میرا بوستان ہی اتنی دردناک موت کا شکار کیوں ہوا؟ صرف وہی کیوں؟"

سرخ لبادے والے پُراسرار آدمیوں کے سرغنہ نے ہمدردی کے اظہار میں گردن ہلا دی۔ بالآخر وہ آزاد ہو گیا۔"

یہ ایک غیر فطری سا جواب تھا جس نے مسز بوستان کی ریڑھ کی ہڈی پر خوف کی چھپکلیوں کی تعداد بڑھا دی۔ وہ اندازہ ہی اندازہ کا تانبہ گئی۔ "ہو سکتا ہے، وہ آزاد ہو گیا ہو۔" وہ ہکلائی ہوئی آواز میں بولی۔ اس کی کوشش تھی کہ وہ خود کو گھبرائی ہوئی ظاہر نہ کرے اور اس کے لیے کچھ نہ کچھ کہنا ضروری تھا۔ لیکن محض اس کے آزاد ہونے سے سارے مسائل تو حل نہیں ہو جاتے۔ آخر میں کہاں جاؤں؟ کیا ہو گا؟" وہ سرغنہ کے سامنے کھڑی تھی۔ اس نے قدرے لڑکھڑاتے ہوئے پوچھا۔ "بتاؤ، میرا کیا ہو گا؟ ریستوران کون سنبھالے گا... اور لڑکیوں کی دیکھ بھال کون کرے گا؟"

"سب کا بندوبست وقت کے مطابق ہو جایا کرتا ہے۔" سرخ لبادے والے سرغنہ نے کہا۔ "بوستان خاصی جلدی مر گیا حالانکہ یہ اس کے جینے کے دن تھے۔"

اگرچہ وہ شخص اس کے دل کے زخموں پر مرہم نہیں رکھ رہا تھا لیکن پھر بھی نہ جانے کیوں مسز بوستان کا دل بھر آیا اور اس کی آنکھیں آنسوؤں کی دُھند سے بھر گئیں۔ اس بار اس کے رخسار پر آنسوؤں کی جو دو لکیریں بنیں، وہ بالکل اصلی تھیں۔ "میں اس شخص کے لیے ہی زندہ تھی۔" وہ بھرائی ہوئی اور جذباتی آواز میں بولی۔ "میں دیانت داری سے صرف اسی کی ہو کر زندہ رہی۔ اس کے بعد اس دُنیا میں میرے لیے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔" یہ کہہ کر اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا اور سسکیاں بھرنے لگی۔

جب اس نے دونوں ہاتھ اُٹھا کر اپنا چہرہ ڈھانپا تھا تو اس کی کہنیاں عقب میں کھڑے ایک شخص سے ٹکرا گئی تھیں... پھر جب وہ قدرے لڑکھڑا کر دائیں جانب دو قدم ہٹی تو ایک اور شخص

سے تصادم ہوگیا۔ اسی طرح بائیں طرف بھی ہُوا۔ وہ سمجھ گئی کہ ان لوگوں نے اسے چاروں طرف سے گھیرے میں لے لیا ہے۔ اچانک اس نے چہرے سے دونوں ہاتھ اُٹھا کر سامنے دیکھا تو اُس کے حلق سے ایک گھٹی گھٹی سی چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔

وہ خوفناک ناخن اس کے چہرے کے سامنے فضا میں معلق تھا۔ اوجھل کی روشنی میں کسی تیز دھار کلہاڑی کی طرح چمک رہا تھا۔ اس سے منعکس ہونے والی کرنیں تک مہلک محسوس ہو رہی تھیں۔ نہیں یقین ہے کہ تم نے اب تک محض اسی سے محبت کی ہے اور اُسی کے لیے زندہ رہی ہو۔ اس لیے تم سے بہتر کون بتا سکتا ہے کہ اس نے کیا کہا تھا۔"

مسز بوستان اُسے یوں گھورنے لگی جیسے اُسے سکتہ ہوگیا ہو۔ اس کا نیم وا دہانہ ابھی تک تعجب اور خوف کے اظہار میں کھلا ہُوا تھا۔ اس نے سامنے کھڑے زرد رُو شخص کے چہرے پر نظریں گاڑنے کی کوشش کی لیکن اس کا سر بُری طرح گھومنے لگا تھا۔ اس کی آنکھیں دُھندلا رہی تھیں اور اس شخص کا زرد چہرہ اس کی نگاہوں کے سامنے پھیلتا جا رہا تھا۔ اب اُسے صرف اُس کی دو نوں آنکھیں ہی نظر آ رہی تھیں۔ دو سیاہ، بڑی بڑی آنکھیں... گہری سحر آلود آنکھیں...

"اس نے کیا کہا تھا؟" یہ سوال دُہرایا گیا۔

"کب؟" اس نے بے یقینی کے سے عالم میں دریافت کیا۔ اُس نے تو بہت کچھ کہا تھا۔ تم مجھ سے کیا پوچھنا چاہتے ہو؟"

"اس نے گھر سے نکلتے وقت کیا کہا تھا؟" زرد رُو شخص نے ٹھوس لہجے میں اپنا سوال قدرے تبدیلی کے ساتھ کیا۔ "اس نے شکار پر جانے سے پہلے تم سے کچھ کہا تھا؟"

مسز بوستان نے دائیں بائیں اور پیچھے دیکھا۔ وہ سب کے سب اُس سے صرف ایک قدم کے فاصلے پر کھڑے تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ زرد چہروں اور سُرخ چوغوں والے مجسموں کے درمیان زندہ چُن دی گئی ہو۔ اب اگر وہ چاہتی بھی تو ان کے حصار سے نہیں نکل سکتی تھی۔ ایک قدم بھی آگے پیچھے کرنا دُشوار تھا۔ وہ پُوری طرح ان کے نرغے میں آ چکی تھی اور مارے خوف کے اس کا حلق خشک ہوگیا تھا۔ اس نے باری باری ان چھ آدمیوں کی طرف دیکھا جو اس کے گرد حصار بنائے کھڑے تھے۔ ان کے چہروں پر سنگ دلی کے تاثرات تھے۔ آنکھیں سفاک تھیں اور ان کے دہانوں سے درندگی کا احساس ہوتا تھا۔ وہ کانپ کانپ گئی۔ اس کی حالت ایک ایسی ننھی سی چڑیا جیسی تھی جو بیک وقت چھ شکروں کی زد پر آ گئی ہو۔

"تم نے ابھی تک میری بات کا جواب نہیں دیا۔" اس بات کے ساتھ ہی ناخن کا مہلک ہتھیار ایک بار پھر اُس کی آنکھوں کے سامنے چمک اُٹھا۔

"میں نہیں جانتی تم کیا کہہ رہے ہو۔" وہ بے بسی سے بولی۔ "تمھیں چاہیئے کہ جو کچھ بھی معلوم کرنا ہے، کھل کر بات کرو۔ ممکن ہے، میں تمھاری کچھ مدد کرنے پر آمادہ ہو جاؤں۔"

مسز بوستان کی بات معقول تھی لیکن اسے صرف معقول ذہن ہی قبول کر سکتا تھا جبکہ وہ چھ آدمی معقولیت کے کسی بھی خانے پر پُورے نہیں اُترتے تھے۔ سرغنہ کا ہاتھ اس کے کندھے پر پہنچ گیا اور اس کی انگلیوں نے مسز بوستان کے نازک کندھے پر کسی آہنی شکنجے جیسی گرفت ڈال لی۔

"وہ مر چکا ہے۔" سرغنہ غرّانے لگا۔ "اس کی روح جسم سے نکال کر کائنات کی وسعتوں میں آزاد کر دی گئی ہے۔ اب اس کی محبت اور اس کا خیال ذہن سے جھٹک دو اور اپنے بارے میں سوچو۔ تمھارے مفاد میں یہی ہے کہ مجھے سب کچھ بتا دو۔"

مسز بوستان برف کی کسی سِل کی طرح منجمد ہو کر رہ گئی تھی۔ اس نے جواب دینے کے لیے لبوں کو حرکت دی تو اُسے بے پناہ دُشواری کا سامنا کرنا پڑا۔ تاہم وہ بولنے میں کامیاب ہوگئی۔ "اس رات میں سونے کے ارادے سے بستر پر لیٹ چکی تھی۔ وہ چلا گیا۔ اس نے جانے سے پہلے مجھ سے کوئی بات نہیں کی کیونکہ شاید وہ یہ سمجھا ہو کہ میں سو چکی ہوں۔"

سُرخ چوغے والے شخص کی انگلیاں سلاخوں کی طرح اس کے کندھے میں چبھنے لگیں۔ "اس نے تمھیں جو کچھ بتایا ہے ہمیں بتا دو۔" وہ اپنی بات پر جمار ہا۔ "تم نے اب تک جن عقائد کے تحت زندگی بسر کی ہے ان سب کو بھول جاؤ۔ مذہب اور گوشت کو ذہن سے جھٹک دو۔"

اچانک ہی مسز بوستان کے جسم میں توانائی کی لہر سی دوڑ گئی۔ اس نے ایک جھٹکے سے خود کو آزاد کرا لیا۔ وہ ذرا سا عقب میں لڑکھڑائی اور پیچھے کھڑے شخص سے ٹکرا گئی۔ اس کی کہنیاں عقب میں کھڑے چوغے والے کے سینے میں لگی تھیں۔ "کیا کہا تم نے؟" وہ دیوانگی سے بھرپور لہجے میں بولی۔ فیشن ایبل ہونے کے باوجود وہ ذہنی اور قلبی طور پر مذہب کی طرف بے پناہ مائل تھی۔ "مذہب، گوشت اور عقائد کو بھول جاؤں؟" وہ چیخ پڑی۔ "یہ تم کیا بکواس کر رہے ہو۔ میں مذہب کو نہیں چھوڑ سکتی چاہے میری جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔"

حیرت انگیز تیزی سے اپنی بگڑی ہوئی حالت پر قابو لیا۔ اس کے سامنے کھڑا شخص پتھر جیسے چہرے پر سجی ہوئی دو لی سیاہ اور چمک دار آنکھوں سے اُسے گھور رہا تھا۔ اس کے ہونٹ مسکرائے تو یوں لگا جیسے سنگ چہرے میں ں پڑ گئی ہو۔

"بے چارہ بوستان..." وہ ایک بار پھر آزردہ ہوگئی۔ "جانے ے کن پُراسرار باتوں میں خود کو اُلجھا لیا تھا۔" وہ خود کلامی کے ں کہہ رہی تھی۔

اچانک فرنٹ ڈور کے بالائی حصّے سے ایک آواز آئی اور ستان کے سامنے کھڑا ہُوا آدمی اس آواز کی طرف متوجہ ہوگیا۔ "یہ کچھ نہیں جانتی۔" آواز کہہ رہی تھی۔ "اس سے نمٹ لو۔ ہمیں جلد یہاں سے رخصت ہو جانا چاہیے۔"

اسی دوران مسز بوستان نے عقب میں کھڑے آدمی کے ہاتھ رکھ کر اُسے نرمی سے دھکیلتے ہوئے کہا۔ "کیا تم مجھے جانے نہیں دے سکتے؟"

اس شخص نے اثبات میں سر ہلا دیا اور سامنے سے ہٹ گیا۔ نہ جانے کیا ہُوا۔ مسز بوستان کا حسین سراپا پیروں پر گھوم گیا۔ وہ ایک بار پھر سُرخ چوغوں والے لوگوں کے سرغنہ کے بالمقابل پلکیں جھپکا رہی تھی۔ اچانک وہی تیز دھار کلہاڑی نما ناخن آنکھوں کے سامنے لہرایا۔ ایک لمحے کے لیے اس کی چمک دکھائی ہر اُسے اپنے نرخرے پر اُسکی کاٹ کا احساس ہُوا۔ وہ چیخ پڑی۔ ے پہلو میں ایستادہ دونوں آدمیوں نے اُسے جکڑ لیا۔ اُس کی ان کی گرفت میں تھیں اور وہ رہائی کے لیے جدوجہد کر رہی تھی۔ ں کھڑے ہُوئے شخص کا ہاتھ بڑھا اور اس کے مُنہ پر جم گیا۔ ستان نے اپنے سینے کی طرف دیکھا جس پر نرخرے سے اُتری زن کی پتلی سی چادر پھیلتی جا رہی تھی۔ مارے دہشت کے اہر اجسم کانپ گیا۔ اس کی دیوانگی آمیز حرکات کی وجہ سے ے کا زخم مزید کھل گیا اور خون مزید تیزی سے بہنے لگا۔

ناخن والے شخص نے اس کا کندھا تھام لیا اور پھر اس کا حرکت میں آ گیا جس کی ایک انگلی سے وہ مہلک ناخن وابستہ ں بار ناخن اس کے نرخرے میں گہرا اُتر گیا۔ یہ ایک جان لیوا وہ ذبح ہونے والی بکری کی طرح تڑپی اور اس نے چیخنے کے ولنے کی کوشش کی۔ چیخ اس کے سینے سے بلند ہُوئی اور اس وں تلے دبی ہُوئی زبان تک آ کر دم توڑ گئی۔

ناخن والے شخص کا ناخن اس کی آنکھوں پر عمل کر رہا تھا۔ مسز بوستان کو اپنی ہستی ایک ایسی کشتی محسوس ہونے لگی جس میں جگہ جگہ سوراخ ہو گئے ہوں اور وہ ڈوب رہی ہو... اُسے اپنی ٹانگیں بے جان لگ رہی تھیں۔ اس کے جسم کا بوجھ اچانک ہی اُٹھ بڑھ گیا تھا کہ ٹانگیں اُسے سنبھالنے میں کامیاب نہیں ہو رہی تھیں... پھر اُسے ہر چیز موم کی بنی ہُوئی لگنے لگی۔ ہر شے پگھلنے لگی۔ وہ خود بھی پگھل رہی تھی۔

تین آدمیوں نے اُسے جکڑ رکھا تھا۔ انھوں نے اس کو چھوڑ دیا۔ لیڈر اپنے خوفناک ناخن کا جائزہ لے رہا تھا اور اس کی کارکردگی پر بے حد مطمئن تھا۔

وہ لڑکھڑاتی رہی۔ اس کا تیزی سے بے جان ہوتا ہُوا جسم ایک میز سے ٹکرایا اور پھر وہ گر گئی۔ وہ بُری طرح فرش سے ٹکرائی تھی لیکن اس تصادم سے اُسے تکلیف کا ذرا سا بھی احساس نہیں ہُوا تھا۔

چھ کے چھ چوغوں والے خاموش کھڑے اس کے تڑپنے کا منظر دیکھتے رہے۔

جب اُس کا جسم ساکت ہوگیا تو سرغنہ بولا۔ "ہمیں فوراً اپنا کام شروع کر دینا چاہیے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اب ہمارے پاس بالکل وقت نہیں ہے۔"

●

تذفین کے بعد ٹائیگر اور اُوشان نے آرزو کو اپنی کار میں گھر چھوڑنے کی پیش کش کی جسے اُس نے بلا تردد قبول کر لیا۔ اُوشان عقبی نشست پر بیٹھا تھا اور اُس کی پلکیں ساکت تھیں، ٹائیگر کار ڈرائیو کر رہا تھا اور آرزو اس کے پہلو میں کسی حسین مجسمے کی طرح ساکت بیٹھی سامنے ونڈ اسکرین کو گھور رہی تھی۔

"اوہ... یہ سب کچھ ایک بھیانک خواب محسوس ہوتا ہے۔" وہ زیرِ لب بولی۔

ٹائیگر نے کن انکھیوں سے اُس کی طرف دیکھا۔ انداز دعا طلب تھا۔

"میرا مطلب اس تذفین اور اپنے ڈیڈی کی لاش سے ہے۔" آرزو نے کہا۔ "مجھے حیرت ہے کہ کوئی شخص میرے ڈیڈی کا اس حد تک بھی دُشمن ہو سکتا تھا۔ اُن کے اس سفاکانہ قتل کی وجہ میری سمجھ سے باہر ہے۔" اُس کے لہجے میں بے بسی آ گئی۔ "کیا تم بتا سکتے ہو کہ ایسی دردناک موت کی وجہ کیا ہو سکتی ہے؟"

ٹائیگر نے اُس کے بائیں گھٹنے پر ہاتھ رکھ دیا۔ وہ اُسے پُرسکون کرنا چاہتا تھا۔ "ایسی اموات کی وجہ معلوم کرنا دُنیا کا

سب سے مشکل کام ہے۔" وہ بڑبڑایا۔

"ننھی لڑکی۔۔۔؟" اُوشان عقبی سیٹ سے بولا۔ "تم جس شخص سے پوچھ رہی ہو اُس بے چارے کو ایسی باتیں سوچنے کی عادت نہیں ہے۔ یہ خود ایک ننھا سا بچہ ہے۔ اسے کیا معلوم کہ۔۔۔"

"اُوشان۔۔۔!" ٹائیگر پلٹ کر غرّایا۔ "کم از کم اس موقعے پر تو خاموش رہیے۔" اُس کے لہجے میں تنبیہہ آمیز استعجاب تھا۔

اُس نے کار اُس سڑک پر موڑ دی جس پر آرزو کی قیام گاہ تھی۔

اُوشان اپنے مخصوص انداز میں ہنسنے لگا تھا اور ٹائیگر کو یہ ہنسی پہلے سے کہیں زیادہ تکلیف دہ محسوس ہوئی تھی۔ اُس نے گھور کر عقب نما آئینے میں، اُوشان کے عکس کی طرف دیکھا۔

"آپ تو یوں ہنس رہے ہیں جیسے اس سلسلے کی حقیقت سے پوری طرح آگاہ ہوں۔" اُس نے تاؤ دلانے والے انداز میں کہا۔

"میں سمجھتا ہوں، ہم لوگ جب سے قبرستان سے روانہ ہوئے ہیں، ہم سے زیادہ آپ کو کچھ معلوم نہیں ہوا ہوگا۔"

"میں کافی جانتا ہوں۔" اُوشان نے یک بیک سنجیدہ ہوتے ہوئے کہا۔ "میں جانتا ہوں کہ ڈاکٹر بہرام نے تمھاری عدم موجودگی میں ایک خاص بیماری کا نام لیا تھا۔"

"ایک نئی بیماری۔۔۔!" ٹائیگر چونکے بغیر نہ رہ سکا۔ "میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"جانوروں کا فلو۔" اُوشان نے جواب دیا۔ "جانوروں کا فلو۔۔۔ قہ۔۔۔ قہ۔۔۔" اُس نے بٹخنے کی سی آواز نکالی۔

"مجھے خوشی ہے کہ آپ ایک عرصے بعد آج پھر اپنے مخصوص خوش گوار موڈ میں مبتلا ہو گئے ہیں۔" ٹائیگر نے جلے کٹے انداز میں کہا۔

"میں خوش گوار موڈ میں نہیں ہوں بلکہ تمھاری کم عقلی کا ماتم کر رہا ہوں۔" اُوشان کا موڈ یک لخت خراب ہو گیا۔

ٹائیگر سمجھ گیا کہ اب اُوشان سے اُلجھنا ٹھیک نہیں اس لیے وہ آرزو کی طرف متوجہ ہو گیا جو کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی۔ اُس پر یوں لگتا تھا جیسے وہ ان دونوں کی باتوں پر توجہ ہی نہ دے رہی ہو بلکہ باہر کے مناظر میں خود کو گم کر دینا چاہتی ہو۔

"تمھاری ماں اس تدفین میں کیوں شامل نہیں ہوئی؟" ٹائیگر نے پوچھا۔ "کیا وہ پردہ دار خاتون ہیں؟"

"نہیں۔۔۔ لیکن وہ اس قدر غم زدہ تھیں کہ انھیں ساتھ لانا، انھیں ہلاکت میں ڈالنے کے مترادف تھا۔ لیجیے ہمارا گھر آ گیا۔" اُس نے ایک کوٹھی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

ٹائیگر نے کار ڈرائیو وے میں موڑ دی۔ زرد رشید کھڑکیاں آنکھوں کو بہت بھلی لگ رہی تھیں۔ جیسے ہی اُس کار روکی، اچانک اُس کی نگاہ ایک سائے پر پڑی۔ وہ چونک پڑا۔ یہ سایہ ایک کھڑکی سے اندر جھانک رہا تھا۔ "اُوشان! کا خیال رکھنا۔" اُس نے کہا اور آرزو سے بولا۔ "تم یہیں ٹھہرو۔"

آرزو کار سے اُتر کر اُوشان کے قریب کھڑی ہو گئی۔ اُس کے انداز سے ذرا سی بھی تشویش کا اظہار نہیں ہو رہا تھا۔ ٹائیگر تیزی سے کوٹھی کے عقبی حصّے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اُس نے اُس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "دیکھو، یہ نوجوان کیسے چل رہا ہے جیسے اس کے پاؤں زمین سے نہ چھو رہے ہوں۔"

اُوشان نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اُس کی نگاہیں بھی اُسی سمت سے حرکت کر رہے تھے۔ اُس کی نگاہ عمارت پر جمی ہوئی تھی اور یوں لگتا تھا جیسے وہ خاموشی سے کسی خاص چیز کے ظاہر ہونے کا انتظار کر رہا ہو۔ آرزو نے محسوس کیا کہ اچانک اس بوڑھے کے چہرے پر ویسے ہی تاثرات پیدا ہو گئے جیسے اُس وقت نظر آئے تھے جب وہ اُس کے باپ کی بات کر رہا تھا۔

اُس کا دل آہستہ آہستہ بے ترتیب دھڑکنوں کا ساتھ دینے لگا۔

ٹائیگر تیزی سے عمارت کے عقبی حصّے میں جا پہنچا۔ وہ شخص بھی کھڑکی سے ہٹ کر پلٹ پڑا۔ ٹائیگر اُس سے قدرے قریب پہنچ چکا تھا کہ دونوں کے سینے ٹکرا گئے۔

"صاحب!" ٹائیگر کے لہجے میں حیرت تھی۔ اس شخص کو قبرستان میں جنازہ پڑھاتے اور دعائیں مانگتے دیکھا تھا۔ حیرت ہونے لگی کہ وہ اُن سے پہلے یہاں کیسے پہنچ گیا۔ کیوں جھانک رہے تھے؟" اُس نے پوچھا۔

صاحب ریش ایک جسیم آدمی تھا۔ اُس کے چہرے پر اتنا گوشت تھا کہ اُس کی ایک کی بجائے تین ٹھوڑیاں تھیں۔ وہ ٹائیگر کو یوں اچانک سامنے پا کر بُری طرح پھر خود کو قدرے سنبھال کر بولا۔ "میں مسز بوستان سے۔ لیکن اُس نے اطلاعی گھنٹی کے جواب میں دروازہ نہیں میں دیکھ رہا تھا کہ کہیں خدانخواستہ۔۔۔"

"اوہ ٹھیک ہے۔" ٹائیگر نے اُس کا بازو تھام لیا۔ لے کر آرزو اور اُوشان کی طرف چل دیا۔ راستے میں جسیم کہہ رہا تھا۔ "میں ایک عرصے سے اس گھر میں آ جا رہا میری دعاؤں کے طفیل بڑی ترقی کرتا رہا ہے۔ میں۔

بر مسز بوستان کو میری روحانی امداد کی ضرورت ہو۔"

وہ کار کے قریب پہنچ گئے۔

"آرزو۔ تمھارے پاس گھر کی چابی ہے؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

یہ سُن کر لڑکی اُچھل ہی تو پڑی۔ وہ دوڑتی ہوئی گھر کے دروازے پر پہنچی اور اُس سے زور آزمائی کرنے لگی۔ اُس انداز سے یکایک ہی دیوانگی آمیز بے چینی کا اظہار ہونے لگا ٹائیگر کو وہ ایک بے قرار گلہری لگی۔ "بڑی عجیب بات ہے۔" چیخ رہی تھی۔ "ممی نے آج تک گھر کا دروازہ مقفل نہیں یا۔" یہ کہہ کر اچانک وہ جھکی اور چٹائی کے نیچے ٹٹولنے لگی۔ کا ہاتھ سامنے آیا تو اُس میں ایک چابی موجود تھی۔ اُس نے ہی جلدی دروازہ کھولا اور سب گھر میں داخل ہو گئے۔ مولوی جب بھی اُن کے پیچھے ہی اندر آئے لیکن اُوشان باہر ہی رُک رہا۔

ٹائیگر نے چونک کر اُس کی طرف دیکھا۔

اُوشان ایک درخت کی طرف دیکھ رہا تھا جس کے نیچے ماس کا ایک ٹکڑا قدرے نمایاں لگ رہا تھا۔ "اندر آ جاؤ شان۔" ٹائیگر نے دروازے سے ہانک لگائی۔

"میرا خیال ہے، مجھے یہاں سے باہر ہی رہنا چاہیے۔" اُوشان نے جواب دیا۔ "یہاں ایک ایسی چیز ہے، جسے میں کسی طرح بھی نظر انداز نہیں کر سکتا۔"

"مجھ سے زیادہ ناپسندیدہ چیز کون سی ہو سکتی ہے۔۔۔؟" ٹائیگر غرّایا۔

"میں سنجیدہ ہوں، شہزاد۔" اُوشان کے لہجے میں بے پناہ اضطراب تھا جسے ٹائیگر بھی محسوس کیے بغیر نہ رہ سکا۔ "میں باہر کا رہوں گا۔" اُوشان نے بے حد ضدی انداز میں کہا۔

ٹائیگر چند لمحوں تک تو اُس کی طرف دیکھتا رہا پھر وہ کندھے کا ہوا پلٹ گیا اور اس کے عقب میں دروازہ بند ہو گیا۔

اُوشان چند لمحے جہاں کھڑا تھا، وہیں ساکت کھڑا رہا اور ہاں سونگھتا رہا۔۔۔ پھر اُس کے قدموں نے نہایت آہستگی حرکت کرنا شروع کر دیا۔ وہ عمارت کے عقبی حصّے کی طرف ہا تھا۔

گھر میں داخل ہو کر آرزو نے اُنھیں کمرۂ نشست میں چلنے شارہ کیا اور بلند آواز میں اپنی ماں سے بولی۔ "ممی میں آ گئی ہوں۔"

مولوی صاحب کمرۂ نشست کی طرف بڑھ گئے اور ٹائیگر ا کھڑا حیرت سے سوچتا رہ گیا کہ آخر اُوشان کو کیا بات پریشان کر رہی تھی؟ وہ جانتا تھا کہ جب کبھی وہ ایسی حالت میں مبتلا ہوتا ہے تو کوئی انہونی ہی سامنے آتی ہے۔

"میں ہاتھ دھو کر آتی ہوں۔" آرزو یہ کہہ کر باورچی خانے کی طرف چلی گئی۔

ٹائیگر وہیں کھڑا رہا۔

معاً اُس کے کانوں سے پانی گرنے کی خفیف سی آواز ٹکرانے لگی۔۔۔ پھر ایک طویل کراہ اُس کی سماعت تک پہنچی اور اس کے لمحوں لگا جیسے کمرۂ نشست سے کوئی ہاتھی سرپٹ بھاگتا ہوا اُس کی طرف آ رہا تھا۔

"اوہ میرے خدا۔۔۔ میرے ربِ عظیم۔۔۔ میرے اللہ۔" مولوی قدیر گڑگڑاتا اور ہانپتا کانپتا سامنے آیا۔ ٹائیگر نے اس سے پوچھنا چاہا کہ کیا ہوا لیکن مولوی قدیر پر تو ایسی بدحواسی چھائی تھی جیسے اُس نے کوئی بھوت دیکھ لیا ہو۔ وہ سرپٹ بھاگتا ہوا صدر دروازے تک پہنچا اور پھر اُسے کھول کر باہر نکل گیا۔

ٹائیگر نے کچھ نہ سمجھنے کے انداز میں دیدے نچائے اور اسی لمحے اُس کے حساس نتھنوں نے خود کار انداز میں عمل کرنا شروع کر دیا۔ وہ خون اور موت کی بُو محسوس کرنے لگا۔ اب اُسے حالات کی سنگینی اور اُوشان کی باتوں کے وزن کا احساس ہوا۔ وہ تیزی سے کمرۂ نشست کی طرف بڑھا اور پھر اُسے ٹھٹک کر رہ جانا پڑا۔

کمرۂ نشست کا فرش خون کا چھوٹا سا تالاب نظر آ رہا تھا۔ چھینٹے دیواروں پر بھی دکھائی دے رہے تھے۔

مولوی قدیر گھر سے نکل کر لان کے ایک درخت کے پاس رُک گیا اور اپنی بے ترتیب سانسوں پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگا۔ اُس کے بے پناہ موٹے چہرے پر پسینے کی کئی ندیاں بہتی محسوس ہو رہی تھیں۔

ٹائیگر کمرۂ نشست سے نکل کر کچن کی طرف دوڑا۔ صابن کا بھاگ آؤ دبائی آرزو کے بازوؤں اور چہرے سے بہہ رہا تھا۔ وہ سیدھی کھڑی تھی۔ اُس کے حلق سے ایک دلدوز چیخ نکل چکی تھی اور دوسری چیخ کے لیے اُس کا دہانہ کھل رہا تھا۔ مارے دہشت کے اُس کی آنکھیں معمول سے دُگنی بڑی ہو چکی تھیں۔ کچن میں اُس کے علاوہ کوئی نہیں تھا اور وہ ٹائیگر کو دیکھ کر نہیں چیخی تھی۔ اس لیے ٹائیگر حیران تھا کہ اُس نے کیا دیکھ لیا ہے۔

معاً اُس کی نگاہ کچن کی کھڑکی سے باہر لان کے ایک

درخت پر جم گئی اور وہ سانس لینا بھی بھول گیا۔

وہ سمجھ گیا کہ آرزو کیا دیکھ کر چیخی تھی۔ خود اُس کے بھی رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔ یہ ایک خوفناک منظر تھا۔ درخت کی ایک مضبوط شاخ سے ایک لاش لٹکی ہوئی تھی۔ سیاہ لمبے لبادے والی یہ لاش بے حد سنسنی خیز ثابت ہوئی۔ ٹائیگر کے اعصاب جھنجھنا کر رہ گئے۔ اُس نے جلد ہی اپنی حالت پر قابو پالیا۔ اس دوران میں وہ آرزو کی طرف سے لمحے بھر کے لیے غافل ہو گیا تھا۔ وہ دوسری اُدھوری چیخ کے ساتھ ہی فرش پر گر کر بے ہوش ہو چکی تھی۔

ٹائیگر کا دل شدت سے دھڑک رہا تھا اور بار بار اُس کی حالت بگڑ جاتی تھی۔ وہ کوئی معمولی اعصاب کا آدمی نہیں تھا لیکن جو کچھ اُس کی آنکھیں دیکھ رہی تھیں وہ بھی معمولی منظر نہیں تھا... پھر معمولی اعصاب کی مالک آرزو تو کب کی گر کر بے ہوش ہو چکی تھی اور معمولی اعصاب والا مولوی نذیر تو کسی بدحواس ہاتھی کی طرح دوڑتا ہوا گھر سے نکل کر باہر لان میں پہنچ چکا تھا۔

ٹائیگر نے دونوں ہاتھ کھڑکی کی سل پر جمائے اور مسز بوستان کی لاش کا جائزہ لینے لگا جو درخت کی ایک شاخ سے جھول رہی تھی۔ اُسی لمحے ٹائیگر کی نگاہ اُوشان پر پڑی۔ اُوشان اُسی درخت کے قریب کھڑا تھا۔ وہ لاش کو گھور رہا تھا... پھر اس کا لبادے میں لپٹا ہوا جسم متحرک ہوا۔ وہ درخت کے تنے کے گرد چکر لگا رہا تھا۔ دو تین چکر لگانے کے بعد وہ رُک گیا۔ تب ٹائیگر نے دیکھا کہ وہ اپنے پاؤں کے پنجے سے ٹھوکری ہوئی زمین کرید رہا ہے۔

ہارون کہنے کو تو ایک سیلز مین تھا لیکن درحقیقت اعلیٰ پیمانے پر دلالی کا کام کرتا تھا اور گوشت کے کاروبار میں کروڑوں کے سودے اسی کی معرفت ہوا کرتے تھے جن میں سے اُسے لاکھوں کی بچت ہوتی تھی۔ کروڑوں میں لاکھوں کا کمیشن نہیں ہوتا تھا بلکہ بعض اوقات وہ سودا اپنی ہی فرم کے حق میں کر لیا کرتا تھا۔ یوں اُس کے جاروں ہاتھ پیر گھی میں تھے اور سر کڑاہی میں۔ راوی اس کے لیے چین ہی چین لکھتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس وقت وہ اپنی شاندار کوٹھی کے کمرۂ نشست میں بیٹھا ٹی وی پر فٹ بال کا میچ دیکھ رہا تھا تو اس کے چہرے پر بے پناہ آسودگی تھی۔

وہ ایک آوارہ مزاج آدمی تھا۔ اس کی زندگی تنہائی کا شکار تھی لیکن اس کی ہمراہ گناہ کے ایک نئے مسافر کے ساتھ آباد کرتی تھی۔ اُسے دُنیا میں بس دو ہی شوق تھے۔ پیسہ کمانا اور پیسہ کرنا۔ کمانے کے لیے اس کے پاس اتنے ذرائع تھے کہ بعض اوقات اُسے خود بھی ذہن پر زور دے کر ان کا احاطہ کرنا پڑتا تھا پھر بھی بھول چوک ہو ہی جاتی تھی جبکہ موقعوں پر خرچ کرنے کے معاملے میں لوگ اُسے کسی شہنشاہ کا ہم پلہ قرار دیا کرتے تھے۔ اس وقت وہ تنہا تھا۔ اس کے دائیں طرف میز پر برف کے ٹیکرے کی ایک بوتل رکھی تھی جس کے ساتھ جھاگ اڑاتی ہوئی بیئر کا ایک لبریز گلاس موجود تھا۔

اس کا دایاں ہاتھ وقفے وقفے سے گلاس کی طرف جاتا دیکھے بغیر ہی وہ گلاس اُٹھا لیتا۔ گلاس منہ تک جاتا، ایک گھونٹ گلاس سے اس کے حلق میں منتقل ہو جاتا اور پھر خود کار سے انداز میں اُس گلاس کو واپس میز پر رکھ دیتا تھا۔ اس دوران میں اس کی نگاہ ٹی وی اسکرین سے نہیں ہٹتی تھی۔

فٹ بال کا میچ اس وقت پورے زوروں پر تھا اور کھیل میں جو ہیجان خیزی کا تاثر تھا، اس سے ہارون کے جذبات بھی آگ سی لگ رہی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ میچ ختم ہوتے ہی وہ کال فون کر کے طلب کرے گا اور پھر یہ آگ خود بخود ہی سرد پڑ جائے گی۔ خیال سے ہی اسے سکون سا ملا کر رہ جانا پڑا۔

اچانک ٹی وی کی اسکرین سپاٹ ہو گئی۔

وہ چونک پڑا۔ پہلے تو وہ سمجھا تھا کہ شاید بجلی چلی گئی ہے لیکن پھر اس نے روشن بلب اور میز جلتا دیکھا تو اُسے حیرت ہوئی۔ اس نے دونوں ٹانگیں سمیٹ کر اُٹھنا چاہا پر اسی پر قیامت آ گئی۔

اس کے حلق سے ایک بے ساختہ چیخ نکل گئی تھی۔

وہ اپنی ٹانگیں سمیٹنے میں ناکام رہا تھا۔ نہ صرف یہ بلکہ اُسے یوں محسوس ہوا تھا جیسے اس کی ٹانگیں کسی خاص وجہ کے تحت برف کے ٹکڑے ہو رہی ہوں۔ اُسے اپنا ریشہ ریشہ کرب و اذیت میں مبتلا محسوس ہو رہا تھا۔

"وقت ختم ہو گیا۔" عقب سے ایک بھاری آواز سنائی دی۔ "میچ ختم ہو چکا ہے، ہارون... اور تم ہار گئے ہو۔"

اس سے اذیت برداشت نہ ہو سکی تو آنکھیں بھینچ لیں۔ آواز بہرحال اُس نے زیادہ توجہ نہیں دی تھی۔ اسے بھی اس نے ٹی وی سے نکلی ہوئی آواز سمجھا تھا... لیکن جو کچھ ہو رہا تھا، اُسے اس کا تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں تھی۔ اس نے لمحے بھر کے لیے آنکھیں کھولی تھیں تو اُسے اپنی سبز قمیص، ایک ایسے تالاب کی طرح لگی تھی جس میں سڑاند آمیز سبز سیال تیر رہا ہو۔ گھبرا کر اُس نے آنکھیں دوبارہ بند کر لیں۔

"تم ہار گئے ہو۔" وہی سفاک آواز دوبارہ اس کی سماعت سے ٹکرائی تو اس نے آنکھیں کھول دیں۔ اب اذیت کا احساس قدرے کم ہو گیا تھا لیکن اب بھی اس کی ٹانگیں شل تھیں اور وہ انھیں حرکت دینے سے قاصر تھا۔

"تم کون ہو؟" اس نے کراہتی ہوئی آواز میں دریافت کیا۔

"تمھاری حریف ٹیم کا ایک کھلاڑی۔" مضحکہ خیز انداز میں جواب دیا گیا۔

"کیا چاہتے ہو؟" اس بار جو آواز اُس کے حلق سے نکلی اُسے کراہ ہی محمول کر سکتا تھا۔

"بوستان خان کی بیٹی کے کمرے میں، میز پر فون کے قریب ایک پیڈ رکھا ہوا تھا۔ اس پر تمھارا نام لکھا ہوا تھا اور یہ ہدایت درج تھی کہ تمھیں کال کی جائے۔ کیوں؟"

"اوہ خدایا... میری ٹانگیں..." وہ پھر چیخ پڑا۔ درد کی ایک شدید لہر اُس کی دونوں ٹانگوں میں یوں دوڑ گئی تھی جیسے کوئی تیز دھار چھری اس کا گوشت کاٹتی ہوئی گزر گئی ہو۔

"فی الحال تو یہ تمھاری ٹانگیں ہیں۔" عقب سے وہی خونخوار آواز سنائی دی۔ "لیکن اگر تم نے میری بات کا جواب نہ دیا تو یہ ٹانگیں میری ملکیت ہو جائیں گی... اور جب میں اس گھر سے واپس جاؤں گا تو یہ ٹانگیں میری بغلوں میں دبی ہوئی ہوں گی:"

ہارون پوری جان سے کانپ گیا۔ سردی کے باوجود اس کا پورا جسم پسینے میں بھیگ گیا تھا اور اس کی پیشانی سے پسینے کے قطرے باقاعدہ ٹپکنے لگے تھے۔ اس نے اپنی پوری زندگی میں ایسی اذیت کا کبھی تصور بھی نہیں کیا ہو گا، جس میں اس اجنبی ہستی نے اُسے مبتلا کر رکھا تھا۔

"جواب دو..." عقب سے کہا گیا اور اس کے ساتھ ہی دونوں ٹانگیں یوں ہٹھیلیاں بھیجے ان کی ہڈیاں اور گوشت ایک دوسرے سے مل کر سیال میں بدل جائے گا۔

"میں نہیں جانتا کہ بوستان کی لڑکی مجھ سے کیوں بات کرنا چاہتی تھی۔" وہ حلق کے بل چیخ کر بولا اور کراہنے لگا۔ "البتہ مجھے بوستان نے کال کی تھی۔"

"اس نے تم سے کیا بات کی تھی؟" ٹانگوں کی تکلیف قدرے کم ہو گئی۔

"اسی طرح بولتے رہو اور سب کچھ سچ سچ بتاتے رہو۔" آواز گونجی تھی۔

"اس نے مجھے فون کر کے بتایا تھا کہ ہوٹل میں جو گوشت سپلائی

ہوا تھا، اس پر معسکۂ صحت کی طرف سے جو مہر لگائی گئی تھی وہ قدرے نمایاں اور ٹھوس تھی۔"

"اس کا کیا مطلب تھا؟" عقب سے پوچھا گیا۔

"میں نہیں جانتا۔" وہ کراہ کر بولا اور پھر یہ کراہ ایک دلدوز چیخ میں بدل گئی۔ اس کی ٹانگوں میں پہلے سے زیادہ تکلیف ہوئی تھی۔

"یہ حقیقت ہے کہ میں نہیں جانتا۔" اس نے جواب دیا اور توقع کی کہ اس بار تکلیف اور زیادہ شدید ہو گی لیکن ایسا نہیں ہوا۔

"میں جانتا ہوں کہ تم غلط بیانی سے کام نہیں لے رہے ہو۔ پیچھے کہیں موجود شخص فاتحانہ لہجے میں بولا۔ "وہ تمھیں فون کرنے کے بعد ہلاک کیوں کر دیا گیا تھا؟"

"میں نہیں جانتا..." ہارون نے کہا۔ اس کے ساتھ ہی شدید تکلیف و اذیت کا ریلا اتنا شدید تھا کہ اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے تھے۔ اس کی دونوں ٹانگیں اس حد تک شل ہو گئی تھیں کہ اس کے جسم کا حصہ ہی نہیں محسوس ہو رہی تھیں۔ شل ہو جانے کے بعد اُسے تکلیف کا احساس نہیں ہونا چاہیے تھا لیکن یہ سب کچھ اس کے لیے ناقابلِ فہم تھا۔

"اُسے کیوں ہلاک کیا گیا؟" سوال دُہرایا گیا۔

ہارون کے دونوں ہاتھ اپنی رانوں پر جم گئے۔ وہ انھیں دبا کر قدرے سکون حاصل کرنا چاہتا تھا لیکن اسے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ وہ حیران تھا کہ جو شخص بھی اُس کے گھر میں داخل ہو کر اُسے اتنی اذیت دے رہا ہے، یہ اندر کیسے آیا ہو گا؟ باہر مسلح پہرے دار تھا جو کسی بھی نامانوس یا اجنبی ہستی کو اندر آنے کی اجازت نہیں دے سکتا تھا۔ اگر اس شخص نے اُس پر قابو پایا تھا تو وہ خونخوار کتا کہاں گیا جو اجنبی لوگوں کی تکا بوٹی کرنے میں مشہور تھا۔ ڈبل لاک ڈور آخر کیسے کھلے ہوں گے... اور پھر یہ سب کچھ اتنی خاموشی سے کیسے ہو گیا کہ اُسے کسی کی آمد کا، کانوں کان پتہ نہیں چلا۔

اس کی سوچوں پر ایک بار پھر شدید ترین تکلیف کا ریلا حاوی ہو گیا۔ "میں یقین سے نہیں کہہ سکتا۔" وہ حلق کے بل چیخ کر بولا۔ "لیکن میرا خیال ہے کہ یہ میٹ پیکر کی حرکت ہے۔"

"میں اس کی عبرتناک موت کی وجہ معلوم کرنا چاہتا ہوں۔" عقب سے آواز آئی۔

"اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نے میٹ پیکر کو بتایا تھا کہ بوستان کو پتہ چل گیا ہے۔ یہ سن کر وہ پریشان ہو گیا تھا اور جاننا چاہتا تھا کہ بوستان نے اس بات کا کسی اور سے بھی تذکرہ کیا ہے یا نہیں؟" یہ کہتے ہوئے اُسے درد میں کمی محسوس ہوئی تو اس نے آنکھیں کھول دیں۔ وہ اس پُراسرار دشمن کو دیکھنا چاہتا تھا جس نے اُسے زندگی کی بھیانک ترین اذیت

سے دوچار کر رکھا تھا۔ اُسے اس ہستی کو دیکھنے کا موقع نہیں مل سکا۔ وہ اس کے عقب میں تھی اور اس ہستی کو دیکھنے کے لیے گردن گھمانا ضروری تھا جبکہ ٹائیگر کی تکلیف نے اس کا پورا جسم یوں جکڑ رکھا تھا کہ وہ اپنی مرضی سے اپنا ایک ریشہ بھی حرکت میں نہیں لا سکتا تھا۔

"پھر تم نے میٹ پیکر کو کیا جواب دیا؟" اس سے سوال کیا گیا۔

"میں نے صاف کہہ دیا کہ اس سلسلے میں مجھے کچھ معلوم نہیں۔ ہو سکتا ہے اس نے کسی سے تذکرہ کیا ہو... اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس نے کسی قریبی آدمی سے کہہ دیا ہو۔ بھلا یہ بات مجھے کیسے معلوم ہو سکتی تھی؟"

"ٹھیک ہے، میں تمہاری بات مان لیتا ہوں۔" عقب سے آواز آئی۔ "میٹ پیکر کون ہے؟"

"وہ ایک چینی ہے۔" ہارون نے جواب دیا۔ "ہو سکتا ہے جاپانی ہو۔ میں اس کی قومیت کا اندازہ نہیں لگا سکا۔ اس کا نام ہاما ہے۔ میں نے اُسے فون کر کے اطلاع دے دی تھی۔ میں قسم کھاتا ہوں کہ اس کے علاوہ مجھے کچھ معلوم نہیں۔"

"ہاما کا نمبر کیا ہے؟"

"نمبر میرے دفتر میں ہے۔"

اچانک۔ اس کی ایک ٹانگ جیسے جسم سے الگ ہونے لگی۔ وہ کسی ذبح ہونے والے بکرے کی طرح چیخ اُٹھا۔ "یہ سچ ہے!" اس نے بحرانی ہوئی آواز میں کہا اور رو پڑا۔ اب اس کے اعصاب ساتھ چھوڑ چکے تھے اور وہ ذرا سی تکلیف تو کیا، اس کا تصور بھی برداشت کرنے کے قابل نہیں رہ گیا تھا۔

"تم نے ابھی ابھی کہا تھا کہ اس نے فون پر بات ہوئی تھی۔ پھر میں کیسے یقین کر لوں کہ تمہیں اس کا نمبر یاد نہیں؟"

"میری فون لائن پر اس کا کوڈ سیٹ ہے۔ وہ ڈائل کرتا ہوں تو خود سے اس رابطہ قائم ہو جاتا ہے۔" ہارون نے جلدی سے اپنے مؤقف کی وضاحت کر دی۔ "اور اس وقت مجھے صرف وہ کوڈ ہی یاد ہے۔"

"وہی بتاؤ..." عقب سے حکم دیا گیا۔

"فور... او... سیون... یہ ڈائل کرتے ہی اس سے خود بخود رابطہ قائم ہو جاتا ہے۔" یہ کہتے ہی اس کا ذہن بُری طرح چکرا گیا۔ اس کی ٹانگوں سے وہ بوجھ ہٹ گیا تھا جس کی وجہ سے اس پر قیامت کی گھڑیاں بیت گئی تھیں لیکن اب وہ ہر احساس سے بے نیاز ہو چکا تھا۔ یہ بات ٹائیگر کو بھی محسوس ہو گئی تھی اس لیے وہ اس کے عقب سے اُٹھ گیا تھا۔ اسی لمحے دروازہ کھلا اور اوشان اندر آ گیا۔ اس کے چہرے پر دہشت تھی۔ اس کی آنکھیں سُرخ ہو رہی تھیں جیسے ان میں خون اُتر آیا ہو۔ اس نے ایک نظر ٹائیگر کی طرف دیکھا... پھر ہارون کی جانب متوجہ ہو گیا جو صوفے پر یوں پڑا تھا جیسے کسی نے اس کے جسم سے روح کھینچ کر اُسے بے جان بنا دیا ہو۔

"ٹھیک ہے ٹیل فادر۔" ٹائیگر نے کہا۔ "اس سے جو کچھ پوچھا جا سکتا تھا، میں نے پوچھ لیا ہے۔ اب ہمیں ایک اور جگہ چلنا ہے۔"

"کیا یہ فٹ بال کا پورا میچ دیکھنے کے بعد اذیت میں مبتلا ہوا تھا؟" اوشان نے پوچھا۔

"نہیں۔ میرے پاس اتنا وقت نہیں تھا۔" ٹائیگر نے اس کے سامنہ بنا کر کہا۔

"بہت بُری بات ہے۔" اوشان بڑبڑایا۔ "مرنے سے پہلے اس کی آخری خواہش تھی۔ اسے پورا ہونا چاہیے تھا۔"

ٹائیگر نے اس کا ہاتھ تھام لیا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

**

میٹامیشن نامی عمارت کے مین گیٹ پر پہنچتے ہی ٹائیگر کو رُک جانا پڑا۔ اُسے عمارت کے سامنے بہت سے مرد اور عورتیں دیکھ دیں۔ یہ لوگ اس انداز میں گھوم رہے تھے جیسے انھوں نے ہڑتال کر رکھی ہو۔ انھوں نے اپنے مطالبات کے کارڈ اُٹھا رکھے تھے اور ان میں سے ہر ایک، دوسرے سے زیادہ بُلند آواز میں چیخ چیخ کر کہنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"میں تو آگے نہیں جاؤں گا۔" اوشان نے کہا۔ "اتنے بڑے ہجوم اور اس قدر شور سے میرے اعصاب متاثر ہو جاتے ہیں۔"

ٹائیگر کو ایک شخص دکھائی دیا۔ اس کے بال بھورے تھے اور اس نے قیمتی سوٹ پہن رکھا تھا۔ اس کی نگاہیں ہڑتال کرنے والوں کے ہجوم پر جمی ہوئی تھیں۔

"کیا تم بھی یہیں کام کرتے ہو؟" ٹائیگر نے اس سے سوال کیا۔

اس شخص نے جواباً اثبات میں سر ہلا دیا۔

"ہارون کا دفتر کس طرف ہے؟" ٹائیگر نے دوبارہ پوچھا۔

"تم اس سے کیوں ملنا چاہتے ہو؟" اس شخص نے مشتبہ نظروں سے اُسے دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"میرے پیٹ میں کچھ تکلیف ہے۔" ٹائیگر نے ناگواری سے کہا۔

"میرا خیال ہے، ملاقات کی وجہ معلوم کرنا ضروری ہے۔" اس کا لہجہ بھی خوشگوار نہیں تھا۔ "بہرحال، آج کل اس عمارت میں داخلہ بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ قصاب ہڑتال پر ہیں اور کام کرنے والی عورتیں تک ان کی ہم نوا بن گئی ہیں۔ تم دیکھ رہے ہو کہ ہجوم میں بچے بھی شامل ہیں۔ عورتیں اپنے بچوں کو بھی ساتھ لے آئی ہیں۔"

"تم صرف یہ بتا دو کہ ہارون کا دفتر کس طرف ہے، میں خود ہی وہاں تک پہنچ جاؤں گا۔" ٹائیگر نے اس کا مشورہ نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

وہ شخص سوچ میں پڑ گیا۔ اس کی اداکاری لاجواب تھی۔ اس نے کچھ دیر بعد نگاہ اُٹھا کر ٹائیگر کی طرف دیکھا اور بولا۔ "ہارون... میرا خیال ہے، میں نے یہ نام پہلے کبھی نہیں سُنا... پھر بھلا میں کیسے ایسے شخص کے دفتر کے بارے میں کیسے جان سکتا ہوں۔"

ٹائیگر کا جی تو چاہا کہ اس کی گردن پکڑ کر مروڑ دے لیکن پھر اُسے یہ کام لینا پڑا۔ اس کے چہرے پر چھائی ہوئی سختی دیکھ کر وہ شخص سمجھ گیا کہ بہتر ہو گا کہ تم اندر موجود دنگان سے اس کے دفتر کا پتہ معلوم کر لو۔" اس نے مشورہ دینے والے انداز میں کہا۔

"جہنم میں جاؤ۔" ٹائیگر غرّایا اور اپنی کار پر ایک نگاہ ڈالتا ہوا گیٹ کی طرف بڑھ گیا۔ اوشان بقیہ نشست پر دونوں کانوں میں اُنگلیاں ٹھونسے بیٹھا تھا۔ ٹائیگر کے ہونٹوں پر ایک شریر سی مسکراہٹ رقص کرنے لگی۔ وہ گیٹ کے پاس پہنچ چکا تھا لیکن وہاں کوئی گارڈ موجود نہیں تھا۔ احاطے میں قدم رکھتے ہی اُسے ٹھٹک جانا پڑا۔ جو ہر پلے کارڈ اُٹھائے نعرے لگانے میں مصروف تھا، اس نے ٹائیگر کو دیکھ لیا تھا۔ ایک عورت دوڑتی ہوئی اس کی طرف آئی اور غرّانے لگی۔ "کتے... ذلیل... کمینے... کتے..."

"مت بھونکو۔" ٹائیگر غرّایا۔

"گوشت خور..." عورت غصے سے پاگل ہو رہی تھی۔ یہ سن کر اُسی لمحے ٹائیگر نے چونک کر اپنی بائیں پنڈلی کی طرف دیکھا۔ اُسے وہاں خفیف سی چبھن سی محسوس ہوئی تھی۔ اس نے نرمی سے ٹانگ جھٹک دی۔ ایک چھوٹا سا بچہ اس کی ٹانگ سے لپٹ کر پنڈلی پر کاٹنے کی کوشش کر رہا تھا۔ یہ غالباً اُسی عورت کا بچہ تھا جو ٹائیگر کو انتظامیہ کا کوئی نمائندہ سمجھ کر اُلجھ پڑی تھی۔

"اپنے پلّے کو سنبھالو۔" اس نے بچّے کو عورت کی طرف دھکیلتے ہوئے کہا۔ "اور جب تک کسی کے بارے میں یہ پتہ نہ چل جائے کہ وہ کون ہے، اس پر اپنے بھونکنے کی مشین مت کھول دیا کرو۔ میرا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ سمجھ گئیں یا دوں تیسی پر ایک ہاتھ...؟"

عورت چند ثانیے تو پلکیں جھپکا جھپکا کر ٹائیگر کو دیکھتی رہی پھر اس نے اثبات میں سر ہلا دیا اور اپنا بچہ سنبھال کر دوبارہ ہجوم کی طرف لوٹ پڑی۔ ٹائیگر کو احتجاج کے اس انداز پر بڑی کوفت ہوئی۔ وہ جانتا تھا کہ ہر کسی کو اپنی پسند یا ناپسند ظاہر کرنے کا اختیار ہے لیکن گوشت کے کسی سپلائر کے دفتر کے سامنے اس انداز کا مظاہرہ کسی طرح بھی فائدہ مند ثابت نہیں ہو سکتا تھا... خاص طور سے اس وقت جبکہ سپلائی کمپنی کا ڈائریکٹر یعنی سیلز مین ہارون اپنے گھر میں بے ہوش پڑا تھا۔ اُسے حیرت تھی کہ ہارون کو سیلز مین کیوں کہا جاتا ہے؟ حالانکہ اس نے یہ دھندا محض ایک سیلز مین کی حیثیت سے شروع کیا ہو اور ترقی کرتے کرتے یہاں تک پہنچ گیا ہو... اور پھر ذرا راہِ انکسار اُس نے پرانا عہدہ اپنی شخصیت سے الگ کرنا مناسب نہ سمجھا ہو۔

وہ کچھ اور آگے بڑھا تو ہڑتال کرنے والے مظاہرین نے اُسے گھیر لیا۔ ہر شخص اپنے مطالبے کا پلے کارڈ اس کی آنکھوں میں ٹھونسنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ انھیں پڑھتا رہا اور ان کی طرف دیکھ کر یہ اثبات میں سر ہلاتا رہا جیسے ان کا ہم نوا ہو... لیکن اس دوران میں بڑے ہی غیر محسوس انداز میں اس کے قدم کانچ کے دروازے کی طرف بڑھ رہے تھے جس کے اس پار اُسے ایک مسلح محافظ نظر آ رہا تھا۔ یہ محافظ بھی برائے نام ہی تھا کیونکہ اس کے پاس رائفل یا ریوالور تو درکنار کوئی چھڑی تک نہیں تھی۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں اور وہ شیشے کے عقب سے ہاتھ ہلا ہلا کر ٹائیگر کو اندر چلے جانے کے لیے کہہ رہا تھا... لیکن ٹائیگر مسلسل کانچ کے دروازے سے قریب تر ہوتا جا رہا تھا۔

"ہٹ جاؤ... ہٹ جاؤ!" اچانک ایک تحکمانہ نسوانی آواز سنائی دی۔

ٹائیگر نے پلٹ کر دیکھا۔ بیس بائیس سال کی ایک حسین جمیل لڑکی ہجوم پر حکم چلاتی ہوئی اس کی طرف بڑھ رہی ہے یہ اس کی شخصیت کا سحر تھا یا کوئی اور بات تھی کہ ہجوم واقعی کائی کی طرح پھٹنے لگا۔

لوگوں کا شور و غل دب گیا اور وہ یوں خاموش ہو گئے جیسے ان کی زبانوں پر ان دیکھے تالے پڑ گئے ہوں۔ ان کی آنکھوں میں اس نوواردہ دہشت کے لیے بے پناہ احترام تھا۔ سب کی گردنیں جھک گئی تھیں حتیٰ کہ پلے کارڈ بھی جھک گئے تھے۔ وہ ان سرنگوں لوگوں کے درمیان سے گزر کر ٹائیگر کے پاس پہنچی اور بڑی تمکنت سے بولی۔ "کیا میں پوچھ سکتی ہوں کہ تم کون ہو؟"

"پوچھ تو نہیں مجھ سے تمہارے اچھے بھی نہیں سکتے... لیکن تم ایک انتہائی پیاری سی لڑکی ہو اس لیے بتا دیتا ہوں کہ میں یہاں ایک نجی کام سے آیا ہوں۔ میرا اس کمپنی یا اس کے ملازمین سے کوئی تعلق نہیں... اور جیسا کہ میں پلے کارڈ دیکھ کر اندازہ لگا سکتا ہوں کہ یہ ملک بھر میں بے تحاشہ گوشت خوری کے خلاف ایک مہم کی داغ بیل ہے، میں واضح لفظوں میں کہنا چاہتا ہوں کہ مجھے اپنے سبزی خور ہونے

بہ فخر ہے۔"

"میرا نام عذرا ہے... عذرا بروفی..." لڑکی نے مسکرا کر کہا اور ٹائیگر سے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھا دیا۔ "میں ان لوگوں کو لیڈ کر رہی ہوں۔" اس نے فاتحانہ انداز میں ان لوگوں پر نگاہ ڈالی۔ جیسے وہ اس کی رعایا رہے ہوں۔ اس کا ہاتھ ابھی تک ٹائیگر کے ہاتھ میں تھا اور ٹائیگر کی نگاہ اچانک ہی کانچ کے دروازے کے اُس پار ایک راہ داری میں تین آدمیوں پر پڑی۔ انھوں نے سُرخ چغے پہن رکھے تھے۔ معاً ان میں سے ایک کا ہاتھ اپنے چہرے کی طرف اُٹھ گیا تو راہ داری میں لگے ہوئے بلب کی روشنی میں اس کا ایک ناخن خوفناک انداز میں چمک اُٹھا۔ یہ ناخن کسی طرح بھی تین انچ سے چھوٹا نہیں تھا اور اس کے سرے پر کلہاڑی جیسا کٹاؤ تھا۔ جانے کیوں ٹائیگر کا جسم ٹھنڈے پسینے میں ڈوبتا چلا گیا۔ بے ارادی طور پر اس کے ہاتھ کا دباؤ بڑھ گیا جس سے عذرا حلق پھاڑ کر چیخ پڑی تھی۔ یوں محسوس ہوا تھا جیسے اس کے ہاتھ کی ہڈی ٹوٹ گئی ہو۔

ٹائیگر اب بھی ان سُرخ لبادے والوں کی طرف دیکھ رہا تھا جو راہ داری میں چند قدم چلنے کے بعد نہ جانے کہاں غائب ہو گئے تھے۔

عذرا کی چیخ نے ٹائیگر کو چونکا دیا۔

"اوہ... معاف کرنا۔ بے خیالی میں دھیان ہی نہیں رہا کہ میرے ہاتھ میں تمھارا نرم و نازک سا ہاتھ ہے۔" شہزاد نے عذرا کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے یہ جملہ لمحہ بھر پیار بھرے انداز میں کہا تھا کہ عذرا کی آنکھوں، درد چہرے سے تکلیف کے تاثرات بالکل اسی طرح صاف ہوتے چلے گئے جیسے بلاٹنگ پیپر لمحوں میں روشنائی چوس لیتا ہے۔

وہ مسکرانے لگی۔

اُس کی مسکراہٹ میں ٹائیگر کے لیے بے پناہ پیار اُمڈ آیا تھا لیکن شہزاد اُس کی دھڑکنیں چُرا کر ایک بار پھر کن انکھیوں سے اسی جانب متوجہ ہو گیا تھا، جدھر سے تین سُرخ چوغے والے دکھائی دیے تھے۔ اُن تینوں کا اب اُس راہ داری میں نام و نشان تک نہیں تھا۔

ٹائیگر کے ذہن میں مسز نوبستان کی لاش گھوم گئی۔ اس کے جبڑے سختی سے بھنچ گئے اور اسے اپنی رگوں میں دوڑتے ہوئے خون میں آتش فشانی لاوے جیسی حدت محسوس ہونے لگی۔

"تم نے اپنا نام نہیں بتایا۔" اس کی سماعت سے عذرا کی مترنم آواز ٹکرائی۔

وہ ایک بار پھر چونک کر عذرا کی طرف متوجہ ہو گیا۔ دیکھی بھالی

کہہ لیا کرو۔"

"وہ تو جب بھی ہوں۔" عذرا کے لہجے میں اب بھی اپنائیت تھی۔ "تو پھر تم مجھے شہزاد کہہ سکتی ہو۔"

"اچھا نام ہے..." عذرا کا جھکاؤ اور بڑھ گیا۔

"ایک بات تو بتاؤ، عذرا۔" شہزاد نے ذہنی فضا مزید صاف کرنے کے لیے سوال کیا۔ "سبزی خوروں کی گھریلو زندگی کیسی ہوتی ہے؟ اس کے علاوہ ان کے جذبات کا کیا حال ہوتا ہے؟"

"میں تمھارا مطلب نہیں سمجھی۔"

"سیدھی سی بات ہے۔ سبزی خور گوشت سے نفرت کرتے ہیں۔ گوشت سے یہ نفرت انھیں گوشت پوست کے بنے ہوئے انسانوں سے دُور لے جا سکتی ہے۔"

"گوشت پوست کے انسانوں کو دانتوں سے بھنبھوڑا نہیں جاتا۔ انھیں شکم پُری کے لیے استعمال نہیں کیا جاتا۔ انھیں تناول نہیں فرمایا جاتا... اور اس کی وجہ صرف اور صرف یہ ہے کہ سبزی خور گوشت کو گوشت کی اصل حالت میں دیکھنے کے خواہش مند نہیں ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ انھیں گوشت پوست کی بنی ہوئی ہر چیز سے محبت ہے۔ انسان ہی نہیں جانور تک اس محبت میں شامل ہیں۔"

ٹائیگر نے پلکیں جھپکائیں۔ "تو پھر... پھر تو مجھے اچھی توقع ہی رکھنی چاہیے۔"

"کس سے؟" عذرا نے پوچھا اور اس کا ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ کو دھیرے دھیرے دبانے لگا۔ غالباً دبے ہوئے ہاتھ میں ابھی تک تکلیف کی لہریں موجود تھیں۔

"آپ جیسی سبزی خور سے..." یہ کہہ کر اس نے ایک بار پھر راہ داری کی طرف دیکھا جو سنسان تھی۔ اُن سرخ لبادے والوں کا اب بھی کہیں نام و نشان تک نہیں تھا۔ "اب تم سامنے سے ہٹ جاؤ میں اندر جانا چاہتا ہوں۔" ٹائیگر کے لہجے میں یکایک نہ جانے کیا تاثر پیدا ہو گیا تھا کہ عذرا بروقت جلدی سے ہٹ گئی۔

ٹائیگر کانچ کے دروازے پر پہنچ چکا تھا۔ اس کا ایک ہاتھ دروازے کی ناب پر جم گیا۔ تب اُسے محسوس ہوا کہ دروازہ مقفل ہے۔ شہزاد نے محافظ کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر ابھی تک ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔ وہ ہاتھ لہرا لہرا کر شہزاد کو دُور ہٹ جانے کے لیے کہہ رہا تھا۔ ٹائیگر نے دروازہ کھولنے کا اشارہ کیا تو محافظ نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے اشارے تیز کر دیے۔ ٹائیگر کے دیکھتے ہی دیکھتے وہ بھاگ کر فون کے قریب پہنچا اور تیزی سے نمبر ڈائل کرنے لگا۔ اسے فون پر شاید آدھ لفظی بولنا تھا جسے بول کر ریسیور رکھ دیا اور ٹائیگر کی طرف دیکھنے لگا۔

ٹائیگر سمجھ گیا تھا کہ اُس نے پولیس کے کسی اعلیٰ افسر سے رابطہ قائم کیا ہے اور چند ہی لمحوں میں پولیس یہاں موجود ہو گی۔ اب تلاف بے کار تھا۔ اس نے ناب پر دباؤ ڈالا۔ اس کے بازوؤں کی پٹھیاں سخت ہو گئیں۔ ناب کھُومنے لگی اور اگلی ہی ساعت میں تالا ٹوٹ گیا۔ اس نے کانچ کے دروازے پر دباؤ ڈال کر اُسے کھولا تو محافظ کی آنکھیں حیرت کی زیادتی سے پھیلتی چلی گئیں۔ وہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ کوئی شخص محض جبلّی دست سے اس آہنی تالے کو توڑ بھی سکتا ہے۔

وہ آہستہ آہستہ پیچھے کھسکنے لگا۔ اس کے انداز میں بے پناہ خوف تھا۔ عقب میں دیوار تھی۔ وہ اُس سے ٹک کر بُری طرح ہانپنے لگا۔ لیکن ٹائیگر اُس کی طرف متوجہ نہیں تھا۔ اس کے پاس وقت بہت تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ پولیس کے آنے سے پہلے پہلے میڈیٹیشن سے نکل جائے۔

ٹائیگر کی نگاہ استقبالیہ پر لگے ہوئے ایک بورڈ پر پڑی جہاں مختلف نام اور نیچے کمروں کے نمبر درج تھا۔ اُس نے ہارون کے دفتر کا نمبر دیکھا اور پھر راہ داری میں دوڑ پڑا۔ اُس کی رفتار پہلے تو عام سی تھی لیکن جیسے ہی وہ محافظ کی نگاہوں سے اوجھل ہوا، اس کے پیروں تلے گویا پَر لگ گئے۔ اب اگر کوئی اسے دیکھتا تو یہی سمجھتا کہ اس کے تیز سے تھرکتے پاؤں زمین سے نہیں چھو رہے... بلکہ فرش سے نصف فٹ کی بلندی پر فضا میں مشینی انداز میں حرکت کر رہے ہیں۔

چند ہی ساعتوں میں وہ ہارون کے دفتر کے سامنے تھا۔

دفتر کا دروازہ بند تھا۔ ٹائیگر نے دروازے کی ناب پر ہاتھ رکھ کر اُسے جیسے ہی گھمایا، دروازہ ایک دھماکے سے کھل گیا۔ اس کے سامنے ایک انسانی جسم کی دیوار حائل تھی۔ ٹائیگر نے چونک کر دیکھا۔ وہی سُرخ لبادوں والے تین آدمی ہارون کے دفتر میں موجود تھے اور اگلے ہی لمحے ان میں سے ایک نے دروازہ ایک جھٹکے سے کھول دیا تھا۔ ٹائیگر اگرچہ کواڑ پر دباؤ ڈالے ہوئے تھا لیکن دروازہ کھلنے پر اس کا جسم غیر متوازن نہیں ہوا۔ بازوؤں کی مشق سے جسم کا توازن برقرار رکھنا اب اس کی فطرت ثانیہ بن کر رہ گئی تھی۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ یقیناً نہ صرف سامنے کھڑے سُرخ لبادے والے شخص سے ٹکرا جاتا، بلکہ اس کی ناک بھی چہرے سے الگ ہو کر فرش پر گر گئی ہوتی۔ سُرخ لبادے والا چہرے سے کورین لگتا تھا۔ کوریا کے اس باشندے کی آنکھیں اور نقش و نگار اُوشان سے بہت ملتے جلتے تھے... لیکن اس کی آنکھوں میں درندگی اور نقوش میں کرختگی کی جگہ اُوشان کی آنکھیں محبت و انسانی ہمدردی کے جذبات سے لبریز جھیلیں تھیں اور اُس کے نقش و نگار دیوتاؤں جیسا تقدس لیے ہوئے تھے۔

اس شخص نے اپنے لمبے، تیز دھار ناخن کو قوسی شکل میں گھمایا تھا۔ ٹائیگر نے بھرپور تیزی سے چہرہ پیچھے کر لیا اور تیز دھار ناخن والا ہاتھ کسی مہلک خنجر کی طرح سَن سے گزر گیا۔

اگلی ہی ساعت ٹائیگر کا ہاتھ سانپ کی طرح سامنے لپک پڑا۔ سُرخ لبادے والا بھانپ گیا، شاید اسے دھکا دے کر سامنے سے ہٹانے کی کوشش کی جا رہی ہے... لیکن ایسا نہیں ہوا۔ اس نے دیوار بننے کے لیے سینے کے عضلات سخت کر لیے تھے۔ اس کے باوجود ٹائیگر کی اکڑی ہوئی اور آہنی سلاخوں جیسی اُنگلیاں سینے سے ٹکرا کر اس میں گہرا شگاف ڈالتی ہوئی دھنس گئیں۔

ٹائیگر نے جھٹکے سے ہاتھ کھینچا اور دُوسرے ہاتھ سے اسے دھکا دے کر سامنے سے ہٹا دیا۔ یہ سب کچھ اتنی تیزی سے عمل پذیر ہوا تھا کہ جب وہ شخص فرش پر گرا، تب کہیں اس کے سینے سے خون کا فوارہ اُبلا تھا۔ اس کے دونوں ساتھیوں کو غالباً اس بات کی توقع نہیں تھی کہ ٹائیگر ان کے خونخوار ساتھی کو اتنی آسانی سے گرا کر دفتر میں داخل ہو جائے گا، اس لیے وہ قدرے مطمئن تھے... لیکن جیسے ہی ان کی نگاہ اپنے ساتھی پر پڑی اور اس کے سینے کے شگاف سے اُبلتا ہوا خون نظر آیا، وہ اپنی مصروفیات ترک کر کے تیزی سے ٹائیگر کی طرف لپکے۔

ٹائیگر کسی درندے کی طرح کُود کر دفتر کے درمیانی حصے میں پہنچ چکا تھا، اُس نے اُن دونوں کا لحاظ جائزہ لیا تو فوراً ہی یہ خیال ذہن میں پیدا ہوا کہ اُسے ان دونوں میں سے کسی ایک کو زندہ چھوڑ دینا چاہیے تاکہ اس سے معلومات حاصل ہو سکیں... گویا اُن میں سے آگے آنے والے کی سانسیں گنی جا چکی تھیں۔ ٹائیگر کی بائیں ٹانگ نے حرکت کی۔ اس دوران میں وہ شخص دونوں ہاتھوں سے اس کی گردن دبوچ لینا چاہتا تھا۔ اس کے پھیلے ہوئے بازو، پھیلی حالت میں لمبے اور اس کا دایاں گھٹنہ [illegible] گھٹنے سے ٹکرا گیا۔ ٹائیگر کی ٹھوکر اس کے دائیں گھٹنے پر پڑی تھی اور اس کے دونوں گھٹنے متصادم ہو گئے تھے... لیکن یہ کوئی عام سا تصادم نہیں تھا۔ اُس کے ایک گھٹنے کی گول ہڈی دُوسرے گھٹنے کی گول ہڈی کو توڑ کر الگ گر گئی تھی اور ٹوٹے ہوئے جوڑ والی ہڈی گھٹنے میں دھنس کر اسے چکنا چُور کر گئی تھی۔ وہ پھیلے ہوئے بازوؤں کے ساتھ دھپ سے گر پڑا۔ اس وقت تک اُس کے عقب میں موجود سُرخ لبادے والا ٹائیگر پر حملہ آور ہو چکا تھا۔

تیسرے حملہ آور نے اپنے دونوں ساتھیوں کا حشر دیکھ لیا تھا۔ اس لیے وہ فیصلہ کُن انداز میں حملہ آور ہوا تھا۔ اس کا حملہ خطرناک ہی نہیں مہلک بھی تھا۔ اس کا بڑھے ہوئے ناخن والا ہاتھ، کرائے کی شدید اور کاٹ ڈالنے والی ضرب لگانا چاہتا تھا۔ ٹائیگر کو اب تک

جتنے بھی جرائم پیشہ لوگوں کا سامنا کرنا پڑا تھا، یہ شخص ان سب سے زیادہ خطرناک تھا۔ پیشہ ور قاتل کے حدیں یوں بھی بڑھ گئی تھیں کہ ٹائیگر کو اسے باز پرس کے لیے زندہ رکھنا چاہتا تھا۔

سرخ بالوں والے کا ہاتھ کسی تلوار کی طرح اس کی طرف آیا۔ شہزاد نے فوراً اس کی انگلیوں کے درمیان اپنی انگلیاں الجھا دیں اور اسے پوری قوت سے اچھال دیا۔ وہ توازن برقرار نہ رکھ سکا اور پھر ٹائیگر کے بے پناہ طاقت ور ہاتھوں کی مدافعت اور اپنے ہی زور میں وہ اچھلا تو ٹائیگر کے اوپر سے نصف دائرے میں اٹھا ہوا ڈرائنگ کے دفتر کی بیرونی کھڑکی سے ٹکرا گیا۔

کھڑکی شیشے کی تھی، اس کا بھاری بھرکم جسم شیشے سے ٹکرا کر اس کے چیتھڑے اڑاتا ہوا کھڑکی سے باہر لینڈنگ پر جا گرا۔ ٹائیگر نے کھڑکی سے نیچے جھانکا تو اس کے حلق سے ایک طویل سانس خارج ہو گئی۔

مغا ٹائیگر کو اپنے بائیں ہاتھ کی پشت پر جلن کا احساس ہوا۔ اس نے چونک کر اپنے ہاتھ کی طرف دیکھا۔ ہاتھ کے عقبی حصے پر ایک سرخ خراش ابھر آئی تھی اور جلن کا احساس اس خراش کی وجہ سے ہی ہو رہا تھا۔

خراش کسی خشک ندی جیسی تھی... لیکن دوسرے ہی لمحے یہ خراش نمادی محلول سے لبالب ہو گئی۔ ٹائیگر نے ایک طویل عرصے بعد اپنا خون دیکھا تھا۔ خون دیکھ کر اسے عجیب سی لذت کا احساس ہوا۔ وہ اس خیال کو ذہن سے جھٹک کر دوبارہ کھڑکی سے جھانکنے لگا۔

گرتے وقت وہ شخص اس انداز میں فرش پر پہنچا تھا کہ اس کے دونوں بازو فرش سے پہلے ٹکرائے تھے۔ نتیجتہً اس کا جسم اپنے ہاتھوں پر گرا تھا۔ اس کا تین انچ لمبا تیز دھار خنجر جیسا ناخن، خود اس کے پہلو میں دھنس گیا... اور یہ تصادم اتنا شدید تھا کہ اس کا ناخن پہلو کو چیرتا ہوا غالباً دل میں جا گھسا تھا۔ ٹائیگر نے اسے چرمراتے ہوئے دیکھا تو اس شخص کی طرف متوجہ ہوا جس کے گھٹنے ایک دوسرے سے ٹکرائے تھے۔ وہ ابھی زندہ تھا۔ وہ تیزی سے اس کی طرف بڑھا لیکن اس کی تیز رفتاری کسی کام نہ آسکی۔

اس سے قبل کہ ٹائیگر اس تک پہنچتا یا اس کے ارادے سے آگاہ ہوتا، اس شخص نے اپنا مہلک ناخن والا ہاتھ اٹھایا اور جب وہ گرا تو ناخن کے کلہاڑے جیسے پھل نے اس کا سر خربوزہ چیر ڈالا تھا۔ وہ اوندھے منہ فرش پر گرا۔ اس کے نرخرے سے خون بہنے لگا اور وہ چند بار تڑپ کر ساکت ہو گیا۔

ٹائیگر کی مٹھیاں غصے سے بھنچ گئیں... لیکن وہ بے بسی سے

رخ بالوں والے ایک دوسرے سے الجھے ہوئے تھے۔ انھوں نے دوسرے کو دیکھتے ہی دیکھتے قتل کر دیا۔ اس دوران ایک بار فون گھنٹی بھی بجی۔ انسپکٹر کچھ دیر فون پر بات چیت کرتا رہا... اس کے چہرے پر اور آنکھوں میں حیرت کے تاثرات ابھرے اور معدوم ہو گئے۔ فون کال کے بعد اس کا جوش و خروش ماند پڑ گیا۔ جیسے کسی طاقت نے اس پر پانی پھیر دیا ہو۔ اس نے سرسری انداز میں منابطے کی کارروائی مکمل کی اور پھر چند ہی منٹوں میں سب کو جانے کی اجازت دے دی۔

ٹائیگر بیرونی دروازے کی طرف بڑھا تو عذرا بھی اس کے ساتھ ہو لی۔ اس کی آنکھیں گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔ کچھ دیر بعد اس نے چلتے چلتے ٹائیگر کے ہاتھ کی طرف اشارہ کیا: "یہ خراش کہاں سے آئی؟"

ٹائیگر نے مسکرا کر جواب دیا: "خواتین کے لمبے ناخنوں سے میں ہمیشہ ہی دور رہنے کی کوشش کرتا ہوں پھر بھی..." اس نے معنی خیز انداز میں جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"یہ خراش میرے ناخن سے تو نہیں آئی؟"

"تم یقین سے کیسے کہہ سکتی ہو؟" ٹائیگر نے اس کی آنکھوں میں جھانک کر پوچھا۔

"اس لیے کہ میں بڑھے ہوئے ناخنوں کو پسند نہیں کرتی۔" یہ کہہ کر اس نے اپنے دونوں ہاتھ ٹائیگر کے چہرے کے سامنے لہرا دیے اور ٹائیگر نے دیکھا کہ اس کے گلابی گلابی محدب ناخن واقعی اتنے بڑے نہیں تھے کہ ان سے کوئی خراش پیدا ہو سکتی۔

**

وہ اپنی کار تک پہنچ گیا تھا جس میں اوشان آنکھیں بند کیے یوں بیٹھا تھا جیسے انتظار کرتے کرتے اسے اونگھ آگئی ہو۔ ٹائیگر نے عذرا کا شکریہ ادا کر کے جانے کی اجازت چاہی تو عذرا نے قہقہہ لگا کر پھر ملاقات کا وعدہ لیا۔ اس پرنم قہقہے نے اوشان کو آنکھیں کھولنے پر مجبور کر دیا۔

عذرا چلی گئی تو وہ دروازہ کھول کر اسٹیئرنگ سنبھال کر بیٹھ گیا۔ اوشان نے ننھے پھلا کر پہلو کے گھاؤ اور خون کی بو سونگھ کر ٹائیگر کو گہری نظروں سے دیکھا... پھر اس کی نگاہ ہاتھ کی پشت پر رنگی ہوئی خراش پر جم گئی۔ اس نے معنی خیز انداز میں سر کو اثبات میں ہلایا اور کن انکھیوں سے اس طرف دیکھنے لگے جدھر عذرا چلی جا رہی تھی: "تمھیں اتنی دیر کہاں لگ گئی، فرزند؟" اوشان نے دریافت کیا۔

ٹائیگر نے جواباً اسے عمارت کے اندر پیش آنے والی صورتحال سے آگاہ کر دیا۔ اوشان سمجھا تھا کہ اس کے ہاتھ کی پشت پر جو خراش ہے، وہ عذرا کے اظہارِ محبت کی نشانی ہو گی لیکن جب اسے حقیقی صورتحال معلوم ہوئی تو اس کا موڈ ایک دم خراب ہو گیا۔ اس نے لال لال آنکھوں سے ٹائیگر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: "مجھے یقین ہے کہ تم نے ان لوگوں کو اپنے سے کم تر سمجھا ہو گا۔"

"اوہ نہیں، ٹل فادر۔" ٹائیگر نے جواب دیا: "یہ محض ایک اتفاق بھی تو ہو سکتا ہے۔ آپ یہ ضرور کہہ سکتے ہیں کہ میں نے اس ناخن کو نظر انداز کر دیا ہو گا۔"

"اتفاقات عام آدمیوں کے لیے ہوتے ہیں ٹائیگر۔" اوشان نے بھی لہجے میں درد گی آگئی: "اور تم کوئی عام آدمی نہیں ہو۔ یاد رکھو عام اور خاص میں کوئی فرق نہیں ہوتا کیونکہ خاص ہر عام آدمی بھی کھا سکتا ہے۔ تمھیں عام آدمیوں کی سطح سے بلند کرنے کے لیے وقت کے ماہرینِ فنون کی خدمات حاصل کی گئی تھیں۔ ہم زمانے کے ان نایاب استادوں کے فن پر اتفاقات کی کالک نہیں لگا سکتے۔"

"آپ تو ناحق ناراض ہو گئے ٹل فادر۔" ٹائیگر اس کے لہجے سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ "بس اب غصہ تھوک دیجیے۔"

"اگر مجھے تم اپنے جسم کے کسی حصے کی طرح عزیز نہ ہوتے تو میں یہ غصہ تمھارے منہ پر تھوک دیتا۔" اوشان کی عزاہٹ میں اب جھلاہٹ بھی شامل ہو گئی تھی۔

اوشان نے ٹائیگر سے اس انداز میں آج سے پہلے کبھی گفتگو نہیں کی تھی اس لیے وہ پریشان ہو گیا۔ وہ جواباً خاموش رہا کیونکہ اسے معلوم تھا کہ اب محض باتوں سے اوشان کو قائل کرنا ایک ناممکن سی بات ہے۔ ایسے موقعے پر خاموشی ہی کارآمد ثابت ہوتی تھی۔ لیکن معلوم ہوتا تھا کہ آج اوشان اپنی زندگی کے سب سے زیادہ ٹیڑھے روئے کا شکار ہو گیا ہے۔

"جانتے ہو، یہ خراش تمھارے نرخرے پر بھی لگ سکتی تھی... اور یہ نسبتہً گہری بھی ہو سکتی تھی۔" اوشان گرج رہا تھا۔

"ٹل فادر..." ٹائیگر نے رندھی ہوئی آواز میں کہا: "کیا آپ سے اندازے کی کبھی غلطی نہیں ہوئی؟ کیا آپ کی زندگی میں ایسا ایک بھی اتفاق پیش نہیں آیا؟"

"نہیں... ہرگز نہیں... اگر ایسا ہوتا تو میں زندہ نہ ہوتا۔"

"اچھا ٹل فادر... یہ بتائیں کہ یہ ناراضی دور کرنے کا آپ کیا لیں گے؟"

اس بار ٹائیگر کا لہجہ بے حد شگفتہ تھا۔ خلافِ معمول اوشان خاموش ہو گیا۔ ٹائیگر نے پلٹ کر اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ اس کا دل شدت سے دھڑک اٹھا۔ اسے اوشان کی آنکھوں کی گہرائیوں میں خوف کا خفیف سا تاثر محسوس ہوا تھا۔ اس نے دھڑکنوں کی بے ترتیبی پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے سرگوشی کی: "ٹل فادر... کیا

بات ہے؟"

اُوشان خاموش رہا۔

اُس کی خاموشی بے حد پُراسرار تھی۔ اس کا چہرہ خلافِ معمول بے حد نزدیک نظر آرہا تھا۔

"اگر آپ کی رُوح قفسِ عنصری سے پرواز نہیں کر گئی تو مجھے اجازت دیجئے کہ گاڑی اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دُوں؟"

"بڑھا دو..." اُوشان نے سرسراتی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

ٹائیگر نے گاڑی اسٹارٹ کی اور ایک جھٹکے سے آگے بڑھا دی۔

وہ عجیب سے احساسات کا شکار ہو گیا تھا... ایسے احساسات میں وہ پہلے کبھی مبتلا نہیں ہوا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے گاڑی اسٹارٹ کی اور ایک جھٹکے سے آگے بڑھا دی۔ —— بجز بہ شاید تھا کہ منظر کی تبدیلی عموماً موڈ کی تبدیلی کا باعث بن جاتی ہے۔ وہ اب تک اپنی بے ترتیب دھڑکنوں پر قابو نہیں پا سکا تھا۔ کار کی رفتار زیادہ تیز نہیں تھی مینا مینشن سے دُور ہو کر اُس نے کار ایک مضافاتی سڑک پر ڈال دی۔

اُوشان کے چہرے پر بار بار عجیب سے تاثرات اُبھرتے اور پل بھر میں معدوم ہو رہے تھے۔ ٹائیگر کی اُلجھن بڑھتی جا رہی تھی... لیکن وہ جانتا تھا کہ اس موقعے پر اُوشان سے کچھ معلوم کر لینا ناممکنات میں سے ہے۔

"روکو... گاڑی روکو..." اچانک اُوشان نے چیخ کر کہا۔

ٹائیگر نے پوری قوت سے بریک لگا دیے۔ گاڑی ایک دھچکے سے رُک گئی۔ اُوشان سیٹ پر جس طرح تنا بیٹھا تھا، ویسے ہی بیٹھا رہا۔ گاڑی کے دھچکے سے اس کے توازن میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ شہزادہ پلٹ کر اُلجھن آمیز نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگا ایک بار پھر اسے چونک جانا پڑا۔

اُوشان کے نتھنے تیزی سے پھڑک رہے تھے۔ انداز ایسا ہی تھا۔ جیسے وہ ابھی کسی پل رو پڑے گا... بامشکل آنسو ضبط کرنے کی کوشش کر رہا ہو... لیکن شہزادہ کو اندازہ تھا کہ اُس کی قوتِ ارادی کام کر رہی ہے۔ خود اُس نے بھی تو نتھنے کی کوشش کی لیکن اُس کے نتھنوں تک کوئی خلافِ معمول بُو یا خوشبو نہیں پہنچی۔

"کیا بات ہے اُوشان؟" اس نے بے حد متانت سے پوچھا۔

"اگر میرا اندازہ درست ہے..." اُوشان بڑبڑایا۔ "کاش! میرا خیال غلط ہو۔" یہ کہہ کر وہ دروازہ کھولتا ہوا کار سے اُتر گیا۔

ٹائیگر نے بھی دروازہ کھولا اور گاڑی سے اُتر کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ وہ حیران تھا کہ اُوشان کی حیات نے یُوں اچانک ہی کیا چیز محسوس کر لی ہے جس نے اس کے قلب و ذہن میں بے چینیاں بھر دی ہیں؟

اِدھر اُدھر دیکھنے پر اُسے کوئی قابلِ توجہ شے نظر نہ آئی تو وہ پلٹ کر اُوشان کی طرف دیکھنے لگا... لیکن اُوشان وہاں نہیں تھا۔ نہ جانے کب وہ وہاں سے جا چکا تھا۔ یُوں لگتا تھا جیسے اُسے زمین نگل گئی ہو یا پھر آسمان نے اُٹھا لیا ہو۔

وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا... تب ہی اُس کی نگاہ اُوشان کے غائب ہوتے ہوئے لبادے پر پڑی۔ اُس کی ایک خفیف سی جھلک ہی دکھائی دی تھی اور پھر وہ ایک دُور افتادہ چٹان کی اوٹ میں چھپ گیا تھا۔

ٹائیگر بھی اندھا دُھند اُسی چٹان کی طرف دوڑ پڑا۔

وہ پوری قوت سے دوڑ رہا تھا۔ اس کے کپڑے جسم سے چپکے ہوئے تھے۔ جُوتے بھی بند تھے اور لباس کچھ ایسا تھا جیسے اُس کی کھال منڈھا ہوا ہو... اگر ایسا نہ ہوتا تو اس کی تیز رفتاری اور مخالف سمت سے متاثر کرنے والی ہوا، لباس کے چیتھڑے اُڑا دیتی ہے... پھر بھی رگڑ کے باعث وہ شدید حرارت محسوس کر رہا تھا۔ اُسے حیرت ہو رہی تھی کہ اُوشان کا ڈھیلا ڈھالا لبادہ ہوا کی مزاحمت کیسے برداشت کر لیتا ہے؟ اس کی کبھی ایک دھجی تک نہیں اُتری تھی۔

وہ چٹان پر پہنچ کر رُک گیا اور اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ اچانک اسے اُوشان کا غائب ہوتا ہوا وجود ایک لمحے کے لیے دکھائی دیا... پھر ایک اور دُور افتادہ چٹان کی اوٹ میں نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ اس نے جست لگائی اور اُوشان کے تعاقب میں دوڑ پڑا۔

کئی چٹانیں عبور کر کے بالآخر وہ ایک جگہ رُک گیا۔

سامنے ایک درخت کے نیچے اُوشان کنول کا آسن جمائے بیٹھا تھا۔ اُس کی آنکھیں بند تھیں اور لب متحرک تھے۔ ٹائیگر خاموش رہا۔ وہ جانتا تھا کہ اس وقت اُوشان کی بے پناہ رُوحانی قوت سرگرمِ عمل ہے۔

وہ ایک طرف کسی بُت کی طرح ساکت و جامد کھڑا رہا۔ اس کی دھڑکنیں ابھی تک معمول پر نہیں آئی تھیں... اور ایسا بھلا ہو بھی کیسے سکتا تھا۔ اس صدی کا اُستاد خوف زدہ تھا۔ اس کی کوئی بھی حرکت معمول کے مطابق نہیں تھی۔ ٹائیگر محسوس کر رہا تھا کہ انجام کار جو کچھ بھی سامنے آئے گا، وہ بے حد تحیر خیز اور ناقابلِ برداشت ہو گا۔ اس کی آنکھیں اُوشان پر جمی رہیں۔ وہ منتظر رہا... انتظار کے یہ لمحات طویل ہوتے جا رہے تھے اور ہر لمحہ یہ فضا پُراسرار محسوس ہو رہی تھی۔

اُوشان کے چہرے پر نُور نظر آرہا تھا۔ اس کے چہرے پر نگاہ جمائے رکھنا مشکل ہو رہی تھی۔ ٹینکی کا ڈرس پہننے والا اُوشان مراقبے میں ڈُوبا ہوا نہ جانے کیا بڑبڑا رہا تھا۔

معاً اُس نے آنکھیں کھول دیں... لیکن وہ ٹائیگر کی طرف

متوجہ نہیں ہوا۔ وہ اس درخت کے تنے کو گھور رہا تھا جیسے برے جیسے چھید دینے والے تاثر سے بھرپور آنکھوں کے ذریعے اس تنے میں شگاف پیدا کر دینا چاہتا ہو۔

دیکھتے ہی دیکھتے وہ اُٹھا اور تنے کے قریب جا کر زمین پر جھک گیا۔ ایک بار پھر اس کے نتھنے تیزی سے حرکت کرنے لگے۔

کچھ دیر وہ اسی پُراسراری کیفیت کا شکار رہا... پھر اس کے دونوں ہاتھ درخت کے تنے کے قریب زمین پر ایک جگہ رینگنے لگے۔ اس عمل کے دوران ہی اس کی انگلیاں اکڑ گئیں... اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ زمین کے سینے میں دھنس گئیں۔

ٹائیگر دم سادھے کھڑا رہا۔

وہ اُوشان کے تاثرات سے اندازہ لگا چکا تھا کہ اس وقت اُوشان اپنی زندگی کا کوئی اہم ترین کام نمٹا رہا ہے۔ اس کی فولادی انگلیوں نے مٹی گھود ڈالی۔ پھر کھود کر اس نے دھرتی کے شکم میں دونوں ہاتھ گہرائی تک گاڑ دیئے۔

ٹائیگر مزید توجہ سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔ جو کچھ بھی تھا، بس ایک آدھ ساعت میں سامنے آنے والا تھا۔

شام کے سائے گہرے ہو گئے تھے لیکن پورے چاند کی کرنیں ان سایوں میں اُجالا بھر رہی تھیں۔ ٹائیگر نے جنگل میں ادھر اُدھر دیکھا، دُور دُور تک قد آور درخت آسیبوں کی طرح کھڑے جھوم رہے تھے اور اُن کی گھنی شاخیں خوفناک انداز میں ایک دُوسری سے اُلجھ کر جانے کن سازشوں میں مصروف تھیں۔

ٹائیگر کو جھرجھری سی آ گئی۔

اُسی لمحے اُوشان نے دونوں ہاتھ کھینچ لیے۔ ٹائیگر تھوڑا سا جھک گیا۔ اُسے جو کچھ نظر آیا، وہ دیکھ کر ٹائیگر کو اپنی ریڑھ کی ہڈی پر ایک چمکیلی سی رینگتی محسوس ہونے لگی۔ تب پہلی بار اس نے غور سے درخت کے تنے کی طرف دیکھا۔

تنے سے ایک لاش جھول رہی تھی۔

اُوشان کے ہاتھوں کی طرف انہماک سے دیکھنے کے باعث اس کی نگاہ اس لاش پر نہیں پڑی تھی۔ لاش پُورے لباس میں تھی۔ ہاں کے جوتے تک پہنے ہوئے تھے... لیکن خود لاش متحرک نہیں تھی۔ اس کی گردن کے اُوپر سے سر غائب تھا۔ اس کا گریبان چاک تھا۔ زخرے سے لے کر ناف تک گریبان کھلا تھا اور اس خلا میں سے ایک اور خلا جھانک رہا تھا۔ اس خلا سے خون رِس رِس کر چاک گریبان کے اطراف میں پھیل کر خشک ہو چکا تھا۔

یہ ہارون کی لاش تھی۔ اُسی ہارون کی لاش جس پر رستم دُھلانے کے بعد ٹائیگر نے مطلب کی چند باتیں دریافت کی تھیں اور اُسے نیم جان چھوڑ کر وہاں سے واپس آ گیا تھا۔ اس کی آمد کے بعد کسی نے موت کا عمل پُورا کر دیا تھا۔

ٹائیگر نے ہارون کی لاش اُس کے لباس کی وجہ سے پہچانی تھی وہ کھوپڑی کی تلاش میں اِدھر اُدھر دیکھنے لگا اور تب اسے ایک بار پھر چونک اُٹھنا پڑا۔

درخت کے تنے میں کچھ حصہ کھوکھلا کر کے اس کی کھوپڑی یُوں رکھی گئی تھی جیسے طاق میں کوئی چیز سجائی جاتی ہے۔

"میں جانتا تھا۔" اُوشان بڑبڑایا۔ "وہ ہمیشہ اپنے شکار کے اندرونی اعضا درخت کی جڑ میں دفن کرتے ہیں۔"

"آپ کن کا تذکرہ کر رہے ہیں فادر؟" ٹائیگر نے بے تابی سے پُوچھا اور نگاہ پھیر لی۔ اُوشان کے دونوں ہاتھوں پر ہارون کی لاش کے اندرونی اعضا رکھے ہُوئے تھے۔ ان اعضا کو کسی نے بے حد صفائی سے نوچ کر درخت کی جڑ کے قریب دفن کر دیا تھا۔

اُوشان نے ہارون کے اندرونی اعضا دوبارہ واپس رکھ دیئے جہاں سے نکالے تھے... پھر اُس نے پاؤں کی مدد سے انھیں دوبارہ مٹی سے ڈھانپ دیا۔ اس کام سے فارغ ہو کر وہ لاش کے سر کی طرف متوجہ ہُوا۔ کرب سے بگڑا ہُوا چہرہ ہر زخم سے بے نیاز تھا۔ تنے کے طاق نما حصے میں رکھا ہُوا یہ چہرہ بے حد بھیانک لگ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں مرنے کے بعد بھی کھُلی ہوئی تھیں۔ یُوں لگتا تھا جیسے اس بدنصیب شخص نے اپنی افسوسناک موت کا منظر، دم توڑنے تک اپنی آنکھوں سے دیکھا ہو۔ چیخی چیخی سی دہشت زدہ آنکھیں... اور کرب کی لکیروں سے سجا ہُوا خوفناک چہرہ۔

اُوشان نے ہاتھ بڑھا کر اُس کی کھُلی آنکھیں بند کر دیں اور ٹائیگر کی طرف متوجہ ہُوا۔ "تم کیا پوچھ رہے تھے ٹائیگر بیٹا؟" اس نے بڑے ہی عجیب سے لہجے میں دریافت کیا۔

"آپ کن لوگوں کا تذکرہ کر رہے تھے؟"

"وہ لوگ سناںخو جتنے قدیم دَور سے تعلق رکھتے ہیں۔" اُوشان نے جواب دیا اور درخت کے پاس سے ہٹ گیا۔ "سناںخو کا گھرانا کس قدر قدیم زمانے سے تعلق رکھتا ہے، اس کا اندازہ، تمھیں اس بات سے ہو سکتا ہے کہ میرے آباواجداد، مصر کے فراعین کے زمانے میں بھی زندہ تھے۔ ہر دَور کے فرعون نے اُن کی خدمات سے استفادہ کیا اور انھیں انعام واکرام سے نوازا... چنگیز خان بھی اس گھرانے کا قدرداں تھا... لیکن سناںخو کے گھرانے کو سب سے زیادہ شہرت اُن دنوں حاصل ہوئی جب چین پر بادشاہت قائم تھی۔ سناںخو کے

خاندان کا مالک پوک تھا۔ اگرچہ وہ جوان تھا لیکن دُنیا بھر میں اُسے قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا... پھر وہ زمانہ آ گیا جب خانہ سناںخو کا برخوردار ماسٹر ہُوا کرتا تھا۔ اس خاندان کا زوال سب سے بڑے ماسٹر وونگ کے دَور میں شروع ہُوا۔ وونگ آخری عہد کا استاد تھا۔ اگرچہ اس کی عمر بھی زیادہ نہیں تھی لیکن اس نے شمشی توانائی کو انسانی جسم کی قوتوں کا سرچشمہ قرار دیتے ہُوئے، خانہ سناںخو کے باسیوں کے لیے دشمنی کے دروازے کھول دیئے تھے۔ جس قدر مانگ اس اُستاد کی تھی، اس سے قبل کسی استاد کو اتنا نہیں چاہا گیا تھا۔"

اُوشان نے رُک کر پھُونک نکالا اور ٹائیگر کی طرف دیکھنے لگا آج خلاف توقع اُس کے آباواجداد کے قصے بڑے ہی صبر و تحمل سے سن رہا تھا حالانکہ اس سے پہلے وہ ہمیشہ اُس کی باتیں مذاق میں اُڑا دیا تھا بلکہ ایک بار تو اس نے اُوشان کو یہاں تک مشورہ دے دیا تھا کہ وہ دیومالائی کہانیاں لکھنے لگے تو تھوڑے ہی عرصے میں بے پناہ مشہور ہو سکتا ہے۔

"شاید تم یقین نہ کرو... لیکن یہ حقیقت ہے کہ میں جو کہانی تمھیں سُنانے جا رہا ہُوں، وہ کوئی دیومالائی کہانی نہیں ہے۔" اُوشان نے سنجیدہ لہجے میں بے پناہ کرب تھا۔

"میں جانتا ہُوں بلیک فادر۔" ٹائیگر نے بے حد متانت سے جواب دیا۔ "میں آپ کے آباواجداد کی کہانی سُننے کے لیے بے چین ہُوں۔"

"یہ میرے آباواجداد کی نہیں، تمھارے بڑوں کی بھی کہانی ہے۔ آج جو کچھ بھی ہو، ماضی کے رُوحانی فیض اور ماضی کے کمالِ فن کا نتیجہ ہو۔ تم اُس خاندان کی آخری نشانی ہو۔ تمھارے بعد سناںخو گھرانا ختم ہو جائے گا۔"

ٹائیگر کا دل بھر آیا۔ وہ اپنے بُوڑھے اُستاد کے جذبات سے خوب آگاہ تھا۔ اُسے معلوم تھا کہ اس وقت اُوشان کس قدر رُوحانی اور دلی اذیت میں مبتلا ہے۔

"جن دنوں وونگ، خانہ سناںخو کا سربراہ تھا، انھی دنوں منگھائی کے بادشاہ پر ایک عجیب افتاد آن پڑی تھی۔ اُس نے دانستہ یا نادانستہ وونگ کو بُلا بھیجا۔ وونگ اپنے خاندان کے حجاموں کی رفاقت میں منگھائی کی طرف روانہ ہو گیا۔ ان ایام میں منگھائی کے بادشاہ کو جنگل کا ایک قبیلے نے بے حد پریشان کر رکھا تھا۔ انھوں نے اس کے ایک درکو اغوا کر لیا اور بادشاہ سے بھاری زرِ تاوان مانگا۔ دولت اگر بادشاہ کے لیے کوئی مشکل کام نہیں تھا کیونکہ اس کے خزانے لبالب بھرے ہُوئے تھے... لیکن وہ اُن لٹیروں کو مستقل دردِ سر بنانا نہیں چاہتا تھا۔ اُسے معلوم تھا کہ ایک بار اُس نے اُن کا مطالبہ پُورا کر دیا تو آئے دن کسی نہ کسی کو اغوا کر کے اس سے دولت بٹورنے کا سلسلہ شروع ہو جائے گا۔ اس کے پاس ان لٹیروں کی سرکوبی کے لیے خانہ سناںخو کے مالک وونگ کا بہترین موجود تھا۔ بادشاہ نے سوچا کہ یہی بہترین موقع ہے، استعمال کر کے لٹیروں کو منہ توڑ جواب دینا چاہیے۔ وونگ اپنے سترہ جوانوں کے ساتھ منگھائی جا پہنچا..."

ٹائیگر نے اثبات میں سر ہلا کر اُوشان کو یقین دلایا کہ وہ پوری توجہ سے چند لمحوں تک اُوشان اُسے گھورتا رہا۔ جب اُسے ٹائیگر کی سنجیدگی پر یقین آ گیا تو پھر بولنے لگا۔

"سناںخو کے جیالے ان جنگلوں میں جا گھُسے جہاں اُن خون آشام لوگوں کا بسیرا تھا۔ کیا تم جانتے ہو، یہ خون آشام، واقعی انسان کا خون پیا کرتے تھے؟"

ٹائیگر نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"یہ شیطان کے پجاری تھے اور ان کے پاس شیطانی طاقتیں تھیں۔ ان طاغوتی توانائیوں کے استعمال سے انھوں نے منگھائی کے شہ زوروں کو ہلاک کر دیا تھا اور ان کے خون سے اپنی ازلی پیاس بجھائی تھی۔ وونگ تلاش کرتا رہا حتیٰ کہ ایک روز وہ انھیں تلاش کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس نے اُن سے کچھ فاصلے پر پڑاؤ ڈال دیا اور اپنے چار آدمی اس پیغام کے ساتھ بھیج دیے کہ بگڑو خیریت چاہتے ہیں تو وزیر کو غیر مشروط طور پر رہا کر دیں۔"

"اوہ... بلیک میلنگ اور زرِ تاوان وصول کرنے کی یہ واردات کافی پُرانی تاریخ کی حامل ہیں۔" ٹائیگر نے دھیمی آواز میں کہا۔

"ہاں... انسان خود جس قدر قدیم ہے، اُس کی بُرائیاں بھی اتنی ہی قدیم ہیں۔" اُوشان نے کہا۔

"اور نیکیاں؟" ٹائیگر نے مسکرا کر پوچھا۔

"ہر دَور میں نیکی اور بدی ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کے لیے کوشاں رہی ہیں۔" اُوشان کا لہجہ کسی مبلغ جیسا ہو گیا تھا۔

"پھر کیا ہُوا، بلیک فادر! کیا ان لوگوں نے اغوا ہونے والے وزیر کو رہا کر دیا تھا؟"

"نہیں..." اُوشان کا لہجہ خونخوار ہو گیا۔ "انھوں نے پیغام لانے والے تین آدمیوں کو قتل کر دیا اور چوتھا اس حالت میں واپس آیا کہ اس کے حواس جاتے رہے۔ اس نے دیوانگی کے عالم میں جو باتیں کیں اور جن مناظر کا تذکرہ کیا، اُن سے اندازہ ہُوا کہ باقی ساتھیوں کو کتنی عبرتناک موت سے ہمکنار کیا گیا تھا۔ اس نے دُھوئیں کے آدمیوں کا تذکرہ کیا...:

"دُھوئیں کے آدمی!" ٹائیگر چونک پڑا... پھر خود ہی اپنے سوال

کا جواب بھی دیا: "اوہ ہاں! آپ نے ابھی ابھی بتایا تھا کہ وہ شخص اپنے حواس کھو بیٹھا تھا۔"

"پہلے پہل اُس کی باتوں سے سب کو دیوانگی ہی کی بُو محسوس ہُوئی تھی لیکن بعد میں پتہ چلا کہ وہ جو کچھ بھی کہہ رہا تھا وہ بالکل بچپن کی باتیں نہیں تھیں بلکہ ان کا ایک ایک لفظ سچ پر مبنی تھا۔"

"کیا مطلب؟ ٹائیگر چونکا، پڑا۔" "کیا واقعی دھوئیں کے آدمیوں کا کوئی وجود تھا؟"

"ہاں فرزند! وہ دھوئیں کے آدمی تھے اور خون آشامی ان کی فطرت ثانیہ تھی۔ وہ شیطان کے پجاری تھے اور ان کا ایک مخصوص عقیدہ تھا جس کے تحت وہ لاش کا سر کاٹ کر درخت کے تنے میں طاق بنا کر رکھتے تھے۔ اندرونی اعضا کو درخت کی جڑ میں دفن کر دیا جاتا تھا اور بے سر کی لاش کسی شاخ سے لٹکا دی جاتی تھی۔"

اس بار ٹائیگر نے ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ وہ جدید دور کا ترقی یافتہ انسان تھا ایسی باتوں پر یقین نہیں رکھتا تھا لیکن اس کی آنکھیں بہت کچھ دیکھ چکی تھیں اس لیے وہ اُوشان کا مضحکہ بھی نہیں اُڑا سکتا تھا۔ ہارون کی سکڑی لاش اس کے سامنے موجود تھی۔ اس کا سر درخت کے تنے میں بنے ہُوئے طاق میں سجا ہُوا تھا۔ اور اس کے اندرونی اعضا ابھی چند ہی لمحے قبل خود اُوشان نے کھود کر نکالے تھے۔

"پھر کیا ہُوا؟ اُوشان!" ٹائیگر نے بھرائی ہوئی سی آواز میں دریافت کیا۔

"وونگ نے مزید پانچ آدمی روانہ کیے... لیکن ان کا حشر بھی پہلے جیالوں سے مختلف ثابت نہ ہُوا۔ اس بار جو شخص بچ کر واپس آیا تھا، اس کی باتیں بھی پہلے آدمی کی باتوں سے مختلف نہیں تھیں... تب وونگ کو محسوس ہُوا کہ دھوئیں کے آدمیوں کا وجود ہے اور وہ لوگ کسی خاص فن حرب سے آگاہ ہیں۔ ایک ایسا فن جس کے سامنے خانہ سانبو کا ایک بھی فرد نہیں ٹھہر سکتا۔ جانتے ہو وونگ نے کیا کیا؟" اُوشان نے نیم تاریکی میں ٹائیگر کے چہرے پر نگاہ گاڑتے ہوئے پوچھا۔

ٹائیگر نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"وونگ نے باقی آٹھ آدمیوں کو بھی بھیج دیا... اور تنہا چھپ کر اپنے ساتھیوں کا تعاقب کرنے لگا۔ کافی دیر بعد اُس نے اپنی آنکھوں سے دھوئیں میں لپٹے ہُوئے آدمیوں کو دیکھا۔ وہ کسی بگولے کی طرح آئے تھے اور پھر جنگل میں ایک خونریز جنگ شروع ہو گئی تھی۔ اس جنگ میں وونگ کے ساتھی مرنے لگے...

باقی آٹھ آدمی اس کی آنکھوں کے سامنے دم توڑ گئے۔ ان آٹھ آدمیوں میں، وونگ کا چچا، وونگ کا بھائی اور بیٹا بھی شامل تھا۔ وونگ چھپ کر یہ خوفناک جنگ دیکھتا رہا حتیٰ کہ اس کا بیٹا بھی ہلاک ہو گیا۔ تب وہ صبر اور ضبط کا دامن ہاتھ سے چھوڑ بیٹھا۔ وہ خود کو پوشیدہ نہ رکھ سکا۔ اس نے انھیں للکارا اور میدانِ جنگ میں کود گیا۔ اس نے چھپ کر فنِ حرب کا وہ مخصوص پہلو دیکھ لیا جس کی وجہ سے ان لوگوں کو خانہ سانبو کے لڑاکوں پر سبقت حاصل ہو رہی تھی۔ وہ ان سے لڑتا رہا... اس نے ان میں سے کئی کو ہلاک کر دیے... لیکن پھر اُسے خود وہاں سے فرار ہونا پڑا۔"

"فرار..." ٹائیگر بڑبڑایا۔ "کیا سانبو گھرانے کا استاد فرار ہو گیا؟"

"ہاں... اور اس کی وجہ یہ تھی، وہ سمجھ چکا تھا کہ تنہا ان سے کا قلع قمع نہیں کر سکتا جبکہ یہ اُس کی انتہائی خواہش تھی، اس خواہش کی تکمیل کے لیے وہ فرار ہُوا اور اُس نے خانہ سانبو کے بچوں کو تربیت دینی شروع کر دی... میں انھی میں سے ایک ہُوں اور تم ہم میں سے آخری ہو ٹائیگر۔"

"میں سمجھتا ہوں کہ ہم ان لوگوں کو چُن چُن کر مار سکتے ہیں۔" ٹائیگر نے غصّے سے کہا۔

"یہی تمھاری غلطی ہے۔ سوچو! کیا آج سے قبل کبھی کسی کے ہاتھ تمھیں نقصان پہنچانے میں کامیاب ہُوا ہے؟ اس انداز میں کبھی نہیں ہُوا۔ خود پر قابو رکھو۔ ذہن کو بے قابو نہ ہونے دو۔"

"اوہ! شاید اسی لیے آپ خوف زدہ ہیں؟"

"سشمیئر سانبو کا مالک صرف مالک حقیقی سے ڈرتا ہے فرزند۔ میں اس لیے خوف زدہ ہُوں کہ تم بھی ناپختہ ہو۔ کہیں تم ان ہاتھوں کوئی نقصان نہ اُٹھاؤ۔"

ٹائیگر کے جبڑے سختی سے بھنچ گئے۔ اُسے اپنی کھوپڑی میں واساؤ بتا محسوس ہو رہا تھا۔ اُس کی نگاہیں میں ان تین سر بریدہ لبادے والوں کی لاشیں گھوم گئیں۔ تب اُسے افسوس ہونے لگا کہ شیطان کے ان پجاریوں کو اُس نے کتنی آسان موت سے ہمکنار کیا تھا۔ کاش! یہ سب کچھ اُسے پہلے ہی معلوم ہوتا!

"ایک بار پھر تاریخ اپنے آپ کو دہرانے کے لیے آمادہ ہے۔ مجھے بھی بہت طویل انتظار برداشت کرنا پڑا ہے۔ میرے آباؤ اجداد کی روحیں مجھے پکار رہی ہیں۔ میں نے بچپن میں جو حلف اُٹھایا تھا اس کی تکمیل کا وقت سر پر آ گیا ہے... لیکن میں بوڑھا اور ناتواں ہو چکا ہُوں۔ کاش! یہ موقع آج سے دس پندرہ سال قبل آیا ہوتا۔

"آپ نے مجھے ہمیشہ ثابت قدم رہنے کی تلقین کی ہے۔ آج آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں، اُوشان؟" ٹائیگر کو شش کے باوجود ضبط نہ کر سکا اور غرّانے لگا۔ "مجھے آپ ہی کی قسم ہے، اُوشان! میں ان ماضی کے آسیبوں کو اتنا گہرا دفن کروں گا کہ خود شیطان بھی ان کی لاش تلاش نہیں کر سکے گا۔"

"تمھارے اسی بچپنے سے مجھے ڈر لگتا ہے۔ شاید تم شیطان کی قوتوں سے آگاہ نہیں ہو۔" اُوشان نے اُسے ڈانٹتے ہوئے کہا۔ "جہاں تک میں سمجھ رہا ہوں۔ یہ حریف تمھاری اور میری زندگی کا سب سے بڑا امتحان ثابت ہوگا... پھر فکر کی بات یہ ہے کہ وہ تعداد میں بہت زیادہ ہیں۔"

"ان میں سے تین کو کم کر دیں۔" ٹائیگر نے ہنس کر کہا۔ "اور عنقریب آپ سُن لیں گے کہ کئی سرخ لبادوں والے میرے ہاتھوں کے کلہاڑے تلے ریزہ ریزہ ہو چکے ہیں۔ کاش! ہمیں ان کی صحیح تعداد کا علم ہوتا۔"

اُوشان کی آنکھوں سے فکرمندی جھانکتی رہی۔ وہ خوفزدہ نہیں تھا بلکہ ٹائیگر پر اپنی یہ حالت اس لیے ظاہر کر رہا تھا کہ وہ مزید محتاط ہو جائے... ٹائیگر... جو نہیں جانتا تھا کہ اس بار کس قسم کے حریفوں سے آمنا سامنا ہونے والا ہے۔

۞

آرزو بے حد مصروف تھی۔ اس کے انہماک سے احساس ہوتا تھا جیسے اُسے گرد و پیش کا بھی ہوش نہ ہو۔ اس کے سامنے میز پر اَن گنت اشیا بکھری پڑی تھیں۔ اُس نے دو سال قبل ذاتی شوق کے تحت کمپیوٹر کا کورس مکمل کیا تھا۔ کمپیوٹر میں اُسے بچپن ہی سے دلچسپی تھی اور یہ ذوق و شوق اس وقت اُس کے کام آ رہا تھا۔

وہ اس کمپیوٹر کا مقام تلاش کرنے کی تیاری کر رہی تھی جہاں اس کا باپ رابطہ قائم کیا کرتا تھا... بوستان خان... جو بھیانک ترین موت کا شکار ہُوا تھا... اور جس کی لاش دیکھ کر آرزو نے قسم کھائی تھی کہ وہ اپنے باپ کے قاتلوں سے انتقام لے کر رہے گی۔ ابھی اس قسم کی تکمیل کا پہلا مرحلہ بھی طے نہیں ہُوا تھا کہ اس کی ماں بھی اسی انداز میں قتل کر دی گئی۔

آرزو پر دیوانگی طاری ہو گئی۔ کئی روز تو اُسے خود کو سنبھالنے میں لگ گئے تھے... اور جب اس کی ذہنی صلاحیتیں دوبارہ کام کرنے لگی تھیں تو اُس نے ایک لمحہ بھی ضائع کیے بغیر کام کا آغاز کر دیا تھا۔

اپنے باپ کی تدفین کے وقت اُسے چند ایسے پُراسرار افراد دکھائی دیئے تھے جنھیں اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا اور نہ ہی اُسے معلوم تھا کہ اس کے پیارے باپ کا ان لوگوں سے کوئی تعلق بھی ہو سکتا تھا۔ وہ اپنے باپ کو ایک مثالی آدمی سمجھتی تھی، اس لیے ہمیشہ اُس کی چھُپ کر نگرانی کرتی رہتی تھی۔ وہ اس کی ایک ایک بات سے آگاہ ہونا چاہتی تھی... غالباً یہی وجہ تھی کہ وہ کمپیوٹر کا پتہ چلانے میں کامیاب ہو گئی تھی... اور اب اُسے یہ معلوم کرنا تھا کہ وہ کمپیوٹر کہاں نصب ہے۔

وہ جیسے جیسے غور کرتی، اس کی عقل عاجز آتی جا رہی تھی۔ آخر اس کا باپ کمپیوٹر کو کیا اطلاعات فراہم کرتا تھا؟ اس نے اب تک جتنی بھی باتیں سُنی تھیں، اُن میں گوشت کے اعداد و شمار کے علاوہ صرف قیمتوں کے اُتار چڑھاؤ کا تذکرہ تھا۔ آخر ان بے ضرر سی باتوں سے کوئی شخص کیا استفادہ کرتا رہا ہے...

اور وہ کون سی بات تھی جس کے باعث اُس کے باپ کو اتنی بے دردی سے ہلاک کر دیا گیا تھا؟ وہ سوچتی رہی اور اُلجھتی رہی۔ ایک بات کا البتہ اُسے یقین تھا کہ اُس کے باپ کو کسی بہت ہی معمولی سی بات کے لیے ہلاک کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے، جب معمولی سی معلومات کے لیے خطیر رقم بطور معاوضہ دی جا سکتی ہے تو معمولی سی بات کے لیے کسی کو قتل بھی تو کیا جا سکتا ہے۔

وہ خیالوں کو جھٹک کر کام کی طرف متوجہ ہو گئی۔ اس نے میز پر موجود آلات کا سلسلہ ایک دوسرے سے جوڑنا شروع کر دیا۔ دیر تک وہ اس کام میں اُلجھی رہی... پھر وہ اُٹھی اور گھر کے تہ خانے کی طرف بڑھ گئی۔ یہ تہ خانہ بے حد مختلف تھا اور اس کی ساخت اس قسم کی تھی کہ کسی کو ذرا سا بھی شُبہ نہیں ہو سکتا تھا۔ اس کا دروازہ ایک بڑی سی تصویر کے پیچھے پوشیدہ تھا۔

دروازے سے سیڑھیاں اُتر کر وہ تہ خانے میں پہنچ گئی۔ نہ جانے یہ تہ خانہ اس کے باپ نے کس مقصد کے لیے بنوایا تھا۔ اب تو وہاں کاٹھ کباڑ ہی بھرا ہُوا تھا۔ جب پہلی بار آرزو نے اپنے باپ کی آواز فون پر سُنی تھی اور اُسے محسوس ہُوا تھا کہ وہ کسی کمپیوٹر سے باتیں کرتا ہے تو آرزو نے اس کا فون ٹیپ کرنا شروع کر دیا تھا۔ اس خواہش اور عمل کے پیچھے صرف اور صرف شرارت ہی کارفرما تھی۔ اس کا ارادہ تھا کہ وہ زندگی کے کسی خاص لمحے میں اپنے باپ کو چونکا کر اُس کی حالت سے لُطف اندوز ہو گی... لیکن قسمت نے عجیب ہی رنگ دکھایا تھا۔ وہ جس

باپ کو چونکا کر ہنسنا چاہتی تھی، خود اُسی نے اُسے چونکا کر خون کے آنسو رونے پر مجبور کر دیا تھا۔

وہ اس کی گفتگو کے ٹیپ گھر میں نہیں رکھ سکتی تھی۔ وہاں وہ کسی بھی وقت کسی کی بھی نگاہوں میں آ سکتے تھے لہٰذا اس نے بڑی سوچ و بچار کے بعد اس تہ خانے میں انھیں رکھنا شروع کر دیا تھا۔ برسوں سے وہ ٹیپ یہیں جمع ہو رہے تھے کیوں کہ یہیں سے ایک خفیہ لائن، اُس فون سے منسلک تھی جس پر اس کا باپ کمپیوٹر سے باتیں کیا کرتا تھا۔

اس نے کاٹھ کباڑ ہٹایا اور ٹیپ جمع کرنے لگی۔ دونوں ہاتھوں سے جتنے ٹیپ اُٹھا کر وہ اُوپر لے جا سکتی تھی، انھیں اُٹھا کر وہ واپس اپنے کمرے میں پہنچ گئی۔ اس نے ایک ٹیپ ریکارڈر میں رکھا اور اُسے پلے کر کے تھوڑا سا والیوم کھول دیا۔ اس کے کمرے کا دروازہ مقفل تھا اور کھڑکیوں پر بھاری پردے پڑے ہوئے تھے۔ جب اسپیکر نے اس کے والد کی آواز کمرے کی محدود فضا میں بکھیری تو آرزو کو یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے اس کا دل مٹھی میں جکڑ لیا ہو اور یہ گرفت ہر گزرتے ہوئے لمحے کے ساتھ ساتھ بڑھتی ہی جا رہی تھی۔

اگرچہ اُسے اپنی ماں سے بھی محبت تھی اور اس کی المناک موت کا بھی اُسے بے حد دُکھ تھا... لیکن بوستان کی موت نے تو جیسے خود اُسے بھی ایک لاش ہی بنا دیا تھا۔ وہ خود کو ایک چلتی پھرتی لاش سے زیادہ کچھ نہیں محسوس کرتی تھی... ایک ایسی لاش جس کی رُوح نکل کر آسمان کی وسعتوں میں کھو گئی ہو اور خالی جسم انتقام کی پیاس میں مبتلا بھٹک رہا ہو۔

ایک کے بعد دوسرا ٹیپ سُننے کے بعد اُس نے تیسرا ٹیپ لگا دیا۔

اب وہ خود کو ایک بار پھر سنبھال چکی تھی۔ اس نے رائٹنگ پیڈ اپنی طرف کھسکایا اور لکھنے لگی۔ اس کا ہاتھ تیزی سے چل رہا تھا۔ کبھی کبھی وہ رُک جاتی... اور کبھی کبھی اس کا ہاتھ، اسپیکر سے نکلنے والی آواز کے ساتھ ساتھ متحرک ہو جاتا تھا۔ وہ لکھتی چلی گئی حتیٰ کہ پیڈ کے بیشتر صفحات بھر گئے۔

ٹیپ بند کر کے اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنی کنپٹیاں سہلائیں اور کچھ دیر کے لیے آنکھیں بند کر کے ذہنی سکون حاصل کرتی رہی... لیکن سکون تو اس کی زندگی سے یوں اُٹھ گیا تھا جیسے کسی مُردہ جسم سے رُوح نکل جاتی ہے۔ اُسے اپنی آنکھیں جلتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں اور کنپٹیاں یوں چٹخ رہی تھیں جیسے ایک نادیدہ ہتھوڑی اُن پر بار بار ضرب لگا رہی ہو۔

میز پر پھر اس بھی موجود تھی جس میں اُس نے بیٹھنے سے قبل کافی بھر لی تھی۔ اس نے ایک کپ کافی سے لبریز کیا اور گھونٹ گھونٹ پینے لگی۔

کافی ختم کر کے آرزو نے اپنے سامنے رکھا ہوا وہ مسودہ اُٹھا لیا جسے وہ گزشتہ دو گھنٹے سے لکھ رہی تھی۔ اس نے الف تمام جملوں پر غور کیا اور پھر ایک سُرخ پینسل نکال کر کسی کسی جملے کو نشان زد کرتی چلی گئی۔ ان جملوں کے ساتھ اُس نے ٹیپ کا نمبر بھی لکھا ہوا تھا اور جب ٹیپ ریکارڈر میں چل رہا تھا تو کاؤنٹر سے نمبر دیکھ دیکھ کر بھی پیڈ پر لکھتی چلی گئی تھی۔

مزید ایک گھنٹے کی مشقت کے بعد وہ ایک نیا مسودہ تیار کرنے میں کامیاب ہو گئی۔ اس مسودے میں اس کے باپ کی باتیں تھیں... لیکن اگر یہ جملے فون پر کسی سے کہے جاتے تو وہ ماضی میں لاکھ سُنے ہونے کے باوجود نئے ہی معلوم ہوتے۔ ان فقروں کی طرف سے مطمئن ہونے کے بعد اُس نے ٹیپ ریکارڈر میں پہلا ٹیپ چڑھایا اور کاؤنٹر زیرو کر دیا... پھر اُس نے ایک بٹن دبا دیا اور کاؤنٹر پر نگاہ گاڑے رکھی۔ جیسے ہی مطلوبہ نمبر آیا اُس نے ٹیپ کا بٹن آن کر دیا۔

وہ بغور دیکھتی رہی، جیسے ہی کاؤنٹر کا نمبر مقررہ حد کے قریب پہنچا، اُس کی مخروطی اُنگلی آف کے بٹن پر پہنچ گئی۔ یہ بڑا ہی ذہانت اور مہارت کا کام تھا... لیکن اُسے اس ری ٹیچنگ میں کسی قسم کی دُشواری نہیں ہو رہی تھی کیوں کہ یہ اس کا بچپن کا شوق تھا۔

اس کام میں اُسے کافی تھکن ہو گئی۔ وہ کئی گھنٹے سے مسلسل کام کر رہی تھی... لیکن جب کام ختم ہوا اور اُس نے اپنی محنت سے تیار کیا ہوا فائنل ٹیپ سُنا تو اس کی ساری تھکن پل بھر میں دُور ہو گئی۔ اس نے ریکارڈر سے ٹیپ نکال کر ہونٹوں سے لگا لی۔ اب وہ دوسرے مرحلے کے لیے تیار ہو رہی تھی۔ اب اُسے ایک کمپیوٹر کو دھوکا دینا تھا... اُس کمپیوٹر کو اس کا باپ جس وفاداری... اور جس وفاداری کی بہت بھاری قیمت ادا کرنا پڑی تھی۔ اُس نے فون اپنی طرف کھسکایا اور وہ مخصوص نمبر ڈائل کیا جس پر بوستان، بہرام کے ہیڈ کوارٹر سے رابطہ قائم کیا کرتا تھا۔

دوسری جانب سے جلد ہی کال ریسیو کی گئی اور کمپیوٹر کی ٹیپ شُدہ آواز نے کہا کہ وہ اپنا پیغام ریکارڈ کروا دے۔ ٹیپ چلتا رہا۔ اس دوران میں آرزو کی نگاہ اپنے کمپیوٹر پر جمی رہی۔

جسے اُس نے شب و روز کی محنت سے تیار کیا تھا اور اس کے پروگرام حاصل کرنے کے لیے اس نے بے پناہ دولت بھی خرچ کر دی تھی۔ کمپیوٹر پر تیزی سے حروف اُبھر اُبھر کر معدوم ہو رہے تھے۔ اچانک چند حروف ساکت ہو گئے۔ "چارہ گر..." اس نے حروف پڑھے اور اُچھل کر کھڑی ہو گئی۔ اس کے ذہن میں "وشان بہرام اور شہزاد کے چہرے گھوم رہے تھے۔ "میں آ رہی ہوں۔" اس نے خود کلامی کے انداز میں کہا۔ "اپنے باپ کا انتقام لینے کے لیے آ رہی ہوں۔"

G

دروازے پر دستک ہو رہی تھی۔

شہزاد دروازہ کھولنے کے لیے بڑھ گیا، وشان اس وقت کمرے کے وسط میں کنول کا آسن جمائے، اپنے مخصوص انداز میں براجمان تھا۔ اس وقت وہ دونوں ہوٹل کے کمرے میں تھے جس وقت ٹینک ہوئی ٹائیگر ڈے سروس کے کسی وسیلے کی آمد کی توقع کر رہا تھا اس کا یہ سمجھنا اپنی جگہ حق بجانب تھا کیونکہ اس نے پون گھنٹہ قبل فون پر ڈے سروس کو آرڈر دیا تھا... لیکن نہ جانے کیا مصیبت تھی کہ اس کا آرڈر ہمیشہ غلط ہی سپلائی ہوتا تھا۔ اس وجہ سے اس بار اس نے خصوصی ہدایات دی تھیں۔ دروازہ کھولنے سے قبل اس نے تھنوں کو پھیلایا اور سکیڑا... اُسے حیرت ہوئی کہ ذرا سی بھی خوشبو کا احساس نہیں ہوا۔ اب اس کی قوتِ شامہ اتنی ناقص بھی نہیں تھی کہ وہ چاولوں کی خوشبو نہ سونگھ سکتا جب کہ مشک کی رچی سے اس کے نتھنے خوف و ہراس، موت اور دیگر غیر مرئی بُو تک سونگھنے پر قادر ہو چکے تھے۔ اس کے کانوں نے رولنگ کارٹ کے پہیوں کی آواز بھی نہیں سُنی تھی۔

ٹائیگر کی غیر معمولی حسیات فوراً بیدار ہو گئیں۔ اس کا دایاں ہاتھ اپنی پشت پر چلا گیا اور اس کے عضلات میں تناؤ پیدا ہو گیا۔ اب اس کا ہاتھ کسی کلہاڑے جیسی کاٹ دار چوٹ لگانے کے قابل ہو گیا تھا۔

اس کا بایاں ہاتھ دروازے کی ناب کی طرف بڑھ گیا... پھر اس نے ایک جھٹکے سے کواڑ کھول دیا۔ دروازہ کھلتے ہی آرزو کی چھریاں تراشے ہوئے پرندے کی طرح اُڑتی ہوئی اندر آئی اور اس کے دونوں ہاتھ ٹائیگر سے لپٹ گئے۔

"شہزاد... شہزاد... اوہ، خدا کا شکر ہے۔" یہ کہتے کہتے اس کی آواز بھرا گئی۔ اس نے ٹائیگر کے سینے میں منہ چھپا لیا اور سسک سسک کر رونے لگی۔

اس کی سسکیاں سُن کر وشان بھی چونک پڑا۔ اُس نے آنکھیں کھول کر ان دونوں کی طرف دیکھا اور پھر اس کی تیوریاں چڑھ گئیں۔

ٹائیگر نے آرزو کو سنبھالا دیا اور خود سے الگ کر کے بستر کی طرف لے گیا۔ اُسے بستر پر بٹھاتے ہوئے اُس نے پُرسکون آواز میں کہا۔ "ذرا آرام سے... صبر سے کام لو... اور بتاؤ کہ کیا بات ہے؟"

آرزو چند لمحوں تک اس کا بازو تھامے، اُس کی آستین میں منہ چھپانے کی کوشش کرتی ہوئی روتی رہی... پھر اُس نے آنسوؤں سے بھیگی ہوئی نگاہیں اُٹھائیں اور دروازے کی طرف دیکھنے لگی۔

اُس کے انداز سے بے پناہ دہشت کا احساس ہوتا تھا۔ ٹائیگر اب بھی اُسے پچکار رہا تھا اور آرزو کی حالت ہر گزرتے ہوئے لمحے کے ساتھ سُدھرتی جا رہی تھی۔ کافی دیر بعد جب وہ بولنے کے قابل ہوئی، تب بھی اُس کی نگاہیں دروازے پر ہی جمی ہوئی تھیں اور ان سے اب بھی دہشت کا اظہار ہو رہا تھا۔

"آخر بات کیا ہے؟ تم اس قدر دہشت زدہ کیوں ہو؟" ٹائیگر نے اس مرتبہ قدرے زور دے کر پوچھا۔

"مم... میں... میں اپنے گھر میں تنہا تھی۔" آرزو نے اٹک اٹک کر کہنا شروع کیا۔ "میں بے حد خوفزدہ تھی۔ اچانک میری نگاہ کھڑکی سے باہر اُٹھ گئی... وہ خاموش ہو کر کانپنے لگی جیسے اس دہشت ناک منظر نے اس کے اب بھی اوسان خطا کر رکھے ہوں۔ "میرا... خیال ہے کہ میں نے... دیکھا..."

"تم نے کیا دیکھا؟" ٹائیگر نے نرمی سے پوچھا۔ "بتاؤ۔ تم نے کھڑکی کے باہر کیا چیز دیکھی تھی؟"

"وہ... اُف... کس قدر خوفناک۔" آرزو کانپ گئی۔ اس کی آواز میں بھی خوف کی زیادتی سے لرزش پیدا ہو گئی۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ "اُف میرے خدا... میں اُسے بیان بھی نہیں کر سکتی۔"

ٹائیگر چند لمحوں تک تو اُسے گھورتا رہا... پھر اس کے ہونٹوں پر پیار بھری مسکراہٹ آ گئی۔ "دیکھو آرزو۔" اس نے سمجھانے والے انداز میں کہا۔ "اگر تم مجھ سے کسی مدد کی توقع لے کر آئی ہو تو تمھیں چاہیے کہ سب کچھ بالکم و کاست بیان کر دو۔"

"میرے قریب رہو... مجھے تنہا نہ چھوڑو۔" اس نے ٹائیگر کا ہاتھ اپنے ہاتھ سے پھسلتے دیکھ کر اُسے دوبارہ دبوچتے ہوئے چیخ کر کہا۔ اس کا سینہ، بے ترتیب سانسوں کی وجہ سے شدید اتار چڑھاؤ کا شکار ہو رہا تھا۔

"فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔" ٹائیگر نے اُسے ایک بار پھر سمجھانے کی کوشش کی۔ "میں تمہارے پاس ہی ہوں اور تمہیں چھوڑ کر کہیں نہیں جا رہا ہوں تم اس وقت پوری طرح محفوظ ہو بیٹھ رہو میں تمہارے لیے پانی لاتا ہوں۔ اتنی دیر تم اپنی حالت سنبھالنے کی کوشش کرو۔"

وہ اُسے چھوڑ کر پانی لانے کے لیے کوئلنگ مشین کی طرف بڑھ گیا۔ جب وہ گلاس بھر کر واپس آیا تو آرزو کی حالت کافی سدھر چکی تھی۔ اس نے خود کو اس حد تک سنبھال لیا تھا کہ اُس کے حلق سے سسکیوں کی نکاسی بند ہو گئی تھی۔ البتہ وہ سہمے سہمے سے انداز میں اب بھی ٹائیگر کی طرف دیکھ رہی تھی۔ معاً اُسے محسوس ہوا کہ کوئی اس کے قریب ہی آ کھڑا ہوا ہے۔

یکایک اس کی آنکھوں سے مزید تیزی کے ساتھ آنسو بہنے لگے...

"ایک بات تو بتاؤ لڑکی!" اُوشان نے اُس کی طرف جھک کر کہا۔ "جب تم کمرے میں داخل ہوئی تھیں تو تم نے کیا کہا تھا۔ اوہ، خدایا تیرا شکر ہے... یا... کچھ اور؟"

آرزو چونک کر اُوشان کی طرف دیکھنے لگی۔ لمحے بھر کو اس کی آنکھوں میں حیرت پیدا ہوئی... پھر اس نے اثبات میں سر ہلا دیا اور اُوشان کی بات کی تائید کر دی۔ "میں نے کہا تھا، اوہ خدایا تیرا شکر ہے!" وہ کانپتی ہوئی آواز میں بولی۔

اس وقت تک ٹائیگر پانی کا گلاس لے کر اُس کے قریب پہنچ چکا تھا۔ وہ مسہری کی پٹی پر آرزو کے پہلو میں بیٹھ گیا اور گلاس اُسے تھما دیا۔

آرزو کا ہاتھ کانپ رہا تھا۔ اس نے گلاس لیا تو اس میں سے تھوڑا سا پانی چھلک گیا... لیکن وہ جلد ہی مزید سنبھل گئی۔ اب وہ چھوٹے چھوٹے گھونٹ لے کر پانی پی رہی تھی۔ پانی کا گلاس خالی کر کے اُس نے اپنے دائیں گھٹنے پر رکھ لیا۔

"اب بتاؤ، تم نے کیا دیکھا تھا؟" ٹائیگر نے سوال کیا۔ "کیسا تمہیں کچھ لوگ نظر آئے تھے؟"

"ہاں، شہزاد!" وہ سر سے پاؤں تک کانپ کر بولی۔ "میرے گھر کے احاطے میں کچھ لوگ موجود تھے؟"

"اوہ!" ٹائیگر کے ہونٹ سکڑ گئے۔ "کیا وہ دیکھنے میں جنگی نژاد لگتے تھے۔ کوریا کے رہنے والے تھے؟ ان کی تعداد کتنی تھی؟ تین تھے یا چار؟"

"شاید چار... لیکن احاطے میں تاریکی تھی... اس کے باوجود، میں نے جو جھلک دیکھی اُس سے پتہ چلتا تھا کہ وہ کوریائی کے باشندے تھے۔ یقیناً وہ، وہی تھے... اُف میرے خدا... کس قدر خوفناک منظر تھا... کتنا دہشت ناک۔ اُنھیں دیکھ کر تو میرا دل ہی بیٹھنے لگا تھا۔"

ٹائیگر نے یہ سُن کر اثبات میں سر ہلایا اور اُوشان کی طرف دیکھتے ہوئے بڑبڑایا۔ "معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ اب آرزو کے پیچھے پڑ گئے ہیں۔"

اُوشان نے کندھے اُچکا کر اظہارِ بے نیازی کیا۔

"میرا خیال ہے، ہمیں اس لڑکی کو اپنے ساتھ ہی رکھنا چاہیے۔" ٹائیگر نے پھر اُسے مخاطب کیا۔

اس بار بھی اُوشان نے بڑی بے نیازی سے کندھے اُچکا دیے تھے۔ انداز ایسا ہی تھا کہ اگر وہ لڑکی سمیت جہنم میں بھی چلا جائے تو اُسے کوئی پروا نہیں۔

دفعتہً دروازے پر زوردار دستک ہوئی۔

آرزو کے حلق سے ایک ڈری ڈری سی چیخ نکل گئی۔ وہ اب پھر تھر تھر کانپنے لگی تھی۔ اس کی غزال کی سہمی ہوئی آنکھیں کبھی دروازے کی طرف اور کبھی ٹائیگر کی جانب اُٹھنے لگی تھیں ان نگاہوں میں تحفظ کے لیے بے پناہ درخواست تھی۔

اُوشان دوبارہ اپنی جگہ جا بیٹھا تھا۔ اس کے انداز سے اب بھی بے نیازی ظاہر ہو رہی تھی۔ نہ جانے وہ بیٹھا بیٹھا کیا کھجانے میں مصروف ہو گیا تھا۔ ٹائیگر کو اس کی بے نیازی پر شدید حیرت ہو رہی تھی۔

"دروازہ کیوں نہیں کھولتے؟" یکایک اُوشان نے چیخ کر کہا۔ "کیا تم کھانے کا آرڈر دے کر بھول گئے ہو؟"

ٹائیگر آہستہ آہستہ دروازے کی طرف بڑھنے لگا۔ اس کی چال میں آرزو کو کسی درندے کی سی مستعدی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ کسی چیتے کی طرح بے آواز اور محتاط قدموں سے دروازے پر پہنچا۔ اس کا دایاں ہاتھ پائنچے پر چلا گیا... بائیں ہاتھ سے اُس نے ایک جھٹکے سے دروازہ کھول دیا اور کرۂ اُوشان کے تحقیر آمیز قہقہے سے گونج اُٹھا۔ ٹائیگر بھی ایک طویل سانس لے کر رہ گیا۔ اس کے دائیں ہاتھ کے عضلات ڈھیلے پڑ گئے۔

سامنے روم سروس کا ویٹر کھانا لیے کھڑا تھا۔

لیڈر کے انداز میں بے پناہ سکون تھا۔ اُس نے اپنے ساتھیوں کو بڑی وضاحت سے بتایا کہ اُنھیں کیا کرنا ہے۔

پروگرام بتانے کے بعد اُس نے وضاحت کی کہ اُن کا حملہ ناکامی سے ہمکنار نہیں ہوا بلکہ وہ کامیاب ہوئے ہیں۔

وضاحت کرتے ہوئے لیڈر نے کھنکار کر گلا صاف کیا اور بائیں کھڑکی سے باہر جھانک دی۔ اس وقت وہ سب ایک ہوٹل کے کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے اور یہ وہی ہوٹل تھا جہاں اُوشان اور ٹائیگر مقیم تھے۔

"لیکن ہم اپنے تین بہترین ساتھیوں سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔" ایک ساتھی نے کورین زبان میں احتجاج کیا۔

"جب کچھ حاصل کیا جاتا ہے تو پتے سے دینا بھی پڑتا ہے۔" لیڈر نے بے رُخی سے جواب دیا۔

"ہم نے کیا حاصل کیا ہے؟" احتجاج کرنے والے کا لہجہ شدید ہوگیا۔

"ہم نے تجربہ حاصل کیا۔ ہم نے سوجھ بُوجھ حاصل کی۔" لیڈر نے سختی سے جواب دیا۔ یہ کہہ کر اس نے آنکھیں بند کرلیں جیسے اپنے تین ساتھیوں کی زندگی اور حاصل ہونے والے تجربے یا سوجھ بُوجھ کا ذہنی میزان میں موازنہ کر رہا ہو۔۔۔ پھر اُس نے آنکھیں کھولتے ہوئے کہا۔ "جو کچھ ہُوا ہے بے حد غمناک تھا۔۔۔ لیکن یہ ضروری تھا۔ کیا تم بتا سکتے ہو کہ اس سے ہم نے کیا سیکھا ہے؟"

احتجاج کرنے والے نے بتایا کہ ٹائیگر نے کس انداز میں ان کے تینوں ساتھیوں پر حملہ کیا تھا۔ انھیں جہاں جہاں زخم آئے تھے، اُن کی تفصیل بیان کی۔۔۔ ابھی وہ اس سلسلے میں مزید بھی کچھ کہنا چاہتا تھا کہ ایک ساتھی نے اُس کی بات کاٹ دی۔ وہ اس بوڑھے کا تذکرہ کر رہا تھا، جو میٹامیٹشن کی عمارت کے باہر کار میں منتظر بیٹھا تھا۔

"زندہ آدمی۔۔۔" لیڈر نے دُہرایا۔ اُس کی آواز سرگوشی سے زیادہ بلند نہیں تھی۔ اس کا دایاں ہاتھ اپنی دائیں آنکھ کی طرف اُٹھا اور قریب جاکر مٹھی کی شکل میں بھینچ گیا۔ اس کی ایک ہاتھ کی انگشتِ شہادت کنپٹی کو سہلانے لگی جب کہ دُوسرے ہاتھ کی انگشتِ شہادت اپنی آنکھ کے نیچے رُخسار پر ٹک گئی تھی۔ اس انگلی کا ناخن کم و بیش اُٹھ انچ لمبا تھا۔ کیا اُس کی آنکھوں کا رنگ فولاد جیسا تھا؟" اُس نے اُوشان کے بارے میں بتانے والے سے سوال کیا۔

"ہاں۔۔۔" جواب دیا گیا۔

"اوہ۔ تو میرا خدشہ درست ہی ثابت ہُوا۔" لیڈر بڑبڑایا۔ "وہ آگیا ہے۔۔۔ بالآخر وہ یہاں پہنچ ہی گیا۔" یہ کہتے کہتے وہ بیٹھ گیا۔ اس کے دونوں ہاتھ گود میں گر گئے اور اُس کی آنکھیں بند ہوگئیں۔ یُوں لگتا تھا جیسے وہ بیٹھے بیٹھے خاموش عبادت میں ڈوب گیا ہو۔

لیڈر پورے ڈیڑھ منٹ تک اسی حالت میں مبتلا رہا۔ پھر اُس نے دھیرے سے اپنا سر اُٹھایا اور محویت کے عالم سے نکل گیا۔ "کیا تم نے دُوسروں کو اطلاع کردی ہے؟" اُس نے سوال کیا۔

"کیا آپ ہڑتالیوں کے بارے میں پُوچھ رہے ہیں؟"

"ہاں۔۔۔ کیا وہ لوگ ہمارے عقیدے کے بارے میں جانتے ہیں؟" اُس نے دُوسرا سوال کیا۔

"نہیں جناب!" اُسے جواب دیا گیا۔

"کیا عہدوں کی تجدید کرلی گئی ہے؟" لیڈر نے پوچھا اس بار اُسے اثبات میں جواب ملا۔

"نئے آدمیوں کی خدمات حاصل ہوچکی ہیں یا نہیں؟"

"جی ہاں۔۔۔ اور اُنھیں کچھ چینگی معاوضہ بھی ادا کردیا گیا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ دُوسروں کو بھی بُلا لو۔" لیڈر نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔ "اب وقت آگیا ہے کہ ہم اس معاملے کو خوش اسلوبی کے ساتھ نمٹا لیں۔ ہمیں اب ایسا ہی کرنا چاہیے۔"

لیڈر کا حکم سنتے ہی جواں سال کورین اُٹھ کھڑا ہُوا، وہ تقریباً جُھکا اور پھر وہ تیز تیز قدموں سے چلتا ہُوا کمرے سے باہر چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی لیڈر بھی اپنی سیٹ سے اُٹھ گیا۔ اُس کے اُٹھنے کے انداز بے حد متوازن اور آہستہ تھا۔ وہ چار فٹ گیارہ انچ لمبا تھا۔ اُس نے ہوٹل کے کمرے میں بچھے ہوئے قالین پر اس انداز میں ٹہلنا شروع کردیا جیسے اس کو اپنے قدموں تلے روندڈالنا چاہتا ہو۔ یکایک وہ ایک کھڑکی کے سامنے رُک گیا۔

کھڑکی پر سبز رنگ کا بھاری پردہ پڑا ہُوا تھا۔ اُس کا ایک ہاتھ پردے سے اُلجھ گیا اور اُس نے پردے کو ایک جھٹکے سے ہٹا دیا۔

V

پردہ ہٹتے ہی کمرے میں تیز دُھوپ کا سیلاب سا آگیا۔ وہ باہر جھانکنے لگا۔ نیچے سڑک پر چمچماتی ہوئی کاروں کا ایک قافلہ رواں دواں تھا۔ دُھوپ کی وجہ سے باہر کی فضا میں حدت تھی۔ لیڈر کو گرمی بے حد پسند تھی۔ ٹھنڈک نہ جانے کیوں اُسے بُری لگتی تھی۔ اس سلسلے میں کبھی کوئی خیال آرائی نہیں کی تھی البتہ اُس کے بعد ساتھیوں کا خیال تھا لیڈر گرمی کے باعث چاق و چوبند رہتا ہے اس لیے وہ اس موسم کو پسند کرتا ہے۔

لیڈر کی آنکھیں چمک دار نیلی تھیں اور اس کے ڈھیلے ایسے تھے جن سے ہر وقت یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ سُلگ رہی ہیں اور اُن سے دُھواں سا اُٹھ رہا ہو۔

لیڈر کی آنکھیں بینائی سے محروم تھیں اور وہ مکمل طور پر نابینا تھا۔

اچانک دروازہ کھلنے کی آواز سُنائی دی۔ اس کا مطلب تھا اُس نے جن دُوسرے ساتھیوں کو طلب کیا تھا، جواں سال کورین اُنھیں بُلا کر لے آیا ہے۔

"بیٹھ جاؤ۔۔۔ پلیز!" قدموں کی آواز تھمتے ہی بوڑھے لیڈر نے کہا۔

اس نے یہ بات کورین زبان میں کہی تھی اس لیے جواں سال کورین نے ترجمہ کیا۔ "بیٹھ جاؤ پلیز۔"

لیڈر چند لمحے ساکت و جامد کھڑا رہا۔۔۔ پھر اس کے کانوں نے دو آدمیوں کے بیٹھنے کی آواز سُنی۔ صوفے کا چرچرایا۔ یہ آوازیں سُن کر لیڈر نے سبز پردہ ایک بار پھر برابر کردیا۔ آہستہ آہستہ چلتا ہُوا اپنی کُرسی تک پہنچا۔ اس کے انداز سے نہیں جلتا تھا کہ وہ اندھا ہے۔ کُرسی پر بیٹھنے کے بعد اس کی دُھواں اُگلتی ہوئی آنکھیں چکرانے لگیں جیسے وہ نووارد افراد کا جائزہ لے رہا ہو۔ وہ جس سیٹ پر بیٹھا تھا، وہ خون کی طرح سُرخ رنگ کی تھی۔ اس سیٹ پر بوڑھے لیڈر کا وجود کسی آسیب جیسا نظر آرہا تھا۔

لیڈر کے دونوں ہاتھ کُرسی کے ہتھوں پر بے قراری سے حرکت کرنے لگے۔ "سنا جو یہاں موجود ہے۔" اس نے کہا۔ یہ کئی سال بیت گئے۔۔۔ آج پھر ہماری راہیں اُلجھن میں ٹکرا گئی ہیں۔"

لیڈر کی بات کا ترجمہ کرتے ہوئے جواں سال کورین نے کہا۔ "ہم تین افراد کو قتل کرنا چاہتے ہیں۔"

"لیکن ہم حملہ نہیں کریں گے۔" بوڑھا لیڈر اُس کے ترجمے سے برکتا رہا۔ "تاریخ بتاتی ہے کہ جب بھی ہم لوگوں نے فولاد جیسی خوفناک آنکھوں کے مالک کسی شخص پر حملہ کیا، موت ہمارے کئی ساتھیوں کا مقدر ہوگئی۔۔۔ اور اب وہ شخص مزید خطرناک ہوگیا ہے کیونکہ اس کے ساتھ ایک مشترکہ نوجوان بھی ہے۔ ایک ایسا نوجوان جس کی رگوں میں کسی ٹائیگر جیسا خون موجزن ہے۔"

"ہم حملہ نہیں کریں گے۔" مترجم نے کہا اور اپنے لیڈر کی اگلی بات کا من و عن ترجمہ کیا۔ "ہم علمکمل اور تیاری کا اصول اپنائیں گے۔"

اس بات پر بوڑھا لیڈر چونک گیا کیونکہ اُس نے ردِعمل کے طور پر کسی کو کُرسی میں پہلو بدلتے سُن لیا تھا۔

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔" ایک آواز کمرے میں گُونجی۔ لڑکی سے ناواقف ہونے کی وجہ سے لیڈر نے اپنے ساتھی سے رابطہ کیا اور بولا۔ "دانش مند ساتھی! دونوں پر بیک وقت دونوں طرف سے حملہ۔۔۔" یہ کہنے کے بعد وہ ہنس پڑا۔ بڑی ہی تحقیر آمیز ہنسی تھی۔ "احمقانہ بات ہے۔ اگر تم دن بھر کسی دیوار سے سر ٹکراتے رہو تو شام کو کیا نتیجہ نکلے گا؟ دیوار نہیں گرے گی البتہ تمھاری کھوپڑی ضرور پاش پاش ہوچکی ہوگی۔۔۔ اس کی بجائے اگر تم درست اور صحیح اینٹ نکالنے میں کامیاب ہوجاؤ تو پوری دیوار آن کی آن میں زمیں بوس ہوجائے گی۔"

مترجم نے جب اس کی باتیں منتقل کردیں تو ان کے جواب میں دُوسری کُرسی کا چمڑا چرچرایا۔ لیڈر کی بے نُور آنکھیں آواز پر جم گئیں۔

"کیا ہم ان دونوں کو بھی اُسی انداز میں قتل کریں گے جیسا کہ پہلے کرتے رہے ہیں؟" جواں سال مترجم نے نووارد کی بات اپنے لیڈر کے کانوں تک پہنچائی۔ "میں سمجھتا ہُوں کہ ہمارا یہ نووارد، دوست نہیں سمجھتا کہ ہم لاشوں کی کھال کھینچ کر اُنھیں درختوں سے کیوں ٹانگ دیتے ہیں اور بعض حصّوں کی کیوں تدفین کرتے ہیں۔"

"کس قدر احمق معلوم ہوتا ہے، یہ شخص!" لیڈر کی آواز غراہٹ آمیز تھی۔ "یہ ایک روایت ہے۔ یہ ہماری طاقت کا نشان ہے۔ ہماری برتری کی علامت ہے۔ اس طرح ہم اپنے دُشمنوں کی موت ہی حاصل نہیں کرتے بلکہ اس سے باقی دُشمنوں پر خوف و ہراس بھی طاری ہوتا ہے۔ دس دُشمنوں کو قتل کرنا اور ایک سو دُشمنوں کو دہشت میں مبتلا کرنے میں بہت فرق ہوتا ہے۔ ایک سو دشمن دہشت زدہ ہوجائیں تو یہی سمجھنا چاہیے کہ اُن کی نصف قوت ختم ہوگئی ہے۔"

لیڈر خاموش ہوگیا۔ اُس کے چہرے پر اب بھی برہمی کے آثار تھے۔ اُس کی دائیں کنپٹی کی ایک رگ بار بار پھڑک رہی تھی۔

اس کے انداز میں غصّے کی شدید جھلک دیکھ کر کمرے میں موجود سب لوگوں کو جیسے سانپ سونگھ گیا تھا۔ ہر کوئی پتھر کے کسی بُت کی طرح ساکت بیٹھا تھا، صرف مترجم کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تھی اور لیڈر کی چمک دار لیکن بے نُور آنکھیں اس مسکراہٹ کو دیکھنے سے قاصر تھیں۔

"ہم اپنی قسم، اپنے قبیلے اور اپنے عقائد سے تعلّق رکھنے والے گروہ کے آخری افراد ہیں۔" لیڈر کی آواز ایک بار پھر گُونجی۔ "ہم سیاہ طاعون ہیں۔۔۔ ہم ۱۹۰ کی قیامت صغریٰ ہیں۔۔۔ اور اب ہم اپنے عقائد کا آخری کام پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں کامیاب ہورہے ہیں۔ میرے بزرگوں کی پیش گوئی درست ثابت ہوگی۔ سنا جو کی شمشیر کا مالک بالآخر ہمارے سامنے آرہا ہے۔ اُس کی موت کے بعد ہمارے پیروکاروں کے لیے راہ صاف ہوجائے گی۔۔۔ اُنھیں اپنے عقائد کا پرچار کرنے میں کوئی دُشواری نہیں ہوگی۔ یہ میرا آخری فرض ہے۔"

"کام جاری رہنا چاہیے۔" مترجم نے اس کی بات لمبی چوڑی باتوں کا ایک ہی جملے میں ترجمہ کر دیا۔ وہ جانتا تھا کہ یہ سب جذباتی باتیں ہیں جن سے مقامی لوگوں کو کوئی دلچسپی نہیں ہو سکتی۔

"بس۔۔۔" لیڈر نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "مجھے جو کچھ کہنا تھا، میں کہہ چکا ہوں۔ اب جو کچھ بتاؤں اُسے لکھ لو۔"

مترجم نے جلدی سے ایک پیڈ نکالا اور قلم کھولنے لگا۔ بوڑھے لیڈر کے گمان بے حد حساس تھے اُس نے جیسے ہی محسوس کیا کہ مترجم لکھنے کے لیے تیار ہو چکا ہے، وہ تیزی سے بولنے لگا۔ وہ مسلسل دس منٹ تک بولتا رہا۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے اُس کے ذہن میں لائحہ عمل مکمل تھا اور وہ اُسے دُہرا رہا ہو۔ بات پوری کر کے وہ بے نور آنکھوں سے اس سمت میں گھورنے لگا جہاں اس کا نائب کھڑا تھا۔

"اپنے آدمیوں کو پوری طرح تیار کر لو۔" اس نے کورین زبان میں حکم دیا۔

"جیلیو۔۔۔ چلیں۔۔۔" مترجم نے کہا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

بوڑھا لیڈر کمرے کے وسط میں کھڑا اُن کے قدموں کی آہٹیں سنتا رہا۔ دروازہ کھلنے کی آواز آئی اور پھر اُسے آہستگی سے بند کر دیا گیا۔ اب وہ کمرے میں تنہا تھا۔ تنہائی کا احساس ہوتے ہی لیڈر ایک بار پھر اپنی کُرسی کی طرف بڑھا اور پھر اس پر یوں گر گیا جیسے اس کا جسم نڈھال ہو چکا ہو۔ وہ بہت بوڑھا تھا۔ اُس کے اعصاب تھک چکے تھے۔ وہ ٹوٹ چکا تھا۔۔۔ لیکن اُس نے کبھی اپنی کمزوری اپنے آدمیوں پر ظاہر نہیں ہونے دی تھی۔ وہ ان کے لیے ایک ناقابلِ تسخیر چٹان کی حیثیت رکھتا تھا۔ وہ اپنے آنے والے ہیرو کاروں سے دِل برداشتہ تھا کیونکہ ان میں زمانے کی تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ بہت سی تبدیلیاں پیدا ہو گئی تھیں حتیٰ کہ اُن میں سے بیشتر تو اپنی مادری زبان تک نہیں بولتے تھے۔ وہ دُنیا کے ترقی یافتہ ممالک کی زبانیں بولنا باعثِ فخر تصور کرتے تھے تب بوڑھے لیڈر کو پہلی بار احساس ہوا کہ وہ اپنے مقاصد کا آخری آدمی ہے۔ وہ تنہا ہے۔ اس کی قوتیں اور اُس کی توانائیاں بکھر گئی ہیں۔ اب صرف ماضی کی روایات اور اُن کی یادیں ہی باقی رہ گئی تھیں۔۔۔ بلکہ صرف ایک روایت باقی رہ گئی تھی۔ مرگِ انتہا۔۔۔ وہ اس آخری روایت کو بھی بور اکر دینا چاہتا تھا کیونکہ وہ آخری آدمی تھا۔۔۔ اور یہ مرگِ انتہا، اُس شخص کے لیے لکھی گئی تھی جس کا نام وہ نہیں جانتا تھا حالانکہ اس کی ہر خصوصیت سے اُسے مکمل آگہی تھی۔ سناجو کی شمشیر کا مالک۔۔۔

سوچوں میں ڈوبے ڈوبے وہ یکایک چونک پڑا۔ اُس کے اعصاب پر شدید دباؤ تھا۔ کُرسی پر بیٹھے بیٹھے اُسے سکون کا احساس نہ ہوا تو وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔ وہ آہستہ آہستہ کمرے کے اُس دروازے کی طرف بڑھنے لگا جو خواب گاہ میں کھلتا تھا۔ بستر تک پہنچنے میں اُسے کوئی دُشواری نہیں ہوئی۔

وہ بستر پر لیٹ گیا۔ اس کا جسم کمزور تھا لیکن ڈھیلے ڈھالے جسم میں بیلیاں پوشیدہ تھیں۔ ایسی بیلیاں جن کا کنٹرول براہِ راست شیطان کے ہاتھ میں تھا۔ روایت پسند بوڑھا جہاں چھت کی طرف گھورنے لگا۔ اس کی بے نور آنکھوں میں کانچ کی گولیوں جیسی چمک تھی۔ اس کا ذہن ماضی کی یادوں سے فگار آلود ہونے لگا۔ اُسے اپنے گاؤں کی یاد آ رہی تھی۔ اُسے سونے سے بھرے ہوئے وہ معبد یاد آ رہے تھے جہاں لوگ دیوتاؤں کو بھینٹ دینے کے لیے آتے تھے۔ اُسے استاد یاد آ رہا تھا۔۔۔ جو مرتے وقت اُس سے وعدہ لے رہا تھا کہ وہ مرگِ انتہا کی تکمیل کرے گا۔

وہ اپنے آرام دہ بستر پر دراز غور کرتا رہا۔ وہ اصول، وہ با۔۔۔ اور وہ روایات جن کا تعلق اس کے آباؤ اجداد سے تھا۔ اُ۔ تعلیم دی گئی تھی کہ معدہ جسم کا کام کر رہے۔ اسی لیے درمیان میں واقع اس کی حفاظت بے حد ضروری ہے۔ اگر معدہ تباہ کر دیا جائے تو۔ تباہ ہو جاتی ہے اس کے کانوں میں اپنے اُستاد اور محترم باپ۔ الفاظ گونجنے لگے۔

"سنو بیٹے! تمہیں مزا ہو تو مرگِ انتہا، کو گلے لگا کر اس د۔ سے اُٹھنا۔ یاد رکھو۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تمہاری روح دُنیا میں آ۔ گھومتی رہے گی اور اُسے کہیں پناہ نہیں ملے گی۔ اُس نے مرگِ ا۔ کی روایت کو اب تک بڑی خوش اسلوبی سے نبھایا تھا۔ اُس۔ لاشوں کا وہی حشر کیا، جو اس کے آباؤ اجداد نے کیا تھا جو کچھ دی۔ لیے تھا، اُسے زمین میں دفن کر دیتا تھا، جو کچھ ظاہر تھا، اُسے سا۔ لٹکا دیتا تھا اور زندگی ختم ہونے کے بعد سرکاٹ کر طاق میں سجا لیتا۔ یہ ان کی سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں سال پرانی روایت تھی۔ عاص دیوتا بے حد خوش تھے اور اُنھوں نے اس کے بزرگوں کو بہت ا۔ تھا۔۔۔ لیکن اب شاید دیوتا اُس سے رُوٹھ گئے تھے۔ اُس کی طبعی تیزی سے بیت رہی تھی اور آخری سانسیں قریب تر آ گئی تھیں۔ خانہ سناجو کے سپوت کو تلاش کرنے میں ناکام رہا تھا۔ یہی وجہ۔ دیوتاؤں نے اُس سے اُس کی آنکھیں چھین لی تھیں۔ اس میں کوئی نہیں کہ اُس نے اپنے مقامد کے پرچاریں بڑی مستعدی دکھائی۔ شدید محنت کی تھی جس کے نتیجے میں اس کا مذہب دُنیا کے۔ ممالک میں پھیل گیا تھا۔ چین، جاپان، کوریا، روس، رومانیہ اور تر۔ وانیا میں اس کے پیروکاروں کی تعداد ہزاروں تک پہنچ گئی تھی لیکن اس سے سناجو کو تلاش نہ کر سکنے کا جو گناہ عظیم ہوا تھا، اُس کی سزا اسے

گئی تھی۔ اُس کی آنکھیں، اس کی بینائی ختم ہو گئی تھی۔۔۔ اور اب زندگی کی سانسیں بھی قریب الختم تھیں۔ اُس نے اندھے ہونے کے بعد اپنے معبدوں سے سونا نکالنا شروع کر دیا۔ اس سونے کو وہ بے دریغ خرچ کرنے لگا۔۔۔ لیکن سناجو کا کہیں سُراغ نہ مل سکا۔ کبھی کبھی تو اُسے یوں محسوس ہونے لگتا تھا جیسے سناجو اُس کی دسترس سے پہلے ہی مرت سے ہمکنار ہو چکا ہے۔۔۔ جیسے مرگِ انتہا کی تکمیل سے پہلے ہی موت اُسے نگل گئی ہے۔۔۔ لیکن اب وہ اس کے سامنے تھا۔ وہ اس سے بہت قریب پہنچ چکا تھا۔

اس نے بے چینی سے کروٹ بدلی۔

وقت کتنا بدل گیا ہے۔۔۔ ہر چیز بدل گئی ہے۔۔۔ اب وہ اپنے ہاتھوں سے مرگِ انتہا کی تکمیل کرنے سے قاصر تھا۔ اُسے اپنے چند بچے کھچے آدمیوں پر انحصار کرنا پڑ رہا تھا۔۔۔ بلکہ اب تو اس کے اپنے آدمی بھی قریب الختم تھے۔ مہلک ناخنوں والے آسیب تیزی سے دُنیا سے اُٹھتے جا رہے تھے۔ تین تو سناجو کے ساتھی ہی نے ہلاک کر دیے تھے وہ اپنی بے بسی پر کراہ کر رہ گیا۔

اس نے دونوں ہاتھوں سے چہرہ ڈھانپ لیا۔ اس کی بے نور آنکھیں، اس کی ہتھیلیوں کے نیچے آنسو بہا رہی تھیں۔۔۔ وہ سسک رہا تھا۔ وہ اپنے دیوتاؤں اور اپنے بزرگوں کو یاد کر کے رو رہا تھا۔ ان سے مدد کا طلب گار تھا۔

کافی دیر بعد اُس نے چہرے سے ہاتھ اُٹھائے تو اس کا چہرہ ایک نئے عزم سے سرخ ہو رہا تھا۔ "سناجو۔۔۔ سناجو۔۔۔ مرگِ انتہا کے لیے تیار ہو جاؤ۔" اس نے کہا اور کروٹ لے کر آنکھیں بند کر لیں۔

ٹائیگر نے آرزو کی طرف دیکھا۔

وہ سمہرس پر دراز تھی اور غیر واضح آنکھوں سے اُس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ وہ جب سے غور طلب حالت میں ان کے پاس پہنچی تھی، ٹائیگر نے تحفظ کی خاطر اُسے اپنے ساتھ رکھ لیا تھا۔۔۔ لیکن وہ دل ہی دل میں حیران ضرور تھا کہ اُوشان اس لڑکی سے ہمدردی کا اظہار کیوں نہیں کرتا۔ اس کا رویہ بے حد تضحیک آمیز تھا۔ ٹائیگر جانتا تھا کہ اُوشان کا یہ رویہ جینیشہ دشمنوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ آرزو کا باپ، بہرام کا ایک کارکن تھا۔ اس کی موت بے حد سفاک انداز میں واقع ہوئی تھی۔ وہ اپنی آنکھوں سے اس کی تدفین دیکھ چکا تھا۔ اس کے بعد لڑکی کی ماں، مسخ لاشوں والے وحشیوں کے تیز دھار ناخنوں کا شکار ہوئی تھی۔ اس کی لاش بھی اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھی تھی۔۔۔ اب صرف یہ لڑکی باقی تھی۔ اس کی ایک اور بہن بھی تھی جسے اتفاق سے اس کے باپ نے اعلیٰ تعلیم کے لیے بیرونِ ملک بھیج رکھا تھا۔ ایسے میں ایک تنہا لڑکی سے ہمدردی نہ کر نا شہزاد کے نزدیک سراسر زیادتی تھی۔۔۔ اور خاص طور سے اس وقت تو یہ ایک ظلم بھی تھا جب کہ لڑکی بے انتہا حسین اور جوان تھی۔ آرزو نام ہی کی نہیں، شکل و صورت اور سراپا کے اعتبار سے بھی ایسی لڑکی تھی کہ اُس کی آرزو کی جا سکتی تھی۔

ٹائیگر نے آرزو کی آمد کے بعد بہرام سے رابطہ قائم کر کے اس لڑکی کے بارے میں اطمینان کر لیا تھا۔ وہ کسی بھی نوعیت کی برائی میں مبتلا تھی اور نہ ہی اس کا تعلق کسی مجرم گروہ سے تھا۔ وہ ایک صاف ستھری اور ذہین لڑکی تھی اور اس کا تعلق بہرام کے ایک کارکن سے تھا جس کی کارکردگی بے مثال تھی۔

اچانک اُوشان کمرے میں آیا اور لڑکی کے قریب جا کھڑا ہوا۔ اُس کی غیر متحرک آنکھیں آرزو پر جمی ہوئی تھیں اور ٹائیگر حیران ہو رہا تھا کہ آخر وہ اُسے شک کی نگاہ سے کیوں دیکھتا ہے اس سے پہلے کہ ٹائیگر، اُوشان سے کوئی سوال کرتا، اُوشان پلٹا اور اپنے کمرے میں چلا گیا۔۔۔

ٹائیگر نے ایک دھماکے سے درمیانی دروازہ بند کر دیا۔

اس نے پلٹ کر آرزو کی طرف دیکھا تو اُس کی آنکھوں میں اُلجھنیں تیرتی محسوس ہوئیں۔

"یہ بوڑھا کیا مجھے پسند نہیں کرتا؟" اُس نے تیز لہجے میں پوچھا۔

"خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرو۔ اگر کوئی ایسا شخص تمہیں پسند کرنے لگے تو میں فوراً ہی خودکشی کر لوں گا۔" شہزاد نے مسکرا کر کہا۔۔۔ پھر اس کی طرف جھک گیا۔ اس کی آنکھیں اچانک ہی نشے میں ڈوبی ہوئی محسوس ہونے لگیں۔ "جانتی ہو، آرزو۔۔۔ میری آرزو کیا ہے۔۔۔ اگر تمہارے چہرے پر بھورے بھورے اَن گنت تل ہوتے تو۔۔۔"

"تو کیا۔۔۔؟" آرزو ششدر رہ گئی۔

"تو تمہاری مثال ایک ایسی رات جیسی ہوتی جب آسمان پر ہر طرف ستارے ہی ستارے چمک رہے ہوتے ہیں۔"

آرزو ہنس پڑی۔

اس کی ہنسی میں موسیقی کی آمیزش تھی۔۔۔ یکایک وہ سنجیدہ پھر اداس اور اگلی ہی ساعت رو دینے والی ہو گئی۔ اس کے چہرے کے بدلتے ہوئے تاثرات ٹائیگر سے پوشیدہ نہ رہ سکے۔ وہ بھی فوراً ہی سنجیدہ ہو گیا۔ "آرزو۔۔۔؟" اس نے دھیمی آواز میں کہا۔ "کیا تم

جانتی ہو، تمہارے والد کو کیوں قتل کیا گیا تھا؟"

لڑکی نے پلکیں جھپکا کر اُس کی طرف دیکھا تو اس کی آنکھوں سے دو آنسو ٹوٹ کر رخساروں پر ڈھلک آئے۔ اس نے سر کو منفی جنبش دی اور اس کے لب سختی سے بھنچے رہے۔ یوں لگ رہا تھا اگر یہ لب کھلے تو دل میں دبی ہوئی ان گنت سسکیاں اُبل پڑیں گی۔

اس نے مُنہ چھپا لیا اور رونے لگی۔ اس کا دل شدت سے بھر آیا تھا۔ ٹائیگر ایک بار پھر اُسے تسلی دینے لگا... لیکن محض باتوں سے اتنے بڑے غم کا بوجھ تو نہیں ہٹ جایا کرتا۔

"مجھے بتاؤ آرزو... کیا تم نے کوئی غیر معمولی بات محسوس کی تھی؟" اس نے بڑی ہی لگاوٹ بھری آواز میں سوال کیا۔ یہ لہجہ آرزو جیسی لڑکیوں کو ہلکان کرنے کے لیے کافی تھا۔ آرزو بھی لرز کر رہ گئی لیکن اسے اپنے آپ پر نہ جانے کتنا ضبط تھا کہ ٹائیگر کے لہجے کا اثر فوراً ہی زائل ہو گیا۔

"نہیں... میں نے کبھی کوئی غیر معمولی بات محسوس نہیں کی تھی۔" وہ آنسوؤں سے بھیگی ہوئی آواز میں بولی۔ "شہزاد تمہیں وہ شخص یاد ہے، جو پاپا کی تدفین کے موقعے پر آیا تھا؟"

"ہاں... ٹائیگر نے جواب دیا۔

"کیا وہ یہاں آتا جاتا ہے؟"

"کبھی کبھی... کیوں؟"

"وہ بہت عجیب آدمی لگتا ہے۔" آرزو نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

"یہ دُنیا ہے، پاگلوں اور یہاں ہر شخص دوسرے کے لیے عجیب اور ناقابلِ فہم ہے... لیکن میرا مشورہ ہے کہ تم کم از کم اس شخص میں کوئی دلچسپی نہ لو تو بہتر ہے۔"

"وہ کیوں؟" آرزو کا لہجہ اب بھی عجیب تھا۔

"اس لیے کہ وہ کسی ناقابلِ فہم لمحے کی پیداوار ہے۔ خود میں بھی اُسے اچھی طرح نہیں سمجھ سکا ہوں۔" ٹائیگر نے شریر لہجے میں جواب دیا۔

"اور تم اس بوڑھے کو کس حد تک جانتے ہو؟"

"جسامت کے اعتبار سے اس ناتواں سے بوڑھے کی حد یں ہی کیا ہیں؟" ٹائیگر یہ کہہ کر ہنس پڑا۔ "لیکن پھر بھی میں اُسے کافی اچھی طرح جانتا ہوں۔ تم نے یہ سوال کیوں کیا؟"

"اس نے مجھے اپنے کام کے بارے میں تھوڑی بہت باتیں بتائی ہیں۔"

"اوہ... اس نے کہا ہوگا کہ وہ ڈرامے بہت اچھے لکھتا ہے... ہے، نا؟"

"نہیں... اس نے قتل کے بارے میں باتیں کی تھیں۔" آرزو کی آواز کانپ گئی۔ "تمہیں اس کی طرف سے محتاط رہنا چاہیے شہزاد۔"

یہ سُن کر ٹائیگر ہلکیں جھپکا کر رہ گیا۔ بات ہی اتنی عجیب تھی کہ اُس کا حیران ہونا بجا تھا۔

"نہ جانے کیوں، مجھے اس سے خوف محسوس ہوتا ہے شہزاد۔" آرزو کہہ رہی تھی۔ "میں سمجھتی ہوں کہ وہ تمہارے پیٹھ پیچھے کسی منصوبے میں مصروف ہے۔"

ٹائیگر ہنس پڑا۔ اُس نے اس بات پر ناک کے سامنے یوں ہاتھ لہرایا جیسے کسی مکھی کو اُڑا رہا ہو... پھر وہ دروازہ عقب میں بند کرتا ہوا دوسرے کمرے میں چلا گیا۔

اس کے جاتے ہی آرزو کے چہرے کے تاثرات یکایک بدل گئے۔ اب وہ مسکرا رہی تھی اور اس کی مسکراہٹ میں بڑی ہی طمانیت تھی۔ نہ جانے کیوں اس کا دل خوش گوار انداز میں دھڑکنے لگا تھا۔ اُسے کامیابی بہت قریب محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے ٹائیگر سے باتوں باتوں میں جو کچھ بھی معلوم کیا تھا، اس سے اُسے یہ اندازہ لگانے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی تھی کہ جس شخص کی اُسے درحقیقت تلاش ہے، وہ ان سے ملتا جلتا رہتا ہے۔ وہ سب سے پہلے اُسی کو قتل کرنا چاہتی تھی... اس کے بعد بوڑھے اُوشان کی باری تھی...

اور سب سے آخر میں ٹائیگر کو قتل کرنے کا منصوبہ اس کے ذہن میں تیزی سے ترتیب پا رہا تھا۔ اس نے سوچا کہ اپنے نسوانی ہتھیاروں سے کام لے کر شہزاد رام کرنے لگی اور پھر اُسی کے ہاتھوں بوڑھے کو مروا دے گی۔ اس سلسلے میں اس نے پہلی بات کر کے اپنی دانست میں شہزاد کے دل میں بوڑھے کے بارے میں شبہہ بھر دیا تھا...

اور اب اُسے اس کے ردِعمل کا انتظار تھا۔

ہر گزرتا ہوا لمحہ اس پر گراں تھا۔ وہ ایک ایک پل اور ایک ایک ساعت گن گن کر گزار رہی تھی۔ جب سے اُس نے اپنے باپ کی لاش دیکھی تھی، اس کی شبیہہ آرزو کے ذہن پر نقش ہو کر رہ گئی تھی اور جب بھی تخیل شدت اختیار کرتا تھا، یہ شبیہہ اس کی نگاہوں کے سامنے مجسم ہو جاتی تھی۔ اُسے اپنے باپ کی اس ہولناک تصویر سے خوف نہیں آتا تھا بلکہ اس نے انتقام لینے کی جو قسم کھا رکھی تھی، اس میں مزید استحکام پیدا ہو جاتا تھا۔

وہ جب سے ہوٹل میں ان لوگوں کے ساتھ مقیم تھی، اس دوران میں ایک بار بھی شہزاد نے اُسے میلی نگاہ سے نہیں دیکھا

تھا حالانکہ دونوں نادیدہ مقناطیسی کشش کے باعث ہونٹوں کے گلاب ایک دوسرے کو منتقل کر چکے تھے۔ ابھی تک اُس کے ذہن میں یہ خیال موجود تھا کہ شہزاد اس کے باپ کی موت کا فرقہ وار ہے۔ اب بھی وہ اس احساس سے پیچھا نہیں چھڑا سکی تھی کہ بوڑھا اُوشان اس کے باپ کا بدترین دشمن تھا۔ ایک بار بھی اُس کے ذہن میں یہ بات نہیں آئی تھی کہ اگر یہ لوگ اس کے باپ کے قاتل ہیں تو انھوں نے اسے اپنے ساتھ رہنے کی اجازت کیوں دی ہے؟ اس کو تو دن رات بس ایک ہی تصور پریشان کرتا تھا... باپ کی موت کا تصور جو اکثر و بیشتر تجسیم اختیار کر کے اس کا ذہن ہائی جیک کر لیتا تھا۔ اس کے دوست کس عقیدے کے تحت یہ سب کچھ کرتے تھے، اس سے اُسے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

ابھی حال ہی میں اُنھوں نے ہارون نامی ایک شخص کو قتل کیا تھا۔ اس سلسلے میں چارلی کو کافی دولت ہاتھ لگی تھی لیکن لاش کی حالت دیکھ کر کئی روز تک اس کا موڈ خراب رہا تھا۔

اس نے دادکا کے جام سے آخری گھونٹ لیا اور اس کاغذ پر نگاہ جمادی جسے اس کا کورین دوست لایا تھا۔ اس کاغذ پر آئندہ کی کارکردگی کو تفصیل سے بیان کیا گیا تھا۔ یہ ہدایات ان کے کورین لیڈر کی جانب سے لکھوائی گئی تھیں اور چارلی کو ان کی پابندی کرنا تھی.... اس نے کاغذ کا مطالعہ کر کے اسے جام تلے دبا کر رکھ دیا اور پلٹ کر بولا۔ "ٹھیک ہے۔ ہمیں شروع کر دینا چاہیے۔"

یاٹ سین، شنگ، کونٹالی، گلوک اور برگ نامی افراد اس کے کمرے میں براجمان تھے اور ان سب کی نظریں اس پر جمی ہوئی تھیں۔ چارلی نے بستر کے قریب رکھی ایک چھوٹی میز کی دراز سے چند کاغذات نکالے اور ان ساتھیوں میں تقسیم کر دیئے۔ کاغذات بانٹ کر وہ واپس اپنی میز پر آیا اور نیا جام تیار کرنے میں مصروف ہو گیا، اس دوران میں اس کے ساتھی کاغذات کے مطالعے میں ڈوبے رہے۔

"یہ ہمارے آئندہ کے پروگرام کی تفصیل ہے۔" چارلی نے پہلا گھونٹ لے کر احتیاط سے گلاس رکھتے ہوئے کہا۔

اچانک کمرے میں موجود افراد میں سے کسی کے حلق سے کراہ نکل گئی۔ "پھر وہی..." اس شخص نے احتجاج کرنے والے انداز میں کہا۔

چارلی نے بولنے والے کی طرف دیکھا۔ یہ کونٹالی تھا... جتنے بھی کام ملے تھے، وہ ان کورین دوستوں کی وجہ سے ہی ملے تھے۔ چارلی قاتل ضرور تھا لیکن اُسے صرف زندہ انسانوں کو ہلاک کر کے خوشی ہوتی تھی کیوں کہ اس طرح اُسے معاوضہ ملتا تھا... جب کہ اس کے ہمیں ساتھی ایک عجیب اُو ناقابلِ فہم عقیدے سے وابستہ تھے۔ وہ قتل کرنے کے بعد لاش کا سرکاٹ دیتے تھے اور سینہ چاک کر کے اندرونی اعضا نکال کر زمین میں دفن کر دیتے تھے... پھر سر کٹی لاش کسی درخت سے لٹکا دی جاتی تھی۔ چارلی کو لاشوں کی اس قطع و برید سے بڑی نفرت تھی لیکن اس نفرت پر دولت کی چمک حاوی ہو جاتی تھی۔ اُسے صرف اور صرف دولت سے مطلب تھا۔ اس کے دوست کس عقیدے کے تحت یہ سب کچھ کرتے تھے، اس سے اُسے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

ابھی حال ہی میں اُنھوں نے ہارون نامی ایک شخص کو قتل کیا تھا۔ اس سلسلے میں چارلی کو کافی دولت ہاتھ لگی تھی لیکن لاش کی حالت دیکھ کر کئی روز تک اس کا موڈ خراب رہا تھا۔

اس نے دادکا کے جام سے آخری گھونٹ لیا اور اس کاغذ پر نگاہ جمادی جسے اس کا کورین دوست لایا تھا۔ اس کاغذ پر آئندہ کی کارکردگی کو تفصیل سے بیان کیا گیا تھا۔ یہ ہدایات ان کے کورین لیڈر کی جانب سے لکھوائی گئی تھیں اور چارلی کو ان کی پابندی کرنا تھی.... اس نے کاغذ کا مطالعہ کر کے اسے جام تلے دبا کر رکھ دیا اور پلٹ کر بولا۔ "ٹھیک ہے۔ ہمیں شروع کر دینا چاہیے۔"

یاٹ سین، شنگ، کونٹالی، گلوک اور برگ نامی افراد اس کے کمرے میں براجمان تھے اور ان سب کی نظریں اس پر جمی ہوئی تھیں۔ چارلی نے بستر کے قریب رکھی ایک چھوٹی میز کی دراز سے چند کاغذات نکالے اور ان ساتھیوں میں تقسیم کر دیئے۔ کاغذات بانٹ کر وہ واپس اپنی میز پر آیا اور نیا جام تیار کرنے میں مصروف ہو گیا، اس دوران میں اس کے ساتھی کاغذات کے مطالعے میں ڈوبے رہے۔

"یہ ہمارے آئندہ کے پروگرام کی تفصیل ہے۔" چارلی نے پہلا گھونٹ لے کر احتیاط سے گلاس رکھتے ہوئے کہا۔

اچانک کمرے میں موجود افراد میں سے کسی کے حلق سے کراہ نکل گئی۔ "پھر وہی..." اس شخص نے احتجاج کرنے والے انداز میں کہا۔

چارلی نے بولنے والے کی طرف دیکھا۔ یہ کونٹالی تھا...

شخص شدید خوف ہی سے اس کے ساتھ تھا۔ "کیا بات ہے ڈیئر؟" چارلی نے پوچھا۔ "کیا تم خوف زدہ ہو؟"

"خوف زدہ؟ مائی فٹ..." کونسٹالی غرّایا۔ "اس ایک مہینے میں ہمیں چار بار قصابوں کے سے انداز میں کام کرنا پڑا ہے۔"

چارلی نے اس احتجاج پر کندھے جھٹک دیے اور بے نیازی سے بولا۔ "بات یہ ہے کونسٹالی! صورتِ حال اپنے قابو میں کر لو... یا پھر صورتِ حال خود تم پر قابو پالے گی۔ یہ ایک آفاقی اصول ہے۔"

اس ٹھوس جواب پر کمرے میں سناٹا چھا گیا۔ ہر شخص دوبارہ کاغذات پر جھک گیا۔ اس خاموشی کے لمحے میں چارلی اپنے ناخن کی طرف متوجہ ہو گیا۔ یہ ایک مصنوعی ناخن تھا۔ چار انچ کے لگ بھگ لمبا یہ ناخن اسٹیل کا بنا ہوا تھا اور اس نے اس ناخن کے استعمال کی خاص طور سے تربیت حاصل کی تھی۔ تب اُس نے محسوس کیا تھا کہ یہ ناخن بے حد مہلک ہتھیار ہے۔ وہ اُس کی بے حد پرواکیا کرتا تھا۔ ہر صبح اس کا کلہاڑی کے کٹاؤ جیسا کنارہ تیز کرتا تھا... پھر اس کی پالش چمکاتا تھا۔

"یہ کیا ہے؟" اچانک ایک آواز نے اُسے چونکا دیا۔

اس نے گردن موڑ کر آواز کی طرف دیکھا۔ شیونگ کاغذ کے زیریں حصّے کی تحریر پر اُنگلی مارتے ہوئے وریافت کر رہا تھا۔ "یہ کیا ہے؟" چارلی نے اپنا تیز دھار ناخن سامنے رکھے سیب پر مارا اور اُسے ناخن میں پرو کر اُٹھا لیا۔ دانتوں سے تھوڑا سا سیب کاٹ کر وہ چباتے ہوئے بولا۔ "تم کس چیز کے بارے میں معلوم کرنا چاہتے ہو؟"

"یہ آخری حصّے میں لکھا ہے کہ ہمیں مزید دو آدمیوں کو راستے سے ہٹانا ہے۔"

"یقیناً... اور اُنھیں الگ الگ تباہ کرنا ہے۔" چارلی نے اس کی بات مکمل کر دی۔ "بالکل اسی طرح جیسے ہم نے ایک شوہر اور اس کی بیوی کو الگ الگ ٹھکانے لگایا تھا۔"

یاٹ سین نے اس بار مداخلت کی۔ "کیا ضروری ہے کہ اُنھیں اسی انداز میں مارا جائے؟"

"یہ لیڈر کی خواہش ہے۔" چارلی نے کہا۔ "جو شخص معاوضہ ادا کرتا ہے، ہمیں اُسی کے طریقۂ کار پر عمل کرنا چاہیے۔"

"کیا ہم اُنھیں گولی مار کر ہلاک نہیں کر سکتے؟"

"ہرگز نہیں...!"

"اُنھیں بم کے دھماکے سے کیوں نہ اُڑا دیا جائے؟"

"بالکل نہیں...!"

"کیا یہ ممکن نہیں کہ ان دونوں کو کسی وزنی گاڑی تلے کچل ڈالا جائے؟"

"بکواس بند کرو!" چارلی جھلا گیا۔ "آخر کیا مصیبت ہے جو دو اور آدمیوں ہی کو قتل کرنا ہے۔ تم لوگوں کی جان کیوں نکل جاتی ہے؟"

"اس لیے کہ یہ قتل کا بے حد گھناؤنا انداز ہے اور ہم اسے پسند نہیں کرتے۔" یاٹ سین نے کہا۔ یہ وہی شخص تھا جس نے مسز بوستاد کو موت سے ہمکنار کیا تھا اور اس وقت بے پناہ قہقہے لگائے تھے۔

اس کی بات پر کمرے میں موجود تقریباً ہر شخص ہنس پڑا۔

یاٹ سین غرّانے لگا۔ "چپ بھی بند کرو۔ نیا دور تر کام میں ہر کرتا رہا ہوں۔ میری ہی ناخن والی انگلی جسموں میں داخل ہو کر انھیں موت سے ہمکنار کرتی رہی ہے۔ کیا تم لوگ مجھ سے کم معاوضہ لیتے ہو؟"

اس پر خاموشی چھا گئی۔

"کیا تم اس کام سے الگ ہو رہے ہو؟" چارلی کا لہجہ بے حد سخت ہو گیا۔

یاٹ سین چند لمحوں تک تو اس کی طرف دیکھتا رہا... پھر اس کے ہونٹ بھدّی مسکراہٹ سے پھیل گئے اور اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

چارلی نے اس کی مسکراہٹ کے جواب میں بڑی فیاضی سے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا اور کہا۔ "گڈ... اب اگر تم چاہو تو ذرا بہ کے دستانے استعمال کر سکتے ہو۔"

"اگر مجھے کبھی موقع ملا تو میں یہ ناخن تم پر استعمال کرتے وقت دستانے استعمال نہیں کروں گا۔" یاٹ سین نے مذاقاً کہا... لیکن اس بات کا چارلی نے بہت شدید مطلب لیا۔

وہ کسی درندے کی طرح پلٹ پڑا۔ اس سے قبل کہ یاٹ سین کچھ سمجھتا، چارلی کا فولادی ناخن اُس کی ناک پر آ رُکا تھا... چارلی خون آلود نگاہوں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔ "اگر تم نے آئندہ ایسا مذاق کیا تو میں ایک ہی وار میں تمھاری ناک کاٹ ڈالوں گا۔"

کمرے میں موجود تمام افراد کی سانسیں رُک گئیں۔ چارلی کا ہاتھ آہستہ آہستہ یاٹ سین کی ناک سے دُور ہٹ گیا۔ اس کے چہرے پر زردی پھیل گئی تھی۔ اس نے تھوک نگل کر اثبات میں سر ہلا دیا۔ "میں معذرت چاہتا ہوں۔" اس کی آواز سرگوشی سے زیادہ بلند نہیں تھی۔

"بہرحال ویسا ہی کام ہے، جیسا کہ پہلے بھی ہو چکا ہے۔" برک نے فضا سازگار بنانے کے لیے موضوع بدل دیا۔ وہ اس گروہ میں تازہ تازہ شامل ہوا تھا۔ اُس نے لاشوں کی قطع و برید کے بارے میں صرف سنا ہی تھا۔ ابھی تک عملی طور پر حصّہ لینے کی نوبت نہیں آئی تھی اور وہ چاہتا تھا کہ کوئی ایسا عملی مظاہرہ دیکھے۔

"ہاں..." چارلی نے یاٹ سین سے نگاہ ہٹاتے ہوئے کہا۔

نظر کریں گے حتیٰ کہ وہ الگ الگ ہمیں نظر آ جائیں... پھر ں نے جملے کی تکمیل اپنا ہاتھ لہرا کر کی۔ ہاتھ قوسی حالت میں گھوما تو بڑی ہی خوفناک سنسناہٹ پیدا ہوئی۔

"اگر تم ایسا کرو گے تو تمھارے ہاتھ کچھ بھی نہیں لگے گا۔" ایک رسے میں گونجی اور ہر شخص چونک کر دروازے کی طرف متوجہ یہ آواز انھوں نے پہلے بھی دو تین بار سنی تھی... اور اب نھوں نے جو کچھ بھی کیا تھا، اسی آواز پر لبیک کہتے ہوئے یا بیٹ تک پہنچا یا تھا۔ یہ آواز اُس شخص کی تھی جو لیڈر کی باتوں کو ے سناتا تھا۔ وہ لیڈر کا دایاں بازو تھا۔ اُسے ٹاپ ایکبٹ تا تھا۔

وہ دروازے میں کھڑا باری باری ایک ایک کا جائزہ لیتا ، پھر وہ چھوٹے چھوٹے قدم اُٹھاتا اندر آ گیا۔ عقب میں دروازہ وہ چارلی کے قریب میز سے ٹیک کر کھڑا ہو گیا۔

"کیا تم جانتے ہو اُس نوجوان نے میڈیٹیشن میں کیا کیا تھا؟" رلی کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا۔ "اس سے قبل کہ تم اپنے ی والا ہاتھ وار کرنے کے لیے فضا میں بلند کرو گے، تمھاری کھوپڑی ے ہی ہاتھ پر رکھی ہوئی نظر آئے گی۔"

"میں اور میرے دوست بچے نہیں ہیں۔" چارلی نے احتجاج یا۔

"اگر تم نے ان دو آدمیوں کے سلسلے میں اپنے خیالات نہ بدلے تھیں نوزائیدہ بچوں کی طرح قتل کر دیں گے۔" مترجم نے سخت میں کہا اور میز کے پاس سے ہٹ کر اُس کاؤچ کی طرف بڑھ گیا ں جھک کر بیٹھا ہوا تھا۔

چارلی اس صورتِ حال پر اپنے خشک ہونٹوں کو زبان سے تر بغیر رہ سکا۔ "تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟" اُس نے مترجم سے افت کیا۔ "کیا تم نہیں جانتے کہ لیڈر کیا چاہتا ہے؟"

"لیڈر بوڑھا ہو چکا ہے۔" ٹاپ ایکبٹ نے جواب دیا۔ "اس ذہنی حالت روز بروز خراب ہوتی جا رہی ہے۔ اس کی باتوں ے تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے سانجو کا آخری بیٹا اطمینان سے سے سامنے کھڑا ہو کر ہمیں کہے گا کہ تو مجھے جہاں سے چاہو کاٹ اس کے علاوہ اس کا خیال ہے کہ سانجو کے بیٹے کا ساتھی ہماری ں کا غلام ہے اور ہم جیسے چاہیں گے اسے ٹھکانے لگا دیں گے۔ ی کا تو وہ نہیں ہے چارلی! میں جانتا ہوں، وہ نوجوان دیوانہ ں ان دونوں کو دیکھ چکا ہوں۔ اس کے بعد مجھے اندازہ تا ہے کہ ہمارا لیڈر پاگل ہو گیا ہے۔"

"پھر کیا کیا جائے؟" چارلی نے دریافت کیا۔

"اس کی ایک صورت ممکن ہے۔" ٹاپ ایکبٹ سے رازدارانہ لہجے میں کہا۔ "میں لیڈر کو مطمئن کر دوں گا کہ جو کچھ بھی ہوا ہے، اس کی مرضی کے عین مطابق ہی ہوا ہے جبکہ ہم دونوں کو اپنے طریقۂ کار سے ٹھکانے لگائیں گے۔"

چارلی نے اثبات میں سر ہلایا۔ "تم نے ان دونوں کے بارے میں جو کچھ بتایا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ ناقابلِ تسخیر قسم کی ہستیوں کے مالک ہیں۔ ایسی صورت میں بھلا ہم انھیں کیسے راستے سے ہٹا سکیں گے؟"

"میں ان کی روم سروس کا جائزہ لیتا رہا ہوں۔" ٹیڈر کا دستِ راست مسکرا کر بولا۔ "بوڑھا مرغابیاں کھانے کا شوقین ہے۔ اس کے علاوہ ان کے کمرے میں مچھلی اور چاولوں کے علاوہ کچھ نہیں جاتا۔"

چارلی مسکرا کر باتھ روم کی طرف دیکھنے لگا جہاں ایک حسین و جمیل لڑکی نہا کر باہر آ رہی تھی۔ وہ آخری جملہ سن کر ٹھٹک گئی تو چارلی کی مسکراہٹ مزید گہری ہو گئی۔ "تم نے سن لیا عذرا..." وہ لڑکی سے مخاطب ہوا۔

"ہاں... میں سن چکی ہوں۔ اس نے مجھے دھوکا دیا تھا، وہ وجیہ تیمرتاش نہیں ہے۔" یہ کہتے ہوئے اس کا چہرہ غصّے کی زیادتی سے پوں مسخ ہو گیا جیسے ہم کا سارا خون چہرے پر سمٹ آیا ہو۔

ٹاپ ایگر نے ٹیکسی اُس عمارت سے کافی فاصلے پر چھوڑ دی، جہاں جانے کے لیے وہ گزشتہ رات ہی پروگرام بنا چکا تھا۔ اس بار اُسے ایسی صورتِ حال کا سامنا تھا کہ اُس کی عقل خبط ہو کر رہ گئی تھی۔ اُوشان کو اُس نے زندگی میں پہلی بار خوف زدہ دیکھا تھا۔ اُس نے جو کہانی سنائی تھی، وہ قدیم دَور سے تعلق رکھتی تھی لیکن ٹاپ ایگر کا دل کہتا تھا کہ اس کا ایک ایک لفظ حقیقت پر مبنی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اُوشان کے خوف کو بھی اہمیت دینے پر مجبور ہو گیا تھا۔

وہ اب بے حد محتاط ہو گیا تھا۔ عام حالات میں وہ جن باتوں کو خاطر میں لانے کا عادی نہیں تھا، ان باتوں پر خصوصی توجہ دے رہا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اُس کا محترم استاد اُس کی کسی غلطی کے باعث ہلاکت میں پڑے یا اپنے قدیم دشمنوں کے سامنے اُس کی سبکی ہو۔

ما کے دفتر کے باہر ایک گرانڈیل شخص بیٹھا ہوا تھا۔ اس

نے جب ٹائیگر کو مُنہ اُٹھائے ہاما کے دفتر کی طرف آتے دیکھا تو اُٹھ کھڑا ہُوا۔ وہ آدمی کم اور گوریلا زیادہ لگتا تھا۔ اس کے بلٹی پروف جیکٹ میں وزنی ریوالور تھا جس کا دستہ چھانک رہا تھا۔ وہ خونخوار شخص جب کھڑا ہُوا تو ٹائیگر کو نگاہ اُٹھا کر اُس کے چہرے کی طرف دیکھنا پڑا۔ اگر اس کے سر پر ڈھیلی ڈھالی کوئی ٹوپی ہوتی تو وہ یقیناً اس شخص کا چہرہ دیکھتے ہُوئے اس کے سر سے گر گئی ہوتی۔ اس نے اپنی زندگی میں اتنا طویل قامت اور جسیم آدمی نہیں دیکھا تھا۔

"تم کہاں جا رہے ہو؟" گرانڈیل شخص نے اس پر جھکتے ہُوئے دریافت کیا۔

"ندر... ٹائیگر نے اطمینان سے جواب دیا اور پہلو بچا کر نکل جانا چاہا لیکن گرانڈیل شخص کے دونوں ہاتھ اُس کے کندھوں پر جم گئے۔

ٹائیگر نے اس کے بازوؤں کا وزن محسوس کیا۔ عام آدمی ان بازوؤں کے وزن سے دُہرا ہو سکتا تھا۔ اس کا چہرہ مزید تمتما گیا۔ "کیا تمھارے پاس اندر جانے کی معقول وجہ ہے؟ کیا تم نے باس سے وقت لے رکھا ہے؟"

"میرے پاس دونوں چیزیں موجود ہیں۔" ٹائیگر نے جواب دیا اور آگے بڑھنا چاہا تو گرانڈیل شخص نے اُسے دوبارہ روک لیا۔

اس بار جانے اس کے جسم کے درمیانی حصّے کے ساتھ کیا حادثہ پیش آیا تھا کہ وہ دونوں ہاتھ ٹائیگر کے کندھوں سے اُٹھا کر اپنے پیٹ پر رکھنے کے لیے مجبور ہو گیا۔ وہ آہستہ آہستہ فرش پر بیٹھ گیا۔ ٹائیگر کے جبڑے غصّے سے بھنچے ہُوئے تھے۔ اس نے گرانڈیل شخص کو کالر سے تھام لیا اور دروازہ کھول کر سامنے موجود راہ داری میں چلنے لگا۔ گوریلا نما آدمی اس کے عقب میں فرش پر گھسٹتا چلا آ رہا تھا۔ فرش پر خوب پالش ہُوئی تھی جس کے باعث وہ بے حد چکنا تھا۔ اس چکناہٹ کی وجہ سے ٹائیگر کو اسے کھینچنے میں کوئی قابلِ ذکر دُشواری نہیں ہو رہی تھی... البتہ ایک معمولی سی دُشواری اس کے سامنے آ کھڑی ہُوئی تھی۔

یہ ایک نکلے قد کا آدمی تھا جس کے پہلو سے ریوالور کا ہولسٹر جھول رہا تھا۔ اُس نے ایک اجنبی کو پوں آگے آتے دیکھا تو پوچھا: "کیا آپ مسٹر ہاما سے ملنا چاہتے ہیں؟"

ٹائیگر نے بڑی خوش اخلاقی سے اثبات میں سر ہلا دیا اور مسکرانے لگا... لیکن اس کی خوش اخلاقی کام نہ آ سکی کیونکہ نکلے قد کے اس آدمی کی نگاہ باڈی گارڈ پر جم گئی تھی۔ اس کا دایاں ہاتھ بجلی کی سی تیزی سے ہولسٹر کی طرف لپکا۔ وہ ریوالور نکالنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ اس کا ٹائیگر کا ہاتھ دیکھ لیا لیکن اُسے جھپٹنے کی فرصت نہیں ملی۔ نیوٹن کا اگلی ساعت اُسے دونوں ہاتھوں سے اپنے جبڑے تھام لینا پڑے۔

ٹائیگر نے مسکرا کر اُس کی طرف دیکھا۔

بڑا ہی دلچسپ منظر تھا۔ جو ریوالور اُس نے ٹائیگر کو گولی مارنے کے لیے نکالا تھا، وہ اب اُس کے مُنہ میں دبا ہُوا تھا۔ اس کے دانت آہنی نالی برحم گئے تھے اور جبڑے گویا وہیں پر جام ہو کر رہ گئے تھے۔ وہ جبڑوں کو حرکت نہیں دے سکتا تھا اس لیے اس کے دانتوں کی گرفت ریوالور پر کم نہیں ہو سکتی تھی۔ نتیجۃً اس کے مُنہ سے خون جاری ہو گیا تھا۔

یکایک اُس نائے قد کے آدمی کی آنکھوں کے سامنے تاریکی پھیل گئی اور وہ مُنہ میں ریوالور ٹھونسے آہستہ آہستہ گھٹنوں کے بل جھکتا چلا گیا حتیٰ کہ اس کا سر ٹائیگر کے دونوں گھٹنوں کے درمیان مس ہونے لگا۔ ٹائیگر نے ہاتھ بڑھا کر اس کا بھی کالر تھام لیا اور پھر اُسے دوسرے ہاتھ سے گھسیٹتا ہُوا آگے بڑھنے لگا۔

اُس کا رُخ اس دفتر کی طرف تھا جس پر ہاما کی نیم پلیٹ لگی ہُوئی تھی۔ وہ ہاما کے دونوں گرگوں کو گھسیٹتا ہُوا سیدھا دفتر میں جا گھسا۔ جیسے ہی دروازہ کھلا اور ہاما کی نگاہ اس پر پڑی، وہ چونک پڑا... اور پھر جب اس کی نظر اپنے اُن آدمیوں پر پڑی جنھیں وہ کئی کئی آدمیوں پر بھاری سمجھتا تھا تو وہ اُچھل کر کھڑا ہو گیا۔ ایک لمحے کے لیے اس کی آنکھیں بے یقینی سے پھیل گئیں، دوسرے لمحے ان میں غصّے کی جھلک پیدا ہُوئی اور تیسرے لمحے اس کا چہرہ خون سے زرد پڑ گیا۔ اس نے دو تین لمحوں میں جو ذہنی کیفیات بدلی تھیں، ان سے ٹائیگر کو اندازہ ہو گیا کہ وہ بے حد شاطر اور ابن الوقت قسم کا آدمی ہے۔ اس نے گرانڈیل شخص کو میز کے ایک طرف اور دوسرے کو میز کے دوسری طرف ڈال دیا اور خود میز کے ٹاپ سے ٹک کر ہاما کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

ہاما کے ہونٹ مرطوب تھے لیکن چند ہی ساعتوں میں ان پر اتنی خشکی پیدا ہو گئی کہ پپڑیاں تک دکھائی دینے لگیں۔ اس کے ہونٹ ہی نہیں پورا جسم کسی برگِ ناتواں کی طرح کانپ رہا تھا۔

"تت... تم... تم کون ہو؟" اُس نے تھوک نگل کر پھنسی پھنسی سی آواز میں پوچھا۔

ٹائیگر کا ہاتھ آہستہ آہستہ آگے بڑھا اور اُس نے اُسے گریبان سے تھام لیا۔ دوسرا ہاتھ کب حرکت میں آیا اور کب اُس کی ایک پسلی ٹوٹ گئی، اس کا ہاما کو تب پتہ چلا جب تکلیف کی لہر یکایک اُٹھی اور اس کے پورے بدن میں کسی زود اثر زہر کی طرح پھیلتی چلی گئی۔ اس کا مُنہ چیخنے کے لیے کھلا لیکن تکلیف کی زیادتی کے باعث آواز نہ نکل سکی۔ وہ ماہی بے آب کی طرح مُنہ کھولنے اور بند کرنے لگا۔ اس کا پھولتا اور پچکتا ہُوا نرخرہ صاف نظر آ رہا تھا۔

"مم... مجھے... جان سے مت مارو... مجھے وضاحت کرنے دو۔" کچھ دیر بعد وہ قدرے سنبھل کر بولا۔

"ٹھیک ہے۔" ٹائیگر نے کہا۔ "وضاحت کرو۔"

"مم... میں نے جیکالی کا مال تیار کر دیا تھا... مم... میں سوچ رہا تھا کہ اگر کسی وجہ سے اس میں تاخیر ہو گئی تو رقم واپس کر دوں گا... تم یہ بات جیکالی سے کہہ سکتے ہو۔"

"جیکالی..." ٹائیگر نے دُہرایا۔ "وہ کون ہے اور میں اس سے کہاں مل سکتا ہُوں؟"

ہاما نے حیرت سے پہلے تو ٹائیگر کی طرف دیکھا... پھر یقین نہ کرنے والے انداز میں ہنس پڑا۔ "تم بڑے ہی زندہ دل آدمی ہو دوست!" اس نے دانت نکال کر ٹائیگر کو رام کرنے کی کوشش کی۔ "کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں اب عقرب کو بھی نہیں پہچانتا۔ میں نے تمھیں دیکھتے ہی پہچان لیا تھا!"

"عقرب..." ٹائیگر کی آنکھیں سکڑ گئیں۔ "یہ کون ہے؟"

اس کے انداز میں ذرا سی بھی بناوٹ نہیں تھی۔ اب ہاما کو محسوس ہُوا کہ کہیں اس سے کوئی فاش غلطی تو نہیں ہو گئی؟ کہیں اس نے پہلے ہی سب کچھ تو نہیں بک دیا؟ وہ ایک زیرک آدمی تھا لیکن ٹائیگر کی آمد کا منظر اتنا خوفناک تھا کہ وہ اپنی سوجھ بوجھ بھی برقرار نہیں رکھ سکا... پھر اُس کی ٹوٹی ہُوئی پسلی سے جو درد کی لہریں اُٹھ رہی تھیں۔ انھوں نے اُسے الگ ہلکان کر رکھا تھا۔ تاہم زندگی بچانے کے لیے ایک آدھ ہڈی پسلی کا نقصان اس کے نزدیک کوئی معنی نہیں رکھتا تھا۔ اس نے صورتِ حال کی نزاکت کے تحت سوچنے کے لیے کچھ مہلت حاصل کرنے کے لیے اپنے دونوں آدمیوں کی طرف دیکھا۔

وہ مُردہ چھپکلیوں کی طرح بے سُدھ پڑے تھے۔

"کیا... کیا یہ مر چکے ہیں؟" اس نے ہکلا کر دریافت کیا

"اگر یہ ہوش میں آنے کے بعد اپنی سابقہ موت کی دُہرائیں گے تو انھیں مرنا ہی پڑے گا۔" ٹائیگر نے سفّاک لہجے میں کہا۔

"لل... لیکن تم نے ان دونوں کو کس طرح بے بس کر لیا؟" یہ کہتے ہُوئے اس نے تعریفی انداز میں ٹائیگر کی طرف دیکھا لیکن وہ اس وقت اپنی تعریف و توصیف سُننے کے لیے نہیں آیا تھا۔ اُسے تو محض اتفاق سے ہی دو ایسی ہستیوں کے نام معلوم ہو گئے تھے جن کا سُراغ لگانے کے لیے وہ یہاں آیا تھا اگر ہاما اس قدر بوکھلا نہ جاتا تو شاید وہ اتنی جلدی وہ نام بھی زبان پر نہ لاتا۔ ٹائیگر نے محسوس کر لیا کہ ہاما کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہے... اور وہ سوچنے کے لیے مہلت چاہتا ہے... لیکن وہ اسے کوئی مہلت نہیں دے سکتا تھا۔ اگر ایسا ہوتا تو اُسے ہاما کو بوکھلاہٹ میں مبتلا کرنے کے لیے اتنا ڈراما کرنے کی بھلا کیا ضرورت تھی۔

اچانک ہاما کا ہاتھ میز کے کنارے پر ٹک گیا۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ میز کا سہارا لینا چاہتا ہو... لیکن درحقیقت اس کی ٹھکی ہوئی انگلی الارم کے بٹن کی طرف بڑھ رہی تھی۔

معاً ایک جھٹکا لگا اور ایک تار ہاما کی آنکھوں کے سامنے جھولنے لگا۔ "تم اسی کو ٹٹول رہے تھے، نا؟" ٹائیگر کا لہجہ درندگی سے بھرپور تھا۔ "سنو... اب تم جلدی جلدی بولنا شروع کرو ورنہ..." اس کا دایاں ہاتھ آہستہ آہستہ اُٹھنے لگا لیکن اُس کے ہاتھ کی حرکت سے سوگنا زیادہ تیز رفتاری سے ہاما کی زبان چل پڑی تھی۔

ٹائیگر مسکراتا رہا اور اس کی بتائی ہُوئی باتیں ذہن نشین کرتا رہا۔

***

اُدھر شان نما کے وسط میں بیٹھا کچھ لکھنے میں مصروف تھا۔ نہ جانے کیوں کچھ عرصے سے اس پر ڈرامہ نویسی کا بھوت سوار ہو گیا تھا۔ وہ نہ جانے کیا کیا اناسید ھا لکھ لکھ کر ٹائیگر کو سُنانے بیٹھ جاتا تھا اور ٹائیگر مرنے کی حد تک بیزار ہونے لگا تھا... لیکن اس نے بھی اُوشان کی دل آزاری نہیں کی تھی۔ اُسے معلوم تھا کہ اُوشان بڑھاپے میں تنہائی کے جو لمحات کاٹ رہا ہے... وہ بڑے ہی اذیت ناک ہیں۔

ٹائیگر کی طرف سے خاطر خواہ داد نہ ملنے پر اب اُوشان سوچ رہا تھا کہ اپنا تازہ ترین ڈراما لکھنے کے بعد وہ فون پر ہارم کو سنائے گا۔ وہ تن من سے اسی میں لگا ہُوا تھا لیکن اس کی تمام تر حسیات بیدار تھیں۔

بظاہر وہ گردوپیش سے بے خبر لگتا تھا۔ لیکن درحقیقت وہ ایک ایک چیز محسوس کر رہا تھا، بالکل اس انداز میں جیسے وہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہو۔ اس کی حسیات نے بتایا کہ بند دروازے کے عقب میں کوئی دبے قدموں چل رہا ہے۔ چھوٹے چھوٹے سے نرم و نازک مگر بھاری پاؤں قالین پر کسی بلی کے سے بے آواز انداز میں حرکت کر رہے تھے لیکن اُوشان انھیں محسوس کر رہا تھا... اس کے علاوہ اُوشان کی حسیات نے اُسے بتایا کہ دروازے کی دوسری جانب

جو کوئی بھی اس کے لمبے لمبے بال ہیں۔ ان بالوں سے اٹھکیلیاں کرنے والی ہوا خفیف سی سرسراہٹ بھی پیدا نہیں کر رہی تھی لیکن وہ ان کی حرکات سے پیدا ہونے والی نادیدہ لہروں کو محسوس کر رہا تھا۔

دفعتہً دروازے پر نرم و نازک سی دستک ہوئی۔

"اندر آجاؤ۔۔۔ میں کام سے فارغ ہو چکا ہوں۔" اُوشان نے دروازے کی طرف نگاہ اُٹھائے بغیر کہا۔

وہ دروازے کی جانب پشت کیے بیٹھا تھا۔

اس کے باوجود اُس نے محسوس کر لیا کہ دروازہ ایک انچ کے قریب کھل چکا ہے۔

ایک بار پھر دستک ہوئی۔

"اندر آجاؤ۔۔۔" وہ بلند آواز میں بولا۔

"اُوشان۔۔۔ اُوشان۔۔۔" معاً دروازہ ایک دھماکے سے پورا کھل گیا اور ایک ہانپتی ہوئی نسوانی آواز سنائی دی۔۔۔ پھر وہ لڑکی تیزی سے دوڑتی ہوئی اس کے عقب میں پہنچ گئی۔ غالباً وہ پیچھے سے لپٹ جانا چاہتی تھی۔ وہ دونوں ہاتھ پھیلائے اُوشان سے لپٹ گئی لیکن جب اس نے بازوؤں کو بھینچا تو اس کے دونوں بازو اپنے آپ سے ٹکرا کر اپنے ہی سینے پر آکر رُک گئے۔ اُن کے حصار میں اُوشان نہیں تھا۔

آرزو نے خود کو سنبھالنے کی بہت کوشش کی تھی لیکن وہ پھر بھی اس چٹائی پر گر رہی تھی جس پر اُوشان اس کی طرف پشت کیے بیٹھا ہوا تھا۔ مارے غصّے کے اس کی آنکھیں کسی زخمی ناگن کی طرح چمک اُٹھیں۔ وہ تلملا کر پلٹی اور اُسے قہر آلود نظروں سے گھورنے لگی۔

"کیا بات ہے، تم مجھ سے کیا چاہتی ہو؟" اُوشان نے یوں دریافت کیا جیسے اُسے معلوم ہی نہ ہو کہ آرزو گر گئی ہے۔

آرزو کی آنکھوں میں تاثرات فوری طور پر بدل گئے۔ اب اس کی آنکھوں سے پیار جھلک رہا تھا۔ وہ مسکرانے لگی تو اس کے موتیوں جیسے دانت چمک اُٹھے۔

"میں تمہیں چاہتی ہوں اُوشان۔" اُس کا لہجہ یکایک جذباتی ہو گیا۔

"لیکن میں تمہیں گود نہیں لے سکتا۔ میرے پاس پہلے ہی ایک بے پناہ موجود ہے۔" اُوشان کا اشارہ ٹائیگر کی طرف تھا۔

آرزو تلملا کر اُٹھ بیٹھی۔ "میری توہین مت کرو۔ میں تمہاری بیٹی نہیں بننا چاہتی۔"

"اوہ۔۔۔ تو پھر۔۔۔ میں بھی تمہارا بیٹا نہیں بن سکتا کیونکہ میری عمر بہت زیادہ ہے۔" اُوشان نے بظاہر بڑی معصومیت سے کہا لیکن دل ہی دل میں ہنسے جیسے مخصوص انداز میں ہنس پڑا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اُس نے بلاوجہ لکھ لکھ کر کاغذ سیاہ کیے۔ ڈرامہ تو حقیقی زندگی میں بھی ہو سکتا ہے۔

آرزو ہونٹ چبا کر رہ گئی۔

اُوشان کی غیر متحرک آنکھیں اس کا جائزہ لے رہی تھیں۔ پھر وہ دل ہی دل میں اس لڑکی کی بے پناہ ادا کارانہ صلاحیتوں کا قائل ہو گیا۔ وہ پل پل میں کسی گرگٹ کی طرح رنگ بدل رہی تھی۔ ایک لمحے قبل زخمی ناگن نظر آنے والی لڑکی اب ایک مسکراتا ہوا خوشبودار پھول بن گئی تھی۔ ایک ایسا پھول جو چاہنے والے کے محض ایک اشارے پر اپنی تمام تر پتیاں بکھیر دینے کی خواہش میں مبتلا ہو۔

"کیا تمہارے ذہن میں باپ بیٹی کے علاوہ کوئی اور رشتہ نہیں اُبھرتا؟ کیا تم نہیں جانتے کہ تمہارے بوڑھے چہرے میں میرے لیے کتنی کشش ہے۔ میں نوجوانوں کو پسند نہیں کرتی۔ تم میرے آئیڈیل ہو۔"

"اوہ۔۔۔" اُوشان نے پلکیں جھپکائیں۔ اس کے ذہن میں فوراً ہی خطرے کی گھنٹی بجنے لگی تھی۔ "میرا خیال ہے، اکمل یہی بات تم نے شہزاد سے بھی کہی تھی۔"

آرزو کا دل دھک سے رہ گیا۔ اُسے یاد آیا کہ اُس نے یہ بات واقعی شہزاد سے کہی تھی لیکن آواز اتنی دھیمی تھی کہ خود شہزاد نے بھی بمشکل سُنی ہوگی۔۔۔ پھر اس بوڑھے نے یہ بات کیسے سُن لی۔ اچانک اُسے احساس ہوا کہ بوڑھا اس کا ذہن پڑھنے میں معروف ہے۔ اُسے اپنی ذہنی حالت بالکل ویسی ہی لگ رہی تھی جو اگر کتاب کوئی زندہ شے ہوتی تو اپنے اوراق اُلٹنے پر محسوس کر سکتی تھی۔ اُس نے اپنا ذہن خیالوں سے عاری کر لیا۔

"تمہارا باس بہرام نہیں آیا؟" اُس نے موضوع بدلنے کی کوشش کی۔

"کیوں۔۔۔ کیا وہ بھی تمہارا آئیڈیل ہے؟" اُوشان نے حیرت سے بوجھا۔ "واہ! ویسے میں تمہارے حوصلے کی داد دیتا ہوں۔ دُنیا میں شاید ہی کوئی ایسی لڑکی ہو سکتی ہے جو بیک وقت تین مختلف قسم کے آئیڈیل رکھتی ہو۔"

"تم جذبات سے عاری ہوا بڈھے کھوسٹ!" آرزو بے قابو ہو کر کسی وحشی بلی کی طرح اس کا چہرہ نوچنے کے ارادے سے جھپٹ پڑی۔ لیکن اس کے عقب اُوشان کی آنکھوں اور چہرے سے کئی انچ کے فاصلے پر رُک گئے۔۔۔ ان پر اُوشان کی اُنگلیوں کی گرفت بے حد سخت تھی۔ آرزو کو یوں محسوس ہوا جیسے اُس کی کلائیوں کی ہڈیاں ٹوٹ رہی ہوں۔

وہ چیخ پڑی۔

اُوشان نے اس کے بازو آزاد کر دیے اور اُس کی آنکھوں کو دیکھتے ہوئے سرسراتی آواز میں بولا۔ "تم یہاں کیوں آئی تھیں؟"

"م۔۔۔ میں۔۔۔" وہ اب واقعی خوف زدہ ہو گئی تھی۔ "میں۔۔۔ اکیلے میں خوف محسوس کر رہی تھی بابا۔"

"اور ابھی کچھ دیر قبل جو بکواس کر رہی تھیں، اُس کا کیا مقصد تھا؟" اُن نے کونے پر تیز نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"میں نہیں جانتی۔" اُس نے دونوں ہاتھوں سے چہرہ ڈھانپ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ "مجھے اپنی ذہنی حالت پر قابو نہیں نا یاب مجھے مر ہی جانا چاہیے۔"

"اگر تم نے خود کو سنبھالا تو میں راستے پر چل رہی ہوں۔ یہ سیدھا کی ہوا ہی تک جاتا ہے لڑکی۔ جاؤ۔ اپنے کمرے میں آرام کرو۔ تمہارے باپ، تمہاری ماں۔۔۔ اور اپنے باس کا خیال نہ ہوتا میں اتنی سخت سزا دیتا کہ تمہارا قلب و ذہن آئندہ کوئی تماشے کی جرأت بھی نہ کرتا۔"

آرزو نے سر جھکا لیا۔

اُس کی پیشانی پسینے سے تر ہو گئی تھی۔ قطرے اس کی بھوؤں موتیوں کی طرح چمک رہے تھے۔ وہ کانپتے ہوئے قدموں سے کمرے کی طرف چل دی۔ اُسے اپنا جسم روئی سا ہلکا محسوس ہو رہا تھا۔ میں جو چال چلنا چاہتی تھی، وہ رائگاں ثابت ہوئی۔ بوڑھا میرے فریب میں آ گیا۔۔۔ لیکن نہیں۔۔۔ زندہ نہیں چھوڑوں گی۔ اس نے دل ہی دل میں فیصلہ کیا۔ میں پہنچ کر سیدھی اپنے بریف کیس کی طرف بڑھوں گی۔ بریف کیس میں اُس کا پستول موجود تھا۔ بیسیوں جڑے ہوئے گولا پستول نکال کر اُس نے اس کا میگزین چیک کرنے کی ضرورت نہیں کی کیونکہ اُس نے اُسے گزشتہ رات ہی بھر کر رکھا تھا۔

پستول ہاتھ میں تھامے واپس اُوشان کے دروازے پر آ اس کے کواڑ دھکیل کر اُس نے اندھا دھند گولیاں فائر کر دیں۔

کمرے میں ایک عجیب سی چیخ گونجی جیسے کسی چڑیا نے چہکا ہو۔۔۔ پھر آرزو کے ذہن میں اپنے ہی پستول سے نکلنے والی گولیوں کی گونج کہرام مچا گئی۔

وہ بُری طرح ہانپ رہی تھی۔

اس کی انگلیاں پستول کے دستے پر اتنی سختی سے بیٹھی ہوئی تھیں کہ اس کی انگلیوں کے جوڑوں سے سفیدی جھلکنے لگی تھی۔ اگرچہ وہ ساری ہی گولیاں چلا چکی تھی لیکن ابھی تک اُس کی انگلی ٹریگر پر سلسل دباؤ ڈال رہی تھی اور اس کے ذہن میں دھماکے گونج رہے تھے۔ ان دھماکوں میں وہ عجیب سی چیخ بھی گونج اُٹھی تھی جسے اس نے ابتدائی دو تین گولیاں چلانے کے بعد سنا تھا۔ یہ ایک ایسی آواز تھی جیسے کسی دُم توڑتی ہوئی چڑیا کے مُنہ سے نکلتی ہے۔

آرزو کے حلق سے ایک ہذیانی قہقہہ اُبل پڑا۔ آخر ایک بوڑھا ستر سال کا بوڑھا مرتے وقت اور بھلا کیسی آواز نکال سکتا ہے؟ وہ سوچ رہی تھی اور ہنس رہی تھی۔ مبادا اس کا دل بھر آیا۔ اُس کی آنکھیں بھی آنسوؤں سے لبریز ہو گئیں۔ پستول اس کی اُنگلیوں سے نکل گیا اور وہ دونوں ہاتھوں سے چہرہ ڈھانپ کر سسکیاں بھرنے لگی۔

نہ جانے وہ کتنی دیر دروازے کی اُس جانب کھڑی سسک سسک کر روتی رہی کہ اچانک اُسے اپنے کندھے پر کسی کے نرم نرم ہاتھ کا لمس محسوس ہوا۔

"اچھی لڑکیاں رویا نہیں کرتیں۔" یہ شفقت میں ڈوبی ہوئی آواز اُسے کہیں بہت دُور سے آتی لگ رہی تھی۔۔۔ لیکن وہ چہرے سے ہاتھ ہٹانے میں کامیاب نہ ہو سکی۔ اس کے ذہن میں بگولوں کی گرد تھی اور خون کی جگر لنسوں میں شرارے بہہ رہے تھے۔ اُسے اپنی کنپٹیاں چٹختی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں اور دماغ میں ہتھوڑے والے بگولے رفتہ رفتہ اس کے حواسوں پر چھا رہے تھے حتیٰ کہ اس پر تاریکی کی یلغار ہوئی اور وہ کھڑی کھڑی دائیں بائیں جھولنے لگی۔۔۔ پھر اُسے اپنا وجود فرش کی طرف جھکتا اور اگلی ہی ساعت کسی گہرے تاریک کنویں میں گرتا محسوس ہونے لگا۔

وہ ان تاریکیوں کے سمندر میں گرتی چلی گئی اور اُس کی بستی پر اندھیرے ہی اندھیرے چھاتے چلے گئے۔

**

ٹائیگر نے پلکیں جھپکائیں اور اُوشان کی طرف دیکھنے لگا جو اپنے سوال کا جواب حاصل کرنے کے لیے براہِ راست شہزادی کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

"بتاؤ۔ یہ کمپیوٹر کیا ہوتا ہے؟" اُوشان نے اپنا سوال دہرایا۔

"ٹھہرو اُوشان۔۔۔" یہ کہہ کر ٹائیگر نے فون اپنی طرف کھسکایا اور ایک نمبر ڈائل کرنے لگا۔ سات ہندسوں کا یہ نمبر ڈائل کر کے وہ دوسری طرف سے سلسلہ ملنے کا انتظار کرنے لگا۔ دوسری

لڈو
قمر اجنالوی قیمت:=/90

جانب سے ایسی آوازیں آرہی تھیں جیسے اُن گنت سلسلے ایک دُوسرے سے براہِ راست مل گئے ہوں۔ چند لمحوں تک یہ آوازیں ٹائیگر کا ذہن پراگندہ کرتی رہیں... پھر ایک عجیب سی گھنٹی بجنے لگی۔ بہرام سے رابطہ کال ایک ایسے کمپیوٹر سے گزرتی تھی جو روزانہ اپنا پروگرام تبدیل کرتا تھا اس لیے نمبر بھی بدل جاتا تھا... اور یہ سب کچھ ٹائیگر کی مخصوص آواز کے زیرِ اثر ہوتا تھا۔ کمپیوٹر اس کی آواز سُنتا تھا، اُسے اپنے اندر موجود ٹیپ شدہ آواز سے موازنہ کرکے دُرست پا کر ایک ایسے کمپیوٹر کو اطلاع دیتا تھا جو بہرام کے کمرے تک محدود تھا۔ اس کمپیوٹر میں ٹائیگر کی آواز ایک بار پھر چیک ہوتی تھی اور پھر وہ مخصوص نمبر از خود ڈائل ہو جاتا تھا، جو بہرام ہر صبح اس کمپیوٹر کو دے دیا کرتا تھا۔

اس سارے عمل میں تقریباً نصف منٹ صرف ہو جاتا تھا۔

ٹائیگر ریسیور ہاتھ میں تھامے سلسلہ ملنے کا انتظار کرتا رہا... اس دوران میں وہ کبھی کبھی اُوشان کی طرف بھی دیکھ لیتا تھا جو اُلجھن آمیز انداز میں اُسے گھور رہا تھا۔ اُسے حیرت تھی کہ ٹائیگر نے اُس کی بات کا جواب دینے کی بجائے بہرام سے کیوں رابطہ قائم کر لیا ہے؟

دوسری طرف سے سلسلہ مل گیا اور بہرام کی ٹھوس آواز سنائی دی۔

"ٹائیگر کی سماعت سے ٹکرائی تو وہ چہک پڑا۔ "اوہ، سویٹ ہارٹ! کیا حال ہے؟ رات کہیں اسٹون ڈنر میں تو شریک نہیں ہوئے تھے؟"

"اسٹون ڈنر...؟" بہرام نے تاثر سے عاری لہجے میں کہا۔ "وہ کیا ہوتا ہے؟"

"ایک ایسا ڈنر جسے کھانے کے بعد عقل پر پتھر پڑ جاتے ہیں۔ پھر جب آدمی بولتا ہے تو یوں لگتا ہے جیسے اس نے کسی کو کوئی پتھر کھینچ مارا ہو۔ میرے کان میں ابھی تک تکلیف ہو رہی ہے۔"

"شٹ اپ!" بہرام کی عزابہٹ پر اس بار واقعی کسی جھنجلاہٹ کا گمان ہوتا تھا۔ "رپورٹ...؟"

"بات یہ ہے کہ میں آپ سے ایک سوال کرنا چاہتا ہوں۔" ٹائیگر نے زیرِ لب مسکراتے ہوئے شریر لہجے میں کہا۔ "کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ کمپیوٹر کیا ہوتا ہے؟"

"کیا تم خود نہیں جانتے؟" بہرام کا لہجہ بے حد ناخوشگوار تھا۔

"میں تو جانتا ہوں، اُوشان نہیں جانتا اور وہ مجھ سے بار بار یہی پوچھ رہا ہے۔"

"تو پھر اُسے بتا دو، میرے کان کیوں کھا رہے ہو؟" بہرام کا موڈ واقعی خراب ہو گیا۔ "تم جانتے ہو کہ میرے پاس فضول باتوں

اے حمید کی ایڈونچر سیریز

عاطون

۱۔ اہرامِ مصر سے فرار ۔/150
۲۔ اندلس کی آخری شمع ۔/125
۳۔ ہڑپہ کی ناگن ۔/125
۴۔ عاطون موت کے دروازے پر ۔/200

شیوسینا کے دہشت گرد

۱۔ ٹاپ سیکرٹ مشن ۔/150
۲۔ کشمیر کے غازی ۔/150
۳۔ کمانڈو ایکشن ۔/200
۴۔ گولکنڈہ کے مجاہد ۔/200

گنگا کے پجاری ناگ (اول) ۔/150
گنگا کے پجاری ناگ (دوئم) ۔/200

مکتبہ القریش
اُردو بازار، لاہور۲

وقت نہیں ہے۔"

"ہاں... جانتا ہوں... لیکن بعض باتیں فضول نہیں ہیں اور آپ انھیں فضول سمجھنے پر مُصر ہیں۔ مثال کے طور پر... ایک ایسی عورت جس کے چہرے پر ان گنت بھوڑے بھوڑے تل نہیں ہوتے۔ اس کی مثال ایک ایسی رات جیسی ہوتی ہے، جب ستارے نہیں نکلتے۔"

"کسی روز میں ایک ایسی ہی رات تمھاری کھوپڑی پر بھی اُتار دوں گا۔" بہرام کی غراہٹ میں بے پناہ جھلاہٹ تھی۔ "رپورٹ...؟"

"بعد میں سویٹ ہارٹ! پہلے میرے سوال کا جواب دیجئے۔ جب تک اوشان مطمئن نہیں ہو جاتا، میں اپنی توجہ کسی اور طرف مبذول نہیں کر سکتا۔" اس بار بھی شہزاد کے لہجے میں بے پناہ شرارت تھی... بلکہ اب تو اس میں خبث کی بھی شمولیت ہو گئی تھی۔

دفعتاً دوسری جانب سے ایک بھاری آواز سنائی دینے لگی جو کسی طرح بھی بہرام کی آواز نہیں ہو سکتی تھی۔ ٹائیگر کی آنکھیں چمک اٹھیں اور ہونٹوں پر موجود شرارت آمیز مسکراہٹ مزید گہری ہو گئی۔ بہرام نے ایسا ٹیپ چلا دیا تھا جو کمپیوٹر سے متعلق اُسے معلومات فراہم کر سکتا تھا۔

"کمپیوٹر کیا ہوتا ہے؟" شہزاد نے اپنا سوال دُہرایا اور ٹیلی فون کے سانڈ فنکشن فاصل ریسیور کا ہُک آن کر دیا۔ اب دوسری طرف سے آنے والی آواز اوشان بھی سن سکتا تھا۔

"کمپیوٹر ایک ایسا شعبہ دماغ ہے جو انسانی ذہن کا کام ہلکا کرنے کے لیے تیار کیا گیا ہے۔ وہ اعداد و شمار جمع کرتا ہے اور انسانی یادداشت کا بوجھ کم کرنے کے لیے انھیں یاد رکھتا ہے نیز بوقتِ ضرورت وہ چند لمحوں میں یہ اعداد و شمار انسان کو بتا بھی دیتا ہے۔" دوسری جانب سے بھاری آواز نے جواب دیا۔

اوشان نے اثبات میں سر ہلایا۔ اُس کی آنکھوں میں گہرے غم اور تاسف کی جھلک پیدا ہو گئی تھی۔

یکسن لیا اوشان؟" ٹائیگر نے مسکرا کر کہا۔

اوشان نے ایک بار پھر سر کو مثبت جنبش دی اور کرب آمیز لہجے میں بولا۔ "انسان کتنا ناکارہ ہوتا جا رہا ہے۔ اب وہ اپنے بارے میں سوچنے کی زحمت بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ آیندہ ایک صدی میں انسان بالکل ہی ناکارہ ہو جائے گا۔ آف ہو بستی اتنی کاہل ہو گئی ہو کہ اپنے مفاد میں سوچ بھی نہ سکے، اُس سے کس بات کی توقع کی جا سکتی ہے۔ کل کلاں شوہر، بیوی سے اظہارِ محبت میں بھی بخیلی کرے گا اور اس سلسلے میں کمپیوٹر سے کام لے گا۔ بیویاں صبح شام کمپیوٹر کی باتیں سن سن کر عاجز آ جائیں گی اور پھر ایسے کمپیوٹر ایجاد ہوں گے جو شوہر کے کمپیوٹر کی محبت بھری باتوں کے جواب میں محبت آمیز باتیں کیا کریں گے... آخر انسان کدھر جا رہا ہے؟"

"آخر انسان کدھر جا رہا ہے؟" ٹائیگر نے ماؤتھ پیس میں اوشان کے الفاظ دُہرا دیے۔

دوسری جانب کھاتی خاموشی کے بعد کمپیوٹری آواز اُبھرنے لگی۔ "انسان ترقی کی معراج حاصل کر رہا ہے... اور آسمان کی طرف محوِ پرواز ہے۔"

"بے پر کی پرواز اُسے کتنا اُونچا اُڑا سکتی ہے؟" اوشان پیچ و تاب کھا کر بولا۔

اس سے پہلے کہ ٹائیگر یہی الفاظ ماؤتھ پیس میں دُہراتا، دوسری جانب سے "کلک" کی آواز اُبھری۔ گویا سلسلہ منقطع ہو گیا تھا... پھر بہرام کی سرد آواز سنائی دینے لگی۔ "رپورٹ..."

ٹائیگر نے ایک طویل سانس لے کر فاصل ریسیور کا ہُک آف کر دیا اور بہرام سے بات کرنے لگا۔ اب وہ بے حد سنجیدہ و چوکنا تھا۔ "چیف؟" اس نے متانت سے کہا۔ "آپ کو چاہیے تھا کہ مجھے جانوروں کے فلو والے پروگرام پر لگا دیتے۔ اس معاملے میں تو اب میرے سامنے ایک بند گلی ہے۔"

"وہ کیوں؟" بہرام کے لہجے میں حیرت اور بے یقینی کا تاثر تھا۔

"بات یہ ہے کہ بورستان کی وجہ سے ہمیں ہارون تک رسائی حاصل ہوئی تھی... لیکن بالآخر وہ بھی اُسی انداز کی موت کا شکار ہو گیا جیسے بورستان اور اس کی بیوی ہلاک ہوئی تھیں۔ اُس کا سر کاٹ کر درخت کے تنے میں بنے ہوئے طاق میں سجا دیا گیا تھا۔ سر بریدہ لاش ایک شاخ سے جھول رہی تھی اور جسم کے تمام اندرونی اعضا زمین میں دفن تھے۔"

"یہ سب کچھ تو میں پہلے بھی سن چکا ہوں۔" بہرام نے ناگواری سے کہا۔

"بہرحال ہارون سے ہاتھ دھونی حاصل ہوئی اور وہاں پہنچ کر اس کیس کی دُم ختم ہو جاتی ہے۔"

"کیا وہ بھی مر چکا ہے؟" بہرام کے لہجے میں بے قراری تھی۔

"نہیں..." ٹائیگر نے جواب دیا۔

"اوہ، تو پھر وہ غائب ہو گیا ہو گا؟"

"نہیں۔ وہ غائب بھی نہیں ہوا۔" ٹائیگر نے کہا۔

"تو پھر تم اُسے بولنے پر مجبور کیوں نہیں کر سکتے؟" بہرام غرایا۔

"میرے مجبور کرنے سے پہلے ہی اُس نے بولنا شروع کر دیا تھا۔" یکایک ٹائیگر ہنس پڑا۔

"تو پھر اب تمھیں کیا تکلیف ہے؟"

"تکلیف یہ ہے کہ وہ کوئی کارآمد بات نہیں جانتا۔ بہت سے مقامات اور واقعات کا تذکرہ ضرور کرتا ہے لیکن کسی خاص چہرے کو سامنے لانے میں کامیاب نہیں ہوا۔"

"بولتے رہو، میں سن رہا ہوں۔" بہرام کی بُرزلٹ سنائی دی۔

"ہامانسیکرول قسم کے معاہدوں میں گھرا ہوا آدمی ہے۔ اس معاملے میں آپ اُسے گردن تک دھنسا ہوا سمجھ سکتے ہیں۔ وہ ایک اعتبار سے ڈبل ایجنٹ ہے۔ اس کا تعلق سی آئی۔ اے اور مافیا دونوں سے ہے۔ وہ ان دونوں کو ایک دوسرے کے بارے میں معلومات فراہم کرتا ہے۔ ایک طرف وہ پولیس کا مخبر ہے تو دوسری جانب مجرموں کا بھی آلۂ کار ہے۔ محکمۂ صحت، محکمۂ سیاحت حتیٰ کہ کسٹم کے محکمے تک کا مخبر ہے۔ وہ اس قدر باخبر آدمی ہے کہ اگر اُسے الگ کر دیا جائے تو نصف دُنیا کی معلومات کا سلسلہ اِدھر سے اُدھر رُک جائے گا۔ بہرحال جو لوگ اُسے جانوروں کا گوشت زہر آلود کرنے میں استعمال کرتے رہے ہیں، وہ اُسے فون پر ہدایات دیتے رہے ہیں اور اس کام کا اُسے پچاس ہزار سے زیادہ معاوضہ طے ہوا ہے۔"

"کیا تمھیں یقین ہے کہ یہ سب باتیں درست ہیں اور اُس نے تم سے جھوٹ نہیں بولا؟"

"آپ کا کیا خیال ہے، سویٹ ہارٹ!" ٹائیگر نے قہقہہ لگا کر کہا۔ "دنیا میں آپ کے علاوہ مجھ سے کون جھوٹ بولنے کی ہمت کر سکتا ہے؟ اگر میری بات پر یقین نہیں تو اسپتال فون کر کے معلوم کر لیجئے۔ وہ ابھی ٹھیک سے بولنے پر بھی قادر نہیں ہوا ہو گا اُس سے بات چیت کی فی الحال یہی ایک صورت ہے کہ نرس اُس کا ہاتھ تھام کر کاغذ پر کچھ لکھوائے اور پھر اپنی زبان سے پڑھ کر سنائے۔"

"میں نے تمھارے طریقہ کار پر کبھی شبہ نہیں کیا۔" بہرام نے ایک طویل سانس لے کر گویا معذرت کی۔ "بہرحال یہ بات ذہن نشین کر لو کہ وہ ہمیں بھی رپورٹ دیتا رہا ہے۔"

"اوہ، چیف!" بہرام کی یہ بات سن کر ٹائیگر اُچھل ہی تو پڑا۔ "... دُنیا کا وہ کون سا شخص ہے جو آپ کا آلۂ کار نہیں ہے؟"

"تمھیں معلوم ہے کہ چارہ گر ایک عالمی تنظیم ہے اور اس میں لاکھوں افراد کام کرتے ہیں۔ بہرحال ہماری طرف سے اُسے دو ہزار روپے ماہانہ ملتے رہے ہیں۔ خیر اب تم چند ایسی باتیں سن لو جو ممکن ہے تمھارے لیے خبر کی حیثیت رکھتی ہوں۔"

"اوہ، بولو بولو! سویٹ ہارٹ!" ٹائیگر نے بے قراری سے کہا۔ "وہ کیا باتیں ہیں؟"

"جانوروں کے فلو میں جو زہر استعمال ہوتا رہا ہے، اس پر چارہ گر کے سائنس دان تحقیقی کام کرتے رہے ہیں۔ وہ اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ زہر بہت تھوڑے عرصے کے لیے کارآمد ثابت ہوتا ہے۔"

"کیا مطلب؟" ٹائیگر نے آنکھیں پھیلا کر اوشان کی طرف دیکھا جو قریب ہی بیٹھا پیڈ پر نہ جانے کیا لکھنے میں مصروف ہو گیا تھا۔

"چیف... آپ نے جنگ کب سے پینی شروع کر دی ہے؟"

"بکواس مت کرو۔" دوسری طرف سے بہرام کی غراہٹ سنائی دی۔ "یہ حقیقت ہے کہ وہ زہر ایک مخصوص وقت تک کارآمد رہتا ہے... اور وقت گزرنے کے بعد بے اثر ہو جاتا ہے۔ جانوروں کا گوشت زہر آلود کرنے والے گروہ سے یہ غلطی ہوئی کہ وہ برقت گوشت منزلِ مقصود تک پہنچانے میں کامیاب نہیں ہو سکا اس طرح ملک کے عوام ایک بہت بڑی تباہی سے بچ گئے ہیں۔ اگرچہ زہر کا یہ معاملہ اب اتنا خطرناک نہیں رہا... گویا اس کی دوبارہ کوشش کی گئی تو گوشت اس کا آسانی سے سدِباب کرنے میں کامیاب ہو جائے گی لیکن اس کے باوجود یہ معاملہ سرد نہیں پڑا۔ اب بھی لوگوں کا ایک گروہ قتل و غارت گری میں مصروف ہے۔ قتل کیا جاتا ہے، لاش کا سر کاٹ ڈالا جاتا ہے۔ لاش درخت سے لٹکا دی جاتی ہے اور اس کے اندرونی اعضا دفن کر دیے جاتے ہیں۔ ہمیں ان خطرناک لوگوں سے نمٹنا ہے۔"

"ان سے تو میں اچھی طرح نمٹ لوں گا۔" ٹائیگر کی آواز میں شیر کی سی گرج شامل ہو گئی... اور قریب بیٹھا اوشان اُچھل کر ادھر اُدھر دیکھنے لگا... پھر اس نے یوں اپنے چہرے کے سامنے ہاتھ لہرانا شروع کر دیا جیسے ان دیکھی مکھیاں اُڑانے کی کوشش کر رہا ہو۔ ٹائیگر نے سلسلہ منقطع کر دیا۔ دوسری طرف سے بھی لائن ڈیڈ ہو چکی تھی۔ وہ اوشان کو گھورنے لگا... پھر اس نے ایک بند دروازے کی طرف دیکھا۔ "کیا اس کی ذہنی حالت کچھ قابو میں آ گئی ہے؟" اس نے دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"وہ ٹھیک ہو جائے گی۔ بے فکر رہو... لیکن جب وہ ہوش میں آ جائے تو اسے سمجھا دینا کہ آیندہ مجھ پر گولیاں نہ چلائے۔ کوئی گولی پلٹ کر اسے بھی لگ سکتی ہے۔" اوشان نے سرسراتی ہوئی آواز میں کہا۔ اس کا موڈ یک لخت خراب ہو گیا تھا۔

"کیا مطلب؟" ٹائیگر چونک پڑا۔ "گولی پلٹ کر اُسے کیسے لگ سکتی تھی؟"

اوشان اپنے مخصوص انداز میں ہنس پڑا۔ یہ وہی ہنسی تھی جسے سن کر ٹائیگر سر سے پاؤں تک سُلگ اُٹھا تھا... لیکن آج وہ اوشان کو غور سے دیکھ رہا تھا جیسے اس کی سماعت سے بطنِ جیسی یہ مخصوص قوت

تو تو کی آوازیں ٹکرائی ہی نہ ہوں۔

"آپ نے بتایا نہیں ٹیل فادر..." اس نے سرگوشی کے انداز میں کہا۔ "کیا ایسا ممکن ہے؟"

"فرزند! میں کوئی بھی بات ناممکن نہیں سمجھتا۔" اوشان نے سنجیدہ ہو کر کہا۔ "اسی لیے میں تمہاری لن ترانیاں سن کر سہم جاتا ہوں۔ تم ابھی بچے ہو... اور بڑے بڑے دعوے کر بیٹھتے ہو۔"

"اگر آپ کا اشارہ اپنے قدیم دشمنوں کی طرف ہے تو اوشان! میں آپ ہی کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ..."

"بس... بس... یہ جوش و خروش رہنے دو۔ اس وقت تمہاری آواز بالکل ویسی ہی ہے جیسے کہ خالی گھڑے پر ہاتھ مارنے سے پیدا ہوتی ہے۔ میں تم سے مایوس نہیں ہوں۔ تم ابھی بہت کچھ سیکھ سکتے ہو اور اس میں تمہیں اسی وقت کامیابی حاصل ہو سکتی ہے جب تمہارا اپنا آپ تمہارے قابو میں آ جائے گا۔ گولیاں بھی پلٹ سکتی ہیں۔ جانتے ہو کس طرح؟" یہ کہہ کر وہ سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

ٹائیگر چند لمحوں تک ذہن پر زور دیتا رہا... پھر اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"اگر کوئی شخص فضا میں بلند ہو کر زمین کے متوازی تمہاری طرف گولی چلائے تو تم کیا کرو گے؟" اوشان نے سوال کیا۔

"اوہ، ٹیل فادر..." ٹائیگر اچھل ہی تو پڑا۔ "میں سمجھ گیا۔ خدا کی قسم سمجھ گیا... میں نے اس طرف تو کبھی توجہ ہی نہیں دی تھی۔"

"تمہاری توجہ ہمیشہ لڑکیوں اور معدہ پُر کرنے والی اشیا پر رہتی ہے اس لیے کام کی باتوں کی طرف تمہارا ذہن جا ہی نہیں سکتا۔"

"آرزو نے جو کچھ کیا ہے مجھے اس پر افسوس ہے۔" ٹائیگر بڑبڑایا۔ "آپ جانتے ہیں کہ وہ معصوم سی لڑکی کتنے بھیانک تجربات سے دوچار ہو چکی ہے۔ اس کے والدین..."

"میں سب جانتا ہوں۔" اوشان نے ہاتھ اٹھا کر اسے مزید بتانے سے روکتے ہوئے کہا۔ "اسی لیے میں نے اس کی جلائی ہوئی گولیوں اور زبان سے اگلی ہوئی گالیوں سے بدمزہ ہونے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔"

"مجھے حیرت ہے کہ گولیوں کی آواز سن کر ہوٹل کی انتظامیہ کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگی۔"

"صرف ایک آدمی کے رینگی تھی جسے میں نے جھاڑ دیا تھا۔" اوشان نے کہا۔

"کیا مطلب؟" ٹائیگر چونک پڑا۔ "کیا ہوٹل کا کوئی آدمی آیا تھا؟"

"ہاں... اتفاق سے روم سروس کا ایک ملازم اس وقت راہ داری میں تھا۔ وہ آوازیں سن کر آیا تو میں نے وی سی آر پر کیسٹ چڑھا دی تھی۔ وہ یہ معلوم کر کے ہنستا ہوا چلا گیا کہ میں ایک کاؤ بوائے فلم دیکھ رہا تھا۔ خوش قسمتی سے اس پاس کے تقریباً سارے ہی سوئٹ خالی ہیں۔ اس لیے کوئی متوجہ نہیں ہوا۔"

"ٹیل فادر..." ٹائیگر نے بڑے پیار سے کہا۔ "کبھی کبھی تو آپ ایسی ذہانت کی بات کر گزرتے ہیں کہ بے اختیار آپ کو عقل مند تسلیم کرنے کو جی چاہنے لگتا ہے۔"

"ورنہ تو میں احمق ہوں نا؟" اوشان کے تیور بگڑ گئے۔

"اگر آپ کسی ایسی لڑکی کے بارے میں بے حس ثابت نہ ہوتے جس کے چہرے پر ان گنت چھوٹے چھوٹے اور بھورے بھورے تل..." ٹائیگر نے جواد و حور اچھوڑ کر اپنے کمرے کی طرف چھلانگ لگا دی ورنہ اوشان کا اٹھا ہوا ہاتھ اس کی کھوپڑی سے تل دار لڑکی کا تصور ہمیشہ کے لیے جھاڑ چکا ہوتا۔

**

ہوٹل کے کچن میں ایک بوڑھا آدمی قمیص کے سے انداز میں جدید ترین چوغے کے سامنے اپنے جسم کا بوجھ کبھی ایک پاؤں پر اور کبھی دوسرے پر ڈالتا ہوا بطخ پکانے کی تیاری کر رہا تھا۔ یہ چیف کک تھا جس نے آج اپنے ماتحت باورچیوں کے سامنے قسم کھائی تھی کہ بارھویں منزل پر مقیم وہ بوڑھا اس کی پکائی ہوئی بطخ کھاتے ہوئے اس قدر مدہوش ہو جائے گا کہ اپنی انگلیاں تک چبا ڈالے گا اور اسے احساس بھی نہیں ہو گا۔

اتفاق سے گزشتہ ایک ہفتے سے جب بھی اوشان کے لیے مرغابی یا بطخ تیار کر کے بھجوائی گئی، اس نے اسے ہمیشہ واپس کر دیا کہ وہ مطلوبہ معیار کے مطابق تیار نہیں ہوئی۔

چیف کک گاہکوں کے معاملے میں اس نظریے کا حامل تھا کہ وہ ہمیشہ درست ہی کہتے ہیں۔ اتفاق سے آج ہوٹل میں ایک نیا باورچی بھی آیا ہوا تھا لیکن چیف کک نے اسے بطخ پکانے کی بجائے اس کام پر لگا دیا کہ وہ بطخ ذبح کر کے اس کے پر نوچے اور اسے پکانے کے لیے ہر طرح سے تیار کر دے۔ یہ کام کی تکمیل وہ اپنے ہاتھوں سے کرنا چاہتا تھا۔

نیا باورچی ایک نوعمر لڑکا تھا لیکن اس نے کچن کے سلسلے میں جو حوالے دیے تھے، چیف کک انھیں نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔ ان حوالوں کی وجہ سے ہی اسے فوراً ملازمت مل گئی تھی اور ملازمت حاصل کرتے وقت اس کے ہونٹوں پر جو مسکراہٹ آئی تھی اسے کسی طرح بھی طمانیت بھری مسکراہٹ نہیں کہا جا سکتا تھا کیونکہ وہ مسکراہٹ سفاک تاثرات میں گھلی ہوئی تھی... جب چیف کک نے اسے بطخ تیار کرنے کا حکم دیا تو یہ مسکراہٹ اس وقت بھی اس کے ہونٹوں پر چپکی ہوئی تھی۔

یہ باورچی، کچن بوائے کی حیثیت سے کام کرنے پر آمادہ ہو گیا تھا۔ وہ بطخ لے کر کچن کے ایک دور افتادہ کونے میں چلا گیا۔ وہاں کوئی بھی اس کی طرف متوجہ نہیں ہو سکتا تھا۔ اس نے بطخ ذبح کی، اس کے پر نوچے اور پھر اسے کاٹ کر آلائشیں نکال کر دھو ڈالا۔

ان کاموں سے فارغ ہو کر اس نے پتلون کی جیب سے ایک ربر اسٹیمپ نکال لی۔ دوسری جیب میں پیڈ بھی موجود تھا جس پر موم کی باریک سی تہ چڑھی ہوئی تھی۔

بطخ کے ٹکڑے کر کے اس نے ہر ٹکڑے پر یہ مہر لگا دی۔ ایسی مہر عموماً محکمۂ صحت کی جانب سے مقررہ کردہ ڈاکٹر ہی مذبوحہ پر لگاتے ہیں... لیکن اگر اس مہر کو غور سے دیکھا جاتا تو یہ ڈاکٹر کے نشان کی بجائے ایک آدھے کی شبیہ پر مبنی تھی۔

بطخ کے یہ ٹکڑے چیف کک کے حوالے کر کے وہ نوعمر کچن بوائے، ہوٹل کے باورچی خانے سے باہر آیا اور پھر ایک طرف چل دیا۔ راہ داری سے گزر کر وہ ایک کمرے میں پہنچا، جہاں اس نے باورچیوں جیسی وردی اتاری اور دوسرے کپڑے پہن لیے۔

دس منٹ بعد ایک حسین نوجوان اطمینان سے سیٹی بجاتا ہوا ہوٹل سے باہر ایک چمک دار کار کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اسے دیکھ کر کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ یہی نوجوان کچھ دیر قبل کچن بوائے کی حیثیت سے کام کر رہا تھا۔

ٹائیگر نے بڑا سا منہ بنایا اور ریسیور کان سے ہٹا کر اسے بغور دیکھنے لگا... پھر بڑے ہی عجیب لہجے میں بولا۔ "بڑی ہی حیرت انگیز خبر ہے، سویٹ ہارٹ... لیکن یہ تو بتا لیے کہ میں اس خبر سے کیا نتیجہ اخذ کروں؟"

"صرف یہی کہ تمہیں ایک بار پھر وہیں جانا چاہیے جہاں ہوستان رہتا تھا۔ اس بات کو مت بھولو کہ ان دونوں میاں بیوی کو ایک خاص مقصد کے تحت قتل کیا گیا ہے۔ ہوستان نے، ہیں جو آخری کال کی تھی، اس سے بہت کچھ سامنے آنے کی توقع ہے۔ میں بہت سی باتیں چیک کروانے کی کوشش کر رہا ہوں۔"

"لیکن وہاں کی مکمل تلاشی لی جا چکی ہے... پھر اب تو

شاید وہاں سے مرنے والوں کی روحیں تک رخصت ہو گئی ہوں۔ میں اس عمارت میں جا کر کیا کروں گا؟" ٹائیگر جھلا گیا۔ "بعض اوقات تو آپ مجھے فلمی سراغ رسانوں کی طرح کام کرنے پر مجبور کرنا شروع کر دیتے ہیں۔"

"تمہیں ایک بار پھر آرزو سے بات کرنی چاہیے۔" بہرام نے مشورہ دیا۔

"کاش! اس لڑکی کے چہرے پر ان گنت چھوٹے چھوٹے تل ہوتے۔" شہزادے نے کہا اور ایک طویل سانس لی کیونکہ دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو چکا تھا۔

اس نے ریسیور رکھ کر اوشان کی طرف دیکھا جو کمرے کے وسط میں کنول کا آسن جمائے بیٹھا تھا اور اس کی آنکھیں سامنے کھڑکی کے شیشے کو گھور رہی تھیں، جس سے سورج کی دم توڑتی ہوئی کرنیں بڑی نفاست سے کمرے کے فرش تک پہنچ رہی تھیں۔

"آرزو کہاں ہے، اوشان؟" اس نے بلند آواز میں دریافت کیا۔ "کیا آپ نے اسے دیکھا ہے؟"

اوشان نے آنکھیں بند کر لیں اور بھاری آواز میں بولا۔ "وہ اپنے کمرے میں ہے اور ہمارے خاتمہ بالخیر کے لیے منصوبے بنا رہی ہے۔"

ٹائیگر کی بھویں لمحے بھر کے لیے کمان ہو گئیں۔ وہ اس موضوع پر فی الوقت کوئی بات نہیں کرنا چاہتا تھا ایسے لمحوں میں سب سے بڑے خطرے کی بات یہ ہوتی تھی کہ اوشان اپنے دیرینہ دشمنوں کی کہانی شروع کر دیتا تھا اور ٹائیگر کو ان لوگوں کے مافوق الفطرت قصے سن سن کر الجھن ہونے لگتی تھی۔ "ٹھیک ہے۔ میں اس سے ملتا ہوں اور ڈنر کے لیے مدعو کرتا ہوں۔"

"ہاں۔ اسے مرغابی ضرور کھلاؤ۔" اوشان نے گہری متانت سے کہا۔ "مرغابی صحت مند خیالات پیدا کرنے کے لیے اکسیر ہوتی ہے۔"

ٹائیگر زیر لب مرغابیوں کو کوستا ہوا آرزو کے کمرے تک پہنچا اور دروازے پر دستک دی۔ چند لمحوں تک اندر سے کوئی آواز نہ آئی تو اس نے دروازہ کھٹ کھٹایا۔ اس بار رندھی ہوئی، بدھم آواز ٹائیگر کی سماعت سے ٹکرائی۔ "آ جاؤ۔ دروازہ کھلا ہے۔"

شہزادے کو اور دھکیل کر کمرے میں قدم رکھنا اسے ٹھٹک جانا پڑا۔ آرزو اوندھے منہ تکیے پر جھکی ہوئی تھی اور اس کے متحرک شانے بار بار جس انداز میں جھٹکے لے رہے تھے اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ سسکیاں بھر رہی ہے۔

ٹائیگر کے قدموں کی آہٹ پر آرزو نے تکیے سے چہرہ

اُٹھایا اور پلٹ کر دیکھا۔ اس کی آنکھیں ڈبڈبائی ہُوئی تھیں اور رُخساروں پر آنسوؤں کی لکیریں، بلب کی روشنی میں چمک رہی تھیں۔ شہزاد پر نگاہ پڑتے ہی وہ اُچھل کر بستر سے اُتری اور دوڑتی ہُوئی اس کے بازوؤں میں سما گئی۔

"اوہ شہزاد... خُدا کا شکر ہے کہ تم آ گئے... اور تم زندہ ہو..."

"بس اب خاموش ہو جاؤ۔ اُوشان نے تمہیں معاف کر دیا ہے۔ اس کے بارے میں دل صاف کر لو۔ وہ تمہارے لیے بے ضرر ہی نہیں، تمہارا بے پناہ ہمدرد بھی ہے۔"

"نہیں..." آرزو چیخ پڑی۔ "وہ... وہ مجھے... اور... تمہیں قتل کر دینا چاہتا ہے۔" آرزو سسک کر بولی۔

"احمقانہ باتیں نہ کرو۔ اگر وہ ہمیں ٹھکانے لگانا چاہے تو اس کے لیے یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے۔" ٹائیگر نے شفقت سے اس کی پُشت سہلاتے ہُوئے نرمی سے سمجھایا۔ "چلو... کچھ دیر میں ڈنر آنے والا ہے، تم آج ہمارے ساتھ ہی کھاؤ گی۔ اُوشان نے ایک خاص انداز میں مُرغابی پکوائی ہے۔"

"تمہیں میری باتوں پر یقین نہیں۔" آرزو جھرائی ہُوئی آواز میں بولی۔ "جلد ہی تمہیں پتہ چل جائے گا... جلد ہی اس کا اصل رُوپ تمہارے سامنے آجائے گا۔"

ٹائیگر زیرِ لب مسکرا دیا۔ اب بھلا وہ اس نادان لڑکی کو کیسے سمجھاتا کہ اُوشان اس کا شفیق دوست ہی نہیں، اس کا رُوحانی باپ اور خالق بھی ہے... اور کوئی خالق اپنی تخلیق اپنے ہاتھوں مٹانا پسند نہیں کرتا... پھر اُوشان اُس جیسی معصوم اور مظلوم لڑکی کو قتل کرنے کا تو خیال بھی دل میں نہیں لا سکتا... لیکن یہ سب باتیں وہ اپنے آپ ہی میں سوچ کر رہ گیا اور آرزو کو تسلی دیتا ہُوا دوسرے کمرے میں لے آیا۔ اُوشان اُس وقت ٹیبل ڈنر ٹیبل پر بیٹھ چکا تھا۔ وہ ان دونوں کی طرف ہی دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں بے پناہ چمک رہی تھیں۔ آرزو نے ایک نظر اُس کی طرف دیکھا اور نگاہ پھیر لی۔ اُوشان کی آنکھیں اُسے اپنے دماغ میں پیوست ہو کر خیالات کا مطالعہ کرتی ہوئی محسوس ہوئی تھیں۔

شہزاد اُسے لے کر ڈنر ٹیبل پر پہنچا اور نرمی سے ایک کُرسی پر بٹھا کر قریبی کُرسی گھسیٹ کر خود بھی بیٹھ گیا۔

آرزو نے ایک بار پھر کن انکھیوں سے اُوشان کی طرف دیکھا لیکن وہ اب اُس کی طرف متوجہ نہیں تھا۔ اُسی لمحے کمرے کے باہر راہ داری میں فوڈ کارٹ کے پہیوں کی چرچراہٹ اُبھری اور دروازے پر دستک ہُوئی۔ رُوم سروس کا ویٹر اُن کا ڈنر لے کر پہنچ گیا تھا۔ ٹائیگر اور اُوشان سرِشام ہی ڈنر کھانے کے عادی تھے۔

"میں دیکھتا ہُوں..." یہ کہہ کر شہزاد دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ اُس نے دروازہ کھولا اور فوڈ کارٹ ویٹر سے لے کر خود ہی دروازے سے ڈنر ٹیبل تک پہنچائی اور کھانا میز پر لگانے لگا۔ اس دوران میں اُس کی نگاہیں آرزو پر جمی رہی تھیں جو چہرہ جُھکائے یُوں بیٹھی تھی جیسے اپنے گریبان میں جھانک رہی ہو۔

کمرے کا بیرونی دروازہ بند ہو چکا تھا۔ ٹائیگر نے مُرغابی کی کاب کھولی اور مسکرانے لگا۔ "یہ مُرغابی نمبر ۳۱۲ ہے۔" اس نے اعلان کرنے والے انداز میں کہا۔ "اس سے قبل ہم ۳۱۱ مُرغابیاں کھا چکے ہیں۔"

اُوشان کے نتھنے پھیلنے اور سکڑنے لگے۔

آرزو کے دل و دماغ میں بھونچال جیسی کیفیت تھی۔ نہ جانے کیوں بار بار اسے یُوں محسوس ہونے لگا تھا کہ اب اُس کی زندگی کے آخری لمحے قریب آ گئے ہیں۔ اس نے خوف زدہ نگاہ سے مرغابی کی پلیٹ کی طرف دیکھا اور پھر اُوشان کو گھورنے لگی جو عجیب نظروں سے اُسی پلیٹ کو گھور رہا تھا۔ اُسی لمحے آرزو کو نہ معلوم کس طرح یہ احساس ہُوا کہ اُس کے سامنے جو پلیٹ رکھی ہے، وہ زہر آلود ہے۔ اُس نے ہاتھ بڑھایا اور اُس کا ہاتھ کانپ گیا۔

"اوہ تو یہ لوگ مجھے زہر دے کر ہلاک کرنا چاہتے ہیں۔" آرزو کے ذہن میں خیال پیدا ہُوا۔ اس خیال نے اس کے قلب و ذہن کی طوفانی حالت مزید شدید کر دی اور پھر جیسے اس پر جنوں سا سوار ہو گیا۔ وہ اُٹھی اور اُس نے جھپٹ کر دونوں ہاتھوں سے مرغابی کی پلیٹ اُٹھا لی۔ اگلی ہی ساعت اس نے پلیٹ کو پوری قوت سے سامنے والی دیوار پر دے مارا۔

"نہیں... تم مجھے اس طرح ہلاک نہیں کر سکتے۔ میں زہر نہیں کھا سکتی۔" وہ حلق کے بل چیخ پڑی... معاً اس کی آنکھیں حیرت اور بے یقینی سے پھیل گئیں۔ اُس نے اُوشان کو اپنی کُرسی سے اُچھلتے دیکھا تھا۔ اس سے قبل کہ مُرغابی فرش پر گرتی، فرش سے چند انچ اُوپر ہی اُوشان نے اُسے تھام لیا۔

وہ مرغابی لے کر واپس آیا اور اُسے میز پر رکھ دیا۔ اب اس کی آنکھوں میں سُرخی نظر آ رہی تھی۔ اس کا زرد چہرہ بھی لال بھبھوکا ہو رہا تھا۔

ٹائیگر نے اُس کی حالت دیکھی اور پھر اُلجھن آمیز نظروں سے آرزو کو دیکھنے لگا... پھر اس نے ماحول کو سازگار بنانے کے لیے خوش دلی سے کہا۔ "واہ! میں نے آج تک کوئی تلی ہُوئی مُرغابی اس طرح

پرواز کرتے نہیں دیکھی... اور نہ ہی میں نے کسی کو محض اپنے قول سے کوئی مُرغابی شکار کرتے دیکھا ہے۔"

یکایک اُوشان کے لبوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ کچھ دیر پہلے کے تاثرات نہ جانے پل بھر میں کیسے غائب ہو گئے تھے۔ آرزو البتہ اب بھی ہانپ رہی تھی۔ اس کے انداز سے دیوانگی کا احساس ہوتا تھا۔ ٹائیگر کے دل میں اس کے لیے بے پناہ ہمدردی کے جذبات اُمڈ آئے۔ وہ اس یتیم اور بے سہارا لڑکی سے دلی وابستگی محسوس کر رہا تھا۔ اُسے معلوم تھا کہ لڑکی کا باپ کن حالات میں قتل ہُوا تھا اور اس نے اپنی آنکھوں سے مسٹر بوستان کی لاش دیکھی تھی۔ اپنے باپ اور ماں کی ایسی بھیانک لاشیں دیکھ کر کسی بھی بیٹی کی حالت ایسی ہو سکتی ہے... لیکن اُسے حیرت تھی کہ آرزو، اُوشان سے اس قدر متنفر کیوں ہے؟ اُس نے اُوشان کو قتل کرنے کی کوشش بھی کی تھی اور وہ اب تک کئی بار اُسے اُوشان کے خلاف بھڑکانے کی کوشش بھی کر چکی تھی... کیوں... آخر کیوں؟ یہ ایک ایسا سوال تھا جس کا اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔

"چلیے نیل فادر..." اس نے ماحول کی تلخی دُور کرنے کے لیے ملگجے لہجے میں کہا۔ "اب اس تلے ہُوئے شکار پر ہاتھ صاف کرنا شروع کر دیں۔"

اُوشان نے اثبات میں سر ہلا دیا اور ہاتھ بڑھا کر مُرغابی کی ایک ٹانگ توڑ دی۔ بڈی ٹوٹنے کی نازک سی آواز سُنائی دی اور پھر اُس نے وہ ٹانگ آرزو کی طرف بڑھا دی۔

آرزو اپنی کُرسی پر یُوں سمٹ گئی جیسے اُوشان کے بڑھے ہوئے ہاتھ پر اُسے کسی سانپ کا شبہ ہُوا ہو۔

"لو اچھی لڑکی۔ اسے کھا لو..." اُوشان نے عجیب سے لہجے میں کہا۔ "یہ تمہارے تمام دُکھوں کا واحد علاج ہے۔"

آرزو نے ٹائیگر کی طرف دیکھا۔

ٹائیگر نے اثبات میں سر ہلا کر اُوشان کی تائید کر دی۔

اُوشان کے ہاتھ سے مُرغابی کی ٹانگ تھام کر آرزو چند لمحوں تک متذبذب رہی۔ اُسی ساعت نہ جانے کہاں سے گُھس آنے والی بلی اس کے پیروں میں میاؤں میاؤں کرنے لگی۔

آرزو نے وہ ٹانگ منہ سے کچھ فاصلے پر پھینک دی۔

ڈائننگ ٹیبل کے نیچے گھومتی ہُوئی بلی نے جست لگائی اور مُرغابی کی ٹانگ کی طرف جھپٹ پڑی۔ اُوشان کی آنکھوں میں ایک لمحے کے لیے تعریفی چمک پیدا ہُوئی... پھر وہ آرزو کی طرف دیکھ کر عجیب سے انداز میں مسکرانے لگا۔

آرزو اور ٹائیگر، بڑی دلچسپی سے بلی کی طرف دیکھ رہے تھے جو چند ہی پھلانگوں میں مرغابی کی ٹانگ تک جا پہنچی تھی اور اس نے وہ ٹانگ مُنہ میں دبا لی تھی۔

آرزو کی آنکھوں میں بھی عجیب سی چمک تھی اور اس کے ہونٹ دانتوں تلے دب گئے تھے۔ وہ گہرے انہماک سے بلی کی طرف دیکھ رہی تھی جس نے آہستہ آہستہ مُرغابی کی ٹانگ سے گوشت کھانا شروع کر دیا تھا۔

ابھی اُس نے شاید گوشت کے چند ذرات ہی اپنے حلق تک پہنچائے تھے کہ اچانک کمرہ بلی کی دلدوز چیخ سے گونج اُٹھا۔ آرزو کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ وہ پھٹی پھٹی سی آنکھوں سے بلی کی طرف دیکھنے لگی جو فرش پر پڑی تڑپ رہی تھی۔

ٹائیگر کے لبوں پر خوش گوار مسکراہٹ تھی۔ وہ بلی کے لوٹ پوٹ ہونے کو محض اُس کی کوئی شرارت سمجھ رہا تھا... لیکن جب بلی تڑپ کر ساکت ہو گئی تو اس کی مسکراہٹ منجمد ہو گئی اور آنکھوں سے سفاکی جھلکنے لگی۔

آرزو چیخ کر اُٹھ کھڑی ہُوئی۔ اس کے انداز سے ہسٹیریائی کیفیت کا اظہار ہو رہا تھا۔ ٹائیگر نے اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے ورنہ اس کے نوکیلے ناخن شہزاد کے رخساروں پر گہری خراشیں ڈال چکے ہوتے۔

"تم مجھے مار ڈالنا چاہتے ہو... لیکن میں نہیں مروں گی۔" وہ حلق پھاڑ پھاڑ کر چیخنے لگی۔ "تم میرے والدین کے قاتل ہو... تم دونوں درندے ہو... بھیڑیے ہو... جنہوں نے انسانوں کا رُوپ دھار رکھا ہے۔"

ٹائیگر اسے سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا لیکن خود اُس کی سمجھ میں بھی نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے۔

"ہم لوگوں نے تمہارا کیا بگاڑا تھا؟" آرزو سسک سسک کر کہہ رہی تھی۔ "تم نے میرے والدین کو قتل..."

"ہم تمہارے والدین کے قاتل نہیں ہیں۔" ٹائیگر نے پُرزور انداز میں تردید کی۔

"تم... تم قاتل ہو۔" وہ ہسٹیریائی انداز میں چیختی رہی۔ "اور میں تم دونوں کو قتل کر دُوں گی۔"

"میں کہتا ہُوں کہ تمہیں غلط فہمی ہو گئی ہے۔" ٹائیگر نے اُسے ایک بار پھر سمجھانے کی کوشش کی۔

"میں جانتی ہُوں کہ تم کون ہو۔" آرزو کسی جنگلی غُصیلی بلی کی طرح غرّانے لگی۔ "میں تمہارے کام سے بھی واقف ہو گئی ہُوں۔ تم قاتل ہو... تم جاسوس ہو... تم درندے ہو..."

"اچھا، ٹھیک ہے۔" ٹائیگر نے غراہٹ آمیز لہجے میں کہا۔ "ٹھیک ہے، تم مجھے قتل کر دینا... لیکن پہلے مجھے کھانا کھا لینے دو۔"

آرزو کی دونوں مٹھیاں بھنچ گئیں۔ اس کا جی چاہ رہا تھا کہ وہ ان دونوں کی بوٹیاں نوچ ڈالے۔ اُسے اپنا جسم یخ بستہ محسوس ہو رہا تھا۔ "نہیں... تم مرنے سے پہلے کھانا نہیں کھا سکتے۔ تم نے میری ماں کو... اور میرے باپ کو مرنے سے پہلے کھانے کی اجازت نہیں دی ہوگی۔ اُف! تم دیکھنے میں کتنے بے ضرر لگتے ہو... لیکن تم نے میرے والدین کی لاشوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے اُنھیں شاخوں سے لٹکا دیا تھا۔"

"اگر یہ کام شہزاد کا ہوتا تو اتنے بڑے ٹکڑے ہرگز نہ کرتا۔" اُوشان نے پہلی بار دخل اندازی کی۔ "اور میں بھی انسانی لاشوں کے اتنے بڑے ٹکڑوں کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔"

"ہاں... ٹکڑے کچھ بڑے ہی تھے۔" ٹائیگر نے تائید کی۔

"تم دونوں کو اس بند کرو اور مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔" آرزو حلق کے بل چیخ پڑی۔

"اگر مرنا ہی ہے تو کھائے بغیر تو میں ہرگز نہیں مرنا پسند کروں گا۔" اُوشان نے کہا اور میز پر موجود برتنوں کے ڈھکنے اُٹھا اُٹھا کر کھانا سونگھنے لگا... پھر اُس نے مُرغابی والی پلیٹ ایک طرف کر دی اور اس کا جائزہ لینے لگا۔ اُسے مرغابی پر ایک مُہر کا احساس ہوا۔ وہی مُہر جو محکمۂ صحت کی طرف سے گوشت پر لگائی جاتی ہے۔ چند لمحوں تک وہ اُسے دیکھتا رہا... پھر اُس کی اُنگلیوں نے مُہر والا حصہ نوچ ڈالا اور اس سے قبل کہ ٹائیگر کچھ کہتا یا اس کا ہاتھ روکتا، اُوشان نے دانتوں سے مرغابی اُدھیڑنی شروع کر دی تھی۔

آرزو نے کچھ کہنے کے لیے مُنہ کھولا تھا لیکن جب اُس نے اُوشان کو وہی مرغابی کھاتے دیکھا جسے کھا کر بلی ایک ہی پل میں ہلاک ہو گئی تھی تو اُس کی آنکھیں حیرت کی زیادتی سے غیر معمولی حد تک پھیل گئیں اور پھر ساکت ہو گئیں۔

ٹائیگر نے اپنی پسندیدہ ڈش کا ڈھکن اُٹھایا اور کھانے میں مصروف ہو گیا۔ آرزو کا ہاتھ آہستہ آہستہ اپنے گریبان میں رینگ گیا۔ اس نے ایک چھوٹا سا پستول نکال لیا اور چھوٹے چھوٹے قدموں سے پیچھے ہٹنے لگی۔ اس کی نگاہ اُوشان اور ٹائیگر پر جمی ہوئی تھی جو اب اس کی طرف سے بے نیاز، کھانے میں مصروف ہو گئے تھے۔ وہ ان پر پستول تانے آہستہ آہستہ پیچھے ہٹتی ہوئی دروازے تک پہنچی اور پھر اس نے ٹائیگر کے سر کا نشانہ لے کر ٹریگر دبا دیا۔ ایک دھماکا ہوا۔ اُس نے آنکھیں بند کر لیں لیکن جب جواباً کوئی چیخ سُنائی نہ دی اور لاش گرنے کی آواز سماعت سے نہ ٹکرائی تو اُس نے آنکھیں کھول دیں۔

اس نے دیکھا کہ ٹائیگر اب بھی کھانے میں مصروف ہے اور اس کا سر بھی سلامت ہے۔ اس نے جو فائر کیا تھا، اُس کی وجہ سے ایک پلیٹ ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی تھی اور یہ پلیٹ نہ جانے کہاں سے راستے میں آ گئی تھی۔

آرزو نے دُوسری بار اُوشان کے سینے کا نشانہ لیا اور گولی چلا دی۔ اس بار بھی دھماکا ہوا لیکن گولی نے اُس زرد دیو ہیکل کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔ گولی اُس کی پشت پر دیوار میں لگی تھی... اور تب پہلی بار آرزو کی آنکھوں اور چہرے پر حقیقی خوف اُبھر آیا۔ گولی اُوشان کے سینے کی سیدھ میں دیوار میں پیوست ہوئی تھی۔ یہ اُوشان کے سینے سے گزر کر اور پشت سے نکل کر ہی دیوار کے اس حصے تک پہنچ سکتی تھی... لیکن اُوشان کا سینہ محفوظ تھا... وہ نہ صرف زندہ تھا بلکہ نہایت اطمینان سے کھانے میں مصروف تھا۔

آرزو کی عقل نے کام کرنا چھوڑ دیا۔ اُس نے پستول کھول کر دیکھا کہ کہیں اس میں سے گولیاں نکال کر محض پٹاخے تو نہیں بھر دیے گئے ہیں؟... لیکن گولیاں اصلی تھیں... اور پھر تو اس کی کھوپڑی حیرت سے بالکل ہی گھوم گئی جب اُس نے اُوشان اور ٹائیگر کی باتیں سُنیں وہ دونوں اس کے نشانے پر تبصرہ کر رہے تھے۔ اُوشان اس کے نشانہ فائر کرنے کے انداز، فائر کرتے وقت کھڑے ہونے کی حالت اور ٹریگر دبانے میں جلد بازی کی تعریف کر رہا تھا جبکہ ٹائیگر مچھلی کا ٹکڑا مُنہ میں رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا کہ اگر اس کے چہرے پر ان گنت بھوڑے بھوڑے تل ہوتے تو اس کا نشانہ ہرگز خطا نہ ہوتا۔

پستول آرزو کے ہاتھ سے گر گیا۔

وہ نہ صرف بُری طرح ہانپ رہی تھی بلکہ اس کا جسم بھی پسینے میں شرابور ہو گیا تھا۔ اُسے اپنی ٹانگیں بے جان ہوتی محسوس ہو رہی تھیں اور وجود یوں جیسے اچانک ہی برف کے گالے کے گالے شروع ہو گئے تھے۔ حیران تھی کہ کیا ایسا ممکن ہے؟ اس سے پہلے بھی وہ اُوشان پر حملہ کر چکی تھی۔ اس نے کئی گولیاں چلائی تھیں۔ اُوشان کے حلق سے چیخنے کی آواز بھی نکلی تھی... لیکن وہ پھر بھی زندہ رہا تھا۔

مارے دہشت کے اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپا لیا... لیکن کانوں سے اب بھی اُوشان اور ٹائیگر کے باتیں کرنے کی آوازیں ٹکرا رہی تھیں۔ وہ اُسی کے بارے میں باتیں کر رہے تھے اور ساتھ ساتھ کھانا بھی کھاتے جا رہے تھے۔ آرزو کو شدید حیرت تھی کہ یہ دونوں کیسے آدمی ہیں جو گولیوں سے بچ نکلتے ہیں اور پھر اُس کی نگاہ اُنگلیوں کے خلا سے مُردہ بلی پر جم گئی

جسے کی بھی مکمل نہیں ہو سکی تھی جبکہ اُوشان اب تک باقی ماندہ صاف کر گیا تھا۔

دہشت نے اس کی پوری ہستی پر پنجے گاڑ دیے تو وہ پلٹ دروازے کی طرف دوڑی اور پھر اسی طرح دوڑتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔

کھلے دروازے سے اس کے دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز اُوشان اور ٹائیگر کی سماعت سے ٹکرا رہی تھی۔

"میرا خیال ہے، مجھے جا کر اسے واپس لے آنا چاہیے۔" ٹائیگر نے ہمدردی سے کہا۔

"اسے جانے دو۔ کچھ دیر بعد اسے خود ہی احساس ہو جائے گا کہ وہ غلطی پر ہے۔ یہ احساس اسے واپس لے آئے گا۔" اُوشان نے دوبارہ کھانے کی طرف متوجہ ہو گیا۔

راہ داری میں آرزو کے قدموں کی آہٹ معدوم ہو چکی تھی۔

***

آرزو پر بوکھلاہٹ سوار تھی۔

وہ راہ داری میں دوڑتی ہوئی لفٹ تک پہنچی اور پھر اس بڑی افراتفری کے عالم میں اس کا بٹن دبانا شروع کر دیا۔ اُس مانوس بُری طرح پھولی ہوئی تھی اور جسم سے اتنا پسینہ خارج ہوا اس کا لباس چپک کر یوں نظر آ رہا تھا جیسے اس نے اس لباس ت ہی غسل کیا ہو۔ اُسے اپنی کھوپڑی چٹختی ہوئی محسوس ہو رہی اور وجود جیسے بار بار گہراہیوں میں گرنے لگتا... اس کی ٹانگیں جان ہو رہی تھیں اور وہ یوں لڑکھڑا رہی تھی جیسے کسی بھی لمحے پڑے گی۔

لفٹ میں سوار ہونے کے بعد وہ اس کی دیوار سے ٹک کر رہی ہو گئی تو بے حد نڈھال لگ رہی تھی۔ اس کی سوجھ بوجھ پر شت کا عفریت قابض تھا اور عقل دم توڑ رہی تھی۔ احساس پر برف ایک بڑی سی سل جم گئی تھی اور اس ٹھنڈک سے اُسے اپنی روح ٹھٹھرتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

لفٹ کب گراؤنڈ فلور پر پہنچی اور وہ کس طرح اس سے اتر بیرونی دروازے تک پہنچی اس کا اُسے کوئی احساس نہیں تھا۔ خود کو ایک چلتی پھرتی لاش محسوس کر رہی تھی؛ ایک ایسی لاش ں میں رُوح کا کچھ حصہ اُلجھا رہ گیا ہو اور وہ رُوئے زمین پر پناہ کی ش میں بھٹک رہی ہو۔

باہر سرد تھا۔ وہ گہری گہری سانسیں لینے لگی۔ اُسے اپنی پسلیوں پر ہتھوڑے کی چوٹوں جیسی ضربیں محسوس ہو رہی تھیں، اس نے دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھ لیے اور ہانپتی ہوئی کھوپڑی اور بکھرتی ہوئی ہستی کو سنبھالنے کی کوشش کرنے لگی۔

وہ سڑک پر جدھر مُنہ اُٹھا چلتی رہی... کبھی وہ دوڑنے لگتی اور کبھی رُک کر ادھر اُدھر دیکھتی جیسے اُسے چاروں طرف اندھیرا ہی اندھیرا محسوس ہو رہا ہو اور اس میں کچھ بھی سجھائی نہ دے رہا ہو۔ کبھی وہ گر جاتی۔ راہ چلتا کوئی شخص اُسے سہارا دیتا، اُس سے کچھ کہتا، کچھ پوچھتا... لیکن وہ ہر آواز سے بے نیاز، ہر ہمدرد سے ناآشنا آگے چل پڑتی۔ کبھی کسی سے ٹکرا جاتی اور کبھی کسی کار تلے آنے سے بال بال بچ جاتی۔

وہ کدھر جا رہی تھی؟ اس کی منزل کہاں تھی؟ اُسے کچھ بھی معلوم نہیں تھا بس ایک جذبہ ایک بے نام سا خوف، ایک عجیب سی دہشت اُسے کسی خزاں رسیدہ پتے کی طرح اڑائے لیے جا رہی تھی۔ اُسے اپنا آپ خالی خالی سا محسوس ہو رہا تھا۔

بڑی دیر بعد وہ رک گئی۔ اس کی ٹانگیں شل ہو چکی تھیں اور اس کے کپڑے پھٹ گئے تھے۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے گھومتا ہوا سر سنبھالا اور کسی چیز کے سہارے رک گئی۔ وہ ایک پیڑ کے تنے سے آنکھیں کھول کر چاروں طرف دیکھا۔ منظر اس کی نگاہوں میں کوئی اہمیت نہیں رکھتا تھا... بس کہ نہ جانے کیسے اُسے محسوس ہوا کہ وہ یہاں پر۔ پہلے بھی آ چکی ہے۔ یہ جگہ، اس کی دیکھی بھالی ہے۔

مانوس ماحول، ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں اور اتنی طویل مسافت کے بعد اس کے دل سے ایک بوجھ سا ہٹ رہا تھا وہ خود کو ہلکا پھلکا محسوس کر رہی تھی اس کے حواس نے ایک بار پھر کام کرنا شروع کر دیا تھا... تب پہلی بار اُسے احساس ہوا کہ وہ ایک درخت سے ٹیک لگائے کھڑی ہے اگرچہ ہر طرف نیم تاریکی کا راج تھا لیکن پھر بھی اس کی آنکھیں مانوس ماحول کو دیکھ رہی تھیں۔ بینائی اور دماغ میں رابطہ بحال ہو رہا تھا۔ یہ درخت... یہ ماحول اور یہ فضا اُس کی دیکھی بھالی تھی۔ نہ صرف مانوس بلکہ اُس کی رگ رگ میں اس کے بے محبت کا جذبہ دوڑ رہا تھا۔

وہ اس وقت اپنے ہی گھر کے باغ میں ایک درخت سے ٹیک لگائے کھڑی تھی۔ ہوٹل سے وہ یہاں تک کیسے پہنچ گئی، اُسے کچھ یاد نہیں تھا۔ اُسے اپنا جوڑ جوڑ ٹوٹتا اور ہستی بکھرتی ہوئی لگ رہی تھی۔

لیکایک اُس کی نگاہ ایک درخت پر جم گئی۔ یہ درخت اُس سے چند قدموں کے فاصلے پر تھا اور وہ اس کی ایک شاخ کو گھور رہی تھی۔

دفعتہ جسم تصور نے اُسے ایک عجیب کرشمہ دکھایا۔

وہ اس شاخ کو گھورتی رہی حتیٰ کہ اس شاخ سے جھولتی ہوئی اُسے ایک لاش دکھائی دینے لگی۔ ایک ایسی لاش جس کا سر گردن پر موجود نہیں تھا۔ جس کا سینہ کھلا ہوا تھا اور اندر گہرائی میں اندھیرا ہی اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔

اس درخت کے تنے میں ایک طاق بنا ہوا تھا جس میں ایک نسوانی سر رکھا ہوا تھا۔ وہ اُس طاق کی طرف آنکھیں پھاڑ کر دیکھنے لگی۔ یہ سر اُس کا جانا پہچانا تھا۔ نقوش اُس کے دیکھے بھالے تھے ایک بار پھر اُس کے ذہن پر غبار سا پھیلتا چلا گیا۔

اُس نے آنکھیں بھینچ لیں۔

چند لمحوں تک وہ ہانپتی رہی... پھر اُس نے آنکھیں کھولیں تو وہ لاش اب بھی درخت سے جھولتی نظر آ رہی تھی۔

"ممی...!" وہ سسک پڑی۔

اُس کی آنکھوں میں گرم گرم آنسو آ گئے اور آنکھوں کے کٹوروں سے اُبل کر اُس کے رخساروں پر لڑھکنے لگے۔ وہ دیر تک روتی رہی۔ آنسو بھری آنکھوں سے اس خیالی لاش کو گھورتی رہی جو مجسم ہو کر اُس کے سامنے آ گئی تھی۔ یہ لاش اُس کے ذہن میں پیوست ہو کر رہ گئی تھی۔ اس لاش کے بس منظر میں وہ عمارت تھی جہاں اُس نے بڑا ہی خوش گوار وقت گزارا تھا۔ خوشیاں دیکھی تھیں۔ قہقہے لگائے تھے اور ہنستی کھیلتی رہی تھی... لیکن اب وہ عمارت کسی مقبرے کی طرح سرد اور تاریکی میں لپٹی ہوئی اپنے مکینوں پر نوحہ خواں لگ رہی تھی۔

آزو کی آنکھیں آنسو برساتی رہیں۔ ان آنسوؤں نے اس کے دل کا غبار دھو دیا۔ رفتہ رفتہ وہ درخت کے تنے سے ٹیک لگائے ہوئے بیٹھ گئی۔ اس کے ٹخنوں میں ایسی ٹیسیں بھر گئی تھیں جیسے انھیں جوڑوں سے الگ کر دیا گیا ہو۔ اس نے گھٹنے اُٹھائے اور چہرہ اُن پر ٹکا لیا۔

بیٹھے بیٹھے تھکن سے نڈھال اس لڑکی کو نہ جانے کیسے نیند آ گئی۔ یہ نیند تھی یا بے ہوشی، اس کا اُسے اندازہ نہ ہو سکا... جب ہوش میں آئی تو اُسے بس اتنا ہی احساس ہوا کہ وہ نہ جانے کتنی دیر تک غفلت کا شکار رہی ہے۔

اس کا سر چکرا رہا تھا اور اُسے اپنی نگاہوں کے سامنے کی ہر شے گھومتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ شاخ سے جھولتی ہوئی لاش کے جھولنے کا عمل بھی تیز ہو گیا تھا۔ وہ زمین پر ہاتھ ٹیک کر اٹھی اور لڑکھڑاتے قدموں سے اُس درخت کی طرف بڑھ گئی جس کی ایک شاخ سے اس کی ماں کی لاش لٹکی ہوئی تھی۔ وہ اس درخت کے تنے سے لپٹ گئی اور خاموش فضا میں اُس کی سسکیاں گونجنے لگیں۔

معلوم نہیں کتنی دیر وہ اس طرح سسکتی اور روتی رہی... اور پھر اُسے احساس ہوا کہ اُس کی آنکھوں کے سوتے بھی خشک ہو گئے ہیں سرخ بستہ ہوا اُس کے رخساروں پر خنجر جیسی کاٹ کا افر دکھا رہی تھی۔ دل سے دُکھ کا بوجھ، درد کی چٹان، غموں کا غبار کچھ حل گیا تھا اور دیر تک غفلت کی نیند یا بے ہوشی نے اُس کے ٹوٹتے ہوئے اعصاب کو اتنی توانائی بخش دی تھی کہ اس کا ذہن سوچنے کے قابل ہو گیا تھا۔

ذہن بیدار ہوا تو یوں لگا جیسے بند اور جامد کمرے کی کوئی کھڑکی کھل گئی ہو اور تازہ ہوا کے ایک ہی جھونکے نے سارا حبس دُور کر دیا ہو۔

اب اُسے یاد آنے لگا کہ وہ کہاں ہے اور کہاں سے آئی ہے؟ اُس کی نگاہوں کے سامنے سے ماں کی لاش کا تصور اتی ہوا ہٹ گیا اور اس کی آنکھیں باغ کی ویرانی اور عمارت پر چھائے ہوئے سناٹے کی عادی ہو گئیں۔

شہزاد... اُوشان... ہرام... یہ تین نام اُس کے ذہن میں چکرانے لگے۔ اُسے یاد آ گیا کہ وہ ان تینوں سے اپنے باپ اور اپنی ماں کے قتل کا انتقام لینے گئی تھی... لیکن وہ ناکام رہی۔

وہ درخت کے تنے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ اس کے ذہن پر یکایک خیالات کی یورش ہو گئی تھی اور وہ یکسوئی سے کچھ بھی نہیں سوچ سکتی تھی۔ ان منتشر خیالوں سے پیچھا چھڑانے کے لیے وہ اُٹھی اور تھکن سے چُور ٹانگوں کو ایک بار پھر مجبور کر دیا کہ وہ اس کا وجود اُٹھا کر گھر کے دروازے تک لے جائیں۔

گھر کے دروازے پر ایک تالہ لگا ہوا تھا۔ اُس نے بے جان انگلیوں سے اس تالے کو ٹٹولا اور وہ ایک طویل آہ بھر کر رہ گئی۔ اس کی ناتواں انگلیاں یہ تالا توڑنے کی طاقت نہیں رکھتی تھیں۔ بالکل اسی طرح اُس کے سامنے ایک پُراسرار کمرہ تھا جس پر ایک وزنی تالا لگا ہوا تھا۔ وہ اس تالے کو کھولے بغیر اسرار کا پردہ چاک نہیں کر سکتی تھی۔ تب اُسے احساس ہوا کہ ایسے تالے توڑے نہیں جا سکتے۔ انھیں محض ایک حقیر سی چابی کے ذریعے آسانی سے کھولا جا سکتا ہے۔ کاش! اُسے وہ چابی مل جائے جس سے وہ اس پُراسرار کمرے کو کھول سکے۔ جہاں ہر راز سے پردہ اُٹھ سکتا تھا۔ اُس کے باپ کی پُراسرار موت اور اس کی ماں کی دہشت خیز لاش کا راز فاش ہو سکتا تھا۔ وہ جھک گئی اور دروازے کے سامنے پڑی ڈور میٹ کے نیچے ٹٹولنے لگی۔ برسوں سے یہاں چابی رکھنے کی عادت تھی، چابی اب بھی وہاں

موجود تھی۔ اس نے چابی نکالی، دروازہ کھولا اور گھر میں داخل ہو گئی۔ اس چابی سے گھر کا دروازہ کھولنے میں تو کامیاب ہو گئی تھی لیکن دروازہ اب بھی بند تھا جو اُس کے تصور نے تراشا تھا اور جس کے پیچھے کوئی راز، راز نہیں تھا۔

پورا گھر تاریکی اور سناٹے میں ڈوبا ہوا تھا۔ وہ لڑکھڑاتی ہوئی راہ نشست میں پہنچی اور پھر وہاں سے ملحق باتھ رُوم میں قدم رکھتے ہی اُس نے روشنی کر دی۔ روشنی میں اس کی نگاہ سنک کے اُوپر لگے ہوئے آئینے پر پڑی۔

آئینے میں اُسے اپنا چہرہ دکھائی دیا۔ اُجاڑ، اجاڑ سا چہرہ... جس پر دہشت اور وحشت کی گہری چھاپ تھی۔ اُسے اپنی آنکھیں بے نور اور ویران محسوس ہوئیں۔ اُس کا پھول سا چہرہ کھلا گیا تھا اور اُس کے حسین بال منتشر ہو کر یوں اُس کے کندھوں اور سینے پر بکھرے ہوئے تھے جیسے وہ ہوش و خرد سے بیگانہ ہو گئی ہو۔ اس کے ہونٹوں پر پپڑیاں جمی ہوئی تھیں۔ خشکی کے باعث بعض پپڑیاں پھٹ گئی تھیں۔ اور وہاں دراڑیں سی نظر آ رہی تھیں۔ ان دراڑوں سے خون کی سُرخی جھلک رہی تھی۔ رخساروں پر آنسوؤں کی لکیریں خشک ہو کر، بنجر علاقے کی خشک ندیوں کی طرح محض نشان بن کر رہ گئی تھیں

اس نے نل کھولا اور ٹھنڈے پانی کے چھینٹے دے کر منہ دھونا شروع کر دیا۔ اس کا لباس تار تار ہو چکا تھا لیکن ابھی تو وہ اپنی بکھری ہوئی ہستی سمیٹنے میں لگی ہوئی تھی۔ ٹھنڈے پانی نے اس کی آنکھوں کی جلن اور رخساروں کا میل کچیل دھو ڈالا تو وہ ٹوٹ کر قدرے توانا محسوس کرنے لگی۔ تھکن کا شدید احساس رفتہ رفتہ دم توڑ رہا تھا۔

منہ ہاتھ دھو کر اس نے اپنے سراپا پر نگاہ ڈالی تو چونک پڑی۔ وہ کتنی شرمناک حالت میں مبتلا تھی۔ اس کا احساس اُسے پہلی بار ہوا۔ غسل خانے سے نکل کر وہ اپنے کمرے میں پہنچی اور پھٹا ہوا لباس اُتار کر نیا لباس نکالا اور واپس باتھ رُوم میں آ گئی۔ اس نے اپنا وجود پانی سے بھرے ہوئے ٹب میں اُتار دیا اور غسل سے فارغ ہو کر لباس پہن لیا۔ اب وہ خود کو ہلکا پھلکا محسوس کر رہی تھی۔

بالوں میں تیل ڈالنے سے اُسے بے پناہ سکون ملا۔ وہ آئینے کے سامنے بیٹھی بالوں میں برش کرتی رہی اور اپنا جائزہ لیتی رہی۔ اُسے اپنا چہرہ ایک ہیبت ناک سوالیہ نشان نظر آیا۔ اس سوالیہ نشان نے اُسے بہت کچھ یاد دلا دیا۔

معاً شہزاد کا سراپا اُس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ وہ اس کی سحر انگیز شخصیت کو دیکھنے لگی۔ یہ خیالی پیکر اب اُسے حسین ہی نہیں معصوم بھی لگ رہا تھا۔ اُسے اُوشان کا پوڑھا زرد چہرہ بھی دکھائی دیا۔ وہ جسے درندہ سمجھتی تھی، اُس نے اُسے شفقت دی تھی۔ حالانکہ وہ نہ صرف اس کے خون کی پیاسی تھی بلکہ اُس نے اُوشان پر دو بار قاتلانہ حملے بھی کیے تھے...

"نہیں... یہ لوگ میرے والدین کے قاتل نہیں ہو سکتے..." بے اختیار دل کی گہرائی سے یہ بات نکل کر اُس کی زبان پر آ گئی۔ "یہ لوگ میرے خون کی پیاس میں مبتلا نہیں بلکہ میرے ہمدرد ہیں اگر یہ مجھے ہلاک کرنا چاہتے تو ان کے لیے کون سی مشکل بات تھی؟"

اس انداز میں آزو نے پہلے کبھی نہیں سوچا تھا۔ یہ سوچ اُس کے لیے گہرے سکون اور طمانیت کا باعث بن گئی۔ رفتہ رفتہ اُسے سب کچھ یاد آنے لگا۔ اُسے یاد آیا کہ یہ لوگ اُس کے باپ کی تدفین میں بھی شریک تھے... پھر وہ چونک پڑی۔

اس نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔ "آہ! مجھ سے کتنی بھول ہوئی۔" اُس کے حلق سے ایک سرد آہ نکل گئی۔ "اگر یہ لوگ میرے باپ کے قاتل ہوتے تو انھیں اُس کی تدفین میں شریک ہونے کی کیا ضرورت تھی؟ میری ماں کو..."

وہ خاموش ہو گئی۔ اس کے ذہن میں جھماکے سے ہونے لگے وہ حیران تھی کہ اُس کی عقل پر پتھر کیوں پڑ گئے تھے۔ وہ انھیں اپنی ماں کا قاتل بھی سمجھ رہی تھی جبکہ ایسا نہیں تھا۔ جس وقت اُس کی ماں قتل ہوئی تھی تو یہ تینوں اُس کے ساتھ قبرستان میں تھے... پھر وہ اُوشان اور شہزاد کے ساتھ گھر واپس آئی تھی۔ گھر آ کر جب اس کی نگاہ، درخت سے جھولتی ہوئی اپنی ماں کی لاش پر پڑی تھی، اس وقت بھی یہ دونوں اُس کے ساتھ ہی تھے۔

"اوہ، میرے خدا!" اُس نے پیشانی مسلتے ہوئے کہا۔ "میں غم زدہ ہو کر دُکھوں کی نہ جانے کن بھول بھلیوں میں کھو گئی تھی؟"

اب اُسے یقین ہو گیا کہ اُوشان اور شہزاد اُس کے ہمدرد ہیں۔ بے اختیار اُس کا جی چاہا کہ وہ فون پر ان دونوں سے رابطہ قائم کرے اور پھر معذرت کرے... پھر خیال آیا کہ نہیں... یہ معذرت اس انداز میں نہیں ہونی چاہیے۔ وہ خود ان کے پاس جائے گی اور ان سے اپنے روّیے، اپنی غلط سوچ اور اپنی بدگمانیوں کے لیے معذرت کرے گی۔

یہ خیال اس کے لیے بے حد صحت مند اور توانائی بخش ثابت ہوا۔ اُس نے آئینے میں اپنے ویران چہرے کو دیکھا اور پھر اس کے پپڑی جمے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی۔ یہ مسکراہٹ۔ اُس کے زخمی دل کی کراہوں سے بھرپور تھی لیکن اُسے اپنے لبوں پر یہ مسکراہٹ دیکھ کر بے پناہ سکون کا احساس ہوا۔

اُس نے دراز سے سکون بخش گولیوں کی ڈبیہ نکالی اور دو گولیاں حلق سے اُتار لیں۔ جادو اثر گولیوں کی وجہ سے اس کے اعصاب کا باقی ماندہ انتشار بھی ختم ہوگیا۔

وہ اب بھی ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی تھی۔ بالوں کو برش کر کے ستوا کر اُس نے جُوڑے کی شکل میں باندھ لیا اور پھر اُس کا دایاں ہاتھ غیر ارادی طور پر لپ اسٹک کی طرف بڑھ گیا۔ شہزاد کی شخصیت چور چوری اُس کے دل کے دریچوں سے اندر آ رہی تھی اور وہ اپنی روح تک کو اُجالی گُدگُدیوں کے باعث مسرور محسوس کر رہی تھی۔ ان گُدگُداہٹوں نے اُس میں ایک نئی زندگی کی ہوڑ جاگا دی تھی۔

غم و اندوہ کے وہ سارے پہاڑ یکایک ریزہ ریزہ ہو گئے تھے۔ اُسے یاد آ رہا تھا کہ اُس نے اُوشان اور شہزاد کو کس کس انداز میں اپنی طرف راغب کرنے کی کوشش کی تھی لیکن ان دونوں میں سے کسی ایک نے بھی اُسے چھونے کی کوشش تک نہیں کی تھی۔ وہ ان کے ساتھ شب و روز، کئی دنوں تک مقیم رہی تھی لیکن اس نے ان کے کردار میں خفیف سا گھٹاؤ ناپن بھی نہیں دیکھا تھا۔ ایسے لوگ قاتل نہیں ہو سکتے۔ ایسے لوگ درندے اور بے رحم نہیں ہو سکتے۔

وہ حیران تھی کہ اُس کے دل کی یہ پکار پہلے کہاں سو گئی تھی؟ اس نے تصویر کا یہ مثبت پہلو، پہلے کیوں نظر انداز کر دیا تھا؟

... لیکن ان سب باتوں سے قطع نظر اُس کے والدین کی لاشیں اُس کے ذہن میں موجود تھیں۔ وہ ذہن پر نقش ان کی تصویروں کو داغ سے کھُرچ کر نہیں پھینک سکتی تھی۔ وہ یہ سوچے بغیر رہ نہ سکی کہ جب اُوشان اور شہزاد یا بہرام نے انھیں قتل نہیں کیا تو پھر ان کے قاتل کون ہیں؟ ... اور انھوں نے ان دونوں کو اتنی عبرت ناک موت سے کیوں ہمکنار کیا؟ اس کے ذہن کے کسی نہاں خانے سے چند ہیولے نکل کر سامنے آنے لگے ... اور وہ اپنے والدین کے قاتلوں کو پہچان گئی۔

"مُرخ لبادے والے ... لمبے لمبے ناخنوں والے۔ شیطان کے پجاریوں جیسے خُلیوں والے یہ لوگ ہی میرے ڈیڈی اور میری ممی کے قاتل ہیں۔" اس نے زیرِ لب کہا اور ایک بار پھر اُس کی رگوں میں خون کی جگہ لاوا دوڑنے لگا۔

اس کا ذہن آہستہ آہستہ حقیقت آشنا ہوتا چلا گیا۔ وہ سمجھ گئی کہ اُوشان اور شہزاد ان مُرخ لبادے والوں کے دشمن ہیں اور ان کا تعلق قانون سے ہے۔ تب اُسے وہ کالیں یاد آئیں جو اس کا والد کسی نامعلوم کیسیٹ میں ریکارڈ کرایا کرتا تھا، اُسے یہ اندازہ تو بہت پہلے ہو گیا تھا کہ اس کا باپ ایک جاسوس ہے۔ وہ یقیناً بہرام کا ایجنٹ تھا، اس بات کا پتہ اُسے اب چلا تھا۔

اُس نے آئینے پر آخری نگاہ ڈالی۔

اب وہ ایک سوگوار اور غموں سے نڈھال لڑکی نہیں تھی بلکہ اُس کے چہرے سے عزم اور نئے حوصلوں کا پتہ چلتا تھا۔

وہ گھر سے باہر آئی اور ایک طرف چلنے لگی۔ اس کے انداز سے ذرا سی بھی تھکن ظاہر نہیں ہو رہی تھی۔ اس کے قدم تیز تیز اُٹھ رہے تھے۔

وہ جلد از جلد شہزاد اور اُوشان کے پاس پہنچ جانا چاہتی تھی۔ رات کی تاریکیاں شہر پر اُتر آئی تھیں اور سڑک دُور دُور تک سُنسان تھی۔ اُسے خود پر حیرت ہونے لگی کہ سرِ شام وہ نہ جانے اتنی دُور پیدل کیسے نکل آئی تھی۔ جنونی کیفیت میں فاصلے کا اُسے اندازہ نہیں ہو سکا تھا اور نہ ہی اتنا ہوش تھا۔

... اور اب وہ چاہتی تھی کہ کاش! اُس کے پَر ہوتے اور وہ اُڑ کر وہاں پہنچ جاتی۔ رات کے اُس پہر کوئی ٹیکسی بھی نظر نہیں آ رہی تھی۔ معاً عقب سے کسی کار کی ہیڈ لائٹس دکھائی دیں۔ وہ ٹیکسی کے خیال میں اس کار کو رُکنے کا اشارہ کرنے لگی ... کار کی رفتار پہلے ہی کم ہو گئی تھی اور وہ چند ساعتوں میں اُس کے قریب رُک بھی گئی ... پھر جب اس کی نگاہ کار میں موجود لوگوں پر پڑی تو اس نے اندھا دھند دوڑنا شروع کر دیا لیکن اس کی ٹانگیں زیادہ دُور تک یہ رفتار برقرار نہ رکھ سکیں۔

وہ گر گئی ... اور ڈوبتے ہوئے ذہن کے ساتھ اُس نے آخری بار صرف یہ دیکھا کہ ایک مُرخ لبادے والے کا ہاتھ اُس کی طرف بڑھ رہا ہے۔ وہ ہاتھ جس کی ایک اُنگلی کا ناخن چار انچ لمبا تھا اور اُس کا کنارہ کسی کلہاڑے کے پھل جیسا تھا۔

* * *

آرزو واپس نہیں آئی۔

رات گزر گئی، صبح ہو گئی ... اور پھر دوں، سہ پہر تک مسافت طے کر گیا لیکن وہ نہیں آئی۔ ٹائیگر کی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔ وہ حیران تھا کہ وہ کہاں غائب ہو گئی ہے۔

ڈنر کے وقت وہ جس انداز میں اُن کے کمرے سے بھاگ کر گئی تھی، اس پر اُوشان نے یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ وہ جلد ہی نادم ہو کر واپس آ جائے گی خود اُسے بھی یقین تھا کہ آرزو کے دل سے اُن کے بارے میں غبار دُھل گیا ہوگا اور وہ یہ سوچ کر واپس آ جائے گی کہ اُن دونوں کے دل میں اُس کے لیے نفرت نہیں بلکہ محبت ہے ... لیکن سوچیں، محض سوچوں کی حد تک ہی رہیں، یہ شرمندۂ تکمیل نہ ہو سکیں۔

رات بھر ٹائیگر بے چین رہا تھا۔ آرزو سے اُس کی

دل وابستگی کا باعث یہ بات تھی کہ وہ اُسے اپنے ساتھی کی بدنصیب بیٹی سمجھتا تھا۔ بوستان، بہرام کا کارکن تھا اور اس کی زندگی، چارہ گر کا کارکن ہونے کی پاداش میں چھینی گئی تھی ... پھر اس کی بیوی کو بھی قتل کر دیا گیا ... اور اب آرزو باقی رہ گئی تھی۔

مُرخ لبادے والے درندوں نے آرزو کے والدین کو جس عبرت ناک اور بھیانک انداز میں موت سے ہمکنار کیا تھا، اُسے یاد کر کے ٹائیگر کے تن بدن میں غصّے کے اَلاؤ دہک اُٹھتے تھے اور اُسے اپنی رُوح تک انتقام کی چنگاریوں سے جلتی محسوس ہوتی تھی۔

اُسے افسوس ہونے لگا کہ اُس نے آرزو کی ذہنی حالت کا غلط اندازہ لگایا تھا۔ اگر اُسے ذرا سا بھی شبہہ ہو جاتا کہ وہ اُسے اور اُوشان کو اپنے والدین کا قاتل سمجھ کر محض انتقام لینے کی خاطر اُن کے قریب آئی ہے تو وہ چند ہی منٹوں میں اس کا ذہن صاف کر کے اس کے دل سے ساری کدورت دھو ڈالتا ... لیکن یہ بات اُس وقت سامنے آئی، جب وہ اُن کی نگاہوں سے دُور ہو کر نہ جانے کہاں روپوش ہو گئی تھی۔

وہ بے چین ہو کر ہوٹل سے نکل کھڑا ہوا۔

ایک ایسی لڑکی کو تلاش کرنا بے حد مشکل کام ہوتا ہے، جو چاروں طرف سے دُشمنوں میں گھری ہُوئی ہو اور جو ہمدردوں سے یوں بھاگ رہی ہو جیسے بدکی ہُوئی گھوڑی جنگل میں جدھر منہ اُٹھا، بھاگ نکلی ہو۔ اگرچہ ٹائیگر اس کی تلاش میں ہوٹل سے نکلا تھا لیکن اس کے ذہن میں کوئی خاص جگہ نہیں تھی۔ وہ جانتا تھا کہ اس انداز میں کسی کو تلاش کرنا ایک ناممکن سا کام ہوتا ہے لیکن جب دل کی بے چینی کسی پل چین نہ لینے دیتی ہو تو کھُلی فضا میں کافی سکون ملتا ہے ... پھر کم از کم وہ دل کو یہ کہہ کر تو سمجھا ہی سکتا تھا کہ اُس نے لڑکی کو تلاش کرنے میں کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھی۔

اُسے بار بار افسوس ہو رہا تھا کہ اُس نے اُسی وقت اُسے کیوں نہ روک لیا تھا ... وہ یقیناً ایسا ہی کرتا لیکن اُوشان کی بات آڑے آ گئی تھی۔ رات کو اُوشان کا خیال تھا کہ لڑکی کو سر دست تنہا ہی چھوڑ دینا بہتر ہوگا۔ اس کا یہ نقطہ صبح اور پھر سہ پہر تک برقرار رہا تھا ... اور جب ٹائیگر بے تاب ہو کر اُس کی تلاش میں جانے کا ارادہ کر رہا تھا تب بھی اُوشان کی یہی رائے تھی کہ وہ محض اپنا وقت ضائع کرنے جا رہا ہے۔ اگر لڑکی کو واپس آنا ہے تو وہ خود ہی واپس آئے گی، اُسے تلاش کرنا ممکن نہ ہوگا

ٹائیگر کی کار مختلف سڑکوں پر دوڑتی رہی۔ اُس نے سب سے پہلے بوستان ہاؤس جا کر اُسے تلاش کیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ ممکن ہے، وہ اپنے گھر چلی گئی ہو ... لیکن وہاں جا کر اُس کے دل پر بوجھ اور بھی بڑھ گیا تھا۔ اُسے جنگل میں ملنے والی بوستان کی لاش یاد آ گئی اور پھر آرزو کی ماں، مسز بوستان کی لاش اُس کی نگاہوں میں گھوم گئی جسے اُس نے ایک درخت کی شاخ سے لٹکے دیکھا تھا۔ بے سر کی کٹی پھٹی لاش جس کے اندرونی اعضا زمین کھود کر دفن کر دیئے گئے تھے اور جس کی کھوپڑی، درخت کے تنے میں ایک طاقچہ بنا کر سجا دی گئی تھی۔

وہ ایک جھرجھری سی لے کر رہ گیا۔

اُس کی کار ایک بار پھر سڑکوں پر دوڑنے لگی اور دوڑتی ہی رہی ... لیکن اب تک آرزو تو درکنار، کوئی ایسی لڑکی بھی دکھائی نہیں دی تھی جس پر آرزو ہونے کا شبہہ کیا جا سکتا۔ اُس نے ہر وہ جگہ دیکھ ڈالی جہاں آرزو کے ملنے کی ذرا سی بھی توقع تھی لیکن آرزو نہ مل سکی۔ بھاری بھاری دل کے ساتھ، وہ واپس ہوٹل چل دیا۔

ہوٹل کے کمرے میں واپس آ کر وہ تھکے تھکے سے انداز میں ایک صوفے پر گر گیا۔ اُوشان کمرے کے وسط میں، ایک چٹائی پر اپنے مخصوص انداز میں بیٹھا ہُوا تھا اور اُس نے ٹائیگر کی آہٹ پر صرف ایک بار آنکھیں کھول کر اُس کی طرف دیکھا تھا۔ اس کے بعد اُس نے آنکھیں بند کر لی تھیں کیوں کہ اُس سے کوئی سوال کرنا بے کار تھا۔ جو کچھ بھی تھا، وہ ٹائیگر کے چہرے سے صاف پڑھا جا سکتا تھا۔

ٹائیگر نے تھکن سے نڈھال انداز میں آنکھیں بند کر کے صوفے کی پشت گاہ سے سر ٹیک دیا اور گہری گہری سانسیں لینے لگا۔ اس کے جبڑے سختی سے بھنچ گئے تھے اور وہ اپنے دل اور دماغ سے دو لاشوں کا خیال نکال دینے کی کوشش کر رہا تھا ... یہ لاشیں اُس سے فریاد کر رہی تھیں، اپنے خون کا بدلہ مانگ رہی تھیں ... اور ان خیالی آوازوں کے پس منظر میں آرزو کی چیخوں اور گولیوں کے دھماکوں سے کہرام سا مچا ہُوا تھا۔

"انسان نے خود کو ہلاکت میں ڈال لیا ہے۔" اُوشان کی بڑبڑاہٹ سُنائی دی تو اُس نے چونک کر آنکھیں کھول دیں۔

"کیا کہہ رہے ہیں، ڈیل فادر؟" وہ تھکے تھکے سے انداز میں بولا۔

"ہتھیار..." اُوشان نفرت سے بولا۔ "انسان نے اپنی قوتِ بازو پر انحصار چھوڑ کر ہتھیاروں کی پناہ حاصل کر لی ہے۔ اَب ایک آدمی، مکھی کے پَر پر بیٹھی ہُوئی کسی مخلوق کے ذریعے پُوری ایک فوج کا صفایا کر سکتا ہے۔"

آپ کا اشارہ غالباً جوہری آلائی کے ہتھیاروں اور جراثیموں سے لیس مہلک ہتھیاروں کی جانب ہے۔" ٹائیگر نے اپنی توجہ بٹانے کے لیے بات نکالی۔

"تم لڑکی کو تلاش کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے...؟" اُوشان نے کہا۔

"نہیں... وہ غالباً اس شہر میں نہیں ہے۔ ایک خوفزدہ لڑکی، خوف زدہ ہرنی کی مانند ہوتی ہے جو جب فرار ہوتی ہے تو یہ اندازہ کرنا مشکل ہوتا ہے کہ اُس کے قدم کہاں جا کر رُکیں گے۔"

"ممکن ہے، تمھارا خیال دُرست ہو۔" اُوشان بڑبڑایا۔ "لیکن جہاں تک میرا خیال ہے، اس کے پاس رقم نہیں تھی۔ رقم کی غیر موجودگی میں وہ کہاں جا سکتی ہے؟"

"ایک حسین لڑکی بذاتِ خود چلتی پھرتی دولت ہوتی ہے۔ اُسے رقم کی کیا ضرورت ہے۔ وہ اگر چاہے تو کسی سے بھی لفٹ لے سکتی ہے۔"

"اور وہ جس کسی سے بھی لفٹ لیتی ہے، وہ اُسے اپنی مرضی سے جہاں چاہے، لے جا سکتا ہے۔" اُوشان کی آواز قدرے بلند ہو گئی۔

"مجھ سے حماقت ہُوئی۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ "چیف کو ایک فون کرنا کافی ہوتا۔ وہ اس لڑکی کو چند منٹوں میں پاتال سے ڈھونڈ کر نکال لاتا۔"

اُوشان اپنے مخصوص انداز میں ہنسنے لگا۔ یہ ٹائیگر کی تضحیک کے لیے ایک عملی مظاہرہ تھا۔ اسی لیے کہتے ہیں کہ دُکھ اور غموں کو دل و دماغ سے اتنا قریب نہیں آنے دینا چاہیے کہ انسان سوچنے سمجھنے سے ہی عاری ہو جائے۔"

"میں، بہرام سے رابطہ قائم کرتا ہُوں۔" ٹائیگر اُچھل کر کھڑا ہو گیا اور فون کی طرف بڑھا۔ عین اُسی لمحے فون بیدار ہو گیا۔ وہ تیزی سے لپکا اور ریسیور اُٹھا کر بولا۔ "ہیلو..."

"اگر تم آرزو کو دوبارہ دیکھنا چاہتے ہو۔" دوسری طرف سے ایک بھاری آواز سُنائی دی۔ "تو میری بات غور سے سُنو۔"

ٹائیگر کے ہونٹوں پر بڑی ہی سفاک مسکراہٹ اُبھر آئی۔ اُسے یہ سُن کر اطمینان ہُوا تھا کہ آرزو نہ صرف اسی شہر میں موجود ہے بلکہ ابھی تک محفوظ بھی ہے۔ اس نے کھلنڈرے انداز میں جواب دیا۔ "عجیب بات ہے! تم سے کس نے کہہ دیا کہ میں اس پاگل لڑکی کو دوبارہ دیکھنا چاہتا ہُوں؟"

دوسری طرف لمحاتی خاموشی چھا گئی... پھر بولنے والے نے اپنی مخصوص آواز میں دوبارہ کہا۔ "اگر تمھیں اس کا ذرا سا بھی خیال ہے تو میری بات غور سے سُنو۔"

"کیا تم عقل سے پیدل ہو، میرے بھائی!" ٹائیگر نے جھلا کر کہا۔ "مجھے کسی ایسی لڑکی کا بھلا کیسے خیال ہو سکتا ہے، جسے میں خیال نہ ہو۔ کل رات اس نے میرے ساتھ جو کچھ کیا ہے، اس کی روشنی میں تو میں اُس کا تصور کرنا بھی گناہ خیال کروں گا۔"

"اگر تم نے میری بات پر توجہ نہ دی تو ہم اُسے قتل کر دیں گے۔" اس بار دوسری طرف سے بولنے والے کا لہجہ بیحد خونخوار ہو گیا تھا۔

"تمھارا مطلب ہے کہ میرے پاس چوائس موجود ہے؟" ٹائیگر نے کہا اور ہنس پڑا۔ وہ اس شخص پر یہ ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا کہ آرزو اُس کے لیے کتنی اہمیت رکھتی ہے۔

"اگر تم نے توجہ سے میری بات نہ سُنی تو اُس لڑکی کو مُردہ سمجھ لینا۔" اس بار دوسری طرف سے بولنے والے کا لہجہ مزید سرد اور سفاک ہو گیا۔

"اوہ... اس کا مطلب ہے کہ میرے پاس انتخاب کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔" ٹائیگر نے قہقہہ لگا کر جواب دیا۔ "بہرحال بڑے بھائی! بولو۔ کیا کہتے ہو؟ آخر ایک جوان لڑکی کا معاملہ ہے، مجھے تمھاری بات غور سے سُننی ہی پڑے گی۔"

"ہاما کے سلاٹر ہاؤس پہنچ جاؤ۔" دوسری طرف سے تحکمانہ لہجے میں کہا گیا۔ "اس سلسلے میں تمھیں صرف نصف گھنٹے کی مہلت دی جا سکتی ہے۔ وہاں تم سے باقاعدہ بات چیت کی جائے گی۔ اگر معاملہ بن گیا تو ٹھیک ورنہ..." اُس نے جُملہ اَدھورا ہی چھوڑ دیا۔ "بہرحال، تنہا آنا اور کوئی شرارت نہ کرنا ورنہ تم اس لڑکی کو زندہ نہیں پاؤ گے۔"

"آج میرا موڈ کسی لڑکی سے ملاقات کے لیے نہیں چاہ رہا تھا لیکن جب تم مجبور کر رہے ہو تو آنا ہی پڑے گا۔" ٹائیگر نے کہہ کر ریسیور رکھ دیا۔ اُسے یقین تھا کہ اُس کا آخری جُملہ دوسری طرف نہیں سُنا گیا ہو گا کیوں کہ اُس شخص نے تنبیہہ کرنے کے بعد فوراً ہی سلسلہ منقطع کر دیا تھا۔

ٹائیگر نے بٹن دبا کر چارہ گر کے ہیڈ کوارٹر کا نمبر ڈائل کیا۔ آٹھ سیکنڈ تک کمپیوٹر کی چہ خیاں گھومتی رہیں... پھر بہرام کا نمبر کمپیوٹر ہی کی مدد سے ڈائل ہُوا اور دوسری طرف فون کی گھنٹی بجنے لگی۔

"ہیلو، سویٹ ہارٹ! میں آپ کو ایک اطلاع دینا چاہتا تھا۔" اس نے کہا۔ "مجھے ابھی ابھی ایک کال موصول ہُوئی ہے۔"

"مجھے بھی کال ملی ہے۔ تمھاری کال کس سلسلے میں تھی؟" دوسری طرف سے بہرام نے تشویش سے پُوچھا۔

"قیدی..." انھوں نے آرزو کو پکڑ لیا ہے اور ان کی خواہش ہے کہ میں اُسے آزاد کرانے کے لیے اُن کے جال میں پھنس جاؤں۔ کیا آپ کو بھی اسی سلسلے میں کال کیا گیا تھا؟"

"مجھے جو کال ملی ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہم جانوروں کا گوشت زہر آلود کرنے والوں تک رسائی حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔"

"اوہ... کیا واقعی؟" ٹائیگر یہ سُن کر اُچھل ہی تو پڑا۔

"ہاں..." دوسری طرف سے بہرام کی آواز کافی مسرور تھی۔ "میں نے بوستان کی آخری رپورٹ دوبارہ سُنی تھی۔ اس میں ایک بات کا تذکرہ تھا، جسے لاعلمی کی وجہ سے اہمیت نہیں دی گئی تھی۔ محکمۂ صحت کی طرف سے جانوروں پر جو مہر لگائی جاتی ہے، زہر اُس کے ذریعے پھیلایا گیا تھا۔"

"اوہ، مائی گاڈ!" ٹائیگر کے ذہن میں وہ مُرغابی گھوم گئی جس پر ایسی ہی ایک مہر موجود تھی۔ تب وہ دل کی گہرائیوں سے اُوشان کی عظمت کا قائل ہو گیا جس نے اس مُہر میں زہر کی موجودگی محسوس کر لی تھی۔ بہرحال، اس کا مطلب ہے کہ اَب مجھے محکمۂ صحت کی صحت کا بھی جائزہ لینا پڑے گا۔"

"نہیں۔ یہ تمھارا کام نہیں۔ اس کے لیے دوسرے لوگ باآسانی کام کر سکیں گے۔"

"آپ کے مُنہ میں گھی شکر۔" ٹائیگر نے قہقہہ لگا کر کہا۔ "چلو شکر ہے۔ اَب کوئی ایسا کام تو نکلا جسے دوسرے لوگ بھی کر سکیں گے۔ ورنہ مجھے توڈر تھا کہ کہیں آپ لوگوں کے گھڑوں کے بند گوبھی مجھ سے ہی نہ کھلوانا شروع کر دیں۔"

دوسری طرف سے بھی قہقہہ سُنائی دیا۔ اس کا مطلب تھا کہ بہرام بے حد خوش گوار موڈ میں تھا۔

"سویٹ ہارٹ!" ٹائیگر نے کہا۔ "اگر آپ آج اتنے ہی خوشگوار موڈ میں ہیں تو میری ایک بات..."

"شٹ اَپ۔" بہرام کا موڈ یکایک خراب ہو گیا۔ "ذرا سی ڈھیل ملی اور تمھاری بکواس شروع ہو گئی۔ نہیں اس وقت کسی تل دار لڑکی کا تذکرہ بھی نہیں سُننا چاہتا۔ تم آرزو کے سلسلے میں کیا کرنے جا رہے ہو؟"

"سوائے آرزو کرنے کے اور بھلا کیا کیا جا سکتا ہے۔" ٹائیگر نے کراہنے کے سے انداز میں کہا۔ "بہت ہی بد ذوق لوگوں سے پالا پڑا ہے۔ کم بخت لڑکی کو پکڑ کر سلاٹر ہاؤس لے گئے ہیں اور مجھے یوں طلب کیا ہے جیسے میں کوئی قربانی کا بکرا ہُوں۔"

"اوہ، ٹائیگر...؟" دوسری طرف سے کہا گیا اور فوراً ہی سلسلہ منقطع ہو گیا۔ اس کا مطلب تھا، بہرام سمجھ گیا تھا کہ وہ اب فضول باتوں سے اس کا دماغ چاٹ لے گا۔

ٹائیگر نے ریسیور رکھ دیا اور پلٹ کر اُوشان کی طرف دیکھنے لگا۔ "محترم ترین والدِ محترم۔" وہ بظاہر ادب سے لیکن مضحکہ خیز سے لہجے میں بولا۔ "میں ایک کام سے جا رہا ہُوں۔"

"ٹائیگر...!" اُوشان نے عجیب سے انداز میں اُس کا نام پکارا۔

اس سے پہلے کہ اُوشان کچھ اور کہتا شہزاد عجلت سے بول پڑا۔ "میں جانتا ہُوں ٹیل فادر۔ آپ نہیں چاہتے کہ میں وہاں جاؤں۔ وہاں وہ خون آشام لوگ موجود ہوں گے جو لاشوں کا سر کاٹ کر درخت کے تنے میں بنے مُہر نے طاق میں سجا دیتے ہیں اور لاش کو درخت سے لٹکا کر اس کے اندرونی اعضا زمین میں دفن کر دیتے ہیں۔ میری زندگی، میری رُوح، میرا فن... اور میرا فرض... یہ اُن سب کا امتحان ہے، ٹیل فادر اور میں اس امتحان کے لیے میدان میں ضرور اُتروں گا۔"

"نہیں... میں تمھیں روک نہیں چاہتا، میرے بچے۔" اُوشان کا پُراسرار لہجہ برقرار رہا۔

"اوہ، تو پھر آپ خود میرے ساتھ وہاں چلنا چاہتے ہوں گے۔ آپ اپنے ناکارہ سے شاگرد کی مدد کرنا چاہتے ہوں گے۔" یہ کہتے ہُوئے ٹائیگر کا لہجہ بے انتہا سخت اور گستاخ ہو گیا لیکن اس لہجے کی گہرائی میں اپنی قوت، اپنی مہارت، اپنے فن..... اور اُوشان کے لیے بے پناہ فخر کا احساس بھی موجود تھا۔

"نہیں... میں تمھارے ساتھ نہیں جانا چاہتا۔" اُوشان نے جواب دیا۔

"نہیں جانا چاہتے!" ٹائیگر حیرت سے اُچھل پڑا۔ "مجھے

روکنا بھی نہیں چاہتے... تو پھر آپ کیا چاہتے ہیں، لٹل فادر؟"

"صرف ایک بات کہنا چاہتا ہوں کہ سکون سے جاؤ... تمہارے دل و دماغ پر چونسٹھ کا اثر ہے، وہ تمہاری توانائی ہی نہیں، مہارت اور فن پر بھی اثر انداز ہوگا... اور یہ کمزوری تمہارے لیے نقصان دہ ہی نہیں، بے پناہ مہلک بھی ثابت ہو سکتی ہے۔ جو کچھ میں نے تمہیں سکھایا ہے، اُسے ہر لمحے یاد رکھنا۔ تم اب ان لوگوں سے مقابلہ کرنے کے لیے پوری طرح تیار ہو۔ جاؤ اور سناٹو کی نمایندگی کرو۔" یہ کہہ کر اُوشان کھڑکی کی طرف گھوم گیا۔

ٹائیگر پر رقت سی طاری ہوگئی تھی۔ آج اُوشان کی عظمت کا جو رنگ اُس کے دل پر بیٹھا تھا، وہ اُس کے زیرِ اثر رہنے کی سی کیفیت محسوس کرنے لگا تھا۔

وہ خاموش کھڑا اپنے اُستاد اور روحانی باپ کی طرف دیکھتا رہا۔ اُوشان کھڑکی کی طرف متوجہ ہونے کے بعد چند لمحوں تک آسمان کی طرف دیکھتا رہا... پھر اس کی آنکھیں بند ہوگئیں اور نرخرہ متحرک ہوگیا۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ دل کی گہرائیوں سے ٹائیگر کی سلامتی اور کامیابی کے لیے دُعا کر رہا ہو۔ ہوٹل کے وسیع و عریض کمرے میں اچانک ہی اس کا وجود بے حد مُقدّس لگنے لگا تھا... وہ دل گرفتہ تھا اور اس کے جذبات ٹائیگر کے لیے اجنبی نہیں تھے لیکن آج وہ اُسے پریشان، اُداس اور غمزدہ نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔ "لٹل فادر..." اُس نے بڑی محبت سے کہا۔ "یقین کیجیے کہ آپ کو میری طرف سے ناکامی کی خبر نہیں ملے گی۔ اپنے ذہن کو ہر فکر سے آزاد کر دیجیے۔"

"یہ صدیوں پرانی فکر ہے، میرے بچے۔" اُوشان نے بڑبڑایا۔ "... اس فکر میں میرے آباؤ اجداد کا خون شامل ہے۔ اس میں ان کی قوتوں کی تضحیک اور شکست کے زخموں سے رِستی بُوند بُوند شامل ہے۔ میں بھلا کیسے فکر کرنا چھوڑ دوں۔ میں آج اپنے بچے کو اُسی مہم پر بھیج رہا ہوں، جس مہم پر میرے آباؤ اجداد نے اپنے بچوں کو بھیجا تھا... اور ان میں سے کوئی بھی زندہ واپس نہیں آیا تھا۔"

"خدا نے چاہا تو حق کی فتح ہوگی۔" ٹائیگر نے بڑے عزم سے کہا۔

اُوشان نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اُس کی آنکھیں اب بھی بند تھیں اور سانس کی متحرک نالی بتا رہی تھی کہ وہ دل ہی دل میں اپنے خالقِ حقیقی سے ہم کلام ہے۔ نہ جانے کیوں ٹائیگر کو یوں محسوس ہوا جیسے اُس کا روحانی باپ اُس کی زندگی سے مایوس ہے اور رب عظیم سے اُس کی زندگی کی بھیک مانگ رہا ہے۔

وہ پلٹ کر دروازے کی طرف چلنے لگا۔ اُس کا ریشہ ریشہ پُرسکون تھا اور اس کے عضلات میں اتنی لچک پیدا ہوگئی تھی کہ وہ خود کو ایک ایسا آدمی سمجھنے پر مجبور ہوگیا جس کے جسم میں ایک بھی ہڈی موجود نہ ہو۔

اُوشان بدستور سر جھکائے بیٹھا رہا۔ دروازہ بند ہونے کی آواز سنائی دی۔ "محتاط رہنا میرے بچے...!" وہ زیرِ لب بولا اور پھر اس کا چہرہ پہلے سے کہیں زیادہ زرد دکھائی دینے لگا۔

گلوک، دوسری منزل پر واقع ایک اسٹور میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس دُکان کے مین دروازے پر اسٹور بند ہے، کی تختی لگی ہوئی تھی۔ وہ دُکان کے ایک ایسے حصّے میں براجمان تھا، جہاں سے باہر سڑک پر آسانی سے دیکھا جا سکتا تھا۔ اس کے علاوہ سامنے واقع ہوٹل کی عمارت بھی اُس کی نگاہ میں تھی۔ خاص طور سے ہوٹل کا صدر دروازہ اُسے صاف نظر آ رہا تھا اور یہاں اس کی نشست کا مقصد بھی یہی تھا کہ وہ ہوٹل کے دروازے کی نگرانی کرتا رہے۔

وہ ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا اور اس کی دونوں ٹانگیں پھیلی ہوئی تھیں۔

***

اُس کی آنکھوں سے ایک طاقت ور دوربین لگی ہوئی تھی۔ دائیں جانب ایک گلاس رکھا ہوا تھا۔ جس میں نصف کے قریب برانڈی موجود تھی۔ کبھی کبھی اس کا دایاں ہاتھ اندازے سے گلاس کی طرف بڑھتا، اس کی انگلیاں گلاس کے گرد لپٹ جاتیں اور وہ اُسے اُٹھا کر مُنہ سے لگا لیتا... پھر ایک گھونٹ لے کر گلاس واپس رکھ دیتا تھا۔ اب تک گلاس اُٹھانے یا واپس رکھنے میں اس سے اندازے کی ایک بار بھی غلطی نہیں ہوئی تھی۔

گلوک کے عقب میں ایک آرام کرسی پر ایک اور شخص بھی براجمان تھا جس کے جسّے ہونٹوں میں ایک سگار سُلگ رہا تھا وہ دھوئیں کے مرغولے کی اوٹ سے اپنے ساتھی کی طرف دیکھ رہا تھا، جس کے اعصاب میں، بڑی دیر سے ذرا بھی کمی نہیں آئی تھی۔ کچھ دیر بعد جب وہ بولا تو اُس کے ہونٹوں میں دبا ہوا سگار حرکت میں آگیا اور اس کے گوشے پر جمع راکھ اُس کی جھولی میں گر گئی۔

"اگر وہ ہوٹل کے عقبی دروازے سے نکل گیا تو کیا ہوگا؟" بایٹ سین نے سوال کیا۔

"چارلی نے کہا تھا کہ وہ صدر دروازے سے ہی باہر آئے گا۔" گلوک نے آنکھوں سے دُوربین ہٹائے بغیر جواب دیا۔

"تم یہ مخوس دُوربین کیوں استعمال کر رہے ہو؟" بایٹ سین کا لہجہ جھلاہٹ آمیز تھا۔ "جبکہ تم ہوٹل کا صدر دروازہ آسانی سے دیکھ سکتے ہو؟"

"چارلی نے کہا تھا کہ ہمیں اس کو کھونا نہیں دینا چاہیے۔" گلوک نے جواب دیا۔ اُس بار بھی اُس نے آنکھوں سے دُوربین ہٹانے کی ضرورت نہیں محسوس کی تھی۔

"چارلی... چارلی... چارلی..." بایٹ سین کا موڈ خراب ہوگیا۔ اس کے لہجے سے بے پناہ نفرت جھلک آئی تھی۔ "آخر یہ چارلی تمہارے ذہن سے اس حد تک کیوں چمٹا ہوا ہے؟"

"میرا خیال ہے، اب تمہیں یہ تبصرے بازی بند کر دینی چاہیے۔" گلوک نے جواب دیا۔ اس کا لہجہ تنبیہ آمیز تھا۔ "ہمیں یقین کر لینا چاہیے کہ وہ شخص ہماری آنکھوں میں دُھول جھونک کر نکل جانے میں کامیاب نہ ہو جائے۔"

"ہماری آنکھوں میں..." بایٹ سین نے نفرت سے کہا۔ "اس بات سے تمہارا کیا مطلب ہے؟ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں اسی طرح احمق بنا یہاں بیٹھا رہوں گا۔ میں تو اس حسین سی بُک کیپر کے پاس جا رہا ہوں۔"

پہلی بار گلوک نے آنکھوں سے دُوربین ہٹائی۔ اس کا چہرہ آہستہ آہستہ اپنے ساتھی کی طرف گھوم گیا۔ "میرا خیال ہے، میں نے تمہیں کہا تھا کہ اس عورت کو ٹھکانے لگا دو۔ ہمیں کسی گواہ کو زندہ نہیں چھوڑنا چاہیے۔ یہ چیز ہماری موت کی علامت بھی بن سکتی ہے۔" اس مرتبہ گلوک کے لہجے میں بے پناہ جھلاہٹ تھی۔

"میں اُسے ٹھکانے لگا دوں گا۔" بایٹ سین نے جلدی سے کہا۔ "دراصل وہ میری وقت گزاری کا فی الوقت سب سے حسین سہارا ہے۔ جانتے ہو، جب میں اُسے محض اُنگلی سے چھوتا ہوں تو وہ یوں اُچھل پڑتی ہے جیسے لڑکی کے بجائے کوئی گیند ہی ہو۔" یہ کہہ کر وہ خوش دلی سے ہنس پڑا۔ اس کے لہجے میں گزرے وقتوں کی یادیں، اپنی تمام تر لطافتوں کے ساتھ نمایاں تھیں۔

گلوک نے بُرا سا مُنہ بنایا۔ اُسے اپنے ساتھی کی یہ عادت قطعاً پسند نہیں تھی۔ وہ عورتوں کے معاملے میں بے حد ناقابلِ اعتبار ثابت ہوا تھا۔ اُس نے دوبارہ دُوربین آنکھوں سے لگائی اور ہوٹل کے صدر دروازے کی طرف دیکھنے لگا۔ "میں سمجھتا ہوں کہ تم نے کم از کم اُس دوسری عورت کو ٹھکانے لگا دیا ہوگا؟" اس کا جملہ استفہامیہ تھا۔

"ہاں... اور وہ اپنی قبر میں سو رہی ہے۔" بایٹ سین بولا۔ "یقین نہیں آتا تو جا کر چیک کر لو... لیکن اس کے لیے تمہیں ایک قبر کھودنی پڑے گی۔ اگر تم وہ قبر کھودنے کے لیے آمادہ ہو جاؤ تو میں اس عورت کی صورت دیکھنے کے لیے ضرور جاؤں گا۔" بایٹ سین کے لہجے سے پرانے وقتوں کی پُرلطف یادوں کا اظہار ہو رہا تھا۔ "میں ایک وقت میں صرف ایک عورت سے دوستی کا قائل ہوں۔"

"ہیں، تمہیں بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔" گلوک نے طنزیہ لہجے میں کہا... لیکن اب اُس کا موڈ پہلے جیسا خراب نہیں تھا۔ "اور اس شکار کا کیا حال ہے؟" اس نے ایک ذومعانی سا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"اوہ، اسے تو میں بھول ہی گیا تھا۔" بایٹ سین نے جلدی سے کہا اور اُٹھ کھڑا ہوا جیسے اُسے اپنی بھول پر افسوس ہو رہا ہو۔ "میرا خیال ہے، زندگی میں پہلی بار مجھے اپنے اصول میں تھوڑی سی تبدیلی پیدا کرنی پڑے گی۔"

"کیا ہانک رہے ہو؟" گلوک کے لہجے میں حیرت تھی۔

"میرا مطلب ہے کہ میں ایک وقت میں دو عورتوں کے ساتھ دوستی کروں گا۔" بایٹ سین نے جواب دیا۔

"اس کے لیے میں تمہیں منع نہیں کروں گا... لیکن نہ جانے ہمیں کس وقت یہاں سے چل دینا پڑے۔"

"پروانہ کرو۔ کام کا وقت آگیا تو میں فی الفور تفریحی پروگرام ملتوی کر دوں گا۔" بایٹ سین نے وعدہ کیا اور اسٹور کے عقبی دروازے کی طرف چل دیا۔

"جاؤ، مزے کرو... لیکن میری ایک آواز پر چلنے کے لیے تیار ہو جانا۔" گلوک نے یاد دہانی کرائی۔

بایٹ سین نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ اچانک ہی آوارہ خیالوں میں کھو گیا تھا۔ اُسے افسوس ہو رہا تھا کہ بلاوجہ اتنا وقت کھڑکی کے سامنے بیٹھ کر گلوک سے فضول باتوں میں گنوا دیا۔ یہ وقت تو وہ سنہرے بالوں والی اُس لڑکی کی رفاقت میں، بے پناہ پُرلطف انداز میں گزار سکتا تھا۔ اس وقت وہ دونوں جس اسٹور میں تھے، اُس کی چھت سے بڑے ہی خوشنما نگین ڈیزائن آویزاں تھے۔ ایسے ہی اُن گنت ڈیزائن دیواروں پر چسپاں تھے۔ وہ ان نمونوں کے حُسن سے محظوظ ہوتا ہوا ایک نسوانی مجسّمے کے سامنے رُک گیا۔ اس مجسّمے پر اوپر سے پھوارے کے سے انداز میں روشنی کی کرنیں گر رہی تھیں اور یوں لگتا تھا جیسے کوئی حسینہ چاند کی کرنوں میں کھڑی غسل سے... لطف اندوز ہو رہی ہو۔

وہ چند لمحے اس مجسّمے کو گھورتا اور مسکراتا رہا... پھر زیرِ لب بولا۔ "کاش! میں زندہ عورتوں کو ہلاک کر کے مجسّموں جیسی لاشیں بنانے کی بجائے، مجسّموں کو زندہ عورتوں میں تبدیل کرنے پر قادر ہوتا... تو اے حسینہ!" اس نے مجسّمے کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے

بازاری سے انداز میں کہا۔ "میں، تجھے اپنی دوستی کے لیے ضرور زندہ کر لیتا۔۔۔ اور تب تمہیں پتہ چلتا کہ یاٹ سین کتنا بڑا محبت کرنے والا ہے۔"

نسوانی قسم کی آنکھوں میں بلور لگے ہوئے تھے جو روشنی میں اصلی آنکھوں کی مانند چمک رہے تھے۔ اس کے ہونٹوں پر بڑا ہی سحر انگیز تبسم منجمد تھا جس کسی نے بھی اسے تراشا تھا، وہ یقیناً نسوانی حسن کا بے پناہ قدردان رہا ہوگا۔

قمیض کے چکنے کندھے سے ہاتھ پھسلا کر یاٹ سین آگے بڑھ گیا اس کا رخ اسٹور کے اس دروازے کی جانب تھا، جو عقبی کمرے میں کھلتا تھا۔

اس نے دروازہ کھول دیا۔

نائٹ گھومنے سے اسٹور کی خاموش فضا میں جو خفیف سی چرچراہٹ پیدا ہوئی تھی، اسے سن کر گلوک کا انہماک متاثر ہوگیا اس نے آنکھوں سے دوربین ہٹائی اور پلٹ کر دیکھنے لگا۔

عقبی کمرے کا دروازہ کھل چکا تھا اور یاٹ سین دروازے میں ٹانگیں پھیلائے کسی ایسے شکاری کی طرح کھڑا تھا، جس کا شکار اس کے سامنے بے بس پڑا ہو۔ گلوک کی نگاہ ایک سنہرے بالوں والے سر پر جم گئی۔ یہ ایک لڑکی کا سر تھا جس کے بال منتشر تھے اور سر فرش پر پڑا ہوا تھا جبکہ اس کا دھڑ ایک کرسی پر تھا۔ لڑکی کو کرسی پر اس طرح باندھا گیا تھا کہ اس کے تکوے چھت کی طرف تھے پنڈلیاں، لڑکی کے موزوں سے چوبی کرسی کے ساتھ مضبوطی سے بندھی ہوئی تھیں۔ کمر کے گرد چمڑے کی مضبوط پٹیاں کسی ہوئی تھیں اور بلاؤز سمٹ کر اس کی گردن پر جمع ہوگیا تھا۔

گلوک کی سماعت سے ایک گھٹی گھٹی سی سسکاری کی آواز ٹکرائی اور لبوں لگا جیسے کسی کا گلا گھٹ کر سسکی درمیان ہی میں ٹوٹ گئی ہو۔

یاٹ سین چند لمحوں تک ٹانگیں پھیلائے دروازے میں کھڑا سامنے بندھی ہوئی لڑکی کو دیکھتا رہا۔۔۔ پھر وہ ایک قدم آگے بڑھا اور پاؤں کی ایڑی عقب میں اچھال کر دروازہ بند کر دیا۔

دروازہ بند ہونے کی آواز سن کر گلوک کے ہونٹوں پر بڑی ہی سفاک سی مسکراہٹ کھیل گئی اور اگلی ہی ساعت وہ دروازے کی طرف سے رخ پھیر کر دوربین آنکھوں سے لگائے، سڑک کے اس پار واقع ہوٹل کی عمارت کو گھورنے میں مصروف ہوگیا۔

پانچ منٹ بعد اچانک ہی اس کے حلق سے ایک نعرہ نکل گیا۔ اس نے دوربین سے دیکھا کہ ایک نوجوان ہوٹل کے صدر دروازے سے باہر آرہا ہے۔ اس کی چال بڑی ہی عجیب تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے کوئی بیلے رقاص اترا اترا کر چل رہا ہو۔ اس نے سیاہ ٹی شرٹ پہن رکھی تھی اور وہ ہوٹل کے صدر دروازے پر کھڑے نگران سے باتیں کرنے میں مصروف ہوگیا تھا۔ نگران نے اس کی باتوں پر اثبات میں سر ہلایا اور مغرب سمت میں اشارہ کر دیا۔

گلوک کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیل گئی۔ وہ جانتا تھا کہ ہاما کا سلائر ہاؤس اسی جانب واقع ہے اور نوجوان نے نگران سے وہیں کا پتہ معلوم کیا ہے۔ نگران نے کوئی ٹیکسی روکنے کے لیے آگے بڑھنے کی کوشش کی لیکن نوجوان نے اسے روک دیا اور پیدل ہی اپنی منزل کی طرف چل دیا۔

گلوک نے دوربین رکھ دی اور اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے کھڑکی سے نگاہ ہٹالی۔ وہ بے حد مطمئن تھا۔ اسے یقین تھا کہ ہوٹل کے کمرے میں اب اس بوڑھے کے علاوہ کوئی بھی موجود نہیں ہوگا۔ اس کا نوجوان ساتھی سلائر ہاؤس کی طرف جا رہا تھا جہاں موت اس کا انتظار کر رہی تھی جب کہ وہ اور یاٹ سین بوڑھے کی زندگی سے کھیلنے جا رہے تھے۔

"یاٹ سین!" وہ چیخ کر بولا۔ "چلو۔۔۔ وقت آگیا۔" یہ کہہ کر وہ آگے بڑھا تو عقبی بند دروازے کی طرف سے کسی کے دوڑنے کی آواز سنائی دی۔

دروازہ ایک دھماکے سے کھلا اور یاٹ سین دکھائی دیا۔ وہ اپنے ہاتھ پتلون سے رگڑ رگڑ کر خشک کر رہا تھا۔ اس سے قبل کہ وہ دروازہ بند کرتا، گلوک کی نگاہ عقبی کمرے میں رکھی ہوئی اس کرسی پر پڑی جس پر اس لڑکی کو سر کے بل کر کے باندھا گیا تھا۔ اس نے دیکھا کہ کرسی خالی ہے، اسے کھلے دروازہ سے سے کرے کا جتنا بھی حصہ دکھائی دیتا تھا، اس کا جائزہ لیا تو اسے صرف لڑکی کی ٹانگیں ہی دکھائی دی تھیں۔ اس کے ہونٹوں پر بڑی ہی سفاک مسکراہٹ مچل گئی۔۔۔ اور پھر یاٹ سین نے عقبی کمرے کا دروازہ بند کر کے وہ منظر اس کی جبینائی سے چھین لیا۔

"کیوں، کیسی رہی؟" گلوک نے عجیب سے لہجے میں دریافت کیا۔

"نہیں۔۔۔" یاٹ سین نے برا سا منہ بناتے ہوئے جواب دیا۔ "اس سے قبل کہ میں لطف و لذت کے ابتدائی لمحے سے آشنا ہوتا، وہ دم گھٹنے کی وجہ سے ہلاک ہوگئی۔"

"اوہ، یہ تو بہت برا ہوا۔" گلوک نے افسوس کا اظہار کیا۔

"بہرحال چلو۔۔۔ کام کا وقت ہوگیا ہے۔"

یاٹ سین اسٹور کی دیوار کی طرف بڑھ گیا جس پر ربر کا ایک حوض لٹکا ہوا تھا۔ اس دوران میں گلوک نے ایک سبز رنگ کا کنسٹر ٹھیسٹ کر اپنے سامنے رکھ لیا۔

"کیا ہمیں وہ منحوس سرخ لبادہ بھی پہننا پڑے گا؟" یاٹ سین غرایا۔ اس کا موڈ کچھ زیادہ ہی خراب ہوچکا تھا اور وہ کسی بازو کٹے کتے کی طرح بار بار غرا رہا تھا۔ میں نکال رہا تھا۔

"وہ کیوں؟" گلوک نے جلدی سے کہا۔ "چارلی اور عذرا بردی کو بھی اب اس لبادے کی زیادہ پروا نہیں رہی۔ ایسے میں ہم کیوں پابندی کریں۔۔۔ پھر انھیں کون بتائے گا کہ ہم نے اپنا کام کرتے وقت سرخ لبادہ نہیں پہنا تھا۔ ہمیں تو چاہیے کہ وہاں چل کر اس بوڑھے کو کسی الو کی طرح چھیل ڈالیں۔ دراصل میں جلد از جلد اس بوڑھے سے نمٹ کر سلائر ہاؤس جانا چاہتا ہوں۔ وہاں جو ایکشن اور تھرل ہونے والا ہے، میں اس میں بھی حصہ لے کر لطف اندوز ہونا چاہتا ہوں۔"

"چلو۔۔۔" یاٹ سین نے ربر کا حوض اٹھا کر دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا تو گلوک نے وہ سبز کنسٹر اٹھا لیا اور اس کے پیچھے پیچھے چل دیا۔

دونوں آگے پیچھے چلتے ہوئے نچلی منزل پر اور پھر سڑک پر نکل آئے۔ سڑک پار کر کے وہ ادھر ادھر دیکھے بغیر سیدھے ہوٹل کے صدر دروازے میں گھستے چلے گئے۔ ریوالونگ ڈور سے نکل کر وہ استقبالیے کے قریب سے گزر کر لفٹ کے قریب پہنچے تو کئی لوگوں نے انھیں حیرت سے دیکھا۔

"تم لوگ کون ہو اور کہاں جا رہے ہو؟" لفٹ آپریٹر نے سوال کیا۔

"انٹرکنڈیشننگ۔۔۔" گلوک نے جواب دیا۔

"بارھویں منزل۔۔۔" یاٹ سین نے جلدی سے اس کی ہاں میں ہاں ملائی اور لفٹ تیزی سے بارھویں منزل کی طرف اٹھتی چلی گئی۔

بارھویں منزل پر واقع ہوٹل کے کمرے کے وسط میں چٹائی پر بیٹھے ہوئے اوشان کی آنکھیں بند تھیں۔ جب سے ٹائیگر گیا تھا، اس کی حالت بڑی ہی عجیب سی ہو رہی تھی۔ اس نے زندگی میں خود کو کبھی اتنا بے بس محسوس نہیں کیا تھا۔ وہ اپنے بزرگوں کی ارواح کو مدد کے لیے پکار رہا تھا۔ اپنے خالق حقیقی سے ٹائیگر کی زندگی کی بھیک مانگ رہا تھا اور اپنے تمام تر دلی جذبوں کی تہہ سے اس کی فتح کی دعا کر رہا تھا۔

جب اس کے بے قرار دل کو کسی طرح چین نہ آیا تو اس نے آنکھیں مزید سختی سے بند کر لیں اور خود کو گرد و پیش سے بیگانہ بنا لیا۔ وہ اپنے ذہن پر زور دے رہا تھا۔ اس کا ذہن تھوڑی ہی دیر بعد ماضی کا سفر کرنے لگا۔ وہ ماضی سوچوں اور اپنے خیالات کو پیچھے۔۔۔ اور پیچھے۔۔۔ بہت پیچھے لے جا رہا تھا۔ وہ اپنے ذہن کے ایک خاص خانے تک رسائی چاہتا تھا۔ اس خانے تک پہنچنے کے لیے اسے شدید ذہنی کام کرنا پڑا۔۔۔ لیکن وہ وہاں تک پہنچنے میں کامیاب ہوگیا۔۔۔ یہ اس کے بچپن کا خانہ تھا۔

وہ اس وقت کا منظر اپنے ذہن میں دہرا رہا تھا جب اس نے اپنے باپ سے ماسٹر کے فرائض حاصل کیے تھے۔ وہ بچہ تھا لیکن یہ فرائض عرف اسی کے کندھوں پر ڈالے جا سکتے تھے۔ وہ خاندان سناجو کا آخری فرزند تھا۔ اس کے باپ اور اس کے علاوہ سارا خاندان ان سرخ لبادے والے شیطانوں کے ہاتھوں موت کے گھاٹ اتر چکا تھا۔

اپنے باپ کی شبیہ ذہن میں پیدا کر کے وہ تصور ہی تصور میں اس کے سامنے تذلیلاً جھک گیا۔

اوشان اپنے مرنے والے تمام بزرگوں کو یاد کرتا رہا۔ ماضی کی راکھ سے ان کے چہرے نکال نکال کر انھیں غور سے دیکھتا رہا۔۔۔ اور پھر وہ اس منظر تک جا پہنچا، جب دھوئیں اور دھند نے اس کے آباواجداد کو نگلنا شروع کر دیا تھا۔ اس دھند نے اس سے اس کا سب کچھ چھین لیا تھا۔ اس کے خاندان کی ایک ایک سانس ختم کر دی تھی۔ اس دھند نے اس کے والد کو پورے گاؤں کے سامنے ندامت سے سر جھکانے پر مجبور کر دیا تھا۔۔۔ اور آج برسوں بعد وہی دھند ایک بار پھر سناجو خاندان کے آخری چشم و چراغ کو نگلنے کے لیے تیل رہی تھی۔

اوشان سر سے پاؤں تک کانپ گیا۔

اسے اپنے باپ کا انجام یاد آگیا۔ وہ ندامت کی موت سے ہمکنار ہوا تھا۔ اس کے ہاتھوں ایک ایسا آدمی ہلاک ہوگیا تھا جسے موت کی ضرورت تھی لیکن اس کا خون واجب نہیں تھا۔ یہ ایک تاریخی اہمیت کی سازش تھی، جو اس دھند سے زیادہ خطرناک اور تباہ کن ثابت ہوئی۔ اس کے خاندان، اس کے آباواجداد۔ اور اس کے باپ کا وقار گاؤں کے لوگوں کی نگاہوں میں ختم ہوگیا۔ خود اس کا باپ اپنے آپ میں اس قدر نادم ہوا کہ وہ لوگوں کی نگاہوں سے چھپنے لگا اور ایک روز وہ چھپ کر پہاڑیوں کی طرف جنگل کا جہاں اس نے اپنے ماہر ہاتھوں سے اپنا آخر اپنی ہی جان لے لی۔

باپ مر گیا تو خاندانی خطاب خود بخود اوشان کو مل گیا۔ وہ ماسٹر بن گیا۔۔۔ اس نے بڑی ذہانت اور مہارت سے وقت گزارا اور اپنے والد

کی خری خواہش کا کافی حد تک احترام کیا۔ اُس کے باپ کی خواہش تھی کہ وہ اس مہلک دُھند سے کبھی مقابلہ نہ کرے۔ اُوشان نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اس عہد کو ہمیشہ نبھائے گا... لیکن اس کے دل کی گہرائیوں میں انتقام کی آگ روشن تھی۔ یہ آگ وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتی رہی اور بھرپور جوانی میں ایک دہکتا ہوا الاؤ بن گئی... تب وہ عہد کو پسِ پشت ڈال کر اُن دُھوئیں کے آدمیوں اور مہلک دُھند کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا... لیکن وہ لوگ تو نہ جانے کہاں غائب ہوگئے تھے...

باپ کی ناوقت موت کی وجہ سے اُوشان پر بے پناہ ذمہ داریاں عاید ہوگئے تھے۔ گاؤں کے مخلص و ذمہ دار لوگوں کی بقا اس کا سب سے بڑا فرض تھا... تب وہ حسبِ روایت، اپنا فن اور اپنی طاقت فروخت کرنے کے لیے گھر سے نکل کھڑا ہوا۔ آج بھی ہر اہ اس گاؤں کے لیے ماہانہ ایک مخصوص رقم بھیجتا تھا۔

اُوشان ایک بار پھر کانپ گیا۔ اُس کی موت کے بعد گاؤں کے مخلص و نادار لوگوں کو رقم ملنی بند ہو جائے گی۔ ابھی اس کا مشن پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچا تھا۔ اس کے نصب العین میں سب سے بڑی خرابی یہ تھی کہ اُس نے زندگی بھر شادی نہیں کی۔ اس لیے اُس کی کوئی اولاد نہیں تھی۔ اس کا کوئی بیٹا نہیں تھا... لیکن آج ایسی بات نہیں تھی کیونکہ شنراوٹا ٹیگر نہ صرف اس کا جانشین تھا بلکہ اس کا بیٹا بھی تھا اور اس کی تمام تر توقعات اُسی سے وابستہ تھیں۔

... اور آج اُس کا وہی مُنہ بولا بیٹا ایک ایسی مہم پر گیا تھا جس نے اُس کے خاندان کے اُن گنت افراد نگل لیے تھے۔ جس نے اس کے آباؤ اجداد کے جسموں کے پُرخچے اُڑا ڈالے تھے اور جس نے اس کے باپ کو ذلت آمیز موت سے ہمکنار ہونے پر مجبور کر دیا تھا۔ اُوشان نے رُوحانی طور پر خود کو کافی قدآور بنا لیا تھا لیکن آج بھی وہ خود کو خالقِ حقیقی کا سب سے حقیر بندہ سمجھتا تھا... اور آج یہی حقیر سا بندہ ربِ عظیم سے اپنے بیٹے کی بقا چاہتا تھا۔

وہ سوچتا رہا... اپنے آباؤ اجداد کی رُوحوں کو پکارتا رہا... اپنے خالقِ حقیقی سے رحم کا طلب گار رہا... حتیٰ کہ اس کی آنکھیں کُھل گئیں اور گہرے استغراق سے نکلتے ہی وہ چونک پڑا۔

اس کی سماعت سے بہت ہی مدھم مدھم سی قدموں کی چاپ ٹکرا رہی تھی۔ یہ موت کے قدموں کی آہٹ تھی۔ اُوشان کی حیات نے انھیں محسوس کر لیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ موت اس کے سر پر پہنچ چکی ہے۔

وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

اس نے پلٹ کر دروازے کی طرف دیکھا اور پھر اُس کی آنکھیں خوف سے پھیلتی چلی گئیں۔ یہ ایک ایسا خوف اور ایسی دہشت تھی جو بچپن سے اُس کے ذہن میں بوئی گئی تھی۔ وہ بیج آج ایک قدآور درخت بن کر اُس کی شخصیت پر حاوی ہو چکا تھا اور اس کی جڑیں اُوشان کی رُوح تک اُتری ہوئی تھیں۔

دروازے کے نیچے سے چمک دار دُھند آہستہ آہستہ کمرے میں داخل ہو رہی تھی۔ اُس نے اپنی زندگی میں کبھی اتنا چمکدار دُھواں نہیں دیکھا تھا۔ موت کا یہ دُھواں، وہی تھا جس نے اس کا پورا خاندان اپنی لپیٹ میں لے کر صفحۂ ہستی سے مٹا ڈالا تھا۔

"دُھند... دُھند... دُھند..." اُوشان چیخ پڑا۔

اس کے سامنے دُھواں کسی دیو کی مانند اُٹھ کر ہیولے جیسی شکل اختیار کر رہا تھا۔ اُوشان اس عفریت کے سامنے تن کر کھڑا ہو گیا۔ اب اس کی آنکھوں میں خوف کا شائبہ تک نہیں تھا۔

اس کی آنکھیں خود اعتمادی اور بے خوفی کے اظہار میں چمک اُٹھی تھیں۔ وہ موت کو مردانہ وار گلے لگانے کے لیے تیار ہو چکا تھا۔ اس کی ٹانگیں ڈھیلی ڈھالی تھیں اور اس کے دونوں ہاتھ پہلوؤں میں جھول رہے تھے۔ عضلات میں خفیف سا بھی تناؤ نہیں تھا۔ اس حالت میں اُس کے عضلات، بوقتِ ضرورت کسی طاقت ور اسپرنگ کی طرح اپنے پیروں کو استعمال کرنے میں مدد دیتے تھے۔

بالآخر موت کا دُھواں اُس کے سامنے آ گیا تھا جس سے وہ زندگی بھر خوف زدہ رہا تھا اور جس کی تلاش میں اُس نے اپنی جوانی گزار دی تھی... یہ قسمت کی ستم ظریفی ہی تھی کہ اس سے آمنا سامنا کب ہوا؟ جب وہ بوڑھا ہو چکا تھا... اور جب اس کا جانشین اس کمرے سے جا چکا تھا۔

... لیکن اس کی آنکھوں نے جلد ہی دیکھ لیا کہ اس ہیولے میں کوئی انسانی وجود پوشیدہ نہیں ہے۔ وہ اپنے ہاتھ اور پاؤں استعمال نہیں کر سکتا تھا۔ اگر ٹھوس شے ہوتی تو اس کے ہاتھ اُسے کاٹ ڈالتے، اُس کے پاؤں ایک ہی ٹھوکر سے اُسے ریزہ ریزہ کر دیتے اور اس کی انگلیاں، خنجروں کی طرح اُس کے آر پار ہو جاتیں لیکن وہ بے بس تھا۔ دُھوئیں کے اس ہیولے سے وہ بھلا کیسے مقابلہ کرتا؟

اس بے بسی نے ایک بار پھر اُس کے انداز میں خوف کی آمیزش کر دی لیکن وہ ایک انچ بھی پیچھے نہیں ہٹا۔ وہ موت سے ڈر کر بھاگنے والوں میں سے نہیں تھا۔ وہ ماسٹر تھا اور کسی ماسٹر ہی کے انداز میں منہ بھی چاہتا تھا۔

بادل رفتہ رفتہ اس کی ہستی اور اس کے وجود پر چھا رہا تھا

س کا چہرہ بھیگنے لگا اور پھر یہ بادل، پانی کے قطروں میں تبدیل ہو رہنے لگا۔ اُوشان نے یکایک سانس لینا بند کر دیا۔ اُس نے تحفظ کے لیے جسم کو گھٹایا۔ بادل اس کے جسم میں سرایت کر رہا تھا۔ اب تک س نے جو پہلی مختصر سانسیں لی تھیں، ان سے یہ دُھند اس کے نرخرے، رخرے سے سینے اور بالآخر معدے تک پہنچ گئی تھی۔ جیسے ہی یہ عدے میں پہنچی، اُوشان نے پیٹ کے عضلات سکیڑنے شروع کر ریے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کاش وہ اس وقت بھوکا ہوتا۔ اس کے عدے میں مرغابی کا گوشت تھا۔ دُھند کی اس گوشت میں آمیزش ہونے لگی اور یوں اس نے ایک مہلک زہر کا روپ اختیار کر لیا۔

اُوشان کو یوں محسوس ہوا جیسے اس کے پیٹ میں ایک بہت بڑی رہ پڑ گئی ہو۔ اس کی انتڑیاں اُلجھ کر گولا سی بن گئی تھیں۔ اُوشان نے ہمیشہ معدے کو مرکز سمجھا تھا۔ زندگی اور موت کا مرکز... جہاں دوح کا قیام رہتا ہے۔ اس زہر نے اُس کے وجود میں آگ سی لگ گئی اور اس کے ہاتھ پیروں میں بے حسی اور فالج جیسی کیفیت پیدا ہو گئی۔ س کے دانت بھنچ گئے اور تکلیف ناقابلِ برداشت ہو گئی۔ اس کی نکھوں کے سامنے اندھیرا پھیلنے لگا یہ ایک ایسا درد تھا جس کا اُسے پہلے کبھی تجربہ نہیں ہوا تھا۔

وہ آہستہ آہستہ پہلے گھٹنوں کے بل اور پھر سر کے بل فرش ی طرف گرتا چلا گیا۔ اس کا جسم یوں تڑپ رہا تھا جیسے کسی بہت بڑے لیکن نادیدہ ہاتھ نے اس کا پورا وجود، اس کی پوری ہستی مسل کر رکھ دی ہو۔

زندگی اور موت کی اس کشمکش کے دوران میں ایک بار بھی اُوشان کے مُنہ سے چیخ نہیں لی تھی... وہ چیخ جو خوف کی حالت میں بے اختیار انسان کے حلق نکل جاتی ہے۔ اُوشان، موت سے ڈرنے والوں میں سے نہیں موت تو اُس کا پیشہ تھا۔ صرف اُسی کا نہیں، صدیوں سے اُس آباؤ اجداد کا یہی پیشہ تھا اور بالآخر وہ اسی پیشے کی بھینٹ بھی چڑھ تھے... اور آج اُن کا آخری چشم و چراغ بھی اسی کش مکش میں لا ہو گیا تھا۔

اگر وہ موت سے فرار چاہتا تو اُسے کوئی بھی نہیں روک سکتا تھا... اور اگر لاشعوری طور پر اُس کے دل و دماغ میں دُھوئیں اور دُھند کا خوف، بچپن ہی میں ایک نفسیاتی گرہ بن کر نہ بیٹھا ہوا ہوتا تو وہ اُن انسانی قدموں کو کبھی نظر انداز نہ کرتا جن کی آہٹ اُس نے موت کا دُھواں دیکھنے سے پہلے سُن لی تھی۔

جب وہ سر کے بل گرا تھا تو اُس کے دل میں فرار کا ہلکا سا بھی خیال نہیں آیا تھا بلکہ اُس نے ڈوبتے ذہن کے ساتھ یہی سوچا تھا کہ وہ ایک ماسٹر جیسی عالی شان موت سے ہمکنار ہو گا۔

موت سر پر پہنچ چکی تھی بلکہ اُس کے ہوش و حواس پر طاری ہو چکی تھی... لیکن وہ مطمئن تھا۔ وہ سکون سے مر سکتا تھا کیونکہ اُسے اطمینان تھا کہ ٹائیگر زندہ رہے گا۔ اُسے خوشی تھی کہ مشیتِ ایزدی نے ٹائیگر کی زندگی کا تقاضہ نہیں کیا تھا۔

کمرے میں دُھواں پھیلتا جا رہا تھا۔ اُوشان قالین پر جہاں گرا تھا، وہاں اُس کے اُوپر دُھوئیں کا ایک مرغولہ چکرا رہا تھا۔ یُوں محسوس ہوتا تھا جیسے پورے کمرے میں دھول نما دُھواں بھر گیا ہو... یہ گرد و غبار جیسی دُھند، اُس کے ساکت جسم پر جمتی جا رہی تھی۔

اُوشان پر تشنج جیسی کیفیت طاری ہو گئی۔ اُس کے ہاتھ پاؤں اینٹھ رہے تھے... لیکن وہ ذرا سی بھی مدافعت نہیں کر رہا تھا... وہ وابستہ موت کو خود پر طاری کر رہا تھا جیسے مرنے کے عمل میں کامیابی اُس کے ارادے میں شامل رہی ہو۔

اُس کا ذہن تیزی سے تاریکیوں میں ڈوبتا چلا جا رہا تھا۔ مختصر سا جسم بُری طرح چرمرا گیا تھا... ڈوبتے ہوئے ذہن کے ساتھ اُس نے صرف ایک آواز سُنی۔

یہ دروازہ کھلنے کی آواز تھی۔

اگرچہ اُوشان، غنودگی کی پہلی منزل پار کر چکا تھا، پھر بھی اُس کی سماعت نے دروازہ کھلنے اور کسی کے اندر آنے کی آوازیں سُن لیں معدے میں اینٹھن بڑھتی جا رہی تھی۔ اگرچہ اُسے سانس لیے ہوئے پورا ایک منٹ گزر گیا تھا لیکن پھر بھی اُس کے پھیپھڑے متاثر نہیں ہوئے تھے۔ اُسے بس ایک ہی تکلیف تھی۔ اُس کا معدہ... زندگی اور موت کا مرکز... اُسے دھوکا دے رہا تھا۔ ایسی تکلیف اُسے زندگی میں پہلے کبھی نہیں ہوئی تھی۔

"اس دُھوئیں نے تو جادو جیسا اثر دکھایا ہے۔" ایک چہکتی ہوئی آواز کمرے میں گونج اُٹھی۔ "یہ کنڈیشنڈ مکسچر واقعی سیکنڈوں میں کام کرتا ہے۔" یہ گلوک کی آواز تھی۔ وہ اپنے ساتھی کی طرف متوجہ تھا۔

"ہاں... لیکن زیادہ باتیں نہ بناؤ۔" پیٹ سین نے ناگواری

نواب حیدر علی
الماس ایم اے قیمت:=/200

سے کہا اور چہرے پر ماسک درست کرنے لگا۔ "ہمیں جلد از جلد اس مچھر کے ٹکڑے کر دینے چاہئیں۔"

گلوک نے تائید میں سر ہلایا۔

دونوں اُوشان کے مختصر سے جسم کے ٹکڑے کرنے کے لیے آگے بڑھنے لگے۔ اب اُن کے ہاتھوں میں گوشت کاٹنے والے لمبے لمبے چھُرے دیے ہُوئے تھے۔

"رُک جاؤ..." اچانک اُنھیں ایک آواز سُنائی دی اور وہ چونک کر پلٹ پڑے۔ پھر دروازے کی طرف دیکھ کر اُن کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

عذرا بردی نہیں چاہتی تھی کہ وہ حرکت کرے۔ چارلی، شنگ، کونٹالی اور برگ بھی ایسا نہیں چاہتے تھے۔ ان میں سے دو نے رُوسی ساخت کی رائفلیں تان رکھی تھیں اور تیسرا اسرائیلی یوزی سب میرین گن سنبھالے کھڑا تھا۔

"اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ تم لوگوں نے میرے قتل کا منصوبہ بنا رکھا ہے تو میں کبھی اِدھر کا رُخ بھی نہ کرتا۔" ٹائیگر نے کہا۔

اُس کی بات پر رُوسی ساخت کی رائفلوں والے دونوں آدمی کھل کھلا کر ہنس پڑے کیونکہ شہزادے کے انداز میں بے پناہ سادگی تھی...

چارلی نے اُنھیں ڈانٹ دیا۔ "خاموش ہو جاؤ۔"

ٹائیگر اس وقت سلاٹر ہاؤس کے ایک کمرے میں، غیر معمولی ساخت کے آہنی رُوم کے قریب کھڑا تھا۔ اس رُوم میں جانور کو ذبح کر کے پھینکا جاتا تھا اور یہاں سے مذبوحہ کھال اُتارنے اور ٹکڑے، ٹکڑے کر دینے والی مشینوں کی طرف چلا جاتا تھا۔ یہ وسیع و عریض رُوم دیکھنے میں تیل کے کسی کنوئیں جیسا لگتا تھا۔

آہنی رُوم اس پلیٹ فارم سے بارہ قدموں کے فاصلے پر تھا۔ جس پر عذرا بردی کھڑی، کڑے تیوروں سے ٹائیگر کو گھور رہی تھی... اُس کے پہلو میں چارلی استادہ تھا۔ اُس کے ہاتھ میں پلاسٹک کی بنی ہُوئی ایک چیز تھی جسے وہ بار بار لہرا رہا تھا۔ پلاسٹک کے اس چھڑی نُما آلے کے سرے پر دھات کی اَنی پیوست تھی۔ باقی تینوں ٹائیگر کے پہلوؤں میں اور پیچھے کھڑے تھے۔ اُن کے ہتھیار کسی بھی لمحے، آگ اُگلنے کے لیے تیار تھے۔ اُن کی اُنگلیوں کی گرفت اپنے ہتھیاروں پر بے حد سخت تھی۔ جیسے اُن میں سے ہر شخص ٹائیگر کو پہلی گولی مارنے کی شدید خواہش میں مُبتلا ہو۔

ٹائیگر نے سلاٹر ہاؤس میں داخل ہوتے ہی محسوس کر لیا تھا کہ کلوز سرکٹ کیمروں کی مدد سے اُس کا جائزہ لیا جا رہا ہے... لیکن اُس نے یہاں تک پہنچنے کے دوران میں ایک بار بھی کیمرے کی طرف نگاہ اُٹھا کر نہیں دیکھا تھا۔ وہ خود کو ان کیمروں کی موجودگی سے بے خبر ظاہر کرنا چاہتا تھا اور اُسے اپنے مقصد میں ناکامی نہیں ہُوئی تھی۔

"خفیف سی حرکت بھی نہ کرنا۔" عذرا نے کسی زخمی ناگن کی طرح بل کھا کر کہا۔ "تمھیں کھجانے تک کی اجازت نہیں۔"

"بہت بہت شکریہ۔" ٹائیگر ہنس پڑا۔ "مجھے یہ جان کر خوشی ہُوئی کہ تم اپنے مہمانوں کو کھُجانے کا فرض بھی ذاتی طور پر انجام دینا چاہتی ہو۔"

"خیال رہے، صرف تمھارے ہونٹوں کو حرکت کرنے کی... اجازت ہے۔ اس کے علاوہ تمھارے جسم کا ایک حصّہ بھی حرکت میں نہ آئے۔ بولتے رہو۔ آج تمھیں بولنے کی کھلی اجازت ہے۔" عذرا کا لہجہ زہر میں بُجھا ہُوا تھا۔

"ہُوں... تو اس سارے معاملے کی سرغنہ تم ہو؟" ٹائیگر نے براہِ راست اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہُوئے کہا۔

"نہیں، میں باس نہیں ہُوں۔" عذرا نے پہلی بار قدرے مُسکرا کر جواب دیا۔ "مسٹر وائزگائی باس ہیں... لیکن جلد ہی میں باس بن جاؤں گی۔ جیسے ہی یہاں سے گوشت خوروں کا صفایا ہو گا میں حُکمران بن جاؤں گی۔"

"شاید تم مشرقی لوگوں سے اچھی طرح واقف نہیں ہو... یہ مُوٹی، گاجر بڑے شوق سے کھاتے ہیں۔ ایک بات تو بتاؤ۔ تمھارا تعلق کس مُلک سے ہے؟ تم یہاں کی باشندہ تو نہیں لگتیں۔"

"میں، اسرائیلی ہُوں۔" عذرا بردی نے بڑے فخریہ لہجے میں بتایا۔

"اوہ! تو اب انتظار کس بات کا ہے؟ میں اِس مُلک کا سب سے بڑا گوشت خور ہُوں۔ مجھے گولی مار کر تم حُکمران کیوں نہیں بن جاتیں؟"

"اوہ... ایسی بھی کیا جلدی ہے۔" عذرا کے حسین ہونٹوں پر بڑی ہی سفّاک مُسکراہٹ اُبھر آئی۔ "پہلے تم یہ بتاؤ گے کہ تمھیں، اس معاملے کا کس حد تک علم ہے؟ اس کے بعد تمھیں، سُوروں کی ایک خاص بیماری کا انجکشن لگایا جائے گا۔ اس بیماری میں مُبتلا ہو کر، جب تم مرو گے تو میں اپنی زندگی کا دلچسپ ترین منظر دیکھوں گی۔"

"میرا وعدہ ہے کہ تمھیں اپنی زندگی کا دلچسپ ترین منظر ہی دیکھنے کو ملے گا۔" یہ کہتا ٹائیگر دھات کے اس کنوئیں نما ڈرم کے کنارے پر بیٹھ گیا۔ اُس کے انداز سے یُوں لگتا تھا جیسے وہ یہاں کوئی تماشا دیکھنے کے لیے آیا ہو۔ "اگر تم میرے ذہن کے اس خانے سے کچھ نکالنے میں کامیاب ہو جاؤ، جہاں اس معاملے کے سلسلے میں معلومات کا ذرا سا بھی ذخیرہ موجود نہیں تو میں، تمھاری غلامی قبول کر لوں گا... اس کے باوجود

مجھے جو کچھ معلوم ہے، میں وہ سوالوں کی شکل میں تمھارے سامنے پیش کر... دیتا ہُوں۔"

ٹائیگر کی نگاہیں، عذرا پر جمی ہُوئی تھیں۔ اُس کے دل میں اس لڑکی کے خلاف نفرت کا سمندر موجزن تھا۔ لیکن اُس کے ہونٹوں پر شکست دینے والی مُسکراہٹ اور آنکھوں میں مسحُور کر دینے والی چمک تھی۔ اگر عذرا بردی، پتھر کی بنی ہُوئی ہوتی، تب بھی وہ ان نگاہوں اور مُسکراہٹ سے پگھل گئی ہوتی... لیکن معلوم ہوتا تھا کہ وہ کسی ایسی دھات کی بنی ہُوئی عورت تھی جس پر دانہ و جاذبیتیں، مُسکراہٹیں اور آنکھوں کی مقناطیسی کشش بالکل ہی اثر انداز نہیں ہوتی۔

شہزادے نے اپنا جادُو ناکارہ ثابت ہوتے محسوس کیا تو اُس کی تلملاہٹ بڑھ گئی۔ اس کے باوجُود وہ، عذرا کو متاثر کرنے کی کوشش سے باز نہ آیا۔

"میں، تمھاری معلومات پر مبنی، پہلے سوال کی منتظر ہُوں..." عذرا کی آواز گُونجی۔

"گوشت کو زہر آلُود کرنے کا کارنامہ تمھی انجام دیتی رہی ہو؟"

"بلاشُبہ... یہ ہماری ہی حرکت ہے۔" عذرا نے مُسکرا کر کہا۔ اُس کی مُسکراہٹ، عام آدمی کو لبِ گور پہنچانے کے لیے کافی تھی لیکن ٹائیگر، اس سے ذرا بھی متاثر نہیں ہو رہا تھا کیونکہ اس وقت وہ خود بھی اسی کوشش میں لگا ہُوا تھا۔ یُوں محسُوس ہو رہا تھا جیسے دونوں ہی اپنی اپنی مقناطیسی کشش اور خفیہ طاقتوں کو آزمانے میں مصرُوف ہوں۔

"درختوں پر جھُولتی ہُوئی بے سر کی لاشیں بھی تمھاری ہی تخلیق ہیں؟" ٹائیگر نے اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہُوئے سوال کیا۔

"ہاں... اُنھیں، تم ہمارے شہکار کہہ سکتے ہو۔" عذرا یہ کہہ کر ہنس پڑی۔ اُس کے موتیوں جیسے چمک دار دانت بے حد زہریلے تھے۔ اور اُن کا حُسن، ایک عجیب سے خوفناک تاثر میں ملفوف تھا۔

"تم لوگ ایسے شہکار کیوں تخلیق کرتے ہو؟" ٹائیگر نے سوال کیا۔ کوشش کے باوجُود، اُس کی آواز سخت ہو گئی تھی اور مُسکراہٹ میں تلخی گھُل گئی تھی۔

"میں تمھارا مطلب نہیں سمجھی؟" عذرا نے اس سوال کی وضاحت چاہی۔

"میرا مطلب ہے، تمھیں یہ سب کچھ کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ لاشوں کی کھال اُتارنا، اُن کے سر کاٹ کر دھڑ درختوں سے لٹکانا اور اُن کے اعضا زمین میں دفن کر دینا کوئی اچھا فعل نہیں ہے۔ اِن سب حرکتوں سے تم لوگوں کا کیا مقصد ہے؟"

"ٹیسٹ..." عذرا بردی نے جواب دیا۔ "دراصل شروع شروع میں ہمارا مخصوص زہر زیادہ مؤثر نہیں تھا۔ ہم نے اسے مختلف لوگوں پر آزمایا اور اس کے اثرات کا جائزہ لیا۔ تب پتہ چلا کہ یہ زہر عارضی طور پر کام کرتا ہے پھر تھوڑے ہی عرصے میں اس کے اثرات زائل ہو جاتے ہیں۔ بوستان خان، اس کا پہلا شکار تھا اور تم، اس کے آخری شکار ہو گے۔ یہ ایک قدیم رسم ہے جس کے مطابق لوگوں کو زندگی سے نجات دِلانا ہمارے لیے ضروری ہے۔ بہرحال اب جو زہر تیار ہُوا ہے وہ صد فی صد مؤثر ہے۔ اب ہم دُنیا بھر میں موجُود، لاکھوں گوشت خوروں کو ہلاک کر سکیں گے۔"

شنگ خوش دلی سے ہنسا تو چارلی نے اُسے ڈانٹ دیا۔

"قدیم رسم...؟" ٹائیگر نے حیرت سے دُہرایا۔

"ہاں، مسٹر شہزاد..." عذرا نے بڑے فخریہ لہجے میں جواب دیا۔ "کیا تم نہیں جانتے کہ ہم لوگ درحقیقت خُون آشام ہیں، اعزازی خُون آشام... کیونکہ ہم عملاً انسانی خُون نہیں پیتے۔ انسانی معدہ ہمارے مسلک میں بے حد مقدس سمجھا جاتا ہے، جو لوگ اُسے گوشت اور اُس سے پیدا ہونے والی تنہزابیت سے تباہ کرتے ہیں، اُنھیں ہم اپنا دُشمن خیال کرتے ہیں۔ کسی کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ وہ ہمارے عقائد کی توہین کرے۔"

اس بات پر وہاں موجُود سب ہی لوگ ہنس پڑے۔ صرف ٹائیگر خاموش تھا۔ اُس کے ہونٹوں سے مُسکراہٹ رُخصت ہو گئی تھی اور آنکھوں کی چمک نے خُون کی سُرخی کا رُوپ دھارنا شروع کر دیا تھا۔ ٹائیگر کو اب اُوشان کی باتیں یاد آ رہی تھیں۔ وہ جن باتوں کو اُس کی توہم پرستی پر محمُول کرتا رہا تھا، وہ بالآخر حقیقت بن کر سامنے آ گئی تھیں۔ عذرا بردی نے جس قدیم رسم کا حوالہ دیا تھا، وہ اُس کے پس منظر سے خُوب آگاہ تھا۔ اس احساس نے اُس کے جسم میں ایک سرد سی لہر دوڑا دی جس پر ان لوگوں کے قہقہوں نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ پہلی بار اُس نے محسوس کیا کہ وہ واقعی ایسے خُون آشام لوگوں کے درمیان گھِرا ہُوا ہے، جو انسانی خُون کے پیاسے ہیں۔

"میں تم لوگوں کی باتیں سمجھنے سے قاصر ہُوں اور مجھے اس کی کوئی پروا نہیں کہ تم سب کون ہو اور کن عقائد سے تعلق رکھتے ہو۔" وہ اُٹھ کھڑا ہُوا۔

"تم سب کو بھی گوشت کے ڈھیروں میں تبدیل ہونا ہے..." یہ جُملہ ادا کرتے ہُوئے ٹائیگر کو احساس ہُوا کہ اُس کے لہجے میں غصّے کی آمیزش ہے۔ غصّہ، اُوشان کی تعلیمات کے خلاف تھا۔ لیکن اُس نے کوئی پروا نہیں کی۔ اُس نے اپنے ہونٹوں کو حرکت دی اور پنجوں کو تیار کیا تاکہ فضا میں بلند ہو کر، بارہ فٹ اُونچی چھت تک پہنچ سکے...

لیکن اُسی لمحے یُوں محسوس ہُوا جیسے اُس کے پیروں تلے سے زمین سرک گئی ہو۔

اب اُسے افسوس ہونے لگا لیکن درحقیقت افسوس کرنے کی بھی مُہلت بھی نہیں تھی۔ اگر وہ غصّے میں نہ ہوتا تو چارلی کی حرکت، اُس کی نگاہ سے ہرگز پوشیدہ نہ رہتی۔

چارلی کے ہاتھ میں جو آلہ تھا، اُس کا تعلق غالباً الیکٹرونک سسٹم سے بھی تھا۔ گویا یہ ایک طرح کا ریموٹ کنٹرول تھا۔ اُس نے ہاتھ کے قریب ہی لگے ہُوئے ایک بٹن کو دبایا تھا جس سے آٹومیٹک سُوئچ حرکت میں آگیا اور وہ کنواں نُما ڈرم ذرا سا ترچھا ہوگیا۔ فرش پہلے ہی اُس کے پیروں تلے سے نکل گیا تھا۔ ٹائیگر کے پیروں کے پنجے گھُوم گئے اور ٹانگیں مُڑ گئیں۔ وہ کچھ کرنا چاہتا تھا لیکن کرنے کے لیے کچھ بھی نہیں تھا۔ لہٰذا وہ کسی پتھر کی طرح گہرائی میں گرتا چلا گیا۔

اب ٹائیگر صرف ایک ہی کام کر سکتا تھا۔ اُس نے سب سے پہلے تو ایک ہی ساعت میں اپنا ذہن پُرسکون کیا۔ ذہن کو سکون ملتے ہی اُس نے اپنے گرنے کی حالت دیکھی اور پھر اُس کے جسم کا ایک ایک عضو اپنی انتہائی لچک کے تحت ڈھیلا ڈھالا پڑ گیا۔ وہ جانتا تھا کہ اب اگر وہ کسی ٹھوس جگہ پر بھی گرا تو اُس کی ہڈی پسلی ٹوٹنے سے محفوظ رہے گی... اچانک اُسے احساس ہُوا کہ اُس کے تلوے کسی چیز سے رگڑ کھا رہے ہیں۔ تب اُس نے دیکھا کہ وہ درحقیقت دھات کی بنی ہُوئی، ایک چکنی سُرنگ میں پھسلتا ہُوا نیچے گر رہا ہے۔

اس سے پہلے کہ وہ اس جگہ سے آگے بڑھتا، سیکنڈ کے حقیر ترین حصّے میں اُس کی نگاہ ایک سُرنگاف پر پڑی۔ اُس کے دونوں ہاتھ، وقت کی بندشیں تہس نہس کر کے، اُس سُوراخ تک پہنچ گئے۔

اگلی ہی ساعت وہ اس سُرنگاف سے ایک کمرے میں جا گرا۔

پندرھوں تک وہ وہیں ساکت پڑا رہا۔ اُس کی دھڑکنیں رُک سی گئی تھیں۔ وہ آہستہ آہستہ سانس لینے لگا اور پھر یہ سانسیں... گہری ہوتی چلی گئیں۔ حواس پر قابو پانے میں اُسے جو لمحاتی عرصہ لگا، اس میں وہ یہ بھی دیکھ چکا تھا کہ جس سُرنگاف سے وہ اس کمرے میں داخل ہُوا ہے، اُس کے گزرتے ہی وہاں اسٹیل کا ایک گول ڈھکنا خود بخود لگ گیا تھا... اور اب وہ سُرنگاف بند ہو چُکا ہے۔

ٹائیگر نے اطراف کا جائزہ لیا۔

وہ جس کمرے کے یخ بستہ فرش پر پڑا تھا، وہ کمرہ نہیں، ایک بہت بڑا سرد خانہ تھا۔ وہ جس سُرنگاف سے اندر آیا تھا، اُس کے بند ہونے سے پہلے، شہزاد کی سماعت سے چند آوازیں ٹکرائی تھیں۔ یہ بہت سے لوگوں کے دیوانہ وار قہقہے لگانے کی مکروہ آوازیں تھیں... ہسٹریائی قہقہے تھے، جو اُس کے ذہن میں چنگاریاں بھر گئے تھے... یہ آوازیں اُوپر سے آئی تھیں۔ گویا وہ لوگ، ڈرم کے کنارے کھڑے، اُس کی بے بسی پر ہنس رہے تھے۔

یکایک ٹائیگر کو شدید ٹھنڈک کا احساس ہُوا۔ وہ چونک پڑا۔ اُسے کسی اور طرف توجہ دینے سے پہلے درجۂ حرارت پر دھیان دینا چاہیے تھا۔ اُس نے عملِ تنفّس کے ذریعے اپنی دھڑکنوں کو کنٹرول کیا اور آہستہ آہستہ جسم اور کمرے کے درجۂ حرارت میں ہم آہنگی پیدا کر لی۔ اب یہ یخ بستہ ماحول اُسے منجمد نہیں کر سکتا تھا۔

اس وقت سرد خانے کا درجۂ حرارت صفر سے پانچ ڈگری کم تھا۔

سرد خانے کی دیواریں سفید اور بھُورے رنگ کی تھیں۔ پچاس فٹ تک برف کی لمبی لمبی سلیں بھری ہُوئی تھیں۔ یہ فریزر نُما کمرہ بیس فٹ چوڑا تھا اور اس میں بیک وقت کئی جانوروں کی نعشیں رکھی جا سکتی تھیں اس کے علاوہ کئی درجن آدمی یہاں اُن کی قطع و بُرید کا کام بھی کر سکتے تھے ——— سرد خانے کے درمیان بُک لگے ہُوئے تھے، جن پر گائے اور بھینسوں کی نعشیں ٹنگی ہُوئی تھیں۔ یہ ایک قطار میں جھُول رہی تھیں۔ ٹائیگر اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑا ہُوا۔

وہ گائے بھینسوں کی نعشوں کے ساتھ ساتھ آگے بڑھنے لگا۔ اُسے اس سرد خانے کے دروازے کی تلاش تھی۔ اچانک اُسے ٹھٹک جانا پڑا۔

اُس کی سماعت سے سُوں سُوں کی آوازیں ٹکرانے لگی تھیں۔ پہلے تو یُوں لگا جیسے سرد خانے میں بیک وقت کئی سانپ پھُنکارنے لگے ہوں... پھر جب یہ آوازیں تسلسل سے آتی رہیں تو ٹائیگر کو اُن کی طرف توجہ دینی پڑی۔ غور سے سُننے پر یُوں لگ رہا تھا جیسے کسی جگہ سے ہَوا خارج ہو رہی ہو... یا پھر گیس چھوڑی جا رہی ہو۔

ٹائیگر کی بھٹکتی ہُوئی نگاہیں، فریزر یُونٹ پر جم کر رہ گئیں۔

فریزر یُونٹ سے دُھواں سا خارج ہوتا نظر آ رہا تھا۔ یہ یُونٹ کمرے کے انتہائی حصّے میں نصب تھا اور وہاں اب دُھند ہی دُھند دکھائی دے رہی تھی۔

"دُھواں..." ٹائیگر بڑبڑایا۔ "دُھند..."

اُس نے اثبات میں سر ہلایا۔ اُوشان کی ایک ایک بات حقیقت پر مبنی تھی۔ یہ دُھواں بھی اُوشان کی دہشتوں کے مظاہر میں سے ایک تھا۔ ٹائیگر، اس کے باوجود، ذہنی طور پر یہ قبول کرنے پر آمادہ نہ ہو سکا کہ اس دُھند میں کوئی خطرناک انسان بھی پوشیدہ ہو سکتا ہے۔

فریزر یُونٹ سے نکلنے والا دُھواں، پتلی پتلی لکیروں کی شکل میں خارج ہو رہا تھا۔ کسی انسان کو اس قسم کے ذرّات میں تبدیل نہیں کیا جا سکتا تھا۔

نہ جانے کیوں اس دُھوئیں کو دیکھ کر اُس پر طاری سا خوف طاری ہو گیا تھا۔ دوسرے ہی لمحے اُس نے اپنے ذہن سے ہر خوف اور ہر خدشے کو جھٹک دیا۔ اگرچہ وہ ایک بڈھا آدمی تھا لیکن نفسیاتی طور پر اس دُھوئیں نے دل و دماغ پر جو وقتی دہشت بٹھا دی تھی، اُس سے ٹائیگر کے اعصاب قدرے متاثر ہُوئے۔ اس وجہ سے وہ اپنے جسم کا مکمل پنجہ بھی برقرار نہ رکھ سکا۔

صُورتِ حال جُوں کی تُوں محسوس ہُوئی تو اُس نے آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنا شروع کر دیا۔ سرد خانے کے سامنے والے حصّے میں کافی دُھواں بھر گیا تھا اور اب دُھند کے یہ بادل آہستہ آہستہ اُس کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ٹائیگر کو اپنا ذہن ڈُوبتا ہُوا محسوس ہونے لگا۔ دل بھی بے تابو ہُوا جا رہا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ پیچھے ہٹتا ہُوا دیوار سے جا لگا۔ اب وہ بُری طرح ہانپ رہا تھا اور دُھوئیں کے بادل کسی پیادہ فوج کی مانند اُس کی طرف بڑھتے چلے آ رہے تھے۔ اُس کے جسم کا درجۂ حرارت ایک بار پھر متاثر ہونے لگا تھا۔

ق

یاٹ سین نے پلکیں جھپکا کر، اُس شخص کی طرف دیکھا... جو دروازے میں کھڑا، اُنھیں گھُور رہا تھا... پھر وہ، گلوک کی طرف متوجہ ہو گیا۔ گلوک کے چہرے پر بھی اُلجھن کے تاثرات تھے۔ وہ کبھی تو اس اجنبی کی طرف دیکھنے لگتا تھا اور کبھی اپنے ساتھی کی طرف متوجہ ہو جاتا تھا جیسے وہ حیران ہو کر ان حالات میں اُنھیں کیا کرنا چاہیے۔

"تم دونوں اس کمزور بُوڑھے کے ساتھ کیا کرنے جا رہے تھے؟" وہ اپنی سُرخ سُرخ آنکھوں سے اُنھیں گھُورتے ہُوئے بولا۔

یاٹ سین تھُوک نگل کر رہ گیا۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس شخص کو کیا جواب دے جس پر ایک نگاہ پڑتے ہی وہ اپنے ہوش و حواس کھوتا جا رہا تھا۔

وہ ایک جسیم آدمی تھا۔ اُس کی کھوپڑی اُسترے کے پھلکے کی طرح بالوں سے بے نیاز تھی۔ وہ سیاہ سُوٹ پہنے ہُوئے تھا اور اس نے سیاہ ٹائی لگا رکھی تھی۔ اس گرانڈیل آدمی کو اُنھوں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ یاٹ سین کو حیرت تھی کہ یہ کون ہے۔ کیا یہ اس بُوڑھے کا ساتھی ہے؟ اُنھوں نے ... اُوشان کے ساتھ، شہزاد کے سوا کسی کو نہیں دیکھا تھا۔ اس لیے یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ وہ اُوشان کا ساتھی ہے۔ وہ اُس کی طرف دیکھتا رہا۔ اُسے اپنے پُورے جسم میں پتھر تھری سی پھیلتی محسوس ہو رہی تھی۔ اُس کے دونوں ہاتھ، نازک پتّوں کی طرح لرز رہے تھے۔

گنجے نے ایک قدم آگے آ کر عقب میں پاؤں بڑھایا اور دروازہ بند کر دیا۔ اُس کا دایاں ہاتھ اپنی پتلون کی جیب میں تھا۔ گھنی بھنوؤں کے نیچے بڑی بڑی خوفناک آنکھوں میں درندوں کا سا تاثر تھا۔ وہ پلکیں جھپکائے بغیر، ان دونوں کو دیکھتا رہا... پھر اُوشان کے قریب آ کر رُک گیا۔ اُس کی ساکت پُتلیاں ایک لمحے کے لیے متحرک ہُوئیں اور اُس نے وضاحت طلب انداز میں یاٹ سین کی طرف دیکھا۔

"نہیں... یہ ابھی زندہ ہے۔ یہ زہریلے دُھوئیں کی وجہ سے فی الحال بے ہوش ہے... ہو سکتا ہے کہ... مر ہی گیا ہو۔" یاٹ سین نے ہکلا ہکلا کر بتایا۔

نووارد ایک گٹھنہ فرش پر ٹیک کر اُوشان پر جُھک گیا۔ اُس کا دایاں ہاتھ بدستور جیب میں تھا۔ بایاں ہاتھ، اُس نے اُوشان کے سینے پر رکھ دیا۔ کچھ دیر وہ ہاتھ یُونہی رکھے غالباً دھڑکنیں محسوس کرتا رہا... پھر اُٹھ کھڑا ہُوا۔

یاٹ سین نے گلوک کی طرف دیکھا۔ دونوں ہی سفّاک قاتل تھے لیکن نووارد کی شخصیت میں نہ جانے کیا تھا کہ وہ بھیگے چُوہے بنے پر مُجمد ہو گئے تھے۔ گنجے کے نچلے ہونٹ کے بائیں جانب ایک خراش تھی۔ برسوں پُرانے کسی زخم کا نشان... اس نشان کی وجہ سے اُس کے ہونٹوں کی ساخت میں سفّاکی کا تاثر بڑھ گیا تھا۔

"تم لوگ کون ہو اور اسے کیوں مارنا چاہتے تھے؟" گنجے نے غرّاہٹ آمیز آواز میں پُوچھا... اور آہستہ آہستہ چلتا، ٹی۔ وی کے قریب جا کھڑا ہُوا۔ ٹی۔ وی کی ٹرالی میں وی سی۔ آر موجود تھا اور اُس کی سُرخ بتّی بتا رہی تھی کہ دونوں حملہ آوروں کی آمد سے پہلے، بُوڑھا اُوشان کوئی فلم دیکھنے میں محو رہا ہوگا۔ نووارد نے بٹن دبا کر ٹی۔ وی آن کر دیا۔

اسکرین پر ایک حسین عورت کا سراپا اُبھر آیا۔ وہ پیٹ کے بَل نیلگوں بستر پر دراز تھی اور اُس کا بایاں ہاتھ، اپنے بائیں کان کی لَو پر جما ہُوا تھا۔ اُس کا خوف آمیز تاثر ظاہر کرتا تھا کہ وہ کمرے میں کسی ناپسندیدہ صُورتِ حال کی شکار ہے۔ اُس کے چہرے پر دہشت تھی اور وہ ترچھی آنکھوں سے ایک طرف دیکھ رہی تھی۔ اُس کے دائیں ہاتھ نے بستر کی نیلگوں چادر کو یُوں تھام رکھا تھا جیسے یہ چادر ڈُوبتے کو تنکے کا سہارا دے سکتی ہو۔ کمرے میں ٹی۔ وی کے اسپیکر سے نکلنے والی، اس عورت کی کراہ گُونج اُٹھی۔

اس دوران میں گنجے نے ان دونوں کو یُوں نظر انداز کر دیا تھا جیسے اُن کی موجُودگی کے احساس سے ہی عاری ہو گیا ہو... پھر وہ ٹہلنے کے انداز میں کمرے کی دیوار تک گیا اور وہاں سے واپس آ کر ٹی۔ وی کے عقب میں کھڑا ہو گیا۔ اُس نے بایاں ہاتھ، سہارے کے لیے ٹی۔ وی کے ٹاپ پر رکھا اور دایاں ہاتھ جیب سے نکال لیا۔ جب یہ ہاتھ سامنے آیا تو یاٹ سین اور گلوک دونوں ہی اُچھل پڑے۔ اس شخص کا دایاں

انجمٹھا غائب تھا۔ جڑ سے کٹا ہُوا... لیکن چاروں اُنگلیاں نہ صرف سلامت تھیں بلکہ اُن پر آہنی خول چڑھے ہُوئے تھے۔

یہ آہنی خول دو سے چار انچ تک لمبے تھے اور اُن کی نوکیں نیزوں کی طرح تیز تھیں۔ وہ ٹی۔ وی کے ٹاپ پر جُھک گیا اور اُن دونوں کو گھُورنے لگا۔ اُس کے چہرے پر بے پناہ سختی تھی۔

"تم دونوں نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔" نووارد کی بھیڑیئے جیسی غرّاہٹ آمیز آواز کمرے میں گونجی۔

پاٹ سین نے ایک طویل سانس لی۔ وہ اب قدرے مطمئن نظر آرہا تھا۔ اُس کی نگاہ گنجے کے آہنی ناخنوں پر جمی ہُوئی تھی۔

"میں سمجھتا ہُوں کہ تم بھی ہمارے ہی ساتھی ہو۔" گلوک نے اپنے دوست کے چہرے پر اطمینان دیکھا تو وہ بولے بغیر نہ رہ سکا۔

یہ سُن کر گنجے کی بھنویں گُتھ گئیں۔

"تم یہ بات کس طرح کہہ سکتے ہو؟" یہ کہتے ہُوئے اجنبی نے ٹی وی بند کردیا اور بے آواز چلتا ہُوا گلوک کے سامنے آکھڑا ہُوا۔ "میں یہاں کسی کو نہیں جانتا... میں دُنیا میں تنہا ہُوں... یہ عقیدے کے لوگ صفحۂ ہستی سے اُٹھ چکے ہیں... پھر تم خود کو میرا ساتھی کیسے کہہ سکتے ہو؟"

گلوک نے جواب دینے کی بجائے اپنا دایاں ہاتھ، اُس کے سامنے کردیا۔ اُس کی ایک اُنگلی کا ناخن، چار انچ ملا ہوا تھا اور اُس کے کنارے پر کُلہاڑے جیسا کٹاؤ تھا۔ یہ ناخن دیکھ کر اجنبی کی آنکھوں میں لمحاتی چمک پیدا ہُوئی... پھر غائب ہوگئی۔

"ہم بھی تمہاری طرح خُون آشام ہیں... دُھوئیں کی مخلوق... ہمارا لیڈر اندھیارے اور..."

گلوک کی آواز حلق ہی میں اٹک گئی کیونکہ اُس نے اجنبی کی آنکھوں میں بڑے ہی عجیب تاثرات دیکھے تھے۔ یُوں لگتا تھا جیسے وہ بُوڑھے لیڈر کا نام سُن کر چونک پڑا ہو... لیکن اُس نے زبان سے حیرت کا اظہار نہیں کیا۔ اُس کی آنکھوں کے تاثرات بھی دوسرے ہی پل میں بدل گئے تھے اور اب وہاں دلچسپی ہلکورے لے رہی تھی۔

"بولتے رہو... تم خاموش کیوں ہوگئے؟" اس بار اجنبی کے لہجے میں سفاکی کا وہ عنصر نہیں تھا جس نے اُن دونوں کی رُوح تک فنا کر رکھی تھی...

گلوک نے جلدی جلدی اس اندھے لیڈر اور اپنے گروہ کے بارے میں بتانا شروع کردیا... پھر اُس نے شہزاد اور اُوشان کے بارے میں تفصیلات بیان کیں اور آخر میں بتایا کہ اب ان دونوں کا کھیل ختم ہونے والا ہے بلکہ ممکن ہے کہ شہزاد کا معاملہ تو نمٹ بھی چکا ہو... اور اگر اجنبی نہ آجاتا تو وہ بُوڑھے اُوشان کے ٹکڑے کرکے نہ جانے کب کے واپس جا چکے ہوتے۔

اُس کی باتوں پر گنجا اجنبی کبھی کبھی اثبات میں سر ہلا دیتا تھا۔ بظاہر تو وہ بڑے غور سے اُس کی باتیں سُنتا محسوس ہو رہا تھا لیکن نہ جانے کیوں اس کی آنکھیں سوچ میں ڈوبی ہُوئی لگ رہی تھیں۔

"میں فانگ ہُوں..." کافی دیر بعد اُس نے بھاری آواز میں کہا۔ "میں شنگھائی کے ریڈ سرکل سے تعلق رکھتا ہُوں۔ واپس جاؤ اور اپنے لیڈر کو بتا دو کہ حتمی موت کا ہرکارہ یہاں پہنچ چکا ہے۔"

"مسٹر فانگ! کیا تمہاری خدمات حاصل کی گئی تھیں یا تم کسی ذاتی عناد کی وجہ سے یہاں آئے ہو؟" پاٹ سین نے پُوچھا۔

اگرچہ فانگ چہرے مہرے سے چینی باشندہ نہیں لگتا تھا لیکن اُس کا نام، ریڈ سرکل کا حوالہ اور حتمی موت کی اطلاع یہ ظاہر کرتی تھی کہ ماضی میں کسی نہ کسی طرح اس کا تعلق، اندھے اور بُوڑھے لیڈر سے رہ چُکا ہے۔

پاٹ سین کے سوال پر وہ اپنی ساکت آنکھوں سے پورے ایک منٹ تک پاٹ سین کو گھُورتا رہا... پھر اُس کے ہونٹ محرابی انداز میں سُکڑ گئے۔ ہونٹوں کے گوشوں پر خفیف سی کپکپاہٹ بتا رہی تھی کہ وہ مُسکرا رہا ہے۔ اس مُسکراہٹ نے پاٹ سین کی ریڑھ کی ہڈّی میں سنسنی کی ایک لہری دوڑا دی۔

میں نے ابتدائی تعلیم اسی بُوڑھے سے حاصل کی تھی۔" اُس نے بڑے ہی عجیب لہجے میں جواب دیا۔ اُس کے لہجے سے دلی تاثرات کا اظہار نہیں ہو رہا تھا۔ یقین سے نہیں کہا جاسکتا تھا کہ وہ بُوڑھے لیڈر کی شاگردی پر فخر کا اظہار کر رہا ہے یا اُس کے دل میں اپنے پہلے اُستاد کے لیے تحقیر ہے۔

پاٹ سین نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

گلوک کے انداز سے اب سکُون کا اظہار ہو رہا تھا ورنہ اُس کی توجہ بٹی ہُوئی تھی۔ اگرچہ وہ خود ایک خوفناک قاتل تھا... لیکن فانگ نامی یہ شخص اُن گنے چُنے چند آدمیوں میں سے ایک تھا، جن سے وہ خود بھی خوف زدہ ہو چُکا تھا۔

"میرا خیال ہے، اب ہمیں چلنا چاہیے۔" گلوک نے تھُوک نگلتے ہُوئے اپنے ساتھی سے کہا۔ "میں سُلاٹر ہاؤس کے ڈرامے سے لُطف اندوز ہونا چاہتا ہُوں۔"

"شہزاد کہاں ہے؟" فانگ نے پاٹ سین سے دریافت کیا۔

جواباً اُس نے فانگ کو صُورتِ حال سے آگاہ کردیا اور آخر میں مُسکراتے ہُوئے فخریہ لہجے میں بولا۔ "میں سمجھتا ہُوں، اب تک اُس کا کام تمام ہو چُکا ہوگا۔"

فانگ یہ سُن کر ہنس پڑا۔ اُس کے ہنسنے کے انداز میں بھی... درندگی تھی۔ وہ بار بار نفی میں سر ہلا رہا تھا۔ پاٹ سین اور گلوک حیرت سے کبھی اُس کی اور کبھی ایک دوسرے کی شکل دیکھ رہے تھے۔

"نہیں..." کافی دیر بعد فانگ ہنس کر بولا۔ "وہ سُرخ بالوں والوں کے ہاتھوں سے نہیں مرے گا۔ اگر یقین نہیں آتا تو جا کر دیکھ لو۔ اُسے گھیرنے والے خود موت کے مُنہ میں پہنچ چکے ہوں گے۔ افسوس... تمہارا لیڈر بھی شاید اب تک موت کے مُنہ میں پہنچ چکا ہوگا۔ حتمی موت، قدیم تعلیمات کا ایک ایسا پہلو ہے جس پر گنگ فُو کی جماعتوں میں کافی اختلاف پایا جاتا ہے۔ تمہارے لیڈر نے ریڈ سرکل کی خدمات حاصل کرنے کی کوشش کی تھی۔ اُس نے بہت معقول معاوضہ ادا کیا ہے لیکن ان نے بہت دیر کردی تھی۔ اُسے اس کام میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے ہی رابطہ قائم کرلینا چاہیے تھا۔"

"تمہارا تعلق شنگھائی سے ہے، فانگ؟" پاٹ سین نے دریافت کیا۔ "میں بھی چند ماہ، ریڈ سرکل میں گزار چُکا ہُوں۔ اُن دنوں تم سے مُلاقات نہیں ہُوئی۔ غالباً تم کہیں اور مصروف تھے؟"

"اگر تم دس سال پہلے کی بات کر رہے ہو تو میں اُن دنوں امریکا میں تھا۔" وہ چونک کر اُوشان کی طرف متوجہ ہوگیا۔

اُوشان نے ایک خفیف سی سانس لی تھی۔ اُس کے نرخرے کی معمولی سی حرکت صرف فانگ ہی نے محسوس کی تھی ورنہ پاٹ سین اور گلوک کو تو یہ بھی نہیں چلا تھا۔

"تم لوگ اب جاؤ۔" اُس نے ہاتھ اُٹھا کر کہا۔ اُس کی نگاہیں بدستور اُوشان پر جمی ہُوئی تھیں۔

پاٹ سین اور گلوک نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر دروازے کی طرف بڑھ گئے۔ اُن کے انداز میں اب خوف کا تاثر گھُل گیا تھا۔ گلوک کی حالت تو اب ایسی تھی جیسے وہ اگر مزید چند لمحے بھی فانگ کے قریب رہ جاتا تو شاید اُس کا دم ہی گھُٹ گیا ہوتا۔ یہی وجہ تھی کہ دروازے سے نکلتے ہی نہ صرف اُس کے حلق سے اطمینان کی ایک طویل سانس نکل گئی... بلکہ اُس کے قدموں کی رفتار بھی تیز ہو گئی تھی۔ اُنھوں نے اُوشان کے کمرے سے باہر آکر دروازہ نہایت آہستگی سے بند کیا تھا۔

فانگ، اُوشان کی طرف دیکھتا رہا۔ اُس کی پُتلیاں ساکت تھیں اور اُس کے ہونٹ، ایک دوسرے میں پیوست نظر آرہے تھے۔ اُس کی بائیں آنکھ کے کنارے پر خفیف سی پھڑکتی ہُوئی ایک لَو نے اُس کی ذہنی حالت بے نقاب کردی۔ اگر وہ خوف زدہ نہیں تھا تو کم از کم لاشعُوری طور پر اُوشان کی شخصیت، اُس کے ذہن پر حاوی ضرور تھی۔

"اُوشان..." اُس نے زیرِ لب کہا۔ "جلدی سے ہوش میں آجاؤ۔ میں تمہارے جاگنے کا انتظار کر رہا ہُوں۔ مجھے تم سے ایک بہت پُرانا حساب چُکانا ہے۔ ممکن تھا کہ ریڈ سرکل کا چیف، اس مشن پر کسی اور کو بھیج دیتا... لیکن یہ میری خوش قسمتی ہی تھی کہ مجھے بروقت معلوم ہوگیا۔ تمہاری ہلاکت میرے لیے دُہرے فرض کی حیثیت رکھتی ہے۔"

اُوشان کے نرخرے میں سانس کی آمد سے جو خفیف سی لرزش پیدا ہُوئی تھی، وہ اب ختم ہو چُکی تھی۔ اُس کا ناتواں چہرہ پہلے سے کہیں زیادہ سالخوردہ لگ رہا تھا۔ اُس کے نقش و نگار میں کرب و اذیت کے تاثرات منجمد ہو کر رہ گئے تھے۔ اُس کے ہونٹوں میں البتہ کھنچاؤ نہیں تھا۔ یُوں لگتا تھا جیسے ان ساکت ہونٹوں کے نیچے اس کی آنکھیں بے حد پُرسکون ہوں۔

فانگ، اُسے گہری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اُس کا دایاں ہاتھ، جس میں آہنی ناخن لگے ہُوئے تھے، بے چین معلوم ہوتا تھا۔ بار بار اُن کی نیزے کی انیوں جیسی چونچیں، ایک دوسرے سے مل رہی تھیں۔ یہ نوکیلے مہلک ناخن، خُون کے پیاسے معلوم ہوتے تھے۔

"ٹھیک ہے۔ تم اطمینان سے ہوش میں آجاؤ۔ مجھے بھی زیادہ جلدی نہیں ہے۔" فانگ نے کہا۔ "میں، تمہیں تمہاری آنکھوں کے سامنے قتل کرنا چاہتا ہُوں تاکہ تمہیں معلوم ہو سکے کہ وہ معصوم سا بے ضرر بچہ جسے تم نے ماضی میں رحم کھا کر چھوڑ دیا تھا، اپنے باپ کے خُون کا بدلہ کس قدر بھیانک انداز میں لینے پر قادر ہوگیا ہے۔" یہ کہہ کر وہ سفّاک انداز میں ہنس پڑا۔ "آج میں تمہارا مینج ہُوں، اُوشان! ماسٹر اُوشان..." اُس کے حلق سے بتدریج بلند ہوتا ہُوا قہقہہ اُبل پڑا۔

اُوشان کا بظاہر کمزور اور بے ضرر سا جسم ساکت رہا۔ اُس کے گھٹنے اپنے پیٹ کی طرف سمٹے ہُوئے تھے اور یُوں لگتا تھا جیسے کوئی کمزور سا آدمی سردی سے سُکڑ کر لیٹا ہُوا ہو۔ فانگ نے کمرے میں اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر ایک کرسی گھسیٹ کر اُوشان کے قریب ہی بیٹھ گیا۔ اُس کے انداز سے جلد بازی ظاہر نہیں ہو رہی تھی۔ یُوں لگتا تھا جیسے اُوشان کے ہوش میں آنے سے پہلے اُسے کوئی نقصان نہ پہنچانا چاہتا ہو۔ اُسے انتظار کرنا تھا، کیونکہ اُس کے سینے میں انتقام کا جو الاؤ دہک رہا تھا، اُس کی آگ اسی طرح سرد ہو سکتی تھی۔ وہ کرسی پر بیٹھ کر نیم وا آنکھوں سے اُوشان کی طرف دیکھنے لگا... اور اُس کا ذہن ماضی کے دھندلکوں میں کھو گیا۔

فانگ کے آباؤ اجداد، شنگھائی کے ایک دیہی علاقے سے تعلق رکھتے تھے۔ ان دِنوں افیون کے خلاف ایک باقاعدہ جنگ چھڑی ہُوئی تھی اور اقتدار کی مسند پر براجمان ہستی، پُورے مُلک سے افیون کا قلع قمع کردینا چاہتی تھی۔ جبکہ ایک گروہ، اس مہم کے خلاف

تھا۔ اس مخالفت کی وجہ یہ تھی کہ افیون ہی ان لوگوں کا ذریعۂ روزگار تھا۔ اس کے علاوہ لمبے بازوؤں پر اُن کا تسلط بھی تھا۔

افیون کے سلسلے میں ہونے والے اس جنگی دَور میں کنگ فُو اور کراٹے کے دو مکتب تھے۔ اُن میں ایک ریڈ سرکل تھا اور دوسرا بلُو سرکل... ریڈ سرکل مخالف گروپ سے وابستہ تھا جبکہ حکومت کو بلُو سرکل کی حمایت حاصل تھی۔ فانگ کا باپ، ریڈ سرکل میں نمایاں حیثیت کا حامل تھا۔ دونوں گروہ، ایک دوسرے کے جانی دُشمن ہوگئے۔ بے پناہ خُون ریزی ہُوئی۔ حتیٰ کہ ایک روز فانگ اپنے باپ کے ساتھ قریبی گاؤں جارہا تھا کہ راستے میں بلُو سرکل کے تین آدمیوں نے اُنھیں گھیر لیا۔ اُسے اپنے باپ کی موت کا منظر آج بھی یاد تھا۔ اُسے یاد تھا کہ کس طرح اُوشان نے اپنی ہتھیلی، اُس کے باپ کی کھوپڑی میں اُتار کر اُسے دو حصّوں میں تقسیم کردیا تھا۔ اُوشان کے ساتھ جو دو آدمی تھے، اُنھوں نے ننھے فانگ کو بھی ہلاک کردینا چاہا... لیکن اُوشان آڑے آگیا۔ فانگ وہ منظر کبھی نہیں بھُول سکتا تھا جب اُوشان اُن دونوں کے سامنے کسی دیوار کی طرح کھڑا ہوگیا تھا۔ "نہیں... یہ بچّہ زندہ رہے گا، اس پر کوئی ہاتھ نہ اُٹھائے۔"

فانگ کے کانوں میں، ماضی کے اُوشان کی آوازیں گُونجنے لگیں۔ اُس نے اس بُوڑھے کی طرف دیکھا جس نے عنفوانِ شباب میں ایک ایسے بچّے پر رحم کھایا تھا، جو آج اُسے قتل کرنے کے لیے سر پر آپہنچ چُکا تھا۔

"یہ سانپ کا بچّہ ہے۔" اُوشان کے ساتھیوں میں سے ایک نے کہا تھا۔ "اسے زندہ نہ چھوڑو، اُوشان، تم اس سے کس بات کی توقع کر رہے ہو۔ یہ بڑا ہو کر کوئی اچھا آدمی نہیں بنے گا۔"

"تم کس کے بارے میں قبل از وقت کچھ نہیں کہہ سکتے۔" اُوشان نے جواب دیا تھا۔ "یہ ایک معصوم بچّہ ہے۔ اس کے باپ نے جو قصور کیا تھا، وہ اُس کی سزا بھگت چُکا ہے۔ اس بچّے کا کوئی قصور نہیں... اس لیے میں اسے قتل نہیں کرنے دوں گا۔"

جو اِتم ایک دُشمن کے بچّے کی خاطر اپنے ساتھیوں کا سامنا کروگے؟" اُوشان کے دوسرے ساتھی نے کہا تھا۔

"نہیں... میں دُشمن کے بچّے کے لیے نہیں بلکہ ایک بے گُناہ بچّے کے لیے دیوار بن رہا ہُوں۔" اُوشان کا لہجہ بے حد ٹھوس تھا۔ اُس لہجے میں نہ جانے کیا بات تھی کہ اُس کے دونوں ساتھی خاموش ہوگئے...

فانگ کو آج بھی اُن دونوں کی نگاہیں یاد تھیں۔ اُنھوں نے اُوشان کو ایسی نظروں سے دیکھا تھا جیسے وہ، اُسے کچّا ہی چبا ڈالنا چاہتے ہوں لیکن اُن کا بس نہیں چلتا تھا... پھر وہ ایک جھٹکے سے مُڑ کر چلے گئے تھے اور اُوشان نے اُس کی پیٹھ تھپتھپاتے ہُوئے کہا تھا۔

"جاؤ، بچّے... چلے جاؤ... زندگی بچا کر چلے جاؤ... اور کوشش کرنا کہ بڑے ہو کر اپنے باپ کے راستے پر نہ چلنا ورنہ ایک روز تمھیں بھی اسی انجام سے دوچار ہونا پڑے گا۔"

ننھا فانگ جنگل میں اندھا دُھند بھاگ نکلا تھا اور وہ آج تک بھاگتا ہی رہا تھا... اُسے، اُوشان کی تلاش تھی... اور آج یہ تلاش ختم ہوگئی تھی۔ وہ اپنے مطلوب کو تلاش کرنے میں کامیاب ہوگیا تھا۔

اگرچہ اُوشان کے وہ دونوں ساتھی بھی بُوڑھے ہو چُکے تھے جنھوں نے اُس کے باپ کو قتل کرنے میں اُوشان کا ساتھ دیا تھا... لیکن خوش قسمتی سے وہ قدرتی موت مرنے سے قبل ہی اُسے مل گئے تھے اور اُس نے اُنھیں بڑے ہی لطف انداز میں موت سے ہمکنار کرکے دل کی آگ بجھائی تھی۔ بس ایک چنگاری باقی تھی جسے بجھانے کا سامان بھی ہوگیا تھا۔

"تم نے اس روز مجھے زندہ چھوڑ کر اپنی دانست میں مجھ پر بہت بڑا احسان کیا تھا۔" وہ ساکت پڑے اُوشان کی طرف دیکھ کر بولا۔ "لیکن تم نے درحقیقت بہت بڑا ظلم کیا تھا۔ تب سے اب تک میرا ایک ایک لمحہ، انتقام اور دُکھ کی آگ میں جلتے ہُوئے گزرا ہے۔ تم نہیں جانتے کہ میرا باپ میرے نزدیک کیا حیثیت رکھتا تھا اور مجھے اُس سے کس قدر محبت تھی۔ جلدی سے اُٹھ جاؤ... میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہوتا جارہا ہے... ایسا نہ ہو کہ میں، تمھیں مدافعت کا موقع دیے بغیر ہی ہلاک کردوں۔ سُنا ہے، تم اس صدی کے ماسٹر ہو۔ تمھاری ہلاکت آج بھی ریڈ سرکل کے لیے اعزاز کی بات ہوگی۔"

اُوشان بے حس و حرکت پڑا رہا۔

فانگ کو اپنے ذہن میں آندھیاں سی چلتی محسوس ہو رہی تھیں۔

اُس کے اندر ایک جنگ کا آغاز ہوگیا تھا۔ دل میں اُوشان سے بے پناہ نفرت کے باوجود، وہ اُس کے لیے ایک عجیب سی کسک محسوس کر رہا تھا۔ ایک بے نام سا جذبہ، اُسے اُوشان کو ہلاک کرنے سے روک رہا تھا اور بار بار اُس کے ذہن میں، اُوشان کے برسوں پہلے کہے ہُوئے الفاظ گردش کرنے لگتے تھے۔

"جاؤ، بچّے... چلے جاؤ... زندگی بچا کر چلے جاؤ... اور کوشش کرنا کہ بڑے ہو کر اپنے باپ کے راستے پر نہ چلنا ورنہ ایک روز تمھیں بھی اسی انجام سے دوچار ہونا پڑے گا۔"

فانگ کی پیشانی پر پسینے کی بوندیں چمکنے لگیں۔ اُس کا دل شدت سے دھڑک رہا تھا۔ وہ عجیب اور ناقابلِ فہم سی کیفیات کا شکار ہوگیا تھا۔ حالانکہ اس کے سینے میں، گوشت پوست کے دل کی بجائے پتھر کا ایک ایسا ٹکڑا رکھا ہُوا تھا جو دھڑکنوں سے ناآشنا تھا۔ بار بار اُس کا جی چاہتا تھا کہ وہ اپنے آہنی ناخن، اُوشان کے سینے میں اُتار دے لیکن ہر بار ایک نامعلوم قوت اُسے روک دیتی تھی۔ وہ ایک کرائے کا قاتل تھا اور اُس نے بچپن ہی سے سنگدلی کا درس لیا تھا۔ ریڈ سرکل میں نرم دلوں کے لیے جگہ نہیں ہوتی۔ شاید یہ احساس، اُس کے چٹان جیسے ضمیر کو جھنجھوڑ رہا تھا کہ اُوشان نے بچپن میں اُس کی جان بچائی تھی۔

اُس نے ایک طویل سانس لے کر پیشانی سے پسینہ پونچھا... اور کھڑکی کی طرف دیکھنے لگا۔ کھڑکی کے شیشوں کی اوٹ میں تاریکی مُنہ پھُلائے پڑی تھی۔ باہر رات کے ہنگامے رفتہ رفتہ دم توڑتے جارہے تھے... اور اُوشان ابھی تک بے بس، ساکت اور مُردہ سا پڑا ہُوا تھا۔

فانگ اُٹھ کر ٹہلنے لگا۔

اُس کے اندر جو جنگ چھڑی ہُوئی تھی، اُس کا کوئی فیصلہ نہیں ہو پا رہا تھا۔ وہ جلد از جلد خود کو کسی حتمی فیصلے پر پہنچا دینا چاہتا تھا... لیکن ہر سوچ اُسے فیصلے سے دُور ہی لے جاتی تھی۔ وہ انتقام کے حسّی جذبے کے تحت شعلگی سے یہاں آیا تھا، وہ متزلزل ہو رہا تھا۔ وہ حیران تھا کہ کیا کرے۔ اُوشان کی زندگی، اُس کی اپنی موت کا دوسرا نام تھا... ریڈ سرکل ناکام لوگوں کو زندہ نہیں رہنے دیتا تھا... اور اُوشان کی موت... وہ خیالوں کی گہرائی سے چونک پڑا۔

"جاؤ، بچّے... چلے جاؤ... زندگی بچا کر چلے جاؤ... اور کوشش کرنا کہ بڑے ہو کر..."

اُوشان کی پاٹ دار آواز، اُس کے ذہن کے نہاں خانوں میں گُونجنے لگی اور وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھامنے پر مجبور ہوگیا۔

"نہیں... تمھاری موت ہی میں میری زندگی مضمر ہے..."

وہ غرّایا۔ "میں، تمھیں چھوڑ کر اپنے باپ کی رُوح سے شرمندہ نہیں ہونا چاہتا... اور نہ ہی باقی ماندہ زندگی، ریڈ سرکل کے خوف سے، کسی چُوہے کی طرح چھُپ چھُپ کر گزار سکتا ہُوں۔ تمھیں اب مرجانا چاہیے کیونکہ تمھارے سر کی بہت بڑی قیمت لگائی گئی ہے اور ریڈ سرکل یہ قیمت وصُول کر چُکا ہے۔"

فانگ حتمی فیصلے پر پہنچ چُکا تھا۔ فطری طور پر وہ ایک مکار آدمی تھا۔ اس نے ریڈ سرکل میں بڑی زبردست پوزیشن حاصل کر رکھی تھی اور بُوڑھے گروہ میں ایک بھی آدمی، اُس کے مقابلے کا نہیں تھا... لیکن ریڈ سرکل کی ایک فرد کا نام نہیں تھا۔ وہ دُنیا کے خوفناک ترین قاتلوں کا گروہ تھا جو اُسے کسی بھی لمحے مہیب موت سے ہمکنار کرسکتا تھا... اتنے سارے قاتلوں سے نمٹنا کوئی آسان بات نہیں تھی... پھر وہ اس جنجال میں پڑے ہی کیوں؟ کیا اس بُوڑھے کے لیے جو اُس کے باپ کا قاتل تھا؟

فانگ، اُوشان سے دو قدم دُور کھڑا ہوگیا۔

"الوداع... ماسٹر... تمھاری موت، مجھے ریڈ سرکل میں کلیدی پوزیشن کا مالک بنا دے گی۔" اُس کا آہنی ناخنوں والا ہاتھ اُٹھا اور آہستہ آہستہ اُس کی اُنگلیاں نخت ہوتی چلی گئیں۔ اُس کے بازو کی مچھلیاں... طاقت وَر اسپرنگوں کی طرح تھیں۔ اُس کا ہاتھ کسی ناگ کے پھن کی طرح ہدف پر گرنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ یہ ہاتھ... قاتل ہاتھ... کسی بھی لمحے اُوشان کے سینے پر گرنے کے لیے بے چین ہوگیا۔ فانگ قاتلانہ حملے کے لیے تیار تھا... اور پھر اُس کا مہلک ہاتھ، اُوشان کے سینے پر گرتا چلا گیا۔

ٹائیگر کے سینے میں دل کی دھڑکنیں طوفان آشنا ہو رہی تھیں۔

اُوشان کے خدشات، عملی شکل میں اُس کے سامنے آچُکے تھے اور وہ کسی بھی لمحے اُس سے اُس کی زندگی چھین سکتے تھے... لیکن ٹائیگر کسی چُوہے کی موت مرنا پسند نہیں کرسکتا تھا۔ وہ ٹائیگر تھا اور کسی شیر جیسی موت ہی کو پسند کرسکتا تھا۔ اُس نے گیدڑ کی سو سالہ زندگی پر شیر کی ایک روزہ زندگی کو ہمیشہ ترجیح دی تھی۔ بار بار، اُس کا ذہن غصّے سے سُلگ اُٹھتا تھا اور اُسے خود کو سنبھالنے میں بڑی مشکل پیش آرہی تھی۔ اُوشان نے اُسے اب تک جتنی بھی نصیحتیں کی تھیں، اُن سب کو وہ عملی طور پر آزما چُکا تھا۔ ہر بار، حالات کی کسوٹی پر، حقیقت ثابت ہُوئی تھی۔ طاقت اور حد سے زیادہ خود اعتمادی کبھی کبھی انسان کو بے طرح مار ڈالتی ہے... اس وقت وہ ایسی ہی حالت کا شکار تھا۔ اگر اُس نے یُوں اندھا دھند، اُدھر کا رُخ نہ کیا ہوتا تو یقیناً اس وقت حالات کافی مختلف ہوتے... لیکن اگر وہ ایسا کرتا تو اُس کے ٹائیگر ہونے کا بھلا کیا مقصد تھا۔

وہ دیوار سے لگا کھڑا رہا۔

اُس نے خوب گہری گہری سانسیں لینی شروع کردیں... کمرے میں جس قدر بھی آکسیجن تھی، وہ اُس کی نیاز سے زیادہ مقدار اپنے آپ میں جذب کرلینا چاہتا تھا... کیونکہ مخالف سمت سے آنے والا دُھواں، تیزی سے کمرے میں پھیلتا ہُوا، اُس کی طرف بڑھتا چلا آرہا تھا۔ اچانک اُسے ایک انوکھا خیال سُوجھ گیا۔ وہ دیوار سے ہٹ کر جانوروں کی نمائش کی طرف لپکا جو ابھی تک دھُوئیں کی زد میں نہیں آئی تھیں، اُن کے درمیان پناہ حاصل کرنے کا ارادہ کرچُکا تھا۔ ایک ایک نعش کو تیزی سے ٹٹولتا اور اس کا جائزہ لیتے ہُوئے وہ رُک گیا۔

اچانک ہی اُسے احساس ہُوا کہ وہ جس مُردہ جسم کو دیکھ رہا ہے، وہ عام جانوروں کے جسم سے بے حد مختلف ہے۔ اس کا رنگ مختلف تھا... اُس کی شکل مختلف تھی اور... نہیں نسبتہً چھوٹا بھی تھا... خاص طور سے، اُس کی دُمیں نہیں تھیں۔

اُسے اپنا دل، حلق میں دھڑکتا ہُوا محسوس ہونے لگا۔

اب وہ دھوئیں کی طرف سے بے نیاز ہو چکا تھا کیونکہ اُس کی آنکھیں جو کچھ دیکھ رہی تھیں، اُس کا تو اُس نے کبھی خواب میں بھی تصور نہیں کیا تھا۔

آرزو کی لاش، گوشت نا گلنے والے آنکڑے پر جھول رہی تھی۔

اُس کی بھوری آنکھیں جن میں کبھی شراب جیسی مستی ہُوا کرتی تھی، خوف اور دہشت کی زیادتی سے پھٹ کر وہیں منجمد ہو گئی تھیں۔ آنکھوں کے ڈھیلے برف ہو چکے تھے اور ان میں منجمد تاثرات کو دیکھ کر ٹائیگر کو جھرجھری آگئی۔ اُس کی ایک پلک پر آنسو کا موتی تھا... جسے سرد خانے کی ٹھنڈک نے ٹوٹنے سے پہلے ہی منجمد کر دیا تھا۔ اُس کا دہانہ کھلا ہُوا تھا اور منہ سے نکلتی ہُوئی زبان، برف کی چھوٹی سی سل لگ رہی تھی۔ اس کا سر عقب میں نہیں جھول رہا تھا کیونکہ اُس کی گردن کے پٹھے اکڑ گئے تھے اور اُن میں خون جم چکا تھا۔ آنکڑا، اُس کے سینے کے درمیان پیوست تھا۔ اُس کی لاش، اس آنکڑے کے سہارے ٹکی ہُوئی تھی اور اُس کے پیروں کے بنیے یوں فرش کی طرف جھکے ہُوئے تھے... جیسے وہ مُڑنے سے ایک لمحے پیشتر تک اُن سے فرش کا سہارا لینے کی کوشش کرتی رہی تھی۔

یہ لاش جس آنکڑے پر ٹنگی ہُوئی تھی، وہ بے پناہ تیز اور نوکیلا تھا۔ اُس کی گول دھات، آرزو کے جسم سے آر پار ہو چکی تھی۔ جہاں سے یہ نوک دار حصہ، سینہ چیر کر نکلا تھا، وہاں غیر معمولی سُرخ رنگ کا ایک بڑا سا تھلا منجمد تھا۔ جن آنکڑوں پر جانوروں کی نعشیں ٹنگی ہُوئی تھیں، اُن کی دھات کا رنگ، اس آنکڑے کی رنگت سے مختلف تھا۔ وہ چمک دار تھے... جبکہ یہ آنکڑا بھُورا نظر آرہا تھا۔ اس آنکڑے پر خون کی پتلی سی تہہ جم گئی تھی۔ اس خون کو ٹپکنے کی بھی مُہلت نہیں مل سکی تھی۔

ٹائیگر کو یُوں لگ رہا تھا جیسے اُس کا جسم جلتے ہُوئے الاؤ میں گر گیا ہو۔ اُس کی مُٹھیاں سختی سے بھنچی ہُوئی تھیں اور جبڑے کی ہڈیاں اُبھر آئی تھیں۔ آنکھیں، تیرتے ہُوئے خون کے چھوٹے چھوٹے تالابوں کی صُورت اختیار کر گئیں۔

نجانے وہ کیا کہنا، آرزو! وہ بڑبڑایا لیکن حلق سے آواز نہیں نکلی تھی۔ گویا الفاظ دل کی گہرائی سے نکل کر وہیں واپس جا کر دفن ہو گئے تھے اور حلق نے انھیں باہر نکلنے کا راستہ نہیں دیا تھا۔

ٹائیگر اب تھر تھر کانپ رہا تھا۔ اپنی ذات کی طرف سے غفلت کا اُسے فوراً ہی خمیازہ بھگتنا پڑا۔ کمرے کی تیغ بستہ فضا نے اُسے بھی منجمد کرنے کی کوشش شروع کر دی تھی۔

وہ چونک پڑا۔

اُس نے خود کو سنبھالا اور اُس حصّے کی طرف دیکھنے لگا جہاں سے دھواں اُمڈ کے میں پھیل رہا تھا۔ اب اُسے دھوئیں کی کوئی پروا نہیں تھی۔ وہ انتہائی فیصلہ کر چکا تھا۔ ایسے فیصلوں کے بعد ہر خطرے... اور خطرناک چیز کی اہمیت صفر ہو جایا کرتی ہے۔ دھواں اب اُس سے صرف ایک قدم کے فاصلے پر تھا۔ ٹائیگر نے مُنہ بھیر کر گہری سانس لی... تیغ بستہ ہَوا، اُس کے پھیپھڑوں میں بھر گئی۔ اُس نے اپنا دوران خُون تیز کرنا شروع کر دیا۔ اس کام کے لیے اُسے صرف چند لمحوں کی مُہلت درکار تھی۔ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا۔ اب وہ چند منٹ تک بغیر سانس لیے بھی وہاں کھڑا رہ سکتا تھا۔ دھوئیں کے بارے میں یہ بات اُس کے ذہن میں بیٹھ چکی تھی کہ اگر وہ سانس روک لے تو یہ دھواں اُس کے اعصاب پر اثر انداز نہیں ہو سکے گا۔

وہ، آرزو کی لاش کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اب وہ اس کا تفصیلی جائزہ لے رہا تھا۔

لاش ابھی سالم ہی تھی۔ اس کا پیٹ چاک نہیں کیا گیا تھا... دل کے مقام پر بھی کوئی شگاف نہیں تھا البتہ...

اُس نے جھرجھری لے کر مُنہ پھیر لیا۔

لاش بتا رہی تھی کہ رُوح کا پرند اُڑنے سے پہلے، جسم کے پنجرے میں بڑی ہی اذیتوں سے دوچار رہا تھا۔ اُس کی بے حُرمتی کرنے میں جس درندگی کا مظاہرہ کیا گیا تھا، اُس میں شیطانی تاثرات کی انتہا بھری ہُوئی تھی۔ وہ آرزو کی لاش کے سامنے ساکت کھڑا رہا۔ چند لمحوں کے لیے اُس نے آنکھیں بند کر لیں... پھر دونوں ہاتھ بڑھا کر لاش آنکڑے سے اُتار لی۔ اس کوشش میں آرزو کا ایک منجمد بازو ٹوٹ کر فرش پر گر گیا۔

ٹائیگر نے لاش، فرش پر رکھ دی اور اُٹھ کھڑا ہُوا۔ دھواں اب اُسے اپنی لپیٹ میں لے چکا تھا لیکن اُس نے سختی سے سانس روک رکھی تھی۔ اگلے ہی لمحے وہ کسی طوفان کی طرح، سرد خانے کے آہنی دروازے کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ اُس کے دونوں ہاتھ سامنے تھے اور دوڑنے کی رفتار بے حد تیز تھی۔ دروازے سے بیس قدم دُور ہی اُس کا جسم فرش سے بلند ہُوا اور پھر اُڑتا ہُوا دروازے سے ٹکرا گیا۔ ایک پُرشور چرچراہٹ پیدا ہُوئی اور دروازہ ٹوٹ گیا۔

عذرا کنٹرول روم میں بیٹھی ہوئی تھی اور اس نے دونوں پاؤں اُٹھا کر کرسی پر رکھے ہوئے تھے۔ اس نے کن انکھیوں سے چارلی کی طرف دیکھا۔

"کاش سرد خانے میں بھی کیمرہ موجود ہوتا۔" چارلی نے اُسے متوجہ پا کر کہا اور اپنی انگلی کے بڑھے ہوئے مہلک ناخن پر انگوٹھے کی پور پھیر کر اُس کی دھار کا اندازہ کرنے لگا۔ اچانک اُس نے کاغذ کا ایک ٹکڑا ہَوا میں اُچھالا اور پھر انگلی کے ناخن سے

پر کاٹ دار ضرب لگائی۔ کاغذ ہَوا میں ہی دو ٹکڑے ہو گیا یہ کسی تیز دھار چاقو نے اُسے صفائی سے کاٹ ڈالا ہو۔

"سرد خانے میں کیمرے نصب نہیں کیے جا سکتے۔" عذرا اس کی جھلاہٹ سے محظوظ ہوتے ہوئے کہا۔ "کیمرے کے عدسے د ہو کر ٹوٹ سکتے ہیں۔" یہ کہہ کر وہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اُس نے دھاری دار شرٹ کو کھینچ کر درست کیا۔ اس طرح وہ جسمانی ر پہلے سے کہیں زیادہ نمایاں ہو گئی۔

کمرے میں موجود ہر شخص آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اُس کی طرف نے لگا۔ ان کی حریص نگاہوں کو محسوس کر کے عذرا برد می کا ہ چڑھ گیا۔

"یوں دیدے پھاڑ پھاڑ کر کیا دیکھ رہے ہو، تم لوگ؟" وہ کسی ی نائن کی طرح بل کھا کر بولی۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنی رٹ کے کالر تھام لیے اور عجیب سے انداز میں مسکرانے لگی۔ "جلدی اری نگاہیں احترام سے جھکنا سیکھ لیں گی۔"

"کیا اس لیے کہ تم پریذیڈنٹ بن جاؤ گی؟" چارلی نے اُس کے ے سے لطف اندوز ہوتے ہوئے کہا۔

"یقیناً....." عذرا کے لہجے میں بے پناہ فخر تھا۔ "کیا میرا ال غلط ہے؟"

"نہیں، خیال تو غلط نہیں... لیکن تم پھر بھی ایک پُرکشش رت ہی رہو گی۔" چارلی کے لہجے میں اُس کے لیے بے پناہ پیار مٹ تھا لیکن عذرا اُس سے ذرا بھی متاثر نہیں ہوئی تھی۔ اُس پر تو گر بھی اثر انداز نہیں ہُوا تھا جس کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ خواتین سے کسی طرح بھی نظر انداز نہیں کر سکتیں۔ ایسے میں چارلی بھلا کس ا کی مول تھا۔

"ٹھیک ہے۔" عذرا نے ناگواری سے کہا۔ "باٹ مین اور ل کسی بھی لمحے واپس آنے والے ہیں۔ تم لوگ جاؤ، شہزاد اور آرزو ے آؤ۔ شہزاد کی لاش کہیں بھی پھینک دو لیکن آرزو کی لاش قدیم ا کے مطابق درخت سے لٹکائی جائے گی۔" یہ کہہ کر وہ دروازے کی ف چل دی۔

"تم کہاں جا رہی ہو؟" عقب سے چارلی نے اُسے پکارا۔

"میں... باس کو رپورٹ کرنے جا رہی ہوں کہ مشن مکمل ہو گیا ... اس کے بعد میں اُن کو رپورٹ جاؤں گی۔"

"کیا مطلب؟ کیا تم وہ زہر آج ہی گرانا چاہتی ہو؟" چارلی کی ھیں پھیل گئیں۔

عذرا کے چہرے پر بڑی ہی مسحور کُن مسکراہٹ رقص کرنے لگی۔ اُسے دیکھ کر کون کہہ سکتا تھا کہ اتنی حسین لڑکی کے سینے میں دل کی جگہ پتھر رکھا ہو گا۔ "آج رات انسانی لاشیں مکھیوں کی طرح گریں گی اور اگلے ہفتے میں ہم حکومت گھٹنوں پر گرنے پر مجبور کر دیں گے۔" یہ کہہ کر وہ فاتحانہ انداز میں چلتی ہوئی کمرے سے رخصت ہو گئی۔

اس کے عقب میں جیسے ہی دروازہ بند ہُوا، اس کے ساتھیوں نے غیر اخلاقی مذاق شروع کر دیا اور کنٹرول رُوم ان کے کریہہ قہقہوں سے گونج اٹھا۔

"بس... بہت ہو گیا۔" چارلی نے ہاتھ اُٹھا کر کہا۔ "اب ہمیں کام شروع کر دینا چاہیے۔ اس کے بعد میں ہاما کو فون کروں گا۔ اگر وہ کل تک زندہ رہا تو اُسے آکر سلاٹر ہاؤس کا کام سنبھال لینا چاہیے۔"

کنٹرول رُوم میں موجود تمام افراد دروازے کی طرف چل دیے۔

وہ دھات کی بنی ہوئی ایک بالکنی سے گزرے اور پھر آہنی زینے تک پہنچ گئے۔ یہ زینہ اُنھیں ایک ایسے کمرے میں لے آیا جہاں ان گنت مشینیں لگی ہوئی تھیں۔ اس وقت یہ مشینیں صاف ستھری تھیں اور خاموش کھڑی تھیں۔ اس وسیع و عریض کمرے کے آخری حصّے میں ایک مضبوط آہنی دروازہ تھا۔ وہ اس دروازے کے سامنے پہنچ کر رُک گئے۔ یہ اُسی سرد خانے کا دروازہ تھا، جس میں ٹائیگر ہلاک دھوئیں سے نبرد آزما، زندگی اور موت کی کش مکش میں مبتلا تھا۔

"چلو... دروازہ کھولو..." چارلی نے حکم دیا... لیکن ابھی اس کا جملہ ختم ہی ہوا تھا کہ دروازہ ایک زبردست چرچراہٹ کے ساتھ ٹوٹ کر نکل گیا۔ یہ دروازہ نہ صرف کھلا بلکہ دیوار سے اکھڑ کر اُڑتا ہُوا مشینوں کی طرف سفر کرنے لگا۔ جو کوئی بھی اس کی راہ میں آیا، وہ بھی دروازے کے ساتھ ہی اُڑتا ہُوا گیا اور پھر دیوار سے چپک کر بے تحاشا لوں کی شکل میں فرش پر گرنے لگا۔ راستے میں آنے والی ایک مشین کے بھی پُرزے اڑ گئے اور یوں لگنے لگا جیسے اس کمرے میں مشینی پُرزوں کی بارش ہو گئی ہو۔

چارلی نے بھٹی بھٹی آنکھوں سے یہ منظر دیکھا اور پھر اُس سرد خانے کی طرف متوجہ ہو گیا جس کے دروازے کے خلاء سے دھوئیں کا ایک زبردست بادل باہر آرہا تھا۔

"احمق..." وہ حلق کے بل چیخ پڑا۔ "یہ گیس بند کر دو... ہم اسکا بٹن بند کرنا بھول گئے ہیں۔" یہ کہنے کے بعد وہ خود بھی اندھا دھند ایک طرف دوڑ لگا گیا... لیکن اُسے زیادہ دور جانے کی مہلت نہ مل سکی۔

چارلی کو یوں محسوس ہُوا جیسے اُس کی آنکھیں زندگی میں پہلی

بار اُسے بہت بڑا دھوکا دے رہی ہوں۔ وہ رُک گیا تھا اور بھینگی آنکھوں سے سرد خانے کے اس حصّے کو دیکھ رہا تھا جہاں کچھ دیر قبل اسٹیل کا ایک بے حد وزنی اور بے پناہ مضبوط دروازہ تھا... اور اب وہاں ایک خلا تھا۔ اُس خلا سے دُھواں خارج ہو رہا تھا... اور اس دُھوئیں میں ایک انسانی ہیولا موجود تھا۔ ایک ساعت کے لیے اُسے ان تو ہمات پر یقین سا آنے لگا جن میں ان کالیڈ مبتلا تھا لیکن اس کا ذہن اُسے زیادہ دیر خوش فہمی میں مبتلا نہ رکھ سکا کیونکہ دُھوئیں کا آدمی اب باہر آگیا تھا... پھر جیسے ہی چارلی نے اُسے پہچانا، اُس کی کھوپڑی میں دل کی دھڑکنیں دھمک پیدا کرنے لگیں۔ وہ کھلی آنکھوں سے اس شخص کو دیکھ رہا تھا جسے اُنھوں نے سرد خانے میں پھینک دیا تھا۔ اس سرد خانے میں جہاں درجۂ حرارت صفر سے پانچ ڈگری کم تھا۔ اس شخص کو اُنھوں نے بیس منٹ قبل وہاں پھینکا تھا۔ اب تک تو اُس کی لاش اکڑ جانی چاہیے تھی۔

کہیں ایسا تو نہیں کہ یہ اس کی بدروح ہو؟ اِس کے دل میں وسوسہ پیدا ہُوا... لیکن اُس کی آنکھیں اُسے دھوکا نہیں دے رہی تھیں اور نہ ہی وہ جاگتی آنکھوں سے کوئی خواب ہی دیکھ رہا تھا۔ اُس کے سامنے شہزاد موجود تھا۔ سیاہ ٹی شرٹ اور نیلی پتلون میں، وہ دروازے سے دو قدم آگے آکر کھڑا اطراف میں دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں بے پناہ چمک تھی اور اس کے سختی سے بھنچے ہوئے جبڑے ظاہر کر رہے تھے کہ وہ غصّے کی انتہا کو چھو رہا ہے۔ اب چارلی کو یقین ہو گیا کہ دروازہ اسی نوجوان نے توڑا ہے۔ وہ اس کی بے پناہ طاقت کا قائل ہو گیا۔

چارلی گھٹنوں کے بل جُھک گیا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے مضبوطی کے ساتھ ریلنگ تھام لی تھی۔ اس کے ہاتھوں کی گرفت اتنی سخت تھی کہ اُسے اپنی انگلیوں کی ہڈیاں چٹختی محسوس ہونے لگی تھیں۔ ان کے جوڑوں سے سنسنی جھلک آئی تھی اور ہاتھ تھرتھری لگ رہے تھے... اس کا ساتھی شنگ آہنی زینے پر جا کر دُبک گیا تھا۔ اُس کی آنکھیں بھی دہشت سے پھیل کر غیر معمولی ساخت اختیار کر گئی تھیں۔ وہ شہزاد کو گھور رہا تھا۔ کچھ دیر قبل اُس کے پاس جو رائفل تھی، وہ نہ جانے افراتفری میں اس کے ہاتھوں سے کہاں گر گئی تھی۔ ایسے میں اگر اُس کے پاس رائفل موجود بھی ہوتی تو وہ اُسے استعمال نہیں کر سکتا تھا کیونکہ اُسے دیکھ کر اندازہ ہو گیا تھا کہ شہزاد کو زندہ دیکھ کر اور دروازہ ٹوٹنے کے منظر سے اس پر سکتہ طاری ہو گیا ہے۔

چارلی نے پورے کمرے کا جائزہ لیا تو اُسے اندازہ ہُوا کہ خود اُس کے اور شنگ کے علاوہ کوئی بھی زندہ نہیں رہا۔ عذرا بردی جا چکی تھی اور باقی ساتھی بھاری بھرکم دروازے کی زد میں آکر چٹنی بن چکے تھے۔

"سنا نجو کا سپوت تمہارے سامنے ہے شیطانو!" ٹائیگر غرایا۔ "اگر کسی میں ہمّت ہے تو سامنے آئے!"

اس کی آواز سن کر شنگ کو اچانک ہی محسوس ہُوا کہ اس کی پتلون گیلی ہو گئی ہے۔ خوف نے اُس کے اعصاب پر اتنا بوجھ ڈالا کہ وہ بدحواس ہو کر آہنی زینے پر اُوپر کی طرف دوڑنے لگا... ابھی وہ چند زینے ہی طے کر پایا تھا کہ اُس کی نگاہ نچلے زینے پر پڑی۔

وہ ٹھٹک کر رہ گیا۔

ٹائیگر آہنی سیڑھی کے نیچے پہنچ چکا تھا... پھر اس کے دیکھتے ہی دیکھتے ٹائیگر نے دایاں ہاتھ بلند کیا۔ یہ ہاتھ آہنی زینے کی ریلنگ پر پڑا۔ لوہے کی ریلنگ یوں ٹوٹ گئی جیسے دیمک زدہ لکڑی کی بنی ہوئی تھی۔ دوسری چوٹ نے زینے کا وہ حصّہ توڑ دیا جس پر اسے سہارا گیا تھا۔ اگلی ہی ساعت، شنگ حلق کے بل چیختا ہُوا فرش پر آرہا... اور پھر آہنی زینے کا ڈھیر ہونے والا ملبہ اُس پر گرنے لگا۔ گرتے وقت شنگ منہ کے بل زمین پر آیا تھا۔ اُس کے دانت ٹوٹ کر اندر دھنس گئے تھے۔ نچلا ہونٹ کٹ کر الگ ہو گیا تھا اور چہرے پر بہتے کا گمان ہوتا تھا یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ گرتے ہی اُس کی گردن کی ہڈی ٹوٹ گئی... اگر ایسا نہ ہوتا تو آہنی زینے کے ملبے تلے دب کر اپنا قیمہ بنتے دیکھ کر اُس کی روح بلبلاہٹوں کا شکار ہو کر نہ جانے کب تک اِس دنیا میں ماری ماری پھرتی۔

ٹائیگر نے پلٹ کر چارلی کی طرف دیکھا۔

چارلی نے اُسے اپنی جانب نگراں پایا تو اُٹھا اور اندھا دُھند بھاگ نکلا... پھر اس کے حلق سے ایک دلدوز چیخ نکل گئی۔ وہ ٹائیگر کو اپنے عقب میں چھوڑ کر بھاگا تھا... لیکن وہ تو اس کے سامنے دیوار بنا کھڑا تھا۔ اس نے خود کو سنبھالنے کی بہت کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکا اور ٹائیگر سے ٹکرا گیا۔ اس تصادم پر اُسے کسی چٹان سے ٹکرانے کا گمان ہُوا۔

وہ گر گیا۔ اس کا خیال تھا کہ ٹائیگر بھی اِس ٹکر سے متزلزل ہو گیا ہو گا... لیکن وہ اُسی جگہ کسی تن آور درخت کی طرح ایستادہ تھا۔ اس کے جسم کا جو حصّہ ٹائیگر سے ٹکرایا تھا، وہ مفلوج ہو چکا تھا۔ اس کے باوجود چونکہ ابھی وہ زندہ تھا اِس لیے اپنے باقی ماندہ جسم کو گھسیٹتے ہوئے بھیک مانگنے پر اتر آیا۔ "مجھے جانے سے نہ مارو..." اس نے تند عاجزی سے کہا۔ "میں تمھارے سامنے ہاتھ جوڑتا ہوں، مجھ پر رحم کھاؤ!"

"کھڑے ہو جاؤ مکار۔ میں جانتا ہوں۔ تم اتنے بزدل نہیں ہو۔ میں مجھ سے وہ چیز مانگنے کا کوئی حق نہیں، جو تم نے اپنی پوری زندگی کسی کو بھی نہیں دی!"

چارلی سمجھ گیا کہ وہ اِس طرح شہزاد کو دھوکا دینے میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ وہ اُٹھ کھڑا ہُوا۔ اُس کا بایاں بازو اور جسم کا بایاں حصّہ بُری طرح مفلوج تھا اِس کے باوجود وہ کمال ہمّت سے کھڑا ہُوا تھا۔ اس نے بایاں ہاتھ لہرا کر سامنے آگیا۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے کوئی سانپ آری سے لہرا کر نکلتا ہے... پھر اُس کا وہ مہلک ناخن چمک اُٹھا جس سے اس نے نہ جانے کتنی انسانی جانیں تلف کی تھیں۔ اس کی نلیں سیدھی تھیں اور ان میں تناؤ کا احساس ہوتا تھا۔ دفعتاً سامنے دائیں ہاتھ کا چار انچی لمبا، کلہاڑے کے پھل جیسی شکل کا تیز دھار ناخن سامنے کی طرف اُچھالا۔ اُس کی رفتار قابلِ ستائش تھی۔ ٹائیگر کی جگہ کوئی اور ہوتا تو اُسے پتہ بھی نہ چلتا کب اس تیز دھار ناخن نے اس کا نرخرہ کاٹ ڈالا ہے۔

یہ ایک خطرناک ضرب تھی۔ اگر ٹائیگر ذرا سا بھی بے خبر اور بردبار ہوتا تو اس کے جبڑے کا نچلا حصّہ گہرے شگاف میں تبدیل ہو کر ناں اُگل رہا ہوتا... لیکن ٹائیگر اس کی زد سے باہر جا چکا تھا۔ اس نے ہاتھ کے لپکتے ہی خود کو اس کی زد سے باہر نکال لیا تھا... نہ صرف اس کی دسترس سے نکل گیا تھا بلکہ اس کا مزید ہدف بننے کے سامنے بھی موجود نہیں تھا۔

چارلی نے ضرب لگانے کے لیے پوری قوت سے اپنا بازو اچھالا تھا۔ جب اس کے مہلک ناخن کو ہدف میسّر نہ آیا تو اُسے محاطی کی بڑی بھیانک سزا بھگتنا پڑی۔ اگلی ہی ساعت اُس کے پاؤں اُکھڑ گئے اور وہ خود کو فضا میں اُڑتا ہُوا محسوس کر رہا تھا۔ اس کے اُڑنے کا عمل ابھی تکمیل سے ہمکنار نہیں ہُوا تھا کہ اچانک اس نے اپنے نیچے شہزاد کا سایہ لہراتا محسوس ہُوا۔ اس نے چارلی کی ٹانگ پر ایک مخصوص چوٹ لگائی تھی۔ اِس چوٹ کا اثر یہ ہُوا کہ فضا میں تیرنے کے سے انداز کی بجائے استادہ حالت میں ہی گرا۔

جب وہ زمین پر گرا تو اس نے بڑی پھرتی سے خود کو سنبھالا اور پھر وہی ناخن والا ہاتھ دوسری ضرب لگانے کے لیے اٹھا لیا لیکن... ایک ٹنڈ منڈ سا بازو فضا میں لہرا کر رہ گیا۔

جہاں اس کا مہلک ہاتھ ہُوا کرتا تھا، اب وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ کٹی ہوئی کلائی سے البتہ گرم گرم خون کی بوندیں فرش پر ضرور ٹپک رہی تھیں۔ چارلی کے حلق سے ایک دلدوز چیخ نکل گئی۔ اس نے مارے خوف کے آنکھیں بند کر لیں اور تھر تھر کانپنے لگا حالانکہ اُس کی کٹی ہوئی کلائی کا زخم تازہ تھا اور اس میں تکلیف کی لہریں پیدا ہونا نہیں شروع ہوئی تھیں۔

ابھی اُس کی آنکھیں بند ہی تھیں کہ اُسے اپنے سینے پر کسی شے کی خفیف سی چبھن محسوس ہوئی۔ اس نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں اور پھر وہ بڑے ہی کربناک انداز میں کراہ کر رہ گیا۔

ٹائیگر اس کے سامنے کھڑا تھا اور اُس کے ہاتھ میں چارلی کا کٹا ہُوا ہاتھ دبا ہُوا تھا جس کے ایک ناخن سے وہ مہلک حملے کا کام لیا کرتا تھا۔ یہ ناخن اب اُس کے سینے میں چبھ رہا تھا۔

"اپنے ہی ہاتھ سے قتل ہونے میں کیا محسوس ہوتا ہے؟ اس کا کچھ کچھ اندازہ ان لوگوں کو ہوتا ہو گا جو خودکشی کرتے ہیں... لیکن اس انداز میں اپنے آپ کو ہلاک کرنا کس قدر خوفناک ہو گا، اس کا اندازہ صرف تم کر سکتے ہو، چارلی!" ٹائیگر نے کہا اس کے لہجے میں بے پناہ سفاکی تھی۔

چارلی سر سے پاؤں تک کانپ کر رہ گیا۔

اس نے آنکھیں بند کر لیں۔

"آنکھیں کھولو چارلی... اور اس مہلک ناخن کو دیکھو جس سے تم بے گناہ لوگوں کے نرخرے کاٹا کرتے تھے۔ اب یہی ناخن تمھارے خون سے اپنی پیاس بجھائے گا!"

چارلی کے لبوں پر کپکپاہٹ پیدا ہوئی۔ وہ کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن زبان ساتھ نہیں دے رہی تھی۔ کٹی ہوئی کلائی سے اندھا دھند خون بہنے والی درد کی لہریں پورے جسم میں دوڑنے لگی تھیں۔

"خیر... اب یہ بتاؤ کہ تم بولنا شروع کر رہے ہو یا تک انتظار کرانا چاہتے ہو؟"

چارلی سمجھ چکا تھا کہ وہ کس پوزیشن میں ہے۔ اُسے اندازہ تھا کہ شہزاد اب کتنی اذیت دے سکتا ہے۔ اِس اذیت کا خیال ہی رُوح کو تھرتھرا دینے کے لیے کافی تھا۔ اُس نے بولنے کی کوشش کی لیکن زبان نے ساتھ نہیں دیا۔ نہ جانے وہ کیا بڑبڑا کر رہ گیا۔

ٹائیگر نے اس کی بے بسی محسوس کر لی! اُسے اس پر رحم نہیں آرہا تھا، تاہم وہ اس کی تکلیف کی شدت کم کرنے پر مجبور تھا اس نے بایاں ہاتھ اُٹھایا اور پھر جیسے ہی یہ ہاتھ چارلی کے دائیں کندھے پر گرا، چارلی نے آنکھیں کھول دیں۔ اس کا بازو شل ہو چکا تھا۔ مفلوج

بازو کی وجہ سے تکلیف کی ناقابل برداشت لہریں وقتی طور پر دم توڑ گئیں۔

"بولو... ورنہ یہ عارضی سکون تمہارے لیے کسی عذاب میں بھی تبدیل ہو سکتا ہے۔" ٹائیگر غرایا۔

"ہماری خدمات ایک بوڑھے نے حاصل کی تھیں۔" وہ قدرے واضح انداز میں بولا۔

"کس سلسلے میں؟" ٹائیگر نے سوال کیا۔

"وہ چاہتا تھا کہ ہم اُس شخص کو ہلاک کر دیں جو سبزی خور نہیں ہے۔"

"کس انداز میں؟" ٹائیگر کی آواز اب ہر تاثر سے عاری ہو گئی تھی۔

"ہم ایک مخصوص زہر استعمال کرتے تھے جو ہمیں افریقی بوڑھے نے مہیا کیا تھا۔ یہ زہر دو حصوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ اس کا ایک حصہ گوشت کے ذریعے استعمال کرایا جاتا ہے جبکہ دوسرا حصہ گیس میں تبدیل کر کے پہلے حصے تک پہنچایا جاتا ہے اور اس طرح بڑی ناقابل فہم موت واقع ہو جاتی ہے۔"

"یہ زہر دو حصوں میں کیوں استعمال کرایا جاتا ہے۔ جبکہ گوشت کے ذریعے بھی کام نکل سکتا ہے؟" ٹائیگر نے وضاحت چاہی۔

"اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر یہ زہر حکام کے ہاتھ لگ گیا تو وہ اس کا تریاق دریافت کر لیں گے۔ زہر کا جو حصہ گوشت کے ذریعے استعمال کرایا جاتا ہے، وہ کمزور اور کم اثر والا ہوتا ہے... لیکن جیسے ہی گیس کا اس زہر سے ملاپ ہوتا ہے، یہ مہلک بن جاتا ہے۔"

"تم اسے سرکاری گوشت تک کیسے پہنچاتے تھے؟" ٹائیگر نے ایک طویل سانس لے کر دریافت کیا۔

"شنگ نامی جو شخص زینے پر ہلاک ہوا ہے یہ ایک سرکاری انسپکٹر ہے۔ ہم اس زہر کی گوشت پر لگنے والی مہر کی روشنائی میں آمیزش کر دیا کرتے تھے۔"

ٹائیگر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

چارلی جھوٹ نہیں بول رہا تھا۔

یہ بات ٹائیگر کو اپنے چیف بہرام سے بھی معلوم ہو چکی تھی۔ اُسے بہرام پر بے پناہ فخر محسوس ہونے لگا جو ہر اعتبار سے باخبر رہنے کا عادی تھا۔ ٹائیگر ایک بار پھر چارلی کی طرف متوجہ ہو گیا۔ وہ اب دائیں ہاتھ سے چارلی کی کلائی سے الگ ہونے والا ہاتھ، کسی بے ریا اور کی طرح چارلی کے سینے سے لگائے کھڑا تھا، جیسے کسی حریف کو زد میں لے کر بے بس کیا گیا ہو۔

"عذرا بروی کہاں ہے؟" ٹائیگر نے سوال کیا۔

"وہ لیڈر کو اطلاع دینے گئی ہے۔"

ٹائیگر نے اثبات میں سر ہلایا۔ چارلی پوری طرح شکست خوردہ نظر آ رہا تھا۔ اُس کے چہرے اور آنکھوں سے اذیت کا احساس ہونے لگا اور یہ تاثر ہر گزرتے لمحے کے ساتھ گہرا ہوتا جا رہا تھا۔

"اس کے علاوہ بھی تم کوئی خاص بات ضرور جانتے ہو گے۔" ٹائیگر نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا اور اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

"وہ وہاں سے سیدھی ائرپورٹ جائے گی۔" چارلی نے کربناک آواز میں کہا۔ "آج رات وہ ایک چھوٹے سے جہاز میں پرواز کرے گی اور پورے شہر میں گیس پھیلا دے گی۔ اس طرح جن لوگوں نے وہ زہر آلود گوشت کھایا ہو گا، وہ گیس کو سانس کے ذریعے معدے میں پہنچا کر فوری موت کا شکار ہو جائیں گے۔"

ٹائیگر نے اُسے دھکیل کر فرش پر پھینک دیا۔ اس کے لہجے سے بے پناہ نفرت ظاہر ہو رہی تھی۔ گرتے وقت چارلی کا کٹا ہوا بازو فرش سے ٹکرایا تھا اُس کے حلق سے بڑی دلدوز چیخ نکل گئی تھی۔ اس کی کٹی ہوئی کلائی سے خون بہہ نکلا تھا اور زندگی اس خون میں شامل ہو کر تیزی سے خارج ہوتی جا رہی تھی۔ ٹائیگر نے اس پر تھوک دیا۔ "اگر تم نے مجھے یہ معلومات نہ فراہم کی ہوتیں تو میں تمہیں بڑی اذیت ناک موت سے ہمکنار کرتا... لیکن اب تم رحم کے مستحق ہو۔"

چارلی نے آنکھیں بند کر رکھی تھیں اور وہ بُری طرح کراہ رہا تھا... جیسے ہی ٹائیگر نے اس کے لیے رحم کا لفظ استعمال کیا، اُس نے آنکھیں کھول دیں۔ وہ اس کی طرف رحم طلب نظروں سے دیکھتے ہوئے گڑگڑانے لگا۔ "پلیز...!" اس نے کہا۔ "مجھے موت مار...

"اب تم زندہ رہ کر کیا کرو گے؟" ٹائیگر کے لہجے میں حیرت تھی "میں نے تم پر رحم کھانے کا ارادہ اس لیے نہیں کیا تھا کہ تمہیں زندہ چھوڑ دوں... بلکہ میں چاہتا ہوں کہ تمہیں آسان موت سے ہمکنار کر جائے۔"

چارلی کی آنکھوں میں ایک بار پھر نا اُمیدی چھا گئی... لیکن وہ ایک حقیقت پسند آدمی تھا... ٹائیگر کی بات اُس کی سمجھ میں آ گئی تھی۔ اُس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ جیسے اُس کا فیصلہ قبول کر لیا ہو۔ اُسی لمحے ٹائیگر آگے بڑھا۔ اُس کے دائیں ہاتھ میں اب بھی چارلی کا کٹا ہوا ہاتھ دبا ہوا تھا۔ یہ ہاتھ تیزی سے لپکا اور پھر چارلی کا وہ ناخن خود اُس کے دل میں اُتر گیا جس سے اُس نے اب تک جانے کتنی زندگیاں چھین لی تھیں۔

ٹائیگر نے کٹا ہوا ہاتھ چارلی کی لاش پر پھینک دیا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ وقت کم تھا اور اُسے ابھی بہت سے کام نمٹانے تھے۔ شام ہو رہی تھی۔ وہ سب سے پہلے عذرا بروی سے

ملاقات کرنا چاہتا تھا... اُس حسینہ سے جو موت کی دیوی بن کر پورے شہر پر زہریلی گیس کا چھڑکاؤ کرنے والی تھی۔

پرواز کے لیے یہ ایک شاندار دن تھا۔

آسمان صاف تھا اور بینائی کا کچھ پچاس میل تک وسیع تھا سورج تھکا ہارا اپنے مغربی مسکن کی طرف جھک رہا تھا... ابھی سورج کی طلائی کرنوں کا جال پوری طرح سمٹا نہیں تھا کہ عذرا بروی نے کنٹرول ٹاور سے رابطہ قائم کیا اور ٹیک آف... کی اجازت چاہی۔

اس نے ائرپورٹ آنے سے قبل اپنے لیڈر کو اطلاع دے دی تھی کہ شنا بخو کے دونوں ایجنٹ ختم کر دیے گئے ہیں... اور اب وہ حتمی موت، نامی مشن کی تکمیل کے لیے جا رہی ہے۔

یہ بڑا ہی خوفناک مشن تھا وہ اس وقت جس چھوٹے سے جہاز میں سوار تھی، اس میں، فلوکے ایسے جراثیموں پر مبنی پاؤڈر موجود تھا جس کا چھڑکاؤ اپنی زد میں آنے والے ہر ذی روح کو ہلاک کر سکتا تھا۔ یہ ایک جدید ترین زہر تھا اور اس کی تیاری میں انھوں نے بڑی محنت کی تھی۔

جہاز میں سوار ہونے سے قبل عذرا نے فیول ٹینک کو ازسرِنو بھر لیا تھا یہ ایک پائپر کوب جہاز تھا جس میں پائلٹ اور اس کا معاون ہی سفر کر سکتے تھے گویا یہ ایک ٹو سیٹر جہاز تھا۔ عذرا نے ہوابازی کی خاصی تربیت حاصل کی تھی اور اس جہاز کو بالکل اسی انداز میں اڑا سکتی تھی جیسے کوئی ماہر ڈرائیور کار چلاتا ہے۔ اُس نے پرواز سے قبل انجن کی بھی خصوصی جانچ پڑتال کی تھی۔ یہ اُس کی زندگی کا اہم ترین مشن تھا اور اس کے مستقبل کی تمام تر کامیابیاں اس مشن کی کامیابی سے ہی وابستہ تھیں۔ جس کنستر میں وہ مہلک پاؤڈر بند تھا، اس کے ساتھ ایک موٹر بھی لگی ہوئی تھی۔

عذرا کی آنکھوں میں بڑی ہی خطرناک چمک تھی۔ اس کے ہونٹ آسودہ مسکراہٹ سے کھلے ہوئے تھے اور رخساروں کی نمایاں ہڈیاں اس کے بے پناہ عزم و حوصلے کا اظہار کر رہی تھیں۔ وہ جانتی تھی کہ جس ملک بھر میں کہرام مچا ہوا ہو گا۔ گلیاں اور بازار لاشوں سے اٹے ہوئے ہوں گے اور بچے کھچے عوام حکومت سے احتجاج کرنے کے لیے سڑکوں پر نکل آئیں گے۔ پورے ملک کا نظام معطل ہو جائے گا اور حکومت کی بنیادیں ہل کر رہ جائیں گی۔ جو اس ہولناک زہر سے باقی بچ جائیں گے، ان کی حیثیت محض آوارہ گردوں جیسی ہو کر رہ جائے گی۔ اس مُردہ قوم پر ان کی فوج کا تسلط ہو جائے گا اور یوں اُسے جو دولت ملے گی، اُسے شمار کرنا بھی اُس کے لیے ممکن نہ ہو گا۔

اس کے بعد

ٹائیگر کے چوتھے حصے کا مطالعہ کریں۔

ٹائیگر

ڈاکٹر ایم اے قریشی



وہ اس مشن کی تکمیل کے بعد دوسرے جہاز سے اپنے مُلک واپس چلی جانا چاہتی تھی۔ جہاں اُسے تباہ کار پاڈر کی تباہ کاریوں اور اثرات کے خاتمے کا انتظار کرنا تھا۔ وہ دل ہی دل میں ہیڈ ریہ ہنس رہی تھی اس نے جو احمقانہ بکھڑا گپ پھیلا رکھا تھا، صبح کی پہلی کرن کے ساتھ ہی اس کا بھی خاتمہ ہو جائے گا کیونکہ خود لیڈ کی لاش بھی اُن گنت مرنے والوں میں شامل ہوگی . . . اور پھر اس کے ارادوں کے سامنے ایک بھی دیوار حائل نہیں ہوگی۔ وہ جو کچھ بھی چاہتی تھی، اُسے آسانی سے پانچ تکمیل تک پہنچانے میں کامیاب رہے گی۔ اگر آج سے پانچ سال قبل کوئی اس سے یہ کہتا کہ وہ اتنا بڑا مقام حاصل کرے گی تو کبھی اس بات پر یقین نہ کرتی . . . لیکن ایک حسین اتفاق نے اچانک ہی اس کی زندگی کا رُخ بدل دیا تھا . . . اور بالآخر وہ کامیابی کی اس منزل تک آپہنچی تھی۔

. . . اڑ فیلڈ سے وہ مسلسل کنٹرول ٹاور سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کر رہی تھی لیکن ابھی تک اُسے کامیابی نہیں ہوئی تھی۔ چند منٹ اور بیت گئے تو اُس کی حسین پیشانی پر فکرمندی کی سلوٹیں نمودار ہوگئیں اس سے قبل کہ وہ اندیشوں میں گھر جاتی، اچانک ہی کنٹرول کی طرف سے اشارہ موصول ہوگیا۔

اُس نے ایک طویل سانس لے کر آپریٹر کا شکریہ ادا کیا اور جہاز کا انجن گرجنے لگا۔ عذرا نے مسکرا کر اپنی بکھری ہوئی زلفیں سیٹ میں اور اطراف میں دیکھنے لگی۔ جہاز اسٹارٹ ہونے سے ہوا کے تیز جھونکے پیدا ہوئے جنھوں نے اڑ فیلڈ میں لگی ہوئی اونچی اونچی گھاس کو لہلہانا شروع کر دیا۔ جہاز کی وجہ سے جو ارتعاش پیدا ہو رہا تھا، اس سے عذرا بروہی کی پوری ہستی میں ہر ہر سی دوڑنے لگی تھیں، یہ ایسی لہریں تھیں، جن سے وہ ہمیشہ لطف اندوز ہوا کرتی تھی۔ جہاز کے عقب میں گرد و غبار کا طوفان سا اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔

اُس کے ذہن میں وہ اندھا شخص گھوم گیا جس نے اُس سے رابطہ قائم کیا تھا۔ تب وہ ایک معمولی سی لائبریرین ہوا کرتی تھی۔ اُس نے اندھے کو اغوا میں لینے کے لیے اپنے سیہ دی ذہن کو پوری طرح استعمال کیا تھا اور اُسے اپنے مقصد میں ناکامی نہیں ہوئی تھی۔ وہ اس قدیم شخص کی آنکھیں بن گئی اور پھر زندگی اور موت کا ایک ایسا ڈرامہ شروع ہوگیا جس میں اُسے مرکزی حیثیت حاصل تھی . . . اور اب پورے ایک مُلک . . . اور پوری ایک قوم کا مقدر اُس کے رحم و کرم پر تھا۔ اُس کے ہاتھ کی خفیف سی جنبش سب کو تباہی سے ہمکنار کر سکتی تھی۔

نارنجی اور سفید رنگ کا یہ جہاز دیکھنے میں بے حد خوبصورت

تھا لیکن اس میں موت سوار تھی۔ لاکھوں آدمیوں کی موت... بے رحمانہ موت جس سے فرار ممکن نہ تھا۔

عذرا نے جہاز کا تھروٹل آگے کی طرف دبایا اور اس خوش نما جہاز نے پختہ رَن وے پر رینگنا شروع کر دیا۔ موت کے سفر کا آغاز ہو چکا تھا۔

اندھیرا زمین پر اُتر آیا تھا۔ عذرا نے فلیشر روشن کر دیے۔ رَن وے پر ساری بتیاں جل اُٹھی تھیں۔ عذرا نے لطف و لذت سے لبریز ایک سسکاری لی اور اُسے یوں محسوس ہوا جیسے اَن گنت لوگ رَن وے کے دونوں طرف جلتی ہوئی مشعلیں لیے اُسے سلامی دے رہے ہوں۔ رَن وے کا ذرّہ ذرّہ ان بتیوں کی وجہ سے روشن تھا۔

جہاز اب بھی رَن وے پر ریٹنگ رہا تھا۔ وہ اسے رَن وے کے سرے پر لے جا کر دوڑانا چاہتی تھی تاکہ ٹیک آف میں آسانی رہے۔ اچانک وہ چونک پڑی۔ بہت دُور، رَن وے کے گھومتے ہوئے جھٹکے سے اُسے کوئی کُودتا ہوا دکھائی دیا تھا۔ بادی النظر میں یہ ایک بڑا سا سیاہ دھبّہ ہی لگا لیکن اس کی تیز آنکھوں نے دیکھ لیا کہ وہ ایک آدمی کا ہیولیٰ ہے۔ یہ سایہ رَن وے پر اُسی جانب بڑھ رہا تھا جہاں وہ پہنچ کر جہاز کو واپس دوڑانا چاہتی تھی۔ اس نے جلدی سے ریڈیو مائیکروفون اُٹھایا اور بولنے لگی۔

"کنٹرول... ہیلو... کنٹرول۔ رَن وے پر کوئی آدمی ہے... میں ایک بار پھر دُہراتی ہوں... رَن وے پر ایک آدمی ہے... اُوور۔"

ریڈیو ایک لمحے کے لیے خاموش رہا... پھر کلک کی آواز پیدا ہوئی اور کنٹرول سے آواز آئی: "کنٹرول... کہاں ہے؟ میں دُہراتا ہوں... وہ آدمی کہاں ہے؟"

عذرا کا جہاز اب نسبتہً تیز رفتاری سے آگے بڑھ رہا تھا اس نے کاک پٹ سے قدرے اُٹھ کر دیکھا۔ رَن وے کی روشنیوں میں اُسے وہ ہیولیٰ اب بھی نظر آ رہا تھا کوئی شخص تیزی سے رَن وے کی طرف بڑھ رہا تھا۔

"کنٹرول" وہ تیز لہجے میں بولی "وہ آدمی رَن وے پار کر رہا ہے۔ کیا تم سمجھ گئے؟ اُوور!"

دوسری طرف سے خاموشی رہی گویا کنٹرول پر موجود شخص رَن وے کا جائزہ لے کر اُس آدمی کو تلاش کرنے کی کوشش میں مصروف ہو گیا تھا۔

عذرا نے ایک بار پھر آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اُس ہیولے کی طرف دیکھا۔ وہ شخص اب رَن وے سے چند قدم دُور تھا... پھر عذرا نے دیکھا کہ اُس شخص نے اپنا دایاں ہاتھ فضا میں بلند کر لیا ہے۔

اچانک کنٹرول سے آواز آئی تھی: "مجھے تو کوئی آدمی نظر نہیں آ رہا... میں دُہراتا ہوں۔ رَن وے پر آدمی تو درکنار کوئی چڑیا بھی نہیں ہے۔"

عذرا اپنی منزلِ مقصود پر پہنچ کر جہاز کو گھما رہی تھی اب اُسے آخری بار جہاز کو تیزی سے رَن وے پر دوڑانا تھا اور پھر اُسے فضا میں بلند کر لینا تھا۔ اس نے سامنے دیکھا تو اُس کے جبڑے سختی سے بھنچ گئے۔

"وہ آدمی اب بھی رَن وے پر موجود ہے۔ میں اسے صاف دیکھ رہی ہوں۔ وہ ابھی ابھی گھاس کے میدان سے رَن وے پر پہنچا ہے۔"

عذرا نے کاک پٹ کی بائیں کھڑکی سے دیکھا۔ وہ شخص ایک بار پھر گھاس کے میدان میں اُتر گیا تھا اور اس کا رُخ اب بھی جہاز کی طرف تھا۔ عذرا کو یوں لگا گویا وہ شخص اُسے چکمہ دے کر اچانک ہی جہاز کے سامنے آنا چاہتا ہو۔

وہ جہاز میں بیٹھتے وقت جتنی زیادہ خوش اور مطمئن تھی، اب اتنی ہی ناخوش اور بے چین ہو گئی تھی وہ کھڑکی کے شیشے سے اس شخص کو گھورتی رہی۔ اُس آدمی نے دایاں ہاتھ اُٹھا رکھا تھا۔ اور اس ہاتھ میں بھی کوئی چیز موجود تھی۔ اور اس چیز سے کوئی اور چیز ٹپک ٹپک کر زمین پر گر رہی تھی۔

"مجھے اب بھی کوئی آدمی نظر نہیں آیا۔" کنٹرول سے جھلائی ہوئی آواز آئی: "کیا تم آج دیر تک پیتی رہی ہو؟ میں نے خوب غور سے دیکھ لیا ہے، رَن وے پر کوئی آدمی نہیں ہے۔"

"احمق..." عذرا نے چیخ کر کہا: "لعنت ہو تم پر... کنٹرول... میں نشے میں نہیں ہوں... وہ شخص اب بھی رَن وے پر موجود ہے۔ کیا تم اندھے ہو، اتنا بڑا آدمی تمھیں دکھائی نہیں دے رہا؟ دیکھو... آنکھیں کھول کر دیکھو۔ دھن دے کے اس حصّے میں ہے جہاں پانچ نمبر کا بورڈ لگا ہوا ہے۔"

کنٹرول کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا۔

عذرا بدحواسی نے ایک بار پھر اُس شخص کی طرف دیکھا جو کچھ دیر قبل پانچویں بورڈ کے قریب تھا۔ اب وہ آدمی تیسرے بورڈ کے پاس نظر آ رہا تھا۔ وہ حیران رہ گئی۔ ہر بورڈ کے درمیان بائیک فرلانگ کا فاصلہ ضرور رہا ہو گا... پھر اُس آدمی نے چشم زدن میں

اتنا فاصلہ کیسے طے کر لیا؟

اب وہ آدمی قدرے قریب پہنچ چکا تھا اور عذرا رَن وے اور جہاز کی روشنیوں میں اُسے آسانی سے دیکھ سکتی تھی۔ اس کے بال سیاہ تھے اور اس نے سیاہ ٹی شرٹ پہن رکھی تھی۔ اس کی پتلون کا رنگ نیلا تھا اور اس کے پاؤں جوتوں سے بے نیاز تھے اس کے ہاتھ میں ہُک تھا... اور ہُک سے مُرغ مُرغ خون کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ یہ بالکل ویسا ہی آنکڑا تھا۔ جیسے کہ سلاٹر ہاؤس میں گائے جینیں لٹکانے کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔

اچانک کنٹرول سے ایک بار پھر آواز سنائی دینے لگی۔

"محترمہ، ہمیں پریشان نہ کرو... میں نے کئی بار آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ لیا ہے... بلکہ اب تو میرے پاس تین اور آدمی بھی موجود ہیں جو کوشش کے باوجود رَن وے پر کسی آدمی کو نہیں دیکھ سکے... علاوہ ازیں میں نے کنٹرول کے آلات کو بھی دوبارہ چیک کر لیا ہے۔ رَن وے پر کوئی ذی روح موجود نہیں... بہتر ہو گا کہ تم جہاز واپس لے آؤ... تاکہ اسے چیک کیا جا سکے... تمھیں ایک بار پھر ہدایت کی جاتی ہے کہ اپنی زندگی خطرے میں مت ڈالو... جہاز واپس لے آؤ... اور اسے دوبارہ چیک کراؤ..."

"جہنم میں جاؤ۔" عذرا نے دانت پیس کر کہا: "میں اسے پہچان چکی ہوں۔ یہ وہی ہے... اور مجھے ہلاک کرنے آیا ہے... وہی ہے... اور میری تلاش میں یہاں تک پہنچ گیا ہے۔"

اس نے سلسلہ منقطع کر دیا اور غور سے شہزاد کی طرف دیکھنے لگی اس نے اچانک ہی تھروٹل دبا دیا اور خود کو سنبھالنے میں لگ گئی جہاز ایک جھٹکے سے آگے بڑھا کسی چیتے جیسی دقند لگائی تھی... رفتار بڑھا پر، انتہائی رفتار کے ہنسے پر نازک سی سوئی کانپنے لگی اور عذرا کے حلق سے ایک سُریلا قہقہہ نکل گیا۔

وہ جس جہاز میں سوار تھی، اگرچہ وہ زیادہ بڑا نہیں تھا اور زمین سے اس کی بلندی بھی زیادہ نہیں تھی، تاہم عذرا کو اطمینان تھا کہ اتنی رفتار سے دوڑتے ہوئے جہاز میں بیٹھے بیٹھے وہ کسی انسان کے ہاتھوں کوئی نقصان نہیں اُٹھا سکتی۔ وہ تصور کی آنکھ سے شہزاد کو تیز رفتار جہاز سے ٹکرا کر ٹکڑے ٹکڑے ہوتے اور پھر عجب عقب میں اُس کے ٹکڑے بکھرتے ہوئے دیکھنے لگی۔ اس کے حلق سے ہسٹیریائی قہقہے بلند ہونے لگے۔ جہاز کی رفتار سے، ہوا کے باعث عقب میں کنکریاں سی اُڑنے لگی تھیں۔ گرد و غبار کا ایک طوفان سا اُٹھ کھڑا ہوا تھا... پھر اس کے قہقہے تھم گئے۔

اس نے اتنی تیز رفتاری کے باوجود شہزاد کو مسلسل اپنی طرف بڑھتے دیکھا۔ اس کا دایاں ہاتھ اب بھی بلند تھا اور اس میں جکڑا ہوا آنکڑا بے حد خوف ناک لگ رہا تھا۔ وہ اس کے جہاز کی طرف اور جہاز اس کی جانب بڑھ رہے تھے۔ ٹوسیٹر جہاز کی رفتار اب قابو سے باہر ہو رہی تھی۔ اُس نے پلکیں جھپکا کر دیکھا۔ شہزاد کا جسم اُسے بڑی آہستگی سے حرکت کرتا دکھائی دے رہا تھا جبکہ اس کا سراپا ہر گزرتے ہوئے لمحے کے ساتھ بڑھتا اور بڑا ہوتا جا رہا تھا۔

عذرا کی نگاہ رفتار پیما پر جم گئی۔

اُسے زمین چھوڑنے کے لیے جس رفتار کی ضرورت تھی، جہاز اُسی رفتار سے دوڑ رہا تھا لیکن ابھی بلند ہونے کے لیے چند کلومیٹر کا فاصلہ طے کرنا باقی تھا۔ وہ زیرِ لب مسکرائی۔ صرف چند سیکنڈ کی بات تھی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اگر ٹیک آف کی بجائے وہ جہاز کو معمول سے چند سیکنڈ زیادہ دوڑائے تو...

اچانک ہی وہ پھر ہنسنے لگی۔ اس بار اُس کی ہنسی میں دیوانگی کی جھلک پیدا ہو گئی تھی۔ وہ یہ سوچ سوچ کر خوش ہو رہی تھی کہ اُسے جہاز سے قریب تر آ جانے کا موقع دینا چاہیے۔ اس کے ذہن میں یہ خیال بھی آیا کہ آخر وہ اس کا کیا بگاڑ سکتا ہے؟ جہاز زیادہ بڑا نہیں لیکن تیز رفتاری سے تو دوڑ رہا ہے۔ اتنی تیز رفتاری سے دوڑتی ہوئی موٹر سائیکل بھی اگر کسی سے ٹکرا جاتی ہے تو اپنی لپیٹ میں

بغداد کی رات

قمر اجنالوی

الف لیلیٰ کی ایک ہزار راتوں سے زیادہ حسین و رنگین رات، دجلہ اور نیل کے دامنوں میں لپٹی ہوئی رات، جسے بے شمار کتابوں کے حوالوں سے آراستہ کیا گیا ہے

۱۲۱۱۰ صفحات | قیمت (۱۱۰۰)

ناشر: مکتبہ القریش
اردو بازار لاہور

آئے ہوئے آدمی کو نقصان پہنچائے بغیر نہیں چھوڑتی... تو ایسے میں جہاز سے تصادم کے بعد یہ شخص کیسے بچ سکتا ہے؟ جہاز کی پیٹ بند تھی اور کاک پٹ کے اوپر سائبان موجود تھا۔ ایسے میں اگر شہزادہ وہ آنکڑا اس پر اچھال بھی دے تو اسے کیا نقصان پہنچ سکتا ہے؟

وہ دیوانہ وار ہنستی رہی اور جہاز شہزادے سے قریب تر ہوتا رہا... حتیٰ کہ جہاز ٹیک آف کی حد کو پہنچ گیا۔ اس نے ایک جھٹکے سے جہاز کو اٹھا لیا۔ جیسے ہی جہاز کے پہیوں نے رَن وے چھوڑا عذرا کو اپنا دل اُچھل کر حلق میں اٹکتا محسوس ہوا۔ اُسی وقت اُس نے شہزادہ کو جہاز کے پہلو میں ایک ساعت کے لیے دیکھا تھا۔

جہاز زمین چھوڑ کر فضا میں بلند ہو گیا۔ وہ دیوانہ وار ہنستی ہوئی عقب میں دیکھنے لگی۔ شہزادہ رَن وے پر کھڑا تھا اور ہر گزرتے ہوئے لمحے کے ساتھ اس کا جسم محدب ہوتا جا رہا تھا... حتیٰ کہ وہ محض ایک وحشیہ بن کر نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ عذرا کے قہقہے دم توڑ گئے۔ اُس نے اطمینان کی ایک طویل سانس لینے کی کوشش کی تو اُسے اس عمل میں دشواری کا سامنا کرنا پڑا۔ تب اُس کی نگاہ اُس آہنی آنکڑے پر پڑی۔

بالکل اسی انداز میں جیسے شہزادہ کا سراپا اس کی نظروں میں مختصر ترین ہو کر غائب ہوا تھا، اس آنکڑے کا وجود بڑھتا چلا گیا حتیٰ کہ وہ اس کی پوری ہستی پر چھا گیا۔ یہ آنکڑا ایک لمحے کے لیے جہاز کے پہلو میں اُلٹا محسوس ہوا تھا اور پھر اس نے اچانک ہی سمت بدل لی تھی۔ اب وہ آنکڑا کسی انسان جتنی جسامت اختیار کر کے اس کی آنکھوں کے سامنے آگیا تھا معاً ایک چیخ سی بلند ہوئی، کچھ ٹوٹا... اور پھر اُسے یوں لگا جیسے کوئی چٹان اس کے سینے پر آ گری ہو۔ اس کی آنکھیں وحشت زدہ پھٹ گئیں۔ منظر دھندلا ہو گیا اور بینائی دھوکا دینے لگی۔ اس کے سینے میں آگ سی لگ گئی تھی۔ اس نے تھروٹل سے ہاتھ اُٹھا لیا۔ یہ ہاتھ آہستہ آہستہ اپنے سینے کی طرف بڑھاتے ہوئے اُس نے وہ آنکڑا تھام لیا جو سامنے سے ہوا کے شدید دباؤ کے تحت اس کے سینے میں پیوست ہو گیا تھا۔

ایک ہاتھ سے آنکڑا تھامے، اس نے آنکھیں کھولیں اور کھڑکی سے نیچے جھانکا۔ رَن وے پر شہزادہ کھڑا اس انداز میں ہاتھ لہرا رہا تھا جیسے اُسے الوداع کہہ رہا ہو۔ اُس نے آنکھیں بند کر لیں۔ اور اس کے حلق سے ایسی غرّاہٹیں نکلنے لگیں جو کسی زخمی درندے کے حلق سے دم توڑتے وقت نکلتی ہیں... پھر اس کا سر آگے کو جھکتا چلا گیا۔

جہاز اب بھی فضائی وسعتوں کی طرف محوِ پرواز تھا جب کہ عذرا بروئی کی ناپاک رُوح اس سے زیادہ بلندی کی جانب پرواز کر چکی تھی۔

ٹائیگر نے ٹیکسی ہوٹل کے سامنے چھوڑی اور کرایہ ادا کر کے تیزی سے صدر دروازے میں داخل ہو گیا۔ اس کے بال منتشر تھے چہرہ گرد و غبار سے اَٹا ہوا تھا اور پیروں میں جوتے نہیں تھے۔ اس کی آنکھوں سے وحشت برس رہی تھی اور کپڑے کئی جگہ سے پھٹ کر چیتھڑوں کی شکل میں جھول رہے تھے۔

رات ہو چکی تھی اور ہوٹل کے استقبالیے پر خاصا ہجوم تھا۔ صدر دروازے پر موجود نگران اُسے پہچانتا تھا۔ وہ اُسے اس حالت میں دیکھ کر پریشان ہو گیا۔

"لک... کیا ہوا جناب... لک... کیا بات ہے؟" اس نے بوکھلا کر دریافت کیا۔

"کچھ نہیں... ایک حادثہ ہو گیا۔"

"کیا میں ڈاکٹر کو فون کروں، جناب؟" نگران نے مستعدی سے پوچھا۔

"نہیں... میرا بوڑھا ساتھی ایک ریٹائرڈ ڈاکٹر ہی ہے معمولی خراشیں آئی ہیں۔ یہی کافی ہے کہ میں بال بال بچ گیا ہوں۔" ٹائیگر یہ کہہ کر تیزی سے آگے بڑھ گیا۔ "اور ہاں..." اس نے پلٹ کر کہا۔ "صبح مجھے یاد دلا دینا۔ میں تمہیں خصوصی ٹپ دینا چاہتا ہوں۔"

نگران نے اثبات میں سر ہلا دیا... اور اخلاق کی تصویر بن گیا۔

ٹائیگر نے استقبالیے کی طرف کوئی توجہ نہیں دی اور وہاں موجود لوگ بھی اس قدر مگن تھے کہ اتفاق سے کسی کو اس کی جانب دیکھنے کا موقع نہیں ملا۔ وہ تیز تیز چلتا زینے کی طرف بڑھ گیا کیونکہ اتفاق سے اس وقت ایک بھی لفٹ نیچے نہیں تھی اور وہ لفٹ کے انتظار میں کھڑے ہو کر تماشا نہیں بننا چاہتا تھا۔ جیسے ہی وہ اپنی سیڑھیاں اوپر چڑھ گیا کہ نیچے سے اُسے دیکھنا ممکن نہ رہا تو وہ دوڑ پڑا۔ اب وہ استعداد سے کہیں زیادہ تیز رفتاری سے زینے طے کر رہا تھا۔

ان کا کمرہ جس فلور پر تھا، وہاں کے بیشتر کمرے خالی پڑے تھے اس لیے راہ داری سنسان پڑی تھی۔ ٹائیگر نے اطمینان کی ایک طویل سانس لی اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

اچانک اُسے ٹھٹک کر اپنی رفتار کم کرنی پڑ گئی۔

اُس کے نتھنوں سے ایک عجیب سی بو ٹکرائی تھی۔ بالکل ویسی

کشش میں گرفتار ہے کے آخری حصے تک جانے سے بھی باز نہیں رہے گا۔

"ہیلو۔۔۔" وہ غرایا۔۔۔ لیکن دوسری طرف سے کمپیوٹر کی چرخیاں گھومنے کی آوازیں سنائی دیتی رہیں۔ ابھی تک بہرام سے رابطہ قائم نہیں ہو سکا تھا۔

ٹائیگر پر دیوانگی طاری ہوتی جا رہی تھی۔ ایک ایک لمحہ قیمتی تھا۔ فائنگ سے مقابلہ ناگزیر تھا، ورنہ وہ سب سے پہلے اُوشان کو طبی امداد بہم پہنچانے کا بندوبست ضرور کرتا۔

کمپیوٹر نے جیسے ہی ٹائیگر کی آواز کو قبول کیا، فوراً ہی بہرام کا نمبر ڈائل ہو گیا۔ "ہیلو۔۔۔" دوسری جانب سے بہرام کی آواز سنائی دی۔

"فوراً ہوٹل پہنچئے۔" ٹائیگر نے کہا۔

"خیریت تو ہے؟" بہرام نے پوچھا۔

ٹائیگر نے اس سے شناسائی کے دور میں پہلی بار بہرام کے لہجے میں پریشانی اور کنفیوژن کی جھلک محسوس کی۔ "اُوشان کی زندگی خطرے میں ہے۔۔۔ بلکہ ہو سکتا ہے کہ۔۔۔" وہ جملہ پورا نہ کر سکا اور ریسیور کریڈل پر پھینک کر اُوشان کی طرف دوڑ پڑا۔

اُوشان اب بھی ساکت پڑا تھا۔ اس کے ہونٹ ٹھنڈے ساکت تھے۔ سینے سے زخموں سے رِسنے والا خون اب منجمد ہونا شروع ہو گیا تھا۔ ٹائیگر کا دل رو دیا۔ اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کی دھند چھا گئی۔ اُس نے اُوشان کا ہاتھ تھام لیا۔ ہاتھ ابھی گرم تھا۔ وہ کچھ دیر اس کا ہاتھ تھامے بیٹھا رہا۔۔۔ پھر ایک نئے عزم کے ساتھ اُٹھ کھڑا ہوا۔ بہرام کو اُوشان کے بارے میں اطلاع دینے کے بعد اُس کی ذمے داری ختم ہو گئی تھی۔۔۔ لیکن اب ایک نئی ذمے داری نے اُسے بے چین کرنا شروع کر دیا تھا۔ وہ فائنگ سے انتقام لینا چاہتا تھا۔ اُسے حیرت تھی کہ اُوشان اتنی آسانی سے فائنگ کے ہاتھوں مات کیسے کھا گیا؟

وہ تیزی سے اپنے کمرے میں پہنچا۔ اس نے کپڑے تبدیل کیے اور ایک طویل عرصے بعد ریوالور نکال کر ہاتھ میں لیا۔ اُسے آج تک کسی مشن میں کسی ہتھیار کی ضرورت نہیں پڑی تھی۔ وہ تو خود سراپا ایک مہلک ہتھیار تھا۔ اس کی پاؤں کے ناخن سے لے کر بالوں تک ہر چیز مہلک تھی اور وہ ان سب سے بوقتِ ضرورت ہتھیار کا کام لے سکتا تھا۔

ریوالور کو چند لمحوں تک گھورنے کے بعد اُس نے اُسے جیب میں رکھنے کی بجائے بستر پر پھینک دیا اور اُبلے اُبلے سے ذہن کے ساتھ واپس اُسی کمرے میں آ گیا، جہاں اُوشان فرش پر پڑا تھا۔ اُس کے دونوں ٹخنے پیٹ سے لگے ہوئے تھے۔ یکایک ٹائیگر کو چونک جانا پڑا۔ وہ تیزی سے اُوشان پر جھک گیا۔

اُوشان کی گردن ڈھلک گئی تھی۔ اس نے ایک بار پھر اُوشان کا ہاتھ تھام لیا۔ ہاتھ اب پہلے جیسا گرم نہیں تھا۔ سینے کے زخموں پر تیزی سے جمنے والے خون میں ہوا کا ایک بلبلہ فنید تھا۔ یہ بلبلہ اگر پھٹ جاتا تو اُوشان کے بچنے کی توقع کی جا سکتی تھی۔۔۔ لیکن وہ جوں کا توں رہا۔۔۔

ٹائیگر جانتا تھا کہ اُوشان جس دم کا مارا ہے وہ کئی منٹ تک بغیر سانس لیے زندہ رہ سکتا ہے خون میں ہوا کا جو بلبلہ ساکت نظر آ رہا تھا، اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ اُوشان کا اندرونی جسمانی نظام کام نہیں کر رہا ہے۔ ٹائیگر کی آنکھوں میں ایک بار پھر الفنسو کی دھند آ گئی لیکن وہ اپنے استاد، اپنے باپ اور اپنے خالق کی لاش پر رونا نہیں چاہتا تھا۔ وہ اپنے بھاری ذہن کو سنبھالتا ہوا اُٹھ کھڑا ہوا۔

"الوداع اُوشان۔۔۔" اس کی آواز بھرا گئی۔ "کاش! تم میری بات مان لیتے اور میرے ساتھ چلے جاتے۔۔۔ لیکن تم پر تو دھوئیں کے بھوتوں کی دہشت سوار تھی۔۔۔ دھواں۔۔۔" وہ چونک پڑا۔

اس نے ٹخنے سکیڑ کر پھیلائے۔ گیس کی وہی بُو اُسے پھر محسوس ہوئی جسے وہ باہر راہ داری میں بھی سونگھ چکا تھا۔ اس نے متلاشی نگاہوں سے کمرے میں اِدھر اُدھر دیکھا لیکن اُسے گیس کا کوئی آلہ دکھائی نہیں دیا۔ اُس کے باوجود اُسے یقین تھا کہ۔۔۔ اُوشان کو پہلے گیس کی مدد سے بے ہوش اور بے بس کیا گیا ہو گا اور اس کے بعد فائنگ نے اس پر قاتلانہ حملہ کیا ہو گا اس نے کلائی گھڑی کی طرف دیکھا۔ بہرام کو فون کیے دس منٹ بیت چکے تھے۔۔۔ اور وہ اب کسی بھی لمحے یہاں پہنچنے والا تھا۔

ٹائیگر کمرے سے باہر آ گیا۔ وہ بہرام کی آمد سے پہلے ہی اس ہوٹل سے دُور نکل جانا چاہتا تھا۔۔۔ انتقام کے جذبے نے اس کے تن بدن میں آگ سی لگا دی تھی اور وہ خود کو ایک جلتا ہوا انسان سمجھنے پر مجبور تھا۔

ہوٹل کے صدر دروازے سے نکل کر وہ جیسے ہی ایک ٹیکسی میں بیٹھا، ایک کار آ کر رُکی۔ اس میں سے تین آدمی اُترے۔ جن میں بہرام پیش پیش تھا۔ وہ پاگلوں کی طرح دوڑتا ہوا دروازے کی طرف بڑھ گیا جب کہ دو لوگ اس کی تقلید میں دوڑ پڑے تھے۔

ٹائیگر جس ٹیکسی میں سوار تھا، وہ حرکت میں آ گئی اور اُس نے آنکھیں بند کر کے اپنا سر سیٹ کی پشت گاہ سے ٹکا دیا۔

"کھیل ختم ہوگیا۔" دروازہ کھلتے ہی آواز سُنائی دی۔ "حتمی موت کی آخری رسم بھی پُوری ہوگئی۔"

لیڈر نے پلکیں جھپکائیں۔ جو کچھ بھی کہا گیا تھا، انگریزی میں کہا گیا تھا اور لیڈر یہ زبان سمجھنے سے قاصر تھا۔ وہ خون جیسی رنگت والی سُرخ کُرسی پر بیٹھا ہُوا تھا اور اس کے دائیں ہاتھ میں ایک ایسا عصا تھا جس پر کسی اژدھے کا گمان ہوتا تھا۔ اس کی رنگت سبز تھی۔ وہ عصا کا سہارا لے کر اُٹھ کھڑا ہُوا۔ آواز اُس کے لیے اجنبی تھی۔ اب تک جتنے بھی آدمی اس کے پاس آئے تھے، وہ اُنھیں آوازوں کے ذریعے شناخت کر سکتا تھا... یہ آواز نئی ہی نہیں تھی بلکہ آنے والا بھی نیا تھا۔

"تم کون ہو؟" اندھے لیڈر نے عصا پر ہاتھ کی گرفت سخت کرتے ہوئے چینی زبان میں دریافت کیا۔

ٹائیگر نے گو شتہ ایک سال میں اُوشان سے یہ زبان سیکھی تھی اور اب وہ کسی اہلِ زبان کی طرح کو دیا اور چین کی زبانیں بول سکتا تھا۔ اس نے آتے ہی انگریزی میں اس لیے بات کی تھی کہ اس کی دانست میں اندھا لیڈر یہ زبان سمجھتا تھا۔

"کھیل ختم ہوگیا، لیڈر!" اس بار وہ چینی زبان میں بولا تھا۔ "حتمی موت کی آخری رسم بھی پُوری ہوگئی۔"

اندھے لیڈر کا چہرہ کھل اُٹھا۔ یہ الفاظ سُننے کے لیے وہ برسوں سے ترس رہا تھا۔ ان لفظوں نے اس کے ذہن سے یہ بات بھی محو کر دی کہ نووارد اس کے لیے اجنبی ہے۔ یہ خوش خبری اُسے سترجم کی زبانی سُننے کا انتظار تھا لیکن اب یہ الفاظ اس کی سماعت تک پہنچ ہی گئے تھے۔ خواہ اُنھیں کسی نے بھی ادا کیا ہو۔ اُسے اس بات سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ تو بس یہ مژدہ سُننا چاہتا تھا۔ اس خوش خبری میں دراصل اُس کی حیاتِ بعد الموت پوشیدہ تھی۔

بوڑھے کے حلق سے ایک طویل سانس نکل گئی۔ وہ بے حد پُرسکون تھا ـــــ اور بے پناہ مطمئن نظر آنے لگا تھا۔ حتمی موت سے ہمکنار ہونے والوں کی وجہ سے ہی اُسے دُنیا میں آخری انعام مل سکتا تھا... اب یہ انعام اُسے مل جائے گا اور پھر وہ اپنے آبا و اجداد سے جا ملے گا۔

اُس نے اندھی آنکھوں سے جو اندھا جُوا کھیلا تھا۔ بالآخر اس میں اُسے جیت ہوگئی تھی۔ اُس کا خیال تھا کہ وہ اپنے آبا و اجداد کی بے پناہ دولت ضائع کر دے گا اور بالآخر ناکامی اس کا منہ چڑائے گی... یہ وہم بھی دُور ہوگیا تھا۔ اُس نے خزانہ تو لُٹا دیا تھا لیکن بات بن گئی تھی۔ وہ ہنس پڑا۔ اس کی ہنسی میں بے پناہ خوشی کے اثرات مضمر تھے۔ اب اُسے افسوس ہو رہا تھا کہ اُس نے بلاوجہ شنگھائی کے ریڈ سرکل کو اتنی دولت دی۔ اُن کا اُدھار بھی تک... نہیں پہنچا تھا... پھر اُسے خیال آیا کہ اُس نے ایک اجنبی آواز سُنی ہے۔ اس کی بے نُور آنکھیں کمرے میں چکرانے لگیں لیکن وہ ٹائیگر کو دیکھ نہیں سکتا تھا۔

"کیا تمھارا تعلق ریڈ سرکل سے ہے، نوجوان؟" بوڑھے لیڈر نے اپنی خوشی دباتے ہوئے دریافت کیا۔ "بہرحال تم نے ایک بہترین کام کا زمانہ سرانجام دیا ہے۔"

"نہیں..." جواباً غراہٹ سُنائی دی۔ "یہ بہترین نہیں بلکہ بدترین کام تھا۔ یہ ایک شیطانی فعل تھا جس کی بالآخر تکمیل ہوگئی۔"

بوڑھے کی پیشانی پر سلوٹیں اُبھر آئیں۔ وہ اس لہجے کو پہچانتا تھا۔ اس انداز میں گفتگو کرنے والوں کو خوب اچھی طرح سے جانتا تھا۔ "سناجو...؟" اس نے سرگوشی کی۔

اس وقت وہ دونوں خون جیسی رنگت والی سُرخ کُرسی کے قریب کھڑے تھے۔ شہزاد کچھ اور آگے آگیا تھا۔ کُرسی کے بالکل اُوپر ایک بلب روشن تھا۔ اس روشنی میں بوڑھے کی بے نُور آنکھیں بڑی ہی پُراسرار لگ رہی تھیں۔

"سُناجو...؟" بوڑھے نے دوبارہ سرگوشی کی۔

"ہاں..." ٹائیگر نے جواب دیا۔ "اور اب تمھاری باری آگئی ہے۔"

بوڑھے لیڈر کی بھویں کمان ہوگئیں اور اس کے چہرے کی جھریاں لرزنے لگیں۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ دل میں اُٹھنے والے طوفان کو دبانے کی کوشش کر رہا ہو... پھر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"ہاں... میں جانتا ہُوں... اب میری باری ہے۔" اس کی آواز میں خفیف سی بھی لرزش نہیں تھی۔ گویا وہ اس سلسلے میں بھی توقع کر رہا تھا۔ "لیکن تم نے آتے ہی ایک خوش خبری سُنائی تھی۔ سُناجو قبیلے کا کوئی شخص جھوٹ نہیں بولتا۔ کیا تم نے یہ جھوٹ بولا ہے، نوجوان؟"

"نہیں... وہ اطلاع بھی اپنی جگہ درست ہے۔ اُوشان حتمی موت کا شکار ہو چکا ہے۔" یہ کہتے کہتے ٹائیگر کی آواز میں آنسوؤں کا بھیگا پن پیدا ہوگیا تھا۔

"کیا اُسے رسم کے عین مطابق حتمی موت میں مبتلا کیا گیا تھا؟" اس نے بے قراری سے پُوچھا۔

"نہیں... اس کے سینے میں چار آہنی ناخنوں سے شگاف ڈ دیا گیا تھا۔ کیا تم فانگ کو جانتے ہو؟"

"فانگ...؟" بوڑھا اُلجھن میں پڑ گیا۔ وہ اپنے ذہن پر زور ڈال رہا تھا لیکن یہ نام اس کی یادداشت میں بہت گہرا دفن تھا۔ دیر بعد وہ چونک پڑا۔ "ہاں... وہ ننھا سا بچہ... فانگ... کیا وہ...؟"

"وہ اُوشان کا قاتل ہے۔" ٹائیگر غرایا۔

"اور تم کون ہو؟"

"میں اُوشان کا بیٹا ہوں...؟"

"اوہ... تاریخ اپنے آپ کو کتنی بار دُہراتی ہے۔" بوڑھا یہ کہتے ہوئے ہنس پڑا۔ "فانگ نے اپنے باپ کے قتل کا بدلہ لیا... اور اب تم... اپنے باپ کے قتل کا بدلہ لینے کے لیے بے چین محسوس ہوتے ہو۔"

"ہاں... لیکن اس بار یہ کہانی اس انداز میں ختم ہوگی کہ اُسے بعد میں کوئی نہیں دُہرائے گا۔ تم نے ابھی ابھی ریڈ سرکل کا تذکرہ کیا تھا۔ میں اس گروہ کے بارے میں جاننا چاہتا ہُوں۔"

"پہلے یہ بتاؤ کہ جو لوگ سلاٹر ہاؤس میں تھے۔ ان کا کیا ہُوا۔ میری اطلاع کے مطابق تم اُن کے گھیرے میں تھے اور اُنھوں نے تمھیں سر دھنانے میں مجبور کر دیا تھا۔"

"اب میری بجائے وہ سب لوگ وہاں مجبور ہیں۔"

"ایک بھی زندہ نہیں رہا؟" بوڑھے نے بڑے دُکھ سے پُوچھا۔

"صرف فانگ فرار ہونے میں کامیاب ہُوا ہے لیکن میں دُنیا کے آخری حصّے تک اس کا پیچھا کروں گا۔ اُسے پاتال میں بھی نہیں چھوڑوں گا۔"

"فانگ... اگر تم زندہ ہو تو سمجھ لو کہ وہ خود ہی ہلاک ہو جائے گا۔" بوڑھے نے عجیب سے لہجے میں کہا۔ "ریڈ سرکل کسی ناکام آدمی کو برداشت نہیں کر سکتی۔ کوئی آدمی کسی فرض کو اپنے ذمّے لیتا ہے تو اُسے ہر حال میں کامیاب ہونا پڑتا ہے، ورنہ ریڈ سرکل کے تمام لوگ اُسے تلاش کر کے ٹھکانے لگا دیتے ہیں۔ اس احمق کو چاہیے تھا کہ تمھیں بھی ٹھکانے لگا دیتا۔"

"اس نے کوشش کی تھی۔ مجھے اس کی فائٹ پسند آئی لیکن افسوس مقابلہ اُوشان کے قریب اس وقت ہُوا جب وہ اُسے دیکھنے کے قابل میں تھا۔ فانگ کہاں ہے؟"

"میں یقین سے نہیں کہہ سکتا... لیکن لگتا ہے، وہ یہاں سے فرار کر کے سیدھا شنگھائی جائے گا۔ اب اُسے بلوسرکل والے ہی پناہ دے سکتے ہیں۔"

"اب اُسے کوئی پناہ نہیں مل سکتی۔ وہ بُری طرح زخمی ہے۔ اس سے قبل کہ اس کے... زخم مندمل ہوں، میں اُس کی زندگی کے ساتھ پرموت کا نشان ثبت کر دینا چاہتا ہُوں۔"

"پھر تمھیں یہاں آنے کی بجائے شنگھائی چلے جانا چاہیے تھا۔"

"مجھے اپنے سفر کے آغاز کے لیے نیک شگون کی ضرورت تھی... میں اُوشان کا فرض بھی پُورا کرنا چاہتا تھا۔ اب تمھاری باری ہے، سناجو۔" ٹائیگر کے لہجے میں بے پناہ سفاکی پیدا ہوگئی۔

"ہاں... جیسا لکھا گیا ہے، ویسا ہی ہوگا۔" بوڑھے نے بڑے تحمل سے کہا۔ "لیکن تمھیں ایک بات کا اندازہ ہو جانا چاہیے کہ تمھارا تعلق بھی ایک ایسے مذہب سے ہے جو میرے مذہب کی طرح قدیم ہے۔ تمھیں اس وقار کی پاس داری کرنی چاہیے جس نے مجھے یہاں تک پہنچایا ہے۔"

"سناجو کسی مذہب کا نام نہیں ہے۔" ٹائیگر نے زہریلے لہجے میں کہا۔ "اسے تم زندگی گزارنے کا ایک طریقہ ضرور کہہ سکتے ہو... اور یہ طریقہ دُنیا کے بہترین مذہب، سچائی کی بنیاد دل پر استوار ہے۔ ہم کسی کو اس طرزِ زندگی کے لیے تمھاری طرح مجبور نہیں کرتے... اور جن کے وقار کی پاس داری کی جاتی ہے، ان کا تعلق بھی سُناجو قبیلے سے ہی ہوتا ہے، تمھارے شیطانی عقائد سے نہیں... کیا تم مجھ سے زندگی کی بھیک مانگ رہے ہو؟"

"نہیں..." بوڑھا تھکے سے تھتھر کانپنے لگا۔ یوں لگتا تھا جیسے ٹائیگر کی بات کسی نیزے کی طرح اس کا سینہ چیر کر دل میں اُتر گئی ہو۔ "میں اس زندگی کی کوئی پروا نہیں کرتا۔ مجھے حیاتِ بعد الموت کی فکر ہے۔ میری خواہش ہے کہ میری رُوح، میرے بزرگوں کے درمیان پہنچ جائے اور وہ مجھے خوشی خوشی قبول کر لیں۔"

ٹائیگر نے اس بار کوئی جواب نہیں دیا۔ اُسے اس بوڑھے سے بے پناہ نفرت محسوس ہو رہی تھی۔ وہ گھن کے احساس میں مبتلا ہوگیا تھا۔ کافی دیر بعد اُس نے ٹھوس لہجے میں کہنا شروع کیا۔ "اگر تم چاہتے تو ذاتی طور پر یہ جنگ لڑ سکتے تھے۔ اس میں فتح یا شکست، دونوں ہی صورتوں میں تمھارا مشن مکمل ہو جاتا۔ ممکن تھا کہ تم ہمیں اپنے ہاتھوں سے ہلاک کر کے حیاتِ بعد الموت پا لینے کے اہل ہو جاتے... اور یہ بھی ممکن تھا کہ تم خود ہلاک ہو جاتے۔ ایسی صورت میں بھی حیاتِ بعد الموت حاصل کرنے میں تمھیں کوئی دُشواری نہ ہوتی... لیکن تم نے دوسرے لوگوں کو اس کام میں جھونک ڈالا اور دُنیا کی تباہی کا سامان کیا۔ اب تمھیں اس کا ہرجانہ ادا کرنا پڑے گا۔"

"اگر تم دولت چاہتے ہو تو میرے پاس اب بھی اس کی کمی نہیں ہے۔" بوڑھے نے جلدی سے کہا۔ "کیا تم یہ ہرجانہ دولت کی شکل میں قبول کرنا چاہتے ہو؟"

"نہیں... میں اسے تمھاری شکل میں حاصل کروں گا۔" ٹائیگر نے کہا اور بے ساختہ اس کے حلق سے ایک قہقہہ نکل گیا۔

"میں تمھارا مطلب نہیں سمجھا۔ سُناجو کے لوگ اتنی پیچیدہ باتیں تو نہیں کیا کرتے تھے۔" بوڑھا اُلجھن میں پڑ گیا۔

"تمھارا خیال درست ہے۔ میرا تعلق براہِ راست سناجو خاندان سے نہیں ہے۔ میں ایک مشرقی نوجوان ہُوں جس کی نسوں میں سُناجو خاندان کا خون نہیں بلکہ تجربہ دوڑ رہا ہے۔" ٹائیگر نے اس کی بے بسی سے لُطف اندوز ہوتے ہوئے کہا۔ "جانتے ہو میں کیا کرنے جا رہا ہُوں؟"

"تم مجھے قتل کرنے جا رہے ہو۔" بوڑھے نے اطمینان سے جواب دیا۔

"نہیں... یہی تمہاری غلط فہمی ہے۔ میں تمہیں قتل نہیں کروں گا۔ تم زندہ رہو گے۔ میرے پاس اس کے ذرائع موجود ہیں۔ تمہارے اعضا مختلف معذور بوڑھوں میں تقسیم کر دیئے جائیں گے اور یوں تم ایک طویل عرصے تک مختلف حصوں میں بٹ کر زندہ رہو گے۔"

"نہیں... نہیں..." بوڑھا گڑگڑانے لگا۔ "تم ایسا نہیں کر سکتے... ایسا ہرگز نہیں کر سکتے۔"

"مجھے ایسا کرنے سے کون روک سکتا ہے؟" ٹائیگر نے طنزیہ لہجے میں سوال کیا۔ "بوڑھوں کو تمہارے اعضا صرف اس شرط پر دیئے جائیں گے کہ وہ مرنے سے قبل کسی اور کو دینے کی اجازت دیتے جائیں... اس طرح تمہارے اعضا کبھی ایک جگہ جمع نہیں ہوں گے... تمہاری روح بھٹکتی رہے گی... اور وہ کبھی حیات بعد الموت سے ہمکنار نہیں ہو سکے گی۔" یہ سب کچھ کہتے ہوئے شہزادہ دل ہی دل میں ہنس بھی رہا تھا کیونکہ اُسے ان فضولیات پر اعتماد نہیں تھا لیکن اس وقت وہ ایک ایسے بوڑھے کے سامنے کھڑا تھا جو شیطانی مذہب کا پیش رو تھا اور جو اُس کی باتوں پر یقین کرنے کے لیے خود بخود ہی آمادہ دکھائی دے رہا تھا۔

اچانک بوڑھے لیڈر کا ہاتھ گھوم گیا۔ اژدھا نما عصا نے نصف دائرے میں گھوم کر اپنا ہدف تلاش کرنے کی کوشش کی تھی لیکن ٹائیگر اس وقت تک اُچھل کر اُس کی پُشت پر پہنچ چکا تھا۔

بوڑھے کا یہ حملہ ناکام گیا تو اس نے عصا پھینک دیا... پھر اس کا دایاں ہاتھ آہستہ آہستہ بلند ہونے لگا۔ اس ہاتھ کی ایک انگلی کا ناخن چھ انچ کے لگ بھگ لمبا تھا اور اس پر کسی چھوٹے سے نیزے کا گمان ہوتا تھا۔ لیکن کنارے سے یہ ناخن کسی کھپاڑے کے پھل کی طرح کٹا ڈھارا تھا اس سے پہلے کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوتا، ٹائیگر کے دونوں ہاتھ حرکت میں آ گئے۔

پہلی چوٹ بوڑھے لیڈر کے کندھے پر پڑی، دوسری دماغ کو ہلا گئی اور تیسری نے اس کی وہ انگلی کاٹ ڈالی جس کا ناخن بڑھایا ہوا تھا۔

"میں تمہیں اپنے ہاتھوں بھی مرنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔" ٹائیگر نے کہا۔

بوڑھا لیڈر جہاں تھا، وہیں ساکت ہو گیا۔ اس کا دایاں بازو کندھے سے لے کر کلائی تک مفلوج ہو گیا تھا اور دماغی چوٹ نے اس کی کھوپڑی میں اندھیرے ہی اندھیرے بھر دیئے تھے جبکہ کٹی ہوئی انگلی سے خون رِسنے لگا تھا۔ چند قطرے ٹپکنے کے بعد خون بند ہو گیا۔

"تم نے دیکھا... مرنا بھی تمہارے اختیار میں نہیں ہے۔" ٹائیگر نے فاتحانہ قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ "تم زندہ رہو گے مگر مُردوں سے بھی بدتر زندگی بسر کرو گے۔" یہ کہہ کر اُس نے اُسے دھکیل کر سُرخ کرسی پر گرا دیا۔

بوڑھا گہری گہری سانسیں لینے لگا۔ اس کی بے نُور آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے تھے اور ان کی دھاریاں رخساروں پر پھیلتی جا رہی تھیں۔

ٹائیگر نے اُسے بڑی پتلی پتلی چوٹیں لگائی تھیں۔ بوڑھے کے جسم پر کوئی زخم نمودار نہیں ہوا تھا لیکن اندرونی طور پر ہی ہوئی تھی۔ وہ اب خون جیسی سُرخ کرسی پر بے بس اور ساکت بیٹھا ہوا تھا اور اس کی آنکھوں سے ناکامی اور شکست کے آنسو بہہ رہے تھے۔ وہ دل ہی دل میں اپنے بڑوں کی ارواح سے مدد کی دُعائیں کر رہا تھا۔ لیکن اُن میں سے کوئی بھی اُس کی مدد کے لیے نہیں آیا۔ اُس نے آنکھیں بند کر لیں۔ اُوپر تلے کئی آنسو اُس کی پلکوں سے ٹوٹ کر اُس کی رخساروں سے بہتے ہوئے گردن کی طرف ڈھلک گئے۔

بوڑھا لیڈر زندہ تھا۔ اس کا دماغ کام کر رہا تھا جسم میں خون کی گردش بھی جاری تھی۔ سینے میں دل بھی دھڑک رہا تھا لیکن وہ برقی لہریں جو دماغ سے اعضا کی طرف جاتی تھیں اور جن کے باعث جسم کا ہر حصہ دماغ کا تابع تھا، وہ لہریں جانے کہاں مفقود ہو گئی تھیں۔ گویا اس کے دماغ کا اب جسم پر براہِ راست کنٹرول نہیں رہا تھا۔ یہ ایک عذاب تھا۔ وہ ہاتھ زندوں میں شمار ہوتا تھا اور نہ ہی اس پر مُردے کا لیبل چسپاں ہو سکتا تھا۔ وہ زندگی اور موت کے درمیان ایک ایسی حالت میں معلق ہو گیا تھا جہاں سے آگے جا کر موت کو گلے لگانا یا ایک قدم ہٹ کر زندگی سے لُطف اندوز ہونا اُس کے لیے ممکن نہیں رہا تھا۔

وہ اب ایک نیم مُردہ شخص تھا۔

ٹائیگر نے اُسے واقعی اس انداز میں قابو میں کیا تھا کہ زندگی اس کے لیے دُنیا کی بدترین سزا ہو گئی تھی۔

"الوداع، شیطان کے پجاری... الوداع خون آشاموں... سرغنہ... اب تم زندگی کے باقی ماندہ دنوں میں خود اپنے ہی خون کے گھونٹ پیتے رہو گے۔"

"رُک جاؤ... رُک جاؤ۔" بوڑھے کا دل و دماغ چیخ اُٹھا لیکن زبان نے یہ بات ادا کرنے سے انکار کر دیا۔ وہ سسک پڑا۔ اس کی سسکیاں بھی اُس کے اپنے ہی سینے میں دفن ہو کر رہ گئی تھیں۔

ٹائیگر دروازہ کھول کر باہر آ گیا...

بہرام نے کمپیوٹر سے رابطہ قائم کیا اور گذشتہ تین روز کی معلومات کا ریکارڈ سُننے لگا۔ اس کی آنکھیں بے خوابی کا اظہار کر رہی تھیں۔ ستا ہوا تھا اور ہونٹوں کے کناروں پر جھریاں گہری ہو گئی تھیں۔ ٹائیگر کال ملنے کے بعد وہ اپنے بہترین ڈاکٹروں کے ساتھ پندرہ منٹ اندر اندر اُدشان کے پاس پہنچ گیا تھا۔ ٹائیگر اُسے کمرے میں نہیں

تھا اور نہ ہی اس کے بعد سے اُس کی کوئی خبر ملی تھی۔ اس کے ذرائع نے البتہ یہ بات واضح کر دی تھی کہ سُرخ پوش خون آشاموں کا قلع قمع ہو چکا ہے اور سلاٹر ہاؤس کی بدعنوانیاں بھی دم توڑ چکی ہیں۔ ان تمام افراد کو گرفتار کیا جا چکا تھا جنھوں نے مجرموں کی معاونت کی تھی یا کسی نہ کسی انداز میں اُن کے آلہ کار بنے تھے... لیکن بہرام کو حیرت تھی کہ ٹائیگر کہاں غائب ہو گیا ہے۔ اس سلسلے میں اس نے اپنی معلومات کے تمام ذرائع استعمال کر ڈالے تھے لیکن ٹائیگر کا ملک بھر میں کیا، کہیں نام و نشان تک نہیں تھا۔

بہرام دل ہی دل میں ڈر رہا تھا کہ کہیں اُسے کوئی نقصان تو نہیں پہنچ گیا؟ کہیں ان سُرخ پوشوں نے اُسے ہلاک تو نہیں کر دیا؟ سب وسوسے تھے اور انھیں ثابت کرنے کے لیے اس کے پاس ایک بھی ٹھوس ثبوت نہیں تھا۔ قیاس کے گھوڑے بھی دوڑ، دوڑ کر ہانپ گئے تھے۔ کمپیوٹر سے تین روزہ رپورٹ سُن کر اُس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اس رپورٹ میں صرف ایک کام کی بات تھی کہ گم شدگی سے ایک روز قبل ایک شخص گوالمنڈی پر اس انداز میں چلتے دیکھا گیا تھا جیسے وہ زمین پر چلنے کی بجائے کچھ اُوپر میں تیرتا ہوا چل رہا ہو۔

ٹائیگر کہیں چلا گیا تھا... کہاں؟ اس کا سُراغ لگانا اب زیادہ مشکل نہیں تھا۔ اس نے مزید معلومات حاصل کرنے کے لیے احکامات جاری کر دیئے اور اپنے خاص ڈاکٹروں سے رابطہ قائم کرنے کے لیے جدوجہد میں مصروف ہو گیا۔ ایک ایک کر کے اُدشان کی زندگی بچانے کی کوششوں میں مصروف تھے۔

شنگھائی کے مضافات میں واقع ایک قصباتی بازار میں کٹھ پُتلیاں بنانے والے لیانگ کی دُکان کے سامنے بلڈوزر کل کا... ماسٹر نان تاؤ بیٹھا ہوا، تنکوں جیسے چھپوں کی مدد سے چاول کھا رہا تھا۔ سہ پہر کا وقت تھا اور لیانگ اپنا کام چھوڑ کر اپنے دوست تاؤ کے ساتھ بیٹھا گپ شپ میں مصروف تھا۔ تاؤ کے جسم پر نیلا لبادہ تھا جس کا زمین کو چھوتا ہوا حصہ مٹی میں اٹا ہوا تھا۔ تنکوں کی مدد سے چاول کھاتے ہوئے وہ بڑی صفائی برت رہا تھا۔ اس کے باوجود اب تک ایک چاول بھی، اس کی گرفت سے واپس پلیٹ میں نہیں گرا تھا... حتیٰ کہ جب انھیں منہ اور پلیٹ کے درمیان معلق ہو کر رہ گئے تھے۔

تنکے پلیٹ میں رکھ کر وہ تیزی سے اُٹھ کھڑا ہوا۔

چیخ، اس کی سماعت سے ٹکرائی تھی، اس نے تاؤ کے دل اور دماغ میں بے چینیاں بھر دی تھیں۔ وہ اس آواز کو سینکڑوں آوازوں میں بھی پہچان سکتا تھا۔ "ماسٹر تاؤ...!" ایک بار پھر چیخ اُبھری اور چیخنے والے نے اُسے یوں پُکارا جیسے اس سے مدد کا طلب گار ہو۔

ماسٹر تاؤ نے آواز کی سمت میں دیکھا۔ بازار میں خاصا ہجوم تھا اور چیخنے والا، اس ہجوم کے عقب میں تھا، اس لیے دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ تاؤ تیزی سے دوڑنے لگا۔ ہجوم نے اس عظیم شخصیت کو آتے دیکھا تو کائی کی طرح پھٹتا چلا گیا۔ تاؤ کا نیلا لبادہ ہوا کی وجہ سے پھڑپھڑا رہا تھا اور دیکھنے والے یوں محسوس کر رہے تھے جیسے ایک عظیم الشان پرندہ نیچی پرواز کر رہا ہو۔

ہجوم کے عقب سے جس نوجوان نے چیخ چیخ کر اُسے مدد کے لیے پُکارا تھا، وہ چنگ لی تھا۔ بلڈوزر کل کا سب ایجنٹ... اس وقت اُس کے پیچھے چند آدمی لگے ہوئے تھے۔ ان آدمیوں نے سُرخ لبادے پہن رکھے تھے۔ بازار میں ان لوگوں کو دیکھ کر کُہرام مچ گیا۔ ریڈ سرکل کے درندے جس علاقے میں بھی نظر آیا کرتے تھے، وہاں اسی انداز میں کہرام برپا ہو جایا کرتا تھا۔ ہجوم دائیں بائیں سمٹ گیا تو درمیانی راستے پر... اندھا دُھند دوڑتا ہوا ایک آدمی دکھائی دیا۔ یہ چنگ لی تھا۔ اُس کے چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں اور مُنہ کُھلا ہوا تھا۔ دوڑنے کا انداز ایسا ہی تھا گویا موت اس کے تعاقب میں ہو... اور اس میں کوئی شک بھی نہیں کہ ریڈ سرکل کے ہرکاروں کی شکل میں موت ہی اس کا پیچھا کر رہی تھی۔

"ماسٹر تاؤ..." چنگ لی ایک بار پھر چیخا۔

اس آواز پر تعاقب کرنے والے رُک گئے اور ان میں خوف و ہراس کی لہر دوڑ گئی۔ انھیں توقع نہیں تھی کہ ماسٹر تاؤ، اس وقت یہاں بھی موجود ہو سکتا ہے۔ لوگوں کا ہجوم سامنے سے ہٹ چکا تھا اور درمیانی راستے پر انھیں ماسٹر تاؤ کسی دیو ہیکل پرندے کی نیچی پرواز

اردو کے شاہکار سفرنامے	ضیاء ساجد	200/-
منتخب مشہور سفرنامے	ضیاء ساجد	250/-
منتخب مشہور افسانے	ضیاء ساجد	150/-
منتخب اعلیٰ افسانے	ضیاء ساجد	125/-

مکتبہ القریش اُردو بازار - لاہور 2

میں اپنی طرف بڑھتا دکھائی دیا تو وہ بدحواس ہو کر بھاگ نکلے۔

یہ لوگ تعداد میں چار تھے۔

دفعتہً ماسٹر تاؤ رُک گیا۔ اُس کی آنکھوں نے ایک حیرت انگیز منظر دیکھا تھا۔ اچانک ہی نہ جانے کہاں سے سفید لبادے والا ایک نوجوان کُود پڑا تھا۔ وہ اُن بھگوڑے دہندوں پر پل پڑا۔ ریڈ سرکل کا ایک درندہ پلٹ کر جھاگا تو ایک ہی لمحے میں اُس کا جسم اُڑتا ہُوا واپس آیا اور اُسی عورت کے قریب زمین پر ڈھیر ہو گیا۔ وہ چیخ مار گیا۔ گرنے کے بعد اُس کے حلق سے آخری چیخ تک نہیں نکل سکی تھی۔

ریڈ سرکل کے دوسرے گرگے نے ایک نئی مصیبت مقابل پائی تو اُس نے جلدی سے خنجر نکال لیا۔ یہ خنجر وہ چانگ تی کی پُشت میں پیوست کر دینا چاہتا تھا لیکن اگلی ہی ساعت اُس کی کلائی پر... ایک زبردست چوٹ پڑی۔ ہلکی سی آواز سُنائی دی۔ وہ سمجھا کہ چوٹ کی وجہ سے خنجر اُس کے ہاتھ سے نکل کر زمین پر گر گیا ہے اور یہ... اُسی کی آواز ہے... لیکن جب اُس نے دیکھا تو اُس کے حلق سے ایک بھیانک چیخ نکل گئی۔ اُس کا کلائی سے ٹوٹا ہُوا ہاتھ مٹی میں پڑا تھا۔ وہ اپنی زندگی میں ایسے ہی کئی کارنامے اِس ہاتھ سے سرانجام دے چکا تھا... اور آج خود اسی کا ہاتھ، کسی اور کے کارنامے کی نذر ہو گیا تھا۔ کلائی سے جُدا ہونے کے باوجود اس ہاتھ کی اُنگلیاں خنجر کے گرد سختی سے لپٹی... ہُوئی تھیں۔

ماسٹر تاؤ نے مُسکرا کر اثبات میں سر ہلا دیا۔

اُس نے کسی کی کلائی پر لائٹننگ ہُک اتنے مؤثر اور مکمل انداز میں لگتے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ اُس کے دل میں سفید لبادے والے اس نوجوان کے لیے بے پناہ احترام پیدا ہو گیا۔ وہ ہجوم کے ساتھ کھڑا یہ فائیٹ دیکھ رہا تھا۔ اُس نے مداخلت کرنے کی کوشش نہیں کی تھی... بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ ٹائیگر کے مظاہرے نے اُسے مبہوت کر دیا تھا اور وہ یہ بھول ہی گیا تھا کہ یہاں کس مقصد کے تحت آیا ہے۔

اچانک ٹوٹی ہُوئی کلائی والے سُرخ پوش نے فرار ہونے کی کوشش کی۔ اُسی لمحے سفید لبادے میں ملبوس ٹائیگر اُس کی طرف متوجہ ہو گیا... اور پھر پلک جھپکتے میں وہ، اُس کے سر پر پہنچ چُکا تھا... اُس کی مہلک اُنگلیاں فرار ہونے والے کے ٹخنے پر جم گئیں۔ ٹائیگر نے ٹخنے سے پکڑ کر اُسے واپس کھینچا اور پھر اُس کے چہرے پر مونگی بلو... استعمال کیا۔

سُرخ لبادے والے کا جسم اُس کی گرفت سے نکل کر فضا میں بلند ہُوا اور پھر زمین پر دھپ سے گرا تو اس کی رُوح قفسِ عنصری سے پرواز کر چکی تھی۔

چانگ تی کا تعاقب کرنے والوں میں سے ایک نے دوڑتے دوڑتے ٹائیگر پر فلائنگ ہُک استعمال کی لیکن اس کے پاؤں کا خطرناک کنارا، ٹائیگر کے جسم سے چھونے میں کامیاب نہ ہو سکا... بلکہ وہ اُس کے اُوپر سے گزرتا ہُوا، سٹرک کے کنارے لگے کھمبے سے جا ٹکرایا۔ اُس کی ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ گئی اور آنکھیں اُبل پڑیں۔ وہ کسی چمگادڑ کی طرح کھمبے سے چپکا رہا... پھر آہستہ آہستہ اُس کا جسم زمین پر بوس ہوتا چلا گیا۔ شاید آتے وقت اُس کے حلق سے ایسی آوازیں نکل رہی تھیں جیسے کوئی غرا رہا ہو۔

دونوں پاؤں زمین پر جما کر ٹائیگر متلاشی نگاہوں سے اِدھر اُدھر دیکھا لیکن باقی ماندہ آدمی فرار ہونے میں کامیاب ہو چکے تھے۔ اُن کے حملے کے لیے تیار ہاتھ، پہلوؤں میں واپس آ کر عام حالت اختیار کر گئے اور وہ آہستہ آہستہ چانگ تی کی طرف بڑھنے لگا جہاں ماسٹر تاؤ کھڑا، اُس کا انتظار کر رہا تھا۔

"شاباش نوجوان..." ماسٹر تاؤ نے ٹائیگر کا کندھا تھپتھپاتے ہُوئے تعریفی لہجے میں کہا۔ "تم نے کمال کر دیا۔ ایک طویل عرصے بعد میں فائیٹ دیکھنے کو ملی ہے۔ میں، تمہارا شکر گزار ہُوں کہ تم نے میرے آدمی کی زندگی بچائی۔" یہ کہہ کر وہ، زخمی چانگ تی کی طرف متوجہ ہو جو بُری طرح ہانپ رہا تھا۔

"تم کہاں سے آ رہے ہو اور یہ سب کیا ہے؟" ماسٹر تاؤ نے دریافت کیا۔

چانگ تی نے ایک طویل سانس لے کر شکر گزار نگاہوں سے ٹائیگر کی طرف دیکھا جو قریب کھڑا، گہرے انہماک سے اُس کا جائزہ لے رہا تھا۔ چانگ تی پر ابھی تک دہشت سوار تھی۔ وہ خود کو محفوظ پا کر اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش تو کر رہا تھا لیکن اُسے کامیابی نہیں ہو رہی تھی۔ اُس کا جسم تھر تھر کانپ رہا تھا اور دھڑکنیں کثرت سے بے ترتیب ہو رہی تھیں۔ اُس نے اُٹھنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔

ماسٹر تاؤ نے ہاتھ بڑھا کر اُس کا بازو تھام لیا اور اُسے اُٹھنے میں مدد دی۔ ٹائیگر اس دوران میں خاموش تماشائی بنا کھڑا رہا۔

اُٹھنے کے بعد چانگ تی کی حالت حیرت انگیز حد تک سنبھل گئی اور پھر وہ بولنے کے قابل ہو گیا... لیکن اب بھی اُس کی آواز، سرگوشی سے بلند نہیں تھی۔ وہ ایک ایسا پیغام دے رہا تھا جو ماسٹر تاؤ تک پہنچانے کے لیے اُس نے اپنی زندگی ہی داؤ پر لگا دی تھی۔ وہ جیسے جیسے بول رہا تھا، ماسٹر تاؤ کی آنکھوں میں چمک بڑھتی جا رہی تھی۔

"یوآن کو وہ لوگ اُٹھا کر لے گئے ہیں۔" چانگ تی نے آواز کا سلسلہ بحال ہوتے ہی بلند آواز میں کہا تو اُس کی آواز چیخ سے ہی مشابہ تھی۔

یوآن، ماسٹر تاؤ کا کزن تھا اور اُس کے ذمے بہت سے اہم کام لگائے گئے تھے۔ ایک طرح سے وہ، ریڈ سرکل کے خلاف جاسوسی کے فرائض سرانجام دے رہا تھا۔ اگرچہ وہ بھی بلو سرکل کا... کنگ فو فائیٹر تھا لیکن ریڈ سرکل کے درندوں کے سامنے ایک لمحے کے لیے بھی نہیں ٹھہر سکتا تھا۔

ماسٹر تاؤ نے اُسے سہارا دیا اور ساتھ لے کر اپنے دوست کی دُکان کی طرف چل دیا۔ ہجوم ابھی تک کھڑا، ٹائیگر کی طرف دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔ ہجوم کو کسی طرف متوجہ دیکھ کر ماسٹر تاؤ کو یاد آیا کہ سفید لبادے والا ایک نوجوان بھی اُس کے پیچھے پیچھے چلا آ رہا ہے۔

"آگے آؤ، نوجوان!" ماسٹر تاؤ نے بڑے ہی شفیق لہجے میں کہا... "تم کون ہو؟ میں نے تمہیں پہلے تو کبھی نہیں دیکھا۔"

ٹائیگر نے مُسکرا کر اپنا نام بتایا اور جب اُس نے یہ انکشاف کیا کہ وہ درحقیقت ماسٹر تاؤ ہی سے ملنے آیا ہے، تو تاؤ کی پیشانی پر اَن گنت سلوٹیں پیدا ہو گئیں۔ اُس نے بازار میں کوئی بات کرنی مناسب نہیں سمجھی اور چانگ تی کو ساتھ لے کر اپنے نوکری ساز دوست کی دُکان کے عقبی حصے میں واقع ایک چھوٹے سے کمرے میں آ گیا۔ یہاں تنہائی ملتے ہی اُس نے سب سے پہلے چانگ تی سے صورتِ حال معلوم کی اور ٹائیگر کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

ٹائیگر ایک طرف بیٹھ گیا۔ اُس کے انداز و نشست میں کنگ فو فائیٹروں جیسا وقار تھا۔ اُس کے چہرے پر اتنی معصومیت تھی کہ ماسٹر تاؤ بار بار اُس کی طرف متوجہ ہو جاتا تھا۔ پھر اُس کے ہونٹوں پر مُسکراہٹ پھیل جاتی تھی اور وہ، چانگ تی کی طرف دیکھنے لگتا تھا... جو کہہ رہا تھا۔

"میں، سنگ ہُوئی کے مقام پر یوآن سے ملاقات کرنے گیا تھا۔ میں جب دُکان کے قریب پہنچا تو وہ، دروازے ہی میں کھڑا تھا۔ اچانک پانچ سُرخ رو درندے، نہ جانے کہاں سے آ گئے۔ میں، اُنہیں دیکھ کر خوف زدہ ہو گیا اور وہاں سے ہٹ کر ایک طرف دُبک گیا۔ میرے دیکھتے ہی دیکھتے وہ، یوآن پر ٹوٹ پڑے... اُن کے پاس ریوالور بھی موجود تھے۔ اس لیے یوآن مقابلے پر آمادہ نہ ہو سکا۔ میرے پاس بھی سوائے تعاقب کرنے کے اور کوئی چارہ نہ تھا۔"

"وہ لوگ یوآن کو کہاں لے گئے ہیں؟" تاؤ نے کرخت لہجے میں سوال کیا۔

"فرنچ ایکسپورٹ کمپنی کے ایک گودام میں..." چانگ تی نے جواب دیا اور ایک بار پھر اُس کا جسم بُری طرح کانپنے لگا۔ جیسے وہ تصور کی آنکھ سے دیکھ رہا ہو کہ وہ لوگ یوآن کے ساتھ اُس وقت کیا سلوک کر رہے ہوں گے۔

ماسٹر تاؤ کی بھویں سُکڑ گئیں۔

فرنچ ایکسپورٹ کمپنی کا گودام اُس کے لیے تشویش کا باعث بن گیا تھا۔ یہ جگہ بلو سرکل کے علاقے سے باہر تھی اور اُسے ریڈ سرکل کا ہیڈ کوارٹر تصور کیا جاتا تھا۔ فرنچ ایکسپورٹ کمپنی درحقیقت شنگھائی کی سب سے زیادہ طاقت ور اور مجرمانہ کارروائیوں میں سب سے بڑی سنڈیکیٹ تھی اور ان لوگوں کا خفیہ طور پر افیون کا بہت بڑا کاروبار تھا۔

"دراصل ہمیں ایک خاص اطلاع مل گئی تھی۔ ریڈ سرکل نے گرین گینگ پر پوری طرح تسلط قائم کر لیا ہے اور اب ریڈ سرکل نے بلو سرکل کا قلع قمع کرنے کا ارادہ کر لیا ہے۔ ان لوگوں کے پاس جرمن ساخت کا بے پناہ اسلحہ ہے۔ پیکنگ میں موجود ایک خاص شخصیت اُن کو کسی انقلاب کے سلسلے میں مدد فراہم کرنے پر آمادہ ہو گئی ہے۔ یہ تمام اسلحہ اسی نے فراہم کیا ہے۔"

"کیا یانگ تان آج بھی شنگھائی میں ہے؟" ماسٹر تاؤ نے اُس کے خاموش ہوتے ہی دریافت کیا۔

"نہیں..." چانگ تی نے نفی میں سر ہلا دیا۔

تاؤ نے اب تک اُس کی قمیص اُتروالی تھی اور اُس کی پیٹھ پر ایک زخم کا معائنہ کرتے ہُوئے، اُسے نرمی سے اُنگلی کی مدد سے چھُوا۔ چانگ تی کے حلق سے ایک طویل سسکاری نکل گئی۔

"نہیں..." اُس نے سسکاری ضبط کرتے ہُوئے کہا۔ "کوئی نہیں جانتا کہ وہ اس وقت کہاں ہے... ممکن ہے وہ، یہیں موجود ہو اور یہ بات بھی امکان سے خالی نہیں کہ وہ پیکنگ میں کسی سے کوئی گٹھ جوڑ کرنے میں مصروف ہو۔"

ماسٹر تاؤ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

وہ دیر تک گہری سوچ میں ڈوبا رہا... پھر اُس نے چونک کر نگاہ اُٹھائی اور ٹائیگر کی طرف دیکھنے لگا۔ چند لمحوں تک اس کی آنکھوں میں اجنبیت کا احساس جاگتا رہا... پھر یہ تاثرات ملائمت اختیار کرتے چلے گئے۔

"مجھے افسوس ہے، شہزادہ..." اُس نے ٹائیگر کو مخاطب کیا۔

"میں، چانگ تی میں اس قدر اُلجھ گیا کہ تمہیں بھول ہی بیٹھا۔"

"کوئی بات نہیں، محترم!" ٹائیگر نے مُسکرا کر کہا۔ "معاملے کی

دھمکی اس قدر سنگین ہے کہ آپ کو ایسا ہی کرنا چاہیے تھا۔"

"تم نے ٹھیک سمجھا... فرنچ ایکسپورٹ کمپنی کے جس گودام کا یہ نذرانہ وصول کر رہا تھا، وہ ریڈ سرکل کا ہیڈ کوارٹر ہے۔ یوآن کو وہاں لے جانے کا مطلب ہے کہ یا تو وہ لوگ ہمیں بلیک میل کریں گے... یا پھر اُسے قتل کر دیں گے۔"

"اُسے قتل کر کے اُنھیں کیا فائدہ ہوگا؟" ٹائیگر نے سوال کیا۔

ابھی تک حقیقت حال اُسے معلوم نہیں ہوئی تھی اور نہ ہی وہ اپنی زبان سے پوچھنا چاہتا تھا۔ اس لیے اُس نے ضروری سمجھا کہ بات جس پیرائے میں چل رہی ہے، اُسی میں آگے بڑھنی چاہیئے۔

"کوئی خاص فائدہ نہیں۔" ماسٹر تاؤ نے کہا۔ "لیکن وہ لوگ کسی خاص فائدے یا نقصان کے پیش نظر بلُو سرکل کے لوگوں کو قتل نہیں کرتے۔ یہ ایک قدیم دشمنی کا معاملہ ہے۔"

"وہ صبح تک یوآن کو قتل نہیں کریں گے۔" چنگ لی نے مداخلت کی۔

"تم یقین سے کیسے کہہ سکتے ہو؟" ماسٹر تاؤ نے چونک کر پوچھا۔

"وہ، اُس سے معلومات حاصل کریں گے۔ اگر یوآن نے سب کچھ آسانی سے بتا دیا تو اُسے فوری طور پر ٹھکانے لگا دیا جائے گا یا پھر آپ سے بلیک میلنگ ہوگی... مگر یوآن نے رضامندی سے کچھ نہ بتایا تو وہ اُس پر تشدد کریں گے... ممکن ہے وہ اس تشدد کی تاب نہ لا کر ہلاک ہو جائے۔"

"یہ نوجوان ٹھیک کہتا ہے، ماسٹر۔" ٹائیگر نے مداخلت کی... "آپ نے ریڈ سرکل کے بارے میں جو کچھ بتایا ہے، اس کی روشنی میں اُن لوگوں سے اسی بات کی توقع کی جا سکتی ہے۔"

ماسٹر تاؤ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اُس کی آنکھیں کسی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ ٹائیگر نے اُس کی بے عار سوچ بچار سے اندازہ لگا لیا تھا کہ درحقیقت وہ، ریڈ سرکل کے ہیڈ کوارٹر پر حملہ کرنے سے خوف زدہ ہے۔ اس کی وجہ سمجھ میں آتی تھی لیکن ٹائیگر ایسی معلومات کا قائل نہیں تھا۔ اُس نے ماسٹر تاؤ کی طرف دیکھا جیسے اپنی بات پر کوئی تبصرہ چاہتا ہو۔

"خیر..." ماسٹر تاؤ نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "اس معاملے پر غور کرتے ہیں۔ سب سے پہلے تم اپنے بارے میں بتاؤ۔ غالباً راستے میں تم نے کہا تھا کہ مجھ سے ملاقات کے لیے یہاں آئے ہو۔" اُس کی آنکھیں ٹائیگر پر جم گئیں اور یوں محسوس ہونے لگا جیسے وہ، اُس کی آنکھوں سے بھانک کر دل کا احوال جاننے کی کوشش کر رہا ہو۔

ٹائیگر نے اُسے فوراً ہی کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ کچھ اس طرح سوچ میں ڈوب گیا تھا جیسے حیران ہو کہ بات کہاں سے شروع کرے... پھر اُس نے خود پر قابو پا لیا اور گمبھیر لہجے میں بولنے لگا۔ اُس نے اپنی وہ حیثیت پوشیدہ رکھی جس کے تحت دُنیا کی کئی مگدتیں اُسے قتل کرنے کا لائسنس دینے پر مجبور ہو گئی تھیں۔ سنانجو کی مختصر تاریخ، شیطان کے پجاریوں سے تصادم اور ریڈ سرکل کے فانگ سے جنگ اور اُس کے فرار کا احوال البتہ اُس نے بڑی تفصیل سے سُنایا۔ اُس نے جب اپنی داستان شروع کی تھی تو ماسٹر تاؤ کے چہرے اور آنکھوں کا رنگ متغیر ہو گیا تھا... پھر جیسے جیسے اُس کی کہانی آگے بڑھتی جا رہی تھی، ماسٹر تاؤ کے تاثرات بھی بدلتے جا رہے تھے۔ ریڈ سرکل کے تذکرے اور فانگ کے اُوشان پر قاتلانہ حملے کا تذکرہ سُن کر تو اُس کی آنکھیں بجھتی اُگتی ہُوئی محسوس ہونے لگی تھیں۔

ٹائیگر نے اپنی آمد کا مقصد بیان کرتے ہُوئے کہا۔ "اب آپ سے صرف اتنی رہنمائی درکار ہے کہ مجھے وہ پتہ بتا دیں جہاں... فانگ مل سکتا ہے۔"

ماسٹر تاؤ، دیر تک خاموش رہا۔ اُس کا جسم یُوں ساکت تھا... کہ اُس پر پتھر کے مجسمے کا گمان ہوتا تھا۔ پھر اُس نے خود کو سنبھال لیا... اور اُٹھ کر ٹائیگر کو گلے سے لگاتے ہُوئے بولا۔ "تم اُوشان کے شاگرد ہو... اُس کے بیٹے ہو... اُوشان کے بلُو سرکل پر بہت سے احسانات ہیں۔ میں خود بھی اُس کا احسان مند ہُوں۔ تمہاری فائیٹ دیکھ کر ایک لمحے کے لیے میرے ذہن میں اُوشان کا خیال گھُوم گیا تھا۔ تم دونوں کے لڑنے میں کتنی مماثلت ہے۔ آخر کیوں نہ ہو، تم شاگرد کس کے ہو۔"

اُسے محبت سے بھٹکا، ماسٹر تاؤ دیر تک فانگ، ریڈ سرکل اور اُوشان کی باتیں کرتا رہا۔ اس دوران میں، اُس نے چنگ لی کو بالکل نظر انداز کر دیا تھا اور ٹائیگر نے فانگ کے سلسلے میں جو استدعا کی تھی، اس سلسلے میں بھی اُس نے کچھ نہیں کہا تھا جیسے وہ سب باتیں بھول گیا ہو۔ کم از کم ٹائیگر نے تو اس کے انداز سے یہی قیاس آرائی کی تھی... لیکن باتوں ہی باتوں میں وہ اصل موضوع پر آ گیا۔

"فانگ..." وہ بڑبڑایا اور اُس کی آنکھیں دھندلا گئیں۔ "وہ میرا شکار تھا لیکن اب تمھیں مجھ پر فوقیت حاصل ہو گئی ہے، تھیک ہے، اب وہ تمھارا شکار ہے۔"

"لیکن ماسٹر، میں یہ شکار کھیلوں گا، کہاں؟" ٹائیگر نے بے چینی سے دریافت کیا۔

"صبر سے کام لو، میرے بچے! مجھے سوچنے دو۔ اگر وہ، تم دونوں میں سے کسی ایک کو بھی ہلاک کرنے میں ناکام رہا ہے تو سمجھ لو کہ ریڈ سرکل میں اُس کی واپسی کے امکانات صفر ہیں۔ اب وہ صرف ایک جگہ ہو سکتا ہے، ہانکان کا علاقہ۔ اُسے پناہ دے سکتا ہے۔"

"میں وہاں جاؤں گا۔ مجھے بتلایئے... میری رہنمائی کیجئے۔" ٹائیگر نے اُٹھنے کی کوشش کی لیکن ماسٹر تاؤ نے اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے دباتے ہُوئے اُسے بیٹھ جانے پر مجبور کر دیا۔

"میں بھی تمھارے ساتھ چلوں گا۔" ماسٹر تاؤ نے کہا۔ "لیکن سر دست ہمارے سامنے یوآن کا مسئلہ ہے۔ میں آج رات، اس سے نمٹ کر کل تمھارے ساتھ چلوں گا۔"

ٹائیگر ایک طویل سانس لے کر رہ گیا۔ اُس نے ماسٹر تاؤ کے لہجے سے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ، اُسے قائل کرنے میں کامیاب نہیں ہے گا۔ اس لیے وہ کریدکرید کر ہانکان کے علاقے اور فانگ کے فرار کے متوقع راستے کے بارے میں سوالات کرتا رہا۔ وہ اپنے طور پر منصوبہ بندی کر رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ ماسٹر تاؤ تو صرف فانگ کے بارے میں کہہ رہا ہے جبکہ وہ پورے ریڈ سرکل کا قلع قمع کرنے کا ارادہ کر کے آیا تھا۔ ریڈ سرکل بھی اُس کا شکار تھا۔ جب اُسے ریڈ سرکل اور فانگ کے سلسلے میں مطلوبہ معلومات مل گئیں تو اُس کا قلب و ذہن سکون آشنا ہو گیا۔ اب وہ سرسری باتیں کرنا چاہتا تھا تاکہ ماسٹر تاؤ کو شبہ نہ ہو سکے کہ وہ اپنے طور پر کوئی پروگرام بنا چکا ہے۔

"کیا آپ آج رات، یوآن کو چھڑانے کے لیے ریڈ سرکل کے ہیڈ کوارٹر پر حملہ کریں گے؟" ٹائیگر نے سوال کیا۔

ماسٹر تاؤ نے ایک نظر چنگ لی کی طرف دیکھا... پھر اثبات میں سر ہلا دیا۔ "آج بلُو سرکل کا ایک اجلاس ہوگا، اُس میں سے ایسے افراد منتخب کیے جائیں گے جو..."

"لیکن اس طرح تو دونوں گروہوں میں کھُلی دشمنی ہو جائے گی اور ان گنت افراد ہلاک ہو جائیں گے۔" ٹائیگر نے کہا۔

"میں جانتا ہُوں۔ اسی لیے میں فیصلہ کرنے میں جلد بازی سے کام نہیں لے رہا ہُوں۔" ماسٹر تاؤ نے تفکر آمیز لہجے میں کہا۔

اُسی وقت لیانگ نے آ کر اطلاع دی کہ کھانا تیار ہو چکا ہے۔ ماسٹر تاؤ، ٹائیگر کو اشارہ کرتا ہُوا اُٹھ کھڑا ہُوا۔ لیانگ کا گھر، ٹوکریوں کی دکان سے زیادہ دُور نہیں تھا۔ وہ اُس کے گھر کی طرف چل دیئے۔ چنگ لی کو وہیں آرام کرنے کے لیے چھوڑ دیا گیا تھا۔

کھانے کے بعد ٹائیگر نے کچھ دیر آرام کرنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ ماسٹر تاؤ نے لیانگ کو حکم دیا کہ اُس کے آرام کے لیے ایک کمرہ تیار کر دیا جائے اور رات آٹھ بجے جب اجلاس میں شرکت کے لیے آئے تو اُسے بھی ساتھ لیتا آئے۔

ماسٹر تاؤ رُخصت ہو گیا۔

ٹائیگر نے تنہائی ملتے ہی لیانگ کو اپنے پاس بٹھا لیا اور بڑے ہی مؤثر انداز میں اُسے سمجھانے لگا۔ "سنو، لیانگ، تم ماسٹر تاؤ کے قریبی دوست ہو، مجھے یقین ہے کہ تمھارے دل میں ماسٹر کی بے پناہ محبت ہے۔ کیا تم چاہتے ہو کہ ماسٹر تاؤ ہلاک ہو جائے؟"

"نہیں... میں ایسا کیوں چاہوں گا؟" لیانگ کے لہجے میں بے پناہ حیرت تھی۔

"کیا تم چاہتے ہو کہ بلُو سرکل ختم ہو جائے اور ریڈ سرکل کی عمل داری ہو جائے؟"

"نہیں... کیا تم میرے بارے میں کسی غلط فہمی کا شکار ہو؟ میں ایسا ہرگز نہیں چاہتا۔" لیانگ کا لہجہ بگڑ گیا۔ "تم مجھ سے ایسی باتیں کیوں کر رہے ہو؟"

"اگر تم ایسا نہیں چاہتے تو ماسٹر تاؤ اور اُس کے ساتھیوں کو ریڈ سرکل پر حملہ کرنے سے روک لو۔"

"یہ ناممکن ہے۔ ماسٹر تاؤ، یہ کبھی برداشت نہیں کر سکتا کہ اُس کا ایک ساتھی بلکہ رشتے دار..."

"مجھے معلوم ہے۔" ٹائیگر نے اُس کی بات کاٹ دی۔ "اسی لیے میں نے تمھارا انتخاب کیا ہے۔ سنو، کیا تم اس بات کو پسند نہیں کرو گے کہ ماسٹر تاؤ اور اُس کے ساتھیوں کو کوئی نقصان نہ پہنچے اور ریڈ سرکل بھی تباہ ہو جائے؟"

لیانگ بے یقینی سے ہنس پڑا۔ "یہ ناممکن ہے... ایسا بھلا کیسے ہو سکتا ہے؟"

"بالکل ہو سکتا ہے۔" ٹائیگر نے پُرعزم لہجے میں کہا۔

"ایسا کون کرے گا؟" لیانگ کے لہجے میں شدید حیرت تھی اور بے یقینی کا تاثر ابھی تک برقرار تھا۔

"میں کروں گا۔" ٹائیگر نے ٹھوس لہجے میں جواب دیا۔

لیانگ کا منہ حیرت سے کھُلا تو وہ کافی دیر تک اُسے بند کرنا ہی بھُولا رہا۔ ٹائیگر نے اپنے مخصوص اور متاثر کن انداز میں اُسے سمجھانا شروع کر دیا۔ اُس نے اپنے منصوبے کی اُونچ نیچ سمجھاتے ہُوئے کہا۔ "ماسٹر تاؤ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ براہِ راست حملہ آور ہوگا۔ براہِ راست حملے میں ہمیشہ جانی نقصان زیادہ ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ دُشمن چونکہ متوقع ہوتا ہے اس لیے وہ اپنی مدافعت کی کوئی نہ کوئی خاص تدبیر کر کے رکھتا ہے جس سے حملہ آور عموماً بے خبر ہوتا ہے۔ یہ بے خبری اُس کے لیے ہلاکت خیز اور تباہ کن ثابت ہوتی ہے۔ ماسٹر تاؤ کا حملہ مصلحت آمیز نہیں ہوگا۔"

"ہاں... وہ بُزدلی کا راستہ اختیار نہیں کرتا۔" لیانگ نے تائید کی۔ "لیکن تم کیا کرو گے اور تنہا یہ معاملہ کیسے نمٹاؤ گے؟"

"میں اتنی خاموشی سے اُن میں شامل ہو جاؤں گا کہ اُنھیں خبر

تک نہ ہوگی۔ اس اندازمیں درجنوں آدمیوں کو ٹھکانے لگانا، میرے لیے کوئی بڑی بات نہیں ہے۔"

"لیکن یہ بزدلی کا راستہ ہے۔"

احمقانہ باتیں نہ کرو۔" ٹائیگر کا موڈ خراب ہوگیا۔ "اُن لوگوں نے ایک کمزور اور تنہا نوجوان کو اسلحے اور تعداد میں زیادہ آدمیوں کے بل بوتے پر اغوا کیا ہے۔ کیا یہ بزدلی نہیں ہے؟"

"یقیناً ہے۔" لیانگ بڑبڑایا۔

"تو پھر بزدلی کے اس اقدام کے خلاف جو بھی قدم اُٹھایا جائے، مناسب ہوگا۔ میں نے جو ترکیب سوچی ہے، اُسے بزدلی پر محمول نہیں کیا جا سکتا... البتہ تم اسے ایک شاطرانہ چال ضرور کہہ سکتے ہو۔"

لیانگ اُلجھن میں پڑ گیا۔ ٹائیگر نے اُسے جو کچھ اور جس انداز میں سمجھایا تھا، وہ تو اُس کی سمجھ میں آگیا تھا لیکن اُسے حیرت تھی کہ وہ ماسٹر تاؤ کو صبح تک روکنے میں کیسے کامیاب ہوگا؟

اُس سے نہ رہا گیا تو شہزاد سے پوچھ ہی بیٹھا۔

"ترکیب تمھیں میں بتا دیتا ہوں۔" ٹائیگر نے مسکرا کر کہا اور اُس کی طرف جھک کر ہولے ہولے باتیں کرنے لگا۔ پہلے تو لیانگ کے چہرے پر گھبراہٹ کے تاثرات پیدا ہوئے... پھر اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"میں تمھاری اس ترکیب سے متفق ہوں۔" لیانگ نے کہا۔ "لیکن اگر کوئی گڑبڑ ہوگئی تو ماسٹر تاؤ دوسری چٹنی ہی بنا ڈالے گا... وہ دوستوں کا دوست ہے لیکن اپنے اصولوں سے ہٹ کر وہ کسی کے لیے بھی کچھ نہیں کر سکتا۔ اگر ایسی بات ہوتی تو آج وہ بلو سرکل کی بجائے ریڈ سرکل کا سربراہ ہوتا۔"

"صورتِ حال ایسی ہے کہ جب تم اُسے یہ بتاؤ گے کہ ریڈ سرکل کا ایک آدمی یہ پیغام دے گیا ہے کہ صبح دس بجے اُن کا ایک ممبر بات چیت کے لیے ماسٹر تاؤ کے پاس آرہا ہے تو وہ مطمئن ہو جائے گا... وہ جنگ پر اس بات چیت کو ترجیح دے گا... اوّل تو کسی گڑبڑ کا امکان نہیں لیکن اگر ایسا ہو گیا تو اس میں تمھارے سر کوئی الزام نہیں آئے گا بلکہ اسے بھی ریڈ سرکل کی ایک شیطانی حرکت پر محمول کیا جائے گا۔ مجھ پر اعتماد کرو۔ صبح ہوتے ہی تمھارے تمام شکوک ختم ہو جائیں گے اور یوآن بھی تمھارے پاس ہوگا۔"

**

فرنچ ایکسپورٹ کمپنی کا گودام تاریک تھا۔

رات آدھی سے زیادہ بیت چکی تھی۔ یوں لگتا تھا، وہاں کسی ذی رُوح کا نام و نشان تک نہ ہو۔ تاریکی میں ہر شے محوِ خواب لگ رہی تھی۔

ٹائیگر نے ایک طویل سانس لی اور دیوار سے نظر آنے طلا اندوزی محرابوں کا جائزہ لینے لگا۔ وہاں بھی تاریکی کا راج تھا۔ کھڑکیوں پر چوبی شٹر لگے ہوئے تھے اور وہ سب کے سب بند تھے۔ ٹائیگر نے گراؤنڈ فلور کی ایک کھڑکی کو آزمانے کی کوشش کی تھی تو اسے پتہ چلا تھا کہ کھڑکیوں کے اندر آہنی سلاخیں بھی لگی ہوئی ہیں۔ اس کا مطلب تھا کہ... سامنے کے حصّے سے کوئی آواز پیدا کیے بغیر اندر داخل ہونا مشکل تھا۔

وہ گودام کے عقبی حصّے کی طرف رینگ گیا۔ معاً اُسے تیسری عمارت کی منزل کی ایک کھڑکی کا شٹر نیم وا دکھائی دیا۔ اس کے علاوہ اس نے یہ بھی دیکھا کہ بالائی منزل کی عقبی کھڑکیوں میں آہنی سلاخیں موجود نہیں ہیں

اس نے دس فٹ چوڑی گلی پار کی اور دبے قدموں دیوار تک جا پہنچا۔ دیوار کے سہارے وہ گودام کی دوسری منزل کی ایک بالکنی تک پہنچنے میں کامیاب ہوگیا۔ بالکنی کی ریلنگ تھام کر وہ اُوپر چڑھتا چلا گیا۔ اس نے ایک اُبھرا ہوا پتھر تھام لیا۔ کچھ دیر وہ اس پتھر کے سہارے لٹکا رہا... پھر آہستہ آہستہ جسم کو بلند کر کے وہ چھت پر پہنچ گیا۔ چھت سے اُس نے اطراف کا جائزہ لیا۔ اچانک گلی میں کسی کے بھاری قدموں کی آہٹ گونج اُٹھی۔

ٹائیگر جلدی سے جھک گیا... پھر اس نے کنارے سے نیچے دیکھا تو گلی کی روشنی میں اُسے ایک پولیس مین دکھائی دیا۔ غالباً یہ کوئی گشتی

ابلیکا

اسلم راہی

جس میں حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک دنیا کی تاریخ پیش کی گئی ہے

بک کارنر شو روم گلی نمبر 3 مزنگ روڈ لاہور

ناشر مکتبہ القریش

اردو بازار لاہور

سپاہی تھا۔

ٹائیگر چھت پر جھکا بیٹھا رہا حتیٰ کہ گشتی سپاہی گلی سے نکل کر ایک عمارت کی اوٹ میں چلا گیا۔ ٹائیگر اُٹھ کھڑا ہوا۔ اب اُسے اس عمارت کی چھت سے گلی کے اس پار سہ منزلہ گودام کی عمارت پر کودنا تھا۔

اس نے جسم کو تخفیف سا جھکا دیا اور پھر اُس کی ٹانگوں نے اُسے یوں اُچھال دیا جیسے وہ نہایت طاقت ور اسپرنگوں کے ذریعے اُچھلا ہو۔ دس فٹ کشادہ گلی کے اُوپر سے وہ کسی دیو پیکر پرندے کی طرح اُڑتا ہوا گودام کی چوبی چھت پر پہنچ گیا۔ اس نے پورا جسم دونوں پنجوں پر سنبھالا تھا۔ اس طرح گرتے وقت جو خفیف سی آواز پیدا ہوئی تھی رات کے سناٹے میں یقیناً وہ زیادہ دُور تک نہیں سُنی گئی ہوگی۔ اس کے باوجود ٹائیگر محتاط تھا۔

وہ جہاں کُودا تھا، وہیں دُبکا رہا۔

کچھ دیر انتظار کرنے کے بعد جب اُسے کوئی ردِعمل نہ ملا تو وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔ اُسے یہاں سے اُتر کر اس کھڑکی تک پہنچنا تھا جسے اس نے نیچے گلی سے نیم وا دیکھا تھا۔ وہ آسانی سے کھڑکی تک پہنچ گیا اور اس کی آہنی انگلیاں کھڑکی کی سِل پر جم گئیں۔ شاید اس کی ہتھیلیاں پسینے سے بھیگ گئی تھیں کہ اچانک اُسے اپنے ہاتھ پھسلتے ہوئے محسوس ہوئے۔ اگلی ہی ساعت اُس نے انگلیوں پر دباؤ شدید کر دیا۔ اب پسینے کے باوجود اس کی انگلیاں پھسل نہیں سکتی تھیں۔ وہ وہاں چند لمحوں تک لٹکا جسم کو متوازن کرتا رہا... پھر اُس کے خنجے پاؤں دیوار میں اُبھرے ہوئے ایک پتھر پر جم گئے۔

اُس نے آہستہ آہستہ دایاں ہاتھ سِل سے ہٹا لیا۔ اب اُس کا جسم بائیں ہاتھ کے سہارے جھول رہا تھا اور پیروں کو پتھر کی معمولی سی ٹیک مل گئی تھی۔ دایاں ہاتھ اس نے نیم وا شٹر پر رکھا اور اُسے آہستہ آہستہ دھکیلنے لگا۔ نہ جانے کب کی بوسیدہ لکڑی تھی۔ اس کے طاقت ور ہاتھ نے لکڑی پر قوت صرف کی تو چرچراہٹ پیدا ہوگئی۔ ٹائیگر نے فوراً ہاتھ روک لیا۔

یہ شٹر کھولنا بے حد دشوار کام تھا کیونکہ اس کے کھلنے سے بے پناہ شور پیدا ہونے کی توقع تھی۔ ٹائیگر کوئی خطرہ مول نہیں لینا چاہتا تھا اس لیے وہ جہاں تھا، اُسی حالت میں لٹکا رہا۔ وہ حیران تھا کہ شور کا مسئلہ کیسے حل کرے۔

اچانک یہ مسئلہ خود ہی حل ہوگیا۔

تھوڑی ہی دیر بعد گلی میں ایک ٹرک داخل ہوا۔ اس کے انجن کی وجہ سے کافی شور پیدا ہو رہا تھا۔ ٹائیگر کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اب وہ بھی شور پیدا کر سکتا تھا۔ اس نے جلدی سے شٹر پر دباؤ ڈالا تو وہ ٹوٹ کر اس کے ہاتھ میں آگیا۔ رات کے سناٹے میں ٹرک کی آواز گونج ہی تھی اس لیے لکڑی ٹوٹنے کی آواز کسی کو بھی سُنائی نہیں دے سکتی تھی۔

اُس نے ٹوٹا ہوا شٹر نیچے گلی میں پھینک دیا۔ کھڑکی کھل چکی تھی اور وہ آسانی سے اس میں داخل ہو سکتا تھا۔ اُس نے کھڑکی میں بیٹھنے کی پوزیشن اختیار کر لی۔ اب وہ اس کھڑکی سے اندر بھی دیکھ سکتا تھا۔

سامنے ایک وسیع و عریض ہال نما گودام تھا جس کے وسط میں ایک ایسا حصّہ تھا جسے غار پر محمول کیا جا سکتا تھا۔ یہاں ڈرم، کریٹ اور نہ جانے کیا کیا الا بلا جمع تھا۔ ٹائیگر کی نگاہ تین آدمیوں پر پڑی۔ وہ اس سے کچھ فاصلے پر کھڑے تھے اور انہماک سے ایک ہی جانب دیکھے جا رہے تھے۔ وہ کیا دیکھ رہے تھے، یہ تو ٹائیگر کو نظر نہ آیا... لیکن وہ دل ہی دل میں کلمۂ شکر ضرور بجا لایا کیونکہ اس نے جو احتیاط کی تھی، وہ واقعی اس کے کام آگئی تھی۔ اگر اس جگہ صرف ٹرک ہی مقصود ہوتا تو ٹائیگر کے لیے گودام کے درجنوں آدمیوں کو بھیڑ بنا دینا کوئی مشکل کام نہیں تھا... لیکن اُسے ایک انسانی زندگی بھی بچانی تھی۔ وہ بلو سرکل کے سردار کے کزن یوآن کو زندہ یہاں سے واپس لے جانا چاہتا تھا۔ اگر وہ اعلانیہ آتا تو اس کی زندگی کی کوئی ضمانت نہیں دی جا سکتی تھی اس لیے اُس نے نقب زنوں جیسا خاموش اور خفیہ طریقہ اختیار کیا تھا۔

وہ کھڑکی سے اندر اُتر آیا۔ کھڑکی سے چھ فٹ کے لگ بھگ نیچے ایک راستہ تھا۔ اُسے حیرت تھی کہ تینوں درندے خاموش کھڑے کیا دیکھ رہے ہیں۔ ان کے انداز سے یوں لگتا تھا جیسے وہ ایک لمحے کے لیے بھی اُس منظر سے نگاہ نہیں ہٹانا چاہتے۔

ٹائیگر نے کھڑکی کی سِل پر دونوں ہاتھ جمائے اور خود کو فضا میں اُچھال دیا۔ وہ اس راستے پر جا گرا جو کھڑکی سے چھ فٹ نیچے دکھائی دیتا تھا۔ اس کے اطراف میں لکڑی کی پیٹیاں چُنی ہوئی تھیں۔ اس کے گرنے سے معمولی سی آہٹ پیدا ہوئی۔ وہ وہیں دُبک گیا۔ کوئی ردِعمل ظاہر نہ ہوا تو وہ پیٹیوں کی اوٹ میں اس طرف بڑھنے لگا جہاں ریڈ سرکل کے تین بدمعاش کھڑے اپنی دانست میں کوئی بڑا ہی دلچسپ منظر دیکھ رہے تھے۔

وہ ان کے عقب میں پہنچ گیا۔

اُس نے ایک بڑی سی پیٹی کے عقب سے سر اُبھار کر دیکھا تو اس کے جسم میں ایک سرد سی لہر دوڑ گئی۔

وہ لوگ یوآن کو اذیتیں دے رہے تھے۔

یوآن کو ایک چوبی میز پر لٹا کر سختی سے باندھ دیا گیا تھا اور اس کے مُنہ میں حلق تک کپڑا ٹھُنسا ہوا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ بے پناہ اذیت کے باوجود اس کی کوئی آواز سُنائی نہیں دی تھی۔ بے چارے یوآن کا

جوان جسم فطری لباس میں تھا۔ اس کے جسم پر خون ہی خون پھیلا ہوا تھا اور اس کے اپنے ہی خون کی سُرخی تہ اُس کے لیے ستر پوشی کا باعث بن رہی تھی۔ اس کے جسم پر اَن گنت چھوٹے چھوٹے زخم تھے۔ اس کا چہرہ البتہ بے داغ تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے اُسے جگہ جگہ سے کاٹ ڈالا گیا ہو۔

ایک گراں ڈیل شخص اس پر جھکا ہُوا تھا۔ اس کی جسامت سے ٹائیگر کو اندازہ ہوگیا کہ وہ تو مان ہے۔ ریڈ سرکل کا بلاّد... جس کی درندگی کے قصّے زبان زدِ عام تھے۔ ٹائیگر کا دل اُس کے خلاف نفرت سے بھر گیا۔

دیکھتے ہی دیکھتے اس دیو قامت شخص نے یوآن کے زخموں پر نمک چھڑکنا شروع کر دیا۔

یوآن کا کمزور سا جسم تڑپ تڑپ گیا لیکن بندشیں بے حد مضبوط تھیں۔ وہ حرکت کرنے سے قاصر تھا جبکہ اس کی بوٹی بوٹی تھرک رہی تھی اور اس غیر انسانی فعل کے خلاف احتجاج کرتی محسوس ہو رہی تھی۔

ٹائیگر آہستہ آہستہ پیچھے ہٹا اور بلّی کی سی خاموشی سے، کھڑکی کی پیشیوں کی آڑ میں ہوتا ہُوا، دوسری منزل کے چوبی راستے پر اُتر گیا۔ اس کے کانوں سے تو مان کی گرج دار آواز ٹکرانے لگی: "یہ کوبرا سرکل میں کل کتنے آدمی ہیں؟ وہ کچھ پوچھ رہا تھا۔ "ان کے آیندہ کے منصوبے کیا ہیں؟ تم ہمارے بارے میں کیا کچھ معلوم کر چکے ہو؟ اور اب تک تم نے اپنے خبیث ماسٹر تاؤ تک کیا کیا اطلاعات پہنچائی ہیں؟"

"تو مان..." ایک اور آواز گونجی: "اگر تم اس کے ٹکڑے ٹکڑے بھی کر دو تو کچھ نہیں اُگلوا سکو گے اور میں سمجھتا ہوں کہ اس طرح یہ کچھ کہنے سے پہلے ہی مر جائے گا۔"

"بہتر ہوگا کہ اسے قتل کر دیا جائے؟" ایک اور آدمی نے سہما سا مجروح کر دیا۔

"نہیں... یہ بولے گا... یہ ضرور بولے گا۔" خونخوار تو مان غرّایا۔ "جاؤ کوئی میرے پاس تو سانپ لے کر آئے۔"

ٹائیگر خاموشی سے پہلی منزل پر اُتر آیا۔

یوآن کے گرد نصف درجن کے قریب سُرخ لبادوں والے ابھی تک نیم دائرے میں کھڑے تھے۔ ان میں سے ایک چند لمحوں کے لیے ٹائیگر کی نگاہوں سے اوجھل ہوگیا۔ جب وہ واپس آیا تو اس کے ہاتھوں پر چار ٹوکریاں تھیں۔ پٹاری نما یہ ٹوکریاں ایک طرف رکھ کر اس شخص نے ہتھیلیوں تک چڑھ جانے والے دستانے پہن لیے۔ خاصے موٹے رُبر کے دستانے تھے۔ دستانوں کی وجہ سے اُس کے ہاتھ محفوظ ہوگئے تھے۔ اس لیے اُس نے بے خوف و خطر ہاری باری چاروں ٹوکریوں کے پٹاریاں کھول دیں۔

تو مان کے ہاتھ میں ابھی تک خنجر دبا ہُوا تھا۔ اُس نے رُبر کا دستانہ بائیں ہاتھ میں پہن لیا... پھر اُسے وہ چاروں کوبرا سانپ ایک ایک کر کے پکڑا دیے گئے۔ اس کا ہاتھ اتنا کشادہ تھا کہ... چاروں سانپ اس کی مٹھی میں سما گئے تھے۔ سانپ بُری طرح پھنکارنے لگے۔ اُن کی سُرخ سرخ زبانیں لپک رہی تھیں لیکن وہ تو مان کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے کیونکہ ایک تو اس کے ہاتھ میں دستانہ تھا، دوسرے اُس کی انگلیوں کی گرفت سانپوں کے مُنہ سے قریب تر تھی۔ اس نے وہ ہاتھ اُٹھایا جس میں سانپ دبے ہوئے تھے۔ یہ ہاتھ اُس نے یوآن کے چہرے سے قریب کر دیا۔ عضب ناک سانپ بُری طرح پھنکار رہے تھے اور ان کی دو شاخہ زبانیں بار بار زہر اُگلنے کے لیے بے چین ہو رہی تھیں یوآن کی آنکھوں میں دہشت ہی دہشت تیر رہی تھی۔ اس سے قبل کہ سانپ اُس کی آنکھوں میں زہر تھوکنے میں کامیاب ہوتے، ٹائیگر کو اپنی نگاہ اس منظر سے ہٹا لینی پڑی۔

اچانک ہی اُسے اپنے عقب میں آہٹ محسوس ہُوئی تھی پیچھے سے اُس پر خنجر سے حملہ کیا جا رہا تھا۔ اس نے اَرژن ہینڈ نامی داؤ استعمال کیا۔ حملہ آور چکرایا تو اس کی ٹھوڑی پر کہنی کا وار پڑا اور پھر ہڈی توڑ دینے والی ضرب لگاتے ہوئے ٹائیگر اُچھل پڑا۔ اب وہ ہوا میں تھا۔ اس شور نے تو مان کو چونک جانے پر مجبور کر دیا۔ اس نے جلدی سے سانپوں والا ہاتھ یوآن کے چہرے سے دُور کر لیا اور جیسے ہی اس کی نگاہ سفید لبادے والے ایک جسم پر پڑی جو اُوپر سے اُڑتا ہُوا اس کی طرف آ رہا تھا تو اُس نے غیر ارادی طور پر وہی ہاتھ اُوپر اُٹھا دیا، جس کی مٹھی میں چار مہلک سانپ دبے ہوئے تھے۔

ٹائیگر اس وقت سیدھا اُسی کی طرف آ رہا تھا لیکن وہ اس کے ساتھ ساتھ چاروں طرف بیک وقت نگاہ رکھے ہوئے تھا۔ یہی بات اس کے کام آگئی۔ اس نے تو مان سے کہیں زیادہ خطرناک آدمی کو دیکھا۔ دروازے کے قریب کھڑے ہوئے ایک آدمی کا ہاتھ تیزی سے اپنے ہولسٹر کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ریوالور کی گولی تو مان کے ہاتھ میں چکڑے ہوئے مہلک سانپوں اور خنجر سے کہیں زیادہ خطرناک ثابت ہو سکتی تھی اسی دوران اُس کی تیز نگاہوں سے یہ بات بھی چھپی نہ رہ سکی کہ دو آدمی تیزی سے ان رائفلوں کی طرف لپکے ہیں۔ جو قریبی دیوار کے ساتھ کھڑی تھیں... اس کے علاوہ باقی آدمیوں نے اپنے لبادوں سے خنجر نکال لیے تھے۔

یہ شہزادی کی زندگی کی، اب سے زیادہ سنگین صورتِ حال تھی۔ بیک وقت اتنے آدمیوں پر نگاہ رکھنا، انھیں یاد رکھنا اور ان کی پوزیشن کے مطابق مدافعت اَمیز حملے کرنا واقعی ایک جان لیوا کام تھا... لیکن اسی میں اُس کی بقا بھی تھی۔ وہ کسی بگولے کی طرح تو مان کے سر پر پہنچ گیا۔ اس کے دونوں پنجے تو مان کے سینے پر پڑے، دایاں ہاتھ خنجر والے ہاتھ کی طرف گرا، اسی دوران میں اُس نے اپنی ٹھوڑی عقب میں اُچھالی اور سانپوں کی زد سے نکل گیا، جو ہاتھ خنجر والے بازو پر پڑا تھا، وہ سانپوں والی مٹھی کی طرف بڑھتے ہوئے، تو مان کے چہرے سے ٹکراتا ہُوا، اُس بازو تک پہنچا تھا... پھر اُس نے تو مان کے سینے ہی سے عقب میں اُلٹی، چھلانگ لگا دی تھی۔

تو مان کے چہرے کا بھرتہ بن گیا تھا۔ اس کے ہونٹ پھٹ گئے تھے اور اُس کا مُنہ خون اور ٹوٹے ہوئے دانتوں سے بھر چکا تھا اُس نے سانپوں کو اپنے عقب میں اُچھال دیا اور اس کے ساتھ ہی اُس کی آنکھوں میں اندھیرے اُتر آئے۔ وہ زمین پر گرا تو اُس کی روح نہ جانے کب کی قفسِ عنصری سے پرواز کر چکی تھی۔

گودام کی فضا میں ریوالور کی گولی کا دھماکہ گونج اُٹھا۔ ٹائیگر نے رائفل کی طرف لپکنے والے دو آدمیوں میں سے ایک پر چھلانگ لگا دی تھی۔ ریوالور کی گولی اُس کے بالوں کو چھوتی ہُوئی، بالائی منزل پر رکھے لکڑی کے ایک کریٹ میں جا گھُسی تھی۔ جیسے ہی اُس کی لگ سے رائفل فضا میں اُڑی، دو خنجر تیزی سے اس کی طرف لپک پڑے تھے۔

معاً اُسے اپنی ریڑھ کی ہڈی پر ہلکی سی گُدگُداہٹ محسوس ہُوئی اس سے قبل کہ نوکیلی نوک اس کی پیٹھ میں پیوست ہوتی، وہ سامنے کی طرف جھک چکا تھا اور اس کی ایڑیوں نے عقب سے حملہ آور ہونے والے کو زمین سے اُچھال دیا تھا وہ اس کے اُوپر سے ہوتا ہُوا سامنے جا گرا۔ سامنے وہ دوسرا شخص تھا جس نے اپنے ایک ساتھی کی تقلید میں رائفل کی طرف جست لگائی تھی۔ خنجر اُس شخص کے سینے میں اُتر گیا۔ ایک بھیانک چیخ گونجی اُسی لمحے رائفل کے دھماکے میں بھی ہی تھی کہ خنجر والے کی چیخ سے گودام کی فضا کانپ گئی۔

ابھی ٹائیگر سنبھل بھی نہیں پایا تھا کہ اُسے ایک بار پھر اُچھل جانا پڑا... لیکن اس بار اُسے دیر ہوگئی تھی۔ ایک خنجر اس کی ران پر گہری خراش ڈالتا ہُوا نکل جانے میں کامیاب ہوگیا تھا۔ اُس نے اُنگلی کا جوڑ تہ کر کے اُس کھوپڑی پر دے مارا جو فوراً ہی اس کے سامنے آگئی تھی۔ کھوپڑی یوں بھر گئی جیسے کھڑکی کا شیشہ پتھر لگنے سے چمکتا چُور چُور ہو جاتا ہے۔

ریوالور ایک بار پھر گرج اُٹھا۔

ٹائیگر ایک بار پھر بگولے کی طرح گھُومتی ہوئی حالت میں زمین سے بلند ہُوا تھا۔ گولی اس کے پہلو سے نکل گئی... اس نے لبادے میں سوراخ محسوس کیا۔ گویا وہ گولی اس کا کام تمام کر سکتی تھی وہ مزید محتاط ہوگیا۔ اس وقت اُس کی تمام حسیات بیدار ہو چکی تھیں۔ اور وہ سراپا ایک مہلک ہتھیار بن چکا تھا ایک ایسا ہتھیار جس، کی زد میں آنے والا لمحوں میں موت کا شکار ہو سکتا تھا ٹائیگر نے فضا ہی میں قلابازی کھائی اور اس کا جسم کسی گولے کی طرح گھومتا ہُوا رائفل بردار کی طرف آیا۔ رائفل کی نال ٹوٹ گئی اور رائفل کا۔ باقی حصّہ اُس شخص کی رانوں کے درمیان سے نکل گیا۔ اس شخص کی چیخ بڑی ہی دردناک تھی۔

ایک گولی نے اُس کی آنکھوں میں دُھواں سا بھر دیا تھا، وہ لمحاتی طور پر بینائی سے محروم ہُوا لیکن اس سے قبل وہ اپنے سامنے آنکھوں کی ایک جوڑی دیکھ چکا تھا۔ اس کا پنجہ سیدھا ان آنکھوں پر پڑا۔ اس نے شکار کی رائفل پر ہاتھ ڈال دیا اور پھر رائفل بھی اس کے ہاتھ سے نکل گئی۔ یہ دائرے میں پھینکی گئی رائفل دو آدمیوں پر قیامت ڈھا کر ایک جانب گر گئی تھی۔

گودام میں سناٹا چھا گیا۔

یہ سناٹا بڑا ہی عجیب اور ناقابلِ فہم تھا۔ دفعتاً ایک گولی چلی اور کسی آہنی شہتیر سے ٹکرا گئی۔ ماحول میں اضطراب کی لہریں دوڑ گئیں اسی ساعت ٹائیگر کو اپنے پیروں میں کسی لہراتے ہوئے کوڑے جیسی چیز کا احساس ہُوا... اور ناگ کی سسکار دینے والی پھنکار سنائی دی۔ اُس کی ٹانگوں کے عضلات حیرت انگیز تیزی سے سخت ہو گئے۔ اس کی حسیات نے اُسے بتا دیا تھا کہ سانپ کس جگہ حملہ آور ہوگا۔ اب اُس کی نگاہ سامنے کھڑے دُشمنوں پر تھی جن کی آنکھوں میں حیرت، اجنبیت اور چہروں پر سُرخی تھی۔ اُن میں سے کوئی بھی اُسے نہیں جانتا تھا اس لیے ان کی حیرت بھی اپنی جگہ بجا تھی... پھر اگر وہ نیلے لبادے میں ہوتا تو وہ اُسے بلیو سرکل کا کوئی ایسا کارکن سمجھ لیتے، جو یوآن کو بچانے آیا تھا... اس کے سفید لبادے نے اُس کی شخصیت مزید پُراسرار بنا دی تھی۔ شدید غصّے میں ہونے کے باوجود وہ اب اُس سے خوف زدہ تھے۔ اُنھوں نے مدافعت اور حملے کے انداز اختیار کر رکھے تھے لیکن ان میں سے ہر شخص کی نگاہ اُس سانپ پر جمی ہوئی تھی جو ٹائیگر کے پیروں سے چند انچ دُور پھنپھنا رہا تھا۔ جس کا پھن کسی بھی لمحے حملہ آور ہو کر اس کے جسم میں زہر اتار سکتا تھا۔

ٹائیگر سمجھ گیا کہ وہ اب اس پر حملہ کرنے کی جرأت نہیں

کریں گے اور ان کی تمام تر توقعات اس سانپ سے وابستہ ہو کر رہ گئی ہیں۔ یکایک اس نے بایاں تختہ پہلو میں اچھالا اور پھر دائیں پاؤں کے پنجے پر کسی تیز رفتار پھرکی کی مانند گھوم گیا وہ سیدھا ہوا تو سانپ اس کے دائیں ہاتھ میں دبا ہوا تھا...

اگلے ہی لمحے سانپ اس کے ہاتھ سے نکل کر ان لوگوں پر جا گرا، جو اس کے سامنے کھڑے تھے۔ ان کی صف میں کہرام مچ گیا جس کا جو ہر مُنہ اُٹھا بھاگ اُٹھا۔ پھر ایک چیخ نے ماحول کا سینہ چیر ڈالا۔

سانپ نے ان میں سے ایک کو ڈس لیا تھا۔ جسے ڈسا گیا تھا اس نے اُسے ایک طرف اچھال دیا تھا۔ وہی سانپ اب ایک آدمی کے گلے میں لپٹا ہوا تھا اور اس کی جکڑ بندی اتنی سخت ہوتی جا رہی تھی کہ اُس شخص کا دَم گھٹنے لگا تھا۔ مارے دہشت کے اُس کی آنکھیں حلقوں سے اُبل پڑی تھیں اور اس کا چہرہ، جسم کا سارا خون سمٹ آنے کی وجہ سے لال بھبوکا ہو رہا تھا

ٹائیگر نے تو مان کی طرف دیکھا اور پھر اس کی تھوتھنی ہوئی نگاہ اُس نوجوان پر جم گئی جسے بچانے کے لیے وہ یہاں آیا تھا وہ میز پر اب بھی بندھا پڑا تھا۔ یکایک ٹائیگر کے جسم کا ایک ایک ریشہ تناؤ کا شکار ہو گیا۔ گودام کے کسی پوشیدہ حصّے میں کوئی حرکت کر رہا تھا اور یہ حرکت ٹائیگر سے اس کی زندگی چھین لینے کے ارادے سے کی جا رہی تھی۔ کوئی دبے قدموں اس کی طرف بڑھ رہا تھا وہ کسی بندر کی طرح لکڑی کی سیٹیوں پر چڑھ گیا... تو مان اندھوں کی طرح ٹٹولتا ہوا اُس میز تک پہنچ چکا تھا، جس پر یوآن کو اذیت دی جا رہی تھی۔ ایک وزنی پیٹی اس کے اُوپر گری اور وہ بِلبلا کر وہیں زمین سے چپک گیا۔ پہلی بار وہ شاید موت کو دھوکا دینے میں کامیاب ہو گیا تھا... لیکن اس بار ایسا ہونا ممکن نہ تھا۔

ٹائیگر نے سیٹیوں کے اوپر سے پہلو کے راستے پر چھلانگ لگا دی۔ اُونچی اُونچی سیٹیوں کے درمیان یہ راستے بالکل بھول بھلیوں جیسے تھے... اور ٹائیگر کو یہاں آنکھ مچولی کھیلتے ہوئے بے حد لُطف آ رہا تھا۔ معاً اسے پھر کسی کے قدموں کی مدھم سی آواز سنائی دی۔ وہ کُود کر ایک بار پھر سیٹیوں پر چڑھ گیا۔ چند ساعتیں میں پنجوں کے بل چلتا ہوا ایک آدمی قریبی راستے سے گزرتا دکھائی دیا۔ ٹائیگر اس انداز میں اُس پر کُودا جیسے کوئی مکڑی اپنے تار کے سہارے زمین کی طرف گرتی چلی جاتی ہے۔

اس شخص کے حلق سے چیخ بھی نہیں نکل سکی تھی۔ ٹائیگر نے اس کے ہاتھ کی گرفت سے خنجر نکالا اور آہٹ لینے لگا۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ شِکار خوشاں میں سانس لے رہا ہو۔ ذرا سی بھی آواز نہیں آ رہی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ کھسکتا ہوا ایوان کے قریب پہنچ گیا جو ابھی تک ٹارچر ٹیبل پر بندھا پڑا تھا۔ اچانک ٹائیگر کو اپنی سانس رُکتی محسوس ہونے لگی۔ اُسے ایک شخص دِکھائی دیا جس کے ہاتھ میں چاقو تھا اور وہ چاقو سے یوآن کے سینے کا نشانہ لے رہا تھا۔ وہ دُور ہی سے چاقو اس کے سینے میں پیوست کر دینا چاہتا تھا۔

"نہیں..." ٹائیگر چیخ پڑا۔

اس کی آواز نے حملہ آور کو چونکا دیا اور وہ ٹائیگر کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اس کے نشانے کا رُخ فوراً ہی بدل گیا۔ اب وہ وہی چاقو ٹائیگر پر پھینکنا چاہتا تھا۔ چاقو کا بلیڈ لالٹین کی دھیمی روشنی میں چمک پڑا

ٹائیگر کا ہاتھ میز کے نیچے تھا اس لیے وہ شخص یہ نہیں دیکھ سکا کہ اس کے ہاتھ میں خنجر بھی دبا ہوا ہے۔ وہ تو بس یہ دیکھ کر خوش ہو گیا تھا کہ ٹائیگر غیر مسلح ہے۔ وہ بڑے ہی ڈرامائی انداز میں آگے بڑھنے لگا۔ اُس کے ہونٹوں پر بڑی ہی حقارت آمیز مسکراہٹ تھی لگتا تھا، وہ پوسر کل کا کوئی ماہر چاقو باز ہے۔ وہ ٹائیگر سے چند قدم کے فاصلے پر رُک گیا۔

"تم..." اس نے چاقو کی نوک ٹائیگر کے سینے کی طرف کرتے ہوئے کہا "یہ مرنے جا رہے ہو"

وہ ایک قدم اور آگے آگیا۔

"تم ایک غیر مسلح آدمی ہو" اس نے خود ہی تبصرہ کرنا شروع کر دیا "اور میں سمجھتا ہوں کہ کسی نہتے آدمی پر حملہ کرنا بڑی شرمناک بات ہوتی ہے" یہ کہہ کر وہ بھیانک ہنس پڑا۔ اس کے ٹوٹے پھوٹے دانت بڑے ہی بھیانک لگ رہے تھے اور وہ شکل سے واقعی کوئی خونی قسم کا ہی لگ رہا تھا۔

ٹائیگر ساکت کھڑا رہا۔ وہ صرف یہ چاہتا تھا کہ یہ شخص یوآن کی طرف متوجہ نہ ہو کیونکہ اس کی حفاظت کرنا ابھی مشکل تھا۔ چاقو والا ایک قدم اور آگے آگیا۔ اچانک ٹائیگر کو اپنے دائیں جانب ہلکی سی سرسراہٹ محسوس ہوئی۔ اس نے کن انکھیوں سے دیکھا تو ایک اور شخص ہاتھ میں خنجر دبائے بڑھا چلا آ رہا تھا۔

ٹائیگر نے بائیں جانب دیکھا۔ ادھر لکڑی کی بنی ہوئی ایک بھاری بھرکم مشین پڑی تھی۔ سامنے والے چاقو بدست نے جب اُسے مشین کی طرف دیکھتے پایا تو وہ قلدرے ٹھٹک گیا۔ وہ ٹائیگر کی فائیٹ دیکھ چکا تھا اس لیے اُسے اندازہ تھا کہ وہ بے حد طاقت ور اور کنگ فو کے فن میں ماہر ہے۔ دفعتہً ٹائیگر کا بایاں پاؤں بڑے

ہی پُروقار انداز میں آہستہ آہستہ بلند ہونے لگا۔ یہ پاؤں اس وقت تک زمین سے اُٹھتا رہا جب تک کہ اس نے اپنا جسم کسی بگلے کی طرح ایک ٹانگ پر متوازن نہیں کر لیا۔

چاقو بدست آدمی کے ہونٹوں سے مسکراہٹ رخصت ہو گئی اور اس کی آنکھوں سے خوف ظاہر ہونے لگا... دائیں سمت سے آگے بڑھنے والا بھی رُک گیا۔ ٹائیگر نے جو انداز اختیار کیا تھا وہ ان دونوں کے لیے نیا ہی نہیں ناقابلِ فہم بھی تھا۔

کچھ دیر سارس کے سے انداز میں ساکت کھڑے ہونے کے بعد ٹائیگر نے دائیں بائیں جھولنا شروع کر دیا۔ بڑی ہی پُروقار اور دیکھنے سے تعلق رکھنے والی متوازن حرکات تھیں۔ دونوں چاقو بدست جامد کھڑے اُسے دیکھ رہے تھے اور سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے کہ ٹائیگر کون سا داؤ آزمانا چاہتا ہے... دیکھتے ہی دیکھتے اس کا دایاں پاؤں، توپ کے گولے کی طرح چوبی مشین کی طرف لپکا لیکن اس کا نشانہ مشین نہیں تھی۔ اس نے ایک قریبی ستون کو نشانہ بنایا تھا۔

لکڑی ٹوٹنے کی زبردست کڑکڑاہٹ ہوئی اور ستون کا ضرب لگنے والا حصّہ بُرادہ اڑاتا ہوا یوں دو ٹکڑے ہو گیا جیسے کسی درخت پر بجلی گرتی ہے اور اسے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالتی ہے۔

ایک چاقو بدست نے دو قدم پیچھے ہٹنے کوشش کی۔ اس نے اپنا چاقو والا ہاتھ پیچھے لیا... پھر اس کے حلق سے ایک ڈری ڈری سی آواز نکل گئی "نن... نن... تم... تم ماسٹر تاؤ ہو؟" اس نے پوچھا۔

"میں اس کا ایک حقیر سا شاگرد ہوں" ٹائیگر نے بڑے انکسار سے کہا۔ اس کے لہجے کی عاجزی نے اس شخص کو بے حد متاثر کیا۔ جو شخص محض ایک ٹھوکر سے اتنا بھاری بھرکم ستون توڑ سکتا تھا، اس میں اتنا انکسار، دوسرے چاقو بدست کے لیے بھی ناقابلِ یقین تھا۔

دائیں طرف کھڑے آدمی نے چاقو پھینک دیا۔ اس نے کندھے کے اُوپر سے اپنے عقب میں دیکھا اور پلٹ کر دوڑتا چلا گیا۔ دوسرے شخص نے ایک لمحے کے لیے کچھ سوچا... پھر وہ بھی اپنا چاقو پھینک کر دروازے کی طرف لپک پڑا۔ ٹائیگر کے دل کی کلیوں سے سب قہقہہ چھوٹ نکلا... لیکن یہ حلق سے آزاد نہیں ہوا۔ اس نے انھیں خوف زدہ کرنے کے لیے جو چال چلی تھی، وہ کامیابی سے ہمکنار ہو گئی تھی۔ اگر وہ انھیں دہشت زدہ کرنے میں کامیاب نہ ہوتا تو ان دونوں میں سے ایک بندھے ہوئے یوآن کو ہلاک کرنے میں کامیاب ہو جاتا۔

ٹائیگر نے تیزی سے چاروں طرف کا جائزہ لیا۔ کوئی بھی اُس کی تاک میں نہیں تھا۔ اس نے موقع غنیمت جانا اور تیزی سے اس میز کے قریب پہنچ گیا جس پر یوآن بندھا ہوا تھا۔ اُس نے یوآن کے جسم سے لپٹی ہوئی رسیاں کاٹ ڈالیں اور اس کے چہرے کا جائزہ لیا۔ چہرے پر اُن گنت سلوٹیں نظر آ رہی تھیں خوف اور اذیت نے بے چارے کا حلیہ ہی خراب کر دیا تھا۔ ٹائیگر نے سکون کی ایک گہری سانس لی۔ وہ ڈر رہا تھا کہ کہیں تو مان کے ساتھیوں نے اُسے چہرے پر ڈس نہ لیا ہو۔ اس نے مٹھی میں جکڑے ہوئے سانپوں کو یوآن کے چہرے سے قریب تر لانے کی کوشش کی تھی۔

ٹائیگر نے اُسے اُٹھا لیا۔

لڑکے پر ابھی ہوشی طاری تھی۔ اس کے مُنہ میں ٹھنسا ہوا کپڑا نکل گیا تو وہ گہری گہری لیکن اکھڑی اکھڑی سی سانسیں لینے لگا۔ ٹائیگر اُسے اُٹھا کر گودام کے عقبی حصّے میں لے گیا۔ یہاں اُسے کوئی فوری خطرہ لاحق نہیں ہو سکتا تھا۔ ٹائیگر اُسے چھوڑ کر واپس ٹارچر ٹیبل کے قریب آ گیا۔ وہاں ایک لالٹین ٹنگی ہوئی تھی۔ ٹائیگر نے لالٹین اتاری اور اُسے ہلا کر دیکھا۔ اس میں کافی تیل موجود تھا۔ چند لمحوں کے لیے لالٹین ٹائیگر کے ہاتھ میں بلند ہوئی پھر اس نے اُسے فرش پر دے مارا۔ تیل بہہ نکلا اور لکڑی نے آگ پکڑ لی ٹائیگر جانتا تھا کہ خشک عمارتی لکڑی کتنی جلدی آگ پکڑ لیتی ہے لالٹین پھینکتے ہی وہ واپس چل دیا۔ واپسی پر اس کی رفتار پہلے سے تیز تھی۔

وہ عقبی حصّے میں پہنچا اور یوآن کا بے ہوش جسم اُٹھا کر اپنی منزل کے لیے روانہ ہو گیا۔ واپسی کے لیے بھی وہ وہی راستہ اختیار کرنا چاہتا تھا، جس سے اندر آیا تھا۔ یوآن کی موجودگی میں وہ اب کسی سے لڑنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا... اور دروازے کی طرف جانے میں یہی خدشہ تھا۔ ابھی وہ تیسری منزل کی کھڑکی کے سامنے والی عمارت کی چھت پر کُودا ہی تھا کہ اُسے گودام میں ایک کان پھاڑ دھماکا سنائی دیا۔ آگ کے شعلے بھڑک اُٹھے اور دھوئیں کے بادل اُڑنے لگے۔ ٹائیگر جانتا تھا کہ اس گودام میں کیا کچھ موجود ہے... سوکھی بارُود اور افیون... ان تینوں چیزوں کا ذخیرہ تباہ ہو گیا اور گودام کی جگہ راکھ کا ڈھیر بنتا چلا گیا۔

ٹائیگر، یوآن کو اُٹھائے رات کی تاریکی میں وہاں سے غائب ہو گیا۔

**

ٹائیگر آہستہ آہستہ چلا جا رہا تھا۔ اس کے قدموں میں خفیف سی لڑکھڑاہٹ آگئی تھی۔ تشنگی کے مضافات سے وہ کانان تانگ نامی علاقے کی طرف روانہ ہوا تھا تو اسے اندازہ نہیں تھا کہ راستہ اس قدر دشوار گزار اور ویران ہوگا۔ اسے ویرانے میں بھٹکتے ہوئے آج تیسرا دن تھا۔ فانگ کی تلاش میں اس علاقے کی طرف اس کی آمد کا باعث اوشان کی موت کا انتقام ہی نہیں تھا، لاشعوری طور پر وہ اپنا ٹائٹل بھی برقرار رکھنا چاہتا تھا۔ اس میں خود ٹائیگر کی نہیں، اوشان کی بھی عظمت مضمر تھی۔ تشنگی میں ریڈ سرکل کا گروہ منتشر کرنے سے اسے ایک عجیب سی طمانیت حاصل ہوئی تھی اب وہاں بلیو سرکل کی عمل داری کا آغاز ہوگیا تھا۔ اور ٹائیگر کو یقین تھا کہ وہاں درندگی اور شیطنیت کے مظاہرے بھی اب ہمیشہ کے لیے دم توڑ جائیں گے۔

وہ ایک دریا کے کنارے پہنچ کر رک گیا۔

کچھ دیر وہ کھڑا سوچتا رہا... پھر اس نے بہاؤ کے ساتھ ساتھ چلنا شروع کردیا۔ ابھی وہ چند قدم ہی آگے بڑھا تھا کہ اسے ٹھٹک جانا پڑا۔

دریا کے کنارے تین انسانی لاشیں پڑی تھیں۔ آس پاس کی زمین ان کے خون سے سرخ ہو رہی تھی۔ وہ لاشوں کے قریب پہنچ گیا۔ اس کی آنکھیں سکڑ گئیں۔ اس کے سامنے دو مَردوں کی لاشیں تھیں اور تیسری لاش ایک بچے کی تھی۔ وہ چہرے سے مرجھایا ہوا پھول لگ رہا تھا لیکن اس کے جسمانی اعضا یوں بکھرے ہوئے تھے جیسے پھول کی پتیاں بکھر گئی ہوں۔

ٹائیگر نے غور سے دیکھا تو لاشوں سے ابھی خون رِس رِس کر بہہ رہا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ اس حادثے کو ہوئے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی... اور قاتل زیادہ دُور نہیں گیا ہوگا۔ معاً اس کی نگاہ ایک مَرد کے سینے پر جم کر رہ گئی۔ اس کے سینے میں چار سوراخ تھے اور چاروں سوراخوں سے خون رِس رہا تھا۔ ٹائیگر کے ذہن میں اوشان کی لاش گھوم گئی۔

یکایک وہ بے حد پُرجوش نظر آنے لگا۔ اس کی آنکھیں تیزی سے اطراف میں پھرانے لگیں اور تھنھنے کچھ سونگھنے کی کوشش کرنے لگے۔ نہ جانے کیوں اس کا دل کہہ رہا تھا کہ یہ واردات فانگ ہی نے کی ہے اور وہ یہاں سے زیادہ دُور نہیں گیا ہے۔ وہ دل ہی دل میں اپنی خوش قسمتی پر ناز کرنے لگا۔ ایک موہوم سی توقع اُسے ادھر لے آئی تھی... لیکن اب اُسے یقین ہوگیا تھا کہ ماسٹر تاؤ کا اندازہ صددرست ہی تھا۔ فانگ نہ صرف تشنگی واپس آچکا تھا بلکہ وہ کانان کے علاقے میں اپنی کسی خفیہ پناہ گاہ کی طرف روانہ ہوگیا تھا۔

ٹائیگر کی حسیات پُوری طرح بیدار تھیں۔

وہ دریا کی طرف سے آتی ہوئی ہواؤں کی سرسراہٹوں کے باوجود آس پاس کے ماحول میں پیدا ہونے والی کسی بھی نامانوس آواز کو سُننے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ اُس نے دریا کے بہاؤ کی سمت میں دیکھا اور پھر اُس کی نگاہوں نے ایک انسانی ہیولیٰ دیکھ لیا۔ یہ ہیولیٰ دُور افق پر متحرک نظر آرہا تھا۔ یقیناً یہ فانگ ہی ہے، اس نے سوچا اور تیزی سے اس کے پیچھے لپک پڑا... لیکن ابھی وہ چند قدم ہی آگے گیا تھا کہ ہیولیٰ اس کی نگاہوں سے اوجھل ہوگیا۔

یکایک شمال کی جانب سے ایک پتھر لڑھکنے کی آواز پیدا ہوئی۔ وہ رُک گیا۔ اس نے سانس تک روک لی۔ کوئی اس کے قریب ہی موجود تھا اور یہ پتھر اُس کے پیروں کی بے احتیاط حرکت کے باعث لڑھکا تھا۔ اس وقت وہ ایک چٹان کے قریب کھڑا تھا۔ معاً کسی نے چٹان سے اس پر چھلانگ لگا دی جا کا تیز دھار پھل اُس کی آنکھوں کے سامنے چمکا۔ وہ فوراً ہی عقب میں لڑھک گیا اور اس کے گھٹنے اُٹھ کر سینے سے آگئے۔ اب اس کے پاؤں خطرناک ہتھیاروں کا کام کرنے کے لیے مستعد ہو چکے تھے۔ بالکل اُس بلّی کا سا انداز تھا جو اوپر اور نیچے، دونوں جانب سے یکساں مستعدی سے لڑ سکتی ہے۔ اس کے پنجے تیار تھے اور ہاتھوں کی انگلیاں خنجروں جیسی کارکردگی دکھانے کے لیے جیسے تھیں۔

چٹان سے اس پر کُودنے والا حملہ کر چکا تھا اور اس کا تیز خنجر اس کی آنکھوں کو لمحے بھر کے لیے خیرہ کر چکا تھا... اور پھر وہ خود اپنے پُورے جسم کے بوجھ سے اُسے کچلنے کے لیے اس پر گر رہا تھا۔ ٹائیگر کی ٹانگیں کھلتی گئیں لیکن ضرب لگانے سے پہلے اس نے دیکھ لیا کہ حملہ آور فانگ نہیں ہے وہ فوراً ہی بائیں جانب لڑھکنی کھا گیا۔ اس طرح وہ گرتے ہوئے جسم کی زد سے نکل گیا اور حملہ آور بھی اس کی چوٹ سے بال بال بچ گیا۔

اس کے سامنے دھپ سے ایک نسوانی جسم ریت پر گرا تھا۔ ٹائیگر اُٹھ کھڑا ہوا اور حیرت سے لڑکی کی طرف دیکھنے لگا۔

"ٹائیگر پر لڑکیاں بھی برسنے لگیں: وہ زیرلب بولا۔ اپنے جسم کے سخت رگٹوں کو نرماہٹوں سے آشنا کرنے میں مصروف ہوگیا۔

لڑکی کے بال بے پناہ کالے تھے اور اُس کی آنکھیں بھی کالی ہی تھیں... لیکن ان میں ٹائیگر کے لیے جو نفرت تھی، اُسے محسوس کرکے ٹائیگر پریشان ہوگیا۔ لڑکی نے جس انداز میں اس پر حملہ کیا، اس سے بھی اُس کی بے پناہ دلی نفرت کا پتہ چلتا تھا۔ اُس نے اُسے ہلاک کرنے کے لیے اپنی زندگی تک داؤ پر لگا دی تھی۔ خنجر ٹائیگر کی آنکھوں سے صرف ایک انچ کے فاصلے سے گزر گیا تھا... اور اب دستے تک ریت میں دھنسا ہوا تھا۔ لڑکی کے ہونٹ تک نفرت سے سکڑے ہوئے تھے یکایک وہ چیختی ہوئی ایک بار پھر اُس پر حملہ آور ہوئی۔ حملہ کرنے کا انداز جھلاتی ہوئی جنگلی بلّی جیسا ہی خطرناک تھا... لیکن اس کے بپھرے ہوئے ٹائیگر کا چہرہ نہ بگاڑ سکے اور نہ ہی اس کی آنکھوں کو نقصان پہنچانے میں کامیاب ہوئے۔ اس نے اس کی دونوں کلائیاں اپنے چہرے سے کافی دُور ہی روک کر جکڑ لی تھیں۔

اس نے بغور لڑکی کے چہرے کی طرف دیکھا اور پھر خنجر لینے والی نگاہ اس کے سراپا پر ڈالی۔ وہ سفید لباس میں تھی لیکن لباس پر جا بجا کیچڑ کے بدنما دھبے تھے۔

"مجھ سے ڈرنے کی ضرورت نہیں: ٹائیگر نے نرمی سے کہا۔ "میں تمہارا دشمن نہیں ہوں۔"

لڑکی نے کوئی جواب نہ دیا۔

وہ بُری طرح ہانپ رہی تھی۔

اس کی آنکھوں میں غم و غصے اور نفرت کی ملی جُلی کیفیت تھی... لیکن جیسے ہی اُس کی کلائیاں ٹائیگر کی گرفت میں آئیں اس نے دیکھا کہ لڑکی پر خوف غالب آنے لگا ہے۔ اس نے وہی مخصوص لب و لہجہ اختیار کیا جس کی اُسے برسوں تربیت دی جاتی رہی تھی، اور جس لہجے سے صنفِ نازک یوں پگھل جاتی تھی جیسے دھیمی آنچ سے موم بتی پگھلنے لگتی ہے۔

"تم نے مجھ پر حملہ کیوں کیا؟"

لڑکی نے جواب دینے کی بجائے خود کو چھڑانے کی بےحد کوشش شروع کردی۔ اُس نے اُسے کلائیوں سے پکڑے پکڑے جھنجھوڑ ڈالا۔ "بتاؤ اچھی لڑکی! تم نے مجھے کیا سمجھ کر حملہ کیا تھا؟"

"تم... تم... قابلِ نفرت ہو: وہ اس پر تھوک کر غرائی۔

"میں اس عزت افزائی کے لیے تمہارا شکر گزار ہوں۔" ٹائیگر کی نرمی برقرار رہی۔ "تاہم میں یہ پوچھے بغیر تمہیں نہیں چھوڑوں گا کہ مجھ پر حملہ کیوں کیا؟"

"تم قاتل ہو... تمہارے پاس ریوالور تھا... تم نے ان آدمیوں کو مار ڈالا... کیا تم مجھے بھی گولی نہیں مار سکتے؟" لڑکی بُری طرح چیخنے لگی۔

ٹائیگر اُلجھن میں پڑ گیا لیکن جلد ہی سمجھ گیا کہ چند قدم پیچھے اُس نے جو لاشیں دیکھی تھیں، وہ لڑکی کے عزیزوں کی لاشیں ہیں... اور وہ اُسے ان کا قاتل سمجھ رہی ہے۔

"ٹھہرو..." ٹائیگر نے لہجے میں مزید شہد گھولا۔ "میں تمہیں قاتل کا حلیہ بتاتا ہوں: یہ کہہ کر اُس نے اُسے فانگ کا حلیہ بتا دیا۔ "یہی شخص تھا نا؟"

اگرچہ اُس کے نرم لب و لہجے نے لڑکی کو پُرسکون کر دیا تھا لیکن ابھی تک اس کے چہرے پر شکوک و شبہات کی پرچھائیاں رقص کر رہی تھیں۔ ٹائیگر نے فانگ کا جو حلیہ بتایا تھا اُلبتہ اُس پر لڑکی نے اثبات میں سر ضرور ہلا دیا تھا۔

ٹائیگر نے اس کی کلائیاں چھوڑ دیں اور اس سے ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے بتایا کہ وہ کہاں سے آیا ہے اور اُس کی آمد کا مقصد کیا ہے۔ "میں بھی اسی درندے کی تلاش میں آیا ہوں جو خونِ آشام ہے۔" اس نے بالآخر مخلص لہجے میں کہا۔

"کیا تمہارے پاس ریوالور ہے؟" لڑکی نے پوچھا۔

"نہیں... مجھے اس کی کبھی ضرورت نہیں پڑی۔ تم ریوالور کو اتنی اہمیت کیوں دے رہی ہو؟" یہ کہہ کر اس نے اپنا سفید لبادہ اس انداز میں جسم کے ساتھ چپکا لیا کہ اگر اس کے پاس ریوالور ہوتا تو یقیناً اس کا اُبھار نظر آجاتا... لڑکی مطمئن ہوگئی۔ تب اس نے بتایا کہ ان اطراف کے لوگ اب بھی قدیم خیالات کے حامی ہیں اور وہ آتشیں اسلحے سے نفرت کرتے ہیں۔

"کیا یہ لاشیں تمہارے عزیزوں کی ہیں؟"

لڑکی کے چہرے پر ایک بار پھر غم کے سائے منڈلانے لگے اور اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"آؤ، انھیں دفن کردیں: ٹائیگر نے ملائمت سے کہا اور واپس چل دیا۔ لڑکی سسکیاں بھرتی ہوئی اس سے چند قدم پیچھے آنے لگی۔

ٹائیگر نے ہاتھوں کی مدد سے گڑھا کھودا اور لاشیں دفن کردیں۔ اس نے پلٹ کر دیکھا تو لڑکی کچھ دُور ریت پر گھٹنوں میں سر دیے بیٹھی ہے اور اس کا جسم سسکیوں کی وجہ سے بار بار جھٹکے کھا رہا ہے۔

لڑکی کے قریب پہنچ کر اس نے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا تو وہ

سرے، دُور تک کا نپ گئی... پھر اُس نے نگاہ اُٹھا کر ٹائیگر کی طرف دیکھا تو اس کی آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے۔ ٹائیگر نے اندازہ لگا لیا تھا کہ اپنے خاندان کے افراد کی موت سے قبل وہ ایک چھ، شرمیلی اور نہتی سی لڑکی تھی... پھر انتقام کے جذبے نے خوف پر غلبہ پالیا۔ وہ ایک معصوم لڑکی تھی اور شہزادہ جانتا تھا کہ وہ اپنے حسن اور اس کی اثر آفرینی سے بالکل بے نیاز ہے۔

ٹائیگر نے بلا واسطہ اس کی آنکھوں میں جھانک کر دیکھا تو اُسے آنسوؤں کی جھیل کی تہ میں آگ کی پٹیاں سی متحرک دکھائی دیں۔ وہ بڑے ہی شدید جذبے والی لڑکی معلوم ہوتی تھی۔ ٹائیگر حیران تھا کہ اس لڑکی کا کیا کرے؟ وہ اُسے تنہا بھی نہیں چھوڑنا چاہتا تھا اور ساتھ رکھنے میں بھی بے پناہ دُشواریاں تھیں۔

وہ جس مہم پر نکلا تھا، اس پر موت قدم قدم پر اُس کی گھات میں بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ اپنے ساتھ اس معصوم سی حسین لڑکی کو بھی ہلاکت میں نہیں ڈالنا چاہتا تھا۔ ابھی تک لڑکی سے اس کی کھل کر کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ فانگ نے اس کے خاندان کے افراد کے ساتھ ایسا ظالمانہ سلوک کیوں کیا ہے... اور نہ ہی یہ بات لڑکی نے خود اُسے بتائی۔

وہ دریا کے کنارے بیٹھ گیا۔ ایک طویل عرصے بعد اُس پر جھلاہٹ آمیز کیفیت طاری ہوئی تھی۔ لڑکی نے ایک بار پھر گھٹنوں میں مُنہ چھپا کر سسکیاں بھرنا اور رونا شروع کر دیا تھا۔ سسکیوں کے باعث اس کا ناتواں لیکن حسین جسم بڑے ہی بے رحم جھٹکے کھا رہا تھا۔ ٹائیگر اُٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے لڑکی کو سمجھانے کی بہت کوشش کی تھی لیکن اس کے آنسو تھے کہ تھمنے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے۔

ٹائیگر اُٹھا اور دریا کے کنارے کنارے چلنے لگا... پھر وہ رُک کر پلٹا اور بولا۔ "میں جا رہا ہوں میرے پاس وقت بہت کم ہے اگر تم چلنا چاہو تو چلو۔"

لڑکی نے کوئی جواب نہ دیا۔

وہ کندھے اُچکا کر آگے چل دیا... لیکن چند قدم چلنے کے بعد پھر رُک گیا۔ نہ جانے کون سا جذبہ تھا جو اُسے لڑکی کو یوں تنہا چھوڑ کر آگے جانے سے روک رہا تھا۔ وہ واپس آیا تو اس کے قدموں کی آہٹ سُن کر لڑکی نے ایک بار پھر نگاہ اُٹھا کر اُس کی طرف دیکھا... تب پہلی بار اس کے سوگوار ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ دکھائی دینے لگی۔ یہ مسکراہٹ بھی آنسوؤں سے بھیگی ہوئی تھی اور اس پر غم کا تاثر غالب تھا۔

ٹائیگر نے ہاتھ بڑھا کر اس کا بازو تھام لیا اور اُسے ساتھ لے کر آگے بڑھ گیا۔ لڑکی لڑکھڑا رہی تھی اس لیے ٹائیگر کو بھی سست رفتاری سے چلنا پڑ رہا تھا۔ رات گہری ہو گئی تو راستہ دکھائی دینے میں بھی دُشواری کا احساس ہونے لگا... پھر کچھ دُور چل کر وہ بار بار جھاڑیوں سے ٹھوکریں کھانے لگے تو ٹائیگر نے سوچا کہ اب انھیں باقی ماندہ رات یہیں آرام کرتے گزار دینی چاہیے۔

لڑکی کے لیے وہ رات بڑی ہی اذیت ناک تھی۔ وہ بار بار رونے لگتی تھی۔ سسکیاں تو گویا تانتا باندھے ہوئے تھیں۔ تھکن سے نڈھال ہونے کے باوجود وہ صبح تک تھوڑے تھوڑے وقفے سے اُونگھ جاتی تھی تو فوراً ہی چیخ کر اُٹھ جاتی تھی۔ اس کے لاشعور میں خوف اور دہشت کی حکمرانی تھی۔ صبح ہوتے ہی انھوں نے دوبارہ سفر شروع کر دیا۔ سہ پہر تک چلنے کے بعد لڑکی تھک کر بیٹھ گئی تو ٹائیگر بھی بیٹھ گیا۔

"میں نے دریا کے کنارے ایک ٹوٹا ہوا چپو دیکھا تھا۔ کیا تم لوگوں کے پاس کوئی کشتی تھی؟" ٹائیگر نے اُسے بولنے پر اکسانے کے لیے سوال کیا۔ اس جملے میں یہ مصلحت بھی پوشیدہ تھی کہ وہ فانگ کے سلسلے میں معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا۔

اپنے خاندان کے تذکرے پر ایک بار پھر لڑکی اداس ہو گئی۔ کچھ دیر بعد اس نے خود کو سنبھالتے ہوئے کہا۔ "میرا نام سونی ہے... سونی چانگ... میں اپنے خاندان کے ہمراہ ٹکلو تو جا رہی تھی۔ وہاں چڑے کے سامان کی منڈی ہے ہم اپنا سامان فروخت کرنے جا رہے تھے۔ میرا باپ، میرا جواں سال بھائی... اور میرا چھوٹا بھائی..." اس کی آواز رندھ گئی۔ "ہماری کشتی لہروں پر بہتی جا رہی تھی کہ دریا کے کنارے سے ایک چیختی ہوئی آواز سُنائی دی۔ ہم نے دیکھا کہ ایک غیر معمولی جسامت والا جوان کنارے پر کھڑا ہے وہ زخمی تھا۔ اس کا ایک بازو جھول رہا تھا اور اس کی پیشانی پر بھی زخم تھا جس کے خون کی سُرخی دُور ہی سے نظر آتی تھی۔ اس کی حالت اتنی شکستہ تھی کہ اُس کی فوری موت کا گمان ہوتا تھا۔

میرے والد نے اُسے زخمی دیکھا تو خدا ترسی نے اُسے کشتی کنارے کی طرف موڑنے پر مجبور کر دیا۔ کنارے پر جا کر میرے والد نے اُسے سہارا دیا جبکہ میں اپنے دونوں بھائیوں کے ساتھ کشتی میں بیٹھی رہی۔ ابھی میرا والد اس کے زخموں کا جائزہ ہی لے رہا تھا کہ وہ شخص یکایک دیوانہ ہو گیا۔ وہ میرے والد کی گرفت سے نکل کر ان کے اور ہمارے درمیان حائل ہو گیا اور اپنے زخموں کی طرف اشارہ کر کے چیخنے لگا۔ "میرا پیچھا کیا جا رہا ہے۔ ایک ریوالور بدست

آدمی میرے تعاقب میں ہے۔" میرے والد کو غصہ آ گیا۔ وہ سمجھ گئے تھے کہ اس شخص نے ہمیں دھوکا دیا ہے۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کرتے فانگ نے انھیں قتل کر دیا... پھر اس نے آ کر میرے بھائی کو قتل کیا، میرا چھوٹا بھائی بھی اس کی درندگی سے محفوظ نہ رہ سکا۔ اس کے ہاتھ پاؤں میں بجلیاں بھری ہوئی تھیں۔ میں نے اس سے پہلے کسی کو اس انداز میں ہاتھ پاؤں چلاتے نہیں دیکھا تھا... پھر اس کے دانتوں ہاتھ کی چار اُنگلیاں، انگوٹھوں میں نوکیل اور خنجروں جیسی تیز نیں۔ میں شاید بے ہوش ہو کر گر گئی تھی اس لیے وہ میری طرف متوجہ یں ہوا۔ جب مجھے ہوش آیا تو میں کنارے پر پڑی تھی اور میرے ندان کے تینوں افراد اس درندے کا شکار ہو چکے تھے۔ اس کے ں ریوالور بھی موجود تھا لیکن اُس نے اُسے استعمال نہیں کیا۔ اُسے کے استعمال کی ضرورت بھی نہیں تھی کیونکہ اس کے ہاتھ کلہاڑے کا م دینے کے قابل تھے۔"

ٹائیگر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ "لیکن تم نے مجھ پر قتل کا الزام ں لگایا تھا مجھے قتل کرنے کی کوشش کیوں کی تھی؟ جب کہ تم جانتی یں کہ تمھارے خاندان کا قاتل میں نہیں ہوں۔ فانگ نے تمھاری لوں کے سامنے ان لوگوں کو ہلاک کیا تھا۔"

"ہاں... لیکن اس کے باوجود میں تمھیں ذمے دار سمجھتی تھی۔ تم قتل کرنے کے لیے اس کا تعاقب نہ کرتے تو شاید وہ ہمارے اتھ ایسا سلوک نہ کرتا... لیکن تم ایک اچھے آدمی لگتے ہو۔ یقیناً انے تمھارے بارے میں غلط کہا ہے۔"

"اُس نے غلط نہیں کہا۔ میں اُسے قتل کرنے کے لیے ہی اُس چھیا کر رہا ہوں۔" ٹائیگر نے جواب دیا اور وقت گزاری کے لیے مختصراً اپنا بھائی اُسے سُنا دی... تاہم اُسے دل ہی دل میں افسوس ہو رہا تھا س نے یہاں پہنچنے میں دیر کر دی... لیکن وہ بھی کیا کرتا۔ ریڈ سرکل ہگامہ فروکر نا بھی اس کا فرض تھا۔

سونی خاموش کھڑی ان لوگوں کی طرف دیکھتی رہی جن کا جھگڑا بڑھتا ہی جا رہا تھا۔

ٹائیگر کا موڈ بے حد خراب ہو رہا تھا۔ اُس نے سونی کو چلنے کا اشارہ کیا۔ کسی ایسی بستی میں وہ اس لڑکی کو تنہا چھوڑ کر نہیں جا سکتا تھا، جہاں کے لوگ اس قدر مجرمانہ حرکتوں کے عادی ہوں... لیکن وہ چند قدم چل کر رُکنے پر مجبور ہو گیا۔ نہ جانے کیوں اُسے یوں محسوس ہوتا تھا کہ کسی نہ کسی طرح اس جھگڑے کا تعلق فانگ سے ضرور ہے۔ وہ بغور ان کی طرف دیکھنے اور اُن کی باتیں سُننے لگا۔

جھگڑا دو آدمیوں کے مابین تھا۔ اُن میں سے ایک بُوڑھا تھا اور دُوسرا ادھیڑ عمر... ادھیڑ عمر کا آدمی، بوڑھے پر اپنی سال بھر کی جمع پُونجی چُرانے کا الزام لگا رہا تھا جب کہ بوڑھا بار بار قسمیں کھا کر اور پھر اگلے ہی لمحے اُس نے دریا میں چھلانگ لگا دی۔ لڑکی نے جو ترکیب بتائی تھی، وہ واقعی کارآمد ثابت ہوئی۔ سونی کسی تیز رفتار مچھلی کی طرح تیر سکتی تھی۔ دونوں دریا کے بہاؤ پر تیرتے چلے گئے۔ لڑکی نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ ان کا سفر پیدل چلنے کی بہ نسبت کہیں زیادہ تیز اور آسان ہو گیا تھا۔

وہ شام تک تیرتے ہوئے آگے بڑھتے رہے... پھر آسمان پر اُودے بادلوں کی ایک فرحت بخش موج چھا گئی اور معمول سے کہیں پہلے تاریکی چھا گئی۔ لہریں ٹائیگر کے چہرے سے ٹکرا رہی تھیں اور وہ آسانی سے تیرتا چلا جا رہا تھا لیکن بادلوں کو دیکھ کر اُسے تشویش ہونے لگی۔

اچانک ہوا تیز ہو گئی، ہوا مخالف سمت سے آ رہی تھی اور تاریکی بڑھنے پر غالب آتی جا رہی تھی۔ مجبوراً انھیں دریا سے نکلنا پڑ گیا۔ وہ کنارے پر آ گئے اور قریب قریب لیٹے ہانپنے لگے۔

صبح ہوتے ہی وہ پھر چل دیے۔ ابھی انھیں چلتے ہوئے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ اچانک ہی شور سُنائی دیا۔

اُس نے آوازوں سے سمت کا اندازہ لگایا۔ دریائی بہاؤ کے مخالف رُخ سے آنے والی بہاؤں کے دوش پر ایسی آوازیں آ رہی تھیں جیسے کچھ دُور دریا کے کنارے پر بہت سے لوگ جمع ہو کر چیخ رہے ہوں۔

وہ ان آوازوں کی طرف چل دیے اور جب وہ ہجوم کے قریب پہنچے تو یُوں لگا جیسے وہ سب لوگ آپس میں لڑ جھگڑ رہے ہوں۔ ٹائیگر ان سے کچھ دُور رُک گیا۔ وہ بلاوجہ کسی کے جھگڑے میں نہیں پڑنا چاہتا تھا۔ البتہ اُس کی آنکھیں فانگ کو ضرور تلاش کر رہی تھیں۔ وہ ان لوگوں میں موجود نہیں تھا۔ ٹائیگر نے اس چھوٹی سی بستی کا جائزہ لیا۔ فانگ کہیں بھی نظر نہ آیا۔

سونی خاموش کھڑی ان لوگوں کی طرف دیکھتی رہی جن کا جھگڑا بڑھتا ہی جا رہا تھا۔

ٹائیگر کا موڈ بے حد خراب ہو رہا تھا۔ اُس نے سونی کو چلنے کا اشارہ کیا۔ کسی ایسی بستی میں وہ اس لڑکی کو تنہا چھوڑ کر نہیں جا سکتا تھا، جہاں کے لوگ اس قدر مجرمانہ حرکتوں کے عادی ہوں... لیکن وہ چند قدم چل کر رُکنے پر مجبور ہو گیا۔ نہ جانے کیوں اُسے یُوں محسوس ہوتا تھا کہ کسی نہ کسی طرح اس جھگڑے کا تعلق فانگ سے ضرور ہے۔ وہ بغور ان کی طرف دیکھنے اور اُن کی باتیں سُننے لگا۔

جھگڑا دو آدمیوں کے مابین تھا۔ اُن میں سے ایک بُوڑھا تھا اور دُوسرا ادھیڑ عمر... ادھیڑ عمر کا آدمی، بوڑھے پر اپنی سال بھر کی جمع پُونجی چُرانے کا الزام لگا رہا تھا جب کہ بوڑھا بار بار قسمیں کھا کر

اُسے یقین دلانے کی کوشش کر رہا تھا کہ وہ چور نہیں ہے۔

مسودہ رقم... اور مگرمچھ... یہ دونوں باتیں ٹائیگر کے ذہن میں اُلجھن پیدا کر گئیں۔ وہ ذرا اور قریب آکر اُن کی باتیں سُننے لگا۔ ادھیڑ عمر کا شخص بے حد غصّے میں تھا۔ اُس کے مُنہ سے جھاگ اُڑ رہے تھے۔ "تم چور ہو... تم نے ہی وہ رقم چرائی ہے... تمھارے علاوہ کوئی نہیں جانتا تھا کہ میں نے وہ رقم کہاں دفن کر رکھی ہے۔"

"سُنو جی! میری بات سُنو۔" بوڑھے نے اُسے پھر سمجھانا چاہا۔ "میں چور نہیں ہُوں۔ کیا تم وہ وقت بھُول گئے، جب تم ہنگ پر گئے تھے تو میں نے ہی تمھارے ہوبی، بچّوں کا خرچ برداشت کیا تھا۔"

"اوہ تو اب تم اس کا معاوضہ یوں وصول کر رہے ہو۔" چی غصّے سے بل کھا کر بولا۔

"میری بات سُنو۔" بوڑھے نے پھر استدعا کی۔ "تم رات جب مجھے ملے تھے تو تم نے اس رقم کا تذکرہ کیا تھا۔ اس وقت ساحل کی طرف سے ایک عظیم آدمی ادھر آرہا تھا۔ اس نے بھی یہ باتیں سُن لی تھیں۔ یقیناً تمھاری رقم اسی نے چُرائی ہوگی۔"

ٹائیگر نے اثبات میں سر ہلایا۔ اُسے یقین ہوگیا کہ فانگ ہی چور ہے۔ وہ جاتے جاتے یہاں رُکا ہوگا۔ اتفاق سے اس کے کان میں رقم کی بھنک پڑ گئی اور وہ جاتے جاتے اس رقم پر ہاتھ صاف کر گیا۔ اُسے منزلِ مقصود تک پہنچنے کے لیے ایک کشتی کی ضرورت تھی جو اس نے سونی کا خاندان نیست و نابود کر کے حاصل کر لی اور رقم کے لیے کسے یہاں موقع مل گیا۔ مارے غصّے کے ٹائیگر کی کنپٹیاں سُلگ اُٹھیں۔ یہ شخص کس قدر سفّاک ہے۔ اپنی ذرا سی ضرورت پوری کرنے کے لیے انسانی جانوں سے کھیلنے سے بھی باز نہیں رہتا۔

وہ چونک کر ہجوم کی طرف متوجّہ ہوگیا۔

ھیا کے کنارے لوگوں کا جو ہجوم تھا، اس میں دو گروہ بن گئے تھے۔ ایک گروہ چی نامی اُس شخص کے عقب میں تھا جبکہ دوسرا بوڑھے چور کا طرف دار تھا۔ بوڑھے کے ساتھی تعداد میں دوسروں سے نصف ہی نہیں تھے۔ فانگ اس پُرسکون بستی میں نفرت کی آگ لگا گیا تھا اور کسی بھی لمحے یہاں خون کی ندیاں بہنے والی تھیں... لیکن ٹائیگر ان لوگوں کو ایسا کرنے کی اجازت نہیں دے سکتا تھا۔ وہ آگے بڑھ کر بولا۔ "یہ بوڑھا ٹھیک ہی کہہ رہا ہے۔ چور یہ نہیں بلکہ وہی شخص ہے جس کا یہ ابھی ابھی ذکر کر رہا تھا۔"

"بہت خوب۔" چی نے ویدے گھما کر کہا۔ "تو یہ واردات اتنے منظم طریقے سے ہوئی ہے کہ گواہی کے لیے کرائے کے آدمی کا بھی بندوبست کیا گیا ہے۔" وہ آگے بڑھ کر ٹائیگر کے مقابل کھڑا ہوگیا۔ "سُنو... تم اپنا فرض پُورا کر چکے۔ اب یہاں سے چلتے پھرتے نظر آؤ۔"

ٹائیگر کے ہونٹوں پر مُسکراہٹ آگئی۔ اُسے اس کا گستاخ لہجہ پسند نہیں آیا تھا لیکن وہ محض اتنی سی بات پر کوئی سختی بھی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس نے ایک بار پھر چی کو سمجھانے کی کوشش کی۔ جس پر اس کا ایک حمایتی غصّے سے بھڑک اُٹھا۔ وہ قریب آیا اور گالی دے کر بولا۔ "تمھاتے ہوبا تھا راحلیہ گلا ڈبا ہوائے۔"

"تم لوگ ایک پُرسکون بستی کے رہنے والے ہو۔ ایک شیطان کی سازش کا شکار ہو کر اپنے آپ کو تباہی میں مت ڈالو۔" یہ کہتے ہوئے اس نے حمایتی کے دائیں ہاتھ کو بلند ہوتے دیکھ لیا۔

اس شخص نے پُوری قوت سے ٹائیگر کو تھپّڑ مارا۔ ٹائیگر اس سے بچ سکتا تھا لیکن وہ ساکت کھڑا رہا۔ اس نے چہرہ ہٹانے کی کوشش ہی نہیں کی تھی بلکہ جیسے ہی اس شخص کا ہاتھ اُٹھنے لگا تھا، اس نے چہرے کے عضلات سخت کرنے شروع کر دیئے تھے۔ اب اس کا چہرہ پتھر بن گیا تھا۔ جیسے ہی اس شخص کا ہاتھ ٹکرایا۔ اُس کے حلق سے ایک دلدوز چیخ نکل گئی۔ اس نے اپنا ہاتھ دوسرے ہاتھ سے تھام لیا لیکن اُس کی انگلیوں کی ہڈیاں بکھر چُکی تھیں۔ ہڈیاں ٹوٹ کر گوشت سے آگئی تھیں اور اس کا ہاتھ یوں پلپلا ہوگیا تھا جیسے اُسے کسی ہتھوڑ کی مدد سے کچل ڈالا گیا ہو۔

اس پر ایک اور آدمی مشتعل ہوگیا۔ اس نے ٹائیگر کو ٹھ ماری۔ اس کا انجام بھی پہلے آدمی سے مختلف نہ ہُوا۔ وہ اپنا پکڑ کر بیٹھ گیا اور یُوں چیخنے لگا جیسے ذبح ہونے سے قبل کوئی چیختا ہے۔

"مَیں تم لوگوں کو ایک بار پھر سمجھاتا ہوں۔" اس بار ٹا لہجہ قدرے سخت ہوگیا۔ "تم لوگ مجھ سے لڑ کر نہیں جیت مَیں کنگ فو کا ماسٹر ہُوں... اور مجھے زیب نہیں دیتا کہ مَیں عا سے بلاوجہ لڑنا پھروں۔ ان دو آدمیوں کا حشر تمھارے سامنے تم لوگ گواہ ہو کہ مَیں نے ان پر ہاتھ نہیں اُٹھایا... اور نہ ہی اُ کوئی نقصان پہنچانے کی کوشش کی ہے۔ اس کے باوجود اُ اپنے کیے کی سزا مل گئی ہے۔ ایک شخص اپنے قیمتی ہاتھ سے دوسرا اپنے قیمتی پاؤں سے محروم ہوگیا ہے۔ کیا تم لوگ ایک شے سازش کو کامیاب کرنے کے لیے اب بھی خون بہانے پر آمادہ ہجوم کو گویا سانپ سونگھ گیا۔

ٹائیگر نے دل ہی دل میں سکون کی سانس لی... لیکن کا یہ اطمینان بے کار ثابت ہُوا۔ چی نہ جانے کس مٹی کا بنا تھا اُس نے فوراً ہی چاقو نکال لیا۔ تم لوگوں نے دیکھا۔ وہ چیخ چ

ہنے لگا۔ "میری دولت اُڑانے کے لیے کس قدر معقول انتظام کیا گیا ہے۔ یہ بوڑھا اس کنگ فو ماسٹر کو خرید چکا ہے... لیکن میں کسی سے یں ڈرتا۔ میں اپنی رقم وصول کیے بغیر نہیں جاؤں گا۔"

"احمق آدمی۔" ٹائیگر کے حلق سے غراہٹ نکل گئی۔ "کیا ھارے پاس ذرا سی بھی عقل نہیں ہے۔ بہرحال، اس لڑکی کو دیکھو ی شخص نے جس نے تمھاری رقم چُرائی ہے، اس بے چاری کے پ اور دو بھائیوں کو قتل کر دیا ہے اور میں اس کا پیچھا کر رہا ہُوں۔"

"اوہ..." ہجوم میں سے چی کے حمایتی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ونی کو گھُورنے لگے... پھر اُن میں سے ایک ہنس پڑا۔ وہ واقعی ت عجیب آدمی لگتا ہے۔ اگر اس نے اس کے باپ اور دو بھائیوں تل کر دیا ہے تو اس لڑکی کو اُٹھا کر کیوں نہیں لے گیا؟"

ٹائیگر نے گھُور کر اُس شخص کو دیکھا... پھر آہستہ آہستہ اُس طرف بڑھا۔ وہ تن کر کھڑا ہوگیا۔ اس کے دائیں ہاتھ میں ایک ٹوٹا ہُوا تھا۔ ٹائیگر جیسے ہی اُس کے قریب پہنچا، اُس شخص نے ٹوے اس پر حملہ کر دیا۔ ٹائیگر کا دایاں ہاتھ کسی سانپ کی طرح اُس نے ایک ہی جھٹکے میں چاقو چھین لیا اور پھر وہ شخص اُس اُوپر سے اُڑتا ہُوا، دُور جا گرا۔ گرنے کے بعد وہ کراہا۔ اُس نے ے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔

اس پر چی کے باقی ماندہ ساتھی مشتعل ہوگئے۔ انھوں نے ر حملہ کر دیا۔ ٹائیگر کو افسوس ہونے لگا لیکن اب جنگ ناگزیر ہو ئی۔ اس کے باوجود وہ کوشش کرنے لگا کہ کسی کو کوئی مہلک ت نہ لگنے پائے۔

"سونی..." وہ چیخ کر بولا۔ "تم یہاں سے دُور ہٹ جاؤ۔"

جیسے ہی ٹائیگر پر حملہ ہُوا، وہ بوڑھا جس پر چوری کا الزام عاید ا رہا تھا، اور اس کے ساتھی بھی چی اور اس کے ساتھیوں پر پل ے چی کے ساتھی غالباً شر پسند تھے۔ ان میں سے ہر ایک چاقو سلح تھا۔

ٹائیگر جس صورتِ حال سے بچنا چاہتا تھا، وہ خود بخود ہی و گئی تھی۔ اس نے ان لوگوں کو سمجھانے کی بہت کوشش کی یر تک صرف مدافعت ہی کرتا رہا... لیکن حملہ آوروں کے حوصلے ہی جا رہے تھے۔ اپنے ساتھ ٹائیگر غیر مسلح لوگوں کو چاقوؤں سے بھی بچاتا جا رہا تھا۔ اب تک کئی آدمیوں سے چاقو چھین پھینک چُکا تھا لیکن پھر بھی بُوڑھے کے چند آدمی شدید زخمی تھے۔ ایک کا تو پیٹ ہی چاک ہوگیا تھا۔ اس کی آنتیں نکل میں۔ وہ بے چارہ چیختا ہُوا، دونوں ہاتھوں سے اپنی آنتیں سنبھالنے میں لگا ہُوا تھا کہ چی کے ایک ساتھی نے اس کی پُشت میں چاقو گھونپ دیا۔

چاقو گھونپنے کے بعد اس شخص نے ایک فاتحانہ نعرہ لگایا جو اُس کی دَم توڑتی ہُوئی چیخ میں ڈھل گیا کیوں کہ ٹائیگر کی ہتھیلی نے اُس کی کھوپڑی کسی کچے ناریل کی طرح توڑ ڈالی تھی۔ معاً اُسے اپنے بائیں بازو کے عقبی حصّے میں شدید جلن محسوس ہُوئی۔ کسی نے عقب سے اس پر بھی وار کر دیا تھا۔ اُس نے اُسی بازو کی کہنی اُچھال دی۔ کہنی کی زد میں حملہ آور کا دہانہ آگیا۔ وہ چیخ کر پلٹا اور خون تھوکنے لگا... اس خون میں اُس کے کئی ٹوٹے ہُوئے دانت بھی شامل تھے۔

جس بازو پر چاقو کا زخم آیا تھا، ٹائیگر نے اس کے عضلات کو سخت کرنا شروع کر دیا۔ اُسی لمحے اُس کی نگاہ چی پر پڑی جو لوگوں کو اِدھر اُدھر دھکیلتا ہُوا بُوڑھے کی طرف بڑھ رہا تھا۔

بُوڑھے کی زندگی کو خطرے میں دیکھ کر وہ وہیں سے دونوں پیروں پر اُچھلا اور فضا میں تیرتا ہُوا، بُوڑھے اور چی کے درمیان جا گرا۔ اُس نے چی کا وار روکا اور اُس سے چاقو چھین کر دونوں ہاتھوں سے اُسے فضا میں بلند کر دیا۔

چی خوف زدہ ہوگیا۔ اُس کے ذہن سے پل بھر میں بدمعاشی کا بھُوت اُتر گیا تھا۔ وہ چیخ پڑا۔ "مجھے مت مارو... میں اب اس بُوڑھے کو کچھ نہیں کہوں گا۔"

ٹائیگر نے اُسے زمین پر اُتار دیا اور اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہُوئے بولا۔ "تم ایک سمجھ دار آدمی ہو... لیکن تمھارے ذہن پر طاقت کا نشہ سوار ہوگیا تھا۔ اگر تمھیں اب بھی میری بات پر یقین نہیں آتا تو جا کر دیکھ لو۔ تمھیں دریا کے کنارے تین قبریں دکھائی دیں گی۔ میں نے اُن بے چاروں کو بے کفن ہی وہاں دفن کر دیا تھا۔"

"رُک جاؤ... سب رُک جاؤ..." اچانک ایک آواز گونج اُٹھی۔ اس آواز میں نہ جانے کون سا جادُو تھا کہ ہر شخص جہاں تھا، وہیں منجمد ہوگیا۔ ٹائیگر نے چونک کر آواز کی جانب دیکھا تو اُسے ایک درویش صورت شخص نظر آیا۔ وہ تیزی سے ہجوم کی طرف دوڑتا آرہا تھا اور انھیں رُکنے کا حکم بھی دیتا جا رہا تھا۔ قریب آکر اُس نے سب کو لعنت ملامت کرنے کے بعد، لڑنے سے باز رکھتے ہُوئے کہا۔ "خدا کی زمین، غلہ جیدا کرنے کے لیے ہے۔ اس میں اپنا خون نہیں پسینہ شامل کرو۔"

ہجوم ساکت ہوگیا۔ اب صرف ان لوگوں کے کراہنے کی آ سُنائی دے رہی تھیں جو ٹائیگر کے ہاتھوں زخمی ہُوئے تھے۔ راہب نے چونک کر اُن لوگوں کو دیکھا... پھر جُھک کر اُن کے زخموں اور چوٹوں کا معائنہ کرنے کے بعد ایک طویل سانس لے کر اُٹھ کھڑا ہُوا۔

"تم لوگوں میں سے ننگ کو فائیٹر کون ہے؟" اُس نے ہجوم پر نگاہ ڈالی... اور پھر اُس کی نظریں خود بخود ہی ٹائیگر پر آکر رُک گئیں۔ "غالباً تم ہو؟"

ٹائیگر نے اثبات میں سر ہلا دیا اور زبان سے کچھ بھی نہ کہا۔

راہب اُسے گھورتا رہا۔ اُس کی آنکھوں میں غصّے یا نفرت کی جھلک نہیں تھی بلکہ وہ انہماک سے ٹائیگر کو کچھ یوں دیکھ رہا تھا جیسے اُسے پہچاننے کی کوشش کر رہا ہو۔ یہ درمیانی صورت شخص دُبلا پتلا تھا اور اس کے ہونٹوں پر خفیف سی نیلاہٹ تھی۔ اُس کی آنکھوں میں بے پناہ چمک تھی اور اُس کا چہرہ برسوں کی عبادت سے نُورانی لگ رہا تھا۔

"کیا تم سناجو کے شاگرد ہو؟" راہب نے سرگوشی کے انداز میں دریافت کیا۔

ٹائیگر نے اثبات میں سر تو ہلا دیا لیکن اُس پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے تھے۔ وہ راہب سے پُوچھنا چاہتا تھا کہ اُسے یہ بات کیسے معلوم ہُوئی ... لیکن پھر وہ خاموش رہا۔ حالانکہ تجسّس نے اُس کے دل و دماغ میں ہلچل سی مچا دی تھی۔ وہ توجہ سے راہب کی طرف دیکھنے لگا۔ نہ جانے کیوں اُسے یُوں محسوس ہونے لگا جیسے یہ شخص اُس کے دل و دماغ میں جھانکنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

"تم حیران ہو گے کہ میں نے تمہیں کیسے پہچان لیا ہے۔" راہب نے مُسکراتے ہُوئے کہا۔ ہجوم کو تو جیسے سکتہ ہو گیا تھا... اور اب تو اُن لوگوں نے بھی کراہنا بند کر دیا تھا جنھیں شدید چوٹیں لگی تھیں۔ غالباً یہ اُس راہب کی شخصیت کا اثر تھا... یا پھر ممکن ہے' سناجو کا نام' اُن کے لیے کوئی خاص اہمیت رکھتا ہو۔ ٹائیگر کا سر فخر سے بلند ہو گیا۔ اُس نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا کہ اُوشان ایسے دُور دراز کے گمنام علاقوں میں بھی مشہور ہو سکتا ہے۔

"میرا خیال ہے' میری حیرت حق بجانب ہے۔" ٹائیگر نے بڑے اُدب سے کہا۔ "کیا آپ' سناجو سے واقف ہیں؟"

راہب نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ "صرف میں ہی نہیں' اِس بستی کے سارے لوگ اُسے جانتے ہیں اور اُس کی قدر کرتے ہیں... وہ انسان کے رُوپ میں فرشتہ ہے۔ وہ' درندوں کا دُشمن اور انسانیت کا سب سے بڑا دوست ہے۔"

راہب کی ان باتوں کے بعد جب ٹائیگر نے دائیں بائیں دیکھا تو ہر شخص کی آنکھوں میں اُس کے لیے احترام کی جھلک موجود تھی... وہ ورطۂ حیرت میں' ایک ایک کی صُورت دیکھتا رہا... پھر متجسّس نگاہوں سے راہب کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"یہ آج سے بیس سال پہلے کی بات ہے۔" راہب نے آنکھیں بند کر کے ذہن پر زور ڈالتے ہُوئے کہا۔ "سناجو' ایک اجنبی کی حیثیت سے یہاں آیا تھا۔ اُس نے بستی کے لوگوں کو بتایا کہ جلد ہی اس بستی پر قزاق حملہ آور ہونے والے ہیں۔ ہر کسی نے اس کا مذاق اُڑایا... لیکن وہ' ان لوگوں کی باتوں سے بددل نہیں ہُوا۔ سمجھاتا رہا۔ حتیٰ کہ ایک روز اُس کی بات سچ ثابت ہو گئی۔ صدیوں سے یہ بستی پُرسکون تھی اور کسی حملہ آور نے اِدھر کا رُخ نہیں کیا تھا۔ اس لیے لوگ کبھی سناجو کی باتوں کا مضحکہ اُڑانے میں حق بجانب تھے۔ قزاق تعداد میں بے شمار تھے... اور یہ بے غیر مسلح اور کمزور لوگ' اُن کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے' تب سناجو اپنی تاریخی شمشیر لے کر اُن کے درمیان کُود پڑا۔ خُون کی ندیاں بہہ گئیں۔ قزاقوں کی لاشوں کے انبار لگ گئے... آدھی رات تک جنگ ہوتی رہی... پھر پیچھے کھچے قزاق فرار ہونے پر مجبور ہو گئے۔ اس کے بعد سے آج تک کسی قزاق کو اس طرف دیکھنے کا حوصلہ نہیں ہُوا۔"

"مجھے افسوس ہے کہ ایک ایسی بستی کے لوگ' میرے ہاتھوں ہُوئے جنھیں' بچانے کے لیے اُوشان نے اپنی جان کی بازی لگا دی تھی۔" سناجو' آج کل کہاں ہے؟" راہب نے دریافت کیا۔

ٹائیگر نے اُسے اُوشان کی کہانی سُنا دی... پھر مجھکی کی طرف دیکھ کر بولا۔ "میں نے تم لوگوں سے جھوٹ نہیں کہا تھا۔ فانگ ہی ہے۔ اُسی نے بچی کی دولت چُرائی ہے۔ وہی اس معصوم لڑکی کے باپ اور دو بھائیوں کا قاتل ہے... اور سب سے بڑھ کر یہ کہ... تمہارے محسن سناجو کا بھی قاتل ہے اور میں اُس کے تعاقب میں آیا ہُوں۔"

بستی کے لوگوں نے ندامت سے سر جھکا لیے۔ اُوشان کی کائن کُو راہب کو سب سے زیادہ دُکھ ہُوا تھا۔ وہ دیر تک آنکھیں بند کیے کھڑا رہا۔ اُس کے نیلگوں ہونٹ' اس دوران میں مسلسل حرکت کر رہے تھے... کافی دیر بعد' اُس نے آنکھیں کھولیں اور ٹائیگر کی طرف دیکھ کر بولا۔ "تمہیں اب مزید یہاں نہیں رُکنا چاہیے۔ جاؤ' سیدھے چلے جاؤ۔ تھوڑی دُور' دریا کے کنارے ایک خانقاہ ہے' وہاں ایک کشتی ہُوئی ہے۔ اُسے لے جاؤ۔"

"کیا آپ' اُسے تلاش کرنے کے سلسلے میں میری رہنمائی نہیں کریں گے؟" ٹائیگر کا لہجہ استعجاب آمیز تھا۔

"اگر وہ اس طرف آیا ہے تو اُس نے پیکنگ کو اپنی منزل ہو گا۔ تمہیں اس سے پہلے ہی اُسے جا لینا چاہیے۔ اگر تم ایسا نہ کر سکے تو ساؤتھ ٹائی چی کے گھر چلے جانا۔ وہ ایک افیونی ہے۔ اُس کے بھائی کو درباریوں نے قتل کیا تھا۔ ساؤ کی عُمر اس وقت ستر سال کے لگ

ہے۔ وہ بھی سناجو کو جانتا ہے بلکہ اُس کی دیوتاؤں کی طرح پرستش کرتا ہے۔ سُنا ہے کہ کچھ عرصے سے وہ بڑے ہی عجیب و غریب خواب دیکھنے لگا ہے۔ اُس کی باتیں خود سے سُننا کیونکہ اُس کے الفاظ' خود اُس کے اپنے نہیں ہوں گے... جاؤ' جلدی چلے جاؤ۔"

"ٹھیک ہے' میں جا رہا ہُوں لیکن جانے سے پہلے میں' سونی کے سلسلے میں..."

"میں' تمہارے ساتھ جاؤں گی۔" وہ' ٹائیگر کا جُملہ مکمل ہونے سے پہلے ہی بول اُٹھی۔ "تم اجنبی ہو۔ ان علاقوں سے واقف نہیں ہو۔ میں تمہاری رہنمائی کروں گی... پھر میں خود بھی فانگ کو اپنی آنکھوں کے سامنے مرتے دیکھنا چاہتی ہُوں۔"

"یہ لڑکی' تمہارے لیے بہترین رہنما ثابت ہو سکتی ہے، اسے ساتھ لے جاؤ۔" راہب نے نرمی سے کہا اور ایک طرف چل دیا۔

"ٹھہریے..." ٹائیگر نے اُسے عقب سے پُکارا۔ "میں' آپ سے ایک سوال اور کرنا چاہتا ہُوں۔"

راہب رُک گیا اور پلٹ کر دیکھنے لگا۔ "وہ کون سا سوال ہے؟"

ٹائیگر کو اپنی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ محسوس ہونے لگی۔ راہب زیادہ دُور نہیں گیا تھا لیکن اُس کی آواز کہیں بہت دُور سے آتی ہُوئی محسوس ہو رہی تھی۔

"آپ نے ان زخموں کو دیکھ کر کیسے پہچان لیا کہ سناجو کا فن ہی اس کا ذمّے دار ہو سکتا ہے؟" ٹائیگر نے سوال کیا۔

راہب کے ہونٹوں پر بڑی ہی پُراسرار مُسکراہٹ پھیل گئی۔ اِس بار وہ بولا تو اُس کی آواز مزید دُور سے آتی محسوس ہُوئی۔ "میرا دل کہہ رہا تھا کہ سناجو کہیں آس پاس ہی موجود ہے... اور میرا دل کبھی جھوٹ نہیں بولتا۔" یہ کہہ کر وہ آگے بڑھ گیا اور جلد ہی قریبی جھاڑیوں کی اوٹ میں جا کر نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔

***

ٹائیگر دریا کے کنارے کنارے' اس طرف بڑھنے لگا جہاں راہب نے اپنی بادبانی کشتی کی نشان دہی کی تھی۔ خاموش ہجوم اُس کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔ اُس نے خانقاہ کے قریب' دریا کے کنارے ایک بادبانی کشتی دیکھی جسے مقامی لوگ سَمپن کہتے تھے۔

یہ ایک شان دار کشتی تھی جس کے دُبالے پر ایک کھوپڑی بنی ہُوئی تھی۔ سونی' اس سے آگے چلتی ہُوئی' کشتی میں سوار ہو گئی۔ اُس نے بادبانوں کو کھول کر اُن کا رُخ' ہَوا کے مطابق ترتیب دیا پھر لمبے سے چپّو کو تھام کر ٹائیگر کی طرف دیکھنے لگی۔

ٹائیگر' لکڑی کے اس تختے کے ذریعے کشتی میں پہنچ گیا جو کنارے سے کشتی تک' ایک مختصر سے پُل کا کام دے رہا تھا۔

ہجوم اب بھی خاموش تھا۔ ٹائیگر نے کشتی میں سوار ہونے کے بعد ان لوگوں کی طرف دیکھا وہ لوگ بھی ہجوم میں شامل تھے، جنھیں کافی چوٹیں آئی تھیں۔ ٹائیگر کی نگاہ جس پر رُک گئی۔ اُس کے چہرے پر ندامت کے تاثرات تھے۔ وہ بار بار اپنی زبان ہونٹوں پر پھیر رہا تھا... گویا ٹائیگر سے معذرت کے لیے اُسے الفاظ نہ مل رہے ہوں۔ ٹائیگر کے پاس ایسی باتوں کے لیے وقت نہیں تھا پھر بھی جیسے ہی چچّی سے اُس کی نگاہیں چار ہُوئیں، اُس نے بلند آواز میں کہا۔

"مجھے فانگ مل گیا تو اُسے قتل کرنے سے قبل تمہاری رقم کا تقاضا ضرور کروں گا۔ اگر اُس نے وہ رقم خرچ نہ کر ڈالی تو اُس سے وصول کر کے تمہیں بھجوا دُوں گا۔ اس کے علاوہ میری ایک بات ہمیشہ یاد رکھنا۔ اپنے ہمسایوں کی اکثریت سے مغرور ہو کر کمزوروں پر چڑھائی کرنا ایک ایسا فعل ہے جسے دُنیا کا خالق شدید ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ بے حمایت کرنے والے عموماً تباہی کے ہرکارے ہوتے ہیں۔"

سونی نے رسّی کو جھٹکا دے کر بادبان کھول ڈالا تھا اور اب کنارے پر کھڑے لوگوں کو اشارہ کر رہی تھی کہ وہ رسّی کاٹ دی جائے جس سے سَمپن بندھی ہُوئی تھی۔ کنارے پر ایک خنجر چمکا اور رسّی کٹ گئی۔ ٹائیگر دیر تک ہاتھ ہلاتا رہا... پھر دریا کے کنارے کھڑے لوگ ننھے ننھے کھلونے نظر آنے لگے تو اُس نے ایک طویل سانس لے کر سونی کی جانب دیکھا۔ دریائے ہوانگ ہُو کا پانی زرد رنگ کے گاڑھے سیّال جیسا تھا۔

"راہب نے کہا تھا کہ ہمیں کائی فینگ نامی مقام پر فانگ سے پہلے پہنچ جانا چاہیے۔" اُس نے راہب کی باتیں ذہن میں تازہ کرتے ہُوئے کہا۔ "یہ جگہ کہاں ہے؟"

"یہ ایک ایسا مقام ہے' جہاں دریا سیدھا بہنے کی بجائے اپنا رُخ بدل لیتا ہے۔ راہب کا کہنا درست ہی ہے۔ اگر وہ وہاں ہم سے قبل پہنچ گیا تو پیکنگ میں جا کر غائب ہو جائے گا اور ہم برسوں اُس کی صُورت نہیں دیکھ سکیں گے۔" سونی نے جواب دیا۔

"جہاں دریا اپنا رُخ بدلتا ہے، وہ جگہ یہاں سے کتنے دنوں کی مسافت پر ہے؟"

"اگر ہم دن رات سفر کرتے ہیں تو پانچویں روز شام کو وہاں پہنچیں گے۔" سونی نے جواب دیا۔ "کیا تم بادبانی کشتی چلانا جانتے ہو؟"

"زیادہ مہارت تو نہیں ہے لیکن فکر نہ کرو، میں بہت اچھا

شاگرد ہوں۔ فوراً سیکھ لوں گا۔" ٹائیگر نے مسکرا کر سونی کی آنکھوں میں دیکھا۔ "فانگ تمہاری کشتی چھین کر لے گیا تھا۔ وہ اب بھی اُسی کشتی میں سفر کر رہا ہوگا۔ اس اعتبار سے کیا خیال ہے، ہم کب تک اُسے جا لیں گے؟"

"یہ ایک تیز رفتار کشتی ہے جب کہ ہماری کشتی ہلکی تھی۔ اگر اُس نے کشتی میں لدا سامان دریا برد کر دیا اور یوں کشتی ہلکی کر لی تو بھی ہمیں اس پر ایک دن کی سبقت حاصل رہے گی... لیکن اگر وہ کل رات کے طوفان میں بھی سفر کرتا رہا ہے تو یہ ایک روزہ سبقت اُسے حاصل ہوگی۔"

ٹائیگر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اُسے خوشی تھی کہ ایک ایسی لڑکی اُسے مل گئی تھی جو نہ صرف اس سارے علاقے سے واقف تھی بلکہ سو میں سے نو جو میں بھی وہ عام مردوں سے کہیں زیادہ تھی۔

اُن کا سفر تیز رفتاری سے جاری رہا۔

جب ہوا موافق ہوگئی اور بادبانوں پر مزید توجہ دینے کی ضرورت نہ رہی تو سونی نے رسّی انکر سے باندھ دی اور خود ایک طرف بیٹھ کر ٹائیگر کی طرف دیکھنے لگی۔ اب اُس کے چہرے یا اُس کی آنکھوں سے نفرت اور غصّے کا اظہار نہیں ہوتا تھا اور نہ ہی وہ سوگوار نظر آتی تھی۔ اُس نے خود کو بہت جلد سنبھال لیا تھا۔ شاید اُس کی وجہ یہ تھی کہ وہ ٹائیگر کو پسند کرنے لگی تھی۔ ٹائیگر نہ جانے کن سوچوں میں ڈوبا ہوا تھا کہ اُس کی آواز سُن کر چونک پڑا۔

"تم ایک گریٹ فائٹر ہو۔ وہ نیم وحشی لوگوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ "لیکن میں نے محسوس کیا ہے کہ تمھیں جنگ سے نفرت ہے۔ اگر ایسا ہی ہے تو تم نے اس فن کی تربیت کیوں حاصل کی؟"

"تمھیں کیسے معلوم ہوا کہ مجھے جنگ سے نفرت ہے؟" ٹائیگر نے پوچھا۔ "جنگ میرا پیشہ ہے۔"

"اگر یہ نفرت نہ ہوتی تو تم کبھی ان ساحلی لوگوں کے معاملے میں ٹانگ نہ اڑاتے۔ میں نے دیکھا تھا کہ تمھیں خاصی تلخیک بھی برداشت کرنی پڑی تھی۔"

ٹائیگر دل ہی دل میں اس کی سوجھ بوجھ کا قائل ہو چکا تھا۔

"اس نفرت کی وجہ غالباً یہ ہے کہ میں پیشے کی یکسانیت سے اُکتا گیا ہوں۔"

"نہیں... یہ بات نہیں ہے۔" سونی کا لہجہ تفکر آمیز تھا۔ "تم بُنیادی طور پر ایک حقیقت پسند اور رحم دل نوجوان ہو۔ بُرائی کے خلاف نفرت اس فن کو سیکھنے کی بُنیادی وجہ رہی ہوگی۔"

"جب تم جانتی ہو تو یہ بات مجھ سے پوچھنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"دیکھنا چاہتی تھی کہ تم کیا جواب دیتے ہو۔" وہ مسکرا کر بولی... مسکراتے وقت اُس کے موتیوں جیسے خوش نما دانتوں کی قطاریں بڑی ہی سحر انگیز محسوس ہوتی تھیں۔ "اس کے علاوہ میں نے ایک اور خاص بات بھی محسوس کی ہے۔"

"وہ بھی بتا دو۔" ٹائیگر نے نرمی سے مسکرا کر کہا۔

"تمھاری رُوح اپنے اُستاد کی موت پر اتنی زیادہ زخمی نظر نہیں آتی جتنی کہ میں اپنے باپ اور بھائیوں کی موت پر محسوس کر رہی ہوں۔"

"اس کی سب سے بڑی وجہ یہی ممکن ہے کہ میرے تاثرات کُھل کر تمھارے سامنے نہیں آئے اور مجھ میں ضبط کا مادہ نسبتہً زیادہ ہے۔" ٹائیگر نے کہا۔

وہ دِن رات سفر کرتے رہے۔ اس دوران کوئی بھی ایسی ناخوش گوار بات نہیں ہوئی۔ دریا کا پانی تیز لیکن ہموار سے بہتا رہا اور اس کی لہریں طوفان آشنا نہیں ہوئیں۔ کشتی میں غذائی ضرورت کا سامان پہلے سے موجود تھا اور ٹائیگر کو اس پر حیرت بھی ہوئی تھی... لیکن اب اس نے بیشتر باتوں پر حیرت کا اظہار کرنا چھوڑ دیا تھا سونی ایک اچھی لڑکی تھی۔ عام عورتوں کی طرح باتونی ضرور تھی لیکن اس کی باتوں میں سوجھ کی گہرائی اور وزن تھا۔ ٹائیگر اس کی باتوں کو ایک کان سے سُن کر دوسرے کان سے اُڑانے میں کامیاب نہیں ہوا تھا۔

ان کی بادبانی کشتی سمہن میں ایک طرف چھوٹا سا کیبن بنا ہوا تھا جس میں وہ باری باری آرام کرتے رہے تھے۔ دِن کے وقت وہ خوب آرام کی نیند لیتے تھے جب کہ شام ڈھلنے کے بعد کھانا کھا کر ٹائیگر، سونی کے قریب ہی بیٹھ جاتا تھا اور وہ رات بھر جاگتے رہتے تھے۔ ٹائیگر کو کسی جواں سال لڑکی کے ساتھ اتنے عرصے تک تنہا رہنے کا پہلے کبھی موقع نہیں ملا تھا... اس لیے وہ سونی کی مخلص اور پاکیزہ رفاقت سے جی بھر کر لُطف اندوز ہو رہا تھا

ایک روز سرِ شام ہی فضا میں سُنہری دُھند پھیلنی شروع ہوگئی۔ اس دُھند نے سونی کے ماتھے پر فکر و تردّد کی لکیریں نمودار کر دیں۔ اس کی اب تک کی پُوری زندگی اس دریا میں سفر کرتے گزری تھی اور اس انداز میں گاڑھی دُھند دیکھنے کا اُسے کبھی اتفاق نہیں ہوا تھا۔ ٹائیگر نے اُسے فکر مند دیکھ کر وجہ پوچھی تو اُس نے ہنس کر ٹال دیا... رات خیریت سے گزر گئی۔ صبح طلوعِ آفتاب کے ساتھ ہی وہ سُنہری دُھند غائب ہو چکی تھی۔ یہ دیکھ کر سونی نے اطمینان کی ایک گہری سانس لی اور بڑبڑائی۔

"مَیں تو سمجھی تھی کہ رات زبردست طوفان آئے گا۔"

"طوفان..." ٹائیگر نے ہنس کر کہا۔ "طوفانوں میں زندگی کا لُطف دوبالا ہو جاتا ہے۔"

اچانک دُنبالے کی طرف سے ہلکی سی چرچراہٹ سُنائی دی۔ ٹائیگر کے جسم کا ریشہ ریشہ تن گیا۔ اس کے چہرے کے تاثرات پر سونی کھل کھلا کر ہنس پڑی۔ "کچھ نہیں ہے۔ اس نے کہا۔ "بادبان پر نمی کا دباؤ ذرا سا بڑھ گیا ہے۔"

ٹائیگر کے عضلات پُرسکون ہو گئے۔

اگرچہ یہ ایک معمولی سی بات تھی لیکن ٹائیگر کے لیے سوچ کی ایک نئی راہ کُھل گئی تھی۔ "سونی..." اس نے گہری متانت سے کہا۔ "میرے ساتھ فانگ کا تعاقب کرنا تمھارے لیے بے پناہ خطرناک بھی ثابت ہو سکتا ہے۔"

سونی نے گہری نگاہ سے اُس کی طرف دیکھا۔ دونوں کی آنکھیں ایک دوسرے کی آنکھوں میں گڑ کر رہ گئی تھیں... پھر سونی نے ٹھوس لہجے میں جواب دیا۔ "وہ میرے دو بھائیوں اور باپ کا قاتل ہے۔"

"اگر اُسے موقع مل گیا تو وہ تمھیں بھی ہلاک کر دے گا۔ اس نے جو قتل و غارت گری کی ہے، تم اس کی واحد چشم دید گواہ ہو۔ اگر اُسے یہ معلوم ہو گیا کہ تم زندہ ہو تو وہ دوسری بار تمھیں زندہ چھوڑنے کی غلطی نہیں کرے گا۔ فائیٹر کی حیثیت سے میں اس کے مقابلے کا آدمی ہوں۔ جب کہ تم نہیں ہو..."

سونی نے کچھ کہنا چاہا لیکن نہ کہہ سکی۔ اس کے ہونٹ کانپ کر رہ گئے۔

"مَیں جانتا ہوں کہ تم کیا کہنا چاہتی ہو۔ اپنے خاندان کی تباہی کے بعد اب اس دُنیا میں تمھارا کوئی نہیں ہے... اور تمھارا تعلق جس علاقے سے ہے، وہاں تم موسمِ بہار شروع ہونے سے پہلے واپس نہیں جا سکتیں۔ اتنے عرصے میں نہ جانے کیا کچھ ہو جائے۔ مَیں تمھارے لیے بے حد فکر مند ہوں۔"

"حوصلہ شکنی کی باتیں نہ کرو۔ ہم دونوں ایک ہی کشتی کے سوار ہیں۔" سونی نے اداس ہو کر کہا۔ "ہم دونوں کا ایک ہی مقصدِ حیات ہے... فانگ کا قتل..."

"میں صرف ایک امکانی صورت کا جائزہ لے رہا ہوں۔ فرض کرو کہ وہ ہمارے پہنچنے سے قبل پیکنگ کے لیے روانہ ہو جاتا ہے تو کیا ہوگا؟ تم کب تک میرے ساتھ ماری ماری پھرو گی... میں ایک ایسی تنظیم سے وابستہ ہوں جو جلد ہی مجھے ڈھونڈ نکالے گی، تب شاید مجھے دیگر فرائض کی بجا آوری کے لیے فانگ کو وقتی طور پر نظر انداز کرنا پڑے... ایسے میں تمھارا کیا ہوگا؟ وہ یقیناً تم تک پہنچ جائے گا اور پھر..."

"آج صبح تم نے اپنی خصوصی مشق نہیں کی تھی۔" سونی نے مسکرا کر کہا۔ "شاید اسی لیے تمھارا ذہن اور دل وسوسوں کی آماجگاہ بنا ہوا ہے... میں کوئی تمھارے ساتھ بندھ تو نہیں گئی ہوں۔ تم جب چاہو اور جہاں چاہو، مجھے چھوڑ کر جا سکتے ہو۔"

ٹائیگر کو اس بات کا دُکھ ہوا تو وہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ کیا واقعی وہ اس لڑکی کو چاہنے لگا ہے... یا پھر محض جذبۂ ہمدردی کی انتہا ہے؟ اچانک اُسے ماسٹر ٹاؤ کا خیال آگیا اور وہ مسکرانے لگا۔ اس نے ریڈ سرکل کا ہیڈ کوارٹر تباہ کر کے یو آن کو زندہ بچا لیا تھا اور پھر اُسے رات کے اندھیرے میں لیانگ کے ہاں چھوڑ کر چپکے سے اپنی مہم پر روانہ ہو گیا تھا اور سوچ رہا تھا کہ ماسٹر ٹاؤ کے، اس کے بارے میں نہ جانے کیا تاثرات ہوں گے۔

"ہاں!" اس بے سوچ کی گہرائی سے اُبھرتے ہوئے کہا... "تمھارے لیے ایک بہترین جائے پناہ ہے وہاں تمھیں باپ کی شفقت ملے گی اور بھائیوں کا پیار بھی مل سکے گا۔"

سونی، کچھ سمجھنے کے سے انداز میں اُس کی طرف دیکھتی رہی۔

"تم واپس چلی آنا شنگھائی میں ماسٹر ٹاؤ کے نام میں تمھیں ایک خط دے دوں گا اگر تم پسند کرو تو باقی ماندہ زندگی بھی وہاں اطمینان سے گزار سکتی ہو۔"

سونی نے سوگوار سے انداز میں سر اثبات میں ہلا دیا جیسے اس کی بات سے متفق ہو گئی ہو لیکن طوہاً و کرہاً...

اُن کی بادبانی کشتی اب میدانی علاقے میں پہنچ گئی تھی یہاں دریا کا بہاؤ بھی کم رو پڑ گیا تھا۔ دائیں بائیں گندم کے کھیت دُور دُور تک لہلہاتے، آنکھوں کو بہت بھلے لگ رہے تھے میدانوں میں جا بجا سبزے کے قطعے تھے۔ ٹائیگر اس حسین منظر میں کھویا ہوا تھا کہ سونی کی آواز نے اسے چونکا دیا۔ "ہم کانی فینگ پہنچ چکے ہیں۔"

***

جس دن وہ کانی فینگ پہنچے۔ اُس سے ایک رات قبل، ٹائیگر نے بڑا ہی عجیب خواب دیکھا تھا۔ یہ خواب فانگ کے متعلق تھا اس نے سونی سے اس بات کا تذکرہ نہیں کیا۔ ٹائیگر نے دیکھا کہ وہ ایک ایسے شہر میں پہنچ گیا ہے جہاں وہ پہلے کبھی نہیں آیا تھا۔ اُسے وہاں ایک ایسی کُرسی سے باندھ دیا گیا جس کے پائے زمین میں پیوست تھے۔ اتفاق سے یہ کُرسی ایک کھلی کھڑکی کے

سامنے رکھی ہوئی تھی اور وہ اس میں سے نیچے بازار کا نظارا کر سکتا تھا یہ ایک پہاڑی شہر تھا اور جس گھر میں اُسے قید کیا گیا تھا، وہ ایک پہاڑ کی چوٹی پر واقع تھا۔ قرب وجوار میں دکھائی دینے والے بازار اور گلیاں ڈھلواں تھیں اور وہ کھڑکی سے دریا کا کنارہ بھی دیکھ سکتا تھا۔

اسے جس کمرے میں قید کیا گیا تھا، وہاں اس کے علاوہ کوئی اور نہیں تھا اگر چہ اس کی بندشیں زیادہ سخت نہیں تھیں لیکن معلوم نہیں کیوں، وہ ان بندشوں کو توڑ کر آزاد نہیں ہو سکتا تھا۔ کرسی پر بندھے بندھے اُس نے نیچے ڈھلواں بازار کی طرف دیکھنا شروع کر دیا۔ اچانک اسے دریا کی جانب سے آتا ہوا ایک ٹرک نظر آگیا۔ یہ ایک بالکل نیا ٹرک تھا جس کے چلنے سے معمولی سی بھی آواز نہیں پیدا ہو رہی تھی۔ ٹرک اُسی کھڑکی کے نیچے، بازار میں رُک گیا جس سے وہ باہر دیکھ رہا تھا اچانک ٹرک سے دو آدمی اترتے دکھائی دیے۔ ٹرک ڈرائیور چالیس سال کا ایک جسیم آدمی تھا۔ ڈرائیور اور اس کا ساتھی، دونوں ٹرک کے عقب میں گئے اور پھر انھوں نے لکڑی کی پیٹیاں اتارنی شروع کر دیں۔ یہ پیٹیاں اتار کر وہ ایک قریبی اسٹور میں جانے لگے۔ اچانک ٹائیگر کی نگاہ ایک شخص پر پڑی جو ہجوم میں راستہ بناتا ہوا تیزی سے چلا آرہا تھا اس کی گنجی کھوپڑی دُور سے چمکتی نظر آرہی تھی۔ وہ شخص کسی شے کی تلاش میں تھا اور اس کے انداز سے جلد بازی ظاہر ہو رہی تھی۔ جیسے اس نے کسی کو ملاقات کا وقت دے رکھا ہو اور اُسے وہاں پہنچنے میں دیر ہو رہی ہو۔

دفعتہً اس کی نگاہ ٹرک پر پڑی تو وہ اُس کی طرف دوڑ پڑا۔ اس نے ٹرک ڈرائیور کو پکڑ لیا اور اس سے باتیں کرنے لگا۔ ٹائیگر اُس کی ایک ایک بات صاف سن سکتا تھا۔

"مجھے ایک ضروری کام سے پیکنگ جانا ہے۔"

ڈرائیور نے کسی ماہر پہلوان کے سے انداز میں ایک وزنی بیٹی ٹرک سے اتار کر فٹ پاتھ پر لڑھکا دی۔ وہ خود بھی بہت جلدی میں معلوم ہوتا تھا۔ اُس نے نگاہ اُٹھا کر گنجے فانگ کی طرف دیکھا جس کا ایک ہاتھ کوٹ کی جیب میں ٹھنسا ہوا تھا۔ فانگ کے لہجے میں تحکم تھا بلکہ اس کا انداز دھمکی آمیز بھی تھا۔

"اگر تم مجھے اسی وقت وہاں لے چلو تو میں، تمھیں، تمھاری ایک ہفتے کی تنخواہ کے برابر معاوضہ ادا کروں گا۔"

ڈرائیور نے نفی میں سر ہلا دیا۔ "کیا تم پاگل ہو گئے ہو میں ایک مزدور آدمی ہوں۔ اس کے علاوہ میں نہیں جانتا کہ تم کون ہو۔ جانتے ہو پیکنگ یہاں سے چار سو میل دُور ہے۔"

فانگ کا بایاں ہاتھ ڈرائیور کے کندھے پر پڑا۔ "ٹھیک ہے، میں تمھیں دو ہفتے کی تنخواہ کے برابر معاوضہ ادا کروں گا۔ مجھے ابھی اور اسی وقت جانا ہے۔"

ڈرائیور کا ساتھی دُبلا پتلا آدمی تھا۔ اُس نے اپنے کام سے نگاہ اُٹھا کر دیکھا اور پھر ان دونوں کے قریب آگیا۔ فانگ نے جس انداز میں اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا، اس پر ٹرک ڈرائیور کو غصہ آگیا۔ اُس نے فانگ کا ہاتھ جھٹک دیا۔ "میرے کندھے سے ہاتھ ہٹا میں کہہ چکا ہوں کہ پیکنگ نہیں جاؤں گا۔ بہتر ہوگا کہ تم کوئی دوسر ٹرک دیکھ لو۔" یہ کہتے ہوئے اس نے نسبتہً زیادہ اشتعال سے فانگ کا جائزہ لیا پھر بولا۔ "ایک بات تو بتاؤ۔ تم اتنی زیادہ جلد بازی میں کیوں ہو۔۔۔؟ آخر بات کیا ہے؟" ڈرائیور کے لہجے میں تشکیک کی نمایاں جھلک تھی۔

یہ سن کر فانگ کی بھویں کمان ہو گئیں اور وہ بے انتہا ناخوش گو لہجے میں بولا۔ "ایک ایسا شخص جسے اتنی زیادہ رقم کی پیش کش کی گئی ہو اُسے اتنے زیادہ سوالات کرنے کی ضرورت نہیں۔" یہ کہتے ہوئے فانگ ایک قدم ہٹ گیا تاکہ ڈرائیور گزر کر ٹرک کے عقبی حصے میں پہنچ جائے۔ "مجھے پیکنگ لے کر چلو گے۔" اس بار فانگ کا لہجہ بے حد سرد۔۔۔ اور تحکمانہ تھا۔

اب فانگ کی بدتمیزی ان دونوں کے لیے ناقابل برداشت ہو گئی تھی۔ ڈرائیور نے اپنے ساتھی کی طرف دیکھا اور ساتھی پلٹ کر اُسے دیکھنے لگا۔۔۔ پھر وہ دونوں ہی لڑنے پر آمادہ نظر آنے لگے۔

"بدمعاش! اب یہاں سے چلتے پھرتے نظر آئے۔" ڈرائیور نے اکھڑ لہجے میں کہا۔ "تمھاری بہت باتیں سن لیں۔ تم مجھے بتا دُگے کہ میں کیا کروں اور کیا نہ کروں، ہنہ۔"

ڈرائیور کے ساتھی نے ہاتھ بڑھا کر فانگ کو دھکا دینے کی کوشش کی لیکن اس میں کامیاب نہ ہو سکا کیونکہ فانگ اب پلٹ کر اُس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ "چلے جاؤ۔۔۔ چلے جاؤ یہاں سے۔" وہ اس کی آنکھوں سے خوفزدہ ہو کر بولا۔

فانگ کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ آگئی اس نے عزائی ہوئی آواز میں کہا۔ "میں نے تمھیں بات کرنے کی اجازت نہیں دی اور مجھے دو کی نہیں بلکہ صرف ایک ڈرائیور کی ضرورت ہے۔۔۔"

اسی دوران اسٹور کا مالک اپنے جواں سال بیٹے کے ساتھ باہر آگیا۔ اس کے بیٹے کی عمر فانگ جتنی ہی تھی۔ اس نے

چیخ کر ڈرائیور سے پوچھا۔ "سائی۔۔۔ کیا بات ہے؟"

"یہ بدمعاش سمجھتا ہے کہ میں اسے ٹرک میں پیکنگ پہنچا دوں گا۔" ڈرائیور نے سخت لہجے میں کہا۔ اس کا موڈ بے حد خراب لگتا تھا۔ "مجھے تو یہ شخص پاگل ہی لگتا ہے۔" یہ کہہ کر وہ فانگ کی طرف پلٹا اور اس کی جانب نفرت سے دیکھتے ہوئے اُسے دھکیل کر ایک طرف ہٹانے کی کوشش کی۔

فانگ کا بایاں ہاتھ حرکت میں آگیا اس کی ہتھیلی کا گدی دار حصہ ڈرائیور کے سینے پر پڑا۔ ضرب اتنی شدید تھی کہ ڈرائیور اُچھل کر عقب میں کھڑے ٹرک سے جا ٹکرایا۔ ٹائیگر اِدھر کھڑکی سے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ معاملہ اس کی بھی برداشت سے باہر ہو گیا تھا۔ اس نے خود کو رسیوں سے آزاد کرانے کی کوشش کی کیونکہ وہ سمجھ گیا تھا کہ اب کیا ہونے والا ہے۔۔۔

اسٹور کا مالک اور ڈرائیور کا ساتھی دونوں تیزی سے فانگ کی طرف لپک پڑے۔

ان سب میں سے ایک، باتیں جانب سے اور دوسرا عقب سے بڑھا تھا۔ انھوں نے فانگ کو پکڑنے کے لیے بازو پھیلا رکھے تھے۔ غالباً ان کا خیال تھا کہ وہ اُسے جکڑ کر زمین پر گرانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ دفعتہً فانگ کی بائیں کہنی چل گئی۔ چوٹ ڈرائیور کے پارٹنر کے پیٹ میں لگی۔ وہ فی الفور دُہرا ہو گیا۔ درد کی ایک گھٹی گھٹی سی چیخ اس کے حلق سے نکلی۔ وہ دُہرا ہوا تھا تو اس کا چہرہ فانگ کے بائیں گھٹنے کی طرف جھک گیا تھا۔ اس گھٹنے نے بلند ہو کر پارٹنر کے چہرے پر قیامت ڈھا دی۔ گھٹنا قاتلانہ قوت سے اُچھالا گیا تھا۔ ڈرائیور کے ساتھی کی زبان کٹ گئی اور کئی دانت سڑک پر گر گئے۔ خون کی گلیاں کرتا ہوا اور ڈکراتا ہوا لڑکھڑا کر وہ پیچھے ہٹا تو اس کا چہرہ مسخ نظر آرہا تھا۔ اُسی لمحے فانگ کا آئرن ہینڈ کسی گلوٹین کی طرح پارٹنر کی گردن پر پڑا۔ گردن کی ہڈی ٹوٹنے کی آواز صاف سنائی دی۔ ایک لمحے کے بعد وہ شخص جہاں تھا، وہیں منجمد سا ہو کر رہ گیا۔۔۔ پھر اس کا اکڑا ہوا جسم کسی درخت کی طرح زمین پر ڈھیر ہو گیا۔

اس دوران میں اسٹور کے نانواں مالک نے عقب سے فانگ کی گردن دبوچ لی تھی۔ ڈرائیور کے ساتھی کا حشر دیکھ کر بھی اس کی سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ بدمقابل کوئی عام آدمی نہیں بلکہ شیطانی قوت ہے جو آنکھیں بالکل اسی طرح کچلی کر رکھ دے گی جیسے چکی کے پاٹ دانہ گندم کو پیس ڈالتے ہیں۔

فانگ نے آہنی انگلیوں والا ہاتھ سر سے بلند کر کے عقب میں لے جاتے ہوئے اسٹور کیپر کی گردن پر رکھا اور اُسے اپنے اوپر سے اچھال دیا۔ وہ فانگ کے جھکے ہوئے جسم کے اوپر سے اُڑتا ہوا سامنے آیا تو اس کا دھڑ درمیان سے یوں لچک رہا تھا جیسے اُس کی پسلیاں ہڈی دو ٹکڑے ہو گئی ہو۔ وہ بڑے ہی کریہہ انداز میں چیخ پڑا۔۔۔ پھر اس کا جسم فٹ پاتھ پر گرا اور ساکت ہو گیا۔ اس کے باوجود فانگ کا آہنی انگلیوں والا ہاتھ اس کے سینے میں دھنسے بغیر نہ رہ سکا۔

جو کچھ ہو چکا تھا، اسے دیکھ کر باقی لوگوں کو سنبھل جانا چاہیے تھا۔۔۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ لڑائی بھڑائی دیکھ کر وہاں اچھا خاصا ہجوم ہو گیا تھا اور ہر عمر و قسم کے لوگ دائرے کی صورت میں آگے بڑھنے لگے تھے تاکہ فانگ جیسے قاتل کو پکڑ کر پولیس کے حوالے کیا جا سکے۔ اسٹور کیپر کے لڑکے نے جب باپ کی لاش دیکھی تو وہ غصے سے پاگل ہو گیا۔ وہ چیختا ہوا آگے بڑھا۔ اُسی لمحے کسی پاگل بھینسے کی طرح ڈرائیور بھی فانگ پر حملہ آور ہوا لیکن وہ اسٹور کیپر کی لاش سے الجھ کر لڑکھڑا گیا۔ اس کے باوجود وہ دیوانہ وار ہاتھ پاؤں چلا رہا تھا۔ وہ ایک طاقتور آدمی تھا اگر اس کا ایک بھی ہاتھ کسی عام آدمی کی کھوپڑی پر پڑ جاتا تو اُسے یقیناً چکر آجاتے۔۔۔ لیکن یہاں فانگ اس کا حریف تھا، ایک ایسا حریف جس کے جسم میں بجلیاں بھری ہوئی تھیں۔۔۔ اور جسے چھونا ایک عام آدمی کے بس کی بات ہی نہیں تھی۔ ڈرائیور اندھا دھند گھونسے چلا رہا تھا، بلا سوچے سمجھے لاتیں مار رہا تھا، ہدف تلاش کیے بغیر اس کی انگلیاں کچھ جکڑنے کے لیے بے چین تھیں۔۔۔ یہ سب کچھ رائگاں گیا۔

اچانک فانگ نے بلند ہو کر ایک آزمائی۔ ہدف ڈرائیور کی کنپٹی ران تھی، وہ فٹ پاتھ پر گرا تو بڑی طرح کانس رہا تھا اور اُلٹیاں کر رہا تھا۔ فانگ نے خود کو اُس کے قریب ہی گرا دیا۔۔۔ پھر اس کے جسم سے ڈرائیور کے جسم پر کسی بھاری ہتھوڑے کی طرح برسنے لگے۔ ہر بار ایک نئی ہڈی ٹوٹنے کی آواز آتی تھی۔ ڈرائیور تو شاید پہلی چوٹ کھا کر ہلاک ہو گیا تھا لیکن فانگ کی دیوانگی ابھی سیراب نہیں ہوئی تھی۔ اس کا آئرن ہینڈ ڈرائیور کے جسم پر گرتا رہا اور اسے کچلتا رہا۔ اس دوران عقب سے اسٹور کیپر کا لڑکا اُس پر حملہ آور ہو چکا تھا۔ اس نے ٹرک کے عقبی حصے سے ایک آہنی آنکڑا نکال کر ہاتھ میں لے رکھا تھا لیکن اس آنکڑے کو فانگ کے جسم سے چھونے کی مہلت ہی نہ مل سکی۔ آنکڑا اُس کے ہاتھ سے نکل گیا اور وہ خود کسی پرکٹے پرندے کی طرح اُڑتا ہوا، پھڑپھڑاتا ہوا، لکڑی کی پیٹیوں پر جا گرا اور دوبارہ نہ اُٹھ سکا۔

ہجوم اب بھی آگے بڑھ رہا تھا۔ اس میں بوڑھے مرد اور زنانی عورتیں بھی شامل تھیں۔ ان میں سے ہر ایک ہسٹریائی انداز میں چیخ رہا تھا

اور دوسروں کو اکسا رہا تھا کہ فانگ کو پکڑ لیا جائے۔

ہجوم میں سے ایک جیالے نے فانگ کو گھونسہ مارنے کی کوشش کی۔ اس کا بازو ٹوٹ گیا۔ فانگ نے لیپنگ ڈیٹرمیٹاک کا بڑی بے دردی سے استعمال کیا تھا۔ وہ نوجوان حسرت سے اپنے ٹوٹے ہوئے بازو کو دیکھتا ہوا لہرایا تو فانگ کا آہنی پنجہ اس کے منہ پر پڑا۔ اس کے منہ کا بھیرتہ بن گیا، آنکھیں سیال بن کر بہہ گئیں اور چہرہ بیتھڑے ہوگیا۔ اُسی لمحے ایک بوڑھا، فانگ کے آنکھڑے کی زد میں آگیا۔ وہ ہُک میں یوں پھنس گیا جیسے کسی نے اُسے پرو دیا ہو... پھر وہ جسم میں مہلک آنکھڑا لیے، لکڑی کی ایک ہٹی سے ٹکرایا اور دونوں لکڑے ٹکڑے ہوگئے۔ لکڑی کی پیٹی ٹوٹ گئی اور اس کا سامان پھیل گیا۔ بوڑھے کی خون اُگلتی ہوئی لاش اشیا کو اپنے رنگ میں رنگنے لگی۔

ہجوم پر سکتہ طاری ہوگیا۔ اب کسی کو بھی آگے بڑھنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ صورتِ حال ان کی سمجھ میں آگئی تھی لیکن اب بہت دیر ہو گئی تھی۔ ان کے قدم جہاں تک بڑھ چکے تھے، وہاں تک فانگ کی درندگی کا دائرہ پھیلا ہوا تھا۔ اس کے ہاتھ جو کچھ بھی لگتا وہ ہجوم پر استعمال کرتا رہا۔ بھاگنے والوں کو راستہ نہیں مل رہا تھا۔ سب کے سب مارے دہشت کے، بینائی سے محروم ہو چکے تھے۔ وہ ایک دوسرے پر گرتے پڑتے، آپس میں ایک دوسرے کو کچلنے لگے۔

یکایک دور کہیں سے پولیس کا سائرن گونجنے لگا۔

یہ آواز بھی سب سے پہلے فانگ نے ہی سُنی تھی۔ وہ کسی شارک مچھلی کی طرح تباہی مچاتا ہوا ہجوم میں سے نکلا... پھر اس کا رُخ ٹرک کی طرف ہوگیا۔ ایک شخص جو غالباً ڈرائیونگ جانتا تھا، وہ جاگر ٹرک میں سوار ہوگیا اور اس نے ٹرک اسٹارٹ بھی کر لیا لیکن اگلے ہی لمحے فانگ نہ صرف اس کے پہلو میں پہنچ چکا تھا بلکہ اس نے اپنی خوفناک اُنگلیاں بھی اس آدمی کے کندھے پر رکھ دی تھیں۔ "چلو..." وہ غرایا۔

ٹرک نے ایک جھٹکا کھایا اور آگے لپکا تو فانگ نے ایک ہذیانی قہقہہ لگایا اور ٹرک کی کھڑکی سے منہ نکال کر سڑک اور فٹ پاتھ پر بکھری لاشوں کی طرف دیکھ کر بولا۔ "مجھ سے ٹکرانے والوں کا یہی انجام ہوتا ہے۔"

ٹرک ایک جھٹکے سے آگے بڑھ گیا۔

پولیس کا سائرن اب واضح طور پر سنائی دینے لگا تھا لیکن کار ابھی اس جگہ سے دور تھی اس لیے فانگ کو وہاں سے نکل جانے میں کسی دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ جیسے ہی ٹرک موڑ پر پہنچا ایک پولیس کار گھومتی ہوئی سامنے آگئی۔ ٹرک کا ایک پہلو پولیس کار سے ٹکرا گیا۔ کار الٹ گئی... صرف ایک بار نہیں بلکہ بار بار اُلٹتی ہوئی فٹ پاتھ پر چڑھ گئی جہاں سے ایک اسٹور کا کانچ کا دروازہ توڑتی ہوئی، دروازے میں پھنس کر ساکت ہوگئی... پھر ایک زوردار دھماکا ہوا اور کار سے شعلے نکلنے لگے۔

ٹرک دندناتا ہوا لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل ہو چکا تھا۔ ٹائیگر ابھی تک کرسی سے بندھا، اپنی بندشیں توڑنے یا کھولنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس نے چیخنے کی کوشش بھی کی تھی تاکہ کوئی اس کی طرف متوجہ ہو کر آئے اور اسے کھول دے... لیکن خود اس کے حلق سے ہی آواز نہ نکل سکی۔ نیچے سڑک پر ایمبولینس پہنچ چکی تھی اور پولیس کاروں کی آمد کا سلسلہ ابھی تک منقطع نہیں ہوا تھا... اچانک ٹائیگر کی نگاہ دریا کی طرف اُٹھ گئی... اُسے دو انسانی ہیولے متحرک دکھائی دیے۔ ان میں سے ایک وہ خود تھا... اور دوسری سونی تھی۔

جب یہ دونوں ہیولے واضح ہو کر وہاں پہنچے جہاں آتشی خونریزی ہوئی تھی تو ٹائیگر کی آنکھ کھل گئی۔ اس کا پورا جسم پسینے میں بھیگ چکا تھا اور جسم میں جا بجا درد کی لہریں دوڑ رہی تھیں۔ اُس نے خود کو ٹٹولا... پھر ہر طرح سے محفوظ پا کر زیرِ لب اس خوفناک خواب کو کوسنے لگا تھا۔

جس رات ٹائیگر نے یہ بھیانک خواب دیکھا تھا، اس سے اگلے روز علی الصباح ان کی کشتی دریا کے اس مقام پر پہنچ گئی جہاں سے دھارا اپنا رُخ بدلتا تھا۔ ٹائیگر نے شہر کی جانب دیکھا جو وہاں سے صاف نظر آرہا تھا۔ لوگ بڑے ہی عجیب غریب ملبوسات میں گھوم رہے تھے اور ٹریفک کے شور میں کان پڑی آواز بھی سنائی نہیں دے رہی تھی۔

ٹائیگر گہری نگاہوں سے شہر کی طرف دیکھتا رہا جو دُور عقب میں نظر آنے والی پہاڑیوں تک پھیلا ہوا تھا... اور پھر اچانک ہی اُس کے جسم میں سنسنی کی لہری دوڑ گئی۔ اس کی آنکھیں جو منظر دیکھ رہی تھیں، بالکل ویسا ہی تھا جیسا کہ اُس نے گزشتہ شب، خواب میں دیکھا تھا۔ نہ جانے کہاں سے پولیس کار کے سائرن کی آواز، اُس کی سماعت سے ٹکرا رہی تھی۔

ٹائیگر نے کشتی کی رفتار تیز کر دی۔ اب وہ اُسے چپوؤں کی مدد سے کھے رہا تھا۔ کنارے پہنچ کر اُس نے کشتی کے بادبان گرانے یا انھیں باندھنے میں وقت ضائع نہیں کیا بلکہ سونی کا ہاتھ تھام کر کنارے پر کود گیا... اور تیزی سے سامنے دوڑتا چلا گیا۔

سونی بھی تیزی سے دوڑ رہی تھی لیکن ٹائیگر کے ساتھ دوڑنا، اُس کے لیے ایک مشکل ہی نہیں ناممکن سی بات تھی۔ ٹائیگر نے سوچا کہ اُسے چھوڑ دے اور دریا کے کنارے انتظار کرنے کے لیے کہے لیکن وہ جانتا تھا کہ سونی اُس کی بات نہیں مانے گی۔ دونوں کا درد مشترک تھا اور دونوں کی مہم بھی یکساں اہمیت کی حامل تھی۔

وہ ایک بازار میں جا نکلا۔

ٹائیگر کو وہاں پہنچ کر حیرت کا شدید جھٹکا لگا۔ بالکل ویسا ہی بازار تھا جیسا اُس نے خواب میں دیکھا تھا۔ اس وقت وہ اپنے ہی خواب کے ایک شہر میں سانس لے رہا تھا... پھر اُس کی سانس گویا رُک سی گئی۔ اُس کی نگاہ ایک اسٹور پر جم گئی۔ اسٹور کے سامنے لوگوں کا خاصا ہجوم تھا۔

وہ سونی کا ہاتھ تھام کر تیزی سے وہاں پہنچا تو اُسے اپنا دل حلق میں دھڑکتا محسوس ہونے لگا... کل رات جب خواب دیکھنے کے بعد اُس کی آنکھ کھلی تھی تو وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اُس نے ایک ایسا منظر دیکھ لیا ہے جو اگلے روز اس رُوئے زمین پر حقیقت کا روپ دھارے گا۔ بالکل ویسا ہی اسٹور تھا اور اس کے سامنے ویسی ہی لاشیں بکھری ہوئی تھیں۔ اُس نے ذہن پر زور ڈال کر لاشوں کی پوزیشن یاد کرنے کی کوشش کی تو ہر لاش، خواب کے منظر کے مطابق پائی۔ گرانڈیل ٹرک ڈرائیور کی لاش... اُس کے ساتھی کی لاش... اسٹور کیپر کی لاش... اور آہنی آنکڑے پر متوازن، اسٹور والے کے بیٹے کی لاش... سب کچھ ویسا ہی تھا۔ اگر کوئی چیز مختلف تھی تو وہ ٹرک تھا جو ہجوم سے کچھ فاصلے پر کھڑا تھا۔ ٹائیگر نے دل ہی دل میں دُعا کی کہ کاش! یہ وہی ٹرک ہو اور فانگ ابھی یہاں سے فرار نہ ہُوا ہو... لیکن جب اُس کی نگاہ سڑک کے موڑ پر پڑی تو اُس کے حلق سے ایک دھیمی سی کراہ نکل گئی۔

موڑ کے قریب واقع اسٹور کے سامنے ایک پولیس کار دھڑا دھڑ جل رہی تھی۔ اُسے یہاں پہنچنے میں تھوڑی سی دیر ہو گئی تھی... دوسری پولیس کاروں کے سائرن گونج رہے تھے۔ فضا میں ان آوازوں سے کہرام کی سی کیفیت پیدا ہوگئی تھی۔ ٹائیگر کی نگاہ بار بار اس ٹرک کی طرف جا رہی تھی۔ جب اُس سے صبر نہ ہو سکا تو اُس نے قریب ہی کھڑی، ایک دہشت زدہ بڑھیا سے اس ٹرک کے بارے میں پوچھ ہی لیا۔

"یہ ٹرک کس کا ہے؟"

بڑھیا نے پہلے تو گہری نگاہ سے اس کا جائزہ لیا... پھر سونی کی طرف متوجہ ہوگئی... ایک لمحے تک اُسے گھورنے کے بعد وہ دوبارہ ٹائیگر کی طرف متوجہ ہوئی اور بولی۔ "یہ سائی کے بھائی کا ٹرک ہے۔"

"سائی کون ہے؟" ٹائیگر نے بے تابی سے پوچھا۔

"وہی جسے وہ بدمعاش اپنے ساتھ لے گیا ہے۔" بڑھیا نے

نفرت سے تھوک کر کہا۔

ٹائیگر نے جلدی جلدی فانگ کا حلیہ بیان کیا اور بڑھیا سے تصدیق چاہی کہ وہ اسی بدمعاش کا تذکرہ کر رہی ہے یا وہ کوئی اور تھا؟

بڑھیا نے تائید میں سر ہلا دیا اور ٹرک کی طرف اُنگلی اُٹھا کر بولی: "سائی کا بھائی دُلفل لینے اندر گیا ہے۔ وہ اس شیطان کا پیچھا کرے گا۔"

ٹائیگر نے اثبات میں سر ہلایا اور بڑھیا کا شکریہ ادا کر کے سونی کو تقریباً گھسیٹتا ہوا، ٹرک کے قریب لے گیا... پھر اُسے اپنے عقب میں کر لیا... اور بائیں جانب دیکھنے لگا۔ چالیس سال کا ایک مضبوط آدمی ہاتھ میں رائفل لیے نمودار ہوا تھا۔ اُس کے پاس جو رائفل تھی، وہ قدیم طرز کی آٹومیٹک رائفل تھی۔ وہ شخص سوگوار سے انداز میں اپنے ٹرک تک پہنچا اور رائفل ٹرک کے کیبن میں پھینک کر ڈرائیونگ سیٹ کی طرف بڑھ گیا۔

ٹائیگر، اس سے پہلے ہی دروازے تک پہنچ گیا اور چیخ کر بولا "میں اس بدمعاش کو جانتا ہوں۔ وہ یہاں سے فرار ہو کر سیدھا پیکنگ گیا ہے۔ وہ قاتل ہے اور میں، تمنگھائی سے اُس کا تعاقب کر رہا ہوں۔"

"ٹرک کے پچھلے حصّے میں بیٹھ جاؤ۔" وہ شخص بولا۔ "میرا نام کولون ہے... وہ میرے بھائی کو زبردستی ساتھ لے گیا ہے۔"

"وہ سیدھا پیکنگ گیا ہے۔ ان کے ٹرک کو یہاں سے گئے کتنی دیر ہوگئی ہے؟"

"تقریباً ایک گھنٹہ۔" کولون نے جواب دیا۔ "پولیس کو اس کا پیچھا کرنا چاہیے تھا... لیکن یہ لوگ تو اپنی کار اور اس میں موجود پولیس والوں کی دیکھ بھال میں لگے ہوئے ہیں۔"

ٹائیگر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ وہ اس سلسلے میں کوئی تبصرہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"لیکن تم اُسے پیکنگ جیسے شہر میں تلاش کیسے کرو گے؟" ٹائیگر نے دریافت کیا۔

"اوّل تو میں اُنھیں راستے ہی میں جا لوں گا۔ اگر ایسا نہ ہُوا تو بھی کوئی فکر نہیں۔ وہ خبیث مجھے جہاں بھی مل گیا، میں اُسے گولی مار دُوں گا۔"

ٹائیگر نے ایک بار پھر تائید میں سر ہلا دیا اور سونی کے ساتھ ٹرک کے عقبی حصّے میں سوار ہوگیا۔ اُسے خوشی تھی کہ پیکنگ جانے کا نہ صرف بندوبست ہوگیا ہے بلکہ ایک ایسی سواری مل گئی ہے، جسے چلانے والے کا مقصد بھی وہی ہے جو خود اس کا اور اس کی

ساتھی سونی کا تھا۔

ٹرک اسٹارٹ ہوگیا اور کولون نے اُسے گیئر میں ڈال کر ایک جھٹکے سے آگے بڑھا دیا۔ وہ ایک ماہر ڈرائیور تھا۔ اُس نے سفر کے آغاز ہی سے ٹرک کی رفتار بے حد تیز رکھی تھی لیکن راستہ خالی نہیں مل رہا تھا۔ سڑک پر بیل گاڑیاں، رکشے اور پرانی طرز کی سُست رفتار کاریں بار بار اُن کی رفتار پر اثر انداز ہو جاتی تھیں۔ ٹرک کے شور میں، بار بار کولون کی گرج دار آواز گونج اُٹھتی تھی۔ وہ راہ میں حائل ہونے والوں کو سخت سُست کہتا، ہارن پر ہارن بجاتا، تب کہیں اُسے راستہ ملتا تھا۔ ٹائیگر سوچ رہا تھا کہ اگر فائنگ کا ٹرک بھی اسی انداز میں مزاحمتوں سے نمٹتا ہُوا گیا ہے تو کوئی عجب نہیں کہ وہ اُسے جا ہی لیں۔

سونی خاموش بیٹھی، ٹرک کے دھچکوں میں بار بار نگاہ اُٹھا کر ٹائیگر کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس نے اب تک اُس سے کوئی سوال نہیں کیا تھا نہ جانے کیوں ٹائیگر کو یوں لگا جیسے وہ سب کچھ سمجھ رہی ہے اس لیے سوال کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کرتی۔ پیکنگ تک چار سو میل کا سفر انھوں نے دس گھنٹے میں طے کرلیا۔ مضافات میں تھلی سڑک پر انھیں تیز رفتاری کے سلسلے میں من مانی کرنے کا موقع مل جاتا تھا جس سے کولون خاطر خواہ فائدہ اُٹھاتا تھا۔ ان دس گھنٹوں میں ٹائیگر کی جان سولی پر ٹنگی رہی تھی۔ وہ بار بار اُٹھ کر سامنے دیکھتا تھا اور سڑک خالی پاکر مایوس ہو جاتا تھا۔ اب تک اُسے کوئی ٹرک تو درکنار کسی اور گاڑی کا بھی نام و نشان تک نہیں ملا تھا۔ مضافاتی علاقے کی سڑک ویران ہی رہتی تھی جب کبھی ان کا گزر کسی قصبے سے ہوتا تو وہاں البتہ سڑک پر ٹریفک کا ہجوم دکھائی دیتا تھا۔

پیکنگ پہنچنے تک جب اُسے مطلوبہ ٹرک دکھائی نہ دیا تو اس پر گھبراہٹ طاری ہوگئی۔ جسے اس نے سونی کی پُرکشش مسکراہٹ سے دھو ڈالا۔ شہر میں داخل ہونے کے بعد کولون نے ایک جگہ ٹرک روک دیا تو وہ دونوں اُچھل کر نیچے اُتر آئے۔ ٹائیگر نے کھڑکی سے کولون کی طرف دیکھا "افسوس وہ نکل گیا۔"

"کیا انھیں قطعاً اندازہ نہیں کہ وہ کہاں ہوگا؟" کولون نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

ٹائیگر نے نفی میں سر ہلا دیا اور شہر کی طرف ہاتھ لہرا کر بولا۔ "وہ یہیں ہے لیکن خاص طور سے کس جگہ ملے گا، یہ تو ڈھونڈنے ہی سے پتہ چل سکتا ہے۔ میرا خیال ہے یہاں سے ہمیں اس کو اپنے اپنے طور پر تلاش کرنا چاہیے۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو۔" کولون نے کہا اور سونی کی طرف دیکھا۔ "یہ لڑکی کون ہے؟"

"یہ ایک بدنصیب لڑکی ہے جس کے پورے خاندان کو فائنگ نے ہلاک کر ڈالا ہے۔"

کولون نے سوگوار سی سے سر ہلایا اور بولا۔ "میرا خیال ہے، مجھے سب سے پہلے پولیس سے رابطہ قائم کرنا چاہیے۔ ممکن ہے وہ لوگ اُسے تلاش کرنے میں میری کچھ مدد کرسکیں۔"

"یقیناً..." ٹائیگر نے کہا اور سونی کا ہاتھ تھام کر آگے بڑھ گیا۔ کولون کا ٹرک جلد ہی اُن کی نگاہوں سے اوجھل ہوگیا۔ اب ان کے سامنے دریائے وانگ پو تھا۔ سونی اُسے لے کر اُس طرف بڑھ گئی جہاں سے انھیں دوسری طرف جانے کے لیے کشتی مل سکتی تھی۔

دریا کے اُس پار پہنچ کر سونی نے ایک رائیکر سے پوچھ گچھ کی اور پتہ معلوم کیا۔ دونوں وہاں پہنچے تو مطلوبہ آدمی کو تلاش کرنے میں اُنھیں شام ہوگئی۔ ساؤ ٹائی چی کا گھر وہی مکانوں جیسا تھا بلکہ اس کے در و دیوار سے وحشت ٹپکتی تھی۔ کچی اینٹوں کا یہ ہوا یہ مکان صدیوں پرانی ایک آسیبی جگہ لگتی تھی۔ امتداد زمانہ سے اس کے چوبی حصے گل سڑ چکے تھے اور دروازوں میں دیمک لگی ہوئی تھی۔ سونی بُری طرح تھک چکی تھی۔

ٹائیگر نے دروازے پر دستک دینے کے لیے سونی سے کہا۔ اُسے ڈر تھا کہ کہیں اس کے ہاتھ کی ضرب سے لڑھکتا ہُوا دروازہ مزید نہ ٹوٹ جائے۔ اندر غالباً موم بتی روشن تھی۔ دروازے کے سوراخوں اور جھریوں سے بیمار بیمار سی روشنی کی مدقوق لکیریں باہر آکر یہی ظاہر کر رہی تھیں۔ کافی دیر بعد انھیں دروازے کے دوسری جانب سے کسی کے پاؤں گھسیٹ کر چلنے کی آواز سنائی دی... پھر دروازہ ایک زبردست چرچراہٹ کے ساتھ کھلا۔

ٹائیگر نے سامنے کھڑے شخص کی طرف دیکھا۔ وہ بھی کوئی آسیب ہی لگتا تھا۔ وہ بے حد جھریوں بھرا تھا۔ ٹائیگر کی آنکھیں، وہ دُنیا کا سب سے بوڑھا آدمی رہا ہوگا۔ اس کی جلد کاغذ کی طرح زرد تھی، وہ بے حد دبلا پتلا تھا۔ اُس کی آنکھوں سے ویرانی جھانک رہی تھی۔ ظاہری حالت سے وہ بے پناہ خوفزدہ لگ رہا تھا اس کی کھال لٹک گئی تھی اور اس پر نسوں کا اُبھار بہت ہی عجیب محسوس ہو رہا تھا۔

"ساؤ ٹائی چی؟" ٹائیگر نے سوالیہ انداز میں کہا۔

بوڑھے نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اس نے سفید لباس

میں ایسا نوجوان پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا... لیکن جب اُس نے غور سے ٹائیگر کو دیکھا تو اس کی آنکھوں میں شناسائی کی جھلک پیدا ہوگئی تھی۔ "تم... تم سنانجو کے شاگرد ہو۔" اس کی آواز پھٹی پھٹی سی تھی۔ "میں تمھیں خواب میں دیکھتا رہا ہوں۔ آؤ... اندر آجاؤ۔"

ٹائیگر حیرت زدہ تھا۔ اس کے ذہن میں وہ راہب گھوم گیا جس نے اُنھیں یہاں بھیجا تھا۔ ٹائیگر جانتا تھا کہ یہ شخص جھوٹ نہیں بول رہا ہے کیونکہ جس قدر تیز رفتاری سے وہ یہاں پہنچے تھے، اس سے جلدی کوئی شخص نہ تو خود آسکتا تھا اور نہ ہی پیغام بھیج سکتا تھا۔ یہ علاقے دُنیا کے سب سے زیادہ پس ماندہ علاقے تھے جہاں بیشتر لوگ جالوروں جیسی زندگی گزارنے پر مجبور تھے۔ سونی کے ساتھ وہ بوڑھے ساؤ کے پیچھے چل دیا جو انھیں ایک ایسے کمرے میں لے آیا جہاں زمین پر ایک بوسیدہ سی چٹائی پڑی تھی۔ قریب ہی لکڑی کی ایک ٹوٹی پھوٹی پیڑی بھی تھی لیکن ٹائیگر نے اس پر بیٹھنے کی بجائے بوڑھے کے سامنے ہی چٹائی پر بیٹھنے کو ترجیح دی۔ سونی بھی اُس کے قریب ہی بیٹھ گئی۔ کمرے کی چھت بے حد بوسیدہ تھی۔ اوپر دیکھنا بھی دُشوار تھا کیونکہ اُس سے مٹی ٹوٹ کر گر رہی تھی۔ ٹائیگر نے بڑے دُکھ سے سوچا کہ ممکن ہے کسی روز یہ بوڑھا اسی کمرے میں بیٹھے بیٹھے دفن ہو جائے۔ یہ کمرہ اس کی قبر بن جائے گا۔ کمرے میں ایک مولی سی موم بتی روشن تھی جس کی لَو اس بوڑھے کی مانند کمزور اور زرد تھی۔

بوڑھا ساؤ ٹکٹکی باندھے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ کمرے میں آنے کے بعد اس کی آنکھوں کی ویرانی اچانک ہی ختم ہو گئی تھی۔ اب ان آنکھوں میں زندگی کی چمک ہی نہیں، ایک عجیب اور ناقابلِ فہم سا تاثر بھی پیدا ہوگیا تھا۔ سونی خاموش بیٹھی بوڑھے کو دیکھ رہی تھی اس نے اب تک ایک لفظ بھی زبان سے ادا نہیں کیا تھا۔ انداز سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ کسی خاص انکشاف کی توقع میں خاموش بیٹھی ہے۔

ٹائیگر نے اپنا تعارف کراتے ہوئے بتایا کہ اُسے ڈریگو نامی قصبے کے ایک ایسے راہب نے اس کے پاس بھیجا ہے، جو تاؤ کے عقاید کا حامی ہے۔ اس نے اُوشان کا تذکرہ بھی کیا اور پھر متوقع نظروں سے بوڑھے ساؤ کی طرف دیکھنے لگا جس کی آنکھوں کی چمک بڑھتی جا رہی تھی۔ کمرے میں افیون کی ناگوار بُو پھیلی ہوئی تھی۔ ٹائیگر کی باتیں سُن کر اس نے ایک بار پھر اثبات میں سر ہلایا پھر بڑے دُکھ سے بولا۔ "کچھ عرصے سے میرا آقا مجھے خوابوں میں نظر آنے لگا ہے... وہ مجھے عجیب عجیب مناظر دکھاتا ہے۔ میں ایک نشے باز ناکارہ بوڑھا ہوں، نہ جانے وہ مجھ پر اچانک ہی اس قدر کیوں مہربان ہوگیا ہے۔ وہ مجھ سے گھنٹوں باتیں کرتا رہتا ہے۔ لوگ مجھے پاگل سمجھتے ہیں۔ نہ جانے اُس راہب کو کیسے معلوم ہوگیا کہ میں سنانجو کے بارے میں جانتا ہوں میں نے اس راہب کا نام تک نہیں سُنا۔ وہ حیرت انگیز روحانی قوتوں کا مالک لگتا ہے۔ چند دنوں سے سنانجو کے ان خوابوں سے مجھ میں عجیب سی بے چینی پیدا ہوگئی ہے۔ تم اس کے شاگرد ہو اور میں اس کا پجاری ہوں۔ ایک بات پوچھوں، مجھ بوڑھے سے جھوٹ تو نہیں بولو گے؟"

ٹائیگر نے کہا۔ "میں جھوٹ بولنے کی بجائے خاموش رہنا بہتر سمجھتا ہوں۔"

"تم سنانجو کے بیٹے ہو۔ اس نے اپنی زندگی میں کبھی جھوٹ نہیں بولا اس لیے مجھے توقع ہے کہ تم بھی اس کی طرح سچے ہو۔ میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا میرا آقا زندہ ہے؟"

ٹائیگر کو ایک دھچکا سا لگا۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ اس بوڑھے کو کیا جواب دے۔ وہ شان کو دیوتاؤں کی طرح پوجتا ہے... پھر اس سے رہا نہ گیا تو بولا۔ "نہیں... وہ ہمیں تنہا چھوڑ کر جا چکا ہے۔"

بوڑھے کے حلق سے ایک دلدوز چیخ نکل گئی اور اس پر غشی کی سی کیفیت طاری ہوگئی۔ ٹائیگر کو افسوس ہونے لگا اسے خاموش رہنا چاہیے تھا یا پھر کوئی گول مول سا جواب دے کر بوڑھے کا جی بہلا دیتا۔ اب اس بوڑھے کی زندگی کے لالے پڑ گئے تھے۔ ٹائیگر نے اُسے چٹائی پر لٹا دیا۔ سونی نے اس کے ہاتھ پیروں کو ملنا شروع کر دیا۔ کافی دیر بعد بوڑھے نے آنکھیں کھولیں تو ان میں بے پناہ دہشت تھی۔ اس کے ہونٹ کانپ رہے تھے۔ اگر وہ کچھ کہہ رہا تھا تو کم از کم ٹائیگر اس کی آواز سننے سے قاصر تھا اور اس کی بات سمجھ سے بالاتر تھی۔ سونی نے اُسے بٹھا دیا اور اس کے قریب ہی بیٹھ گئی تاکہ اُس کی دیکھ بھال کرتی رہے۔

"تاریخ... تاریخ نے اپنا آپ دُہرانا شروع کر دیا ہے۔" وہ بڑبڑایا۔ "سنانجو نے اپنے اُستاد کے قاتل یانگ کی تلاش میں زندگی کے دس قیمتی سال گزار دیے تھے تب کہیں وہ اُسے ملا تھا اور اُس کے ہاتھوں انجام کو پہنچا تھا... اب تم فائنگ کی تلاش میں آئے ہو..."

"ہاں، فائنگ کی تلاش میں آیا ہوں۔ وہ میری ذرا سی کوتاہی

سے فائدہ اُٹھا کر بھاگ نکلا تھا۔ میں اس کوتاہی کا ازالہ کرنا چاہتا ہوں۔"

"وہ یہاں آچکا ہے۔۔۔" بوڑھے ساؤنے جواب دیا۔ ایک بار پھر اُس کی آواز ڈوب رہی تھی۔ "لیکن وہ۔۔۔ جس۔۔۔ کی۔۔۔ تلاش میں آیا ہے۔۔۔ وہ۔۔۔" بوڑھا خاموش ہوگیا۔ کچھ دیر بعد پھر اُس کے ہونٹوں میں جنبش پیدا ہوئی لیکن آواز نہ نکلی۔

"میں سمجھتی ہوں، اسے افیون کی ایک خوراک چاہیے۔" سونی نے خیال آرائی کی۔

"دیکھو۔۔۔ شاید یہاں کہیں مل جائے۔" ٹائیگر نے پریشانی سے کہا۔ وہ ڈر رہا تھا کہ کہیں یہ بے قیمت لیکن درحقیقت بے حد قیمتی بوڑھا اُس کی رہنمائی کرنے سے پہلے ہی ملک عدم کو نہ سدھار جائے۔ سونی نے ڈیڑھ کمرے پر مشتمل گھر کی ایک ایک چیز دیکھ ڈالی لیکن اُسے افیون نہ مل سکی۔ بوڑھا آنکھیں بند کر کے بے ہوشی میں ڈوب گیا تھا۔ اس کی نبض بے حد سُست رفتار تھی۔

"یہاں تو کچھ بھی نہیں ہے۔" وہ مایوسی سے بولی۔

ٹائیگر نے بوڑھے کے کپڑوں کی تلاشی لی لیکن وہاں بھی کچھ نہ ملا۔ اُس نے کچھ نہ سمجھنے کے انداز میں سونی کی طرف دیکھا تو وہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں جا کر دیکھتی ہوں۔ آس پاس ہی کوئی افیون فروش ہونا تو چاہیے۔"

"تم بیٹھو، میں جاتا ہوں۔" ٹائیگر نے اُٹھتے ہوئے کہا۔ "بوڑھے کا خیال رکھنا۔"

"نہیں، تم مت جاؤ۔ ممکن ہے یہ بعد میں، ہوش میں آجائے۔۔۔ ایسی صورت میں کوئی کارآمد اشیا ضائع بھی ہوسکتی ہے۔"

ٹائیگر نے ایک لمحے کے لیے سوچا، سونی ٹھیک ہی کہہ رہی تھی۔ وہ اُسے تنہا جانے کی اجازت دینے پر رضامند ہوگیا۔

سونی چلی گئی تو وہ ایک بار پھر بوڑھے کی طرف متوجہ ہوگیا۔ وہ چٹائی پر لیٹا ہوا تھا۔ اُس کے پپوٹے ساکت تھے۔ ہونٹوں پر بھی سکوت کی مہر لگی ہوئی تھی۔ ہاتھ پاؤں یوں ہو رہے تھے جیسے اُن میں زندگی کی خفیف سی رمق بھی باقی نہ رہی ہو۔ ٹائیگر ساکت بیٹھا اُسے دیکھتا رہا۔ وہ اُوشان کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اُوشان جو ٹائیگر کا خالق تھا اور جسے اپنی تخلیق سے، اپنی زندگی سے بھی زیادہ پیار تھا۔ اس بوڑھے کے نزدیک وہ ایک دیوتا تھا۔۔۔ جب کہ ٹائیگر اُسے دُنیا میں سچائی کا سب سے بڑا علم بردار سمجھتا تھا۔

اچانک بوڑھے نے جسم میں خفیف سی لرزش پیدا ہوئی۔ ٹائیگر جلدی سے اُس کی طرف متوجہ ہوگیا۔ "ساؤ۔ ساؤ۔" وہ دھیمی اور نرم آواز میں اُسے پکارنے لگا۔

بوڑھے کے ہونٹوں پر حرکت پیدا ہو چکی تھی لیکن آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔ اس نے ابھی تک آنکھیں بھی نہیں کھولی تھیں۔ ٹائیگر نے اُس کے تلوے سہلانے شروع کر دیے۔ وہ دل ہی دل میں دُعا کر رہا تھا کہ کاش سونی جلد آجائے۔ یہ بوڑھا افیون کی خوراک لیے بغیر ٹھیک نہیں ہو سکتا تھا۔ ٹائیگر کو اپنے آپ پر بھی غصہ آرہا تھا۔ اُسے چاہیے تھا کہ اُوشان کی موت کا راز اس پجاری پر فاش نہ کرتا جس کی زندگی، اپنے دیوتا کے ساتھ اور موت اُس کی موت سے وابستہ تھی۔ لیکن اب کیا ہو سکتا تھا۔ بوڑھا اُکھڑی اُکھڑی سی سانسیں لے رہا تھا۔ اس کے ہونٹوں کی لرزش کبھی تیز ہو جاتی اور کبھی وہ ساکت ہو کر پتھر کے سے نقش لگنے لگتے تھے۔ اس کے پپوٹوں پر بھی سکوت طاری تھا۔

"سناجو۔۔۔" دفعتہً بوڑھے کے حلق سے دھیمی آواز نکلی۔

"ساؤ۔۔۔" ٹائیگر جلدی سے اس پر جھک گیا۔ "بولا ساؤ۔ بولو۔۔۔ میں تمھارے پاس موجود ہوں۔۔۔ سونی تمھارے لیے افیون کی خوراک لینے گئی ہے۔ وہ بس آتی ہی ہوگی۔۔۔ خود کو سنبھالو، ساؤ۔ خود کو سنبھالو۔۔۔ اگر تمھیں کچھ ہوگیا اور تم میری رہنمائی نہ کر سکے تو سناجو تمھیں کبھی معاف نہیں کرے گا۔۔۔ وہ تم سے رُوٹھ جائے گا۔"

"سناجو۔۔۔" بوڑھا ایک بار پھر بڑبڑایا۔

ٹائیگر کا دل دھک دھک کرنے لگا۔ اس کا پورا جسم پسینے میں بھیگ گیا تھا۔ نہ جانے کیوں اُسے ناامیدی سی ہونے لگی تھی۔ اسی ساعت مکان کے باہر سے کسی کے دوڑنے کی آوازیں سُنائی دینے لگیں۔ کوئی یوں دوڑ رہا تھا جیسے اس کے پیچھے موت دوڑ رہی ہو۔۔۔ اور پھر سونی کی آوازوں سے ٹائیگر کے دل و دماغ میں کہرام مچ گیا۔ وہ چیخ چیخ کر اُسے پکار رہی تھی اور کہہ رہی تھی: "جلدی آؤ۔۔۔ جلدی۔۔۔ فانگ۔۔۔ فانگ۔۔۔"

ٹائیگر اُٹھا اور آندھی اور طوفان کی طرح مکان سے نکل گیا۔ باہر سونی، اُس سے لپٹ گئی اور بُری طرح سسکیاں لے لے کر رونے لگی۔ اس پر ہذیانی سی کیفیت طاری ہوگئی تھی۔



ٹائیگر نے اُسے جھنجھوڑ ڈالا۔ "وہ کہاں ہے؟ جلدی بتاؤ۔"

سونی پر ہذیانی کیفیت طاری تھی۔ وہ سسکیاں لیتی رہی اور ایک طرف اشارے کرتی رہی۔ ٹائیگر نے اُس کے اشاروں کی سمت میں دیکھا تو اُسے کچھ بھی دکھائی نہیں دیا۔ "سونی۔۔۔ سونی۔۔۔ ہوش میں آؤ، سونی۔" اُس نے خوف زدہ لڑکی کی پشت سہلاتے ہوئے کہا۔ "چلو، مجھے دکھاؤ، وہ کہاں ہے؟"

سونی اُس کی گرفت سے نکل اور اندھا دھند اُس طرف دوڑنے لگی جدھر اُس نے اشاروں سے بتانے کی کوشش کی تھی۔ ٹائیگر نے دیکھا کہ اُس کے دوڑنے کی رفتار بے حد تیز ہے۔ عام حالات میں وہ کوشش کے باوجود بھی اتنی تیزی سے نہیں دوڑ سکتی تھی۔ جذبوں کی شدت گویا اُسے اُڑائے لیے جا رہی تھی۔

ٹائیگر بھی دوڑ رہا تھا۔ وہ اپنی موجودہ رفتار سے کہیں زیادہ تیزی سے دوڑنا چاہتا تھا لیکن سونی کی وجہ سے مجبور تھا۔ سونی کے پیروں تلے گویا پَر لگے ہوئے تھے اور ٹانگوں میں بجلیاں سی بھری ہوئی تھیں۔ وہ کسی خوف زدہ غزال کی مانند چوکڑیاں بھر رہی تھی۔ گلی سنسان تھی لیکن باہر زیادہ اندھیرا نہیں تھا۔ ان کے دونوں طرف کچے پکے مکانات تھے۔ بے ترتیب سے مکانات جن کی وجہ سے گلی بھی ٹیڑھی میڑھی ہوگئی تھی۔ مکانوں سے باہر آنے والا پانی جا بجا کیچڑ کی شکل اختیار کیے ہوئے تھا اور ٹائیگر دل ہی دل میں ڈر رہا تھا کہ کہیں سونی کا پاؤں نہ پھسل جائے۔ وہ اس سے چار قدم پیچھے تھا اور کسی بھی ناگہانی کے لیے تیار تھا۔ وہ حیران تھا کہ سونی اور کتنی دُور جائے گی۔ جیسے جیسے فاصلہ بڑھتا جا رہا تھا، اس کی حیرت بھی بڑھتی جا رہی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ اتنی ہی تیزی سے دوڑتی ہوئی اُس تک پہنچی ہوگی۔۔۔ اور یقیناً بُری طرح تھک چکی ہوگی لیکن اس کے دوڑنے سے تھکن ظاہر نہیں ہو رہی تھی بلکہ یوں لگتا تھا جیسے ہر اُٹھتا ہوا قدم، نئی توانائی اور نئے جذبے کے تحت اُٹھ رہا ہو۔

راستے میں چند راہگیروں سے بھی ملاقات ہوئی، جو اُن دونوں کو آگے پیچھے دوڑتے دیکھ کر ٹھٹک گئے تھے۔ ایک نے تو ٹائیگر کو بُرا بھلا بھی کہا تھا۔ شاید وہ سمجھ رہا تھا کہ ٹائیگر اس جواں سال لڑکی کو پکڑنے کے لیے پیچھا کر رہا ہے۔

اچانک سونی رُک گئی۔ اس کی سانس پر پھنکاروں کا گمان ہوتا تھا اور سینہ دھونکنی کی طرح چل رہا تھا۔ اُس نے لرزتی ہوئی اُنگلی ایک دروازے کی طرف اُٹھا دی۔ ٹائیگر نے اس کا کندھا تھپ تھپایا اور اُسے ہدایت کی کہ وہ باہر ہی رہے۔

"میں دیکھتا ہوں۔ تم یہیں ٹھہرو۔" یہ کہہ کر وہ آندھی اور طوفان کی طرح دروازے سے اندر داخل ہوگیا۔ اُس وقت ایک شخص باہر آرہا تھا۔ ٹائیگر سے اس کا تصادم ناگزیر تھا لیکن اُس پر نگاہ پڑتے ہی ٹائیگر نے خود کو فضا میں بلند کیا اور اُس شخص کے اُوپر سے قلابازی کھا کر ایک میز کے گرد بیٹھے ہوئے آدمیوں کے قریب جا گرا۔۔۔ وہ اس ناگہانی اُفتاد سے گھبرا کر اُٹھ کھڑے ہوئے تو کُرسیاں لڑھک گئیں اور میز پر رکھی ہوئی قہوے کی پیالیاں لرز کر عجیب سی جھنکار پیدا کر گئیں۔

ٹائیگر نے مسلّاشی نگاہوں سے اس جگہ کا جائزہ لیا۔ یہ افیون فروشی کا اڈا تھا جہاں قہوہ بھی فروخت ہوتا تھا۔ چھوٹی سی غلیظ جگہ تھی جہاں افیون کا دُھواں بھرا ہوا تھا۔۔۔ وہاں سانس تک لینے میں دُشواری ہو رہی تھی۔ کم و بیش چالیس آدمی اس چھوٹی سی جگہ میں ٹھُنسے ہوئے تھے۔ ٹائیگر کی آمد سے۔۔۔ جو افراتفری مچ گئی تھی، اس کے باعث ہر شخص اس کی طرف متوجہ ہوگیا تھا۔ ہر آنکھ نشے سے سُرخ ہو رہی تھی اور ہر آنکھ میں ٹائیگر کے لیے غصّے کی جھلک تھی۔ وہ لوگ دُنیا کے ہنگاموں سے بے نیاز ہونے۔۔۔ اور عملی زندگی کے مصائب سے لمحاتی فرار کے لیے یہاں نشہ کرنے آئے تھے۔۔۔ اور نہیں چاہتے تھے کہ کوئی ان کے سکون میں مداخلت کرے۔ ٹائیگر نے ان کی سخت نگاہی کو نظر انداز کر دیا۔ اس کی بے چین نگاہیں جسے ڈھونڈ رہی تھیں، وہ اب تک اُسے دکھائی نہیں دیا تھا۔ ایک ایک چہرہ، ایک ایک جسم اور ایک ایک کھوپڑی کو غور سے دیکھنے کے بعد بالآخر اُس کی نگاہ ایک ایسے شخص پر جم گئی جو مسکراتا ہوا اُس کی طرف آرہا تھا۔ غالباً یہ شخص اس اڈّے کا مالک تھا۔

"آیئے جناب۔۔۔ آیئے۔ میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔" افیون فروش نے کورنش کے سے انداز میں جُھک کر سیدھے ہوتے ہوئے کہا۔ اس کے ہونٹوں پر مکاروں کی مسکراہٹ تھی، آنکھوں میں سُرخی اور چہرے پر درشتی پھیلی ہوئی تھی۔

"میں ایک آدمی کی تلاش میں آیا تھا۔" ٹائیگر نے اپنے قلب اور ذہن میں سُلگتی ہوئی آگ کی آنچ دھیمی کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے پتہ چلا ہے کہ وہ ابھی ابھی یہاں موجود تھا۔"

افیون فروش ہنس پڑا۔ اُس کے دانت زرد اور غلیظ تھے۔ "ہو سکتا ہے جناب! لیکن یہ جگہ تو ایک ایسا آشیانہ ہے، جہاں پرندے آتے ہیں اور دانہ دُنکا لے کر پھُر سے اُڑ جاتے ہیں۔۔۔ پھر بھی بتایئے، وہ کون ہے۔ ممکن ہے میں آپ کی کچھ اور مدد

کرسکوں۔"

"اس کا نام فانگ ہے۔" ٹائیگر نے افیون فروش کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ پھر فانگ کا حلیہ بیان کردیا۔ گنجے سر اور سفاک چہرے کا سن کر افیون کے مالک اثبات میں سر ہلانے لگا۔ "یقیناً ایک ایسا آدمی یہاں آیا تھا... لیکن اس کا نام فانگ نہیں بلکہ تو مانگ ہے۔ وہ گودی پر مزدوری کرتا ہے اور آپ کی آمد سے شاید دو منٹ پہلے ہی یہاں سے گیا ہے۔"

"وہ کہاں مل سکتا ہے؟" ٹائیگر نے پوچھا۔ افیون فروش کی بات سے اُسے اندازہ ہوگیا تھا کہ فانگ سے ملتی جلتی مشابہت کے باعث سونی کو دھوکا ہوا ہے... پھر بھی وہ پوری طرح اپنا اطمینان کرلینا چاہتا تھا۔

"اس وقت وہ اپنے گھر میں ہوگا۔ وہ رات بھر کے لیے خوراک لے گیا ہے۔" افیون فروش بولا۔ "یقین کیجیے، پورے چین میں مجھ سے زیادہ خالص افیون آپ کو کہیں اور سے نہیں مل سکتی۔"

ٹائیگر نے اثبات میں سر ہلایا اور خاصی مقدار میں افیون خرید لی۔ اس پر اڈے کا مالک خوشی سے کھل اُٹھا اور وہاں موجود ہر شخص للچائی ہوئی اور رشک بھری نظروں سے ٹائیگر کو دیکھنے لگا۔ "کیا تم تو مانگ کا گھر دکھانے کے لیے کسی کو میرے ساتھ بھیج سکتے ہو؟" ٹائیگر بالآخر مقصد کی بات پر آگیا... ویسے اس کی حسیات اُسے بتا رہی تھیں کہ تو مانگ سے ملاقات بے کار ہی ثابت ہوگی۔ وہ پلٹ کر دروازے کی طرف دیکھنے لگا جہاں پسینے میں شرابور سونی کھڑی، بُری طرح ہانپ رہی تھی اور نشے بازوں کی حریص آنکھیں اُسے نگلنے کے لیے بے چین نظر آنے لگی تھیں۔

"میں خود چلا جاؤں جناب، میں خود چلا جاؤں۔" افیون فروش نے مستعدی سے کہا۔ ٹائیگر نے اس سے جتنی افیون ایک ہی بار میں خریدی تھی، اتنی مقدار وہ تین روز میں فروخت کیا کرتا تھا... ایسے گاہک کے لیے بھلا وہ سر کے بل چلنے کے لیے کیوں آمادہ نہ ہوتا۔

ٹائیگر اُس کے ساتھ دروازے کی طرف چل دیا۔ اس نے سونی کا ہاتھ نرمی سے تھام لیا اور اُسے لے کر باہر آگیا۔ سونی کی حالت خاصی ابتر تھی۔ ہوا کے تیز جھونکے کی طرح اُڑتی ہوئی یہ چڑیا اب تھکن سے نڈھال لگ رہی تھی۔ ٹائیگر اُسے سہارا دے کر افیون فروش کے پیچھے چلتا رہا۔ تو مانگ کا گھر اس اڈے سے زیادہ دُور نہیں تھا۔ دروازے پر دستک کے جواب میں ایک نوجوان سا بچہ سامنے آیا اور اُلجھن آمیز نگاہوں سے اُن کی طرف دیکھنے لگا۔ "تمہارا باپ کہاں ہے لڑکے؟" افیون فروش نے قدرے سخت لہجے میں پوچھا۔

"اندر ہے... آجاؤ۔" یہ کہہ کر لڑکا سہمے سہمے سے انداز میں سامنے سے ہٹ گیا... لیکن انھیں اندر جانے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ افیون فروش کی آواز سُن کر تو مانگ خود ہی باہر آگیا۔ اس نے ٹائیگر اور سونی کو دیکھا تو اُس کی آنکھوں میں تاثرات پھیل گئے۔ "کیا بات ہے آٹاؤ؟" اس نے افیون فروش سے پوچھا۔ "خیریت تو ہے؟"

"یہ نوجوان تمہیں ایک نظر دیکھنا چاہتا تھا۔" آٹاؤ نے ٹائیگر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

تو مانگ نے سوالیہ نظروں سے ٹائیگر کی جانب دیکھا جس کی گھورتی ہوئی چمک دار آنکھیں اُس کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ ٹائیگر نے دیکھا کہ وہ واقعی فانگ جیسا ہی تھا۔ اسی کھوپڑی ویسی ہی گنجی تھی اور چہرہ بھی لگ بھگ ویسا ہی تھا۔ اگر اُس کے چہرے سے درشتی چسپکی تھی لیکن نقش و نگار سے وہ بھی فانگ کی طرح شیطان نہیں لگ رہا تھا۔ ٹائیگر نے سونی کی طرف جو نفرت سے تو مانگ کو گھور رہی تھی۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے کسی بھی پل اس پر ٹوٹ پڑنے کا ارادہ کررہی ہو۔

"آخر بات کیا ہے؟" تو مانگ نے حیرت سے پوچھا۔ "تم لوگوں کو نہیں جانتا۔"

"اس خاتون کو تم پر کسی اور کا دھوکا ہوا تھا۔" یہ کہہ کر ٹائیگر نے سونی کو کندھے سے تھام کر گھمایا اور افیون فروش کا شکریہ ادا کرکے آہستہ آہستہ واپس چل دیا۔ سونی کی چال میں اب لڑکھڑاہٹ تھی۔ ٹائیگر کا جی چاہا کہ اُسے ہاتھوں پر اُٹھا کر ٹاؤ چی کے گھر تک لے چلے... لیکن پھر اُس نے یہ خواہش ذہن سے جھٹک دی اور اُسے سہارا دے کر چلتا رہا۔

"میں... میں سمجھی تھی کہ یہ... وہی..." کافی دیر بعد سونی کے حواس بحال ہوئے تو اُس نے ہکلا ہکلا کر ندامت سے شروع کیا۔

"کوئی بات نہیں۔" ٹائیگر نے پُرسکون لہجے میں کہا۔ "کسی کا خیال ہر وقت ذہن پر سوار رہتا ہے تو پھر ہر شخص کا گمان ہونے لگتا ہے۔ تم خود کو قصوروار نہیں کہہ سکتیں۔"

سونی خاموش ہوگئی۔ وہ ساؤ کے گھر پہنچے گئے جب

دروازہ اُسی طرح کھلا ہوا تھا، جیسے وہ جاتے وقت افراتفری میں چھوڑ گئے تھے۔ ٹائیگر نے کمرے میں داخل ہوتے ہی ساؤ کی طرف دیکھا۔ اُس کی آنکھیں کھلی تھیں اور وہ دروازے ہی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر مایوسی اور ناامیدی کے تاثرات تھے... لیکن ٹائیگر اور سونی کو دیکھتے ہی اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔ اُس نے اُٹھنے کی کوشش بھی کی لیکن کامیاب نہ ہوسکا۔ سونی نے جلدی سے آگے بڑھ کر اُسے سہارا دیا اور بٹھانے کے بعد پانی کا ایک کٹورا بھر کر لے آئی۔ اس نے اپنے ہاتھوں سے ساؤ کو پانی پلایا... پھر ٹائیگر نے افیون کا پیکٹ اس کے سامنے رکھ دیا۔ اتنی زیادہ افیون دیکھ کر ساؤ کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ اس نے کانپتے ہاتھوں سے پیکٹ لیا اور پھر افیون کی ایک خوراک لینے کے بعد آنکھیں بند کرلیں۔

ٹائیگر نے سونی کی طرف دیکھا۔ وہ خود کو کافی حد تک سنبھال چکی تھی اور اب آنکھیں جھکائے بیٹھی تھی۔ ساؤ کافی دیر تک آنکھیں بند کیے بیٹھا رہا... پھر اُس نے آنکھیں کھولیں تو اس کا چہرہ کافی تروتازہ لگ رہا تھا۔ نہ جانے اس نے کتنی دیر سے افیون استعمال نہیں کی تھی۔ افیون سے اس کی حالت سُدھر گئی تو ٹائیگر کو اندازہ ہوا کہ یہ نشہ اور شے اس کے لیے ناگزیر ہوچکی ہے اور اس کے بغیر وہ زندہ نہیں رہ سکتا۔

ساؤ نے ٹائیگر کا شکریہ ادا کیا اور پھر سنا نجو کی موت پر گہرے رنج و غم کا اظہار کرتے ہوئے بولا۔ "سمجھ لو کہ میں بھی مر چکا ہوں۔"

ٹائیگر نے اُسے سمجھایا کہ جذبات اپنی جگہ سہی ہوتے ہیں اور انسان ان سے متاثر بھی ہوتا ہے... لیکن جذبات کی تکمیل کے لیے ضروری ہے کہ ان کا تقاضا بھی پورا کیا جائے۔ اس سلسلے میں وہ اس سے ایسی تمام باتیں معلوم کرنا چاہتا تھا، جن کی مدد سے وہ فانگ تک پہنچنے میں کامیاب ہوسکتا ہو۔

"مجھے صرف ایک بات اور بتا دو۔" ساؤ نے استدعا کی۔ "سنا نجو کی موت کیسے واقع ہوئی؟"

ٹائیگر نے اُسے مختصراً سب کچھ بتا دیا اور سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "میں سمجھتا ہوں کہ ہمیں پہلے ہی بہت دیر ہوچکی ہے۔ میں جلد از جلد فانگ کو کیفرِ کردار تک پہنچا کر واپس اپنے وطن جانا چاہتا ہوں۔"

بوڑھے ساؤ ٹائی چی نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ افیون کی خوراک نے اس پر خاطر خواہ اثر کیا تھا۔ اس نے افیون کی دوسری سگریٹ کے ذریعے دوسری خوراک ٹھکانے لگا دی... پھر بولنے لگا تو یوں لگا جیسے ہوا کے ذریعے اس کے کانوں میں کوئی آواز پہنچ رہی ہو... اور وہ اس آواز کے مطابق ہر بات دُہرا رہا ہو۔ اس کا لہجہ بے حد نرم تھا۔

"میں سوائے ایک بوڑھے نشے باز کے کچھ بھی نہیں ہوں۔ میرے پاس عقل و دانش نہیں، حتیٰ کہ میں خود اپنی رُوح کا بھی مالک نہیں ہوں۔ مجھے اونگھے مناظر دکھائی دیتے ہیں... اور مجھ کو تمہارے سوالوں کے جواب سُجھائے جاتے ہیں، وہ سوال جو تم کررہے ہو اور ایسے کئی سوال جو ابھی تک تمہارے ذہن میں نہیں آئے۔ مجھے سنا نجو نے خواب میں ہدایت کی تھی کہ تم جب بھی آؤ، میں یہ باتیں تمہیں بتا دوں... لیکن میرے ساتھ ایک مسئلہ یہ ہے کہ میری سمجھ میں نہیں آتا، کہاں سے بات شروع کروں...؟"

اب وہ بہت تیزی سے بولنے لگا تھا اور ٹائیگر کو اس کی باتیں سمجھنے کے لیے بڑی دُشواری ہورہی تھی۔ اب بھی اُس کے ذہن میں راہب کے وہ الفاظ گھوم رہے تھے، "ساؤ کی باتوں کو غور سے سُننا کیوں کہ وہ خود اس کی اپنی باتیں نہیں ہوں گی۔"

ٹائیگر نے آنکھیں بند کرلیں اور مزید توجہ سے سُننے لگا۔ ساؤ جو کچھ کہہ رہا تھا، وہ اس کے ذہن نشین ہوتا چلا گیا۔

چاہ بابل
دیو تاؤں کے شہر بابل کی کہانی
جسے مصنف نے 35 سال کی ریسرچ کے بعد قلمبند کیا۔
صفحات 800 قیمت 400
اردو بازار لاہور

"تم یہاں اپنے اُستاد کے قاتل کی تلاش میں آئے ہو... لیکن فانگ جلد ہی بلیک سرکل کی پناہ میں پہنچ جائے گا... پھر ایک ایسی جنگ شروع ہو جائے گی جیسی کہ صدیوں پہلے بھی ہو چکی ہے۔ بلیک سرکل، شیطانوں کا ٹولہ ہے۔ اُن کے پاس عوام کو اپنا غلام بنانے کے لیے بہت سے ہتھیار ہیں۔ اُن کے پاس ایک ایسا ہتھیار بھی ہے جس سے وہ لوگوں کی رُوحوں کو اپنا غلام بنا لیتے ہیں۔ یہ ہتھیار کوڑوں، زنجیروں، پستولوں حتیٰ کہ راکٹوں سے بھی زیادہ خطرناک ہے... اور وہ ہتھیار ہے افیون... لوگوں کا خیال تھا کہ چین میں افیونی جنگیں اپنے انجام کو پہنچ چکی ہیں لیکن ایسا نہیں ہے۔ شر پسندوں اور شیطانوں نے آخری جنگ ہارنے کے بعد افیون کا ہتھیار نسبتہً مؤثر انداز میں استعمال کرنا شروع کر دیا ہے۔ فانگ، ایک کنگ فو ماسٹر ہی نہیں بلکہ شیطانی طاقتوں کا مجموعہ بھی ہے۔ اُس میں ایسی صلاحیتیں موجود ہیں، جن کا ابھی اُسے خود بھی احساس نہیں ہے۔ جیسے جیسے وہ ان طاقتوں سے آشنا ہوتا جائے گا، وہ اتنا ہی خطرناک اور ناقابلِ شکست ہوتا جائے گا۔ ژڈاک نے افیون کے ذریعے پُوری قوم کو اپنے حلقۂ اثر میں لینے کے لیے فانگ کو بلیک سرکل کے لیڈر کی حیثیت سے منتخب کر لیا ہے۔ دُنیا بھر سے شیطانی قوتوں کا یہاں اجتماع ہونے لگا ہے۔ سب سے پہلے افیون کے ذریعے لوگوں کو مطیع کیا جا رہا ہے، اس کے بعد بلیک سرکل کے درندوں کی فوج میدانِ عمل میں آئے گی... اور پھر وہ اس طرح حکمرانی کریں گے کہ انسانی زندگی ان کی اجازت کے بغیر، اپنی مرضی سے سانس تک نہیں لے سکے گی۔ ژڈاک، بلیک سرکل کا سرغنہ ہے۔ بوڑھا لیکن بے حد ذہین۔ اس کے پاس تباہی دھوئیں کی طاقت ہے۔ وہ چنگیز خان سے زیادہ بے رحم، سکندر اور زار سے زیادہ طاقت ور اور ہٹلر سے زیادہ شیطان ثابت ہوگا... حتیٰ کہ گرین سرکل اس کا قلع قمع نہ کر دے۔ تاریخ کا پہیہ بڑی تیزی سے آگے پیچھے گردش کرتا ہے۔ ماضی کی افیونی جنگیں، اس جنگ کے سامنے ہیچ ہو جائیں گی۔"

ٹائیگر آنکھیں بند کیے توجہ اور انہماک سے سنتا رہا... پھر یکایک ساؤ کی آواز مدھم ہوتے ہوتے یوں ڈوبنے لگی جیسے بوڑھا ساؤ بولتے بولتے کسی بلند چٹان سے گہرائی میں گرتا جا رہا ہو۔ ٹائیگر نے چونک کر آنکھیں کھول دیں۔ بوڑھے ساؤ کا چہرہ سپاٹ ہوتا جا رہا تھا۔ اس نے کن انکھیوں سے سونی کی طرف دیکھا۔ وہ بیٹھے بیٹھے ہی سو گئی تھی۔ کمرے کا ماحول پہلے سے کہیں زیادہ تاریک ہو گیا اور اس میں بڑا ہی پُراسرار تاثر پیدا ہو گیا۔

...اور پھر راہب کی بات سچ ہی ثابت ہو گئی۔

اب بوڑھا ساؤ جو کچھ بھی کہہ رہا تھا، وہ اس کے الفاظ تھے اور نہ ہی وہ اس کی اپنی آواز تھی... صرف اس کے ہونٹ متحرک تھے۔

"میرے ساتھ آؤ... میرے ساتھ چلو..." یہ آواز ساؤ کی نہیں، اُوشان کی آواز تھی۔ ٹائیگر کے جسم کے ہر مسام نے تنہ پسینہ اُگلنا شروع کر دیا۔ اس کی دھڑکنیں بے ترتیب ہو گئیں۔ اس کا ذہن غنودگی کا شکار ہوتا چلا گیا۔ اُوشان کی آواز ہنوز میں اضافے کے ساتھ ساتھ نسبتہً صاف اور واضح ہوتی جا رہی تھی۔

ٹائیگر کی آنکھیں بند ہو گئیں۔

اس کا ذہن البتہ روشن ہو گیا۔ اب وہ یوں محسوس کر رہا تھا جیسے ماضی کے سارے ہی پردے اس کے سامنے ہٹا دیئے گئے ہوں اور وہ اس ملک کی تاریخ دیکھ سکتا ہو کے سامنے ایک صحرا تھا، حدِ نگاہ تک ریت ہی ریت پھیلی ہوئی تھی اور دُور کہیں سے کسی آسیب کی طرح حرکت کرتی ایک انسانی ہیولہ نظر آ رہا تھا۔ جلد ہی یہ ہیولہ اُس کے قریب آ گیا۔ اُوشان اُس کے سامنے بیٹھ گیا اور اس کے متحرک ہونٹوں سے بھاری آواز نکلنے لگی۔ ٹائیگر کا پُورا جسم جیسے مفلوج ہو کر رہ گیا تھا...

"تاریخ لکھنے والوں کا کہنا ہے کہ برطانیہ اور چین کے درمیان دو جنگیں لڑی گئی تھیں۔ پہلی جنگ ۱۸۳۹ء میں اور دوسری ۱۸۵۶ء میں... لیکن بنی نوعِ انسان کی تاریخ میں یہ جنگیں اس سے کہیں زیادہ تعداد میں لڑی گئی ہیں۔ پہلے مغربی آدمی کی چین میں آمد سے قبل یہاں افیون کا نام و نشان تک نہیں تھا۔ چین کے صدیوں سے اس منحوس چیز کے بارے میں صرف اتنا ہی علم تھا کہ درد موقوف کرنے کے علاوہ یہ دَوا زخموں کے منہ بند ہونے میں کام آتی ہے... پھر ہندوستان سے آنے والا عرب یہ دوا لے کر چین آیا۔ مغربی تاجر بڑی مشکل سے یہ دوا لے آئے اور غلامانہ انداز میں یہاں تجارت کرنے لگے۔ چین کے حکمران نے تمباکو نوشی اُنھی سے سیکھی... پھر تمباکو نوشی کا لطف بڑھانے کے لیے اس میں افیون بھی شامل ہو گئی تو وہ بڑا خوف ناک مالکانہ انداز اختیار کرتے چلے گئے۔ جب شاہی خاندان اس نشہ آور شے اور تمباکو کے مضرات کا علم ہوا تو اس نے

ندی لگا دی۔ دو سو سال قبل مغربی طاقتیں ایشیا میں اپنی نو دیاں بناتی ہوئی مشرق پر قابض ہونے لگیں... پھر برطانیہ نے روستان فتح کر لیا اور یوں دُنیا بھر میں سب سے زیادہ افیون اگر نے والی یہ سرزمین لالچی اور طاقت ور مُلک کے قبضے میں چلی مغربی قوموں کو چین کے ساتھ تجارت کرنے میں ہمیشہ دُشواری کیوں کہ چین کے پاس ریشم اور چائے کی کمی نہیں تھی، اس کے وہ باقی ضروریاتِ زندگی کے معاملے میں بھی یہ مُلک خود کفیل تھا مغربی قوموں نے افیون کی لت ڈالنی شروع کر دی۔ چین میں ن پر پابندی نے غیر قانونی ذرائع کو دعوت دی جس کے نتیجے اسمگلنگ شروع ہو گئی اور شر پسند لوگوں کے گروہ پُردہ اپنے وام کی جڑیں کاٹنے لگے۔ ۱۸۳۹ء میں لاکھوں چینی نشے بازی ہاتھوں ناکارہ ہو کر رہ گئے۔ وہ اپنی آمدنی کا ایک ایک سکہ برطانیہ ہاتھوں میں دینے لگے جس پر چین کے شاہی ناظم اعلیٰ نے برطانیہ ہزاروں پاؤنڈ افیون کینٹن کی بندرگاہ سے سمندر میں غرق کر بس پر برطانیہ نے بحری اور فضائی فوجوں کے ذریعے بڑی رحمی سے حملے کیے اور چین پہلی افیونی جنگ ہار گیا۔ شاہ چین ب خطیر رقم اُس افیون کے بدلے دینی پڑی جسے غرقاب یا تھا۔ ان دونوں شکستوں پر برطانیہ کا مکمل تسلط ہو گیا، سے پُورے چین میں افیون تقسیم ہونے لگی۔ کچھ عرصے بعد نے دوبارہ اس لعنت کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا بدقسمتی سے چین اس دوسری افیونی جنگ میں بھی شکست دوچار ہوا۔ سرکار کی طرف سے افیون پر ٹیکس لگا دیا گیا اور ین میں بھی پوست کی باقاعدہ کاشت شروع ہو گئی۔ ۱۹۱۱ء ن یاٹ سین انقلاب لے آیا۔ یہ بھی افیونی جنگ تھی لیکن والوں نے اسے دیگر وجوہ کے باعث افیونی جنگ قرار نہیں ب افیون، مارفیا اور ہیروئن کا دَور شروع ہو گیا۔ حالات بدلتے رہے حتیٰ کہ ۱۹۴۹ء میں کمیونسٹوں کی فوجیں، ے تنگ کی کمان میں شنگھائی پر حملہ آور ہوئیں اور پھر ان نے پُورے چین پر قبضہ کر لیا۔ منشیات فروشوں نے چین مال کر ہانگ کانگ میں ڈیرے ڈال دیئے اور کنگ فو ں کو تربیت دینے کی کوششیں شروع کر دیں۔ اس سلسلے میں ا اور بلیک سرکل نے ان کی معاونت کر کے سونے چاندی نے گودام بھرنے شروع کر دیے... لیکن جہاں بُرائی کی طاقتیں ی ہیں، قدرت وہاں نیکی کی طاقتیں بھی پیدا کر دیتی ہے۔ ا اور گرین سرکل نے حکومت کے ہاتھ مضبوط کرنے شروع کر دیے... آج پھر تاریخ اپنے آپ کو دُہرانا چاہتی ہے، میرے بچے! تمھیں اس درندگی اور بُرائی کے خلاف جنگ کرنی ہے... تمھیں ہمت، طاقت اور ذہانت کی ضرورت ہے..."

"شہزاد... شہزاد..." اچانک سونی نے چیخ چیخ کر اُسے پکارنا شروع کر دیا۔

ٹائیگر نے چونک کر آنکھیں کھول دیں۔

سونی شاید سوتے میں کوئی بھیانک خواب دیکھ کر ڈر گئی تھی۔ ٹائیگر نے ساؤ کی طرف دیکھا۔ وہ خاموش اور ساکت بیٹھا تھا۔ اس کے ہونٹ اب بھی حرکت کر رہے تھے لیکن آواز سُنائی نہیں دے رہی تھی۔

ٹائیگر ایک طویل سانس لے کر سونی کی طرف متوجہ ہو گیا جس کی چیخوں نے اُسے ماضی کے مناظر سے حال میں کھینچ لیا تھا۔ یہاں آنے کے بعد اُوشان کی حقیقت اُس پر کھُلی تھی۔ اُس کی رُوحانی قوتوں کا صحیح اندازہ ہُوا تھا... اور اب اس پر اپنی اہمیت بھی آشکار ہو گئی تھی۔

"کیا بات ہے، تم کیوں چیخی تھیں؟" ٹائیگر نے سونی کو گھورتے ہُوئے پوچھا۔

"تت... تمھاری حالت..." وہ گڑبڑا کر بولی۔ "یوں لگ رہا تھا جیسے تم... جیسے بیٹھے بیٹھے تمھاری... رُوح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی ہو۔"

ٹائیگر نے اس کا کندھا تھپتھپایا۔ "سو جاؤ۔ مجھے کچھ نہیں ہُوا۔" یہ کہہ کر وہ خود بھی لیٹ گیا لیکن نیند اُس کی آنکھوں سے کوسوں دُور تھی۔ وہ گُردآلود اور نیم تاریک ماحول میں دراز، چھت کی طرف گھورتا رہا حتیٰ کہ موم بتی نے پگھل کر اپنا آخری مومی آنسو بھی تاریکی کی دہلیز پر ٹپکا دیا اور کمرہ اندھیروں میں ڈوب گیا۔

نہ جانے یہ کیسی نیند تھی۔ رات کا باقی ماندہ حصّہ تو خیر سو کر گزرنا ہی تھا، نہ جانے کون سے عوامل تھے کہ اُن کی آنکھ اگلے روز شام کو اُس وقت کھُلی جب کام کاج سے واپس آنے والے لوگوں کے ہجوم سے پیدا ہونے والی آوازیں کانوں سے گھُس کر ان کے ذہنوں میں کہرام سا برپا کر گئیں۔ سب سے پہلے ٹائیگر کی آنکھ کھُلی۔ اُس نے دیکھا کہ سونی اُس کے بازو پر سر رکھے گہری نیند میں ڈوبی ہُوئی ہے۔ اس کے پپوٹوں میں خفیف سی حرکت تھی جو باہر سے گزرنے والے مزدوروں ہی کی

آوازوں سے ذہن میں اضطراب پیدا ہونے کے باعث جنم لے رہی تھی۔ اُس کا چہرہ گلاب کی مانند کھلا ہُوا تھا اور مُتبسم تھا۔ ٹائیگر کی نگاہ ساؤ کی طرف اُٹھ گئی۔ وہ افیون کے نشے سے لبریز نیند کی جھیل میں ڈبکیاں کھا رہا تھا اور اُس کے پپوٹے یوں پھڑپھڑا رہے تھے جیسے باہر سے آنے والی آوازیں ان پپوٹوں پر دستک دے کر اُسے تنویمی نیند سے بیدار کرنے کی کوشش کر رہی ہوں۔

وہ اُٹھ بیٹھا۔ اُٹھنے سے قبل اُس نے سونی کا سر نہایت آہستگی سے اپنے بازو سے ہٹا کر چٹائی پر رکھا تھا لیکن اس احتیاط کے باوجود سونی کی آنکھ کھل گئی۔ اس کے ہونٹوں پر تبسم کی لکیر گہری ہوگئی تو ٹائیگر کو یہ سمجھنے میں دُشواری نہ ہُوئی کہ وہ بہت دیر سے جاگ رہی تھی اور نیند کے بہانے اُس کے بازو پر سر رکھے لیٹی ہُوئی تھی۔

بوڑھا ساؤ بھی بڑبڑاتا ہُوا اُٹھ کھڑا ہُوا۔

"ہم لوگوں نے سونے میں بہت وقت ضائع کر دیا۔" ٹائیگر نے قدرے جھلاہٹ آمیز لہجے میں کہا۔ "اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ سب تمہارے گھر کی اس افیون آمیز فضا کا اثر ہے۔"

بوڑھے ساؤ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

سونی نے اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر اُٹھ کر ساؤ کے گھٹنے چُننے برتنوں کو سمیٹ کر کھڑا ہونے لگی۔ ٹائیگر نے آنکھیں بند کر کے عملِ تنفس کی لمحاتی مشق کے ذریعے اپنی ذہنی فضا صاف کی اور پھر اُٹھ بیٹھا۔ سونی جلد ہی قہوہ بنا کر لے آئی۔ وہیں بیٹھے بیٹھے وہ قہوے کی چسکیاں لینے لگے۔ بوڑھا ساؤ، رات کے مقابلے میں صحت مند اور چاق و چوبند لگ رہا تھا۔ افیون کی ڈبل ڈوز نے اُس کے اعصاب پر بہترین اثرات مرتب کیے تھے۔ قہوے کے بعد اُس نے افیون کے ذخیرے سے ایک خوراک نکالی اور دُھواں اُڑانے میں مصروف ہوگیا۔

"کیا تم شنگھائی میں ریڈ سرکل کے بچے کھچے لوگوں کے بارے میں بھی کچھ جانتے ہو، ساؤ؟" ٹائیگر نے سوال کیا۔

ساؤ نے کسی اُلو کی مانند دیدے گھمائے اور اُس کی پیشانی پر لاتعداد سلوٹیں اُبھر آئیں... پھر اُس نے ریڈ سرکل کے سلسلے میں جو کچھ بھی بتایا، وہ پہلے سے ٹائیگر کے علم میں تھا جب کہ ساؤ اس بات سے بے خبر تھا کہ وہ ریڈ سرکل کا ہیڈ کوارٹر تباہ کر کے آیا ہے۔ ریڈ سرکل کے بعد ٹائیگر نے پیکنگ میں سرگرمِ عمل بلیک سرکل کے سلسلے میں معلومات کا تقاضا کیا تو بوڑھے نے دُھوئیں کا ایک بادل حلق سے فضا میں اُگلتے ہُوئے کہنا شروع کیا۔

"پیکنگ میں افیون کی اسمگلنگ کا سارا کاروبار بلیک سرکل کے ہاتھ میں ہے۔ یہاں کے خُفیہ اڈے بھی اُنھی کے قبضے میں ہیں۔ یہاں ایسے ایسے اڈے ہیں کہ حکومت اور اس کے اعلیٰ عہدیدار تو کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا ہوگا۔ بلیک سرکل کا طریقۂ کار بڑا ہی منفرد ہے۔ وہ سب سے پہلے چند آدمیوں اور عورتوں کو افیون کا عادی بناتے ہیں، جب وہ پوری طرح بے بس ہو جاتے ہیں اُنھیں افیون دی جاتی ہے تاکہ وہ دوسروں کو بھی اس کی لت ڈالا دیں۔ اس طرح نشے بازوں کی تعداد بڑھتی چلی جاتی ہے۔ بلیک سرکل کو دہشت پسندوں کا گروہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔"

بوڑھے ساؤ نے بلیک سرکل کی دہشت پسندی کے ایسے واقعات سُنائے کہ ٹائیگر کے جسم میں ایک سرد سی لہر دوڑ گئی۔ سونی کا نازک جسم کانپ کانپ گیا۔

"لیکن..." ساؤ نے بڑے ہی پُراسرار اور ڈرامائی انداز میں کہا۔ "بلیک سرکل کا ایک کام اور بھی ہے۔ وہ یہاں سے مَردوں... اور عورتوں کو بھی اسمگل کرتا ہے۔ ایسے لوگ جو یہاں خوفناک جرائم کے مرتکب ہوتے ہیں اور قانون کو جن لوگوں کی بڑی سرگرمی سے تلاش ہوتی ہے، بلیک سرکل ایسے افراد کو کہیں نہ کہیں اسمگل کر دیتا ہے۔"

ٹائیگر کے دل میں بے چینیاں بھر گئیں۔ اُس نے ساؤ کی طرف دیکھا تو غالباً وہ اُس کی سوچ پڑھنے میں کامیاب ہوگیا تھا۔ "ہاں، ممکن ہے وہ فانگ کو اسمگل کر کے یہاں سے کہیں اور بھجوا دیں۔ اگر وہ فانگ کو بھیج دیا گیا تو وہاں ریڈ سرکل کے چند لیڈر بھی موجود ہیں جن سے اس کی ملاقات ممکن ہے۔"

"ہُوں..." ٹائیگر نے سوچ میں ڈُوبی ہُوئی آواز میں کہا۔

"میں نے جب سے سنا نجو کو خواب میں دیکھنا شروع کیا۔ اُس نے سب سے پہلے مجھے حکم دیا تھا کہ میں اسمگلنگ کے سلسلے میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کروں۔ ہمانگ نے جب میرے کو قتل کیا تو اُس سے قبل میں اسی گینگ سے وابستہ تھا۔ اس ایسے ذرائع آسانی سے تلاش کر سکتا تھا جن کو استعمال کر کے بلیک اسمگلنگ کر رہا ہے۔ میں نے سانجو کے حکم پر ایسے لوگوں کا پیچھا شروع کر دیا جو کبھی کبھی اور کسی نہ کسی طور جرائم پیشہ رہ چکے تھے۔ بیشتر راتیں دیائے وانگ پُو کے کنارے دبکی ہوئی حالت میں ہیں، جہاں میں سینکڑوں کشتیوں کی آمد و رفت کا جائزہ لیتا رہا۔ میں ایسے دو مقامات کا سُراغ لگانے میں کامیاب ہو چکا ہُوں، افیون اُتاری جاتی ہے یا جہاں سے لوگوں کو باہر اسمگل کیا جاتا ہے۔ ایسے اور بھی کئی مقامات ہوں اور..."

وہ نصف گھنٹے تک اس موضوع پر باتیں کرتا رہا اور ٹائیگر کی معلومات ذہن نشین کرتا چلا گیا۔ افیون اور آدمیوں کی اسمگلنگ

بات ختم کرنے کے بعد وہ، سونی کی طرف کن انکھیوں سے دیکھتے ہُوئے سرگوشی کرنے لگا۔

"بلیک سرکل کے کارناموں کے سلسلے میں تمہیں ایک اور بات بھی ذہن نشین کر لینی چاہیے۔" اس بار، اُس نے براہِ راست سونی کی آنکھوں میں دیکھا اور پھر ٹائیگر کی طرف متوجہ ہو کر بلند آواز میں بولا۔

"بلیک سرکل نے دُنیا بھر میں عصمت فروشی کے بھی کئی اڈے کھول رکھے ہیں۔ اُنھیں اپنے عیش اور دیگر مقاصد کے لیے ہمیشہ حسین لڑکیوں کی تلاش رہتی ہے۔ اگر بلیک سرکل کا کوئی گرگا، کوئی حسین لڑکی دیکھ لیتا ہے تو اُس لڑکی کو فوراً اغوا کر لیا جاتا ہے... پھر ایسی لڑکیوں کا کبھی سُراغ نہیں ملتا۔ ان میں سے بیشتر ہانگ کانگ کے اس بازار میں بھیج دی جاتی ہیں جہاں محبت کو ترستے ہوئے لوگ اپنی جیبیں خالی کر کے، اپنے دامن گنوا ہوں سے بھر کر لے جاتے ہیں۔"

ٹائیگر نے سونی کی طرف دیکھا۔ وہ دُنیا کی چند حسین ترین لڑکیوں میں سے ایک تھی... اور یہ اُس کی خوش قسمتی ہی تھی کہ ریڈ سرکل یا بلیک سرکل کے کسی گرگے کی اب تک اُس پر نظر نہیں پڑی تھی۔

"سونی..." ٹائیگر نے نرمی سے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ تمہیں ماسٹر تاؤ کے پاس چلے جانا چاہیے۔"

سونی کی آنکھوں میں ہند چمک اُٹھی۔ "فانگ نہیں جانتا کہ میں زندہ ہُوں۔"

"اور میری خواہش ہے کہ اُسے یہ بات کبھی معلوم نہ ہو۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ "مجھے اب فانگ کی تلاش میں نکل جانا چاہیے۔ آج رات تمہیں کسی محفوظ جگہ پر چھوڑ دیا جائے گا۔ اگر صبح تک میں فانگ کو تلاش کر لے اور اُسے ٹھکانے لگانے میں کامیاب نہ ہُوا تو کل تمہیں کسی محفوظ ذریعے سے شنگھائی بھیجنے کا بندوبست کر دیا جائے گا۔" یہ کہہ کر وہ، ساؤ کی طرف متوجہ ہوگیا۔ "تمہاری باتوں سے پتہ چلتا ہے کہ تم کسی خاص اڈے سے افیون حاصل کرتے ہو جبکہ ہم جس اڈے پر گئے تھے، وہ اس علاقے کا سب سے چھوٹا اور گھٹیا اڈا ہے۔ کیا آج رات تم اپنے مخصوص اڈے پر جاؤ گے؟"

بوڑھے ساؤ نے مُسکرا کر اُس پیکٹ کی طرف دیکھا جو رات ٹائیگر اُس کے لیے خرید لایا تھا۔ "اس ذخیرے کی موجودگی میں تو مجھے پورے ایک ماہ تک کہیں جانے کی ضرورت نہیں لیکن میں محسوس کر رہا ہُوں کہ تم کسی خاص منصوبے کے تحت، اس اڈے پر جانا چاہتے ہو... ٹھیک ہے، میں جاؤں گا۔"

"تو ہم ٹھیک ہے۔ مجھے ساتھ لے چلنا اور اُن لوگوں کو بتانا کہ میں بھی افیون کا عادی ہُوں اور میں، ٹینٹ سِن سے آیا ہُوں جہاں کسی چند ایسے جرائم سرزد ہوئے ہیں کہ قانون کو بڑی سرگرمی سے میری تلاش ہے۔ اگر فانگ نے اُن سے رابطہ قائم کر کے اُنھیں میرے بارے میں ابھی تک کچھ نہیں بتایا تو ممکن ہے، میں کوئی خاص بات معلوم کرنے میں کامیاب ہو جاؤں۔"

بوڑھے ساؤ نے نفی میں سر ہلا دیا۔ "نہیں... یہ بے حد خطرناک کام ہے۔ یقیناً فانگ نے اُنھیں تمہارے بارے میں آگاہ کر دیا ہوگا... اس طرح تم اُس اڈے پر کئی گرگوں کے نرغے میں پھنس جاؤ گے جو تمہیں آسانی سے ہلاک کر سکتے ہیں۔"

ٹائیگر کا لہجہ بے پناہ سخت ہوگیا۔ "اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں... پھر فانگ کو ابھی یہ پتہ نہیں چلا ہوگا کہ میں، اس کا پیچھا کرتا ہُوا یہاں تک بھی پہنچا ہُوں۔ اس کے علاوہ ممکن ہے، وہ ابھی تک... بلیک سرکل سے رابطہ قائم کرنے میں کامیاب ہی نہ ہُوا ہو۔ اگر وہ، ان سے مل چکا ہے تو ممکن ہے، اُس سے اسی اڈے پر ملاقات ہو جائے۔ ایسے میں، میں اُس سے ملنے میں زیادہ وقت نہیں لگاؤں گا۔ سانجو نے تمہارے ذریعے جو کچھ میرے ذہن تک پہنچایا ہے، اُس کا لُبِ لباب یہ ہے کہ چین میں ایک اور افیونی جنگ کے سامان پیدا ہونے سے قبل، مجھے فانگ کو کیفرِ کردار تک پہنچا دینا چاہیے۔"

"لیکن..." ساؤ ابھی تک متذبذب تھا۔

"کیا تم سانجو سے بھی اسی طرح بحث کرتے؟" ٹائیگر کا لہجہ بے حد سخت ہوگیا۔

ساؤ کے ہونٹ بھنچ گئے اور اُس کی آنکھیں آہستہ آہستہ بلند ہو کر چھت کو گھورنے لگیں۔ قدرے توقف کے بعد وہ لرزتی ہُوئی آواز میں بولا۔ "ہم آج رات اُس اڈے پر ضرور جائیں گے۔" یہ کہہ کر اُس نے ایک طویل سانس لی اور آنکھیں بند کر لیں۔ "اور میں دُعا کروں گا کہ میری بے قیمت زندگی کے اگر کچھ دن باقی ہوں تو وہ اپنے بھائی کی موت کا انتقام لینے ہی میں صرف ہوں..."

ساؤ نے پُرانے ڈبے میں سے کچھ چاول نکال کر سونی کو دیے اور وہ کھانا تیار کرنے میں مصروف ہوگئی۔ نصف گھنٹے بعد وہ کھانے سے فارغ ہُوا تو ٹائیگر اُٹھ کھڑا ہُوا۔ "اب ہمیں یہاں سے چل دینا چاہیے۔"

"ہاں... وقت ہوگیا ہے۔" ساؤ نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

ٹائیگر نے پہلے سونی کی طرف دیکھا پھر ساؤ سے پوچھا۔ "اسے کہاں چھپایا جائے گا؟"

"ہمارے ہی ایک متروک گودام ہے۔ جب میرا بھائی زندہ تھا... تو ہم دونوں یہیں کام کرتے تھے۔ وہاں تک جانے کے لیے ایک خفیہ راستہ، اس کمرے میں بھی موجود ہے۔ گودام کے دروازے مقفل ہیں اور وہاں ایک عرصے سے کسی کی بھی آمد و رفت نہیں ہے۔ اس سے زیادہ محفوظ جگہ فی الحال کوئی

اور نہیں ہو سکتی۔"

ٹائیگر نے سونی کی طرف دیکھا۔ اُس کی آنکھوں میں ضد اور ہٹ دھرمی کے تاثرات تھے لیکن چہرہ بتاتا تھا کہ وہ جانتی ہے اس کے علاوہ سر دست کوئی چارہ بھی نہیں ہے۔

"میری واپسی تک تم اسی گودام میں روپوش ہو جاؤ۔ اگر میں چوبیس گھنٹوں میں واپس نہ آؤں تو یہاں سے نکل کر شنگھائی چلی جانا۔" اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر چند نوٹ نکالے اور اس کی طرف بڑھا دیے۔

سونی نے کانپتی انگلیوں سے نوٹ تھام لیے اور بولی۔ "تم جیسا کہو گے، میں ویسا ہی کروں گی۔ یہ میرا وعدہ ہے... لیکن ایک وعدہ تم بھی کرو، شہزاد!"

"کاش! میں تم سے کوئی وعدہ کرنے کی پوزیشن میں ہوتا۔" ٹائیگر کے لہجے میں بے بسی تھی۔

کچھ بھی ہو، وعدہ کرو کہ اگر میں ماسٹر تاؤ کے پاس چلی گئی تو تم وہاں ضرور آؤ گے۔ میں ایک سال تک تمہارا انتظار کروں گی۔ اگر تم نہ آئے تو میں تمہاری تلاش میں نکل کھڑی ہوں گی... اور آخری سانسوں تک تمہیں تلاش کرتی رہوں گی۔"

سونی کے لہجے نے ٹائیگر کو بے حد متاثر کیا اور وہ دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا کر رہ گیا کہ کاش وہ کوئی عام آدمی ہوتا۔ عام آدمی کی حیثیت سے وہ سونی کی محبت سے نسبتہً زیادہ لطف اندوز ہو سکتا تھا... لیکن موت! اس کا پیشہ تھی اور موت ایک ایسی قوت ہے جو اچانک بے خبری میں انسان کو آلیتی ہے اور اس سے سانسیں چھین کر لے جاتی ہے۔ اس نے ایک طویل سانس لے کر سونی کی آنکھوں میں دیکھا اور نرمی سے بولا۔

"میں، تم سے صرف یہ وعدہ کر سکتا ہوں کہ جس لمحے میں، فانگ کو کیفر کردار تک پہنچانے میں کامیاب ہوا، تم جہاں کہیں بھی ہوئیں، میں تم تک پہنچ جاؤں گا... اور اگر میں اُسے کھو بیٹھا تو تمہاری دی ہوئی... مدت میں تمہیں کوئی نہ کوئی پیغام ضرور بھیج دوں گا۔"

سونی نے محبت سے اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔ ٹائیگر اُس کے نرم و گداز ہاتھوں کے لمس سے بے خود ہونے لگا۔ ان لمحوں میں اُس کے ذہن میں شدت سے صرف ایک ہی خیال اُبھرا کہ کاش، وہ ٹائیگر نہ ہوتا، صرف شہزاد ہوتا۔

ساؤنے خفیہ راستہ کھول دیا۔ وہ آہستہ آہستہ چلتی، چوبی زینے سے اُتر کر ٹائیگر کی نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ ساؤنے خفیہ راستہ بند کر دیا اور بڑبڑایا۔ "اب ہمیں مزید دیر نہیں کرنی چاہیے۔"

★★

بوڑھا نائے باز، ٹائیگر کو ساتھ لے کر مختلف گلیوں میں سے ہوتا ہوا، جب اُس مکان کے سامنے سے گزرا جہاں سے اُس نے گزشتہ رات ڈیزل خریدی تھی، تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وہاں ایک سبزی کی دکان کھلی ہوئی ہے اور سبزی فروش وہی شخص تھا جو رات، منشیات فروشی میں مصروف تھا۔ ساؤنے بتایا کہ یہ ایک عارضی اڈہ ہے۔ جب حالات سازگار دیکھے جاتے ہیں تو نشے بازوں کی ایک شبینہ محفل یہاں جم جاتی ہے... اور صورتِ حال ذرا سی گڑبڑ ہوتے ہی سبزی کی دکان کھل جاتی ہے۔ اس وقت وہاں سے افیون کا ایک ذرہ بھی ملنا ممکن نہیں تھا۔

ساؤ، ٹائیگر کو لے کر ریلوے فانگ پُو کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہ ایسے حصّے کی طرف بڑھ رہا تھا جدھر خشک گودیاں تھیں۔ کھلی فضا میں پہنچ کر ساؤنے کہا۔ "اگر تم ان لوگوں کو قائل کرنا چاہتے ہو کہ پرانے نشے باز ہو تو تمہیں افیون پینی پڑے گی۔ ممکن ہے تم جھوٹ موٹ پینے کا عمل ظاہر کر سکو۔ میں یہ بات تم پر چھوڑتا ہوں... لیکن اگر تم دھوئیں کو اپنے پھیپھڑوں تک پہنچانے میں کامیاب نہیں ہوتے تو یہ دھواں تمہارے منہ سے کسی چمنی کے دھوئیں کی طرح نکلے گا جبکہ اُسے ایک ہموار لہر کی مانند مُنہ سے نکل کر فضا میں تحلیل ہونا چاہیے۔ ان لوگوں کے پاس یہی ایک شناخت ہے جس سے نشے بازوں اور پولیس کے ایجنٹوں کے درمیان امتیاز کیا جا سکتا ہے۔ اور پولیس ایجنٹوں کو وہ دوسرے ہی لمحے میں ہلاک کر دیتے ہیں۔"

ٹائیگر نے تفکر آمیز انداز میں سر کو مثبت جنبش دی اور خاموشی سے چلتا رہا۔ قدرے توقف کے بعد ساؤ پھر بولنے لگا۔

"اگر تم پیو گے تو تمہیں کم از کم یہ ضرور معلوم ہونا چاہیے کہ کیا پی رہے ہو۔ وہاں جو کچھ نشے بازوں کو دیا جاتا ہے، منشیات کی خرید و فروخت کرنے والے اُسے تیسرے درجے کی بھروں کہتے ہیں۔ درجہ چہارم خالص ترین ہوتی ہے لیکن وہ زیادہ تر امریکہ بھیج دی جاتی ہے، جہاں اُسے بار بار صاف کر کے اُس میں کئی اور چیزیں ملائی جاتی ہیں۔ سُنا ہے دوا جو ہیروئن ملتی ہے، اُس میں بیس حصّے دوسری اشیا کی آمیزش ہوتی ہے اس کے علاوہ یہ ہیروئن، وہاں سُوئیوں کے ذریعے نسوں میں منتقل کی جاتی ہے۔ یہ عمل چین میں بھی ہوا کرتا تھا لیکن پرانے وقتوں کے بے غریب نشے باز ہی ایسا کیا کرتے تھے... بہرحال ہم یہاں اس کا دھواں پیتے ہیں۔ افیون کا خالص دھواں... ہمیں جو دوا دی جائے گی، وہ ملائی پاؤڈر کی شکل میں ہو گی۔ قدرے بھورے رنگ کا یہ پاؤڈر، پچاس فی صد ہیروئن کا حامل ہوتا ہے۔ یہ پاؤڈر ہمیں ایک دھاتی ورق پر مہیا کیا جائے گا اور ساتھ میں کاغذ کی ایک ایک نلکی دی جائے گی۔ ماچس کی تیلی سے اس پترے کو گرم کیا جاتا ہے جس سے افیون سُلگ کر دھواں دینے لگتی ہے۔ ہم اس دھوئیں کو کاغذ کی نلکی کے ذریعے، کسی پائپ کی طرح پیتے ہیں۔ اس طرح افیون نوشی کو 'اڑدہے کا تعاقب' بھی کہا جاتا ہے۔

ٹائیگر کے حلق سے دھیمی سی غراہٹ نما آواز نکلی اور وہ خاموشی سے ساؤ کے ساتھ چلتا رہا۔ جب وہ دیائے وانگ پُو کے کنارے شپ یارڈ میں پہنچے تو گہری تاریکی پورے ماحول پر پھیل چکی تھی۔ دریا پر جہاں بند باندھا گیا تھا، اُس کے قریب ایک زیرِ تعمیر سمندری جہاز کا ڈھانچہ کھڑا تھا جس کے سائے پر کسی آسیب کا گمان ہوتا تھا۔ بند سے آنے والی مدھم روشنیاں، اس عظیم الشان ڈھانچے کو مزید خوفناک بنا رہی تھیں۔ وہ کشتیوں کے درمیان راستہ بناتے ہوئے پانی کی طرف چلنے لگے تو ساؤنے ایک پُل شیڈ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"ہم اس شیڈ میں جائیں گے جہاں فرش میں ایک ٹریپ ڈور بنا ہوا ہے۔ اس فرشی دروازے سے ہم ایسی سیڑھیاں اُتریں گے جو ہمیں سرنگوں کے ایک جال تک پہنچا دیں گی۔ میں آگے آگے چلوں گا۔ حتیٰ کہ ہم اسٹیل کے ایک بھاری بھرکم دروازے کے سامنے پہنچ جائیں گے۔ اس سے قبل کہ ہم وہاں تک پہنچیں، انھیں تمہاری آمد کا علم ہو جائے گا۔ وہاں جابجا ایسے سُوراخ ہیں جن سے جھانک کر وہ تمہاری ایک ایک حرکت پر نگاہ رکھیں گے۔ میرے ساتھ چلنے میں تمہیں صرف ایک فائدہ ہو گا کہ وہ لوگ، تمہیں دیکھتے ہی گولی نہیں ماریں گے۔ کیونکہ فائر کی آواز، اُوپر گودی میں بھی سُنی جا سکتی ہے... یا پھر وہ تمہیں میرا مہمان سمجھیں گے۔ اگر انھیں تم پر فوری شبہ ہو گیا تو وہ اپنے تین چار گرگے بھیج دیں گے۔ یہ گرگے کرائے کے فائیٹر ہوں گے اور اُن کے ہاتھوں میں چاقو یا کلہاڑیاں ہوں گی... وہ تمہیں گرفتار کرنے کی کوشش کریں گے۔ ممکن ہے، تھوڑا بہت زخمی بھی کر دیں۔ اس کے بعد وہ تمہیں اذیت رسانی کے لیے کہیں لے جائیں گے اور وہاں باز پرس کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو جائے گا۔"

ٹائیگر کے حلق سے ایک۔ بے ہنگم سی غراہٹ نکل گئی۔ اُس کا ذہن بُوڑھے ساؤ کی ایک ایک بات ذہن نشین کرتا جا رہا تھا اور اُس کی رگوں میں خون کی موجیں، طوفان آشنا ہو رہی تھیں۔

"جب ہم سُرنگ کے سرے پر پہنچیں گے تو میں، اسٹیل کے دروازے پر ایک خاص انداز میں دستک دوں گا۔ اس کے بعد ہمیں اندر جانے کی اجازت مل جائے گی۔ ہمارے بائیں ہاتھ، اینٹوں کی ایک پرانی دیوار ہو گی جس کی درمیانی اینٹ غائب ہے۔ میں اس خلا میں سے تمہارے لیے پستول بھیجوں گا۔ اس کے بعد ہم رقم ادا کر دیں گے اور ہمیں افیون دے دی جائے گی... پھر ہم اڈے میں داخل ہو جائیں گے۔ جب تک ہم افیون نہیں پئیں گے تم سے کوئی باز پرس نہیں ہو گی۔ اگر انھیں شک ہو گیا تو وہ اینٹوں کی دیوار کے سُوراخ سے تم پر ٹارچ کی روشنی پھینکیں گے... تب مجھے بتانا پڑے گا اور وہ مجھ سے سوالات کریں گے دوسری صورت میں وہ انتظار کریں گے کہ تم واقعی ایک پکے نشے باز ثابت ہو جاؤ۔ دونوں ہی صورتوں میں ہمیں بڑے صبر و تحمل سے انتظار کرنا ہو گا۔"

ٹائیگر نے اس بار کوئی آواز نکالے بغیر اثبات میں سر ہلا دیا۔

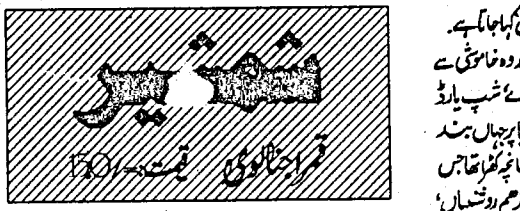
وہ شیڈ میں داخل ہو گئے۔

اندر کالا سیاہ اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ ساؤنے ہاتھ سے ٹٹول کر ٹائیگر کو ایک ٹول کیبنٹ دکھائی جو ایک پوشیدہ قبضے پر استوار تھی۔ اُس نے اوزاروں کی الماری ایک طرف ہٹائی تو ٹریپ ڈور دکھائی دینے لگا... انھوں نے نیچے جھانکا تو تیز تاریکی میں ایک اسٹیل کا زینہ چمکتا نظر آیا۔ اُن کے سامنے ایک ایسا راستہ تھا جیسا کہ عموماً کان میں آمد و رفت کے لیے بنایا جاتا ہے۔ [illegible] ایک مدھم روشنی والا بلب لگا ہوا تھا۔ ساؤنے نیچے اُتر کر ٹریپ ڈور دروازہ بند کیا تو ٹائیگر نے الماری کے ٹھونسنے اور اپنی جگہ واپس آنے کی آواز سُنی۔ ساؤنے کانوں جیسے راستے کی دیوار پر لگے ہوئے ایک لیور کی طرف اشارہ کیا۔

"اس لیور سے تم الماری ہٹا سکتے ہو۔ باہر جانے کے لیے اسے ہٹا کر دروازہ کھولا جاتا ہے۔" اس کی آواز بے حد دھیمی اور سرگوشی نما تھی۔ "اگر وہ لوگ کسی کو باہر جانے کی اجازت نہ دینا چاہیں تو یہ لیور ناکارہ ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس زینہ، یعنی یہ کسی جگہ کوئی ایسی مشین بھی موجود ہے جو اس لیور کو ناکارہ بنا دیتی ہے۔ اس طرح ہر شخص محض ایک ہی لمحے میں یہاں قید ہو کر رہ جاتا ہے۔"

ٹائیگر نے یہ معلومات بھی ذہن نشین کر لیں اور ساؤ کے پیچھے چلتا ہوا، غاروں کی بھول بھلیوں میں آگے بڑھنے لگا۔ یہ غار ہر کسی جال کی طرح پھیلی ہوئی تھیں اور ساؤنے دائیں، بائیں گھومتے گھومتے کئی بار سمت بدلی تھی کہ ٹائیگر کو اب یہ بھی اندازہ نہیں رہ گیا تھا کہ وہ کس جانب چل رہا تھا۔ یہ سفر جاری رہا حتیٰ کہ اُسے وہ دروازہ نظر آ گیا جس کا ساؤ نے تذکرہ کیا تھا۔

دونوں طرف دیواروں میں شگاف تھے۔ وہ ان شگافوں کے سامنے سے گزرتے رہے جن کے عقب میں انسانی اجسام کی حرکات محسوس ہو رہی تھیں۔ اُن گنت آنکھیں ان شگافوں کے ذریعے انھیں



دیکھ رہی تھیں۔ پھر ساؤنے اسٹیل کے دروازے پر دستک دینی شروع کر دی۔ دفعتہً کھٹکا کسی اسپرنگ کی طرح اُچھلا اور دروازہ کھل گیا... وہ ایک تنگ سی راہ داری میں داخل ہوئے اور ایک ایسی دروازے کے ساتھ ساتھ چلنے لگے جو مایوسیوں کی نئی ہوئی تھی۔ اب انھیں اس جگہ کی تلاش تھی جہاں سے ایک اینٹ غائب تھی۔ اس کے قریب ہی وہ چوبی دروازہ تھا جس کا ساؤ تذکرہ کر چکا تھا۔

ساؤ، اس غائب اینٹ کے خلا میں جھک کر تیز سرگوشی کے انداز میں بولنے لگا۔ "میں جس نوجوان کو ساتھ لایا ہوں، یہ کوئی چیچان ہے اور نیٹ سن سے آیا ہے۔ یہ گزشتہ تین سال سے منشیات کا عادی ہے۔ یہ لوٹ مار اور ڈاکے کی ایک واردات میں پکڑا گیا تھا لیکن پولیس مین کو قتل کر کے فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ یہ چاہتا ہے کہ اسے چین سے اسمگل کر کے کہیں باہر بھیج دیا جائے۔"

دیوار کے عقب میں کسی کے قدموں کی آہٹ سُنائی دی پھر خاموشی چھا گئی۔

ساؤنے پلٹ کر ٹائیگر کی طرف دیکھا اور انتہائی اطمینان میں سر کو مثبت جنبش دی۔ گویا دوسری طرف جو خاموشی چھا گئی تھی، اسے ایک نیک شگون قرار دے رہا تھا۔ کچھ دیر بعد ساؤنے غائب اینٹ کے خلا سے رقم اندر گھسیڑ دی۔ اُسے کسی دھات کا ایک چمک دار ورق دے دیا گیا جس پر بھورے رنگ کا دانے دار پاؤڈر موجود تھا۔ اس کے ساتھ ایک کاغذ کی نلکی اور دیا سلائی کی ڈبیا بھی تھی۔ ٹائیگر نے بھی اس کی تقلید میں رقم، دی اور ایسی اشیاء وصول کر لیں پھر ساؤکے پیچھے چوبی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

اس دروازے سے وہ ایک کمرے میں پہنچ گئے۔ یہ جگہ نئے بازوں کا بھٹ کہلاتی تھی۔ یہ ایک فارمائکہ تھا جس کی دیواریں کنکریٹ کی بنی ہوئی تھیں اور چھت پر بھاری بھاری شہتیر نظر آ رہے تھے۔ دیواروں میں اَن گنت طاق بنے ہوئے تھے۔ فرش پر میلے گدّے نظر آ رہے تھے جیسے بحری جہاز کے لیبن میں مسافروں کے سونے کے لیے رکھے جاتے ہیں۔ ٹائیگر سمجھ گیا کہ یہ مقام فی الحال تو نشے بازوں کے لیے استعمال ہو رہا ہے لیکن درحقیقت یہ انقلاب پسندوں کی زیرِ زمین پناہ گاہ ہے۔ جلتی ہوئی ہیروئن کی کڑوی بُو پورے کمرے میں پھیلی ہوئی تھی۔ سانپوں جیسا بل کھاتا، پتلا پتلا دھواں... دھواں جگہ جگہ سے بلند ہو کر فضا میں تحلیل ہو رہا تھا۔

دیواروں میں بنے ہوئے طاق لاغر جسموں سے پُر تھے۔ اُن کی جذبات سے عاری نگاہیں اور نیم وا دہانے دیکھ کر ٹائیگر کو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ کسی مقبرے میں داخل ہو گیا ہو۔ وہ افیون کے اثرات اپنی کھال سے رُوح تک محسوس کر رہا تھا۔ نزدیک و دور چہرے، ڈھیلے ڈھالے جسم اور پھیپھڑوں میں پھنسے ہوئے آدمی افیون پی رہے تھے۔ ٹائیگر جانتا تھا کہ یہ لوگ یک طرفہ سفر پر روانہ ہو چکے ہیں اور اب اپنی پُرسکون اور اچھی زندگی کی جانب ان کی واپسی ناممکن ہے۔

ساؤ، اس بھٹ کے عقبی حصّے میں واقع طاق کی طرف بڑھ گیا۔ ٹائیگر محسوس کر رہا تھا کہ ان گنت آنکھیں پوشیدہ طور پر اس کے ساتھ ساتھ حرکت کر رہی ہیں۔ ان آنکھوں سے تجسّس اور شبہات ٹپک رہے تھے۔ چھت میں جگہ جگہ سوراخ بنا کر دھوئیں کی نکاسی یا خوبصورتی و آرائش کے لیے بنائے گئے تھے، درحقیقت انھی میں نگراں آنکھیں نصب کی ہوئی تھیں۔

وہ ایک گدّے پر بیٹھ گئے۔ ٹائیگر اب بے حد محتاط ہو رہا تھا۔ اگر نے ساؤ کی طرف دیکھے بغیر خود کار سے انداز میں دھاتی ورق نکالا اور سا کی ہدایات کی روشنی میں افیون سلگانے کی تیاری کرنے لگا۔ ایک بار ساؤنے کن انکھیوں سے اس کی طرف دیکھا تو وہ دل ہی دل میں ٹائیگر کی مہارت اور سمجھ داری کا قائل ہو گیا۔ اُسے دیکھ کر کون کہہ سکتا تھا کہ وہ ایک عادی نشے باز نہیں ہے۔ اس کے انداز سے یوں ظاہر ہو رہا تھا جیسے وہ کوئی مذہبی رسم ادا کرنے کی تیاری کر رہا ہو۔ اس نے ایک دیا سلائی جلا کر دھاتی ورق کو حرارت پہنچانی شروع کر دی۔ جلد ہی پاؤڈر پگھلنے اور سلگنے لگا۔ ٹائیگر نے اس ورق کو اپنے مُنہ سے تقریباً چھ انچ کے فاصلے پر رکھا... اس قریب پڑی کاغذ کی نلکی اٹھالی۔ یہ نلکی اٹھا کر اس نے مُنہ سے لگالی پھر اژدہے کا تعاقب' نامی عمل شروع ہو گیا۔

آغاز میں اس نے بہت کم دھواں حلق میں اُتارنے کی کوشش کی۔ اس کی خواہش تھی کہ کم سے کم دھواں اور زیادہ سے زیادہ پھیپھڑوں میں پہنچائے... وہ اس مقصد میں کامیاب رہا لیکن اس کے باوجود جتنا دھواں، اس کے مُنہ میں پہنچ رہا تھا، وہ بے حد گاڑھا دھواں تھا جو اگر مناسب طور پر استعمال نہ ہوتا تو کسی بادل کی طرح مُنہ سے اُبل کر، اس کے نتھنوں اور آنکھوں سے نکلنے لگتا۔ اس کے ناڑی ہونے کا اعلان کر دے گا۔ اس نے ناکامی سے بچنے کے لیے ہر ممکن کوشش شروع کر دی۔ عمل تنفس کی مہارت یہاں بھی اس کے خوب کام آ رہی تھی۔ اسے یقین تھا کہ ابھی تک اُن لوگوں کو اس پر کوئی خاص شبہ نہیں ہوا ہوگا۔ اس نے یہاں آتے وقت اپنی مخصوص چال تک بدل دی تھی اور نہ وہ دور سے زمین پر گرتا ہوا نظر آتا تو ہر شخص سمجھ لیتا کہ وہ کوئی عام آدمی نہیں ہے۔

دھواں سانس کے ذریعے اندر جانے کے بعد ٹائیگر کو یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے اسے جیم پھاڑ ڈالا ہو۔ وہ اس شیطانی دھوئیں کو اپنے اندر نہیں لے جانا چاہتا تھا۔ حالانکہ اسے اپنی ذہنی قوت کا اندازہ تھا۔ یہ قوت اس کے جسم پر اس طرح حکمرانی کرتی تھی کہ کوئی عضو اس قوت کے خلاف کام نہیں کر سکتا تھا۔ اتنی قوت اور اتنی زبردست صلاحیت کے باوجود وہ اس دھوئیں سے لاشعوری طور پر خوف زدہ تھا جو اب تک کروڑوں انسانوں پر غالب آ چکا تھا۔ ان میں یقیناً ایسے لوگ بھی شامل رہے ہوں گے جنھیں اپنی قوتِ ارادی پر بہت ناز رہا کرتا تھا... اور پھر ٹائیگر کو اندازہ ہو گیا کہ افیون نوشی کا ڈراما رچانے کے سوا کوئی صورت نہیں۔ اگر وہ، فانگ کو تلاش کرنا چاہتا ہے اور افیونی جنگ سے کروڑوں لوگوں کو بچانا چاہتا ہے تو اُسے اس مہلک دھوئیں کو اپنے پھیپھڑوں میں اُتارنا ہی پڑے گا۔

اس نے مزاحمت ختم کر دی اور دھوئیں کا گہرا کش لگایا۔

تاثر کے اعتبار سے عجیب اور ناگوار دھوئیں نے اس کے... پھیپھڑوں پر حملہ کر دیا۔ اُسے شدید کھانسی اُٹھی لیکن وہ اس پر قابو پانے میں کامیاب ہو گیا۔ اس وقت افیونی بھٹ میں پچاس سے زائد نشے باز بیٹھے تھے اور اُن میں سے کسی ایک کے بھی کھانسنے کی آواز سُنائی نہیں دے رہی تھی۔ کھانسنا تو درکنار، کوئی اور آواز بھی پیدا نہیں ہو رہی تھی۔ بھٹ پر شہرِ خموشاں کا گمان ہوتا تھا... بس ایک ہی آواز کبھی کبھی سناٹے کے سینے پر ماتم کناں ہوتی تھی۔ دیا سلائی جلانے یا دھاتی ورق پر چٹنے والی افیون کی آواز... یا پھر کبھی کبھی کسی کے سانس لینے کی غیر معمولی آواز آ جاتی تھی۔ اس نے عمل استغراق کے سہارے اپنے ذہن کو آمادہ کر لیا کہ وہ یہ کڑوا کسیلا دھواں قبول کرے۔

ایک منٹ گزر گیا۔

اُسے اپنا سر سُن ہوتا محسوس ہونے لگا۔

مزید نصف منٹ بیت گیا۔

ٹائیگر کو یوں محسوس ہونے لگا جیسے پیروں کے پنجوں سے دل کے مقام تک اس کا جسم شل ہو گیا ہو۔ اُسے اپنا وجود کسی گہرے سمندر میں تہ نشین ہوتا ہوا محسوس ہوا... پھر وہ ڈوب گیا، غرقاب ہو گیا۔ لیکن عمل استغراق سے اس کے حواس بیدار رہے۔ اس کا ذہن ابھی تک صاف تھا... لیکن آنکھوں کے سامنے ہر چیز اپنی اصلی صورت کھو رہی تھی اور سماعت سے ٹکرانے والی آوازیں کبھی تو اپنے مجسم میں بے حد معمولی اور کبھی پُرشور محسوس ہونے لگیں۔ اشیاء، اس کی نظروں کے سامنے عجیب عجیب ہیولوں میں تبدیل ہوتی چلی گئیں۔ ننھی ننھی سی آوازیں کسی گائنگ کی پُرشور آوازوں میں ڈھل گئیں۔

... پھر یوں لگا جیسے کانوں میں دھماکے ہو رہے ہوں۔ اس وقت اُسے جو دُنیا نظر آ رہی تھی، وہ اُسے سمجھنے سے قاصر ہوتا جا رہا تھا۔ اس نے عمل استغراق بڑھا دیا۔ عمل تنفس پر مزید توجہ دینی شروع کر دی۔ وہ جسم کو اس نشہ آور دھوئیں پر حاوی کر دینا چاہتا تھا... پھر اُسے احساس ہوا کہ اس کا اپنا آپ موجود ہے، اس کا وجود برقرار ہے۔ حالانکہ اُسے شبہ ہوا تھا کہ وہ اپنا آپ مکمل طور پر کھو دے گا... اور اگر وہ اپنی ہستی اس نشے کے سمندر میں غرق کر دیتا تو پھر اس کے اُبھرنے کی کبھی توقع نہیں کی جا سکتی تھی... وہ بھی دوسرے نشے بازوں جیسا بن کر تباہی کے دہانے پر پہنچ جاتا۔

اگرچہ افیون کے مطلوب کر دینے والے اثرات اس کے جسم پر حملہ آور ہو چکے تھے لیکن ٹائیگر نے محسوس کر لیا تھا کہ یہ اثرات سطحی ہیں۔ عمل استغراق سے کہیں کم گہرے اور بے اثر... تب اُسے اُدشان کا ایک جملہ سُنائی دیا... "شیطنیت کی جڑیں بھی نیکی کی جڑوں کی طرح بہت گہری ہوتی ہیں۔"

ٹائیگر، ہیروئن کا دھواں، کسی نشے باز کی طرح اپنے سینے میں اُتارتا رہا۔ اُسے کبھی تو اپنی ٹانگیں پھیلتی ہوئی محسوس ہوتیں اور کبھی یہ تیزی سے سکڑنے لگتی تھیں۔ پہلے اس کے ہاتھ پاؤں اور پھر اس کا دھڑ غائب ہونے لگا۔ وہ مختلف کیفیات سے گزرتا رہا لیکن ذہن اور روح کا توازن نہ بگڑ سکا۔

اچانک اس کے سامنے بیٹھے ہوئے بوڑھے ساؤنے دیا سلائی... جلائی اور پھر دھاتی ورق کو جیسے ہی حرارت ملی، افیون کے دانے کڑکڑانے، بجنے پگھلنے لگے۔ ٹائیگر نہیں جانتا تھا کہ وہ کتنی ہیروئن پی چکا ہے۔ اس سے نگرانی کرنے والوں کو یہ اطمینان ہو گیا ہوگا کہ وہ ایک عادی نشے باز ہے یا نہیں۔ اُسے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ اپنے وجود سے کہیں دُور، دروازوں کے ایک طویل سلسلے کے عقب میں قید کر دیا گیا ہو۔ اس نے ان دروازوں پر شدت سے دستک دینا شروع کر دی تھی۔ اگرچہ اس کا وجود کھو چکا تھا لیکن اُسے اس کے کھو جانے کا احساس تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس کا تخیّل، خوابوں اس انوکھی دُنیا سے بُری طرح بُرا مان رہا تھا۔ اس کی حالت ایک ایسے نومولود بچے جیسی تھی جو ہاتھ پاؤں ہلانا سیکھ رہا ہو، جسے ابھی چلنا نہ آتا ہو اور جو ناشائستہ کرنے کی مشق کر رہا ہو، جو دوڑنا اور لڑنا چاہتا ہو لیکن ابھی ان اعمال سے ناواقف ہو۔ اپنے ہی ذہن کی تنہائیوں سے برسرِ پیکار، وہ بُری طرح ہاتھ پاؤں مار تا رہا۔ علالت اور اعصابی نسوں کے درمیان دوڑتا رہا۔ وہ اپنے جسم کے ایک ایک حصّے میں بھاگتا رہا، حتیٰ کہ انگلیوں کی پوروں سے اس نے ہر احساس نچوڑ دیا۔

اب وہ دوبارہ ہیروئن کے کش لگانے کے قابل ہو گیا تھا۔ اس نے دوبارہ پینی شروع کر دی۔ اچانک اس کی سماعت سے کئی آوازیں ٹکرانے لگیں۔ کوئی اس کی پشت پر حرکت کر رہا تھا۔ ٹائیگر انتظار کرتا رہا... پھر یہ حرکت بند ہو گئی۔ اس نے آنکھوں کو تھوڑا سا کھول کر ساؤ کی طرف دیکھا۔ وہ اپنے آپ میں ڈوبا ہوا تھا۔ ٹائیگر نے اپنی آنکھوں کے کناروں سے اُوپر دیکھا تو اسے چھت پر آنکھوں کی ایک جوڑی دکھائی دی۔ یہ آنکھیں اُسے گھور رہی تھیں۔ اُسے حیرت ہونے لگی کہ یہ کس کی آنکھیں ہیں... کہیں یہ فانگ تو نہیں؟ اچانک چھت کے ایک شگاف سے روشنی گرنے لگی اور بوڑھے ساؤ کا چہرہ، اس روشنی میں نہا گیا۔

ساؤنے اپنے آپ کو جھڑکی کے سہارے کھڑا کیا... پھر وہ یوں چلنے لگا

جیسے خواب خرامی میں موجود۔ وہ اینیونیوں کی بھٹ کے دروازے سے گزرا تو اس نے ایک بار خالی خالی نظروں سے ٹائیگر کی طرف دیکھا۔ اُس لمحے ٹائیگر کو دو نوجوان دکھائی دیے۔ یہ اُس کے ہم عمر تھے۔ ٹائیگر نے اُن سے نگاہ ہٹا کر ساؤ کی طرف دیکھا تو وہ غائب ہو چکا تھا۔

ٹائیگر نے ایک بار پھر عمل استغراق کے ذریعے اپنے ذہن اور جسم کو سکون اور آرام کی حالتوں سے ہمکنار کرنے کی کوشش شروع کر دی۔ جب اُسے تھوڑی سی کامیابی ہو گئی تو وہ خود تنویمی کے تحت اپنے عضلوں کو بلند کرنے لگا۔ یہ لاشعور کو کنٹرول کرنے کی ایک زبردست مشق تھی۔ چند ہی لمحوں میں وہ اپنے جسم اور اعصاب سے ہر سُن کے تمام اثرات زائل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اُسے جیسے ہی اپنے اس مقصد میں کامیابی ہوئی، اُس کی سماعت سے ایک بار پھر عقب سے آنے والے قدموں کی آہٹیں ٹکرانے لگیں۔

شگاف سے جھانکتی ہوئی آنکھیں غائب ہو گئیں۔

ٹائیگر نے دھاتی ورق پر موجود انیونی کے ہاتھ نما پنجے کھینچے پاؤڈر کو دیا سلائی کی آنچ دینی شروع کر دی۔ وہ اس پنجے کو تیسری بار حرارت پہنچا رہا تھا۔ حالانکہ اُسے احساس ہو گیا تھا کہ وہ بُوڑھے ساؤ جتنی ہیروئن... پی چکا ہے۔

تیسری خوراک کے دھوئیں نے اس پر حملہ کیا تو وہ عقب میں تھوڑا سا جھک کر نیم دراز ہو گیا۔ گویا نشے کی حالت میں اپنا جسم تیرتا ہوا محسوس کر رہا ہو۔ وہ اب اپنی تمام تر توجہ سُننے پر صرف کر رہا تھا پھر اُس کی کوشش تھی کہ اُس کی جلد بے پناہ حساس ہو جائے... لیکن اچانک ہی اُسے اپنی کھوپڑی فضا میں معلق محسوس ہوئی اور ذہن جسم کا ساتھ چھوڑ کر کہیں دور نکل گیا۔

اُسے اس پاس چمک دار دھند نظر آنے لگی تھی جس نے اُس کا جسم نگلنا شروع کر دیا تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ اس بار اُس نے ہیروئن کا دو حصہ استعمال کر لیا ہے جسے نشے باز چھینک دیا کرتے ہیں۔ یہ مہلک ترین حصہ تھا۔ چند لمحوں کے لیے اُس کی دھڑکنیں ڈوبتی چلی گئیں۔ نبض کی رفتار تیزی سے کم ہونے لگی۔ اُس کے دماغ میں اندھیرے ہی اندھیرے بھرنے لگے۔ اُس نے دھڑکنوں کو شمار کیا... پھر تیزی سے دل کی طرف دوڑان خون بڑھا دیا۔ نبض کی رفتار جلدی سنبھل گئی اور دھواں ایک پتلی سی لکیر کی شکل میں، اُس کے ہونٹوں سے خارج ہونے لگا۔ اُسے اپنا شعور واپس آتا محسوس ہوا تو اطمینان کی ایک سانس اُس کے حلق سے خارج ہو گئی، جس سے پھیپھڑوں سے سچا لکیا دھواں بھی نکل گیا۔

اسی ساعت اُسے بھاری قدموں کی آوازیں سُنائی دیں۔ یہ نشے باز ڈھانچوں کے چلنے سے پیدا ہو... والی آوازوں سے بے حد مختلف آوازیں تھیں۔ ان آوازوں میں ایک طرح کی جلد بازی پائی جا رہی تھی۔ ٹائیگر کے جسم کا ایک ایک مسام زہر کے اثرات خارج کرنے لگا۔ اُس کی چھٹی حس اُسے بتا رہی تھی کہ کوئی نہ کوئی گڑبڑ شروع ہو چکی ہے۔ اس نے آنکھیں بند رکھیں اور محض اپنی حسیات کے ذریعے اطراف سے آگاہ ہونے لگا۔

اب اُس کی رگوں میں خون کی گردش کافی تیز تھی اور زہریلے اثرات تیزی سے زائل ہو رہے تھے۔ اُس نے آنکھوں کے درمیان... خفیف سی جھری پیدا کر لی۔ اُس کے اطراف میں ہیولوں کا اجتماع شروع ہو گیا تھا۔ وہ اُن میں سے ایک ایک کی پوزیشن ذہن نشین کرنے لگا اور پھر اُسے دو چاقوؤں کی چمک دکھائی دے گئی۔ اُس کے ساتھ ہی ٹائیگر کی آنکھیں بھی کھل گئیں۔

اُس کے جسم نے بڑی تیزی سے ذاتی دفاع کا انداز اختیار کر لیا تھا۔ اُس نے فرنٹنگ بیک اوپر کی جانب ماری۔ اُس کا ایک بازو قوسی حالت میں بلند ہوا، اُس کے جوتے کا سخت پنجہ، ایک کہنی سے ٹکرایا اور چاقو ترچھا ہو کر اُس کے سینے کے سامنے سے گزر گیا... پھر وہ پورے جسم کے ساتھ فضا میں بلند ہو گیا۔ ایک لمحے قبل وہ جہاں دراز تھا، وہاں تین چاقو دستے تک دھنس گئے تھے۔ ٹائیگر قلابازی کھا کر نیچے آیا تو اُس کی ایک انگلی نائف پوائنٹ بن کر ایک دشمن کی ٹھوڑی پر قیامت ڈھا گئی۔ دوسری انگلی نے سانس کی نالی میں شگاف ڈال دیا۔ اُلٹے ہاتھ کا مونگی بلوا ایک قاتل کی پسلیوں کے پنجر کو توڑتا ہوا نکل گیا اور ایک آدمی سیدھے ہاتھ کی ضرب سے زمین بوس ہو گیا۔ اُس کی قدشدہ انگشت شہادت کا دوسرا جوڑ اُبھر آیا اور ایک پیشانی کے درمیان ہتھوڑے کی چوٹ کی طرح لگا... پھر اُس نے ایلی فینٹ کک کا بے دریغ استعمال کیا۔ اُس کے پاؤں کا کنارا حریف کے گھٹنے پر پڑا اور پھسلتا ہوا نیچے ران میں جا کر رُکا۔ اُس کی راہ میں جو کچھ بھی آیا، یوں پس گیا جیسے دو پاٹوں کے درمیان، اناج۔ اسفوف بن جاتا ہے۔ ایک اور لاش، ٹوٹی پھوٹی گڑیا کی طرح فرش پر گر گئی۔ ٹائیگر تیز رفتار نشو کی طرح گھوما اور وہاں سے دور ہٹ گیا۔ اُس نے بھٹ کے دروازے کی طرف دیکھا۔

نصف درجن کے قریب قاتل، اپنے مقتول ساتھیوں کی جگہ لینے کے لیے دوڑتے چلے آ رہے تھے۔ وہ سمجھ گیا کہ فائنگ ان لوگوں میں موجود نہیں ہے۔ اگر وہ اس اڈے پر موجود ہوتا تو یقیناً سب سے پہلے اسی کو بھیجا جاتا۔ وہ چند قیمتی لمحوں تک جان توڑ کر لڑتا رہا۔ اب تک چار گر گئے، زمین چاٹنے پر مجبور ہو چکے تھے۔ اس ہنگامے نے نشے باز ڈھانچوں میں بھی ہل چل مچا دی۔ جس کا جس طرف منہ اُٹھا، وہ اسی طرف بھاگ کھڑا ہوا۔ اس طرح کئی نشے باز، نووارد قاتلوں کے بے رحم قدموں تلے کچلے گئے۔ ٹائیگر نے جست لگائی اور پیٹھ کے بل، ٹھوس دیوار سے ٹکرا کھاتا ہوا کچھ اور دور ہو گیا جس کے نتیجے میں، دونوں ہاتھوں سے تھامے ہوئے خنجروں سمیت اس پر کود نے والا اس جگہ گرا جہاں سے ٹائیگر نے جست لگائی تھی۔ وہ اپنے ہی زور میں فرش سے ٹکرایا۔ دونوں خنجر ٹھوس فرش پر لگے۔ ایک پھسل کر سامنے کی جانب چلا گیا۔ جبکہ دوسرے ہاتھ کے زاویے نے خنجر کا رُخ خود حملہ آور کے اپنے سینے کی طرف کر دیا۔ خود اپنے ہی ہاتھوں سے اپنے سینے میں خنجر گھونپنے کا تجربہ اس شخص کے لیے مہلک ثابت ہوا۔

دفعتہً ایک ہاتھ اور آگے بڑھا لیکن اُسے حملہ کرنے میں دیر ہو گئی تھی۔ ٹائیگر نے اُس کے سامنے سے ایک قدم ہٹ کر اُس کی کلائی پر ہاتھ ڈال دیا اور بازو پوری قوت سے اپنی جانب کھینچ لیا۔ حملہ آور کی کھوپڑی، دیوار سے ٹکرائی اور پاش پاش ہو گئی۔

نووارد غنڈوں میں سے اب دو باقی رہ گئے تھے۔ انھوں نے ایک دوسرے کی جانب دیکھا اور آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارے کرتے ہوئے، ایک ساتھ حملہ آور ہوئے۔ اُن کے ہاتھوں میں بھی خنجر دبے ہوئے تھے۔ ایک خنجر نے ٹائیگر کے نباڈے کا وہ حصہ چاک کر دیا جس نے سینہ ڈھانپ رکھا تھا۔ راک سمیش پیری کا استعمال یہاں برمحل اور مؤثر تھا۔ ٹائیگر نے یہی داؤ آزمایا۔ دوسرے حملہ آور کے چاقو کی نوک، ٹائیگر کی آنکھ سے محض کا فذ جتنی موٹائی کے فاصلے سے گزر گئی۔ یہ ایک خطرناک وار تھا۔ اگرچہ ٹائیگر بال بال بچ گیا تھا لیکن پھر بھی اُس کی آنکھ کے کنارے پر خفیف سی خراش آ گئی تھی۔ اُس نے "ٹائیگر کلا" آزمایا۔ حملہ آور کی آنکھ نکل کر فرش پر گر پڑی۔ نیچے کی اس ضرب نے اس کے دہانے پر بھی قیامت ڈھائی تھی۔ ایک لمحے کے لیے اس شخص کے دانت یوں نظر آئے جیسے وہ مسکرا رہا ہو... پھر یہ دانت مُنہ سے گرنے لگے اور اُن کے پیچھے خون کے فوارے بھی بہہ آئے۔

آخری غنڈہ، اُس کی پشت پر تھا، اُس نے اُس ہینڈسے کام لے کر ٹائیگر کے کندھوں کے درمیان چوٹ لگائی۔ ٹائیگر کی حسیات نے اُسے حملے کے زاویے سے آگاہ کر دیا تھا لیکن اس حملے سے پوری طرح بچنے کا وقت گزر چکا تھا۔ وہ، آئرن ہینڈ کے نیچے یوں تڑپ تا چلا گیا جیسے ٹھوس جسم کی بجائے اچانک ہی مائعی حالت اختیار کر گیا ہو۔ چوٹ کی شدت کم ترین ہو گئی۔ ٹائیگر یہ انداز اختیار کرتے ہوئے اس قدر جھک گیا کہ اُس کا جسم فرش سے چھونے لگا تھا۔ پھر اُس کی ایڑی بلند ہوئی۔ یہ ڈریگن اسٹمپ تھا جس نے حملہ آور ران کو راستے ہی میں روکا اور اُسے کسی خشک شاخ کی طرح توڑ دیا۔

اور پھر ایک نئی شخصیت سامنے آ گئی۔ ابھی تک وہ خود کو متوازن کرنے میں کامیاب نہیں ہوا تھا کہ اُس پر ری ایکشن بڑے حملہ ہوا۔ ٹائیگر نے ریزر اینڈ پنچ سے حریف کے گردے پر ضرب لگائی اور تیزی سے بازو ہٹا کر، اُس کے ریشوں کو سخت کرنا شروع کر دیا۔

اسی لمحے اُسے تیزی سے پسپا ہونا پڑا۔

گھونسوں کا ایک طوفان تھا جس نے اُسے حملے کی بجائے دفاع پر مجبور کر دیا۔ وہ اُن کے تسلسل کو ذہن میں رکھتے ہوئے، پیچھے ہٹتا رہا حتیٰ کہ اس کا جسم متوازن ہو گیا۔

وہ سمجھ گیا کہ یہ شخص کراٹے فائیٹر ہی نہیں، کنگ فو کا بھی ہے۔

رہو داری کے دروازے کی جانب سے لوگوں کے چیخنے اور دوڑنے کی آوازیں آ رہی تھیں، اس لیے لمبی جنگ کے لیے قطعاً وقت نہیں تھا۔ ٹائیگر نے پھنکار کے ڈنک مارنے کے سے انداز میں اسکارپین بلو آزمایا۔ اُلٹے ہاتھ کی چوٹ جس میں ایک اُنگلی کا جوڑ کسی مخروطی شے کی حیثیت اختیار کر گیا تھا۔ یہ چوٹ مقابل کی کھوپڑی پر پڑی۔ وہ شخص ایک لمحے کے لیے فرش پر گرا لیکن اگلی ہی ساعت پھر اُٹھ کھڑا ہوا۔ اُٹھتے اُٹھتے اُس نے ماہرانہ انداز میں دونوں ٹانگیں اُچھالی تھیں۔

ٹائیگر کا ایک پاؤں آنکھ کے انداز میں، اُس کی ایک پنڈلی کے گرد گھوم گیا اور پھر وہ دفاعی انداز میں ہتھیلیاں سامنے کیے دہا حتیٰ کہ اُس کا پاؤں، پنڈلی سے کنج ران تک جا پہنچا۔ اس کے ساتھ ساتھ اُس کی دونوں کہنیوں نے بھی چوٹیں لگائیں۔ اُس کی آنکھیں اپنے حریف پر تھیں لیکن اُس کے کان بتا رہے تھے کہ اب اُسے کس جانب جانا ہے۔ حریف سخت جان اور ماہر تھا۔ ٹائیگر کے دوسرے حملے میں وہ زخمی تو ہوا لیکن چت نہیں ہو سکا۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا، ایک بار پھر اُٹھ کھڑا ہوا۔

ٹائیگر نے ہمیر بلو، اُس کے سینے پر مارنے کا دھوکا دیا لیکن کھڑی اُنگلی خنجر کے انداز میں، اُس کی بغل میں ماری۔ اس اُنگلی کو حریف کی نسیں کاٹنے کا موقع مل گیا۔ ہلاک دار نے اُس شخص کی آنکھوں میں غالباً اندھیرے اُتار دیے تھے۔ زندگی کے لالے پڑ گئے تو وہ پیچھے ہٹنے لگا لیکن اُس کی کنپٹی سے گھونسے کا کنارا ٹکرا گیا جس کے نتیجے میں اُس کے چہرے کی ہڈیاں ٹوٹ کر دماغ میں جا گھسیں اور ناک، خون کا نالکا بن گئی مقابل ڈھیر ہوتا چلا گیا۔

ٹائیگر نے دیکھا۔ فرش پر کئی چاقو اور خنجر بکھرے پڑے ہیں۔ اُس نے ایک اُٹھا کر اپنی پیٹی میں اُڑس لیا اور دو، ہاتھوں میں تھام لیے۔ اُس کی نگاہ راہ داری کے دروازے پر جم گئی۔ نشے باز انداز میں دھند بھاگ کر باہر نکلنے کی کوشش کر رہے تھے۔ جبکہ اسی دوران اڈے پر موجود چند اور گرگے اندر آ کر ٹائیگر تک پہنچنے کے لیے، دروازے سے گزرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اس طرح دونوں کو کامیابی نہیں ہو رہی تھی۔ افیونی باہر نکلنے میں کامیاب نہیں ہو رہے تھے۔ جبکہ بدمعاش گرگوں کے لیے اندر آنا مشکل ہو رہا تھا۔ انھوں نے بھلا کر چاقوؤں اور ہاتھوں کی ضربوں

سے راستہ صاف کرنا شروع کر دیا۔

ٹائیگر خاموش تماشائی بنا رہا حتیٰ کہ پہلے گورگے کو اذیتوں کے گروہ سے کسی نہ کسی طرح نکلنے میں کامیاب دیکھ کر اس کے ہاتھ میں پکڑا ہوا خنجر گھوم گیا۔ اب وہ اسے نوک دار حصے کی طرف سے تھامے ہوئے تھا۔ پھر اس کا ہاتھ اٹھا اور خنجر اس کی گرفت سے نکل کر گورگے کی طرف لپکا اور اس کے سینے میں دستے تک یوں گھس گیا جیسے وہ گوشت پوست کا آدمی نہیں بلکہ موم کا پتلا رہا ہو۔ اس کے حلق سے بڑی ہی دل دوز چیخ نکلی تھی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ چھت کے شگافوں میں سے ایک شگاف نے گولی اگل دی۔ گولی کا دھماکا اور خنجر سے مرنے والے کی چیخ بیک وقت اٹھی تھی۔ اس سے غلط فہمی ہوگئی کہ شاید وہ شخص گولی کا نشانہ بن گیا۔

"فائر مت کرو۔" کسی نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

ٹائیگر نے ایک کرسی اٹھائی اور چھت کی طرف اچھال دی۔

کمرے میں جو نہایت مدھم روشن تھا، وہ اس چوٹ سے کرچی کرچی ہوگیا۔ روشنی کے آخری قمقموں میں ٹائیگر نے ایک ہدف کو چاقو کھینچ مارا اور دوسرے کی پوزیشن ذہن نشین کرلی۔ اندھیرے میں جب ایک خنجر اس کا نرخرہ چیرتا ہوا، دستے تک حلق میں پیوست ہوگیا تو وہ شخص یقیناً اس وقت دنیا کا سب سے زیادہ حیران آدمی ہوگا۔

اب ٹائیگر کو اس جھٹ سے نکلنا تھا۔ نکلنے کا راستہ وہی تھا... جہاں بلیک سرکل کے غنڈے اور افیونی ایک دوسرے سے الجھے ہوئے تھے۔ وقت اندر اور باہر جانے کا راستہ حاصل کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ جھٹ میں اندھیرا پھیل جانے کی وجہ سے مزید افراتفری پیدا ہوگئی لیکن چھت پر موجود لوگوں نے چند ہی لمحوں میں ٹارچیں روشن کر کے ان کا رُخ نیچے کر دیا۔ تاریک کمرے میں روشنیوں کے دائرے رقص کرنے لگے۔ ٹائیگر نے خود کو فرش پر گرا دیا اور پیٹ کے عضلات پر شدید دباؤ ڈالتے ہوئے تیزی سے دروازے کی طرف رینگنے لگا۔ ٹارچوں کی روشنیاں دیواروں پر بچھڑ کر اسے تلاش کر رہی تھیں۔ ٹائیگر نے دروازے میں الجھے ہوئے لوگوں کے درمیان سے نکلنے کے لیے دو لاشوں کا سہارا لیا۔ وہ انھیں دائیں، بائیں ہٹاتے، دروازے کے پہلو میں دیوار سے لگ کر کھڑا ہوگیا۔ گورگوں نے راستہ بنا لیا تھا۔ انھوں نے تحکم کی دائیں، بائیں بٹا کر، وہ اندھیرے میں تیزی سے آگے لپک رہے تھے... پھر جیسے ہی نشے بازوں کا ریلا دروازے سے نکلا، ٹائیگر بھی ان میں شامل تھا۔ جبکہ اس کے دشمن اسے تاریک جھٹ کے اندھیروں میں تلاش کرنے کے لیے شکاری کتوں کی طرح بھاگ دوڑ میں مصروف تھے۔

ایک لمحے کے لیے ٹائیگر کو بوڑھے ساؤ کا خیال آیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیا اس نے ناقابل برداشت اذیتوں کے تحت زبان کھول دی ہے؟ اور کیا وہ زندہ ہے یا نہیں؟ خوابناک حالت کے شکار لوگوں کے ساتھ... اب وہ چوبی دروازے اور اسٹیل ڈور کے درمیان راہ داری میں مقید ہو کر رہ گیا تھا۔ یہاں خفیف سی روشنی تھی۔ ٹائیگر چھت کی کڑیوں... اور شہتیروں کو گھورنے لگا... پھر اس کی نگاہ اینٹوں کی دیوار پر جم گئی۔ یہ دیوار بہت پرانی تھی۔ چند اینٹوں میں بال برابر دراڑیں بھی نظر آرہی تھیں۔ وہ راہ داری میں تھوڑا سا پیچھے ہٹا... پھر اچھلا تو اس کے پاؤں کا کنارا دیوار سے جا ٹکرایا۔ ڈبل ڈریگن اسٹمپ آزمانے کے لیے وہ جگہ نہایت مناسب تھی، جہاں سے ایک اینٹ منشیات فروشی کے لیے نکالی گئی تھی۔ اسے تین بار پیچھے ہٹ ہٹ کر یہ وار کرنا پڑا۔ چھاتیاں اپنی جگہ چھوڑ چکی تھیں جس کے نتیجے میں دیوار کا بالائی حصہ بیٹھنے لگا۔ وہ اس ملبے کو روند کر دوسری جانب پہنچ گیا۔

وہاں جو راہ داری تھی، وہ کسی سہ شاخے کی مانند تھی۔ دیوار کی دوسری جانب پہنچتے ہی اسے ایک رائفل بردار محافظ دکھائی دیا تھا۔ ان میں سے رائفل کی نال اس کی طرف اٹھنے میں بڑی پھرتی دکھائی تھی لیکن جب گولی چلی تو نال کا رُخ خود اس کی کنپٹی کی طرف ہو چکا تھا۔ گولی اس کی کھوپڑی توڑتی ہوئی، سر کا گودا تک بکھیر گئی۔

چوبی دروازہ ایک دھماکے سے کھل چکا تھا اور کوئی چیخ چیخ کر ٹائیگر کے فرار ہونے کا اعلان کر رہا تھا۔ ٹائیگر سامنے دوڑا۔ راہ داری میں کچھ دور آگے جا کر وہ رُک گیا اور آہٹ لینے لگا۔ آگے سناٹا تھا۔ وہ اس پتھریلی راہ داری میں ایک بار پھر دوڑنے لگا۔ اب سامنے وہی سرنگوں کی بھول بھلیاں تھیں جن میں عموماً پولیس ان لوگوں سے مات کھا جایا کرتی تھی۔ آج یہی بھول بھلیاں خود ان کے لیے مصیبت کا باعث بن گئی تھیں کیونکہ وہ اندازہ نہیں لگا سکتے تھے کہ ٹائیگر، ان سرنگوں میں سے کس سرنگ میں گھس گیا ہے۔

ٹائیگر دوڑتے دوڑتے رک گیا۔ وہ جس سرنگ میں دوڑ رہا تھا، اس کے آخری حصے میں اسے ایک لہراتا ہوا سایہ دکھائی دیا تھا۔ ٹائیگر نے گن مین کو ٹھکانے لگانے کے بعد، رائفل اس کے ہاتھ سے چھین لی تھی اور وہ ابھی تک اس کے ہاتھ میں دبی ہوئی تھی۔ رائفل کا کندا سامنے کرکے اس کے بازوؤں کی مچھلیاں پھڑپھڑانے لگی اور عضلات ڈھیلے ہوتے چلے گئے... اور پھر جب رائفل کا کندا، اس شخص کے منہ پر پڑا تو وہ ریوالور پھینک کر دونوں ہاتھوں سے چہرہ ڈھانپنے کی خواہش میں مبتلا ہوگیا لیکن وہ ایسا کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکا کیونکہ اس سے پہلے ہی اسے ڈھیر ہو جانا پڑا تھا۔ ٹائیگر تقریباً سو قدموں تک دوڑتا ہوا، سرنگ کے آخری حصے میں پہنچ گیا۔ یہاں سے لکڑی کا بھاری بھرکم زینہ اوپر جا رہا تھا۔ زینے کے آخر میں ایک وزنی دروازہ تھا... بند اور مقفل...

عقبی حصے میں پھیلی ہوئی سرنگوں سے دوڑتے ہوئے قدموں کی ان گنت آوازیں آرہی تھیں۔ ٹائیگر سمجھ گیا کہ اسے ان بھول بھلیوں میں تلاش کرنے کے لیے وہ لوگ منتشر ہوگئے ہیں۔ ان میں سے بعض اس سے کافی قریب پہنچ رہے تھے۔ ٹائیگر نے دروازے کے تالے پر رائفل کا بٹ آزمایا اور ٹھوکر سے دروازہ کھولتے ہوئے اچھل پڑا۔ اب وہ گھومتا اور رندناتا ہوا دروازے سے اندر پہنچا تاکہ اگر کوئی دروازے کی دوسری جانب سے حملہ آور ہو تو وہ اپنا دفاع کر سکے۔

دروازے سے اندر آکر اس نے دیکھا کہ یہ ایک بہت بڑا گودام ہے... اور اس گودام میں بوڑھا ساؤ موجود تھا۔ لکڑی کے ہتھوں کے عقب میں سائے سے منڈلانے لگے۔ ٹائیگر اب سطح زمین کے متوازی تھا... زمین دوز بھٹ سے نکل کر یہاں آنے کے بعد، وہ خود کو کافی تروتازہ محسوس کر رہا تھا کیونکہ یہاں انجنوں کے دھوئیں کی گھٹن اور سیسن نہیں تھی۔ اس کی نگاہ اطراف میں چکراتی ہوئی بوڑھے ساؤ پر جم گئی۔

ساؤ اس وقت قطری لباس میں تھا اور اس کا استخوانی جسم، گودام کے درمیان رکھی ہوئی ایک کرسی پر فیتوں سے بندھا ہوا تھا۔ اس کا سفید جسم جگہ جگہ سے خون کے دھبوں سے سجا ہوا تھا اور یوں لگتا تھا جیسے اس نے سرخ سرخ پھولوں اور سفید زمین والا چست لباس پہن رکھا ہو۔ یہ سرخ پھول اس کی سفید جلد پر خود اسی کے خون سے بنائے گئے تھے۔ وہ ابھی زندہ تھا جیسے ہی اس کی نگاہ ٹائیگر پر پڑی، اس کی انگلیوں اور پیروں کے پنجوں میں خود کو چھڑانے کے لیے دھیمی سی حرکات پیدا ہوئیں اور اس کی آنکھیں تیزی سے گھومتی محسوس ہونے لگیں۔

ساؤ سے کچھ دور، ریت کے بوروں کی ایک بلند دیوار بنی ہوئی تھی۔ وہاں ایک لفٹ تھی جس سے وزنی اشیا گودام میں لائی یا لے جائی جاتی ہوں گی۔ اس لفٹ کے عقب میں ٹائیگر انسانی باہوں کو متحرک دیکھ رہا تھا۔ اس نے رائفل تان لی اور انتظار کرنے لگا۔ جب کمر پڑی پوری طرح سامنے آگئی تو اس نے ٹریگر دبا دیا۔ گولی اس کھوپڑی نما گولیوں منتشر کر گئی جیسے کسی بھاری پتھر سے تربوز کے چیتھڑے بکھر جاتے ہیں۔ وہ ساؤ کی طرف دوڑا تو ان گنت گولیاں، ماحول میں نغمہ سرا ہوئیں۔ بھت سے لڑی کے پُرزے فضا میں بکھر گئے۔

اس نے ساؤ کی کرسی پر ہاتھ ڈال دیا اور اسے کرسی سمیت لفٹ کے عقب میں گھسیٹ لے گیا۔ ساؤ کی آنکھوں میں جھانک کر ٹائیگر کو اندازہ ہوگیا کہ اب چند منٹ کی زندگی باقی رہ گئی ہے۔ ٹائیگر نے منشیات فروشوں کو دور رکھنے کے لیے چند گولیاں چلائیں تو ساؤ کے حلق سے... خرخراہٹ سی سنائی دی۔ وہ کچھ کہنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ٹائیگر نے اس کے لبوں سے کان لگا دیا لیکن وہ، ساؤ کی بات نہ سمجھ سکا۔ یکایک اس کا جسم کسی دم توڑتے ہوئے پرندے کی طرح پھڑپھڑایا اور اس کی آنکھیں اُبل کر جہاں تک پھیلی تھیں، وہیں پتھرا گئیں۔ اس کا جسم سخت ہو کر اکڑ گیا اور وہ ہیبت کرب آمیز انداز میں کھلا رہ گیا۔

ایک لمحے کے لیے ٹائیگر جنگ بھول گیا۔ اس نے ساؤ کی آنکھیں بند کر دیں اور ایک طرف ہٹ گیا۔ دفعتہً عقب سے چند دھماکے ہوئے اور گولیاں، ساؤ کے مُردہ جسم میں دفن ہوگئیں۔ وہ کرسی بھی ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی جس پر بوڑھا ساؤ بندھا ہوا تھا۔ ٹائیگر نے جست لگائی۔ اسے ایک جانب پٹ سن کی چٹائیوں سے ڈھکی ہوئی روئی کی بوریاں... دکھائی دی تھیں۔ ان کے اوپر سے ہوتا ہوا، وہ ایک طویل ایزل پر دوڑ پڑا۔ گودام کے دور افتادہ حصے میں اسے کانچ دار کھڑکیاں نظر آرہی تھیں، وہ اسی طرف دوڑتا چلا گیا۔

اچانک اسے رُک جانا پڑا۔

اس کے حلق سے ایک طویل سانس خارج ہوگئی اور وہ ایک خوفناک سوراخ کو گھورنے لگا۔ اس کی آنکھوں سے صرف دو انگل دور، ایک سب مشین گن فضا میں معلق تھی... لیکن جب وہ ایزل سے اچھل کر روئی کی گانٹھوں سے ہوتا ہوا واپس اسی ایزل پر گرا تو گولیاں اس کے سائے کو روندتی ہوئی گزر گئیں۔ اس سے قبل کہ ٹائیگر دوبارہ حرکت میں آتا، گانٹھوں کی اوٹ سے کئی رائفلیں جھانکنے لگیں۔

وہ ایک بار پھر گر گیا تھا۔

اس نے رائفل کا بے دریغ استعمال کیا اور آخری گولی تک چلا دی... پھر اس کا جسم کسی گوبے کی طرح فضا میں پھکراتا ہوا، بڑے بڑے ڈھیروں کے عقب میں جا گرا لیکن اس وقت تک ایک گولی اس کی ران سے رگڑ کھا چکی تھی۔ جس جگہ گولی نے خراش ڈالی تھی، وہاں شدید جلن کا احساس ہوا۔ تب ٹائیگر کو پتہ چلا کہ اس کے بائیں جوتے کی ایڑی بھی غائب ہو چکی ہے۔ گولیوں کے دھماکوں سے پورا گودام گونج رہا تھا۔

اب وہ لوگ اندھا دھند گولیاں برسا رہے تھے اور انھیں شاید یہ بھی یاد نہیں رہا تھا کہ اس جگہ گولیاں چلا کر وہ خود کو بیرونی لوگوں کے سامنے بے نقاب کر دیں گے۔ ٹائیگر نے ڈھیروں کی دیوار لڑھکا دی۔ بھاری ڈھیروں کے گرنے سے بڑی خوفناک آوازیں پیدا ہوئیں۔ ایسی گڑگڑاہٹ سنائی دی جیسے درجنوں آتش فشاں ایک ساتھ پھٹ پڑے ہوں۔ یہ بوریوں کے ڈھیر تھے جن سے تیل بہہ نکلا تھا۔ ڈھلواں ایزل پر تیل بہتا ہوا دور دور تک پھیل گیا۔

ٹائیگر جہاں کھڑا تھا، وہاں سے بیس فٹ کی بلندی پر ایک

موٹا سانڈ جھول رہا تھا۔ یہ غالباً لنچ کا آثار تھا۔ اُس نے جست لگائی اور دونوں ہاتھ تاروں میں اُلجھا کر فضا میں ایک لمبی قوس کی حالت میں جھول گیا۔ عقب سے گولیوں کا ایک گرجتا ہُوا سا طوفان اُس کی طرف لپکا... اور پھر سیٹیوں نے آگ پیکر لی۔ جب تک وہ کھمبوں کے پاس پہنچا، عقبی حصہ جہنم بن گیا تھا اور شعلے بلند و بالا چھت تک لپک رہے تھے۔ ٹائیگر نے ایک بار پھر خود کو فضا میں اُچھال دیا۔

اُس کا جسم فضا میں چکرا تا ہُوا کھمبے کی ٹک پہنچا، اُس سے ٹکرایا اور اُسے سینکڑوں چھوٹے بڑے ٹکڑوں میں توڑتا ہُوا، گود سے باہر نرم ریت پر جا پڑا۔

وہ دریا سے چند قدم ہی دُور تھا۔

اچانک وہ ٹھٹک گیا۔

پولیس کی دو کشتیاں، دریا کے کنارے موجود تھیں اور سرچ لائٹس تاریکی میں چکراتی ہُوئی، اُن لوگوں کو تلاش کر رہی تھیں جن کو گودام سے نکل کر اِس طرف فرار ہونا تھا۔ ٹائیگر کے گرتے ہی، پولیس فائرنگ سے رات کا سناٹا مجروح ہو گیا۔ ٹائیگر ریت پر گرنے کے بعد کسی... طاقتور اژدہے کی طرح اُلٹی ہُوئی کشتی کے نیچے رینگ گیا۔

معاً ایک لاؤڈ اسپیکر چیخ اُٹھا۔

"اس علاقے کو گھیرے میں لیا جا چکا ہے۔ ہر حرکت کرتی ہُوئی شے کو گولی مار دی جائے گی۔ جو جہاں ہے، وہیں ساکت ہو جائے۔"

ٹائیگر نے شمال کی جانب دیکھا۔ اس طرف راستہ صاف تھا۔

ریت پر رینگتا ہُوا، اُسی جانب بڑھنے لگا۔ اُدھر ان گنت کشتیاں دریا کے کنارے ریت پر بکھری ہُوئی تھیں۔ دو یا تین بگڑے کشتیوں کی آڑ لیتا ہُوا، کسی سانپ کی سی تیزی سے لہراتا، گودام سے دُور ہوتا چلا گیا۔

وہ ایک خاردار باڑ تک پہنچا اور اس کے نیچے سے نکل کر... سڑک پر آ گیا۔ اسی لمحے ایک فوجی ٹرک گرجتا ہُوا وہاں پہنچ گیا۔ ٹائیگر نے سڑک کے دوسری جانب پھیلے ہُوئے ساکت پانی میں چھلانگ لگا دی اور تیزی سے تیرتا ہُوا آگے بڑھنے لگا۔ یہ ایک اندھی چال تھی لیکن اس کے ہاتھ پاؤں بیکا نکی انداز میں چھینٹے اُڑاتے رہے... پھر اُس نے ڈبکی لگائی اور کسی مگرمچھ کی طرح بے آواز تیرنے لگا۔

زیرِ آب تیرتا ہُوا، وہ اُس حصے میں پہنچ گیا جہاں لمبی لمبی گھاس پانی میں سر اُٹھائے کھڑی تھی۔ وہ پانی سے اُبھرا اور منہ بھر کے لئے عقب میں دیکھا۔ دُور دُور تک کسی آدمی کا نام و نشان نہ تھا۔ وہ گھاس کو دائیں بائیں ہٹاتا ہُوا، کنارے کی طرف چلنے لگا۔ بڑے ہی تیز دھار کناروں والی گھاس تھی۔ وہ خود کو اُن کی کاٹ سے نہیں بچا سکا۔ اُس کے جسم میں جا بجا بائوں جلن ہونے لگی جیسے وہاں زخموں میں مرچیں بھر گئی ہوں۔

کنارا کافی دُور تھا۔ ٹائیگر کے پاؤں بار بار دلدل میں دھنس رہے تھے اور اُسے چلنے میں خاصی دُشواری ہو رہی تھی۔

کنارے پر پہنچ کر وہ رُک گیا۔ اُس نے پلٹ کر دریا کے کنارے کی طرف دیکھا۔ دُور... بہت دُور... رات کے تاریک سینے پر اُجالے کا ایک جزیرہ نظر آ رہا تھا۔ اس جزیرے پر شعلے ہی شعلے لپکتے نظر آ رہے تھے، بار بار دھماکے ہو رہے تھے اور فضا پولیس کاروں کے خوفناک سائرنوں سے گونج رہی تھی۔

ٹائیگر نے ایک طویل سانس لی اور ساؤ کے اُس گودام کی طرف چل دیا جہاں سونی کو چھوڑ آیا تھا۔

★★

ٹائیگر تیزی سے ساؤ ٹائی چی کے گھر کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اُس کا رُواں رُواں خوشی سے جھوم رہا تھا۔ بلیک سرکل کے ایک اہم اڈے کو تباہ کرنے میں اُسے بُوڑھے ساؤ کی قربانی دینی پڑی تھی لیکن ان گنت آدمیوں کو ہلاکت سے بچانے کے لیے یہ قربانی کوئی معنی نہیں رکھتی تھی۔ مضطرب خیالات کا گولا اور جذبات اُسے اُڑائے لیے جا رہے تھے... وہ بازیں پھلانگتا اور حد بندی کی دیواروں کے اُوپر سے کُودتا ہُوا، کسی بھوت کی مانند اُڑتا محسوس ہو رہا تھا۔

دریا کے کنارے بلیک سرکل کا اڈا اور عظیم الشان گودام اب پُوری طرح آگ پکڑ چکا تھا اور رات کے دامن میں ایک معنوی صبح جنم لے چکی تھی۔ بار بار اُس کے ذہن میں بُوڑھے ساؤ کی مسخ شدہ لاش گھوم جاتی تھی، اُس کی اُبلی ہُوئی آنکھیں چکر اجاتی تھیں جن کی گہرائی میں ٹائیگر کو ایک عجیب سا سکون اور طمانیت نظر آئی تھی۔ گویا اُس نے اپنے مقتول بھائی کے خون کا بدلہ لے لیا تھا۔

ٹائیگر جب گلیوں میں داخل ہُوا تو اُس کا بھائو بُری طرح پھڑپھڑا رہا تھا۔ کچھ دیر قبل پانی کی وجہ سے یہ بُدبُدا، اُس کے جسم سے چپکا ہُوا تھا لیکن اب اُس کے بیشتر حصے، مُرغابی کے پَروں کی طرح پھڑپھڑا رہے تھے۔ یہ اُس کے دوڑنے کا مخصوص انداز تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے اُس کے پاؤں زمین سے نہ چھو رہے ہوں اور وہ سطحِ زمین سے نصف فٹ اُوپر فضا میں تیرتا ہُوا دوڑ رہا ہو۔ اب اُس کا ذہن مُردہ ساؤ کو بھول کر زندہ لوگوں کی طرف متوجہ ہو گیا... سونی... فانگ... ایک دُنیا کی حسین ترین ہستی... اور دوسرا دُنیا کا خوفناک ترین شخص...

ٹائیگر جانتا تھا کہ بلیک سرکل کے سرکردہ لوگ سمجھ چکے ہوں گے کہ اُس کا تعلق ساؤ سے ہے اور ساؤ نے غدّاری کی تھی۔ اگر وہ اُسے غدّار نہ سمجھتے تو اس انداز میں کبھی قتل نہ کرتے... اور اُسے قتل کرنے کے ساتھ ساتھ، اُنھیں یہ خیال بھی آیا ہوگا کہ کہیں ساؤ کے گھر میں کوئی ایسی ڈائری، یادداشت، خط یا کوئی اور ایسا نشان موجود نہ ہو جو اُن پر اُنگشت نمائی کر سکتا ہو۔ وہ کسی ایسی چیز کی تلاش میں یقیناً ساؤ کے ہاں پہنچ چکے ہوں گے۔ اگرچہ ساؤ نے اُسے یقین دلایا تھا کہ اُس کے گودام کے نیچے واقع تہ خانے کے بارے میں کوئی نہیں جانتا... لیکن جب اُن لوگوں نے بھونچڑے کی تلاشی لی ہوگی تو وہ خفیہ راستہ بھی اُن کی نظر میں ضرور آ گیا ہوگا جس کے ذریعے اُنھوں نے حسین سونی کو تہ خانے میں اُتارا تھا۔

ٹائیگر کے دل میں بے چینیاں بھر گئیں۔

وہ، ساؤ کے گھر سے ابھی کچھ ہی فاصلے پر تھا کہ اچانک ایک خیال نے اُسے چونکا دیا۔ وہ ایک جھٹکے سے رُک گیا۔ اگر بلیک سرکل کے خونخوار بجٹ ساؤ کے گھر تک پہنچ چکے ہیں تو وہ یقیناً وہیں موجود ہوں گے۔ اگر یہ ہُوا تو اُسے اُن لوگوں سے لُوٹنے اور اُن سے لُٹتے ہُوئے حسین سونی سے نپٹنا پڑے گا... تاکہ کوئی بھی ایسا شخص زندہ نہ رہے جو اُس کے بارے فانگ کو بتا سکے کہ وہ ایک حسین لڑکی کے ساتھ فرار ہُوا ہے۔ اگر وہ سونی بچانے میں کامیاب ہو گیا تو اُسے فی الفور کسی نہ کسی ذریعے سے ماسٹر تاؤ کے ں بھجوا دے گا۔

ٹائیگر، بُوڑھے ساؤ کے گھر تک مخالف سمت سے پہنچا اور گلی کے پار ایک عمارت کی چھت پر چڑھ گیا۔ اب اُس پر کسی بہت بڑی بلی کا ان ہوتا تھا جس کی حرکت سے خفیف سی آواز بھی پیدا نہیں ہو رہی تھی۔ ڈھلوانی حصّوں پر رُک رُک کر کسی سانپ کی طرح چہل رہا تھا تاکہ چھت ہائیں آوازیں پیدا کر سکیں۔ وہ عمارت کی چھت کے نوکیلے بالائی حصّے سے پہنچ گیا اور بھانک کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔

ساؤ کا گھر خاموش اور تاریک تھا۔ جب اُسے اطمینان ہو گیا کہ وہ خالی ہے تو اُس نے اپنی سماعت پر زور ڈالنا شروع کر دیا۔ اُس کی سمعی ، بیدار ہُوئی تو کسی راڈار کی طرح آس پاس کی معمولی سے معمولی آواز کی گرفت میں لینے لگی۔ دُور دریا کے کنارے سے پولیس کے سائرن نی دے رہے تھے۔ لکڑیوں کے چٹخنے کی آوازیں آ رہی تھیں... لیکن زوں کے اس ہجوم میں اُسے ایک اور آواز بھی سُنائی دے گئی۔ یہ آواز تے قریب سے، اُس کے نیچے، بائیں سمت سے پیدا ہُوئی تھی۔ یہ آواز کے یا بلی کی نہیں تھی... بلکہ یہ ایک انسانی جسم سے پیدا ہونے والی بھی جس کی گول پتھروں کے راستے پر کھڑے کھڑے، بے قراری سے بوجھ ایک پاؤں سے دوسرے پاؤں پر منتقل کیا تھا۔

ٹائیگر نے اپنے اعصاب کو پُرسکون کر لیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ ایک مارے یہ اچھا ہی ہُوا کہ ان لوگوں سے باہر گلی ہی میں نمٹنا پڑے گا

... پھر اُسے خیال آیا کہ اگر وہ، اُن سب کی آنکھوں میں دھُول جھونک کر بے آواز طریقے سے اندر پہنچ جائے تو کیا اسی خاموشی سے سونی کو لے کر باہر آنے میں کامیاب ہو سکے گا؟... سوچ کے جواب میں عقل نے نفی کا اشارہ دیا۔ سونی کے لیے ایسا ممکن نہ ہوگا۔

ٹائیگر نے یہ خیال ذہن سے جھٹک دیا... اور ساؤ کے گھر کے دائیں جانب واقع گودام کی چھت اور بالائی منزل کی کھڑکیوں کو گھورنے لگا۔ سونی اسی گودام کے تہ خانے میں پوشیدہ تھی۔ اچانک اُسے ٹارچ نور کا ایک شرارتی متحرک نظر آیا تو وہ چونک پڑا۔

ٹائیگر نے گہری نگاہ سے شرارتی نور کو دیکھا۔

اس میں ایک خفیف سی تھرتھری پیدا ہُوئی تھی اور پھر وہ ساکت ہو گیا تھا۔ گودام کے عقب میں جو عمارت واقع تھی، اُس کی چھت پر ایک تھی اور سیاہ شے، چمنی کی اوٹ سے لمحے بھر کے لیے دکھائی دے کر غائب ہو گئی۔ ٹائیگر فوراً چھت کی چوٹی کی اوٹ میں دُبک گیا اور غور کرنے لگا۔

بلیک سرکل کے غنڈوں نے تین ایسے منطقی مقامات کا انتخاب کیا تھا جہاں سے وہ، ساؤ ٹائی چی کے گھر اور اُس پاس پر بخوبی نگاہ رکھ سکتے تھے۔ وہ ایسی مکمل پوزیشن میں تھے کہ ہر آنے والے کو آسانی سے کاٹ کر ڈال سکتے تھے لیکن جو غنڈہ یا غنڈے نیچے گلی میں تھے، وہ نہ تو کسی کو دیکھ سکتے تھے اور نہ ہی کسی کو دکھائی دیتے تھے۔ ٹائیگر نے سوچا کہ اگر وہ نیچے موجود غنڈوں کا صفایا کرنے میں کامیاب ہو جائے تو...

اُس نے چھت کے چوٹی نما حصّے سے ایک بار پھر جھانکنے کا خطرہ مول لیا اور حد بندی کی تصویر ذہن نشین کر لی۔ اُس نے حملہ کرنے کے زاویوں کا بھی تعین کر لیا۔ تب اُسے احساس ہُوا کہ اگر کوئی ساؤ کے گھر کے سامنے واقع سڑک سے رینگتا ہُوا، بھونچڑے کی جانب بڑھے... تو گودام میں دُبکے ہُوئے رائفل برداروں کی نگاہ میں نہیں آ سکتا... اور نہ ہی گودام کی عقبی عمارت کی چھت پر چھپے ہُوئے غنڈے اُسے دیکھ سکیں گے۔ چند گلیوں کے فاصلے سے ایک ٹرک کی آواز سُنائی دینے لگی... یہ ٹرک دریا کی طرف جا رہا تھا۔ غالباً پولیس نے جلتے ہُوئے گودام کے سلسلے میں مزید کمک طلب کر لی تھی۔ اگرچہ ٹرک کا شور بلند نہیں تھا لیکن اُس کی وجہ سے خیالات ضرور متاثر اور منتشر ہو رہے تھے۔

ٹائیگر چھت کے اُس پار، اپنے بائیں جانب پھسل پڑا... پھر اُس نے محتاط نظروں سے، چھت کے کنارے سے جھانک کر دیکھا۔ تیس فٹ نیچے گلی میں دو غنڈے کھڑے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں رائفلیں دبی ہُوئی تھیں اور وہ تنگ سی گلی میں آگے پیچھے دیکھنے میں محو تھے۔

ٹائیگر انتظار کرنے لگا۔

اُسے دوسرے ٹرک اور اُس سے پیدا ہونے والے شور کا انتظار تھا۔ اُسے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔ دوسرا ٹرک جلد ہی آگیا اور اتفاق سے اس بار نسبتہ قریب سے گزر رہا تھا جس کی وجہ سے مقابلتہً شور بھی زیادہ پیدا ہو رہا تھا۔ ٹائیگر نے تنگ سی گلی میں کھڑے غنڈوں کی پشت پر جگہ منتخب کی جہاں وہ اپنی جہاد ایٹریاں گاڑ دینا چاہتا تھا۔ ابھی وہ اُن پر جست لگانے ہی لگا تھا کہ اُس کے ذہن میں ایک خیال رینگ گیا۔ رات کے سناٹے میں برڑھ کی ہڈیاں ٹوٹنے سے کس قدر شور پیدا ہوگا؟ یقیناً معمولی سا شور ہوگا لیکن اُن کی چیخوں سے آس پاس کے گھروں مُردے تک بیدار ہو جائیں گے۔

ٹائیگر نے سوچا کہ اس خطرے کو ٹالنے کے لیے اُسے مذاقی طور پر نسبتہ بڑا خطرہ مول لینا پڑے گا۔ وہ کسی ایسے شیر کی مانند دُبک کر بیٹھ گیا جو اپنے شکار پر جست لگانے کے لیے تیار ہو... پھر اُس نے نیچے جھلانگ لگا دی جیسے ہی وہ نصف فاصلہ طے کرنے میں کامیاب ہوا، اُس نے اپنے حلق سے سوں سوں کی ایسی آواز نکالی جیسی کسی بم کے گرتے وقت پیدا ہوتی ہے۔

گلی میں موجود غنڈے یہ آواز سُن کر اُچھل پڑے۔ اُن کی رائفلیں بلند ہوگئیں اور انگلیاں ٹریگر پر پہنچ گئیں... لیکن جیسے ہی اُنھوں نے ٹائیگر کو اُوپر گرتے دیکھا، بوکھلاہٹ میں اُن کے دہانے کھل گئے۔ وہ مُنہ پھاڑے اُسے دیکھنے لگے۔ یہ محض چند لمحوں کی بات تھی۔ اُن دونوں کے کھلے ہوئے مُنہ دہشت کے دو گونگے کنوئیں تھے۔ اس سے قبل کہ اُن کی انگلیاں ٹریگر دبانے میں کامیاب ہوتیں، اُن کے کھلے ہوئے دہانوں پر دو ایڑیاں آکر گریں۔

تصادم خوفناک تھا۔ اُن کے دانت ٹوٹ گئے۔ جبڑوں کی ہڈیاں سُرمہ بن گئیں اور خون نے دونوں کے حلقوم یوں لبریز کر دیے کہ کوئی آواز، اس گاڑھے خون سے برآمد ہو کر فضا میں منتشر نہیں ہو سکتی تھی۔ اُن کی جنبشیں حلق ہی میں گھٹ کر رہ گئیں اور وہ چُرمُرا کر ڈھیر ہو گئے۔ ٹائیگر کسی خونخوار بلی کی مانند چاروں ہاتھ پیروں کے بل زمین پر گرا اور اُچھل کر رائفل کی نال تھام لی۔

اس سے قبل کہ مسخ چہرے والا گرگا، ٹائیگر دُہاکر تنبیہی فائر کرنے میں کامیاب ہوتا، ٹائیگر نے اُس کے ہاتھ سے رائفل چھین کر دوسرے کے پیٹ میں گھسیڑ دی۔ وہ ٹرھڑایا اور اندھوں کی طرح ٹٹولتا ہوا پیچھے ہٹا پھر گلی کی دیوار سے ٹکرا کر آہستہ آہستہ بیٹھتا چلا گیا۔ اُس کے اپنے ہاتھ میں جکڑی ہوئی رائفل پھسل کر زمین پر گر گئی... اگر وہ پتھریلی زمین پر پھسل جاتی تو خاصی آواز پیدا ہوتی لیکن ٹائیگر نے اُسے زمین سے دو انچ اُوپر ہی تھام لیا اور پشت کے بل خود کو سہارا دیا۔ اس نے بُرے خطرناک انداز میں غوطہ لگایا تھا لیکن رائفل تھام کر وہ بروقت پلٹنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

دونوں رائفلیں لب زمین پر پڑی تھیں۔ وہ مہلک زخموں سے چُور بدمعاشوں کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اُس نے ایک کے سر کو گھما دینے والا جھٹکا دیا جس سے اُس کی گردن کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ انگوٹھے کے دباؤ نے دوسرے کی سانس کی نال میں سوراخ کر دیا۔ ٹائیگر کسی خونخوار درندے کی عجلت میں ان لاشوں سے الگ ہوا اور پیٹ کے بل رینگتا ہوا کے مکان کی طرف بڑھنے لگا۔

دروازہ نیم وا تھا۔

ٹائیگر زمین سے اُٹھ کھڑا ہوا اور پاؤں کے گدگدی دار حصوں کے بل بے آواز چلتا ہوا، گھر میں داخل ہو گیا۔ اندر پورا گھر ابتری اور بدنظمی کا شکار نظر آرہا تھا۔ گھر کے مختصر سے سامان کو توڑ پھوڑ ڈالا گیا تھا۔ چٹائی مکمل کئی پھٹی ہوئی تھی۔ وہ مکان کے اُس حصے میں داخل ہوا جسے بطور باورچی خانہ استعمال کیا جاتا تھا۔ گھر کے برابر میں جو گودام تھا، اس کا خفیہ راستہ اسی کمرے سے جاتا تھا۔ باورچی خانے میں قدم رکھتے ہی ٹائیگر ٹھٹک گیا۔

فرشی دروازہ کھلا ہوا تھا۔

ٹائیگر کی نگاہ، فرشی دروازے کی اندرونی سطح پر جم گئی۔ اُس پر خون کا ایک بڑا سا دھبہ موجود تھا۔ ٹائیگر نے فوری جدوجہد کے تحت غصے اور دہشت پر قابو پالیا جو اُس پر مایوسی کا ایسا غلبہ ڈالنے کی کوشش کر رہے تھے جس سے اُس کا جسم مفلوج حالت میں مبتلا ہونے لگا تھا۔ اُس نے باورچی خانے میں نگاہ دوڑائی تو ایک دیا سلائی کی ڈبیا نظر آگئی۔ ماچس اُٹھا کر وہ بے آواز، تہ خانے میں اُتر گیا۔ نہ جانے کیوں، اُسے یہاں لگ رہا تھا جیسے سونی اُسے اب کبھی نہیں ملے گی۔ اس احساس پر یہ احساس البتہ غالب تھا... تہ خانے میں سونی کی لاش نہیں ہوگی۔

چند لمحے آہٹ لینے کے بعد، اُس نے ایک تیلی جلائی اور اس کی محدود روشنی میں جائزہ لینے لگا۔ نیچے جو تہ خانہ تھا، یہ ایک کھلی اور تنگ سی جگہ تھی۔ وہاں ایک چوبی شیلف رکھا ہوا تھا لیکن اُسے شیلف نہیں کہا جا سکتا تھا کیونکہ یہ کئی ٹکڑوں میں تقسیم ہو کر گیا تھا۔ ٹائیگر کی گردش کرتی ہوئی نگاہ، ایک جگہ رُک گئی اور اس کے ساتھ ہی اُسے یوں لگا جیسے اُس کی دھڑکن بھی تھم گئی ہو۔ لکڑی کے ٹکڑوں کے نیچے دبی ہوئی ایک بوری نظر آرہی تھی۔ اس بوری کی پیندی میں ڈھنس ڈھنس کر بھری ہوئی تھی سے... اور ایک خون آلود کیل اس بوری پر ڈھکا ہوا تھا۔ ٹائیگر کا ہاتھ بڑھ کر کیل کے ایک کنارے پر پھسل گیا... اور پھر اُس نے ایک جھٹکے سے کیل کھینچ لیا۔

کیل سے جھانکتی ہوئی بوری اب پوری طرح کہنی ہوئی تھی۔ بھوری پٹ سن کی بوری تھی جس میں سے اناج کے بھورے بھورے دانے کنکریٹ کے فرش پر ایک سوراخ سے بہہ رہے تھے۔ ٹائیگر کی رگ رگ سے پٹ پڑا۔ دہشت کی ایک لہر جو سونی کے سلسلے میں، اُس کے دل میں پیدا ہوئی تھی، اس کے ساتھ اُمید کی ہلکی سی کرن پیدا ہو گئی تھی۔ اس نے ذہن کی تاریکیوں میں خفیف سا اُجالا کر دیا۔

اُس کی آنکھیں اب تہ خانے کے باقی ماندہ حصے کا جائزہ لے رہی تھیں۔ وہاں نصف درجن کے قریب پٹ سن کی بوریاں رکھی ہوئی تھیں جن میں ریت بھری ہوئی تھی۔ یہ وہ بوریاں تھیں جنھیں بہت عرصہ پہلے ساؤ کے ساتھی، حملے کی صورت میں، دروازے بند کرنے کے لیے استعمال کرتے ہوں گے۔ تہ خانے میں ان بوریوں کے سوا کچھ... بھی نہیں تھا۔

ٹائیگر کی حسیات اب پوری طرح بیدار ہو چکی تھیں اور وہ دیکھ سکتا تھا کہ کچھ دیر قبل یہاں کیا ہوا ہوگا۔ اُنھوں نے سونی کو تلاش کر لیا۔ سونی نے مزاحمت کی ہوگی جس پر اُسے زخمی کر دیا گیا... غالباً ایک حد تک زخمی... پھر وہ اُسے لے گئے... اُسے یا اُس کی لاش۔ اگر وہ اس وقت زندہ ہے تو یقیناً اس سے معلومات حاصل کرنے کے لیے، بے پناہ اذیت دی جا رہی ہوگی... پھر اُسے ہانگ کانگ لیا جائے گا جہاں اُس جیسی سینکڑوں بے بس لڑکیاں... غلیظ دل کے مندر میں، ناپاک جذبوں کی بھینٹ چڑھ چکی تھیں۔ ممکن اُسے افیون کا عادی بنا دیا جائے۔ یہ عادت اُسے نسبتہً آسانی سے ساتھ گناہوں کی دلدل میں اُتار سکتی تھی۔

ٹائیگر کا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔

اُسے حیرت تھی کہ بلیک سرکل کے غنڈے باہر ہی کیوں جمع ہیں؟ اُن میں سے چند اس تہ خانے میں اُس کے منتظر کیوں نہیں ہیں؟ یہ بات اُس کے ذہن میں واضح ہو گئی کہ وہ، اُسے دور ہی سے اڑا کر ہلاک کر دینا چاہتے ہیں۔ زیادہ اس کے قریب آنے اور سامنے سے لڑنے کے متحمل نہیں ہو سکتے تھے... اور اُن کی خواہش تھی کہ اگر وہ کسی طرح ساؤ میں داخل ہو بھی جائے تو یہاں گھیر لیا جائے... اب وہ اُن کا منصوبہ اچھی طرح سمجھ گیا تھا۔ اُس نے اثبات میں سر ہلایا اور کود کر ریت سے پُر تہ خانے میں ایک محرابی راستہ تھا جسے سیمنٹ کے ذریعے بند کیا گیا تھا۔ یہ محرابی راستہ کبھی اس تہ خانے سے گودام میں کھلتا رہا ہوگا۔ ٹائیگر ریت کے بوروں کو اس محرابی راستے کے سامنے انبار کی صورت رکھنے لگا۔ جب تمام بورے رکھے جا چکے تو اُس نے بوروں کے درمیان تھوڑی سی کھلی جگہ کا جائزہ لیا۔ یہ جگہ اُس نے دانستہ چھوڑی تھی۔

اُس نے بچھے پھڑوں کو ہوا سے بریز کر لیا... پھر اُس نے حلق سے ایک تیز چیخ نکالی... چھید دینے والے تاثر سے بھرپور چیخ جیسے وہ کسی بڑی ہی تکلیف دہ حالت میں پھنس گیا ہو۔ اُس نے خود کو اس کھلی جگہ میں چھپا کر آخری بوری اپنے سامنے رکھ لی... اور اُوپر والے بوروں کو دھکا دے کر گرا دیا۔ محرابی راستہ ٹوٹ کر کھل گیا۔ وہ بوریوں کے نیچے دب کر رہ گیا تھا۔ اب اُسے انتظار کرنا تھا۔

دس سیکنڈ گزر گئے۔

بیس سیکنڈ بیت گئے... اور پھر ساؤ مائی چی کا خستہ حال مکان، ایک زوردار دھماکے سے اُڑ گیا۔ بوسیدہ سے آشیانے کا تنکا تنکا بکھر گیا۔ ہر تنکے میں آگ لگی ہوئی تھی۔ تہ خانے میں یہ آواز گو زیادہ پُرشور انداز میں سُنائی نہیں دی تھی تاہم ٹائیگر کو یقین تھا کہ باہر کی فضا میں کہرام برپا ہو گیا ہوگا۔ وہ ریت کے بوروں میں رکھے گئے خلا میں دُبکا انتظار کرتا رہا۔ حتیٰ کہ ساؤ کے مکان کی چھت، تہ خانے پر گری۔ یوں محسوس ہوا جیسے زبردست زلزلہ آگیا ہو۔ تہ خانے کی دیواروں میں شگاف پڑ گئے اور ریت کی بوریوں پر نہ جانے کتنا ملبہ آگرا۔

نصف منٹ بعد ٹائیگر نے دھواں آلود فضا میں اندھوں کی طرح ٹٹول کر اپنی آہنی اُنگلیوں کی مدد سے ایک بوری سامنے سے ہٹائی اور محرابی دروازے کی طرف دیکھنے لگا۔ اُسے ایک کشادہ

تاریخی ناول

خالد بن ولید	الماس ایم - اے - / 200
سلطان ٹیپو شہید	الماس ایم - اے - / 200
نواب حیدر علی خاں	الماس ایم - اے - / 200
سلطان صلاح الدین ایوبی	الماس ایم - اے - / 450

مکتبہ القریش اُردو بازار - لاہور 2

ر نظر آرہی تھی جو اوپر جا کر ایک سوراخ بن جاتی تھی۔ وہ ریت اور راکھ ہٹاتا ہوا، اپنی پناہ گاہ سے نکلا اور اس شگاف کے ذریعے اوپر گودام میں داخل ہو گیا۔ وہ تاریک گودام کے تہ خانے میں ٹھوکریں کھاتا رہا حتیٰ کہ وہ ایک زینہ اور دروازہ تلاش کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس نے چوبی دروازے پر ٹھوکر ماری۔

اس ٹھوکر کے جواب میں، نہ جانے کہاں سے گولیوں کی یک بارگی گئی۔ مکڑی کے جالے فضا میں اُڑنے لگے جن میں لکڑیوں کے چھوٹے چھوٹے نوک دار ٹکڑے بھی شامل ہو گئے تھے... مکڑی کا دروازہ بُری طرح چرچرایا اور پھر قدیم چوبی زینے پر بھاری بھاری قدموں کی آہٹیں گونجنے لگیں۔

ٹائیگر گودام کے دروازے سے اندر داخل ہُوا تو گودام کا ایک دُور افتادہ دروازہ ایک دھماکے سے کھل گیا۔ ٹائیگر نے چونک کر نگاہ بھائی تو اُسے اس دُور افتادہ دروازے میں انسانی ہیولے اور فضوں کی شبیہیں تیرتی دکھائی دیں۔ اُس نے جس اندازیں سوچا تھا، اُسی اندازیں ٹھہر گیا تھا۔ چھت پر موجود بلیک سرکل کے بدمعاش اُتر اُتر کر زینے کے ذریعے اُس کے سامنے پہنچ رہے تھے۔ وہ اُن سے ایک خوفناک اور فیصلہ کن جنگ کے لیے تیار ہو گیا۔

اُن کے درمیان ہونے والا تصادم بڑا ہی بھیانک تھا۔ ٹائیگر بار بار فضا میں بلند ہوتا تھا۔ اُس کے دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں خطرناک ترین ہتھیاروں کو ناکام کر رہے تھے۔ کاٹ ڈالنے والی ضربیں، تہس نہس کر دینے والی چوٹیں، ہڈیوں کو توڑ ڈالنے والی ٹھوکریں... جسم کے نازک ترین حصّوں میں شگاف پیدا کر دینے والی خنجر نما اُنگلیوں کے وار... لیکن ٹائیگر صرف تین آدمیوں کو ٹھکانے لگانے میں کامیاب ہو سکا جبکہ وہ تعداد میں چار تھے... چوتھے نے اپنے ساتھیوں کا حشر دیکھا تو مقابلہ آرائی کا خیال ذہن سے جھٹک کر چوبی زینے پر چڑھ گیا۔ اور وہاں سے رائفل کی نال ٹائیگر پر تان لی۔ ٹائیگر بجلی کے کوندے کی طرح بائیں طرف کُود گیا۔ اسی ساعت کسی جانب سے بے شمار گولیاں شرارے بن کر رائفلوں کے دہانے سے نکلیں اور یہ شرارے فضا میں چکراتے ہوئے، دیواروں اور چھت میں دفن ہو گئے۔

ٹائیگر جہاں گرا تھا، وہیں دُبکا رہا۔ وقتی طور پر یہی جگہ سب سے زیادہ محفوظ تھی۔ جب تک وہ نئے حملہ آوروں کا سُراغ نہ لگا لیتا، یہاں سے نکلنا یوں بھی خود کو خطرے میں ڈالنے کے مترادف تھا... اور تب ٹائیگر نے بلیک سرکل کے اصل بدمعاشوں کو دیکھا۔ وہ سیاہ لبادوں میں ملبوس تھے اور موت کے ہرکارے لگ رہے تھے۔ جب انھیں تہ خانے میں سونی مل گئی تھی تو انھیں یقین ہو گیا ہو گا کہ ٹائیگر وہاں ضرور واپس آئے گا۔ ٹائیگر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اس کے اندازے کے مطابق تالگ بھگ دو درجن بدمعاشوں کو اس مشن پر بھیجا گیا تھا۔ رائفلوں کے دھماکے یک لخت ختم ہو گئے۔

بلیک سرکل کے سیاہ لبادے والے، نصف دائرے میں پھیل گئے اور آہستہ آہستہ ٹائیگر کی طرف بڑھنے لگے۔ ٹائیگر اس وقت اُس چوبی دیوار سے لگا بیٹھا تھا۔ یہ گھیرا آہستہ آہستہ تنگ ہونے لگا۔ جس دیوار سے پیٹھ لگا بیٹھا تھا، اس میں کوئی کھڑکی نہیں تھی۔ ٹائیگر کے اعصاب کو بے پناہ پُرسکون بنانا شروع کر دیا۔ برسوں کی تربیت نے اُسے اس بات کا اچھی طرح احساس ہو چکا تھا کہ ایسے موقعوں پر جسمانی طاقت اور پھرتی ہی کام نہیں کرتی بلکہ روحانی قوت بھی سرگرم عمل ہو جاتی ہے... اور ان طاقتوں کو بیک وقت استعمال کرنے کے لیے ذہنی اور قلبی طور پر بے حد پُرسکون ہونا ضروری ہوتا ہے۔ وہ لوگ بھیڑیوں کی طرح زخمی شیر کو گھیرے میں لیے آہستہ آہستہ آگے آرہے تھے۔ ان کی رائفلوں کی نالیں، مکڑی کے کرتوتوں سے اٹی ہوئی دکھائی دے رہی تھیں۔ ٹائیگر جس دیوار کے ساتھ ٹکا ہوا تھا، وہاں قدرے تاریکی تھی... پھر دشمنوں اور اُس کے درمیان پتیاں حائل تھیں اس لیے وہ اُسے پوری طرح دیکھ نہیں پا رہے تھے بلکہ بس اندازے ہی سے آگے بڑھ رہے تھے۔ ابھی ٹائیگر دفاعی حملے کی صورت حال کا جائزہ لے رہا تھا کہ چھت کی طرف جانے والے زینے سے اُسے دو آوازیں سُنائی دیں۔ پہلے یوں جیسے کسی نے ہتھوڑا چلایا ہو... پھر اس طرح جیسے کوئی خشک ٹہنی چٹخ کر ٹوٹ گئی ہو۔ اس کے ایک لمحے بعد، بلیک سرکل کا ایک گرگا، سر کے بل آتا دکھائی دیا۔ ٹائیگر نے چونک کر اُوپر دیکھا تو اُسے نیلے رنگ کی دکھائی دیا۔ اس لبادے میں لپٹا ہوا بُوڑھا جسم فضا میں اُچھلا اور اُڑن سانپ کی مانند پلٹا۔ ایک غنڈے نے اُس کی طرف رائفل لیکن وہ ٹرائیگر دبانے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ اُس کی پیشانی سے اُنگلی ٹکرائی اور ہڈی توڑتی ہوئی دماغ میں گھس گئی۔ اگلی ہی رائفل اس کے ہاتھ سے نکل کر کسی نیزے کی طرح، دوسرے غنڈے کے جبڑے پر پڑی۔ اس شخص کا چہرہ ایک طرف سے پچک گیا بادی النظر میں نصف چہرے والا آدمی دکھائی دیا... پھر ہاتھ مارتا ہوا ڈھیر ہو گیا۔

ٹائیگر نے سانس تک روک لی۔ وہ گہری دلچسپی اور حیرت اُس شخص کے لڑنے کا انداز دیکھ رہا تھا۔ یُوں محسوس ہونے لگا ہڈی گرگ، سرکس کے جھولوں پر ادھر سے اُدھر چکرا رہا ہو۔ وہ نیلے والا جسم اسی انداز میں اُڑتا پھر رہا تھا۔ ہر بار وہ کسی نہ کسی غنڈے

تا۔ نیلے رنگ کا ایک طوفان تھا جو اپنے سامنے آنے والی ہر شے کو اکرتا چلا جا رہا تھا۔

... اور پھر ٹائیگر نے اُسے پہچان لیا۔

یہ بلیک سرکل کا ماسٹر ٹاؤ تھا جو شنگھائی سے اُس کے تعاقب میں یہاں پہنچ گیا تھا۔ اس ناگہانی مدد نے ٹائیگر کے جسم میں بجلیاں سی بھر دیں۔ اپنی تاریک کمین گاہ سے اُچھل کر باہر آگیا اور ان لوگوں پر ٹوٹ پڑا جو دریجل اُسے گھیرنے کی کوشش کر رہے تھے اور اب سب کے سب ماسٹر ٹاؤ کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ اُنھوں نے ٹائیگر کو وقتی طور پر نظر انداز دیا تھا لیکن یہ اُن کی غلطی تھی اور اس فروگزاشت کا اُنھیں اپنی... گی دے کر ازالہ کرنا پڑ رہا تھا۔

ٹائیگر نے آخری آدمی کو موت کی آخری چکی سے ہمکنار کرنے کے ماسٹر ٹاؤ کی طرف دیکھا۔ ماسٹر کے ہونٹوں پر بڑی ہی دلفریب مسکراہٹ ل ہُوئی تھی۔ وہ بڑے ہی پُروقار انداز میں آگے آیا اور دونوں ایک رے سے دو قدم کے فاصلے پر رُک گئے... پھر ماسٹر ٹاؤ کا ہاتھ مصافحے لیے آگے بڑھا۔ ٹائیگر نے وہ ماسٹر ہینڈ، بڑی محبت اور نہایت احترام تھام لیا۔

"خوش آمدید، ماسٹر ٹاؤ!" اس نے کہا اور اس کے ہونٹ ماسٹر ٹاؤ ہاتھ پر جھکتے چلے گئے۔

★★

ماسٹر ٹاؤ نے ٹائیگر کو ساتھ لیا اور فوراً ہی ساؤ چی کے گھر سے نکل آیا۔ دونوں دریا کی طرف جا رہے تھے جہاں ماسٹر نے ٹوٹے نے اور متروک ڈیک پر اپنی کشتی چھپا رکھی تھی۔ وہاں پہنچتے ہی کی کشتی دریا کی لہروں پر بہنے لگی۔ وہ بہاؤ کے موافق رُخ سفر کرنے ایک گھنٹے بعد ماسٹر ٹاؤ، ٹائیگر کو لے کر دریا کے کنارے واقع ایک کسان کے جھونپڑے میں پہنچ گیا۔ اس دوران میں ماسٹر نے ٹائیگر سے کی ساری کہانی سُن لی تھی اور جھونپڑے تک پہنچتے ہوئے اُس ری خاموشی اختیار کر لی تھی۔ جب وہ کھانے کے بعد ہوم بتی کی لی روشنی میں ایک دوسرے کے آمنے سامنے بیٹھ گئے، تب ماسٹر ی نگاہ سے ٹائیگر کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرانا شروع کر دیا... نے ایک طویل سانس لی اور بولا۔

"میں، آپ کی محبت کا قدر دان ہوں، ماسٹر ٹاؤ! لیکن آپ کو نہیں آنا چاہیے تھا۔"

"ہاں..." ماسٹر نے تائید میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "مجھے یہاں آنا چاہیے تھا۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ تمھیں شنگھائی میں قدم رکھنا چاہیے تھا۔ بہرحال میں تو تمھارا شکریہ ادا کرنے آیا تھا۔ تم نے شنگھائی میں جو کارنامہ سرانجام دیا ہے، وہاں کے لوگ اُسے زندگی بھر نہیں بھول سکتے۔ میں ذاتی طور پر بھی تمھارا بے حد شکر گزار ہوں۔"

"یوآن کی طبیعت اب کیسی ہے؟" ٹائیگر نے موضوع بدلنے کے لیے پُوچھا۔

"اُس پر بے پناہ تشدد ہُوا ہے۔ اندرونی چوٹیں ٹھیک ہونے میں خاصا وقت لیں گی۔ تاہم وہ زندہ رہے گا۔ ہوش میں آنے کے بعد دیر تک اُسے اپنی زندگی کا یقین نہیں آیا تھا۔" ماسٹر ٹاؤ نے جواب دیا۔ "چنگ لی اور لیانگ بھی تمھیں بہت یاد کر رہے تھے۔"

"اس ہیڈ کوارٹر کی تباہی کے بعد شنگھائی میں ریڈ سرکل کی اب کیا حیثیت رہ گئی ہے؟"

"اُن کے بیشتر کارآمد آدمی موت سے ہمکنار ہو گئے ہیں۔ اس طرح وہاں ریڈ سرکل، قوت اور دولت، دونوں ہی معاملوں میں دیوالیہ ہو چکا ہے۔" ماسٹر ٹاؤ نے مسکرا کر کہا۔ "سُنا ہے اُن کے بچے کھچے لوگ ہانگ کانگ چلے گئے ہیں یا پھر یہاں پیکنگ میں، بلیک سرکل میں اکر شامل ہو گئے ہیں۔"

ٹائیگر نے اثبات میں سر ہلایا اور ماسٹر ٹاؤ کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔ "آپ نے بروقت آکر میری مدد کی۔ ممکن تھا کہ میں ان لوگوں کے نرغے میں..."

ایک نوجوان کی عجیب داستان
جو اپنی یادداشت کھو بیٹھا تھا
گم گردہ
یعقوب جمیل کے قلم سے
خوبصورت سرورق، بہترین طباعت و کتابت
قیمت =/100 روپے
مکتبہ القریش
سرکلر روڈ، اردو بازار لاہور
7668958

"بیکار باتیں نہ کرو۔" ماسٹر بولا۔ "میں آتے ہوئے ایک بستی میں رُکا تھا۔ وہاں تم نے جو کچھ کیا ہے وہ بھی قابلِ تعریف ہے جبکہ ریڈ سرکل کا ہیڈ کوارٹر تباہ کرنا، ایک نقید المثال کارنامہ ہے۔ جس شخص کے ہاتھوں ایسے کارنامے سرانجام ہوتے ہوں، وہ چوہے کی موت کبھی نہیں مر سکتا۔"

ٹائیگر نے ایک بار پھر موضوع بدل دیا۔ وہ اپنی تعریف و توصیف جیسے ناکارہ موضوع پر وقت ضائع کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اُس نے حسین سونی اور دُنیا کے خوفناک ترین کردار فانگ کے سلسلے میں باتیں شروع کر دیں۔ ماسٹر تاؤ کو فانگ اور سونی کے بارے میں کوئی خبر نہیں تھی۔

"نہ جانے، وہ بے چاری زندہ بھی ہوگی یا نہیں؟" ٹائیگر نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔

"یقیناً زندہ ہوگی۔" ماسٹر تاؤ ٹھوس لہجے میں بولا۔ "اور اس کی وجہ یہ ہے کہ سونی بطور ہتھیار، بلیک سرکل کے لیے بے حد قیمتی شے ہے۔ وہ، اس ہتھیار کو تمہارے خلاف استعمال کرنے کی کوشش کریں گے۔ لہٰذا میرا خیال ہے کہ وہ ایسی قیمتی ہستی کو طوائف بنا کر چند ہزار ڈالر کمانے کی بجائے احتیاط سے اپنے پاس رکھنے کو ترجیح دیں گے۔ جب وہ اُس سے تمہارے بارے میں معلومات حاصل کر لیں گے اور جب انھیں یقین ہو جائے گا کہ وہ، اُن کے لیے مزید کارآمد نہیں رہی تو اُسے ختم کر دیا جائے گا۔"

"وہ لوگ اُسے کہاں لے گئے ہوں گے؟" ٹائیگر نے پُوچھا۔ وہ تصوّر کی آنکھ سے سونی کے نازک جسم پر اُبھرنے والے تشدد کے داغ دیکھ کر دل ہی دل میں کانپ اُٹھا۔

"کسی ایسی جگہ، جہاں وہ اُسے پوری طرح محفوظ رکھ سکیں۔"

ماسٹر نے جواب دیا۔ "اور محفوظ ترین جگہ اُن کا ہیڈ کوارٹر ہی ہو سکتی ہے۔"

"کیا آپ جانتے ہیں کہ ان لوگوں کا یہ شیطانی اڈا کہاں ہے؟" ٹائیگر کے لہجے میں غراہٹ پیدا ہو گئی۔

"میں یقین سے تو نہیں کہہ سکتا۔" ماسٹر تاؤ نے گہری سوچ سے چونک کر جواب دیا۔ "لیکن مجھے کچھ کچھ اندازہ ضرور ہے۔"

ٹائیگر سوالیہ نظروں سے اُس کی طرف دیکھتا رہا۔

"میں جب بھی پیکنگ آتا ہوں، ہمیشہ اسی جھونپڑے میں قیام کرتا ہوں۔ یہ جگہ بھی میں نے بلیک سرکل کا ہیڈ کوارٹر تلاش کرتے ہوئے ہی ڈھونڈی تھی۔ مجھے یقین ہے کہ بلیک سرکل کا وہ شیطانی اڈا یہاں سے زیادہ دُور نہیں ہے۔" وہ قدرے توقف کے بعد ٹائیگر کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا۔ "میں دیکھ رہا ہوں کہ تم سونی اور فانگ کی تلاش میں جانے کے لیے بے چین ہو... لیکن میری بات غور سے سنو۔ ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ اس بات کا صحیح اندازہ بھی تمھیں جلد ہی ہو جائے گا۔"

"میں، آپ کی باتیں بڑی توجہ سے سن رہا ہوں۔" ماسٹر تاؤ نے قدرے خوشگوار مُوڈ میں کہا۔ بہت دیر بعد اُس کی طبعی لٹکنگ واپس آئی تھی۔

"بلیک سرکل کے شیطان، اس حسین لڑکی کو اس انداز میں استعمال کرنے کی کوشش کریں گے کہ تمھیں اُس کی زندگی بچانے کے لیے اپنی زندگی کی بھینٹ دینی پڑے... لیکن وہ ایسا اس وقت تک نہیں کریں گے جب تک کوئی اور خاص حادثہ نہیں ہو جاتا۔"

"آپ کا مطلب ہے کہ وہ میرے ہاتھوں مزید نقصان اُٹھانے پر مجبور ہوں گے کہ..."

"ہاں..." ماسٹر تاؤ نے اُس کی بات کاٹ دی۔ "پیکنگ میں بلیک سرکل تنظیم کے قریب، مارفیا کی سب سے بڑی کھیپ حاصل کرنے والی ہے۔ یقین کرو، اتنی بڑی مقدار میں یہ مہلک دوا، یہاں پہلے نہیں آئی۔ دس دس ٹن والے اسٹیل کے دس ڈرم..." یہ کہتے کہتے وہ رُک گیا۔ ٹائیگر کے چہرے پر اپنی بات کے اثرات دیکھنے لگا۔ وہ کوا اتنی مقدار کی قدر و قیمت کا اندازہ نہیں تھا۔ اس لیے اُس نے خاص ردِ عمل ظاہر نہیں کیا۔ جس پر ماسٹر تاؤ نے زیرِ لب مسکراتے وضاحت کی۔ "برما کے شمالی علاقے، تھائی لینڈ اور لاؤس مل کر بناتے ہیں، اُسے منشیات کے اسمگلروں میں، گولڈن ٹرائی اینگل جاتا ہے اور بیشتر افیون اسی شلت کے ذریعے نقل و حرکت کرتی میں نے تمھیں مارفیا کی جس کھیپ کے بارے میں بتایا تھا، وہ دُنیا غیر قانونی افیون کا تین چوتھائی حصّہ ہے۔ گویا بلیک سرکل تک جو پہنچنے والی ہے، یہ سالانہ کُل پیداوار کا دسواں حصّہ ہوگی۔"

ٹائیگر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اب اُسے اچھی طرح اندا تھا کہ کھیپ کی صحیح قدر و قیمت کیا ہے۔

ماسٹر تاؤ کہہ رہا تھا: "کچی افیون سے خام مارفیا کی تیار آسان کام ہے اور یہ کام پوست کے کھیتوں کے قریب ہی ہے لیکن سب سے طاقت ور، خالص ترین اور بہترین قسم کی تیاری، ایک بے حد مشکل، مہنگا اور پیچیدہ کام ہے۔ اس کا ہانگ کانگ کے چیوچاؤ کیمسٹوں کی خدمات حاصل کی گئی ہیں کی ہیروئن، مارفیا سے دس گنا طاقت ور ہوتی ہے۔ لہٰذا اس سے بلیک سرکل، دس ٹن کے لگ بھگ ہیروئن تیار کر سکتا مقدار، پانچ لاکھ نشے بازوں کی سالانہ ضرورت پوری کرنے کے ہوتی ہے... اور منشیات کے عادی لوگ اتنی تعداد میں رہتے ہیں۔ اور ہانگ کانگ امریکہ ہی میں موجود ہیں۔" ماسٹر نے خاموش

ٹائیگر کی طرف دیکھا۔

ٹائیگر کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھیں اور اُس کی پیشانی پر پسینے کے ننھے ننھے قطرے چمکنے لگے تھے۔ اب اُسے کھیپ کی صحیح قدر و منزلت اور اہمیت کا پوری طرح احساس ہو گیا تھا۔

"ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ بلیک سرکل کو اتنی بڑی کھیپ ملنے والی ہے۔ چیوچاؤ کیمسٹوں کی ٹیم بھی بلیک سرکل کے تحت کام کر رہی ہے لیکن وہ لوگ یہ کھیپ یہاں بھیج رہے ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ یہاں بھی خام افیون سے مارفیا تیار ہوتی ہے۔ یقیناً یہ کام بلیک سرکل کے ہیڈ کوارٹر میں ہوتا ہوگا۔ اگر ہیروئن کی تیاری کا کام یہاں بھی کامیابی کے ساتھ ہونے لگا تو ایک افیونی جنگ ناگزیر ہو جائے گی۔"

ٹائیگر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ بلیک سرکل کے لیے اُس کے دل میں نفرت دوچند ہو گئی تھی۔

"جو کچھ بھی ہونا ہے، وہ کل رات عمل میں آئے گا۔ یہاں سے تقریباً دو، ایک میل دُور، ایک چھوٹی سی بندرگاہ بھی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ کھیپ وہاں پہنچے گی... پھر وہاں سے بڑے بڑے ٹرکوں سے مارفیا کنستروں میں تقسیم کر کے، نواحی آبادی کی عمارتوں تک پہنچائی جائے گی۔ یہ کھیپ اس اندازے میں جن دو عمارتوں تک پہنچے گی، وہ کمیونسٹ پارٹی کے افسروں کے تصرف میں ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ بلیک سرکل نے پیکنگ میں موجود، کمیونسٹ پارٹی پر اپنا تسلط قائم کر لیا ہے۔"

"اس سلسلے میں، آپ کے ذہن میں کوئی خاص منصوبہ بھی یقیناً موجود ہوگا۔" ٹائیگر نے ماسٹر تاؤ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پُوچھا۔

ماسٹر تاؤ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اُس کی آنکھیں سُرخ ہو رہی تھیں۔ یوں لگ رہا تھا جیسے دل میں بھڑک اُٹھنے والی آتشِ غضب کے ننھے ننھے شعلے اس کی آنکھوں میں بھی سما گئے ہوں۔ "ہاں..." اس نے غراہٹ آمیز لہجے میں کہا۔ "میرے ذہن میں ایک منصوبہ ہے۔ ہم دونوں میں سے ایک اس کشتی کا سراغ لگائے گا جو بات کی کھیپ لے کر بندرگاہ میں داخل ہوگی۔ میرا خیال ہے کہ وہ ل کے ڈبوں کو رسّی کی مدد سے کھینچیں گے اور یہ عمل کسی بادبانی کی اوٹ میں، پانی کے اندر ہی اندر ہوگا۔ ڈبوں کو زیرِ آب کھینچ کر، گاہ پر موجود ایجنٹوں کے حوالے کر دیا جائے گا۔ اسی دوران ہم میں سے اُن دو عمارتوں کی نگرانی کر کے یہ پتہ چلانے کی کوشش کرے گا کہ اسی عمارت، بلیک سرکل کا ہیڈ کوارٹر ہے۔ ہم میں سے جو کوئی بھی کام میں پہلے کامیاب ہوا، وہ فوراً عمل کرے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کہیں بھی عملہ ہوگا، بلیک سرکل کے گُرگے دوسری جگہ سے نکل کر فوراً اپنے ساتھیوں کی مدد کے لیے لپکیں گے۔ اس طرح ہیڈ کوارٹر اور اسمگلنگ بوٹ، دونوں ہماری نظروں میں آ جائیں گی۔"

ٹائیگر نے اثبات میں سر ہلا کر اس منصوبے کی تائید کر دی۔ واقعی شان دار منصوبہ تھا۔

"ٹھیک ہے۔ مجھے یہ منصوبہ بے حد پسند آیا ہے۔" ٹائیگر نے کہا۔

"اب ہمیں کیا کرنا ہے؟"

"اب تمھیں یہ فیصلہ کرنا ہے کہ تم اس منصوبے کا کون سا حصّہ اپنے ذمّے لیتے ہو؟" ماسٹر تاؤ نے کہا۔ "بندرگاہ یا پہاڑیاں؟ لیکن اس سے پہلے کہ تم اپنے حصّے کا انتخاب کرو، میں ایک بات کی اور وضاحت کر دینا چاہتا ہوں... ممکن ہے، سونی، ہیڈ کوارٹر میں موجود ہو۔ اگر ایسا نہیں ہے تو وہ یقیناً کسی ایسی جگہ رکھی گئی ہوگی جہاں سے اُسے کہیں باہر اسمگل کیا جا سکے لیکن اس بات میں کسی قسم کا شبہ نہیں کہ فانگ بندرگاہ پر موجود تھا کیونکہ کھیپ کی نگرانی سب سے اہم کام ہوتا ہے۔"

ٹائیگر کی آنکھوں میں سُرخی دوڑ گئی۔

وہ سوچ میں پڑ گیا۔

بڑی ہی عجیب صورتِ حال تھی۔ اُسے اندازہ تھا کہ ماسٹر تاؤ کیا کہنا چاہتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں اُس نے اُسے ایک امتحان میں ڈال دیا تھا کہ وہ یا تو فانگ کو قتل کرنے کا کام اپنے ذمّے لے لے یا پھر سونی کو بچانے کا فرض ادا کرے۔ اگرچہ سونی سے اس کی ملاقات چند روز ہی رہی تھی لیکن وہ، اُس کے دل میں اس حد تک گھر کر گئی تھی کہ وہ اُسے اپنی دھڑکنوں میں محسوس کر سکتا تھا۔ اُس نے نگاہ اُٹھا کر ماسٹر تاؤ کی طرف دیکھا اور مسکرانے لگا۔ "ماسٹر..." اُس کا لہجہ بے حد عجیب اور ناقابلِ فہم ہو گیا تھا۔ "میں سمجھتا ہوں کہ مجھے بندرگاہ کا کام اپنے ذمّے لینا چاہیے۔ میں جانتا ہوں کہ آپ سونی کو آسانی سے بچانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ اگر میں یہ کام اپنے ہاتھ میں لیتا ہوں تو میری زندگی کا اہم ترین کام ادھورا رہ جائے گا... یقیناً فانگ آپ کے ہاتھوں مارا جائے گا۔ جبکہ اُس کی رگوں سے خون نچوڑنے کے لیے ہی میں نے اس قدر دُور دراز کا سفر کیا ہے۔"

"تو پھر تم، بندرگاہ پر جاؤ گے؟" ماسٹر تاؤ نے مسکرا کر کہا۔ "میں تمھاری فہانت اور اُولوالعزمی سے محبت کی شدت کا قائل ہو گیا ہوں۔ فرزند، جاؤ آسمانوں کا مالک تمھیں کامیابیوں سے ہمکنار کرے۔"

★★

ٹائیگر، ساحل کی طرف روانہ ہو گیا۔

راستے میں ایک چھوٹا سا ساحلی گاؤں پڑتا تھا جہاں سے اس نے سیاہ رانی اور تنکوں سے بنا ہوا ایک وسیع و عریض ہیٹ خریدا۔ اُس

نے سلیٹی بیگی پتلون بھی خریدی۔ یہ پتلونیں عموماً ملاح قسم کے لوگ پہنتے تھے۔ ٹائیگر نے اپنا حلیہ بھی کافی حد تک بدل لیا تھا... اور اب ٹخنوں کے ہیٹ اور بیگی پتلون میں وہ ان ہزاروں چینیوں جیسا ہی لگتا تھا جو اس مختصر سی لیکن بے حد معروف بندرگاہ پر ہر طرف پھیلے نظر آتے تھے۔

سورج ڈھلتے ہی وہ پہاڑیوں کی جانب بڑھنے لگا جس کے دائیں جانب گاؤں تھا اور بائیں جانب جھاڑی تھی جس میں بے شمار بادبانی کشتیاں لنگر انداز تھیں۔ یہ کشتیاں ایک دوسرے کے ساتھ باندھ دی گئی تھیں۔ اسی وجہ سے اتنی بہت سی کشتیاں جب لہروں پر ایک ساتھ ڈولتیں تو بڑا ہی دلکش منظر بن جاتا تھا۔ ٹائیگر کی نگاہیں اطراف میں بھٹکتی رہیں حتیٰ کہ دور پہاڑیوں کے قریب اسے چند روشنیاں جھلمل کرتی نظر آگئیں۔ تاریکی بڑھتی جا رہی تھی۔ ٹائیگر نے اثبات میں سر ہلایا۔ ماسٹر ٹاؤ نے انھی کشتیوں کی نشان دہی کی تھی۔

ٹائیگر نے خود کو پوشیدہ رکھنے کے لیے ایک جگہ کا انتخاب کیا اور انتظار کرنے لگا۔ وہ پورے تین گھنٹے تک اس جگہ دبکا، اطراف کا جائزہ لیتا رہا۔ بے چاند کی رات تاریک تھی لیکن اس کے باوجود ٹائیگر ان لہروں کو دیکھنے میں کامیاب ہو گیا جو ایک کشتی سے دوسری کشتی کی طرف تیر رہے تھے۔ اچانک ان میں سے چند ایک نے غوطہ لگایا۔ ٹائیگر پانی کی سطح کا گھور تا رہا۔ بہت دیر ہو گئی ان میں سے ایک بھی سطح آب پر نہیں ابھرا تھا۔

پانچ منٹ بعد تیراک سطح آب پر آئے اور پھر ایک کشتی کے کنارے بیٹھ گئے۔ ٹائیگر نے گہری نگاہ سے ادھر دیکھا... اور پھر اسے وہ تاریکی نظر آگیا جو جہاز نما بادبانی کشتی سے پانی میں دور کہیں نیچے تک جا رہا تھا... مسا ٹائیگر کی نگاہ غوطہ خوروں پر پڑی۔ وہ پانی میں تیر رہے تھے اور ان کی تعداد تین تھی۔ ان کی پشت پر آکسیجن ٹینک لدے ہوئے تھے۔ ٹائیگر ان بدمعاشوں کی حکمت عملی کو سراہے بغیر نہ رہ سکا۔ انھوں نے کشتی بندرگاہ سے کافی دور لنگر انداز کی تھی اور پھر وہاں سے غوطہ خوروں کے ذریعے اسمگل شدہ منشیات ایک ایسی کشتی تک پہنچائی جا رہی تھی... جو دریائے وانگ پو کی گود میں کھڑی تھی۔

ٹائیگر نے جیسے ہی ان غوطہ خوروں کو دیکھا، وہ جوتے اور کپڑے اتار کر بڑی خاموشی سے پانی میں اتر گیا۔ وہ نہایت خاموشی سے تیرتا رہا۔ حتیٰ کہ ایک غوطہ خور سے چھ فٹ کے فاصلے پر جا پہنچا۔ تب اس نے یوں ہاتھ لہرانے شروع کر دیے جیسے اس شخص کی توجہ اپنی طرف مبذول کرانا چاہتا ہو۔ جیسے ہی وہ اس کی طرف متوجہ ہوا، ٹائیگر نے اپنے

ایک ایسی عورت کی کہانی
جو مردوں کے معاشرے میں
ملکہ بن کر جینا چاہتی تھی
ناگ رانی
دو جلدوں میں
جلد اول =/45
جلد دوئم =/45
مکتبہ القریش سرکلر روڈ، اردو بازار
فون 668958

سے دوسری طرف کچھ دکھانے کا انداز اختیار کیا۔ غوطہ خور نے پلٹ کر دیکھا تو ٹائیگر اس کے سر پر پہنچ گیا۔ اگلے ہی لمحے اس نے ربر کا ٹراؤزر غوطہ خور کے منہ سے کھینچ لیا۔ اس سے پہلے کہ صورت حال غوطہ خور کی سمجھ میں آتی، ٹائیگر کا جسم چھوٹ کر اگیا۔

اس کے پیٹ میں شگاف پڑ گیا جس سے آنتیں پانی میں نکل کر تیرنے لگیں۔ ٹائیگر نے خود کو سطح آب کی طرف اٹھاتے ہوئے اس کی ٹھوڑی کو نشانہ بنایا اور پھر اس کے چاقو اور تیر نما نیزے پھینکنے والے ہاتھ پر قبضہ کر لیا۔ غوطہ خور کی لاش نہ نشیں ہوتے ہی تو ٹائیگر بھی کے ساتھ نیچے جا رہا تھا... اس نے اپنے منہ سے لگا کر ایک گہری سانس لی اور غوطہ خور کا ماسک اتارنے لگا۔ اب وہ ان غوطہ میں سے ایک بن گیا تھا جو منشیات منتقل کرنے کا کام کر رہے وہ تیرنے لگا... اس کا رخ اس کشتی کی طرف تھا جس پر منشیات ذخیرہ منتقل کیا جا رہا تھا۔ زیر آب تیرتے ہوئے وہ مطلوبہ کشتی تک پہنچا اور اس کا کنارہ تھام کر نگاہ اٹھائی تو اسے یوں محسوس ہوا اس کی کنپٹیوں میں خون بری طرح ٹھوکریں مارنے لگا ہو۔

کشتی میں ایک شخص کھڑا تھا۔ گنجے سر اور آہنی پنجے والا... جو فانگ کے سوا کوئی اور نہیں تھا... وہی فانگ جس تلاش میں وہ یہاں آیا تھا۔

ٹائیگر کو توقع نہیں تھی کہ اس کا سب سے بڑا دشمن فانگ یوں آسانی سے اور اچانک ہی اس کے سامنے آجائے گا۔ مٹھے بھرے کے لیے اس پر بے یقینی کی سی کیفیت طاری رہی... پھر اس نے یقین کی حدود میں قدم رکھ دیا... اس کی مٹھیاں بھنچ رہی تھیں اور یوں لگ رہا تھا جیسے خون کا تمام تر بہاؤ اس کی کھوپڑی کی طرف ہو گیا ہو۔ غصے کی شدید لہروں نے اس کے دماغ میں ہائی وولٹیج کرنٹ جیسا تاثر پیدا کر دیا تھا۔ اس کے ذہن میں ایک ہی نشان کا ایک جملہ گونجنے لگا۔

"غصہ کبھی کبھی انسانی صلاحیتوں کو صدفی صد کھا جاتا ہے۔"

انسان کے اندر چھپا ہوا، اس کا سب سے بڑا دشمن ہے۔ جس نے اسے زیر کر لیا، وہ دنیا کے بڑے سے بڑے حریف کو آسانی سے چت کر سکتا ہے۔"

ٹائیگر جن احساسات کا شکار تھا، وہ اسے بری طرح بے بس کر رہے تھے۔ اوشان کے قاتل... اور بنی نوع انسان کے سب سے بھیانک دشمن کی موت، اس کی زندگی کا آخری نصب العین تھا وہ اسے تڑپا تڑپا کر مارنا چاہتا تھا... ایک ایسی موت سے ہمکنار کرنا چاہتا تھا جس سے اس کے شدید ترین جذبۂ نفرت اور جذبۂ انتقام کو تسکین ہو سکے۔ وہ ایک سپر پاور کا حامل تھا، اس لیے اس کے جذبے بھی عام انسانوں سے کہیں زیادہ شدید تھے... اس شدت کا احساس اسے زندگی میں پہلی بار ہوا تھا۔ ٹائیگر کے دونوں ہاتھ کشتی کے کنارے پر جمے ہوئے تھے۔ اس کی آنکھوں پر ماسک تھا اور منہ میں اتروحوض کی نلکی دبی ہوئی تھی۔

اس نے دونوں ہاتھوں پر زور خود کو اچھالا اور کشتی میں آگیا۔

فانگ کی بے چین آنکھیں اس پر جمی ہوئی تھیں۔ اچانک اس کی آنکھوں میں خطرناک چمک لہرا گئی۔ وہ ٹائیگر کو پہچان لینے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ ٹائیگر نے چہرے سے ماسک نوچ کر پھینک دیا۔ آکسیجن ٹینک بھی اس کے جسم سے الگ ہو گیا اور منہ سے نلکی بھی نکل گئی۔ اب وہ کشتی میں ایک دوسرے کے سامنے کھڑے، آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے کو تول رہے تھے۔

"فانگ..." ٹائیگر کی آواز میں کسی زخمی سانپ جیسی پھنکار کا تاثر تھا۔ "تمھاری زندگی کی سانسیں گنی جا چکی ہیں۔"

فانگ کا چہرہ نفرت سے سکڑ گیا۔ اس کی آنکھیں غصے سے جل اٹھیں۔ وہ سیاہ لبادے میں تھا اور سراپا شیطان نظر آ رہا تھا۔ اس کی گنجی کھوپڑی چمک رہی تھی اور اس کا آہنی پنجہ بار بار کھل کر بند ہو رہا تھا۔

"زندگی نے تمھیں بہت بڑا دھوکا دیا ہے، شہزاد!" فانگ نے کوڑے جیسی کاٹ دار آواز میں کہا۔ "انتقام کا جذبہ سیدھا تمھیں موت کے منہ میں لے آیا ہے۔"

"میں ایک ایسا آدمی ہوں۔" ٹائیگر نے زہر خند سے کہا۔ "جس نے موت جتنی قریب سے دیکھی ہے، اس کا تم تصور بھی نہیں کر سکتے... پھر اوشان کے بعد، یہاں پہنچنے تک ہر سانس، میرے لیے کسی کھاؤل کر دینے والے دارے سے کم نہیں تھی... تمھیں دیکھ کر سانسوں کے کھاؤ تو مندمل ہو گئے لیکن روح کا ناسور جاگ اٹھا ہے۔"

فانگ نے کوئی جواب نہیں دیا۔

اس کی سانپ جیسی گول گول آنکھیں بالکل ساکت تھیں۔ رفتہ رفتہ اس کا آہنی پنجہ حملہ کرنے کے انداز میں بلند ہونے لگا۔ اس کی دونوں ٹانگیں قدرے پھیل گئی تھیں اور گھٹنوں میں ہلکا سا خم پیدا ہو گیا تھا۔ دوسرا ہاتھ بھی آہستہ آہستہ اٹھ کر دفاعی انداز میں سامنے آگیا تھا۔ ٹائیگر کے جسم کا ایک ایک عضو، ایک ایک ریشہ، طاقت ور اسپرنگ بن گیا تھا... ایسا اسپرنگ جو پوری قوت سے کھینچا گیا ہو اور جسے صرف چھوڑنا ہی باقی ہو۔ اس کی تمام تر طاقت، تمام تر غصہ اور تمام تر مہارت اپنے حریف سے نمٹنے کے لیے تیار تھی۔ وہ جانتا تھا کہ بالآخر وہ اذیتناک تعاقب ختم ہو گیا ہے، چند لمحے قبل تک جس کی مدت کا تعین اس کے لیے ممکن نہیں تھا۔

فانگ کا آہنی پنجہ کسی غضبناک ناگ کی طرح جھپٹ پڑا

جاسوسی ڈائجسٹ کا مقبول سلسلہ
سرکش
محمود احمد مودی کے شہکار قلم سے
12 قسطوں میں شائع ہو گیا ہے
قیمت فی حصہ =/50 روپے
مکمل سیٹ =/600 روپے
مکتبہ القریش سرکلر روڈ اردو بازار لاہور
فون 7668958

"اس دروازے کے بعد ایک زینہ آتا ہے جو بھول بھلیوں کے سے انداز میں نیچے جاتا ہے اور ٹھیک عمارت کے قلبی حصے میں ختم ہو جاتا ہے۔" یہ کہتے ہوئے ماسٹر تاؤ نے انگلی کے ناخن کی مدد سے چھت پر نقشہ بنانا شروع کر دیا۔ "ہر لینڈنگ کے بعد وسیع راہ داریاں ہیں جو دائیں اور بائیں جانب واقع ہیں لیبارٹری عقبی حصے میں، دوسری منزل پر ہے۔۔۔" یہ کہہ کر وہ تنبیہ کرنے والے انداز میں ٹائیگر کی طرف متوجہ ہو گیا۔ "اور اگر سونی اس عمارت میں موجود ہے تو۔۔۔"

ٹائیگر کی سانسیں ایک بار پھر بے ترتیب ہو گئیں۔

اُسے ماسٹر تاؤ پر تاؤ آ رہا تھا کہ آخر وہ جلدی سے اپنی بات پوری کیوں نہیں کر دیتا۔

"وہ کہاں ہو گی، ماسٹر؟" اس نے سرسراتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"اگر وہ اس عمارت میں ہے تو اُسے تہ خانے میں ہونا چاہیے۔ وہیں پر ان کی کمانڈ پوسٹ بھی ہے۔ ان کا ریڈیو روم، نشیات کا اسٹور اور قید خانے کی کوٹھڑیاں بھی وہیں ہیں مجھے یقین ہے کہ تہ خانہ بھی بیرونی عمارت کی طرح کئی منزلوں پر مشتمل ہو گا۔ وہاں سے دس مختلف سمتوں میں سرنگوں کا جال بھی پھیلا ہوا ہے اور ان میں سے ایک۔۔۔"

ماسٹر تاؤ نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔

"ان میں سے ایک، ستہ، جہنم کی طرف جاتا ہے۔" ماسٹر تاؤ نے بڑے ڈرامائی انداز میں اپنا جملہ پورا کر دیا۔

ٹائیگر نے گہری نگاہ سے ماسٹر تاؤ کی طرف دیکھا۔ اس کے انداز سے بظاہر تو غیر سنجیدگی ظاہر ہو رہی تھی لیکن اس کا چہرہ بتا رہا تھا۔ ٹائیگر کو اس کی شخصیت بڑی عجیب محسوس ہوئی۔ اس سے باتیں کرتے ہوئے کوئی بھی شخص یہ تعین نہیں کر سکتا کہ وہ کب سنجیدہ ہے اور کب غیر سنجیدہ۔۔۔

ماسٹر تاؤ اب اس صندوق نما حصے کی طرف متوجہ تھا۔

اس نے وہاں سے اُتر کر دروازے تک پہنچنے کے بعد ٹائیگر کو بھی قریب آنے کا اشارہ کر دیا۔

ماسٹر تاؤ نے دروازہ کھولا اور سیڑھیوں کی طرف بڑھنے لگا۔

ٹائیگر بھی دبے قدموں اس کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔ اس نے ماسٹر تاؤ کی چال کا جائزہ لیا۔ اس کی خاموش چال میں موت کی سرگوشیاں چھپی ہوئی تھیں۔ وہ اس وقت کسی ایسے درندے کی طرح چل رہا تھا جیسے اطراف و جوانب سے کسی بھی کوئی خطرہ متوقع ہو۔

خود ٹائیگر کے عضلات اور جسمانی ریشے مضبوط اور سو ربر جیسے تناؤ میں مبتلا ہو رہے تھے۔ ایسی حالت میں وہ ایک کے دسویں حصے میں بھی دفاع اور حملے پر قادر تھا۔ دونوں کی چال میں وقار تھا اور ان کے پیروں کی خفیف سی چاپ تودر کپڑوں کی معمولی سی سرسراہٹ بھی پیدا نہیں ہو رہی تھی۔

سیڑھیاں اُترتے ہوئے وہ تیسری منزل کی لینڈنگ پہنچ گئے۔

اچانک اُنھیں تین، چار آدمی دکھائی دیے۔

وہ دھڑدھڑاتے ہوئے اُنہی کی طرف بڑھ رہے تھے۔

ماسٹر تاؤ نے ٹائیگر کی طرف دیکھا۔

دونوں کے درمیان آنکھوں ہی آنکھوں میں باتیں ہوئیں اور پھر وہ دونوں ہی مخالف سمتوں کی راہ داریوں میں دوڑ پڑے۔

گول راہ داری، گھوم کر مخالف سمت میں ایک دوسرے سے مل جاتی تھی۔ نیچے سے آنے والے اُچھلتے کودتے زینہ طے کر رہے تھے اور ان کی خواہش تھی کہ وہ ان ناخواندہ مہمانوں کو قریب پہنچے بغیر ہی رسید کر دیں۔ ان میں سے ایک نے سب مشین گن کا رُخ ماسٹر تاؤ کی طرف کیا اور ٹائیگر دبا دیا۔ ماحول بیدار ہو گیا۔ گولیوں کی خوفناک تڑتڑاہٹ سے در و دیوار پر کپکپاہٹ طاری ہو گئی لیکن ایک بھی گولی ماسٹر تاؤ کو نہیں لگی کیونکہ جس جگہ کا نشانہ لے کر فائرنگ کی گئی تھی، اب وہاں ایک ستون کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔ ماسٹر تاؤ یہیں ایک لمحے کے لیے رُکا تھا جبکہ اب وہ راہ داری میں گھوم کر ٹائیگر کے قریب ہوتا جا رہا تھا جو مخالف سمت سے اُس کی طرف بڑھ رہا تھا۔

دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

فاصلے کے باوجود وہ ایک دوسرے کی آنکھوں کے اشارے سمجھ رہے تھے۔

دونوں ہی جھک گئے۔

۔۔۔ پھر وہ جھکی ہوئی حالت میں دوڑنے لگے۔ اس سے قبل کہ تیسری منزل کی لینڈنگ تک تینوں مسلح آدمیوں کی رسائی ہوتی، وہ وہاں پہنچ چکے تھے اور نیچے سے آنے والے کسی جھنڈے کی نگاہ ان پر نہیں پڑ سکی تھی۔ وہ دندناتے ہوئے آگے اور جیسے ہی راہ داری میں، مخالف سمتوں میں اپنی رائفلیں تانے

تیر رہے ہوں۔ فانگ بھی جس دم کا ماہر معلوم ہوتا تھا۔ ابھی تک اُس نے سطحِ آب پر جانے کی کوشش نہیں کی تھی جیسے وہ گہرائی میں اُتر رہے تھے، سبز دھند سیاہی مائل ہوتی جا رہی تھی۔ اچانک ٹائیگر کے جسم کو ایک جھٹکا سا لگا۔

اس سے قبل کہ وہ صورتِ حال کو سمجھنے میں کامیاب ہوتا، ایک موٹا سا رسّہ اُسے اپنے گرد لپٹا محسوس ہوا۔ اس کے دونوں ہاتھ بے اختیار اس رسّے پر جم گئے اور تب وہ سمجھ گیا کہ یہ کیا چیز ہے۔

یہ ایک آبی سانپ تھا۔

سانپ اپنی تیزی کے ساتھ اس کے جسم سے لپٹا تھا کہ ٹائیگر دونوں اس لپیٹ سے محفوظ نہ رکھ سکا۔ اس کے بازوؤں کی مچھلیاں سخت ہونے لگیں۔ سانپ اب بار بار اُس کے جسم پر حملے کر رہا تھا کیونکہ لپٹ کر وہ اس کا جسم توڑنے موڑنے میں ناکام رہا تھا وہ جس جگہ لپٹ گیا تھا، اس سے زیادہ گھیرا تنگ کرنا اب اس کے لیے ممکن نہ تھا۔ ٹائیگر کے ہاتھوں کی گرفت سخت ہوتی چلی گئی۔

وہ اس افتاد سے جلد از جلد چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا تھا کیونکہ اس صورتِ حال میں فانگ اُسے نقصان بھی پہنچا سکتا تھا۔ ٹائیگر نے اپنی حسیات سے کام لے کر فانگ کی موجودگی محسوس کرنے کی کوشش کی لیکن پانی کے ریلوں اور سانپ کے تڑپنے اور زور لگانے کی وجہ سے وہ فانگ کے بارے میں کوئی اندازہ نہ لگا سکا۔

اچانک وہی ہوا جس کا ٹائیگر کو ڈر تھا۔

اُس کے پیٹ میں چاقو جیسی نوک آ گھسائی۔ اگر سانپ سے نبرد آزمائی میں اُس نے جسم کے تمام عضلات اکڑا کر آہنی نہ کر لیے ہوتے تو فانگ کی خنجر نما انگلی اس کا پیٹ چاک کر چکی ہوتی ٹائیگر نے سانپ کو دونوں ہاتھوں کی مدد سے ادھیڑنے کے سے انداز میں جسم سے الگ کیا اور پھر اُسے کسی کوڑے کی طرح لہرا ڈالا۔

فانگ اس سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھا۔

سانپ کا کوڑا اُسے لگا لیکن کوئی نقصان نہ پہنچا سکا۔

اس نے ایک بار پھر اپنا آہنی پنجہ استعمال کیا۔ اس بار ٹائیگر پلٹا تو عمل متضاد متاثر ہو گیا اور ہوا کے چند فتیلے سے اس کے حلق سے نکل کر پانی میں گم ہو گئے لیکن ٹائیگر، فانگ کے خوفناک پنجے سے بچنے میں کامیاب ہو گیا۔ گہرائی میں پانی کی سبز دھند اس حد تک سیاہی میں ڈوب گئی تھی کہ وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھنے میں کامیاب نہیں ہو سکتے تھے۔ البتہ ان کے لیے ایک دوسرے کی موجودگی محسوس کرنا زیادہ دشوار نہیں تھا وہ اپنی حسیات کے سہارے دفاع کر رہے تھے اور یہی حسیات استعمال کر کے حملہ آور ہو رہے تھے۔

ابھی تک انھیں ایک دوسرے سے لپٹنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ ٹائیگر اس کوشش میں تھا کہ کسی نہ کسی طرح اُسے جکڑنے میں کامیاب ہو جائے۔ ایک بار وہ اس کی گرفت میں آ جاتا تو اُسے زیر کرنا ٹائیگر کے لیے زیادہ مشکل نہیں تھا لیکن فانگ اُسے اس بات کا موقع ہی نہیں دے رہا تھا۔ وہ دونوں ایک بار پہلے بھی آمنے سامنے آ چکے تھے۔ اس لیے انھیں ایک دوسرے کے بارے میں کافی اندازہ تھا۔ کوئی ایک بھی اپنے بارے میں غلط فہمی کا شکار نہیں تھا۔ اگر ٹائیگر کے جسم کے ریشے فولاد جیسے سخت تھے تو فانگ بھی موم کا پتلا نہیں تھا۔ اس کی رگوں میں شیطانی قوتیں دوڑ رہی تھیں۔

ٹائیگر کو بار بار افسوس ہو رہا تھا کہ ان کی یہ فیصلہ کُن جنگ پانی میں ہو رہی ہے۔ پانی کی وجہ سے وہ ہدف پر صحیح اور کاری ضرب لگانے سے قاصر تھا۔ اگر یہ جنگ اور کشتی ہی میں ہو رہی ہوتی تو شاید اب تک اس کا فیصلہ بھی ہو چکا ہوتا۔

معاً فانگ کا ہاتھ نیزے کی طرح اس کے سینے کی طرف آیا۔۔۔ ٹائیگر نے ہاتھ کی پوزیشن سے اندازہ لگا لیا کہ فانگ کا ہدف کس سمت میں ہو گا۔ اس نے ریمز ہیڈ پنچ استعمال کیا اور ساتھ ہی فانگ کے نیزہ نما ہاتھ کی دسترس سے نکل گیا۔ اس کی انگلیوں کے جوڑ ایک انسانی دہانے سے ٹکرائے اور پھر وہی ضرب ناک پر پڑی یہ ایک شدید چوٹ تھی، جو اگر پانی کی بجائے باہر لگتی تو ہڈی کو چیتھڑوں میں تبدیل کر دیتی اور شکار کے لیے مہلک ثابت ہوتی، اگرچہ پانی کی وجہ سے اس چوٹ نے اپنا کام پورا نہیں کیا۔ تاہم یہ ضرب رائگاں بھی نہیں گئی۔

فانگ بار بار ٹائیگر کو گھونسے مار رہا تھا۔ جیسے ہی اس کی ناک اور اس کے منہ پر مہلک چوٹ پڑی، اس کی ٹانگیں بے جان ہو گئیں۔ اسی ساعت ٹائیگر کا گھٹنا بلند ہوا۔ اس نے فانگ کے سینے پر گھٹنا مارا تھا۔ عام حالات میں یہ پسلیوں کو ریزہ ریزہ کر دینے والی چوٹ تھی لیکن فانگ چوٹ کھا کر سنبھل گیا تھا۔ اس نے کسی ایسی بلی جیسا انداز اختیار کر لیا جو پشت کے بل گر کر اپنے اوپر چھلانگ لگاتے ہوئے حملہ آور کو پنجوں کی مدد سے دُور

کرنے کے ساتھ ساتھ زخمی کرنے کی بھی کوشش کرتی ہے...

وہ دونوں ہاتھوں سے مقابلہ کر رہا تھا اور اس کی دونوں ٹانگیں تیرنے کے اُس انداز میں حرکت کر رہی تھیں جو اُس کے جسم کو ٹائیگر سے دُور لے جا رہا تھا۔ ٹائیگر کو بالآخر موقع مل گیا تھا اور وہ اپنی انتہائی کوشش کر رہا تھا کہ فانگ کو کوئی ایسی چوٹ لگ جائے جس سے اس کے جسم کا کوئی نکمّا حصّہ یا تو مفلوج ہو جائے یا بھٹ اتنا گھل جائے کہ اس میں سے خون نکل نکل کر پانی میں ملنا شروع ہو جائے... لیکن فانگ پوری قوت سے دُور ہٹ رہا تھا۔ پانی کی گہرائی میں جو تاریکی تھی وہ اس کا بھرپور ساتھ دے رہی تھی۔

... اور پھر ٹائیگر اُسے کھو بیٹھا۔

ٹائیگر کی سانس بھی اب سینے میں مزید رُکنے سے انکار کر رہی تھی۔ اس کے پھیپھڑوں میں جتنی آکسیجن تھی۔ وہ اُسے استعمال کر چکا تھا اور اب جسم کا تقاضا تھا کہ اُسے تازہ ہوا اور آکسیجن ملے۔ اس کی بیدار حسیات نے اچانک ہی ایک ایسی آواز سنی جس نے اُسے بُری طرح چونکا دیا۔ اس نے محسوس کیا کہ کوئی چیز پانی کی گہرائی سے بلند ہو کر سطحِ آب پر اُبھر چکی ہے۔ اس احساس نے ٹائیگر کے جسم میں چنگاریاں سی بھر دیں اور وہ کسی شارک مچھلی کی طرح تیزی سے سطحِ آب کی طرف اُٹھنے لگا۔ ٹائیگر نے اندازہ لگایا تھا کہ فانگ اس سے تقریباً بیس فٹ دُور پانی کی سطح پر اُبھرا ہے۔

فانگ نے سطحِ آب پر اُبھرتے ہی تیزی سے کنارے کی طرف تیرنا شروع کر دیا۔ اس کا اندازہ غلط نکلا تھا۔ وہ ٹائیگر کو زیر نہیں کر سکتا تھا... ایسی حالت میں فرار کے علاوہ کوئی بھی صورت ممکن نہ تھی لہٰذا وہ ایک بار پھر بھاگ نکلا تھا۔

اس کے تیرنے کی رفتار بے حد تیز تھی۔

پانی کے دیو ہیکل ریلوں سے لڑتا اور خود کو کسی دیوانے چیتے کی طرح آگے ہی آگے بڑھاتا ہوا ٹائیگر برق رفتاری سے فانگ کا پیچھا کر رہا تھا لیکن دونوں میں کافی فاصلہ تھا۔ اس سے قبل کہ وہ فانگ تک پہنچتا اور شارک مچھلی کے سے انداز میں مہلک وار کرتا، اس کے کندھے پر ایک ٹھوکر پڑی جس نے ٹائیگر کو پانی میں بہت نیچے دھکیل دیا۔ یہ ٹھوکر اس کے لیے مہلک ثابت ہو سکتی تھی لیکن پانی میں گھومتی ہوئی دیگر چوٹوں کی طرح نتیجہ یہاں بھی صفر رہا۔

ٹائیگر نے اپنا جسم ڈھیلا چھوڑ دیا۔

اگر وہ ایسا نہ کرتا تو اس کا جسم کسی وزنی چٹان کی طرح پانی میں نیچے ہی نیچے گرتا چلا جاتا۔ جسم ڈھیلا پڑتے ہی اس کے ڈوبنے کی رفتار کم ہونی شروع ہوئی کہ وہ خود کو ایک بار پھر سطحِ آب کی طرف اُچھالنے میں کامیاب ہو گیا۔

پانی کی سطح پر آکر اس نے آنکھوں پر چھائی ہوئی آبی چادر جھٹکی اور ساحل کی طرف دیکھا۔ ساحل پر بہت دُور ایک متحرک ہیولہ دکھائی دیا۔ وہ بے پناہ تیزی سے پہاڑیوں کی طرف دوڑ رہا تھا۔

ٹائیگر کے حلق سے ایک طویل سانس نکل گئی۔

فانگ فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

ٹائیگر نے ایک بار پھر تیزی سے کنارے کی طرف تیرنا شروع کر دیا۔ فانگ کی ٹھوکر نے اُسے بہت پیچھے پہنچا دیا تھا۔ اُسے ہونے کی رفتار سے یہ اندازہ لگانے میں کوئی دشواری نہ ہوئی کہ وہ جب تک کنارے پر پہنچے گا، فانگ اس کی نظروں سے اوجھل ہو جائے گا... اور پھر رہی ہوا جس کا ٹائیگر کو خدشہ تھا۔ اس کے جبڑے غصّے سے بھنچ گئے اور دونوں مٹھیاں اتنی بھنچ گئیں کہ اُسے اپنے بازوؤں کے ریشے تڑختے ہوئے محسوس ہونے لگے۔

اس نے اُس سمت میں دیکھا، جدھر جا کر فانگ نگاہوں سے اوجھل ہوا تھا۔ سامنے ایک پتلی سی پگڈنڈی تھی جو کسی سانپ کی طرح بل کھاتی ہوئی پہاڑیوں کی طرف جا کر ان کے عقب میں غائب ہو جاتی تھی۔

گویا فانگ بلیک سرکل کے ہیڈ کوارٹر میں جا پہنچا تھا۔

ٹائیگر نے خود کو سنبھالا اور اطراف میں نگاہ دوڑائی۔ اس وقت ٹائیگر کے ذہن میں ماسٹر تاؤ کی باتیں گھومنے لگی تھیں۔ ماسٹر تاؤ نے اُسے بتایا تھا کہ بلیک سرکل، مادفیا کی سب سے بڑی کھیپ حاصل کرنے والا ہے۔ اتنی بڑی مقدار میں یہ مہلک دوا یہاں کبھی نہیں آئی تھی۔ دس دس ٹن والے اسٹیل کے دس ڈرم... یہ دنیا بھر کی غیر قانونی افیون کا تین چوتھائی حصّہ تھا۔ گویا بلیک سرکل تک، جو افیون پہنچنے والی تھی، وہ سالانہ کُل پیداوار کا دسواں حصّہ ہو گی...

ٹائیگر ایک جھرجھری سی لے کر رہ گیا۔

وہ جانتا تھا کہ اتنی بڑی مقدار میں مادفیا جب انسانی آبادیوں تک پہنچے گی تو کیا قیامت ڈھائے گی۔ اَن گنت انسانی زندگیاں تباہی کے دہانے پر پہنچ جائیں گی... ان بے شمار انسانوں کا خیال آتے ہی وہ وقتی طور پر فانگ کا خیال اپنے ذہن سے جھٹکنے پر مجبور ہو گیا۔ اس

نے فیصلہ کر لیا کہ وہ ساری کی ساری افیون غرقاب کر دے گا۔

افیون کی اس غرقابی کے دو فائدے تھے۔ ایک تو لاتعداد انسانی زندگیاں بچائی جا سکتی تھیں، دوسرے بلیک سرکل کو شدید نقصان پہنچایا جا سکتا تھا۔ یہ نقصان، درندوں کی اس ٹولی کے لیے ناقابلِ برداشت ہوگا اور وہ، اس کے بارے میں سوچنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ گویا اس طرح ٹائیگر اپنی ہستی کا لوہا منوا کر، انھیں، سونی کے بارے میں بات چیت پر مجبور بھی کر سکتا تھا۔

اُس نے گہری نگاہ سے عقب میں دیکھا۔

وہ ایک بڑی سی کشتی کی اوٹ میں، کنارے سے کچھ ہی دُور کھڑی حالت میں تیر رہا تھا۔ رات کا نہ جانے کون سا پہر تھا۔ آسمان پر چاند نکل آیا تھا اور پورے چاند کی روشنی میں اُس کی نگاہیں دُور اور نزدیک کی ہر شے بہ آسانی دیکھ رہی تھیں۔ وہ، اس بادبانی... کشتی کو تلاش کرنے لگا جس سے زیرِ آب ایک تار کے ذریعے، افیون کے ڈرم اُتار کر مختلف ایسی کشتیوں تک پہنچانے کی کوشش کی جا رہی تھی جو ساحل سے قریب اکھڑی تھیں اور جن سے ان ڈرموں کی افیون، پائپوں میں بند کر کے آسانی سے ساحل پر لے جائی جا سکتی تھی۔ اُسے حیرت تھی کہ ابھی تک فانگ کے ساتھیوں کو اُس کی عدم موجودگی کا احساس کیوں نہیں ہوا؟

افیون بردار بادبانی جہاز، ساحل اور بندرگاہ سے کافی دُور کھڑا تھا۔ ٹائیگر نے دوسری کشتیوں اور اس جہاز کے درمیان پھیلی ہوئی پانی کی چادر کا جائزہ لیا۔ شکن در شکن آبی چادر پر ایک بھی انسانی... کھوپڑی دکھائی نہیں دے رہی تھی، جبکہ ٹائیگر کی نظریں دریا کی موجوں میں مضطرب سے اندازہ لگا سکتی تھیں کہ ان لہروں کے نیچے کیا چیز حرکت کر رہی ہے۔

وہ آہستہ آہستہ فانگ کی کشتی کی طرف تیرنے لگا۔

اس کشتی میں پہنچ کر اُس نے غوطہ خوری کا سامان سنبھالا اور خود کو پانی میں اُترنے کے لیے تیار کر لیا۔ اب اُس کے چہرے پر ماسک تھا اور منہ میں آکسیجن کی نلکی دبی ہوئی تھی۔ پشت پر سیلنڈر سنبھالے وہ کسی تیز رفتار مچھلی کی طرح تیرتا ہوا، اس تار تک پہنچ گیا جو فانگ کی کشتی کے نچلے حصّے سے بندھا ہوا تھا۔

اب وہ اسی تار کے ساتھ ساتھ تیر رہا تھا۔

اُس کا رُخ بادبانی جہاز کی جانب تھا۔

کافی دیر تیرنے کے بعد وہ ایک ایسے حصّے تک جا پہنچا جہاں سے تار دس مختلف سمتوں میں جاتا دکھائی دیا۔

ٹائیگر سمجھ گیا کہ یہاں سے ایک ایک ڈرم مختلف کشتیوں کی طرف لے جایا جائے گا۔ معاً اُس کی نظر اُس تار پر پڑی جس پر ایک ڈرم پھسلتا چلا آ رہا تھا۔ تاروں کے اس جنکشن سے وہ ڈرم ابھی کافی... فاصلے پر تھا۔ اس ڈرم کے ساتھ، ایک غوطہ خور بھی تیرتا ہوا چلا آ رہا تھا۔

ٹائیگر نے اس غوطہ خور کی طرف تیرنا شروع کر دیا۔

غوطہ خور نے غالباً اُسے اپنا ہی آدمی سمجھا تھا۔ اس لیے وہ اُسے اشارے کرنے لگا۔ ٹائیگر، اُن اشاروں کو سمجھنے سے قاصر تھا۔ وہ، اُس کے قریب جا پہنچا۔ اس سے قبل کہ غوطہ خور کو صورتِ حال کا اندازہ ہوتا، ٹائیگر، اُس کے آکسیجن پائپ پر ہاتھ ڈال چکا تھا۔ پائپ غوطہ خور کے مُنہ سے نکلا تو وہ بُری طرح مچل اُٹھا لیکن اس وقت تک ٹائیگر کے دونوں ہاتھ اُس کے کندھوں پر جم چکے تھے۔

غوطہ خور نے اس کی گرفت سے نکلنے کے لیے ہاتھ، پاؤں مارے لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔ اُس کے مُنہ اور ناک سے ہوا نکل کر بلبلے بناتی ہوئی اُوپر اُٹھ رہی تھی... پھر اُس کے بلبلے میں کمی آ گئی اور چند ہی ساعتوں میں وہ ساکت ہو کر ٹائیگر کے ہاتھوں میں جھول گیا۔

ٹائیگر نے لاش چھوڑ دی۔

لاش آہستہ آہستہ تہ نشین ہوتی چلی گئی۔

ڈرم ابھی تک آہستہ آہستہ جنکشن کی طرف پھسل رہا تھا۔

ٹائیگر تیرتی سے واپس اُسی جنکشن کی طرف تیرنے لگا... وہ سوچ رہا تھا کہ اب تک کوئی ڈرم مطلوبہ کشتی تک پہنچ چکا ہے یا یہ پہلا ہی ڈرم ہے۔ ہو سکتا ہے ڈرم سے آگے آگے تیرتا ہوا وہ کافی پہلے جنکشن پر جا پہنچا ہو اور اس کے ہاتھ تیرتی سے تاروں کو مخصوص انداز میں خم دینے لگے۔

اسٹیل وائر موٹے ہیں اُسے زیادہ دشواری نہیں ہوئی۔

اُس وقت تک ڈرم کافی قریب آ گیا تھا۔

ٹائیگر تیرتا ہوا، ڈرم کے اُوپر پہنچا اور اُس پر سوار ہو کر اُس کڑے کو دیکھنے لگا جس کے ذریعے وہ تار پھسل رہا تھا۔ اُس نے کڑے میں لگی ہتھوڑی پھچر کی کا جائزہ لیا... پھر ڈرم کا ایک کنڈا توڑ کر اُسے پھچر کی میں پھنسا دیا۔ ڈرم کے پھسلنے کی رفتار کم ہو گئی۔ اُس نے ڈرم کے گرد گھوم کر ایسے تین اور کنڈے توڑ لیے اور انھیں لے کر تیزی سے تیرتا ہوا واپس تاروں کے جنکشن پر پہنچ گیا۔

تینوں کنڈے جنکشن پر مڑے ہوئے تاروں میں پھنسا کر وہ وہاں سے دُور ہٹ گیا۔ اب اُسے دیکھنا تھا کہ کیا رَدِّعمل ہوتا ہے۔

ڈرم آہستہ آہستہ پھسلتا ہوا جنکشن پر پہنچا اور یہ دیکھ کر ٹائیگر کا دل رُواں رُواں خوشی سے جھوم اُٹھا کہ وزنی ڈرم، جنکشن پر رُک گیا ہے۔ اس طرف سے مطمئن ہو کر، وہ دوبارہ اُسی تار کی طرف متوجہ ہو گیا جس پر ڈرم پھسلتا ہوا یہاں تک پہنچا تھا۔

ایک اور ڈم آہستہ آہستہ چلا آرہا تھا۔ ٹائیگر اس ڈم کی طرف تیرنے لگا۔ اس ڈم کے ساتھ کوئی خطرہ خور نہیں تھا۔ یہ ایک اچھا شگون تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ خطرہ خور پہلے ڈم کے ساتھ ہی آیا تھا اور اُسے جنکشن پر ڈموں کو کسی ایک سمت کے تارپر منتقل کرنے کا فرض انجام دینا تھا۔

دوسرا ڈم پہلے ڈم سے ٹکرا کر رُک گیا۔

ٹائیگر کچھ فاصلے سے دیکھتا رہا۔

تھوڑی دیر بعد تیسرا اور اس کے بعد چوتھا ڈم آتا دکھائی دیا۔

نصف گھنٹے کے اندر اندر نو ڈم جنکشن پر اکٹھے کر رُک گئے۔ اب دسواں ڈم آتا دکھائی دے رہا تھا۔ ٹائیگر نے تیزی سے اس کی جانب تیرنا شروع کر دیا۔ یہ آخری ڈم تھا اور ٹائیگر اُسے ہر ممکن تیز رفتاری سے لا کر جنکشن پر رُکے ہوئے ڈموں سے ٹکرا دینا چاہتا تھا۔

ایک خطرہ خور اس آخری ڈم کے ساتھ تیرتا ہوا آرہا تھا۔

اس خطرہ خور نے بھی ٹائیگر کو اپنا آدمی سمجھا۔ وہ بڑے پُرجوش انداز میں ہاتھ لہرا رہا تھا... لیکن اگلی چند ساعتوں میں ہاتھ لہرانے کا یہ پُرجوش انداز ایسے اشاروں میں ڈھل گیا جو کوئی ڈوبتا ہوا شخص ہی کر سکتا تھا۔

جیسے ہی اس خطرہ خور کی لاش تہ نشین ہوئی، ٹائیگر نے آخری ڈم کے پچھلے حصے پر ہاتھ رکھ کر اُسے دھکیلنا شروع کر دیا۔

ڈم کے پھسلنے کی رفتار تیز ہوگئی۔ ٹائیگر تیرتے ہوئے ڈم کو دھکیلنے میں اپنی پوری قوت صرف کر رہا تھا... پھر ڈم، جنکشن پر رُکے ہوئے نویں ڈم سے ٹکرا گیا۔ اگرچہ پانی کی وجہ سے اس تصادم کی آواز نہیں سنی جا سکتی تھی... لہروں میں طغیانی آگئی۔

وزنی ڈم خود کر تیزی سے تہ نشین ہوتے جا رہے تھے۔

ٹائیگر ہر ممکن تیزی کے ساتھ تیرتا ہوا وہاں سے دُور ہوتا جا رہا تھا۔ دریا کی گہرائی میں ان ڈموں کے گرنے سے پیدا ہونے والی لہریں کیا قیامت برپا کر دیں گی۔ یہ بات وہ اچھی طرح جانتا تھا۔

اب اس کا رُخ ساحل کی طرف تھا اور اُس کی رفتار، ہر گزرتے ہوئے لمحے کے ساتھ تیز ہوتی جا رہی تھی۔ اُس نے اُسی ویران کنارے کا رُخ کیا تھا جہاں سے فائنگ فرار ہو کر پہاڑیوں کی طرف جاتا دکھائی دیا تھا۔

کنارے پہنچ کر وہ بادبانی جہاز کی طرف دیکھنے لگا۔

دریا میں اُٹھنے والی دیوہیکل لہروں کی وجہ سے جو طوفان اُٹھا تھا، اُس نے بادبانی جہاز کے پرخچے اُڑا دیے تھے۔ اس سمت سے انسانی چیخیں سُنائی دیں۔

یہ چیخیں ٹائیگر کے لیے موسیقی کی مسحور کن دھن سے کم نہیں تھیں۔

یہ ان درندوں کی چیخیں تھیں جو دوسروں کو اذیتیں دے کر قہقہے لگانے کے عادی تھے اور جن کے نزدیک مجبور لوگوں کی زندگی محض ایک کھیل ہوا کرتی تھی۔ اب خود اُن کی زندگی ایک کھیل بن گئی تھی اور اس کھیل کو صرف ایک ہی تماشائی دیکھ رہا تھا... ٹائیگر۔

معاً ٹائیگر کی نگاہ ایک اور کشتی پر پڑی۔

یہ کشتی بھی تیزی سے ڈوب رہی تھی۔

غالباً اس کشتی سے بندھے ہوئے تار کا دوسرا سرا کسی ڈم سے منسلک ہو گیا تھا۔ ڈم نہ نشین ہوا تو اس نے اپنے بے پناہ وزن کے باعث کشتی کو بھی اپنے ساتھ ہی غرق کرنا شروع کر دیا تھا اور یوں وہ، ہم تو ڈوبے ہیں صنم، تم کو بھی لے ڈوبیں گے کی مثال سچ ثابت کر رہا تھا۔

ٹائیگر کچھ دیر دریا کے کنارے بیٹھا ان چیخوں اور کراہوں سے لطف اندوز ہوتا رہا... پھر اُس کے کانوں سے بندرگاہ کے سائرن کی آواز ٹکرانے لگی۔ بہت دُور سے پولیس کاروں کے سائرن بھی سُنائی دے رہے تھے۔ گویا بندرگاہ پر ہنگامی حالت کا اعلان ہو چکا تھا۔

وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔

اب وہ اسی جانب جانے کے لیے تیار تھا، جدھر فائنگ گیا اس کے قدم اُٹھنے لگے۔ وہ دوڑنے لگا۔ پانی کی گہرائی میں فائنگ نے والی خوفناک جنگ اور وزنی ڈموں کے اس کھیل نے اُس یں بے پناہ تھکن بھر دی تھی۔ وہ پہاڑیوں کی جانب دوڑ رہا اُس کے دوڑنے کی رفتار خاصی تیز تھی۔

دُور سے دیکھنے والے کو یہی محسوس ہوتا کہ اس کے پاؤں زمین سے نہیں کچھ اوپر ہے ہیں بلکہ وہ زمین سے چھ انچ اوپر تیرتا ہوا آگے بڑھ رہا ہو۔ کچھ دیر قبل فائنگ بھی اسی انداز میں دوڑتا ہوا ٹائیگر کی نگاہوں سے اوجھل ہوا تھا۔ فائنگ دُنیا بھر میں شاید پہلا آدمی تھا جو دو بار ٹائیگر کے مقابل... آنے کے باوجود زندہ تھا... اور یہ بات ظاہر کرتی تھی کہ وہ مہارت میں ٹائیگر سے کسی طرح بھی کم نہیں ہے۔

پہاڑیاں قریب آتی جا رہی تھیں۔

ٹائیگر جب پہاڑیوں پر پہنچا تو ایک جگہ رُک گیا۔ اس کی نگاہیں اب دوسری جانب نشیب میں مرکوز ہو رہی تھیں۔

ماسٹر ٹاؤ نے اُسے بلیک سرکل کے ہیڈ کوارٹر کے سلسلے میں جو کچھ بتایا تھا، وہ ٹائیگر کے ذہن میں محفوظ تھا۔ نشیب میں درخت ہی درخت پھیلے ہوئے تھے۔ اس اترائی کے بعد ایک ندی تھی جس کا شفاف پانی درختوں کی شاخوں اور پتوں میں سے کسی چمک دار گاڑھے سیال جیسا نظر آتا تھا۔

ٹائیگر ایک چٹان پر کھڑا، ساکت نظروں سے یہ منظر دیکھتا رہا۔

درختوں کے پتوں اور شاخوں سے کہیں کہیں زمینی سبزہ جھانک رہا تھا لیکن اس سبزے میں متحرک کوئی بھی چیز، فائنگ میں تھی۔ خرگوش، ہرن اور دوسرے چھوٹے جانور ان جھاڑیوں میں چھپتے نظر آرہے تھے۔ ٹائیگر نے کتھئی سکیڑ لیے۔ اس کے چہرے پر تھکان جیسی سختی پیدا ہو گئی تھی۔

"ٹھیک ہے، فائنگ!" اُس نے زیر لب کہا۔ "تم کہیں بھی چلے جاؤ، کہیں بھی چھپ جاؤ... میں سائے کی طرح تمہارا پیچھا کروں گا... اور میری انگلیوں کو تب تک چین نہیں آئے گا، جب تک وہ غلاموں جیسا کارنیٹر ریشہ الگ نہیں کر دیتیں۔"

وہ نشیب میں دوڑنے لگا۔

ماسٹر ٹاؤ نے بلیک سرکل کے ہیڈ کوارٹر کی نشاندہی کرتے ہوئے بتایا تھا کہ وہ اسی نشیب کے بعد، ندی کے کنارے کسی جگہ واقع ہے۔ ٹائیگر سوچ رہا تھا کہ ماسٹر ٹاؤ یقیناً اس ہیڈ کوارٹر تک پہنچ چکا ہوگا۔ وہ حیران تھا کہ سوفی کہاں گئی؟ کیا ماسٹر ٹاؤ اُسے تلاش کرنے اور بلیک سرکل کے غنڈوں سے بچانے میں کامیاب ہو گیا ہوگا؟

ندی کے کنارے پہنچ کر اس نے اطراف کا جائزہ لیا۔

اُس کی نگاہ شمال کی جانب ایک پہاڑی پر جم گئی۔

یہ ایک سنسان پہاڑی تھی اور اس کے اوپر کسی عمارت کے ملبے کی باڑ نظر آرہی تھی۔ ٹائیگر نے سوچا کہ ہو نہ ہو، یہی بلیک سرکل ہیڈ کوارٹر ہو سکتا ہے۔ وہ اس پہاڑی کی طرف بڑھ گیا۔

پہاڑی پر پہنچ کر اور وہ باڑ کے قریب رُک گیا۔

اس کی نظروں کے سامنے ایک وسیع و عریض لان پھیلا ہوا تھا۔ دُور کچھ عمارت نظر آرہی تھی، وہ عالیشان تھی اور ٹائیگر کے اندازے کے مطابق اس میں کسی طرح بھی پندرہ سے بیس کمروں سے کم کمرے نہیں ہوں گے۔ اس نے گہری نگاہ سے عمارت کا جائزہ لیا۔ ایک بھی متنفس دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ عمارت کے ارد گرد ایک اور باڑ تھی اگرچہ یہ ایک اونچی باڑ تھی لیکن اس کے آر پار دیکھا جا سکتا تھا۔ یہ باڑ ایک طرح سے اونچی دیوار ہی تھی۔ چھے پھلانگنا عام آدمی کے لیے ممکن نہیں تھا۔

ٹائیگر نے اثبات میں سر ہلایا۔

وہ سمجھ گیا کہ اس اونچی جنگلے میں بجلی دوڑ رہی ہے۔

چند لمحوں تک وہ اس باڑ کے دوسری طرف جانے کی ترکیب سوچتا رہا... پھر اُس کی نگاہ ایک درخت پر پڑی۔ جس کے عقب میں کاٹھ کباڑ پھیلا ہوا تھا۔ وہ اسی طرف بڑھ گیا۔

کاٹھ کباڑ سے ایک مضبوط رسّہ مل گیا۔ اس کے علاوہ وہاں ایک تیز دھار دھاتی ٹکڑا بھی تھا جسے اُٹھا کر ٹائیگر درخت کی جانب بڑھ گیا۔ لمبی لمبی اور مضبوط شاخوں والا یہ درخت اُسے کسی نعمت غیر مترقبہ سے کم محسوس نہیں ہوا... اس نے ہائی پاور کرنٹ والے اس جنگلے کو عبور کرنے کے لیے اس درخت کا سہارا لینے کا ارادہ کر لیا تھا۔

ایک مضبوط شاخ منتخب کرنے کے بعد ٹائیگر نے رسّے کا ایک سرا شاخ کے سرے سے باندھ دیا۔ پھر اُسے کھینچا اور تنے سے مضبوطی کے ساتھ باندھ کر شاخ پر چڑھ گیا۔ اس کے داہنے ہاتھ میں وہ تیز دھار آہنی ٹکڑا دبا ہوا تھا۔ درخت کی شاخ اس وقت کمان کی حالت اختیار کر چکی تھی۔ اگر ایسے میں رسّی اچانک ہی کھول دی جاتی تو ٹائیگر کئی فٹ تک فضا میں بلند ہو سکتا تھا۔

ٹائیگر نے جسم کو متوازن کیا اور شاخ کے آخری حصے سے بندھی ہوئی رسّی کاٹنے لگا۔

آخری ریشہ الگ ہوتے ہی شاخ پوری قوت سے کسی غلیل کی اسپرنگ کی طرح واپس آئی اور ٹائیگر فضا میں اچھل گیا۔ اس نے اچھلنے میں پاؤں کی طاقت بھی استعمال کی تھی۔

اُس کا جسم چند لمحوں تک فضا میں اوپر اٹھتا رہا... پھر جیسے ہی وہ اپنی باڑ سے بالائی حصے کے متوازی پہنچا، اس نے فضا ہی میں کروٹ لی اور اس کا رُخ بدل گیا۔ اب وہ باڑ کے اوپر سے گزرتا ہوا دوسری جانب گھاس کے قطعے میں گر رہا تھا۔

پنجوں کے بل گھاس پر گرتے ہی وہ سنبھل گیا۔

اب عمارت اُس کے سامنے تھی لیکن اندر سے کوئی آواز نہیں آرہی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے یہ عمارت برسوں سے ویران پڑی ہو۔ عمارت کے چاروں طرف بڑے بڑے پتوں والے درخت ساکت کھڑے تھے۔ ان کے پتوں کو دیکھ کر آسیب اور بھوتوں کا گمان ہوتا تھا۔ ٹائیگر جانتا تھا کہ وہ اس وقت جس زمین پر کھڑا ہے، یہ دُنیا کی سب سے خوفناک زمین ہے۔ یہاں قدم قدم پر موت موجود ہے۔ یہ عام آدمیوں کی عمارت نہیں تھی۔ یہاں بلیک سرکل کے ان غنڈوں

کا قیام تھا جو کنگ فو اور دیگر مارشل آرٹس سے خوب آشنا تھے۔

اس نے نگاہ اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا۔

آسمان دھند آلود تھا اور عمارت کی چھت اس دھند میں بہت ہی مبہم سی نظر آ رہی تھی۔ یہ ایک ٹاور نما بلڈنگ تھی۔ ٹائیگر کو اس عمارت پر کسی بند مقبرے کا گمان ہو رہا تھا۔ اس کی کھڑکیاں اور دروازے اتنی سختی اور مضبوطی سے بند تھے کہ اندر سے روشنی کی خفیف سی کرن بھی باہر نہیں آ رہی تھی۔

ٹائیگر نے ایک درخت کی اوٹ میں ہو کر عمارت کا تفصیلی جائزہ لیا تھا۔ اُسے حیرت تھی کہ اُس کی حسیات کسی کی موجودگی کا اظہار کیوں نہیں کر رہی ہیں؟

وہ ایک قریبی درخت کی اوٹ میں چلا گیا۔

ایک سے دوسرے... اور دوسرے سے تیسرے درخت کی آڑ میں ہوتا ہوا وہ محتاط رہا تھا کہ اس نے اس مقبرہ نما عمارت کے گرد ایک چکر پورا کر لیا۔ اب تک نہ تو اُسے کوئی آواز سنائی دی تھی اور نہ ہی کسی نے اس کا راستہ روکنے کی کوشش کی تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے اس ماحول میں سوائے ٹائیگر کے اور کوئی ذی رُوح سرے سے موجود ہی نہ ہو۔ اس صورتِ حال کے باوجود ٹائیگر بے حد محتاط تھا۔ اُس نے اپنی حرکات سے خفیف سی آواز بھی پیدا نہیں ہونے دی تھی۔ اس احتیاط میں اُسے سونی کی تندگی کی ٹھوکر کا احساس ہوتا تھا۔

اگرچہ ماحول بتا رہا تھا کہ عمارت سنسان ہے اور اندر کسی ذی روح کا وجود نہیں ہے۔ پھر بھی نہ جانے کیوں ٹائیگر کو یقین تھا کہ کسی تاریک سے چیمبر میں سونی قید ہے۔ اُسے اس ماحول میں دہشت اور موت کی وہ بُو محسوس ہوئی تھی جس کا احساس عام آدمیوں میں آسیب زدگی کی علامات پیدا کر سکتا تھا۔

یہ ایک شیطانی جگہ تھی۔

اس کے ذرّے ذرّے میں انسانی خون کی بوندیں جذب تھیں۔ یہاں انسان نما شیطانوں نے انسانوں پر جتنے بھی مظالم توڑے تھے، ٹائیگر انھیں اپنی چھٹی حس کے باعث دیکھ سکتا تھا۔

ٹائیگر کے جسم پر پسینے کی بوندیں اُبھرنے لگیں۔

اُسے سمندر، دریائے دانگ پو میں ہونے والی جنگ یاد آ گئی۔

وہ ایک خوفناک جنگ تھی لیکن شیطان وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ وہاں ایک شیطان سے لڑنا، مختلف بات تھی جبکہ اس وقت وہ سیدھا شیطان کے قلب میں اُترنے کی کوشش کر رہا تھا۔ یہاں آنے کے بعد ٹائیگر کو خوب اندازہ ہو گیا تھا کہ فائنگ فلزار ہو کر اس عمارت میں کیوں آیا ہے۔ یہ مقام اس کے لیے قوت اور توانائی کا سرچشمہ تھا۔ یہ اُس کے لیے دُنیا کی بہترین پناہ گاہ تھی... اور گویا یہ اس کا اپنا گھر تھا جہاں بلیک سرکل کے قاتل اپنے خاندان کی حیثیت سے مقیم تھے۔

وہ بجری کے بنے ہوئے ایک راستے پر رُک گیا۔

یہ راستہ پوری عمارت کے گرد بنا ہوا تھا۔

اچانک ایک ننھی سی آواز نے اس کے دل میں کہا کہ اُسے یہاں کھلی جگہ کھڑے رہنے کی بجائے کسی درخت پر چڑھ کر خود کو پتوں میں چھپا لینا چاہیے۔ وہ دل کی آواز کبھی نظر انداز نہیں کرتا تھا۔ اُس آواز کو سنتے ہی اس کے بیروں میں گویا پَر لگ گئے۔

وہ ایک قریبی درخت کی طرف دوڑ پڑا۔

درخت پر چڑھ کر اُس نے اپنا آپ اچھی شاخوں اور پتوں کے درمیان چھپا لیا ہی تھا کہ اُسے دل کی آواز کا جواز نظر آ گیا۔ اس نے عمارت کے گرد کسی چیتے کی سی خاموشی سے چکر لگایا تھا اور اس کے قدموں سے خفیف سی آواز بھی پیدا نہیں ہوئی تھی۔ اگر ذرا سی بھی آہٹ پیدا ہو جاتی تو یقیناً وہ دونوں محافظ اس کی طرف ضرور متوجہ ہو جاتے جن پر اتفاق سے اب سے پہلے خود ٹائیگر کی نگاہ بھی نہیں پڑ سکی تھی۔

یہ دونوں محافظ ایک گیٹ پر کھڑے تھے اور گیٹ عمارت کے مشرقی حصے میں بجری والے گول راستے سے کافی ہٹ کر گول گول گھومے ہوئے پتوں والے درختوں کے عقب میں واقع تھا۔ دونوں محافظ کے کندھوں سے آٹو میٹک رائفلیں لٹکی نظر آ رہی تھیں۔ محافظ وزنی آہنی گیٹ کھول رہے تھے اور گیٹ کھلنے کی آواز سے ماحول میں ایسا تاثر پیدا ہو رہا تھا جیسے اَن گنت بدروحیں ایک ساتھ چیخ پڑی ہوں۔

گیٹ کھل گیا تو ایک سیاہ رنگ کی کار اندر آتی دکھائی دی۔

ٹائیگر پورے انہماک سے گیٹ کی طرف دیکھنے لگا۔

سیاہ کار تیزی سے اندر آئی اور بجری والے راستے پر گھومتی ہوئی ایک جگہ رُک گئی... پھر اس کے دروازے ایک جھٹکے سے کھلے اور چند لمحوں بعد دھماکے سے بند ہو گئے۔

کار کا انجن گرج دار آواز کے ساتھ بیدار ہوا اور اگلی ہی سلگ وہ کار واپس گیٹ کی طرف جا رہی تھی۔

ٹائیگر نے اثبات میں سر ہلایا۔

وہ سمجھ گیا کہ معاون و مددگار قاتل اس عمارت میں پہنچ ہیں اور کار مزید آدمیوں کو لینے واپس گئی ہے۔

اس قسم کی کمک کبھی خوشگوار نتائج کی حامل نہیں ہوا کرتی۔

ٹائیگر نے پیشانی سے پسینے کے چند قطرے انگلی کی مدد سے صاف کیے اور اس شاخ پر اوندھا لیٹ گیا جس پر وہ چھپا بیٹھا تھا۔ احتیاط کے جو تقاضے وہ اس وقت پورے کر رہا تھا، ان کی طرف اس نے پہلے کبھی توجہ ہی نہیں دی تھی... لیکن آج اُسے اُستاد کا ایک ایک لفظ یاد آ رہا تھا اور وہ دل کی گہرائیوں سے ان الفاظ کا قائل ہوتا جا رہا تھا۔

وہ کسی چھپکلی کے سے انداز میں شاخ پر چلنے لگا حتیٰ کہ شاخ بجری والے راستے پر جھک گئی۔ وہ اب وہاں سے گیٹ پر تینوں محافظوں کو نسبتاً صاف دیکھ سکتا تھا۔ ایک گارڈ کا رنگ سے گھومتا دکھائی دیا۔ اس کے دوسرے ہاتھ میں ایک طاقت ور سرچ لائٹ روشن تھی جو اس کی روشنی میں جھاڑیوں اور درختوں کا جائزہ لینے میں مصروف ہو گیا۔

محافظ نے جیسے ہی سرچ لیمپ روشن کیا ٹائیگر اس شاخ پر تیزی سے پیچھے ہٹ گیا۔ شاخ بجری والے راستے سے دوبارہ بلند ہو کر اپنی اصل حالت میں پہنچ گئی۔

سرچ لیمپ کی روشنی اطراف میں چکراتی رہی اور محافظ گردش کرتا رہا حتیٰ کہ وہ بجری والے راستے سے گزر کر عمارت کے عقب میں چلا گیا۔ محافظ نے جھاڑیوں اور درختوں کے نچلے حصّے کا جائزہ لیا تھا اس نے نہ تو بجری والے راستے سے نیچے اترنے کی کوشش کی اور نہ ہی درختوں کی شاخوں پر روشنی ڈالنے کی زحمت گوارا کی تھی۔

ٹائیگر جانتا تھا کہ وہ اس محافظ کو آسانی سے قتل کر سکتا تھا۔ وہ جس شاخ پر بیٹھا تھا، وہ کافی مضبوط تھی اور اس میں لچک بھی کافی تھی۔ اس کے علاوہ درخت کے پتے اتنے بڑے بڑے تھے کہ ان میں اس کی حرکت سے کوئی آواز بھی پیدا نہیں ہو سکتی تھی... لیکن اس نے محافظ کو چھوڑ دیا۔ کسی ایسے محافظ کو قتل کرنا دانش مندی نہیں تھی جس کی انگلی مشین گن کی لبلبی پر رکھی ہوئی ہو... وہ مرتے مرتے بھی فائر ضرور کرتا اور فائرنگ کا مطلب تھا کہ عمارت کے ایک ایک مکین کو کسی ٹیرر آدمی کی موجودگی کا پتہ چل جاتا۔

اچانک اُسے دوسرا محافظ آتا دکھائی دیا۔

اُس کا رُخ اُسی راستے پر تھا جس کے قریبی درخت پر ٹائیگر چڑھا بیٹھا تھا۔ ٹائیگر نے سوچا کہ اگر محافظ کا نروس سسٹم یوں معطل کر دیا جائے جیسے روشنی کا سوئچ آف کیا جاتا ہے تو بات بن سکتی ہے۔ اس طرح اُسے فائر کرنے کا موقع نہیں مل سکے گا۔

گارڈ بڑے محتاط قدموں سے آہستہ آہستہ چلا آ رہا تھا۔

ٹائیگر نے اُس کے رُخ سے اندازہ لگایا کہ وہ اس شاخ کے نیچے سے ہی گزرے گا جس پر اس وقت ٹائیگر کا بسیرا تھا۔ اب اُسے صرف بے آواز انداز میں ٹانگیں لٹکا کر گارڈ پر کُودنا تھا اور پھر اس کے ماہر ہاتھ نروس سسٹم کا یہ آسانی سوئچ آف کر سکتے تھے۔ ٹائیگر کی نگاہ گارڈ پر جمی رہی۔

وہ اس کی چال کا جائزہ لے رہا تھا۔ اُس کے قدموں کے درمیان فاصلے کا اندازہ لگا رہا تھا اور اس کی رفتار ذہن میں محفوظ کر رہا تھا۔ بالآخر وہ اس نتیجے پر پہنچ گیا کہ اُسے جو کچھ بھی کرنا ہے، اس کے لیے اُس کے پاس صرف تین سیکنڈ کا وقفہ ہوگا۔

اب وہ گارڈ کے قریب آنے کا انتظار کر رہا تھا۔

گارڈ محتاط قدموں سے چلتا ہوا درخت کے نیچے آ گیا اور پھر اس نے آگے بڑھنے کے لیے مزید قدم اُٹھایا۔ اسی لمحے ٹائیگر نے دونوں انگلیوں کی گرفت ختم کر دی۔ شاخ اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی اور وہ تقریباً بیس فٹ نیچے آ رہا۔ سب کچھ بے آواز اور نہایت خاموشی سے ہوا تھا۔ اس کی دونوں ٹانگیں تیار تھیں۔ اس کے جوتے کی دھاتی نوک اور دوسرے پاؤں کی ایڑی بالکل تیار تھی۔ جوتے کی نوک محافظ کی ریڑھ کی ہڈی پر لگی۔

اس سے قبل کہ محافظ کو صورتِ حال کا احساس ہوتا، رُوح کا پرند اس کے جسدِ خاکی سے پرواز کر چکا تھا۔ دوسری ٹھوکر اس کی کھوپڑی پر پڑی اور اسی دوران دونوں ہاتھ سب مشین گن پر جھپٹے۔

ٹائیگر محافظ سے چند سیکنڈ قبل ہی زمین پر نشست کے بل گرا تھا یہی وجہ تھی کہ وہ نہ صرف مشین گن سنبھالنے میں کامیاب ہو گیا بلکہ اُس نے محافظ کا لاشہ بھی ایک گھٹنے کے سہارے سنبھال لیا۔ آہستہ آہستہ اُس کی ٹانگ جھکی اور پھر اُس نے لاش اپنے پہلو میں لٹا لی۔

دفعتہً اُس کے قریب ہی ایک خفیف سی آواز پیدا ہوئی۔ ٹائیگر کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔

وہ اپنی تمام تر توجہ محافظ اور اس کی مشین گن پر صرف کر رہا تھا اور یہ استغراق اُسے ماحول سے لمحاتی بے گانگی میں مبتلا کر گیا تھا۔ موت کے اس مسکن میں لمحے بھر کی غفلت ہی کا دوسرا نام موت تھا۔ اس کے جسم کا رشتہ رینگنے تن گیا۔ وہ چاروں سمتوں میں حملہ کرنے اور دفاع کرنے کے لیے تیار ہو چکا تھا... لیکن دو تین ساعتیں پُرسکوت اور پُرسکون گزر گئیں۔

اس نے ایک طویل سانس لی۔

اگرچہ خطرے کا فوری احساس زائل ہوگیا تھا لیکن ابھی تک وہ خود کو پوری طرح مطمئن نہیں کرسکا تھا۔ اس نے اطراف و جوانب میں نظریں دوڑائیں تو ایک۔ جگہ اس کی نگاہ جم کر رہ گئی اور اس کے جسم کے ہر مسام نے پسینہ اگلنا شروع کردیا۔ وہ زندگی میں پہلے کبھی اتنے قلیل۔ دقفہ میں اس قدر پُرجوش نہیں ہوا تھا۔ اس نے ریڑھ کی ہڈی میں دوڑتی ہوئی خنک سی لہر کو قابو پاکر دوبارہ اس چیز کو دیکھا۔

یہ ایک نیلگوں انگوٹھی تھی۔

"ماسٹر تاؤ..." اس نے زیر لب کہا۔

اس کا ہاتھ آہستہ آہستہ آگے بڑھا اور اس نے انگوٹھی اٹھالی... پھر اس نے اطراف میں دیکھا اور تب اس کی نگاہ اوپر اٹھ گئی۔ ٹاور نما عمارت کی چھت پر ایک انسانی ہیولہ موجود تھا۔ اس نے ایک ہاتھ لہرایا تو ٹائیگر کی نگاہ ایک پتلے سے اسٹیل وائر پر جم گئی۔ یہ تار چھت سے زمین تک لٹکا ہوا تھا۔ ماسٹر تاؤ نے یہی تار ہلایا تھا۔

ٹائیگر نے اثبات میں سر ہلایا اور ماسٹر تاؤ کی انگوٹھی انگلی میں پہن لی۔ اگلے ہی لمحے اس نے تار کا جائزہ لیا۔ باریک لیکن بے حد مضبوط تار تھا اس تار کے سہارے عام آدمی اوپر نہیں جاسکتا تھا۔

ٹائیگر نے اپنے ہاتھوں کے پٹھے سخت کرنے شروع کردیے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس کی ٹانگوں کے عضلات میں بھی سختی پیدا ہوتی چلی گئی۔

اس نے تار تھام لیا اور اُسے ذرا سا موڑ کر دونوں پاؤں اٹھاتے ہوئے خود کو زمین سے بلند کرلیا۔ اگلی ہی لمحے وہ تار کے سہارے تیزی سے اوپر جارہا تھا۔

ماسٹر تاؤ نے ہاتھ تھام کر اسے اوپر چھت پر گھسیٹ لیا اور مسکرانے لگا نیم تاریکی میں بھی اس کی مسکراہٹ میں، ٹائیگر کے لیے تحسین کا تاثر دیکھا جاسکتا تھا۔ ٹائیگر نے ہاتھ اور پیروں کو معمول پر لانے کی کوشش شروع کردی۔ اس دوران میں ماسٹر تاؤ نے دھیمی آواز میں گفتگو شروع کردی۔ اس کی آواز میں بے پناہ ٹھہراؤ تھا۔ لگتا تھا ان کے پاس وقت کی کوئی کمی نہیں اور نہ ہی آس پاس کا ماحول مہلک ہے۔ ٹائیگر اس کے قریب ہی چھت پر جھکی ہوئی حالت میں بیٹھ گیا۔

"بندگاہ پر کام نہیں ہوسکا؟" ماسٹر تاؤ نے پوچھا۔

"نہیں... مجھے افسوس..."

"بیکار ہے۔" ماسٹر تاؤ نے اس کی بات کاٹ دی۔ "تم ابھی فانگ کو اچھی طرح سے نہیں جانتے وہ غیبت روح ہے۔ بہرحال تم شاید انھیں زبردست نقصان پہنچانے میں کامیاب ہوگئے ہو۔"

"جی ہاں... اسٹیل کے دس ڈرم کیبل سے ٹوٹ کر غرقاب ہوچکے ہیں۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ "دو کشتیاں ڈوب گئی ہیں اور بہت سی انسانی جانوں کو نقصان پہنچا ہے... لیکن فانگ فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا۔"

"میں جانتا ہوں۔" ماسٹر تاؤ نے اس انداز میں کہا جیسے یہ اُس کے لیے کوئی خاص خبر نہ ہو۔ "میں نے اُسے گیٹ سے اندر آتے دیکھا تھا۔"

"کیا وہ اس وقت بھی اندر ہے؟" ٹائیگر نے بے تابی سے پوچھا۔

"ہاں۔ وہ اندر ہے۔"

"پھر تو..."

"نہیں، فرزند... نہیں۔ جلد بازی سے کام نہ لو۔" ماسٹر تاؤ نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا۔ بڑا ہی شفیق، بڑا ہی محبت بھرا ہاتھ تھا۔ اس کے لمس نے ٹائیگر کا غصہ یوں چوس لیا جیسے اسفنج کسی سیال کو پی جاتا ہے۔

ٹائیگر نے اثبات میں سر ہلایا اور اطراف میں دیکھنے لگا۔

عمارت کی چھت پر شمالاً جنوباً دو صندوق نما مقامات تھے۔ ٹائیگر نے ان کے آس پاس انسانی لاشیں دیکھیں۔ جو تعداد میں چار تھیں۔ یقیناً ماسٹر تاؤ کے ماہر ہاتھوں نے انھیں لاشوں میں تبدیل کیا تھا۔ ٹائیگر نے ایک صندوق نما حصے سے اندر دیکھا۔

یہاں سے سیڑھیاں نیچے اتر رہی تھیں۔

ان زینوں کا خاتمہ ایک بھاری بھرکم دروازے پر ہوتا تھا جس کے کواڑ اس وقت مضبوطی سے بند تھے۔ ٹائیگر کو یوں محسوس ہوا جیسے یہ دروازہ کسی بھی لمحے کھلنے والا ہے... ماسٹر تاؤ نے اس کی نگاہوں کے تعاقب میں بند دروازے کی طرف دیکھا

"اس عمارت میں دفاع کا ایک ایسا نظام ہے جو تم نے زندگی میں پہلے کبھی نہیں دیکھا ہوگا۔ اس چھت کو ایک ایسی چوکی کی حیثیت حاصل ہے، جہاں سے یہ لوگ باؤ چھلانگ والوں کا جائزہ لیتے ہیں۔ اگر تو اندر آنے والا کرنٹ ہی سے ہلاک ہوجاتا ہے دوسری صورت میں ان کی گولیاں اس کا کام تمام

دیتی ہیں۔"

ٹائیگر ایک جھرجھری سی لے کر رہ گیا۔

وہ تو اپنی دانست میں ہال وے لیڈج والی آہنی باڑ پھلانگ کر ایک کارنامہ سرانجام دے کر آیا تھا۔ اب اُسے محسوس ہوا کہ کام اتنا آسان نہیں تھا۔ اگر ماسٹر تاؤ چھت پر موجود لوگوں کو ٹھکانے لگانے میں کامیاب نہ ہوا ہوتا تو اس کا داخلہ اتنے سکون انداز میں کسی طور بھی ممکن نہ ہوتا۔

"میں آپ کا شکر گزار ہوں، ماسٹر۔" اس نے زیر لب کہا۔

"بچے، اپنے بزرگوں کا شکریہ ادا نہیں کرتے۔" ماسٹر تاؤ کے لہجے میں ہلکی سی سرزنش تھی۔

ٹائیگر نے چھت سے اطراف کا جائزہ لیا تو حیران رہ گیا۔ ماسٹر تاؤ ٹھیک ہی کہہ رہا تھا۔ چھت سے عمارت کے اردگرد پھیلے ہوئے انداز میں نگاہ کبھی جاسکتی تھی کہ کوئی بھی ان لوگوں کی نگاہوں میں آئے بغیر باڑ کے اندرونی حصے میں داخل نہیں ہوسکتا تھا۔ عجیب بات یہ تھی کہ بلند ترین چھت کی وجہ سے یہ صندوق نما حصے زمین پر کھڑے ہوئے کسی آدمی کو نظر نہیں آسکتے تھے ٹائیگر حیران تھا کہ ماسٹر تاؤ کسی کی نگاہوں میں آئے بغیر یہاں تک کیسے پہنچ گیا؟

"اس کے علاوہ..." ماسٹر تاؤ نے مسکراتے ہوئے مزید انکشاف کیا۔ "پورے لان میں ہارڈی سرنگیں بچھی ہوئی ہیں لیکن انھیں الیکٹرونکس کے ذریعے استعمال کیا جاتا ہے جس وقت تم آہنی باڑ کے اوپر سے کودنے کی تیاری کر رہے تھے تو ان لوگوں میں ہاقاعدہ بحث شروع ہوگئی کہ کنٹرول کا سوئچ کون دبائے گا۔"

"... پھر کیا ہوا؟" ٹائیگر نے نچلے ہونٹ پر زبان پھیر کر پوچھا۔

"میں نے ان کا فیصلہ کردیا۔" ماسٹر تاؤ نے مسکرا کر جواب دیا۔ "لیکن اب تم اس بات کا شکریہ ادا نہیں کروگے۔ میں تمھاری مہارت اور رفتار کے علاوہ توازن کے بارے میں جانتا ہوں۔ پھر دوست وہی ہوتا ہے، جو آڑے وقت میں کام آئے۔"

ٹائیگر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اُس نے گزرے وقت کے لمحات ذہن سے جھٹک دی اور ماسٹر تاؤ کی طرف متوجہ ہوگیا۔ اس کے لہجے اور بولنے کے انداز میں اب تبدیل آگئی تھی۔ وہ اب تمہیدی سے بول رہا تھا۔

"تھوڑی ہی دیر میں عمارت کے اندر موجود لوگوں کو احساس جائے گا کہ چھت پر بیٹھے ہوئے لوگ غفلت کا شکار ہوگئے ہیں۔ ان سے ان لوگوں کو احساس ہونے سے قبل ہی باہر موجود گارڈ شہلتا ہوا اپنے مُردہ ساتھی تک جا پہنچے... اور ہاں تم نے اُسے جس انداز میں شکار کیا تھا، مجھے وہ منظر بے حد پسند آیا۔ وہ آرٹ کا ایک ناقابل فراموش نمونہ تھا۔ مجھے خوشی ہے کہ آوشن نے تم جیسا ہونہار شاگرد بنایا۔ بہرحال ان لوگوں کی آمد جلد ہی متوقع ہے۔ میرے اندازے کے مطابق اس وقت عمارت میں دس افراد ہیں۔ جن میں سے دو باہر ہیں۔ باہر والوں کے سلسلے میں زیادہ تشویش نہیں اس لیے ہم فی الحال انھیں اپنے ذہن سے جھٹک بھی سکتے ہیں۔"

ٹائیگر نے تائید میں سر ہلا دیا۔

"لیکن ہماری مہم کے لیے یہ ایک بہت ہی بُرا وقت ہے۔"

"کیا مطلب؟" ٹائیگر چونک پڑا۔

"انھوں نے چار نمبر کی تیاری کا کام شروع کردیا ہے۔ اگرچہ ابھی یہ کام پوری رفتار سے نہیں ہو رہا تاہم جتنا ہو رہا ہے وہ بھی کافی سے زیادہ ہے۔ میں تمھیں کیمیاوی اصولوں پر لیکچر تو نہیں دے سکتا پھر بھی اتنا ضرور بتا سکتا ہوں کہ اگر لیبارٹری کے نظام میں ذرا سی بھی گڑبڑ ہوگئی تو گیس خارج ہونا شروع ہوجائیں گی۔ ایسے میں اگر عمارت میں ایک چنگاری بھی کہیں پیدا ہوگئی تو اس عمارت کی چھت اُڑ جائے گی۔"

ٹائیگر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

یہ گویا ماسٹر تاؤ کو اطمینان دلانے کا اشارہ تھا کہ وہ اس جانب سے بے حد محتاط رہے گا۔

"سونی کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟" اس سے صبر نہ ہوسکا تو پوچھ ہی لیا۔

"کوئی نشان نہیں مل سکا۔" ماسٹر تاؤ نے تشویش سے کہا۔

ٹائیگر کو یوں محسوس ہوا جیسے اس کی دھڑکنیں رُک گئی ہوں۔

وہ یہ سوچنے پر مجبور ہوگیا کہ ممکن ہے ماسٹر تاؤ اُسے دیکھنے میں کامیاب نہ ہوا ہو اور وہ یہیں کہیں موجود ہو۔ ممکن ہے اس کے اور سونی کے درمیان محض چند دیواریں، چند چھتیں اور چند دروازے ہی حائل ہوں... اور یہ بھی امکان تھا کہ وہ اس عمارت سے میلوں دُور کسی اور جگہ قید ہو۔

"اب میری بات غور سے سنو۔" ماسٹر تاؤ نے بے حد متانت سے کہا۔ "میں تمھیں اس عمارت کا نقشہ ہی سمجھا سکتا ہوں۔ اس کے علاوہ میری معلومات بھی تمھاری طرح صفر ہیں یہ نقشہ سمجھ لو... پھر ہم چھت کا یہ دروازہ کھول کر نیچے جائیں گے۔"

ٹائیگر نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

جس کے جواب میں ٹائیگر کا دایاں ہاتھ، اسپرنگ کی طرح متحرک ہُوا اور آئرن ہینڈ کی راہ میں حائل ہوگیا۔ فانگ بے خبر نہیں تھا آہنی پنجہ ابھی ٹائیگر کے جسم سے دُور ہی تھا کہ اُس نے کمال مہارت سے اُسے ہدف تک پہنچنے سے روک لیا۔ نتیجتہً ٹائیگر کے بازو سے تصادم بھی نہ ہوسکا۔ ٹائیگر کا وہی ہاتھ مزید آگے بڑھا تھا۔ وہ اُس آہنی پنجے کو کلائی سے توڑ ڈالنا چاہتا تھا لیکن اس عمل کی تکمیل سے قبل ہی اُسے مدافعانہ انداز اختیار کرلینا پڑا۔ فانگ نے دوسرے ہاتھ سے ہمیر بکلو لگایا تھا۔ ہدف ٹائیگر کا کندھا تھا لیکن اُس کا یہ داؤ، ٹائیگر کی ٹکر سے ٹوٹنے کردینے والی ٹھوکر کی وجہ سے ناکارہ ثابت ہُوا۔ فانگ نے بڑی مہارت سے نہ صرف خود کو بچایا بلکہ اُس کا آہنی پنجہ ہائی گارڈ پوزیشن میں سمٹ گیا۔

ٹائیگر کی کہنی تیزی سے گری۔

اگر فانگ سے ایک لمحے کی بھی تاخیر ہوجاتی تو اُس کی گُنجی کھوپڑی اَن گنت ٹکڑوں میں ٹوٹ جاتی... پھر خون اور خود اُس کے بھیجے کے بکھرے ہُوئے ٹکڑے شاید پوری کشتی میں پھیل جاتے۔

دونوں ایک بار پھر سنبھلتے ہی حملہ آور ہُوئے۔

یہ خطرناک تصادم تھا۔ یُوں لگتا تھا جیسے دو پہاڑ ایک دوسرے سے ٹکرا گئے ہوں۔ اس ٹکراؤ کا نتیجہ یہ ہُوا کہ دونوں ہی فضا میں بلند ہُوئے اور جب گرے تو اُن کے قدم کشتی پر نہیں تھے۔ دونوں پانی میں جا گرے تھے۔

ٹائیگر کے حلق سے ایک بھیانک قہقہہ نکل گیا۔

فانگ پانی میں گرا اور تہ نشین ہوتا چلا گیا۔ اگلی ہی ساعت ٹائیگر نے خود کو سنبھالا اور پانی میں تیزی سے اُس کی طرف لپک پڑا۔

پانی میں دس فٹ نیچے پہنچ کر ٹائیگر کا ہاتھ تیزی سے لپکا۔ فانگ کی دونوں ٹانگیں تیزی سے متحرک تھیں اور اُس نے اپنی ٹانگوں پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی تھی... لیکن فانگ کسی مچھلی کی طرح جھکائی دے گیا۔ ٹائیگر نے بھی کروٹ بدلی۔ اس کا خیال تھا کہ فانگ پلٹ کر اس پر حملہ کرے گا... لیکن ایسا نہیں ہُوا۔ یہ ایک لمحاتی چوک تھی۔ ایک لمحاتی غلط فیصلہ تھا جس سے فانگ نے پورا پورا فائدہ اُٹھایا۔ اس نے حملہ کرنے کی بجائے تیزی سے ساحل کی طرف تیرنا شروع کردیا۔

وہ فرار ہونے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کا جسم کسی تیز رفتار مگرمچھ کے سے انداز میں، پانی کے اندر ہی اندر متحرک تھا۔ تھوڑا سا سنبھل جانے کے بعد وہ جسم کو پانی میں کسی مچھر کی کے سے انداز میں گھماتا اور راستہ بدل لیتا۔

ٹائیگر نے غوطہ لگایا اور اس کے دونوں ہاتھ تیزی سے آگے بڑھے۔ اس کے ہاتھ میں فانگ کا ٹخنہ آگیا۔ پانی میں اس انداز کی جنگ، ٹائیگر کے لیے پہلا موقع تھا۔ جب کہ فانگ ایسی لڑائیوں کا عادی معلوم ہوتا تھا۔ جیسے ہی ٹائیگر کا ہاتھ اس کے ٹخنے پر پڑا۔ فانگ نے اپنے جسم کو ٹوسٹ کیا۔ اگلے ہی لمحے فانگ کا مُکّہ ٹائیگر کے انگوٹھے کے مخالف سمت میں مڑ گیا اگر ٹائیگر فوراً ہی ہاتھ نہ ہٹا لیتا تو اس کا انگوٹھا ٹوٹ کر لٹک گیا ہوتا۔ اب اُسے احساس ہوگیا تھا کہ وہ اس انداز میں فانگ کو پچھاڑنے میں ہرگز کامیاب نہیں ہوسکتا۔ اس بات نے ٹائیگر کے جسم میں بھٹکے کا الاؤ مزید بھڑکا دیا۔ تاہم ٹائیگر قدرے مطمئن تھا کہ وہ اپنا انداز برقرار رکھتے ہوئے فانگ کی رفتار سست کرنے میں کامیاب رہے گا۔

اچانک فانگ پلٹ پڑا۔

اس کا حملہ بڑا ہی اچانک اور ناگہانی تھا۔

دونوں اس وقت پانی میں کافی نیچے پہنچ چکے تھے۔ ٹائیگر نے اُسے پلٹتے اور حملہ آور ہوتے دیکھا تو خود کو نہر اکر اس کے سامنے سے ہٹایا اور پوری قوت سے دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں استعمال کیے۔ فانگ کا حملہ ناکام رہا اور اُسے خود کو پانی میں گہرائی کی طرف لے جانا پڑا۔

ٹائیگر کامل تنفس سے کام لیتے ہُوئے اُس ایک گہری سانس کے سہارے خود کو سنبھال رہا تھا تو اس نے غوطہ لگاتے وقت لی تھی۔ فانگ پر بھی دیوانگی سی طاری تھی۔ وہ گہرائی میں جاتے اچانک ہی پلٹ پڑا۔ اس بار بھی حملہ بے حد خطرناک تھا۔ وہ کسی دیوانے مگرمچھ کی طرح تہلکہ مچا رہا تھا۔ اُس کے دونوں ہاتھ لہرا رہے تھے۔ ٹائیگر اُس کی زد میں تھا۔ اس نے خود کو کسی تیراک کے سے انداز میں ایک طرف ہٹا لیا۔

فانگ کی وہ انگلیاں جو ٹائیگر کے چہرے کو چیر کر رکھ دینے پر آمادہ تھیں، پانی کی وجہ سے بے اثر ہوکر ٹائیگر کے گالوں سے ٹکرائیں اور پھسلتی ہوئی گزر گئیں۔ دونوں کے جسم ایک دوسرے سے متصادم ہُوئے اور وہ بھاری بھرکم مچھلیوں کی طرح ایک دوسرے سے ٹکرا کر مزید گہرائی میں گرتے چلے گئے۔

بڑی خوفناک جنگ تھی لیکن پانی کی وجہ سے دونوں ایک دوسرے کو نقصان پہنچانے میں ناکام ہو رہے تھے۔ گہرائی میں انھیں یوں محسوس ہو رہا تھا۔ جیسے وہ سبز دھند

کے بڑھنے لگے۔ ٹائیگر اور ماسٹر تاؤ وہاں اُن کا استقبال کرنے کے لیے موجود تھے۔

رائفلیں گرج اٹھیں۔

ٹرائیگر دبتے ہی گولیاں نکل نکل کر منتشر ہونے لگیں۔

بارود اور دھواں فضا میں پھیلنے لگا۔ اس دھوئیں میں دو انسانی چیخیں بڑی ہی بھیانک محسوس ہو رہی تھیں۔ مسلح آدمیوں میں سے ایک کے بائیں گھٹنے سے ماسٹر تاؤ کے پاؤں کا کنارا ٹکرایا۔ وہ ابھی اپنی ٹانگ کی طرف سے پوری طرح آگاہ نہیں ہُوا تھا کہ اس کا رائفل، خود اُس کے اپنے ہاتھوں میں گھوم گئی۔ اُس کی آنکھیں حیرت و بے یقینی سے پھیل گئیں۔ رائفل کی نال کو عقب سے ایک چوٹ لگی۔ وہ شخص دونوں ہاتھوں سے رائفل سنبھالے فرش پر بیٹھتا چلا گیا۔ اس کے حلق سے جو بے ساختہ چیخیں نکلی تھیں وہ اچانک ہی تھم گئی تھیں۔ اس کا دوسرا ساتھی بھی خاموش ہوگیا تھا اور وہ دونوں ہی فرش کی طرف جھکے جا رہے تھے۔ اُن کی اپنی ہی رائفلیں، ان کے سینے میں دھنس کر پشت کی طرف نکل گئی تھیں... معاً وہ دونوں ایک دوسرے سے ٹکرا گئے۔ اُسی ساعت تیسرا آدمی لینڈنگ پر پہنچا۔ اس نے یہ منظر دیکھا تو رائفل اس کے ہاتھوں سے چھوٹ کر گر گئی اور اُس کے دونوں ہاتھ دفاع کے لیے بلند ہونے لگے۔

ساتھیوں کی موت کے منظر نے اُسے دہشت زدہ کردیا تھا۔ شاید اسی لیے اب اُسے رائفل پر اعتماد نہیں رہا تھا۔ اُس نے بس انداز میں دفاع کے لیے دونوں ہاتھ اُٹھائے تھے، اس سے پتہ چلتا تھا کہ وہ مارشل آرٹ کا ماہر ہے اور اُسے آتشیں اسلحے کا جائے اپنے ہاتھوں پر زیادہ بھروسا ہے۔

ٹائیگر آگے بڑھا تو ماسٹر تاؤ رُک گیا۔

وہ اور اُس کا حریف ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھتے رہے... پھر وہی شخص پہلے حملہ آور ہُوا۔ اُس نے بچھو کے ڈنک مارنے جیسا داؤ آزمایا تھا جسے ٹائیگر نے راستگاں بناتے ہُوئے دائیں پاؤں کا کنارا آزمایا۔ اس کے ساتھ ہی وہ گھوم گیا۔ کہ اس کے جوتے کا کنارا حریف کے ترخرے کے سامنے سے گھومتا ہُوا گزرا تھا اور بادی النظر میں یہی لگتا تھا کہ جوتے کا کنارا مقابل کو چھونے میں کامیاب نہیں ہُوا... لیکن جب ٹائیگر نے ماسٹر تاؤ سے اشارے میں پوچھا کہ اب کیا کرنا ہے تو وہ شخص اپنے سینے پر پھیلی ہُوئی ایک سیاہی سُرخ چادر کو دیکھ رہا تھا جو ایک ساعت پہلے وہاں موجود نہیں تھی۔

اس کے دونوں ہاتھ جس انداز میں اُٹھے ہُوئے تھے ویسے ہی رہ گئے اور وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے سُرخ چادر کو دیکھتا ہُوا جھکتا چلا گیا۔ یہ سُرخ چادر اب گاڑھے سیال میں تبدیل ہوتی جا رہی تھی اور اس سیال کا مخرج اُس کا حلقوم تھا۔

ماسٹر تاؤ نے پسندیدگی کے اظہار میں سر کو مثبت جنبش دی اور جھک کر نیچے دیکھنے لگا۔ راہ داری کی گولائی میں جو بالکنی سی بنی ہوئی تھی، وہ اُس سے فرشی منزل پر کُودنے کا جائزہ لے رہا تھا۔

فائرنگ کی وجہ سے عمارت کا اندرونی ماحول طوفان آشنا ہوگیا تھا اور بہت سے دوڑتے ہُوئے قدموں کی آہٹیں گونجنے لگی تھیں۔

ٹائیگر نے ماسٹر تاؤ کا اشارہ پایا تو ریلنگ سے نیچے کُود گیا۔ اُس کے کُودنے کا انداز دیکھنے کے قابل تھا۔ ماسٹر تاؤ کی آنکھوں میں پسندیدگی کی گہری چمک پیدا ہوگئی۔ اگرچہ اُسے وہاں رُکنا نہیں چاہیے تھا لیکن وہ ٹائیگر کی فال دیکھنے کے لیے رُک گیا تھا۔

ٹائیگر فرشی منزل پر دوڑتے ہُوئے ایک آدمی کے سر سے گزرتا ہُوا گرا، جو تیزی سے زینے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ٹائیگر کے دائیں پاؤں کی ٹھوکر اُس کی کھوپڑی کے عقبی حصے پر پڑی۔ وہ شخص یوں گرا جیسے اچانک ہی اُس کا پاؤں کسی اُبھرے ہُوئے پتھر سے ٹکرا گیا ہو۔

وہ منہ کے بل گر گیا۔

ماسٹر تاؤ نے اپنی جگہ سے حرکت کرنے وقت ٹائیگر کے شکار کی طرف دیکھا تھا۔ گرنے کے وقت تک کوئی بھی چیز مضحکہ نہیں آئی تھی لیکن جیسے ہی اُس کی پیشانی فرش سے ٹکرائی، اُس کی بالوں سے بھری ہُوئی کھوپڑی پچک گئی اور کاسۂ سر الگ ہوگیا۔

ٹائیگر نے سامنے کی راہ داری میں دوڑ لگا دی۔

پبلک سرکل کے قاتلوں کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ عمارت میں کون لوگ گھس آئے ہیں اور کیا ہو رہا ہے۔ انھیں اپنے ساتھیوں کی لاشیں ایسی حالتوں میں دکھائی دیں کہ انھوں نے کبھی کسی ایسی حالت کے بارے میں، خواب میں بھی نہ سوچا ہوگا... وہ اِدھر سے اُدھر دوڑنے لگے۔ اس بھاگ دوڑ میں درندگی تھی وہ پاگل بھیڑیوں کی طرح شکار کی تلاش میں سرگرداں تھے لیکن شکار اپنی بُو کے باوجود اُن کی نگاہوں سے اوجھل تھا۔

ماسٹر تاؤ نے اُسے جو نقشہ بتایا تھا، وہ ٹائیگر کے ذہن میں محفوظ تھا۔ وہ اِدھر اُدھر دیکھتا ہُوا سیدھا اُس حصے کی جانب بڑھا اُس کے خیال کے مطابق تہ خانے کا دروازہ ہونا چاہیے تھا۔

یکایک اُس کی نگاہ اُوپر اُٹھ گئی۔ ایک شخص نے اُوپر سے اُس پر چھلانگ لگادی تھی جبکہ اطراف سے دو آدمی ماسٹر ٹاؤ پر جھپٹے تھے۔

وہ شخص کسی بھاری پتھر کی طرح ٹائیگر کی طرف گر رہا تھا، ٹائیگر نے اُس کے ہر فرشتے سے چھونے سے قبل ہی خود کو فضا میں اُچھال دیا۔ یوں دونوں فضا ہی میں متصادم ہو گئے۔

ٹائیگر کا دایاں پنجہ اور بایاں پاؤں بیک وقت حرکت میں آگئے۔ اس شخص نے دونوں ٹھوکریں بیک وقت اچھالی تھیں۔ ٹائیگر نے فضا ہی میں کروٹ بدل کر خود کو بچایا اور مزید اُوپر اُٹھتے ہوئے اُس کا بایاں پاؤں حریف کے سینے پر اور دایاں پنجہ اُس کے چہرے سے ٹکرا گیا۔

پہلی منزل کی ریلنگ تھام کر ٹائیگر نے دائیں ہاتھ کی دو انگلیوں کو ریلنگ سے صاف کرتے ہوئے نیچے دیکھا۔ وہ شخص مُڑی تُڑی حالت میں فرش پر اوندھے منہ پڑا ہوا تھا۔ اس کے جسم میں خفیف سی بھی حرکت نہیں تھی۔ گویا وہ زمین پر گرنے سے قبل ہی لاش میں تبدیل ہو گیا تھا۔

ٹائیگر نے ماسٹر ٹاؤ کی طرف دیکھا۔

اُس کے دونوں حریف ایک دوسرے سے بغل گیر حالت میں زمین پر بیٹھے نظر آئے تھے۔ نہ جانے وہ کتنی شدت سے متصادم ہوئے تھے کہ ان کی ہڈیاں ٹوٹ کر گوشت کی تہوں سے نہ صرف باہر آگئی تھیں بلکہ انھوں نے ایک دوسرے کو بھی چھید کر رکھ دیا تھا۔

اچانک ماسٹر ٹاؤ کا ہاتھ اُٹھا اور کوئی چیز سنسناتی ہوئی ٹائیگر کی طرف آئی۔ اس نے جھک کر اپنے عقب میں دیکھا وہ شخص بڑی بھیانک خاموشی سے آیا تھا اور اس کے ہاتھ میں ایک تلوار بدلی ہوئی تھی۔ اس سے قبل کہ اُس کا تلوار والا ہاتھ ٹائیگر کے جسم کے کسی حصّے پر لگتا، اس کی پیشانی سے کوئی چیز ٹکرائی اور وہ لڑکھڑا کر رہ گیا۔

ٹائیگر نے دیکھا کہ اُس کی پیشانی میں لکڑی کا ایک سُوا پیوست ہے۔ سیاہ لکڑی کے یہ مخصوص سُوئے اُس نے پہلے کبھی نہیں دیکھے تھے۔ صرف اُدوشان سے اُن کا تذکرہ سُنا تھا۔ چین کے قدیم لنگ فو فائٹر یہ چوبی ڈارٹ بکثرت استعمال کرتے تھے۔ . . پھر آتشیں اسلحے نے ان کی جگہ لے لی تھی اور ان کا استعمال دن بہ دن متروک ہوتا چلا گیا تھا۔

جس شخص کی پیشانی پر وہ سیاہ چوبی ڈارٹ لگا تھا، اس کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں اور یوں لگ رہا تھا جیسے ان میں حیرانی منجمد ہو کر رہ گئی ہو۔ ڈارٹ جہاں پیوست تھا، وہاں سے خون بہہ بہہ کر اس کی ناک، ہونٹ اور ٹھوڑی سے اطراف میں ڈھلکا ہوا رخسار اور پر ریگتا دکھائی دے رہا تھا۔ تلوار اس کے ہاتھ سے گر گئی تھی۔

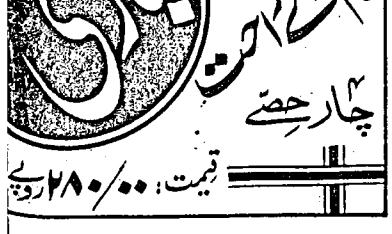
ٹائیگر نے اس سمت دوڑنا شروع کر دیا، جہاں نقشے کے مطابق لیبارٹری ہونی چاہیے تھی۔ اس نے لیبارٹری کے دروازے تک پہنچتے ہوئے ایک اور آدمی کو ٹھکانے لگا دیا۔ ماحول اب بھی دوڑتے تھپ تھپ کرتے قدموں سے زندہ تھا اور اس میں کبھی کبھی درد میں ڈوبی ہوئی کوئی کراہ گونج اٹھتی تھی اور کبھی فائرنگ سے درودیوار پر لرزہ طاری ہو جاتا تھا۔

معاً لیبارٹری کا دروازہ ایک دھماکے سے کھل گیا۔

ایک شخص تیزی سے باہر آیا۔

اس کے دونوں ہاتھ سامنے پھیلے ہوئے تھے اور جیسے یہ ایک مہلک وار تھا لیکن ٹائیگر بے خبر نہیں تھا۔ وہ اس کا انداز دیکھتے ہی مدافعانہ کارروائی کے علاوہ حملے کے لیے بھی تیار ہو گیا اس نے خود کو پھسلتی ہوئی حالت میں فرش پر گرایا اور اس شخص کے نیچے سے نکل گیا۔ جیسے ہی وہ آدمی اُس کے سر سے گزرنے لگا ٹائیگر کی دونوں ٹانگوں نے کسی شکنجے کی طرح اُسے کس لیا تھا، اور اس نے پورے جسم کو پھرکی کے انداز میں فرش پر گھمایا۔ وہ شخص اس کی ٹانگوں کے شکنجے میں جکڑا ہوا گھوما اور پھر ٹائیگر نے اُسے ریلنگ کی طرف اچھال دیا۔

ریلنگ ٹوٹ گئی۔ اس شخص کے جسم کا نہ جانے کون سا حصّہ ریلنگ سے ٹکرایا تھا کہ وہ بلبلا اٹھا۔ . . اسی باعث وہ خود کو دوبارہ متوازن نہ کر سکا۔ . . پھر اس کے حلق سے ایک بھیانک چیخ فضا میں سرسرانے لگی۔ اس کی ایک ٹانگ اور دونوں بازو ٹوٹ گئے تھے اور وہ نیچے گرنے کی بجائے ٹوٹی ہوئی ریلنگ کے ایک حصّے میں پھنس کر رہ گیا تھا۔ اگر وہ مرجاتا تو اُسے اس اذیتناک حالت سے نجات مل گئی ہوتی۔ . . لیکن وہ زندہ تھا اور یہ ذ



ایسی تھی کہ موت بھی اس سے پناہ مانگتی تھی۔

ٹائیگر نے خود کو فرش سے اُٹھایا اور لیبارٹری کے دروازے کو دھکیلتا ہوا اندر گھس گیا۔ اندر بڑا ہی عجیب اور سنسنی خیز ماحول تھا۔ ہر طرف سائنسی آلات بکھرے ہوئے تھے۔ کہیں کانچ کی صراحیوں میں کوئی سیال اُبل رہا تھا اور کہیں کسی ٹیوب سے سُرخ دُھواں نکل رہا تھا۔ لیبارٹری کا پورا ماحول دُھند آلود تھا اور اس ماحول میں سفید لبادوں والے لیبارٹری ہیں، ان مُردوں کی طرح لگ رہے تھے جو قبروں سے باہر ٹہل رہے ہوں۔

ٹائیگر نہیں جانتا تھا کہ لیبارٹری میں کام کرنے والے کنگ فو کے ماہر ہیں یا نہیں . . . اس کی دائیں انگشتِ شہادت نائف پوائنٹ بن کر ایک کے سینے میں لمحاتی تدفین کے بعد باہر آئی تو وہ اتنی ہی خاموشی اور رازداری سے نقطۂ اجل بن گیا جیسی خاموشی اور رازداری سے وہ یہاں مارفیا بنانے میں مصروف تھا۔ اچانک اُسے عقبی حصّے میں شور سنائی دیا۔

وہ پلٹ کر دیکھنے لگا۔

ماسٹر ٹاؤ فرش پر پھسلتا ہوا، راہ داری میں آگے آرہا تھا۔ اس سے کچھ فاصلے پر ایک شخص سینے پر ہاتھ رکھے ہوئے تھا جیسے اچانک ہی اُس کے دل میں کچھ تکلیف شروع ہو گئی ہو . . . پھر وہ شخص اور ماسٹر ٹاؤ ایک دوسرے سے اُلجھ گئے۔ دونوں کے ہاتھ اور پاؤں بیک وقت چل رہے تھے اور دونوں ہی فرش پر گھسٹ رہے تھے۔

یہ ایک خطرناک واؤ تھا جس میں خود ماسٹر ٹاؤ کو بھی نقصان پہنچ سکتا تھا۔ لیکن ٹائیگر جانتا تھا کہ ماسٹر ٹاؤ اُن آدمیوں میں سے ہے جنھیں زندگی سے کبھی محبت نہیں رہی۔ ماسٹر ٹاؤ جس شخص سے اُلجھا ہوا تھا، وہ غالباً اس عمارت کا بہترین فائٹر تھا۔ اس کے ہاتھ پیروں کی حرکات میکانکی انداز کی تھیں۔ اس کی کئی ٹھوکریں ماسٹر ٹاؤ کے جسم سے نہ ٹکرا سکیں تو دیوار پر پڑیں۔ ٹائیگر نے دیکھا کہ وہاں سے پلاسٹر اُدھڑنے لگا تھا۔

معاً ماسٹر ٹاؤ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

دوسرے ہی لمحے راہ داری میں بڑی ہوئی ٹیک کی ایک بڑی لاش جگہ سے حرکت میں آئی اور فرش پر چلتے ہوئے آدمی کی طرف لپکی۔ اس کی دو ٹھوکریں میز سے ٹکرائیں اور ایک گھونسہ ٹاپ سے لگا گیا . . . اور پھر ماسٹر ٹاؤ نے خود کو فضا میں اچھال دیا۔ اب وہ اس شخص کے اوپر سے گزر رہا تھا۔ ٹاپ سے نکلا ہوا ہاتھ، ماسٹر ٹاؤ کی سوئنگ لگ کی زد میں آگیا اور ایک لمبی لکڑی فرش پر پڑے ہوئے آدمی کے جسم سے آر پار ہو گئی۔

ٹائیگر نے لیبارٹری میں ہر شے بھیانک اور پُراسرار لگ رہی تھی۔

ٹائیگر اب ہیرونی حصّے کی طرف سے پوری طرح مطمئن ہو گیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ ماسٹر ٹاؤ اُن پُراسرار وحشیوں کا جنگل بہ آسانی صاف کر ڈالے گا۔ لیبارٹری کی میزوں کے درمیان خاصا فاصلہ تھا۔ ٹائیگر نے خود کو فرش پر گرا دیا۔ اُسی ساعت ایک شخص، دُبلا پتلا لیکن لوہے جیسا سخت اُس سے اُلجھ کر لڑکھڑا گیا۔ اُس نے خود کو سنبھال دینے کے لیے ایک قریبی الماری پر ہاتھ ڈال دیا۔

الماری اپنی جگہ سے اُلٹ گئی۔

اس الماری میں ان گنت شیشیاں بھری ہوئی تھیں۔

الماری سے شیشیوں کی بارش ہو گئی۔ کانچ ٹوٹنے کی آوازوں سے لیبارٹری کی دُھند آلود فضا میں کہرام سا برپا ہو گیا۔ شیشیوں میں نہ جانے کون کون سے کیمیکل تھے۔ شاید ان میں تیزاب بھی تھے کہ فرش پر پڑا ہوا وہ دُبلا پتلا لیکن آہنی جسم والا شخص بُری طرح مچلس کر رہ گیا تھا۔ ٹائیگر کچھ دُور کھڑا پلکیں جھپکائے بغیر اُس کی سوختہ تلاش دیکھ رہا تھا۔

ایک دُور افتادہ میز پر دو کیمسٹ کام میں مصروف تھے۔ اُنھوں نے اپنے کام سے نگاہ ہٹا کر اِدھر دیکھا۔

تین آدمی ٹائیگر کی طرف بڑھ رہے تھے۔ انھوں نے اس پر بیک وقت حملہ کیا تھا۔ ان کے حملے میں بے پناہ جارحیت تھی اور وہ اُسے ٹکڑے ٹکڑے کر دینے کے درپے تھے۔ کیمسٹ ان کی جنگ نہیں دیکھ رہے تھے بلکہ ان کی خوفزدہ نگاہیں اس سمت میں جم گئی تھیں جہاں ان کے پیشے کا ایک نازک ترین آپریٹس ٹوٹ گیا تھا اور اس میں سے گیس خارج ہونے لگی تھی۔ اس گیس کے اخراج کا مطلب تھا کہ تھوڑی ہی دیر میں پورا ماحول ایسے بارودی کمرے جیسی حالت اختیار کر لے گا جسے بھڑکانے کے لیے صرف ایک ہی چنگاری کافی تھی۔

ٹائیگر نے اپنے تینوں حریفوں کی دسترس سے نکلنے کے لیے جو جست لگائی تھی، اُس نے اُسے ایک ایسی میز پر پہنچا دیا جس پر کانچ کی ایک بہت بڑی صراحی میں سُرخ سیال اُبل رہا تھا۔ اس کے تینوں مقابل ٹھٹک گئے۔ ان کا خیال تھا کہ جیسے ہی ٹائیگر اس میز سے ٹکرائے گا، یہ صراحی چنگاڑوں میں تبدیل ہو جائے گی اور

سُرخ سیال کے پھینکے ہر طرف پھیل کر آگ لگا دیں گے، یہی خیال ان دو کیمسٹوں کا تھا جو مُنہ پھاڑے اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے اوم متوجہ تھے۔

ان سب کے خدشات بے جا ثابت ہُوئے۔

ٹائیگر کی حسیات اُسے بتا چکی تھیں کہ یہ میز موت بچھا دینے والے سامان سے لبریز ہے۔ یہی وجہ تھی کہ اس کے پچھے کسی پرندے کے پنجوں جیسی نزاکت اور نرمی سے ٹاپ پر پہنچے اور وہ پیٹ کراپنے حریفوں کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کے ہونٹوں پر بڑی ہی ناقابلِ فہم مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔

تینوں غنڈے ایک بار پھر اُس کی طرف بڑھے۔

ٹائیگر نے جھک کر میز سے کانچ کے دو خالی برتن اُٹھا لیے۔

یہ خالی برتن کیمسٹوں کے نزدیک عام سے برتن تھے اور انھیں معلوم تھا کہ کوئی شخص ان برتنوں کے کانچ سے اپنا گلا کاٹ کر ہی ہلاک ہو سکتا ہے، ورنہ خود کو کوئی بڑا نقصان پہنچانے کی کوئی دوسری صورت ممکن نہ تھی۔ ... غالباً یہی خیال ان غنڈوں کا بھی تھا، کیونکہ وہ ٹائیگر کے ہاتھ میں برتن دیکھ کر قہقہے لگانے لگے تھے۔

دفعتہً ایک برتن ٹائیگر کے ہاتھ سے نکلا اور ایک شخص کے قریبی میز پر جا گرا۔ وہ چھناکے دار میں تبدیل ہو گیا۔ ... برتن ٹوٹ گیا تھا لیکن اس سے منتشر ہونے والے کانچ کے ٹکڑے گولی کے بہلک چھرے بن گئے تھے۔ تینوں غنڈے ان ٹکڑوں کی زد میں تھے۔ ... ان کی بھیانک اور دلدوز چیخیں لیبارٹری میں گونجیں تو دونوں کیمسٹوں نے بے یقین نظروں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا، اور پھر ان میں سے ایک لہرا کر فرش پر ڈھیر ہو گیا، جبکہ دوسرا اٹھا دھند ایک طرف بھاگ نکلا۔

لیبارٹری میں سُرخ دھند بڑھتی جا رہی تھی۔

ٹائیگر کے نتھنے پھڑکنے لگے۔

وہ گیس کی بُو سونگھ رہا تھا۔

معاً اس کی نظریں لیبارٹری کے ایک دروازے پر مرتکز ہو گئیں۔ وہاں دھند بہت گہری تھی اور اس دھند میں ایک انسانی ہیولہ متحرک دکھائی دے رہا تھا۔ ٹائیگر کی آنکھیں شدتِ جذبات سے چمک اُٹھیں۔

وہ اس ہیولے کو گھور تا رہا۔

... اور پھر سُرخ دھند سے سیاہ لبادے میں لپٹا ہُوا ایک شخص نکل کر باہر آ گیا۔ یہ فانگ تھا۔ اس کے ہونٹ سختی سے بھنچے ہوئے تھے اور اس کی آنکھیں خون اگلتی ہُوئی محسوس ہو رہی تھیں۔ چہرے کے عضلات میں ایسی سختی طاری تھی۔ جیسے وہاں انسانی کھال نہیں بلکہ اسٹیل کی چادر منڈھی ہوئی ہو۔

ٹائیگر نے اس کے قریب آنے کا انتظار نہیں کیا۔

بھاگتے ہُوئے کیمسٹ اور دوسرے لوگوں کی اب اس کی نگاہ میں کوئی اہمیت نہیں رہی تھی۔ وہ میز سے فضا میں بُلند ہُوا اور تیرنے کے سے انداز میں فانگ کی طرف بڑھا۔ اس کا دل خوشی سے جھوم اُٹھا تھا۔ اُسے توقع نہیں تھی کہ مغرور فانگ سے اتنی جلد ملاقات ہو جائے گی۔

پاؤنڈنگ ویو نامی ضرب اُس نے فانگ کی گنجی کھوپڑی پر لگائی تھی اور فضا ہی میں کروٹ بدل کر اُس کے آہنی پنجے کی زد سے دُور ہو گیا تھا۔ اس کی چوٹ، دفاع کے باعث زیادہ کارآمد ثابت نہ ہوئی لیکن ہلکی سی ہلو نے فانگ کا چہرہ چیر دیا۔ اس وقت فانگ اپنے غیر محفوظ گُردے کا مقام بچانے کے لیے آئرن ہینڈ نیچے جا رہا تھا۔ ٹائیگر کا پنجہ تیزی سے سمت بدل گیا۔ ورنہ آہنی انگلیوں کے نیزوں جیسے نوکیلے سرے اس کا پاؤں توڑ کر رکھ دیتے۔

فانگ پر دیوانگی طاری تھی۔

وہ بے پناہ قوت برداشت والا جوان تھا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو بفیلو ہارن نامی تکنیک اپنی کھوپڑی پر روکنے کے بعد وہ چند مُرا کر دوبارہ کھڑا نہ ہو پاتا۔

ٹائیگر نے گھونسے بازی شروع کر دی۔

وہ فانگ کا چہرہ مسخ کر دینا چاہتا تھا۔

اچانک فانگ کا آئرن ہینڈ ظہر ایا اور اپنا کام کر گیا۔ ٹائیگر اچھل کر پیچھے ہٹ گیا۔ اُس کی آنکھیں تو بچ گئی تھیں لیکن وہ اپنا بائیں رخسار کو محفوظ نہ رکھ سکا۔ نیزے جیسا ناخن اس کے گال پر خراش ڈالتا ہُوا گزر گیا اور ٹائیگر کے رُخسار سے خون ٹپ ٹپ گرنے لگے۔ اس نے ایلی فنٹ لک لگائی۔

یہ ٹھوکر کسی تیز کو کوش کرنے کے لیے لگائی جاتی ہے۔ ... ٹھک لگتے وقت فانگ نے اپنی ران کا رُخ موڑ دیا اور ساتھ ہی اس نے گھٹنا بلند کر لیا اگر ٹائیگر فوراً ہی گھومتا ہُوا پلٹ نہ جاتا تو فانگ کہنی اس کا گھٹنا ضرور توڑ ڈالتی۔

ٹائیگر کی کھوپڑی گھوم گئی۔

اُسے فانگ کے سلسلے میں اپنی رائے تبدیل کرنے ہونا پڑا۔

ماسٹر تاؤ نے درست ہی کہا تھا۔ فانگ میں شیطانی بجری ہُوئی تھیں۔ اُس کی مہارت، اسپیڈ اور داؤ پیچ دیکھنے قابل تھے۔ ٹائیگر کو اب اس سے لڑنے میں لُطف آنے لگا

تھا اور یہ اُس کا واحد خطرناک ترین داؤ تھا جس کا کوئی بھی ماہر مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ ... لیکن ٹائیگر نے یہ داؤ آزمانے کا خیال ملتوی کر دیا۔

لڑائی کے دوران میں فانگ نے دو تین ایسے داؤ بھی استعمال کیے تھے جن سے ٹائیگر کو پہلے کبھی پالا نہیں پڑا تھا۔ وہ ان سے بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا تھا اور یہ اس کی ذہانت تھی کہ اس نے فوراً ... اوپی داؤ واپس فانگ پر بھی آزما ڈالے تھے۔ یہ ان ہی کنگ فو ماسٹرز سے تھے اور ایک دوسرے کے صحیح حریف تھے جب ماہروں میں کبھی اس انداز کا تصادم ہوتا ہے تو وہ عموماً اپنے تخلیقی داؤ استعمال کرتے ہیں۔ اس طرح ایک تو مقابل پر نفسیاتی اثر پڑتا ہے، دوسرے یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ وہ کتنے پانی میں ہے۔ ٹائیگر اور فانگ کے درمیان یہ تیسری جنگ تھی۔ پہلے دو مقابلوں میں انھیں ایک دوسرے کو سمجھنے کا خاصا موقع ملا تھا جب کہ اس مقابلے میں تو ان کی شخصیتیں ایک دوسرے پر نسبتہً زیادہ تیزی سے آشکار ہو رہی تھیں۔

لیبارٹری میں غالباً کوئی بھی اور متنفس موجود نہیں تھا اگر تھا تو وہ خاموش تماشائی بنا ہُوا تھا۔ کیونکہ فانگ کی موجودگی میں کسی کو اس وقت تک مداخلت کی اجازت نہیں تھی جب تک وہ خود اس کی اجازت نہیں دیتا تھا۔

سُرخ دھند مزید گاڑھی ہوتی جا رہی تھی۔

لیبارٹری کے کھلے دروازے سے لڑائی بھڑائی کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ ان آوازوں سے ٹائیگر کو یہ اندازہ لگانے میں کوئی دشواری نہ ہُوئی کہ ماسٹر تاؤ اس وقت فرشی منزل پر بلیک سرکل کے باقی ماندہ غنڈوں سے بھڑا ہُوا ہے۔

"سوئی کہاں ہے؟" یہ خیال اچانک ہی ٹائیگر کو بے چین کر گیا لیکن وہ سنبھل کر فانگ کی طرف متوجہ ہو گیا۔

فانگ کا حملہ اس بار پہلے تمام حملوں سے زیادہ شدید تھا۔ ٹائیگر پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو گیا۔ اس طرح وہ دونوں لڑتے ہوئے ان میزوں کے درمیان پہنچ گئے جن پر ان گنت سیال اُبل رہے تھے اور بے شمار ٹیوبوں اور صراحیوں سے دُھواں خارج ہو رہا تھا۔ کانچ کے برتن ٹوٹنے لگے۔

صراحیاں کوچیوں میں تبدیل ہونے لگیں۔

اُبلی ہوئی مارفیا اور اُبلتے ہوئے کیمیکلز بہنے لگے۔ ایتھر کی بُو چاروں طرف پھیل گئی اور سُرخ دھند بادلوں جیسی صورت اختیار کرنے لگی۔

بہتے ہُوئے سیال اور کیمیکلز نے فرش پر گرا اُسے اس حد تک چکنا کر دیا کہ اس پر پاؤں جمانا بھی مشکل ہو گیا۔ دونوں دیوانے کتوں کی طرح ایک دُوسرے پر جھپٹ رہے تھے۔ ہر بار ایک نیا داؤ آزمایا جا رہا تھا۔ ٹائیگر کی صلاحیتیں رفتہ رفتہ اُس پر غالب آتی جا رہی تھیں اور وہ ان کا بھرپور استعمال کر رہا تھا لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اُس کی بہتی بے نقاب ہوتی جا رہی تھی۔ خود فانگ بھی اُس کے سامنے کھلتا جا رہا تھا۔ یہ کیفیت جیسے جیسے بڑھ رہی تھی، ان کا مقابلہ مزید سخت ہوتا جا رہا تھا۔

کئی منٹ گزر گئے۔ ان دونوں میں سے کوئی ایک بھی دُوسرے کو چھونے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ ہر وار ناکام ثابت ہو رہا تھا۔ ہر تکنیک رائگاں جا رہی تھی۔ دونوں کے جسم پسینے میں شرابور ہو گئے تھے اور ان کی آنکھوں کے علاوہ چہروں سے بھی وحشت برسنے لگی تھی۔ دونوں پر جنونی کیفیت طاری تھی۔

جہاں جہاں تیزاب گرا تھا، وہاں سے فرش پر گاڑھا دھواں پیدا ہونے لگا تھا اور جب ایک کیمیکل دُوسرے کیمیکل سے بہتا ہُوا ملتا تھا تو بڑی ہی عجیب آوازیں پیدا ہوتی تھیں۔ کبھی یوں لگتا جیسے لیبارٹری کے اس وسیع و عریض حصے میں ان گنت اژدھے گھس آئے ہوں اور کبھی ایسا دھماکہ ہوتا جیسے کسی نے توپ داغ دی ہو۔ کبھی گڑگڑاہٹ پیدا ہوتی اور کبھی خفیف سے پٹاخے کی آواز سنائی دیتی تھی ... اور ان سب آوازوں سے بڑھ کر وہ آوازیں تھیں جو ٹائیگر اور فانگ کے حلق سے خارج ہو رہی تھیں۔

ان کے لڑنے کا انداز جنگل کے دو ایسے درندوں جیسا تھا جنھوں نے طے کر رکھا ہو کہ آج ان میں سے کوئی ایک ہی زندہ رہے گا۔ زندگی بار بار زندگی پر موت بن کر جھپٹ رہی تھی لیکن یہ تصادم رائگاں جا رہا تھا۔ طاقت اور توانائی تیزی سے زائل ہو رہی تھی۔ تھکن رگوں پر سیر کر رہی تھی اور نڈھال کیفیت اعصاب پر استراحت کرنے کے لیے پر تولنے لگی تھی۔

دفعتہً فانگ کی لاتھنگ کک، ٹائیگر کی گُدی ران پر جھپٹ پڑی۔

ٹانگوں کے درمیان ہتھوڑے سے میسی چوٹ لگی۔

ٹائیگر کے ذہن پر تاریکی کا پہلا حملہ ہو گیا۔ اس کے اعصاب جھنجنا اُٹھے اور وہ گھوم کر رہ گیا۔ ... لیکن یہ تکلیف محسوس کرنے کا موقع نہیں تھا کیونکہ ٹائیگر جانتا تھا کہ اس پر جو کیفیت طاری ہوئی ہے اُسے محسوس کر کے فانگ اُس پر آخری، فیصلہ کُن اور قاتلانہ وار کرنے کے لیے بڑھ رہا ہو گا۔

اُس کی آنکھوں کے سامنے تاریکی پھیل گئی تھی۔

وہ سر جھٹک کر پیچھے ہٹ گیا۔

اُسی ساعت فائنگ فیصلہ کُن وار کرنے کے لیے کسی تیندوے کی طرح لپکا۔

سُرخ سُرخ دُھند میں یکایک ٹائیگر کو اُوشان کی شبیہہ نظر آنے لگی۔ اُس نے دیکھا کہ اُوشان کا چہرہ مارے غصّے کے سُرخ ہو رہا ہے۔ اُس کی آنکھوں میں غضب کی چمک تھی۔

"سانس... انسان سانس کے ذریعے اپنی کیفیت بدل سکتا ہے۔"

اُوشان کا یہ جُملہ ٹائیگر کے ذہن میں گونج اُٹھا۔ اُس کے عضلات میں جو ڈھیلا پن پیدا ہو رہا تھا، وہ سانس کی وجہ سے معمول پر آ گیا۔

"موت کی کبھی پروا نہ کرو۔" اُوشان کی آواز اُس کے ذہن میں تو گونجتی رہی۔ "کبھی اس کی خواہش نہ کرو لیکن کبھی اس سے خوف زدہ نہ ہو... موت کو بھی ایک ایسی ہی شے سمجھو جو تمھاری اپنی ملکیت ہے... زندگی کی طرح..."

ٹائیگر پھسل رہا تھا۔ اس کے پاؤں فرش پر تیزی سے متحرک ہو گئے تھے اور فائنگ کا آئرن ہینڈ اُس سے زندگی چھیننے کے لیے تیزی سے بڑھا چلا آ رہا تھا۔ اُس نے ٹائیگر کے سر پر وار کیا تھا۔

یہ ایک لمحاتی کوشش تھی جس نے فائنگ کا وار اُتنا کارآمد نہیں رہنے دیا، جتنا کہ عام حالات میں ہوتا ہے۔ اگر اُس کی کھوپڑی کا رُخ نہ بدلتا تو یہ وار اُس کی کھوپڑی کو دو حصّوں میں تقسیم کرنے کے لیے کافی تھا... لیکن وار کیا جا چکا تھا اور اس کی سمت نہیں بدلی جا سکتی تھی کہ ہدف اپنا رُخ بدل چکا تھا۔ ٹائیگر کو یُوں لگا جیسے اُس کی کھوپڑی میں اُن گنت ستارے اُتر آئے ہوں۔

یہ ایک مہلک وار تھا۔

... لیکن وار کی سمت بدل گئی تھی جس جگہ سے آئرن ہینڈ گزر رہا تھا، ٹائیگر کو وہاں سے اپنے بالوں کی ایک دُھجی اُڑتی محسوس ہُوئی تھی جہاں ہاتھ نے رگڑ کھائی تھی، وہاں سے صدمے اور تکلیف کی لہریں پُورے جسم میں دوڑ گئی تھیں لیکن ہڈی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا تھا۔

ٹائیگر کے ذہن پر غبار چھا گیا تھا۔

اس غبار کے باوجود اس نے جوابی حملہ کر دیا۔ اس وقت یہ دفاع ممکن نہیں تھا بس ایک ہی صورت تھی کہ وہ فائنگ کو پیچھے دھکیل کر خود کو سنبھالنے کے لیے تھوڑی سی مہلت حاصل کرے... اور ایسا صرف اسی صورت میں ممکن تھا جب وہ فائنگ پر حملہ کر دیتا۔

ٹائیگر جانتا تھا کہ اُس نے جو داؤ استعمال کیا ہے وہ بیکار جائے گا لیکن وہ اس کوشش سے پہلو تہی نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے پہلے کے بعد فوراً ہی دوسرا حملہ بھی کر دیا۔ اس نے بلند لانگنگ کک لگائی، بڑی ہی دُشوار اور خطرناک کک تھی۔ تب ٹائیگر کو یہ احساس ہُوا کہ یہ کک جس طاقت سے لگائی گئی تھی، وہ توانائی اُس کے جسم میں اُس وقت موجود نہیں تھی۔ یُوں لگتا تھا جیسے کسی اجنبی ہستی نے اس کے اندر داخل ہو کر یہ کام سرانجام دیا ہو۔ یہ ایک روحانی طاقت تھی جس کا تعلق آسمانوں سے تھا۔ وہ طاقت جو ہمیشہ بدی کے خلاف نبرد آزما رہتی ہے۔

اس کا سر جھک گیا اور وہ تیزی سے آگے بڑھا۔

لانگنگ کک نے فائنگ کو نہ صرف رُکنے پر مجبور کر دیا تھا بلکہ وہ دفاع کے لیے جھک بھی گیا تھا۔ یہ جھکنا ایک خطرناک غلطی تھی ٹائیگر کی ٹکر اُس کے جھکے ہُوئے جسم پر لگی اور وہ کئی قدم پیچھے ہٹتا چلا گیا۔

ٹائیگر کی وہ طاقت بیدار ہو گئی تھی جسے بیدار کرنے کے لیے اُوشان نے بڑے ہی جتن کیے تھے لیکن ٹائیگر اپنی لاابالی فطرت کے ہاتھوں ناکام رہتا تھا۔ اُس قوت کے بیدار ہوتے ہی ٹائیگر کو یوں محسوس ہونے لگا جیسے اُس پاس سے لیبارٹری کا نام و نشان تک مٹ گیا ہو... وہ عالیشان عمارت بھی غائب ہو گئی... اور سُرخ دُھند بھی دُم توڑ گئی۔ یُوں لگتا تھا جیسے وہ انسانی جسم نہیں بلکہ ایک توانائی کا خمیرہ ہو... ایک ایسی رُوح ہو جس پر کوئی تکلیف اثر انداز نہیں ہوتی... اُسے صرف اور صرف ایک ہی احساس تھا کہ وہ اس وقت موت کا ہم رقص ہے... اور یہ رقص پُوری شدّتوں کے ساتھ جاری تھا۔

اس پر جو رُوحانی کیفیت طاری ہُوئی تھی، اس کے زیرِ اثر ٹائیگر خود کو نشے کی سی حالت میں محسوس کر رہا تھا۔ وہ بے پناہ پُرسکون تھا۔ تھکن اس کے ہر مسام سے جیسے خارج ہو گئی تھی اور وہاں توانائی اور لچک کے لاوے بن گئے تھے۔ انسانی صلاحیتوں سے ماورا... دُکھ اور تکلیف سے بے نیاز... تھکن، شکست یا موت کے خوف سے بے خبر... وہ حملے کرتا ہُوا آگے بڑھتا رہا۔

فائنگ تیزی سے پیچھے ہٹ رہا تھا۔

اُس پر بدحواسی طاری ہو گئی تھی۔

تھکن نے اس کا جوڑ جوڑ بُری طرح توڑ کر رکھ دیا تھا اور عضلات پر اضمحلال نے ڈیرے ڈالنے شروع کر دیے تھے۔ وہ ایک انسان جٹان تھی لیکن جو ہاتھ اس پر حملے کر رہے تھے، وہ اگر اس وقت کسی پہاڑ پر بھی پڑتے تو اُسے ریزہ ریزہ کر کے رکھ دیتے۔ وہ اپنی ہی کچی توانائیوں اور مہارت سے کام لے کر ہر وار بچا رہا تھا لیکن اُسے اندازہ ہو گیا تھا کہ اُس کی سانسیں گنی جا چکی ہیں... موت تیزی سے اُس کی جانب بڑھ رہی ہے اور...

دفعتہً اُس کا پاؤں ایک تار سے اُلجھ گیا۔

وہ اَپ کرگ اَتھرین اُسی لمحے ٹائیگر اس پر پیں ڈالنے والا حملہ کر رہا تھا۔ ٹائیگر اُس سے اُلجھ گیا اور دونوں ہی گڑھکیاں کھاتے چلے گئے۔ اچانک ٹائیگر کو یوں لگا جیسے سیکڑوں سورج بیک وقت طلوع ہو گئے ہوں۔

ایک ایسی چمک جسے انسانی آنکھ برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ ایسی روشنی جو پپوٹوں کو چھید کر ذہن تک میں گھس رہی تھی ٹائیگر نے کراہ کر دونوں ہاتھوں سے چہرہ ڈھانپ لیا اور آنکھیں سختی سے بند کر لیں۔

یہی حالت فائنگ کی بھی تھی لیکن وہ دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپانے اور سختی سے آنکھیں بند کیے نہ صرف اُچھل پڑا تھا بلکہ اس نے خود کو فضا میں بلند کر کے ایک میز پر پہنچا یا جہاں سے چھلانگ لگا کر وہ لیبارٹری کے ایک مخصوص حصّے میں جا پہنچا... پھر اس نے پلٹ کر دیکھا تو اُسے چکر آ گیا۔ روشنی اور اس کی چمک ناقابلِ برداشت تھی۔

وہ مڑ کر ایک طرف دوڑتا چلا گیا۔

ٹائیگر نے خود کو سنبھالا اور فرش سے اُٹھنے کی کوشش کی۔

اس نے لہو کو فضا میں بلند کرنے کے لیے جست لگانی چاہی لیکن اُسے بہت دیر ہو چکی تھی۔ نہ جانے اُس کے پیروں تلے کون سی پھسلن والی چیز پھیل ہُوئی تھی کہ وہ بُری طرح پھسلتا ہی چلا گیا۔

اُس کی آنکھیں اب بھی بند تھیں۔ اُس کی حسیات اُسے بتا رہی تھیں کہ لیبارٹری میں آگ لگ چکی ہے اور یہ آگ ہر گزرتے ہُوئے لمحے کے ساتھ بڑھتی ہی جا رہی ہے... دفعتہً ایک عجیب بات ہُوئی۔ اس کے پاؤں فرش کے ایک ایسے حصّے پر پہنچے جو اس کے قدموں تلے ٹوٹ گیا۔ اگلے ہی لمحے وہ تیزی سے گرنے لگا۔ غالباً وہاں لکڑی کا ٹریپ ڈور تھا جو اس کے بوجھ سے ٹوٹ گیا تھا۔

ایک لمحے کے لیے اس کا ذہن ماؤف ہو گیا۔

اُس کا جسم تیزی سے گر رہا تھا۔ اس نے گرنے کا احساس ہوتے ہی جسم کو متوازن رکھنے کا انداز اختیار کر لیا تھا لیکن ذہن کی لمحاتی ماؤف حالت نے یہ انداز خراب کر دیا۔ نہ جانے وہ کب تک گرتا رہا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ پاتال کی طرف سفر کر رہا ہو۔ اس کا ذہن لمحاتی ماؤف حالت کے بعد چند ساعتوں کے لیے بیدار ہو کر دوبارہ تاریک ہوتا چلا گیا۔

پہلے اس کا ذہن اور پھر اُس کی ہستی اندھیروں میں ڈوبتی چلی گئی۔

٭ ٭ ٭

اُسے ہوش آیا تو اس نے دیکھا کہ وہ ایک ایسی جگہ پڑا ہُوا ہے جہاں قریب ہی پانی کا ایک ٹوٹا ہُوا پائپ تھا اس ٹوٹے ہُوئے پائپ سے پانی کسی فوارے کی طرح بہہ کر اس کا جسم بھگو رہا ہے اور آس پاس اتنا پانی جمع ہو گیا ہے کہ اُسے ایک چھوٹا سا تالاب کہا جا سکتا تھا۔

اس نے نگاہ اُٹھا کر اوپر دیکھا۔

عمارت کو آگ لگی ہُوئی تھی اور بڑے بڑے شعلے لپک لپک کر ہر شے کو چاٹنے میں مصروف تھے۔ شراروں، شعلوں اور چنگاریوں کا رقص ہو رہا تھا جیسے جہنم کا دروازہ کھل گیا ہو۔ فضا میں دُھواں ہی دُھواں پھیلا ہُوا تھا۔ اگرچہ وہ ہوش میں تھا لیکن یوں لگا جیسے وہ کھلی آنکھوں سے کوئی خواب دیکھ رہا ہو۔

اس خواب میں اُس نے دیکھا کہ وہ ایک غار کے دہانے پر دراز ہے۔

اُسے خواب میں دکھائی دیا کہ سونی اُس سے ملاقات کے لیے آئی ہے۔ اس نے اپنی ذہنی حالت پر قابو پانے کے لیے سر جھٹکا اور ہر ممکن کوشش شروع کر دی... پھر اس نے دونوں ہاتھ بلند کر دیے۔ وہ اُٹھنا چاہتا تھا۔

تھوڑی سی جدوجہد کے بعد وہ اُٹھنے میں تو کامیاب ہو گیا لیکن اس کا ذہن پُوری طرح صاف نہیں ہو سکا۔ وہ نشے کی سی کیفیت میں چل دیا۔ وہ کہاں جا رہا تھا اور اُس کے قدم اُسے کہاں پہنچا سکتے تھے اس کا نہ تو اُسے ہوش تھا اور نہ ہی وہ اس پہلو پر سوچنا چاہتا تھا۔

دفعتہً اُسے اپنے قدموں تلے بجری کا احساس ہُوا۔

وہ رُک گیا۔ اس نے آنکھیں کھول دیں۔

چند لمحوں تک وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر بجری دیکھتا رہا... پھر اُسے یاد آیا کہ وہ اس راستے پر پہلے بھی آ چکا تھا۔ یہ بیک سرکل کی عمارت کے گرد پھیلا ہُوا بجری دار راستہ تھا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔

پُوری عمارت آگ کی لپیٹ میں آ چکی تھی اور طیور گرنے لگا تھا۔

ٹائیگر لڑکھڑاتا ہُوا، گھاس کے لان کی طرف چلنے لگا... لیکن

وہ زیادہ دور نہیں جا سکا۔ اُس کا ذہن ایک بار پھر تاریک ہو گیا۔ وہ لڑکھڑایا اور کوشش کے باوجود خود کو زمین پر کھڑا نہ رکھ سکا۔

وہ گر گیا۔

اُس پر ایک بار پھر بے ہوشی طاری ہو گئی۔

◎

"نہیں، حرکت نہ کرو۔"

ٹائیگر اس وقت بے حد کمزور، ذہنی طور پر نڈھال اور مفلوج سی حالت میں پڑا ہوا تھا۔ یہ آواز سُن کر اُس کے لاشعور میں خوف کی ایک لہر پیدا ہوئی لیکن جلد ہی ختم ہو گئی۔

اچانک ہی اُسے محسوس ہوا تھا جیسے اُس کا آخری وقت آ پہنچا ہو۔

... لیکن یہ کس کی آواز تھی؟

وہ ذہن پر زور دینے لگا۔ اُس نے اپنی حسیات سے کام لینے کی بھی کوشش کی لیکن ذہن پر چھائی ہوئی دُھند کی وجہ سے وہ ناکام رہا... نہ تو اس کا ذہن کام کر رہا تھا اور نہ ہی کوئی غیر معمولی حس اُس کی مدد کر رہی تھی۔ اُس نے اپنی یہ کوشش ترک نہیں کی بلکہ مسلسل ذہن پر زور دیتا رہا... حتیٰ کہ اس کی سماعت سے ایسی آوازیں ٹکرانے لگیں جیسے کوئی دبے دبے قدموں چل رہا ہو۔

کوئی دبے دبے قدموں سے اُس کی طرف بڑھ رہا تھا۔

اس کی تمام حسیات بیدار ہونے لگیں۔

ذہن صاف ہوتا چلا گیا۔

اُس کی آنکھیں بند تھیں۔ جن قدموں کی آہٹ اُسے سُنائی دی تھی وہ اب معدوم ہو گئی تھی۔ ٹائیگر کا دل شدت سے دھڑک اُٹھا تھا... معاً اُسے اپنے کندھے پر کسی کے ہاتھ کا لمس محسوس ہوا۔

ٹائیگر کی دھڑکنیں معمول پر آ گئیں۔

ہاتھ کے لمس میں محبت اور نزاکت تھی جیسے کوئی اس کا کندھا تھپ تھپا کر اُسے اطمینان دلا رہا ہو کہ سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہے۔

فی الحال جیسے لیٹے ہوئے ہو اسی طرح لیٹے رہو۔" وہی آواز دوبارہ سُنائی دی۔ "تم لان پر پہنچنے کی کوشش میں یہاں گر گئے تھے۔"

ٹائیگر نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھول دیں۔

اُس کے چہرے پر ایک چہرہ جھکا ہوا تھا۔

ماسٹر تاؤ کا شفیق اور محبت بھرا چہرہ... اُس کے ہونٹوں اور آنکھوں میں مُسکراہٹ نظر آ رہی تھی۔ ٹائیگر کے دل و دماغ میں جو دھند سے چھا رہے تھے، وہ فوراً ہی دُور ہو گئے اور وہ پلکیں جھپکا جھپکا کر ماسٹر تاؤ کو دیکھنے لگا۔

"میں تو سمجھا تھا کہ میرا انتقال پُرملال ہو چکا ہے اور آپ جہنم میں مجھ سے ملاقات کے لیے آئے ہیں۔" ٹائیگر بڑبڑایا۔

ماسٹر تاؤ کھل کھلا کر ہنس پڑا۔

"کیوں... جہنم میں کیوں؟ جنت میں کیوں نہیں؟"

"اس لیے کہ آس پاس آگ ہی آگ لگی ہوئی ہے اور میں روح کی گہرائی تک اس کی تپش محسوس کر رہا ہوں۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔

"آخر تم اُدوشان کے شاگرد ہو۔" ماسٹر تاؤ نے مُسکرا کر کہا۔ "لیکن میں جہنم کے سلسلے میں تمھارے نظریے کا قائل نہیں ہو سکتا۔"

"میں، اس کے لیے آپ کو مجبور بھی نہیں کروں گا۔" ٹائیگر نے کہا۔ وہ اِدھر اُدھر کی باتیں کر کے اپنا ذہن صاف کر رہا تھا۔ اُس کی حسیات ابھی پُوری طرح بیدار نہیں ہوئی تھیں لیکن ان میں تیزی سے بیداری پیدا ہو رہی تھی۔ "البتہ ایک نظریے پر آپ کو مجھ سے ضرور متفق ہونا پڑے گا۔"

"وہ کون سا نظریہ ہے، فرزند؟" ماسٹر تاؤ نے شفقت سے پوچھا۔

اُس کے ہونٹوں پر بڑی ہی پاکیزہ مسکراہٹ تھی۔ فرشتوں جیسے پاکیزہ تاثر سے بھرپور یہ مُسکراہٹ، ٹائیگر کے لیے کسی زود اثر مرہم کا کام کر رہی تھی۔

"کیا آپ جانتے ہیں، جس عورت کے چہرے پر اَن گنت جھُریے جھُریے تل نہیں ہوتے، اُس کی مثال، ایک ایسی رات جیسی ہے، جب آسمان پر تارے نہیں نکلتے۔"

ماسٹر تاؤ کا قہقہہ، زندگی سے بھرپور تھا۔

ٹائیگر کا ذہن چاق و چوبند ہو گیا۔

قہقہہ لگانے کے بعد ماسٹر تاؤ نے مسکراتی ہوئی نظروں سے ٹائیگر کی طرف دیکھنا شروع کیا تو ٹائیگر نے سوالیہ نگاہوں سے اُس کی طرف دیکھا۔ ماسٹر تاؤ سمجھ گیا کہ وہ، اس سے کیا معلوم کرنا چاہتا ہے۔

"دو یا تین آدمی فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔" ماسٹر تاؤ نے بتایا۔ "میرا خیال ہے، انھوں نے جاتے جاتے بارُودی سرنگوں کو ری ایکٹیویٹ کر دیا تھا۔"

ٹائیگر کی پیشانی پر سوچ کی سلوٹیں اُبھر آئیں۔

اُس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

اب اُس کے ذہن میں ہر بات واضح طور پر آتی جا رہی تھی۔

"فانگ کا کیا ہوا؟" اُس نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ پوچھا۔

"وہ بھی فرار ہو گیا ہے۔"

"کس طرح؟" ٹائیگر چونک پڑا۔

ماسٹر تاؤ نے سر کو نفی میں ہلاتے ہوئے جواب دیا۔ "یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ ممکن ہے، وہ چھت پر جا کر کسی درخت پر کُود گیا ہو یا

پھر کسی رسّے کی مدد سے اُتر گیا ہو۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ عمارت کا کوئی خفیہ راستہ استعمال کیا ہو۔ بہرحال، میں نے اُسے ایک ٹرک میں بیٹھ کر فرار ہوتے دیکھا تھا۔"

دفعتہً گیٹ کی سمت سے ایک کان پھاڑ دھماکے کی آواز سُنائی دی۔ دونوں بُری طرح چونک پڑے اور گیٹ کی طرف دیکھنے لگے۔ ایک پولیس کار تیزی سے چلی آ رہی تھی کہ اس میں آگ لگ گئی اور دھماکے سے اُڑ گئی۔ اس میں موجود پولیس والوں کے چیتھڑے اُڑ گئے۔ انسانی جسموں کو یُوں ہوا میں اُچھلتے اور دم توڑتے دیکھ کر، ٹائیگر ایک جھرجھری سے لے کر رہ گیا۔ وہ خود موت کا تقسیم کار تھا اور اُس کے ہاتھوں اب تک نہ جانے کتنی جانیں ختم ہو چکی تھیں... اس کے باوجود اُسے انسانوں سے محبت تھی... پھر وہ، اُن لوگوں کو قتل کرتا تھا جو دوسروں پر زندگی تنگ کر دیتے تھے۔

"اوہ، میرے خُدا..." ماسٹر تاؤ بڑبڑایا۔ اس کا مطلب ہے کہ گیٹ سے اندر آنے والے راستے میں بھی بارُودی سُرنگیں بچھی ہوئی ہیں۔"

"لیکن آپ نے فانگ کو اسی راستے سے باہر جاتے دیکھا ہو گا۔"

"ہاں"... اور میرا خیال ہے، اُسی نے جاتے جاتے... اُن بارُودی سُرنگوں کو دوبارہ زندہ کر دیا ہو گا۔"

ٹائیگر نے اثبات میں سر ہلایا۔ "اب ہمیں کیا کرنا ہو گا؟"

ماسٹر تاؤ نے دونوں ہاتھ سینے پر آپس میں باندھ لیے اور بولا۔ "ہمیں اپنے جسم کا ایک بھی ریشہ ہلائے بغیر یہیں رُکنا پڑے گا۔ میرا خیال ہے، جلد ہی پولیس کی دوسری گاڑی بھی یہاں پہنچنے والی ہو گی... وہ لوگ بارُودی سُرنگیں ہٹا دیں گے تو پھر ہم آئندہ کا لائحہ عمل بھی سوچ لیں گے۔"

ٹائیگر تلملا کر رہ گیا۔ ایک طرح سے وہ دونوں، اس کھلی جگہ قید ہو کر رہ گئے تھے۔ وہ دل ہی دل میں خُدا کا شکر ادا کر رہا تھا... کہ بجری والے راستے سے اس کے قدم، لان پر نہیں پہنچے۔ ماسٹر تاؤ اُسے بتا چکا تھا کہ اس طرف قدم قدم پر بارُودی سُرنگیں بچھی ہوئی تھیں۔

"دل گرفتہ ہونے کی ضرورت نہیں۔" ماسٹر تاؤ نے اُسے تسلی دی۔ "جلد ہی صورتِ حال سامنے آ جائے گی۔ جہاں تک فانگ اور بلیک سرکل کا تعلق ہے تو وہ اپنا وجود برقرار رکھنے کے لیے یہاں جو کچھ بھی موجود ہے، اُسے فرد حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔ اس لیے ہمیں معلوم ہے کہ انھیں کہاں تلاش کرنا چاہیے یا کس جگہ ان کا انتظار کر کے ہم اُن کی گردنوں پر ہاتھ ڈال سکیں گے۔"

"میں، سوئی کے لیے پریشان ہُوں۔"

"میرا خیال ہے، وہ اس عمارت میں موجود نہیں تھی۔"

"یہ بات آپ اتنے یقین سے کیسے کہہ سکتے ہیں؟"

"اگر وہ یہاں ہوتی تو فانگ، اُسے ہرگز چھوڑ کر نہ جاتا۔" ماسٹر تاؤ نے وضاحت کی۔ "وہ اُسے اپنے ساتھ ہی لے کر جاتا۔"

ٹائیگر زیرِ لب نہ جانے کیا کہنے لگا۔

"اس کے علاوہ، میرا ایک خیال یہ بھی ہے کہ ہم دونوں میں سے کسی ایک کو چاہیے کہ وہ حکّام کو دس، دس مَن وزنی ان دس ڈرموں کے بارے میں اطلاع دے دے جو دریائے وانگ پُو کی تہ میں پڑے ہُوئے ہیں۔ اگر پولیس ان ڈرموں تک، بلیک سرکل سے پہلے پہنچ جاتی ہے تو کافی مسئلہ حل ہو جائے گا۔"

"یہ کام آپ ہی کو کرنا پڑے گا۔" ٹائیگر بڑبڑایا۔

"اور تمھارے کیا ارادے ہیں؟"

"بُوڑھے ساؤ نے مجھے، بلیک سرکل کی اسمگلنگ کے دو اڈّوں کے بارے میں بتایا تھا۔ اُن میں سے ایک تو یہی بندرگاہ تھی، جہاں افیون کے ڈرم اُتارے جا رہے تھے اور دوسری جگہ دریائے وانگ پُو کے بند کے قریب ہی کہیں واقع ہے... میں وہاں جانا چاہتا ہُوں۔"

ماسٹر تاؤ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

وہ گہری سوچ میں ڈُوبا ہُوا لگ رہا تھا۔

اُنھیں باتیں کرتے ہُوئے دس منٹ گزر گئے تھے۔ اچانک ان کی سماعت سے ایک گاڑی کی آواز ٹکرائی۔ وہ چونک کر گیٹ کی طرف متوجہ ہو گئے۔ ایک اور پولیس وین چلی آ رہی تھی۔ ماسٹر تاؤ بے چینی سے ہاتھ ملنے لگا۔

"معلوم نہیں ان لوگوں کو کیا ہے کہ نہیں..." وہ بڑبڑایا۔

"اگر نہیں بھی پتہ تو انہی پہلی گاڑی کا حشر دیکھ کر انھیں اندازہ ہو جائے گا کہ گیٹ سے آنے والے راستے میں بارُودی سُرنگیں بچھی ہوئی ہیں۔ وہ یقیناً اُس کا کوئی سدِباب کر کے ہی آگے آئیں گے۔"

"اللہ کرے کہ ایسا ہی ہو۔" ماسٹر تاؤ کے لہجے میں کرب تھا۔

اس کی نگاہیں گیٹ پر جمی ہوئی تھیں۔ اس بار جو پولیس وین آئی تھی، اس کے ساتھ ایک ایمبولینس بھی تھی۔ دونوں گاڑیوں سے اسپتال اور پولیس کے کئی آدمی اُترے۔ ان میں نمایاں دو آدمی تھے۔ جن کے ہاتھوں میں ایسے آلات نظر آ رہے تھے جن کی مدد سے بارُودی سُرنگوں کا سُراغ لگایا جا سکتا تھا۔

"سمجھ دار لوگ ہیں۔" ماسٹر تاؤ کا چہرہ خوشی سے کھل اُٹھا۔

وہ جہاں تھے، وہیں رہے۔ اس دوران میں پولیس کا عملہ بارُودی سُرنگیں تلاش کر کے انھیں ناکارہ بناتے ہُوئے زمین سے نکالتے میں مصروف رہا جب کہ ایمبولینس والے زخمی سپاہیوں اور

لاشوں کو لے کر واپس چلے گئے۔ پولیس والوں کو بار بردی سرنگیں صاف کر کے ٹائیگر اور ماسٹر تاؤ ٹنک پہنچنے میں نصف گھنٹہ لگ گیا۔ جب وہ ان کی طرف بڑھے تو وہ پولیس والوں کی رائفلیں ان کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔ پولیس والے انہیں مشکوک نظروں سے دیکھ رہے تھے...

"ہاتھ اپنے سروں سے بلند کر لو۔" ایک آفیسر نے سخت لہجے میں کہا۔

ماسٹر تاؤ نے ہاتھ اٹھا دیے تو ٹائیگر نے بھی اس کی تقلید کی۔ آفیسر قریب آگیا۔ اس کی آنکھوں میں شبہے کی گہری جھلک تھی اس نے ان پر سوالوں کی بوچھار کر دی۔

"یہ سب غیر ضروری باتیں ہیں۔" ماسٹر تاؤ نے پُروقار لہجے میں کہا اور اس دائیں ٹانگ پر انگلی اٹھاتے ہوئے ہدایت کی۔ "اس آلے پر اپنے چیف سے رابطہ قائم کرکے دو باتیں کہو جو اس وقت فوری اہمیت کی حامل ہیں۔"

آفیسر نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ ان کی طرف سے بے حد محتاط نظر آرہا تھا۔

"سب سے پہلی بات یہ ہے کہ دریائے وانگ پو کی تہ میں دس دس ٹن وزنی دس ڈرم موجود ہیں جن میں افیون بھری ہوئی ہے۔ تمہارا چیف اتنی بڑی کھیپ حاصل کرکے خوشی سے پاگل ہو جائے گا۔" ماسٹر تاؤ نے آفیسر کی مشکوک نظروں کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ "اگر اسے دیر ہو گئی تو بلیک سرکل والے اسے حاصل کر لیں گے اور تم لوگ ہاتھ ملتے رہ جاؤ گے۔"

"دوسری بات کیا ہے؟" آفیسر نے دریافت کیا۔ اس کے لہجے سے ظاہر ہوتا تھا کہ ابھی تک اسے ماسٹر تاؤ کی بات پر یقین نہیں آیا تھا۔

"دوسری بات یہ ہے کہ چیف سے کہو کہ وہ سون چنگ کو فون کرکے کہے کہ ماسٹر تاؤ اور اس کا ساتھی شہزاد چند اہم کام کرنا چاہتے ہیں اس لیے بہتر ہو گا کہ انہیں گرفتار نہ کیا جائے۔"

آفیسر سن کر ساکت کھڑا رہا۔

"جلدی کرو، ہم رات مجر یہاں انتظار نہیں کر سکتے۔" ماسٹر تاؤ غرایا۔

آفیسر کے انداز سے ہچکچاہٹ ظاہر ہونے لگی لیکن ماسٹر تاؤ کے لہجے میں نہ جانے کیا بات تھی کہ وہ اس کی ہدایت پر عمل کرنے پر آمادہ ہو گیا۔

پندرہ منٹ بعد انہیں وہاں سے جانے کی اجازت دے دی گئی۔

ہیڈ کوارٹر سے رابطہ قائم کرکے آفیسر نے دونوں باتیں کہہ دی تھیں اور پھر سون چنگ کے حکم پر انہیں فی الفور وہاں سے جانے کی اجازت مل گئی تھی۔ عمارت کے گیٹ سے نکل کر ماسٹر تاؤ بندرگاہ کی طرف روانہ ہو گیا اور ٹائیگر اس سمت میں چل دیا جہاں بوڑھے ساؤ کے مطابق بلیک سرکل کا دوسرا اڈا تھا۔

اس وقت صبح کے ساڑھے چار بجے تھے۔

ٹائیگر بیس منٹ میں اس ورکشاپ تک پہنچا جس کے بارے میں اسے بوڑھے ساؤ نے اطلاع دی تھی۔ اس نے دریا سے ہٹ کر پہاڑیوں کی طرف سے ہو کر چکر لگایا اور اس جگہ کا جائزہ لیا۔ وہ ایک سلاٹر ہاؤس کے قریب سے گزرا تو وہاں چند سؤر اور کتے ٹہلتے دکھائی دیے۔

کھلی کھلی چاندنی میں اس نے ایک جگہ رک کر وہ ہاؤس کا جائزہ لیا۔ یہ پیکنگ میں قدیم زمانے کے جو چند گودام باقی رہ گئے تھے۔ یہ ان میں سے ایک تھا۔ یہ ایک سہ منزلہ عمارت تھی اور اس کی تعمیر کا کام لکڑی سے کیا گیا تھا۔ عمارت کا بیرونی دروازہ بند تھا اور اس سے ٹیک لگائے دو مزدور بیٹھے تھے۔ ان کے سر اپنے گھٹنوں پر جھکے ہوئے تھے اور سروں پر تنکوں کے بڑے بڑے ہیٹ تھے جن کی وجہ سے ان کے چہروں کو دیکھنا ممکن نہیں تھا۔ انداز سے یہی لگ رہا تھا کہ وہ بیٹھے بیٹھے سو گئے ہوں۔

ٹائیگر نے دریا کی طرف دیکھا۔

دریا کے کنارے بھی چند مزدور نظر آرہے تھے۔ یہ ان مزدوروں میں سے تھے جو رات بھر کشتیوں سے مال اتارنے یا چڑھانے کا کام کرتے تھے اور پھر اپنے گھروں میں پڑے سوتے رہتے یا پھر کسی افیون کے اڈے میں جا کر پیتے اور اونگھتے رہتے تھے۔

ٹائیگر پہاڑیوں سے اتر کر واپس دریا کے کنارے آگیا۔

دریا کے کنارے چلتے چلتے وہ ایک جگہ رک گیا۔

ورکشاپ سے ایک سو گز کے فاصلے پر ایک بادبانی جہاز کھڑا تھا۔ جس کے عرشے پر روئی کی ان گنت گانٹھیں لدی ہوئی تھیں۔ ٹائیگر دریا کے کنارے اگی ہوئی جھاڑیوں میں چھپ کر آگے بڑھنے لگا۔ وہ اس بادبانی جہاز کا قریب سے جائزہ لینا چاہتا تھا۔

ایک جگہ رک کر اس نے دیکھا تو اسے وہ تمام نشانیاں نظر آگئی... جو بوڑھے ساؤ نے بتائی تھیں۔ یہ بلیک سرکل کی اسمگلنگ بوٹ ہی تھی۔ اچانک اسے عرشے پر چہل پہل نظر آنے لگی۔

درجن بھر مزدور روئی کی گانٹھیں اتارنے میں مصروف

ہو گئے تھے۔ یہ بادبانی جہاز بظاہر تو ایک عام سی بادبانی کشتی ہی تھا لیکن اس کی لمبائی نوے فٹ سے کم نہیں تھی۔

ٹائیگر جھاڑیوں میں دبک کر بیٹھ گیا۔

اب انتظار کے سوا اس کے پاس کوئی کام نہیں تھا۔

بیکار بیٹھے بیٹھے اسے جمائیاں آنے لگیں وہ جانتا تھا کہ یہ اس کی زندگی کی ایک اہم ترین رات ہے۔ نجانے کیوں اس کا دل کہہ رہا تھا کہ سونی اسی گودام میں یا بادبانی کشتی میں موجود ہے وہ سونی کے خیالوں میں ڈوب گیا۔ سونی جو ایک معصوم سی لڑکی تھی سونی جس کا خاندان درندہ صفت فانگ کے ہاتھوں ہلاک ہو گیا تھا۔ سونی جس نے ٹائیگر کو اپنے خاندان کا قاتل سمجھ کر ہلاک کرنے کی کوشش کی تھی اور پھر بالآخر وہ اسکی محبت میں اس بری طرح گرفتار ہوئی تھی وہ لاکھ کوشش کے باوجود اسے شنگھائی واپس بھیجنے میں ناکام رہا تھا۔

اسے وہاں بیٹھے ہوئے پورے دو گھنٹے گزر گئے۔ دور افق پہ سپیدہ سحر نمودار ہونے لگا تھا اور نسیم سحر کے جھونکے جسم و جاں میں تازگی کی لہر دوڑانے لگے تھے۔ ٹائیگر اپنی جگہ سے اٹھا اور جھاڑیوں میں آہستہ آہستہ کنارے کے ساتھ ساتھ آگے بڑھنے لگا۔ حتیٰ کہ وہ اس گودی سے پچاس فٹ قریب پہنچ گیا جہاں بلیک سرکل کا بادبانی جہاز لنگر انداز تھا۔

وہ جہاز کا گہری نگاہ سے جائزہ لیتا رہا۔

کوئی بھی مشکوک چیز نظر نہیں آرہی تھی۔

دفعتہً اس نے ایک عجیب سی آواز سنی۔

وہ چونک پڑا۔ نگاہ اٹھا کر دیکھا تو اسے ایک بار بردار اسی جہاز دکھائی دیا۔ جو دریا کے درمیان میں چلتا ہوا ایک تنگ سی رکی طرف بڑھ رہا تھا۔ کچھ دیر اور وہاں رکنے کے بعد ٹائیگر سمجھ گیا کہ وہ بھاری بھرکم جہاز اپنا وزن ضائع کر رہا ہے۔ اسے جو غیر معمولی پن محسوس ہوا تھا۔ وہ ان دونوں جہازوں کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ یہ احساس اسے بہت دور سے اس کی حسیات کو جھنجوڑ رہا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ ابھی تک بلیک سرکل کے لوگ افیون کے ان ڈرموں کے سلسلے میں کچھ نہیں کر رہے تھے۔

ٹائیگر جھاڑیوں میں دبکا ہوا آہستہ آہستہ واپس چل دیا۔

وہ جلد سے جلد اس گودام تک پہنچ جانا چاہتا تھا۔ جس کے بارے میں اب اسے کسی قسم کا کوئی شبہ نہیں رہا تھا۔ وہ بلیک سرکل کے دو بڑے اڈوں میں سے ایک اڈا تھا۔

وہ عمارت سے کچھ دور جھاڑیوں میں رک گیا۔

تنکوں کے ہیٹ والے دونوں مزدور ابھی تک گھٹنوں پر سر جھکائے عمارت کے دروازے سے ٹیک لگائے بظاہر سو رہے تھے لیکن ٹائیگر کو یہ اندازہ لگانے میں اب کوئی دشواری نہ ہوئی کہ یہ دونوں مزدور درحقیقت گودام کے نگران ہیں۔ اس نے ایک بار پھر گہری نظر سے عمارت کا جائزہ لیا۔ عمارت کی تمام کھڑکیاں اور دروازے سختی اور مضبوطی سے بند تھے۔ گویا یہاں پر حفاظت کا ویسا انتظام نہیں تھا جیسا کہ اس سے قبل وہ بلیک سرکل کے اڈے پر دیکھ چکا تھا۔

ٹائیگر عمارت کے عقبی حصے سے ایک کھڑکی تک پہنچا اور پھر اس کی انگلیاں ایک تختہ اکھاڑنے میں مصروف ہو گئیں۔ اس طرح ایک کھڑکی توڑ کر اس نے اندر لگی ہوئی آہنی سلاخوں سے جھانک کر دیکھا۔ اندر ایک تنگ سی جگہ تھی۔ جہاں تاروں کا ایک بہت بڑا الجھا ڈھیر تھا۔ اس نے کھڑکی میں کھڑے ہو کر اوپر والی کھڑکی کا جائزہ لیا تو پتہ چلا کہ اس کے اندر آہنی سلاخیں موجود نہیں ہیں۔

ٹائیگر ایک آہنی پائپ کے سہارے آہستہ آہستہ اوپر چڑھنے لگا۔ عمارت کے عقبی حصے میں خاموشی تھی۔ دور دور تک جھاڑیاں پھیلی ہوئی تھیں اور کسی متنفس کا نام و نشان تک دکھائی نہیں دیتا تھا اور نہ ہی دوسری کوئی عمارت نظر آرہی تھی۔ ٹائیگر کو اندازہ ہو چکا تھا کہ اس عمارت کی تمام تر سرگرمیاں سامنے والے حصے تک محدود ہیں اور عقبی حصے کے کمرے بطور گودام ہی استعمال ہو رہے ہیں۔

زمین سے بیس فٹ کی بلندی پر واقع کھڑکی کے قریب وہ رک گیا۔ اس کھڑکی کو توڑنا بھی اس کے لیے کچھ زیادہ مشکل ثابت نہ ہوا۔ شبنم میں بھیگی ہوئی لکڑی بے آواز ٹوٹتی چلی گئی وہ کھڑکی سے اندر کود گیا۔

چند لمحوں تک وہ وہیں دبکا آہٹ لیتا رہا۔ جب اس کی آمد پر کوئی ردعمل ظاہر نہ ہوا تو وہ آہستہ سے اٹھا اور کسی بلی کی طرح بے آواز چلتا ہوا ایک ایسی جگہ پہنچ گیا جہاں گھاس پھونس کا ایک بہت بڑا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ یہ جگہ عمارت کے احاطے میں تھی۔ وہ گھاس کے ڈھیر کے پیچھے رک کر اس دروازے کی طرف دیکھنے لگا جس کے باہر اس نے تنکوں کے ہیٹ والے دو مزدور دیکھے تھے۔ اس دروازے کے اندر والی رخ ایک کمرہ تھا جس کا دروازہ اس وقت نیم وا تھا۔ اسے دو آدمیوں کی ٹانگیں اور بازو نظر آئے۔ ابھی تک اسے کوئی ایسی چیز نظر نہیں آئی تھی جس سے یہ یقین ہو جاتا کہ فانگ یا سونی، دونوں میں سے کوئی ایک اس پاس ہی موجود ہو گا۔

ٹائیگر گھاس کے ڈھیر میں گھس گیا اور خود کو گھاس میں اس حد تک چھپایا کہ صرف اس کی آنکھیں باہر رہ گئیں جن کی مدد سے وہ آس پاس کا بآسانی جائزہ لے سکتا تھا۔

اچانک ان آبادیوں میں سے ایک شخص اندر آتا دکھائی دیا جو نیم وا دروازے والے کمرے میں معروفِ عمل تھا۔ وہ شخص چلتے چلتے ٹھٹک کر رہ گیا انداز ایسا تھا جیسے وہ کچھ سننے کی کوشش میں مصروف ہو پھر اس کی نگاہ صدر دروازے پر جم گئی۔ وہاں پر کسی کی موجودگی محسوس نہ کر کے اُس نے آگے بڑھ کر زمین پر رکھی ہوئی چاول کی دو وزنی بوریاں ہٹانی شروع کر دیں۔

ٹائیگر کی دھڑکنیں بے ترتیب ہو گئیں۔

اُس شخص کی حرکات مشکوک تھیں اور احساس ہوتا تھا کہ وہ جو کچھ بھی کرنا چاہتا ہے اُسے دوسروں کی نگاہوں سے چھپانا بھی چاہتا ہے۔

اس شخص نے چاول کی بوریاں ہٹائیں اور ٹائیگر کی آنکھیں چمک اُٹھیں۔ اُس کا اندازہ غلط نہیں تھا۔ چاول کی بوریوں کے نیچے درحقیقت کسی تہ خانے کا دروازہ تھا۔ اُس شخص نے دروازہ کھول دیا پھر اُس نے نیم وا دروازے کی طرف اشارہ کیا۔ فوراً ہی دو مضبوط جسم والے مزدور سامنے آ گئے ان کے جثے بھاری تھے جبکہ اُن میں سے ایک بھاری بھرکم اور دوسرا ڈھلکی ہوئی مونچھوں والا آدمی تھا۔ یہ دونوں آدمی گھاس کے اس ڈھیر کے پاس سے گزرتے ہوئے تہ خانے میں اُتر گئے اور پھر انھوں نے اپنے عقب میں دروازہ بند کر لیا۔

ٹائیگر بے چین ہو گیا۔ چند لمحوں تک وہ سوچتا رہا پھر اس کی نگاہ تار کے ایک بہت بڑے گچھے پر جم گئی جو تہ خانے کے دروازے کے قریب ہی پڑا تھا۔ اس ڈھیر کے قریب ہی ٹاٹ کا ایک ٹکڑا رکھا ہوا تھا۔ ٹائیگر باہر نکلا اور جھکی ہوئی حالت میں بے آواز دوڑتا ہوا وہاں پہنچ گیا۔ اس نے ٹاٹ کا ٹکڑا کھول کر اپنے گرد لپیٹ لیا اور تار کے گچھے میں دُبک کر بیٹھ گیا۔

اُس کے کانوں سے ہلکی ہلکی آوازیں ٹکرا رہی تھیں جو یقیناً تہ خانے سے ہی آ رہی تھیں۔ ٹائیگر نے ہاتھ بڑھا کر تہ خانے کا جوٹی دروازہ تھوڑا سا کھول لیا اور پھسل کر دروازے کے قریب ہو گیا تاکہ وہ اندر کی آوازیں سننے کے ساتھ ساتھ کچھ دیکھ بھی سکے۔ تہ خانے کے اندر اب خاموشی چھا گئی تھی اور باتوں کی بھی کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ ٹائیگر نے تہ خانے کے اندرونی حصے کا جائزہ لیا۔ تہ خانے کے دروازے سے ایک وزنی زینہ نیچے تک گیا ہوا تھا۔

اس زینے پر اُسے ایک آدمی کا سر نظر آیا۔

وہ شخص یقیناً اوپر آ رہا تھا۔

ٹائیگر نے دروازے کا تختہ چھوڑ دیا اور خود کو ٹاٹ میں اچھی طرح چھپا لیا۔ تھوڑی دیر بعد تہ خانے کا دروازہ کھلا ایک آدمی باہر آیا۔ یہ وہی بھاری بھرکم آدمی تھا جس نے چاول کی بوریاں ہٹائی تھیں اس کے بعد پہلوان کا ایک گٹھڑا باہر لایا گیا جسے مضبوط ہاتھ بازوؤں کے دونوں مزدوروں نے بمشکل اُٹھا رکھا تھا۔ اُس پیکٹ کے نیچے سے کی بھاری سلاخیں لگی ہوئی تھیں اور اس کا سائز اتنا بڑا تھا کہ ٹائیگر کے اندازے کے مطابق اس میں کوئی لاش آسانی سے چھپائی جا سکتی تھی۔

ٹائیگر کا دل شدت سے دھڑک اُٹھا۔

اس کی پیشانی پر پسینے کے قطرے نمودار ہو گئے۔

اس کا خیال تھا کہ سوفی کو قتل کر دیا گیا ہے اور اس کی لاش اس انداز میں سے جائی جا رہی ہے تاکہ بادبانی جہاز کے سفر کے دوران اُسے دریائے وانگ پو کی لہروں کے سپرد کیا جا سکے۔ اُس نے یہ خیال ذہن سے جھٹک دیا اور سوچنے لگا کہ ممکن ہے کوئی اور غیر قانونی شے اس میں بند ہو جسے قانونی پکڑ دھکڑ کے ڈر سے دریا برد کرنے کے لیے اس انداز میں لے جایا جا رہا ہو۔

ٹائیگر نے سانس روک لی۔

اس کی سماعت سے مزید قدموں کی آہٹیں ٹکرا رہی تھیں۔

سب لوگ تہ خانے سے باہر آ گئے اور بنڈل سمیت دروازے کی طرف چلنے لگے۔ ٹائیگر نے اپنی سماعت پر مزید زور ڈالا لیکن اب تہ خانے سے کوئی اور آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ گویا اب تہ خانہ خالی تھا۔ اس سے قبل کہ وہ ٹاٹ ہٹا کر تہ خانے میں اُترنے کے ارادے کو عملی جامہ پہناتا، اُسے تہ خانے کا دروازہ ایک بار پھر کھلتا دکھائی دیا اور ٹائیگر کو یوں لگا جیسے اُس کا دل اُچھل کر حلق میں اٹک گیا ہو۔

تہ خانے سے فانگ باہر آ رہا تھا۔

وہ بھی بے آواز چلنے کے فن میں ماہر معلوم ہوتا تھا۔

فانگ پر نگاہ پڑتے ہی ٹائیگر کو اپنی نسوں میں خون کی بجائے آگ دوڑتی ہوئی محسوس ہونے لگی۔ اُس نے دل میں پیدا ہونے والی فانگ کو قتل کرنے کی بے ساختہ خواہش کو پوری شدت سے کچل دیا۔

فانگ تہ خانے سے نکل کر اِدھر اُدھر دیکھے بغیر صدر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ اس کے انداز سے بے پناہ خود اعتمادی جھلک رہی تھی جیسے اُسے پورا یقین ہو کہ اس جگہ کوئی بھی شخص اس کی مرضی کے خلاف حائل نہیں ہو سکتا۔ وہ دروازے سے نکل گیا تو ٹائیگر نے ٹاٹ ہٹایا اور تار کے گچھے سے باہر آ گیا۔ فانگ اپنے ساتھیوں کے ساتھ دریا کے کنارے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس کے ساتھی پٹ سن کا گٹھڑ اُٹھائے آگے آگے جا رہے تھے اور فانگ ان کے پیچھے تھا۔

صدر دروازے سے نکل کر ٹائیگر نے جیسے ہی فانگ پر حملے کا ارادہ کیا، نہ جانے کس احساس کے تحت وہ پلٹ پڑا۔ ٹائیگر سے منہ موڑ کر فضا میں بلند ہوا۔ اُس کی ایک ایڑی کا رُخ فانگ کی ریڑھ کی ہڈی کی جانب اور دوسری ایڑی گردن پر حملے کے لیے تیار تھی جب کہ اُس کی اکڑی ہوئی، خنجر نما انگلیاں فانگ کے کندھوں میں پیوست ہونے کے لیے بے چین تھیں۔ اُس لمحے فضا میں ایک عجیب سے شور نے گونج اُٹھی اور اُن گنت آدمی ٹائیگر کی طرف دوڑ پڑے۔ ان میں سے ہر شخص جانتا یا کسی نہ کسی انداز سے مسلح تھا۔ ٹائیگر کسی عقاب کی مانند فانگ پر جھپٹ رہا تھا اور بے شمار آدمی اُس کی طرف بڑھ رہے تھے۔

☆

ٹائیگر نے خود کو جس انداز میں حملے کے لیے اُچھالا تھا، وہ بیحد خطرناک تھا بلکہ مہلک تھا۔ یہ پیتھے کی ایک مخصوص جست تھی جس میں اُس کا ایک پنجہ اپنے شکار کی کھوپڑی کو بکھیرنے، دوسرا پنجہ شکار کی ریڑھ کی ہڈی توڑنے اور باقی دونوں پنجے شکار کا باقی ماندہ جسم پرخچے اُڑانے کے لیے استعمال ہوتے ہیں... لیکن فانگ بھی دودھ پیتا بچہ نہیں تھا۔ اس کی مخفی شیطانی طاقتیں اُسے ٹائیگر کے حملے سے آگاہ کر چکی تھیں اور اس کا جسم اس مختصر سی مہلت سے فائدہ اُٹھا کر اپنا آپ بچانے کے لیے یوں زمین کی طرف جھکتا چلا گیا جیسے کوئی بوم کا... مختصر سی حرارت کے باعث پھسل کر زمین پر بہہ نکلا ہو۔

خود کو زمین کی طرف جھکاتے ہوئے، فانگ نے اپنی دونوں ہتھیلیاں چہرے کے سامنے کر اس حالت میں رکھ لی تھیں۔ اس طرح اس کی آہنی انگلیوں کا رُخ ٹائیگر کی طرف ہو گیا تھا... لیکن بہرحال رفتار کو اوّلیت حاصل ہوتی تھی اور ٹائیگر اس بار فانگ سے کہیں زیادہ تیزی دکھا چکا تھا۔

اس کا حملہ اچانک ہی نہیں یقینی بھی تھا لیکن فانگ طاغوتی طاقتوں کا پیکر تھا۔ یہ طاقتیں اُسے حملے کی ہلاکت خیزی سے آگاہ کر چکی تھیں۔ اور پاؤں کو ٹارگٹ ملنا ضروری تھا۔ ریڑھ کی ہڈی کہاں کو ملتی اور حصہ ہی سہی... اور فانگ کا کندھا ہدف بن گیا۔ ہڈیوں کی بڑی اور کھوپڑی، دونوں ہی ہال ہال بچ گئی تھیں۔

کندھے پر چوٹ پڑتے ہی فانگ لڑکھڑا گیا۔ اس سے قبل کہ وہ اپنے آپ کو متوازن کرتا، ٹائیگر کسی ناگ کی طرح پلٹ کر حملہ آور ہوا۔ اس کی انگشت شہادت، کسی خنجر کی طرح تنی ہوئی تھی اور اس نے اپنا ہدف بھی تاک لیا تھا۔ فانگ کی تمام تر توجہ اپنا توازن برقرار رکھنے پر مرکوز تھی اور یہیں پر اُس سے زندگی کی سب سے بڑی اور افسوس ناک بھول ہو گئی۔

ٹائیگر کی انگشت شہادت کا خنجر فانگ کے گڑھے میں گھس گیا وہ تڑپ کر ہٹنے لگا تو اس کی کھوپڑی پر ہتھوڑے جیسی چشمانی دینے والی چوٹ پڑی۔ فانگ کے پاس اب اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ جیسے تیسے خود کو ٹائیگر کی دسترس سے دور لے جائے۔ اس پر مایوسی کا شدید دورہ پڑا تھا... تاہم حواس بحال تھے۔ وہ عقب میں لڑھک کر اپنے پیروں پر کھڑے ہوتے ہوئے، ٹائیگر کے مہلک گھونسوں کو روکنے کی کوشش کرنے لگا۔ اگر وہ اس میں ناکام رہتا تو اس کی موت یقینی تھی... اور اگر اس وقت صرف وہ دونوں ہی ہوتے تو یہ ان کی آخری جنگ ثابت ہوتی۔

ٹائیگر کے حملوں نے فانگ کے جسم میں ننھے ننھے کئی دہانے کھول دیے تھے، جہاں سے زندگی معمولی بوندوں کی شکل میں سہی لیکن بہہ نکلی تھی۔ گڑھے کے مقام پر جو زخم تھا، وہاں سے خون نسبتاً زیادہ بہہ رہا تھا۔ یہ ایسے زخم نہیں تھے جن کا خون وہ بند کر سکتا... مجھ اُسے ان زخموں کی طرف توجہ دینے کی فرصت ہی کہاں تھی وہ تو زندگی بچانے کی سرتوڑ کوشش میں مصروف تھا۔

اگر ٹائیگر کا ابتدائی حملہ ناکامی سے ہمکنار نہ ہو گیا ہوتا تو فانگ کے فرشتے بھی اس وقت فرار نہیں ہو سکتے تھے... دو فرین، درجن بھر تھائی اور بادبانی جہاز کے عملے کے علاوہ گودام کے دو نگران بھی ٹائیگر سے نمٹنے کے لیے میدان میں آ چکے تھے۔

ان سب نے بیک وقت حملہ کیا تھا۔

ٹائیگر ان کے نرغے سے نکلا تو پہلی بار حملہ آوروں کو احساس ہوا کہ ان کا حریف غیر مسلح ہے۔ یہ دیکھ کر ان کے حوصلے مزید بڑھ گئے... اور انھوں نے سوچا کہ ایک نہتے آدمی کو اپنے چاقوؤں اور اوزاروں کی مدد سے بھی ہلاک کیا جا سکتا ہے اس پہیے فائرنگ کی ضرورت نہیں۔

فائرنگ میں سب سے بڑا نقصان یہ تھا کہ اس کی آواز دُور دُور تک سنائی دیتی اور پولیس فوراً اِدھر متوجہ ہو جاتی۔

وہ دونوں مزدور جنھوں نے پٹ سن کا گٹھڑ اُٹھا رکھا تھا انھوں نے شور سنا اور صورت حال دیکھی تو اپنا بوجھ زمین پر پھینک دیا اور جھاڑیوں میں اُڑسے ہوئے چاقو نکال لیے۔

ٹائیگر نے خود کو چوپٹ حالت میں زمین پر گرایا... پھر تیزی سے لڑھکتا چلا گیا۔ وہ ان دونوں کے حملہ کو خود اُٹھنے کے عقب سے روکنا چاہتا تھا اس کی دونوں ٹانگیں فضا میں اطراف میں طاقت ور اسپرنگوں کی طرح لپک کر واپس آگئیں۔

دونوں فوراً زمین اپنے گھٹنوں سے ذرا اوپر ہاتھ رکھ کر جھک گئے۔ جھکتے ہی وہ لڑھک کر ایک دوسرے کے اوپر ڈھیر ہوگئے ان کی آنکھیں یوں سفید پڑ گئی تھیں جیسے ان میں ڈھیلے سرے سے موجود ہی نہیں تھے۔ یکایک پہلو سے ایک اور آدمی ان پر جھک گیا۔ لمحے بھر کے لیے دیکھنے والوں کو یہی محسوس ہوا ہوگا کہ وہ گیہوں بوتے آدمیوں کا جائزہ لے رہا ہے... لیکن درحقیقت وہ خون کی ایک بڑی سی قے کرنے کے لیے جھکا تھا۔ اس کی ناف پر پڑنے والی ٹھوکر نے اس کے اندرونی جسم میں نہ جانے کس قدر توڑ پھوڑ مچا دی تھی۔

اگلی ہی ساعت وہ بھی ان دونوں پر ڈھیر ہوگیا۔

اب تک تمام حملہ آوروں میں سے ایک بھی ٹائیگر کو چھونے میں کامیاب نہیں ہوسکا تھا۔ فانگ زخمی ہونے کے باوجود ایک آخری کوشش کر لینا چاہتا تھا۔

اس نے جب ٹائیگر کو اپنے کئی آدمیوں کے نرغے میں پایا تو اس کے ذہن پر دیوانگی سوار ہوگئی۔ غصے کی انتہا اپنے قلب اور ذہن میں بسائے وہ فیصلہ کن انداز میں حملہ آور ہوگیا۔

ٹائیگر نے اُسے پلٹتے دیکھ لیا تھا۔

اس نے دل ہی دل میں نعرہ لگایا اور زمین سے کئی فٹ اُوپر اچھل پڑا۔

وہ فانگ سے فضا میں متصادم ہونا چاہتا تھا۔

فانگ نے بڑی خطرناک فلائنگ کک لگائی تھی لیکن ٹائیگر اب پوری طرح چاق و چوبند ہو چکا تھا۔ اس کی نس نس میں بجلیاں سی دوڑ رہی تھیں۔ وہ جانتا تھا کہ یہ مہارت اور اسپیڈ دکھانے کا وقت ہے۔ اگر اس وقت یہ مظاہرہ نہ ہوسکا تو پھر اس مظاہرے کی کبھی مہلت نہیں مل سکے گی۔

اس کی ہتھیلی کا نچلا حصہ فانگ کے باؤں کی قوسی حالت سے متصادم ہوا تو اس کا دوسرا ہاتھ کسی گنگ کی طرح جھپٹ پڑا اور گلے پر حملہ آور ہوا۔

ٹائیگر کے دونوں پنجے پنڈلی بر منجمد ہوگئے۔ فانگ نے ٹانگ گھمائی۔ اس نے دوسری ٹانگ اپنی پہلی ٹانگ پر رکھ ٹائیگر کی دونوں کلائیوں پر جھٹکا کر لگائی۔ اگر وہ فوری طور پر کام نہ کرتا تو ٹائیگر کا داؤ کام کر جاتا اور اس کی ٹانگیں بیچ میں سے چر ہوتیں۔

ٹائیگر بھی اس حملے سے ہوشیار تھا۔ اس نے فوری طو پنڈلی سے گرفت ختم کر دی۔ دونوں پنجے جیسے ہی ہٹے اس نے کہنی تیزی سے عقب میں اُچھال دی۔

عقب سے ایک شخص اپنے لمبے سے آہنی اوزار کے سا اس پر حملہ آور ہو رہا تھا۔ ٹائیگر کی کہنی اس کی کنپٹی سے ٹکرائی چٹخنے کی آواز پیدا ہوئی۔ عقب میں کوئی چیز گری لیکن ٹائیگر اس طرف توجہ دینے کی فرصت نہیں تھی۔ وہ فانگ کو ایک جیسی چوٹ لگانے میں مصروف ہوگیا تھا۔

فانگ بے بسی سے پیچھے ہٹنے پر مجبور ہوگیا۔ ٹائیگر نے آ بڑھنا چاہا لیکن اس دوران میں فانگ کے ساتھیوں نے مو کا گھیرا تنگ کرنا شروع کر دیا۔ اور ٹائیگر کو ان لوگوں سے نمٹنے لیے ادھر متوجہ ہونا پڑ گیا۔ فانگ نے خود کو ہوا میں اچھال کر عق میں گرایا تھا اور اس کے دونوں ہاتھ زمین سے مس ہو کر ہی متوازن کرنے لگے تھے۔ ٹائیگر کے لیے اب اس کے علاوہ کو چارہ نہ تھا کہ اس طرف سے توجہ ہٹا لیتا۔ وہ دونوں آدمی جنھوں سونی کو پٹ سن کے گٹھڑیں باندھ کر اُٹھا رکھا تھا۔ انھوں نے کر دیا۔ ان کے عقب میں نصف درجن دوسرے لوگ بھی تھے نے اپنا گھیرا مزید تنگ کر لیا تھا۔

ایک بار پھر ان کی جلد بازی اور حماقت کی وجہ سے ا صورت حال پیدا ہوگئی تھی کہ مسلح آدمی فائر نہیں کر سکتے اب فائرنگ کا مطلب تھا کہ خود انہی کے کئی آدمیوں کی لاشیں گر دو آدمی ٹائیگر کے قریب پہنچ گئے۔

ٹائیگر کو ایسے ہی کسی شکار کا انتظار تھا اس کا دایاں پہلو میں نکل گیا اور اس کا ہدف ایک ایسے شخص کے کولہے کی ہ تھا۔ وہ شخص کسی لٹو کی طرح گھوم گیا۔ دوسرے پاؤں نے اس ساتھی کی کھوپڑی پر قیامت ڈھا دی۔ اس کی کھوپڑی کے چیتھڑ بکھرے تو ایک اور شخص زد میں آگیا۔ ٹائیگر نے دوڑتے ہوئے کے سے انداز میں دونوں ٹانگیں سامنے اچھالیں۔ یہ میرا شخص چاقو سے حملہ آور ہوا تھا۔ ایک ٹھوکر اس کی کلائی پر پڑی۔

کلائی ٹوٹ کر لٹک گئی اور اس کے ہاتھ کی گرفت سے چاقو ریت پر گر گیا۔ دوسری ٹھوکر نے اس کے سینے کی کئی ہڈیاں

ہیں پاؤں عقب میں آیا تو پیچھے سے حملہ آور ہونے والے کے پڑا۔ وہ ہاتھ پلٹ گیا اور چاقو خود اسی شخص کے سینے میں ت ہوگیا۔ اس کی آخری چیخ بڑی ہی دردناک تھی۔

اچانک دائرے میں موجود سارے ہی آدمی اندھا دھند بڑھ آئے۔

ٹائیگر کے ہاتھ اور پاؤں مشینی انداز میں حرکت کر رہے تھے اس کرنے ایک اور کلائی توڑ دی۔ اسی ساعت ایک چاقو کی اس کی پنڈلی میں خراش ڈال گئی۔ گھونسے اور لاتیں چلاتے وہ ان کا گھیرا توڑ کر نکل جانا چاہتا تھا لیکن دائرہ تنگ تھا وجہ سے اُسے مجبوراً خود کو فضا میں اُچھال کر ان کے درمیان بلند ہو کر عقب میں کود جانا پڑا۔

معاً اس کی سماعت سے دوڑتے ہوئے بڑے قدموں کی آواز ے لگی۔ یہ آوازیں گودام کی طرف سے آ رہی تھیں۔

ٹائیگر نے گودام کے کھلے دروازے کی طرف دوڑ لگا دی تین اس کے پیچھے دوڑے۔ یہ تینوں اس کی ایڑیوں سے قریب تر اس لیے دروازے کے قریب پہنچتے پہنچتے ٹائیگر نے ان تینوں وہ کر کے رکھ دیا۔ اب وہ گودام کے عقبی حصے کی طرف جا رہا سے دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں اسی سمت سے سنائی دے تھیں۔ ٹائیگر کو اندازہ ہوگیا تھا کہ اس طرف سے مزید لوگ ہے۔ وہ ان لوگوں سے یہیں نمٹ لینا چاہتا تھا کیونکہ دوسروں تھ مل کر ان لوگوں کی تعداد مزید تشویش ناک ہوسکتی تھی۔

آنے والے تعداد میں پانچ تھے۔ ابھی تک ان کی سمجھ میں ہ حال نہیں آئی تھی۔ ان میں سے دو آدمی تو صورت حال سمجھنے دائمی اجل کو لبیک کہہ گئے جبکہ ایک ٹائیگر کی پھرتی اور اس نوں اپنے دو ساتھیوں کی تحیر خیز ہلاکت دیکھ کر ہی دل کی کھو بیٹھا۔ باقی دو آدمی ٹائیگر کے ہاتھوں پاش پاش کھوپڑیاں تھ زمین پر ڈھیر ہوگئے۔

ٹائیگر پلٹا تو عقب سے کچھ اور لوگ اس کی طرف لپکے چلے آ ہے نان کے پہنچنے سے قبل ہی ٹائیگر نے خود کو زمین پر گرا دیا اور لے یوں لڑھکنا شروع کر دیا کہ کوئی حملہ آور اس کے جسم کے کسی بھی نشانہ نہیں بنا سکتا تھا۔

ٹائیگر کا رُخ دریا کے کنارے کی طرف تھا جہاں اس نے کا وہ بڑا سا گٹھڑ دیکھا تھا جس میں اس کی دانست میں سونی کی حالت میں یا پھر مُردہ حالت میں بند تھی۔

ٹائیگر جانتا تھا کہ بلیک سرکل کے غنڈوں کی سمجھ میں جلد ہی

یہ بات آجائے گی کہ وہ محض ہاتھ پیروں سے اس کو قابو میں نہیں کر سکتے اور صرف گولیاں ہی سے ہلاک کر سکتی ہیں۔

ان دو آدمیوں نے جنھوں نے پٹ سن کا گٹھڑ اُٹھا رکھا تھا، جیسے ہی ٹائیگر کو زندہ دیکھا تو ان کی آنکھوں میں حیرت اُتر آئی۔

فانگ بھی تیزی سے اُس کی طرف لپکا چلا آ رہا تھا اس کی ٹانگ میں کافی تکلیف تھی اور وہ اُسے گھسیٹتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں جو دھندلاہٹ پیدا ہوگئی تھی وہ اب تیزی سے صاف ہوتی جا رہی تھی۔

اچانک جہاز کے عرشے پر تین اور چہرے نمودار ہوئے۔ یہ شخص غالباً نیچے سے نکل کر آئے تھے۔ ان میں سے دو کے ہاتھوں میں رائفلیں دبی ہوئی تھیں۔ تیسرا ایک لمبا لیکن دُبلا پتلا آدمی تھا۔ اس کے جسم پر مغربی طرز کا سوٹ تھا اس کا ایک ہاتھ اپنے سر سے بلند تھا۔ ٹائیگر جانتا تھا کہ یہ ہاتھ جیسے ہی گرا دونوں رائفلیں گولیاں اُگل دیں گی۔ دو قبل اس کی راہ میں حائل تھے۔ ٹائیگر نے ان پر جست لگا دی اور انھیں لیتا ہوا لڑھکنے لگا۔

وہ تیزی سے پٹ سن کے گٹھڑ کے قریب ہوتا جا رہا تھا جو اب زمین پر ساکت پڑا تھا۔ اس نے سر سے بلند ایک کک لگائی جس کی زد میں آتے ہوئے ہاتھ سے چاقو نکل کر فضا میں اُڑ گیا۔ اس نے دوسرے قل کے جسم کے درمیانی حصے میں مہلک ضرب لگائی اور گٹھڑ سے مزید قریب ہوگیا۔ دوسرے قل کے ہاتھ سے نکلنے والا چاقو تھام کر ٹائیگر نے آخری جست لگائی اور گٹھڑ کے قریب جا گرا۔ اگلی ہی ساعت اس نے گٹھڑ کے بالائی حصے پر چاقو کا وار کیا۔ جس سے گٹھڑ کھل گیا۔

فانگ سنبھل چکا تھا اور اس کی توانائی بھی واپس آگئی تھی اس نے عقب سے ٹائیگر پر حملہ کر دیا اب اس کے دونوں ہاتھوں میں چاقو دبے ہوئے تھے۔ ٹائیگر نے اس کے دونوں بازوؤں پر، پہلوؤں سے ٹھوکریں لگائیں، ان ٹھوکروں سے وہ فانگ کے ہاتھوں سے چاقو نکالنے میں تو کامیاب ہوگیا لیکن اس کا چہرہ تیزی سے جھکا اور فانگ کی پیشانی تیزی سے ٹائیگر کے چہرے کی طرف جھکتی چلی گئی۔ یہ ناک توڑ ڈالنے والی ٹکر کا انداز تھا۔

ٹائیگر نے چہرے کو گھماتے ہوئے سر اُچھالا تو اس کی کھوپڑی کا بالائی حصہ فانگ کے رخسار سے ٹکرا گیا۔ دونوں اب آمنے سامنے تھے اور ان کی لاتیں اور گھونسے ایک دوسرے کو زیر کرنے کے لیے استعمال ہو رہے تھے۔

دفعتہً پٹ سن کے گٹھڑ میں حرکت پیدا ہوگئی۔

سونی زندہ ہے۔ یہ خیال ٹائیگر کے جسم میں بجلیاں سی بھر گیا۔

اس کے حملوں میں تیزی آگئی۔ وہ فانگ کی شیطانی قوتوں کو شکست فاش سے ہمکنار کرنے کے لیے جی جان سے لڑنے لگا۔ وہ بڑھ بڑھ کر حملے کر رہا تھا۔ اس پاس سے بھی اس پر حملے ہو رہے تھے۔ ان حملوں سے نمٹنے اور حملہ آوروں کو موت سے ہمکنار کرنے کے دوران میں اُسے چند لمحوں کی مہلت مل گئی تو اس نے ایک موہوم سے خیال کے تحت ایک چاقو پٹ سن کے گٹھڑ کے بالائی شگاف میں پھینک دیا اور فانگ کی طرف متوجہ ہو گیا جو کسی ہاڈے کتے کی طرح دانت نکوستا ہوا اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔

ایک بار پھر ٹائیگر کو پٹ سن کے گٹھڑ میں کسی بڑی سی چیز کے حرکت کرنے کا احساس ہوا۔ اس کا دل رواں سونی کی زندگی کے لیے دعا کر رہا تھا۔ وہ اس گٹھڑ کے قریب رہ کر لڑ رہا تھا اور جو کوئی بھی اس کے قریب آنے کی کوشش کرتا تھا، موت اس کا مقدر ہو جاتی تھی۔ اب تک فانگ کو اس گٹھڑ کے قریب آنے کا موقع نہیں ملا تھا حالانکہ وہ اس کے گرد کئی چکر لگا کر ٹائیگر سے الجھ چکا تھا۔

ٹائیگر کی کوشش تھی کہ وہ فانگ کو زندگی سے محروم کر دے لیکن وہ ہر بار یا تو ذاتی کوشش سے بچ نکلتا تھا یا پھر اُس کے ساتھیوں میں سے کوئی اس کی زندگی کا ضامن بن جاتا تھا۔ ٹائیگر کی زیادہ تر توجہ یوں بھی پٹ سن کے گٹھڑ کی طرف ہی تھی۔

اچانک دریا کی سمت میں خاموشی چھا گئی۔

ٹائیگر کے آس پاس درجن بھر سے کچھ زیادہ لاشیں بکھری پڑی تھیں۔ بعض اوزنی سے نتھڑی ہوئی، ہڈسکل، بھدی اور ٹوٹی پھوٹی لاشیں۔ کسی کی کھوپڑی چٹخی ہوئی تھی اور کسی کا سینہ اپنی ہی پسلیوں کی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو کر گودے میں تبدیل ہو چکا تھا۔ ہر لاش ساکت تھی ... فانگ بھی کسی لاش کی مانند ساکت کھڑا تھا۔ اُس کی نگاہیں ٹائیگر پر جمی ہوئی تھیں۔ اس کی آنکھوں میں نفرتوں اور غصے کے الاؤ دہک رہے تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے اپنی عبرتناک شکستوں کے باعث وہ غیظ وغضب کے جہنم میں جل رہا ہو۔

ٹائیگر بیک وقت ہر طرف متوجہ تھا۔

کبھی تو وہ کن انکھیوں سے ان لوگوں کی طرف دیکھنے لگتا تھا جو اسے گھیر کر چکر لگا رہے تھے اور کبھی پٹ سن کے اس گٹھڑ کی طرف متوجہ ہو جاتا تھا جس میں اُسے کسی انسانی جسم کی حرکت اور نسوانی کپڑوں کی سرسراہٹ محسوس ہوئی تھی۔ فانگ پر وہ سب سے زیادہ توجہ دے رہا تھا۔ اس وقت ٹائیگر جس جگہ کھڑا تھا وہ وہاں سے ہٹنا نہیں چاہتا تھا۔ کیونکہ اس کے ہٹتے ہی بلیک سرکل کا کوئی نہ کوئی غنڈہ پٹ سن کے گٹھڑ میں موجود ہستی کو نقصان پہنچا سکتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ٹائیگر، فانگ کو اپنے سامنے پا کر بھی حملہ نہیں کر رہا تھا۔

غالباً فانگ کی چھٹی حس نے اُسے ٹائیگر کی مجبوری سے آگاہ کر دیا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر بڑی ہی مکروہ مسکراہٹ ابھر آئی۔ اس کی آنکھیں چمک اُٹھیں۔ اس کا جسم رفتہ رفتہ تن گیا۔ اب وہ سیدھا کھڑا تھا اس کے دونوں پاؤں ایک دوسرے کے ساتھ مل گئے تھے اور اس کی کہنیاں، پہلوؤں میں یوں لگ گئی تھیں کہ اس کے دونوں ہاتھوں کی نوکیلی انگلیاں ٹائیگر پر حملے کے لیے تیار تھیں۔

ایک ساعت کے لیے فانگ کا چہرہ ہر قسم کے جذبات سے عاری ہو گیا... پھر اس نے پاؤں پھیلائے اور وہ ٹائیگر کی طرف بڑھنے لگا۔

اس کے انداز سے دیوانگی جھلک رہی تھی۔

یہ خطرناک ترین انداز تھا۔

ٹائیگر کا دایاں پاؤں اپنے پنجے پر حرکت میں آیا اور اس کے عقب میں مشترک ہو گیا۔ اس کا سیدھا ہاتھ چہرے پر کے مقابل رُک گیا اور اس کی بائیں کہنی ہتھیل، کلائی سے انداز میں نظر آنے لگی۔ یہ بھی خوفناک ترین انداز تھا۔

مدافعت کا انداز اختیار کر کے وہ وہیں کھڑا رہا۔ اس کا ان ابھی تک پٹ سن کے گٹھڑ پر لگے ہوئے تھے۔ وہ سوچ رہا گٹھڑ کے اندر چاقو پہنچ چکا ہے۔ اگر سونی کے ہاتھ آزاد ہو گئے چاقو دبوچ کر جلد ہی خود کو پٹ سن کے ڈھیر میں سے نکال لے گی کر ہی وہ بار بار بے چین ہو رہا تھا کہ کہیں سونی شدید زخمی حالت

فانگ نے حملہ کرنے کے لیے جست لگانے کا ارادہ کیا کہ اسے ٹھٹک جانا پڑا۔

یکایک بادبانی جہاز کا لنگر گرجدار آواز کے ساتھ سمندر تھا۔ عرشے پر جو رائفل بردار آدمی موجود تھے انھوں نے پوزیشن سنبھال لی تھی۔

ٹائیگر سمجھا تھا کہ وہ جہاز کی طرف متوجہ ہونے کی حملہ آور نہیں ہو گا... لیکن فانگ جست لگا کر اس کی طرف آیا۔ ڈالنے والی ہاتھ کی ضربیں اور چکما چور کر دینے والی کنگ فو کی لگانے کے بعد اُسے اُچھل کر واپس ہٹ جانا پڑا۔ ٹائیگر نے فیصلے کے بعد بڑی ہی کارآمد تکنیک اختیار کی تھی۔ اس بار کے بل زمین پر گر گیا تھا تاکہ فانگ اس کے قریب آجائے۔ تر کارگر رہی۔ فانگ اس کے دام میں آگیا۔ ٹائیگر نے اس جسم کا ہدف منتخب کر لیا تھا۔ یہاں ضرب لگانے سے خاطر خوا برآمد ہو سکتا تھا۔ جسم کا درمیانی حصہ ٹارگٹ بنا کر اس نے

دائیں ہاتھوں کو آر پار آزمایا۔ اس کی انگلیاں نیزوں کی طرح ہوئی تھیں۔ لپسلیوں کے نچلے حصے پر وار کرتے ہی اُسے احساس ہو گیا کہ اس جگہ فانگ کے عضلات بے حد سخت ہیں۔ اُسے پوری قت استعمال کرنی پڑی لیکن وار اوچھا پڑا۔

فانگ بال بال بچ گیا تھا۔

فانگ کو سنبھلنے میں ذرا سی دیر لگی لیکن وہ مہلک وار بچا گیا اس کی گردن پر ایک گہری خراش ضرور آگئی۔ اس نے اُٹھتی ہوئی دکھائی لیکن استعمال کرنے کی بجائے گھوم گیا۔ ٹائیگر کا بایاں پاؤں کے پہلو سے ٹکرا گیا اور وہ لڑھکیاں کھاتا ہوا دُور جا گرا۔ ایک بار الف پوائنٹ استعمال کرنے کا موقع تھا۔ ٹائیگر نے جست لگائی اور کی انگلی فانگ کے نرخرے پر خراش ڈالتی ہوئی نکل گئی۔

فانگ نے سنبھل کر پلٹتے ہوئے حملہ کر دیا حالانکہ اُسے اس ت اپنا دفاع کرنا چاہیے تھا۔ تاہم اس کا یہ حملہ بھی دفاعی کام کر گیا ٹائیگر ری طور پر پیچھے ہٹ جانا پڑا۔

فانگ کسی درندے کی طرح پلٹ پڑا تھا۔ ٹائیگر کے پیٹ پر ولے پڑے۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس کی سانس سینے ہی میں ٹ کر رہ گئی ہو۔

وہ سنبھلنے کے لیے کئی قدم پیچھے ہٹتا چلا گیا۔

اچانک ٹائیگر کی سماعت سے ایک گونج دار آواز ٹکرائی۔ یوں وس ہوا جیسے کسی نے دریا میں کھڑے جہاز سے اُسے للکارا ہو۔ ابر رائفلیں اُٹھی ہوئی تھیں... اُسی ساعت پٹ سن کے رس حرکت پیدا ہوئی۔

ٹائیگر نے کن انکھیوں سے اِدھر دیکھا۔

چاقو کا ایک بلیڈ پٹ سن کی تہوں سے برآمد ہوا اور باہر ہی اگر سورج کی روشنی میں چمک اُٹھا... اور پھر پٹ سن کی ہ کٹتی چلی گئیں۔

ٹائیگر اپنے حملہ آوروں کی طرف سے غافل نہیں ہوا تھا ٹ سن کے گٹھڑ میں سے چاقو برآمد ہوتے دیکھ کر وہ سارے سارے غافل ہو گئے تھے اور اُدھر دیکھنے لگے تھے جہاں پٹ سن ں سے سونی کا حسین چہرہ طلوع ہو رہا تھا۔

اس کے جبڑے سختی سے بھنچے ہوئے تھے لیکن اُس کے انداز بے پناہ خود اعتمادی ظاہر ہو رہی تھی۔ اُس کے رخسار غصے کی سے دہکتے ہوئے انگاروں جیسے سُرخ اور جلتے ہوئے لگ تھے جبکہ اس کی آنکھوں سے آتشیں ظاہر ہو رہی تھی۔

ٹائیگر کے پورے جسم میں گویا کئی ہزار وولٹ کرنٹ دوڑ گیا

اس لمحے فانگ کے پیٹ میں کند سا مارا اور اُسے زمین سے اُکھاڑ ڈالا۔ اس لمحے اب تک یہی کوشش کی تھی کہ فانگ اس کے اور رائفلوں کے درمیان ایک ڈھال کی حیثیت سے موجود رہے۔ اسے اپنے اس مقصد میں ناکامی بھی نہیں ہوئی ورنہ اب تک نہ جانے کتنی گولیاں اس کے جسم میں اُتر گئی ہوتیں۔

سونی کو دیکھنے کے بعد اُس کی حالت بالکل دیوانوں جیسی ہو گئی تھی۔ وہ فانگ کو سونی کی طرف ہی دھکیلے جا رہا تھا اس طرح دراصل اپنے ساتھ ساتھ وہ سونی کو بھی رائفلوں سے محفوظ رکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ایسے میں اگر گولیاں چلتیں تو سونی یا ٹائیگر کے ساتھ ساتھ فانگ بھی یقیناً زخمی ہوتا۔ یہی وجہ تھی کہ ان میں سے کسی کو بھی فائر کرنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔

ٹائیگر نے ایک ہائی کک لگائی۔

حملہ آوروں اور فانگ کی طرف سے لمحاتی مہلت ملتے ہی اس نے دوبارہ پٹ سن کے گٹھڑ کی طرف دیکھا جس سے ابھی چند ساعتوں قبل سونی برآمد ہوئی تھی۔

سونی پٹ سن کی تہیں کاٹ کر کسی شیرنی جیسے پُروقار انداز میں بلند ہوتی دکھائی دی تھی... پھر اس نے تیزی سے جھپٹ کر حملہ کر دیا۔ اس کے دائیں ہاتھ میں چاقو دبا ہوا تھا۔ وہ اسی چاقو سے فانگ پر حملہ آور ہوئی تھی۔

فانگ اب دو طرفہ زد میں آچکا تھا۔ سامنے ٹائیگر تھا اور عقب میں بپھری ہوئی سونی تھی... وہی سونی جس کے بھائی اور والدین کو اس نے بڑی بے دردی سے ہلاک کیا تھا۔ سونی کا وار بڑا ہی جارحانہ تھا اور اُس میں انارکی پن کی جھلک نہیں تھی۔ گویا چاقو زنی کا فن اس کے لیے نیا نہیں تھا... یا پھر اپنے خاندان کے سفاک قاتل کو سامنے دیکھ کر اُس کے تن بدن میں انتقام کی لہریں دوڑ گئیں تھیں... ایسی لہریں جن میں جوشِ جنوں شامل تھا... اور یہ جوشِ جنوں اُسے فانگ کو خون میں تھرتھرانے کے لیے بے چین کر رہا تھا۔

اس کا وار اتنا کارگر رہا جتنا اس نے سوچا تھا۔ اس نے اپنی اپنی دانست میں فانگ کی گردن سے لے کر ریڑھ کی ہڈی کی سیدھ میں نیچے تک چاک کر دینے والا وار کیا تھا لیکن فانگ اس وقت بگولا بنا ہوا تھا۔ اس نے بڑی پھرتی سے چاقو کی چمک سے اپنی گردن بچائی۔ اسی لمحے ٹائیگر نے دوسری فلائنگ کک لگائی۔

فانگ گھوم گیا۔

چاقو فانگ کے کندھے کے اُوپر سے نیچے کی طرف آیا اور اس کے بازو میں اُتر گیا۔ وہ لڑکھڑایا۔ ٹائیگر کی ٹھوکر اس کی کنپٹی ران میں

لگی، وہ ایک بار پھر لڑکھڑا گیا۔

آس پاس کھڑے ہوئے مسلح آدمیوں کی اُنگلیاں ٹریگر پر سخت ہوگئیں لیکن وہ خون کے گھونٹ پی کر رہ گئے۔

دفعتہً ٹائیگر نے محسوس کیا کہ سونی ہر طرف سے خطرے میں گھر گئی ہے۔ وہ تیزی سے پھسل کر آگے بڑھا اور اس کا دایاں پاؤں حرکت میں آگیا۔ اس نے پاؤں کے آنکڑے سے سونی کی پنڈلی کو خفیف سا جھٹکا دیا۔

سونی گر گئی۔

ایک لمحے کے لیے ان دونوں کی نگاہیں چار ہوئیں۔ ٹائیگر اس کے پہلو میں پہنچ چکا تھا۔ دو آدمی جو تیزی سے سونی کی طرف لپکے تھے، وہ فضا میں اُچھلے اور پلٹ کر اپنے ساتھیوں پر جا گرے۔

کئی چیخیں بلند ہوئیں۔

"جاؤ... چلی جاؤ!!!" ٹائیگر نے سونی سے کہا۔ اس کی آواز میں سانپ جیسی پھنکار شامل تھی۔

دفعتہً ٹائیگر کی نگاہ فانگ پر پڑی۔

وہ دریا کی طرف جا رہا تھا۔ ٹائیگر نے وہیں سے جست لگائی اور فانگ پر جا پڑا۔ دونوں ایک دوسرے سے لمحاتی طور پر لپٹ کر زمین پر گرے اور دور تک لڑھکتے چلے گئے۔

سونی نے دوڑ لگا دی۔ اس کے دوڑنے کا انداز کسی ہرنی جیسا تھا۔ دریا کے کنارے ایک طرف زنگ آلود مشینری کا ڈھیر تھا۔ وہ دائیں بائیں زگ زیگ انداز میں دوڑتی ہوئی اس مشینری کی طرف دوڑ رہی تھی کیونکہ اُسے وہاں پناہ مل سکتی تھی۔

ٹائیگر کی کوشش تھی کہ وہ کسی نہ کسی طرح فانگ کو جکڑ لینے میں کامیاب ہو جائے۔ اسے کامیابی ہو جاتی لیکن اسی ساعت کن انکھیوں سے اُس نے سونی کی طرف دیکھا۔

فضا اچانک ہی گولی کے دھماکے سے گونج اٹھی تھی کسی نے سونی پر فائر جھونک مارا تھا۔

گولی اس کے بازو میں کہنی سے اوپر کسی جگہ لگی اور وہ گھوم گئی جیسے کسی نے پوری قوت سے اُسے بھرکی کی مانند گھما دیا ہو۔

اس کے بازو سے سُرخ سُرخ چمک دار خون بہہ نکلا تھا۔

ٹائیگر یہ خون دیکھ کر دیوانہ ہو گیا۔ سونی تیزی سے لڑھکتی ہوئی اس نگاہوں سے اوجھل ہو گئی۔

سونی کی طرف متوجہ ہونے کی وجہ سے ٹائیگر ایک لمحے کے لیے فانگ کی طرف سے غافل ہو گیا تھا۔ اس وقفے میں فانگ اُسے نقصان پہنچا سکتا تھا لیکن وہ بے حد زخمی تھا اور شاید اس کی ہمت ٹوٹ گئی تھی۔ اس نے حملہ کرنے کی بجائے اُسی سمت لڑھکنی

خون اُس کے زخموں سے بہہ بہہ کر پانی کی لہروں میں مل رہا تھا اور اُس کے اوپر ایک قرمزی سا رنگ پھیلتا جا رہا تھا۔ ٹائیگر اسی سمت کا تعین کھو بیٹھا تھا کہ دریا کا کنارا کس سمت میں ہے۔ پانی میں خود کو ساکت رکھتے ہوئے وہ اپنی ذہنی قوتوں سے کام لیتے ہوئے جسم کی ابتر حالت کو سنبھالنے میں مصروف تھا۔

وہ چاہتا تھا کہ اس کا خون بند ہو جائے۔ اس نے اپنی دھڑکنوں کی رفتار کم کرنی شروع کر دی۔ عمل تنفس کے ذریعے وہ خون کا بہاؤ روکنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کی روحانی قوت کام کر رہی تھی اور جسم تیزی سے اپنے زخموں کو بند کرنے میں مصروف تھا۔ اس نے اپنی دھڑکنیں بند ہونے کی حد تک کم کر لیں۔ رفتہ رفتہ اس کا ذہن صاف ہونے لگا۔

تین منٹ اسی حالت میں گزار کر اس نے دھڑکنوں کا سلسلہ دوبارہ بحال کیا اور زخموں کو محسوس کرنے کی کوشش کی۔ اب اُسے تکلیف کا احساس نہیں ہو رہا تھا۔ زخموں کی طرف سے مطمئن ہونے کے بعد اس نے خود کو بہاؤ کے حوالے کر دیا اور پانی کے نیچے تیرتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔

اُسے پانی میں آئے کئی منٹ ہو گئے تھے اور اب اس پھیپھڑوں میں تکلیف جاگ اٹھی تھی۔ ٹائیگر جانتا تھا کہ اب پانی میں مزید رہنا ممکن نہیں... اُسے سطح آب پر جا کر سانس لینی چاہیے لیکن باہر موت کے ہرکارے گھوم رہے تھے۔ وہ سطح آب پر ذرا بھر زندگی کو دائو پر نہیں لگانا چاہتا تھا اس لیے اُس کی کوشش تھی وہ پانی کے نیچے ہی نیچے وہاں سے کافی دُور نکل جائے۔

☆

وہ تیرتا رہا... آگے ہی آگے بڑھتا رہا... اس کے سینے میں تکلیف بڑھتی جا رہی تھی حتیٰ کہ یہ تکلیف ناقابل برداشت ہو گئی تھی۔ تب وہ سطح آب کی طرف اُبھرتا چلا گیا۔ اس نے منہ نکالا اور ایک طویل سانس لے کر ادھر اُدھر دیکھا۔ اس کا جسم جان ہو رہا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ جیسے ہی اُس کی کھوپڑی آبی چرند و پرند ہو گئی، ان گنت گولیاں اس کی طرف لپک پڑیں گی لیکن ایسا نہیں ہوا۔

اس کے کان بہرے پن میں مبتلا ہو گئے تھے اور حواس پر مدہوشی چھائی تھی۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ جیسے ہی اُس نے پانی میں چھلانگ لگائی تھی، دریا میں کھڑا جہاز فانگ اور اس کے ساتھیوں کو لے کر روانہ ہو گیا تھا۔

وہ سطح آب پر تیرتا رہا۔

غنودگی رفتہ رفتہ کم ہونے لگی اور حواس بیدار ہونے لگے۔ سانس بھی معمول پر آتے چلے گئے۔ تب اُس نے اطراف میں دیکھا تو اُسے دریا میں بہت دُور ایک جہاز کا ہیولہ دکھائی دیا۔

فانگ اپنے ساتھیوں کے ساتھ فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا تھا... اور جو ساتھی دریا کے کنارے پر تھے، وہ ادھر اُدھر منتشر ہو گئے تھے کیونکہ فضا پولیس بوٹ کے سائرن سے گونج رہی تھی۔ پولیس نے ان کی فائرنگ کے دھماکے سُن لیے تھے اور ان کی بوٹ نے وہاں پہنچنے میں زیادہ دیر نہیں لگائی تھی۔

لیکن... سونی... کہاں ہے؟ ٹائیگر نے سوچا۔ ایک بار پھر اس کے ذہن پر ناتوانی حملہ آور ہو رہی تھی۔ موت اس پر غلبہ آنے کی بار بار کوشش کر رہی تھی لیکن اندرونی طاقتیں زور نہیں چلنے دیتی تھیں۔ اس کی نس نس میں شرارے بھرتے جا رہے تھے۔ جو گولیاں اُس کے جسم میں لگی تھیں، وہ انگاروں کی طرح اس کی ہستی کو اندر سے جلا رہی تھیں۔ ان گولیوں کا نکل جانا ہی اُس کی زندگی کی ضمانت بن سکتا تھا۔ اگر وہ دریا کے کنارے پر پہنچ جاتا تو ان گولیوں کو نکالنے کی ترکیب ہو سکتی تھی لیکن پولیس بوٹ کی موجودگی میں ایسا مشکل تھا۔

اس نے خود کو پانی میں رکھتے ہوئے اطراف کا جائزہ لیا۔

دُھندلائی ہوئی آنکھوں نے اُسے جو منظر دکھایا، وہ اطمینان بخش تھا۔ فانگ کا جہاز دریائے وانگ پو میں بہت آگے جا چکا تھا اور پولیس بوٹ اُس کے تعاقب میں جا رہی تھی... لیکن ٹائیگر جانتا تھا کہ یہ ہلکی پھلکی بوٹ جہاز کو پکڑنے میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی۔

پولیس بوٹ کافی آگے نکل گئی تو ٹائیگر نے کنارے کی طرف تیرنا شروع کر دیا۔ اُسے ہر طرف پانی ہی پانی دکھائی دے رہا تھا۔ حواس ایک بار پھر رفتہ رفتہ اُس کا ساتھ چھوڑتے جا رہے تھے اور اُسے یوں لگ رہا تھا جیسے اس کی ہستی کسی جھنور میں پھنس چکر کھا رہی ہو۔ اس نے آسمان کی طرف دیکھا جہاں اب ایک بھی بادل نہیں تھا۔

دریا کا کنارا ہر لمحہ گزرتے گزرتے اور یہ فاصلہ اُسے میلوں پر محیط لگ رہا تھا۔ اس نے ہمت نہیں ہاری اور تیرتا رہا۔ بار بار اس کا سر پانی میں ڈبکی لگا جاتا تھا، ہاتھ پیروں میں تو گویا جان ہی نہیں رہی تھی۔ وہ خون بند کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا لیکن اب جسم میں موجود گولیاں اُسے نقصان پہنچا رہی تھیں۔ اگر وہ خون بند نہ کرتا تو اب تک نہ جانے یہ سُرخ

سرِ شام زندگی کس قدر سہمی ہوئی ہوتی اور وہ اس وقت زندہ بھی ہوتا یا نہیں۔

دریا کے کنارے اُگی ہوئی سبز سبز جھاڑیاں اُسے قریب آتی محسوس ہو رہی تھیں۔ یہ جھاڑیاں اُس کی زندگی کی ضمانت دے رہی تھیں۔ اُسے بس اتنا ہی کرنا تھا کہ کسی نہ کسی طرح ان جھاڑیوں تک پہنچ جائے۔

ٹائیگر اس ہیولے سے بے خبر تھا، جو ان جھاڑیوں میں تیزی سے متحرک تھا۔ یہ ماسٹر تاؤ تھا جو فائرنگ کی آواز سُن کر پولیس بوٹ کے ساتھ ہی وہاں پہنچا تھا۔ ماسٹر تاؤ وہاں پہنچتے ہی متلاشی نگاہوں سے اِدھر اُدھر دیکھا تھا۔ اُسے کچھ لوگ جھاڑیوں میں اِدھر اُدھر دوڑتے دکھائی دیے تھے لیکن ان میں ٹائیگر نہیں تھا۔ اچانک اُس کی سماعت سے ایک نسوانی کراہ ٹکرائی۔ وہ چونک کر اُدھر متوجہ ہُوا اور چند ہی لمحوں میں سوفی کے قریب پہنچ گیا۔

سوفی کو زخمی حالت میں اُٹھا کر وہ دریا کے کنارے لے آیا۔ اور نرمی سے بولا۔ "جسم کو ساکت رہنے دو، کوئی حرکت نہ کرو۔ خون ضائع نہ ہونے دو۔" یہ کہہ کر اُس نے اپنے لبادے سے ایک پٹی پھاڑ کر اس کے زخم پر باندھ دی اور اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔

سوفی پر بھی غنودگی سی طاری تھی، وہ بار بار پلکوں کا بوجھ اُٹھا کر کچھ دیکھنا چاہتی تھی اور اُس کی زبان ماسٹر تاؤ کو ٹائیگر کے بارے میں بتانے کے لیے بے چین تھی۔ . . لیکن جسمانی توانائی آڑے آرہی تھی۔

"شہزادہ کہاں ہے؟" ماسٹر تاؤ نے دریافت کیا

اس سوال نے سوفی پر جادو سا کر دیا۔ اُسے لمحے بھر کے لیے اپنے جسم میں توانائی کی ایک لہر سی دوڑتی محسوس ہوئی اُس کا ہاتھ دریا کی طرف اشارہ کرنے لگا

ماسٹر تاؤ نے دریا کی جانب دیکھا اور تب اچانک ہی اس کی نگاہ ٹائیگر پر پڑ گئی جو لڑکھڑاتا ہُوا پانی سے نکل رہا تھا۔ اگلی ہی ساعت ماسٹر تاؤ آندھی اور طوفان کی طرح ٹائیگر کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

* ماسٹر تاؤ نے گہری نگاہ سے سوفی کی طرف دیکھا اور مؤدب لہجے میں بولا۔ "دُنیا میں کسی بھی جگہ. . . وہ عیش کہیں بھی ہو سکتا ہے۔"

سوفی فکرمند نگاہوں سے ٹائیگر کی طرف دیکھ رہی تھی جو زمین پر ایک چٹان کے اُوپر ساکت پڑا تھا جھونپڑی کی چھت کو تھوڑا سا ہٹا کر ماسٹر تاؤ آہستہ آہستہ چلتا جھونپڑی کی کھڑکی میں جا کھڑا ہُوا۔ اُس کی آنکھیں باہر گھومنے لگیں۔ دُور دریا کے وانگ پو کا پانی کسی چمکدار سیال کی طرح بہتا دکھائی دے رہا تھا۔

اگر وہ گیا کا بچہ زندہ بچ گیا ہے تو دُنیا میں کسی بھی جگہ اپنی تمام تر جبلتوں اور ماورائی طاقتوں کے ساتھ موجود ہوگا۔" وہ ایک بار پھر بڑبڑایا۔ اس کی آنکھوں میں خون کی سُرخی تیر رہی تھی۔ "کاش ہم کچھ دیر قبل وہاں پہنچ گئے ہوتے۔"

سوفی نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اس کے حسین چہرے پر زردی پھیلی ہوئی تھی اور آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک کا احساس ہوتا تھا۔ اچانک ٹائیگر کی ساکت حالت میں تبدیلی رُونما ہوئی اور وہ اُٹھ بیٹھا۔ وہ اس وقت اُسی جھونپڑی میں تھا، جہاں پہلے وہ ماسٹر تاؤ کے ساتھ ایک بار آچکا تھا۔ ٹائیگر کی طرف دیکھ کر سوفی ہونٹوں پر بڑی ہی خوشگوار مسکراہٹ پھیل گئی۔ اُنھیں اس جھونپڑی میں آئے کئی دن ہو گئے تھے۔ ان کے زخموں کی مناسب دیکھ بھال کی گئی تھی اور وہ ایک بار پھر پوری طرح صحت مند تھے۔

سوفی کا ذہن ماضی کے ان دنوں کی یاد میں ڈوب گیا جب فانگ نے اس کے خاندان کو قتل کیا تھا۔ اُسی روز اُس نے پہلی بار ٹائیگر کو دیکھا تھا۔ تب وہ اس کے بارے میں کتنی غلط رائے قائم کر بیٹھی تھی۔ وہ اُسے دوسرا فانگ سمجھ بیٹھی تھی. . . فانگ جو درندہ تھا. . . فانگ جو شیطان تھا. . . لیکن ٹائیگر فرشتۂ رحمت ثابت ہوا تھا۔ وہ اس کی ذہانت اور دلیری کے علاوہ مارشل آرٹس میں مہارت کی دل سے قائل تھی اور اب تو اُس نے ٹائیگر ہی کو اپنا سب کچھ سمجھ لیا تھا. . . بلکہ اس کے نزدیک ٹائیگر کی حیثیت ایک ایسے دیوتا جیسی تھی جسے وہ دل ہی دل میں پوجنے لگی تھی۔

سوفی وہ وقت یاد کر کے کانپ گئی جب ٹائیگر نے اُسے دلدل کی گرفت سے آزاد کرایا تھا اور وہ گُبریلوں کی بوچھار میں وہاں بھاگ نکلی تھی۔ وہ یہ سوچ سوچ کر غیر جان ہو جاتی تھی کہ اگر اُس نے نہ کرایا گیا ہوتا تو آج وہ ان دو شفیق ہستیوں کی رفاقت سے محروم ہونے کے بجائے ہانگ کانگ کے کسی قحبہ خانے کی زینت بن کر اپنی زندگی گزار رہی ہوتی اور ہر آنے والی شب اُسے گناہوں کی دلدل میں مزید نیچے ہی نیچے لے جا رہی ہوتی۔ وہ منظر تو سوفی زندگی بھر بھی نہیں بھُول سکتی تھی جب اُس نے ٹائیگر کو بلیک سرکل کے قاتلوں کے ہاتھوں زخمی ہو کر دریائے وانگ پو میں گرتے دیکھا تھا۔ وہ سمجھی تھی کہ اس کا دیوتا ہلاکت میں پڑ گیا ہے. . . لیکن عین وقت پر ماسٹر تاؤ کی آمد نے نہ صرف اُسے بلکہ ٹائیگر کی زندگی کو بھی بچا دیا تھا۔ وہ ان دونوں کو لے کر اس جھونپڑی میں آگیا تھا۔ جہاں تک ٹائیگر زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا رہا تھا۔ اس میں سوفی نے اس کی دیکھ بھال میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا تھا۔ وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتی رہتی تھی اور ہر دم کسی سوچ

آخر یہ حسین و جمیل جوان درحقیقت کون ہے اور یہ اس کی زندگی میں کیوں آیا ہے؟ اس نے ٹائیگر کے زخم دیکھے تو مارے حیرت کے گنگ رہ گئی تھی۔ ان زخموں کی موجودگی میں کسی انسان کی زندگی ممکن نہیں تھی. . . لیکن ناقابلِ یقین بات یہ تھی کہ ان سے خون نہیں رِستا تھا۔ ماسٹر تاؤ نے جو جڑی بوٹیاں استعمال کی تھیں، ان کی مدد سے زیادہ وہ اپنی خفیہ صلاحیتوں اور طاقت کے بل بوتے پر زندگی کو موت کے جبڑوں سے نکالنے میں کامیاب ہُوا تھا۔

سوفی کے پاس اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا کہ وہ ٹائیگر سے محبت کرتی رہے. . . لیکن کیسے؟ وہ حیران تھی کہ ایک ایسے شخص سے کس طرح محبت کی جا سکتی ہے، جو کسی قسم کا اظہار ہی پسند نہیں کرتا۔ اب اسے یہ احساس شدت سے ہونے لگا تھا کہ اس جوان سے وہ محبت نہیں کی جا سکتی جو دُنیا میں عورت اور مرد کے مابین ازل سے ہوتی چلی آرہی ہے اور قیامت تک ہوتی رہے گی. . . یہی وجہ تھی کہ اس نے اُسے اپنے من مندر کا دیوتا مان لیا تھا اور اس کی داسی بن گئی تھی۔ وہ ایک خاموش پجارن بن کر اپنے جذبۂ محبت کی تسکین کرنے لگی تھی۔

سوفی نے ٹائیگر کو سمجھنے کے لیے ماسٹر تاؤ سے کنگ فو اور مارشل آرٹس کے بے پناہ روحانی پہلو پر بہت سے سوالات کیے تھے اور بالآخر اس نتیجے پر پہنچ گئی تھی کہ ٹائیگر اُسے اپنی دُنیا میں آنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ وہ ایک خاص مشن پر کام کر رہا ہے اور سوفی اس کی راہ میں رُکاوٹ بن رہی ہے۔ اس کی وجہ سے ٹائیگر کی توجہ بٹتی ہے اور. . . اس نے ہر خیال ذہن سے جھٹک دیا کیونکہ وہ جانتی تھی کہ ٹائیگر ایک بار پھر اُس سے دُور جانے والا ہے۔

"کیا آپ نے تمام انتظامات مکمل کر لیے ہیں؟" ٹائیگر کی آواز سنائی دی۔ وہ ماسٹر تاؤ کی طرف متوجہ تھا۔

سوفی اپنے جذبات چھپائے خاموش بیٹھی اُس کی طرف دیکھتی رہی۔

ماسٹر تاؤ کھڑکی سے پلٹ کر مسکرانے لگا۔ "تم انسانی شکار کے بہت شوقین معلوم ہوتے ہو۔" وہ بولا۔ "ابھی تمھیں ٹھیک ہونے میں کئی دن لگنے ہوں گے۔ میں کہتا ہوں کہ تم دوبارہ شکار پر جانے کے لیے پر تول رہے ہو۔"

ٹائیگر کے ہونٹوں پر بڑی ہی ناقابلِ فہم مسکراہٹ کھیلنے لگی۔

ماسٹر تاؤ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اگرچہ اُنھیں ایک دوسرے سے ملے زیادہ عرصہ نہیں ہُوا تھا لیکن وہ ایک دوسرے کو بہت اچھی طرح سمجھنے لگے تھے۔

"میں نے کچھ انتظام کیا تو ہے۔" ماسٹر تاؤ نے جواب دیا اور ٹوٹی پھوٹی میز سے ایک خشک پھول اُٹھا کر اُس کی پتیوں کو اپنی گشادہ ہتھیلی پر بکھیرنے لگا۔ "اگر تم جانے پر بضد ہو تو آج رات وانٹی نام کا ایک ملاح شاتناؤ جانے کے لیے تیار ہے۔ وہ تمھیں ہانگ کانگ جانے والے جہاز میں منتقل کر دے گا۔ میں تمھارے کاغذات کی تیاری کے لیے کوشش کر سکتا ہوں بشرطیکہ تم ایک روز اور. . ."

"نہیں. . . میں آج ہی رات جانا چاہتا ہوں۔" ٹائیگر کے لہجے میں ضد تھی۔

ماسٹر تاؤ کے لبوں پر شفیق مسکراہٹ کھیل گئی۔ وہ دوبارہ کھڑکی کی طرف متوجہ ہُوا اور اُسے پورا کھول کر پھول کی پتیاں باہر فضا میں اُچھال دیں۔

پتیاں خشک ہوا میں تیرتی ہوئی دُور تک بکھر گئیں۔ سوفی نے ماسٹر تاؤ کی آنکھوں میں ایک عجیب اور ناقابلِ فہم سی چمک دیکھی. . .

ٹائیگر اب سوفی کی جانب متوجہ ہو گیا تھا۔ اگرچہ اس کا چہرہ جذبات سے عاری تھا لیکن ٹائیگر اس کے دل میں جھانک کر سب کچھ دیکھ سکتا تھا۔ اُسے متوجہ پا کر سوفی بھی اس کی طرف دیکھنے لگی۔ دونوں کی نگاہیں چار ہوئیں تو سوفی کو اپنے آپ میں بجلی کی ان گنت لہریں دوڑتی محسوس ہونے لگیں۔

"کیا تم سنا بخ جاؤ گی؟" ٹائیگر نے دھیمی آواز میں پوچھا۔

سوفی نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"کیا تمھیں یاد ہے کہ وہاں جا کر تمھیں کیا کہنا ہے؟" ٹائیگر نے سوال کیا۔

سوفی اثبات میں سر ہلاتے ہوئے ہنس پڑی۔ "مجھے سب کچھ یاد ہے۔" اس نے جواب دیا۔ "میں اور میرس مُون سے ملوں گی اور اُسے اُوشان کی موت سے آگاہ کرتے ہوئے فانگ کے بارے میں سب کچھ بتاؤں گی۔ میں اُسے صورتِ حال سے مطلع کرنے کے بعد کہوں گی وہ بھی اپنے طور پر بلیک سرکل کا قلع قمع کرنے کی کوشش کرے اور اگر ممکن ہو تو اُوشان کے کسی شاگرد کو ہانگ کانگ بھیج دے تاکہ وہ وہاں فانگ کو تلاش کرنے میں تمھاری مدد کر سکے۔ اس کے علاوہ اُسے چاہیے کہ وہ ماسٹر تاؤ کے کسی خاص پیغام کا انتظار کرے۔ اس کے ساتھ ساتھ مجھے اپنی حفاظت بھی کرنی ہے اور اگر یہ ممکن نہ ہُوا تو میں اس سلسلے میں اور لیس مُون سے مدد طلب کروں گی۔" یہ کہہ کر وہ سنجیدگی سے ٹائیگر کی طرف دیکھنے لگی۔ "میرا خیال ہے، تمھیں اپنا وعدہ بھی یاد ہوگا کہ ایک سال تک میں تمھارا اسنا بخ قبیلے میں منتظر

کروں گی۔ اس کے بعد تمہاری تلاش میں نکل کھڑی ہوں گی۔"

ٹائیگر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اُسے حیرت تھی کہ سونی اتنے قلیل عرصے میں اس سے کس قدر قریب آگئی ہے۔ دونوں دیر تک ایک دوسرے کی آنکھوں میں کھوئے رہے۔ موسم سرما کی دھوپ باہر پھیلی ہوئی تھی اور جھونپڑی کی کھڑکی سے اندر آنے والی کرنوں سے سونی کے بالوں کے گرد ایک نورانی ہالہ سا بن گیا تھا۔ جس کے باعث اُس کے مُکھ میں چاند رنگ گئے تھے۔

اچانک ماسٹر تاؤ نے کھڑکی کے قریب کھڑے کھڑے پاؤں زمین پر گھسیٹا۔ خفیف سی اس آواز نے سونی کا انہماک توڑ دیا۔ اُس نے پلٹ کر ماسٹر تاؤ کی طرف ایسی نگاہوں سے دیکھا۔ جیسے وہ اس کا کوئی جانی دشمن رہا ہو۔ وہ ٹائیگر کی آنکھوں میں ڈوبی رہنا چاہتی تھی اور ماسٹر تاؤ کی حرکت سے اس کا تاثر متاثر ہو گیا تھا۔

"سونی کے سنا بجو جانے کے سلسلے میں کارروائی عمل ترتیب دیا جا چکا ہے۔ میرے بعض دوست مختلف مقامات پر موجود ہیں۔ وہ اس سلسلے میں کافی مددگار ثابت ہوں گے۔ یہ محافظت منزل مقصود تک پہنچ جائے گی۔" ماسٹر تاؤ نے کھنکار کر گلا صاف کرتے ہوئے کہا۔

محافظت کا لفظ سونی کے لیے بے معنی تھا۔ کیونکہ اُس کی زندگی کے حسین ترین دنوں کا خاتمہ ہو رہا تھا اور وہ ٹائیگر کی رفاقت کھو رہی تھی۔

✻

نومبر کی سرد ہوائیں چل رہی تھیں۔ ان کی کشتی سفر پر جانے کے لیے تیار تھی۔ ٹائیگر کھیوں سے بوٹ مین کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ ایک بھاری بھرکم فنی تھا جس نے ایک بھاری کوٹ پہن رکھا تھا۔ وہ روانگی کی تیاری میں مصروف تھا اور ٹائیگر سوچ رہا تھا کہ آخر یہ شخص اُسے چین سے کہیں اسمگل کرنے پر کس طرح آمادہ ہو گیا ہے؟ یہ ایک خطرناک ترین کام تھا اور اس شخص نے اُسے پورا کرنے کی حامی بھر لی تھی۔

وہ ساحل کی طرف دیکھنے لگا۔ جہاں ماسٹر تاؤ، سونی کے ساتھ کھڑا تھا۔ ماسٹر تاؤ کے دانت دُور سے بھی ویسے ہی چمکدار لگتے تھے۔ جیسے کہ قریب سے لگتے تھے۔ کچھ دیر بعد وہ دونوں کشتی کے قریب آگئے اور ماسٹر تاؤ نے محبت سے ٹائیگر کا کندھا تھپتھپایا۔۔۔ پھر اس کا ہاتھ اپنے کوٹ کی بڑی سی جیب میں دھنس گیا۔ اور جب واپس آیا تو اس میں کوئی چیز دبی ہوئی تھی یہ ایک چرمی جلد والی کتاب تھی۔ بہت ہی قدیم کتاب۔۔۔ اس نے یہ کتاب ٹائیگر کے ہاتھ میں دے دی۔

ٹائیگر نے حیرت سے کتاب کی طرف دیکھا۔

اس کتاب کے حروف سنہرے تھے اور اس کا عنوان تھا سنا بجو کے اقوال، ٹائیگر کی دھڑکنیں بے ترتیب ہو گئیں۔ اس کے چہرے کی اسکرین پر اُوشان کا چہرہ طلوع ہوا اور اس کا دل اس کے لیے احترام سے لبریز ہو گیا۔ "یہ کتاب میں نے اُوشان کے پاس کبھی نہیں دیکھی تھی۔" وہ زیر لب بولا۔

"اُوشان کو ایسی کوئی کتاب اپنے پاس رکھنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ اس کا ایک ایک لفظ اُسے زبانی یاد تھا۔ اس کتاب کی ایک ہزار جلدیں آج سے لگ بھگ ایک ہزار سال قبل تیار کی گئی تھیں لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اب دُنیا بھر میں اس کی صرف تین چار ہی جلدیں محفوظ ہوں گی۔ میرے پاس سنا بجو کی کچھ اور تحریریں بھی موجود ہیں۔ جب ہم دوبارہ ملیں گے تو میں تمہیں وہ تحریریں بھی دکھاؤں گا۔ بہرحال، اس کتاب کے ایک صفحے پر نشان لگا ہوا ہے بوٹ مین سے کوئی بات کرنے سے قبل اس کا مطالعہ کر لینا۔" یہ کہہ کر اُس کی نگاہ ٹائیگر سے سونی کی طرف منتقل ہو گئی اور اس میں بے پناہ نرمی سمٹ آئی۔۔۔ پھر وہ اثبات میں سر ہلاتا ہوا اُن سے کچھ دُور ہٹ گیا۔ غالباً وہ ان دونوں کو الوداعی باتیں کرنے کی مہلت دینا چاہتا تھا۔ دو چاہنے والوں کو ایسے چند لمحات فراہم کرنا ایک بہت بڑا احسان تھا اور سونی اس احسان کے بوجھ تلے دبی جا رہی تھی۔

ٹائیگر نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ اگرچہ سونی کا ہاتھ بھاری آستین میں چھپا ہوا تھا، پھر بھی ٹائیگر کو یوں محسوس ہوا۔ جیسے بے پناہ نرم مخمل اس کے ہاتھ میں آگئی ہو۔ دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ زبان کے لب خاموش تھے لیکن خاموشی کی اس زبان میں وہ ایک دوسرے سے بہت کچھ کہہ رہے تھے۔

اُنھیں ایک دوسرے سے جو کچھ بھی کہنا تھا، اُس کے لیے لفظوں کی ضرورت نہیں تھی۔ ٹائیگر الوداعی ملاقات کے تقاضے پورے کر کے دو قدم پیچھے ہٹا تو سونی کی آنکھوں میں موتیوں جیسے چمکدار آنسو تیرتے نظر آنے لگے۔ بچ رہتے ہوؤں نے انھیں آنکھوں کے کناروں پر منجمد کر دیا اور یہ رخساروں پر نہ ڈھلک سکے۔ وہ پلٹی، دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپا کر بے ساختہ سسکیاں روکتی ہوئی... ماسٹر تاؤ کی طرف بڑھ گئی۔

ٹائیگر چند لمحوں تک اسے دیکھتا رہا۔۔۔ پھر اس نے بوٹ مین کی طرف دیکھتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔

بوٹ مین نے کشتی آگے بڑھا دی اور دریائے وانگ پُو کی لہروں پر ان کا سفر شروع ہو گیا۔

ٹائیگر نے بوٹ مین کی طرف دیکھا۔ وہ اپنی ہی دُھن میں مست تھا۔ اُس کے ذہن میں ماسٹر تاؤ کا جملہ گونج گیا۔ ٹائیگر کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ رقص کرنے لگی۔ اس نے چرمی جلد والی مختصر سی کتاب کو دیکھا اور پھر اُسے کھولے بغیر کشتی کے پچھلے حصے کی طرف جانے والے زینے سے اُتر تا چلا گیا۔ وہ اپنے کیبن میں جا کر الہ دین سے ماسٹر تاؤ کی ہدایت پر عمل کرنا چاہتا تھا۔

کیبن میں ایک بستر لگا ہوا تھا۔ وہاں تیل اور مچھلی کی باس بسی ہوئی تھی۔ روشنی کا کوئی خاص انتظام نہیں تھا۔ تاہم اس وقت سمندر کے رُخ واقع گول کھڑکی سے روشنی اندر آ رہی تھی۔

ٹائیگر بستر پر دراز ہو گیا۔

اس نے جیب سے سنا بجو خاندان کے اوّلین استاد کی لکھی ہوئی ہزار سال پرانی کتاب نکالی۔ یوں لگتا تھا جیسے اس کتاب پر زمانے کی طوالت ذرا سی بھی اثر انداز نہیں ہوئی۔ وہ احتیاط سے ایک ایک صفحہ دیکھتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔ اُسے اس مخصوص صفحے کی تلاش تھی۔ جس کا تذکرہ ماسٹر تاؤ نے کیا تھا۔ اوراق پلٹتے ہوئے ایک جگہ اس کا ہاتھ رُک گیا۔ اس صفحے پر نشانی موجود تھی۔

وہ اس صفحے کا مطالعہ کرنے لگا۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ کوئی نوجوان ایک دریا کے کنارے پہنچا تو اُسے ایک اجنبی ملاح دکھائی دیا۔ نوجوان دریا کے کنارے بیٹھ گیا۔ اجنبی ملاح اس کے قریب آیا اور بولا "میں دیکھ رہا ہوں کہ تم دریا کے دوسرے کنارے جانا چاہتے ہو۔ میں بھی اُدھر ہی جا رہا ہوں۔ اگر تم چاہو تو میرے ساتھ چل سکتے ہو۔"

نوجوان کشتی میں بیٹھ گیا اور کشتی دوسرے کنارے کی طرف روانہ ہو گئی۔ ابھی کشتی دریا کے درمیان ہی پہنچی تھی کہ اچانک نوجوان نے اجنبی ملاح سے سوال کیا "تم مجھے نہیں جانتے اور نہ ہی میں تمہیں جانتا ہوں۔ اس کے علاوہ میری کوئی خاص اہمیت بھی نہیں ہے۔۔۔ پھر تم نے میرے ساتھ اس قدر ہمدردانہ سلوک کیا ہے؟"

اجنبی ملاح نے اُسے قتل کر دیا اور اس کی لاش پانی میں پھینک دی۔

اگلے روز ایک دانا اُسی دریا پر پہنچا تو اُسے ایک اجنبی ملاح نظر آیا۔ جس کے پاس ایک کشتی تھی۔ دانا، دریا کے کنارے بیٹھ گیا تو ملاح اس کے قریب آکر بولا "میں دیکھ رہا ہوں کہ تم دریا کے دوسرے کنارے جانا چاہتے ہو۔ میں بھی اُدھر ہی جا رہا ہوں۔ اگر تم چاہو تو میرے ساتھ چل سکتے ہو۔"

دانا کشتی میں سوار ہو گیا اور وہ دونوں دوسرے کنارے کی طرف روانہ ہو گئے۔ راستے میں دانا نے ملاح سے کہا "میں دیکھ رہا ہوں کہ تم واقعی ایک ملاح ہو۔"

ملاح نے جواباً کہا "اور میں دیکھ رہا ہوں کہ تم واقعی ایک دانا شخص ہو۔"

دوسرے کنارے پہنچ کر دانا کشتی سے اُتر گیا اور اجنبی ملاح کی طرف دیکھتے ہوئے مُسکرا کر بولا "بہت بہت شکریہ! تم ایک مہربان آدمی ہو۔"

ملاح تعظیماً جھک گیا اور اپنے کام کی طرف متوجہ ہو گیا اور دانا اپنے راستے پر چل دیا۔

ٹائیگر نے یہ قصہ پڑھا اور مُسکرانے لگا۔ ممکن ہے، یہ کہانی عام شخص کے لیے ایک عام سی اور بچکانہ کہانی رہی ہو۔۔۔ لیکن وہ سمجھ گیا تھا کہ اس میں دانائی کی کون سی رمز پوشیدہ ہے۔

سب سے بڑی بات یہ تھی کہ کتاب کے اس صفحے پر نشانی کے طور پر سیاہ ربن استعمال کیا گیا تھا۔

✻

ٹائیگر رات بھر اطمینان کی نیند سوتا رہا۔

ماسٹر تاؤ نے کتابی کہانی کے ذریعے اُسے جو پیغام دیا تھا، وہ اس کے نزدیک بے حد اہم تھا لیکن اس اہمیت کے پیش نظر وہ اپنی نیند خراب نہیں کر سکتا تھا۔ ان حالات میں وہ عام آدمیوں سے بے حد مختلف تھا۔ گہری نیند کے باوجود وہ آس پاس سے اتنا ہی باخبر رہ سکتا تھا جیسے کہ جاگنے کی حالت میں رہتا تھا۔ اس کی حسیات اُسے ماحول سے اشارے کرتی تھیں۔

اگلے روز ٹائیگر بیدار ہوا تو اس نے دیکھا کہ کشتی سمندر میں پہنچ چکی ہے اور خشکی کا دُور دُور نام و نشان تک نہیں ہے۔ پانی کی دیو ہیکل لہریں اُٹھ اُٹھ کر بوٹ کی طرف یوں بڑھتی تھیں جیسے اسے نگل جائیں گی۔ ٹائیگر کی نگاہیں دُور اُفق پر جم گئیں۔ جہاں دُھند ہی دُھند پھیلی ہوئی تھی۔ تب اُسے اُوشان کی باتیں یاد آنے لگیں۔

سمندر اور صحرا میں صرف یہی فرق ہوتا ہے کہ سمندر میں مچھلیاں پائی جاتی ہیں۔ جو شخص صحرا میں سفر کر چکا ہو، اُسے سمندر کی گہرائی ناپنے کی ضرورت نہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ کسی روز تمھیں اس مرحلے سے گزرنا پڑے گا، تب میری یہ بات یاد کر لینا، تم سمجھ جاؤ گے کہ میں نے غلط نہیں کہا تھا۔"

ٹائیگر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

واقعی اُوشان نے درست ہی کہا تھا۔ بڑی بڑی آبی لہریں، صحرا میں پائے جانے والے بڑے بڑے ریتلے ٹیلوں کی طرح ہی تھیں۔ سمندر کی نمکین ہوا اُس کے رُخساروں کو چھو رہی تھی۔

ایک ہفتے تک وانتی نام کا ملاح اس بادبانی کشتی کو چلاتا رہا جس میں ایک ہلکی سی موٹر بھی لگی ہوئی تھی۔ جب ہواؤں کا زور بڑھ جاتا تو وہ بادبان کھول دیتا تھا اور موٹر بند کر کے ایندھن کی بچت کر لیتا۔ اس دوران میں ٹائیگر نے کئی بڑے بڑے جہاز بھی دیکھے تھے۔ کوریا، تائیوان اور انڈوچائنا کے جہاز۔ . . اب تک صرف ایک بار وہ سمندر کے اس حصّے سے گزرے تھے جہاں سے اُسے دُھندلا اور ساحل کی لمبی لکیر دکھائی دی تھی۔

کشتی میں یہ شب و روز ٹائیگر نے بڑے صبر و تحمل سے گزارے۔ وہ زیادہ تر وقت مشق کرتے ہوئے گزارتا تھا۔ اس کے بعد جو مہلت ملتی تو اُسے عمل استغراق میں صرف کر دیتا تھا۔

ماسٹر تاف نے جو معلومات اُسے فراہم کی تھیں۔ ان کے مطابق فانگ جس جہاز میں سوار تھا، وہ ہانگ کانگ جا رہا تھا۔ ٹائیگر جانتا تھا کہ آج کل ہانگ کانگ کو وہی حیثیت حاصل ہے جو انقلاب سے قبل شنگھائی کو حاصل تھی۔ ایک ایسا شہر جہاں بین الاقوامی طور پر اسمگلنگ ہوتی تھی اور جسے منشیات کی نقل و حمل میں شاہراہ کی حیثیت حاصل تھی۔ . . جہاں پولیس والے خود محرم تھے یا پھر محرم گروہوں سے تعلق رکھتے تھے۔ جہاں معصوم لوگوں کو منشیات کا عادی بنایا جاتا تھا، جہاں عورتوں کو زبردستی عصمت فروشی پر مجبور کیا جاتا تھا جہاں بدمعاشوں، ٹھگوں، سود خوروں اور دھوکے بازوں کی بہتات تھی اور جہاں قدم قدم پر نفسیاتی مریضوں اور قاتلوں کو گھومتے ہوئے پایا جاتا تھا۔ جہاں آدمی، آدمی کی ہلاکت اور تباہی پر اپنی کامیابی اور عیش و عشرت کے محل تعمیر کرنے کا عادی تھا۔ ٹائیگر کو معلوم تھا کہ ہانگ کانگ مجرموں کی دنیا کا دارالسلطنت ہے۔ وہاں حقیر ترین نشے باز سے لے کر منشیات کے شہنشاہ چیو چاؤ جیسے لوگ رہتے تھے۔ . . اور سب سے بڑھ کر جہاں بلیک سرکل کے بچے کھچے گرگے اور شیطان صفت فانگ کا ٹھکانہ تھا۔ ہانگ کانگ ایک ایسا شہر تھا جہاں صرف بڑی مچھلیوں کا پیٹ بھرتا تھا۔ وہاں چھوٹی مچھلیاں صرف اسی وقت تک زندہ رہتی تھیں جب تک کہ وہ بڑی مچھلیوں کی نگاہ سے محفوظ رہتی تھیں۔

ٹائیگر جب بھی اس مکروہ ترین دُنیا کے بارے میں سوچتا، اس کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے۔ انسانیت کی تذلیل اُسے ایک آنکھ نہیں بھاتی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ وہاں ہر روز بنی نوع انسان کو پابہ زنجیر کرنے کے لیے نت نئے طریقے آزمائے جاتے ہیں۔

ٹائیگر ان باتوں پر جیسے جیسے غور کرتا رہا، اس کی توجہ عمل استغراق اور جسمانی مشقوں پر بڑھتی چلی گئی۔ وہ جانتا تھا کہ اس کی حیثیت ایک ایسی فوج جیسی ہے جو صرف اور صرف ایک آدمی پر مشتمل ہے... اور اسی یک رُکنی سپاہ کو جرائم کی دُنیا کا تختہ اُلٹنا تھا۔ بنی نوع انسان کو آزادی کی سانسیں فراہم کرنی تھیں... اور سب سے بڑھ کر فانگ کو ہلاک کرنا تھا۔ جو اس کے رُوحانی باپ، اُوشان کا قاتل تھا۔

اُس نے اب تک جسمانی مشقوں اور عمل تخیل پر اتنی محنت پہلے کبھی نہیں کی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ چند ہی دنوں میں وہ خود کو ایک نئی اور بدلی بدلی سی شخصیت محسوس کرنے لگا تھا۔ اس میں کہیں زیادہ سنجیدگی آ گئی تھی۔ طاقت اور توانائی کے چشمے اس کی ذات میں پھوٹ پھوٹ کر اُس کی رُوح کو سیراب کر رہے تھے۔ اگرچہ اُسے پہلے ہی دن سے اپنی اہمیت کا احساس تھا لیکن اب اس کی اہمیت خود اپنی ہی نگاہ میں پہلے سے کہیں زیادہ ہو گئی تھی۔ یک رُکنی فوج کا خیال اُسے ہر وقت اپنے کمزور پہلوؤں پر نظر ثانی کرنے اور انھیں مضبوط بنانے کی جدوجہد کرنے پر مجبور کرتا رہتا تھا۔

ادھر کچھ دنوں سے اس پر ایک عجیب سی کیفیت طاری ہونے لگی تھی۔ وہ جب بھی تخیل کی مشق کرنے لگتا تھا تو سونی کا پیکر اس کے تصور کے پردے پر نمودار ہو کر اُس کی محنت پر پانی پھیر دیتا تھا۔ اس کی دھڑکنیں بے ترتیب ہو جاتی تھیں اور اس کی سوچوں کا ارتکاز ختم ہو جاتا تھا۔

کئی دنوں تک وہ اس پریشان کُن صورتِ حال میں مبتلا رہا پھر ایک روز اچانک ہی اُسے احساس ہوا کہ قدرت نے اس رنگ میں درحقیقت اُسے اُس کی ایک کمزوری سے آگاہ کیا ہے۔ اُسے اپنی یہ کمزوری ختم کرنی چاہیے... عمل تنفس، عضلات کے سکون اور دیگر مشقوں کے ذریعے وہ اپنی اصلاح کرنے میں مصروف ہو گیا۔

رفتہ رفتہ اُسے اپنے جسم کے ان حصّوں پر بھی قابو کی حالت حاصل ہو گئی۔ جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ کوئی انسان ان کی تسخیر نہیں کر سکتا۔ اگرچہ اس نے اپنی ہستی کو بہت فریب دیے تھے اور کافی

کامیابی حاصل کر لی تھی لیکن اب بھی سونی کے خیالات اس کے جذبوں کی دُنیا میں کہرام مچانے سے باز نہیں آتے تھے۔

وہ سنجیدگی سے اس پہلو پر تیئے زاویوں سے غور کرنے پر مجبور ہو گیا۔ اس سلسلے میں اُسے اُوشان کی باتوں پر نظر ثانی کرنی پڑی۔ اب وہ کرید کرید کر ان باتوں کو یاد کرنے کی کوشش کرنے لگا تھا جنھیں وہ ماضی میں، اُوشان کے سامنے ہنسی میں اُڑاتا رہا تھا۔ وہ جیسے جیسے اس موضوع پر غور کرتا رہا، صورتِ حال اس پر واضح ہوتی چلی گئی۔

محبت کا جذبہ ایک عام جوان کے لیے جن معنوں میں اہم ہوتا ہے، وہ ٹائیگر کے لیے ان معنوں میں کوئی اہمیت نہیں رکھتا تھا۔ اس نے اب تک کی زندگی کسی زاہد اور پارسا شخص کی طرح نہیں گزاری تھی لیکن اس کا ہر گناہ کسی نہ کسی گناہ گار کے دامن سے ہی وابستہ رہا تھا۔ اب تک ایک بھی پاک دامن، اُس کی کسی خواہش سے آلودہ نہیں ہوا تھا۔

ان سوچوں میں اُسے پہلی بار یہ رہنمائی ملی کہ وہ سونی سے رُوحانی تقاضوں کے مطابق محبت کرنے لگا ہے۔ گویا زندگی میں بالآخر ایک ایسی ہستی آ ہی گئی تھی جس نے اُس کے جذبوں پر اپنا تسلط قائم کر لیا۔ . . لیکن ٹائیگر کی ہستی بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود کا ستون تھی۔ اُس پر کسی ایک ہستی کا تسلط نہیں ہو سکتا تھا۔

یہ ایک کشمکش تھی جس کے درمیان سے اُسے اپنے لیے ایک راہ نکالنی تھی۔ ٹائیگر کو اس بات کا اچھی طرح سے احساس تھا کہ وہ موت کی راہوں کا مسافر ہے اور ایسے لوگ کسی سے محبت تو کر سکتے ہیں لیکن اُس محبت کی تکمیل نہیں کر سکتے۔ خیالات مکڑی کے جالے کی طرح اس کے ذہن کو اپنے حصار میں لے رہے تھے۔ لیکن محبت کا جذبہ قدرتی طور پر پیدا ہوتا ہے اور اُسے غیر قدرتی طور پر ختم نہیں کیا جا سکتا۔ وہ اس جذبے کے سامنے بے بس ہو رہا تھا۔

وہ حیران تھا کہ کیا وہ سونی کو اپنانے میں کامیاب ہو جائے گا؟ اگر ایسا ہوا تو کیا وہ دونوں عام سے میاں بیوی کی طرح زندگی سے لطف اندوز ہو سکیں گے؟ اس کے ذہن میں ماسٹر اُوشان کی باتیں گونجنے لگیں۔ جو کبھی نہ مرنے والی محبت کا قائل تھا اور اس کے نزدیک یہ محبت صرف اور صرف خالص حقیقی سے کی جانی چاہیے رُوحانی محبت، جو دنیاوی آلائشوں سے پاک ہوتی ہے۔

سورج غروب ہوتے ہی وانتی نامی ملاح نے کشتی کا رُخ اچانک ہی موڑ دیا۔ ٹائیگر جب سے اس کشتی میں سوار ہوا تھا، وہ اس ملاح سے ایک بار بھی مخاطب نہیں ہوا تھا اور نہ ہی وانتی نے اس سے بات کرنے کی کوئی ضرورت محسوس کی تھی۔ وہ اپنے کام سے کام رکھنے والا آدمی لگتا تھا۔

اس نے کشتی کی رفتار بھی تیز کر دی تھی اور مستول کے ساتھ ایک فالتو لالٹین بھی لٹکا دی تھی۔ ٹائیگر خاموشی سے ان تبدیلیوں کو دیکھ رہا تھا۔

وہ اب تک نہ جانے کتنا سفر کر چکے تھے اور ٹائیگر نہیں جانتا تھا کہ ابھی کتنا سفر باقی ہے۔ موسم خوشگوار ہو گیا تھا۔ ہوا بھاری سی لگ رہی تھی اور سمندر کی لہروں میں بھی طغیانی کا نام و نشان تک نہیں تھا۔

کچھ دیر بعد ہوا بالکل ہی بند ہو گئی۔

کشتی کا بادبان ڈھیلا ہو گیا تو وانتی نے موٹر اسٹارٹ کر دی۔ اب ہر طرف دُھندھری دُھند پھیلنے لگی تھی۔ سمندر کی سطح پر دُھواں سا اُبھرتا دکھائی دے رہا تھا۔

ایک گھنٹے تک ان کا سفر شمال کی جانب جاری رہا... پھر اچانک ہی ٹائیگر کو دُھند میں لپٹی ہوئی دور روشنیاں جھلملاتی دکھائی دینے لگیں۔ یہ روشنیاں جیسے ہی دکھائی دیں، وانتی تیزی سے حرکت میں آ گیا۔ اس نے مستول سے بندھی ہوئی فالتو لالٹین اتاری اور فوراً ہی دوبارہ اوپر چڑھانے لگا۔ گویا وہ کسی کو اشارہ دے رہا تھا۔

ٹائیگر کی نگاہ ان دور روشنیوں پر جمی ہوئی تھی۔ جو دُور دُور دُھند میں نظر آ رہی تھیں۔ اچانک اُسے ایک تیسری لائٹ بھی دکھائی دینے لگی۔ یہ سب کچھ شاید وانتی کے اشارے پر ہوا تھا۔ ٹائیگر پُرسکون انداز میں روشنیوں کو گھورتا رہا۔

تھوڑی ہی دیر بعد ایک جہاز دکھائی دینے لگا۔ وانتی نے اپنی کشتی کا انجن بند کر دیا اور اُسے آہستہ آہستہ جہاز کے پہلو سے لگانے میں مصروف ہو گیا۔ ٹائیگر کو بے چینی سی محسوس ہونے لگی۔ اس نے جہاز کے عرشے پر موجود عملے کے آدمیوں کی طرف دیکھا۔ وہ اس انداز میں اپنا کام کر رہے تھے، جیسے کوئی نیا کام نہ ہو رہا ہو اور جو کچھ بھی ہو رہا تھا، یہ معمول کے عین مطابق تھا۔

ٹائیگر نے وانتی کی طرف دیکھا۔

وہ واقعی ایک کامیاب اور بااثر اسمگلر تھا۔ ٹائیگر کی آنکھوں میں اس کے لیے تعریف کی چمک پیدا ہو گئی۔

پہلی بار وانتی ٹائیگر کی طرف متوجہ ہوا۔ دونوں دیر تک ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھتے رہے... اور پھر پہلی بار وانتی کے کرخت نقش و نگار میں تبدیلی رُونما ہوئی اور وہ مسکرانے لگا۔

اس نے اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیا۔

ٹائیگر نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

وانٹی نے اسے سہارا دے کر لانچ نما کشتی سے جہاز کی سیڑھی تک پہنچایا۔ جہاں سے وہ اوپر چڑھتا چلا گیا۔

جہاز کے عرشے پر گوچی نام کے ایک اور ملاح نے اس استقبال کیا۔ یہ ہانگ کانگ کا ملاح تھا۔ ٹائیگر نے اس کا جائزہ لیا۔ وہ چھوٹے قد کا پتلا سا آدمی تھا۔ اس نے سیاہ چمڑے کا جیکٹ پہن رکھا تھا۔ جس کے سامنے کے بٹن کھلے ہوئے تھے۔ اس کے سر پر جو ہیٹ تھا، وہ الٹے ہوئے بڑے سے پیالے سے مشابہ تھا۔

مگوچی نے سرسری نگاہ سے ٹائیگر کی طرف دیکھا... پھر ماتھے سے ایک مخصوص اشارہ کیا اور جہاز شمال مغربی راستے پر یوں آگے بڑھ گیا کہ جیسے سمت سے کوئی بات ہی نہ ہوئی ہو۔

ٹائیگر نے جہاز کے عرشے سے دُور دہت دُور روشنیاں سی جھلملاتی دیکھیں۔ یہ روشنیاں ننھے ننھے ستاروں کی طرح ٹمٹماتی دکھائی دے رہی تھیں۔ ٹائیگر نے ایک طویل سانس لی۔ وہ اس سرزمین سے بہت دُور نکل آیا تھا، جہاں سونی اور ماسٹر تاؤ موجود تھے۔ اور اب اُس کا ایک انوکھا اور انجانی دنیا کی جانب سفر شروع ہو گیا تھا۔

وہ ان خیالات کو ذہن سے جھٹک کر مگوچی کے جہاز کا جائزہ لینے لگا۔ یہ ایک جدید مال بردار جہاز تھا جس کے انجن دانٹی کی لانچ کے مقابلے میں بالکل نئے اور کم آواز والے تھے۔ اگرچہ اس جہاز میں بھی بادبان موجود تھے لیکن اس وقت انھیں لپیٹ لیا گیا تھا اور جہاز موٹر کے ذریعے متحرک تھا۔

مگوچی کے ہونٹوں میں ایک سگریٹ دبی ہوئی جھول رہی تھی۔ وہ بے حد باتونی آدمی تھا۔ اُس نے ٹائیگر سے یوں باتیں شروع کر دیں جیسے وہ اُسے برسوں سے جانتا رہا ہو۔ باتوں کے دوران میں سگریٹ اُس کے ہونٹوں میں ایک کنارے سے دوسرے کنارے کی طرف سرکتی چلی جاتی تھی اور اس کام میں اتنی مہارت تھی کہ عام آدمی کے لیے سگریٹ کا یہ سفر خاصا پُرکشش کھیل ثابت ہوتا تھا۔ وہ ٹائیگر سے باتوں کے ساتھ چیخ چیخ کر اپنے آدمیوں کو ہدایات بھی جاری کرتا جا رہا تھا۔ اس کی دانست میں ٹائیگر ایک ایسا ماہی گیر تھا جو چین سے بھاگ کر آزاد دُنیا کی طرف جا رہا تھا۔ مگوچی کی تمام تر گفتگو ماہی گیری اور وہاں پیش آنے والی مشکلات تک محدود رہی۔

ٹائیگر اس کی باتوں پر اثبات میں سر ہلاتا رہا۔ کافی دیر بعد جب اس کی باتوں کا طوفان ختم ہوا تو اُس نے قدرے رازدارانہ لہجے میں کہا: "جس شخص نے تمھارے اخراجات برداشت کیے ہیں، اُس نے تمھارے لیے ایک چیز دی تھی جو میرے پاس موجود ہے۔"

اُس نے اپنے جیکٹ کی اندرونی جیب سے ایک موٹا سا لفافہ نکال لیا۔ یہ لفافہ اُس نے ٹائیگر کے حوالے کر دیا۔

ٹائیگر کے جی میں آیا کہ اُس سے اُس شخص کے بارے میں دریافت کرے جس نے یہ لفافہ اُسے دیا تھا... لیکن پھر اُسے یاد آیا کہ ماسٹر تاؤ نے سناجو کے اقوال نامی کتاب میں ایک کہانی خاص طور سے کیوں نشان زد کی تھی۔ اُسے اپنی زبان پر پوری طرح قابو رکھنا تھا۔

"اُس شخص کا کہنا تھا کہ اُس شخص نے میرا انتخاب خصوصیت سے اس لیے کیا ہے کہ میں اپنی زبان بند رکھنے کے سلسلے میں شاندار ساکھ کا مالک ہوں۔" مگوچی کہہ رہا تھا۔

ٹائیگر نے لفافہ کھول ڈالا۔

لفافے میں ایک برطانوی پاسپورٹ تھا اور اُس پر کافی پرانی تاریخ پڑی ہوئی تھی۔ پاسپورٹ کی ظاہری حالت بھی ایسی تھی کہ اُسے کسی طرح بھی نیا نہیں کہا جا سکتا تھا۔ آج تک اتفاق سے ٹائیگر کو کبھی اپنی تصویر کھنچوانے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی تھی۔ وہ چین بھی اسی انداز میں اسمگل ہو کر ہی پہنچا تھا... لیکن اُسے یہ دیکھ کر شدید حیرت ہوئی کہ پاسپورٹ پر اُس کی اپنی تصویر چسپاں تھی وہ زندگی میں پہلی بار اپنی تصویر دیکھ کر لطف اندوز ہونے لگا۔ اس تصویر سے ایک خاص بات محسوس کر کے وہ سوچ میں ڈوب گیا۔ یہ اس کی تازہ ترین تصویر نہیں تھی بلکہ وہ اُسے کم از کم چھ سال پُرانے فیلے پر فٹ کر سکتا تھا۔

وہ اس سلسلے میں جیسے جیسے غور کر رہا تھا، اس کی عقل عاجز آتی جا رہی تھی لیکن وہ مگوچی سے کسی قسم کی تحقیقات نہیں کر سکتا تھا۔

اگلے روز سورج خوب چمک دار تھا۔ مگوچی کا جہاز تیزی سے اپنی منزل مقصود کی طرف رواں دواں تھا۔ چھوٹے چھوٹے جزائر کے قریب سے گزر کر جہاز بالآخر وکٹوریہ ہاربر میں داخل ہو گیا۔ جب جہاز آبی شاہراہ سے گزرا تو ٹائیگر نے اطراف میں دیکھا۔ ایک طرف ہانگ کانگ تھا اور دوسری طرف کولون کی آبادی پھیلی ہوئی تھی۔ یہ دونوں جڑواں شہر تھے اور صرف اس آبی شاہراہ کی وجہ سے الگ الگ واقع تھے ورنہ وہ ایک ہی شہر ہوتا۔

بندرگاہ پر بہت سے جہاز لنگر انداز تھے۔ کسی پر مال چڑھایا جا رہا تھا اور کسی سے اتارا جا رہا تھا۔ یہ بندرگاہ ہی ٹائیگر کی منزل مقصود تھی۔ وہ ہانگ کانگ پہنچ چکا تھا اور اب اُسے ایک نئی زمین پر قدم رکھنا تھا۔

ٹائیگر اور ماسٹر تاؤ کے درمیان اس بات پر بحث ہو چکی تھی کہ ہانگ کانگ پہنچ کر اُسے کیسے پتہ چلے گا کہ فانگ زندہ ہے یا نہیں اور وہ ہانگ کانگ ہی میں موجود ہے یا نہیں۔

ماسٹر تاؤ نے گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے لہجے میں کہا تھا اس سلسلے میں دو امکانی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ سب سے پہلی امکانی صورت یہ ہے کہ تم اپنا حلیہ تبدیل کر لینا اور دوسروں کی نظروں سے اوجھل رہ کر بلیک سرکل کے اپنی اڈوں کا سراغ لگانا۔ عفت فروشی کے مقامات پر گھومنا اور دیکھنا کہ فانگ کہیں نظر آتا ہے یا نہیں... فانگ کانگ اور کولون کافی بڑے چوڑے شہر ہیں۔ ان میں اس انداز سے فانگ کو تلاش کرنا ایک مشکل کام ہے لیکن بالآخر وہ سامنے آ ہی رہے گا۔ اس طریقۂ کار میں وقت تو کافی لگے گا لیکن میں اسے محفوظ ترین طریقہ قرار دوں گا۔"

اور دوسری صورت بے حد تیز رفتار ہے۔ میں تمھیں علاقوں کے نام بتا دوں گا۔ تم سیدھے وہاں چلے جانا اور وہاں پر جرائم کے جو بھی اڈے تمھیں اپنے مطلب کے مطابق لگیں، ان میں کھلبلی مچا دینا۔ اس طرح چند دنوں یا چند ہی گھنٹوں میں فانگ سامنے آ جائے گا... لیکن یہ ایک بے حد خطرناک ترکیب ہے۔"

"اگر آپ میری جگہ ہوتے تو کون سا راستہ اختیار کرتے؟" ٹائیگر نے متانت سے پوچھا۔

"اوہ! ہیں... تم تو جانتے ہی ہو کہ میں ایک ناتواں سا بوڑھا آدمی ہوں... پھر مجھ کشت و خون سے بے حد نفرت ہے۔ تم ایک کمزور دل بڈھے سے کس طریقۂ کار کی توقع کر سکتے ہو؟"

ٹائیگر نے ماسٹر تاؤ کا خیال ذہن سے جھٹک دیا اور مگوچی کی طرف متوجہ ہو گیا جو جہاز کو ایک چھوٹی سی گودی کے ساتھ لگانے کے لیے ہدایات دے رہا تھا۔

جہاز ڈیک سے لگ گیا تو وہ ٹائیگر کے پاس آیا اور مسکرا کر بولا "ہم ہانگ کانگ پہنچ گئے ہیں۔"

ٹائیگر نے دونوں ہاتھ اپنی چھاتی پر باندھ لیے اور اثبات میں سر ہلا دیا۔ اس کی آنکھیں پُرہجوم سڑکوں اور بازاروں کو دیکھ رہی تھیں۔ اس نے آخری چند لمحوں میں فیصلہ کر لیا تھا کہ اُسے کون سا طریقہ اختیار کرنا ہے۔ اس نے دوسری ترکیب آزمانے کا ارادہ کر لیا تھا۔ تیز رفتار مگر دکھبل بچا دینے والی ترکیب...

"میں ویسٹرن ڈسٹرکٹ کیسے پہنچ سکتا ہوں؟" اس نے مگوچی سے دریافت کیا۔

مگوچی کے چہرے پر ایسے تاثرات پیدا ہو گئے جیسے ٹائیگر سے ہانگ کانگ کے اس علاقے کا نام سن کر اُسے بے حد تکلیف ہوتی ہو۔

"وہ ایک خوفناک مقام ہے۔" مگوچی نے کہا۔ "تم وہاں پر خصوصیت سے کس حصے میں جانا چاہتے ہو؟"

ٹائیگر نے دونوں بازوں چھاتی سے ہٹا لیے۔ کپڑوں کے اندر اس کے بازوؤں کی مچھلیاں تڑپ اٹھی تھیں۔ وانٹی کی لانچ میں اُسے جو مشق کرنے اور عمل تنفس کی پریکٹس کرنے کی مہلت ملی تھی، اس نے اس کا جسم توانائی سے لبریز کر دیا تھا۔

"وہاں کے خراب ترین حصے میں..." اس نے مگوچی کی بات کا جواب دیا۔

ٹائیگر نے مگوچی سے مصافحہ کیا اور وہاں سے چل دیا۔

اس نے خود کو اُچھال کر جب گودی کی طرف سے ایک کشادہ سڑک کی طرف بڑھنا شروع کیا تھا تو اُسے مچھیرے کی آنکھوں میں الجھن کے آثار واضح طور پر محسوس ہوئے تھے۔ اس کشادہ سڑک پر ٹریفک کا اژدھام تھا۔ کاریں، بسیں، بائسکلیں، رکشے اور ٹرک یوں دندناتے ہوئے چل رہے تھے جیسے ان میں باقاعدہ ٹھن گئی ہو۔ جلد ہی ٹائیگر ان راہگیروں کے ہجوم میں گھل مل گیا جو ایک دوسرے کو کچلنے کے سے انداز میں دھکیلتے ہوئے اپنے لیے راستہ بنانے کی کوشش کر رہے تھے۔

ٹائیگر نے اپنی رفتار خاصی تیز رکھی تھی۔ اس کے لیے اُسے لوگوں سے خاصا بچ بچ کر چلنا پڑ رہا تھا۔ یہ بے حد مہارت کا کام تھا اور اُسے اس سلسلے میں کافی مہارت تھی۔ اس تیز رفتاری کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ اس کے جسم پر جو لباس تھا، اس سے بلیک سرکل کے گرگے پہلی ہی نگاہ میں اُسے شناخت کر سکتے تھے۔ ٹائیگر کی رفتار ہجوم کے باوجود اتنی تیز تھی کہ کسی ذہنی مریض قاتل کو اس کے عقب میں آنے کا موقع نہیں مل سکتا تھا۔

چلتے چلتے وہ اطراف سے پوری طرح باخبر تھا۔

یکایک اُسے ایک کپڑوں کا اسٹور نظر آیا تو وہ اندر چلا گیا۔ اُس نے سوچا کہ سب سے پہلے ان کپڑوں سے نجات حاصل کرنی چاہیے جن سے اس کی شناخت ہو سکتی تھی۔ اس نے اپنے ایک

سنہری غزل

اسلم راہی ایم اے قیمت:=/150

ہم عمر جوان کو کچھوے کی گردن نما کالر والا لباس خریدتے دیکھا تو اپنے ویسے ہی لباس کی خواہش ظاہر کی۔ سیلز مین نے عجیب سی نظروں سے ٹائیگر کی طرف دیکھا اور مطلوبہ لباس اس کے حوالے کر دیا۔ ٹائیگر نے اسی اسٹور کے ٹیسٹ روم میں لباس بدلا اور باہر آ گیا۔

باہر آ کر وہ ایک چٹانی سڑک پر چل دیا جو ویسٹرن علاقے کی طرف جاتی تھی۔ چین میں کافی دن گزارنے کی وجہ سے اُسے خود پر توجہ دینے کا زیادہ موقع نہیں ملا تھا۔ اس کے بال کافی بڑھ گئے تھے اور ڈاڑھی بھی خاصی نمایاں ہو گئی تھی۔ راستے میں ایک بار برساتی پر وہ کچھ دیر کے لیے رُکا اور پھر باہر نکلا تو وہ ہیئر کٹ کی وجہ سے کوئی انگریز نوجوان ہی دکھائی دیتا تھا۔

اُس نے ایک اسٹور سے ناخن تیز کرنے والی ریتی بھی خرید لی تھی۔ چین میں قیام کے دوران اُس نے ایک ناخن بالکل اسی انداز میں بڑھا لیا تھا جیسے کہ بلیک سرکل کے گرگے بڑھا کر رکھتے تھے۔ اب وہ اپنے اس ناخن کی وجہ سے اپنا پنجہ کسی چیتے یا شیر کے پنجے کی مانند استعمال کر کے مطلوبہ نتائج برآمد کر سکتا تھا۔

بیس منٹ تک وہ اسی سڑک پر چلتا رہا حتیٰ کہ وہ ایک ایسے علاقے میں جا پہنچا جسے غالباً وہاں کا چائنا ٹاؤن کہا جا سکتا تھا۔

وہاں ہر طرف غلاظت ہی غلاظت تھی۔ شرابی بھکاری اور منشیات کے عادی لوگ جا بجا اُونگھتے نظر آ رہے تھے۔ گلے سڑے پھل پیروں تلے آ کر کچلے جا رہے تھے۔ یہ گلی دیکھنے میں ایک طویل کوڑے دان ہی لگتی تھی آگے چل کر اسے عفت فروش عورتیں دکھائی دیں، وہ اپنے دروازوں میں کھڑی آنے جانے والوں کی طرف متوقع نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں، ان عورتوں کو دیکھ کر ٹائیگر کو یاد آیا کہ اگر خدانخواستہ فانگ سوئی کو اغوا کر کے ہانگ کانگ لانے میں کامیاب ہو جاتا تو وہ بھی اسی طرح غلاظت کا ڈھیر بن کر رہ گئی ہوتی۔

اچانک اُسے بگڑے ہوئے چہروں والے نوجوان دکھائی دیے جو اس کی طرف بڑھ رہے تھے۔ وہ اُسے کوئی انگریز سیاح سمجھ رہے تھے۔ ان میں سے ایک نے بلند آواز میں کہا "اے... کوئی لڑکی چاہیئے؟"

ٹائیگر کا جی چاہا کہ اُس کے منہ پر ٹھوک کر ایسا گھونسہ رسید کرے کہ اس کی تیسی منہ ہی منہ میں منتشر ہو کر رہ جائے۔

"افیون...؟" ایک اور نے آواز لگائی۔

ٹائیگر سمجھ گیا کہ یہ نوجوان دلال ہیں۔ ان میں سے ہر ایک اُسے کچھ نہ کچھ پیش کرنے کا خواہاں تھا۔ ان کی حریص نظریں ٹائیگر پر جمی ہوئی تھیں جو لباس کی وجہ سے خاصا معمول نظر آ رہا تھا۔

ٹائیگر نے ان کی طرف کوئی توجہ نہیں دی اور چلتا رہا۔ وہ تمام غروب ہونے تک اس مخصوص علاقے کا جائزہ لے لینا چاہتا تھا۔ اس کی نگاہیں ایک ایک چیز غور سے دیکھ رہی تھیں اور وہ اپنے مطلب کے مقامات ذہن نشین کرتا جا رہا تھا۔

شام ہوتے ہی وہ تین ایسے اڈے تلاش کرنے میں کامیاب ہو گیا جہاں ہیروئن فروخت ہوتی تھی۔ عصمت فروشی کے گنے چنے اڈے بھی ان کے ذہن میں محفوظ ہو گئے تھے۔ اس روز ٹائیگر ایسے کئی گرگوں کو بھی یاد رکھنے میں کامیاب ہو چکا تھا جو کسی بڑی مچھلی کے انداز میں گھومنے کے عادی تھے، جسے کسی چھوٹی مچھلی کی تلاش رہی ہو۔ اب وہ مزید آہستگی سے چل رہا تھا۔ وہ راہگیروں کے چہروں اور رفتار کو ذہن ہی ذہن میں ڈسپلے کرتا جا رہا تھا۔ اس کا رُخ پر جا پہنچا، جہاں پر واقع دُکانوں کے مالکان کے بارے میں ٹائیگر کا خیال تھا کہ وہ مجرموں کی وجہ سے بہت سخت وقت گزار رہے ہیں۔

دفعتاً اُس کے بالمقابل وہ ستم شعار آ گئے جن سے علاقے کا تقریباً ہر شخص دہشت زدہ رہتا تھا۔ ایک دُکان کا دھماکے سے کھلا اور سفید ایپرن والا ایک شخص اڑتا ہوا باہر آ کر سڑک پر گرا۔ اس کے تعاقب میں تین نوجوان تھے جنھوں نے اس شخص کو گھونسوں اور لاتوں پر رکھ لیا تھا۔ ایپرن والا شخص اس کی وجہ سے اندھوں کی طرح ٹٹولتا اور چیختا ہوا گٹر کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ بڑے کمزور سے انداز میں مدافعت کر رہے تھے جیسے ہی اس شخص کی نگاہ ٹائیگر پر پڑی، اس کی آنکھوں میں اپنی کے لیے استدعا پیدا ہو گئی۔

یہ رحم کی اپیل ٹائیگر کے دل کی گہرائیوں میں اُتر گئی۔

وہ ایک جھٹکے سے رُک گیا۔

ایپرن والا شخص اپنا چہرہ بچانے کی کوشش میں بُری طرح پٹ رہا تھا۔ بازار سے گزرنے والے یوں پلٹ پلٹ کر دیکھ رہے تھے یہ ان کے لیے معمول کے مطابق ہی کوئی منظر ہو۔ گویا ان کا یہ روز کا معمول تھا۔ . . . کہ وہ دُکانداروں سے غنڈہ ٹیکس وصول کرتے تھے اور جو دُکان دار ان کا مطالبہ پورا نہیں کرتا تھا اس کا یہی حشر ہوتا تھا۔

ٹائیگر اب اس مقام پر پہنچ چکا تھا جہاں سے وہ ان غنڈوں پر حملہ آور ہو سکتا تھا۔

دُکاندار گھونسوں اور چوٹوں کی تاب نہ لا کر تیزی سے پیچھے ہٹتا گیا تھا۔ اچانک اس نوجوان نے جو اس گروہ کا لیڈر معلوم ہوتا تھا، دُکان دار کی کھوپڑی پر ایک شدید ٹھوکر ماری۔ دُکاندار کئی قدم پیچھے

ہٹ گیا۔ اب اُس کے چہرے پر ایسے آثار تھے گویا وہ بینائی کھو بیٹھا ہے۔ اس کے باوجود غنڈوں کی مار پیٹ کی شدت برقرار رہی۔ وہ اس کے جسم پر یوں ٹھوکریں اور گھونسے مار رہے تھے جیسے وہ کوئی انسان نہیں بلکہ مٹی کی ایک بوری ہو جس پر ان کی مشق کا سلسلہ جاری ہو۔

لیڈر کے چہرے پر نفرت ہی نفرت پھیلی ہوئی تھی۔ وہ رُکا تھا۔ اس کے دونوں ساتھی بھی رُک گئے اور پلٹ کر ٹائیگر کی طرف دیکھنے لگے جو اپنی کے سامنے کھڑا ہوا تھا اور اب وہ اُسے نظر انداز کیے بغیر اس مظلوم دُکان دار تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔ ان سب کی آنکھوں میں بے یقینی کے تاثرات تھے کیونکہ آج تک انھیں کسی کی طرف سے بھی مداخلت کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔

لیڈر نے ٹائیگر کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے خونخوار لہجے میں کہا "ہمارے سامنے سے ہٹ جاؤ۔ احمق۔ تم کون ہو؟ یہ علاقہ ہمارا مقروض ہے اور ہم اس سے اپنی رقم حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اگر ادائیگی نہیں کرے گا تو ہم اس کی لاش قصابوں کے ہاتھ فروخت کر دیں گے۔"

ٹائیگر کے ہونٹوں پر بڑی ہی حقارت آمیز مسکراہٹ آ گئی۔ وہ اپنی چمک دار آنکھوں سے لیڈر کو گھور رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں کسی غضب ناک سانپ جیسا تاثر گھلا ہوا تھا۔

"اگر تم مغربی نہ ہوتے تو تمھیں اس مداخلت کی بھاری قیمت ادا کرنی پڑتی۔" لیڈر نے سخت لہجے میں کہا۔ "رحم انگریز لوگ نہیں جانتے ہم چینیوں کا زندگی گزارنے کا انداز کیسا ہوتا ہے۔"

ٹائیگر نے اب بھی اُسے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ وہ بدستور مسکرا رہا تھا۔ اس کی مسکراہٹ میں لیڈر کے لیے بے پناہ تضحیک تھی۔

"شاید تمھیں میری باتوں پر یقین نہیں آیا۔" لیڈر نے اُسے خبردار کی بار بجھانے کی کوشش کی۔ "اگر تم چینی ہوتے تو اس مداخلت کے جرم میں اب تک یقیناً ہلاک ہو گئے ہوتے۔ جاؤ... چلے جاؤ۔"

غنڈوں میں سے ایک ٹائیگر کے پہلو میں آ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کا ہاتھ اپنے جیکٹ کی اندرونی جیب میں رینگ گیا اور جب واپس آیا تو اس میں ایک چاقو دبا ہوا تھا۔

"ہٹ جاؤ سامنے سے!" لیڈر رہا تھا لہرا کر چیخ پڑا۔ "اس معاملے سے تمھارا کوئی تعلق نہیں... اگر تم نہ مانے تو یہ حرکت تمھارے لیے جان لیوا ثابت ہو گی۔"

ٹائیگر نے عقب میں ایک دھماکا سنا۔ یہ آواز بتاتی تھی کہ کسی نے دُکان دار کے پیٹ میں ٹھوکر ماری ہے۔ اسی لمحے بدمعاشوں کو احساس ہو گیا کہ وہ وہاں سے جانے پر آمادہ نہیں ہے۔ اچانک ٹائیگر نے کن انکھیوں سے ایک چاقو کا پھل بلند ہو کر اپنی طرف آتے دیکھ لیا۔ چاقو کا تیز دھار پھل روشنی میں چمک اُٹھا تھا۔ ان کے لیڈر نے ٹائیگر کی طرف دیکھا اور قمیص کے اندرونی حصے میں ہاتھ ڈال لیا۔

ٹائیگر رقص کے سے انداز میں پہلو میں ہٹ گیا اور اس کا ایک ہاتھ تیزی سے کھلا... کسی طاقت ور اسپرنگ کی مانند... اور پھر اُس کی ایڑی ایک بدمعاش کی رانوں کے درمیان لگی۔ اس کے حلق سے اذیت ناک کراہ نکل گئی۔ یہ شبہہ اُس کی آنکھ کے کنارے سے اوجھل ہو گئی۔ ٹائیگر نے اپنے عقب میں کسی کو لڑکھڑا کر ڈھیر ہوتے محسوس کیا۔

لیڈر کی آنکھیں پہلے تو بے یقینی کی وجہ سے پھیل گئیں۔ پھر ان میں سختی پیدا ہوتی چلی گئی اور آنکھیں رفتہ رفتہ سکڑنے لگیں حتیٰ کہ آنکھوں کی جگہ دو جھریاں سی رہ گئیں۔ یہ اس کی سلطنت تھی اور اُسے اپنا اقتدار بچانے کے لیے ہر قسم کے چیلنج کا جواب دینا تھا۔

"اوہ... تو تم یہ سمجھتے ہو کہ تمھیں کنگ فو آتی ہے۔" وہ حقارت سے بولا۔ "میں بھی کنگ فو جانتا ہوں۔ میں گزشتہ دس سال سے ہانگ کانگ کے سب سے بڑے ماسٹر کے زیر تربیت رہا ہوں... لیکن میرا وثوق نظریہ ہے کہ بغیر کسی ہتھیار کے لڑنا بچوں کا کھیل ہے اور میں تم سے کھیلنا پسند نہیں کروں گا۔ تم اپنے آپ کو سنبو تیسیلے کا سردار، چانگ سین فنگ اور ین فانگ وغیرہ سمجھتے ہو گے... لیکن ابھی کچھ دیر بعد تمھیں احساس ہو جائے گا کہ یہ خواب تمھیں کس قدر مہنگے پڑے ہیں۔"

اس نے ایک جھٹکے سے چاقو نکال لیا اور ٹائیگر کی طرف بڑھنے لگا۔

اس جھگڑے نے لوگوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرا لی اور ہجوم ہونے لگا۔ ٹائیگر نے ان تماشائیوں پر ایک سرسری سی نگاہ ڈالی تو اس نے محسوس کیا کہ اس ہجوم میں ایک آدمی بھی اس کا طرف دار نہیں ہے... بلکہ ہر شخص اُسے مرتے ہوئے دیکھنا چاہتا ہے۔ گویا اس قسم کے معاملات یہاں محض تفریحی حیثیت رکھتے تھے۔ اس نے ہجوم کی طرف سے توجہ ہٹالی اور اپنے حریف کو دیکھنے لگا۔ اس کی آنکھوں اور چہرے سے بے پناہ سکون ظاہر ہو رہا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ سامنے بندھے ہوئے تھے۔ تین قدم کے فاصلے سے جو چاقو اس کے سامنے لہرا رہا تھا، اس کے نزدیک اس کی کوئی اہمیت

لہریں تھی۔

"اگر میں سنا نجو قبیلے کا سردار ہوتا تو کیا تم اس احمقانہ حرکت سے مجھ پر حملہ کرنے کی جرأت کرتے؟" ٹائیگر نے اوشان کے سے لہجے میں کہا۔

لیڈر جہاں تھا، وہیں تھم گیا جیسے ٹائیگر کی بات نے اسے منجمد کر دیا ہو۔ وہ اُسے انگریز سمجھا تھا لیکن ٹائیگر کی زبان اور انداز سے اُسے یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ وہ غلطی پر تھا۔ غالباً اُسے اچھی طرح احساس ہو گیا تھا کہ ٹائیگر کو مقابلے کی دعوت دینا ایک بچکانہ فعل ہوگا۔ لیڈر نے سر سے پاؤں تک اُس کا جائزہ لیا۔ جیسے ٹائیگر کے بارے میں زیادہ سے زیادہ جاننا چاہتا ہو پھر اس نے اپنے اُن ساتھی کو آواز دے کر پاس بُلا لیا جو زخمی کا نذارے اُلجھا ہوا تھا۔ اب وہ دونوں ٹائیگر کے سامنے کھڑے اُسے گھور رہے تھے۔

لیڈر نے اپنے ساتھی کی طرف جھک کر سرگوشی میں کچھ کہا... پھر اس کی نگاہ اپنے اس ساتھی پر جم گئی جو دونوں ہاتھ اپنی ناف پر رکھے لڑکھڑاتا ہوا ایک درخت سے جا ٹکا تھا اور لاش کی طرح سفید چہرے اور بھیٹی پھٹی آنکھوں سے ان کی طرف دیکھ رہا تھا۔

ٹائیگر ساکت کھڑا رہا۔

مقابل لیڈر اور اس کا ساتھی قدرے فاصلے پر کھڑے ہو گئے اگلی ہی ساعت وہ اطراف سے ٹائیگر کی طرف بڑھنے لگے۔ جیسے ہی لیڈر کے ساتھی نے عقب سے اس پر چاقو سے وار کرنے کی کوشش کی، ٹائیگر نے سر و نگاہوں سے لیڈر کی طرف دیکھا... پھر ہاتھ میں پنجے پر گھوم کر ٹانگ اُچھالی تو اس کی ٹھوکر حملہ آور کی بغل میں پڑی۔

وہ جوان کراہ کر لڑکھڑایا اس کے ہاتھ سے چاقو سڑک پر گر گیا۔ اُسی لمحے لیڈر نے بھی حملہ کر دیا تھا۔ ٹائیگر کا گھونسہ اُس کے کندھے پر پڑا۔

ہجوم نے دم سادھ لیا۔ ان لوگوں کو توقع نہیں تھی کہ کوئی شخص اس انداز میں ان بدمعاشوں سے اُلجھ بھی سکتا ہے۔ دفعتہ گلی میں دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں گونجنے لگیں، گویا ان لوگوں کو کمک پہنچ رہی تھی۔ قدموں کی آہٹ سے ٹائیگر کو اندازہ ہو گیا کہ ابھی اس کے پاس انہی لوگوں سے نمٹنے کا وقت ہے۔ اس نے اطراف میں دیکھے بغیر گھونسے کی دوبتی جیسی ٹھوکر ماری۔ یہ چوٹ اس شخص کو لگی تھی جو اپنے مفلوج ہاتھ پیروں کو کارآمد بنانے کے لیے جھٹک رہا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ سنبھل کر دوبارہ چاقو سنبھالنے میں کامیاب ہوتا، ٹھوکر پڑی اور وہ ماہی بے آب کی طرح منہ کھولے پشت کے بل گر گیا۔ اگلی ہی ساعت وہ ساکت ہو گیا۔ اس پر بے ہوشی یا موت، دونوں میں سے کوئی ایک سوار ہو گئی تھی۔

اب ٹائیگر نے پلٹ کر اُس جانب دیکھا جدھر سے تنک پہنچ کی آوازیں آ رہی تھیں۔ یہ نو وار تین تھے انھوں نے گیدڑوں کی سے انداز میں اس کا گھیراؤ کر لیا۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ اند دھند اس کے قریب نہ آنا چاہتے ہوں۔ اُسی ساعت لیڈر نے چا سے حملہ کر دیا۔ ٹائیگر نے اس کا وار خالی کر دیا اور حملہ آور ہونے کے پے آگے بڑھا۔ اچانک ایک چاقو اُڑتا ہوا اُس کی طرف آیا۔ ٹائیگ نے جھکائی دے کر خود کو بچا لیا اور چاقو فٹ پاتھ پر گر گیا۔ ہجوم میں کوئی اس چاقو کو اُٹھا کر اس کی طرف پھینکنے کی جرأت کر سکتا لیکن ٹائیگر نے یہ امکان نظر انداز کر دیا اور اس کا جسم اپنی تمام تر توانائیوں کے ساتھ حرکت میں آ گیا۔ اس کے دونوں پنجے، پیر اور کی ایڑیاں اور کہنیاں باری باری جھٹکے مار رہی تھیں اور جو بھی ا کی زد میں آ رہا تھا، اس کے حلق سے کراہ ضرور نکل جاتی تھی۔ وا گھونسے مارتا ہوا لیڈر کو دیوار تک لے گیا۔ جو دیوار کا سہارا ملتے ہ سنبھل گیا۔ اس نے غلط بیانی سے کام نہیں لیا تھا۔ وہ کنگ فو جانتا تھا اور اس کے استعمال میں مہارت کا مظاہرہ بھی کر را

اچانک ٹائیگر کو احساس ہوا کہ لیڈر کے ہاتھ میں جو چاقو وہ باقی جسم کے مقابلے میں اس کے لیے زیادہ اہم ہے۔ اس کی تما توجہ اس پر مرکوز ہو گئی۔ ادھر لیڈر بھی بار بار یہی کوشش کر تھا کہ کسی نہ کسی طرح اس کے چاقو کی تیز دھار ٹائیگر کو کاٹ ڈ یا اس کی نوک ٹائیگر کے سینے میں اُتر جائے۔ گویا اُس کے نزدیک ہی نجات کا واحد سہارا تھا حالانکہ کسی کنگ فو جاننے والے کے ہا پاؤں بھی کم ہتھیار نہیں ہوتے۔ وہ اپنے ہتھیار کو اہمیت دینے چکر میں احمق بن رہا تھا اور ٹائیگر کی چوکسی برداشت کر رہا تھا آہستہ آہستہ اس کی توانائی بٹورتی رہی تھیں۔

لیڈر کے ساتھ ساتھ ٹائیگر کو اس کے گیدڑ ساتھیوں بھی نمٹنا پڑ رہا تھا جو ذرا سی مہلت پا کر اس پر پل پڑے تھے۔ اب تک ٹائیگر نے ذہنی طور پر یہ فیصلہ نہیں کیا تھا کہ ان لوگوں کو محض زخمی ہی کرنا ہے یا ان کو ہلاک کرنا ہے۔ اُسے اوشان کا قول یاد تھا ایسی ہی صورتِ حال کے لیے تھا کہ حتی الوسع خون ریزی سے پرہیز کرنا چاہیے۔ اس سے قطع نظر ٹائیگر جانتا تھا کہ کبھی کبھی دشمن کو نہتا کرنے کی کوشش مہلک ثابت ہوتی ہے۔ جنگ دوران نہ جانے اُسے کب موقع مل جائے اور وہ کوئی کاری وار کرنے میں کامیاب ہو جائے۔

تھوڑی ہی دیر میں ٹائیگر کو اندازہ ہو گیا کہ وہ اپنے ساتھیوں کے ہاتھوں غلط فہمی کا شکار رہے۔ جیسے ہی وہ لیڈر کے باقی ساتھیوں کو نپٹا کر سنبھلا تو اس دوران میں لیڈر کو اپنے حواس بحال کرنے کا موقع مل گیا تھا۔ دفعتہً خود لیڈر کو بھی احساس ہو گیا کہ اب ٹائیگر کی جسمانی طاقت سرزد ہوتی رہی ہے۔ اس نے چاقو کے ساتھ اپنے باقی جسم کی طرف بھی توجہ دینی شروع کر دی۔ گویا اس نے زوری پر قابو پا لیا تھا اور اب وہ نسبتاً زیادہ خطرناک ہو گیا تھا۔ ٹائیگر کی ران پر ٹھوکر ماری۔

یہ ٹھوکر نا کام نہ رہی۔

ٹائیگر نے اس کی ٹھوکر اپنی طرف بڑھتے دیکھ لی تھی لیکن بچاؤ نہیں تھا۔ جو ذرا سی مہلت تھی اس وہ اپنے عضلات کو زنے میں استعمال کر کے بچ گیا۔ ٹھوکر لگی... شدید چوٹ تھی لیکن تائج برآمد نہ کر سکی۔ ٹائیگر کا داہاں ہاتھ بچھو کے ڈنک کی طرح لیف کی طرف لپکا پڑا۔ یہ اسکارپین اسٹمپ تھا۔ اسی لمحے نے چاقو استعمال کیا۔ یہ بھی ایک خطرناک وار تھا جس نے ٹائیگر و پر خراش ڈال دی۔ اگر وہ ذرا سا بھی غافل ہوتا تو اس ہار چاقو کے بازو میں دھنس گیا ہوتا۔

اب اُسے یقین ہو گیا کہ اس کو زندگی اور موت کی جنگ شروع ا چاہیے۔ کیونکہ وہ اپنے سے کہیں زیادہ طاقت ور اور تعداد یادہ خیز خطرناک لوگوں میں گھر چکا تھا۔

ہجوم دم سادھے دیکھ رہا تھا۔ لوگوں کی آنکھیں حیرت... اور ی سے پھٹی پڑ رہی تھیں۔ اُنھوں نے اب تک اس انداز کی فائٹ پردہ سیمیں ہی پر دیکھی تھی... لیکن اب اُنھیں پتہ چل گیا تھا ز موت بچھا اور کرنے والی جنگ لڑ رہا ہے۔

معاً لوگوں کی بھیڑ میں اس انداز کی اُبتری پیدا ہو گئی جیسے کسی ماندہ علاقے کے عوام نے اپنے ظالم سردار کو دیکھ کر، اس کے لیے چھوڑا نا شروع کر دیا ہو۔ ٹائیگر نے ایک سرسری جائزہ لینے کا خطرہ لیا تو اس کے حلق سے ایک طویل سانس نکل گئی کیونکہ وہ اُبتری ل کے فرار کی وجہ سے پیدا ہوئی تھی۔

وہ اپنے مقابل کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اب وہ لیڈر کے جسم کے ؤں کو نشانہ بنا رہا تھا جو بے حد نازک ہوتے ہیں اور جن میں کوئی برداشت کرنے کی سب سے کم صلاحیت ہوتی ہے۔ چند ہی... ل میں حریف کی ٹانگیں، بازو اور چاقو، ہر شے خون میں لتھڑ گئی۔

دفعتہً لیڈر میں نہ جانے کہاں سے طاقت آ گئی۔ وہ ٹائیگر کی دیکھ کر عجیب سے انداز میں مسکرایا تھا۔ ٹائیگر سمجھا کہ عقب سے اُس کی طرف بڑھ رہا ہے جس کی وجہ سے لیڈر کی گرتی ہمت کو سہارا مل رہا ہے... اس احساس کے باوجود ٹائیگر نے پلٹ کر نہیں دیکھا۔ البتہ وہ دو قدم پیچھے ضرور ہٹ گیا تھا پھر اُس نے کھڑے کھڑے کسی توڑ کی مانند گھوم کر عقب میں ٹانگ اُچھال دی۔ اُس کے دونوں ہاتھ پُشت سے حملہ آور ہونے والے کے لیے تیار تھے لیکن وہاں کوئی نہیں تھا۔ گویا لیڈر نے اُسے دھوکا دینے کی کوشش کی تھی۔ وہ اُسے دھوکا دینے میں کامیاب تو ہو گیا لیکن اس سے اُسے کوئی فائدہ نہیں پہنچا کیونکہ... ٹائیگر نے گھومتے وقت، عقب میں جو ٹانگ اُچھالی تھی، اُس نے لیڈر کے درمیانی حصے پر قیامت ڈھا دی تھی۔ ٹائیگر نے پلٹ کر پھیر بلو استعمال کیا تھا۔

لیڈر بڑا ہی سخت جان اور ڈھیٹ آدمی معلوم ہوتا تھا۔ اُس نے دونوں چوٹیں برداشت کر لی تھیں۔ درد کوڑے کے سے انداز میں دونوں بازو لہرانے لگا تھا۔ اُسی لمحے ٹائیگر کی ہتھیلی کا کنارا، اُس کے بازو کی ایک پھیلی سے ٹکرا گیا۔ لیڈر کو یوں لگا جیسے اس کا پورا بازو اچانک ہی پتھر کا ہو گیا ہو... لیکن یہ اُس کی بھول تھی۔ بازو پر کندھے کے اُوپر سے ایک ایسی ضرب لگی تھی جس نے بازو کو کندھے کی ساکٹ سے نکال دیا تھا اور اب اُس کا بازو اُس کے سینے کے سامنے کسی شاخ کی طرح ٹوٹ کر لٹک گیا تھا۔ اُس کے دوسرے ہاتھ میں اب بھی چاقو دبا ہوا تھا۔ لیڈر نے چاقو والا بازو لہرایا اور اُس کے ساتھ ہی ساتھ، دونوں ٹانگوں سے اُوپر تلے کئی وار کر ڈالے چاقو ہوا میں سے سنسناتا ہوا قوسی حالت میں گزر گیا۔

ٹائیگر نے پیچھے ہٹے بغیر اپنی ٹانگوں اور بائیں بازو کے سہارے یہ وار رد کیے اور پھر اس کا دایاں ہاتھ فضا میں بلند ہونے لگا۔ یہ ٹائیگر کا مخصوص پنجہ تھا جو کسی شیر یا چیتے کے پنجے کی طرح جہاں بھی لگتا... وہاں تباہی مچا دیتا تھا۔

لیڈر بُری طرح ہانپ رہا تھا۔ خون ہی خون، اُس کے چاروں طرف پھیل گیا تھا۔ اچانک اُس کے حلق سے ایک دل دوز چیخ نکلی گئی وہ لڑکھڑا کر پیچھے ہٹا لیکن وقت گزر چکا تھا۔ ٹائیگر کا پنجہ کام کر گیا تھا۔ لیڈر کی ناک اپنی جگہ سے غائب ہو گئی تھی اور اُس کی ایک کنپٹی میں سوراخ پیدا ہو گیا تھا... پھر ایک خراش، اُس کی آنکھوں سے ہوتی ہوئی، کھوپڑی کے وسط تک چلی گئی تھی۔

لیڈر کا حشر دیکھ کر، ہجوم میں موجود، کئی کمزور دل آدمی بھی دہشت سے چیخ پڑے تھے۔ لیڈر اپنی جگہ کھڑا یوں جھول رہا تھا جیسے جسم کا توازن برقرار رکھنے کی کوشش کر رہا ہو۔

معاً ٹائیگر نے محسوس کیا کہ لوگ، لیڈر اور اُس کی ذات میں دلچسپی کھو بیٹھے ہیں اور اُن کی آنکھیں، اُس کی پشت پر جم گئی ہیں۔

وہ آہستہ آہستہ پلٹا اور اُن کی آنکھوں کے تعاقب میں دیکھنے لگا۔ خالی بازار میں سڑک کے درمیان ایک تنہا شخص کھڑا تھا۔ یہ شخص، چہرے کی ساخت سے پُرتگالی لگتا تھا۔ وہ پتلے جسم کا مالک تھا اور اُس کی ناک کُلہاڑے کی شکل جیسی تھی۔ آنکھیں انگاروں کی طرح دہک رہی تھیں۔ اس کے بالوں میں لگا ہُوا تیل دُور ہی سے چمکتا دکھائی دے رہا تھا۔

ٹائیگر نے سرسری طور پر دیکھ کر ہی اندازہ لگا لیا کہ یہ شخص، اُن پُرتگالی نوآبادکاروں میں سے ایک ہے جو ظلم و ستم ڈھانے میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ اُنھیں بھری قزاق کہا جاسکتا تھا۔ اس کے پتلے جسم میں بجلیاں سی دوڑتی محسوس ہو رہی تھیں۔ اُس کے دائیں بازو کو دیکھ کر یُوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ، اُس کا اپنا ہاتھ نہ ہو کیونکہ اُس کی اُبھری ہُوئی پھٹیاں تہ در تہ تھیں جبکہ اس کا باقی جسم ایسا تھا کہ اُس پر گوشت کی تہ دکھائی ہی نہیں دیتی تھی۔

"برازو..." ہجوم میں سے کئی سرگوشیاں اُبھریں۔

ٹائیگر نے گہری نظر سے اپنے نئے حریف کی طرف دیکھا۔ اُس کے چہرے پر جو سفاکی پھیلی ہُوئی تھی، اُس کے جسم سے جو سختی جھلک رہی تھی اور ہجوم نے اُس کی آمد پر جس ردِعمل کا اظہار کیا تھا، ان باتوں سے ٹائیگر کو اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ اس وقت ٹانگ کانگ میں موجود بیک سرکل کے ماسٹر کے سامنے کھڑا ہے۔

برازو کے عقب میں، نصف درجن کے قریب دُھندلی دُھندلی شبیہیں، اِدھر اُدھر پوزیشنیں سنبھال رہی تھیں۔ عموماً وہ اپنے لشکر کے ساتھ وہاں آیا تھا یا پھر وہ اپنے شاگردوں کو دکھانا چاہتا تھا کہ ٹائیگر جیسے کسی شخص کو کس طرح ہلاک کیا جاسکتا ہے۔ دفعتہً برازو کے ہونٹ متحرک ہُوئے اور وہ انگریزی میں بولا۔ "کوئی مر گیا ہے۔"

اس بات پر ٹائیگر نے اطراف میں دیکھا اور پھر اپنے حریف کی جانب متوجہ ہو گیا۔ "تشدد کا جواب ہمیشہ تشدد سے دینا چاہیے۔" ٹائیگر نے اوشان کا قول دُہرایا۔ "مجھے یہی سکھایا گیا ہے۔"

برازو کے نتھنے پھیل کر سُکڑ گئے اور اُس کے ہونٹوں کے کنارے پھڑپھڑانے لگے۔ اُس نے نہایت آہستگی سے اپنا سر دائیں بائیں ہلا کر گویا ٹائیگر کی بات کی تردید کر دی۔

"تم غلط سمجھے ہو۔" وہ خونخوار لیکن سمجھانے والے انداز میں بولا... "جو شخص مر گیا ہے، وہ کوئی اور نہیں بلکہ تم ہو۔"

ٹائیگر نے دونوں بازو اپنے سینے پر یُوں باندھ لیے جیسے کسی ماسٹر کے احترام میں کھڑا ہو۔ اُس کے سکون میں ذرا سا بھی فرق نہیں آیا تھا... اُس نے برازو کے دعوے کو ٹھنڈے صبر و تحمل سے سُنا اور جواباً اُس کے ہونٹوں پر بڑی ہی پیاری سی مُسکراہٹ پھیل گئی۔ اس مُسکراہٹ کو کون کہہ سکتا تھا کہ اس مُسکراہٹ کا حامل شخص ابھی چند لمحے آدمیوں کے خون سے اپنے ہاتھ رنگ چُکا ہے۔

یہ صورتِ حال برازو کے آدمیوں کے لیے ناقابلِ برداشت ہو گئی۔ اچانک ہی وہ حرکت میں آگیا۔ اُس کا جسم بڑے ہی شان دار انداز میں متحرک ہُوا تھا۔ اُس کے جسم کی لچک قابلِ دید تھی۔ وہ فائٹر کوئی ماہر رقاص لگتا تھا لیکن ٹائیگر اُس کے حرکت میں آتے ہی یہ شخص موت کا رقاص ہے۔ گوشت کاٹنے کے سے انداز میں اُس کے دونوں ہاتھ، ٹائیگر کے چہرے کی طرف آئے۔ دونوں پاؤں کُچھ اس انداز میں اُس کے دائیں اور بائیں سے قوسی حالت میں سنسناتے گزر گئے۔

ٹائیگر نے ابھی تک اپنے ہاتھ سینے پر باندھ رکھے تھے۔ بغیر، اُس نے برازو کے ابتدائی حملوں کو محض اِدھر اُدھر اُچھل کر جانے دیا۔ برازو نے پہل کی تھی۔ اس لیے ٹائیگر نے اُسے مزید دو وار کی مہلت دی۔ اُوپر تلے تین وار خالی گئے۔ تب ٹائیگر نے پلٹ کر اس عقب میں اُچھالی۔ اس کے ساتھ ہی وہ فضا میں بلند ہُوا اور برازو میں نکل گیا جہاں سے اُس کی دوسری ٹانگ نے پیچھے کی جانب اُس کے پاؤں کا کنارا، برازو کی پنڈلی سے ٹکرایا۔

وہ کسی زخمی ناگ کی طرح پھنکار کر پلٹ پڑا۔

ٹائیگر نے اُس کے دونوں بازوؤں کے پہلوؤں میں د تب اُسے احساس ہُوا کہ برازو کا جسم ایسے حملوں کا عادی ہے اتنی لچک ہے کہ اس کے بازوؤں کی ہڈیاں توڑنا ممکن نہیں برازو نے اُس کے دونوں گُردوں کے مقام پر وار کیا صاف بچا گیا۔

اب وہ پلٹ کر ایک دوسرے کے سامنے آئے تو دو کی آنکھوں میں ایک دوسرے کی مہارت کے لیے تحسین کے جذ یکایک وہ پھر ایک دوسرے پر حملہ آور ہُوئے۔ اس بار نے بیک وقت حملہ کیا تھا جس کے نتیجے میں وہ پھسلتے ہُوئے دیو بڑھ گئے۔ راستے میں موجود تماشائیوں کا ہجوم کائی کی طرح پھٹ

دفعتہً ٹائیگر توپ کے گولے کی طرح سنسناتا ہُوا حملہ آور

اب برازو کی باری تھی کہ وہ اپنے آپ کو ٹائیگر کے حملے ٹائیگر کے دونوں ہاتھ، غضبناک سانپوں کی طرح بار بار پھن مار میں برازو کی طرف لپک رہے تھے۔ اُس کی اُنگلیاں تنی ہُوئی بڑھا ہُوا ناخن بار بار، برازو کے چہرے پر کوئی کاری گھاؤ لگانے کے بے چین تھا۔

وہ، اُسے دھکیلتا ہُوا، دُور تک لے گیا۔ وہ جدھر جدھر جاتے، وہاں یہ ہجوم منتشر ہو جاتا۔ لوگوں کی آنکھیں حیرت اور بے یقینی سے پھٹی رہ گئیں۔ غالباً وہ آج سے پہلے ماسٹر برازو کو لڑتے... اور شکار کرتے دیکھ چکے تھے اور اُنھیں توقع تھی کہ ٹائیگر ایک ہی ناک اور خُون میں لتھڑ جائے گا... لیکن یہاں تو معاملہ ہی اُلٹا نگ برازو کا ایک بھی وار کارآمد نہیں ہُوا تھا جبکہ ٹائیگر کے بڑھے ہُوئے ناخن کے رُخسار پر دُو خراشیں ڈال دی تھیں۔ یہ الگ بات ہے کہ ماسٹر برازو کی جگہ کوئی اور آدمی ہوتا تو اُس کے رُخسار پوری طرح ہوتے۔

معاً برازو نے لڑنے کا اپنا اُسلوب بدل دیا۔

اُس نے پیہم، ایک قدم اُٹھایا پھر عقب میں اُلٹی قلابازی اس کا ایک پاؤں نیزے کی طرح چلا۔ ٹائیگر نے خود کو اس خطرناک بلا اور برازو کی ٹانگ سنسناتی ہُوئی، اُس کے سر کے اُوپر سے نصف گھوم گئی۔ اس کے عقب میں دوسری ٹانگ بھی آرہی تھی۔ رد کو اس کی زد سے بچاتے ہُوئے، بایاں ہاتھ، اُس کی راہ میں یا۔ چوٹ برازو کی پنڈلی پر لگی اور وہ جہاں تھا، وہیں سے ٹ ہو کر اُچھل پڑا۔ اس نے خود کو زمین سے کئی فٹ اُوپر اُٹھا اُوپر اُٹھتے وقت اُس کا دایاں بازو، قوسی حالت میں ہدف آیا۔

ٹائیگر نے اپنی کھوپڑی بچائی۔ اگر یہ ہاتھ، اُس کی کنپٹی سے ٹو یقیناً اُس کی کھوپڑی کے کئی ٹکڑے ہو گئے ہوتے۔

ٹائیگر زمین پر گر گیا۔ اُس نے نیچے سے کسی بلّی کے سے انداز نیچر اُوپر اُچھالا۔ یہ حملہ، برازو کے بائیں گُردے کے لیے تھا لیکن انگلے کی طرح، اُس کے عقب میں جا پہنچا۔ جہاں سے اُس کی انگیں دو بلّی کے انداز میں لپک پڑیں۔

ٹائیگر نے گردن کو ٹل لی اور اُس کے دونوں ہاتھ کسی آبدوز کے یں برازو کے پیٹ کی طرف بڑھے۔ یہ ہاتھ اپنے ہدف سے اس کی اُنگلیوں کو پیٹ میں دھنس کر، برازو کے جسم کا درمیانی ڑا ڈالنا چاہیے تھا لیکن ایسا نہیں ہُوا... اب اُسے احساس دنے چمڑے کا وہ جیکٹ کیوں پہن رکھا ہے۔ اس کی اُنگلیوں ہ تکلیف پیدا ہو گئی۔

یگر خطرے میں پڑ گیا تھا۔ اُس کی اُنگلیاں اچانک ہی بے جان ا اور وہ دونوں ہاتھ استعمال کرنے کے قابل نہیں رہ گیا تھا۔

تری سے پیچھے ہٹنے لگا۔

زو بھی شاید اُس کی تکلیف محسوس کر چکا تھا۔ اُس نے ٹائیگر کو مہلت نہیں دی۔ اس سے قبل کہ ٹائیگر خود کو سنبھالتا وہ طوفانی انداز میں اس پر پل پڑا۔

اب برازو کا پلہ بھاری لگتا تھا۔

وہ بڑھ بڑھ کر حملہ کر رہا تھا لیکن ٹائیگر جنونی انداز میں اُس کے وار بچانے کی بجائے اپنی ٹانگیں استعمال کرنے پر تُل گیا تھا۔ یہ اُس کی ایک مخصوص تیکنک تھی جس کے تحت وہ اکثر من مانے نتائج حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتا تھا اور اُس کی شکست، فتح میں تبدیل ہو جاتی تھی۔

دفعتہً ٹائیگر کی بائیں کلائی پر ہُنکی بلو پڑا۔ اُس کے حلق سے ایک تیز غراہٹ نکل گئی۔ اُس نے دونوں بازوؤں کے عضلات کو سخت کرنا شروع کر دیا... اُن میں دوران خون بڑھاتے ہُوئے، وہ دائیں اور بائیں ٹانگ سے برازو کے پیٹ میں ٹھوکریں مارتا رہا... اسی حالت میں ٹائیگر نے خود کو زمین پر گرا دیا۔ اب وہ کسی ایسی بلّی کے سے انداز میں پنجے سے اُوپر کی طرف لڑ رہا تھا جو پشت کے بل گر گئی ہو اور جس پر حملہ آور ہو گیا ہو۔

لڑنے کے اس انداز میں بھی اُسے کافی مہارت حاصل تھی لیکن برازو بھی کچی گولیاں نہیں کھیلے ہُوئے تھا۔ اُس نے اُچھل کر دونوں... ہاتھوں کی تیغیں استعمال کی۔ مجبوراً ٹائیگر کو پنجے سے نکل جانے کے لیے تیزی سے کروٹ لینی پڑ گئی۔ اسی ساعت برازو نے ہتھوڑے جیسی چوٹ لگائی تھی۔ ٹائیگر جس تیزی سے ہٹ گیا تھا، اُس کی شاید برازو کو توقع نہیں تھی۔ یہی وجہ ہُوئی کہ وہ اپنا ہاتھ نہ روک سکا۔

اس کا گھونسہ زمین پر جا پڑا۔

ٹھوس زمین پر ہاتھ ٹکرایا تو اُسے یوں لگا جیسے اس کا پورا بدن جھنجھنا کر رہ گیا ہو۔ قبل اس کے کہ وہ سنبھلتا، عقب سے اس کی پشت پر ٹائیگر کی ٹھوکر پڑی۔ برازو اپنا بازو بھول کر سر کے بَل زمین کی طرف جھکا اور قلابازی کھاتے ہُوئے دونوں ایڑیاں یوں اوپر اٹھائیں کہ ٹائیگر کے اُٹھے ہُوئے پیروں کے دونوں تلوے ان کے اوپر آگئے۔ اگلے ہی لمحے ٹائیگر فضا میں بلند ہو کر دُور جا گرا تھا

برازو ایک عظیم فائٹر تھا۔ وہ کسی طرح بھی اپنے فن اور اپنی مہارت میں ٹائیگر اور فانگ سے کم تر نہیں تھا... کسی ایسے ماسٹر کے ساتھ لڑتے ہُوئے سیکنڈوں کی بجائے سیکنڈ کے کسی کم ترین حصے میں سوچنا ضروری ہوتا ہے۔ ٹائیگر نے اب تک جتنے بھی حملے کیے تھے، ان میں سے بیشتر ناکام رہے تھے۔ کوئی ایک انچ اور کوئی نصف انچ کے فاصلے سے ناکام گیا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ اُس کے بازو کی لمبائی اور ہاتھ کی پہنچ کم ہوتی ہے اور برازو اِس سے اتنے ہی فاصلے پر رہتا ہے... دوسری جانب، برازو کا کوئی حملہ صرف اس وجہ سے

کامیاب نہیں ہُوا کہ اس کے بازوؤں کی لمبائی اور پہنچ ٹائیگر کے مقابلے میں کچھ زیادہ ہی کم تھی۔ ٹائیگر نے سوچا کہ اُسے اپنا فائدہ کارنے کے لیے بازو سے کچھ اور قریب جانا پڑے گا... نیز اس کے حملوں سے بچاؤ کے لیے درمیانی فاصلہ قدرے مزید بڑھانا پڑے گا۔ ٹائیگر سنبھل کر کھڑا ہوگیا۔

ایک بار پھر وہ دونوں ایک دوسرے کو ننگاہوں میں تول رہے تھے۔ براز و بھی ٹائیگر کے سلسلے میں اندازہ لگا چکا تھا... لیکن اس کی کھوپڑی گرم ہوئی تھی۔ غصّہ اس کے رگ و پے میں سرایت کرتا جا رہا تھا۔ وہ اس وقت اپنے شاگردوں کے ساتھ وہاں آیا تھا اور اُن کے سامنے اُسے اپنی سُبکی کسی طرح بھی منظور نہیں تھی۔ اس بار وہ آگے بڑھا تو اس کے حملے میں نسبتاً زیادہ جارحیت اور تندی تھی۔

ٹائیگر محسوس کر چکا تھا کہ براز و طیش سے اندھا ہو رہا ہے ایسے میں اُسے معمولی سا چوکا بھی دیوانہ بنا سکتا تھا اور دیوانگی میں مبتلا آدمی لڑنے کے معاملے میں بے حد کمزور ہو جاتا ہے۔ وہ اس کے سلسلے سے بچنا لیکن یہ محض جھکائی تھی۔ اچانک ہی وہ اس کے پہلو سے آگے نکل گیا۔ اب اس کا بڑھے ہُوئے ناخن والا ہاتھ کام کرنے لگا تھا اور اس نے یہی ہاتھ آزمایا تھا۔

ناخن براز و کی گردن میں دھنس گیا۔

فوراً ہی وہاں سے خون اُبل پڑا۔ لمحے بھر کو تو یوں محسوس ہُوا جیسے اس خون کے نکلنے سے براز و کو لذت محسوس ہوتی ہے... لیکن اگلے ہی لمحے وہ ایک جھٹکے سے رُک گیا۔

اُس نے جھٹکا لگنے کی کوشش کی تو کھانسنے پر مجبور ہوگیا۔ پہلی بار اُس کی آنکھوں میں مایوسی کی جھلک نمودار ہُوئی۔ وہ زیرِ لب کچھ بڑبڑایا۔ غالباً اس نے اپنے آپ کو گالی دی تھی۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ اس کی گردن میں جو سوراخ ہُوا ہے، یہ خطرناک ثابت ہوگا۔ اس قسم کے زخم کے بعد اپنے طاقت ور حریف سے لڑنا ممکن نہیں تھا۔ اس نے سمجھ داری سے کام لیا اور دونوں ہاتھ اُٹھا دیے اور اپنے شاگردوں کو اشارہ کر دیا۔ گویا اب ان کی باری تھی اور وہ ان کا امتحان لینا چاہتا تھا۔

شاگردوں کی ٹولی تیزی سے آگے بڑھی۔ ٹائیگر ان کی طرف متوجہ ہوگیا... پھر اس نے پلٹ کر دیکھا تو براز و اپنی جگہ موجود نہیں تھا۔ وہ نہ جانے اچانک ہی کہاں غائب ہوگیا تھا۔

اب ٹائیگر کے لیے کچھ سوچنا بے کار تھا۔ اس نے شاگردوں کی ٹولی پر نگاہ ڈالی اور ان میں سب سے طاقت ور حریف کو منتخب کر لیا۔ اچانک اس نے ایک لڑکے کو چاقو نکالتے بھی دیکھ لیا۔ ٹائیگر کو غصّہ آگیا۔ کنگ فُو کا طالب علم اور ہتھیار... گویا ان لڑکوں کو تیسے کام نکالنے کی تربیت دی گئی تھی۔ یہ لڑکے تعداد میں ب

ٹائیگر کے ہاتھ ہاؤں مشینی انداز میں چلنے لگے۔ اب وہ مقابلہ کر رہا تھا۔ موت اس کے ذہن پر سوار ہوگئی تھی ہر لمحہ میں کسی نہ کسی کو موت سے ہمکنار کرتا جا رہا تھا۔

چند ہی لمحوں میں بازار لاشوں اور زخمیوں سے بھ مر چکے تھے، وہ سالک تھے اور جن پر جان کنی طاری تھی ان کر سے بازار گونج رہا تھا۔

ٹائیگر نے ایک لڑکے کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر اس کے بچنے کا نشان موجود تھا۔ اگر یہ لاش فائنگ سے گزری تو وہ فوراً ہی پہچان لے گا کہ یہ کس کے کمال فن

ٹائیگر نے اطراف پر ایک سرسری نگاہ ڈالی اور پھر ایک چل دیا جیسے وہ اس خونخوار جنگ میں شامل نہیں تھا بلکہ دوسرے لوگوں کے ساتھ تماشا دیکھنے میں محو رہا تھا۔

* چائنا ٹاؤن نامی علاقے کے اس خطرناک حصّے میں ٹائ کچھ کیا تھا، وہ معمولی بات نہیں تھی اور نہ ہی یہ ایسا معاملہ تھا جا سکتا۔ بازار میں کہرام مچ گیا تھا۔ وہ معصوم اور کمزور لوگ جو یلک کے غنڈوں سے بے حد تنگ تھے اور ہر وقت اپنی سلامتی کی مانگتے رہتے تھے، وہ اس صورتِ حال سے بے حد خوش تھے اور رحمت کا فرشتہ سمجھ رہے تھے۔

ٹائیگر بازار سے نکل کر ایک اور گلی میں داخل ہُوا اور لگا کیونکہ ہجوم اب اس کے پیچھے چلنے لگا تھا اور وہ، اس نے کر ایک مخصوص اڈّے کی طرف نکل جانا چاہتا تھا جسے اُس نے کے دوران میں خاص طور سے اپنے ذہن میں محفوظ کر لیا تھا۔ اُسے اور اس قدر زبردست صورتِ حال سے گزرنے کے بعد ایک با طور سے حیرت ہُوئی تھی۔

ابھی تک پولیس نے جھانک کر بھی اس بازار میں نہیں گویا یہ ہونا ہے اُن کے لیے معمول کی بات تھی یا پھر وہ غیر ترقی کی پولیس کی طرح اُسی وقت موقع واردات پر پہنچتی تھی جب ختم ہو جاتا ہے۔

چند تنگ سی گلیوں سے گزر کر وہ دوڑتا ہُوا ایک خیم میں داخل ہوگیا۔ اگرچہ وہ مقام اس گلی میں نہیں تھا، جہاں چاہتا تھا... لیکن اُسے توقع تھی کہ ہجوم کے وہ جیالے ضرور دیں گے جو اب بھی دوڑتے ہُوئے اُس کا تعاقب کر رہے تعاقب کا کوئی مقصد نہیں تھا۔ بس وہ دل کے ہاتھوں مجبور تھ

طرف کھنچے چلے آرہے تھے۔

نیم تاریک گلی سے گزرنے کے بعد ٹائیگر نے ایک ڈیوڑھی دیکھی۔ اس کا دروازہ کھلا ہُوا تھا... اور وہاں روشنی بھی نہیں تھی۔ ٹائیگر بے دھڑک اسی راہ داری میں گھس گیا اور دیوار سے چپک کر کھڑا ہوگیا۔

کچھ دیر وہ وہیں کھڑا اَبھٹ لیتا رہا۔ دوڑتے ہُوئے قدموں کی آوازیں گلی کے دُور افتادہ کونے پر گُونجتی رہیں اور پھر معدوم ہوگئیں... ٹائیگر نے ایک طویل سانس لی۔ بعض اوقات قدردانوں سے پیچھا چھڑانا بھی ایک اچھا خاصا مسئلہ بن جاتا ہے۔

ابھی وہ اس جگہ سے نکلنے کا ارادہ ہی کر رہا تھا کہ معاً فضا پولیس والوں کے سائرن سے تھرتھرا اُٹھی۔ ٹائیگر کے ہونٹوں پر بڑی تلخ مُسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ پولیس کی آمد کے بعد اُسے مطلوبہ جگہ جانا چاہیے یا نہیں؟

وہ فارودات کے مقام سے بھاگتا ہُوا اِدھر آیا تھا لہٰذا وہاں کے لوگوں سے پولیس کو یقیناً یہی اطلاع ملے گی کہ وہ فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا ہے۔ ایسی حالت میں پولیس، اُسے اسی مقام پر تو ظاہر ہے تلاش نہیں کر سکتی۔ اس لیے ٹائیگر نے سوچا کہ اُسے مطلوبہ مقام پر ضرور جانا چاہیے۔ وہ جہاں دُبکا ہُوا تھا، وہاں سے نکل کر باہر گلی میں آگیا اور اس کی نیم تاریکی میں کسی ہیولے کی طرح چلنے لگا۔

چند لمحوں میں گھُومنے کے بعد وہ ایک ایسے بازار میں پہنچ گیا، جہاں اُس نے آنے کا ارادہ کر رکھا تھا۔ یہ بیسواؤں کی گلی تھی اور یہاں ایسی عورتیں نما ہستیوں کا بسیرا تھا جو نسوانیت اور پاکیزگی کے نام پر دھبہ تھیں... یہیں ٹائیگر نے ایک لڑکی دیکھی تھی۔ نہ جانے اس لڑکی کو دیکھ کر اُسے یہ احساس کیوں ہُوا تھا کہ وہ اُسے پہلے بھی کسی بار دیکھ چکا ہے۔ جب وہ بازاروں میں گھُوم پھر کر مشکوک مقامات کا جائزہ لے رہا تھا تو اس نے بعد میں اس لڑکی سے مُلاقات کا تہیّہ کر لیا تھا۔

لڑکی چینی نژاد تھی۔ اگرچہ اُس کی عُمر زیادہ نہیں تھی لیکن اُس کا چہرہ اُجڑا اُجڑا سا تھا جیسے پاکیزگی رُخصت ہونے کے بعد چہرے پر لعنت یا شیطنت کا بسیرا نہیں ہو سکا تھا اور وہاں ویرانی ہی ویرانی باقی رہ گئی تھی۔ ٹائیگر کی حسّیات نے اُسے بتایا تھا کہ یہ لڑکی اپنا سب کچھ لٹا دینے کے باوجود بھی اس ماحول سے مانوس نہیں ہو سکی۔ اُس نے زندگی کو ایک چلتی پھرتی لاش سمجھ رکھا تھا اور اس لاش کی تدفین کے انتظار میں زمانے کو اس بے نام سی زندگی کا خراج ادا کر رہی تھی۔

بازاروں میں ایک بار پھر ویسا ہی رَش ہوگیا تھا، جیسا کہ اُس نے چند گھنٹے قبل دیکھا تھا۔ یُوں لگتا تھا جیسے چند گلیاں چھوڑ کر وا قع... ایک بازار میں جو خونریزی ہُوئی تھی، لوگوں کی اکثریت نے اُسے ذہن سے جھٹک کر خود کو دل بہلاوں میں معروف کر لیا تھا۔

ٹائیگر کو اس شہر سے نفرت ہوگئی۔ یہ شہر نہیں، وحشی آدمیوں کا جنگل تھا۔ یہاں کی ہر شے پر اُسے دُھوکے کا گمان ہونے لگا تھا۔ روشنی، چمک دار اندھیرا محسوس ہوئی اور قہقہوں کی اوٹ سے کراہوں کا گمان ہونے لگا۔ ان لمحوں میں سونی کا خیال اس کے لیے سوہانِ روح بن رہا تھا۔ بار بار اُس کا سیمیں پیکر اُس کے تصوّر پر اُبھر آتا اور وہ یہ سوچ کر دل ہی دل میں کانپ جاتا کہ اگر فائنگ سونی کو اُٹھا کر کے ہانگ کانگ لانے میں کامیاب ہو جاتا تو وہ نوشتا پھُول جیسی لڑکی، پتّی تتی ہو کر بکھر گئی ہوتی اور پھر وہ جانے اب تک کتنے پاؤں ان پتّیوں کو مسلتے ہوئے گزر چکے ہوتے۔

ٹائیگر چلتے چلتے رُک گیا۔ ایک بوڑھا آدمی اچانک ہی اس کے سامنے آکھڑا ہُوا تھا۔ اس نے ٹائیگر کے سامنے ہاتھ پھیلا دیا۔

"بیٹا... میں بھکاری نہیں ہُوں لیکن مجھے بھیک کی ضرورت ہے۔"

"جب تم بھکاری نہیں ہو تو تمھیں بھیک کی کیوں ضرورت ہے؟" ٹائیگر نے عجیب سے انداز میں پُوچھا۔

"میری نسوں میں خون منجمد ہونے لگا ہے۔ میں اس کا بہاؤ تیز کرنا چاہتا ہُوں۔" بوڑھے نے بڑی ہی بے بسی سے جواب دیا۔ "آج میں کام پر نہیں جا سکا تھا۔ اگر نہ... "

ٹائیگر کو اندازہ ہوگیا کہ یہ شخص واقعی بھیک منگا نہیں ہے لیکن منشیات کی طلب نے اُسے ہاتھ پھیلانے پر مجبور کر دیا ہے۔ "کیا تم نشے کے لیے ہاتھ پھیلا رہے ہو؟" اس نے پُوچھا۔

"ہاں... لیکن بیٹا! تم کبھی اس ناپاک نشے کو ہاتھ نہ لگانا۔" یہ بات ایک کراہ کی طرح بوڑھے کے سینے سے نکلی اور ٹائیگر کے دل میں پیوست ہوگئی۔

"پھر تم کیوں خود کو تباہ کرنے پر تُلے ہوئے ہو؟" ٹائیگر اس سے دریافت کیے بغیر نہ رہ سکا۔

"اس لیے کہ میں مجبور ہُوں... اگر میں ایسا نہ کروں تو زندہ نہیں رہ سکتا۔"

"ایسی زندگی بھلا کس کام کی؟" ٹائیگر کا بجھا ناگوار ہوگیا۔

"سچ کہتے ہو... لیکن میں مرہی تو نہیں سکتا۔" بوڑھے کا لہجہ آنسوؤں سے بھیگ گیا۔ "اگر میں مرگیا تو وہ میری کمی پوری کرنے کے لیے میرے بیٹے کو منشیات کا عادی بنا دیں گے۔ میں اپنے بچّے کے لیے ایسا نہیں کر رہا ہُوں۔"

ٹائیگر کے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ زندگی کے پنجے یہاں اس قدر گہرائی تک دھنس چکے ہوں گے اس

کا ہاتھ بے اختیار اپنی جیب میں رینگ گیا اور اس نے ایک نوٹ بوڑھے کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ "جاؤ۔۔۔ چند دنوں کی بات ہے بھوکے تمہارے دُکھ کٹ جائیں گے۔"

بوڑھے کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ "اگر یہ تمہاری دُعا ہے تو بیکار ہے کیونکہ خدا نے اس علاقے کے مظلوموں کی دُعائیں سُننا ایک عرصے سے بند کر رکھی ہیں۔۔۔ اور اگر۔۔۔ یہ دعا ہے تو تم اپنے چھوٹے مُنہ سے بہت بڑی بات کہہ رہے ہو۔"

"خدا کی ذات سے کبھی مایوس نہیں ہونا چاہیے۔" ٹائیگر نے تھرائی ہوئی آواز میں کہا اور آگے بڑھ گیا۔ وہ نیکی کی علامت تھا اور کچھ لوگ اُسے نیکی کا دیوتا بھی سمجھتے تھے۔۔۔ لیکن ابھی وہ خود جھٹک رہا تھا۔ بدی کے دیوتا۔۔۔ فانگ کی تلاش میں مارا مارا پھر رہا تھا۔ اس کا عزم پختہ ہو گیا اور اس نے فیصلہ کیا کہ وہ وقت کی لگامیں کھینچ کر اُس کی مُنہ زوری کا دم توڑ دینے میں اپنی توانائی کا آخری قطرہ تک بھی صرف کر دے گا۔

اسی بازار میں اُسے دیواروں کے ساتھ ٹیک لگائے، بیٹھے اور اُونگھتے ہوئے کئی ننگے بازو دکھائی دیے۔ اب اسے ان سے نفرت نہیں بلکہ ہمدردی محسوس ہونے لگی تھی۔ کیونکہ اُسے پتہ چل گیا تھا کہ یہ لوگ دانستہ نہیں بلکہ مجبوری کی حالت میں ایسا کرنے پر مجبور ہوئے ہیں۔

وہ اطراف میں بکھری ہوئی ان زندہ لاشوں کے درمیان سے گزرتا ہوا آگے ہی آگے بڑھتا رہا حتیٰ کہ اس عمارت کے قریب پہنچ گیا۔ جہاں اس نے اُس لڑکی کو دیکھا تھا۔

عمارت کے چند دروازے کھلے ہوئے تھے اور ان میں عورتیں یوں کھڑی نظر آ رہی تھیں جیسے شیطان نے ان میں سے ہر ایک کو گناہ کی صلیب پر لٹکا رکھا ہو۔ چند دروازے بند بھی تھے۔ ٹائیگر متلاشی نگاہوں سے اِدھر اُدھر دیکھتا رہا۔ اُسے وہ مخصوص لڑکی کہیں دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ جس کے لیے وہ یہاں آیا تھا۔

ٹائیگر کو دروازہ یاد نہیں رہا تھا۔ اس نے بند دروازوں کی طرف دیکھا اور پھر ایک کھلے دروازے میں کھڑی عورت کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اس نے اسی سے لڑکی کے بارے میں معلوم کرنے کا ارادہ کر لیا تھا

عورت بے حیائی کا کھلا اشتہار تھی وہ ٹائیگر کو اپنی طرف متوجہ پا کر مسکرانے لگی تو ٹائیگر نے ایک بے ساختہ قسم کی اُبکائی روکتے ہوئے اس سے مطلوبہ لڑکی کے بارے میں پوچھا۔

"اسے چھوڑو۔ میرے ساتھ آؤ۔۔۔" عورت نے جلدی سے کہا

"تم مجھے غلط سمجھ رہی ہو۔" ٹائیگر غرایا۔ "مجھے صرف اس لڑکی سے ایک ضروری کام ہے۔"

"اوہ۔۔۔ اگر تم سٹاہی کا تذکرہ کر رہے ہو تو اب ہر ضروری کام بھول جاؤ۔"

"کیا بک رہی ہو۔" ٹائیگر کا لہجہ مزید بگڑ گیا۔ اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک نوٹ نکالا اور اُسے مٹھی میں دبائے کھڑا رہا۔

عورت کی للچائی نگاہ اس نوٹ پر جم کر رہ گئی۔

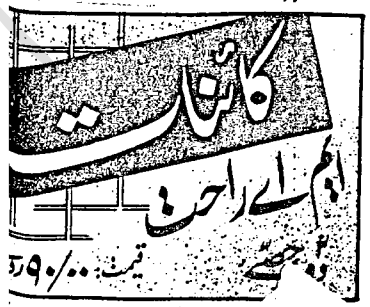
"یہ نوٹ تمہارا بھی ہو سکتا ہے۔" ٹائیگر کے لہجے میں لکا نرمی پیدا ہو گئی۔ "میں جانتی ہوں۔۔۔ لیکن تم اس کے بدلے میں شا صرف سٹاہی کے بارے میں معلوم کرنا چاہتے ہو؟"

"ہاں۔۔۔" ٹائیگر نے کہا۔ "اس کا دروازہ بتاؤ۔۔۔"

"دروازہ بند ہے اور تم اسے نہیں کھول سکو گے اچھے لڑ کیونکہ وہ لڑکی اپنے بانیانہ خیالات کی سزا بھگت رہی ہے"

"اس کا کمرہ کون سا ہے۔" ٹائیگر نے جلدی سے نوٹ عورت کی طرف بڑھا دیا۔ اس کی بے چینی ہر گزرتے ہوئے کے ساتھ بڑھتی جا رہی تھی۔

معاً ایک دروازہ دھماکے سے کھلا اور پھر اُس میں کوئی چیز اُڑتی ہوئی باہر سڑک پر آ گری۔۔۔ عین ٹائیگر کے قریب۔۔۔ یہ چیز وہی لڑکی تھی لیکن اس کی حالت دیکھ کر کی آنکھوں میں خون اُترا آیا تھا۔۔۔ تیزی سے لڑکی طرف جھ اُسے دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔ لڑکی نے آخری بار آنکھ کھول کر اُس کی طرف دیکھا۔۔۔ پھر اُس کی گردن ڈھلک ٹائیگر نے آہستہ آہستہ اُسے وہیں سڑک پر لٹا دیا اور اُٹھ پورے بازار میں سناٹے کی حکومت تھی۔ جس کمرے سے لا باہر آئی تھی اس کے اندر سے اَن گنت قہقہوں کی گونج با اور سناٹے کو مجروح کر گئی۔ ٹائیگر چیتوں کے بل کسی ایسے پ طرح دروازے کی طرف چلنے لگا۔ جو اپنے شکار پر جھپٹنے کے آگے بڑھ رہا ہو۔

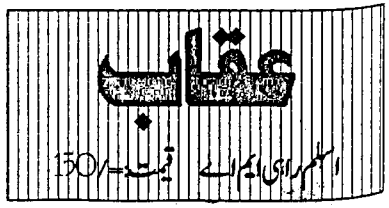


ٹائیگر کو یوں لگ رہا تھا جیسے اُس کے جسم میں خون کی بجائے شرارے دوڑنے لگے ہوں۔ اُس لڑکی کو پہلی نگاہ میں دیکھ کر اُس نے جو تاثر قائم کیا تھا اُس میں اب کوئی شک و شبہ نہیں رہ گیا تھا۔ یقیناً وہ دوسری جسم فروش لڑکیوں سے مختلف تھی اور اُس کا یہ مختلف ہونا ہی بالآخر اُس کے لیے مہلک ثابت ہوا۔ سفاک درندوں نے اس معصوم لڑکی کو انجام کار عبرتناک موت سے ہمکنار کر دیا تھا۔

اُس کے قدم، اُس دروازے کی طرف اُٹھ رہے تھے جہاں سے لڑکی کی لاش باہر پھینکی گئی تھی لیکن اُس کی نگاہیں اطراف کا جائزہ لے رہی تھیں۔ لڑکی کی لاش سے ماحول میں خوف کی لہر دوڑ گئی تھی۔ دروازوں میں استادہ گناہ کی زندہ تصویریں ساکت ہو کر رہ گئی تھیں۔ کسی عورت کا ہاتھ کسی کو اشارہ کرنے کے لیے نہیں اُٹھ رہا تھا، ہر ہونٹ مُسکراہٹ سے بے نیاز ہو چکا تھا اور ہر شناسا جیسے کسی نے خون نچوڑ لیا تھا۔۔۔ آنکھیں دہشت کے منجمد تاثر سے مُردہ لگ رہی تھیں اور ان بازاری عورتوں کو دیکھ کر یوں محسوس ہوتا تھا جیسے کسی نے جادو کی چھڑی گھما کر اُن سب کو پتھر بنا دیا ہو۔

ٹائیگر نے کن انکھیوں سے اُس عورت کی طرف بھی دیکھا جو اُسے اپنی طرف راغب کرنے کی ناکام کوشش کر چکی تھی۔۔۔ لیکن اب وہ عورت بھی گناہ کی صلیب پر ٹنگی ہوئی، ایک ساکت لاش ہی لگ رہی تھی۔ اُس کی آنکھیں پھٹی پھٹی سی تھیں اور اُس کا مُنہ یوں کھلا ہوا تھا جیسے گردن کسی پھندے میں ڈال کر دبا دی گئی ہو۔ کچھ دیر قبل یہی عورت بے حیائی کا کھلا اشتہار تھی لیکن اب تو یوں لگ رہا تھا جیسے وہ دہشت کے علاوہ زندگی کے باقی تمام تاثرات سے یکسر عاری قسم کی عورت ہو۔

جس کمرے سے لاش باہر آئی تھی، اُس میں سے اب بھی دردناک آمیز قہقہے سُنائی دے رہے تھے۔ ان قہقہوں سے اندازہ ہوتا تھا کہ اندر کم از کم چھ آدمی موجود ہیں۔ ٹائیگر کو مرنے والی لڑکی کی آخری نگاہ یاد آ گئی۔ اُس کی کنپٹیاں غصے سے سُلگ اُٹھیں اور اُسے یوں لگنے لگا جیسے خون۔۔۔ غضبناک سانپوں کی طرح، اُس کی رگوں میں دوڑ رہا ہو اور پکار رہا ہو۔ لڑکی کی نگاہوں میں بے بس فریاد تھی۔۔۔ اپنے خون کے انتقام کی فریاد۔۔۔



نامور مصنف محمود احمد مودی

وہی تحریر اور وہی انداز

کے ساتھ، اپنے چاہنے والوں

کے لئے ایک نئی سوغات لئے

نجات

خوبصورت سرورق، بہترین

طباعت و کتابت، سفید کاغذ

قیمت =/150 روپے

مکتبہ القریش

سرکلر روڈ اردو بازار لاہور

7668958

اور شاید وہ ٹائیگر کو یہ بھی بتا ہی چکا ہوتا کہ اُس کا یہ عبرتناک انجام صرف اس وجہ سے ہوا کہ گزشتہ روز اُس نے ٹائیگر سے چند باتیں کی تھیں۔ ایسی باتیں جن سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ اُن لوگوں کے خلاف 'بغاوت' کا پرچم بلند کرنا چاہتی ہے، جنہوں نے اُسے زبردستی اس قتلاب کی دُکان پر بٹھا دیا تھا اور جن کی خواہش تھی کہ وہ ہر آنے والے گاہک کو تفریحاً کرنے پر کچھ نہ کچھ ضرور پیش کرے۔

ٹائیگر، دروازے کے سامنے پہنچ کر رُک گیا۔

لڑکی کی لاش باہر پھینکنے کے بعد، اندر موجود شیطانوں نے دروازہ ایک بار پھر بند کر لیا تھا۔ ٹائیگر کے ٹھٹکنے کی وجہ بھی یہی تھی۔ وہ حیران تھا کہ جب ان لوگوں نے اس معصوم لڑکی کو قتل کر کے، اُس کی لاش... باہر پھینک دی ہے تو اب وہ اندر بند ہو کر کس بات پر ہنس رہے ہیں؟

یقیناً اندر، اُن کی بدبختی کا کوئی اور سامان موجود ہوگا۔ اس خیال کے تحت، ٹائیگر نے پوری قوت سے دروازے پر ایک ٹھوکر رسید کی۔ دروازہ معمولی لکڑی کا بنا ہوا تھا، اُس کے پُرزے اُڑ گئے۔ دروازہ ٹوٹنے کی آواز پورے بازار میں سُنی گئی تھی اور وہاں موجود ہر شخص، اس طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

اندر سے آنے والے قہقہوں کی آوازیں بھی دم توڑ گئی تھیں۔

ٹائیگر کسی چیتے کی طرح جست لگا کر، کمرے میں داخل ہو گیا۔ دروازے سے اندر قدم رکھتے ہی اُسے پانچ آدمی نظر آئے۔ وہ بُری طرح نشے میں دھت تھے۔ اُنھوں نے کمرے میں موجود سامان کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیا تھا اور الماری یا صندوق سے نکلے ہوئے، مقتول لڑکی کے کپڑے، ایک دوسرے کی طرف اُچھال کر خوش ہو رہے تھے۔ یہ درندگی کی ایک نادر مثال تھی۔

ٹائیگر کے کمرے میں داخل ہو کر، قریب ترین آدمی کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ اُس کے ہاتھ میں لڑکی کی قمیص تھی۔ اُس نے ٹائیگر کا بڑھتا ہوا ہاتھ دیکھا تو قمیص، اُس کی طرف اُچھال دی اور اگلی ہی ساعت، اُس کے حلق سے ایک قہقہہ اُبل پڑا۔ اس سے قبل کہ اُس کے ساتھی بھی اپنے اپنے ہاتھوں میں پکڑے ہوئے، لڑکی کے کپڑے اُچھالتے اور قہقہے لگاتے، ٹائیگر نے دونوں ہاتھوں سے پہلے آدمی کو تھام کر اُچھالا اور پھر اُس کا وجود، فضا میں بلند کپڑے میں لپٹتا چلا گیا۔

اس شخص کے حلق سے ایک دلدوز چیخ نکل گئی... لیکن اُس کا وجود، کپڑے میں یوں لپٹا ہوا تھا کہ فوری طور پر اُس کے ساتھیوں کی سمجھ میں نہیں آیا کہ اُسے کیا ہوا ہے۔ اُن کی دانست میں، اُس شخص کی چیخ بھی اظہارِ لذت کے طور پر نکلی تھی۔ اس احساس کے تحت وہ سب کے سب کھل کھلا کر ہنس پڑے اور اُن کے گرج دار قہقہوں سے کمرے کا ماحول گونج اُٹھا۔

چند لمحوں تک، پہلے نشانہ باز کا جسم، مقتول لڑکی کی قمیص میں لپٹا، فضا میں، ٹائیگر کے ہاتھوں پر مچلتا رہا۔ پھر وہ دروازے کی طرف اُڑتا ہوا، باہر سڑک پر جا گرا۔

یہ وجود، مقتول لڑکی کے قریب ہی گرا تھا۔ چند لمحوں تک وہ تڑپتا رہا... پھر ساکت ہو گیا۔

ٹائیگر کے حلق سے بھی ایک قہقہہ اُبل پڑا۔

نشے بازوں کے قہقہے اب بھی بلند ہو رہے تھے اور بہکے ہوئے ذہنوں میں یہ بات نہ آ سکی کہ اُن کا ایک ساتھی ہلاک ہو چکا ہے...! کوئی موت بن کر اُن کے سروں پر پہنچ چکا ہے۔

ٹائیگر نے دوسرے آدمی کو پکڑا اور اُسے فرش پر ادھیڑے کی شکل میں گھمانے لگا۔ یہ بھی رقص کا شاندار انداز تھا۔ ٹائیگر کی گرفت میں رقص کرنے والا پہلے تو ہنستا رہا... پھر اُس کے حلق سے بھی ایک دلدوز چیخ نکل گئی اور وہ اُڑتا ہوا باہر سڑک پر جا گرا۔ اس مرتبہ بھی اُس کے باقی ماندہ ساتھیوں نے قہقہے لگائے تھے۔ اُن کی دانست میں یہ بھی ایک کھیل تھا... باہر جا کر گرنے والا دوسرا وجود بھی چند لمحوں تک کانپنے کے بعد ساکت ہو گیا۔

ٹائیگر نے اُن لوگوں کے لباس سے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ، بلیک مارکٹ ہی سے تعلق رکھنے والے ہیں... لیکن اُن میں سے ہر ایک نشے میں اتنا دھت تھا کہ اُس کا ذہن حقیقت تک نہیں پہنچ سکتا تھا اور جب سچائی ظاہر ہوتی تھی تو مدافعت کرنے کی مہلت بھی نہیں ملتی تھی وہ پہلے کمرے میں اپنے ساتھیوں سے اس ہولناک حقیقت کا اظہار کرنا چاہتا تھا لیکن ساتھی، اُس کی چیخ کو ایک نظری نعرہ سمجھ کر مزید خوش ہوتے تھے اگلے چند منٹوں میں باقی تینوں بھی کمرے سے نکل کر سڑک پر پہنچ گئے تھے اور اُن پر موت طاری ہو گئی تھی۔ جس طرح وہ لڑکی کی لاش پر قہقہے لگا رہے تھے، اسی طرح اُنھوں نے غیر شعوری طور پر اپنے ساتھیوں کی لاشوں پر بھی قہقہے لگائے تھے۔ صرف آخری آدمی اپنے دوستوں کے قہقہوں سے محروم رہا تھا اور یہ کمی ٹائیگر کے قہقہوں نے پوری کر دی تھی۔

وہ باہر آیا تو سڑک پر لڑکی کی لاش کے گرد، اُس کے پانچوں قاتلوں کی لاشیں بکھری پڑی تھیں اور بازار میں سناٹے کی حکومت طاری ہو گئی تھی۔ تمام دروازے بند ہو چکے تھے اور ہر جسم فروش عورت نے خود کو اپنے کمرے میں چھپا لیا تھا۔

**

ماسٹر تاؤ ایک مجسمے کے سہارے کھڑا ہو گیا۔ اس کی پلکیں آنکھیں رات کے منجمد اندھیرے میں ایسی علامات دیکھنے کی کوشش کر رہی تھیں، جو سول کے لیے کسی خطرے کا اظہار کر سکیں۔ سونی نے کے قریب ہی کھڑی ایک مال بردار جہاز کی طرف دیکھ رہی تھی جس پر معمول سے کہیں زیادہ بوجھ لاد آگیا تھا اور دریائے وانگ پو کی لہروں پر یوں ڈولتا ہوا کسی نامعلوم منزل کی طرف بڑھ رہا تھا۔ جیسے کچھ ہی دُور جا کر غرق ہو جائے گا۔

رفتہ رفتہ یہ مال بردار جہاز اُس کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

ہر طرف سے مطمئن ہو کر ماسٹر تاؤ نے نرمی اور محبت سے اس کا کندھا تھپتھپایا اور کہا "آؤ چلیں... ہمیں اب جلد از جلد ایئرپورٹ پہنچ جانا چاہیے۔"

سونی نے ایک طویل سانس لی اور اس کے ساتھ چل دی۔

ٹائیگر کے جانے کے بعد وہ چپ چپ سی تھی اور کھوئی کھوئی نظروں سے یوں دیکھنے لگی تھی جیسے دُنیا بھر میں بالکل تنہا رہ گئی ہو۔ شہزادہ ٹائیگر کے لیے اُس کے دل نے جس طرح دھڑکنا شروع کیا تھا، اس سے سونی کو اپنی طرح احساس ہو گیا تھا کہ اب اُس کی دُنیا صرف اسی نوجوان کی رفاقت میں آباد رہ سکتی ہے... اور اس کے بغیر وہ بالکل ادھوری ہے۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ ٹائیگر کون ہے اور کیا ہے۔ اس کے باوجود وہ اس اجنبی کو اپنا سب کچھ سمجھ بیٹھی تھی۔

ایک گھنٹے بعد سونی اور ماسٹر تاؤ ہیکنگ کے ائرپورٹ پر پہنچ گئے۔ ان کے قدم خاموشی سے ائرپورٹ کی عمارت کے فرش پر متحرک تھے اور وہ دھات کے بنے ہوئے ایک عظیم الشان متحرک زینے کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ماسٹر تاؤ نے اپنے ذاتی اثر و رسوخ سے کام لے کر سونی کے لیے بندوبست کیا تھا۔ وہ متعلقہ پائلٹ کے پاس جا پہنچا جس سے کچھ دیر سرگوشیوں میں باتیں ہوتی رہیں... پھر وہ ڈاک کے ان تھیلوں کی طرف متوجہ ہو گیا جو اُس جہاز کے ذریعے جانے والے تھے۔

کچھ دیر وہ ڈاک کے تھیلوں کو ٹٹولتا رہا... پھر مطمئن انداز میں سر ہلانے لگا۔ اُس نے سونی کو اطمینان دلانے کے لیے چند باتیں کیں اور پھر خدا حافظ کہتا ہوا، وہاں سے رُخصت ہوا تو سونی اس ویو پیکر کار گو پلین کی تاریکی میں غائب ہو چکی تھی۔

جہاز سے باہر آ کر ماسٹر تاؤ اس وقت تک وہاں کھڑا رہا جب تک جہاز نے زمین نہیں چھوڑ دی۔

اگلے روز علی الصباح جہاز شنگھائی کی سرزمین سے چھو رہا تھا تو سونی تھکن سے نڈھال ہونے کے بعد گہری نیند میں ڈوبی ہوئی تھی۔

ایک سپاہی نے آ کر اُسے جگایا۔ اس سپاہی کے کندھے سے رائفل جھول رہی تھی۔ وہ اُسے جہاز سے باہر لایا اور ایک ایسی جگہ پہنچا، جہاں ایک سیاہ لیموسین کھڑی تھی۔

سپاہی نے سیاہ گاڑی کا دروازہ اُس کے لیے کھول دیا۔

سونی نے اندر جھانک کر دیکھا۔ کار میں پچاس سال کا ایک بوڑھا بیٹھا تھا۔ جس کے چہرے پر اُسے دیکھ کر نرم سی مسکراہٹ پیدا ہو گئی۔

سونی اس بوڑھے کے پہلو میں بیٹھ گئی۔

بوڑھے نے اسٹیل کے فریم کا خوشنما چشمہ لگا رکھا تھا۔ سونی کے بیٹھتے ہی اس نے اپنی گود میں رکھا ہوا بریف کیس کھولا اور اس میں سے چند کاغذات نکال کر ان کا جائزہ لینے لگا... پھر اُس نے دوبارہ سونی کی طرف دیکھا۔ اس بار اُس کی مسکراہٹ مزید شفقت آمیز تھی۔

کار کا سفر ایک سرکاری اڈے پر ختم ہوا۔ جہاں سونی کو بہترین ناشتہ دیا گیا۔ ناشتے کے نصف گھنٹے بعد چینی انٹرفورس کا ایک طیارہ، سونی اور چینی سفیر کو لے کر فضا میں بلند ہو گیا۔ موسم سرما کے اثر سے ٹھٹھرے ہوئے آسمانوں کی طرف پرواز کرتے ہوئے اس طیارے کا رُخ یولان کی جانب ہو گیا۔

سونی جس سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھی، وہ کھڑکی کے قریب تھی اور سونی اس کھڑکی سے باہر کے یخ بستہ ماحول کا نظارہ کر رہی تھی، یوں لگتا تھا جیسے چاروں طرف ایک منجمد سا سمندر پھیلا ہوا ہو۔

باہر کا نظارہ کرتے کرتے اچانک سونی کو فانگ یاد آ گیا۔ وہ اس خوفناک شخصیت کے بارے میں غور کرتے ہوئے سر سے پاؤں تک کانپ گئی... پھر اس کی سوچوں کا رُخ ٹائیگر اور ماسٹر تاؤ کی طرف محوم گیا۔ وہ اس وقت کی یادوں میں کھو گئی جو اُن تینوں کے ساتھ گزارا تھا۔

فانگ، منافق البشر شیطانی شخصیت کا مالک تھا۔ وہ ایک سفاک قاتل تھا۔ اس نے چوری، اغوا، تشدد اور دہشت پھیلا دینے والی وارداتیں کی تھیں... اور اب وہ دُنیا کے سب سے بڑے اور خوفناک مجرم گروہ کی قیادت کا وارث بن گیا تھا۔ جس کی تاریخ منشیات فروشی، عصمت فروشی، قمار بازی اور خونریزیوں سے بھری پڑی تھی۔ گویا فانگ انسان کی آخری حدوں تک شیطانی قوتوں کا مظہر تھا۔ سونی نے اس کی قید میں جو شب و روز گزارے تھے، اگرچہ اس عرصے میں اُسے کوئی اذیت نہیں دی گئی تھی... پھر بھی وہ متوقع اذیتوں کے خوف سے کئی بار نڈھال ہو گئی تھی۔ اُسے ٹائیگر کے الفاظ یاد آ رہے تھے، جو اُس نے فانگ کے بارے میں کہے تھے کہ چوینا کا واحد شخص ہے جو اس کے ہاتھوں سے اب تک کئی بار سانحے آنے کے باوجود محفوظ ہے... اور اس کی وجہ یہ تھی کہ بقول ماسٹر تاؤ، وہ انسان کے بھیس میں ایک ایسی شخصیت کا مالک تھا جسے شیطان نے اپنی تمام تر شیطانی طاقتیں دے کر زمین پر بھیجا ہے۔

سونی کو اس بات سے اختلاف تھا۔ وہ سمجھتی تھی کہ فانگ

بھی ایک عام سا آدمی ہے۔ لاکھ سفاک اور طاقتور سہی لیکن اُس کے بدن میں طاغوتی قوتوں کو نہیں بلکہ اتفاقات کو دخل تھا۔ سوفی اُسے کوئی مافوق البشر شیطانی ہستی ماننے کے لیے تیار نہیں تھی کیونکہ اُس کا نظریہ تھا کہ فانگ ایسے کمزور اور بے بس لوگوں سے کھیلتا ہے جو اپنی مجبوریوں کی وجہ سے، دُنیا میں طاقت ور لوگوں کے لیے کھلونا بننے کے لیے ہی پیدا ہوتے ہیں۔

سوفی کھڑکی سے باہر دیکھتی ہوئی سوچتی اور اُلجھتی رہی۔ اس کے نزدیک فانگ ایک مجرم تھا جس نے اس کے خاندان کو قتل کر دیا تھا اور جس کے ہاتھوں اُن گنت لوگ ہلاک ہوئے تھے۔ اگر وہ پاگل ہوتا تو اُسے معاف کیا جا سکتا تھا لیکن وہ کالے جادو کا عقیدت مند اور شیطان کا پجاری تھا۔ وہ پاگل نہیں تھا بلکہ ایک باقاعدہ مشن پر کام کر رہا تھا۔

جن دنوں سوفی اُس کی قید میں تھی تو فانگ بھی اُس کے ساتھ اُسی تہ خانے میں مقیم تھا۔ اس قیام کے دوران سوفی نے اُسے ایسی عبادات میں مصروف دیکھا تھا جو کسی طرح بھی خالقِ حقیقی کے لیے نہیں ہو سکتی تھیں۔ وہ اپنی طاغوتی قوتوں میں اضافے کے لیے عجیب عجیب حرکتیں کر کے عبادت کرتا تھا۔

جب سوفی کو اغوا کیا گیا تھا تو اس دوران میں اُسے بعض ایسے زخم بھی آئے تھے جن سے اُس کا جسمانی حسن متاثر ہو سکتا تھا لیکن تہ خانے میں قیام کے دوران میں، فانگ نے ان زخموں کے علاج کے لیے اپنی شیطانی عبادات کا سہارا لیا تھا اور پھر ایسی ایسی چیزیں ان زخموں پر رکھ کر باندھی تھیں کہ واقعی چند ہی دنوں میں نہ صرف سوفی صحت یاب ہو گئی تھی بلکہ اس کے زخموں کے نشانات تک غائب ہو گئے تھے۔ یہ سب کچھ سوفی نے زندگی میں پہلی بار ہوتے دیکھا تھا حالانکہ وہ سمجھتی تھی کہ اس کے زخم مہینوں میں کہیں جا کر مندمل ہوں گے۔ اس کامیاب مسیحائی کے لیے فانگ اپنے آقا شیطان کا شکر گزار تھا جبکہ سوفی کا نظریہ تھا کہ یہ سب کچھ اُن پُراسرار ادویات کی وجہ سے ممکن ہوا ہے جن کو خداوند ذوالجلال نے الگ الگ تاثیروں سے نواز رکھا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ان ادویات کو کالے علم کے جادوگروں، وچ ڈاکٹروں اور پُراسرار علم کے ماہروں نے صدیوں سے اس طرح استعمال کیا ہے کہ اُن کے اثرات کا علم صرف اپنی ہی ذات تک محدود رکھا۔

فانگ کا دعویٰ تھا کہ وہ شیطان کا نائب ہے اور اس کی پیدائش شیطانی طاقتوں کا اعجاز ہے، وہ اپنے بڑھے ہوئے ناخنوں کو شیطانی ہتھیار کہتا تھا۔

معاً جہاز نے ایک جھٹکا کھایا تو سوفی خیالوں سے چونک پڑی۔

اس نے چونک کر اِدھر اُدھر دیکھا تو پتہ چلا کہ طیارہ اپنی منزلِ مقصود پر پہنچ چکا ہے اور لینڈ کرنے کی تیاری کر رہا ہے۔

★★

ٹائیگر نے سڑک کے کنارے رُک کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ اسی لمحے موڑ سے گھوم کر ایک ٹیکسی اس کے قریب آ گئی۔ ٹائیگر نے ہاتھ کے اشارے سے اسے رکوایا اور عقبی نشست پر بیٹھ گیا۔ ٹیکسی آگے بڑھ گئی۔ ٹائیگر نے اُسے ہانگ کانگ کے اُسی مخصوص علاقے کی طرف چلنے کے لیے کہا تھا، جہاں وہ بلیک سرکل کے گرگون سے نبرد آزما ہوا تھا۔

اُسے ہانگ کانگ میں آئے آج پانچواں روز تھا۔ اس دوران میں وہ بلیک سرکل کے کئی غنڈوں کا صفایا کر چکا تھا لیکن ابھی تک فانگ سامنے نہیں آیا تھا اور نہ ہی ٹائیگر، بلیک سرکل کے کسی گُرگے یا کسی اور شخص سے اس کے بارے میں کوئی بات معلوم کر سکا تھا۔ اس وقت وہ ایک موٹر سائیکل کی اُمید کے تحت دوبارہ اُسی علاقے کی طرف جا رہا تھا کہ شاید اُسے وہ بوڑھا ہی مل جائے جس نے انیون پینے کے لیے اُس سے بھیک مانگی تھی۔۔۔ اور جس نے بتایا تھا کہ وہ کسی شوق یا عادت کے تحت یہ نشہ نہیں کرتا بلکہ یہ اس کی مجبوری ہے۔۔۔ اور مجبوری یہ تھی کہ اگر اس سے ہونے والی آمدنی بند ہو گئی تو بلیک سرکل کے غنڈے اُس کے بیٹے کو منشیات کا عادی بنا دیں گے۔

ٹائیگر کو افسوس ہو رہا تھا کہ اُس نے پہلی ملاقات میں اس بوڑھے کو زیادہ اہمیت کیوں نہیں دی تھی۔ وہ اس سے کم از کم یہ تو پوچھ ہی سکتا تھا کہ لوگوں کو منشیات کا عادی بنانے کا کام کہاں ہوتا ہے اور اس سلسلے میں کون لوگ کام کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں سے مل کر اگر وہ فانگ تک پہنچنے میں کامیاب نہ بھی ہوتا تو کم از کم انھیں ٹھکانے لگا کر آئندہ پیدا ہونے والے نشے بازوں میں کمی کا باعث تو بن ہی سکتا تھا۔

ٹیکسی تیزی سے ہموار سڑک پر پھسل رہی تھی اور ٹائیگر کا ذہن بھی اتنی ہی تیزی سے سوچ رہا تھا۔ حتیٰ کہ ٹیکسی رُک گئی اور وہ کرایہ ادا کر کے نیچے اُتر آیا۔

ٹیکسی ڈرائیور کو بھاری ٹپ دیتے وقت ٹائیگر نے اُس کی آنکھوں میں جھانک کر دیکھا۔ ٹیکسی ڈرائیور کی آنکھیں سُرخ اور بوجھل تھیں۔ یہ بے خوابی کا اثر تھا یا اس نے کوئی نشہ کر رکھا تھا، ٹائیگر اس کا فیصلہ نہ کر سکا۔

"سنو۔۔۔" ٹائیگر نے کھڑکی پر کہنی جماتے ہوئے اس کی طرف جھک کر کہا۔ "کیا تم مجھے کسی ایسی جگہ لے جا سکتے ہو، جہاں سے آسانی کی طرف پرواز کی جا سکتی ہو؟"

ڈرائیور چونک پڑا۔ اس کا ہاتھ اُس بڑے نوٹ کی طرف بڑھتے کانپ گیا، جو ٹائیگر نے اُسے ٹپ دینے کے لیے نکال کر اپنی انگلیوں میں جکڑ رکھا تھا۔

ٹائیگر کے ہونٹ بھنچ گئے۔ اس نے واضح طور پر دیکھا تھا کہ نوٹ پر نگاہ پڑتے ہی ٹیکسی ڈرائیور کا چہرہ خوشی سے کھل اُٹھا تھا۔۔۔ لیکن جیسے ہی اُسے اس نوٹ سے وابستہ شرط کا پتہ چلا تو اس کے پُرامید چہرے پر دیسی ہی تاریکی چھا گئی تھی، جیسے کوئی قندیل بجھ جانے سے کمرے میں پھیل جاتی ہے۔

"تمھاری مرضی۔۔۔" ٹائیگر نے اُسے کچھ بتانے پر آمادہ نہ پا کر ہاتھ کھینچتے ہوئے کہا۔

اگلے ہی لمحے اُسے اپنے ہاتھ پر ٹیکسی ڈرائیور کا لرزتا ہوا ہاتھ محسوس ہوا۔ "لک۔۔۔ کیا تمھارا تعلق پولیس سے ہے؟"

"میرے چہرے پر تو ایسی کوئی بات لکھی ہوئی نہیں ہے!" ٹائیگر نے بے نیازی سے جواب دیا۔

"تو پھر۔۔۔ تم۔۔۔ انھی لوگوں میں سے ایک ہو جو۔۔۔"

"کن لوگوں میں سے؟" ٹائیگر نے پوچھا اور چہرے پر نرم سکراہٹ طاری کر لی۔

"وہی جو منشیات کا دھندا کرتے ہیں۔"

"ایسے آدمیوں کو کسی سے پوچھنے کی کیا ضرورت ہو سکتی ہے؟" ٹائیگر نے اُلجھن کا اظہار کیا۔

"امتحان۔۔۔" ٹیکسی ڈرائیور نے تھوک نگل کر جواب دیا۔

اس کا ہاتھ ابھی تک ٹائیگر کے ہاتھ پر دھرا تھا اور اس میں کپکپاہٹ بھی موجود تھی۔ ٹائیگر نے محسوس کیا کہ ٹیکسی ڈرائیور کا ہاتھ آہستہ آہستہ پسینے میں شرابور ہوتا جا رہا ہے۔

"یہ نوٹ رکھ لو اور جاؤ۔" ٹائیگر نے کہا اور نوٹ اس کے ہاتھ میں تھما کر پلٹ کر چلنے لگا۔۔۔ لیکن ابھی وہ دو قدم ہی آگے گیا تھا کہ عقب سے ٹیکسی ڈرائیور کی آواز سن کر رُک گیا۔

"بیٹھ جاؤ، دوست۔" ڈرائیور کہہ رہا تھا۔ "میں تمھارے لیے یہ خطرہ مول لینے کے لیے تیار ہوں۔"

ٹائیگر نے اثبات میں سر ہلایا اور دوبارہ ٹیکسی میں بیٹھ گیا۔

"تم کوئی نشے باز تو نہیں لگتے۔" ڈرائیور نے گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے تبصرہ کیا۔

"ہاں۔۔۔ میں نشے باز نہیں ہوں۔"

"تو پھر کسی ایسی جگہ کیوں جانا چاہتے ہو؟" ایک بار پھر ڈرائیور کے لہجے میں شک اور شبہے کی جھلک پیدا ہو گئی تھی۔

"دراصل مجھے ایک آدمی کی تلاش ہے۔" ٹائیگر نے اس کا شبہ دُور کرنے کے لیے کہا۔

"کون ہے، وہ؟" ڈرائیور نے سوال کیا۔

"اس کا نام فانگ ہے۔"

"میں اس نام کے کسی آدمی کو نہیں جانتا۔" ڈرائیور نے جواب دیا۔ "اس کا حلیہ بتاؤ۔ ہو سکتا ہے، میں اس کا صحیح سراغ بتا سکوں۔"

جواباً ٹائیگر نے اُسے فانگ کا حلیہ بتا دیا۔ ٹیکسی ڈرائیور نے نفی میں سر ہلا دیا۔ "نہیں۔۔۔ میں نے کبھی کوئی ایسا گنجا نہیں دیکھا جس کی انگلیوں پر آہنی خول چڑھے ہوئے ہوں۔"

ٹائیگر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ یکایک ایک خیال کے تحت اُس نے اُس بوڑھے نشے باز کا حلیہ بتایا تو ڈرائیور نے اُسے فوراً ہی پہچان لیا۔

"ہاں۔۔۔ اُسے میں ضرور جانتا ہوں۔" ڈرائیور نے ایک طویل سانس لے کر جواب دیا۔ "اس کا نام فیدر ہے۔۔۔ کبھی وہ ایک دولت مند آدمی ہوا کرتا تھا۔"

"کیا مطلب؟" ٹائیگر چونک پڑا۔ "کیا نشے کی لت نے اُسے تباہ کیا ہے؟"

"بظاہر تو یہی بات ہے۔۔۔ لیکن درحقیقت اُسے نشے کی آڑ میں بُری طرح لوٹا گیا ہے۔ اُسے اپنے اکلوتے لڑکے سے بے پناہ محبت ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو شاید وہ مر جاتا اور کسی نشہ آور شے کو ہاتھ بھی نہ لگاتا۔"

ٹائیگر کو بوڑھے سے بے پناہ ہمدردی ہو گئی۔ ٹیکسی ڈرائیور نے اس کے سلسلے میں جو انکشاف کیا تھا، وہ چونکا دینے والا تھا۔ یقیناً وہ بوڑھا اُس کے لیے کارآمد ہو سکتا تھا۔ وہ ایک عام آدمی نہیں تھا۔ اگرچہ حالات نے اُسے بھکاری بننے پر مجبور کر دیا تھا لیکن جن دنوں وہ دولت مند ہوتا تھا، ان دنوں یقیناً کوئی خاص حادثہ ہی اُسے اُن لوگوں کے جنگل میں پہنچانے کا باعث بنا ہو گا۔۔۔ اور یہ حادثہ کئی رازوں سے پردہ اُٹھا سکتا تھا۔

"میں بوڑھے فیدر سے ملنا چاہتا ہوں۔" ٹائیگر نے کہا۔ "اگر تم جانتے ہو کہ وہ کہاں رہتا ہے تو سیدھے وہیں چلو۔"

"لیکن آپ تو اڈے پر۔۔۔" ڈرائیور ایک بار پھر چونک پڑا۔ وہ غالباً کچھ زیادہ ہی محتاط اور بزدل قسم کا آدمی تھا۔ ورنہ بات بے بات اس طرح نہ چونکتا۔

"اڈے پر بعد میں چلیں گے۔۔۔ بلکہ ممکن ہوا تو بوڑھے فیدر کے ساتھ چلیں گے۔"

"آپ اُسے کس طرح جانتے ہیں؟"

"چند روز قبل اس نے میرے سامنے دست سوال دراز کیا تھا۔"

"اوہ، کیا آپ اُسے محض اس لیے تلاش کر رہے ہیں کہ اس کی مدد کر سکیں؟ میرا مطلب ہے، میں نے آج تک کوئی ایسا آدمی نہیں دیکھا جو کسی کو بھیک دینے کے لیے اس طرح مارا مارا پھر رہا ہو۔"

"میں اُس سے مل کر وہی سوال کرنا چاہتا ہوں، جس کا جواب تمہیں معلوم نہیں ہے۔"

"اوہ، تو آپ اس سے فائنگ کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں۔۔۔ لیکن ہو سکتا ہے، وہ بھی اس کو نہ جانتا ہو۔"

"ہاں۔ ہو تو سب کچھ سکتا ہے۔۔۔" ٹائیگر کا لہجہ یکایک سخت ہو گیا۔ "اس لیے بہتر ہو گا کہ مجھ سے ملاقات ہونے کے بعد مجھے بھول جانا۔" ڈرائیور کا ہاتھ اسٹیئرنگ پر کانپ گیا۔

بیس منٹ بعد ٹیکسی ایک پل کے قریب رُک گئی۔ ڈرائیور نے پلٹ کر دیکھا اور خوفزدہ لہجے میں بولا۔ "اگر وہ یہاں موجود ہے تو اقرارات کے بنے ہوئے بستوں پر اُسود ہا ہو گا۔"

"لیکن اس کا گھر کہاں ہے؟" ٹائیگر کے لہجے میں حیرت تھی۔۔۔ "مجھے تو یہاں کوئی مکان نظر نہیں آتا۔"

"اوہ۔۔۔ وہ اس پل کے نیچے ایک محراب میں سوتا ہے اور یہ محراب ہی اس کا گھر ہے۔" ٹیکسی ڈرائیور نے وضاحت کی۔

ٹائیگر ایک طویل سانس لے کر جیپ سے اُتر آیا۔

ڈرائیور نے ٹیکسی موڑی اور رخصت ہو گیا۔ اس کے انداز میں جلد بازی تھی۔ غالباً ٹائیگر کی اس دھمکی کا اثر تھا جو اس نے خود کو بھلا دینے کے سلسلے میں دی تھی۔

ٹیکسی ڈرائیور کے جانے کے بعد ٹائیگر نے اِدھر اُدھر دیکھ کر ماحول کا جائزہ لیا۔ یہ پل ایک متروک سڑک پر بنا ہوا تھا اور اس کے نیچے جو گہرائی نظر آ رہی تھی، غالباً وہ بارش کے دِنوں میں دریا کی شکل اختیار کر لیتی ہو گی۔

سڑک کی حالت خستہ تھی اور پل پر ایک ایسا نشان بنا ہوا تھا جو ظاہر کر رہا تھا کہ یہ قدیم پل کسی بھی وقت گر سکتا ہے۔ اس لیے اس پل سے نہ گزرا جائے۔

ٹائیگر نے پل کی ریلنگ پر ہاتھ رکھ کر نیچے دیکھا۔ سڑک سے نیچے لوہے کے بڑے بڑے گارڈر نظر آ رہے تھے۔ ان گارڈروں کے نیچے اُسے پل کی محراب نظر آ رہی تھی۔ ٹائیگر حیران تھا کہ فیدر یہاں سے کسی محراب تک اُتر کیسے آتا جاتا ہو گا۔ وہ فیدر سے مل چکا تھا اور اس کی جسمانی حالت جانتا تھا۔ اس جیسا ناتواں شخص سڑک سے ان گارڈروں اور پھر نیچے محرابوں تک نہیں کود سکتا تھا۔ یقیناً کوئی راستہ موجود تھا۔

وہ راستے کی تلاش میں اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔

اُسے کوئی راستہ دکھائی نہیں دیا۔

سب سے پہلا خیال اس کے ذہن میں یہی آیا کہ ٹیکسی ڈرائیور اُسے بیوقوف بنا کر چلتا بنا ہے۔۔۔ لیکن نہ جانے کیوں ٹائیگر کی حسیات اس بات کی نفی کر رہی تھیں۔ اس نے ٹیکسی ڈرائیور کے سلسلے میں یہ نظریہ قائم کیا تھا کہ وہ محدود حلقۂ احباب والا ایک ایسا شخص ہے، جس نے ابھی تک شادی نہیں کی اور جس کی خاندانی ذمے داریاں نہ ہونے کے برابر ہیں۔ اس کے باوجود وہ طبعاً ایک بُزدل شخص ہونے کی وجہ سے زیادہ نہیں کماتا۔ جبکہ نشے بازی کی لت اُسے ہمیشہ مقروض ہی رکھتی ہو گی۔

ٹائیگر کا یہ نظریہ بڑی حد تک درست ہی تھا۔۔۔ لیکن اس وقت اُسے ٹیکسی ڈرائیور کے سلسلے میں اپنے نظریے کی صداقت سے زیادہ بوڑھے فیدر کو تلاش کرنے کی مزدرت تھی۔

اُس کے ذہن میں بوڑھے فیدر کا وہ جملہ گونجنے لگا جو اس نے ٹیک مانگتے وقت کہا تھا۔ "میں بھکاری نہیں ہوں لیکن مجھے بھیک کی ضرورت ہے۔" ٹائیگر کے ہونٹوں پر بڑی ہی تلخ مسکراہٹ پھیل گئی۔ بوڑھے کی ناتواں نسوں میں خون منجمد ہونے لگا تھا اور وہ اس کا بہاؤ تیز کرنا چاہتا تھا۔۔۔ پھر اُسے یاد آیا کہ بوڑھے کے بارے میں اس کی سوچ کتنی درست ثابت ہوئی تھی کہ وہ کوئی بھیک منگا نہیں ہے۔ اس بات کی تصدیق ٹیکسی ڈرائیور نے بھی کر دی تھی۔ اس نے بتایا تھا کہ

اے حمید کے ایڈونچر قلم سے
شیو لینا کے
دہشت گرد
چار جلدوں میں مکمل سیٹ =/700 روپے
ناشر و مکتبہ التحریر
اردو بازار لاہور

جا فیدر ایک دولت مند آدمی ہوا کرتا تھا۔ ایک ایسا دولت مند ں جس کی ساری دولت منشیات کی اڑھیں لوٹ لی گئی تھی۔ ٹائیگر حیران اکہ اس شہر میں ایسے اور نہ جانے کتنے لوگ ہوں گے، جو فیدر کی طرح ت مند ہوں گے اور پھر بلیک سرکل کے شیطانوں نے انھیں تباہ ا لا ہو گا۔ ان میں سے نہ جانے کتنے ہلاکت سے دوچار ہو چکے ہوں ے اور نہ جانے کتنے ابھی تک قطرہ قطرہ موت سے ہمکنار ہو رہے ہوں ۔ ان میں مَردوں کے علاوہ عورتیں بھی شامل ہوں گی۔ ایسی عورتیں ں اپنا سب کچھ لٹا کر اور گروی رکھنا پڑا ہو گا اور اب وہ نسوانیت کے نام لیے چلتی پھرتی لاشیں بن کر رہ گئی ہوں گی۔

اچانک اُسے سوفی یاد آ گئی۔ وہ ایک طویل سانس لے کر رہ ا۔ بازارِ حسن میں اُس لڑکی کو دیکھ کر وہ اسی لیے متاثر ہوا تھا، بعد میں ی کی لاش سے ہی ملاقات ممکن ہو سکی تھی کہ اُسے دیکھ کر ٹائیگر کو سوفی کا ین سراپا یاد آ گیا تھا۔ اب بھی اُسے یہ سوچ کر جھرجھری سی آ گئی تھی کہ ی اگر بازیاب نہ ہوتی تو فائنگ اُسے یقیناً اپنے ساتھ ہانگ کانگ ا یہاں پہنچا چکا ہوتا۔ میں بھکاری نہیں ہوں لیکن مجھے بھیک کی ضرورت ہے، ٹائیگر کے ہونٹوں پر بڑی ہی تلخ مسکراہٹ پھیل گئی۔ بوڑھے کی ناتواں نسوں میں خون منجمد ہونے لگا تھا اور وہ اس کا بہاؤ تیز کرنا چاہتا تھا۔۔۔ پھر اُسے یاد آیا کہ بوڑھے کے بارے میں اس کی سوچ کتنی درست ثابت ہوئی تھی کہ وہ کوئی بھیک منگا نہیں ہے۔ اس بات کی تصدیق ٹیکسی ڈرائیور نے بھی کر دی تھی۔ اس نے بتایا تھا کہ

ل لاش میں تبدیل کر دیا جاتا اور یہ متحرک لاش بعد میں باقی جہیشہ کے ساکت کر کے زیرِ زمین پہنچا دی جاتی یا پھر اُسے افیون کی خوراکوں ذریعے موت سے بھی بدتر زندگی دے کر گناہوں کی دلدل سے پامال پہنچا دیا جاتا۔

فائنگ کی قید میں سوفی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا تھا کیوں کہ وہ ے خود ایک اہم شخصیت تھی۔۔۔ ایک ایسی ہستی جسے وہ ٹائیگر ے بطور چارہ استعمال کرنا چاہتا تھا۔ سوفی کو اپنے قید و بند کے علاوہ فائنگ کے بارے میں بہت کچھ معلوم ہوا تھا اور یہ تمام باتیں اُس ر میں ٹائیگر کو بتا دی تھیں۔ اگرچہ اُس نے فائنگ کی شیطانی عادات ی قوتیں حاصل کرنے کے سلسلے میں ناقابلِ فہم حرکات و عقاید رہ کیا تھا لیکن وہ ذاتی طور پر ماسٹر ٹاؤ یا ٹائیگر کے اس نظریے سے نہیں ہوئی تھی کہ وہ درحقیقت شیطانی قوتوں کا مالک بھی ہے۔

ٹائیگر اس حسین سراپا کی یاد میں کھو یا رہا۔ اس کی زندگی میں اں گنت لڑکیاں آئی تھیں لیکن یہ پہلی لڑکی تھی جس نے اس کی نول کو ایسے جذبوں سے ہمکنار کیا تھا جن پر ایسی زندگی کی دیواریں ئی ہیں جو بعد میں گھر کی چار دیواری میں تبدیل ہو کر ایک نئے ان کی داغ بیل ڈالتی ہیں۔

ایک جھرجھری سی لے کر اس نے اپنی توجہ ان خیالات کی طرف سے ٹا پل کی ریلنگ کے ساتھ ساتھ آگے بڑھنے لگا۔ دفعتہً اُسے ایک جگہ رُک جانا پڑا۔ اس مقام پر جنگلہ ٹوٹا ہوا تھا۔

ٹائیگر نے ٹوٹی ہوئی ریلنگ سے جھانک کر نیچے دیکھا تو اس کے حلق سے ایک طویل سانس نکل گئی۔ پل کا یہ حصہ نہ جانے کس طرح ٹوٹا تھا۔ بہرحال جنگلے کی ٹوٹ پھوٹ سے نیچے محراب تک ایک آہنی رستہ سا بن گیا تھا۔ ایک ایسا راستہ جس پر ایک اسٹیل کی چادر پڑی ہوئی تھی اور چادر میں اتنے گڑھے بن گئے تھے کہ ان گڑھوں میں پاؤں رکھ کر کوئی بچہ بھی آسانی سے نیچے اُتر سکتا تھا۔ اسٹیل کی یہ جا بجا پکی ہوئی چادر گویا محراب تک پہنچنے کے لیے ایک زینے کا کام کر رہی تھی۔

ٹائیگر اس انوکھے زینے سے اُترا تو چادر زور زور سے ہلنے لگی اور ایسی آواز میں پیدا ہوئیں جیسے ہزاروں بدرُوحیں ایک ساتھ چیخ اُٹھی ہوں۔ لمحے بھر کے لیے اُسے احساس ہوا کہ اس کے بوجھ تلے یہ چادر ٹوٹ جائے گی۔۔۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ پرانی ہونے کے باوجود آہنی چادر میں طاقت موجود تھی۔

اس عجیب زینے سے وہ ایک ایسے ستون تک پہنچا جہاں سے محراب تک جانے کے لیے ایک راہ داری بنی ہوئی تھی۔ اس راہ داری کا اختتام جس محراب پر ہوتا تھا، وہ درحقیقت ایک کیبن تھا۔ اس کیبن کا دروازہ بوسیدہ ہو چکا تھا اور اس کی اینٹیں بھی بھربھری سی لگ رہی تھیں۔ جن دنوں یہ پل متروک نہیں تھا، اس زمانے میں شاید پل کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی شخص اپنے اوزار یہاں رکھتا ہو گا۔

ٹائیگر سوچ رہا تھا کہ اُسے ٹیکسی ڈرائیور کو روک لینا چاہیے تھا۔ نہ جانے فیدر اپنے گھر میں موجود بھی ہے یا نہیں۔۔۔ اس نے فیصلہ کیا کہ اگر بوڑھا فیدر موجود نہ ہوا تو وہ شام تک یہیں اس کا انتظار کرے گا۔ اور پھر یہ سوچ کر تو اس کے ہونٹوں پر بڑی ہی پیاری مسکراہٹ کھیل گئی کہ بوڑھا فیدر اُسے دیکھ کر کس قدر حیران ہو گا۔

ٹائیگر چونک پڑا۔

وہ محراب میں قدم رکھتے ہی ساکت ہو گیا۔ اس نے اپنی زندگی میں بہت سی لاشیں دیکھی تھیں۔۔۔ لیکن فیدر کی لاش دیکھ کر اُس کا پورا جسم ٹھنڈے ٹھنڈے پسینے میں ڈوب گیا۔

یوں لگ رہا تھا جیسے کسی نے اس ناتواں بوڑھے پر بے پناہ تشدد کیا ہو۔ بادی النظر میں یہ کسی انسانی ہاتھ کا کمال نظر نہیں آتا تھا۔ بلکہ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے کسی مافوق البشر ہستی نے بوڑھے فیدر کو کسی چٹان تلے دبا کر پکا دیا ہو۔ اس کی اُنگلیاں، اس کے ہاتھ اور اس کے بازو۔۔۔ پھر اس کی ٹانگیں۔۔۔ سب کچھ چپٹا تھا۔

وہ شدت سے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ بوڑھے کی لاش کے قریب بیٹھ گیا اور اس مختصر سی جگہ کا جائزہ لینے لگا۔ اگر ٹیکسی ڈرائیور

کا بیان درست تھا اور بوڑھا فیدر واقعی پہلے کبھی دولت مند رہا تھا تو اس کی نشانیاں یہاں بھی ملتی تھیں۔ فیدر جن حالات کا شکار تھا، ان میں اس کے یہاں قیام پر یہی سوچا جا سکتا تھا کہ یہ پناہ گاہ کاٹھ کباڑ سے بھری ہوئی ہوگی اور یہاں میلے کچیلے چیتھڑوں کا ڈھیر لگا ہوا ہوگا... لیکن ایسا نہیں تھا۔ فیدر نے ان گنت اخبارات بچھا کر ایک دبیز بستر بنا رکھا تھا اور اوڑھنے کے لیے موٹے کاغذ کا ایک لحاف بنایا تھا۔ موٹے کاغذ کی تہوں میں کپڑوں کی دھجیاں اور کہیں کہیں روئی ٹھنسی ہوئی تھی اور چھ موٹے تاگے اور بٹوں کی مدد سے اسے سی دیا گیا تھا۔ برتن اگرچہ تعداد میں دو تین ہی تھے لیکن صاف ستھرے تھے اور انھیں ایک طرف سلیقے سے رکھا گیا تھا۔

ٹائیگر ایک بار پھر لاش کی طرف متوجہ ہو گیا۔

اُسنے بڑی اذیت دے کر ہلاک کیا گیا تھا۔ وہ یہ سوچے بغیر نہ رہ سکا کہ بوڑھے سے کسی خاص راز کو اگلوانے کے لیے ایسا کیا گیا ہوگا... لیکن وہ راز کیا ہے؟ یا تو وہ شخص یہ معلوم کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا جس نے فیدر کو اتنی اذیت ناک موت سے ہمکنار کیا تھا یا پھر یہ راز بوڑھا اپنے ساتھ ہی لے کر مر گیا تھا۔

ٹائیگر نے اس محدود سی جگہ کی تلاشی لی، اخباروں کا بنا ہوا بستر پرزے پرزے کر دیا اور پھر کاغذی لحاف بھی چیر پھاڑ ڈالا لیکن اُسے کوئی ایسی چیز نہ مل سکی جس سے فیدر کی پُراسرار موت کا عقدہ کھل پاتا۔

ٹائیگر نے بوڑھے کی لاش جوں کی توں چھوڑ دی اور کیبن سے باہر آ گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ شہر جا کر کسی جگہ سے پولیس کو فون کر کے اس لاش کی اطلاع دے دے گا تاکہ وہ لوگ اس کی تدفین وغیرہ کا کام مکمل کر سکیں۔

★★

شام کے وقت ایک فوجی جیپ تیزی سے صحرا میں دوڑ رہی تھی۔ اس میں سونی کے ساتھ تین مسلح سپاہی تھے اور ان کے پاس اگشاریہ پچاس کی دُور مار رائفلیں تھیں۔ اس جیپ کا رُخ سناٹو گاؤں کی جانب تھا... اندھیرا ہونے سے قبل ہی وہ منزلِ مقصود پر پہنچ گئی۔

گاؤں کے ایک سرے پر ایک وسیع و عریض احاطہ تھا جس کے گرد لکڑی کی باڑ لگی ہوئی تھی اور اندرونی رُخ ایک نیچی دیوار تھی جس پر سفیدی دُور سے بے حد اُجلی اُجلی اور حسین چاندنی جیسی لگ رہی تھی۔ جیپ اس احاطے کے دروازے پر رُک گئی اور ایک سپاہی رائفل سنبھالے نیچے کُود کر دروازے کی طرف لپک پڑا۔ دروازے کے سامنے ایک موٹی سی رسّی جھول رہی تھی۔ اس نے رسّی پکڑ کر دو تین بار جھٹکے مارے۔ اندر کہیں سے گھنٹی بجنے کی آواز باہر تک سنائی دی...

گھنٹی کے جواب میں عظیم الشان چوبی دروازہ رفتہ رفتہ اور بڑا پُروقار انداز میں کھلنے لگا۔ دروازہ کھلنے سے دبدبہ دست چہرہ پیدا ہوئی تھی۔ سونی نے جیپ کے شیشے سے دروازے کی طرف دیکھا۔ وہ بے چین تھی کہ اس دروازے کی اوٹ سے کون سی شخصیت سامنے آتی ہے۔

دروازہ کھلا تو ایک نوجوان نظر آیا۔ اس کا رنگ زردی مائل تھا جیسے اس کا وجود پگھلے ہوئے سونے سے بنا ہوا ہو۔ اس انداز کا شخص سونی نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ مبہوت سی بیٹھی اس نوجوان کو دیکھتی رہ گئی جو اپنے سامنے کھڑے سپاہی سے بات کر رہا تھا۔ سپاہی کی بات پر اُس نے بڑے پُروقار انداز میں، سر کو اثبات میں ہلایا اور جیپ کی طرف ہاتھ سے اشارہ کیا۔

اشارہ پا کر سپاہی جیپ کی طرف پلٹ پڑا۔

سونی کو بڑے ادب سے نیچے اتار آگیا اور پھر وہ نوجوان اُسے لے کر واپس دروازے کی طرف چل دیا۔ دروازہ سونی کے عقب میں بند ہوا تو اُس نے تیزی سے کم ہوتی ہوئی تجسّی میں جیپ کو صحرا کی طرف واپس جاتے دیکھا... پھر دروازے کے عظیم کواڑ ایک دوسرے میں پیوست ہو گئے۔

"میرا نام مُوہان ہے۔" سنہرے جسم والے حسین نوجوان نے دہانہ بند ہونے پر اپنا تعارف کرایا۔ نوجوان کے انداز سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ سونی کے حسن بلاخیز سے بے حد متاثر ہوا ہے اور وہ ابھی تک اس کے سحر انگیز شخصیت کے اثر سے نکلنے میں کامیاب نہیں ہو سکا ہے۔

سونی نے اندرونی احاطے کا جائزہ لیا۔ بڑا ہی وسیع و عریض احاطہ تھا۔ اس کا رقبہ کسی طرح بھی چار سو مربع فٹ سے کم نہیں ہوگا۔ اس کے درمیان ایک پگوڈا بنا ہوا تھا جیسے دیکھ کر سونی نے سوچا کہ یہ کسی پرانی قسم کی عبادت گاہ رہی ہوگی۔ پگوڈا تک ہموار پتھروں کا راستہ بنا ہوا تھا۔ ان پتھروں کو صحرائی ہواؤں کے جھونکوں نے صاف ستھرا دیا تھا اور ان پر ریت کا ایک ذرّہ بھی دکھائی نہیں دیتا تھا۔ احاطے میں چند سوکھے درخت بھی تھے۔

مُوہان اپنی مہمان کے ساتھ چھت کے نیچے پہنچ گیا... پھر اس نے اندرونی دروازہ کھول دیا۔ یہ ایک تاریک کمرہ تھا جس میں باہر کی روشنی داخل نہیں ہو سکتی تھی۔ وہاں بڑی بڑی دو موم بتیاں روشن تھیں جن کی زرد روشنی بڑی ہی پُراسرار محسوس ہو رہی تھی۔

سونی کی نگاہ قربان گاہ کی طرف اُٹھ گئی۔

وہاں ایک نوجوان بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے انداز سے ظاہر ہو

رہا تھا کہ وہ مراقبے میں ہے۔ وہ اس کے قریب پہنچ گئے لیکن ان کے قدموں کی چاپ سے بھی وہ نوجوان بیدار نہیں ہوا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے اس نے ان کی آوازیں سُنی ہی نہ ہوں۔

"میں مُوہان ہوں..." مُوہان نے کہا... لیکن پھر بھی اس نوجوان کا استغراق نہ ٹوٹا۔ تب مُوہان نے سونی کی طرف دیکھا اور پُرجوشی کی "یہ ڈریگان ہے..." اس کا اشارہ دوسرے نوجوان کی طرف تھا۔ "تمھیں کچھ دیر انتظار کرنا پڑے گا۔" یہ کہہ کر وہ دو زانو ہو کر ڈریگان کے سامنے بیٹھ گیا۔ اگلے ہی لمحے اس کی آنکھیں بھی بند ہو گئیں اور وہ مراقبے میں چلا گیا۔ سونی دلچسپی لینے والی نگاہوں سے ان دونوں کی طرف دیکھتی رہی۔

چند لمحوں کے بعد مُوہان نے آنکھیں کھول دیں۔ اب وہ ڈریگان کو گھور رہا تھا۔ اس کی نگاہ، ڈریگان کی پیشانی کے درمیانی حصّے پر جمی ہوئی تھی۔

وہ اسی مقام پر ڈریگان کو گھورتا رہا اور وقت آہستہ آہستہ دبے پاؤں گزرنے لگا تبھی کہ ڈریگان کی پیشانی پر ایک سلوٹ نمودار ہونے لگی... اگلی ہی ساعت اس کے چوکور چہرے کا سپاٹ پن گم ہوتا چلا گیا... اس کے رخساروں کی نمایاں ہڈیوں کے اوپر کی جلد میں خفیف سی کپکپاہٹ پیدا ہو گئی... اور اس کے نتھنے متحرک ہو گئے۔ پھر اس نے آنکھیں کھول دیں۔

"ایک پیغام رساں بہت بُری خبر لے کر آئی ہے..." مُوہان نے کہا۔

ڈریگان کی آنکھوں میں اُلجھن کے تاثرات تیرنے لگے اور اس کی آنکھیں اپنے ساتھی سے ہٹ کر سونی پر جمیں... پھر وہ مُوہان کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔

"سناٹو کی شمشیر کا مالک ہلاک ہو گیا ہے۔" مُوہان نے مدعا کہا۔

سونی نے دیکھا کہ اس خبر کو سُن کر ڈریگان کی آنکھوں سے لیوں قسم بھانپنے لگا تھا۔ جیسے اس کا دل بے اختیار رو پڑا ہو... لیکن اس کے مُنہ سے ایک بھی سسکی نہیں نکلی اور آنکھیں آنسوؤں سے... بے نیاز رہیں۔

"کیسے..." اس نے بھرائی ہوئی آواز میں دریافت کیا۔

"اُسے قتل کیا گیا ہے۔" مُوہان نے جواب دیا۔

"قاتل کون ہے؟" اس بار ڈریگان کے لہجے میں نہ جانے کیا بات تھی کہ سونی سر سے پاؤں تک کانپ گئی۔

"فانگ... شیطان کا پجاری... فانگ۔" مُوہان نے جذباتی لہجے میں بتایا۔

ڈریگان اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ وہ قد میں اپنے ساتھی سے دو انچ چھوٹا تھا جب کہ مُوہان قد و قامت میں ٹائیگر کے برابر رہا ہوگا۔

ڈریگان خاموشی سے ایک دروازے کی طرف چل دیا۔ یہ دروازہ اسی کمرے کی ایک دیوار میں نظر آ رہا تھا۔ سونی نے محسوس کیا کہ چلتے وقت ڈریگان کا جسم پارے کی طرح بے چین ہے۔ اس کے شانے چوڑے تھے اور اس کی حرکت میکانکی انداز کی لگتی تھی۔ مُوہان اس کے مقابلے میں پتلا تھا لیکن اس کے انداز میں بے پناہ وقار تھا۔ ڈریگان دروازے کی طرف چل دیا تو مُوہان نے سونی کو بھی چلنے کا اشارہ کر دیا۔

ڈریگان دروازے کے سامنے رُک گیا پھر اس نے آہستگی سے دستک دی۔ ابھی دستک کی آواز بھی معدوم نہیں ہوئی تھی کہ دروازہ کھل گیا۔ اس دروازے کے کھلنے سے خفیف سے چرچراہٹ بھی پیدا نہیں ہوئی تھی جس کسی نے بھی دروازہ کھولا تھا، وہ اندر تاریک حصّے میں کھڑا تھا۔ سونی نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا۔ اندر جو شخص کھڑا تھا امتدادِ زمانہ نے اُس کے چہرے پر جھُرّیاں سجا دی تھیں۔ وہ بھی دونوں نوجوانوں کی طرح مجوّرے لبادے میں ملبوس تھا جس میں کمر پر ایک سنہری بیلٹ لپٹی ہوئی تھی۔ سونی سمجھ گئی کہ یہی شخص اردیس مُون ہے۔ جسے صورتِ حال سے آگاہ کرنے کے لیے اُس نے سرکاری طور پر اتنا طویل سفر کیا ہے۔

اردیس مُون نے سونی کی طرف دیکھا اور پھر اُس کے لبوں پر بڑی ہی پیار بھری اور شفقت آمیز مسکراہٹ پھیل گئی۔

"ماسٹر سناٹو... اُوشان ہلاک ہو گیا ہے۔" ڈریگان نے اُسے اطلاع دی۔

اردیس مُون کے جسم کو ایک جھٹکا سا لگا... پھر وہ یوں ساکت کھڑا رہا جیسے صدمے کی لہر اُسے چھُوئے بغیر ہی گزر گئی ہو۔

مُوہان نے اُسے سونی سے معلوم ہونے والی صورتِ حال بتانی چاہی لیکن اردیس مُون نے اس سے قبل ہی قاتل کا نام لے دیا تھا۔ یہ دیکھ کر سونی کے ساتھ مُوہان بھی حیرت زدہ رہ گیا تھا اور اس نے ڈریگان کی طرف ایسی نگاہوں سے دیکھا تھا جیسے پوچھ رہا ہو کہ ماسٹر اردیس کو قاتل کے بارے میں کیسے پتہ چل گیا۔ ڈریگان نے کندھے اُچکا کر لاعلمی کا اظہار کر دیا۔ اس دوران میں اردیس مُون پلٹ کر کمرے کے دسلی حصّے کی طرف بڑھ گیا تھا۔ اُس کے چلنے کے انداز پر کسی ماہر ترین رقاص کے انداز کا شبہ ہوتا تھا۔ سونی دروازے میں مبہوت کھڑی اُسے دیکھتی رہ گئی۔ اُس نے اس انداز میں صرف ایک شخص کو چلتے دیکھا تھا... وہی شخص جو اس کی دھڑکنوں میں بسا ہوا تھا۔ آج وہ ایک اور شخص کو اسی انداز میں چلتے دیکھ رہی تھی اور اُسے یوں

لگ رہا تھا جیسے اور لیس مُون زمین پر پاؤں رکھ کر نہیں چل رہا بلکہ اس کا وجود زمین سے چند انچ اوپر ہوا میں تیرتا ہوا آگے بڑھ رہا ہو۔

کمرے کے وسط میں ایک گول چٹائی بچھی ہوئی تھی جس پر تکیے رکھے ہوئے تھے۔ اور لیس مُون نے پلٹ کر اُن کی طرف دیکھا اور پھر انہیں بیٹھنے کا اشارہ کر دیا۔ وہ خود بھی بیٹھ گیا۔

اب اُس کی آنکھیں سُرخ نظر آ رہی تھیں۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے اس کی آنکھوں میں خون کے آنسو تیر رہے ہوں۔ اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "میں نے اُوشان کو بارہا سمجھایا تھا کہ وہ سُوئیں کے آدمیوں سے ہمیشہ دُور رہے۔۔۔ آہ! بالآخر وہ اس تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔"

مُوہان اور سونی نے ڈریگان کی طرف دیکھا۔ وہ اُس سے اور لیس مُون کی اس بات کی وضاحت چاہتے تھے لیکن وہ متوجہ نہیں ہوا۔

بوڑھے اور لیس مُون کے ہونٹ متحرک ہو گئے اور وہ وہی کہانی سنانے لگا جو اُوشان نے ایک بار لمبے ناخنوں والوں کے سلسلے میں ٹائیگر کو سنائی تھی۔

★★

تین روز بعد اور لیس مُون اور سونی ایک بنچ پر بیٹھے، ان شاگردوں کی طرف دیکھ رہے تھے، جو کنگ فو کی مشق کرنے میں مصروف تھے۔ جب سے سونی وہاں آئی تھی۔ سنا نجو کے اس قدیم ماسٹر نے اپنا بہت سا وقت اس کے ساتھ گزارا تھا۔ بوڑھا اور لیس مُون، سونی کے بے پناہ حُسن سے بے حد متاثر تھا اور اب تک اُسے کئی بار دُعائیں دے چکا تھا۔ اُس نے پیش گوئی کی تھی کہ اگر وہ اور شہزادہ ٹائیگر ایک دوسرے کے رفیقِ حیات بن گئے تو ان کی زندگی قابلِ رشک ہو گی اور دُنیا بھر کی خوشیاں ان پر نچھاور ہوتی رہیں گی۔

سونی نے ٹائیگر کے ساتھ ابتدائی دس روز گزارے تھے، اس نے ان دنوں کے ایک ایک لمحے کا احوال اور لیس مُون کے گوش گزار کر دیا تھا۔ اگرچہ اور لیس مُون، شہزادہ ٹائیگر سے کبھی نہیں ملا تھا لیکن رُوحانی طور پر، اُوشان کے توسط سے، وہ اُسے بہت اچھی طرح سے جانتا تھا۔

جب سونی نے اُسے ان لمحوں کی تفصیل سنائی تھی، جن میں ٹائیگر نے اُسے فانگ سے رہا کروایا تھا تو اور لیس مُون گہری توجہ سے اس کی ایک ایک بات سُن رہا تھا اور بار بار اُس کے ہونٹوں پر تحسین آمیز مسکراہٹ پھیلنے لگتی تھی۔

"ہاں۔۔۔ وہ ایک گریٹ ماسٹر ہے۔" بالآخر اور لیس مُون نے ٹائیگر کے سلسلے میں اپنی رائے کا اظہار کیا اور اس کے لہجے سے گہرا خلوص اور سچائی جھلک رہی تھی۔ "شاید تم نہیں جانتیں، اُوشان کے بعد سنا نجو کا وارث وہی ہو گا۔"

سونی کی آنکھیں حیرت اور بے یقینی سے پھیل گئیں۔ "لیکن وہ اس مرتبے کے لیے ابھی بہت کم عمر ہے۔"

اور لیس مُون نے مسکرا کر اس کا ہاتھ تھپتھپا دیا۔ "یہ درست ہے کہ وہ اس منصب کے لیے ابھی کم عمر ہے لیکن شیشر سنا نجو کے مالک نے اُسے خود اپنا وارث مقرر کیا ہے۔ یاد رکھو! اگر وہ زندہ رہا تو اُسے یہ منصب سنبھالنا پڑے گا اور اگر فانگ نے اُسے شکست دے دی تو وہ بلیک سرکل کا بلا شرکتِ غیرے مالک بن جائے گا۔"

"ماسٹر! کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ آپ کو کیسے پتہ چلا تھا۔۔۔ کہ اُوشان کو فانگ نے قتل کیا ہے؟" سونی نے اپنی ایک اُلجھن بیان کر ہی دی۔

اور لیس مُون مسکرانے لگا۔ "یہ سب کچھ لکھا جا چکا ہے اور مقدر کا لکھا کبھی غلط نہیں ہوتا۔" یہ کہتے ہوئے اچانک ہی وہ تھنے پھیلا کر سونگھنے لگا۔ کچھ دیر وہ اسی طرح چاروں طرف سونگھتا رہا۔۔۔ پھر اس نے جلدی جلدی بولنا شروع کر دیا جیسے اُسے کوئی معروضیت یاد آ گئی ہو۔

"تمھاری محبت، شہزادہ ٹائیگر کے لیے، خود اُس کی محبت کا آئینہ ہے۔ تم دونوں کو ایک دوسرے کے لیے منتخب کیا جا چکا ہے۔۔۔ یہ ایک حیرت خیز امر ہے کیونکہ ہمارے دَور تک کوئی شخص کنگ فو کے ساتھ ساتھ کسی اور چیز سے محبت نہیں کر سکتا تھا۔ رُوحانی علوم اور نورت، دونوں سے بیک وقت محبت صرف اسی نوجوان کو ملے گی۔" اس کی آواز سرگوشی میں ڈھل گئی۔ "لیکن کبھی کبھی سب کچھ بدل جاتا ہے۔ ڈریگان اور مُوہان دونوں ایک ہفتہ یا ایک مہینہ بھی انتظار کر سکتے ہیں جب کہ تمھیں ابھی اور اسی وقت جانا ہے۔"

یہ کہتے ہوئے وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے احاطے کے اس حصّے کی طرف دیکھا جہاں اس کے شاگرد مشق میں مصروف تھے۔۔۔ لیکن اُسے بہت دیر ہو گئی تھی۔

احاطے کے جس حصّے میں وہ دونوں بیٹھے ہوئے تھے، اس کی دیوار کے قریب ہی ایک گاڑی آ کر رُکی۔ اس کے ٹائروں کی دلخراش چیخوں سے ماحول کانپ گیا۔ اس گاڑی سے درجن بھر سیاہ لبادوں والے آدمی کُود کر اُترے۔

اور لیس مُون تیزی سے لپکا تاکہ سونی کو اپنی آڑ میں لے لے۔۔۔ لیکن اس کے حرکت میں آنے سے قبل ہی سونی نے نرغے میں لے لیا گیا۔

سے قبل کہ اور لیس مُون کچھ کرتا، سیاہ لبادے والوں کے لیڈر نے اس کی کھوپڑی پر ایک ضرب لگائی اور وہ لہرا کر اس کے بازوؤں میں بے ہوش ہو گئی۔ لیڈر کا چہرہ سیاہ نقاب میں چھپا ہوا تھا۔ اس نے سونی کو اُٹھا لیا اور دیوار کے قریب کھڑی گاڑی کی طرف بڑھا جب کہ اس کے تمام ساتھی، اور لیس مُون کو روکنے کے لیے سامنے آ گئے۔

اور لیس مُون کے شاگردوں نے بھی محسوس کر لیا تھا کہ ان کا محبوب مہمان لڑکی خطرے میں ہے۔ وہ مشقیں چھوڑ کر تیزی سے ان کی طرف لپک پڑے۔

اور لیس مُون کی عمر اُس وقت ستّر سال کے لگ بھگ تھی۔ اس کا مقابلے میں بلیک سرکل کے بہترین ماسٹر کھڑے تھے۔ اور لیس مُون نے خود کو اچھال کر اس انسانی دیوار کے سامنے کھڑا کر دیا پھر اس کے دونوں ہاتھ اور دونوں ٹانگیں مشینی انداز میں حرکت کرنے لگیں۔ بلیک سرکل کے غنڈوں نے دفاع اور حملہ بیک وقت کرتے درجن بھر آدمیوں کی اس دیوار میں سے دو آدمی گر گئے۔ اور لیس مُون کی پیلی کا کنارا ایک آدمی کی ناک پر پڑا تھا۔ اس ہاتھ سے وہ صرف ناک توڑ چکا تھا۔۔۔ بلکہ وہ اس کی آنکھوں سے ڈھیلے نکالنے میں بھی کامیاب ہو گیا، دوسرا آدمی اپنے دونوں ہاتھوں میں سر تھامنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن ایک ٹوٹی ہوئی کھوپڑی اس انداز میں ہاتھوں کے بیچ سے بھلا کون سنبھال سکتا ہے۔ وہ آہستہ آہستہ رکوع کے انداز میں جھک گیا۔ انداز بالکل ایسا ہی تھا جیسے اپنے ہی سر کا بوجھ اُس کے ناقابلِ برداشت ہو رہا ہو۔ وہ منہ کے بل گرا تو اس کی پچکی ہوئی کھوپڑی سے مغز بہہ نکلا تھا۔

اور لیس مُون پر بیک وقت دو آدمی ٹوٹ پڑے۔ ان میں سے ایک شیشر کے پنجے کا انداز استعمال کر رہا تھا جبکہ دوسرے نے منکی کلو تھا۔ اور لیس خود کو بچانے میں تو کامیاب ہو گیا لیکن وہ ان دونوں کا نقصان نہ پہنچا سکا کیونکہ اسی لمحے اُس کی نگاہ سونی کی طرف مرکوز ہو گئی جسے ایک سنہرے جال میں لپیٹ کر لیڈر نے اپنی گاڑی میں ڈال لیا تھا۔۔۔ تب اچانک ہی اور لیس کی نگاہ لیڈر کے دائیں ہاتھ پر پڑی۔ اس کے جسم میں شرارے سے بھر گئے۔ اس کے شاگرد بھی پہنچ گئے تھے۔ بلیک سرکل کے غنڈوں کو منتشر ہو کر ان لوگوں کے مقابلے میں آنا پڑا تھا۔ اور لیس مُون نے اپنے دونوں ہونہار شاگردوں مُوہان اور ڈریگان کی طرف دیکھا۔

وہ بڑی بے جگری سے لڑ رہے تھے لیکن صاف پتہ چلتا تھا کہ وہ بلیک سرکل کے ماسٹروں کے مقابلے میں ابھی طفلِ مکتب ہیں۔ اور لیس نے اس طرف سے توجہ ہٹا لی کیونکہ اُس نے لیڈر کی انگلیوں پر چڑھے ہوئے آہنی خولوں سے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ کون ہے۔

وہ فانگ کے علاوہ کوئی اور نہیں تھا اور اس وقت سونی اس کے قبضے میں پہنچ چکی تھی۔ یکایک اور لیس مُون کو یوں محسوس ہوا جیسے پتھیم نے اُسے ایک بار پھر جوانوں جیسی پھرتی اور طاقت واپس دے دی ہو۔ وہ جہاں تھا، وہیں سے فضا میں بلند ہو گیا اور پھر اس کا وجود فانگ کی طرف یوں گرنے لگا۔ جیسے کوئی دلو پیکر پرندہ کسی شکار پر جھپٹتا ہے۔

اور لیس مُون کی عمر اور جسمانی حالت کے پیشِ نظر فانگ کو توقع تھی کہ وہ زمین پر رہ کر ہی اس سے لڑے گا۔۔۔ لیکن جب اس نے بوڑھے کو کسی شاہین کی طرح خود پر آتے دیکھا تو لمحاتی تحیر نے اُسے مدافعت یا حملے کے خیال سے ہی بے خبر کر دیا۔ اور لیس مُون کا جسم کسی چٹان کی طرح فانگ سے ٹکرایا۔ وہ الٹ کر گرا لیکن گرتے ہی سنبھل گیا۔ اس کے دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں تیزی سے حرکت میں آ گئے۔ اس نے خود پر گرتے ہوئے اور لیس مُون پر کئی گھونسے برسائے۔ اُسے کئی لاتیں ماریں اور پھر کل کر اس کی دسترس سے دُور ہو گیا۔

اور لیس مُون نے اس کی آنکھوں کے سامنے انگلی کا آنکڑا لگایا۔ اگر فانگ خود کو بچانے کے لیے ہر طرح سے تیار نہ ہو گیا ہوتا تو اس کا ایک ڈھیلا اس آنکڑے نما انگلی میں ضرور پرو جاتا۔ شیشر کے پنجے کا یہ مخصوص وار سنا نجو کے ماسٹروں کے کمالِ فن کا نتیجہ تھا لیکن فانگ اپنی نوکیلی آہنی انگلیوں کی مدد سے بہ آسانی خود کو دفاعی حالت میں لے گیا اور بال بال بچ گیا۔

اچانک اور لیس مُون کا دل اچھل کر حلق میں اٹک گیا۔

اس کی سماعت سے ڈریگان کی دلدوز چیخ ٹکرائی تھی۔ اس کا بایاں ٹخنہ ٹوٹ گیا تھا اور دائیں ران پر اتنی گہری خراش آئی تھی کہ ہڈی نمودار ہو گئی۔ اور لیس مُون نے اپنے حریف کو ٹخنے سے چوٹ ماری۔ فانگ بلبلا کر پیچھے ہٹ گیا۔ اُسی لمحے اور لیس مُون کا ہاتھ نصف دائرے میں گھوم گیا۔ فانگ تو اس سے بال بال بچ گیا لیکن گاڑی کا ڈرائیور زد میں آ گیا۔ ہتھیلی کا کنارا اُس کی شہ رگ پر پڑا۔ اس کے منہ سے ایک گھٹی گھٹی سی چیخ نکل گئی۔ اس کے دانت ٹوٹ کر منہ میں بھر گئے تھے اور اس کا بالائی لب کٹ کر لٹک گیا تھا۔ ڈرائیور خون تھوکنے لگا۔ اس خون میں اس کے ٹوٹے ہوئے دانتوں کے ٹکڑے بھی شامل تھے۔

ڈرائیور نے گاڑی اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔ وہ غصّے سے اندھا ہو رہا تھا۔ اس نے اور لیس مُون کو کچلنا چاہا لیکن وہ کوشش کی لیکن وہ اچھل کر سامنے سے ہٹ گیا۔ جب کہ ڈریگان گاڑی کی زد میں آ گیا تھا۔ اس بار فانگ ایک پہیے کے نیچے آ گیا۔

دفعتہً گاڑی کو ایک شدید جھٹکا لگا اور ڈرائیور اپنی سیٹ سے اُچھل کر باہر گر گیا۔ گاڑی وہیں رُک گئی۔ اس دوران میں فائنگ کو ایک بار پھر سنبھلنے کا موقع مل گیا تھا۔ اس نے گاڑی کے سامنے بیہوش پڑے ڈریگان کی طرف دیکھا اور پھر پلٹ کر دوسری جانب دیکھنے لگا جہاں مُوہان تین آدمیوں کے مقابلے میں ڈٹا ہوا تھا۔ اُس کے ہاتھ پیر بجلی کے کوندوں کی طرح لپک رہے تھے۔

سونی بُجال میں بے بس پڑی ہوئی تھی اور اس کا وجود ابھی تک بے ہوشی میں ڈوبا ہوا تھا۔ اگر اُسے ہوش آجاتا تو وہ کسی نہ کسی طرح گاڑی سے نیچے پہنچ سکتی تھی چونکہ اس وقت سب لوگ ایک دوسرے سے اُلجھے ہوئے تھے اس لیے کوئی بھی اس کی طرح توجہ نہ دیتا... لیکن اُسے فائنگ کے ماسٹر ہینڈ نے بے ہوشی سے ہمکنار کیا تھا۔ وہ کئی گھنٹے سے قبل ہوش میں نہیں آسکتی تھی۔

مہا اور لیس مُون نے بلّی کے خطرناک ترین حملے کا انداز اختیار کر لیا اور فائنگ کو اس صورتِ حال کا اندازہ ہُوا تو اور لیس مُون کا دایاں پاؤں اُس کے گُردے پر شدید ضرب لگانے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ فائنگ نے جوابی داؤ استعمال کیا جو ناکام نہیں رہا، اور لیس کی ٹانگ گاڑی کی آہنی باڈی سے ٹکرائی لیکن فائنگ جانتا تھا کہ وہ ہڈی توڑنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ اُسے اپنے گُردے کے مقام سے خون بہتا محسوس ہونے لگا۔ اب اُسے اچھی طرح احساس ہو گیا تھا کہ وہ مزید نہیں لڑ سکتا۔ وہ قدرے اُچھلا اور پھر فضا میں کروٹیں بدلتا ہُوا، اور لیس سے دُور ہٹتا چلا گیا اگرچہ اس کا جسم خاصا زخمی ہو گیا تھا لیکن اس کی ذہنی حالت بہتر بن تھی۔

دفعتہً ڈریگان کو ہوش آگیا۔ اسی ساعت ایک شخص اُس کے سر پر پہنچ گیا۔ اُس کا پاؤں اٹھا اور ڈریگان کی طرف کسی بکھاڑے کی طرح گھومنے لگا۔ چوٹ اُس کے رُخسار کی ہڈی پر پڑی۔ ڈریگان کو خطرناک ترین صورتِ حال سے دوچار دیکھ کر اور لیس اُس کی طرف لپکا تو فائنگ کو گاڑی میں بیٹھنے کا موقع مل گیا۔ اُسے دیکھ کر دو اور سیاہ لبادے والے بھی گاڑی کی طرف لپک پڑے۔ اور لیس سمجھ گیا کہ اب ڈریگان کو بچانا ممکن نہیں۔

فائنگ نے گاڑی بیک کر کے تیزی سے آگے بڑھائی اور اسے گھُماتا ہُوا نکل گیا۔ مُوہان سے اُلجھے ہوئے تینوں درندے بھی تیزی سے منتشر ہوئے اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے باقی ماندہ غنڈے گاڑی میں کُود گئے۔

فائنگ نے دیوانوں کی طرح گاڑی کا رُخ دیوار کی طرف کر دیا اور پھر اُسے تو ڑتا ہُوا آگے بڑھاتا چلا گیا۔ گاڑی کی رفتار بے حد تیز تھی۔ مُوہان اور اُس کے ساتھیوں نے گاڑی کا تعاقب کرنے کی کوشش کی لیکن چند ہی ساعتوں میں وہ اُس کا اڈی نشان تک کھو بیٹھے۔

اور لیس مُون ہاتھ ملتا رہ گیا اس کے لیے انتہائی شرمناک بات تھی کہ کوئی اُس کے گھر آکر اتنے آدمیوں کی موجودگی میں اُس کے مہمان کو اغوا کر کے لے جائے اور ان کے عزیز ترین شاگرد کو موت سے ہمکنار کر دے۔ اس کا سر ندامت اور دُکھ سے جُھک گیا۔

◎

ٹائیگر بے حد فکر مند تھا۔

اُسے ہانگ کانگ میں آئے پورا ایک ہفتہ ہو گیا تھا اور اس عرصے میں سوائے چند افسوسناک واقعات کے کوئی ایسی بات سامنے نہیں آئی تھی جس سے وہ اپنی منزل کا تعین کر لیتا۔

وہ توقع کر رہا تھا کہ بلیک سرکل کے گُرگے اُس کی تلاش میں ڈی ڈی کی طرح پورے ہانگ کانگ میں پھیل جائیں گے اور ان میں سے ہر ایک اُس کے خون کا پیاسا ہو گا... لیکن ابھی تک کوئی بھی اُس کے سامنے نہیں آیا تھا اور ہفتے بھر میں بھی اُس کو معلومات مفقود ہی رہی تھیں۔

ٹائیگر تیزی سے سنٹرل پوسٹ کی جانب روانہ ہو گیا۔ وہ جانتا تھا کہ گھومنے پھرنے کے لیے یہ ایک مناسب ترین وقت ہے کیونکہ گلیاں اور بازار آباد ہو گئے تھے اور سڑکوں کے ساتھ ساتھ فٹ پاتھوں پر بھی ہجوم ہو گیا تھا۔ اس بھیڑ میں گم ہو کر گھومنا پھرنا اس کے لیے فائدہ مند تھا۔

اچانک اُسے چند بچے اور بچیاں دکھائی دیں جو اسکول یونیفارم میں تھیں برسوں بعد اسکول جاتے ہوئے بچے نظر آئے تھے اور وہ انھیں دیکھ کر یہ سوچے بغیر نہ رہ سکا کہ جب وہ اسکول جایا کرتا تھا تو ان بچوں میں کس سے ملتا جُلتا لگتا ہو گا؟ بچے کس قدر آزاد اور پُرسکون تھے ان پر ایسے پرندوں کا گمان ہوتا تھا جو آزادی سے پُرسکون فضاؤں میں اُڑتے پھرتے ہیں۔ اُنھیں کسی قسم کی فکر نہیں تھی۔ وہ صبح سے شام تک کی زندگی گزارتے تھے اور پھر اگلا روز بھی اسی انداز میں گزر جاتا تھا۔ وہ راہ چلتے کھیل رہے تھے، ہنس رہے تھے۔ ایک دوسرے سے مذاق کر رہے تھے اور ان کے قہقہوں سے زندگی کا احساس ہوتا تھا۔

بوڑھے فیدرسکی کی لاش دیکھنے کے بعد وہ انتقام اور غصّے کی آگ میں جل اُٹھا تھا اور اس نے بعد ازاں چار ایسے مقامات پر حملے کیے تھے جہاں فائنگ کے ملنے کی توقع تھی لیکن اُس کا خیال غلط نکلا۔ براز وی کی موت، بازارِ حسن میں بلیک سرکل کے غنڈوں کا

ل چوٹی چوہیر وتن فیکٹری میں دھماکا اور ایک ایسے گھر پر گولیوں یار ش جہاں چند قاتلوں کے قیام کا یقین تھا۔ اس فائرنگ میں یک سرکل کے چار آدمی مارے گئے تھے لیکن ابھی تک فائنگ سامنے ہیں آیا تھا۔

ہانگ کانگ میں ہونے والی ان پُراسرار وارداتوں سے یس میں کھلبلی مچ گئی تھی۔ پولیس کی ان گنت گاڑیاں پاگل کتوں کی رح اِدھر سے اُدھر دوڑ رہی تھیں لیکن ٹائیگر ان کے ہاتھ نہیں یا تھا۔ اُس نے مقامی خبروں اور اخبارات سے اندازہ لگایا تھا کہ ابھی تک اُس کا خلیہ پولیس کے ریکارڈ میں محفوظ نہیں ہُوا ہے۔ ویا کسی نے اُس کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں دی تھی۔ علاوہ ازیں خبارات یہ قیاس آرائیاں کر رہے تھے کہ کوئی نیا گروہ بلیک سرکل کو شکست دے کر منشیات کے ریکٹ پر قبضہ کرنا چاہتا ہے۔

ٹائیگر کو یہ بھی احساس تھا کہ شیکو سے لے کر چوآن ریو تک ابرغنڈہ اُس کی تلاش میں ہو گا۔ منشیات فروشی کے کاروبار میں وٹ ہر ہستی اُس کی بُوسُونگھتی پھر رہی ہو گی حتیٰ کہ بلیک سرکل کے رگوں نے اظہارِ سال بلک کے نوعمر معاشوں کو بھی اُس کی تلاش پر مامور کر دیا ہو گا۔ پیشہ ور قاتل چور اُچکے، حتیٰ کہ ہر جرم پیشہ آدمی اُسے ھونڈنے نکل کھڑا ہو گا۔ ٹائیگر بلیک سرکل کا جس قدر نقصان کر چکا تھا س کا اُسے خوب اچھی طرح سے اندازہ تھا اور اُسے توقع تھی کہ اگر وہ ن کے ہاتھ لگ کر بے بس ہو گیا تو وہ اُس سے ایسا سلوک کریں گے ہ اس کی مثال انسانی تاریخ میں ملنی محال ہو جائے گی۔

براز وی کی شکست کے بعد اُسے توقع تھی کہ اس کا کوئی اور جانشین مقابلے پر آئے گا... لیکن یوں لگتا تھا جیسے ہر ایک و سانپ سونگھ گیا ہو۔ ہر کوئی اُس کی تلاش میں ضرور تھا... یکن کوئی بھی اُس کے سامنے آکر لڑنا نہیں چاہتا تھا، گویا وہ اُسے بے خبری میں مار ڈالنا چاہتے تھے۔

ٹائیگر نے اپنے قیام کے لیے کولون کے ایک گھٹیا سے ہوٹل کا انتخاب کیا تھا اور اس وقت، وہ وہیں سے باہر آرہا تھا۔ اس ہوٹل کا نام اُسے ماسٹر تاؤ نے بتایا تھا... اور ماسٹر تاؤ نے اُسے بتایا تھا کہ وہ جلد ہی اُس سے رابطہ قائم کرے گا... لیکن اب تک اس کی طرف سے ایک لفظ بھی نہیں موصول ہُوا تھا۔

جب وہ پوسٹ آفس پہنچا تو اسے احساس ہُوا کہ کوئی اس کا تعاقب کر رہا ہے۔ اس نے دل ہی دل میں سوچا کہ اس سے فی الحال کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس نے پوسٹ بکس کا جائزہ لیا۔ وہ گزشتہ تین روز سے اس بکس کے قریب نہیں آیا تھا کیونکہ وہ پوسٹ باکس کو کسی کی نگاہوں میں نہیں لانا چاہتا تھا۔

اس نے آتے ہوئے فیصلہ کیا تھا کہ اگر آج بھی پوسٹ باکس میں کچھ نہ ملا تو وہ دینٹی تک کسی نہ کسی طرح ضرور پہنچ جائے گا، وہ آہستہ آہستہ ٹکٹ فروخت کرنے والے کلرک کی کھڑکی کی طرف چل دیا... پھر وہ ٹیلی گراف والوں کی کھڑکی کے سامنے سے گزرتا ہُوا جنرل ڈیلیوری باکس کی طرف بڑھ گیا۔ اس نے دیکھا کہ کوریڈور میں اس وقت دو آدمی ہیں ان میں سے ایک سامنے والے حصّے میں اور دوسرا راہداری کے کونے میں کھڑا تھا۔ جو شخص کوریڈور کے آخر میں کھڑا تھا وہ ایک بوڑھا آدمی تھا۔ وہ اپنی ایک جیب میں ہاتھ ڈالے اُسے ٹٹولنے میں مصروف تھا اور محسوس ہوتا تھا کہ وہ اپنے باکس کی طرف جھکی ہوئی حالت میں ساکت ہو گیا ہے جو غالباً زمین سے قریبی قطار میں واقع تھا۔

ٹائیگر نے اُسے نظر انداز کر دیا اور دوسرے آدمی کی طرف متوجہ ہو گیا جو ایک دُبلا پتلا نوجوان تھا۔ اُس کے انداز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اپنا پوسٹ باکس تلاش کرنے میں ناکام رہا ہے۔ اس کی طرف سے ٹائیگر کے ذہن میں شبہے کا ناگ لہرانے لگا کیونکہ جنرل ڈیلیوری کے صندوقچوں پر جو نمبر پڑے ہوئے تھے، ان سے کسی اُلجھن کا پیدا ہونا ممکن نہیں تھا۔

ٹائیگر نے کن انکھیوں سے اُس کا جائزہ لیا۔

وہ پتلا تھا لیکن اس کا جسم خاصا مضبوط تھا۔ اُس کے بال کوئلے جیسے سیاہ تھے۔ اُس کے رُخساروں کی ہڈیاں نمایاں تھیں اور ان سے اپنے آپ پر ناز کا احساس ہوتا تھا۔ اس سلسلے میں ٹائیگر بے چینی کے احساس میں مبتلا ہو رہا تھا۔ خاص طور سے اس کا نگی لباس جس پر بھورے دھبّے پڑے ہوئے تھے۔ اس نے بے داغ نیلی قمیص پہن رکھی تھی اور یہ دونوں کپڑے ایک دوسرے سے کوئی مطابقت نہیں رکھتے تھے۔ وہ کوئی مزدور نہیں تھا، ٹائیگر نے اس کے جوتوں پر نگاہ ڈالی تو اسے یقین ہو گیا کہ اس کا اندازہ غلط نہیں ہے جوتوں کی ہر نوکوں پر اسٹیل منڈھا ہُوا تھا۔

یہ جوتے کُنگ فو فائٹر ہی پہنتے تھے اور خود ٹائیگر بھی ابتدائی دنوں میں ایسے ہی جوتے استعمال کیا کرتا تھا۔ ان جوتوں کے کناروں پر بھی اسٹیل کی چادر چڑھی ہوئی تھی اور استعمال میں یہ کمانے خنجر جیسی کاٹ رکھتے تھے۔

ٹائیگر سمجھ گیا کہ اس کے اردگرد جال بُنا جا چکا ہے... لیکن وہ ہر حال میں اپنا پوسٹ باکس دیکھنا چاہتا تھا۔ اب وہ اس بوڑھے کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہتا تھا جو اپنے بڑھاپے کے باعث

اسے بے ضرر محسوس ہوا تھا۔ اُسے پوسٹ آفس میں داخل ہوتے وقت تعاقب کا جو احساس ہوا تھا، وہ یقیناً غلط نہیں تھا۔

وہ آہستہ آہستہ چلتا اس نوجوان کے قریب پہنچ گیا جسے اچانک ہی اپنا گم شدہ پوسٹ باکس مل گیا تھا۔ وہ ایک پتلے پوسٹ باکس کی طرف جھک گیا تھا اور ٹائیگر نے اُس کے انداز سے سمجھ لیا کہ وہ اس طرح بآسانی اپنا ریوالور نکال سکتا ہے۔

خود ٹائیگر بھی اپنے پوسٹ باکس تک پہنچ گیا اور اس کی طرف جھک گیا۔

پوسٹ باکس میں کوئی شے موجود تھی۔

اُس نے اس احساس کے تحت چابی تالے میں لگا کر اُسے کھولا اور تب اُسے بیک وقت دو چیزیں دکھائی دیں۔ اُس نے دیکھا کہ پتلا نوجوان زمین پر عجیب سی حالت میں ساکت ہو چکا ہے۔ اس کے جوتے کا تلا ٹائیگر کی طرف ہو گیا تھا۔ جوتے کے اندرونی رُخ ایک ننھا سا نیلا دائرہ نظر آ رہا تھا۔ اُس نے یہ بھی دیکھا کہ ٹکٹ بیچنے والے کی کھڑکی پر تین آدمی آ کھڑے ہوئے ہیں۔ ٹائیگر کا ہاتھ اپنے پوسٹ باکس میں موجود شے پر جم گیا۔۔۔ اور اسی لمحے اُس نے ان تینوں کے جھکتوں کے پیچھے سے ریوالور نمودار ہوتے دیکھے۔۔۔ اور پھر جیسے ہی انھوں نے اپنے ریوالور بلند کیے ٹائیگر نے محسوس کیا کہ راہداری کا داخلی حصہ تاریک ہو گیا ہے، اور لیس مُون کا شاگرد اپنے لبادے میں وہاں کھڑا تھا۔ اس کی رفتار اور مہارت دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ ٹائیگر نے اس کی حرکت پر غور کرتے ہوئے ذہنی طور پر فیصلہ دے دیا کہ اگر وہ خود بھی اس کی جگہ ہوتا تو بالکل ایسا ہی کرتا۔

اور لیس مُون کا شاگرد مُوہان بجلی کی طرح کوند گیا تھا۔ جیسے ہی ریوالوروں کی نالیں بلند ہوئیں اور ٹرائیگروں پر انگلیوں کا دباؤ بڑھا وہ اپنے مجہورے لبادے میں یوں اُن کی طرف جھپٹ پڑا کہ ٹائیگر کو اس پر کسی۔۔۔ دیو پیکر شاہین کا گمان ہونے لگا تھا۔

جو شخص ان میں سب سے آگے تھا، اُس کے اٹھے ہوئے بازو کی کلائی اور کہنی کے درمیانی حصے میں کھڑی تیلی کسی کلہاڑے کے پھل کی طرح لگی تھی۔ ہڈی ٹوٹنے کی آواز سنائی دی اور اس کی ایک ہی ساعت کے بعد گولی کا دھماکہ ہوا۔ گولی ٹائیگر کی طرف آنے کی بجائے فرش سے ٹکرائی تھی۔ پلاسٹر سے ٹکرا کر گولی نہ جانے کس طرف پھسل گئی۔ بازو پر چوٹ پڑنے کی وجہ سے اور ہڈی ٹوٹ کر بازو لٹک جانے کے باعث ریوالور کی نال فرش کی جانب جھکی ہوئی تھی۔۔۔ لیکن چونکہ وہ لیبلی پر دباؤ ڈال چکا تھا یا پھر انگلی کا دباؤ، ہاتھ کی حرکت کے باعث خود بخود ہی بڑھ گیا ہو گا جس سے فائر ہو گیا تھا۔

مُوہان کا دوسرا شکار، ایک دراز قامت قاتل تھا۔ مُوہان کا ہاتھ اس کے ریوالور پر پڑا اور پھر اس شخص کی کلائی غیر فطری انداز میں حرکت گھوم گئی کہ ریوالور کا رُخ خود اسی کے سینے کی طرف ہو گیا۔ گولی کا دھماکہ ہوا اور وہ شخص پھٹی پھٹی آنکھوں سے اپنے سینے کی طرف دیکھنے لگا۔ جہاں گولی نے شگاف پیدا کر دیا تھا اور اس شگاف سے خون کا فوارہ اچھل کر باہر آ گیا تھا۔ مُوہان تیسرے قاتل سے نمٹ رہا تھا تو ٹائیگر یہ سوچے بغیر نہ رہ سکا کہ اسے زیادہ دیر تماشائی نہیں بننا چاہیے۔

بلیک سرکل کے ان تینوں قاتلوں نے ٹائیگر کو اس بند گلی میں جس طرح گھیرا تھا، اس سے ان کی منصوبہ بندی کی مہارت کو داد ملنی چاہیے تھی۔ وہ اپنے مقصد میں یقینی طور پر کامیاب ہو سکتے تھے لیکن انھیں کیا معلوم تھا کہ ایک گیروے لبادے والا نوجوان اس منصوبے پر پانی پھیر دے گا۔

مُوہان کے انگوٹھے کا نوکیلا حصہ ایک لمحے کے لیے تیسرے قاتل کے ہاتھ سے ٹکرایا تھا اور پھر وہ اپنے شل بازو کے ساتھ جہاں تھا وہیں کسی بُت کی مانند کھڑا رہ گیا۔۔۔ ریوالور اس کے ہاتھ سے کب اور کس طرح نکل گیا، اُس کا اُسے اندازہ نہ ہو سکا البتہ وہ یہ ضرور دیکھنے میں کامیاب ہو گیا کہ اعشاریہ چار پانچ کے ریوالور سے جو گولی نکلی تھی وہ سیدھی اُس کے پیٹ میں اُتر دھنس گئی تھی۔ اس محدود سی جگہ پر فائر کسی توپ کے دھماکے جیسی گرج کے ساتھ گونج اُٹھا تھا۔ قطار میں استادہ دوسرے لوگ جو ٹکٹ خریدنے آئے تھے، ان میں کھلبلی مچ گئی۔ ان کے قطار میں کھڑے تین آدمی چند ساعتوں ہی ہلاک ہو چکے تھے اور اُن کا خون فرش پر چھوٹی چھوٹی ندیوں کی طرح بہتا دکھائی دینے لگا تھا۔ لوگ بُری طرح خلق پھاڑ کر چیخ اُٹھے اور پھر چرخ کا چند مرتبہ اٹھا، وہ ادھر ہی بھاگ نکلا۔۔۔ اس کوشش میں کسی نے یہ بھی دیکھنے کی زحمت گوارا نہیں کی کہ کوئی اس کے پیروں تلے کچلا جا رہا ہے۔ معاً ٹائیگر کے ذہن کو ایک جھٹکا سا لگا۔

وہ تیزی سے پچھلے فرش پر جھک گیا اور اگلے ہی لمحے وہ کسی میزائل کی طرح فرش پر پیٹ کے بل پھسلتا ہوا، اس تیسرے قاتل کی طرف بڑھ رہا تھا، جس نے گرتے گرتے اپنا گھٹنا مُوہان کی طرف اچھال دیا تھا۔ مُوہان اپنی کارکردگی سے مطمئن تھا لیکن وہ بھول گیا کہ موت سے ہمکنار ہونے والا بھی گنگ فوائٹر ہے اور وہ آخری لمحے میں بھی اُسے کوئی نقصان پہنچا سکتا ہے۔۔۔ لیکن اس کی فروگزاشت ٹائیگر نے برابر کر دی۔ وہ بروقت پہنچ گیا اور اس کے دونوں پاؤں دم توڑتے ہوئے تیسرے قاتل کو مُوہان کے قدموں سے سہتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔

تیسرا قاتل قریبی دیوار سے ٹکرایا اور اُس کی کھوپڑی پاش پاش ہو گئی۔۔۔ لیکن وہ اس تصادم سے قبل ہی ہلاک ہو چکا تھا۔ اس سارے عرصے میں پوسٹ باکسز کے قریب جھکا ہوا نوجوان محض تماشائی بنا رہا تھا۔ غالباً اُسے بھی توقع تھی کہ اب ٹائیگر کو اُس کے ساتھیوں سے کوئی نہیں بچا سکے گا۔۔۔ پھر اُس کی آنکھوں نے جو منظر دیکھا، اس نے اُسے بھونچکا کھڑے رہنے پر مجبور کر دیا۔

شاید وہ اور کچھ دیر بھی اسی حالت میں کھڑا رہتا کہ اچانک وہ ورطۂ حیرت سے نکلا اور پھر اُس کے پھسلتے ہوئے پاؤں اُٹھ ٹائیگر کی قریب آئے۔ ٹائیگر اس وقت مُوہان کی طرف متوجہ تھا اور جب اُسے احساس ہوا کہ خطرہ اس کے سر پر پہنچ چکا ہے تو اُس کی آنکھوں نے اوپر دیکھا۔ وہ اب بھی فرش پر دو زانو بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی نگاہوں کے سامنے ایک ریوالور جھول رہا تھا۔ ریوالور بدست شخص کا فاصلہ زیادہ نہیں تھا اس لیے ٹائیگر نے بڑی بے رحمی سے سر اچھال دیا۔ ساتھ ہی اس کا دایاں ہاتھ ریوالور والے ہاتھ کو اُوپر اٹھاتا چلا گیا تھا۔ اسی عرصے ایک پاؤں اُس کے چہرے کے سامنے لہرایا اور ریوالور والے ہاتھ سے ریوالور نکل کر یوں ایک طرف گیا جیسے اچانک ہی اُسے پر لگ گئے ہوں۔ مُوہان کی ٹھوکر اپنا کام کر گئی تھی اور ٹائیگر کے دونوں وار بھی ناکام نہیں رہے تھے۔۔۔ لیکن تھیلا نما پتلون میں ملبوس وہ نوجوان بھی بلا کا پھرتیلا تھا۔ وہ پلٹ کر دوڑا تو اُس پر کسی خوف زدہ ہرن کا گمان ہوتا تھا لمحے بھر میں وہ ایک طرف جا کر نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

ٹائیگر نے مُوہان کو اشارہ کیا اور وہ دونوں بھی ایک طرف دوڑ پڑے کیونکہ پوسٹ آفس کے باہر پولیس کاروں کے سائرن گونجنے لگے تھے۔

وہ پوسٹ آفس کے عقبی دروازے کی طرف دوڑ رہے تھے۔ ٹائیگر جب اس بوڑھے کے قریب سے گزرا جو پوسٹ باکس سے اپنی ڈاک لینے آیا تھا تو اس کے ہاتھ میں ایک بڑا سا سفید لفافہ دکھائی دے رہا تھا لیکن دیکھنے کی چیز وہ سیاہ گول سُوراخ تھا، جو اُس دبیز لفافے کے درمیان دکھائی دے رہا تھا اور بوڑھا بھٹی بھٹی آنکھوں سے اس سُوراخ کو گھور رہا تھا۔

عقبی دروازے پر پہنچ کر وہ رُک گئے اور پھر اپنے کپڑوں کی شکنیں درست کرتے ہوئے یوں اطمینان سے باہر نکلے جیسے کوئی عام سا کام نمٹا کر واپس جا رہے ہوں۔

باہر فٹ پاتھ پر ہجوم تھا، وہ اس میں شامل ہو گئے۔

"میں ایک ایسا آدمی ہوں جس کی رفاقت خطرے سے خالی نہیں۔" ٹائیگر نے پولیس کاروں کا سائرن سنتے ہوئے اپنے ساتھی سے کہا۔

مُوہان جواباً خاموشی سے چلتا رہا۔

ٹائیگر جانتا تھا کہ وہ اور لیس مُون کا شاگرد ہے۔۔۔ لیکن ابھی تک یہ بات اس کی سمجھ میں نہیں آئی تھی کہ وہ یہاں کیا کر رہا ہے؟ پوسٹ بکس سے اُس نے جو لفافہ نکالا تھا، وہ درحقیقت نیلی گرام تھا۔ ٹائیگر نے اس کا مطالعہ کیا اور مضمون ذہن نشین کر کے کاغذ کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔

وہ ایک گلی میں پہنچ کر رُک گئے اور ٹائیگر نے مُوہان کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "ہمیں فوری طور پر مُونی پہنچنا ہے۔ ہمیں ایک ایسے آدمی سے رابطہ قائم کرنا ہے جس کا نام تھیلگر ہے۔ یہ شخص آج شب ائرپورٹ پر ہمیں ملے گا۔"

بولتے بولتے ٹائیگر اچانک ہی رُک گیا۔

اُس کی حسیات نے بتایا کہ کوئی گڑبڑ ضرور ہے۔ وہ گہری نظروں سے مُوہان کی طرف دیکھنے لگا۔ "سونی ما کیا حال ہے؟" اُس نے بے تکلفانہ دھمکیوں کے درمیان کہا۔

مُوہان خاموش رہا۔

"کیا وہ مر گئی ہے؟" ٹائیگر کے لہجے میں خونخواری پیدا ہو گئی۔

"نہیں۔۔۔" مُوہان نے افسردگی سے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"اُسے اغوا کر لیا گیا ہے۔"

ٹائیگر کے جبڑے سختی سے بھنچ گئے۔ اس کی آنکھیں لمحے بھر میں یوں سرخ ہو گئی تھیں جیسے خون اُمڈنے ہی ہوں۔ مُوہان اُسے تفصیل بتانے لگا۔۔۔ آخری لفظ سننے تک ٹائیگر خاموش رہا۔۔۔ پھر اُس نے دریافت کیا۔ "کیا تمھیں یقین ہے کہ وہ فانگ ہی تھا؟"

"مجھے یقین نہیں لیکن اور لیس مُون کو پورا یقین ہے۔۔۔ اس کی وجہ کیا ہے، یہ میں نہیں جانتا۔"

ٹائیگر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ "اگر یہ اس کا نیاں ہے تو غلط نہیں ہو سکتا ویسے بھی جو کچھ تم نے بتایا ہے، اس میں ایسی کئی چیزیں ہیں جو فانگ کی طرف ہی اشارہ کرتی ہیں۔"

"اور لیس مُون نے مجھ سے کہا تھا کہ ہمیں لاؤس جانا چاہیے۔۔۔" مُوہان نے کہا۔

وہ کیوں؟" ٹائیگر نے چونک کر دریافت کیا۔

"کیونکہ سونی نے اُسے بلیک سرکل کی ان منصوبوں کے بارے میں بتایا تھا جن کے تحت وہ چین میں ایک اور افیونی جنگ شروع کرنا چاہتے ہیں۔ تم نے ماسٹر ڈاؤ کے ساتھ مل کر پیکنگ میں اُن کا یہ منصوبہ کسی حد تک ناکام ضرور کر دیا ہے لیکن۔۔۔"

"ناکام۔۔۔" ٹائیگر نے حیرت سے دُہرایا۔ "وہ منصوبہ تو پورے کا

پُرانا نیست و نابود ہو چکا ہے۔"

"نہیں... اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ابھی ان لوگوں کے پاس منشیات کی اسمگلنگ کا ایک قدیم راستہ موجود ہے۔ یہ راستہ لاشاؤ سے لانچاؤ تک پھیلا ہوا ہے۔ صحرائے تکلامکان میں یہ تین شاخوں میں بٹ جاتا ہے اور ایک حصہ قمر قند تک چلا جاتا ہے۔ مشرق، مغرب اور جنوب کی طرف جانے والے یہ قدیم راستے بے حد اہم ہیں۔"

"میں سمجھ گیا۔ اس قدیم راستے سے ایک مختصر ترین راستہ دیوارِ چین سے ہو کر تبن سین تک پہنچ جاتا ہے اور یہ لوگ..."

"لیکن یہ منصوبہ، تمہارے تصور سے کہیں زیادہ بڑا اور وسیع ہے۔" مُوہان نے اُس کی بات کاٹ دی۔ "پتہ چلا ہے کہ یولان بیٹریس بھی ہیروئن کا سُراغ لگا لیا گیا ہے۔"

"کیا کہہ رہے ہو؟" ٹائیگر واقعی حیران رہ گیا۔ "منشیات کے عادی زیادہ تر بھوپی باشندے ہیں اور تم جس علاقے کا نام لے رہے ہو وہ منگولوں کا علاقہ ہے۔"

"منگولیا، چین اور رُوس کے درمیان واقع ہے۔ اس کے باشندے بڑے لڑاکا ہیں اور اس کی سرحد، پیکنگ سے بے حد قریب ہے۔ کیا تم نے کبھی میڈ بین کے بارے میں سُنا ہے؟"

ٹائیگر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اُوشان نے ایک بار، اُس رُوسی زار پرست کا تذکرہ کیا تھا۔ رومن نکولس جس نے رُوس، چین اور منگولیا میں بادشاہی نظام کی بحالی کا خواب دیکھا تھا، اُس نے ۱۹۲۰ء میں جاپان کے شہنشاہ کی رفاقت میں منگولیا پر حملہ کیا تھا اور وہاں دہشت پسندانہ حکومت قائم کر دی تھی۔ یہ شخص پاگل بیرن کے نام سے مشہور ہوا تھا۔ بعد میں سُرخ چین کی فوج نے اسے گرفتار کر کے گولی مار دی تھی۔

"پاگل بیرن کے حمایتی آج بھی موجود ہیں۔" مُوہان نے انکشاف کیا۔ "یہ لوگ، منگولیا میں ہیں، جبکہ رُوس میں زار پرستوں کی بھی کمی نہیں اور جاپان میں شہنشاہیت کے قدر دانوں کا آج تک خاتمہ نہیں ہو سکا۔"

ٹائیگر نے اثبات میں سر ہلایا۔ سُرخ کے ٹکڑے رفتہ رفتہ ایک خاکہ مرتب کرتے جا رہے تھے اور صورتِ حال، اُس کی سمجھ میں آتی جا رہی تھی۔

"اسی طرح ہاؤس آف کرپ یعنی خاندانِ سلاطین کی حمایت کرنے والے جرمنی میں موجود ہیں... اور ان سب کی حمایت بلیک سرکل کو حاصل ہے۔"

ٹائیگر ایک طویل سانس لے کر رہ گیا۔ دُنیا واقعی ایک بہت بڑے خطرے سے دوچار ہونے والی تھی۔ بات محض فانگ اور اُس کے چند ساتھیوں کی نہیں تھی کیونکہ اس عالمی سازش کی جڑیں، دُنیا کے تمام بڑے ممالک میں پھیلی ہوئی تھیں۔ اس کے لیے پُورے بلیک سرکل کو تباہ کرنا ضروری تھا۔

"اور اب میں تمہیں بتاتا ہوں کہ فانگ کون ہے۔" مُوہان نے پُراسرار لہجے میں کہا۔ "یہ کرپ خاندان کا آخری بیٹا اور پاگل بیرن کا پوتا ہے۔"

ٹائیگر کے جسم کے ہر مسام نے ٹھنڈا ٹھنڈا پسینہ اُگلنا شروع کر دیا۔

"یہ کیسے ممکن ہے؟ کیا وہ نیم چینی نہیں ہے؟"

"نہیں، تم اُسے چوتھائی حد تک چینی سمجھ سکتے ہو۔ اپنی موت سے کچھ عرصے قبل، پاگل بیرن نے منچاؤ خاندانِ سلاطین کی ایک شہزادی کو اغوا کرنے کے لیے اپنے ایجنٹ بھیجے تھے۔ وہ ایک طبیب اور پُراسرار عورت تھی۔ بعض کا خیال ہے کہ وہ شیطان کی پجارن تھی۔ بہرحال انقلاب کے بعد وہ عورت سن یاٹ سین کی داشتہ بن گئی تھی اور فانگ، اُسی کا بیٹا ہے۔"

**

اسی رات ٹائیگر اور مُوہان، تھیلنگر سے ملے۔

یہ شخص نام کا بھی ایسی کانچی تھا اور اس کی صورت کسی گھوڑے سے ملتی جُلتی تھی۔ تھیلنگر کے پاس ٹائیگر کے لیے جہاز کے ٹوکٹ اور چند ہدایات تھیں بظاہر اسٹراؤ کی طرف سے تھیں لیکن جانے کیوں ٹائیگر نے بہرام کی بُو سُونگھنا شروع کر دی تھی۔ اُسے وہ تصویر یاد آ گئی تھی جو اس کے پاسپورٹ میں چسپاں تھی۔

ملاقات کے بیس منٹ بعد وہ ائرپورٹ کے لیے روانہ ہو گئے۔

ائرانڈیا کا ایک سیون زیرو سیون بمبئی جانے کے لیے تیار تھا... ٹائیگر نے آخری لمحے تک جہاز سے دُور رہنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ جو صورتحال اُس کے سامنے آئی تھی اُس کی روشنی میں اب وہ بے حد محتاط ہو گیا تھا۔ وہ ہر ہر قدم سوچ سمجھ کر اُٹھانا چاہتا تھا۔ وہ اور مُوہان فلائٹ کے پورڈنگ گیٹ سے پچاس فٹ دُور ایک بینچ پر بیٹھ کر انتظار کرنے لگے حتیٰ کہ جہاز کے مسافروں نے جہاز کی طرف جانا شروع کر دیا۔

اچانک ٹائیگر کی نگاہ ایک جسیم آدمی پر پڑی۔ یہ شخص چہرے سے کوریا کا باشندہ لگتا تھا۔ اس کی عمر تیس سال کے لگ بھگ تھی۔ وہ ایک ایسا اٹیچی کیس اُٹھائے ہوئے تھا جو انداز سے لگتا تھا کہ خود اُس کا نہیں ہے۔ اس شخص نے سیاہ دستانے پہن رکھے تھے۔

دوسرا مسافر ایک ہندو تھا۔ یہ ایک پتلا سا سکھ نوجوان سال کا آدمی تھا اور اس کی آنکھیں کسی چوہے کی آنکھوں جیسی تھیں۔ ٹائیگر بہر کا جائزہ لیتا جا رہا تھا اور جو لوگ اسے اپنی خصوصیات کے باعث پسند نہیں آ رہے تھے، انھیں وہ ذہن نشین کرتا جا رہا تھا۔

تھیلنگر بھی ان دونوں کے قریب ہی بیٹھا ہوا تھا لیکن وہ اپنے تئیں اُس کی نظروں میں گم ہونے کی کوشش کر رہا تھا۔ ٹائیگر نے اُس کے بارے میں اندازہ لگایا تھا کہ یہ شخص محض احکامات کی بجاآوری میں مصروف ہے۔ بصورتِ دیگر اسے معلوم نہیں کہ درحقیقت کیا ہونا ہے۔

ٹائیگر نے گیٹ کی طرف دیکھا۔ آخری چند آدمی بھی جہاز کی طرف بڑھ گئے۔ اس سے قبل کہ بورڈنگ گیٹ بند ہوتا، ٹائیگر اُٹھ کھڑا ہوا اور مُوہان کے ساتھ گیٹ کی طرف بڑھ گیا۔

جہاز میں آ کر ٹائیگر نے جتنی جلدی ممکن تھا، ائر ہوسٹس کی گیلری کے قریب ایک ایسی سیٹ کا انتخاب کیا جو جہاز کے بائیں جانب دیوار کے ساتھ واقع تھی۔

ان کے سروں پر سیٹ بیلٹ باندھ لیجیے اور سگریٹ بُجھا دیجیے کے حروف چمک رہے تھے اور جہاز کے انجن کا ہلکا ہلکا شور سنائی دینے لگا تھا۔

ایکانک فرسٹ کلاس سیکشن کا پردہ ہٹا اور ایک پُرتگالی چہرہ دکھائی دیا۔ پتلا اور سیاہ چہرہ جس پر ناک کسی کلہاڑے جیسی تھی اور آنکھوں پر سلگتے ہوئے کوئلوں کا گمان ہوتا تھا۔ ٹائیگر ایک طویل سانس لے کر رہ گیا۔ اُس کے سینے میں پُرسکون انداز میں دھڑکتے ہوئے دل میں بے چینی بھر گئی تھی۔

برازو کے دونوں ہاتھ اپنے اوور کوٹ کی جیبوں میں پوری گہرائی تک دھنسے ہوئے تھے۔ ٹائیگر سے مقابلے میں شدید زخمی ہو کر وہ وہیں ہوش و خرد سے بے گانہ ہو گیا تھا... پھر اس کے ایک بھگوڑ شاگرد نے اُس کے دُشمن سے لڑنے کی بجائے اُسے اُٹھا کر وہاں سے اپنے اسکول پہنچانے ہی میں عافیت سمجھی تھی۔ برازو اس شاگرد کا شکر گزار تھا۔ اگر وہ اُسے اُٹھا کر نہ لاتا تو یقیناً اس کی لاش بھی اپنے شاگردوں کی لاشوں میں ملی ہوئی پائی جاتی۔

برازو نے اپنے اوور کوٹ کے بڑے بڑے کالر کھڑے کر رکھے تھے اور اس میں اپنی گردن چھپا رکھی تھی۔ معمولی سا چہرہ باہر جھانک رہا تھا جیسے کوئی کچھوا اپنی کھال سے کھوپڑی نکال کر ماحول کا جائزہ لے رہا ہو... اور وہ واقعی جائزہ ہی لے رہا تھا۔ اس کی نگاہیں مسافروں پر پھسلتی جا رہی تھیں۔ ایک ایک مسافر کا جائزہ لیتی ہوئی اس کی نگاہیں تیزی سے نئے مسافروں کی طرف بڑھ رہی تھیں۔

اچانک اُس کی نگاہیں ایک مسافر پر رُک گئیں۔

یہ ٹائیگر تھا۔

ٹائیگر سے اس کی آنکھیں جیسے ہی چار ہوئیں، ٹائیگر کے ہونٹوں پر بڑی ہی شریر سی مسکراہٹ رقص کرنے لگی۔ اس کا انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ برازو سے پوچھ رہا ہو کہ اُس نے اوور کوٹ کے کالر کہیں اس لیے تو نہیں اُٹھا رکھے کہ ان کے درمیان اُس کی وہ گردن چھپ جائے جس پر ٹائیگر کی خنجر جیسی انگلیوں نے گہرے سوراخ بنا دیے تھے۔

نگاہیں چار ہونے کے باوجود برازو نے اپنے انداز یا آنکھوں کے تاثر سے یہ ظاہر نہیں ہونے دیا کہ اس نے ٹائیگر کو دیکھ لیا ہے۔ وہ باقی ماندہ مسافروں کو دیکھتا رہا۔ گویا یہ تاثر دینا چاہتا تھا کہ اس کی دانست میں ٹائیگر اس جہاز میں موجود نہیں ہے... حالانکہ اس نے گہری نگاہ سے دیکھ لیا تھا کہ ٹائیگر اسی سیٹ پر موجود ہے جس پر اُسے موجود ہونا چاہیے تھا۔ جبکہ ٹائیگر اپنی جگہ بیٹھا یہ سوچ رہا تھا کہ اس وقت جہاز میں اس کے ساتھ اور کتنے آدمی موجود ہیں۔ اس نے مُوہان کو کہنی ماری اور دیگر مسافروں میں موجود ملنگ آدمیوں کی فہرست پر دوسری بار نگاہ دوڑاتے ہوئے سرگوشی کی۔

"سیاہ ہیٹ میں جو آدمی ہے، یہ بلیک سرکل کا ماسٹر ہے، مجھے یقین ہے کہ اس کے ساتھ تین یا چار قاتل ضرور ہوں گے۔"

مُوہان اس وقت اُوشان کی کتاب کے مطالعے میں مصروف تھا۔ یہ وہی کتاب تھی جسے ٹائیگر اپنے ساتھ لیتا آیا تھا اس نے

جاسوسی ڈائجسٹ کے مقبول سلسلے

ناگ بھون — اقلیم علیم
(دو جلدیں) قیمت =/300 روپے

سنگتراش — اقلیم علیم
(دو جلدیں) قیمت =/300 روپے

برہمچاری — انوار صدیقی
قیمت =/150 روپے

سرکش — محمود احمد مودی
(12 حصے) مکمل سیٹ =/600 روپے

مکتبہ القریش سرکلر روڈ اردو بازار لاہور فون 7668958

کتاب سے نگاہ اُٹھائی اور آنکھ کے کنارے سے اُدھر دیکھا جس طرف ٹائیگر نے اشارہ کیا تھا۔ اس نے برازو کو دیکھا جو طیارے کے مسافروں کے وسط میں ایک ایزل سیٹ پر بیٹھ رہا تھا۔ اس نے ٹائیگر کی طرف یوں دیکھا جیسے اس کی نگاہیں شہزاد ٹائیگر کے جسم سے پار ہو رہی ہوں اور پھر بولا۔ "میں انگریزی ٹھیک سے نہیں پڑھ سکتا لیکن اس کتاب کے آخری صفحے پر جو نظم ہے، وہ بڑی ہی عجیب لگ رہی ہے۔"

ٹائیگر سمجھ گیا کہ اس کا مطلب کیا ہے۔ مُوہان کا اشارہ مخالف قطار کی آخری سیٹ پر بیٹھے ہوئے آدمی کی طرف تھا۔

ٹائیگر نے کن انکھیوں سے اُدھر دیکھا۔

اس سیٹ پر وہی شخص براجمان تھا جسے اس نے بورڈنگ گیٹ پر دیکھا تھا۔ اس وقت ٹائیگر کی پشت اس شخص کی طرف تھی۔ ٹائیگر نے مُوہان کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرا کر کہا۔ "میں سمجھتا ہوں کہ آخری صفحے کی نظم زیادہ اچھی نہیں ہے۔ یہ بھی اتنی ہی بُری ہے جتنی کہ درمیانی صفحے کی نظم کو کہا جا سکتا ہے۔"

"اوہ..." مُوہان نے جونک کر جواب دیا۔ "شاید تم ٹھیک کہتے ہو لیکن کیا تم نے آخری صفحے سے تین صفحات قبل والی نظم بھی پڑھی ہے؟ بائیں حاشیے میں توجہ طلب مواد موجود ہے۔"

ٹائیگر نے کن انکھیوں سے بائیں جانب کی قطار میں دیکھا۔ آخری سیٹ سے تین سیٹیں پہلے اُسے دو افریقی بیٹھے دکھائی دیے۔ "نہیں... میں نہیں پڑھ سکا۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ "لیکن میں سمجھتا ہوں کہ تمہارا اندازہ بہت اچھا ہے۔ اس کے مخالف صفحے پر جو کچھ تحریر ہے، اس کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

مُوہان نے مُڑ کر دیکھا تو اس کی نگاہ ایک ہندو مسافر پر پڑی۔ یہ شخص دونوں اطرافی مسافروں کی مخالف قطار میں بیٹھا ہوا تھا۔ "میں نہیں جانتا۔" اس نے تبصرہ کیا۔ "لیکن مجھے توقع ہے یہ زیادہ اچھی نہیں ہو سکتی۔"

"بہرحال میرا نظریہ ہے کہ پوری کتاب میں یہی سب سے خراب ہے۔" یہ کہہ کر ٹائیگر نے ایزل کے بالائی حصے کی جانب نگاہ دوڑائی۔ ہندو مسافر کے سامنے دائیں سیٹ خالی پڑی تھی۔ اس نے محسوس کیا کہ عقب میں جو کورین مسافر بیٹھا ہے وہ بڑے انہماک سے اُن کی باتیں سننے کی کوشش کر رہا ہے۔ "ملاوہ ازیں..." ٹائیگر نے اپنا تبصرہ جاری رکھا۔ "جہاں تک میری رائے ہے، بعض نظمیں بہت اچھی ہیں۔ آخری صفحے سے چار صفحات پہلے والی خاص طور سے اہم کہی جا سکتی ہے۔"

"ہاں..." مُوہان نے تائید کی۔ "اسے بہترین قرار دیا جا سکتا ہے۔"

جہاز ٹیک آف کرنے کے لیے تیار تھا۔ ایک اسٹرہوسٹس اُن کے قریب آئی اور جھک کر مؤدبانہ لہجے میں بولی۔ "کیا آپ ٹیک آف کے بعد کافی لینا پسند کریں گے؟"

ٹائیگر نے اسٹرہوسٹس کی طرف دیکھا۔ اس کے سینے پر بائیں جانب نام کا ٹیگ لگا ہوا تھا۔ جین کراس مُور... اس کا چہرہ گول تھا اور اس پر خوش گوار تاثرات اور ہونٹوں پر پیشہ ورانہ مسکراہٹ چپکا دی گئی تھی۔ تجلیے اور وضع قطع سے وہ برطانوی نژاد لگتی تھی جبکہ جہاز کی باقی اسٹرہوسٹسیں انڈین تھیں۔

کورین مسافر نے نفی میں سر ہلا دیا جبکہ ٹائیگر نے اپنی پسند کے مشروب کا آرڈر دینے کے بعد کہا۔ "میرے دوست کے لیے بیئر کی دو بوتلیں لے آنا۔ وہ ان بوتلوں کے بارے میں نہیں جانتا لیکن جلد ہی اسے ان کی ضرورت پڑے گی۔" یہ کہہ کر ٹائیگر نے آنکھ سے اشارہ کیا۔ "کیا تم ہر ممکن جلدی اس آرڈر کی تکمیل کر سکتی ہو؟"

"یقیناً جناب! جیسے ہی جہاز فضا میں بلند ہونے کے بعد سیدھا ہُوا میں یہ آئٹم آپ کو لا دوں گی۔" اسٹرہوسٹس نے خوش دلی سے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

ٹائیگر کو توقع تھی، اس سے قبل کہ جہاز سیدھا ہو کر اپنی ہموار پرواز کا آغاز کرے، برازو کوئی حرکت نہیں کرے گا... ممکن ہے وہ اس سلسلے میں مزید انتظار کرنے پر بھی مجبور ہو جائے! اور میں..." ٹائیگر نے مسکرا کر کہا۔ "سیٹ بھی تبدیل کرنا پسند کروں گا۔"

اسی لمحے انٹرکام پر پائلٹ کی آواز گونجنے لگی۔ "کیا تمام کیبن اٹینڈنٹ ٹیک آف کے لیے تیار ہیں؟"

اسٹرہوسٹس جین نے ٹائیگر کی طرف دیکھا اور قدرے حیرانی سے بولی۔ "ضرور تبدیل کیجیے... لیکن اس کے لیے آپ کو انتظار..."

"نہیں..." ٹائیگر کا لہجہ مدھم ہو گیا۔ "میں ابھی اور اسی وقت سیٹ تبدیل کروں گا۔"

اس سے قبل کہ اسٹرہوسٹس کوئی اعتراض کرتی، ٹائیگر اپنی سیٹ سے اُٹھ کھڑا ہُوا۔ اُوشان کی چرمی کتاب اس وقت بھی اس کے ہاتھ میں دبی ہوئی تھی۔ وہ سیٹوں کے درمیانی راستے پر چلنے لگا اس نے محسوس کیا کہ دونوں افریقی اُسے گہری نگاہ سے دیکھ رہے ہیں۔ جہاز رن وے پر دوڑ پڑا تھا اور اس کے انجن بُری طرح گرج رہے تھے۔

ٹائیگر اس سیٹ پر جا گرا جو ہندو مسافر کے سامنے خالی پڑی تھی اور پھر اس کے ہاتھوں نے یوں حرکت کی جیسے وہ سیٹ بیلٹ باندھ رہا ہو... ٹائیگر اب جہاں بیٹھا تھا، وہاں سے برازو کا سیاہ بیلٹ سا تو بن روہی، بائیں جانب نظر آ رہا تھا۔

جہاز سطحِ زمین سے ملحقہ ہُوا اور تیز سے بلندی کی طرف پرواز کرنے لگا۔ ٹائیگر نے منصوبہ بندی کی اور اوشان کی کتاب کھول کر پڑھنے میں مصروف ہو گیا۔

میں نے اپنی زندگی...
ایک مصنوعی پھول کے رُوپ میں حاصل کی...
...اور پھر میں نے اسے اصلی بنانے کی کوشش
میں گزار دیا۔

ٹائیگر اس مختصر سی نظم پر کئی منٹ تک غور کرتا رہا... وہ اس نظم کے کئی کئی معانی نکال کر انھیں اپنے ذہن میں دوڑا رہا تھا اور خیالوں کا ریلا، رقص کے سے انداز میں، اس کے ذہن میں گھومنے لگا... اور پھر سوچوں کے اس رقص میں سوئی کا سرا پا نمودار ہونے لگا۔ اُسے وہ دن یاد آ گیا جب دونوں دریائے وانگ پُو میں ایک کشتی میں سفر کر رہے تھے اور اس نے پہلی بار اس حسین لڑکی کو ایک مرد کی نگاہ سے دیکھا تھا... اور پھر اُسے مُوہان کی آہیں یاد آ گئیں، اس نے کہا تھا کہ سانبو کے قدیم استادوں نے اُسے اُس کی دُلہن کے بطور منتخب کر لیا ہے۔ خیالوں کا ریلا یکایک تھم گیا۔

جہاز فضا میں بلند ہو کر اب ہموار پرواز میں محو ہو گیا تھا۔ سگریٹ نوشی بند کر دیں اور بیلٹ باندھ لیں کا سائن بجھ چکا تھا۔ ٹائیگر خیالوں کی دُنیا سے نکل آیا اور اُس حیات بتانے لگیں کہ وہ جہاز میں ہر طرف سے خطرات میں گھرا ہُوا ہے۔

اچانک اسٹرہوسٹس جین کا مسکراتا ہُوا چہرہ نمودار ہُوا اور اس نے ایک ٹرے اس کی سیٹ کے سامنے رکھ دی۔ اس میں اس کے مطلوبہ مشروب کا گلاس اور بیئر کی دو بوتلیں رکھی ہُوئی تھیں۔ دفعتہً اُسے قریب بیٹھی ہُوئی ایک انڈین خاتون کی ترچھی نگاہوں کا احساس ہُوا۔ اس کی نگاہیں کہہ رہی تھیں کہ اُسے اس عمر میں اتنی زیادہ شراب نہیں پینی چاہیے۔ ٹائیگر دل ہی دل میں ہنس پڑا۔ اس نے اپنا مشروب پیا اور پھر بیئر کی بوتل اُٹھائی۔ بوتل مُنہ سے لگا کر اس نے اندازہ لگایا کہ یہ کافی وزنی ہے۔ اس نے غٹاغٹ بیئر اپنے حلق میں انڈیلنی شروع کر دی۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ اس سیال کو کسی بھی وقت باتھ روم میں جا کر نکال سکتا تھا۔ اُس نے کن انکھیوں سے انڈین لیڈی کی طرف دیکھا جو اُسے اس قدر دحشیانہ انداز میں بیئر پیتے دیکھ کر مُنہ سکوڑنے جُوئے کھڑی سے باہر دیکھنے لگی تھی۔

برازو کی طرف سے ابھی تک کوئی تاثر نہیں ملا تھا۔ اس سے ٹائیگر سوچ میں پڑ گیا کہ آخر وہ کس قسم کا کھیل کھیلنا چاہتا ہے۔ اگر اسے

معلوم ہوتا کہ ٹائیگر اور مُوہان اس فلائٹ سے سفر کرنے والے ہیں تو وہ انھیں اسٹریچر پر گوریوں کا نشانہ بھی بنوا سکتا تھا اور اگر وہ اتنا بے صبر تھا جو اتنا تو فرسٹ کلاس کے کسی کیبن میں اس وقت تک پوشیدہ رہ سکتا تھا جب تک کہ حملہ کرنے کا ارادہ نہ ہوتا۔ اس کا مطلب تھا کہ برازو اُس کے اعصاب پر بوجھ ڈالنے کا نفسیاتی حربہ استعمال کر رہا ہے... آخر کیوں؟

ٹائیگر سوچتا رہا... پھر اس نے اپنے منصوبے پر نظرِ ثانی کی اور بیئر کی دوسری بوتل بھی اُٹھا کر مُنہ سے لگا لی۔ انڈین لیڈی نے کن انکھیوں سے اس کی طرف دیکھا اور دوبارہ مُنہ سکوڑ کر کھڑکی سے باہر دیکھنے میں محو ہو گئی۔

جہاز اب ہموار پرواز کر رہا تھا اور اس کے نیچے سمندر کی نیلی چادر دُور دُور تک پھیلی ہوئی تھی۔ کچھ دیر بعد جہاز بادلوں میں سے گزرنے لگا۔ ٹائیگر کا خیال تھا کہ اس وقت جہاز ہانگ کانگ سے لگ بھگ ایک سو میل دُور پرواز کر رہا ہے۔ اچانک اس کی نگاہ برازو پر پڑی۔ اس کی کہنی سیٹ کے ہتھے پر متحرک دکھائی دی... پھر وہ اپنی جگہ سے اُٹھتا ہُوا نظر آیا۔ ٹائیگر کی حیات اُس وقت اُسے طرح کام کر رہی تھیں۔ اس نے فرنیچر کو دیکھا جس کا ہاتھ عادتی ڈیسک نما حصے کے نیچے رینگ گیا تھا... پھر عقب سے ہندو مسافر کی حرکات کا احساس ہُوا۔ جو انڈین لیڈی ٹائیگر کے پہلو میں بیٹھی تھی وہ چونک پڑی کیونکہ اس نے ٹائیگر کو دونوں توتیس گردنوں سے ہاتھوں کی گرفت میں لیتے دیکھ لیا تھا... پھر جیسے ہی ٹائیگر حرکت میں آیا، انڈین لیڈی کے حلق سے ایک کریہہ چیخ نکل کر جہاز کے ماحول میں گونج اُٹھی۔ ٹائیگر کی دونوں ٹانگیں سامنے کی جانب گئی تھیں، کمر عقب میں خم کھا کر سیدھی ہُوئی اور اس کا پورا جسم ایک جھٹکے سے سامنے کی طرف لپکا۔ اس کا دایاں ہاتھ اپنی سیٹ کی پشت پر جا کر غائب ہو گیا جبکہ بایاں ہاتھ دونوں قطاروں کے درمیانی راستے کی طرف لپک پڑا تھا۔

ٹائیگر کو اندازہ تھا کہ ہندو مسافر کس قسم کا حملہ کرے گا اور اس نے اپنی حیات کے ذریعے یہ بھی پتہ چلا لیا تھا کہ اُس کی کھوپڑی اس وقت کس مقام پر ہو گی۔ اب وہ اس نتیجے پر پہنچ چکا تھا کہ برازو ان دونوں کو قتل نہیں کرنا چاہتا بلکہ اُس کی خواہش ہے کہ وہ کسی نہ کسی طرح زندہ اس کی گرفت میں آ جائیں۔ اس سلسلے میں اس کا ایک ساتھی مدد کر رہا تھا، یہ سیاہ جیکٹ والا تھا اور وہ ٹائیگر کی پشت پر پہنچ چکا تھا۔ ٹائیگر نے اپنا دایاں ہاتھ اُچھالا۔ یہ ہاتھ عقب میں گیا اس ہاتھ نے نہ صرف پیچھے سے کیے گئے بلیک جیک بُلو کو روکا بلکہ اس میں

پکڑی ہوئی بوتل نے حملہ آور کی آنکھوں کے درمیان ایک شدید چوٹ لگائی۔ بوتل ٹوٹ گئی اور آواز سے ٹائیگر کو اندازہ ہو گیا کہ وار مہلک نہیں رہا۔ اُسی لمحے اس کے دوسرے ہاتھ سے بھی بوتل نکل گئی یہ بوتل افریقی حملہ آور کے چہرے کی سیدھ میں سفر کرتی ہوئی اس کے چہرے سے ٹکرائی اور اُسے یوں محسوس ہُوا جیسے اس کے چہرے پر کوئی بم پھٹ گیا ہو۔ وہ ابھی اپنا ریوالور پوری طرح نکالنے میں کامیاب نہیں ہُوا تھا کہ اس پر اُفتاد ٹوٹ پڑی تھی۔ اس کے قریب ہی موجود دوسرے افریقی نے اُسے پوری قوت سے قطاروں کے درمیان راستے پر دھکیل دیا اور خود بڑی پھرتی سے ریوالور نکال لیا۔

ٹائیگر اس وقت تک برازو کی طرف متوجہ ہو چکا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ٹوٹی ہوئی بوتل کا آدھا حصہ تھا جسے اس نے وہیں سے برازو کی طرف پھینک مارا۔ اس کا نشانہ سچا تھا لیکن برازو بھی غافل نہیں تھا۔ اگر اس کا چہرہ ذرا سا گھوم نہ جاتا تو بوتل کا یہ نوکیلا اور تیز دھار ٹکڑا اس کی آنکھوں میں پیوست ہو کر اُسے ہمیشہ کے لیے بینائی سے محروم کر گیا ہوتا لیکن چہرہ گھومنے سے یہ ٹکڑا اس کی کنپٹی کے پچھلے حصّے میں لگا اور برازو واپس اپنی سیٹ میں گر کر ٹائیگر کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔

لیکایک ٹائیگر نے جہاز کے عقبی حصّے سے ایک سنسناہٹ اور ہڈیاں پٹخنے کی آواز سُنی۔ عقبی حصّے میں موجود مسافر افراتفری کے عالم میں اگلے حصّے کی طرف دوڑ پڑے تھے۔ ٹائیگر کا ساتھی موہان اس وقت کورین ماسٹر سے اُلجھا ہُوا تھا۔ کورین ماسٹر فنِ حرب میں ماہر تھا اور موہان کے ہر حملے کو ناکارہ بنا رہا تھا۔ اُسی لمحے اشارہ پا کر بائیں کے ایک ریوالور کی نال ٹائیگر کی گدی سے آ لگی۔ اب ٹائیگر کے پاس اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا کہ وہ گھٹنوں پر رکھی ہوئی ٹرے کو عقب میں اچھال دے۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ اس کی کھوپڑی تو ذرا سے بچ گئی لیکن ریوالور گولی اُگل چکا تھا۔

ٹائیگر کو اپنی سانس حلق میں رُکتی محسوس ہونے لگی۔ یہ گولی جہاز کو تباہ بھی کر سکتی تھی لیکن وہ فرش سے ٹکرا کر چھپاتی ہوئی کسی طرف نکل گئی۔ کوئی چیخ سنائی نہ دی۔ اس کا مطلب تھا کہ گولی لگاکاں گئی تھی۔

***

دفعتہً برازو ہوش میں آ گیا۔

وہ اپنی سیٹ سے اُٹھا اور پردے ہٹاتا ہُوا کاک پٹ کی طرف لپک پڑا۔ ٹائیگر نے اُسے اِدھر بڑھتے دیکھا تو وہ بھی اِدھر ہی اسی جانب دوڑ پڑا۔ ـــــ وہ اس تک پہنچنے میں کامیاب نہ ہو سکا کیونکہ اسی لمحے جہاز نے ایک شدید جھٹکا کھایا تھا۔ یوں محسوس ہُوا جیسے اُس نے ہموار پرواز کے دوران میں لیکایک ہی کروٹ لی ہو۔ ٹائیگر نے خود کو سنبھالنے کے لیے ایک سیٹ کا کنارہ تھام لیا۔

اپنی بیلٹ باندھ لیں کی لائٹ روشن ہو گئی اور جہاز کا سامنے والا حصّہ تیزی سے جھکتا چلا گیا جیسے جہاز نے غوطہ لگا دیا ہو۔ تمام مسافر ایک دوسرے پر لڑھک گئے اور جہاز میں پائلٹ کی آواز گونجنے لگی۔

"ہمیں پتہ چلا ہے کہ جہاز میں کوئی گڑبڑ ہو گئی ہے۔ ریڈیو کا سلسلہ بھی منقطع ہو گیا ہے اس لیے ہم واپس ہانگ کانگ جانے پر مجبور ہیں۔"

جہاز کے اچانک جھکاؤ کی وجہ سے افریقی کا وار اوچھا پڑا۔ اس نے ہاتھ میں ایک عجیب سی تھیلی پکڑ رکھی تھی۔ اس میں یقیناً کوئی آہنی گولا بند تھا۔ ابھی وہ اُسے دوسرے وار کے لیے تول ہی رہا تھا کہ موہان اپنے حریف سے نمٹ کر اُچھلا اور ٹائیگر کی پشت پر پہنچ گیا۔ اب وہ آسانی سے افریقی کا وار روک سکتا تھا ورنہ دوسرا وار ٹائیگر کو یقیناً کوئی نہ کوئی نقصان پہنچانے میں کامیاب ہو جاتا۔ ہندو ماسٹر بھی سنبھل چکا تھا۔ اس کے ہاتھ میں بلیک جیک تھا۔ اس نے سیاہ آہنی اوزار لہرایا اور موہان کی کھوپڑی کا نشانہ لیا اس سے قبل کہ ٹائیگر اس کی کوئی مدد کرتا، کھڑکی کے قریب موجود دوسرے افریقی کا منگیلو اس کی کھوپڑی کے پہلو میں لگا اور وہ خالی سیٹوں پر اوندھے منہ گر گیا۔ گرتے گرتے بھی اس کا ذہن برازو میں اُلجھا ہُوا تھا۔ ابھی تک اس کی سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ برازو کیا کرنا چاہتا ہے۔ وہ فوراً ہی سنبھل گیا ورنہ اس بار ہندو ماسٹر کا وار اس کی کھوپڑی کے چیتھڑے اڑا گیا ہوتا۔ اس نے پلٹ کر پھرتی سے اس کی کلائی پر ہاتھ ڈالا اور کلائی پر گرفت مضبوط کر لی۔ اس نے جدوجہد کرتے ہوئے جسم کو اپنے اوپر گھسیٹ لیا۔ اب وہ دو زخمی لیکن مہلک دشمنوں کے درمیان گھر گیا تھا۔ اس پر گھٹنوں اور کہنیوں سے وار ہو رہے تھے۔ ہاتھوں کی مہلک انگلیاں اُس کے جسم کے چیتھڑے اڑانے کی کوشش میں مصروف تھیں۔ اُسے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ ضربات کے سمندر میں تیر رہا ہو، جہاں کوئی نہ کوئی گھونسہ یا ٹھوکر اُسے کسی طوفانی لہر کی طرح اچھال دیتی تھی ... اس حد تک گھرے دیکھ کر اس نے لمحاتی طور پر خود کو ان ضربات کے حوالے کر دیا۔ اس کے جسم کا ریشہ ریشہ سخت ہو چکا تھا۔ وائلن کے تاروں کی طرح تنی ہوئی نسیں دفاع کر رہی تھیں۔

اچانک اس کے دائیں پنجے نے نیچے اور بائیں پنجے نے اوپر حرکت کی۔ اسی لمحے ہندو ماسٹر کا گھونسہ ٹائیگر کی ٹھوڑی سے ٹکرایا۔ اب وہ انتظار کر رہا تھا کہ ہندو ماسٹر کب دوسرے گھونسے کے لیے ہاتھ

بلند کرتا ہے۔ جیسے ہی ہندو ماسٹر نے ہاتھ اٹھایا، اس کا نرخرہ لمحے بھر کے لیے ٹارگٹ بن گیا۔ ٹائیگر کو اسی ایک لمحے کا انتظار تھا۔ اس کا پنجہ کسی ناگ کی طرح لپک پڑا اور اس کی انگلیاں ہندو ماسٹر کے نرخرے سے جا ٹکرائیں۔

ہندو ماسٹر کے حلق سے ایک چیخ نکل گئی اور وہ پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو گیا۔ وہ لڑکھڑا رہا تھا۔ لمحے بھر میں وہ اس کے قریب سے ہٹ گیا۔

برازو کہاں ہے؟

ٹائیگر نے سوچا۔ اس دوران میں وہ یہ نہ دیکھ سکا کہ افریقی نے ایزل میں، فرش پر پڑے ہوئے ریوالور پر ہاتھ ڈال دیا ہے ... لیکن اس وقت تک ٹائیگر کا دوسرا ہاتھ بھی کسی ناگ کے سے انداز میں حملہ آور ہو چکا تھا۔ اس کی ایک انگلی اپنے حریف کی پسلیوں سے ذرا نیچے، جسم میں دھنس گئی۔

اس عرصے میں موہان کو سنبھلنے کا موقع مل گیا تھا۔ وہ ٹائیگر کے اوپر سے ہوتا ہُوا ہندو ماسٹر پر جا پڑا جبکہ ٹائیگر کی انگلیاں اس حریف کے جسم میں دھنس رہی تھیں، جو اب بھی فرش سے اُٹھائے ہوئے ریوالور کو استعمال میں لانے کی سرتوڑ کوشش کر رہا تھا۔

لیکایک ٹائیگر نے دیکھ لیا کہ اس کی انگلی دباؤ ڈالنے کے قابل ہو گئی ہے۔ اس سے پیشتر کہ وہ ایسا کرنے میں کامیاب ہوتا، ٹائیگر نے اس کے ہاتھ کا رُخ بدل دیا۔ ایک گرج دار دھماکا ہُوا اور گولی اس ریوالور سے نکل گئی ... لیکن یہ گولی کورین ماسٹر کی ران میں جا کر پیوست ہو گئی تھی جس کے حلق سے نکلنے والی کربناک چیخ سے جہاز کا اندرونی ماحول کانپ گیا تھا۔

موہان اپنے شکار پر گر پڑا اور اُسے رگیدنے لگا۔

ٹائیگر نے ہندو ماسٹر کی طرف دیکھا وہ اپنی پیشانی پونچھ رہا تھا اور اس کا دوسرا ہاتھ اپنے نرخرے پر جما ہُوا تھا۔ وہ ایک سخت جان آدمی تھا اور اس کے ریشے اسٹیل کے تاروں کے بنے ہُوئے لگتے تھے۔

جہاز کے باقی ماندہ مسافروں میں ابھی تک کھلبلی مچی ہُوئی تھی اور وہ خود کو زخمی ہونے سے بچانے کے لیے سر توڑ کوششوں میں مصروف تھے۔ ان میں سے بعض تو اپنی اپنی سیٹ میں ہی دُبک گئے تھے جبکہ دوسرے اس حصّے سے دُور ہونے کی کوشش کر رہے تھے، جہاں یہ خون ریز جنگ ہو رہی تھی۔

جہاز ابھی تک گھوم رہا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے یہ ویسا ہی جہاز کسی غیر مرئی قوت کے زیرِ اثر چکرا رہا ہو... یا پھر کسی گرداب میں پھنس کر رہ گیا ہو۔ اپنے حریف کے کشادہ کندھوں کے اُوپر سے ٹائیگر کی نگاہ ہر شے مہین پر پڑی۔ وہ ایک انٹرکام فون پر پائلٹ سے بات کر رہی تھی۔ دوسری طرف سے نہ جانے کیا کہا گیا کہ اچانک ہی اُس کی دہشت زدہ آنکھیں پھیلتی چلی گئیں۔ غیر معمولی حد تک پھیلی پھیلی سی آنکھیں، دہشت کی زیادتی سے کھلا ہُوا منہ اور کسی لاش کے چہرے جیسا چہرہ دیکھ کر ٹائیگر کے دل میں بے چینیاں بھر گئیں۔

اٹر ہوسٹس کا وہ ہاتھ شدت سے کانپنے لگا جس سے اُس نے ریسیور تھام رکھا تھا۔ لگتا تھا، ریسیور لیکایک اس قدر بھاری ہو گیا ہو کہ اس کے لیے اُسے اٹھائے رکھنا ممکن نہیں رہا تھا۔

معلوم ہوتا تھا کہ پائلٹ جان بُوجھ کر زوف قسم کی پرواز کر رہا ہے اور اس کی کوشش یہ ہے کہ جب تک جہاز واپس ہانگ کانگ نہیں پہنچ جاتا، مسافروں کے کمپارٹمنٹ میں کوئی بھی شخص جم کر اپنی جگہ پر قرار نہ رہ سکے ... پھر اچانک ہی نہ جانے کیا ہُوا کہ جہاز سیدھا ہو گیا اور ہموار انداز میں پرواز کرنے لگا۔ مسافروں والے حصّے میں طمانیت سکون کی لہر دوڑ گئی۔

اٹر ہوسٹس کی حالت اور جہاز کی موجودہ پوزیشن سے ٹائیگر کو اندازہ ہو گیا کہ اصل بات کیا ہے... اور پھر اُس کے بدترین خدشات کی تصدیق ہو گئی۔ اچانک ہی پائلٹ کی آواز مسافروں کے کمپارٹمنٹ میں گونجنے لگی تھی۔ اس کی آواز خوف کے گہرے تاثر سے کانپ رہی تھی اور وہ کہہ رہا تھا۔ "اس جہاز کو اغوا کیا جا رہا ہے... میرے عقب میں... ایک آدمی... کھڑا ہے... اور اس کے ہاتھ میں... ایک ریوالور ہے... جس کی نال... میری کھوپڑی سے لگی ہُوئی ہے... ہم کریش لینڈنگ کے لیے مجبور ہیں... نیچے سمندر ہے... آپ سب اپنی اپنی سیٹ پر بیٹھ جائیں اور سیٹ بیلٹ باندھ لیں۔ جب جہاز پانی کی سطح سے ٹکرائے گا تو فوراً دروازے کی طرف بڑھ جایئے اور... اگلی ہی ساعت اُس کی آواز آنا بند ہو گئی اور جہاز کے مسافروں کو گویا سانپ سُونگھ گیا۔ ہر سینے میں دل یوں دھڑک اُٹھا جیسے وہ سینے کی قید سے آزاد ہو جانا چاہتا ہو۔

جہاز تیزی سے غوطہ لگانے کی حالت اختیار کرتا جا رہا تھا۔

ٹائیگر اُٹھ کھڑا ہُوا۔

وہ افریقی کنگ فو ماسٹر اور ہندوستانی ماسٹر کے جسموں کو پھلانگتا ہُوا کاک پٹ کی طرف لپکا۔ افریقی کی رُوح قفسِ عنصری سے پرواز کر چکی تھی، جبکہ ہندوستانی کنگ فو ماسٹر بے ہوش تھا۔ اچانک راستے میں ایک اور دشمن حائل ہو گیا۔ سیٹوں کے درمیانی راستے میں دوڑتے ہوئے ٹائیگر اُچھلا اور اس کے دائیں پاؤں کا کنارا تیزی سے حریف پر حملہ آور

ہوا، جبکہ اُس کی دائیں کہنی، عقب میں وار کرنے کا انداز اختیار کر گئی۔ یہ مُنکی بلو کا انداز تھا جسے اپنی مہارت کے باعث ٹائیگر کسی بھی وقت نائف سلیش نامی ہتک وار میں بدل سکتا تھا۔

ہندوستانی ماسٹر ہوش میں آکر ٹائیگر کے اُوپر سے کُودتا ہُوا ایک بار پھر اُس کے سامنے مقابلے پر جم چکا تھا۔ اُس نے اپنا بایاں بازو بلند کیا اور ٹائیگر کی ٹھوڑی کو نشانہ بنا دیا۔ اسی ساعت اُس نے بڑا ہی خطرناک داؤ آزمایا۔ وہ ٹائیگر کی دائیں کہنی کے نیچے، جسم پر اس انداز میں حملہ آور ہُوا جیسے کوئی طاقتور بھینسا سُتھرا مارتا ہے۔ اب ٹائیگر کے لیے مُنکی بلو اور نائف سلیش دونوں کا استعمال خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔

ٹائیگر سنبھل گیا۔

ایک ساعت کے لیے ا نے صورتِ حال کا جائزہ لیا... پھر اُس کا دایاں پاؤں حرکت میں آگیا۔ فرش پاؤں مار کر اُس نے اپنا چہرہ اور جسم کا دایاں حصّہ ہندوستانی ماسٹر کی زَد سے محفوظ رکھتے ہُوئے خود کو ٹھُکایا تاکہ بائیں سمت سے حملہ کر سکے۔ یہ ترکیب مؤثر ثابت ہُوئی۔

ٹائیگر کی بائیں ٹانگ اور بائیں ہاتھ نے کمال تیزی سے اپنے اپنے ہدف پر ضرب لگائی اور ہندوستانی ماسٹر یُوں رُک گیا جیسے وہ کوئی میکانکی آدمی تھا اور کسی نے اُس کا میکنزم ناکارہ کر دیا ہو... پھر اس کا جسم دھیرے دھیرے سیٹوں کے درمیانی راستے پر جھکتا چلا گیا۔

ٹائیگر کی دو اُنگلیاں اُس کے پیٹ میں اُتر کر اُس کی انتڑیوں سے اُلجھ گئی تھیں۔

ہندوستانی ماسٹر کی آنکھوں میں موت کا سایہ رقص کرنے لگا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ اب اُس کے پاس زندگی کی صرف چند ہی ساعتیں ہیں اور وہ ان ساعتوں سے بھرپُور استفادہ کرنا چاہتا تھا۔ اُس نے معتوڑا مارنے کے سے انداز میں ہیبر بلو آزمایا لیکن خاطر خواہ توانائی نہ ہونے کی وجہ سے یہ وار زیادہ شدید ثابت نہ ہو سکا۔

ٹائیگر اُس کی طرف سے غافل نہیں تھا۔

وہ جانتا تھا کہ دُم توڑتا ہُوا ایک کنگ فُو ماسٹر کسی زخمی ناگ سے زیادہ خطرناک اور کینہ پرور ہوتا ہے۔ یہ احتیاط ہی ٹائیگر کے کام آگئی ورنہ مایوسی کے آخری لمحوں میں ہندوستانی ماسٹر نے بڑا ہی جھلک دار کیا تھا۔

ٹائیگر نے اُس کی انتڑیوں کو جھٹکا دے کر ہاتھ کھینچ لیا اور اُسی لمحے اُس نے ہندوستانی ماسٹر کا گھٹنا بلند ہوتے دیکھ لیا۔

ٹائیگر نے خود کو بتائے بغیر ہی کہنی جھکائی۔ اُوپر سے گرتی ہُوئی کہنی اور نیچے سے اُٹھتا ہُوا گھٹنا، ایک مقام پر آپس میں متصادم ہو گئے۔ اسی دوران گھٹنے پر نیچے سے ایک ٹھوکر پڑی تھی جس نے اُس کا زور ختم کر دیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جب کہنی گھٹنے پر لگی تو ہندوستانی ماسٹر کے گھٹنے کا جوڑ ٹوٹ گیا۔

آخری لمحوں کی اس جنگ میں ہندوستانی ماسٹر نے گہری چوٹ کھائی تھی لیکن وہ بُلا کا مُستعدی اور سخت جان معلوم ہوتا تھا۔ گھٹنا ٹوٹتے وقت، اُس کی آنکھوں میں کرب اُبھرا تھا لیکن اُس کے ساتھ ہی اُس کا دایاں ہاتھ، نائف ریوالور انتہائی اختیاط کر کے ٹائیگر کے زیرِ ناف حملہ آور ہُوا تھا۔

ٹائیگر نے اُچھل کر خود کو اُس کے خنجر نما ہاتھ کی دسترس سے نکالا اور جھکے ہُوئے ہندوستانی ماسٹر کے اُوپر سے پھلانگ گیا۔ اس دوران میں ٹائیگر کی ایڑی نے بڑی ہی بے رحم چوٹ لگائی اور ہندوستانی ماسٹر کی کھوپڑی چیخ گئی۔

کھوپڑی کی دراڑوں سے خُون بہہ نکلا۔

ٹائیگر یہ منظر دیکھنے کے لیے رُکا نہیں بلکہ تیزی سے کاک پٹ کی طرف لپک پڑا۔ ایڑی کی چوٹ کا انجام وہ اچھی طرح جانتا تھا۔ اس وار میں اُسے کبھی ناکامی نہیں ہُوئی تھی اور یہ اوشان کا وہ مخصوص وار تھا جس سے وہ اپنے ناپسندیدہ حریفوں کو عبرتناک موت سے ہمکنار کیا کرتا تھا۔

راہ داری خالی ہوتے ہی وہ تمام مُسافر جنھوں نے اس خوفناک جنگ کی وجہ سے اپنی نشستیں چھوڑ دی تھیں، تیزی سے اپنی اپنی سیٹ کی طرف لپکے تاکہ کریش لینڈنگ سے قبل حفاظتی بند باندھ سکیں۔

ٹائیگر اور کاک پٹ کے درمیان ہسٹریائی حالت میں مبتلا لوگوں کی ایک دیوار حائل تھی۔ ننھے مُنّے بچے رو رہے تھے اور اپنے والدین کو تلاش کر رہے تھے، جو افراتفری کی حالت میں جہاز کے نہ جانے کس حصّے کی طرف چلے گئے تھے۔ اس ہجوم میں چند ایسے بزرگ بھی موجود تھے جو موت کے دہانے پر پہنچنے کے باوجود، اپنے بریف کیس سینے سے چمٹائے کھڑے تھے۔ بُوڑھی عورتیں، نیلگوں نسوں والی اُنگلیوں سے کسی نہ کسی شے کا سہارا لینے کی کوشش میں بُری طرح کانپ رہی تھیں، نفسانفسی کا عالم تھا۔ ہر شخص اپنی سیٹ پر بیٹھ کر سیفٹی بیلٹ باندھنے کے لیے بے چین تھا اور اس کوشش میں کسی کو یہ بھی پروا نہیں تھی کہ بدنظمی کے باعث کوئی اُن کے پیروں تلے کچلا جا رہا ہے۔ چند ایک پُرسکون بھی تھے۔ وہ دھیمی آواز میں بول رہے تھے۔ بعض کی آواز تیز اور بلند تھی۔ مچھلی بازار کا سا سماں تھا اور کسی کی کوئی بات، کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔

ٹائیگر کے لیے اس ہجوم میں سے گزرنا مشکل کام تھا لیکن اُس کی جسمانی حرکات میں بے پناہ تیزی تھی۔ یُوں لگتا تھا جیسے اس کا جسم ربر کا بنا ہُوا ہو۔ وہ بار بار اپنے سامنے آنے والوں کو بچاتا ہُوا، ایزل کی تنگ بند سے کاک پٹ کی طرف بڑھ رہا تھا۔ کبھی کبھی اُس پر کسی ایسی

مچھلی کا گمان ہوتا تھا جو سمندر میں چٹانوں سے بچ کر تیزی سے تیر رہی ہو۔ اگر وہ ایسا نہ کرتا تو کاک پٹ تک پہنچتے پہنچتے نہ جانے کتنی انسانی جانیں تباہ ہو جاتیں۔

جب وہ ہجوم سے نکلا تو اُسے یُوں محسوس ہُوا جیسے وہ مُزاحمتوں کے کسی بہت بڑے ریوڑ میں پھنس کر بمشکل باہر نکلا ہو۔ کپڑوں اور انسانی جسموں کے اس طوفان سے باہر آکر اُس نے ایک طویل سانس لی۔

وہ جانتا تھا کہ جہاز کے مُسافر عام قسم کے لوگ ہیں۔ اُن کو کبھی دہشت سے آمنا سامنا کرنے کی نوبت نہیں آئی۔ ممکن ہے اُن میں سے کسی ایک آدھ کو کسی ویران گلی میں کسی خطرناک صُورتِ حال سے پالا پڑ چکا ہو لیکن یہاں جہاز میں ایک عجرانی فضا تھی۔ اس فضا میں ہر آدمی خود غرض بننے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو جہاز کے وہ مُسافر، جن کے چہرے بتاتے تھے کہ اُنھوں نے اعلیٰ تعلیم حاصل کی ہے، کم از کم انھیں ہی افراتفری سے محفوظ رہنا چاہیے تھا لیکن ایسا نہیں ہُوا تھا۔ وہ سب کے سب بدکے ہُوئے جانوروں کی طرح، ایک دوسرے کو روندتے ہُوئے کسی نہ کسی سیٹ تک پہنچنے کی کوشش کر رہے تھے۔

سب سے پہلے قریبی سیٹیں پُر ہُوئیں... پھر لوگ عقب میں خالی سیٹوں کی طرف دوڑ پڑے، جنھیں ابھی تک کوئی سیٹ نہیں ملی تھی۔ اُن کے چہروں پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں... اور بعض اپنی سیٹ تک پہنچنے کے باوجود، سیٹ سے محرُوم تھے کیونکہ اُن پر پہلے ہی کسی نہ کسی نے قبضہ جما لیا تھا۔ کچھ لوگ اُن غاصب مُسافروں سے اُلجھ پڑے تھے اور بعض ہراساں کھڑے سوچ رہے تھے کہ اس حالت میں اُنھیں کیا کرنا چاہیے۔

جہاز تیزی سے سمندر کی طرف جُھک رہا تھا۔

ٹائیگر کے ذہن میں وہ رُوحانی گھڑی چلنے لگی جس سے وقت کا اندازہ رکھنا، اُس کے لیے بالکل اسی طرح ممکن تھا، جیسے کوئی شخص کلائی گھڑی کے ذریعے رکھ سکتا ہے: "چھیالیس... پینتالیس... اڑتالیس" اُس نے اثبات میں سر ہلایا۔

ابھی اُس کے پاس کافی وقت تھا۔ یہ وقت ایک عام آدمی کے لیے نہ ہونے کے برابر تھا لیکن ٹائیگر کی ضرورت سے کہیں زیادہ تھا۔ گویا وہ کاک پٹ تک چند لمحے پیشتر ہی پہنچ جانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

لوگوں کے ہجوم سے نجات ملتے ہی ٹائیگر نے کاک پٹ کی طرف دیکھا۔ وہاں اب روشنی نظر آ رہی تھی... اور پھر اُسے برازو دکھائی دیا۔

وہ، ایزل کے سینٹر سے دس قدم کے فاصلے پر کھڑا تھا۔ اُس کا دایاں بازو، اُس کے سر سے اس طرح تھا مے ہُوئے تھا کہ اُس کی کہنی اور کلائی کا درمیانی حصّہ، جبین کے زخمے پر جما ہُوا تھا۔ یہ ایک مخصوص داؤ تھا جس کے ذریعے محض ایک ہی جھٹکے میں گردن توڑی جا سکتی تھی۔

ٹائیگر ایک جھٹکے سے رُک گیا۔

برازو کے بائیں ہاتھ میں اعشاریہ تین پانچ سات کا خوفناک میگنم چمک رہا تھا۔ اس ریوالور کی نال، اُس ہوسٹس کی ٹھوڑی کو چھو رہی تھی۔

اُس ہوسٹس کی آنکھیں حلقوں سے اُبلی اُبلی سی لگ رہی تھیں۔ اُس کے حسین ملائم گال، اس وقت موت کے خوف سے زرد اور بھربھرے سے لگ رہے تھے۔

ٹائیگر اپنی جگہ منجمد سا کھڑا تھا۔ اُس کے ذہن میں چلنے والی گھڑی اب بھی ٹک ٹک کر کے اُسے وقت سے آگاہ کر رہی تھی۔

"پچیس... چھبیس..."

ٹائیگر کو اندازہ ہو گیا کہ برازو، جہاز میں موجود کسی بھی شخص کو زندہ نہیں چھوڑنا چاہتا۔ اگر جہاز کریش ہو گیا تو اُس ہوسٹس کی موت یُوں بھی یقینی تھی... برازو کو صرف اُس کی اور مویان کی ضرورت تھی ورنہ باقی لوگ، اُس کے نزدیک چیونٹوں سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتے تھے۔

ٹائیگر کا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔

اُسے یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ برازو نے کس موٹر بوٹ کا بندوبست کر رکھا ہے، جو نیچے بحرِ شمالی کی لہروں پر انتظار کر رہی ہے۔ اُس نے کھڑکی کی طرف دیکھا اور پھر سُورج کے جُھکاؤ سے اندازہ لگایا کہ وہ مشرق کی جانب بڑھتے ہُوئے، گہرے پانیوں کی طرف جُھکتے چلے جا رہے ہیں۔ اس کا مطلب تھا کہ جیسے ہی جہاز، پانی کی سطح سے ٹکرائے گا، برازو تو اپنی منزلِ مقصود پر پہنچ جائے گا جبکہ جہاز کے مُسافروں میں سے ایک بھی گواہی دینے کے لیے زندہ باقی نہیں رہے گا۔

اس وقت ٹائیگر کا دل بے حد گداز ہو رہا تھا۔ انسانی زندگی کی قدر و منزلت اُس کے نزدیک کچھ زیادہ ہی ہو گئی تھی۔

اُس نے اُس ہوسٹس کی طرف دیکھا۔

وہ جانتا تھا کہ اُس ہوسٹس اچانک ہی سفاک قسم کی موت کا شکار ہو جائے گی۔ یہ موت اُس کے لیے بے حد ناقابلِ فہم ہو گی! اس کے باوجود وہ، اُس سے یہی درخواست کرے گی کہ ٹائیگر ایک قدم بھی آگے نہ بڑھائے۔ اُسے اُس پچیس چھبیس سالہ حسین لڑکی پر رحم... آ رہا تھا۔

ایک ٹھے کے لیے اُس کی نگاہیں، جبین کی نگاہوں سے چار ہُوئیں...

اُس نے دیکھا کہ اُس کی آنکھوں میں خوف و دہشت کے سائے تیر رہے ہیں اور ان دھندلاہٹوں کے پس منظر میں وہ دُور کہیں وہ اپنی زندگی کے ان لمحوں کی تصویریں سجائے ہوئے تھی جن کی یادیں اُس کے لیے سرمایۂ حیات کا درجہ رکھتی تھیں۔ وہ جانتے میں اپنی موت کا خواب دیکھ رہی تھی۔ چشمِ تصور اُسے دکھا رہی تھی کہ اُس کی کھوپڑی کس طرح، گولی سے اُڑ گئی ہے اور کس طرح اس کے چیتھڑے۔ جہاز کی فضا میں بکھر گئے ہیں۔

وہ سر سے پاؤں تک کانپ گئی۔ غالباً ایسا ہی کوئی بھیانک خیال، کسی سانپ کی طرح، اُس کے ذہن میں رینگ گیا ہوگا۔

ٹائیگر نے یہ چند لمحے محض سوچنے ہی میں ضائع نہیں کیے تھے۔ وہ جانتا تھا کہ جہاز ہر گزرتی ہوئی ساعت کے ساتھ سمندر کی سطح سے قریب تر ہوتا جا رہا ہے۔ یہ فاصلہ جس قدر کم ہوتا جا رہا تھا، جہاز میں موجود لوگوں کی موت اتنی ہی قریب آتی جا رہی تھی۔

"ارشد... اُنہتر... ستر... کہتر..."

اُس کے ذہن میں چلتی ہوئی گھڑی وقت کا احساس دلاتی رہی۔

ٹائیگر سوچ رہا تھا کہ اُر ہوسٹس مرنا نہیں چاہتی... پھر اُسے آخر دوسروں پر کیوں قربان کیا جائے۔ اُر ہوسٹس ہونا کوئی جُرم تو نہیں... شہزاد ٹائیگر ہونا بھلا کب جُرم ہے؟ مجھے بھی نہیں مرنا چاہیے۔ صرف قصوروار ہی کو مرنا چاہیے... لیکن قصوروار کون ہے؟ برازو، نہیں... فانگ... صرف اور صرف فانگ... اُسے ہر حال میں مرنا پڑے گا۔

اچانک ٹائیگر نے اپنی مہارت اور تیز رفتاری آزمانے کا خطرناک فیصلہ کر لیا... اُس نے اپنی آنکھیں بے تاثر ہی رہنے دیں تاکہ برازو کو اُس کے عزائم کا احساس نہ ہونے پائے۔

اُس نے حملہ کرنے کا تہیہ کر لیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ برازو، گولی چلانے سے باز نہیں رہے گا... لیکن اُسے یہ بھی معلوم تھا کہ گولی چلانے کے لیے ٹریگر دبانا پڑتا ہے... اور ٹریگر دبانے میں وقت صرف ہوتا ہے۔ یہ وقت ٹائیگر کے لیے مہلت کا وقفہ تھا۔ یہ وقفہ بڑھ بھی سکتا تھا کیونکہ اُسے شہزاد ٹائیگر کو روکنے کے لیے اُر ہوسٹس کو نشانہ بنانے سے کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا تھا۔ اُر ہوسٹس، ٹائیگر کی کچھ بھی نہیں لگتی تھی۔ اُس نے تو محض ایک نفسیاتی حربہ استعمال کیا تھا تاکہ کرش لینڈنگ تک لوگوں کو خود سے دُور رکھ سکے۔

ٹائیگر کو مُسکراتے دیکھ کر برازو کے ہونٹوں پر بڑی ہی مکروہ مُسکراہٹ رقص کرنے لگی۔ وہ سمجھا تھا کہ اُس کا نفسیاتی حربہ کامیابی سے ہمکنار ہو گیا ہے... بلکہ ٹائیگر سوچ رہا تھا کہ وہ جیسے ہی قدم آگے بڑھائے گا، برازو فوراً ٹرگر سے کم از کم ایک قدم دُور ہٹ کر، اُس پر ریوالور تان کر فائر کر دے گا... لیکن یہ فائر بھی یا تو محض اُسے خوف زدہ کرنے کے لیے کرے گا... یا پھر اُسے زخمی کرنے کے لیے۔

ٹائیگر کو اچھی طرح احساس ہو گیا تھا کہ برازو، اُسے کم از کم اس جہاز میں موت سے ہمکنار کرنا نہیں چاہتا۔ ممکن ہے، اُس نے اُسے مارنے کے لیے کوئی خاص ترکیب سوچ رکھی ہو اور یوں وہ، اُس سے اپنی عبرتناک شکست کا انتقام لینا چاہتا ہو۔

ٹائیگر کے ذہن میں گھڑی مسلسل چل رہی تھی اور وہ وقت کے سلسلے میں بے حد محتاط تھا۔

اُس نے محتاط انداز میں ایک قدم آگے بڑھایا۔

اس قدم کا فوری اور متوقع ظاہر ہوا۔ برازو کے بازو نے حرکت کی اور ریوالور کا دستہ، شدت سے اُر ہوسٹس کے جبڑے سے ٹکرایا۔ جین مارے تکلیف کے سمٹ گئی لیکن یوں لگتا تھا جیسے وہ کوئی بہت بڑی ایسی مچھلی ہو جسے پانی سے نکال کر خشکی پر کھڑا کر دیا گیا ہو۔

اُس نے سانس لینے کے لیے ہانپنا شروع کیا تو اس کا جسم کسی بے جان گلہری کی طرح گھومنے لگا۔ حالانکہ وہ یہ جدوجہد خود کو چھڑانے کے لیے نہیں کر رہی تھی۔ اُسے معلوم تھا کہ اگر اُس نے ایسی کوئی کوشش کی تو اُس کے ساتھ کیا گزرے گی۔ ابھی برازو کا ایک بازو اُس کی گردن پر جما ہوا تھا۔ وہ خود تو زندہ رہنے کے لیے خود کو ساکن رکھنا چاہتی تھی لیکن جسم پُرسکون ہونے کے لیے، نرخرے پر بڑھتے ہوئے دباؤ کے باعث تڑپ کر اُس کی گرفت سے نکل جانا چاہتا تھا۔

ایک ہی ہستی میں دو متضاد تاثرات۔ ٹائیگر نے پہلے بھی دیکھے تھے لیکن جین جیسی کسی معصوم لڑکی کو ایسی کیفیت میں مبتلا کبھی نہیں دیکھا تھا۔

ٹائیگر نے دوسرا قدم اُٹھایا۔

وہ رفتار کے سلسلے میں بے پروا نہیں ہوا تھا۔

برازو بھی بے خبر نہیں تھا۔ وہ بے حد محتاط تھا اور کسی الیکٹرونک کیلکولیٹر کی سی سرد مہری سے ٹائیگر کا جائزہ لے رہا تھا۔

ٹائیگر ابھی اپنے حریف سے زیادہ قریب نہیں پہنچا تھا اور اس فاصلے کا احساس برازو کو بھی تھا جیسے ٹائیگر نے ایک سیکنڈ کے سو ویں حصے تک کی منصوبہ بندی کر رکھی تھی، بالکل اسی طرح بلیک سرکل کے اس درندے نے بھی سوچ رکھا تھا۔

ٹائیگر کے ذہن میں چلتی ہوئی گھڑی کی ٹک ٹک اب پہچانی... چھیانوے اور ستانوے گن رہی تھی۔

ٹائیگر نے اپنی دھڑکنیں پُرسکون کر لیں۔ کرش لینڈنگ میں ڈھائی منٹ یا اس سے بھی چند لمحے کم کا وقت رہ گیا تھا۔ ٹائیگر کا ذہن پائلٹ کی طرف چلا گیا۔ وہ حیران تھا کہ آیا اس وقت بلیک سرکل کا کوئی گنڈہ، پائلٹ کے سر پر مسلط ہو گا یا نہیں؛ کہیں ایسا تو نہیں کہ برازو نے محض کسی کو جان سے مار ڈالنے کی دھمکی سے خوف زدہ کر کے، اُسے اپنا حکم ماننے پر مجبور کر رکھا ہو؟ کیا جہاز کا رُخ ٹھیک اُسی حصے کی طرف ہے... جہاں برازو کو لینے کے لیے کوئی کشتی موجود ہو گی۔

برازو پلکیں جھپکائے بغیر خاموش کھڑا، اُس کا مطالعہ کرنے میں مصروف تھا۔

معاً ٹائیگر نے محسوس کر لیا کہ برازو، اُس کے ارادے کی بُو سونگھ چکا ہے۔ برازو نے محسوس کر لیا ہے... اُس پر حملہ کرنے کا ارادہ کر چکا ہے۔

اس سے قبل کہ وہ اپنے سوچے سمجھے منصوبے پر عمل کرتا، ایک عجیب صورتِ حال پیدا ہو گئی۔ برازو نے ایک قدم پیچھے ہٹتے ہوئے، اچانک ہی اُر ہوسٹس کی کمر پر ایک زوردار لات جما دی۔

وہ غور کھا کر گریں۔ ٹائیگر کی طرف آئی جیسے کوئی نسوانی شکل کی میزائل ہو رہی ہو... ٹائیگر اپنی جگہ منجمد سا ہو کر رہ گیا... اور پھر اُس نے اپنی زندگی کا سب سے ناقابلِ یقین منظر دیکھا۔

برازو نے اُس پر فائر کرنے کی بجائے ریوالور والا ہاتھ، جہاز کی کھڑکیوں میں سے ایک کی طرف اُٹھا دیا تھا... پھر ایک کان پھاڑ دینے والا دھماکا ہوا۔ گولی کی چکاچوند پیدا ہوئی۔ کھڑکی کے شیشے میں سوراخ ہوتے ہی یوں محسوس ہونے لگا جیسے دُنیا جہاں کی پاگل ہوائیں، بدروحیں بن کر چیختی ہوئی، جہاز کے اس حصے میں داخل ہو گئی ہوں، جہاں اس وقت ٹائیگر کھڑا تھا۔

ٹائیگر کو اپنی سانس رُکتی ہوئی محسوس ہوئی۔ اُس نے دونوں ہاتھوں کی مدد سے جین کو سنبھالا جو، اُس سے ٹکرانے ہی والی تھی۔ دفعتہً ایک دل دوز چیخ نے ٹائیگر کی توجہ اپنی طرف مبذول کرا لی۔ اُس نے دیکھا جہاں سے کھڑکی ٹوٹی تھی، وہاں سے ایک مسافر کا ہاتھ باہر نکلا ہوا تھا۔ اس کے علاوہ اب وہاں میگزین اور اخبارات، زخمی پرندوں کی طرح پھڑپھڑاتے ہوئے اُڑنے لگے تھے۔

یہ صورتِ حال عین اُس وقت پیدا ہوئی، جب جہاز کا مُنہ... سطحِ آب سے قریب تر تھا۔ پھر جہاز پانی کی قبر پر جھکتا چلا گیا۔ اُسی لمحے اچانک آکسیجن ماسک لٹک گئے۔

ٹائیگر نے اُر ہوسٹس کو ایک طرف ڈال دیا اور خود کاک پٹ کی طرف دوڑ پڑا۔

برازو اب اپنی جگہ موجود نہیں تھا۔

ٹائیگر نے اُسے کاک پٹ کے دروازے میں داخل ہو کر غائب ہوتے دیکھا تھا۔

وہ تیزی سے کاک پٹ تک پہنچا لیکن اس وقت تک دروازہ بند ہو چکا تھا۔ ہوا تیزی سے اندر آ رہی تھی۔ ٹائیگر نے اُوپر نگاہ اُٹھائی تو اُسے ایک آکسیجن ماسک لٹکا ہوا دکھائی دیا۔ بے اختیار اُس کا ہاتھ اُوپر اُٹھ گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ جلد ہی جہاز پانی میں گر جائے گا۔ اس لیے اُسے چاہیے کہ آکسیجن سے بھرپور ایک گہری سانس لے کر اپنے پھیپھڑوں میں ذخیرہ کر لے۔

اُس نے ماسک اپنے مُنہ پر رکھا پھر ایک گہری سانس لی۔ ابھی سانس مکمل نہیں ہوئی تھی کہ سب کچھ اُس کی سمجھ میں آ گیا... لیکن اب کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ بازی، اُس کے ہاتھ سے نکل گئی تھی۔ برازو نے کمال ہوشیاری سے آکسیجن کی بجائے کوئی اور گیس، ہر ماسک کی طرف آنے والی نالیوں سے منسلک کر دی تھی۔

ٹائیگر کو یوں محسوس ہونے لگا جیسے اُس کے ہر طرف بے ہوشی کا سمندر پھیل گیا ہو اور وہ اپنی تمام تر ہستی کے ساتھ، اُس میں ڈوبتا چلا جا رہا ہو۔ اُس نے بہت کوشش کی لیکن گیس، اُس کی سوچوں سے کہیں زیادہ تیز اور اثر انگیز تھی۔

وہ جہاں کھڑا تھا، وہیں بے ہوش ہو کر ڈھیر ہو گیا... ڈوبتے ہوئے ذہن کے ساتھ، اُس نے آخری جو منظر دیکھا تھا، وہ یہ تھا کہ جہاں تک آکسیجن ماسک کا سلسلہ نظر آ رہا تھا، وہاں تک بے ہوش آدمیوں کے ڈھیر ہی ڈھیر لگ گئے تھے۔

GG

کاک پٹ کا دروازہ کھلا اور برازو برآمد ہوا۔

اُس نے اپنے چہرے سے آکسیجن ماسک ہٹایا اور پھر لپٹ پر لدے

سرفراز کا مقبول ترین ناول
سرفروش
نامور مصنف اظہر کلیم
کے ایڈونچرس قلم سے
دو حصوں میں مکمل سیٹ =/100
کتب القرآن اردو بازار
7668958

ہُوئے آکسیجن ٹینک کو کھولنے لگا۔ اس دوران میں اس کی نظریں ایک انسانی جسم پر بھی رہیں جو دروازے کے قریب گوشت پوست کے بھوتڑے سے ڈھیر کی طرح پڑا نظر آ رہا تھا۔

جہاز کے انجنوں کی دھیمی دھیمی آوازیں، مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی طرح اُس کے کانوں میں گونج رہی تھیں۔ اس نے جہاز کے کاک پٹ میں موجود عملے سے جو بات چیت کی تھی، اس سے وہ بے حد مطمئن تھا اور پائلٹ نے اُس کی مرضی کے عین مطابق ہی عمل کیا تھا۔ جہاز جیسے ہی پانی کی سطح کے قریب پہنچا تھا، پائلٹ نے اُسے سطحِ سمندر کے متوازی کر لیا تھا اور پانی سے ٹکرانے کی بجائے، جہاز نے اُفقی پرواز شروع کر دی تھی۔ شمال کی سمت چین کی نیلگوں گہرائیوں کے اُوپر اس وقت جہاز، ایک خاص سمت میں اُڑ رہا تھا اور گرم گرم ہَوا کے جھونکے پسنجر کیبن میں چکراتے ہُوئے محسوس ہو رہے تھے۔

براز و کا رُخ، اب بھی جہاز کے عقبی حصّے کی جانب تھا۔ وہ مُوہان کے قریب جا پہنچا۔

مُوہان ساکت پڑا تھا۔

اُس کے نیچے براز و کا وہ پستول دَبا ہُوا تھا جس میں سے گولیوں کی بجائے، ایسی سُوئیاں فائر کی جاتی تھیں جنھیں خواب آور دوا میں بُجھایا گیا تھا۔ یہ سُوئی جیسے ہی انسان کے جسم میں اُترتی تھی، اُس پر بیہوشی کا غلبہ ہو جاتا تھا۔ مُوہان بھی اسی پستول کے باعث ناکارہ ہو کر رہ گیا تھا۔

براز و نے اُدریس مُون کے ہونہار شاگرد کو اُٹھایا اور اُسے گھسیٹتا ہُوا، اس دروازے کی طرف بڑھ گیا جو جہاز کے ایک پہیے کے اُوپر کُھلتا تھا۔

مُوہان کو دروازے کے قریب چھوڑ کر، وہ واپس آیا اور بڑی... سُرعت سے اپنی افراد ی قوّت کا جائزہ لینے لگا۔ اس نے بے ہوشی طاری کرنے والا ڈارٹ پسٹل اُٹھا کر دائیں ہاتھ میں تھام لیا۔ اس دوران میں اُس کی آنکھیں تیزی سے اطراف میں بھٹکتی رہی تھیں۔

گوسپی اور کورسائی نامی اُس کے دو ساتھی، جہاز کے باورچی خانے کے سامنے فرش پر پڑے تھے۔ اُن میں سے گوسپی کی ریڑھ کی ہڈی... تین مقامات سے ٹوٹی ہُوئی تھی۔ اس کے علاوہ، ایک آنکھ کا خانہ، اپنی پتلی سے محروم ہونے کی وجہ سے کسی خوفناک غار کے دہانے کی مانند لگ رہا تھا۔

براز و نے یہ منظر دیکھ کر افسوس کے اظہار میں سر کو دائیں بائیں حرکت دی۔ اُسے حیرت تھی کہ گوسپی، کنگ فو ماسٹر ہونے کے باوجود ہمیشہ... ہتھیاروں پر کیوں انحصار کرتا تھا؟ کاش! اس نے اپنے فن پر تکیہ کیا ہوتا۔ ممکن ہے، اس طرح بھی وہ موت سے محفوظ نہ رہتا لیکن کم از کم اس کی موت اتنی افسوسناک نہ ہوتی۔

اُس کی نگاہ اپنے دو افریقی ساتھیوں پر جم گئی۔

یہ دونوں بھی دُنیا سے مُنہ موڑ چکے تھے۔ براز و نے اس افریقی کی جانب دیکھا جو کھڑکی کے قریبی سیٹ پر بیٹھا تھا۔ اُس کی کھوپڑی پِس گئی تھی اور گردن کی ہڈی ٹُوٹ جانے کے باعث اُس کا سر بُرے سے ہی غیر فطری انداز میں اپنے ایک کندھے پر رکھا ہُوا تھا۔ براز و دل ہی دل میں ادریس مُون کے شاگرد کو داد دیے بغیر نہ رہ سکا۔ مُوہان اپنے فن میں واقعی ماہر تھا اور ادریس مُون نے واقعی اُسے اس قدیم فن سے خوب اچھی طرح آراستہ کیا تھا۔

براز و نے دوسرے افریقی کا جائزہ لیا۔

اُس کے مُنہ سے اتنا خُون نکلا تھا کہ وہ اپنے ہی خُون میں نہایا ہُوا لگ رہا تھا۔ اگرچہ اُس کے ساتھی بڑی ہی عبرتناک اموات کا شکار ہُوئے تھے، تاہم براز و، ان مناظر سے نہ جانے کیوں ایک عجیب سا لُطف محسُوس کر رہا تھا۔ شاید اس کی وجہ یہ رہی ہو کہ وہ خود زندہ تھا اور یہ منظر دیکھنے کے لیے زمرف باقی رہ گیا تھا بلکہ اُس نے اپنے حریفوں پر فتح بھی حاصل کر لی تھی۔

اچانک اُس کی نگاہ، ایک چیز پر جم گئی۔

یہ ایک کتاب تھی جس پر اُدیشان کے اقوال، لکھا ہُوا تھا۔ یہ چرمی جلد والی کتاب، اس سیٹ کے نیچے پڑی تھی جہاں ٹائیگر بیٹھا ہُوا تھا۔ کتاب کی چرمی جلد پُرانی ہونے کی وجہ سے اپنی اصلی رنگت کھو چکی تھی، اس کے باوجود وہ کہیں سے کٹی پھٹی نہیں لگ رہی تھی۔

براز و کے ہونٹوں پر بِلا سبب سی مسکراہٹ رقص کرنے لگی۔

اُس نے جھک کر کتاب اُٹھالی اور پھر اُس کی وَرق گردانی کیے بغیر ہی اُسے جیب میں ٹھونس لیا۔

اب وہ اپنے ہندوستانی ساتھی کی طرف متوجّہ ہُوا۔ کاشی نام کا یہ ہندُو کنگ فو ماسٹر، جگہ جگہ سے ٹوٹ پھوٹ گیا تھا لیکن نہ جانے کس طرح اب بھی اُس میں زندگی کی رمق محسوس ہو رہی تھی۔ وہ زندہ تھا۔ اس قدر ٹوٹ پھوٹ کے بعد زندہ رہنا، ایک عجُوبہ تھا اور براز و بے یقینی سے اس عجُوبے کو دیکھ رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ کاشی، اُس کے تمام ساتھیوں میں دُبلے ترین اور سخت ترین آدمی ہے۔ اُسے اس حالت میں مُبتلا دیکھ کر پہلی بار براز و کو اپنے مہم میں ایک ٹھنڈی سی لہر گردش کرتی ہُوئی محسُوس ہُوئی۔

وہ ایک جھرجھری سی لے کر رہ گیا۔

براز و نے کاشی کے ٹُوٹے ہُوئے تین زندہ جسم کو دونوں ہاتھوں سے سنبھال کر اُٹھایا اور اُسی دروازے کی طرف بڑھ گیا جس کے سامنے وہ کچھ دیر قبل، مُوہان کو چھوڑ کر آیا تھا۔ اُس نے کاشی کو مُوہان کے

پہلو ہی فرش پر احتیاط سے لٹا دیا۔

اب وہ تیزی سے ٹائیگر کی طرف بڑھ رہا تھا۔

اُسے یہ دیکھ کر شدید حیرت ہُوئی کہ ٹائیگر کے جسم پر ایک بھی نشان نہیں ہے۔ اُس کے پہلوؤں میں خفیف سی پھڑپھڑاہٹ یہ ظاہر کر رہی تھی کہ وہ اس خواب آور گیس پر جلد ہی غالب آجائے گا جو اُس نے آکسیجن ماسک کے ذریعے، اپنے پھیپھڑوں تک پہنچائی تھی...

براز و، اُس کی قوّتِ ارادی سے متاثر ہُوئے بغیر نہ رہ سکا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ دُنیا میں کوئی شخص اس قدر غیر معمولی بھی ہو سکتا ہے۔

وہ مزید کوئی خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ اُس کی مہم کامیابی کے ساتھ تکمیل کے مراحل طے کر رہی تھی اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ آخری لمحوں میں اُسے کسی ناخوشگوار صُورتِ حال کا سامنا کرنا پڑے۔ اُس نے کوٹ کی جیب سے بے ہوشی طاری کرنے والا پسٹل نکالا اور اُس کا رُخ ٹائیگر کی طرف کر کے دو بار ہ ٹریگر دَبا دیا۔

دو باریک باریک سُوئیاں، پستول کی مہین سی نال سے نکلیں اور ٹائیگر کی ران میں پیوست ہو گئیں۔ براز و وہیں کھڑا، اُن سُوئیوں کا ردِّ عمل دیکھنے لگا۔ ٹائیگر کے پہلوؤں میں جو خفیف سی لرزش تھی، وہ جلد ہی ساعتوں میں ختم ہو گئی۔ گویا اُس کا ذہن ایک بار پھر عمیق بے ہوشی میں ڈُوب گیا... ٹائیگر کا طاقت وَر جسم ساکت ہو گیا تھا۔ اُس کے نتھنوں سے جو خفیف سی سانس جاری تھی، وہ اس قدر قیمی ہو گئی کہ اُس پر مُردہ ہونے کا گمان ہونے لگا۔

براز و نے جھک کر اپنے سب سے خطرناک اور طاقت ور ترین حریف کو اُٹھایا اور اُسے بھی وہیں لے جا کر ڈال دیا جہاں، اس سے قبل مُوہان اور کاشی پڑے ہُوئے تھے۔

ٹائیگر کی طرف سے مطمئن ہونے کے بعد، اُس نے گھڑی میں وقت دیکھا۔

وقت کم رہ گیا تھا۔ اُس کی حرکات و سکنات میں تیزی آ گئی۔

اُس نے لائف جیکٹ اُٹھائے اور باری باری تینوں کو پہنا دیے... پھر اُس نے خود بھی ایک لائف جیکٹ پہن لیا۔ اُس نے کاک پٹ میں جا کر پائلٹ اور اُس کے معاونین کا جائزہ لیا اور دل ہی دل میں مُسکرانے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا۔ یہ پائلٹ کس قدر احمق ہے جو اُس کی بات پر یقین کیے بیٹھا ہے کہ اُس سے تعاون کر کے وہ، جہاز کے تمام مُسافروں کی زندگی بچانے میں کامیاب ہو جائے گا۔

"ٹھیک ہے۔" وہ پائلٹ سے بولا: "تم نے خوب تعاون کیا اور میں تمھاری کارکردگی سے بے حد مطمئن ہُوں۔ اب نہایت آہستگی سے جہاز کو پانی پر اُتار دو۔"

پائلٹ نے اثبات میں سر ہلا دیا اور شیشے سے باہر دیکھنے لگا۔ اُسے ایک طویل سا ٹرالر نظر آ رہا تھا۔ یہ ٹرالر، سمندر کی لہروں پر ڈول رہا تھا... اور اُسے دیکھ کر پائلٹ یہی سمجھا کہ براز و، جہاز سے اُتر کر، اس ٹرالر کے ذریعے یہاں سے فرار ہونا چاہتا ہے۔ اُس نے ایک طویل سانس لی... اِس خوفناک شخص سے نجات کا تصوّر ہی سکون آور تھا۔

پائلٹ کی طرف سے مطمئن ہو کر براز و، کاک پٹ سے واپس پسنجر کمپارٹمنٹ میں آ گیا۔ اُس نے کیبن کے اٹینڈنٹ کی سیٹ اُکھاڑ پھینکی اور اُس کے بیلٹ سے، دروازے کے قریب بے ہوش پڑے جسموں کو باندھنے لگا۔

اچانک اُس کی نگاہ، ائر ہوسٹس جین کر اس پر پڑی... وہ ایزل میں ساکت پڑی تھی۔ اُس کی آنکھیں بند تھیں اور نرخرے کے قریب ایک نیلی سی رَگ پھڑکتی دِکھائی دے رہی تھی۔ براز و نے پہلی بار اُسے غور سے دیکھا تھا۔ وہ ایک حسین اور جوان لڑکی تھی۔ نہ جانے کیوں، براز و کے دل میں بے اختیار یہ خواہش پیدا ہُوئی کہ اس لڑکی کو بھی ساتھ لیتا جائے۔ اب وقت بہت کم تھا اور وہ اُسے لائف جیکٹ نہیں پہنا سکتا تھا۔ اُس نے جین کو اُٹھایا اور دروازے کے قریب لے آیا... پھر اُسے بیلٹ سے باندھ دیا۔

جہاز اس وقت سمندر کی لہروں سے تقریباً پچاس فٹ اُوپر، پرواز کر رہا تھا۔ ٹرالر ابھی، جہاز سے چوتھائی میل دُور تھا اور جہاز کو اُس کے قریب پانی کی سطح پر اُترنا تھا۔

جیسے ہی جہاز کے انجن خاموش ہُوئے، جہاز کی رفتار تیزی سے جُھکی اور پانی میں غوطہ کھا گئی... پھر اُس کا نچلا حِصّہ پانی کی سطح سے ٹکرایا... اور پھر ایسی آوازیں آنے لگیں جیسے ہزاروں ٹن کی تعداد میں جلتے ہُوئے کوئلوں پر پانی ڈال دیا گیا ہو۔ معاً ایک دیو ہیکل لہر آئی اور جہاز کا بایاں پَر، اُس کی زَد میں آ گیا۔ اس لہر کی تُندی نے جہاز کو تیزی سے گھما دیا۔ جہاز کے گھومتے ہی اس کے اندر گویا طوفان آ گیا۔ پسنجر کمپارٹمنٹ میں انسانی جسم، کٹھ پتلیوں کی طرح اِدھر اُدھر گھومنے لگے۔ چھت سے گرنے والا سامان، انسانی جسموں، دیواروں اور سیٹوں سے ٹکرانے لگا... ہڈیاں ٹُوٹنے کی آوازیں پیدا ہُوئیں، جسموں سے جا بجا خُون بہنے لگا اور سمندر کی دیو ہیکل لہروں نے جہاز کو کسی ننھے مُنّے کیڑے مکوڑے کی طرح اپنی گرفت میں لے لیا۔

اچانک جہاز کے پیٹ میں بہت بڑا شگاف ہو گیا۔ سمندر کا پانی تیزی سے اندر آیا اور اس نے ہر شے کو ہمسَر نہیں کرنا شروع کر دیا۔

کچھ دیر بعد وہاں سمندر کی سرپٹختی لہروں کی دھات سے ٹکرانے

اور جہاز کے ڈوبنے کی آوازوں کے سوا کچھ بھی باقی نہیں رہا تھا۔

کاک پٹ میں پائلٹ اصل صورت حال سے ابھی تک بے خبر تھا۔ اس نے جہاز کو ڈوبتے دیکھا تو فوراً ہی ایک لمبور کھینچ لیا۔ فی الفور بڑے بڑے پلاسٹک شوٹ نکلے اور انھوں نے جہاز کو غرقابی سے بال بال بچالیا۔ کمپریسر سے ہوا تیزی کے ساتھ ان شوٹس میں بھرتی جا رہی تھی۔

پائلٹ اور اس کے معاون تیزی کے ساتھ اپنی سیٹوں سے اُٹھے اور مسافروں کے کمپارٹمنٹ کی طرف لپکے پڑے۔ انھیں توقع تھی کہ وہ خوف سے بگڑے ہوئے چہرے دیکھیں گے۔ مسافر ایک دوسرے کو دھکیلتے ہوئے، دروازے کی جانب بڑھنے کی کوشش کرتے نظر آئیں گے... لیکن پسنجر کمپارٹمنٹ میں خاموشی تھی۔

یہ محسوس کرتے ہی وہ پریشان ہوگئے... اور پھر جو کچھ انھوں نے دیکھا، وہ نظر آتے ہی انھیں ٹھٹک جانا پڑا۔ گھبراہٹ میں مبتلا ... مسافروں کی بجائے اُن کی آنکھیں براز و کو دیکھ رہی تھیں۔

وہ سیٹوں کے درمیانی راستے پر ساکت کھڑا تھا۔ اس کے لبوں پر طمانیت بھری مسکراہٹ تھی اور اس کے دائیں ہاتھ میں اعشاریہ تین پانچ سات کا میگنم ریوالور چمک رہا تھا۔ ریوالور کی نال پائلٹ اور اس کے دو معاونین کے سینوں کی طرف اُٹھی ہوئی تھی۔

"نائس لینڈنگ..." براز و نے کہا اور اس کی آنکھوں میں تمسخر آمیز چمک بڑھ گئی۔ "ہو سکتا ہے، تم لوگ اگلے جہاں میں بھی پلیک سرکل کے لیے اسی طرح پرواز کے کام آسکو۔"

"لل... لیکن یہ سب..." پائلٹ ہکلایا۔

"یہ سب فی الحال تمھاری سمجھ سے بالاتر ہے۔" براز و کا لہجہ یکایک سفاک ہوگیا۔ "فی الوقت تو تمھیں یہ سمجھ لینا چاہیے کہ تمھاری موت، تمھارے سروں پر پہنچ چکی ہے اور اب جہاز کے نہیں بلکہ تمھاری ارواح کے پرواز کرنے کا وقت ہے۔"

اُس نے تین بار ٹریگر دبایا اور تینوں پائلٹ حیرت... اور بے یقینی کی سی کیفیت میں موت سے ہمکنار ہوگئے۔ اُن کی لاشیں قریب قریب ہی گریں اور انھیں دیکھ کر یوں محسوس ہونے لگا جیسے وہ مرنے کے بعد بھی ایک دوسرے سے پوچھ رہے ہوں کہ آخر یہ سب کچھ کیا تھا اور کیسے ہوا؟

براز و نے باہر سمندر کی طرف دیکھا۔

شوٹس کی وجہ سے اب جہاز کی غرقابی کا امکان ختم ہوگیا تھا۔ یکایک ٹرالر سے ایک چھوٹی سی کشتی پانی میں اُتار دی گئی۔ یہ کشتی لہروں پر ڈولتی، جہاز کی طرف بڑھنے لگی۔

کشتی ایک شوٹ کے نیچے سے ہو کر، جہاز کے فرنٹ ڈور کے مقابل آگئی۔ براز و نے دروازے کے قریب پڑے ہوئے ساکت جسموں کو اس کشتی میں منتقل کر دیا... اور سب سے آخر میں خود بھی کشتی میں اُتر گیا۔ وہ اس وقت کسی ایسے درندے کی طرح متحرک تھا جس کی ہر حرکت میں اپنے شکار کے لیے تباہی چھپی ہوئی ہوتی ہے۔

ٹرالر فوراً روانہ ہوگیا۔

جہاز سے کافی فاصلے پر پہنچ کر ٹرالر نے ٹرن لیا اور پھر اس کے سامنے والے حصے میں ایک بڑا سا سوراخ نمودار ہوا۔ اس سوراخ سے پانچ انچ قطر کی ایک نال جھانکنے لگی۔ یکایک اس نال سے تیز دھماکے ہوئے۔

اٹرانڈیا کا سیون ٹریڈ سیون ان دھماکوں کے بعد تباہ ہوگیا۔

براز و نے پلٹ کر ایک کریہہ صورت والے شخص سے کہا: "ڈاکٹر! اب تمھیں ایک اور خاص کام بھی انجام دینا ہے۔" یہ کہہ کر اس نے معنی انداز میں ٹائیگر کی طرف دیکھا اور کھل کھلا کر ہنس پڑا۔ اس کے قہقہے میں دُنیا جہان کی درندگی سمٹی ہوئی تھی۔

اگلے روز پانچ مرتبہ فٹ کے ہموار دیواروں والے کمرے میں ٹائیگر بیدار نہیں ہوا بلکہ یہ اس کی آنکھیں تھیں، جو کھلی تھیں جبکہ اس کا ذہن خوابیدہ تھا اور اس کے ہاتھ پاؤں اس حد تک مفلوج تھے کہ انھیں حرکت نہیں دی جاسکتی تھی۔ اس کا جسم ایک مختصر سی جگہ پر سیدھا کھڑا تھا۔ اس کا بند بند ہوا جیسے اس وقت ایک ایسے روبوٹ جیسا تھا جو سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے محروم ہوتا ہے۔

وہ خالی خالی نظروں سے چھت کی طرف گھورنے لگا۔

چھت پر ایک پیتل کی پلیٹ آئینے کی مانند چمک رہی تھی۔ اس کے عقب میں ایک عجیب سا اُلجھا ہوا نقش تھا جس کی وجہ سے نارنجی روشنی کرنیں پلیٹ سے منعکس ہو رہی تھیں۔ روشنی کے انعکاس اور سے ایسی دھندلی سی آواز پیدا ہو رہی تھی جیسے دُور کہیں ایک کی بھنبھنا رہی ہو۔ روشنی کے قریب ہی ایک پنکھا لگا ہوا تھا، ہوا اندر کھینچ رہا تھا۔

ٹائیگر نے سب سے پہلے جو چیز دیکھی وہ بھورے آسمان پر چمکتا ہوا نارنجی سورج تھا۔ وہ دیر تک اسے دیکھتا حتیٰ کہ اس کا ذہن یہ سوچنے میں کامیاب ہوگیا کہ بظاہر سورج آنے والی یہ شے سورج نہیں ہے... سورج کسی کمرے میں طلوع نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ اس قدر قریب واقع ہو سکتا ہے۔ یہ پہلا تصور تھا جو ٹائیگر کے ذہن میں آیا تھا۔ نہ بلکہ

سرکل کے برین فنکشن کی وجہ سے اس کی یادداشت متاثر ہوئی تھی وہ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ہی کھو بیٹھا تھا... اور اس بات کا احساس ہونے میں اُسے کئی گھنٹے لگ گئے تھے کہ درحقیقت وہ اپنی یادداشت سے محروم ہوگیا ہے... اگر یہ یادداشت پوری طرح نہیں کھوگئی تھی تو کم از کم اس کا ایک حصہ ضرور غائب ہوگیا تھا۔ اس کے دماغ میں جو شعاع داخل کی گئی تھی اس نے یادداشت کے پرزے سے وہ تمام شبیہیں اور مناظر دھندلا دیے تھے جن سے اس کا سابقہ پڑا تھا۔ اس کے ماضی کی ٹھوس یادداشت پر بھی حملہ ہوا تھا۔ اس کے باعث اس کی شخصیت متاثر ہوگئی تھی۔ علاوہ ازیں اس کی قوتِ گویائی پر بھی اثر پڑا تھا۔ رفتہ رفتہ وہ اس پاس کی اشیا کو پہچاننے تو لگا تھا لیکن ان کی اہمیت اور اپنی ذات سے تعلق ابھی تک اس کے فہم و ادراک سے بالاتر تھا۔

اس کے نزدیک کیبن کی چھت محض ایک چھت تھی، دیواریں محض دیواریں تھیں... اور سورج محض ایک چمکدار گول شے سے زیادہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا تھا۔ اگرچہ اُس کی یادداشت کا بیشتر حصہ متاثر ہوگیا تھا لیکن یہ صورتِ حال اس وقت سے بہت مختلف تھی، جب نیم غراف سے تصادم کے دوران میں ایک بار پہلے بھی اس کی یادداشت کھوگئی تھی۔ اس بار اُس کے ذہن کے بعید ترین گوشوں میں ایک پُراسرار سی روحانی قوت کام کر رہی تھی لیکن اس کا رکردگی کا نہ تو فی الحال ٹائیگر کو احساس تھا اور نہ ہی اسے بلیک سرکل کا سائنس دان ہی محسوس کر سکا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ غیر مذبذب الذہن ہونے کے باوجود خالی الذہن نہیں تھا۔ فرق صرف یہ تھا کہ اس وقت وہ مراقبے اور استغراق کے باعث خالی الذہن نہیں تھا بلکہ اس کی یہ حالت ایک سائنسی عمل کی مرہونِ منت تھی۔

اس کے ذہن کے بعید ترین گوشوں میں یہ بات موجود تھی کہ کس حالت سے کس طرح نکلا جاتا ہے۔ اُسے معلوم تھا کہ یہ عمل نہایت سست رفتاری سے واقع ہوتا ہے اور خود کار انداز میں کام کرتا ہے... تاہم پہلے پہل وہ ذاتی کوشش سے بھی اس میں کامیاب ہوگیا تھا اس لیے نہایت تکلیف دہ انداز میں وہ قدم بہ قدم اپنی حالت بحال کرنے کی کوشش کر سکتا تھا۔

اس نے خلا اور ذہن کا تصور ذہن میں رکھتے ہوئے اپنی یادداشت واپس لانے کا سلسلہ شروع کر دیا... لیکن خلا اس بار وسیع و عریض لگا تھا۔ اس کی لامتناہی کیفیت، محدود سی جگہ میں سمٹ کر رہ گئی تھی۔ وہ خود کو ایک قید خانے میں محسوس کر رہا تھا۔ ایک ایسا قید خانہ جس سے وہ فرار نہیں ہو سکتا تھا۔ اس نے سوچا کہ کیا میں قیدی ہوں؟ قیدی کے بارے میں اُسے معلوم تھا کہ ایک ایسے شخص کو قیدی کہا جاتا ہے جس نے کوئی قصور کیا ہو۔ کوئی خطا یا کوئی جرم کیا ہو۔ ٹائیگر دل کی گہرائیوں سے اپنے بارے میں جانتا تھا کہ وہ مجرم یا خطاوار نہیں ہے۔ اس یقین کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ قید میں نہیں تھا۔ نہیں... یہ کوئی جیل خانہ نہیں ہے۔ اس کے ذہن کے ایک گوشے نے اُسے مطمئن کر دیا۔ لیکن اس کے باوجود قید کا تصور برقرار رہا تو اُسے یہ سمجھنے میں زیادہ دشواری نہ ہوئی کہ وہ جیل میں تو نہیں ہے بلکہ کسی نے اُسے نظر بند کر رکھا ہے۔ وہ کسی کی حراست میں بے بس ہے۔

جس قدر غلط اُسے میسر تھا، وہ اس میں محو متار ہا اور اپنی ہستی تلاش کرتا رہا۔ وقت کا احساس رفتہ رفتہ کھونے لگا اور اس کی دھڑکنیں غیر معمولی حد تک تیز ہوتی چلی گئیں۔ اس نے سوچا کہ اُس کا دل ایک منٹ میں کتنی بار دھڑکتا ہے؟ ستر بار... جس میں ایک دو دھڑکنوں کی کمی بیشی ممکن تھی۔ اس نے اپنی دھڑکنوں کو شمار کرنا شروع کر دیا وہ جانتا تھا کہ کم از کم وہ روحانی گھڑی ہی چل پڑے جو اُسے وقت سے باخبر رکھتی تھی۔ ایک منٹ کا عرصہ آہستہ آہستہ بیتنے لگا۔ اس نے سوچا کہ آخر وہ یہاں کب سے ہے؟ کیا ہمیشہ سے؟ اس بات کا اس کے ذہن نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ کوشش کے باوجود یاد نہ کر سکا... آخر کیوں؟ وہ اُلجھنے لگا۔ میں کوشش کر رہا ہوں، پھر بھی مجھے کچھ یاد نہیں آرہا ہے۔ اس کا کیا مطلب ہے؟ اس نے غور کیا تو پتہ چلا کہ اُسے تو اپنی عمر بھی معلوم نہیں ہے۔ اس نے اپنے جسم کا جائزہ لیا۔ یہ ایک جوان جسم تھا۔ توانائیوں سے بھرپور جسم... غیر معمولی طاقت ور جسم ... اس کا مطلب ہے کہ وہ بڑھاپے کے باعث یاد نہ آنے کے مرض میں مبتلا نہیں ہے۔ وہ ایک جوان آدمی ہے اور جوان آدمی کی یادداشت خواب نہیں ہوتی۔ گویا وہ ایک ایسا جوان تھا جس کی یادداشت میں کوئی چیز محفوظ نہیں تھی اور ایسا صرف اسی وقت ممکن ہوتا ہے، جب کسی جوان کے ساتھ کوئی غیر معمولی صورتِ حال پیش آئی ہو... یا پھر کوئی کسی ذریعے سے اُس کی یادداشت نہ چھین لے۔

ٹائیگر اپنے ذہن پر زور دیتا رہا... غور کرتا رہا... سوچوں کے مرغولے اُسے بتا رہے تھے کہ وہ پوری طرح اپنی یادداشت سے محروم نہیں ہے، ورنہ وہ کسی بھی ایسی شے کو شناخت نہ کر پاتا جو اس کی آنکھوں کے سامنے موجود تھی اس کا صاف مطلب تھا کہ اس کی یادداشت کا محض ایک حصہ کھوگیا ہے۔

... اور جب ٹائیگر یہ سُراغ لگانے میں کامیاب ہوگیا کہ اُس کے ذہن کا کون سا حصہ ناکارہ ہو چکا ہے اور کس حصے کی یادداشت کھوگئی ہے تو اس کے لیے اپنی یادداشت کا سلسلہ بحال کرنا نسبتاً

آسان ہوگیا۔ وہ اس مخصوص حصّے پر ذہنی کام میں مصروف ہوگیا، اس دوران میں پیتل کی پلیٹ سے منعکس ہوکر آنے والی شعاع اپنا کام کرتی رہی۔ شعاع کا کام آہستہ آہستہ ہو رہا تھا، وہ اس کے ذہن کے ایک مخصوص حصّے میں یادداشت کو ضائع کرنے میں مصروف تھی۔ بیک مرکل یادداشت کے اس ذخیرے میں نسبتاً تیزی سے مواد کو تباہ کر رہا تھا۔

وہ لڑتا رہا... جنگ کرتا رہا... ایک گھنٹہ گزر گیا... اور پھر دو گھنٹے بیت گئے... اس کی جنگ جاری رہی۔ حتیٰ کہ وہ لمحہ آگیا جب وہ اس شعاع کو شکست دینے میں کامیاب ہوگیا۔

اب اُسے تقریباً سبھی کچھ یاد آگیا تھا۔ اس نے اس مخصوص حصّے پر مزید محنت کی تاکہ کوئی خارجی شے آیندہ کبھی اتنی آسانی سے یادداشت کا ذخیرہ تباہ کرنے میں کامیاب نہ ہوسکے۔

اُسے اپنا روحانی باپ اُوشان یاد آگیا... پھر اُس کے ساتھ ہونے والا حادثہ اور اس حادثے کے نتیجے میں فانگ... اور فانگ سے متعلق ساری ہی باتیں یاد آگئیں۔ ان خیالوں میں سونی کا حسین پیکر بھی کئی بار اُبھرا۔ اُسے اپنے زخمی ہونے کے وہ لمحات بھی یاد آگئے جب سونی نے گھنٹوں اس کی تیمارداری اور دیکھ بھال کی تھی... پھر اُسے یاد آیا کہ موہان نے اُسے سونی کے اغوا کی خبر دی تھی۔ اس خبر کے یاد آتے ہی اس کے ذہن میں یہ بات بھی نمایاں ہو گئی کہ وہ ہانگ کانگ سے ہوائی سفر پر روانہ ہوا تھا۔ ہوائی جہاز یاد آتے ہی گویا اس کی آنکھوں کے سامنے ہر منظر اُجاگر ہوتا چلا گیا۔ وہ خونریز جنگ جو جہاز میں ہوئی تھی۔ موہان اور خود اس کی جنگ... اُسٹر ہوسٹس... اور جہاز کی کریش لینڈنگ... سب سے آخر میں برازو کا چہرہ اُس کے بردۂ ذہن پر نمودار ہوا۔

اب ٹائیگر سب کچھ سمجھ چکا تھا۔ وہ جان گیا تھا کہ برازو نے اُسے کیوں ہلاک نہیں کیا... اس کے ذہن میں یہ بات اچھی طرح بیٹھ گئی کہ بلیک سرکل درحقیقت اس کے ساتھ کیا کر رہا ہے... اور اس بات کا بھی پتہ چل گیا کہ برازو اُسے قتل کرنے کی بجائے زندہ کیوں گرفتار کرنا چاہتا تھا۔ بلیک سرکل نے منصوبہ بندی کی تھی کہ اس کا برین واش کر دیا جائے تاکہ وہ اپنا ماضی بھول جائے۔ یہ بات اُس کے ذہن سے محو ہوجائے کہ اچھی اور بُرائی کیا ہوتی ہے۔ یہ احساس فنا کرنے کے بعد وہ اس کا ذہن اپنی مرضی کے مطابق تعمیر کر سکتے تھے گویا وہ اُس کی طاقت اپنے مفاد میں استعمال کرنے کے لیے اُسے بطور مہرہ استعمال کرنا چاہتے تھے۔ وہ سے ایک نئے تسخیر فاتر اور ناقابلِ تسخیر قاتل کے روپ میں دُنیا کے سامنے لے جانے تھے... ایک ایسا باؤلا کتا بنا ڈالنا چاہتے تھے، جو اُن کے ایک اشارے پر جسے چاہے چیر پھاڑ ڈالے۔ انھوں نے فانگ کو حاصل کر لیا تھا، اس کی خدمات اور سہولتیں... بلیک سرکل کے لیے وقف ہو چکی تھیں اور اب وہ اس کے پیچھے پڑ گئے تھے وہ اُسے اپنا آلۂ کار بنانا چاہتے تھے۔

تھوڑی دیر بعد ٹائیگر نے محسوس کیا کہ جو شعاع اس کی پیشانی پر ڈال کر ذہن کے ایک مخصوص حصّے کو ماؤف کرنے کی کوشش کی جا رہی تھی اس شعاع کا سلسلہ منقطع ہوگیا ہے۔ غالباً وہ جتنے عرصے کے لیے ڈالی جانی چاہیئے تھی، اسے استعمال کرکے وہ لوگ مطمئن ہوگئے۔ اس کا مطلب ہے کہ برازو اب سمجھ رہا ہوگا کہ وہ اپنا ماضی بھلوں کی پوری طرح اس کے قابو میں آچکا ہے اور وہ اُسے جس طرح چاہے استعمال کر سکتا ہے۔ اُوشان کی پاکیزہ تعلیمات کے بعد اس کا ذہن فانگ کے شیطانی مقاصد کے لیے شروع ہونے والا تھا۔

وہ اس مخصوص کمرے کی محدود فضا میں بیٹھا سوچ رہا تھا ان حالات میں اُسے کیا کرنا چاہیئے۔ ایکوڑنک برین ٹیکنالوجی اور کیمیاوی اُشیا کے ذریعے وہ اسے بے بس کرکے کٹھ پتلی بنانے کی ہر ممکن کوشش کر رہے تھے۔ اس نے سوچا کہ کاش! وہ اس تکنیک کو سمجھ جائے۔ ایسی صورت میں وہ آسانی سے اس پر قابو پاکر محفوظ رہ سکتا تھا۔ اس کے ذہن میں اُوشان کے الفاظ گھومنے لگے۔ کالے فانگ کالے جادو پر یقین رکھتا ہے اور وہ ان شیطانی علوم پر دسترس حاصل کر رہا ہے۔ اس سلسلے میں ٹرڈاک کا مندر ہی اس کا مسکن ہوسکتا ہے۔ اس مندر اور وہاں پر ہونے والی شیطانی سرگرمیاں ٹائیگر کو معلوم تھیں... اور اب اُسے خوب اچھی طرح معلوم ہوگیا تھا کہ درحقیقت ٹرڈاک ہی فانگ کی پشت پناہی کر رہا ہے اور یہی شیطانی شخصیت بلیک سرکل کی مالک ہے۔ اس شخصیت نے پہلے فانگ کو اپنے دام میں بنایا اور اب وہ ٹائیگر پر دانت گاڑنے بھیجتی ہے۔

ٹائیگر کے ہونٹوں پر بڑی ہی عجیب، ناقابلِ فہم اور پُراسرار مسکراہٹ آگئی۔ اس مسکراہٹ میں بدی کے خلاف ایک طنز تھا ایک ایسا عزم تھا، جو بلیک سرکل کے لیے مہلک ثابت ہوسکتا تھا۔

لیکا ایک ٹائیگر کے دماغ میں ایک اچھا سا خیال اور سوال پیکر اس کے بردۂ ذہن پر جگمگانے لگا۔ اُسے سونی کے سلسلے میں تک جتنی بھی پریشانی لاحق ہوئی تھی، وہ اب کُھل کر سامنے آگئی تھی وہ جانتا تھا کہ اپنی زندگی میں سونی کو ملی سے بچا بھی نہیں سکتا تھا۔ اُسے بچانا بھی اس کی زندگی کا اہم ترین مشن بن گیا تھا۔

ہانگ کے ہاتھوں سے ہوتی ہوئی اس بار غالباً ٹرڈاک کے مندر میں پہنچ گئی تھی۔ اب اس کے سامنے دو ہی راستے تھے۔ یا تو وہ بلیک سرکل کی غلامی قبول کرے یا پھر سوتی سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ ٹائیگر کو احساس تھا کہ یہ بات بلیک سرکل کے بڑوں کو بھی محسوس ہوچکی ہے کہ سونی اس کے نزدیک کیا اہمیت رکھتی ہے۔

فرائر سمندر کی طوفانی لہروں پر سفر کرتا رہا اور ٹائیگر اس محدود سے کیبن میں اپنی سوچوں کے گرداب میں بکھرا تا رہا۔

تیسرے روز جب ٹرالر کے انجن خاموش ہوگئے اور وہ کنارے سے لگ گیا تو ٹائیگر کو اس خطرناک ناریل شعاع سے نبرد آزما ہوتے ہوئے تین راتیں اور چار دن بیت چکے تھے۔ اُسے اس برین واشنگ کرنے والی شعاع سے لڑنے میں جن اذیتوں سے دوچار ہونا پڑا تھا، اس کا احساس یا تو خود ٹائیگر کو ہوسکتا ہے یا پھر خدا ہی جانتا ہے کہ وہ اپنا ذہن کس طرح محفوظ رکھنے میں کامیاب ہوا تھا... لیکن اس مہلک اسلحے سے بڑا فائدہ یہ ہوا تھا کہ وہ ایک خاص نتیجے پر پہنچ گیا تھا۔

اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ شیطان برادر اُسے جہاں لے جانا چاہتا ہے، وہاں ضرور جائے گا... اور پھر یہی کے دل کی گہرائی میں آخر کار اس سے مقابلہ کرے گا۔ بالفاظ دیگر وہ ایک ایسے مقام کی طرف از خود لے جایا جا رہا تھا۔ جہاں پہنچنے میں شاید وہ زندگی بھر لڑنے بھڑنے کے بعد بھی کامیاب نہ ہوتا۔ یہ سوچ کر اس کے ہونٹوں پر تلخ سی مسکراہٹ اُبھری۔ اُسے تو برازو کا اس سلسلے میں شکر گزار ہونا چاہیئے کہ وہ اُسے اس کی منزلِ مقصود پر پہنچانے کا باعث بن گیا ہے۔

وہ مسکراتا رہا اور سوچتا رہا کہ ٹھیک ہے، ان لوگوں نے جو بویا ہے، وہی کاٹیں گے... اور وہ خود اُٹھنے کی طاقت، ان کے خلاف استعمال کرے گا۔

ٹرالر کنارے لگنے کے چند ہی منٹ بعد ٹائیگر کے اوپر چھت پر لگا ہوا پنکھا یکایک تیز ہوگیا۔ ٹائیگر اس معاملے میں بے بس تھا۔ وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا... اگر طاقت آزمائی اس کے لیے ممکن تھی تب بھی وہ خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑنے پر مجبور تھا۔ اس بار اس نے گیس کی بُو واضح طور پر سُونگھی تھی... اور اس کی وجہ غالباً پہلے کی گیس پہلے کی بہ نسبت تیز تھی۔ اُسے اپنی سانس روکنے کی بھی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ اس نے آنکھیں بند کرلیں اور اس کے ہونٹوں کے اندرونی رُخ پر دردوں پر سونی کا عکسِ جمال رقص کرنے لگا۔

ٹائیگر جس ٹرالر میں تھا وہ اُسے اور موہان کو لے کر تھائی لینڈ آگیا۔ ان کے ساتھ حسین کراس اُسٹر ہوسٹس بھی تھی۔ برازو ہمدرد کراس کی بروقت طبی امداد فراہم کرکے اُسے بچانے میں بڑی حد تک کامیاب ہوگیا تھا لیکن اُسے اُس کے بچ جانے پر شدید حیرت تھی۔ ترشی ہوئی کھوپڑی اور دیگر مہلک زخموں کے باعث اس کا زندہ رہ جانا کسی طرح بھی معجزے سے کم نہیں تھا۔

ٹائیگر کو ایک کار میں ریل یارڈ تک پہنچا دیا گیا۔

پیسی فک انڈسٹریل کمپنی کی ریل کار دیکھنے میں کسی طرح بھی مشکوک نظر نہیں آتی تھی۔ یہ بال بیوٹ کی کمپنی تھی اور جو لوگ اُسے قریب سے جانتے تھے، انھیں معلوم تھا کہ یہ شخص درحقیقت افیون کا بہت بڑا اسمگلر ہے اور اس نے یہ کمپنی صرف دکھاوے کے لیے کھول رکھی ہے۔ یہ ریل کار دُہرے دروازوں والی تھی اور باہر سے اس کے اندر دیکھنا یا داخل ہونا اور نکلنا اپنی مرضی سے کسی طرح بھی ممکن نہیں تھا... درحقیقت یہ ایک آرمڈ ریل کار تھی جس کو خاص طور سے بُلٹ پروف بھی بنایا گیا تھا اور یہ ریل کار انتہائی اہم کاموں میں استعمال کی جاتی تھی۔ اس کے اندر دو تین ہفتے میں تین کمرے تھے۔ ان چھوٹے چھوٹے کمروں میں ضرورت کی تقریباً ہر شے موجود تھی۔ بستر، میز اور کرسیاں تھیں۔ قیمتی قالین بچھے ہوئے تھے اور ہر مختصر سا کمرہ پُرتعیش قیام گاہ کے لیے مناسب ترین تھا۔ بے ہوش ٹائیگر کو اس ریل کار کے ایک کمرے میں پہنچا دیا گیا۔ اسی ڈبے میں ایک جانب چار پنجرے بھی رکھے ہوئے تھے۔ یہ سلاخ دار پنجرے بالکل ویسے ہی تھے جیسے کہ سرکس میں درندوں کو رکھنے کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ ان پنجروں میں سے ایک میں ٹائیگر کو ڈال کر مقفل کر دیا گیا۔ دوسرے پنجرے میں موہان تھا اور تیسرے میں اُسٹر ہوسٹس جین کراس نظر آتی تھی۔ ان تینوں میں سے صرف اُسٹر ہوسٹس ہی قدرے ہوش میں تھی۔

کچھ دیر بعد برازو ڈبے میں داخل ہوا تو اس کے ساتھ دو تھائی گارڈ تھے۔ اس نے محافظوں کی مدد سے کاشی کو ایک کاؤچ پر لٹا دیا تھا۔ کاشی کی آنکھوں میں نمی چمک رہی تھی۔ اس کی کھوپڑی پر اتنی پٹیاں بندھی ہوئی تھیں کہ ان پر پگڑی کا گمان ہوتا تھا۔ کاشی ہوش میں تھا اور اس کی آنکھیں اطراف میں چکرا رہی تھیں جیسے وہ سوچ رہا ہو کہ اس وقت کس جگہ ہے اور اُسے یہاں کون لایا ہے۔

اچانک ڈبے کو ایک جھٹکا لگا اور گاڑی اپنے طویل سفر پر روانہ ہوگئی۔ موجگ لو یانگ ان کی منزلِ مقصود تھی۔ برازو کا ارادہ تھا کہ وہاں سے وہ اپنے قیدیوں کو بذریعہ ٹرک چیانگ رائی لے جائے گا... اور پھر خچروں پر سفر کرتے ہوئے، قافلے کی صورت میں ہمالیہ کی طرف نکل جائے گا۔

اُسٹر ہوسٹس کے حواس قدرے مزید بحال ہوئے تو اس کے

پہلوٹے بھڑ پھڑانے لگے۔ اس نے نیم وا آنکھوں سے ادھر اُدھر دیکھا ... پھر اس کا ذہن غنودہ ہوگیا... اس کی ٹانگوں میں بے پناہ تکلیف ہو رہی تھی۔ سینے پر کسی بھاری چٹان کا احساس ہو رہا تھا۔ اس کی نگاہ برازو پر جم گئی۔ جین کراس ابھی تک صورتِ حال کو ذہنی طور پر قبول نہیں کر سکی تھی اُسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ کوئی بھیانک خواب دیکھ رہی ہو... اور عنقریب وہ اس بھیانک خواب سے جاگ کر اس خوفناک صورتِ حال سے نکل جائے گی۔

لیکن یہ سب کچھ خواب نہیں بلکہ ایک لرزہ خیز حقیقت تھی کیونکہ اس کا جسم جس ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھا۔ اس سے پیدا ہونے والی درد کی لہریں اُسے وہ منظر بار بار دکھا رہی تھیں جب برازو ٹرالر میں اس کے کیبن میں آیا تھا اس نے بے پناہ درندگی دکھائی تھی اور وہ کسی معصوم سی چڑیا کی طرح پھڑ پھڑا کر رہ گئی تھی جو کسی باز کی گرفت میں بے بس ہو۔

وہ بے بسی سے برازو کی طرف دیکھنے لگی۔

اُسے حقیقت کا ادراک ہوگیا تھا اور یہ بھی سمجھ گئی تھی کہ اُسے مارفیا کھلائی گئی ہے۔ اس کی آنکھیں دھیرے دھیرے خوف سے پھیلتی چلی گئیں۔

برازو میز پر ایک موم بتی روشن کر رہا تھا۔

چند لمحوں بعد جین کراس نے دیکھا کہ برازو نے جیب سے ایک کاغذ کی پڑیا نکالی ہے۔ اس پڑیا میں سفید رنگ کا سفوف تھا۔ وہ اس سفوف کو پانی کے گلاس میں گھول کر ایک سرنج کی طرف متوجہ ہوگیا۔ جیسے جیسے وہ مہلک سیال سرنج میں بھر رہا تھا جین کراس کو اپنی رگوں میں آگ سی دوڑتی محسوس ہونے لگی تھی۔

اس کے اعصاب ٹوٹنے لگے وہ اُسے اپنی طرف بڑھتے ہوئے دیکھنے لگی۔ اسے معلوم تھا کہ اب کیا ہونے والا ہے۔ وہی سب کچھ دوبارہ ہونے والا تھا جسے اس نے ایک بھیانک خواب سمجھ کر خود کو بہلانے کی کوشش کی تھی... پھر اُسے یوں لگا جیسے برازو اس کے پنجرے کا دروازہ کھول رہا ہو۔ وہ سرنج ہاتھ میں لیے اس کے سامنے پہنچ گیا۔ سرنج کی سوئی چھت کی طرف اٹھی ہوئی تھی اور اس کے کنارے پر سفید سیال کا ایک قطرہ چمک رہا تھا۔

جین کراس کی آنکھوں میں آنسوؤں کی جھلی پیدا ہوگئی۔ اس نے نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا لیا۔ ورنہ اس کے حلق سے ایک بے ساختہ چیخ نکل گئی ہوتی۔

برازو کے ہونٹوں پر بڑی ہی سفاک اور سنگدلانہ مسکراہٹ تھی۔ وہ اس کی طرف جھک کر نرم لہجے میں بولا لیکن لہجے کی اس نرمی میں بھی شیطانی تاثر موجود تھا: "کیا تم اسے دوبارہ چاہتی ہو؟" وہ اس سے پوچھ رہا تھا۔

جین کراس کا جی چاہا کہ وہ اس کے منہ پر تھوک دے۔ نہ جانے کیوں اس نے اثبات میں سر ہلا دیا حالانکہ اس کا ذہن چیخ رہا تھا کہ اُسے انکار کر دینا چاہیے... اس کا مطلب تھا کہ اس کا جسم اس مہلک سفوف کی طلب میں مبتلا ہو چکا ہے اور وہ غیر ارادی طور پر اُسے استعمال کرنے کی خواہش میں مبتلا ہو چکی ہے۔

جین نے اثبات میں سر ہلایا تو برازو بے اختیار مسکرا دیا۔ اس بار اس کی مسکراہٹ میں فتح و کامرانی کا بھوت پوتا تاثر تھا: "بہت خوب: اس نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔ "باہر آجاؤ۔ میں سمجھتا ہوں کہ تم چل سکو گی۔"

نہ چاہتے ہوئے بھی جین کراس اُٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ اس کے ساتھ چلتی ہوئی ڈبے کے درمیانی حصے میں پہنچ گئی۔

"میں سمجھتا ہوں کہ اس بار تم سے زبردستی نہیں کرنی پڑے گی۔" برازو کہہ رہا تھا۔ "اس لیے بہتر ہوگا کہ جو کچھ ٹرالر کے کیبن میں ہے اُسے دُھلنے کے لیے تم خود ہی سب کچھ کر گزرو۔"

جین کراس کا جسم ہی نہیں ذہن بھی شل تھا۔ اس نے کی ہر بات کی نفی کرنی چاہی لیکن نہ جانے وہ کون سی طاقت تھی اس کی مرضی کے خلاف اس سے سب کچھ کروائی چلی جا رہی تھی۔ وہ برازو کے سامنے یوں کھڑی تھی جیسے عہدِ قدیم میں کوئی غلام اپنے آقا کے سامنے استادہ ہو۔ اُسے برازو کے لب متحرک نظر آتے تھے۔ وہ بول رہا تھا لیکن اُس کے کان برازو کی آواز نہیں سن رہے تھے اس کے باوجود وہ وہی کچھ کرتی جا رہی تھی جو کرنے کے لیے اس سے کہا جا رہا تھا۔ وہ خود کو ایک ایسی کٹھ پتلی تصور کر رہی تھی جس کی ڈور برازو کے ہاتھ میں تھی اور وہ ڈور ہلا ہلا کر اُسے تمام حکم پر مجبور کرتا جا رہا تھا۔

وہ لیٹ گئی۔ اس کا سر میز کی طرح گھوم رہا تھا۔ برازو نے سنبھالے اس کے قریب آگیا اور پھر اُس نے سوئی جین کراس کے بازو کی ایک نس میں اتار دی۔ انجکشن لگانے کے بعد وہ نظروں سے اسٹرہوسٹس کی طرف دیکھنے لگا۔ اب اُسے جین کی آنکھوں میں چمک دار نمی کا انتظار تھا۔ اس کا غنودہ ذہن کچھ انتظار تھا... اور ان لمحوں کی خواہش تھی جب وہ مارفیا کے خوابوں کی جنت کا منظر دیکھنے لگے۔

شب کی تاریکی میں ٹرین شمال کی جانب دوڑ رہی تھی مونگ لوہانگ کا اسٹیشن آیا تو بھی فضا تاریکی کے

نہیں نکل پائی تھی۔ یہاں سے ان تین قیدیوں کے بغل سر جان جسموں کو ایک ٹرک کے عقبی حصے میں منتقل کر دیا گیا۔

GG

دوسری بار ٹائیگر کی آنکھ کھلی تو خوب روشنی ہو چکی تھی۔ اب بھی ایک پنجرے میں تھا اور یہ سفر ایک بے حد کھردرے تے پر ہو رہا تھا جس کی وجہ سے ٹائیگر کو زبردست جھٹکے لگ ہے تھے۔ اس بار اُسے جس پنجرے میں رکھا گیا تھا اُس کو ے ریڑھی نما چیز پر رکھ کر گھسیٹا جا رہا تھا اور یہ ریڑھی دو ٹریکٹر ج رہے تھے۔ برازو عقب میں ایک تازہ دم خچر پر سوار چلا آرہا ا۔

ٹائیگر نے نگاہ اُٹھا کر سامنے دیکھا۔

یہ ایک طویل قافلہ تھا۔ قافلے کے اگلے خچر ایک خطرناک ڑنڈی پر چلے جا رہے تھے۔ یہ ایک تنگ اور پتھریلا راستہ تھا جو ی ناگ کی طرح بل کھاتا ہوا دور آن پہاڑوں کی طرف جاتا دکھائی ے رہا تھا جن کی چوٹیاں دُھند میں لپٹی ہوئی صدیوں سے گہری مور ہی تھیں۔

ٹائیگر نے قافلے میں موجود لوگوں کو شمار کیا تو گنتی دو مسلح محافظوں تک جا پہنچی جبکہ ٹرکوں کی تعداد کسی طرح بھی دو جن سے زیادہ نہیں تھی۔ باقی ماندہ محافظ پیدل سفر کر رہے تھے ان کی چال سے خفیف سی تھکن کا بھی احساس نہیں ہوتا تھا ں پر بھاری سامان تربال میں لپٹا ہوا لاد کیا گیا تھا۔ جس گاڑی ٹائیگر کا پنجرہ تھا اس کے اردگرد کم و بیش نصف درجن مسلح آدمی تھے۔ بچاس کے لگ بھگ برازو کے پیچھے پیچھے چلے آرہے تھے ہائیں دونوں پنجروں کے گرد پھیل کر چل رہے تھے۔

ٹائیگر سمجھ گیا کہ وہ خود، موہان اور اسٹرہوسٹس جین کراس ب ایسے قافلے میں شامل ہیں جو اسمگلروں پر مشتمل ہے اور یہ ظر خانی سرحد پار کر کے لاؤس جا رہا تھا... اور اس کی منزل نصور بلیک سرکل کا وہ خفیہ ہیڈ کوارٹر ہے جسے ٹڈ اک کا مندر ا جاتا ہے اور جہاں گمنی نامی افیون سے مہلک ترین نشہ آور دوا تیار کی جاتی ہیں۔ ٹائیگر نے دیکھا کہ بہت سے محافظ سبز رنگ ا وردی پہنے ہوئے ہیں۔ یہ سرکاری وردی دیکھ کر اُسے قطعاً یرت نہیں ہوئی کیونکہ وہ جانتا تھا کہ بلیک سرکل کے ہاتھ بہت ے ہیں... البتہ جب وہ کئی گھنٹے تک ان کھردری راہوں پر چلتے ڑھے ایک میو گاؤں کے قریب پہنچے تو ٹائیگر شدید حیرت میں بتلا ہوگیا۔

اس کا خیال تھا کہ اس گاؤں میں سیدھے سادے لوگ رہتے ہوں گے جن کے گندمی مندے بچے جھونپڑیوں سے باہر مرغیوں کے ڈربوں کے اطراف میں کھیلتے ہوں گے۔ عورتیں کپڑے دھو رہی ہوں گی اور مرد اپنے روزمرہ کے کاموں میں مصروف ہوں گے ... لیکن وہ یہ دیکھ کر بھونچکا رہ گیا کہ گاؤں کی ساری آبادی اس راستے کے اطراف میں جمع ہے۔ ان میں عورتیں اور مرد دونوں ہی تھے البتہ کوئی بوڑھا یا ادھیڑ عمر کا آدمی نظر نہیں آرہا تھا۔ عورتیں اور مرد دونوں ہی سخت جان، صحت مند اور جوان تھے۔ ان کی آنکھیں چھید دینے والے تاثر سے بھرپور تھیں۔ وہ گاؤں والوں جیسے عام سے لباس میں نہیں تھے بلکہ انھوں نے شہریوں جیسے زرق برق ملبوسات زیب تن کر رکھے تھے۔ ایسی عورتیں جنھوں نے اپنے ننھے منے بچے اُٹھا رکھے تھے، ان کی آنکھوں میں بھی نرمی نہیں تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے یہ سفاکوں کی بستی رہی ہو۔ ٹائیگر نے دیکھا کہ وہاں بچوں کی تعداد غیر معمولی ہے۔ یوں لگتا تھا جیسے بستی میں بچوں کے غول کے غول گھس آئے ہوں۔ ایک ایسے گاؤں میں جہاں زندگی برقرار رکھنے کے وسائل محدود ہوں اور جہاں صحت کے لیے ضروری ادویات ناپید ہوں اور جہاں کی آبادی عام اصولوں کے مطابق کم ہونی چاہیے تھی۔ وہاں اتنے زیادہ بچے دیکھ کر ٹائیگر کا حیران رہ جانا ایک فطری امر تھا۔ اس نے اندازہ لگایا کہ تقریباً ہر چوتھے کے چھ یا سات بچے ضرور رہے ہوں گے۔ علاوہ ازیں وہاں ایک بھی بوڑھا دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ ٹائیگر نے غور کیا تو پتہ چلا کہ تیس سال سے اوپر کا نہ تو کوئی مرد ہے اور نہ ہی اس عمر سے زیادہ کی کوئی عورت وہاں موجود ہے۔

یکایک شور و غل برپا ہوگیا۔

چیخنے والوں کے انداز میں وحشیانہ پذیرائی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ افیون کے اسمگلروں کا اس انداز میں استقبال ہو رہا تھا جیسے وہ اسمگلروں کا قافلہ نہیں بلکہ فاتح فوج آرہی ہو۔

ٹائیگر نے لوگوں کی آنکھوں میں جھانک کر دیکھا۔ اُسے ایک بھی آنکھ ایسی دکھائی نہ دی جس میں انسانیت کی جھلک رہی ہو۔ ان میں سے بعض اُس کی طرف دیکھ کر مسکرانے لگے اور بعض اس کا مضحکہ اڑانے لگے... لیکن بیشتر اُس کے اُوپر سے، عقب میں دیکھ رہے تھے جیسے اس کا سرے سے کوئی وجود ہی نہ ہو۔ اس کے عقب میں برازو تھا۔ غالباً ان سب کی نگاہیں اُس پر جمی ہوئی تھیں۔ کئی منٹوں میں پہلی بار اُس نے پلٹ کر پیچھے دیکھا۔

برازو سیاہ ریشمی لباس میں ملبوس شیطانی ہی لگ رہا تھا۔ وہ استقبال کرنے والوں کی طرف دیکھ دیکھ کر مسکراتا ہوا، ہاتھ لہرا رہا تھا۔ آواز کی لہریں

ٹائیگر کے سر پر پُوں گونج رہی تھیں جیسے وہ زیرِ آب ہمادبڑی بڑی لہریں اس کے سر سے گزر رہی ہوں۔

اچانک ٹائیگر کی نگاہ ہجوم کے آخر میں ایک چیز پر رحم کر رہ گئی۔ اُسے وہ بچے دکھائی دیے۔ بچوں کی عمر کسی طرح بھی چھ سات سے زیادہ نہیں رہی ہوگی۔ وہ کھیل کُود میں مصروف تھے۔ لیکن یہ ایک ایسا خوفناک کھیل تھا جس کا اتنی کم عمر کے بچے تصور بھی نہیں کر سکتے۔ وہ ایک دُوسرے پر بھوکے ڈنک کے انداز میں لاتیں برسا رہے تھے۔ نائف سلیش کا انداز بھی بار بار آزمایا جا رہا تھا۔ ٹائیگر ایک طویل سانس لے کر رہ گیا۔ یہ بچے اتنی کم عمری کے باوجود کنگ فو جانتے تھے۔ ہجوم سے کچھ دُور عقب میں رائفلیں لہرا رہی تھیں۔ نوجوان رائفلوں کو لہرا لہرا کر اپنے جذبات کا اظہار کر رہے تھے۔ ان میں چند ایک سب مشین گنیں بھی نظر آ رہی تھیں۔

ٹائیگر اپنے پنجرے میں بیٹھا خاموشی سے سب کچھ دیکھ رہا تھا۔

اسمگلروں کا قافلہ گاؤں سے گزر کر ڈھلان پر چڑھنا اور پھر اس کا رُخ کوہستانی سلسلے کی طرف ہو گیا جہاں سرحد کے چیتیں دھند میں ڈُوبی ہوئی تھیں۔

ٹائیگر سوچ رہا تھا کہ حالات اس کی سوچ سے کہیں زیادہ نازک ہیں۔ وہ اس صورتِ حال کی توقع بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اب اُسے احساس ہو رہا تھا کہ ماسٹر تاؤ نے تاوے کر اُسے گولڈن ٹرائینگل کیوں طلب کیا تھا۔... اُس کے ساتھ ساتھ اُسے یہ بھی اندازہ ہو گیا تھا کہ ادریس مُون نے مُوہان کو جو کچھ بتایا تھا، وہ کس حد تک کامیابی سے ہمکنار ہو رہا ہے۔ بلیک سرکل یہاں گزشتہ پانچ سال سے سرگرم عمل تھا اور اُنھوں نے مقامی لوگوں میں اپنی جگہ بنالی تھی۔ اس کے لئے اُنھوں نے ہر قسم کے حربے استعمال کیے تھے اور اُنھیں بڑی حد تک کامیابی ہوئی تھی۔ اُنھوں نے نوجوانوں کے برین واش کیے تھے۔ ان کے بڑے بوڑھوں کو قتل کر دیا تھا تاکہ نئی نسل سے یکی کا تصور ہی ختم ہو جائے۔ اُنھوں نے لوگوں کو بڑے پیمانے پر نشے کا عادی بنایا تھا اور نشے کی لت میں پُرکراب تقریباً ساری کی ساری آبادی اُنھیں اپنے آقا تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئی تھی۔

ٹائیگر جانتا تھا کہ خود اُسے بھی نشے کی ایک بڑی خوراک دی گئی ہے۔ اگرچہ اس کے حواس بیدار تھے لیکن اس وقت وہ پنجرے میں بند یُوں آگے پیچھے دیکھ رہا تھا جیسے کوئی حیران و پریشان جانور رہا ہو۔

جس راستے پر قافلہ چل رہا تھا، وہ ہر آنے والے پہاڑ کے بعد خطرناک ہوتا جا رہا تھا۔ ٹائیگر نے جب پہاڑی مناظر میں کوئی کشش نہ محسوس کی تو اُس نے آنکھیں بند کر لیں اور استغراقی کیفیت طاری کرنے میں مصروف ہو گیا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ عنقریب ہی اُسے اپنی تمام تر توانائیوں کو بھرپور انداز میں استعمال کرنے کی ضرورت پڑے گی۔

جلد ہی وہ مراقبے کی حالت اختیار کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

اس کیفیت نے اس کا اعصابی کھچاؤ دُور کر دیا اور اس کے لگ بھگ ہی توانائیاں بھر دیں۔ جب وہ دوبارہ بیدار ہُوا تو یقین سے نہیں کہہ سکتا تھا کہ اس نے عالمِ استغراق میں کتنا وقت صرف کیا ہے... چند سیکنڈ یا... پُورا ایک سال...؟

بیدار ہونے کے بعد اس نے خود کو بے حد تر و تازہ اور توانا محسوس کیا۔ معاً وہ چونک پڑا۔ اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا کہ خچروں کا قافلہ رُک چکا ہے۔ ان کے سامنے ایک عمودی چٹان تھی جس کی چوٹی سُورج غروب ہونے کے وقت چمکنے والی گلابی دُھند میں چھپی ہُوئی تھی۔

برازو کا خچر قافلے کے آگے والے حصّے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ وہاں پہنچ کر اُس نے دونوں ہاتھ بلند کر دیے۔ ہر طرف گہری خاموشی کا راج ہو گیا۔

برازو اپنے خچر کی گردن پر جُھک گیا۔

یُوں لگ رہا تھا جیسے وہ اس انداز میں جُھک کر کوئی خاص دُعا مانگ رہا ہو... یا کسی شیطانی طاقت کو اپنے اندر مدعُو کرنے میں کوشاں ہو۔ ٹائیگر سمجھ گیا کہ وہ شیطانی طاقتوں کو پُکار رہا ہے۔

ایک بار پھر ٹائیگر کے ذہن میں ماسٹر تاؤ اور اُوشان کی وہ باتیں گھُوم گئیں جو اُنھوں نے شیطان کے پجاریوں کے بارے میں کہی تھیں۔ اُن کا جسم ٹھنڈا ٹھنڈا پسینہ اُگلنے لگا۔

برازو چیخنے لگا۔ وہ ہاتھ اُٹھائے دُعا کے سے انداز میں کسی شیطانی قوت کو پُکار رہا تھا اور اس کا سیاہ ریشمی لبادہ ہُوا کے جھونکوں سے یُوں پھڑپھڑا رہا تھا جیسے کوئی دیو ہیکل پرندہ پَر فشاں کر رہا ہو۔ اس کی آواز گونجے لگی۔ اس آواز کی بازگشت بے حد خوفناک تھی۔

ٹائیگر غور سے سُننے لگا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔

"ژوڈاک کی طاقتو! اس پہاڑ کو ہمارے سامنے سے ہٹا دو تاکہ ہم اپنی آگ سے طاقت حاصل کر کے آگے بڑھ سکیں۔ ہمیں بلیک سرکل کا خون رکھنے کے لئے اس طاقت کی ضرورت ہے۔"

وہ بار بار یہی الفاظ دُہرا رہا تھا۔ اس دوران میں قافلے کے باقی لوگ یُوں ساکت کھڑے تھے جیسے اُن سب کو سانپ سُونگھ گیا ہو۔

ٹائیگر حیران تھا کہ برازو کی یہ دُعا بھلا کیسے قبول ہو سکتی ہے۔ کوئی شیطانی طاقتوں کو پُکارنے سے بھلا اتنا بڑا پہاڑ کیسے اپنی جگہ سے ہٹ سکتا ہے۔ آخر عظیم الشان چٹان آخر کیسے ٹوٹ سکتی ہے... لیکن اس کے خیالات بے ثابت ہُوئے۔ اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ اس نے دیکھا کہ وہ وسیع و عریض چٹان جس کے سامنے اُن کا قافلہ چیونٹیوں کی قطار کی مانند لگ رہا تھا، اچانک ہی درمیان سے پھٹنے لگی ہے۔ اُوپر سے نیچے تک ایک ٹیڑھی میڑھی دراڑ نمودار ہُوئی جیسے چٹان کا سینہ شق ہو رہا ہو۔ یہ دراڑ جیسے جیسے پھیلتی جا رہی تھی، اندر سے بجلی جیسی چمک کا احساس

ہونے لگا تھا۔ یہ چمک زیادہ دیر برقرار نہ رہی اور اس کی جگہ دُود ھیا دُھواں لے لی۔

برازو نے خوشی کا ایک نعرہ لگایا اور قافلے کو آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔

ٹائیگر کی بینی ابھی تک گم تھی۔ وہ خاموش لیکن مبہوت یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ پھٹی ہُوئی چٹان کے درمیان اب اتنا خلا پیدا ہو گیا تھا کہ ان کا قافلہ آسانی سے گزر سکتا تھا۔

قافلہ اس کشادہ دراڑ سے گزر گیا اور ٹائیگر کے حلق میں رُکی ہُوئی سانس ایک طویل ہچکی کے سے انداز میں خارج ہو گئی۔

پہاڑی راستے پر خچروں کی ٹاپوں سے ایسی آوازیں پیدا ہو رہی تھیں جیسے ان گنت رائفلوں سے بیک وقت فائر کیے جا رہے ہوں۔ ٹائیگر یہ نہیں دیکھ سکا تھا کہ چٹان میں راستہ کیسے کھولا گیا تھا۔ یہ ایک خفیہ وادی تھی اور یہاں کے اسرار و رموز صرف اُنھی لوگوں کو معلوم تھے جو اس قافلے کے ساتھ سفر کر رہے تھے۔ یقیناً کوئی میکنزم ہی ہو رہا ہوگا ورنہ ٹنوں وزنی چٹان اُن کے سامنے سے کس طرح ہٹ سکتی تھی... لیکن یہ میکنزم بھی اُسے دکھائی نہیں دیا تھا۔ اُسے حیرت تھی کہ پُورے ایک پہاڑ کو کس طرح اپنی مرضی سے ہٹایا اور واپس لایا جا سکتا ہے۔ چھوٹی موٹی چٹانوں کے سلسلے میں تو یہ بات تصوّر کی جا سکتی تھی لیکن دیو ہیکل پہاڑ کو ہٹانے کے بارے میں سوچنا ہی محال تھا۔ وہ دل ہی دل میں شیطان اعظم ژوڈاک کی صلاحیتوں کو سراہنے لگا جس نے اس قدر دُشوار گزار علاقے میں اپنا مسکن تعمیر کیا تھا۔

کئی سو گز ڈھلان میں سفر کرنے کے بعد قافلہ ایک ایسی جگہ جا پہنچا جہاں ایک چٹان کا دہانہ دکھائی دے رہا تھا۔ اس خوفناک دہانے پر کسی غفریت کے جبڑوں کا گمان ہوتا تھا۔ یہاں گہرائی میں ایک جگہ سے دُھواں اُٹھتا نظر آ رہا تھا۔ ٹائیگر سمجھ گیا کہ یہاں افیون سازی کی خفیہ فیکٹری لگی ہُوئی ہے۔

وہ لوگ اس وقت جہاں کھڑے تھے، وہاں سے آس پاس پہاڑوں میں جا بجا محرابیں نظر آ رہی تھیں۔

خچروں کو ہانک کر ایک طرف لے جایا جا رہا تھا۔ برازو ایک طرف بڑھتا نظر آیا... اور چند محافظ ٹائیگر کے پنجرے دار جنگلے کو گھسیٹنے میں لگ گئے۔

ٹائیگر نے عقب میں دیکھا تو اُسے کافی دیر بعد پہلی بار مُوہان دکھائی دیا۔ اس کا جنگلہ بھی گھسیٹا جا رہا تھا۔ پنجرے میں حرکت کے باعث مُوہان کا بینوی چہرہ بار بار اُوپر نیچے حرکت کر رہا تھا... اُس کے چہرے پر گہری مایوسی کے تاثرات تھے۔ ٹائیگر سمجھ گیا کہ وہ بھی برین واش کرنے والی اُس پُراسرار شعاع کے سلسلے میں باخبر ہو چکا ہے پھر اُسے یہ خیال پریشان کرنے لگا کہ ادریس مُون کا یہ ہونہار شاگرد کہیں اپنی یادداشت تو نہیں کھو بیٹھا؟ کہیں اُس نے شعاع سے شکست تو نہیں کھائی؟ عین کراس کا پنجرہ، مُوہان کے پنجرے کی اوٹ میں تھا۔ اس لیے ٹائیگر اُسے دیکھنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ مصنوعی غاروں کی طرف جانے والے راستے کشادہ تھے اور اُنھیں چٹانیں کاٹ کاٹ کر ہموار کیا گیا تھا۔ غاروں میں تیل کے لیمپ روشن تھے۔ ان لیمپوں کی روشنی میں قدیم زمانے کے کئی ہتھیار نظر آ رہے تھے۔ ان میں لمبے لمبے نیزے، کلہاڑے، ڈھالیں اور تیر کمان کے علاوہ پتھروں کے بنے ہُوئے لمبے لمبے چاقو شامل تھے۔ ان چیزوں کو دیکھ کر اس جگہ پر کسی عجائب گھر کا گمان ہوتا تھا۔

ٹائیگر کی نگاہ ایک کشادہ مصنوعی غار کے دہانے پر جم گئی۔ وہاں جدید ترین اسلحے کا ڈھیر لگا ہُوا تھا۔ وہ یہ سوچے بغیر نہ رہ سکا کہ بلیک سرکل اس طاقت کے نیل بوتے پر جب چاہے قرب و جوار کے کسی بھی مُلک میں انقلاب لا سکتا ہے۔

معاً اُس کے ذہن نے کسی کی موجودگی محسوس کر لی۔

اس احساس کے ساتھ ہی اُسے اپنی کھال میں کسی شے کی چبھن بھی محسوس ہُوئی۔ اُس نے بہ آہستگی آنکھیں بند کر لیں۔ وہ اس صورتِ حال میں چونکنے کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔

غالباً یہ ایک سرنج تھی جو اس کے بازو میں گاڑھا گاڑھا سیال داخل کر رہی تھی۔ ٹائیگر نے آنکھیں بند کرتے ہی عمل استغراق شروع کر دیا۔ سیال جُوں جُوں اُس کے بازو میں اُتر رہا تھا، اُسے اپنے بازو کی نسوں میں خون کی بجائے جُھلسا دینے والا لاوا حرکت کرتا محسوس ہونے لگا۔ یہ آگ بازو کی نسوں سے اُس کے جسم کے باقی حصّوں کی طرف سفر کر رہی تھی اور یُوں لگتا تھا جیسے وہ، اُس کی ہستی کو جُھلا کر راکھ کر دینے پر تُلی ہُوئی ہو۔ اس کے سینے میں دہکتا ہُوا لاوا پیدا ہو گیا اور اُس کا چہرہ یُوں ہو گیا جیسے اُس نے جُھلسنا شروع کر دیا ہو۔

ٹائیگر نے خود فراموشی کی حالت مزید گہری کرنی شروع کر دی۔

وہ اپنی ہستی کو اس آگ سے بچا لینا چاہتا تھا اور جیسے جیسے استغراق بڑھ رہا تھا، اس آگ کی شدّت میں کمی آتی جا رہی تھی جو سیال اُس کے بازو میں انجیکٹ ہُوا تھا، وہ سب سے زیادہ اس کے دل پر اثر انداز ہُوا تھا۔ اُس کی دھڑکنیں پہلے تو طوفانی رفتار اختیار کر گئیں... پھر اُنھوں نے کم ہونا شروع کر دیا... گویا اُس کی نبضیں ڈُوب رہی ہوں لیکن اُس کے اندر ایک ایسی ہستی بھی موجود تھی جو صرف آزاد اور رہنا جانتی تھی اور وہ ہر قیمت پر خود کو آزادی سے ہمکنار کر لیا کرتی تھی۔

ٹائیگر حیران تھا کہ جب ماسٹر تاؤ کو یہ پتہ چلے گا کہ ان کا جہاز... صفحۂ ہستی سے غائب ہو گیا ہے، تو اُس پر کیا گزرے گی؟ اُسے تو یہ

سُراغ بھی نہیں مل سکے گا کہ وہ زندہ ہیں اور دُنیا کے ایک ایسے علاقے میں پہنچ چکے ہیں، جہاں آنا اور جہاں سے واپس جانا، شخص ایک خواب ہی ہو سکتا ہے۔ عمل استغراق نے اُس کے ذہن کو ایک خاص نہج پر سوچنے پر مجبُور کر دیا کہ بلیک سرکل کے آقا، اُس کا امتحان کس طرح لیں گے...؟ اچانک اُسے استغراق حالت میں یُوں لگا جیسے کوئی پُکار رہا ہو... یہ آواز جلد ہی اُسے واضح طور پر سُنائی دینے لگی۔

"نیلگوں انگوٹھی کا انتظار کرو..."

ٹائیگر نے یہ پیغام سمجھ لیا۔ یہ ماسٹر تاؤ کی طرف سے ایک پیغام تھا۔ ایک بار پہلے بھی اُس نے اپنی نیلگوں انگوٹھی کے ذریعے اُسے اپنی موجُودگی کا پیغام دیا تھا۔ ٹائیگر کو یقین ہو گیا کہ ماسٹر تاؤ نے اُس سے ذہنی طور پر رابطہ قائم کر کے یہ بات کہی ہے۔

اُس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ ماسٹر تاؤ کے پیغام کا فرور انتظار کرے گا۔ اس دوران میں وہ بلیک سرکل کے آقاؤں کو یہ باور کراتا رہے گا کہ اُن کا حربہ کامیاب ہو گیا ہے اور وہ بے بس ہو کر اُن کے ہاتھوں میں کٹھ پُتلی بننے پر مجبُور ہے۔ اس طرح ایک فائدہ ممکن تھا۔ وہ معلومات حاصل کر کے، اس خوفناک تنظیم 'بلیک سرکل' کو تباہی کے دہانے پر پہنچانے کے لیے تیاری کرے گا۔

اُس نے رفتہ رفتہ آنکھیں کھول دیں۔

اب اُس کے قریب کوئی بھی موجود نہیں تھا۔ اُس کی گاڑی ایک ڈھلواں راستے پر پھسلتی ہُوئی نیچے جا رہی تھی۔ وہ جب پہلے مصنوعی غار کے سامنے سے گزرا تو اُس نے دیکھا کہ وہ درحقیقت کیا چیز ہے۔

یہ عبادت گاہ تھی۔ وہاں گرجی پر ایک حسین وجمیل لڑکی، فطری لباس میں بندھی ہُوئی تھی۔ اُس کے چاروں طرف آگ روشن تھی... اور لڑکی کا چہرہ، شعلوں کے انعکاس سے دہکتا ہُوا محسوس ہو رہا تھا... یہ شیطان کے پجاریوں کا مندر تھا۔ مندر میں دھُواں ہی دھُواں پھیلا ہُوا تھا۔ آگ کے حصار سے باہر ایک بُوڑھا آدمی زمین پر دراز تھا۔ اُس کا پیٹ ناف تک چاک تھا اور اُس کے سینے پر ایک سیاہ دائرہ دکھائی دے رہا تھا۔ بائیں جانب پُجاری بھی ایک عورت دراز تھی اور اُسے بھی بُوڑھے ہی کی طرح بدقسمتی کا شکار کیا گیا تھا۔ قریب ہی ایک... طاقتور آدمی موجود تھا جس کا بالوں سے بے نیاز سر چمک رہا تھا۔ اُس کا آبنوسی جسم، عضلات اور ریشوں کا دفتر معلوم ہو رہا تھا۔ اُس نے شیر کی کھال پہن رکھی تھی۔ اُسے دیکھ کر ہتھکر کے زمانے کا انسان یاد آتا تھا۔

گنجے کے قریب جُتنے والا ایک شخص اِستادہ تھا جس کا سیاہ لباس بڑا ہی خوفناک محسوس ہوتا تھا۔ لبادے پر طلائی اور سنہرے تاروں سے کشیدہ کاری کے ذریعے شیر اژدھے اور سانپ بنے ہُوئے تھے۔ ان تمام شبیہوں کے درمیان کسی عجیب اور ناقابل فہم زبان میں کچھ لکھا ہُوا تھا۔ یہ رسم الخط، ٹائیگر کو پہلے کبھی دیکھنے کا اتفاق نہیں ہُوا تھا۔ غالباً یہ جادُوئی بُولی تھی۔

یہ پجاری تھا۔ اُس کے دائیں ہاتھ میں شمشیر برہنہ تھی جس سے خُون ٹپک رہا تھا۔ نہ جانے، یہ اس مذبوح لڑکی یا اُس کے بُوڑھے والدین میں سے کس کا خُون تھا۔ ٹائیگر کے دل و دماغ میں غصّے کی... چنگاریاں تڑپنے لگیں۔

پجاری کے بائیں ہاتھ میں پیتل کا ایک پیالہ تھا جسے وہ بار بار گردش دے رہا تھا۔

ٹائیگر کو اب پہلی بار احساس ہُوا کہ یہ فلیٹ 'تنظیم' دُنیا کو کس تباہی سے ہمکنار کرنے کے عزائم رکھتی ہے۔ یہ ایک شیطانی عمل تھا اور اس سفلی عمل سے وہ لوگ ایک نئے شیطان کی پیدائش کا اہتمام کر رہے تھے۔ یہ ایک طرح کی دیوتا گنی تھی۔ ٹائیگر کو اپنی نسوں میں کھولتا ہُوا لاوا دوڑتا محسوس ہونے لگا۔

قافلہ مصنوعی غاروں کے دہانوں کے سامنے سے گزرتا رہا۔ اُن کھُلے غاروں کے اندر کا ایک ایک منظر، ٹائیگر کی رُوح تک کو لرزانے کے لیے کافی تھا۔ اُس کی گردن پر پسینہ چھوٹ نکلا اور رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ بالآخر یہ راستہ ایک وسیع و عریض غار تک پہنچ گیا۔ اس غار کی دیواریں خالص سونے کے پتروں سے مزین تھیں۔ فرش پر درندوں کی بیش قیمت کھالوں کا قالین بچھا ہُوا تھا۔ درمیان ایک قربان گاہ تھی جس کا ہر حصّہ سُرخ روشنی میں یُوں نہایا ہُوا تھا جیسے وہاں خُون ہی خُون پھیلا ہُوا ہو۔ اس قربان گاہ کی شکل، صلیب سے ملتی جُلتی تھی۔

ٹائیگر کی گاڑی کو گھسیٹ کر ایک محرابی دروازے تک پہنچا دیا گیا۔ یہ دروازہ، قربان گاہ کے عقب میں واقع تھا۔

اس سیلن زدہ تہ خانے میں مزید ایک سو گز آگے تنگ سی سُرنگ سے گزر کر ایک چیمبر تھا۔ ٹائیگر کی گاڑی وہاں پہنچا دی گئی... اُسے وہاں ایک چٹان پر چھوڑ دیا گیا جس کے پچاس فٹ نیچے، سیاہ پانی کی ایک گرجتی ہُوئی ندی بہہ رہی تھی۔ یہاں بہت زیادہ ٹھنڈ تھی۔ سیاہ پانی کی ندی نہ جانے کہاں سے شروع ہوتی تھی اور پھر نہ جانے اس کا کہاں اختتام ہوتا تھا۔

محافظوں میں سے ایک نے چابیوں کا گچھا، سلاخوں میں سے ٹائیگر کی طرف بڑھا دیا۔ اس کے بعد محافظ باہر چلے گئے اور اسٹیل کا بھاری بھرکم دروازہ، ایک دھماکے سے بند ہو گیا۔

گچھے میں دو چابیاں تھیں اور دونوں، پنجرے میں لگے ہُوئے تالوں میں فٹ ہو جاتی تھیں۔ معاً وہ ڈھول کی آوازیں سُن کر چونک پڑا۔ اُس نے آواز کی سمت میں دیکھا تو اُسے جلوس نظر آیا۔ جس کی قیادت ایک سیاہ پوش بُوڑھا کر رہا تھا۔ اُس کے سر پر جو سرپوش تھا، اُس پر سانپوں جیسی شبیہیں کڑھی ہُوئی تھیں اور سر پر ایک سُرخ پٹی بندھی ہُوئی تھی۔ اُس کے دائیں ہاتھ میں شیشے کی ایک نلی تھی جس میں سُرخ سیّال چمک رہا تھا۔

اُس کے عقب میں چار آدمی تھے، طاقت ور آدمی، جنھوں نے برکی کھالیں پہن رکھی تھیں۔ ان چاروں کے پیچھے... میوگاؤں کی لڑکیاں تھیں جن کے جسموں پر سیاہ دائرے بنائے گئے تھے۔ ان لڑکیوں میں سے ایک نے شمنا تُو کی شاخ، پہاڑی چوٹی پر رکھ دی۔ یہ چوٹی ٹائیگر سے کچھ دُور واقع تھی۔

پُجاری نے ایک گیت گُنگنانا شروع کر دیا۔

اُس کی آواز کسی بھیڑ کے ممیانے جیسی تھی، اُس کے باوجود، آواز بھید دینے والے تاثر سے بھرپور تھی۔ وہ گیت گا رہا تھا اور پھر اُس نے شیشے کی نلی سے وہ سُرخ سیّال، شمنا تُو کی شاخ پر گرانا شروع کر دیا۔ "آؤ... عظیم پُجاری... آؤ اور اس لڑکے کو اپنی طاقت کے نظارہ دکھاؤ۔"

عظیم پُجاری کو دیکھنے کے بعد ٹائیگر سمجھ گیا کہ نر ڈاک کے مندر میں اس کے قید و بند کا دوسرا دَور شروع ہو چکا ہے۔

عظیم پُجاری نے اپنے لبادے سے ایک زرد کاغذ نکالا اور پھر ایک عجیب سا قلم برآمد کیا۔ یہ قلم، شیر کی کھال پہنے ہُوئے آدمیوں نے باری باری لیا اور اُس کی نب، اپنی کلائیوں میں چبھونے لگے۔ اس طرح خُون نکلا اور نب اُس میں ڈُوب گئی۔ پجاری اس قلم سے زرد کاغذ پر کچھ لکھنے میں مصروف ہو گیا۔

شیشے کی نلی سے نکلا ہُوا سیّال، شمنا تُو کی شاخ پر سُلگنے لگا کچھ دیر، اُس سے دھُواں اُٹھتا رہا... پھر وہ شاخ ایک دھماکے سے جل اُٹھی۔ پُجاری نے وہ زرد کاغذ، آگ میں جھونک دیا۔ کاغذ جلنے سے بے پناہ دھُواں بلند ہوا۔ یُوں لگ رہا تھا جیسے دھُوئیں کا ستون بن گیا ہو۔ یہ گاڑھا دھُواں تھا جس نے رفتہ رفتہ پُورے غار کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ یہ دھُواں ٹائیگر کے پھیپھڑوں تک میں بھر گیا۔ اُس کے ہر مسام سے اور نتھنوں سے دھُواں، اُس کے جسم میں تحلیل ہوتا جا رہا تھا اور ٹائیگر کو اپنے عضلات، شدید کھچاؤ میں مُبتلا ہوتے لگ رہے تھے۔ وہ تیزی سے اپنے ذہن کے ایک ایسے حصّے تک رسائی حاصل کرنے میں محو ہو گیا جہاں یہ دھُواں نہیں پہنچ سکتا تھا۔ صرف اسی طرح وہ اپنی ہستی محفوظ رکھ سکتا تھا۔

کافی دیر بعد جب اُس نے آنکھیں کھولیں تو اُس کے سامنے

رقص ابلیس شروع ہو چکا تھا۔ وہ ایک بار پھر اپنی آنکھیں بند کرنے پر مجبُور ہو گیا اور سوچنے لگا کہ اُسے ابھی اس انداز میں مزید کتنی اذیت سہنی پڑے گی۔

ٹائیگر تین روز سے اُس چٹان پر مقیم تھا۔

وہاں اُسے غذا اور پانی فراہم کیا جاتا رہا تھا۔ اس غذا میں ایک خاص بات تھی، اُسے یُوں محسُوس ہوتا تھا جیسے ہر بار کھانے کے بعد اُس میں سفلی خواہشات زور پکڑ جاتی ہیں۔ نڈ ڈاک کے مندر میں شیطانی عبادات میں جس طرح جذبات کو سکون پہنچایا جاتا تھا، وہ منظر اُسے بے چین کرنے لگتے تھے... لیکن وہ بدی کا پرستار نہیں تھا۔ اُس کی رُوح پاکیزہ تھی۔ اسی باعث وہ ہر بار ان خواہشات کو اپنی رُوحانی طاقت سے کچل ڈالنے میں کامیاب ہو جاتا تھا۔

کبھی کبھی ٹائیگر کو مُوہان کا بھی خیال آ جاتا تھا۔

وہ حیرت سے سوچتا کہ اس بے چارے پر نہ جانے کیا بیت رہی ہو گی۔ تب اُسے خدشہ تنگ بن کر اُس کے دل میں اُبھرتا اور اُسے ڈسنے لگتا۔ وہ اس ناگ کے زہر سے بے چین ہو جاتا۔ خدشہ یہ تھا کہ کہیں مُوہان بلیک سرکل کے ہتھکنڈوں کا شکار نہ ہو گیا ہو۔ اس نے خالی الذہن حالت میں کئی بار اس سلسلے میں غور کیا اور ہر بار عمل استغراق سے نکل کر اُلجھن میں مُبتلا ہوتا رہا... حتیٰ کہ اس نے اپنے آپ کو ایک فیصلے تک پہنچا دیا۔

"میں اُسے قتل کر دُوں گا۔" یہ ٹائیگر کے اُسی دل کی آواز تھی جس میں ادریس مُون کے اس ہونہار شاگرد کے لئے بھائیوں جیسی محبت تھی۔ "ہاں... اگر وہ بلیک سرکل کا آلۂ کار بن گیا تو اُسے ہلاک کر ڈالنا ہی بہتر ہو گا۔"

سوچوں کے اس بھنور میں وہ سونی کے بارے میں کم سے کم سوچنے کی کوشش کرتا تھا کیونکہ اس لڑکی کا خیال اُسے احتیاط کا دامن چھوڑ کر میدانِ جنگ میں کُود پڑنے کی دعوت دیتا تھا... لیکن جب بھی اُسے خیال آتا، وہ کانپ جاتا تھا۔ تب اُس کی سوچیں اُسے پاگل کر دیتیں۔ اندیشے اس کے دل میں گھر کر کے طوفان اُٹھا دیتے۔ وہ دیوانہ وار سوچتا کہ فانگ نے اس نازک اندام لڑکی کا نہ جانے کیا حشر کیا ہو گا؟ کیا اس نارنجی شعاع کے ذریعے اس کا بھی برین واش کر دیا گیا ہو گا؟ کیا وہ اپنی یادداشت کھو بیٹھی ہے؟ کیا وہ اُسے بھی بھُول گئی ہو گی؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ فانگ نے اُسے جسم فروشی پر مجبور کر دیا ہو... یا پھر ممکن ہے اُسے نشے کی لت میں ڈال کر تباہی کے دہانے پر پہنچا دیا گیا ہو۔

ان سوچوں کے بھنور سے خُود کو نکالنے کے لئے وہ نڈ ڈاک کے اس مندر کے بارے میں غور کرنے لگتا تھا جہاں بظاہر تو اُسے بدقسمتی ہی گھسیٹ لائی تھی لیکن درحقیقت وہ خوش قسمت تھا کہ اس مقام پر آ پہنچا تھا۔ یہی جگہ اس کی منزلِ مقصود تھی۔ اگرچہ اُسے مندر اور مصنوعی غاروں میں ابھی آزادی

سے گھومنے پھرنے نہیں دیا گیا تھا۔ تاہم اُس نے جو کچھ بھی دیکھا تھا، اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ اس مندر کو دُنیا کے مضبوط ترین قلعے کی حیثیت حاصل ہے اور یہاں کسی ملک کی پُوری فوج محض چند سو آدمیوں کے ہاتھوں شکست فاش سے ہمکنار ہو سکتی ہے۔

اس وقت تک جو معلومات اپنے ذہن کے ایک گوشے میں جمع کی تھیں، وہ ناکافی تھیں۔ ہر ان کے بل بوتے پر وہ کوئی قدم نہیں اُٹھا سکتا تھا

وہ چٹان پر بیٹھا نیچے دیکھ رہا تھا جہاں سیاہ رنگ کا پانی اُچھلتا بُجھا بہہ رہا تھا۔ یہ یہاں قیام کا چوتھا روز تھا اور وہ سوچ رہا تھا کہ آخر ماسٹر ٹاؤ کیا کر رہا ہے؟ اُسے کوئی عملی قدم اُٹھانے میں کتنی دیر لگے گی؟ تب اُسے موہان کی یاد آ گئی اور وہ سوچنے لگا کہ کیا اُسے بھی کسی ایسے ہی زیرِ زمین غار میں رکھا گیا ہوگا جہاں ایک ایسی ہی چٹان ہوگی اور جہاں اسی طرح چٹان کے نیچے سیاہ پانی بہہ رہا ہوگا؟

دفعتہً غار کا دروازہ ایک دھماکے سے کھُل گیا۔

یہ دروازہ ٹائیگر کے عقب میں واقع تھا۔ اس نے گردن موڑے بغیر محسوس کر لیا کہ اندر آنے والے تعداد میں دو ہیں۔ ان میں سے ایک براز و تھا اور دُوسرا کاشی تھا... وہی ہندو کنگ فُو ماسٹر جو اُس کے ہاتھوں مرتے مرتے بچ گیا تھا۔

اب بے حس و بے حرکت بیٹھا رہنا مصلحت کے خلاف تھا کیوں کہ آوازوں سے غار گونج اُٹھا تھا۔ اس نے دیکھا کہ براز و اور کاشی کے عقب میں نصف درجن محافظ بھی موجود ہیں۔ ان میں سے بعض کے ہاتھوں میں نشہ اگلنے والے پستول تھے اور بعض نے اشعال پرچار، پانچ کے خوفناک ریوالور تھام رکھے تھے۔ ہر ریوالور کی نال ٹائیگر کی طرف اُٹھی ہوئی تھی۔

اس وقت ٹائیگر آزاد تھا۔ اس نے گن انکھیوں سے وہ جگہ بھی دیکھ لی جہاں سے اپنے حملے کا آغاز کر سکتا تھا۔ اُسے معلوم تھا کہ کوئی ایسا انتہائی قدم اُٹھانے کے لئے اس کے پاس صرف ایک ہی موقع ہے۔ اگر وہ دونوں ماسٹروں کو ناکارہ کر کے کسی ریوالور پر ہاتھ ڈالنے میں کامیاب ہو گیا۔ تو کوئی وجہ نہیں کہ باقی لوگوں سے بھی نمٹ کر یہاں سے نکل جانے میں کامیاب نہ ہو سکے۔

اس کا ذہن تیزی سے کام کرنے لگا۔ وہ جنگ کی امکانی حالتوں کا جائزہ لینے لگا۔ ذہن ہی ذہن میں اس نے متوقع جنگ شروع کی، دلوچ آزمائے اور پھر نتیجے پر عزم کیا تو اندازہ ہُوا کہ فی الحال خاموش رہنا ہی اس کے حق میں ہے۔

وہ اُٹھ کھڑا ہُوا۔

اس کی نگاہ براز و پر جم گئی لیکن وہ چہرے پر کوئی تاثر پیدا کیے بغیر اس کی طرف متوجہ ہُوا تھا۔ یہ بات اچانک اس کے ذہن میں آئی تھی کہ براز و نے اُسے ہلاک جبر ہی یہاں آزاد نہیں چھوڑا ہوگا۔ غالباً وہ دیکھنا چاہتا ہے کہ اس میں کس قدر دم خم باقی ہے۔ اس کے دماغ میں منصفے کی گرم سی لہر دوڑ گئی لیکن اس نے اسے مصلحت کی سرد برف میں ڈھانپ کر بجھا دیا۔ اس نے فیصلہ کر لیا کہ جب تک ماسٹر ٹاؤ نیچے کی آنکھوں سامنے نہیں آتی وہ کوئی قدم نہیں اُٹھائے گا۔

وہ براز و کو اس انداز میں دیکھ رہا تھا جیسے حیران ہو کہ وہ کون ہے۔ اس کی آنکھوں میں براز و کے لیے نیف سی شناسائی کی بھی جھلک نہیں تھی۔ بلکہ اس کے تاثرات اب اُلجھن ظاہر کر رہے تھے۔ براز و اس انداز میں مسکرایا جیسے ٹائیگر اس کا پُرانا دوست رہا ہو۔ اس نے بڑے ہی دوستانہ انداز میں ٹائیگر کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

ٹائیگر خاموشی سے اس ہاتھ کے دباؤ تلے متحرک ہو گیا۔ براز و اس کے کندھے پر ہاتھ رکھے اُسے غار سے باہر لے جا رہا تھا۔ ٹائیگر خاموشی سے چلتا رہا۔ براز و کا ساتھی کاشی اور نصف درجن محافظ اس کے اطراف میں چل رہے تھے۔ اُن میں سے ہر ایک اپنی جگہ چوکنا تھا۔

ٹائیگر کا خیال تھا کہ براز و اُسے دائیں سمت واقع قربان گاہ کی جانب لے جائے گا... لیکن خلافِ توقع وہ بائیں طرف گھوم گیا۔ اس طرف سے ایک راستہ پہاڑ کے درمیانی حصّے کی طرف جاتا تھا۔

چلتے چلتے وہ اسٹیج کے ایک ہلکی پھرکی دروازے پر جا پہنچے۔ ہر کے پہلو میں ایک بٹن لگا ہُوا تھا۔ براز و نے بٹن دبا دیا۔ چند سیکنڈ بعد دروازہ ایک جھٹکے سے کھُل گیا جیسے بٹن نے کسی میکنزم کو چھیڑ دیا تھا۔

اندر اسٹیل کا ایک پلیٹ فارم تھا۔

اس چٹان کمرے میں قدم رکھتے ہی ٹائیگر کی آنکھیں چندھیا گئیں سفید سفید روشنیوں کی تیزی نے وقتی طور پر اس کی بصارت کو متاثر کر دیا تھا۔ ہزاروں کی تعداد میں مصنوعی بلبوں کی روشنی ناقابلِ برداشت تھی۔ یہ بلب حرارت مہیا کرتے تھے اور ان کے نیچے ایک دبیز سبز گھاس نظر آ رہا تھا، جس میں پوست کے ان گنت پودے لگے ہُوئے تھے۔ لیبارٹری میں کام کرنے والوں جیسے سفید کوٹوں میں ملبوس کئی آدمی اس کھیت میں پوست کے ڈوڈے چُن رہے تھے۔

یہ ایک انڈر گراؤنڈ نرسری تھی۔

ٹائیگر نے بڑی مشکل سے خود کو چونکنے سے محفوظ رکھا تھا۔ اس کا جسم ٹھنڈے ٹھنڈے پسینے میں بھیگنے لگا۔ یہ زیرِ زمین تجربہ گاہ بڑی کامیابی سے افیون کی کاشت کر رہی تھی۔ ٹائیگر حیران تھا کہ ان پہاڑوں میں ایسے ایسے اور نہ جانے کتنے کھیت ہوں گے اور ان میں نہ جانے کتنی افیون پیدا ہوتی ہوگی۔

اچانک اس کے کندھے پر براز و کے ہاتھ کی گرفت بڑھ گئی۔

براز و اسے گھما کر واپس دروازے کی طرف لے جا رہا تھا۔ ٹائیگر سمجھ گیا اسے یہاں کیوں لایا گیا تھا۔ وہ اس کا ردِ عمل جاننا چاہتے تھے لیکن ٹائیگر امتحان میں کامیاب رہا تھا۔ اُس نے حیرت ظاہر نہیں کی تھی بلکہ یُوں ظاہر کیا تھا جیسے وہاں کے منظر سے اُسے کوئی دلچسپی ہی نہ رہی ہو۔

ٹائیگر دل ہی دل میں خوش بھی تھا کہ بالآخر وہ اُن کے نزدیک اس حد تک قابلِ اعتماد ہو گیا ہے کہ وہ اُسے اپنی نئی دُنیا سے متعارف کرانے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ اس نے بڑی ذہانت سے کام لے کر اس مقام کا نقشہ اپنی دانست میں محفوظ کر لیا۔

براز و اُسے ساتھ لے کر آگے بڑھ گیا۔

اس راستے پر مزید ایک سو قدم چلنے کے بعد وہ ایک اور دروازے کے سامنے پہنچ گئے۔ اس مصنوعی غار میں داخل ہونے پر ایک اور منظر دکھائی دیا۔ اگر ٹائیگر محتاط نہ ہوتا تو یہاں یقیناً مار کھا جاتا... لیکن اس نے اپنی حیات سے کام لے کر اپنے اعصاب کو بے حد ڈھیلا کر دیا تھا اور اب کوئی بڑے سے بڑا اور چونکا دینے والا منظر بھی اسے متاثر نہیں کر سکتا تھا۔

اس مصنوعی غار کی دیواروں پر ان گنت مشعلیں روشن تھیں۔ یہاں ایک پلیٹ فارم پر شیطان کا مجسمہ رکھا ہُوا تھا۔ اس مجسمے کے پہلو میں اذریں لون کا سانولا سا مُوہان ایک حسین لڑکی کے ساتھ کھڑا تھا۔ دونوں شیر کی کھال میں لپٹے ہُوئے تھے۔

ٹائیگر نے براز و کی نگاہوں کو اپنے اُوپر محسوس کیا۔ غالباً وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ اپنے دوست کو پہچان چکا ہے یا نہیں۔ ٹائیگر نے اُسے یہاں بھی بُری طرح مایوس کیا۔ اس نے شناسائی کا ہلکا سا بھی تاثر نہیں دیا تھا۔

ایک بار پھر براز و کے ہاتھ کی گرفت اس کے کندھے پر بڑھ گئی۔ اب وہ اُسے ایک چبوترے کی طرف لے جا رہا تھا جو ایک چٹان سے منسلک کر کے بنائی گئی تھی۔

ہاتھ کا دباؤ پا کر ٹائیگر اس کرسی پر بیٹھ گیا اور کن انکھیوں سے لڑکی کو دیکھنے لگا۔

لڑکی سے نگاہ ہٹا کر وہ مُوہان کی طرف سرسری نگاہ سے دیکھنے لگا... مگر وہ براز و کی طرف متوجہ ہو گیا جو اس کی کلائیاں کرسی سے باندھ رہا تھا۔ اس کے بعد ٹائیگر کے دونوں ٹخنے بھی باندھ دیے گئے۔ ٹائیگر کو اب اندازہ لگا لینا چاہیے تھا کہ وہ اگر چاہے تو اس مندر سے فرار ہو سکتا ہے... لیکن اس میں کچھ وقت لگ سکتا ہے۔ یہ ارادہ ذہن سے جھٹک کر اُس نے استغراقی کیفیت اور پر طاری کرنی شروع کر دی کیونکہ وہ دیکھ رہا تھا کہ براز و اسے کسی ٹیسٹ امتحان سے دوچار کرنے کی تیاری میں مصروف ہے۔

ٹائیگر کی نگاہ تعظیم پجاری پر گئی جو کالے جادو کا کوئی قدیم ماہر لگتا تھا۔ وہ خالی خالی نظروں سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ اچانک وہ سکتے سے ہٹ گیا تو اُس کے عقب سے اژدہا کسمسانے اور اس کا جسم نکلنے لگا۔

اس کی حالت دیکھ کر ٹائیگر کو دل ہی دل میں بے حد افسوس ہُوا۔ کیوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ یہ بھی نہیں جانتی کہ اس وقت کہاں اور کس حال میں ہے۔ اس کے دونوں بازو بے جان سے پہلوؤں میں لٹکے ہُوئے تھے اور وہ ایک ایسی لاش محسوس ہو رہی تھی جس کی آنکھیں مرنے کے بعد بھی کھُلی رہ گئی ہُوں۔ وہ خلا میں گھُور رہی تھی۔ اس کا حسین چہرہ مرجھا گیا تھا۔

دفعتہً ٹائیگر کو محسوس ہُوا کہ وہ جس کرسی پر بندھا ہُوا ہے اس میں کوئی خاص بات ہے... اور پھر اُسے حسین انداز میں باندھا گیا تھا، وہ بھی بلاوجہ نہیں تھا۔ کرسی کی دھات چمک دار تھی اور یوں لگ رہا تھا جیسے وہ پگھل پگھل کر اس کے جسم میں سرایت کر رہی ہو۔

معاً پجاری نے جین کر اس کو اشارہ کیا۔

وہ کسی معمول کی طرح اس اشارے پر قریبی پیال پر دراز ہو گئی۔ پجاری جھک کر اس کے ہاتھ پیروں کو باندھنے میں مصروف ہو گیا۔ ٹائیگر یہ سوچے بغیر نہ رہ سکا کہ کیا ان لوگوں نے سونی کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک کیا ہوگا؟ اس کے دل کی گہرائیوں میں غصّے کا لاوا اُبلنے لگا... لیکن اس نے یہ تصوّر ذہن سے جھٹک کر بے خیالی کی نادیدہ دُھند اپنے ذہن پر طاری کرنی شروع کر دی۔ اس وقت وہ کسی کٹھن ترین امتحان سے گزرنے والا تھا اور وہ اس کے لیے پوری طرح تیار رہنا چاہتا تھا۔ اس نے خالی خالی نظروں سے وہاں موجود ہر شخص کو دیکھا، سوائے خود اُس کے سبھی جانتے تھے کہ اس کے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔ حتیٰ کہ موہان بھی اس سے بے خبر نہیں تھا اور اس کا دماغ ایک بار پھر کھولنے لگا۔ اس نے سوچا کہ کیا موہان بھی ان لوگوں کا غلام بن گیا ہے؟ کیا وہ بھی جین کو اس طرح قتل کروانے گا جس طرح کا منظر اُس نے ایک غار میں دیکھا۔ اس نے فیصلہ کر لیا کہ اگر ایسا ہُوا تو وہ موہان کو زندہ نہیں چھوڑے گا۔

اچانک اس کی نگاہ ایک میتو جوان پر پڑی اور پھر اُسے بوڑھے پجاری کا اشارہ دکھائی دیا۔ اس کے ساتھ ہی آہستہ آہستہ اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ اس کا دل چیخ اُٹھا تھا اور جو کچھ اس کی نگاہوں کے سامنے کیا جا رہا تھا اُسے دیکھنے کی اُس میں تاب نہیں تھی۔

☆

ٹائیگر زیادہ دیر آنکھیں بند نہ رکھ سکا۔ اس کے قلب و ذہن پر نفرت آمیز تجسّس کا غلبہ تھا۔

وہ اس آتشِ انتقام کو بجھانے کے لیے ہی دنیا کے اس بعید ترین حصے تک آئے... پر مجبور ہوا تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ آتشِ انتقام بعد میں ایک ایسی آگ کا روپ دھار گئی تھی جس میں وہ خانگ کے ساتھ ساتھ اُن سب لوگوں کو بھی بھسم کر ڈالنا چاہتا تھا جو دنیا بھر میں معصوم اور بے ضرر لوگوں کے جسموں میں انیون کا زہر گھول رہے تھے۔

اُس نے آنکھیں کھول دیں۔

اُس کا چہرہ سپاٹ تھا اور آنکھیں ساکت تھیں۔ دیکھنے والوں کو وہ ایک ایسا مجسمہ ہی لگ رہا تھا جسے کرسی پر بٹھا کر باندھ دیا گیا ہو۔ ٹائیگر کے سامنے ہوسٹس جین کہ اس چوک دار فرش پر، پیال کے تکیوں میں ڈوبی ہوئی دراز تھی اور اسی فرش پر اور یس مُون کا ہونہار شاگرد مُوہان بھی موجود تھا۔ میو تبیلے کا نوجوان اُس سے کچھ فاصلے پر بے حرکت کھڑا اُسے یوں گھور رہا تھا، جیسے موقع ملتے ہی اُس کا ریشہ ریشہ الگ کر ڈالے گا۔ اُن کے درمیان عظیم پجاری نما، ظلِ شیطانی بنا کھڑا تھا۔ تماشائیوں میں برازو پیش پیش تھا۔ اُس کی نگاہ ٹائیگر پر جمی تھی جیسے اُسے پچکیلے فرش پر پھیلے جانے والے دھندلکی آمیز ڈرامے سے کوئی دلچسپی نہ ہو اور اُسے صرف ٹائیگر کے تاثرات سے دلچسپی ہو... لیکن ٹائیگر اُسے اب بھی بالوں ہی کر رہا تھا۔

یکایک عظیم پجاری کا جسم حرکت میں آگیا۔

دو قدم چل کر وہ بڑے ہی ڈرامائی انداز میں رُک گیا... پھر اُس نے باری باری اپنے دائیں بائیں کھڑے مُوہان اور میو نوجوان پر نگاہ ڈالی۔ دونوں بوں ابتدا دیکھے جیسے عظیم پجاری کے اشارے کا انتظار کر رہے ہوں۔ پجاری کی نگاہ اب ائر ہوسٹس پر جمی ہوئی تھی جو بیال پر جاگتی آنکھوں لیکن سوئے ہوئے ذہن کے ساتھ اپنی قسمت کا فیصلہ ہونے کا انتظار کر رہی تھی۔

• یہ عورت...!• پجاری نے جین کر اس کی طرف انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "تم دونوں میں سے کسی ایک کا انتظار کر رہی ہے... اور وہ خوش نصیب کون ہے، اس کا فیصلہ تم دونوں آپس میں کر دو گے!" یہ کہہ کر وہ ماربل کے چکنے فرش پر چلتا ہوا پیچھے ہٹ گیا۔

میو نوجوان آہستہ آہستہ گھوم کر مُوہان کی طرف براہِ راست متوجہ ہو گیا۔ اُس کی اولین حرکت سے ہی ٹائیگر کو اندازہ ہو گیا کہ وہ کنگ فو فائیٹر نہیں ہے۔ یہ انداز کسی ماسٹر کا ہو گ نہیں ہو سکتا تھا... پھر وہ کمر سے آدھے دھڑ کے ساتھ سامنے کی جانب جھک گیا۔ اس کے دونوں ہاتھ اطراف میں پھیل کر سینے کے سامنے آگئے۔ اس کی انگلیاں آہنی آنکڑوں کے انداز میں خمیدہ ہو گئیں۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ مُوہان کی بوٹیاں نوچ لینے کا ارادہ کر رہا ہو... اس کے انداز میں خفیف سی بے قراری بھی تھی۔

ٹائیگر ساکت پتلیوں سے اس کا جائزہ لیتا رہا۔ میو نوجوان کے جسم کا سارا بوجھ اس کے پنجوں پر تھا۔ ٹائیگر نے اندازہ لگایا کہ ٹھوکریں استعمال کرنے کا عادی نہیں ہے بلکہ اس کی ٹانگیں اس انداز میں حرکت کریں گی جیسے رنگ میں کوئی باکسر اپنے پنجوں پر رقص کرتا ہے... اس طرح اس کے بالائی طاقت ور دھڑ کو سہارا دینے کے علاوہ کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ گو یا وہ ایک جنگلی قسم کا فائیٹر تھا یا کوئی ایسا وحشی جنگجو جس کا تمام تر انحصار اُس کی طاقت ور دھڑ، ہمت اور وحشیانہ جبلت پر ہوتا ہے۔

ٹائیگر کی پتلیوں میں خفیف سی حرکت پیدا ہوئی اور وہ مُوہان کی طرف متوجہ ہو گیا جس نے اپنے حریف کے متحرک ہوتے ہی اپنا حملہ آور انداز اختیار کر لیا تھا۔ ٹائیگر نے محسوس کیا کہ اُس کی ہر حرکت و سکنات میں سختی ہے، مہارت کی بجائے وہ میکانکی سے انداز میں حرکت کر رہا تھا جیسے اس کا ذہن سو رہا ہو اور اُس کا باقی جسم لاشعوری طور پر دفاع یا حملے کے لیے تیار ہو گیا ہو۔

جین کر اس جس پیال پر دراز تھی، وہاں اُس کے پیروں کی ایک پتیل کا برتن رکھا ہوا تھا۔ میو نوجوان حملہ کرنے کی پوزیشن میں آنے کے باوجود وہیں ساکت ہو گیا تھا اور مُوہان نے بھی مزید کوئی حرکت نہیں کی تھی۔ گویا اُنھیں اب ایک دوسرے سے نمٹنے کے اشارے کا انتظار تھا۔

پجاری نے اپنے تہ در تہ لبادے میں سے ایک چھوٹی سی شیشی نکالی۔ ٹائیگر اس شیشی کو دیکھتے ہی پہچان گیا کہ وہ کیا ہے؟ کی حیات تیزی سے کام کرنے لگیں اور اس کے اعصاب میں رفتہ رفتہ تناؤ کی کیفیت پیدا ہونے لگی۔ پجاری نے اس شیشی میں بھرے ہوئے محلول کے کئی قطرے پتیل کے برتن میں گرا دیے۔

پتیل کے برتن میں سے شرارے سے لپک پڑے۔ کثیف دھواں اُٹھ اُٹھ کر چاروں طرف پھیلنے لگا۔

ٹائیگر اس دھوئیں کی خصوصیت سے آگاہ تھا، اسی لیے اُس نے حفظ ماتقدم کے طور پر اپنی حیات اور اعصاب کے علاوہ جسم کی رگ و ریشوں کو بھی قابو میں کرنے کی کوشش شروع کر دی تھی اگر ایسا نہ کرتا تو دھوئیں کا ہیولا بھی اس کے نتھنوں سے داخل ہو کر اُس کے جسم میں ایسی ناپاک خواہشات بھر دیتا کہ وہ اُن کی تکمیل کے پاگل ہو جاتا۔

عملِ تنفس نے اُسے دھوئیں سے محفوظ رکھا... لیکن ماحول کے چکنے فرش پر کھڑے دو آدمی اس سے محفوظ نہ رہ سکے۔ نہ جانے پجاری اور باقی لوگ اس دھوئیں کے اثرات سے کیسے محفوظ تھے، ممکن ہے اُنھوں نے یہاں آنے سے قبل کوئی تریاق استعمال کر رکھا ہو۔ دونوں حریف اب بے چین دکھائی دے رہے تھے جبکہ پجاری کو مقابلہ شروع کرنے کا اشارہ دینے کی کوئی عجلت نہیں تھی۔ غالباً وہ چاہتا تھا کہ ان دونوں کے صبر کا پیمانہ چھلک جائے، تب وہ مقابلہ شروع کرنے کا اشارہ دے۔

اگرچہ ٹائیگر نے شراروں اور دھوئیں کی ابتدا ہی میں عملِ تنفس شروع کر دیا تھا، پھر بھی نہ جانے کس طرح دھواں اس کے جسم پر اثر انداز ہونے لگا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ جسم کے مساموں سے گھس کر خون میں شامل ہو رہا ہو۔ جیسے جیسے یہ اثرات بڑھتے جا رہے تھے، ٹائیگر کو اپنی خواہشات میں بے چینیاں بڑھتی محسوس ہو رہی تھیں۔ وہ ایک ایسی ہولناک اندرونی جنگ میں مبتلا ہو گیا، "ناجو دُنیا کی ہر جنگ سے زیادہ تباہ کن اور تباہ کاریوں سے لبریز ہوتی ہے۔

دفعتہً ٹائیگر کو یہ احساس ہونے لگا جیسے وہ اُس پاس موجود ہر ذی روح کو قتل کر کے جین تک اس تک پہنچنے اور اُسے حاصل کرنے کی آرزو میں مبتلا ہو گیا ہو۔ اُسی ساعت اُس کی تمام تر روحانی قوتیں اس خواہش کے سامنے دیوار کی طرح حائل ہو گئیں اور ٹائیگر کے ذہن کو شدید جھٹکا لگا... بالکل یوں جیسے تیزی سے دوڑتا ہوا کوئی پتھر، اچانک ہی راہ میں آنے والی کسی چٹان سے ٹکرا گیا ہو اور دونوں ہی عمل اور ردِ عمل کے تحت چکنا چور ہو گئے ہوں۔ ٹائیگر کو بھی اپنی ہستی اسی طرح ریزہ ریزہ ہو کر بکھرتی محسوس ہونے لگی... لیکن اُس نے آنکھیں بند نہیں کیں۔ اس نے پلک بھی نہیں جھپکائی تھی کہ مبادہ برازو یہ سمجھے کہ وہ اس دھوئیں کے اثرات سے آگاہ ہے اور اس کے خلاف مزاحمت کر رہا ہے۔

... اور پھر پجاری نے چکنے فرش پر استادہ دونوں آدمیوں کو اشارہ دے دیا۔ اگر اُسے یہ اشارہ دینے میں چند لمحوں کی بھی دیر ہو جاتی تو شاید ٹائیگر کے ہاتھ سے ضبط کا دامن چھوٹ گیا ہوتا۔ وہ خود کو جکڑ بندیوں سے آزاد کر کے مُوہان اور میو نوجوان کے چیتھڑے اڑا دیتا اور جین کر اس کو حاصل کر کے ذلت کے قعرِ عمیق میں گرگیا ہوتا۔

پجاری نے جیسے ہی مقابلہ شروع کرنے کا اشارہ دیا، ٹائیگر کی تمام تر توجہ ان دونوں کی طرف مبذول ہو گئی اور یوں اُسے خود کو سنبھالنے میں آسانی ہو گئی۔

اشارہ ملتے ہی میو نوجوان نے جست لگائی۔ وہ کسی درندے کی طرح جھپٹ کر مُوہان پر پل پڑنا چاہتا تھا۔ اس کے دونوں پنجے

آہنی آنکڑوں کی طرح سامنے کی طرف لپکے جیسے وہ ایک ہی وار میں مُوہان کا پیٹ چیر کر اُس کی انتڑیاں نکال لینا چاہتا ہو۔ ٹائیگر اُس کی بے پناہ طاقت کا قائل ہو گیا۔ میو نوجوان کے بازوؤں کی پھلیاں اُبھری ہوئی تھیں اور خفیف سی حرکت سے یوں تڑپ تڑپ جاتی تھیں جیسے وہ عضلات نہیں بلکہ ننھے ننھے ناگ ہوں جو چھیڑ چھاڑ سے اپنے بل کھونے لگے ہوں تاکہ حملہ آور کو مزا چکھا سکیں۔

افیونی دھواں ایک بار پھر ٹائیگر کے ذہن پر حملہ آور ہوا۔ اس مرتبہ حملہ کافی شدید تھا۔ ٹائیگر نے آتش فشانی خواہش کو اتنی شدت سے دبایا کہ اُسے چکر آگیا۔ اس کی کھوپڑی گھوم گئی اور اُسے اپنا ذہن تاریکیوں میں ڈوبتا محسوس ہونے لگا۔

عمل اور ردِ عمل برابر اور ایک دوسرے کے مخالف ہوتے ہیں۔ اس کا عملی مظاہرہ اُس وقت ٹائیگر کی ذات میں، اس کی ہستی میں ہو رہا تھا۔ افیونی دھواں اُس کے انگ انگ میں آگ لگا رہا تھا جب کہ اُس کی روحانی قوت یہ آگ سرد کرنے پر تُلی ہوئی تھی، اس نے بہت ہی آہستہ آہستہ اپنی آنکھیں بند کر لی تھیں۔

یقیناً اس بات سے برازو کو شدید مایوسی کا سامنا کرنا پڑا ہو گا... تاہم اُس کی نگاہ اب بھی ٹائیگر پر جمی ہوئی تھی۔

کچھ دیر آنکھیں بند رکھنے کے بعد ٹائیگر نے اُنھیں وا کیا۔ یہ عمل کسی خاص تاثر کے بغیر ہی پایۂ تکمیل کو پہنچا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ برازو کوئی خاص رائے قائم کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔

ٹائیگر ایک بار پھر اُن دونوں کی طرف متوجہ ہو چکا تھا جو ایک دوسرے کو چیر پھاڑ ڈالنے پر تُلے ہوئے تھے۔ اس منظر نے ٹائیگر کو اپنی ذہنی کیفیت پر قابو پانے میں خاطر خواہ مدد دی۔ اُس نے نیم وا آنکھوں سے دیکھا کہ میو نوجوان کے جارحانہ حملے کا جواب مُوہان نے بڑے ہی آہستہ انداز میں دیا تھا۔ اس کے دونوں بازو اس طرح سامنے لہرا رہے تھے جیسے کوئی پرندہ بلند پرواز کے لیے پر تول کو سامنے لا کر پھڑپھڑاتا ہے... پھر اُس نے کسی اُچھلتے ہوئے ہرن کی مانند ٹانگیں چلائی تھیں۔ یہ دونوں ہی کنگ فو کے مخصوص انداز تھے لیکن ان میں جارحانہ تاثر نہیں تھا۔ گویا اس نے محض دفاعی کارروائی کی تھی۔

مُوہان کی آنکھیں نیم وا تھیں۔ لگتا تھا وہ نشے میں ہو...

اس کے ہونٹوں پر البتہ بڑی ہی عجیب اور ناقابلِ فہم کپکپاہٹ تھی اسے مسکراہٹ سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا تھا اور نہ ہی یہ خوف کی لرزش تھی۔

• میو نوجوان نے کسی بپھرے ہوئے درندے کی طرح حملہ کیا

اور پھر اُسے ماربل کے چمک دار فرش کے کنارے تک لے گیا۔ اُسی لمحے مظلوم پجاری حرکت میں آیا اور آہستہ آہستہ چلتا ہوا ٹائیگر کی کرسی کے پہلو میں آ کھڑا ہوا۔ ٹائیگر کی کرسی کے دوسری جانب برادر داور ہندو کنگ ڈوماسٹر کاشی کھڑا تھا... جبکہ محافظ بکتر کر دیواروں سے لگے کھڑے تھے۔

مغا ٹائیگر کے ذہن میں ایک سوال کلبلانے لگا۔

"کیا یہ جنگ ختم ہو جائے گی؟ کیا یہ جنگ صرف ان دو لوگوں کے فیصلے تک محدود ہے؟ اگر ان دونوں میں سے کوئی ایک گر گیا تو کیا ہوگا؟"

وہ اپنے ان سوالوں کا کوئی جواب تلاش نہ کر سکا کیونکہ اُسے معلوم تھا کہ یہ سب کچھ اتنا آسان ہرگز نہیں ہے، جتنا کہ بظاہر دکھائی دے رہا ہے۔ اچانک اُسے محسوس ہوا کہ اُس کے پہلو میں استادہ پجاری گہری گہری سانسیں لے رہا ہے۔ غار میں اب دھواں پوری طرح پھیل چکا تھا اور ماحول نے ایسی صورت اختیار کر لی تھی کہ عام آدمی کے لیے وہاں سانس لینا بھی ممکن نہیں تھا جبکہ پجاری کی پھنکاروں سے ملتی جلتی سانسیں ظاہر کر رہی تھیں کہ وہ زیادہ سے زیادہ نشہ آور دھواں اپنے پھیپھڑوں میں پہنچانے کے لیے بے چین ہے۔

اُسی لمحے میتو نوجوان کے وحشیانہ حملے کے باعث مُوہان لڑکھڑا گیا۔

پجاری کے حلق سے کانوں کو چھید دینے والے تاثر سے بھرپور ایک چیخ نکلی۔ ٹائیگر نے آنکھ کے کنارے سے اس کی طرف دیکھا تو سمجھ گیا کہ پجاری نے مُوہان کو سنبھلنے کا اشارہ دیا ہے۔

"ساہا... مونا ہا... میگا، مودا گا..." پجاری نے گنگنانے کے سے انداز میں کہا۔ یہ غالباً کسی شیطانی منتر کے بول تھے۔ ابھی یہ بول ختم ہی ہوئے تھے کہ ماربل کے کناروں پر شعلے بھڑک اُٹھے۔

لپکتے ہوئے ان شعلوں کی تپش سے مُوہان کی پُشت جل گئی۔ اس کے حلق سے ایک گھٹی گھٹی سی چیخ نکل گئی۔ اب ٹائیگر کی بینائی اور مُوہان کے جسم کے درمیان آگ کی ایک پتلی سی دیوار حائل ہو گئی تھی۔ اس آتشی دیوار کے اُس پار دیکھتے ہوئے ٹائیگر کو یوں محسوس ہوا جیسے مُوہان کی ہستی پگھل رہی ہو۔ اُسی لمحے میتو نوجوان نے ایک بھرپور گھونسہ مُوہان کے چہرے کی طرف اُچھالا۔

چوٹ مُوہان کے بائیں جبڑے پر پڑی اور وہ لڑھکنیاں کھاتا ہوا دور جا گرا... اور پھر میتو نوجوان نے خود کو کسی چیتے کی طرح اُس پر اچھال دیا۔ یہ ایک خطرناک وار تھا اگر مُوہان کی جگہ کوئی اور ہوتا تو شاید میتو نوجوان کے پہاڑ جیسے جسم اور چٹان جیسی ٹھوس ہستی تلے پس گیا ہوتا... لیکن معلوم ہوتا تھا کہ نشہ آور ماحول اور شعلوں نے مُوہان کے ذہن میں کسی خواہیدہ گوشے کو جگا دیا تھا۔ لگے ہی لمحے وہ جوابی کارروائی پر اُتر آیا۔

میتو نوجوان کے حلق سے ایک کرب ناک آواز نکلی اور وہ لڑکھڑاتا ہوا کئی قدم پیچھے ہٹ آیا۔ ٹائیگر نے پلک جھپکتے میں دیکھ لیا کہ مُوہان نے اپنے اوپر گرتے ہوئے اس چٹان نما شخص کے پیٹ میں دائیں ہاتھ کی انگشتِ شہادت کسی خنجر کی طرح گھونپ دی تھی۔ یہ سب کچھ چشم زدن میں ہوا تھا۔

میتو نوجوان قلابازی کھا کر ماربل کے بے داغ سفید فرش پر گرا اور فوراً ہی اُٹھ کھڑا ہوا۔ اُسے جوزخم آیا تھا اُس کے مہلک اثرات کا شاید ابھی اُسے اندازہ نہیں ہوا تھا۔ اس لیے وہ پھر حملہ آور ہونے کے لیے بڑھا۔ اس دوران میں پیٹ کے سوراخ سے خون کی ایک باریک سی سُرخ سُرخ دھار سفید فرش پر گرنے لگی۔ خون دیکھ کر وہ ٹھٹک گیا۔ اسی لمحاتی کش مکش نے اُسے ایک نئی مصیبت سے دوچار کر دیا۔ مُوہان کے بائیں ہاتھ کی انگشتِ شہادت نے اس بار میتو نوجوان کی جانگھ کے درمیانی حصے کو نشانہ بنایا تھا پھر وہ اُٹھا اور شعلوں کی دیوار پھاند کر فرش پر آ گیا۔ اب اس کے دونوں ہاتھ چیتے کے حملہ آور پنجوں کا انداز اختیار کر چکے تھے اور ٹائیگر جانتا تھا کہ یہ ہاتھ جہاں بھی پڑے، وہاں بڑے بڑے شگاف ڈال دیں گے۔ اس ہاتھ کا ایک ہی وار انتڑیاں نکال دینے کے لیے کافی ہوتا ہے۔

میتو نوجوان نے دونوں ہاتھ اٹھا دیے جیسے وہ مُوہان کے حملہ آور ہاتھوں کو روکنا چاہتا ہو۔ سفید فرش پر اس کا خون تیزی سے جمع ہو رہا تھا اور خون کی سُرخی اور چمک فرش کے کنارے بھڑکتی ہوئی آگ کے شعلوں کی وجہ سے بڑی ہی بھیانک لگ رہی تھی۔ مُوہان کا ہاتھ میتو نوجوان کی گردن پر پڑا اور اسی ہاتھ کی کہنی نے اُسے پیٹنے پر ضرب لگائی۔

وہ فرش پر گر گیا۔ اس نے گرتے ہی دونوں ٹانگیں اچھال دیں۔ وہ چاہتا تھا کہ دولتی مار کر مُوہان کو اپنے سے دُور کر دے... لیکن اُسی لمحے اُس کی نگاہ مُوہان کے گھٹنے کی طرف اُٹھ گئی جو اُسے چوٹ لگانے کے لیے جھک رہا تھا۔

میتو نوجوان اپنے جسم کو موڑ توڑ کر اُس کی زد سے نکلنے کی جدوجہد کرنے لگا لیکن اُدھر مُوہان کی یہ کوشش تھی کہ حریف اُس کے نیچے ہی دبا رہے۔ اُس نے کہنیوں سے اپنے نیچے دبے ہوئے دشمن پر چوٹیں لگانے کا عمل جاری رکھا جبکہ اُس کے دونوں ہاتھ اپنے چہرے کی حفاظت بھی کر رہے تھے۔

ٹائیگر سپاٹ چہرے کے ساتھ یہ منظر دیکھتا رہا۔

اُس نے دیکھا کہ اردیس مُون کا شاگرد اس وقت کس قدر خوفناک ہو گیا ہے۔ اس نے میتو نوجوان کے گرتے ہی منکی بُلو استعمال کیا تھا اور پھر بار بار یہی تیکنیک استعمال کرتا جا رہا تھا۔ ایک منکی بُلو کے بعد دوسرا منکی بُلو... اور پھر تیسرا منکی بُلو... چوٹیں میتو نوجوان کے بازوؤں سے ہوتی ہوئیں اس کی ٹھوڑی، رخساروں کی ہڈیوں اور پیشانی کا رُخ کر رہی تھیں اور جہاں بھی ضرب لگ رہی تھی، ہدف کی تباہی کا تاثر ہوتی جا رہی تھی۔

دفعتہً ٹائیگر کو محسوس ہوا جیسے مُوہان اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھا ہو۔ بار بار منکی بُلو استعمال کرنا اسی بات کی علامت تھی۔

اُسی لمحے ایک ایسا منظر دکھائی دیا جس نے ٹائیگر کو حیرت سے دوچار کر دیا اگر وہ صورتِ حال سے پوری طرح آگاہ نہ ہوتا اور ذہنی اور پر پوری طرح تیار نہ ہوتا تو اس کا چہرہ اور آنکھیں دل کا حال بے نقاب کر گئی ہوتیں۔ مُوہان کے جسم نے اچانک ہی ایک مروڑا سا کھایا اور پھر ایک جھٹکے سے دُور جا گرا۔ میتو نوجوان نے قہقہے لگانے کی ادھوری کوشش کی تھی۔ اس کی دونوں ٹانگوں نے اٹھ کر مُوہان کو اپنی جکڑ بندی میں لے لیا تھا۔ ٹائیگر حیران تھا کہ مُوہان اتنی معمولی سی چال کا کس طرح شکار ہو گیا۔ کیا وہ اپنے حریف کو قتل کرنے میں اتنا ہی منہمک تھا کہ اس کی توجہ اپنے دفاع کی طرف سے ہٹ گئی تھی یا وہ محض اداکاری کر رہا تھا۔ اگر اس کے گھٹنے پر لگی تھی اگر یہ ضرب ٹھیک سے لگتی اور میتو نوجوان اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتا تو مُوہان کا گھٹنا ٹوٹنے میں کوئی کسر نہیں رہ گئی تھی۔ یہ فنِ حرب کی سادہ ترین بات تھی اور مُوہان جیسا گنگ فُو ماسٹر اس غلطی کا شکار نہیں ہو سکتا تھا... لیکن جو ہونا تھا، وہ ہو چکا تھا اور ٹائیگر ابھی تک اس سلسلے میں اپنے ذہن کو مطمئن نہیں کر سکا تھا۔ مغا ٹائیگر کو اپنے پہلو سے برادر کی غُراہٹ سُنائی دی۔ غالباً وہ اس جنگ کے منظر سے لطف اندوزی سے محروم ہونے پر بدمزہ ہو گیا تھا۔

... لیکن دیکھتے ہی دیکھتے مُوہان سنبھل گیا۔ اس کی لڑکھڑاہٹ اچانک ہی قابو میں آ گئی تھی اور اس نے دونوں پیروں کے گدی دار حصوں پر اپنے جسم کو متوازن کر لیا تھا۔ ابھی میتو نوجوان خود کو سنبھالنے میں کامیاب نہیں ہوا تھا کہ مُوہان نے ہُوف گیک لگا دی۔

میتو نوجوان نے دونوں بازو لہرا کر دفاع کرنا چاہا لیکن اس کے بازو کئی جگہ سے زخمی ہو چکے تھے۔

مُوہان کی ٹھوکروں میں ناقابلِ یقین تیزی تھی، اتنی تیزی کہ اس کی ٹھوکریں شمار نہیں کی جا سکتی تھیں۔ وہ مُنہ کے بَل گرنے

لگا۔ اسی لمحے مُوہان کی ایڑی اُس کے رُخسار کی طرف آئی اور جب گھوم کر اُس کے چہرے سے دُور ہوئی تو میتو نوجوان کا ایک کان اُس کے چہرے کے پہلو سے غائب ہو چکا تھا۔ یہ کان فرش پر وہاں جا گرا جہاں میتو نوجوان کا خون ایک ننھے سے تالاب کی شکل میں جمع ہو چکا تھا۔

غار کا ماحول بھاری بھاری سانسوں اور چیخوں سے گونج اٹھا تھا۔

تماشائی غالباً سمجھ گئے تھے کہ مقابلہ اپنے انجام کو پہنچ رہا ہے۔ وہ چیخ چیخ کر میتو نوجوان کا حوصلہ بڑھانے کی کوشش کر رہے تھے لیکن محض نعرہ زنی کسی نیم مُردہ جسم میں نئی رُوح پھونکنے میں ہمیشہ ہی کامیاب نہیں ہوا کرتی۔ میتو نوجیے کے اس طاقت ور نوجوان نے حملہ کرنے کی بجائے اب تمام تر کوششیں اپنے دفاع تک محدود کر لی تھیں اگر وہ کسی کھلی جگہ مقابلہ کر رہے ہوتے یا فرار کا کوئی راستہ ہوتا تو شاید وہ ایک لمحے کے لیے بھی وہاں نہ رُکتا... لیکن اس میدانِ جنگ میں صرف دو ہی راستے تھے۔ ان راستوں میں سے ایک موت کا راستہ تھا اور دوسرا زندگی کی نوید دیتا تھا لیکن میتو نوجوان زندگی کا راستہ ٹھکرا چکا تھا اور اب اُسے اپنی موت سامنے نظر آ رہی

جاسوسی ڈائجسٹ کا مقبول سلسلہ

سرکش

محمود احمد مودی کے شہکار قلم سے

12 حصوں میں شائع ہو گیا ہے

قیمت فی حصہ =/50 روپے

مکمل سیٹ =/600 روپے

سرکلر روڈ اردو بازار لاہور

فون 7668958

تھی۔اس کا چہرہ مسخ ہو چکا تھا۔ہڈیوں کی ہڈیاں ٹوٹ گئی تھیں ایک کان اپنی جگہ سے غائب تھا۔ہونٹ پھٹ چکے تھے اور بالائی لب اُدھڑ جانے کی وجہ سے وہاں سے دانتوں کی اُدھوری قطار نظر آنے لگی تھی۔ سامنے کے دو دانت اپنی جگہ پر موجود نہیں تھے اور وہاں سے خون بہہ بہہ کر ٹھوڑی پر ڈھلک رہا تھا۔اُس کی آنکھوں میں بے پناہ سُرخی تھی لیکن ان میں دہشت کا نام و نشان تک نہیں تھا۔

ٹائیگر جانتا تھا کہ موت سے اس قدر قریب ہونے کے باوجود وہ خوف زدہ کیوں نہیں ہے۔یہ اُس نشہ آور دُھوئیں اور شیطان کے اس مندر کے طلسمی ماحول کا نتیجہ ہے۔

ٹائیگر... آنکھوں کے کنارے سے برازو کی طرف متوجہ ہو گیا۔اُس کی آنکھیں چمک رہی تھیں اور ہونٹ بڑے ہی سفاک انداز میں مسکرا رہے تھے۔اس کی توجہ اب ٹائیگر پر نہیں تھیں۔وہ مُوہان کی جنگ کا آخری اور فیصلہ کُن حصہ دیکھنے میں منہمک تھا۔خود وہ بھی اُسی جانب متوجہ ہو گیا۔

اس طلسماتی ماحول والے کھاڑے میں اور بس مُوہان کا شاگرد، میتو نوجوان پر فیصلہ کُن وار کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔اس کا جسم، بیروں کے گدّی دار حتھوں پر یُوں گھوم رہا تھا جیسے کوئی شے اپنے محور پر گھومتی ہے۔اس گھومنے کے عمل میں بے پناہ درندگی تھی۔یہ راؤنڈ ہاؤ ڈنامی ٹھنک دار تھا۔اُس کی ایڑی آہستہ آہستہ فرش سے بلند ہوئی اور اُس کا میتو نوجوان کی کھوپڑی کی طرف مہلک سفر شروع ہُوا۔بڑا ہی شاندار منظر تھا اگر جذبات کا اظہار ممکن ہوتا تو ٹائیگر حلق کے بَل چیخ کر مُوہان کو تیکنیک کی اس بے مثال صحت پر یقیناً مبارک باد دیتا... لیکن یہاں تو صورتِ حال ایسی تھی کہ اُسے اپنی دھڑکنوں پر بھی قابو رکھنا پڑ رہا تھا۔وہ کوئی تاثر، کوئی جذبہ اور کوئی بھی ردِ عمل ظاہر نہیں کر سکتا تھا۔

ایڑی اور کھوپڑی کا تصادم ہُوا۔فضا میں یکایک سناٹا چھا گیا۔یوں لگتا تھا جیسے برازو اور پجاری سمیت ہر شخص کو سانپ سُونگھ گیا ہو۔ایڑی کھوپڑی سے قدرے اوپر جا کر اچانک ہی کچھ اس انداز میں نیچے آئی تھی جیسے کوئی پرندہ آسمان سے زمین پر دوڑتے ہوئے کسی چہچے پر جھپٹتا ہے۔

فوراً ہی ٹائیگر کی حیات کام کرنے لگیں۔وہ سوچ رہا تھا کہ اگر میتو نوجوان کی جگہ وہ خود ہوتا اور اس پر یہی حملہ ہوتا تو وہ اپنا دفاع کس طرح کر سکتا تھا؟ اس سے پہلے کہ کوئی بات اُس کے ذہن میں آتی، اُسے میتو نوجوان کے سلسلے میں اپنی رائے پر نظرِ ثانی کرنی پڑی کہ وہ ایک اچھا فائیٹر نہیں ہے۔

یکایک اس کا دایاں ہاتھ بلند ہُوا تھا۔نہ جانے اس میں کہاں سے توانائی کس طرح آ گئی تھی... یا پھر وہ بازو پوری طرح ٹوٹا نہیں تھا۔ہاتھ کی انگلیاں آنکھوں کی طرح خم دار اور ٹھوس نظر آ رہی تھیں۔وہ کسی نیزے کی طرح اٹھا اور اس کی آنکھ نما انگلیوں نے مُوہان کا ایک ٹخنہ قابو میں کر لیا۔اُس نے ٹانگ کو تیزی سے ایک جانب گھمایا۔ اس کے نتیجے میں اس کی کھوپڑی چیتھڑوں میں تبدیل ہونے سے بال بال بچ گئی۔

آج پہلی بار ٹائیگر کو احساس ہُوا کہ راؤنڈ ہاؤ ڈنامی ایک لاکھ مہلک سہی لیکن یہ ایک اچھا تقابلہ داؤ ہے۔اس میں حملہ آور کی ٹانگ سے بلند ہوتا ہے اور اس کی تمام تر قوت اس ٹانگ میں جمع ہوتی ہے جس سے وہ حریف پر چوٹ لگانا چاہتا ہے۔ایسے میں اگر حریف ذرا سی پھُرتی دکھا کر وار خالی کر دے تو حملہ آور کے لیے فوری طور پر دوسری ٹانگ کا سہارا لینا ناگزیر ہو جاتا ہے... اور یہ سہارا اس وقت اُس کے جسم کا توازن بے حد خطرناک ہوتا ہے۔ایسی حالت میں کوئی بچہ بھی اُسے محض چھُو کر ہی گرانے میں کامیاب ہو سکتا ہے... اور اگر ایسے میں حریف کوئی کنگ فُو ماسٹر ہو تو حملہ آور کی جان کے لیے بہترین ثابت ہو سکتی ہے۔وہ وہاں معمولی سی چوٹ کے مقابلے کو فیصلہ کُن مرحلے میں داخل کر سکتا ہے۔

مُوہان کی جانگھ بہترین ہدف بن گئی تھی لیکن میتو نوجوان دیکھ رہا تھا... پھر وہ کوئی کنگ فُو ماسٹر بھی نہیں تھا اُس بے نیاز تھا کہ وہ اس مقام پر چوٹ لگا کر خاطر خواہ نتیجہ بھی برآمد کر سکتا ہے۔

میتو نوجوان کی اس غفلت کا نتیجہ یہ نکلا کہ مُوہان تھوڑی دیر تک عدمِ توازن میں مبتلا رہنے کے بعد سنبھل گیا اور ایک ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔

میتو نوجوان اپنے پیروں پر کھڑا ہو گیا۔

برازو اور کاشی دونوں کے حلق سے باری باری ایسی ہی آمیز آوازیں نکلیں جیسے اُنھوں نے میتو نوجوان کے اس اقدام سراہا ہو۔یہ آوازیں غالباً میتو نوجوان کی سماعت تک بھی پہنچی وہ خود کو تیزی سے سنبھالنے میں لگ گیا۔اب وہ نسبتاً زیادہ جوش میں لگ رہا تھا... لیکن وہ ایک ذہنی اور غیر تربیت یافتہ لڑکا تھا۔ لیے ٹائیگر کو اُس سے کوئی توقع نہیں تھی۔

میتو نوجوان کسی بیل کی مانند مضبوط اور ناقابلِ تسخیر جسم کا وہ حیرت انگیز تیزی سے سنبھلنے میں کامیاب ہُوا تھا۔اُدھر مُوہان

بار پھر اس پر چڑھائی کر دی تھی۔وہ دھوکے کے داؤ اور نائف سٹیش کرتے ہوئے آگے بڑھا... اس کے لڑنے کے انداز میں جارحیت وہ میتو نوجوان کو جان سے مار ڈالنے کے لیے وار کر رہا تھا... اور غالباً باعث اُسے کامیابی نہیں ہو رہی تھی۔ٹائیگر اس سے قبل اُس کی ٹ دیکھ چکا تھا اور اُسے مُوہان کی حرکات میں توازن بے حد پسند تھا جبکہ یہاں وہ اپنی مہارت کو صحیح معنوں میں استعمال کرنے میں کامیاب ہو رہا تھا۔داؤں کی وجہ سے تھی کہ اُس کا ذہن اور اُس کا جسم ایک رے سے ہم آہنگ نہیں ہو پا رہے تھے... اور اس ذہنی غیر ہم آہنگی یے وہ مُوہان کو الزام نہیں دے سکتا تھا کیونکہ ماحول کا طلسم اپنی تمام ں کارپوں سے انسانی اجسام پر اثر انداز ہو رہا تھا۔اس فضا نے مُوہان کھوپڑی میں دُھند ہی دُھند بھر دی تھی۔وہ وقت اور فاصلہ کا تعین کر نہیں کر رہا تھا بلکہ غصّے کی زیادتی سے جارحانہ حملے کر رہا تھا اگر میتو نوجوان بجائے کنگ فُو ماسٹر ہوتا تو مُوہان یقیناً مُنہ کی کھا چکا ہوتا۔

معاً اُس نے ٹائیگر کا نامی وار کیا... لیکن یہ ایک دھوکے کا تھا۔اصل وار دوسرے ہاتھ کا تھا جو اس داؤ کی اوٹ میں کیا گیا تھا ایک ہُک تھا جس نے میتو نوجوان کا منہ یوں کھول دیا جیسے وہ پیٹ نکلیف میں مبتلا نہیں بلکہ ایک بے ساختہ اُبکائی لے رہا ہو۔ٹائیگر نے یک کی فائیٹ سے یہ اندازہ لگایا کہ مُوہان کے اندازِ حرب و فن کوئی غلطی نہیں ہے بلکہ وہ اُسے حالات کے مقابلے میں قدرے ت روی سے استعمال میں لا رہا ہے۔

جنگ اپنے تمام تر جوش و خروش، غصّے اور غضبناکیوں کے ساتھ ری تھی۔ایک کنگ فُو ماسٹر اور ایک وحشی درندہ نما آدمی کے درمیان ں کشمکش ہو رہی تھی اور سب کو فیصلے کا انتظار تھا جبکہ ٹائیگر کے نزدیک ں جنگ کا فیصلہ تو اُس وقت ہی ہو گیا تھا جب مُوہان کا پہلا وار ابی سے ہمکنار ہو گیا تھا۔

اپنی تمام تر اجتہاد کے باوجود ٹائیگر یہ دیکھ کر ایک بار پھر کھانے پر مجبور ہو گیا کہ میتو نوجوان نے ریمز ہیڈ ونچ اپنے پیٹ میں کھا لر جوابًا پاش پاش کر دینے والا گھونسہ مُوہان کی ٹھوڑی پر دے مارا تھا۔ مُوہان یہ چوٹ برداشت نہ کر سکا۔وہ لڑکھڑا کر پیچھے ہٹ گیا۔

حالات یہ بتا رہے تھے کہ اُس کی کھوپڑی میں سورج طلوع ہو چکا ہے۔اس ماں آنکھوں میں خفیف سی دُھندلاہٹ بھی ٹائیگر کو نظر آ گئی تھی۔میتو نوجوان نے اُسے پسپا ہوتے دیکھا تو وہ پورے جوش و خروش کے ساتھ آگے ھا اور اس نے ایک اور چوٹ مُوہان کے جبڑے پر لگائی۔مُوہان لڑکھڑا گیا... اور پھر میتو نوجوان نے اس کے نرخرے کی طرف ہلکنا شروع کر دیا۔

یہ ایک خطرناک صورتِ حال تھی... لیکن تب ہی مُوہان نے یہ ثابت کر دیا کہ ایک کنگ فُو ماسٹر خواہ کتنا ہی زخمی کیوں نہ ہو، وہ تب بھی اپنے حریف کے لیے ایک خطرناک اور مُہلک قسم کا دشمن ثابت ہو سکتا ہے۔

اگرچہ میتو نوجوان پے کے بعد دیگرے اس پر گھونسے برسا رہا تھا اور اس کی کوشش تھی کہ مُوہان کو ہوش میں نہ آنے دے لیکن اس تابڑ توڑ حملوں کی صورت میں بھی مُوہان نے خود حفاظتی ترکیب نکال ہی لی ... اور یہ سب کچھ اُس نے اُن آخری لمحات میں کیا تھا جب اُس کے دماغ میں بے ہوشی اور تاریکی پھیلنا شروع ہو چکی تھی۔میتو نوجوان اُس کی کھوپڑی پر دائیں بائیں سے مکّے برسا رہا تھا۔اس کا دایاں بازو کسی کوڑے کی طرح لہرا رہا تھا۔اس کا کنارا حریف کی گردن پر لگنے کے بعد کبھی کبھی رسّے کاٹ کر کسی بلیڈ کی طرح کھال میں بھی گھُس جاتا ہے... لیکن مُوہان نے آئرن ہینڈ جس انداز میں آزمایا تھا، وہ حریف کو وقتی طور پر شل تو کر سکتا تھا، اُسے ہلاک کرنے کے لیے کافی نہیں تھا۔

میتو نوجوان کا جسم یکایک تن گیا۔

اُس کی آنکھیں حلقوں سے اُبل پڑیں... اور پھر اس کے حلقوم کی گہرائی سے گھٹی گھٹی سی آواز نکل گئی۔وہ کھڑے کھڑے مٹی کے تودے کی طرح دھڑام سے پچھلے فرش پر گر گیا اور اس کا جسم بے شمار کپکپاہٹوں کا زندہ ڈھیر نظر آنے لگا۔

ٹائیگر ساکت بیٹھا یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا اور اُس کے ذہن کا بعید ترین گوشہ مسلسل رائے زنی میں مصروف تھا۔

میتو نوجوان نے اٹھنے کی کوشش کی۔وہ اس میں کامیاب بھی رہا... لیکن اس کی حالت کسی ایسے بیل جیسی تھی جو ذبح ہونے کے بعد قصاب کی گرفت سے نکل بھاگا ہو۔یوں لگتا تھا جیسے موت اس کے پیروں سے بندھ گئی ہو۔اس کی لڑکھڑاہٹوں پر کسی شرابی کے نشہ آور رقص کا گمان ہوتا تھا۔پاؤں کہیں رکھتا تھا اور پڑتا کہیں تھا۔یوں لگتا تھا جیسے وہ بصارت سے محروم ہو گیا ہو۔وہ دائرے میں چکرا رہا تھا۔ کبھی اس کے اندھے قدم اُسے آتشی دیوار کے قریب لے جاتے جہاں شعلوں کی حدت محسوس کر کے وہ بوکھلا کر پلٹ آتا اور کبھی اُس کے اندازے یوں محسوس ہوتا جیسے وہ اگلے ہی پل ڈھیر ہو جائے گا۔اس کا چہرہ خون کی وجہ سے سُرخ ہو رہا تھا۔جا بجا خراشیں نظر آ رہی تھیں بلکہ ایک رخسار سے ٹوٹی ہوئی ہڈی بھی جھانک رہی تھی۔اس کا جسم اپنے میں شرابور تھا اور یہ پسینہ اس کا خون اپنے ساتھ بہا کر فرش پر گرا رہا تھا۔

اچانک پجاری نے ایک نعرہ لگایا۔

یہ نعرہ لگتے ہی فرش کے چاروں طرف پھیلی ہوئی آگ کی دیوار یکایک لگاہوں سے اوجھل ہوگئی۔

پجاری آگے بڑھ کر ہوش بہ تو نوجوان کے قریب پہنچا اور اس کا جائزہ لینے لگا... پھر وہ مُوہن کی طرف متوجہ ہُوا اور سفاک لہجے میں بولا "اسے قتل کر دو۔ تم اسے شکست دے چکے ہو۔ اسے قتل کرنا اب تمھارا حق ہے۔"

خود مُوہن پر بھی عجیب سی حالت طاری تھی۔ وہ کھڑا جھُول رہا تھا۔ اس کے انداز سے یہ ظاہر نہیں ہوتا تھا کہ اُس نے پجاری کی بات سُن لی ہے۔

"اسے قتل کر دو۔" پجاری چیخ پڑا۔

اس بار شاید آواز مُوہن کی سماعت تک پہنچ گئی تھی۔ وہ رُک گیا پھر تیزی سے اپنے بکھرے ہوئے حواس سمیٹ رہا ہو۔ اس کے پھیپھڑے تیزی سے بھیگ رہے تھے اور تعفن سے سانسوں کی طوفانی حالت کا پتہ چلتا تھا۔ وہ لڑکھڑا کر آگے بڑھا اور پھر بے ہوش بہ تو نوجوان کے جسم کے قریب رُک گیا۔ اس کے انداز سے تذبذب ظاہر ہو رہا تھا۔

یکایک برازو حرکت میں آیا اور پجاری کے پہلو میں جا کھڑا ہُوا۔

"بہتر ہوگا کہ موت کا منتر پڑھنا شروع کر دو۔ یہ ڈنگ گار مارے۔ ذہنی طور پر کھو چکا ہے۔ قتل کے ذریعے اسے خود کو ہوش میں لانے کا منتر پڑھو۔"

پجاری نے تائید میں سر ہلا دیا اور اُس پیال کی اوٹ میں غائب ہوگیا جس پر مہین کراس ٹیل سی حالت میں دراز تھی۔ پجاری چند ہی لمحوں میں واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں ایک چرمی تھیلا تھا۔ تھیلے کے ساتھ ایک شفتالو کی شاخ بھی تھی۔ وہ مُوہن کے پہلو میں آ کھڑا ہُوا۔ اُس نے چرمی تھیلے سے ایک سُکڑی ہوئی انسان کی کھوپڑی برآمد کی۔ اس نے ایک ہاتھ میں شفتالو کی شاخ اور دوسرے ہاتھ میں کھوپڑی تھام لی... پھر وہ منتر پڑھنے میں مصروف ہوگیا۔

"ڈراک کی قوتوں اور زیر زمین تمام شیطانوں کے نام پر اس شخص کا خون اب تمھاری گردن پر قرض ہے۔ یہ قرض اتارو... اگر تم نے اپنے شکست خوردہ دشمن کو ہلاک نہ کیا تو اس کا خون تمھاری نسوں میں دوڑنے لگے گا اور تمھیں زندگی بھر بے چین رکھے گا۔" یہ کہہ کر وہ نہ جانے زیر لب کیا کہنے لگا۔ اس کے الفاظ مبہم اور ناقابل فہم تھے۔ اس نے شفتالو کی شاخ کے ایک سرے پر بندھے ہوئے گچھے میں سے کھوپڑی گزاری تو نہ جانے کس طرح وہ کھوپڑی یکایک پگھلنے لگی۔ وہ سُرخ گاڑھے سیال میں تبدیل ہوگئی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے کھوپڑی خون بن گئی ہو۔ یہ گاڑھا سیال اس کی انگلیوں کی درزوں سے بہہ بہہ کر نیچے گرنے لگا۔ نیچے گرتے وقت یہ سیال دھوئیں میں تبدیل ہوتا چلا گیا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ گاڑھا سُرخ سیال، سُرخ رنگ کی دُھند اور غبار میں ڈھل رہا ہو۔

ٹائیگر دل ہی دل میں پجاری کی ہوشیاری کو سراہے بغیر نہ رہ سکا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ اُس نے کھوپڑی کو سیال میں تبدیل نہیں بلکہ کھوپڑی درحقیقت کسی ایسے بھربھرے مواد سے بنی ہوئی تھی جو محض اپنی انگلیوں کی طاقت سے سفوف میں بدل سکتا تھا اور پھر سفوف رگڑ کی وجہ سے سیال میں تبدیل ہو جاتا۔

اس سیال کی وجہ سے جو دھواں پیدا ہو رہا تھا، اس سے مُوہن کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ جیسے ہی یہ دھواں اُس کے نتھنوں تک پہنچا اور اس نے سانس کے ذریعے اسے اپنے پھیپھڑوں تک پہنچایا تو اس کا پورا جسم جھٹکے لے کر تھرتھر کانپنے لگا۔

"موت..." اس نے بھیانک انداز میں سرگوشی کی۔

اس کی آنکھیں پھٹی پھٹی سی لگ رہی تھیں اور اس کے بازوؤں کی مچھلیاں بے چین نظر آنے لگی تھیں جیسے کسی نادیدہ طاقت نے انھیں اپنی مرضی کے تابع کر لیا ہو۔

"موت...!" اس نے دوبارہ سرگوشی کی۔

وہ بار بار یہی ایک لفظ دُہرانے لگا اور ہر بار اُس کی آواز بلند ہوتی گئی حتیٰ کہ آخر میں یہ لفظ چیخ بن کر اس کے حلق سے نکلا اور اس کی بازگشت دیر تک چٹانوں سے سر پھوڑتی رہی۔

جب مُوہن اس خاص کیفیت میں مبتلا ہوگیا تو پجاری کی آنکھیں روشن ہوگئیں اور وہ مطمئن انداز میں آہستہ آہستہ پیچھے سرک کر چمکدار فرش کے کنارے پہنچ گیا۔

مُوہن بار بار چیخ رہا تھا "موت... موت... موت..." اس کے ساتھ ہی اُس کے دونوں بازو کسی ایسے گیدڑ کے پروں کی طرح پھیل گئے۔ جو کسی مُردہ جانور پر جھپٹنے کی تیاری کر رہا ہو۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے یہ تو قبیلے کے اس نوجوان کی موت اب اس کی بجی تسکین اور خوشی کا باعث بن رہی ہو۔

ٹائیگر کا خیال تھا کہ وہ اب اپنے حریف کو موت سے ہمکنار کیے بغیر نہیں رہے گا... لیکن اچانک ہی خلافِ توقع مُوہن یوں رُک گیا جیسے اس کی پوری ہستی کسی خاص اثر کے تحت پک جھپکنے میں منجمد ہو کر رہ گئی ہو۔ اس نے ایک طرف یوں سر جھکا لیا جیسے وہ کسی دُور سے آنے والی آواز سُننے کی کوشش کر رہا ہو... پھر وہ بڑبڑانے لگا۔ ویسے ہی مبہم اور ناقابلِ فہم الفاظ جیسے ٹائیگر کچھ دیر قبل پجاری کی زبان سے بھی سُن چکا تھا۔

برازو نے یہ دیکھا تو مارے غصّے سے اس کی مٹھیاں بھنچ

لیکن اس سے قبل کہ وہ آگے بڑھ کر مُوہن کو اس حکم عدولی کی کوئی سزا دیتا، پجاری نے اس کا ہاتھ تھام کر اُسے روک لیا۔

پجاری کی آنکھیں چمک اُٹھی تھیں اور اس کے انداز سے بے پناہ جوش و خروش ظاہر ہونے لگا تھا۔

"کیا بات ہے، تم نے مجھے کیوں روکا ہے۔ اس نے حکم عدولی کی ہے۔ اسے سزا ملنی چاہیے۔" برازو نے غُراتی ہوئی لیکن دھیمی آواز میں کہا۔

"خاموش رہو، یہ متبرک زبان میں بات کر رہا ہے۔" پجاری نے پُراسرار لہجے میں برازو کو جھڑک دیا۔ "ٹھہرو! ڈراک اس کے ذریعے ہمیں کوئی پیغام دے رہا ہے۔"

مُوہن پر بڑی ہی عجیب سی کیفیت طاری ہوگئی تھی۔ وہ بول رہا تھا یہ ہیاڈا... مُوہن ٹان... ڈراک... ڈیٹ نے... ٹو ہیز... یو ہاس..."

پجاری نے یہ باتیں غور سے سُنیں... پھر اُس کے جوش و خروش میں اور بھی اضافہ ہوگیا۔ اس نے پلٹ کر برازو سے کہا۔ "یہ تو ڈراک کی خواہش ہے کہ یہ تو نوجوان کو قتل نہ کیا جائے... بلکہ ہمیں چاہیے کہ اسے زندہ رکھیں اور بلیک سرکل کے لیے اس کی تربیت کریں۔ یہ ایک عظیم جنگجو بنے گا۔"

"کہیں یہ شخص تمھیں دھوکا تو نہیں دے رہا؟" برازو نے تیکھے لہجے میں سوال کیا۔

"نہیں... اور اس کی وجہ یہ ہے کہ میں اس دنیا میں واحد زندہ ہستی ہوں جسے یہ طلسمی زبان آتی ہے۔ یہ زبان کبھی تحریر میں نہیں آئی بلکہ اس کا طریقہ کار یہ ہے کہ جب بھی کوئی عظیم پجاری کے منصب کو پہنچتا ہے تو براہِ راست ڈراک سے اُسے اس زبان کی تعلیم ملتی ہے۔"

برازو نے یہ سُنا تو مطمئن ہوگیا۔ اس نے محافظوں کو اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "اس نوجوان کو اٹھاؤ اور یہاں سے لے جا کر اس کا علاج کرو۔ یہ زندہ رہے گا... یہ ڈراک کا حکم ہے۔"

برازو کے حکم پر نو ڈراہی دو تین محافظ آگے بڑھے اور بے ہوش نوجوان کا ساکت جسم اٹھا کر قربان گاہ سے نکل گئے۔

اب پجاری آہستہ آہستہ چلتا ہوا ایئر ہوسٹس مہین کراس کے قریب پہنچ گیا۔ کچھ دیر وہ اُس کے قریب ساکت کھڑا اُسے تولنے اور ٹٹولنے والی نگاہوں سے دیکھتا رہا... پھر اس کا ہاتھ اپنے لبادے کے اندر رینگ گیا۔

اُس نے لبادے کے اندرونی حصّے سے عقاب کا ایک پَر نکال کر اپنے ہاتھ میں تھام لیا۔ پَر اپنی دو انگلیوں اور انگوٹھے کے درمیان دبا کر وہ مہین کراس کے بے سُدھ جسم پر جھک گیا۔ اگلے ہی لمحے وہ زیرِ لب کچھ بولنے لگا۔ قربان گاہ میں اس وقت موت کا سناٹا تھا۔ ایسے میں اگر سوئی گرتی تو اس کی آواز بھی صاف سنائی دے سکتی تھی۔ پجاری جو منتر پڑھ رہا تھا، اُس کے بول نوواضح نہیں تھے لیکن اُس کی دھیمی آواز، بھنبھناہٹ کی طرح خفیف سی گونج پیدا کرتی ہوئی حاضرین کی سماعت تک پہنچ رہی تھی۔

منتر پڑھنے کے ساتھ ساتھ وہ عقاب کا پَر مہین کراس کے جسم پر پھیرتا جا رہا تھا۔ عقاب کے پَر نے مہین کراس کی ہستی پر گھوم کر اپنا سفر مکمل کر لیا تو پجاری سیدھا کھڑا ہوگیا۔ اس نے پَر، مہین کے پیروں میں رکھے ہوئے پیتل کے برتن میں پھینک دیا۔

نہ جانے اس پَر میں کیا خصوصیت تھی کہ اس کے گرتے ہی برتن سے اُٹھنے والے شعلے ماند پڑنے ہوئے چند ہی لمحوں میں بجھ گئے تھے۔ آگ بجھتے ہی اُس نے پَر برتن سے نکالا اور اُسے لے کر واپس مہین کی طرف آیا۔ اب وہ پَر کا نوک دار حصّہ مہین کی ٹانگ پر پھیر رہا تھا۔ پَر نے اسی طرح دوسری ٹانگ کا ایک چکر لگایا۔ اس دوران پجاری کی زبان ایک ساعت کے لیے بھی بند نہیں ہوئی تھی۔ وہ مسلسل طلسمی زبان میں کچھ پڑھتا جا رہا تھا۔ بالآخر اُس نے پَر کے نوکیلے حصّے سے مہین کراس کی پیشانی کو چھو لیا۔ جیسے ہی وہ مہین کراس کے قریب سے ہٹا، مُوہن آگے بڑھا اور پھر اُس کا وجود مہین کراس کی طرف متوجہ ہوگیا۔

ٹائیگر نے اپنی آنکھوں میں اس منظر کو اس حد تک دھندلا کر لیا کہ اب قربان گاہ کا ہر ذی رُوح اُسے محض ایک سایہ ہی نظر آ رہا تھا... لیکن وہ ان سایوں کے باوجود سرگرمیوں کا مفہوم خوب اچھی طرح سمجھ رہا تھا۔ اسی لیے خود کو بہلانا بہت کٹھن کام محسوس ہو رہا تھا۔

مُوہن کے سلسلے میں اُس نے اب تک جو کچھ بھی سوچا تھا ان خیالوں کا محل دھڑام سے نیچے آ گرا تھا۔ جانے کچھ بھی تھا، اور بس مُوہن کا شاگرد اتنا بے بس ہرگز نہیں ہو سکتا تھا۔

اٹر ہوسٹس مہین کراس کے ساتھ جو ظلم و ستم ہونا تھا، وہ جب تکمیل کے آخری مرحلے سے گزر گیا اور شیطنت کی پیاس بجھ گئی تو ٹائیگر کو وہاں سے اُٹھا کر دوبارہ اُسی غار میں منتقل کر دیا گیا جہاں گزشتہ کئی دنوں سے اُس کے شب و روز گزر رہے تھے۔ یہ ایک زیرِ زمین کھوہ تھی۔ اس مصنوعی غار میں وہ باقی تمام وقت تنہا بیٹھا رہا... بار بار اُس کے دل و دماغ میں مختلف چنگاریاں اُٹھنے لگتی تھیں لیکن وہ عملِ استغراق کے ذریعے خود کو سنبھالنے کی کوشش کرتا رہا تھا۔ زندگی میں پہلی بار اُسے دو قسم کی جنگوں سے نمٹنا

پڑ رہا تھا۔ ایک جنگ باہر تھی اور دُوسری اس کے اندر چھڑی ہُوئی تھی۔ بیرونی جنگ کو وہ زیادہ اہمیت نہیں دے رہا تھا جبکہ اندرونی جنگ نے اس پر قیامت ڈھا رکھی تھی۔

اُس کی سوچیں اُسے پاگل کیے دے رہی تھیں۔ وہ باقی دن گزارنے کے بعد گہری نیند سو گیا۔ اس نیند پر اُسے قدرت حاصل تھی لیکن وہ اگلی صبح بیدار ہُوا تب بھی یہ خلش اُسے چین نہیں لینے دے رہی تھی کہ مُوہان بدل گیا ہے یا نہیں؟ کہیں وہ ڈرُاک کا شیطانی آلۂ کار تو نہیں بن گیا؟ کہیں اُس کے اعصاب نے شکست تو تسلیم نہیں کر لی؟ کہیں وہ اندر سے ٹوٹ پھوٹ تو نہیں گیا؟ خیالوں کے اس ہجوم میں ایک مبہم سی اُمید بھی بار بار سر اُٹھاتی تھی کہ نہیں وہ اور لیس مُوہن جیسے عظیم اُستاد کا سب سے ہونہار شاگرد تھا۔ وہ بدل نہیں سکتا... یقیناً بلیک سرکل کا طلسم اس پر اثر انداز نہیں ہُوا... اور وہ بھی ٹائیگر کی طرح ان لوگوں کو دھوکا دے رہا ہے۔ شاید اُسے بھی کسی ایسے ہی لمحے کا انتظار ہے جس کا ٹائیگر انتظار کر رہا تھا کہ وہ بھرپُور انداز میں اپنی کارروائی عمل میں لا سکے۔ اس کا مطلب تھا کہ...

ٹائیگر چونک پڑا۔

ایک نئے خیال نے اُس کے دل میں ہلچل سی مچا دی تھی۔

وہ یہ سوچنے پر مجبُور ہو گیا کہ مُوہان کو جس امتحان سے گزرنا پڑا ہے جلد ہی یہ امتحان اُسے بھی درپیش آ سکتا ہے۔ اس خیال نے اُسے بے قرار کر دیا۔ میو نوجوان اور مُوہان کی جنگ کے دوران پُجاری اور برازو دونوں کی آنکھیں اُس پر جمی رہی تھیں اور وہ یہ جائزہ لینے کی کوشش کرتے رہے تھے کہ اس صُورتِ حال کا ٹائیگر پر کیا جذباتی ردِ عمل ہوتا ہے۔ اس پر غور کرتے ہُوئے ٹائیگر کو یقین ہو گیا کہ اُسے جس آہنی کُرسی پر باندھ کر بٹھایا گیا تھا، وہ اُس کے جذباتی ہیجان کا جائزہ لینے کی ایک مشین تھی۔ اس کی کلائیوں سے جو اسٹریپ باندھے گئے تھے اُن سے اس کی نبض کی رفتار کسی جگہ گراف بنا رہی ہو گی... لیکن وہ بڑی حد تک ممکن تھا کہ اگر وہ کوئی ایسی مشین بھی تھی تو کوئی بات نہیں کیونکہ جب مُوہان اور میو نوجوان کی جنگ شروع ہُوئی تھی تو اُس نے اُن کی شبیہوں کو پُوری طرح اپنے ذہن پر نقش نہیں ہونے دیا تھا۔ وہ جب مین کراس پر سترہ ڈھالنے کا منصُوبہ آیا تھا تو اُس نے اپنی رُوحانی کوششوں سے صرف میو لول کی حرکات و سکنات ہی دیکھی تھیں۔ یہی وجہ ہُوئی کہ اس کے ذہن نے کوئی ایسا نقش قبول نہیں کیا جو اُس کی جذباتی حالت میں ابتری کا باعث بنتا۔ وہ صرف تنگ اور دُھندلی شبیہوں کا رقص بیسیوں بار دیکھتا رہا تھا حالانکہ دُور دُور تک ذہن کے ایک گمنام سے ایسے گوشے میں ہر چیز محفوظ ہوتی جا رہی تھی جس کا سُراغ لگانا اُن لوگوں کے لیے ممکن نہیں تھا۔ ذہن کا وہ گوشہ ہر مشین کی دسترس سے باہر تھا۔ اُس نے کل کے کسی منظر کے مفہوم کو اپنے شعُور میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دی تھی لہٰذا وہ اُس کے شعُور سے کچھ معلوم کر کے صحیح رائے قائم کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتے تھے... اور اب ٹائیگر سوچ رہا تھا کہ اس قدر بے حسی کا مظاہرہ کر کے کہیں اس سے کوئی غلطی تو نہیں سرزد ہوئی؟ اسے کم از کم جوش و خروش، خوشی اور آرزُو کی تکمیل کا کوئی تاثر دینا چاہیئے تھا۔ اب وقت گزر چُکا تھا اور کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ بہرحال اُسے خوشی تھی کہ وہ اپنی بے پناہ قوتِ ارادی، رُوحانی قوت اور عملِ استغراق کے باعث اس طلسمی مشن کو ناکامی سے دوچار کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

وہ اُٹھ کھڑا ہُوا۔

اُس نے ہاتھ پیروں کے عضلات کو حرکت دے کر جسم کا دورانِ خُون معمُول پر لانے کے بعد غار کے اس حصّے کی طرف پیش قدمی کی جہاں سے وہ دُوسری طرف نیچے جھانک سکتا تھا۔ یہاں سے اُسے ندی دکھائی دیتی تھی۔ وہ چٹان کے کنارے کھڑا پانی کو گھُورنے لگا جو جھاگ اُڑاتا بہہ رہا تھا۔

پانی پر نہ جانے کہاں سے روشنی پڑ رہی تھی۔ اس روشنی کے انعکاس سے پُورے غار میں سرخی سی پھیلی ہُوئی تھی۔ کبھی کبھی یہ روشنی قرمزی رنگ بھی اختیار کر لیتی تھی۔

دفعتاً اس کی سماعت سے اَن گنت آدمیوں کے ہجوم کی نعرہ زنی کی آوازیں ٹکرانے لگیں۔ اُس نے غور سے ندی کی طرف دیکھا۔ اس کے کنارے ایک بگ مڈی تھی۔ اس بگ مڈی پر ایک مشعل بردار جلوس چلا آ رہا تھا۔ اب ٹائیگر کی سمجھ میں آیا کہ ندی کے پانی سے جس روشنی کا انعکاس ہو رہا تھا، وہ کہاں سے آ رہی تھی۔ یہ ان مشعلوں کی روشنی تھی جو جلوس کے ساتھ ساتھ محرک تھیں۔

ٹائیگر چٹان کے کنارے کھڑا، نیچے ندی کے کنارے کنارے چلتے ہُوئے اس پُرشور جلوس کو دیکھتا رہا۔ ان میں سے ہر آدمی سیاہ لبادے میں لپٹا ہُوا تھا اور ہر ایک نے ایک جلتی ہُوئی مشعل تھام رکھی تھی۔ چٹان کے نچلے حصّے میں تاریکی تھی لیکن مشعلوں کی وجہ سے اب اس قدر اُجالا ہو گیا تھا کہ وہاں کا ذرّہ ذرّہ روشن اور متوزّد دکھائی دے رہا تھا۔

جلوس میں بعض نے نفیریاں اور ڈھول ہی گلے میں ڈال رکھے تھے جیسے جیسے، جُوم ٹائیگر کے غار کے قریب آ رہا تھا، نفیریوں اور ڈھولوں کی آوازیں تیز ہوتی جا رہی تھیں۔ یہ سینکڑوں آدمیوں پر مشتمل ایک جلوس تھا جن کے قدموں کی آہٹیں اتنی شدید تھیں کہ قرب و جوار کی چٹانوں پر لرزہ سا طاری ہوتا محسوس ہونے لگا تھا۔ ٹائیگر حیران تھا کہ یہ لوگ کہاں جا رہے ہیں۔ ان کے جوش و خروش اور انداز سے یہ تو صاف ظاہر تھا کہ کوئی بہت بڑی تقریب ہونے والی ہے۔

ٹائیگر کا دل کسی نامعلوم خوف سے دھڑک اُٹھا۔

نہ جانے کیوں اُسے یُوں لگ رہا تھا کہ اب جو کچھ بھی ہونے والا ہے، اس میں کمزوری کو ہوا دینے کے لیے خود اُسی کو منتخب کیا گیا ہو گا۔

وہ چونک پڑا۔ اس کی حسیات نے بتایا کہ کوئی اس کے غار کے نیچے کی طرف بڑھ رہا ہے۔ چٹان کے نیچے سے گزرنے والے جلوس میں ان مدھم آہٹوں کو سُننا ٹائیگر ہی کا کام تھا۔

یکایک دہانۂ غار ایک دھماکے سے کھُل گیا۔

ٹائیگر اس وقت تک خود کو پُرسکون کر چُکا تھا اور اُس کی نگاہیں بھی چٹان کے نیچے سے گزرنے والے جلوس پر جمی ہُوئی تھیں۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے اُس نے جلوس کے شور میں غار کا دہانہ کھُلنے کی آواز نہ سُنی ہو... پھر وہ رفتہ رفتہ یُوں گھُوم گیا جیسے جلوس دیکھتے دیکھتے اکتاہٹ کا شکار ہو گیا ہو اور پلٹ پڑا ہو... اور تب اُس کی نگاہ دہانے پر چٹان جیسا برازو کھڑا اُسے گھُور رہا تھا۔

ٹائیگر خالی خالی نظروں سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔

کچھ دیر اُسے گھُورنے کے بعد برازو دہانے سے ایک قدم اندر آ کر بائیں طرف ہٹ گیا تو ٹائیگر کی نگاہ پیتل کے ایک بڑے سے پنجرے کی طرف گئی جو چار سلاخوں پر مشتمل تھا۔ ان سلاخوں کے پیچھے منظر میں پجاری کی جھلک دکھائی دے رہی تھی اور اس کے عقب میں جلوس کی وہ قطار تھی۔ سیاہ لبادے والے مشعل برداروں کی قطار جس کے پیچھے کچھ لوگ لیے بھی تھے جنھوں نے سر پوشی کے لیے شیر کی کھال استعمال کی تھی۔

ٹائیگر سمجھ گیا کہ اس غار کے دہانے کے سامنے جو راستہ ہے وہاں سے جلوس گزر کر چٹان کے نیچے "ہی" کے کنارے تک پہنچ رہا ہے۔

دفعتہً برازو نے ٹائیگر کو اشارہ کیا۔

ٹائیگر کسی معمُول کی طرح پنجرے کی طرف بڑھ گیا۔ اس کے دل میں زخمہ پیدا ہُوا تھا۔ بالآخر وہ سچ مچ ڈرا دھمکا دیے جا رہا تھا۔ ٹائیگر اس مقصد کو سمجھ چُکا تھا لیکن آئندہ چند لمحوں میں اُس کے ساتھ کیا پیش آنے والا تھا، اس کی پیش گوئی ممکن نہیں تھی۔

پیتل کا وہ پنجرہ غار کے سامنے ہی رکھا گیا تھا۔ ٹائیگر اس پنجرے میں چلا گیا تو اس کا بھاری آہنی دروازہ بند کر دیا گیا اور نصف درجن کے قریب جوان اور کرخت آدمیوں نے اُسے اُٹھا لیا۔ پجاری اور برازو دو الیے تخت نما کُرسیوں پر براجمان ہو گئے جنھیں قدیم زمانے کے نوابوں جیسے تیرہ آدمیوں نے اُٹھا رکھا تھا۔

ٹائیگر نے پنجرے میں بیٹھنے سے قبل سرسری نگاہ سے ہر شخص کو غور سے دیکھا تھا۔ اُسے مقُوس کا ہر فرد قتنے کی سی کیفیت میں مبتلا نظر آیا تھا۔ برازو اور پجاری کی کُرسیاں ٹائیگر کے پنجرے کے دائیں بائیں تھیں اور غلاموں کے کندھوں پر لگیں اُوپر نیچے ہو رہی تھیں جیسے پانی کی لہروں پر کوئی کشتی ڈول رہی ہو۔

ٹائیگر ساکت بیٹھا رہا۔ اب بھی اس کا چہرہ ہر قسم کے تاثر سے عاری تھا حالانکہ اُس کے دل میں اضطرابی کیفیت رفتہ رفتہ بڑھتی ہی جا رہی تھی کیونکہ اس کا بدترین خدشہ حقیقت کا رُوپ دھار رہا تھا۔ ابھی کل ہی اُسے اس راستے سے قربان گاہ لے جایا گیا تھا... وہی غار جہاں مُوہان اور میو نوجوان کی جنگ ہُوئی تھی اور جہاں کراس پر ستم ڈھایا گیا تھا۔

ندی کے کنارے چلتا ہُوا اُن کا جلُوس جلد ہی اُس وسیع و عریض غار میں جا پہنچا جہاں عظیم قربان گاہ بنائی گئی تھی۔

قربان گاہ میں خون رنگ روشنی پھیلی ہُوئی تھی۔ سینکڑوں مشعلوں کی وجہ سے اس کا گوشہ گوشہ روشن تھا لیکن وہاں جو دُھواں پھیلا ہُوا تھا، وہ مشعلوں سے نہیں اُٹھ رہا تھا بلکہ یہ وہی نشہ آور دُھواں تھا جو پجاری اپنی شیشی کے سیال سے پیدا کرتا تھا۔ ٹائیگر نے قربان گاہ میں پہنچتے ہی محسُوس کر لیا کہ یہاں کی فضا اور ماحول خاص طور سے نشہ آور بنا کر رکھا جاتا ہے۔

ٹائیگر کو ایک بار پھر اپنی روحانی طاقتوں کو پکارنا پڑا۔ وہ جانتا تھا کہ یہ نشہ آور فضا انسان پر کیا قیامت ڈھاتی ہے۔ اس دُھوئیں کا سب سے بڑا کمال یہ تھا کہ انسان میں ایسی خواہشات تیزی سے جنم لینے لگتی تھیں جن کی تکمیل کے لیے اُسے سراپا ابلیس بننا پڑتا تھا... اور ٹائیگر نے محسوس کیا کہ آج فضا میں اس دُھوئیں کے اثرات پہلے سے کہیں زیادہ پھیلے ہُوئے ہیں اُسے صرف ایک حیرت تھی کہ یہ بُرا اثر اور دھواں دیگر سینکڑوں لوگوں پر اثر انداز کیوں نہیں ہو رہا ہے؟ وہ ذہنی طور پر یہ بات قبول کرنے کے لیے تیار نہیں تھا کہ دُھواں صرف اُس کے ہی دل میں ہلچل مچانے کا باعث بن رہا ہے اور باقی لوگ اس تاثیر سے محرُوم ہیں۔ یقیناً اُن سب کو بحفظِ ماتقدم کے طور پر کوئی تریاق استعمال کرایا گیا ہو گا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو اس قربان گاہ میں اتنا فسانیت سوز منظر دیکھنے کو ملتا کہ دیکھنے اور سننے والوں کے دل ہول جاتے۔

ٹائیگر کو ایک ایسے راستے سے قربان گاہ کے درمیانی حصّے کی طرف لے جایا جا رہا تھا جس کے دونوں طرف میو قبیلے کے مطوس جسموں والے جوان قطار بنائے کھڑے تھے۔ ٹائیگر کو یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ آج کوئی خصوصی رسم انجام دی جانے والی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ ان پہاڑیوں کے درمیان اتنا بڑا اجتماع دکھائی دے رہا تھا۔ اس

چوتھی قسط

پروفیسر محمد اشرف قیمت = 5/-

کی دانست میں بلیک سرکل کے تمام گرگوں کے علاوہ عید میلے کے تمام افراد اس اجتماع میں موجود تھے۔ ان سب کی موجودگی میں کیا ہونے والا ہے؟ یہ خیال بار بار ٹائیگر کو بے چین کر رہا تھا لیکن سوائے انتظار اور صبر کرنے کے اس کے پاس کوئی چارہ کار بھی تو نہیں تھا۔

ٹائیگر نے ایک اور خاص بات یہ محسوس کی کہ اس موقع پر جمع ہونے والے سب کے سب لوگ مرد ہیں۔ جنگ جو اور لڑاکے مرد ... پوری قربان گاہ میں ایک بھی عورت دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ سیاہ لبادوں میں لپٹے ہوئے یہ مرد قربان گاہ کے مرکزی حصے کے گرد نصف دائرے میں کھڑے تھے اور باقی لوگوں کا ہجوم ان کے عقب میں نظر آ رہا تھا۔

ٹائیگر کا پنجرہ ٹھیک اس جگہ پہنچا دیا گیا جہاں قربانی دینے کے لیے مخصوص جگہ بنی ہوئی تھی۔ یہ ایک عجیب سا پلیٹ فارم تھا جس پر ایک ویسی ہی کرسی رکھی ہوئی تھی جیسی کرسی پر بٹھا کر اسے جین کرا اس کا تماشا دکھایا گیا تھا۔ پلیٹ فارم پر ایک تاج نما شے بھی رکھی ہوئی تھی۔ نہ جانے یہ تاج کس دھات کا بنایا گیا تھا۔ یہ دھات بے حد چمک دار تھی اور اس سے روشنی کی کرنیں سی پھوٹتی نظر آ رہی تھیں۔

ہرا ڈورے نے اسے پنجرے سے نکال کر کرسی پر بٹھا دیا۔

دفعتہً ٹائیگر کو یوں محسوس ہونے لگا جیسے ہر شخص اس طرف متوجہ ہو گیا ہو۔ پجاری بھی اس کی طرف بڑھنے لگا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھوں میں کوئی چیز تھی۔ ٹائیگر نے غور سے دیکھا تو پتہ چلا کہ یہ وہی چمک دار دھات کا بنا ہوا تاج ہے جسے اس نے وہاں آتے ہی دیکھ لیا تھا... لیکن جب پجاری اس کے قریب پہنچا تو اسے پتہ چلا کہ یہ کوئی تاج نہیں بلکہ ویسا ہی خود ہے جیسا کہ جنگ جو لڑائی کے دوران اپنے سر کی حفاظت کے لیے پہنتے ہیں۔ یہ غیر معمولی بڑا خود تھا۔ اس میں جا بجا جواہرات جڑے ہوئے تھے اور ایسی دھاریں بھی نظر آ رہی تھیں جن پر خون کی باریک نسوں کا گمان ہوتا تھا۔

ٹائیگر نے اس خود کی طرف کچھ دیر توجہ سے دیکھنے کی کوشش کی تو اس سے پھوٹنے والی کرنوں نے اس کی آنکھیں چندھیا دیں اور وہ عارضی طور پر خود کو بینائی سے محروم محسوس کرنے لگا۔

چند لمحوں بعد جب اس کی بینائی کا سلسلہ بحال ہوا تو ٹائیگر نے صلیب کی طرف دیکھا۔ یہ صلیب سُرخ رنگ کی تھی اور یوں محسوس ہوتا تھا جیسے اس پر خون مل کر اسے سُرخ رنگت دی گئی ہو۔ یہ صلیب وہ پہلے بھی دیکھ چکا تھا لیکن آج اس کے سامنے ایک نئی چیز بھی دکھائی دے رہی تھی۔

یہ ماربل کا بنا ہوا ایک مجسمہ تھا۔

تابوت اوپر سے تو ہموار تھا لیکن اس کے اطراف میں بل کھاتے ہوئے سانپوں کی شبیہیں بنائی گئی تھیں۔ ٹائیگر کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ اس وقت وہ ایک ایسے مقام پر پہنچ چکا ہے جہاں شیطانی طاقتوں کے لیے انسانوں کو قربان کیا جاتا ہے۔

پلیٹ فارم کو ٹائیگر کے سامنے قدرے بلند کر دیا گیا تو پجاری اس پر چڑھ کر ٹائیگر کے سینے کے مقابل ہو گیا۔ اس نے دونوں ہاتھوں کی مدد سے وہ پُراسرار دھاتی خود اس کے سر پر رکھ دیا۔ ٹائیگر کو یوں محسوس ہونے لگا جیسے اس خود میں اَن گنت انسانی اُنگلیاں نصب ہیں اور یہ انگلیاں اس کی کنپٹیاں سہلا رہی ہیں۔

اس دوران میں برازو اسے ایک مضبوط رسّے کے ذریعے کرسی کے ساتھ باندھنے میں مصروف تھا۔ پجاری نے خود پہنانے کے بعد اس کے نچلے حصے میں جھولتی ہوئی دو ڈوریوں کو ٹائیگر کی ٹھوڑی کے نیچے باندھ دیا تاکہ ٹائیگر گردن ہلا کر خود نہ گرا سکے۔ ان کاموں سے فارغ ہو کر پجاری پلیٹ فارم سے اُتر گیا اور سیدھا صلیب کی طرف بڑھ گیا۔

صلیب کے سامنے پہنچ کر وہ رُک گیا اور اس نے دونوں ہاتھ فضا میں بلند کر دیے۔

فوراً ہی قربان گاہ میں گہری خاموشی چھا گئی۔ موسیقی نے دم توڑ دیا اور لوگوں کے ہونٹ یوں بھنچ گئے جیسے منہ کھولنا اب اُن کے بس میں نہ رہا ہو۔ ٹائیگر نے جب اس دھاتی خود کا سائز دیکھا تھا تو اس کا خیال تھا کہ وہ بے حد بھاری ہو گا... لیکن جب اسے اس کے سر پر رکھ دیا گیا تو وہ یوں ہلکا پھلکا محسوس ہونے لگا۔ جیسے پروں کا بنا ہوا ہو۔ اس خود نے ٹائیگر کے دونوں کان ڈھانپ دیے تھے لیکن ٹائیگر کو یہ ہوا ہی تھی کہ وہ اب بھی ہر آواز بہ آسانی سننے پر قادر ہے۔

اچانک وزنی گانگ بجنے لگا۔

ٹائیگر کا ذہن گانگ کی آواز پر ایک شدید جھٹکے کا شکار ہوا... لیکن چند ہی ساعتوں میں وہ نہ صرف سنبھل گیا بلکہ اسے بہت سی آوازیں بہ یک وقت سنائی دینے لگیں۔ وہ اندازہ نہیں کر پا رہا تھا کہ یہ آوازیں کہاں سے آ رہی ہیں۔ ان آوازوں کا مخرج یہی قربان گاہ ہے یا یہ آوازیں اس خود سے خارج ہو کر اس کے پردۂ سماعت سے ٹکرا رہی ہیں؟ یا پھر ان کا سلسلہ کسی دوسری ہی دنیا سے شروع ہوا ہے؟

وہ کوئی فیصلہ نہ کر سکا تو سب سے پہلا شبہہ اُسے یہ ہوا کہ کہیں وہ پاگل تو نہیں ہو رہا ہے؟ یہاں آنے کے بعد سے اب تک پہلی بار وہ اپنے پاگل پن کے سلسلے میں بے حد فکر مند ہو گیا۔ وہ بعض ایسی چیزیں دیکھ رہا تھا جن کا تعلق محض خوفناک خوابوں ہی سے مربوط ہو سکتا تھا اور اب اُسے ایسی آوازیں سنائی دینے لگی تھیں جن کی کوئی توجیہہ ممکن نہیں تھی۔ ایسے ناممکن العمل حالات اور صورتِ حال صرف دیوانگی ہی کا انعام ہو سکتی ہے۔ نہ چاہتے ہوئے بھی بار بار اُس کے ذہن میں اپنے پاگل پن کا خیال گھر کرتا جا رہا تھا۔

جیسے جیسے دیوانگی کے خیال کی شدت بڑھتی جا رہی تھی اس کے دل میں خوف بھی بڑھتا جا رہا تھا۔ دُنیا کا سب سے طاقت وَر انسان جسے اپنے ہی جیسے اَن گنت انسانوں کی موت کا باقاعدہ اجازت نامہ حاصل تھا، آج خود اپنی ہی ذات سے دہشت زدہ ہو رہا تھا۔ اُسے اپنی موت کے بارے میں کوئی فکر نہیں تھی کیونکہ اُوشان کی تعلیمات کا آغاز ہی اُس کی موت سے ہوا تھا۔ وہ ایک بار پہلے بھی مر چکا تھا۔ موت کا ذائقہ چکھنے کے بعد اُسے موت کی کوئی پروا نہیں رہ گئی تھی... لیکن دیوانگی... پاگل پن... اور وہ بھی کسی بہ حالت کے دہشت زدہ کر رہی تھی کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اگر اس کی ذہنی حالت میں کوئی تبدیلی لا کر اُسے بطور ہتھیار استعمال کیا گیا تو اس کے کیا نتائج برآمد ہوں گے۔ اب تک وہ مجرموں کی موت کا پیغام بر تھا... ذہنی تبدیلی کے بعد وہ بنی نوعِ انسان کے لیے موت کا سامان بن جائے گا اور پھر اُس کے ہاتھوں وہ کچھ عمل میں آنے لگے گا کہ انسانیت کو دُنیا میں مُنہ چھپانے کی بھی جگہ نہیں مل سکتی تھی۔

ٹائیگر کے جسم کو ایک شدید جھٹکا لگا۔ اس نے خود کو سنبھالنے اور صورتِ حال کو سمجھنے کی کوشش کی لیکن ہر چیز اس کے قابو سے باہر ہوتی جا رہی تھی۔ وہ خود اپنے ہی ہاتھوں اپنی ہی ذات سے بے اعتبار ہوتا جا رہا تھا۔ اس کے ذہن میں بس ایک ہی لفظ تیزی سے چکرا رہا تھا...

"دیوانگی... دیوانگی... دیوانگی"

اب اُسے یہ متشبہ ہونے لگا کہ وہ اپنے پروگرام کے مطابق آخری مٹے تک مزاحمت بھی کر سکے گا یا نہیں۔ اس نے سوچا کہ اگر اُسے دیوانگی اور موت دونوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا پڑا تو وہ کسے قبول کرے گا؟ یقیناً موت... اس نے فیصلہ کیا... لیکن یہ ضروری تو نہیں کہ بلیک سرکل کے درندے اس کے سامنے یہی دو صورتیں رکھیں یہ بھی تو ممکن ہے کہ وہ اس کی ذہنی حالت اپنے قابو میں کر کے اُسے کسی کٹھ پتلی کی طرح اپنے اشاروں پر ناچنے کے لیے مجبور کر دیں اگر ایسا ہوا تو کیا ہو گا؟ وہ کانپ کانپ گیا۔ اسے معلوم تھا کہ اس کے کٹھ پتلی بننے کے بعد دُنیا میں اس کے ہاتھوں کس قدر خون ریزی کروائی جائے گی۔

اچانک اُس کی سوچوں کا دھارا رُک گیا۔

اُس کی نگاہ ایک جانب جم کر رہ گئی۔

تب اُسے احساس ہوا کہ وہ ابھی پاگل نہیں ہوا ہے اور اس کے ہوش و حواس کام کر رہے ہیں۔

ٹائیگر کے ہونٹوں پر بڑی ہی تلخ مسکراہٹ کی ایک لہر کھنچ گئی۔ وہ جو کچھ دیکھ رہا تھا۔ اُسے دیکھ کر تو وہ قبر سے بھی اُٹھ کر واپس آ سکتا تھا۔ اس کے سینے میں دل کسی ڈھول کی طرح بجنے لگا۔ ٹائیگر کو اپنی پسلیوں میں خفیف سی دُکھن کا احساس ہونے لگا۔ زندگی میں پہلے کبھی اس کا دل اتنی شدت سے کبھی نہیں دھڑکا تھا۔

اس کی نگاہیں فانگ پر جم کر رہ گئی تھیں۔

وہی فانگ جس کی تلاش میں اس نے تقریباً آدھی دُنیا کا سفر طے کیا تھا اور وہ کئی بار اس کے ہاتھوں بال بال بچ کر فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ قسمت ان دونوں کو بڑی ہی عجیب صورتحال میں ایک دوسرے کے سامنے لائی تھی۔ ٹائیگر بے بس تھا اور فانگ کسی فاتح کی طرح اکڑتا ہوا چلا آ رہا تھا۔

فانگ پر نگاہ پڑتے ہی قربان گاہ میں موجود ہر شخص چیخ پڑا۔ ان کا جوش و خروش دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔

ٹائیگر نے نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا لیا اور فانگ کو دیکھنے لگا۔ اس کی آنکھوں میں لمحے بھر کے لیے شعلہ سا لہرایا تھا لیکن پھر وہ خود پر قابو پا کر اُسے سپاٹ نظروں سے گھورنے لگا تھا۔ فانگ کی گنجی کھوپڑی چمک رہی تھی۔ اس کے نقش و نگار میں پہلے سے کہیں زیادہ سختی، درشتی اور سفاکی دکھائی دے رہی تھی۔ جب ٹائیگر نے اُسے پہلی بار دیکھا تھا تو اس کے نقوش اتنے بھدّے نہیں تھے۔ اب اس کا چہرہ مکروہ ہو گیا تھا اور اس کی آنکھوں سے واضح طور پر خباثت ٹپکتی محسوس ہوتی تھی۔ اس کے دونوں ہاتھوں میں آج بھی وہ آہنی ناخن دِکھائی دے رہے تھے۔ جن سے اُس نے اُوشان کو ہلاک کیا تھا۔ اُوشان کی موت کا خیال ٹائیگر کی نسوں میں شرارے سے بھر گیا لیکن ان شراروں پر اس نے مصلحت کا مرہم رکھ دیا تھا کیونکہ اب وہ صرف فانگ کو ہی ختم نہیں کرنا چاہتا تھا بلکہ پورے بلیک سرکل پر قیامت بن کر ٹوٹ پڑنا چاہتا تھا۔ اس کی انتقامی کارروائی صرف فانگ کی ہلاکت تک محدود نہیں رہ گئی تھی بلکہ اس کا دائرہ بے حد وسیع ہو گیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ بلیک سرکل کا ہر غنڈہ فانگ جیسی ہلاکت خیزیوں کا مظہر ہے۔ اب ٹائیگر کے نزدیک اپنے انتقام کی اہمیت

ثانوی ہوگئی تھی کیونکہ بلیک سرکل کو تباہ کرکے وہ نسلِ انسانی کا بقا چاہتا تھا۔

ہجوم اب بھی حلق پھاڑ پھاڑ کر نعرے لگا رہا تھا۔ سب لوگ اُسے دلشیانہ انداز میں خوش آمدید کہہ رہے تھے۔

فانگ کی گردن غرور سے اکڑی ہوئی تھی۔ وہ بے دھڑک وہاں کی فضا میں سانس لے رہا تھا۔ اس کے کشادہ نتھنے دُور تک پھیلے اور سکڑتے دِکھائی دے رہے تھے اور پتہ چلتا تھا کہ وہ دانستہ اس نشہ آور دھوئیں کو اپنے پھیپھڑوں تک پہنچانے کی کوشش کر رہا ہے جو قربان گاہ کے گوشے گوشے میں پھیلا ہوا تھا۔ اس کی آنکھوں میں بے پناہ ذہانت کی چمک تھی لیکن یہ ذہانت شیطانی عزائم کی وجہ سے بے حد خوف ناک ہوگئی تھی۔ اس نے ایک ریشمیں لبادہ پہن رکھا تھا اس لبادے کا رنگ سیاہ تھا۔ فانگ کے سینے پر دو اژدھے بنے ہوئے تھے۔ جن کی سُرخ سُرخ آنکھیں دُور سے بھیانک اور زندہ لگ رہی تھیں۔ ان اژدھوں کے نیچے ایک چھوٹی سی علامت اور بھی بنی ہوئی تھی جسے فاصلے کی وجہ سے ٹائیگر ابھی طرح دیکھنے میں کامیاب نہ ہوسکا۔ البتہ جب وہ قریب آیا تو اس نے دیکھا کہ وہ ایک ترازو کی تصویر ہے جس کے دونوں پلڑوں میں ایک ایک پھلی رکھی ہوئی تھی۔ ان پھلیوں کے سرکاٹ دیے گئے تھے اور ان سے خون ٹپک رہا تھا۔ جو ترازو کے پلڑوں سے نیچے بہتا دکھایا گیا تھا۔

گانگ اب بھی بچ رہا تھا۔ ٹائیگر کو اندازہ ہوگیا کہ یہ گانگ صرف اس خبیث فانگ کی آمد کے سلسلے میں بجایا جارہا ہے۔

فانگ سیدھا سامنے دیکھ رہا تھا۔ اب تک اُس نے شاید اِدھر اُدھر دیکھنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی تھی۔ وہ خوش آمدید کہنے والوں کے جواب میں ہاتھ تک نہیں لہرا رہا تھا۔ اس کے انداز سے پتہ چلتا تھا کہ وہ قربان گاہ میں موجود تمام لوگوں کو چیونٹیوں سے زیادہ اہمیت نہیں دے رہا ہے۔

آہستہ آہستہ، شاہانہ انداز میں قدم اُٹھاتے ہوئے، فانگ صلیب کے سامنے آکھڑا ہوا۔ اس کی نگاہیں ماربل کے اس تابوت پر جم گئیں، جو صلیب کے سامنے رکھا ہوا تھا۔ پھر وہ ٹائیگر کی طرف متوجہ ہوگیا۔

ٹائیگر کو دیکھ کر اُس کے ہونٹوں پر بڑی ہی حقارت آمیز مسکراہٹ اُبھری تھی۔

اُدھر ٹائیگر کا بُرا حال تھا، وہ اندر ہی اندر سُلگ رہا تھا۔ لیکن نہ جانے کیوں اُسے فانگ کو اپنے سامنے پاکر بے حد خوشی ہو رہی تھی۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ اس کو تلاش کرنے کی زحمت سے بچ گیا تھا۔ فانگ کو دیکھتے ہی اُسے اپنی کھوپڑی میں ایک عجیب سی تبدیلی کا احساس ہُوا۔ یُوں لگا۔ جیسے کھوپڑی کے عقبی حصّے میں ایک روزن بن گیا ہے جس سے ایک روپہلی سی کرن اس کے دماغ تک پہنچنے لگی ہے۔ ٹائیگر کو جس عجیب سے احساس نے فوری طور پر آگھیرا تھا، اگر وہ اُسے خوش کا نام دیتا تو بڑے یقین سے کہہ سکتا تھا کہ اُس نے زندگی میں، پہلے کبھی اتنی خوشی محسوس نہیں کی تھی۔ یہ ایک ایسا تاثر تھا جس نے نہ صرف اس کے دل کو بلکہ پورے جسم کو بھی سرشار کردیا تھا۔۔۔ اور عجیب بات یہ تھی کہ نہ تو اس تاثر کا کوئی جواز اُس کی سمجھ میں آرہا تھا اور نہ ہی اس کا کوئی ذریعہ ذہن میں آرہا تھا۔ اب وہ یہ سوچے بغیر نہ رہ سکا کہ یہ تاثر صرف اور صرف فانگ کی موجودگی کا احساس کرتے ہی پیدا ہُوا ہے۔۔۔ لیکن ذہن کے کسی بعید ترین گوشے سے ایک مدھم سی آواز اُسے بتانے کی کوشش کر رہی تھی۔ کہ یہ سب کچھ اس دھاتی خود کا کمال ہے جسے اس کے سر پر بطورِ خاص اوڑھایا گیا۔

فانگ بڑے شاہانہ انداز میں ٹائیگر کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کی دونوں آنکھوں کے ڈھیلے جلتے ہوئے کوئلوں کی طرح سُرخ اور سُلگتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔۔۔ اور یوں لگ رہا تھا جیسے وہ آنکھیں، ٹائیگر کی آنکھوں میں دھنس کر اُس کے دل کا حال معلوم کرنے کے لیے سینے تک سفر کر رہی ہوں۔

اچانک قربان گاہ میں گہری خاموشی طاری ہوگئی۔

شور ختم ہوتے ہی فانگ محویت کے عالم سے چونک پڑا اور اس نے ٹائیگر کے چہرے سے نگاہ ہٹالی۔۔۔ پھر وہ آہستہ آہستہ گھوم کر صلیب کی طرف رُخ کرکے کھڑا ہوگیا جس کے عقب سے اچانک ہی نفیریاں بجنے کی آوازیں آنے لگی تھیں۔ ان آوازوں سے کچھ ایسا تاثر پیدا ہوتا تھا جیسے قربان گاہ میں سناٹے کی باقاعدہ تقسیم ہوگئی تھی لیکن آواز نے خنجر نے اس ٹھوس سناٹے کو کاٹ ڈالا ہو۔

نفیری کی آوازوں کے ساتھ ہی کھل کھلاتے ہوئے نسوانی قہقہے سنائی دینے لگے۔۔۔ اور پھر عورتوں کا ایک جھرمٹ دِکھائی دینے لگا۔

میو قبیلے کی حسین وجمیل، پُرکشش اور صحت مند عورتوں کی دو قطاریں صلیب کی اوٹ سے نمودار ہوئیں۔ ٹائیگر نے آنکھ کے کنارے سے دیکھا کہ ان میں سے ہر ایک کے بائیں رُخسار پر ایک چھوٹا سا سیاہ دائرہ بنا ہوا ہے۔۔۔ بالکل ویسا ہی جیسا پجاری نے ارہوسٹس جین کراس کے جسم پر کندہ کیا تھا لیکن ان عورتوں کے چہروں پر جو دائرے دِکھائی دے رہے تھے، وہ جلانے کے عمل سے

ہیں بلکہ آرائش کے لیے سُرمے سے بنائے گئے تھے۔ میو قبیلے کی لڑکیاں جو دونوں قطاروں میں سب سے آگے تھیں، انھوں نے سفید لبادے زیب تن کر رکھے تھے۔ جبکہ عقب میں آنے والی تمام عورتوں کا لباس سیاہ تھا۔

لڑکیوں کی قطار خاصی لمبی معلوم ہوتی تھی۔ درجن بھر لڑکیاں جب چمکیلے فرش پر پہنچ گئیں تو ٹائیگر نے سانس روک لی۔ اب وہ عقب میں آنے والی لڑکیوں کے جھرمٹ میں ایک ایسی ہستی کو دیکھ رہا تھا۔ جس کے لیے اُس کے دل نے پہلی بار محبت سے دھڑکنا سیکھا تھا۔

یہ سونی تھی۔۔۔ وہی حسین وجمیل سونی جسے وہ ماسٹر تاؤ کے حوالے کرآیا تھا اور جس کو ارہیس مُون جیسے عظیم کنگ فو ماسٹر کی تربیت گاہ سے اغوا کرلیا گیا تھا۔

سونی ایک آرائشی تخت پر براجمان تھی اور اُسے دیکھ کر کسی ملکہ ہی کا گمان ہوتا تھا۔ ٹائیگر نے دیکھا کہ وہ تخت سونے کا بنا ہُوا تھا۔ سونی کے جسم پر نہایت مہین سفید لباس تھا جس کی تہوں سے وہ اپنے تمام تر حسن اور کشش کے ساتھ جھلک رہی تھی۔ ٹائیگر کی آنکھیں اس کی آنکھوں کا جائزہ لینے لگیں۔

سونی کی آنکھیں تاثرات سے عاری تھیں۔

یوں لگ رہا تھا جیسے وہ جاگتی آنکھوں سو رہی ہو۔۔۔ یا پھر اُس کا ذہن کہیں دُور بھٹک رہا ہو اور اُسے گردوپیش سے کوئی دلچسپی نہ ہو۔ البتہ اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ ضرور چپکی ہوئی تھی۔ یہ مسکراہٹ سراسر میکانکی تھی۔ اس میں کسی جذبے کی تپش کا نام ونشان بھی نہیں تھا۔

ٹائیگر چند ساعتوں تک تو سونی کو دیکھتا رہا۔۔۔ پھر اس کے ذہن نے قلابازیاں کھانا شروع کردیں۔ اب اُسے پتہ چل گیا تھا کہ قربان گاہ میں یہ سارا اہتمام کیوں کیا گیا ہے۔ بالکل ویسی ہی صورتِ حال تھی، جیسی کہ ارہوسٹس جین کراس کے سلسلے میں پیش آچکی تھی۔۔۔ لیکن یہاں تخت اور تاج اضافی تھے۔ گویا فانگ اس سے مقابلہ کرکے سونی کو نہیں جیتے گا بلکہ وہ اُسے ٹائیگر کی نگاہوں کے سامنے اپنی ملکہ بنائے گا۔

ٹائیگر کو اپنی کنپٹی کی ایک رگ بار بار تڑپتی محسوس ہونے لگی۔

اس کی ہستی ایک بار پھر متضاد خیالات، متضاد جذبوں اور متضاد صورتِ حال کا شکار ہو رہی تھی۔۔۔ لیکن غصّے کی جو لہر اس کے دل کی گہرائی سے بلند ہو رہی تھی، اس پر قابو پانا بے حد ضروری تھا۔ کیونکہ یہ لہر اس کے سب کیے کرائے پر پانی پھیر سکتی تھی۔

ٹائیگر خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔

اس نے کن انکھیوں سے قربان گاہ کا جائزہ لیا۔ اس وقت وہ ایک ایسی جگہ پھنس گیا تھا جہاں وہ اپنی جسمانی طاقت استعمال کرکے کوئی فائدہ حاصل نہیں کرسکتا تھا کیوں کہ اس وقت وہاں بلیک سرکل کی زیرِ زمین تنظیموں کے تمام کنگ فو ماسٹرز اور سینکڑوں میو نوجوان موجود تھے۔ ان سب سے بیک وقت نمٹنا اور پھر ان کے نرغے سے سونی کو نکال لے جانا ایک ناممکن سی بات تھی۔

اپنی بے بسی محسوس کرکے ٹائیگر کو پہلی بار اندازہ ہُوا کہ کبھی کبھی بُلند ترین آدمی کس قدر ہیچ ہو جاتا ہے۔

بار بار غصّے کی لہر اُس کے دل ودماغ پر غالب آنے کی کوشش کر رہی تھی لیکن کامیاب نہیں ہو رہی تھی۔ اس طرف ٹائیگر کا دھیان ہی نہیں گیا تھا۔ وہ تو ایک ٹک سونی کو دیکھے جا رہا تھا۔ اس کے دل کی ملکہ سونی، اس کی نگاہوں کے سامنے کسی اور کی ہونے والی تھی۔

ایک بار پھر جب غصّے کی لہر نے شدّت اختیار کی تو ٹائیگر پر ایک اور ہی انکشاف ہُوا۔ اُسے جو کنٹوپ پہنایا گیا تھا وہ غیر معمولی خصوصیت کا حامل تھا۔ اس نے محسوس کیا کہ جیسے ہی اس کے دماغ میں غصّے اور نفرت کے جذبات اُبھرتے ہیں، کوئی چیز اس خود میں سے نکل کر اس کا ذہن مشل کرنا شروع کردیتی ہے۔ اب ایک ہی صورت تھی کہ وہ خود کو سنبھال لیتا۔ ایک بار اُس نے خود پر بے ہوشی بھی طاری کرنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوسکا۔ دماغی ہوم آڑھے آجاتا تھا۔ ٹائیگر سمجھ گیا کہ اس کنٹوپ کا تعلق کسی بہت ہی حسّاس قسم کے کمپیوٹر سے قائم ہے اور یہ کمپیوٹر اس کے جذبات کو کنٹرول کر رہا ہے جیسے ہی یہ بات ٹائیگر کی سمجھ میں آئی، اس کا پورا جسم پسینے میں شرابور ہوتا چلا گیا۔

اُسے اچھی طرح احساس ہوگیا تھا کہ اب وہ چاہنے کے باوجود بھی کچھ نہیں کرسکے گا۔ یہ کمپیوٹر اُسے نفرت اور غصّے میں مبتلا ہی نہیں ہونے دے گا اور جب تک کوئی انسان کسی ایسے جذبے میں مبتلا نہ ہو، وہ اس کی تکمیل یا تسکین کے لیے کوئی کارروائی بھلا کیسے کرسکتا ہے؟

وہ ساکت کھڑا ٹکٹکی لگائے فانگ کی پشت کو گھورتا رہا اور کبھی اس کی بے بس نگاہیں حسین سونی پر جم جاتی تھیں جسے غالباً انیوفی نشے میں دست کرکے وہاں لایا گیا تھا۔

ٹائیگر نے سوچا کہ وہ اپنے ذہن کو تاریکیوں میں ڈبو دے۔۔۔

اور بے ہوش ہو جائے تاکہ جو کچھ اس کی آنکھوں کے سامنے ہونے والا تھا، وہ اسے نہ دیکھ سکے لیکن وہ اپنی مرضی کا مختار نہیں رہ گیا تھا۔ بے ہوش ہونا بھی اس کے لیے مطمئن نہیں تھا۔ تب اُسے لمحے بھر کے لیے افسوس ہونے لگا کہ اس خود کے سلسلے میں وہ اتنا لاپروا کیوں ہو گیا تھا۔ اسے پہننے سے پہلے ہی اُسے عمل استغراق کی گہرائیوں میں ڈوب جانا چاہیے تھا... لیکن اب سانپ نکل گیا تھا اس لیے لکیر پیٹنے سے کوئی فائدہ بھی نہیں ہو سکتا تھا۔

اب ٹائیگر کی سمجھ میں یہ بات بھی آگئی تھی کہ فانگ نے اس کے لیے کس قدر بھیانک... یہ تجویز کی ہے۔ وہ جلنا چاہتا تھا تو غصے کی آگ میں جل نہیں سکتا... اور اگر مشتعل ہو کر وہ جانا چاہتا تھا تو اندیشوں اور خوف کی سرد لہریں بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ اُسے یوں لگنے لگا جیسے اُسے ایک ہی صلیب پر بار بار چڑھایا جا رہا ہو اور جیسے ہی اس کی جان نکلنے لگتی ہے، اُسے صلیب سے اتار لیا جاتا ہے۔ یہ ایک ایسی اکتوس ناک حالت تھی جس کا تعوذ کسی غیر معمولی شیطانی ذہن ہی میں جنم لے سکتا تھا... اور فانگ بلاشبہ ایک ایسا ہی جینئس بھی تھا۔

یکایک اُس کی ان سوچوں کا سلسلہ بھی دھیما پڑ گیا۔ ہر تکلیف دہ اذیت اور ہر فرد کی کا احساس زائل ہو گیا۔

اس نے خالی خالی نظروں سے پجاری کی طرف دیکھا۔ وہ کسی جھپٹنے والے عقاب کی مانند اُسے گھور رہا تھا۔ اُس کی نگاہیں ٹائیگر کے کانپتے ہوئے ہونٹوں پر نہیں تھیں اور نہ ہی وہ اس کے زرد ہوتے رخساروں کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اُس کے پسینے سے بھیگے ہوئے ابرو بھی پجاری کی توجہ سے دُور تھے اُس کی نگاہ تو کنٹوپ کے بالائی حصے پر جمی ہوئی تھی جہاں ایک شفاف ہیرا مرتین تھا۔ ٹائیگر نے اس کی آنکھوں میں دیکھا تو اُسے وہاں اس ہیرے کا عکس دکھائی دیا یہ ہیرا شروع میں سفید اور شفاف تھا جب کہ اس نے اب اپنی رنگت تبدیل کر لی تھی یہ ہیرے کی رنگت نیلگوں ہو چکی تھی اور اس سے روشنی کی شعاعوں کا انعکاس ہونے لگا تھا۔ یہ تبدیلی غالباً ٹائیگر کی ذہنی حالت بے نقاب کر رہی تھی۔

کنٹوپ ایک الوکھی ایجاد تھی۔ ٹائیگر سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ قاتلوں اور مجرموں کا یہ گروہ سائنسی طور پر اتنی ترقی بھی حاصل کر چکا ہو گا۔ یہ دھماکی خود جس میں شاید کوئی کمپیوٹر نصب تھا، اس کے احساسات پر براہِ راست اور فوری اثر کر رہا تھا۔ اگر اُس کے خیالات باغیانہ ہوتے تھے تو وہ انھیں فوراً منقطع کر دیتا تھا اور ان کی بجائے اس کے ذہن میں ایسی سوچیں پیدا کرنے لگتا کہ ٹائیگر اپنے سامنے ہونے والی ہر شے کو دل سے قبول کرنے پر مجبور ہو جائے۔

پجاری کی نگاہوں کا مفہوم بھی اب واضح ہو چکا تھا۔ وہ ہیرے کی بدلتی ہوئی رنگت سے اس بات کا اندازہ لگا رہا تھا کہ ٹائیگر کس حد تک رام ہو چکا ہے۔ ہیرے کا نیلگوں رنگ غالباً اُسے بتا چکا تھا کہ اس کی قوتِ ارادی دم توڑ چکی ہے۔

ایک لمحے کے لیے ٹائیگر کا ذہن پھر بے قابو ہو گیا۔

اس نے دونوں ہاتھوں پر زور صرف کیا لیکن فوراً ہی اس کی کھوپڑی میں چنگاریاں سی بھر گئیں اور اس کا پورا جسم مفلوج ہو گیا۔ اب وہ ایسی حالت کا شکار تھا کہ اپنی مرضی سے پلکیں تک نہیں جھپکا سکتا تھا۔

لڑکیوں کا جھرمٹ قربان گاہ کے فرش پر صلیب کے مقابل پہنچ چکا تھا۔ فوراً ہی فانگ کے مسلح آدمیوں نے سونی کو گھیرے میں لے لیا۔ ان کے ہاتھوں میں ریوالور تھے اور آنکھیں ٹائیگر اور سونی دونوں کا جائزہ لے رہی تھیں۔ یہ ایک طرح کی خاموش دھمکی تھی کہ اگر ٹائیگر کچھ کرنے پر آمادہ ہوا اور وہ کسی نہ کسی طرح کمپیوٹر کو ناکام بنانے میں کامیاب ہو گیا تو بھی سونی اُس کے ہاتھ نہیں لگ سکتی... وہ بلک جھپکتے میں اُسے گولی مار کر ہلاک کر سکتے تھے۔ یہ بات ٹائیگر کی سمجھ میں بھی آگئی کہ اب سونی کو چھڑانے کی کوئی بھی کوشش اس کی فوری موت کے مترادف ہو گی۔ خود ٹائیگر بھی مصیبت میں مبتلا تھا۔

ہیرے کی بدلتی ہوئی رنگت پر پجاری کے چہرے پر جو تاثرات ابھرے تھے ان سے پتہ چلتا تھا کہ کنٹوپ پر تین ہیرا یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ ماضی کی کوئی یاد اپنے ذہن میں دُہرا رہا ہے... یا اس کے ذہن میں بغاوت آمیز خیالات جنم لے رہے ہیں۔

ہیرے کی رنگت بدلتے دیکھ کر پہلے تو پجاری کی تیوریاں چڑھ گئیں... پھر اُس نے مسلح محافظوں کو اشارہ کیا کہ وہ ٹائیگر کو گھیرے میں لے لیں۔

ٹائیگر نے خود کو سنبھالنے کی کوشش کی جس میں پوری طرح کامیاب نہ ہو سکا۔ البتہ اس نے جب پجاری کو اشارہ کرتے دیکھا تھا تو اس کی نگاہ مُوہان کی طرف اُٹھ گئی تھی۔ پجاری نے جن محافظوں کو اشارہ کیا تھا، ان میں مُوہان بھی شامل تھا۔

اب سے پہلے ٹائیگر نے اُسے ہجوم میں کھڑے نہیں دیکھا

تھا۔ نہ جانے وہ کہاں تھا لیکن اب وہ پجاری کا اشارہ پا کر کسی پالتو کتے کی طرح سر جھکائے، ٹائیگر کی طرف بڑھا اور پھر اس کے بائیں طرف کھڑا ہو گیا۔ باقی تمام محافظ مستطیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ ان میں سے ایک جو سب سے زیادہ خونخوار تھا، وہ ٹائیگر کے دائیں طرف آکھڑا ہوا جبکہ تقریباً نصف درجن کے قریب مسلح نوجوان ٹائیگر کے عقب میں نصف دائرہ بنا کر کھڑے ہو گئے تھے۔

سونی کا تخت قربان گاہ میں صلیب کے مقابل رکھ دیا گیا تھا اور اب ٹائیگر اُسے بخوبی واضح دیکھ سکتا تھا۔ یہ دیکھ کر اُسے ایک بار پھر غصہ آگیا کہ وہ اتنی بے بس اور دُھت سی حالت میں ہے کہ اپنے طور پر حرکت بھی نہیں کر سکتی۔ تخت پر وہ جس طرح بیٹھی تھی، اس کا پاؤں بھی کھل گیا تھا۔ اس مقصد کے لیے کئی تکیے استعمال کیے گئے تھے۔ محافظوں نے اُسے اٹھا کر صلیب کے سامنے نگلے فرش پر لٹا دیا۔ جیسے ہی وہ صلیب کے سامنے دراز ہوئی، ایک طویل رسم کا آغاز ہو گیا۔

ٹائیگر نے آنکھیں بند کر لیں۔ وہ تشدد اک جیسے شیطان کی تعلیمات نہیں سن سکتا تھا۔ اس رسم کے دوران پجاری نے حاضرین کو بتایا کہ کس طرح شیطانِ اعظم نے سونی کا انتخاب کیا اور پھر کس طرح اور کتنی مصیبت کے ساتھ اسے اور لبس مُون کی تربیت گاہ سے اغوا کیا گیا۔ فانگ کو مہینوں فراغض سونپنے کے بعد شیطان اُسے ایک تحفہ دینا چاہتا تھا... اور یہ تحفہ سونی کی صورت میں اسے پیش کیا جا رہا ہے جو دیگر رسوم کی تکمیل کے بعد اس کی ملکہ بن جائے گی۔

بڑی ہی خوفناک رسوم انجام دی گئیں۔ اس دوران میں کمپیوٹر نے ٹائیگر پر اپنا اثر ڈالنا جاری رکھا۔ ٹائیگر کے ذہن میں ایک ترکیب آگئی تھی۔ وہ ذہنی طور پر بظاہر کمپیوٹر کی ہر بات قبول کرنے لگا تھا۔ اس نے اپنے ذہن کے اس مخصوص گوشے کو پوشیدہ کر لیا تھا جسے وہ کمپیوٹر کی دسترس میں نہیں آنے دینا چاہتا تھا۔ اس طرح وہ ایک بار پھر اپنے کنٹوپ پر لگے ہوئے ہیرے کی رنگت تبدیل کر کے اسے شفاف بنانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اس نے پجاری کے چہرے پر سکون کے اثرات دیکھے۔ وہ تھوڑی تھوڑی دیر بعد اس کا جائزہ لینے لگتا تھا اور جب اس نے دیکھا کہ ہیرا ایک بار پھر اپنی اصلی حالت میں واپس آگیا ہے تو اس کی آنکھیں خوشی سے چمک اٹھیں۔

ٹائیگر بھی اپنے آپ میں مگن تھا کہ وہ بالآخر عظیم پجاری کے لبوں پر مسکراہٹ لانے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ برازو ایک ایسی جگہ کھڑا تھا، جہاں سے وہ شادی کی رسومات اور ٹائیگر دونوں کا جائزہ لے سکتا تھا۔ اس کی نگاہیں بھی بار بار ٹائیگر کی طرف اُٹھ رہی تھیں لیکن اب جیسے اُس کی بے چین آنکھوں کو بھی قرار آگیا تھا اور ٹائیگر کی طرف دیکھنے کے وقفے میں اب کافی اضافہ ہو گیا تھا۔

رسومات کا سلسلہ جاری رہا۔

نہ جانے ان انوکھی رسموں میں کتنا وقت صرف ہو گیا تھا۔ ٹائیگر کو شدید اکتاہٹ محسوس ہونے لگی تھی۔ اب وہ اپنے دونوں نگراں آدمیوں کے علاوہ غالباً کمپیوٹر کو بھی مطمئن کر چکا تھا اس لیے اُس کا ذہن پُرسکون تھا۔ اب وہ چاہتا تو سو بھی سکتا تھا لیکن اُس نے ایسی کوئی کوشش نہیں کی کیونکہ وہ ان رسومات کا نقطہ منتہا دیکھنا چاہتا تھا۔

... اور پھر وہ لمحہ بھی آ ہی گیا جب پجاری نے اپنے لبادے کی تہوں میں ہاتھ ڈال کر ایک خنجر نکال لیا۔ یہ ایک پتلا سا لیکن لمبا خنجر تھا۔ خنجر لبادے سے باہر آیا تو حاضرین کی نگاہیں سونی کی طرف منتقل ہو گئیں۔ خود ٹائیگر بھی اُس کی طرف متوجہ ہو گیا تھا اور اب اپنی نظروں سے سونی کی طرف دیکھ رہا تھا جیسے وہ اس کے ماضی سے کوئی تعلق نہ رکھتی ہو۔

پجاری نے اعلان کیا کہ اب تخمِ شیطان کی رسم ادا کی جائے گی۔

پجاری آہستہ آہستہ سونی کی طرف بڑھا اور پھر اس کے ہاتھ میں بھڑکتا ہوا خنجر حرکت میں آگیا۔ سونی کے جسم پر سات باریک تہوں والا لباس تھا۔ خنجر کی تیز دھار باری باری یہ تہیں کاٹتی چلی گئی۔

اس کام سے فارغ ہو کر پجاری نے اپنے لبادے سے ایک سرنج نکالی اور سونی کو افیون کی ایک اور خوراک دے دی۔ بھروٹن کا سیال سونی کی نسوں میں نشہ بن کر دوڑنے لگا۔ ٹائیگر جانتا تھا کہ اُسے بطورِ خاص یہ خوراک اس وقت کیوں دی گئی ہے... لیکن اُس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ اب کسی بھی بات کا کوئی اثر نہیں لے گا... بلکہ نہایت سکون سے اپنے وقت کا انتظار کرے گا۔

فانگ اب سونی کے قریب آکھڑا ہوا تھا۔

اچانک ٹائیگر کے دل میں اُسے قتل کر دینے کی شدید خواہش پیدا ہوئی جسے اُس نے بڑی بے رحمی سے کچل دیا۔ وہ اپنے رویے سے ہر نگران کو مطمئن کر چکا تھا اس لیے نہیں چاہتا تھا کہ دوبارہ اس پر گہری توجہ دی جائے۔ اس بار کمپیوٹر نے اُسے سزا دی تھی۔ جیسے ہی اس کے دل میں فانگ کے لیے نفرت اُبھری اور اُسے قتل کرنے کا خیال پیدا ہوا، فوراً ہی اُن دیکھی لہروں نے اس کی دماغی نسوں کو شل کر دیا۔ ٹائیگر بے بسی سے کف افسوس مَلتا رہ گیا۔ بار بار اُسے گمان ہو رہا تھا کہ جو کچھ بھی نظروں کے سامنے ہو رہا ہے، وہ محض ایک خوفناک خواب ہے اور کسی بھی لمحے اس کی آنکھ کھل جائے گی تو یہ سب کچھ غائب ہو جائے گا... لیکن یہ محض ایک خواب نہیں بلکہ

دُنیا کی تلخ ترین حقیقت تھی کہ اس کی چاہت کو اس کی نظروں کے سامنے ستم کا نشانہ بنایا جا رہا تھا اور وہ اس کی مدد تو درکنار خود اپنے آپ کو بھی چھڑا نہیں سکتا تھا۔ اُسے شبہ ہونے لگا کہ اگر کیپٹن بول ہی اُسے بار بار ہزادیتا رہا تو کہیں اُس کی رُوح پراگندہ نہ ہو جائے اور اس کے دماغ کی نسیں نہ پھٹ جائیں۔

اُس نے اپنی سانسوں کو معمول پر لانے کی کوشش شروع کر دی۔ رفتہ رفتہ اس کے اعصاب پُرسکون ہوتے چلے گئے پُرسکون اعصاب کے ساتھ ہی یہ خیال اُس کے ذہن کے پوشیدہ حصے میں پیدا ہوا کہ سونی ابھی زندہ ہے اسے مکہ بنایا جا رہا ہے اس کا مطلب ہے کہ وہ آیندہ بھی محفوظ رہے گی... اور وہ دل کی گہرائیوں سے یہی چاہتا تھا کہ سونی کو کوئی گزند نہ پہنچے۔

لیکن جو کچھ اس کی آنکھوں کے سامنے ہو رہا تھا اسے وہ کس طرح قبول کر لیتا۔ اُس کے ذہن کے اُس دُور اُفتادہ گوشے میں کسی کی سرگوشی اُبھری کہ یہ سب کچھ ایک الیاذ املہ ہے جس میں درحقیقت سونی کے ناموس سے نہیں بلکہ ٹائیگر کی اَنا سے کھیلنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

اب سب کچھ ٹائیگر کی سمجھ میں آ گیا تھا۔

سونی کو فانگ کی مکہ بنانے کی بھی وضاحت ہو گئی تھی اور جو کچھ اب اُس کی آنکھوں کے سامنے ہو رہا تھا اُس کا جواز بھی ظاہر ہو گیا تھا۔

ٹائیگر نے خود کو مزید پُرسکون کر لیا۔

وقت اور حالات اُس سے سونی کی قربانی چاہتے تھے اور وہ انسانیت کی بقا کے لیے قربانی دینے پر آمادہ بھی ہو گیا تھا۔ اب اُس کے ذہن میں کوئی اُلجھن نہیں تھی۔ اس کے ذہن کا پوشیدہ گوشہ اُسے سب کچھ سمجھا چکا تھا... اور اُسے اس کی ہم کا مقصد بھی یاد دلا رہا تھا۔ اُسے وہ سینکڑوں لڑکیاں یاد آ رہی تھیں جن کے ساتھ مستقبل میں جن کراس جیسا سلوک کیا جانے والا تھا۔ اُسے ان لاتعداد انسانوں کے چہرے دکھائی دیے جو بلیک سرکل کی ظلم کی چکی میں پسنے والے تھے۔ وہاں سب کی نجات کے لیے میدان میں آیا تھا۔ اس لیے اُسے محض اپنی زندگی یا اَنا... اور سونی کے لیے ان سب کو داؤ پر نہیں لگانا چاہیے تھا۔

یکایک قربان گاہ تاریک ہو گئی۔

تاریکی چھائی تو گہرا سناٹا بھی چھا گیا۔

اس اندھیرے میں صرف سانسوں کی آوازیں آ رہی تھیں... پھر کہیں سے سُرخ روشنی کا ایک دھارا چھوٹ پڑا۔

یہ روشنی براہِ راست سونی پر گر رہی تھی۔

ٹائیگر نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر سونی کی طرف دیکھا وہ ہیرے کے نقے میں بے مُدہ پڑی تھی۔ پھر چند ثانیوں نے اُسے خوفزدہ اُٹھایا اور اس کا وجود بڑی احتیاط سے سلیب کے اس تابوت پر رکھ دیا گیا جو صلیب کے سامنے پڑا تھا۔

اچانک ٹائیگر کی نگاہ اپنی چھوٹی انگلی پر پڑ گئی۔ اس میں ایک نیلے رنگ کی انگوٹھی تھی۔ یہ انگوٹھی دیکھ کر اس کا دل خوشی سے جھوم اٹھا۔ اس نے جلدی سے چھوٹی انگلی کو گھما کر مٹھی میں لیا تاکہ کسی اور کی نگاہ اس انگوٹھی پر نہ پڑ سکے۔ وہ حیران تھا کہ یہ انگوٹھی اس کے ہاتھ میں کیسے آ گئی؟ بکس نے اتنی خاموشی سے اس کی انگلی میں پہنا دی کہ اسے خود بھی کانوں کان خبر نہ ہو سکی۔

یہ انگوٹھی اس کے بائیں ہاتھ کی انگلی میں تھی جبکہ موگان بائیں جانب کھڑا تھا۔ اس کے لیے ممکن نہ تھا کہ وہ مخالف سمت کے ہاتھ کی انگلی میں اُسے انگوٹھی پہنا دیتا۔ اس انگوٹھی کو ٹائیگر لاکھوں میں پہچان سکتا تھا۔

یہ ماسٹر تاؤ کی انگوٹھی تھی۔

ٹائیگر نے کسی کے قدموں کی چاپ بھی نہیں سُنی تھی شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کی مخصوص حیات اس وقت اس کا ساتھ نہیں کر رہی تھیں۔

اس نے اپنے بائیں جانب دیکھا۔

اس طرف ایک سیاہ پوش نوجوان کھڑا تھا۔ اس کو دیکھ کر کسی مجسمے کا گمان ہوتا تھا وہ تن کر کھڑا تھا اور اُس کی بانہیں تنی نہیں چیک رہی تھیں۔ اس کے دونوں ہاتھ جسم میں بندھے ہوئے تھے اور وہ سامنے دیکھ رہا تھا... لیکن اس کے لبوں پر بڑی ہی پُراسرار سی مسکراہٹ تھی جسے صرف ٹائیگر ہی محسوس کر سکتا تھا۔

ٹائیگر کا جسم اب پُرسکون تھا۔ اس کا ذہن اور اس کا دل بھی سکون آشنا ہو گیا تھا۔ اب اس کے دماغ میں وہ لہریں بھی دوڑ نا بند ہو گئی تھیں جن کا تعلق کنٹوپ سے تھا۔

اُدھر فانگ لب ماربل کے تابوت کی طرف بڑھ رہا تھا اس نے سونی کے لیٹتے ہی تابوت کا ڈھکنا بند کر دیا اور خود خاموشی سے اس تابوت پر لیٹ گیا۔ اس کی آنکھیں بہت پرسکون تھیں۔

پجاری نے پھر بلند آواز میں کچھ پڑھنا شروع کر دیا۔

اپنا مشن ختم کر کے پجاری نے ٹائیگر کی طرف دیکھا۔ اس کے کنٹوپ پر مترنم ہیرا کسی سازش کی چغلی نہیں کھا رہا تھا وہ پُرسکون تھا اور اس کی اصل رنگت بھی برقرار تھی۔ لیکن محسوس ہوتا تھا جیسے ماسٹر تاؤ کی خیالوں انگوٹھی نے اس وحانی قوت کی ساری گرمجوشی ساری لیاں چھین کر اسے ٹھنڈا کر دیا ہو۔

ٹائیگر کو یقین تھا کہ عنقریب ماسٹر تاؤ کسی مستقر میں داخل ہونے ہی والا ہے تب اُسے ایک لمحے کے لیے افسوس ہونے لگا کہ وہ پہلے ہی کیوں نہیں آ گیا... اگر ایسا ہو جاتا تو کم از کم سونی، فانگ کے ہاتھوں مسموم ہونے سے محفوظ رہ جاتی۔

اُس نے آنکھیں بند کر لیں اور انتظار کرنے لگا انتظار... جو دیا جانے کب ختم ہوتا تھا۔

فانگ سونی سے دُور ہٹ گیا۔

اس کے جسم کا کچھ حصہ خون آلود تھا وہ ایک لمبا سانس لیتا ہوا کھڑا ہو رہا تھا۔ اس نے ابھی ابھی کسی کے ترخرے سے خون پیا ہو۔

پجاری نے تیزی سے جھک کر سونی کے سراپا پر ایک سفید کپڑا ڈال دیا۔ پھر وہ آتش دان کی طرف بڑھا جہاں ایک سلاخ کا کنارا تپ رہا تھا اس نے دائیں ہاتھ سے سلاخ تھام کر اُسے شعلوں سے نکال لیا اور اس کے دہکتے ہوئے سرے پر نگاہ ڈالی اُس کا جامنی سا رنگ بتا رہا تھا کہ سلاخ کے کنارے پر ایک زہر لگی ہوئی تھی جس پر لمحہ بہ لمحہ نقاہت دیکھتا ہوا کونٹلانگ رہا تھا۔

سلاخ تھام کر وہ ایک بار پھر سونی کے قریب آ گیا۔

اس نے سونی پر پڑا ہوا سفید کپڑا اٹھا کر اسے سراپا سے ہٹا دیا اور پھر سلاخ کا دہکتا ہوا سرا سونی کی کھال سے چھو دیا۔ جلتا ہوا لمحہ کھال سے مس ہوا تو کھال جلنے لگی تو اور دھواں سا اٹھنے لگا پجاری نے سونی کے جسم پر اپنی تنظیم کا یہ مخصوص نشان ثبت کر دیا تھا جو اس سے تبدیل نہ ہو جاتے تک یہ تعصب عورتوں کے جسم پر لگ چکا تھا۔

سونی اس وقت ہیروئن کے نقے میں تھی۔ اس کا شعور سویا ہوا تھا لیکن لاشعور آگ کی تپش پر چونک پڑا تھا اور اس کے حلق سے ایک تشنی تشنی سی چیخ نکل گئی۔

نشان ابلیس ثبت کرتے کے بعد پجاری اس کے قریب سے ہٹ گیا۔ اب اس کے پاس وہ تاج تھا جو اس نے سونی کے سر پر رکھنا تھا۔ یہ تاج میاؤ لوگوں میں پیدا ہونے والی وہ حیوانوں کے اعضاء سے بنا تھا۔ جیسے ہی تاج سلاخ اترے تو یہاں گاہ میں موجود ان گنت آدمیوں نے گردن کی شکل میں کچھ اٹھانا شروع کر دیا اور تقریباً سبھی بیٹھ جانے لگے اور وہاں اتنا شور ہوا کہ تھا رگ کی شکل دیواروں پر بھی لرزہ سا طاری ہو گیا۔

یہ تاج اٹھا کر پجاری فانگ کی طرف بڑھا اور اس کے سر پر سجا دیا۔ یہ رسم تاج پوشی ہوتے ہی یکایک ماحول میں بہت ہیبت آ گئی۔ فانگ کو شیطان اعظم کا نائب بنایا جا رہا تھا۔

پجاری نے تاج اس کے سر کی زینت بناتے ہوئے ایک بلا تھا اٹھا دیا تو اسی تقریباً گاہ میں خاموشی چھا گئی... اور پھر پجاری کے بول سنائی دینے لگے۔

"فانگ کے نام پر... میں تمہیں یہ تاج پہناتا ہوں میرے آقا آج سے تم بلیک سرکل کے مالک ہو... اور خفیہ جماعتوں کے سرغنہ کی حیثیت سے قطب الشمس تمام ہو گئے... زمین میں پھیلی ہوئی تمام شیطانی قوتیں آج سے تمہاری فرماں بردار ہو جائیں گی"

پجاری کے الفاظ ختم ہوتے ہی حاضرین میں سے ہر شخص چیخنے لگا۔ فانگ کے طول و عرض سے بیک وقت کئی آوازیں آنے لگیں فانگ کی شہنشاہ کے سے وقار کے ساتھ اعتماد تھا اور سینکڑوں کے ہجوم نے اس کے گرد دائرہ بنا لیا تھا لیکن فانگ کی آنکھیں ٹائیگر پر جمی ہوئی تھیں اور ان میں فاتحانہ چمک تھی۔

پجاری کے دو چیلوں نے آگے بڑھ کر سونی کو نرمی سے اُٹھایا اور تخت سے نیچے اتار لیا۔ پجاری نے وہ سرا لیا جو سونی کے سر پر تھا اور آہستہ آہستہ چلتا ہوا سونی کے قریب پہنچا۔ پھر اس نے وہ تاج سونی کے سر کی زینت بنا دیا۔

"فانگ بلیک سرکل کے نام پر... میں تمہیں یہ تاج پہناتا ہوں میرے آقا... آج سے تم بلیک سرکل کی ملکہ ہو"

جیسے ہی پجاری کی آواز ختم ہوئی ایک بار پھر ہیبت سے ڈھول پیٹے جانے لگے اور نقیریں بجائی گئیں ہر طرف سے مبارک باد کا شور بلند ہوا۔ اسی لمحے ایک تخت لا کر فانگ کے سامنے رکھ دیا گیا یہ بالکل ویسا ہی تخت تھا جس پر تاج پوشی کے بعد فانگ کی آمد ہوئی تھی۔ فانگ نے بڑھ کر اپنی ملکہ کو اٹھایا اور اس تخت پر بٹھا دیا جس پر خود براجمان تھی۔ فانگ نے بڑھ کر اپنی ملکہ کو اٹھایا اور اس تخت پر بٹھا دیا۔ اس کے بعد وہ خود بھی اسی تخت پر بیٹھ گیا۔ چند ہی ثانیوں میں ڈھول اور تخت اُس کے نقاروں کے ہاتھوں پر بلند ہوا اور قربان گاہ سے نکل کر پجاریوں کے کندھوں پر رقص کرتے ہوئے باہر لے جائے جانے لگے۔ پھر بلند و بالا پہاڑوں کے دامن میں جا کر ڈیرا ڈال لیا۔ پھر بلیک سرکل کی طرف متوجہ ہوا۔ اس نے ٹائیگر کے سامنے رکھا ہوا پلیٹ نما حصہ گرا لیا اور اندر کی چیز خود چبانے لگا۔ پھر اُسے ہاتھ میں تھام کر وہ ہجوم کی طرف متوجہ ہوا۔ اس نے وہ گوشت اٹھایا تو اس کی آواز اونچی تیز ہوتی گئی اور اُسے قربان گاہ کے دور دراز کے حصے میں بھی سُنا جا سکتا تھا۔ یہ آواز بلند ہوتے ہی

مشعلیں ایک بار پھر جھوم اُٹھیں۔

"یہ نوجوان جسے ہمارے پاس ٹرڈاک کی طرف سے بھیجا گیا ایک تحفہ ہے۔ یہ مسٹر۔۔۔ سلطنت کے سلسلے میں سب کچھ بھول چکا ہے... لیکن یہ ایک عظیم جنگ جو ہے اور اس نے خفیہ جماعتوں کے شہنشاہ کی موجودگی کا کیف محسوس کر لیا ہے لہٰذا اب اس پر چند ذمے داریاں عاید ہوگئی ہیں۔ ان میں سے پہلی ذمے داری یہ ہے کہ اسے مجھ سے سیکھنا پڑے گا کہ ایشیائی مرکزی سلطنت کو فتح کرنے کے لیے طاقت کیسے استعمال کرنی چاہیے۔ جلد ہی یہ سب کچھ سیکھ جائے گا... اور جب جنگ عظیم شروع ہوگی تو تم لوگ اپنی آنکھوں سے اس کی بے پناہ قوتوں کا مظاہرہ دیکھ لوگے۔"

اب وہ براہِ راست ٹائیگر کی طرف متوجہ تھا۔ اس کی آنکھیں ٹائیگر کی آنکھوں میں گڑ گئی تھیں... پھر اس کے لب ایک بار پھر متحرک ہو گئے۔

"تم نے اپنی آنکھوں سے شہنشاہ فانگ کی تاج پوشی کا منظر دیکھ لیا ہے۔ اس نے تمھیں اور یہاں موجود ہر فرد کو اپنی بے پناہ قوت کا مظاہرہ دکھایا ہے۔ اس کی مرضی کو کوئی چیلنج نہیں کر سکتا۔ آج سے تم اس کے زیرِ اثر ہو۔ ہم شہنشاہ پرست ہیں۔ تمھیں بھی اس پر عمل کرنا ہوگا۔ علاوہ ازیں تم کبھی شہنشاہ فانگ کی حکم عدولی کا تصور بھی نہیں کرو گے۔ تم اب صرف اس کی سلطنت کی حدیں وسیع کرنے کے لیے لڑو گے۔ اگر تم نے اس کی مرضی کے مطابق سب کچھ کیا تو اس کے منظورِ نظر بن جاؤ گے اور وہ اپنے پسندیدہ آدمیوں کو نوازنے کے سلسلے میں بخیل نہیں ہے۔ تمھاری زندگی خوشیوں سے بھرپور ہو جائے گی اور تمھیں خدمت گزاری کے لیے اتنی عورتیں دے دی جائیں گی کہ تم نے کبھی خواب میں بھی انھیں نہیں دیکھا ہوگا... تمھیں ہمیشہ صرف ایک ہی بات ذہن نشین رکھنی پڑے گی کہ تم ایک جنگ جُو اور شہنشاہ فانگ کے تابع ہو۔ تم دشمنوں کے خلاف ایک مؤثر ہتھیار بنو گے اور میں تمھیں ہمیشہ ان کی لاشوں پر کھڑے ہو کر قہقہے لگاتے دیکھنا چاہتا ہوں۔ تمھارے ہاتھوں سے ہر وقت ہمارے دشمنوں کا خون ٹپکتا نظر آنا چاہیے۔"

ٹائیگر نے محسوس کر لیا کہ تاج پوشی کی جو رسم ہونی تھی وہ اب ختم ہو چکی ہے۔ اس سے مخاطب ہونے کے بعد مچاری اپنے محافظوں کی طرف متوجہ ہو گیا اور ان سے سرگوشیوں میں نہ جانے کیا کہنے لگا۔

"سایا تاتا... مانا تے تر... تا نتانی..." اچانک ٹائیگر کے بائیں طرف سے کوئی ناقابلِ فہم سی زبان میں چیخ پڑا۔

مچاری یہ سُن کر یوں ساکت ہو گیا جیسے اس کا پورا جسم منجمد ہو گیا ہو۔

یہ مُوہان کی آواز تھی۔

وہ آگے آیا اور ٹائیگر کے سامنے تن کر کھڑا ہو گیا۔ یہ دیکھ کر براز و تیزی سے حرکت میں آیا اور مچاری کے پہلو میں کھڑا ہو گیا۔ اس کے نتھنے غصّے کے باعث تیزی سے پھول اور پچک رہے تھے اور اس کے ماتھے پر ان گنت سلوٹیں نمودار ہو گئی تھیں۔

جس ناقابلِ فہم زبان میں مُوہان نے نعرہ لگایا تھا۔ اگلی ہی ساعت، اُسی زبان میں وہ دوبارہ بولنے لگا۔ اس کے لب و لہجے سے شدید برہمی ظاہر ہو رہی تھی اور یوں لگتا تھا جیسے وہ بڑا مشکل سے خود پر قابو پا رہا ہو۔

بوڑھے مچاری کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں۔ اور لگ رہا تھا جیسے جو کچھ بھی ہو رہا ہے، وہ اس کے لیے ناقابلِ فہم ہی نہیں ناقابلِ یقین بھی ہو۔ اس نے پہلے تو ٹائیگر کی طرف دیکھا... پھر اس کی نگاہ مُوہان پر جم گئی۔ اور پھر مُوہان کا شاگرد اب دونوں بازو پھیلائے کھڑا تھا۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ کسی بھاری بھرکم شے کو دبوچنے کے لیے تیار ہو۔

"یہ لڑکا کہہ رہا ہے کہ یہ نوجوان ٹرڈاک کی طرف سے تحفہ نہیں ہے بلکہ سناجو کا ایک جاسوس ہے۔ اسے زندہ نہیں رہنا چاہیے اسے فی الفور قتل کر دیا جائے۔"

مچاری کی بات سُن کر براز و کی آنکھوں میں جیسے خون اُتر آیا وہ قہر آلود نظروں سے ٹائیگر کی طرف دیکھنے لگا۔

"ٹرڈاک نے مجھے خواب میں اشارہ دیا ہے کہ میں اسے تحفے کر دوں۔" مُوہان کہہ رہا تھا۔ "اس طرح یہ بات بھی ثابت ہو جائے گی کہ اصل جنگ جُو کون ہے اور ٹرڈاک کا منظورِ نظر کس کو ہونا چاہیے اس نے اپنے اشارے میں مجھے تمھارے لیے بھی ایک ہدایت تھی اس کے فرمان کے مطابق تمھیں چاہیے کہ اپنی مذہبی تلوار میرے حوالے کر دو۔"

براز و اور مچاری چند لمحوں تک ساکت کھڑے رہے۔ نئی صورتِ حال ان کے لیے بے حد پریشانی کا باعث ثابت ہوئی تھی... پھر کچھ سوچ کر براز و جلدی سے مچاری کی طرف جھک گیا اور سرگوشیاں کرنے لگا۔

مُوہان کی آمد سے چند ہی ساعتیں قبل ٹائیگر کی تر و ذہنی صلاحیتیں واپس آگئی تھیں اور اب وہ سوچ رہا تھا کہ کوئی نہ کوئی عملی کارروائی کر گزرنی چاہیے۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے وہ اپنے تمام بندھن توڑ ڈالنا چاہتا تھا... لیکن

پہلے کہ وہ خفیف سی بھی حرکت کرتا، مُوہان تیزی سے اس کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

ٹائیگر نے براہِ راست اپنے سابق دوست کی آنکھوں میں دیکھا۔ وہ اُمید کی ایک ہلکی سی کرن کا متلاشی تھا۔

مُوہان کی آنکھوں میں دوستی کے جذبے کا تو در کنار ہلکی سی شناسائی کا بھی سایہ موجود نہیں تھا۔ اسے مُوہان سلسلے میں بے پناہ مایوسی کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ کوئی دوستانہ ردِ عمل دینے کی بجائے، مُوہان چیخ پڑا۔

"یہ فرار ہونا چاہتا ہے۔ اسے پکڑ لو۔"

فوراً ہی دو طاقت ور محافظ آگے بڑھے اور انھوں نے ٹائیگر کے دونوں بازوؤں کو تھام لیا۔ ٹائیگر نے دیکھا کہ ان لوگوں میں سے ایک میتو قبیلے کا لڑکا جوان ہے۔

"جلدی کرو۔" مُوہان چیخا۔

مچاری اور براز و ابھی تک سرگوشیوں میں مشورہ کرنے میں مصروف تھے۔

"تم لوگ وقت ضائع کر رہے ہو جب کہ وقت پہلے ہی بہت کم ہے... اور اگر تمھیں میری اس بات کا یقین نہیں آیا کہ یہ نفس سناجو کا جاسوس ہے تو اس کی اُس ہاتھ کی چھوٹی انگلی کو، جو اس کی اس نے مٹھی بھینچ رکھی ہے۔"

میتو قبیلے کے ٹھوس جسم والے جوان نے ٹائیگر کا ہاتھ تھام لیا مٹھی کھولنے کی کوشش کرنے لگا۔ اس دوران میں مچاری ان کے نزدیک قریب آگیا تھا... اور پھر جیسے ہی اس کی نگاہ ٹائیگر کی ٹیڑھی ہوئی انگوٹھی پر پڑی، اس کا چہرہ کسی لاش کے چہرے کی طرح سپید پڑ گیا۔ وہ سر سے پاؤں تک کانپ گیا۔ چند لمحوں تک وہ اسی حالت میں مبتلا رہا... پھر اس نے پلٹ کر اپنے چیلوں سے کہا۔

"لڑکے کو چھوڑ دو۔" ٹائیگر نے اب تک جتنی بھی زندگی گزاری تھی اس میں کبھی ایک لمحہ بھی شاید ایسا نہیں گزرا تھا جب وہ موت کو گلے لگانے کے لئے آمادہ نہ رہا ہو۔ وہ موت سے کبھی خوفزدہ نہیں ہوتا تھا لوگوں کو وہ موت کا سوداگر تھا... اور آج اس نے فیصلہ کیا کہ وہ موت کو گلے سے نہیں لگائے گا۔ اُسے یاد آگیا کہ وہ شمشیر سناجو کے مالک کا اعلیٰ شاگرد ہے اور اب اس کے سامنے شمشیر ٹرڈاک لائی جا رہی تھی۔

وہ تلوار سامنے آئی تو اسے دیکھ کر ٹائیگر مبہوت ہو گیا۔ یہ لمبی دھار والی تلوار تھی۔ اس کا دستہ طلائی تھا اور اس پر بڑے بڑے ہیرے اور جواہرات جڑے ہوئے تھے۔

یہ تلوار لاکر مُوہان کے حوالے کر دی گئی۔ ٹائیگر کے ذہن میں شمشیر سناجو رقص کرنے لگی تھی... اس کے علاوہ اُسے یہ بھی احساس ہو چکا تھا کہ اگر وہ ہلاک ہو گیا تو سوتی زندگی پھر خانگ کی عذاب ناک مداخلت سے رہائی پانے میں کامیاب نہیں ہو سکے گی۔

مُوہان نے شمشیر ہاتھ میں لے کر تنقیدی نظروں سے اس کا جائزہ لیا... پھر وہ اُسے سر سے بلند کر کے ہاتھ روک کر کھڑا ہو گیا۔ اب تلوار ٹائیگر کی کھوپڑی کے وسطی حصّے کا نشانہ لیے کر ٹھہر گئی تھی۔ اگر اسے یہاں سے سر میں دے مارا جاتا تو یقیناً ٹائیگر کی کھوپڑی دو حصّوں میں تقسیم ہو سکتی تھی۔

ٹائیگر نے ایک بار پھر مُوہان کی آنکھوں میں دیکھا۔

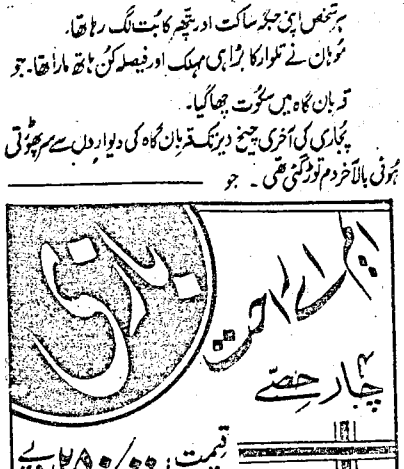
ان آنکھوں میں شناسائی کی ہلکی سی رمق بھی نہیں تھی بلکہ یہ تاثر نظر آ رہا تھا کہ وہ ایک ہی وار میں اس کی کھوپڑی دو ٹکڑے کر دینے کے سلسلے میں بے حد پُریقین ہے... اور جب وہ اُسے بلندی سے نیچے گرانے لگا، تب بھی اس کے انداز میں خفیف سی ہچکچاہٹ نہیں تھی۔ اس نے بڑی سفاکی سے تلوار والا ہاتھ نیچے گرایا تھا۔ ایسا کرتے وقت اس کے بازوؤں کے عضلات میں بے پناہ طاقت کا نام و نشان تک نہیں تھا۔

ٹائیگر نے اپنی سانس تک روک لی۔ تلوار کا اس کی کھوپڑی کی طرف سفر جاری تھا... پھر اس سے قبل کہ وہ حرکت میں آتا اور دفاعی حالت اختیار کرتا، تلوار بجلی کے کوندے کی طرح اس کی آنکھوں کے سامنے سے گزر گئی اور پھر ٹائیگر ہکا بکا رہ گیا۔ مچاری دونوں ہاتھ سر سے بلند کر کے بڑے ہی خوفناک انداز میں چیخ پڑا کیوں کہ تلوار پوری کی پوری عظیم مچاری کے سینے میں اُتر کر دستے تک دفن ہو گئی تھی۔

ہر شخص اپنی جگہ ساکت اور پتھر کا بُت لگ رہا تھا۔

مُوہان نے تلوار کا بڑا ہی مہلک اور فیصلہ کُن ہاتھ مارا تھا۔ جو قربان گاہ میں سکوت چھا گیا۔

مچاری کی آخری چیخ دیر تک قربان گاہ کی دیواروں سے سر پھوڑتی ہوئی بالآخر دم توڑ گئی تھی۔ جو



کچھ بھی ہُوا، چشمِ زدن میں ہوگیا تھا۔ غالباً یہی وجہ تھی کہ پجاری کی آنکھیں زندگی سے محروم ہونے کے باوجود حیرت اور بے یقینی کے تاثر سے خالی نہیں ہوئی تھیں۔ شاید آخری لمحے تک اُسے معلوم نہیں ہُوا تھا کہ اس کے ساتھ کیا حادثہ پیش آگیا ہے۔ تلوار اس کا لبادہ چیر کر اُس کی بُڑھی کھال چیرتی ہُوئی داہنی ہُوئی تھی اور اس کا سر اگیشت کی جانب جھکا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔

مُوہان نے جھٹکا دے کر تلوار نکالی تو اُس کے سینے میں ایک گہرا گھاؤ پڑ گیا۔ یہ شکاف تلوار کی حرکت سے بڑھ کر ناف تک چلا گیا اور پھر اس سے انتڑیاں باہر لٹک آئیں۔ پجاری اوندھے مُنہ گرا اور تڑپے بغیر ہی ٹھنڈا ہوگیا۔

ٹائیگر بھی ہکا بکا کھڑا تھا۔

لمحے بھر کے لیے اس کے ذہن نے بھی کام کرنا بند کر دیا تھا۔

اچانک مُوہان کا تلوار والا ہاتھ دوبارہ اُٹھا۔ اس بار تلوار کا رُخ ٹائیگر کی طرف تھا۔ تلوار اُس کی کھوپڑی کے بائیں حصّے پر گری اور کنٹوپ کو چیرتی ہُوئی کلائی کی بندش کاٹتی چلی گئی۔ ٹائیگر کا پسینہ مُنہ کی زد سے نکل گیا۔ کنٹوپ کٹ کر گر گیا اور اس کا ہاتھ آزاد ہوگیا۔ یہ سب کچھ چند ساعتوں میں ہُوا تھا، ان ساعتوں میں جب ہر فرد کسی مُورتی کی طرح ساکت کھڑا حیرت اور خوف سے پھٹی پھٹی نظروں سے یہ انوکھا منظر دیکھ رہا تھا۔

سب سے پہلے برازو اس صُورتِ حال کو سمجھا۔ اس نے مُوہان کی طرف جست لگائی تو تمام محافظ خوف اور صدمے کی سی کیفیت میں کئی قدم پیچھے ہٹ گئے... اور پھر ٹائیگر بھی چونکے بغیر نہ رہ سکا۔ اس کے پہلوؤں میں استادہ میونوجوان، جو کنگ فُو سے ناآشنا تھا۔ اچانک اس کے حلق سے ایک جنگی نعرہ نکل گیا اور پھر ٹائیگر نے اُسے برازو کی طرف لپکتے دیکھا۔ میونوجوان نے ڈریگن اسٹیپ استعمال کیا تھا اور چوٹ برازو کے کولہے کی ہڈی پر لگی تھی۔ وہ مُوہان کی طرف بڑھتے بڑھتے اچانک ہی رُک گیا اور پھر اس کا جسم کسی ایسے کمزور پودے کی طرح آگے پیچھے جھولنے لگا جو آندھی کا تیز جھکڑ برداشت نہ کرتے ہُوئے عدمِ توازن کا شکار ہوگیا ہو۔

برازو کی ٹانگیں شل ہوگئیں۔

وہ لہرایا اور فرش کی طرف جھکتا چلا گیا۔

اُسی لمحے مُوہان کی تلوار دوبارہ بارِ حرکت میں آئی اور ٹائیگر کا دُوسرا بازو بھی بند شوں سے آزاد ہوگیا۔

پجاری کی ناگہانی موت اور مُوہان کے ہاتھوں ٹرڈاک کی خصوصی تلوار کے استعمال نے قربان گاہ کے طول و عرض میں موجود افراد میں ابتری کی لہر دوڑا دی۔ اُنھوں نے مُوہان کو اپنے کانوں سے مُقدّس زبان بولتے ہُوئے سُنا تھا اور عظیم پجاری نے اس کی تائید بھی کر دی تھی کہ ٹرڈاک کے علاوہ دُنیا بھر میں صرف وہی ایک یہ مقدس زبان بول اور سمجھ سکتا ہے۔ اس کا مطلب تھا کہ مُوہان کی حیثیت کسی طرح بھی پجاری سے کم نہیں تھی... اور اب تو اُس نے ٹرڈاک ہی کی مدد سے پجاری کو ہلاک بھی کر دیا تھا۔ اس لیے لوگوں کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیسے اپنا ردِعمل ظاہر کریں اور کس کی پیروی میں کوئی قدم اُٹھائیں۔

یہ ایک ایسی صُورتِ حال تھی جو سراسر ٹائیگر اور مُوہان کے حق میں جاتی تھی... لیکن وہ دونوں ہی اپنی اپنی جگہ جانتے تھے کہ حالات زیادہ دیر تک برقرار نہیں رہ سکتے۔ جلد ہی سب کچھ واضح ہو جائے گا... لہٰذا اُنھیں چاہیے کہ اس مہلت سے خاطر خواہ استفادہ کر لیں۔

برازو فرش پر گرنے کے بعد سنبھل رہا تھا۔

وہ گھٹنوں کے بل اُٹھنے کی کوشش کرنے لگا۔

اچانک سُرخ لباد والے چند آدمی تیزی سے اس پل کی طرف بڑھنے لگے، جہاں ٹائیگر کھڑا تھا۔

"انھیں قتل کر دو۔" برازو نے چیخ کر کہا۔

ہنڈرڈ کنگ فُو ماسٹر کاشی اب تک ایک طرف کھڑا محض تماشا بنا ہُوا تھا۔ برازو کی چیخ پر اُسے ہوش آگیا۔ اُس نے سُرخ لبادہ محافظوں کو اشارہ کیا جو مختلف قسم کے ہتھیاروں سے لیس آگے بڑھے۔ ٹائیگر نے اُنھیں بڑھتے دیکھا تو جھک کر اپنے پیروں کو مسلنے کرنے لگا۔

اس دوران میں مُوہان نے ان لوگوں کی پیش قدمی کے لیے حملہ کر دیا۔ وہ شمشیر بکف تھا اور اپنی حرکات سے بجلی ہی لگ رہا تھا۔ ٹرڈاک کی تلوار جس کسی کے بھی لگتی، اُس کے جسم کا کوئی حصّہ کاٹ کر الگ کرتی ہُوئی دُوسرے ہدف کی طرف لپک پڑتی۔ لگ بھگ تیرہ سُرخ لبادوں والے اور کاشی، مُوہان کے نشانے پر تھے۔ ان میں سے بعض نے زنجیریں تھام رکھی تھیں، بعض کے ہاتھ میں گرز تھے اور بعض تلواریں اور ڈھالیں سنبھالے ہُوئے تھے۔

مُوہان کی نس نس میں بجلیاں سی بھری ہُوئی تھیں۔ وہ نصف ترپ کر وار کرتا جارہا تھا بلکہ حملہ آوروں سے بچنے کے لیے کبھی جھکتا اور کبھی قلابازیاں بھی کھا رہا تھا۔ اب تک اس کے جسم پر معمولی سی بھی نہیں آئی تھی اور وہ تیرہ میں سے سات آدمیوں کو ناکارہ بنا چکا تھا۔

اب ٹائیگر آزاد ہو چکا تھا۔

اُس نے اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر نگاہیں مُوہان پر جم گئیں۔

مُوہان... اور یہ مُوہان کا سب سے ہونہار شاگرد تھا اور ٹائیگر کی فنی مہارت پہلے بھی دیکھ چکا تھا... لیکن اس وقت وہ کسی ایسے کی طرح لپکتا ہُوا پُوری قربان گاہ میں بکھر رہا تھا۔ اس کی لڑائی بے مثال تھی۔

ٹائیگر پُرستائش نگاہوں سے یہ مقابلہ دیکھتا رہا۔

دفعتہً اُسے اپنے عقب میں کسی کی حرکت کا احساس ہُوا۔

اُس کی حسیات فوری طور پر بیدار ہوگئیں اور اس کے جسم کا ریشہ ریشہ دفاع اور حملے کی حالت اختیار کرنے کے لیے مستعد ہوگیا۔ مُڑ کر دیکھنے کی مہلت نہیں تھی۔ اس لیے محض اپنی حسیات پر انحصار کیا جاسکتا تھا۔ اُس نے اندازہ لگایا کہ کوئی عقب سے اس پر نیزے سے حملہ آور ہو رہا ہے۔ حسیات نے اُسے حملہ آور کے فاصلے اور ہدف کی نشاندہی کر دی۔

وہ تیزی سے ایک طرف ہوگیا۔

اس کا ایک بازو بلند ہُوا تھا اور پھر جیسے ہی نیزہ اس کے ہاتھ نیچے سے آگے نکلا، اس کا بازو تیزی سے واپس آیا اور نیزہ اُس کی بغل میں دَب گیا۔ اگلے ہی لمحے وہ نیچے جُھکا اور پھر اپنے پنجوں پر گھُوما۔

حملہ آور نیزے کے سہارے اُٹھا اور پھر ٹائیگر کے اُوپر سے اُڑتا ہُوا اُس کے عقب میں جا گرا۔ گرنے کا یہ عمل اتنا شدید تھا کہ اُس کی ہڈیاں، فرش سے ٹکرانے کے باعث سُرمہ بن گئی ہوں گی۔

ٹائیگر کی نگاہ اُس نوجوان پر جم گئی جسے وہ اب تک میونوجیسی آدمی سمجھتا رہا تھا اور جس کے بارے میں اُس کی رائے تھی کہ وہ کنگ فُو سے ناآشنا ہے۔ وہی میونوجوان اب کسی ماہر ترین کنگ فو ماسٹر کی طرح لڑ رہا تھا۔ ٹائیگر کے دیکھتے ہی دیکھتے وہ آگے بڑھا اور کاشی کے آدمیوں کے درمیان گھس گیا۔ اگلی ہی ساعت، دونوں آدمی گھُٹنے، کی ٹانگیں ٹوٹ گئیں اور وہ لہرا کر گرنے لگے۔ تب ہی ان میں سے ایک کے سینے سے خون کا فوارہ اُبل پڑا۔ میونوجوان کے دائیں ہاتھ نے خنجر کی طرح اس کا سینہ چیر دیا تھا۔ اس کا دُوسرا ہاتھ عین اُسی پوائنٹ پر اسٹرائیک کا انداز اختیار کر کے ایک قریبی آدمی کو موت سے ہمکنار کر رہا تھا جبکہ اس کی ایڑی کسی ہتھوڑے کی طرح، عقب میں کھڑے آدمی کی کھوپڑی کو ریزوں میں بدل چکی تھی۔

یہ سب کچھ لمحوں میں ہُوا تھا... اور انہی ساعتوں میں محافظوں کو کاشی کا اندازہ ہوگیا تھا کہ وہ لوگ ان پر قابو پانے میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ دفعتہً میونوجوان، ٹائیگر کی طرف دیکھ کر چیخ پڑا۔ "اس طرف"

ٹائیگر ایک لمحے کے لیے، ہچکچا گیا۔

اچانک دو آدمیوں نے اس پر بڑا ہی خطرناک حملہ کیا۔

میونوجوان نے جلدی سے فرش پر پڑی ہُوئی چھتے کی کھال اُٹھا کر اپنے ایک حملہ آور پر کھینچ ماری۔ کھال اس کے مُنہ سے ٹکرائی۔ اُسی لمحے ٹائیگر کے ہاتھ سے نکلا ہُوا نیزہ چھتے کی کھال میں سے راستہ بناتا ہُوا اس شخص کے سینے میں دھنس گیا۔ اُس کی چیخ سے قربان گاہ میں کہرام برپا ہوگیا۔

دُوسرا آدمی اُڑتا ہُوا ٹائیگر پر آیا تو اس کا دایاں ہاتھ نیچے سے اُوپر کی طرف بلند ہُوا۔ اس سے قبل کہ حملہ آور اس صُورتِ حال سے آگاہ ہوتا، ٹائیگر کا ہاتھ اُس کی پُشت پر نکل چکا تھا اور وہ اُس کے بازو پر یُوں جھکا ہُوا تھا جیسے کسی نے اُسے کھڑے نیزے کی اَنی پر ٹانگ لیا ہو۔

مُوہان اب قربان گاہ کے عقبی دروازے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اب بھی وہ تقریباً نصف درجن کے لگ بھگ آدمیوں کو نچوڑنے میں مصروف تھا۔

دروازے تک پہنچتے پہنچتے وہ اُن میں سے تین کو ناکارہ کر چکا تھا۔

برازو حلق پھاڑ پھاڑ کر چیخ رہا تھا: "رائفلیں لاؤ... ریوالورز... پستولیں لاؤ۔"

یہ آواز صرف دو تین آدمیوں ہی نے سُنی تھی اور وہ اس آواز کو سنتے ہی ایک طرف دوڑتے چلے گئے تھے۔

صورتِ حال رفتہ رفتہ بھیانک خطرناک ہوتی جارہی تھی۔ ٹائیگر اور میونوجوان اب ایک دُوسرے سے پیٹھ ملائے لڑ رہے تھے۔ ٹائیگر خالی ہاتھ تھا لیکن اس کے ہاتھ، ہتھیاروں سے زیادہ مہلک ثابت ہو رہے تھے جبکہ میونوجوان کے ہاتھ میں زنجیر سے منسلک ایک گولہ تھا۔ یہ گولہ کسی کے بھی سَر، اس پر موت طاری کر کے ہی ہٹتا تھا۔

ٹائیگر نے بیک وقت ریمز، بیدِ چیچ، ہُوف لگ، ایگل بیک اور ٹائیگر کلا نامی ٹیکنیک استعمال کرنی شروع کر دی تھی۔

اچانک مُوہان بھاری بھرکم دروازے تک پہنچنے میں کامیاب ہوگیا۔ اس نے تلوار کا ایک بھرپور ہاتھ مارا۔

لکڑی کے ٹکڑے اُڑ گئے۔ دروازہ ٹوٹنے لگا۔

کاشی نے دیکھا کہ وہ لوگ قربان گاہ سے نکل بھاگنے کا ارادہ کر چکے ہیں تو وہ اپنے ساتھیوں کے ہجوم سے الگ ہو کر سیدھا ٹائیگر کی طرف آیا۔ فلائنگ ڈبل ڈریگن اسٹیپ استعمال کرتے ہُوئے وہ ٹائیگر پر حملہ آور ہُوا۔ ٹائیگر سنبھل گیا۔ کاشی نے بڑا خطرناک داؤ استعمال کیا تھا۔ ٹائیگر نے غالباً جلد بازی کی تھی۔ یہی وجہ ہُوئی کہ ٹائیگر نہ صرف محفوظ رہا... بلکہ وہ کاشی کے ٹخنوں کے درمیان اپنا آہنی پاؤں بھی پھنسانے میں کامیاب ہوگیا۔ یہ اب تک کی سب سے بہترین مظاہرہ تھا۔

کاشی کے حلق سے ایک گھٹی گھٹی سی چیخ نکل گئی۔

وہ لڑھک کر عقب میں گرتا چلا گیا۔

دفعتہً ٹائیگر کو ایک ہدف دکھائی دیا۔ کاشی بوکھلاہٹ میں اپنے دفاع کی طرف سے بے خبر ہو گیا تھا اور اُس کے گرد کے کا مقام، ذرا سی چوٹ کھا کر اُسے موت سے ہمکنار کر سکتا تھا۔ اس سے قبل کہ ٹائیگر اس مقام پر ہُوک لگ استعمال کرتا، اس کی سماعت سے مُوہان کی ... آواز ٹکرائی۔

"آؤ... جلدی..!" یہ کہتے ہُوئے مُوہان نے دروازے پر آخری وار کیا اور راستہ کھل گیا۔ مُوہان نے اُلٹی قلابازی کھائی اور دروازے سے نکلتا چلا گیا۔

میتو نوجوان نے آخری حریف سے نمٹے بغیر ہی دروازے کی طرف جست لگا دی۔ وہ فوری طور پر اس مقام سے دُور نکل جانا چاہتا تھا کیونکہ یہاں رہ کر وہ کچھ ہی دیر میں چیونٹیوں کی طرح بے بس بنائے جا سکتے تھے۔ ٹائیگر نے بھی کاشی سے توجہ ہٹائی اور اُڑتا ہُوا دروازے تک جا پہنچا۔ اگلے ہی لمحے وہ میتو نوجوان کے تعاقب میں دروازے سے نکل رہا تھا۔

اچانک ٹائیگر نے محسوس کیا کہ اس نے اس ایک لمحے سے استفادہ نہ کر کے بھاری غلطی کی ہے۔ اگر وہ ایک ساعت اور رُک جاتا تو کاشی کا کام تمام ہو سکتا تھا لیکن وہ اپنے ان ساتھیوں سے پیچھے نہیں رہنا چاہتا تھا، جو قربان گاہ سے فرار ہو رہے تھے... اور اب کاشی تیزی سے اس کا تعاقب کر رہا تھا۔

دوڑتے دوڑتے ٹائیگر نے دیکھا کہ اس کے ہاتھ میں ایک خنجر دبا ہُوا تھا۔ یہ خنجر غالباً اس نے کسی لاش کے سینے سے کھینچ لیا تھا۔

ٹائیگر اور اس کے ساتھی قربان گاہ سے نکل کر جس جگہ پہنچے تھے وہ ایک ایسا ہال تھا جہاں ہر طرف ہتھیار ہی ہتھیار سجے ہُوئے تھے۔ لیکن مُوہان اس کمرے میں نہیں رُکا تھا۔ وہ تیزی سے اس کے دُوسرے دروازے کی طرف جا رہا تھا اور ٹائیگر نے محسوس کر لیا کہ مُوہان جو کچھ کر رہا ہے فی الحال یہی درست ہے۔ اُنھیں وہاں سے ہر ممکن جلدی نکل جانا چاہیے تھا۔

ٹائیگر لپک کر دیکھا اور مسلسل دوڑتا رہا۔

کاشی چھ آدمیوں کے ساتھ اُن کے تعاقب میں دوڑ رہا تھا۔

ایک بار تو ٹائیگر کے جی میں آیا کہ پلٹ کر ان ساتوں سے نمٹ لے... پھر اُس نے یہ ارادہ ملتوی کر دیا کیونکہ اب مُوہان کے ذریعہ کا مقصد اس کے ذہن میں اچھی طرح بیٹھ چکا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ اگر اس نے ان ساتوں سے نمٹنے میں وقت ضائع کیا تو اتنی دیر میں مزید کئی آدمی ان کی مدد کو پہنچ جائیں گے... اور اس طرح یہ سلسلہ اس وقت تک ختم نہیں ہو گا جب تک کہ اس زیرِ زمین دُنیا کا ایک ایک آدمی ہلاک نہیں ہو جاتا... اور ٹائیگر جانتا تھا کہ ان لوگوں کی تعداد سینکڑوں نہیں ہزاروں پر مشتمل ہے۔

مُوہان دوڑتے ہُوئے ایک غار نما حصّے میں داخل ہو گیا۔ میتو نوجوان بھی اندھا دُھند اس کے پیچھے دوڑ رہا تھا۔

ٹائیگر نے اس غار میں قدم رکھتے ہی ایک طویل سانس لی۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ یہ تنگ غار ایک اعتبار سے ان کے لیے بے حد فائدے مند رہے۔ اپنی تنگی کے باعث غار ایک وقت میں ایک سے زیادہ آدمیوں کو داخلے کی اجازت نہیں دے سکتی تھی... کیونکہ اچانک ہی ہتھیاروں کے ہال کے دُوسرے کنارے پر نصف درجن قریب محافظ نظر آنے لگے۔

اُن کے لب ہلنے لگے اور اُن کے شور میں کان پڑی آواز بھی سُنائی نہیں دیتی تھی۔ یُوں محسوس ہو رہا تھا جیسے غار کی دیواریں ان گنت گھنٹیاں بج اٹھی ہوں۔ اس کے بعد غار کے دُوسرے دہانے سے سائرن کی آواز بھی گونجنے لگی۔ دوڑتے دوڑتے مُوہان لمحے بھر ٹھٹک گیا۔

سامنے، غار کے دُوسرے دہانے پر تقریباً پچاس گز دُور محافظوں کی دیوار ان کی راہ میں حائل ہو گئی تھی۔ مُوہان نے اُچھل کر غار کی دیوار سے ایک کمان اُتاری اور پھر اس نے ترکش بھی کھینچ لی۔ وہ چلتے چلتے تیر چڑھاتا ہُوا زمین پر گر گیا اور پھر سنبھلتا ہُوا تیر اس کی کمان سے نکل کر محافظوں کی دیوار کی طرف لپک پڑا۔

اس سے پہلے کہ محافظوں کی دیوار منتشر ہوتی، مُوہان نے ان پر تیروں کی بارش کر دی۔ یہ بڑی مہارت کا کام تھا۔ تیر ایک کے بعد دُوسرا اُس کی کمان سے نکل رہا تھا اور ہر بار ایک آدھ چیخ سے غار گونج اُٹھتا تھا۔

شہباز
مصنف: اظہر کلیم
دو حصوں میں
مکمل سیٹ =/100 روپے
مکتبہ القریش
سرکلر روڈ اردو بازار لاہور
فون 7668958

عقب سے آنے والا کاشی اب ٹائیگر کے بہت قریب پہنچ چکا تھا۔ اُس نے جست لگائی اور خنجر سے حملہ کیا۔ فاصلہ کم ہونے کی وجہ سے خنجر ٹائیگر کی قمیض کا بقیہ حصّہ چیرتا چلا گیا اور پھر اس کی نوک نے ٹائیگر کی پُشت پر ایک خراش ڈال دی۔

ٹائیگر نے اپنی رفتار مزید تیز کر دی۔

اب بھی وہ رُک کر کاشی سے مقابلہ نہیں کرنا چاہتا تھا کیونکہ کاشی کے عقب میں گونجنے والے قدموں کی آہٹوں میں اضافہ ہو گیا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ ایک ایک کر کے بھی اُن گنت آدمی غار میں داخل ہو چکے تھے۔

کاشی کا وار نا کام رہا تھا اس لیے وہ اپنی ہی جھونک میں مُنہ کے بل گر گیا۔ نتیجتہً عقب سے آنے والا اس سے ٹکرا گیا اور پھر اس کے اوپر ہی ڈھیر ہو گیا۔ عقب سے آنے والوں کو اُن کی وجہ سے رُک جانا پڑا... اور یہ ذرا سی مہلت ٹائیگر کو اُن کی دسترس سے دُور لے جانے کے لیے کافی تھی۔

مُوہان تیر برساتے برساتے اچانک ہی پلٹ پڑا۔

اب اس کی کمان کا رُخ ٹائیگر کی طرف تھا۔ اگر ایسے میں تیر کمان سے نکل جاتا تو سیدھا ٹائیگر کے سینے ہی میں پیوست ہوتا... لیکن ٹائیگر نے دوڑنا موقوف نہیں کیا۔ وہ ٹھٹکا بھی نہیں... غالباً یہ اس کے لاشعور کی آواز تھی کہ مُوہان اس پر تیر نہیں چلا سکتا بلکہ کوئی دوسری بات ہے... اور یہ بات بھی جلد ہی اس کے دائرۂ احساس میں آ گئی۔

اس نے ہارس بک استعمال کی۔

دستی کے انداز میں ماری گئی یہ عینی ٹھوکر کام کر گئی۔ ٹائیگر نے ہارس بک استعمال کرتے ہی خود کو ہائیں جانب غار کی دیوار سے چپکا لیا تھا۔ اس کی ایڑی اپنے ہدف پر لگی تھی اور اس نے ہڈی ٹوٹنے کی آواز بھی سُن لی تھی... لیکن چیخ اس وقت سُنی جب ایک تیر سنسناتا ہُوا ٹائیگر کے قریب سے گزرا اور کاشی کے جسم میں کسی جگہ پیوست ہو گیا۔

مُوہان ایک بار پھر سامنے کھڑے محافظوں کی طرف متوجہ ہو چکا تھا۔

محافظ تیروں کی بوچھار سے پہلے تو بوکھلاہٹ میں مُبتلا ہُوئے... پھر جب اُن میں سے ایک نے سنبھالا لے کر اپنی بیلٹ میں سے ریوالور کھینچنے کی کوشش کی تو اس کے نرخرے میں تیر آر پار ہو گیا۔

وہ اُلٹ کر گرا اور تڑپنے لگا۔

میتو نوجوان نے محافظوں کو بوکھلاتے دیکھا تو اس نے دیوار کے ساتھ لگا ہُوا ایک بھاری پہیہ اُتارا اور اُسے پوری قوت سے غار کے دہانے کی طرف لڑھکا دیا۔ کئی محافظ اس کی زد میں آ گئے۔ وہ بُری طرح چیختے ہُوئے دبکنے سے ہٹنے لگے۔ مُوہان تیزی سے اُٹھا اور آگے بڑھ گیا۔

اس غار کا خاتمہ ایک اور ہال میں ہُوا۔

یہاں بھی ان گنت ہتھیار موجود تھے۔

محافظ دوڑتے ہُوئے اس ہال نما کمرے کے دُور افتادہ دروازے کی طرف بڑھنے لگے۔ میتو نوجوان نے ایک میز پر پڑے ہُوئے چند گولے اُٹھا لیے اور انھیں باری باری جھکوڑے محافظوں کی طرف پھینک دیا۔ گولے ہدف سے ٹکرائے تو کئی سُرخ پوش محافظ زمین بوس ہو گئے۔ ان کی کراہوں اور چیخوں سے پُورا ہال گونج اُٹھا تھا۔

ٹائیگر نے اس ہال میں داخل ہوتے ہی تیزی سے اِدھر اُدھر نگاہ دوڑائی تو اس نے ایک میز پر کئی چھوٹے چھوٹے چاقو پڑے دیکھے۔ اس نے ان چاقوؤں کو اُٹھا لیا اور غار کے دہانے کی طرف دیکھنے لگا جیسے ہی تعاقب میں آنے والا پہلا آدمی سامنے آیا، ایک چاقو ٹائیگر کے ہاتھ سے نکلا اور اس کے سینے میں پیوست ہو گیا۔

وہ چیخ کر گرا تو عقب میں آنے والے سے ٹکرا گیا۔

دونوں گر گئے اور پیچھے سے آنے والوں کا راستہ رُک گیا۔

اس عرصے میں مُوہان اور میتو نوجوان اُن محافظوں سے نمٹ چکے تھے، جو اب بھی ہال کے دُور افتادہ دروازے سے راہِ فرار اختیار کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ آخری آدمی عین دروازے میں گرا اور چند بار تڑپ کر ساکت ہو گیا۔

ابھی وہ اطمینان کی سانس بھی نہیں لینے پائے تھے کہ اچانک دو آدمی نہ جانے کہاں سے مُوہان پر کُود پڑے۔ ان دونوں کے ہاتھوں میں تلواریں تھیں۔ تلواروں کی شائیں شائیں زخمی ناگ کی پھنکاروں سے مشابہ تھی۔

مُوہان تیر کمان سنبھالے پلٹ پڑا لیکن تلواروں نے کمان کاٹ ڈالی۔ وہ اُچھل کر پیچھے ہٹ گیا۔ اب اس کے لیے دفاع مشکل تھا اس لیے ٹائیگر نے اُسے مشکل میں مُبتلا دیکھتے ہی جست لگائی اور مُوہان کو اپنی آڑ میں لے لیا۔

دونوں تلواریں نیم دائرے میں گھُوم گئیں۔

سانپ جیسی پھنکاریں سنائی دیں۔

معاً دونوں شمشیر زن فضا میں بلند ہُوئے اُنھوں نے اطراف سے بیک وقت ٹائیگر پر حملہ کیا تھا۔ ٹائیگر کسی زخمی درندے کی طرح پلٹا اور اس سے قبل کہ ان دونوں کی تلواروں میں سے کوئی ایک اس کے

جسم کے کسی حصے سے مس ہوتی وہ خود بخود فضا میں بلند ہو گیا۔

مُوگا ان نے اُسے فضا میں بلند ہوتے دیکھا تو دیکھتا ہی رہ گیا۔ قوتِ ارادی اور ہمدردی کی ایسی مثال اُس نے اپنی آنکھوں سے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ وہ اللہ لوک مُوگا کا شاگرد تھا اور اس نے اپنے اُستاد کے کئی حیرت انگیز کرتب دیکھے تھے لیکن ہر بار کچھ نہ کچھ وہ اب دیکھ رہا تھا۔ سیاہ ٹائیگر بُولتا فضا میں بلند ہوتا تھا جیسے کوئی بہت بڑا عقاب کسی شکار پر جھپٹنے کے بعد فضا میں اُٹھتا ہے..... اور پھر فضا میں لہراتی ہوئی طور پر معلق رہنے کے بعد اس نے دائیں طرف دُور گھومنا شروع کر دیا۔ سیاہ ٹائیگر اب اس کے دائیں طرف دُور گھوم رہا تھا۔

ایک شیر نر اپنی بیوی سے بچھڑ جائے تو وہ کتنی بے چینی سے اُسے ڈھونڈتا ہے، یہ مُوگا ان نے اس روز دیکھا۔ ٹائیگر نر اپنی مادہ کے لیے جس طرح بے چین ہوا تھا، اس کا اندازہ مُوگا ان کو اس کی آواز سے ہو رہا تھا۔ وہ بار بار بلند ہوتا اور دُور گھومتا تھا۔ اس کی آواز میں ایک عجیب سی بے چینی تھی۔ مُوگا ان نے اس کی آواز کو پہلے کبھی نہیں سنا تھا۔ وہ ٹائیگر کی آواز نہیں تھی۔ وہ ٹائیگر کی بے چینی تھی۔ وہ ٹائیگر کی بے قراری تھی۔ وہ ٹائیگر کی بے تابی تھی۔ وہ ٹائیگر کی بے کلی تھی۔ وہ ٹائیگر کی بے چارگی تھی۔ وہ ٹائیگر کی بے بسی تھی۔ وہ ٹائیگر کی بے کسی تھی۔ وہ ٹائیگر کی بے نوائی تھی۔ وہ ٹائیگر کی بے مائیگی تھی۔ وہ ٹائیگر کی بے سروسامانی تھی۔ وہ ٹائیگر کی بے خانمانی تھی۔ وہ ٹائیگر کی بے گھری تھی۔ وہ ٹائیگر کی بے وطنی تھی۔ وہ ٹائیگر کی بے آسرائی تھی۔ وہ ٹائیگر کی بے یقینی تھی۔ وہ ٹائیگر کی بے بسی تھی اور سب سے بڑھ کر وہ ٹائیگر کی بے چارگی تھی۔ مُوگا ان نے اس کی آواز میں یہ سب محسوس کیا تھا۔ اس کی آواز میں یہ سب کچھ تھا۔ مُوگا ان کو اس کی آواز میں یہ سب کچھ محسوس ہو

ہُوا۔ گولیاں اُسے نقصان پہنچانے سے قاصر رہی تھیں۔

ٹائیگر نے جھلا کر دیوار اور کا رُخ بدل دیا۔

اُس نے متلاشی نگاہوں سے اِدھر اُدھر دیکھا... پھر اُس کی آنکھیں کسی چیز پر جم گئیں۔ وہ آہستہ آہستہ اس چیز کی طرف بڑھا اور پھر کسے اُٹھا کر جائزہ لینے لگا۔ وہ اس وقت دو مُردہ آدمیوں کے قریب کھڑا تھا۔ ان دونوں کے جسموں پر فوجی وردی تھی۔ اُن کے کندھوں پر جو تھیلے تھے، ٹائیگر نے اُنھیں ٹٹول کر ہی وہ چیز برآمد کی تھی۔

یہ ہینڈ گرینیڈ تھے۔

مُوہان تیزی سے ہٹ گیا اور ٹائیگر نے گرینیڈ کی پن نکال لی۔ اگلے ہی لمحے گرینیڈ اُس کے ہاتھ سے نکل کر دروازے کی طرف اُڑا تو ٹائیگر نے کانوں میں اُنگلیاں ٹھونس لیں اور مُوہان کے تعاقب میں ایک اور دروازے کی طرف دوڑ پڑا۔ میتو نوجوان اُس سے پہلے ہی نکل چکا تھا۔

کان پھاڑ دھماکا ہُوا۔

ٹکڑے گرنے کی آوازوں سے کمرہ گونج اُٹھا۔

چند ساعتوں کے بعد ٹائیگر اور اس کے ساتھی کمرے میں داخل ہُوئے تو اسٹیل کا دروازہ بُری طرح پچکا مرا کر قبضوں کے سہارے جھول رہا تھا۔

اس دوران میں محافظ ایک بار پھر ہمت مجتمع کر کے ان پر حملہ آور ہونے کا پروگرام بنا چکے تھے۔ اس سے قبل کہ وہ ان تک پہنچتے، مُوہان اور میتو نوجوان تیزی سے دروازہ پار کر گئے۔ ٹائیگر بھی اُن کے پیچھے لپکا لیکن جا رہے جاتے اچانک ہی اس کی نگاہ فوجی کی لاش کے قریب پڑی ہُوئی ایک اور چیز پر پڑ گئی۔

یہ لاش اسٹیل کے دروازے سے قریب تر تھی اس لیے دستی بم کی وجہ سے اس کے چیتھڑے اُڑ گئے تھے... لیکن اس کے قریب ہی کینوس کا ایک تھیلا ابھی تک محفوظ پڑا تھا اور ٹائیگر کی نگاہ اسی پر جمی ہُوئی تھی۔ یہ تھیلا کھلا ہُوا تھا اور اُس میں سے ایک گیس ماسک جھانک رہا تھا۔ ٹائیگر نے اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا اور بتایا کہ انھیں اس چیز کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔

مسلح محافظ ابھی اُن سے کافی دُور تھے لیکن اُن کے پاس زیادہ وقت نہیں تھا۔ ٹائیگر نے جلدی جلدی تین گیس ماسک تلاش کیے۔ اس دوران میں اس نے چند دستی بم بھی ایک تھیلے میں ٹھونس لیے جبکہ میتو نوجوان اور مُوہان نے کچھ اور اسلحہ جمع کر لیا تھا۔ اب وہاں ایک لمحے کے لیے بھی رُکنا خطرناک تھا کیونکہ محافظوں نے ان پر نگاہ پڑتے ہی فائرنگ شروع کر دی تھی۔

مُوہان اور میتو نوجوان، دونوں تیزی سے دروازے سے داخل ہُوئے اور پھر ٹائیگر کے آتے ہی اُنھوں نے دروازہ بند کر دیا لیکن یہ دروازہ چند لمحوں سے زیادہ اُن کے تعاقب کرنے والوں کو نہیں روک سکتا تھا کیونکہ اس کی حالت خاصی خستہ تھی۔

دروازے کے بعد ایک تنگ سی سُرنگ پھیلی ہُوئی تھی۔ وہ اس میں دوڑتے چلے گئے۔ ابتدائی پچاس قدموں تک تو اُنھیں سُرنگ میں جلتی ہُوئی مشعلوں کی روشنی میسر رہی... پھر تاریکی کا راج تھا۔

وہ اس تاریک سُرنگ میں آگے، پیچھے دوڑتے رہے حتیٰ کہ ایک موڑ پر اُنھیں سُرخ روشنیوں کی چکاچوند محسوس ہُوئی۔

"رُک جاؤ۔" ٹائیگر غرّایا۔

میتو نوجوان اور مُوہان جہاں تھے، وہیں منجمد ہو گئے۔

ٹائیگر اب ان دونوں کے آگے تھا۔ اس نے راستے کا جائزہ لیا۔ یہ سُرنگ کا حصّہ تین فٹ سے زیادہ کشادہ نہیں تھا۔

"دیواروں پر چڑھ جاؤ۔" ٹائیگر نے کہا۔

اس کے ساتھیوں نے کوئی تعرّض کیے بغیر اُس کی بات پر عمل کیا۔

"اپنے پیروں کو زمین سے ہر ممکن اُوپر رکھنے کی کوشش کرو۔" ٹائیگر نے کہا۔

اس کے ساتھی دیواروں پر چڑھ گئے اور اس طرح اُنھوں نے زمین اور اپنے پیروں کے درمیان دو فٹ کا فاصلہ قائم کر لیا۔

ٹائیگر نے مُوہان کے ہاتھ سے مشین گن لی اور چاروں طرف کونوں کھدروں میں فائرنگ شروع کر دی۔

اس کی فائرنگ کا فوری ردِّ عمل ہُوا۔

نامور مصنف ایم۔ الیاس۔ کے شہکار

قلم سے ایک اچھوتی کہانی

ذلیل

خوبصورت سرورق عمدہ پرنٹنگ کتابت

قیمت =\150 روپے

جواباً اُوپر تلے تین دھماکے سُنائی دیے۔

"یہاں سے آگے بارُودی سُرنگیں بچھی ہُوئی ہیں۔" ٹائیگر نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "میرا خیال ہے یہ جو جا بجا گندگی کے ڈھیر نظر آ رہے ہیں، یہ بارُودی سُرنگوں کا جال ہی ہیں۔"

ٹائیگر نے قریب و جوار کی بارُودی سُرنگیں تو مشین گن کی فائرنگ سے اُڑا دی تھیں لیکن اب بھی وہ مطمئن نہیں تھا۔ وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ آگے بڑھا لیکن تھوڑے تھوڑے فاصلے سے رُک جاتا اور آگے فائرنگ کیے بغیر کوئی قدم نہ اُٹھاتا۔ اسی احتیاط سے آگے بڑھتے رہے...

انھیں اب آگے بڑھنے میں خاصی دیر لگ رہی تھی۔ تعاقب کرنے والے اسٹیل کا دروازہ کھول کر اب سُرنگ میں داخل ہو چکے تھے اور کسی بھی لمحے اُن کے سروں پر پہنچ سکتے تھے۔

بارُودی سُرنگوں کو قبل از وقت تباہ کرتے ہُوئے، وہ ہر ممکن طریقے سے آگے بڑھتے رہے۔ اُن کا رُخ ایک ایسے موڑ کی طرف تھا جو راہ داری کے اختتام پر دکھائی دے رہا تھا۔ موڑ سے گھوم کر ہی اُن کا سفر جاری رہا۔

تقریباً پچیس گز آگے جا کر وہ ایک اور موڑ سے گھوم گئے۔ یہاں سے سُرنگ روشن ہو گئی تھی... لیکن اس مقام پر انھیں ایسی آوازیں سُنائی دیں جیسے وہاں ان گنت سانپ بیک وقت پھنکار رہے ہوں۔

ٹائیگر ٹھٹک گیا اور اس کے دونوں ساتھی بھی چونک کر رُک گئے۔

"یہ آوازیں کیسی ہیں؟" مُوہان نے تشویش آمیز لہجے میں پوچھا۔

"گیس..." ٹائیگر نے نتھنے پھُلا کر کہا۔ "اُوپر..." چھت میں کئی سُوراخ ہیں اور ان سے گیس خارج ہو رہی ہے۔ ہمیں گیس ماسک پہن کر آگے بڑھنا چاہیے۔"

اُنھوں نے جلدی جلدی ماسک پہنے اور سُرنگ کے اس خطرناک حصّے سے آگے بڑھ گئے۔ ابھی وہ زیادہ دُور نہیں گئے تھے کہ انھیں پانی کی لرزہ دار آواز سُنائی دینے لگی... لیکن پانی کہیں دکھائی نہ دیا البتّہ اس مقام پر گیس کا اخراج زیادہ تیز اور شدید تھا۔ ٹائیگر نے اُوپر چھت کی طرف دیکھا۔ چھت میں ان گنت گول گول سُوراخ تھے اور ان سے دُودھیا رنگ کی گیس خارج ہو رہی تھی لیکن سُرنگ میں گیس کی وجہ سے پیدا ہونے والی دھند کا نام و نشان تک نہیں تھا۔

اس جگہ سے کچھ آگے بڑھنے کے بعد انھیں سُرنگ کا دہانہ دکھائی دیا اور پھر وہ کھلی جگہ نکل آئے۔ یہاں ایک طویل گھاٹی تھی جس پر ایک معلق چوبی پُل بنا ہُوا تھا۔ گھاٹی کے نیچے، سینکڑوں فٹ کی اُترائی میں پانی تیزی سے بہہ رہا تھا۔ پانی کے شور میں کان پڑی آواز سنائی نہ دے رہی تھی۔ یہ گھاٹی لگ بھگ پندرہ فٹ چوڑی تھی۔

مُوہان آگے بڑھا... لیکن وہ ابھی پُل کے قریب ہی پہنچا تھا کہ ٹائیگر نے بڑھ کر اس کی ٹانگوں میں اپنی ایک ٹانگ پھنسا دی۔ مُوہان چاروں شانے چت گر گیا۔ وہ چوبی پُل سے چند قدم ادھر ہی گرا تھا۔ گرنے کے بعد اس نے پلٹ کر حیرت سے ٹائیگر کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں ایک سوال جھلک رہا تھا۔

ٹائیگر نے ہاتھ میں پکڑی ہُوئی رائفل چوبی پُل پر پھینک دی۔ جیسے ہی رائفل ٹکرائی، پُل ایک دھماکے سے اُڑ گیا۔ اس کے تختے چیتھڑوں میں تبدیل ہو کر فضا میں بکھر گئے اور موٹے موٹے رسّے اِدھر اُدھر جھولنے لگے۔ اس آواز کے ساتھ ہی انھیں سُرنگ میں کافی پیچھے سے لوگوں کا شور سُنائی دیا۔ اس لمحے میں خوشی کا تاثر تھا۔ غالباً تعاقب کرنے والے یہ سمجھے تھے کہ پُل پر قدم رکھتے ہی اُن کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے ہوں گے۔

مُوہان کی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھیل گئیں۔ پُل کا حشر دیکھ کر اس کی سمجھ میں آ گیا تھا کہ ٹائیگر نے اسے گرانے کی ضرورت کیوں محسوس کی تھی۔ اس نے تشکر آمیز نگاہوں سے ٹائیگر کی طرف دیکھا۔ اور اُٹھ کھڑا ہُوا۔ میتو نوجوان کی آنکھوں میں بھی تحیّر کی جھلک تھی۔

"میں دُوسری طرف کود کر جاتا ہُوں۔" ٹائیگر نے کہا۔ "تم لوگ یہ اسلحہ اُدھر پھینک دینا۔"

مُوہان نے رائفل تان لی اور سُرنگ کے دہانے کی طرف متوجّہ ہو گیا۔ تعاقب کرنے والے اب بھی کافی دُور تھے لیکن اُن کی آوازیں صاف سُنائی دے رہی تھیں۔ مُوہان کا اندازہ تھا کہ وہ اس مقام پر پہنچ چکے ہوں گے جہاں انھیں پہلی بار گیس سے پالا پڑا تھا۔ وہ حیران تھا کہ گیس ماسک کے بغیر وہ لوگ وہاں سے کیسے گزریں گے... پھر وہ سمجھ گیا کہ ان لوگوں کو معلوم ہو گا کہ وقت پڑنے پر گیس کا سلسلہ کیسے منقطع کیا جا سکتا ہے۔

ٹائیگر نے آہستہ آہستہ خود کو پیچھے ہٹایا اور پھر دوڑ کر گھاٹی کے اُوپر سے چھلانگ لگا دی۔ اس کا جسم ایک لمحے کے لیے فضا میں ساکت سا دکھائی دیا... پھر وہ کسی عقاب کی طرح اُڑتا ہُوا دوسرے کنارے پہنچ گیا۔ میتو نوجوان، سُرنگ کے دہانے کی طرف رائفل تانے کھڑا رہا۔ مُوہان نے اس دوران میں کچھ اسلحہ دوسری طرف اُچھال دیا جسے سنبھال کر ٹائیگر نے ایک طرف رکھ دیا اور اُسے اشارہ کیا کہ وہ بھی کُود جائے۔

مُوہان چند قدم پیچھے ہٹا اور جب وہ، گھاٹی کے کنارے کی طرف دوڑا تو ٹائیگر چونک پڑا۔ اُس کی ایک ٹانگ میں لنگ محسوس ہو رہا تھا۔ غالباً اُس کی ٹانگ زخمی تھی اور وہ جوشِ جنون میں اس کی پروا نہیں کر رہا تھا۔ یہ ایک خطرناک بات تھی اور اس سے مُوہان کی زندگی کو خطرہ بھی لاحق ہو سکتا تھا۔ اُس نے جست لگائی اور جیسے ہی

وہ دوسرے کنارے سے دو فٹ کے فاصلے پر پہنچا، اس کا جسم آگے بڑھنے کی بجائے نیچے جھکنے لگا۔ ٹائیگر نے بے تابی سے اِدھر اُدھر دیکھا۔ اچانک اُسے چھ فٹ لمبا ایک رسّہ نظر آگیا جو پہلے ٹوٹے ہُوئے پُل میں لگا ہُوا تھا۔ اُس نے جھپٹ کر رسّہ اُٹھایا اور اُسے پوری قوت سے موہان کی طرف کھینچ مارا۔

رسّہ کسی مضبوط اور لمبے ناگ کی طرح لپکا اور موہان کے جسم سے ٹکرا کر رُک گیا۔ موہان حواس باختہ نہیں ہُوا تھا۔ اس لیے جیسے ہی رسّہ اُس کے جسم سے لپٹا، اُس نے تیزی سے ہاتھ بڑھا کر اُسے تھام لیا۔ ٹائیگر نے خود کو گرفت پر مضبوطی سے جمایا کیونکہ رسّے کو موہان کے بوجھ کی وجہ سے شدید جھٹکا لگنے والا تھا۔

جھٹکا تو قع سے زیادہ شدید ثابت نہیں ہُوا۔ کیونکہ رسّہ تھامنے کے بعد موہان نے جلدی سے اپنے دونوں پیر اُگھاٹی کی دیوار سے ٹکا دیے تھے۔ ٹائیگر نے اُسے اُوپر کھینچ لیا۔

"وہ آگئے..." میتو نوجوان کی آواز سُنائی دی اور اس کے ساتھ ہی اُس نے فائر کھول دیا۔ جس کی وجہ سے محافظوں کو سُرنگ کے دہانے سے باہر آنے کی جرأت نہ ہوسکی۔

"آہاؤ..." ٹائیگر نے چیخ کر کہا۔

میتو نوجوان لمحے بھر کے لیے ہچکچایا کیونکہ وہ ابھی تک اسلحہ دوسری جانب پہنچانے میں کامیاب نہیں ہُوئے تھے... لیکن ٹائیگر کی آواز سُنتے ہی اُس نے چھلانگ لگادی اور اُڑتا ہُوا ٹائیگر کے پاس پہنچ گیا... ٹائیگر کو خاص طور سے گرنیڈ دوسری طرف رہ جانے کا افسوس تھا۔ اس وقت تک سُرنگ سے نکلنے والے آدمی، دوسرے کنارے پر پہنچ چکے تھے۔

ٹائیگر نے اپنی سے اُن پر گولیاں برسائیں لیکن اُس کے پاس گولیوں کا ذخیرہ نہ ہونے کے برابر تھا۔ جھنجلا کر اُس نے خالی ہی گھاٹی کی دوسری جانب اُچھال دی۔

اُس نے پلٹ کر دیکھا۔

اُن کے سامنے ایک غار کا تاریک دہانہ تھا۔ اس تاریک غار میں اندھا دھند گھسنا خطرناک بھی ہوسکتا تھا لیکن ان تینوں کے پاس اس کے علاوہ کوئی چارہ بھی نہ تھا۔ گھاٹی کی دوسری جانب سے ابھی تک فائرنگ نہیں ہُوئی تھی۔ کسی بھی لمحے وہ کوئی گرنیڈ ہی اُن کی طرف اُچھال سکتے تھے۔ اس لیے ٹائیگر، اس تاریک غار میں گھستا چلا گیا۔ اُسے حیرت تھی کہ یہ انڈر ورلڈ کے شہنشاہ فانگ کی قیام گاہ کیسے ہوسکتی ہے... پھر اس غار میں اندھیرا کیوں ہے؟ کیا فانگ دہشت جل معلوم ہوگئی ہے اور وہ تاریکی میں اُن کا انتظار کررہا ہے۔

وہ غار میں آگے بڑھتے رہے۔ اس بار اُنھوں نے اندھا دھند دوڑنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اُنھیں اس بات کی بھی توقع تھی کہ جیسے ہی وہ اس غار کے آخری حصّے میں پہنچیں گے، اُنھیں انڈر ورلڈ کے خاص محافظوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ٹائیگر حیران تھا کہ یہ محافظ کتنی تعداد میں ہوں گے۔ آگے ایک محراب تھی۔ اس محراب سے گزرتے ہی وہ ایک کمرہ نُما حصّے میں جا پہنچے اور یہاں اُنھیں ٹھٹک جانا پڑا کیونکہ اس جگہ سُرخ روشنی پھیلی ہُوئی تھی اور سامنے ہی ایک بند چوبی دروازہ دکھائی دے رہا تھا... اس دروازے تک پہنچنے کے بعد ٹائیگر نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا اور پھر حیّات کے سام لے کر یہ سمجھنے کی کوشش کرنے لگا کہ فانگ نے اپنی حفاظت کے لیے یہاں کون سا جال پھیلا رکھا ہوگا؟

"دروازہ توڑنا پڑے گا۔" میتو نوجوان نے کہا۔

موہان نے تائید میں سر ہلا دیا۔

ٹائیگر نے کندھے سے دروازے پر ضرب لگائی لیکن دروازہ... ٹس سے مس نہیں ہُوا۔ اُس نے میتو نوجوان کی طرف دیکھا۔ وہ غالباً اُس کا مطلب سمجھ گیا تھا۔ اُس نے اثبات میں سر ہلایا اور دونوں ایک ساتھ چند قدم پیچھے ہٹ کر تیزی سے دروازے کی طرف دوڑے... پھر وہ ایک ساتھ فضا میں بلند ہُوئے اور اُن کی ڈبل کِک نے دروازہ توڑ ڈالا۔

دروازہ کھلتے ہی اُن کی سماعت سے خوفناک دھاڑیں ٹکرائی دی تھیں اور وہ جہاں تھے، اُنھیں وہیں ساکت ہوجانا پڑا تھا۔

دروازے کے بعد، ایک گول برآمدہ نُما حصّہ تھا اور اس حصّے میں شیر بندھے ہُوئے تھے۔ اُن کی عقبی ٹانگیں مضبوط زنجیروں سے بندھی ہُوئی تھیں لیکن وہ جس راستے پر براجمان تھے، اُسی سے گزر کر اُس کھلے دروازے تک پہنچا جاسکتا تھا جس میں فانگ کا قیام تھا۔ اس کمرے میں تاریکی تھی حالانکہ اس کا دروازہ کھلا ہُوا تھا... البتہ شیروں والے محرابی حصّے میں دودھیا روشنی پھیلی ہُوئی تھی۔

شیروں نے اجنبی چہرے دیکھے تو ایک ساتھ گرج اُٹھے۔ اُن کی دھاڑوں سے کان بہرے ہونے لگے تھے۔ اُن کے سفید سفید نوکیلے دانت بے پناہ تیز اور مہلک نظر آرہے تھے۔ وہ غصّے اور ناپسندیدگی کے اظہار میں اپنے پنجے زمین پر رگڑ رہے تھے اور خرخراہٹوں کی بڑی خوفناک آوازیں پیدا ہورہی تھیں۔ وہ عقبی ٹانگوں پر زور دے کر اُن پر غرّا رہے تھے جس کی وجہ سے وزنی زنجیریں جھنجھنا رہی تھیں۔

شیروں کے غار کے عقب میں واقع تاریک کمرے میں کسی کے چلنے پھرنے کی آوازیں پیدا ہورہی تھیں... فانگ... ٹائیگر کے ذہن میں فوراً ہی خیال آیا۔ کیا اندر فانگ ہے... اور وہ کیا کررہا ہے...؟ اپنے دفاع کے لیے کوئی اور بندوبست کررہا ہے یا کسی خفیہ راستے سے

فرار ہونے کی تیاری میں مصروف ہے؟ اُس نے دروازے اور شیروں پر نگاہ ڈالتے ہُوئے فاصلے کا تعیّن کیا تو اندازہ ہُوا کہ وہ جمپ لگا کر شیروں کے اُوپر سے دروازے تک نہیں پہنچ سکتا۔ اس کی ایک وجہ تو وہ فاصلہ تھا جو اس کے اور دروازے کے درمیان حائل تھا۔ دوسری وجہ وہ شیر تھے جنھیں ایک مخصوص فاصلے سے باندھا گیا تھا۔ ایسے میں اگر کوئی کودنے کی کوشش کرتا تو وہ یقیناً شیروں کے لیے تر نوالہ ہی ثابت ہوتا۔

ٹائیگر نے شیروں کا جائزہ لیا۔ وہ عام سے شیر نہیں تھے کیونکہ اُن کی آنکھیں خون کی طرح سُرخ تھیں اور اُن کے جبڑوں سے جھانکتے ہُوئے دانتوں کی چمک بھی غیر معمولی تھی۔ وہ بار بار پچھلی ٹانگوں پر کھڑے ہوکر دھاڑ رہے تھے اور اُن کے سامنے والے پنجے فضا میں یوں حرکت کر رہے تھے جیسے وہ اپنے شکار کو چیر پھاڑ ڈالنے کے لیے بے چین ہوں۔ ٹائیگر کو اندازہ ہوگیا کہ اُن شیروں کو بھی منشیات کی لت ڈالی گئی ہے۔ اور انھیں صرف اور صرف اجنبی لوگوں کو قتل کرنے کی تربیت دی گئی ہے۔ وہ حیران تھا کہ کیا ان درندوں کو اپنی مرضی پر چلانے کے لیے بھی ویسے ہی حربے استعمال کیے گئے ہوں گے جیسے کہ انسانوں پر آزمائے جاتے ہیں...

ٹائیگر نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا۔ اُن کی آنکھوں میں اُلجھن کے تاثرات تھے۔ وہ سمجھ گیا کہ اُنھوں نے بھی ذہنی طور پر شیروں کو... ناقابلِ تسخیر قرار دے دیا ہے... لیکن ٹائیگر شکست تسلیم کرنے والا آدمی نہیں تھا۔ اُس نے اپنے ذہن پر زور ڈالا اور اپنی حیّات بروئے کار لایا تو اُسے اندازہ ہوگیا کہ شیروں میں بھی ایسی ہی حیّات موجود ہوتی ہیں جو اُن کے دُشمنوں کی نشان دہی کرتی ہیں۔

"ٹھیک ہے۔" ٹائیگر نے مُسکرا کر کہا۔ "ہم اطمینان سے" اُن کے درمیان سے چلتے ہُوئے آگے جائیں گے۔ اگر ہم خوف، دہشت اور دُشمنی کا اظہار نہ کریں تو یہ ہمیں بے ضرر سمجھنے پر مجبور ہوجائیں گے۔ تب یہ ہمارے لیے بھی بے ضرر ثابت ہوں گے۔

وہ کچھ دیر تک خاموش اور ساکت کھڑا رہا۔ اس دوران میں اُس نے اپنا ذہن ہر قسم کے خیالات سے صاف کرلیا تھا۔ اُس کی آنکھیں بے تاثر تھیں اور چہرہ سپاٹ ہوگیا تھا۔ اب اُس کے انداز سے ذرا بھی دُشمنی ظاہر نہیں ہورہی تھی۔ اُس کے ساتھیوں نے بھی اُس کی تقلید میں عمل استغراق سے کام لیتے ہُوئے اپنا اپنا ذہن خیالات سے پاک کرلیا۔

سب سے پہلے ٹائیگر آگے بڑھا۔

اُس کے جسم میں بے پناہ لچک پیدا ہوگئی تھی اور اُس کے رگ اور ریشے کسی ایسے اسپرنگ جیسی حالت اختیار کرتے جارہے تھے، جو کھلتا جارہا ہو اور جیسے ہی اُسے چھوڑا جائے گا وہ ایک دم واپس اپنی حالت پر آجائے گا... لیکن یہ واپسی بڑے طاقت وَر ردِّ عمل کا اظہار کرتی تھی۔ اُس نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ، ان شیروں کے درمیان سے بالکل اسی انداز میں گزرے گا جیسے خاموش ہَوا کا جھونکا، خفیف سی سرسراہٹ بھی پیدا کیے بغیر گزر جاتا ہے۔

وہ پہلے شیر کے قریب پہنچ گیا اور خالی خالی نظروں سے اُس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔ شیر کو زمینی کوئی شے نہیں بلکہ اب غیر مرئی سایہ سا متحرک محسوس ہُوا۔ اُس کے حلق میں غرّاہٹ گھٹ کر رہ گئی۔ اُس کے انداز سے سکون جھلکنے لگا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ عقبی ٹانگوں کے بَل بیٹھ گیا۔ وہ ٹائیگر کی طرف دیکھ رہا تھا لیکن اب یہ متحرک سایہ اُس کے لیے ناقابلِ فہم ہوگیا تھا اور چونکہ اُس کی حیّات کسی خطرے کا اظہار نہیں کررہی تھیں، اس لیے وہ پریشان نہیں تھا۔

ٹائیگر پہلے شیر کے پاس سے گزر گیا۔ باقی شیر بھی اب پُرسکون ہوچکے تھے۔ دوسرے اور تیسرے شیر کے قریب سے گزرتا ہُوا، ٹائیگر آخری شیر کے پاس پہنچ گیا۔

میتو نوجوان، ٹائیگر سے دو قدم پیچھے چل رہا تھا۔ اس کی آنکھیں بھی سرخ قسم کے تاثر سے عاری تھیں اور ٹائیگر کی طرح اس کے جسم سے بھی کوئی ایسی غیر مرئی لہر نہیں نکل رہی تھی جسے محسوس کرکے شیروں کو کوئی الجھن لاحق ہوتی۔

موہان سب سے پیچھے تھا۔

اگرچہ چھ میں سے پہلے دو شیر بے حد پُرسکون تھے لیکن باقی چاروں شیروں کے پنجے ابھی تک چٹانی فرش پر رگڑ کھا رہے تھے۔ اس کے باوجود اُن کے انداز سے یہ ظاہر نہیں ہوتا تھا کہ وہ ان پر حملہ کرنا چاہتے ہیں، شیر بے ضرر ہوگئے تھے۔

ٹائیگر آخری شیر کے قریب سے گزر کر دروازے تک پہنچنے ہی والا تھا کہ اچانک اُسے ایک خیال نے بُری طرح چونکا دیا۔ وہ دیکھ چکا تھا کہ موہان کی ایک ٹانگ زخمی تھی اور اُس سے خون بہہ رہا تھا۔ شیروں نے یقیناً خون کی بُو پہلے ہی محسوس کرلی تھی... اس سے قبل کہ ٹائیگر، موہان کو کوئی اشارہ دیتا، دروازے سے ایک تیز آواز سنائی دی۔

"شالاما... ٹاش...!"

بلاشبہ یہ فانگ ہی کی آواز تھی اور اس نے اپنی تحکمانہ آواز میں شیروں کو کوئی حکم دیا تھا۔

یہ آواز جیسے ہی شیروں کے کانوں تک پہنچی، وہ زوردار دھاڑوں سے اُچھل پڑے۔ ٹائیگر کی بائیں سمت میں بندھے ہُوئے

شیر نے یکایک اُس کے نرخرے کی طرف جست لگائی تھی ٹائیگر ہوشیار تھا اور اس کے جسم کا ایک ایک پٹھا اور ایک ایک رگ تیار تھی۔ وہ اُچھلا اور اُس کی بجلی کے کوندے جیسی ٹھوکر شیر کے جبڑے کے نچلے حصّے پر پڑی۔ یہ ایک مہلک ٹھوکر تھی۔ شیر کا جبڑا ٹل گیا لیکن جنگل کے اس بادشاہ کا عظیم الشان جسم ٹائیگر پر حملہ آور ہو چکا تھا اس لیے اس کا دایاں پنجہ ٹائیگر کے سینے سے ٹکرا گیا ٹائیگر لڑھکنیاں کھاتا ہوا دیوار سے جا ٹکرایا اگر اس نے خود کو سنبھالنے میں ذرا سی بھی لاپروائی کی ہوتی تو اس کی کھوپڑی پاش پاش ہو گئی ہوتی۔۔۔ یا پھر اس کا ایک بازو قریبی شیر کے جبڑے میں یوں پھنس چکا ہوتا کہ اُس کے نیزوں جیسے نوکیلے تیز اور چمک دار سفید دانت اس کا بازو ادھیڑ کر رکھ چکے ہوتے۔

دوسرے شیر نے اس کی پشت سے حملہ کیا۔

اگرچہ اس کی دونوں عقبی ٹانگیں مفلوج تھیں پھر بھی وہ پوری قوت سے ٹائیگر کی طرف آیا تھا فاصلہ کم ہونے کی وجہ سے ٹائیگر جھکائی دے کر نہیں نکل سکتا تھا اس لیے اب مقابلہ کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔

شیر کے اُٹھے ہوئے پنجے کے مقابلے میں سو ونگ بڑ پسپری کا استعمال برمحل تھا۔ وہ اپنی پشت کے بل فرش پر گر گیا اور شیر سر پر سے آیا۔ یکایک شیر کا پنجہ اس کے چہرے کی طرف آیا۔۔۔ لیکن اس سے قبل کہ وہ اپنے ہدف تک پہنچنے میں کامیاب ہوتا ٹائیگر نے مارٹر ڈنائف پوائنٹ شیر کے نرخرے پر اور عقاب کے پنجے کی جھپٹ شیر کی ٹانگوں کے درمیانی حصّے پر استعمال کی۔ اس کے دونوں وار کامیاب رہے۔ شیر لمحوں میں ہلاک ہو گیا لیکن اس کا عظیم الشان اور طاقت ور جسم اب بھی کسی زلزلہ زدہ چٹان کی طرح کانپ رہا تھا۔

میتو نوجوان ایک شیر سے اُلجھا ہوا تھا جب کہ شیروں اور دونوں ساتھیوں کی جنگ سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے مُوہان جست لگا کر دروازے تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔

اچانک ایک شیر کا پنجہ کام کر گیا۔ میتو نوجوان کے بازو پر گہری خراش آئی اور اس سے خون پھوٹ پڑنے لگا۔ وہ نوجوان جو بازو پر گہری خراش آئی اور اس سے خون پھوٹ پڑنے لگا وہ جوابًا پاگلوں کی طرح اُچھلا اور شیر کی پشت سے ہوتا ہوا اُس کے عقب میں نکل گیا جہاں اس نے دونوں ٹانگوں سے بندھی ہوئی زنجیریں تھام لیں اور پھر انھیں یوں بل دینے لگا کہ شیر کی عقبی ٹانگیں بُری طرح نہ صرف جکڑی گئیں بلکہ آہنی زنجیروں نے ان کی ہڈیاں بھی توڑ ڈالیں۔

ٹائیگر تیزی سے اُچھلا اور فضا ہی میں واپس پلٹا تو اس کے دونوں ہاتھوں کی چوٹ ایک شیر کی کھوپڑی پر پڑی اگرچہ کوئی انسانی کھوپڑی ہوتی تو شاید پاش پاش ہو گئی ہوتی اور اس کا گودا تک بہہ گیا ہوتا۔۔۔ لیکن شیر کی کھوپڑی کسی چٹان کی طرح سخت تھی۔۔۔ تاہم چوٹ کھا کر شیر یوں زمین پر جھکتا چلا گیا جیسے اس کا ذہن ناقابلِ برداشت نیند کے بوجھ تلے دب گیا ہو۔

میتو نوجوان اس شیر کی طرف متوجہ ہو گیا جو پہلے سے ٹائیگر پر حملہ کر رہا تھا۔ اچانک ہی وہ اپنی جگہ سے اُچھلا اور اس کا جسم شیر کی پشت پر پہنچ گیا۔ اس نے عقب سے دونوں ہاتھ بڑھا کر شیر کا منہ پکڑ لیا اور اُسے عقب میں جھٹکا دیا۔ شیر ٹوٹی ہوئی گردن کے ساتھ زمین بوس ہوتا چلا گیا۔ اس کے منہ سے خون بہہ نکلا تھا۔

اب ٹائیگر اور اس کے دونوں ساتھی دیوار کے ساتھ لگے کھڑے تھے اور زندہ رہ جانے والے شیروں کی دسترس سے دُور تھے جب کہ وہ اب بھی پاگلوں کی طرح دھاڑتے ہوئے بار بار پھیل کر ان پر حملہ کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

وہ تیزی سے دروازے میں داخل ہو کر تاریک کمرے میں پہنچ گئے۔

جب وہ کمرے میں داخل ہو رہے تھے تو انھیں عقب میں ان محافظوں کی آوازیں بھی سنائی دے گئی تھیں جو گھاٹی عبور کر کے ان کے قریب تر پہنچ رہے تھے۔ شیروں کی دھاڑوں سے پورا ماحول کانپ رہا تھا۔

وہ جس کمرہ نما غار میں داخل ہوئے، وہاں کسی ذی رُوح کا نام و نشان تک نہیں تھا۔ کمرے کے درمیان ایک سونے کی میز رکھی ہوئی تھی جس پر ایک بہت بڑا گلدستہ موجود تھا۔ گلدستے کے پھول تازہ تھے اور اُن کی مہک غار میں پھیلی ہوئی تھی۔ میتو نوجوان اِدھر اُدھر ہاتھ مار رہا تھا۔۔۔ نہ جانے اس کا ہاتھ کس میکنزم سے چھو گیا کہ کمرے میں روشنی پھیل گئی۔ اس تیز روشنی میں اس کمرے کی شان و شوکت دیکھنے والی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے قدیم زمانے کے بحری قزاقوں کے کسی سردار کا غار ہو۔ اس میں انواع و اقسام کی قیمتی اشیا سجی ہوئی تھیں بیشتر فرنیچر سونے کا بنا ہوا تھا۔

بائیں جانب ایک چھپر کھٹ تھی۔ اس کو دیکھ کر ٹائیگر کی رگوں میں خون لاوا بن کر دوڑنے لگا۔ جملہ معروضی سجا ہوا تھا۔ چھپر کھٹ سے پھولوں کی لڑیاں جھول رہی تھیں اور ان کے اطراف میں باریک جالی کے پردے ہوا سے لہلہا رہے تھے۔ بستر بے شکن تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے اس پر کسی نے ہاتھ بھی نہ پھیرا ہو۔

یہاں آنے کے بعد زیرِ زمین بہنے والا دریا ایک بار پھر اُن

کی نگاہوں میں آ گیا۔ بائیں جانب ایک حوض نما حصّہ تھا جیسے چٹان کو خاص طور سے کاٹ کر یہاں سے زیرِ زمین بہنے والے پانی کو بے نقاب کیا گیا ہو۔

اس مقام سے پانی کی تیزی دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ ٹائیگر نے اس حوض میں جھانک کر دیکھا تو اُسے یوں لگا جیسے یہ پانی کسی زیرِ زمین سُرنگ میں بہہ رہا ہو۔

معاً ٹائیگر کی چمکتی ہوئی آنکھیں ایک جگہ جم گئیں۔

بھورے رنگ کا ایک تابوت دکھائی دے رہا تھا۔ یہ نیلگوں دھات کا بنا ہوا ایک ٹھوس تابوت تھا۔ غالباً سیسے کا بنا ہوا تھا۔ اس کمرے میں بھی ایک صلیب لگی ہوئی تھی اور صلیب کے نیچے چھوٹی سی قربان گاہ بنی ہوئی تھی۔ یہ تابوت اس صلیب کے قریب ہی رکھا ہوا تھا اور یہ صلیب دریا کے کنارے واقع تھی۔

ٹائیگر نے مُوہان اور میتو نوجوان کو اشارہ کیا اور خود تیزی سے اس تابوت کی طرف لپک پڑا۔

اشارہ پاتے ہی مُوہان اور میتو نوجوان تیزی سے حرکت میں آئے تھے، انھوں نے ٹائیگر کو تابوت کی طرف بڑھتے دیکھ لیا تھا اور وہ اس کا اشارہ بھی سمجھ گئے تھے۔ سب سے پہلے انھوں نے اس کمرہ نما غار کا آہنی دروازہ بند کیا۔۔۔ پھر کمرے میں موجود ہر وزنی شے اُٹھا اُٹھا کر اس دروازے کے سامنے جمانی شروع کر دی۔ انھوں نے جلد ہی دروازے کے مقابل ایسی اشیا کا انبار لگا دیا تھا۔ اب اگر محافظ دروازہ توڑ بھی دیتے تو یہ وزنی سامان ہٹا کر اندر آنے میں انھیں اچھی خاصی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا۔

ٹائیگر اور اس کے ساتھی اپنی اپنی جگہ اس بات پر بھی حیران تھے کہ چند لمحے قبل خانگ کمرے میں موجود تھا۔۔۔ پھر وہ کہاں سے اور کس طرح غائب ہو گیا؟

ٹائیگر تابوت کے سامنے جا کر رک گیا۔

اس کا دل شدت سے دھڑک رہا تھا۔

اُس نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے تابوت کا ڈھکنا اُٹھایا اور پھر اُس کے حلق سے ایک عجیب سی آواز نکل گئی۔

سونی تابوت میں لیٹی ہوئی تھی۔۔۔ لیکن اس کا جسم اپنے ہی خون کے تالاب میں تیر رہا تھا۔

ٹائیگر کو یوں محسوس ہوا جیسے اس کا دل دھڑکنا بھول گیا ہو۔۔۔ دریا اس کی سانس رُک گئی ہو۔۔۔ اور اُس کی رُوح نے کراہنا شروع کر دیا ہو۔ سونی کے اس انجام کے بارے میں وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ اُس نے آنکھیں بند کر لیں۔

اس کا ذہن بُری طرح چکرا رہا تھا۔ اچانک وہ کسی خیال کے تحت چونک پڑا۔۔۔ اور پھر بے اختیاری طور پر اس نے جھک کر سونی کی نبض دیکھی اور اس کی دھڑکن سُننے کی کوشش کی۔ اب اس کی سمجھ میں آ گیا تھا کہ کیا ہوا تھا۔ بے حرمتی کے بعد سونی کا علاج نہیں کیا گیا تھا۔ غالباً خانگ اور پجاری اس سلسلے میں ناکام رہے تھے۔

۔۔۔ اور پھر جیسے ہی الارم بجنے لگے انھوں نے سونی کو اس تابوت میں ڈال کر خود اس کے حال پر چھوڑ دیا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ اس تابوت کو زیرِ زمین بہنے والے دریا میں ڈال کر اس سے ہمیشہ کے لیے نجات حاصل کرنا چاہتے تھے تاکہ ہزاروں تماشائیوں کی موجودگی میں جس عورت کو ملکہ بنایا گیا تھا اس کی موت کا کسی کو کانوں کان پتہ نہ چل سکے۔۔۔ لیکن جب ٹائیگر اور اُس کے ساتھی یہاں پہنچ گئے تو اس تابوت کو ٹھکانے لگانے کا موقع نہ مل سکا۔

اچانک ٹائیگر نے خفیف سی دھڑکن محسوس کی۔

نبض بھی بے حد مدھم تھی۔

اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ سونی کو اس بے چارگی کے عالم میں مرنے نہیں دے گا۔

اُس نے تابوت میں جھک کر سونی کا زرد پڑتا ہوا جسم اُٹھا لیا اور اُسے تابوت سے نکال کر فرش پر لٹا دیا۔ اگلے ہی لمحے وہ اُسے مصنوعی تنفس دے رہا تھا۔

اچانک دروازے کی دوسری جانب موجود شیر بُری طرح گرج اُٹھے۔ اس کا مطلب تھا کہ تعاقب کرنے والے وہاں تک پہنچنے میں کامیاب ہو چکے تھے۔۔۔ لیکن اب ٹائیگر کو کسی بات کی پروا نہیں تھی۔ وہ تو پورے انہماک سے مصنوعی تنفس کی بحالی میں مصروف تھا اس نے سونی کی دونوں ہتھیلیاں اپنی ہتھیلیوں میں جکڑ لی تھیں اور اُس کی سانس کی نالی میں تیزی سے ہوا داخل کر رہا تھا۔

معاً اُس کا دل خوشی سے جھوم اُٹھا۔

اس کے ہاتھوں نے سونی کی انگلیوں میں خفیف سی حرکت محسوس کر لی تھی اور اس کا سینہ سونی کے دل کی دھڑکن محسوس کر رہا تھا۔ سونی کے پھیپھڑوں نے آہستہ آہستہ کام کرنا شروع کر دیا تھا۔

مُوہان اور میتو نوجوان پہلے بھی سونی کو دیکھ چکے تھے اور انھیں معلوم تھا کہ وہ بے چاری اس وقت زندگی کے کس قدر بے بس لمحوں کی شکار ہے۔۔۔ اور وہ یہ بھی سمجھ گئے تھے کہ ٹائیگر کس جدوجہد میں مصروف ہے۔ وہ جانتے تھے کہ ٹائیگر کو تھوڑی سی مہلت درکار ہے۔۔۔ اور اُنھوں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ جائے کچھ بھی ہو جائے، وہ دروازے کی دوسری طرف موجود محافظوں کو اُس وقت

تک کمرے میں داخل نہیں ہونے دیں گے جب تک کہ ٹائیگر سونی کا عملِ تنفس بحال کرنے میں کامیاب نہیں ہو جاتا۔

مُوہان اور میتو نوجوان نے خاصی وزنی چیزیں دروازے پر جمادی تھیں۔ اس کے باوجود انھوں نے مزید بھاری بھرکم اشیاء کو گھسیٹ کر اُن اشیا کے ساتھ رکھنا شروع کر دیا تھا۔

اچانک میتو نوجوان یوں چونک پڑا جیسے اُسے کوئی بہت ہی اہم بات یاد آ گئی ہو۔ "دریا۔۔۔" وہ چیخ پڑا۔ "یہ دریا اُس سُرنگ کے اندر بہتا ہوا پہاڑوں سے باہر نکل جاتا ہے اور پھر ایک جگہ آبشار کی شکل میں ایک بہت بڑے تالاب میں جا گرتا ہے۔ یہاں سے یہ سُرنگ ڈھلان ہے اور پانی کی رفتار بھی بے حد تیز ہے۔ اس کے علاوہ سُرنگ میں چھوٹی چھوٹی چٹانوں کی موجودگی کا بھی امکان ہے۔۔۔ لیکن اس کے علاوہ ہمارے پاس فرار کا کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔"

یکایک باہر سے گولیوں کے دھماکے سُنائی دینے لگے۔ شیر بُری طرح گرجے اور پھر خاموشی چھا گئی۔

محافظوں نے ان شیروں کو بھی ٹھکانے لگا دیا تھا جو ان تینوں کے ہاتھوں زندہ بچ گئے تھے۔

اگلے ہی لمحے دروازے پر چوٹیں پڑنے لگیں۔

میتو نوجوان نے ٹائیگر کی طرف دیکھا اور پھر اُس کا اشارہ پا کر تیزی سے متحرک ہو گیا۔ اُس نے دروازے کے سامنے جمائی ہوئی اشیا پر کپڑے پھینک دیے اور پھر دیوار سے ایک مشعل اُتار کر اُسے آگ لگاتے ہوئے ان چیزوں کے ڈھیر پر پھینک دیا۔

کپڑوں نے فوراً آگ پکڑ لی اور چند ہی ساعتوں میں دروازے کے سامنے جہنم زار بن گیا۔

"جلدی کرو۔۔۔" میتو نوجوان نے چیخ کر ٹائیگر سے کہا۔ "اب وقت بہت کم ہے۔"

ٹائیگر نے اپنا مُنہ ہٹا لیا۔ سونی کے ہونٹ متحرک تھے۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ دم گھٹنے کے عارضے میں مبتلا ہو۔ اُسے ہوش میں آنے کے لیے اب صرف ایک آدھ منٹ کا عرصہ ہی درکار تھا۔۔۔ لیکن ٹائیگر جانتا تھا کہ ان کے پاس اسی ایک آدھ منٹ کی مُہلت موجود نہیں۔

محافظ دروازہ توڑنے میں کامیاب ہو گئے تھے لیکن دروازے کے سامنے جو جہنم زار بنا ہوا تھا اُسے دیکھ کر انھیں آگے بڑھنے کی ہمت نہ ہوئی۔ تاہم انھوں نے دروازے کے باہر ہی کھڑے کھڑے گولیاں برسانا شروع کر دی تھیں۔ ٹائیگر نے سونی کو اُٹھا لیا۔ وہ اب اس کے ہوش میں آنے کا انتظار نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے لیے یہی کافی تھا کہ سونی زندہ ہے اور اس کے دل کی دھڑکنیں شروع ہو گئی ہیں۔۔۔ تیز پھیپھڑے عملِ تنفس میں مصروف ہو گئے ہیں۔ اُسے اُٹھانے کے بعد ٹائیگر نے پوری قوت صرف کر کے اس کے پھیپھڑوں میں آخری بار سانس داخل کی۔۔۔ پھر اس کے مُنہ پر ہاتھ رکھ دیا اور نتھنے بند کر دیے۔ وہ چاہتا تھا کہ یہ سانس سونی کے جسم میں کچھ دیر موجود رہے۔ اس کے سہارے وہ دریائی سُرنگ میں سفر کرنے کا تہیہ کر چکا تھا۔۔۔ پھر اس نے خود بھی ایک گہری سانس لی اور سونی کو لپٹائے اس آبی گزرگاہ پر پہنچ گیا جہاں سے انھیں اپنے فرار کا آغاز کرنا تھا۔ اس نے آنکھیں بند کریں اور پانی میں کود گیا۔ کودنے کے بعد اُس کی سماعت سے جو آوازیں ٹکرائی تھیں، وہ گولیوں کے دھماکے تھے اور پھر میتو نوجوان اور مُوہان کے کودنے کی آوازیں سُننے کے بعد اس کے کان پانی کے شور کی وجہ سے بہرے ہوتے چلے گئے۔

ٹائیگر نے خود کو دریا کی تیز و تُند لہروں کے سہارے چھوڑ دیا لیکن اس کے دونوں ہاتھ سونی کو مضبوطی سے جکڑے ہوئے تھے اور پانی کا دھارا اُن دونوں کو خس و خاشاک کی طرح بہائے لیے جا رہا تھا۔

★★

ٹائیگر کے لیے خود کو سنبھالنا زیادہ مشکل نہیں تھا لیکن سونی بار بار اس کی گرفت سے نکلتی جا رہی تھی۔ بہاؤ بے حد تیز تھا اور یوں لگتا تھا جیسے لہریں اس سے سونی کو چھین لے جانا چاہتی ہوں۔ وہ پانی کی دیو ہیکل لہروں کا مقابلہ کر رہا تھا لیکن جسم کا ریشہ ریشہ احتجاج کرتا محسوس ہو رہا تھا۔

دریائی سُرنگ میں ان کا یہ سفر بڑا ہی خطرناک تھا۔

پانی کی تیز رفتاری نے سُرنگ کا راستہ ہموار اور چکنا کر دیا تھا اور تمام نوکیلی چٹانیں گھس کر فرشی حالت اختیار کر گئی تھیں اس لیے پانی کے بہاؤ پر آگے جاتے ہوئے ٹائیگر کو ابھی تک کوئی چوٹ نہیں آئی تھی۔۔۔ پھر وہ خود کو متوازن رکھنے کے لیے اتنی زبردست محنت کر رہا تھا کہ اب سے پہلے اس نے شاید پوری زندگی میں نہیں کی ہو گی۔

اس کا ہاتھ سونی کے مُنہ اور ناک پر جما ہوا تھا۔

پانی کا ریلا اس کا ہاتھ بار بار سونی کے مُنہ سے ہٹانے کی کوشش کر رہا تھا لیکن ٹائیگر کے رگ و ریشے اس کا ساتھ دے رہے تھے اور ابھی تک پانی کو اپنے مقصد میں کامیابی نہیں ہوئی تھی۔ جب اس نے ذہنی طور پر اندازہ لگایا کہ وہ تقریباً پچاس گز کا فاصلہ طے کر چکے ہیں تب اس نے

سونی کے مُنہ سے ہاتھ ہٹا لیا۔

اگلی ہی ساعت اُس نے ہوا کو بڑے بڑے بُلبلوں کی شکل پھیپھڑوں سے خارج ہوتے محسوس کیا۔ پھر اور پھر جیسے ہی سونی کے پھیپھڑوں کی ہوا نکل گئی اور ٹائیگر نے محسوس کیا کہ اب وہ ہوا پھیپھڑوں میں داخل کرنے کے لیے غیر اختیاری طور پر سانس لے گی تو اس نے اپنی سانس اس کے پھیپھڑوں تک پہنچانی شروع کر دی۔ اس نے یہ اس وقت تک جاری رکھا، جب تک اُس کے پھیپھڑوں سے آخری رمق تک سونی کے پھیپھڑوں میں منتقل نہیں ہو گئی۔

اپنی سانس خارج کرنے کے بعد اب اُسے خود کو سنبھالنا تھا بغیر سانس لیے وہ اب مزید چند سیکنڈ سے زیادہ نہیں گزار سکتا تھا۔ پس رفتہ رفتہ اُس کے ڈوبنے کا خطرہ بڑھتا چلا جا رہا تھا۔

۔۔۔ وقت تیزی سے گزرتا رہا۔

وہ دریائی سُرنگ میں تیزی سے لڑھکتے رہے۔

چند سیکنڈ گزر گئے۔ اس کے پھیپھڑوں میں شدید تکلیف ہو گئی اور وہ خود کو سنبھالتے سنبھالتے بے ہوشی سے قریب تر چلا گیا۔ اس کی کھوپڑی میں تاریکی بڑھتی جا رہی تھی اور یوں محسوس ہونے لگا تھا جیسے پانی کا دباؤ اس کی پسلیاں توڑ ڈالے گا۔ دم گھٹ رہا تھا اور اس کے رگ و پے میں دورانِ خون تیزی سے سُست پڑتا جا رہا تھا۔

یکایک اس کی کھوپڑی میں گھور تاریکی اُتر آئی۔

وہ بے ہوش ہو گیا۔

بے ہوش ہونے سے قبل اس نے اپنے ذہن کے بعید ترین گوشے سے کچھ پکارا تھا اور پھر بے خیالی میں ایک گھونٹ پانی بھی نگل لیا تھا۔۔۔ لیکن اُس نے آخری لمحے تک سونی کو اپنی گرفت سے نکلنے نہیں دیا تھا حتیٰ کہ جب اس پر بے ہوشی طاری ہو گئی تب بھی اُس کے بازوؤں نے سونی کو اپنی گرفت میں لے رکھا تھا اور اب دونوں کے بے ہوش جسم ایک دوسرے سے اُلجھے ہوئے، پانی کے بہاؤ پر آگے ہی آگے بڑھتے جا رہے تھے۔

جب اُن دونوں کے بے ہوش جسم دریائی سُرنگ سے نکل کر دھوپ میں چمکتے ہوئے سفید جھاگ دار پانی میں پہنچے تو ان کے دونوں ساتھیوں کے جسم اُن سے زیادہ دُور نہیں تھے لیکن اُن پر بے ہوشی طاری نہیں ہوئی تھی کیونکہ اُنھوں نے ٹائیگر کی طرح اپنی سانس کی کو مستعار نہیں دی تھی۔

اب پانی پچاس فٹ نیچے ایک تالاب میں گر رہا تھا۔

یہ دیکھتے ہی مُوہان نے خود کو تیزی سے آگے بڑھایا اور اس نے ٹائیگر کی دونوں ٹانگیں ٹخنوں سے پکڑ لیں۔ اُسی لمحے میتو نوجوان نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ اب وہ پانی کے بہاؤ کے ساتھ ساتھ تیر رہے تھے۔۔۔ اور پھر چند ہی ساعتوں میں ان کے جسم ایک ساتھ آبشار کے ساتھ نیچے تالاب میں گرتے چلے گئے۔

راستے میں ایک اُبھری ہوئی چٹان تھی۔ خوش قسمتی سے سونی اور ٹائیگر قواس سے کچھ فاصلے سے گزرے، جب کہ مُوہان کا پہلو بال بال بچا اور میتو نوجوان کا پاؤں پتھر کے پہلو سے ٹکرا کر پھسل گیا۔۔۔ پھر وہ گہرے تالاب کی گہرائی میں اُترتے چلے گئے۔

یہاں سے پانی کا بہاؤ قدرے دھیما ہو جاتا تھا۔ کچھ آگے پھر آبشار شروع ہو جاتی تھی جہاں سے پانی کا بہاؤ ایک بار پھر تیز ہو جاتا تھا۔۔۔ لیکن میتو نوجوان اور مُوہان نے اُس مقام تک پہنچنے سے قبل ہی ٹائیگر اور سونی کے بے ہوش جسم اپنے بازوؤں پر سنبھالے اور تیرتے ہوئے ندی کے کنارے پہنچ گئے۔

نصف گھنٹے بعد ٹائیگر کو ہوش آ گیا۔

سونی اب بھی بے ہوش تھی۔

ٹائیگر کو ہوش آیا تو اُس نے خود کو مُوہان کے کندھے پر جھولتے ہوئے پایا۔ اُس نے آنکھیں کھولیں تو اس کے ہونٹوں پر دبی دبی طمانیت بھری مسکراہٹ رقصاں ہو گئی۔ وہ سونی کے بے ہوش جسم کو

جاسوسی ناولز کے مقبول سلسلے
ناگ بھون اقلیم علیم
(دو جلدیں) قیمت =/300 روپے
سنگتراش اقلیم علیم
(دو جلدیں) قیمت =/300 روپے
برہمچاری انوار صدیقی
قیمت =/150 روپے
سرکش محمود احمد مودی
(12 حصے) مکمل سیٹ =/600 روپے
مکتبہ القرآن
7668958

میتو نوجوان کے کندھے پر محفوظ دیکھ رہا تھا۔

ایک وقت وہ ایک ڈھلانی راستے پر چلے جا رہے تھے۔ یہ چٹانوں سے گھرا ہوا بڑا ہی عجیب اور پُراسرار راستہ تھا۔ ہوا میں یخ بستگی تھی اور اس کی چال میں خفیف سی لنگڑاہٹ تھی کیونکہ زخمی ٹانگ نے اب اُسے تکلیف دینی شروع کر دی تھی۔ وہ بار بار پلٹ کر بھی دیکھ لیتا تھا کہ کہیں کوئی ان کا تعاقب تو نہیں کر رہا ہے؟

برفیلہ سرگل کے اس زمین و زر قطعے سے دس میل دُور درختوں کے ایک جھنڈ میں ماسٹر تاؤ کا پڑاؤ تھا۔ وہاں تک پہنچتے پہنچتے انھیں شام ہو گئی۔ ٹائیگر کا خیال تھا کہ ماسٹر تاؤ نے وہاں خیمہ لگا رکھا ہو گا اور ایک الاؤ روشن ہو گا... لیکن ایسا کوئی نشان دکھائی نہیں دیا جیسے کی بجائے وہاں ایک ایسا مکان بنا ہُوا تھا جس کی تعمیر پہاڑی پتھروں کو کاٹ کر اس انداز میں کی گئی تھی کہ اس کے احاطے میں قدم رکھے بغیر یہ اندازہ ہی نہیں ہوتا تھا کہ وہاں کوئی مکان بھی موجود ہے۔

ٹائیگر نے دیکھا کہ درختوں آدمی اندر باہر دوڑتے پھر رہے ہیں... ماسٹر تاؤ دروازے میں بڑی شان سے کھڑا تھا۔ اس نے خاکی رنگ کا چرمی جیکٹ پہن رکھا تھا اور اس کی پتلون بھی سیاہ چمڑے ہی کی بنی ہوئی تھی۔ اس کے دونوں ہاتھ سینے پر بندھے ہوئے تھے اور اس کے ہونٹوں پر استقبالیہ مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی... پھر جیسے ہی اس کی نگاہ میتو نوجوان کے کندھے پر لدی ہوئی سونی پر پڑی وہ چیخ پڑا "اے، ڈاکٹر... جلدی آؤ۔" یہ حکم اس نے عقب میں پھیلی ہوئی تاریکی کی طرف دیکھ کر دیا تھا۔

... پھر وہ تیزی سے ان کی طرف لپک پڑا۔

اس نے ٹائیگر کو کندھے پر تھپکی دی... پھر اُس کی نگاہ سونی پر جم گئی۔ اس نے سونی کو میتو نوجوان کے کندھے سے اُتارا اور نہایت احتیاط سے اُٹھا کر مکان کے دروازے کی طرف چل دیا۔ کمرے میں پچاس سال کا ایک بوڑھا امریکی ڈاکٹر کھڑا تھا۔ اس کے جسم پر سفید سرجیکل کوٹ تھا۔

سونی کو اس کمرے کے عقبی حصے میں پہنچا دیا گیا۔

وہاں ایک آپریشن ٹیبل بچھی ہوئی تھی۔

سونی کو اس میز پر لٹا دیا گیا۔ ڈاکٹر فوراً ہی اُس پر جھک کر معائنہ کرنے لگا۔ چند ہی ساعتوں میں اس کی نیلی آنکھوں میں ایک چمک سی لہرا گئی اور اس کی جھاڑ جھنکار جیسی بھنویں متحرک ہو گئیں۔ وہ تیزی سے اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔ ماسٹر تاؤ اس کی معاونت کرنے لگا جس کے نتیجے میں اس کا کام تقریباً نصف گھنٹے میں مکمل ہو گیا۔ اس دوران میں ٹائیگر کسی منگی مُورتی کی طرح ساکت بیٹھا سونی کو گھورتا رہا تھا۔

ڈاکٹر نے اپنے ہاتھ دھو کر رومال سے پونچھتے ہوئے ان کی طرف دیکھا... پھر اس کے ہونٹوں پر طمانیت بھری مسکراہٹ پھیل گئی "یہ جلد ہی ٹھیک ہو جائے گی۔ فکر کی کوئی بات نہیں" اس نے بالآخر اپنی پاٹ دار آواز میں اعلان کیا۔

ٹائیگر کے حلق سے طمانیت آمیز سانس نکل گئی۔

"میں نے خون کا بہاؤ روک دیا ہے" امریکی ڈاکٹر کہہ رہا تھا "علاوہ ازیں میں نے لڑکی کے جسم میں تقریباً چار پینٹ خون بھی داخل کر دیا ہے اگرچہ یہ ہوش میں آتے ہی کسی ہرنی کی طرح چوکڑیاں نہیں بھرنے لگے گی تاہم میں اس کی زندگی کی ضمانت دے سکتا ہوں۔"

ٹائیگر خود کو خوابناک سی حالت میں محسوس کر رہا تھا ماسٹر تاؤ نے اس کی طرف دیکھا اس کے جبڑے متحرک ہوئے۔ غالباً وہ کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن پھر کچھ سوچ کر اس نے ٹائیگر کو چھیڑنا مناسب نہیں سمجھا۔

امریکی ڈاکٹر اب میتو نوجوان کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ اس کی ٹانگ زخمی تھی اور بے احتیاطی کے باعث زخم کافی تکلیف دہ ہو گیا تھا۔

ماسٹر تاؤ، میتو نوجوان کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"کل تک سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا" اس نے خوشگوار لہجے میں کہا "فوجی اور ہوائی دستے یہاں پہنچ رہے ہیں اس وقت پوری فورس کام کر رہی ہے اس لیے ہمیں اب مزید فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں لُطف کی بات یہ ہے کہ اب تک ہم نے ان لوگوں کے دو ایسے ہوائی جہاز مار گرائے ہیں جن میں ایٹمون جاری تھی لیکن کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوئی۔ پہاڑوں میں آرمی کے جوان موجود ہیں اور ہم ریڈیو پر اس زیرِ زمین دُنیا کو کئی جعلی پیغامات بھی دے چکے ہیں جن کے باعث انھیں اطمینان ہے کہ ابھی تک اُن کی یہ خفیہ سرزمین راز ہی میں ہے۔ فوجی کانوائے آجائے گا تو وہ ان سب سے خود ہی نمٹ لیں گے۔"

ٹائیگر نے یہ باتیں سُنیں تو اس کے کان بھی کھڑے ہو گئے۔

ماسٹر تاؤ نے اُسے متوجہ پایا تو اس کے لبوں پر پیار بھری مسکراہٹ پھیل گئی۔

"اور اب..." ماسٹر تاؤ نے کہا "میں تمھیں بتاتا ہوں کہ اس زیرِ زمین دُنیا کا نقشہ کیا ہے؟ ممکن ہے اس میں کوئی نئی تبدیلی رُونما ہو گئی ہو ایسے میں تم لوگ میری تصحیح کر سکتے ہو کیونکہ اس سے

اُوجھل تیار کرنے میں آسانی رہے گی۔"

ماسٹر تاؤ نے اپنے چرمی جیکٹ کی جیب سے ایک تہ شدہ کاغذ نکالا اور اُسے ان کے سامنے میز پر پھیلا دیا۔ ٹائیگر نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اس نقشے کا جائزہ لیا تو اُسے پتہ چلا کہ یہ واقعی اس زیرِ زمین دُنیا کا مکمل نقشہ ہے۔

ماسٹر تاؤ نے جب ان سب کو خاموش دیکھا تو اثبات میں سر ہلا کر بولا "ٹھیک ہے، اس کا مطلب ہے کہ نقشہ بالکل یہی ہے۔ اب بتاؤ کہ اس مقام سے اگر ہم دائیں طرف جانے کی بجائے، بائیں طرف چلے جائیں تو کیا ہو گا؟" اس نے نقشے پر ایک جگہ انگلی رکھ دی۔

ٹائیگر نے دیکھا کہ یہ وہی مقام ہے جہاں سے میتو نوجوان رنگ میں دوڑتے دوڑتے اچانک ہی بائیں جانب گھوم گیا تھا۔ اس نے سوالیہ نظروں سے ماسٹر تاؤ کی طرف دیکھا۔

"اگر تم اسی سُرنگ میں تقریباً ایک سو گز آگے بڑھ جاؤ تو ایسے دروں میں جا پہنچو گے جہاں ان بدمعاشوں کا گروہ اپنا ڈیرہ جمع ہے... اور اگر دائیں جانب گھوم جاؤ تو..." اس نے انگلی سے ایک روشندان کی طرف اشارہ کیا "تم ان کے ریڈیو روم اور مرکزی کنٹرول روم میں جا نکلو گے۔ اس بات کو اچھی طرح ذہن نشین کر لو کہ ہمارے اور گروہ دشمنی بھی چٹانیں پھیلی ہوئی ہیں ان میں راکٹ لانچر سب ہیں۔ جہاں جہاں راکٹ لانچر لگے ہوئے ہیں ان مقامات نقشے میں سُرخ رنگ سے واضح کیا گیا ہے... اگر یہاں سے پہنچا جائے تو یہاں ایٹمی ٹرانسفارمر گنتی کی ہوئی ہیں۔ ان کی تعداد ہے نقشے پر تم لوگ جو تین لکیریں دیکھ رہے ہو، یہ وہاں تک نے کے تین خفیہ راستے ہیں۔"

ٹائیگر نے ایک طویل سانس لی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا فانگ کی تنظیم اس قدر طاقت ور ہو سکتی ہے۔

"لیکن افسوس ہمیں صرف ایک بات کا ابھی تک پتہ نہیں چل ا" یہ کہتے ہوئے ماسٹر تاؤ کے لہجے میں شکست اور مایوسی کا تاثر پیدا ہو گیا "... اور وہ بات یہ ہے کہ آخر وہ کون سا مقام ہے یا وہ کون سا لمحہ ہے جس سے فانگ اپنی کمیں گاہ سے کہیں آتا جاتا ہے۔ ممکن ہے راستہ کہیں نیچے ہو... لیکن ہمیں کوشش کے باوجود اس کا سُراغ نہ مل سکا۔"

میتو نوجوان نے بھی نفی میں سر ہلا دیا اور ٹائیگر کے جبڑوں کا بھنچ گیا۔

"اب میرے پلان پر توجہ دو" ماسٹر تاؤ نے بھاری آواز میں کہا "یہ وہ مقام ہے جہاں کل دوپہر ایک قافلہ ایٹمون لینے کیلیے پہنچنے والا ہے۔ اس قافلے کا سردار کرنل ہوانگ ہو گا۔ میتو قبائل کے ان گنت لوگ اس قافلے کے ساتھ ہوں گے تاکہ وہ اس عظیم الشان پہاڑ میں شگاف ہوتے دیکھ سکیں جو درحقیقت اس زیرِ زمین دُنیا کا ایک خفیہ دروازہ ہے اور جسے ایک خاص میکنزم کے تحت کھولا اور بند کیا جاتا ہے۔ میتو قبائل کے ان لوگوں میں کچھ ہمارے آدمی بھی شامل ہوں گے۔ انتظامات کا اس حد تک خیال رکھا گیا ہے کہ کئی حکومتوں نے اس سلسلے میں امداد دی ہے۔ ہمارے پاس طاقت ور دُوربینیں موجود ہیں اگر ان خبیثوں کو کسی طرح یہ شبہہ ہو گیا کہ کوئی گڑبڑ ہے تو انھیں راکٹ لانچر استعمال کرنے کی مہلت بھی نہیں ملے گی کہ ان کے سروں پر مارٹر بم پھٹ پڑیں گے۔ اس مہم میں فومو قبیلے کے ایک سو آدمی بھی اگر شامل ہو چکے ہیں۔"

ماسٹر تاؤ کے ہونٹوں پر بڑی ہی پُراسرار مسکراہٹ رقص کرنے لگی۔ وہ اپنی چمک دار آنکھوں سے میتو نوجوان کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"تمھارے جانے کے بعد ہمیں کچھ اور کھلونے بھی مل گئے ہیں چار ہلکی قسم کے ٹینک، نصف درجن بزوکا، تین آرٹلری پیس، دو جیپیں جن میں دُور مار رائفلیں نصب ہیں اور اٹھارہ یہ پچاس کی دس مشین گنیں...؟"

پہلی بار میتو نوجوان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ اس نے تعریفی انداز میں سر کو جنبش دی "یہ سب کچھ آپ کو کہاں سے ہاتھ لگ گیا، ماسٹر تاؤ؟"

"ہمارے دوستوں کی کمی نہیں ہے" ماسٹر تاؤ نے بڑے فخر سے کہا اور ٹائیگر کی طرف متوجہ ہو گیا "بیٹے! بہتر ہو گا کہ اب تم جا کر اطمینان سے سو جاؤ۔"

ٹائیگر تھکے تھکے سے انداز میں اُٹھا اور اس کمرے میں چلا گیا جہاں اس کے آرام کے لیے بندوبست کیا گیا تھا۔ کچھ ہی دیر بعد سونی کو بھی اس کمرے میں پہنچا دیا گیا تاکہ اگر اسے ضرورت محسوس ہو تو ٹائیگر اس کا خیال رکھ سکے۔

ٹائیگر گہرا سانس لے کر بستر پر لیٹ گیا لیکن نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دُور تھی۔

وہ چھت کو گھورتا رہا اور نہ جانے کیا کیا سوچتا رہا...!

سونی ابھی تک ہوش میں نہیں آئی تھی لیکن اس کا تنفس ہموار تھا۔ اس حالت میں بھی وہ بھیانک خواب دیکھ رہی تھی۔ وہ بار بار بے ہوشی کی حالت میں چونکتی، اس کا جسم ایک جھٹکا کھاتا اور پھر اس کے حلق سے ایک دبی دبی سی چیخ نکل جاتی... پھر اُس کا جسم تشنج کا شکار ہو جاتا اور رفتہ رفتہ وہ پُرسکون ہو جاتی۔

کافی دیر بعد ٹائیگر کی آنکھ لگ گئی لیکن جب بھی سونی کسی

خوفناک خواب کے تحت چیخی تھی تو وہ ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ سونی کے جسم میں اب بھی ہیروئن گردش کر رہی ہے اور جیسے جیسے اس کا اثر ختم ہوتا جا رہا ہے، اس کے جسم کی طلب بڑھتی جا رہی ہے۔ اُسے مزید ہیروئن کی ضرورت تھی کیونکہ اُسے اس ناپاک نشے کا عادی بنا دیا گیا تھا۔

صبح ہوئی تو ٹائیگر کافی پُرسکون تھا۔ بے چین رات گزارنے کے باوجود اس کے اعصاب سے تھکن زائل ہو گئی تھی۔ سونی اب بھی ہوش میں نہیں آئی تھی۔

ٹائیگر کے دل میں اس سے چند باتیں کرنے کی حسرتیں کروٹیں لے رہی تھی لیکن یہ خواہش ابھی پوری نہیں ہو سکتی تھی۔

دس بجے ٹائیگر، نوخان اور میتو نوجوان کی ملاقات ہوئی تھی، انھیں مختلف قبائل کے سرداروں سے ملنا تھا۔ ماسٹر تاؤ کے اثر و رسوخ کی وجہ سے بہت سے قبائل ریڈ سرکل کے خلاف محاذ آرائی کے لیے کمربستہ ہو گئے تھے اور انھوں نے اپنے بہترین لڑاکے اس مقصد کے لیے بھیج دیے تھے۔

ٹائیگر کو یقین تھا کہ ژو ڈاک کا جو مندرجہ اپنی پُراسرار قوتوں اور سائنسی شعبدوں کے علاوہ ان گنت میتو قبائل کی حمایت اور ریڈ سرکل کے کنگ فو فائٹروں کے باعث صدیوں سے ناقابلِ تسخیر تھا، اب تباہ ہو جائے گا۔ اُسے حیرت تھی کہ ماسٹر تاؤ جب اس قدر اثر و رسوخ والا آدمی تھا تو اس نے پہلے ہی کوئی ایسا قدم کیوں نہیں اُٹھایا تھا؟

ٹائیگر کو ایک فنتاسیسی بھی دکھائی دیا۔ یہ شخص لاؤس سے آیا تھا۔ جہاں ایک فنتاسیسی نوآبادی آج بھی برقرار تھی۔ فومو کے بارے میں اُسے مُوان نے بتایا تھا۔ یہ فومو قبیلے کا سردار تھا اور اس کی جادوگری مشہور تھی۔ وہ اپنے چند لیفٹیننٹ کرنل جوانوں کے ساتھ ماسٹر تاؤ کی کمان میں آ کھڑا ہوا تھا۔ انھیں دیکھ کر چٹانوں کا گمان ہوتا تھا۔ موتا شی کے بارے میں میتو نوجوان نے معلومات فراہم کیں۔ یہ شخص بڑا ہی خونخوار لگتا تھا۔ اس کے ساتھ دو سو آدمی آئے تھے۔ ان کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ شمالی سمت کی پہاڑیوں کے چپے چپے سے آگاہ ہیں اور یہ لوگ اسی سمت سے حملہ آور ہوں گے۔ سپیرا قبیلے کے لوگ بھی اسی خصوصیت کے حامل تھے اور وہ مغربی حصے سے حملہ آور ہونے کا ارادہ کر لیے تھے ماسٹر تاؤ شمالی اور مغربی دونوں سمتوں کے سلسلے میں ان دونوں قبائل پر اس قدر اعتماد کر رہا تھا کہ اس نے ان اطراف میں کسی اور کو متعین کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی تھی۔

پورٹائر کے سارے جوان فوجی تربیت یافتہ تھے۔ وہ مارٹر گنز، ٹینک اور بھاری بھرکم آلات آسانی سے استعمال کر سکتے تھے۔ ان لوگوں کے ذمے یہ کام لگایا گیا تھا کہ وہ پہاڑوں کا محاصرہ کر لیں گے اور جا بجا دوسروں کے لیے آگے بڑھنے کے راستے بنائیں گے۔ یہ لوگ کوراٹیک بھی کریں گے جس سے دیگر طاقتوں کو خاطر خواہ استعمال کرنے میں آسانی رہے گی۔ ٹائیگر نے انتظامی تفصیلات گن کر اطمینان کے اظہار میں سر کو مثبت جنبش دی اور کئی دنوں بعد پہلی بار اُس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ اُبھر آئی۔

گیارہ بجے تک قبائل کے سرداروں سے بات چیت ہوتی رہی۔ پھر یہ عظیم اجلاس ختم ہو گیا۔ اس سے قبل ماسٹر تاؤ نے ہر سردار کو ایک ایک 'لاؤڈ ے ریڈیو' دے دیا تھا تاکہ وہ ایک دوسرے سے رابطہ قائم رکھ سکیں۔

جب تمام سردار منتشر ہو کر اپنے اپنے فوجی دستے کی طرف چلے گئے تو ماسٹر تاؤ کمانڈ پوسٹ کی طرف واپس چل دیا۔ ان کا یہ اجتماع ایک کشادہ وادی میں ہوا تھا جہاں درختوں کی اتنی بہتات تھی کہ بلند ترین پہاڑی چوٹی سے بھی کسی شخص کا دیکھ لیا جانا ممکن نہیں تھا۔

ماسٹر تاؤ کی کمانڈ پوسٹ وہی چٹانی پتھروں سے بنا ہوا مکان تھا جہاں وہ فانگ کی زیرِ زمین دُنیا سے فرار ہو کر پہنچے تھے۔ کمانڈ پوسٹ پر پہنچ کر ٹائیگر سیدھا سونی کے کمرے میں گیا۔ اگرچہ وہ اب بھی بے سدھ پڑی تھی لیکن اس کے رخساروں کی زردی کافی حد تک کم ہو گئی تھی۔ اس کے ہونٹوں پر بھی زندگی کی رمق نظر آنے لگی تھی اور اس کی سانسوں کی وجہ سے سینے کا زیر و بم اطمینان بخش تھا۔

اب وہ بار بار چونک بھی نہیں رہی تھی۔ اس کے پپوٹوں میں خفیف سی لرزش تھی جیسے وہ ہوش اور بے ہوشی کے درمیان کسی مقام پر معلق ہو۔

ٹائیگر اس کمرے میں پہنچا، جہاں ماسٹر تاؤ، دیگر ساتھیوں کے ساتھ موجود تھا۔ ماسٹر تاؤ اور مُوہان اس وقت میتو نوجوان کے سے انداز میں اپنے حلیے میں تبدیلیاں پیدا کر رہے تھے۔ یہی تبدیلیاں ٹائیگر کے نقش و نگار میں بھی کر دی گئیں۔ ٹائیگر سمجھ گیا کہ اس سے ماسٹر تاؤ کا کیا مقصد ہے۔ وہ اس آخری حملے میں کوئی خطرہ مول نہیں لینا چاہتا تھا۔ علاوہ ازیں سینکڑوں میتو قبائل پر دسترس حاصل کرنے کے لیے انھیں ایسا ہیرو پ دھارنا ہی چاہیے تھا۔

بارہ بجے سے چند منٹ قبل وہ سب ٹہلنے کے سے انداز میں فومو کے پڑاؤ کی طرف روانہ ہو گئے۔ فومو کے گروہ نے ایک ایسی چٹان پر پڑاؤ ڈال رکھا تھا جہاں سے میتو قبائل کے سینکڑوں گھاؤں کی ایک جھلک دیکھی جا سکتی تھی۔ علاوہ ازیں اس عظیم الشان پہاڑ کی پیمائی بھی نظر آتی تھی جہاں محیر العقول شگاف پیدا ہو کر زیرِ زمین دُنیا میں جانے کا راستہ بن جاتا تھا۔

وہاں پہنچ کر اُنھوں نے دُور نیچے پہاڑیوں کی طرف دیکھا جہاں کسی بہت بڑے اور غیر معمولی طویل اژدھے جیسا راستہ بل کھاتا ہوا اُوپر آ رہا تھا۔ اس راستے پر ایک کاروال متحرک تھا۔ اس وقت سورج عین اُن کے سر پر چمک رہا تھا اور اس کی کرنوں میں چُبھنے والا تاثر پیدا ہو چکا تھا۔ یہ کرنیں جسم کے کھلے حصّوں کو جلا ڈالنے کی قوت رکھتی تھیں لیکن وہ سب کے سب حفظِ ماتقدم کے طور پر ایسے لباس پہن کر آئے تھے کہ کرنوں کی شدّت بے اثر ثابت ہو رہی تھی۔

ٹائیگر نے اس پہاڑی کی طرف دیکھا جہاں ژو ڈاک کے سمندر میں جانے کا راستہ پیدا ہوتا تھا۔ پھر اس کی نگاہ ماسٹر تاؤ پر جم گئی۔

ماسٹر تاؤ اس کی نگاہوں کا مفہوم سمجھ گیا۔ اس نے بتایا: جب چھوٹی چھوٹی توانائی کی لہریں چٹان کے چہرے سے ٹکراتی ہیں اور یہ عمل متواتر ہوتا ہے تو چٹان کی دُوسری طرف موجود محافظوں کا ایک گروہ یہ راستہ کھول دیتا ہے۔ یہ لہریں آواز کی بھی ہو سکتی ہیں اور کسی روشن چیز سے نکلنے والی توانائی کی لہروں سے بھی مقصد حل ہو سکتا ہے۔ دراصل یہ دو بہت بڑے بڑے کواڑ ہیں اور لطف کی بات یہ ہے کہ سامنے سے دکھائی دینے والا پہاڑ نہیں بلکہ ایک خاص مسالے کا بنا ہوا دروازہ ہے جس پر اس پاس کی پہاڑیوں کی رنگت کے مطابق رنگ کیا گیا ہے۔ میرا ایک آدمی پورٹیر اتفاق سے عین اس وقت وہاں موجود تھا جب اس دروازے کی تعمیر کا کام ہو رہا تھا۔ جب وہ لوگ کام مکمل کر کے رخصت ہو گئے تو اس کے جی میں نہ جانے کیا آئی کہ اس نے پہاڑ جیسے اس دروازے میں چند ایک جگہوں سے مسالہ نکال کر وہاں پلاسٹک بم دفن کر دیے اور پھر وہاں دوبارہ مسالہ لگا کر ویسا ہی رنگ کر دیا جیسا کہ ان لوگوں نے کیا تھا۔ وہ پلاسٹک بم آج بھی اس پہاڑ میں دفن ہیں اور انھیں کسی بھی وقت اُڑایا جا سکتا ہے۔ ہمارے پاس انھیں اُڑانے کے لیے ریموٹ کنٹرول موجود ہیں۔۔ لیکن ہم میتو قبائل کو دکھانا چاہتے ہیں کہ جادو ہمارے پاس بھی ہے۔ ہم ان پلاسٹک بموں کو آرٹن شیلڈز کی مدد سے اُڑائیں گے۔"

ٹائیگر نہیں جانتا تھا کہ ماسٹر تاؤ شیلڈز سے کس طرح کام لے گا لیکن اس نے گزشتہ شب کیٹس لیس اسٹیل کی کئی شیلڈز دیکھی تھیں جن کی چمک دمک ختم کرنے کے لیے اُن پر کیمیکل مل دی گئی تھی۔۔۔ اور پھر ان شیلڈز کو اُس مخصوص پہاڑ کے اطراف میں، مختلف مقامات پر نصب کر دیا گیا تھا، جہاں سے انڈر ورلڈ میں جانے کا خفیہ راستہ ظاہر ہوتا تھا۔

اس نے ان شیلڈز کا خیال ذہن سے جھٹک دیا۔

اُسے کوئی پروا نہیں تھی کہ ماسٹر تاؤ کیا شعبدے بازی دکھاتا ہے اور میتو قبائل اس سے کس حد تک متاثر ہوتے ہیں، وہ تو بس اتنا جانتا تھا کہ جیسے ہی راستہ کھلے گا، وہ فانگ کو قتل کرنے کے لیے زیرِ زمین دُنیا میں داخل ہو جائے گا۔

اُس کی نگاہ اُس قافلے پر جم گئی جو لہریے دار راستے پر چلتا ہوا اب پہاڑ کے سامنے پہنچ گیا تھا۔ جیسے ہی قافلہ رُکا، فضا ان گنت لوگوں کے نعرے سے گونج اُٹھی۔

ہوانگ چُو کے آدمی سبز لبادوں میں تھے جبکہ خود اُس نے ویسا ہی لباس پہن رکھا تھا جیسا کہ ٹائیگر نے برازہ کے جسم پر دیکھا تھا۔

ہوانگ چُو اپنے خچر سے اُترا تو اچانک ہی نیلے لبادے میں ملبوس فومو اس کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ وہ اپنے آدمیوں کے درمیان سے نکل کر سامنے آیا تھا، اس لیے سب کی نگاہیں اُس پر جم کر رہ گئی تھیں۔

ہوانگ چُو ایک دبلا پتلا، سیاہ فام آدمی تھا جس کی کھوپڑی غیر معمولی بڑی تھی اور اس پر کسی ترنبوز کا گمان ہوتا تھا۔ اس کے ایک رُخسار پر پُرانے زخم کا ایک گہرا نشان دکھائی دیتا تھا۔ اس نے فومو کو لوگوں کے سامنے دیکھا تو اس کی آنکھوں میں حیرت کے تاثرات پیدا ہو گئے۔

اس سے قبل کہ ہوانگ چُو کچھ کہتا یا اُس کے آدمی مداخلت کرتے، فومو نے قافلے کے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے چیخ چیخ کر کہنا شروع کیا: "ژو ڈاک کے غلام اور ریڈ سرکل کے ماسٹر اب تک اپنے مہلک جادو سے ان گنت لوگوں کو موت کے گھاٹ اُتارتے چلے آ رہے تھے۔ میں آپ لوگوں کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ ریڈ سرکل کا جادو اب ختم ہونے والا ہے۔۔۔ اور اس کی جگہ ہمارا بلو سرکل کام کرے گا۔ ہمارا جادو بھی کسی سے کم نہیں۔ مگر تو اس میں ہے کہ دونوں کی قوتیں آپ کے سامنے مصادم ہوں گی۔ جو جیت جائے گا، وہ فاتح کہلائے گا۔۔۔ پھر اُسی کا جادو سب کے سر چڑھ کے بولے گا۔ آپ لوگ جس پہاڑ کے پھٹنے سے اس قدر متاثر ہوتے ہیں، میں اُسے ایک لمحے میں، دو حصّوں میں تقسیم کر سکتا ہوں۔ لہٰذا میں آپ لوگوں کو دعوت دیتا ہوں کہ اس انقلابی اقدام میں ہمارا ساتھ دیں۔ ہم سے دشمنی نہ کریں۔ اس طرح ہم آپ لوگوں کو اُن ہاتھوں سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نجات دلا دیں گے جو نہ جانے کتنے عرصے سے آپ کی گردنوں پر مجھے ہوئے ہیں۔"

وہ جہاں تھے، وہیں ساکت اور منجمد ہو گئے۔

فوٹو نے دونوں ہاتھ بلند کر لیے۔

اب وہ اشارہ دینے جا رہا تھا تاکہ جو لوگ اس کی باتوں سے متاثر نہیں ہوئے، وہ اس کے ہاتھوں کا کمال دیکھ کر قائل ہو جائیں۔ جیسے ہی فوٹو کے ہاتھ بلند ہوئے، قرب و جوار کی چٹانوں سے ان گنت ہسپنی شیلڈرز سامنے آ گئیں، اسٹین لیس اسٹیل کی یہ شیلڈز اب کچھ آڑو نہیں ہسپنی تھیں کیونکہ ان کو صاف کر دیا گیا تھا۔ یہ شیلڈز اس انداز میں بلند کی گئیں کہ سورج کی شعاعیں براہِ راست ان پر پڑیں اور پھر منکس ہو کر اس پہاڑ پر گرنے لگیں جس میں اندر جانے کا خفیہ راستہ بنا ہوا تھا۔

سورج کی شعاعیں تیزی سے منکس ہونے لگیں اور ان کا رُخ بلند پہاڑ کی پیشانی کی طرف تھا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے چاروں طرف سے ان گنت آتشی لہریں پہاڑ پر گرنے لگی ہوں۔ اس قدر شدید گرمی پیدا ہوئی کہ پہاڑ پر کیا ہوا رنگ پہلے تو پھپھولوں کی شکل اختیار کر گیا... پھر جلنے لگا اس میں سے دھواں بلند ہونے لگا۔ ان شعاؤں نے مسالے کے ان عظیم الشان کواڑوں کو جلانا شروع کر دیا جو بادی النظر میں پہاڑ ہی کا ایک حصہ معلوم ہو رہے تھے۔ یکایک پہاڑ کا سامنے والا حصہ نارنجی شعلے کے ساتھ جل اٹھا اور پگھلنے لگا... پھر سیاہ دھوئیں کا ایک بادل سا آندھ پڑا۔ یہ قبائل کے وہ لوگ جو توہم پرست تھے، ان کی چیخیں نکل گئیں۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ کوئی شخص محض ہاتھ کے اشارے سے کسی پہاڑ کو جلا کر راکھ بھی کر سکتا ہے... پھر دھماکے ہونے لگے۔

مسالے کے بنے ہوئے کواڑوں میں جہاں جہاں پلاسٹک کے بم دفن تھے، انھوں نے پھٹنا شروع کر دیا تھا۔ ایک عظیم غار نمودار ہوا جس میں کئی آدمی افراتفری کے عالم میں دوڑتے نظر آئے۔ ان میں سے بعض شعلوں میں گھر گئے اور بعض آگ لگی ہوئی حالت میں نیچے کودنے لگے۔ یہ وہ محافظ تھے، جو اشارہ پا کر اس عظیم پہاڑ کو دو حصوں میں تقسیم کرنے کا کام کرتے تھے۔ ان لوگوں کی جلد جھلس گئی اور جگہ جگہ بڑے بڑے چھالے نمودار ہو گئے تھے۔ ان کے کپڑوں اور بالوں میں آگ لگ گئی تھی۔

میتو قبائل کے نوجوانوں میں سے بعض نے ہتھیار پھینک دیے اور بعض اوندھے منہ گر کر سجدہ ریز ہو گئے۔ ہزاروں کی تعداد میں میتو نوجوان منہ پھاڑے حیرت سے پہاڑ کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ژوڈاک کے قدیم مسند کے پُراسرار مرکاندے کے اس انجام کے بارے میں انھوں نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔

وادی میں کہرام برپا ہو گیا۔

پھر بُری طرح ہنہنانے لگے اور مردوں کی چیخیں نکل گئیں۔

زیرِ زمین دُنیا کے باسیوں نے جلدی جلدی راکٹ لانچر استعمال کرنے کی کوشش کی تو اطراف کے پہاڑوں سے ان پر گولوں کی بارش ہونے لگی۔ پہاڑ ریزہ ریزہ ہونے لگے اور ہر طرف آگ اور دھواں پھیلنے لگا۔

اس دوران نیچے پہاڑیوں میں ایک ٹینک اسٹارٹ ہوا اور گرج دار آواز میں آگے بڑھنے لگا۔ اس ٹینک میں ماسٹر تاؤ، مُوکان میتو نوجوان اور ٹائیگر سوار تھا۔ پہاڑی میں بننے والے راستے میں سے گزرتا ہوا یہ ٹینک زیرِ زمین دُنیا میں داخل ہو گیا۔ ٹینک میں ماسٹر تاؤ اپنے ٹوٹے ریڈیو پر موتاشی سے رابطہ قائم کر رہا تھا۔

"معمولی سی مدافعت ہوئی ہے۔" موتاشی نے جواب دیا۔ "پوزیشن ٹھیک ہے... پانچ آدمی کام آئے ہیں... ہم اندر جا رہے ہیں۔"

ماسٹر تاؤ نے چوڑے پھیتے کا جو ہیٹ پہن رکھا تھا، اُسے سر سے اُتار کر ایک طرف رکھ دیا اور مسکرانے لگا۔ مسکراہٹ اُس کے ہونٹوں پر ہی نہیں، اُس کے رُخساروں کی جھُرّیوں اور اس کی آنکھوں میں بھی دکھائی دے رہی تھی۔ اُس کے کوٹلے جیسے سیاہ چہرے پر سفید چمک دار دانتوں کا عکس بڑا ہی پُراسرار اور عجیب لگ رہا تھا۔

"یہ شخص فرانس کے لیے پیدل فوج میں کمانڈر کی حیثیت سے رہا ہے۔" اُس نے مسکراہٹ دباتے ہوئے انکشاف کیا۔ "یہ وہاں سے پوری تربیت حاصل کرنے کے بعد کچھ عرصے تک کمانڈر رہا... پھر اس نے فوج سے علیحدگی اختیار کر لی... آج کل یہ پہلے سے بہت مختلف اور خود مختار ہے۔ اس کے ساتھ جو آدمیوں کا ہجوم ہے، میں اس قسم کے آدمیوں سے نفرت کرتا ہوں لیکن یہ شخص اُن کے لیے کسی دیوتا کا درجہ رکھتا ہے اور وہ اس کے لیے اپنی جانیں بھی قبیل پر لیے پھرتے ہیں۔ میں نے اپنی زندگی میں جو ظالم ترین جنگلی فائٹر دیکھے ہیں، اُس کے دو سو ساتھی، ان میں شامل ہیں۔"

ٹینک غرّاتا ہوا، اُچھلتا ہوا کسی مست ہاتھی کی طرح، پہاڑی راستے پر اُترائی کی طرف بڑھ رہا تھا۔ جیسے ہی ٹینک پہلے بڑے زیرِ زمین چیمبر کے قریب پہنچا، کئی راکٹوں سے نکلنے والی گولیوں نے اُس کا استقبال کیا۔ ٹینک کا ڈرائیور، ایک چھوٹے قد کا مضبوط بھائی جوان تھا۔ اُس نے چیخ کر ماسٹر تاؤ کو حملہ آوروں کی پوزیشن سے آگاہ کیا۔

ماسٹر تاؤ نے ٹینک کے عقب میں چلنے والے قباٹیوں کو چیمبر کی طرف اشارہ کیا۔ ان گنت آدمی فائر کرتے ہوئے اس چیمبر میں جا گھسے۔ کچھ دیر گولیوں کا تبادلہ ہوتا رہا، فضا میں چیخیں بلند ہوتی رہیں اور مرنے والے تڑپ تڑپ کر ٹھنڈے ہوتے رہے... پھر خاموشی چھا گئی۔

ماسٹر تاؤ نے ایک خوفناک قہقہہ لگایا۔

اُس نے اپنے قریب بیٹھے ہوئے میتو نوجوان کے کندھے پر ہاتھ مارا اور بولا: "تمھاری منزل آ گئی ہے، ہوشیار!"

میتو نوجوان بڑی مستعدی سے اُٹھا اور ٹینک سے اُتر کر ایک ...ی کی طرف بڑھ گیا۔ اس کے دونوں پہلوؤں میں ہولسٹر تھے جن میں ...اریہ چار پانچ کے ریوالور جھول رہے تھے۔ اس کے کندھے سے ایک ...بھی لٹکا ہوا تھا جس میں دستی بم بھرے ہوئے تھے۔

ٹینک تیزی سے آگے بڑھ گیا۔

میتو نوجوان دوڑتا ہوا، اُس پلیٹ فارم کی طرف بڑھ رہا تھا جس ...یون کی گاڑیاں رکھی ہوئی تھیں۔ اس پلیٹ فارم پر پہنچ کر اس ...ایک دستی بم نکالا اور اُسے ایک جگہ لگا کر تیزی سے نیچے اُتر آیا۔

ابھی وہ پلیٹ فارم سے زیادہ دُور نہیں گیا تھا کہ ایک کان پھاڑ ...کا ہوا۔ پلاسٹک کا دستی بم اپنے مقررہ وقت پر پھٹ گیا تھا۔ انیون ...انھیں، اس دھماکے سے یوں اُڑنے لگیں جیسے فضا میں بے شمار ...تنکے پرندے پھڑپھڑانے لگے ہوں۔

یہ لاکھوں کا مال تھا لیکن ایک ہی پلاسٹک بم نے اس کی دھجیاں ...دی تھیں۔ اس کے نیچے انڈر گراؤنڈ لیبارٹری تھی۔ دھماکے سے اُڑنے ...سارا سامان، اس لیبارٹری میں گرنے لگا کیونکہ اس کی چھت بھی اپنی ...قائم نہیں رہ سکی تھی۔

وہ دونوں ہاتھوں میں اعشاریہ چار پانچ کے ریوالور تھامے ٹینک ...طرف دوڑنے لگا تو انڈر گراؤنڈ کے نصف درجن میتو نوجوانوں نے اس ...بھانے کی کوشش کی لیکن گولیاں، اُن کے استقبال کے لیے ...رہتیں۔ ماسٹر تاؤ کا ساتھی، ان سب سے نمٹ کر ایک بار پھر ٹینک ...طرف دوڑنے لگا جس کا سفراب بھی جاری تھا۔

ٹینک کا رُخ، اب قربان گاہ کی اس صلیب کی طرف تھا، ...جانے اب تک کتنے انسانوں کا خون بہایا جا چکا تھا۔ ٹینک ...نما تھے میں اس وقت تک چلتا رہا جب تک کہ وہ اس راستے ...سکتا تھا... پھر اُسے مجبوراً روک لینا پڑا کیونکہ سرنگ بے حد ...ہو گئی تھی اور اب اس میں پہیوں پر پہیو دوڑنا بھی نہیں چل ...تھے۔

ٹینک چلانے والے نے گنر کی طرف دیکھا۔

گنر نے اس کا مطلب سمجھتے ہوئے اشارہ کیا کہ وہ، ٹینک ...ورا سا پیچھے ہٹا لے۔ جب ٹینک کچھ پیچھے ہٹ گیا تو گنر نے اپنی ...کی نال اُٹھانی شروع کر دی اور قربان گاہ کی ایک دیوار کا نشانہ ...لگا۔

توپ کا گولہ جب اس دیوار سے ٹکرایا تو بڑا ہی خوفناک ...ہوا۔

دیوار سُرمہ بن گئی اور دیوار کے ٹوٹتے ہی اُوپر سے چٹانوں نے ...ٹوٹ کر گرنا شروع کر دیا۔ کئی ٹن وزنی چٹانیں زمین بوس ہو گئیں

اے حمید کی ایڈونچر سیریز

طبیب اللہ
0343-8894499

عاطون

۱۔ اہرامِ مصر سے فرار ۔/150
۲۔ اندلس کی آخری شمع ۔/125
۳۔ ٹرپہ کی ناگن ۔/125
۴۔ عاطون موت کے دروازے پر ۔/200

شیوسینا کے دہشت گرد

۱۔ ٹاپ سیکرٹ مشن ۔/150
۲۔ کشمیر کے غازی ۔/150
۳۔ کمانڈو ایکشن ۔/200
۴۔ گولکنڈہ کے مجاہد ۔/200

گنگا کے پجاری ناگ (اول) ۔/150
گنگا کے پجاری ناگ (دوئم) ۔/200

مکتبہ القریش
اُردو بازار، لاہور۲

راستہ بنا تو ٹینک نے ایک بار پھر آگے بڑھنا شروع کر دیا۔ اُس کے انداز سے واضح طور پر یہ حقیقت ظاہر ہو رہی تھی۔ لگتا تھا، وہ راستے میں آنے والی ہر شے کو روندتا ہوا نکل جائے گا۔

ماسٹر ٹاؤ سپیرا سے رابطہ قائم کرنے میں مصروف ہو گیا۔ رابطہ قائم ہوتے ہی سپیرا نے ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں بولنا شروع کیا۔ "زبردست آفتین! جنگ چھڑ گئی ہے۔ کمانڈ پوسٹ پر آگ اور خون برس رہا ہے۔ ریڈیو روم، ہمارے کنٹرول میں ہے۔ بس میں اور بات نہیں کر سکتا۔"

ماسٹر ٹاؤ کا قہقہہ بڑا ہی بھیانک تھا۔ "میں اور بات نہیں کر سکتا۔" اُس نے منہ ٹیڑھا کر کے سپیرا کے لہجے کی نقل کی۔ "یہ ثابت یہ سمجھتا ہے کہ میں اس موقعے پر ان پہاڑوں کے سُن پر آدھے گھنٹے تک بات چیت کرتا رہوں گا۔ گدھا۔"

ٹینک اب قربان گاہ میں جا گھسا تھا۔ صلیب سے ٹکرا کر ٹینک نے اسے، پاش پاش کر دیا۔ پھر آگے جا کر ٹینک رُک گیا۔ ڈرائیور نے ماسٹر ٹاؤ کی طرف دیکھا۔

ماسٹر ٹاؤ نے خوش دلی سے اثبات میں سر کو ہلایا اور بولا۔ "یہاں سے ہم پیدل جائیں گے۔"

اچانک ایک سمت سے راکٹ آیا اور ٹینک کے عقب میں گر کر پھٹ گیا۔ بزوکا سے راکٹ فائر کیا گیا تھا۔ اس لمحے ٹینک کی توپ سے ایک گولہ نکلا اور اس نے راکٹ والی سمت میں تباہی پھیلا دی۔

ماسٹر ٹاؤ، مُوہان اور ٹائیگر ٹینک سے اُتر کر اس دروازے کی طرف دوڑ پڑے جو صلیب کے نچلے حصے میں نمودار ہو گیا تھا۔ ٹائیگر کے پاس ریڈیو اور گیس ماسک تھا۔ اُن کے عقب سے ٹینک کی توپ سے ایک اور گولہ آیا اور اُن کے اوپر سے ہوتا ہوا، محرابی حصے میں تباہی پھیلا گیا۔ اندر جو کوئی بھی بزوکا لیے بیٹھا تھا، اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے ہوں گے۔

ٹائیگر کا رُخ اب کمانڈ پوسٹ کی طرف تھا۔ وہیں پر سب سے زیادہ مزاحمت ہو رہی تھی اور وہیں فانگ کے ملنے کا امکان بھی تھا۔ وہ ہتھیاروں کے کمرے سے دوڑتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ ماسٹر ٹاؤ... اُس کے ساتھ تھا۔ جبکہ مُوہان قدرے لنگڑاتا ہوا پیچھے تھا۔

اچانک ماسٹر ٹاؤ چیخ پڑا۔ "ریڈیو کی طرف بھی توجہ دو۔"

ٹائیگر نے ریڈیو کھول لیا لیکن اُس کے دوڑنے کی رفتار کم نہ ہوئی وہ سُرنگ کے اس حصے میں جا پہنچا جہاں ایک دوشاخہ تھا۔ وہاں سے ٹائیگر، کمانڈ پوسٹ کی طرف گھوم گیا۔ اچانک اُسے راستے میں چند آدمیوں سے بھڑنا پڑا۔ یہ ریڈ سرکل کے وہ آدمی تھے... جو سُرنگ بند کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ تاکہ آگے بڑھتے ہوئے گولہ بارود کے ذخائر، حملہ آوروں کی دست بُرد سے محفوظ رکھے جا سکیں۔

ماسٹر ٹاؤ بھی اس جنگ میں شامل ہو گیا۔ اُن کے ہاتھوں سے جلد ہی ان گنت آدمیوں کو خاک اور خون میں لوٹنے پر مجبور کر دیا۔

ٹائیگر ایک بار پھر کمانڈ پوسٹ کی طرف دوڑ پڑا۔ اب اس کی رفتار پہلے سے کہیں تیز تھی۔ جب وہ وہاں پہنچا تو سپیرا کے آدمی، کمانڈ پوسٹ کے دروازے پر فائرنگ میں مصروف تھے۔ اسی لمحے ریڈیو پر ماسٹر ٹاؤ کی آواز اُبھرنے لگی۔ وہ پیچھے رہ گیا تھا اور اب ٹائیگر سے ہم کلام تھا۔

"تم کہاں ہو، فرزند؟" ماسٹر ٹاؤ نے دریافت کیا۔

"کمانڈ پوسٹ... بس اندر داخلے کی تیاری ہے۔"

"گولہ بارود، بیس منٹ بعد پھٹ جائے گا۔ میں، گولہ بارود ذخائر میں موجود ہوں اور یہ تعداد میں اتنا ہے کہ اگر ایک ساتھ پھٹ پڑا تو اس زیر زمین دُنیا کے اوپر واقع سارا پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائے گا۔ سپیرا اور اس کے آدمیوں کو بھی آگاہ کر دو۔ اس کے علاوہ تم جتنی جلد ممکن ہو سکے، وہاں سے نکل کر باہر آ جاؤ۔"

ٹائیگر نے سپیرا کو ماسٹر ٹاؤ کا پیغام دیا اور پھر ریڈیو ایک طرف پھینک دیا۔ اب اُسے اس کی ضرورت نہیں تھی۔ اُسے صرف فانگ کی تلاش تھی۔ اُس نے جست لگائی اور اس دروازے سے اُڑتا ہوا پہنچ گیا۔ جہاں کچھ دیر قبل، سپیرا کے آدمی قبضہ کرنے کے لیے فائرنگ کر رہے تھے۔

کمرے میں لاشیں ہی لاشیں بکھری ہوئی تھیں۔

ٹائیگر اندھا دھند دوڑتا رہا۔ اب وہ اپنی زندگی، سونی... غرضیکہ فانگ کے سوا سب کچھ بھول گیا تھا۔ اُس پر کسی ایسے دشمن کا گمان ہوتا تھا جو اپنے شکار پر آخری حملہ کرنے کے لیے جان توڑ کوشش کر رہا ہو۔ اُس کے ذہن میں گھڑی چلنے لگی تھی۔

اُس کے پاس صرف اٹھارہ منٹ تھے۔ ان اٹھارہ منٹوں میں فانگ کو تلاش کرنا اور اس سے نمٹنے کا کام مکمل کرنا تھا۔

اُس کے لیے یہ کافی نہیں تھا کہ وہ قلعے کے باہر کھڑا یہ دیکھتا رہے کہ کس طرح سیکڑوں ٹن بارود کے دھماکے ہوتے ہیں اور یہ سوچتا رہے کہ اندر موجود فانگ ہلاک ہو چکا ہو گا۔ وہ اپنے ہاتھوں عبرتناک موت سے ہمکنار کرنا چاہتا تھا... وہ اپنی آنکھوں سے اس کی ہلاکت کا منظر دیکھ کر تسکین کرنا چاہتا تھا کیونکہ اس سے پہلے اُسے فانگ جیسی کسی خبیث ہستی سے کبھی پالا نہیں پڑا تھا۔ وہ اب تک کئی بار اُس کے سامنے آیا تھا اور دونوں میں مڈبھیڑ بھی ہوئی تھی لیکن ہر بار کسی نہ کسی اتفاق کے تحت فانگ کی نا

کے دن بڑھ جاتے تھے۔ وہ یا تو فرار ہونے میں کامیاب ہو جاتا تھا یا پھر ٹائیگر ایسی حالت میں مبتلا ہو جاتا تھا کہ وہ فانگ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا تھا۔

ٹائیگر جیسے جیسے سوچ رہا تھا اُس کی رگوں میں دوڑنے والا خون لاوے کی شکل اختیار کرتا جا رہا تھا۔ اس کے بازوؤں کی پھیلیاں تڑپ تڑپ جاتی تھیں اور اس کے رگ ریشے غصے کی چنگاریوں سے جھلسنے لگتے تھے۔ وہ اپنے ہاتھوں سے اس کی گردن مروڑنا چاہتا تھا۔ اس کا کلیجہ نکال کر دانتوں سے چبا ڈالنا چاہتا تھا۔ اس کا ریشہ ریشہ اپنی انگلیوں سے نوچ لینا چاہتا تھا۔ وہ اس بار یہ یقین کر لینا چاہتا تھا کہ فانگ کی ہڈیاں تک سُرمہ بن کر خاک نشین ہو گئی ہیں۔ وہ ذرا سا بھی امکان باقی نہیں رکھنا چاہتا تھا کہ اُس کے کانوں میں کبھی یہ آواز پہنچے کہ فانگ سانس لے رہا ہے، حرکت کر رہا ہے، بول رہا ہے، کسی سے لڑ رہا ہے یا اس نے دوبارہ قتل و غارت گری شروع کر دی ہے۔

ٹائیگر نے فیصلہ کیا کہ جو اسے اُسے خود بھی کیوں نہ مرنا پڑے وہ اس کی موت کا یقین ضرور کرے گا۔

... اور پھر اچانک ہی اُس کی نگاہ فانگ پر پڑی۔

فانگ، برازوا در کاشی تینوں ایک ساتھ تھے۔ وہ سنٹرل کمانڈ روم کے دروازے سے باہر آ رہے تھے۔ گویا اُنھوں نے ماسٹر تاؤ کا پیغام کسی نہ کسی طرح راستے ہی میں اُٹھا لیا تھا اور اس بات سے باخبر ہو گئے تھے کہ اب یہ زیر زمین دُنیا تباہ ہونے والی ہے اور اس کے اوپر واقع پہاڑ ذرات میں تبدیل ہونے والے ہیں۔ گویا وہ سب اب وہاں سے فرار ہو رہے تھے۔

جیسے ہی اُن کی نگاہ ٹائیگر پر پڑی، وہ ٹھٹک گئے۔ ان کی آنکھوں میں خون اُتر آیا۔ ان کے چہرے وحشت اور بربریت کے مظہر بن گئے۔ وہ جانتے تھے کہ یہ ساری تباہی، ٹائیگر ہی کی وجہ سے آئی ہے۔ وہ اس بار اُسے زندہ نہیں چھوڑنا چاہتے تھے۔

ٹائیگر جہاں تھا، اُس نے وہیں سے ان پر جست لگا دی۔

برازو نے جلدی سے دونوں ہاتھ اپنے چہرے تک بلند کر لیے اور کاشی ریوالور نکالنے کی کوشش کرنے لگا... اور فانگ ریڈ سرکل کے اس کنگ فو ماسٹر کو ایک طرف دھکیل کر اپنی جان دشمن سے نمٹنے کے لیے آگے بڑھنے لگا۔

ٹائیگر پر دیوانگی سوار تھی۔

اُس نے ڈریگن اسٹمپ استعمال کی۔ کاشی لڑھک کر ایک طرف گیا تو یہ ضرب برازو کے کندھے پر لگی۔ بفیلو ہارن کی تکنیک استعمال کرتے ہوئے ٹائیگر نے کاشی کے پیٹ کے درمیانی حصے کو نشانہ بنایا۔ اس وقت وہ ان تینوں سے، چاروں ہاتھ پیروں سے لڑ رہا تھا۔ اس پر نگاہ جمانی مشکل تھی۔ گھونسوں، وار لاتوں کا ایک طوفان تھا جس میں ٹائیگر اس وقت گھرا ہوا تھا۔ نہ صرف خود کو محفوظ رکھنے کی کوشش کر رہا تھا بلکہ اپنے دشمنوں کو ہلاک بھی کرنا چاہتا تھا۔

کاٹ ڈالنے والی، ہڈیوں کو سُرمہ بنا ڈالنے والی اور چیر ڈالنے والی تکنیکیں استعمال کی جا رہی تھیں لیکن وہ سب کے سب فن کار تھے۔ کنگ فو ماسٹر تھے اور انھیں اپنا دفاع کرنا آتا تھا اس لیے وہ دفاع اور حملے میں مہک تھے اور ابھی تک کوئی ایک بھی کسی کو کوئی نقصان پہنچانے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔

صورتِ حال ایسی تھی کہ جو کوئی بھی زد میں آ جاتا، اُس کی موت یقینی تھی... پھر خراشیں اُبھرنے لگیں۔ ان خراشوں میں خون تیرنے لگا... یکایک ٹائیگر نے اپنے لڑنے کا انداز بدل دیا۔ اب وہ ان تینوں سے نہیں لڑ رہا تھا بلکہ وہ اپنا دفاع کرتے ہوئے ان میں سے کسی نہ کسی کے جسم کے کسی حصے سے لڑ رہا تھا۔ اس نے دیکھا کہ انگلیں بیک استعمال کر کے اس کی آنکھ کا ڈھیلا نکالنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ اسی لمحے اُس کے گُردے پر چوٹ لگائی گئی اور اس کے گنج ران میں کسی مینڈھے کی ٹکر جیسا وار استعمال کیا جا رہا ہے۔

ٹائیگر نے کامل ہوشیاری سے یہ تینوں حملے نہ صرف بے اثر بنائے بلکہ اس نے انھیں اپنے مفاد میں استعمال بھی کیا۔ انگلیں بیک جو اُس کی آنکھ پھوڑنا چاہتی تھی، اس کا رُخ اُس نے کاشی کی طرف موڑ دیا۔ کاشی کے حلق سے بڑی ہی دلدوز چیخ نکلی تھی۔ اس کی ایک آنکھ غائب ہو چکی تھی اور اب وہاں ایک خون آلود گڑھا سا نظر آ رہا تھا۔

راک سیمش سے اُس نے برازو کو روکا اور پھر گُردے کی طرف آنے والی چوٹ بے اثر کرتے ہوئے اُس نے فانگ کے گھٹنے پر ٹھوکر ماری۔ فانگ نے جوابی حملہ کیا تو وہ بھی اُس نے کاشی کے خلاف استعمال کیا۔ صرف ایک لمحے کے لیے ٹائیگر نے کاشی کی طرف دیکھا تھا۔ اس کے چہرے کا بھرتا بن گیا تھا۔

کاشی گر گیا۔

ٹائیگر نے برازو کی پھنکے کے ڈنک جیسی چوٹ سے خود کو بچاتے ہوئے کسی ناگ کی طرح لہراتے ہوئے ڈریگن اسٹمپ استعمال کیا تھا اور کاشی گرتے گرتے اپنی پنڈلی کی ہڈی کی سلامتی سے بھی محروم ہو گیا تھا۔ اسی دوران... فانگ نے اس پر لاسٹنگ کِک لگائی تھی اور ہدف اس کی ٹھوڑی تھی۔ جیسے ہی اس کا ٹخنہ ٹائیگر کی ٹھوڑی میں

آیا اُس نے جُھک کر خود کو اس کے نیچے سے نکالا اور پھر اُلٹا دولٹ کے شہنشاہ کو اُچھال پھینکا۔

برازو اس کے راستے میں تھا اس لیے وہ اپنے رخسار کو چیتے کے پنجے جیسے وار سے محفوظ نہ رکھ سکا۔

معاً ٹائیگر کو احساس ہُوا کہ وہ بھی اس کی طرح وقت گزرنے سے ڈر رہے ہیں۔ اس ساری زیرِ زمین دُنیا کی تباہی کا وقت تیزی سے قریب آ رہا تھا اور ٹائیگر کے ذہن میں چلنے والی بغیر مرئی گھڑی بتا رہی تھی کہ صرف سولہ منٹ باقی رہ گئے ہیں۔

کاشی بے پناہ زخمی تھا لیکن ابھی تک اس میں زندگی کے آثار موجود تھے۔ وہ تکلیف کے مارے تڑپ رہا تھا... لیکن ضد اور ہٹ دھرمی اُسے اب بھی مقابلے پر اُکسا رہی تھی جب اس نے ریوالور نکالا تھا تو وہ فانگ کے دھکے کی وجہ سے گر گیا تھا۔ اب وہ ریوالور اس سے کئی قدموں کے فاصلے پر پڑا ہُوا تھا اور کاشی کی کوشش تھی کہ وہ کسی نہ کسی طرح اس ریوالور کو اپنے قبضے میں کر لے۔

ٹائیگر نے فانگ کا وار بچاتے ہوئے، برازو پر حملہ کیا اور پھر اُس نے کاشی پر فیصلہ کُن وار کر دیا۔ اس کے پاؤں کا پنجہ تیزی سے آگے بڑھا اور پھر اُس نے کاشی کی کنپٹی پر ٹھوکر لگائی۔

کاشی کسی مٹی کے بُت کی طرح گر گیا۔

اب وہ کوئی حرکت نہیں کر سکتا تھا کیونکہ ٹائیگر کو یقین تھا کہ اس کی رُوح قفسِ عنصری سے پرواز کر چکی ہے۔

برازو کے رخسار کے زخم اور دیگر خراشوں سے کافی خون بہہ رہا ہے۔ رخسار کا خون بار بار اس کے لیے پریشانی کا باعث بن رہا تھا اور کئی بار اُس کی آنکھیں دُھند لا گئی تھیں اس نے اپنے بہترین لڑاکا ساتھیوں میں سے ایک کو موت سے ہمکنار ہوتے دیکھا تو اس کا حوصلہ ٹوٹ گیا۔ وہ اس سے قبل بھی ٹائیگر کے ہاتھوں کئی بار زک اُٹھا چکا تھا۔ کاشی کی موت نے اُسے سوچنے پر مجبور کر دیا اور اس نے نہ صرف ایک آخری فیصلہ کر لیا... بلکہ اس پر عمل بھی کر ڈالا۔

وہ پہلے تو چند قدم پیچھے کی طرف کھسکا... پھر ایک طرف بھاگ اُٹھا۔ ٹائیگر نے سوچا کہ وہ واقعی عقل مند ہے۔ اُسے معلوم تھا کہ اگر وہ اس مقابلے میں کام نہ بھی آیا تو جب زیرِ زمین دُنیا تباہ ہوگی تو اس کے ساتھ ساتھ خود اس کے اپنے بھی چیتھڑے اُڑ جائیں گے۔

اب صرف ٹائیگر تھا... اور اس کے سامنے اس کا وہ دشمن تھا جس کے لیے وہ اب تک آدھی دُنیا کا سفر کر چکا تھا۔ پہلے تو ٹائیگر کا خیال تھا کہ برازو کے بھاگتے ہی، فانگ بھی راہِ فرار ہی کو ترجیح دے گا... لیکن فانگ پر دیوانگی طاری تھی۔ اس کی دُنیا تباہی کے قریب پہنچ گئی تھی اور وہ بُری لُٹ چکا تھا ایسے میں بھاگنا اس کے وقار کے منافی بھی تھا۔ اس کے حملوں میں اب بے پناہ شدت آ گئی تھی۔ اس کے ہاتھ پیروں میں گویا بجلیاں سی بھر گئی تھیں اس کی آئرن ہینڈ بار بار حملہ آور ہو رہا تھا لیکن ابھی تک اس کی نیزوں جیسی تیز انگلیوں کو ٹائیگر کے جسم پر کوئی ہدف میسّر نہیں آیا تھا۔

یکایک ٹائیگر پر بھی دیوانگی طاری ہو گئی۔ اس نے ٹائیگر کے دیوانگی آمیز حملوں کو اس طرح روک روک کر وار کرنے شروع کر دیے کہ خود فانگ کو بھی اس پر حیرت ہونے لگی... لیکن اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں تھی کیونکہ فانگ تو اپنی انا اور زندگی کے لیے لڑ رہا تھا جبکہ ٹائیگر کو اپنی زندگی کی کوئی پروا نہیں تھی۔ وہ صرف اور صرف فانگ کو ہلاک کرنا چاہتا تھا چاہے اس کے بعد وہ خود بھی ہلاک ہو جاتا۔

آخری دھماکے کا وقت تیزی سے قریب آتا جا رہا تھا۔

ٹائیگر کے ذہن میں چلنے والی بغیر مرئی گھڑی اُسے مسلسل وقت کا حساب بتا رہی تھی... لیکن ٹائیگر اس طرف کوئی خاص توجہ نہیں دے رہا تھا۔ وہ ذہنی اور روحانی طور پر اس مقام پر پہنچ چکا تھا جہاں اپنی زندگی کی اب اس کے نزدیک کوئی اہمیت باقی نہیں رہ گئی تھی۔

غصّے اور نفرت کی جنگ جاری تھی۔

ہر لمحہ ان دونوں کو آخری اور تباہ کُن دھماکے سے قریب تر لے جا رہا تھا... ایسا دھماکا جو اُن دونوں کو نیست و نابود کر سکتا تھا۔

اب جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا، فانگ کے ذہن پر یا تو کاہلہ ہوتا جا رہا تھا۔ ہر گزرتی ہوئی ساعت مایوسی کی اس کیفیت کو بڑھا رہی تھی جیسے جیسے مایوسی میں اضافہ ہو رہا تھا ویسے ویسے اس کے دل میں زندگی سے محبت بڑھتی جا رہی تھی۔ وہ مرنا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے آج تک صرف مارنا ہی سیکھا تھا اور اس سلسلے میں اُس کا کوئی ثانی نہیں تھا... لیکن ٹائیگر ایک ایسا شخص تھا جسے دُنیا کی کئی حکومتوں نے قتل کرنے کا باقاعدہ اجازت نامہ دے رکھا تھا اس کے باوجود وہ فانگ سے ایک تابکی اہمیت کی جنگ لڑ رہا تھا۔ یہ صدیوں قبل شروع ہونے والی نفرت و بیزاریت کی جنگ تھی جو اُوشان اور اُس کے آباؤ اجداد کے ساتھ شروع کی گئی تھی۔ آج ٹائیگر، اُوشان کے خاندان کے آخری فرد کی حیثیت سے لڑ رہا تھا۔ یہ جنگ اُسے ہر حال میں جیتنی تھی۔

فانگ کا ذہن دُھند لا رہا تھا۔ غالباً یہی وجہ تھی کہ اب اُس کے وار میں مہارت اور چابکدستی کا فقدان پیدا ہو گیا تھا۔

ٹائیگر مزید پندرہ منٹ انتظار کر سکتا تھا۔ وہ دل ہی دل میں خوش تھا کیونکہ پندرہ منٹ بعد چاہے وہ خود بھی لوتھڑوں میں تبدیل ہو جاتا لیکن فانگ کی موت ہر حال یقینی ہو جاتی... اور اُسے صرف فانگ کی موت کا یقین ہی درکار تھا۔ اُسے صرف یہ کرنا تھا کہ پندرہ منٹ تک فانگ کو یہیں روکے رکھے اور اسی طرح لڑتا رہے۔ اب تک اُسے کوئی رحم نہیں آیا تھا۔ اس لیے اُسے طمانیت تھی کہ وہ مزید پندرہ منٹ بھی اسی طرح گزار سکتا ہے۔

فانگ، شیطان کا سایہ تھا۔ اُس کے شیطانی ذہن نے ٹائیگر کی سوچ پڑھ لی تھی۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ ٹائیگر ہر گزرتے ہوئے لمحے کے ساتھ ساتھ کس قدر پُرسکون ہوتا جا رہا ہے۔ وہ اُس کی دیوانگی سے خاطر خواہ فائدہ اُٹھا رہا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اب اُس نے بڑھ بڑھ کر حملے کرنے بھی چھوڑ دیے تھے۔ وہ صرف فانگ کو تھکا رہا تھا... اور اُسے اُس آخری لمحے کا انتظار تھا جب فانگ کی موت یقینی طور پر واقع ہو سکتی تھی۔

ٹائیگر کے ذہن میں چلنے والی گھڑی نے اُسے بتایا کہ مزید دو منٹ گزر گئے ہیں...

اب صرف تیرہ منٹ باقی تھے۔

اچانک فانگ نے اُسے دھوکا دیا اور وار کیے بغیر ہی اس طرف بھاگ اُٹھا جدھر کچھ دیر قبل برازو گیا تھا۔

ٹائیگر نے دوڑ کر اُسے سیڑھیوں کے سب سے نچلے زینے پر جا لیا۔ اُس کی اُنگلیاں فانگ کے پیٹی دار کوٹ سے اُلجھ گئیں اور اس نے پوری قوت سے اُسے پیچھے گھسیٹ لیا۔ فانگ نے پلٹ کر اُس کی گلا گھونٹنے کے لیے غرب لگائی لیکن ٹائیگر ہوشیار تھا۔ اُس نے پوری قوت سے فانگ کے پیٹ میں گھونسہ جڑ دیا۔ فانگ نے پیٹ کے عضلات اُکڑا رکھے تھے، ورنہ اُس کا پیٹ کسی ڈھول کی طرح پھٹ گیا ہوتا۔

فانگ نے ٹائیگر کی ہنسلی پر وار کیا۔ جسے بچا کر ٹائیگر نے ڈریگن سٹمپ استعمال کیا جو فانگ کی گردن پر لگا۔ اگلے ہی لمحے فانگ اُس کی گرفت سے نکل گیا۔ وہ اُڑنے کے سے انداز میں اندھا دھند سیڑھیاں چڑھتا چلا گیا۔ ٹائیگر کسی بگولے کی طرح اس کے پیچھے لپک پڑا لیکن اس بار فانگ کا ارادہ پکڑنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔

آگے جو کمرہ تھا، وہ فائرنگ کی وجہ سے تباہ ہو چکا تھا اور اب اس کی حالت کسی تہ خانے جیسی ہو گئی تھی۔ فانگ اس میں کود گیا۔ جب ٹائیگر وہاں پہنچا تو اُسے ٹھٹک جانا پڑا۔

اُسے فانگ فرش پر چت پڑا نظر آ رہا تھا اور اُس کی آنکھیں بند تھیں۔ یوں لگتا تھا جیسے گرنے سے اس کے جسم کے کسی ایسے حصّے میں چوٹ آئی تھی کہ وہ جانبر نہ ہو سکا... لیکن ٹائیگر اتنا احمق نہیں تھا کہ اُس کی چال میں آ جاتا۔ اُسے معلوم تھا کہ اگر اُس نے فانگ پر کودنے کی کوشش کی تو اس کے چاروں ہاتھ پاؤں، پُشت کے بل لیٹ کر حملہ آور ہونے والی بلّی کے سے انداز میں جھٹک ہتھیار بنے، اُس کا انتظار کر رہے ہوں گے۔

ٹائیگر نے جست لگائی لیکن فانگ کی توقع کے مطابق، اُس کے اُوپر نہیں کُودا بلکہ قلابازی کھاتا ہُوا، اُس سے کچھ فاصلے پر جا گرا۔ گرتے ہی وہ سنبھل کر اُٹھا تو فانگ بھی اُٹھ چکا تھا۔ اُس کے چہرے سے دہشت برس رہی تھی اور اُس کی آنکھوں پر خون آلود گرگھٹوں کا گمان ہوتا تھا... اُس کی گنجی کھوپڑی سے پسینے کی بُوندیں اُس کی گھنی بھوؤں پر برس رہی تھیں اور اُس کے نتھنے کسی وحشی درندے کی طرح پھیل پھیل کر پچک رہے تھے۔

اچانک لاؤڈ اسپیکر پر کہیں سے ماسٹر تاؤ کی آواز گونجنے لگی...

"شہزاد... شہزاد! تم کہاں ہو؟ دھماکا ہونے میں بہت تھوڑا وقت رہ گیا ہے۔ تم جہاں کہیں بھی ہو، فوراً باہر آ جاؤ، شہزاد... شہزاد..."

ٹائیگر کے ہونٹوں پر بڑی ہی سفّاک مسکراہٹ اُبھر آئی۔ وہ، فانگ کو گھور رہا تھا جس کے چہرے پر سراسیمگی کے تاثرات تھے۔ ٹائیگر نے ماسٹر تاؤ کی آوازوں کو نظر انداز کر دیا تھا۔ حالانکہ اُسے معلوم تھا کہ ابھی کچھ دیر بعد ایک ایسا دھماکا ہونے والا ہے کہ اس زیرِ زمین دُنیا کی کوئی بھی چیز سلامت نہیں رہے گی۔

☆☆

فانگ کے چہرے پر سراسیمگی کے تاثرات ٹائیگر کو پہلی بار دکھائی نہیں دیے تھے۔ وہ اس سے قبل بھی اُسے کئی بار گھبراہٹوں سے دوچار کر چکا تھا... لیکن اس بار فانگ کی آنکھوں اور چہرے سے جو تاثرات ہویدا تھے، ان میں کسی قسم کی بناوٹ نہیں تھی۔ دہشت کے سچّے سائے اُس کے چہرے اور آنکھوں میں لہرا رہے تھے۔ وہ جانتا تھا کہ اب موت ہر طرح سے یقینی ہے۔ چاہے وہ ٹائیگر کے ہاتھوں ہلاک ہو یا دھماکے کا نشانہ بن جائے، بات ایک ہی ہے... ایسی صورت میں وہ کوشش کر کے دل میں جلنے والی انتقام کی آگ ضرور سرد کر سکتا تھا اور اس کا ذریعہ یہ تھا کہ وہ کسی نہ کسی طرح ٹائیگر کو ہلاک کر ڈالے۔

ماسٹر تاؤ کی آواز میں اب خوف کی لرزش نمایاں ہو گئی تھی۔

لاؤڈ اسپیکر سے آتی ہوئی اس کی آواز سے ماحول میں خوف اور دہشت کی لہریں پیدا ہو رہی تھیں۔ ماسٹر تاؤ کا لہجہ ہذیانی ہوتا جا رہا تھا وہ بار بار چیخ رہا تھا۔

"شہزاد... شہزاد... شہزاد فوراً باہر آؤ... جلدی... بہت تھوڑا وقت باقی رہ گیا ہے... شہزاد... شہزاد...!"

ٹائیگر ان آوازوں سے بے نیاز اپنے شکار کی طرف متوجہ تھا۔ وہ یہ بھی بھول گیا تھا کہ کچھ دیر بعد ایک ایسا دھماکا ہونے والا ہے، جس کے نتیجے میں یہ ساری زیر زمین دنیا ذرات میں تبدیل ہو جائے گی اور جتنے بھی لوگ نیچے موجود ہیں، وہ ہمیشہ کے لیے یہاں دفن ہو جائیں گے۔

دفعتہً لاؤڈ اسپیکر پر ماسٹر تاؤ نے ایک ناقابلِ فہم زبان میں کسی کو پکارنا شروع کر دیا۔ اس کے لہجے میں نہ جانے کیا بات تھی کہ لمحے بھر کے لیے خود ٹائیگر بھی جھرجھری سی لے کر رہ گیا تھا جب کہ فانگ کی تو باقاعدہ تھرتھری ہی چھوٹ گئی تھی۔ لاؤڈ اسپیکر پر جو کچھ بھی کہا جا رہا تھا، وہ غالباً فانگ کے لیے بھی ناقابلِ فہم تھا اگر ایسا نہ ہوتا تو اس کے چہرے سے یوں دہشت ہرگز نہ برسنے لگتی۔ خود ٹائیگر بھی یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ ماسٹر تاؤ کیا کہہ رہا ہے... لیکن اُسے اس بات کی کوئی پروا نہیں تھی۔ وہ تمام تر تکنیکی حالات کو پسِ پشت ڈال چکا تھا۔

فانگ نے خود کو بڑی تیزی سے سنبھالا تھا اور اب اس کے نقش و نگار دلی مضبوطی اور ارادے کی پختگی ظاہر کرنے لگے تھے۔ کچھ دیر قبل اس نے مکر و فریب سے کام لے کر ٹائیگر کو جس داؤ میں اُلجھانا چاہا تھا، اس میں فانگ کو ناکامی ہوئی تھی۔ لہٰذا وہ موقع ملتے ہی پیٹھ کے بَل گرا اور کمر کے سہارے پھسلتا ہوا آگے آیا... پھر یکایک اس کی دونوں ٹانگیں اوپر اُٹھ گئیں۔

اگر ٹائیگر اوپر سے کودتا تو وہ عین اُس وقت وہاں پہنچتا جہاں فانگ دونوں بازو اور دونوں ٹانگیں اُٹھائے، پشت کے بَل زمین پر پڑا تھا۔ ایسی حالت میں فانگ کے چاروں ہاتھ پاؤں چار مہلک ہتھیار بن جاتے اور ٹائیگر کے لیے یقیناً ہلاکت خیز ثابت ہوتے... ٹائیگر نے اُس کی چال کو جس طرح ناکارہ بنایا تھا، اُسی طرح فانگ بھی سمجھ گیا تھا کہ اب اس کا نیچے پڑے رہنا فائدہ مند ثابت نہیں ہوگا۔

وہ غضبناک ہو کر لاتیں اور گھونسے برسانے لگا۔ اس کے یہ رویہ ہی وہ چوتھی حالت سے اندازِ نشست اختیار کر گیا جیسے ہی فانگ نے یہ حالت اختیار کی، ٹائیگر اس کے سر پر پہنچ چکا تھا۔ فانگ نے گھوم کر اُس کی پہنچ سے نکل جانے کی کوشش کی... لیکن ٹائیگر نے ہڈی توڑ ڈالنے والی ٹھوکر اس کی ران پر دے ماری اور پھر اُسے رگیدتا ہوا دیوار تک لے گیا۔

دیوار میں ایک سُرنگ کا دہانہ تھا۔ اس پر نگاہ پڑتے ہی فانگ کے ہاتھ پیروں میں جیسے پھرکی آگئی۔ اس نے تیزی سے نائف پوائنٹ گھونسے، ٹھوکریں اور کاٹ ڈالنے والی ضربیں لگانی شروع کر دیں۔ اس دوران وہ سنبھل کر اس سُرنگ کے دہانے میں قدم رکھ چکا تھا... وہ سامنے سے تو ٹائیگر سے لڑ رہا تھا لیکن اس کے قدم تیزی سے پیچھے ہٹ رہے تھے۔

اُدھر کمانڈ پوسٹ کے کمرے میں زمین پر پڑا ہوا وہ ریڈیو اب بھی چیخ رہا تھا اور اُس پر ماسٹر تاؤ کی آواز دوبارہ اُبھرنے لگی تھی۔

"ماسٹر تاؤ تمہیں حکم دیتا ہے... تم جہاں کہیں بھی ہو فوراً باہر آجاؤ... دھماکا ہونے میں صرف دس منٹ باقی رہ گئے ہیں... شہزاد... جلدی باہر آجاؤ!"

... لیکن شہزاد ٹائیگر اب ایسے مقام پر جا پہنچا تھا جہاں اس ریڈیو کی تو درکنار باہر سے چیخنے والے لاؤڈ اسپیکر کی آواز بھی نہیں پہنچ سکتی تھی۔ ٹائیگر بڑے ہی خونخوار اور درندگی آمیز طریقے سے لڑ رہا تھا اور وہ فانگ کو زخمی کر چکا تھا۔

سُرنگ کے بعد زینہ تھا۔ ٹائیگر نے فانگ کو گھما کر پھینکا تو وہ چند سیڑھیوں پر لڑھکتا ہوا نیچے گر گیا... اس بار وہ جس تیزی سے اُٹھ کر دوڑا تھا، اس پر خود ٹائیگر کو بھی حیرت ہوئی تھی۔ وہ بھی اس کے تعاقب میں دوڑ پڑا۔

ایک کے بعد دوسری سُرنگ میں، وہ آگے آگے پیچھے دوڑتے رہے اور لڑتے رہے... وہ اس وقت کون سی راہداری پر گامزن تھے، ٹائیگر کو اس کا اندازہ نہیں تھا لیکن جیسے ہی وہ ایک غار میں پہنچے، ٹائیگر نے پہچان لیا کہ انڈر ورلڈ کے گنگ کی قیام گاہ اب زیادہ دور نہیں ہے۔

"ماسٹر تاؤ... سات منٹ... تم کہاں ہو؟"

ریڈیو پر ایک بار پھر اعلان کیا گیا۔

اس مرتبہ بھی ٹائیگر کی طرف سے کوئی جواب نہیں دیا گیا۔

"ماسٹر تاؤ... مُوہان... مُوہان...!"

"مُوہان بات کر رہا ہوں، مُوہان نے فوراً ہی ماسٹر تاؤ کی کال کا جواب دیا۔ پوست کا پورا کھیت نذرِ آتش کر دیا گیا ہے اور اب میں باہر آرہا ہوں۔"

ماسٹر تاؤ ایک بار پھر ٹائیگر سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش میں مصروف ہو گیا جب کہ ٹائیگر نے ایک گھاتی سے کود کر فانگ کا پیچھا

کرنا جاری رکھا۔

مغاوہ پلٹا اور اُس نے ٹھوکر مار کر ٹائیگر کو ایک ایسی کھائی میں پھینکنے کی کوشش کی جس پر عام حالات میں کسی کی فوراً نگاہ نہیں پڑ سکتی تھی... لیکن ٹائیگر اس کے بے حد قریب تھا اس لیے ٹھوکر کا لگنا بعید نہیں ہو سکتی تھی۔ اس سے قبل کہ فانگ اُسے کوئی نقصان پہنچانے میں کامیاب ہوتا، ٹائیگر کے دونوں گھٹنے اور دونوں ہاتھ فانگ کے جسم پر چار مختلف مقامات پر ہدف بنا کر ٹپک گئے اور وہ اُسے شدت سے مخالف سمت میں دھکیلتا چلا گیا۔ ایسے میں فانگ کے لیے سوائے اُس کے کوئی چارہ نہیں رہ گیا تھا کہ وہ ٹائیگر کا داؤ کامیاب ہونے دے... اگر وہ ایسا نہ کرتا تو یقیناً ٹائیگر کے ساتھ خود بھی اس کھائی میں گر گیا ہوتا، جس میں اس نے ٹائیگر کو پھینکنے کی کوشش کی تھی۔

فانگ جانتا تھا کہ اُس کی زندگی کی مہلت ختم ہوتی جا رہی ہے۔ اس نے ایک بار پھر خود کو سنبھالنے کی کوشش کی اور جیسے ہی ٹائیگر نے اُسے پٹخنوں پر پہنچنے کا داؤ استعمال کیا، فانگ نے چھوٹ کر اُس کی کلائی تھام لی۔

ایک جھٹکا مار کر اُس نے ٹائیگر کو نیچے کی طرف کھینچا اور دونوں ٹانگوں کی قینچی میں اس کا پیٹ جکڑ لیا۔ اس نے ٹائیگر کی دونوں کلائیاں تھام لیں، اُسی لمحے اس کا سر ایک چٹان سے ٹکرا گیا۔ ٹائیگر نے اس کے سارے داؤ پیچ اُسی کے خلاف استعمال کر ڈالے تھے۔

اب ان کی جنگ پسینے اور خون سے بھیگی ہوئی صورتحال اختیار کر گئی تھی اور دونوں اس بُری طرح اُلجھے گئے تھے کہ گنگ فو ماسٹروں کی طرح لڑنے کی بجائے انھوں نے پہلوانوں کی طرح زور آزمائی شروع کر دی تھی۔

فانگ نے دونوں ٹانگوں کی قینچی میں ٹائیگر کا درمیانی دھڑ جکڑ رکھا تھا اور اس طرح زور آزمائی کر رہا تھا جیسے ٹائیگر کی پسلیاں توڑ ڈالنا چاہتا ہو۔

ٹائیگر نے جسم کے سارے ہی عضلات اکڑا کر فولاد کی طرح سخت کر لیے تھے اس لیے فانگ کی زور آزمائی کارگر ثابت نہیں ہو رہی تھی اس وقت دونوں کے ہاتھ ایک دوسرے کے نرخرے پر پہنچ گئے۔

زور آزمائی کا ایک نیا دور شروع ہو گیا لیکن ٹائیگر نے اس انداز کی زور آزمائی میں وقت ضائع کرنے کی بجائے فانگ کے ایک گھٹنے کے پہلو میں آئرن ہینڈ سے کاٹ ڈالنے والی ضرب لگائی جس سے فانگ کی وہ ٹانگ سُن ہو گئی۔

ٹائیگر نے پھرتی سے اُسے اُٹھا کر ایک بار پھر پٹخ ڈالنا چاہا۔

اُسی لمحے ٹائیگر کے حریف نے شیر کے پنجے جیسا ہاتھ مارا۔ یہ ضرب ٹائیگر کے چہرے پر لگائی گئی تھی۔ ٹائیگر نے جلدی سے سر کو نیچے کی طرف جھکا دیے کر جھکا دیا۔ چوٹ شدید تھی اور تکلیف ناقابلِ برداشت... یوں لگ رہا تھا جیسے جہاں ضرب لگی ہے وہاں کا سارا گوشت ہڈی چھوڑ کر پھٹ گیا ہو۔ اس موقع پر بڑی سمجھ داری سے کام لینے کی ضرورت تھی۔ فانگ کو توقع تھی کہ ٹائیگر فوری طور پر جواباً گھونسے بازی پر اُتر آئے گا... لیکن ٹائیگر نے ایسا نہیں کیا۔ اس نے پوری قوت استعمال کر کے ایل فٹ کک لگائی۔ یہ ٹھوکر فانگ کی ٹانگوں کی قینچی توڑنے کے لیے لگائی گئی تھی۔ بیک وقت ٹائیگر نے فانگ کے درمیانی جسم میں انگلیوں کے خنجر مارے اور اس کا دایاں ہاتھ مٹھی بند کے لیے اُٹھ گیا۔

فانگ تڑپ اُٹھا۔

ٹائیگر کی کہنی کی ضرب ناکام رہی لیکن ایل فٹ کک کام کر گئی تھی جس کے نتیجے میں فانگ دُہرا ہونے پر مجبور ہو گیا۔ اسی لمحے ٹائیگر کی انگلیوں کے خنجروں میں سے ایک نے حریف کے جسم میں چھوٹا سا شگاف ڈال دیا... پھر اس کا ہاتھ آہستہ آہستہ فانگ کے کنج ران کی طرف جھکتا چلا گیا۔

اس دوران میں فانگ نے ٹائیگر کے چہرے پر کئی وار کیے جن سے اس کا چہرہ خون آلود ہو گیا۔ یوں لگتا تھا جیسے اس نے چہرے پر خون کی نقاب ڈال لی ہو جیسے ہی اس کا ہاتھ فانگ کے کنج ران کی طرف بڑھا، وہ کسی سانپ کی طرح تلملا کر کئی کھانے لگا۔ اس نے ٹائیگر سے ملے بند کر دیے اور اپنا آپ چھڑانے کے لیے ٹائیگر کو دونوں ہاتھوں سے دُور دھکیلنے کی کوشش کرنے لگا۔

دیوتاؤں کے شہر نیپال میں بسنے والے
ایک درندے کی پراسرار داستان
درندہ
یعقوب جمیل کے ہوشربا قلم سے جس کا
قارئین کو برسوں سے انتظار تھا
مکتبہ القریش، سرکلر روڈ، اردو بازار لاہور
فون 7668958

ٹائیگر اس لمحے دیوانگی کا شکار ہو رہا تھا اگر وہ لمحے بھر کے لیے صاف ٹھنڈا رکھتا تو فانگ اُس کی گرفت سے نکلنے میں کبھی کامیاب نہ ہوتا۔۔۔ فانگ ایک جھٹکے سے اس کی گرفت سے نکلا اور پاگلوں کی طرح ایک طرف دوڑ پڑا اس کا رُخ اپنے غار کی طرف تھا۔ غار میں پہنچ کر وہ تیزی سے اس کھائی کی طرف دوڑا جہاں فرار کا خفیہ راستہ بنا ہُوا تھا

ٹڈاک کے مندر کے باہر اسٹریٹا ڈوڈرین تھامے کھڑا ان لوگوں کو دیکھ رہا تھا جو زیرِ زمین دُنیا سے فرار ہو کر باہر آ رہے تھے۔ یہ سب کے سب ریڈ سرکل کے گرگے تھے۔ مینو نوجوان، ماسٹر تاؤ کے پہلو میں بیٹھا ہُوا تھا۔ اُسی نے انڈر گراؤنڈ لیبارٹری میں چار جیز سیٹ کیے تھے۔ واپسی پر اس کی بازو سے مڈبھیڑ ہو گئی تھی۔ اس نے ڈریگن اسٹمپ استعمال کیا تھا اور اُسے یقین تھا کہ برازوا س چوٹ سے جانبر نہ ہو سکے گا لیکن اُسی لمحے اُس کے دائیں بازو میں ایک گولی آ کر لگی تھی جس کے باعث اُسے خود کو کسی نہ کسی طرح زیرِ زمین دُنیا سے باہر آنا پڑ گیا تھا۔ اس نے بھی ریڈ ڈیوپر ٹائیگر سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی تھی لیکن اس میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔ اس کا دل شدت سے دھڑک رہا تھا کیونکہ ٹائیگر ابھی تک باہر نہیں آیا تھا جب کہ دھماکے میں صرف پانچ منٹ باقی رہ گئے تھے۔

اُدھر فانگ اپنے غار میں پہنچ کر فرار کے راستے تک رسائی حاصل کر چکا تھا۔ اس نے چور دروازہ کھولا تو ٹائیگر نے دُور ہی سے اس پر چھلانگ لگا دی۔ فانگ نے جو بھاری بھرکم اسٹیل کی پلیٹ خفیہ راستے کے دہانے سے ہٹائی تھی، اس نے وہی پلیٹ ٹائیگر کی طرف اُچھال دی۔

وہ ٹائیگر کا انجام دیکھنے کے لیے وہاں نہیں رکا تھا۔ اس کے پاس وقت بہت کم تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اگر ٹائیگر کے ہاتھوں بچ بھی گیا تو دھماکے کی وجہ سے اس کے چیتھڑے اُڑ جائیں گے۔ اس نے کھلے دہانے میں سر کے بل چھلانگ لگا دی۔

ٹائیگر نے بھاری بھرکم پلیٹ کو روکنے کی بجائے محفوظ لگا کر خود کو اس کی زد سے نکالا اور فانگ کا تعاقب جاری رکھا جس وقت وہ دہانے پر پہنچا تو فانگ کا جسم اندر تھا اور اس کے دونوں پاؤں پنڈلیوں تک نظر آ رہے تھے۔ اس سے قبل کہ فانگ کے جسم کا یہ حصہ بھی غائب ہوتا، ٹائیگر نے شدید آئرن ہینڈ سے چوٹ لگائی۔ اُسے یوں محسوس ہُوا جیسے اس چوٹ سے فانگ کی ہڈیاں ٹوٹ کر منتشر ہو گئی ہوں۔۔۔ پھر وہ اس کی نگاہوں سے اُوجھل ہو گیا۔

ٹائیگر نے بھی اس دہانے میں اندھا دھند فانگ کے پیچھے ہی چھلانگ لگا دی۔ اس نے محسوس کیا کہ وہ دھات کی بنی ہوئی ایک نیچی ٹیوب میں نیچے ہی نیچے پھسل رہا ہے۔ اس ٹیوب میں بے پناہ تاریکی تھی۔ یہ ٹیوب اتنی لمبی تھی کہ ٹائیگر کو یوں محسوس ہونے لگا جیسے اس کا سلسلہ کبھی ختم نہیں ہو گا۔ اس کے باوجود وہ دونوں ہاتھ سامنے پھیلائے فانگ کی ٹانگوں کو پکڑنے کی زبردست جدوجہد کر رہا تھا۔

دونوں نیچے ہی چلے جا رہے تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے اس جہاز ٹیوب کا خاتمہ پاتال میں جا کر ہو گا۔ یکایک ٹیوب گھوم گئی۔ اب غالباً وہ پہاڑ کے قدموں میں پہنچ گئے تھے۔ ٹیوب میں پھسلتے ہوئے وہ گھومتا تو اُسے کافی دُور اُجالا دکھائی دینے لگا۔

فانگ کا جسم اس کے آگے آگے پھسل رہا تھا۔ اس لیے وہ دہانے کے قریب جا کر ٹائیگر کی نگاہوں سے اُوجھل ہو گیا۔ ٹائیگر کو دہانے پر پہنچا تو اس کا جسم ٹیوب سے نکل کر پانی میں جا گرا۔

یہ گرم گرم پانی کا ایک تالاب تھا۔ اس نے پانی میں پہنچتے ہی فانگ کی تلاش میں اِدھر اُدھر دیکھا اور ہاتھ پاؤں مار کر تیزی سے پانی کے اندر اندر ہی تیرنے لگا۔

تالاب کافی گہرا تھا اور دُھوپ کی شدت سے اس کا پانی تپ رہا تھا۔ یکایک اس کا ہاتھ فانگ کی ایک ٹانگ سے ٹکرا گیا۔ اس نے جلدی سے اُسے تھامنے کی کوشش کی تو اچانک ہی یوں لگا جیسے اس کا سر بھاری ہونے لگا ہو۔ تب اُسے احساس ہُوا کہ پانی دُھوپ کی تمازت سے نہیں بلکہ مختلف گیسوں کی وجہ سے گرم ہو رہا ہے یہ گیسیں زیرِ زمین دُنیا سے اس تالاب کے پانی میں نکلتی تھیں۔

ٹائیگر کے لیے سانس لینا بھی دشوار ہونے لگا۔ سر یوں بھاری ہو رہا تھا جیسے چند ہی لمحوں میں پھٹ جائے گا۔ ٹائیگر نے خود کو اُوپر اچھالا۔ وہ سطحِ آب پر جانے کے لیے خود کو اُچھال کر اُوپر ہی اُوپر لے جا رہا تھا کیونکہ وہ دیکھ چکا تھا کہ خود فانگ بھی ایسی ہی حالت سے دوچار ہو گا اور یقیناً سطحِ آب پر جا رہا ہو گا۔

پانی میں گیسوں کی وجہ سے بے شمار بلبلے پیدا ہو رہے تھے اور ان بلبلوں میں بھری ہوئی گیس اس کے اعصاب پر اثر انداز ہو رہی تھی۔ وہ سطحِ آب پر اُبھرا تو اس کا سر بُری طرح چکرا رہا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے اس کے چاروں طرف سُرخ سُرخ دُھند پھیلی ہوئی ہو۔ اس نے سر جھٹک کر اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر فانگ کو تلاش کرنے کی کوشش کی تو وہ اُسے کسی آسیبی سائے کی طرح پانی میں چلتا ہُوا ایک طرف بڑھتا دکھائی دیا۔

ٹائیگر اندھا دھند اس کے پیچھے لپک پڑا۔ اس کے پاؤں آبی بیلوں اور پودوں کی وجہ سے اُلجھ رہے تھے۔ پانی میں کنارے کے ساتھ ساتھ بے پناہ کائی پھیلی ہوئی تھی۔ ٹائیگر کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ وہ سورج بھی نہیں سہہ سکتا تھا کہ اس قدر خطرناک حد تک زخمی ہونے کے بعد فانگ اس انداز میں پانی میں بھی چل سکے گا۔

فانگ کی رفتار کافی تیز تھی۔ وہ پانی کے تالاب سے نکل کر ایک چٹان کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس چٹان کے آس پاس جنگل پھیلا ہُوا تھا۔ فانگ کا رُخ چٹان کے ایک ایسے حصّے کی جانب تھا جہاں ایک غار کا دہانہ نظر آ رہا تھا۔ وہ جیسے ہی اس دہانے کے قریب پہنچا، وہ اُسی نا قابلِ فہم زبان میں چیخنے لگا جس میں پجاری باتیں کیا کرتا تھا۔

ٹائیگر تیزی سے اس کے پیچھے لپک رہا تھا اور اُسے حیرت تھی کہ فانگ اب کسے بُلا رہا ہے؟ وہ پانی سے نکل کر تیزی سے غار کے دہانے کی طرف بڑھا تو اچانک ہی کوئی چیز تیزی سے غار سے نکلی اور ٹائیگر پر کُود گئی۔ اس کے ساتھ ہی اُس نے ایک زبردست دھاڑ سُنی۔

ایک چیتا غار سے نکل کر اُس پر کُودا تھا۔ ٹائیگر ٹھٹک گیا اور اس نے سو ونگ پیری ناملی داؤ آزمایا۔ یہ ضرب اُس نے چیتے کی دونوں سامنے والی ٹانگوں کے درمیان تھتے میں لگانی تھی۔

چیتے کا سُرخ دہانہ کھل گیا اور اُس کے حلق سے ایک ایسی دھاڑ نکلی جو انسانی کانوں کو بہرا کر سکتی تھی۔ ٹائیگر نے اپنا زخمہ بچانے کے لیے دایاں ہاتھ چیتے کے جبڑے میں ڈال دیا۔ چیتے کے نوکیلے دانت اس کے بازو کی کھال ادھیڑ گئے۔ اس نے دونوں سامنے کے پنجوں سے ٹائیگر کو ادھیڑنا چاہا لیکن ٹائیگر کی دونوں چوٹیں کارگر ثابت ہوئی تھیں۔ اس نے خود کو ایک سمت میں جھکا کر ایلی فنٹ کِک لگائی جس نے چیتے کو اس کے جسم سے اُچھال کر دُور گرا دیا۔۔۔ اور پھر نہ جانے کیا ہُوا کہ چیتا پلٹ کر دوڑا اور جنگل میں جا کر نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

اب ٹائیگر کو یوں محسوس ہونے لگا تھا جیسے وہ جاگتی آنکھوں سے کوئی بھیانک خواب دیکھ رہا ہو۔ اُسے معلوم نہیں تھا کہ وہ کس حد تک زخمی ہو چکا ہے۔۔۔ اور نہ ہی اُسے یہ اندازہ ہو رہا تھا کہ کیا حقیقت ہے اور کیا خوفناک خواب اور واہموں پر مشتمل ہے۔ اس کی یہ دماغی حالت غالباً اُس سُرخ دُھند کی وجہ سے ہوئی تھی جس میں وہ ابھی تک پھنسا ہُوا تھا۔ اُسے شعلوں کی سُرخی دکھائی دی اور پھر گند حک جلنے کی بُو آنے لگی۔

فانگ ایک چٹان میں بنی ہوئی دراڑ کی طرف دوڑ رہا تھا۔ یہ دراڑ چٹانی ٹیلوں کے درمیان تھی۔ ٹائیگر کو یوں محسوس ہونے لگا جیسے ان ٹیلوں سے اَن گنت خونخوار آدمی اس کی طرف بڑھ رہے ہوں۔ اُسے اژدھوں کے سوار اور بڑے بڑے جال نظر آنے لگے۔ یوں محسوس ہونے لگا جیسے وہ حقیقی دُنیا کی بجائے کسی جادو نگری میں نکل آیا ہو جہاں ہر طرف سے اس پر اجنبی اور ناقابلِ فہم جانوروں نے یلغار کر دی ہو۔۔۔ لیکن اس نے ابھی تک فانگ کا پیچھا نہیں چھوڑا تھا۔ حالانکہ

ہر شے خواب کی سی حالت اختیار کرتی جا رہی تھی۔ اسے اپنے آپ پر بیداری کا اثر محسوس ہونے لگا اور یوں لگا جیسے اس کے آس پاس کسی جہنم کا دہانہ کھل گیا ہو۔۔۔ اور پھر ایک سماعت شکن دھماکا ہُوا۔ ٹائیگر کو یوں محسوس ہُوا جیسے اس دھماکے نے اس کی ہستی کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے ہوں۔ معاً اُسے ٹھٹک جانا پڑا۔

وہ دراڑ کے سامنے پہنچ چکا تھا۔

۔۔۔ اور دراڑ کے سامنے، ایک بار پھر وہ فانگ کے مقابل کھڑا تھا اس بار وہ ایک نئے ہی رُوپ میں دکھائی دے رہا تھا۔ سُرخ دُھند اور شعلوں کے درمیان وہ انسان کی بجائے جہنم کی کوئی مخلوق لگ رہا تھا۔ اس کا بھدا، بھدے وار چہرہ بے حد بھیانک تھا اور اس کے نوکیلے دانت اُسے خونخوار آشام ظاہر کر رہے تھے۔ اس کے چہرے پر خون ہی خون پھیلا ہُوا تھا اور اس کی باچھوں سے لہو کے قطرے بہہ رہے تھے۔

اچانک اُس نے ٹائیگر پر حملہ کر دیا۔

ٹائیگر ذہنی طور پر اب بھی دیوانگی کا شکار تھا۔ وہ اندھا دھند لڑنے لگا۔ فانگ کے نوکیلے آہنی ناخن بار بار اُس کے چہرے اور آنکھوں کے سامنے لہرا رہے تھے۔ ٹائیگر اس سے کسی درندے کی طرح لڑ رہا تھا حالانکہ اس کی شدید ترین خواہش تھی کہ یہ جنگ انسانی حدوں کے اندر لڑی جائے تاکہ اس کے انتظام اور نفاذ کی آگ سرد پڑ جائے۔ اس نے یاؤ نڈنگ ویونامی داؤ آزمایا۔

یہ چوٹ فانگ کی گنجی کھوپڑی پر لگائی گئی تھی۔۔۔ پھر اس کی انگلی نے نائف پوائنٹ آزماڈالا۔ اسی لمحے فانگ کی ایک انگلی اس کے بائیں کان پر خراش ڈالتی ہوئی نکل گئی۔ ٹائیگر کو یاد تھا کہ فانگ کا ایک ناخن شدید زخمی ہے، وہ اسے دوبارہ ہدف بنانا چاہتا تھا۔ اس نے لائٹننگ کِک لگائی جو ہدف سے واپس آتے آتے کسی گھوڑے کی دولتی بن کر دوبارہ دوسرے ہدف کی تلاش میں سرگرداں ہو گئی۔

فانگ کا جو بازو اس کے سینے پر گہرا چرکہ لگانے کے لیے بڑھ رہا تھا، اسے کاٹ کر ٹائیگر نے اپنی ایک انگلی کا آنکڑا اسی شاہین کی چونچ کی مانند فانگ کے چہرے کی طرف اچھالا جو واپس آیا تو فانگ کی آنکھ اپنے حلقے سے نکل کر رخسار پر لٹک گئی تھی۔

فانگ کے حلق سے ایک دلدوز چیخ نکل گئی۔

ٹائیگر نے محسوس کیا کہ اس کی حرکات میں سستی آ رہی ہے۔۔۔ لیکن وہ خود بھی تھکن سے ٹوٹ پھوٹ کر رہ گیا تھا۔ یہ تو اس کی غیر معمولی دیوانگی کی انتہا تھی جس نے اُسے اس قدر غیر انسانی جنگ لڑنے پر مجبور کر رکھا تھا۔

اچانک اس نے نائف پوائنٹ استعمال کر کے فانگ کے جسم کے درمیان کے حصے کو ہدف بنایا مگر نشانہ خطا نہیں گیا۔ انگلی جسم میں دھنس گئی اور وہاں سے خون کا فوارہ اُبل پڑا۔

فانگ دُہرا ہو گیا۔

اُسی لمحے ان کے اُوپر، پہاڑوں پر کہیں ایک اور سماعت شکن دھماکا ہُوا۔ یوں لگتا تھا جیسے کسی جگہ بارُود کا بہت بڑا ذخیرہ پھٹ پڑا ہو۔ ہر طرف شرارے ہی شرارے رقص کرنے لگے تھے۔ ٹائیگر نے دُھند لائی ہوئی آنکھوں سے اُوپر دیکھا۔ اُسے پہاڑ کا بالائی حصّہ ٹوٹ کر گرتا دکھائی دیا۔ بڑی بڑی چٹانیں ٹوٹ کر بکھرتی نظر آئیں اور وہ فضا میں چٹانوں کی پرواز کا تحیّر خیز منظر دیکھنے لگا۔ ایک بار پھر اُسے یہ سب کچھ کسی خوفناک خواب کا ایک حصّہ ہی معلوم ہونے لگا۔ چٹانیں ننھے مُنّے کھلونوں کی طرح فضا میں اُڑ رہی تھیں۔ آگ کا ایک بہت بڑا گولا فضا میں بلند ہُوا اور پھر دُھوئیں کی چادر ماحول پر بسیط ہو گئی۔ اس گاڑھے دُھوئیں نے سورج کو اپنی لپیٹ میں لے کر نگاہوں سے اُوجھل کر دیا اور ہر طرف تاریکی پھیل گئی۔

فانگ اور ٹائیگر اس وقت جس درّے میں تھے اس کے اُوپر کا حصّہ اُسٹر کنہ جانے کہاں چلا گیا تھا۔ اطراف کی چٹانیں دائیں بائیں بیٹھ گئیں اور ان کے سامنے ایک راہ داری سی بن گئی۔

فانگ ایک بار پھر پلٹ کر دوڑا تو ٹائیگر کو ہوش آ گیا۔ اس نے وہیں سے جست لگا کر فانگ کو گرا دیا اور اس کے سینے پر سوار ہو گیا۔ اب اس کے دونوں ہاتھ مشینی انداز میں چل رہے تھے۔ بڑی ہی مہلک اور جان لیوا چوٹیں تھیں۔۔۔ لیکن اُسے فانگ کا جسم اپنے بوجھ تلے لوتھڑا پھوٹتا محسوس نہیں ہو رہا تھا۔

معاً ٹائیگر کی انگلیاں فانگ کی ناف کے نیچے اُلجھ گئیں۔ اس نے وہاں ایک شگاف ڈال دیا۔ فانگ کے حلق سے نکلنے والی اس بار کی چیخ بڑی ہی بھیانک اور دلدوز تھی۔ یوں لگا تھا جیسے اَن گنت بدرُوحیں درد و اذیّت سے بلبلا اُٹھی ہوں۔

دھما کا ہونے کے بعد جو سائرن بجنے لگے تھے، اُن کی آواز ٹائیگر کے کانوں میں گونج رہی تھی۔ ان کی گونج میں ہر گزرتی ہوئی ساعت کے ساتھ اضافہ ہی ہوتا جا رہا تھا حتیٰ کہ ٹائیگر کو یوں محسوس ہونے لگا جیسے اُس کی کھوپڑی پھٹ کر پاش پاش ہو گئی ہو۔ اس نے فانگ کے ساتھ جو کچھ کیا تھا، وہ سراسر ایک دیوانگی آمیز فعل تھا اور اس فعل پر اس کی رُوح کی گہرائی میں ایک کسک سی پیدا ہو گئی تھی۔ اس کی انگلیاں خون سے لتھڑی ہوئی تھیں اور وہ فانگ کے گوشت اور خون کی چپچپاہٹ محسوس کر کے کراہیت کے احساس میں ڈوب گیا تھا وہ دراڑ سے پیدا ہونے والی راہ داری نُما جس حصّے میں کھڑا تھا، اچانک اس کے بالائی حصّے میں ایک اور دھما کا ہُوا جس سے چٹان ٹوٹ پھوٹ گئی۔ ایک بڑا سا ٹکڑا گرا اور ٹائیگر کی کھوپڑی کے عقبی حصّے سے ٹکرا گیا۔ ٹائیگر کی کھوپڑی میں اندھیرے اُتر آئے۔ اس نے اپنے ڈوبتے ہوئے ذہن کو سنبھالنے کی کوشش کی لیکن گرتا ہُوا ہر لمحہ اُسے گہری تاریکی کے سمندر میں تہ نشین کرتا جا رہا تھا۔

فانگ اب بھی دلدوز چیخوں کے ساتھ پیچھے ہٹ رہا تھا۔ وہ بُری طرح لڑکھڑا رہا تھا اور اس کی چیخوں سے ماحول میں کہرام برپا ہو گیا۔

ٹائیگر کی ہستی اندھیروں میں ڈوبتی چلی گئی۔

**

ٹائیگر ہوش میں آیا تو اُس کا جسم ٹوٹی ہوئی چٹان کے پتھروں تلے دبا ہُوا تھا۔ اُسے سانس لینے میں بے پناہ دشواری ہو رہی تھی جیسے وہ ان پتھروں کے نیچے زندہ دفن ہو گیا ہو۔ اس کے دونوں ہاتھ تیزی سے متحرک ہوئے اور وہ پتھر ہٹانے لگا۔۔۔ پھر اُس نے ایک گہری سانس لے کر ہوا سے پھیپھڑوں کو لبریز کر لیا اور آنکھیں کھول دیں۔

اس نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ اس کا خیال تھا کہ فانگ کی کُچلی ہوئی لاش بھی قریب ہی کہیں پڑی ہو گی لیکن وہ اُسے دکھائی نہیں دیا۔ تب اُس کے ذہن کے ایک بعید ترین گوشے سے یہ یاد اُبھری کہ فانگ آخری لمحوں میں ایک تاریک سوراخ کی طرف لڑکھڑاتا اور چیختا ہُوا بڑھ رہا تھا۔

وہ اُدھر متوجّہ ہو گیا۔

فانگ وہاں نہیں تھا اور وہاں پتھروں کا ایک بہت بڑا ڈھیر پڑا ہُوا تھا۔۔۔ لیکن اس ڈھیر کے نیچے فانگ کی لاش موجود نہیں تھی۔۔۔ اگر وہ وہاں ہوتا تو اس ڈھیر سے اُس کا کوئی ہاتھ یا پاؤں ضرور باہر جھانک رہا ہوتا۔

مایوسی کا شدید غلبہ ٹائیگر کے حواس پر طاری ہو گیا۔

وہ جُھکتا ہُوا اُٹھا اور لڑکھڑاتا ہُوا اُدھر بڑھنے لگا جدھر سے اُجالا اندر آ رہا تھا۔۔۔ پھر وہ وہاں سے باہر آ گیا۔

اس نے تنقیدی نگاہ سے اطراف میں دیکھا۔ پہاڑوں کے بالائی حصّے ریزہ ریزہ ہو کر بکھر چکے تھے۔ وہ پہاڑ کے قدموں میں چلتا ہُوا ایک طرف بڑھنے لگا اور کچھ دُور چل کر ایک چٹان کے کنارے رُک گیا۔ نیچے دریا بہہ رہا تھا اور اس کی گرج دار لہروں سے گمان یہ ہو رہا تھا جیسے کچھ دیر ہو وہاں کھڑا رہا۔۔۔ پھر چٹان کے ساتھ ساتھ آگے چل دیا حتیٰ کہ وہ ایک ایسی جگہ پہنچ گیا جہاں آبشار گر رہی تھی۔

ماسٹر تاؤ اب بھی دُور بین سے اطراف و اکناف کا جائزہ لے رہا تھا۔ اچانک اُس کی نگاہ ایک ایسے آدمی پر پڑی جو بُری طرح لڑکھڑاتا چلا آ رہا تھا۔ اس نے ٹائیگر کو پہچان لیا تو دُوربین رکھ کر دوڑتا ہُوا اس کے قریب پہنچ گیا۔

دو گھنٹے بعد ڈاکٹر اسٹارک، ٹائیگر کو طبّی امداد دے رہا تھا۔ ٹائیگر اس وقت ماسٹر تاؤ کے عارضی کیمپ میں ایک بستر پر دراز تھا۔

ماسٹر تاؤ اس وقت بڑے خوش گوار اور فاتحانہ موڈ میں تھا۔ اس نے مسکرا کر ٹائیگر کی طرف دیکھا اور بولا "تم نے جو کچھ بتایا ہے" اس کے بعد دُنیا میں ایسا کوئی طریقہ سمجھ میں نہیں آتا جس کے ذریعے فانگ زندہ بچ گیا ہو گا۔ تمھاری انگلیوں سے اس کے گوشت کے ٹکڑے ڈاکٹر نے یہاں اتارے ہیں۔۔۔ پھر وہ جس مقام کا گوشت تھا، وہاں اتنا گہرا زخم آنے کے بعد فانگ کا زندہ رہنا کسی طور بھی ممکن نہیں ہو سکتا۔"

"لیکن اس کی لاش کہاں گئی؟" ٹائیگر کے لہجے میں جھنجھلاہٹ تھی۔ "مجھے اس کی لاش کیوں دکھائی نہیں دی؟"

"وہ کوئی ٹن وزنی چٹانوں کے نیچے دبا ہُوا ہو گا۔" ماسٹر تاؤ نے جواب دیا۔ "اگر تمھیں میری بات کا یقین نہیں تو اس مقام کی کھُدائی کروا کر دیکھ لو۔"

"وہ میرے نزدیک ہلاک نہیں ہُوا۔" ٹائیگر نے بڑے کرب سے کہا۔ "میں اُسے اس وقت تک مُردہ نہیں سمجھ سکتا جب تک اس کی لاش اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ لیتا۔"

"ایسی صورت میں تمھیں میرے مشورے پر عمل کر کے کھدائی کروا لینی چاہیے۔" ماسٹر تاؤ کا لہجہ ناخوشگوار ہو گیا۔

"میں ایسا ضرور کروں گا۔" ٹائیگر نے ہٹ دھرمی سے جواب دیا۔

اگلے روز ٹائیگر، ماسٹر تاؤ، مُوہان اور سونی اس مقام پر پہنچے جہاں ٹائیگر اور فانگ کے درمیان آخری جنگ ہوئی تھی۔ سونی ایک گرم ہموار چٹان پر بیٹھ گئی۔ وہ بھی اپنے ازلی دُشمن کی لاش دیکھنے کے لیے بے چین تھی۔ مُوہو نوجوان اس کے قریب کھڑا تھا۔ اس کی نگاہیں بھی اس مقام پر جمی ہوئی تھیں جہاں اس کے کئی ساتھیوں نے کھُدائی کا کام شروع کر رکھا تھا۔

ٹائیگر کے چہرے پر بے پناہ سنجیدگی تھی۔ اس کے دل میں بے چینی ہی بے چینی بھری ہوئی تھی۔

اچانک ٹائیگر نے مُوہان کی طرف دیکھا اور پھر اس کے ذہن میں ایک سوال بجلی کے کوندے کی طرح لپک پڑا۔ اُسے یاد آ گیا کہ جس وقت کوئی بے حرمتی کی جا رہی تھی، اس کے بعد مُوہان نے ژڈاک کی مخصوص زبان میں پجاری سے بات کی تھی، وہ تب سے حیران تھا کہ وہ اس زبان کو بولنے پر کس طرح قادر ہو گیا تھا۔

بے چینی بڑھ گئی تو وہ ماسٹر تاؤ سے یہ بات پوچھے بغیر نہ رہ سکا۔

ماسٹر تاؤ نے پلٹ کر اپنی ساکت پتلیوں سے دوربین ٹائیگر کو دیکھا۔۔۔ پھر اس کے موٹے موٹے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔

"وہ کوئی ایسی زبان نہیں جسے دُنیا کا کوئی اور شخص نہ بول سکے۔" ماسٹر تاؤ نے وضاحت کی۔ "دراصل وہ قدیم سنسکرت زبان تھی۔ پجاری لوگوں کو متاثر کرنے کے لیے اس زبان کو ژڈاک سے منسوب کرتا تھا۔ آج سے تقریباً ایک صدی قبل ژان شو نامی شخص ان لوگوں کے ہتھے چڑھ گیا تھا۔ وہ بُلوسرکل کا کنگ فو ماسٹر تھا۔ وہ اتفاق سے ان کی چند باتیں سُننے میں کامیاب ہو گیا تھا۔۔۔ پھر اُسے یہاں سے فرار ہونے کا موقع مل گیا تو اس نے یہ بات اپنے حلقے میں مشہور کر دی۔۔۔ جب ژان شو مر گیا تو اس کے بعد بُلوسرکل کا ماسٹر لِن فونگ برسرِ اقتدار آیا۔ اُسے ژان شو کی بات یاد تھی اور وہ ان الفاظ کے سہارے مسلسل کوششوں میں لگا رہا تھا یہاں تک کہ آخر وہ سُراغ لگانے میں کامیاب ہو گیا کہ وہ الفاظ سنسکرت سے تعلق رکھتے ہیں۔ ریڈ سرکل کا خیال تھا کہ اس زبان کی تمام کُتب ان کے قبضے میں ہیں لیکن لِن فونگ کی کوشش بالآخر بار آور ثابت ہوئی۔ اس نے ایران کی ایک لائبریری میں اس کتاب کے ایک نسخے کا سُراغ لگا لیا۔ وہ کتاب لے کر واپس آیا تو بُلوسرکل کے چیدہ چیدہ لوگوں کو اس کا درس دیا گیا۔ اس طرح مجھے یہ زبان آتی ہے۔ میں نے مُوہان کو چند ایسے جُملے رٹا دیے تھے جن سے وہ اس موقعے پر کام نکال سکتا تھا۔"

"لیکن آپ مُوہان کو یہ جُملے اور منصوبہ بندی بتانے میں کیسے کامیاب ہو گئے؟" ٹائیگر نے سوال کیا۔ "جب کہ ہم سب اس زیرِ زمین دُنیا میں قید تھے؟"

ماسٹر تاؤ نے اثبات میں سر ہلایا اور جواب دیا۔ "مُوہان جس جگہ قید تھا، میں وہاں تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اتفاق سے وہ لوگ کسی وجہ سے مُوہان کو نصف گھنٹے کے لیے تنہا چھوڑ کر کہیں چلے گئے تو میں نے اس سے ملاقات کی اور اپنا منصوبہ سمجھا کر وہ جُملے بھی اسے رٹا دیے۔ مُوہان کا حافظہ بہت تیز ہے اس لیے وہ فوراً سب کچھ سیکھ گیا تھا۔"

ٹائیگر نے اثبات میں سر ہلایا تو اس کے انداز سے بے پناہ افسردگی ظاہر ہو رہی تھی۔ وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر پتھر ہٹانے لگا۔۔۔ پھر وہ اس مقام تک جا پہنچا جہاں اُس نے ایک تاریک سوراخ دیکھا تھا اور آخری لمحوں میں فانگ اس سوراخ کی جانب لڑکھڑاتا ہُوا بڑھتا دکھائی دیا تھا۔ جب وہاں سے پتھر ہٹائے گئے تو ٹائیگر کو اپنا دل ڈوبتا ہُوا محسوس ہونے لگا۔ سالیوسی نے اچانک ہی اس کے

قلب و ذہن پر حملہ کر دیا تھا۔

پتھر ہٹنے کے بعد وہ جس چیز پر کھڑا تھا' وہ ایک بے حد وزنی اسٹیل کی پلیٹ تھی یہ پلیٹ دراصل ایک زمین دوز دستے کا دروازہ تھی۔ پلیٹ اپنی جگہ اس قدر جامد اور پیوست تھی کہ اُسے ہٹانے میں ان لوگوں کا باقی آدھا دن بھی صَرف ہو گیا تھا۔

پلیٹ ہٹانے کے بعد' اُس کے نیچے زمین سُرنگ کا دہانہ دکھائی دیا۔ وہ باری باری اس سُرنگ میں اُترے۔ اس سُرنگ میں تقریباً ایک سو گز چلنے کے بعد وہ ایک خشک دیوانی پاٹ میں پہنچ گئے جس پر خشک کائی کی تہہ جمی ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ ایک ایسی سُرنگ کا نشان بھی دکھائی دیا جو ایک دُور افتادہ پہاڑ کے قدموں میں جا کر نکلتی تھی۔

" اگرچہ وہ اس سُرنگ کے ذریعے فرار ہو سکتا تھا لیکن میں یقین سے کہہ سکتا ہُوں کہ وہ مر چکا ہے۔ وہ جہاں کہیں بھی جائے گا' اس کی جان وہیں نکل گئی ہو گی۔ اس کا خون سے عاری جسم اُسے زیادہ دُور نہیں لے جا سکتا تھا۔"

ٹائیگر نے نلکی میں سر ہلا دیا۔ نہیں... وہ زندہ ہے اگر وہ کہیں گر کر مر چکا ہے تو اس کی لاش کہاں ہے۔ میں اس شیطان کی لاش دیکھے بغیر اس کی موت کا یقین نہیں کر سکتا۔" یہ کہہ کر وہ پہاڑوں کی چوٹیوں کی طرف دیکھنے لگا اور ایک طویل سانس لے کر وہ گیا۔ زندگی میں اس انداز کی پے در پے ناکامیوں سے اُسے کبھی سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔ اس نے سونی کی طرف دیکھا۔ وہ اُلجھی اُلجھی نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھی۔ ابھی تک ہیروئن کے اثرات اس کے قلب و ذہن سے دُور نہیں ہوئے تھے اور وہ حسین ترین لڑکی اب بھی ویران اور اُجڑی اُجڑی سی لگ رہی تھی۔

ٹائیگر کو متوجہ پا کر سکھ بھرے لیے اس کی آنکھوں میں زیب سے جل اُٹھے جھاگے ہی لمحے بجھ گئے اور اس کے چہرے پر ایک عجیب سی اُداسی پھیل گئی۔

ٹائیگر نے فوراً اس سے نگاہیں ہٹا لیں۔ وہ جانتا تھا کہ اس کی آنکھوں میں جل اُٹھنے والے چراغ یکایک کس خیال کے تحت بجھ گئے ہیں۔ وہ ندامت کے ایک ایسے گڑھے میں گر چکی تھی، جہاں گرنے کے بعد کوئی بھی عورت خود کو اپنے من پسند مرد کے قابل سمجھنے پر مرتے دم تک ذہنی طور پر آمادہ نہیں ہو سکتی۔ یہ ایک المیہ تھا جس سے وہ دوچار ہو چکی تھی اور اس سلسلے میں وہ بے بس تھی۔ اُسے ظلم و ستم کا نشانہ بنایا گیا تھا اور اب' جب تک سب کچھ اس کے ذہن سے محو نہیں ہو جاتا۔ وہ مستقبل میں خوشگوار زندگی نہیں گزار سکتی تھی۔ یادِ ماضی اس کے لیے ایک ایسا عذاب تھا جس کا واحد علاج یہی تھا کہ اس کا حافظہ اُس سے چھین لیا جاتا۔

ٹائیگر کے قلب و ذہن میں تلخیاں ہی تلخیاں بھر گئی تھیں وقت وہ ایک ایسے ناگ کی مانند ہو رہا تھا جس کا دہانہ زہر سے بھرا ہو اور وہ اس زہر کو اپنی دوشاخہ زبان سے کسی دُشمن کے جسم میں پیوست کر دینا چاہتا تھا۔

ماسٹر تاؤ اس کے جذبات سے آگاہ تھا۔ اُس نے ٹائیگر کے کندھا تھپ تھپاتے ہوئے کہا۔ "فکر نہ کرو فرزند اگر وہ زندہ بھی تو جہاں جہاں اُسے زخم آئے ہیں' ان کے بعد وہ کسی طرح بھی فائٹ ہرگز نہیں رہ سکتا۔ وہ بیہمتا بن گیا ہو گا۔"

مُوہان اور میو نوجوان اس بات پر کھلکھلا کر ہنس پڑے

" اگر وہ زندہ ہُوا تو کہاں جا سکتا ہے' ماسٹر؟" ٹائیگر نے کرخت لہجے میں دریافت کیا۔

" دُنیا میں کسی بھی جگہ... وہ گدھے کا بچہ کہیں بھی جا سکتا۔ لیکن میری دُعا ہے کہ اس کی زندگی کا چراغ ہمیشہ کے لیے گل ہو ہو۔ اب اگر وہ زندہ رہا تو پہلے سے کہیں زیادہ خطرناک ہو جائے گا اور اس کے شیطانی مظالم سے ایک عالم پناہ مانگنے پر مجبور ہو جائے گا۔"

" میں زندگی کی آخری سانس تک اس کا پیچھا کروں گا۔" ٹائیگر نے ایک نئے عزم سے کہا اور واپسی کے لیے چل دیا۔

سونی تھکے تھکے سے قدموں کے ساتھ اس کے پہلو میں گھسٹ رہی تھی۔ ٹائیگر نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اُسے سہارا دیا تو وہ بلک بلک کر رو پڑی۔ اس کا جسم سسکیوں کے جھٹکوں سے ہل رہا تھا۔ اس کی نرم و نازک سی ہستی' اندر ہی اندر نہ جانے کتنے طوفانوں سے دوچار ہو گئی تھی۔

ٹائیگر نے ماسٹر تاؤ کی طرف دیکھا۔

ماسٹر تاؤ نے آگے بڑھ کر اُسے سنبھال لیا اور تسلی دیتے ہوئے بولا۔ "خدا پر بھروسہ رکھو لڑکی!"

" مجھے آسمانوں پر رہنے والے خدا پر پہلے بھی بھروسہ تھا اور اب بھی ہے۔" سونی نے گہرے دُکھ سے کہا۔ "لیکن وہ اتنی دیر تک انسان کے صبر کا امتحان کیوں لیتا ہے کہ اس کا سینہ ہی غم سے پھٹ جائے۔"

وہ خدا ہے اور قادرِ مطلق ہے۔" ماسٹر تاؤ نے کہا۔ "ہم حقیر انسانوں کو زیب نہیں دیتا کہ اس کی مصلحتوں کو چیلنج کریں۔ کون جانے' ان سب باتوں میں اس نے ہمارے لیے کتنی بڑی نعمتیں مخفوف کر رکھی ہوں۔"

وہ اُسی راستے سے باہر آ گئے جہاں سے سُرنگ میں داخل ہوئے تھے۔ ٹائیگر نے اطراف کا جائزہ لیا۔ جس مقام پر پہاڑوں کے نیچے وہ دُنیا آباد تھی اب وہاں پتھروں اور چٹانوں کے ڈھیر ہی ڈھیر نظر آ رہے تھے۔ کہیں کہیں سے اب بھی دُھواں اُٹھ رہا تھا اور فضا میں بارود کی بُو اتنی تیز تھی کہ ان کے گلے خراش زدہ ہونے لگے تھے۔

ماسٹر تاؤ کے عارضی کیمپ میں پہنچنے کے بعد اچانک ہی ٹائیگر لڑکھڑا جانا پڑا۔ اس کی سماعت سے ایک عجیب سی آواز ٹکرائی تھی۔ یوں محسوس ہُوا تھا جیسے کوئی بولتا بولتا ہو تو... قرقر... قرقرقر... کی مغموم آواز سُن کر اس کا پورا جسم شدید تناؤ کا شکار ہو گیا۔ وہ پاگلوں کی طرح اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ "اوشان..." اس کے حلق سے ایک دلدوز چیخ نکل گئی اور وہ دوڑتا ہُوا سامنے والے کمرے میں داخل ہو گیا اور پھر ایک جھٹکے سے یوں رک گیا جیسے اس کے سامنے اچانک ہی کوئی دیوار اُٹھ گئی ہو۔

اُوشان کمرے کے وسط میں کھڑا تھا اور اس کے ہونٹوں پر بڑی ہی پیاری مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔

" ہیلو ٹائیگر!" بہرام کی آواز سنائی دی۔ "میں تمہیں ایک بہت بڑی سزا دینے کے لیے اتنی دُور آیا ہُوں۔"

" اوہ سویٹ ہارٹ!" شہزادے نے کہا اور اپنے چیف سے لپٹ گیا۔ بہت عرصے بعد دلی جذبات آنسو بن کر اُس کی آنکھوں میں تیرنے لگے تھے۔ "لیڈل فادر کو زندہ دیکھنے کے بعد میں دُنیا کی ہر سزا بھگتنے کے لیے تیار ہُوں۔"

" اور اس شیطان کے بچے کو مُردہ دیکھ کر!" اُوشان نے شریر لہجے میں کہا اور ایک طرف انگلی اُٹھا دی۔

ٹائیگر نے اس کی انگلی کی سیدھ میں دیکھا تو حیرت اور بے یقینی سے اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

سامنے میز پر اس کے ازلی دُشمن کی لاش پڑی ہوئی تھی... فانگ کی لاش جس کی تلاش میں وہ اب تک پاگلوں کی طرح پہاڑوں سے سر ٹکراتا پھر رہا تھا۔

اس نے ایک خطیر رقم پیش کی تھی۔

یہ وہ رقم تھی جو اس کی فیملی کی اب تک کی کل جمع پونجی تھی۔ اس رقم کے علاوہ اس نے کچھ اور رقم ادا کرنے کا وعدہ بھی کیا تھا اور اس ادائیگی کے لیے اس نے تین سال کی مہلت مانگی تھی۔ اس وقت وہ ہوا میں تیرتی ہوئی برف سے بنی ہوئی ایک عالیشان حویلی کے ایک کمرے میں موجود تھا جس کی کھڑکیوں سے برف زدہ کوہستانی ہواؤں کے ٹھنڈا دینے والے جھونکے اندر آ رہے تھے۔ اس کی انگلیوں کے جوڑ فرش پر ٹیکے ہوئے تھے اور جسم کا بوجھ گھٹنوں پر تھا۔ وہ کنگ فو اور کراٹے کے طلاب علم کی طرح تعظیم کے انداز میں جھکا بیٹھا تھا۔

اس حویلی کا نام ننھا تھا اور ربع صدی سے یہ حویلی رسنگ اس کے نام تھی۔ یہاں ایسے فنونِ حرب کی تربیت دی جاتی تھی جن میں سے بعض کا تو اس نے نام بھی نہ سُنا تھا۔ یہ حویلی شنگھائی کے شمال میں ابرزان کے کوہستانی علاقے میں واقع تھی اور گورین نامی یہ نوجوان شخص اس حویلی میں آ کر خود کو بے حد خوفزدہ محسوس کر رہا تھا۔ اس وقت وہ جس کمرے میں تھا' وہاں کے ماحول میں دہشت گردی' خوف اور پسینے کے علاوہ خون کی بُو رچی ہُوئی تھی۔ غالباً یہی وجہ تھی کہ گورین کو ہوا کے یخ بستہ جھونکے کچھ زیادہ ہی سرد محسوس ہو رہے تھے کیونکہ بار بار اس کے جسم میں برف جیسی ٹھنڈک کی لہر دوڑ جاتی تھی۔ چند لمحوں نے احساسات بھی اس کے اعصاب پر اثر انداز ہو رہے تھے اور اُس کے گھٹنوں میں شدید تکلیف شروع ہو گئی تھی۔ اُسے اپنی ریڑھ کی ہڈی میں برف کا انجماد محسوس ہونے لگا تھا۔

کاش یہ احساس پہلے ہو جاتا تو شاید وہ ادھر کا رُخ ہی نہ کرتا۔

اس معاملے کا آغاز شنگھائی کے ایک کمرشیل کلب سے ہُوا تھا، جہاں گورین کراٹے کی تربیت حاصل کرنے جایا کرتا تھا... لیکن اس وقت گھٹنوں کے بل بیٹھنے سے اُسے جو تکلیف ہو رہی تھی' ایسی تکلیف اُسے اپنے کراٹے کلب میں کبھی محسوس نہیں ہوئی تھی حالانکہ وہ وہاں بھی یہی انداز نشست اختیار کرنے پر مجبور ہوتا تھا۔

گورین ان جوانوں میں سے تھا جو یہ سمجھتے ہیں کہ کسی بھی معاملے میں "تکمیل" ممکن نہیں ہوتی۔ یہ صرف آسمانی خدا کے لیے ہی ممکن ہے... لیکن جب اس نے پہلی بار کمرشیل کلب میں کوریا کے اس باشندے کو دیکھا تھا تو اُسے اپنی رائے تبدیل کرنا پڑی تھی اور اُسے زندگی میں پہلی بار احساس ہُوا تھا کہ "تکمیل" اس دُنیا میں بھی ممکن ہے اور بعض ہستیاں دُنیا میں ایسی بھی ہیں' جو ہر اعتبار سے نہیں تو کم از کم اپنے فن میں کمال کا درجہ ضرور رکھتی ہیں۔

ٹائیگر کے چیف بہرام نے ماسٹر تاؤ کے توسط سے شنگھائی میں اپنی ہمہ گیر تنظیم جارحانہ گر کا ایک دفتر قائم کر دیا تھا اور حکومت نے اُسے وہ تمام سہولتیں مہیا کر دی تھیں' جو دُنیا کے باقی ممالک نے اس تنظیم کو دے رکھی تھیں۔ یہاں مقامی اور غیر مقامی لوگوں کو کافی چھان پھٹک کر ملازم رکھا تھا اور ٹائیگر' اُوشان سمیت ابھی ماسٹر تاؤ کے ہاں مقیم تھا۔ بہرام اپنے عملے سمیت بلیک سرکل اور ریڈ سرکل کے بچے کھچے ماسٹروں کو تلاش کرنے میں مصروف تھا تاکہ اس خطرے کو دُنیا سے ہمیشہ کے لیے دُور کر دیا جائے جو اس ملک سے خاص طور پر کسی وقت بھی دوبارہ سر اُبھار سکتا تھا۔ گورین بھی چارہ گر کا ایک ملازم تھا... اور فرصت کے لمحوں میں کمرشیل کلب جا کر کراٹے سیکھا کرتا تھا۔ یہ اُس کا شوق تھا اور اس شوق

نے جنوں کی حالت اختیار کر لی تھی... اور بالآخر وہی جنوں اُسے اس دُور افتادہ حویلی تک لے آیا تھا جہاں وہ تنظیم کی نشست میں شدید تکلیف محسوس کر رہا تھا۔

"تکمیل ممکن ہے۔" یہ بات کویا کے اس باشندے نے کہی تھی جس نے ڈارک برٹش سوٹ پہن رکھا تھا۔ اس نے سفید مسیں پر سُرخ ٹائی باندھ رکھی تھی۔ اس کی پُتلیاں ساکت لگتی تھیں اور چہرے کے عضلات میں خفیف سی لرزش کا بھی احساس نہیں ہوتا تھا۔ کیوں لگتا تھا جیسے اس کا چہرہ پتھر کا بنا ہُوا ہو اور اس پر تاثرات نہ اُبھرتے ہوں۔ اس کی شخصیت میں نہ جانے کیا سحر تھا کہ وہ جس کی طرف متوجہ ہوتا تھا، وہ شخص اس سے نگاہیں چُرانے میں کامیاب نہیں ہوتا تھا۔

گورین اس کی شخصیت سے بے حد متاثر ہُوا تھا۔ غالباً یہی وجہ تھی کہ وہ اُس کی باتوں پر اعتماد کرنے کے لیے مجبور ہو گیا تھا۔ "اگر وہ محض اس کی خیال آرائی سے متفق نہ ہوتا تو بعد میں جو عملی مظاہرہ کیا گیا تھا، وہ اس کورین باشندے کے نظریے کو سچا ثابت کرنے کے لیے کافی تھا۔ بہرحال، پہلی ہی ملاقات میں گورین تکمیل کے سلسلے میں اپنا برسوں پرانا نظریہ تبدیل کرنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ کویا کا یہ باشندہ جسم اور چہرے سے جوان لگتا تھا لیکن اس کی عمر کا اندازہ لگانا کسی طور بھی ممکن نہ تھا۔ اس کے جثّے بھاری تھے اور اُن سے صفائی جھلکتی تھی۔

"میرا خیال آپ سے مختلف تھا کہ دُنیا میں کوئی بھی مکمل نہیں ہے۔"

"یہ بات نہیں ہے۔" اجنبی نے کہا تھا: "پرفیکشن موجود ہے۔"

"شاید یہ ذہن تک محدود ہے۔" گورین نے شروع شروع میں اس سے اختلاف کرتے ہُوئے یہ بات کہی تھی۔

"نہیں... ٹھوس زمین پر اس کا وجود ہے۔ ایسی پرفیکشن موجود ہے کہ تم اسے ہاتھ کی مدد سے چھُو بھی سکتے ہو۔ زندہ... تکمیل... زندگی سے بھرپور۔"

"آپ کا تعلق کس اسکول سے ہے؟" گورین نے پُوچھا تھا۔

"شاید ایسے تمام اسکولوں سے میرا تعلق ہے، جہاں فن حرب سکھائے جاتے ہیں۔"

اس بات پر گورین نے اُسے گہری نگاہ سے دیکھا تھا۔ اس کے اندازے کے مطابق اجنبی کی عمر تیس سال سے زیادہ نہیں تھی جبکہ وہ باتیں اس انداز کی کر رہا تھا جیسے اُس کی عمر ایک صدی پر محیط ہو۔

کویا کے اس اجنبی نے گورین کی آنکھوں میں تشکیک کی پرچھائیاں دیکھیں تو وہ پہلی بار مسکرا اُٹھا تھا۔ "میرا خیال ہے، تکمیل کے سلسلے میں تمھیں میری بات پر لب بھی یقین نہیں آیا ہے، مسٹر گورین۔"

"تمھیں میرا نام کیسے معلوم ہُوا؟" گورین نے چونک کر دریافت کیا۔

"کیا تمھاری دانست میں تمھارا نام کوئی خفیہ شے ہے؟"

"نہیں... لیکن مجھے حیرت ہے کہ تم مجھے جانتے ہو جبکہ تم میرے لیے اجنبی ہے۔"

"تمھارا نام گورین ہے۔ تمھاری عمر اڑتیس سال ہے اور تم چراگا میں کمپیوٹر پروگرامر ہو۔ فنگھائی کے مضافات میں رہتے ہو۔ تمھاری حیثیت ریت کے اس ذرّے جیسی ہے جو ساحل کی ریت میں پڑا ہو... اور تمھیں حیرت ہے کہ ریت کا ایک دُوسرا ذرّہ تمھیں کس طرح جانتا ہے؟"

"ہاں... حیرت تو ہے۔" گورین نے جواب دیا۔ وہ حیران تھا کہ اس صُورتِ حال میں اُسے اور کیا کہنا چاہیے تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اُسے فوری طور پر اپنے دفتر فون کر کے اس صورتِ حال کی رپورٹ دینی چاہیے کیونکہ وہ جو کام کرتا تھا وہ بے حد خفیہ نوعیت کا کام تھا اور اس کے بارے میں خُود اس کے علاوہ یا بہرام کے علاوہ کوئی بھی نہیں جانتا تھا۔ اگر کام ایک سینی ٹوریم کی آڑ میں ہو رہا تھا جہاں ان کا چیف ڈاکٹر بہرام کی حیثیت سے ہاؤس جاب کر رہا تھا۔ نہ جانے کیوں اس اجنبی میں گورین کو کافی دلچسپی کا احساس ہونے لگا۔

"اگر تمھیں ان سب باتوں پر حیرت ہے،" کورین باشندہ بولا۔ "تو مجھے تمھاری کمزور یادداشت پر افسوس ہے۔"

اس بات پر گورین نے کچھ یاد کرنے پر زور ڈالا اور پھر اپنی ران پر ہاتھ مار کر قہقہہ لگائے بغیر نہ رہ سکا۔ "ہاں... مجھے یاد آ گیا۔ گزشتہ ماہ ایک حادثہ ہُوا تھا جس میں تمھاری کھال بُری طرح مجروح ہو گئی تھی۔ تم ہمارے سینی ٹوریم میں علاج کے لیے آئے تھے۔ اس وقت کسی نے کہا تھا کہ تم فن حرب کے ایک عظیم اُستاد ہو اور تمھارا نام..." وہ ذہن پر زور دینے لگا۔ "نہیں... مجھے تمھارا نام یاد نہیں رہا۔"

"ڈنچ... کویا کے باشندے نے اپنا نام بتایا۔

"جی ہاں، مسٹر ڈنچ۔" گورین نے گرم جوشی سے کہا۔ اب اسے اس شخص پر پُوری طرح اعتماد ہو گیا تھا۔ وہ اس سے متاثر تھا اور اس کے اپنے دل میں تکمیل کا جذبہ محسوس کر رہا تھا۔ "مجھے خوشی ہے کہ آپ سے دوبارہ ملاقات ہو گئی۔" یہ کہہ کر اُس نے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھا دیا لیکن جب دیر تک اس کا ہاتھ مصافحے کے لیے نہ تھاما گیا تو اُس نے کھسیا کر ہاتھ گرا دیا۔

اس وقت کلب کے فلور پر منکی فائیٹ کے تربیت یافتہ بلیک بیلٹ اپنے فن کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ دونوں ان کی کارکردگی دیکھنے میں محو ہو گئے۔ اس فن حرب میں لیور سیج مستعمل تھا جبکہ ڈنچ نے خیال ظاہر کیا تھا کہ یہ محض ایک دھوکا ہے۔ اصل چیز یہ ہے کہ اس میں طاقت استعمال کی جا رہی ہے۔

گورین کو ڈنچ کے اس نظریے سے اختلاف تھا لیکن وہ زبان سے کچھ نہیں بولا۔ بلکہ ایسی نظروں سے ڈنچ کی طرف دیکھنے لگا جیسے اس بیرونِ فن سے اُسے ایسی احمقانہ بات کی توقع نہیں تھی۔

ڈنچ ہنس پڑا۔ "تم شاید میری بات کو مذاق سمجھ رہے ہو۔" اُس نے ٹھوس لہجے میں کہا۔ "بات دراصل یہ ہے کہ دونوں ہی فائٹر منکی فائیٹ میں مصروف ہیں اور یہ مقابلہ ایک پاؤں پر توازن پر منحصر ہے اور اس میں دُوسرا پاؤں متوازن نہیں رکھا جاتا۔ اگر کوئی بہت قریب رہ کر محض ایک دھکا دے ڈالے تو منکی فائیٹر کی اپنی ہی طاقت خُود اُسی کے خلاف استعمال ہو سکتی ہے اور وہ شدید ترین نقصان سے دوچار ہو سکتا ہے۔"

"میں اس بات پر صرف اس لیے یقین کر لیتا ہُوں کہ آپ نے کہی ہے ورنہ جہاں تک ان دونوں فائیٹروں کا تعلق ہے تو دونوں ہی نقطہ ڈان بلیک بیلٹ ہیں۔"

"ہُوں... تو تمھیں میری بات پر یقین نہیں آیا... لیکن جلد ہی تم میری بات سے متفق ہو جاؤ گے۔" ڈنچ نے کہا اور اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑا ہُوا۔ اُس نے فوراً ہی کلب کے فلور پر پریکٹس کرنے والے منکی فائیٹروں سے مخاطب ہو کر بلند آواز میں بولنا شروع کر دیا۔ اس نے جو کچھ بھی کہا، وہ گورین کی سمجھ میں نہ آ سکا کیونکہ زبان اس کے لیے اجنبی تھی جبکہ تمام منکی فائیٹر رُک کر اُسے گھورنے لگے تھے۔ ان کے انداز سے سخت ناگواری ظاہر ہو رہا تھا۔

"اپنا لبادہ پہن لو۔" ڈنچ نے اس لبادے کی طرف اشارہ کیا جسے لورین پریکٹس کے لیے استعمال کرتا تھا۔ "میں چاہتا ہُوں کہ اپنی بات ثابت کرنے کے لیے تمھیں استعمال کروں۔ اس طرح تمھیں آئندہ میرے کسی نظریے سے اختلاف کرنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔"

"لیکن یہ سب کے سب ماہر اور مشہور ہیں جبکہ میں ابھی مبتدی ہُوں۔" گورین نے بوکھلا کر کہا۔

"ٹھیک ہے۔ تمھیں صرف اپنی ٹانگوں کے درمیان فاصلہ نسبتاً زیادہ رکھنا ہے اور تم اپنے حریف سے قریب تر رہو گے اور اس کے بعد صرف اُسے ایک دھکا دو گے۔ سمجھ گئے؟"

"لیکن... مم..."

"گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ جیسا کہتا ہُوں، ویسا ہی کرنا... پھر دیکھنا کیا ہوتا ہے۔"

"آپ نے ابھی ابھی ان لوگوں سے اپنی زبان میں کیا کہا تھا؟" گورین نے ڈنچ کے کندھے کے اُوپر سے بلیک بیلٹ فائیٹروں کی طرف دیکھتے ہُوئے پُوچھا جو اُسے پھاڑ کھانے والی نگاہوں سے گھُور رہے تھے۔

"یہی کہ تم منکی فائیٹروں کو تگنی کا ناچ نچا سکتے ہو... بلکہ کوریا کا کوئی ماسٹر یہ توہین برداشت نہیں کر سکتا۔"

"اُف میرے خُدا... تم نے ایسا کیوں کہا؟" گورین کی سانس پھُولی گئی۔ "وہ... وہ میرے جانی دشمن ہو جائیں گے۔"

"پروا نہ کرو اور جاؤ جیسا کہا ہے، ویسا ہی کرنا۔"

"اور اگر اُنھوں نے اسے اپنی توہین قرار دیا تو...؟" گورین نے ہانپ کر کہا۔

"کیا حقیقت تمھارے نزدیک کوئی معنی نہیں رکھتی؟ اگر تم نے میرے مشورے پر عمل کیا تو اس منکی فائیٹر کو واقعی سنگین شکست کرنے میں کامیاب ہو جاؤ گے۔ ان سے گھُونسے بازی پر مت اُترنا ورنہ تمھارا چہرہ ناقابلِ شناخت ہو جائے گا اور نہ ہی ٹھوکر مارنے کی کوشش کرنا۔ کاٹ ڈالنے والی ضرب بھی استعمال نہ کرنا۔ بس قریب رہ کر اپنے حریف کو مخالف سمت میں دھکا دے دینا... پھر سب کچھ خود ہی تمھاری سمجھ میں آ جائے گا۔"

گورین اپنا لبادہ پہن کر جب کلب کے فلور پر پہنچا تو اس کا پُورا جسم پسینے سے شرابور ہو رہا تھا۔ اس نے بلیک بیلٹ منکی فائیٹروں کے کڑے تیور دیکھ لیے تھے اور اس کا دل ڈوب رہا تھا کسی سہمی ہُوئی چڑیا کی طرح کانپ رہا تھا۔ اس نے رنگ میں موجود لوگوں کے ہونٹوں پر تضحیک آمیز مسکراہٹ محسوس کی تو اس کے ہاتھ پاؤں شل ہونے لگے۔ تمام منکی فائیٹر گورین کے ہم عمر تھے۔ اُن کی آنکھوں سے کینہ جھانک رہا تھا۔

رنگ میں پہنچ کر گورین نے دیکھا کہ اس کا حریف کون ہے۔ اس نے قواعد و ضوابط کے اعتبار سے جُھک کر اُسے تعظیم دی لیکن حریف نے جواباً تعظیم کا اظہار نہیں کیا۔ یہ ایک غیر معمولی بات تھی۔ ایسا پہلے کبھی نہیں ہُوا تھا۔ گورین نے حریف کی آنکھوں میں دیکھا تو اُسے صاف پتہ چل گیا کہ وہ اُسے قتل کر دینے کا تہیہ کر چکا ہے۔ یہ بھی ایک غیر فطری بات تھی۔ وہ کھیل کے میدان میں اس قسم کی دشمنی کی توقع نہیں کر سکتا تھا... لیکن صورتِ حال ایسی ہو گئی تھی کہ وہ اس معاملے سے ہاتھ بھی نہیں کھینچ سکتا تھا۔ اُس نے اُس طرف دیکھا جہاں تماشائیوں کے لیے سیٹیں بنی ہُوئی تھیں۔ وہاں خاصا ہجوم تھا۔ گورین نے ڈنچ کی طرف دیکھا۔ وہ اپنی سیٹ پر کسی پتھر کے مجسّمے کی طرح بیٹھا ہُوا تھا۔ البتہ اس کے ہونٹوں پر بڑی ہی حوصلہ افزا مسکراہٹ تھی۔

تماشائی سانس روکے اُن کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ایسا پہلے کبھی نہیں ہُوا تھا کہ کسی منکی مکتب نے کسی ماسٹر کو اس انداز میں چیلنج کیا ہو۔ وہ اس چیلنج کرنے والے نوجوان کا انجام دیکھنے کے لیے بے چین ہو رہے تھے اور ہاتھ ہلا ہلا کر مقابلہ شروع کرنے کے لیے کہہ رہے تھے۔

دونوں حریف ایک دُوسرے سے چند قدم کے فاصلے پر کھڑے

ہو گئے۔ گورین نے جس حد تک تربیت حاصل کی تھی۔ اس کے مطابق وہ مقابلے کا ابتدائی انداز اختیار کر کے کھڑا ہو گیا لیکن وہ مقابلہ نہیں کرنا چاہتا تھا کیونکہ کسی فائیٹر سے مقابلے کا مطلب صریحاً موت ہی ہو سکتا تھا۔ وہ تو صرف ڈینچ کے نظریے کی تصدیق چاہتا تھا اور اس کی ہدایت پر عمل کر کے دیکھنا چاہتا تھا کہ کیا ردِ عمل ہوتا ہے۔

یکایک منکی فائیٹر تیزی سے حرکت میں آیا۔ اُسی لمحے گورین بھی متحرک ہو گیا۔ اس نے جلدی سے ایک قدم اُٹھایا اور اپنے حریف کے قریب تر جا پہنچا۔ وہ ڈینچ کے مشورے کے عین مطابق ہی عمل کر رہا تھا۔ منکی فائیٹر نے اس کے چہرے کی طرف ہاتھ اُچھالا۔ یہ ایک خطرناک داؤ تھا پہلی ہی ضرب میں گورین کی بتیسی نکل کر فرش پر گر سکتی تھی۔ اس نے بمشکل تمام خود کو اس ضرب سے بچایا اور ڈینچ کی ہدایت کے مطابق فائیٹر سے مزید قریب ہو گیا۔ اس وقت منکی فائیٹر اس پر دُوسرا حملہ کر رہا تھا۔ گورین نے اچانک ہی دونوں ہاتھ بڑھائے اور اپنے حریف کے سینے پر رکھ کر اُسے آہستہ سے عقب میں دھکیل دیا۔ یکایک اُسے یُوں محسوس ہُوا جیسے منکی فائیٹر کے جسم کو شدید جھٹکا لگا ہو۔ وہ عقب میں گرنے یا لڑکھڑانے کی بجائے، جہاں کھڑا تھا، وہیں چُرمُرا کر رہ گیا تھا۔

منکی فائیٹر کے گرتے ہی کلب کے فلور پر جیسے سب کو سانپ سُونگھ گیا۔ تماشائی بھی مبہوت بیٹھے تھے اور خُود گورین سکتے کے سے عالم میں کھڑا اپنے حریف کی طرف دیکھ رہا تھا جو فرش پر گرنے کے بعد یُوں ساکت ہو گیا تھا جیسے اس کے سینے میں درد کا طوفان اُٹھ رہا ہو۔ کلب کا ڈاکٹر دوڑتا آیا اور زخمی پر جھک گیا۔ کچھ دیر وہ اس کا جائزہ لیتا رہا پھر اُٹھ کھڑا ہوا۔ اس وقت تک منکی فائیٹر کا جسم ساکت ہو چکا تھا۔

"یہ مر چُکا ہے۔" ڈاکٹر نے بھاری آواز میں کہا۔

فلور پر موجُود ہر شخص قہر آلود نظروں سے گورین کی طرف دیکھنے لگا۔ اتنے تماشائی موجُود نہ ہوتے تو شاید وہ گورین کی ہڈیاں تک سُرمہ بنا ڈالتے... تاہم اُن سب کی آنکھوں سے حیرت اور بے یقینی جھلک رہی تھی۔

"ہم... میں... میں نے تو... اسے صرف دھکا دیا تھا۔" گورین ہکلا ہکلا کر وضاحت کرنے لگا۔

تماشائیوں نے تالیاں بجانی شروع کر دیں۔ وہ چیخ چیخ کر گورین کو آفرین کہہ رہے تھے۔

گورین نے سوچا کہ اب اس کا وہاں کھڑے رہ کر وضاحت کرنا بے سُود ہے۔ وہ ضابطے کے مُطابق جُھکا اور پھر پلٹ کر تماشائیوں کے لیے بنی ہُوئی نشستوں کی طرف چل دیا جہاں ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھیرے ڈینچ اس کا انتظار کر رہا تھا۔ اس کی مسکراہٹ میں خاتمانہ تاثر تھا جب وہ قریب پہنچا تو ڈینچ نے اُسے مبارک باد دی اور کہا: "تم نے میرے مشورے پر من و عن عمل کر کے دیکھ لیا ہے۔"

گورین نے سوگوار سے انداز میں سر ہلایا... پھر اچانک ہی اُسے بے پناہ فخر کا احساس ہونے لگا۔ وہ زندگی میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ کوئی بہت بڑا فائیٹر اس کے ہاتھوں سے اتنی آسانی کے ساتھ ہلاک بھی ہو سکتا ہے۔ اس نے تعظیم بھری نظروں سے ڈینچ کی طرف دیکھا اور پھر دونوں کلب سے باہر آ گئے۔

"کیا میں اس فن کو باقاعدہ طور پر سیکھ سکتا ہُوں؟" گورین نے ایک ریسٹوران میں ڈینچ کے سامنے والی سیٹ پر بیٹھتے ہُوئے سوال کیا۔

ڈینچ کے ہونٹوں پر بڑی ہی ناقابلِ فہم مسکراہٹ پیدا ہو گئی۔ اس نے سر کو نفی میں حرکت دیتے ہوئے کہا: "جو لوگ شراب سے شغل کرتے ہیں، وہ کبھی اچھے ہیراک نہیں بن سکتے۔"

"تمہارا مطلب ہے، میں اس فن کو سیکھنے کا اہل نہیں ہُوں؟" گورین نے خشک حلق کو تھُوک سے تر کرتے ہُوئے پُوچھا۔ "میں اس مقابلے کے بعد خُود کو بے حد اہم سمجھنے لگا ہُوں لیکن میری دلی تسکین اور صُورت میں ممکن ہے کہ میں اس فن میں ذاتی مہارت حاصل کر لُوں۔"

ڈینچ کے ہونٹوں پر پھیلی ہوئی مسکراہٹ مزید گہری ہو گئی۔ اس نے اپنا دایاں ہاتھ میز کے ٹاپ پر رکھا تو گورین نے پہلی بار غور سے دیکھا۔ اس کے ہاتھوں کی رنگت زرد تھی اور اس کے ناخن بڑھے ہُوئے اور نوکدار تھے جن پر چھوٹی چھوٹی آبنوس کا گمان ہوتا تھا۔ گورین کے ذہن میں وہ جملہ گھوم گیا جس کے ناخن اسی طرح لوک دار اور مہلک ہوتے ہیں۔

"تمہیں آج کے مقابلے سے ایک بات کا اچھی طرح اندازہ ہو گیا ہو گا کہ فن حرب، کھیل نہیں ہے۔ یہ صرف اور صرف ہلاکت خیزی کے لیے بنایا گیا تھا اور اسے کسی طرح بھی کھیل کا درجہ نہیں دیا جا سکتا۔" کچھ دیر بعد ڈینچ نے کہا۔

"میں جانتا ہُوں۔" گورین نے جواب دیا۔ "لیکن میں پریکٹس چاہتا ہُوں۔"

"وہ کس لیے؟" ڈینچ نے تعمیک آمیز لہجے میں کہا۔ "میری دانست میں تمہیں اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔"

"یہ میری ضرورت نہیں بلکہ شدید ترین خواہش ہے مسٹر ڈینچ! میں ہر حال میں اُسے سیکھنا چاہتا ہُوں۔ میرے پاس صرف ایک زندگی ہے اور میں اپنی زندگی کی سب سے بڑی خواہش کو تشنہ نہیں چھوڑنا چاہتا۔"

"علالانکہ تم غلط بیانی سے کام لے رہے ہو کیونکہ دنیا کی کوئی بھی شے بلا مقصد حاصل نہیں کی جاتی۔ تم لاشعوری طور پر سہی لیکن دُوسروں پر برتری حاصل کرنے بلکہ انہیں ہلاکت میں ڈالنے کے لیے اپنی ذات کو اس پیشے سے مکمل کرنا چاہتے ہو۔ بہرحال بات یہ ہے کہ تربیت کا معاوضہ بہت زیادہ ہے۔"

"کتنا معاوضہ...؟"

"بہت زیادہ..." ڈینچ نے ٹھوس لہجے میں جواب دیا۔

"پھر بھی، کتنا زیادہ؟" گورین نے اصرار کیا۔

"تمہارے پاس کتنی رقم ہے؟" ڈینچ نے دریافت کیا۔

گورین نے اسے اپنی جمع پُونجی سے آگاہ کر دیا۔

"لیکن میرا معاوضہ اس رقم سے دُگنا ہے۔"

"کوئی بات نہیں۔" گورین نے کہا۔ "میں تربیت حاصل کرنے کے دوران مزید رقم کا بندوبست کر لُوں گا اور آخر تک یہ رقم ادا کر دُوں گا۔"

"ہُوں..." ڈینچ نے سوچ میں ڈُوبے ہوئے لہجے میں کہا۔ "ٹھیک ہے، تمہارے پاس جتنی رقم ہے، وہ مجھے دے دو پھر ہم سفر پر روانہ ہو جائیں گے۔"

"لیکن میں اس شہر سے باہر کہیں نہیں جا سکتا۔ یہ میرے کام کی نوعیت کا تقاضا ہے۔"

"کیا تم کسی خفیہ نوعیت کے کام میں مصروف ہو؟" ڈینچ نے سرسری انداز میں دریافت کیا۔

"نہیں... لیکن وہ کچھ مختلف قسم کا کام ہے۔"

"ایسی صورت میں ہمیں اس بات چیت کو بھول جانا چاہیے۔ تو معاوضہ تمہاری حیثیت سے بہت زیادہ ہے، دُوسرے تم اس شہر سے باہر نہیں جا سکتے۔"

"کیا تم مجھے وہ تربیت یہاں رہ کر نہیں دے سکتے؟"

"نہیں... میں اپنے مکتب کے باہر کسی کو تربیت نہیں دیتا۔"

"اوہ... اچھا میں کوشش کرتا ہُوں کہ مجھے چھٹی مل جائے۔ میں تمہارے ساتھ چلوں گا۔"

اس ملاقات کے بعد گورین اپنے گھر واپس آیا تو اس کی بیوی نے اُسے بے حد اُلجھا اُلجھا سا پایا۔ اگلے روز اُس نے بینک سے ساری جمع پُونجی نکال لی اور اپنی بیوی کو اس بات کی خبر نہ ہونے دی کہ وہ رقم کے سلسلے میں اسے بتا دیتا تو اس رقم کی ادائیگی کی وجہ اور بتانی پڑتی جبکہ وہ اس معاملے کو صرف اپنی ذات تک محدود رکھنا چاہتا تھا... آخر یہ اُس کی ذات کی تکمیل کا معاملہ تھا۔

اسی روز اُس نے سینی ٹوریم کے چیف ڈاکٹر بہرام سے چھٹی لینے کی درخواست کر دی۔

بہرام نے گہری نگاہ سے اُس کی طرف دیکھا جیسے اُس سے اُن اچانک چھٹیوں کی وجہ معلوم کرنا چاہتا ہو۔

"بات یہ ہے، جناب کہ میں کچھ اعصابی تھکن محسوس کرنے لگا ہُوں۔"

"اوہ... تم اپنی بیوی کے ساتھ کہاں جا رہے ہو؟"

"میں تنہا جاؤں گا، جناب!" گورین نے کہا۔ "مجھے تنہائی کی ضرورت ہے۔"

"کیا تم اکثر اپنی چھٹیاں اسی طرح تنہائی میں گزارتے ہو؟" بہرام نے سوال کیا۔

"کبھی کبھی جناب۔"

"تم نے آخری بار تنہا چھٹیاں کب گزاری تھیں؟"

"غالباً ۱۹۶۲ء میں جناب۔"

"اس وقت غالباً تم کنوارے تھے۔ ٹھیک ہے، نا؟"

"جی ہاں۔ تب میری شادی نہیں ہُوئی تھی۔" گورین نے سمجھا کر جواب دیا۔ "دراصل کچھ عرصے سے میرے تعلقات اپنی بیوی سے ٹھیک نہیں ہیں۔ اس لیے میں اس سے دُور رہنا چاہتا ہُوں۔"

"کیا خیال ہے، اگر تمہیں یہ چھٹی نہ دی جائے تو کیا تمہارا کام متاثر ہو سکتا ہے؟" بہرام نے گہری توجہ سے اس کا جائزہ لیتے ہوئے سوال کیا۔۔۔

"صدفی صد جناب۔"

"ٹھیک ہے۔ بظاہر تو کوئی ایسی وجہ نہیں کہ تمہیں آرام کرنے سے روکا جائے۔ اس ماہ کے آخر میں تم چھٹی پر جا سکتے ہو۔"

"بہت شکریہ جناب۔"

"میں تمہاری کارکردگی سے مطمئن ہُوں گورین اور ہمیں، تمہیں ایک اچھا آدمی سمجھتا ہُوں۔" یہ کہتے ہوئے بہرام نے اس سے رخصتی مصافحہ کیا تو گورین کے چہرے پر بڑی ہی طمانیت بھری مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

ڈاکٹر بہرام کے رُخصت ہونے کے بعد گورین نے ایک طویل فاصلے کی کال بُک کرائی اور اپنے اصل باس سے بھی اجازت لے لی۔ وہ دراصل این۔ ایس۔ اے کا ایجنٹ تھا اور خُفیہ طور پر سینی ٹوریم میں کام کر رہا تھا۔ جب اُسے اپنے اصل چیف سے اجازت مل گئی تو اس نے چند دنوں میں لگ کر وہ تمام کام نمٹا ڈالے، جو اس کے ذمے تھے اور جن کی تکمیل نہ ہونے پر اُسے جواب دہ ہونا پڑ سکتا تھا۔

گورین نے جو رقم بینک سے نکلوائی تھی۔ اس میں اس نے بڑی رازداری برتی تھی کیونکہ اگر بہرام کے ادارے یا اس کے اصل ادارے کو اس بات کی بھنک بھی پڑ جاتی تو اس کے گرد نگرانی کرنے والوں کا جال پھیل سکتا تھا... اور وہ اپنے گرد کسی قسم کی بھیڑ پسند

نہیں کرتا تھا۔ نگرانی کرنے والوں کی موجودگی میں وہ اپنی ذات کی تکمیل نہیں کر سکتا تھا۔ علاوہ ازیں اُسے سرکاری طور پر اس کام سے روکا بھی جا سکتا تھا۔ اس لیے وہ ہر معاملے میں بڑی رازداری برت رہا تھا اور اب تک اُسے اس مقصد میں کامیابی رہی تھی۔

ایک روز اچانک ہی اُسے نہ جانے کیا خدشہ پیدا ہوا کہ اس نے رقم واپس بینک میں جمع کرا دی اور سوچا کہ اُسے مسٹر وہ یخ کو لائیگی بذریعہ چیک کرنی چاہیے۔

مقررہ دن جب وہ ایک طے شدہ مقام پر وہ یخ سے ملا اور چیک اُسے دیا تو وہ یخ نے کہا: "تمھیں اس وقت تک انتظار کرنا ہوگا جب تک کہ تمھارا چیک پاس نہ ہو جائے کیونکہ چیک رقم کی ادائیگی کا ایک وعدہ ہوتا ہے جس کے ٹوٹنے میں کبھی کبھی دیر نہیں لگتی۔"

"ٹھیک ہے، میں انتظار کر لوں گا۔ میں نے بذریعہ چیک ادائیگی اس لیے کی ہے کہ میں خود جا کر بینک سے اتنی بڑی رقم نقد اکٹھی کسی کی نظروں میں نہیں آنا چاہتا۔"

وہ یخ نے اثبات میں سر ہلا دیا اور دونوں اپنے اپنے راستے پر چل دیے۔

جب چیک پاس ہو گیا تو نہ جانے کیوں گورین کے دل میں بار بار یہ وہم پیدا ہونے لگا کہ کاش اس نے یہ ادائیگی نہ کی ہوتی اور اس کا چیک کبھی پاس نہ ہُوا ہوتا۔۔۔ اور آج لکڑی کے فرش پر گھٹنوں کے بل بیٹھے وہ جس اذیت میں مبتلا تھا، اس کے تحت فوراً سے واقعی افسوس ہو رہا تھا کہ اتنی بڑی رقم ادا کر کے اس نے اتنی بڑی اذیت کیوں مول لی ہے۔ اس کے بازوؤں اور کمر میں شدید تکلیف ہو رہی تھی اور وہ یوں محسوس کر رہا تھا کہ اگر یہ سلسلہ اسی طرح کچھ دیر اور برقرار رہا تو اس کا جسم ٹوٹ پھوٹ جائے گا اور اس کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر جائے گی۔ ابھی تو اُسے پہلا سبق بھی نہیں دیا گیا تھا اور حالت یہ ہو گئی تھی۔ آگے آگے نہ جانے کیا ہو گا؟ اس کلاس میں تین اور آدمی بھی موجود تھے۔ وہ تینوں کے تینوں عمر کے اعتبار سے گورین سے کچھ چھوٹے لیکن اندام سے بہترین اتھلیٹ اور نسبتاً زیادہ تربیت یافتہ لگتے تھے۔ وہ سرکلنگ موشن کی مشق کر رہے تھے اور انھیں دیکھ کر اندازہ ہوتا تھا کہ وہ اس معاملے میں کافی مہارت حاصل کر چکے ہیں۔

"مجھے کیا سکھایا جا رہا ہے؟" بالآخر گورین سے نہ رہا گیا تو۔۔۔

منگول
الماس ایم اے قیمت:=/150

پوچھ بیٹھا۔

"یہی کہ اتحق اور اس کی زندگی زیادہ عرصے تک ایک دوسرے کے ساتھ نہیں رہا کرتے۔" وہ یخ نے بڑے ہی عجیب لہجے میں جواب اور تالی بجائی۔

تالی کے جواب میں، دروازے سے کود کر ایک شخص اندر آیا۔ اس کے بال سنہرے تھے اور اس کی آنکھیں برف کی ڈلیوں جیسی سرد۔ وہ تیزی سے اندر آیا اور اس نے آتے ہی گورین پر وار کر دیا جبکہ ہاتھ اُٹھتے دیکھ کر گورین ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ اُسے اپنے دفاع کے لیے کیا کرنا چاہیے۔

معاً ایک۔ اور آدمی اندر آ گیا۔ اس کے عضلات اور پٹھے دیکھ کر اندازہ ہوتا تھا کہ وہ انسان کی بجائے کوئی بہت بڑا ریچھ ہو۔ اس نے آتے ہی گورین کا بازو تھام لیا۔ اچانک گورین کو یوں محسوس ہونے لگا جیسے اس کے بازو سے دو تپتے ہوئے چاقو چھونے لگے ہوں۔۔۔ اور پھر گورین کو احساس ہوا کہ اُسے اپنا توازن برقرار رکھنے کے لیے دو بازوؤں کی ضرورت ہے۔ اس کے اپنے بازو اُسے متوازن رکھنے میں ناکام ہو رہے تھے۔

اب اس کے لیے کھڑے رہنا دشوار ہو گیا تھا۔۔۔ اور جب اس کی بائیں ٹانگ بھی ناکارہ ہو گئی تو وہ جھومتی ہوئی حالت میں فرش کی طرف جھکتا چلا گیا۔ اب وہ کرب و اذیت سے باقاعدہ کراہنے لگا تھا۔۔۔ اُسی ساعت تیسرے آدمی نے اُسے ایک ٹھوکر ماری۔

گورین کو اب اپنی دائیں ٹانگ بھی ناکارہ ہوتی لگ رہی تھی۔ اُسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کا جسم کئی حصوں میں تقسیم ہو گیا ہو اور اُسے ہر جگہ سے کاٹ کر رکھ دیا گیا ہو۔

اس کے جسم سے سفید لبادہ اتار لیا گیا تو وہ اذیت کی انتہا پر کر کسی ایسے بچے کی طرح چیخنے لگا تھا جس نے موت کا چہرہ دیکھ لیا ہو۔ اب اُسے احساس ہُوا تھا کہ وہ کسی خطرناک چکر میں پھنس چکا ہے کیونکہ دُنیا بھر میں کہیں بھی تربیت کے دوران طالب علم کی ہڈیاں نہیں توڑی جاتیں۔۔۔ لیکن اب کچھ نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ وہ یہاں سے نکلنے کے بھی قابل نہیں رہ گیا تھا۔ وہ اپنے ہاتھ پیروں کے بل ایک قدم کا فاصلہ گھسٹ کر بھی پورا نہیں کر سکتا تھا۔

دفعتہً کمرے میں حد سرد ہو گیا۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ کمرہ نہیں بلکہ کوئی مردِ جہنم ہو۔ تب اُسے احساس ہُوا کہ اس کے جسم پر لبادہ موجود نہیں ہے۔ اس وجہ سے ٹھنڈک کا احساس بھی شدید ترین ہو گیا تھا جو کچھ بھی ہو رہا تھا۔ وہ اُسے کسی خوفناک خواب پر بھی محمول نہیں کر رہا تھا۔ سب کچھ حقیقی تھا اور اس کی آنکھوں کے سامنے، خود اُسی کے ساتھ پیش آ رہا تھا۔

وہ چیخنا چاہتا تھا۔

اس کی خواہش تھی کہ کسی نہ کسی طرح اس کمرے سے بھاگ نکلے۔۔۔ لیکن نہ تو چیخنا ہی اس کے اختیار میں رہا تھا اور نہ ہی وہ اس کمرے سے کہیں جا سکتا تھا۔ خفیف سی حرکت اس کے جسم میں درد کی اَن گنت لہریں پیدا کر دیتی تھی۔ اس کا سر ایک جگہ ساکت ہو کر رہ گیا تھا جبکہ کمرہ اور اس میں موجود ہر شے اس کی آنکھوں کے سامنے گھوم رہی تھی۔ اُسے یقین ہو گیا کہ وہ کسی شیطانی چکر میں پڑ کر اب اس حد تک بے بس ہو گیا ہے کہ صرف موت ہی اسے اس صورتِ حال سے نجات دلا سکتی تھی۔ "آخر کیوں۔۔۔ کیوں۔۔۔ مجھ پر یہ ظلم کیوں کیا جا رہا ہے؟" وہ حلق کے بل چیخ پڑا۔

"اس کی وجہ یہ ہے، عزیز کہ تم چارہ گر ناقی تنظیم کے لیے کام کرتے ہو۔" مسٹر وہ یخ کہہ رہا تھا اور سر گھما کر اس کی طرف دیکھنا گورین کے لیے بے حد اذیت ناک ثابت ہو رہا تھا۔ وہ ایک طویل سسکاری لے کر رہ گیا۔

"تو یہ سب کچھ دولت حاصل کرنے کے لیے نہیں تھا؟" گورین نے کہا۔ اُسے خود اپنی ہی آواز اجنبی محسوس ہونے لگی تھی۔

"تم کیا اور تمھاری دولت کی حیثیت ہی کیا ہے۔" وہ یخ نے نفرت سے کہا۔ "لیکن اس معاملے میں تمھاری رقم بھی بہرحال شامل رہی ہے۔"

"لیکن تنظیم چارہ گر۔۔۔"

"ہاں۔۔۔ تمھارے ساتھ جو کچھ ہو رہا ہے، اس کا تعلق چارہ گر سے نہیں ہے۔ تمھیں ان لوگوں۔۔۔ کچھ زیادہ اچھی تربیت نہیں دی گئی۔ یہی وجہ ہے کہ تم ہمارے لیے بے حد نرم شکار ثابت ہوئے ہو۔ اب تمھیں احساس ہو گیا ہو گا کہ تم جیسے لوگ مارشل آرٹس نہیں سیکھ سکتے اور نہ ہی تمھیں ان فنونِ حرب کے لیے بنایا گیا ہے۔ فنونِ حرب صرف قاتلوں کے لیے ہیں۔ وہی اس سے خاطر خواہ استفادہ بھی کر سکتے ہیں۔"

مناکنتر کی سے ہوا کا ایک یخ بستہ جھونکا آیا۔ یہ جھونکا اب گورین کے لیے ایک نعمتِ غیر مترقبہ ثابت ہُوا۔ اس نے درد و اذیت میں کمی پیدا کر دی کیونکہ اس کی ٹھنڈک سے اس کا جسم سُن ہونے لگا تھا۔ مثل حالت میں اذیت بھی گویا منجمد ہو کر کم ہونے لگی تھی۔

رات جیسے جیسے زوروں پر ہو رہی تھی، سردی میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ گورین کی تکلیف کم ہوتی جا رہی تھی۔ اس کا ذہن ٹھنڈی تاریکیوں میں غوطہ زن ہو رہا تھا اور یہ اندھیرے بڑھتے ہی جا رہے تھے۔ اس کی ہستی ان اندھیروں میں گہرائی میں اُترتی جا رہی تھی۔ اس کے قاتل نہ جانے کب کے اُسے چھوڑ کر جا چکے تھے۔

وہ رات بھر پڑے ہی بھیانک خواب دیکھتا رہا۔ موت کا خوفناک چہرہ بار بار اس کے سامنے آ کر اُسے ڈرا رہا تھا۔

صبح تک یہ خوف کی آنکھ مچولی جاری رہی۔ کبھی اس کا ذہن غنودگی میں ڈوب جاتا اور کبھی جسم کے کسی نہ کسی حصے سے کوئی ٹیس اُٹھ کر اس کی سستی کو جھنجھوڑ کر بیدار کر دیتی تھی۔ وہ ان کربناک لمحوں کا عذاب سہتا رہا اور سوچتا رہا کہ بعض اوقات انسان کسی معمولی سی خواہش۔ یا کمزوری کے ہاتھوں بے بس ہو کر بے بسی کی نئی اور اجنبی منزلوں پر پہنچ کر کس قدر عبرتناک انجام سے دوچار ہو جاتا ہے۔ اب اُسے موت کی خواہش ہو رہی تھی لیکن وہ ایسی حالت میں مبتلا تھا کہ مر بھی نہیں سکتا تھا۔ زندگی اس پر تنگ کر دی گئی تھی اور موت کو اُس سے دُور کر دیا گیا تھا۔ وہ زندگی اور موت کے درمیان معلق اذیت کی انتہا سے گزر رہا تھا۔ صبح کا سورج طلوع ہُوا تو اس کے لیے نئی اذیتوں کا پیغام لے کر آیا۔ اس پر معلومات حاصل کرنے کے لیے ایسے ایسے مذاب ڈھائے گئے کہ وہ بار بار اپنی بے بسی اور بے کسی پر رو پڑتا تھا۔۔۔ لیکن وہ جس جگہ تھا وہاں آنسوؤں کی کوئی قدر و قیمت نہیں تھی۔ وہاں صرف اور صرف ان جُملوں کا سوال تھا، جو وہ چارہ گر کے بارے میں بول سکتا تھا۔

چھ روز بعد شنگھائی پولیس کو گورین کا ڈرائیونگ لائسنس بذریعہ ڈاک ملا۔ اس لائسنس کے ساتھ کوئی تحریر یا فلسک نہیں تھی۔

شناخت میں واقع اس خول سے گورین کی لاش اُٹھائی گئی تو ڈاکٹر نے اس کی موت کی وجہ کھلے جسم پر شدید ٹھنڈک کا اثر ظاہر کیا حالانکہ اس کے جاروں ہاتھ پاؤں بُری طرح ٹوٹے ہوئے تھے۔ انگلیاں جوڑوں سے کھیل ڈالا گیا تھا۔ خول میں چپے چپے کی دیکھ بھال کی گئی لیکن کوئی ایسا سُراغ نہ مل سکا جو گورین کے قاتلوں کی نشاندہی کرتا۔ گورین حسن تنظیم کے لیے کام کرتا تھا۔ اس کے چیف کو ایک ایجنٹ نے اطلاع دی تو چیف نے پوچھا: "کیا اُسے مرنے میں کافی وقت لگا تھا؟"

"جی ہاں۔۔۔ میری دانست میں اُس پر اذیت رسانی کی انتہا کر دی گئی تھی۔ اس کی حالت بتاتی ہے کہ اس نے زبردست مزاحمت کی تھی اور زندہ رہنے کے لیے وہ کافی عرصے تک جدوجہد کرتا رہا تھا۔"

"کیا اس کے پاس سے کوئی کاغذ بھی برآمد ہوا ہے؟" چیف نے سوال کیا۔

"جی نہیں۔۔۔ اس کی لاش فطری لباس میں پائی گئی تھی۔"

"کیا کوئی ایسی علامت بھی پائی گئی ہے جس سے پتہ چلتا ہو کہ اس سے معلومات حاصل کرنے کے لیے اس پر تشدد کیا گیا تھا؟"

"آپ جانتے ہیں جناب کہ ایک ایسا شخص جس کے چاروں ہاتھ پاؤں توڑ ڈالے گئے ہوں اور اُسے بے لباس کر کے ٹھنڈے فرش پر ایک ایسے کمرے میں ڈال دیا گیا ہو جہاں کو[illegible] ہوا کے جھونکے تیروں کی طرح جسم پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ اس بات کا کیا مطلب ہے۔ یقیناً وہ تشدد سے گزر رہے اور اس سے معلومات حاصل کی گئی ہیں یا نہیں، اس کا اندازہ لگانا ممکن نہیں... لیکن میری رائے ہے کہ شاید وہ لوگ زیادہ کامیاب نہیں ہوئے ہوں گے کیونکہ اگر انھیں معلومات حاصل ہو گئی ہوتیں تو گورین پر اس قدر تشدد سے گزر نہ کیا گیا ہوتا۔"

"میں تمہاری رائے پر غور کروں گا اور اسے اہمیت دوں گا۔" چیف نے کہا۔

"کیا وہ شخص اہم تھا چیف؟"

"ہاں... ہے حد اہم... لیکن تمھیں اس سلسلے میں سوچنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔"

"میں معذرت خواہ ہوں، جناب!" ایجنٹ نے فوراً معذرت کر لی۔

"کیا تم یہ معلوم کرنے میں کامیاب ہوئے کہ وہ حویلی کس کی ہے؟"

"وہ حویلی آج کل برطانوی حکومت کی تحویل میں ہے جناب۔ لیکن وہ برسوں سے ویران پڑی ہے اور اُسے کسی کی نظر میں آئے بغیر کوئی بھی جب تک چاہے استعمال کر سکتا تھا۔"

"ٹھیک ہے اس سلسلے میں تم سے دوبارہ رابطہ قائم کیا جائے گا اور تمھیں سمجھا دیا جائے گا کہ جو کچھ مجھ سے بات چیت ہوئی ہے اسے بھول جاؤ۔"

"وہ تو میں پہلے ہی بھول چکا ہوں چیف!"

"گڈ... ایک اچھا ایجنٹ اسی کو کہتے ہیں جو صرف اپنے کام سے کام رکھے اور غیر ضروری باتوں کو فوراً اپنے ذہن سے کھرچ دے۔"

اسی شام ٹنگھائی میں گورین کی تدفین کے مراحل بھی طے ہو گئے... لیکن تابوت میں اصلی گورین کی لاش نہیں رکھی گئی تھی۔ اس کی لاش چارہ گر کے اسپتال میں ڈاکٹر بہرام کے آپریشن روم میں رکھی جا چکی تھی۔ جہاں وہ بڑی باریک بینی سے اس کا جائزہ لے رہا تھا۔ بہرام کو یہ معلومات بھی حاصل ہو گئی تھیں کہ گورین کے اکاؤنٹ سے ایک خطیر رقم نکالی گئی ہے۔ اس نے فوری طور پر ایک ایجنٹ کو حکم دیا کہ نہایت خاموشی اور رازداری سے یہ رقم اس کے اکاؤنٹ میں جمع کرا دی جائے تاکہ اس کی بیوہ واویلا نہ کرے اور یہ بات زیادہ نہ پھیلے۔ وہ چار گھنٹے کے بے نقاب ہونے کے سلسلے میں ہر قسم کی پیش بندی کر رہا تھا۔

بہرام نے لاش کا جائزہ لینے کے بعد اندازہ لگایا کہ گورین پر اس قدر تشدد کیا گیا تھا کہ اس کے ذہن کے بعید ترین گوشے میں موجود معلومات بھی اس سے اگلوا لی گئی ہوں گی... لیکن بہرام مطمئن تھا کہ وہ لوگ اس سے کوئی ایسی بات معلوم نہیں کر سکے ہوں گے جس سے اس کی تنظیم کو کوئی نقصان پہنچنے کا احتمال ہو... اور اس کی وجہ یہ تھی کہ چارہ گر دو حقیقت کیا ہے، اس کا علم گورین کے فرشتوں کو بھی نہیں تھا۔ تاہم بہرام یہ نقطہ سوچنے پر مجبور ہو گیا تھا کہ اس سے اتنے تشدد کے بعد معلومات حاصل کرنے والا کون ہو سکتا ہے اور اس کا مقصد کیا ہے؟

اس سلسلے میں سُراغ لگانے کے لیے وہ اپنے ماسٹر کمپیوٹر کے سامنے جا کر بیٹھ گیا جس میں روزمرہ کی ایسی تمام باتیں ذخیرہ ہوتی تھیں جن کا تعلق چارہ گر اور اس کے کارکنوں سے ہوتا تھا۔ وہ اُسے چلا کر سُنتا رہا حتیٰ کہ گورین کے سلسلے میں رپورٹ اس کی سماعت سے ٹکرائی۔

جس تک بہرام کو جو معلومات حاصل ہوئیں، ان کے مطابق اُسے دو آدمیوں کو اہمیت دینی چاہیے تھی۔ ایک ایسا گورین باشندہ جو اپنا کام نمٹا کر واپس اپنے ملک جانے والا تھا... اور دوسرا وہ شخص جس کی ذمے داری یہ تھی کہ وہ گورین کی موت کے اس منظر کو حل کر کے حقائق سامنے لائے۔

بہرام ماسٹر کمپیوٹر کے سامنے سے اُٹھا تو اس کی آنکھوں میں تھکن کا نام و نشان تک نہیں تھا حالانکہ وہ گزشتہ تیس گھنٹوں سے مسلسل کام کر رہا تھا۔ اس نے وہ مخصوص فون اپنی طرف سرکایا جس پر ٹائیگر سے رابطہ قائم کیا جاتا تھا۔ تیسری بیل کرنے کے بعد وہ سلسلہ ملنے کا انتظار کرنے لگا تھا کہ دوسری طرف سے ٹائیگر کی خوابناک آواز سنائی دینے لگی تھی۔ "ہیلو سویٹ ہارٹ! میں بول رہا ہوں۔"

★★

ٹائیگر نے آسمان کی طرف دیکھا جو کنول کا آسن جمائے کمرے کے وسط میں بیٹھا ہوا تھا اور اس کی آنکھیں بند تھیں۔ ٹائیگر بہت دیر سے اُسے متوجہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن وہ ٹس سے مس نہیں ہو رہا تھا۔ تنگ آ کر ٹائیگر نے اس کے سامنے بیٹھ کر کنول کا آسن جمایا اور آنکھیں بند کر لیں۔ اب وہ اس سے ذہنی رابطہ قائم کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ آسمان نے چونک کر آنکھیں کھول دیں اور ٹائیگر کو سامنے پا کر کہنے لگا: "میں تمھاری محبت کا دل سے قائل ہو چکا ہوں فرزند... لیکن شاید تم نہیں جانتے کہ تمھاری یہ حرکت غیر ذمے داری کے زمرے میں آتی ہے۔"

"میں جانتا ہوں... لیکن میں تمام حالات معلوم کرنا چاہتا ہوں، جو میرے بعد گزرے تھے؟"

"انھیں بھول جاؤ... میں بھی انھیں بھلا چکا ہوں۔"

"نہیں... میں نہیں بھولوں گا۔" ٹائیگر نے ضدی لہجے میں کہا۔

"ہوں... تو سنو... تم نے ٹنگھائی کا سفر کرنے سے پہلے جو دو اقدام

کر کے بہرام کو میرے بارے میں اطلاع دے دی تھی، اس کی وجہ سے میری جان بچ گئی ورنہ شاید میں واقعی اس وقت قبر میں لیٹا ہوتا۔ بہرام نے مجھے بروقت طبی امداد فراہم کر دی تھی۔ علاوہ ازیں میں اپنے ذہن کے بعید ترین گوشوں میں اپنی ہستی سمیت روپوش ہو گیا تھا جس کی وجہ سے میرا علاج ڈاکٹروں کے لیے نسبتاً سہل ہو گیا تھا۔"

"لیکن بہرام اور آپ میرا سُراغ لگانے میں کیسے کامیاب ہو گئے؟" شہزادے نے دریافت کیا۔

"یہ کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ مجھے صحت یاب ہونے میں کافی وقت لگ گیا۔ جب میں ذہنی طور پر ٹھیک ہوا، تب مجھے سارے حالات معلوم ہوئے تو میں نے فانگ کے سلسلے میں تمام حالات بہرام کے گوش گزار کر دیے... پھر اس کی وہ مشین چل پڑی جس میں دُنیا جہان کی معلومات کا ذخیرہ ہوتا رہتا ہے۔ میری معلومات کی روشنی میں اور اس مشین کی معلومات سے استفادہ کر کے ہم نے فانگ کا روٹ طے کیا اور پھر تمھارے بارے میں جو کچھ پتہ چلا، اس کے تحت ہم نے فیصلہ کرنے پر مجبور ہو گئے کہ ہمیں ٹنگھائی کا سفر کرنا پڑے گا۔ بہرام نے یہاں کی حکومت سے رابطہ قائم کیا اور صورتِ حال واضح کی۔ فوری جنگی اجلاس کے بعد ہمیں یہاں آنے کی اجازت مل گئی۔ ٹنگھائی میں ماسٹر تاؤ کے آدمی کو بچانے کے لیے تم نے جو کچھ بھی کیا تھا، وہ میرے علم میں آیا تو میں نے تمھارے نقشِ پا پر سفر شروع کر دیا۔ ہمیں کافی دنوں کی تاخیر ہو گئی تھی۔ اس لیے جب ہم کسی ایسے مقام پر پہنچتے جہاں تمھاری موجودگی کا کوئی سُراغ ملتا تھا تو تم ہماری دسترس سے کہیں دور جا چکے ہوتے تھے۔ میں اور بہرام اپنے تمام تر وسائل استعمال کر کے بالآخر فانگ کی زیرِ زمین دُنیا کی طرف چل دیے... لیکن افسوس! درمیان اتنے دنوں کا فاصلہ حائل تھا کہ ہم بروقت وہاں تک نہیں پہنچ سکے۔ جب ہم ماسٹر تاؤ کے عارضی کیمپ میں پہنچے تو تم لوگ اس زیرِ زمین دُنیا کو تہس نہس کر چکے تھے۔ اسی دوران، ایک پہاڑ کے قدموں میں واقع سُرنگ سے مجھے فانگ نکلتا دکھائی دیا۔ وہ شدید زخمی تھا۔ اس کے باوجود اس کی شیطانی طاقت اُسے فرار میں مدد دے رہی تھی۔ میں، اُس کی راہ میں حائل ہو گیا۔ تصادم زیادہ پُرلطف نہیں رہا تھا کیونکہ وہ پہلے سے قریب المرگ تھا... بہرحال وہ مارا گیا اور میں، اُس کی لاش لے کر ماسٹر تاؤ کے عارضی کیمپ میں پہنچ گیا۔ ویسے فرزند! اُس سے آخری جنگ میں تم سے بہت سی غلطیاں سرزد ہوئی تھیں۔"

"کیا مطلب؟ میری اور اُس کی آخری جنگ میں میری غلطیوں کا آپ کو کیسے اندازہ ہوا؟" ٹائیگر نے حیرت سے پوچھا۔

"اُسے جو چوٹیں لگی تھیں، اُن سے اندازہ لگانا کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ تمھارے دائیں ہاتھ کا زاویہ کافی بگڑا ہوا تھا اور تمھاری ایلی فنٹ کک پہلے سے بے حد کمزور تھی۔ اس کے لیے تمھیں از سرِ نو تربیت دینی پڑے گی اور میں اس وقت آنکھیں بند کر کے بھی سوچ رہا تھا کہ اس تربیت کا آغاز کہاں سے ہونا چاہیے... سب سے پہلے میں تمھارے صدمے کا علاج کرنا چاہتا ہوں جس سے اُٹھنے والے ابتلات نے تمھاری ذہنی حالت بے حد خراب کر رکھی ہے۔"

ٹائیگر کراہ کر رہ گیا۔ وہ جانتا تھا کہ اوشان اب اس آرمیں اُسے اتنا پریشان کرے گا کہ اُس کی زندگی اجیرن ہو کر رہ جائے گی۔ وہ دل ہی دل میں دُعا کرنے لگا کہ کاش اہرام جلدی سے کوئی نئی منصوبہ بندی نکال دے ورنہ اوشان سے اب اُسے کوئی نہیں بچا سکے گا۔

اُس کی قسمت کافی تیز نکلی۔ ابھی وہ یہی سوچ رہا تھا کہ اچانک ہی ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ اُس نے ریسیور اُٹھایا تو دوسری طرف بہرام ہی نکلا۔ اُس نے ایک طویل سانس لی اور دیدے گھما کر اوشان کی طرف دیکھتے ہوئے بہرام سے گفتگو شروع کر دی۔

□

تازہ برف اُس کی ہتھیلیوں پر گری۔ یہی تھی اور وہ اپنے ہاتھوں پر رُوئی جیسی نرم و گداز برف کی ڈھیریاں بنتے دیکھ رہا تھا۔ وہ اس وقت جہاں پر کھڑا تھا، وہاں سے تین سو گز کے فاصلے پر ایک کیبن تھا۔ پام کے لمبے درختوں سے اس کیبن کی روشنی نظر آ رہی تھی... یہ زرد روشنی اس ماحول میں بڑی ہی پُراسرار محسوس ہو رہی تھی۔

ہوا بند تھی اور موسم سرما کی رات میں سوائے برف کے ہر شے ساکت لگ رہی تھی۔ ٹائیگر آہستہ آہستہ قدم اُٹھاتا ہوا، اُس چوبی کیبن کے گرد گھومتا ہوا، تین سو گز کا فاصلہ برقرار رکھتے ہوئے ایک ہموار اور کھلی جگہ پہنچ کر رُک گیا۔ برف کی ڈھیریاں، اس وقت بھی ٹائیگر کی ہتھیلیوں پر موجود تھیں۔ اس نے وہاں سے کیبن کا جائزہ لیا تو اُسے محسوس ہوا کہ یہ جگہ فائرنگ کے لیے اوپن فیلڈ کی حیثیت رکھتی ہے۔ کیبن کے مکین کو اس بات کا یقین رہا ہو گا کہ وہ اپنے کیبن سے چاروں طرف نگاہ رکھ سکتا تھا اور وہاں آنے والا خواہ برفانی جوتے پہن کر آئے یا سکائی باندھ کر وہاں پہنچنے کی کوشش کرے۔ وہ مکین کی نگاہوں سے بچ نہیں سکتا تھا اور مکین اُسے کیبن کے قریب پہنچنے کی مہلت دیے بغیر آسانی سے نشانہ بنا سکتا تھا۔ علاوہ ازیں کیبن میں موجود کُتے، آنے والے کی بُو محسوس کر کے بھونک کر بھی اُسے اطلاع دے سکتے تھے۔

ٹائیگر نے اپنی ہتھیلیوں کی طرف دیکھا جن پر رکھی ہوئی برف اب پگھلنا شروع ہو گئی تھی۔ یہ دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر تیزی سے پیاری مسکراہٹ رقص کرنے لگی تھی۔ آدمی جب قوتِ ارتکاز کھو بیٹھتا ہے، تو اس سے سب کچھ چھن سکتا ہے۔ ایسی حالت میں وہ سردی محسوس کر کے ٹھٹھر کر مر بھی سکتا

ہے۔ اس وقت رگوں میں خون منجمد کر دینے والی سردی پڑ رہی تھی۔ ایسے میں ارتکاز کی قوت کھو کر انسان اپنے جسم کو موسم کے رحم و کرم پر چھوڑ دیتا ہے جو بالآخر اس کے لیے ہلاکت خیز ہو جاتا ہے۔ جسم کے درجۂ حرارت پر قابو کی حالت بڑی مددگار ثابت ہوتی ہے اور ٹائیگر نے اُدشان کے توسط سے اس میں کافی مہارت حاصل کر رکھی تھی۔ وہ ایسے موسم میں ٹھٹھر کر ہلاک نہیں ہو سکتا تھا۔ اگر انسان اپنے جسم کا درجۂ حرارت کم کر کے سرد موسم کے برابر کرنے میں کامیاب ہو جائے تو سردی اُس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔

وہ عمل ارتکاز میں مصروف ہو گیا۔

چند ہی لمحوں میں اُس کے ہاتھوں پر لگی ہوئی ساری برف پگھل گئی۔ وہ جانتا تھا کہ دراصل برف ایک طرح سے ہلکے پانی جیسی ہے۔ ایسا پانی جس میں زیادہ آکسیجن نہیں موجود ہوتی۔ وہ گھٹنوں کے بل جھک گیا اور کیبن کا دور سی سے جائزہ لینے لگا۔ اُسے کیبن کی کھڑکی میں دو سائے نظر آ رہے تھے۔ اُن میں سے ایک تو عورت کا سایہ تھا اور دوسرا کسی مرد کا۔ ہرہام نے بتایا تھا کہ اسسٹنٹ اٹارنی اپنی محبوبہ کے ساتھ اس کیبن میں موجود ہے۔ اس کے علاوہ وہاں کسی ایسی ذی رُوح کا نام و نشان تک نہیں تھا جو چشم دید گواہ کا کام دے سکے۔ جیمز ڈکن نامی اس اسسٹنٹ اٹارنی پر مقدمات کے سلسلے میں ہیرا پھیریوں کا الزام تھا۔ اس بد دیانتی سے وہ روز بروز دولت مند ہوتا جا رہا تھا۔ ہرہام کے سینی ٹوریم میں نصب اسٹرکچر میں اس سلسلے میں... کافی شکایات کا ذخیرہ ہو چکا تھا اس لیے ادھر توجہ دینا ناگزیر ہو گیا تھا۔

گھٹنوں کے بل جھکنے کے بعد ٹائیگر نے برف کھودنا شروع کر دی۔ وہ چند منٹ تک اس شقت آمیز کام میں مصروف رہا۔ برف کھودنے کا کام اُسے اپنے آہنی ہاتھوں سے لینا پڑ رہا تھا۔ جب وہ مطلوبہ حد تک برف کی نرم نرم تہہ کھود کر فارغ ہوا تو اس نے اس میں خود کو چھپا لیا اور ہاتھوں کی مدد سے دوبارہ برف سمیٹنی شروع کر دی۔ اس کام کو نمٹا کر اُس نے حلق سے ایک عجیب سی آواز نکالی۔

ٹائیگر کے حلق سے آواز نکلتے ہی کیبن کی طرف سے کسی خونخوار کتے نے خوفناک انداز میں بھونکنا شروع کر دیا۔ اس کے فوراً ہی بعد کیبن کا دروازہ بھی کھل گیا۔

"کیا بات ہے، کومنی؟" ایک بھاری مردانہ آواز سنائی دی۔

جواب میں کومنی نامی کتے نے مزید زور شور سے بھونکنا شروع کر دیا۔

"مجھے تو کچھ دکھائی نہیں دے رہا۔" مردانہ آواز ایک بار پھر کتے سے مخاطب تھی۔

ٹائیگر نے برف میں خفیف سا ارتعاش پیدا کر لیا۔ اس وقت وہ کیبن سے کچھ فاصلے پر نرم نرم برف میں دفن لیٹا ہوا تھا۔ اس لیے اسسٹنٹ اٹارنی کے علاوہ اُس کا کتا بھی اُسے دیکھنے میں کامیاب نہیں ہو رہا تھا۔

ٹائیگر نے اس شگاف میں سے ایک بار پھر عجیب سی آواز نکالی تو کتا خوفناک انداز میں غرّانے لگا۔ غصے سے کتے کے جبڑوں سے جھاگ اُڑنے لگے تھے کیونکہ اُسے آواز تو سنائی دے رہی تھی لیکن کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔ اُس نے جھونکا اُٹھا کر فضا میں سونگھ کر کسی کی موجودگی محسوس کرنی چاہی تو بھی اُسے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ اس پر وہ بے حد غضبناک ہو گیا... اور اُس کے بھونکنے اور غرّانے میں شدت آ گئی۔

"جیمز ڈکن..." فضا میں ٹائیگر کی آواز گونجنے لگی۔ "تمہاری زندگی کے دن پورے ہو گئے ہیں۔"

"تم کون ہو؟ سامنے آؤ۔" ڈکن غرّایا۔

"جیمز ڈکن! یہ تمہاری زندگی کی آخری رات ہے۔ تم صبح کا سورج نہیں دیکھ سکو گے۔"

"تم جو کوئی بھی ہو۔" ڈکن دھاڑنے لگا۔ "میرے ہاتھوں سے بچ کر نہیں جا سکتے۔ میں تمہاری کھوپڑی اُڑا دوں گا۔"

"تم کیسی موت پسند کرو گے؟"

جواباً ڈکن نے اس انداز میں مغلظات بکنی شروع کر دیں جیسے وہ بولنے کی بجائے اپنے کتے کو گالیوں کی طرح بھونکنے لگا ہو۔

"ٹھیک ہے۔ میں تمہیں کتے ہی کی موت مارو ں گا۔" ٹائیگر نے کہا۔

"تم کہاں ہو؟ سامنے کیوں نہیں آتے؟" ڈکن نے دھاڑتے ہوئے پوچھا۔

"میں تمہاری موت ہوں اور تم سے زیادہ دُور نہیں ہوں۔"

"کومنی..." ڈکن نے اپنے کتے کو حکم دیا۔ "جاؤ اور اُسے اُدھیڑ ڈالو۔"

یہ کہہ کر اُس نے اس جانب ہاتھ اُٹھایا جدھر سے آواز آتی محسوس ہوئی تھی۔

کتا خوفناک انداز میں غرّاتا ہوا، اس سمت لپکا جہاں ٹائیگر برف میں دفن لیٹا ہوا ایک شگاف سے ڈکن اور کتے کو دیکھ رہا تھا پھر جیسے ہی کتا قریب آیا، اُس کے دونوں ہاتھ برف کی دُھیری سے بلند ہوئے۔ کتا چند ساعتوں کے لیے فضا میں بلند ہوا پھر جبڑوں کی دلدوز آوازیں نکالتا ہوا پشت کی طرف اُڑتا چلا گیا۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ کتے کی بجائے ایک ایسا گولا ہو جسے کسی توپ کے ذریعے داغ دیا گیا ہو۔

کتے کا انجام ڈکن کے لیے ناقابل فہم تھا۔ وہ ہاتھ میں اعشاریہ تین کی رائفل لیے کیبن کے دروازے سے کچھ آگے نکلا۔ وہ کھلے سے چہرے والا ایک جوان آدمی تھا۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اس سمت میں دیکھ رہا تھا... جدھر اُس کا کتا جا کر گرنگاہوں سے غائب ہوا تھا۔ کتا جس انداز میں اُڑتا اور پھر برف پر پھسلتا ہوا نشیب کی طرف گیا تھا، اس سے ڈکن کو اُس کے بچنے کی توقع نہیں تھی۔ وہ کوئی معمولی کتا نہیں تھا اور کسی انسان میں اتنی صلاحیت ممکن نہیں تھی کہ وہ اُسے اس انداز میں اُچھال کر پھینک دے۔ اس

طمینان پر شاید اب بھی ڈکن کو توقع تھی... کہ اُس کا کتا اپنے شکار کو پر پھاڑ کر اس کے جسم کا کوئی حصہ مُنہ میں دبائے، اُس کی طرف واپس آئے گا... لیکن جب کئی منٹ گزر گئے اور کتا واپس نہ آیا تو وہ اُسے پکارنے پر مجبور ہو گیا۔ جیسے جیسے وہ کتے کو پکارتا رہا تھا، اُس کی آواز میں ہذیانی تاثر پیدا ہوتا جا رہا تھا۔

مایوس ہو کر اسسٹنٹ اٹارنی نے رائفل اُٹھائی اور اس سمت کئی فائر جھونک مارے، جدھر کتا جا کر گرنگاہوں سے غائب ہو گیا تھا مگر یوں اس کے سوا کوئی ردِعمل نہ ہوا کہ رات کا سناٹا مجروح ہو گیا۔

اچانک کیبن کے اندر سے ایک نسوانی آواز سنائی دی۔ "تم رات کے اس پہر کس پر گولیاں برسا رہے ہو؟"

"کچھ نہیں... تم اطمینان سے سو جاؤ۔ میں شکار کھیل رہا ہوں..." ڈکن نے پلٹ کر غرّاتے ہوئے کہا۔ وہ اب بھی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا لیکن اس کی آنکھیں کچھ دیکھنے میں کامیاب نہیں ہو رہی تھیں۔ رائفل ہاتھ میں تھامے آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگا۔ وہ بے حد محتاط انداز میں قدم اُٹھا رہا تھا۔ اُس کی اُنگلی ٹریگر پر جمی ہوئی تھی اور وہ معمولی سی آہٹ پر گولی چلانے کو تیار تھا۔

آہستہ آہستہ چلتا ہوا وہ وہاں پہنچ گیا۔ جہاں قدرے تاریکی تھی اور اُس کے بعد گہرا اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ ٹائیگر وہیں برف میں دبا ہوا تھا...

چالاک ڈکن کو اپنے پائنچے پر کسی کی گرفت محسوس ہوئی... پھر ایک زوردار جھٹکا لگا۔ اُس کا رائفل والا ہاتھ سر سے بلند ہوا۔ گولی کا دھماکا گونج اٹھا... پھر وہ لڑکھڑایا اور اُسے یوں لگا جیسے اُس کے بازو اور ٹانگیں اُس کا ساتھ دینے سے قاصر ہوں۔ ایک اور گولی چلی اور ڈکن کی کھوپڑی کے پرخچے اُڑ گئے۔

وہ بے دم ہو کر ریت کے نرم نرم اور ٹھنڈے سفید اُبلے بستر پر گر گیا اور اُس کے خون سے برف سُرخ ہونے لگی۔

اگلے روز اسسٹنٹ اٹارنی کی موت اخبار کی سُرخی بنی ہوئی تھی۔ پولیس کو جو کچھ معلوم ہو سکا تھا، اُس کے مطابق ڈکن نے حالات سے مایوسی کے بعد اپنے کتے کو گولی مارنے کے بعد خودکشی کر لی تھی۔

ٹائیگر اپنی شبینہ کارکردگی کے بعد واپس ہوٹل پہنچا تو نائٹ کلرک اُسے دیکھ کر حیران رہ گئی۔ وہ سورج بھی نہیں سکتی تھی کہ اتنے یخ موسم میں کوئی شخص محض ایک ہلکی سی قمیص اور پتلون پہن کر باہر بھی گھوم سکتا ہے۔ وہ چند لمحوں تک آنکھیں پھاڑے، ٹائیگر کو دیکھتی رہی... پھر اُس نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ "کیا آپ رات بھر کہیں باہر رہے ہیں، جناب؟"

"ہاں، میں ایسی راتوں میں عموماً باہر نکل جایا کرتا ہوں۔"

"اتنے ہلکے لباس میں؟" نائٹ کلرک کے لہجے میں شدید حیرت تھی۔ وہ فرکے لباس میں اور گرم ماحول میں بھی خنکی محسوس کر رہی تھی جبکہ ٹائیگر کے چہرے سے بھی پتہ نہیں چلتا تھا کہ سرد موسم اُس پر اثر انداز ہو رہا ہے۔

"چہل قدمی کے لیے بھاری کپڑے اُلجھن کا باعث بنتے ہیں... پھر میں جس کے لیے مارا مارا پھرتا ہوں، اُسے وزنی ملبوسات سے شدید نفرت تھی۔"

"اوہ... کوئی ٹریجڈی!" شبینہ کلرک نے سرد آہ بھرتے ہوئے کہا۔ "آپ کسے ڈھونڈتے ہیں، مسٹر شہزاد؟"

"ایک ایسی عورت کو جس کے چہرے پر اَن گنت چھوٹے چھوٹے بھورے تِل ہوں۔" ٹائیگر نے یہ کہتے کہتے ایسا لہجہ اختیار کر لیا جس کی حرارت سے وہ بے چاری عام سی عورت، آگ پر رکھی ہوئی مکھن کی ٹکیہ کی طرح پگھلنے لگی۔ "جانتی ہو جس عورت کے چہرے پر ایسے تِل نہیں ہوتے، اُس کی مثال کیا ہے؟"

وہ ٹکر ٹکر اُسے دیکھتی رہی۔ اس میں سر کو جنبش دینے کی سکت نہیں رہ گئی تھی۔

"ایسی عورت کی مثال، اُس رات کی طرح ہے، جب آسمان پر ستارے نظر نہیں آتے۔" یہ کہہ کر ٹائیگر مسکرانے لگا۔

یہ مسکراہٹ، شبینہ کلرک کو گھائل کرنے کے لیے کافی تھی۔ اُسے اپنا ذہن غبار آلود ہوتا محسوس ہونے لگا۔ نشے کی سی کیفیت نے اُس کی ہرنی جیسی آنکھوں میں غنودگی کا رنگ گھول دیا۔

ٹائیگر کچھ دیر، اُس کی طرف دیکھتا رہا... پھر زینے کی طرف بڑھ گیا۔ وہ ہمیشہ زینے سے اُوپر جاتا دکھائی دیتا تھا۔ حالانکہ وہ جس کمرے میں مقیم تھا، وہ ساتویں منزل پر واقع تھا۔ جب وہ پہلے زینے پر پہنچا... تو اچانک شبینہ کلرک کو ہوش آ گیا۔ اُس نے تھوک نگل کر حلق گیلا کیا... اور پکارنے لگی۔ "مسٹر... مسٹر شہزاد!"

وہ پلٹ کر اُس کی طرف دیکھنے لگا۔

"آپ کے لیے ایک پیغام ہے۔" شبینہ کلرک نے اپنے حواس مجتمع کرتے ہوئے کہا۔ "آپ کے انکل چارلی بول رہے تھے۔"

"اوہ... کوئی پیغام؟"

"نہیں... میں نے آپ کے کمرے سے رابطہ ملایا تھا۔ پہلے تو گھنٹی بجتی رہی... پھر اچانک سلسلہ منقطع ہو گیا۔ میں سمجھی کہ فون خراب ہو گیا ہے۔ اس لیے میں خود اُوپر گئی اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ اندر سے وی سی آر چلنے کی آواز آتی رہی۔ آپ کے ساتھی نے دروازہ نہیں کھولا۔"

"اوہ... وہ ایسے لمحات میں خود کو ڈسٹرب کرنا پسند نہیں کرتا۔ چاہے میرے بجائے خود اُس کے کسی چچا کی کال کیوں نہ آئی ہو۔"

"لیکن فون..." شبینہ کلرک نے اُلجھن سے کہا۔ "وہ تو اب بھی خراب

ہی ہے۔"

"اس کی پروا نہ کرو۔" ٹائیگر نے مسکرا کر کہا۔ "انکل چارلی کیا کہہ رہے تھے؟"

"میں نے انھیں کمرے کی کیفیت بتائی تو وہ ہنسنے لگے... پھر یہ کہہ کر فون بند کر دیا کہ جیسے ہی آپ نظر آئیں، میں یہ بتا دوں کہ انھیں فون کر لیا جائے۔"

"شکریہ! اچھی لڑکی!" ٹائیگر نے ملائمت سے کہا۔ "میں اُن سے بات کروں گا۔" یہ کہہ کر وہ زینے چڑھتا چلا گیا۔

شبینہ کو لگ اُس کی ماہر قاصوں جیسی چال پر دل تھام کر رہ گئی... پھر اُس کے حلق سے محرومی کے احساس سے بھرپور ایک طویل آہ نکل گئی اور وہ جھک کر رجسٹر کی طرف متوجہ ہو گئی۔

ٹائیگر اپنے کمرے کے دروازے پر پہنچا تو اندر سے اب بھی وی سی آر چلنے کی آواز آ رہی تھی۔ اُس نے دستک دے کر دروازہ کھلوانے کا ارادہ ترک کر دیا... اور جیب سے چابی نکال کر دروازہ کھولتا ہوا، کمرہ نشست میں داخل ہوا تو اُدشان آنکھیں بند کیے، کنول کے آسن میں براجمان تھا۔ اُس کی آنکھیں بند تھیں اور سامنے ٹی۔ وی پر کوئی مار دھاڑ سے بھرپور فلم چل رہی تھی۔

"اُدشان..." ٹائیگر نے جھک کر اُس کے کان میں کہا لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوا۔

ٹائیگر ایک طویل سانس لے کر قریبی کرسی پر نیم دراز ہو گیا۔ فلم کا شاید آخری سین چل رہا تھا۔ جلد ہی اختتام ہو گیا۔ تب کہیں اُدشان نے آنکھیں کھولیں...

"ہیلو، فرزند! تم کب آئے؟" اُس نے ٹائیگر کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"نسل فادر! یہ آپ دی سی۔ آر چلا کر آنکھیں کیوں بند کیے ہوئے تھے؟" ٹائیگر نے دریافت کیا۔

"سب کچھ آنکھوں سے دیکھنا ضروری نہیں۔ کچھ محسوس کر کے بھی سمجھنا چاہیے۔ کیا پتہ کب آنکھیں جواب دے جائیں اور انسان ہر طرح سے اندھا ہو کر رہ جائے۔"

"میں، آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔" ٹائیگر نے حیرت سے کہا۔

"یہی تو مجھے تم سے شکایت ہے کہ میری باتیں تمھاری سمجھ میں نہیں آتیں، برخوردار! دل کی آنکھیں کھولو، دل کی... اور یہ تم آج سانس کیسے لے رہے ہو؟"

"کیوں، کیا ہوا؟" ٹائیگر کے لہجے میں حیرت تھی۔

"تمھارا عمل تنفس کل کے مقابلے میں کچھ بگڑا ہوا ہے۔ جبکہ ہر آنے والے دن میں بہتری ہونی چاہیے۔"

ٹائیگر ایک طویل سانس لے کر رہ گیا۔ وہ اس سلسلے میں اُدشان سے بحث کر کے کسی مصیبت میں نہیں پڑنا چاہتا تھا۔ اس لیے پوچھنے لگا۔ "کسی کی کال آئی تھی؟"

"ہاں، لیکن غلط وقت آئی تھی۔" اُدشان نے ناک بھوں چڑھاتے ہوئے کہا۔

"بہرام کی کال تھی، نسل فادر!" ٹائیگر نے بتایا۔

اُدشان یہ سُن کر یوں بن گیا جیسے اُس نے ٹائیگر کی بات سُنی ہی نہ ہو۔

ٹائیگر اُٹھ کر فون کی طرف بڑھا تو یہ دیکھ کر اُس کے حلق سے کراہ نکل گئی کہ ٹیلی فون کے تار، ساکٹ میں سے ٹوٹے ہوئے تھے۔ اُدشان نے جھلاہٹ میں اُنھیں کھینچ کر توڑ ڈالا ہوگا۔ وہ تار لگانے میں مصروف ہو گیا۔ تار لگانے کے بعد اُس نے بہرام کا نمبر ڈائل کیا اور سلسلہ ملنے کا انتظار کرنے لگا۔ دوسری طرف سے بہرام کی آواز سنائی دی تو اُس نے چہک کر کہا۔ "ہیلو، سوئیٹ ہارٹ! میں واپس آ گیا ہوں۔"

"رپورٹ..." دوسری طرف سے کھردری آواز آئی۔

"اوہ... سوئیٹ ہارٹ!" ٹائیگر کا ہیجہ نکایت آمیز ہو گیا۔ "یہی بات آپ ہیک کر بیار سے بھی کہہ سکتے تھے۔"

"فضول باتوں میں وقت ضائع نہ کرو۔" بہرام کا موڈ کافی خراب معلوم ہوتا تھا۔

"کام ہو گیا۔" ٹائیگر نے مُردہ لہجے میں کہا جیسے تکمیل کار کا نہیں، بلکہ اپنی شکست کا اظہار کر رہا ہو۔

"گڈ... آج سہ پہر، ائیرپورٹ پر تمھارا انتظار کروں گا۔"

"قطعی غیر رومانی مقام ہے۔ کبھی کسی ایسے مقام پر بھی ملاقات طے کیجیے... جیسے اُفق کے اس پار... بادلوں کی اوٹ میں... اوہ! بند کر دیا فون۔" یہ کہہ کر اُس نے شریر انداز میں مسکراتے ہوئے ریسیور رکھ دیا اور اُدشان کی طرف متوجہ ہو گیا جو ایک بار پھر مراقبے میں پہنچ چکا تھا۔

ⓐ

بہرام نے گھڑی پر وقت دیکھا اور ٹائیگر کی طرف متوجہ ہو گیا جو اُدشان کے ساتھ اُس کی طرف چلا آ رہا تھا۔ "تم وقت پر پہنچ گئے۔" اُس نے کہا۔ "اُدو میرے ساتھ۔" یہ کہہ کر وہ اپنی کار کی طرف بڑھ گیا جو ائیرپورٹ کی پارکنگ میں کھڑی تھی۔ کار میں بیٹھنے کے بعد اُس نے کار ایک ایسے راستے پر ڈال دی جو سینی ٹوریم کی طرف جاتا تھا۔ راستے بھر وہ خاموش رہا۔ اُدشان نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ مجبوراً ٹائیگر ایک ایسی عورت کے بارے میں سوچنے لگا جس کے چہرے پر اَن گنت جھریاں بھری تل ہوتے ہیں۔

سینی ٹوریم شہر کے مرکزی حصے میں واقع تھا۔ بہرام کی کار تیزی سے منزلِ مقصود کی طرف دوڑ رہی تھی۔ نصف گھنٹے بعد وہ سینی ٹوریم پہنچے تو بہرام نے کار وہاں کے ایک ایسے حصے کی اور موڑ دی جہاں ٹائیگر یا اُدشان کو اس سے پہلے جانے کا کبھی اتفاق نہیں ہوا تھا۔

کار روک کر بہرام نیچے اُتر گیا۔ اس نے ان دونوں کو اُترنے کا اشارہ نہیں کیا بلکہ ایک بند دروازے کے سامنے رُک کر عقب میں دیکھنے لگا۔

ٹائیگر نے گاڑی سے اُتر کر اُدشان کے لیے دروازہ کھولا اور دونوں اُس دروازے کی طرف بڑھ گئے جس کے سامنے بہرام کھڑا اُن کا انتظار کر رہا تھا۔ اس دروازے پر بیرونی رُخ ہینڈل نہیں لگا ہوا تھا۔ بہرام نے جیب سے ایک چابی نکالی اور اُس کا تالا کھول دیا۔ چابی کی مدد سے اُس نے کواڑ کھینچا اور اندر چلا گیا۔ ٹائیگر اور اُدشان خاموشی سے اس کا تعاقب کرنے لگے۔

دروازے کے سامنے ایک طویل راہ داری تھی جس میں کافور کی بُو پھیلی ہوئی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ اس وقت کسی مُردہ خانے میں چل رہے ہوں۔ ٹائیگر کا خیال درست ہی ثابت ہوا کیونکہ بہرام سات بند دروازوں کے سامنے سے گزرتا ہوا آٹھویں دروازے پر پہنچا اور اُسے کھولا تو اندر دیواروں میں بڑی بڑی دراز یں دکھائی دیں جن میں مردوں کو رکھا جاتا ہے۔ کمرہ ایئر کنڈیشنڈ تھا۔ بہرام سامنے والی دیوار کی درازوں کی طرف بڑھ گیا۔ اُس نے ایک دراز کھینچی تو ٹائیگر کو اندر ایک لاش دکھائی دی۔ بہرام کے اشارے پر اُس نے تابوت نما دراز سمیت کمرے کے وسط میں ایک بڑی میز پر پہنچا دی جس کے اُوپر ایک طاقت ور لیمپ روشن تھا۔

"کیا یہ آپ کا کوئی عزیز ہے، سوئیٹ ہارٹ!" ٹائیگر نے ماحول کی سنگینی دُور کرنے کے لیے شگفتہ لہجے میں پوچھا۔

"اس تنظیم کا ہر فرد میرا عزیز ہے۔" بہرام نے بھاری آواز میں جواب دیا۔ "اور تم عزیز ترین ہو۔"

ٹائیگر مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔ کیونکہ اُسے بہرام کی طرف سے ڈانٹ ڈپٹ کی توقع تھی۔ جب کہ وہ خلافِ معمول قدرے شگفتہ موڈ میں تھا۔ کسی عزیز کی لاش پر خوش گوار موڈ میں ہونا بہرام کی ایک عجیب خصوصیت تھی جس کا ٹائیگر کو پہلی بار احساس ہو رہا تھا۔ نہ جانے کیوں وہ دل ہی دل میں یہ سوچ کر مسکرائے بغیر نہ رہ سکا کہ جب ایک عزیز کی موت پر یہ عالم ہے تو عزیز کی لاش دیکھ کر بہرام کی خوش گواری کا کیا حال ہوگا... لیکن بہرام کے موڈ کی یہ خوشگواری ایک دھوکا ثابت ہوئی۔ اگلی ہی ساعت وہ یوں سنجیدہ ہو گیا جیسے زندگی میں کبھی مسکرایا ہی نہ ہو۔

"اس کا نام گورین تھا۔" وہ ناقابلِ فہم سے انداز میں بولا۔ اُس نے لاش کے پیروں میں پڑا ہوا ایک پیڈ اُٹھا لیا تھا اور اُس کی تہہ پر پڑے صفحے لگا تھا۔ "اس کی عمر اڑتیس سال تھی اور اس کی موت بے بسی کی حالت میں شدید سردی کے باعث ٹھٹھر نے سے واقع ہوئی ہے۔"

اُدشان نے لاش کی طرف دیکھا اور مُنہ ہی مُنہ میں کچھ بول کر رہ گیا۔ اُس نے جو کچھ بھی کہا تھا وہ ٹائیگر اور بہرام دونوں کی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔

ٹائیگر کی نگاہ لاش پر جم گئی جس کے مُردہ چہرے پر مرنے کے بعد خفیف سے بال ظاہر ہو گئے تھے۔ اس کی آنکھیں بند تھیں اور پپوٹوں کے نیچے اس کی آنکھوں کے ڈھیلے سایاں لگ رہے تھے اُوپر سے پڑنے والی تیز روشنی میں یوں لگ رہا تھا جیسے یہ پپوٹے کاغذ کے بنے ہوئے ہوں۔ روشنی کی کرنیں پپوٹوں میں جذب ہوتی محسوس ہو رہی تھیں۔ فلورو سینٹ روشنی میں لاش کا چہرہ چمک رہا تھا۔ ٹائیگر کی نگاہ لاش کے کندھوں پر جم گئی جو غیر معمولی طور پر اُبھرے ہوئے لگ رہے تھے۔ ان کندھوں کو دیکھ کر گمان ہوتا تھا کہ وہ شخص اپنی زندگی میں ہیوی ویٹ چیمپئن رہا ہوگا جبکہ اس کا جسم اس بات کی نفی کر رہا تھا۔ لاش کے گٹھے یوں جھولے ہوئے تھے جیسے وہاں روئی کی گدیاں رکھی ہوئی ہوں۔

اُدشان کی آنکھوں میں یکایک ایک چمک سی لہرائی جیسے لاش دیکھ کر اُسے کچھ یاد آ گیا ہو... پھر اُس نے مُنہ پھیر لیا اور کمرے میں اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ سینی ٹوریم کے خفیہ مُردہ خانے میں نہیں بلکہ کسی پُرفضا مقام پر کھڑا کسی منظر سے لطف اندوز ہو رہا ہو۔

آنکھیں رسے کے ذریعے پتہ چلا ہے کہ اس شخص کے جسم کے چار بڑے جوڑ، یعنی کندھوں اور کولہوں کے جوڑ تباہ کر دیے گئے ہیں۔ پھیپھڑوں میں رقیق پانی کی زیادتی بتاتی ہے کہ یہ شدید سردی کی وجہ سے ٹھٹھر کر ہلاک ہوا ہے۔ یہ لاش ہیمن مضافات میں واقع ایک متروک حویلی کے فرش پر ملی تھی۔ اس کمرے کی ایک کھڑکی کھلی ہوئی تھی جس سے متجمد کر دینے والی ہوا اندر آ رہی تھی۔ گویا یہ شخص پہنے جملے سے قاصر ہونے کی وجہ سے وہاں پڑے پڑے سردی سے ٹھٹھر کر ہلاک ہوا تھا۔ بالفاظ دیگر! اس کی موت خود اپنے ہی

کمپیوٹر میں ہاتی کی زیادتی سے ڈوبنے کے باعث واقع ہوئی تھی۔" اس نے یہ کہتے ہوئے دونوں ہاتھ پتلون کی جیبوں میں ٹھونس لیے جیسے اس سرد خانے کی فضا میں ہاتھوں کو گرم رکھنے کی کوشش کرنا چاہتا ہو۔

"کیا ہم اس کا جنازہ پڑھ کر تدفین کا انتظام کریں گے؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"نہیں --- اس کی تدفین ہو چکی ہے۔" بہرام نے اکھڑے سے لہجے میں کہا۔ "تم دونوں کو یہاں لانے کا مقصد یہ ہے کہ کیا تم اس قسم کی موت سے آگاہ ہو؟ کیا تم شناخت کر سکتے ہو کہ ایسی موت کن ہاتھوں یا ذرائع سے واقع ہو سکتی ہے؟"

"ظلم و ستم کی کئی قسمیں اور کئی چہرے ہیں۔" اوشان پلٹ کر بولا۔ "لیکن سنا نجو کے کسی فرد کو اس کے لیے مورد الزام نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ ہم پُراسرار موت اور فوری موت طاری کرنے میں دُنیا بھر میں مشہور ہیں۔ اس سلسلے میں ہمیں زخم دل قرار دیا جا سکتا ہے۔"

"میں تمہارے گاؤں کے کسی آدمی پر الزام تراشی نہیں کر رہا ہوں۔" بہرام کا لہجہ مزید خشک ہو گیا۔ "اور نہ ہی میں اس لاش کو تم دونوں کی کارستانی سمجھتا ہوں۔ میں صرف موت کے انداز کا سُراغ لگانا چاہتا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ تم دونوں کے ہاتھوں مرنے والوں کی لاشیں کیسی ہوتی ہیں --- اور موت کی وجہ معلوم کرنا اس لیے ضروری ہے کہ یہ شخص ہمارے لیے بھی کام کرتا تھا۔"

اوشان اور ٹائیگر اثبات میں سر ہلا کر رہ گئے۔

"یہ معاملہ میرے لیے بے حد تشویش ناک ہے۔ اس عجیب موت نے میرے ذہن میں چند سوالات پیدا کیے ہیں، مجھے ان کا جواب چاہیے۔"

اوشان کی آنکھوں میں ایک بار پھر وہی چمک پیدا ہو کر معدوم ہو گئی جو کچھ دیر قبل بھی اس آنکھوں میں دکھائی دی تھی۔

"تم لوگ دیکھ رہے ہو کہ چاروں اہم جوڑ تباہ ہونے کے باوجود اس شخص کی کھال پر زخم کا کوئی نشان نہیں ہے۔"

"چار نہیں، تین جوڑ تباہ ہوئے ہیں۔" ٹائیگر نے مداخلت کی۔ "اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مارنے والوں میں سے ایک شخص قدرے اناڑی اور جلد باز تھا۔"

"بکواس مت کرو۔" بہرام غرایا۔ "میرے پاس ایکس رے موجود ہیں۔ علاوہ ازیں میرے معاون ڈاکٹروں کا بھی کہنا ہے کہ چاروں جوڑ اندر ہی اندر تباہ ہوئے ہیں اور گوشت یا کھال کو کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ یہ بات ذہن نشین رکھو۔"

"آپ کے ساتھی غلطی پر ہیں۔" ٹائیگر نے سنجیدگی سے کہا۔ "ٹخنوں اور ایک کولھے کی ہڈی جوڑ سے تباہ ہوئی ہے جبکہ بائیں کولھے کا جوڑ اپنی جگہ سے ٹوٹے بغیر ہی الگ ہوا ہے۔"

بہرام نے گہری نگاہ سے اس کی طرف دیکھا اور جب اس نے محسوس کر لیا کہ ٹائیگر اس وقت سنجیدہ ہے تو اس نے ایک طویل سانس لے کر جیب سے ایک لفافہ نکالا اور اس میں سے ایکس ریز نکال کر چھت سے لٹکے ہوئے بلب کی تیز روشنی میں اس کا جائزہ لینے لگا۔ کچھ دیر وہ ایکس رے دیکھتا رہا۔۔۔ پھر اس نے تعریفی نظروں سے ٹائیگر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "بہت خوب! تم ٹھیک کہتے ہو، ٹائیگر! ایک جوڑ واقعی ٹوٹنے کی بجائے الگ ہوا ہے۔"

"اس کی تربیت دُنیا کے بہترین اُستاد نے کی ہے۔" اوشان نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"تو کیا تم اس کی موت کا انداز شناخت کرنے میں کامیاب ہو گئے ہو؟" بہرام نے جلدی سے پلٹ کر پوچھا۔

"جی ہاں۔ جس کسی نے بھی اسے ہلاک کیا ہے اس کا نشانہ تین مقامات پر تو ناکام رہا جبکہ صرف ایک جوڑ پر کامیاب رہا۔ وہ ان جوڑوں کو صرف الگ کرکے کام نکالنا چاہتا تھا۔ انھیں تباہ کرنے سے اسے کوئی فائدہ نہیں تھا۔"

اوشان اب گہری نظروں سے گوریں کی لاش کو دیکھ رہا تھا اور اس کے سر نے خفیف سے انداز میں حرکت کرنی شروع کر دی تھی۔ اسے موت سے ہمکنار کرنے والوں کی کم سے کم تعداد، دو تھی۔" اس نے کچھ دیر بعد کہا۔ "ان میں سے ایک کا نشانہ دُرست تھا۔ اس نے بائیں کولہے پر ضرب لگائی تھی جبکہ دوسرا اناڑی تھا۔ اس نے دائیں کولہے کی ہڈی کو اندر ہی چکنا چور کر ڈالا۔ دوسرے قاتل کا کام کسی اناڑی قصاب جیسا ہے۔ بہرحال، یہ شخص کون ہے؟"

"یہ ہمارا کمپیوٹر پروگرام تھا۔" بہرام نے جواب دیا۔

"کیا تم بتا سکتے ہو کہ کسی کو اس بدنصیب کو ایسی عبرتناک موت سے ہمکنار کرنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"نہیں۔ میں اس سلسلے میں لاعلم ہوں۔ بتاؤ ہمیں کیا کرنا چاہیے؟"

"اس معاملے میں بابا یک بینی سے غور کرو۔" اوشان نے ایڈوائس سے جواب دیا۔ بہرام سمجھ گیا کہ اوشان کیا چاہتا ہے۔ گزشتہ کئی سال سے اُس سے وعدہ کیا جا رہا ہے کہ اُسے سنا نجو میں چند ہفتوں کی چھٹیاں گزارنے کے لیے بھیجا جائے گا۔۔۔ لیکن یہ وعدہ آج تک وفا نہیں ہو سکا تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ سنا نجو تک اُسے پہنچانے میں بہرام کی تنظیم کو اتنا خرچ برداشت کرنا پڑتا جتنا کہ اُسے دو ماہ

معاوضہ ادا کیا جاتا تھا۔ علاوہ ازیں اوشان کے بغیر کئی کام رُک سکتے تھے۔ بہرام کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"تم کئی دنوں سے سنا نجو جانے کا ارادہ ظاہر کر رہے تھے۔" اس نے کہا۔

"کئی دنوں سے نہیں کئی سالوں سے۔" اوشان نے تحفہ بنا کر کہا۔ "اور اس بار میں ہر حال میں جاؤں گا۔"

"لیکن اوشان آج کل تو سنا نجو کا پورا قصبہ منجمد ہو رہا ہے۔ اب ایسے میں وہاں جا کر مزید سکڑ جاؤ گے۔" ٹائیگر نے اُسے بھلانے کی کوشش شروع کر دی کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اگر اوشان سنا نجو گیا تو اُسے بھی وہاں کا چکر دینے والا سفر ضرور کرنا پڑے گا۔

"وہ جیسا بھی ہے، میرا گھر وہاں ہے۔" اوشان غرایا۔

"تم ٹھیک کہتے ہو، اوشان۔ میں تمہارے جانے کا بندوبست کرا دیتا ہوں۔" بہرام نے جلدی سے کہا۔

"میں وہاں زیادہ عرصے تک نہیں رہوں گا۔" اوشان نے مسکرا کر وعدہ کیا۔ "بس اس وقت تک رہوں گا، جب تک شہزادہ وہاں پر پہنچ جاتا۔"

"لیکن میں تم دونوں کو بیک وقت چھٹی نہیں دے سکتا۔" بہرام نے جلدی سے اعتراض کیا۔

"پھر ایسے نہیں۔ سوئٹ ہارٹ! میں خود بھی وہاں نہیں جانا چاہتا۔" اگلا چاند مکمل ہونے تک تم وہاں موجود ہو گے۔ فرزند۔" اوشان نے لہجے میں کہا اور اس کے بعد لبوں پر مہر سکوت لگا لی۔

اوشان نے سنا نجو جانے کے سلسلے میں اتنا سخت لہجہ پہلے کبھی اختیار نہیں کیا تھا، اس لیے بہرام نے سب کچھ پس پشت ڈالا اور اوشان کی روانگی کا بندوبست کرنے میں مصروف ہو گیا۔

اگلے روز اس کے لیے ہوائی جہاز میں ایک سیٹ بک کروا دی گئی۔ یہ جہاز اُسے سان تیاگو پہنچانے کا جہاں سے ایک خاص بحری راستے سے سنا نجو کا سفر کرنے کے لیے چارٹر کیا گیا تھا۔

وہ ائرپورٹ پہنچے تو بہرام کا رُخ اوشان کی طرف پر دیکھا۔ تبھی نہ جانے اوشان نے سرگوشی میں ٹائیگر سے کہا۔ "اس شخص کی موت کی بڑی عجیب ہے، شہزادہ۔"

"جی ہاں۔" ٹائیگر بولا۔ "ایک ایسے احمق قاتل کا شاہکار جس کی فکر کارگر اور تین ٹھوکریں ناکارہ ثابت ہوئیں۔"

"سنا نجو کی ایک روایت ہے کہ جب کسی کی توہین مقصود ہوتی ہے تو اُسے جتایا جاتا ہے کہ اُس کی موت ایسی ہی ہو گی۔۔۔ پھر اسے ٹھوکریں ماری جاتی ہیں۔ اس کے بعد دشمن کو مرنے کے لیے چھوڑ دیا جاتا ہے۔ اس [illegible] سے سیکھتا رہتا ہے۔ کبھی کبھی آندھی کو پیٹھ [illegible] اور میرے تعریف کیے [illegible] ہے۔"

"اوہ۔" ٹائیگر چونک پڑا۔ اس کے ذہن میں کسی بھولی ہوئی بات کی جھلک سی نظر آئی تھی۔ اب وہ سمجھا تھا کہ اوشان اپنے گاؤں جانے کے لیے اس قدر بے تاب کیوں ہے اور اس نے اتنا سخت رویہ کہاں اختیار کیا ہے۔ "آپ کی بالکل ٹھیک کہا تھا۔" ٹائیگر نے بہرام کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "ہمارا کام ہو گیا ہے۔" اس نے بے چینی سے پہلو بدلا۔

"میں نہیں جانتا کہ کیا ہوا ہے۔۔۔ لیکن جب تک آپ سنا نجو پہنچ کر مجھے یہ نہیں بتاتے، اس وقت تک بے حد محتاط رہنا۔"

"میں محتاط رہوں گا اور سنا نجو آنے کے سلسلے میں بھی بے احتیاطی نہیں ہو گی۔ کیونکہ میں وہاں نہیں جاؤں گا۔" ٹائیگر کا فقرہ سن کر بہرام نے بے ساختہ اس کی طرف دیکھا اور ٹائیگر نے مسکراتے ہوئے سر کے ساتھ اس کی بے تابی کا جواب دیا۔

"اگلا چاند مکمل ہونے پر میں آپ کا انتظار کروں گا۔۔۔ اور مجھے یقین ہے کہ آپ کے تعزیتی فقرے اوشان نے کہا اور اپنے مخصوص انداز میں مسکرا دیا۔

بہرام نے اسے پھینکا عذابت لا کر دیے جن پر اس نے انگوٹھا لگانا تھا۔ اوشان کبھی دستخط نہیں کرتا تھا اور ہر بار اسے انگوٹھا لگانا پڑتا تھا۔ اس سلسلے میں وہ ہمیشہ اپنے دائیں ہاتھ کا انگوٹھا لگاتا تھا۔ اس وقت بھی جب وہ قبر میں پڑا ہوا تھا، اس کا دایاں ہاتھ ہی سامنے آیا تھا۔ بہرام کی حالت دیدنی تھی۔ کیونکہ تجربہ کار ٹیم کے ممبر ہونے کے باوجود وہ اوشان کے ہاتھ کی ہتھیلی پر بنے ہوئے نشان کو نہیں دیکھ سکے تھے اور ٹائیگر نے یہ بات بھانپ لی تھی۔ اس لیے اس نے اوشان کے ہاتھ کی ہتھیلی کو بغور دیکھا تھا۔ اس کے ہاتھ کی ہتھیلی پر ایک بڑا سا نشان تھا۔ اس نشان کی وجہ سے اوشان کو ہر کوئی پہچان لیتا

کہی تھی، سنائی دینے لگا۔

"ہیرالم کا منتظر ہوں گیا۔" یہ جملہ اس نے تحسین کی موت کے سلسلے میں آرٹشاک سے کہی گئی بات کی تھی۔

"اں... اوہ ہاں... یہ بھی ایک اہم بات ہے، ہمیں جلد ہی اسے سلجھانا چاہیے۔" ٹائیگر نے اپنی دانست میں انکشاف کیا۔

"اور میں سمجھتی ہوں ہاں تم ہمیں بتا سکتے ہو کہ ہمیں اسے کیسے سلجھانا چاہیے۔" ہیرالم نے مسکرا کر جواب دیا۔

اس بار ٹائیگر کا منہ تن گیا۔ کچھ کہنے کو ہوا مگر سوچ کر رہ گیا۔ اس آڑ میں ہیرالم کو موقع مل گیا۔ وہ پھر بات کا سلسلہ شروع کرنے کے متمنی تھا لیکن آرٹشاک کی تحسین کے حوالے میں پہلے سے کہیں زیادہ دلچسپی لینے لگی تھی۔

"اب آپ کیسے بتائیں گے کہ یہ جو تحسین کو دیوتا سمجھتی رہی ہیں، ان کے بارے میں آپ درحقیقت کیا سوچتے ہیں۔" ہیرالم خوش ہو کر بولا۔

ٹائیگر نے ایک طویل سانس لی اور بے حد متانت سے قٹ بال کے بیٹے اور گلاڈی کی کال کو مخاطب کر لیا۔ کچھ دیر تو ہیرالم آنکھیں پھاڑے اس کی طرف دیکھتا رہا لیکن جب ٹائیگر نے قٹ بال کو ایک گناہ کی بات کی تو اس کی دلچسپی میں اچانک اضافہ ہو گیا۔

"ہیئتوروں کھلاڑی اس کھیل کو صرف کماتے کے لیے ہی اختیار نہیں کرتا، اس کے پیچھے انسانی جبلت بھی کام کرتی ہے۔ کبھی کبھی کوئی ہیئتور کھلاڑی کوئل دنیا کو اپنی ٹھوکروں پر بھی سمجھنے لگتا ہے۔ یہ ایک ایسی لت ہے کھلاڑی کا گلا دبا دیتی ہے۔ جس نے اپنی تسکین کے لیے قٹ بال کو پیشہ اور قتل و غارت گری کو مشغلہ بنا لیا ہے۔"

ہیرالم بے حد جوش و خروش میں تھا۔ وہ قٹ بال کے پیشہ ور کھلاڑیوں کی کارکردگی کے سلسلے میں بات کرنے لگا تو ٹائیگر کو حیران ہونا پڑا۔ کہ ہر وقت کھیل کے میدانوں میں دلچسپی لینے والا یہ شخص آخر قٹ بال کے کھیل کو کیا سمجھتا ہوگا۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ ہر پیشہ ور قٹ بال کے کھلاڑی کی کارکردگی سے آگاہ ہو۔ ٹائیگر اس کی باتوں سے تاج اخذ کر تا رہا۔ جیسے کہ ایک کھلاڑی کی اس کے ذہن سے چپک گئی۔ وہ بیگ کر پیدا کردہ کھلاڑی کے بارے میں ہیرالم سے سوالات کرنے لگا .... اور ہیرالم بڑی فراخ دلی سے اپنی معلومات کا خزانہ اس پر نچھاور کرتا رہا۔ جیسے کہ ٹائیگر کی آنکھوں میں وہ جھوک پیدا ہو گئی جو شکار کرتے والے کی آنکھوں میں شکار کرتے وقت پیدا ہو جاتی ہے۔

وہ نام ہی کا ہنگری نہیں تھا، اس کی فطرت میں بھی بھوک ہی بھوک تھی.... ایک ایسی بھوک جسے مٹانے کے لیے وہ اپنی تمام تر ہستی کو چیتے کی گردش میں رکھنے کا عادی تھا۔ وہ قٹ بال کا ایک چیمپئن کھلاڑی تھا۔ اسے کھیل کے میدان میں خاصی شہرت حاصل تھی جب اس نے اپنے دونوں ہاتھوں سے پہلے آدمی کو قتل کیا تو اسے فوراً ہی احساس ہو گیا کہ جلد یا بدیر اسے ایک اور قتل کرنا پڑے گا۔ کھیل کے میدان میں اس کی ٹھوکر سے جب ایک ہاف بیک کا گھٹنا ٹوٹا تھا تو اس کی چیخ سے اسے بے پناہ قوت حاصل ہوئی تھی۔ تب اسے اندازہ نہیں تھا کہ کسی کو اس انداز سے قتل کرنے میں اسے کس قدر لطف حاصل ہو سکتا ہے... اور اب اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ ہاتھ کی ضرب سے کسی شخص کو ہلاک کرنے سے بے پناہ تسکین ملتی ہے۔

قتل کرنا اس کے لیے ایک فطری ضرورت تھا۔ اس بات کا سراغ لگتے ہی اس کی بھوک بڑھ گئی تھی اور وہ اس معاملے میں ہر شہرت حاصل کرنا چاہتا تھا۔ وہ سراپا بھوک تھا... شہرت کی بھوک دولت کی بھوک کے ساتھ مل کر اس کے لیے اتنی بے چینی کا باعث بن گئی تھی کہ وہ سوچ رہا تھا کہ اب وہ قتل کیے بغیر زندہ ہی نہیں رہ سکے گا۔ اس نے جب حویلی کے ننگے فرش پر پڑے ہوئے گورین کو ہلاک کیا تھا تو اس کے سامنے دور دور تک تسکین کا ایک بیابان دروازہ قتل کیا تھا لیکن افسوس ہونے لگا کہ وہ اب تک اس معاملے میں اتنا بے خبر کیوں رہا۔ کتنی آسان سی بات تھی اور اسے کس قدر ہنسی آئی تھی، ٹھوکر لگنے کے بعد گورین جس طرح تڑپا تھا اس سے اس کی دھڑکنیں کس قدر لطیف ہو گئی تھیں۔ اس کی نس نس میں لطف خلیفیں مارنے لگا تھا۔ قٹ بال کے ساتھ ساتھ اس نے کراٹے میں بھی کمال حاصل کیا تھا اور شاید یہ اسی فن حرب کا تحفہ تھا کہ اس کی جبلت میں خون ریزی شامل ہو گئی تھی۔ وہ قتل اور غارت گری کا پیشہ بھی قٹ بال کے پیشے کی طرح متاع تصور کرنے لگا تھا۔ اس کے بینک بیلنس میں اچانک ہی کافی اضافہ ہو گیا تھا اور وہ اپنے بیلنس میں مزید اضافے کی شدید بھوک میں مبتلا ہو گیا تھا۔

مسٹر ونچ نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اسے تنہا قتل کرنے کا موقع بھی دے گا تو وہ دن رات اس چیز کے خواب دیکھنے لگا تھا۔ ونچ کی جسارت سے وہ بے حد متاثر تھا اور بحیثیت استاد وہ اسے ہر وقت اپنی دھڑکنوں میں بسائے رکھتا تھا۔ اس سلسلے میں اسے ونچ نے جو ہدایت کی تھی کہ وہ گورین کی تدفین کے وقت قبرستان میں موجود رہے تاکہ جیسے ہی اسے اپنا شکار دکھائی دے، وہ اسے قتل کرنے کے سلسلے میں کوئی لائحہ عمل تیار کر سکے۔ اسے شکار کا حلیہ بتا دیا گیا تھا۔ تدفین کے وقت وہ گہری نگاہ سے ایک ایک شخص کا جائزہ لیتا رہا... اسے قابل توجہ صرف ایک ہی شخصیت نظر آئی تھی لیکن وہ اس کا شکار نہیں تھا۔ اس شخص کے رخساروں کی ہڈیاں ابھری ہوئی تھیں اور اس کی آنکھوں کا رنگ بھورا تھا۔ علاوہ ازیں اس کی کلائیاں ویسی نہیں تھیں جیسی کہ ونچ نے شکار کا حلیہ بتاتے ہوئے اس کے... لڑکپن گزار کی تھیں... پھر اس شخص کی عمر بھی مطلوبہ آدمی سے زیادہ تھی اور بالآخر معلومات حاصل کرنے پر اسے پتہ چلا تھا کہ وہ آدمی کسی سینی ٹوریم میں ڈاکٹر ہے اور اس کا نام ہیرالم ہے۔

ونچ نے اسے جس شخص کے بارے میں بتایا تھا، خود ونچ اس کے نام اور پتے سے آگاہ نہیں تھا، وہ تو یہ سوچ کر اس کی قیام گاہ پر پہنچا اور اسے قتل کر کے تسکین جاں کے ساتھ ساتھ دولت بھی کما لیتا۔

آج اسے اسی سلسلے میں مسٹر ونچ سے ملنا تھا۔

ملاقات کا وقت جیسے جیسے قریب آ رہا تھا، اس کی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی کیونکہ وہ جلد از جلد یہ کام نبٹا کر تعطیل تک پہنچنا چاہتا تھا۔ اسے اس ملاقات کے لیے پورے ایک ہفتے تک انتظار کی کوفت برداشت کرنی پڑی تھی۔

اس نے کار کو پارکنگ میں ایک الگ تھلگ جگہ پارک کیا اور آہستہ آہستہ اس عمارت کی طرف بڑھنے لگا جہاں اس کی مسٹر ونچ سے ملاقات طے تھی۔ اس کے قدم جیسے جیسے عمارت کی طرف اٹھ رہے تھے، اس کی طبیعت میں ہیجان بڑھ رہا تھا۔ اسے اپنی حسین و جمیل بیوی سے شدید محبت تھی اور وہ دنیا کی ہر شے اس کے قدموں میں ڈھیر کر دینا چاہتا تھا۔ دولت کی اسے صرف اسی لیے ضرورت تھی کہ وہ اپنی بیوی کو خوش، مطمئن اور اپنی ذات تک محدود رکھنا پسند کرتا تھا۔

"گڈ آفٹرنون مسٹر ونچ۔" اس نے کمرے میں قدم رکھتے ہوئے کہا۔ ونچ اس وقت فن حرب کے لیے مخصوص چوغے میں تھا۔ اس چوغے کا رنگ سبز تھا اور اس کی تیاری میں مخمل سل کرتا ہوا ریشمی استعمال کیا گیا تھا۔

"آؤ ہنگری۔" ونچ نے مسکرا کر پیرائی کی۔ "میں محسوس کر رہا ہوں کہ تم اپنے ٹارگٹ کو دیکھنے میں کامیاب نہیں ہو سکے ہو۔"

"آپ کا خیال درست ہے، جناب! لیکن آپ نے یہ بات کیسے محسوس کر لی؟" اس نے حیرت سے دریافت کیا۔

"بہت سی چیزیں خود بخود میرے علم میں آ جاتی ہیں۔ میں اس سلسلے میں وضاحت کرنے سے قاصر ہوں۔ تم اسے میری چھٹی حس کا نام کہہ سکتے ہو۔" یہ کہتے ہوئے ونچ کے ہونٹوں پر بڑی پُراسرار مسکراہٹ پھیل گئی۔

اس مسکراہٹ کو دیکھ کر ہنگری کے دل میں بے چینی ابھر گئی۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس مسکراہٹ نے اس کے دل میں چٹکی لے لی ہو۔ اس کی بیوی مُحول نے جب مسٹر ونچ سے ملاقات کی تجویز پیش کی تھی تو وہ اس کی تعریف و توصیف میں زمین و آسمان کے قلابے ملا رہی تھی... اور جب وہ ونچ سے ملا تھا تو اسے بیوی کی باتوں میں ذرا سا بھی مبالغہ محسوس نہیں ہوا تھا۔ ونچ واقعی عظیم تھا... لیکن اس وقت ونچ کے ہونٹوں پر جو مسکراہٹ پھیل ہوئی تھی، وہ اس کے ذہن میں سوچوں کے نئے نئے دریچے کھول رہی تھی۔

"میرا خیال ہے، سب سے پہلے مجھے یہ دیکھنا چاہیے کہ میری تعلیمات تمہیں کہاں تک یاد ہیں؟" یہ کہہ کر ونچ نے لڑنے کا مخصوص انداز اختیار کر لیا۔

ہنگری نے فوری ردِعمل ظاہر کیا اور اپنی ریڑھ کی ہڈی کو دیوار کے متوازی رکھتے ہوئے وہی انداز اختیار کر لیا جو پچھلی ملاقات میں ونچ نے اسے سکھایا تھا۔ ونچ نے اس پر حملہ کیا۔ وہ اس کا وار نہ صرف روکنے میں کامیاب ہو گیا بلکہ اس نے بڑی مہارت سے خود کو دوبارہ متوازن بھی کر لیا تھا۔

"بہت خوب! مجھے خوشی ہے کہ تم بہت کم عرصے میں بہت زیادہ سیکھ رہے ہو، مشق جاری رکھو۔"

لیکن مسٹر ونچ! مسئلہ یہ ہے کہ جو انداز آپ مجھے سکھا رہے ہیں، اس میں میرا پورا جسم حریف کے لیے ایک بہترین ہدف بن جاتا ہے۔ آپ کا کہنا ہے کہ مجھے صرف دفاع کرنا ہے، حملہ نہیں کرنا، ایسی صورت میں...؟"

"ہنگری...! ونچ کا موڈ خراب ہو گیا۔ "کیا تم مجھے سکھاؤ گے؟ اگر تمہیں مجھ پر اعتماد نہیں تو...!" اس نے معنی خیز انداز میں اپنا جملہ ادھورا ہی چھوڑ دیا۔

"مم... مجھے آپ پر پورا اعتماد ہے۔" ہنگری گڑبڑا گیا۔ "میں نے تو ایک خدشے کا اظہار کیا تھا۔"

"اس کی ضرورت نہیں۔ میں ماسٹر ہوں اور مجھے معلوم ہے کہ کب حملہ کرنا چاہیے اور کس شخص پر حملہ کرنا چاہیے۔ یقین کرو کہ تم جس شخص کو شکار کرنے کے لیے تیار ہو رہے ہو، اس پر حملہ کر کے تم ایک لمحہ بھی زندہ نہیں رہ سکتے۔ جانتے ہو کیا ہو گا؟ تمہارا دفاع، اس کی قوت کو مخالف رُخ میں بدل ڈالے گا اور خود بخود ہی حملے کی صورت اختیار کر لے گا۔"

"اوہ... میں واقعی احمق ہوں۔" ہنگری نے ندامت سے کہا۔ "بہرحال، میں اس شخص کو کہاں تلاش کروں؟"

"اُسے تلاش کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ خود ہی تمہیں تلاش کر کے تم تک پہنچے گا۔"

ہنگری نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"اور اب پندرہ ہزار ڈالر کمانے کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"نیک خیال کی میں ہمیشہ تائید کرتا ہوں' چیف!" ہنگری نے تعظیماً ویٹر کے سامنے جھکتے ہوئے جواب دیا۔

ویٹر اُسے ایک عمارت کا مکمل وقوعہ سمجھانے لگا۔ اس بات چیت میں پورے بیس منٹ صرف ہو گئے اور جب ہنگری' ویٹر سے رخصت ہو کر عمارت سے باہر آیا اور اپنی کار کی طرف بڑھنے لگا تو اس کا رُواں رُواں خوشی سے جھوم رہا تھا۔ پہلے تو اس کے جی میں آیا کہ اپنی بیوی جولی کو فون کر کے بتا دے کہ وہ اس وقت جس مشن پر جا رہا ہے' وہ وہی عمارت ہے' جہاں وہ کچھ عرصے پہلے تک خاتون خزانچی کی حیثیت سے ملازمت کر رہی تھی۔

یہ ایک بینک تھا جس کا نقشہ ویٹر نے اُسے اچھی طرح ذہن نشین کرانے کے بعد اُسے ایک چابی بھی دے دی تھی جس کی مدد سے وہ ایک مخصوص دروازہ کھول کر بینک میں داخل ہو سکتا تھا۔

اس بینک کے تین دروازے تھے۔ دو دروازے سامنے تھے اور وہاں دُنیا جہان کے الارم نصب تھے جبکہ تیسرا دروازہ عقب میں تھا اور وہاں کوئی الارم اس لیے نہیں لگایا گیا تھا کہ اس دروازے سے بینک کے اس حصّے تک رسائی ممکن نہ تھی۔ جہاں خاص قسم کے ٹائم لاک سے مزیّن ایک تجوری تعمیر کی گئی تھی۔ حفاظتی نکتہ نگاہ سے یہ تجوری' قفل شکن لوگوں کے لیے ایک چیلنج کی حیثیت رکھتی تھی اور جب سے یہ تجوری تیار ہوئی تھی' بہت سے قفل شکن اپنا پیشہ چھوڑ کر دوسرے نسبتہً آسان پیشوں کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ تمام رقم شام پانچ بجے اس تجوری میں رکھ کر ٹائم لاک لگا دیا جاتا تھا اور پھر انتظامیہ صبح تک کیش کی حفاظت کے سلسلے میں بے پروا ہو جاتی تھی۔

ہنگری کی کار مطلوبہ بینک سے کچھ فاصلے پر رک گئی۔

وہ کار سے اُترا اور عقبی گلی میں قدم اُٹھانے لگا۔ اس نے کچھ آگے جا کر دیکھا تو عمارت کی ایک کھڑکی روشن نظر آئی۔ ویٹر نے اُسے ہدایت کر دی تھی کہ جب تک وہ ہر طرف سے مطمئن نہیں ہو جاتا' عقبی گلی میں داخل نہ ہو کیونکہ عقبی گلیاں خاص طور سے چوروں چکاروں کے سلسلے میں پولیس کی نگاہ میں رہتی ہیں۔ وہ بینک کے مقابل پہنچ کر پہلو کی گلی میں گھوم گیا۔ اُسے اطمینان تھا کہ ٹائم لاک کی وجہ سے پولیس بینک کی نگرانی نہیں کرتی لہٰذا اس گلی میں کوئی پہرے دار بھی موجود نہیں ہو گا۔ اُسے بار بار ویٹر یہ بات یاد کر کے ہنسی آ رہی تھی کہ تحفظ کا وہم ہی سب سے بڑی کمزوری ہوتی ہے...

اور اس وقت وہ اسی کمزوری سے استفادہ کرنے جا رہا تھا۔

مین اسٹریٹ سے عمارت کی چھت بھی دکھائی دیتی تھی۔ یہ ڈھلواں چھت زرد رنگ کی تھی۔ وہ گلی سے ڈرائیو وے میں نکل آیا اور پھر گھاس کے ایک قطعے میں چلنے لگا ایک جگہ اس کا پاؤں پانی میں پڑ گیا۔ اس نے گھاس پر جوتوں کے تلے رگڑ کر صاف کیے اور تیزی سے آگے بڑھ گیا۔

اب وہ عقبی دروازے سے زیادہ دُور نہیں تھا۔

عقبی گلی میں نکل کر وہ اس دروازے کی طرف بڑھنے لگا تو اُسے ٹھٹک جانا پڑا۔ اس کی سماعت سے اچانک ہی کئی قدموں کی چاپ ٹکرانے لگی تھی۔ یہ غالباً گشتی سپاہی تھے جو سامنے سے اسی گلی میں چلے آ رہے تھے۔ ہنگری کو اس بات کی توقع نہیں تھی لیکن اب وہ کچھ بھی نہیں ہٹ سکتا تھا۔ اچانک اُسے ایک دیوار میں محراب سی نظر آئی۔ وہ جلدی سے اسی میں جا کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے سانس روک لی اور گشتی سپاہیوں کا انتظار کرنے لگا۔

سپاہی تعداد میں دو تھے۔ وہ باتیں کرتے ہوئے اسی جانب چلے آ رہے تھے' جہاں ہنگری دیوار کی محراب میں کسی مجسّمے کی طرح ساکت کھڑا تھا۔ باتوں میں مشغول ہونے کی وجہ سے وہ اطراف سے بے خبر تھے۔ اس لیے ہنگری کے سامنے سے گزر گئے۔ نیم تاریکی کے باعث بھی وہ اسے دیکھنے میں کامیاب نہ ہو سکے تھے۔

جیسے ہی وہ دونوں گلی کے موڑ سے گھوم کر ہنگری محراب سے نکلا اور بینک کے عقبی دروازے پر پہنچ گیا۔ اس نے چابی نکال لی۔ یہ چابی مسٹر ویٹر ہی نے اُسے فراہم کی تھی۔ چابی تالے میں ڈال کر اس نے تیزی سے دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو کر اسے دوبارہ بند کر کے لاک کر دیا۔ اب بیرونی دُنیا سے اس کا تعلق ختم ہو گیا تھا۔

• اندر آنے کے بعد وہ رُک کر آہٹ لینے لگا۔

چند لمحوں کے بعد مطمئن ہو کر وہ زینے کی طرف بڑھ گیا۔ اچانک ایک خالی ڈبیہ اس کے پیروں تلے آ کر چرچرا اُٹھی۔ وہ ٹھٹک گیا جب کوئی ردِعمل سامنے نہیں آیا تو وہ ایک طویل سانس لے کر آگے بڑھ گیا۔ اس کا رُواں رُواں ہیجانی کیفیت کا شکار تھا۔ اس کے جسم میں بار بار سنسنی کی لہریں دوڑ رہی تھیں اور اس کا دورانِ خون پہلے سے کہیں زیادہ تیز ہو گیا تھا۔ دل کی دھڑکنوں میں بھی طغیانی کی سی کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔

چلتے چلتے ایک دروازہ اچانک ہی یوں اس کی راہ میں حائل ہو گیا کہ اس کی پیشانی کواڑ سے ٹکرا گئی۔ ایک ہلکا سا دھماکا ہوا اور اس کے ساتھ ہی ایک مردانہ آواز سناٹے کا جگر چیر گئی۔ "ٹھہرو

... باہر دروازے پر کوئی موجود ہے!"

"ٹھہرو کان بجنے لگے ہیں!" کسی نے سرزنش کی۔ "چلو پتے بانٹو۔"

ہنگری بے اختیار مسکرا دیا۔ مسٹر ویٹر نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ تحفظ کا یقین ہی سب سے بڑی کمزوری ہے۔ تین لوگوں نے اپنے ساتھی کی بات ماننے سے انکار کر دیا تھا۔ انھوں نے چونکہ الارم کی آواز نہیں سنی تھی۔ اس لیے وہ یقین ہی نہیں کر سکتے تھے کہ کوئی بینک میں داخل ہوا ہو گا۔

ہنگری نے دروازے کی ناب پر ہاتھ رکھا اور اُسے گھمایا تو دروازہ کھل گیا۔ اُسے اندر سے مقفل نہیں کیا گیا تھا۔

ہنگری جس کمرے میں داخل ہوا' وہ روشن تھا۔ غالباً اسی کمرے کی روشنی باہر سے نظر آئی تھی۔ یہ ایک بڑا میٹنگ ہال نما کمرہ تھا... جہاں تازہ پالش کیا ہوا قیمتی فرنیچر سجا ہوا تھا۔ کروم لائٹیں کی وجہ سے کمرے کا گوشہ گوشہ روشن تھا۔ جہاں کئی کی ایک بڑی سی میٹنگ ٹیبل پر پانچ آدمی بیٹھے تاش کھیل رہے تھے... دروازہ کھلنے کی آواز پر انھوں نے چونک کر اپنے پتّوں سے نگاہ اُٹھائی اور ہنگری کی طرف دیکھنے لگے۔ ہنگری نے ہونٹوں پر دوستانہ نوعیت کی مسکراہٹ سجالی تھی۔

"یہ ہنگری ہے..." سینٹر وائس پریذیڈنٹ نے اُسے دیکھتے ہی کہا۔ اس کی موٹی موٹی انگلیاں اپنے پتّوں سے لپٹی ہوئی تھیں لیکن وہ گہری نظروں سے ہنگری کو دیکھ کر اپنے پہلو میں براجمان شخص کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

"کون ہنگری؟" اس شخص نے دریافت کیا۔

ہنگری نے اُسے پہچان لیا۔ وہ بینک کا پریذیڈنٹ تھا۔

"خاتون خزانچی جولی کا شوہر!" سینٹر وائس پریذیڈنٹ نے جواب دیا۔ "اسسٹنٹ ہیڈ کیشیئر!" یہ کہہ کر وہ پریذیڈنٹ کی طرف جھک گیا اور سرگوشی میں بولا۔ "وہی حسین عورت جس کی ریڑھ کی ہڈی پر ایک خوش نما تل ہے!"

"اوہ..." پریذیڈنٹ نے ایک طویل سانس لے کر اثبات میں سر ہلا دیا... پھر وہ ہنگری کی طرف متوجہ ہوا اور بولا۔ "تم شاید وہی ہو جسے کھیل میں سفائی کا مظاہرہ کرنے پر نکال دیا گیا تھا!"

"ہاں' میں نیشنل ٹیم کا نٹ بال رہا ہوں!" ہنگری نے جواب دیا۔

"بہرحال' تم کیا چاہتے ہو۔ ہم اس وقت ایک اہم میٹنگ میں مصروف ہیں۔ مجھے بتاؤ کہ تم کیا چاہتے ہو' اس کے بعد میں تم سے ضرور پوچھوں گا کہ تم اندر کیسے داخل ہوئے؟"

"میں دیکھ رہا ہوں کہ تم لوگ کسی میٹنگ میں نہیں بلکہ تاش کے کھیل میں مصروف ہو۔"

"یہ جھرات کی طے شدہ میٹنگ ہے اور ہم کبھی کبھی کاروباری باتوں سے اُکتا کر تھوڑی دیر کے لیے تاش کی بازی لگا لیا کرتے ہیں۔" بینک کے صدر نے کہا۔ "لیکن اس سے تمھیں کوئی مطلب نہیں ہونا چاہیے تم تو صرف یہ بتاؤ کہ یہاں کیوں آئے ہو؟"

ہنگری کے ہونٹوں پر لذت آمیز مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ اس آدمیوں کو دیکھتا رہا... لیکن اب اس کے مہربانہ لہریں ہو تا جا رہا تھا۔ اس نے سب سے پہلے' قریب ترین آدمی کا انتخاب کیا جو اُس کی طرف دیکھ دیکھ کر آنکھیں پھاڑ رہا تھا۔ معاً ہنگری کا دایاں ہاتھ کرائے کی ضرب کے لیے بلند ہوا اور جب اس شخص کی کھوپڑی کے درمیانی حصّے پر پڑا تو اس کا سر کھل گیا۔ وہ اسی طرح آنکھیں... پھاڑے میز کے ٹاپ پر گر گیا۔ میز پر پڑی ہوئی چپس اس کا سر گرنے کی وجہ سے منتشر ہو گئیں۔ اس سے قبل کہ باقی ماندہ لوگوں کو احساس ہوتا کہ وہ کتنی بھیانک صورتِ حال سے دوچار ہو چکے ہیں' ہنگری کسی بھوکے بھیڑیئے کی طرح کود کر دوسرے شکار کے قریب پہنچ چکا تھا۔ ہنگری نے اس کے چہرے پر طمانچے ہاتھ کی انگلیوں سے وار کیا جس سے اس کا چہرہ مسخ ہو گیا۔ چوٹ بڑی ہی شدید تھی اور اسے شدید ترین جذبے سے لگایا گیا تھا۔ اس لیے شکار کا چہرہ ایک ہی ساعت میں ناقابلِ شناخت ہو گیا۔ اس کے فوراً ہی بعد ہنگری پریذیڈنٹ کے پہلو میں پہنچ گیا۔ ایک بار پھر اس کا ہاتھ بلند ہوا۔

اس مرتبہ ہنگری کا ہاتھ نیچے آیا تو پریذیڈنٹ کی کھوپڑی کے بائیں حصّے پر ضرب پڑی۔ یہ کیسی کلہاڑی جیسی چوٹ تھی' جہاں لگی وہاں اس کے شکار کو قیامت ٹوٹ پڑنے کا احساس ہوا ہو گا... لیکن یہ احساس عارضی تھا کیونکہ اگلے ہی لمحے اس پر موت نے اپنا ہولناک سایہ مسلط کر دیا تھا۔ اس کی پیشانی میز کے کنارے کی طرف جھکی اور پھر اس کے ہاتھ میں پکڑے ہوئے پتے زمینی سطح پر منتشر ہو گئے۔

اس کا جو تھا شکار کرسی سے اُٹھ کھڑا ہوا تھا اور مسلسل پیچھے ہٹ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر سنسنی چھا گئی تھی' وہ آنکھیں بتا رہی تھیں کہ موت کے خوف نے اس کے جسم کا سارا ہی خون چوس لیا ہے۔ یہ ایک ایسا منظر تھا جس نے ہنگری کے دل میں لطف و لذت کے نئے اور انوکھے احساس کی بنیاد رکھ دی۔ وہ کسی چیتے کی طرح دبے قدموں آگے بڑھتا رہا... اور اس کا شکار آہستہ آہستہ پیچھے ہٹتا رہا حتیٰ کہ اس کے عقب میں دیوار آ گئی' اور اس کے لیے مزید پیچھے جانے کی گنجائش ختم ہو گئی۔ تب اس کی آنکھوں سے دہشت کے ایک نئے باب کا احساس

ہونے لگا۔

ہنگری کا دایاں ہاتھ آہستہ آہستہ اُٹھ کر اپنے سینے کے متوازی ہوگیا۔ اس کی انگلیاں اکڑ گئیں۔ ان انگلیوں کے ناخن نتھے نتھے نوکیلے نیزوں کی انیوں جیسے لگ رہے تھے... پھر یہ ہاتھ کسی ناگ کی طرح آگے بڑھا۔ بالکل یوں جیسے ناگ ڈس لیتا ہے۔ اس کی انگلیاں شکار کے سینے سے ٹکرائیں اور پھر یوں دھنستی چلی گئیں جیسے وہ گوشت پوست کی بجائے مکھن کا بنا ہوا آدمی ہو... ہنگری لُطف کی انتہا محسوس کر رہا تھا اس کی دیوانگی تسکین آشنا ہو چکی تھی... اور جب وہ اپنی انگلیاں شکار کے سینے سے واپس کھینچ رہا تھا تو اس کے بغلی جذبوں کو بھی ایک عجیب سی راحت مل رہی تھی۔ اس نے لمحاتی طور پر آنکھیں بند کر لیں... لیکن وہ زیادہ دیر تک اس پُرلطف احساس میں ڈوبا نہیں رہ سکتا تھا کیونکہ ابھی اس کمرے میں ایک آدمی زندہ تھا... ابھی ایک شکار باقی تھا۔

یہ شکار اپنے سینے سے اُبلتے ہوئے خون کو چھٹی چھٹی مُردہ آنکھوں سے گھورتا ہوا دیوار کے سہارے نیچے فرش کی طرف جھکتا جا رہا تھا حتیٰ کہ وہ اندازِ نشست میں موت سے ہمکنار ہو گیا اور اس کا مُنہ اپنے سینے پر گر پڑا۔ سینے سے بہنے والے جل جل خون پر اس کے مُنہ کا جھکاؤ کچھ یوں ظاہر کر رہا تھا جیسے کوئی شخص خود اپنا ہی خون پی رہا ہو۔

ہنگری اپنے آخری شکار کی طرف متوجہ ہو گیا۔ ——— وہ کسی مجسمے کی طرح کرسی پر بیٹھا ہنگری کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں زندگی کی بھیک مچل رہی تھی اور چہرے پر پھیلے ہوئے نزع کے جیتے تاثرات استدعا کر رہے تھے کہ اُسے زندہ چھوڑ دیا جائے۔ اس وقت ہنگری کی حالت ایک ایسے پیاسے جیسی تھی جس نے ہی بھر کر پانی پی لیا ہو اور سیراب ہونے کے بعد مزید پانی کی ضرورت نہ ہو لیکن اس کے باوجود وہ لُطف و لذت کی چند ساعتوں سے روشناس ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ ایک ایسے شخص کو بھلا کون زندہ چھوڑتا ہے جس نے کسی کو اپنی آنکھوں سے قتل کرتے دیکھا ہو۔

ہنگری دو ڈگ بھرتا ہوا آیا اور پھر اس کی دائیں ٹانگ اُٹھ کر فٹ بال کی طرف آئی جیسے وہ فٹ بال کو کِک لگا رہا ہو۔ یہ ایک شاندار کِک تھی اور اس کا نشانہ بے حد سچا تھا۔ پہلی ٹھوکر نے اس شخص کا کندھا توڑا جبکہ باقی تین ٹھوکروں نے اس کے دونوں کولہوں اور دُوسرے کندھے کی ہڈی توڑ ڈالی تھی۔

ہنگری نے رُک کر کمرے پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالی۔

ہر شکار اس کی ظلم و بربریت کا شاہکار بنا ہوا تھا۔ ساکت جسموں والی بولتی تصویریں تھیں جو اپنی خاموش زبان سے داستانِ ستم بیان کر رہی تھیں... اگر ہنگری کے پاس وقت ہوتا تو وہ ان لاشوں سے مزید لُطف اندوز ہوتا لیکن اب اُسے وِنچ کی ہدایت کے مطابق کام ختم ہوتے ہی وہاں سے نکل جانا چاہیے تھا۔ اس نے باری باری پانچوں آدمیوں کی تلاشی لی اور ان کی جیبوں سے رقم نکال کر میز پر ڈھیر کرتا گیا۔ کل رقم چودہ ہزار تین سو پچھتر تھی جب کہ وِنچ کے مطابق اس رقم کو پورے پندرہ ہزار ہونا چاہیے تھا۔ وہ حیران تھا کہ باقی چھ سو پچیس کی رقم کہاں ہے؟ اس نے کمرے میں اِدھر اُدھر دیکھا۔ وہاں رقم تلاش کرنے میں کافی وقت لگ سکتا تھا اس لیے وہ ان پانچوں سے حاصل ہونے والی رقم لے کر کسی خاموشی سے باہر آ گیا جس طرح عمارت میں داخل ہوا تھا۔

اپنی کار کی طرف چلتے وقت وہ سیٹی پر ایک مقبول دُھن بجانے پر مجبور ہو گیا تھا۔ وِنچ نے ٹھیک ہی کہا تھا کہ جو کچھ ملازمین جانتے ہیں، وہ مالکان کے علم میں کبھی نہیں ہوتا۔ وہ اپنے مالکان کے بارے میں نسبتہً زیادہ جانتے ہیں اور بہت کم بتاتے ہیں۔ جرائم کو ہونے والا یہ خراج بینک کے اعلیٰ افسران کی دانست میں صرف اُنہی کی ذات تک محدود تھا جبکہ دوسرے ذہین لوگ اس سلسلے میں سب کچھ جانتے تھے حتیٰ کہ مسٹر وِنچ کو یہاں تک معلوم تھا کہ ان میں سے فی کس تین ہزار کی رقم لے کر آتا ہے... اور یہی پندرہ ہزار ہنگری کا انعام تھا۔ پانچوں جواری موت کی وادیوں میں اُتر گئے تھے اور ہنگری اپنی کامیابی کی داستان وِنچ کو سنا رہا تھا جس کا سراسر انحصار میں ہل کر اس کی تعریف کا اظہار کر رہا تھا۔

وِنچ نے اس سے وعدہ کیا کہ وہ اُسے ایسے ہی اور ٹارگٹ بھی مہیا کرے گا... لیکن اس کا سب سے بڑا ہدف ٹائیگر تھا... شہزاد ٹائیگر، جس کے بارے میں وِنچ نے کہا تھا کہ اُسے تلاش کرنے کی ضرورت نہیں، وہ خود ہی اس تک پہنچ جائے گا۔

ٹائیگر نے فون کی طرف دیکھا اور کافی سے اُٹھ کر ریسیور اٹھا لیا۔ دوسری طرف سے بہرام بول رہا تھا۔ تم نے بینک کے عقبی حصے میں والی خول ریزی کے بارے میں سنا؟ چیف بہرام پوچھ رہا تھا۔

"نہیں، میں آج دن بھر کمرے سے باہر نہیں نکلا۔"

"تمہیں کم از کم اخبار تو روزانہ دیکھ لینا چاہیے۔"

"آئندہ خیال رکھوں گا سویٹ ہارٹ! بینک کا کیا معاملہ ہے؟"

جواباً بہرام نے اُسے بینک کے اعلیٰ افسران کی عجیب و غریب اموات کا حال تفصیل سے سُنا دیا۔

ٹائیگر کے ہونٹ خاموش سیٹی بجانے کے انداز میں سکڑ گئے۔

"میں چاہتا ہوں کہ تم وہاں جاؤ اور حالات کا جائزہ لو۔ خاص طور سے یہ دیکھنا کہ ان لوگوں کی موت کس انداز میں واقع ہوئی ہے؟"

"بہتر ہے۔" ٹائیگر نے کہا۔ اس قسم کی خول ریزی کا سُن کر خود اس کے دل میں ہتھوڑے کا ایک زوردار مُکا اُٹھتا تھا اور اس کے دل میں قاتل یا قاتلوں کو دیکھنے کی ایک عجیب سی جستجو تک موت سے ہمکنار کرنے کی بیباک سی چاہ جاگ جاتی تھی۔

وہ اُٹھا اور سیڑی سے کپڑے بدلنے لگا۔ کچھ دیر قبل اس کے اندر سے جو کاہلی ظاہر ہو رہی تھی اب اس کا نام و نشان تک نہیں تھا۔ کمرہ تھنڈا کر کے وہ ہوٹل سے باہر آیا اور ایک گشتی ہوئی ٹیکسی کو روک کر اس بینک کی طرف روانہ ہو گیا جس کے بارے میں بہرام نے اُسے اطلاع دی تھی۔ جب وہ وہاں پہنچا تو اُسے بینک کے سامنے پولیس کی ایک کار کھڑی نظر آئی۔ ٹیکسی سے اُتر کر اس نے پرس سے ٹرانسپورٹ کا ایک کارڈ منتخب کیا اور اُسے پرس سے نکال کر جیب میں ڈال لیا۔ اس کارڈ کے مطابق وہ ایک مشہور صنعتی ادارے کا نمائندہ ٹرانسپورٹر تھا۔ اس قسم کے کئی کارڈ ہر وقت اس کی جیب میں موجود رہتے تھے اور وہ موقع محل کی مناسبت سے کسی ایک کارڈ کا انتخاب کر کے اس کے مطابق اپنی حیثیت اختیار کر لیتا تھا۔ یہ کارڈ فرضی نہیں تھے اگر اس کے ہیڈ کوارٹر کی تصدیق کی جاتی تو وہ درست ہی ثابت ہوتا۔

ٹائیگر نے ایک پولیس والے کی ناک کے نیچے اپنا کارڈ لہرایا اور دریافت کیا۔ "تم لوگوں کا انچارج کون ہے؟"

پولیس مین نے متعلقہ معلومات فراہم کیں اور پھر اُسے متعلقہ حصے کی طرف جانے کی اجازت دے دی جہاں وہ اس کیس کے تفتیشی افسر سے ملا۔ اس نے خود کو متعارف کرایا اور صورتِ حال معلوم کی۔

انچارج ایک اچھا آدمی تھا اور اختیارات کے استعمال میں بہت حزم سے کام لیتا تھا۔ اس نے تقریباً پانچ منٹ لگائے اور جو کچھ اُسے معلوم تھا اور جسے وہ کسی بھی انویسٹی گیٹو نیوز ایجنسی کو بتا سکتا تھا۔ وہ بتانے کے بعد خاموش ہو گیا۔ ٹائیگر کے ماتھے پر فکر و تردد کی کئی سلوٹیں نمودار ہو گئی تھیں۔ بہرام نے اُسے جو کچھ بتایا تھا۔ یہ معاملہ تو اس سے کہیں زیادہ دردناک تھا۔

پولیس کے انچارج کا خیال تھا کہ یہ قتل لُوٹ مار کے لیے نہیں کیے گئے تھے بلکہ ان کے پیچھے کوئی تحریری ہاتھ کارفرما تھا کیونکہ ہر مقتول کی جیب سے کچھ نہ کچھ رقم برآمد ہوئی تھی۔ پیسوں کی رقم پر پڑی ہوئی پیپس کی ڈھیری کے نیچے سے ملی تھی... لیکن اُسے لُوٹ مار کی واردات کہا جا سکتا تھا کیونکہ ہر مقتول جانتا تھا کہ مرنے کے بعد بھی کیسے تھے۔ قاتل کس تین ہزار کی رقم لے کر ضرور آتے تھے۔ انچارج نے ٹائیگر کو یہ بھی بتایا کہ کمرے میں کسی میز سے متعلق آدمی کے فنگر پرنٹس نہیں ملے۔

"ہمل... تو تمہارا کہنا ہے کہ ان سب لوگوں کو تیز دھار آلے سے قتل کرنے کے علاوہ کوئی اور وجہ نہیں تھی؟" ٹائیگر نے تصدیق چاہی۔

انچارج نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

وہ اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ اس وقت تک وہاں تماشائیوں کا ایک ہجوم اکٹھا ہو گیا تھا۔ معاً انچارج کی نگاہ ہجوم میں سے کسی چیز پر ٹھہری۔ اس نے کسی شناسا کو اس ہجوم میں شامل پایا تھا۔ اس کے ماتھے نے بتائے بغیر تاثرات سے عُمدہ سمجھ لیا تھا۔ "یہ آدمی کون ہے؟" انچارج نے آگے آتے ہوئے پوچھا۔ ٹائیگر نے ایک شخص کی طرف دیکھا جو آگے آنے کی اجازت دے دی۔

ٹائیگر نے قریب آتے ہوئے شخص کو دیکھا۔

"یہ ہمارا تحقیقاتی عملہ ہے۔ ہم کافی دیر سے یہاں موجود ہیں، تم تو اُسے جانتے ہو گے؟"

اتنے میں وہ شخص ان کے قریب پہنچ گیا۔ انچارج نے اُسے آڑے میں متعلقہ گواہ سمجھا۔ ٹائیگر نے اس کی طرف دیکھا۔ متعلقہ تاثرات میں اس نے پہچان لیا تھا۔ اس کے پیشے مخصوص تھے اور ہم کسی نہ کسی حد تک ایک دوسرے کے پیشے سے واقف تھے۔ اس نے ٹائیگر کے قریب آ کر کہا۔ اس نے ٹائیگر کو مخاطب کیا تھا۔ انچارج کی موجودگی کے تحت جس طرح ٹائیگر اور اس کے ماتحت پیش آ رہے تھے بالکل اسی طرح تو نہیں لیکن وہ اُن ہی اصطلاحوں کے تحت بات چیت کر رہا تھا۔

"سر، ہنگری کی ہیڈ آفس میں ہلاکت ہے اور یہ اس کے تحفظ کے سلسلے میں تعینات تھے۔ ہنگری کے معاملے کے لیے بھیجے ہوئے ہمارے ایجنٹ نے ٹائیگر کی طرف دیکھا۔ ٹائیگر نے اُسے بتایا تھا کہ اس کے دل میں کھٹکنے والا آخری خدشہ کا اندیشہ بھی ختم کر دیتے تھے۔ ٹائیگر نے محسوس کیا کہ ہنگری کے ساتھیوں کی اس کی گفتگو میں دلچسپی ختم ہو چکی ہے۔ وہ اُٹھ کر جانے لگا تھا۔ یہ اچھا ہوا تھا۔ اب کسی کو اس کے بارے میں کچھ یاد نہیں رہے گا۔

انسان اور شیطان
مصنف محمد قمر انور
امیر علی خان کی خوفناک آپ بیتی
فون 7668958

دہ چہرے سے ایسے تاثرات کا اظہار
گر رہا تھا جسے ٹائیگر اس کے لیے اجنبی
ہو... یہ سن کر ٹائیگر نے اچانک محسوس کر لیا تھا کہ وہ اُسے پہچانتا ہے اور اس کی نظروں کو یہاں ہنگری کے لیے تشخیت کا کام کر رہی ہیں اگرچہ یہ ٹائیگر کے لیے اجنبی تھا لیکن اپنی مخصوص جبلت کے تحت ٹائیگر کو پتہ چل گیا کہ اُسے اس اجنبی کی تحت سے ضرورت ہے۔ معاً خوف کی تند تیز ہنگری نے طاقت آزمائی کی جبلت کو تہہ تل کر دیا اور ٹائیگر کی آنکھوں میں خوشی کی چمک لہرا گئی ٹائیگر نے اپنا ہاتھ بے حد آہستہ آہستہ ہلانا شروع کر دیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ مستقبل کے اس حریف کو اپنے بالکل پاس جس قدر بھی خوش فہمی میں مبتلا رکھے گا اتنا ہی اس کا کام سہل ہو گا۔

"تمہیں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہنگری پولیس گیٹس کے حالات نے مجھے یہ کہنے پر مجبور کیا ہے کہ یہ قتل وغارت گری کی ہے دھاس وقت یہاں سے سنگری دل میل تعداد نکل گیا ہو گا اور اب کبھی واپس نہیں آئے گا۔ اب رہے تمہارے تحسین ہوئی کو کوئی خطرہ لاحق نہیں ہو سکتا۔"

"ہو سکتا ہے تم ٹھیک ہی کہتے ہو۔" ہنگری نے جواب دیا اب وہ اچانک ٹائیگر کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"کیا میں اُن لاشوں کو ایک نظر دیکھ سکتا ہوں۔" ٹائیگر نے اچانک کو اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے پوچھا۔

"اوہ! ان میں سے دو کی تو فوراً ہی طور پر موت ہو گئی تھی۔" اچانک نے جواب دیا۔ "ہنگری حالات میں پولیس کبھی کبھی بے حد بے بس ہو جاتی ہے۔ ہاں آپ ضرور دیکھ لیں۔ ہم تو فن گھر میں پڑے ہیں ان کو کل دفنا دیا جائے گا۔"

"میں ان لاشوں کو دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"اس میں آپ کو تھوڑی سی دشواری ہو گی۔" اچانک نے ٹائیگر کے دوسرے ساتھیوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "لاشیں ہنگری پولیس ہیڈ کوارٹر میں ہیں۔ اگر آپ کہتے ہیں تو میں آپ کے لیے انتظام کر دیتا ہوں۔"

"میرے لیے یہ ضروری ہے۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔

"لاشوں کے معائنے میں آپ کی تصویر میں زیادہ مدد نہیں دے سکتا۔" ٹائیگر اس انداز میں بولا جیسے اُسے لاشوں کو دیکھنے میں کوئی خاص دلچسپی نہ ہو اور محض جستجو کر رہا ہو۔

"میں ان میں سے ایک خاتون کا تذکرہ سننا چاہتا ہوں۔" ہنگری نے کہا۔ "ہنگری ہے اس لیے آپ کی تصویر دیکھ لوں۔"

"اوہ! اچھا۔" اچانک

کے پاس بھیجا تھا۔ ایک بار پھر ٹائیگر گواندھیرے میں بھٹکنا پڑ رہا تھا کہ بہرام کو وہ خاص ماتحت گورین کیوں قتل ہوا تھا اس کے ساتھ ساتھ اب اُسے ایک لاش بھی ٹھکانے لگانی تھی۔ وہ اپنے دائیں ہاتھ سے کام کرنے لگا کیونکہ بایاں بازو کندھے کے نیچے سے انگلیوں کی پوروں تک مفلوج حالت میں لٹک رہا تھا اور وہ اسے استعمال نہیں کر سکتا تھا۔ اُسے اپنے بائیں بازو پر کسی پیلی شارخ کا گمان ہو رہا تھا جو ٹوٹنے کے باوجود درخت سے علیحدہ نہ ہوئی ہو۔

اس وقت وہ بینک افسران میں سے جس شخص کی لاش کے قریب کھڑا تھا، وہ حسابات کے ناظر کی لاش تھی۔ ٹائیگر نے تابوت کا جائزہ لیا تو اُسے ناظرِ حسابات کے نیچے سُرخ رنگ کا گدّی دار بستر سا دکھائی دیا۔ یہ بستر تابوت میں لاش کو سیدھی رکھنے کے لیے ایک سہارے کا کام دے رہا تھا۔ ٹائیگر نے محسوس کیا کہ یہ گدّی دار بستر خاصا دبیز ہے۔ اس نے دائیں ہاتھ سے تابوت میں پڑی ہوئی لاش اُٹھائی اور ڈھکنے پر رکھ دی۔ اُسے بہت تیزی سے کام کرنا تھا کیونکہ وہ ایک ایسی جگہ تھی جہاں کسی وقت بھی کوئی آ سکتا تھا۔

لاش اُٹھانے کے بعد اُس نے گنش والا حصہ ایک طرف سے اُدھیڑنا شروع کر دیا۔ بستر اُدھیڑنے کے بعد ٹائیگر نے نیچے بنے ہوئے کمپمپوں کے جال کو توڑ کر ہموار کیا اور فرش سے ہنگری کی لاش اُٹھا کر اُس خلا میں ڈال دی جو بستر کی جگہ بن گیا تھا۔ اس کام سے فارغ ہونے کے بعد ٹائیگر نے اُدھڑا ہوا کپڑا ٹھیک سے ہنگری کی لاش پر پھیلایا اور اُس کے چہرے پر تکیہ بنانے کے لیے کچھ روئی اور اسفنج سیٹ کر چھوٹا سا ڈھیر لگا دیا۔

محتاط نظروں سے دائیں بائیں دیکھ کر اُس نے ایک بار پھر تابوت بند کے ڈھکنے پر پڑی۔ ناظرِ حسابات کی لاش اُٹھائی اور اُسے بستر پر ڈال دیا۔

ٹائیگر کے ہونٹوں پر بے اختیار مسکراہٹ رینگ آئی۔

"تم جس انوکھی اور غیر معمولی بات کا ذکر کر رہے تھے، وہ یہ ہے، ہنگری!" وہ زیرِ لب بولا۔ "دنیا میں شاید ہی کہیں ایسا ہوا ہو کہ مقتول اپنے قاتل کی لاش پر سواری گانٹھتا ہوا آخرت کے سفر پر روانہ ہوا ہو... یا قاتل اور مقتول کی ایک ہی وقت میں ایک ہی تابوت میں اور ایک ہی قبر میں تدفین ہوئی ہو۔"

اس نے تابوت سے ایک قدم دُور ہٹ کر تنقیدی جائزہ لیا۔ ہنگری کی لاش نچلے حصے میں بالکل فٹ آئی تھی اور اوپر والی وش کا رقبہ چونکہ کافی تھا اس لیے سرسری نگاہ میں تو یہ پتہ ہی نہیں چل سکتا تھا کہ کوئی گڑبڑ ہے۔ ناظرِ حسابات ایک بھاری تن و توش والا آدمی تھا جبکہ ہنگری جسامت کے اعتبار سے زیادہ موٹا نہیں تھا اس لیے تابوت اُٹھانے والوں کو بھی کسی اور لاش کی موجودگی کا احساس نہیں ہو سکتا تھا... معاً ٹائیگر نے کسی کے قدموں کی آہٹ سُنی تو وہ جلدی سے تابوت کی طرف جُھک گیا اور ناظرِ حسابات کے منجمد چہرے پر تھپڑے ہوئے پاؤڈر کو چھو کر دیکھنے لگا۔

"اے... تم آنجہانی کے ساتھ کیا کر رہے ہو؟" کسی نے عقب سے اُسے للکارا۔

ٹائیگر آہستہ آہستہ پلٹا اور پیچھے دیکھنے لگا۔

عقب میں سیاہ سُوٹ والا ایک شخص کھڑا تھا۔ اس نے سفید قمیص پہن رکھی تھی لیکن اس کا چہرہ آشنا زرد تھا کہ اُس پر کسی ایسی لاش کا گمان ہوتا تھا جو ابھی ابھی کسی تابوت سے اُٹھ کر چل آئی ہو۔ ٹائیگر نے غور سے دیکھا تو پتہ چلا کہ اس شخص نے بھی اپنے چہرے پر وہی پاؤڈر مل رکھا تھا جو قریب پڑی لاش کے چہرے پر استعمال کیا گیا ہے۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ شخص اسی تدفین گھر سے تعلق رکھتا ہے۔

"کچھ بھی نہیں کر رہا تھا۔" ٹائیگر نے جواب دیا تو نہ جانے کیوں اس کے انداز اور لہجے سے شرارت چھلکنے لگی تھی۔ "میں آنجہانی کا پُرانا دوست ہوں اور اسے آخری بار دیکھنے آیا ہوں۔"

"شٹ اَپ!" وہ شخص ناگواری سے بولا۔ غالباً ٹائیگر کے شریر تاثرات نے اس کی شخصیت کا رنگ ہی بدل دیا تھا۔ "آج شب بیداری کی رات ہے۔ میں جانتا ہوں کہ تم کون ہو اگر تم نے آنجہانی سے کھیلنے کی کوشش کی تو میں..."

"ہائیں۔" ٹائیگر نے بے تعلقی سے آنکھیں پھاڑیں۔ "کیا یہاں مُردے بھی کچھ کھیلا کرتے ہیں؟"

"میں جانتا ہوں کہ تم ایک ذہنی مریض ہو۔" زرد چہرے والا شخص غرّایا۔ "تم لوگ ایسے تدفین گھروں کے اِرد گرد منڈلاتے رہتے ہو تاکہ جب بھی موقع ملے، لاش کی قیمتی اشیا غائب کر دو اور اگر موقع مل جائے تو لاش ہی غائب کر کے کسی تجربہ گاہ میں لے جا کر فروخت کر دو۔ خدا کا شکر ہے کہ میں بروقت پہنچ گیا ورنہ...!"

"میں کہہ چکا ہوں کہ آنجہانی کا پُرانا دوست ہوں اور اس کے آخری دیدار کے لیے آیا تھا۔" ٹائیگر نے بدستور مسکراتے ہوئے اور نرم لہجے میں کہا اور دروازے کی طرف چل دیا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ نووارد کو اس پر مزید کسی قسم کا شبہ ہو اور وہ ناظرِ حسابات کی لاش کا معائنہ کرنے لگ جائے۔ ایسے میں اس کے نیچے موجود ہنگری کی لاش کا راز فاش ہو سکتا تھا۔

تدفین گھر سے نکل کر وہ دوبارہ بینک کی طرف روانہ ہو گیا۔

بینک پہنچ کر ٹائیگر نے دوبارہ انچارج سے ملاقات کی جس نے

اُسے خزانچیوں کے ہیڈ سے متعارف کرا دیا۔ ٹائیگر نے اُس سے ہنگری کی بیوی جولیا کے سلسلے میں پوچھا جو اسی بینک میں لیڈی کیشیئر تھی۔ ہیڈ نے ایک طرف انگلی اُٹھا دی۔

ٹائیگر نے تیر کی طرح سیدھی انگلی کی سمت میں دیکھا تو اُس کی دھڑکنوں میں خفیف سی تیزی آ گئی۔ وہ جس عورت کو دیکھ رہا تھا، اتنی حسین عورت کی شاید اُسے توقع نہیں تھی کہ ہنگری جیسے آدمی کی بیوی ہو گی۔

وہ مضبوط اور حسین چہرے والی عورت تھی۔ اس کی آنکھوں کی ساخت بادام جیسی تھی اور اُن میں بے پناہ چمک تھی۔ ٹائیگر نے ایسی جھیل جیسی گہری اور شفاف آنکھیں پہلے کبھی نہیں دیکھی تھیں۔ لمحے بھر کے لیے وہ ان آنکھوں میں کھو کر رہ گیا۔ اُس کے اُچھلتے کُودتے تاثرات سے بھرپور بالوں کی رنگت سنہری تھی اور اُس کے بھرپور ہونٹ مرطوب تھے۔ اس کے انداز سے بے پناہ سکون کا احساس ہوتا تھا۔ اگرچہ وہ اس وقت موٹے سفید کپڑے کے بلاؤز اور ٹوپیڈ کے اسکرٹ میں ملبوس تھی، لیکن ٹائیگر اس لباس میں ملفوف جسم کی پُرکشش ساخت اور حُسن کو محسوس کر سکتا تھا۔ اُسے بار بار حیرت ہو رہی تھی کہ اس حسینۂ عالم نے آخر ہنگری جیسے احمق قاتل میں کیا خوبی دیکھ کر اُس کی شریکِ حیات بننا منظور کیا تھا؟

ٹائیگر نے بینک بند ہونے کا انتظار کیا... پھر وہ ہیڈ کیشیئر کی اجازت سے جولیا کو ایک پرائیویٹ کمرے میں لے گیا۔ اس کمرے میں، بینک میں سیف ڈپازٹ رکھنے والے لوگ اپنے بکس میں اثاثہ رکھتے یا نکالتے تھے۔

"تم مجھ سے کیوں ملنا چاہتے تھے؟" جولی نے بیٹھتے ہی سوال کیا۔

ٹائیگر نے غور سے اُسے دیکھا۔

وہ میں بائیس سال سے زیادہ عمر کی نہیں تھی اس کے باوجود وہ اس انٹرویو کے سلسلے میں ایسا ردِعمل پیش کر رہی تھی جیسے اُس کے اوسان خطا ہو گئے ہوں۔

"اس انٹرویو کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ تمہارا شوہر ہی وہ شخص ہے جس نے بینک کے بالائی منزل پر واقع کمرے میں بینک کے اعلیٰ افسران کو قتل کیا تھا۔" ٹائیگر نے اس کی جھیل جیسی آنکھوں میں ڈوب کر اُبھرتے ہوئے وضاحت کی۔

جولی نے اس کی بات پر کوئی ردِعمل ظاہر نہیں کیا۔ کچھ دیر پہلے والی گھبراہٹ نہ جانے کہاں غائب ہو گئی تھی۔ اس نے ایک فلٹر ٹپڈ سگریٹ سلگائی اور ایک گہرا کش لے کر دھواں اُگلتے ہوئے بڑبڑائی۔

"ہاں... میں جانتی ہوں، تم کیا چاہتے ہو؟"

"مجھے اس کے دوستوں سے دلچسپی ہے۔" ٹائیگر نے نرمی سے جواب دیا۔ "ان دوستوں سے جنہوں نے اُسے فنِ حرب سکھانے کے استعمال کیا ہے؟"

"اور کیا تم یہ بتانا پسند کرو گے کہ اس معاملے میں تمہاری کیا حیثیت ہے اور تم کون ہو؟" اس نے پہلی بار غور سے ٹائیگر کی طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

ٹائیگر اپنی مخصوص تربیت کے زیرِ اثر فوری طور پر ایسی شخصیت اختیار کر چکا تھا جس کے سامنے نسوانیت ہمیشہ تسخیر ہو جاتی تھی۔ اس نے محسوس کیا کہ جولی کے ذہن کو ایک جھٹکا سا لگا ہے اور وہ اس کی سحر ناک شخصیت میں ڈوبتی چلی جا رہی ہے۔ ٹائیگر کے ہونٹوں پر دل موہ لینے والی مسکراہٹ آ گئی۔ "میں وہ آدمی ہوں جس کے سامنے تمہارے شوہر نے اقبالِ جُرم کیا ہے۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔

جولی نے ایک طویل سانس لی۔ "وہ احمق... وہ گدھا... وہ ذلیل۔" اُس نے ایک ہی سانس میں اپنے شوہر کو بُری طرح کوس ڈالا... پھر جیسے ہی اُس کی ہستی آنسو بھری آہوں میں زیرِ آب آئی، وہ اپنا ضبط اور سکون کھو بیٹھی۔ وہ ہچکیاں لیتی رہی، روتی رہی اور بڑبڑاتی رہی۔ "احمق... گدھا... ذلیل...!"

ٹائیگر نے اُسے روتے ہوئے دیکھا تو اُسے احساس ہوا کہ اُس نے جولی کی سخت گیری کے بارے میں جو اندازہ لگایا تھا، وہ حقیقت سے کافی زیادہ تھا۔ وہ عورت کے اصلی اور نقلی آنسوؤں میں فرق جانتا تھا۔ اس نے جولی کے بارے میں اپنے خیال پر نظرِ ثانی کی تو محسوس ہوا کہ وہ ایک عام سی عورت ہے نرم و نازک اور آسانی سے حسبِ منشا حالات کے مطابق ڈھل جانے والی عورت... اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ جولی کو یہ نہیں بتائے گا کہ اس کا شوہر ہلاک ہو چکا ہے۔

جولی نے ٹشو پیپر سے اپنی آنکھیں اور رخسار پونچھنے کے بعد خود کو سنبھالا اور بولی۔ "اگر تم رات بھر مجھ سے باتیں کرنا چاہتے ہو تو تمہیں میرے لیے ایک سینڈوچ خریدنا پڑے گا۔"

"بھوک تو مجھے بھی لگ رہی ہے۔" ٹائیگر نے مسکرا کر کہا۔ "لیکن تمہارے شوہر کو تو اس بات پر کوئی اعتراض نہیں ہو گا؟" وہ دل ہی دل میں یہ سوچے بغیر نہ رہ سکا کہ بے چارے ہنگری کو بھلا کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟ ایک ایسا شخص جو مر چکا ہو اور ایک بھاری بھرکم لاش تلے دبا ہوا؟ ایک سرمہر تابوت کی تہ میں لپٹا ہوا؟ اُسے بھلا کسی معاملے میں کیا اعتراض ہو گا؟"

"فرض کرو کہ اُسے کوئی اعتراض ہوتا ہے تو تم کیا کرو گے؟"

"وہ کافی ہاتھ چھُٹ آدمی معلوم ہوتا ہے... لیکن میں سمجھتا ہوں کہ تمہارے معاملے میں کافی نرم ثابت ہو گا۔"

"بے شک! وہ میرے معاملے میں موم کا آدمی ہے۔ دیکھو مسٹر بیگرین رائیٹر! میں نہیں جانتی کہ تمہارا ادارہ اس قسم کی تحقیقات پر رکھے گئے ٹریکرز پر تمہیں کتنا معاوضہ دیتا ہے لیکن میں بھوک برداشت نہیں کر سکتی اور ہمیشہ بہترین کھانا کھاتی ہوں۔"

"تمہیں اس سلسلے میں کوئی پروا نہیں ہونی چاہیے۔ میں تمہارے لیے پورے مہینے کی تنخواہ بھی ایک لسٹ میں خرچ کر سکتا ہوں۔"

"تو پھر میں محض ایک سینڈوچ پر اکتفا کرنے کی بجائے ڈنر لینا پسند کروں گی۔ ایک بہترین ڈنر...!"

"چلو... جہاں تم پسند کرو۔" ٹائیگر نے اٹھتے ہوئے کہا۔

بینک سے نکل کر جولی کی رہنمائی میں ٹائیگر جس ہوٹل میں داخل ہوا، وہ اس علاقے کا سب سے مہنگا ہوٹل تھا۔ یہ ہوٹل شہر سے باہر ایک پُرسکون علاقے میں واقع تھا اور اس کی تعمیر میں بجائے گوتھک سے بنی ہوئی اینٹیں استعمال ہوئی تھیں، وہاں میزوں کی بجائے مہاگنی کی لکڑی سے بنے ہوئے شاندار کیبن تھے اور ایسی روشنیوں کا بندوبست تھا جنہیں بجھا کر لوگ ایک دوسرے سے منقطع ہو سکتے تھے۔ یہاں جوڑوں کو ہر طرح کی تنہائی میسر تھی۔ یہاں آرڈر پر دُنیا میں کھائے جانے والے تقریباً سارے ہی کھانے تیار کیے جاتے تھے۔ جب وہ ایک پُرسکون کیبن میں بیٹھ گئے تو جولی نے اپنے لیے بہترین ڈنر کا آرڈر دیا جبکہ ٹائیگر نے صرف سادہ چپاتی اور سادہ چاولوں کے لیے کہہ دیا... لیکن جب چاولوں کی پلیٹ اس کے سامنے آئی تو اُس نے صرف گھونٹ گھونٹ کر کے سادہ پانی ہی پیا تھا اور چاول آخر تک یونہی رکھے رہ گئے تھے۔

ڈنر کے ساتھ جولی نے نام کولن نامی شراب طلب کی تھی۔ وہ اس کے چند گھونٹ پینے کے بعد، میز پر کہنیاں رکھ کر ٹائیگر کی طرف جھکتے ہوئے بولی: "تمہارے کندھے کو کیا ہوا ہے؟"

"کیوں... تم کیا محسوس کر رہی ہو؟" ٹائیگر نے چونکے بغیر سوال کیا۔

"تم اسے عجیب سے انداز میں رکھے ہوئے ہو۔" جولی نے جواب دیا۔ "یوں محسوس ہوتا ہے، جیسے کندھے میں شدید تکلیف ہو۔"

"جوڑوں کا درد...!" ٹائیگر نے زیرِ لب کہا حالانکہ اس نے اب تک کوشش کی تھی کہ کندھے کی تکلیف ظاہر نہ ہونے پائے۔ ہنگری کے کرائے کی تربیت کہاں سے حاصل کی تھی؟" اس نے پوچھا۔

"وہ کئی سال سے سیکھ رہا ہے۔ تم جانتے ہو کہ یہاں اس قسم کی تربیت گاہوں کی کمی نہیں ہے۔"

"پھر بھی تم کسی خاص اسکول سے تو ضرور واقف ہو گی۔ کیا تم اُن تربیت گاہوں کے نام لے سکتی ہو؟"

"نہیں... میں اس طرف زیادہ توجہ نہیں دیتی۔ میں نہیں جانتی کہ کس قسم کی ٹھوکر لگنے سے کوئی مَرد جاگے سے باہر ہو سکتا ہے۔"

"کیا تم جاگے سے باہر ہونے والوں کو پہنچانے کی نگاہ سے دیکھتی ہو؟"

جولی کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ "یہ نہیں تو..." اُس نے شرمیلے انداز میں جواب دیا اور گلاس اُٹھا کر اپنے حسین ہونٹوں سے لگا لیا... پھر وہ گلاس کے گول کنارے کے اوپر سے ٹائیگر کی طرف دیکھتے ہوئے بولی: "تمہیں یہ خیال کیسے آیا کہ بینک کے اُن افسران کو ہنگری نے ہی قتل کیا ہے؟"

"یہ بات مجھے خود ہنگری نے بتائی ہے۔"

"اوہ، کیا اس طرح کہ میں ہی وہ شخص ہوں جس نے ان لوگوں کو قتل کیا ہے... اور پھر میں ان کی دولت لے کر وہاں سے رفوچکر ہو گیا؟"

"تقریباً اسی انداز میں..." ٹائیگر نے مسکرا کر جواب دیا۔ "ان پر استعمال ہونے والی ضربوں کے سلسلے میں وہ شبہ بگھارنے پر اُتر آیا تھا۔ میرا خیال ہے اُس نے اتنا کچھ کیا نہیں ہو گا جتنا مجھے بتاتا رہا ہے۔"

"کیا نفع اس کے سامنے یہ کہا تھا کہ تمہیں سب کچھ معلوم ہے؟"

"ہاں...!" ٹائیگر نے جواب دیا۔

"پھر اُس نے کیا ردِعمل ظاہر کیا؟" جولی نے کن انکھیوں سے ٹائیگر کے کندھے کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"یہی کہ وہ کہیں سیر و تفریح کے لیے جا رہا ہے۔"

بہرحال!" جولی نے ایک طویل سانس لیتے ہوئے کہا۔ "مجھے تمہاری ایک بھی بات پر یقین نہیں آیا اگر ہنگری کو پتہ چل گیا ہوتا کہ تم اس راز سے آگاہ ہو تو وہ تمہیں کبھی زندہ نہ چھوڑتا۔"

"ممکن ہے وہ مجھ سے خوفزدہ ہو گیا ہو۔ ممکن ہے اُس کی دانست میں، میں ایک ایسا آدمی رہا ہوں جو ضرب لگنے سے جاگے سے باہر ہو جاتا ہے۔" ٹائیگر نے شریر لہجے میں جواب دیا۔

جولی نے اپنے سنہرے بالوں والے سر کو منفی جنبش دی تو بالوں لگا جیسے کیبن میں پگھلتے ہوئے سونے کی آبشار اُتر آئی ہو۔ "نہیں... ہرگز نہیں... تم آسانی کے ساتھ جاگے سے باہر ہونے والے آدمی نہیں لگتے۔"

"تمہیں یہ بات کیسے معلوم تھی کہ وہ ایک قاتل ہے؟" ٹائیگر نے دریافت کیا۔

"یہ بات خود اُس نے مجھے بتائی تھی۔"

ٹائیگر انتظار کرتا رہا کہ وہ اس سلسلے میں مزید بھی کچھ کہے گی لیکن جب وہ خاموش رہی تو اُس نے ایک طویل سانس لے کر کہا: "کیا تم ہنگری کے کرائے کی تربیت کہاں سے حاصل کی تھی؟" اس نے پوچھا۔

"وہ کئی سال سے سیکھ رہا ہے۔ تم جانتے ہو کہ یہاں اس قسم کی تربیت گاہوں کی کمی نہیں ہے۔"

"پھر بھی تم کسی خاص اسکول سے تو ضرور واقف ہو گی۔ کیا تم اُن تربیت گاہوں کے نام لے سکتی ہو؟"

"نہیں... میں اس طرف زیادہ توجہ نہیں دیتی۔ میں نہیں جانتی

ٹائیگر نے اُسے جس انداز میں کھاتے دیکھا تھا، اُس پر اُسے وہ کُتیا یاد آ گئی تھی جو گوشت کے پارچے، انہ حاد ضد حق سے اُتارتی چلی جاتی ہو۔ یوں لگتا تھا جیسے کھانا پینا اُس کی مجبوری ہو اور وہ کھاتے پیتے ہوئے ہر احتیاط بالائے طاق رکھ دیتی ہو۔ اس پر ٹائیگر کو حیرت تھی کہ اُس کا جسم بھدا اور غیر متناسب کیوں نہیں ہے۔

کھانے کے بعد وہ کیبن میں پہلو بہ پہلو بیٹھ گئے تھے اور آہستہ آہستہ جولی کا سر ٹائیگر کے کندھے کی طرف جھکنے لگا تھا۔ اس کی پلکوں پر نیند کا خمار بڑھتا جا رہا تھا اور یوں لگتا تھا جیسے وہ جلد ہی بے خبر سو جائے گی۔ لیکن ٹائیگر وہاں اُسے نیند پوری کرانے کے لیے نہیں لایا تھا۔ وہ بار بار لہو کا مے کر اُسے ہوشیار کرتا اور باتوں میں لگا لیتا تھا بالآخر اُس نے محسوس کیا کہ اب جولی کے لیے جاگنا اور وہاں بیٹھنا محال ہو گیا ہے تو اُس نے اُسے گھر پہنچانے کی پیش کش کر دی جسے بڑی فراخ دلی سے قبول کر لیا گیا۔

"ہو سکتا ہے، ہنگری گھر واپس پہنچ گیا ہو۔" ٹائیگر نے اپنے لہجے میں مٹھاس کی مقدار بڑھاتے ہوئے کہا۔ "وہ مجھے، تمہارے ساتھ دیکھ کر بھڑک بھی سکتا ہے اس لیے میرا خیال ہے، میں تمہیں گھر سے کچھ فاصلے پر الوداع کہہ دوں گا۔"

"نہیں... وہ گھر میں نہیں ہو گا۔" وہ لڑکھڑاتی ہوئی زبان سے بولی۔

ٹائیگر اُسے سہارا دے کر باہر لے آیا جہاں پارکنگ میں جولی کی شاندار کار موجود تھی۔ بینک سے نکل کر وہ اسی کار میں ہوٹل تک آئے تھے۔ جولی اب ڈرائیو کرنے کے قابل نہیں تھی اس لیے ٹائیگر نے اُسے فرنٹ سیٹ پر بٹھا دیا اور خود ڈرائیونگ سنبھال لیا۔

ابھی انھوں نے ایک فرلانگ کا فاصلہ بھی طے نہیں کیا تھا کہ جولی کا سر ڈھلک کر ٹائیگر کے کندھے سے آ لگا اور وہ گہری نیند میں ڈوب گئی۔ اب وہ ہلکے ہلکے خراٹے بھی لے رہی تھی۔ جس پر کسی ایسی بلی کا گمان ہوتا ہے جو دھیمی آواز میں خُرخُرا رہی ہو۔

جب کار اُس کے گھر کے قریب گئی تو وہ جاگ گئی۔ اس کی خوابناک آنکھوں میں سورج کی پرچھائیاں رقص کر رہی تھیں۔ "ہاں، مجھے یاد آیا..." وہ بھاری لہجے میں بولی۔ "ایک ایسا آدمی ہے جس کے ساتھ ہنگری کرائے کی پریکٹس کیا کرتا ہے۔"

"کیا تم اس کا نام بتا سکتی ہو؟"

"ہاں میں... ولیسٹرے... فریڈ ولیسٹرے..." وہ سوچ میں ڈوبے ہوئے لہجے میں بولی۔

"میں اس شخص سے کہاں مل سکتا ہوں؟ میں اس کرائے کے معاملے میں زیادہ سے زیادہ معلومات چاہتا ہوں۔"

"میں ابھی ابھی جس شخص کا نام لے رہی تھی، اس کا تعلق پولیس سے ہے۔ غالباً وہ لیفٹیننٹ ہے۔ میرا خیال ہے، ایک بار ہنگری نے تذکرہ کیا تھا کہ وہ ٹریننگ اسکول میں پولیس والوں کو تربیت دیتا ہے۔"

ٹائیگر نے زیرِ لب وہ نام دُہرایا۔

جولی پر ایک بار پھر نیند کا غلبہ ہوا اور اس کا سر ٹائیگر کے شانے پر ڈھلک گیا۔ وہ ایک مرتبہ پھر گہری نیند میں ڈوب گئی تھی۔

ٹائیگر اُنگلیوں پر دانت جمانے کے لیے مجبور ہو گیا۔

جولی جس کندھے پر سر رکھے ہوئے تھی، اس میں اب بھی شدید درد تھا اور سر رکھنے کی وجہ سے اس پر جو بوجھ پڑ رہا تھا۔ اس سے شانے میں درد کی لہریں دوڑنے لگی تھیں۔

چند لمحے ٹائیگر ساکت بیٹھا اس تکلیف کو برداشت کرتا رہا... پھر اس نے دائیں ہاتھ سے جولی کا سر اپنے کندھے سے ہٹا کر کار کا دروازہ کھولا اور نیچے اُتر آیا۔ اس نے سوئی ہوئی جولی کو سنبھالا دیا اور اُسے لے کر زینے کی طرف چل دیا۔

ہنگری کا گھر شہر سے باہر ایک پُرفضا جگہ پر واقع تھا اور اس کی رہائش دوسری منزل پر تھی۔ ٹائیگر، جولی کو سہارا دے کر بالائی منزل پر لایا اور دروازہ کھول کر اُسے خواب گاہ میں لے گیا جہاں ایک صاف ستھرا بے شکن بستر بچھا ہوا تھا۔ اس نے جولی کو بستر پر لٹا دیا اور اس کی بائیں بغل کے نیچے واقع عضلات کو انگلیوں کی پوروں سے دبانے لگا۔ جولی کی بے چین نیند فوراً ہی ایسی نیند میں بدل گئی جس میں اُسے تن من کا بھی ہوش نہ رہا۔

وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔

اُس نے محوِ خواب جولی کی طرف دیکھا جو نہ جانے کس خواب میں کھوئی ہوئی مسکرا رہی تھی۔ اس کی مسکراہٹ دلوں میں طغیانی لانے والے تاثر سے بھرپور تھی۔

ٹائیگر چند لمحوں تک اس محورکن مسکراہٹ سے لُطف اندوز ہوتا رہا... پھر خود اس کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ پھیل گئی: "تم ان چند حسین ترین عورتوں میں سے ایک ہو۔" اُس نے زیرِ لب کہا۔ "جنہیں میں کبھی بھول نہیں سکوں گا۔ کاش تمہارے چہرے پر اَن گنت چھوٹے چھوٹے بھورے تِل بھی ہوتے! وہی تِل جو اگر کسی کے چہرے پر نہیں ہوتے تو اس عورت کی مثال میرے نزدیک ایک ایسی رات جیسی ہوتی ہے، جس رات آسمان پر ستارے نہیں نکلتے۔"

سیڑھیاں اُتر کر وہ نیچے آیا اور اس عمارت سے دُور ہوتا چلا گیا۔ چلتے چلتے اُس نے پلٹ کر دیکھا تو چونک پڑا۔ جولی کے گھر کے باتھ روم کی بتی اچانک ہی روشن ہو گئی تھی۔

گنگا کے پجاری ناگ

اے حمید ○ قیمت ۵۰/۰۰ روپے

کیپٹن لی کا تعلق امریکہ کے بحریہ سے تھا اور وہ ایک ایسی آبدوز کا کپتان تھا جسے ہمیشہ خفیہ قسم کے مگر بڑے ہی بھیانک مشن پر جانا ہوتا تھا۔ اس وقت بھی وہ ایک اہم لیکن نامعلوم مشن پر جا رہا تھا۔ اس مشن پر وہ گزشتہ پانچ سالوں میں پانچ مرتبہ جا چکا تھا لیکن ہمہ کی حقیقت ابھی تک اُس کے پلّے نہیں پڑی تھی۔ اُسے ہر سال کے آخری دنوں میں دس ہزار ڈالر ایڈوانس کا سونا ایک تھیلے میں ایک مخصوص مقام پر پہنچانا پڑتا تھا۔ اس سے قبل وہ چار مرتبہ وہ تھیلا سانجو کے اس گمنام ساحل تک پہنچا چکا تھا جہاں ہر سال دسمبر کی بارہ تاریخ کو تین بجے بعد دوپہر ایک بوڑھی عورت اُسے منتظر ملتی تھی۔ اس بڑھیا کو یہ سونا کس سلسلے میں پہنچایا جاتا تھا، یہ بات کیپٹن لی کو پتہ نہیں تھی۔ اُسے یہ جاننے سے زیادہ اس بات پر حیرت ہوتی تھی کہ جتنی مالیت کا سونا وہاں پہنچایا جاتا تھا، اُس سے چار گنا زیادہ تو اُسے پہنچانے کے سلسلے میں اخراجات ہو جاتے تھے۔ علاوہ ازیں کروڑوں ڈالر کی آبدوز اور قیمتی عملہ الگ داؤ پر لگتا ہے۔ چین کی حکومت اس آبدوز کو کسی بھی وقت تباہ کر سکتی تھی کیونکہ وہ عالمی قوانین کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اس کے سمندروں میں مغربی کیا کرتے تھے۔

اس بار بھی کیپٹن لی حیران و پریشان تھا لیکن اس مرتبہ وجہ وہ سونا نہیں بلکہ ایک ایسی شخصیت تھی جسے سونے کے ساتھ سانجو کے ساحل تک پہنچانا تھا۔ یہ ایک بے حد نازک اور عمر رسیدہ شخص تھا جس کا نام اُدشان تھا۔ اس نے اپنی زندگی میں پہلے کبھی اُدشان جیسا بوڑھا آدمی نہیں دیکھا تھا۔ اُدشان کے پاس چھ بھاری بھرکم آہنی ٹرنک تھے جن میں نہ جانے کیا بھرا ہوا تھا کہ کیپٹن لی کا عملہ اسے آبدوز میں لاتے ہوئے سر سے پاؤں تک پسینے میں ڈوب گیا تھا۔

کیپٹن لی کو سب سے زیادہ غصہ اس بات پر آیا تھا کہ وہ عجیب سا بوڑھا آبدوز کے عملے کی بے بسی پر کھل کھلا کر ہنستا رہا تھا۔ اس کے انداز سے تضحیک ظاہر ہوتی تھی جس کی وجہ سے پورے عملے کے دل میں اس بوڑھے کے خلاف غصے اور نفرت کی لہر دوڑ گئی تھی اور کیپٹن لی کے لیے اُن لوگوں کو سنبھالنا مشکل ہو گیا تھا۔

... اور اب تو کیپٹن لی کی ہستی ہی گم ہو گئی تھی کیونکہ بوڑھے اُدشان نے ایک ایسی عجیب فرمائش کر دی تھی جس کا صاف مطلب آبدوز کی تباہی تھا۔ اُدشان نے فرمائش کی تھی کہ وہ ٹی۔وی پر کوئی مخصوص ڈراما دیکھنا چاہتا ہے۔ یہ ڈراما اُسی وقت ٹی۔وی پر دکھائی دے سکتا تھا جب آبدوز گہرے پانیوں سے اُبھر کر سطحِ آب پر تیرنے لگتی اور یہ ایک ناممکن بات تھی کیونکہ نارتھ کوریا، چین اور جاپان کی حکومتیں آبدوز کی موجودگی سے آگاہ ہو جاتیں اور پھر چند ہی ساعتوں میں یا تو انھیں گرفتار کر لیا جاتا یا پھر آبدوز ہی تباہ کر دی جاتی۔ اس نے نہایت عاجزی سے اُدشان کو سمجھایا کہ اُس کی فرمائش پوری کرنے میں انھیں کیا دشواریاں درپیش ہیں۔ اس پر اُدشان کا پارہ چڑھ گیا تھا اور اُس نے کیپٹن لی کے علاوہ عملے کو بھی خوب برا بھلا کہا تھا اور پھر وہ اپنے کیبن میں بند ہو کر رہ گیا تھا۔

کیپٹن لی نے سکون کی سانس لی تھی کیونکہ اُدشان کئی گھنٹوں سے پہلے کیبن تک محدود تھا اور یوں کیپٹن لی کی جان چھوٹی ہوئی تھی۔ لیکن اب اُسے احساس ہو رہا تھا کہ اُس نے بوڑھے اُدشان کو کیبن میں بند ہونے کی اجازت دے کر اچھا نہیں کیا۔ اُس کی دانست میں اُدشان ایک ایسا ہیرِ زوال شخص تھا جو اپنی طبعی عمر پوری کر چکا تھا... اور اب کسی بھی لمحے قصۂ اجل بننے والا ہے۔ نہ جانے کیوں کیپٹن لی کو وہم ہو رہا تھا کہ اُدشان نے ٹی۔وی پر جو ڈراما دیکھنے کی فرمائش کی تھی، وہ اُس کی زندگی کی آخری خواہش کا درجہ رکھتی ہے۔ اُس نے سوچا کہ اُدشان کی خبر لینی چاہیے کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ ناراض ہو کر بند ہونے کی بجائے، انتقاماً فرما چکا ہو۔ اس خیال سے کیپٹن لی کے ہاتھ پاؤں پھول گئے تھے کیونکہ اُدشان کو زندہ و سلامت سانجو کے ساحل تک پہنچانا اُس کی...

ذمے داری تھی۔

وہ بے چین ہو کر اُدشان کے کیبن کی طرف بڑھ گیا اور دروازے پر دستک دینے لگا۔ دروازہ اندر سے بند تھا۔ کئی بار دستک دی گئی، تب کہیں اندر سے ایسی آواز سنائی دی جیسے کوئی بہت بڑی چڑیا یا پرچھائی ہو۔

"کون ہے... اور کیا بات ہے؟" اُدشان نے دروازے کی دوسری جانب سے دریافت کیا۔

"میں کیپٹن لی ہوں، جناب۔" کیپٹن ہانپ کر بولا۔ "اور آپ کی خیریت معلوم کرنا چاہتا ہوں۔"

"میں خیریت سے نہیں ہوں اور تم ایک ظالم آدمی ہو۔" اندر سے اُدشان کی ناراض آواز سنائی دی۔ "تم نے ایک کمزور سے بوڑھے کی تفریح میں خلل ڈال کر اور اس کی فرمائش پوری نہ کر کے، اس کا دل توڑ دیا ہے جس کے لیے خدا تمھیں کبھی معاف نہیں کرے گا۔"

خری تجلہ ادا کرتے کرتے اُدشان کے لہجے میں دُنیا جہان کا کرب سمٹ یا تھا۔

"آپ دروازہ تو کھولیے، جناب! میں آپ کو ایک اہم بات بتانا چاہتا ہوں۔"

"میں سانجو پہنچنے سے پہلے دروازہ نہیں کھولوں گا۔"

"ہم کل صبح سانجو کے ساحل پر پہنچ جائیں گے، جناب!" کیپٹن لی نے لجاجت سے کہا۔ "آپ نے آج کھانا بھی نہیں کھایا۔ آخر آپ میری مجبوریوں کو سمجھنے کیوں نہیں ہیں؟"

"جس روز میں اپنا پسندیدہ ڈراما نہیں دیکھتا، کھانا بھی نہیں کھاتا۔" اُدشان نے ناگوار لہجے میں کہا۔

"یہ جناب! میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ آپ کو ڈراما ضرور دکھایا جائے گا۔" کیپٹن لی کے ذہن میں دروازہ کھلوانے کی ایک ترکیب آئی تھی اور وہ اس پر فوری عمل درآمد کر رہا تھا۔ اس نے سوچا تھا کہ اُدشان کو چکمہ دے کر کیبن سے نکالے گا اور پھر کسی مصنوعی کارروائی سے ٹی۔وی پر رابطہ بحال کرنے کی کوشش کرے گا اور بالآخر مایوسی سے سر ہلا کر کہہ دے گا کہ ٹیکنیکل فالٹ کی وجہ سے لہریں ٹی۔وی سیٹ تک پہنچنے میں ناکام ہو رہی ہیں۔

"کیا تم سچ کہہ رہے ہو؟" اندر سے اُدشان نے کسی کھلنڈرے بچے کی طرح کلکاری مارتے ہوئے پوچھا اور اس کے ساتھ ہی ایک دھماکے سے دروازہ کھل گیا۔

اُدشان کو خیریت سے دیکھ کر کیپٹن لی نے اطمینان کی ایک طویل سانس لی اور مسکرانے لگا... پھر اُس نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ "میں نے چیف انجینئر سے کہہ دیا ہے کہ وہ آپ کو پروگرام دکھانے کا انتظام کرے۔ وہ اپنے لڈار پر لہریں کیچ کر کے آپ کے میٹ تک پہنچانے کی کوشش کر رہا ہے۔"

"بہت شکریہ کیپٹن! تم ایک نیک دل آدمی ہو۔ میں تمھارا یہ احسان زندگی بھر نہیں بھولوں گا۔" اُدشان نے کہا۔

کیپٹن لی دل ہی دل میں مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ بڑے میاں اب تمھاری زندگی باقی ہی کتنی رہ گئی ہے۔

"ہم سانجو سے کتنے فاصلے پر ہیں؟" اُدشان نے دریافت کیا۔

"اس وقت ہم سیمو ڈزد میں داخل ہو چکے ہیں۔"

"اوہ خدا کا شکر ہے۔" اُدشان بڑبڑایا۔ "میں تو سمجھ رہا تھا کہ تم راستہ بھول گئے ہو۔ اس ڈبّہ نما سواری میں بیٹھ کر انسان سمندر کی تہوں میں کہیں بھی کھو سکتا ہے۔"

"یہ دُنیا کی جدید ترین آبدوز ہے، جناب!" کیپٹن لی نے فخریہ لہجے میں کہا۔ "ویسے میں آپ سے ایک ضروری بات بھی کرنا چاہتا تھا۔"

"تم اس ڈبّے کے کپتان ہو، اس لیے میں تم سے ضروری باتوں ہی کی توقع کرتا ہوں۔" اُدشان نے فلسفیانہ لہجے میں کہا۔

"بات یہ ہے، جناب! کہ میں آپ کے سامان کے سلسلے میں پریشان ہوں۔"

"گگ... کیا... کیا کہا۔ میرے سامان سے تمھیں کیا پریشانی ہو سکتی ہے؟" اُدشان نے آنکھوں کے ڈھیلے عجیب سے انداز میں گھما کر سوال کیا۔

"آپ کے صندوق بے حد وزنی ہیں۔ انھیں لاد نے میں ہمارے عملے کو دانتوں پسینہ آ گیا تھا۔ میں حیران ہوں کہ انھیں سانجو کے ساحل پر کیسے اُتارا جائے گا۔ ہمارے پاس جو آبی گاڑیاں ہیں جنھیں ہم سیل کہتے ہیں، وہ ایک ٹرنک کا بوجھ بھی برداشت نہیں کر سکے گی اور آبدوز کو سطحِ آب پر لے جانا خطرے سے خالی نہیں ہو گا۔"

اُدشان کی تیوریاں چڑھ گئیں۔ "میں نے یہ پہلا جہاز دیکھا ہے، جس کی ہر شے کمزور اور ناکارہ ہے۔" وہ غصیلے لہجے میں بولا۔

"میں عرض کر چکا ہوں کہ یہ دُنیا کی بہترین آبدوز ہے اور اگر ضرورت پڑے تو ہم اس آبدوز کے ذریعے پورے ایک شہر کو کسی دوسری جگہ منتقل کر سکتے ہیں لیکن بات پریمیر کی ہے۔ وہ ہمیں اپنے سمندروں میں اتنی آزادی سے گھومنے پھرنے کی اجازت نہیں دے گا۔"

"تم ایک بہلانے والے آدمی ہو، کیپٹن! میں خوب سمجھتا ہوں۔ کیا تم وہی شخص نہیں ہو، جس نے مجھے اب تک ڈرامے سے محروم رکھا ہے؟"

"کیا آپ چاہتے ہیں کہ اپنی حکومت آپ کو گرفتار کرے؟" کیپٹن لی کے صبر کا پیمانہ بھی لبریز ہونے لگا تھا۔

"جب تک میرے بوڑھے ہاتھ میرے ساتھ ہیں، کوئی مجھے گرفتار نہیں کر سکتا۔" اُدشان کے لہجے میں عجیب سی گرج پیدا ہو گئی اور اب وہ بے پناہ وقار سے بول رہا تھا۔ "اور جب ہم سانجو پہنچ جائیں تو مجھے بتا دینا... پھر دیکھنا یہ بھاری صندوق کتنی آسانی سے ساحل تک پہنچ جاتے ہیں۔ کہو گے تو میں تمھاری آبدوز کو بھی کنارے تک پہنچا دوں گا۔"

اچانک فضا ایک گرج دار قہقہے سے گونج اُٹھی۔

اُدشان اور کیپٹن لی حیرت سے آواز کی طرف دیکھنے لگے۔ قہقہہ دروازے کی جانب سے سنائی دے رہا تھا۔ وہاں ایک گرانڈیل شخص کھڑا تھا۔ اس کے دائیں ہاتھ میں بوتل تھی۔ شاید وہ کافی دیر سے پی رہا تھا اور نشے کی وجہ سے اس کی حالت تباہ ہو چکی تھی۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے، ہنری!" کیپٹن لی نے اُسے ڈانٹ دیا۔

"میں اُس بُونے کی لاف زنی پر ہنس رہا ہُوں۔ کیپٹن جو بھاری صندوق اور آبدوز کو کھینچ کر لے جانے کا دعویٰ کر رہا ہے۔" شرابی ہنری نے چہرے کے سامنے انگلی لہراتے ہوئے کہا اور دوبارہ ہنسنے لگا۔

اُوشان کے ہونٹوں پر بڑی ہی مسحور کُن مسکراہٹ رقص کرنے لگی "اگر میں تم جیسے دیو کو اُٹھا کر پھینک سکتا ہُوں تو آبدوز کو بھی کھینچ کر دکھا سکتا ہُوں۔" اُوشان نے تاؤ دلانے والے انداز میں کہا۔

"سنو بڑے میاں! یہ تم نے مجھے کب اُٹھا کر پھینکا تھا؟ شاید تم نے خواب دیکھا تھا اور پھر تمھاری آنکھ کھل گئی تھی۔" ہنری نے گرجدار قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

کیپٹن ٹی نے اُسے ایک بار پھر ڈانٹا اور اُسے حکم دیا کہ وہ واپس چلا جائے لیکن ہنری، اُوشان کے سلسلے میں شاید کچھ زیادہ ہی دل جلا ہُوا تھا، وہ وہیں کھڑا، اُوشان کا مضحکہ اُڑاتا رہا۔۔۔ اور قہقہے لگاتا رہا۔ اس کے قہقہوں نے تب دَم توڑا جب اُس نے اچانک اُوشان کو اپنے بالمقابل پایا تھا۔ چند ساعتوں قبل اُن کے درمیان کافی فاصلہ تھا۔ یہ فاصلہ اُوشان نے غیر محسوس انداز میں کیسے طے کیا، اس کا اندازہ ہنری تو درکنار، کیپٹن ٹی کو بھی نہیں ہو سکا تھا۔

اس سے پہلے کہ ہنری اپنے دفاع میں کچھ کرتا، اُس کے ہاتھ میں دبی ہوئی شراب کی بوتل نکل گئی۔ بوتل ایک طرف اُڑتی ہوئی گئی اور پھر لوں ایک چھوٹی سی میز پر گر کر رُک گئی جیسے اُسے پھینک کر وہاں نہیں پہنچایا گیا تھا بلکہ کسی نے بڑی احتیاط سے میز کے عین پر رکھ دیا ہو۔ اس میں سے شراب کی ایک بوند بھی نہیں ٹپکی تھی۔۔۔ بوتل کے فوراً ہی بعد ہنری بھی کیبن کی محدود فضاؤں میں پرواز کرتا ہُوا بھدا کیپٹن ٹی کی طرف گیا۔ کیپٹن ٹی نے دونوں ہاتھوں سے اُسے خود سے پرے دھکیلنے کی کوشش کی تو ہنری خود کو گرنے سے بچانے کے لیے اُس سے بُری طرح لپٹ گیا۔

اُوشان کا مخصوص قہقہہ کیبن میں گونج اُٹھا۔ یہ کسی بطخ جیسی آواز تھی۔

کیپٹن ٹی نے ہنری کو اپنے جسم سے نوچ کر فرش پر پھینک دیا اور ہانپتے ہوئے کہا۔ "تمھیں اس حرکت کی سزا ملے گی۔"

"لل۔۔۔ لیکن۔۔۔ میں تو۔۔۔" ہنری ہکلا کر رہ گیا۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اُوشان کی طرف دیکھ رہا تھا اور کبھی اس بوتل کی طرف جو اُس کے ہاتھ سے نکل کر بڑے پُراسرار طریقے سے میز کے عین پر پہنچ گئی تھی۔ اس کا نشہ ہرن ہو چکا تھا۔ اُسے حیرت تھی کہ اس جیسا بھاری بھرکم آدمی بوڑھے اُوشان کے ہاتھوں کے محض ایک اشارے سے اُچھل کر کیپٹن ٹی تک کیسے پہنچ گیا تھا؟ اس نے بس اُوشان کے ہاتھوں کو اپنی طرف بڑھتے ہی دیکھا تھا۔ وہ ذہن پر زور دیتا رہا کہ اُس کے ہاتھ جسم سے مَس بھی ہوئے تھے یا نہیں؟

کیپٹن ٹی نے اُسے دھکیل کر کیبن سے نکال دیا اور دروازہ بند کرتے ہوئے بُری طرح ہانپنے لگا۔ اس کی پیشانی شکن آلود ہو گئی تھی اور ان شکنوں میں پسینے کی بوندیں جمع ہو کر چھوٹی چھوٹی ندیوں کا منظر پیش کر رہی تھیں۔

"جو کچھ بھی ہُوا، مجھے اس کا بے حد افسوس ہے۔" کیپٹن ٹی نے معذرت آمیز لہجے میں کہا۔

"تم بھول رہے ہو! افسوس کا اظہار تو مجھے تم سے کرنا چاہیے!" اُوشان بولا۔ "کہیں آپ کو چوٹ تو نہیں آئی؟"

"نہیں۔۔۔!" کیپٹن ٹی بولا۔ اب اُس کی آنکھوں میں اُوشان کے لیے احترام پیدا ہو گیا تھا۔ اس نے غور سے اس شخص کی طرف دیکھا، پہلی بار اُسے احساس ہُوا کہ وہ جس شخص کو ایک ناتواں بوڑھا سمجھ رہا تھا، وہ دراصل توانائیوں کا جیتا جاگتا مجسمہ ہے۔۔۔ یقیناً اس کی نس نس میں روحانی قوت موجزن تھی۔ اُسے یقین آ گیا کہ کچھ دیر قبل اُوشان نے جو دعوے کیے تھے وہ انھیں بھی پورا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

اگلے روز آبدوز نیسو کے ساحلی علاقے کے قریب پہنچ گئی۔

اب سب سے جُز مسئلہ اُوشان کے صندوقوں کو آبدوز سے نکال کر ساحل پر پہنچانے کا تھا۔ عملہ اس سلسلے میں کوشش کرتے ہوئے ہانپ رہا تھا۔ یہ دیکھ کر اُوشان قریب آیا اور سب پر ملامت آمیز نگاہ ڈالتے ہوئے کیپٹن ٹی سے مخاطب ہُوا۔ "تم کہہ رہے تھے کہ یہ دُنیا کی بہترین آبدوز ہے؟"

کیپٹن نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"اور غالباً تم یہ بھی کہو گے کہ اس میں موجود عملہ بھی دُنیا کا بہترین عملہ ہے؟"

کیپٹن ٹی خاموش رہا۔

اُوشان نے اِدھر اُدھر کھڑے لوگوں پر نگاہ ڈالی۔ ان میں سے کوئی بھی اس کا مذاق اُڑانے کے موڈ میں دکھائی نہیں دے رہا تھا کیونکہ ہنری کے ساتھ جو کچھ ہُوا تھا، وہ اُن سب نے سُن لیا تھا۔ اُوشان قہقہے خاموش دیکھ کر ہنس پڑا۔ "کیپٹن۔۔۔؟" اُس نے کیپٹن ٹی سے کہا۔ "میرے صندوقی آبدوز سے نکالو لیکن اس سے قبل انھیں کسی مضبوط رسّے کی مدد سے بول باندھ دو جیسے گاڑی کے دو پہیے ایک دوسرے سے وابستہ ہوتے ہیں۔ میں سمجھتا ہُوں کہ تم نے اپنی زندگی میں ایک آدھ بار ریل گاڑی ضرور دیکھی ہو گی۔ ہے نا؟"

کیپٹن ٹی خفیف سا ہو کر اپنے ایک ماتحت کی طرف متوجہ ہو گیا اور اُسے ہدایات دینے لگا۔

تھوڑی ہی دیر میں تمام صندوق ایک دوسرے کے ساتھ باندھ دیے گئے۔ اُوشان نے ان کی بندشوں کا جائزہ لیا اور آبدوز کے عملے سے مخاطب ہُوا۔ "تم لوگ جوان ہو اور ایک اہم محکمے سے وابستہ ہو، چونکہ میں تمھارا اہم سفر چکا ہُوں اور تم لوگوں نے ایک طویل عرصے بعد مجھے ساحل تک پہنچانے میں قابلِ تعریف کام کیا ہے، اس لیے میں ایک بات تمھارے گوش گزار کر دوں گا۔ طاقت اور تکنیک۔۔۔ جہاں تکنیک کام کرتی ہے، وہاں طاقت عموماً ناکام ہو جاتی ہے۔ یاد رکھو۔ آندھی اور طوفان میں وہی درخت ٹوٹتے اور زمین بوس ہوتے ہیں جو طاقتور ہوتے ہیں۔ تم میں سے کسی نے بھی بید کے پودے کو آندھی سے ٹوٹتے ہوئے نہیں دیکھا ہو گا۔" وہ باری باری سب کی طرف دیکھ کر مسکرایا اور پھر کیپٹن سے بولا۔ "تم جس بیل کا تذکرہ کر رہے تھے، مجھے اس میں بٹھا دو۔ گاڑی یہ صندوق اُٹھا نہیں سکتی لیکن میں سمجھتا ہُوں کہ پانی میں ان جیسے دس دوسرے صندوق کھینچ ضرور سکتی ہے۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہُوں؟"

کیپٹن نے تعریفی نظروں سے اُوشان کی طرف دیکھا اور آبدوز کے عملے نے ایک طویل سانس لے کر اطمینان کا اظہار کیا کیونکہ اُوشان کے بھاری بھرکم صندوقوں کو بار بار کے وقت انھیں جس شکل کا سامنا کرنا پڑا تھا، ان صندوقوں کو اُٹھاتے وقت اس سے کہیں زیادہ مشکل پیش آنے کی توقع تھی۔۔۔ لیکن اُوشان نے چٹکی بجاتے میں یہ مسئلہ حل کر دیا تھا۔ اب ہر شخص اُسے احترام کی نگاہ سے دیکھ رہا تھا اور کیپٹن ٹی سوچ رہا تھا کہ اس شخص کے لیے حکومت جتنا خرچ برداشت کرتی ہے، یقیناً یہ اُس سے کہیں زیادہ کا بارآمد ثابت ہوتا ہو گا۔۔۔ لیکن یہ شخص حکومت کے لیے کن معنوں میں کارآمد ہے؟ یہ بات اُس کی سمجھ میں نہ آ سکی۔ وہ جُوں جُوں غور کر رہا تھا، اُس کا ذہن اُلجھتا ہی جا رہا تھا۔ اُسے وہ بوڑھی عورت بھی یاد آ رہی تھی جسے وہ ہر سال دس ہزار ڈالر مالیت کا سونا پہنچانے آتا تھا۔ اس نے سوچا کہ یقیناً وہ اس بوڑھے کی بیوی ہی ہو گی۔

اُوشان کے صندوقی بیل کے عقب میں باندھ دیے گئے اور عملے کے چند پیڈلر اسے لے کر سطحِ آب پر آ گئے۔ اُوشان نے اپنا خصوصی بلوہ بھی ہمراہ رکھا تھا۔ کھلی ہوا میں بیچ بستہ خنجروں جیسی کاٹ تھی۔ جسم کا ہر زنگ آلود حصہ کٹ ہوتا جا رہا تھا لیکن آبدوز کے عملے نے دیکھا کہ اُوشان پر اس غیر معمولی سردی کا کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔

ایک پیڈلر نے ساحلِ چٹان کی طرف دیکھا تو اُسے وہاں موٹے رسّے سے نقش و نگار والی عورت سراسیمہ نظر آئی۔ کیپٹن ٹی نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ آج وہ بُڑھیا دکھائی نہیں دے رہی تھی جسے وہ گزشتہ چار سال سے سونا پہنچاتا رہا تھا۔

"کیا تم نے کبھی ایسا کوئی جانور پہلے بھی دیکھا ہے؟" عملے کے ایک آدمی نے اپنے ساتھی کی طرف جھکتے ہوئے سرگوشی کی۔

جواباً اس شخص نے اثبات میں سر ہلایا اور دھیمی آواز میں بولا "ہاں۔۔۔ چڑیا گھر میں۔۔۔ لیکن اس عورت نے موٹے اور بھاری کپڑے پہن رکھے ہیں جبکہ ہمارا اہم سفر بوڑھا شاید ایسے خون کا مالک ہے، جو سردی سے نسوں میں منجمد نہیں ہوتا۔ میں سمجھتا ہُوں کہ یہ سردی تو کسی جھینگے کو بھی شل کرنے کے لیے کافی ہے۔"

یکایک پیڈلوں سے چلنے والی کشتی میں موجود ریڈیو پر اشارہ ملنے لگا۔ سانجو کی طرف سے روشنیوں کی ایک قطار ساحل کی طرف بڑھ رہی تھی اور آبدوز میں اُن کی آمد محسوس کر لی گئی تھی۔ ریڈیو پر بتایا گیا کہ روشنیوں کی یہ قطار درحقیقت بھاری بکتر بند گاڑیوں یا ٹینکوں سے تعلق رکھتی ہیں۔

پیڈلوں سے چلنے والی کشتی ساحل سے لگ گئی اور عملے کے آدمی صندوقوں کو کھینچنے لگے۔ صندوق اگ کر کے اُن کے لیڈر نے اُوشان سے کہا۔ "ہمیں آبدوز سے خطرے کا اشارہ موصول ہُوا ہے۔ ہم واپس جا رہے ہیں اگر تم پسند کرو تو ہمارے ساتھ واپس چل سکتے ہو؟"

"میں اپنی سرزمین پر پہنچ چکا ہُوں۔" اُوشان نے تھنے ہوئے سُوٹ کو جھٹکتے ہوئے کہا۔

"اس کا مطلب ہے کہ تم ہمارے ساتھ نہیں چلو گے؟" لیڈر نے پوچھا۔

"میں بھاگنے والوں میں سے نہیں ہُوں۔"

"ٹھیک ہے۔ یہ تمھارا معاملہ ہے! تم جانو۔ ہم اپنا فرض پورا کر کے واپس جا رہے ہیں۔ خدا حافظ۔"

اُوشان سانجو کے ساحل پر کھڑا اُن خوفزدہ آدمیوں کو دیکھتا رہا جو انتہائی افراتفری کے عالم میں پیڈل مارتے ہوئے اپنی کشتیاں واپس لے جا رہے تھے۔

اُوشان کو دیکھ کر چٹان پر بیٹھی ہوئی عورت نیچے اُتری اور دوڑتی ہوئی اُس کی طرف آنے لگی۔ اس کے قدموں کی چاپ نے اُوشان کو اُس کی طرف دیکھنے پر مجبور کر دیا۔

عورت قریب آ کر تعظیماً جھک گئی جیسے وہ کسی بادشاہ کے حضور کورنش بجا لا رہی ہو۔ اس کے انداز سے اُوشان کے لیے بے پناہ تعظیم ظاہر ہو رہی تھی۔ وہ بولی تو اُوشان کو اپنی مادری زبان پر موسیقی کے کور کٹ بولوں کا احساس ہونے لگا۔ وہ عورت کی آواز میں ڈوب گیا۔

مادری زبان کی چاشنی اور مٹھاس نے ایک عرصے بعد اُس کی رُوح میں تازگی پیدا کر دی تھی۔

"خوش آمدید! ماسٹر آف سناجو! آپ ہم غریبوں کے اَن داتا ہیں اور ہمارے دلوں میں آپ کے لیے محبت ہی محبت ہے۔ ہمارا رُواں رُواں ہمیشہ آپ کے لیے دُعاگو رہتا ہے۔" عورت لفظاً لفظاً جھکی ہوئی کہہ رہی تھی۔

"تم تنہا کیوں ہو، میری بچی؟" اُوشان نے بڑی شفقت سے پوچھا "باقی لوگ میرے استقبال کے لیے کیوں نہیں آئے؟"

"پُرانے وقتوں کے رسم و رواج کی پیروی کرنے کی اب اجازت نہیں ہے۔"

"اور پابندی کس کی طرف سے عائد ہوئی ہے؟" اُوشان کا لہجہ خونخوار ہو گیا۔

"عوامی جمہوریہ کی طرف سے، ماسٹر۔"

"پونگ یانگ میں موجود خبیث لوگ!"

"اب ہمیں ان کو ایسے ناموں سے پکارنے کی بھی اجازت نہیں۔" عورت نے لگاوٹ جھاڑ کر جواب دیا۔

"ہُوں! اور تم نے یہاں آنے کی زحمت کیوں کی، میری بچی...؟" اُوشان نے اُسے گہری سے دیکھتے ہوئے پوچھا "تمھیں کیسے معلوم ہُوا کہ میں واپس گھر آ رہا ہُوں؟"

"میں جھیل کے کنارے رہنے والے بڑھئی کی بیٹی ہُوں... اور ہمارا خاندان وہ آخری خاندان ہے جو قدیم قانون اور رسم و رواج کا اب بھی پابند ہے۔ میرے بزرگوں کا کہنا تھا کہ آپ دُنیا کے کسی بھی گوشے میں ہوں، یہاں کی صورتِ حال آپ کو معلوم ہو جائے گی اور آپ ہر ممکن جلدی یہاں پہنچ جائیں گے۔ اس لیے میں پچھلے ایک ہفتے سے، صبح سے شام تک اس چٹان پر بیٹھ کر آپ کا انتظار کر رہی تھی۔"

"میرے چچازاد اور میری بیوی کے چچازاد اور میری بیوی کے بھائیوں کے بارے میں کیا خبر ہے؟"

"سب کے سب نئی حکومت کے ہیرو کا رتبہ پا چکے ہیں۔ آپ کی بیوی کا انتقال ہونے عرصہ بیت گیا۔"

وہ عورت جس انداز میں سب کچھ بتا رہی تھی، اس سے اُوشان کو اندازہ ہو گیا تھا کہ کوئی بے حد تکلیف دہ بات وہ اس سے چھپانے کی کوشش کر رہی ہے۔ غالباً وہ پہلے ہی روز اُسے کوئی ناخوشگوار خبر سنانا نہیں چاہتی تھی۔ اُوشان نے ایک طویل سانس لی اور کہا "میں جانتا ہُوں کہ میری بیوی مر چکی ہے... لیکن اس بُری خبر کے علاوہ بھی کوئی بات... تم جو کچھ بتا رہی ہو، وہ کیا بات ہے، میری بچی؟"

انھوں نے ہاؤس آف سناجو کے خاتمے کا اعلان کر دیا تھا۔

عورت نے دبی دبی آواز میں کہا۔

اُوشان کے لبوں پر ایک اُداس مسکراہٹ تیرنے لگی۔

"ہاں... یہ اُس عورت اور اس کے خاندان کی پُرانی عادت تھی۔" اُس نے کربناک لہجے میں کہا اور عورت کا کندھا تھپتھپا کر بولا "مت رو، میری بچی!"

"لیکن نئی حکومت نے اس کے لیے اُنھیں مجبور کر دیا تھا۔"

"نہیں... کوئی کسی کو مجبور نہیں کر سکتی جب تک کہ کوئی مجبور ہونے پر آمادہ نہیں ہو جاتا۔ میری بیوی کا خاندان ہمیشہ سے، ہاؤس آف سناجو سے حسد کرتا آیا ہے... اور میری بیوی یہ زہر اپنے گھر سے ساتھ لے کر آئی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ آخر وقت تک میرے بچے کی ماں نہیں بنی اور مجھے یاد ہے کہ اُس نے دھوکا دینے کے لیے اپنے بھائی کے بیٹے کو گود لے لیا تھا۔ میں بھولا نہیں ہُوں، میری بیوی کے بھائی نے سناجو کی دولت اور راز حاصل کرنے کے لیے کیا کیا جتن استعمال کیے تھے۔ اس نے سناجو کا وقار خاک میں ملا دیا۔" اُوشان نے کرب آمیز لہجے میں یہ سب کہتے ہوئے پہاڑی کی دوسری جانب دیکھا۔

سناجو کی طرف سے تاریکی میں روشنیوں کی ایک قطار ساحل کی سمت میں بڑھ رہی تھی۔

پڑھنے کی چیز ہے

انکا، اقابلہ، سونا گھاٹ کا پجاری

اور غلام روحیں

کے بعد انوار صدیقی کا ایک

اور شہکار ناول

برہمچاری

قیمت =/150 روپے

ملنے کا پتہ
فون 7668958

"بہرحال، میں تمھارے خاندان کا شکر گزار ہُوں کہ آج بھی تم لوگ پُرانے قوانین کے قدردان ہو۔" اُوشان نے کہا "اور میں سمجھتا ہُوں کہ میری طرف سے جو سونا سناجو بھیجا جا رہا ہے، اس سے گاؤں کے لوگ خوشحال ہو گئے ہوں گے اور ان سب کے دلوں میں میرے لیے محبت کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہو گا۔"

"نہیں ماسٹر! ہمیں سونا نہیں ستا رہا ہے۔ آپ جو کچھ بھی بھیجتے تھے وہ پارٹی کو پہنچا دیا جاتا تھا۔ عوامی پارٹی کو اس کی شدید ضرورت تھی پچھلے سال سارا سونا آپ کی بیوی سے چھین لیا گیا تھا۔ آج بھی عوامی پارٹی کے لوگ وہ سونا حاصل کرنے کے لیے یہاں موجود تھے لیکن جب انھوں نے دیکھا کہ شمشیرِ سناجو کا مالک بذاتِ خود آیا ہے تو وہ خوفزدہ ہو کر گاؤں کی طرف بھاگ اُٹھے تاکہ وہاں سے مدد لے آ سکیں۔ میں تنہا آپ کے استقبال کے لیے، یہاں بیٹھی رہی۔"

"اوہ... تو تمھارا خاندان میری طرف سے کچھ حاصل نہ ہونے کے باوجود میرے قوانین کا پیرو کار ہے؟"

"جی ہاں! ماسٹر آف سناجو! آپ کے بغیر ہم زندگی کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ سناجو کا گھرانا آپ کے دَم سے آباد تھا اور آپ کے آنے کے بعد دوبارہ آباد ہو جائے گا۔ اسی اُمید پر ہم آپ کے پیرو کار بنے رہے ہیں۔"

اُوشان کی آنکھیں بھیگ گئیں! اُس نے عورت کو گلے لگا لیا "تم لوگ عظیم ہو، میری بچی۔" اُس نے رُندھی ہوئی آواز میں کہا۔ "تمھارا خاندان عظیم ہے اور شمشیرِ سناجو کے مالک کو تم پر فخر ہے۔"

عورت بھی سسکیاں لے کر رونے لگی۔

"مت رو، میری بچی! اب تک تمھارے خاندان نے جو مصائب اُٹھائے ہیں، انھیں بھول جاؤ۔ تمھارا خاندان فتح حاصل کرے گا کیونکہ وہ اب میرا خاندان ہو گا۔ آج کا جو سورج ڈھل گیا ہے، کل تمھارے لیے خوشیوں کا پیغام لے کر طلوع ہو گا اور اب تمھیں دوسرے لوگ حقیر نہیں سمجھیں گے کیونکہ پورے گاؤں میں صرف تمھارا ہی خاندان سچائی اور اصلی خون سے مالا مال ہے۔"

اُوشان نے عورت کا کندھا تھپتھپایا اور اپنے لبادے کے کنارے سے پہلے تو اپنے رُخسار پونچھے پھر عورت کے آنسو بھی پونچھ ڈالے۔

اس نے اپنے صندوقوں کی طرف دیکھا جن میں گاؤں کے ہر فرد کے لیے کچھ نہ کچھ موجود تھا۔ اب یہ صندوق اس عورت کے خاندان کو ملیں گے۔ اُوشان سوچ رہا تھا کہ اس سال جو سونا وہ ساتھ لایا ہے، اُسے بھی اسی خاندان کے حوالے کر دے گا۔

سناجو کی جانب سے آنے والی روشنیاں اب قریب آ گئی تھیں اور اُوشان کے کان ٹینکوں کی آوازیں سُن رہے تھے۔ اس کے ہونٹوں پر پڑی ہی تلخ مسکراہٹ پھیل گئی تھی کیونکہ وہ رُوحانی طاقت کے علاوہ کسی اور طاقت کا میرے سے قائل ہی نہیں تھا۔ وہ جانتا تھا کہ یہ ورجن بھر بکتر بند گاڑیاں اُس کا کچھ بھی تو نہیں بگاڑ سکتیں۔ اُسے اپنے خُدا اور اپنی رُوحانی طاقت پر پورا بھروسہ تھا۔ اس نے بڑے کرب سے دیکھا کہ ٹینکوں کے ساتھ سناجو گاؤں کے وہ لوگ بھی چلے آ رہے ہیں، جو کبھی ہاؤس آف سناجو کے گُن گایا کرتے تھے۔

وہ ان ٹینکوں اور گاؤں کے لوگوں کا انتظار کرنے لگا۔

ٹینک کچھ فاصلے پر آ کر رُک گئے تو کامریڈ کیپٹن آگے بڑھ کر اُوشان کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ اُوشان اپنے گاؤں کے اس ماہی گیر کو خوب اچھی طرح سے پہچان گیا تھا۔ اُس کے ہونٹوں پر حقارت آمیز مسکراہٹ تھی اور وہ گاؤں کے لوگوں، نیز ٹینکوں اور باوردی سپاہیوں کی موجودگی میں خود کو کسی جرنیل سے کم نہیں سمجھ رہا تھا۔ اس نے کسی ہیرو کی طرح ہاتھ اُٹھا کر اعلان کرنے والے انداز میں کہنا شروع کیا۔

"سناجو کے عوام اور عوامی پارٹی کے نام پر میں تم سے وہ دولت طلب کرتا ہُوں جسے تم یہاں لے کر آئے ہو۔"

اس بات پر باوردی سپاہیوں نے تالیاں بجائیں اور الفیس فضا میں لہرائیں جبکہ سناجو کے لوگ خوشی سے چیخ چیخ کر کامریڈ کیپٹن کی ہمنوائی کرنے لگے۔

اُوشان نے بڑے صبر و تحمل سے اس کی بات سُنی... پھر سناجو کے غدار لوگوں کی طرف دیکھا جو اس وقت سب کے سب اس کے دُشمن ہو رہے تھے۔

"اگر تمھارا یہ دعویٰ ہے کہ میری دولت پر تمھارا حق ہے۔" اُوشان نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا "تو تم سب میں سے وہ کون ہے جو اس دولت پر ہاتھ ڈالے گا؟"

"ہم سب کے سب بیک وقت اس پر ہاتھ ڈالیں گے۔"

اُوشان کے لبوں پر مسکراہٹ گہری ہو گئی "بے شک تم سب بیک وقت اس خزانے پر ہاتھ ڈالو گے لیکن اس کے باوجود کوئی نہ کوئی ہاتھ سب سے پہلے ضرور اس تک پہنچے گا۔ میں اس ہاتھ کے سلسلے میں اعلان کرتا ہُوں کہ وہ دوبارہ دُنیا کی کسی شے کو چھونے میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکے گا۔" آخری الفاظ ادا کرتے ہوئے اُوشان کا لہجہ بے حد نوخوار ہو گیا تھا۔ آج وہ جس قدر غصے میں تھا، اتنا غصہ اُسے زندگی میں پہلے کبھی نہیں آیا تھا۔

"تم تنہا اور ہم بے تعداد میں بہت زیادہ ہیں۔" کامریڈ کیپٹن نے اُسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"یہ تم لوگوں کی بدقسمتی ہے کہ میں اس وقت تنہا ہوں۔" اُدوشان بولا۔

"میں آسمانوں پر بسنے والے شمشیر سنانجو کے خُدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر یہ سارا ساحل بھی تم لوگوں سے اَٹا ہُوا ہوتا، تب بھی میں تمھارے درمیان سے راستہ بناتا ہُوا گزر جاتا۔ اس ہجوم میں صرف ایک ہستی قابلِ تعظیم ہے اور وہ ہے یہ بچی۔" اُدوشان نے اپنے استقبال کے لیے آنے والی تنہا عورت کی طرف اشارہ کرتے ہُوئے بتایا۔

اُدوشان کی اس بات پر ہجوم میں ایک طوفان بدتمیزی اُٹھ کھڑا ہُوا۔ وہی لوگ جو کل اُس کے ساتھی تھے اور اُس کے ٹکڑوں پر پل رہے تھے، آج اُس پر ہنس رہے تھے اور اُس پر پھبتیاں کس رہے تھے۔ اُنھوں نے اُوشان کی ساتھی عورت کے سلسلے میں بھی نازیبا باتیں کیں۔ بالآخر سنانجو کے لوگوں کو خاموش کرانے کے لیے کامرمڈ کیپٹن نے ہاتھ بلند کیا اور کہا: "چونکہ ہم تعداد میں زیادہ ہیں لہٰذا آؤ، اس تنہا آدمی سے ساری دولت چھین لیں۔ سب لوگ خوشی سے نعرے لگاتے ہوئے آگے بڑھے۔ اُدوشان جو آہنی صندوق بھر کر لایا تھا، وہ ایک دُوسرے سے بندھے ابھی پانی ہی میں تیر رہے تھے۔

لوگ ساحل کے قریب آ کر رُک گئے۔

ان میں سے کوئی بھی پہل نہیں کرنا چاہتا تھا۔

سب رُک کر کن انکھیوں سے ایک دُوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔

ساحل پر اچانک ہی سناٹا چھا گیا... پھر اس سناٹے میں ایک آواز گونجی: "ٹھیک ہے، میں پہل کرتا ہُوں۔" کامرمڈ کیپٹن نے کہا وہ اُوشان سے مخاطب تھا: "اور اگر میں گر گیا تو یہ سب کے سب تم پر ٹوٹ پڑیں گے۔" یہ کہتے ہُوئے اس نے پہلے ٹرنک کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

اچانک جیسے بجلی سی کوند گئی ہو۔

اس نے جلدی سے ہاتھ کھینچ لینا چاہا لیکن اس کا ہاتھ بازو کے ساتھ موجود ہی نہیں تھا۔ وہ ٹرنک پر پڑا ہُوا تھا۔ کامرمڈ کیپٹن کے حلق سے ایک دلدوز چیخ نکل گئی۔ اُوشان کے لبادے سے سنانجو کی شمشیر نکل کر ہاتھ میں آ گئی تھی اور اس کی ایک ہی ضرب نے کامرمڈ کیپٹن کا ہاتھ کاٹ ڈالا تھا۔

اُس نے ہجوم کی طرف دیکھا۔ سب لوگ یُوں کھڑے تھے جیسے اُنھیں سانپ سُونگھ گیا ہو۔ کچھ دیر سناٹا رہا... پھر اُوشان ایک بُوڑھی عورت کی طرف متوجہ ہو گیا جو کہہ رہی تھی۔

"اس کے باوجود ہمارے پاس تم سے زیادہ طاقت ہے۔ ہمارے پاس ایک ٹینک ہے اور کوئی انسان محض تلوار کے ذریعے اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔"

اُوشان نے اُن گاڑیوں پر نگاہ ڈالی جو اس شیطانی قافلے کے ساتھ وہاں آئی تھی۔ اس نے اس طرف توجہ نہیں دی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ قافلے کے ساتھ کئی ٹینک ہیں... لیکن بغور دیکھا تو پتہ چلا کہ ٹینک تو صرف ایک ہی تھا۔ باقی وہ گاڑیاں تھیں، جن میں لوگ لد کر آئے تھے۔ اس نے سپاہیوں کی تعداد کا اندازہ لگایا... سنانجو گاؤں کے لوگوں کے ساتھ جو سپاہی کھڑے تھے، ان میں سے ماسوائے چند ایک کے کسی کے پاس کوئی ہتھیار نہیں تھا۔ زیادہ تر سپاہی ٹینک میں گھسے ہُوئے تھے۔ اُوشان جانتا تھا کہ ان لوگوں کے پاس صرف یہی ایک حربہ باقی رہ گیا تھا۔ اگر وہ اس ٹینک کو شکست دینے میں کامیاب ہو گیا تو بازی جیت جائے گا۔

اس نے غیر محسوس انداز میں خود کو جہاں کھڑا تھا، وہاں سے ساحل کے اس حصّے کی طرف ہٹانا شروع کر دیا جہاں کی زمین چٹانی نہیں تھی۔ وہاں چند قدم ہٹ کر گیلی ریت تھی اور پھر وسیع و عریض سمندر پھیلا ہُوا تھا۔ رات کا ابتدائی حصّہ تھا اس لیے پانی ابھی تک کناروں سے نہیں چھلکا تھا اور اُوشان جانتا تھا کہ نصف شب کے قریب پانی دُور تک پھیل جائے گا اور اپنی پیٹ میں آئی ہوئی ہر شے سمیٹ کر سمندر کے پیٹ میں اُتار دے گا۔

وہ جیسے ہی اس حصّے میں پہنچا، اُس نے قہقہہ لگایا اور بلند آواز میں کہا: "اگر یہ ٹینک مجھے کچلنے میں کامیاب ہو جائے تو تم میں سے بہت سے لوگوں کی جان بچ جائے گی۔ مجھ پر اس کا گولہ انداز نہیں ہو سکتا، تم جانتے ہو کہ میں اپنی غیر معمولی اُچھل کُود کی وجہ سے، اس کی زد سے محفوظ رہُوں گا۔"

اُوشان کی یہ بات ٹینک میں بیٹھے ہُوئے سپاہیوں نے بھی سن لی تھی۔ اگلے ہی لمحے ٹینک اس کی طرف بڑھنے لگا۔ اگرچہ اس کی رفتار زیادہ تیز نہیں تھی، پھر بھی اُوشان مطمئن تھا کہ اس کا منصوبہ ناکام نہیں رہے گا۔

اگر ٹینک میں موجود سپاہیوں میں عقل ہوتی تو وہ اس پر ٹینک چڑھانے کی بجائے گولہ باری ہی کرتے... جو شخص توپ کے گولوں سے بچ نکلنے کا دعویٰ کر سکتا تھا، اس کے لیے ٹینک کی زد سے نکل جانا کوئی بڑی بات نہیں تھی لیکن طاقت کا خمار ہمیشہ عقل کو خبط کر لیتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ ٹینک والوں کو اُوشان کا جسم روندنے کی حسرت ہی رہی اور ٹینک لیلیٰ رات میں دھنس کر رُک گیا۔

ٹینک چلانے والے نے گھبرا کر اُسے واپس لے جانا چاہا لیکن ریت میں اس کے پہیے گھومتے رہ گئے اور ٹینک ٹس سے مس نہ ہُوا۔ اُسی لمحے اُوشان اُچھل کر ٹینک پر سوار ہو گیا۔ اس کی تلوار لہرائی اور کیبن کا دروازہ اس حد تک ٹیڑھا ہو گیا کہ اُسے کھولنا ممکن نہ رہا۔

ٹینک میں موجود لوگ اپنی حماقت اور جلد بازی کی وجہ سے کیبن میں پھنس کر رہ گئے تھے اور اب اُن کے لیے اُوشان پر گولہ باری ممکن نہیں رہی تھی۔

"تم لوگ اس پر ناز کر رہے تھے؟" اُوشان نے ناکارہ ٹینک کی طرف اشارہ کرتے ہُوئے کہا: "یہ اب یہاں سے نہیں نکل سکتا حتیٰ کہ تم سب لوگ مل کر زور لگاؤ اور اُسے گھسیٹ کر ریت سے نکال لو... لیکن ایسا اُسی وقت ہو سکتا ہے، جب میں تمھیں اس بات کی اجازت دُوں گا۔ تم میں سے کون ہے، جو سب سے پہلے ٹینک کو ہاتھ لگائے گا؟" اُس نے یہ کہہ کر سوالیہ نظروں سے، ہجوم کی طرف دیکھا جس میں اب زیادہ تعداد انہی لوگوں کی تھی جو اُس کے گاؤں سے تعلق رکھتے تھے۔

جواباً کوئی نہیں بولا۔ وہ بھی جانتے تھے کہ شمشیر سنانجو سے ٹکرنا اب ان کے لیے ممکن نہیں رہا۔ وہ سب مل کر بھی اس پر حملہ آور ہو جاتے تو اس کا بال بھی بیکا نہیں کر سکتے تھے۔

"اس ٹینک میں جتنے بھی لوگ ہیں!" اُوشان نے کیبن میں پھنسے ہُوئے سپاہیوں کی طرف اشارہ کرتے ہُوئے کہا: "ان سب کو میں سمندری طوفان کے سپرد کرتا ہُوں۔ نصف شب کے بعد یہ اپنی تابُوت سمندری لہروں کے سہارے گہرے پانیوں میں اُتر جائے گا اور ان سب کی رُوحیں اس غیر معمولی شان دار تدفین پر قیامت تک فخر کرتی رہیں گی۔"

اُوشان اپنے مخصوص انداز میں ہنس پڑا لیکن اس کی ہنسی میں زہر ہی زہر اور نفرت ہی نفرت گھلی ہُوئی تھی۔

"اور باقی رہا سوال تم سب لوگوں کا... تو میری تلوار تمھارے خُون سے صدیوں کی پیاس بُجھائے گی۔" یہ کہہ کر اُس نے تلوار لہرائی اور کُود پڑا۔ آدمی کا سر تن سے جُدا ہو کر گر پڑا۔ اس سے قبل کہ اُوشان کی تلوار کسی اور کی زندگی چاٹ جاتی، وہ عورت چیخ پڑی، جو چٹان پر ایک ہیئت سے بیٹھی، اُوشان کا استقبال کرنے کا انتظار کر رہی تھی۔

عورت کی آواز سُن کر اُوشان نے ہاتھ روک لیا اور سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔ عورت آگے آئی اور گڑگڑانے لگی۔

"نہیں، مالک! ان لوگوں پر رحم کیجئے! یہ آپ کے اپنے ہی ہیں۔ انھیں حکومت نے ایسا کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ یہ کمزور تھے۔ اگر برسرِ اقتدار لوگوں کی بات نہ مانتے تو ان کی زندگی برقرار نہیں رہ سکتی تھی۔ اپنی بقا کے لیے اُنھوں نے وقتی طور پر خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دیا تھا ورنہ یہ سب آج بھی وفادار ہیں۔" یہ اس عورت کا رحم تھا جو اُوشان کی طرف متوجہ ہُوئی اور بولی: "کیا میں غلط کہہ رہی ہُوں؟"

"تم بھی اُوشان کی طرح عظیم ہو۔" ہجوم نے بیک زبان کہا۔

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ ہم نے اپنی بقا کے لیے ہی ایسا کیا تھا ورنہ آج ہم میں سے کوئی بھی زندہ نہ ہوتا۔ ہمیں معاف کر دو اُوشان۔ ہم آج بھی تمھارے وفادار ہیں۔"

اُوشان ساکت پُتلیوں سے اُن لوگوں کو گھُورتا رہا... پھر اس کی تلوار لبادے کے اندر چھپتی ہُوئی میان میں واپس چلی گئی اور ہجوم میں سے کئی ایک کے حلق سے طمانیت کی سانس خارج ہو گئی۔

جس عورت نے ٹینک کی طاقت کا حوالہ دیا تھا، وہ بھی قدموں پر اُتر آئی جس کے نتیجے میں اُوشان نے باقی ماندہ لوگوں کو بھی معاف کر دیا۔ وہ جواز جس کی وجہ سے گاؤں کے لوگوں کی جاں بخشی ہُوئی تھی، اسی کا سہارا لے کر ٹینک میں موجود سپاہیوں کی زندگی بھی بچا لی گئی۔ اُوشان نے انھیں ٹینک سے نکال لیا البتہ ٹینک کو بیچ ہی میں وہنسا چھوڑ دیا گیا کیونکہ وہ ایک ایسی حکومت کی ملکیت تھا جسے اُوشان نے قبول نہیں کیا تھا۔

جان بخشی کے بعد سب کا رویہ بدل گیا۔ ہر شخص خوش نظر آنے لگا۔ تب اُوشان نے ایک اور اعلان کر کے ان سب کے دل جیت لیے کہ صندوقوں میں بھرا ہُوا سامان سب لوگوں میں تقسیم کیا جائے گا۔

ہجوم نے نعرے لگائے اور ان میں سے بعض نے اُوشان کو اور بعض نے اس کی ساتھی عورت کو کندھوں پر اُٹھا لیا اور یہ قافلہ خوشی کے نعرے لگاتا ہُوا سنانجو کی طرف واپس چل دیا۔ ہجوم میں سے بعض آدمیوں نے اس عورت سے شادی کرنے کی بھی پیش کش کی تھی... یُوں اگلے روز کا سُورج طلوع ہُوا تو اُوشان کا یہ وعدہ پُورا ہو گیا کہ عورت کا خاندان فتح یاب ہو گا۔ سب لوگ بے حد خوش تھے لیکن اُوشان کی آنکھیں سوچ میں ڈُوبی ہُوئی تھیں۔ وہ جانتا تھا کہ ابھی کشت و خُون کا بازار گرم ہونا باقی ہے۔

★

"نہیں... نہیں، نہیں۔"

یہ آوازیں کرمیٹ پر ایک دُوسرے کے مقابل شخص یُوں رُک گئے جیسے وہ وہاں منجمد ہو گئے ہوں۔

"تم دونوں گدھے ہو... بالکل گدھے... تم نے مجھے بے حد مایوس کیا ہے۔" اُس شخص نے کہا جو غصّے سے سُرخ چہرہ لیے اُن کی طرف آ رہا تھا۔ یہ ایک برطانوی سارجنٹ میجر تھا۔ اس کے بالائی لب پر سائیکل کے ہینڈل جیسی مُونچھیں تھیں اور اُس کے کندھوں پر گوشت کے بڑے بڑے لوتھڑے پھل کی حالت میں نظر آ رہے تھے۔ اُس نے کرانے کی سفید وردی زیبِ تن کر رکھی تھی اور کمر کے گرد سیاہ بیلٹ بندھی ہُوئی تھی جس

کا ایک سرا ڈھیلے ازار بند کی طرح سامنے لٹکا ہُوا تھا۔ اُس نے اُنھیں روکنے کے لیے دونوں ہاتھ سر سے بلند کیے۔ اُس کے ناخن اوور میڈ لائنس کی وجہ سے چمکنے لگے۔

"تم دونوں کراٹے کی تربیت حاصل کر رہے ہو یا مچھروں کے کلب میں ناچ رہے ہو؟" اُس نے سخت لہجے میں کہا۔ "تم..." اُس نے ایک شاگرد کی طرف خنجر جیسی نوکیل اُنگلی اُٹھائی۔ "تم نڈہام! تم کو چاہیے کہ کسی قاتل جیسا انداز اختیار کرو۔ تم اپنے حریف کا گلا گھونٹ رہے ہو، تھاما دباؤ بے حد کم ہے۔ اتنے دباؤ سے تو لیموں بھی نہیں نچوڑا جا سکتا... اور تم..." وہ دوسرے کی طرف مُڑا۔ "فوسٹر! تمھارے سامنے ایک قاتل ہے جس سے بچاؤ کے ساتھ ساتھ تمھیں جوابی حملہ کر کے اسے زیر کرنا ہے... اور زور مل ظاہر کرنے میں پھرتی دکھانی ہے۔ اگر تمھیں کسی ماہر آدمی سے پالا پڑ جائے تو وہ مار مار کر تم دونوں کا بھرکس نکال دے گا اور تم دونوں میرا سر ندامت سے جھکا دو گے۔"

دونوں شاگرد بے حد شرمندہ دکھائی دینے لگے۔

نڈہام ایک دبلا پتلا لیکن طویل القامت آدمی تھا۔ اس کا جسم کسی مضبوط تار جیسا سخت تھا۔ اُس نے ندامت آمیز نظروں سے اُستاد کی طرف دیکھا۔ اُس کا خیال تھا کہ وہ کافی عاقلت حرف کر رہا تھا۔

فوسٹر ایک بھاری عضلات اور مضبوط پٹھوں والا سیاہ فام تھا۔ اُس نے اپنے فن پر تبصرے کے جواب میں اُستاد سے کچھ بھی نہیں کہا۔ اُس کی ساکت آنکھیں البتہ کچھ کہتی محسوس ہو رہی تھیں۔ شاید اُسے ان خطابات پر غصہ آ رہا تھا جن سے ابھی کچھ دیر پہلے اس کو نوازا گیا تھا۔

وہ دونوں جس میٹ پر مشق کر رہے تھے، اُس کے گرد پولیس کے درجن بھر رکروٹ بیٹھے تماشا دیکھ رہے تھے اور اپنی باری آنے کا انتظار کر رہے تھے۔

ماسٹر ویدربائی نڈہام کی طرف متوجہ ہُوا۔ "نڈہام! آگے بڑھو۔"

تاثر جیسے ہی نڈہام آگے بڑھا تو اُس کی حرکات میں سُستی، اُس کے بے یقینی ہونے کی چغلی کھا رہی تھی۔

"اب تو وہی داؤ مجھ پر آزماؤ گے۔" استاد نے کہا۔

نڈہام کے دونوں ہاتھ، ماسٹر ویدربائی کی گردن پر پہنچ گئے۔ اس کی گردن خاصی موٹی اور بے حد مضبوط تھی۔ جیسے ہی اُس نے گردن میں ہاتھ ڈالے، نہ جانے کیوں اُسے احساس ہونے لگا کہ وہ پولیس مین بننے کا اہل نہیں ہے۔ وہ اس انداز کی لڑائی کو پسند نہیں کرتا تھا۔ اگرچہ اُس نے ماسٹر ویدربائی کی گردن دونوں ہاتھوں سے دبوچ لی تھی لیکن وہ اس پر خاطر خواہ دباؤ ڈالنے میں کامیاب نہیں ہُوا تھا۔ نڈہام نے اپنے پٹھے اکڑا لیے تھے کیونکہ وہ جانتا تھا کہ گردن دبانے کے جواب میں حریف اس سے نمٹنے کے لیے کون سا داؤ استعمال کرے گا۔

"دباؤ، گدھے کے بچے... زور سے دباؤ۔" ویدربائی غرائی ہُوئی آواز میں بولا۔ "میں نے تمھیں اپنی گردن میں گدگدی کرنے کے لیے نہیں کہا تھا۔ زور سے دباؤ۔ تم میں تو کسی نانک امدام لڑکی سے زیادہ مضبوط گرفت ڈالنے کی بھی طاقت نہیں ہے۔"

نڈہام کی کنپٹیاں غصّے سے سُلگ اُٹھیں۔ اُس نے استاد کے گلے پر ہاتھوں کا دباؤ ڈالنا شروع کر دیا۔ اُس کے انگوٹھے ویدربائی کے نرخرے پر جم گئے تھے۔ غصّے سے اُس نے دونوں انگوٹھوں سے بھی دباؤ ڈالنا شروع کر دیا تھا۔

اچانک اُسے اپنے دائیں بازو کے کُہنی اور کلائی کے درمیانی حصّے پر ایک ایسی چوٹ کا احساس ہُوا جس نے پورا بازو شل کر دیا۔ اُس نے دباؤ ڈالنا جاری رکھنے کی کوشش کی لیکن اُس کی اُنگلیاں بے جان ہوتی جا رہی تھیں۔ اُسے جلد ہی احساس ہو گیا کہ اُس کا دایاں ہاتھ گرفت چھوڑتا جا رہا ہے۔ معاً اُس نے ویسی ہی ایک چوٹ اپنے بائیں بازو پر بھی محسوس کی۔ کُہنی اور کلائی کے درمیانی حصّے پر لگی ہُوئی چوٹ کا اثر بھی پہلی چوٹ جیسا ہی تھا۔ اُس نے اپنی پوری قوّت اور قوّتِ ارادی سے کام لے کر دباؤ ڈالنے کا عمل برقرار رکھنے کی کوشش کی... غصّے سے اُس کی نسوں میں دوڑتے ہُوئے خون میں لاوے جیسی حرارت پیدا ہو گئی اور اس کا جی چاہنے لگا کہ وہ اس غیبت اُستاد کا نرخرہ اُدھیڑ کر رکھ دے... لیکن اُس کی کوشش ناکام ہوتی چلی گئی۔ اس کا بایاں ہاتھ بھی ویدربائی کی گردن پر اپنی گرفت چھوڑتا جا رہا تھا... اور پھر نڈہام کو یوں محسوس ہُوا جیسے کسی نے اُس کے پیٹ میں خنجر گھونپ دیا ہو۔ غصّے کی حالت میں وہ بھُول گیا تھا کہ چوٹ سے بچاؤ کے لیے اُسے جسم کے ہر اس حصّے کے پٹھے اکڑا کر رکھنے چاہئیں جہاں حریف چوٹ لگا سکتا ہے۔

یکایک اُس نے خود کو زمین سے بلند ہوتے، ویدربائی کے اُوپر سے فضا میں اُڑتے اور پھر دھپ سے عقب میں چٹائی پر گرتے ہُوئے دیکھا۔ سب کچھ پلک جھپکنے میں ہو گیا تھا اور اُسے کچھ سوچنے سمجھنے کی مُہلت ہی نہیں مل سکی تھی۔

اس سے قبل کہ وہ سنبھلتا، اُسے خود پر جُھکا ہُوا ویدربائی کا چہرہ دکھائی دیا۔ ویدربائی کے ہونٹوں پر بڑی ہی حقارت آمیز مُسکراہٹ تھی پھر اُسے ویدربائی کا اُٹھتا ہُوا پاؤں نظر آیا جو اس کی کھوپڑی تک بلند ہو کر گرا تو اُس کی ناک پر قیامت ڈھانے کے لیے بڑھنے لگا۔ یہ چہرہ مسخ کر دینے والی ضرب تھی۔

نڈہام حلق کے بَل چیخ پڑا۔

اس سے قبل کہ اُس کی ناک ٹُوٹ جاتی اور چہرے کے نقش و نگار بھیانک ہو جاتے، ویدربائی کی ایڑی اُس کی ناک سے چھُو کر دیں ساکت ہو گئی۔

نڈہام نے گھبرا کر آنکھیں بند کر لی تھیں۔

اُس نے چند لمحے بعد آنکھیں کھولیں تو ویدربائی کا پاؤں ابھی اس کے چہرے پر معلق تھا۔ اس نے ویدربائی کی ایڑی اور اپنی آنکھوں کے فاصلے کا اندازہ لگایا۔ ایڑی صرف چار انچ دُور تھی... اور اُس کی چوٹ سے ہمیشہ کے لیے بینائی سے محروم کر سکتی تھی۔

ویدربائی کی آنکھوں میں لمحے بھر کے لیے دیوانگی کی چمک پیدا ہُوئی تھی... اس کا پاؤں اب بھی نڈہام کے چہرے پر تھا، اُسی جگہ ساکت... جہاں اُس نے اُسے روک لیا تھا۔ یُوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ ذہن پر مسلّط ہُوئے دیوانگی کے بادل دُور کر رہا ہو۔ خود کو سنبھالنے میں اُسے منٹ سے زیادہ وقت نہیں لگا... اور پھر اُس کے ہونٹ مسکراہٹ سے پھیل گئے تو اُس کے نوکیلے چمک دار سفید دانت کسی خُونخوار بھیڑیے کی یاد دلانے لگے۔ اُس نے ایک طویل سانس لی اور بولا۔ "ٹھیک ہے، نڈہام! تمھاری گرفت کافی سخت تھی لیکن تم نے گرفنے کا عمل ٹھیک طرح سے پُورا نہیں کیا۔ یاد رکھو، قلابازی کھاؤ، گھومو اور دونوں ہاتھوں کی ضرب سے تصادم کو منتشر کرنے کی کوشش کرو۔"

وہ نڈہام کی طرف جُھک گیا۔ نڈہام یُوں لیٹا ہُوا تھا جیسے موت کے فرشتے نے اُسے بے بس کر رکھا ہو۔

"ٹھیک ہے۔ اب تم اُٹھ سکتے ہو۔"

نڈہام نے اپنے خوف پر قابو پاتے ہُوئے سوچا کہ میں بھی کتنا احمق ہوں۔ بھلا مجھے میرے زنگروٹ ساتھیوں کی موجودگی میں ایک تربیتی اُستاد جیسے ہلاک کر سکتا تھا۔ مجھے خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں تھی۔

ویدربائی اب فوسٹر کی طرف متوجہ ہو گیا جو بھینچے ہُوئے ہونٹوں پر بے رحم سی مُسکراہٹ سجائے، یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔

"تم نے دیکھا کہ تمھیں جوابی کارروائی کیسے کرنی چاہیے تھی؟" ویدربائی نے سوال کیا۔ "زخموں کی طرح کھڑے، گردن مت تڑواؤ... گرفت کو فوراً توڑ ڈالو اور آدمی کو اپنے اُوپر سے عقب میں اُچھال کر اس کے چہرے پر ٹھوکر مارو... چہرہ پاش پاش کر دینے والی ٹھوکر... میں کچھ کہہ رہا ہُوں، وہ تمھاری بھس بھری کھوپڑی میں بیٹھ رہا ہے... نہیں؟"

ویدربائی نے یہ تبصرہ کرنے کے بعد فوسٹر کی طرف دیکھا تو اُس کی آنکھوں میں غصّے کی جھلک صاف نظر آئی۔ ویدربائی نے اس سلسلے میں اپنے جذبات کا اظہار نہیں کیا۔ وہ فطری طور پر سیاہ فام لوگوں کو پسند نہیں کرتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ دُنیا میں جہاں کہیں بھی یہ لوگ پولیس میں بھرتی ہوتے ہیں، پولیس فورس کا ستیاناس کر ڈالتے ہیں۔

"کیا خیال ہے، اب تم ایسا کر سکو گے یا نہیں؟" اُس نے سیاہ فام فوسٹر کی آنکھوں میں دیکھتے ہُوئے سوال کیا۔

"فکر نہ کرو، اُستاد!" فوسٹر نے بڑے ہی عجیب لہجے میں کہا۔ "میں یقیناً ایسا کر سکتا ہُوں۔"

"تو پھر تیار ہو جاؤ..." یہ کہہ کر ویدربائی ایک قدم آگے بڑھا۔

فوسٹر آہستہ آہستہ قدم اُٹھاتا ہُوا چٹائی کے درمیان آ کھڑا ہُوا۔

"کیا تم تیار ہو؟" ویدربائی نے پوچھا۔

سیاہ فام چند لمحوں تک چٹائی پر اُچھلتا کُودتا رہا۔ جب اُسے اطمینان ہو گیا کہ وہ اپنا توازن برقرار رکھنے میں کامیاب رہے گا تو رُک گیا اور بولا۔

"ٹھیک ہے، جناب! میں تیار ہُوں۔" اُس کا لہجہ گستاخانہ ہو گیا تھا۔

ویدربائی نے آہستہ آہستہ اپنے مضبوط ہاتھ، فوسٹر کی گردن کی طرف بڑھائے اور گرفت مضبوط کر لی۔ "چلو..." وہ چیخا اور اُس کے ساتھ ہی اُس نے فوسٹر کی گردن پر دباؤ ڈال دیا۔

فوسٹر کو یوں محسوس ہُوا جیسے اس کا نرخرہ آہنی شکنجے میں پھنس گیا ہو۔ اُس نے دباؤ کا صدمہ اچانک ہی محسوس کیا تھا۔ ویدربائی کے انگوٹھے اس کے نرخرے پر دباؤ ڈالتے ہُوئے حلق میں اُترتے لگ رہے تھے۔ اس نے گلے پر انگلیوں کا دباؤ کم کرنے کے لیے دونوں ہاتھوں کی مُٹھیاں بھینچ لیا... پھر دائیں ہاتھ کو نیچے سے اُوپر کی طرف اُچھالا۔

اس طرح اُس نے ویدربائی کے دونوں بازوؤں کے درمیانی حصّے کو ہدف بنانا تھا۔ یہ ایک ایسی ضرب تھی جس سے عموماً حریف کی اُنگلیوں کی گرفت، گلے پر ڈھیلی پڑ جاتی تھی۔ فوسٹر نے جو چوٹ لگائی تھی، اُس سے حریف کا دایاں بازو مفلوج ہو جانا چاہیے تھا... لیکن فوسٹر نے محسوس کیا کہ ہڈیوں یا پٹھوں کے تصادم کی بجائے، ویدربائی کا بازو قدرے نم کھا گیا تھا۔ فوراً ہی بعد اُس کے نرخرے پر ایک بار پھر اس کی اُنگلیوں کا دباؤ بڑھتا چلا گیا۔

یہ ایک مہلک گرفت تھی اور اس کی سختی میں ہر گزرتے ہُوئے لمحے کے ساتھ اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ فوسٹر نے دہنی ضرب دائیں ہاتھ سے بھی آزمائی۔ وہ بالکل اسی طرح کر رہا تھا جیسے سکھایا گیا تھا... لیکن نتیجہ کیا رہا؟ وہی ڈھاک کے تین پات... ویدربائی بڑی ہوشیاری سے نہ صرف اُس کے وار ناکام بنا رہا تھا بلکہ اُس کی اُنگلیوں کی گرفت بھی سخت تر ہوتی جا رہی تھی۔ حالانکہ دونوں چوٹوں کے بعد اُسے چھوڑ دینا چاہیے تھا... لیکن یوں لگتا تھا جیسے وہ اس سیاہ فام شاگرد

کا نرخرہ دبا کر اُسے ہلاک کر ڈالنا چاہتا ہو۔

فوسٹر نے ویدر بائی کی آنکھوں میں دیکھا۔ اُن میں اُسے مسکراہٹ نظر آئی۔ زہر آلود اور نفرت میں بجھی ہوئی مسکراہٹ... اُس کی آنکھوں کے کناروں پر خفیف سی سلوٹیں بتا رہی تھیں کہ وہ، اس صورتِ حال سے خوب لطف اندوز ہو رہا ہے۔

فوسٹر کی آنکھیں آہستہ آہستہ پھیلنے لگی تھیں۔ اُس نے سوچا۔ کہ یقیناً یہ شخص پاگل ہو گیا ہے اور اُسے کھیل ہی کھیل میں جان سے مار ڈالنا چاہتا ہے۔ خوف و دہشت کی ایک سرد لہر، فوسٹر کے پورے جسم میں دوڑ گئی۔ اُسے اپنے سینے میں تکلیف کا احساس ہونے لگا... فی رفتہ رفتہ اُس کے پھیپھڑوں سے ہوا کا رابطہ ختم ہو رہا تھا۔ اُس نے ہانپ کر ہوا کو اندر کھینچنے کی کوشش کی لیکن اس مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا۔ اُس نے بے بسی کے عالم میں دوبارہ وہی ضربیں لگانے کا ارادہ کیا۔ ایسی حالت سے نجات حاصل کرنے کے لیے اُسے سکھائی گئی تھیں۔ اس بار اُس نے بیک وقت چوٹیں لگائی تھیں۔ جواباً ویدر بائی نے دونوں ہاتھوں کی مدد سے اس کو گردن سے اپنی طرف گھسیٹ لیا۔ تو کہ فوسٹر کی لگائی ہوئی ضربیں خود اس کی پیشانی سے ٹکرا جائیں۔

مایوسی کی حالت میں فوسٹر نے اپنا گھٹنا اُٹھایا۔ وہ، ویدر بائی کے کُنج ران میں چوٹ لگا کر اُسے اپنے جسم سے دُور ہٹا دینا چاہتا تھا۔ اب تو وہ ہر ممکن کوشش کر ڈالنا چاہتا تھا جس کے ذریعے اُسے ویدر بائی کی گرفت سے نجات مل جائے لیکن اُس کا گھٹنا ہدف پر لگنے کی بجائے، ہوا میں لہرا کر رہ گیا۔

مدد کرو: اُس نے چیخنے کی کوشش کی لیکن اس کا حلق خشک ہو گیا تھا اور اس میں کانٹوں کی چبھن محسوس ہونے لگی تھی۔ کوشش کے باوجود اُس کے حلق سے کوئی آواز نہ نکل سکی۔ اُس نے چیخ کر کہنا چاہا کہ اُسے چھوڑ دیا جائے لیکن وہ اُس کے ہاتھوں میں تلملا کر رہ گیا۔ یکایک اُسے اپنی آنکھوں کے سامنے دھند سی پھیلتی محسوس ہونے لگی... اب اُس میں مزید کوئی ضرب لگانے کی قوت باقی نہیں رہ گئی تھی۔ وہ تو بس یہ چاہتا تھا کہ کسی طرح سانس کی ڈوری برقرار رکھنے میں کامیاب ہو جائے۔ اُس کی آنکھوں کے سامنے دھند گہری ہوتی جا رہی تھی اور اُس کی رگوں اور پٹھوں میں بے جان سی کیفیت پیدا ہونے لگی تھی... یوں لگ رہا تھا جیسے اُس کے مضلات ناکارہ ہوتے جا رہے ہوں۔ اُس نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے کی کوشش کی لیکن آنکھوں پر چھایا ہوا غبار اب اُس کے ذہن پر بھی سوار ہونے لگا تھا۔ اُس کی آنکھیں بند ہوتی جا رہی تھیں۔ سانس لینا تو درکنار وہ آنکھیں کھولنے میں بھی ناکام ہو رہا تھا۔

کلاس کے نوجوان دیکھ رہے تھے کہ اُن کا ساتھی، اُستاد کے ہاتھوں میں یوں جھول رہا ہے جیسے اُس نے کسی قدِ آدم سیاہ فام کو دونوں ہاتھوں سے تھام رکھا ہو۔

ویدر بائی نے گرفت برقرار رکھی اور دباؤ ڈالنے کا عمل جاری رکھا... اور جب اُس نے گرفت ختم کی تو فوسٹر بے ہوش ہو کر کسی پتھر کی طرح میٹ پر گر گیا۔

اُستاد کی اس حرکت پر زیرِ تربیت تماشائی نوجوانوں میں ہلچل کی لہر دوڑ گئی اور وہ زیرِ لب اس سلسلے میں احتجاج کرنے لگے مگر اُن کی آواز اتنی بلند نہیں تھی کہ ان کا مفہوم واضح ہوتا۔

"فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔" ویدر بائی نے انھیں دیکھ کر کہا۔ "اسے کچھ نہیں ہوگا اور یہ بالکل ٹھیک ٹھاک ہے... آ مظاہرے میں تم لوگوں کے لیے ایک سبق پوشیدہ تھا۔" اس نے باری باری اپنے تمام شاگردوں کی طرف دیکھا۔ "کبھی اپنے آپ کو خیا کی دُنیا میں لے جا کر ہیرو سمجھنے کی کوشش نہ کرو۔ تم نہیں جانتے حریف کس قدر طاقت ور ہے اور تمھارا کیا حشر کر سکتا ہے جیسے کسی خوش فہمی میں مبتلا ہوتے، تمھارے حریف کی بن آئے گی اور پر دسترس حاصل کرنے کی پوزیشن میں پہنچ جائے گا کیونکہ کسی خوا دیکھنے والے مدِ مقابل سے نمٹنا بالکل ایسا ہی ہے جیسے کسی سوئے شخص کو ٹھکانے لگانا۔ حریف جو بھی داؤ استعمال کرے، فوری طور اس کا توڑ کرو۔ اُسے اپنا داؤ مکمل کرنے کی مہلت ہی نہیں ملنی چاہ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تمھارا حشر بھی اس سیاہ فام جیسا ہی ہوگا۔" یہ کہتے ہوئے اس نے فوسٹر کی طرف دیکھا جو اب بھی میٹ پر پڑا تھا لیکن اب اس کے پھیپھڑے متحرک تھے اور اس کا چہرہ بتا رہا تھا کہ نہ صرف زندہ ہے بلکہ ہوش میں بھی آ چکا ہے۔ "ممکن ہے تم لوگوں حالت اس سے بھی زیادہ خراب ہو جائے۔" ویدر بائی نے تازیانہ لگا اس کا پاؤں، فوسٹر کو خفیف سی ٹھوکر لگا کر یوں پیچھے ہٹ گیا، کوئی ناگ اپنے شکار کو ڈسنے کے لیے پھن اٹھاتا ہے۔ "ٹھیک ہے، اب تم اُٹھ فوسٹر کے حلق سے اب کراہیں نکلنے لگی تھیں۔ وہ کروٹ لے کر پہ کے بل لیٹ گیا... پھر دونوں ہاتھ پہلوؤں میں جما کر، بمشکل زور پر اُٹھا لیکن پوری طرح اُٹھنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ وہ اس وقت رینگنے کی پوزیشن میں تھا اس لیے رینگتا ہوا، میٹ سے ہٹنے لگا۔ اس حالت پر سب ہی تشویش آمیز نظروں سے اُسے دیکھتے رہے لیکن کسی بڑھ کر اُس کی مدد کرنے کی جرأت نہیں ہوئی۔

"کوئی اسے اُٹھنے میں مدد دے۔" ویدر بائی نے اپنے شاگردوں سے کہا اور چونک کر دروازے کی طرف متوجہ ہو گیا۔

دروازے سے دو آدمی اندر آتے نظر آ رہے تھے۔ اُس نے ا

خیلیوں میں کھجلی محسوس کی اور اُس کے دل کے مقام پر خفیف سی پھڑپھڑاہٹ جنم لینے لگی۔ "اوہ! بالآخر تم آ ہی گئے۔" اُس نے دروازے سے اندر والوں میں سے ایک کی طرف دیکھتے ہوئے سوچا اور اس کی رگوں میں دوڑتا ہوا خون چنگاریوں میں ڈھلتا چلا گیا۔ جیسے ہی دونوں آدمی اس کے قریب پہنچے، ویدر بائی اپنے شاگردوں سے بولا۔ "ٹھیک ہے، کو آج کا سبق ختم ہوا۔ کل تم لوگوں سے دوبارہ ملاقات ہوگی۔"

شاگرد چلے گئے تو وہ ان دونوں کی طرف متوجہ ہو گیا جو اس سے قدم کے فاصلے پر آ کر رُک گئے تھے۔ اُن میں سے ایک پولیس ٹریننگ ڈپٹی چیف انچارج تھا۔ اس نے کہا۔ "ویدر بائی! ان سے ملو۔ یہ ایک ٹرین رائٹر ہیں اور پولیس ٹریننگ کے طریقۂ کار پر ایک تحقیقی مضمون ھ رہے ہیں۔ انھیں تمھاری معاونت کی ضرورت ہے۔"

"تم سے مل کر بے حد خوشی ہوئی۔" ویدر بائی نے ٹائیگر سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ اس دوران میں وہ، شہزادہ ٹائیگر کی شخصیت بُری نظروں سے جائزہ بھی لے رہا تھا۔ اُسے، ٹائیگر میں کوئی غیر معمولی ت نظر نہیں آئی، ماسوائے اس کے کہ اس کا جسم متوازن تھا اور اس کھڑے ہونے کا انداز بے حد ٹھوس تاثر سے بھرپور تھا۔ چھ فٹ لمبا دبلے پتلے لیکن کسرتی جسم والا ٹائیگر قد و قامت میں اُس سے صرف چار اُونچا تھا اور غالباً اُس کا وزن چند پاؤنڈ زیادہ ہوگا۔ ویدر بائی نے ں سوچا اور ہنس پڑا لیکن ان باتوں سے کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ ی کبھی چھوٹے قد کا حریف، بڑے قد والے کو زیر کرنے میں زیادہ جلد میاب ہو جاتا ہے۔ یہ سوچتے ہوئے ویدر بائی کے ذہن میں ایک اور ہیت بھی گھوم گئی جس کی مہارت نے اُسے ششدر کر دیا تھا۔ مسٹر ونچ جو اس کے نزدیک اس صدی کا حیرت انگیز آدمی تھا۔ ویدر بائی اس سٹرس پولیس کے رنگروٹوں کو تربیت دیتا تھا اور اُسے قانون کے رے میں وہ کارنامہ کرنا پڑا تھا۔ جبکہ مسٹر ونچ نے اُسے ایک غیر قانونی کے لیے مجبور کر دیا تھا... اور وہ غیر قانونی کام تھا، اس شخص کی ت... جو ایک میگزین رائٹر بن کر اس کے پاس آیا تھا۔

ڈپٹی چیف انچارج، انھیں متعارف کرانے کے بعد ٹائیگر ابولا۔ "میں، تم دونوں کو تنہا چھوڑتا ہوں تاکہ تم اطمینان سے معلومات ل کر سکو۔ اگر میری ضرورت محسوس کرو تو میں تمھیں اپنے دفتر میں مل لگا۔"

ٹائیگر نے اس کا شکریہ ادا کیا اور ویدر بائی کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"مجھے اپنے پیشے کے سلسلے میں تمھیں معلومات فراہم یہ خوشی ہوگی۔" ویدر بائی نے بظاہر اپنائیت سے کہا۔ "پولیس لک میں ہماری سب سے زیادہ غیر معمولی چیز دست بدست لڑائی ہے۔ کیا تم اس سلسلے میں پہلے سے کچھ جانتے ہو، مسٹر شہزادہ؟"

"نہیں... مجھے افسوس ہے کہ میں کچھ نہیں جانتا۔"

ویدر بائی چند لمحوں تک ڈپٹی چیف انچارج کی طرف دیکھتا رہا۔ وہ جیسے ہی دروازے سے نکلا، اس نے پلٹ کر ٹائیگر سے پوچھا۔ "تمھارے بائیں بازو کو کیا ہوا ہے؟"

ٹائیگر کا ہاتھ اپنے بائیں کندھے پر چلا گیا۔ "بات بڑی عجیب سی ہے۔" اُس نے جھینپے ہوئے انداز میں جواب دیا۔ "لیکن شاید تم یقین کر لو کہ میرا کندھا ایک گیراج کے دروازے میں پھنس گیا تھا۔"

"نہیں... اس طرح ایسی چوٹ نہیں آیا کرتی۔" ویدر بائی نے سراسر انداز میں تبصرہ کیا اور مسکرانے لگا۔ اس کی مسکراہٹ بڑی ہی عجیب اور ناقابلِ فہم تھی۔

ٹائیگر کو اپنی کھوپڑی میں ایک چنگاری سی بھڑکتی محسوس ہونے لگی۔ اُسے اچانک ہی خود پہ غصہ آ گیا تھا کیونکہ اس کی دانست میں بازو کی حالت اب ایسی نہیں تھی کہ کوئی اُسے معذور سمجھ سکتا۔ اس کا مطلب تھا کہ ابھی تک وہ اس بازو کی اصلی حرکت کو برقرار کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔

"میں تمھارے بارے میں بہت کچھ سن چکا ہوں۔" ٹائیگر نے اس کی توجہ اپنے بازو سے ہٹانے کے لیے کہا۔

"اوہ! کیا واقعی؟" ویدر بائی نے حیرت کا اظہار کیا۔

"ہاں... تمھارا ایک شاگرد ہنگری میرا دوست ہے۔ وہ غالباً تم سے تربیت حاصل کرتا ہے۔"

ہنگری... ویدر بائی نے 'ہنگری' سے دُہرایا۔ "میں اس نام کے کسی آدمی کو نہیں جانتا۔"

... ٹائیگر اُسے بغور دیکھ رہا تھا۔ اُسے ویدر بائی کے انکار پر حیرت ہوئی لیکن وہ اپنے تاثرات چھپا گیا۔ وہ جانتا تھا کہ ہنگری کی بیوی نے اس سے غلط بیانی نہیں کی تھی۔ اُس نے ویدر بائی کا نام، اس کا عہدہ... اور پولیس کا سیریل نمبر تک بتا دیا تھا۔ ویدر بائی کے سلسلے میں اُسے یقیناً کوئی غلط فہمی نہیں ہوئی تھی اور اُس نے غلط ہی آدمی کی نشاندہی کی تھی۔ بہرحال، اُس نے اس سلسلے میں مزید کوئی بات نہیں کی اور ویدر بائی کے ساتھ سینٹر میں گھومتا رہا۔

ویدر بائی نے اُسے تربیت گاہ کے مختلف حصے دکھائے اور پھر اُسے ایک مخصوص حصے میں لے گیا۔ یہاں تک پہنچنے کے دوران میں وہ ٹائیگر کو اپنی تربیت گاہ کے بارے میں ضروری معلومات فراہم کرتا رہا تھا۔ ٹائیگر بغور اس کی باتیں سنتا رہا اور اثبات میں سر ہلاتا رہا۔ اب وہ اس کمرے میں تھے جس کے باہر جمنازیم کی تختی لگی

ہُوئی تھی۔ ٹائیگر کو یہاں آنے کے بعد اپنی تربیت کے ابتدائی دن یاد آگئے جب ایک ایسے ہی جمنازیم میں اُسے اُوشان سے پہلی بار ملنے کا اتفاق ہُوا تھا۔ ان دنوں وہ موت کی گرفت سے بچ کر وہاں پہنچا تھا اور بحیثیت ٹائیگر اس کی تربیت کا پہلا دن تھا۔ ٹائیگر ان دنوں اپنے آپ کو بہترین نشانچی سمجھا کرتا تھا لہٰذا جب اس سے کہا گیا کہ وہ اُوشان پر فائرنگ کرے تو اُسے بُوڑھے اُوشان پر بے حد رحم آیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ بہرام اس ناتواں بُوڑھے کو اس کے ہاتھوں قتل کروانے لایا ہے... لیکن جب اُس نے اُوشان کے تشنیک آمیز رویے پر مشتعل ہو کر فائرنگ کی تھی تو اس کی ایک بھی گولی اُوشان کی گرد کو نہیں پا سکی تھی۔

ویدربائی اُسے جمنازیم کے سامان کے بارے میں معلومات فراہم کر رہا تھا کہ اچانک ٹائیگر نے اس سے سوال کیا۔ "کیا تم نے کبھی یہ بھی دیکھا ہے کہ تھارد اس علم اور فن سے استفادہ بھی کرتے ہیں یا نہیں؟"

"کیوں نہیں کر سکتے۔" ویدربائی نے شکن آلود پیشانی اُس کی طرف گھماتے ہُوئے کہا۔ "تم جانتے ہو کہ پولیس والوں کو آئے دن سماج دشمن عناصر سے سابقہ رہتا ہے اور انہیں اپنے دفاع میں کم از کم ایک گھونسہ تو ضرور استعمال کرنا پڑتا ہے۔ اب اگر وہ اس گھونسے کو مہارت سے استعمال کر سکیں تو اچھی ہی بات ہے نا؟"

"لیکن کیا تم نے کبھی یہ نہیں سوچا کہ لوگوں کو اس مہلک فن میں ماہر بنا کر گلیوں میں آزاد چھوڑنا کس قدر خطرناک ہو سکتا ہے؟"

ویدربائی کے ہونٹوں پر بڑی ہی پُراسرار مسکراہٹ نظر آنے لگی۔ وہ غیر محسوس انداز میں دروازے کی طرف گیا اور پھر اُسے مقفل کر کے یُوں پلٹا جیسے دروازہ مقفل کرنا اس کے معمولات میں شامل ہو۔ ٹائیگر نے آخری بار جو سوال کیا تھا، اُس سے ویدربائی کو اندازہ ہو گیا تھا کہ اُس کی آمد کا مقصد بھی وہی ہے جو خود اُس کے اپنے ذہن میں ہے۔ وہ ٹائیگر کو پریکٹس میٹس کی طرف لے گیا اور بولا۔ "میں چالیس گھنٹے کی تربیت میں دست بہ دست لڑائی سکھاتا ہوں۔"

"چالیس گھنٹے میں..." ٹائیگر نے حیرت سے کہا۔ "بہت سخت کورس ہے۔"

"نہیں... شوق رکھنے والوں کے لیے یہ چالیس گھنٹے کوئی معنی نہیں رکھتے۔"

"تم نے مجھے بتایا نہیں کہ ہنگری کو جو تربیت دی تھی، وہ کہاں دی تھی؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

ویدربائی میٹ پر ٹائیگر کے مقابل کھڑا ہو گیا۔ یہ میں بتا چکا ہُوں کہ اس نام کے کسی آدمی کو نہیں جانتا۔ ہو سکتا ہے، وہ کوئی شوقیہ کھلاڑی ہو۔"

"اور تم ایک پیشہ ور آدمی بھی ہو، نا؟" ٹائیگر نے سوال کیا۔

"ہاں..." ویدربائی کی آنکھیں اس بات پر غصّے سے سُرخ ہو گئیں۔ "اور اس کی وجہ یہ رہی۔"

ایک لمحے قبل ویدربائی اُس کے سامنے کھڑا باتیں کر رہا تھا لیکن دُوسرے ہی لمحے، وہ فضا میں بُلند ہو چکا تھا اور تیسرے لمحے اُس کا رُخ ٹائیگر کی طرف ہو گیا تھا۔ ٹائیگر کی نگاہ اُس کے پاؤں پر جمی ہُوئی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ یہ مخصوص ٹھوکر ہے۔ وہی ٹھوکر جس نے بہرام کے ایک ماتحت کے جسم کا جوڑ جوڑ توڑ ڈالا تھا اور وہی ٹھوکر جس سے بینک کے اعلیٰ افسران قتل کیے گئے تھے۔ وہ اب اُس مخصوص تکنیک کو خوب اچھی طرح سے جانتا تھا۔ اسے معلوم تھا، دائیں ٹانگ اُس کے جسم کے بالائی حصّے کی طرف آئے گی... اور اور جیسے ہی اس ٹھوکر سے بچنے کے لیے عقب میں گرے گا، ویدربائی اس پر آگرے گا... اور گرتے ہی گھٹنے اُس کی ایڑی، چہرے کو مسخ کر دینے والی ٹھوکر لگائے گی۔ اگر وہ ضرب کامیابی سے لگائی جائے تو بالکل وہی نتیجہ برآمد ہوتا، جو ٹائیگر کے ذہن میں تھا... لیکن یہ ضرب کسی عام آدمی پر ہی کامیابی سے آزمائی جا سکتی تھی۔ ٹائیگر جیسے آدمی کو اس کا نشانہ نہیں بنایا جا سکتا تھا۔

ویدربائی کی ٹانگ ضرب لگانے کے لیے دراز ہُوئی اور ٹائیگر اپنی جگہ کھڑا رہا۔ اس نے ٹھوکر سے بچنے کے لیے عقب میں گرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ ٹھوکر ٹائیگر کے دائیں کندھے سے ہی لگی... یہی پر ٹائیگر کو ایک اور ضرب کی توقع تھی لیکن جب وہ نہیں آئی تو ٹائیگر دل ہی دل میں ہنس پڑا۔ وہ سمجھ گیا کہ جس کسی نے بھی ویدربائی کو یہ مہلک داؤ سکھایا تھا، وہ اس کی کامیابی پر اس قدر مطمئن تھا کہ اُس نے مزید ضرب سکھانے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی تھی۔

ٹائیگر نے کندھے کے عضلات بھینچ کر لیے تھے اس لیے ویدربائی کی ٹھوکر اس کا کندھا توڑنے میں کامیاب نہ ہو سکی بلکہ زوردار ٹھوکر نے اس کے پاؤں کو ہی اُلٹا نقصان پہنچا دیا تھا۔ اُس نے فوراً ہی جوابی داؤ استعمال کیا۔ ویدربائی کو توقع نہیں تھی کہ وہ اس چوٹ سے جانبر ہو سکے گا۔ ابھی کچھ دیر قبل وہ اپنے شاگردوں کو جس خوش فہمی کے نقصانات پر لیکچر دے رہا تھا، اسی خوش فہمی میں مبتلا ہو کر وہ مات کھا گیا۔ ٹائیگر نے جوابی عمل کیا۔ اس کا ہاتھ تیزی سے اُس کی طرح آگے بڑھا اور ویدربائی کا پیٹ بھیٹ کر چندہ وصول کرنے والوں کی جھولی کی طرح

کھل گیا۔ اُس کے ساتھ ہی ٹائیگر کے پاؤں نے بھی حرکت کی تھی۔ اس کی ایڑی، ویدربائی کے گرتے ہُوئے جسم میں اپنا ہدف تلاش کر چکی تھی۔ اگرچہ ویدربائی کا پیٹ بھیٹ جانا ہی کافی تھا لیکن ٹائیگر ان لوگوں کے سلسلے میں کوئی لاپروائی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ یہ بے حد خطرناک لوگ ہیں اور ذرا سی مہلت انہیں ہلاکت خیزی میں کامیاب مطاکر سکتی ہے۔ اُسے اپنا بایاں بازو اب بھی دُکھتا ہُوا محسوس ہو رہا تھا۔ یہ چوٹ اُسے ہنگری کے سلسلے میں ذرا سی لاپروائی کے نتیجے میں ہی آئی تھی۔

جو کچھ بھی تھا، بہت تیزی میں پیش آیا اور ختم بھی ہو گیا۔

ویدربائی نے ٹھوکر ماری۔ ضرب ٹائیگر کے کندھے پر لگی۔ اُس کا ہاتھ آگے بڑھا۔ ویدربائی گرا اور پھر اس کی ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ گئی۔

اور بس!

ٹائیگر ایک طویل سانس لے کر رہ گیا۔

اُس نے ویدربائی کی طرف دیکھا جو میٹ پر گر چکا تھا۔ اس کے چہرے پر قاتلانہ نفرت کے تاثرات تھے... جو اچانک ہی حیرت اور اُلجھن کے تاثرات میں بدل گئے۔ اس کی آنکھیں، استعجاب کی زیادتی سے پھٹ گئیں۔ میٹ پر گرنے کے بعد اس کا جسم ساکت ہو گیا لیکن آنکھیں اب بھی کھُلی ہوئی تھیں حالانکہ رُوح کا پنچھی چند لمحے قبل اُس کے جسم سے آزاد ہو کر پرواز کر چکا تھا۔

ٹائیگر چونک پڑا۔

اُسے یاد آیا کہ ویدربائی جیسے تجربہ کار نے اتنی احمقانہ حرکت کیوں کی؟ یہ بھی بالکل ویسی حماقت آمیز تکنیک تھی جیسی کہ ہنگری نے اس کے خلاف آزمائی تھی۔ اُس نے اُسے خودکشی کرنے کے مترادف قرار دیا تھا۔ گویا خودکشی کرنے والی تکنیک کے ذریعے دُوسرا آدمی اُس کے ہاتھوں موت کے گھاٹ اُتر گیا تھا اور اُسے معلومات نامی کوئی چیز حاصل نہیں ہو سکی تھی۔

یکایک اُسے ایک نئی تکلیف کا احساس ہُوا۔ وہ جوشِ غضب میں اپنے دائیں کندھے کے عضلات کو بُھول گیا تھا۔ اُسے اس کندھے کے عضلات کو زخم کر دینا چاہیے تھا۔ اب اس کندھے میں آگ سی لگی محسوس ہو رہی تھی۔ اُسی جگہ جہاں ویدربائی کے پاؤں سے ضرب لگی تھی۔ اس ضرب کی بجائے کندھوں کے عضلات نے اُسی تکلیف دینی شروع کر دی کہ اُسے جسم کے بالائی حصّے میں دُرد کی لہریں دوڑتی محسوس ہونے لگیں۔ اس نے کندھے کو پہلو سے فضا میں بُلند کرنے کی کوشش کی لیکن اُسے زیادہ کامیابی نہ ہو سکی۔ تاہم وہ بغیر زور لگائے اب بھی اس بازو کو حرکت دے سکتا تھا، اس کا مطلب تھا کہ بازو کو زیادہ نقصان نہیں پہنچا تھا۔ وہ نہ خفیف سی حرکت اس کے حلق سے کراہیں نکالنے میں ضرور کامیاب ہو جاتی۔

یہ تکلیف کافی دیر تک برقرار رہی۔ اُسے بے اختیار اُوشان یاد آگیا جو ایسی دُردوں کو منٹوں میں دُور کر دیا کرتا تھا۔ ٹائیگر نے عملِ استغراق اور جسم میں دوران خون میں تیزی پیدا کر کے اس درد کا علاج شروع کر دیا کیونکہ وہ جمنازیم میں ویدربائی کی لاش چھوڑ کر نہیں جا سکتا تھا۔ اس لاش کو ٹھکانے لگانا ضروری تھا۔ اس نے ٹریننگ سینٹر ہی میں ایک جگہ تلاش کی اور لاش وہاں پھینک دی۔

جمنازیم سے نکلتے وقت اس کا موڈ بے حد خراب تھا۔ وہ انتہائی اہم آدمی اس کے ہاتھوں ہلاک ہو گئے تھے اور وہ کامیابی کے قریب نہیں پہنچ سکا تھا۔ اس کے دونوں کندھے، ان دو آدمیوں سے مڈبھیڑ میں تکلیف دہ ہو گئے تھے۔ اس کا مطلب تھا کہ اب جس کسی سے بھی ملاقات ہو گی اُس سے بھی اُسے تکلیف اُٹھانی پڑے گی...

وہ کون ہو سکتا ہے؟ وہ ذہن پر زور دیتا ہُوا چلتا رہا۔ اس نے سوچا کہ اُسے ایک بار پھر ہنگری کی بیوی جُولی سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ ممکن ہے وہ کوئی اور نام یاد کرنے میں کامیاب ہو جائے... اور انہی لمحوں میں اُسے اُوشان کی اپنے گاؤں واپسی کا خیال آگیا۔ اُس کی باتیں یاد آگئیں... اور ان باتوں سے اُبھر کر وہ خود ہی سامنے آگیا۔ نوگان... اُوشان کا بھتیجا نوگان... جس نے قسم کھائی تھی کہ وہ اُوشان اور اُس کے شاگرد ٹائیگر کو قتل کر دے گا۔

عوامی جمہوریہ کے پریسیڈیم کے سینے عوامی بینک کی تباہی اور نقصان کی رپورٹ پیش کر دی گئی۔ سنگ کا تعلق سانجو سے نہیں تھا اور نہ ہی وہ قدیم عقائد پر ایمان رکھتا تھا۔ وہ نئی تہذیب اور نئے دَور کا حکمران تھا اور خود کو کامریڈ کہلوانا پسند کرتا تھا۔ وہ جنگجو ذہنیت کا آدمی تھا اور اُس کا عقیدہ تھا کہ مرغاس دعا مرابری کا رجحان رکھتا ہے وہ ہمیشہ جنگی وردی زیب تن کرتا تھا جس پر جنرل کے نشانے لگے ہوتے تھے۔ اس کی کمر کے گرد سخت چمڑے کی پیٹی بیٹ رہتی تھی۔

اس نے پوری بات سُن کر اثبات میں سر ہلا دیا۔ وہ ماسٹر آف سانجو کے بارے میں پہلے بھی سُن چکا تھا اور اس کا خیال تھا کہ ان لوگوں نے خود کو مافوق البشر ثابت کرنے کے لیے قصّے کہانیاں تراش رکھی ہیں۔ وہ قدیم فن حرب کے استادوں کو دَقیانوسی قرار دیتا تھا۔ اس نے اپنے ایک تحت چونگ کو بھیجا کہ جا کر اس کہانی کی تصدیق کرے۔ اس کا عقیدہ تھا کہ ماسٹر آف سانجو ایک قصّہ پارینہ ہے اور عوامی جمہوریہ کو اس کے سلسلے میں کسی قسم کی فکر نہیں ہونی چاہیے۔

چونگ اس صوبے کے گورنر کے پاس جا پہنچا، جس میں سنا نجو واقع تھا۔ گورنر بے حد خوفزدہ تھا کیونکہ یہ وہی شخص تھا جس نے حکم دیا تھا کہ سنا نجو کا ماسٹر اُوشان ہر سال اپنے گاؤں کو جو خراج ارسال کرتا ہے، اُسے بحق سرکار ضبط کر لیا جائے۔ وہ چونگ کے سوالوں سے گھبرا کر بولا۔ "آخر تم مجھ سے اس قسم کے سوالات کیوں کر رہے ہو؟ کیا تمھیں شبہ ہے کہ میں اس صوبے پر سمگرانی کرنے کے قابل نہیں ہوں؟"

• اگر یہ ایسٹر کو اس سلسلے میں ذرا سا بھی شک ہوتا تو تم اس صوبے کے کبھی گورنر نہیں بن سکتے تھے۔" چونگ نے جواب دیا۔ "میں تم سے صرف یہ پوچھ رہا ہوں کہ یہ کون لوگ ہیں جنھوں نے عوامی ٹیکسوں کو محض اپنے خالی ہاتھوں سے نیست و نابود کر دیا ہے؟"

"یہ بات صرف میں ہی نہیں کہتا۔" گورنر نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "ساری دُنیا کہہ رہی ہے... اور ماسٹر آف سنا نجو کے علاوہ کون ایسا کر سکتا ہے؟"

"یہ کام کوئی غیر ملکی بھی کر سکتا ہے۔" کچھ دیر بعد گورنر نے دوبارہ کہا۔ اُس نے اُس آبدوز کی طرف اشارہ کیا جسے سنا نجو کے ساحل پر آلات کی مدد سے دیکھا گیا تھا لیکن وہ بعد میں اس کا سُراغ لگانے میں کامیاب نہیں ہو سکے تھے۔"

چونگ خاموش رہا۔ اُس نے گورنر کی کسی بات پر تبصرہ نہیں کیا کیونکہ وہ ایک سمجھ دار آدمی تھا اور محتاط انداز میں اظہارِ خیال اس کی فطرتِ ثانیہ تھی۔ مذاقی طور پر اس کا نظریہ تھا کہ جب کسی بات کو غیر ملکیوں پر ڈالا جاتا ہے تو اس کا صرف یہی مطلب ہوتا ہے کہ مذکورہ افسر اپنے فرائض انجام دینے میں ناکام ہو گیا ہے اور وہ بے بسی کا اظہار کرنے کے لیے کسی غیر ملکی طاقت کو الزام دے رہا ہے۔ وہ گورنر کے ہاں سے اُٹھ کر سیدھا سنا نجو گاؤں پہنچا، جہاں ہر طرف خوشی کے خاوِیانے بج رہے اور ہر کوئی مسرور دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے ایک بچے سے دریافت کیا "یہ سنا نجو نام کا آدمی کون ہے؟ میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔"

بچہ اُسے گاؤں کی مرکزی گلی کے آخری حصے میں واقع ایک عظیم الشان مکان پر لے گیا۔ گاؤں بھر میں یہ واحد مکان تھا جس کی تعمیر میں قیمتی لکڑی اور پتھر استعمال ہوا تھا۔

"یہ مکان یہاں کس کے دکھائی دے رہا ہے؟" چونگ نے بچے سے دریافت کیا۔

"ہمیشہ سے..." بچے نے جواب دیا۔

چونگ نے اثبات میں سر ہلایا۔ اس مکان کی تعمیر میں کئی ملکوں اور تہذیبوں کی جھلک نظر آتی تھی۔ مکان بے حد پرانا تھا اور نسلوں کی تاریخ کا امین لگتا تھا۔ اس سے اُوشان کی تاریخ کا بھی اندازہ ہوتا تھا۔ چونگ جدید دَور کا آدمی تھا اور اُسے قدیم طرزِ عمل سے شدید نفرت تھی، اس کے باوجود وہ چونکہ ایک ذہین اور سمجھ دار آدمی تھا اس لیے پرانے دستوروں کے رواج کے مطابق کرسی میں داخل ہونے سے پہلے اس نے نہ صرف جُوتے اُتار دیے بلکہ وہ سامنے زمین پر بیٹھے ہوئے بوڑھے کے سامنے تعظیماً جھک بھی گیا تھا۔

بوڑھے نے اس کا سر سے پاؤں تک جائزہ لیا اور بولا "تم کون ہو، ہمارے گاؤں کے آدمی تو نہیں لگتے؟" چونگ نے اُسے بتایا کہ وہ صوبہ جیانگ سے آیا ہے اور کم سنگ کا ماتحت ہے... پھر اس نے خواہش ظاہر کی کہ وہ ماسٹر آف سنا نجو سے ملنا چاہتا ہے۔

"میں ہی وہ شخص ہوں جس سے تمھیں ملاقات کی خواہش ہے۔" اُوشان نے پُروقار لہجے میں کہا۔

"میں نے سنا ہے کہ تمھارے ہاتھ ہمارے تینک کو بھی شکست سے دوچار کر سکتے ہیں۔"

"یہ ایک حقیقت ہے۔" اُوشان نے جواب دیا۔

"یہ کیسے ممکن ہے جبکہ اسٹیل، انسانی ہاتھوں سے زیادہ ٹھوس اور سخت ہوتا ہے؟"

"سب سے بڑا ہتھیار انسان کا ذہن ہے۔" اُوشان نے سرسراتی ہوئی آواز میں کہا۔ "ٹینک ایک اوزار ہے جسے انسان استعمال کرتا اور کوئی ہتھیار یا اوزار بذاتِ خود سوچنے سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ اس لیے انسانی ذہن اس کو جب چاہے شکست دے سکتا ہے۔"

• لیکن کوئی احمق ترین آدمی بھی ہتھیار کی مدد سے کسی بھی ذہین ترین آدمی کو ہلاک کر سکتا ہے۔" چونگ نے کہا۔

• ذہن کو استعمال کرنے کی بات ہے اگر کوئی ذہین آدمی اپنا دماغ استعمال نہیں کرتا اور احمق آدمی استعمال کرتا ہے تو نتیجہ صاف ظاہر ہے۔ تم ایک ایسے آدمی کی تلاش میں یہاں آئے ہو جس کے ہاتھوں عجائبات جنم لیتے ہیں۔ یاد رکھو! انسان خود ایک بہت بڑا معجزہ ہے۔ یہ بات مولو جیانگ کے رہنے والے نہیں جانتے... اگر انھیں معلوم ہوتا تو ان کا ٹینک کسی خالی سیپی کی طرح ریت میں دھنسا ہوا نہ ہوتا۔"

"تمھاری باتیں میری سمجھ سے بالاتر ہیں... لیکن ہو سکتا ہے کہ میرا شہنشاہ یہ باتیں سمجھ لے۔ میں تمھیں اس کے پاس لے چلتا ہوں۔"

"اوشان اُس شہر میں کبھی نہیں جاتا جہاں کی عورتوں کی اکثریت طوائفوں پر مشتمل ہے۔" یہ کہہ کر اُوشان نے ناگواری سے ہاتھ لہرا کر اُسے چلے جانے کا اشارہ کیا۔

چونگ نے گویا اُس اشارے کا کوئی اثر نہیں لیا۔ اُس نے اُوشان کو شہنشاہ سے ملنے اور اس کی اطاعت کرنے پر مجبور کرنے کے لیے بہت

سے سبز باغ دکھائے لیکن اُسے کامیابی نہیں ہوئی۔

"میں جانتا ہوں کہ سنا نجو کے ماسٹر مختلف حکومتوں کے لیے یک رُکنی فوج کی حیثیت سے ملازمت کرتے رہے ہیں۔ کیا تم ہمارے شہنشاہ کی ملازمت قبول نہیں کر سکتے؟"

"نہیں... ملازمت کے لیے سنا نجو کے ماسٹر اپنے مالک کی نیت کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھتے ہیں۔ تم جس شہر سے آئے ہو، وہاں کی عورتوں کی اکثریت..."

اس کے قبل کہ اُوشان ایک بار پھر دارالحکومت کی عورتوں کے بارے میں کوئی نازیبا بات کہتا، چونگ نے جلدی سے اس کی بات کاٹ دی۔ "مجھے معلوم ہوا کہ تم سنا نجو کے واحد ماسٹر نہیں ہو۔"

"ہاں... ایک بزعم خود ماسٹر بھی موجود ہے۔" اُوشان نے نفرت سے کہا۔ "چوئی، اور نوگان... یہ سب کے سب ایک ہی آدمی کے مختلف نام ہیں اور وہ نوجوان میرے بھائی کا بیٹا ہے۔"

"اوہ، تو تم نے اپنا فن اُسے منتقل کر دیا ہے؟"

• نہیں..." اُوشان نے نفرت سے کہا۔ "اُس نے جو کچھ حاصل کیا، مکاری اور بددیانتی سے حاصل کیا اور اپنی دانست میں جب وہ ماسٹر بن گیا تو مجھے دھوکا دے کر الگ ہو گیا۔ میں نے اپنا فن ایک ایشیائی نوجوان کو دیا ہے۔ وہی شمشیر سنا نجو کا مالک ہے۔ وہ دل کا نیک اور نیکیوں کا پیکر ہے۔ وہ سنا نجو کا بیٹا ہے، ٹائیگر کے بارے میں یہ چند جُملے بولتے ہوئے اُوشان کے لہجے میں بے پناہ فخر کے تاثرات پیدا ہو گئے تھے۔

چونگ اُٹھ کھڑا ہوا۔ آتے وقت اُس نے اُوشان کو تعظیم نہیں دی تھی۔

اس رات وہ دیہی گاؤں میں مقیم رہا اور غور کرتا رہا۔ آخری پہر اس نے اپنے سات فوجیوں کو بُلایا اور ان سے کہا کہ جو کوئی بھی سنا نجو کو قتل کرے گا، اسے فوج میں اعلیٰ منصب عطا کیا جائے گا۔ اس لالچ میں وہ ساتوں کے ساتوں اُوشان کے گھر گئے۔ چونگ اپنے مسلح فوجیوں کی واپسی کا انتظار کرتا رہا حتیٰ کہ سورج نکل آیا اور دُھوپ پھیل گئی۔ وہ بے چین ہو کر سنا نجو گھرانے کی طرف چل دیا اور وہاں پہنچ کر دیکھا کہ اوشان زندہ ہے اور اُن سپاہیوں کا کہیں نام و نشان بھی نہیں ہے۔ اُوشان نے اُسے دیکھا تو مسکرا کر کہا "تم جن لوگوں کی تلاش میں آئے ہو، میں نے اُنھیں واپس زین کے حوالے کر دیا۔ جاؤ، طوائفوں کے شہر کے باسی۔ جاؤ اور اپنے شہنشاہ سے کہو کہ اگر وہ سنا نجو سے ملاقات کرنا چاہتا ہے تو خراج لے کر آئے۔"

"کس قسم کا خراج...؟" چونگ حیرت سے پوچھے بغیر نہ رہ سکا۔

"سب سے پہلے ہمارے صوبے سے اپنے شہر کے ناپاک غلیظ والے تمام آدمیوں کو ہٹا دو۔ دوسرے گورنر سے کہو کہ اُس نے سنا نجو کی جتنی دولت زبردستی حاصل کی ہے وہ واپس کر دے... اور اس کا ہرجانہ ادا کیا جائے۔"

چونگ دل ہی دل میں ہنسے بغیر نہ رہ سکا۔ وہ جانتا تھا کہ پریمیئر یہ شرائط پوری کرنے کی بجائے سنا نجو پر فوج کشی کا حکم دے دے گا۔

وہ بھاری دل کے ساتھ وہاں سے واپس دارالحکومت پہنچ گیا۔

چونگ واپس پہنچتے ہی پریمیئر سے ملاقات کے لیے اُس کے محل چلا گیا... اس وقت کم سنگ اپنے چند مصاحبوں کے درمیان بیٹھا نہ جانے کن اُمور پر بات چیت کر رہا تھا۔ چونگ کو دیکھتے ہی اس نے سب کو رخصت کر دیا اور صورتِ حال دریافت کی۔

چونگ نے جو کچھ دیکھا تھا اُسے بتا دیا۔ یہ بھی بتائے بغیر نہ رہا کہ اُس نے اُوشان کو قتل کرانے کے لیے سات سپاہی بھیجے تھے جن کا اب دُنیا میں نشان تک باقی نہ رہا۔ یہ سُن کر کم سنگ غصے سے بھڑک اُٹھا۔ لاکھ انسانی مساوات کا حامی ہونے کے باوجود وہ بغاوت کو پسند نہیں کرتا تھا۔ اُوشان سے اب تک جو کچھ بھی سرزد ہوا تھا، وہ سراسر بغاوت ہی تھی اور وہ اُس بوڑھے کو سخت ترین سزا دینا چاہتا تھا۔ اس نے فوراً فوج کشی کا ارادہ کر لیا۔ تب چونگ نے اُسے سمجھایا کہ سنا نجو کے سلسلے میں جو باتیں مشہور ہیں، وہ قصے کہانیاں نہیں ہیں بلکہ ان میں صد فی صد حقیقت ہے۔ اس لیے سنا نجو پر فوج کشی کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس طرح نہ صرف فوج ضائع ہو گی بلکہ فوج کا وقار بھی مجروح ہو گا... جو ایک بار مجروح ہو جائے تو ملک میں جگہ جگہ بغاوتیں پھیل جایا کرتی ہیں۔ علاوہ ازیں اس نے شہنشاہ کو سمجھایا کہ صدیوں سے سنا نجو شہنشاہوں اور صاحبِ اقتدار لوگوں کو ہی قتل کرتے آئے ہیں اور یہی اُن کا پیشہ بھی ہے۔ یہ سُن کر کم سنگ غصے سے کانپنے لگا۔

"تمھیں یہ سب باتیں کہاں سے اور کیسے معلوم ہوئیں؟" وہ بری سے چیخ پڑا۔ "میں ان لوگوں کو ڈاکوؤں اور قاتلوں سے زیادہ اہمیت نہیں دیتا۔"

"یہ سب کچھ میں نے ایک قدیم کتاب میں پڑھا ہے۔" چونگ نے ادب سے جواب دیا۔

یہ سُن کر کم سنگ سوچ میں ڈُوب گیا۔ کافی دیر بعد اس نے سر اُٹھایا اور کہا کہ وہ سنا نجو جائے گا اور اُوشان سے بہ نفسِ نفیس ملے گا۔ پہلے تو چونگ نے اس بات کی مخالفت کی... پھر اس نے تائید میں سر ہلا دیا کیونکہ شہنشاہ کا خیال تھا کہ اُوشان کا منہ بند کرنے کی آخری صورت یہی ہو گی نا کہ اس کے مطالبات پورے کر دیے جائیں۔ وہ اس سلسلے میں سوچے گا۔

چونگ شہنشاہ کو لے کر دوبارہ سانجو پہنچ گیا۔ اس نے اُوشان کے کمرے میں داخل ہوتے ہی جُوتے اُتار دیے اور قدیم رواج کے مُطابق جُھک کر اُوشان کو تعظیم دی جبکہ کم سنگ اکڑا رہا۔ اس نے اپنے ماتحت کو جُھکتے دیکھا تو کھوپڑی غصّے سے اُبل پڑی۔ اس نے فرش پر نفرت سے تھُوک دیا جس پر اُوشان نے کہا: "تھُوکوں اور سوروں کی رال بہتی ہے اس لیے اُنھیں اصطبل میں رکھا جاتا ہے۔ تمھیں چاہیے تھا کہ اس کمرے کی بجائے اصطبل میں چلے جاتے، مَیں وہاں تم سے ملاقات کر لیتا۔"

"بُوڑھے آدمی! کیا تم جانتے ہو کہ مَیں کون ہُوں؟ مَیں کم سنگ ہُوں۔ حاکمِ وقت اور شہنشاہ کم سنگ۔"

"اور شاید تم نہیں جانتے کہ جس گھر میں تم نے تھُوکا ہے مَیں اس گھر کا مالک اُوشان ہُوں۔" اُوشان نے بھی جواباً شاہانہ وقار سے جواب دیا۔

"اپنی زبان کو لگام دو، بُوڑھے۔" کم سنگ پاؤں پٹخ کر بولا۔

"میری زبان تمھاری طرح رال نہیں ٹپکاتی۔ تم نے شاید یہ گلاب اپنے آقاؤں رُدسیوں سے سیکھے ہیں۔"

"تم ایک ڈاکو ہو اور اور قدیم زمانے کے منحوس ہو۔" کم سنگ نے کہا۔ غصّے کے مارے اس کی بُری حالت ہو رہی تھی اور اُسے یہ بھی احساس نہیں رہا تھا کہ وہ کس جگہ اور کس قسم کی بات کر رہا ہے۔

"کیا تم شمالی علاقے کے شہنشاہ نہیں تھے؟" اُوشان نے کہا۔ "مَیں تمھیں بالکل اسی طرح ہلاک کروں گا جس طرح رات کے کھانے کے لیے کسی بکرے کو ذبح کیا جاتا ہے... لیکن مَیں تم سے چند باتیں کرنا چاہتا ہُوں اس لیے اپنے ہاتھوں کو قابُو میں رکھے ہُوئے ہُوں۔"

"کوئی آدمی رعایا میں سے شہنشاہ سے اس قسم کی باتیں کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔" کم سنگ غرّایا۔ "تم مجھ پر شمالی علاقے کی شہنشاہیت کا الزام لگا رہے ہو جبکہ مَیں کوریا کا خادم ہُوں۔"

"تم سے قبل اس ملک کی خدمت کون کر رہا تھا، نوجوان شہنشاہ؟ سانجو۔ جب منگول اس ملک پر حملہ آور ہُوئے تھے تو کون خدمت کر رہا تھا؟ سانجو۔ جب چینی شہنشاہوں نے اس ملک کی اینٹ سے اینٹ بجا دی تو خدمت کر رہا تھا؟ سانجو! اور جب جاپانی شہنشاہوں نے یہاں حملہ کیا تھا تو خدمت کر رہا تھا؟ سانجو۔ وہ سب کے سب جا چکے ہیں جبکہ ہم آج بھی یہیں ہیں... اور کم سنگ کے جانے کے بعد بھی ہم یہیں ہوں گے۔ کوریا کو بالآخر ایک تم جیسا لیڈر مل گیا ہے... یکسی خم ہو جا تنگ کے باشندے ہو جہاں عورتوں کی اکثریت بدکردار ہے! اس لیے تمھارے خون کے بارے میں شبہے کا اظہار کرنے میں مجھے تامل نہیں۔ تم جیسا شخص ہمارا لیڈر نہیں ہو سکتا۔"

اُوشان کی باتوں نے کم سنگ کو جڑوں تک ہلا کر رکھ دیا۔ وہ بیٹھ گیا لیکن اُس نے بیٹھنے سے قبل نہ تو جُوتے اُتارے تھے اور نہ ہی قدیم رواج کے مطابق جُھک کر میزبان کو تعظیم دی تھی۔ اُوشان مسلسل بول رہا تھا اور کم سنگ خاموش تھا کیونکہ اُس نے محسوس کر لیا تھا کہ سانجو کا یہ اُستاد عقل و دانش میں کسی سے کم تر نہیں ہے۔

"تم یہاں سانجو کی عقل و دانش کی تلاش میں آئے ہو، ورنہ ایک شہنشاہ کا کسی ایسی جگہ کیا کام ہو سکتا ہے؟" اُوشان نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہُوئے کہا۔

کم سنگ نے پہلی بار اُوشان کی اس بات پر اثبات میں سر ہلایا۔

"تم نے مجھے رعایا، ڈاکو اور قاتل کہا تھا؟"

کم سنگ نے تائید میں گردن ہلا دی۔

"جبکہ تم نہیں جانتے کہ یہ خطابات درحقیقت کس کو دیے جانے چاہئیں۔ کیا میں نے سانجو کا علاقہ رُوسی تحویل میں دے دیا ہے؟ کیا میں نے جنیئوں سے کوئی گٹھ جوڑ کیا ہے؟"

"تم مِن حکمتوں کا حوالہ دے رہے ہو۔ وہ ہماری ہمدرد ہیں۔ ان سے ہمیں اسلحہ ملتا ہے اور ان کی فوجیں ہماری حمایت میں ہمارے دُشمنوں سے لڑتی ہیں۔" کم سنگ نے جواز پیش کیا۔

اُوشان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تیرنے لگی۔ "تم یکیوں بھُول رہے ہو کہ وہ لوگ ہتھیار کیوں دیتے ہیں اور اُن کی فوجیں ہمارے لیے کیوں لڑتی ہیں؟ صرف اس لیے کہ مِن ممالک کو تم اپنا دُشمن سمجھتے ہو، اُن سے درحقیقت ہماری کوئی دُشمنی نہیں ہے۔ اُن سے جو بھی کوئی اختلاف ہے، وہ حلیف ممالک کی وجہ سے ہی ہے۔"

یہ سُن کر کم سنگ کے حلق سے ایک گرج دار قہقہہ نکل گیا۔

اس نے چونگ کی طرف دیکھا اور بولا۔ "اس شخص کے پاس مکمل نظریہ ہے۔ کس نے مجھ سے کہا تھا کہ یہ غدّار ہے؟"

"ہمیں جنوب میں رہنے والے اپنے بھائیوں کے بارے میں ہمدردی سے سوچنا چاہیے۔ وہ ہم ہی میں سے ہیں۔ ان کے اور ہمارے درمیان غلط فہمیاں پیدا کر کے نفرت کی دیواریں کھڑی کی گئی ہیں۔"

چونگ ایک طویل سانس لے کر رہ گیا۔ اس سے پہلے اُس نے کوریا کے کسی باشندے کو اتنی جرأت مندی سے جنوب کے لوگوں کی حمایت کرتے نہیں سُنا تھا۔ اُس نے شہنشاہ کی طرف دیکھا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ غصّے سے پاگل ہو جائے گا لیکن اُسے یہ دیکھ کر حیرت ہُوئی کہ کم سنگ نرمی سے مسکرا رہا تھا اور کہہ رہا تھا: "میں بھی اسی سلسلے میں اسی انداز میں غور کرتا رہا ہُوں۔ علاوہ ازیں یہ تمھاری غلط فہمی دُور کر دُوں کہ میری پیدائش سولیو جانگ میں ہُوئی تھی۔ میں

ہمنگ کا باشندہ ہُوں۔"

اُوشان کی آنکھوں میں نرمی پیدا ہو گئی۔ "وہ ایک شان دار قصبہ ہے اور میں وہاں کے لوگوں کو پسند کرتا ہُوں۔"

"سانجو بھی ایک ایسا ہی شان دار قصبہ ہے۔" کم سنگ نے جواباً کہا۔ "اور میں اب اس کے لوگوں کو پسند کرنے لگا ہُوں۔"

"اور میرا تعلق پیکوم سے ہے۔" چونگ نے جلدی سے اپنی پوزیشن صاف کرنے کے لیے کہا۔

"پیکوم میں میرے کئی دوست ہیں۔" اُوشان نے مسکرا کر کہا۔ اس کی آنکھوں میں مزید نرمی پیدا ہو گئی تھی۔

کم سنگ اُٹھا اور اُس نے اپنے جُرّاب اُتار دیے اور جُھک کر اُوشان کو قدیم انداز میں تعظیم دی۔ پھر سوچنے لگا کہ اس عظیم شخصیت کے بارے میں مفاد پرستوں نے اس کے کان بھرے تھے حالانکہ اُوشان سونے کے دل والا آدمی ہے۔ "میں نے سُنا ہے کہ تم کسی سفید فام کو اپنا فون منتقل کرتے رہے ہو؟" اُس نے ایک اور نکتہ اُٹھایا۔ دراصل وہ چاہتا تھا کہ سانجو کے سلسلے میں اس کا قلب و ذہن پوری طرح صاف ہو جائے۔

اُوشان خاموش رہا۔ اس کا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔ اُس نے شہنشاہ کے انداز و اطوار سے پتہ چلا لیا تھا کہ وہ ایک اچھا آدمی ہے اور اُسے گمراہ کیا گیا ہے۔ وہ اس سے اُلجھ کر کشت و خون نہیں چاہتا تھا کیونکہ اُسے معلوم تھا کہ اس طرح سانجو کے کئی بے گناہ بھی مارے جائیں گے۔ اگر صرف اس کا اپنا ہی مسئلہ ہوتا تو وہ اس شہنشاہ کی کھوپڑی توڑ کر اس کے ہاتھ پر... رکھ کر اُسے واپس دارالحکومت بھیج چکا ہوتا۔

اُوشان جانتا تھا کہ اگر وہ صرف اس ایک معاملے میں پریمیئر کو ہم خیال بنانے میں کامیاب ہو گیا تو سارے ہی اختلافات پل بھر میں دُور ہو جائیں گے اور یہ انقلابی صورتِ حال کسی ایک بھی آدمی کو مزید خون بہائے بغیر قابو میں آ جائے گی۔ اس نے ذہن میں مناسب ترین الفاظ کا ذخیرہ کیا اور بڑے ہی متاثر کُن انداز میں بولا۔ "میرے گاؤں میں۔ میرے اپنے خاندان میں کوئی بھی اس کا اہل نہیں تھا کہ میں اپنا فن اُسے منتقل کرتا۔ ان مستعد لوگوں میں نفرت لالچ اور شیطانی خیالات کی بھرمار ہے۔"

کم سنگ نے سوگواری سے اثبات میں سر ہلا دیا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ خاندانوں میں عموماً اس قسم کے مسائل ہوتے ہی ہیں۔ وہ اُوشان کے لہجے سے متاثر ہو رہا تھا اور اسے اپنا قلب و ذہن اُوشان کی باتوں میں بہتا ہُوا لگ رہا تھا۔

"میرے پاس جو کچھ بھی ہے، یہ میرے بزرگوں کا اثاثہ ہے۔ یہ خدا کی امانت ہے۔ جسے ہمیشہ کسی ایسے ہی ہاتھ میں دیا جا سکتا ہے جو اس کی اُسی طرح حفاظت کر سکے جس طرح میرے آباؤ اجداد نے کی یا جیسے میں زندگی بھر کرتا رہا ہُوں۔"

کم سنگ نے اس بات پر بھی اثبات میں سر ہلا دیا۔

اسے متفق ہوتے دیکھ کر اُوشان کو مزید حوصلہ ہُوا اور وہ مزید احتیاط سے بات آگے بڑھانے لگا: "ان مستعد لوگوں میں سے زیادہ تر گستاخ، آوارہ، بدمعاش اور نظم و ضبط کی مخالفت کرنے والے نوجوان تھے۔ جن پر میں کسی طرح بھی بھروسہ نہیں کر سکتا تھا۔"

کم سنگ نے تائید میں گردن ہلا دی۔

"میری بیوی اچھے خاندان سے نہیں تھی حالانکہ وہ خود ایک اچھی عورت تھی۔ میں نہیں جانتا تھا کہ اُسے باقاعدہ سازش کے تحت مجھ سے شادی پر آمادہ کیا گیا تھا۔ اس کے بطن سے کوئی اولاد نہیں ہُوئی۔ یہ بھی ایک سازش ہی تھی۔" یہ کہتے ہُوئے اُوشان کی آنکھیں دھندلا گئیں۔

کم سنگ کے ساتھ ساتھ اب چونگ بھی متاثر نظر آنے لگا تھا۔ دونوں نے ہمدردی کے اظہار میں سر ہلائے اور اُوشان کی طرف دیکھتے رہے۔

"جب بہت عرصے تک میرے ہاں کوئی اولاد نہیں ہُوئی تو میری بیوی نے اپنے بھائی کا بیٹا گود لے لیا اور میں اس کی پرورش کرنے لگی۔ اس دوران میں، میرا اپنا بھائی اپنے بیٹے کو لے کر آ گیا۔ میں اپنے بھتیجے پر شفقت کا ہاتھ رکھنے پر مجبور ہو گیا۔ وہ بہت عرصے تک یہاں رہا۔ مجھے سیکھتا رہا لیکن جب میں اپنے فن کی روح منتقل کرنے کے قریب ہو گیا تو اچانک مجھے سازش کا پتہ چل گیا۔ وہ ایک خود غرض اور گھٹیا نوجوان تھا جس نے درپردہ ڈاکوؤں کے ایک گروہ کی سرپرستی شروع کر دی تھی۔ میں نے اُسے دھکّے دے کر نکال دیا..."

اُوشان کے لہجے میں گہرا دُکھ تھا۔

کم سنگ نے کن انکھیوں سے چونگ کی طرف دیکھا جس کی آنکھوں میں اُوشان کے لیے بے پناہ احترام اور ہمدردی کے تاثرات مچلنے لگے تھے۔

"اُس نے ہمارے دُشمنوں کے سے انداز میں، طرزِ عمل اختیار کیا تھا۔" اُوشان نے کہا۔

کم سنگ نے نفرت سے فرش پر تھوک دیا۔ اس بار اُوشان نے اُسے ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا کیونکہ یہ ایک فطری ردِ عمل تھا۔ کم سنگ کو اظہارِ نفرت کے لیے تھوکنا ہی چاہیے تھا۔

"جب میں مایوس ہو گیا تو میں نے کسی اور کو تلاش کرنا شروع

کردیا تاکہ اپنی موت سے قبل فن کی رُوح منتقل کردوں۔"

"ہاں... یہ ایک دانش مندانہ اقدام تھا۔" کم سنگ نے اس سے اتفاق کرتے ہوئے کہا۔

"مجھے چاہیے تھا کہ میں اپنوں میں سے کسی کا انتخاب کرتا۔" اُوشان کا ہونہار بیٹا سیکن اپنوں کی دھوکے بازی نے مجھے محتاط کر دیا تھا۔ اس گاؤں میں ایک بھی نوجوان اس معیار پر پورا نہیں اُترا تھا۔ میں نے پورے صوبے میں کوئی نوجوان تلاش کیا لیکن اس میں بھی مجھے کامیابی نہ ہوئی۔ بتاؤ پریمیئر ایسے میں مجھے کیا کرنا چاہیے تھا؟"

"آپ کو پورے ملک میں کوئی تلاش کرنا چاہیے تھا۔" کم سنگ نے جواب دیا۔

"میں نے ایسا ہی کیا... لیکن اس میں بھی ناکام رہا۔ مجھے اپنا فن، اپنی امانت اور اپنی رُوح کو منتقل کرنا تھا۔ زندگی کا کیا بھروسا ہوتا ہے۔ میں اسے اپنے ساتھ قبر میں نہیں لے جانا چاہتا تھا ایسے میں تلاش کا دائرہ مزید وسیع کرنے پر مجبور ہوگیا۔"

"ہاں... آپ اس کے لیے مجبور ہوگئے ہوں گے۔" کم سنگ نے جواب دیا۔

"میری نگاہ انتخاب جزیرہ فردوس تک جا پہنچی جہاں ایک نوجوان تھا جس کا دل بوریا کے قدیم باشندوں جیسا تھا۔ وہ ہم میں سے ایک تھا۔ اس کی عادات اگرچہ فردوسیوں جیسی تھیں لیکن میں نے فیصلہ کرلیا کہ اُسے بھیج کر اپنے کام میں لاؤں گا۔"

"کیسا بدنصیب تھا، وہ... اور کتنا خوش نصیب بھی..." پریمیئر نے کہا۔

"میں نے سب کچھ کیا اور بالآخر اُسے اپنا فن، اپنی روح اور آباؤ اجداد کی امانت اس کے سپرد کردی۔" اُوشان نے داستان کا حرفِ آخر بیان کرتے ہوئے دردناک لہجے میں کہا۔ "آپ نے ٹھیک کہا کہ وہ بیک وقت خوش نصیب اور بدنصیب ہے۔"

"لیکن اب وہ بدنصیب نہیں رہا۔" پریمیئر نے کہا۔

"اب بھی ہے کیونکہ اس نے ایک ایشیائی سفید فام کے گھر میں جنم لیا تھا۔"

اس جملے میں نہ جانے کیا تاثر تھا کہ کم سنگ اور چونگ دونوں ہی مُنہ پھاڑے اُوشان کو دیکھتے رہ گئے... پھر رفتہ رفتہ ان کی حالت معمول پر آگئی اور اُوشان دل ہی دل میں کلمۂ شکر بجالایا۔ ان دونوں نے شہزادی کی حیثیت تسلیم کرلی تھی۔

"میں نے اُسے یہاں بلایا ہے۔" اوشان نے کہا۔ "اب وہ غیر شہر سناجو کا مالک ہے اور میرا وارث ہے۔ میں اپنا سب کچھ اسے منتقل کردینا چاہتا ہوں۔"

"اس کا نام کیا ہے، ماسٹر اُوشان؟" کم سنگ نے دریافت کیا۔

"شہزاد... شہزاد ٹائیگر..." اوشان نے تفاخرانہ لہجے میں کہا اور چونک کر کم سنگ کی طرف دیکھنے لگا جس کی آنکھیں حیرت اور بے یقینی سے پھیلتی چلی جارہی تھیں۔

شہزاد ٹائیگر کا نام سن کر شہنشاہ کو واقعی شدید ذہنی صدمہ پہنچا تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ نام وہ اپنی زندگی میں دوسری بار سُن رہا تھا۔ کم سنگ کو یاد آگیا کہ مالویہ چانگ کی ایک اہم عمارت میں، اس کے دربار میں یہ نام پہلی بار اس کے سامنے آیا تھا۔ اُسے بتایا گیا تھا کہ ایک پیغام کے تحت ایشیائی باشندے شہزاد کو سناجو کی حویلی میں لایا جائے گا۔ اور اُس کی توہین کی جائے گی... پھر اسے عبرتناک انداز میں قتل کردیا جائے گا... اور یہ کام جس نوجوان کو کرنا تھا، اس کا نام نوگان بتایا گیا تھا۔ یہ پیغام خود نوگان نے ہی بھیجا تھا اور اس نے اپنے پیغام میں شہنشاہ سے اپنی وفاداری کا حلف اُٹھاتے ہوئے کہا تھا کہ وہ انقلابی اقدام میں بھرپور حصّہ لے گا۔ عوامی جمہوریہ کا ساتھ دے گا... اور کم سنگ کے لیے اپنے خون کا آخری قطرہ تک بہادے گا۔ اس پیغام کے نیچے اس کے دستخط ثبت تھے... "نوگان... ماسٹر آف سناجو۔"

*

ٹائیگر بے حد پریشان تھا۔

اب تک وہ دو اہم ترین رُکاوٹوں کو پھلانگنے لگا چکا تھا لیکن نتیجہ وہی رہا جسے ڈھاک کے تین پات کہا جاتا ہے۔ ہنگری اپنے مقتول کی لاش سمیت ایک ہی تابوت میں لحد نشین ہوگیا تھا اور ویدربانی جیسے مجھ کی لاش ٹریننگ سینٹر کے ایک تاریک گوشے میں پڑی تھی۔ اگرچہ ٹائیگر کئی بار زخمی ہوا تھا لیکن اس نوعیت کے زخم اس نے پہلے کبھی نہیں سہے تھے۔ اس کے دونوں کندھوں پر دو چوٹیں لگی تھیں جن سے اُٹھنے والی درد کی لہروں نے اس کی زندگی اجیرن کردی تھی۔ وہ عمل استغراق سے وقتی طور پر نجات حاصل کرلیتا تھا لیکن یہ کوئی مستقل علاج نہیں تھا۔ یہ کسی مخصوص داؤ کی چوٹیں تھیں جن کا توڑ صرف اُوشان ہی جانتا تھا کیونکہ ان چوٹوں کی پُشت پر ٹائیگر کو اُوشان کے جیتے ہونے کا یقین ہوگیا تھا۔ اُوشان، سناجو پہنچ چکا تھا اور ٹائیگر تاریکی میں ہاتھ پاؤں مار کر کسی نتیجے پر پہنچنے کی کوشش میں ایک بار پھر اُس بینک کی طرف جا رہا تھا جہاں آبنائی ہنگری کی فاختہ نما بیوہ، جولی لیڈیز کاؤنٹر پر فرائض ادا کرتی تھی۔ اُس وقت کاؤنٹر پر جولی کے علاوہ کوئی اور موجود نہیں تھا۔ جولی کیش گن رہی تھی۔ غالباً وہ چھٹی سے قبل نوٹوں کو شمار کرکے ان کی گڈیاں تیار کرنے میں مصروف تھی۔ دفعتاً وہ ایک آواز سُن کر چونک پڑی اور اس کے جسم میں خوف کا خمیر دل تک اُتر گیا۔

"مجھے ایک کروڑ کی کرنسی درکار ہے۔ گننے کی ضرورت نہیں، تول کر دے دو۔"

یہ جملہ سُن کر جولی کے ذہن میں سب سے پہلا خیال یہ آیا تھا کہ کوئی لٹیرا بینک لُوٹنے پہنچ گیا ہے... لیکن جیسے ہی اُس نے ہرنی جیسی خوفزدہ آنکھیں اُٹھائیں اور اُس کی نگاہ شہزادے کے چہرے پر پڑی تو وہ کھسیا کر مُسکرانے لگی۔

"تم نے تو مجھے ڈرا ہی دیا تھا۔" وہ ایک گہری سانس لے کر دھڑکنوں کو معمول پر لانے کی کوشش کرتے ہوئے بولی۔ "میں سمجھی تھی کہ بینک پر ڈاکہ پڑ گیا ہے۔"

ٹائیگر کے ہونٹوں پر بڑی ہی دلآویز مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے جولی کی گہری آنکھوں میں پہلی بار جھانک کر دیکھا تھا اور اب اُسے یہ اندازہ لگانے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی... کہ جولی کے سلسلے میں اس کا ابتدائی نظریہ بے حد غلط تھا۔ پہلے پہل وہ اُسے صنفِ نازک کی وہ قسم دکھائی دی تھی جس میں معصومیت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہوتی ہے جبکہ آج وہ دیکھ رہا تھا کہ جولی اندر سے ایک ایسی چٹان ہے، جس کی سختی باہر اُگے ہوئے خوشنما پھولوں میں چھپی رہتی ہے۔ اُس نے خود کو خوف زدہ ظاہر کرنے کی کوشش کی تھی اور اُس کی اداکاری میں کوئی جھول نہیں تھا۔ یہ دل دلوں کو پڑھ لینے کا فن، ٹائیگر کو بتا رہا تھا کہ اُس نے جولی کو پہلی نظر میں محض سطحی طور پر دیکھا تھا۔

اُس کی آنکھیں جولی کی آنکھوں میں پیوست تھیں اور وہ اس کے دل کا حال جاننے کے لیے مخصوص ترتیب کو کام میں لا رہا تھا۔ تب اُسے احساس ہُوا کہ جولی دل ہی دل میں اُسے دیکھ کر حیران بھی ہو رہی ہے... کیوں؟ اس بات کا صرف ایک ہی جواب تھا کہ اُسے اُس کی آمد کی توقع نہیں تھی، گویا اُسے یقین تھا کہ ویدربانی اُسے زندہ نہیں چھوڑے گا۔

"کل تو یہیں تمہاری کمی محسوس کرتی رہی۔" وہ مسکرا کر بولی۔

"ہاں... لیکن میرے نزدیک اس رات کے علاوہ ہر رات ایک ہی جیسی ہوتی ہے، جب آسمان پر ستارے نہیں نکلتے۔"

"اور اس رات کی مثال تمہارے نزدیک ایک ایسی عورت جیسی ہوتی ہے جس کے چہرے پر اَن گنت بھورے بھورے تل نہیں ہوتے۔" جولی نے خوش گوار لہجے میں اُس کی بات دہرائی اور کھل کھلا کر ہنس پڑی۔

ٹائیگر بھی جواباً مُسکراتا رہا... پھر اس نے قدرے سنجیدہ ہوتے ہوئے پُوچھا۔

"میرا خیال ہے، تمہاری ڈیوٹی کے اوقات ختم ہوگئے ہیں؟"

جولی نے پلٹ کر دیوار گیر کلاک کی طرف دیکھا اور اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔ "دس منٹ بعد..."

"ڈنر کے بارے میں کیا خیال ہے؟" ٹائیگر نے دریافت کیا۔

"میں سمجھتا ہوں کہ تمہارے شوہر کو اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔"

"... مزے کی بات یہ ہے کہ مجھے اس کی کوئی خبر نہیں۔ غالباً وہ اس بار کہیں دُور نکل گیا ہے۔ لہٰذا اُسے کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا۔" ٹائیگر کاؤنٹر کے سامنے سے ہٹ گیا اور ٹہلتا ہُوا لابی میں پہنچا، جہاں وہ جولی کا انتظار کرتا رہا۔ دس منٹ بعد وہ اپنا پرس لہراتی ہُوئی آئی اور بولی۔ "کیا میں اپنی کار لے لوں؟"

ٹائیگر چونکہ ٹیکسی میں آیا تھا، اس لیے اُس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

وہ پارکنگ میں پہنچے جہاں جولی کی کار موجود تھی۔ جولی نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالتے ہوئے اس کے کندھے پر تھپتھپی دی تو ٹائیگر کے چہرے پر کرب کے آثار نمایاں ہوگئے جنہیں دیکھ کر وہ پُوچھے بغیر نہ رہ سکی۔ "کیا بات ہے؟ کیا تمہارے کندھے میں کوئی تکلیف ہے؟"

ٹائیگر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"کیا ہُوا؟" اس نے بڑی لگاوٹ سے پُوچھا۔

"رات سوتے میں کروٹ لیتے ہوئے بازو نیچے آگیا تھا۔"

"اوہ۔ کیا واقعی؟" وہ شریر سے انداز میں بولی۔ "تم اتنے بڑے ہوگئے ہو لیکن ابھی تک ٹھیک سے سونا بھی نہیں آتا۔"

"آجائے گا۔ ابھی میری عمر ہی کیا ہے۔" ٹائیگر نے بات ٹالنے کے لیے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

جولی نے کار اسٹارٹ کرکے آگے بڑھا دی۔

اس بار ریستوران کا انتخاب ٹائیگر نے کیا۔

ریستوران کے مدھم روشنیوں والے ماحول میں بیٹھتے ہی اُنھوں نے ڈنر کا آرڈر دے دیا اور پھر کھانے کے دوران میں جولی نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پُوچھا۔ "کیا تم ویدربانی سے ملے ہو؟"

"ہاں... لیکن وہ زیادہ مددگار ثابت نہیں ہُوا۔"

"کس سلسلے میں مددگار ثابت نہیں ہُوا؟" جولی نے چونک کر پوچھا۔

"مجھے تو ابھی تک یہ بھی پتہ نہیں... کہ تم کس چیز کی تلاش میں مارے مارے پھر رہے ہو؟"

"اوہ، کیا میں نے تمہیں نہیں بتایا تھا؟" ٹائیگر نے اس انداز میں کہا جیسے وہ بھول گیا ہو اور اسے اس معاملے میں اب افسوس ہو رہا ہو۔ "بہرحال

میں مشرقی انداز طرب پر ایک کتاب بکھر رہا ہوں۔ تمہارا شوہر اور دیدر بائی وغیرہ قسم کے لوگ ایک خاص قسم کی تیکنیک جانتے ہیں۔ یہ ایک نادر تیکنیک ہے جس کے بارے میں بیشتر کراٹے جاننے والے کچھ بھی نہیں جانتے۔ مجھے اس تیکنیک کی بھنک پڑ گئی ہے۔ میں، اس سلسلے میں معلومات جمع کرنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن ان لوگوں نے مجھے کچھ بھی نہیں بتایا۔ یہ ایک نیا ٹریننگ سیکرٹ ہے۔ میں شاید اس سلسلے میں کافی ہٹ دھرمی سے کام لے رہا ہوں۔"

"کاش! میں اس سلسلے میں تمہاری کوئی مدد کر سکتی۔" جولی نے ایک لیکچرر کے سے انصاف کرتے ہوئے کہا۔ "لیکن افسوس میرے تھیلے میں ایسی کوئی چیز نہیں ہے۔"

"پھر اس تھیلے میں کیا ہے؟"

"میں ایک عورت ہوں۔ محبت کرنے والی عورت۔ کوئی فائٹر نہیں ہوں۔" یہ کہہ کر اس نے برانڈی کا گلاس اٹھا کر منہ سے لگایا اور اپنے اس بچکانہ کارنامے پر ردِعمل دیکھنے کے لیے گلاس کے دائرے کے اوپر سے ٹائیگر کی طرف متوجہ ہو گئی۔

ٹائیگر نے کسی تاثر کا اظہار نہیں کیا۔

جولی ہلکی ہلکی چسکیاں لیتی رہی اور پھر اس نے اپنے شوہر کے بارے میں بات چیت چھیڑ دی۔ وہ اس کے لیے تشویش کا اظہار کر رہی تھی کیونکہ اس سے قبل ہنگری نے کبھی رات گھر سے باہر نہیں گزاری تھی۔

"ممکن ہے وہ کسی اور ہی کے چکر میں پڑ گیا ہو۔" ٹائیگر نے کہا اور اس کے ذہن میں ہنگری کی لاش گھوم گئی جسے اس نے ایک لاش کے نیچے دبا کر ایک ایسے تابوت میں رکھ دیا تھا جو جلد ہی دفن ہونے والا تھا۔ اُسے یقین تھا کہ بینک افسران کی تدفین عمل میں آ چکی ہو گی اور ہنگری منوں مٹی تلے ہمیشہ کے لیے دفن ہو چکا ہو گا۔

"ہو سکتا ہے... لیکن پھر بھی وہ کم از کم مجھے فون تو کر ہی سکتا تھا۔" جولی نے ٹائیگر کے تبصرے پر عجیب سا منہ بنا کر کہا۔

"اوہ! کہیں ایسا تو نہیں کہ تم نے اُسے خوف زدہ کر کے بھگا دیا ہو؟" اس بار ٹائیگر کا لہجہ خاصا شریر تھا۔

جولی نے چہرے پر مصنوعی خفگی طاری کرتے ہوئے اس کی آنکھوں میں دیکھا اور ناراضگی سے بولی۔ "کیا میں تمہیں ایسی عورت دکھائی دیتی ہوں؟"

"میں محض مذاق کر رہا تھا۔" یہ کہہ کر ٹائیگر نے کھانے کے لیے پلیٹ سے لقمہ منہ کی طرف لے جانے کی کوشش کی تو اس کے کندھے میں شدید ٹیس اٹھی۔ اس نے جلدی سے لقمہ پلیٹ ہی میں چھوڑ دیا اور بدقت تمام چہرے پر کرب کی علامات کو بیدا ہونے سے روکا۔ اسے اب اپنے کندھوں کی اس پُراسرار تکلیف کے سلسلے میں خاصی تشویش ہو رہی تھی۔ ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا تھا... لیکن اس سے پہلے کبھی کسی ایسے دشمن سے مڈبھیڑ بھی تو نہیں ہوئی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کاش! اس وقت لوشان یہاں موجود ہوتا... لیکن وہ تو اپنے گاڈل جا چکا تھا... سناجو... اور پھر سناجو کے خیال کے ساتھ ہی اُسے وہ کہانی یاد آنے لگی جو حصولِ اقتدار کے سلسلے میں لوشان نے اُسے جاتے وقت سنائی تھی۔ اوشان نے اُسے بتایا تھا کہ سناجو میں سیاسی اور ملکی حالات بہت خراب ہو گئے ہیں اور اس سلسلے میں لوشان نے شبہ ظاہر کیا تھا کہ اس کا آوارہ بھتیجا نوگان انقلابی حکومت کے ساتھ مل گیا ہو گا۔ نوگان کو ایک خاص مقصد کے تحت لوشان کے پاس تربیت کے لیے لایا گیا تھا۔ چونکہ اوشان کی کوئی اولاد نہیں تھی اس لیے اُس نے بڑے چاؤ سے اپنے بھتیجے کو گلے لگایا تھا اور اُسے تربیت دینی شروع کر دی تھی... بعد میں اُسے معلوم ہوا کہ اس کے ہاں اولاد کا نہ ہونا بھی ایک سازش تھی جس میں اُس کی بیوی ملوث تھی۔ اس پر اوشان کو بے حد دُکھ ہوا تھا اور پھر اسی دوران اُسے پتہ چل گیا کہ نوگان ایک آوارہ اور بدمعاش نوجوان ہے۔ یہ معلوم ہوتے ہی اُس نے اُسے دیئے دے کر گھر سے نکال دیا تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ گھر سے جاتے وقت وہ اس سے بیشتر تربیت حاصل کرنے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ اوشان کو اس بات کا بے حد دُکھ تھا کیونکہ وہ اپنے فن کو خدائی امانت سمجھتا تھا اور اس کی خواہش تھی کہ یہ فن صحیح ہاتھوں میں پہنچے۔ انہی دنوں چارہ گر کے چیف ڈاکٹر بہرام کا دستِ راست سناجو پہنچ گیا اور جب اس نے اپنے مشن کے بارے میں بتایا تو اوشان نے بلا تامل ریاستہ وہ ٹائیگر کی تحقیق میں دل و جان سے حوصلے گا... پھر اُسے اپنے گاؤں کے مخصوص علوم کے لیے رضامندی اور کپڑے کی بھی ضرورت تھی جس کی ذمہ داری سرگوش نے قبول کر لی تھی اور پھر بہرحال میں ایک خاص آبدوز کے ذریعے معاہدے کا سونا، کپڑا اور خشک راشن سناجو بھیج دیا جاتا تھا۔

"تم کس سوچ میں ڈوب گئے؟" جولی نے اُسے خاموش دیکھ کر پوچھا تو وہ چونک کر اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"وہ کچھ نہیں۔" ٹائیگر نے کہا۔ "میں سوچ رہا تھا کہ کھانے کے بعد کہاں چلا جائے؟"

"میرے ساتھ... میرے گھر۔" جولی نے کہا۔ "میں دیکھ رہی ہوں کہ تمہارے کندھوں میں کافی تکلیف ہے۔ تمہیں آرام اور سکون کی ضرورت ہے جو میرے گھر میں ہی تمہیں میسر آ سکتا ہے۔"

ٹائیگر نے تائید میں سر ہلا دیا۔

اس وقت وہ کافی تکلیف محسوس کرنے لگا تھا اور اُسے آرام کی ضرورت تھی... لیکن وہ جولی سے معلومات حاصل کرنے کے لیے بہرتکلیف برداشت کر سکتا تھا۔ اُسے معلوم تھا کہ اب اُس کے ہاتھ میں صرف یہی ایک کارڈ ہے۔ اگر وہ اس سے استفادہ نہ کر سکا تو پھر شاید زندگی بھر اس معمے

دونوں کی موت ہرگز نہیں تھی۔ جولی کے ذہن میں کچھ اور ہی لاوا پک رہا تھا۔

"کیا تم..." وہ کچھ کہنا چاہتا تھا کہ جولی نے اس کا جملہ کاٹ دیا۔

"میں تم سے ہنگری کی موت کا انتقام نہیں لینا چاہتی۔" وہ غراتی ہوئی آواز میں بولی۔ "اور نہ ہی مجھے دیدر بائی کے قتل کا کوئی افسوس ہے۔ موت ان کا مقدر تھی۔ انہیں تمہارے ہاتھوں مرنا ہی تھا... لیکن مرنے سے قبل وہ تمہیں ناکارہ کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ ہماری دشمن یہی خواہش تھی اور پسِ پردہ مقصد یہی تھا۔"

"اوہ..." ٹائیگر کے ہونٹ بھینچ گئے۔

"یہ بات ان دونوں احمقوں کو معلوم نہیں تھی۔ انہیں خودکشی کی ترغیب دی جا رہی تھی۔ وہ اس ترغیب سے غلط فہمی میں مبتلا ہو کر تمہارے ہاتھوں مارے گئے لیکن مرنے سے قبل اپنا مشن پورا کر گئے۔"

"کیا یہ سب کچھ تمہاری ہی سوچ کا نتیجہ ہے؟" ٹائیگر نے لہجہ خوشگوار رکھتے ہوئے کہا۔ اس کی نگاہ جولی کی ٹانگوں پر جمی ہوئی تھی کیوں کہ ایسی صورت میں اُسے ایک اور ٹھوکر کا اندیشہ لاحق ہو گیا تھا۔ عین ممکن تھا کہ اس حسینہ کو بھی ویسی ہی ٹھوکر مارنے کی خصوصی تربیت دی گئی ہو... اور وہ تیسری ٹھوکر کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔ اب اگر کوئی ایسی کامیاب ٹھوکر لگ جاتی تو اس کا زندہ رہنا محال تھا۔ یہ ٹھوکر مہلک ثابت ہو سکتی تھی... لیکن جولی کے کھڑے ہونے کا انداز ایسا نہیں تھا جس سے یہ اندازہ ہوتا کہ وہ بھی اس کے کندھے یا کسی دوسرے جوڑ پر کوئی ضرب لگانے کا ارادہ رکھتی ہو۔

وہ عام سے انداز میں کھڑی تھی لیکن اس کے تاثرات کسی ایسی ناگن کا اظہار کر رہے تھے جو غصے سے پاگل ہو رہی ہو اور کسی کے جسم میں اپنا تمام تر زہر اتار دینے کے لیے بے چین ہو۔ ٹائیگر کی زندگی میں یہ پہلی عورت تھی جسے وہ محض چہرے اور تاثرات سے شناخت کرنے میں ناکام رہا تھا... وہ اب جس روپ میں سامنے آئی تھی، وہ انتہائی خطرناک تھا اور ٹائیگر سمجھ رہا تھا کہ اسے یہاں لانے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔ وہ حیرانی سے سوچ رہا تھا کہ اس کی شخصیت اگر بے نقاب ہو چکی ہے تو جولی کو یقیناً یہ معلوم ہو گا کہ وہ چوکس قدر خطرناک آدمی ہے... اور اس پر قابو آسانی سے قابو پانا ممکن نہیں ہے۔ ایسے میں یہ عورت اُسے اس قدر بے بس کس طرح خیال کر سکتی ہے؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ اس کی پشت پر کوئی اور بھی موجود ہو... اور وہ اسی کی شہ پر یہ سب کچھ کر رہی ہو۔

"تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔" ٹائیگر نے ہونٹوں پر شیریں مسکراہٹ طاری کرتے ہوئے کہا جو خوامخواہ ہی کے دلوں میں ہلچل مچا دیا کرتی تھی۔ "تم نے جو کچھ بھی کہا ہے، اس میں تمہارا مددگار کون ہے؟"

پیش قدمی کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔

"ہاں... مجھے تمہارے گھر ہی چلنا چاہیے۔" اس نے مسکرا کر کہا اور کھڑا ہوا۔ جولی نے اُسے ہاتھ ہلانے سے منع کر دیا اور اس کی جیب پر سے نکال کر بل ادا کر دیا۔

دونوں ریسٹوران سے باہر آ گئے۔ ٹائیگر نے ذہنی طور پر خود کو عالما شروع کر دیا اور کندھوں سے اٹھنے والی درد کی لہریں ایک بلند دم توڑنے لگیں۔ کار انہی جانے پہچانے راستوں پر دوڑتی رہی جن پر وہ جولی کے ساتھ ایک بار پہلے بھی جا چکا تھا۔ نصف گھنٹے بعد وہ اپنی مقصود پر پہنچ گئے۔ راستے میں جولی اس سے نہ جانے کن کن موضوعات پر باتیں کرتی رہی۔ وہ محض ہوں ہاں میں جواب دیتا رہا۔

اپارٹمنٹ میں پہنچ کر جولی نے اُسے کوٹ اُتارنے میں مدد دی اور اُسے دونوں ہاتھوں سے سہارا دے کر بستر پر... نہ سے لٹا دیا۔ لیٹنے پر ٹائیگر کو کندھوں کی تکلیف میں ذرا کمی محسوس ہوئی تو اس نے جولی کی طرف دیکھا جو تبدیلیٔ لباس کے لیے ڈریسنگ روم میں چلی گئی تھی۔

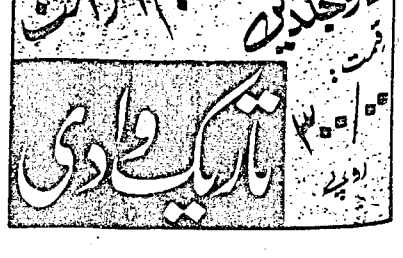
ٹائیگر نے آنکھیں بند کر لیں۔

اس نے خود کو ذہنی سکون پہنچانے کے لیے وہ مخصوص مشق شروع کر دی جو اوشان نے ایسے ہی موقعوں کے لیے اُسے بطورِ خاص سکھائی تھی۔ اس مشق کا آغاز ہوتے ہی ٹائیگر کی حسیات بیدار ہو گئیں اور وہ نفرت اور خون کی بُو محسوس کرنے لگا۔ یہ اُس کے لیے ایک انوکھا تجربہ تھا۔ اسے توقع نہیں تھی کہ جولی اُس کے لیے ایسے جذبات بھی رکھتی ہو گی۔ اس نے آنکھیں کھول دیں تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وہ اس کے بالکل قریب ہی کرسی گھسیٹ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں شعلے سے لپک رہے تھے۔

"شہزاد..." وہ بھینچی بھینچی سی آواز میں بولی۔ "تم میرے شوہر کے قاتل ہو۔"

ٹائیگر ایک طویل سانس لے کر رہ گیا۔

وہ سمجھ گیا کہ جولی کو ہنگری کی موت کا علم ہو گیا ہے۔ غالباً اُسے دیدر بائی کی موت کا بھی پتہ چل گیا تھا... لیکن غصے اور نفرت کی وجہ ان



"نوگان..." جولی نے بڑے ہی فخر سے بتایا۔ "وہ میری رُوح کا مالک ہے... اور میں اس کے ایک اشارے پر جہنم میں بھی کُود جانے کے لیے تیار ہُوں۔"

"حالانکہ تم نے ایسے ہی کچھ دعوے میرے بارے میں بھی کیے تھے۔" ٹائیگر کا لہجہ ایسا تھا کہ جولی کی جگہ کوئی اور عورت ہوتی تو ساری نفرت اور سارا غصہ بھول گئی ہوتی...

"ہاں... تم بھی ایک اچھے آدمی ہو۔" وہ عجیب سے لہجے میں بولی۔ "لیکن تمہاری شخصیت میں میرے لیے دلچسپی کا بہت کم سامان ہے جبکہ نوگان مجھے سنانجو کی ملکہ بنا سکتا ہے۔"

ٹائیگر کو ہنسی آگئی۔ وہ اس احمق عورت کی یہ خوش فہمی کسی طرح بھی دُور نہیں کر سکتا تھا کہ نوگان جیسا بچّہ اُسے تو کوئی نقصان پہنچانے میں کامیاب بھی ہوگیا ہے لیکن وہ اُوشان کے سامنے ایک لمحے بھی نہیں ٹھہر سکے گا۔

"اُس نے شاید تمہیں یہ کہا ہوگا کہ وہ شمشیرِ سنانجو کا مالک ہے۔" ٹائیگر نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہُوئے کہا۔

"نہیں... وہ ابھی سناجو کا ماسٹر نہیں ہے لیکن جلد ہی اس میں کامیاب ہو جائے گا۔ تم اور وہ بُوڑھا... تم دونوں اس کے راستے کے پتھر ہو۔ تمہیں راستے سے ہٹانے کے بعد اس بُوڑھے کو بھی ہلاک کر دیا جائے گا... اور پھر وہ شمشیرِ سناجو کا مالک بن جائے گا۔ پر میں کم سنگ کو اس سلسلے میں مکتوب بھیجا جا چکا ہے، وہ نوگان کی خدمات حاصل کرنے پر آمادہ ہے۔ اس سلسلے میں حلف وفاداری اُٹھانے کے بعد سناجو کا علاقہ اور جاگیر نوگان کو بخش دی جائے گی۔" وہ بڑے ہی فخریہ لہجے میں کہتی رہی۔

"ایک بات تو بتاؤ جولی۔" ٹائیگر نے لہجے کو مزید ملائم اور پُراثر بناتے ہُوئے کہا۔ "تم سناجو کی ملکہ بننے کے خواب دیکھ رہی ہو... لیکن تم نے ہنگری سے شادی کر رکھی تھی۔ کیوں؟"

"یہ صرف دکھاوے کا تعلق تھا۔ ورنہ ہمارے درمیان کافی فاصلہ رہا ہے کم از کم ذہنی طور پر تو میں اس سے بہت ہی دُور رہی ہُوں۔"

"یہ سب کچھ جاننے کے باوجود کیا نوگان تمہیں قبول کرے گا؟"

"میں نوگان کے احکام کی پابند ہی نہیں بلکہ اس کی بیوی بنی ہُوں۔" جولی نے کہا اور آہستہ آہستہ بستر کی پٹی پر بیٹھ گئی۔ اس کے دونوں ہاتھ ٹائیگر کی طرف بڑھنے لگے۔

ٹائیگر اس حرکت کو نظر انداز کر کے مسکراتا رہا حتیٰ کہ اچانک ہی اُس کے مونچھوں سے مسکراہٹ رخصت ہوگئی اور وہ بُری طرح چیخ پڑا۔

جولی نے دونوں کندھوں کو مضبوطی سے اپنے پنجوں میں جکڑ کر بُری طرح جھنجھوڑ ڈالا تھا۔ اس وقت جولی کی حالت کسی جھیری ہُوئی شیرنی کی تھی۔ وہ ٹائیگر کو بے پناہ اذیت میں مبتلا کر دینا چاہتی تھی... اور اس میں اُسے کامیابی ہُوئی تھی۔ کندھوں پر اس کے پنجوں کا بوجھ قیامت ڈھا گیا۔ ٹائیگر کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا پھیلنے لگا۔ اس کے ذہن میں مختلف زخموں کے دہتے رقص کرنے لگے اور اُسے یُوں محسوس ہُوا جیسے اس کے جسم سے رُوح نکلی جا رہی ہو۔

اس صورتِ حال نے ٹائیگر پر دیوانگی سی طاری کر دی۔

وہ اپنے کندھوں کو جولی کی گرفت سے چھڑا نہیں سکتا تھا۔ وہ اتنا تنومند بھی نہیں تھا کہ ایک منحنی نازک اُسے اذیتوں سے دوچار کر کے صاف بچ نکلتی۔ اس نے ذہنی حالت پر قابو پانے کی کوشش کی پھر اس کے دونوں پاؤں آہستہ آہستہ سمٹنے لگے۔ حتیٰ کہ اُس کے دونوں پاؤں اُٹھ کر اُس کے پیٹ تک پہنچ گئے۔ جولی نے ایک بار پھر زور لگایا۔ بار تکلیف کی شدت سے ٹائیگر کی آنکھوں میں حیرت اور بے یقینی کی جھلک نظر آئی لیکن یہ سب کچھ لمحاتی تھا۔ اگلی ہی ساعت اس کی بے یقین میں دہشت اور خوف پیدا ہوگیا اور اُس کی پُتلیاں ساکت ہوگئیں۔ رُوحِ قفسِ عنصری سے پرواز کر چکی تھی اور اس کی کنپٹیوں کی ہڈیاں اُس کے دماغ تک گھس گئی تھیں۔ اس کا چہرہ مسکراہٹ اور دہشت ملے جلے تاثر سے عجیب و غریب ناقابلِ فہم نقش و نگار اختیار کر گیا... پھر وہ نے کی طرف گرنے لگی... ٹائیگر نے اس کے چہرے پر نگاہ گاڑ دی۔ ں کی نفرتوں اور فاتحانہ تاثرات سے لبریز چہرے پر موت کا منظر دیکھ لف اندوز ہو رہا تھا کیونکہ اس سے اُسے سکون کا احساس ہو سکتا تھا۔ کے بازوؤں پر جولی کے پنجوں کی گرفت اب بھی برقرار تھی۔

جولی کا چہرہ... لاش کا چہرہ... مُردہ چہرہ اس کے چہرے کی جھک رہا تھا۔ ڈھلک رہا تھا اور اس سے خون کی پتلی پتلی قطاریں ہی تھیں۔ یہ قطاریں جولی کے رخساروں کو بھگوتی ہُوئی گردن تک ب رہی تھیں اور پھر بوند بوند ہو کر ٹائیگر کے سینے پر گر رہی تھیں۔ اس ساتھ ہی ٹائیگر کے کندھوں پر اس کی گرفت کمزور پڑتی جا رہی تھی۔ گرم گرم خون کی حدت محسوس کر کے ٹائیگر کو اپنے کندھوں کی ں میں کافی افاقہ محسوس ہونے لگا۔ اسے حرارت کی ضرورت تھی ر چوٹوں پر ٹھہرتے ہُوئے موسم نے بڑا ہی تکلیف دہ اثر ڈالا تھا۔

لاش اس کے سینے پر گر گئی۔

ٹائیگر اس بوجھ سے گھٹن کی محسوس کرنے لگا۔ اس نے ایک بار پھر ٹھل کو حرکت دے کر لاش کو گرا دینا چاہا... لیکن بازوؤں سے اچانک ہائیسنس اُٹھیں کہ وہ نڈھال ہوگیا۔

اس نے آنکھیں بند کر لیں۔

اُسے اپنا سر گھومتا ہُوا محسوس ہو رہا تھا۔

ٹائیگر کا جسم اور ذہن ہم آہنگ ہو رہے تھے، برسوں کی تربیت، اور خود کار رُوحانی نظام کے تحت سب کچھ ہو رہا تھا۔ اس کے پنجے یُوں ایک دُوسرے کی طرف لپک پڑے جیسے متصادمیں کے کنارے ایک دُوسرے کی کشش کرتے ہیں۔ ان کی رفتار تیز تھی ن کا تاثر بھرپور تھا۔ اچانک جولی کی کھوپڑی دونوں پنجوں کے راستے ال ہوگئی اور پھر اُس کے پنجے یُوں اُس کی کنپٹیوں پر پڑے جیسے گولے ہم سے ٹکراتے ہیں۔

ہڈیاں ٹوٹنے اور چٹخنے کی آوازیں پیدا ہُوئیں۔

جولی اس وقت قہقہہ لگانے کے لیے عقب میں سر جھٹک رہی تھی ی کنپٹیوں پر قیامت ٹوٹ گئی۔ وہ اب بھی مسکرا رہی تھی۔ وہ ٹائیگر ہی دیکھ رہی تھی۔ ایک لمحے کے لیے اُس کی مسکراہٹ کرب کے یں تبدیل ہوگئی۔ ٹائیگر کو اس کی آنکھوں میں حیرت اور بے یقینی کی جھلک نظر آئی لیکن یہ سب کچھ لمحاتی تھا۔ اگلی ہی ساعت اس کی بے یقین ں دہشت اور خوف پیدا ہوگیا اور اُس کی پُتلیاں ساکت ہوگئیں۔ ں رُوحِ قفسِ عنصری سے پرواز کر چکی تھی اور اس کی کنپٹیوں کی ہڈیاں اُس کے دماغ تک گھس گئی تھیں۔ اس کا چہرہ مسکراہٹ اور دہشت ملے جلے تاثر سے عجیب و غریب ناقابلِ فہم نقش و نگار اختیار کر گیا... پھر وہ نے کی طرف گرنے لگی... ٹائیگر نے اس کے چہرے پر نگاہ گاڑ دی۔ ں کی نفرتوں اور فاتحانہ تاثرات سے لبریز چہرے پر موت کا منظر دیکھ لف اندوز ہو رہا تھا کیونکہ اس سے اُسے سکون کا احساس ہو سکتا تھا۔ کے بازوؤں پر جولی کے پنجوں کی گرفت اب بھی برقرار تھی۔

جولی کا چہرہ... لاش کا چہرہ... مُردہ چہرہ اس کے چہرے کی جھک رہا تھا۔ ڈھلک رہا تھا اور اس سے خون کی پتلی پتلی قطاریں ہی تھیں۔ یہ قطاریں جولی کے رخساروں کو بھگوتی ہُوئی گردن تک ب رہی تھیں اور پھر بوند بوند ہو کر ٹائیگر کے سینے پر گر رہی تھیں۔ اس ساتھ ہی ٹائیگر کے کندھوں پر اس کی گرفت کمزور پڑتی جا رہی تھی۔ گرم گرم خون کی حدت محسوس کر کے ٹائیگر کو اپنے کندھوں کی ں میں کافی افاقہ محسوس ہونے لگا۔ اسے حرارت کی ضرورت تھی ر چوٹوں پر ٹھہرتے ہُوئے موسم نے بڑا ہی تکلیف دہ اثر ڈالا تھا۔

لاش اس کے سینے پر گر گئی۔

ٹائیگر اس بوجھ سے گھٹن کی محسوس کرنے لگا۔ اس نے ایک بار پھر ٹھل کو حرکت دے کر لاش کو گرا دینا چاہا... لیکن بازوؤں سے اچانک ہائیسنس اُٹھیں کہ وہ نڈھال ہوگیا۔

اس نے آنکھیں بند کر لیں۔

اُسے اپنا سر گھومتا ہُوا محسوس ہو رہا تھا۔

اُس کی دھڑکنیں معمول سے تیز ہوگئی تھیں اور اُسے یُوں لگ رہا تھا جیسے جسم کی نس نس میں خون کی بجائے درد کی لہریں دوڑ رہی ہوں۔ اس کا ذہن رفتہ رفتہ تاریکیوں میں ڈُوبتا چلا گیا اور وہ دُنیا و مافیہا سے بے خبر ہوگیا۔

نہ جانے یہ بے ہوشی کی کون سی قسم تھی کہ اس کا ذہن اب بھی اُسے عجیب سے مناظر دکھا رہا تھا۔ غالباً یہ اذیت کی انتہا تھی جس کا مقابلہ کرتے ہُوئے اس کی رُوحانی طاقتیں شکست تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں تھیں۔

موت اور زندگی کا یہ کھیل اُس کے لیے نیا نہیں تھا اور نہ ہی اُسے موت سے کوئی خوف محسوس ہوتا تھا... وہ تو ان مناظر سے خوف زدہ ہو رہا تھا جو اُس کے خوابیدہ ذہن میں نہ جانے کہاں سے گھس آئے تھے اور اُسے ڈرا رہے تھے۔ وہ مختلف ہیولے دیکھ رہا تھا... جو ایک دُوسرے پر جھپٹ رہے تھے۔

یہ ایک ایسا تماشہ تھا جس نے اس کی حالت تباہ کرنی شروع کر دی تھی۔ کیوں لگتا تھا جیسے شعور اور لاشعور میں باقاعدہ جنگ چھڑ گئی ہو... اور ذہن میں ان گنت مناظر گڈمڈ ہو رہے ہوں۔ لاشعور جو کچھ کہہ رہا تھا، شعور اُسے قبول کرنے پر آمادہ نہیں تھا... اور شعور جو کچھ کہنا چاہتا تھا، لاشعور اس کی نفی کرنے پر تُلا ہُوا تھا۔ اس کی شخصیت نہ جانے کن عذاب ناک صورتوں سے بیک وقت برسرِ پیکار ہوگئی تھی۔

اے حمید کے ایڈونچر قلم سے
شیو سینا کے
دہشت گرد
چار جلدوں میں مکمل سیٹ =/700 روپے
ناشر مکتبہ القریش
اردو بازار لاہور

بار بار وہ چونک پڑتا تھا... اور بار بار اس پر غنودگی اور بے ہوشی کی غلبت طاری ہو رہی تھی... کبھی کبھی اُسے یُوں لگتا جیسے کوئی پکار رہا ہو... پھر یہ آواز خوفناک صدائے بازگشت میں تبدیل ہو جاتی اور اس کے ذہن کے پنہاں خانوں میں دہشت آمیز اثرات مرتب کرتی ہوئی اچانک ہی گم ہو جاتی... تب ٹائیگر کو یُوں لگتا جیسے اُس کی رُوح پر سناٹا مسلط ہو گیا ہو۔

اس سناٹے سے اُسے سکون ملتا لیکن اگلی ہی ساعت درد کی لہریں ایک بار پھر بیدار ہو اُٹھتیں اور اُس کا جسم یُوں جھٹکے کھانے لگتا جیسے بار بار اُسے بجلی کے جھٹکے دیے جا رہے ہوں... تب اُسے وہ منظر یاد آنے لگتا جب اُسے بجلی کی کرسی پر بٹھا کر سزائے موت دی گئی تھی۔ اُس کا جسم ٹھنڈے ٹھنڈے پسینے میں بھیگتا چلا گیا اور اس بار ذہن پر جو اندھیرے کی چادر چھا گئی اُس نے سب کچھ نگل لیا تھا۔

☆ ☆

ٹائیگر بیدار ہو گیا۔

وہ سو گیا تھا تاکہ وقتی طور پر سب دُکھ درد بھول جائے لیکن جاگتے ہی اُسے سب کچھ دوبارہ یاد آ گیا۔ اس کے کندھوں میں شدید تکلیف تھی اور اب تو بازو بھی دُکھنے لگے تھے۔ یوں لگتا تھا۔ جیسے کندھوں سے دردکی لہریں اُٹھ اُٹھ کر اُس کے پورے بازوؤں میں پھیل رہی ہوں۔ علاوہ ازیں اس کی ٹانگوں کے ساتھ بھی کوئی گڑبڑ ہو گئی تھی۔ ان پر بوجھ سا محسوس ہونے لگا تھا۔ اس نے نظریں جھکا کر اپنی ٹانگوں کی طرف دیکھا۔ ٹھیک اس کی ٹھوڑی کے نیچے ایک عجیب سا چہرہ تھا۔ اس چہرے پر جو آنکھیں تھیں، وہ پہلے بہت خوش نما تھیں اور ان پر گہری نیلگوں جھیلوں کا گمان ہوتا تھا لیکن اب وہ پھیلی ہوئی اور پتھری بکھری سی لگ رہی تھیں جو شخصیت اس پر بوجھ بنی ہوئی تھی۔ اس کا دہانہ کھلا ہوا تھا۔ بھوپڑی سے خون کی پتلی پتلی لکیریں بہہ کر رخساروں پر آ گئی تھیں اور وہ چہرہ جسے کچھ عرصہ قبل حسین ترین کہا جا سکتا تھا، اب بھیانک اور خوفناک لگ رہا تھا کیونکہ یہ ایک لاش کا چہرہ تھا... جولی کا چہرہ... مُردہ چہرہ...

اس نے آہستہ آہستہ اپنی بائیں ٹانگ لاش کے بوجھ تلے سے نکالی اور پھر آہستہ آہستہ دائیں ٹانگ بلند کر کے لاش پر پاؤں ٹکایا اور اسے دھکیل دیا۔

لاش اس کے اوپر سے گر گئی۔

فرش پر لاش گرنے سے خفیف سی آواز پیدا ہوئی کیونکہ دبیز قالین نے دھماکہ جذب کر لیا تھا۔

ٹائیگر نے اپنے بازوؤں کی تکلیف کے پیشِ نظر دونوں ٹانگیں بستر پر جمائیں اور جسم کو اُن کے سہارے آہستہ آہستہ نشست کی حالت میں پہنچایا... پھر پاؤں مسہری سے نیچے فرش پر رکھے اور کھڑا ہو گیا۔ اُٹھتے ہی اُسے دونوں کندھوں میں کاٹ ڈالنے والی دردکی لہریں دوڑتی محسوس ہوئیں تو مارے کرب کے اس کا چہرہ مسخ ہو گیا۔ اس نے اپنی پوری زندگی میں پہلے کبھی اتنی اذیت برداشت نہیں کی تھی۔ نہ جانے یہ کیسی چوٹیں تھیں۔ جنھوں نے اُسے بے حال کر دیا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ دیوار کی طرف بڑھنے لگا۔

دیوار کے سہارے کھڑے ہو کر وہ دیر تک ہانپتا رہا۔ اس کے سر میں بھی شدید تکلیف تھی۔ کندھوں کی تکلیف نے اس کا ذہن بھی متاثر کر دیا تھا۔ اُسے بار بار چکر آ رہے تھے اور خود کو استادہ حالت میں برقرار رکھنا اس کے لیے دوبھر ہو رہا تھا۔

کافی دیر وہ اسی حالت میں کھڑا رہا... پھر رینگتی ہوئی چال سے باتھ رُوم کی طرف بڑھنے لگا۔ اس کے سینے پر خون کی چپچپاہٹ تھی۔ بار بار اس کا جی متلاتا رہا تھا اور وہ خود کو اس خون سے نجات دلانا چاہتا تھا۔

باتھ رُوم کا دروازہ بند تھا۔

اُس نے لات مار کر اُسے کھولا اور پھر شاور کے نیچے جا کھڑا ہو گیا۔

شاور کھولنا بھی اس کے لیے ایک مسئلہ تھا۔ بازوؤں کو حرکت دینا ناممکن محسوس ہو رہا تھا۔ جی کڑا کر کے اس نے ایک ایک رفتہ رفتہ اُٹھایا اور اُسے شاور کے نوب تک پہنچانے میں اُسے کو اذیت کی کئی منزلوں سے گزرنا پڑا۔ اس کا ہاتھ نوب پر جم گیا لیکن اس کی انگلیاں بے جان تھیں۔ وہ نوب کو گرفت میں لے کر گھمانے میں ناکام ہو رہا تھا۔ اُس نے اپنی ذہنی قوتوں سے کام لینا شروع کر دیا۔ اس تکلیف دہ احساس کو ذہن سے جھٹک دینے کی کوشش کی اور اس کی پوری ہستی کو مفلوج کیے دے رہا تھا۔

جب اس کی حالت قدرے سنبھل گئی تو اس نے اسی غیر مرئی سی حالت میں انگلیوں کو حرکت دی۔ اس کی اُنگلیوں نے کام کیا۔ شاور سے پانی گرنے لگا۔

جولی کا خون اس کے جسم اور کپڑوں پر گرنے کے بعد جم گیا تھا۔ ٹھنڈے پانی کی پھوار نے اس کے بازوؤں کی تکلیف میں اضافہ کر دیا، لیکن وہ جیسے تیسے وہاں کھڑا رہا۔ پانی بدن کو اپنے اندر گھلا کر گرنے لگا اور اس کے کپڑے اور جسم صاف ہونے لگا۔ وہ خود کو پہلے سے بہتر محسوس کرنے لگا کیونکہ خون کی موجودگی اس کے لیے بے پنا

تکلیف دہ تھی۔

ٹائیگر نے ہمت کر کے دوسرا شاور کھولنے کی کوشش کر ڈالی۔ اس شاور سے گرم پانی نکلتا تھا۔ گرم پانی کی وجہ سے اس کے کندھوں کی تکلیف کو قدرے آرام ملا تو اس نے ٹھنڈے پانی کا نل بند کر دیا۔ اگرچہ یہ معمولی سی حرکات تھیں لیکن ان حرکات کا اُسے بہت بڑا خمیازہ بھگتنا پڑا۔

خون رُکھل گیا تو وہ نل بند کیے بغیر ہی باتھ رُوم سے باہر آ گیا۔ اور دروازے کے قریب دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔ سامنے کی دیوار میں ایک قدِ آدم آئینہ تھا جس میں وہ اپنا عکس دیکھ سکتا تھا۔ اپنی حالت دیکھ کر اُسے ہنسی آ گئی۔ وہ اس ٹائیگر کو دیکھ رہا تھا جو طاقت کا پیکر تھا اور جس کی ایک ضرب سے دوسروں کی کھوپڑیاں ٹوٹ جایا کرتی تھیں۔ وہ اس صدی کے واحد اُستاد اُوشان کا شاگرد تھا لیکن اس وقت اُس کی حالت ایسی ہو رہی تھی کہ ایک بچہ بھی اُسے چیخنے پر مجبور کر سکتا تھا۔

وہ کچھ دیر اجنبی نگاہوں سے اپنے عکس کو دیکھتا رہا۔ اس نے ذہن سے یہ خیال جھٹک دیا کہ وہ اپنا ہی عکس دیکھ رہا ہے۔ اس بات نے اُس کی ذہنی حالت ابتر ہونے سے بچا لی اور اس کی خود اعتمادی عود کر آئی۔ اب اُسے آئینے میں نظر آنے والا عکس کسی اجنبی کا ہیولہ دکھائی دے رہا تھا۔

ٹائیگر نے ذہنی طور پر خود کو سنبھالا تو اُسے ڈاکٹر مہرام کے اُس ماتحت کی لاش یاد آ گئی جسے دیکھ کر اس معاملے کا آغاز ہوا تھا۔ اب اُسے احساس ہوا کہ اُس شخص نے کتنی بے چارگی کے عالم میں زندگی سے ہاتھ دھوئے تھے۔ کیا یہ ٹائیگر کو احساس ہوا کہ اگر اس وقت اُوشان کا بھتیجی نوگان یہاں آ گیا تو کیا ہو گا؟

وہ دو چوٹیں کھا چکا تھا۔ اگرچہ یہ چوٹیں لگانے والے دونوں آدمی جہنم رسید ہو چکے تھے لیکن وہ اسے زبانی اور ذہنی تکلیف میں مبتلا کر گئے تھے... یہ ایسی تکلیف تھی جیسے وہ از خود دُور نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے نزدیک چوٹیں لگانے والوں نے بڑے ہی احمقانہ داؤ استعمال کیے تھے اور ان حماقتوں کے نتیجے میں آنکھیں اپنی زندگی سے ہاتھ دھونے پڑے تھے... لیکن انھوں نے ہدف پر جو ضربیں لگائی تھیں وہ بہرحال کامیاب اور مؤثر ثابت ہوئی تھیں۔

ٹائیگر کا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا لیکن انہماک و تفہیم کی منازل بڑی مشکل سے طے ہو رہی تھیں۔ اس کی ذہنی صلاحیتیں اس کی سوچ اور اس کی شخصیت تیزی سے متاثر ہوتی جا رہی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اپنی خود اعتمادی بھی کھو رہا تھا۔ اُسے خدشہ لاحق ہونے لگا کہ اگر وہ خود اعتمادی کھو بیٹھا تو اس کی زندگی مزید خطرے میں پڑ جائے گی۔

اس نے اپنی زندگی میں بڑے بڑے خوفناک جرموں سے ٹکر لی تھی اور ہمیشہ فتح یاب ہوا تھا۔ سب سے زیادہ خطرناک فائٹ تھا لیکن وہ بھی اس کے ہاتھوں جہنم میں پہنچ چکا تھا... لیکن اس بار وہ خود کو بے بس خیال کرنے پر مجبور ہوتا جا رہا تھا۔ اب اُسے احساس ہو رہا تھا کہ اُوشان اُسے جس انداز میں تربیت دینا چاہتا تھا، اگر اس نے پوری طرح اُس سے استفادہ کر لیا ہوتا تو آج یہ دن نہ دیکھنا پڑتا۔

یکایک اس کے ذہن میں ایک دھماکا سا ہوا۔ اس کی یادداشت کی تہوں سے ایک جملہ اُبھر کر آیا اور اُس نے ٹائیگر کے شعور میں اضطراب اور ہلچل سی پیدا کر دی۔ یہ جملہ جولی نے کہا تھا۔ وہ جملہ کیا تھا؟

ٹائیگر نے اُسے ذہن میں واضح کرنے کے لیے زور ڈالا... تو جولی کے الفاظ اس کے ذہن میں ڈرامائی تاثر کے ساتھ گونجنے لگے... "پہلے تم... اور پھر... وہ بوڑھا... اُسے ہلاک کر دیا جائے گا۔"

ٹائیگر کے دل میں اضطراب کی لہریں جاگ اُٹھیں۔ ایک بار پھر اُس کے اندر کا ٹائیگر انگڑائی لے کر بیدار ہونے لگا۔ اس نے خود کو سنبھالا۔ اگرچہ اس کے کندھوں کی تکلیف اُسے حرکت کرنے کی اجازت نہیں دے رہی تھی لیکن اب وہ بے بسی سے اسی فلیٹ میں نہیں پڑا رہ سکتا تھا۔ اُسے معلوم تھا کہ یہ جگہ بے حد خطرناک ہے۔ کسی بھی وقت اس کا کوئی جانی دشمن یہاں آ سکتا ہے... اور اگر ایسا ہوا تو یہ دن اُس کی زندگی کا آخری دن بھی ثابت ہو سکتا ہے۔

اس نے نظریں گھما کر فون کی طرف دیکھا تھا۔

فون زیادہ دُور نہیں تھا لیکن وہاں تک پہنچنے میں اسے خاصی مشقت کرنی پڑی تھی۔

فون کے قریب پہنچ کر وہ دل ہی دل میں کلمۂ شکر بجا لایا۔ جدید ٹیکنالوجی نے فون کا ڈائل ختم کر کے دبانے والے بٹن ایجاد کیے تھے۔ اگر یہ فون بٹنوں والا نہ ہوتا تو اُسے نمبر ڈائل کرنے کے لیے نہ جانے کتنی اذیت برداشت کرنی پڑتی۔

اس کی نگاہ دیوار گیر گھڑی پر گئی تو اُس کے ہونٹ مسکرا اُٹھے۔ اتفاق سے یہ وہ وقت نہیں تھا جب وہ اپنے چیف مہرام کو رپورٹ دیا کرتا تھا۔ اس نے بٹن دبا کر سلسلہ ملایا اور ریسیور کسی نہ کسی

طرح کندھے اور گردن کے درمیان پھنسا لیا۔ اب وہ ہاتھ اٹھائے بغیر فون پر بات کر سکتا تھا۔

"ہیلو... ٹائیگر..." اس نے اذیت آمیز لہجے میں کہا۔

"یہ وقت تمہاری ریلیکسیشن کے لیے مخصوص نہیں۔" دوسری جانب سے بہرام کی سخت آواز سنائی دی۔ "تم دن بہ دن ضابطوں کو کیوں خراب کر رہے ہو؟"

"مجھے مدد کی ضرورت ہے۔" ٹائیگر نے کراہ کر کہا۔ "میں زخمی ہوں۔"

دوسری طرف سے دیر تک کوئی جواب نہ ملا۔ غالباً بہرام سوچ میں پڑ گیا تھا کہ وہ ٹائیگر کی بات پر یقین کرے یا نہ کرے۔ وہ اسے مذاق سمجھ رہا ہوگا اور غالباً اس مذاق پر اس کا خون کھول اٹھا ہوگا۔

"چیف! میں زخمی ہوں اور مجھے مدد کی ضرورت ہے۔" ٹائیگر نے دوبارہ کہا۔ "یہ مذاق نہیں ہے۔ میں بے حد سنجیدہ ہوں۔"

"اوہ... ناقابلِ یقین... کیا ٹائیگر بھی زخمی ہو سکتا ہے؟" بہرام کی آواز سنائی دی۔

"ہاں... اور اس کی وجہ یہ ہے کہ میں بھی آخر انسان ہوں۔" ٹائیگر نے کراہ کر جواب دیا۔ "آخر آپ مجھے مافوق الفطرت کیوں سمجھتے ہیں؟"

"مافوق الفطرت نہیں، مافوق البشر۔ تم کوئی عام آدمی نہیں ہو۔"

"عام آدمی ہوتا تو اس انداز میں فون بند کر رہا ہوتا اور اس وقت فرشتوں کو حساب دینے میں مصروف ہوتا۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔

"تمہارے لہجے پر مجھے خوشی ہوئی ٹائیگر۔ میں محسوس کر رہا ہوں کہ کوئی غیر معمولی صورتِ حال ہی پیش آ گئی ہے۔ ورنہ تم خود کو بے بس ظاہر کرنا پسند نہ کرتے۔ بہرحال تم ایک غیر معمولی ہستی ہو۔ اس بات کو کبھی فراموش نہ کیا کرو۔"

"اور آپ بھی یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ غیر معمولی ہستیوں کو ہمیشہ غیر معمولی حالات ہی پیش آتے ہیں۔"

"کیا کوئی خطرہ بھی ہے؟" بہرام نے اُلجھن سے پوچھا۔

ٹائیگر نے ایک طویل سانس لی اور بولا۔ "میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ ہو بھی سکتا ہے۔" ٹائیگر کو فون پر بات کرنے کے دوران خود کو ہزار دقت سنبھالنا پڑ رہا تھا کیونکہ جولی نے اس کے کندھوں پر جس انداز میں دباؤ ڈالا تھا، اس کے بعد سے اُسے یوں محسوس ہونے لگا تھا جیسے اس کے کندھوں اور باقی جسم میں اب کوئی ربط باقی نہیں رہا ہے۔

اس پر بے ہوشی طاری ہو گئی تھی کیونکہ بہرام کے قدموں کی چاپ پر وہ چونکا نہیں تھا۔

بہرام نے اس کے قریب ہی ایک عورت کی لاش بھی دیکھی جس کی دونوں کنپٹیاں اندر کی طرف دھنسی ہوئی تھیں اور بادی النظر میں وہاں دو سوراخ دکھائی دے رہے تھے۔ ہڈیاں ٹوٹ کر پچک گئی تھیں اور اندر سے خون آلود مغز بہہ نکلا تھا۔ خون خشک ہو چکا تھا جسے دیکھ کر بہرام کو اندازہ ہو گیا کہ اس عورت کی موت کو کم از کم دو گھنٹے سے زیادہ وقت گزر چکا ہے۔ لاش کا چہرہ خون آلود بیرڈوں کا مجموعہ لگ رہا تھا۔

لاش سے نگاہ ہٹا کر بہرام تیزی سے ٹائیگر کے قریب گھٹنوں کے بل جھک گیا۔ اس نے ہاتھ ٹائیگر کی نبض پر رکھ دیا اور اس کی نگاہ اپنی کلائی گھڑی پر جم گئی۔ پندرہ سیکنڈ تک وہ ٹائیگر کی دھڑکنیں شمار کرتا رہا۔ اس دوران میں ٹائیگر کا دل بارہ مرتبہ دھڑکا تھا۔ اس نے اُسے چار سے ضرب دے کر جواب نکالا اور اثبات میں سر ہلا دیا۔ "ٹالیں... اگر خود بہرام کی نبض اتنی ہوتی تو شاید وہ کسی ماہر امراضِ قلب کی طرف دوڑ ہی لگا دیتا... لیکن ٹائیگر کے لیے یہ رفتار ایک عام اور معمول کے مطابق رفتار تھی۔

"ٹائیگر..." اس نے دھیمی آواز میں اُسے پکارا۔

ٹائیگر نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھول دیں۔

"کیا تم چل سکتے ہو؟" بہرام نے شفقت آمیز لہجے میں کہا۔ "آج اُسے پہلی بار احساس ہو رہا تھا کہ شہزاد ٹائیگر بھی آخر ایک انسان ہی تو ہے۔ اس سے پہلے وہ اُسے ایک آہنی آدمی سمجھتا تھا۔ وہ عام آدمیوں کی عدیم النظیر تھی لیکن ایک انسان تھا۔ "ہمیں یہاں سے فوراً چل دینا چاہیے۔" اس نے مشورہ دینے والے انداز میں ٹائیگر سے کہا۔

"چیف!" ٹائیگر نے کربناک لہجے میں کہا۔ "کیا تم آج بھی میرے اس نظریئے کی تائید نہیں کرو گے؟"

"کس نظریئے کی؟" بہرام نے چونک کر کہا۔

"یہی کہ جس عورت کے چہرے پر اَن گنت جھریاں تل نہیں ہوتے، اس کی مثال اُس رات جیسی ہوتی ہے، جب ستارے نہیں نکلتے۔"

"اُٹھنے کی کوشش کرو۔" بہرام کے ہونٹ بھنچ گئے۔ اُسے شہزاد کی حالت اور اس کے مذاق پر خوشی ہوئی تھی اور اس نے منہ دبا کر بمشکل ایک بے ساختہ قہقہہ روکا تھا۔

ٹائیگر کے ہونٹ ساکت تھے لیکن اس کی آنکھیں مسکرا رہی تھیں۔ غالباً وہ کرب کے ان شدید لمحوں میں اپنے چیف سے تحفظ لینے کی کوشش کر کے خود کو پُرسکون بنانے کی جدوجہد کر رہا تھا۔

"اٹھو... تم سرکاری وقت کو یوں لیٹ کر ضائع نہیں کر سکتے۔" بہرام نے اس بار سخت لہجے میں کہا۔

"اگر میں اپنے طور پر اُٹھ سکتا یا چل سکتا تو مجھے آپ کو بلانے کی کیا ضرورت تھی؟" ٹائیگر نے کہا اور آنکھیں بند کر لیں۔

بہرام چند لمحوں تک اس کا چہرہ دیکھتا رہا... پھر اس نے ایک ہاتھ ٹائیگر کی گردن کے نیچے رکھا اور دوسرا اس کی کمر کے نیچے سے گزار کر زور لگایا تو ٹائیگر کا جسم آسانی سے اس کے بازوؤں میں اُٹھتا چلا گیا۔ بہرام کو اس پر شدید ذہنی جھٹکا لگا۔ اُسے حیرت ہو رہی تھی کہ ٹائیگر کا جسم کس قدر ہلکا ہے۔ اس نے تو یہ سوچ کر زور لگایا تھا کہ وہ اس کا بھاری بھرکم جسم نہ جانے اٹھانے میں کامیاب بھی ہوگا یا نہیں... اُسے یاد آیا کہ جب ٹائیگر پہلی بار اس کے پاس آیا تھا تو اس کا وزن صرف دو سو پونڈ تھا... اور یہ بات دس سال پرانی تھی اور اب وہ پہلے سے کافی ہلکا ہو گیا تھا۔ تب اُسے اُوشان کا جسم یاد آیا جو ٹائیگر کے مقابلے میں نہ ہونے کے برابر تھا۔ وہ ایسے جسم کا مالک تھا، جس پر نگاہ پڑتے ہی پناہ

انکا، اقابلہ، سونا گھاٹ کا پجاری
اور غلام روحیں
کے بعد انوار صدیقی کا ایک
اور شہکار ناول
برہمچاری
قیمت =/150 روپے

کمزوری کا خیال ذہن میں آتا تھا... اور اس سے معانقہ کرنے والے محتاط رہا کرتے تھے کہ کہیں اس کا ہاتھ ٹوٹ کر اُن کے ہاتھ ہی میں نہ رہ جائے۔

"روحانی قوت..." بہرام بڑبڑایا "حیرت انگیز... تحیر خیز... ناقابلِ یقین...؟"

وہ اُسے اُٹھا کر دروازے تک پہنچا اور پھر راہ داری میں نکل آیا۔ آتے وقت اس کی کسی سے ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ غالباً اس فلور کے باقی مکین اس وقت موجود نہیں تھے۔ اس وقت بھی راہ داری خالی پڑی تھی۔

وہ تیزی سے زینے کی طرف بڑھ گیا۔

ٹائیگر کا بوجھ اس کے لیے پریشان کن نہیں تھا لیکن جب وہ اُسے لے کر سیڑھیاں اُترنے لگا تو ٹائیگر کے بازوؤں کو ہلکے ہلکے جھٹکے لگنے لگے۔ ان جھٹکوں کی وجہ سے اس کے جسم میں درد کی لہریں دوڑ جاتی تھیں اور وہ ہر جھٹکے پر آنکھیں بند کر لیتا تھا۔

پچھلی منزل پر پہنچ کر اس نے ٹائیگر کو ایک ایسی آرام کرسی پر بٹھا دیا جو دروازے کے قریب نہ جانے کس مصرف کے لیے پڑی تھی۔ وہ پارکنگ میں گیا اور کار اسٹارٹ کر کے دروازے کے قریب لے آیا۔

باہر تاریکی تھی اور یہ عمارت سڑک سے ہٹ کر واقع تھی۔ اس لیے اندیشہ نہیں تھا کہ کوئی اس کی طرف متوجہ ہو جائے گا۔ وہ کار سے اُتر کر اندر گیا تو ٹائیگر آنکھیں کھولے بیٹھا تھا۔ "اوہ، چیف! آپ نے بہت دیر لگا دی۔" ٹائیگر نے اس انداز میں شکایت کی جیسے فون کرنے کے بعد اُسے پہلی بار دیکھا ہو۔

"ہاں..." بہرام نے مختصر سے لہجے میں جواب دیا۔

"لیکن... میں یہاں تک کیسے پہنچ گیا؟" ٹائیگر نے حیرت کا اظہار کیا۔ "یہاں تک مجھے یاد ہے، میں ٹوائلا کے قالین پر بے ہوش ہو کر گر گیا تھا۔"

"ہاں۔ یہ بہرام نے پھر اُسی لہجے میں کہا اور اس کی طرف دیکھنے لگا۔ "کیا تم باہر کار تک چل سکتے ہو؟"

"نہیں... میں ایک قدم بھی نہیں چل سکتا۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔

"تمھیں کار تک چل کر آنا پڑے گا۔" یہ کہہ کر بہرام دروازے سے نکل کر کار میں جا بیٹھا۔ اس کا رویہ اچانک ہی درشت ہو گیا تھا۔ حالانکہ اس کا جی چاہ رہا تھا کہ وہ ٹائیگر کو اُٹھا کر لے آئے... لیکن وہ اس غیر معمولی انسان کو اس قدر بے بس نہیں دیکھنا چاہتا تھا اور اس کی خواہش تھی کہ وہ خود چل کر کار تک آئے۔

اس کی نگاہ دروازے پر جمی ہوئی تھی۔ اس کا دل شدت سے دھڑک رہا تھا۔ وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ ٹائیگر کس حد تک ناکارہ ہو گیا ہے۔ اس اندازے کے لیے ہی اس نے اُسے خود چل کر کار تک آنے کا حکم دیا تھا۔

دروازے سے نیچے فرش تک سیڑھیاں تھیں اور ان کے اطراف میں ریلنگ لگی ہوئی تھی۔ ٹائیگر دروازے تک پہنچ کر رُک گیا۔ اس نے دروازے کا سہارا لے رکھا تھا۔ اس کی آنکھیں اور چہرہ اندرونی کرب کا اظہار کر رہا تھا۔ یہ تکلیف سہی تھی اور اسے دیکھ کر بہرام کو اندازہ ہو رہا تھا کہ ٹائیگر درحقیقت کتنی اذیت برداشت کر رہا ہے۔ ٹائیگر چند لمحوں تک تو بہرام کی طرف دیکھتا رہا... پھر اس کی آنکھوں سے کرب کے آثار غائب ہو گئے اور ان کی جگہ سختی اور عزم و حوصلے نے لے لی۔ اس کا دایاں ہاتھ آہستہ آہستہ ریلنگ پر جم گیا... لیکن اگلی ہی ساعت اس نے ہاتھ واپس کھینچ لیا۔ اس نے پلکیں جھپکی تھیں جس کا مطلب تھا کہ وہ ریلنگ پکڑنے میں کامیاب نہیں ہو سکے گا۔

قدرے توقف کے بعد ٹائیگر نے بایاں پاؤں زینے پر رکھا... پھر وہ پہلو میں جھک گیا اور اس نے اپنی پشت ریلنگ سے لگا کر سہارا لے لیا۔ اسی سہارے سے اُسے دوسرا قدم دوسرے زینے پر رکھنے میں کافی سہولت ہو گئی۔

بہرام اُسے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتا رہا۔ اس کی نگاہوں میں ٹائیگر کے لیے بے پناہ پسندیدگی اور فخر کا تاثر جھلک آیا... لیکن ٹائیگر اس سے بے نیاز اپنی چٹانی قوتِ ارادی سے کام لے کر آہستہ آہستہ زینے سے اُترتا رہا۔ قدم قدم زینہ اُتر کر وہ فرش پر پہنچ گیا تو اس کا چہرہ پسینے سے بھیگ گیا تھا اور اس کی کنپٹی پر ایک نس تیزی سے پھڑکتی دکھائی دینے لگی تھی۔

بہرام نے کار کا دروازہ کھول دیا۔

ٹائیگر لڑکھڑاتا اور لنگڑاتا ہوا کار تک پہنچا اور پھر بہرام کے پہلو والی سیٹ پر گر گیا۔

بہرام نے جھک کر ہاتھ بڑھایا اور ٹائیگر کی سمت کھلنے والا دروازہ بند کر دیا۔ اس نے ڈرائیو وے میں کار بڑی احتیاط سے بیک کی اور پھر اُسے پارکنگ سے نکال لایا۔

باہر سڑک پر آ کر اس نے کار کی رفتار تیز کر دی۔ ٹائیگر نے رفتار پیما کی طرف دیکھا۔ کار کی رفتار مجوزہ حد سے کافی زیادہ تھی۔ گویا بہرام قانون شکنی کا مرتکب ہو رہا تھا۔ نہ جانے کیوں ٹائیگر یہ دیکھ کر اپنی ذات پر فخر کرنے لگا۔ کار تیزی سے اپنی منزل کی طرف دوڑ

رہی تھی۔ اب بھی درد کی لہریں وقفے وقفے سے ٹائیگر کو بے تاب کر رہی تھیں۔ اس نے آنکھیں بند کر کے پشت گاہ سے سر ٹکا دیا۔

جب کار چھوٹی چھوٹی سڑکوں سے گزر کر ہائی وے پر پہنچ گئی تو اس نے بہرام کی آواز سن کر آنکھیں کھول دیں۔

"میں نے اس اپارٹمنٹ میں ایک لڑکی بھی دیکھی تھی۔" بہرام کہہ رہا تھا۔

"ہاں... وہاں ایک لڑکی تھی۔" ٹائیگر بڑبڑایا۔

"کیا اس لڑکی نے تمھیں زخمی کیا ہے؟"

"ہاں۔ اس نے میری دائیں ٹانگ کو ناکارہ کیا ہے۔" ٹائیگر نے جواب دیا... اور سوچ میں پڑ گیا۔ جب جولی نے اس کے دونوں کندھوں پر وار ڈالا تھا تو تکلیف کی زیادتی نے اسے فوری طور پر بے ہوش کر دیا تھا۔ اس لمحاتی بے ہوشی کے دوران میں جولی نے اُس کی دائیں ٹانگ کے جوڑ پر ضرب لگائی تھی... ویسی ہی ضرب جیسی اُس سے پہلے دو آدمی اس کے کندھوں پر لگا چکے تھے۔ اس کی ٹانگ ناکارہ کرنے کے بعد وہ دوبارہ اس کے کندھوں پر وار ڈالنے لگی تھی... اور پھر کسی لمحے میں ٹائیگر کو ہوش آ گیا تھا... لیکن ٹانگ کی حالت کا اُسے بہت دیر بعد اندازہ ہوا تھا... اُس وقت جب وہ دروازے سے باہر جھک آنے والی سیڑھیاں اُتر رہا تھا، اس وقت اُسے احساس ہوا تھا کہ کسی وجہ سے اس کی دائیں ٹانگ بھی اسی طرح تکلیف دہ حد تک ناکارہ ہو گئی ہے جیسے کہ اس کے دونوں کندھے ہوئے تھے۔ اُسے افسوس ہونے لگا کہ اس نے جولی کو زیادہ مہلت کیوں دی۔ اُسے چاہیے تھا کہ نفرت اور غصّے کی بُو محسوس ہوتے ہی اس سے نمٹ لیتا۔ اب اُسے حیرت ہو رہی تھی کہ اس نے جوڑ سے الگ ٹانگ کے باوجود بھی سے باتھ رُوم تک کیسے سفر کر لیا تھا۔ یہ چند قدموں کا فاصلہ شاید اس نے بے خبری کے عالم ہی میں طے کیا تھا... اور پھر اُس نے جیسے ہی بہرام سے رابطہ قائم کیا تھا۔ اُسے ٹانگ میں تکلیف شروع ہو گئی تھی۔ جس کے باعث وہ قالین پر گر کر بے ہوش ہو گیا تھا اور پھر اُس کی آنکھ بہرام کی آمد پر ہی کھلی تھی۔

"اور تمھارے دونوں کندھوں پر کس نے فن کا مظاہرہ کیا ہے؟" بہرام نے دریافت کیا۔ اُسے حیرت ہو رہی تھی کہ ٹائیگر محض ایک لڑکی کی ٹھوکر سے اپنی ایک ٹانگ ناکارہ کرا بیٹھا ہے۔

"دو دوسرے آدمیوں نے..." ٹائیگر نے سخت لہجے میں جواب دیا۔

"لیکن کیسے؟" بہرام نے اُلجھن سے پوچھا۔ "میرا تو خیال تھا کہ تم ہر قسم کا حملہ روکنے پر قادر ہو اور اس سلسلے میں تمھیں خاصی ٹریننگ دی گئی ہو گی۔"

"یہ خود کشی کے مترادف ٹھوکریں تھیں۔" ٹائیگر نے چبا چبا کر جواب دیا۔ "ایسی ٹھوکریں مارنے والے زندہ نہیں رہ سکتے تھے۔ وہ زندہ نہیں ہیں۔ جہنم رسید ہو گئے ہیں... لیکن میں بھی ناکارہ ہو گیا ہوں۔ اب مجھے ایک چیز کی شدید ضرورت ہے۔"

"ہاں۔ تمھیں ڈاکٹر کی ضرورت ہے۔"

"نہیں۔ مجھے ڈاکٹر کی نہیں بلکہ ایک آبدوز کی ضرورت ہے۔" ٹائیگر نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

"کیا تمھارے دماغ پر بھی کوئی ٹھوکر لگی تھی؟" بہرام نے چونک کر پوچھا۔

"نہیں۔ میرا دماغ بالکل درست ہے۔ مجھے ایک ایسی آبدوز کی ضرورت ہے جو مجھے فوری طور پر سناجو پہنچا سکے۔"

"وہ کیوں؟" بہرام کے لہجے میں شدید حیرت تھی۔ "شاید تم بھول رہے ہو کہ ان دونوں تمھارے فتے ایک اہم کام لگا گیا ہے۔ تمھیں میرے ایک ساتھی کی پُراسرار موت کا سُراغ لگا کر اُس کے قاتلوں کو بے نقاب کرنا ہے۔"

"کیا آپ کو وہ ضربیں یاد ہیں، جو اس مقتول کے جوڑوں پر لگی تھیں؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"ہاں..." بہرام نے جواب دیا۔

"اب تک مجھے ویسی ہی تین چوٹیں لگ چکی ہیں... اور چوتھی ضرب سناجو میں میرا انتظار کر رہی ہے۔" یہ کہتے ہوئے ٹائیگر کے حلق سے ایسی خوفناک غراہٹ نکلی کہ بہرام بھی پورے جسم سے کانپ کر رہ گیا۔ اس نے ٹائیگر کو پہلے کبھی اس قدر درندگی کے لہجے میں بات کرتے نہیں سُنا تھا۔

"میں... میں تمھارا مطلب نہیں سمجھا۔" بہرام نے حیرت سے کہا۔ اُسے ابھی تک صورتِ حال سمجھ میں نہیں آئی تھی... اور چونکہ معاملہ خود ٹائیگر کی سمجھ سے بھی بالاتر تھا۔ اُسے جو کچھ معلوم تھا، یہ اُس کی ذہنی قوت نے اُسے بتایا اور سمجھایا تھا۔ اس لیے وہ اس کی وضاحت نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے اپنے لہجے پر قابو رکھتے ہوئے کہا۔ "آپ کو اس سلسلے میں ذہن پر زور ڈالنے کی ضرورت نہیں۔ صرف یہ سمجھ لیں کہ اُوشان کی زندگی خطرے میں ہے اور مجھے ہر حال میں فوری طور پر سناجو پہنچنا ہے۔"

"لیکن تمھارے لیے تو چلنا بھی دوبھر ہو رہا ہے۔ ایسی حالت میں تم اُوشان کے لیے کیا کر سکو گے؟"

"میں اس سلسلے میں کچھ نہ کچھ ضرور سوچ لوں گا۔ مجھے بہرحال اُوشان کے پاس ہونا چاہیے۔ کوئی اندرونی قوت مجھے بار بار پکار... رہی ہے۔"

اُس نے کن انکھیوں سے ٹائیگر کی طرف دیکھا۔

"مجھے افسوس ہے، ٹائیگر! تم نہیں جاسکتے، میں تمھیں اس کی اجازت نہیں دے سکتا۔" بہرام کا لہجہ بے حد ٹھوس تھا۔

"جو بھی اخراجات ہوں گے، میں وہ اپنی جیب سے ادا کروں گا۔" ٹائیگر کا لہجہ ایک بار پھر خوفناک ہوگیا۔

"اخراجات کا معاملہ نہیں ہے۔" بہرام نے کہا۔ "اُوشان کا معاملہ دوسرا ہے۔ اس کا تعلق سنا نجو سے ہے جبکہ تم تبریزہ فردوس کے باشندے ہو۔ اگر تم ان سمندروں میں غیر قانونی سفر کرتے ہوئے پکڑے گئے تو اس سے بین الاقوامی اُلجھنیں پیدا ہوسکتی ہیں۔ علاوہ ازیں اس بات کا بھی خدشہ ہے کہ ہماری آبدوز ہی کو اُڑا دیا جائے۔ ایسی صورت میں ہم احتجاج بھی کرنے کے قابل نہیں ہوں گے۔" بہرام نے اُسے عالمی سیاسی صورتِ حال کے پیشِ نظر اپنی مجبوریوں سے آگاہ کرتے ہوئے کہا۔

"اور اگر گل کے اخبارات میں ان کارناموں کا احوال شائع ہوگیا جو مجھ سے سرزد ہوچکے ہیں تو کیا ہوگا؟" ٹائیگر کا لہجہ بدستور بگڑا رہا۔

"گویا تم مجھے بلیک میل کرنا چاہتے ہو؟"

"نہیں میں تمھیں بلیک نہیں بلکہ سفید میل کرنا چاہتا ہوں۔ اگر تم مجھے سنا نجو نہیں بھجوا سکتے تو میرا استعفا قبول کرو۔ میں خود ہی چلا جاؤں گا۔"

"کیا تم نہیں جانتے کہ تمھارا استعفا قبول نہیں کیا جاسکتا۔ تم زندگی کے آخری لمحے تک چارہ گر کے غلام ہو۔ استعفے کا مطلب تمھاری موت ہے ٹائیگر... اور تمھاری موت ہم سب کی موت ہے۔"

"میں وعدہ کرتا ہوں کہ مرنے کے لیے تمھارے پاس واپس ضرور آؤں گا۔" ٹائیگر کا لہجہ اس بار اتنا عجیب ہوگیا کہ بہرام ٹھنڈے دل سے اس کی باتوں پر غور کرنے کے لیے مجبور ہوگیا۔

"تم جذباتی ہو رہے ہو، برخوردار۔" بہرام غرّایا۔

"یہ جذباتیت بھی انسانی فلاح و بہبود کے حق میں ہے میں جس کیس پر کام کررہا ہوں۔ اس کی جڑیں سنا نجو میں ہیں۔ آپ کا کیا خیال ہے، اُوشان ان حالات میں وہاں کیوں گیا ہے؟"

"تمھارا مطلب ہے کہ..."

"ہاں..." ٹائیگر نے زور دے کر کہا۔ "بالکل یہی بات ہے۔ میرا وہاں جانا بے حد ضروری ہے۔ اگر آپ چارہ گر کو زندہ رکھنا چاہتے ہیں تو میری بات مان لیں۔"

بہرام گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ اس نے کوئی جواب نہ دیا اور خاموشی سے دُرانیو کو تارا ہوتی کہ گاڑی ایک موٹل کے پہلو میں ایک کمرے کے دروازے کے سامنے جاکر کھڑی ہوگئی۔ یہ بھی چارہ گر کا ایک موٹل تھا اور اس کے ایک کمرے کو بہرام نے بعض مقاصد کے تحت مخصوص کر رکھا تھا۔

کھٹکھٹا کر بہرام نے ٹائیگر کو اُترنے میں مدد دی اور پھر اُسے سہارا دے کر کمرے میں لے گیا۔ اُسے بستر پر لے جاکر بٹھا دیا اور خود باہر چلا گیا۔

بیس منٹ بعد بہرام واپس آیا تو اس کے ساتھ ایک آدمی تھا جس نے سوٹ پہن رکھا تھا اور اس کے ہاتھ میں ایک چرمی میڈیکل باکس تھا۔ یہ ایک ڈاکٹر تھا جس نے آتے ہی بڑی خاموشی اور انہماک سے ٹائیگر کا معائنہ شروع کردیا۔ لیکن ٹائیگر اس سے تعاون پر آمادہ نہیں تھا۔

"مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ چیخ پڑا۔ "اُوشان چند لمحوں میں میرا علاج کردے گا۔"

ڈاکٹر معائنے سے فارغ ہوکر بہرام کو ایک طرف لے گیا اور دونوں سرگوشیوں میں باتیں کرنے لگے۔

"اس آدمی کو اسپتال میں داخل کرنا پڑے گا۔" ڈاکٹر نے دھیمی آواز میں کہا۔ "اس کے دونوں کندھے جوڑوں سے الگ ہوگئے ہیں۔ دائیں ران کے اہم رشتے پھٹ گئے ہیں۔ میں حیران ہوں کہ یہ نوجوان کس چیز کا بنا ہوا ہے۔ اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو اب تک محض اذیت کی وجہ سے ہی دم توڑ چکا ہوتا۔ یہ اس صدی کا حیرت انگیز اور ناقابلِ یقین مظہر ہے کہ میں اس حالت میں کسی کو زندہ دیکھ رہا ہوں... اور میرا خیال ہے کہ یہ شخص محض اپنی قوتِ ارادی کے بل بوتے پر زندہ ہے ورنہ اسے تو گھنٹوں پہلے ہلاک ہوجانا چاہیے تھا۔"

بہرام خاموش رہا۔ وہ کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا تھا۔

"آپ نے اسے کار میں لاکر غلطی کی۔ اس کو لانے کے لیے ایمبولینس طلب کرنی چاہیے تھی۔"

"ٹھیک ہے۔ ڈاکٹر۔" بہرام نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "تم جو کچھ کرسکتے ہو کرو۔ اسے ابتدائی طبی امداد دو۔ اس کے بعد میں اسے اسپتال میں داخل ہونے کے سلسلے میں قائل کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔"

ڈاکٹر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

بہرام کی مدد سے ڈاکٹر نے ٹائیگر کے منع کرنے کے باوجود اس کے دونوں کندھوں پر اس انداز میں پٹی باندھ دی کہ جوڑوں پر مزید کھنچاؤ اور بوجھ نہیں پڑ سکتا تھا۔ کندھوں کی طرف سے فارغ ہوکر اُس نے دائیں ٹانگ کے جوڑ کی طرف توجہ دی اور وہاں بھی بھاری بھرکم پٹیاں باندھ دیں۔ اب ٹائیگر اپنی حرکات کے ذریعے جوڑوں کو

کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا تھا۔ اس کے علاوہ یہ امکان بھی پیدا ہو گیا تھا کہ اس کے جوڑوں کے ریشے اپنی سابقہ حالت میں آنا شروع ہو جائیں۔ سب سے آخر میں ڈاکٹر نے اپنے چرمی بیگ سے انجکشن لگانے کی سرنج نکال لی اور اس میں ایک سیال بھرنے میں مصروف ہوگیا۔

"کیا یہ دوا مجھے بے ہوش کردے گی؟" ٹائیگر نے پوچھا۔ اس کے لہجے میں نرمی آگئی تھی۔

"اس دوا سے تمھاری تکلیف کا احساس کافی حد تک کم ہوجائے گا۔"

"نہیں، تم ایسا نہیں کرسکتے۔" یکایک ٹائیگر کا موڈ پھر خراب ہوگیا۔

"لیکن تمھیں بہت زیادہ تکلیف ہے۔" ڈاکٹر نے اُسے سمجھانے کی کوشش کی۔ "یہ تکلیف بڑھ کر تمھارے دل و دماغ پر بھی اثر انداز ہوسکتی ہے۔ اس سے تمھاری حرکتِ قلب بند ہوسکتی ہے اور ذہنی توازن بھی بگڑ سکتا ہے۔ اس انجکشن سے تمھیں کافی سکون ملے گا۔"

"مجھے کسی سکون کی ضرورت نہیں۔" یہ کہہ کر وہ بہرام کی طرف متوجہ ہوا۔ "چیف! آپ بھول گئے کہ ایک بار صرف ہیمبرگر کھانے کے بعد مجھے اسپتال جانا پڑ گیا تھا۔ میرے جسمانی نظام میں کوئی دوا مِلنی چاہیے۔ علاوہ ازیں میں اپنی نسوں میں کوئی دوا برداشت نہیں کرسکتا اگر ایسی بات ہوتی تو میں کسی بھی دوا فروش سے کوئی دوا لے کر درد سے نجات حاصل کرچکا ہوتا۔"

بہرام نے اُس کی باتیں سُن کر ڈاکٹر کی طرف دیکھا اور تائید میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "یہ ٹھیک کہتا ہے، ڈاکٹر۔ اسے تکلیف برداشت کرنے دو۔ یہ اسے برداشت کرسکتا ہے۔ لہٰذا اسے انجکشن مت لگاؤ۔"

ڈاکٹر نے اظہارِ حیرت میں پلکیں جھپکائیں اور بڑبڑایا۔ "یہ دُنیا کا عجیب ترین اور غیر معمولی آدمی ہے۔"

"ہاں... کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں۔" بہرام نے کہا اور دروازہ کھول دیا جس کا صاف مطلب تھا کہ ڈاکٹر کا کام ختم ہوگیا ہے اور اب اسے رُخصت ہوجانا چاہیے۔

ڈاکٹر نے اپنا بیگ بند کیا اور ایک بار پھر ٹائیگر کی طرف دیکھا جس کے چہرے، جس کی آنکھوں اور جس کے ہونٹوں سے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ سراپا مسکراہٹ ہو۔ اس کو دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ اُسے اس قدر غیر معمولی چوٹیں بھی آئی ہوں گی۔

بہرام نے ڈاکٹر کا بیگ اُٹھا لیا اور اُسے باہر کار تک چھوڑنے گیا تو اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے بولا۔ "ڈاکٹر، تمھاری آمد کا بے حد شکریہ۔ تم اس موقعے پر بے حد مددگار ثابت ہوئے ہو۔"

"میں نے اپنا فرض ادا کیا ہے، مسٹر بہرام۔ میرا شکریہ ادا کرنے کی ضرورت نہیں... ویسے میں اس مریض کو زندگی بھر نہیں بھول سکوں گا۔"

"بہتر ہوگا کہ اسے بھول جانا۔" بہرام نے مسکرا کر کہا لیکن اُس کا لہجہ ایسا ہی تھا جیسے وہ ڈاکٹر کو حکم دے رہا ہو۔

ڈاکٹر نے اثبات میں سر ہلایا اور اپنی کار کا دروازہ کھول کر ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔ اگلے ہی لمحے وہ اپنی کار میں واپس جارہا تھا لیکن گیٹ سے نکلتے وقت اس نے متعدد بار پٹ کر دیکھا تھا۔

کار نگاہوں سے اوجھل ہوگئی تو بہرام واپس اندر آگیا۔ وہ دروازے سے چند قدم اندر آکر ٹائیگر کی طرف دیکھتا رہا... اب اس کے انداز میں پہلے جیسی تشویش نہیں تھی کیونکہ ڈاکٹر کے جاتے ہی ٹائیگر بستر پر اُٹھ بیٹھا تھا۔

"ہاں تو چیف!" ٹائیگر نے تروتازہ لہجے میں کہا۔ "وہ کہاں ہے؟"

"کیا کہاں ہے؟" بہرام نے چونک کر دریافت کیا۔ "تم لیٹے کیوں نہیں رہتے؟"

"اس لیے کہ میں ابھی مرنا نہیں چاہتا۔" ٹائیگر نے ٹھوس لہجے میں جواب دیا۔ "میں متحرک رہوں۔ تب ہی ٹھیک رہ سکتا ہوں۔"

"تم کس چیز کے بارے میں پوچھ رہے تھے کہ وہ کہاں ہے؟" بہرام نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"آب دوز..." ٹائیگر نے بڑے ہی ناقابلِ فہم لہجے میں کہا۔

"ایک وقت میں ایک کام۔" بہرام نے انگلی چھت کی طرف اُٹھا کر کہا۔

"جو شخص اس انداز میں کسی ڈاکٹر کو طلب کرسکتا ہے، اس کے لیے محض ایک فون کال کرکے آبدوز کا بندوبست کرنا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔" یہ کہہ کر ٹائیگر لیٹ گیا اور اس نے آنکھیں بند کرلیں۔

اس کے ذہن میں ایک بار پھر ان آوازوں کا سلسلہ شروع ہوگیا تھا جو اُسے بُلا رہی تھیں... اُسے پکار رہی تھیں۔ وہ ان آوازوں کو سُن رہا تھا۔ اس کے دل میں ایک ہُوک سی اُٹھ رہی تھی۔ اُسے افسوس ہو رہا تھا کہ جب اُوشان گیا تھا تو وہ اس کے ساتھ ہی کیوں نہیں چلا گیا تھا۔ یکایک اُسے یاد آگیا کہ اُوشان نے جانے سے قبل اُسے کیا کہا تھا۔ اُوشان نے دعوا کیا تھا کہ وہ سنا نجو ضرور آئے گا۔ اس وقت ٹوٹا ٹیگر نے یہ بات ہنس کر ٹال دی تھی... بلکہ اُوشان کا مضحکہ بھی اُڑایا تھا لیکن اب اُسے اندازہ ہو رہا تھا کہ اُوشان کی رُوحانی قوتوں نے اسے مستقبل کے بارے میں پہلے سے بہت کچھ بتا دیا تھا۔

بحریہ کا کیپٹن ٹی، اُوشان کو دُشمن کے پانیوں میں سفر کرنے کے بعد سنانجو پہنچا کر واپس آگیا تھا لیکن اب بھی اُسے اُوشان بھولا نہیں تھا۔ اُسے حیرت تھی کہ شاید اعلا افسران کا دماغ چل گیا ہے، جو ایک بُوڑھے اور ناکارہ آدمی کے لیے اپنی قیمتی آبدوز ہی نہیں، اُس کا پُورا عملہ بھی داؤ پر لگا دیتے ہیں۔ اس سے قبل وہ ہمیشہ اپنی آبدوز میں سونا اور خشک غذا کے علاوہ پارچہ جات لے کر سنانجو جاتا رہا تھا اور اُسے اس بات پر بہت ہنسی آتی تھی کہ جتنا مال وہ وہاں لے کر جاتا تھا، اُس سے کہیں زیادہ قیمتی وہ آبدوز تھی جسے وہ دُشمن کی بحری حدود سے گزار کر، چوری چھپے سنانجو پہنچاتا تھا۔

اُوشان بلوآتا تو اُس کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے کیونکہ اُس نے اپنے خفیہ سفر کے دوران میں ... بھی کہ وہ ٹی۔ وی پر اپنا پسندیدہ پروگرام دیکھنا چاہتا ہے۔ اگر ایسا ہوتا ... دیکھتا اُن کی آبدوز دُشمن کی نگاہوں میں آجاتی اور اُنھیں یا تو تباہ کر دیا جاتا... یا پھر وہ قید کر لیے جاتے۔ یہ سب کچھ بے حد حیرت انگیز، ناقابلِ یقین اور حماقت آمیز تھا۔ اس لیے وہ جب بھی کہیں دوستوں میں بیٹھتا تھا، اس بات کا تذکرہ ضرور کیا کرتا تھا۔

ابھی وہ اپنے دفتر میں آکر بیٹھا ہی تھا کہ اُسے فون کال کے بارے میں اطلاع ملی۔ وہ چونک پڑا۔ "ٹھیک ہے، میں ایک منٹ میں آتا ہوں۔" اُس نے انٹرکام پر کہا۔

"کال، ہیڈ کوارٹر سے ہے جناب!" اُس کے ماتحت افسر نے کہا۔ "جلدی کیجیے۔"

کیپٹن ٹی کے ذہن میں فوراً ہی اپنا خفیہ مشن گھوم گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں اُسے اُسی بُوڑھے کو واپس لانے کے لیے تو نہیں بھیجا جائے گا؟ وہ اپنے ماتحت افسر سے اس بات کا تذکرہ کرنا ہی چاہتا تھا کہ کسی خیال کے تحت زبان بند رکھی اور تیزی سے فون کی طرف بڑھ گیا۔

فون پر اُسے ہدایت کی گئی کہ ایک شخص اُس کے پاس بھیجا جا رہا ہے۔ اس شخص کے ذریعے، اسے سربمہر احکامات بھیجے جا رہے ہیں۔ جو ٹاپ سیکرٹ ہیں۔ وہ ان احکامات کے سلسلے میں کسی سے کوئی بات نہیں کرے گا اور جو کچھ بھی کہا گیا ہے، اُن پر خاموشی سے عمل کرے گا۔ یہ احکامات لے کر جو شخص آنے والا تھا، اُس سے ملاقات جہاز پر طے پائی تھی، اس لیے اُسے فوری طور پر اپنی آبدوز کی طرف روانہ ہو جانا چاہیے تھا۔

کیپٹن کا ارادہ تھا کہ وہ کُل دنوں کا راکھا ہُوا دفتری کام نمٹا کر آفیسرز کلب جائے گا جہاں اُس نئے ایک حسین خاتون کو ملاقات کا وقت دے رکھا تھا... لیکن حکم حاکم مرگ مفاجات کے مترادف اُسے اپنی آبدوز کی طرف جانا تھا۔ وہ دفتر سے نکل کر یوں چلنے لگا جیسے اُس کو سزائے موت کا حکم سُنایا گیا ہو اور وہ تختۂ دار کی طرف جا رہا ہو۔ اُس کا دل شدت سے دھڑک رہا تھا کیونکہ آبدوز میں کسی شخص سے ملاقات کا واضح مطلب تھا کہ اُسے پھر کوئی خفیہ مہم درپیش ہے۔

وہ جب آبدوز میں پہنچا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ پُورا عملہ وہاں موجود ہے۔ ایک فوجی آفیسر تیزی سے آگے بڑھا اور بولا۔ "ہمیں ایک مُسافر کو لے جانا ہے۔"

"کوئی اور چاند کی مخلوق؟" کیپٹن نے طنزیہ لہجے میں دریافت کیا۔

"جی نہیں... وہ ایک نوجوان ہے۔ غالباً ایشیائی باشندہ ہے۔ وہ کچھ زخمی معلوم ہوتا ہے۔ وہ ایک چھڑی کے سہارے چلتا ہے۔ میں نے اُسے اپنے کیبن میں بٹھا رکھا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" کیپٹن نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "دیکھتا ہُوں کہ ہماری حکومت، اس بار مجھ سے کون سا احمقانہ کام لینا چاہتی ہے۔"

وہ ماتحت افسر کی قیادت میں اس کمرے کی طرف بڑھ گیا جہاں مُسافر کی موجودگی کا بتایا گیا تھا۔ کیپٹن نے کیبن کے دروازے پر دستک دی اور اندر سے کوئی جواب ملنے کا انتظار کرنے لگا۔

"کون ہے؟" کیبن کے اندر سے دریافت کیا گیا۔

"میں، آب دوز کا کپتان ٹی ہُوں، جناب!" اُس نے بُرا سا مُنہ بنا کر جواب دیا۔

"تم کیا چاہتے ہو؟" اس بار بڑے ناگوار لہجے میں دریافت کیا گیا تھا۔

"میں، آپ سے بات کرنا چاہتا ہُوں۔" کیپٹن کے انداز میں کوشش کے باوجود جھلاہٹ کا تاثر پیدا ہو گیا۔

"ٹھہرو..." اندر سے کہا گیا اور پھر آواز آئی: "اندر آجاؤ کیپٹن!"

کیپٹن دروازہ کھول کر کیبن میں داخل ہُوا تو اُس نے دیکھا کہ نیا مُسافر بستر پر لیٹا ہُوا تھا۔ اُس نے اسپورٹس کا لباس زیبِ تن کر رکھا تھا اور اُس کے دونوں کندھوں پر زبردست پٹیاں بندھی ہُوئی تھیں۔ علاوہ ازیں اس کی دائیں ران بھی پٹیوں سے لپٹی نظر آرہی تھی۔ بستر کے قریب ایک چھوٹے سے ڈیسک کے سہارے ایک چھڑی رکھی ہُوئی تھی۔

"اوہ، کہو نوجوان!" کیپٹن نے خوش دلی سے کہا۔ "کہیں تم یہ تو نہیں چاہتے کہ ہم تمھیں پاتال میں پہنچا دیں؟" یہ کہہ کر اُس نے قہقہہ لگایا تھا اور اُسے توقع تھی کہ نوجوان اس مذاق سے لطف اندوز ہونے کے بعد یقیناً کوئی چٹکلہ سُنائے گا جس پر وہ ہنسے گا... لیکن ایسا نہیں ہُوا۔ نوجوان نے بڑے ہی ٹھوس اور سرد لہجے میں جواب دیا تھا۔

"نہیں، تم مجھے سنانجو پہنچاؤ گے۔" نوجوان نے سر سے ڈیسک کی طرف اشارہ کیا جس پر ایک دفتی لفافہ رکھا ہُوا تھا۔ "اس لفافے میں ہمارے جملہ احکامات موجود ہیں۔"

کیپٹن ٹی کا موڈ تو سنانجو کا نام سُنتے ہی خراب ہو گیا تھا۔ اُس نے دل سے قدم بڑھا کر ڈیسک سے وہ لفافہ اُٹھا لیا اور اس انداز میں لفافہ ... کر کے کاغذات نکالے جیسے کسی بہت ہی بُری خبر کی توقع رہی ہو۔ لفافے پر ٹاپ سیکرٹ لکھا ہُوا تھا۔ یہ آرڈرز بھی بالکل ویسے ہی تھے جیسے وہ، اُوشان کے سلسلے میں وصول کر چکا تھا۔

"کیا آپ کا سامان، آبدوز میں پہنچ چکا ہے؟" کیپٹن نے احکامات پڑھنے کے بعد دریافت کیا۔

"میں سامان کے ساتھ سفر کرنا پسند نہیں کرتا۔"

یہ سُن کر کیپٹن نے ایک طویل سانس لی اور نہ وہ ڈر رہا تھا کہ کہیں نوجوان بھی بُوڑھے اوشان کی طرح خبطی نہ ہو۔ اُوشان اتنے بھاری بھرکم سامان کے ساتھ سفر کرتا تھا کہ اُنھیں لادنے اور اتارنے میں اس کے عملے کو دانتوں پسینہ آگیا تھا۔ "تم ایک منفرد قسم کے مُسافر ہو... اور میں نے تمھیں پہلی نظر میں پسند کر لیا ہے۔"

"علاوہ ازیں..." نوجوان نے پہلی بار نرمی سے کہا... "مجھے ... وی ڈراموں سے بھی کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

"اُس اعتبار سے تو تم دُنیا کے منفرد ترین مُسافر قرار پا سکتے ہو۔"

"میری منفرد ترین عادت یہ ہے کہ میں محفل سے گریز کرتا ہُوں ... بلاوہ بک بک پسند نہیں کرتا۔ میں فضائی ضروریات کے سلسلے میں بھی ... خاص تقاضا نہیں کروں گا۔ کیونکہ مجھے صرف چاولوں سے رغبت ... ہیں ہُوا، شوربا وغیرہ قسم کی شکایات بھی نہیں کروں گا۔ اس لیے ... جلد بھی ممکن ہو، مجھے سنانجو پہنچا دو۔"

"میری بھی یہی کوشش ہو گی، نوجوان! کہ تمھیں وہاں جلد سے جلد پہنچا کر اپنی گردن اس معاملے سے نکال لی جائے۔" کیپٹن نے ایک بے چینی کا مظاہرہ کیا۔

"تو پھر اب تم سے سنانجو جا کر ہی ملاقات ہو گی۔" ٹائیگر نے ... میں سوہنا ہُوں۔" یہ کہہ کر اُس نے آنکھیں بند کر لیں۔

... اور یہ آخری بات چیت تھی جو کیپٹن اور اُس نوجوان مُسافر ... میان ہُوئی تھی اور اس کے بعد کیپٹن نے اس کے بارے میں ... کسی آدمی سے کوئی بات سُنی تھی اور نہ ہی اس مُسافر کو دوبارہ ... تھا حتیٰ کہ وہ مغربی کوریا کی خلیج میں داخل ہو گئے... تب پہلی ... سفر کے دوران، اُسے کیبن کی طرف جانا پڑا تاکہ وہ نوجوان مُسافر ... سکے کہ اُن کی آبدوز سطحِ آب پر اُبھرنے کی تیاری کر رہی ہے۔

"مجھے ایک رافٹ اور ایک آدمی کی ضرورت پڑے گی جو مجھے آبدوز سے ساحل تک پہنچا دے۔ میرے کندھے میں تیرنے یا کشتی کھینچنے کی اجازت نہیں دیتے، ورنہ میں سنانجو تک یہ طویل سفر تیر کر بھی طے کر سکتا تھا۔"

"ٹھیک ہے۔" کیپٹن نے مُسکرا کر کہا۔ "کیا تمھیں ساحل پر بھی کسی قسم کی مدد چاہیے ہو؟"

"میرا خیال ہے کہ اس کی ضرورت نہیں پڑے گی کیونکہ وہاں کوئی نہ کوئی میرا منتظر ہو گا۔"

"مجھے اس میں شبہ ہے۔" کیپٹن نے کہا۔ "اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم پروگرام سے کچھ پہلے منزلِ مقصود تک پہنچ گئے ہیں۔ اگر کسی کو تمھارے استقبال کے لیے آنا ہے تو تمھیں ساحل پر بیٹھ کر اس کا انتظار کرنا پڑے گا۔"

"اس کے باوجود، وہاں کوئی نہ کوئی ضرور موجود ہو گا۔" ٹائیگر نے پُریقین لہجے میں کہا اور اپنی ایڑی اور دوسرے پاؤں کے پنجے کی مدد سے نرم نرم جُوتے پہننے کی کوشش کرنے لگا۔

جب آبدوز سطحِ آب پر پہنچی اور کیپٹن ٹی نے ساحل کی طرف دیکھا تو اُسے وہاں ایک بُوڑھا دکھائی دیا جو بے چینی سے ٹہلے جا رہا تھا اور آبدوز کو دیکھتے ہی اُس نے خوشی و اُمید کے انداز میں ہاتھ لہرانا شروع کر دیا تھا۔

"ہاں... یہ تو واقعی یہاں موجود ہے۔" وہ زیرِ لب بولا۔ "میرا خیال ہے، میں نے اسے جب سے یہاں اُتارا ہے، یہ بُوڑھا تب سے یہیں اس آخری نوجوان کا انتظار کر رہا ہے۔ اب یہ جا رہا ہے تو غالباً دونوں کسی ایسے بیوقوف کا انتظار شروع کر دیں گے جسے میں اگلے پھیرے میں یہاں لاؤں گا۔ معلوم ہوتا ہے، میرے اعلا افسران پاگل ہو گئے ہیں۔ نہ جانے کب تک میں ان پاگلوں کو اس سرزمین پر ڈھوتا رہوں گا۔"

"میں، آپ کا مطلب نہیں سمجھا کیپٹن؟" اس کے ماتحت افسر نے حیرت سے کہا۔ غالباً وہ اُس کی بڑبڑاہٹ سے اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گیا تھا کہ کیپٹن، اُس سے مخاطب ہے۔

"سطحِ آب... مُسافر کو ساحل پر بھجوانے کا کام مکمل کرو۔" کیپٹن نے خیالوں سے اُبھرتے ہُوئے کہا۔ "اور جلدی کرو، کہیں یہ بُوڑھا آبدوز میں نہ گھس آئے۔ یہ بڑے ہی نرالے شوق رکھتا ہے۔"

ماتحت افسر مُسکراتا ہُوا چلا گیا۔

★★

"ہُوں... تو میں اپنی منزل پر پہنچ ہی گیا۔" ٹائیگر نے زیرِ لب کہا۔

دو فوجی، ربر کی کشتی کو کھینچتے ہُوئے ساحل تک لائے تھے... اُنھوں نے چپوؤں کی مدد سے کشتی کو واپس گہرے پانی کی طرف دھکیلا

اور ٹائیگر انھیں واپس آبدوز کی طرف جاتے ہوئے دیکھنے لگا... پھر وہ اُوشان کی طرف متوجہ ہو گیا۔

اُوشان کے چہرے پر مُسکراہٹ اور خوشی کے گہرے تاثرات تھے۔ وہ اُس سے ملنے کے لیے لپکتا ہُوا چلا آ رہا تھا۔ "لو، وہ آ گیا..." وہ مضحکہ خیز لہجے میں بولا۔ "مشرق کا سپیرا... سانجو کی دُنیائے دانش کا سُورج... شہزادہ ٹائیگر۔"

اُس کے انداز سے ٹائیگر یہ اندازہ نہ لگا سکا کہ اُوشان اُس کا مذاق اُڑا رہا ہے یا واقعی اُسے دیکھ کر بے پناہ خوشی کا اظہار کر رہا ہے۔

وہ جھونپڑی کے سہارے اُوشان کی طرف بڑھتا رہا۔ اُوشان دونوں ہاتھ پھیلائے اُس کی طرف آ رہا تھا کہ اچانک پہلی بار اُسے احساس ہُوا کہ ٹائیگر جھونپڑی کے سہارے چل رہا ہے۔ وہ ٹھٹک گیا... پھر جیسے اُس پر دیوانگی طاری ہو گئی۔

"آ... آ... آ... ہی ہی ہی۔" اُس نے ایک دل خراش چیخ ماری۔ اس کا دایاں ہاتھ فضا میں لہرایا۔ ایسی آواز پیدا ہُوئی جیسے کسی نے شمشیر سے ہَوا کا جھونکا کاٹ دیا ہو۔ اُوشان کے ہاتھ کا کنارا، جھونپڑی سے ٹکرایا۔

ٹائیگر نے جلدی سے اپنا بوجھ جھونپڑی سے ہٹا لیا... اُس نے بمشکل خود کو سنبھالا ورنہ شاید وہ واپس پانی میں گر گیا ہوتا۔ اُس کے ہاتھ میں جھونپڑی کی مُٹھ اب بھی دبی ہُوئی تھی لیکن وہ اس جھونپڑی کا سہارا نہیں لے سکتا تھا کیونکہ جھونپڑی درمیان سے دو ٹکڑے ہو گئی تھی اور اس کا نچلا نصف حصّہ نہ جانے کہاں اُڑ گیا تھا۔

"مجھے اس کی ضرورت تھی ٹِل فادر!" ٹائیگر نے احتجاج کیا۔

اُوشان کے جبڑے بھنچ گئے اور اُس کی آنکھیں خُون اُگلتی ہُوئی بٹیوں کی طرح دکھائی دے رہی تھیں۔ ٹائیگر نے اُسے پہلے کبھی اس قدر غصّے میں نہیں دیکھا تھا۔

"میں نہیں جانتا کہ میرے جانے کے بعد تمھیں کیا سکھایا جاتا رہا ہے۔" کچھ دیر بعد وہ خود کو سنبھالتے ہُوئے ایک طویل سانس لے کر بولا۔ "لیکن سانجو کی حدُود میں اس کا کوئی شاگرد جھونپڑی کا سہارا لے کر نہیں چل سکتا۔ لوگ دیکھیں گے تو میرا مذاق اُڑائیں گے۔" وہ رُک گیا جیسے مزید بولنے کے لیے الفاظ نہ مل رہے ہوں۔

ٹائیگر نے واضح طور پر محسوس کیا تھا کہ وہ اُس کی حالت دیکھ کر شدید صدمے سے دوچار ہُوا ہے اور اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ وہ کیا کہے یا کیا کرے۔

"تمھیں ایسی کیا تکلیف ہے جس کی وجہ سے تم جھونپڑی کے سہارے چلنے پر مجبور ہو گئے ہو؟"

"تین حملے، ٹِل فادر... دو کندھے اور ایک ٹانگ..." ٹائیگر نے ندامت سے جواب دیا۔

اُوشان چونک پڑا۔ اُس نے ٹائیگر کے چہرے کی طرف دیکھا... غالباً وہ یہ ٹٹول رہا تھا کہ خود ٹائیگر ان حملوں کا مفہوم جانتا ہے یا نہیں؟ ٹائیگر کے ہونٹ سختی سے بھنچے ہُوئے تھے اور وہ بمشکل ضبط کر رہا تھا۔ اُوشان سمجھ گیا کہ وہ سب کچھ جانتا ہے۔

"ٹھیک ہے، فرزند!" اُوشان نے اس انداز میں کہا جیسے اُس نے کسی خاص وجہ کے تحت ٹائیگر کو معاف کر دیا ہو۔ "چلو، میرے گھر چلو... ہاؤس آف سانجو میں تمھارا علاج موجود ہے۔"

اُوشان پلٹ کر ساحل کے ساتھ ساتھ چل دیا۔ ٹائیگر چند لمحوں تک تو کھڑا بے بسی سے اس کی طرف دیکھتا رہا... پھر وہ صحت مند ٹانگ کے سہارے اُچھلتا، کُودتا ہُوا لنگڑوں کی مانند اُوشان کے پیچھے چل دیا... لیکن وہ اُوشان کا ساتھ دینے میں کامیاب نہ ہو سکا... کیونکہ اُوشان نے تیزی سے چلتے ہُوئے اُس کے اور اپنے درمیان فاصلہ بڑھا لیا تھا۔

ٹائیگر نے اُسے آواز دے کر رُکنے یا آہستہ چلنے کے لیے نہیں کہا بلکہ وہ جیسے تیسے لُڑھکتا ہُوا چلتا رہا۔ اُس کی حالت ہر گزرتے ہُوئے لمحے کے ساتھ ابتر ہوتی جا رہی تھی لیکن نہ جانے کیوں اُوشان کے پاس پہنچنے کے بعد وہ ہر تکلیف اور ہر خوف و خدشے سے بے نیاز ہو گیا تھا۔ اب اُسے اپنی کوئی پروا نہیں تھی۔ اگر اُس کی بوٹی بوٹی بھی الگ ہو جاتی تو شاید وہ اُف نہ کرتا۔

یکایک اُوشان رُک گیا۔

اُس نے اس انداز میں اطراف کا جائزہ لیا جیسے کوئی شہنشاہ اپنی مملکت کا جائزہ لیتا ہے۔ اُس نے ایک سرسری نگاہ ٹائیگر پر بھی ڈالی لیکن بڑھ کر اُسے سہارا دینے کی کوشش نہیں کی۔ جب ٹائیگر اُس کے قریب پہنچ گیا تو وہ ایک بار پھر چل دیا۔ اس مرتبہ اُس کی رفتار زیادہ تیز نہیں تھی۔ اس لیے لڑکھڑا کر چلنے کے باوجود ٹائیگر کو اُس کے قریب رہ کر چلنے میں کوئی دُشواری نہیں ہو رہی تھی۔

تقریباً پچاس گز چلنے کے بعد اُوشان رُک گیا اور اُس نے ایک طرف اشارہ کرتے ہُوئے کہا۔ "وہ دیکھو، سامنے ایک ایسی عمارت ہے، جسے مچھلیاں رکھنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔"

"یہاں مچھلیاں اسٹور کی جاتی ہیں؟"

"ہاں... بلکہ یہاں انھیں باقاعدہ پالا بھی جاتا ہے۔" اُوشان نے بڑے فخر سے بتایا۔

ٹائیگر نے اس عمارت کی طرف دیکھا جو ساری کی ساری لکڑی

کی بنی ہُوئی تھی۔ اس عمارت کو دیکھ کر دُور سے یُوں پتہ چلتا تھا جیسے وہ کوئی آسیب گھر ہو۔ اُس کا ایک حصّہ پانی میں تھا اور اس جگہ سے پانی کو تختوں کی مدد سے حد بندی کر کے ایک بڑے تالاب کی شکل دے دی گئی تھی۔ سارا کام چوبی تھا۔

"یہ سانجو کے لوگوں کی عقل و دانش کی ایک ادنیٰ سی مثال ہے۔ چلو تمھیں یہ عمارت قریب سے دکھاؤں۔"

ٹائیگر کے حلق سے ایک کراہ نکل گئی۔ "ٹِل فادر..." اُس نے استرحا کی۔ "میں آپ کے گھر چلنا زیادہ پسند کروں گا۔"

"اوہ ہاں... میں بھُول گیا تھا کہ تم ایک ایسے نوجوان ہو جو دو برّوں کی عقل و دانش سے کچھ سیکھنے کا عادی نہ ہو۔ تمھارے نزدیک یہ مچھلی گھر دیکھنے کی کوئی اہمیت نہیں، حالانکہ اس فن کو سیکھ کر اُن دونوں، جب تم بالکل ناکارہ ہو چکے ہو گے، بڑے فخر سے کہہ سکو گے کہ تم ایک مچھلی گھر بنا سکتے ہو۔ یاد رکھو، جو شخص مچھلی گھر بنا سکتا ہے، وہ کبھی بھکاریوں کی قطار میں کھڑا دکھائی نہیں دیتا... لیکن تمھاری حالت گھاس کے اس ٹڈے جیسی ہے جو خشک گھاس کے موسم میں بھوکوں مر جاتا ہے۔"

"اُوشان، پلیز... اپنے گھر چلو..." ٹائیگر نے دانت پر دانت جما کر کہا۔ ایک بار پھر اُس کے جوڑوں میں درد کی لہریں کروٹیں لینے لگی تھیں اور اس کے لیے چلنا تو درکنار، کھڑے ہونا بھی ناممکن ہو رہا تھا۔

"ٹھیک ہے، ٹھیک ہے۔" اُوشان نے غصیلے انداز میں ہاتھ لہرا کر کہا۔ "مت دیکھو، مت سیکھو۔ خود ہی بھگتو گے۔ یاد رکھو، جو سیکھنا پسند نہیں کرتا، ہمیشہ نقصان میں رہتا ہے۔" یہ کہہ کر وہ ایک کچّے راستے پر چل دیا جو گاؤں کی طرف جاتا تھا۔

ٹائیگر بدقّت تمام اُس کے ساتھ چل رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ نہ جانے کس گھڑی یہ عذابناک سفر ختم ہو گا۔ اُسے توقع نہیں تھی کہ اُوشان اُس سے اس قسم کا سلُوک بھی کر سکتا ہے۔ وہ تو سوچ رہا تھا کہ اُوشان اُسے دیکھ کر بے تاب ہو جائے گا اور پھر فوری طور پر اُس کے علاج معالجے کی طرف متوجّہ ہو جائے گا۔ اُس نے اپنے کندھوں اور ٹانگ سے اُٹھنے والی ٹیسوں سے توجّہ ہٹانے کے لیے اُوشان کو باتوں میں لگانے کی کوشش کی۔

"ٹِل فادر، یاد ہے، ایک بار آپ نے کہا تھا کہ جب آپ اپنے گاؤں میں جاتے ہیں تو وہاں کے لوگ آپ کی راہ میں پھُول نچھاور کرتے ہیں۔" ٹائیگر نے گاؤں کی طرف جانے والے راستے کو خالی دیکھ کر کہا۔

"میں نے پھُول نچھاور کرنے والی رسم کو فی الحال ختم کروا دیا ہے..." اُوشان نے ایک شانِ استغنا سے جواب دیا۔

"وہ کیوں، ٹِل فادر؟" ٹائیگر نے تجسّس سے پُوچھا۔

"کیونکہ تم سانجو کے لیے اجنبی ہو۔ تمھاری حیثیت ایک غیر ملکی جیسی ہے۔ میں سانجو کے پھُول تم جیسے شخص کے پیروں تلے روندے جانا پسند نہیں کرتا۔ اس لیے میں نے لوگوں کو منع کر دیا تھا۔"

ٹائیگر کو پسینہ آ گیا۔

اُس کا دل بے چین ہو رہا تھا۔

وہ گاؤں میں پہنچے تو ٹائیگر کو وہاں کی گلیوں میں بھی کوئی آدمی دکھائی نہیں دیا۔

یُوں لگتا تھا جیسے سانجو کا ہر فرد اپنے گھر تک محدُود ہو گیا ہو۔ اُسے حیرت تھی کہ کوئی بھی شمشیر سانجو کے مالک اُوشان کے استقبال کے لیے باہر نہیں آیا تھا۔

"کیا آپ کو یقین ہے، ٹِل فادر... کہ یہ سانجو ہی ہے؟" اس نے بالآخر پُوچھ ہی لیا۔

"ہاں... لیکن تم نے یہ سوال کیوں کیا ہے؟" اُوشان نے اُسے گھُورتے ہُوئے پُوچھا۔

"کیونکہ یہ ایک ایسا گاؤں نہیں لگتا جس کے لوگوں کو آپ اور آپ کے بار بھر اداروں سے مدد دے کر پالتے رہے ہیں۔ یہاں کے لوگوں کو تو آپ کی ذرا بھی پروا نہیں لگتی۔"

"میں نے وہ تمام رسمیں ختم کر دی ہیں جن سے وقت ضائع ہونے کے علاوہ کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا۔"

ٹائیگر چونک کر اُس کی طرف دیکھنے لگا۔ اُسے اُوشان کے رویّے اور اس کی باتوں پر حیرت ہو رہی تھی کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اُوشان ایک رسم پرست آدمی ہے۔ قدیم رسوم اس کے نزدیک بے حد اہم تھیں اور وہ انہی کے دم سے زندہ بھی تھا۔ وہ نہ صرف ان کی سختی سے پابندی کرتا تھا بلکہ وہ دُوسروں سے بھی توقع رکھتا تھا کہ ان کا احترام کریں۔

"ہاں..." کچھ دیر بعد ٹائیگر نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "اور میں جانتا ہُوں کہ اس کی وجہ کیا ہے؟"

"وہ وجہ کیا ہے؟" اُوشان نے دریافت کیا۔

"یہی کہ میں سانجو کا باشندہ نہیں ہُوں۔" یہ کہتے ہُوئے ٹائیگر کی آواز نہ جانے کیوں بھرّا گئی۔

"بالکل ٹھیک۔" اُوشان نے اس کا دل رکھنے کے لیے بھی نفی کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ "لیکن ایک بات ذہن میں رکھو، اگرچہ لوگ باہر نہیں آ رہے ہیں لیکن وہ اندر سے سب کچھ دیکھ رہے ہیں۔ میری خواہش ہے کہ تم ٹھیک سے چلنے کی کوشش کرو تاکہ مجھ جیسے بُوڑھے آدمی کو تم جیسے غیر ملکی مہمان کی وجہ سے ندامت نہ اُٹھانی پڑے۔"

"میں کوشش کرتا ہُوں، ٹِل فادر۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ "میں آپ

کو کبھی ندامت اُٹھانے کا موقع نہیں دُوں گا۔"

"کوئی ایسا وعدہ مت کرو، جسے تم اپنی نادانیوں کے باعث بھول جاؤ۔" اُوشان نے اُسے تنبیہہ کی۔

ٹائیگر نے خود کو سمیٹنا شروع کر دیا۔ اس نے بہت کہ کے اُس ٹانگ پر بھی تھوڑا سا بوجھ ڈالا جو اتنی بھی اور جسے وہ اب تک گھسیٹتا لیے چلا آرہا تھا۔ اس طرح اسے خدشے زیادہ تکلیف تو برداشت کرنی پڑی لیکن اس کی لنگڑاہٹ میں نمایاں کمی آگئی۔ اب ہر حرکت اُس کے لیے قیامت ثابت ہو رہی تھی کیونکہ اس نے اپنی چال کو مزید بہتر بنانے کے لیے دونوں بازوؤں کو بھی لہرانا شروع کر دیا تھا۔ اس طرح اُس کے کندھوں کے جوڑوں پر بوجھ پڑنے لگا... لیکن حیرت انگیز طور پر ٹائیگر نے خود کو بہتر محسوس کر، شروع کر دیا۔

"وہی رہی میری آبائی جگہ..." اُوشان نے سر سے ایک عمارت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

ٹائیگر اس عمارت کی طرف متوجہ ہوگیا۔ اُس کے ذہن میں شہر کی ایک عمارت گھوم گئی۔ اس عمارت میں کاٹھ کباڑ جمع کیا جاتا تھا۔ ٹوٹی ہوئی بوتلیں اور ڈبے ڈھیر کیے جاتے تھے۔ اُوشان کا گھر بالکل ویسے ہی ڈیزائن کا بنا ہوا لگتا تھا... لیکن ان دونوں میں ایک فرق البتہ ضرور تھا۔ اُوشان کے مکان میں چٹانی پتھر، شیشہ اور سیپیاں استعمال کی گئی تھی۔ یہ قدیم دور کا ایک روایتی مکان تھا جو جدید دور میں شاذ و نادر ہی دیکھنے کو ملتا تھا لیکن ٹائیگر جانتا تھا کہ یہ صدیوں پرانا مکان ہے۔ "اوہ... یہ... تو دیکھنے کی چیز ہے۔" اس نے تبصرہ کیا۔

"یہ صدیوں سے میرے خاندان کے تصرف میں ہے۔" اُوشان نے فخریہ لہجے میں بتایا۔ "کئی سال قبل اس کی تعمیر میں تھوڑی سی تبدیلی کی گئی تھی۔ میں نے اس میں باتھ روم بنوایا ہے۔ علاوہ ازیں باورچی خانے میں اسٹوو بھی رکھوا دیا ہے۔ شہری زندگی سے یہ دو چیزیں مجھے زیادہ کارآمد لگی تھیں لیکن اب تم آگئے ہو، اس لیے تمھارے مشورے سے اس میں بعض اور تبدیلیاں بھی کر دوں گا۔"

ٹائیگر ایک بار پھر چونک پڑا۔

اُوشان بڑی عجیب سی باتیں کر رہا تھا۔ غالباً اس نے اب تک کی زندگی میں پہلی بار اس بات کا اعتراف کیا تھا کہ وہ ٹائیگر کے کسی مشورے کو درخورِ اعتنا بھی جان سکتا ہے۔

اُوشان اُسے ساتھ لے کر گھر کے صدر دروازے پر جا کھڑا ہوا۔ یہ دروازہ لکڑی کا بنا ہوا تھا اور اس پر صدیوں پرانی چوب کاری کا نمونہ اب بھی باقی تھا۔ اس کی سجاوٹ میں رنگین شیشے اور سیپیاں استعمال کی گئی تھیں جن کی رنگت امتدادِ زمانہ نے چاٹ لی تھی۔ دروازہ بے حد بھاری تھا۔ اُوشان نے اُسے دھکیل کر کھولا تو ٹائیگر نے محسوس کیا کہ عام آدمی اس دروازے کو دھکیل کر یقیناً نہیں کھول سکتا ہوگا۔

اُوشان کی حویلی میں داخل ہونے کے بعد ٹائیگر کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ جو بیرونی حصہ اس قدر بھدّی اور مضحکہ خیز لگتی تھی، اندر سے اتنی ہی شاندار اور حسین تھی۔ اس کی سجاوٹ دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ شہزاد کو یوں محسوس ہوا جیسے وہ اچانک ہی خوابوں کی دُنیا میں پہنچ گیا ہو۔ تب اُسے احساس ہوا کہ اُوشان کی عقل و دانش کو پہنچنا بہت مشکل ہے۔ اس کا انحصار تھا کہ باہر سے انسان چاہے جیسا بھی ہو، اُسے اندر سے بے حد خوبصورت ہونا چاہیے... اور باہر سے دیکھ کر یہ پتہ چلانا مشکل ہونا چاہیے کہ کوئی شخص اندر سے کیسا ہے۔

حویلی کے اندرونی حصّے کا ساز و سامان دیکھ کر ٹائیگر کو پرانے زمانے کے بادشاہوں کے محل یاد آگئے تھے۔ ان کی آرائش اور زیبائش میں جو کچھ بھی صرف ہوتا تھا، اس سے کہیں زیادہ اُوشان کی حویلی کے اندرونی حصّے میں نظر آرہا تھا۔

اُوشان نے ہاتھ کو ذہنی حالت میں لہرا کر اپنی مملکت کا اظہار کیا اور پھر ٹائیگر کی طرف متوجہ ہو کر بولا۔ "کیوں شہزاد! کیا خیال ہے؟"

"میں تو اپنا ذہنی توازن کھوتا جا رہا ہوں۔"

"میں جانتا ہوں کہ تمھاری حالت ایسی ہی ہوگی۔ دیکھو، اس گھر میں ہاؤس آف سناجنک کے اُستادوں کو دیے گئے انعامات ہر طرف بکھرے ہوئے ہیں۔ دُنیا بھر کے شہنشاہوں کے دیے گئے تحائف تمھیں یہاں نظر آئیں گے۔ ان میں یونان کے بادشاہ کے تحائف بھی شامل ہیں۔ چین کے شہنشاہوں کے نمائندے بھی تمھیں دکھائی دیں گے اور ہندوستان کے راجاؤں کے علاوہ قبائل کی دی گئی اشیا بھی یہاں موجود ہیں۔ یہ ایک چھوٹی سی دُنیا ہے جو بہت بڑی دُنیا سے کٹ کر یہاں قائم ہوگئی ہے۔ اگر تم غور سے دیکھو تو تمھیں یہاں ایسی اشیا بھی ملیں گی جو افریقی قبائل کی یاد دلاتی ہیں۔"

"اس بڑے سے مرتبان میں وہ ہمدے سے پتھر کیوں بھرے ہوئے ہیں۔ یہ تحفہ غالباً کسی کنگلے بادشاہ نے دیا ہوگا۔" ٹائیگر کی رگِ ظرافت پھڑک اُٹھی۔

اُوشان نے اُسے قہر آلود نظروں سے دیکھا اور پھر اس کے پتلے پتلے ہونٹوں پر تضحیک آمیز مسکراہٹ رقص کرنے لگی۔ "تم ظاہری حسن اور باطنی حسن میں امتیاز کرنے میں ناکام ہو، ٹائیگر۔ جانتے ہو یہ مرتبان کس چیز سے بھرا ہوا ہے؟"

ٹائیگر نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"یہ نارسیدہ ہیرے ہیں۔" اُوشان نے جواب دیا اور ٹائیگر کا منہ

سے کھلا کا کھلا رہ گیا۔

اُس نے قریب جا کر ان پتھروں کا جائزہ لیا تو اُسے یقین آگیا۔ سے واقعی انوس ہونے لگا کہ وہ اُوشان جیسی چشمِ بینا سے محروم جسے وہ اُوشان کا شاگرد تھا اور گزشتہ دس سال سے اس کے زیرِ تربیت اس کے باوجود اُشیا کو سطحی طور پر دیکھنے کی عادت ابھی گئی نہیں یک المیہ تھا اور وہ اسی وجہ سے مار کھی کھا جاتا تھا۔ اس نے عقل، در روحانی قوت پر اُوشان کی توقع کے مطابق محنت نہیں کی تھی۔ ے تو زیادہ تر کام اپنے جسم پر کیا تھا... اور اب اُسے شدت سے ہو رہا تھا کہ محض جسمانی قوت ہی کافی نہیں ہوتی۔ اس وقت مرتبان میں بھرے ہیرے میں ناتراشیدہ ہیروں کو دیکھ رہا تھا۔ ان کی کافی زمانہ تخمینہ صرف اس بات سے لگایا جا سکتا تھا کہ اُن سے در کا کوئی بھی شہزادہ پورے کا پورا خرید سکتا تھا اور مرنے کی تھی کہ یہ ہیرے ایک ایسے کھلے مرتبان میں ایک ایسی جگہ رکھے تھے جہاں سے ہر آتا جاتا چپکے سے مٹھی بھر ہیرے ہر پھیرے میں لے جا سکتا تھا... لیکن ٹائیگر دیکھ رہا تھا کہ مرتبان لباب بھرا اور پتھر بتلاتے تھے کہ اُنھیں برسوں سے کسی نے چھوا بھی نہیں ہوگا۔ تھی کہ اُن پر گرد کی تہیں جمی ہوئی تھیں اور وہ ہیروں کی بجائے ے چٹانی پتھر ہی معلوم ہوتے تھے۔

"یہ تمھارے نزدیک پتھر ہیں کیونکہ تم نے اُنھیں محض اُوپر بھالے ہے جبکہ میں ان کے اندر دیکھ رہا ہوں اور میرے نزدیک ے ہیں۔" اُوشان نے اس کی حالت سے محظوظ انداز ہوتے ازہ لگایا۔

"بالکل اسی طرح جیسے آپ نے مجھے منتخب کیا تھا۔"

"آہ..." اُوشان نے ایک سرد آہ بھرتے ہوئے کہا۔ "اگرچہ ے اُستاد بے حد ذہین ہوا کرتے تھے لیکن لوگ انھیں بھی دھوکا دینے یاب ہو جاتے تھے۔ ان سے بھی حماقتیں سرزد ہو جایا کرتی تھیں۔ مجھ سے بھی حماقت ہوئی تھی۔ بعض اوقات باہر سے پتھر دکھائی لا اندر سے بھی پتھر ہی نکلتا ہے ہیرا نہیں۔"

"میں آپ سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔" اُوشان۔" ٹائیگر نے اس کا انداز کرتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔

"ضرور پوچھو، اس سے علم بڑھتا ہے۔" اُوشان نے بڑی فراخ دلی سے اجازت دے دی۔

"میں دراصل یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ...؟" وہ چپ ہوگیا۔ اچانک یوں محسوس ہوا جیسے اس کے بازوؤں اور دائیں ٹانگ کے رینے جل اُٹھے ہوں۔ اتنی شدید تکلیف کہ اس کے لیے ناقابلِ برداشت

ہوگئی۔ اس کے جسم سے طاقت تیزی سے زائل ہوتی محسوس ہونے لگی۔ دائیں ٹانگ مُڑنے لگی اور بائیں ٹانگ جسم کا بوجھ سہارنے میں ناکام ہوتی چلی گئی۔ اس نے دونوں بازو پھیلا کر خود کو متوازن کرنے کی کوشش کی لیکن بازوؤں کو حرکت دینا اب اس کے لیے ممکن نہیں رہا تھا۔ اس کا دم اُکھڑنے لگا۔ اس نے کسی بے آب مچھلی کی طرح ہوا کے لیے منہ کھولا اور کچھ کہنے کی کوشش کی لیکن حلق سے آواز نہ نکل سکی۔ سانس کی نالی سے پھیپھڑوں تک ایک کاٹتی ہوئی درد کی لہر دوڑ گئی تھی... پھر اس نے نیم غنودہ ذہن اور بند ہوتی ہوئی آنکھوں سے آخری بار صرف یہی دیکھا کہ وہ گر رہا ہے۔

وہ فرش پر ڈھیر ہوگیا۔

اُسے یاد نہیں کہ کب اس کا جسم فرش سے ٹکرایا تھا، اُسے یہ بھی معلوم نہ ہو سکا کہ اُوشان نے اُسے کب اُٹھایا تھا... اور اُسے یہ بھی محسوس نہ ہو سکا کہ اس کے بعد اُسے کہاں پہنچایا گیا تھا۔ البتہ جب اُس کی آنکھ کھلی تو وہ ایک ایسے کمرے میں تھا جو دھوپ سے چمک رہا تھا وہ تکیوں کے ڈھیر پر پڑا تھا اور اس کے جسم پر ایک ریشمی چادر پڑی ہوئی تھی۔

اس نے نظریں گھما کر اطراف میں دیکھا تو قریب ہی اُوشان کھڑا دکھائی دیا۔ اُوشان کے ہونٹوں پر بڑی ہی عجیب سی مسکراہٹ تھی... پھر وہ کمر تک جھک گیا اور اُس کے کندھوں کا جائزہ لینے لگا جن پر پٹیاں بندھی ہوئی تھیں۔

اُوشان ان پٹیوں کو کھولنے میں مصروف ہوگیا۔ "یہ پٹیاں کس نے باندھی تھیں؟" اُوشان نے نفرت سے پوچھا۔

"بہرام ایک ڈاکٹر کو لے آیا تھا۔"

"ڈاکٹر احمق تھا۔" اُوشان نے تبصرہ کیا۔ "کسی پتھے یا ریلے کوئی سے کوئی مدد نہیں ملتی۔ آرام ضروری ہے، پٹھوں اور رگوں کو قدرتی مساعات ہے۔ بہرحال میں اسے جلد ہی ٹھیک کر دوں گا۔"

... اور پھر جیسے ہی کندھے سے پٹی کا آخری حصہ الگ ہوا اُوشان کی آنکھیں سکڑ گئیں۔ "اوہ...!" اس کے حلق سے ایک سسکاری نکل گئی۔ لگتا تھا، وہ سب کچھ سمجھ گیا ہے۔ "اب مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں۔" وہ بڑبڑانے لگا۔ "بلکہ میں تم پر فخر کر سکتا ہوں۔ تم نے بہت تکلیف برداشت کی... اتنی تکلیف صرف سناجنکو کا کوئی ہونہار شاگرد ہی برداشت کر سکتا تھا۔"

"اُوشان میں...!"

"کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔" اُوشان نے مجتبت سے کہا۔ اس کا رویہ اچانک ہی بدل گیا تھا۔ "تم ان ظروں سے بچ نہیں سکتے تھے۔"

• لیکن کنہ ھوں کے مقابلے میں جس نے ٹانگ پر ٹھوکر ماری تھی' اس کی مہارت قابلِ داد ہے۔" ٹائیگر نے کہا۔ "جب آپ ٹانگ سے پتی اُتار کر دیکھیں گے تو آپ کو اندازہ ہو جائے گا اُوشان! ایک بات تو بتائیں۔ آپ کو کیسے معلوم تھا کہ میں یہاں آؤں گا؟"

"کیا مطلب؟" اُوشان نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"جب آپ سنانجو کے لیے روانہ ہوئے تھے تو الوداع کہتے وقت آپ نے کہا تھا کہ مجھے یہاں آنا پڑے گا۔"

اُوشان نے کندھے جھٹک دیے... پھر اس نے گہری متانت سے جواب دیا۔ "یہ سب کچھ نوشتۂ تقدیر ہے یہ لکھا جا چکا تھا۔"

• کہاں لکھا جا چکا تھا؟" ٹائیگر نے حیرت سے پوچھا۔ وہ اس کی بات نہیں سمجھ سکا تھا۔

• تمھارے گھر کے باتھ رُوم کی دیوار پر۔" اُوشان نے بُرا سا منہ بناتے ہوئے جواب دیا۔ "واقعی! یہ سب باتیں سنانجو کی کتابوں میں لکھی ہوئی ہیں۔ ہم تقدیر کے دیے ہوئے لائحہ عمل پر چلتے ہیں۔"

• اوہ... اور ان کتابوں میں کیا درج ہے؟" ٹائیگر کے لہجے میں اب بھی حیرت اور اشتیاق کا گہرا تاثر تھا۔

اُوشان نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ اب اس کی ران سے پتی اُتار رہا تھا۔ پتی اُتارنے کے بعد اُس نے کہا۔ "اوہ...!"

• کیا اس کی حالت زیادہ خراب ہے؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

• نہیں... میں ایسی ٹھوکروں کا انجام اس سے بھی خراب حالت میں دیکھ چکا ہوں... یہ الگ بات ہے کہ چوٹ کھانے والے کو اس کے بعد کبھی زندہ نہیں دیکھا۔"

اُوشان نے پتیوں کا ڈھیر اُٹھا کر ایک طرف پھینک دیا اور پھر چٹائی پر رکھا ہوا ایک پیالہ اُٹھایا۔ اس میں ایک عجیب گاڑھا سا سبز سیال بھرا ہوا تھا۔ اُوشان نے پیالہ ٹائیگر کے ہونٹوں سے لگا دیا اور پھر بولا۔ "اسے پی لو۔"

اس نے گردن کے نیچے ہاتھ رکھ کر ٹائیگر کو تھوڑا سا اُٹھنے میں مدد دی۔

ٹائیگر پیالے سے سیال پینے لگا۔ سیال گرم تھا اور بے ذائقہ تھا... لیکن گھونٹ لگنے کے بعد حلق میں نمک کا خفیف سا ذائقہ محسوس ہونے لگتا تھا۔

• اوہ! خوفناک!" ٹائیگر نے پیالہ ختم کر کے کہا۔ "یہ کیا چیز تھی؟"

• احمقانہ سوال ہے۔" اُوشان غرّایا۔ "اگر تمھیں یہ سوال کرنا ہی تھا تو اسے پینے سے پہلے کرنا چاہیے تھا۔ پی کر پوچھنے سے کیا فائدہ!"

ٹائیگر کے جسم میں ایک سرد سی لہر دوڑ گئی۔

اب وہ واضح طور پر محسوس کر رہا تھا کہ اُوشان زندگی کا ایک ایک لمحہ کس طرح قتل و دانش سے گزارتا ہے۔ اس نے بے بسی سے اُوشان کی طرف دیکھا اور بولا۔ "نیل فادر... مجھے بچہ سمجھ کر معاف کر دیا کریں۔"

"اب تک میرے ہاتھوں سے بچ کر زندہ بھی اسی لیے ہو' فرزند ورنہ میں کب کا تمھاری تدفین سے فارغ ہو چکا ہوتا۔" اُوشان کے لہجے میں محبت آ گئی۔ "بہرحال' یہ بحری پودوں سے بنایا گیا ایک خاص مشروب تھا۔ اس سے تمھاری حالت جلد ہی سنبھلنے لگے گی۔" اس نے ٹائیگر کا سر آہستہ آہستہ جھکا کر دوبارہ تکیے پر رکھ دیا۔

"اُوشان...!" اُس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"ہاں' میرے بچے۔"

"کیا آپ یہ جانتے ہیں کہ میری یہ حالت کس نے کی ہے؟"

"ہاں' میرے بچے! میں جانتا ہوں۔ اسی لیے میں نے کہا تھا کہ تم یہاں ضرور آؤ گے۔"

• وہ یہاں بھی آئے گا' نیل فادر...!" یہ کہتے ہوئے ٹائیگر نے محسوس کیا کہ اس کے پپوٹے بھاری ہو کر بند ہونے لگے ہیں۔ اُسے یوں لگا جیسے آواز خود اس کے حلق سے نہیں نکل رہی بلکہ اس کے اندر بیٹھا کوئی اور ہی بول رہا ہو۔

"میں جانتا ہوں میرے بچے کہ وہ آ رہا ہے۔"

"ممکن ہے' وہ آپ کو بھی کوئی نقصان پہنچانے کی کوشش کرے۔"

"اب تم اطمینان سے سو جاؤ... سو جاؤ اور صحت مند ہو جاؤ۔" وہ آہستہ آہستہ بولنے لگا۔ لہجہ اور آواز ایسی ہی تھی جیسے وہ ٹائیگر کو... ہپناٹائز کر رہا ہو... اور پھر ٹائیگر پر غنودگی سی چھاتی چلی گئی۔ نیند اس کے تن و اعصاب پر کسی بھاری چٹان کی طرح حاوی ہونے لگی۔ اُسے ہر طرف تاریکی کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر محسوس ہونے لگا اور اس کی ہستی اس سمندر میں ڈوبتی چلی گئی۔

**

اُوشان سر جھکائے چلا جا رہا تھا۔ اس کے چہرے پر گہری متانت کی چھاپ تھی اور اس کے انداز سے پتہ چلتا تھا کہ اس کی ہستی سوچ کی باتال میں ڈوبی ہوئی حرکت کر رہی ہے۔ جب وہ گاؤں کی گلی سے گزر رہا تھا تو اچانک لوگوں کے ہجوم نے اُسے گھیر لیا۔ وہ سب اس سے کچھ معلوم کرنا چاہتے تھے۔

اُوشان نے ہاتھ کے اشارے سے اُنھیں منتشر ہونے کا حکم دیا لیکن کوئی بھی اپنی جگہ سے ٹس سے مس تک نہ ہوا۔

• یہ نوجوان کون ہے' ماسٹر؟" ایک بوڑھے نے دریافت کیا۔

• جاؤ... چلے جاؤ۔" اُوشان جھلا گیا۔ "اس گاؤں میں باہر سے آنے

والا صرف مہمان ہوتا ہے' صرف مہمان یاد رکھو...!"

• وہ زخمی معلوم ہوتا تھا' ماسٹر۔" ایک عورت نے کہا۔

• اُوشان نے قہر آلود نظروں سے اس عورت کی طرف دیکھا... پھر فرمایا۔ "ہاں... اور تمھیں خوش ہونا چاہیے کیونکہ مَردوں کو زخمی دیکھنا تمھاری صنف کی قدیم خواہشات میں سے ایک ہے۔"

"کیا آپ اس مہمان کا تعارف کروانا پسند نہیں کرتے' ماسٹر؟" ایک شخص نے کہا۔

"میں کہہ چکا ہوں کہ وہ مہمان ہے۔ اس کے لیے کسی تعارف کی ضرورت نہیں۔"

ہجوم آپس میں نہ جانے کیا کیا چہ میگوئیاں کرنے لگا۔ اُوشان لوگوں کو دائیں بائیں ہٹاتا ہوا آگے بڑھنے لگا تو لوگ بھی اس کے پیچھے چل دیے۔ وہ عقب سے کچھ نہ کچھ پوچھتے ہوئے چل رہے تھے لیکن اُوشان خاموش رہا تھا۔ اس کی رفتار تیز ہوتی جا رہی تھی لیکن لوگ تھے کہ اس کا پیچھا نہیں چھوڑ رہے تھے۔ تجسس نے اُنھیں مجبور کر دیا تھا کہ وہ اُوشان سے اس سلسلے میں پوچھ کر ہی دم لیں۔ زچ ہو کر اُوشان پلٹا اور یوں ان کی طرف جھپٹ پڑا جیسے کوئی رکھوالی کا کتا مرغیوں اور لٹیروں کو منتشر کرنے کے لیے لپکتا ہے اور اُنھیں محض خوف زدہ کرتا ہے۔ ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچاتا۔

لوگ دہشت زدہ ہو کر منتشر ہو گئے لیکن ان کی چہ میگوئیاں جاری رہیں۔ اُوشان نے ان کو کبھی نقصان نہیں پہنچایا تھا کیونکہ قدیم زمانے سے یہ ایک باقاعدہ ضابطہ تھا کہ سنانجو کے استاد ہر شاگرد سے یہ عہد لیتے تھے کہ وہ سنانجو کے کسی باشندے پر کبھی ہاتھ نہیں اُٹھائے گا۔ اس سلسلے میں قدیم دَور کے بعض تقاضے بہرحال رہے ہوں گے جن کی وجہ سے یہ قانون بنایا گیا تھا جبکہ جدید دَور کا ماحول اس قانون کی راہ میں سب سے بڑی رُکاوٹ بن رہا تھا... اُوشان ضابطوں اور قانون کی سختی سے پابندی کرنے والا آدمی تھا اور وقت نے بالآخر اُسے ایسے امتحان سے دوچار کر دیا تھا کہ نہ پائے ماندن نہ جائے رفتن۔

اُوشان کی پریشانی کا باعث یہی بات تھی کہ وہ صدیوں پرانا قانون توڑنا نہیں چاہتا تھا لیکن اچانک حالات اُسے اس کے لیے مجبور کر رہے تھے۔ وہ چلتا ہوا ساحل کی طرف نکل گیا۔ اب اُس کے آس پاس کوئی نہیں تھا اور وہ سوچ رہا تھا کہ شہزادہ ٹائیگر اس وقت کسی بچے کی طرح بے بس ہے' وہ زخمی ہے اور اُسے نقصان ہی نہیں بلکہ موت جیسی آفت بھی پیش آ سکتی ہے۔ اُسے قتل کیا جا سکتا ہے... اور المیہ یہ تھا کہ قانون کے مطابق اُوشان اُسے بچا نہیں سکتا تھا کیونکہ اس نے سنانجو کے کسی باشندے پر ہاتھ نہ اُٹھانے کی قسم کھا رکھی تھی... اور نوگان سنانجو کا باشندہ ہی نہیں خود اُوشان کے خاندان کا ایک فرد بھی تھا... اور اس کی رگوں میں اُوشان کا خاندانی خون دوڑ رہا تھا۔

**

پریمیئر کم سنگ' عوامی عمارت میں واقع اپنے دفتر میں بیٹھا ہوا تھا کہ اس کا سکریٹری اندر داخل ہوا۔ یہ سکریٹری ایک نوجوان آدمی تھا اور اس کا تعلق بری فوج سے تھا۔ اس نے فوجی وردی پہن رکھی تھی۔ کم سنگ کے نزدیک وہ ایک بہترین سکریٹری تھا اور اچھے سکریٹریوں کے بارے میں پریمیئر کا نظریہ تھا کہ دُنیا کی ہر شے فانی ہے لیکن اچھا سکریٹری نہ صرف زندہ رہتا ہے بلکہ اپنے چیف کو بھی زندہ رکھتا ہے۔ ... اور پھر اس کی مثال ہمیشہ زندہ رہتی ہے اس لیے وہ اپنے اس سکریٹری کی بے حد قدر کرتا تھا۔

سکریٹری نے اُسے ایک نوجوان کے آنے کی اطلاع دی اور پھر پریمیئر کی اجازت پا کر اُسے اندر لے آیا۔

نوجوان نے پریمیئر کے سامنے جھک کر تعظیم دی اور پھر سیدھے ہوتے ہوئے اپنا تعارف کرایا۔ "میں نوگان ہوں۔ میں آپ کی خدمت کے لیے حاضر ہوا ہوں۔"

• اوہ... یہ میری خوش قسمتی ہے کہ تم جیسا نوجوان میرا خیر خواہ ہے۔" پریمیئر نے مسکرا کر کہا لیکن اگلی ہی ساعت اُسے احساس ہوا کہ جو نوجوان اس کے سامنے کھڑا ہے اس میں مزاح کی کوئی حس سرے سے موجود ہی نہیں ہے۔

"میں اپنا خاندانی خطاب حاصل کر کے آپ کی خدمت کرنا چاہتا ہوں۔" نوگان نے بات آگے بڑھائی۔ اس کا لہجہ بے حد ٹھوس تھا۔

"خاندانی خطاب میں تو نہیں دیتا۔" پریمیئر کے لہجے میں حیرت تھی۔ "تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟"

"میں اس خطاب کا وارث ہوں۔ ماسٹر آف سنانجو کا خطاب مجھے ورثے میں ملنا چاہیے... اور اسے حاصل کرنے میں آپ وہ واحد شخصیت ہیں جو میری مدد کر سکتی ہے۔"

"میں سنانجو کے ماسٹر سے مل چکا ہوں۔" پریمیئر نے کہا۔ "وہ ایک بے حد پُرکشش بوڑھا ہے۔"

"وہ بہت بوڑھا ہے۔" نوگان نے کہا۔ "اب وقت آ گیا ہے کہ وہ اپنا خطاب مجھے سونپ کر باطنی کی طرف متوجہ ہو جائے۔"

"تم اس سلسلے میں مجھے کیوں پریشان کرنا چاہتے ہو۔ اس بات کی کیا پروا ہے کہ ایک مختصر سے گاؤں میں چند آدمی کیا کرتے ہیں؟"

پریمیئر نے جو کچھ کہا تھا' بڑے ہی منتخب الفاظ کے تحت کہا تھا اور اب وہ اس کے جواب میں دیکھ رہا تھا کہ نوگان کی آنکھوں میں غصّے

کی چنگاریاں سی پیدا ہو گئی ہیں۔

"آپ بھول رہے ہیں، جناب" نوگان کا لہجہ مزید ٹھوس ہو گیا۔ "آپ جانتے ہیں کہ ایسا نہیں ہے، جیسا کہ آپ نے ابھی ابھی کہا ہے۔ ہاؤس آف سنانجو صدیوں سے دُنیا بھر میں حکمران رہا ہے اور ہر حکمران نے اس کے اُستادوں کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا ہے جس کے جواب میں ان اُستادوں نے شاہوں کے ایسے ایسے کام کیے جنھیں ان کی پوری فوج بھی نہیں کر سکتی تھی۔ اب یہ آپ کی مرضی ہے کہ آپ ہاؤس آف سنانجو کو اپنی نگاہوں سے پاک کرنا چاہتے ہیں یا نہیں، اسے قائل کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا ہے۔ لڑکی نے کن انکھیوں سے ٹائیگر کی طرف دیکھا اور بولی: "آپ کہتے ہیں تو ٹھیک ہی کہتے ہیں، آقا! لیکن اسے جس گیدڑ نے زخمی کیا ہے، کاش! میں اُسے بھی ایک نظر دیکھ سکتی۔"

"تم اُسے دیکھ لو گی، میری بچی... بہت جلد دیکھ لو گی۔" یہ کہہ کر اُوشان نے نرمی سے اس کا ہاتھ تھام لیا اور اُسے لے کر دروازے کی طرف بڑھ گیا... پھر اُس نے خادمہ کو باہر نکال کر دروازہ اندر سے بند کر لیا۔

دروازہ بند کر کے وہ واپس آیا اور ٹائیگر کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ دیر تک اس کے چہرے کی طرف دیکھتا رہا۔ وہ خوابیدہ حالت میں کسی معصوم بچے جیسا ہی دکھائی دے رہا تھا... ایک ایسا معصوم بچہ جس کے ہونٹوں پر شریر سی مُسکراہٹ پھیلی ہوئی ہو۔

اوشان چند لمحے اُسے دیکھنے کے بعد کھڑکی کے شیشے سے دُور آسمان پر تیرتے ہوئے اس بادل کی طرف دیکھنے لگا جس نے چاند کو اپنی اوٹ میں چھپا لیا تھا۔ اُس کے لب متحرک ہو گئے۔ وہ زیرِ لب نہ جانے کیا کہنے لگا۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ بادل کی اوٹ میں چھپے ہوئے چاند یا آسمانوں پر رہنے والی رُوحوں سے مخاطب ہو... اور انھیں اپنی مدد کے لیے پکار رہا ہو۔ بار بار اُس کے دل میں ایک ہوک سی اُٹھتی تھی اور اس کا بُوڑھا جسم جڑوں تک کانپ کانپ جاتا تھا۔

وہ دیر تک آسمان کو گھورتا رہا جیسے وہاں سے نوشتۂ تقدیر پڑھ رہا ہو... پھر وہ ٹائیگر کے قریب گھٹنوں کے بل جھک گیا اور اُس کی پیشانی پر ہاتھ رکھ دیا۔

"جلدی سے ٹھیک ہو جاؤ، میرے بچے... جلدی سے صحت یاب ہو جاؤ۔" وہ بڑبڑانے لگا۔ اس بار بھی اُس کی آواز ایسی ہی تھی جیسے وہ ٹائیگر کو ٹرانس میں لا کر اُسے ہپناٹیزم دے رہا ہو۔

★★

نوگان، کم سنگ کے محل میں مہمان تھا۔ اُسے ایک خاص کمرہ دیا گیا تھا۔ جس میں ضرورت کی تقریباً ہر شے فراہم کی گئی تھی لیکن نوگان جب سے وہاں آیا تھا، اُس نے نہ تو کسی شے کو چھُوا اور نہ ہی کچھ کھایا پیا تھا۔ اُسے صرف پریمیئر کے جواب کا انتظار تھا جانتا تھا کہ اُسے ایک طرح سے اس کمرے میں اس وقت تک نظر رکھا جائے گا، جب تک کہ شہنشاہ کسی نتیجے پر نہیں پہنچ جاتا۔ باہر محافظ موجود تھے لیکن اُسے ان کی کوئی پروا نہیں تھی۔ وہ جانتا تھا وہ جب بھی یہاں سے جانا چاہے گا، پریمیئر کی پوری فوج بھی اُسے روک نہیں سکے گی۔

وہ ایک کرسی پر بیٹھا، محل کی کھڑکی سے مغربی سمت میں دیکھ رہا تھا۔ سنانجو اُسی طرف واقع تھا اور وہاں سے اُسے گاؤں دھندلے دھندلے سے نقوش نظر آ رہے تھے۔ وہ اس گاؤں میں پیدا ہوا تھا اُس نے وہیں پیدا ہو کر پرورش پائی تھی۔ اُس کا خاندان صدیوں سے اس گاؤں کا حکمران تھا اور اب اُس کی باری تھی۔ وہ، اس کا آقا، چشم و چراغ تھا لیکن اُس کے پیش رَو اُوشان نے ایک اجنبی، ایک غیر ملکی کو سب کچھ سونپنے کا ارادہ کر رکھا تھا۔ وہ، اُس کے اس ارادے کو ناکام بنانا چاہتا تھا۔

شام کے سائے ڈھلنے لگے۔

نوگان کی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔

ہر ساعت وہ گوش بر آواز تھا۔ کسی بھی لمحے، دوسری جانب سے پریمیئر کے قدموں کی چاپ گونج سکتی تھی... اور پھر وہ آ کر اپنے فیصلے سے آگاہ کر سکتا تھا۔

ایک بے بس نوجوان کی حیرت انگیز داستان
جسے اپنی موت کا وقت معلوم ہو گیا تھا
مظلوم
یعقوب جمیل کے ہوشربا قلم سے
جس کا قارئین کو برسوں سے انتظار تھا
مکتبہ القریش
فون 7668958

رات کے کھانے کا وقت ہو گیا۔ دروازے پر دستک ہوئی اور پھر بھاری بھرکم دروازہ کھل گیا۔ کم سنگ دروازے میں کھڑا، اُس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھنے لگے۔ وہ ایک دوسرے کے دل کا حال جاننے کی کوشش کر رہے تھے... پھر کم سنگ کے ہونٹوں پر مُسکراہٹ آ گئی۔

"کل ہم سنانجو چلیں گے۔" کم سنگ کی آواز گونج اُٹھی۔ "ہم نے آقا کی تاج پوشی کے لیے چل رہے ہیں۔"

"آپ نے بڑی ذہانت سے فیصلہ کیا ہے۔" نوگان نے خوشی سے لبریز لہجے میں کہا اور اس کے ہونٹوں پر طمانیت بھری مُسکراہٹ پھیل گئی۔

قافلہ سنانجو پہنچا تو سہ پہر کے سائے ڈھل رہے تھے۔

سب سے اگلی گاڑی میں عوامی جمہوریہ کا پریمیئر بیٹھا تھا اور اس کے ساتھ بڑی شان سے اُوشان کا بھتیجا براجمان تھا۔ اس کی آنکھوں میں مستقبل کے سہانے سپنے کروٹیں لے رہے تھے اور اس کا چہرہ جوشِ مسرت سے سُرخ ہو رہا تھا۔ وہ تشہیرِ سنانجو کا مالک بننے کے خواب دیکھ رہا تھا۔ یہ خواب برسوں پرانا تھا اور آج اُس کی تعبیر سامنے آنے والی تھی۔ وہ اس صدی کا ماسٹر بننے والا تھا۔ یہ دُنیا کا سب سے بڑا خطاب تھا جو اُس سے قبل اُوشان کے پاس تھا۔

یہ خطاب حاصل کرنے کے لیے ایک سازش کی گئی تھی جو اُوشان نے ٹائیگر کو اپنا شاگرد بنانے سے قبل ناکام بنا دی تھی... لیکن پھر بھی وہ نوگان کو بہت کچھ بتا چکا تھا۔ صدیوں پرانا گنگ فُو کا فن، بڑی حد تک نوگان کے سینے میں منتقل ہو چکا تھا۔ اگرچہ اُوشان نے اس کا یہ مقابل پیدا کر دیا تھا لیکن نوگان جانتا تھا کہ اُس کے تین ساتھیوں کو ہلاک کرنے کے بعد ٹائیگر بے حد زخمی ہو چکا ہے۔

سنانجو میں مقیم اس کے جاسوس اُسے پل پل کی خبر پہنچاتے تھے۔ انھوں نے ٹائیگر کی آمد کا منظر جس انداز میں نوگان کو سنایا تھا اس سے نوگان پر قنوطیت کا دَورہ پڑ گیا تھا... اور جب لطف کے یہ لمحات گزرے تو نوگان کو خیال آیا کہ وہ ٹائیگر پر آخری ضرب لگا کر اُس سے ہمیشہ کے لیے نجات حاصل کر سکتا ہے۔ اُسے یہ کام بچوں کا کھیل محسوس ہو رہا تھا کیونکہ یہ بات اُس کے علم میں بھی تھی کہ اُوشان اُس پر ہاتھ نہیں اُٹھا سکتا اور نہ ہی وہ ٹائیگر کی کوئی مدد کر سکتا ہے۔ اُسے خوشی تھی کہ پریمیئر اپنے آقا کے سنانجو کی تاج پوشی کے لیے ساتھ آیا ہے۔

پریمیئر اور نوگان کی گاڑی کے پیچھے صوبے کے گورنر کی گاڑی اور کم سنگ کا مشیرِ خاص ہیوچانگ اسی گاڑی میں سفر کر رہا تھا۔ بعد

اے حمید کی ایڈونچر سیریز

عاطون

۱۔ اہرامِ مصر سے فرار ۔/150
۲۔ اندلس کی آخری شمع ۔/125
۳۔ ہڑپہ کی ناگن ۔/125
۴۔ عاطون موت کے دروازے پر ۔/200

شیوسینا کے دہشت گرد

۱۔ ٹاپ سیکرٹ مشن ۔/150
۲۔ کشمیر کے غازی ۔/150
۳۔ کمانڈو ایکشن ۔/200
۴۔ گولکنڈہ کے مجاہد ۔/200

گنگا کے پجاری ناگ (اول) ۔/150
گنگا کے پجاری ناگ (دوئم) ۔/200

مکتبہ القریش
اُردو بازار، لاہور۲

کی کئی گاڑیوں میں دیگر اعلیٰ افسران تھے ... آگے آگے چھ موٹر سائیکل سوار تھے۔ یہ بادردی نوجوان حفاظتی دستے سے بطور خاص منتخب کیے گئے تھے۔ چھ فوجی جوان دائیں جانب، چھ بائیں اور چھ موٹر سائیکل سوار قافلے کے عقب میں آرہے تھے۔

اس قافلے کو سناںجو سے ایک میل دُور ہی سے دیکھ لیا گیا تھا اور سناںجو کی آبادی میں پریمیئر اور سناںجو کے حقیقی وارث نوگان کے آنے کی اطلاع جنگل کی آگ کی طرح پھیل چکی تھی۔ اس آگ کا ایک شرارہ اُوشان کی حویلی تک بھی پہنچا اور اُس کے اُوشان کے قلب و ذہن میں بے چینی ہی بے چینی بھر دی۔ جس وقت سے وہ خوفزدہ تھا، وہ وقت اب سر پر آپہنچا تھا۔

"آقا...!" برچھی کی حسین و جمیل لڑکی نے اُوشان کو مخاطب کیا۔ وہ ایک چٹائی پردہ دزانو بیٹھی حویلی کی کشادہ کھڑکی کے شیشے سے باہر دیکھ رہی تھی۔

"کیا بات ہے، میری بچی؟" اُوشان نے بڑی ہمت اور شفقت سے پوچھا۔

"بہت سے آدمی آرہے ہیں آقا!" برچھی کی بیٹی نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔

"ہاں میری بچی، میں جانتا ہوں۔" اُوشان نے جواب دیا۔ اس کی پُشت کھڑکی کی جانب تھی لیکن اس نے پلٹ کر دیکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔

"اس قافلے کے ساتھ پریمیئر بھی موجود ہے۔" لڑکی نے کہا۔

اُوشان نے اس بار کوئی جواب نہیں دیا۔

"...اور آپ کا خون بھی پریمیئر کے ساتھ آرہا ہے۔" لڑکی نے لرزتی ہوئی آواز میں نوگان کے بارے میں اطلاع دی۔

اس مرتبہ اُوشان کے انداز نشست میں تھوڑی سی تبدیلی رُونما ہوئی لیکن اس نے کھڑکی سے باہر دیکھنے کی اب بھی کوشش نہیں کی تھی۔

"ایک بات جانتی ہو، میری بچی!" اُوشان نے گہرے دُکھ سے کہا۔ "جب مُصیبت آتی ہے تو وہ ٹھہرے وقت کے مطابق نہیں بلکہ ہمیشہ اپنے مقررہ وقت پر آیا کرتی ہے۔ اب دیکھ لو... اندھیر اون کتنی جلدی آگیا ہے۔" یہ کہہ کر وہ اُس کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا جدھر دُور سمندر ہی سمندر پھیلا ہوا تھا۔ اُوشان کی نگاہیں دُور اُفق پر بھٹک رہی تھیں جیسے وہ روشنی کی ہلکی سی کرن تلاش کرنے کی کوشش کر رہا ہو... لیکن اُسے ہر طرف تاریکی ہی تاریکی نظر آرہی تھی۔

"مَیں کیا کروں، آقا؟" لڑکی کی آواز میں کپکپاہٹ بڑھ گئی۔

"کچھ نہیں...!" اُوشان بڑبڑایا۔ "زندگی میں پہلی بار ایک ایسا موقع آرہا ہے، جب ہم کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ میری بچی، ہمارے ہاتھ کٹے ہوئے ہیں اور ہم بے بس ہیں۔" اُوشان کے لہجے میں بے پناہ تھکن تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ اچانک اسی لمحے بوڑھا ہو گیا ہو۔

برچھی کی لڑکی اُٹھ کھڑی ہوئی۔

وہ اُوشان کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کی موٹی موٹی غزالی آنکھوں میں اُلجھن تھی، مگر اب وہ حیران تھی کہ آقائے سناںجو اس قدر مایوسی کی باتیں کیوں کر رہا ہے۔ اس لہجے کو لڑکی کا ذہن قبول نہیں کر رہا تھا، یہ اس کے لیے اجنبی اور ناقابلِ فہم لہجہ تھا۔

قافلہ اب ساحلی سڑک پر پہنچ چکا تھا۔ وہاں سے ایک کچا راستہ سناںجو کی بستی کے عین قلب میں آتا تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں قافلہ اس کچے راستے پر اُتر آیا تو موٹر سائیکلوں اور گاڑیوں کی وجہ سے گرد و غبار کے بادل سے بلند ہونے لگے۔ لڑکی کچھ دیر کھڑی شیشے سے اس منظر کا نظارا کرتی رہی... پھر پلٹی اور آہستہ آہستہ چلتی ہوئی دروازے سے نکل گئی۔ جاتے وقت اُس نے نہایت آہستگی سے دروازہ اپنے عقب میں بند کر دیا تھا۔

سناںجو گاؤں کے درمیانی حصے میں جو چوراہا تھا، قافلہ وہاں پہنچ کر رُک گیا۔ سب سے پہلے پریمیئر گاڑی سے اُترا۔ پھر نوگان نے قدم نیچے رکھا اور اس انداز میں چاروں طرف دیکھا جیسے اپنی جاگیر کا جائزہ لے رہا ہو۔ پریمیئر اپنی فوجی وردی میں تھا جبکہ نوگان کے جسم پر جنگجوؤں کا لباس تھا۔ یہ سیاہ لباس تھا۔ سناںجو کی روایات کے مطابق اُس نے بیلٹ کھول رکھی تھی۔ یہ بیلٹ صرف مظاہروں کے دوران باندھنے کی اجازت تھی اور جب زندگی اور موت کی جنگ کا مرحلہ آجاتا تھا تو جنگجوؤں کو بیلٹ کھول کر رکھنے کا حکم تھا... اور جنگی مرحلے سے چند لمحے قبل یہ کھلی بیلٹ بھی اُتار دی جاتی تھی۔

یہ صدیوں پُرانی روایت تھی کیونکہ اُوشان سے کئی نسلیں قبل جب آقائے سناںجو کا خطاب حاصل کرنے کے لیے جنگ ہوئی تھی تو دو لڑاکوں میں سے ایک نے بیلٹ باندھ رکھی تھی۔ چند ہی لمحوں میں وہ شخص اپنی ہی بیلٹ کے ذریعے پھانسی کے پھندے پر لٹک رہا تھا۔ تب سے سناںجو کے کسی بھی آقا نے مقابلے کے وقت بیلٹ نہیں باندھی تھی، مشقِ مظاہرے یا ورزش کے وقت البتہ ہر کوئی بیلٹ باندھ کر رکھتا تھا۔

نوگان نے اطراف کا جائزہ لینے کے بعد بیلٹ اُتاری اور گاڑی میں پھینک دی۔

سناںجو کی گلیاں ویران تھیں۔ نوگان نے کھڑکیوں اور دروازوں کا جائزہ لیا۔ ہر دروازہ مضبوطی سے بند تھا اور ہر کھڑکی تاریک تھی لیکن

نوگان جانتا تھا کہ سناںجو کے لوگ کھڑکیوں کے شیشوں سے لگے کھڑے ہیں اور باہر دیکھ رہے ہیں۔ وہ باہر آنے سے خوفزدہ تھے کیونکہ ابھی تک وہ اس قافلے کی آمد کا اصل مقصد سمجھنے... میں ناکام رہے تھے۔

"مجھے اس سرزمین پر قدم رکھے برسوں بیت گئے۔" نوگان نے شکایت آمیز لہجے میں کہا۔ ساحل کی طرف سے آنے والی تیز ہوا کے جھونکوں سے اُس کے سیاہ بال لہراتے ہوئے بار بار اُس کے چہرے پر بکھر رہے تھے۔ اس کی آنکھیں بھینچی بھینچی تھیں اور انھیں دیکھ کر یہ گمان گزرتا تھا کہ زرد گوشت پر خنجر سے لگے ہوئے دو زخم ہیں۔

کم سنگ نے نوگان کی آنکھوں کی طرف دیکھا تو اُسے خون کی پیاس کروٹیں بدلتی محسوس ہوئی۔ اُسے طاقت کے نشے اور ہوس نے اندھا بنا رکھا تھا۔ کم سنگ جانتا تھا کہ یہ پیاس اس گاؤں میں صدیوں سے بسیرا کیے ہوئے ہے اور وقت کی طوالت یا زمانے کی جدیدیت بھی اسے ختم کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکی تھی۔ کم سنگ یہ سوچے بغیر نہ رہ سکا کہ یہ نفرت خود اُس کے خلاف بھی اُبھر سکتی ہے۔ اس نفرت کا رُخ بدلنے میں بھلا دیر ہی کتنی لگتی ہے؟

وہ لوگ جس مقام پر کھڑے تھے، وہاں سے ایک کُشادہ گلی کے آخر میں اُوشان کی حویلی تھی جسے خانۂ سناںجو کہا جاتا تھا۔ چوراہے سے اس کا فاصلہ تیس قدم سے زیادہ نہیں تھا۔ نوگان کی نظریں اسی حویلی پر جمی ہوئی تھیں۔ یکایک اس کے ہونٹوں پر بڑی ہی پُراسرار مسکراہٹ نظر آنے لگی۔

"اب ہمیں منزل کی طرف چل دینا چاہیے۔" اس نے بے حد عجیب اور ناقابلِ فہم لہجے میں کہا۔

اُس نے کم سنگ کے جواب کا انتظار نہیں کیا اور پلٹ کر خانۂ سناںجو کی طرف چل دیا۔ اُس کے پاؤں بھُربھُری مٹی میں دھنس رہے تھے... اُس کی چال پُروقار تھی۔ وہ کسی فاتح جرنیل کی طرح زمین کے سینے پر اتراتا ہُوا چل رہا تھا۔

**

پریمیئر وہاں کھڑا تھا، وہیں ساکن رہا۔ البتہ اُس نے گاڑی سے ٹیک لگا لی تھی جس کا مطلب تھا کہ وہ، نوگان کے تعاقب میں خانۂ سناںجو کی طرف چلنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔

نوگان جانتا تھا کہ اس وقت اُس پاس اَن گنت آنکھیں اُسے دیکھ رہی ہیں۔ وہ ان پوشیدہ اور ظاہر دونوں قسم کی آنکھوں کا مرکز تھا۔ غالباً اسی لیے اُس کی گردن کا تناؤ، غرور کی وجہ سے کچھ اور بڑھ گیا تھا۔

وہ اُوشان کی حویلی کے صدر دروازے پر پہنچ کر رُک گیا۔ پھر اُس نے دائیں ہاتھ کے طاقت ور گھونسے سے دروازہ کھٹ کھٹایا۔ اُس کے ہاتھ کی بے پناہ طاقت سے برسوں پُرانے دروازے کی لکڑی سے بُرادہ جھڑنے لگا اور پاؤڈر کی طرح حویلی کے ابتدائی زینے پر بکھرنے لگا۔

کافی دیر بعد اندر سے ایک نسوانی آواز آئی۔ "کون ہے؟"

"نوگان..." اُس نے بھاری آواز میں جواب دیا۔ اُس کی آواز گونج دار تھی اور دُور تک سُنائی دی تھی۔ "سناںجو کے آقاؤں کا وارث... سناںجو کا نیا آقا، نوگان... اس غیر ملکی کو باہر بھیجو جو شمشیرِ سناںجو ہتھیانے آیا ہے... اور اُس غدار کو بھی نکالو جس نے سناںجو کے راز، ایک غیر قوم و مُلک کے آدمی کو منتقل کیے ہیں۔"

دروازے کی دوسری جانب سے کوئی جواب نہیں دیا گیا۔

کافی انتظار کے بعد نوگان نے دستک دینے کے لیے دوبارہ ہاتھ اُٹھایا ہی تھا کہ اندر سے وہی نسوانی آواز آئی۔ "چلے جاؤ۔ گھر میں کوئی نہیں ہے۔"

نوگان کے ہتھوڑے جیسے مضبوط ہاتھ نے اس بار شدت سے دروازے پر دستک دی اور ساتھ ہی وہ غرایا۔ "بڑے میاں! تمھارے لیے اور تمھارے چہیتے شاگرد کے لیے اب کہیں پناہ نہیں ہے۔ تم نے غداری کی اور فن ایک بُزدل کو منتقل کیا... اور اب وہ اس گاؤں کے بھولے بھالے عوام پر حکومت کرنے کے خواب لے کر یہاں آیا ہے۔ باہر آؤ، ورنہ میں اندر آکر تمھیں گدّی سے پکڑ کر کسی خارش زدہ کتے کی طرح گھسیٹتے ہوئے لے جاؤں گا۔"

ایک بار پھر خاموشی چھا گئی۔

اندر سے فوراً ہی کوئی جواب نہیں دیا گیا۔

ایک طویل بوجھل لمحہ گزرا پھر اُسی لڑکی نے کہا۔ "آقائے سناںجو کی اجازت کے بغیر کسی کو اندر نہیں آنے دیا جا سکتا۔ نوگان! یہاں سے چلے جاؤ۔"

نوگان سوچ میں پڑ گیا۔ وہ بوڑھے اوشان کی چال سمجھ گیا تھا... اُسے معلوم تھا کہ آقائے سناںجو کی اجازت کے بغیر کوئی حویلی میں قدم نہیں رکھ سکتا۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ روایات کی پاس داری میں اُوشان اُس پر ہاتھ نہیں اُٹھائے گا... لیکن اُس نے زبردستی اندر گھسنے کی کوشش کی تو اُس کی حیثیت ایک چور اور ڈاکو جیسی ہو جائے گی جس سے نمٹنے کے لیے کوئی روایت یا قانون، اُوشان کو نہیں روک سکتا تھا۔ وہ، اُس کے مقابل آنے پر حق بجانب ہوتا اور یہ بات نوگان کے لیے ہلاکت خیز ثابت ہوتی۔ اُسے یہ روایت تو بے حد پسند تھی کہ سناںجو کا کوئی آقا اپنے عوام یا اپنے خونی رشتے دار پر ہاتھ نہیں اُٹھا سکتا لیکن یہ ضابطہ اُسے بُری طرح کھل رہا تھا کہ وہ زبردستی حویلی میں داخل ہو کر، ایک ایسے چور اور ڈاکو کی حیثیت اختیار کرے گا جس سے گھر کا مالک اپنی مرضی کے مطابق نمٹ سکتا ہے۔

وہ سوچ میں پڑ گیا کہ اُوشان اور اس غیر ملکی کو حویلی سے باہر کیسے لائے؟

کچھ دیر وہ وہیں کھڑا غور کرتا رہا... پھر اُس نے اثبات میں سر ہلایا جیسے کوئی خاص ترکیب سمجھ میں آگئی ہو۔ وہ واپس اس طرف چل دیا جہاں پریمیئر کھڑا تھا۔ اُس کا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔ اُسے معلوم تھا کہ اگر آج وہ اپنی میراث اور آبا و اجداد کا خطاب حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہُوا تو پھر اُس کے حصول میں بے پناہ مصائب، دُشواریاں اور پیچیدگیاں حائل ہو جائیں گی۔

وہ پریمیئر کے سامنے پہنچ کر رُک گیا اور دھیمی آواز میں اُس سے باتیں کرنے لگا۔ کچھ دیر بعد کم سنگ نے اثبات میں سر ہلا دیا اور دونوں حویلی کی طرف بڑھ گئے۔

پریمیئر کی موجودگی میں نوگان نے ایک بار پھر حویلی کا دروازہ کھٹکھٹایا۔

"میں کہہ چکی ہُوں، نوگان! کہ چلے جاؤ۔" اندر سے لڑکی نے قدرے سخت لہجے میں کہا۔

"ان دونوں سے کہہ دو کہ خانہ سناںجو کے دروازے پر اس وقت پریمیئر موجود ہے۔" نوگان نے یہ کہتے وقت آواز خاصی بلند رکھی تھی... تاکہ اُوشان بھی اسے سُن لے۔ علاوہ ازیں نوگان کی خواہش تھی کہ گاؤں والے بھی سُن لیں کہ پریمیئر کے لیے بھی حویلی کا دروازہ نہیں کھولا گیا تھا۔

دروازے کی دوسری جانب سے کوئی جواب نہ دیا گیا۔ کئی بوجھل اور سنگین لمحے گزر گئے، تب لڑکی نے کہا۔ "اُسے کہہ دو کہ وہ غلط دروازے پر آیا ہے۔ یہاں سے قریب ترین بازارِ حُسن یونگ یانگ میں ہے۔"

یہ سُن کر نوگان بھڑک اُٹھا۔ اُس نے چیخ کر کہا۔ "اس غدار بُوڑھے اور اُس گیدڑ کے بچّے سے کہہ دو کہ باہر آجائیں ورنہ پریمیئر کے حکم پر یہ حویلی ایک دھماکے سے زمین بوس کر دی جائے گی۔"

دروازہ، اس بات پر بھی نہیں کھلا اور نہ ہی اندر سے کوئی جواب دیا گیا۔

"بُوڑھے سے کہہ دو کہ وہ مُلک و ملّت کے ایک جاسُوس کو پناہ فراہم کر رہا ہے۔ یہ قانون کی خلاف ورزی ہے، جس کے لیے حویلی کی اینٹ سے اینٹ بجائی جا سکتی ہے۔" نوگان نے گونج دار آواز میں دھمکی دی اور پلٹ کر کم سنگ کی طرف دیکھنے لگا۔ اُس کے ہونٹوں پر بڑی ہی شیطانی مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔

غالباً اس دھمکی نے حویلی کے مکینوں کو سوچنے پر مجبور کر دیا تھا کیونکہ اس بار خاموشی کا وقفہ پہلے تمام وقفوں سے زیادہ طویل ثابت ہُوا تھا... پھر اسی لڑکی کی آواز سُنائی دی۔ "بھاگوں کے چور! واپس چلے جاؤ۔ آقا تم سے وہیں آکر ملیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔" نوگان زہر خند سے بولا۔ "اُس سے کہنا کہ جلدی آئے۔ ہمارے پاس کسی قدیم آدمی کے انتظار میں ضائع کرنے کے لیے وقت نہیں ہے۔"

وہ پلٹا اور پریمیئر کے ساتھ حویلی سے تیس قدم کے فاصلے پر واقع چوراہے کی طرف واپس چل دیا۔ پریمیئر کی گاڑی کے پاس رُک کر وہ حویلی سے کسی کے نکلنے کا انتظار کرنے لگے۔ اب وہ تنہا نہیں تھے کیونکہ سناںجو کے لوگوں نے اُن کی باتیں سُن لی تھیں اور وہ سمجھ گئے تھے کہ یہ قافلہ اُنھیں کوئی نقصان پہنچانے کا ارادہ لے کر نہیں آیا۔ ان کی آمد کا مقصد صرف خانۂ سناںجو کے مکینوں تک محدود ہے۔ اس لیے وہ گھروں سے نکل نکل کر چوراہے پر جمع ہونے لگے تھے اور اُنھوں نے پریمیئر اور نوگان کی طرف دیکھ دیکھ کر خوش دلی سے ایسا اشارے کرنے شروع کر دیے تھے جیسے اُنھیں اُن لوگوں کی آمد پر بے حد خوشی محسوس ہو رہی ہو۔

اپنی حویلی میں موجود اُوشان نے نوگان کا اتنی میٹھی سُن لیا تھا۔ سناںجو کے لوگوں کی آوازیں بھی اُس کی سماعت تک پہنچ گئی تھیں اور وہ سمجھ گیا تھا کہ کمزور عوام کا ردِ عمل کیا ہے۔ وہ سمندر کی طرف گھُومنے لگا۔ برسوں کی خدمات، برسوں کی مہربانیوں اور برسوں کی محبتوں کے بعد بالآخر... سناںجو کے عوام کی ذہنیت کا اُسے اندازہ ہو گیا تھا۔ کتنا بُرا وقت تھا کہ گاؤں کے اعلا ترین خاندان کے سربراہ کی تذلیل ہو رہی تھی... اور ایسا کرنے والا کوئی غیر نہیں بلکہ خود اُسی خاندان کا چشم و چراغ تھا... اور ایسا یہ سب کچھ جانتے بُوجھتے ہُوئے بھی پریمیئر اور اُس غدار نوجوان کی پذیرائی میں مصروف ہو گئے تھے۔ وہ اُن کی آمد پر خوشی کا اظہار کر رہے تھے۔ طاقت کے نشے میں بہکے ہُوئے لوگوں کا ساتھ دینے لگے تھے۔ جو کچھ ہونا چاہیے تھا، وہ درحقیقت کس قدر آسان تھا۔ اُسے یہی تو کرنا پڑتا کہ حویلی سے باہر قدم رکھتا، چوراہے پر پہنچتا اور پھر نوگان کو گوشت کے ایک ایسے ڈھیر میں تبدیل کر دیتا جس میں سے جسم کی بعض ہڈیاں جھانک رہی ہوں... لیکن صدیوں کی روایات نے جہاں اُوشان کو اَنا کی قوت دی تھی، وہاں اُسے ذمّے داریاں بھی سونپی تھیں۔ وہ اپنے گاؤں کے لوگوں کی نظروں میں گر گیا تھا... اور اب اگر اُس نے نوگان پر ہاتھ اُٹھایا تو اپنے آبا و اجداد کی رُوحوں سے کیے ہُوئے وعدے کی خلاف ورزی کر کے خود اپنی نگاہوں میں بھی گر سکتا تھا۔ یہ بات اس نوجوان کو بھی معلوم تھی اور اسی بات نے نوگان کی زبان سے حدِ ادب کے پہرے بھی ہٹا دیے تھے، اُسے گستاخ بنا دیا تھا، اُسے زبان درازی کی اجازت دے دی تھی۔

اُوشان جانتا تھا کہ یہ شہزادگی ذمّے داری ہے۔ اُسے نوگان کا چیلنج قبول کر کے، اُسے سبق دینا چاہیے۔ اس کو ہمیشہ کے لیے نیست و نابُود

کر ڈالنا چاہیے تھا۔ یہ صدیوں پُرانی کتابوں میں لکھا ہُوا تھا... لیکن جس شخص کے ہاتھوں، اس نوشتۂ تقدیر کی تکمیل ہونی تھی، وہ بے سُدھ پڑا تھا اور کسی بچّے کی طرح بے بس تھا۔ وہ کچھ بھی تو نہیں کر سکتا تھا... اور چونکہ اُوشان اور ٹائیگر دونوں ہی نوگان کو روک نہیں سکتے تھے اس لیے آقائے سناںجو کا خطاب اُس سے چھیننے والا تھا... اور ایک ایسے نوجوان کے ہاتھوں میں جانے والا تھا جس کے نزدیک پُرانی قدروں اور رسموں کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ جو صرف اور صرف طاقت اور اقتدار کے لیے یہ خطاب حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اُوشان جانتا تھا کہ ایک بار یہ خطاب نوگان کو حاصل ہو گیا تو کیا ہو گا؟

اُوشان چٹائی پر کُنول کے آسن میں بیٹھا ہُوا، باہر خلا میں گھُور رہا تھا اور سوچتے سوچتے، اُس کی کنپٹیاں تک دُکھنے لگی تھیں... پھر وہ آہستہ آہستہ اُٹھ کھڑا ہُوا۔ وہ اُس کمرے میں چلا گیا جسے نشست و برخاست کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ وہاں جا کر، اُس نے ایک شمع روشن کر دی۔

اُس نے الماری سے دو لبادے نکالے۔ اُن میں سے ایک لبادہ سیاہ تھا جسے ہمیشہ جنگی وردی کا نشان سمجھا گیا تھا اور دوسرا لباس سفید تھا۔ سکون، امن اور بُزدلی کا لباس... جسے ان حالات میں کوئی بھی ماسٹر پہننا ہرگز پسند نہیں کر سکتا تھا۔

اُوشان نے تیزی سے یہ سفید لباس پہن لیا اور سیاہ لباس اُٹھا کر واپس الماری میں پھینک دیا... پھر وہ موم بتّی کے قریب آیا اور دوزانو بیٹھ گیا۔ اُس کی آنکھیں موہی شمع پر جمی ہُوئی تھیں اور سرخ رنگ کی طرح چمک رہی تھیں۔ اب وہ اپنے آبا و اجداد سے ذہنی رابطہ قائم کر رہا تھا... کچھ دیر تک دُعائیہ حالت برقرار رہی... اس دوران میں برسوں کی محنت، اپنا مقام، اپنی اَنا اور اپنے مرتبے کا اُسے پوری طرح احساس رہا... اور پھر اُوشان کا ذہن ان سب چیزوں کی جبر پر توجہ دینے لگا جو صرف یہ تھی کہ اپنا وجود اور اپنی ہستی ہر حال میں برقرار رکھنے کی کوشش کرو۔

بالآخر اُوشان فیصلہ کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

اُس کا چہرہ پُرسکون نظر آنے لگا۔ اُس کا ہاتھ بڑھا... پھر اُس نے موم بتّی کی جلتی ہُوئی گرم چُٹکی میں پکڑی اور شعلے کو مسل دیا۔

اُس نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ، نوگان سے ٹائیگر کی زندگی کے سلسلے میں تجارت کرے گا۔ وہ اپنا خطاب اُس کے حوالے کر دے گا اور اُس کے بدلے میں ٹائیگر کی زندگی طلب کرے گا... اور پھر جب ٹائیگر صحت یاب ہو جائے گا تو وہ نوگان سے اپنا خطاب چھین سکے گا۔ اس طرح یہ خطرناک ترین صُورتِ حال، از خود ختم ہو جائے گی۔ اس معاملے کو نمٹانے کے لیے وقت اور مہلت درکار تھی جو اسی طرح ممکن تھی کہ اس وقت کا تقاضا پُورا کر دیا جائے۔

اگرچہ اس صُورتِ حال سے خود اُوشان کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا تھا کیونکہ اس کے بارے میں سناںجو کی تاریخ میں یہ بات لکھی جا چکی ہو گی کہ وہ نااہل نکلا اور اس کے بعد آنے والے آقائے سناںجو نے خطاب اُس سے زبردستی چھین لیا۔ یہ الگ بات ہے کہ بعد میں ٹائیگر اس خطاب کو حاصل کرے لیکن یہ حصُول اور خطاب کی واپسی، اُوشان کے گھرانے دُکھ کا خفیف ترین مداوا ہی ثابت ہو سکتی تھی۔

وہ کمرے سے باہر آگیا۔

خادمہ جلدی سے اُس کے قریب آگئی۔ "آقا..." اُس نے ہانپتی اور کانپتی ہُوئی آواز میں کہا۔

"کیا بات ہے، میری بچّی؟" اُوشان نے شفقت سے پوچھا۔

"کیا آپ کا جانا ضروری ہے؟"

"میں ماسٹر ہُوں، اس لیے میں فرار نہیں ہو سکتا۔"

"لیکن اُنھیں، آپ کی نہیں، اُس زخمی نوجوان کی ضرورت ہے۔ اُسے اُن کے حوالے کر دیں۔"

"مجھے افسوس ہے، میری بچّی!" اُوشان کا لہجہ بدستور نرم تھا۔ "وہ میرا بیٹا ہے اور کوئی باپ اپنے بیٹے کو قاتلوں کے حوالے نہیں کر سکتا۔"

نوجوان خادمہ کا سر نفی کے اظہار میں دائیں بائیں حرکت کرنے لگا۔ "وہ سناںجو کا باشندہ نہیں ہے، آقا! پھر وہ، آپ کا بیٹا کیسے ہو سکتا ہے؟"

"اگر سناںجو کا کوئی فرد میرا بیٹا ہو سکتا ہے تو وہ نوجوان ہر فرد سے زیادہ اہم ہے۔ اس کا دماغ، میرا دماغ ہے۔ اُس کا دل، میرا دل ہے۔ اُس کی رُوح، میری رُوح سے ہم آہنگ ہے۔ اُس کی رگوں میں اگر میرا خون نہیں دوڑتا تو کیا ہُوا، میرا فن تو اُس کی نس نس میں موجود ہے۔ اس لیے وہ ہر طرح سے میرا بیٹا ہے۔ میں اپنا ذہن، اپنی رُوح اور اپنا بیٹا کسی کے حوالے نہیں کر سکتا۔" یہ کہہ کر اُوشان شفقت سے مُسکرایا اور اُس نے خادمہ کے رُخسار پر ایسی چپت ماری جیسے کوئی شفیق بزرگ اپنی بچّی کو مارتا ہے۔

خادمہ کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔

اُوشان، حویلی کے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

★★

چوراہے پر گاؤں کے لوگوں کا اجتماع بڑھتا جا رہا تھا۔ سب لوگ پریمیئر کے قافلے کو گھیرے میں لیے کھڑے تھے۔ موٹر سائیکل سوار سپاہی لوگوں کو پریمیئر کی گاڑی سے دُور رکھنے میں مصروف تھے اور بار بار ہدایت کی جا رہی تھی کہ وہ حدِ ادب سے آگے نہ بڑھیں۔ پریمیئر، نوگان اور دیگر افسران سے کچھ فاصلے کے باوجود لوگ اُن کی باتیں صاف سُن رہے تھے۔ نوگان اور پریمیئر نے جو انداز اختیار کیا تھا، اس سے لوگوں میں خانۂ سناںجو

کے خلاف بے چینی اور غصّہ پھیل رہا تھا اور لوگوں میں تبصرے شروع ہو گئے تھے۔

"آقا بہت بُوڑھا ہو گیا ہے۔"

"اُس نے اپنا فن، ایک اجنبی کو منتقل کر کے ہمیں دھوکا دیا ہے۔"

"نوگان، خانہ سنانجو کا وقار دوبارہ بحال کر سکتا ہے۔"

جتنے مُنہ، اتنی ہی باتیں ہو رہی تھیں۔

جو لوگ بلند آواز میں تبصرہ کر رہے تھے، وہ نوگان اور پریمیئر سے اپنے تعاون کا اظہار کر رہے تھے جبکہ ہجوم میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں تھی جو یہ کہنا چاہتے تھے کہ اُدشان نے اُن کے لیے بہت کچھ کیا ہے۔ اس کی وجہ سے بہت سے لوگ بھوکوں مرنے سے بچ گئے۔ اس نے کمزوروں کی مدد کی، درنہ طاقتور لوگ... انھیں نیست و نابود کر دیتے۔ اس نے بچوں کے لیے غذا مہیا کی ورنہ وہ بلک بلک کر دم توڑ دیتے۔ یہ سب باتیں ان لوگوں کے دلوں میں تھیں۔ وہ اظہار کی جرأت نہیں پا رہے تھے کیونکہ انھیں محسوس ہو رہا تھا کہ اکثریت مخالفانہ جذبات سے مغلوب ہو چکی ہے۔

پریمیئر کا چہرہ پُرسکون تھا۔ یُوں محسوس ہوتا تھا جیسے اُس کو لوگوں کی باتوں یا کسی بھی معاملے سے کوئی دلچسپی نہ ہو جبکہ نوگان کی بے چینی ہر گزرتے ہوئے لمحے کے ساتھ بڑھتی ہی جا رہی تھی۔

وہ بار بار خانہ سنانجو کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"وہ کہاں ہے؟" دفعتہً پریمیئر نے دریافت کیا۔

نوگان نے کوئی جواب نہیں دیا۔

اچانک ہی ہجوم کی بھنبھناہٹ دم توڑ گئی... اب ہر آنکھ خانہ سنانجو کی طرف مڑی تھی۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے کسی شے نے اُن کی گویائی سلب کر لی ہو۔

حویلی کی جانب سے اُدشان چوراہے کی طرف چلا آ رہا تھا۔ اُس کے جسم پر سفید روایتی لباس تھا۔ اُس کے دونوں ہاتھ سامنے بندھے ہوئے تھے اور کھلی آستینوں میں پوشیدہ تھے۔ اُس کے چہرے پر گہری سنجیدگی تھی۔ اُس کے قدم آہستہ آہستہ لیکن سُبک انداز میں اُٹھ رہے تھے۔ وہ سکون کا ایک چھوٹا سا متحرک مجسمہ لگ رہا تھا۔

"وہ اجنبی نوجوان کہاں ہے؟" دفعتہً ہجوم میں سے ایک شخص چیخ پڑا۔

"نقلی آقا، اب بھی اس اجنبی کو تحفظ دینے پر تُلا ہُوا ہے۔" دوسری آواز اُبھری۔

"غدار..." ایک اور آواز سُنائی دی...

... اور پھر ہجوم میں سے کئی آدمی "غدار... غدار" کی صدائیں بلند کرنے لگے۔

دل سے اُدشان کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں اُبھرا... [illegible] رہا تھا جیسے اُس کے کان بہرے ہو گئے ہوں۔ وہ اپنے مخصوص [illegible] میں اب بھی ہجوم کی طرف بڑھتا چلا آ رہا تھا۔

ہجوم کے نعرے خانہ سنانجو میں صاف سُنائی دے رہے تھے اور وہاں کے ماحول میں کہرام کی سی کیفیت پیدا ہو رہی تھی۔ حویلی میں موجود اُدشان کی خادمہ نے یہ آوازیں سُنیں تو اُسے یوں محسوس ہُوا جیسے ہر جملہ تیر کی طرح اُس کے دل میں پیوست ہو رہا ہو۔ اُس کی آنکھوں میں آنسوؤں کا شفاف پانی تیرنے لگا۔ وہ حیران تھی کہ یہ سب کچھ اچانک ہی کیسے بدل گیا؟ سنانجو کے لوگوں میں یہ جرأت کیسے پیدا ہُوئی کہ اُنھوں نے اُدشان کے خلاف ایسی باتیں کرنی شروع کر دی ہیں؟

اور پھر وجہ بھی بالآخر اُس کی سمجھ میں آ گئی۔ وہ اپنے آقا اُدشان سے نفرت نہیں کرتے تھے اور نہ ہی سب باتیں اُدشان کے خلاف تھیں بلکہ دراصل یہ باتیں اُس اجنبی کے لیے ہو رہی تھیں جو اُس کے آقا کی پناہ میں آ چکا تھا اور جس کے بارے میں کہا جا رہا تھا کہ اُدشان نے اپنا صدیوں پُرانا فن منتقل کر دیا ہے۔

"نہیں... یہ انصاف نہیں ہے۔" خادمہ بڑبڑائی۔ "آقا کی زندگی اُس اجنبی کے لیے قربان نہیں کی جا سکتی۔"

اس خیال کے ساتھ ہی لڑکی کے دل میں ٹائیگر کے خلاف غصّے اور نفرت کی ایک شدید لہر پیدا ہو گئی۔ وہ چند لمحوں کے لیے کھڑی سوچتی رہی۔ اس کا ننھا سا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا اور اُس کے محدود سوچوں والے دماغ میں ایک طوفان سا برپا ہو گیا تھا۔ وہ کسی فیصلے، کسی نتیجے پر پہنچنے کی کوشش کر رہی تھی۔

جب چوراہے سے آنے والی باتوں کے تیروں نے اُسے گھائل کر دیا تو وہ کانپ اُٹھی، اس کا ذہن سُلگ اُٹھا اور وہ حتمی نتیجے پر پہنچ گئی۔

وہ تیزی سے پلٹی اور اپنے کمرے کی طرف چل دی۔

حویلی میں اُس کے لیے جو کمرہ مخصوص تھا، اُس کی دیواروں پر آلاتِ حرب سجے ہُوئے تھے۔ وہ ایک دیوار کے سامنے جا کر رُک گئی۔ اُس کے سینے میں دل کسی ننھے سے بے چین پرندے کی طرح تڑپ رہا تھا۔ اُس کا ایک ہاتھ آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگا۔ دیوار پر دو خنجر، آر پار حالت میں آویزاں تھے۔ لڑکی کا ہاتھ ایک خنجر کے دستے پر جم گیا۔

"مجھے اس اجنبی کو قتل کر دینا چاہیے۔" وہ بڑبڑائی۔ "اس اجنبی کی وجہ سے آقا نے سنانجو کی زندگی خطرے میں نہیں ڈالی جا سکتی۔ میں اسے قتل کر کے خُون آلود خنجر لے کر گاؤں کے لوگوں کے سامنے جاؤں

گی اور کہوں گی کہ وہ جس سے نفرت کرتے تھے، میں نے اُسے قتل کر دیا ہے۔"

خنجر پر اس کی گرفت مضبوط ہو گئی۔ اب اُسے اپنا جسم پتھر کا بنا ہُوا لگتا تھا۔ وہ ایک رحم دل لڑکی تھی۔ اُس نے اب سے پہلے کسی حقیر سے کیڑے کو بھی ہلاک نہیں کیا تھا لیکن اپنے آقا کے لیے وہ چٹان بن گئی تھی۔

خنجر ہاتھ میں لے کر وہ کمرے سے نکلی تو اُس کے قدموں میں خفیف سی بھی لرزش نہیں تھی۔ وہ پاؤں جما جما کر چلتی ہُوئی، حویلی کے اُس کمرے کی طرف بڑھنے لگی جس میں وہ اجنبی نوجوان لیٹا ہُوا تھا۔

ٹائیگر کے کمرے میں داخل ہونے کے بعد اُس نے دروازہ نہایت آہستگی سے اپنے عقب میں بند کر دیا اور ٹائیگر کی طرف دیکھنے لگی۔

اُس نے ٹائیگر کو دیکھا جو بے سُدھ سو رہا تھا۔

اُس کے چہرے پر معصوم سی مُسکراہٹ تھی جسے دیکھ کر لمحے بھر کے لیے لڑکی کو یوں محسوس ہُوا جیسے وہ کسی نوجوان اجنبی کو نہیں بلکہ کسی ماؤس بچے کو دیکھ رہی ہو۔ اُس کا دل شدّت سے دھڑک اٹھا اور وہ بے چین ہو گئی۔ اُس کی چٹانی کیفیت پارہ پارہ ہونے لگی۔ خنجر کے دستے پر جو نگینے جڑے ہُوئے تھے، وہ اُسے اپنے نازک ہاتھوں میں چبھتے محسوس ہونے لگے... پھر یہ چبھن دل کی پھانس بن گئی۔ وہ سکتے کے عالم میں کھڑی ٹائیگر کو گھورتی رہی۔ وہ حیران تھی کہ اُس نوجوان کو وہ کیسے قتل کر سکتی ہے۔ دل کی دھڑکنوں نے اُسے ایک عجیب دوراہے پر لا کھڑا کیا تھا۔ ایک طرف اُس کے آقا اُدشان کی زندگی تھی اور دوسری طرف یہ معصوم مُسکراہٹ والا اجنبی نوجوان۔ اُسے اُن دونوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا تھا۔

وہ آہستہ آہستہ چلتی ہُوئی ٹائیگر کے قریب پہنچ گئی۔

اُس کا خنجر والا ہاتھ بلند ہُوا... اور عین اس وقت جب وہ خنجر ٹائیگر کے سینے میں پیوست کرنے والی تھی کہ اچانک ٹائیگر نے آنکھیں کھول دیں اور مُسکرا کر بولا۔ "ہیلو، ڈیئر... ہَیل فادر کہاں ہے؟"

لڑکی کے ہاتھ سے خنجر گر گیا۔

اُس نے دونوں ہاتھوں سے چہرہ ڈھانپ لیا اور سسکیاں بھرتی ہُوئی، دروازے کی طرف دوڑتی چلی گئی۔

**

"میں پوچھتا ہُوں، وہ گدھے کا بچّہ اجنبی کہاں ہے؟" نوگان نے حق کے بل چیخ کر کہا۔ وہ اُدشان سے دو قدم کے فاصلے پر بڑے ہی... جارحانہ انداز میں کھڑا تھا۔ اس کی آنکھیں غصّے اور جھلاہٹ کی وجہ سے سُرخ ہو رہی تھیں اور وہ یوں ہاتھ لہرا کر بولا تھا جیسے وہی مکّہ اُدشان کے مارتے مارتے رہ گیا ہو۔

اُدشان نے اس کی گستاخی متوجہ ہو کر بولا۔ "میں دیکھ رہا ہُوں، تم بڑے جوشیلے ہو گئے ہو۔ اس آواز سے سنانجو کا سانڈ بھی چھا گئی ہے۔"

پریمیئر نے جواباً کندھے اُچکا کر بزدلی کا طعنہ دے کر چیخ رہے بات کا کیا جواب دے سکتا تھا۔ گئی تھیں اور وہ سب کے سب "پونگ یانگ کی کسی محفوظ جگہ پر ہو رہے تھے، جہاں گرد و نواح جا سکتی ہے۔" اُدشان نے بڑے زم

موٹر سائیکل سوار سپاہیوں میں کی سُرخ آنکھیں ہجوم کو برداشت نہ کر سکا۔ وہ جلدی سے ایک قدم آگے ہولسٹر سے نکل کر ہاتھ میں آ گیا تھا۔ اس کا دایاں ہاتھ گولی چلانے نے یوں حرکت ہُوا۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ پریمیئر کی توہین پر اُس کی آنکھیں اُدشان کی کھوپڑی پاش پاش کر دینا چاہتا ہو۔ سنانجو کی اُدشان اپنی جگہ ساکت کھڑا رہا۔ شندہ

اس کی آنکھوں میں بھی خفیف سی حرکت پیدا نہیں ہُوئی۔ اس نے صرف پُتلیاں اُس سپاہی پر گاڑ دی تھیں... اور ان میں نہ جانے کیا تاثر تھا کہ سپاہی کا اُٹھا ہُوا ہاتھ، فضا میں ہی معلق رہ گیا۔ اس نے ایک جھرجھری سی لی جیسے اُدشان کی آنکھوں کی سحری قوت سے آزاد ہو کر اُس پر حملہ آور ہونا چاہتا ہو... عین اُسی وقت پریمیئر کی گرج دار آواز سنائی دی۔

"رُک جاؤ۔" اُس نے سپاہی کو حکم دیا۔

سپاہی کا فضا میں معلق ہاتھ کانپ گیا۔ اُس کا چہرہ کسی لاش کے چہرے کی طرح سپید پڑ گیا تھا۔ پریمیئر کی غراہٹ سے پتہ چلتا تھا کہ اُسے سپاہی کی یہ حرکت پسند نہیں آئی حالانکہ سپاہی نے یہ حرکت اُس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ہی کی تھی... اور اب اُسے افسوس ہو رہا تھا کہ اُس نے اتنی جلد بازی کا مظاہرہ کیوں کیا۔ باقی سپاہی بھی تو ضبط کیے کھڑے تھے۔ آخر اُسے اُدشان پر ہاتھ اُٹھانے کی کیا ضرورت تھی؟ لیکن وقت گزر چکا تھا۔ اُس نے اپنا عمل پُروقار انداز میں مکمل کرنے کے لیے نفرت آمیز نظروں سے اُدشان کی طرف دیکھا اور ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔

"ناراض ہونے کی ضرورت نہیں۔" اُدشان نے اس کی حالت سے محظوظ ہوتے ہُوئے کہا۔ "تمھارے پریمیئر نے تمھاری زندگی کسی اور مرحلے پر قربان کرنے کے لیے بچا لی ہے۔"

"بس... بہت ہو گیا۔" نوگان تلملا کر بولا۔ "بتاؤ، شہزاد کہاں ہے؟"

نے اس بار پھر قدرے انداز میں اطلاع
ت دی تھی، آخر وہ بزدل یا بہر
شان نے مسکرا کر کہا: "ضروری
ثابت کرے۔"
رم میں سے ایک شخص چیخ پڑا۔
نے ہانک لگائی۔
وس ہوا جیسے ساری فضا ٹائیگر کو بزدل
ں سے گونج اٹھا تھا۔
ن کی طرح ساکت کھڑا رہا۔ اسے یوں محسوس
ہجوم ٹائیگر کو بزدل نہیں کہہ رہا بلکہ بزدلی کے طعنے دے
ار کر رہا ہو۔ جب تک ہجوم نعرے لگانے کے بعد خاموش
ہوا، اس نے نہ تو کوئی حرکت کی اور نہ ہی کسی کو خاموش رہنے
کم دیا۔
یکایک سناٹا چھا گیا۔
"کون بزدل ہے؟" اوشان کی آواز سناٹے کا جگر چیر گئی۔
"کیا وہ زخمی اجنبی بزدل ہے؟ یا وہ بزدل گلہری جس نے اسے زخمی کرنے کے لیے تین آدمیوں کو استعمال کیا تھا؟"
"بس بڑے میاں۔" نوگان نے بڑے ہی گستاخ لہجے میں کہا۔ "بہت ہو چکی۔"
"نہیں ابھی کچھ نہیں ہوا۔" اوشان نے پلٹ کر کہا۔ "اگر میں اپنے آباواجداد سے کیے ہوئے وعدے کا پابند نہ ہوتا تو تمہاری زبان گدی سے کھینچ کر تمہارے ٹخنوں تک لے جاتا اور پھر دیکھتا کہ تم اس زبان سے کیا کہتے ہو۔ تم نے سناٹجو کے سیدھے سادے لوگوں کو بے وقوف بنایا ہے۔ وہ یہ سمجھ رہے ہیں کہ تم بے حد دلیر ہو۔ کیا تم نے انھیں یہ بھی بتلایا ہے کہ جن لوگوں نے اس پر حملہ کیا تھا، ان کا کیا حشر ہوا ہے؟"
نوگان کا چہرہ غصے کی زیادتی سے سرخ ہو گیا۔ "اگر مجھے تمہاری بزرگی کا پاس نہ ہوتا تو میں ایک ہی ہاتھ میں تمہارے سارے دعوے خاک میں ملا دیتا۔ آخر تم اسے سامنے کیوں نہیں لاتے۔ جب وہ بہادر ہے تو تمھیں اس کی طرف سے اتنی فکر کیوں لاحق ہے... یا وہ اس حویلی کے کسی کمرے میں چھپا کیوں بیٹھا ہے؟"
"میں تمھیں جانتا ہوں، ناخلف!" اوشان نے کہا۔ "میں اپنے بزرگوں کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر میں چاہوں تو یہاں موجود سینکڑوں آدمی بھی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے... لیکن میں اپنے عہد کا پابند ہوں۔ میں نہ تو تمہارے ہاتھ روک سکتا ہوں اور نہ ہی تمہاری زبان کو لگام دینا میرے بس میں ہے۔ میں صرف تمھیں سمجھا سکتا ہوں۔ میری بات مان لو۔ شہزاد کو اس کے حال پر چھوڑ دو۔ اسی میں تمہاری بہتری ہے۔"
"تم باتیں بہت کرتے ہو، بڑے میاں۔" نوگان نے نفرت سے کہا۔ اس کی آنکھوں میں اوشان کے لیے زہر ہی زہر بھرا ہوا تھا... لیکن میں یہاں اس لیے آیا ہوں کہ اس اجنبی سے ہمیشہ کے لیے نجات حاصل کر لوں۔ تم نے سناٹجو کے لوگوں کا ورنہ اس اجنبی کو منتقل کر کے بستی والوں سے غداری کی ہے اس لیے اب تمھیں آقائے سناٹجو کا خطاب نہیں مل سکتا۔ اب میں آقائے سناٹجو ہوں۔ سناٹجو کی شمشیر میرے حوالے کر دو۔"
"غدار... غدار... غدار..." ہر طرف سے صدائیں ابھرنے لگیں۔
جب خاموشی چھا گئی تو اوشان کی آواز گونجنے لگی۔ اس کا لہجہ بھیانک تھا۔ اس میں تنبیہ کے علاوہ خوفناک تاثر تھا۔ "تم اسد شب کی داستان بھول رہے ہو۔" اوشان نے بڑے ہی پراسرار انداز میں کہنا شروع کیا۔ "سناٹجو کی کتابیں اٹھا کر دیکھو۔ قدیم نسخے میں تمھیں یہ بات مل جائے گی۔ اس داستان کو تم لوگ سینکڑوں بار پڑھ چکے ہو کہ ایک روز ایک ایسا شخص آئے گا جسے رات کا شیر کہا جائے گا۔ اس شیر کی روحانی اور جسمانی طاقت ناقابلِ تسخیر ہو گی۔"
"یہ داستانیں رہنے دو۔ انھیں تم بچوں کو سنا سنا کر کافی بہلا چکے ہو۔" نوگان نے غراتے ہوئے کہا۔ "اس مٹی کے شیر کو باہر لاؤ... پھر دیکھتے ہیں کہ وہ ناقابلِ تسخیر ہے یا نہیں۔"
"وہ کہاں ہے؟" ہجوم میں سے ایک آواز ابھری۔
"اسے باہر لاؤ..." دوسرا غرایا۔
ہجوم کا شور بڑھتا جا رہا تھا جبکہ اوشان نوگان سے یوں مخاطب تھا جیسے لوگوں کی آوازیں اس کے کانوں میں داخل ہی نہ ہو رہی ہوں۔ "تم سناٹجو کی شمشیر مجھ سے لے سکتے ہو، نوگان۔ میں تمھیں آقائے سناٹجو بنا دیتا ہوں لیکن تمھیں شہزاد سے منہ پھیرنا ہو گا۔ میں اس کی زندگی کا تم سے سودا کر رہا ہوں۔"
نوگان کے حلق سے ایک بھیانک قہقہہ ابل پڑا۔ وہ چیخ کر بولا تاکہ وہاں پر موجود تمام لوگ اس بات سے آگاہ ہو جائیں۔ "میں کسی دیوانے اور احمق بوڑھے سے کوئی سودے بازی نہیں کر سکتا۔ شہزاد کو مرنا پڑے گا۔ موت اس کا مقدر ہو چکی ہے... اور پھر تمھیں واپس اس گھر بھیج دیا جائے گا جہاں تم سے پہلے بوڑھے آقائے سناٹجو آرام کر

رہے ہیں؟"

چوراہے پر سناٹا طاری ہوگیا۔

لوگ یوں خاموش ہوگئے جیسے وہ صدیوں سے ہونٹ سی کر وہاں کھڑے ہوں اُنھیں یاد آگیا تھا کہ لوگان نے جس آخری آرام گاہ کا ذکر کیا ہے اس کا کیا مطلب ہے۔ سناجو کی روایت تھی کہ ناکارہ اور بیمار بوڑھوں اور فاقہ کشی سے نڈھال بچوں یا عورتوں کو ساحل پر واقع ایک گھر میں پہنچا دیا جاتا، جس کا ایک حصّہ گہرے پانی سے ملا ہوا تھا۔ اس گھر میں داخل ہونے کے بعد کوئی بھی واپس نہیں آسکتا تھا کیونکہ اُسے بھلبلیاں اور دو ٹائیگر آبی جانور چند ہی لمحوں میں چٹ کر جاتے تھے۔

اُوشان نے غور سے لوگان کی آنکھوں میں دیکھا۔ اُسے وہاں رحم کی خفیف سی جھلک بھی نظر نہ آئی۔ انسانیت کا وہاں نام و نشان تک نہیں تھا۔ وہ سراپا ابلیس تھا اور اس کے دل میں نفرت کا لاوا اُبل رہا تھا۔

"میں اس گھر میں اپنے پیروں پر داخل ہو جاؤں گا۔" اُوشان نے کہا۔ "لیکن شہزاد کی زندگی کی ضمانت دے دو۔" اس کے لہجے میں اب تھکن آگئی تھی۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ ٹائیگر کی زندگی کی بھیک مانگ رہا ہو۔

جواباً لوگان کے ہونٹوں پر بڑی ہی بے رحم مسکراہٹ آگئی۔ "جب تک وہ زندہ رہے گا، سناجو کے راز، راز نہیں رہیں گے۔" اس نے طنزیہ کہا۔ "اس نے قدیم فن سیکھ رکھا ہے۔ اس فن کو بھی اس کے ساتھ ہی دفن ہو جانا چاہیے تاکہ وہ باہر کی دُنیا میں نہ پھیل سکے... اور یہ کام آج اور ابھی ہوگا۔"

"ہاں... یہ کام ابھی اور اسی وقت ہونا چاہیے۔" ہوم نے چیخ کر اس کی ہمنوائی کی۔

"اجنبی کو قتل کر دیا جائے... اجنبی کو قتل کر دیا جائے۔"

ان جملوں سے اُوشان کے کان بہرے ہونے لگے۔ اس کی نگاہیں آہستہ آہستہ آسمان کی طرف اُٹھ گئیں۔ ان نگاہوں میں بے پناہ شکایت تھی جیسے وہ اپنے آباؤ اجداد سے کہہ رہا ہو کہ اُنھوں نے اُسے کیوں پابند رکھا ہے۔ اس کے پیروں میں بیڑیاں کیوں ڈال رکھی ہیں، اُسے آزاد کیوں نہیں کر دیا جاتا؟... لیکن آسمان خاموش رہا۔ اس کے آباؤ اجداد کی روحوں نے اُسے کوئی اشارہ نہیں دیا۔ سب کچھ اُس کے خلاف جا رہا تھا۔ اس کا بھتیجا، اس کے عوام، اس کے آباؤ اجداد کی روحیں... کوئی بھی تو اس کا ساتھ نہیں دے رہا تھا۔ سب کا ایک ہی تقاضا تھا۔ "اجنبی کو قتل کر دیا جائے... شہزاد کو ہلاک کر دیا جائے۔"

★★

اچانک ایک دھاڑ سُنائی دی۔

یوں محسوس ہوا جیسے جنگل میں شیر گرجا ہو۔ اس آواز سے سناجو کے در و دیوار پر لرزہ طاری ہوگیا۔ ہوم پر یوں خاموشی چھا گئی جیسے انھیں سانپ سُونگھ گیا ہو۔ وہی لوگ جو ٹائیگر کو بزدلی کا طعنہ دے کر چیخ رہے تھے۔ ان کے لبوں پر خاموشی کی مہریں لگ گئی تھیں اور وہ سب کے سب پھٹی پھٹی نظروں سے خانہ سناجو کی طرف دیکھ رہے تھے، جہاں گرد آلود راستے پر شہزاد ٹائیگر کھڑا تھا۔

اس کے جسم پر سیاہ لباس تھا اور اس کی سُرخ آنکھیں ہوم کو گھور رہی تھیں۔

وہ بول رہا تھا اور اس کی آواز کو سناجو کے لوگوں نے یوں محسوس کیا جیسے اُن کے سروں پر گھنٹیاں سی بج رہی ہوں۔ ان سب کی آنکھیں حیرت کی زیادتی سے اس لیے بھی پھٹی پڑ رہی تھیں کہ ٹائیگر سناجو کی زبان میں بول رہا تھا۔ اس وقت کون کہہ سکتا تھا کہ وہ سناجو کا باشندہ نہیں بلکہ ایک اجنبی ہے؟

لوگ حیرت سے گنگ ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ٹائیگر کے بولنے کا انداز بالکل ویسا ہی تھا جیسے وہ برسوں سے اپنے قدیم آقاؤں کی آواز سُنتے رہے تھے۔ اس کی زبان، اس کا لہجہ اور اس کی باتیں، سبھی کچھ سناجو کے قدیم آقاؤں کے مطابق تھا۔

"میں رات کا شیر ہوں۔ گناہ آلود جسموں سے زمین کو پاک کرنا میری مہم ہے۔ میں قدیم آقائے سناجو کی عظمتوں کا زندہ نشان ہوں۔ میں ٹائیگر ہوں... وہ کتا کون ہے جو مجھے مقابلے کی دعوت دے رہا ہے؟"

فوری طور پر کسی نے کوئی جواب نہیں دیا۔

سناجو کے لوگوں کو یوں محسوس ہوا جیسے چوراہے میں موجود ہر شخص کے مُنہ میں خوف کی لگام پڑ گئی ہو۔

"میں تباہی کا دیوتا ہوں، ان لوگوں کے لیے جو کمزوروں پر ظلم کرتے ہیں۔ میں ظالموں کے لیے موت کا سایہ ہوں۔ میں نشانِ مرگ ہوں، سراپا موت ہوں۔ سامنے آئے جیسے یہ دعوا ہے کہ وہ سچا ہے اور دوسرے جھوٹے ہیں۔" ٹائیگر کا لہجہ بے حد خوفناک تھا۔

چوراہے پر موجود ایک بھی فرد ایسا نہیں تھا جس کا جسم پسینے سے شرابور نہ ہوگیا ہو۔

جس وقت ٹائیگر کی گونج دار آواز سنائی دینا شروع ہوئی تھی، اس وقت اُوشان، لوگان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ آواز سن کر وہ دُوسروں کی طرح چونکا تھا اور نہ ہی اس نے پلٹ کر آواز کی سمت میں دیکھنے کی ضرورت محسوس کی تھی۔ اس کی نظریں لوگان پر تھیں اور وہ اس

کی حالت کا ہی جائزہ لیتا رہا۔ اس نے دیکھا کہ ٹائیگر کی آواز سُن کر اور اُس پر نگاہ پڑتے ہی، سب سے پہلے تو نوگان کے چہرے اور آنکھوں میں بے یقینی کی جھلک اُبھری... پھر اُن میں دہشت کے تاثرات کی آمیزش ہوگئی تھی۔

وہ پیٹھ پیچھی آنکھوں سے غائر سناٹے سے چراہے کی طرف آنے والے تیس فٹ لمبے دُھول اور گرد سے اَٹے ہُوئے راستے کو دیکھ رہا تھا۔

اُدوشان آہستہ آہستہ پلٹا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیا خدا نے اس کی دُعائیں اتنی جلدی قبول کرلیں کہ شہزاد صحت یاب ہوگیا ہے؟ شہزاد ٹائیگر کی صحت مند صدی اس صدی کا معجزہ تھا۔ اُدوشان نے آسمانوں کی طرف دیکھ کر لمحے بھر کے لیے اظہارِ تشکر میں آنکھیں بند کرلیں... اور جب اُس نے ٹائیگر کی طرف دیکھا تو اس کا دل اُچھل کر حلق میں اٹک گیا اور پھر وہیں بے یقینی سے دھڑکنے لگا لمحے بھر قبل اُسے اُمید کی جو کرن بُجھائی دی تھی، وہ فوراً ہی اندھیروں میں ڈُوب گئی۔

وہ جو کچھ دیکھ رہا تھا، اس پر اُدوشان کا دل رو پڑا تھا۔

ٹائیگر خوب پاؤں جما کر کھڑا تھا اور اس کے جسم کا زیادہ تر بوجھ اُس ٹانگ پر نفر آرہا تھا، جو زخمی نہیں تھی۔ بائیں ٹانگ پر... اس کے دونوں بازُو پہلوؤں میں ڈھیلے ڈھالے انداز میں جھول رہے تھے۔ دونوں جسم سے قریب تر تھے حالانکہ عام آدمی نہیں سمجھ سکتا تھا کہ ٹائیگر نے دونوں ہاتھوں سے جسم کو سہارا دے رکھا ہے۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ زخمی کندھوں کا بوجھ اس انداز میں ہاتھوں کو جسم پر ٹکا کر برداشت کررہا تھا تاکہ جوڑوں پر زیادہ کھچاؤ نہ پڑے۔

... اور جب اُدوشان نے محسوس کیا کہ ٹائیگر نے اُٹھنے اور پھر جنگی لباس پہن کر باہر آنے میں کس قدر اذیت برداشت کی ہے... تو اس کا دل محبت اور ستائش کے جذبات سے معمور ہوگیا۔ ساتھ ہی ساتھ اُسے اُس پر رحم بھی آیا۔ یہ زخمی ٹائیگر نے اس حالت میں نوگان جیسے درندے کا چیلنج قبول کیا تھا۔ نوگان اس کے خون سے ہاتھ رنگنے کا ارادہ لے کر آیا تھا... اور وہ ہر طرح سے اپنی خواہش پُوری کرنے کی پوزیشن میں تھا۔

جب خوف اور دہشت کی لہر گزر گئی اور نوگان خود پر قابو پانے میں کامیاب ہوگیا تو وہ سکتے کی سی کیفیت سے نکل آیا اور اس نے بھی دیکھ لیا کہ ٹائیگر کے دونوں ہاتھ پہلوؤں میں یوں رکھے ہُوئے ہیں کہ ان پر بے جان ہونے کا گمان ہوتا تھا۔ اس نے یہ بھی دیکھ لیا کہ ٹائیگر نے اپنے جسم کا زیادہ تر بوجھ اپنی بائیں ٹانگ پر ڈال رکھا ہے۔ اُس کے ہونٹوں پر بڑی ہی تضحیک آمیز مسکراہٹ آگئی۔ وہ جن لوگوں کے درمیان کھڑا تھا، وہاں سے پلٹتا ہُوا سامنے آگیا۔

اب وہ آہستہ آہستہ ٹائیگر کی طرف بڑھ رہا تھا۔

اس کے حوصلے بلند ہوگئے تھے اور وہ محسوس کررہا تھا کہ اس نوجوان کو چٹکیوں میں مسل کر رکھ دے گا۔

ٹائیگر جہاں کھڑا تھا، وہیں کھڑا رہا۔

اب تک اس نے جسم کو جتنی حرکت دی تھی، اُس کے باعث اس کی رگ رگ میں درد واذیت کی لہریں دوڑ رہی تھیں۔ کرب ناک کیفیت کے باعث اُس کا دماغ سُن ہوتا جارہا تھا۔ تکلیف ہر گزرتے ہُوئے لمحے کے ساتھ ساتھ ناقابلِ برداشت ہوتی جارہی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ نوگان کو صرف چوتھی ضرب لگانی ہے اور یہ ضرب اس کی واحد صحت مند ٹانگ یعنی بائیں ٹانگ پر آزمائی جائے گی۔ یہ ایک ایسی ضرب ہوگی جو اُسے معذور اور بے بس بنادے گی اور پھر نوگان جیسے چاہے گا، اُسے قتل کرسکے۔ اس کی حالت کسی ایسے بچے جیسی ہوگی جو کسی آدم خور درندے کے سامنے بے بار و مددگار پڑا ہو۔

ٹائیگر کا اذیت میں مبتلا ذہن تیزی سے کام کررہا تھا۔ وہ دماغ میں بار بار گھس آنے والے تاریک بادلوں کو جھٹک رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر نوگان ایک لمحے کی بھی غفلت کا شکار ہُوا تو اُسے موقع مل سکتا ہے ورنہ نہیں۔ اگر وہ کسی نہ کسی طرح اُس کے اتنے قریب آگیا کہ ٹائیگر جسم کا بوجھ ڈال کر اُسے گرانے میں کامیاب ہوگیا تو پھر بازی جیتی جاسکتی تھی۔

یہ ایک واحد داؤ تھا جسے وہ آزما سکتا تھا... اور اس داؤ کا تمام تر دارومدار نوگان کی غفلت پر تھا۔

اُس نے قریب آتے ہُوئے نوگان کی آنکھوں میں جھانک کر دیکھا اور زندگی میں شاید پہلی بار اس پر مایوسی کا لمحاتی دَورہ پڑا۔ اُسے محسوس ہوگیا تھا کہ وہ جس تیکنیک پر انحصار کرنا چاہتا ہے، وہ نوگان جیسے طاقت وَر نوجوان کو چت کرنے کے لیے کافی نہیں ہے۔

نوگان اُس کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑے، قدم قدم آگے بڑھ رہا تھا اور ہر اُٹھتے ہُوئے قدم کے ساتھ اس کی مسکراہٹ گہری ہوتی جا رہی تھی۔ غالباً وہ بھی ٹائیگر کا ذہن پڑھنے میں کامیابی حاصل کررہا تھا۔

یکایک ٹائیگر کی نگاہ اُدوشان پر پڑی۔

اُدوشان کا جسم اُسے نوگان کے پہلو سے دکھائی دے رہا تھا۔ اُس نے دیکھا کہ اُس کے اُستاد کے چہرے پر دُکھ کی پرچھائیاں رقص کررہی ہیں۔ اس کی ترحم آمیز نگاہوں میں معذرت کا بھی تاثر تھا جیسے وہ اس سے کہہ رہا ہو، مجھے معاف کردینا، میرے بچے! میں نے زندگی میں کبھی اپنے اصُولوں سے انحراف نہیں کیا۔ یہ اصُول میرے، اپنے نہیں بلکہ آباؤ اجداد کے اصُول ہیں جن کا احترام میں اپنی زندگی سے بھی بڑھ کر کرتا ہُوں۔ یہی وجہ ہے کہ میں نہ تو ان لوگوں کی زبانیں روک

سکتا ہُوں جو تم پر ذلت آمیز باتوں کے تیر برسا رہی ہیں اور نہ ہی اس درندے کے قدم روک سکتا ہُوں جو تمہیں پامال کرنا چاہتا ہے۔

نوگان رُک چُکا تھا۔

وہ ٹائیگر سے اتنے فاصلے پر تھا کہ ٹائیگر اس تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔

"ہُوں... تو تم ابھی تک چل سکتے ہو۔" نوگان نے زہریلی مسکراہٹ کے ساتھ ٹائیگر سے کہا۔

"چلو... شروع ہوجاؤ، کتے۔" ٹائیگر کے حلق سے غراہٹ نکلی۔

"جیسے تمہاری مرضی۔ میں گھر آئے مہمان کی یہ آرزو ضرور پوری کروں گا۔"

ٹائیگر اس کے قریب آنے کا انتظار کرتا رہا۔ وہ منتظر رہا کہ کب نوگان چوتھی ضرب لگاتا ہے۔ یہ آخری ضرب اُسے اُس کی بائیں ٹانگ کے جوڑ پر لگانی تھی... لیکن نوگان نے ایسا نہیں کیا۔ یکایک اس کی دائیں ٹانگ بجلی کے کوندے کی طرح حرکت میں آئی اور اُس کے پاؤں کی چونچ، ٹائیگر کے دائیں کندھے کے عضلات کی گرہ پر پڑی۔ عضلات اور ریشے ٹوٹ پھوٹ میں مبتلا ہُوئے تو ٹائیگر کے حلق سے ایک اذیت آمیز بے ساختہ چیخ نکل گئی۔ اس کی کلائی نے پہلو پر جس جگہ سہارا لے رکھا تھا، وہاں سے ضرب کھانے والا بازُو ہٹ گیا اور بازُو کا پُورا بوجھ کندھے کے جوڑ پر پڑنے لگا... اس جوڑ پر جس کے ریشوں میں ریخت کا عمل پہلے بھی ہوچکا تھا اور اب پھر شروع ہوگیا تھا۔

نوگان نے اس چوٹ لگنے کا لطف لیتے ہُوئے ہنس کر مقب میں مجمے کی طرف دیکھا۔ لوگ اب بھی دم سادھے کھڑے تھے۔ اُدوشان کا چہرہ دُھواں دُھواں ہورہا تھا۔

نوگان، ٹائیگر کے گرد یُوں گھوم کر عقب میں چلا گیا جیسے ٹائیگر کوئی گھومتی ہُوئی شے رہی ہو۔ وہ پلٹ کر نہیں دیکھ سکتا تھا یہ صرف اپنی حسیات سے کام لے کر یہ محسُوس کرسکتا تھا کہ اس بار چوٹ کہاں لگے گی۔

دُوسری چوٹ اس کے بائیں کندھے پر لگی۔

یہ چوٹ بھی ویسی ہی اذیت ناک تھی جیسی کہ پہلی ثابت ہُوئی تھی۔

اس بار بھی ٹائیگر بے ساختہ چیخنے سے خُود کو روک نہیں سکا تھا۔ بائیں کندھے کے عقب میں پڑنے والی ضرب نے اس کے رگ و ریشے میں آگ سی بھر دی تھی۔ اس نے ریشے ٹوٹتے ہُوئے محسوس کیے... لیکن وہ اب بھی کھڑا تھا۔ ان دو چوٹوں کے باوجود وہ گرا نہیں تھا۔

نوگان گھوم کر ایک بار پھر اُس کے سامنے آگیا تھا۔

اس کا چہرہ نفرت کی زیادتی سے بے حد بُدرُاو تانگ رہا تھا۔

"ہُوں... تو تم رات کے شیر ہو... تم تباہی اور موت کا زندہ نشان ہو... میں اُس نشان کو ہمیشہ کے لیے مٹا دُوں گا۔ تم کمزور ہو... بے بس ہو... بتاؤ، تم کیا محسوس کررہے ہو، نائٹ ٹائیگر؟" یہ سب کچھ اُس نے چیخ چیخ کر اور لوگوں کو سُنا سُنا کر کہا تھا... اور اس کے فوراً ہی بعد اس نے ایک بار پھر دائیں ٹانگ لہرائی تھی۔

ٹھوکر ٹائیگر کی پہلے سے زخمی دائیں ران پر پڑی۔

ایک اور چیخ اُس کے حلق سے نکل کر فضا میں منتشر ہوگئی... اور اس کے ساتھ ہی اس کے لیے اپنا توازن برقرار رکھنا ممکن نہ رہا اور وہ زمین پر گر گیا۔ اُس کے گرتے ہی لوگوں میں کھلبلی سی مچ گئی۔ اُنھوں نے نوگان کی تعریف میں فلک شگاف نعرے لگائے۔ اُن نعروں سے اُدوشان کا وجُود نازک پتے کی طرح کانپ اُٹھا لیکن کشادہ لبادے کی وجہ سے کوئی بھی یہ کپکپاہٹ نہیں دیکھ سکا۔

ٹائیگر کا چہرہ زمین سے چھُو رہا تھا اور اُسے مٹی کی سوندھی سوندھی بُو محسوس ہورہی تھی۔ اُسے اپنے جسم کا ایک ایک ریشہ اذیت کی لہریں منتشر کرتا محسوس ہورہا تھا۔ نوگان اب اُس سے صرف دو قدم کے فاصلے پر تھا۔

"ابھی ضرورت نہیں کہ تمہیں... چوتھی ضرب لگاؤں۔" وہ زہریلی آواز میں کہہ رہا تھا۔ "میں چند منٹ بعد ہی فیصلہ کُن چوٹ لگاؤں گا۔" یہ کہہ کر وہ فخریہ انداز میں کم رنگ کی طرف دیکھنے لگا۔

ہجُوم کے نعروں سے کانوں کے پردوں تک میں ارتعاش پیدا ہورہا تھا۔ اچانک ٹائیگر کے اندر... ایک کمزور سی آواز پیدا ہونے لگی۔

"زندہ رہو... زندہ رہو..." یہ آواز ہر گزرتی ہُوئی ساعت کے ساتھ تیز ہوتی جارہی تھی۔ یہ آواز وہ پہلے بھی سُن چکا تھا لیکن اس وقت اُسے پہچاننے میں کامیاب نہ ہوسکا۔ حالانکہ یہ اُس کے اُستاد اُدوشان کے دل کی آواز تھی۔ اس آواز کا ایک اثر یہ ہُوا کہ ٹائیگر کا ڈوبتا ہُوا ذہن یکایک بیداری کے مرحلے میں داخل ہوگیا۔

"آقائے سُنابجو! جاؤ... آخری آرام گاہ میں چلے جاؤ۔" ہجُوم اب اُدوشان سے مخاطب تھا۔

ٹائیگر نے اپنا زخمی اور ناکارہ ہاتھ زمین پر پھیلایا۔ اس عمل سے اُسے جو اذیت برداشت کرنی پڑی، اُسے برداشت کرنا، عام انسان کے تصوّر سے بھی بعید تھا... لیکن اب ٹائیگر اپنی ناکارہ جسم کی توانائی نہیں بلکہ اُس رُوحانی طاقت کے سہارے سب کچھ کررہا تھا، جو اُدوشان کے ذریعے اُسے حاصل ہُوئی تھی اور جس کی بیداری میں کافی وقت لگ گیا تھا۔

وہ کوشش کرکے تھوڑا سا اُٹھ گیا تو اس کی صحت مند ٹانگ بطور ہدف نمایاں ہوگئی۔ یہ دیکھ کر نوگان چونک پڑا۔ وہ سوچ بھی نہیں

سکتا تھا کہ ان مخصوص چوٹوں کے بعد کوئی شخص خفیف سی حرکت بھی کر سکتا ہے... لیکن وہ جو کچھ بھی دیکھ رہا تھا، کھلی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔

دیکھتے ہی دیکھتے ٹائیگر ایک بار پھر کھڑا ہو گیا۔

ہجوم ایک بار پھر خاموشی کی چادر میں لپٹ گیا۔

ہر شخص گہرے تجسس سے ٹائیگر کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"نوگان... آؤ، نوگان! میں تمھیں بتاؤں کہ زمین پر بندر نانے والے لوگوں کے لیے آسمانوں پر کیا لکھا گیا ہے۔" ٹائیگر کی آواز گونج اٹھی۔

نوگان ٹھٹک گیا۔

ٹائیگر کی آواز میں نہ جانے کیا تاثر تھا کہ نوگان کو اپنے جسم میں خنکی کی ایک لہر سی دوڑتی محسوس ہونے لگی تھی۔

"میرے قریب آؤ۔" ٹائیگر نے جلتی ہوئی آنکھوں سے نوگان کو گھور کر کہا۔ "بزدلی مت دکھاؤ۔ یہ باب آج ختم ہو جانا چاہیے۔"

نوگان آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگا۔ اُس کی چال میں لرزش نہیں تھی لیکن اس کا دل لرز رہا تھا اور دلی کیفیت اُس کے چہرے پر بھی نمودار ہوتی جا رہی تھی۔

جب نوگان دوبارہ ٹائیگر کے مقابل آیا تو وہ اپنے چہرے پر چھائے ہوئے تاثرات چھپانے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ اس کی آنکھوں اور چہرے سے صدمے اور دہشت کا تاثر ظاہر ہو رہا تھا۔ وہ کسی لاش کی طرح ساکت تھا۔ اس کے قریب اُوشان اور پیٹیر کھڑا تھا۔ ٹائیگر کے جسم کا ہر ہر ریشہ درد و اذیت سے دوچار تھا لیکن وہ خاموش نہیں رہ سکتا تھا۔ اُسے کچھ نہ کچھ کرنا تھا... اس کے لیے حرکت ناگزیر تھی حالانکہ اُس کے رگ و ریشے میں تکلیف کی لہریں دوڑ رہی تھیں اور ہر لہر اُس کا دماغ ماؤف کرنے پر مُصر محسوس ہو رہی تھی۔

اس نے حملہ کر دیا۔

اس نے نوگان کے چہرے پر چونکنے اور دہشت کے تاثرات دیکھ لیے تھے اور وہ ان سے استفادہ کرنا چاہتا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ شاید صدمے کی یہ حالت نوگان کو زیادہ پھرتیلے پن کی اجازت دے اور ایک ایسا تصادم ہو کہ نوگان اور وہ، دونوں اُوپر تلے گر جائیں۔ اگر نوگان ایک بار اس کے نیچے آ جائے تو پھر یہ کھیل زیادہ تک جاری نہیں رہ سکے گا۔

یہ ایک موہوم سی اُمید تھی۔ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا تھا...

اور یہ سہارا کبھی کبھی بہت بڑا سہارا بھی ثابت ہوتا ہے۔

وہ اب سامنے کی جانب جھپٹ رہا تھا۔ اس کے جسم کا بالائی حصہ جھکا ہوا تھا اور اس میں مزید جھکاؤ پیدا ہوتا جا رہا تھا یوں لگتا تھا جیسے وہ منہ کے بل گر پڑے گا۔ آگے بڑھنے کا جوش اور ولولہ ہی اُسے آگے بڑھا رہا تھا اور اس کی بے پناہ قوتِ ارادی اُسے منہ کے بل گرنے سے بچا رہی تھی۔ ورنہ اس کا جسم اب کسی طرح بھی ذہن کے تابع رہنے پر آمادہ محسوس نہیں ہو رہا تھا۔

اُسے تین گز کا فاصلہ طے کرنا تھا۔

یہ تین گز کا فاصلہ اُسے بے حد طویل، تھکا دینے والا اور جان لیوا محسوس ہو رہا تھا۔ اُسے یوں لگ رہا تھا جیسے اُسے جھپٹنے کا انداز اختیار کیے ہوئے ایک طویل عرصہ ہو گیا ہو اور اس کے ہاتھ برسوں سے اپنے ہدف کی طرف بڑھتے بڑھتے پتھرا گئے ہوں۔

نوگان نے ایک جھرجھری سی لی۔

وہ ہوش میں آ گیا۔ اس کے حواس ایک بار پھر قابو میں لگ رہے تھے۔ اس نے خود کو صدمے اور دہشت کی کیفیت سے نکال کر سنبھال لیا تھا۔ وہ زمین پر پاؤں جمائے، ٹائیگر پر آخری وار کرنے کے لیے تیار ہو چکا تھا... اور یہ بات ٹائیگر نے بھی دیکھ لی تھی۔ یہ لمحاتی اقدام تھا جس نے ٹائیگر کو موت کی اندھیری وادیوں میں گرنے سے بچا لیا۔ وہ ابھی نوگان سے ایک گز کے فاصلے پر تھا کہ اس نے خود کو دائیں جانب جھکا لیا۔

وہ اس کندھے کے بل گرا جو ناکارہ ہو چکا تھا۔ گرنے سے جو اذیت ناک لہر پیدا ہوئی، وہ ٹائیگر کی بے پناہ قوتِ ارادی سے شکست فاش کھا گئی۔ اس نے دائیں زخمی کندھے کے بل گرتے ہی، اپنی وہ ٹانگ پوری قوت سے گھمائی جو زخمی نہیں تھی۔ اس کا پاؤں کسی کلہاڑے کے پھل کی طرح نوگان کے جسم کے درمیانی حصے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ یہ بے حد مہلک وار تھا۔ اس وار کو استعمال کرنے میں ٹائیگر نے اپنی تمام تر بچی کھچی جسمی طاقت استعمال کر ڈالی تھی۔

اس کا پنجہ اپنے ہدف سے ٹکرا گیا۔

ٹائیگر کی روح خوشی سے سرشار ہو گئی۔

اُس نے محسوس کیا کہ اس کا پنجہ، نوگان کا پیٹ پھاڑ کر اندر دھنس رہا ہے... لیکن اُسے حیرت کا زبردست دھچکا لگا کیونکہ ہڈیاں ٹوٹنے کی آواز اس کی سماعت سے نہیں ٹکرائی تھی۔ وہ سمجھ گیا کہ اس کے پاؤں کا رُخ درست نہیں تھا یا پھر ہدف نے تھوڑی سی حرکت کی تھی جس کی وجہ سے ضرب کی سمت میں تبدیلی پیدا ہو گئی تھی۔

وہ نوگان کو زخمی کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا لیکن وار مہلک ثابت نہیں ہو سکا تھا... اور ٹائیگر جو کچھ کر سکتا تھا، اس کا یہاں خاتمہ ہو جاتا تھا۔

وہ زمین پر لیٹا ہوا تھا۔ اس کی گردن ذرا سی گھومی اور پھر وہ اُوشان کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کا انداز معذرت آمیز تھا۔ لگتا تھا وہ اپنے آستادِ محترم سے معافی کا خواستگار ہو کہ بربسوں کی مشق کے باوجود بالآخر وہ کامیاب ترین ضرب لگانے میں ناکام رہا۔

اُسی لمحے ٹائیگر کے دونوں کان بجنا اُٹھے۔

اس کے کانوں سے ایک کریہہ اور دلدوز چیخ ٹکرائی اور پردے دہل گئی۔ اس کے ذہن میں کہرام بپا کر گئی۔

یہ نوگان کی چیخ تھی۔

ٹائیگر نے لیٹے لیٹے ایک بار پھر گردن گھما کر دیکھا۔ نوگان کی آنکھیں حلقوں سے اُبلی ہوئی تھیں۔ وہ سامنے کی طرف بھٹکتا چلا جا رہا تھا۔ اُس کے دونوں ہاتھ اپنے پیٹ کو سنبھالنے کی کوشش کر رہے تھے... لیکن اُس کے ہاتھوں کو منزل نصیب نہ ہو سکی۔ اس سے قبل کہ اس کے ہاتھ پیٹ تک پہنچتے، وہ منہ کے بل فرش پر گر چکا تھا۔ گرتے وقت سب سے پہلے اس کا چہرہ زمین سے ٹکرایا تھا... اور پھر وہ گھٹنوں کے بل یوں جھکا دکھائی دینے لگا کہ اس کا چہرہ زمین پر ٹکا ہوا تھا۔ اس کی آنکھیں پھٹی پھٹی سی تھیں اور وہ خاکِ مرگ چاٹ رہا تھا سی راستے کی گرد اُسے اپنے خون سے لال نظر آنے لگی تھی جس پر وہ بڑے تفاخر اور غرور سے پاؤں رکھتا ہوا خانہ سنا بجو تک گیا تھا۔ تب دھرتی اُس کے وزنی قدموں تلے کانپ رہی تھی اور اب زمین اس کے لہو کا ذائقہ چکھ رہی تھی... اور اُسے موت کا ذائقہ چکھا رہی تھی۔

ٹائیگر کا ذہن جن تاریکیوں میں ڈوب رہا تھا۔ ان میں سے نکل کر اُس نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر نوگان کی طرف دیکھا اور محسوس کیا کہ وہ مر چکا ہے... اس کی موت کیوں کر واقع ہوئی، اس کا اُسے اندازہ نہ ہو سکا کیونکہ جسم میں پھیلی ہوئی درد کی لہروں کا جال اس کے ذہن کو گرفت میں لے چکا تھا۔

ٹائیگر بے ہوش تھا اس لیے وہ اُوشان کی یہ وضاحت نہ سن سکا کہ نوگان کی مہارت پر شہزاد کی ہمت اور قوتِ ارادی بازی لے گئی ہے... اور نوگان، اس ضرب سے ہلاک نہیں ہوا جو شہزاد نے اپنے بے ہوش ہوتے ہوئے جسم کی آخری توانائی کو استعمال کرتے ہوئے لگائی تھی بلکہ اس کی ہلاکت کی وجہ موت کی دہشت تھی... اور یہ دہشت کسی بزدل ہی کے دل میں پیدا ہو سکتی ہے۔

یہ سب کچھ کہنے سے اُوشان کا مقصد درحقیقت یہ تھا کہ وہ لوگوں پر اپنے انتخاب کی دھاک بٹھانا چاہتا تھا۔ وہ انھیں بیباور کرانا چاہتا تھا کہ اُس نے شہزاد کا انتخاب کر کے حماقت نہیں کی بلکہ بے پناہ دانش مندی کا مظاہرہ کیا ہے۔

... اور ٹائیگر بے ہوشی کے سبب یہ بھی نہ سن سکا کہ لوگوں نے اُوشان کی اُس بات کی تائید کی تھی۔ اُنھوں نے اُوشان کے انتخاب کو سراہا تھا اور اپنے رویّے پر ندامت کا اظہار کرتے ہوئے یہ بات تسلیم کی تھی کہ اجنبی شہزاد کا جسم لاکھ غیر ملکی اور بیگانہ سہی اس کے سینے میں سنا بجو کے شیر کا دل دھڑکتا ہے۔

بے ہوشی کے عالم میں وہ یہ بھی نہ دیکھ سکا کہ ایک آدمی نے آگے بڑھ کر نوگان کی لاش کو ٹانگ سے پکڑ کر... ایک طرف گھسیٹنا شروع کر دیا تھا۔

"تم اسے کہاں لے جا رہے ہو؟" کسی نے دریافت کیا۔

"سمندر کے کنارے، آخری آرام گاہ میں جہاں کیکڑے اور مچھلیاں بہت عرصے سے مجھ کی ہیں۔" اس شخص نے جواب دیا۔ اس کے لہجے میں بے چینی تھی لہٰذا وہ بہت جلد بازی میں نوگان کی لاش لے جانا چاہتا تھا۔ اس وقت گاؤں کے تقریباً سب لوگ اُوشان اور ٹائیگر کی طرف متوجہ تھے۔ اس لیے کسی نے اس شخص کو شک کی نگاہ سے نہیں دیکھا بلکہ سب نے اس بات کی تائید کی کہ نوگان کی لاش کو جلد سے جلد اس آخری آرام گاہ میں پہنچا دیا جانا چاہیے۔

بے ہوش شہزاد، ٹائیگر نے پیٹیر کی آواز بھی نہیں سنی جو اپنے سپاہیوں کو وہاں سے واپس چلنے کا حکم دے رہا تھا... پھر اُس نے اُوشان سے اپنی آمد اور اپنے رویّے کی معذرت کرتے ہوئے کہا۔

"مقدس آقائے سنا بجو! میں جانتا تھا کہ یہ لاف زن لڑکا عبرتناک موت سے ہمکنار ہو گا۔ میں چاہتا تھا کہ اس کی آخری خواہش پوری کر دوں۔ اسی لیے میں اس کے ساتھ آیا تھا۔"

اُوشان ساکت آنکھوں سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ اس کے ہونٹوں پر بڑی ہی طمانیت بھری مسکراہٹ تھی اور یوں لگتا تھا جیسے اُس کو پیٹیر سے واقعی کوئی شکایت نہ ہو۔

"اور میں یہ بھی وعدہ کرتا ہوں۔" پیٹیر نے کہا۔ "میں جب تک مسندِ اقتدار پر بیٹھا ہوں.... کبھی سنا بجو کے معاملات میں ہرگز دخل اندازی نہیں کروں گا... بلکہ میری حکومت سنا بجو کی ترقی اور خوشحالی کے لیے معاون ثابت ہوتی رہے گی۔ آج سے اس بستی کے عوام کو اطمینان رکھنا چاہیے کہ انھیں دوسروں کے مقابلے میں حقیر نہیں سمجھا جائے گا اور انھیں بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے، جو میرے دیگر شہریوں کو حاصل ہیں۔" یہ کہہ کر وہ اپنے گورنر کی طرف متوجہ ہوا۔ "سنا بجو کے سلسلے میں میرے خصوصی احکامات تم نے سن لیے ہیں۔ ان کی ہر طرح سے پابندی ہونی چاہیے۔"

گورنر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

پریمیئر نے اُوشان کی طرف دیکھا جو اب بھی اپنے مخصوص پُرسکون اور ملامتیت آمیز انداز میں مسکرائے جا رہا تھا۔ اُس نے پریمیئر کا شکریہ ادا کرنے کی بھی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔

پریمیئر نے اپنے سپاہیوں کو اشارہ کیا۔ "اس نوجوان کو اُٹھا لو اور اسے نہایت احترام اور احتیاط سے خانۂ سناجُوتک پہنچا دو۔"

چند سپاہیوں نے ٹائیگر کو نہایت نرمی سے اُٹھا لیا۔ اُن کا انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ کسی ایسی نازک سی شے کو اُٹھا رہے ہوں جو خفیف سی ٹھیس لگنے سے ٹوٹ سکتی ہو۔

جب ٹائیگر کو اُٹھایا جا رہا تھا تو اس کا ذہن چند ساعتوں کے لیے بیدار ہو گیا تھا۔ غالباً اُس کی لاشعوری طاقت فوراً ہی سرگرمِ عمل ہو گئی تھی... پھر جب اس نے خود کو انتہائی نرمی سے، زمین سے فضا میں اُٹھتے محسوس کیا تو اس کا شعور اور لاشعور دونوں ہی مطمئن ہو گئے اور وہ ایک بار پھر بے ہوشی کی گہری نیند میں ڈوب گیا۔

اُوشان اب بھی مسکرا رہا تھا اور گاؤں کے لوگ اُسے عقیدت کی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ سپاہی ٹائیگر کو لے کر اُوشان کی حویلی کی طرف چل دیے۔

★★

جب ٹائیگر کی آنکھ کھلی تو اُسے یوں محسوس ہوا جیسے سناجُو کی پوری آبادی خانۂ سناجُو کی خواب گاہ میں در آئی ہو۔ سب کی نگاہیں اُس پر جمی ہوئی تھیں اور ہر چہرے پر گہری سنجیدگی چھائی ہوئی تھی۔ اُوشان اُس کے قریب ہی کھڑا تھا۔ وہ سناجُو کے لوگوں کو بتا رہا تھا کہ اُس نے اُنھیں دھوکا نہیں دیا بلکہ ان کے لیے بہترین آقا منتخب کیا ہے... ہاں! اگر وہ لوگ کوئی مناسب کچھ منتقل کر دیتا تو آج ان سب کی زندگی اجیرن ہو چکی ہوتی۔ وہ کہہ رہا تھا کہ ان لوگوں کو یہ بات ذہن سے نکال دینی چاہیے کہ شہزادہ ایک اجنبی ہے اس اجنبی کے سینے میں جو دل دھڑک رہا ہے وہ ہر طرح سے انسانیت نواز ہے۔

ٹائیگر نے اطراف میں نظریں گھما کر لوگوں کے چہروں کا جائزہ لیا کچھ ہی دیر قبل یہ لوگ نہ صرف اُسے بلکہ اُوشان کو بھی موت کے گھاٹ اُتار دینے کے درپے تھے... اُس شخص کو جس نے برسوں اُن کو پالنے کے لیے نہ جانے کیا کیا جتن کیے تھے۔

"میں تم لوگوں سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔" اس نے نقاہت آمیز لہجے میں کہا۔ "میری بات غور سے سنو۔"

گاؤں کے لوگ اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔

کئی آنکھوں سے بے پناہ دلچسپی جھلک رہی تھی۔

"میں ہیں ملک کا باشندہ ہوں، مجھے اس پر بالکل اسی طرح فخر ہے، جیسے تم لوگوں کو سناجُو کا باشندہ ہونے پر ناز ہے۔ فن کسی ایک قوم کی میراث نہیں ہوتا، یہ خدائے عظیم کا ایک تحفہ ہے، جسے ہر وہ شخص حاصل کر سکتا ہے جو اس کا اہل ہو۔ اس کا تعلق کسی بھی قوم سے ہو سکتا ہے... اور پھر وہ فن کار کسی قوم کی میراث نہیں ہوتا۔ وہ پوری دُنیا کے مستحق لوگوں کا خادم ہوتا ہے۔ تم لوگوں نے دیکھا کہ میں زندگی اور موت کی کش مکش میں مبتلا تھا... لیکن میں جیت گیا۔ یہ خدائے ذُوالجلال کی اہم نوازی ہے جس سے وہ صرف انہی کو نوازتا ہے جن کی خدمات اُسے اپنے بندوں کے لیے درکار ہوتی ہیں۔ تم لوگ مجھے بُزدل سمجھتے تھے۔ میں بُزدل نہیں ہوں... اور نہ ہی کنگ فُو کا کوئی ماسٹر کبھی بُزدل ہو سکتا ہے۔ تمھارے آقا اُوشان بھی بُزدل نہیں، تم لوگ کیا سمجھتے ہو کیا اُوشان صرف ایک ہی پل میں اس نوجوان کی لاش گراف کا خاتمہ نہیں کر سکتا تھا؟"

گاؤں کے لوگ ندامت آمیز نگاہوں سے اُس کی طرف دیکھتے رہے۔

"تم لوگوں کو بہت اچھی طرح سمجھ گیا ہوں۔ تم ناشکرگزار، ناکارہ، بدگو، گستاخ اور احمق ہو۔ تم لوگوں نے عظیم اُوشان کی زندگی بھر کی خدمات محض ایک لاف زن کی باتوں میں آ کر بھلا دیں۔ اگر میرے بس میں ہوتا تو میں بھی اُس قانون کا پابند نہ ہوتا، جس کی پابندی اُوشان آج تک کرتا آیا ہے... تو یقین جانو کہ میں آج تم سب کو اُبی جانوروں کی غذا بننے پر مجبور کر دیتا۔"

اس بات پر لوگوں کے چہرے تاریک ہو گئے۔

یکایک اُوشان نے اپنی مادری زبان میں ایک جملہ کہا۔ جس پر لوگوں کے چہرے کھل اُٹھے اور وہ خوش ہو کر نعرے لگانے لگے۔

"یاد رکھو۔" ٹائیگر غرّایا۔ "تم میں بھیڑ بکریوں پر مشتمل نہیں ہوتیں کہ جدھر کوئی ایک بھیڑ بکری جا رہی ہو، باقی سب بھی اس کے پیچھے چل دیں۔ ہر فرد اپنی جگہ ایک پوری قوم کی حیثیت رکھتا ہے۔ ہر ایک کو اپنے ذہن سے سوچنے اور فیصلہ کرنے کی آزادی ہے۔ اس لیے ہمیشہ بھیڑ چال سے دُور رہو۔ اسی میں تمھاری بہتری ہے اور اسی میں تمھاری بقا مضمر ہے۔"

اُوشان نے دروازہ کھول دیا اور جلدی جلدی گاؤں کے لوگوں کا شکریہ ادا کر کے انھیں رُخصت کرنے لگا۔ جب آخری آدمی بھی چلا گیا تو اس نے دروازہ بند کرتے ہوئے پلٹ کر کہا۔ "تم کس چٹان سے سر ٹکرانے کی کوشش کر رہے تھے، فرزندِ نادان! لوگ تو

اپنے دو ہاتھوں سے کام لے کر اپنا ایک پیٹ بھی نہیں بھر سکتے، تم ان کے دماغوں میں اتنی بھاری باتیں کیسے ڈال سکتے ہو۔"

اچانک دروازے پر دستک ہوئی۔

اُوشان چونک کر اُدھر دیکھنے لگا... پھر اُس نے دروازہ کھولا۔ ٹائیگر یہ دیکھ کر دنگ رہ گیا کہ پریمیئر کسنگ دروازے میں کھڑا تھا۔

وہ اُوشان کو ہاتھ کی معمولی سی حرکت سے سامنے سے ہٹا کر اندر آ گیا اور براہِ راست ٹائیگر سے مخاطب ہوا۔ "اوہ، تو تم بیدار ہو گئے! اس سے بہتر بے حد خوشگوار تھا۔

"یہ اس وقت بے حد تھکا ہوا ہے۔" اُوشان نے مداخلت کی۔ "یہ ملاقات کسی اور وقت پر ملتوی کر دو۔"

"یہ وقت بہت مناسب ہے۔" ٹائیگر نے مسکرا کر کہا۔ "لٹل فادر! آپ نے کہا تھا کہ پونگ یا تنگ بیوقوفوں کا شہر ہے کیوں پریمیئر؟"

پریمیئر نے اس بات کا بُرا نہیں مانا بلکہ خلافِ توقع مسکرا کر بولا۔ "یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔" اس کا لہجہ اب بھی خوشگوار تھا۔ "ویسے اگر تم کوئی اچھا قصبہ دیکھنا چاہو تو ہیم ہانگ ضرور جانا۔ وہ میرا آبائی قصبہ ہے۔"

"اگر وہاں بھی سناجُو کی طرح بھیڑ بکریاں جمع ہیں تو تمھیں چاہیے کہ وہاں ایک مذبح خانہ قائم کر دو۔" ٹائیگر کے لہجے میں تلخی آ گئی۔ اسے اس وقت کا شدید احساس تھا جو سناجُو کے لوگوں کی وجہ سے اُوشان کو برداشت کرنی پڑی تھی اور اس کا خیال تھا کہ وہ اس احساس کو زندگی بھر اپنے دل سے نہیں نکال سکے گا۔

"عوام ہر جگہ عوام ہی ہوتے ہیں اور سب کا مزاج ایک ہی جیسا ہوتا ہے۔" پریمیئر نے صلح جُو انداز اختیار کرتے ہوئے کہا۔

اس پر اُوشان نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

ٹائیگر چاہتا تھا کہ پریمیئر کو باتوں باتوں میں خوب ذلیل کرے لیکن وہ تو پگھلتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ اس کی کسی بات کا بُرا ہی نہیں مان رہا تھا۔ اس پر ٹائیگر کو شدید جھلاہٹ محسوس ہونے لگی۔ اس نے چہرہ موڑ کر کھڑکی کی طرف دیکھا۔ باہر سرد آسمان بے حد حسین لگ رہا تھا۔

"میرا خیال ہے۔ اگر آپ کچھ دنوں بعد آئیں... تو ٹائیگر مکمل طور پر شفا یاب ہو گا۔" اُوشان نے ایک بار پھر پریمیئر سے کہا۔

پریمیئر نے اثبات میں سر ہلا دیا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

دروازہ بند کر کے اُوشان واپس آیا تو ٹائیگر نے پوچھا۔ "لٹل فادر! کیا آپ مجھے مر جانے دیتے؟"

"نہیں..." اُوشان نے عجیب سے لہجے میں کہا۔ "اگر مجھے یقین ہوتا کہ تم مرنے والے ہو تو میں نوگان کے مقابلے پر آتا؟"

ٹائیگر کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ "کیا مطلب؟ کیا آپ اپنے آبا و اجداد کی روحوں سے کیے گئے وعدے کو نظر انداز کر دیتے؟"

"نہیں... لیکن جب میں میدان میں اُترتا تو ایک عام آدمی کی حیثیت سے آتا۔ میں آقائے سناجُو کی حیثیت سے اس وعدے کا پابند ہوں، عام آدمی کی حیثیت سے نہیں۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔ لٹل فادر!"

"احمق! وہ خود کو آقائے سناجُو سمجھ رہا تھا اور لوگ اس کے ہمنوا تھے۔ ایسے میں، میں آقائے سناجُو کب رہ گیا تھا؟"

"اوہ..." ٹائیگر کے ہونٹ بے آواز سیٹی بجانے کے انداز میں سکڑ گئے۔ وہ دیر تک اُوشان کو دیکھتا رہا جس کے ہونٹوں پر بڑی پُراسرار مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔ "یہ خیال آپ کو کب آیا تھا، اُوشان؟" اس نے بھاری آواز میں پوچھا۔

"اُس وقت جب وہ چوتھی ضرب لگانے کے لیے تمھاری طرف بڑھ رہا تھا۔" اُوشان نے جواب دیا۔ "لیکن جب میں نے تمھیں گری ہوئی حالت میں دیکھا تو سمجھ گیا کہ تمھارے پاس ایک آخری موقع ہے اور تم اسے ضائع نہیں کرو گے۔ خدا کا شکر ہے۔ تم نے اسے ضائع نہیں کیا۔"

ٹائیگر نے اثبات میں سر ہلا دیا اور آنکھیں بند کر لیں۔

ابھی اُسے آنکھیں بند کیے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ اچانک دروازے پر زوردار دستک ہوئی۔ اُوشان بڑبڑاتا ہوا دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ "کون ہے؟" وہ غرّایا۔

"میں ہوں آقا۔" ایک عورت خادمہ کی آواز سنائی دی۔

"کیا بات ہے، میری بچی؟" اُوشان کا لہجہ اچانک ہی نرم ہو گیا۔

"چلی جاؤ۔ اس وقت مجھے تمھاری ضرورت نہیں ہے۔"

"میں ایک اہم اطلاع دینے آئی ہوں۔" خادمہ کے لہجے میں بے چینی تھی۔

اُوشان نے دروازہ کھول دیا۔

خادمہ ہانپتی ہوئی اندر آئی اور شہزاد کے قریب آ کر ایک جھٹکے سے رُک گئی۔ "آقا..." وہ ٹائیگر کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "نوگان بچ گیا ہے اور اس کا ساتھی اُسے لے کر فرار ہو گیا ہے۔"

ٹائیگر کو یوں لگا جیسے اس کے سر پر بم کا دھماکا ہو گیا ہو۔

"کیا کہہ رہی ہو، میری بچی؟" اُوشان کے لہجے میں بھی بے قراری

سمٹ آئی "وہ تو اس وقت پھلیوں کی غذا بن رہا ہوگا۔"

"نہیں آقا۔" خادمہ نے کہا۔ "جب وہ شخص اُسے سمندر کی طرف لے جا رہا تھا تو نہ جانے کیوں میرے دل میں شدید خواہش پیدا ہوئی کہ میں اس درندے کو پھلیوں کا لقمہ بنتے ہوئے دیکھوں میں خاموشی سے اس کے پیچھے چل دی۔ گاؤں کے کنارے ایک سُرخ گاڑی کھڑی تھی جس میں چار آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک شاید ڈاکٹر بھی تھا۔ اس نے فوراً ہی نوگان کا علاج شروع کر دیا اور پھر اُسے کار میں ڈال کر تیزی سے روانہ ہو گئے۔"

ٹائیگر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ "یہ میری ٹھوکر کی ناکامی کے باعث ہوا ہے۔" وہ بڑبڑایا۔

"فکر نہ کرو فرزند!" اوشان نے کہا۔ "اگر وہ بچ گیا تو آئندہ ملاقات میں زندہ نہیں رہے گا۔ اُس وقت تک تم بالکل ٹھیک ہو چکے ہو گے۔"

"ہاں... اس وقت تک وہ بھی ٹھیک ہو چکا ہوگا۔" ٹائیگر نے جھلا کر کہا۔ "آخر اس وقت سب لوگوں نے نوگان کی طرف سے آنکھیں کیوں بند کر لی تھیں؟ اُسے اس انداز میں لے جانے کی اجازت کیوں دی گئی؟"

"اس وقت سب لوگ تمہاری طرف متوجہ تھے۔ وہ اپنے آقا کا دیدار کرنے میں محو تھے۔ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ نوگان کے بعض ہمدرد اُسے اس طرح ہماری ناک کے عین نیچے سے کر بھی لے جا سکتے ہیں۔"

ٹائیگر بڑبڑاتا رہا۔

اوشان اس کی دل جوئی کرتا رہا اور اُسے سمجھاتا رہا کہ اس سلسلے میں اُسے اتنا زیادہ دل برداشتہ نہیں ہونا چاہیے کیونکہ اور موت کے حقیقی فیصلے آسمانوں پر ہوتے ہیں اور کسی انسان اتنی جرأت نہیں کہ وہ مشیتِ ایزدی میں دخیل ہو سکے۔

ٹائیگر نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کا ذہن اچانک ہی دُھند میں لپٹتا جا رہا تھا۔ یہ دُھند ہر گزرتی ہوئی ساعت کے ساتھ بڑھتی جا رہی تھی... اور پھر اس دُھند نے اُس کی ہستی کو اپنی لپیٹ میں لے کر دُنیا و مافیہا سے بے خبر کر دیا۔

اوشان نے خادمہ کو اشارہ کیا اور دونوں دبے قدموں کمرے سے باہر چلے گئے۔

☆

اس کے بعد

ٹائیگر کے پانچویں حصے کا مطالعہ کریں۔

ٹائیگر

ڈاکٹر ایم اے قریشی



ٹائیگر

ڈاکٹر ایم اے قریشی

ندیم

پانچواں حصّہ

— ناشر —

مکتبہ القریش ◎ سرکلر روڈ

اردو بازار، لاہور ۲۔ فون: ۷۶۶۸۹۵۸

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

انقلاب سوئٹزرلینڈ کے فردوس بریں جیسے حسین ملک کے جنت نما ماحول میں اٹکھیلیاں کرنے والے شاہ مدرس کو لمحے بھر میں زمین پر لا کھڑا کیا اور وہ غصے سے پاگل ہو گیا۔ اس غصے کی بنیادی وجہ یہ بھی تھی کہ انقلاب کی خبر آنے کے بعد سے اب تک اس کا معتمد اور قابل اعتماد ذاتی پائلٹ کلاہان مسلسل پیٹے جا رہا تھا۔

اس کا تعلق نیو جرسی سے تھا اور اس وقت اسے شراب کی بوتل کے علاوہ اور کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ چنانچہ شاہ مدرس کے پاس اپنا حویٹ طیارہ چلانے کے لیے اپنے ملک کی فضائیہ کے سربراہ محمد علی حسن کے علاوہ اور کوئی پائلٹ نہیں تھا۔ شاہ مدرس نے یہ سنا کہ اس کے ملک میں نوجوان افسروں نے اقتدار سنبھال لیا ہے تو وہ غصے سے اپنے بال نوچنے لگا۔ اس نے کلاہان سے کہا کہ وہ پانچ ہزار ڈالر کا سونا بطور انعام لے کر اسے ڈیلوی چھوڑ آئے جو اس کا دارالحکومت تھا۔ مگر کلاہان سی گرام سیون کی بوتلوں میں ڈوبا رہا اور شاہ مدرس ریڈیو ڈیلوی کی انقلابی نشریات سن سن کر پاگل ہوتا رہا۔

کلاہان نے شاہ مدرس کی درخواست پر دھیان نہیں دیا اور شاہ مدرس نے اپنے ملک کے قابل پائلٹ محمد علی حسن کی اس پیش کش کو درخور اعتنا نہ سمجھا کہ وہ اسے ہزار دشواریوں کے باوجود ڈیلوی پہنچا دے گا... اور پھر شاہ نے فیصلہ کیا کہ وہ باغیوں کو بذریعہ فون ڈانٹ کر اپنی حکمرانی بحال کرا لے گا۔

ڈیلوی سے فون پر رابطے کے لیے بھی شاہ مدرس کو سوئس نیشنل پولیس کا تعاون حاصل کرنا پڑا۔

دوسری طرف سے کسی نوجوان کرنل نے جواب دیا۔ "کرنل! غزالی! تم کون ہو؟"

مدرس نے پُر رعب لہجے میں پوچھا۔ "میرا وزیر دفاع کہاں ہے؟"

"وہ جیل میں ہے جناب۔" کرنل غزالی نے جواب دیا۔

"اور میرا کمانڈر انچیف؟"

"وہ مرا کو فرار ہو گیا۔"

"تم کون ہو؟" اس مرتبہ شاہ مدرس نے چلا کر پوچھا۔

"کرنل غزالی..."

"میں نے تمہیں ابھی تک نہیں پہچانا۔"

"میں نے آرمی اکیڈیمی کے امتحان میں سب سے زیادہ نمبر حاصل کیے تھے اور آپ کی سالگرہ والے روز تقریب میں پیریڈ کی قیادت میں ہی کر رہا تھا۔"

"اوہ۔ تو یہ تم ہو۔ اطالوی نقوش والے نوجوان!"

"درست... کرنل غزالی نے جواب دیا۔

"... گڈ۔ میں تم سے اس وقت بھی بہت خوش ہوا تھا۔"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

اب میں تمہیں جنرل بناتا ہوں۔ ترقی مبارک ہو۔ جاؤ اور جا کر میرے خلاف ہونے والی بغاوت کچل دو۔ اس سے قبل میرا محل غداروں اور باغیوں سے پاک ہونا چاہیئے۔ میری طرف سے تمہیں کھلی اجازت ہے کہ ہر باغی کو مقدمہ چلائے بغیر گولی سے اڑا دو۔ میں ہفتے کے روز وہاں پہنچ جاؤں گا۔" شاہ مدرس نے مدہوش کلاباش کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں ایسا ہرگز نہیں کر سکتا، عزت مآب!" کرنل غزالی نے جواب دیا۔ وہ جنرل کے عہدے سے پرتنزلی سے خوش معلوم نہیں ہو رہا تھا۔

"مگر کیوں؟ کیا تم بھی باغیوں میں شامل ہو؟"

"میں انقلابیوں کا قائد ہوں، اعلا حضرت!"

"تب پھر تم میرے جرمن محافظوں کے قہر کا سامنا کرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔" شاہ مدرس نے پیر پٹخ کر کہا۔

"وہ یہاں کس طرح پہنچ سکتے ہیں اعلا مرتبت، جمہوریہ کی سڑکوں اور گلیوں پر بادشاہت کے جوئے سے نجات کا جشن منایا جا رہا ہے۔ راستوں پر ٹریفک نہیں بلکہ انسان ہی انسان ہیں جو برسوں سے کچلے ہوئے تھے۔ جرمن کبھی کے فرار ہو چکے ہیں، جناب اعلا۔ اب ہم آپ کے تمام کاسہ لیسوں کو اور آپ کو کسی چیتھڑے کی طرح پھینک دیں گے۔ ہم سامراجی کاسہ لیسوں کی آنکھیں پھوڑ کر ان کے پیر کاٹ ڈالیں گے تاکہ وہ نئی نئی سازشیں نہ کر سکیں۔ ہم نے آج اتحاد کی طرف پہلا قدم اٹھایا ہے اعلا مرتبت۔"

"اوہ... تب... تو کیا میری آمدنی بند ہو جائے گی؟" شاہ مدرس نے گھبرا کر پوچھا۔

"ضروری نہیں... لیکن اگر آپ نے تخت و تاج حاصل کرنے کی کوئی کوشش کی تو آپ کو تختہ نصیب ہوگا۔ دوسری صورت میں آپ کو پنشن ملتی رہے گی۔"

"اوہ... اگر ایسا ہے تو میں تمہیں انقلاب لانے پر مبارکباد بھی دے سکتا ہوں۔" شاہ نے بھاگتے چور کی لنگوٹی ہاتھ آتے ہی چیتڑا اجلا۔

"انقلاب زندہ باد۔ خدا حافظ عزت مآب مدرس۔" یہ کہہ کر نوجوان کرنل نے ریسیور رکھ دیا۔ اس کے چہرے سے پہلا کا استقلال تھا۔ اس کی کمر سے دو پستول لٹک رہے تھے اور شانے پر اسٹین گن جھول رہی تھی۔ وہ قبلہ رُو ہو کر سربسجود ہو گیا... اب وہ کسی طاقت سے خوفزدہ نہیں تھا۔ توقع نہیں تھی کہ اوباش بادشاہ اتنی آسانی سے تختہ ٹیک دے گا۔

"سیر یار تھا۔

اس کی آنکھ اچانک ہی کھلی تھی اور اس نے بستر سے نیچے اترنے سے قبل زیر لب کہا تھا۔ "ہاں۔ میں تیار ہوں۔"

وہ قد آدم آئینے کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ آئینے میں اُسے اپنا سراپا نظر آ رہا تھا اور وہ سوچ رہا تھا کہ آقائے سناجر کے بعد وہ ایک ایسا قاتل بن گیا ہے، جس کے ہاتھوں ہونے والے ہر قتل سے انسانیت کو تحفظ ملنے لگا ہے۔ اس دوران وہ اپنا وزن تقریباً بارہ پاؤنڈ کھو چکا تھا لیکن اس کی صلاحیتوں میں کئی گنا اضافہ ہو گیا تھا۔

اُس نے تیزی سے سیاہ موزے، اطالوی جوتے، کھوری پتلون اور نیلی قمیص پہنی... اور پھر اُس کی سیاہ آنکھیں نہ جانے کیوں آپ ہی آپ چمک اٹھیں۔ اُس نے اپنے پٹھوں کو جنبش دی تو اس کا جسم، روح سے ہم آہنگ ہو گیا... اور پھر وہ ہوٹل کے ہال سے یوں چلا آیا۔ یہاں گھپ اندھیرے کے بجائے، گھپ خاموشی تھی۔ وہ عام سے انداز میں چلتا ہوا ایک دروازے کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ اُس نے اپنا کمرہ مقفل کرنا ضروری نہیں سمجھا تھا کیونکہ اس میں سوٹ کیس اور کپڑوں کے علاوہ اب کچھ بھی باقی نہیں تھا۔ اور وہ جانتا تھا کہ اس کمرے کا دروازہ بھی مقفل نہیں ہوگا کیونکہ اس کے اندر سونے والا کوئی عام آدمی نہیں تھا۔ اُس نے چند لمحوں تک آنکھیں بند کیے رکھیں اور چشم تصور میں شمشیر سناجر کے مالک اور اپنے استاد اوشان کو چت سوتے ہوئے دیکھتا رہا... پھر اُس نے سر خم کیا اور لفٹ کی طرف بڑھ گیا۔

وہ اور اوشان دونوں آج صبح اُس شہر میں آئے تھے اور اُس ہوٹل میں آتے ہی اوشان نے اپنے مخصوص انداز میں ہنستے ہوئے کہا تھا۔ "فرزند کھڑکیوں سے باہر دیکھو، کتنے حسین پہاڑ نظر آ رہے ہیں؟" یہ کہتے ہوئے اوشان کی چھدری اور پتلی سی داڑھی ہل رہی تھی اور رخسار پر مچھیں بہت بھلی لگ رہی تھیں۔

"ہاں... یہی وہ جگہ ہے جہاں..."

"اپنے آغاز کو مت بھولو... اور انجام سے بھی بے خبر نہ رہو۔" اوشان نے خشک شاخ جیسا ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا تھا...

"اور جذبوں کی گرمی کو اتنا مشتعل نہ کرو کہ اعصاب چیخ کر ٹوٹ جائیں... اور ہاں فرزند، ایک ایسے ہی شہر میں تمہیں میری تحویل میں دیا گیا تھا۔"

"اور ایسے ہی شہر کی جیل میں مجھے سزائے موت بھی دی گئی تھی مگر اوشان میں..."

"تم بے قصور تھے فرزند۔" اوشان نے عام سے لہجے میں جواب دیا۔ اسی لیے شمشیر سناجر کے مالک نے تمہارا کمزور ہاتھ تھام لیا تھا۔"

شہزاد خاموش ہو گیا تھا۔ اُس کے دماغ میں آندھیاں سی چلنے لگی تھیں۔ اُسے سب کچھ یاد آ گیا تھا اور پھر وہ ذہنی انتشار سے بچنے کے لیے اپنے کمرے میں جا کر لیٹ گیا تھا۔

ٹائیگر ہوٹل سے نکلا تو اُسے فضاؤں میں اپنائیت سی محسوس ہوئی، وہ دونوں ہاتھ سینے پر باندھ کر چلنے لگا اور نصف گھنٹے بعد عظیم کوہ نگاراں کے دامن میں پہنچ گیا جس کی سب سے بلند چوٹی پر گھومنے والے ریسٹوران کی روشنیاں نظر آ رہی تھیں۔

وہ خاص انداز میں ان روشنیوں کو گھورنے لگا۔ دس سال کی مدت میں اس شہر نے کتنی ترقی کر لی تھی، اس کا اندازہ اسے اب ہوا تھا۔

"ارے۔ کیا دیکھ رہا ہے بھئی؟" اسے عقب سے ایک للکار سنائی دی۔

اس نے پلٹ کر دیکھا تو پانچ غنڈے کسی دیوار کی مانند کھڑے تھے۔

"میں کچھ سوچ رہا تھا مگر تم لوگوں نے آواز دے کر ساری سوچیں غلط سلط کر دیں لیکن تم کون ہو؟" ٹائیگر نے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔

"اوہ... یہ تو سوچ رہا تھا، نادر!" ایک شخص نے جوان کا سرغنہ لگتا تھا زور سے ہنس کر کہا۔ "کیا سوچ رہے تھے برخوردار؟"

"یہی کہ میں کتنا خوش قسمت ہوں کہ تم لوگوں سے سیر اسامنا ہو گیا۔" ٹائیگر نے پُرسکون لہجے میں جواب دیا۔ اُس کے عضلات تیار تھے اور جسم کے ریشوں میں برقی رَو سی دوڑنے لگی تھی۔ اس کی آنکھیں بیک وقت ان پانچوں پر جمی ہوئی تھیں اور وہ ان کی ایک ایک حرکت ذہن نشین کر رہا تھا۔

"ابے۔ نادر..." غنڈوں کے سرغنہ نے اپنے دائیں طرف کھڑے ساتھی کی طرف دیکھ کر کہا۔ "یہ تو بہت ہوشیار لگتا ہے۔ کیا اسے کسی نے نہیں بتایا کہ یہ چیکو کا علاقہ ہے۔ یہ چیکو کی سڑک ہے اور یہاں چیکو کی مرضی کے بغیر سوچنا بھی منع ہے۔"

ٹائیگر نے کوئی جواب دینا مناسب نہیں سمجھا بلکہ ہوٹل کی طرف واپس چل دیا۔ اُس نے عقب سے للکار سنی اور پھر چیک وقت دس قدموں کی دھمک سنائی دینے لگی۔ وہ غالباً اُس کے رویے سے مشتعل ہو کر اس کا تعاقب کر رہے تھے۔ شہزاد کے ہونٹوں سے مسکراہٹ کی ایک لکیر سی کھنچ گئی۔ اس نے اپنی رفتار میں کوئی کمی یا اضافہ نہیں کیا اور دونوں ہاتھ مزید زور زور سے جھلاتا ہوا چلتا رہا۔

معاً اُسے ایک فٹ سے کی سانس اپنے عقب میں محسوس ہوئی۔ غنڈہ کھلا جا تو لیے اس پر حملہ کر رہا تھا۔ یہ وہی نادر تھا۔

ٹائیگر نے ایک لمحے کے لیے انگشت شہادت اٹھائی جو نادر کی بائیں آنکھ میں پیوست ہو گئی اور پھر اس سے قبل کہ نادر چیختا ہوا نیچے گرتا، ٹائیگر کی ایڑی اس کے پیٹ پر ایک طلسمی سی ضرب لگا چکی تھی۔ اُس غنڈے کی ران پر لگی جو نادر کو گرتے دیکھ کر حملہ آور ہوا تھا۔ دونوں گر گئے، نادر نے تو چیخ بھی نہیں لی تھی جب کہ وہ غنڈہ جس کی ٹانگ ماران سے دو حصوں میں تقسیم ہو گئی تھی، ڈکرانے لگا تھا۔

باقی تین افراد، جن میں چیکو بھی شامل تھا۔ انھوں نے ٹائیگر پر حملہ کر دیا۔

ٹائیگر نے رقص کے سے انداز میں پیر اٹھائے اور ہوٹل کی طرف چل دیا۔ اس اثنا میں ایک چیک دار چاقو اُس کے قریب آیا تو اُس نے چاقو بردار ہاتھ کی کلائی دبوچ لی۔ اسی دوران دوسرا چاقو اُس کے سر پر پہنچ گیا۔ ٹائیگر نے دوسرے خالی ہاتھ سے اس دار کو روکا اور پھر یہ بھی نہ دیکھا کہ جو چاقو اس کے سر پر آ رہا تھا، اب وہ حملہ آور کے منہ میں گھس گیا ہے۔ کلائی ٹائیگر کی مٹھی میں تھی اور وہ ہوٹل کی طرف بڑھ رہا تھا... اور پھر چیکو وہ غلطی کر بیٹھا جو اُسے نہیں کرنی چاہیئے تھی۔

وہ ہوٹل اور ٹائیگر کے درمیان حائل ہو گیا۔

ٹائیگر نے اُسے لمحے بھر تک غور سے دیکھنے کی بھی زحمت گوارا نہیں کی۔ اس نے وہ ہاتھ جس میں ایک غنڈے کی کلائی دبی ہوئی تھی اٹھایا اور چیکو کے سر پر دے مارا۔ چیکو کا سر کسی پکے ہوئے سُرخ تربوز کی طرح کھل گیا اور شہزاد کلائی ایک طرف پھینک کر ہوٹل کے مرکزی گیٹ سے اندر چلا گیا۔

اُس نے ایک بار پھر اُس دروازے پر دستک دی جو کئی روز سے نہیں کھلا تھا۔

"بسم اللہ فادر!" اس کا لہجہ سپاٹ تھا۔ "میں کوہ نگاراں کی سیر کر آیا ہوں۔ مجھے اُمید ہے کہ اب لوگ مجھے خوب پہچان لیں گے۔"

"قہ... قہ..." اندر سے بطخ کے لوٹنے جیسی مخصوص آواز سنائی دی۔ یہ اوشان کا مخصوص قہقہہ تھا۔

"تم تفریح کر آئے میرے بچے... جاؤ اب جا کر آرام کرو۔" پہلی بار اس کمرے سے جواب دیا گیا۔

ٹائیگر مسکراتا ہوا اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ اُسے یقین تھا کہ وہ قاتلوں کے ایک گروہ کا صفایا کر چکا ہے اور اُسے یہ بھی یقین تھا کہ اس خبر کی اشاعت کے ساتھ ہی ڈاکٹر بہرام انھیں تلاش کر لے گا کیونکہ وہ دونوں ایک مہینے سے جزیرہ فردوس میں تھے اور انھوں نے بہرام کو اپنے بارے میں کوئی اطلاع نہیں دی تھی۔

★★

ڈاکٹر ربعنہ نے سب سے پہلی جو چیز محسوس کی وہ یہ تھی کہ

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

اُن کے بیج یا تو اُلٹے تھے یا پھر اُنھوں نے اُلٹے کر کے دکھائے تھے اور اگر ان دونوں کا تعلق واقعی الیف بی آئی سے تھا تو اُن کے بیج پرس کے دائیں طرف کیوں نہیں تھے! تیسری اہم بات یہ تھی کہ اگر یہ دونوں الیف بی آئی سے تعلق رکھتے تھے تو اُنھوں نے کارڈ کے بجائے بیج کیوں دکھائے؟

"خوش آمدید!" تھکے ہارے ڈاکٹر ریونڈ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ وہ امریکہ کا مایہ ناز محقق اور تیل کی تلاش و دریافت اور اس پر تحقیق کا ماہر تھا۔ مسلسل اڑتیس گھنٹے سے کام کرنے کے باعث وہ بہت تھکن محسوس کر رہا تھا اور اب یہ الیف بی آئی والے آ گئے تھے۔ "فرمایئے۔!"

"ہم بہت اہم امور پر گفتگو کے لیے آئے ہیں ڈاکٹر!" ان میں سے ایک نے کہا۔ "اور ہمیں اس بات کا یقین ہے کہ آپ کی زندگی خطرے میں ہے۔"

"بکواس۔ بھلا مجھ سے کسے دشمنی ہوگی؟" ڈاکٹر ریونڈ نے چشمہ لگاتے ہوئے جواب دیا۔

"آپ کے دشمن وہی لوگ ہیں جو ڈاکٹر جانسن کو قتل کر چکے ہیں۔"

"کک۔ کیا۔ جانسن قتل کر دیا گیا؟" ڈاکٹر ریونڈ اچھل پڑے۔ چشمہ ناک سے پھسل کر گر گیا۔ بات ہی کچھ ایسی تھی، وہ اور ڈاکٹر جانسن دونوں تیل کا متبادل تلاش کرنے کے پروجیکٹ پر کام کر رہے تھے تاکہ جب تیل کے قدرتی ذخیرے خشک ہو جائیں تو امریکا اپنے طور پر تیل بنا سکے۔

"وہ کیسے ہوا کیا ہوا تھا۔؟" ڈاکٹر ریونڈ کے ہاتھ کانپنے لگے۔ اعصابی تھکن نے ذہن پر اچانک ہی حملہ کر دیا تھا۔

"وہ اپنے دفتر کی تیسری منزل سے گر پڑے تھے۔ بظاہر تو حادثہ لگتا ہے لیکن ہمیں یقین ہے کہ انھیں قتل کیا گیا ہے۔"

"تم کہاں ہو؟" ریونڈ نے تعجب انگلیوں سے سگریٹ سلگا کر پوچھا۔

"میں اپنا کارڈ دکھا چکا ہوں، ویسے میرا نام مولبی اور میرے ساتھی کا نام فلپ ہے۔۔۔ اور ہم یہ جانتے ہیں کہ آپ اور ڈاکٹر جانسن کسی اہم منصوبے پر کام کر رہے تھے۔"

"ہاں۔ ہم تیل کا متبادل بنانے کے فارمولے کی تلاش میں تھے۔" ریونڈ کے منہ سے یہ جملہ نکل تو گیا مگر اُسے اچانک ہی احساس ہوا کہ اُس سے کتنی بڑی غلطی سرزد ہو چکی ہے۔

"وہ فارمولا کیا ہے ڈاکٹر؟"

"ابھی تک ایسا کچھ نہیں ہوا۔"

فلپ ڈاکٹر ریونڈ کو گھورنے لگا۔

"ہاں۔ ہم صرف اتنا معلوم کر سکے ہیں کہ سلیٹی رنگ کے پتھر دار پتھروں کو اگر عمارت سازی کے لیے استعمال کرنے کی خاطر گھڑا جائے تو ان کے نیچے سے ایک ایسا مواد ملتا ہے جسے ایٹمی پلانٹ میں ملا کر تیل بنانے کا لازمی عنصر سفوف کی شکل میں حاصل کیا جا سکتا ہے اور پھر اس سفوف کو گرمائی کے کسی کنویں میں ڈال دیا جائے تو تیل بن جاتا ہے۔۔۔ ایسا صاف تیل جس کے لیے ریفائنری کی بھی ضرورت نہیں ہوتی۔"

"کیا مقصد؟" مولبی حیرت سے منہ کھولے ڈاکٹر کو گھورتا رہا۔

"شکریہ ڈاکٹر۔" فلپ نے اپنا پستول نکال لیا اور ڈاکٹر ایک بار پھر حیرت زدہ رہ گیا کیونکہ اُسے معلوم تھا کہ الیف بی آئی والے پستول نہیں بلکہ ریوالور استعمال کرتے ہیں۔ "شکریہ ڈاکٹر! ہمیں کسی احمقانہ فارمولے کی ضرورت نہیں۔" یہ کہہ کر اُس نے ڈاکٹر کو سانس لینے کا موقع دیے بغیر ہی لبلبی دبا دی۔

مولبی کا منہ بدستور کھلا کا کھلا رہا لیکن جب اُس نے ڈاکٹر کو گرنے اور ساکت ہوتے دیکھا تو اس کے ہونٹ حرکت میں آ گئے

"اوہ۔ فلپ۔ یہ تم نے کیا کیا؟"

"ہم یہاں یہی کرنے آئے تھے۔"

"نہیں۔ ہم تجربہ گاہ تباہ کرنے آئے تھے تاکہ اس کے تمام فارمولے تباہ ہو جائیں اور۔۔۔"

"مولبی! اگر ڈاکٹر زندہ رہتا تو فارمولے بھی زندہ رہتے۔ تم ایک قتل سے گھبرا گئے ہو۔ چلو، اب یہاں سے نکل چلو۔"

مسئلہ اس تجربہ گاہ سے نکلنے کا تھا کیونکہ اب انھیں دوڑتے ہوئے قدموں کی دھمک سنائی دے رہی تھی۔ دونوں نے تجربہ گاہ میں رکھے ہوئے تجرباتی پتھروں کی طرف دیکھا اور چند لمحوں تک مشورہ کرنے کے بعد اُٹھ کھڑے ہوئے۔

کچھ ہی دیر بعد لیبارٹری یونیورسٹی کا ایک حصہ تھی، اس کے محافظ دوڑتے ہوئے اندر داخل ہوئے۔ مولبی نے فوراً انھیں اپنا بیج دکھایا اور سرعت سے جیب میں واپس رکھ لیا۔

"چوکیدار کہاں ہے؟" مولبی کا لہجہ ترش تھا اور پھر اُس نے بڑی مہارت سے صورتِ حال پر قابو پا لیا۔

"لاش ہمارے ساتھ جائے گی اور یہ سلیٹی پتھر بھی تاکہ ہم لیبارٹری میں ان کا تجزیہ کر سکیں۔" مولبی نے کہا اور لاش کینوس کے ایک بیگ میں رکھ دی گئی۔ پھر مولبی نے ایک سکیس بھی اُٹھا کر گاڑی میں رکھنے کا حکم دیا جس میں زرد لیوڈر بھرا ہوا تھا۔ جب سارا سامان یونیورسٹی کے ٹرک میں لاد گیا تو فلپ نے چوکیداروں

کو حکم دیا کہ وہ بھی ساتھ چلیں تاکہ ان کے بیانات قلم بند کیے جا سکیں۔

یوں وہ سب ایک ساتھ گئے اور پھر کبھی کیمپس واپس نہیں آئے۔

انھیں ایک ویرانے میں لے جایا گیا۔ جہاں انھیں حکم دیا گیا کہ وہ پوڈر کو پانی میں ملائیں اور جب تیل تیار نہ ہو سکا۔۔۔ تو تمام چوکیداروں کو قتل کر دیا گیا۔ پھر وہ دونوں ایک چھوٹے سے ٹرک میں دریا تک گئے۔ وہاں اُترے اور اس کے بعد انھوں نے ٹرک کو دریا میں دھکیل دیا۔ اس ٹرک میں ڈاکٹر ریونڈ، تین چوکیداروں کی لاشیں اور زرد پوڈر کا ڈبا بھی رکھا ہوا تھا۔

ڈاکٹر ریونڈ کی گمشدگی کا علم اگلے روز اور چوکیداروں کے نہ آنے کا علم اس کے بعد تنخواہ تقسیم ہونے والے روز ہوا۔ پوسٹ مارٹم سے صرف اتنا پتہ چلا کہ ریونڈ کو دریا برد کرنے سے قبل گولی بھی ماری گئی تھی۔

ان تمام واقعات کا ریکارڈ چارہ گر کا کمپیوٹر محفوظ کرتا رہا اور پھر جب کمپیوٹر نے ڈاکٹر بہرام کو بتایا کہ تیل کی قیمت کم کرنے کے لیے اس کا متبادل تیار کرنے کی منصوبہ بندی ہو رہی ہے تو۔۔۔ ڈاکٹر بہرام ایک طویل سانس لے کر رہ گیا۔ اس نے کمپیوٹر سے شاہ مدرس کی سرگرمیوں کے بارے میں پوچھا اور پھر اثبات میں سر ہلانے لگا۔

اسے کسی دعوت کی ضرورت نہیں تھی۔ کرنل غزالی سے اس کے ذاتی تعلقات تھے اور وہ جانتا تھا کہ اگر اس نے اپنے طور پر کوئی کارروائی نہ کی تو حالات بدتر ہو جائیں گے اور اسرائیل مشرقِ وسطیٰ کو ہڑپ کر جائے گا۔

★★

"تیل کی توانائی کے بارے میں تم کیا جانتے ہو؟" ڈاکٹر بہرام نے اخباروں میں بابیخ پُراسرار قتل کی خبر نہیں پڑھی تھی لیکن کمپیوٹر نے اطلاع دی تھی کہ ٹائیگر اور اوشان شہر نگاراں میں ہیں۔ جہاں کوہِ نگاراں کے قریب بابیخ قتل ہوئے ہیں۔ بہرام کے لیے اتنا جاننا کافی تھا اور یوں محض چار گھنٹے بعد ٹائیگر اس کے سامنے موجود تھا اور شہزاد اب تک تیل کے بارے میں بہرام کا لیکچر سُنتا رہا تھا جو تیل کی خصوصیات کے بجائے تیل کی وجہ سے جنم لینے والی عالمی سازشوں کے بارے میں زیادہ تھا۔ اس کے دونوں پیر بستر کے کونے پر تھے اور وہ اپنی پنڈلیوں پر خفیف گلابی دانے دیکھ رہا تھا جو ایک غیر معمولی ورزش باقاعدگی سے نہ کرنے کے باعث پیدا ہو رہے تھے۔ وہ جس کمرے میں مقیم تھا، اس کے برابر والا کمرہ اوشان کا تھا اور اس کمرے سے موسیقی کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

"تم تیل اور توانائی کے بارے میں کیا سمجھے ٹائیگر؟" اس مرتبہ بہرام کا لہجہ بہت نرم تھا۔

"وہی جو آپ اُس عورت کے بارے میں سمجھتے ہیں جس کے چہرے پر آن گنت بھورے تل نہیں ہوتے۔"

"بکواس مت کرو۔" بہرام جھینپ کر بولا۔ "ہائیڈروکاربن کیا ہوتا ہے؟"

"مجھے افسوس ہے کہ میں نے توجہ نہیں دی تھی۔" ٹائیگر نے ٹھنڈی سانس لے کر جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔۔۔ تب پھر تم سب کچھ دوبارہ سنو۔" بہرام نے جھلا کر کہا اور ایک بار پھر اس کا لیکچر شروع ہو گیا جو تیل کی پیداوار تقسیم، اسرائیل کی چیرہ دستیوں، عراق پر اس کے فضائی حملے اور بحیرۂ احمر میں ہارو دی عمرتگوں کے بارے میں تھا اور جس کی تان یہاں ٹوٹ رہی تھی کہ اس وقت عوام کو بے وقوف بنا کر جزیرۂ فردوس پر سامراجی قبضے کی سازشیں ہو رہی ہیں اور عالمی دہشت گردوں کا پسندیدہ نشانہ کرنل غزالی ہے جس کے تیل کے ذخائر پر بھی قبضہ کرنے کی کوششیں کی جا رہی ہیں۔

"اوہ۔۔۔ کرنل غزالی۔۔۔ میرا خیال ہے کہ اس آدمی کے ذہن میں بھی کچھ خلل ہے۔"

"خلل! ممکن ہے ایسا ہی ہو۔" بہرام نے صلح جو لہجے میں کہا۔ "مگر یہ مت بھولو کہ اس کی جگہ شاہ مدرس کو لانے کی کوشش کی جا رہی ہے، جس نے اپنے عوام کو فاقوں میں مبتلا کر رکھا تھا اور تیل سے ہونے والی ساری کمائی اس کے ذاتی اکاؤنٹ میں جا رہی تھی۔"

"اور غزالی نے اپنے عوام کو بہت کچھ دے کر کاہل بنا دیا ہے۔" ٹائیگر نے کسی کتاب میں پڑھا ہوا جملہ دہرا دیا۔

"شاید۔۔۔ بہرام سوچنے لگا اور پھر چند لمحوں کے بعد بولا۔ "ٹائیگر اگر غزالی کی جگہ شاہ مدرس پھر آ گیا تو دنیا بھر میں استحصال دور کی واپسی کا سلسلہ شروع ہو جائے گا۔" آج بہرام کے چہرے پر پہلے کے مقابلے میں کہیں زیادہ سنجیدگی تھی۔ وہ خوب تل کر باتیں کر رہا تھا۔

"مسئلہ کیا ہے؟" ٹائیگر نے پہلی بار سوال کیا۔

"مسئلہ۔۔۔ ہاں۔۔۔ مسئلہ نمبر ایک۔۔۔ ایک خفیہ تنظیم جس کو دنیا کی ایک سپر پاور کی ہر قسم کی اعانت حاصل ہے بعض محققین

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کی مدد سے تیل کا متبادل تلاش کر رہی ہے جس کے باعث سب سے زیادہ نقصان مشرق وسطیٰ میں تیل پیدا کرنے والے ملکوں کا ہوگا۔ اس پروجیکٹ پر کام کرنے والے دو امریکی سائنسدان قتل کیے جا چکے ہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ قتل کس نے کیا ہے اور کون سی طاقت اس کے پس پشت ہے مسئلہ نمبر دو۔۔۔ شاہ مدرس کی جزیرہ فردوس واپسی ناممکن بنا دی جائے خواہ اس کو کسی کی بھی حمایت حاصل کیوں نہ ہو اور نمبر تین۔۔۔ کرنل غزالی کی حفاظت کی جائے۔"

یہ کہہ کر مہرام اٹھا۔ اس نے بریف کیس سنبھالا اور کمرے سے نکلنے لگا۔ دروازے پر اس کی مڈبھیڑ اُوشان سے ہو گئی جو اُسے چندھیائی ہوئی آنکھوں سے دیکھتا رہا اور پھر تعظیماً جھک گیا۔

مہرام کے جاتے ہی وہ اس طرح دوڑ کر صوفے پر بیٹھ گیا جیسے پھول کی پتی، تیز ہوا سے اُڑ کر کہیں گرتی ہے۔ اس کے سامنے لمبا دبلے نے پورے صوفے کو چھپا لیا تھا۔۔۔ اور پھر بات آخری مشن کے خاتمے سے شروع ہو گئی۔

"لٹل فادر، سنا بجو نے جس کو جنم دیا ہے، اس کی وجہ سے ہم دونوں ہی قتل ہو سکتے ہیں۔" ٹائیگر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میں جانتا ہوں کہ آپ مجھے نوگان سے لڑانے کے لیے ذہنی طور پر تیار کرتے رہے ہیں۔۔۔ اور اب میں تیار بھی ہوں لیکن مسئلہ یہ ہے کہ مجھے اور آپ کو ذاتی دشمنیاں ہی نہیں عالمی دشمنیوں کا بھی فیصلہ کرنا ہوتا ہے اور اس مرتبہ ہمیں مشرق وسطیٰ اور افریقہ کی طرف جانا ہے۔"

"اوہ۔۔۔ کھجوروں کے دیس میں۔۔۔" اُوشان کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ "اس دیس میں۔۔۔ جہاں سے لوگوں نے علم و حکمت کی باتیں سیکھیں۔۔۔"

"کیا آپ نے بھی علم و حکمت وہیں سے سیکھی تھی۔ لٹل فادر؟" ٹائیگر نے شرارت آمیز لہجے میں پوچھا۔

"ہاں۔۔۔ نئے علوم کے سوتے وہیں سے پھوٹے تھے میرے بچے۔" اُوشان کی آواز بھرا گئی۔ "مگر اب وہاں تیل کے چشمے تو پھوٹے ہیں اور علم کے سرچشمے سوکھتے جا رہے ہیں۔ اب وہاں کے لوگ بھی یورپ میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ یہ ایک المیہ ہے۔ یہ ایک سزا ہے، میرے بچے۔۔۔ قدرت نے سزا دی ہے۔" اس کا چہرہ مرجھ گیا اور اس کے دونوں ہاتھ سینے پر بندھ گئے۔

ٹائیگر اسے اسی حالت میں چھوڑ کر کمرے سے نکل آیا۔

وہ بڑی سنجیدگی سے سنا بجو کے اس شیطان کے بارے میں سوچ رہا تھا جو ابھی تک قابو میں نہیں آسکا تھا۔ نوگان، اُوشان کا بھتیجا تھا۔۔۔ جو اگر جراثیم کی طرف راغب نہ ہوتا تو اُوشان کی جگہ شمشیر سنا بجو کا مالک بنتا۔ اس نے ٹائیگر اور اُوشان کو قتل کرنے کی کوشش کی تھی اور ناکام رہا تھا۔ وہ غائب ہو گیا تھا ٹائیگر کے لیے سب سے بڑا چیلنج تھا۔ بعض اوقات تو لوگان سے تنگ آکر وہ یہ تک سوچنے لگتا تھا کہ کاش وہ پیدا ہوتے ہی سنا بجو کے سمندروں میں غرق ہو گیا ہوتا۔

ہوٹل سے نکل کر اس نے لوگان کو ذہن سے جھٹک دیا اور ٹیکسی لے کر سیدھا بر کلے پہنچا جہاں چیف مہرام کے مطابق ایک اور امریکی محقق کام کر رہا تھا۔

بر کلے میں اُترتے ہی اس نے ایک عورت کو روتے دیکھا دوسری طرف ایک لڑکی دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے سسکیاں بھر رہی تھی۔ ٹائیگر نے لڑکی سے سائنس بلڈنگ کے بارے میں پوچھا۔ بلڈنگ کی طرف دیکھ کر وہ بہت کچھ سمجھ گیا اور سوچنے لگا کہ یہاں ہم کس نے رکھا ہوگا؟ بات واضح تھی۔ تیل بنانے کے فارمولے کی تلاش کا تیسرا سائنسداں بھی مارا گیا تھا۔

کیمپس میں ایک زخمی لڑکی ایک رپورٹر سے باتیں کر رہی تھی۔۔۔ "ایف بی آئی نے پہلے ہی خبردار کر دیا تھا کہ کیمپس پر حملہ ہوگا لیکن ہم یہ سمجھ کر خاموش رہے کہ یہ مخالفوں کا پروپیگنڈا ہے دھماکے سے قبل ایف بی آئی کے دو افراد نے ہم کے شعبے میں ڈاکٹر کے کمرے کی تلاشی بھی لی تھی۔ مگر۔۔۔ انھیں کچھ نہیں ملا تھا تاہم ان کے جاتے ہی۔۔۔ اُف، میرے خدا!" یہ کہہ کر وہ پھر رونے لگی۔

"اے۔۔۔ لڑکی!" شہزاد نے غصیلے لہجے میں اسے مخاطب کیا۔ "تمھیں اخبار والوں سے گفتگو کا اختیار کس نے دیا؟"

"مم۔۔۔ میں۔۔۔ میں تو صرف۔۔۔" لڑکی گڑبڑا گئی۔

"تم صرف بھی کچھ نہیں کہہ سکتیں۔ ابھی ہم کام کریں گے۔۔۔ صورتحال کا جائزہ لیں گے، تب کہیں اخبار والوں سے بات ہوگی۔"

"آپ کون ہیں مسٹر؟" رپورٹر نے غصیلے انداز میں پوچھا۔

"سیکورٹی آفیسر۔" شہزاد نے پُراسرار انداز میں سرگوشی کی اور رپورٹر اس کے لہجے ہی سے مرعوب ہو گیا۔

"ممکن ہے ڈاکٹر کی موت رائگاں نہ جائے اور وہ ہمارے لیے مکمل پروگرام چھوڑ گیا ہو۔ اگر ایسا ہوا ہے تو مجھے اس موت پر افسوس نہیں ہوگا۔" ٹائیگر نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "اوہ ہاں۔۔۔ سنو، ٹیوزمین! یہ سب کچھ آف دی ریکارڈ ہے۔ آن دی ریکارڈ

بات بعد میں۔۔۔ سمجھے؟"

رپورٹر کا منہ مارے حیرت کے کھلا کا کھلا رہ گیا کیونکہ اس نے پہلے کبھی کسی سرکاری افسر کو موت کے بارے میں اتنی بیزاری سے گفتگو کرتے ہوئے نہیں سنا تھا۔ اُسے ایسا لگا تھا جیسے اس وجیہہ نوجوان افسر کو کسی کی زندگی کی پروا ہی نہ ہو۔ وہ ٹائیگر کو گھورتا ہوا چلا گیا اور پھر ٹائیگر اس لٹورتی ہوئی عورت کی طرف متوجہ ہو گیا جس نے اُسے بتایا کہ ایف بی آئی کے دو افراد، جن میں سے ایک کے پاس بریف کیس تھا، ڈاکٹر شیلڈ کی لیبارٹری میں داخل ہوئے ان کا کہنا تھا کہ وہ بم تلاش کر کے ناکارہ بنانے والے آلات بریف کیس میں لائے ہیں۔ ان میں سے ایک موٹا اور دوسرا دبلا تھا اور دونوں شکل و صورت، جسم اور اندازہ سے ایف بی آئی میں بھرتی ہونے کے قابل بھی نہیں لگتے تھے لیکن انھوں نے اپنے بیج دکھائے تو سب کو یقین آگیا کہ وہ ایف بی آئی والے ہیں۔"

"ٹھیک ہے خوبصورت خاتون۔" ٹائیگر نے مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھا جس کی آنکھیں اب بہت حسین لگ رہی تھیں اور وہ آنکھیں شہزاد کو ناقابل فہم انداز میں دیکھ رہی تھیں۔ مگر یہ وقت نہ تو وارفتگی دکھانے کا تھا اور نہ ہی آنکھوں سے متاثر ہونے کا۔۔۔ لہٰذا ٹائیگر نے قریب سے گزرنے والی ایک پٹرول کار کو اشارہ کیا، اس کے انداز میں اتنا وقار تھا کہ پٹرول کار کے بریک چیخ پڑے۔ "بس سر!" کانسٹیبل ڈرائیور نے بڑے احترام سے پوچھا۔

"خاتون کو ان کے گھر لے جاؤ۔ میں دھماکے کے بارے میں ذرا تمھارے چیف کی خبر لے لوں۔۔۔ اور ہاں حسین خاتون! اس بارے میں تم کسی سے بھی کوئی بات نہیں کرو گی۔ ٹھیک؟"

"آں۔۔۔ ہاں۔۔۔ وعدہ۔۔۔" وہ عجیب سے انداز میں بولی۔

پٹرول کار کا ڈرائیور یہ سن کر اور زیادہ مرعوب ہو گیا کہ یہ نوجوان اس کے چیف سے بھی کوئی بڑا افسر ہے۔ اس نے لڑکی کے لیے دروازہ کھولا اور پھر ٹائیگر کو سلیوٹ کر کے گاڑی آگے بڑھا دی۔۔۔ یہ سب کچھ پولیس چیف بھی دور ہی سے دیکھ رہا تھا، وہ سمجھ گیا کہ نوجوان کسی دوسری سرکاری ایجنسی کا افسر ہے لہٰذا جب ٹائیگر ٹہلتا ہوا اس کی طرف چلا تو وہ بھی اسی کی طرف بڑھتا چلا آیا۔

"کیا ہوا؟" پولیس چیف نے بڑی اُداسی سے پوچھا۔

"کچھ نہیں، چند اموات واقع ہوئی ہیں لیکن ہم بڑے خوش قسمت ہیں کہ سارا تجربہ بچوں کا تو محفوظ ہے۔ ہم واقعی بہت خوش قسمت ہیں۔"

اس اثنا میں ربر کا ایک بڑا سا تھیلا اسٹریچر پر رکھ کر بابر پہنا دیا گیا۔ اس میں ان لوگوں کی ہڈیوں، کھال اور گوشت محفوظ تھا جو چوتھی منزل کے اس کمرے میں موجود تھے جہاں بم پھٹا تھا۔

"کالج کا سب سے ذمے دار آدمی کہاں ہے؟" شہزاد نے پولیس چیف سے پوچھا جس نے سفید بالوں والے ایک شخص کی طرف اشارہ کر دیا جو چوتھی منزل کو گھورے جا رہا تھا۔ ٹائیگر مسکراتا ہوا سفید بالوں والے آدمی کے قریب پہنچ کر کھڑا ہو گیا اور اس نے بھی چوتھی منزل کی طرف دیکھنا شروع کر دیا۔

"میرا خیال ہے، زیادہ نقصان نہیں ہوا جناب، ہر چیز ٹھیک ٹھاک ہے۔ اس بارے میں خاموش ہی رہا جائے تو بہتر ہے۔"

"کس بارے میں؟" ڈین نے اُسے گھور کر دیکھا۔

"اس بارے میں، میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔" ٹائیگر نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"نہیں۔ اوہ۔ سرکاری کام۔۔۔" سفید بالوں والے ڈین نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "پروفیسر شیلڈ بہت باصلاحیت آدمی تھا، اس کی موت پر مجھے دلی قلق ہے۔"

رپورٹر پھر جمع ہونے لگے تھے لہٰذا ٹائیگر ایک بار پھر ان کی طرف پلٹا۔ "حضرات! میں آپ کو پس منظر کے طور پر بتا رہا ہوں کہ یہاں چند افراد ہلاک ہوئے ہیں لیکن پروجیکٹ صد فی صد محفوظ ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ پروجیکٹ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا لیکن اس بارے میں آپ مجھ سے کوئی بیان منسوب نہیں کریں گے۔"

"پروجیکٹ کا نام کیا تھا؟" ایک رپورٹر نے اسے گھورتے ہوئے پوچھا کیونکہ اسے یہ بات اچھی نہیں لگی تھی کہ ایک اہم سرکاری افسر جو پولیس چیف سے بھی راز و نیاز کرتا رہا ہو، اموات کا ذکر اتنے سرسری انداز میں کرے۔

"یہ ایک سرکاری راز ہے۔ ہم صرف اتنا ہی کہہ سکتے ہیں کہ انتہائی اہمیت کا حامل وہ خفیہ پروجیکٹ پوری طرح محفوظ ہے۔"

رپورٹر پیچھے جھاڑ کر اسے کے پیچھے پڑنے لگے تو وہ انھیں نچوڑ دے کر عمارت کے اندر چلا گیا۔ ایک فائر انسپکٹر نے اسے روکنا چاہا لیکن شہزاد اس سے قبل ہی پولیس چیف کی طرف پلٹ کر ہاتھ لہرا چکا تھا۔ فائر انسپکٹر یہ دیکھ کر موم کی طرح پگھل گیا۔

"چوتھی منزل بہت محدود سے جناب! آپ ایک ماسک لے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

جائیں۔" اس نے خوشامدانہ انداز میں کہا۔

"نہیں۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔" ٹائیگر نے کہا اور اندر چلا گیا۔

انسپکٹر مارے حیرت کے اپنے چہرے پہ ہاتھ پھیرنے لگا جس پر زہریلی گیس سے بچنے کے لیے ماسک لگا ہوا تھا۔

اندر فائرمین زرہ کے کوٹ اور مخصوص جوتے اور ماسک پہنے ہوئے تھے اور دھواں ختم کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ ان کے درمیان سے ایک ایسا شخص گزر رہا تھا جس کے چہرے پہ نہ تو کوئی ماسک تھا اور نہ ہی جسم پہ کوئی حفاظتی کوٹ... کئی فائرمین اسے دیکھ کر انگشت بدنداں رہ گئے۔ پائپ ان کے ہاتھوں سے گر پڑے مگر ٹائیگر ادھر اُدھر دیکھتا ہوا چلتا رہا اور پھر ایک باتھ روم میں گھس گیا۔

اس کی واپسی بھی عجیب انداز سے ہوئی۔ وہ باتھ روم سے نکلا تو اس کے ہاتھوں میں ایک ڈبا دبا ہوا تھا جس کی وارنش اس نے باتھ روم ہی میں صاف کر دی تھی اور اب ڈبا اپنی دھات کی اصلی رنگت کے مطابق نظر آ رہا تھا۔ اس ڈبے کی صفائی اس نے اس طرح کی تھی کہ اس پر کھرچن کا نشان نہیں آیا تھا حالانکہ اس میں تو الٹے کا سامان رکھا ہوا ہے۔ وہ ڈبا سنبھالے نیچے اُتر گیا۔ لوگوں نے اسے گھیر لیا۔ اُن میں پولیس چیف بھی شامل تھا۔

"کمال ہو گیا!" شہزاد نے زور سے کہا تاکہ سب لوگ سن سکیں۔ "اس پر ایک خراش بھی نہیں آئی۔" اس نے کوٹ اُتار کر ڈبے کو اس میں چھپا لیا تھا اور پھر اس سے قبل کہ لوگ اس سے سوال کرتے، وہ یہ کہہ کر انتظامی بلاک کی طرف چل دیا کہ وہ رات بھر اس ڈبے کی حفاظت کرے گا۔

"میں اسی عمارت میں رہوں گا۔" اس نے اعلان کیا۔

لازوال
کہانیوں کے خالق

انوار صدیقی

کے

شاہکار ناول

خبیث (۵ حصے) -/۲۰۰

برہمچاری -/۱۵۰

درخشاں (۲ حصے) -/۹۰

رقصِ ابلیس -/۱۵۰

آسیب زدہ -/۱۱۰

دستک -/۱۰۰

مکتبہ القریش
اُردو بازار لاہور

سرزمین نیپال کا سچا واقعہ

درندہ

یعقوب جمیل کے ہوشربا قلم سے

دو جلدوں میں

مکمل سیٹ =/300 روپے

مکتبہ القریش سرکلر روڈ لاہور
فون 7668958

یہ سن کر بہت سے لوگ حیرت زدہ رہ گئے... پھر جب انھوں نے ٹائیگر کا یہ حکم سنا کہ وہ سب اپنے شناختی کارڈ دکھائیں تو ان کے غصے کی انتہا نہ رہی لیکن وہ اسے حاکم سمجھ بیٹھے تھے اور حکم حاکم، مرگ مفاجات کے مصداق انھوں نے اپنے کارڈ دکھائے۔ ہر شخص کا کارڈ دیکھ کر شہزاد اسے عمارت سے فوراً نکل جانے کے لیے کہتا رہا۔

"اگر یہاں دھماکا ہوا تو تم میں سے کوئی بھی نہیں بچے گا۔ چلو بھاگو۔" اس کی آواز گونجتی رہی اور وہ اپنے کوٹ اُٹھا اُٹھا کر بھاگتے رہے۔

کچھ دیر بعد ہر طرف خاموشی چھا گئی۔ سورج ڈوبنے لگا۔ ٹائیگر کی آنکھیں دروازے پر جمی رہیں جو دوسری منزل سے صاف نظر آ رہا تھا پھر ساڑھے پانچ بجے وہ ایک طویل سانس لے کر کھڑکی سے اُٹھا اور اس نے ایک طرف پڑے ہوئے ڈبے کو اُٹھا کر گود میں رکھ لیا۔

اُسے کسی کا انتظار تھا... اور انتظار کے یہ لمحے زیادہ طویل ثابت نہ ہوئے۔ اس نے اخباری نمائندوں کو غلط راہ پر ڈال دیا تھا جس کے نتیجے میں یہ خبر عام ہو گئی کہ ایک اعلیٰ افسر کوئی اہم چیز تلاش کر رہے ہیں کامیاب ہو گیا ہے۔ ٹائیگر کو توقع تھی کہ اس اہم چیز کے لیے اس سے رابطہ ضرور قائم کیا جائے گا۔ وہ اس پُراسرار ڈبے کو لے کر بیٹھا رہا تھا کہ اس کی سماعت سے دو آدمیوں کے قدموں کی چاپ ٹکرانے لگی۔ اس کی تمام تر حسیات بیدار ہو گئیں لیکن اس نے اگاہ تھا کہ آنے والوں کی طرف نہیں دیکھا بلکہ اس ڈبے کو گھورتا رہا جسے اس نے گود میں رکھا ہوا تھا۔

"الف۔ بی۔ آئی...!" ایک آواز اُبھری۔

ٹائیگر نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔ انھوں نے اپنے بیج دکھائے تو ٹائیگر کے ہونٹوں پہ بڑی ہی خطرناک مسکراہٹ رقص کرنے لگی۔ "مسٹر مولبی اور مسٹر فلپ...!" اس نے بیج دیکھ کر کہا اور اس کے ساتھ ہی اس کے جسم کا ایک ایک ریشہ سخت ہوتا چلا گیا۔ وہ ان دونوں کی موجودگی میں خون، نفرت اور درندگی کی بُو محسوس کرنے لگا تھا اور ہر گزرتے ہوئے لمحے کے ساتھ یہ بُو تیز ہوتی جا رہی تھی۔

الف۔ بی۔ آئی والے اس تلاش میں آ پہنچے تھے کہ عمارت سے کون سی چیز نکالی گئی ہے۔ یقیناً انھیں ایک پُراسرار ڈبے کے بارے میں، اخباروں سے معلوم ہوا ہے۔ ٹائیگر نے اپنے ملاقاتیوں کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ اُن دونوں نے جو بیج دکھائے تھے وہ کسی دھات کے بنے ہوئے تھے۔

ٹائیگر کے کانوں کی لویں لمحے بھر کے لیے متحرک ہوئیں... پھر اُس کے ہونٹ یوں لرزے جیسے وہ مسکرانے ہی والا ہو... اور جج بُچ انس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی جو رفتہ رفتہ پھیلتی چلی گئی حتیٰ کہ انس مسکراہٹ کے تاثرات اب اُس کی آنکھوں سے بھی ظاہر ہونے لگے تھے۔

"تم لوگ ایف۔ بی۔ آئی والے تو نہیں لگتے۔ ایف۔ بی۔ آئی کے ایجنٹ ملاقاتی کارڈ استعمال کرتے ہیں۔" ٹائیگر نے کہا۔

"ہمارا تعلق اسپیشل برانچ سے ہے۔" مولبی نے جواب دیا۔

"کیا یہ وہی ڈبا ہے جس کے بارے میں ریڈیو اور اخبار خبریں دے رہے ہیں؟" فلپ نامی ایجنٹ نے سوال کیا۔

"ہاں، یہ وہی ڈبا ہے۔" شہزاد نے مسکرا کر جواب دیا۔ اُسے حیرت تھی کہ ابھی تک حکام اُسے کسی اعلیٰ خفیہ ایجنسی کا افسر ہی سمجھ رہے ہیں۔

"تم کون ہو؟" فلپ نے پوچھا۔

"وہی جس کے ہاتھوں تمھاری موت لکھی ہوئی ہے۔" ٹائیگر کے چہرے پر مسکراہٹ بدستور موجود تھی مگر اس جواب پر مولبی اور فلپ کے تاثرات فی الفور بدل گئے۔ انھوں نے فوراً ہی پستول نکال لیے۔

فلپ نے اپنے پستول کی نال شہزاد کی کنپٹی پر رکھ دی اور پھر وہ یہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا کہ ٹائیگر کی توجہ اپنی کنپٹی کی طرف نہیں بلکہ فلپ کی اُس اُنگلی کی طرف تھی... جو لبلبی پر رکھی ہوئی تھی۔

ٹائیگر کے چہرے پر اب بھی مسکراہٹ تھی، جسے دیکھ کر فلپ کا دل غیر معمولی طور پر دھڑکنے لگا تھا۔

اس دوران میں مولبی ملحقہ کمروں کی تلاشی لے کر واپس آ گیا تھا۔

"یہاں اور کوئی نہیں ہے۔" اُس نے اعلان کرنے والے انداز میں کہا۔

"سنو، دوستو!" شہزاد نے لبلبی سے نظریں ہٹائے بغیر کہا۔ "ایک اصول مگر میں باندھ لو تو تمھاری صحت کبھی خراب نہیں ہوگی... کہ کام کرتے ہوئے ہمیشہ سیٹی بجاتے رہا کرو۔"

"بہت عقل مند بن رہے ہو۔" فلپ نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"ہاں، میں اتنا ہی عقل مند ہوں کہ تم دونوں کو لٹھ سوٹے اور دُبلے آدمی دیکھ کر فوراً سمجھ گیا کہ تم ایف۔ بی۔ آئی کے آدمی نہیں ہو۔"

"بکواس مت کرو۔ پستول ہمارے پاس ہیں۔ لہٰذا باتیں بھی ہم ہی کریں گے۔" مولبی نے غصیلے انداز میں کہا۔ "بتاؤ، تم کون ہو؟"

"وہی جو تمھیں قتل کر دے گا۔ عزرائیل نے مجھے تمھاری رُوح قبض کرنے کے اختیارات تو نہیں دیے مگر اتنا اختیار ضرور دیا ہے کہ جس طرح بھی چاہوں، تمھیں ٹھکانے لگا سکتا ہوں۔"

اسی لمحے فلپ نے ایک حیرت انگیز منظر دیکھا۔ نوجوان کا سر، اُس کے پستول کی زد سے دُور ہوا اور پھر فلپ نے مولبی کے اس ہاتھ کو کٹ کر دیوار سے ٹکراتے دیکھا جس میں اُس نے پستول تھام رکھا تھا۔ فلپ نے لبلبی دبانے کی کوشش کی مگر اُسے یوں لگا جیسے کسی نے اُس کا سر کندھوں سے اُتار پھینکا ہو... درحقیقت ہوا بھی یہی تھا۔ ٹائیگر کا ہاتھ تلوار کے سے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

انداز میں قوس بناتا ہوا، فلپ کی گردن پر پڑا تھا اور فلپ کی گردن کٹ گئی تھی۔

مولبی جو ایک ہاتھ سے محرومی کے باوجود پستول اُٹھانے کی کوشش کر رہا تھا، یہ منظر دیکھ کر دہشت زدہ رہ گیا... لیکن خود اس کو دیکھ کر خوفزدہ ہونے والا کوئی بھی نہ رہا۔ کیونکہ ٹائیگر نے اُس کا دوسرا ہاتھ بھی شانے سے الگ کر کے پھینک دیا تھا۔

مولبی مُنہ کے بل گر گیا۔

ٹائیگر نے اُسے گریبان سے پکڑ کر اُٹھا لیا۔ "تمھیں کس نے بھیجا تھا؟" ٹائیگر کا لہجہ خونخوار ہو گیا۔

"میں اُسے نہیں جانتا۔" مولبی نے درد سے تڑپتے ہوئے جواب دیا۔

ٹائیگر نے اُس کی گردن کے نیچے ہاتھ پھیرا تو وہ اچانک ہی غائب ہو گیا۔

"اب بولو، کون ہے، وہ؟" ٹائیگر نے غراتے ہوئے پوچھا۔

"میں اُسے واقعی نہیں جانتا۔ میں نے اُسے کبھی دیکھا ہی نہیں۔" مولبی کی حالت حیرت انگیز طور پر پُرسکون تھی۔ اسے تو اب صرف یہ فکر کھائے جا رہی تھی کہ دونوں ہاتھوں سے محروم ہونے کے بعد وہ زندہ کیسے رہے گا؟

"کیا یہ بات خطرناک نہیں تھی کہ تم ایک ایسے آدمی کے لیے کام کرتے رہے جو کبھی تمھارے سامنے نہیں آیا۔"

"وہ بہت بھاری تنخواہ دیتا ہے۔"

"اُس سے آیندہ کب ملاقات ہو گی؟"

"آہ! تم اسے ناقابلِ یقین سمجھو گے... لیکن اُس نے ہم سے کہا تھا کہ اگر کوئی اس کے بارے میں شدت سے پُوچھے تو کہہ دینا کہ وہ ملاقات کے لیے انتظار کرے... اُس نے ہمیں ایک عجیب سے نام کا رس بھی پلایا تھا۔"

"رس...؟ یہاں آنے سے قبل؟" ٹائیگر نے چونک کر پوچھا۔

"ہاں۔ اُس رس کا نام شاید کنانگو رس تھا۔"

"تم لوگ سائنس دانوں کو کیوں قتل کر رہے تھے؟"

"میں مقصد سے لاعلم ہوں۔"

"تم کس آئل کمپنی کے لیے کام کر رہے ہو؟"

"اس کا جواب بھی وہی دے سکتا ہے۔"

"کیا تمھیں علم نہیں کہ ایف۔ بی۔ آئی والے دھمکی کے بیج استعمال نہیں کرتے؟" ٹائیگر نے مضحکہ اُڑانے والے انداز میں کہا۔

"معلوم ہے... مگر اُس نے کہا تھا کہ ہم دھمکی کے بیج ہی استعمال کریں۔" مولبی نے جواب دیا۔ اُس کا چہرہ اب سپاٹ اور زرد نظر آنے لگا تھا۔

"شاید وہ پاگل ہے۔"

"نہیں، وہ بہت شاطر ہے۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ میں تمھیں پہچان جاؤں کہ تم ایف۔ بی۔ آئی والے نہیں ہو۔ زندگی چاہتے ہو تو مجھے اُس تک لے چلو۔"

مولبی نے زور دار قہقہہ لگایا۔ معدہ ڈگمگانے لگا۔ اُس نے ہاتھ چلا کر توازن برقرار رکھنے کی کوشش کی مگر وہ توکب کا ہاتھوں سے محروم ہو چکا تھا۔ وہ گر پڑا۔ اُس کے قہقہے اُبلتے رہے اور پھر اچانک ہی اُس کا جسم سرد پڑنے لگا اور روح موت سے ہمکنار ہونے لگی... اُس کی آنکھیں بجھنے لگی تھیں۔

"اُس نے تمھیں کون سا رس پلایا تھا؟" ٹائیگر نے اُس کی نبض پر ہاتھ رکھ کر بے چینی سے پوچھا۔ "سنانجو رس تو نہیں تھا؟... بولو..."

"آں... ہاں... یہی نام لیا تھا، شاید..." یہ کہتے ہوئے اُس کی گردن ڈھلک گئی۔

شہزاد چند لمحوں تک دونوں لاشوں کو گھورتا رہا پھر اُس نے اُن کے پستول، ہولسٹروں میں واپس رکھ دیے اور اُس کے بعد کیل فورنیا کے چمکتے ہوئے سورج کی تمازتوں کا منظر دیکھنے کے لیے باہر نکل آیا۔ جو تیزی سے مغرب کی طرف جھک رہا تھا۔ اُسے اندازہ ہو چکا تھا کہ اُن دونوں کو زہر دیا گیا تھا لیکن اتنی احتیاط برتی گئی تھی کہ وہ صرف اُس سے بات کرنے تک ہی زندہ رہیں تاکہ ٹائیگر کو معلوم ہو سکے کہ اُس کا حریف کون ہو سکتا ہے۔

وہ اپنا کام پُورا کر گئے تھے۔

اُوشان کے بھتیجے لوکان نے اُسے ایک بار پھر چیلنج کر دیا تھا۔ سنانجو کا شیطان، اُسے دوبارہ للکار رہا تھا۔

*

مشاورتی کونسل کے اجلاس میں کرنل غزالی لمبی لمبی رپورٹیں سُنتا رہا۔ اس کے چہرے پر اس دوران میں کئی رنگ آئے اور گزر گئے۔ اُس کی نظر بار بار اپنے قومی پرچم پر جاتی رہی، جو دیوار پر لگا ہُوا تھا... وہ سوچ رہا تھا کہ احمقانہ درآمدات کے باعث، مُلک کا کتنا سرمایہ باہر جا رہا ہے... پھر جب کرنل غزالی نے کسی رپورٹ پیش کرنے والے کے مُنہ سے دو لاکھ پچاس ہزار امریکی ڈالر کے اعداد سُنے تو وہ چونک کر سیدھا بیٹھ گیا۔ اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ مزید کسی فضول خرچی کی اجازت نہیں دے گا۔

"یہ دو لاکھ پچاس ہزار ڈالر کی رقم خرچ ہونے سے عوام کو کیا فائدہ ہوگا؟" اس کی تیز اور مردم شناس نظریں، ذہین وزیر برائے خفیہ اُمور پر گڑ کر رہ گئیں۔

یہ وزیر پہلے تو واقعی بے حد ذہین تھا لیکن اب نہ جانے کیوں آہستہ آہستہ اُس کی صلاحیتیں زنگ کھائے جا رہی تھیں۔

"کرنل..." وزیر نے بُرے ادب سے کہا۔ "میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"میں صرف یہ پُوچھ رہا ہُوں کہ اس رقم کے خرچ سے میرے عوام کو کیا فائدہ ہوگا؟"

"یہ رقم بیرونِ مُلک مقیم جمہوریہ کے اُن طلبا کو سہولتیں فراہم کرنے میں خرچ کی جا رہی ہے جو آپ کی حکومت اور انقلاب کے حامی ہیں۔" وزیرِ خفیہ اُمور نے گھبرا کر چند اوراق دیکھنے کے بعد جواب دیا۔ "اس کے علاوہ ایک امریکی سینیٹر کی جمہوریہ کے لیے حمایت خریدی جا چکی ہے اور ایک برطانوی وزیر..."

"بس..." کرنل غزالی نے میز پر زور سے ہاتھ مار کر کہا۔ اُس کا چہرہ سُرخ ہو گیا تھا۔ لیفٹیننٹ جنرل جعفر علی امین، کرنل کی آواز میں بادلوں جیسی گرج تھی۔ "بتاؤ کہ ڈھائی لاکھ ڈالر کے خرچ سے جمہوریہ کے عوام کو کیا فائدہ ہوگا؟"

"میں... میرے رہنما... دراصل..."

"سُنو، جعفر!" کرنل کا لہجہ اچانک نرم پڑ گیا۔ "ہم سب یہیں بیٹھے ہیں۔ جاؤ اور دیکھ کر آؤ کہ یہ رقم کہاں خرچ ہُوئی ہے۔"

لیفٹیننٹ جنرل جعفر ایڑیاں بجا کر چلا گیا اور پھر چند ہی لمحوں میں واپس آ گیا۔

"لیاڈر..." اُس نے بُرے فخر سے گردن اکڑا کر کہا۔ "یہ رقم دو افراد مولبی اور فلپ پر خرچ کی گئی ہے۔ اُن کے نام کے آگے 'ٹی' لکھا ہُوا ہے۔"

"اور اس 'ٹی' کا مطلب کیا ہے، جنرل؟" کرنل غزالی کی تیز نظریں جعفر امین کے دل میں اُترنے لگیں جسے لفظ 'ٹی' کا مطلب معلوم نہیں تھا۔

وہ صرف اتنا ہی جانتا تھا کہ اس کا فرانسیسی مشیر الفانسن جورین ہی اس کا مطلب بتا سکتا ہے اور یہ بات کرنل غزالی کو بھی معلوم تھی۔ جورین کا یہاں بظاہر کوئی عہدہ نہیں تھا لیکن جب بھی وزیرِ خفیہ اُمور کو کوئی کام پڑتا تو جورین ہی اس کی مدد کیا کرتا تھا۔ جورین کو بیرونی منصوبوں کی تکمیل کا مکمل اختیار حاصل تھا۔ مشاورتی کونسل کے اجلاس کے دوران میں وہ، دوسرے غیر ملکی مشیروں کے ساتھ لابی ہی میں بیٹھا رہتا تاکہ وزیرِ خفیہ اُمور کو جب بھی مشورہ درکار ہو تو وہ وہاں موجود ہو۔

"جعفر! اپنے مشیر کو بُلاؤ۔" کرنل غزالی نے غیر متوقع حکم دیا۔ اس سے قبل مشاورتی کونسل کے اجلاس میں کبھی کسی غیر مُلکی کو طلب نہیں کیا گیا تھا۔

لیفٹیننٹ جنرل جعفر پہلے تو حیرت سے کرنل غزالی کو دیکھتا رہا پھر فوراً ہی پلٹ کر باہر نکل گیا۔

"وہ تم سے ملنا چاہتے ہیں، جورین!" لیفٹیننٹ جنرل جعفر نے پھُولی ہُوئی سانس ٹھیک کر کے اپنے مشیر سے کہا۔

"ذاتی طور پر...؟" جورین ایک لمحے کے لیے کانپ کر رہ گیا۔

"ہاں، ذاتی طور پر... یہ اُن کا حکم ہے، جلدی کرو۔"

"الفانسن... جورین..." کرنل غزالی نے اُسے بغور دیکھ کر پکارا اور جورین کو یُوں لگا جیسے کرنل کی عقابی آنکھیں، اُس کا ریشہ ریشہ اُدھیڑ رہی ہوں۔ "تم وہی شخص ہو نا، جس کو ہماری معاوضے پر اس کام کے لیے رکھا گیا تھا کہ وہ دوسرے مُلکوں میں ہونے والی تبدیلیوں پر نظر رکھ سکو اور تم ہماری خفیہ سرگرمیوں کے سربراہ بھی ہو؟"

"میں ایک فرانسیسی کمپنی ہُوں..."

"بکواس مت کرو۔" کرنل غزالی کو غصہ آ گیا۔ "فرانسیسی کمپنی کی آڑ والا ڈراما، دوسروں کے لیے محفوظ رکھو۔ مجھے صرف یہ بتاؤ کہ یورپ میں 'ٹی' سے کیا مطلب لیا جاتا ہے؟"

"ٹرمینیشن... ٹرمینیٹ کرنا، جناب!"

"کس طرح، آگ لگا کر، گولی مار کر یا ادائیگی روک کر؟ کس طرح، جورین... کس طرح؟"

"قتل کر کے..." جورین بھیک مانگتی ہُوئی آواز میں بولا۔

"کون قتل کرتا ہے اور کیسے قتل کرتا ہے؟" کرنل غزالی کی آنکھیں ایک بار پھر سُرخ ہونے لگیں۔

"میرا خیال ہے کہ آپ امریکا میں ہونے والے مولبی اور فلپ کے قتل پر گفتگو کرنا چاہتے ہیں، جناب!" جورین نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "... وہ دونوں ہمارے لیے کام کر رہے تھے۔ اُنھیں عربِ مفاد کے لیے قتل کرنا پڑا اور ڈھائی لاکھ ڈالر کی رقم، اُن کی خدمات کے صلے میں اُن کے اہلِ خانہ کو ادا کی گئی تاکہ وہ جمہوریہ کی عظمت کے گُن گا سکیں۔"

"اوہ... آپ سب لوگ، اس فرانسیسی کو میرے پاس یہیں چھوڑ کر باہر تشریف لے جائیں۔" کرنل غزالی نے پہلو بدل کر کہا۔ "اور انتظار کریں۔"

باری باری تمام، ذرا اُٹھے اور کمرے سے باہر چلے گئے۔

کرنل غزالی کی عقاب جیسی آنکھیں، جورین کے بندر جیسے چہرے پر مرتکز ہو گئیں۔ "بتاؤ، ہم امریکا میں لوگوں کو قتل کرنے پر کیوں مجبور ہو گئے...؟"

"میں اس کے لیے قتل کا لفظ استعمال نہیں کر سکتا۔ صرف اتنا کہہ سکتا ہُوں کہ ہمارے دو آدمی..."

"بکواس..." کرنل غزالی نے زور سے میز پر گھونسہ مارا۔ "تم جھوٹے اور دروغ گو ہو۔ سفارتی حلقوں میں تین سائنس دانوں کے قتل کی خبر گرم ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ سائنس داں تیل بنانے کا فارمولا تلاش کر رہے تھے اور اسی فارمولے کے سلسلے میں اُنھیں قتل کیا گیا ہے۔ سُنو، فرانسیسی جاسُوس!" کرنل غزالی کُرسی سے اُٹھ گیا۔ وہ جنگی لباس میں تھا۔ اس کے دائیں جانب چمکدار سیاہ ہولسٹر میں اعشاریہ تین آٹھ کا ریوالور چمک رہا تھا۔ اس نے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ریوالور نکال کر جورین کو دکھایا اور پھر نہایت پُروقار لہجے میں بولا۔ "اب مجھ سے سنو کہ کیا ہو رہا ہے... امریکی سائنس داں تیل بنانے کا فارمولا تیار نہیں کر سکے اور نہ ہی کبھی کر سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امریکا مستقبل میں بھی عربوں پر تکیہ کرے گا اور جب امریکا، عربوں کا محتاج ہوگا تو عرب ایک عظیم قوت بن جائیں گے۔ اُن کی دولت امریکا اور فرانس کے بینکوں میں رہے گی اور اس طرح ان ملکوں کی معیشت بھی مضبوط ہوتی رہے گی۔ تاہم فرانس یہ نہیں چاہتا کہ فارمولے کی تیاری کا ذرا سا بھی امکان باقی رہے لہٰذا اُس نے جمہوریہ کے دلوانے لیڈر یعنی میرا... کرنل غزالی کا نام استعمال کرنے کی کوشش کی ہے۔ سازش یہ ہے کہ جمہوریہ کا نام استعمال کر کے اور عوام کی دولت لُٹا کر فارمولے کی تیاری روکی جائے تاکہ سارا الزام جمہوریہ اور غزالی پر آئے۔"

"مگر عالی مرتبت! اس سے تو آپ کو فائدہ ہوتا ہے، آپ کے دشمن امریکا..."

"ہاں، مجھے صرف اس وقت تک فائدہ ہوگا، جب تک امریکا والے یہ پتہ نہ چلا لیں کہ ان اموات کے لیے جمہوریہ کے زرخرید غلام کام کر رہے تھے... سُنو، فرانسیسی احمق! تمھارا جو آدمی امریکا میں یہ قتل کرا رہا ہے، اُس سے کہو کہ فوراً اپنا ہاتھ روک لے۔ میں بے گناہ لوگوں کے خون سے ہاتھ رنگنا پسند نہیں کرتا۔"

"یہ تو مشکل ہے جناب! اس شخص سے ہم رابطہ قائم نہیں کرتے بلکہ وہ خود ہی ہم سے رابطہ کرتا ہے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تم نے ہر سودا اگھلٹے ہی کا کیا ہے۔ کیا نام ہے اُس کا؟" کرنل غزالی نے ریوالور سیدھا کرتے ہوئے دریافت کیا۔

"مجھے... معلوم نہیں... لل... لیکن میں نے سُنا ہے کہ وہ ایک مشرقی باشندہ ہے۔" جورین نے ریوالور کی نال اُٹھتے دیکھ کر ایک قدم پیچھے ہٹ کر جواب دیا۔

"جورین..." کرنل غزالی کی آواز پورے ہال میں یُوں گونجنے لگی جیسے وہ کسی لاؤڈ اسپیکر سے بول رہا ہو۔ "میں تمھیں جمہوریہ کے عوام کی دولت ناجائز کام پر خرچ کرنے اور معاہدے کے برخلاف کام کرنے پر سزائے موت دیتا ہوں۔"

"نن... نہیں..." جورین نے اُلٹے پاؤں بھاگنے کی کوشش کی مگر گولی اُس کی کھوپڑی میں گھس کر پار ہو گئی اور وہ بوسیدہ چہرے کے ساتھ فرش پر اوندھا گر کر اپنے ہی خون میں لت پت ہو گیا۔

مولبی اور فلپ کی لاشیں لینے کے لیے دو ایسی عورتیں آئیں جنھوں نے حکام کو بتایا کہ وہ، کینساس سٹی میں مساج پارلر میں ملازم ہیں اور انھیں ایک شخص نے لاشیں لینے کے لیے بھیجا ہے۔

"وہ کون ہے؟" ایف بی۔ آئی والوں نے چونک کر پوچھا، کیونکہ کالج میں ایک اجنبی کی پُراسرار آمد اور پھر پولیس چیف کا بھی اُس کے جال میں آجانا کوئی معمولی واقعہ نہ تھا۔ وہ سب آخری وقت تک یہی سمجھتے رہے تھے کہ وہ نوجوان کسی انتہائی خفیہ محکمے کا سربراہ ہے۔

"آدمی ہے۔" ایک عورت سے اٹھلا کر کہا۔ "اُس کے بال سیاہ ہیں اور شاید وہ چاپانی ہے۔"

"ممکن ہے، وہ کوریائی ہو۔" دوسری عورت نے رائے ظاہر کی۔

"اُس نے لاشیں کہاں منگوائی ہیں؟"

"کہیں بھی نہیں، صرف اتنا کہا ہے کہ ایف۔ بی۔ آئی کے پاس جا کر کہنا کہ ہم مرنے والوں کی بیویاں ہیں۔ بس، اب ہمارا کام ختم..."

وہ چلی گئیں۔

ایف۔ بی۔ آئی نے اُنھیں گرفتار نہیں کیا لیکن ان دونوں نے مولبی اور فلپ کی موت کی پُراسراریت ضرور بڑھا دی تھی کیونکہ مرنے والے وہی تھے جنھوں نے تین سائنس دانوں کو قتل کیا تھا اور پھر خود بھی قتل ہو گئے تھے۔ اُن کی جیبوں سے ایف۔ بی۔ آئی کے جعلی بیج نکلے تھے۔ ایف۔ بی۔ آئی سمیت ہر خفیہ محکمے حتیٰ کہ سی۔ آئی۔ اے کے میٹنگ رُوم میں بھی یہی ایک سوال گشت کر رہا تھا۔

"وہ کون تھا جس نے اخباری نمایندوں کو پروجیکٹ کے بارے میں بتایا اور جو ایک ڈبّے کو اتنا ہی گراں قدر بلڈنگ میں چلا گیا تھا؟"

اُدھر بہرام بھی اسی کیس پر غور کر رہا تھا۔ اس کیس کے دو رخ پہلو اُبھر کر سامنے آرہے تھے اور اس میں سب سے اہم سوال یہ تھا کہ قتل کس

شعلے کا سوامی

مصنف طارق اسمٰعیل ساگر

خوبصورت سرورق

دیدہ زیب پرنٹنگ و طباعت

قیمت =/150 روپے

مکتبہ القریش

سرکلر روڈ اردو بازار لاہور

فون 7668958

نے کرائے ہیں؟

پہلے اُسے خیال آیا کہ کوئی غیر ملکی طاقت اس میں ملوث ہے... لیکن پھر وہ اس نکتے پر سوچنے لگا کہ فلاں کسی بڑی امریکی آئل کمپنی نے سائنس دانوں کو قتل کرایا ہے لیکن ایک سوال یہ بھی تھا کہ ٹائیگر کے ہاتھوں مارے جانے والے کرائے کے قاتل 'ایف۔ بی۔ آئی' کے بیج کیوں استعمال کر رہے تھے؟

اُس نے ٹائیگر کی ابتدائی رپورٹ پڑھی تھی اور اس بات پر چونک پڑا تھا کہ مولبی اور فلپ مرنے کے لیے ہی وہاں آئے تھے کیونکہ کسی نے انھیں زہر پلا دیا تھا... پھر ان عورتوں کو بھیجنے والے کی شناخت ضروری تھی... جو کینساس سٹی سے آئی تھیں۔

سوال صرف یہ تھا کہ اس قتل و غارت گری کے پیچھے کس کا ہاتھ ہے؟

وہ کرنل غزالی سمیت کئی عرب سربراہوں کو ذاتی طور پر جانتا تھا۔ اُسے معلوم تھا کہ عرب اس قسم کی حرکتیں نہیں کر سکتے اور اُسے یہ بھی علم تھا کہ اگر کرنل غزالی کو کوئی ایسا کام کرانا ہوتا تو وہ سب سے پہلے چارہ گر کی خدمات حاصل کرنے کی کوشش کرتا۔

اسے یاد آگیا کہ فلپ اور مولبی کی لاشیں لینے کے لیے آنے والی عورتوں نے بتایا تھا کہ انھیں کسی جاپانی یا کوریائی نے بھیجا ہے۔ اُسے بتدریج یقین ہوتا چلا گیا کہ اُن عورتوں کی آمد دراصل بے مقصد نہیں تھی۔ کسی نے اُن کے ذریعے ڈھکے چھپے لفظوں میں ایک پیغام دیا تھا۔ اب سوال یہ پیدا ہو رہا تھا کہ یہ پیغام کس نے اور کس کے لیے دیا ہے؟

زندگی میں پہلی بار بہرام کا ذہن، سوالوں کا جواب دینے سے انکار کرنے لگا۔ اب اُس کے پاس کچھ بھی نہیں تھا۔ صرف ہُوشان اور ٹائیگر تھا... اور سب سے سنگین مسئلہ یہ تھا کہ وہ انھیں کہاں استعمال کرے؟... شاہ مدارس کی سازشوں کو ناکام بنا کر مشرقِ وسطیٰ اور افریقہ میں تشدد اور خونی انقلاب کا نیا سلسلہ روکے یا امریکا میں رہ کر قتل و خون ریزی کے اس مسئلے سے نمٹے جس نے دانش وروں کا صفایا شروع کر دیا تھا۔

معاً اُس کے ذہن کے دریچے کھلنے لگے۔

اُسے یوں محسوس ہُوا جیسے یہ سب کچھ ایک ہی سازش کے تحت ہو رہا ہو... کوئی ایک تیر سے امریکا اور جمہوریہ دونوں کو نشانہ بنا رہا ہے، مگر وہ کون ہے؟

اس بات کا جواب اُس کے کمپیوٹر کے پاس بھی نہیں تھا۔

مگر کرنل غزالی یہ دریافت کر چکا تھا کہ سائنس دانوں کو کس نے قتل کیا ہے اور اُن کے قاتلوں کو کس نے خاموش کرایا ہے۔

اس رات پہلی بار اُس کی نیند بے سکون ہو گئی۔ اُسے یقین ہو گیا کہ دو سپر طاقتیں، اس مُلک کو جسے وہ جنت بنا رہا تھا، اکھاڑا بنا لیں گی۔

اُس نے معاہدۂ دوستی اور تعاون کے تحت روس سے مدد حاصل کرنے پر غور کیا مگر کانپ کر رہ گیا۔ تیسری سپر طاقت کی مداخلت سے عالمی جنگ کا خطرہ بڑھ سکتا تھا اور کرنل غزالی مغرب میں کتنا ہی بدنام سہی، تیسری عالمی جنگ نہیں چاہتا تھا۔

وہ دیر تک سوچتا رہا... اور پھر اُس نے بیڈ کے نیچے ہاتھ ڈال کر ٹیلی فون سیٹ نکال لیا اور ایک نمبر ملانے لگا... پھر اُس کی اُنگلی ڈائل پر مسلسل حرکت کرتی رہی... شہر لگاتار... پیرس... لندن... قاہرہ اور نیویارک... اور پھر آخر ایک نمبر پر اُسے وہ شخص مل گیا جس کی اُسے تلاش تھی۔

"برادر بہرام!" کرنل غزالی نے ایک طویل سانس لی اور گہری متانت سے کہا اور پھر اُس کی زبان گیند کی طرح چل پڑی۔ اُس نے بہرام کو بتایا کہ اُس کا ملک بعض نادیدہ خطرات کا سامنا کر رہا ہے اور اُسے اندیشہ ہے کہ شاہ مدارس، امریکی حمایت سے دوبارہ برسرِ اقتدار آنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اُس نے بہرام کو یہ نہیں بتایا کہ سائنس دانوں، فلپ اور مولبی کے قتل میں درحقیقت کون ملوث تھا۔

تل ابیب پر حملے کے لیے ایک صحرا میں تربیتی مشق جاری تھی اور چند جوان ایک غار میں سستا رہے تھے کہ اچانک ایک جوان دوڑتا ہُوا نکلا اور گرم ریت پر گر کر تڑپنے لگا۔

کرنل غزالی ایک ٹیلے پر بیٹھا یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ وہ تڑپ کر اُٹھا لیکن ابھی کوئی کچھ سوچ بھی نہیں پایا تھا کہ دوسرا جوان بھی اسی طرح دوڑتا ہُوا آیا اور ریت پر گر گیا۔ تب کرنل سمیت دوسرے افسران کو احساس ہُوا کہ دونوں جوانوں کے ہاتھ کٹے ہُوئے ہیں اور جب تیسرا جوان آ کر ریت پر گرا تو وہ ایک سر بریدہ لاش میں بدل چکا تھا۔

سب مشین گنوں سے لیس، دوسرا دستہ کرنل کے حکم پر دیوانہ وار غار کی طرف لپکا مگر جوش میں دستے کے کمانڈر سے یہ غلطی ہُوئی کہ اُس نے دو دہانوں والے اس غار کا معاینہ نہیں کیا۔ یُوں حملہ آور فرار ہونے میں کامیاب ہو گئیں... اور یہ بات دوسرے دستے کے کمانڈر کو ہاتھ کٹے جوان سے معلوم ہُوئی کہ حملہ آور دراصل ایک ہی آدمی تھا۔ اُس کے بال سیاہ اور رنگت زردی مائل تھی۔ اُس کے ہاتھ میں کوئی تلوار نہیں تھی بلکہ اُس نے انھیں اس حالت میں، اپنے خالی ہاتھوں ہی سے بچایا تھا۔

کرنل غزالی کی آنکھیں غصّے سے سُرخ ہو گئیں۔ "ناممکن... زخمی جوان کا دماغ چل گیا ہے۔ ایک آدمی، میرے گیارہ شیروں کو شہید نہیں کر سکتا۔" وہ غرّانے لگا۔

جو کچھ ہونا تھا، وہ ہو چکا تھا۔ اردگرد پوری بٹالین کو تمام تر

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کوششوں کے باوجود کسی کا سُراغ نہ مل سکا اور کرنل غزالی گیارہ جوانوں کی موت کا بوجھ دل پر لیے صحرا سے واپس چلا آیا۔ اُس نے تل ابیب پہنچ کر پہلا کام اُس کا استقبال کیا اور پھر سب وہیں فرش پر ہی بیٹھ گئے اور گرم گرم قہوے کے لیے کہہ دیا گیا۔

غزالی نے مسائل حل کرنے کا وعدہ کرنے کے بعد اُن بزرگوں کو غار کے واقعات سُنائے اور پھر اُن سے اظہارِ رائے کی درخواست کر کے خاموشی سے جواب کا انتظار کرنے لگا۔

"غزالی... میرے عم زاد کے بیٹے..." ایک بے حد بوڑھے شخص نے ریت پر آڑی ترچھی لکیریں کھینچتے ہوئے طویل سانس لے کر کہا۔ "اس مملکت پر شہر برسنے والا ہے۔ میں قتل و غارت گری کی بُو سونگھ رہا ہوں... تم نے لاشیں دیکھی ہیں اور اُن کا جو حشر بتایا ہے، وہ دُنیا میں صرف ایک ہی شخص کر سکتا ہے۔ ایسا شخص جس نے ایوان سُنابجو سے قتل کی تربیت حاصل کی ہو... اور اگر یہ وہی شخص ہے تو، غزالی! میرے بھتیجے... مجھے بہت دُکھ ہوگا کیونکہ ایوان سُنابجو کے کسی بھی تربیت یافتہ نے کبھی گمراہی اختیار نہیں کی... جبکہ تمھارے شیروں کا قتل کسی گمراہ نے کیا ہے۔"

"ہم تمھارے لیے ربِ عظیم سے دُعاگو ہیں، میرے بچے!" ایک اور بوڑھے نے کہا۔ "شاہ مدرس کی واپسی روکنے اور صیہونی ناسور کاٹ پھینکنے کے لیے ہم اپنی خدمات پیش کرتے ہیں۔ جب چاہو، ہمیں طلب کر لینا۔"

"میں اپنے محترم بزرگوں کا شکر گزار ہوں۔" غزالی یہ کہہ کر اُٹھ گیا۔ "مجھے ابھی آپ جیسے بزرگوں کے مشوروں کی ضرورت ہے، شمشیر زنوں کی نہیں... میں پھر حاضر ہوں گا۔ ایوان سُنابجو کے کسی گمراہ کا مقابلہ کرنے کے لیے میرے پاس بھی تربیت کا ایک پتہ موجود ہے جسے میں جلد ہی استعمال کرنے کی کوشش کروں گا۔"

غزالی سوچوں میں گُم، اپنی جیپ تک پہنچا اور پھر جب اُس نے جیسے ہی جیپ اسٹارٹ کرنے کے لیے سیٹ سنبھالی، ایک پستول اُس کی کنپٹی سے آ لگا۔

"کون ہو تم؟" غزالی نے بے خوف لہجے میں پُوچھا۔

اس مقام سے کوہِ بدر کا فاصلہ بہت زیادہ تھا اور وہاں تک اُس کی آواز بھی نہیں پہنچ سکتی تھی۔ اُس نے کن انکھیوں سے دیکھا۔ پورے چاند کی روشنی کے باعث اجنبی کا چہرہ اُسے صاف نظر آ رہا تھا۔ اُس کے بال سیاہ، آنکھیں سیاہ اور رنگت قدرے زرد تھی۔

"کیا تم وہی ہو جس نے میرے شیر دل جوانوں کو تن تنہا قتل کیا تھا؟" غزالی نے اُسے فوراً پہچان لیا۔

"ہاں... اور میں وہی شخص ہوں جس نے امریکی سائنس دانوں کو قتل کرنے کے بعد قاتلوں کو بھی صفحۂ ہستی سے مٹا دیا۔ دُنیا میں صرف میں ہی تمھاری حفاظت کر سکتا ہوں، کرنل غزالی!"

"مگر کیوں...؟ تمھیں میری حفاظت کی فکر کیوں ہے؟" غزالی نے پستول کی نال کی طرف دیکھتے ہوئے پُوچھا۔ جواب بھی اُسی کنپٹی سے چپکی ہوئی تھی۔

"اس لیے کہ تم میرے مشن کی تکمیل کے ضامن بنو گے اور پھر میں تمھاری مدد سے اس مردود ٹائیگر اور اُدشان کو نیست و نابود کر دوں گا جنھوں نے مجھے شمشیر سُنابجو سے محروم کر دیا ہے۔"

"اوہ! ربِ کعبہ کی قسم... تم وہی ہو۔" غزالی بڑبڑایا۔

"کیا تم مجھے جانتے ہو، غزالی؟"

"نہیں... مگر میرے بزرگ تم سے واقف ہیں۔ تم ایوان سُنابجو کے تربیت یافتہ لیکن ایک گمراہ نوجوان ہو۔"

"غزالی..." زرد چہرے پر سختی اُمڈ آئی۔

غزالی کو دل ہی دل میں اس بات کی خوشی ہو رہی تھی کہ دُنیا میں اس گمراہ نوجوان کا بھی کوئی مقابلہ کر سکتا ہے۔ کوئی اُسے بھی کسی چیز سے محروم رکھ سکتا ہے۔

"غزالی! میرا نام یاد رکھنا۔ میں نوگان ہوں، شمشیر سُنابجو کا واحد حق دار... اب میں اس صدی کا نیا آقا ہوں، تم سب میرے غلام ہو... اور اسی طرح اب تیل سے حاصل ہونے والی دولت بھی میری ہے۔ سُنو، غزالی! میں خاص طور سے تیل کی وجہ سے یہاں آیا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ تیل کا بہاؤ میری مرضی کے مطابق ہو جائے۔"

"اور تمھاری مرضی کیا ہے، نوگان؟" غزالی نے طنزیہ لہجے میں پُوچھا۔

"صرف یہ کہ مغرب کو جانے والا تیل بند کر دیا جائے۔" نوگان نے زہریلے لہجے میں کہا۔

غزالی سمجھ گیا کہ جزیرہ پر مغربی حملے اور خاص طور سے امریکی دھاوے کے لیے جواز پیدا کیا جا رہا ہے... مگر اس سے کس کو فائدہ ہوگا؟ شاہ مدرس کو... جو آج کل پیرس میں ہے؟

♆

اُدشان نے کنول کے آسن سے نکلتے ہوئے شہزاد کی طرف دیکھا جو اُسی کمرے میں ورزش کر رہا تھا۔ وہ اس وقت سر کے بل کھڑا تھا لیکن اُس کے جسم کا سارا بوجھ سر پر کاندھوں کی بجائے دونوں ہاتھوں کی چھوٹی اُنگلیوں پر تھا۔ اُس کی ایڑیوں کا رُخ چھت کی طرف تھا۔ اُس نے سر گھما کر اُدشان کی طرف دیکھا۔

"یہ کیسی ورزش ہے، اُدشان؟"

"ایک اُنگلی پر توازن برقرار رکھو تو جانیں۔" اُدشان نے لمبا دہ سیسٹے ہوئے اپنے شاگرد کو چیلنج کیا۔

"ابھی لیجئے..." ٹائیگر نے چیلنج قبول کر لیا... اور پھر آہستہ آہستہ جسم کا سارا بوجھ دائیں ہاتھ کی چھوٹی اُنگلی پر منتقل کرنے لگا۔ حتیٰ کہ بائیں ہاتھ کی چھنگلیا فرش سے ہٹ گئی۔ "دیکھا، ٹیل فادر..." اُس کا لہجہ فاتحانہ تھا۔

"یہ کرتب تو سرکس کا کوئی مسخرہ بھی دکھا سکتا ہے، فرزند! ذرا دائیں ہاتھ کی چھوٹی اُنگلی پر اُچھل کر تو دکھاؤ۔" اُدشان کا لہجہ مضمحل اُڑانے والا تھا۔

"اوہ..." شہزاد نے ایک طویل سانس لے کر پھیپھڑے اچھی طرح بھر لیے اور پھر کلائی کے پٹھے اکڑانے لگا۔ ریشہ ریشہ مکمل تناؤ کی حالت میں آ گیا تو اُس نے اچانک ہی سانس چھوڑتے ہوئے کلائی پر دباؤ ختم کر دیا اور دباؤ ختم ہونے کی وجہ سے وہ چند انچ اُچھل کر ایک بار پھر دائیں ہاتھ کی اُنگلی پر متوازن ہو گیا۔ تاہم اب یہ حالت برقرار رکھنے میں اُس سے ذرا سی چوک ہو گئی۔ نتیجتاً اُس کی ٹانگیں لہرائیں، پاؤں دیوار سے جا ٹکرائے اور وہ قالین پر گر گیا۔ اُس نے خفت سے اُدشان کی طرف دیکھا مگر اُدشان اب اُس کی طرف نہیں بلکہ ٹی۔ وی کی طرف متوجہ تھا۔

"اُدشان! مجھ سے کیا غلطی ہوئی؟" اُس نے جھنجلا کر پُوچھا۔

"شش..." اُدشان نے ہونٹوں پر اُنگلی رکھ کر اُسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

"بتاؤ، اس ورزش میں مجھ سے کیا غلطی ہوئی؟"

"شش... خبریں آ رہی ہیں۔"

شہزاد جھنجلا کر ٹی۔ وی بند کرنے ہی والا تھا کہ اچانک ایک جھماکا ہوا اور کرنل غزالی کی تصویر اسکرین پر نظر آنے لگی... بس تصویر اناؤنسر کچھ بتا رہی تھی۔

"کرنل غزالی نے امریکا کے لیے تیل کی فراہمی بند کرتے ہوئے اس کی وجہ یہ بتائی کہ امریکی حکومت، اسرائیل کی حمایت سے دستبردار نہیں ہو رہی ہے۔ اس لیے..."

"زندہ باد، غزالی!" اُدشان نے مخصوص انداز میں قہقہہ لگاتے ہوئے ٹی۔ وی بند کر دیا۔ "شاید اس نوجوان... مگر نہیں... اب تو وہ بھی اوپیئر ہو چکا ہوگا۔ کوہِ بدر پر رہنے والے اُسے ضرور جانتے ہوں گے تم اُسے جانتے ہو، فرزند؟"

"زیادہ نہیں... لیکن سُنا ہے کہ وہ ایک انتہا پسند آدمی ہے اور جائز و ناجائز ذرائع سے اسرائیل کو ختم کرنا چاہتا ہے۔"

"تم بھی بالکل کورے ہو۔" اُدشان نے خشک لہجے میں کہا ناجائز چیز کو ختم کرنے کے لیے استعمال ہونے والا طریقہ بھی ناجائز نہیں ہوتا۔"

شہزاد خاموش رہا۔

... اور پھر اُنھوں نے بہت عجلت میں اپنا سامان باندھا کیونکہ ہرام نے اطلاع دی تھی کہ اُنھیں مشرقِ وسطیٰ جا کر حالات پر اس طرح قابو پانے کی کوشش کرنی ہے کہ کرنل غزالی کو فوری طور پر اُن کی اصلیت کا علم نہ ہونے پائے... اور یہ کہ اُن کی پہلی منزل اسرائیل ہوگی...

♆

"کاش! کوئی ہمیں ہائی جیک کرے۔" ٹائیگر کی برابر والی سیٹ پر بیٹھی ہوئی حسینہ نے کہا جو محض ایک ہی نظر میں کئی درجن افراد کو گھائل کرنے کی صلاحیت رکھتی تھی جبکہ تعالیٰ، اُس کی کسی ادا کا اثر ٹائیگر پر نہیں ہوا تھا جو یہ سوچ رہا تھا کہ کاش! اسرائیل میں نوگان سے بھی ملاقات ہو جائے۔ اُدشان دوسری سیٹ پر مراقبے کی حالت میں بیٹھا ہوا تھا۔

"میرا نام جیسی جیکسن ہے۔" لڑکی نے پھر کہا۔ "کیا تم انگریز ہو؟"

"نہیں، میں ایک انسان ہوں۔"

"اوہ..." وہ جھینپ کر دوسری طرف دیکھنے لگی اور پہودیوں کے حق میں باتیں کرنے لگی۔

ٹائیگر نے اُسے گہری نظر سے دیکھا تو وہ اچانک فلسطینی مملکت کے حق میں دلائل دینے لگی۔ شاید وہ اُسے کوئی جدید عرب باشندہ سمجھنے لگی تھی۔ لڑکی کے اس انکشاف پر اُسے بے حد حیرت ہوئی کہ وہ بھی اسرائیل ہی جا رہی ہے۔ جہاں اُسے نوجوانوں کی عالمی کانگریس کی صدارت

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کرتی تھی۔

وہ چند لمحوں تک سوچتا رہا کہ عربوں کو اسی قسم کے منافقوں نے نقصان پہنچایا ہے۔ وہ یہ بھی سوچ رہا تھا کہ کیا عالمی کانگریس میں آنے والے غیر ملکی مندوبین، جیسی جیکسن جیسی ہی ذہنیت رکھتے ہوں گے؟

طیارے میں اچانک ہی اسرائیل کے خلاف اور اس کے حق میں بحث چھڑ گئی۔ ایک پادری بھی فلسطین کے حق میں بول رہا تھا۔ اس کا نام فادر ہیرگن تھا اور اس کا کہنا تھا کہ صیہونیت ایک خطرناک مرض ہے جس نے یہودیوں کو زندہ درگور کر کے رکھ دیا ہے۔

... پھر اتفاقاً ہی ٹائیگر کو معلوم ہو گیا کہ اس طیارے میں تیل کی کمپنی آکسینو کا چیئرمین کلینٹن کلوگ بھی سفر کر رہا تھا۔ اس شخص کا نام اُسے جیسی نے بتایا تھا اور اس بات پر بڑی ناک بھوں چڑھائی تھی کہ کلینٹن یہودی نواز ہے۔

کلینٹن کلوگ کا نام سنتے ہی ٹائیگر کے ذہن میں خطرے کی گھنٹیاں بجنے لگیں اور اُسے یقین ہو گیا کہ امریکا فوجی حملہ نہیں کرے گا... بلکہ شاہ مدرس کی حکمرانی بحال کرانے کے لیے مختلف خفیہ ذرائع کی مدد حاصل کرے گا۔

"میں کرنل غزالی کو بتانے کی کوشش کروں گا کہ میں نے تیل بنانے کا فارمولا تلاش کر لیا ہے۔" شہزاد نے اچانک ہی کہا اور اوشان چونک کر آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اُسے دیکھنے لگا۔

"تیل بنانے کا فارمولا؟" جیسی بھی حیرت زدہ رہ گئی۔

طبقی نشستوں پر بیٹھے ہوئے کلینٹن نے بھی آنکھیں کھول دیں۔

"ہاں، میرے پاس تیل کا متبادل بھی موجود ہے۔ ممکن ہے، غزالی مجھ سے یہ متبادل اور فارمولا حاصل کرنے کے لیے سودے بازی کرے کیونکہ اگر اس نے مجھ سے سودا نہ کیا تو میں فارمولا، امریکا کے حوالے کر دوں گا۔"

جیسی خاموش ہو گئی اور چند لمحوں بعد اُٹھ کر ٹوائلٹ کی طرف چلی گئی۔ ٹوائلٹ سے نکل کر وہ، کلینٹن کی نشست کی طرف بڑھ گئی۔ شہزاد کا جی چاہا کہ پلٹ کر دیکھے مگر اس نے یہ خواہش رد کر دی اور اوشان کی طرف متوجہ ہو گیا۔

اوشان کو یہ فکر تھی کہ اگر غزالی کے خلاف کوئی سازش ہو رہی ہے تو شاہ مدرس پھر برسر اقتدار آ کر بدر کے قبائل کو پریشان کرے گا۔ اور بدر کے قبیلے سے ایوان سانچو کی جدی و پشتی دوستی تھی۔

معاً شہزاد کو احساس ہوا کہ کلینٹن، عقب سے اُسے گھور رہا ہے... پھر اس نے فادر ہیرگن کی چیخ سنی جو اپنے برابر بیٹھے ہوئے یہودی پر گرج برس رہا تھا۔

"تم... تم نے غزہ میں میرے پورے خاندان کو اس الزام میں مشین گن سے بھون دیا کہ ہمارے گھر کی چھت پر ایک حریت پسند رات کو آ کر لیٹ گیا تھا۔ تمھیں علم ہے کہ... مشین گن کا ایک پورا برسٹ میرے چھ سالہ پوتے کے سینے پر لگا تھا۔ تم نے پڑوس کے گھر بھی مسمار کر دیے تھے۔ تم تو چنگیز خان کی روح کو بھی شرمائے دے رہے ہو، ظالمو!" یہ کہہ کر فادر رو پڑا۔

ٹائیگر کو یوں لگا جیسے اس کے حلق میں کوئی نوالہ پھنس گیا ہو۔ اس نے اوشان کی طرف دیکھا اور سہم کر رہ گیا۔ اوشان کی آنکھیں سُرخ ہو رہی تھیں اور چہرے پر شدید غصے کے آثار تھے۔

✻

نوگان نے محل میں پہنچتے ہی اُن تین کمروں میں ڈائنامائیٹ بچھا دیے جو غزالی کے استعمال میں رہتے تھے۔ غزالی اب ہر طرح سے قید ہو چکا تھا۔ نوگان کے حکم پر اس نے عملے کو ہدایت کی تھی کہ وہ بلا اجازت اُن کمروں میں داخل نہ ہو اور یہ کہ نوگان کے ساتھ کسی سربراہ مملکت جیسا سلوک روا رکھا جائے۔ نوگان کے حکم پر ٹیوبا بانگ سے براستہ پیرس اور نکوسیا آنے والی ہر پرواز کے مسافروں کی فہرست بھی طلب کی جا رہی تھی۔

اس وقت بھی غزالی راہداری میں کھڑے ہوئے جنرل سے ایک ایسی ہی فہرست لے کر اندر، نوگان سے ملنے جا رہا تھا جس نے اسے پہلی بار یہ کہہ کر تنہا کمرے سے نکلنے کی اجازت دی تھی کہ اگر کوئی گڑبڑ ہوئی تو وہ ڈائنامائیٹ سے محل تباہ کر ڈالے گا جس میں کم و بیش تین سو افراد موجود تھے۔

"لاؤ..." نوگان نے ایک انجیر منہ میں رکھتے ہوئے کہا... پھر فہرست پر نظر پڑتے ہی اس کا منہ چلنا بند ہو گیا۔ "اوہ... تو وہ آ رہے ہیں... دیکھو، میرے دشمن خود موت کے منہ میں آ رہے ہیں... اوشان اور شہزاد... حیرت ہے دونوں تل ابیب کیوں جا رہے ہیں؟ اگر انھیں اسرائیل ہی جانا تھا تو یہ نکوسیا سے کنکٹنگ فلائٹ کیوں لے رہے ہیں؟ نیویارک سے براہِ راست تل ابیب کیوں نہیں پہنچ گئے؟"

"یہ کون لوگ ہیں؟" شہزاد کا نام سن کر غزالی کا چونکنا قدرتی امر تھا کیونکہ یہ ایک مسلم نام تھا۔

"میرے دشمن..." نوگان نے قہر آلود لہجے میں کہا۔ "ٹھیک ہے، غزالی... بدو کی اولاد! میں فی الحال تمھیں چھوڑ کر جا رہا ہوں لیکن اگر تم نے تیل کی برآمد شروع کر دی تو میں تم پر قہر بن کر ٹوٹ پڑوں گا... اور تم جانتے ہو کہ میں کتنا قوی ہوں۔"

"فکر مت کرو۔" غزالی نے اندرونی جوش و جذبے کو چھپاتے ہوئے کہا۔ اسے اب یقین ہو چکا تھا کہ آنے والے جن افراد کے نام پڑھ کر

نوگان چونک اٹھا تھا، وہ یقیناً بہرام ہی کے آدمی ہیں، مگر سوال یہ تھا کہ وہ جمہوریہ کیوں نہیں آ رہے اور اسرائیل کیوں جا رہے ہیں؟ کیا سازش کا مرکز اسرائیل ہے؟

✻

نکوسیا سے تل ابیب جانے والی پروازیں اُنھیں بہ آسانی جگہ مل گئی اور پہلا طیارہ فادر ہیرگن سمیت جمہوریہ کے لیے پرواز کر گیا۔ نکوسیا، تل ابیب فلائٹ میں بھی جیسی جیکسن اور دوسرے لوگ اُن کے ہم سفر تھے لیکن دلچسپ بات یہ تھی کہ کلینٹن جمہوریہ چلا گیا تھا۔

شہزاد کے ذہن میں کھد بد سی ہونے لگی۔ کیا ہمارا پہلے اسرائیل جانا مفید ثابت ہوگا؟ کیا ہمیں بیت المقدس سے لبنان اور پھر چکر کاٹ کر جمہوریہ جانے کی ضرورت نہیں ہوگی؟

اُس نے اوشان کی طرف دیکھا جو پُرسکون انداز میں سیٹ پر نیم دراز تھا۔ اُس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ اس نے ٹائیگر کی طرف دیکھا اور پھر پہلی بار، اس کے منہ سے چند جملے ادا ہوئے۔ "میں، لوگان کا قصہ، بیت المقدس کے آس پاس ہی پاک کرنا چاہتا ہوں، فرزند!"

"کیا مطلب؟ نوگان یہاں کہاں سے ٹپک پڑا؟"

"مجھے اس کی بدبو محسوس ہونے لگی ہے۔" اوشان کا لہجہ سپاٹ تھا۔ "بساندسی آ رہی ہے... اور اگر بیت المقدس قریب نہ ہوتا تو تم بھی یہ بدبو محسوس کر سکتے تھے۔ صبر کرو، فرزند! آخری معرکہ شروع ہونے ہی والا ہے۔"

ٹائیگر اُسے عجیب سی نظروں سے دیکھ کر رہ گیا۔

اچانک اطالوی ائرلائن کی ائر ہوسٹس اعلان کرنے لگی کہ اُن کا طیارہ تل ابیب میں اترنے والا ہے۔

✻

طیارے کی لینڈنگ کے فوراً ہی بعد اُنھیں سب سے پہلے طیارہ شکن توپیں اور بھاری ہتھیار نظر آئے۔ ہوائی اڈے پر حفاظتی انتظامات انتہائی سخت تھے۔ تین چار بکتر بند گاڑیاں بھی نظر آ رہی تھیں۔ ہوائی اڈے کی عمارت کے اوپر بھی کڑا پہرہ تھا اور مشین گن کا منہ صاف نظر آ رہا تھا۔

وہ سب باری باری اترتے رہے۔ جیسی جیکسن کو وہاں ہاتھوں ہاتھ لیا گیا... پھر آخر میں جب اوشان اور شہزاد اترے تو انھیں اسرائیلی فوجیوں نے گھیر لیا۔

"پاسپورٹ...؟" ان سے تقاضا کیا گیا۔

"ایمیگریشن سے قبل نہیں دکھایا جا سکتا۔" شہزاد جھلا گیا۔

"سنو..." اوشان نے اپنا استخوانی ہاتھ، ایک فوجی کے بازو پر رکھتے ہوئے کہا۔ "اس طیارے میں میرے چودہ صندوق ہیں۔ انھیں کوئی نقصان نہیں پہنچنا چاہیے۔"

"پاسپورٹ..." فوجی افسر نے جو کیپٹن لگتا تھا، دوبارہ کہا۔ پھر وہ ایک جھٹکے سے پیچھے ہٹ کر اپنے بازو کے اس حصے کو دیوانہ وار رگڑنے لگا جہاں چند لمحے قبل، اوشان کی انگلیاں چھو رہی تھیں۔

"ہر صندوق محفوظ طور پر ہوٹل شالمیرا پہنچ جائے۔" اوشان نے دوبارہ ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ "ہم وہیں قیام کریں گے... وہاں کمروں کا انتظام بھی ہو جانا چاہیے۔"

"تم... میں ایک فوجی افسر ہوں۔" کیپٹن نے منمناتے ہوئے کہا مگر اوشان کا ہاتھ اپنے قریب دیکھ کر فوراً اثبات میں سر ہلانے لگا... کیپٹن کی خواہش تھی کہ اس کے ساتھی اوشان کو پکڑ لیں۔ شاید اوشان اور ٹائیگر، دونوں نے اس کی یہ خواہش اور کوشش محسوس کر لی تھی لہٰذا اس مرتبہ ٹائیگر نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

"اُف..." کیپٹن تڑپ کر رہ گیا۔ اُسے یوں لگا جیسے جسم کا سارا خون اس کے کندھے میں جمع ہو گیا ہو۔ اُسے گدی سے کنپٹی تک درد کی ایک شدید لہر محسوس ہوئی۔

"کیپٹن شمعون!" ٹائیگر نے سرسراتے ہوئے لہجے میں کہا۔ اس کی آنکھیں کیپٹن کی وردی کی جیب پر لگے ہوئے نام پر تھیں۔ "خدا جلدی کرو۔ بابا جی کی فرمائش نہیں ٹل سکتی۔"

"پلیز..." کیپٹن شمعون نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "تم جو کہو گے، وہی کروں گا۔ بس، اپنا ہاتھ ہٹا لو۔"

شہزاد نے ہاتھ ہٹایا تو شمعون نے سکون کی گہری سانس لی لیکن درد ابھی تک ختم نہیں ہوا تھا۔ اس نے اوشان کا سامان ایک طرف کر دیا اور پھر چودہ جوانوں کو طلب کر کے انھیں سروں پر صندوق اٹھانے... اور ہوٹل شالمیرا تک چلنے کا حکم دیا جو ائرپورٹ کے قریب ہی واقع تھا اور جس کا نام اوشان نے طیارے کی سیڑھیاں اترتے ہی دور نیون سائن بورڈ پر پڑھ لیا تھا۔

پھر ہوائی اڈے پر موجود لوگوں نے جو منظر دیکھا، وہ بے حد حیرت انگیز تھا۔ صیہونی فوج کے چودہ بہترین چھاپہ مار، ایک مشرقی زرد رو بوڑھے کے صندوق اٹھائے، قطار میں چل رہے تھے۔ اُن کے آگے آگے اُن کا کپتان تھا اور سب سے آخر میں وہ بوڑھا، اپنے نوجوان ساتھی کے ساتھ سر جھکائے چل رہا تھا۔

شہزاد پہلے ہی دیکھ چکا تھا کہ جیسی جیکسن اور طیارے سے اترنے والے درجنوں افراد، ایک ہی بس میں سوار ہو کر جا چکے ہیں۔ ہوائی اڈے کی عمارت سے نکلتے ہی ٹائیگر کی رگوں میں اداسی گھلنے لگی۔ وہ اس زمین پر چل رہا تھا جس کے اصلی حق داروں کو بہ جبر نابود یا گیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

سرزمین کو اس کے وارثوں کے حوالے کرنا بے حد کٹھن جدوجہد ہے۔" اُسے یہ بھی علم تھا کہ اس سرزمین کے بیٹے بے خانماں ہونے کے باوجود ڈٹ کر لڑ رہے ہیں۔ وہ جانتا تھا کہ مسئلے کا واحد حل صرف جنگ ہی ہے۔ "کاش، ابوجہاد، ابوعمار اور جتنے... ہیں بھی تمہارے ساتھ ہوتا"

"سر... ٹیکسی..." کیپٹن نے بڑے مؤدب لہجے میں کہا۔

"ہم پیدل چلیں گے۔ ہوٹل زیادہ دور نہیں۔ ہاں، ذرا خیال رکھنا، کوئی صندوق گر نہ جائے۔" اُوشان نے پُرشفقت لہجے میں کہا مگر اس وقت اُس کے دل میں بھی آگ سُلگ رہی تھی۔ اُسے معلوم تھا کہ لاکھوں فلسطینی کن مصائب سے گزر رہے ہیں اور اُسے اس بات کا بھی اچھی طرح سے علم تھا کہ ایوان سُنابجو کی چوتھی پیڑھی کا یہودیوں سے جو مقابلہ ہُوا تھا، اُس میں مسلمانوں نے سُنابجو کی حمایت کی تھی اور اب وہ قرض کسی نہ کسی حد تک اُتارنے کا موقع آ رہا تھا۔

ہوٹل میں اُنھیں دیکھ کر لوگ چونک اُٹھے مگر کیپٹن نے بارُعب لہجے میں کلرک سے دو کمرے بُک کرنے اور سامان اُوپر لے جانے کے لیے کہا اور پھر جب فوجی سامان رکھ کر واپس آئے تو اُن کی حالت دیدنی تھی۔ اُوشان نے ایک، ایک ڈالر اُن سب کے ہاتھوں میں تھما دیا تھا۔

وہ اگلے ہی روز تل ابیب سے القدس پہنچے اور اس بار بھی جیسی جیکسن اور اُس کے ساتھی اُن کے ہم سفر تھے۔ طیارے میں ہی ٹائیگر کو جیسی جیکسن سے علم ہُوا کہ عالمی کانگریس برائے نوجواناں، بیت المقدس کے مشرقی حصے میں ہوگی... اور اس کانفرنس کا موضوع ہے "بیت المقدس کس کا ہے؟"

"یہ مسئلہ طے شدہ ہے، محترمہ!" ٹائیگر نے مُسکراتے ہُوئے جواب دیا "بیت المقدس، فلسطینیوں کا ہے جہاں ہر مذہب کے ماننے والے کو عبادت کی آزادی ہونی چاہیے اور مسجدِ اقصیٰ کا انتظام مسلمانوں کے پاس رہنا چاہیے۔"

جُملہ ختم کرتے وقت ٹائیگر کے لہجے میں اتنی خونخواری آ گئی تھی کہ جیسی جیکسن چونکے بغیر نہ رہ سکی۔ کئی مسافروں نے بھی پلٹ کر حیرت سے ٹائیگر کی طرف دیکھا۔ شاید وہ اس بات پر انگشت بدنداں تھے کہ اسرائیل کی مقبوضہ فضاؤں میں کوئی شخص اس طرح کھُل کر بھی بات کر سکتا ہے۔

طیارہ فضا سے ٹوٹ کر زمین پر اُترا تو ٹائیگر نے ایک طویل سانس لے کر نظریں جھکا لیں۔ اُسے پہلی بار اپنے تشخص کا احساس ہو رہا تھا... پہلی مرتبہ اُسے یہ یقین آ رہا تھا کہ اُس کی مقدس عبادت گاہ واقعی غیروں کے قبضے میں ہے۔ اُس نے دل ہی دل میں تہیہ کیا کہ آخری سانس تک صیہونیت کا قلع قمع کرنے کے لیے کام کرتا رہے گا۔

ہوائی اڈے کو قتلغے میں تبدیل کر دیا گیا تھا مگر ان دنوں پر کئی لاشیں پڑی ہُوئی تھیں۔ طیارے کو لینڈنگ کے فوراً بعد ایک کونے میں کھڑا رہنے کا حکم دیا گیا اور یہ اعلان کر دیا گیا کہ دروازہ نہ کھولا جائے۔ اُوشان اور ٹائیگر کی نظریں ملیں، دونوں مسکرائے اور ایک بار پھر نفرت سے اُن لاشوں کو دیکھنے لگے جو صیہونی فوج کی وردیوں میں لپٹی ہُوئی تھیں۔

"کیا ہُوا؟" جیسی جیکسن نے اچانک ہی چلا کر کہا۔

"کسی فلسطینی جانباز نے اس قتلغے میں گھُس کر اپنے گھر والوں کی موت کا بدلہ لیا ہوگا۔" اُوشان نے اپنے مخصوص انداز میں ہنستے ہُوئے کہا۔ اور پھر اچانک ہی ایک امریکی کی طرف پلٹ کر بولا۔ "کیوں، مسٹر! کیا کبھی تمہارے گھر کو آگ بھی لگی ہے؟"

"نہیں تو..." امریکی نے بوکھلا کر جواب دیا اور مُنہ پھیر لیا۔

لاشیں اُٹھا لی گئیں پھر پائلٹ کو اطلاع دی گئی کہ میز حی بھیجی جا رہی ہے، لہٰذا وہ دروازہ کھول دے اور جب سب سے آخر میں اُوشان اور ٹائیگر اُترے تو اُنھیں ایک بار پھر گھیر لیا گیا۔

"پاسپورٹ..." ایک کرنل نے کہا۔ اُس کے سینے پر کامل لکھا ہُوا تھا اور اُوشان کی طرح ٹائیگر بھی جانتا تھا کہ کامل نام یہودیوں میں بھی عام ہیں۔ "پاسپورٹ دکھاؤ۔"

"امیگریشن پر دکھائے جا سکتے ہیں، مارک پر نہیں۔" اُوشان نے لاپروہ سے لہجے میں کہا۔

"بکواس مت کرو... اس بُوڑھے کو پکڑ لو۔" کرنل نے حُکم دیا۔

تین فوجی، اُوشان کی طرف لپکے۔

ٹائیگر اپنی جگہ ساکت کھڑا رہا۔ اُس کی نظریں اُوشان پر جمی ہُوئی تھیں۔ فوجیوں نے بیک وقت اُوشان کے ہاتھ اور پیر پکڑنے چاہے مگر شمشیر سُنابجو کا مالک بجلی کی طرح کوندا۔ اُس کے دونوں ہاتھ اور پیر بیک وقت حرکت میں آئے... اور پھر وہ تینوں فوجی کئی کئی قدم دُور جا گرے اور اُن کی کھوپڑیاں خربوزوں کی طرح پھٹ گئیں۔

"واہ..." ٹائیگر نے بے ساختہ تالی بجائی لیکن اُس کی نظریں اُن سپاہیوں پر مرکوز رہیں جو اب خاموشی سے اُوشان کی طرف بڑھ رہے تھے۔

"ٹھہرو..." یہ اُوشان کی للکار تھی۔ "تین خربوزے پھٹ چکے ہیں۔ کیا تم مزید کشت و خون چاہتے ہو... میں..."

"اسے زندہ پکڑو۔ یہ فلسطینی ایجنٹ ہے۔" کرنل کامل نے للکار کر کہا۔

مزید دو فوجی جن کے سروں پر آہنی خود تھے، اُوشان کی طرف بڑھے اور پھر ٹائیگر صرف یہی دیکھ سکا کہ اُوشان، اُن کی چوڑی پشتوں میں چھُپ گیا تھا۔ چند ساعت کے بعد وہ دونوں گھٹنوں کے بل بیٹھتے

نظر آئے۔ اُوشان نے نہ جانے کون سا داؤ استعمال کیا تھا کہ اُن کے گھٹنے ٹوٹ گئے تھے۔

"پکڑ لو، اِسے... زندہ پکڑ لو۔ اس سے فلسطینیوں کے منصوبے معلوم ہو سکیں گے۔"

... مگر اب اُوشان کی طرف کوئی نہیں بڑھ رہا تھا۔ صرف ٹائیگر آگے بڑھا، اُس نے سر جُھکا کر ماسٹر کو تعظیم دی اور پھر کرنل کامل کی طرف پلٹ گیا۔ "اس دل جلے سے مت اُلجھو، کرنل!"

"یہ... یہ کون ہے؟" کرنل اپنے پانچ ساتھیوں کا حشر دیکھ کر اچانک ہی مانندِ حباب بیٹھ گیا۔

"شمشیر سُنابجو کا مالک... اس دَور کا سب سے بڑا انسان... میرا اُستاد اور رُوحانی باپ۔" ابھی ٹائیگر یہ کہہ ہی رہا تھا کہ ایک فوجی نے اپنی اسرائیلی ساختہ سب مشین گن، لاٹھی کی طرح اُٹھا کر ٹائیگر کے سر پر مارنے کی کوشش کی مگر وہ بھی اُوشان ہی کا شاگرد تھا۔ اُس کی تمام حسیات ہر وقت کام کرتی رہتی تھیں۔

ٹائیگر نے پلٹ کر بھی نہیں دیکھا وہ اپنا ہاتھ پُشت پر لے گیا اور اُس کی پانچوں اُنگلیاں کھڑی کر لیں۔ گن لاٹھی کی طرح سر پر آئی تو ٹائیگر نے دوسرے ہاتھ سے اُسے روک کر کھینچا۔ حملہ آور اپنے ہی زور میں ٹائیگر کی پُشت سے ٹکرایا تو اُس کی پانچوں اُنگلیاں سپاہی کے سینے میں نوکیلے تیروں کی طرح پیوست ہو گئیں۔

حملہ آور گرا۔ ایک لمحے کے لیے تڑپا اور پھر ساکت ہو گیا۔

ٹائیگر نے زد دلوا دے کی ایک ہلکی سی جھلک دیکھی، اُوشان ایک اور حملہ آور کو روک رہا تھا اور پھر وہاں باقاعدہ دست بدست جنگ چھڑ گئی۔ یہودی فوجی بوکھلاہٹ میں ہتھیاروں کا استعمال نہ کر پائے بلکہ وہ انھیں کوئی آسمانی آفت سمجھ کر اُن سے دُور ہونے لگے... اور پھر ہوائی اڈے کی فضا خطرے کے سائرن سے گُونج اُٹھی۔

"چلو، نکل چلو۔" ٹائیگر نے کہا۔

دیکھتے ہی دیکھتے دونوں کی رفتار اتنی تیز ہو گئی کہ اُن پر نظر نہیں ٹھہر سکتی تھی۔ اُن پر فائر کیے گئے مگر گولیاں ضائع ہو گئیں! اسی دوران شہزاد کو وہ ٹرالی نظر آ گئی جس پر اُوشان کے صندوق لدے ہُوئے تھے۔ اُس نے عجلت کے عالم میں ٹرالی کھینچنے والے کو ایک طرف دھکیلا اور پھر اُسے بے ہوش کر کے نہایت سکون سے ٹرالی ایک طرف لے جانے لگا۔

"کہاں لے جا رہے ہو؟" اُوشان نے غصّے سے پُوچھا۔

"ہوائی اڈے سے باہر نکلنے کے لیے ایمیگریشن کاؤنٹر مناسب نہیں، مسٹر فادر! اب کوئی اور راستہ ڈھونڈنا پڑے گا۔"



جلد ہی وہ عمارت سے دُور نکل آئے اور پھر وہ ویرانہ بھی آ گیا، جہاں کوئی پہرے دار نہیں تھا۔ اب ضرورت صرف اس بات کی تھی کہ کسی کا ٹرک اُڑا لیا جائے۔

نصف گھنٹے بعد اُنھیں ایک ٹرک نظر آیا جسے روکنا مشکل ثابت نہ ہُوا۔

"کہاں جاؤ گے؟" ڈرائیور نے عربی میں پُوچھا تو ٹائیگر کچھ نہ سمجھ سکا... مگر اُوشان نے پل بھر میں ڈرائیور کو دوست بنا لیا۔

ڈرائیور کے ساتھ ایک لڑکی بھی بیٹھی ہُوئی تھی۔ اُوشان کے کچھ کہنے پر ڈرائیور اور لڑکی، دونوں ہی اُچھل پڑے۔ ڈرائیور نے ناقابلِ یقین پھُرتی سے کام لیتے ہُوئے خود ہی تمام صندوق، ٹرک کے عقبی حصّے میں بھر لیے۔ اس سے قبل کہ شہزاد کوئی بات کرتا، اُس نے اُسے بھی گھسیٹ کر صندوقوں کے درمیان چھُپا دیا اور اُوپر سے ترپال ڈال دی۔

چند لمحوں کے بعد اُوشان بھی ترپال کے نیچے پہنچ گیا۔

"کیا کرتے پھر رہے ہو، مسٹر فادر؟" ٹائیگر نے ذہن کو آزاد چھوڑتے ہُوئے پُوچھا۔

"ہم بیت المقدس کے مشرقی حصّے کی طرف جا رہے ہیں۔ یہ تمہاری خوش قسمتی ہے کہ ڈرائیور ابُو خلیل بھی تحریکِ مزاحمت کا ایک رُکن ہے اور اس کی بیٹی آمنہ گزشتہ ہفتے ہی مغربی یونیورسٹی میں ہنگاموں کے دوران ہلاک ہو چکی ہے۔ میرا خیال ہے، باپ اپنی دوسری بیٹی کے ساتھ، نوجوانوں کی عالمی کانگریس کو سبوتاژ کرنے کے ارادے سے آیا ہے۔"

"وہاں تو بہت سخت پہرہ ہوگا؟"

"ہاں... ان کے گھر پہنچ کر تفصیلی بات کرنا پڑے گی تاکہ ان کی خواہش بھی پُوری ہو سکے اور میری بھی۔"

"آپ کی خواہش کیا ہے، مختصر! ابا جان؟" ٹائیگر نے ہنستے ہُوئے پُوچھا۔ "کیا شادی کا ارادہ ہے؟"

"انسان میں جب خبیث رُوحیں سرایت کر جائیں تو ایسے ہی

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

سوال لوک زبان سے پھسلنے لگتے ہیں۔" اُوشان کے لہجے میں حقارت تھی۔ میری خواہش صرف یہ ہے کہ میں بیت المقدس میں مسجد اقصیٰ کے گنبد کا دیدار کرسکوں۔"

شہزاد مسکرا کر رہ گیا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اُوشان، مسلمان دوستوں کے کسی مقدس مقام کے سلسلے میں اتنا جذباتی بھی ہوسکتا ہے۔

✡

لڑکی کا نام لیلیٰ اور اُس کے باپ کا نام حبیب تھا۔ حبیب کا بیٹا خلیل اور ایک بیٹی آمنہ شہید ہوچکے تھے۔ حبیب کی عمر پچاس سال سے زیادہ نہیں تھی اور لڑکی لیلیٰ بمشکل تیرہ برس کی تھی۔ حبیب کی بیوی جنوبی لبنان کے ایک مہاجر کیمپ پر اسرائیلی بمباری کے دوران سال بھر قبل شہید ہوچکی تھی جس کے بعد دوسرے کئی جانباز اور سرفروش فلسطینی مجاہدوں کی طرح لیلیٰ اور حبیب نے بھی ہیروت چھوڑ کر کہیں اور جانے سے انکار کردیا بلکہ پھر ایک الگ تنظیم بنا کر اسرائیلی جارحیت کے خلاف کئی اہم کارروائیاں کی تھیں۔

ہیروت میں امریکی سفارت خانے کی تباہی والے روز انھوں نے ایک صیہونی فوجی قافلے پر چھاپہ مار کر گیارہ صیہونی مار ڈالے... اور امریکی سفارت خانے کی تباہی کا جشن منایا۔

لیلیٰ کے چہرے پر جو عجیب سی سختی، انھیں ٹرک میں نظر آئی تھی، اُس کا اب دُور دُور نام و نشان تک نہ تھا۔ وہ اپنے گھر میں اُن کے لیے قہوہ بنا رہی تھی... تو شہزاد کو بار بار لیلیٰ کی طرف دیکھنا پڑ رہا تھا۔ وہ صرف یہی سوچے جا رہا تھا کہ اگر اُس کی اپنی بہن ہوتی تو وہ بھی شاید لیلیٰ ہی کی ہم عمر ہوتی۔

"ہن..." یہ شیریں لفظ، شہزاد کی رگوں میں شیرینی گھولتا چلا گیا۔

... اور پھر جب لیلیٰ نے سلیس انگریزی میں اُس سے باتیں شروع کیں تو اُس کا دل خوشی سے جھوم اُٹھا۔ لیلیٰ کو دیکھ کر اُوشان بھی بہت متاثر ہو رہا تھا اور پھر اُوشان جیسا آدمی بھی یہ سوچے بغیر نہ رہ سکا کہ کاش! لیلیٰ، اُس کی اپنی بیٹی ہوتی۔

اُس رات وہ بہت سی باتیں کرتے رہے۔ ظلم کے گزرے ہوئے دُور کی اور آنے والے خوشیوں بھرے دنوں کی باتیں... ان سب کو یقین تھا کہ اچھے دن ضرور آئیں گے اور فلسطین، فلسطینیوں کو مل کر رہے گا۔

... پھر یہ طے پایا کہ وہ اپنے اصل حلیے میں باہر جائیں گے کیونکہ حلیہ بدلنے میں زیادہ خطرات تھے۔ ویسے بھی اُنھیں یقین تھا کہ اِس واقعے کا کوئی عینی شاہد زندہ نہیں رہا۔ کیونکہ ریڈیو سے نشر کی جانے والی خبروں میں کہا گیا تھا کہ بعض نامعلوم افراد نے کرنل کامل سمیت آن ایکس فوجیوں کو مشین گن کی فائرنگ سے ہلاک کردیا جو ہوائی اڈے پر... شہر پسندوں کا سُراغ لگا رہے تھے۔ یہ خبر سُن کر شہزاد مسکرانے لگا اور اُوشان کی مخصوص قہقہہ کمرے میں اس طرح گُونجنے لگی تھی کہ لیلیٰ کو بے اختیار کسی بطخ کی موجودگی کا احساس ہونے لگا تھا۔

"ٹھیک ہے، اُوشان! میں بہرام سے بات کرنے جا رہا ہوں۔" صبح چار بجے کے قریب شہزاد نے انگڑائی لے کر کہا۔ رات کو وہ پل بھر بھی پلک نہیں جھپکا سکے تھے۔

وہ حبیب سے ٹیلی فون نمبر کے بارے میں ضروری رہنمائی حاصل کر کے باہر آیا تو سفیدی آسمان پر جنم لینے لگی تھی اور اس ملگجے اندھیرے میں مسجد اقصیٰ صاف نظر آرہی تھی۔

اُس کی سانس بے ترتیب ہونے لگی۔

اُسے یُوں لگا جیسے مسجد کے در و دیوار اُسی کی طرف متوجہ ہوں۔

وہ آگے بڑھا اور اس نے یخ دیوار پر اپنا رُخسار رکھ دیا... پھر بس یُوں محسُوس ہونے لگا جیسے کسی نے اُس کے خوابیدہ ریشوں تک کو بیدار کردیا ہو۔ آنکھوں میں روشنی بڑھ گئی ہو اور دل کی دھڑکنیں عظیم سرور زنوں کے باوجود کبھی اتنی پُرسکون نہ ہوئی ہوں۔

وہ رُوحانی سکون کا ایک جذباتی احساس لیے آگے بڑھ گیا۔

مشرقی القدس کا مسلم بازار بند تھا اور آگے چند فرلانگ دُور یہودیوں کی دُکانوں میں روشنی نظر آرہی تھی۔ وہ مقصد برادری کے لیے اُس طرف بڑھ گیا۔

"مجھے ایک ٹیلی فون کرنا ہے۔" اُس نے ایک میڈیکل اسٹور کی یہودی سیلز گرل سے کہا۔

لڑکی کے چہرے پر بشاشت کے آثار نہیں تھے۔ وہ یقیناً رات بھر کی ڈیوٹی پر تھی۔ اُس نے گہری نظروں سے شہزاد کی طرف دیکھا اور پھر ایک جھرجھری سی لے کر ٹیلی فون سیٹ اُٹھانے کے لیے جھک گئی۔

ٹائیگر نے اُس کی طرف سے نظریں پھیر لیں۔

"آپ کا نام کیا ہے؟" لڑکی نے سیٹ اُس کے سامنے رکھ کر سرسراتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔ اُس کی خوابیدہ آنکھیں اچانک ہی مخمور ہوگئی تھیں۔

"رڈمیو گولڈ برگ..." شہزاد نے مسکراتے ہوئے ایک ایسا نام استعمال کیا جو اُس کے یہودی ہونے کا امکان فراہم کرسکتا تھا اور پھر وہ نمبر ملانے لگا۔ اس نمبر کے ذریعے وہ، بہرام سے دُنیا کے کسی بھی حصے سے رابطہ کرسکتا تھا... اور لائن کسی بھی مقام پر ٹیپ نہیں ہوسکتی تھی۔ اس اثنا میں سیلز گرل، کسی گاہک کو نمٹانے کے لیے دُور چلی گئی تھی۔

"ہیلو... ٹائیگر... میں ایک ایسی عورت کی تلاش میں ہُوں جس کے چہرے پر اُن گنت بھُورے بھُورے تِل ہوں۔"

"رپورٹ...؟" بہرام کی بھاری آواز سُنائی دی۔ یُوں لگتا تھا جیسے اس وقت وہ خواب خرگوش کے مزے لے رہا تھا کہ ٹائیگر کی کال نے اس میں خلل ڈال دیا تھا۔

"میں تل ابیب سے القدس پہنچ چُکا ہُوں۔ یہاں اُوشان کو بار بار اپنے بھتیجے کی بُو محسوس ہو رہی ہے۔ ہم دونوں کی مشترکہ رائے ہے کہ جو کچھ ہو رہا ہے، اس کا مرکز القدس ہی ہے اور یہود یہ جانے سے ہمیں کچھ حاصل نہیں ہوگا۔"

"میری اطلاع ہے کہ نوگان بھی اسرائیل پہنچ چکا ہے۔"

"اوہ! یہ تو بہت اچھی اطلاع ہے۔" ٹائیگر نے ہنس کر کہا۔ "ویسے چکر کیا ہے؟"

"جہوریہ کے سربراہ سے ہونے والی گفتگو کے مطابق نوگان نے اُسے یرغمال بنا لیا تھا... اور تیل کی برآمد بھی اسی نے بند کرائی تھی۔ میرے کہنے پر کرنل غزالی نے ابھی تیل کی برآمد نہیں کھولی لیکن اس سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ نوگان روحانی غزالی کے اثر و رسُوخ سے فائدہ اُٹھا کر مختلف طیاروں سے مشرق وسطیٰ آنے والے مسافروں کی فہرست طلب کیا کرتا تھا اور جب اُسے یہ معلوم ہوگیا کہ تم اسرائیل پہنچ رہے ہو تو وہ بھی اسرائیل روانہ ہوگیا۔"

"گڈ..." ٹائیگر کی آنکھیں چمکنے لگیں۔

"شاہ مدرس بھی وہیں موجود ہے۔ وہ نوگان کے ذریعے اقتدار حاصل کرنا چاہتا ہے۔ نوگان ہی ایک بڑی طاقت کے ہاتھ میں وہ ہتھیار تھا جس سے امریکی سائنس دانوں کو قتل کرایا گیا تھا تاکہ امریکا بھی جہوریہ پر چڑھائی کرسکے... لیکن میں نے سی۔ آئی۔ اے کے سربراہ کو تمام تفصیلات بتا دی ہیں اور وہ تمھارے مشن کی کامیابی کا انتظار کرنے پر آمادہ ہوگیا ہے۔ اُس کا کہنا ہے کہ اُسے شاہ مدرس سے کوئی دلچسپی نہیں۔ وہ صرف یہ چاہتا ہے کہ جہوریہ میں غزالی رہے یا شاہ مدرس، تیل کی فراہمی جاری رہے۔"

"گویا سی۔ آئی۔ اے، نوگان کے ساتھ نہیں ہے؟"

"نہیں، البتہ ایک بڑی یورپین طاقت، اُس کی حمایت اور پُشت پناہی کر رہی ہے۔ تاکہ شاہ مدرس کی واپسی سے افریقہ... اور مشرق وسطیٰ میں اُس کے پیر پھر سے جمنے لگیں۔"

"ہمیں کیا کرنا ہے؟"

"شاہ مدرس کو اقتدار پر قابض ہونے سے روکنا ہے... اور نوگان کو اس مرتبہ..."

"یہ میرا ذاتی معاملہ ہے... خدا حافظ! سوئیٹ ہارٹ!" یہ کہہ کر ٹائیگر نے ریسیور رکھ دیا۔

سیلز گرل ابھی تک دوسرے گاہکوں میں اُلجھی ہوئی تھی... لہٰذا وہ تیزی سے باہر آیا اور مشرقی بیت المقدس کے اندھیروں میں گُم ہوگیا۔

اُسے واپسی کا راستہ اچھی طرح معلوم تھا۔

✡

"کہاں تھے، فرزند؟" اُوشان نے انگڑائی لے کر پُوچھا... اور کنول کے آسن میں بیٹھ گیا۔

حیرت انگیز بات یہ تھی کہ لیلیٰ، اُوشان کے کمرے میں، فرش پر سو رہی تھی۔ "کتنی پیاری بچی ہے، اُوشان؟" شہزاد نے مسکرا کر محبت سے لیلیٰ کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"ہاں... سچ اور جرأت کا پیکر اتنا ہی پیارا ہوتا ہے، شہنشاہ بہرام کیا کہتا ہے؟"

ٹائیگر نے اُسے سب کچھ بتا دیا... اور جب بات ختم ہُوئی تو اُوشان بے اختیار مُسکرا اُٹھا۔ "یہاں آگیا ہے، وہ شُناجو کا شیطان... ٹھیک ہے، ٹائیگر! اُسے اس کی موت کھینچ لائی ہے۔ ایک ہزار سال قبل شُناجو میں ایک اور شیطان پیدا ہُوا تھا جسے شمشیر شُناجو کے مالک نے بیت المقدس کے شمالی حصے میں زخمی کیا تھا۔"

"زخمی..." ٹائیگر نے حیرت سے دُہرایا۔

"ہاں... صرف زخمی کیا تھا... کیونکہ وہ بھی میری طرح پابند تھا۔ اُس نے بھی عہد کیا تھا کہ شُناجو کے کسی باشندے کو کبھی قتل نہ کرے گا۔ لہٰذا اس عظیم ماسٹر نے اُس شیطان کو زخمی کرکے چھوڑ دیا... اور پھر وہ شیطان اذیتیں رگڑ رگڑ کر مر گیا۔"

ٹائیگر اثبات میں سر ہلا کر رہ گیا۔ اُسے معلوم تھا کہ ایک ہزار سال قبل شمشیر شُناجو کے مالک نے ابلیس شُناجو کو کیسی چوٹیں لگائی ہوں گی۔ وہ سوچتا رہا اور سر ہلاتا رہا۔

اُوشان نے اپنے لبادے سے ایک تہ شُدہ کاغذ نکالا اور ٹائیگر کی طرف بڑھاتے ہُوئے بولا۔ "اسے خاصب وزیر اعظم پیرز کے حوالے کرآؤ۔"

ٹائیگر نے کاغذ کھولا اور خط پڑھنے لگا۔

"پیرز! میں تمھیں حُکم دیتا ہُوں کہ جمعے کی رات تک شاہ مدرس کو گرفتار کرکے نہ لائے، موت تمہیں دوڑ کر تم پر آسمانی قہر نازل ہوگا۔ اگر تمھیں یقین نہیں تو اپنی تاریخ کے کسی ماہر سے پُوچھ لو کہ ایک ہزار سال قبل شمشیر شُناجو کے مالک نے یہاں کے مظلوموں کو بچانے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کے لیے کیا گیا تھا... میں ہوں، شمشیر سنجو کا مالک!

✠

صبح نو بجے شہزادہ طوعاً و کرہاً اوشان کا پیغام لے کر مشرقی علاقے سے نکلا تو اُسے مسلمانوں کا مارا کھلا ہوا جلا۔ بہت سی دُکانوں میں سامان نہ ہونے کے برابر تھا لیکن بیشتر دُکانوں پر تنظیم آزادیٔ فلسطین کے پرچم لہرا رہے تھے۔ یہ اُن دُکان داروں کی جرأت مندی کا ایک شاندار نمونہ تھا۔

صیہونی حکومت نے اپنا نام نہاد دارالحکومت اگرچہ بیت المقدس منتقل کر لیا تھا مگر یہاں سفارتی سرگرمیاں نہ ہونے کے برابر تھیں۔ حتیٰ کہ خود امریکہ اور برطانیہ نے بھی تاحال اپنے سفارت خانے یہاں منتقل نہیں کیے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ بیت المقدس میں سفارتی علاقہ نہ ہونے کے برابر تھا اور صرف اسی علاقے کی کڑی حفاظت کی جاتی تھی۔ جہاں وزیر اعظم پیرز رہا کرتا تھا، جہاں چند چھوٹے چھوٹے ایسے ممالک کے سفارت خانے تھے جن سے عرب اور مسلم حکومتوں نے تعلقات منقطع کر لیے تھے۔

وہ ایوانِ وزارتِ عظمیٰ پہنچ گیا۔ یہاں سیکورٹی بہت سخت تھی۔ اور پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا تھا۔ محل کے بالائی بُرج پر طیارہ شکن توپیں نصب تھیں اور کئی فوجی محل کے لان پر بھی فضا میں مار کرنے والے میزائل لیے گھوم رہے تھے۔

ایک جگہ دیوار کے قریب پہنچ کر ٹائیگر رُک گیا۔ اُس نے کچھ سوچا اور پھر مرکزی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ یہاں ایک بریگیڈیئر موجود تھا جس کے چہرے سے اُکاہٹ اور بے زاری صاف نظر آ رہی تھی۔

بریگیڈیئر کے چہرے پر دائیں گال سے آنکھ تک زخم کا ایک لمبا سا نشان تھا۔ "بریگیڈیئر..." شہزادہ نے نہایت احترام سے کہا... "میں وزیر اعظم پیرز کے لیے ایک خصوصی پیغام لایا ہوں۔ کیا اُن تک رسائی ہو سکتی ہے؟"

"پیغام بذریعہ ڈاک بھیج دو۔" بریگیڈیئر نے نفرت سے جواب دیا۔

"کیا انھیں یہ پیغام بذریعہ ڈاک مل جائے گا، جناب؟"

"نہیں... کیونکہ وہ ڈاک خود نہیں کھولتے۔"

"لیکن میں چاہتا ہوں کہ وہ یہ پیغام خود پڑھیں۔"

"تب پھر کسی فلسطینی لڑکی کو پیغام دے کر مرکزی دروازے پر بھیج دو۔ جب کبھی وہ آئے گا، پیغام فوراً... اُس کے پاس پہنچ جائے گا۔"

"میں..." ٹائیگر کی کھوپڑی گھوم گئی لیکن اُس نے فوراً ہی نظامِ تنفس سے کام لے کر غصے پر قابو پا لیا۔ دو تین لمبی لمبی سانسیں لیں اور چند ہی لمحوں میں وہ پھر مسکرانے لگا... مگر اُس کے اندر آگ سی سُلگ اُٹھی تھی۔ "کسی یہودی لڑکی سے بات نہیں بنے گی، جناب؟"

"نہیں... وہ اُن سے بیزار ہو چکا ہے۔" بریگیڈیئر نے بے غیرتی سے جواب دیا۔

"گویا یہ پیغام وزیر اعظم تک پہنچنے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔"

"نہیں..." بریگیڈیئر نے ایک بار پھر گردن اکڑا کر جواب دیا۔

"تمھیں معلوم ہے کہ تم کیا کہہ رہے ہو؟" ٹائیگر نے اچانک ہی سنجیدگی سے پوچھا۔ اب وہ کسی بھی صورتِ حال کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار تھا۔

"ہاں... میں بریگیڈیئر ابراہام ہوں۔ میں اپنے منصب کا سربراہ ہوں اور مجھے علم ہے کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔" وہ پیرز بن کر بولا۔

"اگر میں تمھیں پیغام دے دوں تو تم کیا کرو گے؟"

"میں اسے پڑھ کر پھاڑ ڈالوں گا۔ یہ امریکا نہیں ہے تمھیں یہاں کوئی رعایت نہیں ملے گی۔"

"فرض کرو، میں تمھیں یہ دھمکی دوں کہ تم نے یہ پیغام پھاڑا تو میں تمھارا سر پھاڑ دوں گا... تب...؟"

"تب میں محافظوں کو بلا کر تمھیں امریکا اسرائیل دوستی کو متاثر کرنے کے الزام میں گرفتار کرا دوں گا۔"

"آہ..." ٹائیگر نے دائیں ہاتھ کی اُنگلیاں دیکھتے ہوئے کہا۔ "تمھارے دائیں گال پر یہ لکیر نما زخم کا نشان بہت اچھا لگ رہا ہے لیکن اس کے باعث تمھارا چہرہ غیر متوازن ہو گیا ہے اور میں عدم توازن برداشت کرنے کا عادی نہیں ہوں۔"

ٹائیگر کی اُنگلیاں لپک پڑیں اور پھر انگشت شہادت اسرائیلی بریگیڈیئر کے بائیں گال کو آنکھ تک چیرتی چلی گئی۔

وہ چیخ اُٹھا۔ اس کی چیخ سنتے ہی کئی فوجی دوڑتے ہوئے دروازے کی طرف آئے مگر اس وقت ٹائیگر ہجوم میں شامل ہو چکا تھا۔

آگے ایک فیشن ایبل بازار میں اچانک اُس کی نگاہ جیسی پر پڑی اور جیسی بھی اُسے دیکھ کر کھل اُٹھی۔ "اوہ! تم کہاں ہے؟ تمھیں دیکھنے کو میری تو آنکھیں ترس گئی تھیں۔" جیسی جیکسن کا انداز واقعی والہانہ تھا۔

"میں خود بھی تمھیں دیکھنے کے لیے بے تاب تھا۔ کہو، کہاں مقیم ہو؟"

"ہوٹل جیوڈازم... مُنو، تم نے تو بہت ہنگامہ مچا دیا تھا... ہوائی اڈے پر۔"

"پلیز جیسی..." ٹائیگر نے اُس کی آنکھوں میں جھانک کر اندھیرا۔ "فکر مت کرو... میں نے کسی سے بھی نہیں کہا ہے کہ وہ تم بھی ہو سکتے ہو۔ دو مسافر اُس وقت باہر نکل چکے تھے اور اُن کا کہنا ہے... کہ چھاپہ ماروں کے پورے گروہ نے حملہ کیا ہوگا۔ یوں بھی مجھے امریکا سے ہدایت

ملی ہے کہ صرف نظر رکھوں، مداخلت نہ کروں۔"

"تم بھی..." ٹائیگر نے اپنی بات ادھوری ہی چھوڑ دی۔

"ہاں، میں بھی تمھاری طرح ایک خفیہ ایجنسی میں شامل ہوں۔"

"اب کیا پروگرام ہے؟"

"فی الحال تو ایوانِ وزارتِ عظمیٰ جانا ہے۔ ہم تین لڑکیوں... کو وزیر اعظم نے خصوصی ملاقات کے لیے طلب کیا ہے۔"

"اوہ... جیسی! کیا تم میرا ایک کام کر دو گی؟" ٹائیگر کسی خیال کے تحت چونک پڑا۔

"ضرور... مگر ایک شرط پر... کہ تم آج ڈنر میرے ساتھ کرو گے۔"

"بسر و چشم... اچھا یہ لو۔" ٹائیگر نے اوشان کا پیغام جیسی کو دے دیا اور پھر جیسی، اُس کی ہدایت سُن سُن کر اثبات میں سر ہلاتی رہی۔

✠

اوشان نے یہ سُنتے ہی کہ ٹائیگر پیغام کے بارے میں کیا تیر مار کر آیا ہے، بُرا سا منہ بنایا۔ "اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم نے میرا پیغام براہِ راست ملعون پیرز تک نہیں پہنچایا۔"

"میں نے وہ پیغام ایک ایسی شخصیت کو دیا ہے جو پیرز سے ملاقات..."

"آہ... آہ! تو تم نے وہ پیغام ملعون پیرز کی بجائے کسی اور کو دے دیا... اور کیا تم نے پیغام بر کو پیغام پیرز کے حوالے کرتے ہوئے دیکھا تھا؟" اوشان کا لہجہ طنزیہ تھا۔

"نہیں، ویسے میرا خیال ہے کہ..."

"...کہ اُس نے پیغام پیرز کے حوالے کر دیا ہوگا۔" اوشان نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اُس کے باریک لبوں پر استہزائیہ مسکراہٹ کی ایک لکیر سی کھنچ گئی تھی جس کی وجہ سے نوکیلی مونچھوں کا زاویہ بھی قدرے بدل گیا تھا۔ "نہیں فرزند! تم نے پیغام بر کو پیغام حوالے کرتے نہیں دیکھا تھا اور اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم ایک بار پھر ناکام ہو گئے۔ میں نے تمھیں ایک معمولی سی مہم پر بھیجا تھا لیکن تم اس طرح واپس آئے ہو کہ تمھارے چہرے پر مایوسی کی تہیں ہیں اور تم مجھے یہ بتا رہے ہو کہ شاید میرا پیغام اُس خبیث تک پہنچ گیا ہوگا... یعنی تمھیں یقین نہیں ہے... اس کا مطلب ہے کہ میرا خط اُس تک نہیں پہنچ سکا۔"

"آپ جو چاہے مجھ پر لعن طعن کر لیں، مگر میں شکست تسلیم کرنے کے انداز میں دونوں ہاتھ بلند کرتے ہوئے کہا۔

"آہ... سمجھنے کے لیے اب وقت نہیں رہا، فرزند!" اوشان کا لہجہ دردناک ہو گیا۔ "اب میں اپنا طریقہ آزماؤں گا اور ہر کام مجھے خود ہی کرنا پڑے گا۔"

✠

جیسی جیکسن نے اوشان کا پیغام وزیر اعظم پیرز کو عین اس وقت دیا جب وہ ڈنر کے بعد قدرے فریش ہو جانے والا انداز اختیار کر رہا تھا۔ اُس نے ناگواری سے اس پیچھے کی طرف دیکھا لیکن نہ جانے کیوں اُسے پھینک نہ سکا اور پڑھنے پر مجبور ہو گیا۔ جیسی اُس کے چہرے کی طرف دیکھتی رہی... اور جونہی صیہونی ریاست کے وزیر اعظم نے جو کہ دہشت گرد بھی رہ چکا تھا، خط کا متن پڑھا۔ اُس کے چہرے کی رنگت زرد ہو گئی اور دہشت سے اُس کے ہونٹ کانپنے لگے۔

وہ جیسی سے ایک لفظ بھی کہے بغیر عشرت کدے سے نکلا اور دوڑتا ہوا گیسٹ ہاؤس پہنچ گیا۔ اُس کے محافظ اُس کی طرف لپکے مگر وہ اُنھیں رُکنے کا اشارہ کر کے گیسٹ ہاؤس کی سب سے بڑی خواب گاہ کے سامنے پہنچ کر رُک گیا۔

اُس نے دروازے پر دستک دی تو اندر سے کسی نے باریک سی آواز اندر آنے کی اجازت دے دی۔

وہ اندر پہنچا تو نوکر گان ایک وسیع میز کے پیچھے کُرسی پر بیٹھا اخبار پڑھ رہا تھا۔

"اس وقت مجھے ڈسٹرب کرنے کا مقصد، پیرز؟" نوکر گان کے لہجے میں کسی بھیڑیے جیسی غراہٹ کا تاثر تھا۔

"یہ... پیغام... ابھی ابھی ملا ہے۔" پیرز نے گھبراہٹ کے عالم میں پیغام، نوکر گان کے ہاتھ میں دینے کی بجائے اُس کی گود میں ڈال دیا۔ نوکر گان نے پیغام پڑھ کر واپس کر دیا۔ اُس کے چہرے پر عجیب سی مُسکراہٹ کھیلنے لگی۔

"اس سلسلے میں، میں کیا کروں؟" وزیر اعظم پیرز نے دونوں ہاتھوں سے سینے پر مالش کرتے ہوئے دریافت کیا۔

"کچھ بھی نہیں..." نوکر گان ہنسنے لگا۔ "تمھیں کچھ کرنے کی ضرورت نہیں، البتہ تم آرام ضرور کر سکتے ہو۔"

"یہ... شمشیر سُنا نجو کا ماسٹر کون ہے؟" پیرز نے اس مرتبہ قدرے پُر سکون لہجے میں پوچھا۔

"ایک افسانوی مگر حقیقی شخصیت... جو یقیناً جمہوریہ کوشلا مدرس سے بچانے کے لیے یہاں آئی ہے۔"

"کوئی کرایے کا قاتل؟"

"نہیں، وہ عام قاتلوں جیسا نہیں ہے۔" نوکر گان نے مُسکرا کر کہا۔ "تم ایسے لوگوں کے مربی اور سرپرست ہو جو بموں اور رائفلوں سے قتل کرتے ہیں لیکن شمشیر سُنا نجو کا مالک، اُن جیسا نہیں ہے۔ وہ بذاتِ خود ایک مشین گن ہے... اُس کی ذات کے ہر ہم سے کہ نہیں، اور اس کی اُنگلیاں گولیوں کی مانند ہیں۔ تمھارے [illegible] قاتل [illegible] کی طرح ہیں اور وہ...

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

وہ سراپا طوفان ہے۔"

"تب پھر اُسے کیوں نہ گرفتار کرنے کا حکم دیا جائے؟" وزیرِ اعظم پیرز نے غصّے سے پوچھا۔

"اُسے گرفتار کرنے کے لیے تم اپنے کتنے مخبر فروشوں کو قتل کرانے کا خواہش مند ہو پیرز؟" نوگان نے حقارت سے پوچھا۔ "تم اس بدبخت ملک کی ساری فوج لگا دو، تب بھی وہ، ماسٹر اوشان کا لبادہ بھی نہیں پکڑ سکے گی۔ سنو، پیرز! طوفان کا مقابلہ صرف طوفان ہی کر سکتا ہے... اور اُس کے مقابلے کا جو طوفان ہے، وہ صرف میں ہوں۔"

"مگر میں یہ کہہ رہا تھا کہ..."

"تم بک رہے تھے۔" نوگان نے اُس کی بات سُنے بغیر جواب دیا۔ "ماسٹر آف سنانجو، تم سے دوبارہ رابطہ قائم کرنے کی کوشش کرے گا اور میں اُس کا مقابلہ کرنے کے لیے بالکل تیار ملوں گا... سب کچھ مجھ پر چھوڑ دو۔"

وزیرِ اعظم سُنتا رہا۔ اُس کے پاس نوگان کے احکام کی تعمیل کے سوا کوئی دوسرا راستہ نہ تھا۔ کیونکہ اُسے معلوم ہو چکا تھا کہ القدس میں صیہونی دہشت گردوں کے خلاف انتہائی منظم انداز سے جدوجہد ہو رہی ہے۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ نوگان، اس طاقت کا نمائندہ ہے جو جمہوریہ کی خُفیہ ایجنسی، شاہ مدرس کو دینے کے منصوبے پر عمل کر رہی ہے اور شاہ مدرس کے حکمران بننے کا مطلب اسرائیل کے وجود کو لاحق ایک سنگین خطرے سے محفوظ کرنا تھا۔ اس طاقت کے سفیر نے نوگان کی آمد کے ساتھ ہی پیرز سے اُس کی حکومت کے غیر قانونی دارالحکومت بیت المقدس میں ملاقات کی تھی اور واضح کر دیا تھا کہ اُسے اسرائیل کو بچانے کی خاطر، نوگان کی ہر بُری اور کڑی سے کڑی بات کو بھی شیریں گھونٹ سمجھ کر پینا ہوگا۔

"کیا شمشیر سُنانجو کے مالک سے کبھی میرا بھی آمنا سامنا ہو سکتا ہے، ماسٹر نوگان؟" پیرز نے دروازے کی طرف جانے سے قبل پُوچھا۔

"ہاں... مگر تم اُسے دیکھ کر یقین نہیں کرو گے کہ وہ کوئی ماسٹر بھی ہو سکتا ہے۔" نوگان نے سخت لہجے میں جواب دیا جسے سُن کر پیرز اپنی خواب گاہ میں واپس چلا آیا جہاں جیسی صوفے پر بیٹھی تھی لیکن اب اُسے جیسی سے پہلی جیسی دلچسپی نہیں رہی تھی۔

"کہیں یہ خط کس نے دیا تھا؟" وہ صوفے پر بیٹھنے کی بجائے کھڑا رہا۔

"ایک ایسے نوجوان نے جس سے دورانِ سفر ملاقات ہوئی تھی۔"

"اُس کا نام کیا تھا؟"

"نام..." وہ سوچ میں پڑ گئی۔ "شاید شہزاد ہے۔ اُس کا ساتھی، اُسے یہی کہہ کر مخاطب کر رہا تھا۔"

"شہزاد... یہ تو مُسلم نام معلوم ہوتا ہے۔" فلسطینی جانبازوں کی سرفروشانہ جرأت کا خیال آتے ہی وہ لمحے بھر کے لیے کانپ اُٹھا... اور پھر اُس کی نظریں دروازے کی طرف اُٹھ گئیں۔

مطلب واضح تھا۔

جیسی اُٹھ کر کمرے سے نکل گئی

اُس رات پیرز نے کئی خوفناک خواب دیکھے۔ ایک بار اُس نے دیکھا کہ ایک شخص اُسے قتل کر کے اُس کی بوٹیاں بنا رہا ہے۔ وہ ڈراؤنے دہشت کے کئی بار چیخا تو اُس کی بیوی اُٹھ کر دوسرے کمرے میں سونے کے لیے چلی گئی... اور محافظ حیران و پریشان کھڑے، ایک دوسرے کی شکلیں دیکھتے رہے۔

... اور پھر ایک شخص خواب گاہ میں گھس آیا۔

یہ ایک نحیف و نزار آدمی تھا جس نے سُرخ لبادہ پہن رکھا تھا۔ اُس نے مسکرا کر کہا۔ "ملعون پیرز! میں تم سے کئی پشتوں کا بدلہ لینے آیا ہوں۔"

پیرز کی آنکھ کھل گئی۔ کمرے میں کوئی نہیں تھا پھر بھی وہ کانپنے لگا۔ اُسے یقین ہو گیا کہ شمشیر سُنانجو کا مالک اُسے دھمکی دے کر گیا ہے۔ اُس نے بیڈ کی پشت گاہ سے ٹیک لگا لی۔ پسینے سے اُس کا بدن تر ہو گیا لیکن پھر نوگان کی موجودگی کا خیال آتے ہی اُس کا خوف قدرے دُور ہونے لگا۔

بڑی طاقت کے سفیر نے کہا تھا کہ نوگان ایک تیز و تند طوفان ہے۔

✲

"دیکھا تم نے؟" اُوشان نے مراقبے سے نکلتے ہوئے کہا۔ "ملعون پیرز کو میرا پیغام نہیں ملا ورنہ وہ جواب ضرور دیتا۔ اس کا مطلب ہے کہ تم پیغام پہنچانے کی کوشش میں بھی ناکام رہے ہو، فرزند!"

"ممکن ہے اُسے پیغام ملا ہو مگر اُس نے جواب نہ دینے کا فیصلہ کر لیا ہو، اتل فاور!" شہزاد نے دو اُنگلیوں کے بَل کھڑے ہونے کی ورزش ختم کرتے ہوئے جواب دیا۔

"نہیں..." اُوشان کے لہجے میں بڑی خوفناک غرّاہٹ تھی جسے سُن کر خود ٹائیگر بھی ایک لمحے کے لیے کانپ اُٹھا۔ "وہ پیغام، شمشیر سُنانجو کے وارث کی طرف سے تھا۔ کوئی بھی ایسے پیغام کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔"

"شاید وہ سُنانجو کی اہمیت سے واقف ہی نہ ہو۔"

"نہیں... وہ یقیناً واقف ہوگا۔"

"تب پھر اُسے پیغام نہیں مل سکا ہوگا۔" ٹائیگر نے شکست تسلیم کرتے ہوئے کہا۔ ویسے بھی وہ اس موضوع پر اُوشان سے مزید بحث نہیں کرنا چاہتا تھا کیونکہ ایسی ہر بحث لاحاصل ہی ہوتی تھی۔

"میں جانتا ہوں کہ اُسے میرا پیغام نہیں ملا لیکن آج اُسے پیغام مل جائے گا۔" یہ کہہ کر اُوشان نے قلم اور کاغذ سنبھالا اور بڑی محنت سے بھوئی وزیرِ اعظم پیرز کے نام ایک نیا خط لکھنے لگا۔

کاغذ کی چار نفیس تہیں کرنے کے بعد اُس نے انتہائی نرم لہجے میں کہا۔ "اس مرتبہ یہ پیغام ملعون پیرز کے ہاتھ میں پہنچے گا، فرزند... کیونکہ پیغام بر کوئی اور نہیں بلکہ میں خود ہی ہوں گا۔"

ٹائیگر اثبات میں سر ہلا کر رہ گیا کیونکہ اُسے علم تھا کہ اُوشان کے فیصلے پر اعتراض کرنا، ایک نیا لیکچر سُننے کا کرب برداشت کرنے کے مترادف ہوگا۔

"اگر تم بھی اُسے کوئی پیغام بھیجنا چاہتے ہو تو لکھ دو، وہ بھی پہنچ جائے گا۔ چلو، لکھو... جلدی کرو۔"

ٹائیگر چند لمحے جزبز ہوتا رہا لیکن پھر اُسے بھی پیغام لکھ کر دینا پڑا۔ اُس کی سمجھ میں جو کچھ بھی آیا، وہ لکھ گیا۔

وزیرِ اعظم پیرز کے نام...

میں نے تیل کا ایک ایسا متبادل تلاش کر لیا ہے جو تیل سے ایک ہزار گنا سستا ہے۔ اگر تم اس فارمولے کو خریدنے کے لیے آمادہ ہو تو میں عربوں سے رابطہ قائم کرنے سے قبل تم سے گفتگو کرنے کو ترجیح دوں گا ورنہ پھر عرب اور اُس کے بعد پسماندہ ممالک سے بات کی جائے گی۔ ویسے مغربی طاقتیں، اس فارمولے کو حاصل کرنے کے لیے دُنیا بھر کی دولت میرے قدموں میں ڈھیر کر سکتی ہیں... فقط شہزاد۔

"یہ لو..." اُس نے پرچہ، اُوشان کو دیتے ہوئے کہا اور اُوشان پرچے کو اپنے مخصوص انداز میں ہنستا ہوا کمرے سے نکل گیا۔ اس وقت لیلیٰ اور حبیب دونوں، مقبوضہ مغربی کنارے پر فلسطینی تحریک کے مزاحمت کے کسی مشن کی تکمیل کے لیے گئے ہوئے تھے اور یہ بات انھوں نے مہمانوں سے بھی پوشیدہ رکھی تھی۔

✲

نوجوانوں کی عالمی کانگریس کے لیے، مسند بین کڑے حفاظتی پہرے میں ہال میں داخل ہوئے۔ دروازے پر عورتوں تک کی جامہ تلاشی لی گئی۔ تین سو پچاس نمائندے جن کا تعلق اسرائیل نواز قوتوں اور عرب مخالف کیمپ سے تھا، ہال میں پہنچ کر شور و غل مچانے لگے تھے۔ اُن کی یہاں آمد کا واحد مقصد لبنان پر اسرائیلی گولہ باری، بمباری اور شتیلہ و صابرہ کے کیمپوں میں نہتے فلسطینیوں کے قتلِ عام پر اسرائیل کی تعریف و توصیف اور امریکا کی حمایت کرنا تھا۔

شہباز
مصنف اظہر کلیم
دو حصوں میں
مکمل سیٹ =/100 روپے
مکتبہ القریش
سرکلر روڈ اردو بازار لاہور
فون 7668958

تقریریں شروع ہوئیں اور پھر ہال میں صرف ایک گھنٹے کے دوران مار پیٹ کے پانچ واقعات ہوئے۔ مشرقی ممالک... مثلاً جاپان وغیرہ کے نمائندے صرف جمہوریہ شام، الجزائر، ایران اور روس کی مذمت میں قرارداد پاس کرانا چاہتے تھے جبکہ بعض یورپی ملکوں کے نمائندوں کا کہنا تھا کہ سعودی عرب، پاکستان اور ایسے ہی دوسرے معتدل مزاج ملکوں پر بھی کڑی تنقید کی جائے جو فلسطینیوں کی خاموشی سے مگر مؤثر مدد کر رہے ہیں۔ اس پر لیاڈکی شروع ہوئی اور گھونسے بازی بھی ہونے لگی۔

اس اثنا میں کسی نے کہہ دیا کہ کالے افریقی بھی فلسطینیوں کی حمایت کر رہے ہیں۔ یہ بات حقیقت پر مبنی تھی مگر جنوبی افریقہ کی نسل پرست انتظامیہ کے وفد کو غصہ آیا اور وہ گوروں پر ٹوٹ پڑا۔ یہ صورتِ حال دیکھ کر جیسی جیکسن جو اتفاق رائے سے کانگریس کی صدر منتخب ہوئی تھی، اُس نے گیارہ بجے لنچ کے وقفے کا اعلان کر دیا۔

اس اعلان سے گیلری میں موجود بہت سے لوگ مشتعل ہو گئے جن میں ٹیلی ویژن کے کیمرہ مین اور اخباروں کے فوٹو گرافر بھی شامل تھے جو مسلسل ہنگامے کی تصویریں بناتے رہے تھے۔

گیلری میں صرف دو افراد ایسے تھے جنھیں لنچ کے وقفے پر کوئی اعتراض نہیں تھا۔

"نیچے جو کچھ ہوا، وہ تمھاری سمجھ میں آیا، فرزند؟" اُوشان نے اپنے لبادے کو لپیٹ کر، دونوں ہاتھ سینے پر رکھتے ہوئے پُوچھا۔

"ہاں... صرف یہ کہ صیہونی حامیوں کے کیمپ میں سب ایک دوسرے کو نگلنے کے درپے ہیں۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اُوشان نے وزیرِ اعظم پیرز کو دونوں خطوط پہنچانے میں کتنے لوگوں کو مارا ہوگا؟ جب اوشان خط دے کر واپس آیا تھا تو اُس نے صرف اتنا کہا تھا کہ پیرز نے یہ سُنتے ہی کہ کوئی شخص دستی خط دینے آیا ہے، اُسے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

اندر بُلوایا تھا لیکن وائس آف جرمنی کی خبریں سُننے پر ٹائیگر کو علم ہُوا تھا کہ ایوانِ وزارت عظمےٰ میں کیا کچھ ہو چکا ہے۔ خبر نگار نے ذرائع ابلاغ کی خبروں میں کہا گیا تھا کہ اسرائیلی وزیرِ اعظم کی قیام گاہ پر جاپانیوں یا کوریائی... باشندوں کے ایک تربیت یافتہ گروپ نے حملہ کیا۔ ستائیس فوجیوں کو ہلاک کر دیا جو عمل پر پہرہ دے رہے تھے۔ تاہم وزیرِ اعظم پر اُن کا حملہ ناکام ہو گیا۔

اُوشان یہ سب کچھ سُن کر صرف مُسکرا دیا تھا۔

... اور یہ بات وزیرِ اعظم کو بھی معلوم تھی کہ آنے والا صرف ایک تھا اور وہ بھی بے حد بُوڑھا اور نحیف آدمی تھا۔ اُس نے جب پیرز کو خطوط پیش کیے تو اُسے معلوم ہو چکا تھا کہ جن ہاتھوں میں خطوط ہیں اُنہی سے اُس کے ستائیس کمانڈوز مارے جا چکے ہیں۔ اُوشان کے جاتے ہی اُس نے نوگان سے بات کی تھی اور نوگان نے مُسکرا کر جواب دیا تھا کہ بچوں کی طرح ہراساں مت ہُوا کرو، پیرز! اُن خطوط کو بھُول جاؤ۔ اب میں خود اُن دونوں سے نمٹوں گا۔

*

"آپ کو پیرز کی طرف سے کوئی جواب نہیں ملا، اُوشان؟" ٹائیگر نے ہال میں کھڑے لوگوں کی طرف دیکھ کر پوچھا جو اب بھی بحث میں مصرُوف تھے۔

"وہ میری تجاویز پر غور کر رہا ہے۔ اُس کا جواب جلد ہی مِل جائے گا۔" یہ کہہ کر اُوشان اُٹھ گیا۔

ہال میں 'اخوت کا مظاہرہ' دیکھ کر اُس کا دل بھر گیا تھا... اور اُسے یقین تھا کہ صیہونی ریاست جلد ہی بیٹھ جائے گی۔ وہ، ٹائیگر کے ساتھ باہر نکلا اور پھر اُس نے ٹائیگر کو ایک جگہ رُکنے کا اشارہ کیا جہاں دو جاپانی اور دو سیاہ فام، دو سفید فاموں سے کسی مسئلے پر بحث کر رہے تھے۔

"سارے مسئلے کی جڑ، امریکہ اور برطانیہ ہے۔" ایک سیاہ فام نے زور دے کر کہا۔

"درُست..." اُوشان نے سر ہلا کر تائید کی۔ "گوروں پر تو اعتبار بھی نہیں کیا جا سکتا۔"

"مگر ہمارا قصُور کیا ہے؟" ایک سفید فام نے کچھ اس طرح سوال کیا جیسے وہی صدر ریگن ہو۔ "ہم نے اسرائیل کو جتنی فوجی اور اقتصادی امداد دی ہے، اس کا عشر عشیر بھی کسی اور ملک کو دیتے تو وہاں نہ بے روزگاری ہوتی اور نہ ہی کوئی سرحدی خطرہ لاحق رہتا۔"

"جب تک غزالی اسد اور شاہ حسین، زندہ ہیں، اس وقت تک سرحدیں محفوظ نہیں ہوں گی۔" ایک سفید فام نے بات کا رُخ بدلنے کی کوشش میں کہا۔

"غزالی تو خود کو سلطان صلاح الدین ایوبی کا جانشین سمجھتا ہے۔" دوسرے سفید فام نے بڑی حقارت سے کہا۔

"تم کچھ بھی کہو ہمگر کرنل غزالی بڑا بہادر اور راست گو آدمی ہے۔ اگر فرعون زندہ ہوتا تو اُس کی بہادری اور صاف گوئی سے ضرور خوف زدہ ہو جاتا۔" اُوشان نے بات آگے بڑھاتے ہُوئے کہا۔

"ہاں..." ایک جاپانی نے سر ہلاتے ہُوئے کہا۔ "غزالی جانتا ہے کہ ہُودی ریاست سے کس طرح نمٹا جا سکتا ہے۔"

اس جُملے پر باقی سب جاپانی کو گھُورنے لگے مگر اُوشان نے فوراً اس جاپانی کی حمایت کر دی۔ "یہ سچ کہتا ہے۔"

"کیا بکتے ہو؟" ایک امریکی تاؤ میں آ کر بولا۔ "تم لوگ اس دہشت پسند غزالی کے آلۂ کار ہو۔"

"غزالی فلسطین کی حمایت کرتا ہے اور ہم کہتے ہیں کہ فلسطینیوں کو اُن کی سرزمین واپس ملنی چاہیے۔ ہم کسی کے مخالف نہیں لیکن اس نعرے کی حمایت کرتے ہیں کہ... فلسطین زندہ باد۔"

"غدار..." انگریز نے دانت پیس کر کہا۔

اُسی لمحے ایک افریقی نے اُس کا ہاتھ تھام لیا۔ "جذباتی ہونے کا مظاہرہ مت کرو۔" اس وقت تمام مندوبین اُن کے گرد جمع ہو چکے تھے۔ "فلسطین، فلسطینیوں کا ہی ہے۔"

"فلسطین، فلسطینیوں کا ہے۔" ٹائیگر نے با آواز بلند کہا۔

"فلسطین زندہ باد۔"

"شاہ مدرس، ہمگرہ باد!"

اچانک ہی نعرے گُونجنے لگے۔

نعروں کی بازگشت سے عمارت ہلنے لگی۔ ان نعروں کی قیادت ایک نحیف سا بُوڑھا کر رہا تھا جس کی قبا ہلکی ہَوا میں سرسرا رہی تھی۔

... پھر افراتفری کے عالم میں ٹائیگر اچانک ہی جیسی جیکن سے ٹکرا گیا۔

"چلو، تم نے فلسطین زندہ باد کے نعرے تو لگوا دیے۔ اس کے بعد کیا پروگرام ہے؟"

وہ مُسکرا رہی تھی۔ صاف ظاہر تھا کہ ابھی تک سی۔ آئی۔ اے نے اُسے مبصّر ہی کی حیثیت سے کام کرنے کی ہدایت دے رکھی ہے۔

"میں نے تمھارا پیغام اُس تک پہنچا دیا تھا۔ پھر اُس کی جو حالت ہُوئی تھی، اُس پر مجھے شدید حیرت ہُوئی تھی۔ وہ خط کسی کو دکھانے کے لیے لے گیا... اور جب واپس آیا تو آئس کریم کی طرح پگھلا ہُوا تھا۔"

"دلچسپ..." ٹائیگر کے جسم میں سنسناہٹ سی دوڑ گئی۔ پیرز، خط کسی کو دکھانے کے لیے فوراً کمرے سے نکل گیا تھا... یقیناً اُس کے

محل میں نوگان موجود ہو گا... اور شاید نوگان کو بھی علم ہو گیا ہے کہ وہ دونوں بھی یہاں موجود ہیں... اور غالباً وہ حملے کے لیے موقعے اور وقت کے انتظار میں ہے۔

"کسی نے تمھارا فارمولا خریدنے میں دلچسپی ظاہر کی؟" جیسی نے پلکیں جھپکاتے ہُوئے پوچھا۔

"ہاں، چند افراد دلچسپی لے تو رہے ہیں... ویسے آج رات تم ڈنر میرے ساتھ کھا سکتی ہو؟"

"کیوں نہیں... لیکن مسئلہ یہ ہے کہ ہمیں جس جگہ رکھا گیا ہے، وہاں کڑا پہرہ رہتا ہے۔ کسی بھی غیر متعلقہ شخص کو اندر آنے کی اجازت نہیں ہوتی اور ہم بھی صرف اسی وقت عمارت سے نکل سکتے ہیں جب پیشگی اجازت لے لیں۔ اُن کا کہنا ہے کہ یہ سب کچھ ہمیں... عرب دہشت پسندوں سے بچانے کے لیے کیا گیا ہے۔"

"تب پھر محافظوں کی نظروں سے بچ کر نکل آنا۔"

"میں تو دُنیا بھر کی نظروں سے بچ کر تمھارے پاس آنے کو تیار ہُوں مگر وہ ہمیں نکلنے نہیں دیں گے۔" جیسی نے جذباتی ہو کر کہا۔ اُس کے لہجے میں بالآخر مایُوسی در آئی تھی۔

"ٹھیک ہے، ساڑھے آٹھ بجے عمارت کے مرکزی گیٹ پر ملنا۔ باقی ذمّے داری میری ہے۔"

"سُنو..." وہ گھبرا کر بولی۔ "محافظوں کو یہ حُکم ہے کہ وہ ہر اجنبی کو دیکھتے ہی گولی مار دیں۔"

"فکر مت کرو۔" ٹائیگر نے اُوشان کی طرف دیکھتے ہُوئے کہا جو اب لوگوں کو نعرے لگاتا چھوڑ کر اُس کی طرف آ رہا تھا۔ ٹائیگر نے جیسی کو آنکھ سے اشارہ کیا اور اُوشان کے شانہ بہ شانہ چلنے لگا۔

"آج ہم نے بہت اہم کام کر ڈالا، فرزند!" اُوشان کے لہجے میں بچّوں جیسی خوشی تھی اور ٹائیگر کے کان 'فلسطین زندہ باد' کے نعروں کی صدائے بازگشت سُننے میں محو ہو گئے۔

*

کرنل غزالی نے نوگان کی قید سے رہائی پاتے ہی سب سے پہلے ایک ایسے معاہدے پر دستخط کیے تھے جو صحراؤں میں زندگی کی ضمانت دینے والا تھا۔ بہرام غیر متوقّع طور پر جمہوریہ "سنج" پہنچا تھا اور اُسی نے اُن لوگوں کی نشان دہی کی تھی جو دوستوں کے بھیس میں وہاں مقیم تھے...

انقلابی محافظوں نے اُن کی پناہ گاہ پر حملہ کیا تو سات مارے گئے اور نو بھاگ نکلے... لیکن لوگ انقلابی محافظوں کو دیکھ چکے تھے کہ وہ کس کو نشانہ بنانا چاہتے ہیں۔ لہٰذا لوگوں نے اُن جنگجوؤں کو، جہاں بھی وہ ملے، اُنھیں ہلاک کر دیا اور ٹڈّی دل کی سرکیں، آزادی زندہ باد اور وشاہ مدرس مُردہ باد کے نعروں سے گُونجنے لگیں۔

صحراؤں میں زندگی کی ضمانت دینے والا معاہدہ بھی بہرام کی کوششوں ہی کا نتیجہ تھا۔ یہ معاہدہ گیارہ ارب ڈالر کا تھا جس کے تحت جنوبی کوریا اور امریکا کی کمپنیاں سمیرُو اقلیم سے ایک زمین دوز دریا، صحرا تک لانے کی پابند تھیں تاکہ صحرائیں آباد ہو سکیں اور لوگوں کو میلوں دُور سے پانی لانے کا عذاب نہ سہنا پڑے۔

بغاوت فرو ہونے اور معاہدے پر دستخط کرنے کے بعد جب بہرام اور غزالی کافی کی چسکیاں لے رہے تھے تو غزالی نے اچانک ہی پُوچھ لیا۔ "وہ تمھارے دونوں آدمی کہاں ہیں؟"

"بیت المقدس میں ہوں گے۔ میرا خیال ہے کہ اُنھیں وہاں اپنے ایک جانی دُشمن کی موجودگی کا علم ہو گیا ہے۔ جانتے ہو، وہی شخص امریکا میں سائنس دانوں کو قتل کر کے اُنھیں تمھارے کھاتے میں ڈالنے کا ذمّے دار ہے۔ اس کی خدمات ایک بڑے یورپی مُلک نے حاصل کی ہیں تاکہ شاہ مدرس کو واپس لایا جا سکے اور افریقہ پر ایک بار پھر اسی مُلک کا تسلّط قائم ہو جائے۔ وہ اسی مقصد سے یہاں آیا تھا... لیکن جب اُسے علم ہُوا کہ میرے آدمی بیت المقدس جا رہے ہیں تو وہ اپنا مشن بھُول کر اُن دونوں کو ختم کرنے کے ارادے سے یہاں سے چلا گیا۔ مجھے علم ہے کہ میرے آدمیوں کو نہ صرف اس کا علم ہو گا بلکہ وہ یہ بھی جانتے ہوں گے کہ شاہ مدرس، تل ابیب کے کس علاقے میں مقیم ہے اور وہ بڑی طاقت کس قسم کی سازشیں کر رہی ہے۔"

"ڈاکٹر بہرام! اگر یہ سازشیں ناکام ہو جائیں تو عربوں پر بڑا احسان ہو گا ورنہ اگلے محاذ کا مُلک جمہوریہ ایک بار پھر سی۔ آئی۔ اے کے اشاروں پر رقص کرنے لگے گا۔"

"ایسا نہیں ہو گا، کرنل!" بہرام نے بڑے عزم سے کہا... اور ٹیلی فون کی طرف دیکھنے لگا مگر وہ جانتا تھا کہ اُوشان اور ٹائیگر آج کل جس جگہ مقیم ہیں، وہاں فراہمیِ آب کا انتظام نہیں... ٹیلی فون بھلا کہاں ہو گا۔

*

جیسی سفید لباس میں اُس کا انتظار کر رہی تھی۔ دو محافظ عمارت میں داخلے کے واحد دروازے پر کھڑے تھے۔ ٹائیگر نے اُسے دُور ہی سے دیکھ لیا اور مُسکراتا ہُوا جنگلے کے قریب پہنچ گیا۔ "آؤ، نا۔" اُس نے مُسکرا کر کہا۔

"بہت مشکل ہے۔ یہ لوگ اجازت نہیں دیں گے۔"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"اجازت دے دو، دوستو!" ٹائیگر نے محافظوں سے کہا۔
"اس کے لیے اجازت نامہ ہونا ضروری ہے۔"
"وہ کون دے گا؟"
"کوئی بھی نہیں..." ایک نے جواب دیا اور دوسرا مسکرانے لگا۔
"بہت بہت شکریہ، حضرات!" ٹائیگر بھی مسکرا کر بولا...
"ذرا قریب تو آؤ، جیسی!"
جیسی ریلنگ سے لگ کر کھڑی ہوگئی۔
"چلو، یونہی چہل قدمی کرتے ہیں۔" ٹائیگر نے اُسے آنکھ سے اشارہ کیا اور جیسی اُس کا مطلب سمجھ کر چلنے لگی۔
دونوں آہستہ آہستہ چلتے، ایک سو گز دُور پہنچ گئے پھر بھی محافظوں کی نظریں انہی پر لگی ہوئی تھیں۔ اُسی لمحے جیسی نے ایک حیرت انگیز منظر دیکھا اور آنکھیں مل کر رہ گئی۔
...اور پھر وہ جھوم اُٹھی۔
ٹائیگر، بیس فٹ ریلنگ کو ایک ہی زقند میں عبور کر کے اُس کی طرف آگیا تھا اور وہ اس کا ہاتھ تھامنے پر مجبور ہوگئی تھی۔ وہ صرف یہی دیکھ سکی تھی کہ ٹائیگر نے دونوں ہاتھ بلند کیے تھے، دونوں پیر ایک ہی وقت زمین پر مارے تھے اور یوں لگا تھا جیسے اُس کے پیروں میں طاقت ور اسپرنگ لگے ہوں، جنہوں نے اُسے اُچھال کر دوسری طرف پہنچا دیا ہو۔
"یہ... یہ تم نے کیسے کیا؟" وہ حیرت سے پُوچھنے لگی۔
"صحت مند دماغ کی مدد سے..." پر اب تو مرکزی دروازے ہی سے نکلتے ہیں۔"
دونوں شانہ بہ شانہ چلتے رہے مگر دروازے پر پہنچ کر ٹائیگر ایک دو قدم آگے بڑھ گیا اور جیسی سے پہلے ہی محافظوں تک پہنچ گیا۔
"میں اس جگہ سے نکلنے کے لیے دو اجازت نامے حاصل کرنے گیا تھا۔" اُس نے بڑے شستہ لہجے میں محافظوں سے کہا جو اُسے دیکھ کر حیران رہ گئے تھے۔
"اجازت نامے... کہاں ہیں؟" ایک محافظ نے پُوچھا۔
"یہ رہے..." ٹائیگر نے پتلون کی جیب میں ہاتھ ڈال کر نکالتے ہوئے کہا۔
وہ دونوں، کارڈ دیکھنے کے لیے جھکے اور پھر ٹائیگر کے ہاتھ کی دو اُنگلیاں اُوپر اُٹھ گئیں۔ یہ اُنگلیاں کسی خطرناک اور بھاری ہتھیار کی طرح اُن کی پیشانیوں پر اُس جگہ لگیں جہاں رگیں انگریزی کے حرف 'وائی' کی شکل بناتی ہیں۔ اُنگلیوں کی یہ ضرب ایسی ہی تھی جیسے کسی نے کند کلہاڑی سے رگیں کاٹ ڈالی ہوں۔
دونوں محافظ دھپ سے گر پڑے۔

"چلو، جیسی!" اُس نے لڑکی کا ہاتھ پکڑ لیا تاکہ وہ گرے ہوئے محافظوں سے ٹکرا جائے... اور پھر چند لمحے بعد، اسی دونوں احاطے سے باہر آگئے۔
"کیا تم ہمیشہ اتنے ہی جارح ہوتے ہو؟" جیسی نے کانپتے ہوئے پُوچھا۔
"ہاں، صرف جارحیت پسندوں کے لیے۔"
ٹائیگر نے عقب میں دیکھا اور پھر جیسی کی طرف متوجہ ہوگیا مگر عقب میں ایک چھپتی ہوئی نظر ڈالنے سے ہی اُسے اندازہ ہوگیا تھا کہ ایک سُرخ بالوں والا شخص اُن کا تعاقب کر رہا ہے۔
وہ جلد ہی ایک کلب میں داخل ہوگئے جس پر لکھا تھا "یہاں غیروں کا داخلہ منع ہے۔"
ٹائیگر جیسی کو نیم روشن ماحول میں سہارا دیتا ہوا ایک کیبن میں لے گیا۔ اُس نے کیبن میں داخل ہونے سے قبل پھر پلٹ کر دیکھا۔ سُرخ بالوں والا شخص جو یقیناً امریکی نژاد یہودی تھا، اب بار کی طرف جا رہا تھا۔

*

"تم بہت شان دار نوجوان ہو۔" جیسی نے تعریفی نظروں سے ٹائیگر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم جب چاہو، مجھ سے مل سکتے ہو۔"
اُسی لمحے ویٹرس آگئی۔
"کافی لے آؤ... اور یہ رکھ لو۔" ٹائیگر نے سو ڈالر کا ایک نوٹ اُسے دے کر کہا۔ "ذرا یہ تو بتاؤ کہ کاؤنٹر پر کوئی سُرخ بالوں والا آدمی بھی بیٹھا ہوا ہے؟"
"جی ہاں، جناب! وہ وہیں ہے۔"
"شکریہ... تم جا سکتی ہو۔" ٹائیگر نے اپنی مخصوص مسکراہٹ ہونٹوں پر بکھیرتے ہوئے کہا... پھر جیسی ہاتھ دُھو جانے کا کہہ کر اُٹھ گئی ٹائیگر ڈانس فلور کی طرف متوجہ ہوگیا۔
... پھر اچانک ہی ٹائیگر کو احساس ہوا کہ جیسی کو گئے ہوئے پُورے بیس منٹ گزر چکے ہیں۔ اُس کی حسیات جاگنے لگیں اور وہ خطرے کی بُو سونگھنے لگا۔
اُس نے فوراً ویٹرس کو طلب کر لیا۔
"میرے ساتھ جو لڑکی تھی، تم نے اُسے کہیں جاتے ہوئے تو نہیں دیکھا؟"
"نہیں جناب...!" وہ مسکرا کر بولی۔ "ویسے ٹھہریے جائیں۔ میں لیڈیز روم میں دیکھ آتی ہوں۔" یہ کہہ کر وہ چلی گئی اور پھر جلد ہی واپس بھی آگئی۔
جیسی کہیں بھی موجود نہیں تھی۔
"اوہ..." وہ طویل سانس لے کر اُٹھ گیا۔ "کیا یہاں کوئی پچھلا دروازہ

بھی ہے؟"
ویٹرس نے اثبات میں سر ہلایا۔
وہ باہر آیا تو کاؤنٹر پر سُرخ بالوں والا موجود نہیں تھا۔ ٹائیگر کے قدم تیزی سے اُٹھنے لگے۔ وہ عقبی سڑک پر نکل آیا... اور پھر خون اس کی کنپٹیوں پر ٹھوکریں مارنے لگا۔ جیسی ایک کھمبے کے سہارے بیٹھی تھی۔
"جیسی...!" وہ لپک کر اُس کے قریب پہنچ گیا۔
لڑکی نے ایک لمحے کے لیے آنکھیں کھول دیں۔
اس کے گلے پر ایک زخم تھا جس سے خون بہہ رہا تھا۔ وہ مسکرانے لگی۔ "تم... میری زندگی... تم آگئے۔"
"وہ کون تھا، جیسی؟" ٹائیگر کا رُواں رُواں سلگنے لگا۔
"وہ... سُرخ بالوں والا تھا۔ اس کا تعلق یہودی دہشت پسندوں کی... عالمی... تنظیم سے ہے... جس کو براہ راست وزیر اعظم... کی پشت پناہی... حاصل ہے۔" پھر جیسی کی آنکھیں بند ہوگئیں اور سر ایک طرف ڈھلک گیا۔
ٹائیگر اس لڑکی کی لاش کو دیکھتا رہا جو چند منٹ قبل زندگی کی حرارت سے بھرپور تھی۔ ٹائیگر کا جسم غصے کی آگ سے سلگنے لگا مگر اُس نے فوراً ہی دو تین گہری گہری سانسیں لے کر آہستہ آہستہ اُنہیں خارج کیا۔ اس عمل سے اس کا جسم اور ذہن پُرسکون ہوگیا اور پھر وہ سُرخ بالوں والے کی تلاش میں چل دیا۔
وہ اسے محض دو فرلانگ کے فاصلے پر ہی نظر آگیا۔ وہ اُس سمت میں جلدی جا رہا تھا جہاں لیلیٰ اور حبیب کی بستی تھی۔ ٹائیگر نے اپنی رفتار تیز کر دی اور عین اس وقت اُسے جا لیا جب وہ ڈرائی کلین کی ایک ہنڈیسٹری کے سامنے سے گزر رہا تھا۔
"اُف...!" ٹائیگر کے ہاتھ کی قوت کا احساس ہوتے ہی وہ دُہرا ہوگیا۔
"تم نے ابھی کچھ دیکھا ہی نہیں صاحبزادے!" ٹائیگر نے ہنڈیسٹری کے بند دروازے پر لات مار کر اُسے کھولتے ہوئے کہا اور اپنے شکار کو بھی اندر کھینچ لیا۔
اندر پہنچ کر اس نے دروازہ بند کیا اور اسے گھورنے لگا۔
"کیا بات ہے؟ تم مجھے یہاں کیوں لائے ہو؟" سُرخ بالوں والا انگلیاں چٹخاتے ہوئے بولا۔
"تمہارے پاس چاقو، پستول یا ریوالور ہے۔ اگر ہے تو نکالو تاکہ مجھے زیادہ زحمت نہ اُٹھانی پڑے۔" ٹائیگر نے خونخوار لہجے میں کہا۔ اس کی نظریں سُرخ بالوں والے کے ہاتھوں پر جمی ہوئی تھیں۔
"میرے پاس کچھ نہیں ہے۔"



دو جلدوں میں
جلد اول =/150 جلد دوم =/150
مکتبہ القریش
سرکلر روڈ اردو بازار لاہور
فون 7668958

"وہ چاقو نکالو جو تم نے لڑکی کے گلے پر چلایا تھا۔" اس کا لہجہ بے حد سرد اور چاقو کی تیز دھار کی مانند کاٹ دار تھا۔
سُرخ بالوں والا اپنی جگہ سمٹ کر رہ گیا... پھر اس نے غیر محسوس طور پر ہاتھ پیچھے لے جا کر چاقو نکال لیا۔ "ٹھیک لیا...!" چاقو ہاتھ میں آتے ہی وہ شیر ہوگیا۔
"تو کان تم سے کیا چاہتا تھا؟" ٹائیگر نے اندھیرے میں تیر چلایا۔
"کون تو کان۔ میں کسی تو کان کو نہیں جانتا۔"
"تب پھر تم کس کے لیے کام کر رہے ہو؟"
"میں اسرائیل کے لیے کام کر رہا ہوں اور اس لڑکی سے یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ تم کون ہو لیکن وہ بہت عندلی ثابت ہوئی اور میں بھی بے صبرے پن کا مظاہرہ کر بیٹھا۔ بہرحال، اب میں خود تمہی سے اگلوا لوں گا کہ تم کون ہو۔" سُرخ بالوں والے کے چہرے پر سفاک مسکراہٹ دوڑ گئی۔
وہ ٹائیگر کی طرف بڑھا۔ چاقو کا پھل اُس نے پیشہ ورانہ انداز میں بلند کیا۔ دُوسرا ہاتھ اس نے ڈھال کی شکل میں سامنے رکھ لیا تاکہ ٹائیگر کے حملے سے بچ سکے لیکن شہزاد نے کوئی حملہ نہیں کیا۔
سُرخ بالوں والے نے پہل کی اور چاقو ٹائیگر کی آنکھ کی طرف آیا... پھر چاقو کی نوک عین وقت پر راستہ بھول گئی کیونکہ ٹائیگر کی آہنی اُنگلیوں نے، جو چند لمحے قبل تک بہت نرم تھیں، یکایک سخت ہو کر سُرخ بالوں والے کی کلائی جکڑ لی تھی۔
حریف کی اُنگلیاں کھلتی چلی گئیں اور چاقو نیچے گر پڑا۔ اچانک سُرخ بالوں والے کا ہاتھ مُڑا اور اس کی پُشت سے جا ٹکرا۔ اسے اپنی کمر

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

میں درد کا خوفناک احساس ہوا۔ اسٹور میں جو تاریکی پھیلی ہوئی تھی وہ اس کے ذہن میں امڈ آئی... اور وہ بے ہوش ہو گیا۔

...لیکن پھر جیسی سی آوازیں سن کر چند ہی لمحوں میں اسے ہوش بھی آ گیا۔

وہ نیم سے بستر پر لیٹا ہوا تھا۔ اسے فوراً ہی احساس ہو گیا کہ اس کا منہ کسی چیز سے بھرا ہوا ہے۔ اس کا گلا گھٹنے لگا... اس کا حلق اس کے اپنے ہی دانتوں سے بھرا ہوا تھا جو نہ جانے کب ٹوٹ گئے تھے۔ اس نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں۔ وہی شخص اس کے سامنے تھا جس کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی ذمے داری عالمی تنظیم برائے آزادیٔ یہودیت کے منصوبہ سربراہ نوگان نے اسے خود سونپی تھی۔ اس نے صرف اتنا کہا تھا کہ اس شخص کے ساتھی کے بارے میں پتہ چلاؤ کہ وہ کہاں مقیم ہے۔

ٹائیگر نے وہ بھاری چاقو ایک طرف پھینک دیا جو اب تک اس کے ہاتھ میں تھا اور جس کے دستے سے وہ اس کے تمام دانت توڑ چکا تھا۔

سرخ بالوں والے نے تھوکنے کی کوشش کی۔ خون کا فوارہ منہ سے نکلا اور کئی دانت ادھر ادھر بکھر گئے۔ اس نے اٹھنے کی کوشش کی مگر ٹائیگر کی انگلی نے اسے بے بس کر دیا۔ اس نے یہ انگلی اس کے سینے پر رکھ دی تھی۔

"نوگان کیا چاہتا تھا؟" اس نے نرمی سے پوچھا۔

"وہ... وہ... تمہاری اور تمہارے ساتھی کی رہائش کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا۔"

"کیا تم نوگان سے واقف ہو؟"

"نہیں... مگر ہمارے سپریم... کمانڈر اور وزیر اعظم نے یہ کہہ کر تعارف... کرایا تھا... کہ وہ اس تنظیم کے نئے سربراہ ہیں... جو شاہ مدرس کو اقتدار پر واپس... لائیں گے اور... جو مکہ اور مدینہ دونوں کو اسرائیل میں... ضم کریں گے۔"

سرخ بالوں والا اس طرح بولتا رہا جیسے کوئی پوپلا بوڑھا بول رہا ہو۔

"کیا تم امریکا میں سائنس دانوں کو قتل کرنے کے منصوبے میں شامل تھے؟"

"نن... نہیں... تم... مجھے مار دو گے... تو نہیں؟" وہ دہشت زدہ ہو کر بولا۔

"میں تمہیں مار ڈالوں گا۔" ٹائیگر نے نہایت دیانتداری سے جواب دیا۔

"نہیں... تم مجھے نہیں مار سکتے۔"

"یہ مکتب فکر کے اختلافات ہیں، خیر، یہ بتاؤ کہ کیا نوگان آج کل ایوان وزارت خارجہ میں مقیم ہے؟"

"ہاں۔ وہ وہیں ہے۔"

"تنظیم میں تمہاری کیا حیثیت ہے؟"

"میں جمہوریہ... اور مراکش کے بارے میں تنظیم کے پروگراموں پر عمل کراتا ہوں۔"

"تم لوگ کیا چاہتے ہو؟"

"عظیم تر اسرائیل مملکت کا..." ابھی اس کی بات مکمل نہیں ہوئی تھی کہ چاقو پوری قوت سے اس کے جبڑے سے ٹکرایا اور اس کی ٹانگیں بھی ٹوٹ کر حلق میں اتر گئیں۔

ٹائیگر نے نفرت سے اس کی طرف دیکھا اور اسے زندہ درگور کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

سرخ بالوں والا سخت جان پر لیٹا تھا وہ کیڑوں کو سکھانے کے کام آتی تھی یا پھر ان پر استری کی جاتی تھی۔ ٹائیگر نے مسکراتے ہوئے ایک بٹن دبا دیا۔ کیڑوں کو سکھانے کے لیے گرم ہوا چھوڑنے والا تختہ نیچے آ گیا اور پھر ٹائیگر نے گرم ہوا والے ڈائل کو آخر تک گھما دیا۔

سرخ بالوں والا چیخ اٹھا۔ کئی اور دانت اچھل کر باہر گر گئے۔ اب اسے دانتوں کی نہیں بلکہ اپنی زندگی کی فکر لاحق ہو گئی تھی۔ اس کا جسم تپنے لگا تھا۔

"تم صبح تک اچھی طرح سوکھ جاؤ گے مردود۔" ٹائیگر نے غرا کر کہا۔ "عظیم تر اسرائیل کے خواب دیکھنے والوں کے لیے کم سے کم یہی سزا ہے۔"

سرخ بالوں والے کو دروازہ بند ہونے کی آواز سنائی دی۔ اس نے چیخنے کی کئی کوششیں کی مگر کوئی آواز نہیں نکلی کیونکہ ٹائیگر جاتے ہوئے چاقو کا دستہ اس کے منہ میں ٹھونس گیا تھا۔

معاً دروازہ کھلا اور نرم قدموں کی آہٹ سنائی دینے لگی۔ وہ دعا مانگنے لگا کہ اس کا دم جلد از جلد نکل جائے لیکن اچانک کسی نے بڑی نرمی سے چاقو کا دستہ کھینچ لیا۔ کسی نے ڈائل کو اس کی جگہ واپس کیا اور گرم ہوا نکلنا اچانک ہی بند ہو گئی۔ تب اس نے وہ آواز سنی جو اسے ایوان وزارت کے سب سے خفیہ کمرے میں سنائی دی تھی۔ اس نے پہلے کبھی اس آواز کے مالک کو نہیں دیکھا تھا۔

"تمہارے ساتھ کیا ہوا یہودا بلم؟"

یہودا بلم نے جواباً سب کچھ بتا دیا۔

اسے یقین تھا کہ یہ جاپانی یا کوریائی یہودیوں کا نجات دہندہ ہے اور اسے بچانے کے لیے بروقت وہاں پہنچ گیا ہے۔ اس نے یہ بھی بتا دیا کہ اسے یہاں لانے والے شخص نے اس سے کیا پوچھا تھا

اور یہ کہ وہ وہی شخص تھا جس کی نگرانی کا فرض اسے سونپا گیا تھا۔

"ٹھیک ہے۔" نوگان نے کہا۔ وہ اس وقت بھی تاریکی میں لیٹا ہوا تھا۔

سرخ بالوں والے نے ایک طویل سانس لے کر اٹھنے کی کوشش کی مگر اسی لمحے چاقو کا پھل اس کے دل میں بہت گہرا اتر گیا۔

*

اوشان اور ٹائیگر جیب کے گھر پہنچے تو وہاں عجیب سا سناٹا طاری تھا۔ انھیں فرش پر ایک پتھر کے نیچے ایک پرچہ پڑا ہوا ملا۔ یہ رقعہ انھی کے نام تھا۔

دوستو! تم نے کانگریس کے دوران جو نعرے لگوائے ہیں، ان کی وجہ سے دنیا بھر میں ہمارے کاز کو تقویت ملی ہے۔ تمہارے اپنے ہو، لہٰذا تم سے کچھ بھی نہیں چھپا سکتے۔ ہمیں علم ہوا تھا کہ صیہونیت کو فروغ دینے کی تنظیم سے وزیر اعظم کو ہٹا کر کسی جاپانی یا کوریائی باشندے کو رکھا گیا ہے... چنانچہ ہم نے اس کے خلاف بھی کارروائی کا فیصلہ کیا... لیلیٰ اور حبیب مجاہد دل کے اس دستے میں شامل تھے جو آج ہی روانہ ہوا تھا۔ ہم نے ایوان وزیر اعظم کے عقبی حصے پر حملہ کیا۔ وہاں ساتھ کمانڈوز ہماری گولیوں کا شکار تو ہو گئے مگر ہم اندر نہیں داخل ہو سکے۔ اسی دوران ہم نے ایک شخص کو دیکھا جو یقیناً وہی نیا آدمی تھا۔ وہ ہیلی کاپٹر کے ذریعے فرار ہو رہا تھا۔ لیلیٰ نے اپنی مشین گن کا فل برسٹ ہیلی کاپٹر پر مارا مگر کارگر ثابت نہ ہوا اور جواب میں ہیلی کاپٹر کی مشین گن آگ اگلنے لگی۔ نتیجۃً لیلیٰ اور حبیب سمیت سات مجاہد شہید ہو گئے اور باقی اپنے ٹھکانوں پر واپس پہنچ گئے۔

خدا حافظ دوستو۔ فتح قریب ہے۔

محاذ آزادیٔ فلسطین۔

"لیلیٰ اور حبیب دونوں ہی کام آ گئے اوشان!" ٹائیگر کے لہجے میں دکھ کا تاثر تھا۔

"ہاں۔ آہ...!" اوشان نے غضب ناک لہجے میں کہا۔

دونوں شانہ بشانہ اس کھنڈر نما گھر سے نکلے جواب ان کا ٹھکانہ نہیں تھا اور پھر دونوں نے ایک ایسی بس روک لی جو فوجیوں سے بھری ہوئی تھی کسی بھی فوجی کو اپنے دفاع میں گولی چلانے کی مہلت نہ مل سکی۔ یوں ہوا جیسے انھیں ہنستے کھیلتے موت آ گئی ہو۔ کسی کا سر دو حصوں میں بٹ گیا تو کسی کے پیٹ پر لگنے والی ٹھوکر سے انتڑیاں نکل آئیں۔ اوشان کے دونوں ہاتھ اور ٹائیگر کے دونوں پاؤں خون سے تر ہو گئے اور پھر... وہ ڈرائیور کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے بس سے اتر گئے۔

ڈرائیور حرکت قلب بند ہونے سے مر چکا تھا۔

*

"اٹھو...!" پیٹرز نے نوگان کی آواز سن کر فوراً آنکھیں کھول دیں۔

رات کا وقت تھا اور نوگان کو بلا روک ٹوک اس کی خواب گاہ میں آنے کی اجازت تھی۔

"میں جا رہا ہوں، جیسے ہی تمہیں میری کال ملے سعودی عرب ایران اور جمہوریہ پر بیک وقت بمباری شروع کرا دینا۔ شاہ مدرس تمہارے محل میں ہے، اسے فوراً جمہوریہ کی طرف روانہ کر دینا تاکہ وہ اقتدار سنبھال سکے۔ سمجھ گئے؟"

"ہاں۔ سمجھ گیا۔"

"کہیں پھر سے نہ سو جانا۔" نوگان نے عجیب سے لہجے میں کہا اور رخصت ہو گیا۔

*

بس میں سوار جوانوں کے کمانڈر کی جیب سے ملنے والی دستاویزات پڑھ کر ٹائیگر بے چین ہو گیا۔ یہ ایک خطرناک منصوبہ تھا۔ اس نے سب سے پہلے بہرام سے بات کرنے کا فیصلہ کیا اور ڈرگ کے ٹھکانے پر پہنچ گیا۔ اس نے ایک نمبر ملایا جو لوکل ایکس چینج میں لوکل کال کے لیے مخصوص تھا... مگر اس نمبر کی وجہ سے اس کا رابطہ ہزاروں میل دور ایک کمپیوٹر سے پیدا ہوا اور پھر چند بار کی گڑگڑاہٹ اور ٹوں ٹاں کے بعد اسے بہرام کی آواز صاف سنائی دینے لگی۔

ٹائیگر نے احتیاطاً ٹوتھ کا دروازہ بند کر لیا۔

"چیف! خاموشی سے سنتے رہیں۔" یہ کہہ کر وہ دستاویز پر لکھی ہوئی ہدایات پڑھتا چلا گیا۔

بہرام کی سانس تک رک گئی۔

"اوہ، یہ تو عالمی جنگ کا آغاز ہو گا۔"

"ہاں، سعودی عرب، ایران، جمہوریہ، اردن اور الجزائر پر حملے عالمی جنگ کا آغاز ہی ثابت ہوں گے۔ مسلم ممالک جنگ میں کود پڑیں گے اور امریکی جہاز، اسرائیل کی مدد کے لیے مسلم ممالک پر حملے شروع کر دیں گے۔ یہ بہت خطرناک منصوبہ ہے، چیف۔ آپ کہاں ہیں؟"

"میں جمہوریہ ہی میں ہوں۔"

"اوہ... اور وہیں غدار بھی ہیں۔" پھر اس نے سرخ بالوں والے سے حاصل ہونے والی وہ معلومات بتانی شروع کر دیں جو اس

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

نے آخری لمحوں میں اس سے حاصل کی تھیں۔" ہوٹل اسکائی لارک کا چوتھا فلور باغیوں اور جاسوسوں کا اڈہ ہے اور..." وہ تفصیل بتاتا چلا گیا۔

بہرام سے بات کر کے اس کا دل ہلکا ہو گیا۔ اسے یقین ہو گیا کہ اب مسلم ممالک بے خبری میں نہیں مارے جائیں گے۔

وعدے شدہ پروگرام کے مطابق ہوٹل جیولا پہنچا جہاں اوشان نے ایک کمرہ بک کرا لیا تھا۔

اوشان باتھ روم میں کنول کے آسن میں بیٹھا ہوا تھا۔ اچانک ہی وہ اٹھا اور اس نے کھڑے ہی لہجے میں کہا۔ "ورزش شروع کرو۔"

اسی لمحے ریڈیو اور ٹی وی پر بیک وقت اسپیشل بلیٹن کے لیے موسیقی بجنے لگی۔

دونوں چونک کر رک گئے اور پھر ایک حسین لڑکی بڑی اداؤں کے ساتھ خبریں پڑھنے لگی لیکن اس کی آنکھوں سے صاف ظاہر تھا کہ وہ خوفزدہ ہے...

"جمہوریہ کے دارالحکومت میں آج فائرنگ ہوتی رہی۔ بتایا گیا ہے کہ فوجی دستوں نے ہوٹل اسکائی لارک پر حملہ کیا تھا۔ چوتھے فلور سے فوج پر جوابی فائرنگ ہوئی تو فوجیوں نے ٹینک طلب کر لیے۔ خیال ہے کہ چوتھے فلور پر کوئی بھی زندہ نہیں بچ سکا۔ ایک اندازے کے مطابق وہاں ایک سو امریکی، برطانوی اور ایسے یہودی باشندے تھے جن کے پاس امریکی پاسپورٹ تھے۔"

"واہ... اتنی تیزی..." ٹائیگر کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ "اوشان، اب شاہ مدرس کا کیا ہوگا؟"

"اس کے چاہنے والے کوئی نئی سازش تیار کریں گے فرزند... لیکن جمہوریہ کے چاہنے والوں کی بھی کمی نہیں ہے بابا۔"

اسی وقت ایک بار پھر اسپیشل بلیٹن کی موسیقی گونجنے لگی۔

"تازہ ترین اطلاعات کے مطابق چار مسلمان ملکوں کی فضائیہ اچانک ہی سرگرم عمل ہو گئی ہے۔ جمہوریہ سے تین ایسے طیارے جو چھ سے گھنٹے پرواز کے دوران ایک ہزار میل تک جاسوسی کر سکتے ہیں، صحرائے عرب پہنچ گئے ہیں۔ اردن کی فضائیہ مستقلاً پرواز کر رہی ہے۔ الجزائر کی فضائیہ اور فوج کو چوکس کر دیا گیا ہے اور تمام مسلم ممالک میں چھٹیوں پر جانے والے فوجیوں کو واپس طلب کر لیا گیا ہے۔ ایک درجن ملکوں میں عام بھرتی شروع ہو گئی ہے۔ جمہوریہ، شام، عراق، ایران، پاکستان، سعودی عرب اور عرب امارات سمیت تقریباً تمام مسلم ممالک کی بحری افواج کو سمندروں میں رہنے کا حکم دیا گیا ہے اور ایک اطلاع کے مطابق چار آبدوزیں اسرائیلی پانیوں میں دیکھی گئی ہیں۔"

"واہ، اتنی تیزی..." ٹائیگر نے پرجوش لہجے میں کہا اور آہستہ آہستہ سر ہلانے لگا۔

*

ٹائیگر اور اوشان دونوں دو مختلف سڑکوں سے ایوانِ وزارتِ عظمیٰ کی طرف گئے۔ شاہ مدرس کے بارے میں انھیں معلوم ہو گیا تھا کہ وہ فرانس واپس جا چکا ہے لیکن وہ آزاد ذرائع اطلاع کی یہ خبر سن کر حیران تھے کہ مسلم ممالک کی تیاری دیکھ کر اور جمہوریہ کی طرف سے اس دھمکی کے بعد کہ وہ اپنی فضائیہ کے جانباز ہوا بازوں کو بموں سے لدے ہوئے طیاروں میں "تل ابیب پر چھٹنے کا حکم دے رہا ہے..." وزیراعظم پیرز نے سلامتی کونسل سے کہا تھا کہ وہ کشیدگی ختم کرانے کی کوشش کرے۔ اور اس سلسلے میں وہ شام اور اردن کو ان کے بعض علاقے واپس دینے کے لیے بھی تیار تھا۔

اوشان کچھ پہلے ہی ہوٹل واپس آ گیا تھا۔ اسے اپنے کمرے میں ایک پرچہ ملا جو گلاس کے نیچے دبا ہوا تھا۔ اس نے ایک طویل سانس لی اور پھر اس کے چہرے پر باریک سی مسکراہٹ نمودار ہو گئی۔ وہ پرچہ پڑھنے لگا۔

"شہزاد! میں تم سے آٹھ بجے نارتھ روڈ ویل پر ملوں گا۔"

اوشان دیر تک پرچہ ہاتھ میں لیے کھڑا رہا۔ اسے معلوم تھا کہ یہ کس کا پیغام ہے۔ اسے اس کی پروا نہیں تھی کہ یہ چیلنج صرف شہزاد کے لیے ہے۔ اسے یہ تو یہ فکر تھی کہ وہ سنا بجو پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کرنے والے شیطان کو سزا دے کر شمشیر کا تقدس بحال رکھے۔ دوسری بات یہ تھی کہ اس وقت شہزاد وہاں موجود نہیں تھا... اور پونے آٹھ بج رہے تھے۔

اس نے زرد لبادہ اتار کر دھلکڑوں والا سیاہ کرتا سوٹ پہن لیا۔ چند لمحوں کے بعد وہ نقشہ دیکھ کر نارتھ روڈ کی طرف جا رہا تھا... پھر اچانک اس نے ایک ٹیکسی کو ہاتھ سے اشارہ کیا۔

"خالی نہیں ہے..." ڈرائیور نے اڈیل لہجے میں کہا۔

اوشان نے میٹر کی طرف دیکھا، اس پر ہاتھ رکھا، اسے اکھاڑا اور ایک طرف پھینک دیا۔ "نارتھ ویل چلو۔" اس نے سرسراتی ہوئی آواز میں کہا۔

طاقت کا یہ مظاہرہ دیکھنے کے بعد ڈرائیور میں اختلاف کی ہمت ہی باقی نہیں رہ گئی تھی۔ اس کی ٹیکسی کا ریڈیو کھلا ہوا تھا۔ ٹیکسی کے چلتے ہی خبریں شروع ہو گئیں۔

"فرانس نے شاہ مدرس کو سیاسی پناہ دینے سے انکار کر دیا ہے کیونکہ جمہوریہ کے سفارت خانے نے حکومت سے کہا تھا کہ اگر شاہ مدرس کو پناہ دی گئی تو جمہوریہ، فرانس سے تعلقات توڑ

لے گا۔ ادھر مسلم ممالک کے سربراہوں کا ہنگامی اجلاس طلب کر لیا گیا ہے جس میں اسرائیل کے خلاف مشترکہ کارروائی پر غور ہو گا۔ جمہوریہ نے اعلان کیا ہے کہ وہ تیل کی فراہمی بھرپور استعداد کے مطابق شروع کر رہے ہیں۔ اسرائیلی وزیراعظم پیرز مستعفی ہو گئے ہیں۔"

"ہوں..." اوشان ہنکارا بھر کر رہ گیا اور پھر اس کی نظریں ان بڑے بڑے ٹینکوں کو گھورنے لگیں جو اچانک ہی سامنے آ گئے تھے۔ ان ٹینکوں میں تیل کا ذخیرہ تھا۔

"یہی نارتھ ویل ہے۔" ڈرائیور نے ایک سوگز دور گاڑی روک دی اور اوشان کرایہ ادا کیے بغیر ہی اتر کر سب سے بڑے ٹینک کی طرف بڑھ گیا۔

وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ کسی سرگرمی کے آثار نہیں تھے۔

اوشان ریت پر پیر رکھتا ہوا آگے بڑھتا رہا۔ اس وقت اس کا دل غم و غصے سے بھرا ہوا تھا۔ اسے اس بات کا دکھ تھا کہ اس کے بھتیجے نے سنا بجو کی روایات کو توڑ کر ڈینک کے ظالموں سے اتحاد کر لیا ہے اور مزید غصہ اس بات پر تھا کہ وہ نوگان کو اپنے ہاتھوں سے ہلاک نہیں کر سکتا تھا۔ برسوں سے سینہ بہ سینہ چلی آنے والی روایات کے مطابق شمشیر سنا بجو کا مالک اپنے ہاتھوں سے گاؤں کے کسی بھی باشندے کو قتل نہیں کر سکتا تھا... اور یہ بات نوگان کو بھی معلوم تھی۔ غالباً وہ اس بات کا ناجائز فائدہ اٹھا رہا تھا۔

اوشان ایک ایسے آئل ٹینک کے پاس رک گیا جس پر سرخ اور سفید پٹیاں بنی ہوئی تھیں اور پھر اچانک ہی چاروں طرف گھپ اندھیرا چھا گیا۔ شاید چاند بھی چھپ گیا تھا۔

اس نے سماعت پر زور دیا مگر اسے ریگستانی کیڑوں کی آوازوں کے سوا کچھ بھی سنائی نہیں دیا۔ پھر وہ ان عظیم ٹاوروں کی طرف بڑھنے لگا جو ریت میں استادہ تھے۔

اچانک محاصرے کا احساس ہوتے ہی اسے رکنا پڑا۔

اس کے تین طرف آئل ٹینک تھے اور پشت پر آئل ٹاور تھا۔

اس نے دونوں ہاتھ سینے پر باندھ لیے اور پھر اس کی آواز ریگستان میں گونجنے لگی۔

"میں ہوں شمشیر سنا بجو کا مالک... کون ہے، جو مجھے چیلنج کر رہا ہے... کہاں ہے، وہ بزدل جس نے ڈینک کے مفاد پرستوں سے اتحاد کر لیا ہے۔ کیا وہ ریت میں چھپ گیا ہے اور کیا وہ کسی چھپکلی کی موت مرنا چاہتا ہے... آ... باہر نکل... سامنے آ..."

ٹینکوں کی وجہ سے بازگشت دیر تک گونجتی رہی اور پھر ایک نئی آواز ابھری۔ "واپس چلا جا بوڑھے، میرا چیلنج اس کے لیے ہے جس کا ہماری نسل سے کوئی تعلق نہیں... اور جس کو تو نے سارے راز سونپ رکھے ہیں۔ وہ کمینہ اور بزدل ہے۔"

"کمینہ اور بزدل وہ نہیں، تو ہے بدبخت!" اوشان کے لہجے میں نفرت عود کر آئی۔ "اس کی توہین کر کے تو میری اور مجھ سے پہلے کے آقاؤں کی توہین کر رہا ہے... سامنے آ کر بات کر..."

"جیسے تمھاری مرضی..." نوگان اچانک ہی ساٹھ گز دور ایک آئل ٹینک پر نمودار ہوا۔ وہ بھی اوشان کی طرح دھلکڑوں والے سیاہ کرتا سوٹ میں تھا۔ "تم ایک بے وقوف بوڑھے ہو۔" چاند نکل آیا تھا اور نوگان روشنی میں نہا رہا تھا۔ "تیری موت ہی تجھے یہاں لائی ہے۔" یہ کہہ کر اس نے حقارت سے تھوکا اور پھر ٹینک سے پیچھے ریت پر چھلانگ لگا دی۔

ایسا منظر تھا جیسے کوئی سلوموشن فلم چل رہی ہو۔ وہ ٹینک کے قریب ہی کود کر کھڑا ہو گیا۔ "تم بہت بوڑھے ہو چکے ہو اوشان۔ اب وقت آ گیا ہے کہ کوئی دوسرا تمھاری جگہ لے لے!"

اوشان اپنی جگہ ساکت کھڑا رہا۔

"اور جب تم اس دنیا سے رخصت ہو جاؤ گے تو میں تمھارے ست گرو سے بھی نمٹ لوں گا۔" یہ کہہ کر وہ آگے بڑھا۔

اوشان اب بھی خاموش رہا۔

"یہاں گدھ بھی تمھاری بے گوشت ہڈیوں کو منہ نہیں لگائیں گے۔" نوگان نے ہنس کر کہا۔

دونوں کے درمیان فاصلہ دس گز رہ گیا تو اوشان نے ایک ہاتھ بلند کیا۔ "رک جاؤ۔" اس کی آواز میں بادلوں جیسی گرج تھی اور نوگان کے قدم اس طرح رک گئے تھے جیسے وہ پتھر بن گیا ہو۔

"اپنے اجداد سے معافی مانگ لو نوگان!" اوشان نے نرم لہجے میں کہا۔ "اور خاص طور سے... میرے بھائی اور اپنے باپ سے معافی مانگو جس کی تم نے توہین کی ہے۔ یہ ضروری ہے کیونکہ تم اس سے جلد ہی ملاقات کرنے جا رہے ہو۔"

"شاید تم بھول گئے کہ مجھے قتل نہیں کر سکتے۔" نوگان نے مسکرا کر کہا۔

"ہاں... اور تم کسی عورت کی طرح روایتوں کے پردے میں چھپ رہے ہو۔ میں بھی روایتی آدمی ہوں۔ کسی روایت کو نہیں توڑ سکتا۔ میں تمھیں ہلاک نہیں کروں گا۔" اوشان کی آنکھیں نیم وا ہو گئیں... "نہیں، میں تمھیں قتل نہیں کروں گا بلکہ تمھیں یہیں چھوڑ جاؤں گا... اس حالت میں کہ تمھاری ہر ہڈی ٹوٹی ہوئی ہو گی اور پھر سورج کی

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

تپش باقی کام کر ڈالے گی۔"

لوگان کے ہونٹوں پر اب بھی مسکراہٹ تھی۔ شاید اُسے اُوشان کی بات پر یقین نہیں آیا تھا۔

شہزاد نے کمرے میں آتے ہی وہ پرچہ پڑھا تو آندھی اور طوفان کی طرح باہر دوڑا۔ وہی ٹیکسی کھڑی تھی جو اُوشان کو چھوڑ کر آئی تھی۔ ڈرائیور نے ایک اور غیقلے آدمی سے اُلجھنا مناسب نہیں سمجھا اور اس نے ٹائیگر کی بات سُنے بغیر گاڑی ناتھ روڈ پر ڈال دی۔

"کیا کوئی اور بھی اس طرف گیا ہے؟" شہزاد نے بھاری لہجے میں پوچھا۔

"جی ہاں۔ ایک بُوڑھا جس نے میرا میٹر اکھاڑ پھینکا تھا۔"

"ہُوں۔۔۔" شہزاد پہلو بدل کر رہ گیا۔

وہ ٹینکوں کے قریب اُترا تو ٹیکسی والا فوراً ہی واپس چلا گیا۔ ٹائیگر نے دیکھا کہ ایک شخص ٹینک کے اسکرٹس میں لٹکا ہُوا ہے۔ چاندنی کے باعث وہ اسے فوراً پہچان گیا۔ یہ لوگان تھا۔ اس کی حالت غیر تھی۔ بظاہر اس کے جسم پر ہر ہڈی ٹوٹی ہُوئی تھی۔ اُس نے اُوشان کو ٹینک سے اُترتے ہُوئے دیکھا اور پھر سر جھکا کر کھڑا ہو گیا۔

دُبلا پتلا مخنی سا بُوڑھا تیز قدم اُٹھاتا ہُوا اُس کے قریب آ پہنچا۔

"میں نے اسے قتل نہیں کیا۔ بلکہ بطے پر عمل کرنا میری مجبوری تھی۔ وہ صرف زخمی ہے۔"

شہزاد جانتا تھا کہ لوگان کتنا زخمی ہے۔ جسم ہونے تک اس کی موت یقینی تھی کیونکہ وہ ابھی سے نیم مُردہ لگ رہا تھا۔

"آپ تو ٹھیک ہیں نا؟" ٹائیگر نے بھاری آواز میں پوچھا۔

"اں۔۔۔ ہاں۔" اُوشان نے پلٹ کر لوگان کی طرف دیکھا جو سابق فٹ بال ٹینکر پر لٹکا ہُوا تھا۔ "ہاں۔۔۔ میں ٹھیک ہُوں۔ مجھے اچھی طرح نیند آتی ہے۔" اُوشان نے آہستہ سے کہا۔

ٹائیگر نے ایک طویل سانس لی۔ لوگان کے انجام پر اُسے افسوس ہو رہا تھا۔۔۔ کیونکہ یہ انجام خود اس کے ہاتھوں عمل میں نہیں آیا تھا۔ تاہم اب وہ مطمئن تھا کہ اُس فتنے کا خاتمہ ہو گیا جو اُوشان کے لیے سُوہانِ رُوح بن گیا تھا اور جس نے اس کے لیے آئے دن نئے نئے خطرات جنم دینے شروع کر دیے تھے۔

وہ اپنے ہوٹل پہنچ گئے۔

اُوشان نے آتے ہی ایک عدد بطخ کا آرڈر دے دیا کیونکہ اُسے شدید بھوک لگ رہی تھی۔ ٹائیگر دل ہی دل میں غور کرنے لگا کہ اب تک وہ کتنی بطخیں کھا چُکا ہے؟ ابھی وہ ان بطخوں کو شمار ہی

انکا ' اقابلہ ' سونا گھاٹ کا پجاری

اور غلام روحیں

کے بعد انوار صدیقی کا ایک

اور شہکار ناول

برہمچاری

قیمت =/150 روپے

مکتبہ القریش سرکلر روڈ اردو بازار لاہور

فون 7668958

نہیں کر پایا تھا کہ اچانک فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ اس نے پہلے اُوشان اور پھر فون کی طرف دیکھا۔

"بہرام ہو گا۔۔۔ جاؤ فرزند! اُسے خوش خبری سُنا دو۔" اُوشان نے کہا۔

ٹائیگر کاہلی سے اُٹھا اور فون کی طرف بڑھ گیا۔

"شہزاد۔۔۔" اس نے ماؤتھ پیس میں کہا۔

"سُنو بُوڑھے کے ناکارہ شاگرد۔۔۔" دُوسری طرف سے کسی بھیڑیے جیسی غراتی ہُوئی آواز سُنائی دی۔ "میں تمھیں اور تمھارے فرار بُوڑھے اُستاد کو ایسی موت ماروں گا کہ رہتی دُنیا تک کوئی ایسی موت کا تصور کرنے کی بھی جُرأت نہیں کرے گا۔"

"لوگان۔۔۔" ٹائیگر کے حلق سے غراہٹ نکل گئی۔ "تو تم ابھی زندہ ہو؟"

"ہاں۔۔۔ نہ صرف زندہ بلکہ تمھاری راہ کی سب سے بڑی چٹان بھی۔۔۔" یہ کہہ کر لوگان نے ایک فلک شگاف قہقہہ لگایا۔ اس کے قہقہے کی بازگشت ٹائیگر کو اپنی رُوح کی گہرائیوں تک میں گونجتی محسوس ہو رہی تھی۔

(اگر اُسے کوئی یہ بتا دیتا کہ وہ "موت کی مشین" کا خالق بننے والا ہے تو محض ہنس کر چُپ ہو جاتا کیونکہ اس کے ذہن میں موت کی مشین بنانے کا خیال کبھی نہیں آیا تھا۔ فادر گارساں جنگ کے سخت خلاف تھا، بیماریوں اور جہالت سے اسے شدید عداوت تھی اور وہ دُنیا کو خوشیوں اور خوشبوؤں سے مہکتا ہُوا دیکھنا چاہتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے میڈیکل کی ڈگری حاصل کی تھی تاکہ بیمار انسانوں کا علاج کر سکے۔

اسے علم تھا کہ افریقہ میں بیماریاں عام ہیں لہٰذا وہ بیماریوں سے جنگ کرنے کے لیے جزیرہ باقیدروانہ ہُوا جو ایک جنگل، آتش فشانی سلسلۂ کوہ اور ایک دلدل کے درمیان واقع تھا۔ اس جزیرے کے جنوب میں کیوبا اور شمال میں اردبا کے ممالک تھے۔۔۔ اور کچھ ہی دُور وہ سمندری راستے تھے جن کو ایک زمانے میں برطانوی تجربی قزاقوں کی جنت کہا جاتا تھا۔ برطانوی قذاق یہاں سونے سے لدے ہوئے ہسپانوی جہازوں کو لُوٹ لیا کرتے تھے اور دُنیا اُن کی قذاقی کو محض جنگ کا نام دے کر چُپ ہو جایا کرتی تھی۔

باقیدا کے ہوائی اڈے پر فادر گارساں کا استقبال مشن کے اسٹاف نے کیا۔ اسے ہوائی اڈے سے سیدھا وزارتِ صحت لے جایا گیا جہاں وزیرِ صحت نے اس کو شرفِ ملاقات بخشا۔ شناسائی کیا حال ہے ڈاکٹر۔۔۔؟" وزیرِ صحت نے جو ایک بدنما آدمی تھا، سفید دانتوں کی نمائش کرتے ہوئے کہا۔ "تو تمھارے پاس طوفان ہیں؟"

"کیا۔۔۔؟" ڈاکٹر فادر گارساں حیرت زدہ رہ گیا۔ "کیسے طوفان؟"

"سُرخ طوفان۔۔۔ سبز طوفان۔۔۔ نیلے اور پیلے طوفان۔۔۔ آہ ڈاکٹر۔۔۔ مجھے نیلے پیلے طوفانوں سے بے حد محبت ہے۔"

"آپ شاید منشیات کی بات کر رہے ہیں جناب!" ڈاکٹر بجا طور پر بوکھلا کر بولا۔

"ہاں لیکن ان منشیات کی مجھے اپنی صحت بہتر رکھنے کے لیے ضرورت ہوتی ہے اگر تم مجھے منشیات فراہم نہیں کر سکتے تو واپس جزیرہ فردوس چلے جاؤ۔ آتا بتا دو کہ مجھے پُرسکون نیند اور صبح کو تازہ

"پروا نہ کرو بیٹے!" ٹائیگر نے خونخوار لہجے میں کہا۔ "میں آ رہا ہوں اور اب میں تب تک چین سے نہیں بیٹھوں گا، جب تک مجھے تمھاری موت کا یقین نہیں ہو جاتا۔" یہ کہہ کر ٹائیگر نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا اور اُوشان کی طرف دیکھا جس کے ہونٹوں پر بڑی ہی پُراسرار مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔

نامور مصنف محمود احمد مودی

وہی تحریر اور وہی انداز

کے ساتھ ' اپنے چاہنے والوں

کے لئے ایک نئی سوغات لئے

نجات

خوبصورت سرورق ' بہترین

طباعت و کتابت ' سفید کاغذ

قیمت =/150 روپے

مکتبہ القریش

سرکلر روڈ اردو بازار لاہور

7668958

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

دم اُٹھنے کے لیے کسی چیز کی ضرورت ہے، سُرخ طوفان کی یا نیلے کی؟"

"دونوں کی...!" ڈاکٹر گارساں نے ایک طویل سانس لے کر جواب دیا۔ اسے اس شخص کی ذہنی حالت پر شبہ ہونے لگا تھا۔

"گڈ... تب پھر میں دو ٹرک منگوالوں گا۔ ایک سُرخ جڑی بُوٹیوں کا اور دوسرا نیلی بُوٹیوں کا...!"

"یہ تو منشیات کی اسمگلنگ ہوتی جناب!" ڈاکٹر نے بوکھلاتے ہوئے ٹہوکا دیا۔

"ہم غریب لوگ یہ کر سکتے ہیں ڈاکٹر! ویسے تم یہاں کیا کرنے آئے ہو؟"

"میں بیمار بچوں کو موت کے مُنہ سے نکالنے کی کوشش کروں گا۔"

"گڈ... فی بچہ ایک ڈالر... ہم تم سے بہت کم معاوضہ لیں گے۔"

"کک... کیا مطلب؟ میں علاج کرنے کے عوض رقم بھی لوا کروں گا؟" ڈاکٹر گارساں نے اس طرح سر جھٹکا جیسے گہری نیند سے چونکا ہو۔

"ہاں... یہ ہمارا ملک ہے، ہمارے اپنے طور طریقے اور رسم و رواج ہیں۔ ان پر تمھیں ہنسنے کا حق نہیں دیا جا سکتا۔" وزیر صحت نے غیصلے انداز میں میز پر گھونسہ مار کر کہا۔

ڈاکٹر گارساں خود بھی رسم و رواج پر ہنسنے کا عادی نہیں تھا... اور پھر وہ تو یہاں بیمار جسموں اور رُوحوں کا علاج کرنے آیا تھا۔

"تم چُپ ہو گئے، ڈاکٹر! میرا خیال ہے کہ تمھیں ایک ڈالر فی بچہ پر کوئی اعتراض ہے۔ خیر، کوئی بات نہیں... کیونکہ تم میرے فرد و ستانی بھائی ہو، اس لیے میں تمھیں خاص رعایت دوں گا۔ فی بچہ ۲۵ سینٹ کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

ڈاکٹر محض مسکرا کر رہ گیا۔ مزید کچھ کہنے کی گنجائش ہی نہیں رہی تھی۔

مشن کی عمارت ان پہاڑوں میں تھی جنھوں نے جزیرے کو تقریباً نصف دائرے کی شکل میں گھیر رکھا تھا۔ مشن اسپتال کی چھت ٹین کی تھی اور بجلی پیدا کرنے کے لیے اس کا اپنا جنریٹر تھا۔ باقیا کے صرف ایک شہر کبوڈا میں بجلی کی ترسیل کا انتظام تھا اور اس شہر کا نام ایک ایسے شخص پر رکھا گیا تھا جس نے ۱۶۸۱ء سے ۱۶۸۶ء تک وہاں قتل و غارت گری کا بازار گرم کر رکھا تھا۔

مشن پر اپنی آمد کے موقع پر فادر گارساں کو بہت دُور سے ڈھول کی آواز سنائی دی تو نہ جانے کیوں اس کا دل بہت زور سے دھڑک اُٹھا۔ وہ سوچنے لگا کہ شاید مقامی باشندے قدیم طرزِ پیغام رانی کرتے ہوئے ایک دوسرے کو یہ اطلاع دے رہے ہیں کہ ایک نیا ڈاکٹر پہنچ چکا ہے، تاہم ڈھول کی یہ آواز مسلسل سُنائی دیتی رہی، دھم دھم کی آواز کی وجہ سے فادر گارساں کی کنپٹیاں چٹخنے لگیں۔ کچھ دیر میں اسے اندازہ ہو گیا کہ یہ آواز ایک منٹ میں چالیس مرتبہ آتی ہے... پھر ڈھول کی تھاپ میں تبدیلی پیدا ہوئی اور نہ ہی آواز آنا بند ہوئی۔

ایک ہفتے تک ڈھول رات بھر بجتا رہا اور ایک ہفتے تک ڈاکٹر گارساں کے پاس کوئی مریض نہیں آیا... لیکن پھر اچانک ہی ایک روز ڈھول کی آواز آنا بند ہو گئی اور ڈاکٹر کو یوں لگا جیسے کائنات نے چُپ سادھ لی ہو اور دُنیا کے کسی گوشے سے کوئی بھی آواز پیدا نہ ہو رہی ہو۔ پہلے تو اسے اندازہ ہی نہ ہو سکا کہ ماحول میں کس قسم کی تبدیلی رُونما ہوئی ہے لیکن پھر جلد ہی احساس ہو گیا کہ یہ تبدیلی "خاموشی" کے رُوپ میں ظاہر ہوئی ہے۔ ماحول خاموش ہو گیا تھا۔

چند لمحوں کے بعد اس نے ایک اور غیر معمولی آواز سُنی تو اس کا دل شدت سے دھڑکنے لگا۔ یہ کسی کے قدموں کی چاپ تھی۔ اس نے سر اُٹھا کر دیکھا تو ایک بوڑھا شخص، سیاہ پتلون پہنے ہوئے اس کی طرف آ رہا تھا۔ اس شخص کے سر پر جنگلی ہیٹ تھا۔ اس نے قمیص نہیں پہن رکھی تھی۔ وہ پستہ قد اور کڑیل تیوروں والا آدمی لگ رہا تھا۔ اس کی جلد کی رنگت آبنوسی تھی۔

ڈاکٹر گارساں نے اُچھل کر دروازے کی طرف دوڑ لگائی اور پھر اپنے دونوں ہاتھ استقبال کے لیے پھیلا دیے۔ "آپ کو یہاں دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی، میرے لائق کوئی خدمت؟" اُس نے انکسار سے کہا۔

"نہیں..." بوڑھے نے نرم لہجے میں کہا۔ "لیکن میں تمھاری خدمت ضرور کر سکتا ہوں۔" اس کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ پیدا ہوئی جو فوراً ہی معدوم ہو گئی۔ "میرا نام سیمدی ہے۔" اور پھر اس نے تفصیلاً بتایا کہ وہ پہاڑوں کا مقدّس آدمی ہے، مذہبی رہنما ہے اور اپنے لوگوں کو علاج کی خاطر اسپتال آنے کی اجازت دینے سے قبل ڈاکٹر سے بالمشافہ ملاقات کے لیے آیا ہے۔

"میں صرف اتنا چاہتا ہوں کہ ان کے جسموں اور رُوحوں کو بیماریوں سے بچاتا رہوں۔" ڈاکٹر گارساں نے اپنی آمد کا مقصد بیان کرتے ہوئے کہا۔

"اور میں صرف اتنا چاہتا ہوں کہ ان لوگوں کے رُوحانی امراض کا علاج تم مجھ پر چھوڑ دو۔ ان کے جسموں کا علاج کرتے رہو، مجھے کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔"

ڈاکٹر گارساں فوراً رضامند ہو گیا کیونکہ انکار کی صورت میں وہ مریضوں سے ہاتھ دھو بیٹھتا اور سیمدی کے حامی اس کا جیب و بھر دیتے۔ اس نے دل ہی دل میں فیصلہ کر لیا کہ وہ فی الحال کسی باشندے کو عیسائی مذہب اختیار کرنے کی دعوت نہیں دے گا۔

"مریض کل سے تمھارے پاس آنا شروع ہو جائیں گے ڈاکٹر!" سیمدی نے کرسی سے اُٹھتے ہوئے کہا اور اس کے بعد ہاتھ ہلانے کی زحمت گوارہ کیے بغیر آہستہ آہستہ باہر چلا گیا۔

مشن کے احاطے سے سیمدی کے نکلتے ہی ایک بار پھر ڈھول کی آواز فضا میں گونجنے لگی اور ڈاکٹر ایک بار پھر گننے لگا۔ ایک منٹ میں چالیس مرتبہ ڈھول پر تھاپ پڑی تھی۔

اگلے روز سے مریض آنا شروع ہو گئے۔ دو تین دن تک تو اُن کی تعداد معدودے چند ہی رہی لیکن پھر ان کی بھرمار ہو گئی۔ وہ ان کا علاج کرنے میں سب کچھ فراموش کر بیٹھا... پھر جلد ہی اس نے اپنا ایک آپریشن رُوم بھی بنا ڈالا۔ یہاں الیکٹریشن کی تربیت کام آئی اور اس نے ایک ایکسرے مشین کی مرمّت کر کے اسے قابلِ استعمال بنا لیا۔

... پھر ایک روز اسے وزارتِ انصاف میں طلب کیا گیا جہاں وزیرِ انصاف بُخار میں پھُنک رہا تھا۔ ڈاکٹر گارساں نے اس کا بُخار چند گھنٹوں میں ہی اُتار دیا جس کے بعد اس سے بچّوں کا علاج کرنے کے عوض جو ٹیکس لیا جاتا تھا، وہ معاف کر دیا گیا۔ ویسے ڈاکٹر گارساں نے وزیرِ انصاف کی یہ تجویز مسترد کر دی تھی کہ وہ دو بچّیوں کو بچا کر ان کے والدین کے حوالے کرنے کے بجائے انھیں خود پالنے پوسنے اور جب وہ پندرہ سولہ سال کی ہو جائیں تو ان کو کسی ہوٹل میں ملازم کروا دے۔ اس طرح بڑھاپے میں یہ لڑکیاں اُسے دو سو ڈالر فی ہفتہ کما کر دے سکیں گی۔

انہی دنوں ڈاکٹر گارساں کو علم ہوا کہ باقیا میں منشیات اسمگل کر کے لانے کی ضرورت نہیں، بلکہ اس علاقے میں ہی ایک بُوٹی ایسی ملتی ہے جو ہیروئن کے نشے سے بھی تیز اثرات کی حامل ہے۔ اس بُوٹی سے نکلنے والے رَس کو "مِنگ" کہا جاتا ہے اور درد سے نقیقہ یا اعصابی درد میں اس بُوٹی کو کنپٹی پر رکھا جائے تو سارا درد پل بھر میں کافور ہو جاتا ہے۔ وہ سوچنے لگا کہ باقیا کا وزیر کتنا احمق ہے کہ منشیات باہر سے منگوایا کرتا ہے۔

وہ کئی سال تک مشن اسپتال کی توسیع اور لوگوں کو علاج کی بہتر سے بہتر سہولتیں فراہم کرنے کی تگ و دو میں لگا رہا، ساتھ ہی ساتھ مِنگ پر بھی اس کے تجربات جاری رہے۔ اس نے یہ سنسنی خیز انکشاف کیا کہ مِنگ کا اثر جلد کے اوپر ہوتا ہے، جلد کے اندر نہیں۔ اسی طرح اگر مِنگ کو شعاعوں میں بدل دیا جائے تو اس کا اثر دماغ پر بھی ہو سکتا ہے۔ انہی دنوں ڈاکٹر کا ہاتھ بٹانے ایک نوجوان لڑکی سسٹر بیٹرس باقیا آئی۔ اس لڑکی بیٹرس کو یہ اعزاز بھی حاصل ہوا کہ وہ اغوا ہوئے بغیر مشن پہنچنے والی پہلی سفید فام خاتون تھی۔ اس کے گھنے سُرخ بال سوتی جیسے دانت اور عینک کے پیچھے چمکتی ہوئی نیلی آنکھیں، ڈاکٹر گارساں جیسے سدا کنوارے کو بھی متاثر کیے بغیر نہ رہ سکیں۔ وہ پہلی ہی نظر میں گھائل ہو گیا اور سوچنے لگا کہ شاید وہ زندگی بھر اسی دوشیزہ کی خاطر خود کو دوسری عورتوں سے بچاتا چلا آیا ہے۔

ایک روز تجربہ گاہ میں کام کرتے ہوئے ڈاکٹر گارساں نے اچانک بیٹرس کی طرف دیکھا اور کہا "سسٹر بیٹرس، کیا تمھارے احساسات بھی وہی ہیں، جو میرے ہیں؟"

"اگر آپ اعصابی کشیدگی کی بات کر رہے تو میرا جواب اثبات میں ہے۔" بیٹرس نے جواب دیا کیونکہ وہ جب سے یہاں آئی تھی ڈھول کی گونج اور بازگشت نے اس کے اعصاب کو بے حد متاثر کیا تھا۔

"اوہ... تم اعصابی کشیدگی کی شکار ہو۔ آؤ، میں تمھارا علاج کروں گا۔" یہ کہہ کر اُس نے سبز رنگ کا محلول نکالا اور اسے بیٹرس کی کنپٹیوں پر ملنے لگا۔

"اوہ فادر...!" بیٹرس نے تیزی سے پلکیں جھپکائیں، وہ عام طور سے مسکّن دوائیں کھاتی رہتی تھی لیکن ان دواؤں کے استعمال سے اسے ہمیشہ ذہنی طور پر ہلکا پھلکا ہونے کا احساس ہوتا تھا جبکہ اس محلول کی ہلکی سی مالش سے ہی وہ یوں چاق و چوبند ہو گئی تھی جیسے اس کے اعصاب کبھی انتشار کا شکار ہی نہیں ہوئے تھے۔ اس کا ذہن گویا کسی خستگفتہ پھُول کی طرح تر و تازہ ہو گیا تھا۔

سسٹر بیٹرس دیر تک اس محلول کے بارے میں فادر گارساں سے گفتگو کرتی رہی جو اس نے "مِنگ" سے کشید کیا تھا۔ فادر اُسے دیر تک مِنگ کی خصوصیات بتاتا رہا اور بیٹرس کا جوش و خروش دیکھ کر اس نے یہ راز بھی اُگل دیا کہ وہ مِنگ کے استعمال سے شعاعی علاج کا طریقہ ایجاد کر رہا ہے۔

"وہ کیسے فادر گارساں؟" بیٹرس نے حیرت سے اُچھل کر پوچھا۔

"اس کا طریقہ بہت آسان ہے۔ اگر ہم مِنگ سے کرنٹ گزاریں تو خلیوں کی ساخت پر اُن کا زبردست اثر ہو گا۔"

"شاندار...!" بیٹرس نے خوشی سے بے قابو ہوتے ہوئے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

جواب دیا حالانکہ وہ اس جملے کا مفہوم بھی نہیں سمجھ سکی تھی "آپ اپنی اس ایجاد کا مجھ پر تجربہ کیوں نہیں کرتے، فادر... ابھی اور اسی وقت...!" یہ کہتی ہوئی وہ ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔ ڈاکٹر گارساں قدرے تامل کا مظاہرہ کرنے کے بعد آمادہ ہوگیا۔ اس نے ایک بھاری مگر چھوٹے سے جنریٹر کے اوپر ہتک سے بھرا ہوا ڈبہ رکھا، یہ جنریٹر ان ٹیوبوں کو بجلی فراہم کرنے کے لیے تھا جن سے الیکٹرونز کو خارج ہونا تھا۔ تمام انتظامات مکمل کرنے کے بعد فادر گارساں نے مسکرا کر بیٹرس کو دیکھا اور پھر ڈبے کے اوپر لگے ہوئے کئی بٹنوں میں سے ایک بٹن دبا دیا۔

"اُف...!" فادر گارساں حواس باختہ ہو کر بیٹرس کی طرف دیکھتا رہ گیا۔

کرسی پر اب بیٹرس کے سفید بلاؤز اور قمیص کے علاوہ کچھ بھی موجود نہیں تھا۔ پیروں کی جگہ جوتے پڑے ہوئے تھے اور ان جوتوں میں موزے بھی موجود تھے۔ فضا میں ایسی بو پھیل گئی تھی جیسے فرائنگ پین میں گوشت جل گیا ہو۔ ڈاکٹر گارساں نے گھبرا کر بیٹرس کا بلاؤز اٹھایا تو اُسے صوفے کی ایک زنجیر نظر آگئی جسے بیٹرس ہر وقت پہنے رہتی تھی، زیر جامہ بھی موجود تھا... لیکن بیٹرس کہیں موجود نہیں تھی۔

ڈاکٹر نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔ اب یہ واضح ہوگیا تھا کہ ہتک سے گزرنے والے الیکٹرونز کی شعاع زندہ چیز کو نیست اور نابود کر سکتی ہے۔

بیٹرس کی المناک موت نے ڈاکٹر گارساں کو دیر تک سکتے کے سے عالم میں رکھا لیکن جب اس کے اوسان بحال ہوئے تو وہ فوراً کمبوڈیا روانہ ہوگیا اور اُس نے خود کو وزیرِ انصاف کے سامنے پیش کر دیا۔

"میں قاتل ہوں جناب!" اس کی آواز شدتِ جذبات سے کانپ رہی تھی۔

وزیرِ انصاف نے جو خاندانی آدمی تھا پہلے تو اس کے اقبالِ جرم کو مسترد کر دیا... پھر جب ڈاکٹر گارساں نے اسے بتایا کہ موت کس طرح واقع ہوئی تو اس کی اُلٹی کھوپڑی میں ایک نئی ترکیب سر اٹھانے لگی تھی۔

وہ فوراً باقیا کے صدر سے ملاقات کے لیے روانہ ہوگیا۔

٭

"آپ یقین کریں جناب! کہ وہ ہتھیار، گولیوں سے بھی زیادہ مؤثر ہے۔" وزیرِ انصاف نے صدر سکارٹو کو زور دیتا ہوا کہہ رہا تھا۔

جو اس کی تمام باتیں توجہ سے سُن رہا تھا۔

سکارٹو دراز قد، سیاہ فام اور بڑی بڑی آنکھوں والا ایک ایسا شخص تھا جس کے چہرے پر سب سے وحشت ناک چیز اس کی نوکدار مونچھیں تھیں اور ان مونچھوں کے اوپر چپٹی ناک نظر آتی تھی۔ گزشتہ پانچ برسوں میں وہ یہ کہتا رہا تھا کہ اس کی رگوں میں سیاہ فام اجداد کا خون دوڑ رہا ہے لیکن پانچ سال قبل وہ یہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیتا تھا کہ اس کے آباؤ اجداد سیاہ فام تھے۔ اس اہم تبدیلی کی وجہ انجمن اقوامِ افریقہ کا قیام تھا جس میں کئی ایسے ملک بھی شامل تھے جو باقیا کو... بالفاظِ دیگر سکارٹو کو خاصی امداد دے سکتے تھے۔

"بکواس مت کرو۔" سکارٹو نے کہا "کہا کہ کوئی بھی ہتھیار، گولی سے زیادہ مؤثر نہیں ہو سکتا۔"

صدر سکارٹو کو گولیوں کے مؤثر ہونے پر بہت اعتقاد تھا۔ اس کے بارے میں لوگ صرف اتنا ہی جانتے تھے کہ اسے خون بہانے میں بہت لطف آتا ہے اور جب بھی وہ کسی کو گولی مارتا ہے تو زخم سے بہل بہل بہنے والا لہو اس کو ویسی شراب کے مقابلے میں سوگنا زیادہ نشہ دیتا ہے۔

"میں یہ کہنے کی پھر جسارت کروں گا کہ وہ ہتھیار، گولی سے زیادہ مؤثر ہے۔" وزیرِ انصاف نے اصرار کیا۔

"ناممکن... جب اس ہتھیار سے مرنے والے کی لاش بھی نہیں ملتی تو پھر جب کسی چیز سے پڑے گا میں چور لہجے پر لٹکانے کے لیے لاشیں کہاں سے لاؤں گا؟... اور جب تک چور لہجے پر لاشیں نہیں لٹکیں گی، لوگ مرعوب نہیں ہوں گے۔ لاشوں کی نمائش کے بغیر ملک نہیں چل سکتا اسی لیے میں کہتا ہوں کہ گولیوں سے بہتر کوئی ہتھیار نہیں ہے۔" سکارٹو نے اپنی موٹی اور بھدی انگلیاں چٹختے ہوئے وزیرِ انصاف کو دیکھا۔

سکارٹو نے پہلی مرتبہ گولی سے ایک آدمی کو اس وقت ہلاک کیا تھا جب اُس کی عمر صرف نو سال تھی۔ اس آدمی کو ایک ستون سے باندھ دیا گیا تھا اور پھر نو سالہ سکارٹو اعشاریہ چار پانچ کا بھاری پستول لے کر اس کے سامنے آیا تو وہ یہ سوچ کر مسکرا دیا تھا کہ بھلا یہ بچہ کس طرح گولی چلائے گا لیکن پھر اس آدمی کی مسکراہٹ ہونٹوں پر منجمد ہو کر رہ گئی کیونکہ ننھے سکارٹو نے قریب آ کر گولی چلا دی تھی۔

سکارٹو کا باپ ایک ڈاکو تھا اور لوگ اس سے خائف رہتے تھے یہی وجہ تھی کہ باقیا پر اس کی حکمرانی ہوگئی تھی لیکن ایک

روز ایک امریکی فروٹ کمپنی کا نمائندہ سکارٹو کے باپ کے پاس آیا اور اُس نے سکارٹو کے باپ کو مشورہ دیا کہ ڈاکو بن کر زندگی نہ گزارے بلکہ اس کی ہدایت پر عمل کرے تو زیادہ بہتر ہے۔ یہ امریکی اپنے ساتھ ایک خوبصورت بوتیقدام بھی لے کر آیا تھا۔ اس نے سکارٹو کے باپ کو کاغذ کے ایک ٹکڑے سے بھرا ہوا ایک صندوق بھی دیا۔ اس طرح سکارٹو کا باپ باقیا کا صدر اور صندوقوں میں رکھے ہوئے کاغذات ملک کا آئین بن گئے۔ یہ آئین جس کے اعمال کاغذات تھے، اسے وہیں کی ایک انجمنی برائے تعلقاتِ عامہ نے تیار کیا۔

امریکی فروٹ کمپنی کچھ دنوں تک باقیا میں کیلوں کی کاشت کرتی رہی لیکن آم کی فصل اُگانے کا تجربہ ناکام ہونے پر کمپنی کی انتظامیہ اپنا بوریا بستر گول کر گئی۔

باقیا کے صدر کو اس بات پر بے حد ناز تھا کہ اس کی رعایا کو تمام انسانی حقوق حاصل ہیں چنانچہ جب بھی کوئی غیر ملکی صحافی باقیا آ کر اس سے انٹرویو کے دوران اس بات پر اعتراض کرتا کہ باقیا کے لوگ انسانی حقوق سے محروم ہیں تو سکارٹو کا باپ اور باقیا کا صدر چھوٹی انگلی سے صندوق کی طرف اشارہ کر کے زوردار لہجے میں کہتا "یہ الزام غلط ہے۔ لوگوں کو تمام حقوق حاصل ہیں۔ یقین نہیں آتا تو صندوق میں رکھے ہوئے کاغذات پڑھ لو... لیکن اس کے لیے تمہیں صندوق کا قفل توڑنا پڑے گا کیونکہ اس کی چابی کہیں گم ہوگئی ہے۔"

باقیا کے صدر کا کہنا تھا کہ عوام کو انسانی حقوق حاصل ہیں اور صدر کے لیے کھیتوں میں بے گار کرنے والے مزدور، دل و جان سے اس دعوے پر یقین رکھتے تھے۔

ایک روز سکارٹو کے باپ کو کسی مخبر نے اطلاع دی کہ کوئی اسے قتل کرنے کی سازش کر رہا ہے۔ خود سکارٹو نے بھی غصے سے کہا کہ اُسے غدار کی تمیں گاہ کا علم ہے لہٰذا کورزن اپنے بیٹے سکارٹو اور اس کے پچاس ذاتی محافظوں کے ساتھ غدار کو قتل کرنے محل سے نکل کھڑا ہوا۔ اُسی شام سکارٹو اپنے باپ کی لاش لے کر واپس آیا اور اس نے اعلان کیا کہ اس کا باپ دشمن پر بہادری سے حملہ کرنے کے دوران ہلاک ہوگیا ہے۔ احمقوں کی اُس نگری میں کسی نے بھی یہ نہ سوچا کہ اگر سکارٹو کا باپ دشمن پر حملہ کرنے کے دوران ہلاک ہوا تو گولی سینے پر کیوں نہیں لگی، پشت میں کیوں پیوست ہوئی ہے؟ ویسے بھی کسی نے اگر اس باریک نکتے کو محسوس کیا تو اس کا ذکر کرنا ہی مناسب سمجھا کیونکہ اب سکارٹو ملک کا صدر بن چکا تھا۔ صدر بنتے ہی سکارٹو نے ان دو جرنیلوں کو اپنے ہاتھ سے گولی مار کر ہلاک کر دیا جو اب بھی پہلے صدر کے وفادار تھے۔ اس نے الزام لگایا کہ ان جرنیلوں نے اپنے صدر کی حفاظت میں کوتاہی برتی تھی۔

بہرحال، سکارٹو کو گولیوں سے بے حد محبت تھی۔ گولیوں ہی نے اسے زندگی کی خوشیوں سے روشناس کرایا تھا یہی وجہ تھی کہ وہ گولیوں سے زیادہ مؤثر ہتھیار کے بارے میں کچھ سننے کا بھی روادار نہیں تھا۔ اسے وزیرِ انصاف سے پہلے ہی عداوت تھی کیونکہ وزیرِ انصاف نے سنگِ مرمر سے مزین گھر بنوایا تھا جس کے کئی کمروں میں خوبصورت لڑکیاں رہتی تھیں اور سب سے اہم بات یہ تھی کہ یہ لڑکیاں وزیرِ انصاف کی بیٹیاں نہیں تھیں۔

سکارٹو نے کچھ سوچ کر وزیرِ انصاف سے کہا کہ وہ جادوگر پادری کو اس کی خدمت میں پیش کرے۔ کچھ ہی دیر بعد فادر گارساں نے سکارٹو کے کمرے میں داخل ہو کر تعظیم دی اور پھر ایک طرف خاموش کھڑا ہوگیا۔

"اپنے جادو کا مظاہرہ کرو۔" صدر سکارٹو نے حکم دیا۔

"یہ جادو نہیں، سائنس ہے، عالی مرتبت!"

"ٹھیک ہے، سائنس ہی دکھاؤ... لیکن تم اس کا استعمال کس پر کرو گے؟"

"عالی مرتبت! میں نے لوگوں کو صحت دینے کے لیے یہ مشین ایجاد کی تھی مگر اس کا تجربہ ناکام رہا اور..." فادر گارساں کی آواز بیٹرس کا خیال آتے ہی بھرا گئی "او... اور اس مشین نے ایک عزیز ترین ہستی کو صحت دینے کی بجائے موت سے ہم کنار کر دیا۔"

"بہت افسوس کی بات ہے۔" سکارٹو نے اپنی نوکدار مونچھوں کو کُل دے کر اوپر اُٹھاتے ہوئے کہا "لیکن ذرا ہم بھی تو دیکھیں کہ اس کا تجربہ کس طرح ناکام ہوا اور پھر ہمیں یہ بھی اندازہ لگانا ہے کہ یہ مشین ہمارے اس اعشاریہ چار پانچ کے پستول سے زیادہ مؤثر ہے یا نہیں؟"

سکارٹو کے پستول پر صدارتی نشان اور ایک جادوگر کا دیا ہوا نشان چمکا ہوا تھا۔ اس تمغے کو لینے کی وجہ یہ تھی کہ سکارٹو کا نشانہ ہمیشہ خطا جاتا تھا اور جادوگر نے اُسے یقین دلایا تھا کہ جب تک یہ تمغا پستول پر لگا رہے گا، اُس وقت تک پستول کی گولی بھٹک کر کم از کم خود سکارٹو کو نہیں لگے گی۔

سکارٹو نے چمک دار پستول نکال کر اچانک وزیرِ انصاف کی طرف تان لیا۔

"پادری! یہاں کچھ لوگ ایسے ہیں، جو تمہارے ہتھیار کو

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

گولی سے زیادہ مؤثر قرار دیتے ہیں...اور پھر اصرار کرتے ہیں کہ دھتکارے ہیں۔" صدر سکارٹو نے وزیرِ انصاف کی طرف دیکھ کر کہا جس کی گھگھی بندھ گئی تھی مگر جب اُس نے پستول کو ہولسٹر میں واپس جاتے ہوئے دیکھا تو اُس کی رال معمول پر آ گئی اور وہ پیشانی سے پسینے کی بُوندیں پُونچھنے میں مصروف ہو گیا۔

صدر کے حکم پر ایک کتے کو صدارتی چیمبر میں لایا گیا۔

یہ وہی کمرہ تھا جس میں سکارٹو سفیروں سے ملاقات کرتا تھا یا ناشتہ وغیرہ کے بعد اس کے فرش ہی پر سو جاتا تھا کتے کے وہاں آتے ہی سکارٹو کی آنکھیں چمکنے لگیں۔

کتا، زبان نکالے ہانپ رہا تھا۔

"جاؤ دگر پادری...اس پر اپنے ہتھیار کا مظاہرہ کرو۔"

"یعنی اس کتے کو مار ڈالوں؟" فادر گارساں نے حیرت اور بے یقینی سے دریافت کیا۔

"ہاں...چوپائے بے رُوح ہوتے ہیں لہٰذا ان کو مارنے سے تمہیں خوفزدہ نہیں ہونا چاہیے۔" صدر سکارٹو نے شاہانہ انداز میں کہا۔

وزیرِ انصاف بھی فوراً فادر گارساں سے التجا کرنے لگا کیونکہ اگر گارساں مظاہرہ کرنے سے انکار کر دیتا تو اس کا مطلب نہ صرف گارساں بلکہ خود وزیر کی موت کے سوا کچھ بھی نہ ہوتا۔

فادر گارساں نے مجبوراً بیٹری کا وہ سوئچ آن کیا جس سے ایک چھوٹا سا جنریٹر اپنا کام شروع کر دیتا تھا، اس مشین کے تین حصے مل کر اتنی بجلی پیدا کرتے تھے جتنی تہذیب یافتہ دُنیا میں ایک پلگ سے حاصل کی جا سکتی تھی۔ ڈاکٹر گارساں نے مینگ کی تر سیل والا آلہ چیک کیا، بجلی کی سطح کا جائزہ لیا اور ایک نلکی کا رُخ کتے کی طرف کر کے الیکٹرونز منتشر کرنے والا بٹن دبا دیا۔

زوں کی ایک ہلکی سی آواز ہوئی اور کتا اپنی جگہ سے غائب ہو گیا۔ وہاں اب صرف سبزی مائل مادہ نظر آ رہا تھا کتے کی کھال تک غائب ہو گئی تھی۔

"مبارک ہو! میرے دوست!" سکارٹو نے پُرجوش انداز میں ہاتھ ملتے ہوئے کہا "شکریہ میرے مقدس دوست...میں تو پہلے بھی تمہارے دین کو اچھا ہی سمجھتا تھا۔ یہ تو بتاؤ کہ تم نے کتے کو کس طرح مارا؟"

فادر گارساں نے مختصراً اُسے فنی تفصیلات بتائیں اگرچہ اس کے پلّے نہ پڑیں تاہم وہ اثبات میں سر ہلاتا رہا جیسے سب کچھ سمجھ رہا ہو۔

"تم نے کون سا بٹن دبایا تھا؟" سکارٹو نے تجسس سے لبریز لہجے میں پوچھا۔

"یہ والا...!" ڈاکٹر گارساں نے پہلے سُرخ بٹن کی طرف اشارہ کیا جس سے جنریٹر اسٹارٹ ہوتا تھا۔ "اور پھر یہ...!" اس مرتبہ اس کا اشارہ سبز بٹن کی طرف تھا جس کے دبانے سے الیکٹرونز خارج ہونے لگتے تھے...اور تب ہی ایک خوفناک واقعہ رُونما ہوا۔

سکارٹو نے مسکراتے ہوئے، نلکی کا رُخ وزیرِ انصاف کی طرف کر دیا اور پھر سُرخ و سفید بٹن دبا دیے۔

"اُف میرے خدا...یہ کیا ہُوا؟" فادر گارساں صدمے سے لڑکھڑا گیا۔

"بہت بُرا ہوا" یہ کہتے ہوئے اُس نے بٹن پھر دبائے اور اس مرتبہ ایک فوجی کپتان کی وردی فرش پر پڑی رہ گئی۔ جس پر سکارٹو کو رشوت لینے اور رشوت کی رقم میں سے اُسے حصہ نہ دینے کا شُبہہ تھا۔ "یہ بھی بہت بُرا ہوا، پادری" بٹن پھر دبے، اس مرتبہ باہر کھڑی ہوئی ایک کار کا ڈرائیور غائب ہو گیا کیونکہ سکارٹو نے نلکی کا رُخ کھڑکی کی طرف کر دیا تھا۔ "اوہو، یہ تو بہت بُرا ہوا گویے پادری...!" سکارٹو نے ہاتھ تھپتھپا کر کہا۔ اس کے لہجے سے ہیجان اور دیوانگی جھلک رہی تھی۔

"ہاں...اور یہ آپ نے جان بُوجھ کر کیا ہے، عالی مرتبت!" فادر گارساں نے غصّے اور بے بسی سے کانپتے ہوئے کہا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ سکارٹو کو گالیاں دے یا اُس کے لیے تعظیمی انداز برقرار رکھے۔

ایوانِ صدر میں اس قتلِ عام کے باعث افراتفری مچ گئی تھی۔ محافظ کونے کھدروں میں چھپ رہے تھے لیکن صدارتی محل کے سامنے، سڑک کے پار والے ہوٹل کی کھڑکیوں سے غیر ملکی سیاح اس بھگدڑ کو بے حد دلچسپی سے دیکھ رہے تھے۔ انھیں علم نہیں تھا کہ اندر کیا ہو رہا ہے اور سیڈان کار کا ڈرائیور ریپلک جھپکتے ہی اپنی وردی کار میں چھوڑ کر نہ جانے کہاں غائب ہو گیا ہے...پھر ان کی نظر ایوانِ صدر کے احاطے میں چند اور وردیوں پر پڑی۔ وہ وہاں یوں پڑی تھیں جیسے ان کے پہننے والے بٹن کھولے بغیر ہی انھیں اُتار کر کہیں چلے گئے ہوں۔

سکارٹو مشین لیے محل میں قتل کا بازار گرم کیے ہوئے تھا۔ اس کی نظر ایک گارڈ پر پڑی جو اپنی موت سے بے خبر سو رہا تھا۔

"میں سزا و جزا کا قائل ہوں!" سکارٹو نے غصیلے لہجے میں کہا "ضابطے کی پابندی بے حد ضروری ہوتی ہے اور تم سو کر ضابطے کی

خلاف ورزی کر رہے ہو۔"

گارڈ کا جسم سبز مخملوں میں بدل گیا جبکہ اس کی وردی وہیں پڑی رہی۔

ڈاکٹر گارساں کو یقین ہو گیا کہ اس کی ایجاد ایک ایسے جنونی کے ہاتھ میں پہنچ گئی ہے جو قتل کرنے میں لذت محسوس کرتا ہے۔ لہٰذا جونہی سکارٹو نے مشین کی نلکی کا رُخ ایک اور گارڈ کی طرف کیا، گارساں، گارڈ اور مشین کے درمیان حائل ہو گیا۔

"تم اسے میری موت کے بعد ہی قتل کر سکو گے۔" گارساں نے فیصلے لہجے میں کہا۔

"چلو، یہ بھی ٹھیک ہے۔" یہ کہتے ہوئے سکارٹو نے مشین کا بٹن دبا دیا۔

فادر گارساں صفحۂ ہستی سے غائب ہو گیا۔

▼

باقی کے حالات اور فادر گارساں کی موت کے بارے میں اطلاعات جب جزیرۂ فردوس پہنچیں تو ہنگامہ اُٹھ کھڑا ہوا کیونکہ پادری بنیادی طور پر امنِ عامہ کا ایک نقیب تھا اور اس کی موت ہر حکومت کے لیے ایک چیلنج کی حیثیت رکھتی تھی۔ سب سے زیادہ خطرناک بات یہ تھی کہ باقیا کے پاگل کتے سکارٹو کے قبضے میں وہ پُراسرار اور مہلک ہتھیار بھی تھا جس کی اصلیت کا ابھی تک کسی کو علم نہیں ہو سکا تھا۔ اُدھر سکارٹو نے اپنے دارالحکومت میں بعض غیر ملکیوں پر مشتمل ایک اجلاس طلب کیا جس میں اعلان کیا گیا کہ دُنیا بھر کے عوام کا یہ نمائندہ اجلاس، اس مشین کو صدر سکارٹو کی ملکیت قرار دیتا ہے۔

ٹائیگر کی حکومت بھی تشویش میں مبتلا تھی۔ صدر مملکت نے محکمۂ سُراغ رسانی و جاسوسی کے اعلیٰ ترین دماغوں کو طلب کر کے ان سب سے صرف یہ سوال کیا کہ سکارٹو جیسے کوڑھ مغز، جاہل، غبی اور بزدل شخص کے پاس موت کی مشین کس طرح پہنچ گئی اور یہ کہ مہلک مشین کو اس سے چھیننے کے لیے کیا کیا جا رہا ہے؟

صدر کے اس سوال پر شعبے کے سربراہ نے کندھے اُچکائے اور یہی جواب دیا کہ اس مسئلے میں دلچسپی لینا اس کے شعبے کا فرض نہیں ہے۔

صدر مملکت اس جواب پر بھڑک اُٹھے اور انھوں نے ان تمام ایجنسیوں کے سربراہوں کو بے نقط سُنائیں جو ملک کے مفادات پر نظر رکھنے کے ذمّے دار تھے۔ سُراغ رسانی کے ڈائرکٹر کو بھی خوب لعنت ملامت سہنی پڑی لیکن وہ سب یہی کہتے رہے کہ یہ مسئلہ

جاسوسی ڈائجسٹ کے مقبول سلسلے

ناگ بھون — اقلیم علیم
(دو جلدیں) قیمت =/300 روپے

سنگتراش — اقلیم علیم
(دو جلدیں) قیمت =/300 روپے

برہمچاری — انوار صدیقی
قیمت =/150 روپے

سرکش — محمود احمد مودی
(12 حصے) مکمل سیٹ =/600 روپے

مکتبہ القریش سرکلر روڈ اردو بازار لاہور
فون 7668958

ان کی تنظیموں کے دائرہ کار سے باہر ہے لہٰذا صدرِ مملکت نے فیصلہ کیا کہ وہ اب اس تنظیم کو استعمال کرے گا جس کو کوئی آئینی حیثیت حاصل نہیں تھی لیکن وہ بنی نوعِ انسان کی بہتری کے لیے دُنیا بھر میں سرگرمِ عمل تھی۔ یہ تنظیم جو جزیرۂ فردوس میں بنی تھی اور اب عالمی سطح پر کام کر رہی تھی۔

▼

ٹائیگر ہلکے ہلکے قدم اُٹھاتا ہوا ایک بڑی شاہراہ پر چل رہا تھا۔ بیت المقدس سے آنے کے بعد اس میں ایک اہم ترین تبدیلی آئی تھی اور وہ سانس لینے میں بھی لذت محسوس کرنے لگا تھا۔ اس وقت بھی موسمِ گرما کی ایک عام سی رات میں وہ رات کی رانی کی مہک جذب کرتا ہوا چلتے چلتے نیون سائنوں کو دیکھتا رہا اور چلتا رہا۔

اچانک ہی ہر طرف گھپ اندھیرا چھا گیا۔

لوگ گرمی کی شدت سے بے حال ہو کر گھروں سے نکل آئے لوگ چیخنے لگے اور دکانوں کے شٹر گرنے لگے کیونکہ موقع سے فائدہ اُٹھانے والوں نے لوٹ مار شروع کر دی تھی۔ اس کے فوراً بعد ایک نسوانی چیخ سنائی دی۔ غالباً کسی لڑکی پر ظلم و تشدد ہونے لگا تھا۔ اسی

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

لمحے ایک کار کی ہیڈ لائیٹس چمکیں اور سڑک روشن ہوگئی۔

ایک بار پھر شور بلند ہوا۔ کسی کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا ہو رہا ہے... لیکن ایک شخص ایسا بھی تھا جس کی تمام تر حسیات اور ذہن کے گوشے روشن تھے اور اسے احساس تھا کہ بعض نوجوان اسے پکڑنے کے لیے لپک رہے ہیں۔

ان نوجوانوں کی قیادت کرنے والے لڑکے کے ہاتھ میں چاقو دبا ہوا تھا۔

ٹائیگر نے پلٹے بغیر یہ سب کچھ دیکھ لیا۔ اس نے ایک لمحے کے لیے سوچا کہ وہ چاقو تو لڑکے کی پسلیوں کو نقصان پہنچا کر خود بھی ٹوٹ جائے گا۔ تاہم اس نے اسی چاقو کو استعمال کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

"تم اپنے ہی چاقو سے خودکشی کرو گے۔" ٹائیگر نے رُک کر پلٹنے سے قبل کہا۔ "یہ دیکھو...!"

اس نوجوان کا وہ ہاتھ پکڑ لیا جو چاقو پر جما ہوا تھا اور پھر اس کو ہلکے سے دبایا۔ چاقو کی نوک رُخ بدل کر نوجوان کے سینے کی طرف مُڑ گئی اور پھر وہ نوک دل کے مقام پر اس طرح اندر گھسنے لگی جیسے کسی کیک میں سوئی چُبھ جاتی ہے۔

"اوہ میرے خدا..." نوجوان نے چیخ ماری کیونکہ اسے اپنی موت کا احساس ہوگیا تھا۔

ٹائیگر کو لُوٹنے کے مقصد سے تعاقب کرتے وقت اس کے ذہن کے کسی گوشے میں اپنی موت کا خیال نہیں تھا۔ وہ اب تک شہر میں سات افراد کو قتل کرچکا تھا پہلے قتل کے مقدمے میں اس کی عمر پندرہ سال تھی لہٰذا اسے اصلاح خانے میں چند ماہ قید رکھنے کے بعد رہا کردیا گیا تھا۔ اس کے بعد اس نے جتنے بھی قتل کیے۔ ان میں پولیس اسے پکڑ نہیں سکی تھی۔ اس نے آخری قتل گزشتہ رات ایک سنسان گلی میں اس وقت کیا تھا جب ایک لڑکی نے اس کے ساتھ جانے سے انکار کردیا تھا۔ اس نے اسی تیز دھار چاقو سے لڑکی کے قتل بنا کر نالی میں پھینک دیے تھے۔

ٹائیگر کا تعاقب کرتے ہوئے اسے یقین تھا کہ اس نوجوان سے جو چہرے سے شریف اور لڑائی جھگڑے سے دُور رہنے والا آدمی لگتا ہے۔ نہ صرف اس کی طلائی گھڑی چھین لے گا بلکہ عقبی جیب میں نظر آنے والا موٹا پرس بھی حاصل کرے گا۔ اس کے ساتھ کچھ فاصلے پر لوہے کی سلاخیں لیے ہوئے اس کے ساتھی بھی چل رہے تھے تاکہ مزاحمت کی صورت میں اس کی مدد کرسکیں... لیکن جو کچھ ہوا وہ بہت دیر بعد لیڈر کی سمجھ میں آیا۔ ٹائیگر نے نرم لہجے میں اسے خودکشی کی اطلاع دی اور پھر اچانک ہی وہ خود اپنا چاقو اپنے ہی سینے میں گھونپ بیٹھا۔ اسے اپنی کلائی پر جس دباؤ کا احساس ہوا تھا اس کا تقاضا تھا کہ وہ چاقو کو اسی طرف جانے دے جس طرف دباؤ ڈالا جا رہا تھا۔

جونہی اس کے سینے سے لہو کا فوارہ بلند ہوا ٹائیگر نے چاقو پر گرفت ختم کردی لڑکے کی آنکھیں ٹائیگر کا تعاقب کرتی رہیں جو عام سے انداز میں ٹہلتا ہوا آگے جا رہا تھا... پھر وہ کٹے ہوئے درخت کی طرح ڈھیر ہوگیا۔ اُسے پہلی مرتبہ یہ احساس ہوا کہ آگے جانے والے کے قدم ایک لمحے کے لیے ہی رُکے تھے اور یہی ایک لمحہ اس کے دل میں تیز دھار بلیڈ اُتار گیا تھا۔

اس کے ساتھی کچھ دیر بعد وہاں پہنچے تو لاش ساکت ہوچکی تھی۔

ٹائیگر نے چلتے چلتے اپنے دائیں ہاتھ کو دیکھا۔ اس کے انگوٹھے پر خون کا ایک قطرہ رہ گیا تھا جسے اس نے پھونک مار کر اُڑا دیا۔

وہ جانتا تھا کہ اس شہر کے لوگوں کا اصل مسئلہ اندھیرا ہے... اور اسے یہ بھی معلوم تھا کہ شہر کے کچھ لوگ اندھیرے میں اپنے ذہن روشن نہیں رکھ سکتے اور اندھیرا ہوتے ہی وحشی بن جاتے ہیں۔ خود وہ بھی پہلے اندھیروں میں ذہن روشن نہیں رکھ سکتا تھا لیکن اب شمشیر سانجو کے مالک نے اسے اپنا ذہن ہی نہیں بلکہ جسم کا ریشہ ریشہ روشن رکھنے کا گُر سکھا دیا تھا۔

وہ عام سی رفتار سے چلتا رہا اور لُوٹ مار میں مصروف لوگوں کو حقارت بھری نظروں سے دیکھ کر آگے بڑھتا رہا۔

وہ شہر کے ضلعی علاقے منگوشا کی طرف نکل آیا۔ یہاں لُوٹ مار زیادہ شدید تھی اور سیفید فام ہجوم ایک عمارت کی آہنی کھڑکیوں پر حملے کر رہا تھا۔ یہ کسی سیاہ فام کا کارخانہ تھا۔

"پکڑ لو اسے... پکڑ لو...!" ایک عورت نے چلا کر کہا۔ اس کالے کو مار مار کر گوشت کا ڈھیر بنا دو۔" عورت نے بدستور چلاتے ہوئے کہا۔ اس کی سانس تیز چل رہی تھی اور اس کی سفید چمڑی چربیاں اندھیرے میں بھی نظر آرہی تھیں۔ اس کے ایک ہاتھ میں شراب کی بوتل اور دوسرے میں ہاکی تھی۔ اگر حملہ آور سفید فام نہ ہوتے تو ٹائیگر یہ سوچ کر آگے بڑھ جاتا کہ یہ بھی عام سی لُوٹ مار کا ایک واقعہ ہے لیکن فسادی سفید فام تھے اور ان کی راہ میں ایک سیاہ فام حائل تھا۔ جو یقیناً اپنی فیکٹری کو بچانے کے لیے جان کی بازی لگائے ہوئے تھا۔

ٹائیگر نے ایک لمحے کے سوچا اور آگے بڑھ گیا۔

وہ ہجوم میں اس طرح گھس گیا جیسے کسی گھنے بن میں پن گھس جاتی ہے اور پھر راستہ بناتا ہوا آگے بڑھتا رہا حتیٰ کہ اس نے ہجوم کو پیچھے چھوڑ دیا اور پھر ایک سیاہ فام کے سامنے پہنچ گیا جس نے

اس پر شاٹ گن تان رکھی تھی۔

ٹائیگر نے عین وقت پر شاٹ گن کا رُخ آسمان کی طرف کردیا۔ گولی سیدھی آسمان کی طرف گئی اور پھر زوال پذیر ہوگئی۔ اس ایک فائر سے ہجوم لمحے بھر کے لیے سکتے میں آگیا لیکن جب لوگوں کو یہ احساس ہوا کہ اس گولی سے کسی کو نقصان نہیں پہنچا تو وہ ایک بار پھر فیکٹری پر دھاوا بولنے کے لیے آگے بڑھنے لگے۔

سیاہ فام نے ٹائیگر کو کُندا مارنے کی کوشش کرتے ہوئے شاٹ گن کا رُخ ہجوم کی طرف کردیا لیکن پھر جب اس نے یہ دیکھا کہ ٹائیگر اسے پکڑنے کے بجائے ہجوم کو روکنے کی کوشش کر رہا ہے تو وہ حیرت زدہ رہ گیا۔

چند افراد گیٹ پھلانگ کر چار دیواری میں گھس آئے مگر وہ کسی گیند کی طرح اُچھل اُچھل کر واپس سڑک پر گرے تو حملہ آوروں میں مرا سیمگی پھیل گئی۔ انھوں نے گرنے والوں کے ہاتھ پیر ٹوٹے ہوئے دیکھے تو وہ انھیں اُٹھا کر بھاگ نکلے۔ سفید فام غنڈوں کو سیاہ فام کی فیکٹری تباہ کرنے میں اب زیادہ دلچسپی نہیں رہی تھی۔ کیونکہ اپنی جان بچانا ہر ایک کے لیے ضروری ہوگیا تھا۔

ٹائیگر اُس رات سیاہ فام شخص کے ساتھ ہی رہا اور وہ دونوں فیکٹری پر دوسرے حملے کو روکنے کے لیے پہرہ دیتے رہے۔

سیاہ فام جیکسن جب تین سال کا تھا تو وہ دریائے پی کے زرخیز کنارے چھوڑ کر اپنے والدین کے ساتھ یہاں آگیا تھا تاکہ ڈاکوؤں کے ہاتھوں سے باقی ماندہ اثاثہ محفوظ رہ سکے۔ یہاں اس کے والدین یکے بعد دیگرے چل بسے... مگر اس نے بھیک مانگنے کے بجائے چھوٹی موٹی چیزیں خرید کر فروخت کرنا شروع کردیں۔ پہلے تو وہ چلتے پھرتے یہ کاروبار کرتا رہا... پھر اُس نے ایک دُکان کھول لی جو اَب ریڈی میڈ گارمنٹس کی فیکٹری بن چکی تھی۔

وہ بار بار ٹائیگر سے پوچھتا رہا کہ اس نے اپنی جان خطرے میں ڈال کر اس کی مدد کیوں کی؟

ٹائیگر ہر بار اس کو یہی جواب دیتا رہا کہ اس سے کسی کے ساتھ زیادتی برداشت نہیں ہوتی۔

"تم نے ان چھ آدمیوں کو لمحے بھر میں کس طرح اُٹھا کر چار دیواری کے باہر پھینک دیا تھا۔ یہ کون سا فن تھا؟"

"فنِ سانجو...!" ٹائیگر نے مسکرا کر جواب دیا۔

سیاہ فام جیکسن ہونقوں کی طرح اس کی صورت دیکھتا رہ گیا۔

سورج طلوع ہوا اور جب سڑکوں پر ٹوٹے ہوئے شیشے اور سوختہ فرنیچر نظر آنے لگا اور جب سڑکوں سے غارت گروں کے غول غائب ہوگئے تو پولیس حالات پر قابو میں کرنے کے لیے آگئی تب ٹائیگر سینٹرل پارک کے قریب اپنے ہوٹل کے کمرے میں واپس چلا آیا۔

"تم کہاں تھے؟" اُوشان نے خشمگیں نظروں سے اُسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"آس پاس ہی تھا۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔

"تم دیر سے کیوں آئے ہو؟"

"دیر سے... نہیں اُوشان۔ اگر میں آپ کو یہ بتا کر جاتا کہ اتنے وقت میں واپس آجاؤں گا اور پھر نہ آتا تو اسے آپ تاخیر سے آنا کہہ سکتے تھے۔ میں تو یہ کہہ کر ہی نہیں گیا کہ کب تک واپس آؤں گا۔"

"وہ شخص انتہائی احمق ہوگا، جو تم پر کسی کام کے لیے اعتماد کرنے لگے فرزند!" اُوشان نے برہم لہجے میں کہا۔ "اور وہ شخص بھی احمق ہوگا جس نے تمھیں فنِ سانجو سے آگاہ کیا۔" یہ کہتے ہوئے اُوشان نے مُنھ پھیر لبادے سے اپنے دونوں ہاتھ نکال کر ناخنوں کو کھُرچنا شروع کردیا۔ اور پھر شاگرد اسے یہ بھی بتانے کی زحمت نہ کرے کہ وہ کہاں گیا تھا تو...!"

"اچھا ٹیل فادر... زیادہ غصہ نہ دکھائیں۔ سنیے کہ میں رات بھر کہاں رہا اور...!"

"میرے پاس فضول باتوں کے لیے وقت نہیں ہے۔" اُوشان نے سنجیدہ لہجے میں کہا اور پھر دونوں ہاتھ مُنھ پھیرے لبادے کے اندر ڈال کر باندھ لیے۔ "تمہیں فوراً بے نظیر چلنا ہے۔"

"بے نظیر... اپنے دارالحکومت... مگر کیوں؟"

ایک بے بس نوجوان کی حیرت انگیز داستان
جسے اپنی موت کا وقت معلوم ہوگیا تھا
مظالوم
یعقوب جمیل کے ہوشربا قلم سے
جس کا قارئین کو برسوں سے انتظار تھا
مکتبہ القریش سرکلر روڈ اردو بازار لاہور
فون 7668958

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"میرے پاس فضول باتوں کا کوئی جواب نہیں۔" اوشان نے کہا اور ٹائیگر کو حیرت زدہ چھوڑ کر کمرے سے نکل گیا۔

ہوائی اڈے تک جانے کے لیے انھیں دو ٹیکسیاں کرنی پڑیں جن میں اوشان کے تین صندوق رکھے گئے تھے اور یہ صندوق حال ہی میں اسرائیل نے سی آئی اے کی مداخلت کے باعث واپس کیے تھے۔

"چکر کیا ہے ٹیل فادر؟" اس مرتبہ ٹائیگر کے لہجے میں سنجیدگی تھی کیونکہ اسے یقین تھا کہ بے نظیر نامی خوبصورت شہر جانے کا کوئی اہم مقصد ہے اور یقیناً بہرام نے انھیں طلب کیا ہے۔ اسے یاد آگیا کہ گزشتہ کئی ماہ سے اوشان، بہرام کو اس تجویز پر قائل کرنے کی کوشش کر رہا ہے کہ وہ جزیرہ فردوس کا تخت خود سنبھال لے اور صدر کا تختہ الٹ دے... لیکن ظاہر ہے کہ بہرام اور ٹائیگر نے کبھی اس تجویز کو سنجیدگی سے نہیں لیا تھا... اور اب ٹائیگر کو بے نظیر جاتے ہوئے اس حقیقت کا شدت سے احساس ہو رہا تھا کہ صدر بھی وہیں موجود ہے۔ دو روز قبل بہرام نے ٹائیگر سے کہا تھا کہ وہ باقیا جا کر وہاں کے حالات ٹھیک کرے، اس نے کسی مشین کا بھی ذکر کیا تھا مگر ٹائیگر ابھی تک اوشان کے بھتیجے نوگان کی تلاش میں تھا، اس لیے اس نے باقیا جانے سے انکار کر دیا تھا اور دھمکی دی تھی کہ اگر اس پر دباؤ ڈالا گیا تو وہ چارہ گری سے ملحوظ گی اختیار کر لے گا۔ اس پر اوشان نے اثبات میں سر ہلا دیا تھا مگر ساتھ ہی کہا تھا کہ اگر ڈاکٹر بہرام خود کو فردوس کا شہنشاہ قرار دے دے اور تخت پر بیٹھ جائے تو ٹائیگر باقیا ضرور جا سکتا ہے۔

"میں نے آج صدر مملکت سے گفتگو کا شرف حاصل کیا ہے۔" اوشان نے پُرجوش لہجے میں جواب دیا اور صدر نے ہم دونوں کو چائے پر مدعو کیا ہے۔ ہم وہاں چائے پینے جا رہے ہیں۔"

"لیکن میں چائے نہیں پیتا اور نہ ہی آپ پیتے ہیں۔" ٹائیگر نے حیرت سے کہا۔

"تب پھر بوتل سے دودھ پی لینا، میں انتظام کرا دوں گا۔" اوشان کا لہجہ بدستور سنجیدہ تھا۔

"یہ ناممکن ہے کہ فردوسی صدر مملکت ہمیں دعوت دے کیونکہ میرے مسئلے پر بہرام سے اس کے درمیان سنگین اختلافات رہ چکے ہیں جن کے بعد ہی چارہ گر سرکار کی کنٹرول سے نکلی تھی۔" ٹائیگر نے بحث کے لیے نکتہ نکالا لیکن اوشان کے کان پر جوں تک نہیں رینگی۔

شہزاد بھی خاموش ہو گیا لیکن اس کی کھوپڑی مسلسل قلابازیاں کھا رہی تھی... پھر اس نے کچھ سوچ کر اچانک ہی پوچھا۔ "کیا آپ کو واقعی صدر مملکت نے فون پر گفتگو کا اعزاز بخشا ہے اوشان؟"

"شمشیر سنانجو کے مالک سے کبھی جھوٹ کی توقع مت رکھنا۔" اوشان نے تلخ لہجے میں کہا۔

"تو کیا ہم صدر مملکت سے ملاقات بھی کریں گے؟ کیا ہم ایوانِ صدر کے صدر دروازے سے داخل ہو سکیں گے؟"

"نہیں... لیکن صدر مملکت ہمیں خوش آمدید کہنے کے لیے خود موجود ہوں گے۔"

"ناممکن...!" ٹائیگر نے کندھے اچکا کر کہا۔ وہ صدر مملکت سے پہلے بھی ایک مرتبہ مل چکے تھے لیکن اس ملاقات کا واحد مقصد یہ ثابت کرنا تھا کہ ایوانِ صدر کے حفاظتی انتظامات ناکافی ہیں۔

وہ دارالحکومت پہنچے تو اوشان کے تمام صندوق فلک بوس بے نظیر ہوٹل کے شاندار سوئٹ میں پہنچا دیے گئے۔

اسی روز ساڑھے دس بجے وہ ایوانِ صدر کے نیلگوں کمرے میں موجود تھے اور ملاقات کے لیے وقت کا تعین بقول اوشان خود صدر مملکت نے کیا تھا۔ ٹائیگر کو اب بھی یقین نہیں تھا کہ صدر مملکت ملاقات کے لیے اسی کمرے میں تشریف لائیں گے۔ اس کا خیال تھا کہ وہ رات بھر انتظار کرنے کے بعد کمرے کی صفائی کرنے کے لیے آنے والی عورت کی چیخ و پکار پر صدر مملکت کے خصوصی دستے کے محاصرے میں آجائیں گے لیکن ٹائیگر کو اس دستے کی فکر نہیں تھی کیونکہ وہ تنہا بھی اس سے نمٹ سکتا تھا۔

اچانک کمرے کے باہر ایڑیاں بجیں، انھیں پھر دروازہ کھلا اور ایک عام سے شخص نے دروازہ بند کرنے کے بعد خود ہی لائٹ کا سوئچ آن کیا۔

"خوش آمدید حضرات!" اس بظاہر عام سے شخص کے چہرے پر مسکراہٹ دوڑ گئی، یہی صدر مملکت تھے۔

اور پھر ٹائیگر نے ایک حیرت انگیز تقریر سنی۔

یہ تقریر اوشان کی تھی۔ وہ "خوش آمدید حضرات" کے جواب میں ملک کے ہر سابق صدر کا نام لے کر ان کی تعریفیں کر رہا تھا اور ان کی تعریفوں کے حوالے سے موجودہ صدر کی بصیرت، ذہانت اور حبّ الوطنی کے قصیدے گا رہا تھا۔

صدر مملکت کے چہرے پر زلزلے کے سے تاثرات جنم لے رہے تھے کیونکہ انھیں یہ اندازہ نہیں تھا کہ ایک بوڑھا سا زرد رو شخص، ملک کے ساٹھ عدد صدور کے نام، ولدیت، جائے پیدائش اور ان کی خصوصیات، اتنی روانی سے بھی بیان کر سکتا ہے۔

اوشان کی زبان رکی تو صدر مملکت نے اس سے الگ ہو کر ٹائیگر سے مصافحہ کیا جو اکتائے ہوئے انداز میں کمرے کی سجاوٹ دیکھ رہا تھا۔

"کیا تم فردوسی ہو نوجوان؟" صدر مملکت نے نرم لہجے میں پوچھا۔

"میں صرف انسان ہوں، عالی شہری جنابِ عالی۔" شہزاد کا لہجہ سپاٹ تھا۔

"میں نے سنا ہے کہ تم ہمارے لیے کوئی خدمت انجام دینا نہیں چاہتے؟"

"میں انسانوں کے لیے خدمت کے فرائض ادا کرنے کے لیے ہمیشہ تیار رہا ہوں لیکن میں شخصی مقاصد کے لیے ہتھیار نہیں بن سکتا۔"

"آپ اس کی فکر نہ کریں صدرِ محترم!" اوشان نے مضحکہ لہجے میں کہا۔ "یہ ابھی نوجوان اور جذباتی ہے لیکن میں اس کی ہر خامی آہستہ آہستہ دور کر رہا ہوں۔"

"نوجوان! انھیں انسانیت سے پیار ہے اور میں تمھیں بتاتا ہوں کہ آج انسانیت کو ایک بہت بڑا خطرہ لاحق ہے۔" صدر مملکت نے بے چینی سے ٹہلتے ہوئے دونوں کو باقیا کی صورتِ حال، اپنی ایجنسیوں کی ناکامی اور باقیا میں ایک دشمن ملک کے ایجنٹوں کی کامیابی کا ذکر کیا۔

"میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اس مشین سے انسانیت کو شدید خطرہ لاحق ہے۔"

"اوہ...!" ٹائیگر بے ساختہ ہنس پڑا۔

اسے وہ تمام ایٹم بم، ہائیڈروجن اور نیوٹرون بم یاد آگئے جو صدر مملکت کی ہدایت پر بن رہے تھے۔ اس نے بہرحال ان بموں کا ذکر کر کے صدر کو شرمندہ کرنا مناسب نہیں سمجھا۔

"آپ کیا چاہتے ہیں صدرِ محترم؟" اوشان نے سنجیدگی سے دریافت کیا۔ "کیا ہم باقیا کی ریاست کو فنا کر آئیں، کیا ہم...؟"

"نہیں... میں صرف وہ مشین اپنے دفاعی ماہرین کے ہاتھوں میں دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"تاکہ ایٹم بم اور...!"

"خاموش رہو فرزند...!" اوشان نے سخت لہجے میں کہا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ ٹائیگر کیا کہنا چاہتا ہے۔ "یہ کیس صدرِ محترم براہِ راست مجھے دے رہے ہیں لہٰذا تم خاموش رہو۔"

مشین کو باقیا کے صدر کے نام سے منسوب کرنے والے اجتماع

کو سکارٹو نے عالمی کانگریس برائے سائنسی تحقیق کا نام دیا تھا۔ اس کانگریس میں سکارٹو کے ان کاسہ لیسوں نے شرکت کی جو باقیا میں یورینیم ملنے کی توقعات لے کر کئی مہینوں سے وہاں مقیم تھے۔ مشین کا نام سکارٹو رکھ دیا گیا تو صدر سکارٹو نے کانگریس کی عظیم کامیابی پر پُرمسرت اعلان کیا کہ ملک کی جیلوں سے تمام قیدیوں کو رہا کر دیا جائے گا۔

باقیا کی جیل میں چالیس کوٹھریاں تھیں لیکن ان میں صرف تین قیدی تھے کیونکہ نظامِ فوری انصاف کے تحت ملزمان کو مسرتی سماعت کے بعد یا تو پھانسی دے دی جاتی تھی یا انھیں تارکول کے ان تالابوں کے قریب کام کرنے کے لیے بھیج دیا جاتا تھا جہاں سے دنیا کو عالمی رسد کا انتیس فیصد اسفالٹ فراہم کیا جاتا تھا۔ اس جیل میں آنے والے قیدیوں کو معافی بھی ملتی تھی لیکن اس کے لیے ضروری تھا کہ قیدی چار ہزار ڈالر وزارتِ انصاف کو بطور فیس ادا کرے۔ سزائے موت سے معافی کے لیے فیس دس ہزار ڈالر رکھی گئی تھی۔

عام معافی کے اعلان پر صدر سکارٹو نے خود عمل درآمد کرنے کا فیصلہ کیا اور باقیا کی واحد سڑک پر دھول اڑاتی ہوئی گاڑیاں جیل کے باہر پہنچ کر رُک گئیں اور صدر سکارٹو اپنی کار سے، مشین سمیت اتر کر ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ اس کا نیا وزیرِ انصاف اور دوسرے اعلیٰ حکام جن میں جرنیل بھی شامل تھے، وہاں موجود تھے۔

وزیرِ انصاف جیل کے مرکزی دروازے پر کھڑا ہو گیا۔ اسے قیدیوں کی رہائی کے لیے صدر سکارٹو کے اشارے کا انتظار تھا اسی لمحے ایک غیر ملکی مندوب بھی نشے میں دھت سامنے آگیا۔ وہ سائنسی تحقیق کی کانگریس میں شرکت کے لیے آیا تھا مگر ہوائی اڈے جانے کا راستہ بھول کر شراب میں دھت جیل کی طرف نکل آیا تھا۔ اس نے صدر سکارٹو کو دیکھا تو زور زور سے ہنسنے لگا۔

"یہ کون ہے؟" سکارٹو نے تلملا کر پوچھا۔

"سائنسی کانفرنس میں آنے والے ایک وفد کا رکن۔" وزیرِ خارجہ نے جواب دیا جو سکارٹو کی کار کا شوفر بھی تھا۔

"کیا یہ کسی اہم ملک سے تعلق رکھتا ہے؟"

"میرا خیال ہے کہ نہیں۔ اس کے ملک میں تیل نہیں نکلتا۔ اس کے ملک میں جاسوسی ادارے بھی نہیں ہیں اور اس کا ملک دوسرے ملکوں کے داخلی امور میں مداخلت بھی نہیں کرتا۔"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"بھائیو!" سکارٹو نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا "ہم نے عالمِ انسانیت سے محبت کے ناتے اپنے ملک میں قیدیوں کے لیے عام معافی کا اعلان کیا ہے لیکن بعض لوگ ہماری اس رحم دلی کو کمزوری سمجھ رہے ہیں۔ وہ کون ہیں بھائیو؟"

"وہ احمق ہیں" تمام جرنیلوں نے بآوازِ بلند جواب دیا۔

"لیکن ہم کمزور نہیں ہیں" سکارٹو نے زوردار آواز میں کہا جس پر تمام جرنیل "ہم کمزور نہیں... کمزور نہیں" چیخنے لگے۔

"لیکن بعض لوگ ہمیں کمزور سمجھتے ہیں" سکارٹو نے اصرار کیا۔

"ان سب کو پھانسی دے دو... سزائے موت دے دو" مختلف رضاکار" ہر جنرل نے بآوازِ بلند کہا۔

"میں جمہوریت پسند ہوں اور نہ اس ظالمانہ فیصلے کو بھی قبول نہ کرتا۔ میں تمہاری خواہشات کا غلام ہوں میرے بھائیو!" سکارٹو نے جذباتی لہجے میں کہا "سزائے موت کے بارے میں تمہارا فیصلہ قطعی ہے اور میں اس پر عمل کرنے پر مجبور ہوں" یہ کہتے ہوئے اس نے غیر ملکی مندوب کی طرف دیکھا جو اب بھی قہقہہ لگا رہا تھا... پھر اس نے ملکی کارخ ان کی طرف کرنے سے قبل مشین کے مختلف ڈائل گھمائے تاکہ لوگوں کو یہ راز معلوم نہ ہو سکے کہ مشین محض دو بٹن دبانے سے ہی کام کرتی ہے۔ وہ یہ احتیاط اس لیے کر رہا تھا کہ ہوسِ اقتدار میں مبتلا کوئی شخص مشین پر قبضہ کر کے اسے استعمال نہ کر سکے۔

"اوکے پوائنٹ سیون" اس نے گرج دار آواز میں کہا پھر اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا۔

تین جرنیلوں کے ہونٹ اس طرح ہلے تھے جیسے وہ اسے رٹ رہے ہوں۔ اسے ان جرنیلوں سے خطرہ نہیں تھا بلکہ ان سے خطرہ محسوس ہونے لگا تھا جن کے لب نہیں ہلے تھے۔ انھوں نے یقیناً دل ہی دل میں یہ دہرایا ہوگا۔ سکارٹو نے ایک بٹن جس کا تعلق مشین سے نہیں تھا اور جس کی حیثیت محض نمائشی تھی، تین بار دبایا اور پھر لڑی پھرتی سے دونوں اصلی بٹن دبا دیے۔ مشین چلی اور پھر ایک سبزی مائل چمک دار شعاع نے غیر ملکی مندوب کو اچانک ہی اس کے کپڑوں سے غائب کر دیا۔

شعاع نکلنے سے قبل ہی سکارٹو نے دونوں ہاتھ فضا میں بلند کر کے چلاتے ہوئے کہا تھا "آہ... میری قوت... اور اس شخص کو جس نے ہمیں کمزور سمجھا ہے، پلیٹ کر لے جا..."

... پھر قیدیوں کی رہائی کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

تینوں قیدی باہر آئے تو وزیرِ دفاع نے ان کا استقبال کیا۔

"عالمِ انسانیت سے اظہارِ محبت کا جذبہ لیے ہوئے حقوقِ انسانی کے علم بردار صدر سکارٹو نے تمھیں رہا کرنے کا حکم دیا ہے" یہ کہتے ہی وزیرِ دفاع سکارٹو کے پاس چلا گیا اور اس نے ایک سفید فام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "یہ قیدی ایک برطانوی ایجنٹ ہے، جنابِ عالی"

"برطانیہ کہاں ہے؟" سکارٹو نے غصے سے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے پوچھا... پھر معاً اسے یاد آیا کہ برطانیہ کسی فرد کا نہیں بلکہ ایک بڑے ملک کا نام ہے، اسے یہ بھی بتایا گیا تھا کہ اس جیسے دو تین ایجنٹ دارالحکومت میں موجود ہیں اور ایک دوسرے کو قتل کر رہے ہیں۔

"فوج کیا کر رہی ہے؟" سکارٹو نے غصیلے لہجے میں پوچھا۔

"ہماری فوج ان پر قابو نہیں پا سکتی، ہر ملک سے اس کے بہترین جاسوس آتے ہیں جو قتل کرنے میں بھی مہارت رکھتے ہیں اور ان کی آمد کا مقصد اس مشین کو لے جانا ہے۔ آسٹر ہوٹل ان لوگوں سے بھر چکا ہے"

"سب سے زیادہ جاسوس کس ملک کے ہیں؟"

"باروشی کے...!"

"اور فردوس...؟"

"ان کا صرف ایک آدمی ہے اور اس کے پاس ریوالور بھی نہیں ہے"

"گڈ... تب پھر باروشائیوں کو مت چھیڑو اور فردوسی کو گرفتار کر کے اس پر جاسوسی کے الزام میں مقدمہ چلانے کے لیے پانچ جج مقرر کرو جو سب کے سب ملزم کو جاسوس قرار دے کر سزائے موت دے دیں"

"کیا سزائے موت کے بعد فردوسی کی گھڑی مجھے مل جائے گی، میرے آقا؟" وزیرِ دفاع نے نہایت خوشامدانہ لہجے میں کہا۔ اس کی نظر ایک بھوری جیب کے قریب کھڑے ہوئے درمیانی عمر کے آدمی کی گھڑی پر جمی ہوئی تھی۔ یہی فردوسی جاسوس تھا اور اس کی کلائی پر طلائی ریڈیکس گھڑی بندھی ہوئی تھی۔

"نہیں..." ریڈیکس کی چمک دیکھ کر سکارٹو بھی تھوک نگل کر رہ گیا "گھڑی بحقِ سرکار ضبط کر لی جائے گی"

مقدمہ اسی روز شام کو ایوانِ عدل میں شروع ہوا۔ پانچ جج، پانچ بوڑھے جنھوں پر مشتمل جیوری بیٹھی اور سب نے تین سفید فام باروشائیوں کو جج بنایا جنھوں نے فوراً فردوسی کو پھانسی کی سزا سنا دی... اور سورج غروب ہونے تک اس فردوسی

شنوندے کو پھانسی پر چڑھا دیا گیا۔

ججوں میں سے دو باروشائی صدر سکارٹو کی مشہورِ عالم بن دیکھنے کے لیے بے چین تھے۔ اس خواہش کا اظہار انھوں نے سکارٹو سے بھی کر دیا جس نے وعدہ کیا کہ وہ انھیں مشین ضرور دکھائے گا... پھر اس نے ان باروشائیوں کو اپنے آدمیوں کے ساتھ بھیج دیا۔

رات گئے اس کے آدمیوں نے اطلاع دی کہ تینوں باروشائی جج ایک دور دراز جزیرے میں قتل کر دیے گئے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی صدر سکارٹو نے باروشائی سفیر کو طلب کر لیا اور معاہدۂ دوستی کی تجویز پیش کی کیونکہ وہ سمجھ چکا تھا کہ اس کے فوجی باروشائی ایجنٹوں پر غالب نہیں آ سکتے۔ وہ ہر اس ملک کا احترام کرنا جانتا تھا جو باقیا کے فوجیوں کو مغلوب کر سکتا ہو۔

باقیا اور باروش میں معاہدۂ دوستی کی خبر اس خبر کے ساتھ جزیرۂ فردوس پہنچی کہ وہاں ایک فردوسی کو جاسوسی کے شبہے میں پھانسی دے دی گئی ہے۔ جزیرۂ فردوس کے اخبارات نے اس بات پر بڑی لعن طعن کی کیونکہ فردوسی محکمۂ سراغ رسانی باقیا میں بھی سرگرمِ عمل تھا... اور ساتھ ہی اس امر پر بھی کڑی نکتہ چینی کی گئی کہ باقیا کے معاملے میں جزیرۂ فردوس کی خارجہ پالیسی ناکام ہو گئی ہے۔

فردوسی اخبارات اور ٹی وی سے جس وقت یہ خبریں آ رہی تھیں، عین اسی وقت پورٹر کی غلطی سے ایک صندوق باقیا کے ہوائی اڈے پر گر گیا۔

"تم نے میرا ایک صندوق کیوں گرایا؟" اوشان، پورٹر سے الجھ پڑا۔ وہ پورٹر کو بے حد نحیف اور زرد رو نظر آ رہا تھا۔ اس کے ساتھ ٹائیگر ایک چھوٹا سا بیگ لیے کھڑا تھا اور اس بیگ میں اس کے دو تین جوڑے کپڑوں کے سوا کچھ نہیں تھا۔

اچانک کہیں دور سے آتی ہوئی صدائے طبل بلند ہونے لگی۔ ٹائیگر غور سے سننے لگا۔ اس آواز میں اسے عجیب اور پراسرار سا توازن محسوس ہو رہا تھا۔

اس اثنا میں اوشان کو پورٹر سے الجھتے دیکھ کر باقیا کا ایک فوجی کیپٹن بھی وہاں پہنچ گیا۔

"کیا بات ہے؟" کیپٹن نے اوشان پر رعب جمانے کی کوشش کی... پھر اس نے اوشان کا فردوسی پاسپورٹ دیکھ کر حقارت سے زمین پر تھوک دیا "تم فردوسی ہو، مجھے تم سے نفرت ہے اور تم زرد فردوسی ہو، مجھے زرد رنگ سے بھی نفرت ہے... آخ... تھو..."

"میرا صندوق کیوں گرایا؟ اس کی سبز پالش خراب ہو گئی ہے" اوشان نے ایک بار پھر سخت لہجے میں پوچھا۔ وہ پورٹر کی طرف متوجہ تھا۔

"میرا احترام کرو بوڑھے، تم باقیا کی جواں مرد فوج کے کیپٹن سے بات کر رہے ہو" کیپٹن نے تلملا کر کہا۔

یہ وہ مرحلہ تھا جب شمشیر سنانجو کے مالک نے اپنی لمبی لمبی انگلیاں گاؤن میں چھپالی تھیں۔ اب اس کی آواز بہت نرم اور بے حد بیزار ہو گئی تھی "آہ... کتنے افسوس کی بات ہے کہ تمھاری دلکش آواز سننے کے لیے یہاں زیادہ لوگ نہیں ہیں"

"کیا مطلب؟" کیپٹن نے چونک کر پوچھا۔

"کیا میں یہ صندوق اس بوڑھے کے سر پر دے ماروں؟" پورٹر نے کیپٹن سے پوچھا۔

پورٹر کی عمر بائیس سال تھی اور اس کی رنگت چمک دار سیاہ تھی۔ فقط بیس وہ اوشان سے اٹھارہ انچ اونچا تھا جو کیپٹن بھی پورٹر کے مقابلے میں پستہ قد لگ رہا تھا۔

"ایک منٹ... جلدی مت کرو" کیپٹن نے اختیاریہ چار پانچ کے پستول پر ہاتھ رکھتے ہوئے پورٹر کو ہدایت کی "تم کیا کہنا چاہتے ہو بوڑھے میڈک... یہی کہ میں اچھا گا سکتا ہوں؟"

"اچھا ہی نہیں بلکہ بہت اچھا...!" اوشان نے مخصوص انداز میں مسکراتے ہوئے جواب دیا "اور آج تم جزیرۂ فردوس کا قومی ترانہ گاؤ گے... اور اتنی دل جمعی سے کہ زیر و زبر کا فرق بھی نہیں ملے گا"

"میں بدزبان لوگوں کی زبان نکال پھینکتا ہوں زرد بڈھے" کیپٹن نے غصے سے بل کھا کر کہا، اس کی حالت دیدنی تھی۔

"نہیں... تم اپنی زبان بعد میں خود نکالو گے" اوشان نے نرم لہجے میں جواب دیا۔ اب وہ جو کچھ کرنے جا رہا تھا اس کے لیے مہارت اور نفاست دونوں کی ضرورت تھی۔ ٹیپ اور وی سی آر کیسٹوں سے بھرا ہوا صندوق پورٹر کے سر پر رکھا ہوا تھا۔ اوشان نے قدرے خم ہو کر پورٹر کے دونوں گھٹنوں پر اس طرح تھپڑ مارے جیسے دستِ شفقت پھیر رہا ہو۔

کیپٹن کو یقین ہو گیا کہ اب پورٹر، وہ صندوق بوڑھے کے سر پر دے مارے گا لیکن پھر اس نے وہ منظر دیکھا جو اس کی آنکھیں پہلے کبھی نہیں دیکھ سکی تھیں۔

پورٹر کا قد اچانک اٹھارہ انچ کم ہو گیا۔ اس کی پنڈلی

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

سے پیڑیک کے حصے ٹوٹ کر اِدھر اُدھر گر گئے... پھر اس کی کمر جھکی۔ پورٹر کا چہرہ خوف کی شدت سے بگڑ گیا اور وہ اُوشان کو بے یقین نظروں سے دیکھنے لگا جو اَب اس کے اِرد گرد منڈلا رہا تھا۔

یکایک پورٹر کا مُنہ چیخ مارنے کے لیے کُھلا لیکن اچانک ہی صندوق اس کے سینے پر آ گرا اور چیخ اس کے حلق میں پھنس کر رہ گئی۔

یہ سب کچھ پلک جھپکتے ہی میں ہو گیا تھا۔ اُوشان نے لپک کر صندوق ایک طرف کیا اور پھر کیپٹن، پورٹر کی مسخ لاش دیکھ کر تھر تھر کانپنے لگا۔

"فردوس... زندہ باد!" اس کے کانپتے ہوئے ہونٹوں سے بے اختیار نکلا اور پھر وہ خوشامدانہ لہجے میں بولا: "ہم تو سب نسلاً فردوسی ہی ہیں"۔ اور پھر اس کی زبان قینچی کی طرح چلنے لگی۔ وہ بتانے لگا کہ اُسے جزیرہ فردوس سے کتنی محبت ہے اور یہ کہ فردوس میں اس کی ایک بہن بھی رہتی ہے... پھر اس نے اپنی کمپنی کے جوانوں کو حکم دیا کہ وہ تمام صندوق بصد احترام و احتیاط اُٹھائیں اور ساتھ ہی خبردار کیا کہ اگر کوئی صندوق گرا تو وہ صندوق بردار کو گولی مار دے گا۔

ایک کارپورل نے جب یہ شکایت کی کہ ایک صندوق کے نیچے خون اور گوشت کے لوتھڑے لگے ہوئے ہیں تو کیپٹن نے روسریل کو سبق دینے کے لیے اسے واقعی گولی مار دی۔

اب جزیرہ فردوس سے محبت کرنے والا کیپٹن، جزیرہ فردوس کا قومی ترانہ بھی گنگناتا جا رہا تھا۔

پچاس فوجی مشرک پر مارچ کرتے ہوئے ہوائی اڈے سے ہوٹل پہنچے تو وہ سب جزیرہ فردوس کا قومی ترانہ گا رہے تھے اور ان میں سے چودہ کے سروں پر رنگ برنگے صندوق رکھے ہوئے تھے۔ ہوٹل پہنچنے سے قبل یہ جلوس ایوانِ صدر کے سامنے سے گزرا۔

"سب سے بہترین کمرہ فراہم کیا جائے!" کیپٹن، ہوٹل کے کلرک پر چڑھ دوڑا۔

"میں معذرت خواہ ہوں جناب... کوئی کمرہ خالی نہیں ہے"

"مگر ہمارے دارالحکومت کے اس کلاس کے ہوٹل میں تو تمام کمرے ہر وقت خالی رہتے ہیں!" کیپٹن نے حیرت سے کلرک کی طرف دیکھ کر کہا اور یہ بات صد فی صد سچی تھی کیونکہ اس علاقے سے کبھی سیاحوں کا گزر ہی نہیں ہوتا تھا۔

"جی ہاں... مگر اب ہر کمرہ بھرا ہوا ہے اور یہاں رہنے والوں کے پاس ایسے ہتھیار ہیں جو آپ نے کبھی نہیں دیکھے ہوں گے"۔ کلرک نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "ان کے پاس بڑے اور چھوٹے ہتھیار ہیں اور انھیں ان ہتھیاروں کا استعمال بھی خوب آتا ہے۔ کل ہی ان کے ہاتھوں ہمارے تین سپاہی مارے جا چکے ہیں"۔

"اوہ... میں نے سُنا تو تھا کہ یہاں کوئی ہنگامہ ہوا ہے مگر یہ علم نہیں تھا کہ ہنگامے کی نوعیت کیا ہے۔ میں ہوائی اڈے پر سیکورٹی انچارج ہوں"۔ کیپٹن نے سینہ پھُلا کر کلرک کو بتایا۔

"مگر یہاں کسی کی کوئی اہمیت نہیں جناب"۔ کلرک نے مُنہ بنا کر جواب دیا۔ "لوگ اپنی طاقت کے بل پر کمرے حاصل کر رہے ہیں اور بس..."۔ کلرک کے اس انکشاف پر کیپٹن نوکیلی مونچھوں والے رعب دار بوڑھے اُوشان کی طرف دیکھنے لگا۔ اسے پورٹر کا جملہ ابھی تک یاد تھا۔ "کمرہ حاصل کرنے کا کوئی طریقہ...؟" کیپٹن نے کلرک سے پوچھا۔

"صرف یہی ہے کہ آپ کسی کمرے کے مکینوں کو بالجبر وہاں سے ہٹا دیں..." کلرک نے پلکیں جھپکاتے ہوئے سرگوشی کی۔ "دوسرے قلور پر پہلا کمرہ بلغوریہ والوں کا ہے۔ انھوں نے ملاں دوپیازہ کو محفوظ رکھنے کے لیے مشین گن لگا رکھی ہے اور حملے سے بچنے کے لیے ریت کی بوریاں اوپر تلے رکھ لی ہیں۔ آج صبح جب میں نے ان سے شکایت کی کہ ایک وسیٹران کے کمرے میں جا کر واپس نہیں آیا تو انھوں نے مجھے یہ پارسل بھیج دیا..." کلرک نے ایک تولیا کاؤنٹر پر رکھتے ہوئے کہا جسے کھولنے پر اُن سب نے انسانی ہاتھ اور پیروں کی انگلیاں دیکھیں۔

"آہ... میں نے چالیس انگلیوں والا انسان پہلے کبھی نہیں دیکھا"۔ اُوشان نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔

"نہیں جناب... اس میں باورچی کی انگلیاں بھی شامل ہیں"۔ کلرک نے جواب دیا۔ "ویسے بلغوریہ والے عمومی طور پر پُرامن لوگ ہیں، زیادہ شور شرابا نہیں کرتے۔ اس عمارت میں پاروشائی، بیچے برطانوی، کیوبن، برازیلی، شامی، اسرائیلی، جنوبی افریقی، ناٹجیرین اور سویڈش لوگ بھی مقیم ہیں جب کہ چودہ ایسے افراد بھی ہیں جو فری لانسر ہیں۔ یہ سب لوگ باقیا کے صدرِ مملکت سے اس کا ہتھیا چھیننے آئے ہیں"۔

"اس وقت کس کمرے میں رہنے والے باہر گئے ہوئے ہیں؟" کپتان نے اچانک ہی کچھ سوچ کر پوچھا۔

"میرا خیال ہے کہ برطانوی مہمانوں نے آج صبح سویرے

زینے کی دیوار پر مارٹر گن سے چند گولے برسائے تھے۔ وہ عام طور سے باہر جانے سے قبل ایسا ہی کرتے ہیں"۔

"گڈ..." کیپٹن نے پُرجوش لہجے میں کہا۔ "معزز فردوسی بھائیو! ہم نے آپ کے لیے ایک بہترین کمرے کا انتظام کر لیا ہے"۔ یہ کہتے ہوئے اس نے اپنے آدمیوں اور صندوق برداروں کو کچھ ہدایات دیں اور پھر وہ سب جھکے جھکے آگے بڑھنے لگے۔ باقیا کے دو فوجی کسی نہ کسی طرح صندوق سمیت زینے تک پہنچ گئے۔ پھر انھوں نے اُوپر چڑھ کر ایک آہنی سلاخ سے ایک کمرے کا تالہ توڑا اور اچانک جنوبی افریقی جاسوسوں نے ان پر چھوٹے ہتھیاروں سے فائر کھول دیا۔ اس کے جواب میں باروشائیوں نے بھی فائرنگ شروع کر دی جن کا خیال تھا کہ بلغوریہ والے ایک بار پھر کمرے پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں۔ اس فائرنگ سے باقیا کے دو جوان زخمی ہو کر زینے سے لڑھکتے ہوئے نیچے گر گئے۔ تاہم باقیوں نے دھاوا بول کر برطانوی کمرے کا دروازہ کھول ہی لیا۔ کلرک نے سچ ہی کہا تھا کہ دوسری منزل پر طانوی کمرہ عارضی طور پر خالی ہے۔

تمام صندوق بحفاظت کمرے میں پہنچا دیے گئے اور اس کوشش میں صرف ایک فوجی مارا گیا۔ اس فوجی کو اس کے باپ نے رشوت دے کر فوج میں بھرتی کرایا تھا اور پھر رشوت دے کر اس کی ڈیوٹی ہوائی اڈے پر لگوا دی تھی تاکہ اُوپر کی آمدنی بھی ہوتی رہے۔

اُوشان اور ٹائیگر کے لیے راستہ صاف ہو گیا تو سب سے پہلے اُوشان کمرے میں داخل ہُوا۔ وہ مرے ہوئے فوجی کی لاش کے اُوپر سے پھلانگ کر کمرے کا جائزہ لینے لگا۔ اس دوران کیپٹن بے چینی سے اُسے دیکھتا رہا۔ اب وہ صرف یہ چاہتا تھا کہ اس عمارت سے نہ صرف خود بلکہ اپنے باقی ساتھیوں کو بھی زندہ لے کر نکل جائے... مگر اسی لمحے اس نے اُوشان کی قہر بھری آواز سُنی جو تولیا غلیظ اور بستر کی چادر میلی ہونے کی شکایت کر رہا تھا، اُسے یہ بھی شکایت تھی کہ کھڑکی سے سمندر نظر نہیں آ رہا ہے۔

"دوسرے کمرے ان کمروں سے بہتر نہیں ہیں، جناب"۔ کیپٹن نے گھبرا کر کہا۔ "لیکن اگر آپ کسی سے کمرہ خالی کرا سکیں تو باقیا کے مسلح فوجی جوان یہ صندوق بصد احترام اس کمرے تک پہنچا دیں گے اور فردوس کی عظمت کو سلام کریں گے"۔

اُوشان مسکرانے لگا۔

ٹائیگر ایک طویل سانس لے کر رہ گیا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ اُوشان چاپلوسی کی باتیں سُن کر خوش ہو رہا ہے۔

کیپٹن کمرے سے چلا گیا اور اُوشان، ٹائیگر کی طرف دیکھ کر بولا... "ایک قاتل کی حیثیت سے تمھیں نہ صرف اپنے آقا کا حکم بجا لانا ہوتا ہے بلکہ اس کی عزت بھی کرنی ہوتی ہے۔ تمھارے صدر کو مشین کے علاوہ عزت و احترام کی بھی ضرورت ہے... اور ضرورت اس بات کی بھی ہے کہ باقیا کے لوگ فردوس کی عزت کرنا سیکھ جائیں"۔

"بل قادر...!" شہزادے نے دونوں ہاتھ سینے پر رکھ کر کہا۔ "میرا خیال ہے کہ صدرِ مملکت نے آپ کو کسی بھی جھگڑے میں پڑے بغیر سکارلٹو سے مشین لانے کی مہم سونپی ہے"۔

"ہاں... لیکن میں چور نہیں ہوں، مشین سکارلٹو سے چھینی جائے گی، چوری نہیں کروں گا"۔ اُوشان نے سنجیدگی سے کہا اور پھر مسکرانے لگا۔ "ہاں... اگر صدرِ مملکت کو کسی چور کی خدمات درکار ہوتیں تو وہ فردوسیوں میں سے کسی کو منتخب کر لیتا، اسے شمشیر سانچو کے مالک کی خدمات حاصل کرنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"کیا آپ کو موجودہ صدر کا نام معلوم ہے؟"

"نام... نام سے مجھے کیا کام... تم لوگ ہر دوسرے دن تخت پر کسی اور کو بٹھا دیتے ہو، میں کس کس کا نام یاد رکھوں گا"۔ اُوشان نے یہ کہہ کر کھڑکی سے جھانکا۔ "تمھارا کیا خیال ہے، میں نے ہر جانے والے صدر کی تعریف کس لیے کی تھی؟"

ٹائیگر نے کوئی تبصرہ نہیں کیا۔

... کھڑکی سے ایوانِ صدر نظر آ رہا تھا۔

اور ایوانِ صدر کے احاطے میں موجود برطانوی شاہی اکادمی برائے سائنس کے نائب ناظم ثانی ڈاکٹر بسیل کو یہ علم نہیں تھا کہ کمرے پر بعض اجنبیوں نے قبضہ کر لیا ہے۔ اس کی اپنے وفد کے ساتھ ابھی سکارلٹو سے ملاقات ہوئی تھی اور ڈاکٹر بسیل نے صدر سکارلٹو کو بتایا تھا کہ برطانیہ اور باقیا دراصل تاریخی اعتبار سے انتہائی قریبی دوست ہیں اور یہ کہ دونوں ممالک ہتھیاروں کے سلسلے میں باقیا کی ایجادات پر مزید تحقیق کر کے خفیہ ہتھیار بنا سکتے ہیں۔

سکارلٹو اس سفید فام کی تقریر سنتا رہا کیونکہ ان لوگوں نے مشین کی کارکردگی دیکھنے کے لیے مقررہ فیس ادا کر دی تھی۔ سکارلٹو کو طلائی سکّے بے حد پسند تھے اور برطانوی وفد طلائی سکّے ہی لے کر آیا تھا جن کو گننے وقت سکارلٹو کے وزیرِ خزانہ نے دو سکّے اپنی جیب میں بھی ڈال لیے تھے۔

"مشین کی کارکردگی دکھانے کے لیے ہم تمھارے سامنے ایک مجرم کو موت کی سزا دیں گے... اور یہ سزا میری قوت کا مظاہرہ ہو گی"۔ سکارلٹو نے بڑے شاہانہ لہجے میں کہا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"ہم مظاہرہ دیکھنے کے لیے بے چینی سے منتظر ہیں' یور آنر۔" ڈاکٹر ببیل نے بے صبری سے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔ "ہم نے افریقی جادوگروں کے سحر کے بارے میں تو سنا تھا لیکن آپ کے ڈیتے جیسی طاقت کا ... کبھی دیکھا اور نہ ہی سنا ہے۔"

"مجرم کو حاضر کیا جائے تاکہ وہ اپنے جرم کی سزا بھگت سکے۔" سکارلٹو نے حکم دیا۔

ببیل کے ساتھیوں نے اپنی جیب میں رکھے ہوئے ہتھیار نکال لیے۔

سکارلٹو مشین کی طرف بڑھ گیا جس پر اس نے سبز رنگ کا قالین ڈال رکھا تھا۔ پھر جب مجرم کو حاضر کیا گیا تو برطانوی ایجنٹ حیرت زدہ رہ گئے۔ وہ مرد نہیں بلکہ اوسط عمر کی عورت تھی جس نے سرخ اور گلابی کپڑے پہن رکھے تھے۔

"اوہ ..." سکارلٹو نے مؤدبانہ آمیز انداز میں ہمالوں کی طرف دیکھا۔ "اس مجرم کو تو میں نے آج صبح ناشتے سے پہلے ہی سزا دے دی تھی۔ بہرحال اس عورت پر غداری اور شہر کو تباہ کرنے کی سازش کا الزام ہے۔"

عورت' سکارلٹو کو مسلسل گھور رہی تھی' اس نے نفرت سے فرش پر تھوک دیا۔

"جناب ..." ببیل کے ایک معاون نے سرگوشی کی۔ "یہ عورت سکارلٹو کی ماموں زاد ہے' یہ اسے کیوں مار رہا ہے؟"

سکارلٹو نے اسے سرگوشی کرتے دیکھ لیا اور اس کا مطلب بھی سمجھ گیا۔ ویسے بھی اسے ایسی ماموں زاد لڑکی سے خوف آرہا تھا جو "روحانی طاقت رکھنے کے معاملے میں مشہور رہو!" ہم جونیتا کو سزائے موت کیوں دے رہے ہیں؟" اس نے وزیر انصاف سے دریافت کیا۔

"اس لیے کہ ملزمہ آپ کے خلاف جادو کا استعمال کر رہی تھی۔"

"کیسا جادو؟" سکارلٹو نے چونک کر وزیر انصاف کی طرف دیکھا۔

"پہاڑی جادو ... اس کا کہنا تھا کہ آپ ایک مُردہ لاش ہیں ..."

"یہ جھوٹی ہے ..." سکارلٹو کا چہرہ غصے کی وجہ سے سُرخ ہو گیا۔

"سفید جھوٹ بولتی ہے' یہ ... یہ غدار ہے ..." وزیر انصاف نے مزید زور دے کر کہا۔

سکارلٹو جونیتا کی طرف دیکھتا رہا۔

جونیتا بہت سی باتوں سے واقف تھی' اُسے جادو بھی آتا تھا ... اور سکارلٹو سوچ رہا تھا کہ جونیتا نے مجھے مُردہ لاش کیوں کہا۔

پھر اس نے جونیتا کو اپنے قریب لانے کا حکم دیا۔

لڑکی کے ہاتھوں میں بڑی بڑی زنجیریں پڑی ہوئی تھیں۔

"جونیتا ..." سکارلٹو نے اپنی ماموں زاد سے سرگوشی میں کہا۔ "کیا یہ سچ ہے کہ تو میرے خلاف جادو استعمال کر رہی تھی؟"

ایک برطانوی نے جیب میں پڑے ہوئے حساس آلے کا بٹن دبا کر اپنی جیب کا رُخ جونیتا اور سکارلٹو کی طرف کر دیا۔ یہ آلہ دو افراد کی سرگوشیاں سنتا تھا کہ سامنے بھی اس چھوٹے سے ٹیپ ریکارڈر پر محفوظ کرنے لگا جو اس برطانوی کی دائیں ران سے بندھا ہوا تھا۔ برطانیہ والوں کو اپنے ان آلات پر فخر تھا اور اسی باعث وہ کہتے تھے کہ ہمارے کان ہر جگہ موجود ہیں۔

جونیتا نے جواب میں کچھ کہا جس پر سکارلٹو نے پھر پوچھا کہ وہ جادو کیوں کر رہی تھی؟

جونیتا نے اپنے کزن کے کان میں پھر کچھ کہا جس پر سکارلٹو اُچھل پڑا۔ اور اس نے مشین پر پڑا ہوا قالین اُٹھا کر وزیر انصاف کی طرف دے مارا' اس نے رنگ برنگے فرش پر بار بار تھوکا اور پھر اس نے جونیتا کے منہ پر بھی تھوک دیا۔

"میں تمہیں فنا کر دوں گا' تمہاری لاش بھی نہیں ملے گی جونیتا۔" وہ بُری طرح دھاڑ رہا تھا۔

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا' ہونی ہو کر رہے گی۔" جونیتا نے سر اُٹھا کر جواب دیا۔ سکارلٹو اس حقیقت کو ذہن میں رکھ کر مشین کے مختلف نمائشی ڈائل اور بٹن دبانے لگا کہ کہیں کسی کو اصلی بٹنوں کا علم نہ ہو جائے۔

"میں تمہیں آخری موقع دیتا ہوں ... بولو ... کس کا جادو طاقت ور ہے ...؟ میرا یا تمہارا ...؟" صدر سکارلٹو نے غصے سے بل کھاتے ہوئے پوچھا۔

"تمہارا جادو طاقت ور نہیں ہے' سکارلٹو ..."

"تب پھر الوداع ... اور آپ دیکھ کہ کس کا جادو طاقت ور ہے ..." اس نے اچانک ہی اصلی بٹن دبا دیے۔

معاً فرش پر سُرخ اور گلابی کپڑے ایک ڈھیر کی شکل میں گر گئے۔

"شاندار ..." ڈاکٹر ببیل نے پُرجوش لہجے میں چیخ کر کہا۔ "میں برطانیہ کی طرف سے سلطنتِ باقیا کو مشترکہ دفاعی معاہدے کی پیش کش کرتا ہوں۔"

"وہ جھوٹی تھی ... کاذب تھی ... وہ ..." سکارلٹو بُری طرح ہانپنے لگا تھا۔

"درست فرمایا ہز ایکسی لینسی ..." ڈاکٹر ببیل بے چینی سے بولا۔ "مگر اس وقت ہم اس مسئلے پر غور کر رہے ہیں کہ ..."

"وہ جھوٹی تھی۔" سکارلٹو نے پیر پٹختے ہوئے کہا۔ "اور جھوٹے کو اس کے جھوٹ کی سزا مل گئی۔ بس اب چلے جاؤ۔"

برطانوی ایجنٹ محل سے نکلے مگر سیدھے ہوٹل نہیں گئے۔ انھیں احساس ہو گیا کہ کوئی ان کا تعاقب کر رہا ہے۔ اگرچہ یہ کوئی خطرناک بات نہیں تھی ... پھر بھی ڈاکٹر ببیل نے جو برطانوی ایمبیسی ایم آئی فائیو کا مقامی سربراہ تھا' تعاقب کرنے والے کو سبق دینے کا فیصلہ کر لیا۔ اس نے اپنی کار جنگل کے راستے پر ڈال دی اور جونہی ایک موڑ پر عقب سے آنے والی کار اس کے معاون کی زد میں آئی' اس نے فائر کر دیا۔

ڈرائیور شاید فوراً ہی مر گیا تھا کیونکہ کار بے قابو ہو کر ایک درخت سے ٹکرا گئی تھی اور اس میں آگ لگ گئی تھی۔

"گڈ ... کون تھا؟"

"اسرائیلی ..." معاون نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

اسرائیل اور برطانیہ کی سفارتی دوستی ان کے لیے قطعی کوئی اہمیت نہیں رکھتی تھی وہ تو یہاں ایک ایسی مہم پر آئے تھے جس میں دوست دشمن سب ہی دلچسپی لے رہے تھے اور سب کا مقصد اس مشین کا حصول تھا۔

"جونیتا' سکارلٹو سے کیا باتیں کر رہی تھی؟" ڈاکٹر ببیل نے اپنے دوسرے معاون سے پوچھا جو ایوانِ صدر میں ان دونوں کی گفتگو نہ صرف حساس آلے سے سنتا رہا تھا بلکہ اُسے ٹیپ بھی کرتا جا رہا تھا۔

سکارلٹو اس بات پر اصرار کر رہا تھا کہ وہ اپنی جان بچانے کے لیے اُس کے جادو کو طاقت ور تسلیم کر لے لیکن جونیتا نے صاف انکار کر دیا۔ وہ یہی کہتی رہی کہ ہم دونوں ہی مُردہ لاشیں ہیں لہٰذا اس مسئلے پر بحث کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ تمہارا جادو بہت کمزور ہے۔ تم ایک چھوٹے سے بچے ہو جس کے ہاتھ میں کوئی کھلونا آ گیا ہے تم چوہے کی طرح بزدل ہو۔ تم بڑا بننا چاہتے ہو لیکن تم میں بڑا بننے کی اہلیت نہیں ہے۔ تم نے یہ منصب بھی چرایا ہے لہٰذا جب بڑی طاقت تمہارے سامنے آئے گی تو تم کتے کی موت مارے جاؤ گے۔ بڑی طاقت اس کے ساتھ ہے جو پہاڑ پر موجود ہے۔ جو زندہ رہتا ہے۔ جو ایک مقدس اور پاکیزہ ہستی ہے۔ وہی بڑی قوت ہے۔ اُسی کو یہاں حاکمیت ملنے والی ہے۔ سنو ... میں کہتی ہوں کہ ایک اور بڑی عظیم قوت آئی ہے جو پہاڑ والے کو یہاں کا سلطان بنا دے گی اور تم ہار جاؤ گے۔"

"اب بھی تسلیم کر لو کہ میرا جادو تم سے زیادہ طاقت ور ہے'

میں تمہیں ایک اور موقع دے رہا ہوں۔" سکارلٹو نے کہا تھا۔

"نہیں ... اور تمہیں تو ایک بھی موقع نہیں ملے گا۔" یہ جونیتا کا آخری جملہ تھا جس کے بعد سکارلٹو نے اُسے ہلاک کر دیا تھا۔

ڈاکٹر ببیل سوچ میں پڑ گیا کہ جونیتا کس کے بارے میں بات کر رہی تھی۔ پہاڑ والی قوت کون ہے اور وہ بڑی عظیم قوت کون ہے' جس کا لڑکی نے مرنے سے پہلے حوالہ دیا تھا؟

"وہ اپنے ساتھیوں سے جادو' ٹونے اور سحر پر باتیں کرتا رہا۔ اس کے بعد اُس نے اپنے اُس ساتھی سے تبادلہ خیال کیا جس نے کہنے اور اوزاروں سے مشین کا تجزیہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن وہ فلم کے لیبارٹری ٹیسٹ کے بغیر یہ بتانے کی پوزیشن میں نہیں تھا کہ مشین کس خاص چیز کے ذریعے شعاع بناتی ہے۔ ابھی وہ مضافات سے دارالحکومت کی طرف واپس آ رہے تھے کہ انھیں اپنے ایک ایجنٹ سے اطلاع ملی کہ ان کے کمرے پر ایک نوجوان اور ایک بوڑھے نے قبضہ کر لیا ہے۔

"نوجوان نے پستول دیکھ کر بھی کمرہ خالی کرنے سے انکار کر دیا۔ جناب' وہ ڈاکی ٹاکی پر ایجنٹ کی آواز سُنائی دی۔ "بوڑھا کمرے میں وی سی آر کی مدد سے پُرانی فلمیں دیکھ رہا ہے۔"

"انھیں کمرے سے نکال دو۔" ببیل نے سخت لہجے میں کہا' اور اگر انھیں قتل کرنا پڑے تو بھی کوئی مضائقہ نہیں۔" یہ کہہ کر ڈاکٹر ببیل نے ڈاکی ٹاکی آف کیا اور کار ایک طرف کھڑی کر دی۔ اب اسے اس رپورٹ کا انتظار تھا کہ کمرہ خالی کرا لیا گیا ہے۔

ایک گھنٹے بعد بھی جب ایجنٹ نے رابطہ قائم نہ کیا تو ببیل نے اپنے ایک اور آدمی کو بھیجا۔ مگر وہ بھی ایسا گیا کہ واپس نہ آیا۔

ٹائیگر نے پستول کی طرف دیکھا' اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ گدڑے پر ہاتھ رکھنے کا کون سا انداز پستول بردار کی نیت اور ارادے کا مظہر ہوتا ہے۔ جس سفید فام نے پستول پکڑا ہوا تھا' اس کی انگلی لمبی سے خفیف سی دُور تھی اور اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ گولی چلانے کا ارادہ نہیں رکھتا۔

"شکریہ دوست' کمرہ خالی نہیں ہو سکتا۔ اب تم جا سکتے ہو۔ قتل کرنے کا ارادہ ہو جائے تو واپس آ جانا' جاؤ ..." ٹائیگر نے یہ کہہ کر شہزاد نے دروازہ بند کر دیا۔

آوشان اس دوران کنول کے آسن میں پرانے اداکاروں کی ایک کلاسیکی فلم دیکھتا رہا۔ اسی ملتے فلم کے دوران ایک شہزادہ آ گیا۔

"دروازے پر کون تھا؟" آوشان نے پوچھا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"شاید ایک برطانوی تھا۔"

"آہ... فرنگیوں کا ذکر اتنے احترام سے مت کرو۔ ان میں قابلِ احترام صرف ہنری ہشتم تھا جس نے ہر بار بروقت ایوانِ سانجو کو نذرانہ پیش کیا۔ فرنگی نسل صرف ہنری ہشتم کی وجہ ہی سے خود پر فخر کر سکتی ہے۔"

"آپ کو معلوم ہے کہ آپ یہاں کس مقصد کے تحت آئے ہیں؟" ٹائیگر نے گھاتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"ہاں... لیکن فی الوقت میں فلم دیکھ رہا ہوں... اور..."

معاً دروازے پر کھٹکا ہوئی۔

ریوالور تانے میں وہی برطانوی ایجنٹ ایک بار پھر دروازے پر موجود تھا اور اس مرتبہ اس کی انگلی لبلبی پر تھی۔ وہ قتل کرنے کا ارادہ کر کے ہی آیا تھا۔

"مجھے افسوس ہے کہ اب تمہیں بہرحال یہ کمرہ خالی کرنا ہی ہوگا۔" اس نے ٹھوس لہجے میں کہا۔

"اے نہیں..." شہزاد نے مسکرا کر جواب دیا۔ "ہم ابھی تو یہاں آئے ہیں، اتنی جلدی بھلا کیسے چلے جائیں؟"

"سنو... میں تمہیں قتل کرنا نہیں چاہتا۔" ایجنٹ کے لہجے میں گہری متانت تھی۔

"فکر مت کرو تم کسی کو بھی قتل نہیں کر سکو گے!"

"میرے پستول کی نال کا رُخ تمہاری کھوپڑی کی طرف ہے۔" برطانوی ایجنٹ کا انداز سمجھانہ ہو گیا۔

"میں جانتا ہوں۔" شہزاد نے ایک ہاتھ دروازے پر رکھتے ہوئے جواب دیا۔

اوشان نے بھی پلٹ کر اس مداخلت کرنے والے کی طرف دیکھا جس کی وجہ سے فلم کا لطف غارت ہو رہا تھا بلکہ جس کی وجہ سے یہ خطرہ بھی پیدا ہو چلا تھا کہ اس غلیظ کمرے میں ایک لاش بھی قیام کرے گی۔

اوشان سوچ رہا تھا کہ کاش ٹائیگر فلم کے دوران قتل نہ کرے بلکہ اشتہار کا وقفہ آنے پر برطانوی ایجنٹ کو ٹھکانے لگائے ساتھ ہی اس صورتِ حال سے اُسے کوفت بھی ہونے لگی۔ "تم لطیف جذبوں کے قاتل ہو شہزاد!" اس نے جھلا کر کہا۔

"میرا خیال ہے کہ تمہیں یہ اندازہ ہی نہیں کہ تمہارا واسطہ کس سے پڑ رہا ہے۔" برطانوی ایجنٹ نے ایک قدم پیچھے ہٹتے ہوئے ٹائیگر کو دھمکی دی۔

"یہ اندازہ لگانا ہمارا نہیں بلکہ تمہارا مسئلہ ہے سفید سور!"

شہزاد نے پیار بھرے لہجے میں جواب دیا۔ اس کی وہ دونوں بھنویں آہستہ آہستہ سمٹ کر ایک دوسرے کے قریب آ رہی تھیں۔

"تم اپنے آپ کو مُردہ سمجھو!" ایجنٹ نے کہا۔ اس کے ساتھ ہی اُس نے پستول تان لیا اور اُسے یقین تھا کہ گولی سامنے کھڑے ہوئے نوجوان کی پیشانی کے چیتھڑے اُڑا دے گی۔ "میں تمہاری کھوپڑی میں سوراخ کرنے والا ہوں!"

"لٹل فادر..." ٹائیگر نے چہکتے ہوئے آواز دی۔ "سنا آپ نے، یہ مجھے خود کو گولی مارنے کی دھمکی دے رہا ہے لہٰذا اب آپ مجھے مورد الزام نہیں ٹھہرائیں گے؟"

"تم لطیف لمحوں کے قاتل ہو!" اوشان نے فلم کے سنسنی خیز منظر میں دخل اندازی کا برا مانتے ہوئے دوبارہ کہا۔ "اگر اسے گولی چلانی آتی ہے تو چلاتا کیوں نہیں؟ ہمارا وقت کیوں ضائع کر رہا ہے!"

برطانوی ایجنٹ کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ تاہم ابھی تک وہ یہ نہیں سمجھ سکا تھا کہ دونوں موت کو اتنے قریب دیکھنے کے باوجود لاپروائی سے کام کیوں لے رہے ہیں؟ اس نے اپنی زندگی میں پہلے کبھی ایسے احمق نہیں دیکھے تھے جن کو زندگی کی کوئی پروا ہی نہ ہو۔ اس نے مشتعل ہو کر لبلبی دبا دی۔

لیکن پستول اس کے ہاتھ میں اُچھلا لیکن اسے کسی دھماکے کی آواز نہیں سنائی دی۔ نوجوان کی پیشانی میں بھی سوراخ نہیں ہوا۔ لیکن پھر معاً اسے احساس ہوا کہ لبلبی دب ہی نہیں سکی۔ اس کی انگلی کو لبلبی دبانے کی مہلت ہی نہیں ملی تھی کیونکہ اس سے پہلے ہی نوجوان کی انگلی اس کی پیشانی میں اس طرح سوراخ کر گئی تھی جیسے ڈرلنگ مشین دیوار میں سوراخ کر دیتی ہے۔

برطانوی ایجنٹ کو ذرا سی بھی تکلیف کا احساس نہ ہوا لیکن اسے اس بات پر حیرت ضرور ہوئی تھی کہ اس کے اعصاب جواب کیوں دے رہے ہیں۔ وہ گرتا کیوں رہا ہے... اور وہ مر کیوں رہا ہے؟

شہزاد نے اپنی ٹوٹی ہوئی انگلی مرتے ہوئے برطانوی ایجنٹ کے کالر سے صاف کی اور پھر لاش اُٹھا کر ملفوریہ والوں کے کمرے کے سامنے رکھ دی۔ کمرے کے دروازے سے کلاشنکوف کی نال نظر آ رہی تھی۔ اسی لمحے دروازے کی اوٹ سے کوئی پوچھ رہا تھا۔ "تم کون ہو؟"

"میں... میں ہوں۔" ٹائیگر نے لاش کے سر پر اس کا ہیٹ رکھتے ہوئے جواب دیا۔

"یہ تم کیا کر رہے ہو؟"

"لاش ٹھکانے سے رکھ رہا ہوں کیونکہ اگر یہ کمرے میں پڑی

رہی تو بدبو پھیلنے کا اندیشہ ہے۔"

"مگر ہمارے دروازے کے سامنے کیوں رکھ رہے ہو؟"

"تمہارے دروازے کے سامنے کیا کرو گے اُگا ہوا ہے۔" ٹائیگر نے جھلا کر پوچھا اور اپنے کمرے میں واپسی کے لیے پلٹا۔

اوشان نے باہر سے گولی چلنے کی آواز سن کر برا سا منہ بنایا۔ اس آواز نے ڈرامے میں اس کے انہماک کو متاثر کیا تھا۔ اسے اس بات پر غصہ آ رہا تھا کہ ٹائیگر کو یہ بھی احساس نہیں... کہ وہ فلم سے لطف اندوز ہو رہا ہے۔ تاہم ان آوازوں کے باوجود اس کی نظریں اسکرین پر جمی رہیں۔

شہزاد دیر تک کمرے میں واپس نہ آیا۔ اس دوران میں اوشان نے ایک سوئچ بم کے پھٹنے اور گولیوں کی تڑاتڑ بھی سنی... پھر ایک ایسی چیخ سنائی دی جو یقیناً کسی انگریز کی تھی۔

کچھ دیر بعد ٹائیگر نے کمرے میں واپس آ کر اطلاع دی کہ سفید فاموں کا ایک گروہ ہوٹل کی طرف آ رہا ہے اور اس کی قیادت پادری کیے بغیر اُٹھنا نہیں چاہتا تھا۔

اوشان کو آپ اُٹھنا ہی پڑا حالانکہ وہ اپنی پسندیدہ فلم

دونوں نے کھڑکیوں سے جھانک کر دیکھا۔

سفید فام قاتلوں کا گروہ مثلث کی شکل میں ہوٹل کی طرف پیش قدمی کر رہا تھا۔ ان میں سے ہر شخص کسی نہ کسی خطرناک ہتھیار سے لیس تھا اور انھیں اندازہ ہو چکا تھا کہ کمرے پر قبضہ کرنے والوں نے ان کے دو ساتھیوں کو مار ڈالا ہے۔

شہزاد دل ہی دل میں ان کے پیشہ ورانہ انداز کا قائل ہو گیا۔ وہ پُرسکون انداز میں آگے بڑھ رہے تھے اور صاف ظاہر تھا کہ ان سب میں مثالی ہم آہنگی موجود ہے۔

ٹائیگر اور اوشان دونوں اپنے کمرے سے نکل آئے اور ٹائیگر نے چھت پر پوزیشن سنبھال لی تاکہ یہ دیکھ سکے کہ آنے والے کس طرح حملے کی پہل کرتے ہیں۔ اس نے دیکھا کہ دو گٹھے آدمی عمارت کے سامنے والے حصے میں نمودار ہوئے اور انھوں نے ایک لوہے کی سیڑھی اوشان کے کمرے کی کھڑکی سے لگا دی۔ مزید دو سفید فام عقبی راستے سے اُوپر آنے لگے۔

ٹائیگر پیشگی حملے کے لیے تیار ہو گیا۔

اس نے ساری توجہ اپنی ٹیکنیک پر مرتکز کر دی تھی۔ وہ چھت کی منڈیر پر کھڑا ہو گیا اور پھر اس کا جسم کسی پتھر کی طرح نیچے گرنے لگا۔ لمحے بھر میں اس کے دونوں پیر اُس شخص کے کندھوں پر لگے جو سیڑھی کے ذریعے کمرے کی کھڑکی تک پہنچ چکا تھا۔

گٹھے کے دونوں کندھوں کی ہڈیاں ٹوٹ گئیں اور سینے کی ہڈیوں کا پنجر چکنا چور ہو گیا۔ اس کی لاش پہلی سیڑھی پر کھڑے ہوئے گٹھے سے ٹکرائی اور پھر دونوں سڑک پر گر کر ساکت ہو گئے۔

ٹائیگر اپنا توازن برقرار رکھتے ہوئے دونوں پیر سیڑھی پر جمانے کے قابل ہو گیا تھا۔

اور دوسری طرف باقیا کا صدر سکارٹو ایک لمبے پتلے نوجوان کو یہ سب کچھ کرتے دیکھ کر خوف سے لرز رہا تھا۔ اس نے ٹائیگر کو چھت سے گرتے ہوئے بھی دیکھا تھا۔ دونوں سفید فاموں کو مرتے ہوئے بھی اور پھر ٹائیگر کو سنبھلتے ہوئے دیکھ کر تو اس کی سانس اُوپر کی اُوپر اور نیچے کی نیچے ہی رہ گئی تھی۔

"یہ کون ہے؟" اس نے چلا کر ٹائیگر کی طرف اشارہ کیا جو سیڑھی پر کھڑا دوسرے حملہ آوروں کو گھور رہا تھا۔

"ایک آدمی ہے۔ قدرے کم عمر..." ایک میجر نے جواب دیا جس کے ہولسٹر میں اعشاریہ چار پانچ کا پستول موجود تھا۔ ایسا ہی پستول سکارٹو بھی رکھتا تھا۔

یہ میجر صدر سکارٹو کا گہرا دوست تھا کیونکہ میجر کا باپ اس وقت سکارٹو کے باپ کے ساتھ جنگل میں موجود تھا جب اس کو دشمنی نے مار ڈالا تھا۔ جب سکارٹو صدر بنا تو اُس نے اپنے دوست کو جنرل بنانے سے انکار کر دیا... اور پھر جب کئی سال بعد مر گیا تو اس کے بیٹے گوگو نے جنرل بننے کی درخواست نہیں دی اور جب سکارٹو نے خود کو تاحیات صدر بنا لیا اور گوگو کو ترقی کی پیش کش کی تب بھی گوگو نے یہ پیش کش قبول نہیں کی حالانکہ اپنے باپ کے برعکس وہ اس مقام کو حاصل کرنا چاہتا تھا جو سکارٹو نے زبردستی حاصل کیا تھا اور اس کے لیے اُس نے بہت طویل منصوبہ بند کر رکھی تھی۔

اُسے اپنی باری کا انتظار تھا۔

وہ طبقہ حکام کا واحد فرد تھا جس کو صدر سکارٹو سے کوئی خوف محسوس نہیں ہوتا تھا۔ منصوبے کے مطابق اُس نے آج کل میجر کا عہدہ قبول کر رکھا تھا۔

"میں جانتا ہوں کہ وہ آدمی ہے۔" سکارٹو نے غصے سے پیر پٹختے ہوئے کہا۔ "مگر کہاں کا رہنے والا ہے؟ کس ٹکسال سے آیا ہے!"

"اس بارے میں ابھی تک میری اُس سے بات نہیں ہوئی ہے۔" گوگو نے جواب دیا۔

"جاؤ... پوچھ کر آؤ کہ یہ کون ہے، جاؤ، ابھی جاؤ!" سکارٹو نے تلملاتے ہوئے کہا اور پھر حیرت سے ٹائیگر کی طرف دیکھنے لگا

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

جو اب اس طرح دوڑ رہا تھا جیسے اس کے پیر چھت کی سنگریزہ بچھی سطح پر نہ رہے ہوں۔ اس کے پیروں سے زلزلہ بھی نہیں ٹکرا رہی تھی اور نہ ہی وہ دو اپنج چوڑی سنگریزہ پگڈنڈی پر چل رہا تھا۔

سکارٹو کو اچانک ہی جونیتا کی پیشین گوئی یاد آگئی... اور پھر جونہی اس نے چھت پر پہنچ کر حملہ کرنے والے دو اور سفید فاموں کا حشر دیکھا تو اس کی چیخ نکل گئی۔

ان دونوں سفید فاموں نے سنگریزہ دوڑتے ہوئے ٹائیگر کو پکڑنے کی کوشش کی تھی مگر ایسا لگتا تھا جیسے وہ ہوا کو پکڑنے کی کوشش کر رہے ہوں۔ پھر دونوں ہی ہوٹل کی چھت سے سڑک پر گرے اور ان کے سر خربوزوں کی طرح پھٹ گئے جبکہ ٹائیگر بلا پھر کے لیے بھی رُکے بغیر اس ہجوم کی طرف دوڑتا رہا جو چھت پر پہنچنے کے لیے زینے پر آرہا تھا۔

"ہماری مدد کر آسمانی مالک!" سکارٹو کو اچانک ہی خدا یاد آگیا۔ یہ اس عفریت سے باقیا کو بچائے؟

پھر اچانک ہی اس نوجوان پر گولیاں چلنے لگیں مگر سکارٹو یہ دیکھ کر حیرت زدہ ہو گیا کہ اس اجنبی عفریت نے نہ صرف خود کو گولیوں کی بوچھار سے بچا لیا۔ بلکہ سب مشین گن استعمال کرنے والے کی کھوپڑی پر اتنی زور سے بیک کک لگائی کہ وہ اوندھے منہ چھت پر گرا اور پھر اتنی زور سے تڑپا کہ خود ہی چھت سے نیچے سڑک پر گر کر ٹوٹ پھوٹ گیا۔

ایوان صدر کی طرف آنے والی سڑک پر اب مغفر کے گودے، گوشت کے لوتھڑے اور ہڈیاں نظر آرہی تھیں۔

سکارٹو سوچنے لگا کہ کیا میری مشین اس عفریت کو ہلاک کر سکے گی؟

جونیتا نے کہا تھا کہ نئی طاقت فتح مند ہو کر پہاڑوں والے کو سلطانی عطا کر دے گی۔

اس کی نظریں ہوٹل کی چھت پر جمی رہیں۔ جہاں وہ تنہا نوجوان یکے بعد دیگرے ہر آنے والے حملہ آور کو یا تو اوپر ہی مار دے رہا تھا یا پھر نیچے پھینک کر گوشت کے لوتھڑوں میں بدل رہا تھا۔

سکارٹو اس طرح کانپنے لگا جیسے یخ بستہ پانی میں ڈبکی لگا کر آیا ہو۔ اس نے فوراً اس کمرے کا رُخ کیا جہاں اس کی بیویاں رہتی تھیں۔ جب وہ خلوت کدے سے باہر نکلا تو سیجر گوگو ڈاکٹر بیسل کے ساتھ اس کا منتظر تھا۔ بیسل کی حالت دیدنی تھی۔ اس کے بال بکھرے ہوئے تھے، کوٹ کے تمام بٹن کھلے تھے اور چہرے پر مُردنی چھائی ہوئی تھی۔

"میں... یقین نہیں کر سکتا کہ ایک آدمی..." اس نے کچھ کہنا چاہا مگر اس کی آواز حلق میں ہی پھنس کر رہ گئی۔

"وہ کون ہے جس نے تمھارے آدمیوں کو ہلاک کیا ہے؟" صدر سکارٹو نے پُروقار لہجے میں پوچھا کیونکہ اب وہ اپنی ناگفتہ بہ حالت پر قابو پا چکا تھا۔

"وہ... وہ ایک فرد واحد ہے۔" بیسل نے اپنے پائپ کا کش لیتے ہوئے جواب دیا لیکن اسے ابھی تک یہ علم نہیں ہوا تھا کہ اس کے پائپ کی ڈنڈی ہی منہ میں دبی ہوئی ہے اور تمباکو والا کپ نہ جانے کب ٹوٹ کر بھاگ دوڑ میں گر چکا ہے۔

بیسل اپنے ساتھ بہترین آدمی لے کر آیا تھا مگر اب ان میں سے ایک بھی زندہ نہیں بچا تھا۔ اسے اب اس بات کی فکر تھی کہ کہیں باروشائی ایجنٹ باقیا کے قدرتی وسائل اور معدنی ذخائر پر قبضہ نہ کر لیں کیونکہ ہر بڑی طاقت کے مصنوعی سیاروں نے یہ اطلاع دی تھی کہ باقیا میں سونے کی کانوں کے علاوہ یورینیم اور گیس کے ذخائر بھی ہیں۔ اُدھر سکارٹو کو بھی معلوم تھا کہ فردوسی یا برطانوی محض نام کے دوست ہوتے ہیں اور بُرے وقت میں صرف اقوام متحدہ میں ووٹ دینے کی حد تک ہی ساتھ دیتے ہیں جبکہ باروشائی عملی تعاون بھی کرتے ہیں... پھر اُسے حکمرانی کا وہ طریقہ بھی پسند نہیں تھا جو فردوسیوں نے اپنا رکھا تھا جس میں ہر چار پانچ سال بعد لوگوں سے رائے لینی پڑتی تھی۔

"فردوسی..." سکارٹو نے قدرے غصیلے لہجے میں کہا۔ اسے اتنا معلوم تھا کہ بعض ممالک ایک دوسرے سے ناراض ہو کر تعلقات توڑ لیتے ہیں "ٹھیک ہے، گوگو! جزیرہ فردوس سے تعلقات توڑ لیے جائیں۔" اس نے حکم دیا۔

"کیا مطلب؟" گوگو کو خارجہ پالیسی کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں تھا۔ "کیا کروں؟"

"فردوس سے تعلقات منقطع کر کے باروشائی سفیر کو میرے پاس بھیجو۔"

"مگر مجھے تو یہ بھی پتہ نہیں کہ تعلقات کس طرح توڑے جاتے ہیں۔" میجر گوگو نے بڑی بے چارگی سے کہا۔

"اُفوہ..." سکارٹو نے اپنا سر پیٹ ڈالا۔ "کیا اب سب کچھ میں ہی بتاؤں۔ جاؤ، وزیر تعلیم سے جا کر پوچھو۔ وہی مجھے اخبار پڑھ کر سناتا ہے... اور سنو۔" سکارٹو نے بیسل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "اس آدمی کا خاص خیال رکھنا۔"

"ٹھیک... بالکل ٹھیک..." گوگو کا ہاتھ اپنے پستول پر پہنچ گیا اور بیسل کے سینے سے خون کا فوارہ اُبلنے لگا۔

▲

باروشائی سفیر پسینے پسینے ہو رہا تھا کیونکہ اُسے ابھی تک علم نہیں تھا کہ باقیا کے جلاد صفت صدر نے اُسے کیوں طلب کیا ہے؟ سزائے موت دینے کے لیے یا انعام میں گھڑی دینے کے لیے... باقیا کا صدر سکارٹو مرنے والوں کی گھڑیاں تحفے میں تقسیم کیا کرتا تھا۔

"آہ! میرے بھائی..." سکارٹو نے باروشائی کا ہاتھ تھامتے ہوئے بڑی محبت سے کہا۔ "مجھے باروش سے بڑی محبت ہے۔ میں عام طور پر یہی سوچتا رہتا ہوں کہ اپنے باروشائی بھائیوں کو کیا تحفہ دوں۔"

باروشائی سفیر حیرت زدہ رہ گیا مگر وہ یہ بھی سوچے بغیر نہ رہ سکا کہ کیا یہ پاگل آدمی واقعی وہ پُراسرار مشین اس کے حوالے کر دے گا مشین اُس وقت اُس تخت کے دائیں طرف رکھی ہوئی تھی جس پر سکارٹو بیٹھا ہوا تھا۔

"میں جزیرہ فردوس سے سفارتی تعلقات توڑنا چاہتا ہوں... کیونکہ وہ میرے دوست ملک باروش کا دشمن ہے لیکن تعلقات توڑتے ہوئے مجھے خوف بھی محسوس ہو رہا ہے۔"

"کیسا خوف؟" باروشائی سفیر نے پوچھا۔

"ممکن ہے، فردوسی غصے میں آکر میرے خلاف کوئی کارروائی کر بیٹھیں۔ اس صورت میں کیا میرے باروشائی دوست مجھے تحفظ فراہم کریں گے؟" دل کی بات زبان پر آ ہی گئی۔

"کیوں نہیں... ہمارے عوام آپ سے محبت کرتے ہیں۔"

"فردوسی ایجنٹ، باقیا کی مقدس سرزمین پر موجود ہیں میرے بھائی!"

"دُنیا کے ہر شہر میں کسی نہ کسی کا ایجنٹ ضرور موجود ہے لیکن ہم آپ کی حفاظت کریں گے۔"

"اوہ... مجھے تم سے یہی اُمید تھی۔ سُنو! میں فردوسیوں کی لاشیں دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"ضرور دیکھ لیں گے لیکن ہم آپ کو صرف اس شرط پر تحفظ فراہم کریں گے کہ آپ اپنی نئی ایجاد کو عالم انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے استعمال کرنے کی خاطر ہمیں دے دیں گے۔"

"آہ... تب پھر میں سوچتا ہوں کہ ان فردوسی قاتلوں ہی سے معاہدہ کر لوں۔" سکارٹو نے باروشائی سفیر کی بات کا جواب اسی دو ٹوک انداز میں دیا۔

"نہیں۔ آپ کو اس کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔" باروشائی سفیر بھی تک نہیں سمجھ سکا تھا کہ آخر باقیا کا صدر کیا چاہتا ہے؟

"خود کیوں نہیں نمٹ لیتا۔" لیکن آپ کو صرف ان دو جانوروں ہی سے کیوں خوف محسوس ہو رہا ہے؟"

"اس خوف کی وجہ مت پوچھو۔ بس انھیں مار ڈالو پھر ساری طاقت کا جادو تم کو بھی مل جائے گا۔ یہ خیال رکھنا کہ وہ چند افراد کے قابو میں آنے والے نہیں ہیں۔"

▲

سہ پہر کے وقت دریچوں سے جھانکنے لگا اور باروشائیوں کے حملے کا انتظار کرنے لگا۔ غروب آفتاب کے وقت اُسے باروشائی نظر آئے۔ ان کی تعداد پچیس تھی۔ ان میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں جدید ہتھیار اور کندھوں پر رسّے پڑے ہوئے تھے جبکہ بعض کے پاس ہلکے مارٹر بھی تھے۔ سکارٹو کو یہ سب کچھ دیکھ کر یوں لگا تھا جیسے باقیا میں جنگ ہونے والی ہو۔ اس کا دل اُچھل رہا تھا کیونکہ اتنی نفری اور اتنے ہتھیاروں کے سامنے وہ دونوں یقیناً کچھ بھی نہیں کر سکتے تھے۔

سکارٹو نے آج صبح بعض افسروں سے یہ بھی سنا تھا... کہ نوجوان فردوسی کے ساتھ آنے والے ایک زرد رُو بوڑھے نے ہوائی اڈے پر پورٹر کو کس طرح قتل کیا تھا لیکن اس وقت ہوٹل کی چھت پر باروشائیوں نے جس طرح گھیرا ہوا تھا، اُسے دیکھ کر وہ باروشائی قومی ترانہ گانے کی

ابلیکا
اسلم راہی
جس میں حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک دنیا کی تاریخ پیش کی گئی ہے
سات جلدوں میں مکمل سیٹ:- 1950/ روپے
اردو بازار لاہور

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

خواہش محسوس کرنے لگا لیکن اُسے تو اپنے ملک کا ترانہ بھی یاد نہیں تھا۔

سکارٹو نے ہوٹل کی کھڑکیوں سے سروں کو جھانکتے ہوئے دیکھا پھر یہی سر غائب ہوتے بھی دیکھے۔ اس نے بہت سے لوگوں کو بھاگتے دیکھا جو اپنی جان بچانے کے لیے ہوٹل سے نکل نکل کر راہِ فرار اختیار کر رہے تھے۔ بعض مُلکوں کے ایجنٹ تو اپنے ہتھیار بھی چھوڑ گئے ... بارہ شاہیوں نے یہ صورتِ حال دیکھی تو قہقہے لگانے لگے۔ اُن میں سے کئی کی نظریں ایک ایسے بُوڑھے پر جم گئیں جو دوسری منزل کی ایک کھڑکی کے ساتھ کھڑا ہُوا تھا۔ اس کے سفید بال اور لوک دار مُونچھیں صاف نظر آ رہی تھیں۔

سکارٹو نے بھی بغور دیکھا۔ بُوڑھے نے دونوں ہاتھ سینے پر باندھ رکھے تھے۔

سکارٹو اُسے پہچان گیا۔ وہ ایک مشرقی باشندہ تھا اور اُس کے چہرے پر ایک پُراسرار سی مُسکراہٹ تھی۔ وہ نیچے سڑک پر بارہ شاہی ایجنٹوں اور اُن کے ہتھیاروں کو دیکھ دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ اُس کے چہرے پر پُراسرار سی مُسکراہٹ تھی جیسے وہ ابھی ابھی لذیذ کھانا کھا کر اُٹھا ہو۔

اچانک سکارٹو کو اس پُراسرار مُسکراہٹ کے مفہوم کا احساس ہُوا۔ وہ سمجھ گیا کہ بُوڑھا حملہ آوروں کو حقیر سمجھ رہا ہے۔ اُسے اُن کی اور اُن کے ہتھیاروں کی کوئی پروا نہیں۔ یہ مسکراہٹ صورتِ حال سے ناواقفیت کے باعث پیدا نہیں ہوئی تھی بلکہ یہ ایک ایسے بُوڑھے کے قوی تر اعصاب کی مُسکراہٹ تھی جو بارہ شاہیوں کے حملے سے نمٹنا جانتا تھا... یہ ایک ایسے بچے جیسی مُسکراہٹ تھی جو کسی کھیت کے ہر تربوز کو چھو کر، اس کا سرخ گودا اپنے پیروں تلے روند چکا ہو اور اب اپنی کامیابی پر خوش ہو رہا ہو۔

بُوڑھے نے ایوانِ صدر کی طرف دیکھا۔

سکارٹو کو یوں لگا جیسے بُوڑھا اسی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے دیکھ رہا ہو۔

سکارٹو کا جسم سردی سے کانپنے لگا۔ اس نے بُوڑھے کی کھڑکی سے نظریں ہٹانے کی کوشش کی مگر ناکام رہا... اور پھر جب بُوڑھے نے اس کی طرف حقارت سے دیکھتے ہوئے کھڑکی سے باہر تھوکا تو سکارٹو پسینے پسینے ہو گیا۔ وہ گرتا پڑتا اپنے کمرۂ خاص میں گھس گیا۔ مگر یہاں بھی اُسے بُوڑھے کی مُسکراہٹ نظر آتی رہی۔ اُس نے نکیلے پن سے چبایا۔ "جرنیلا..." اُس نے سسکی لیتے ہوئے کہا... "اگر تمہاری رُوح اس پاس موجود ہے تو میں اعتراف کرتا ہُوں کہ تم نے سچ کہا تھا۔ وہ عظیم قوت یہاں پہنچ گئی ہے۔"

میجر گوگو نے اپنی عقل کے مطابق فردوسیوں سے تعلقات منقطع کرنے کی کارروائی کی لیکن اس سے قبل اُس نے بیسل کی لاش کو ٹھکانے لگوایا اور پھر فردوسی سفارت خانے میں گھس گیا۔ فردوسی سفیر، صدر سکارٹو کے دستِ راست کی آمد کا علم ہوتے ہی دوڑا دوڑا آیا تو گوگو نے اُس کی طرف دیکھ کر کہا۔ "ہم تم سے تعلقات توڑ رہے ہیں... بس سمجھ لو کہ نوٹ ہی گئے۔ اب تم ہمیں اپنی منحوس شکل کبھی نہ دکھانا اور ہاں، جاتے ہوئے کہیں اپنے ساتھ شراب نہ لیتے جانا، اس کو ہم خود ٹھکانے لگائیں گے۔"

فردوس میں تعلقات منقطع ہونے کی خبر اس تاثر کے ساتھ قبول کی گئی کہ باقیا پر بارہ شاہیوں کا تسلط قائم ہو گیا ہے اور یہ کہ اب وہ پُراسرار مشین اور خفیہ معدنی وسائل بھی بارہ شاہیوں کے ہاتھ لگ جائیں گے۔ فردوسی صدر نے اخبارات کے تمام تبصرے خود پڑھے اور پھر خود کو اپنے کمرے میں بند کر کے خفیہ سُرخ فون پر نمبر ملانے لگا۔

"باقیا میں کیا ہو رہا ہے؟" اُس نے چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

"مجھے کچھ پتہ نہیں جنابِ صدر!" ڈاکٹر بہرام کی برف کی طرح سرد آواز سُنائی دی۔

"اگر تمہارے آدمی وہاں کچھ نہیں کر سکتے تو انھیں واپس بُلا لو!" صدر کا لہجہ مزید تلخ ہو گیا۔

"یہ نہ بھولیں کہ انھیں چارہ گر نے نہیں بلکہ جزیرۂ فردوس کے صدر نے ذاتی طور پر وہاں بھیجا ہے۔" بہرام نے سلگتے ہوئے انداز میں جواب دیا۔ "آپ نے سناٹخو کے ماسٹر سے ایک معاہدہ کیا ہے جسے پورا کرنے کے لیے وہ دونوں وہاں موجود ہیں اور وہ دونوں لاکر شاہی کے کل پُرزے نہیں ہیں کہ آپ کے حکم پر چلے جائیں اور آپ کے کہنے پر واپس بھی آ جائیں۔ میری ایک بات یاد رکھیے گا کہ... جب سلطنتِ رُوما کا وجود بھی نہیں تھا، تب بھی ایوانِ سناٹخو کا سربراہ اپنے وعدوں اور مہمات کی تکمیل کے بغیر کبھی واپس نہیں آتا تھا۔"

"تم کہنا کیا چاہتے ہو؟" صدرِ مملکت تشویش میں مبتلا ہو گئے۔

"میرا مشورہ یہ ہے کہ ان دونوں کو وہاں کام کرنے دیں اور اس بات پر یقین رکھیں کہ وہ اپنی مہم کی تکمیل کے بعد ہی واپس آئیں گے۔"

"میں ضمانت چاہتا ہُوں!" صدرِ مملکت نے پُروقار لہجے میں کہا۔

"میں کوئی ضمانت نہیں دے سکتا!" بہرام کا لہجہ پتھر کی طرح سخت تھا۔

مشتعل ہو کر صدرِ مملکت نے ریسیور پٹخ دیا اور دیر تک سُرخ



ن کو گھورتے رہے... پھر وہ تیزی سے اپنے دفتری کمرے ے جہاں محکمۂ سُراغ رسانی کا ڈائریکٹر اس کے حکم پر موجود تھا۔ نے تفصیل سے بتایا کہ کانگریس میں اٹھنے والے متوقع اعتراضات یات کی نکتہ چینی کی وجہ سے وہ ابھی تک باقیا میں کھل کر ں کر سکا ہے۔

"ویسے بھی... اگر ہم کھل کر کام شروع کر دیں تو ہمارا وفادار مجرح نے گا۔" جنابِ صدر!" ڈائریکٹر نے دونوں ہاتھ گود میں رکھتے ہوئے کہا۔ "وقار..." صدرِ مملکت نے کسی زخمی شیر کی طرح تلملا کر گہرا سانس وجُروح ہو چکا ہے۔ اب اس ملک کا دفاع کرو جس کے لیے تم نے ہو۔"

"یہی حکم تحریر میں دے دیں تاکہ میں کانگریس میں اُٹھنے والے ات سے نمٹ سکوں۔"

صدرِ مملکت نے طیش میں آ کر اُسی وقت حکم نامہ لکھ دیا۔ ... اور پھر محکمۂ سُراغ رسانی کی مشینری حرکت میں آ گئی۔ سب سے ے بلایا گیا۔ باقیا میں انٹیلی جنس کا کوئی ایسا ایجنٹ بھیجا جائے جس رے مُلکوں کے ایجنٹ نہ پہچانتے ہوں۔ لوٹ پھر کر نظر ایک وبی پر پڑی۔ سانولی سلونی حسین اور دلکش روبی اٹھائیس کراہی میں ایک اچھی صنعت کار بن چکی تھی۔ وہ ریڈی میڈ گارمنٹس ڑی فیکٹری چلاتی تھی جس کے لیے سرمایہ اس نے ان رقوم سے تھا جو ہر مہینے اسے بلاکسی کام کے بذریعہ چیک ملتی تھی۔ اسے اچھی م تھا کہ حکومت وہ ہزار ڈالر ماہانہ کی رقم بطور عطیہ نہیں دیتی بلکہ اس کے لیے تیار کیا جا رہا ہے... اور وہ اس کام کے لیے تیار اسے اچھی طرح علم تھا کہ حکومت نے اس کا انتخاب ایم ایس سی انت میں کامیابی اور اس سے قبل فٹ بال سے دست بردار اس کی فتح کے بعد دو سال قبل ہی کر لیا تھا۔ دو سال سے اسے ار رہی تھی... مگر ابھی تک اس سے کوئی کام نہیں لیا گیا تھا۔

... پھر جب دارالحکومت سے آنے والے ایک شخص نے اس سے ملاقات کی اور اسے مطلع ہو گیا کہ انٹیلی جنس اب پیشگی ادا کیے گئے معاوضے دولت چاہتی ہے۔ طلاقی بحریہ کا ملازم تھا اور اس نے روبی طور پر کہہ دیا تھا کہ اگر وہ چاہے تو باقیا جانے سے انکار بھی ے لیکن اس صورت میں اسے ماہانہ آمدنی سے محروم ہونا پڑے گا ب اس افسر نے بتایا کہ باقیا میں اس کا مشن زیادہ خطرناک کا تو روبی کی ہچکچاہٹ بڑی حد تک دُور ہو گئی۔ اس کو باقیا بھیجنے رف اتنا تھا کہ وہاں کسی فردوسی ایجنٹ کی موجودگی کا دعویٰ کیا فسر نے اسے یہ بھی بتا دیا کہ اگر وہ کبھی خطرے سے دوچار

ہو، اپنی حفاظت خود کرے، دوسروں... یعنی انٹیلی جنس سے مدد طلب نہ کرے۔

روبی نے پہلے کبھی باقیا کے بارے میں نہیں سُنا تھا لہٰذا جب وہ وہاں کے ہوائی اڈے پر اُتری تو اسے ہوائی اڈہ کوئی پاگل خانہ ہی لگنے لگا تھا۔ دارالحکومت میں ایک ہی ہوٹل تھا جس کے کلرک نے اسے دیکھتے ہی اپنے اکلوتے دانت کی نمائش کرتے ہوئے کہا تھا: "اگر آپ جاسوسہ ہیں تو آپ کو بھی کہیں نہ کہیں جگہ مل ہی جائے گی!"

روبی کو ایک ایسا کمرہ دیا گیا جس کے بعد ہر ایک نئی آخری سانس لے رہا تھا۔

روبی نے جس کے اعصاب دوں سے کہیں زیادہ مضبوط تھے کمرے کی حالت پر اعتراض کیا تو اسے جواب ملا کہ مرنے والا جلد مر جائے گا۔

روبی کھڑکی سے جھانکنے لگی۔ رنگیلی سڑک کے اس پار ایوانِ صدر تھا جس کی ایک کھڑکی میں ایک موٹا شخص کھڑا ہوٹل کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کے سینے پر بے شمار تمغے سجے ہوئے تھے۔ اس کی نظر جونہی روبی پر پڑی، وہ مسکرا کر ہاتھ ہلانے لگا اور روبی جلد ہی ایوانِ صدر سے صدر کا ایک خاص آدمی روبی کو لے جانے کے لیے اس کے کمرے میں پہنچ گیا۔ یہ خاص آدمی میجر گوگو ہی تھا جس نے روبی کو صدر سکارٹو کے بارے میں بتایا۔ روبی سب کچھ سُنتی رہی۔ اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ وہ سکارٹو کے کمرۂ خاص میں بھی خود کو محفوظ نہ رکھ سکتی ہے۔

روبی کو دیکھ کر سکارٹو کے تمام دانت چمک اُٹھے۔ وہ ایک مشین پر ہاتھ رکھے کھڑا تھا۔ اس سے قبل کہ وہ پیش قدمی کرتا، روبی نے اس کی وجاہت کے قصیدے پڑھنے شروع کر دیے۔ جلد ہی سکارٹو کوٹ کے بٹن بند کے جُوتے کے تسمے باندھنے لگا۔ پھر روبی نے اسے ہوٹل کے بارے میں بتایا۔ "اس کے کمرے بہت نفیس ہیں۔"

"کیا ہوٹل میں تمہاری ملاقات کسی زرد رُو بوڑھے سے بھی ہوئی تھی؟" سکارٹو نے چونک کر پوچھا۔

"نہیں... مجھے وہاں کوئی بوڑھا نظر ہی نہیں آیا۔"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"اور... کسی نوجوان سے...؟"

"نہیں..." روبی یہ محسوس کر چکی تھی کہ سکارٹو مشین سے زیادہ دُور رہنا پسند نہیں کرتا۔

"سویٹ ہارٹ..." سکارٹو کا لہجہ اچانک ہی نرم اور محبت بھرا ہو گیا۔ "کیا تم دولت مند بننا پسند کرو گی؟"

"نہیں! دولت مصائب لاتی ہے۔" روبی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ ویسے وہ سوچ رہی تھی کہ حالات کا یہ اونٹ کس کروٹ بیٹھے گا۔

"اگر تم نے میری مدد نہ کی تو میں... تمہیں غدار اور بے وفا سمجھنے لگوں گا۔" سکارٹو نے پینترا بدل کر دھمکی دینے والے لہجے میں کہا۔

"اوہ! آپ تو جذباتی ہو رہے ہیں۔" یہ کہہ کر وہ کھل کھلا کر ہنس پڑی۔ اسے معلوم تھا کہ فی الحال وہ سکارٹو کے چھوٹے سے مدک اور اس کے محل میں قید ہے۔ "بتائیے! میں کس طرح اپنے محبوب کی مدد کر سکتی ہوں؟"

"زرد رُو بوڑھے اور اس ایشیائی نوجوان کو ہلاک کر دو۔ انہیں شراب میں زہر دے دو۔"

"یہ ناممکن ہے۔" روبی نے گھبرا کر جواب دیا۔

"تب پھر میں تمہیں غداری کے الزام میں سزائے موت دے دوں گا۔"

سکارٹو کی اس دھمکی پر بھی روبی نے حامی نہ بھری تو صدرِ مملکت نے اسے قید کرنے کا حکم دے کر جیل بھیج دیا جو دارالحکومت کے باہر، سترہ میل دُور واقع تھی۔

روبی کو جیل بھیج کر سکارٹو ایک بار پھر سوچنے لگا کہ اسے ان دو غیر ملکیوں کے خلاف جلد از جلد کچھ نہ کچھ کرنا ہی پڑے گا۔ اس نے ان دونوں کو ختم کرنے کی خاطر خود کو باروشائیوں کے ہاتھوں گرو می رکھ دیا تھا، باروشائیوں نے ہوٹل پر زبردست حملہ کیا تھا مگر اس حملے میں پینتالیس باروشائی مارے گئے تھے اور اب باروشی سفیر بات بے بات اسے یہی طعنہ دیتا تھا کہ اس کے بہترین جوان باقیا پر قربان ہو گئے ہیں۔ اس نے جزیرہ فردوس سے بھی تعلقات منقطع کر لیے تھے۔ ان تعلقات کے ٹوٹنے پر اسے اتنا افسوس نہ ہوتا، اگر وہ دو بھی ان پینتالیس باروشائیوں کے ساتھ مارے جاتے۔

وہ چند لمحوں تک سوچتا رہا کہ کیوں نہ پہاڑ والے کے پاس جا کر اس کی دُعا حاصل کرے اور اس مقدس ہستی کی مدد سے ان دو غیر ملکیوں کا قلع قمع کر ڈالے لیکن پھر اسے جونیتا کی پیش گوئی یاد آ گئی کہ آنے والی نئی طاقت، پہاڑ والے کو سلطانی عطا کرے گی پھر وہ یہ بھی جانتا تھا کہ اگر وہ پہاڑ والے کے پاس چلا گیا تو لوگ اسے کمزور سمجھنے لگیں گے۔

اچانک اسے ایک نئی ترکیب سُوجھ گئی۔

کیوں نہ فردوسیوں کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا جائے۔

وہ اس اقدام کے مختلف پہلوؤں پر غور کرنے لگا جو صرف ایک ہی تھا کہ باروشائیوں سے اس کی دوستی دُشمنی میں بدل جائے گی لیکن اسے اس کی پروا نہیں تھی۔

سوچتے سوچتے کافی دیر ہو گئی تو اسے یقین ہو گیا کہ اگر فردوسیوں سے تعلقات بحال ہو جائیں تو یہ فردوسی عفریت اپنی کارروائیاں سُست کر کے اسے نئی منصوبہ بندی کا موقع ضرور فراہم کریں گے۔ اس نے یہ عزم کر لیا کہ دوستی کی مدت کے دوران وہ پہاڑ پر جا کر اس مقدس آدمی کو قتل کر ڈالے گا جس کے سلطان بننے کی پیش گوئی جونیتا نے کی تھی۔

وہ ایک طویل سانس لے کر پسینہ پونچھنے لگا۔ کسی ملک پر حکمرانی اتنی مشکل بھی ہو سکتی ہے، اس کا اُسے آج پہلی بار احساس ہوا تھا۔

وزیرِ خارجہ نے دوسرا تار پڑھ کر سر تھام لیا جس پر لکھا تھا: "ہم تعلقات دوبارہ شروع کر رہے ہیں، اب تو خوش ہوتا؟"

وزیرِ خارجہ صرف اڑتالیس گھنٹے قبل ہی فردوسی صدر کو تعلقات ٹوٹنے کی اطلاع دے چکا تھا اور اب بلاوجہ تعلقات منقطع کرنے کے بعد بلا وضاحت تعلقات کی بحالی خود اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ لہٰذا اُس نے اپنی سکرٹری کو حکم دیا کہ وہ فوراً باقیا کے صدر، وزیرِ خارجہ یا کسی بھی ذمے دار وزیر سے بات کرائے۔

سکرٹری مسلسل ایک گھنٹے کی کوششوں کے بعد بھی ناکام رہی اور اس نے وزیرِ خارجہ کو بتایا کہ باقیا کے ایوانِ صدر میں صرف ایک آپریٹر ہے اور اس کا کہنا ہے کہ آج حکومت کی چھٹی کا دن ہے۔

وزیرِ خارجہ کا مُنہ کھلا رہ گیا۔ کبھی حکومت بھی چھٹی پر گئی ہے؟ ایسا اس نے پہلے کبھی نہیں سُنا تھا۔

وزیرِ خارجہ نے صدرِ مملکت سے ملاقات ضروری سمجھی اور تعلقات کی بحالی کا انکشاف کر کے خاموش ہو گیا۔

"انہوں نے ایسا کیوں کیا؟ کیا ان پر کوئی دباؤ تھا؟" صدرِ مملکت کے لہجے میں حیرت تھی۔ "ممکن ہے انٹیلی جنس نے کوئی

کام کر دکھایا ہو۔"

یہ محض اتفاق ہی تھا کہ انٹیلی جنس کا ڈائرکٹر بھی ایوانِ صدر میں موجود تھا لیکن اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ اس کی ایجنٹ روبی وہاں پہنچتے ہی دھر لی گئی ہے اور اس کی اطلاع اسے ایک دوست ملک کے سفارتخانے سے ملی تھی۔ تاہم اُس نے اس خبر پر کسی حیرت کا اظہار نہیں کیا کہ تعلقات کی بحالی کا پیغام آ گیا ہے۔

"یہ اچھی خبر ہے۔" انٹیلی جنس کے سربراہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "مجھے خوشی ہے کہ میرے آدمی اتنی جلد اچھے نتائج دے رہے ہیں۔" ڈائرکٹر کو یہ بات بخوبی معلوم تھی کہ جب سے روبی باقیا کے لیے روانہ ہوئی ہے، تب ہی سے تقریباً پچاس باروشائی آدمی مارے جا چکے ہیں۔ ڈائرکٹر، تعلقات کی اس بحالی کا کریڈٹ خود اپنے سر لینا چاہتا تھا لیکن جب صدرِ مملکت نے اس پر جرح کی تو اس نے تسلیم کر لیا کہ باقیا میں صرف ایک لیڈی ایجنٹ موجود ہے اور وہ کہاں مقیم ہے، اس کا اُسے بھی علم نہیں ہے۔ یہ اس کا سفید جھوٹ تھا۔

ان سب کے جاتے ہی صدرِ مملکت نے بیڈ روم اندر سے لاک کر کے ایک بار پھر سرخ ٹیلی فون پر ایک خاص نمبر ڈائل کیا۔

"مبارک ہو، ڈاکٹر بہرام! باقیا کی حکومت نے تعلقات کی بحالی کا فیصلہ کر لیا ہے۔"

"جی ہاں! مجھے ابھی ابھی معلوم ہوا ہے۔"

بہرام کے اس جواب پر صدرِ مملکت چند لمحوں تک خاموش رہے۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ چارہ گر کے سربراہ کو بھی اس خفیہ اطلاع کا علم ہو گا۔ "کیا تمہیں یہ بھی پتہ ہے کہ وہاں کیا ہو رہا ہے؟" انہوں نے چند لمحے توقف کے بعد بہرام سے پوچھا۔

"جی ہاں... گزشتہ اڑتالیس گھنٹوں میں اڑتالیس غیر ملکی ایجنٹ باقیا میں قتل کیے جا چکے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ یہ کارنامہ میرے آدمیوں نے انجام دیا ہے۔ کیا آپ نے وہاں انٹیلی جنس کے آدمی بھیجے تھے؟ بہرحال، اُن کی ایک ایجنٹ جیل میں ہے۔"

"ہاں... اور اسے رہا کرانا بھی تمہارے آدمیوں کی ذمے داری ہے لیکن ترجیحی مشن کو دی جائے اور ہاں! میں گزشتہ بار ہونے والی گفتگو میں تلخی کے سلسلے میں معذرت خواہ ہوں۔"

باقیا میں حکومت چھٹی پر تھی لہٰذا بہرام کو اُوشان اور ٹائیگر ہوٹل کی لائن جلد ہی مل گئی۔

"کیا حال ہے برخوردار؟" اس نے خوش گوار لہجے میں پوچھا۔

ہولناک اور پراسرار ماحول میں جنم لینے والی ایک
حقیقت جو کہانی بن گئی
ایک آشفتہ حال کی داستانِ عبرت جسے قانون نے
مجرم بنا دیا

رقصِ ابلیس

انوار صدیقی

قیمت۔ 150/

اردو بازار لاہور

ٹائیگر نے معذرت کر کے لیبوراٹوشان کو دے دیا کہ وہ آج کل سرکاری کام کرنے کے موڈ میں نہیں ہے۔

"میں یہاں صدرِ مملکت کے حکم پر آیا ہوں۔ بھلا کسی چھوٹے افسر سے کیسے بات کر سکتا ہوں!" اُوشان نے بگڑ کر کہا۔

"اس لیے کہ میں نے ابھی صدرِ مملکت سے بات کی ہے۔"

"اوہ..." اُوشان کے چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ رقص کرنے لگی۔ "ہیلو، محترم بہرام شمشیر سانچو کے مالک کی طرف سے سلام قبول کرو۔ دُنیا تمہاری دانش کے سامنے سجدہ ریز ہے اور آبی جانور بھی تمہاری وفاداری کا دم بھرتے ہیں اور سُنو... یہ شہزاد... ہر مشکل مہم میرے کندھوں پر ڈال کر الگ ہو جاتا ہے۔ ابھی دو روز قبل یہاں ایک ہجوم نے حملہ کر دیا تھا جس میں سے صرف تین آدمی اس نے شکار کیے اور باقی سب میرے حصے میں آئے۔ ان کی تعداد پینتالیس تھی۔"

"تم نے اب تک اور کیا کیا ہے؟" بہرام نے بڑے صبر و تحمل کے ساتھ سوال کیا۔

ہم نے یہاں اپنی موجودگی ثابت کر دی ہے اور اب تمہارے احکام بجا لانے کے منتظر ہیں۔"

"ٹھیک ہے اُوشان۔ سب سے پہلے مشین پر قبضہ کرو اور اس کے بعد فردوسی ایجنٹ کو جیل سے رہا کراؤ۔ اس کا نام روبی ہے۔"

"اور کچھ عزت مآب بہرام!" اُوشان نے پوچھا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

...بگرد دوسری طرف سے رابطہ منقطع ہو گیا تھا۔

اوشان ریسیور رکھ کر مشن حاصل کرنے کے طریقوں پر شہزاد سے اُلجھ گیا۔ پھر وہ جیل میں قید روبی کی رہائی پر بھی تبادلہ خیال کرنے لگے۔ اس کے بعد اوشان اچانک ہی اٹھ کھڑا ہوا: "میں مہم کی تکمیل کے لیے جا رہا ہوں۔" اس نے سرسری سے لہجے میں کہا۔

"چلو... میں بھی ساتھ چلوں گا۔" ٹائیگر کھڑا ہو کر اوشان کو دیکھنے لگا جو اب کھڑکی کے سامنے رُک کر ایوان صدر کی طرف ہاتھ ہلا رہا تھا۔ چند لمحوں کے بعد وہ مطمئن انداز میں کھڑکی سے ہٹ گیا۔

"یہ آپ کیا کر رہے تھے اوشان؟" ٹائیگر نے قدرے حیرت سے پوچھا۔

"صدر سکارٹو اپنی کھڑکی سے ہماری کھڑکی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اب یہ اس کا معمول بن چکا ہے۔" اس نے سے اشارہ کرتے ہوئے بتایا ہے کہ میں اس سے مل کے آ رہا ہوں۔"

"میرا خیال ہے کہ وہ محل ہی سے بھاگ نکلے گا۔"

"نہیں فرزند۔ اسے انتظار کرنا ہوگا۔ شمشیر سنابجو کا مالک خود اس سے ملنے کے لیے جا رہا تھا۔" اوشان یہ کہتے ہوئے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

شہزاد یہ سوچتا رہ گیا کہ معلوم نہیں روبی کس لڑکی ہوگی؟

محافظوں کے لیفٹیننٹ اور سارجنٹ دونوں تہیہ کر چکے تھے کہ وہ روبی کو تباہ کر کے ہی دم لیں گے۔ ویسے بھی باقیا میں سیاسی قیدیوں کی بے حرمتی خلاف قانون نہیں تھی۔ ان دونوں کی غلیظ ذہنیت سے روبی بھی بے خبر نہیں تھی' اس لیے اس نے دونوں کو علیحدہ علیحدہ یقین دلایا تھا کہ وہ صرف اسی سے محبت کرتی ہے اور یہ کہ دوسرا اپنے ساتھی کو راستے سے ہٹانے کی فکر میں ہے۔ اس طرح وہ وقتی طور پر محفوظ ہو گئی کیونکہ سارجنٹ لیفٹیننٹ کو اور لیفٹیننٹ سارجنٹ کو قتل کر کے روبی کو حاصل کرنے کے خواب دیکھنے لگا تھا۔

وہ کوٹھری میں فرش پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اسے علم تھا کہ ان دونوں میں سے کوئی بھی اس کے لیے ایک پستول لے کر آئے گا کیونکہ وہ دونوں سے وعدہ کر چکی تھی کہ رقیب کو وہ خود اپنے ہاتھ سے گولی مار کر راستے سے ہٹائے گی۔ یہ پہلے ہی طے ہو چکا تھا کہ رقیب کو قتل کر کے وہ جیل سے فرار ہو جائے گی اور پھر واشنگٹن کے راستے اپنے دارالحکومت پہنچ کر اپنے محبوب کو ساٹھ ملین ڈالر بھیجے گی تاکہ وہ کوئی کاروبار کر سکے۔ اسے یقین نہیں تھا کہ اس کا یہ جوا کامیاب ہو جائے گا لیکن وہ جوا ہی کیا جس میں کامیابی یقینی ہو۔ اب اسے صرف یہ دیکھنا تھا کہ کون سا گارڈ کتنا احمق ہے کہ اسے پستول لا کر دے دے۔

بوڑھے اور نوجوان میں زمین و آسمان کا فرق تھا۔ نوجوان کی رنگت سُرخ تھی جبکہ بوڑھا زرد رُو تھا۔ نوجوان کی کھلائیوں سے اس کا اظہار ہو رہا تھا کہ وہ بے حد طاقتور ہے۔ سکارٹو نے کوٹ کو دوسرے دیکھ کر جو اندازہ لگایا تھا، بوڑھا اس سے کہیں زیادہ نکلا۔ تاہم سکارٹو اچھی طرح جانتا تھا کہ برطانوی اور باروشائی افواج کا اجتماعی قتل ان ہی چار ہاتھوں نے کیا ہے۔

"باقیا کے عوام اپنے ملک کی حسین سرزمین پر آپ کا خیر مقدم کرتے ہیں۔ ہم فرد وسیوں سے نسلاً محبت کے عادی ہیں۔" سکارٹو نے خوف دُور ہو جانے کے بعد چاپلوسی کا انداز اختیار کر لیا۔

اوشان اُسی طرح ہاتھ ہلا کر رہ گیا جیسے اپنے نارنجی گال پر سے مکھی اُڑا رہا ہو۔

"میرے لائق کوئی خدمت؟" سکارٹو نے بدستور نرم لہجے دریافت کیا۔

"ہمیں صاف تولیے درکار ہیں۔ صاف چادریں اور میز... اور کچھ شہزاد؟"

"فی الحال یہی کافی ہیں۔"

"آپ کی ہر فرمائش پوری ہوگی اور ہاں... آپ حضرات کو خوشی ہوگی کہ ہم نے جزیرہ فردوس سے تعلقات بحال کر لیے۔"

"یہ کیا کہہ رہا ہے؟" اوشان نے اکتائے ہوئے انداز میں ٹائیگر سے پوچھا۔

"پتہ نہیں..." ٹائیگر کا لہجہ اکھڑا اکھڑا سا تھا۔

"میں فردوسیوں اور باقیائی عوام کے درمیان خون اور نسل کے..."

"ہمیں صاف تولیے درکار ہیں جناب عالی!" اوشان نے مرتبہ قدرے جھلا کر کہا۔

"اور وہ لڑکی بھی جس کو قید میں رکھا گیا ہے... روبی..." سکارٹو کو روبی کے بارے میں ہرام کی ہدایت یاد آ گئی۔

"اسے رہا کر دیا جائے گا... اور کچھ؟"

"ہاں..." ٹائیگر نے بدستور اکھڑے ہوئے انداز میں جواب دیا۔ "ہمیں مشین بھی چاہیئے۔"

"شاندار..." سکارٹو نے سر جھکا کر کہا۔ اس کی مشین کس جیل میں ہی تھی اور اس پر کڑا پہرا تھا۔ "میں آپ حضرات سے جیل میں ملوں گا۔ روبی اور مشین دونوں وہیں ہیں اور دونوں کو میں خود آپ کے حوالے کر دوں گا۔" یہ کہتے ہوئے اس نے اپنے ایک فوجی ہدایت کی کہ وہ مہمانوں کو جیل پہنچا دے۔

کچھ ہی دیر بعد اُن کے لیے کار آ گئی تو سکارٹو نے اُنہیں

تخت سے اُتر کر الوداع کہا۔

باہر نکلتے ہی اوشان اور ٹائیگر دونوں نے ایک ساتھ کہا: "اس شخص پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔"

اوشان اور ٹائیگر کو کار میں بیٹھتے دیکھ کر سکارٹو نے اپنے ہیلی کاپٹر کی طرف لپکا۔

نصف گھنٹے بعد جب اوشان اور ٹائیگر کی کار منزل پر پہنچی تو وہ شاہانہ انداز میں ہیلی کاپٹر کے قریب کھڑا تھا۔

"میرے آدمی مشین لینے گئے ہیں۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا: "اس دوران آپ یہ چابی لے کر کوٹھری سے اپنی ساتھی کو رہا کرا لیں۔ وہ رہی' کوٹھری۔"

"ٹھیک ہے' میں اسے لے آؤں گا۔" ٹائیگر نے چابی لے لی مگر نہ جانے کیوں اوشان بھی اس کے ساتھ کوٹھری کی طرف چل دیا جو ایک نعل نما عمارت میں واقع تھی۔ کوٹھری کے دروازے سے گزر کر ایک راہداری میں پہنچے جس کے دائیں بائیں اُتر کر کوٹھیاں ایک پنجرہ نظر آیا جس کی سلاخوں کو لکڑی سے چھپایا گیا تھا۔

"میں یہیں انتظار کروں گا۔" اوشان نے رُک کر کہا۔

"تو کیا میں تنہا جاؤں؟" ٹائیگر نے خفگی سے پوچھا اور پھر مسکرا کر آگے بڑھ گیا۔

روبی، مایوسی کے عالم میں بیٹھی ہوئی تھی۔ اسے یقین ہو چکا تھا کہ وہ دونوں محبوب ایک دوسرے کے خوف سے اسے لینے کے لیے نہیں آئے۔ وہ یہ بھی سوچ رہی تھی کہ اب کیا ہوگا۔ پھر اس کی حس سماعت جاگ اٹھی۔ اس نے کسی کے قدموں کی آہٹ سُنی تو اس کا دل شدت سے دھڑکنے لگا۔ اس کے کان آہٹ پر لگ گئے۔

وہ سوچ رہی تھی کہ شاید سارجنٹ ہی اسے فرار کرانے کے لیے آ رہا ہے۔ سارجنٹ ہی نے اسے پستول بھی دیا تھا۔ جو اب روبی نے کرتے کے ساتھ لباس کے اندر باندھ رکھا تھا۔

قدموں کی آہٹ آہستہ آہستہ قریب آتی گئی۔ روبی اعصابی طور پر خود اس جیل سے فرار کے لیے تیار کرنے لگی۔ سارجنٹ نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ باہر ایک کار اس کی منتظر ہوگی۔

معاً اسے احساس ہوا کہ قدموں کی چاپ کسی اور کی ہے... کسی اجنبی کی ہے۔ یہ آہٹ... چلنے کا یہ متوازن انداز نہ تو سارجنٹ کا تھا اور نہ ہی لیفٹیننٹ اس طرح چلنے پر قادر تھا۔

وہ دروازے کی اوٹ میں کھڑی ہو گئی... تاکہ آنے والا اگر کسی بُرے ارادے سے آیا ہو تو پستول کی تمام گولیاں اس کے سینے میں اُتار دے۔

دفعتہً دروازے کے قفل میں کنجی گھومی اور پھر دروازہ کھلتا چلا گیا۔ روبی نے پستول کی لبلبی پر اُنگلی رکھ دی۔ آنے والا اس کے لیے قطعی اجنبی تھا۔

"روبی..." اجنبی نے اسے پکارا۔

وہ کانپ گئی۔ نہ جانے کیوں اس کے ذہن میں یہ اندیشہ جاگ اٹھا تھا کہ اجنبی اس کا دشمن ہے اور وہ اب یہاں محفوظ نہیں رہ سکے گی۔ ذاتی دفاع کے خیال سے وہ کسی بلی کی طرح لپکی اور اس نے پستول کی نال آنے والے خوش شکل نوجوان کی گردن پر رکھ دی۔

"کون ہو تم؟" روبی نے کسی ناگن کی طرح پھنکارتی ہوئی آواز میں دریافت کیا۔

ٹائیگر نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا اور روبی کی اُنگلی لبلبی پر دیکھ کر گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ وہ جانتا تھا کہ موت اور زندگی میں کتنا مختصر سا فاصلہ رہ گیا ہے۔ لڑکی اُس کی آمد سے آگاہ تھی اور اس نے خود کو تیار کر رکھا تھا... سب سے بڑی اُلجھن یہ تھی کہ ایسے موقعے پر سامنے والے کو یہ یقین نہیں دلایا جا سکتا کہ آپ اس کے دشمن نہیں بلکہ دوست ہیں۔ تب اس نے نگاہ اُٹھائی اور روبی کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔ اگلی کی ساعت اس کی نظریں روبی کے دل تک اُترنے لگیں اور ہونٹوں پر ایسی مسکراہٹ آ گئی جو پتھر دل حسینہ ہی کو نہیں سراپا چٹان عورتوں کو بھی پگھلنے پر مجبور کر دیتی تھی۔

"میں تمہیں اس جہنم سے نکالنے آیا ہوں سیبن..." اس کی ہیبت ٹائیگر کے چہرے پر وہ مسکراہٹ موجود تھی جو سراپا چٹان عورتوں کو بھی پگھلنے پر مجبور کر دیتی تھی اور روبی تو بہرحال ایک ایسی عورت تھی جس کے سینے میں گوشت پوست کا ایک دل بھی دھڑکتا تھا۔

"تم...؟" روبی کی اُنگلی لبلبی سے ہٹ گئی۔ اس کے دل کے تار پہلی بار اس شدت سے جھنجھنائے تھے کہ وہ آنکھیں جھکا کے اور پستول



Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

والا لاٹھی نیچے گرانے پر مجبور ہو گئی "دیکھا... تمہارا تعلق فردوس کی مہکتی سراپا رسانی سے ہے؟"

"نہیں... لیکن ایسا ہی سمجھ لو!"

"چلے جاؤ!" وہ اچانک اکتا کر بولی کیونکہ نوجوان کے چہرے پر مسکراہٹ کی جگہ اب سنجیدگی نے لے لی تھی "اس سے قبل کہ موت تمہیں نوالہ بنائے یہاں سے بھاگ جاؤ ورنہ تم خود مرو گے بلکہ مجھے بھی مروا دو گے!"

"ایسی کوئی بات نہیں ہو گی۔ کہ میں کسی کی نظر میں آئے بغیر تم تک پہنچ گیا لڑکی؟"

"میرا نام روبی ہے!"

"روبی!" ٹائیگر کو معاً خزانہ یاد آ گئی اور اس کو عجیب سی کمزوری اور ایک محرومی کا سا احساس ہونے لگا۔

"ہاں... اب میں فرار کا جو منصوبہ بنا چکی ہوں اس میں تم کہیں فٹ نہیں بیٹھتے۔ میں تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گی بصورت دیگر ہم صرف بیس فٹ دور ہی دھر لیے جائیں گے!"

"تم بہت ذہین ہو!" ٹائیگر نے مضمحل اڑانے والے انداز میں تبصرہ کیا۔

"اور تم دوہتھی ہو!" روبی بھی پیچھے رہ جانے والوں میں نہ تھی۔ "تم کالے جوتوں پر سفید موزے کیوں پہنے ہوئے ہو؟"

"کمال ہے؟" وہ سر ہلا کر رہ گیا۔ "میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ایک ایسی لڑکی جس کو میں چند سے آزادی دلانے کے لیے زندگی داؤ پر لگا دوں گا، میرے جوتوں اور لباس میں نقص نکالنے لگے گی!"

"تم مجھے جیل سے تو کیا... گرم پانی کے ٹب سے بھی نہیں نکال سکتے!" روبی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "میں نے سنا ہے کہ مرد کپڑوں اور جوتوں پر زیادہ توجہ نہیں دیتے کیا تم بھی...؟"

"جہنم میں گئے کپڑے...!" ٹائیگر نے قدرے درشت پیچے میں کہا۔ "تم بھی جاؤ جہنم میں، یہیں رہو۔ ہم اپنی جیپ میں واپس چلے جائیں گے!"

"تو پھر میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گی تاکہ تم بخیریت نکل سکو!" اس سے قبل کہ وہ مزید کچھ کہتی، ٹائیگر زینے کی طرف پلٹ گیا اور پھر روبی بھی کندھے اچکاتی ہوئی اس کے پیچھے چل کھڑی ہوئی... پھر جب وہ اس جگہ پہنچے جہاں اوشان کھڑا تھا تو روبی نظریں جھکائے رہ گئی۔

"اوشان... لیجیے آپ کا جوڑ بھی مل گیا۔" یہ روبی نے ٹائیگر نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ روبی نے اس تعارف پر دل نواز انداز میں سر خم کیا تو اوشان مسکرانے لگا۔ "دیکھو... اس بچی کو کم سے کم آداب تو آتے ہیں۔"

"آپ کی حمایت خوبصورت ہے۔" کنکھے کی لی ہار روبی نے بچوں کی طرح خوش ہوتے ہوئے پوچھا۔ اوشان کو دیکھ کر اس کے چہرے پر کچھ ایسے تاثرات ابھر آئے جیسے کوئی ننھی سی بچی اپنے باپ سے کچھ کہہ رہی ہو۔

"شاید دو ہزار روپے میں بنی تھی!" اوشان نے مسکراتے ہوئے پُرشفقت لہجے میں جواب دیا۔

"اوہ... بازار والوں نے آپ کو لوٹ لیا!" روبی نے مغلیے انداز میں اس طرح کہا جیسے کسی نے اس کی جیب سے رقم نکال لی ہو۔ "ایسی عبائیں اور گاؤن، شہر بے نظیر کے قریب ایک صنعتی علاقے میں بنتے ہیں۔ میں اس فیکٹری کے مالک سے اچھی طرح واقف ہوں۔ اس پر نیا وہ سے زیادہ خرچہ مزدوری سمیت سات سو روپے آتا ہے ٹیکس ملا کر زیادہ سے زیادہ ایک ہزار روپے پڑتے ہیں!"

"دیکھا شہزاد...!" اوشان نے بھی تاسف سے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔ "لوگ ہمیں کس آسانی سے لوٹ لیتے ہیں!"

"آپ کو لٹنے کی کیا فکر ہے لیٹل فادر!" ٹائیگر نے مسکرا کر جواب دیا۔ "آپ کی جیب سے کیا جاتا ہے؟"

"اس کو چھوڑیں فادر!" روبی نے ٹائیگر کی طرف ہاتھ ہلا کر کہا۔ "آئندہ آپ کو عبا کی ضرورت ہو تو مجھے بتا دیجیے گا۔ میں آپ کو بہت اچھی کوالٹی کے کپڑے کی عبا بہت کم قیمت میں دلواؤں گی۔ اس شکرے کو تو کوئی کام سونپنا ہی نہیں چاہیے اب دیکھیں نا... کالے جوتوں کے ساتھ سفید موزے پہنے ہوئے ہے۔ اس پر کڑی نظر رکھیں۔" آخری جملے روبی نے اوشان کے کان میں لیکن بآواز بلند کہے تھے۔

"تم سچ کہتی ہو۔ یہ شخص...!"

"یہاں سے چلیں...!" ٹائیگر نے ان کی سرگوشی سے عاجز آ کر کہا اور اوشان کے عقب میں دروازے کی طرف بڑھنے لگا۔

"ٹھہرو... ایک منٹ ٹھہرو...!" روبی نے بڑے تحکمانہ لہجے میں کہا اور دونوں رک کر اسے حیرت سے دیکھنے لگے۔ "سنو... کیا تمہیں یہ علم ہے کہ باہر کون ہو گا؟" روبی نے اس مرتبہ عام انداز میں سوال کیا۔

"بہت سے لوگ ہوں گے!" ٹائیگر نے جواب دیا۔

"کون سے لوگ؟"

"وارڈن، گارڈ، صدر سکارٹو۔ صدر سکارٹو تمہیں رہا کرانے کے لیے بنفس نفیس تشریف لائے ہیں!"

"تم اس بدصورت، مکروہ اور خبیث شخص کا ذکر کر رہے ہو، نا جس کے سینے پر درجنوں میڈل لگے ہوتے ہیں؟"

"ہاں... میں اسی شخص سکارٹو کا ذکر کر رہا ہوں!"

"کیا تمہیں یقین ہے کہ ہمارے اس دروازے کی چوکھٹ کو پار کرتے ہی چاروں طرف سے گولیاں پیوست نہیں ہو جائیں گی!"

"گولیاں... مگر کیوں؟" ٹائیگر نے حیرت زدہ لہجے میں پوچھا۔

"اس لیے کہ صدر سکارٹو دغاباز اور مکار آدمی ہے۔ وہ اپنے مفاد کے لیے کچھ بھی کر سکتا ہے، بہتر یہ ہو گا کہ ہم یہاں سے چھت پر چلیں اور پھر وہاں سے...!"

"نہیں...!" ٹائیگر کو یہ تجویز سراسر توہین محسوس ہوئی۔ "ہم مرکزی دروازے سے نکلیں گے!"

"دھیرج فرزند...!" اوشان نے ٹائیگر کے بازو پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "روبی کی باتوں سے دانشمندی کی مہک آ رہی ہے، اسے محسوس کرو!"

"ارے جھوڑیں!" ٹائیگر نے کسی لڑاکا عورت کی طرح ہاتھ ہلا کر کہا۔ "آپ اس کی حمایت صرف اس لیے کر رہے ہیں کہ یہ آپ کو سستی عبا دلوا دے گی!"

"تم جو چاہو کرو!" روبی نے خشک لہجے میں جواب دیا۔ "مرکزی دروازے سے جانا چاہتے ہو؟ ضرور جاؤ۔ بھلا ہم اعتراض کرنے والے کون ہوتے ہیں لیکن میں اور فادر دونوں چھت پر جا رہے ہیں۔ اس کے بعد، ہم تمہاری لاش بذریعہ پارسل تمہاری خواہش کے مطابق بھیج دیں گے!" یہ کہہ کر اس نے اوشان کا ہاتھ پکڑا اور زینے کی طرف چل پڑی۔ ٹائیگر چند لمحے تک مایوسی سے سر جھٹکتا رہا اور پھر خود بھی ان کے پیچھے چل دیا۔ چند لمحے بعد وہ ان سے آگے نکل چکا تھا۔

"تمہیں اپنے ساتھ دیکھ کر خوشی ہوئی!" روبی نے اسے چڑانے والے انداز میں کہا۔

"اگر تم ہمارے ساتھ چلنا ہی چاہتی ہو تو اپنے اعشاریہ ۳۸ سے نجات حاصل کیوں نہیں کر لیتیں؟" ٹائیگر نے سنجیدگی سے اس کی بیلٹ کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ روبی نے ہتھیار اس طرح چھپا رکھا تھا کہ کسی کو اس کی جھلک بھی نظر نہ آئے۔ روبی کا ہاتھ بے اختیار اپنی قمیص پر چلا گیا۔ اعشاریہ ۳۸۔ اس کی بیلٹ کے بائیں حصے میں تھا اور اسے لمبے بلاؤز نے چھپا رکھا تھا۔

"تم... تمہیں کیسے معلوم ہوا؟" روبی نے جس کے چہرے کی رنگت پل بھر میں بدل گئی تھی، گھبرا کر پوچھا۔ "فادر! اسے یہ کیسے پتہ چلا کہ میرے پاس پستول ہے اور اس کی قسم اسے کیسے معلوم ہوئی؟"

وہ دونوں خاموش رہے۔

"تم نے جھانک کر دیکھا تھا؟" روبی نے اس طرح کہا جیسے فرد جرم عائد کر رہی ہو۔

"نہیں... مجھے جھانک کر دیکھنے کی ضرورت کبھی محسوس نہیں ہوئی!"

"یہ سچ کہتا ہے، اس کی آنکھیں تو ہر وقت بند رہتی ہیں، بھلا یہ کس طرح جھانک سکتا ہے؟" اوشان نے رُوکھے لہجے میں اپنے شاگرد کی تائید کرتے ہوئے کہا۔

"تب پھر اسے یہ علم کیسے ہوا کہ میرے لباس میں اعشاریہ ۳۸ چھپا ہوا ہے؟" روبی کا انداز اب بھی حیرت زدہ تھا۔ اسے ٹائیگر کی اس صلاحیت پر رشک آنے لگا تھا... اور وہ سوچ رہی تھی کہ یہ پتہ چلا لینا کہ مخالف کس ہتھیار سے لیس ہے، کتنی اہم بات ثابت ہو سکتی ہے۔ "یہ کیسے علم ہوا؟" اس بار وہ چلا اٹھی تھی گویا جلد از جلد یہ فن سیکھ لینا چاہتی تھی۔

"بڑی آسانی سے...!" ٹائیگر نے زینہ چڑھتے ہوئے جواب دیا۔ "تمہارے بائیں پیر کے قریب گن ہے لہٰذا جب تم چلتی ہو تو تمہارے جسم کا جھکاؤ بائیں طرف رہتا ہے۔ میں تمہارے بائیں پیر پر لوہے کی آواز بھی سن سکتا ہوں۔ اس لوہے کی شدت گن کا وزن بتاتی ہے!"

"کیا واقعی...؟" روبی نے غیر یقینی انداز میں اوشان کی طرف دیکھ کر پوچھا۔ "کیا یہ دہقانی سچ کہہ رہا ہے فادر؟ یہ مجھے اتنا ذہین نہیں لگتا کہ...؟"

"ہاں... یہ اس قسم کے چھوٹے چھوٹے کام کر سکتا ہے۔" اوشان نے شانِ بے نیازی سے جواب دیا۔

"اس کا کیا مطلب ہوا؟" وہ ہونقوں کی طرح منہ کھولے رہ گئی۔

"مطلب یہ کہ شہزاد باریک بین نہیں۔ تمہیں یہ بات نہیں بتا سکتا کہ تمہارے اعشاریہ ۳۸ میں صرف تین گولیاں ہیں!"

"میرے خدا...!" روبی نے دونوں ہاتھ سر پر رکھ کر کہا مگر شدتِ حیرت کے باوجود اس کے قدم نہیں رُکے۔

"اب زیادہ مت بولو۔ تمہاری آواز مجھے ایسی لگ رہی ہے جیسے برف کے ٹکڑے چٹخ رہے ہوں!"

"کیا فادر نے تمہیں یہ فن سکھایا ہے؟" روبی نے ٹائیگر کا جملہ ایک کان سے سن کر دوسرے سے نکالتے ہوئے کہا۔

"ہاں...!" ٹائیگر نے اثبات میں سر ہلایا۔

"میں اس کا استاد ہوں!" اوشان نے گردن اکڑا کر کہا۔ "لیکن یہ اس طرح نہیں سیکھ سکا جس طرح اسے سیکھنا چاہیے تھا... پھر بھی... دوسرے استادوں کے شاگردوں سے کہیں بہتر ہے!"

"مجھے بھی یہ فن سکھا دیں، فادر!" روبی نے یہ سوچ کر کہا کہ وہ اس فن کو تجارت بنائے گی اور پھر باقاعدہ ایک تربیتی ادارہ کھولے گی جس میں جوڈو کراٹے اور چھپے ہوئے ہتھیاروں کی پہچان بھی سکھائی

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

جائے گی تو میں آپ کو بیس فی صد دوں گی۔" آخری جملہ اس نے سرگوشی میں کہا تھا تاکہ ٹائیگر نہ سن سکے۔

"چالیس فی صد۔" اوشان نے کچھ سوچتے ہوئے فی صد میں اضافہ کر دیا۔ اسے یہ اندازہ ہی نہ ہو سکا کہ روبی اس کے معمولی سے فن کو تجارت بنانے پر غور کر رہی ہے۔

"نہیں... تیس فی صد...!" روبی نے تاجروں کے مخصوص انداز میں کہا۔ "میں اس سے زیادہ نہیں دے سکتی اور اس تیس فی صد میں اس سنتری کا بھی حصہ ہوگا۔ میں اسے اپنے حصے میں سے کچھ بھی نہیں دوں گی۔" روبی کا اشارہ ٹائیگر کی طرف تھا جو دونوں سے آگے چل رہا تھا۔

"چلو... منظور...!" اوشان نے یہ سن کر کسی کام میں ٹائیگر بھی اس کے ساتھ رہے گا۔ تیس فی صد منظور کر لیا لیکن اسے ابھی تک یہ اندازہ نہ ہوا تھا کہ یہ تیس فیصد کیا ہے؟ اموات کی شرح؟ منافع کی شرح یا آمدنی کا کتنا سب...!

ٹائیگر نے آخری سیڑھی پر پہنچ کر دروازہ کھولا اور پھر تینوں ایک ایسی چھت پر آ گئے جس کے آگے یو کی شکل کا کیبا ؤنڈ بھی نظر آ رہا تھا۔ وہ چھت کی منڈیر پر پہنچ کر نیچے جھانکنے لگے تاکہ یہ دیکھ سکیں کہ جنرل سکارٹو کہاں ہے۔ سکارٹو اپنے ہیلی کاپٹر کے قریب صندوق کی شکل والی ایک مشین سمیت کھڑا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک پائپ تھا جس کا رخ دروازے کی سمت میں تھا۔

"کہاں مر گئے تینوں؟" سکارٹو نے میجر گوگو سے پوچھا جو ہیلی کاپٹر سے ٹیک لگائے سگار پھونک رہا تھا۔ اس کی آواز چھت پر موجود لوگوں کو صاف سنائی دے رہی تھی۔

"بس آتے ہی ہوں گے۔" گوگو نے بے زار لہجے میں جواب دیا۔

"دیکھا۔" چھت کے اوپر روبی نے ٹائیگر کو ٹہوکا دے کر یاد دلایا "تم اس مکروہ شکل والے پر بھروسہ کر رہے تھے۔ اب وہ مشین لیے تمہارا اور فادر کا منتظر ہے۔"

"ٹھیک ہے بابا، تم ٹھیک کہتی تھیں۔" ٹائیگر نے عاجز آ کر جواب دیا اور پھر جھک کر پوری چھت کا جائزہ لینے لگا۔ بیس گز دور چوکیدار کے لیے ایک ٹاور، چھت سے دس فٹ اونچا بنا ہوا تھا۔ اس ٹاور میں ایک سنتری اردگرد نظریں رکھے ہوئے بیٹھا تھا اس کی پشت ان تینوں کی طرف تھی۔

"تم یہیں ٹھہرو، میں ذرا گارڈ کی خیریت دریافت کر لوں۔" سکارٹو کی غداری اور دھوکا دہی کا پردہ فاش ہونے کے بعد ٹائیگر کا رواں رواں ہوشیار ہو گیا تھا مگر اس کے چہرے پر پریشانی اور تردد کے کوئی آثار نہ تھے... اور یہ بات روبی کے لیے باعث حیرت تھی۔

اس کی آنکھیں ٹائیگر پر جمی تھیں جو اب آہستہ آہستہ گارڈ ٹاور کی طرف جا رہا تھا۔ ابھی وہ ٹاور سے چار پانچ گز دور تھا کہ اچانک سنتری ان تینوں کی طرف پلٹ گیا۔ اس کی نظریں روبی اور اوشان پر پڑیں جو اس سے بیس گز دور کھڑے ہوئے تھے اور پھر اس نے ایک وجیہہ نوجوان کو ٹاور کی طرف دوڑتے ہوئے دیکھ کر رائفل بھابٹ سکندھے سے لگائی اور پھر لبلبی دبانے کے لیے ہاتھ آگے لے جانے لگا... مگر اسی لمحے روبی کا اعتبار بہ ۳۸ زور سے گرجا اور سنتری کے سر سے خون اُبلنے لگا۔ وہ پٹ سے گر کر چھپکلی کی طرح مر گیا۔

"آہ... تم نے اپنی ایک گولی ضائع کر دی، پیاری بچی!" اوشان نے بڑے افسوس سے کہا۔ "اس کی گولی شہزاد کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتی تھی!"

"ممکن ہے وہ گولی اس کے لیے نہیں میرے لیے چلائی جاتی!" روبی نے جواب دیا۔ اس کا لہجہ روکھا سا تھا مگر جونہی اسے احساس ہوا کہ اوشان اسے تجارت میں منافع ہی دے گا تو وہ مسکرانے لگی... "اگر میں گولی کی شکار ہو جاتی تو تمہیں بیس فی صد منافع ملتا۔"

"چالیس فیصد۔" اوشان نے تصحیح کی۔

"نہیں... تیس فیصد...!" روبی نے فوراً جواب دیا۔ "اور ہاں اس شخص کو پاتا تمہاری ہی ذمے داری ہے۔ میں اپنے حصے میں سے اسے ایک پیسہ بھی نہیں دوں گی۔"

سنتری کی کھوپڑی سے خون کا فوارہ اُبلتا ہوا دیکھ کر ٹائیگر کو بڑی کوفت ہوئی۔ اس نے ناخوشگوار انداز میں پلٹ کر روبی کی طرف اور پھر ٹاور کی ریلنگ سے نیچے گرتے ہوئے سنتری کی طرف دیکھا جس کی رائفل اس کے ساتھ ہی گر رہی تھی۔

"چلو... یہاں سے نکل چلو۔" ٹائیگر نے ناخوشگوار لہجہ میں کہتے ہی ان دونوں کی طرف پیٹھ کرتے ہوئے کہا۔

نیچے کیبا ؤنڈ میں سے صدر سکارٹو کی نظر بھی ان پر پڑ گئی اس کا مکروہ چہرہ اور بگڑ گیا۔ اس نے مشین بازوؤں میں بھر کر چھت کی طرف کر دی اور پھر بلا کسی تاخیر کے اس نے فائرنگ بٹن دبا دیا۔ مشین ایک لمحے تک گنگناتی رہی اور پھر زوردار آواز پیدا ہوئی۔

مشین کا نشانہ خطا گیا۔ شعاع کی لہر کے سبز ذروں سے چھت بھر گئی لیکن تینوں ہی اس کی زد سے بروقت نکل گئے۔ تینوں چھت کے دروازے سے ٹکرائے اور اپنے ہی زور میں آگے... عین اس جگہ پہنچ گئے جہاں پر لہر کے ذرے آخری سانس لے رہے تھے۔

"میرا خیال ہے کہ... ہمیں..." ٹائیگر کی آواز نہ جانے کیوں ہکلانے لگی۔ اس کی عجیب حالت تھی۔ لفظ نوک زبان سے پھسلے

کا نام تک نہ لے رہے تھے۔ اس نے بے چارگی کے عالم میں اوشان کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر ایسے تاثرات تھے جیسے وہ مدد طلب کر رہا ہو لیکن اوشان کی حالت بھی مختلف نہ تھی۔ اس کی آنکھیں بجھ رہی تھیں اور وہ اپنی ٹانگوں پر جسم کا بوجھ برداشت کرنے کے قابل نہ رہا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ گر پڑا اور پھر ٹائیگر بھی اس کے اوپر گر گیا۔

ٹائیگر کے جسم سے طاقت سلب ہو چکی تھی۔ ادھر روبی کو اچھی طرح احساس تھا کہ شعاعوں کے ذروں نے اسے نقصان کیوں نہیں پہنچایا۔ تاہم وہ اس موضوع پر فی الوقت سوچنے کی بھی روادار نہیں تھی ضروری کام پہلے کرنا تھا لہٰذا وہ تیر کی طرح ایک طرف دوڑتی چلی گئی۔ اسے بہرصورت جلد از جلد یہاں سے نکل جانا تھا۔

ابھی وہ مشکل تین چار گز دور ہی گئی ہوگی کہ اچانک اس کے دل نے ذہن سے بغاوت کر دی تھی اور دل کی پکار یہ تھی کہ وہ راہِ فرار اختیار کرنے کے بجائے ان دونوں کو کسی محفوظ جگہ پہنچا دے جو اسے بچانے کے لیے آگے تھے۔ اس نے پلٹ کر دیکھا، دونوں لانڈری کے کپڑوں کی طرح ایک دوسرے کے اوپر پڑے ہوئے تھے۔ وہ ایک طویل سانس لے کر رہ گئی اور پھر اس کے قدم ان دونوں کی طرف اسے واپس لے جانے لگے۔ راستے میں اس نے ایک بار پھر کچھ سوچا، وہ رکی اور پھر ٹاور پر چڑھتی چلی گئی۔ یہاں اسے نیچے کا منظر صاف نظر آیا۔ نیچے بڑے پرنالے پر دھاوا بولنے کی تیاریاں نظر آ رہی تھیں۔ روبی نے ٹاور میں پڑی ہوئی ایک رائفل اٹھائی اور پھر نیچے اترنے لگی۔

اس نے شہزاد اور اوشان کو حتی الامکان تحفظ فراہم کرنے کا تہیہ کر لیا تھا۔

نیچے سے صدر سکارٹو یہ نہ دیکھ سکا کہ وہ دونوں مشین کی شعاعوں سے متاثر ہو کر گر پڑے ہیں لہٰذا وہ بار بار بٹن دباتا رہا تاہم تمام لہریں ان دونوں کے اوپر سے گزرتی ہوئی ضائع ہوتی رہیں۔

روبی چھت پر پوزیشن لے کر لیٹ گئی۔ اس نے مشین کا نشانہ لیا اور اپنے پستول کی لبلبی دبا دی... نشانہ خطا ہو گیا اور مشین کے ایک کونے سے گولی ٹکرا کر ضائع ہو گئی۔

"کم بخت!" روبی نے پستول کو برا بھلا کہا "چوری کی ہے نا آخر...!" یہ کہہ کر اس نے رائفل اٹھائی اور نشانے سے لگانے کی کوشش کی... اس وقت تک سکارٹو اور گوگو دونوں مشین کو ہیلی کاپٹر کی پناہ میں لے جا رہے تھے۔

"یوں احمقوں کی طرح مت کھڑے رہو۔" سکارٹو نے گرج کر ماتحتوں کو حکم دیا۔ اس کی آواز سن کر عمارت کی پہلی منزل کے چھتے میں چھپ جانے والے سر اٹھا کر دیکھنے لگے۔ "اٹھو! انھیں گرفتار کرو۔" سکارٹو نے انہیں وہ حکم دیا جسے سنے بغیر ہی ان کی آدھی جان خشک ہو چکی تھی۔

روبی نے ہیلی کاپٹر پر رائفل سے فائر کیا تو اس وقت خود سکارٹو ہیلی کاپٹر کے عقب میں چھپا ہوا تھا۔ وہ اوشان اور ٹائیگر کی طرف دیکھ کر غصے سے بل کھانے لگی۔ وہ دونوں ابھی تک ساکت پڑے ہوئے تھے۔ "اٹھو بے وقوفو...!" اس نے زیر لب کہا مگر وہ اس کی سرگوشی نہ سن سکے اور پھر جب روبی نے یہ دیکھا کہ سکارٹو کے سپاہی مخالف سمت والی عمارت پر چڑھ کر کارروائی کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں تو وہ ہوشیار ہو گئی۔ اس نے تاک کر زینے پر دو گولیاں داغیں اور دیکھتے ہی دیکھتے تمام سپاہی فرار ہو گئے۔

روبی اچھی طرح جانتی تھی کہ اگر ٹائیگر اور اوشان فوراً نہ اٹھے تو وہ زیادہ دیر تک سکارٹو کی طاقت کا مقابلہ نہیں کر سکے گی اس کے پاس گولیاں کم تھیں اور وہ یہ بھی جانتی تھی کہ اگر فوجیوں نے اندھا دھند فائرنگ شروع کر دی تو ٹائیگر اور اوشان کو کوئی بھٹکی ہوئی گولی بھی چاٹ سکتی ہے۔

اس نے ایک ایک گولی بڑی احتیاط سے استعمال کرنے کا منصوبہ بنایا اور اس طرح فوجیوں کو اتنی ڈھیل مل گئی کہ وہ مخالف سمت والی چھت پر پہنچ سکیں۔ فوجیوں نے اوپر نیچے ہی روبی کے حملے سے بچنے کے لیے چھت پر لیٹنا شروع کر دیا۔

"ہم تینوں ہی مریں گے۔" وہ دانت پیس کر بولی اور پھر کسی چھپکلی کی طرح رینگتی ہوئی پل بھر میں اوشان کے قریب پہنچ گئی۔ "سنو بابا جی... میں تمہیں لے جانے کے لیے جلد واپس آؤں گی۔" اس نے اوشان کے کان میں کہا اور پھر دونوں سے دور ہٹتی چلی گئی تاکہ وہ اس دوران بھٹکی ہوئی گولیوں کے نشانہ نہ ہو جائیں اس نے مخالف چھت کی سمت میں دیکھے بغیر دو فائر کیے اور پھر دیکھا تو اس کے سنگ چہرے پر ایک دلکش مسکراہٹ دوڑ گئی۔ اسے چھت پر کسی بھی فوجی کا سر نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ دبک گئے تھے۔

روبی نے یہ موقع ضائع نہ کیا اور چھت کے اس حصے کی طرف آ گئی جس کو جیل کے احاطے نے گھیر رکھا تھا۔ "فائرنگ روک دو!" اس نے چیخ کر کہا۔ "ہم ہتھیار ڈال رہے ہیں۔"

اس سے قبل کہ فوجی فتح کی خوشی میں کوئی قبائلی نعرہ لگاتے، روبی بیس فٹ نیچے زمین پر کود گئی اور سپاہی احاطے میں ہتھیار ڈال

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کے گرنے کا انتظار کرتے رہے۔

"احمقو!" سکارٹو نے چلا کر کہا۔ "ان کا کہنا ہے کہ وہ ہتھیار ڈال رہے ہیں۔ جاؤ، جا کر انھیں گرفتار کر لو۔ احمقوں کی طرح چھت کی طرف کیا دیکھ رہے ہو؟" یہ کہتے ہوئے خود سکارٹو بھی ہیلی کاپٹر کی اوٹ سے نہ نکلا... صدر سکارٹو کا حکم سُن کر فوجی مجبوراً آگے بڑھے تاہم ان میں سے ہر ایک کو یہی خوف کھائے جا رہا تھا کہ چھت پر موجود سانولی سی لڑکی انھیں گولی نہ مار ڈالے... پھر جب پیشقدمی کے باوجود کوئی گولی نہ آئی تو ان میں سے سب سے بہادر اُٹھ کھڑا ہوا اور پھر جب اس کے سینے سے خون کا فوارہ نہ بلند ہوا تو وہ سب نعرۂ فتح لگاتے ہوئے اُس چھت پر کُودنے لگے جس پر چند لمحے قبل روبی مورچہ سنبھالے ہوئی تھی تاہم اُس چھت پر انھیں لڑکی نہ ملی۔ وہ ایسے غائب ہو گئی تھی جیسے اسے آسمان نے اُچک لیا ہو۔ تاہم انھوں نے دونوں بے ہوش آدمیوں کو دبوچ لیا۔ "لڑکی بھاگ گئی۔" وہ نے کے سربراہ نے چھت کے اوپر ہی سے اس طرح اعلان کیا جیسے پوری قوم کو آزادی و خوشحالی کی نوید دے رہا ہو۔ "مگر ہم نے دونوں مُردوں پر قابو پا لیا ہے۔"

"شاباش!" سکارٹو نے اس مرتبہ ذرا بے خوف لہجے میں کہا۔ "انھیں نیچے لے آؤ... اور ہاں، لڑکی کی تلاش تیز تر کر دو۔"

فوجیوں نے اس سمت دیکھا جس طرف صحرا تھا۔ دُور دُور تک ریت پھیلی ہوئی تھی۔ نہ ہی لڑکی نظر آ رہی تھی اور وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ اس طرف کُود کر موت کو دعوت دینا ہے۔ ویسے انھیں یقین تھا کہ وہ اسی طرف کُود کر فرار ہوئی ہوگی لہٰذا جلد ہی پکڑ لی جائے گی۔

●

"یہ رہے۔" ایک سارجنٹ نے اپنے جوانوں کی مدد سے ٹائیگر اور اُوشان کے بے ہوش وجود سکارٹو کے سامنے ڈالتے ہوئے اس طرح کہا جیسے وہ زندہ شیر پکڑ لایا ہو۔

"کیا انھیں گولی لگی ہے؟" سکارٹو ایک قدم پیچھے ہٹ کر بولا۔

"نہیں!" ہر فوجی کی گردن دائیں سے بائیں اور بائیں سے دائیں ہلنے لگی۔

"آہ... میری لافانی قوت نے انھیں ڈھیر کر کے رکھ دیا ہے۔" سکارٹو کا چہرہ مارے خوشی کے اور سیاہ ہو گیا۔ "جو بیتا...!" اُس نے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھاتے ہوئے اپنی ماموں زاد کو پکارا۔ "دیکھ... کیا یہی وہ لوگ تھے جن کو تو مجھ سے زیادہ طاقتور قرار دیتی تھی، یہ رہی تیری طاقت۔" اور سکارٹو نے ٹائیگر کو ٹھوکر مارنے کی خواہش پر صرف اس خوف کی وجہ سے قابو پایا کہ کہیں نوجوان اس کی ٹانگ نہ پکڑ لے۔ "یہ پڑی ہے... صحرا کی ریت ہو...!" پھر وہ اپنے ماتحتوں کی طرف پلٹ گیا۔ "بولو... کون زیادہ طاقتور ہے، میں یا...؟"

"صدرِ عالی وقار...!" وہ سب یک زبان ہو کر چلائے۔ "آپ بہت قوی ہیں۔"

"درست!" سکارٹو نے مسکرا کر کہا۔ "میں طاقت ور ہوں۔" اور پھر ان بے ہوش آدمیوں کو دیکھنے لگا جن سے اُسے بھی خوف محسوس ہو رہا تھا۔

"اُن دونوں کو کہاں مقید کیا جائے؟" گوگو نے ایک سگریٹ سلگاتے ہوئے پوچھا۔

"انھیں... انھیں خصوصی قید خانے میں رکھا جائے۔ ٹائیگر گوگو۔" سکارٹو کے لہجے میں رعونت تھی۔ "اس قید خانے میں جو میرے محل کے سامنے ہے، سمجھ گئے؟"

صدر سکارٹو یہ کہہ کر ہیلی کاپٹر کی طرف بڑھ گیا۔ پہلی سیڑھی پر پہنچ کر اُس نے ٹائیگر گوگو کی طرف دیکھا اور کہا۔ "میں فردوس سے تعلقات پھر منقطع کر دوں گا کیونکہ اب کوئی رکاوٹ باقی نہیں۔"

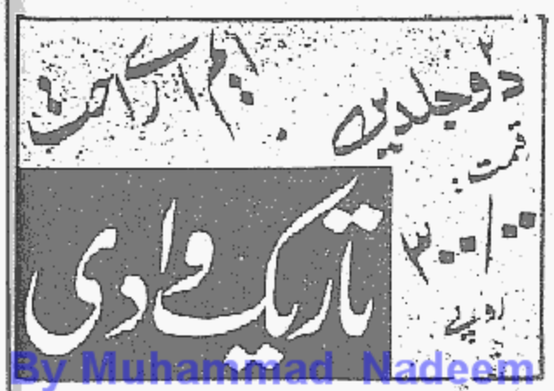
ہیلی کاپٹر میں سوار ہوتے ہوئے سکارٹو پنکھے کے شور کی وجہ سے ڈھول کی وہ آواز نہ سُن سکا جو پہاڑ سے آ رہی تھی اور مسلسل بلند ہوتی جا رہی تھی۔

●

دارالحکومت کی طرف جانے والی سڑک بُری طرح ناہموار تھی۔ سڑک پر جگہ جگہ چھوٹے بڑے گڑھے پڑے ہوئے تھے اگرچہ یہ افریقی ریاست اسفالٹ کی عالمی پیداوار کا انتیس فی صد حصّہ فراہم کرتی تھی تاہم اس ناخواندہ ملک کے ناخواندہ حکمرانوں کو ابھی تک اس راز کا علم نہ ہو سکا تھا کہ سڑک کی تعمیر میں بھی اسفالٹ کام آ سکتی ہے۔

اسی ناہموار سڑک پر ایک جیپ ٹائیگر اور اُوشان کو لیے جا





Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

رہی تھی۔ وہ دونوں ابھی تک بے ہوش اور پنجروں میں قید تھے۔ ان کے چہرے بمشکل تین فٹ بلند اور دو فٹ چوڑے تھے۔ اس جیپ کے متعلقہ حلقے میں دو محافظوں کا پہرہ تھا اور ان کی نظریں بار بار صحرا کو چھان رہی تھیں کہ کہیں روبی کی غیر حاضری کی خبر ان پر نہ ٹوٹ پڑے۔ تاہم انہیں ابھی تک روبی نظر نہ آئی تھی اور وہ مطمئن تھے کہ موت ان سے ابھی دور ہے۔

... لیکن اسی جیپ کے نیچے روبی موجود تھی اور اس کا سفر بھی ان کے ساتھ ساتھ جاری تھا۔ اس کا دایاں بازو اس رائفل کے گرد لپٹا ہوا تھا جو اس نے گاڑی کے چیسز میں لگا رکھی تھی اور اس کی دونوں ٹانگیں جیپ کے فریم کے اوپر رکھی ہوئی تھیں۔

ناہموار اور پختہ سڑک پر جیپ دوڑنے کے باعث دھول کے طوفان نے اسے دیر تک چھپائے رکھا تھا۔ اب اگرچہ گرد اڑنا بند ہو گئی تھی لیکن نئی مصیبت ان پتھروں کی شکل میں آئی تھی جو سڑک سے ٹوٹ کر اچھل رہے تھے۔ کئی بار اس کی پیٹھ پر یہ پتھر بہت زور سے آکر بھی لگے تھے لیکن اس نے سسکی بھی نہ لی وہ خود کو حتی الامکان حد تک سائلنسر سے دور رکھے رہی تاکہ جل نہ جائے۔ اس حالت میں اسے پینتالیس منٹ ہو گئے تھے اور ارادے کی مضبوطی ساتھ چھوڑنے لگی۔ وہ سوچنے لگی کہ اگر اعصاب نے ساتھ چھوڑ دیا تو وہ رائفل کو بچاتی ہوئی جیپ سے نیچے گر جائے گی اور پھر پہلی گولی ہی جیپ کا ٹائر برسٹ کرنے کی کوشش کرے گی تاکہ مزید تین گولیاں چلا کر ان تینوں محافظوں کو ہلاک کر سکے جو جیپ میں سوار ہیں اور یوں وہ ان دونوں قیدیوں کو رہا کرا سکے گی جن سے اسے نجانے کیوں عجیب سی اُنسیت محسوس ہونے لگی تھی۔

اسی لمحے جیپ شہر کی معروف سڑک پر پہنچ گئی اور پھر جیپ ڈرائیور نے کسی کام کے لیے گاڑی روکی تو روبی نے اپنے اردگرد مقامی بول میں گفت گو کی آوازیں سنیں... اور یہ گفت گو یقیناً تاجر گراوٹان کے بارے میں کی جا رہی تھی۔

روبی نے رائفل کو چیسز سے نکالا اور پھر اُسے سینے سے لگائے زمین پر لیٹ گئی۔ چند ہی لمحے بعد جیپ کے چاروں وہیل اس کے اردگرد سے گزر گئے اور وہ بڑے سکون سے اٹھ کر لوگوں کے رواں دواں ہجوم میں شامل ہو گئی۔ لوگوں نے اسے حیرت سے دیکھا مگر روبی نے ان کی کوئی پروا نہ کی بلکہ مسکراتی ہوئی ایک شخص سے بولی "فوجیوں سے بچنے کا صرف یہی ایک طریقہ باقی رہ گیا تھا بھائی۔" اس نے یہ تبصرہ مقامی زبان میں کیا تھا جو ہسپانوی زبان سے بہت ملتی جلتی تھی۔ اس سے قبل کہ کوئی اس کے اس تبصرے پر تبصرہ کرتا وہ بازار کے درمیان کیبنوں کی طرف بڑھتی چلی گئی۔

روبی کے لیے بچت کا امکان صرف یہ تھا کہ مقامی حکام اس کی گرفتاری کے لیے ہوٹل میں اس کے کمرے پر پہرہ لگانا بھول گئے ہوں۔ اس کا امکان تھا... لیکن روبی سمجھ جاتی تھی کہ ہوٹل جانے میں ساٹھ فی صد خطرات بھی ہیں۔

سکارلو کا ہیلی کاپٹر ایوانِ صدر کے صحن میں اترا تھا... اور سکارلو اس وقت پریسٹن روم میں میجر گوگو سے باتیں کر رہا تھا ظاہر ہے کہ موضوع وہی دھماکہ خیز تھے۔

"مشین نے ان دونوں پر بھی مؤثر انداز میں اثر کیا۔" صدر سکارلو نے کہا۔

"جی ہاں... مگر وہ دونوں مرے نہیں، زندہ ہیں۔" میجر گوگو نے حقیقت حال بیان کرنے کی کوشش کی۔

"تم ٹھیک کہتے ہو... لیکن یہ بھی تو سوچو کہ میں نے براہِ راست انہیں نشانہ بنایا تھا۔ میں نے تو پہلے سے حملہ کیا تھا۔" سکارلو نے جھینپ مٹانے کی خاطر صاف جھوٹ بولتے ہوئے دونوں ہاتھ اپنے سینے پر باندھ لیے۔

"لیکن آپ نے ان کو فنا کیوں نہیں کر دیا؟"

"یہی ایک وجہ ہے کہ میں ہمیشہ صاحب اقتدار رہوں گا۔" میجر گوگو۔" سکارلو نے بڑی سنجیدگی سے جواب دیا۔ "سنو... میں پہلے تو انہیں زندہ رکھوں گا تاکہ فردوسی حکومت مجھ سے برتاؤ میں خاص احتیاط سے کام لیں۔ ممکن ہے میں ان دونوں پر جنگی جرائم کے ٹریبونل میں مقدمہ چلا کر فردوسی حکومت سے بعض رعایتیں حاصل کر سکوں... اور یہ بھی ضمانت حاصل کر سکوں کہ اب فردوسی میرے خلاف کسی قسم کی کوئی نئی کارروائی نہیں کریں گے۔"

"کیا تمہیں یاد نہیں... جوزیفا نے کیا کہا تھا؟" میجر گوگو نے اس مرتبہ بے تکلفانہ انداز میں سکارلو کو مخاطب کیا۔ "اس نے کہا تھا کہ جب تک وہ زندہ رہیں گے تمہارے لیے مسائل و مصائب بھی جنم لیتے رہیں گے۔"

"اس نے تو یہ کہا تھا کہ پہاڑوں والے مقدس آدمی کی طرف بعض قوتیں مجھے پریشان کریں گی... لیکن میں پہاڑوں والے سے بھی مختلف انداز میں نمٹنے کا فیصلہ کر چکا ہوں۔"

"کیسا مختلف انداز...؟" میجر گوگو نے تجسس انداز میں پوچھا۔

"میں پہاڑوں پر جا کر وہی کروں گا جو میں نے عرصہ قبل دل میں ٹھانی تھی۔ میں اس بوڑھے آدمی سے نجات حاصل کروں گا... میں صدر ہوں اور میں ہی مذہبی قائد بھی بنوں گا۔ اب یہ نہیں

ہو سکتا کہ مذہبی قائد الگ اور حکمران الگ ہو۔"

"آج تک کسی اور ہستی نے مذہبی قیادت حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی۔"

"آج تک کوئی مجھ جیسا ذہین آدمی بھی پیدا نہیں ہوا..." میجر گوگو..." سکارلو نے سینہ تان کر جواب دیا۔ اس وقت اس کی آنکھیں کسی بلی کی طرح چمک رہی تھیں۔

"یہ پتہ تو چلے کہ تم کیا کر گزرنا چاہتے ہو؟"

"صرف یہ کہ تم ان غلیر مکیوں کے پنجروں کو شہر کے وسط میں رکھ دو اور ان پر کڑا پہرہ لگا دو۔ پنجروں پر یہ نوٹس بھی لگا ہوا ہونا چاہیے کہ ہماری خود مختار ریاست جاسوسوں سے اسی قسم کا سلوک روا رکھتی ہے۔ اس کے بعد تم سیدھے فردوسی سفارت خانے جاؤ گے اور فردوس سے سفارتی تعلقات منقطع کر لو گے۔"

"آج پھر... میں نے تو کل ہی سفارتی تعلقات منقطع کیے تھے۔" میجر گوگو نے ہچکچاتے ہوئے جواب دیا۔

"میں نے آج صبح ہی جوڑے تھے لہٰذا ان کو دوبارہ توڑنا ضروری ہے۔"

"اس کی کوئی خاص وجہ...؟"

"صرف یہ کہ میں بار و شاہیوں سے تعلقات بہتر بنانا چاہتا ہوں اور اگر میں نے فردوسیوں سے تعلقات منقطع کر لیے تو فردوسی چیخ و پکار بہت کریں گے۔ یہ مذاق نہیں میجر گوگو... حقیقت ہے کہ... بار و شاہیوں سے دوستی، فردوسیوں سے دوستی کے مقابلے میں زیادہ بہتر ہے۔"

"اوہ...؟" میجر گوگو بھی اس کی ذہانت کا قائل ہونے لگا۔ "اور کچھ...؟"

"ہاں... تم جب یہ سب کام کر لو تو عمودی بل تیار رکھنا۔ ہم ہیلی کاپٹروں پر جائیں گے اور پھر بوڑھے آدمی کا خاتمہ کر دیں گے۔"

لوگوں کو مذہبی رہنما کا قتل مشتعل کر دے گا۔" میجر گوگو نے سکارلو کو خبردار کیا۔

"لوگوں کو اس کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں ہو سکے گا۔ تم فکرمند مت ہو۔ بس اب جاؤ اور پنجروں کو چوراہے میں رکھ کر پہرہ لگا دو۔"

روبی نے اپنی پتلون اور قمیص کے عوض ایک سستا اور بھدا مقامی لباس خریدا جس کے ساتھ ایک لمبا اور بدنما کفن بھی تھا۔ اس نے پتلون اور قمیص کے عوض بیلٹ بھی بیچنے پر اصرار کیا اور جب ایک کیبن میں مقامی ملبوسات فروخت کرنے والی عورت اس سودے پر رضامند ہو گئی تو روبی نے کیبن کے اندر جا کر پتلون، قمیص، ناری اور بیلٹ کمر پر کس لی تاکہ اگر وہ اپنے کمرے میں موقع ملنے پر پہنچ سکی تو پتلون کمر سے باندھ کر محفوظ کر سکے۔ اس کے بعد وہ گندے فرش پر بیٹھ کر اپنے سیاہ اور گھنے بال الجھانے لگی۔ کچھ ہی دیر بعد اس کی خوبصورت دراز زلفیں عدد جنوں چھوٹی چھوٹی چوٹیوں میں تبدیل ہو کر اس کے کندھوں، پشت اور شانوں پر لہرا رہی تھیں۔ اس کام سے فارغ ہو کر اس نے مقامی لباس اور گاؤن پہنا اور اپنے کپڑے کیبن والی عورت کو دے دیے۔

درجنوں چوٹیوں اور مقامی لباس میں روبی اب ایک عام مقامی عورت لگ رہی تھی تاہم اس نے عام عورتوں کی طرح مسکرانے کی کوشش نہ کی کیونکہ اس کے دانت ان عورتوں کے برعکس موتیوں کی طرح چمک رہے تھے۔

بہروپ بدلنے کے دوران روبی مسلسل اس نوجوان اور بوڑھے کے بارے میں سوچتی رہی جو پنجروں میں بے ہوش ڈالے گئے تھے۔ سب سے بڑا سوال یہ تھی کہ ان دونوں نے بھولے سے بھی اس حقیقت کا اظہار نہ کیا تھا کہ وہ کس ایجنسی کے لیے کام کر رہے ہیں۔ وہ کچے فٹ پاتھ پر چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ہوئی اب اسی مسئلے پر غور کر رہی تھی... اچانک اسے یہ یقین ہونے لگا کہ وہ دونوں یقیناً اسی ریاست میں پہلے سے موجود ہوں گے اور انہیں روبی کی گرفتاری کے بارے میں ٹیلی فون پر محکمہ سراغ رسانی کی خصوصی برانچ نے مطلع کیا ہوگا۔ اسی لمحے اس کی نظر ٹیلی فون ایکسچینج پر پڑی جو محض چند گز دور تھا۔ یہ عمارت چند کمروں پر مشتمل تھی اور ڈیوٹی پر موجود آپریٹر اس ایکسچینج کی ایک اعلیٰ افسر بھی تھی۔ روبی عمارت میں داخل ہو گئی۔ اس کے ذہن میں ایک نئی حکمت عملی نے جنم لیا تھا اور وہ ان دونوں کو ان کی موجودہ کیفیت سے مطلع کرنے کے لیے بے چین ہو گئی تھی۔

آپریٹر اپنی کرسی پر اونگھ رہی تھی کیونکہ غالباً بہت دیر سے کسی نے بیرونِ ملک فون کے لیے اسے زحمت نہ دی تھی۔ روبی کی آواز سن کر وہ بیدار ہو گئی اور پھر جلد ہی اس سے بے تکلفانہ انداز میں باتیں بھی کرنے لگی۔

"میرا دوست تمہاری بہت تعریف کرتا ہے۔" روبی نے ترپ چال کھیلتے ہوئے کہا تو اس کا کہنا ہے کہ تم نے محض چند منٹوں میں اس کا رابطہ فردوس میں اس کے باس کرا دیا تھا۔ ویسے وہ بڑا بے وقوف ہے باب اسے اپنے باس کا فون نمبر بھی یاد نہیں۔ پتہ نہیں اس کے باس نے اسے کہاں اور کس نمبر سے فون کیا تھا؟"

"ارے... یہ تو کوئی مسئلہ ہی نہیں۔ اس نے فردوس میں کسی

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ڈاکٹر بہرام کو فون کیا تھا۔"

"واہ... یہ ہوئی نا بات... میرا دوست بالکل درست کہتا تھا۔ تم واقعی بہت ذہین ہو۔ ذرا ملانا تو اُس ڈاکٹر بہرام کا نمبر۔!"

"ابھی لو...!" آپریٹر نے خوشی سے پھولے نہ سماتے ہوئے کہا۔ اور پھر چند سیکنڈوں بعد روبی کا رابطہ واقعی فرودسی ایجنٹ سے ہوگیا۔ "کیا آپ ڈاکٹر بہرام ہیں؟"

"ہاں...!" دوسری طرف سے ایک پُروقار آواز سنائی دی مگر اس بار جو آواز میں حیرت کا بھی تاثر تھا اور حیرت یہ تھی کہ اس خاص نمبر پر ایک اجنبی عورت اس سے کس طرح مخاطب ہو رہی ہے۔

"تب پھر ایک خبر نوٹ کریں کہ آپ کے دونوں آدمی پکڑ لیے گئے ہیں۔"

"میرے دو نوں آدمی... تم کس سلسلے میں بات کر رہی ہو لڑکی؟"

"مجھے پہچاننے کی کوشش نہ کریں۔" روبی نے رُوکھے پن کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ "میرے پاس فالتو وقت بھی نہیں ہے ڈاکٹر بہرام...!"

"اوہ...!" بہرام نے ایک لمحے تک سوچا اور پھر طویل سانس لے کر فیصلے پر پہنچ گیا۔ "کیا وہ دونوں بہت زخمی ہو کر گرفتار ہوئے ہیں؟" اس مرتبہ اس کے لہجے میں تشویش تھی۔

"مجھے پتہ نہیں... لیکن شاید دونوں میں سے کوئی زخمی نہیں ہوا ہے۔ ویسے آپ کسی قسم کی کوئی فکر نہ کریں، میں ان کا بہرحال خیال رکھوں گی۔"

"وہ اپنا خیال خود رکھنے کے عادی ہیں لڑکی... اور تم کون ہو؟"

"ہم دونوں کے والدین... میرا مطلب ہے کہ مجازی والدین ایک ہیں۔ آدم اور حوا... ویسے میرا تعلق بھی فرودس سے ہے۔"

"کیا مطلب، تم کیا کہنا چاہتی ہو؟"

"میں مشین حاصل کرنے کے لیے بھیجی گئی ہوں۔"

"اوہ...!" بہرام ایک بار پھر طویل سانس لے کر رہ گیا۔ یہ لڑکی اسے مشکد رکھے دے رہی تھی۔ "مشین بہت اہم ہے لڑکی۔"

"آپ کے ان دونوں آدمیوں سے بھی زیادہ اہم؟"

"ہاں... ان دونوں سے بھی اہم... کیونکہ وہ دونوں اپنے اوپر حملہ کرنے والوں کو نیست و نابود کر سکتے ہیں لیکن مشین ظالم کے ہاتھ میں پہنچ کر خود تباہی بن گئی ہے۔ مشین ہی تمہارا اور اُن کا مشن ہے۔ مشن سے چشم پوشی نہ کی جائے۔"

بہرام نے ابھی ریسیور رکھا ہی تھا کہ مُسرح رنگ کے اُس فون کی گھنٹی بج اُٹھی جو آج کل فرودسی صدر سے رابطے کا ذریعہ تھا۔ "ڈاکٹر باقیانی کیا ہو رہا ہے؟" صدرِ مملکت نے گھبرائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔ "اس دیوانے سکارٹو نے ہم سے سفارتی تعلقات پھر توڑ لیے ہیں۔ تمہارے آدمی وہاں آخر کیا کر رہے ہیں؟"

"وہ گرفتار ہو چکے ہیں جناب صدر...!" ڈاکٹر بہرام نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

"اوہ...!" مارے حیرت کے صدر کی آواز پھٹی کی پھٹی رہ گئی۔ "تاہم مجھے نہ تو فکر ہے اور نہ ہی تشویش، مجھے ایک ذریعے نے تسلی بھی دی ہے کہ میں ان کے بارے میں کسی قسم کی فکر بھی نہ کروں!"

"... یہ ذریعہ کون ہے؟"

"روبی... اور یہ لڑکی غالباً آپ ہی کے لیے وہاں کام کر رہی ہے۔" بہرام کے اس جواب پر صدرِ مملکت چند لمحے تک خاموش رہے، غالباً وہ اس افریقی ریاست میں محکمۂ جاسوسی کی زبردست کاوشوں پر غور کر رہے تھے۔ ان کے ذہن میں صرف یہی ایک سوال ہتھوڑے برسا رہا تھا کہ محکمۂ جاسوسی نے اس کام کے لیے صرف ایک ایجنٹ بھیجا اور وہ بھی عورت...!

دوپہر کا سورج پوری آب و تاب کے ساتھ چمک رہا تھا اور ٹائیگر کی کھوپڑی شدید گرمی کے باعث پگھل سی رہی تھی۔ اسے بوجھل جسم کو رسیوں میں جکڑ دیا گیا ہو۔ ہوش میں آنے پر اسے یہ اندازہ لگانے میں کچھ دیر لگی کہ وہ کہاں ہے۔ وہ ایک پنجرے میں تھا اور اس کے چاروں طرف لوگ کھڑے ہوئے باتیں کر رہے تھے جس کی وجہ سے اسے ایسا سُنائی دے رہا تھا جیسے مکھیاں بھنبھنا رہی ہوں۔ ٹائیگر نے آنکھیں کھول کر دیکھا تو اسے وہ لوگ نظر آئے جو اسے گھور رہے تھے اور یہی وہ لوگ تھے جن کے نعرے سے مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی طرح سنائی دے رہے تھے۔ ٹائیگر کا پنجرہ ایک چبوترے میں رکھا ہوا تھا۔ اچانک ہی ایک سوال تیر کی طرح اس کے ذہن میں چبھنے لگا۔ "اوشان کہاں ہے؟"

اس نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھا۔ سامنے اس نے پہرے سے ایک مکھی اُڑانے کے لیے ہاتھ ہلانے کی کوشش کی اور یہ دیکھ کر سُن ہو گیا کہ اس میں ہاتھ اُٹھانے کی طاقت بھی باقی نہیں رہی تھی۔ اس اثنا میں اس کی نظر اپنے پنجرے کے برابر ایک اور پنجرے پر پڑی اور یہ دیکھ کر اُس کی جان میں جان آئی کہ اس میں اُوشان موجود تھا۔ اُوشان، ٹائیگر کی طرف کروٹ لیے ہوئے لیٹا تھا اور

اس کی نظریں ٹائیگر کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

"اُوشان... آپ ٹھیک ہیں، نا؟" ٹائیگر نے اپنی بے بسی کا احساس کرتے ہوئے گھبرا کر پوچھا۔

"کسی ایسی زبان میں بات کرو جو یہاں موجود پولیس والے نہ سمجھ سکیں۔ تاؤ میں گفت گو کرو۔" اُوشان نے ہدایت کی اور یہ ہدایت بھی تاؤ میں تھی جو سناسنجو کے اردگرد علاقوں میں بولی جاتی تھی اور جسے اُوشان نے بڑی محنت سے سیکھا تھا۔

"شاید انھوں نے ہمیں قید کر لیا ہے۔" ٹائیگر نے تاؤ میں کہا۔

"واہ... تم نے بھی کس شاندار نوعیت کا انکشاف کیا ہے۔" اُوشان نے زیرِ لب مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ اس کی حالت ٹائیگر کے مقابلے میں بہت بہتر تھی کیونکہ ٹائیگر شاعی حملے کی زد میں آ کر واقعی بے ہوش ہو گیا تھا جبکہ اُوشان جسمانی طور پر مفلوج ہوا تھا اور ٹائیگر کے برعکس اس کی ذہنی کیفیت نہ صرف معمول پر رہی تھی بلکہ اس کی آنکھیں بھی دیکھنے کے قابل تھیں۔ وہ کن انکھیوں سے سب کچھ دیکھتا رہا تھا اور اس دوران اس نے ارتکاز کی بدولت نہ صرف اپنے جسمانی اعضا کو از سرِ نو زندہ کر لیا تھا بلکہ وہ حسِ سماعت بھی واپس حاصل کر لی تھی جو شاعی حملے کے فوراً بعد مفلوج ہو گئی تھی۔ اس نے جیپ میں سفر کے دوران اپنے ذہن کو بھٹکنے اور اسے خنودگی میں ڈوبنے سے بھی بچا رکھا تھا اور یہی وجہ تھی کہ اُوشان وقتی طور پر مفلوج ہونے کے باوجود اب تقریباً پھر فٹ ہو چکا تھا۔

"ہم پر کس چیز سے حملہ کیا گیا تھا اُوشان...؟" ٹائیگر نے اپنی ہاتھتی پر تلملاتے ہوئے پوچھا۔

"اسی خبیث سے جس کو پینے کے لیے ہم یہاں آئے ہیں۔"

اسی لمحے ایک لڑکا پنجروں کے قریب آیا اور ان کی حالت پر ہنستا ہوا چلا گیا۔ ٹائیگر نے اٹھ کر پنجرے کی سلاخیں توڑنا چاہیں لیکن بس پڑا رہ گیا۔ وہ جسم پر سے مکھی تک نہیں اُڑا سکتا تھا بھلا سلاخیں اس سے کیسے ٹوٹ جاتیں۔ اس نے غصے کو ضبط کرنے کے لیے انگلیاں بند کر کے مکہ بنانا چاہا لیکن انگلیاں بھی وفا نہ کر سکیں اور وہ شکایتی انداز میں اُوشان کی طرف دیکھتا رہ گیا۔

ٹائیگر نے بائیں طرف اس اُمید میں دیکھا کہ شاید وہاں تیسرا پنجرہ بھی ہو لیکن اُسے بالوسی ہوئی کہ پنجرے صرف دو ہی تھے۔

"روبی کہاں گئی؟" ٹائیگر نے تاؤ زبان ہی میں پوچھا اور اسی لمحے لوگوں کے ہجوم میں سے ایک عورت کا قہقہہ بلند ہوا اور پھر فرانسیسی میں روبی کی آواز اسے سُنائی دی۔ "میں یہیں ہوں وحشی!" ٹائیگر نے روبی کی طرف دیکھنے کے لیے سر گھمانا چاہا لیکن اس میں بھی ناکام رہا۔ پھر روبی خود ہی اس کے سامنے آ گئی... مگر اس کا حلیہ دیکھ کر ٹائیگر حیران رہ گیا۔ وہ قطعی مقامی عورت لگ رہی تھی۔ "میں نے تمہارے پاس سے بات کی تھی... ڈاکٹر بہرام سے...!" روبی نے اُسی مرتبہ اطالوی میں کہا۔ "اس کا کہنا ہے کہ میں تم لوگوں کے بارے میں کوئی فکر نہ کروں بلکہ مشین کا خیال رکھوں۔ تم ٹھیک ہو، نا؟"

"ہاں... مگر جسم میں سکت بالکل نہیں۔"

"میں پہلے ہی کہتی تھی کہ تم میرے لیے مسائل کھڑے کر دو گے۔"

"سنو! ہمیں کسی نہ کسی طرح یہاں سے نکال لو۔" ٹائیگر نے نرم لہجے میں اس سے کہا۔

"فی الوقت میں کچھ نہیں کر سکوں گی۔ یہاں بہت سے لوگ موجود ہیں، سکارٹو خود بھی یہاں آیا تھا اور ابھی مشین بہت واپس گیا ہے۔ اس وقت تو میں اس کے تعاقب میں جا رہی ہوں ورنہ آج رات تمہیں یہاں سے نکالنے کی ہر ممکن کوشش کروں گی۔"

"اگر ہم تمہیں رہا کرانے کے چکر میں نہ پڑتے تو... ہماری یہ حالت نہ ہوتی۔" ٹائیگر وانت پیس کر رہ گیا۔ اسے زندگی میں پہلی مرتبہ اتنا غصہ آیا تھا اگر اس کے جسم میں طاقت ہوتی تو وہ کسی کی بھی پروا کیے بغیر سلاخوں کو توڑتا اور پھر تباہی مچاتا ہوا سکارٹو کے محل میں گھس کر سکارٹو سمیت ہر شخص کو جہنم واصل کر دیتا مگر اس وقت تو اس کی حالت زندہ لاش جیسی تھی۔ روبی چند لمحے تک اس کی طرف دیکھتی رہی اور پھر جونہی سنتری پنجرے کے قریب پہنچا وہ مقامی زبان میں فرودس اور اس کے ایجنٹوں کو گالیاں دینے لگا۔

لوگوں کی ایک اور جماعت پنجروں کی طرف آتے دیکھ کر ٹائیگر نے ندامت سے آنکھیں بند کر لیں۔ اسے علم تھا کہ ان دونوں کو باقاعدہ تماشا بنا دیا گیا ہے۔ اسے اپنی حالت پر نہیں بلکہ ایوانِ سناسنجو کے سردار اور سناسنجو کی شمشیر کے مالک کی بے چارگی پر رونا آ رہا تھا۔ اسے یقین تھا کہ اُوشان بھی اس کی طرح مفلوج ہو چکا ہے۔

اُس نے دل ہی دل میں قسم کھائی کہ اگر کبھی موقع ملا تو وہ اس بے عزتی کا خوفناک انتقام لے گا۔

اُدھر اُوشان دل ہی دل میں ٹائیگر کی حالت پر ہنس رہا تھا۔ پنجرے میں خود کو قید دیکھ کر شروع شروع میں اسے غصہ آیا تھا مگر وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ انتقام ایک ایسی ڈش ہے جسے ٹھنڈا کر کے کھانا چاہیے۔

سکارٹو جس سڑک پر گیا تھا وہ سیدھی جاتی تھی اور کسی طرف بھی نہیں مڑتی تھی۔ روبی تیزی سے عقبی گلی میں آئی جہاں اُس نے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کچھ دیر پہلے ایک فوجی جیپ کھڑی دیکھی تھی۔ یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ جیپ اب بھی وہیں موجود تھی اور اس میں سوار فوجی سامنے والے بازار میں گئے ہوئے تھے۔ روبی کا دل یہ دیکھ کر باغ باغ ہو گیا کہ اگنیشن میں چابی بھی لگی ہوئی ہے۔ وہ بڑے اطمینان سے جیپ میں بیٹھی اور پھر جیپ دھول اڑاتی ہوئی سکارٹو کے تعاقب میں روانہ ہو گئی۔

"میں پہاڑوں والے بوڑھے سے نجات حاصل کر کے ہر چیز پر قادر ہو جاؤں گا۔ اس کے بعد پہاڑوں میں رہنے والے جادوگروں سے گھبرانے کی کوئی ضرورت باقی نہ رہے گی اور نہ ہی یہ فکر رہے گی کہ مذہبی رہنما انقلاب لا سکتا ہے۔" سکارٹو نے بجرگوگو سے کہا جو بوسین میں اس کے ساتھ ہی بیٹھا ہوا تھا۔ سکارٹو کی طرح اس کے ہاتھ میں بھی ایک جدید رائفل تھی۔ "بولو... تمہارا کیا خیال ہے اگوگو؟"

"تجویز مناسب لگتی ہے۔" میجر گوگو نے اپنی گول گول آنکھیں گھماتے ہوئے جواب دیا اور پھر سکارٹو اپنی ذہانت کی تعریف کرنے لگا۔ ان کی گاڑی کے ڈرائیور نے پچیس منٹ کے بعد ایک پہاڑ کے دامن گاڑی روکی اور پھر ایک تنگ اور کچے راستے پر ڈال دی چند منٹ بعد گاڑی پھر رک گئی۔ اس مرتبہ ان کے بالکل سامنے بیس پچیس گز چوڑا اور اتنی ہی گز لمبا ایک تالاب تھا جس میں میاں اور گہرا کالا مادہ بھرا ہوا تھا۔

"آہ..." سکارٹو نے گاڑی سے اتر کر تالاب کی طرف دیکھ کر لمبی سانس لی... "اگر قدرت ہمیں تارکول کے بجائے تیل کی دولت سے نوازتی تو ہم بہت امیر ہوتے۔ عربوں کی طرح شیخ کہلاتے۔"

"بالکل درست۔" اگوگو نے بھی بڑی حسرت سے تالاب کی طرف دیکھ کر جواب دیا۔

"بہر حال، کچھ نہ ہونے سے تارکول بھی غنیمت ہے۔" سکارٹو نے تالاب میں ایک پتھر پھینکتے ہوئے کہا۔ "اس کی وجہ سے ہم فاقے نہیں کرتے۔" سکارٹو کو مشین کا خیال آ گیا اور اس نے فوراً کار کی اگلی نشست پر بیٹھے ہوئے دو فوجیوں کی طرف دیکھا۔ "مشین نکال کر لے آؤ... اور ذرا احتیاط سے لانا، ہمیں جلد ہی اسے استعمال بھی کرنا ہو گا۔" یہ کہہ کر وہ بہت زور سے ہنسا اور پھر ایک پگڈنڈی پر چل دیا۔ مشین بردار فوجی اور میجر گوگو بھی اس کی تقلید میں آگے بڑھ گئے۔ یہ پگڈنڈی تارکول کے تالاب کے ساتھ ساتھ پہاڑوں تک جا رہی تھی۔

ابھی وہ چاروں تالاب والی پگڈنڈی سے گزرے ہی تھے کہ روبی کی جیپ لیموسین کے پیچھے آ کر رکی۔ روبی نے انہیں جاتے ہوئے دیکھ لیا۔ اس نے مشین بردار فوجیوں کو بھی دیکھ لیا پھر اس کی نظریں بگڈنڈی کے خاتمے پر ایک بلند ٹیلے اور اس ٹیلے کی جھونپڑیوں تک چلی گئیں۔ اس کے کان ڈھول کی وہ دھمک بھی سن رہے تھے جو بہت ہلکی تھی اور اس کی آواز کچھ ایسی لگ رہی تھی جیسے بہت دور سے آ رہی ہو۔

روبی چند لمحے تک سوچتی رہی اور پھر اس نے اپنی جیپ جھاڑیوں کے درمیان بنی ہوئی ایک ایسی خالی جگہ کھڑی کر دی جہاں کسی کی بھی نظر نہ پڑ سکے۔ وہ جیپ سے اتر کر سکارٹو کی طرف دوبارہ دیکھنے لگی جس کے پیچھے پیچھے مجرگوگو اور دو سپاہی چل رہے تھے۔ اسی لمحے بادل کی اوٹ سے سورج نکل آیا... اور وہ سوپ جب تالاب پر پڑی تو اسے سکارٹو، گوگو، فوجی، بلکہ پورا پہاڑ تالاب میں نظر آنے لگا۔ یہ منظر اتنا حیرت انگیز تھا کہ وہ آنکھیں مل کر رہ گئی۔ وہ سمجھ گئی کہ اس کی آنکھیں سراب دیکھ رہی ہیں۔ وہ سراب سے نظریں ہٹا کر آگے جانے والوں کے تعاقب میں چل کھڑی ہوئی لیکن اس نے یہ احتیاط رکھی کہ سکارٹو اور اس کے ساتھیوں کو شبہ نہ ہو۔ کچھ دور بعد وہ بائیں طرف دراز جھاڑیوں میں گھس کر راستہ بناتی ہوئی پہاڑ کی طرف دوڑ گئی۔

روبی نے پہاڑ پر جانے کے لیے جو راستہ منتخب کیا تھا وہ دشوار گزار ضرور تھا مگر اس راستے کی وجہ سے وہ سکارٹو سے پہلے ہی گاؤں تک پہنچ گئی۔ گاؤں کے قریب ڈھول کی دھم دھم اسے زیادہ بلند سنائی دینے لگی اور پھر ایک موڑ سے گزرنے کے بعد چھوٹی پہاڑیاں اچانک اس کے سامنے آ گئیں۔ یہ جھونپڑیاں نصف دائرے کی شکل میں بنائی گئی تھیں اور ان کے قریب ایک گڑھے میں آگ سلگ رہی تھی تاہم روبی کا یہ خیال غلط نکلا کہ ڈھول اسی گاؤں میں بج رہا ہو گا۔ ڈھول کی آواز مزید دور سے آ رہی تھی۔

ابھی روبی موڑ سے چند قدم ہی آگے بڑھی تھی کہ دو مضبوط ہاتھوں نے عقب سے اسے پکڑ لیا۔ یہ کسی سیاہ فام مرد کے ہاتھ تھے۔ "چھوڑو مجھے... میں جلد از جلد بوڑھے آدمی سے ملنا چاہتی ہوں جلدی چلو۔"

"تم کون ہو؟" روبی پر ان ہاتھوں کی گرفت کم نہ ہوئی۔ "میں اس کی خیر خواہ ہوں۔ بعض لوگ اسے اور تمہیں، سب کو قتل کرنے کے لیے اس طرف جا رہے ہیں۔ اب مجھے چھوڑو اور جلد از جلد اس تک پہنچا دو۔ کیا تم ایک نہتی عورت سے بھی ڈر رہے ہو؟"

"نہتی عورت بہت عجیب ہوتی ہے۔" روبی کو کسی اور مرد کی آواز سنائی دی اور پھر وہ مرد بھی نظر آ گیا۔ یہ پستہ قد اور بوڑھا آدمی تھا جس کی جلد کی رنگت کوئلے کی طرح کالی تھی۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک تھی اور وہ روبی کی طرف ہی آ رہا تھا۔ اس نے سوتی پتلون پہن رکھی تھی جبکہ بالائی جسم بے لباس تھا۔ روبی کو فوراً اندازہ

ہو گیا کہ اس شخص کی عمر ستر سال سے کم نہیں ہے۔

"ٹھیک ہے۔" بوڑھے نے قریب آ کر سر ہلایا اور فوراً ہی روبی کو ان سیاہ بازوؤں سے نجات مل گئی جو اسے پکڑے ہوئے تھے۔ روبی فوراً تعظیم پیش کرنے کے لیے جھک گئی۔ اس نے بوڑھے کے جھری زدہ ہاتھ کو احتراماً بوسہ دیا اگرچہ اسے افریقی ساحروں کے بارے میں زیادہ واقفیت نہ تھی لیکن بچپن میں وہ یہ سن چکی تھی کہ افریقی جادوگر بہت طاقتور اور خوفناک ہوتے ہیں۔

"ہاں... اب بتاؤ کہ تم میرے قتل کے بارے میں کیا کہہ رہی تھیں۔" بوڑھے نے اپنی چمکیلی آنکھوں سے اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔ وہ زمانہ شناس بھی تھا اور اس کا دل کہہ رہا تھا کہ یہ لڑکی اسے دھوکا دینے یا بے وقوف بنانے کے لیے نہیں آئی ہے۔

"سکارٹو اور اس کے ساتھی آپ کو قتل کرنا چاہتے ہیں۔ سکارٹو اس وقت دامن کہسار میں ہے اور اسی طرف آ رہا ہے۔ وہ آپ کو اس وجہ سے قتل کرنا چاہتا ہے کہ آپ اس کے اقتدار کے لیے خطرہ ثابت ہو رہے ہیں۔"

روبی سے نظریں ہٹائے بغیر بوڑھے نے ہاتھ ہلایا اور ایک نوجوان سامنے والی جھونپڑی سے نکل کر اس کی طرف دوڑتا ہوا آنے لگا۔ وہ گھبرایا ہوا نہیں بلکہ قدرے خوفزدہ تھا۔ "وہ آ رہے ہیں، ماسٹر!" نوجوان نے کہا۔ وہ یقیناً جھونپڑی سے پگڈنڈی کی نگرانی کر رہا تھا۔ "وہ چار ہیں اور ان کے ساتھ ایک صندوق بھی ہے۔"

"جی ہاں... وہی صندوق سکارٹو کا مہلک ہتھیار ہے۔" روبی نے فوراً تتمہ دیا۔ "یہ نیا ہتھیار قتل ہی نہیں بلکہ جسم کو فنا بھی کر دیتا ہے۔"

"سن چکا ہوں۔" بوڑھے آدمی نے جواب دیا۔ "اس ہتھیار کے بارے میں بھی سن چکا ہوں اچھی لڑکی۔" پھر اس نے روبی کے عقب میں کھڑے ہوئے اس شخص کی طرف دیکھا جس نے روبی کو پکڑا تھا۔ "ٹھیک ہے ایڈورڈ... تم جانتے ہی ہو کہ ان حالات میں تمہیں کیا کرنا ہے؟"

ایڈورڈ جواب دیے بغیر روبی کے قریب سے گزرتا چلا گیا تب ہی روبی کو احساس ہوا کہ وہ کتنا بلند قامت، جسیم اور قوی ہیکل نوجوان تھا۔ اس کا قد کم سے کم سات فٹ تھا اور اس کی جلد تیز دھوپ میں چمک رہی تھی۔

"یہ میرا بیٹا ہے۔" بوڑھے نے بڑے فخر سے سینے پر ہاتھ مار کر روبی کو بتایا۔

"بہت شاندار..." روبی، ایڈورڈ کی تعریف کیے بغیر نہ رہ سکی۔ چند لمحے بعد بوڑھا، روبی کا ہاتھ تھام کر اسے ٹیلے ہی پر ایک طرف لے گیا۔ اس کے چہرے پر اب روبی کو تشویش کے سائے نظر آنے لگے تھے۔

"غالباً یہ بہتر ہو گا کہ تم سکارٹو کی نظروں میں نہ آؤ اور یہاں اس سے تمہارا آمنا سامنا نہ ہو۔"

"میرا خیال ہے... یہی بہتر ہو گا۔" روبی کے اس جواب پر بوڑھا اسے ٹیلے سے نیچے لے جانے لگا تاکہ روبی پر سکارٹو کے کسی آدمی کی نظر نہ پڑ سکے۔ "کیا تم فروسی ہو؟"

"جی ہاں..." روبی نے حیرت سے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔ یہ پہلا شخص تھا جس نے روبی کو اس بہروپ کے باوجود پہچان لیا تھا۔

"میں تمہیں دیکھتے ہی سمجھ گیا تھا کہ تمہارا تعلق اس علاقے سے نہیں کیونکہ باتیں کرتے وقت تمہاری پلکیں جھپکتی رہتی ہیں جبکہ ہماری عورتیں بات ختم کر لینے کے بعد پلکیں جھپکاتی ہیں۔ تم مقامی زبان بہت اچھی طرح بول لیتی ہو۔"

ٹیلے سے چالیس فٹ نیچے بوڑھا ایک بڑے پتھر کے قریب رک گیا جس کے قریب درختوں اور جھاڑیوں کا جھنڈ تھا۔ بوڑھے نے پھرتی سے جھاڑیاں ہٹائیں تو روبی کو ایک غار نظر آیا جس میں داخل ہوئی تو اسے ایسا لگا جیسے وہ کسی ائرکنڈیشنڈ کمرے میں آ گئی ہو۔ بوڑھے کے اندر آتے ہی جھاڑیاں اپنی جگہ واپس آ گئیں۔ یہاں روبی کو ڈھول کی آواز اور زیادہ بلند سنائی دینے لگی۔

تاریک غار کے ایک کونے میں بوڑھا اکڑوں بیٹھ گیا۔ "بیٹھ جاؤ لڑکی... میرا نام ساوی ہے۔"

روبی کا دل بیٹھ سا گیا۔ اسے اپنا بچپن یاد آ گیا جب اس نے ایک ڈرامے میں ساوی جادوگر کو دیکھا تھا جو زندہ انسانوں کے دل کھا جایا کرتا تھا۔ یہ ڈراما اس نے بیس سال قبل دیکھا تھا۔ "ساوی؟" اس نے دہرایا۔

"ہاں... قبیلے کے مذہبی رہنما کو اسی نام سے پکارا جاتا ہے بچی... آج سے ایک ہزار سال پہلے بھی ساوی کا وجود تھا اور اب بھی ہے۔ یہ بتاؤ کہ سکارٹو تمہیں کیوں قتل کرنا چاہتا ہے؟"

"پتہ نہیں... لیکن اس کا خیال ہے کہ وارالحکومت میں موجود دو فروسی مرد آپ کو اس ملک کا حکمران بنانے کے لیے آئے ہیں۔"

"کیا وہ فروسی بھی تمہارے ساتھ ہیں؟"

"نہیں... ہم فروسوں سے الگ الگ یہاں پہنچے ہیں مگر ان دونوں کو پکڑ لیا گیا ہے اب ان کو بچانے کی دھن میں وارہیول، سکارٹو آپ کو اسی لیے قتل کرانا چاہتا ہے... کہ فروسی آپ کو حکمران نہ بنا سکیں۔"

"اوہ..." بوڑھے نے اس مرتبہ جن نظروں سے اس کی طرف

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

دیکھا وہ اسے بہت سرد لگیں... لیکن ان آنکھوں میں چمک غار کے اندھیرے ماحول کے باوجود نظر آ رہی تھی۔

"میں تمہارے تجزیے سے اتفاق نہیں کرتا صدیوں سے یہاں کی ایک رسم ہے کہ مذہبی اور سیاسی قیادت الگ الگ رکھی جاتی ہے۔ اگر دارالحکومت میں رسمیں بدل گئی ہیں تو کیا؟ اس تبدیلی کا اثر یہ پہاڑ کبھی قبول نہیں کریں گے۔ میں تمہاری باتوں پر یقین نہیں کر سکتا۔"

"... لیکن آپ کو میری باتوں پر اتنا یقین ہے کہ آپ میرے ساتھ اس غار میں چلے آئے تاکہ سکارٹو سے آپ کا آمنا سامنا نہ ہو جائے۔ میرا خیال ہے کہ آپ سکارٹو پر ایک بھائی کی طرح اعتماد نہیں کرتے۔"

"میں بھلا اس پر کیسے اعتماد کر سکتا ہوں لڑکی۔" بوڑھے سماوی نے خشک لہجے میں جواب دیا۔ "جو خبیث آدمی اقتدار کے لیے اپنے باپ کو قتل کر ڈالے اس پر کوئی بھی اعتماد نہیں کرے گا... اگر اب وہ مذہبی قیادت پر بھی قبضہ کرنا چاہتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ زندگی بھر حکمرانی کرنے کے خواب دیکھ رہا ہے۔"

"سکارٹو کے پاس اپنی فوجی طاقت بھی ہے محترم سماوی... سوال یہ ہے کہ اس نے فوجی قوت آپ کے خلاف استعمال کیوں نہیں کی؟"

"اگر وہ فوج کو میرے اس ٹیلے پر حملے کا حکم دیتا تو ملک بھر کے لوگ اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوتے۔ ہمارے لوگ جبر و تشدد، بھوک و بیماری سب برداشت کر سکتے ہیں لیکن مقدس بوڑھے پر حملہ برداشت نہیں کر سکتے۔"

"تب پھر وہ یقیناً آپ کو خاموشی سے موت کے گھاٹ اتارنے کے لیے آ رہا ہے۔ آپ کو شاید علم ہو چکا ہو کہ اس مشین سے موت کی روشنی نکلتی ہے اور اپنے نشانہ کا ڈھانچہ بھی فنا کر جاتی ہے۔ اگر وہ اپنی اس سازش پر عمل کرنے میں کامیاب ہو گیا تو پھر وہ اس ملک کو تباہی اور بڑی حد تک ممکن ہے کہ جنگ کے جہنم میں بھی جھونک ڈالے۔"

"تم غلط سمجھتی ہو لڑکی۔" سماوی نے زیر لب مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "وہ برا اور بے اعتماد شخص ہو سکتا ہے مگر شیطان نہیں ہو سکتا۔"

"وہ شیطان ہے مقدس سماوی۔" روبی نے تلخ لہجے میں کہا۔ "یہی وجہ ہے کہ میں اس کا تختہ الٹنے کے لیے آپ سے مدد کی خواہاں ہوں۔"

سماوی چند لمحے تک سوچتا رہا اور پھر اس نے نفی میں سر ہلا دیا لیکن اسی لمحے ڈھول کی آواز کے ساتھ ہی دور سے عورتوں کی چیخیں بھی سنائی دیں۔ سماوی نے چونک کر آوازوں کی سمت میں سر گھمایا اور پھر روبی کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کا سیاہ چہرہ بے جان اور بے تاثر ہو گیا تھا۔

"سکارٹو میرے لوگوں سے میرے بارے میں پوچھ رہا ہے۔" اس نے کہا۔ "لیکن میرے لوگ اسے کبھی یہ نہیں بتائیں گے کہ میں کہاں ہوں۔ ان پہاڑوں پر جو نفوس بولے جانتے ہیں وہ ڈھول کی آوازوں میں ہوتے ہیں۔ مجھے ڈھول کی آواز یہی بتا رہی ہے کہ سکارٹو کس قسم کی پوچھ گچھ کر رہا ہے... اور میں... میں سکارٹو پر اس وقت تک حملہ نہیں کروں گا جب تک وہ مجھ پر حملے میں پہل نہ کر دے۔"

وہ غار میں خاموشی سے بیٹھے رہے۔ کچھ دیر بعد اچانک ایک ہلکے سے دھماکے کی آواز سنائی دی اور عورتیں پھر چیخنے چلانے لگیں۔ اس کے بعد خاموشی چھا گئی لیکن ڈھول بجنے کی بے ترتیب آواز سنائی دیتی رہی۔

سماوی اپنی جگہ پر اس وقت تک ساکت بیٹھا رہا جب تک دہانے سے کسی عورت کی پکار سنائی نہ دی۔ "ماسٹر! جلدی آؤ!"

سماوی، روبی کو لے کر بعجلت غار سے نکلا اور پھر وہ عورت روبی کو نظر آ گئی جس نے انھیں آواز دی تھی۔ وہ ٹیلے پر کھڑی تھی اس کے چہرے پر درد و الم کے سائے تھے اور آنکھیں برس رہی تھیں۔ وہ سماوی کو دیکھ کر زور زور سے بین کرنے لگی۔ "او... ماسٹر... ماسٹر...!" اس نے اپنا سینہ پیٹ ڈالا۔

"حوصلے سے کام لو۔" سماوی نے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے تسلی دی۔ "بتاؤ کیا ہوا؟ کیا سکارٹو حملہ آور ہوا ہے؟"

"ہاں... وہ خبیث چلا گیا لیکن... لیکن ماسٹر...!" عورت اب اپنے بالوں پر ریت ڈال ڈال کر بین کرنے لگی اور اس کا رونا پیٹنا دیکھ کر خود روبی کی حالت غیر ہونے لگی۔ سماوی انھیں چھوڑ کر چھوٹے سے وسط میں کھڑا ہو گیا۔ وہاں کئی عورتیں اور مرد بھی موجود تھے اور ان کی نظریں اس سیاہ رقیق مادے پر جمی ہوئی تھیں جو زمین پر پڑا ہوا تھا۔

"ایڈورڈ کہاں ہے؟" سماوی نے صاف اور گرج دار آواز میں پوچھا۔ یہ سوال جذبات کو اظہار کا راستہ فراہم کر گئے۔ وہاں موجود ہر زن و مرد نے رونا شروع کر دیا۔

"ماسٹر...!" ایک عورت لرزہ خیز انداز میں چیخ مار کر اپنے بال نوچنے لگی اور پھر رقیق مادے کی طرف اشارہ کر کے زمین میں لوٹنے لگی۔

"ایڈورڈ... وہ رہا ماسٹر...!" ایک مرد نے بڑے حوصلے سے جواب دیا۔

"اف...!" سماوی کے چہرے پر کرب کے آثار نے جنم لے لیا۔ وہ اس طرح گھٹنوں کے بل اس مادے کے قریب جھک گیا جیسے اس کے جسم کی طاقت کسی نے سلب کر لی ہو۔ اس نے رقیق اور سیاہ مادے کو چھونے کے لیے ہاتھ آگے بڑھایا مگر پھر واپس کھینچ لیا۔ وہ دیر تک سر جھکائے بیٹھا رہا مگر جب اٹھا تو اس کے چہرے پر غم و الم کے بجائے ضبط و غضب کے تاثرات تھے۔ "سکارٹو نے اعلانِ جنگ کر دیا ہے۔" اس نے کسی زخمی شیر کی طرح گرج کر کہا اور پھر روبی کی طرف پلٹ گیا۔ "بولو لڑکی... تم مجھ سے کیا کام لینا چاہتی ہو۔ اب میں ہر کام کرنے کے لیے تیار ہوں۔"

روبی کی نظریں بھی رقیق مادے پر جمی ہوئی تھیں اور وہ سوچ رہی تھی کہ ظالم سکارٹو نے کیسے کیسے لڑیل جوان کو فنا کر دیا۔ اس کا دل بھر آیا مگر اس نے خود پر قابو رکھتے ہوئے سماوی کی آنکھوں میں جھانک کر دیکھا۔

"بولو لڑکی... بولو... کیا کہنا چاہتی ہو؟" یہ کہہ کر اس نے تالی بجائی جس کی آواز اس طرح گونجی جیسے گول چلی ہو۔ اسی کے ساتھ ڈھول بجنے کی آواز اس طرح تھم گئی جیسے کائنات کی نبض رک گئی ہو۔ پہاڑ اور چوٹیاں سب مہر بہ لب ہو گئے۔

●

دارالحکومت کی سڑکیں سنسان تھیں کیونکہ سڑکوں پر اسٹریٹ لائٹ لگائی ہی نہیں گئی تھیں۔ شہر کے چوک میں بھی گھپ اندھیرا تھا لیکن ٹائیگر کے دماغ میں کئی روشنیاں جھلملا رہی تھیں۔ وہ قوتِ ارادی کے بل پر جسم کو دوبارہ فعال بنانے کے لیے کوشاں تھا تاکہ اوشان کو بحفاظت کسی محفوظ مقام تک پہنچا سکے۔

پنجرے کے ساتھ کھڑا ہوا سنتری اسے صاف نظر آ رہا تھا۔ اور ٹائیگر کو اس بات کا احساس ہو چکا تھا کہ سنتری بھی اس ڈیوٹی سے بے زار ہو چکا ہے۔

اس خاموش اور تاریک ماحول میں ڈھول بجنے کی آوازیں ایک بار پھر بلند ہونے لگی تھیں۔

اب تک کی ذہنی جد و جہد کی کامیابی کا اندازہ لگانے کے لیے ٹائیگر نے اپنی انگلی ہلائی اور جونہی اسے یقین ہو گیا کہ انگلی اس کے ذہن کے حکم پر عمل کر رہی ہے تو خوشی سے اس کے ہونٹ نیم پھڑپھڑانے لگے... پھر اچانک ہی اس کا جسم ذہن کی اس خواہش پر عمل کر بیٹھا کہ وہ بھی اوشان کی طرف منہ کر کے لیٹ جائے۔

کروٹ لینے سے اس کا چہرہ اوشان کی طرف ہو گیا۔ اس نے اوشان کے چہرے پر نظر ڈالی... مشرقی استاد کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں اور وہ اپنی انگشتِ شہادت ہونٹوں پر رکھ کر ٹائیگر کو خاموش رہنے کی ہدایت کر رہا تھا۔

وہ لیٹے رہے... اور ان کی سماعتوں سے ڈھول کے بجنے سے پیدا ہونے والی دھمک ٹکراتی رہی۔

اسی لمحے ٹائیگر نے اوشان کو پھر دیکھا اور حیرت زدہ رہ گیا۔ اوشان کی انگشتِ شہادت اب سلاخوں کو اس طرح چھو رہی تھی جیسے وہ ان پر دستِ شفقت پھیر رہا ہو۔

اسی وقت ڈھول کی دھم دھم رکی اور ایک سیکنڈ کے وقفے سے دوبارہ شروع ہو گئی لیکن اس مرتبہ اس کی آواز تیز تھی... ٹائیگر نے پہلے دھم دھم کی آوازیں گنیں اور انھیں گنا تھا۔ وہ ایک منٹ میں چالیس بار سنائی دے رہی تھیں لیکن اب ان کی تعداد ساٹھ ہو گئی تھی۔

اوشان منہ ہی منہ میں کچھ بولنے لگا اور پھر اس کی انگلی تیزی سے ایک سلاخ پر اس طرح حرکت کرنے لگی جیسے وہ سلاخ انگلی کی مدد سے کاٹ دینا چاہتا ہو۔ ٹائیگر آنکھیں پھاڑے یہ منظر دیکھتا رہا۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا لیکن آنکھیں جھوٹ نہیں دکھاتیں وہ موٹی سلاخ جسے ٹائیگر عام حالات میں بمشکل توڑ پاتا... اوشان کی انگلی سے کٹ رہی تھی... اور اوشان بھی پنجرہ تنگ ہونے کے باوجود اٹھ کر بیٹھ چکا تھا۔

"کٹ...!" ٹائیگر نے ایک زوردار آواز سنی۔ یہ ایک سلاخ کے کٹ کر گرنے کی آواز تھی۔ ٹائیگر طویل سانس لے کر رہ گیا۔

پھر اچانک ہی ڈھول کی تھاپ بند ہو گئی۔ چند ہی لمحوں میں ایسی ہی آواز سنائی دی جیسے سٹرک پر کسی چیز کو کھینچا جا رہا ہو۔ شہزاد اس آواز کو غور سے سننے کی کوشش کرنے لگا۔ اس کے عضلات اگرچہ اب بھی کمزور تھے لیکن ذہنی نظام اپنی اصلی حالت پر واپس آنے لگا تھا اور اسے یقین تھا کہ اوشان جلد ہی باہر نکل آئے گا اور پھر...!

... پھر اس کی نظر دو افراد پر پڑی۔ دونوں پچاس گز دور تھے۔ بالائی جسم بے لباس تھے مگر انھوں نے سفید پتلونیں پہن رکھی تھیں۔ چاندنی اور صدارتی محل کی ایک کھڑکی سے آنے والی روشنی میں ٹائیگر ان کی پھیلی ہوئی آنکھیں بھی دیکھ سکتا تھا۔

وہ مسلسل آگے بڑھ رہے تھے اور ان کے پیر ربیت پر پڑ کر ایک خاص آواز پیدا کر رہے تھے۔

ٹائیگر، اوشان سے بے خبر ہو کر انھیں دیکھنے لگا۔ ان دونوں کا دلیرانہ انداز اسے بہت پسند آیا تھا۔ ابھی وہ پنجروں سے پچیس گز دور تھے کہ پنجرے کے قریب پہرہ دینے والا سنتری ہوشیار

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

اسلم راہی ایم اے کے ولولہ انگیز تاریخی ناول

سائبیریا کا طوفان	۱۵۰/-	سرابوں کے صحرا	۳۰۰/-
آتش و آہن	۱۵۰/-	رقصِ درویش	۳۰۰/-
ظلمات	۱۵۰/-	دشت کے بھیڑیئے	۲۵۰/-
سراج منیر (اول دوم)	۵۰۰/-	غرناطہ کا چوپان	۳۰۰/-
طارق بن زیاد	۲۵۰/-	شیر شاہ سوری	۲۵۰/-
مقدس دیوداسی	۱۷۵/-	سندھ کا سورما	۲۵۰/-
ابلیکا (سات جلدیں مکمل سیٹ)	۱۹۵۰/-		

مکتبہ القریش ۱۰ اردو بازار لاہور

ہوگیا۔ اس نے اپنی رائفل سیدھی کی مگر اس سے قبل کہ وہ بھی دیا تا۔ کسی کٹے ہوئے درخت کی طرح ڈھیر ہوتا چلا گیا۔ ٹائیگر اس کی کراہ سن کر ہی پلٹا تھا اور پھر اس کے ہونٹوں پر ایک پژمردہ سی مسکراہٹ دوڑنے لگی تھی۔ اُوشان کا نحیف و نزار جسم گارڈ کو بھلانگ کر اس کے پنجرے کے دروازے کی طرف ہی آرہا تھا۔ ٹائیگر مغموم کر رہ گیا۔ اپنے آقا کو دُنیا کی کوئی طاقت زیر نہیں کر سکتی تھی۔ اس کا ایک اور ثبوت وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔

"رُک جاؤ...! پنجروں سے دُور کھڑے ہوئے دو سنتریوں نے بھی سفید تیلون والوں کو دیکھ لیا تھا لیکن وہ اپنے اس ساتھی کا حشر نہیں دیکھ سکے تھے جس کو شمشیر سنانجو کے مالک کی ہتھیلی نے جہنم واصل کر دیا تھا۔ اُوشان نے کھڑی ہتھیلی سنتری کو ماری تھی اور وہ صرف "آہ" کر کے اس جہانِ فانی سے رخصت ہو گیا تھا۔

سفید تیلون والے سنتریوں کی تنبیہ سننے کے باوجود پیش قدمی کرتے رہے۔ وہ ایسے گلیڈی ایٹر لگ رہے تھے جس پر کسی چیز کا اثر نہیں ہوتا۔ انھوں نے تنبیہ سنتے ہی دونوں ہاتھ اس طرح آگے پھیلا لیے تھے جیسے سمندر میں غوطہ مارنے والے ہوں پھر اچانک ان کے مُنہ کھلے اور ہلکی سی آوازیں فضا میں گونجنے لگیں۔ اسی وقت پھر ڈھول بجنا شروع ہو گئے۔ اس بار ان کی دھمک قدرے بلند تھی۔ فی منٹ تیس تھی۔ ڈھول کی دھم دھم اس بار ٹائیگر کو خود سے بہت قریب محسوس ہوئی۔ اس نے اُوشان کو اپنے پنجرے کی سلاخوں سے اُلجھتے ہوئے دیکھا۔ پھر سفید تیلون والوں پر نظریں جما دیں۔

"رکو، ورنہ ہم گولی مار دیں گے۔" ایک سنتری نے چلا کر کہا لیکن جواب میں سفید تیلون والوں کے مُنہ سے نکلنے والی ایک ہی جیسی آواز مزید بلند ہونے لگی۔ یہ آواز کسی نوحے کی طرح تھی، جو تہہ در تہہ چیخ میں بدلتی جا رہی تھی۔

سنتریوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر خوفزدہ ہو کر بھاگنے لگے۔

"پہاڑوں والے... ہمیں معاف کر دے۔" ایک سنتری نے رائفل پھینک کر راہِ فرار اختیار کرتے ہوئے کہا اور دوسرا بھی اس کی تقلید کرنے لگا۔ ان کے فرار ہونے سے فضا میں ڈھول کی تھاپ کے علاوہ قدموں کی دھمک بھی گونجنے لگی اور اسی لمحے ٹائیگر کو اپنی پشت پر اُوشان کے استخوانی ہاتھوں کی گرفت کا احساس ہوا۔ اُوشان نے اسے حیرت انگیز آسانی کے ساتھ اُٹھا کر کندھے پر ڈال لیا اور اس اثنا میں وہ دونوں افسر بھی ان کے قریب پہنچ گئے۔

"بولو نا...!" ان میں سے ایک نے قدیم افریقی میں اُوشان سے کچھ کہا۔ اُوشان عجیب انداز میں مسکرایا اور پھر اس نے شہزادہ کو ان میں سے ایک کے حوالے کر دیا۔ ٹائیگر اپنے اس حشر پر تلملا کر رہ گیا لیکن پھر جب اس نے یہ دیکھا کہ اُوشان بھی اس شخص کے ساتھ ساتھ چل رہا ہے تو وہ مطمئن ہو گیا۔

... پھر اچانک ٹائیگر کو گہری نیند نے گھیر لیا۔ سکون و طمانیت کا ایسا احساس شاید اسے پہلے کبھی نہ ہوا تھا۔ وہ اس یقین کے ساتھ سو گیا کہ اُوشان اس کی حفاظت کر رہا ہے۔

ایک مانوس آواز سُن کر اس کی آنکھ کھل گئی... اور وہ آنکھیں جھپکا کر رہ گیا۔ اس کے سامنے روبی کھڑی تھی اور اُوشان سے باتیں کر رہی تھی جبکہ اُوشان ہاون دستے میں کوئی جڑی بُوٹی کوٹ رہا تھا۔

"ذرا اپنے دہقانی کی تو خبر لو... شاید نیند سے اُٹھ گیا ہے۔" اُوشان نے اپنی مخصوص منحنی ہنسی ہنستے ہوئے روبی سے کہا اور روبی فوراً ٹائیگر کی طرف پلٹ گئی۔ اس کی کھلی ہوئی آنکھیں دیکھ کر وہ خوشی سے مسکرا اُٹھی لیکن اس نے فوراً ہی خود پر قابو پا لیا اور پھر ٹائیگر کو کسی بچے کی طرح سہارا دے کر دیوار کے ساتھ بٹھانے لگی۔ "فکر مت کرو دہقانی۔" روبی نے اس کے کان پر جھکتے ہوئے کہا... "بابا تمہارے لیے خاص جڑی بُوٹی سے دوا بنا رہے ہیں۔ تم جلد ٹھیک ہو جاؤ گے۔"

اُوشان نے ہاون دستے میں پانی ڈال کر ایک بار پھر اچھی طرح جڑی بُوٹیوں کے رس کو پانی میں ملایا... اور ایک باریک کپڑا لے کر ایک دوسرے برتن میں رس چھاننے لگا۔ وہ برتن جلد ہی بھر گیا۔ اُوشان کا اشارہ پا کر روبی نے برتن لیا اور ٹائیگر کے مُنہ سے لگا دیا۔ ٹائیگر بہت بھوکا تھا اور رس سے اُٹھنے والی خوشبو نے اس کی بھوک اور زیادہ بڑھا دی تھی۔ وہ غٹا غٹ رس پینے لگا اور جب برتن خالی ہو گیا تو اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ اسے اچانک ہی ایسا لگنے لگا جیسے اس کی رگوں میں کوئی نئی توانائی بھر رہا ہو۔ ساتھ ہی اُسے گہری اور پُرسکون نیند آنے لگی اور اسے صرف اتنا یاد رہا کہ روبی اسے کسی بچے کی طرح لٹا رہی ہے۔

●

"کیا ہوا تھا؟" صدر سکارٹو نے صدارتی محل کی انتظار گاہ میں داخل ہوتے ہی اُن خوفزدہ سنتریوں سے پوچھا جو چوراہے سے سیدھے محل آئے تھے۔

"آقا...!" دونوں فرش پر اکڑوں بیٹھ گئے۔ "وہاں پہاڑوں والے کے آدمی آ گئے تھے۔" اُن میں سے ایک نے روتے ہوئے جواب دیا۔

"اور انھیں دیکھ کر تم نے ہتھیار پھینک دیے... اور راہِ فرار اختیار کی۔" سکارٹو نے غضب ناک لہجے میں پوچھا۔

"آقا... وہ ہمیں آسمانوں پر لے جانے کے لیے آ رہے تھے۔" دوسرے نے سر زمین پر ٹیک کر کہا۔ "ان کے بالائے جسم برہنہ تھے اور وہ سفید تیلون پہنے ہوئے تھے۔ وہ مقدس سمادی کے آسمانی حامی تھے، آقا...!"

"بکواس... مقدس صرف میں ہوں۔" سکارٹو نے پیر پٹخ کر جواب دیا۔ "صرف میں طاقت ور ہوں۔ میں اور طاقت لازم و ملزوم ہیں۔ کھڑے ہو جاؤ۔ میں تمھیں بتاتا ہوں کہ زیادہ طاقت ور کون ہے۔ میں یا وہ منحوس سمادی...!"

اُس نے ان دونوں کو دیوار کی طرف مُنہ کر کے کھڑے ہونے کا حکم دیا اور پھر مشین لا کر بٹن دبا دیا۔ کھڑکھڑاہٹ کی آواز کے ساتھ ہی دھماکے کی آواز پیدا ہوئی اور وہ دونوں بگھل کر غائب ہو گئے۔ "دیکھ لی تم نے میری طاقت...!" سکارٹو نے گرج کر کہا۔ "یہ تھی عظیم سکارٹو کی طاقت... کوئی اس کا جواب پیدا نہیں کر سکے گا۔"

میجر گوگو بھی اس دوران وہاں پہنچ گیا تھا لیکن اس نے سکارٹو کے مشغلے میں ٹانگ اُڑانے کی کوئی کوشش نہ کی۔ وہ تو صرف یہ دیکھنے میں دلچسپی رکھتا تھا کہ کون سا بٹن اصل کام کرتا ہے اور آج محض اتفاقاً اس نے مشین کے استعمال کا طریقہ دیکھ لیا تھا اسے آج علم ہو گیا تھا کہ اصل بٹن صرف ایک ہے۔ سکارٹو سب کے سامنے جو باقی بٹن دباتا ہے اُن کا مشین کے کام سے کوئی تعلق نہیں۔ ان کا مقصد صرف دوسروں کو دھوکا دینا ہے۔

"میجر گوگو...!" چیخ پکار سے فارغ ہونے کے بعد سکارٹو کی نظر اس پر پڑی۔ "اپنا وقت ضائع مت کیا کرو۔ جاؤ اور میرے لیے نمک لے کر آؤ۔"

میجر گوگو نے ڈرائنگ روم میں سے دو نمک دان اُٹھائے۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ایک اپنی جیب میں رکھا اور دوسرا لاکر سکارٹو کو پیش کیا جو اب اپنے تخت پر بیٹھا ہوا تھا۔

"گڈ...!" سکارٹو نے نمک دانی لے کر مطمئن انداز میں سر ہلایا اور نمک ہتھیلی پر لے کر چکھا اور جب یہ یقین ہو گیا کہ نمک دان میں نمک ہی ہے تو مسکرانے لگا۔ اس کے سفید دانت چمکنے لگے "بس اب کوئی مسئلہ باقی نہیں رہے گا۔ نمک کی موجودگی میں پہاڑوں والے کے آسمانی حامی بھی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ نکل میں اس سماوی سے بھی نمٹنے کے لیے جاؤں گا اور پھر میں اس ملک کا مذہبی اور سیاسی رہنما بھی بن جاؤں گا... ہمیشہ کے لیے...!" یہ کہہ کر اس نے دونوں سنتریوں کی باقیات کی طرف دیکھا جو فرش پر بہہ رہی تھیں۔ "میجر گوگو... ذرا فرش صاف کر دو۔"

ٹائیگر کی آنکھ کھانے کی مہک سے کھلی۔ اس نے دیکھا کہ اوشان کی ہدایت کے تحت روبی کچھ پکا رہی ہے۔ پکانے کا طریقہ سے اوشان بتا رہا تھا۔

"تم اُلّو کیا پکا رہے ہو؟" ٹائیگر نے تھوک نگلتے ہوئے کہا اور ہاتھ چہرے پر لے گیا تاکہ پسینہ پونچھ سکے۔ اس مرتبہ اسے ہاتھ ہلانے میں ذرا بھی کمزوری کا احساس نہ ہوا۔

"نکومت کر دو بقائی...!" روبی نے چہکتے ہوئے کہا اور مسکرا کر اوشان کی طرف دیکھا جو ہنڈیا میں جھانک کر یہ دیکھ رہا تھا کہ جڑی بوٹیاں اور خاص درختوں کے پتے زیادہ نہ پک جائیں۔ "بس!" اس نے ہاتھ اٹھا کر کہا اور روبی نے فوراً ہنڈیا عارضی بنے ہوئے چولہے سے اتار لی۔

چند لمحے بعد روبی پیچھے سے کوئی غذا اسے کھلا رہی تھی۔ ٹائیگر کو یہ سبزی لگی مگر وہ اتنا ضرور سمجھ گیا تھا کہ اوشان نے اس کی توانائی بحال کرنے کے لیے کوئی خاص غذا تیار کرائی ہے۔

"یہ کیا ہے اوشان... کیسی سبزی ہے؟" ٹائیگر نے کمزور لہجے میں پوچھا۔

"سبزی... سبزی ہوتی ہے فرزند...!" اوشان نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "کھاتے رہو یہ زہر نہیں ہے۔"

ٹائیگر کے معدے میں جونہی یہ سبزی پہنچی اسے ایسا لگا جیسے اس کے ذہن سے دھند چھٹ رہی ہو اور رگ و پے میں طاقت واپس آ رہی ہو پھر اوشان کو بھی اس نے یہی سبزی کھاتے ہوئے دیکھا۔

کھانے سے فارغ ہو کر روبی نے پلیٹیں ایک طرف رکھیں اور پھر بڑی سنجیدگی سے بولی "اب مشن کا کنٹرول میں خود سنبھال رہی ہوں۔"

"کیوں... تم میں کیا سُرخاب کے پر لگے ہوئے ہیں؟" ٹائیگر نے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے کہا۔ اس کو اٹھنے میں کوئی دشواری محسوس نہیں ہوئی تھی اور جسم میں اسی سنسنی کا احساس پھر پیدا ہونے لگا تھا جو وہ عام حالات میں چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے ہوئے محسوس کرتا تھا۔

"اس لیے کہ میں حالات سے پوری طرح واقف ہوں۔ اب تم جانتے ہی ہو کہ میرا تعلق فردوسی محکمہ سُراغ رسانی کے خصوصی شعبے سے ہے تاہم مجھے یہ علم نہیں کہ تمہارا تعلق کس ایجنسی سے ہے۔ ویسے میں تم دونوں سے صرف اس حد تک متاثر ہوئی ہوں کہ تم چلنے کے انداز سے سمجھ جاتے ہو کہ حسیم کے اس حصے میں کس قسم کا ہتھیار پوشیدہ ہے۔ اس کے علاوہ تم دونوں نے ابھی تک کوئی کارنامہ انجام نہیں دیا۔ ویسے میں یہ نہیں سمجھ سکی کہ پنجرے کی سلاخیں کاٹنے کے لیے بابا کے پاس آری کہاں سے آ گئی تھی؟"

"آری...!" ٹائیگر نے ہنستے ہوئے کہا اور اوشان بھی بطخ کی طرح قہقہہ کر کے ہنسنے لگا۔

"ہنستے رہو...!" وہ چڑ کر بولی "میں اس ملک سے زندہ سلامت واپس جانا چاہتی ہوں لیکن اس سے پہلے سکارٹو کا قصہ بھی ختم کرنا چاہتی ہوں۔ میری خواہش ہے کہ یہاں کوئی اور حکومت سنبھال لے اور ہم فردوس واپس چلے جائیں۔ کیوں ٹھیک ہے نا بابا...؟"

"ان کا نام اوشان ہے۔" اس مرتبہ ٹائیگر نے بگڑ کر جواب دیا۔

"ٹھیک ہے، مسٹر اوشان؟" روبی نے ٹائیگر کو چڑانے کے انداز میں پوچھا۔

"مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" اوشان نے سنجیدگی سے جواب دیا جس پر روبی کا چہرہ کھل اٹھا۔

"مگر مجھے اعتراض ہے۔" ٹائیگر نے دونوں ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"تم کس گنتی میں آتے ہو؟" روبی کا انداز اس مرتبہ بھی تمسخر اڑانے والا تھا۔ "مسئلہ اوشان کا تھا۔ انھیں کوئی اعتراض نہیں اور ویسے بھی ہم یہ معاہدہ کر چکے ہیں۔ اوشان مجھے وہ فن سکھائیں گے جو پوشیدہ ہتھیار کا انکشاف کر سکتا ہے، کیوں ٹھیک ہے نا؟"

"ہاں... جاپیس فی صد پر...!"

"نہیں۔" روبی نے فوراً احتجاج کرنے والے انداز میں کہا۔ "بیس فی صد...!"

"نہیں۔" اس مرتبہ ٹائیگر نے لقمہ دیا تھا۔ "تیس فی صد پر...!"

"مجھے منظور ہے۔" روبی مسکرا کر بولی "لیکن تیس فی صد کمیشن اوشان کو ملے گا اور تمھیں اوشان ہی اپنے حصے میں سے اجرت دیں گے۔"

"منظور۔" ٹائیگر مسکرانے لگا۔ "اب ذرا یہ بھی بتا دو کہ سکارٹو

سے نجات حاصل کرنے کے بعد تم کیا کرنا چاہتی ہو؟"

"یہ تم کیوں پوچھ رہے ہو؟ ویسے بھی یہ تمہارا دردِ سر نہیں۔ لو، مزید سبزی کھاؤ۔"

●

محل نے ایوانِ صدر کی چھت پر جھنڈے کے پول سے سکارٹو کا پتلا اور دھمکی آمیز بینر لٹکا ہوا دیکھا تو ہر طرف سراسیمگی پھیل گئی۔ تقریباً تمام ایک فوجی اوپر چڑھ کر دونوں چیونٹیوں اتارنے پر رضامند ہوا۔ اس دوران تمام فوجی خوفزدہ انداز میں پہاڑوں کی طرف دیکھنے لگے۔

"اب اسے ہلا دو۔" پتلے اور لمبے قد کے فوجی نے میجر گوگو کے حکم پر کہا۔

"نن... نہیں... مجھے یہ حکم نہ دیں میجر...!" اسی فوجی نے ایک قدم پیچھے ہٹتے ہوئے کہا جس نے پتلا اور بینر اتار کر نیچے پھینکا تھا۔ پتلے اور بینر کے گرتے وقت ڈھول کی آواز بہت تیز ہو گئی تھی... اور فوجیوں کے دل خوف سے دھڑکنے لگے تھے۔

"تم حکم کی خلاف ورزی کر رہے ہو؟"

"میں پہلے ہی آپ کا حکم بجا لا کر آسمانی مخلوق کو ناراض کر چکا ہوں۔"

"سنو! آسمانی حامی اور بوڑھا سماوی، صدر سکارٹو سے زیادہ طاقت ور نہیں۔ سکارٹو کا جادو سب سے زیادہ طاقت ور ہے۔" میجر گوگو نے اسے سنبھالتے ہوئے کہا۔

"تب پھر صدر سکارٹو کے جادو ہی سے پتلے کو نذرِ آتش کرا دیں۔ میں بہرحال ایسی کوئی حرکت نہیں کروں گا۔" فوجی نے جواب دیا اور رائفل اٹھا کر اپنی چوکی پر چلا گیا۔

میجر گوگو نے غصے میں آ کر پتلا اٹھایا اور ایوانِ صدر کے اسٹور کے پچھلے کوڑے دان میں پھینک دیا۔ اس پر سکارٹو نے گوگو کا خلوصِ دل سے شکریہ ادا کیا اور پھر اپنے تخت پر آ کر بیٹھ گیا۔ اس کے سینے پر بے شمار تمغے چمک رہے تھے لیکن اب ان تمغوں میں ایک نئی چیز کا اضافہ بھی ہو گیا تھا۔ یہ نمک دانی تھی جس کو اس نے گلے میں ڈوری باندھ کر لٹکا رکھا تھا تاکہ سماوی اور اس کی حامی آسمانی مخلوق کا جادو اس پر اثر نہ کر سکے۔

"اب ہمیں بہرصورت اس بڈھے سے نجات حاصل کرنی ہے جو پہاڑ پر خنجر لہرانے کا دعوا کرتا ہے، میجر گوگو!" سکارٹو نے اپنے ساتھی سے کہا۔

"مگر یہ کام کون کرے گا؟"

"کیا تم خوفزدہ ہو؟" سکارٹو نے تلخ انداز میں پوچھا۔

"نہیں... مگر میرے کان ڈھول کی منحوس آواز سن رہے ہیں۔"

"ہمارے پاس طاقت کی مشین موجود ہے۔"

"مشین پرانی ہو چکی ہے اور وہ لوگ اس مشین سے خوفزدہ بھی نہیں ہوں گے۔ عوام بھی اس مشین سے زیادہ ڈھول کی آواز سے ڈرتے ہیں۔"

"کچھ بھی ہو، بڈھے سے نجات حاصل کرنا ضروری ہے۔ اس کے خاتمے کے بعد میرے اقتدار کو چیلنج کرنے والا کوئی نہیں ہو گا۔ پنجرے سے فرار ہونے والے فردوسی بھی یقیناً اپنے ملک واپس چلے گئے ہوں گے۔"

ان میں یہ باتیں نو بجے صبح ہوئی تھیں اور ٹھیک پونے دس بجے سکارٹو کا ایک نیا پتلا محل کے صحن میں کھمبے کے ساتھ لٹکا ہوا تھا۔

کسی محافظ نے پتلا لگانے والے کو نہیں دیکھا اور نہ ہی کوئی یہ بتا سکا کہ فوجی ٹورنر کو کس نے قتل کیا۔ یہ وہی فوجی تھا جس نے پہلا پتلا جھنڈے والے کھمبے سے اتار کر نیچے پھینکا تھا۔ ٹورنر کی لاش کو ٹرے گھر کے قریب پڑی ہوئی ملی تھی اور جسم سے اس کا دل غائب تھا۔ ٹورنر کا حشر دیکھ کر اب کسی میں بھی پتلے کو اتار پھینکنے کی ہمت نہ تھی۔ میجر گوگو نے اس تشویشناک صورتحال سے سکارٹو کو مطلع کیا جو فوراً باہر نکل کر زینے پر کھڑا ہوا اور پھر گرجنے برسنے لگا۔ "جاؤ... اوپر جاؤ۔" اس نے ایک محافظ کو حکم دیا۔ "اوپر چڑھ کر پتلے کو نیچے پھینک دو۔"

محافظ نے سکارٹو کی طرف دیکھا تک نہیں۔ وہ ایک ٹک پہاڑوں کو دیکھتا رہا۔

"سنو جوان۔ میں تم سے مخاطب ہوں۔ کیا تمھیں میری آواز سنائی نہیں دیتی۔"

سکارٹو نے اپنی جگہ سے جنبش بھی نہ کی لہٰذا سکارٹو نے باقی تین محافظوں کو آوازیں دیں لیکن وہ بھی ٹس سے مس نہ ہوئے۔ سکارٹو دھاڑ چلا کر خاموش ہوا تو اچانک ڈھول کی آواز دھم دھم بے حد تیز اور اونچی ہو گئی۔ ایسا لگا جیسے ڈھول پیٹنے والا سکارٹو کی بے بسی پر قہقہے لگا رہا ہو۔ سکارٹو نے پہلی بار گھبرا کر پتلے کی طرف دیکھا جس کو بنانے والے نے فوجی وردی پہنائی تھی اور اس کے سینے پر اس قسم کے تمغے لگے ہوئے تھے جیسے سکارٹو نے اپنے لیے بنوائے تھے۔ اس پتلے کے سینے پر ایک بینر لگا ہوا تھا جو ہوا کی وجہ سے سرسرا رہا تھا سکارٹو کی نظریں بینر کی تحریر پر جم گئیں۔

"میں آج تمہارا اقتدار کروں گا تار کول کے تالاب کے قریب پھر تمہاری طاقت کا مقابلہ میری طاقت سے ہو گا اور یہ فیصلہ ہو جائے گا کہ کون زیادہ طاقت ور ہے۔ میں یا تم؟"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

سکارلٹو بینر پر لکھا ہوا جملہ پڑھ کر غصے سے تلملا اُٹھا۔

"میجر گوگو!" اُس نے چلّا کر کہا۔ "جتنے آدمی بھی ممکن ہوں فوراً جمع کر لو، ہم آج سہ پہر ہی اس بڈھے کو ختم کرنے کے لیے جائیں گے۔"

"بہت بہتر صدرِ محترم!" میجر گوگو نے خلافِ توقع بڑے مودبانہ انداز میں جواب دیا سکارلٹو واپس اپنے محل میں چلا گیا۔

●

ٹائیگر کی آنکھ کھلی تو اُسے اچانک ہی احساس ہوا کہ وہ پہلے کی طرح چاق و چوبند اور طاقت ور ہے، اُس نے خوشی کو ضبط کرنے کے لیے طویل سانس لے کر پھیپھڑے بھرے اور پھر مکہ بنا کر دیکھنے لگا اس کی انگلیوں میں وہی گرفت اور طاقت موجود تھی جس کا اسے پہلے احساس ہوتا تھا۔ اس کے اعصاب بیدار ہو گئے۔ اُس کی تمام حیاتیات لوٹ آئیں۔ وہ ایک بار پھر ٹائیگر بن گیا۔

اُس کا دل اُٹھنے کو چاہ رہا تھا مگر جونہی وہ اُٹھ کر بیٹھا اسے اُوشان اور روبی ناش کھیلتے ہوئے نظر آئے اور وہ منہ بنا کر رہ گیا۔

"کون جیت رہا ہے؟"

"پتہ نہیں۔ یہ کھیل میری تو سمجھ ہی میں نہیں آتا۔" اُوشان نے اُلجھے ہوئے انداز میں جواب دیا۔

"میں دو سو ڈالر جیت چکی ہوں۔" روبی نے فاتحانہ انداز میں اعلان کیا۔

"پتہ نہیں کیسا کھیل ہے۔ اگر سفتہ میرے پاس آتا ہے تو میں ہار جاتا ہوں اور اگر وہی سفتہ روبی کے پاس ہوتا ہے تو تب بھی میری ہی ہار ہوتی ہے۔"

"یہ ہی تو کھیل ہے بابا...!" روبی نے ہنستے ہوئے کہا اور ٹائیگر کو پہلی بار غزالہ کی ہنسی یاد آ گئی، وہ بھی اسی طرح ہنستی تھی اور اسی انداز میں اُوشان کو تسلی دیتی تھی۔ چند لمحوں بعد وہ اُٹھ کر ٹائیگر کے پاس آئی اور سرگوشی میں پوچھنے لگی۔ "آخر یہ کس طرح کر لیتا ہے؟"

"کیا؟ کیا کر لیتا ہے؟" ٹائیگر نے حیرت سے پوچھا۔

"پتوں میں پیر پھیر۔ وہ جب بھی چاہتا ہے حکم کا سفتہ نکال لیتا ہے۔"

"ارے! اتنی سی بات!" ٹائیگر کو بھی شرارت سوجھنے لگی۔ "دراصل ہم فردوسی حکومت کے مسند دار اور منظورِ شدہ جواری ہیں۔ ہم ایک گھوڑی ہوٹل کھولنے یہاں آئے تھے، جوا لیلنے میں تمہاری دادوں کی جیت کہلاتا، لیکن اب ہم یہ ہوٹل کہیں اور کھولیں گے۔"

"بکواس بند کیا کرو۔" روبی نے غصیلے انداز میں کہا۔ غصّے کی وجہ سے اُس کا چہرہ اور زیادہ خوبصورت لگنے لگا تھا۔

"چلو ٹھیک ہے۔ یہ بتاؤ... اُوشان نے جو سبزی پکوائی تھی وہ باقی ہے یا نہیں؟"

"نہیں، ختم ہو چکی۔" روبی نے منہ پھلا کر جواب دیا۔

"چلو، سبزی کو چھوڑو۔ آؤ، میں تمہیں دکھاتا ہوں کہ تم کس قسم کے فنکاروں کے ساتھ ہو۔ اُوشان! ذرا دوپتے تو مجھے دینا۔"

ٹائیگر نے دس فٹ دور ہی سے کہا اور پلک جھپکنے میں دو سرخ پتے اُس کے ہاتھ میں نظر آنے لگے۔ روبی صرف اتنا دیکھ سکی کہ ایک سیکنڈ قبل ہی دو پتے اُوشان کے ہاتھوں میں تھے۔ اُس نے نہ تو ان پتوں کو ٹائیگر کی طرف جاتے ہوئے دیکھا تھا اور نہ ہی اُوشان کا ہاتھ بلند ہوتے۔

روبی بہت دیر تک ان کے کان کھاتی رہی کہ وہ پتوں کے ٹائیگر تک پہنچنے کا راز بتائیں، پھر جب اُوشان ہی نے اسے یہ بتایا کہ اُس کے یہ پتے ٹائیگر کی طرف اُچھال کر پھینکے تھے تو وہ یقین نہ کر سکی اور اُوشان صرف اتنی وضاحت پیش کر سکا کہ اُس کے ہاتھ کی جنبش اور پتوں کے سفر کی رفتار روشنی کے سفر سے زیادہ تیز تھی۔

کچھ دیر بعد روبی ان دونوں کو لے کر باہر نکلی۔ وہ ایک ایسے علاقے میں تھے جہاں جھونپڑیاں تھیں اور ایک کونے پر پرانی کار کھڑی ہوئی نظر آئی۔ روبی انھیں لے کر اسی کار کی طرف بڑھ گئی اور پھر چند لمحوں بعد گاڑی ان تینوں کو لے کر سڑک پر دوڑنے لگی۔

"ہم کہاں جا رہے ہیں؟" ٹائیگر نے پہلو بدلتے ہوئے پوچھا۔

"اس چکر کو ختم کرنے کے لیے تاکہ میں جلد از جلد اپنے گھر پہنچ سکوں۔"

"ہم اس چکر کو کس طرح ختم کریں گے؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"ہم کا استعمال مت کرو۔ یہ چکر صرف میں ختم کروں گی۔ یہ مسئلہ تاش کی بازی کے ماہر حل نہیں کر سکتے۔"

"وہ کیسے؟"

"ہم سکارلٹو کا تختہ اُلٹ کر اُس کی جگہ کسی اور کو بٹھا دیں گے اس کے بعد ہم مشین حاصل کریں گے جو تم اپنے ساتھ فردوس واپس لے جاؤ گے۔"

"تم نے سارا منصوبہ تیار کر رکھا ہے؟" ٹائیگر نے حیرت سے اُس کی طرف دیکھا۔

"ہاں! لیکن خدا کے واسطے بیچ میں ٹانگ مت اڑانا ورنہ فردوس میں ڈاکٹر ہرام یہ پوچھ پوچھ کر میرا جینا حرام کر دے گا... کہ تم دونوں کی موت کس طرح واقع ہوئی۔"

"تمہیں محکمۂ مراعرسانی والے کتنی رقم دیتے ہیں؟" ٹائیگر نے اچانک ہی پوچھ لیا۔ مگر روبی گڑبڑانے کی بجائے مسکرانے لگی۔ "ناخاصی بھاری رقم دیتے ہیں اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ادائیگی بروقت ہوتی ہے۔"

"اور یہی اصل مسئلہ بھی ہے کہ ادائیگی بروقت ہو جائے۔" اُوشان نے عقبی سیٹ پر سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"کیا ڈاکٹر ہرام تمہیں وقت پر ادائیگی نہیں کرتا، اُوشان!"

"میرا اس شخص سے بھلا کیا تعلق!" اُوشان نے بڑی حقارت سے ٹائیگر کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "اس کے لیے تو درحقیقت صرف شہزاد ہی کام کرتا ہے اور میں... میں تو صرف صدرِ مملکت کے احکام کا پابند ہوں۔ ویسے ہم دونوں کو ادائیگی ہرام ہی کرتا ہے لیکن اگر میں بہت سے کام نہ لوں تو وہ ساری تنخواہ خود ہضم کر جائے۔"

"اُوشان کی تنخواہ ایک خصوصی آبدوز سے ذریعان کے گھر پہنچ جاتی ہے، لہٰذا تم ان کی باتوں پر یقین مت کرنا۔" ٹائیگر نے روبی سے کہا۔ "ویسے اُوشان کو کبھی کسی چیز سے محرومی کی بھی شکایت نہیں ہوتی۔"

"نہیں ہوتی۔" اُوشان نے دونوں کندھے اُچکاتے ہوئے کہا۔ "مجھے بہت کسی محرومی کی شکایت ہے اور اس کا ازالہ دُنیا جہان کی دولت نہیں کر سکتی۔"

وہ اسی طرح باتیں کرتے ہوئے دارالحکومت کی شاہراہ تیہ ایک پر پہنچ گئے اور یہاں ٹائیگر کو ڈھول کی آواز ایسی لگی جیسے بہت قریب سے آ رہی ہو۔

اس اثنا میں بارش شروع ہو گئی اور روبی مسکرانے لگی۔ "بوڑھے سماوی نے کہا تھا کہ آج بارش ہو گی اور مجھے بارش کی ضرورت بھی ہے۔"

"بھئی چکر کیا ہے؟" ٹائیگر نے اُکتا کر پوچھا۔ "آخر ہم کہاں جا رہے ہیں؟"

"جلد دیکھ لو گے۔ ہم پہنچ چکے ہیں۔" روبی نے گاڑی کی رفتار سست کر دی اور پھر پلٹ کر دیکھنے لگی۔ بہت دُور دو کاریں اُنہی کی طرف آ رہی تھیں۔ "شرط لگا لو کہ یہ سکارلٹو کا قافلہ ہے۔ بڑے شاندار وقت پر آ رہے ہیں، مردود۔"

ٹائیگر نے اُکتاہٹ کے عالم میں ایک کھٹی سے پتے کے لیے گال پر ہاتھ مار لیا اور پھر اُس تالاب کی طرف دیکھنے لگا جس میں نارکول بھرا ہوا تھا۔ اس دوران روبی نے گاڑی جھنڈ میں چھپا کر کھڑی کر دی۔ "اب تم دونوں خاموشی سے اس جگہ میرا انتظار کرو۔" اُس نے گاڑی سے اُترتے ہوئے کہا اور پل بھر میں ان کی نظروں سے اوجھل ہو گئی۔

"یہ لڑکی مجھے بیوقوف سمجھتی ہے اُوشان!" ٹائیگر نے خفگی

کے عالم میں پیر پٹخنے ہوئے کہا۔

"شاید... ویسے بارش رُک گئی ہے۔" اُوشان نے براہِ راست جواب دینے سے شرارتاً گریز کیا۔

"میرے سوال کا جواب دیجیے اُوشان!"

"سوال کیا تھا، فرزند!" اُوشان کا لہجہ شرارت سے بھر گیا۔

"یہی کہ وہ مجھے بے وقوف کیوں سمجھتی ہے؟"

"اپنی ذہانت کی وجہ سے۔ بعض لڑکیاں اپنی عمر سے کہیں زیادہ بصیرت اور فہم و فراست کی حامل ہوتی ہیں، میرے بچے!"

تارکول کے تالاب کے قریب روبی اور سماوی کی ملاقات ہوئی وہ برہنہ پا تھا اور اُس نے صرف ایک پتلون پہن رکھی تھی، تمام موقع کی اہمیت کے پیشِ نظر وہ ہیٹ بھی لگا کر آیا تھا۔ "جلدی کریں مقدس انسان! سکارلٹو ہمارے سر پر آ پہنچا ہے!"

"سکارلٹو!" سماوی نے ایک لمبی سانس لے کر آسمان کی طرف دیکھا جہاں سورج کالے بادلوں کی قید سے نجات حاصل کر رہا تھا۔

انکا، اقابلہ، سونا گھاٹ کا پجاری

اور غلام روحیں

کے بعد انوار صدیقی کا ایک

اور شہکار ناول

برہمچاری

قیمت =/150 روپے

مکتبہ القریش سرکلر روڈ اردو بازار لاہور

فون 7668958

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"آہ... آج سورج چھپے گا۔ آج کا دن نیک کاموں کے لیے بہت خونگوار ہے لڑکی!"

رُوبی خاموشی سے ایک طرف چل پڑی اور سمادی بھی خاموشی سے اس کی تقلید کرنے لگا پھر رُوبی تالاب سے دس فٹ دُور اس جگہ رُک گئی جہاں ایک بڑا پتھر زمین سے نکلا ہوا تھا۔ "آپ کو یہاں بیٹھنا ہے۔" اُس نے سمادی سے کہا اور سمادی بے چون وچرا اُس کی ہدایت پر عمل کرنے لگا۔ "آپ جانتے ہیں کہ آپ کو کیا کرنا ہے؟" رُوبی نے سنجیدگی سے اُس کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"ہاں!" سمادی نے چہرے پر ہاتھ پھیر کر دو انگلیاں آنکھوں سے لگائیں۔ "ہاں، میں جانتا ہوں کہ اپنے بچے اور اپنی زمین کے قاتل کے ساتھ میں کیا کروں گا۔"

"گڈ! میں کسی بھی خطرناک وقت میں آپ سے دُور نہیں ہوں گی۔" یہ کہہ کر رُوبی تیزی سے چلتی ہوئی ایک منٹ ہی میں اپنی کار تک پہنچ گئی۔ اس دوران سکارلو کی لیموسین اور ایک فوجی گاڑی کے انجنوں کی آواز مزید قریب آگئی۔ فوجی گاڑی میں صرف چار سپاہی سوار تھے۔

"لفٹ دے کر ساتھ لے جانا چاہتے ہو؟" رُوبی نے اوشان اور ٹائیگر سے پوچھا۔

"پتلون اور بیلٹ میں کون اشتعل نظر آرہا ہے؟" ٹائیگر نے پتھر کے قریب بیٹھے ہوئے شخص کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"وہ، وہ عظیم سمادی ہے۔" اوشان کا لہجہ مذاق میں لپٹا تعارف تھا۔

"اوہ... آپ کو اس کا علم کیسے ہوا اوشان؟" رُوبی حیرت زدہ رہ گئی۔ "مجھے تو خود کل ہی اس کے بارے میں معلومات ہوئی ہیں۔ کیا آپ پہلے سے اُس کو جانتے تھے؟"

"اچھی لڑکی! سمادی کسی فرد کا نام نہیں ایک ادارے کا نام ہے۔ یہ ایک خطاب ہے جو اُس شخص کو ملتا ہے جو زندہ لوگوں کا سردار ہو۔"

"زندہ لوگوں سے آپ کی کیا مُراد ہے؟" اوشان کو اتنا سنجیدہ دیکھ کر ٹائیگر بھی متفکر ہوگیا۔

"زندہ لوگ!" اوشان نے طویل سانس لی اور اپنے دونوں ہاتھ جن کی ہڈیاں صاف نظر آرہی تھیں، اپنے سینے پر رکھ لیے۔ "زندہ لوگ وہ ہوتے ہیں جو مرنے کے بعد بھی زندہ رہتے ہیں۔ ہمیں پنجروں سے نکالنے کے لیے آنے والے بھی یہی زندہ لوگ تھے اور ہمیں بحفاظت رُوبی کی کیبن گاہ تک پہنچانے والے بھی یہی زندہ لوگ تھے۔"

"اُف!" رُوبی خجر جھرجھری لے کر رہ گئی۔ "میں نے سمادی سے صرف اتنا کہا تھا کہ مجھے چوک میں موجود دو فدائیوں کو رہا کرانا ہے اس پر اُس نے تالی بجائی اور پھر کسی ایسی زبان میں چند جملے کہے جس سے میں واقف نہیں اور پھر مجھے اس جھونپڑی میں جانے کا حکم دیا جہاں اوشان اپنے قدموں پر چل کر پیچھے اور تم... وہ فانی... بچے کی طرح... سوتے ہوئے۔"

"ہاں! بہت سے لوگ زندہ لوگوں کو بدروح یا شیطان سمجھتے ہیں لیکن یہ دونوں باتیں غلط ہیں، وہ شیطان تو ہو ہی نہیں سکتے... رہا سوال بدروح ہونے کا! تو اس بارے میں بھی شک ہے کہ وہ واقعی رُوحیں ہیں یا ایسے لوگ ہیں جنھوں نے اپنی زندگی سمادی کے لیے وقف کر دی ہے۔ زندہ لوگوں کے اچھے یا بُرے ہونے کا انحصار سمادی پر ہوتا ہے۔ اگر سمادی اچھا ہوگا تو زندہ لوگ بھی اچھے ہونگے۔"

"یہ سمادی بہت اچھا ہے اوشان۔" رُوبی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "دیکھیں نا، سکارلو سے نجات کے لیے ہماری مدد کر رہا ہے۔ ششش۔" اُس نے اچانک منہ پر انگلی رکھ لی۔ "خاموش رہو، وہ یہاں آگئے ہیں۔"

سیاہ صدارتی لیموسین تالاب سے چند فٹ دُور ہی رُک گئی اور پھر چاروں فوجی خوفزدہ انداز میں جیپ سے اُتر کر کھڑے ہو گئے۔ ان کے بعد سکارلو کار سے نکلا، مشین اُس نے خود نکالی اُس کا شوفر اور ایک محافظ، جن کے پاس پستول تھے، کار کی اگلی نشست سے اُتر آئے۔ پھر جب سکارلو نے مشین کو ایک جگہ رکھ کر سیٹ کر دیا تو میجر گوگو بھی کار سے اُتر آیا۔

سکارلو نے بائیں طرف دیکھا اور پھر اُس کی نظریں تالاب کی طرف جم گئیں۔ بوڑھا آدمی صرف ایک سو فٹ دُور ایک پتھر پر بیٹھا ہوا نظر آیا اور سکارلو کے توے جیسے کالے چہرے پر عجیب سی سکاہٹ دوڑ گئی اور اُس نے اپنی مشین کھینچ کر اپنے سامنے رکھی۔ تالاب سے بھاپ اُٹھ اُٹھ کر فضا میں تحلیل ہو رہی تھی اور کڑی دُھوپ نے چند منٹ قبل ہونے والی بارش کا پانی بھی بھاپ بنا ڈالا تھا۔

"سمادی۔ میں یہاں ہوں۔" سکارلو نے للکارنے والے انداز میں کہا۔ "آؤ، اور میرے جادو سے اپنے جادو کا مقابلہ کرو۔"

"تمہارا جادو ناقص اور نامکمل ہے سکارلو!" اُسے بوڑھے کی آواز سنائی دی۔ "تم شیطانوں جیسی حرکتیں کر رہے ہو لیکن تمہاری یہ حرکتیں جلد ہی ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائیں گی۔"

"دیکھا جائے گا، سمادی۔ دیکھا جائے گا۔" سکارلو نے چیخ کر کہا مگر اسی لمحے ڈھول اتنی زور سے بجنے لگے کہ تالاب میں تارکول بھی تھرتھرانے لگا۔ خود سکارلو بھی ڈھول کی دھمک سے غصے میں آگیا۔ اُس نے مشین اپنے بازوؤں میں بھر لی اور پھر بپ بپ کا رُخ سمادی کی طرف کر دیا جو پتھر پر بے حس و حرکت بیٹھا ہوا تھا یہی وہ لمحہ تھا جب سکارلو نے بڑی احتیاط سے مشین کا بٹن دبایا تھا۔

خوفناک دھماکوں کی زوردار آوازوں کے ساتھ دھماکہ ہوا اور پھر سبز رنگ کی شعاعی لکیر نکل کر پتھر کی طرف کسی سانپ کی طرح لپکی اور... سکارلو سر سے پیٹ کر رہ گیا... سمادی محفوظ تھا، شعاعی لکیر اُس سے بیس پچیس فٹ دُور سے گزر کر ایک پہاڑ سے ٹکرا گئی تھی۔

"آ... ہا..." سکارلو نے ایک بار پھر بٹن دبایا لیکن اس مرتبہ بھی نشانہ خطا گیا۔

"یہ کیا ہو رہا ہے، اوشان۔ اُس کا نشانہ خطا کیوں ہو رہا ہے؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"صرف اس وجہ سے کہ اُسے سمادی نظر ہی نہیں آرہا ہے تارکول سے اُٹھنے والی بھاپ ایک سراب بنا رہی ہے اور وہ اسی سراب پر فائر کر رہا ہے۔"

"درست!" رُوبی نے مسکراتے ہوئے اوشان کی تصدیق کی۔ "سمادی اُس جگہ نہیں جہاں اُسے نظر آرہا ہے۔"

گوگو نے ایک طویل سانس لیا کیونکہ سکارلو ایک بار پھر فائر کرنے کے لیے اپنا نشانہ ٹھیک کر رہا تھا۔ سکارلو نے بھی طویل سانس لے کر ایک بار پھر بٹن دبایا، اس مرتبہ اُسے یقین تھا کہ سمادی اب مارا جائے گا لیکن نتیجہ وہی رہا۔ اس مرتبہ سبز روشن لکیر کی چمک نہ صرف ہلکی بلکہ اس کی مار کا فاصلہ بھی کم ہوگیا تھا۔

"سکارلو ہیٹری کو چارج ہونے کا موقع ہی نہیں دے رہا ہے۔" ٹائیگر نے دھیرے سے کہا۔

"نہیں!" اپنی ناکامی پر سکارلو گلا پھاڑ کر چلایا۔ اُس نے مشین دونوں ہاتھوں میں اُٹھا کر سمادی پر پھینک ماری لیکن بھاری مشین صرف دس فٹ تک ہوا میں چلتی رہی اور پھر ہلکی سی آواز کے ساتھ تارکول میں گر گئی۔

"اب تمہارے پاس کوئی جادو باقی نہیں رہا۔ شیطان صفت سکارلو!" سمادی کی آواز ویرانے میں گونجنے لگی۔ پھر وہ اچانک ہی تالاب سے دس فٹ دُور ایک پتھر کے اُوپر سے اُٹھا، ابھی تک سکارلو اسی پتھر کے سراب پر فائر کرتا رہا تھا۔ سمادی کے اُٹھتے ہی ایک درجن سر بھی نمودار ہوئے اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے پچیس "زندہ لوگ" سمادی کے دائیں بائیں کھڑے ہوگئے، ان کی آنکھیں شعلوں کی طرح چمک رہی تھیں...

"فائر کرو!" سکارلو نے گھبرا کر کہا لیکن اس کے چاروں طرف محافظ ان کو دیکھتے ہی سر پہ پیر رکھ کر بھاگنے لگے۔ سکارلو کے ہوش اُڑ گئے۔ اقتدار میں رہنے کا آخری سہارا بھی وہ گنوا چکا تھا۔ اُس نے ایک لمبی لکڑی اُٹھائی اور دیوانہ وار اس مشین کو واپس کھینچنے کی کوشش کرنے لگا جو اُس نے خود تالاب میں پھینکی تھی۔

یہی لمحہ فیصلے کا تھا، اسی ساعت کا میجر گوگو کو برسوں سے انتظار تھا۔ اُس نے سگریٹ کا طویل کش لے کر ٹوٹا ایک طرف اُچھال دیا، ایک لمبی سانس لی اور کسی سانڈ کی طرح سر نیچے کر کے سکارلو کی طرف دوڑ پڑا۔ اُس کے پھیلے ہوئے ہاتھ سکارلو کی کمر پر لگے، جو مشین نکالنے کے لیے جھکا ہوا تھا اور پھر سکارلو کسی پتھر کی طرح اُچھل کر تالاب میں گر گیا۔ سیاہ تارکول نے اسے فوراً ہی صرف جکڑ لیا بلکہ بڑی حد تک اُس کو نیچے بھی کھینچ لیا۔ اُس نے تالاب سے نکلنے کی بڑی جدوجہد کرتے ہوئے مدد کے لیے چیخنا چلانا بھی شروع کر دیا۔

"اوہ! یہ تو بڑی عجیب بات ہوئی۔ میرا خیال تھا کہ ہم ہی اس کو ماریں گے۔" رُوبی نے حیرت سے سکارلو کی طرف دیکھ کر کہا۔ یہ بات واقعی اُس کے منصوبے میں شامل نہ تھی کہ میجر گوگو باقی کام انجام دے گا۔

میجر گوگو اس دوران اپنے ساتھیوں کی طرف پلٹا جو یہ منظر دیکھ کر واپس آگئے تھے۔ "جوانو!" گوگو نے چلا کر کہا۔ "رائفلیں تان



ایک پراسرار مورتی کے حصول کے لئے ہونے والے خوفناک معرکے کا احوال

خبیث

انوار صدیقی کے پراسرار قلم سے

5 حصوں میں، مکمل سیٹ =/200 روپے

مکتبہ القریش سرکلر روڈ اردو بازار لاہور

فون 7668958

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کران لوگوں کو بھون ڈالو، اگر زندہ رہنا چاہتے ہو... تو گولی چلاؤ۔"

فوجی ایک بار پھر ہچکچانے لگے۔ 'زندہ لوگ' اب دو گروہوں میں بٹ کر فوجیوں کی طرف بڑھ رہے تھے۔ میجر گوگو بھی اُن کی پیش قدمی دیکھ کر خوفزدہ ہو گیا اور اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر نمک دانی نکال لی پھر وہ حصار بنانے کے لیے نمک چھڑکنے لگا۔ "اِس حصار میں آجاؤ۔" اُس نے اپنے فوجیوں کو حکم دیا۔ "حصار میں زندہ لوگ ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے اور اس کے بعد ہم اس ملک کو ان بدروحوں کے وجود سے پاک کر دیں گے۔"

اس دوران سکارٹو ایک بار پھر مشین کے گرد اپنا بازو ڈال چکا تھا لیکن مدد کے لیے اس کی چیخ و پکار اب بھی جاری تھی۔ "گوگو۔ مجھے یہاں سے نکال لو، میرے دوست!"

"میں معذرت خواہ ہوں، جناب صدر!" میجر گوگو نے ہنس کر جواب دیا۔ "پہلے مجھے ان بدبختوں سے نمٹنا ہے۔" یہ کہتے ہوئے اُس نے قریب کھڑے ہوئے سپاہی کی رائفل جھپٹ لی اور دوسرے سپاہی کو دیتے ہوئے بولا۔ "فائر کرو۔" ساتھ ہی اُس نے اپنا پستول بھی نکال لیا۔

"یہ سامدی کو مارنا چاہتے ہیں۔" رُوبی نے گھبرا کر کہا۔

"اوشان! صدرِ مملکت کے لیے تو آپ کام کر رہے ہیں، اب میرے لیے کیا حکم ہے؟"

"میرا خیال ہے کہ تم بالکل ٹھیک کہتے ہو۔ یہ کام صرف میں ہی کر سکتا ہوں۔" اوشان نے جواب دیا اور اس سے قبل کہ رُوبی کچھ کہتا اوشان اور ٹائیگر دونوں زمین سے اُچھلے اور اس طرح جھاڑیوں کے اوپر سے گزرتے چلے گئے جیسے اُن کے پَر لگ گئے ہوں۔ روبی سینے پر ہاتھ رکھ کر حیرت سے یہ منظر دیکھتی رہی۔ اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا تھا جو کچھ وہ دیکھ رہی تھیں کہ اوشان اور ٹائیگر دونوں ہر قسم کی کاوٹ سے بے نیاز ناقابلِ پیمائش رفتار سے ان مسلح افراد کی طرف دوڑ رہے تھے جن کا مقصد سامدی کو گولیوں سے چھلنی کرنا تھا۔

اوشان اور ٹائیگر جب حصار کے اندر پہنچے تو گوگو کی انگلی لبلبی پر پہنچ چکی تھی۔

رُوبی نے آنکھیں بند کر لیں۔ اُسے یقین ہو گیا کہ اب ان دونوں کو بھون دیا جائے گا۔ پھر رُوبی نے دلخراش چیخ سُن کر گھبراہٹ کے عالم میں اپنی آنکھیں کھول دیں۔ وہ یہ دیکھ کر کانپ اُٹھی، رائفل بردار، ایک فوجی، ٹائیگر کی ایک مخصوص ضرب کے باعث کئی فٹ اُچھلتا ہوا اُس پیڑ کے اوپر گرا جس کی نوک نکلی ہوئی تھی اور پھر تڑپ کر ساکت ہو گیا۔ پھر رُوبی نے ایک اور منظر دیکھا۔ اوشان نے اُس رائفل والے کے سر پر کھڑی ہتھیلی ماری تھی جو ٹائیگر کا نشانہ لے رہا تھا اور پھر اُس سپاہی کا سر خربوزے کی طرح پھٹ گیا تھا۔ رُوبی کو اس کا مغز دیکھ کر متلی ہونے لگی اور پھر اُس کی نظریں ٹائیگر پر جم گئیں جو رقص کے انداز میں دو مخالفوں پر حملہ کر رہا تھا۔

وہ دیکھتی رہی۔ اُس کی آنکھیں جھپکنا تک بھول گئیں۔ اُس کا جسم سنسناتا رہا۔ وہ دنیا کی بہترین ایکشن فلمیں دیکھ چکی تھی لیکن اس وقت اُس نے جو کچھ دیکھا، صرف دس سیکنڈ میں دیکھا تھا، وہ ناقابلِ یقین تھا... دس سیکنڈ میں سب کچھ ختم ہو گیا۔ میجر گوگو کی دونوں ٹانگیں گھٹنوں سے غائب تھیں اور وہ نیم مردہ حالت میں پڑا تھا۔ تین فوجیوں کے سر دو حصّوں میں تقسیم ہو چکے تھے جبکہ ایک کی موت پتھر پر گرنے سے اور باقی دو کی موت زبردست مکّوں اور گہرے گھاؤ کی وجہ سے ہوئی تھی جو ٹائیگر نے ہاتھ سے لگائے تھے۔

ابھی رُوبی کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ اُس نے 'زندہ لوگوں' کو ٹائیگر اور اوشان کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھا۔ "لٹل فادر!" ٹائیگر نے چیخ کر کہا۔ "ذرا دیکھیں تو... جن پر تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے۔" اُس کا اشارہ 'زندہ لوگوں' کی طرف تھا جن کے تیور اچھے نہیں لگ رہے تھے۔ "مسئلہ یہ ہے کہ ہم مُردوں کو دوبارہ کس طرح مار سکتے ہیں؟"

اس سے قبل کہ اوشان کچھ کہتا، سامدی اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔ اُس نے ایک بار تالی بجائی تو وہ بیسیوں افراد جہاں تھے وہیں رُک گئے۔ ایسا لگا جیسے وہ بجلی سے چلنے والے روبوٹ تھے، اور بجلی کی فراہمی منقطع ہونے کے بعد اب ساکت ہو گئے ہیں۔

"واہ۔" رُوبی نے سکون کی سانس لی اور سڑک پر ان کے پاس چلی آئی۔ "یہ... تم دونوں کس قسم کے کرتب کا مظاہرہ کر رہے تھے؟" اُس کی نظریں ٹائیگر پر تھیں اور ان میں پیار بھرا ہوا تھا۔

"ہم مداری یا مسخرے نہیں رُوبی، لہٰذا خاموش رہو۔" ٹائیگر نے بے نیازانہ انداز میں کہا حالانکہ اس وقت اسے بھی رُوبی پر بہت پیار آرہا تھا۔

سامدی کے قدم آہستہ آہستہ اُٹھتے آرہے تھے اور اس دوران ٹیلے پر درجنوں عورتیں بھی نمودار ہونے لگیں۔ ٹیلے والے سب لوگ تجسّس اور حیرت سے نیچے دیکھنے لگے۔

اب سکارٹو کا آدھا جسم تارکول میں دھنس چکا تھا لیکن اُس نے کسی نہ کسی طرح مشین پر ایک بار پھر کنٹرول حاصل کر لیا تھا۔ "تم زندگی کے ایک ملے میں بھی حکمراں نہیں بن سکو گے، سامدی!" اُس نے جنونی انداز میں کہا۔ "طاقت اب بھی میرے پاس ہے۔"

سامدی نے اسے کوئی جواب نہیں دیا۔

سکارٹو نے مشین کا بٹن ٹٹولا جو بمشکل ملا اور پھر اُس نے بٹن دبا دیا لیکن اُس نے مشین کے پائپ کا رُخ درست نہیں کیا تھا۔ پائپ کا دہانہ اُسی کی طرف تھا۔ مشین خرخراہٹ کے ساتھ جاگ اُٹھی اور پھر دھماکے کے ساتھ اُس نے بیتر شعاعی لیکر اُگل دی جو سیدھی سکارٹو کے پیٹ پر لگی۔ ایک لمحے تک یوں لگا جیسے سکارٹو کا پورا بدن سبز روشنی میں چمک رہا ہو اور پھر وہاں مشین کے علاوہ کچھ باقی نہ رہا۔ صرف ایک فوجی وردی تارکول پر پڑی رہی اور اس وردی پر تمغے جگمگا رہے تھے۔

صاحبِ اقتدار اپنی موت آپ ہی مر گیا۔

"واپس آجاؤ۔" سامدی نے بہت دیر بعد اپنے زندہ لوگوں سے کہا جو بہت سے گاؤں کی طرف دوڑ پڑے تھے۔

"اب بولو، میری بچی۔" سامدی نے اوشان، ٹائیگر اور رُوبی کے سامنے پہنچ کر کہا۔

"اب آپ اس مُلک کے حکمران ہیں، مقدّس سامدی!" رُوبی نے جواب دیا۔

"میں بوڑھا ہو چکا ہوں۔ مُلک کا انتظام تم ہی چلاؤ۔"

"تم بوڑھے نہیں ہوئے ہو، سامدی!" اوشان نے پُراسرار انداز میں کہا۔ "تم تو ابھی لڑکے ہو۔ تمہاری عمر ابھی صرف ستّر اسّی سال ہے اور ہاں... خیر چھوڑو... میں مملکت فردوس کے صدر کی طرف سے تمہیں ریاستی امور چلانے میں مکمل تعاون کی فراہمی کا یقین دلاتا ہوں۔"

"شکریہ! مگر مجھے تو یہ بھی پتہ نہیں کہ کام کا آغاز کہاں سے کروں...؟"

"ان ڈیڑھ سو افراد کو قتل کر کے جو سکارٹو کے مظالم میں برابر کے شریک تھے۔"

مشین تو پھر بھی نہیں ہلی۔ رُوبی نے فردوس انٹرنیشنل کے طیارے میں ٹیک آف کے فوراً بعد ٹائیگر کو ہٹو کا دیتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔ اور سب سے اچھی بات یہ ہے کہ وہ کسی کے ہاتھ نہیں لگی، تباہ ہو گئی۔ تالاب میں غرق ہو گئی۔"

"ممکن ہے۔ مشین کے حصّوں میں ناکامی کے بعد محکمہ سراغرسانی والے مجھے برطرف کر دیں۔"

"تم فکر مت کرو۔ اوشان صدرِ مملکت کے خبردار کر دیں گے کہ تمہیں نوکری سے نہ نکالا جائے۔ شاید تمہیں علم نہیں کہ اوشان صدرِ مملکت کے لیے کام کرتے ہیں۔" ٹائیگر کا لہجہ شرارت آمیز تھا۔

"نہیں۔ میں آپ صدر کے لیے کام نہیں کروں گا۔" اوشان نے اُکتائے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

"اوہ۔ تو کیا آپ میرے اور بہرام کے ساتھ کام کریں گے؟"

"کیوں نہیں۔" اوشان کی آواز اونچی ہو گئی۔ "فردوس کا صدر انتہائی احسان فراموش آدمی ہے۔ اُس نے مشن کی کامیابی کے لیے مبارکباد کا ایک بھی پیغام نہیں بھیجا۔"

"اوہ! یہ بات ہے۔"

"ہاں! میں ایسے لوگوں کے لیے کام نہیں کرتا۔ بہرام کو بھی یہ احترام تو کرتا ہے۔ ہر مشن کے بعد مبارکباد تو وصول کرتا ہے۔"

"بالکل درست، لٹل فادر۔ رُوبی! اب تم بتاؤ، کیا کرو گی؟"

"میں اپنی فیکٹری چلاتی رہوں گی اور کبھی موقع ملا تو اوشان اور تم سے مختلف فن سیکھوں گی۔"

"چالیس فیصد کمیشن پر۔" اوشان نے فوراً کہا اور اس پر رُوبی کی طرح ٹائیگر بھی کھل کھلا کر ہنسنے لگا۔

اچانک اُن کے قہقہے رُک گئے۔ جہاز میں ایک خوفناک آواز گونجنے لگی تھی۔ "جو جہاں ہے، وہیں ساکت ہو جائے۔ کسی نے کوئی حرکت کرنے کی کوشش کی تو وہ اس کی زندگی کی آخری حرکت ثابت ہوگی۔"

ٹائیگر نے آہستہ آہستہ آواز کی طرف گردن گھمائی اور پھر اُس کی آنکھوں میں خوفناک چمک پیدا ہو گئی۔

ٹائیگر کی آنکھوں میں خوفناک چمک تھی اور یہی کیفیت اوشان کی بھی تھی جب کے نتھنے خون کی بُو سُونگھ رہے تھے۔ رُوبی بھی آواز کی طرف دیکھ رہی تھی اور اس کو یقین تھا کہ بس پل بھر کی بات ہے کہ موت ان پر طاری ہو جائے گی۔ وہ باقی کی جیل اور صدر سکارٹو کے چنگل سے نکل آئے تھے اور انھوں نے باقیا کو مکروہ آمریت سے بھی نجات دلا دی تھی لیکن

گنگا کے پجاری ناگ
اے حمید ○ قیمت ۲۵۰/- روپے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

وہ یہ حقیقت فراموش کر گئے تھے کہ بارودی ایجنٹ اپنی ناکامی کا انتقام لینے کے لیے کچھ نہ کچھ ضرور کریں گے ... اور اب ایک بارودی ان کے سامنے موجود تھا۔ اس کے ایک ہاتھ میں سگریٹ لائٹر اور دوسرے میں دستی بم تھا جس کا فلیتہ نیچے جھول رہا تھا۔ طیارے میں موجود ہر مسافر کو خطرے کا احساس تھا۔ دلوں کی دھڑکن خوف کی وجہ سے تیز ہو گئی تھی اور طیارے میں کام کرنے والے انڈر کنڈیشنڈ نظام کے باوجود لوگوں کے چہروں پر پسینے کی بوندیں لرز رہی تھیں۔ شدتِ خوف سے ہر مسافر کی حالت غیر تھی لیکن صرف تین افراد ایسے تھے جن کی دھڑکنیں نہ صرف معمول کے مطابق تھیں بلکہ ان کے چہروں پر بہم برداری کے لیے حقارت کے تاثرات بھی تھے۔

روبی کو یقین تھا کہ یہ شخص بارودی ایجنٹ ہی ہے اور باقیوں میں اپنی طاقت کا انتقام لینے کے لیے طیارے کو ہائی جیک کرنا چاہتا ہے۔

ٹائیگر بھی یہی سوچ رہا تھا لیکن اوشان کو اس کی حسیات بتا رہی تھیں کہ یہ بارودی ایجنٹ نہیں ہے بلکہ اس شخص کی رگوں میں زہریلا خون دوڑ رہا تھا۔

"کیا چاہتے ہو؟" ٹائیگر نے خونخوار لہجے میں پوچھا۔ اسے ڈر تھا کہ کہیں خوف کی زیادتی سے مسافروں میں شامل بچوں اور عورتوں کی حرکتِ قلب نہ بند ہو جائے۔

"میں... ایک برتر نسل کا نمائندہ ہوں۔ خوفناک چہرے والے سیفید فام نے کہا۔ "میں اعلان کرتا ہوں کہ اب یہ طیارہ میرے حکم کے مطابق چلے گا اور جہاں کہوں گا، وہیں اترے گا۔ تم سب بزدل حرامی ہو اور...!"

"تمہارا کس نسل سے تعلق ہے، شیطانی چہرے والے سیفید فام؟" اوشان نے مخصوص مزاحیہ انداز میں پوچھا۔

"بکواس مت کرو بوڑھے... تم جیسے زرد رو آدمی بھی سیاہ فاموں کی طرح زمین پر بوجھ ہیں۔" سیفید فام بم بردار نے دانت پیستے ہوئے کہا۔ اور ایک قدم آگے بڑھا۔ اب وہ روبی کے دائیں طرف پہنچ چکا تھا اور اس کی نظریں روبی پر مرکوز تھیں۔ "تمہارے چہرے سے ظاہر ہے کہ تم بھی کسی رنگ دار جوڑے کی اولاد ہو۔"

"میں ایک سیاہ فام باپ اور ایک سیاہ فام ماں کی بیٹی ہوں۔" روبی نے غرا کر فخریہ لہجے میں کہا اور اسی لمحے وہ ہوا جس کی توقع میں اوشان نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ ٹائیگر کی دائیں ٹانگ فرش سے بلند ہوئی اور سیفید فام انتہا پسند کے اس ہاتھ پر لگی جس میں بم دبا ہوا تھا۔

سیفید فام غرا کر پلٹا... پھر خوفناک چیخ مار کر گرتا چلا گیا۔ اس کا بم والا ہاتھ کہنی سے ٹوٹ کر جھول رہا تھا۔ بازو سے اس کا تعلق کھال کے صرف ایک ٹکڑے سے قائم تھا اور روبی چھپاما کر بم اٹھا رہی تھی۔

سیفید فام نے ایک اور چیخ ماری پھر روبی کو پکڑنا چاہا مگر روبی کی کہنی اس کے پیٹ سے ٹکرائی اور وہ اوغ کی آواز نکالتا ہوا دہرا ہو گیا۔

ٹائیگر نے دوبارہ پیر اٹھا کر سیفید فام کے پہلو پر ٹھوکر ماری اور سیفید فام اڑتا ہوا دس فٹ دور ٹائلٹ کی دیوار سے ٹکرا گیا۔ اس کا سر کسی تربوز کی طرح پھٹ گیا اور پھر تمام مسافر دہشت سے نجات ملنے پر پاگلوں کی طرح چیخنے لگے۔

"خواتین و حضرات! ہمارا طیارہ شہرِ بے نظیر میں اترنے والا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ آپ کا سفر خوشگوار گزرا ہوگا۔" انھوں نے پائلٹ کی آواز سن کر منہ بنایا کیونکہ ہوا باز کو پتہ بھی نہیں چل سکا تھا کہ مسافروں پر ابھی ابھی کیا قیامت گزر گئی تھی۔

"اب ہماری منزلیں جدا ہو رہی ہیں، بیٹی!" اوشان نے بڑی شفقت سے کہا۔

روبی نہ جانے کیوں دل گیر سی ہو گئی۔ اس نے ٹائیگر کی طرف صرف اس وجہ سے نہیں دیکھا کہ کہیں ٹائیگر اس کی نم آنکھیں نہ دیکھ لے اور پھر وہ اپنا ہینڈ بیگ اٹھانے کے لیے جھک گئی۔

☆

اس کی چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ وہ آج رات مارا جائے گا لیکن یونٹ کے کسی بھی شخص کو اس کی اس بات پر یقین نہیں تھا کہ یہ رات اس کی آخری رات ہے۔ اسپیشل یونٹ کا ہر شخص ہر جوان یہی کہتا تھا کہ واکر ایک انتہائی مثالی جوان ہے جس کو کرنل بلیچ بہت پسند کرتا ہے لیکن یہ بات کسی کو بھی نہیں معلوم تھی کہ خود واکر کرنل بلیچ سے شدید نفرت کرتا ہے اور واکر کو اس یونٹ میں ہونے والے واقعات پر بے حد تشویش ہے۔ واکر کی آنکھیں یونٹ کے ہر فرد کو اچھی طرح جانتی تھیں اور یہ آنکھیں ظلم و جبر کے اس مظاہرے کی بھی گواہ تھیں جو یونٹ میں ڈسپلن کی معمولی سی بھی خلاف ورزی پر روا رکھا جاتا تھا۔

... اور یہ آج ہی کی بات تھی۔

کرنل بلیچ نے دو رنگروٹوں کو معمول کی پریڈ کے بعد میدان کے وسط میں طلب کیا تو یونٹ کا ہر جوان خوفزدہ ہو گیا تھا۔

"میں نے تم دونوں کو جو راز بتایا تھا، وہ راز نہیں رہا۔ جواب دو!" کرنل کی اسٹک اس کی فیتی سے ہاتھ میں آ گئی۔ "میں نے تمہیں جو کچھ بتایا تھا، وہ کسی اور کی زبانی مجھ تک واپس پہنچ چکا ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ تم دونوں نے راز کو راز رکھنے کے ضابطے کی خلاف ورزی کی ہے۔ تم نے اس وعدے کی خلاف ورزی کی ہے کہ تم راز فاش نہیں کرو گے اور اس اسپیشل یونٹ میں، وعدہ خلافی اور ضابطے

توڑنا سب سے بڑا جرم ہے۔ تم نے مقدس لفظوں کی بے حرمتی کی ہے۔ بولو! اپنی صفائی میں کیا کہتے ہو؟"

"ہم معافی چاہتے ہیں جناب!" دونوں نے بیک آواز کہا۔

"یقیناً... لیکن اب مسئلہ یہ ہے کہ میں اس بات پر کس طرح یقین کروں کہ اپنی زبان سے ادا ہونے والے لفظوں کی بے حرمتی کے مرتکب افراد واقعی خلوصِ دل سے معافی چاہتے ہیں۔" کرنل بلیچ نے اپنی اسٹک لانگ بوٹ پر مارتے ہوئے کہا۔ "تم جھوٹے ثابت ہوئے ہو، تم نے اپنے لفظوں کا تقدس کھو دیا ہے۔ میں غلط تو نہیں کہہ رہا ہوں؟"

"نن... نہیں...!" رنگروٹوں نے بوکھلا کر جواب دیا۔ ان کی آنکھیں خوف سے ابلی پڑ رہی تھیں اور وہ دہشت کی انتہائی کیفیت سے دوچار تھے۔

"میں یہ یقین کرنے کے لیے کہ تم واقعی نادم ہو، ابھی تک تیار نہیں ہوا ہوں۔" کرنل نے درشت لہجے میں کہا اور پھر معاً اس کی فوجی اسٹک ایک رنگروٹ کی ناک پر پڑی۔

نوجوان نے ہلکی سی چیخ مار کر دونوں ہاتھ اپنے چہرے پر رکھ لیے اس کی آنکھوں سے آنسو اور ناک سے خون بہنے لگا تھا... پھر چند قطرے ناک کے راستے اس کے حلق میں بھی پہنچ گئے اور وہ اپنے ہی گرم گرم خون کا ذائقہ چکھنے لگا۔

"اب مجھے یقین آ گیا ہے کہ تم لفظوں کی بے حرمتی کرنے پر نادم ہو رہے ہو گے جوان۔" کرنل نے خونخوار انداز میں مسکراتے ہوئے کہا اور ساتھ ہی پوری طاقت سے اپنا گھٹنا دوسرے رنگروٹ کے پیٹ میں مارا جو اپنے آپ سے بے خبر اپنے ساتھی کی طرف متوجہ تھا۔ وہ درد کی شدت سے دہرا ہو گیا۔ اس کا چہرہ زمین سے چند انچ دور رہ گیا تو اس کی پشت پر کرنل کی زوردار ٹھوکر پڑی اور اس کا منہ زور سے زمین سے ٹکرا گیا۔ نوجوان نے تڑپ کر اٹھنا چاہا... مگر اسی لمحے کرنل بلیچ کے جوتے کی ٹھوکر اس کے جبڑے پر قیامت ڈھا گئی۔

"میں فضول گفتگو کرنے والوں کو یہی سزا دیتا ہوں۔" کرنل بلیچ نے خوفناک انداز میں دوسروں کی طرف دیکھ کر کہا۔ "اگر آئندہ کسی نے مجھ سے ہونے والی گفتگو اپنے کسی ساتھی کو بھی منتقل کی تو اس کا انجام ان دونوں سے بھی زیادہ خراب ہو گا۔" یہ کہتے ہوئے کرنل نے چاروں طرف دیکھا۔ ان جوانوں کی تربیت وہ ایک ایسی وادی میں کر رہا تھا جہاں کوئی سڑک نہیں تھی اور وہاں سے کہیں جانے کا واحد طریقہ یہی تھا کہ بذریعہ ہیلی کاپٹر سفر کیا جائے۔

اسپیشل یونٹ کے جوان بالعموم سزا کے ان بہیمانہ طریقوں سے شاکی رہتے تھے۔ انھیں سخت ضابطوں پر بھی اعتراض نہ تھا، ہم ان میں صرف ایک نوجوان ایسا تھا جس نے کبھی کسی بھی ضابطے کی نہ تو خلاف ورزی کی تھی اور نہ ہی کسی ضابطے پر کبھی اعتراض کیا تھا۔ یہ واکر تھا اور یونٹ کے ہر جوان کو یہ حقیقت معلوم تھی کہ کرنل بلیچ واکر کو بے حد پسند کرتا ہے۔

... لیکن یہی واکر آج رات اپنے مرنے کی پیش گوئی کر رہا تھا۔

"تم کس طرح کہہ سکتے ہو کہ یہ تمہاری آخری رات ہے، واکر؟" اس کے ساتھی نے پوچھا۔

"بس... میں جانتا ہوں مجھے ضابطوں کی خلاف ورزی پر گولی مار دی جائے گی، یا مجھے اس جنگل میں لے جائیں گے، مجھ سے میری ہی قبر کھدوائیں گے اور پھر میری کھوپڑی میں سیسہ اتار دیا جائے گا۔"

"کون؟ ایسا کون کرے گا؟"

"کرنل بلیچ اور اس کے ڈرل سارجنٹ!" واکر نے جس آس، ابھی مٹھیں بھینچ رہی تھیں، دھیرے سے جواب دیا۔

"مگر وہ تو تمہیں ایک مثال سپاہی سمجھتے ہیں۔"

"کل ایسا نہیں سمجھیں گے۔"

"مگر... واکر... کوئی بھی آنے والے کل کے بارے میں پیشگوئی نہیں کر سکتا۔"

"میں کر سکتا ہوں۔" واکر نے ٹھہرے ہوئے انداز میں جواب دیا۔

کئی جوان ان کی باتیں سننے لگے تھے اور انھیں احساس تھا کہ واکر کے ہونٹ کس قدر خشک ہو رہے ہیں لہٰذا جب واکر نے پانی مانگا تو ایک ایسا رنگروٹ دوڑا چلا گیا جو عام حالت میں ناک پر مکھی بھی نہیں بیٹھنے دیتا تھا۔ واکر نے اپنی رائفل نیچے رکھ کر پانی پیا اور پھر خالی گلاس ایک ساتھی کے حوالے کر دیا۔ "اس وقت میں نے آخری بار پانی پیا ہے۔ کل رات میں نے گدھوں کو خواب میں دیکھا ہے اور گدھ کو خواب میں دیکھنے کا واحد مطلب خواب دیکھنے والے کی موت ہوتا ہے۔ کئی گدھ میرے اوپر منڈلا رہے تھے اور ان میں سے ایک بار بار میرا نام پکار رہا تھا۔"

کئی فوجیوں نے واکر کے اس تجزیے کو وہم قرار دیا اور پھر سب سو گئے۔

اگلی صبح معمول کے مطابق پریڈ ہوئی اور اس کے بعد انھیں اپنے تمام ہتھیار اور کٹ بیگ لے کر پانچ میل تک دوڑنا پڑا۔ ایک مرتبہ اسی طرح کی مشق کے دوران ایک رنگروٹ نے گانا گانے کی کوشش کی تھی تو اسے فوراً ہی سزا مل گئی تھی کیونکہ کرنل بلیچ کا کہنا تھا کہ اس یونٹ کے جوان پریڈ کے دوران مشق کرتے ہوئے اور جنگ کے دوران شور نہیں مچا سکتے۔ اس روز کرنل نے کہا تھا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

فیصلے والے دن بہت شور شرابا ہوگا لہٰذا اس روز سے قبل شور نہ مچایا جائے۔"

ان میں کسی کو... حتیٰ کہ خود لیفٹیننٹ اور کمی سارجنٹ کو بھی علم نہیں تھا کہ فیصلے کا دن کون سا ہوگا اور کس سلسلے میں فیصلہ دیا جائے گا۔ ویسے بھی انہیں فیصلے والے دن سے زیادہ اپنی تنخواہ سے دلچسپی تھی۔ انہیں غیر معمولی تنخواہ دی جاتی تھی لیکن بعض اوقات سخت ترین اور غیر معمولی تربیت سے گھبرا کر رنگروٹ یہ بھی سوچنے پر مجبور ہو جاتے تھے کہ اتنی بے آرامی سے آخر کیا فائدہ؟ دولت کمانا ہی تو سب کچھ نہیں ہوتا۔

واکر نے صبح بیدار ہو کر حسب معمول پریڈ میں حصہ لیا اور پھر دوسرے فوجیوں کی طرح اس نے واٹس سٹی جانے کے لیے سامان باندھ لیا۔ واٹس سٹی تک دو روزہ مارچ ہونا تھا۔ یہ ایک ایسی جگہ کا نام تھا جو خاص طور پر حالاتِ جنگ پیدا کرنے کے لیے بنائی گئی تھی۔ یہاں تنگ گلیاں اور تہ خانے تھے جہاں فوجیوں کو مصنوعی جنگ کی تربیت دی جاتی تھی۔

مارچ شروع ہوئی اور پھر اچانک ہی ایک رنگروٹ نے آسمان کی طرف دیکھا۔ "گدھ...!"

سب چونک کر اوپر دیکھنے لگے... مگر واکر نے کوئی توجہ نہیں دی کیونکہ اسے معلوم تھا کہ گدھ یقیناً موجود ہوگا۔ وہ جانتا تھا کہ اس کا آخری وقت مزید قریب آ رہا ہے... اسے اچھی طرح علم تھا واٹس سٹی کے قریب جنگل میں موت اس پر ضرور جھپٹے گی۔

وہ مارچ کرتے رہے۔ حتیٰ کہ سورج کی تپش نے ان کی وردیاں گیلی کر دیں۔ کپڑے جسم سے چپکنے لگے... پھر اچانک ہی ایک نہر ان کے سامنے آ گئی اور ان کے قدم زیادہ ہم آہنگی سے اٹھنے لگے کیونکہ پانی کی روانی دیکھ کر ان کی آنکھیں چمکنے لگی تھیں۔

معاً واکر کو وہ ٹیلا نظر آیا جو اس نے خواب میں دیکھا تھا۔

اسی ٹیلے کے قریب عارضی کیمپ لگنا تھا۔ دوسرے سپاہی آرام کرنے کی تیاری کرنے لگے مگر واکر اس "ٹیلے" کو تکتا رہا۔ اسے یقین تھا کہ اب وہ عارضی آرام نہیں بلکہ ابدی آرام ہی کرے گا۔

ابھی انھیں لیٹے ہوئے چند منٹ ہی گزرے تھے کہ ان کو جنگل سے پکارا گیا۔

سب چونک پڑے۔ بولنے والا انھیں نظر نہیں آ رہا تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے درخت بول رہے ہوں لیکن واکر کو معلوم تھا کہ درخت ہرگز نہیں بول سکتے۔ یہ آواز کرنل بلیچ کی تھی اور یقیناً وہ درختوں میں چھپے ہوئے اسپیکر کی مدد سے انھیں اٹینشن کر رہا تھا۔

"ضابطوں کی سنگین ترین خلاف ورزی ہو چکی ہے۔" کرنل بلیچ کی آواز برف کی طرح سرد اور مضبوط تھی۔ "غداری اور بغاوت کا ارتکاب ہو چکا ہے۔ میں نے ہمیشہ تم لوگوں کی مدد کی، تمھارا ساتھ دیا لیکن اس کے عوض مجھے کیا ملا... غداری...!"

"اوہ... یہ تو بلیچ کی آواز ہے!" ایک رنگروٹ نے کہا۔

"شش... خاموش رہو۔ ممکن ہے وہ تمھاری آواز سن لے۔" دوسرے نے سرگوشی کی۔

"میری بات غور سے سنو...!" کرنل بلیچ نے للکارنے کے سے انداز میں کہا۔ "تم میں سے ایک نے غداری کا سنگین جرم کیا ہے۔ اور غداری کی سزا موت ہے۔ تم میں سے کوئی ایک، اس سزا تک پہنچے گا۔"

تمام سپاہی، واکر کی طرف دیکھنے لگے جو اپنی رائفل کا سہارا لے کر کھڑا تھا۔

کرنل بلیچ ٹیلے کے ایک درخت کی آڑ سے ان سب کو دیکھتا رہا۔ اسے یہ صورتِ حال بے حد دلچسپ لگ رہی تھی۔ یونٹ کا ہر فرد ایک دوسرے کو شبہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ کرنل کو ڈسپلن بے حد پسند تھا اور اس وقت وہ یونٹ کے کسی ایک آدمی کو موت کی سزا دے کر دوسرے فوجیوں پر یہ تاثر چھوڑنے کا خواہاں تھا کہ غداری کی سزا صرف اور صرف موت ہوتی ہے۔ اس سے پہلے وہ رنگروٹوں کی ناک اور جبڑے توڑتا رہا تھا تاکہ وہ ڈسپلن کے پابند رہیں لیکن اس نے کبھی کسی کی ٹانگ یا ہاتھ نہیں توڑا تھا کیونکہ اسے معلوم تھا کہ ہاتھ پیر ٹوٹنے کے بعد وہ جوان ناکارہ ہو جائے گا۔

"غدار...!" کرنل بلیچ نے اس مرتبہ دھاڑ کر کہا۔ "ہم سے غداری کی گئی ہے۔ سنگین ترین غداری ہوئی ہے۔" یہ کہتے ہوئے اس کا ذہن الجھنے لگا کیونکہ نہ جانے کیوں تمام فوجی اس کے مثالی جوان واکر کو گھورتے جا رہے تھے۔ "سنو... غداری کی مثال سنو... ایک خط کسی غدار نے لکھا ہے۔ میں تمھیں اس غلیظ غدار کے گھٹیا خط سناتا ہوں۔"

وہ سب ہمہ تن گوش ہو گئے۔

"جنابِ عالی! ایک سال قبل فوج کے ایک اسپیشل یونٹ میں مجھے بھرتی کیا گیا تھا۔ اس ملازمت کی شرائط میں معمول سے زیادہ تنخواہ، دیگر مراعات اور تربیت کی تکمیل پر تین ہزار امریکی ڈالر کی کٹکل میں بونس ملنا بھی شامل تھا لیکن ہمیں اس یونٹ میں عام اور بنیادی تربیت کے بجائے غیر معمولی انداز میں تربیت دی جا رہی ہے۔ افسران جب چاہیں ہمیں زدوکوب

کرتے ہیں۔ ہمیں اپنے اہلِ خانہ کو خط لکھنے کی اجازت نہیں۔ تربیت کے دوران ہمیں کوڑے مارنے کی تربیت دینے پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔ اسی طرح یہ بھی سکھایا جا رہا ہے کہ لوگوں کو کس طرح زنجیروں میں باندھا جانا چاہیے۔ ان حالات کے پیشِ نظر میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ یہ قومی فوج کا کوئی یونٹ نہیں ہے۔ اس کا پہلا ثبوت یہ ہے کہ ہمیں تقرری اور تربیت کے سلسلے میں کوئی باضابطہ خط نہیں ملا ہے اور دوسرا ثبوت یہ ہے کہ اس یونٹ میں ایک بھی سیاہ فام نہیں ہے۔ درحقیقت ہمیں سیاہ فام افراد سے نفرت کرنا سکھائی جاتی ہے۔ ایسی فلمیں دکھائی جاتی ہیں جن میں سیاہ فاموں کو ذلیل اور کم تر ثابت کرنے کی کوششیں ہوتی ہیں اور ٹیکروں کے ذریعے ہم میں سیاہ فاموں کو قتل کرنے کا جذبہ پیدا کیا جاتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ہمیں یہ بتایا جا رہا ہے کہ سیاہ فام غلام ہیں، ان کو ہماری سڑکوں پر چلنے اور ہمارے ساتھ کھانے پینے کا کوئی حق نہیں۔ میں صرف یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ اس یونٹ سے مجھے کس طرح چھٹکارا مل سکتا ہے کیونکہ میں نسل پرستی کی حمایت نہیں کر سکتا۔"

یہ خط پڑھ کر کرنل بلیچ نے ایک بار پھر جوانوں کی طرف دیکھا جن کی نظریں اب بھی واکر پر جمی ہوئی تھیں لہٰذا اس نے فیصلہ کیا اس کھیل کو ذرا طول دیا جائے تاکہ یونٹ کے لوگ بھی انجامِ کار حیرت زدہ رہ جائیں۔

"واکر! ٹیلے پر آ جاؤ۔" اس نے نرم لہجے میں کہا۔

واکر ٹیلے کی طرف بڑھ گیا لیکن صاف ظاہر تھا کہ اس کے قدم بہت آہستہ آہستہ اٹھ رہے تھے۔ وہ جیسے تیسے ٹیلے پر پہنچا تو کرنل نے ماؤتھ پیس فون کا سوئچ آف کر کے سرگوشی کی۔ "ادھر آ جاؤ... میں درخت کے پیچھے ہوں۔"

واکر نے ایسا ہی کیا۔ اس کے چہرے کی رنگت زرد ہو رہی تھی۔

"تم کیوں گھبرا رہے ہو واکر؟ غداری تم نے نہیں کسی اور نے کی ہے۔"

"آج کا دن میرے مرنے کا دن ہے کرنل!"

"بکواس...!" کرنل بلیچ نے بدستور نرم لہجے میں کہا۔ "تم مرنے والوں میں سے نہیں بلکہ جلاد ہو۔ ہم ان لڑکوں سے ذرا سی تفریح لیں گے۔"

"میری موت آج ہی واقع ہوگی کرنل!" واکر نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"کیا تم اس سلسلے میں یونٹ کے دوسرے لوگوں سے بھی بات کر چکے ہو؟"

"جی ہاں...!" واکر نے جواب دیا۔

"کوئی بات نہیں، فکر مت کرو۔ تم زندہ رہو گے۔ تم میرے بہترین جوان ہو اور میں اپنے پسندیدہ لوگوں کو ہر قیمت پر زندہ رکھنا چاہتا ہوں۔ ہمیں اچھے لڑکوں کی ضرورت ہے۔ اچھا... اب ذرا خاموش رہنا۔" یہ کہہ کر کرنل بلیچ نے ماؤتھ پیس فون کا سوئچ آن کر دیا۔ "جوان... ڈیرک!" کرنل بلیچ کی پاٹ دار آواز دور دور تک پھیل گئی۔ "میں تم سے مخاطب ہوں، جو نہر کے قریب پتھر پر مجھ سے چھپ کر بیٹھا

کائنات

ایم اے راحت

قیمت: ۹۰/۰۰ روپے

شعلے کا سودائی

مصنف طارق اسمٰعیل ساگر

خوبصورت سرورق

دیدہ زیب پرنٹنگ و طباعت

قیمت =/150 روپے

مکتبہ القریش

سرکلر روڈ اردو بازار لاہور

فون 7668958

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ہُوا ہے۔ جوان ڈیرک... اُٹھو اور یہاں آؤ۔"

واکر ڈیرک سے اچھی طرح واقف تھا۔ اسے تشکاتیں کرنے کی عادت تھی اور کئی بار اُس نے کہا تھا کہ وہ یونٹ کے بارے میں شکوک و شبہات کا شکار ہے تاہم چند ہفتے قبل اُس نے شکایات کا سلسلہ بند کر دیا تھا۔ اس سے قبل وہ کہتا تھا کہ یہ یونٹ غیر قانونی ہے اور قومی فوج میں اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

ڈیرک گرتا پڑتا ٹیلے پر چڑھنے لگا۔ اس کی حالت سے صاف ظاہر تھا کہ وہ رُواں رُواں خوف سے کانپ رہا ہے۔ "رنگروٹ ڈیرک حاضر ہے جناب!"

اس کی لرزتی ہوئی آواز سُن کر واکر کو حیرت ہوئی کیونکہ ڈیرک خود کو نڈر، بے خوف اور منہ پھٹ ثابت کرنے میں کبھی پیچھے نہیں رہتا تھا۔

"میرے پاس ایک خط موجود ہے، ڈیرک!" کرنل بلیچ کی کاٹ دار آواز سنائی دی۔

"کیا میں وضاحت پیش کر سکتا ہوں، جناب...!" ڈیرک نے گڑگڑاتے ہوئے کہا۔

"ششش... میں وضاحتیں پسند نہیں کرتا!"

"لم... مگر جناب... اس میں دوسرے جوانوں نے بھی مجھ سے تعاون کیا تھا۔ میں آپ کو ان کے نام بتا سکتا ہوں۔"

"مجھے اس سازش میں ملوث ہر آدمی کا نام معلوم ہے جوان!" کرنل بلیچ نے تند لہجے میں کہا۔ "میں اس یونٹ سے متعلق سب کچھ جانتا ہوں۔ ہمارے آدمی ہر اہم منصب پر فائز ہیں اور وہ ہمیں تمام باتوں سے آگاہ رکھتے ہیں۔ تمہارا کمانڈنگ آفیسر اتنا احمق اور جاہل نہیں۔" یہ کہتے ہوئے کرنل بلیچ نے واکر کو آنکھ ماری۔

اسی لمحے واکر کو عقب سے ایک آواز سنائی دی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا اور پھر اس کا پتہ پانی ہو گیا۔ کرنل کا اردلی ایک برہنہ شمشیر لیے چپ سے اُتر کر ان کی طرف آ رہا تھا۔ تاہم اس کی پوزیشن ایسی تھی کہ وہ نیچے والے جوانوں کو نظر نہیں آ سکتا تھا۔ بالکل اسی طرح کرنل بلیچ بھی چھپا ہُوا تھا۔ اس نے واکر کے شانے پر شفقت سے ہاتھ رکھ دیا۔ اسی لمحے اردلی نے واکر کے دائیں ہاتھ میں تلوار تھما دی۔

"اس کی گردن ذرا صفائی سے قلم کرنا میرے بچے!" کرنل بلیچ نے ڈیرک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے واکر سے کہا۔

واکر کا پورا جسم ایک لمحے کے لیے خوف و دہشت سے بھر گیا۔

"ایک ہی وار میں سر تن سے جدا ہو کر ٹیلے سے لڑھک جانا چاہیے اور اگر نہ لڑھکے تو اسے ٹھوکر مار کر نیچے گرا سکتے ہو۔"

"چلو میرے بچے! اب اپنا کام کر دکھاؤ۔" کرنل نے سرگوشی کی۔

واکر کی سانس بہت تیز چلنے لگی۔ اسے ایسا لگا جیسے اس کے اعصاب منتشر ہو رہے ہوں۔

"واکر... حکم پر عمل کرو۔" کرنل بلیچ نے اسے ہچکچاتے دیکھ کر تحکمانہ انداز میں کہا۔

ڈیرک کی حالت مزید غیر ہو گئی۔ اس کا جسم کسی نازک سے پتے کی طرح کانپنے لگا تھا۔

"واکر...!" اس مرتبہ کرنل بلیچ کو چلانا پڑ گیا کیونکہ واکر ساکت کھڑا تھا۔ کرنل نے مائیکروفون کا سوئچ آن کر دیا تھا تاکہ پوری یونٹ اس کے احکام سُن سکے۔ "رنگروٹ واکر! میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ اس کا سر کاٹ ڈالو۔"

نیچے وادی میں اس آواز سے کھلبلی مچ گئی اور یونٹ کے ہر فرد کو علم ہو گیا کہ اوپر ٹیلے پر ڈیرک اور واکر کے ساتھ کون موجود ہے۔ انھوں نے اچھی طرح حکم بھی سُنا لیکن وہ یہ نہ سمجھ سکے کہ ڈیرک کو قتل کرنے کا حکم دینے کی کیا وجہ ہے تاہم انھیں یہ بات اچھی طرح سمجھ آ گئی کہ یہ واکر کے مرنے کا نہیں بلکہ ڈیرک کی موت کا وقت ہے۔

حکم پر عمل کیا جائے۔" یہ کہہ کر بلیچ نے مائیکروفون آف کر دیا۔

"سُنو میرے بچے!" اس نے واکر سے کہا۔ "تمھارے ساتھیوں نے نہ صرف میرا حکم سُن لیا ہے بلکہ مجھے دیکھ بھی لیا ہے لہٰذا اب میرے حکم پر فوراً عمل کر ڈالو۔ فکر نہ کرو، میں بعد میں تمھیں خوش کر دوں گا۔"

واکر نے تلوار کے دستے پر گرفت مضبوط کر کے اُسے بلند کیا اور ایک قدم آگے بڑھایا تو اسی لمحے اس کی نظریں ڈیرک کی خوفزدہ آنکھوں سے ٹکرائیں... اس کا دل ڈوبنے لگا۔ ڈیرک کی آنکھوں میں خوف تھا، التجا تھی اور زندگی کے لیے چاہتوں کے رنگ تھے۔ وہ ان آنکھوں کا سامنا نہیں کر سکتا تھا۔ "پلیز ڈیرک!" اُس نے دھیرے سے کہا۔ "اپنی پُشت میری طرف کر لو۔"

"بہت بہتر...!" ڈیرک نے اس طرح کہا جیسے واکر نے اس سے ہیٹ اُتارنے کی درخواست کی ہو۔ اس کا لہجہ اتنا خوش گوار اور دوستانہ تھا کہ واکر مزید کرب برداشت نہ کر سکا اور اس نے تلوار پھینک دی۔ "میں معذرت چاہتا ہوں کرنل!" اُس نے دھیمی آواز میں کہا۔ "دو جن کو قتل کرنا میرے بس میں ہے لیکن میں اپنے ہی کسی ساتھی کا سر قلم نہیں کر سکتا۔"

"واکر...!" کرنل نے تلملا کر کہا۔ "آخری وارننگ دے رہا ہُوں، حکم پر عمل کرو۔" یہ کہہ کر اُس نے مائیکروفون کا سوئچ پھر آن کر دیا۔ "اس کا سر قلم کر دو، واکر!"

"میں یہ کام نہیں کر سکتا۔" واکر کا جواب بھی سب نے سُن لیا۔

"رنگروٹ ڈیرک!" کرنل بلیچ کے لہجے میں کسی زخمی شیر جیسی دھاڑ تھی۔ "کیا تم میرے حکم پر عمل کرو گے؟"

"یس سیر...!"

"اگر میں تمھیں زندہ رہنے کا موقع دوں تو کیا تم میرا ہر حکم بجا لاؤ گے؟"

"کیوں نہیں جناب! میں اسپیشل یونٹ کا جوان ہُوں اور ہر حکم بجا لاتا ہُوں۔"

"مجھے ایک سر چاہیے، ڈیرک... واکر کا سر پیش کرو۔"

رنگروٹ ڈیرک اب بھی خوف سے کانپ رہا تھا۔ اس نے لپک کر تلوار اُٹھائی، اُس نے واکر کو صورتِ حال پر نظرِ ثانی کا موقع بھی نہیں دیا اور پھر تلوار کا وار کر دیا۔ واکر کا سر تن سے کٹ کر ٹیلے پر گرا اور پھر کسی فٹ بال کی طرح نیچے لڑھکتا چلا گیا۔ واکر کا جسم... سر بریدہ جسم... وہ اپنے ہی خون میں نہا گیا۔

★

ٹائیگر نے بہرام سے صاف کہہ دیا تھا کہ وہ جاوڈ گر کے لیے مزید کام نہیں کر سکے گا اور یہ کہ اب وہ سرکاری اور عالمی قاتل کا کردار ادا کرنے سے قاصر ہے اگرچہ یہ خبر بہرام پر بجلی بن کر گری تھی مگر اس نے کسی نہ کسی طرح ٹائیگر کو ایک اور کام سونپ دیا تھا لیکن اس وعدے کے ساتھ اس کام کی تکمیل کے بعد ٹائیگر، شہزاد فنے کے لیے آزاد ہو گا۔

شہزاد کو علم تھا کہ یہ اس کا آخری کام ہو گا اگرچہ اسے اُس شخص کے بارے میں معلومات نہیں تھیں جس سے اسے ملنا تھا لیکن اسے اس بات کا علم اچھی طرح تھا کہ وہ شخص کہاں رہتا ہے۔ تاہم یہ فیصلہ کیا تھا کہ اس آدمی کے خاتمے میں کم سے کم طاقت استعمال کرے گا۔

یہ آدمی شہر بے نظیر میں رہتا تھا اور ٹائیگر کو اس سے نمٹنے کے لیے ساحلی تفریح گاہ سے خاص طور پر یہاں آنا پڑا تھا۔ وہ اور اوشان دونوں حسبِ معمول ایک ہوٹل میں مقیم تھے جبکہ یہ شخص وادیٔ کہسار کے دامن میں واقع ایک عالیشان ہوٹل میں مقیم تھا۔ اس کی حفاظت کے لیے انتہائی خصوصی انتظامات تھے۔ تقریباً نصف ہوٹل پر اس شخص کا راج تھا اور ہوٹل کے تینوں دروازوں پر اس کے خاص محافظوں کا پہرہ رہتا تھا۔ ہر دروازہ تین چابیوں سے بند ہوتا تھا اور ایک دروازہ کھولنے کے لیے تین سمتوں سے تین محافظ اپنی اپنی چابی لے کر آیا کرتے تھے۔ اس ہوٹل کا ڈیزائن محکمۂ سُراغ رسانی و جاسوسی کے ایک سابق اعلیٰ افسر نے اس دعوے کے ساتھ تیار کیا تھا کہ یہ ایک ایسا قلعہ ہو گا، جہاں پرندہ بھی پَر نہیں مار سکے گا۔

ٹائیگر نے علی الصباح ہی یہ کام نمٹانے کا فیصلہ کیا اور احاطے میں داخل ہونے سے قبل اس نے ہوٹل کا باہر سے تفصیلی جائزہ لیا۔ پیشل ویلیز میں اس کی نظر پہلے محافظ پر پڑی۔ ٹائیگر کو اس قسم کی حفاظتی کا خاصا تجربہ تھا۔ وہ ایسی عمارتوں کو سینڈوچ کہا کرتا تھا جس کے اوپری منزلوں پر شیشے گنوں سے لیس محافظ ہوتے تھے اور نچلی منزل پر بھی کڑا پہرہ ہوتا تھا تاہم درمیانی منزلیں کسی شاہراہِ عام کی طرح ہوتی تھیں۔ اسے علم تھا کہ اسے جس شخص سے بات کرنی ہے، وہ درمیانی منزل میں ہی موجود ہو گا۔ اسے ایسے قلعہ نما اڈوں پر دھاوا بولنے کی تربیت ایوانِ سانجو کے سربراہ نے بہت پہلے ہی دے رکھی تھی۔

اس ہوٹل کا مالک، اور مکین گنگ تھا اور ٹائیگر کو اسی سے ڈیل کرنی تھی جبکہ اس نے یہ پتہ چلانا بھی ضروری نہیں سمجھا کہ وہ بائیسویں منزل پر سو رہا ہے یا تیئسویں پر...! تاہم اس نے محض قیاس کی بنیاد پر چوبیسویں منزل پر پہنچنے کا فیصلہ کر لیا۔

بڑے لوگوں کی طرح گنگ کو بھی یہ خطرہ تھا کہ کہیں کوئی چیلا کاپٹر کے ذریعے چھت پر اُتر کر اس کی زندگی کے لیے خطرہ نہ بن جائے۔ لہٰذا اُس نے چھت پر انتہائی کڑے حفاظتی انتظامات کیے تھے نچلے دروازوں پر بھی محافظ کھڑے تھے لیکن کسی نے اس نکتے پر توجہ نہیں دی کہ کوئی ہوٹل کی بلند چار دیواری پھاند کر محض دیواروں کے سہارے بھی اوپر پہنچ سکتا ہے۔

ٹائیگر بڑی آسانی سے دیوار پھاند کر گراؤنڈ فلور تک پہنچا اور پھر ایک لفٹ کے ذریعے سیدھا بائیسویں منزل پر پہنچ کر ایک دروازہ کھٹکھٹانے لگا۔

"کون ہے؟" اندر سے ایک نسوانی آواز سنائی دی۔

"گیس والا... گیس لائن چیک کرنے آیا ہُوں۔ یہ گیس کمروں میں پھیل کر آپ کی زندگی کے لیے خطرناک بھی ثابت ہو سکتی ہے۔"

"اوہ...!" دروازہ فوراً ہی کھل گیا۔ "اُف...!" عورت نے اسے دیکھتے ہی کہا کیونکہ اس وقت ٹائیگر کے چہرے پر وہی تبسم رقص کر رہا تھا جو کئی صنفِ نازک کو نیم بسمل کر چکا تھا۔ عورت تیزی سے پیچھے ہٹتی چلی گئی۔ "اوہ... اندر آ جاؤ۔"

ٹائیگر مسکراتا ہُوا کمرے میں آیا اور پھر تیزی سے کچن میں گھس گیا۔ عورت جس کی عمر چالیس سال سے کم نہیں تھی۔ وہ کاؤچ پر نیم دراز ہو گئی۔ اس کی نظریں کچن کے دروازے پر جم گئیں۔

ٹائیگر کچن کے راستے لابی میں اُترا اور پھر بے حد آہستہ آہستہ سانس لینے لگا۔ اس نے داخلی طور پر سانسوں کی ہم آہنگی برقرار رکھتے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ہوئے کھڑکی کی نگر پر قدم رکھا اور پھر کسی چھپکلی کی طرح بیرونی دیوار سے چپک کر کے اوپر کی طرف رینگنے لگا۔ اس کی حرکت میں چھپکلی جیسی پھرتی اور لچک تھی۔ اس نے تیسویں منزل پر پہنچ کر ایک بار پھر سانس کی رفتار قابو میں کی... پھر ایک کھڑکی کے شیڈ پر کھڑا ہو کر اوپر کی طرف اُچھلا۔ اس کی اس جست میں بلا کا تحمل اور توازن تھا۔ وہ پرسکیٹے ہوئے اُڑنے والے کسی پرندے کی طرح اوپر جا رہا تھا۔ دوسرے ہی لمحے اس کے قدم چوبیسویں منزل کی کھڑکی کے شیڈ پر جم گئے تھے۔ اُس نے تیزی سے جھک کر کھڑکی کھولی اور پھر جناسٹک کے کسی ماہر کی طرح بل کھا کر اُترا اور چوبیسویں منزل کے ایک کمرے میں پہنچ گیا۔ یہی وہ لمحہ تھا جب ٹائیگر کے ساتھ ساتھ وہاں موجود شخص بھی حیرت زدہ رہ گیا۔

ٹائیگر کو اس بات پر حیرت تھی کہ اتنی جلدی اپنی منزل یعنی چوبیسویں منزل کے ماسٹر بیڈ روم میں کیسے پہنچ گیا اور وہاں موجود کنگ کو اس بات پر حیرت تھی کہ اتنے کڑے حفاظتی اقدامات کے باوجود یہ خوبرو نوجوان اس کے کمرے میں کیسے داخل ہو گیا۔

"کون ہو تم؟" کنگ جو ایک ارب پتی مگر بلیک میلر سفید فام تھا اُس نے کڑے لہجے میں پوچھا۔

"معلوم نہیں...!" ٹائیگر نے جیب میں ہاتھ ڈال کر وہ پرچہ نکالا جس پر وہ ایسے سوالات لکھ کر لایا تھا جو بہرام نے اُسے کنگ سے پوچھنے کی ہدایت کی تھی۔ "لیکن میں تم سے چند سوالات پوچھنا چاہتا ہوں جو یہ ہیں۔" یہ کہہ کر اُس نے پرچہ پڑھنا شروع کر دیا تو کنگ نے بارہ شائیوں سے گندم کی خرید و فروخت کا معاہدہ کیسے اور کس کے توسط سے کیا؟ تم نے انھیں کس کرنسی میں ادائیگی کی اور آئندہ سال سے کیا خریدنا اور انھیں کیا فروخت کرنا چاہتے ہو؟"

"بکواس مت کرو۔" کنگ نے خونخوار لہجے میں کہا کیونکہ ان دونوں سوالوں کا تعلق اُس کے خفیہ کاروبار سے تھا۔ "میں تمھیں...!"

اس سے قبل کہ کنگ اُسے کوئی دھمکی دیتا۔ ٹائیگر نے سوالنامہ اُس کے مُنہ میں ٹھونس دیا اور اُس کے سر پر ہلکی سی چپت رسید کر دی۔ کنگ چکرا کر رہ گیا اور اسی چپت کے نشے میں اس نے ٹائیگر کو نہ صرف ان سوالوں کے جواب دینے شروع کیے بلکہ یہ بھی بتا دیا کہ اس کے ساتھیوں میں کون کون لوگ شامل ہیں۔

"ویری گڈ...!" ٹائیگر نے خوش ہو کر کہا۔ "ایک سوال اور...!"

"پوچھو...!" کنگ کو اثبات میں سر ہلانا پڑا کیونکہ اب خوف کی زیادتی اس کے اعصابی نظام کو مفلوج کرنے لگی تھی۔ یہ بات اس کے سان و گمان میں بھی نہیں تھی کہ کوئی شخص اتنے سخت پہرے کے باوجود اس کے کمرے میں آ کر اسے سوالوں کے جواب دینے پر مجبور بھی کر سکتا ہے۔

"کیا تمھارے پاس پسٹل ہے؟" ٹائیگر نے سوال کیا۔ "میں چاہتا ہوں کہ تمھارا بیان من و عن لکھ لوں اور ہاں... ایک درخواست یہ بھی ہے کہ اپنے بیان کو ذرا آہستہ آہستہ دُہرانا تاکہ مجھے لکھنے میں دقت نہ ہو۔"

"میرے پاس پسٹل ہے اور وہ بھی ظلم ہے کمرے کے باہر میرا باڈی گارڈ چیک موجود ہے اُس سے منگوا لوں؟"

"ہاں... منگوا لو...!" ٹائیگر نے بے نیازی سے کہا۔ "لیکن اپنے باڈی گارڈ سے صرف اتنا کہنا کہ وہ مکھنے والا قلم لے کر آئے۔ سر قلم کرنے والی کوئی چیز لانے کی کوشش نہ کرے۔"

کنگ کانپتا ہوا اُٹھا اور سفید قالین پر قدم رکھتا ہوا ڈبل ڈور تک پہنچا۔ اس کو اس نے صرف چند انچ کھولا اور باہر دیکھا جہاں اس کا ویلو قامت محافظ چیک اُونگھ رہا تھا۔ چیک نے کنگ کی آواز سنتے ہی اُچھل کر دروازے کی طرف دیکھا و ہم... "میں... معذرت خواہ ہوں، جناب! ذرا سی چھپکلی لے رہا تھا۔"

"سنو چیک! ایک قلم کی ضرورت ہے۔"

"اوہ... ضرور...!" چیک نے جیب سے قلم نکال کر اس کی طرف بڑھایا مگر کنگ نے نفی میں سر ہلایا۔ "یہ نہیں۔ اب چیک اتنا بھی احمق نہیں تھا۔ وہ فوراً اس کا مطلب سمجھ گیا۔ اسے پتہ چل گیا کہ آج پورے ایک مہینے بعد کنگ کو ریوالور کی ضرورت پڑی ہے۔ ٹھیک ایک ماہ قبل کنگ نے اُسے اشارہ کیا تھا اور اُس نے ان چار ملاحوں کو مشین گن سے بھون دیا تھا جو اسمگلنگ کا مال چُرا کر لے جا رہے تھے۔ اُس نے فوراً پہلو پر ہاتھ رکھ کر کنگ کی طرف دیکھا اور جب کنگ نے اثبات میں سر کو جنبش دی تو چیک کی باچھیں کھل گئیں۔ وہ ایک بار پھر کنگ جیسے سخی آقا کے لیے اپنا ریوالور استعمال کرنے جا رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں اشارہ یہ چار پانچ کی ہینڈ گن کسی کھلونے کی مانند ہی لگ رہی تھی۔

وہ تیزی سے دروازے کی طرف بڑھا۔ کنگ نے کوشش کی کہ وہ چیک کو یہ کہنے یا کم سے کم محتاط رہنے کا اشارہ ہی کر دے لیکن وہ اس میں ناکام رہا... اور پھر جب اس کے مُنہ سے خبردار کا لفظ نکلا تو اس وقت بہت دیر ہو چکی تھی۔

"مجھے ہینڈ گن نہیں قلم چاہیے۔" اس نے ٹائیگر کی خشک آواز سُنی۔ اُس نے نگاہ اُٹھا کر دیکھا۔ ہینڈ گن اب بھی چیک کے ہاتھ میں تھی اور وہ ہاتھ چیک کی پُشت سے لگا ہوا تھا۔ "میں نے کہا ہے کہ مجھے لکھنے والے قلم کی ضرورت ہے۔" ٹائیگر کے لب و لہجے اور انداز میں دیوالور کی طرف سے مکمل بے نیازی جھلک رہی تھی۔

"مگر میں تمھارے لیے یہ لے کر آیا ہوں۔" یہ کہتے ہوئے چیک

نے ہاتھ آگے کر کے دو گولیاں چلائیں۔

دھماکے سُن کر کنگ کے کانوں میں شدید تکلیف ہونے لگی اور پھر اُس کی آنکھیں فرطِ حیرت سے، نارمل سائز سے تین گنا بڑی ہو گئیں۔ اس کی ان پھٹی پھٹی آنکھوں نے نوجوان اجنبی کو نہ صرف زندہ اور سلامت دیکھا بلکہ کسی کوبرے کی طرح لپکتے ہوئے بھی دیکھا تھا۔ اس نے چیک کی حالت دیکھی جو ہینڈ گن والے ہاتھ کو دوسرے ہاتھ سے تھامے کٹے کے پٹے کی طرح چلا رہا تھا اور ہینڈ گن قالین پر پڑی تھی۔ قالین پر دو سیاہ دھبے بھی تھے جو ہینڈ گن کی دو گولیاں پیوست ہونے سے بن گئے تھے... پھر اچانک ہی ٹائیگر نے چیک کے ہاتھ پر ٹھوکر ماری اور اس کے بعد اس کے ہاتھ بے ہوش یا مُردہ چیک کی تلاشی لینے لگی۔ چند ہی لمحوں میں اُسے لاش کی جیب سے ایک قلم مل گیا۔ "ہاں! اب شروع کرو لیکن ذرا آہستہ بولنا۔" وہ کنگ کی طرف دیکھ کر یوں بولا جیسے کوئی خاص واقعہ میرے سے پیش ہی نہ آیا ہو۔

"کیا تم کو رہائی ہو؟" کنگ نے نہ جانے کیوں یہ عجیب سا سوال کر ڈالا۔

"بک بک بند کرو۔" ٹائیگر صبح ہی صبح کچھ سُننے سنانے کے موڈ میں نہیں تھا۔

کنگ بھی اپنے اس مہمان کو مزید ناراض کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا تھا لہٰذا اس کی زبان فراٹے بھرنے لگی۔

"اور کچھ...!" ٹائیگر نے اس کی زبان رُکتے ہی پوچھا۔

"نن... نہیں...!" کنگ ہکلا گیا۔ "میں نے تمھیں سب کچھ بتا دیا ہے۔"

"شکریہ...!" ٹائیگر نے قلم بند کر کے چیک کی جیب میں لگاتے ہوئے کہا۔ "میں تمھیں زیادہ اذیت نہیں دوں گا۔" یہ کہہ کر ٹائیگر نے کنگ کی کنپٹی پر ہلکا سا ہاتھ مارا تو زمین بوس ہونے سے پہلے ہی اس کی رُوح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔

عمارت سے نیچے اُترنا زیادہ مشکل ثابت نہیں ہوا کیونکہ اس مرتبہ ٹائیگر نے دیواروں پر کسی چھپکلی کی طرح چڑھنے یا اُترنے کے بجائے لفٹ کا راستہ اختیار کیا تھا۔ سب سے پہلے گارڈ سے مڈبھیڑ ہوئی۔ "سنو!" اُس نے گارڈ کے کسی سوال سے پہلے ہی تحکمانہ انداز میں کہا۔ "مسٹر کنگ پر دل کا دورہ پڑ گیا ہے۔ فوراً کسی ڈاکٹر کو طلب کرو۔"

یہ سُنتے ہی گارڈ تیز رفتاری سے کمیونی کیشن رُوم کی طرف دوڑا اور ٹائیگر نے لفٹ کی طرف دوڑ لگا دی۔

★★

وہ عمارت سے نکل کر سامنے والے ریستوراں میں داخل ہوا اور پلک جھپکتے میں گھس کر ریسیور اُٹھاتے ہوئے سامنے والے ہوٹل کی طرف دیکھا جہاں چار پولیس کاریں اور ایک ایمبولینس آ کر کھڑی ہو گئی تھی۔ اُس نے نمبر ملائے۔ ڈاکٹر بہرام لائن پر نہیں تھا بلکہ وہی مشینی آواز سنائی دی تھی۔ جو بتاتی تھی کہ بہرام کہیں گیا ہوا ہے۔ "پلیز ٹیپ کرا دیں جناب!"

ٹائیگر نے کاغذ پر لکھا ہوا پورا بیان پڑھ دیا اور پھر اچانک ہی دوسری طرف سے اُسے ڈاکٹر بہرام کی آواز سنائی دینے لگی۔

"گڈ شہزاد... تم نے بہت بڑا کام کیا ہے۔ بارہ شائیوں کے تمام ایجنٹ آج ہی گرفتار ہو جائیں گے۔"

"نگران میں سرکاری افسران اور دو وزرا بھی شامل ہیں۔"

"ہونے دو...!" ڈاکٹر بہرام نے لاپروائی سے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔ اب اجازت دیں۔ آپ کو یاد ہو گا کہ یہ میرا آخری مشن تھا۔" یہ کہہ کر اس نے ریسیور رکھا اور باہر نکل کر اس طرح سانس لینے لگا جیسے کسی طویل قید سے نجات پا کر باہر آیا ہو۔ اس نے کئی لمبی لمبی سانسیں لیں اور پھر سڑک کے کنارے کھڑی کسی کی اسپورٹس کار کی طرف بڑھ گیا۔ کار میں بیٹھ کر اس نے نہایت اطمینان سے تارلا گرگر گاڑی اسٹارٹ کی اور پھر ساحل کی طرف روانہ ہو گیا۔

ساحل پر ایک دو منزلہ سفید کشتی منتظر انداز تھی۔ کار وہیں چھوڑ کر اُس نے بے چین سمندر کی طرف دیکھا تو اُسے یوں لگا جیسے یہ وسیع سمندر اس کے مستقبل کا مظہر ہو۔ وہ گنگناتا ہوا کشتی میں پہنچ گیا جہاں ہلکے نیلے گاؤن میں اُوشان پہلے سے موجود تھا۔

"میں ڈاکٹر بہرام کو خدا حافظ کہہ کر آیا ہوں، ٹرل فادر!" ٹائیگر نے دھیمی آواز میں کہا۔

"اوہ... صبح کتنی سہانی ہے۔" اُوشان نے گاؤن میں سے ہاتھ نکالتے ہوئے سمندر کی چمکدار سطح کی طرف دیکھ کر کہا۔ بہرام ایک جنوبی بادشاہ تھا اور کسی جنوبی بادشاہ کے ہاتھ میں تم جیسے پیشہ ور قاتل کا کھیلنا خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔ کیا تم اس حقیقت سے آگاہ تھے کہ ڈاکٹر بہرام کتنا خطرناک آدمی ہے؟"

"مجھے کسی حقیقت سے آگاہ ہونے کی ضرورت نہیں۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ ایوان سانجو کی روایت کے مطابق سربراہ صرف بادشاہ کے لیے ہی کام کرتا ہے اور کیونکہ اُوشان کو بہرام تنخواہ کے عوض سونا اور کھانے پینے کا سامان، ایک آبدوز کے ذریعے سانجو بھیجا دیا کرتا تھا... لہٰذا اُوشان، بہرام کو ایک بادشاہ ہی سمجھتا تھا۔

اُوشان کو چارہ گر نامی تنظیم کا علم نہیں تھا۔ وہ تو صرف اتنا جانتا

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

تھا کہ وہ اور شہزاد دونوں ڈاکٹر بہرام کے لیے کام کرتے ہیں۔

"بہرام ایک کینہ پرور آدمی ہے۔"

"مگر یہی کینہ پرور آدمی آبدوز میں سونا بھر کر ہر مہینے سنانجو بھی بھیجتا ہے۔" ٹائیگر بہرام کے خلاف اُوشان کے حملے برداشت نہ کر سکا کیونکہ اُس نے چارہ گر بہرام سے ناراض ہو کر نہیں چھوڑی تھی بلکہ صرف اس خواہش نے اُسے علیحدگی پر اُکسایا تھا کہ وہ اپنی دنیا آپ بنائے گا۔ اپنے لیے ایک گھر بنائے گا۔

"ہاں..." اُوشان نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "لیکن اس کے بدلے میں نے تمہیں ایک عظیم ترین تحفہ دیا ہے۔ تم اس تحفے کو محض ایک شخص کے مفاد میں استعمال کرتے رہے اور میں نے کبھی شکایت نہیں کی۔"

"آپ تو ہر روز بہرام کی شکایتیں کرتے رہتے تھے۔"

"نہیں... لیکن تم سے دو دو باتیں کرنے کے علاوہ اور کیا توقع کر سکتا ہوں... غلطی مجھ سے ہوئی۔ میں نے ایک ایسے شخص کو ورغلایا ملا ہوا فن سکھا دیا جس کا تعلق سنانجو کے آس پڑوس سے بھی نہیں تھا، میں نے اپنے علاقے کے کسی نوجوان کو منتخب کرنے کے بجائے تمہارا انتخاب کیا تھا۔"

"میرے انتخاب کی وجہ یہ تھی کہ سنانجو میں یا اس سے باہر جزیرہ نما کوریا کا کوئی نوجوان اس فن کو سیکھنے کی صلاحیت نہیں رکھتا تھا اور جس میں ایسی صلاحیت تھی، وہ... سنانجو کا غدار آپ کا بھتیجا تھا لہٰذا جب آپ کی نظر مجھ پر پڑی تو آپ کو فوراً احساس ہو گیا کہ میں وہ واحد نوجوان ہوں جسے فن منتقل کر سکتے ہیں۔"

"ہاں... لیکن یہ علم مجھے بعد میں ہوا کہ تمہاری کھوپڑی میں مغز کے بجائے گوبر بھرا ہوا ہے۔"

"ممکن ہے، آپ کا خیال درست ہو لیکن اسی گوبر بھرے مغز نے آپ کے فن کو جذب بھی تو کیا ہے، ٹرل فادر..." ٹائیگر نے قدرے درشت لہجے میں جواب دیا۔ "کوئی زود رو اتنی کامیابی سے سنانجو کا فن نہیں سیکھ سکتا تھا۔"

"تم نسل پرستانہ خیالات کا اظہار کر رہے ہو..." اُوشان نے غصیلے لہجے میں کہا۔ "اور نسل پرستی پستی کی سب سے گھٹیا شکل ہے۔"

"... مگر سنانجو کا فن کسی کو منتقل کرنے کے لیے آپ نے مجھ جیسے نسل پرست کا ہی انتخاب کیا تھا۔"

"ہاں... میں نے ایک بکرے کے سامنے ہیرے ڈال دیے تھے اور مگرمچھوں کو سونگھ کر انھیں پھینک رہا ہے۔ میں نے ایوانِ سنانجو کی توہین کی ہے۔"

سلطان نورالدین زنگی
الماس ایم اے قیمت:-/250
دو جلدیہ
قیمت: ۲۰۰/-
تاریک وادی

"ٹھیک ہے، ٹرل فادر... آپ کے تمام الزامات درست ہو لیکن اب میں نے بھی طوقِ غلامی اُتار پھینکنے کا فیصلہ کیا ہے۔ میں کسی اور طریقے سے زندہ رہنا چاہتا ہوں۔ کوئی اور ملازمت کر لوں گا۔"

اچانک ہی اُوشان کے چہرے پر بڑھاپے کے آثار نمایاں ہونے لگے۔ گالوں پر پٹھے کی سُرخی دوڑ گئی اور آنکھیں ایک لمحے کے لیے اور بھی چھوٹی ہو گئیں۔ یہی وہ لمحہ تھا جب ٹائیگر کو اپنی غلطی کا احساس ہوا جھنجلاہٹ کے عالم میں نوکِ زبان سے پھسلنے والے الفاظ اُوشان کے لیے صدمے کا باعث بن گئے تھے۔

☆

کرنل بلیچ کو صبح چار بج کر پینتیس منٹ پر اپنے سربراہ سے براہِ راست احکام ملے اور احکام سوالوں کی شکل میں ملے تھے۔

کیا تم اس وقت ابتدائی مشن کے لیے تیار ہو؟"

"کیوں نہیں، جناب!" کرنل بلیچ نے گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے اس حساس ٹرانسمیٹر میں کہا جو اس کی دیوار میں نصب تھا۔

"کرنل بلیچ... اگر تم اس مشن کو شروع کرنے کا ارادہ رکھتے ہو تو اس کے لیے کامیابی کی ضمانت دینا ضروری ہے... اگر مشن کی کامیابی میں تمہیں ایک فیصد بھی ناکامی کا خطرہ ہے تو مشن شروع کرنے سے پہلے مزید غور کر لو۔"

"ہم ہر مشن کے لیے تیار ہیں۔" کرنل بلیچ نے بڑے عزم سے جواب دیا اور پنسل اُٹھالی۔

دوسری طرف چند لمحوں تک خاموشی رہی جو اتنی سنگین تھی کہ کرنل کو اپنے کمرے کے باہر گشت کرنے والے محافظ کے قدموں کی آواز بھی سنائی دینے لگی تھی۔

"کرنل...!" بالآخر دوسری طرف سے اُسے پھر پکارا گیا۔ "اگر ہم نے مشن کا آغاز نہ کیا تو یہ محض ایک بُری بات ہو گی لیکن اگر مشن شروع کر کے ناکام ہو گئے تو یہ اس سے بھی زیادہ بُری بلکہ مہلک بات ہو گی۔"

"ہم ناکام نہیں رہیں گے، جناب!" کرنل بلیچ نے پھر یقین دلایا حالانکہ اسے ابھی تک یہ بھی علم نہیں تھا کہ اسے کون سا مشن سونپا جا رہا ہے۔"

"کیا تم کل مشن کے لیے روانہ ہو سکتے ہو؟" دوسری طرف سے سپاٹ لہجے میں پوچھا گیا۔

"جی ہاں...!" کرنل نے جواب دیا۔ اس نے ہمیشہ اپنے جوانوں کو دس منٹ کے نوٹس پر روانگی کے لیے تیار رہنے کی تربیت دی تھی۔

"یاد رکھو کہ تمہیں ایک ایسے شہر میں کارروائی کرنی ہے، واردات کے فوراً بعد حکام اس شہر کی چاروں طرف سے ناکہ بندی کر سکتے ہیں۔"

"آپ کی مُراد شہر بے نظیر سے ہے جناب؟"

"ہاں... وہاں ایک سجری اڈہ ہی نہیں، دو جنوں خفیہ چوکیاں بھی ہیں۔"

"ہم وہاں سے بحفاظت واپس نکل آئیں گے، جناب!"

"کرنل! خوب سوچ لو، محض جوش سے کام نہ لو۔" دوسری طرف سے تنبیہ کی گئی۔

"میں اس وقت پورے ہوش میں ہوں، جناب!" کرنل بلیچ نے نرم لہجے میں جواب دیا۔ "میرا جوش اس جگہ ختم ہو جاتا ہے، جہاں مجھے ہوش سے کام لینے کی ضرورت ہوتی ہے۔ میں اپنی یونٹ کو کسی بھی جگہ لے جا سکتا ہوں۔ میرے جوان صرف میرے غلام ہیں اور انھیں ریگولر فوجیوں کی طرح تربیت نہیں دی گئی۔ میری یونٹ جنگجو یونٹ ہے اور لڑنے کے لیے ہر وقت تیار رہتی ہے۔"

"گڈ...!" اس مرتبہ سربراہ کی آواز میں خوشی کی لہر بھی شامل تھی۔ "تم نے سیاہ فاموں کے ہاتھوں جو دُکھ اُٹھائے ہیں ان کا انتقام لینے کے لیے تمہیں پہلا موقع مل رہا ہے۔ تم کچھ لوگوں کو اغوا کر کے لے آؤ۔ ان کی فہرست تمہیں بے نظیر سٹی کی فائل میں مل جائے گی۔ یہ فہرست اگرچہ بیس افراد کی ہے لیکن اگر تم ان میں سے پندرہ کو بھی لے آئے تو ہم اسے اپنی کامیابی سمجھیں گے۔"

"بہت بہتر، جناب... آپ کو مطلوبہ افراد دو روز میں مل جائیں گے۔"

"گڈ... لیکن کرنل! میں ان میں سے کسی کے جسم پر ہلکی سی خراش بھی برداشت نہیں کروں گا۔"

"ایسا ہی ہو گا، جناب!" کرنل بلیچ نے تائید میں سر ہلاتے ہوئے جواب دیا... اور دوسری طرف سے رابطہ منقطع ہو گیا۔ اب کرنل بلیچ کے بارے میں ہو بھی نہیں سکتا تھا۔ اس نے فوراً وردی اور پٹی درست کی اور سوچنے لگا کہ اب دو روز بعد ہی بستر پر سونا نصیب ہو گا۔ اس کے بعد اس نے آرام اور نیند کے بارے میں سب کچھ ذہن سے نکال کر قدم آگے بڑھا دیے۔

وہ بیدھا انٹیلی جنس سیکورٹی برانچ کی طرف گیا جس کی خصوصیت یہ تھی کہ وہاں کاغذ کا ایک پُرزہ بھی نہیں تھا لہٰذا کسی راز کی چوری کا خدشہ نہیں تھا۔ یہاں معلومات حاصل کرنے کا آنا جامع نظام تھا کہ محکمۂ جاسوسی بھی اس سے محروم تھا۔ برانچ کی عمارت کے شمالی رُخ، دو محافظ سب مشین گنیں لیے ایک آہنی دروازے کے اوپر کھڑے تھے۔ وہ اُسے دیکھ کر چوکس ہو گئے انھوں نے فوراً دروازے سے اُتر کر ایک بٹن دبایا تو وہ آہنی دروازہ دو حصوں میں بٹ کر دائیں بائیں غائب ہو گیا اور ایک زینہ نظر آنے لگا۔ دوسرے زینے پر قدم رکھتے ہی، وہ دروازہ ایک بار پھر بند ہو گیا... اور گھپ اندھیرے کے باعث کرنل کو اپنی ٹارچ نکالنی پڑی۔ یہاں ایک اور آہنی دروازہ راستے میں حائل تھا جسے کرنل بلیچ نے اپنی چابی نکال کر کھولا اور پھر ایک بڑے زیرِ زمین کمرے میں داخل ہو گیا۔ یہاں ایک جدید ترین کمپیوٹر نصب تھا جس کو چلانے میں کرنل بلیچ کو بڑی عجیب سی طمانیت کا احساس ہوتا تھا۔

وہ ایک کرسی پر بیٹھ گیا جس کے ساتھ بٹنوں کا ایک بورڈ لگا ہوا تھا اور جس کے سامنے ایک اسکرین نصب تھی۔ اس نے آہستہ سے ایک بٹن دبا دیا جس پر "بے نظیر سٹی" لکھا ہوا تھا۔ بٹن دبتے ہی اسکرین پر شہر کا تفصیلی نقشہ نظر آنے لگا جس میں پُل اور سڑکیں بھی واضح طور پر ظاہر کی گئی تھیں۔ اس نقشے میں پولیس اور فوج کی چوکیوں کے مقامات بھی تھے۔ اُس نے شہر کے نام والے بٹن کے ساتھ لگا ہوا سبز سوئچ دبا دیا جو مزید تفصیلات اور جزئیات کے لیے مخصوص تھا... پھر وہ مختلف سوئچ دباتا اور تفصیلات ذہن نشین کرتا رہا۔ چند گھنٹوں میں اس نے شہر کی فائل کے کمپیوٹر سے اُن بیس افراد کی تصویریں، نام اور پتے حاصل کر لیے جن کو اغوا کر کے لانا تھا۔ اس نظام کی خوبی یہی تھی کہ کمپیوٹر کو دوسری طرف سے معلومات دینے والوں کو یہ علم ہی نہیں ہوتا تھا... کہ یہ معلومات کہاں جا رہی ہیں؟

کرنل بلیچ نے حملے کے لیے تین منصوبوں پر غور کیا... اور پھر ایک انتہائی آسان سا منصوبہ منتخب کیا۔ اس منصوبے کے تحت سب کچھ اتنی آسانی سے ہوا تھا جیسے کسی نے چھری سے کیک کاٹ دیا ہو۔ اسے صبح نو بجے شہر پر حملہ کرنا تھا اور یہ وہ وقت تھا جب

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

اس کے بس ٹکسکارگھوں میں محوِ خواب مل سکتے تھے۔ اس نے یونٹ کو روانگی کے لیے تیاری کا حکم دیا اور پھر جب اس کے جوان مارچ کرتے ہوئے بسوں کی طرف بڑھے تو اس کا دل خوشی سے دھڑکنے لگا تھا۔ یہ جوان واقعی فوجی لگ رہے تھے اور ان کے بازوؤں پر ایس پی لکھا ہُوا تھا۔ وہ دیکھنے میں ساحلی محافظ لگ رہے تھے۔ ان میں صرف کرنل بلیچ خاکی وردی میں ملبوس تھا۔

صبح ہونے سے قبل ہی وہ شہر بے نظیر کے مضافاتی علاقے میں پہنچ گئے اور کرنل بلیچ نے دونوں بسیں ساحل پر وریجنا پوائنٹ کے قریب والی سڑک پر چلانے کا حکم دیا تاکہ گاڑیاں شہر میں داخل ہونے کے بجائے باہر ہی سے اصل جگہ پہنچ سکیں۔ یہاں اس نے ایک بار پھر ہر جوان کے ہتھیاروں کا جائزہ لیا۔ ان میں آٹھ ٹیں اسلحے کے علاوہ نائیلون کی رسّیاں انجکشن سرنج اور بے ہوش کرنے والی دوائیں بھی شامل تھیں۔

بسیں اوسٹینا اور اوشیانا برج سے گزرتی ہوئی تھک اٹھکر سینتیس منٹ پر شہر کے اندر... اور پھر گراہم سٹریٹ پہنچ گئیں یہاں سے وہ مقررہ مقامات پر پہنچے اور دن کی نرم روشنی میں یونٹ نے اپنے اپنے ٹھکانے پر حملہ کر دیا۔

ان کا پہلا حملہ ایک ڈگ فیکٹری پر ہُوا جو ایک لڑکی روبی کی ملکیت تھی اور جسے روبی نے حال ہی میں لگایا تھا۔ یونٹ کے جوان بہت تیزی سے اندر داخل ہوئے۔ ایک عورت راہ میں آئی تو اُسے ایک طرف دھکیل کر وہ مسلسل آگے بڑھتے رہے۔ چار افراد زینے پر چڑھے اور اوپر چھٹے کمرے میں داخل ہو گئے جہاں ایک سیاہ فام نوجوان نشے میں دھت سو رہا تھا۔

"پکڑ لو اسے... یہی ہے۔ اس کا نام اسحاق ہے۔"

"تو کیا وہ عورت جس کو تم نے دھکا دیا ہے اس کی بہن تھی؟" کرنل بلیچ نے پوچھا "کہاں گئی وہ...؟"

"پتہ نہیں جناب... لیکن وہ یقیناً اس کی بہن تھی۔"

"چھوڑو... اسے اٹھا کر لے چلو۔"

اسپیشل یونٹ سڑکوں پر سرگرم رہی جس گھر کا دروازہ نہ کھلا اُس کا دروازہ توڑ دیا گیا۔ تو سے سیکنڈ میں یہ آپریشن ختم ہُوا اور فیکٹری کے باہر کوئی بھی جوان باقی نہ رہا۔ ان کے جانے کے کچھ ہی دیر بعد روبی اعشاریہ ۴۴ اٹھائے بپھری ہوئی باہر نمودار ہوئی... لیکن سڑکوں پر کسی کو بھی نہ دیکھ کر جھنجلا اُٹھی۔ اس وقت اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ خود کو گولی مار لے۔

*

کرنل بلیچ کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ اس کے کسی بھی جوان نے ایک بھی غلطی نہیں کی تھی۔ بے ہوش کرنے والے انجکشنوں نے بہت مؤثر کام دکھایا تھا۔ نائیلون کی رسّیاں بھی کام آئی تھیں اور یرغمالیوں کو ان سے باندھ لیا گیا۔ اغوا ہونے والے تمام افراد کو بسوں کے لگیج کمپارٹمنٹ میں رکھ دیا گیا تھا اور ان خفیہ خانوں میں ایئر کنڈیشن کی فراہمی کے لیے خصوصی آلات کام کر رہے تھے۔

ڈگ فیکٹری کے قریبی علاقے سے اس یونٹ نے بائیس منٹ کے آپریشن کے دوران چودہ افراد اُٹھائے تھے۔ کرنل بلیچ نے پندرھویں کی تلاش میں مزید وقت ضائع کرنے سے گریز کیا تھا۔ اس کی کوشش یہ تھی کہ یہ چودہ رنگ دار افراد بسفاظت منزل تک پہنچا دیے جائیں۔

اس کے تمام جوان منصوبے کے مطابق وقت پر بسوں تک پہنچ گئے لیکن صرف ڈبرک تاخیر سے آیا... اور پھر دونوں بسیں درمیانی رفتار سے سڑک پر دوڑنے لگیں۔

"بے برج ٹنل کی طرف چلو۔" کرنل بلیچ نے اپنی بس کے ڈرائیور فوجی کو حکم دیا اور پھر اس کا یہ حکم دوسری بس کو بذریعہ وائرلیس پہنچا دیا گیا۔ گاڑیاں آگے پیچھے سُرنگ میں داخل ہو گئیں اور پھر جب دوسری طرف سے باہر نکلیں تو ان کی رنگت ہی بدل چکی تھی۔ پہلے سے تیار رنگ وار پٹیاں چند سیکنڈوں میں بسوں کے دائیں بائیں لگا دی گئی تھیں۔ کھڑکیوں کے پردے ہٹ چکے تھے اور اندر فوجیوں کے بجائے کالج کے کھلنڈرے طلبا بیٹھے ہوئے نظر آتے تھے۔ گاڑیوں کی نمبر پلیٹوں پر اب کمرشل نمبر درج تھے۔ کرنل بلیچ کے جوانوں نے یہ ساری تبدیلیاں اٹھارہ سیکنڈ میں کی تھیں۔

ایک بے بس نوجوان کی حیرت انگیز داستان
جسے اپنی موت کا وقت معلوم ہو گیا تھا
مرظلوم
یعقوب جمیل کے ہوشربا قلم سے
جس کا قارئین کو برسوں سے انتظار تھا
مکتبہ القریش سرکلر روڈ اردو بازار لاہور
فون 7668958

رُوٹ نمبر تیرہ کے راستے وہ ایکس سو کے مضافات میں پہنچے جہاں انھوں نے بسیں چھوڑ دیں اور اپنے اپنے سُوٹ کیس اُٹھائے، بس سے اُتر گئے۔ ان سُوٹ کیسوں میں ان کے ہتھیار اور وردیاں تھیں۔ اب خود بلیچ بھی ایک جنگل ہیٹ اور ٹی شرٹ میں ملبوس تھا۔ اس کے مُنہ میں نلی اور وہ ان کھلنڈرے لڑکوں کا کوچ نظر آ رہا تھا۔ وہ سب ایک منٹ تک وہاں کھڑے رہے۔ ان کی نظریں آسمان پر جمی رہیں اور پھر جونہی ہیلی کاپٹروں کی آواز انھیں سنائی دی ان سب نے سکون کی سانس لی۔ یہ ہیلی کاپٹر نیلے اور سفید تھے۔

پہلا ہیلی کاپٹر اُترا تو کرنل بلیچ کو ایک پیغام بھی ملا۔ موسر... فور ٹین ٹرپل پر فیکٹ۔" ہنوبا باز نے کہا۔ اس کا مفہوم ہنوبا باز جیسا کوئی نہ سمجھ سکا لیکن کرنل بلیچ سمجھ گیا۔ فور ٹین کا مطلب یہ تھا کہ بسوں سے ان تمام افراد کو نکالا جا چکا ہے اور ٹرپل پر فیکٹ کا مطلب یہ تھا کہ آپریشن کے تینوں مراحل بخیر و خوبی تکمیل کو پہنچے ہیں... اور اس کا مطلب یہ بھی تھا کہ قیدی اب اپنی حتمی منزل کی طرف لے جائے جا رہے ہیں۔

کرنل بلیچ نے اپنے جوانوں کو ہیلی کاپٹروں میں سوار کرایا۔ تاہم سب سے آخر میں سوار ہونے والا اس مرتبہ بھی ڈبرک تھا اور اس بار اس کے پیڑو لگا رہے تھے۔ اسے دیکھ کر کرنل کے چہرے پر سفاکانہ مسکراہٹ ناچنے لگی۔ اس نے تہیہ کر لیا تھا کہ وہ ڈبرک کو کیمپ میں پہنچا کر یونٹ کے ساتھ نہ رہنے کے الزام پر اس صندوق میں بند کرنے کا حکم دے گا جس کو قید تنہائی کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ یہ صندوق المونیم کا بنا ہُوا تھا اور گرمیوں میں اس کے اندر کا درجہ حرارت ناقابلِ برداشت ہوتا تھا۔ کرنل بلیچ نے یہ بھی فیصلہ کر رکھا تھا کہ وہ جوانوں کو بس کیمپ پہنچتے ہی تین روزہ ڈرل پر جنگل میں بھیج دے گا یونٹ کی واپسی پر جوانوں کو صندوق میں ڈبرک کی لاش ہی ملے گی اور وہ سمجھ جائیں گے کہ ڈبرک ڈسپلن توڑنے کے جرم کی سزا بھگت چکا ہے۔ کرنل بلیچ ایک اصول کو دل سے عزیز رکھتا تھا... کہ لوگوں کو اس طرح موت کی سزا دی جائے جیسے وہ مکھی سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتے۔ اس طرح کرنل بلیچ کو یقین تھا کہ جوانوں میں نہ صرف خوف و دہشت پیدا ہو گی بلکہ وہ ڈسپلن کے تحت بھی رہیں گے۔

ڈبرک کو موت کی سزا دینے کا فیصلہ کر لینے کے بعد کرنل بلیچ کو ایک نئی پریشانی نے آگھیرا... کہ کیا اتنی تیزی سے جوانوں کو قتل کرنے کا نتیجہ افرادی قوت کی کمی میں نہیں نکلے گا؟

*

کمپیوٹر سسٹم کا جدید ترین اور جامع نظام صرف کرنل بلیچ کے پاس ہی نہ تھا حقیقت تو یہ تھی کہ کرنل کے کمپیوٹر سسٹم سے کہیں زیادہ جدید اور وسیع دائرہ کار رکھنے والا ایک اور ہمہ گیر نظام بھی موجود تھا جس کو صرف ایک شخص ہاتھ لگا سکتا تھا۔ یہ کمپیوٹر اس آدمی کی انگلیوں کے نشانات چیک کر کے ہی چلتا تھا۔ کوئی اجنبی ہاتھ اس کو استعمال نہیں کر سکتا تھا کیونکہ کسی اجنبی ہاتھ کے نشانات ڈی کوڈ ہوتے ہی ایک خطرناک کیمیاوی مادہ کمپیوٹر کے پورے نظام میں سرایت کر سکتا تھا اور اس طرح اس نظام کو بنانے والوں نے اس کی خودکشی کی بھی گنجائش پیدا کر دی تھی۔

یہ کمپیوٹر سسٹم چارہ گر نامی ایک عمارت میں نصب تھا۔

بلیچ کے کمپیوٹر نے اسے جو کچھ بتایا تھا اس کا تجزیہ اب ڈاکٹر بہرام کا جدید ترین کمپیوٹر کر رہا تھا۔ اس تجزیاتی رپورٹ کے ابتدائی حصے بہت عجیب تھے۔ ان کے مطابق کئی افراد نے شہر بے نظیر کے اُس علاقے پر حملہ کیا تھا جہاں سیاہ فام لوگ رہتے تھے۔ صبح دس بج کر بیالیس منٹ تک ڈاکٹر بہرام کو صرف یہ علم ہو سکا کہ بعض افراد نے کچھ لوگوں کو اغوا کر لیا ہے۔ اس کے بعد علم ہُوا کہ اغوا ہونے والوں میں چند باتیں مشترک ہیں۔ وہ سب سیاہ فام ہیں۔ ان کی عمریں بیس سے تیئیس سال ہیں اور سب کے سب چھوٹے موٹے جرائم میں ملوث رہ چکے ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی برسرِ روزگار نہیں ہے اور وفاقی ادارۂ معیار کے مطابق ان میں سے کوئی بھی کسی بھی ملازمت کے اہل نہیں تھا۔

ڈاکٹر بہرام نے جیکٹ کی جیب سے پنسل نکالی اور نوٹس لینے لگا۔ کچھ ہی دیر بعد کرنل نے اطلاع دی کہ اغوا ہونے والوں کی قطعی تعداد چودہ ہے۔ ڈاکٹر بہرام نے فوراً کمپیوٹر کے ذریعے یہ ہدایت جاری کی کہ ان چودہ افراد کے عزیزوں کے بارے میں معلومات فراہم کی جائیں۔ وہ اس نکتے کو پہلے ہی مسترد کر چکا تھا کہ لاپتہ ہونے والوں کی وجہ سے کسی عزیز کو کوئی فائدہ ہو سکتا ہے کیونکہ وہ سب مفلس بلکہ عزیزوں کے ہی دستِ نگر تھے۔

چارہ گر سے کمپیوٹر نے اغوا ہونے والے ایک شخص کے عزیز کا نام ظاہر کیا تو ڈاکٹر بہرام کے ذہن میں کھلبلی سی مچ گئی۔ یہ نام روبی کا تھا اور اسے پڑھتے ہی بہرام سوچنے لگا کہ اس نے یہ نام کہاں سنا ہے۔ اس کے بعد کمپیوٹر دوسرے نام ٹائپ کرنے لگا۔ اس کے بعد جامے وقوعہ کے بعض عینی شاہدوں کے بیانات کمپیوٹر نے جاری کیے جن میں سے کئی نے یہ دیکھا تھا کہ ان لوگوں کو بعض ایسے افراد نے بوچھا اور پکڑ کر رسّیوں سے باندھ لیا جنھوں نے سبز وردیاں پہن رکھی تھیں کئی افراد نے بتایا کہ حملہ آوروں نے ان

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

لوگوں کو انجکشن بھی لگائے جن کو اغوا کیا جا رہا تھا۔

ڈاکٹر بہرام نے فوراً کمپیوٹر کو ہدایت کی کہ وہ اُوشان اور ٹائیگر کے بارے میں اطلاع دے کہ وہ کہاں ہیں تاہم اس بارے میں کمپیوٹر بہت دیر تک ناکام رہا اور پھر اس کا جواب بھی واضح نہیں تھا۔

☆

"آخر ایسی کیا بات ہو گئی کہ تم اس پیشے ہی سے متنفر ہو گئے؟" اُوشان نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"نفرت کی کوئی بات نہیں لٹل فادر! بس اب میں قتل نہیں کروں گا۔"

"آہ... ہا...!" اُوشان نے ایک طویل سانس لی "اب مجھے معلوم ہوا کہ میں نے ایک ایسے شخص کو سناٹجو کے فن سکھا دیے ہیں جو مستقل مزاج نہیں ہے۔ میں اس احساسِ جرم کے ساتھ زندہ نہیں رہ سکتا۔"

"میں کسی احساسِ جرم کا شکار نہیں ہوں لٹل فادر! میں تو اپنی زندگی اپنی مرضی کے تحت گزارنا چاہتا ہوں اور میری ایک تمنا یہ بھی ہے کہ اب کوئی اور میرے ہاتھوں قتل نہ ہو کیونکہ خدا نے مجھے قاتل بنا کر نہیں پیدا کیا تھا۔"

"بخواس...!" اُوشان کے چہرے پر غصے کے تاثرات نظر آنے لگے "تم نے کبھی کسی کو قتل نہیں کیا... لیکن آج تم نے واقعی ایک قتل کیا ہے۔ ایوانِ سناٹجو کا قتل... اب... سناٹجو کے فن کو آگے کون بڑھائے گا۔ اس فن کو اب کون کس کے حوالے کرے گا، نہیں شہزاد، تم نے سناٹجو کے فن کو مار ڈالا ہے۔"

"آپ نے جس طرح مجھے تلاش کر کے تربیت دی تھی اُسی طرح کسی اور کو بھی تلاش کر کے مجھ جیسا بنا لیں۔"

"نہیں، اب کوئی اور نہیں مل سکتا۔" اُوشان کی آواز اگرچہ لرز نہیں رہی تھی لیکن اس میں تھرتھراہٹ واضح تھی۔

"ان مثالی کو ریائی جوانوں میں سے کسی کا انتخاب کر لیں جن کی آپ تعریف کرتے رہتے ہیں۔" ٹائیگر نے جو اُوشان کے لہجے سے متاثر ہو چکا تھا کشتی کے فرش کی طرف دیکھ کر کہا۔

"نہیں... اب میں بوڑھا ہو چکا ہوں۔" اُوشان نے ٹائیگر کے بینے پر نظریں گاڑتے ہوئے کہا۔

"آپ کی عمر پچاس سال سے زیادہ نہیں۔"

"میں نے اپنا سب کچھ منتقل کر دیا ہے۔ اب میرے پاس کسی کو تربیت دینے کے لیے کچھ بھی نہیں۔" اُوشان نے جواب دیا اور ٹائیگر نے نہ جانے کس احساس سے گھبرا کر اُس چولہے کے شعلے کو دیکھنا شروع

ظہیر
اظہر کلیم
دو جلدوں میں
جلد اول =/150 جلد دوئم =/150
مکتبہ القریش
سرکلر روڈ اردو بازار لاہور
فون 7668958

کر دیا جس کے اوپر پتیلی میں یخنی پک رہی تھی۔ وہ یخنی کے بعد عملاً چارہ گر اور پیشہ ور قاتل کی حیثیت سے کنارہ کشی کرنے والا تھا۔ اس کے لیے چاول پک چکے تھے۔ اس نے اُوشان کو یہ سچ ہی بتا دیا تھا کہ وہ یہاں سے جا رہا ہے اور یہ کہ اس نے طیارے میں بکنگ بھی کرا لی ہے لیکن اُس نے ابھی تک یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ ایک نہیں بلکہ دو ٹکٹ لے کر آیا ہے۔

"کیا میں آپ کے چاولوں میں جن سنگ ڈال دوں؟" ٹائیگر نے خفیف سے انداز میں مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں... جن سنگ اُن دلوں کے لیے ہوتی ہے جو ساز کی طرح شکستہ نہ ہوں... ان دلوں کے لیے ہوتی ہے جن کو روندا نہ گیا ہو۔"

"کیا واقعی نہ ڈالوں؟"

"تھوڑی سی ڈال دو۔" اُوشان نے خشک لہجے میں جواب دیا۔ ڈال دو تاکہ میں یہ محسوس کر سکوں کہ اچھے دن واقعی گزر گئے۔" یہ کہہ کر اُس نے ٹائیگر کی طرف دیکھا جو پانی میں اُبلتے ہوئے چاولوں میں جن سنگ نامی جڑیں ڈال رہا تھا۔

"آج کھانا بھی مزے کا نہیں۔" اُوشان نے چاول کا پہلا لقمہ منہ میں رکھتے ہی کہا۔ "لیکن دُنیا میں اس کھانے سے بھی بدتر چیزیں موجود ہیں۔"

"مثال کے طور پر...!" ٹائیگر نے چاول چباتے ہوئے پوچھا۔

"بے وفائی، غداری اور احمق کو ٹھیس پہنچانا۔"

"یہ بات سچ کہی آپ نے۔" ٹائیگر مسلسل چاول چباتا رہا۔

"اور بے مروتی... تم انتہائی بے مروت انسان ہو۔ اب میری نظریں تم پر کبھی نہیں پڑیں گی کیونکہ میں سناٹجو کے فن کو بے حرکت دیکھنے میں گناہ محسوس کروں گا۔"

"جیسی آپ کی مرضی۔"

"اور میں کبھی یہ بھی نہیں چاہوں گا کہ مجھے تمہارے بارے میں کسی

قسم کی کوئی اطلاع ملے۔"

"یہی زیادہ بہتر ہو گا۔" ٹائیگر نے اپنے دل کی گہرائیوں میں اُوشان کے لیے محبت کے جذبے محسوس کرتے ہوئے کہا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ اُوشان کو گود میں اُٹھا کر ناچنا شروع کر دے اور زور زور سے کہے کہ ہم خواہ چارہ گر بنیں رہیں یا نہ رہیں... ایک ساتھ رہیں گے اور ہمیں کوئی جُدا نہیں کر سکے گا۔

"میں تم پر یہ بات واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ تم کبھی اپنے اوپر سے 'سرکاری اور عالمی قاتل' کا داغ نہیں مٹا سکو گے۔ جہاں جاؤ گے یہ خطاب بھی تمہارے ساتھ ساتھ چلے گا۔"

"اس کا مجھے اچھی طرح علم ہے۔"

"لوگ ہمیں قاتل کہتے ہیں حالانکہ وہ جانتے ہی نہیں کہ ہم نے انسانیت کے لیے کیا کچھ کیا ہے۔"

"انھیں کسی نے بتایا بھی نہیں۔" ٹائیگر نے یخنی کی ٹانگ بھنبھوڑتے ہوئے جواب دیا اور پھر کھڑا ہو گیا۔ "میں سمجھا ہوں لٹل فادر! کیا آپ بھی ساتھ چلیں گے؟"

"نہیں...!" اُوشان نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔ اس کے انداز سے ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ واقعی کسی قطعی نتیجے پر پہنچ چکا ہو۔ اس کی آنکھیں اب چمکنے بھی لگی تھیں جبکہ چہرے پر ایک بار پھر زردی چھا گئی تھی۔ ٹائیگر نے ایک طویل سانس لی اور پھر سوچنے لگا کہ کیا وہ اپنا یہ خواب پورا ہوتے نہیں دیکھ سکے گا کہ شادی کے بعد اُوشان بھی اس کے ساتھ ہی گھر میں رہے۔

"آپ نے مجھے جو کچھ دیا ہے اس پر اگر میں صرف شکریہ کہوں تو یہ ناکافی ہو گا۔" ٹائیگر نے پلٹے بغیر کہا۔ پہلی بار اس کی آواز بھی رندھی ہوئی نکل رہی تھی۔

"تم نے کبھی کافی کوشش بھی نہیں کی۔"

"میں نے سیکھنے کے لیے کافی قربانیاں دی ہیں۔"

"چلے جاؤ!" اُوشان نے اچانک ہی کہا۔ "سناٹجو کا ماسٹر بہت کچھ کر سکتا ہے مگر سمجھوتے نہیں۔ وکھا سکتا۔ تم بدعنوانی اور فساد کی دُنیا کی طرف واپس جا رہے ہو لیکن یاد رکھو کہ اس دُنیا کا سورج تالابے کو بھی سونا بنا کر لوگوں کو دھوکا دیتا ہے۔"

"خدا... حافظ لٹل فادر...!" ٹائیگر نے بمشکل کہا۔ "کیا آپ مجھے وداع کر رخصت نہیں کریں گے؟"

اُوشان خاموش رہا۔ وہ جانتا تھا کہ اس وقت ٹائیگر کے سینے میں کتنے طوفان چھپے ہوئے ہیں اور اگر اُس نے ذرا سی بھی نرمی سے کام لیا تو یہ طوفان غلط رُخ اختیار کر جائیں گے۔ اُس نے رسّی ڈھیلی چھوڑنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ "خدا حافظ۔" اُس نے بہت دھیرے سے کہا اور ٹائیگر تیزی سے آگے بڑھ گیا۔ کشتی سے اُتر کر خشکی پر پہنچنے کے بعد اُس کا دل تڑپ اُٹھا۔ وہ اس شخص کو ایک بار پلٹ کر پھر دیکھنا چاہتا تھا جس نے اُسے سب کچھ دیا۔ دُنیا جہاں کے فن سکھائے اور ناقابلِ تسخیر بنا دیا۔

لیکن اُس نے پلٹ کر نہیں دیکھا کیونکہ اُسے یقین تھا کہ ایک بار پلٹ کر دیکھنے کے بعد وہ اپنے ارادے کی قوت کھو بیٹھے گا۔

گودی کی ریلنگ کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے اس کی نظر ایک آدمی پر پڑی جو اپنی امارت کا مظاہرہ کرنے کے لیے اس طرح ریلنگ سے ٹیک لگائے کھڑا تھا جیسے ساری دُنیا اُسی نے خرید رکھی ہو۔

"راستے سے ہٹ جاؤ۔" اُس نے قہر آلود لہجے میں اُس آدمی سے کہا۔

"کیا بات ہے نوجوان! کیا آج گرمی زیادہ ہے؟" اُس شخص نے ایک طرف ہٹتے ہوئے کہا اور ٹائیگر جس کی آنکھوں میں آنسو تھے، بیگ اٹھاتا ہوا تیزی سے میرینا آفس میں داخل ہو گیا تاکہ ٹیلی فون کے ذریعے ٹکٹ منگوا کر ائرپورٹ جا سکے۔ ایک لڑکی جو آپریٹر تھی اپنی کسی سہیلی کو فون پر گزری ہوئی تمام کا قصہ سنا رہی تھی۔ ٹائیگر نے اس سے کچھ کہا تو وہ جہنم میں جاؤ، کہہ کر پھر باتیں کرنے لگی... لیکن پھر اُسے اُچھلنا پڑا کیونکہ ٹائیگر نے اس کے ہاتھ سے ریسیور چھین لیا تھا اور اب ریسیور پلاسٹک کے ٹوٹے ٹکڑوں کی شکل میں لڑکی کی گود میں گر رہا تھا۔ وہ خوفزدہ انداز میں اس ریسیور کی طرف دیکھنے لگی جو اب ریسیور نہیں رہا تھا۔ اس شخص نے ریسیور کو اس طرح مسل دیا تھا جیسے وہ کوئی شیشہ بسکٹ ہو۔

وہ کچھ نہ کہہ سکی اور اُس وجیہہ نوجوان کو حسرت بھری نگاہوں سے دیکھتی رہی جس کو مہنگی کا انتظار تھا۔ لڑکی نے اپنی گود سے پلاسٹک کے ٹکڑے ہٹانے کی کوشش نہیں کی۔ نوجوان کی طرح وہ بھی کھڑکی سے باہر میرینا اسٹریٹ کی طرف دیکھنے لگی جہاں ریلنگ کے ساتھ اب کئی

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

لوگ جمع تھے اور ایک امیر آدمی اپنا گال پکڑے کھڑا تھا... پھر لڑکی کی نظریں ایک دُبلے پتلے کوریانی بوڑھے پر پڑیں جو میلی عبا میں تھا اور جس کی ٹھوڑی پر چند بال لہرا رہے تھے۔ یہ بوڑھا اِدھر اُدھر نہ گیا، لڑکی اس کی طرف دیکھتی رہی اور پھر بوڑھا ہجوم کے درمیان سے اس طرح گزرا جیسے وہاں کسی کا وجود ہی نہ ہو۔ لڑکی صرف یہ دیکھ سکی کہ چند افراد جھکوں نے بوڑھے سے کچھ کہا تھا، اِدھر اُدھر کراہ رہے تھے... اور پھر اچانک ہی اس پُراسرار بوڑھے کو لڑکی نے میرینا آفس کی سمت میں آتے دیکھا... تو وہ خوفزدہ ہوگئی۔ اس نے گھبرا کر نوجوان کی طرف دیکھا اور پھر مسکرانے پر مجبور ہوگئی کیونکہ نوجوان بھی مسکرا رہا تھا۔

"ہا...!" اُوشان کو اپنی طرف آتے دیکھ کر ٹائیگر نے ایک طویل سانس لی اور اس کی رُوح پر چھایا ہُوا وہ غبار اچانک ہی ہٹ گیا جس نے اُسے بے حال کر رکھا تھا۔

"ٹبل فادر...!" اُس نے آفس میں اُوشان کے داخل ہوتے ہی نعرہ لگایا۔ "آپ میرے ساتھ چل رہے ہیں... یہ میری زندگی کا سب سے حسین ترین دن ہے۔"

"اور... یہ میری زندگی کا تاریک ترین دن ہے۔" اُوشان نے برہم لہجے میں کہا۔ ویسے ٹائیگر کے چہرے پر سُرخی آتے دیکھ کر اُس کا خون بھی جوش مارنے لگا تھا۔ "میں صرف اس وجہ سے تمہارے ساتھ چل رہا ہوں کہ میں ماسٹر آف سناجو کے تحفے کو ضائع کرنا نہیں چاہتا۔ میں تمہارے گناہوں کا بوجھ خود اُٹھانے کے لیے مجبور ہُوں۔" اُوشان نے اپنی لمبی انگلیاں لبادے میں چھپا لیں۔

"ہم آپ کے صندوق بعد میں منگوا لیں گے۔" ٹائیگر نے بچوں کی طرح خوش ہو کر کہا۔

"صندوق! وہ تمہارا مسئلہ نہیں۔" اُوشان نے جواب دیا۔

"میں انھیں ابھی اُٹھا کر لے آتا ہوں۔" ٹائیگر نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

"نہیں... میں اتنے سے کام کے لیے تم جیسے خودغرض آدمی کو زحمت نہیں دے سکتا... بس چلو...!"

"مگر میں آپ کے صندوق لیے بغیر نہیں جاؤں گا۔"

"وہ...!" اُوشان نے قدرے تامل سے کہا۔ "وہ تو میں پہلے ہی ایک پک اپ پوائنٹ کے لیے روانہ کر چکا ہُوں۔" یہ کہہ کر اُس نے ٹائیگر کی طرف دیکھا اور پھر بطخ کی طرف قہقہہ کر کے ہنسنے لگا... معاً لڑکی بھی بذیانی انداز میں ہنسنے لگی۔

اُوشان کو اس بات پر ہنسی آ رہی تھی کہ وہ ٹائیگر کے ساتھ جانے کے لیے کئی روز قبل منصوبہ بندی کر چکا تھا اور آج ٹائیگر کو "بچے کی طرح خدا کرتے، ناراض اور خوفزدہ ہوتے دیکھنے کی اس کی آرزو بھی پوری ہوگئی تھی۔

△

ٹائیگر نے اشتہاری فرم میں ملازمت حاصل کر لی تھی۔ اشتہاری کمپنی نے ایک جہنازیم کا اشتہار تیار کیا تھا جس میں ٹائیگر کے صرف ہاتھ دکھائے گئے تھے۔ اُوشان کو اس پر بہت اعتراض تھا، اس کا کہنا تھا کہ کمپنی کو پورا جسم دکھانا چاہیے تھا تاکہ دُنیا بھی جمناسٹر کو دیکھ سکے... لیکن کمپنی والوں کا کہنا یہ تھا کہ وہ صرف یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ نرم و ملائم ہاتھ کتنی مہارت سے ایوان بار اور پیرل بار پر حرکت کر سکتے ہیں۔

△

"یہ اُسی کے ہاتھ ہیں۔" روبی نے وی۔ وی دیکھتے دیکھتے اچانک اُچھل پڑی۔ اسے اپنے بھائی کو تلاش کرنے میں مکمل ناکامی ہوئی تھی اور اب وہ ٹائیگر اور اُوشان کی تلاش میں تھی مگر اسے اس میں بھی ناکامی ہوئی تھی۔

"کیا ہُوا؟" ایک ملازم نے اسے اُچھلتے دیکھ کر حیرت سے پوچھا۔

"بکواس مت کرو، کام سے کام رکھو احمق!" وہ بڑے جوش کے عالم میں کھڑی ہوگئی۔ اسے یقین تھا کہ ٹائیگر اور اُوشان دونوں اس کے بھائی کو ڈھونڈ نکالیں گے۔ اسے اندازہ تھا کہ باتیا میں ان دونوں نے جس جُرأت اور حیرت انگیز کرتبوں کا مظاہرہ کیا تھا وہ ان کی اصل صلاحیتوں کی محض جھلک تھی۔

وہ دوڑتی ہوئی رہائشی عمارت میں آئی۔ "ماما... ماما... ہم اب اسحاق کو بچا لیں گے۔"

اس کی بوڑھی ماں آرام کرسی میں نیم دراز تھی۔ "کون بچائے گا اُسے...!" ماں نے برہم لہجے میں پوچھا۔ "جو کا بل الوجود اور ناکارہ آدمی خود کو نہ بچا سکے اُس کو بھلا کون بچائے گا؟"

"وہ اُس کو بچا لیں گے، ماما...!" روبی کے چہرے پر سُرخیوں کے رنگ نظر آ رہے تھے اور اس کی آنکھوں میں ٹائیگر کا سراپا گھوم رہا تھا۔

"بیٹی... اُس مردُود کو وہیں رہنے دو جہاں وہ ہے۔" بوڑھی عورت نے بڑے دُکھ سے کہا۔ "اُس نے تجھے اور مجھے کتنے دُکھ دیے ہیں، تُو اُسے کیوں بچانا چاہتی ہے؟"

"اس لیے کہ وہ میرا بھائی ہے اور آپ کا لختِ جگر...!"

"ہاں...!" بوڑھی ماں نے ایک طویل سانس لی۔ "مجھے ہمیشہ ندامت رہے گی کہ اُس نے میری کوکھ سے جنم لیا ہے... لیکن بیٹی ممکن ہے... اسپتال میں بچے بدل گئے ہوں لیکن ایسا تو تب ہوتا جب وہ اسپتال میں پیدا ہُوا ہوتا۔ وہ تو گھر میں ہی پیدا ہُوا تھا۔"

"اُف...!" روبی نے ماتھے پر ہاتھ مارا۔ "میں اپنے بھائی کو

زندہ و سلامت واپس لائے بغیر چین سے نہیں بیٹھوں گی۔ اس کی واپسی ایک معجزہ ہوگی... اور یہ معجزہ صرف دو افراد کر سکتے ہیں۔ ان میں سے ایک کے ہاتھ میں نے آج ہی ٹی۔ وی پر دیکھے ہیں۔"

یہ کہہ کر وہ بڑے عزم کے ساتھ گھر سے نکل کر کار کی طرف بڑھ گئی۔

...اگر کوئی اور ہوتا تو وہ ان ہاتھوں والے کی تلاش میں اب تک مایوس ہو چکا ہوتا مگر وہ روبی تھی جب اُس نے اشتہاری کمپنی کا پتہ تلاش کر لیا تو وہ بے دھڑک جنرل منیجر کے کمرے میں گھس گئی۔ اُس نے دوٹوک انداز میں اپنا مدعا بیان کر ڈالا۔

"وہ ہاتھ...!" جنرل منیجر نے قہقہہ مار کر کہا۔ "وہ تو کسی عام سے ایکٹر کے تھے، مادام...!"

"بکواس مت کرو۔" روبی جھلا کر بولی۔ "میری ڈگ فیکٹری کی اشتہاری مہم بھی تمہارے پاس ہے، اگر مجھے ان ہاتھوں والے کا پتہ نہ ملا تو میں...!"

"ایک منٹ ٹھہرو، مادام...!" جنرل منیجر گھبرا کر کھڑا ہو گیا کیونکہ ڈگ فیکٹری کی اشتہاری مہم پر ہی اس کے آفس کا دارومدار تھا۔ "وہ ہاتھ دراصل ایک ٹیلنٹ کمپنی نے فراہم کیے تھے۔"

"اس کمپنی سے رابطہ کس ذریعے سے ہُوا تھا؟"

"بے نظیر سٹی کے ایک ایجنٹ نے...!" پھر جنرل منیجر نے اس ایجنٹ کا پتہ بتانے میں بھی دیر نہ لگائی۔

✳

ایجنٹ آنا خوبصورت نکلا کہ روبی کو نشرے ٹیپل کی یاد آ گئی مگر اس وقت اس کے پاس زیادہ مہلت نہیں تھی لہٰذا وہ فوراً مدعا بیان کر گئی۔

"بات یہ ہے کہ یہ ہاتھ ہم سے خود رابطہ قائم کرتے ہیں، ویسے ان ہاتھوں سے رابطے کے لیے آپ سینٹرل پارک ہوٹل چلی جائیں۔ ان کا آخری فون وہیں سے آیا تھا۔"

دونوں اُسی ہوٹل میں مقیم تھے۔ ایک بڑے نوٹ کی جھلک دیکھ کر رُوم سروس کے کلرک نے تصدیق کر دی تھی کہ ایک خوبصورت نوجوان اور ایک بوڑھا کس کمرے میں مقیم ہے۔

اُس کمرے کے قریب پہنچتے ہی روبی خود کو کمزور محسوس کرنے لگی۔ اُسے جزیرۂ باتیا اچانک یاد آ گیا جہاں اُوشان اور ٹائیگر نے اس کی آنکھوں کے سامنے پک پاکٹ کرتے ہوئے دُشمنوں کا صفایا کر دیا تھا... پھر اُسے اپنے وہ خواب بھی یاد آنے لگے جو وہ باتیا سے واپسی پر اب تک دیکھتی رہی تھی اور ان خوابوں میں اسے صرف ایک شخص نظر آتا تھا جسے وہ کئی بار وحشانی کہہ چکی تھی۔ اس نے بل بھرتے اپنے دل کی

نامور مصنف محمود احمد مودی

وہی تحریر اور وہی انداز

کے ساتھ، اپنے چاہنے والوں

کے لئے ایک نئی سوغات لئے

تلاش

دو جلدیں جلد اول =/150

جلد دوئم =/150

خوبصورت سرورق، بہترین

طباعت و کتابت، سفید کاغذ

مکتبہ القریش

سرکلر روڈ اردو بازار لاہور

7668958

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

نیزہ ھڑکنوں پر قابو پا کر دروازے پر دستک دی۔ "کون ہے؟" ٹائیگر کی آواز سن کر اس کے دل میں انتہائی خوشگوار کھلبلی سی ہونے لگی۔

"دروازہ کھولو دہقانی!" اس نے مسکراتے ہوئے کہا اور پھر دروازہ ایک جھٹکے سے کھل گیا۔ "اوہ... تم!" معاً ٹائیگر کی آنکھیں چمکنے لگیں اور روبی کو اپنی نظریں اس کے چہرے پر سے ہٹانا پڑیں۔ "تم کہاں تھیں؟"

"بس یہیں تھی..." روبی نے ایک بار پھر سنبھالا لے کر کہا۔

"یہاں تو میں بھی تھا، خیر... اب تمہیں کیا چیز ہم تک کھینچ لائی ہے، روبی؟"

"مجھے..." روبی نے اچانک ہی چلا کر کہا اور پھر پھٹ پڑی۔ "کیا تمہیں یاد نہیں کہ میں نے بتایا ہیں تمہاری جان بچائی تھی۔ اس کے بعد تم دونوں اچانک ہی غائب ہو گئے۔ تم نے میرا شکریہ تک ادا نہیں کیا اور..."

"بس..." ٹائیگر نے گھبرا کر دونوں کانوں پر ہاتھ رکھ لیے۔ "تم وہی روبی ہو، تم تو ذرا بھی نہیں بدلیں۔"

کمرے میں اُوشان بھی دروازے کی طرف دیکھ رہا تھا اور اُسے ٹائیگر کے اس تجزیے سے اتفاق نہ تھا کہ روبی میں کوئی تبدیلی نہیں آئی ہے۔ وہ تو روبی کی آنکھوں میں ایک ایسی چمک دیکھ رہا تھا جو صرف اور صرف ان لڑکیوں میں نظر آتی ہے جو دل ہار بیٹھی ہوں۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ اس وقت روبی کا دل میٹھے نغمے الاپ رہا ہے جبکہ زبان سے درشت لفظ نکل رہے ہیں۔ "اندر آ جاؤ۔" اُوشان نے اُن دونوں سے کہا اور جب وہ دونوں شاہانہ کمرے میں داخل ہوئے تو اچانک ہی اُوشان کے ذہن میں ایک اچھوتے خیال نے جنم لیا کہ یہ دونوں مجھے فن سانبجو منتقل کرنے کے لیے ایک بچہ دے سکتے ہیں؟

"ہیلو... اُوشان!" روبی نے آہستہ سے مسکرا کر کہا۔

"میرا خیال ہے، تم دونوں ایک دوسرے سے محبت کرنے لگے ہو۔" اُوشان نے روبی اور ٹائیگر کی طرف دیکھ کر کہا... لیکن جواب میں ٹائیگر بُرا سا منہ بنا کر رہ گیا اور روبی بھی ہونٹ دبا کر خاموش رہ گئی۔

○○

اسحاق اپنی پیشانی سے پسینہ پونچھے جا رہا تھا۔ وہ آج صبح سویرے سے اسمبلی لائن پر موجود تھا اور ابھی اسے مزید سو جوتے ڈبوں میں پیک کرنے تھے۔ اسمبلی لائن کی رفتار، اسحاق کے کام کی رفتار سے بہت سست تھی اور وہ بار بار جھنجلا رہا تھا۔ "ذرا تیزی سے جوتے بھیجو!"

"بکواس بند کرو!" ایک سرد آواز نے اسے ڈانٹ پلائی اور اسحاق نے سر جھکا لیا۔ تاہم وہ دل ہی دل میں دُعا کر رہا تھا کہ اسمبلی لائن کی رفتار تیز ہو جائے اور وہ جلد از جلد مزید ایک سو جوڑے جوتے پیک کر کے آرام کے لیے واپس جا سکے۔

اسحاق کو اغوا ہوئے صرف ایک ہفتہ ہوا تھا لیکن اب اسے اپنے اغوا کی تفصیلات یاد نہیں رہی تھیں۔ ... اب تو صرف یہ یاد تھا کہ اسے دن بھر جوتوں میں جوتے پیک کرنے ہیں۔

اچانک ہی اس کا ہاتھ اسمبلی لائن کی کسی کیل سے ٹکرایا اور اس سے خون بہنے لگا۔ اسحاق نے فوراً زخم پر ہاتھ رکھ لیا تاکہ خون کی بوندیں ڈبوں یا جوتوں پر نہ پڑیں کیونکہ اسے علم تھا کہ اگر سپروائزر نے یہ بوندیں دیکھ لیں تو وہ مزید پچاس جوڑے جوتے پیک کرنے کی سزا دے گا۔

یہ بات بڑی عجیب تھی کہ کاہل الوجود اسحاق کو اتنی سخت محنت پر کوئی اعتراض نہ تھا۔ اعتراض تو اسے اس وقت بھی نہیں ہوا تھا جب انھوں نے اسے انجکشن لگا کر بے ہوش کیا تھا اور اس کے ہاتھ پیر باندھ دیے تھے... پھر جب اُس کی آنکھ کھلی تھی تو پہلے اُسے یہ احساس ہوا تھا کہ اس کی بصارت جا چکی ہے لیکن پھر اس نے ایک سفید طیارہ اُٹھتے ہوئے دیکھا تھا اور اس کے بعد اسے اپنے جیسے اور بھی کئی لوگ لیٹے ہوئے نظر آ گئے تھے۔ اسے پیاس لگ رہی تھی۔ بائیں بازو میں شدید درد ہو رہا تھا پھر جب اسے ہوش آئی اور اس کے اوسان بحال ہوئے تو اس نے دیکھا کہ وہ ایک بس میں سفر کر رہا ہے۔

کچھ ہی دیر بعد بس اچانک رُک گئی اور اسے پکڑ کر اُتار لیا گیا تھا۔ یہ بالکل ٹھیک ٹھاک ہے۔" کسی نے اس طرح کہا جیسے بکرے کو ذبح کرنے سے قبل کہا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی کسی نے اس کے منہ سے ایک بڑا سا پیالہ لگا دیا اور وہ جانور کی طرح غٹا غٹ پانی پینے لگا وہ اس وقت تک پانی پیتا رہا جب تک اس کا پیٹ نہ بھر گیا۔ چند لمحوں بعد اُس کی ہتھکڑیاں اور پیر کی بندشیں کھول دی گئی تھیں۔ اس وقت وہ بولنے سے بھی خوفزدہ تھا مگر اس کی آنکھیں اردگرد کا جائزہ لے رہی تھیں۔ اس کے کئی جاننے والے وہاں نظر آ رہے تھے اور ابھی کئی آدمیوں کی ہتھکڑیاں کھولی جا رہی تھیں۔ تب ہی اسے اندازہ ہوا تھا کہ اسے قریب کھڑی ہوئی ایک بس کے عقبی خانے سے نکالا گیا تھا، جو اب کھلا ہوا تھا۔

بصارت کی مکمل واپسی کے بعد اسحاق نے دیکھا کہ وہ کوسٹ لائن پر ہے جس کے سامنے ایک قدیم عمارت ہے اور پیچھے کھلا سمندر۔ جس میں ایک چھوٹی سی گودی کے ساتھ ایک کشتی لنگر انداز تھی۔ ان سے کئی قدم دُور سفید فام افراد ہاتھوں میں کوڑے اور سب مشین گنیں لیے ہوئے کھڑے تھے۔ انھوں نے سفید ہیٹ اور سفید سُوٹ پہن رکھے تھے۔ قیدیوں میں اسحاق کا ایک دوست بگ ریڈ بھی تھا جس سے سیاہ فاموں کی بستی کا ہر آدمی پناہ مانگتا تھا۔ بگ ریڈ کو دیکھ کر اسحاق

کے حوصلے بلند ہو گئے تھے کیونکہ اسے یقین تھا کہ اب سفید فام افراد کی شامت آنے والی ہے۔ اس نے بگ ریڈ کی طرف مسکرا کر دیکھا اور اسی دوران ایک قیدی نے چلا کر اغوا کرنے والوں کو بے نقط سنانی شروع کر دیں تاہم اچانک ہی ایک لمبا اور دُبلا پتلا سفید فام نمودار ہوا۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی اور ہاتھ میں تلوار چمک رہی تھی۔ اُس نے ہاتھ کی ایک جنبش سے گالیاں دینے والے کا سر قلم کر دیا اور پھر بگ ریڈ کی طرف دیکھا جس کی ساری دلیری ہوا ہو چکی تھی اور جو سفید فام تلوار بردار کو تعظیم کر رہا تھا۔

اس واقعے کے بعد کسی بھی قیدی نے کبھی نہ تو کوئی احتجاج کیا اور نہ ہی کبھی مزاحمت کی۔ سفید فاموں نے انھیں ایک فیکٹری میں کام پر لگایا اور ان سے بیگار لی، تب بھی قیدی ہمہ یہ لب رہے... اور ایک روز جب انھیں کھانے میں پہلی بار بوٹیاں ملیں تو وہ خوشی سے دیوانے ہو گئے۔

○

ان تمام باتوں کی اطلاع ایک پمفلٹ کی شکل میں ان آٹھ افراد کو ملی جو دُنیا کی طاقتور ترین فعتی برادری میں سرفہرست تھے اور پھر قومی دیہی ترقیات تحریک کے قومی انتظامی سربراہ پارکر نے انھیں مغربی ساحل پر مدعو کیا۔ یہی ترقیات کی قومی تحریک کا مقصد طرحت، جہالت، بھوک اور نسل پرستی کا خاتمہ تھا۔ تاہم پارکر کے امداد ہی نے ایک مرتبہ اپنی فیکٹری میں ہڑتال کرنے والے مزدوروں پر مشین گن سے گولیاں چلائی تھیں۔ ... پارکر نہ صرف جنوبی افریقہ کی نسل پرستانہ پالیسیوں کے خلاف کڑے بیانات دیا کرتا تھا بلکہ ان ٹی وی پروگراموں کے خلاف بھی مہم چلایا کرتا تھا جن میں نسل پرستانہ عنصر شامل ہوتا تھا۔

مغربی ساحل پر پارکر نے جو کانفرنس طلب کی تھی، وہ تاریخی نوعیت کی تھی لہٰذا اس نے ان آٹھوں افراد کو ذاتی طور پر فون کر کے کانفرنس میں آنے کی دعوت دی۔ آٹھوں افراد بہت مصروف تھے تاہم سات قدرے ردّ و کد کے بعد تیار ہو گئے جبکہ آٹھویں نے یہ کہہ کر معذرت کر لی کہ اسے کل صدرِ مملکت سے ملنا ہے۔

"میرا خیال ہے، تمہیں اس کانفرنس کی اہمیت کا ابھی تک احساس نہیں ہوا۔" پارکر نے شگفتہ لہجے میں کہا۔ "سنو... ہم آٹھوں میں سے اگر کوئی ایک بھی شخص کانفرنس میں نہ آیا تو دو سال تک منڈی میں اس کا مال نہیں آنے دیا جائے گا۔"

"کک... کیا مطلب؟"

"مطلب بہت واضح ہے۔ میں اس انتہائی خفیہ پروجیکٹ پر کام شروع کرنے جا رہا ہوں جس پر ہم نے عرصہ قبل تبادلہ خیال کیا تھا۔ میں نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ میں سستی محنت فراہم کروں گا۔ ایسے مزدور دُوں گا جن پر منٹل چالیس پنس فی کس یومیہ خرچ آئے گا۔ میں نے یہ بھی کہا تھا کہ منصوبے کی کامیاب تکمیل کے بعد نہ تو شہر نالوں کا مخدشہ باقی رہے گا اور نہ ہی پنس دینے کا جھگڑا... مزدوروں کو صرف یہ فکر رہے گی کہ وہ ٹوٹ پھوٹ نہ ہو جائیں کیونکہ بوڑھے مزدوروں کو ہم ایک گولی مار کر ہی ہلاک کر دیں گے۔"

"ٹھیک ہے، میں اپنے کسی..."

"نہیں... یا تو ذاتی طور پر کانفرنس میں شرکت کرو یا پھر دو سال کے لیے منڈی سے باہر ہونا قبول کر لو۔" پارکر نے دو ٹوک لہجے میں کہا۔

"مگر کل تو مجھے صدرِ مملکت سے اہم ملاقات کرنی ہے۔"

"ٹھیک ہے، دو سال کی پابندی..."

"اجلاس کیا پیر سوں نہیں ہو سکتا پارکر...؟"

"نہیں... اجلاس وقت پر ہوگا، آگے تمہاری مرضی۔" یہ کہہ کر پارکر نے رابطہ منقطع کر دیا۔

●

آٹھوں صنعت کار وقت پر کانفرنس ہال میں موجود تھے۔ مغربی دُنیا کے صنعتی اداروں کے یہ کرتا دھرتا ایک میز کے گرد بیٹھے تو وہاں نہ تو ان کے ملازم تھے اور نہ سیکرٹری...!

"پارکر... اتنی احتیاط کس لیے؟" ایک صنعتکار نے پوچھا۔

"اس لیے... کہ کسی نویں آدمی کو اس منصوبے کی بھنک بھی نہ پڑ سکے۔ خیر حضرات... وہ پمفلٹ کھول لیں جو میں نے آپ کو روانہ کیے تھے۔" پارکر نے طویل سانس لے کر اصل مقصد کی طرف آتے ہوئے کہا۔ "ذرا جلدی سے سب کچھ پڑھ جائیے۔"

انھوں نے جلدی سے سب کچھ پڑھ ڈالا لیکن انھیں ایک بات بھی سمجھ میں نہ آ سکی چنانچہ انھوں نے تجویز پیش کی کہ اس کتابچے کو وہ اپنے مالی مشیروں کے حوالے کر دیں گے تاکہ اس کی وضاحت حاصل کر سکیں۔

"نہیں حضرات!" پارکر نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "اس کتابچے کا واحد مفہوم یہ ہے کہ ہم اشیا کی تیاری اور پیداوار پر لگنے والی محنت کا بہت زیادہ معاوضہ دے رہے ہیں۔ اب دراصل کوالٹی نہیں بلکہ محنت کی ادائیگی قیمت ہی قیمت فروخت پر اثر انداز ہوتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں مطلب یہ ہوا کہ ہم ایک انتہائی سستی چیز کی تیاری پر بھی لاگت سے کہیں زیادہ اُجرت ادا کر رہے ہیں اور جو منافع ہمیں ملنا چاہیے وہ... وہ عام مزدوروں کو جا رہے ہیں۔"

"درست...!" وہ سب یک زبان ہو کر بولے۔ یہ بات ان

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کے دلوں کی آواز تھی۔

"دیہی علاقوں میں بھی صورت حال ایسی ہی ہے۔ سیاہ فام غلام ہم آنکھیں دکھانے لگے ہیں... لیکن اب میں نے جو منصوبہ تیار کیا ہے وہ اسی نوعیت کا ہے پھر یہ چند کوڑیاں خرچ کر کے تم سیاہ فام مزدوروں کی محنت سے سیکڑوں کا منافع کما سکو گے۔ ذرا یہ دیکھو۔" پارکر نے ایک سیاہ فام کی تصویر الٹ کر دکھائی۔ تیز ہوتے ہوئے کہا۔

"یہ کیا ہے؟" ایک صنعت کار نے جھلا کر کہا۔

"سیاہ فام غلام مہینے کے بجائے اب برابری کی بنیاد پر بات کر رہے ہیں۔" دوسرے صنعت کار نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

"میں جانتا ہوں... لیکن یہ تصویر ایک ایسے سیاہ فام کی ہے جو نااہل اور ناکارہ تھا لیکن اب ایک انتہائی محنتی، جفاکش اور اہل مزدور بن گیا ہے۔ اس کی پیداواری استعداد چالیس سے تو اس پر آنے والا خرچ ایک... میں ایسے ہی افراد کو دوبارہ غلام بنانے کے مشن پر ہوں تاکہ انجمن سازی، ہڑتال اور مشاورت مطالبات کا سلسلہ ہی ختم ہو جائے۔"

"یہ کیسے ممکن ہے؟" ایک موٹے صنعت کار نے منہ کھولتے ہوئے دریافت کیا۔

"یہی بتانے کے لیے میں نے آپ حضرات کو یہاں آنے کی زحمت دی ہے۔" پارکر نے مسکراتے ہوئے کہا "تو یہ کس طرح ممکن ہے، اس کا ثبوت آپ کو اس کمرے سے محض چند قدم دور مل جائے گا۔ ہم دراصل اپنی روایات میں ایک انقلاب برپا کر کے اشیا کی قیمتیں اتنی کم کر دینا چاہتے ہیں کہ تائیوان اور ہانگ کانگ کی بنائی ہوئی اشیا بھی مہنگی معلوم ہونے لگیں۔"

پارکر انہیں ایک تہ خانے میں لے گیا جو کسی بھی بڑی فیکٹری کے پروڈکشن ہال سے کم بڑا نہ تھا اور یہاں جوتے بنانے اور پیک کیے جا رہے تھے۔ یہاں صنعت کاروں نے جو کچھ دیکھا وہ ان کو چکرا دینے کے لیے کافی تھا۔ ہال کے آخری کونے پر ایک سفید فام کوڑا لیے ہوئے کھڑا تھا اور تیرہ سیاہ فام بہت تیزی سے جوتے بنانے کے تمام مراحل مکمل کر رہے تھے۔ ان کی رفتار بہت تیز تھی... اور ایسا لگتا تھا جیسے وہ مشینوں سے زیادہ تیزی دکھانا چاہتے ہیں۔ ان لوگوں کے پیروں میں بیڑیاں پڑی ہوئی تھیں۔

پارکر ان صنعت کاروں کو لے کر ایک بالکونی میں چلا آیا اور اس نے سب سے قریب کھڑے ہوئے سفید فام سے چلا کر پوچھا "اگر کوئی بات تمہارے اختیار میں ہوتی تو تم سب سے پہلے کیا کرتے اسحاق؟"

"میں... چار سو جوتے پیک کر کے ڈیلیوری لائن کے حوالے کرنے کے بجائے پانچ سو جوتے پیک کر کے ڈیلیوری لائن کے حوالے کرتا جناب!"

یہ سن کر صنعت کار ہکا بکا رہ گئے اور پھر پارکر انہیں واپس کمرے میں لے آیا۔

"کیا ہم دورِ غلامی میں واپسی کی بات کر رہے ہیں پارکر؟" ایک دبلے پتلے صنعت کار نے بہت دیر تک سوچنے کے بعد پوچھا۔

"ہاں... لیکن ہم ایسے دورِ غلامی کو جنم دینا چاہتے ہیں جو جدید بھی ہو۔"

"کیا ہم ایک اور خانہ جنگی کو دعوت نہیں دے رہے ہیں؟"

"شاید..." پارکر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"ہم انسانیت کو دفن کرنا چاہتے ہیں... کیا ہمارا صول ترک کر دینے کے آرزومند ہیں پارکر...؟"

"ہمارا صول ترک کرنے کی کوئی بات نہیں ہو رہی ہے۔ ہم نجی املاک کی بے حرمتی نہیں کریں گے۔" پارکر نے جواب دیا جس پر ان تمام صنعت کاروں نے مسکرا کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر ایک صنعت کار نے دھیرے سے گڑبڑائے انداز میں وہ سوال کر ہی دیا جس کا پارکر کو انتظار تھا "کیا ہم ہنر مند غلام بھی حاصل کر سکتے ہو پارکر...؟"

"کیوں نہیں حضرات!" پارکر نے قہقہہ لگا کر جواب دیا "اور ان ہنر مندوں کی اجرت بھی عام غلاموں کی طرح ہو گی۔ ہم دوسرے غلاموں کی طرح ہنر مندوں کو بھی ہفتے میں ایک روز گوشت کی چھ بوٹیاں دیا کریں گے تاکہ ان میں توانائی برقرار رہے۔"

"... لیکن اگر کسی نے مزاحمت کی تو...؟"

"تو میرے پاس میری اپنی فوج ہے حضرات۔" پارکر سنجیدہ ہو گیا "میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ راستے عام اسی طرح ہموار کی جائیں۔ ایک روز کروڑوں افراد بھاری اس فوج کے شانہ بشانہ وائٹ ہاؤس میں داخل ہو کر غلامی کے احیا کا جشن منائیں اور حکومت کرنے کے لیے ایسے لوگوں کو منتخب کریں جو سیاہ فاموں کو غلام بنانے کے خلاف نہ ہوں، اور موقع آنے پر غلامی کے حامی ہی حتمی فیصلہ کرنے کا نہ صرف مطالبہ کریں بلکہ سیاہ فاموں کو غلام بنا کر رکھنے کے حق میں بھی ووٹ دیں۔"

"کیا اس ملک کے لوگ غلامی کے حق میں ووٹ دے سکیں گے پارکر...؟"

"ہاں... ہم حالات کو اس نہج پر لے جائیں گے کہ سفید فاموں کی طرف سے سیاہ فاموں کو غلام بنانے کا مطالبہ سب سے زیادہ اہمیت اختیار کر لے گا۔ آپ لوگ یہ کیوں نہیں سوچتے کہ میں ٹی۔ وی پر سیاہ

فاموں کی تعریف اور محنت سے پروڈرامے کیوں پیش کراتا ہوں؟ اس لیے کہ لوگ اس پروپیگنڈے سے متنفر ہو کر سیاہ فاموں سے پوچھنے لگیں۔ ہمیں اسی قسم کے پروپیگنڈے کو آگے بڑھانا ہے تاکہ یہ چڑھی بڑھے اور ایک روز ایسا آجائے جب ٹی۔ وی پر کالوں کے علاوہ کوئی نظر نہ آئے، تب عوام کالوں کے خلاف بغاوت کر دیں گے اور ہم غلامی بحال کرو، کا نعرہ لگائیں گے۔"

"اس مہم کے لیے فنڈ کہاں سے آئے گا؟"

"میں دوں گا اور آپ حضرات میرا ہاتھ بٹائیں گے۔ یہ سودا گھاٹے کا ہرگز نہیں ہے۔"

●

پولیس کی رپورٹیں، اخبارات کی خبریں اور تجزیاتی کالم ایک دن سے زیادہ سیاہ فاموں کے پُراسرار اغوا سے متعلق خبروں سے بھرے ہوئے تھے تاہم اوشان نے یہ تفصیلات روبی سے نہیں جو بہت دیر سے ان کا مغز کھا رہی تھی۔

"اس سلسلے میں ہم کیا کر سکتے ہیں روبی؟" ٹائیگر نے نرم لہجے میں پوچھا۔ وہ ایک بھائی کے لیے ایک بہن کو بے قرار دیکھ کر بہت متاثر ہوا تھا۔

"صرف اس وجہ سے کہ اسحاق کو کوئی اور تلاش نہیں کر سکتا میں نے محکمہ مجاسستی سے بات کی، وہاں ڈھیر بیٹھے ہوئے ہیں... لیکن مجھے یقین ہے کہ تمہاری تنظیم کو اس بارے میں ضرور کچھ نہ کچھ معلوم ہو گا اور تم لوگ میری مدد ضرور کر سکو گے۔"

"میں ایک بات واضح کر دینا چاہتا ہوں روبی اور وہ یہ کہ تنظیم سے اب میرا کوئی تعلق نہیں رہا اور دوسری بات یہ کہ میں اسحاق کی تلاش میں تمہاری مدد بھلا کیوں کروں؟"

"اس لیے کہ ایک بار میں نے تمہاری زندگی بچائی تھی۔"

"لیکن میں نے بھی تمہیں جیل سے نکالا تھا۔ بدلہ برابر ہو چکا ہے۔"

"نہیں... میں جیل سے بہر صورت نکل سکتی تھی، تم لوگوں نے آ کر تو پے چیدگیاں پیدا کر دی تھیں۔"

"ٹھیک ہے، اس بار میں اس کیس میں ٹانگ اڑا کر تمہارے لیے پے چیدگیاں پیدا کرنا نہیں چاہتا۔"

"میں تمہاری زندگی بچا چکی ہوں۔" روبی نے اس مرتبہ زور دے کر کہا اور اوشان اس طرح چونک پڑا جیسے گہری نیند سے بیدار ہوا ہو۔ اس کو مایوسی نے گھیر رکھا تھا کیونکہ روبی اور ٹائیگر دونوں ابھی تک شادی کے موضوع کو نہیں چھیڑ رہے تھے اور اوشان کو ٹائیگر کے ایک ایسے بیٹے کی ضرورت تھی جس کو وہ بچپن ہی سے تربیت دے سکے۔

ایک پراسرار مورتی کے حصول کے لئے ہونے والے خوفناک معرکے کا احوال
خبیث
انوار صدیقی کے پراسرار قلم سے
5 حصوں میں، مکمل سیٹ =/200 روپے
مکتبہ القریش سرکلر روڈ اردو بازار لاہور
فون 7668958

"شہزاد...!" اوشان نے بہت سوچ سمجھ کر کہا "ہم واقعی روبی کے ممنونِ احسان ہیں۔ اس نے ایک انتہائی نازک موقع پر ہماری جان بچائی تھی لہٰذا ہمیں اس کے بھائی اسحاق کی بھی جان بچانی چاہیے اور سنو! تم نے اس لڑکی کا خلوص دیکھا! یہ اپنے بھائی اور اپنے خاندان سے کتنی وفادار ہے۔ ایسی لڑکی بہت اچھی بیوی اور بہترین ماں ثابت ہو سکتی ہے۔"

"پلیز اوشان...!" ٹائیگر نے قدرے غصیلے انداز میں کہا "میں بیل تو ہوں نہیں... ٹھیک ہے روبی! ہم تمہارے بھائی کو واپس لانے کے لیے ہر ممکن کوشش کریں گے لیکن ہم اپنی تنظیم سے اس سلسلے میں کوئی مدد حاصل نہیں کر سکتے کیونکہ میں تنظیم چھوڑ چکا ہوں۔"

"ٹھیک ہے... تب پھر اپنے طور پر کچھ کرو۔"

وہ اسی روز روبی کا شاندار بنگلے میں منتقل ہو گئے اور اوشان کے صندوق بھی یہیں منگوا لیے گئے۔ یہاں منتقلی کی تجویز اوشان نے صرف اس خیال سے پیش کی تھی کہ شاید روبی اور ٹائیگر میں بات چل نکلے۔ اسے یہ یقین تھا کہ دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں لیکن وہ اس افلاطونی محبت کا اس وقت قائل نہیں تھا۔ اس کی کوشش یہ تھی کہ وہ شہزاد کے وارث کو اپنے ہاتھوں میں پالے۔

اس روز اوشان نے روبی سے دوبارہ پوری کہانی سنی اور پھر اس نے یہ دو ٹوک رائے ظاہر کی کہ اغوا کی کارروائی عام مجرموں نے نہیں کی بلکہ یہ وارداتیں بڑی منصوبہ بندی سے ان لوگوں نے کی ہے جو غلاموں کی تجارت کرنا چاہتے ہیں اور جو بیگار کیمپ چلا رہے ہیں... مگر روبی نے اس خیال کی شدت سے مخالفت کی۔ اس کا کہنا تھا کہ اسحاق اپنے ہاتھ سے پانی پینے کی بھی زحمت نہیں کرتا وہ بھلا بیگار کیسے کرے گا۔

"میں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہی درست ہے۔" اوشان نے فیصلہ کن لہجے میں کہا "میں تو یہ بھی کہہ سکتا ہوں... کہ حملہ آوروں نے نہ صرف لوگوں کو غلام بنانے کے لیے اغوا کیا ہے بلکہ ان کی یہ کارروائی صرف

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ایک تھکی ہے، ابھی وہ یقیناً بڑی اور مسلسل وارداتیں کرنے کا منصوبہ بنا رہے ہوں گے۔"

"میں سمجھی نہیں۔" روبی نے اُلجھے ہوئے لہجے میں کہا۔

"کیا تمہارے کان نہیں ہیں میری بچی!" اُوشان نے بڑے پیار سے پوچھا اور روبی نے گھبرا کر فوراً کانوں کو چھو کر دیکھا، اس پر ٹائیگر اور اُوشان دونوں زور زور سے ہنسنے لگے اور روبی خفیف سی ہو کر رہ گئی۔

"منو میری بچی!" اُوشان نے اس مرتبہ بڑی سنجیدگی سے کہا۔ "قدیم روایت یہ ہے کہ جب بھی کوئی گروہ کسی قوم کو غلام بنانا چاہتا ہے تو پہلے وہ محدود صلاحیت کا ایک مظاہرہ کر کے اس قوم کے چند افراد کو اغوا کر لیتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ثابت کرنا ہوتا ہے کہ پوری قوم کو بآسانی غلام بنایا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ اس قسم کے مظاہرے کی کامیابی سے اس گروہ کی فوج کے حوصلے بڑھ جاتے ہیں۔"

"میرے خدا!" روبی دہشت زدہ ہو گئی۔

"لیکن تم کوئی فکر نہ کرو، بس شہزاد سے شادی کر لے...!"

"پلیز اُوشان۔" روبی بے بسی کی تصویر بن گئی۔ "میں اپنے بھائی کو تلاش کرنا چاہتی ہوں اور آپ...!"

"خیر... جذباتی مت بنو۔" اُوشان نے پُرشفقت لہجے میں کہا۔ "تم کہتی ہو کہ اس علاقے میں رہنے والے مختلف نسلی گروہوں سے تم واقف ہو۔ ذرا نقشہ تو دکھاؤ۔"

روبی نے شہر کا نقشہ ان کے سامنے رکھ دیا۔

"ایسا کوئی علاقہ ہے جہاں تمہارا رابطہ نہ ہو؟" اُوشان نے پوچھا اس پر روبی نے تمام تفصیلات اسے بتاتے ہوئے یہ بھی تسلیم کر لیا کہ بعض مقامات پر اس کا کسی سے رابطہ نہیں۔

"اس جنگل کے بارے میں کیا خیال ہے!" ٹائیگر نے ایک ایسے مقام پر انگلی رکھی جہاں آبادی کی کوئی علامت نہ تھی۔

"اوہ... اس جنگل میں کسی کا گزر نہیں۔ نہ تو کوئی اس طرف جاتا ہے اور نہ ہی واپس آتا ہے۔"

"ٹیل فادر!" ٹائیگر یہ کہہ کر مسکرانے لگا اور اُوشان کی گردن بھی اثبات میں ہلنے لگی۔ "ہاں... تم بھی ٹھیک کہتے ہو۔" اُوشان نے اس طرح کہا جیسے کسی اہم انکشاف میں ٹائیگر کا حصہ اس کے حصے سے بہت کم ہو۔

"اُوشان...!" ٹائیگر نے اس حملے کو براہِ راست حملہ تصور کرتے ہوئے احتجاج کیا۔ "میں اپنی ذہانت پر اس قسم کے حملے پسند نہیں کرتا۔ میں جانتا ہوں کہ یہاں موجود تین افراد میں صرف میں ہی عقل مند ہوں۔ اسی باعث میں دیر سے خاموش تھا... لہٰذا اب میری ذہانت کو موضوعِ بحث نہ بنائیں۔"

روبی گھبرا کر ان دونوں کو دیکھنے لگی، خود اُوشان بھی ٹائیگر کے اس شدید احتجاج پر لمحہ بھر کے لیے سٹپٹا گیا لیکن پھر اس کے چہرے پر شرمندہ مسکراہٹ دوڑ گئی، مانو ہی اس کا ذہن بہت تیزی سے کام بھی کرنے لگا۔ اس کی نظریں نقشے پر جنگل تلاش کرنے لگیں اور وہ سوچنے لگا کہ آخر اغوا کرنے والے جنگلوں میں کہیں گاہ کیوں بناتے ہیں جبکہ انہیں شہروں کی متمدن دنیا میں بآسانی پناہ مل سکتی ہے۔

اُوشان کی تجویز پر روبی انہیں جنگل کی طرف لے آئی اور وہاں قدموں کے بعض نشان دیکھ کر اُوشان کا یہ خیال سچا ثابت ہوا کہ جنگل میں کچھ لوگ ضرور موجود ہیں۔

جنگل بہت گھنا تھا اور پگ ڈنڈیوں پر قدموں کے نشانات ثابت کر رہے تھے کہ یہاں سے باقاعدہ کسی فوجی دستے کا مارچ ہوا ہے۔ اُوشان کی تجربہ گاہ نظروں نے یہ اندازہ فوراً لگا لیا کہ جنگل میں پگڈنڈیاں انسانی پیروں نے حال ہی میں بنائی ہیں۔

اُوشان اور ٹائیگر کے لیے ان پگڈنڈیوں کا مطلب بہت واضح تھا اور وہ یہ کہ... یہ پگڈنڈیاں ایک فوجی کیمپ کی طرف جا رہی ہیں۔ جاسوسی کے محکمے سے اچانک ہی تیاری کی مکمل حالت میں آ گئے اور وہ بے چین سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔

انھوں نے قدم آگے بڑھائے تو پگڈنڈی ہموار سے وسیع ہوتی گئی اور پھر کئی مقامات پر اُدھڑی ہوئی بھی نظر آئی جس سے یہ اندازہ لگانے میں کوئی دشواری نہ ہوتی کہ کیمپ اَب زیادہ دُور نہیں رہ گیا ہے۔

پگڈنڈی پر چلتے ہوئے اچانک ہی اُوشان کو پہلی بار یہ یقین ہوا کہ روبی اور ٹائیگر کی شادی سنانجو کے فن کو زندہ رکھنے کے لیے الزبس ضروری ہے۔ وہ اس امر کا اظہار کرنے کے لیے ان کی طرف پلٹا ہی تھا کہ ٹائیگر کے چہرے پر خوشی دیکھ لی اور فوراً دفاعی انداز اختیار کر لیا۔ اُوشان نے ٹائیگر نے دھیرے سے کہا۔ "اس وقت ہم اسحاق کی تلاش میں نکلے ہیں۔ تمہاری ساری توجہ اسی طرف مبذول رہنی چاہیے۔ آپ نے خود ہی یہ کام اپنے ہاتھ میں لیا ہے جس کی وجہ سے میں بھی کام کرنے پر مجبور ہوں۔"

"اوہ... قہ... قہ...!" اُوشان حیرت کا اظہار کرنے کے مختصراً ہنسا اور پھر خاموش ہو گیا۔

وہ چلتے رہے، روبی اگرچہ لڑکی تھی لیکن اس نے دشوار گذار راستوں پر کسی کمزوری کا اظہار نہیں کیا اور نہ ہی ان دونوں کو یہ احساس دیا کہ وہ اس جنگل میں خوفزدہ ہے۔

وہ ایک ایسی پگڈنڈی سے گزرے جس کے اوپر چھتنار درختوں کی وجہ سے آسمان نظر نہیں آ رہا تھا اور پھر اچانک ہی وہ کیمپ کے بالکل سامنے نکل آئے۔ ان کی نظر بیک وقت اس محافظ پر پڑی جو کئی گز

بیٹھا ہوا تھا۔ یہ موٹا سفید فام چوکیدار غالباً سو بھی رہا تھا کیونکہ اس کی آنکھیں بند تھیں اور سانس ایک خاص رفتار سے چل رہی تھی۔ شاید اسے اس یقین نے سُلا دیا تھا کہ اس دُور اُفتادہ جنگل میں دشوار راستوں سے گزر کر کوئی نہیں آ سکتا۔

اُوشان اور ٹائیگر نے کیمپ کا جائزہ لیا۔ یہ قدیم طرز کے رومن قلعوں کی طرح تھا۔ اس مربع نما کیمپ کی کمان چوکی کے وسط میں نہیں بلکہ کسی اور طرف تھی۔ پریٹوریا آفیسرز ٹینٹ قدیم کی طرح وسط میں تھا۔

ٹائیگر اور اُوشان کسی بھی دشواری کا سامنا کیے بغیر کیمپ میں داخل ہو گئے۔ انھیں آس پاس کوئی اور محافظ نظر نہ آیا تو وہ سیدھے ایک خیمے کی طرف بڑھ گئے۔ انھیں اسی طرح اندازہ ہو گیا تھا کہ کیمپ خالی ہے... نیز فوج کہیں اور گئی ہے۔ یہ بھی اندازہ ہو گیا کہ یہ لوگ غلاموں کو کہیں اور منتقل کر چکے ہیں۔

تب ہی چوکی میں انھوں نے ایک افسر کو تلاش کر لیا جس کی پیٹھ پر ایک طغرہ لگا ہوا تھا: "آزاد رہو یا مر جاؤ۔"

اس افسر کو دیکھ کر ٹائیگر کو یہ فقرہ بے معنی سا لگا کیونکہ اس افسر کے چہرے پر ہلکی سی برس رہی تھی اور اس کا ہاتھ بیلٹ کی طرف بڑھ رہا تھا۔ [illegible] تیزی سے حرکت دکھاؤ فرزند۔" ٹائیگر نے پک کر اس کا کندھا تھام لیا اور سفید فام افسر کسی کٹے ہوئے بکرے کی طرح تڑپنے لگا۔ اس کا ہاتھ جہاں تھا وہیں رہ گیا اور اس کی آنکھیں وحشت ناک انداز میں پھیلنے لگیں۔

"کک... کون ہو تم...!" سفید فام افسر نے جو کیپٹن کی وردی پہنے ہوئے تھا، منمنا کر کہا۔

"ہم عام سے انسان ہیں اور انسانوں کو غلام دیکھنا نہیں چاہتے میرے بچے!" اُوشان نے اپنے دونوں ہاتھ سینے پر رکھ کر مشفقانہ لہجے میں کہا۔

"چھوڑ دو مجھے!"

"میں تمہیں ضرور چھوڑ دوں گا لیکن پہلے مجھے اپنے بارے میں بتاؤ۔" ٹائیگر نے غرا کر کہا۔

"م... میرا نام کیپٹن ایڈے ہے۔" کیپٹن نے کراہتے ہوئے کہا اس وقت اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے زبان کھولنے میں ذرا سی تاخیر بھی اس کے ہاتھ کو کندھے سے اکھاڑ پھینکے گی۔ وہ دونوں ہاتھوں کے ساتھ زندہ رہنا چاہتا تھا لہٰذا اس کی زبان فراٹے بھرنے لگی۔ "م... میرا تعلق اسپیشل یونٹ سے ہے جس کو خصوصی خرائض سونپے گئے ہیں۔ اس یونٹ کا ڈسپلن بھی خصوصی ضابطے پر مبنی ہے۔ اس یونٹ کا کمانڈر کرنل بلیچ ہے اور آج اپنے خصوصی کو ڈورڈ...!"

"جہنم میں گیا کوڈ ورڈ...!" ٹائیگر نے غرا کر کہا۔ "مجھے اس کی بھی پروا نہیں کہ اسپیشل یونٹ کا تعلق کس سے ہے اور اس کا کمانڈر کون ہے۔ میں تو ایک کاہل الوجود اور ناکارہ آدمی کی تلاش میں ہوں۔"

"میری کمپنی یہاں سے جا چکی ہے۔ کرنل بلیچ بھی کمپنی کے ساتھ ہے۔"

"کہاں گئی ہے؟"

"قسم لے لو... مجھے پتہ نہیں!"

"میں جس شخص کی تلاش میں یہاں آیا ہوں اُس کا تعلق تمہاری کمپنی سے نہیں۔" ٹائیگر نے اس کے کندھے سے ہاتھ ہٹائے بغیر کہا۔ "اس کا نام اسحاق ہے۔"

"میں... اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔"

"بولو...!" ٹائیگر نے اُس کے کندھے پر دباؤ بڑھایا تو سفید فام مچھلی کی طرح تڑپنے لگا۔

"شہزاد...!" اُوشان نے اچانک ہی انگلی اُٹھا کر کہا۔ "یہ کیمپ غلاموں کا نہیں، غلام کہیں اور لے جائے گئے ہیں لہٰذا...!"

ابھی اُوشان نے جملہ پورا بھی نہیں کیا تھا کہ باہر سے انھیں عجیب سی آوازیں سُنائی دینے لگیں اور ایسا لگا جیسے کئی افراد چوکی کے باہر پوزیشن سنبھال رہے ہوں۔ اُوشان اور ٹائیگر نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر ٹائیگر نے سفید فام کپتان کو چھوڑ دیا وہ چھپکلی کی طرح گر کر بے ہوش ہو گیا۔

"تم دونوں چاروں طرف سے گھر چکے ہو۔" اچانک ہی لاؤڈ اسپیکر پر کسی نے اعلان کیا۔ "چوکی کے سامنے مشین گنوں کے مورچے لگ چکے ہیں اور تمہارے جسم کسی بھی وقت چھلنی ہو سکتے ہیں لہٰذا ہتھیار ڈال کر باہر نکل آؤ، ہاتھ سر سے اوپر رہیں۔"

"قہ... قہ... قہ...!" اُوشان کسی بطخ کی طرح ہنسنے لگا... اور ٹائیگر ایک طویل سانس لے کر رہ گیا۔

وہ واقعی چاروں طرف سے گھر چکے تھے... مگر ٹائیگر کو صرف یہ فکر تھی کہ روبی کہاں ہو گی؟

ٹائیگر، چارہ گر کے لیے مزید کام کرنے سے انکار کر چکا تھا اور اُوشان بھی ٹائیگر کے ساتھ ہی نہ جانے کہاں چلا گیا تھا۔ بہرام کی پریشانیاں یہ سوچ سوچ کر بھی بڑھ رہی تھیں کہ چارہ گر ٹائیگر کے بغیر کچھ بھی نہیں ہے۔ یہ پریشانیاں لوگوں کے اغوا کی

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

پرامراد حالات کے باعث دو چند ہو گئی تھیں بے نظیر بی میں اپنی نوعیت کا یہ پہلا واقعہ تھا اور بہرام کی معلومات صرف اتنی تھیں کہ اغوا کرنے والوں نے فوجی طرز کا چھاپہ مار آپریشن کیا تھا یہی ایک نکتہ تھا جس نے بہرام کو اس پہلو پر بھی غور کرنے کی دعوت دی تھی کہ مجرموں کو فوجی تربیت کہاں دی گئی؟

یقیناً انھوں نے کسی جگہ اڈہ بنایا ہوگا اور اگر کسی مقام پر ان کا اڈہ ہے تو اس کا مطلب اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ انھوں نے فوجی تنصیبات بھی قائم کر رکھی ہوں گی۔ ان کے پاس نہ صرف عمارتیں ہوں گی بلکہ ان عمارتوں میں پلمبنگ کا کام ہوا ہوگا اور وائرلائنیں بھی ڈالی گئی ہوں گی۔

بہرام نے ان نکات پر غور کرنے کے بعد ایک بٹن دبایا تو اس کی ڈیسک میں ایک چینل کھل گیا اور کسی تابعدار خادم کی طرح ایک کمپیوٹر نکل آیا۔

بہرام نے کمپیوٹر سے سوال کیا "کیا شہر بے نظیر کے ڈھائی سو میل کے آس پاس ایسے مقامات ہیں جہاں خفیہ فوجی اڈے قائم کیے جا سکیں؟"

کمپیوٹر نے سات منٹ کے بعد اپنی زبان کھول دی۔ اسکرین پر نقشے ابھرنے لگے اور یہ رپورٹ پیش کی گئی کہ اس علاقے میں خفیہ فوجی اڈوں کے لیے سات سو چھیالیس مناسب مقامات ہیں۔

بہرام منہ بنا کر رہ گیا۔ اس نے طویل سانس لے کر باری باری تمام مقامات کا جائزہ لینے کا تہیہ کر لیا۔ اس نے کمپیوٹر کو نئے احکام دیے۔ جو اس سوال پر مبنی تھے کہ ان سات سو چھیالیس میں سے کتنے مقامات پر کبھی چہل پہل نظر آتی رہی ہے؟

کمپیوٹر نے کچھ دیر بعد ایسے مقامات کی تعداد تینتالیس بتائی اور پھر اس سوال کا جواب تلاش کرنے لگا کہ ان مقامات میں سے ایسے مقام کتنے ہیں جہاں نکاسی آب کا کام غیر معمولی طور پر ادھیڑ بن چلنے پر ہوا ہے۔ جواب کا انتظار کرتے ہوئے بہرام نے بے نظیر سٹی سے اغوا ہونے والے افراد کی فہرست کا ٹیپ لگایا تو اسکرین پر ان افراد کے ڈوسیا یا اعزا کے نام جھلملانے لگے۔ ان میں سے ایک نام پر بہرام کی چھٹی حس گھنٹیاں بجانے لگی۔ یہ نام روبی کا تھا۔ بہرام کے ذہن میں سرسراہٹ سی ہونے لگی... مگر اسی وقت کمپیوٹر نے سوال کا جواب دوسری اسکرین پر دے دیا۔ شہر بے نظیر کے اردگرد صرف تین مقامات ایسے تھے جہاں نکاسی آب کے لیے غیر معمولی طور پر کام ہو رہا تھا۔ ان میں سے ایک بے نظیر شہر میں دوسرا شمال میں اور تیسرا جنوب میں تھا۔

بہرام نے فوراً ایک اور سوال کر دیا "ان تین علاقوں میں سے کس علاقے میں گزشتہ سال مشرک تعمیر ہونے کا ریکارڈ نہیں؟"

"جنوب کے جنگل ہیں..." کمپیوٹر نے جواب دیا۔

"اوہ...!" بہرام ایک طویل سانس لے کر اثبات میں سر ہلانے لگا۔ اس نے ایک اور سوال کیا "کیا جنوبی جنگلات پر گزشتہ ایک سال کے دوران ہیلی کاپٹر کی پروازوں میں اضافہ ہوا ہے؟"

"چھ سو فیصد اضافہ...!"

اسکرین پر جواب چڑھ کر وہ ہاتھ ملنے لگا۔ اس کے چہرے پر خفیف سی مسکراہٹ دوڑ گئی۔ وہ سمجھ گیا کہ خفیہ اڈہ جنگل ہی میں ہے اور مجرم سازشی ٹولے کے آدمیوں کو سڑک کے بجائے ہیلی کاپٹروں سے لاتے لے جاتے ہیں۔ وہ کمپیوٹر کو آرام دینے کے لیے سوئچ آف کرنے ہی والا تھا کہ ایک اور سوال اس کے ذہن میں کلبلانے لگا اور پھر اس نے کمپیوٹر سے روبی کے بارے میں پوچھ ہی لیا۔

"روبی... وگ ساز فیکٹری... وہ اسٹیٹ ایجنسیوں کی مالک چار بینکوں میں ڈائریکٹر... محکمہ جاسوسی کی سابق ایجنٹ... حال ہی میں محکمہ جاسوسی سے ریٹائر کی گئی ہے۔ آخری بار باقیات میں خدمات انجام دیں جہاں اس کا رابطہ تنظیم کے دو نوں افراد سے ہوا۔"

"واہ...!" بہرام نے اس بار فاتحانہ انداز میں کہا اور پھر ایک بٹن دبا کر کمپیوٹر سے ان تمام معلومات کو صاف کر دیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگرچہ روبی، اوشان یا ٹائیگر کی طرح نہیں... پھر بھی وہ اس کیس میں اس کا ہاتھ بٹا سکتی ہے کیونکہ بہرحال اس کا بھائی بھی اغوا ہوا ہے۔

◻

"میں روبی سے ملنا چاہتا ہوں خاتون" ڈاکٹر بہرام نے روبی کی ماں سے کہا جو ایک آرام کرسی پر جھول رہی تھی۔

"اچھا... ذرا اپنے ہاتھ تو دکھاؤ؟"

"کیا مطلب؟" بہرام نے حیرت سے بڑی بی کی طرف دیکھا، مسلسل ان ہاتھوں کو دیکھ رہی تھی جو کوٹ کی جیب میں تھے۔ "خاتون میں آپ کی صاحبزادی سے ملنے کے لیے آیا ہوں اور..."

"اپنے ہاتھ دکھاؤ۔" روبی کی ماں نے اکتائے ہوئے انداز میں اس سے کہا۔

بہرام نے خاموشی سے اپنے ہاتھ اس کے سامنے کر دیے۔ بڑی کو رام کرنے کے لیے ضروری تھا کہ اس کی فرمائش پوری کر دی جاتی۔ سیاہ فام عورت نے ہاتھ تھام کر انھیں بغور دیکھا۔ پھر ہتھیلیاں دیکھیں اور پھر انگلیاں... اس کے بعد اس نے یوں ہاتھ

چھوڑ دیے جیسے وہ کوئی اہمیت ہی نہ رکھتے ہوں۔ "ان ہاتھوں میں کوئی خاص بات نہیں جناب" بڑھیا کا لہجہ اب بالکل روکھا تھا۔

"آپ کو کون سی خاص بات کی تلاش ہے؟"

"سنو... تم اسحاق کو واپس لانے کے لیے روبی سے ملنا چاہتے ہو یا کسی اور مقصد سے؟"

"شاید... مگر روبی نے آپ سے کیا کہا تھا؟" بہرام کو احساس ہونے لگا کہ بڑھیا کچھ اہم باتیں جانتی ہے تو ہاتھوں کے بارے میں اس نے کیا کہا تھا؟"

"ایک روز وہ ٹی وی دیکھ رہی تھی کہ اچانک اسے اغوا کرنے والے ہاتھ دکھائی دیے جن کو دیکھتے ہی وہ پاگل سی ہو گئی اور کہنے لگی کہ یہ ہاتھ ہی اسحاق کو واپس لا سکتے ہیں۔"

"اوہ... روبی کب تک واپس آئے گی؟"

"چھ بجے...!" بڑھیا نے گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "وہ مجھے شام کی چائے خود بنا کر پلاتی ہے۔"

"شکریہ خاتون... میں اس سے ملنے کے لیے واپس آؤں گا۔" بہرام نے دھیرے سے کہا اور گھر سے باہر آ گیا۔

★★

"روبی کہاں ہوگی اوشان؟" ٹائیگر نے اپنے بازوؤں کے ریشوں میں پرانی تڑپ محسوس کرتے ہوئے پوچھا۔

جواباً اوشان اس طرح سر ہلانے لگا جیسے کہہ رہا ہو کہ وہ جہاں کہیں بھی ہے، خود اپنی حفاظت کر سکتی ہے۔ سر ہلا کر وہ ایک بار پھر آواز کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"ہتھیار ڈال کر باہر نکل آؤ" لاؤڈ اسپیکر سے نشر ہونے والی آواز پھر سنائی دے رہی تھی۔

ٹائیگر نے برا سا منہ بنایا اور اوشان کو چپ رہنے کا اشارہ کرتے ہوئے ادھر ادھر دیکھا تو اسے ایک روشن دان نظر آ گیا۔ یہ روشن دان سات فٹ بلندی پر تھا لیکن اس تک پہنچنا ٹائیگر کے لیے کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ اس نے ہلکی سی جست لگائی اور روشن دان کی گرل پکڑ لی۔ اس نے روشن دان سے باہر دیکھا۔ یہ چوکی کا عقبی حصہ تھا اور یہاں دور دور تک کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ انھوں نے چوکی کے سامنے والے حصے پر مورچے لگائے ہیں اور وہ یہ سوچنے کی بھی اہلیت نہیں رکھتے کہ کوئی روشن دان بھی استعمال کر سکتا ہے۔

روشن دان زیادہ تنگ اور چھوٹا نہیں تھا۔ اوشان کے دیکھتے ہی دیکھتے ٹائیگر نے اپنے جسم کو سکیڑا اور یوں روشن دان سے گزر گیا جیسے ربر کا کوئی پتلا ہو۔

اوشان کے چہرے پر شفقت آمیز مسکراہٹ دوڑ گئی۔ ٹائیگر نے اس کے سامنے اس فن کا عملی مظاہرہ آج پہلی مرتبہ کیا تھا۔ اوشان کو یہ بات اچھی طرح معلوم تھی کہ اس فن کا عملی مظاہرہ کتنا مشکل ہے۔ اس میں ہڈیوں کو ربر کی طرح لچک دار بنانے کی صلاحیت پیدا کرنی پڑتی ہے تاکہ اس کا ماہر کسی بھی ایسے سوراخ سے گزر سکے جس سے ایک عام قد و قامت کا کتا بہ آسانی گزر سکتا ہو۔ اوشان یہ بھی جانتا تھا کہ اس وقت دنیا میں اس کے علاوہ صرف دو افراد ایسے ہیں جو اس فن پر قدرت رکھتے ہیں۔ ایک اس کا اپنا ٹائیگر اور دوسرا نوگان...!

نوگان کا خیال آتے ہی اوشان کے چہرے پر سختی چھا گئی۔

★★

ٹائیگر نے سر اٹھا کر دیکھا، وہ زمین پر تھا اور چوکی کے سامنے والے حصے میں واقعی ایک مشین گن نصب تھی جس کے پیچھے صرف تین افراد کھڑے تھے۔ "جھوٹے... کہتے تھے کہ چاروں طرف سے گھیر لیا ہے۔" اس کو ان لوگوں کی اس دروغ گوئی پر غصہ آنے لگا لہٰذا اس نے لمبا چکر کاٹ کر ان تک پہنچنے کے بجائے ناک کی سیدھ میں جانے کا فیصلہ کیا اور پھر اتنی تیزی سے دوڑنے لگا کہ اگر کوئی اسے دیکھ لیتا تو یہی سمجھتا کہ اس کے پیر زمین پر نہیں لگ رہے ہیں۔

ان تینوں نے بھی اسے دیکھ لیا۔

"بھون ڈالو" ایک سفید فام کیپٹن نے کہا۔

اس سے قبل کہ مشین گن والا ٹائیگر کو بھوننے کی کوشش کرتا۔ اس کے سر کے اوپر ناریل کے درخت سے ایک بڑا سا پتھر گرا اور اس کا بھیجہ نکل آیا۔ باقی دو افراد نے گھبرا کر درخت کے اوپر دیکھا تو اچھل پڑے۔

اوپر ایک سیاہ فام لڑکی بیٹھی ناریل کا پانی پی رہی تھی۔ ان سے ٹائیگر کو فرار ہونے کا ہر موقع سرزد ہو گیا۔ نتیجتہً ٹائیگر کسی عقاب کی طرح ان پر جھپٹ پڑا۔ اس نے کیپٹن سے اس کا وائرلیس ریڈیو اور جیپ جو اس نے روبی کو قتل کرنے کے لیے اوپر اٹھایا تھا۔ یہ ریڈیو اور اپنے کندے سمیت کیپٹن کے منہ میں گھس گیا اور ٹائیگر کی لات کا رپورل کے پیٹ پر پڑی جس کی ضرب برداشت نہ کرتے ہوئے کارپورل اوندھا ہو گیا۔

"ہیلو!" روبی دھیمے سے گویا آنی "گھر چلو، ماما جانے کا انتظار کر رہی ہوگی۔"

اوشان بھی چوکی سے نکل آیا اور مردہ افراد کو دیکھ کر اس

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

نے اثبات میں سر ہلا دیا جیسے ٹائیگر کے اقدام کو سراہ رہا ہو۔

★★

بہرام نے واپس جانے کے بجائے روبی کے گھر کے سامنے ہوٹل میں ڈیرہ ڈال لیا تھا۔ اسے توقع تھی کہ وہ روبی کے ذریعے اس سنیلے کا سُراغ حاصل کرنے کا جس کی وجہ سے پورے ملک میں تہلکا مچ گیا تھا۔ وہ ایک ایسے کمرے میں تھا جس کی کھڑکی سے روبی کا گھر صاف نظر آرہا تھا۔ شام ڈھلے وہ ہوٹل سے نکل کر فٹ پاتھ پر آگیا تاکہ کھلی فضا میں سانس لے سکے۔ اچانک اس نے اوشان، ٹائیگر اور روبی کو ایک کار سے اترتے دیکھا تو اس کے چہرے پر خوشی کے کئی رنگ نمودار ہوگئے اور وہ بے ساختہ پکار اٹھا۔ "ٹائیگر...!"

"یہ کون ہیں؟" روبی نے ٹھٹک کر پوچھا۔

"کیا تم ان کو نہیں جانتیں؟" ٹائیگر نے منہ بنا کر پوچھا۔

"نہیں۔ اوشان... آپ بتائیے، یہ کون ہیں؟" روبی نے بہرام کو اپنی طرف آتے دیکھ کر پوچھا۔

"یہ... عالی قدر عزت مآب جلیل القدر شہنشاہ بہرام ہے۔" اوشان نے دھیرے سے جواب دیا اور استقبالیہ انداز میں مسکرانے لگا۔

"اوہ...!" روبی چونک پڑی۔ وہ باتیں ان دونوں سے بہرام کا نہ صرف نام سن چکی تھی بلکہ اس سے فون پر بات بھی کر چکی تھی۔ اتنے میں بہرام ان تک پہنچ چکا تھا۔

"آپ یہاں کیا کر رہے ہیں، سویٹ ہارٹ؟" ٹائیگر نے دونوں ہاتھ سینے پر باندھتے ہوئے پوچھا۔

"میں روبی کی تلاش میں تھا۔" بہرام نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "کیا تم ہی روبی ہو؟ اچھی لڑکی ہو؟"

"جی ہاں...!" روبی نے جواب دیا۔ "مگر آپ کو میری تلاش کیوں تھی؟"

"میرا خیال ہے کہ اگر ہم ایک دوسرے سے تعاون کریں تو تمہارے بھائی کو جنوبی جنگلات میں تلاش کیا جا سکتا ہے۔"

"ہم وہیں سے آرہے ہیں۔" روبی نے کہا۔

"تو... وہ وہاں نہیں ملا؟" بہرام نے حیرت سے باری باری تینوں کی طرف دیکھا۔

"ایک منٹ...!" ٹائیگر نے ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا۔ "میں یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ ہم تنظیم کے لیے کام نہیں کر رہے ہیں لہٰذا کسی قسم کے سوالات نہ کیے جائیں۔"

"میں تم سے متفق ہوں... لیکن اگر ہم ایک ہی مقصد بلکہ ایک ہی شخص کی [illegible] تو کیوں نہ ایک دوسرے سے تعاون کریں؟"

بہرام نے متانت سے جواب دیا۔

"نہیں... میں آپ سے متفق نہیں ہوں۔" ٹائیگر کا لہجہ دوٹوک تھا۔ اس نے روبی کے گھر جانے کے لیے قدم بڑھائے... مگر اوشان نے اس کا بازو تھام لیا اور پھر اوشان کے لبوں سے اپنی مادری زبان کے الفاظ سیلاب کی طرح بہنے لگے۔

ٹائیگر، اوشان کی باتیں بغور سنتا رہا۔ اس دوران اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ سے روبی سمجھتی رہی کہ اوشان اسے کچھ سمجھا رہا ہے۔ بالآخر اوشان کا بیان رکا کیونکہ گفتگو ختم ہونے پر ٹائیگر کے تاثرات اچانک نرم پڑ گئے تھے۔

"ٹھیک ہے سویٹ ہارٹ۔" ٹائیگر کا لہجہ بھی نرم اور شگفتہ تھا۔ "میں تعاون کرنے کے لیے صرف اس شرط پر تیار ہوں کہ اس کیس میں آپ انچارج نہیں ہوں گے۔"

"میں یہ شرط تسلیم کرتا ہوں۔" بہرام نے فوراً جواب دیا۔ "اب یہ بتاؤ کہ جنوبی جنگلات میں تم نے کیا دیکھا؟"

"جہاں ہوائی جہاز پہنچنے میں تاخیر ہوگئی تھی جب ہم وہاں گئے تو فوج اور پولیس والے ہٹائے جا چکے تھے۔ صرف چند ایسے افراد تھے جن کا مقصد کیمپ کی دیکھ بھال کرنا تھا۔"

"وہاں سے ہٹنے والی فوج نے اپنے پیچھے پڑاؤ کے کچھ اشارے ضرور چھوڑے ہوں گے۔"

"ممکن ہے ایسا ہو... لیکن ہم نے ان اشاروں کو تلاش کرنے میں وقت ضائع نہیں کیا۔ میرا خیال ہے، آپ جا کر ان اشاروں کو سمجھنے کی کوشش کریں اور پھر جو کچھ پتہ چلائیں اس کے بارے میں ہمیں بھی آگاہ کر دیں۔" یہ کہہ کر وہ روبی کے گھر کی چار دیواری میں داخل ہوگیا۔ بہرام بھی اس کے پیچھے پیچھے ہی چل رہا تھا۔

"آپ نے مادری زبان میں اس سے کیا کہا تھا، اوشان؟" روبی نے آنکھیں سکیڑتے ہوئے پوچھا۔ اسے حیرت تھی کہ ٹائیگر جیسا اکھڑ نوجوان بوڑھے اوشان کے محض چند جملے سن کر ہی کیسے رام ہوگیا تھا؟

"کوئی خاص بات نہیں تھی۔" اوشان کے چہرے پر ٹائیگر کے لیے محبت کے رنگ جنم لینے لگے۔ "میں نے صرف اتنا کہا تھا کہ اگر اس نے اسحاق کی تلاش ترک کر دی اور اس معاملے کو یہیں چھوڑ دیا تو ہم زندگی بھر روبی کے احسان کا بدلہ نہیں اتار سکیں گے اور وہ زندگی بھر روبی کی چیخ و پکار سنتا رہے گا۔ وہ تمہاری چیخ و پکار سے بہت ڈرتا ہے۔"

"واہ...!" روبی ہنس پڑی۔

اوشان نے اثبات میں سر ہلا دیا اور غور کرنے لگا کہ آخر

دونوں ایک دوسرے سے شادی پر کب اور کیسے آمادہ ہو سکتے ہیں؟

★★

"چھ سو سویں روٹ پر مختلف کالجوں کی چودہ بسیں پانچ پانچ منٹ کے وقفے سے گزری ہیں۔" بہرام نے فون بند کر کے ریسیور رکھتے ہوئے انکشاف کیا۔

"ان بسوں میں سوار لڑکے بیس بال کھیلنے جا رہے ہوں گے۔" ٹائیگر نے مسکرا کر کہا۔

"مگر ان پر مختلف کالجوں کے نام لکھے ہوئے ہیں۔"

"تب پھر بسوں میں ان کالجوں کی کرکٹ ٹیمیں ہوں گی۔" ٹائیگر بدستور بے نیازی سے کام لیتا رہا۔

"ہمارے ملک میں ان کالجوں کا کوئی وجود نہیں ہے، فرزند جن کے نام لکھے ہوتے ہیں۔" بہرام نے حسب عادت چڑنے کے بجائے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"کیا یہ پتہ چلایا جا سکتا ہے کہ ان بسوں کی منزل کون سی ہے؟" معاً روبی کو دلچسپی محسوس ہونے لگی۔

"ہاں... اور ہم یہی معلوم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔"

"ٹھیک ہے ماما... اب ہم چلتے ہیں۔" روبی اٹھ گئی۔ "ممکن ہے ہم ایک دو روز بعد واپس آئیں۔ ہم اسحاق کی تلاش کے لیے جا رہے ہیں۔"

شہر سے نکلتے ہوئے، بہرام نے اچانک ہی ٹائیگر سے پوچھا کہ وہ ریٹائرمنٹ کے بعد کیا محسوس کر رہا ہے۔ ٹائیگر نے فوراً جواب دیا کہ وہ ریٹائر نہیں ہوا بلکہ اس نے محض اس وجہ سے تنظیم چھوڑی ہے کہ وہ مزید قتل کرنا نہیں چاہتا۔

"ٹائیگر...!" بہرام نے تغیر لہجے میں کہا اور پھر روبی کی طرف دیکھ کر خاموش ہوگیا جو ان کی طرف متوجہ ہوگئی تھی۔

"روبی کی فکر نہ کریں، بہرام... یہ ہمارے بارے میں بہت کچھ جانتی ہے۔"

"تم بہت باخبر لڑکی ہو!" بہرام نے قدرے ندامت سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے تبصرہ کیا۔

"جی ہاں، میں اپنے کان ہمیشہ کھلے رکھتی ہوں۔"

"حالانکہ ان کانوں پر اب بھی بالوں کی لٹ پڑی ہوئی ہے۔" اوشان نے مسکراتے ہوئے دھیمے لہجے میں کہا۔

روبی بے ساختہ ہنس پڑی۔ اسے یہ تینوں آدمی بہت اچھے اور بہت پیارے لگ رہے تھے۔ ہمدرد، شفیق اور جانثار...!

★ کرنل بلیچ چودہ بسوں کا انچارج تھا اور اس نے سب سے آگے والی بس میں اگلی نشست سنبھال رکھی تھی۔ اس کے کانوں پر ہیڈ فون لگا ہوا تھا اور وہ مرکزی اڈے سے آنے والے پیغام سن رہا تھا۔ اس کی بس میں سوار پندرہ افراد جینئر اور فوجی شرٹس میں ملبوس تھے اور کرنل بلیچ نے انہیں سرگوشیوں میں بات کرنے کی اجازت دے رکھی تھی۔

"اب لطف آئے گا۔" اس کے قریبی معتمد نے جو عہدے کے اعتبار سے لیفٹیننٹ تھا، اس کے برابر والی سیٹ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"ہاں... کیا تمہارے آدمی تیار ہیں؟"

"پوری طرح اور ہمہ وقت تیار...!" لیفٹیننٹ نے جواب دیا۔

کرنل بلیچ اثبات میں سر ہلانے لگا۔ اس کی نظریں تیزی سے گزرنے والے درختوں پر جمی ہوئی تھیں۔ وہ چند منٹ تک خاموش رہا پھر ہنکارا بھر کر بولا۔ "میں بیس سال سے سب کچھ دیکھتا رہا ہوں۔ ریگولر آدمی کا معیار پست سے پست تر اور تنخواہ زیادہ سے زیادہ ہوتی جا رہی ہے۔ جوانوں کے حوصلے پست ہو رہے ہیں اور سیاہ فام نسل کو زیادہ سے زیادہ مراعات مل رہی ہیں، شہری حقوق کی

امریکہ رے امریکہ	طارق اسمٰعیل ساگر -/150
صہونیت اور عالم اسلام	طارق اسمٰعیل ساگر -/125
کورٹ مارشل	طارق اسمٰعیل ساگر -/200
آخری گناہ کی ملکہ	طارق اسمٰعیل ساگر -/150

مکتبہ القریش اُردو بازار - لاہور 2

گنگا کے پجاری ناگ

اے حمید ○ قیمت ۳۵۰/۰۰ روپے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

باتیں کی جارہی ہیں، فوج کو بنیادی حقوق چھیننے کی آزادی نہیں اور یہ... کالے، انہی بنیادی حقوق کی بیساکھی کا سہارا لے کر ہماری سڑکوں پر گھومتے پھرتے ہیں، ہماری بستیوں میں رہتے ہیں، ہمارا کھا کر ہم ہی پر غراتے ہیں۔ میری صرف یہ خواہش ہے کہ ریگولر آرمی کو چھ ماہ کے لیے میری کمان میں دے دیا جائے... پھر میں دیکھوں گا کہ رنگ دار لوگ کس طرح بنیادی حقوق کی بات کرتے ہیں۔ ان چھ ماہ میں وہ صرف پیٹ بھر کر کھانے کے عوض اپنے ہر نام نہاد حق سے دستبردار ہو جائیں گے۔"

"درست... ایسا ہی ہونا چاہیے۔" لیفٹیننٹ نے تائید میں سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔

"میں نے فوج میں رہتے ہوئے اپنی نسل کے لوگوں کو یہی بتانے کی کوشش کی تھی کہ رنگ دار لوگ غلامی کے لیے پیدا ہوتے ہیں اور صرف صاف گوئی پر مجھے فوج سے نکال دیا گیا تھا۔" کرنل بلیچ نے تلخ لہجے میں کہا۔ "لیکن پھر مجھے یہ موقع ملا تو میں نے ثابت کر دیا کہ بھکے ہوئے، اجنبی اور ایک دوسرے سے ناآشنا لوگوں کو کس طرح بہترین یونٹ میں سمیٹا جا سکتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اگر میں حکم دوں تو میری یہ یونٹ مارچ کرتی ہوئی جہنم میں بھی گھس جائے گی۔"

"کیوں نہیں سر... ہم سب آپ کی تقلید کرنے میں فخر محسوس کریں گے۔" لیفٹیننٹ نے بلاسوچے سمجھے جواب دیا اور اس کا یہ جواب کرنل بلیچ کے سر سے گزر گیا۔ اچانک اسے انٹرفون میں کھڑکھڑاہٹ سی سنائی دی اور وہ فوراً کال ریسیو کرنے لگا۔

"ہیلو... فوکس ون از ہیئر... اوور...!" کرنل بڑے صبر و تحمل سے ایک منٹ تک سنتا رہا اور پھر اس نے ہیڈ فون کان سے الگ کر لیا۔

"کوئی خاص بات جناب؟" لیفٹیننٹ نے اس کے چہرے پر برہمی کے تاثرات دیکھ کر پوچھا۔

"ہاں... ہمارے کیمپ میں کچھ لوگ گھس آئے تھے اگرچہ انہیں مطلوبہ معلومات حاصل کرنے میں ناکامی ہوئی لیکن وہ کیمپ میں موجود ہمارے تمام افراد کو ہلاک کر کے چلے گئے۔ اب انہیں بے نظیر بٹی سے اسی سڑک پر آتے ہوئے دیکھا گیا ہے۔"

"اوہ... کیا وہ ہمارا تعاقب کر رہے ہیں؟"

"شاید... بظاہر تو ایسا ہی لگتا ہے۔ وہ تعداد میں صرف چار ہیں اور ان میں ایک عورت بھی شامل ہے۔"

"پھر... ہم کیا کریں گے جناب؟"

"ہم انہیں خوش آمدید کہیں گے لیفٹیننٹ... تم فکر مت کرو۔" کرنل بلیچ کے چہرے پر ایک سفاک سی مسکراہٹ ناچنے لگی۔

★★

گاڑی میں اُوشان مسلسل ریڈیو پر کوئی گیت سن رہا تھا اور اسے بار بار غصہ بھی آ رہا تھا کیونکہ ٹائیگر، روبی اور بہرام کی باتیں گیت میں مخل ہو رہی ہیں۔ اس نے ایک بار ریڈیو پوری آواز سے کھول دیا تو روبی نے گھبرا کر دونوں ہاتھ کانوں پر رکھ لیے۔ ٹائیگر نے گاڑی ایک تنگ اور شکستہ سی سڑک پر ڈال دی اور اسی لمحے اُوشان نے ریڈیو ایک طرف رکھ کر بڑی پھرتی سے اسٹیئرنگ پکڑا، اسے گھمایا تو کار تو سے دریچے کا زاویہ بناتی ہوئی بائیں طرف گھومتی گئی اور پھر ایک درخت کی طرف دوڑنے لگی۔ عین آخری وقت پر اُوشان نے ایک بار پھر گاڑی کو دوسری سمت میں گھمایا۔ ٹائیگر نے سنجیدگی سے اُوشان کی طرف دیکھا اور ابھی وہ کچھ کہنے کے لیے منہ کھول ہی رہا تھا کہ دو خوفناک دھماکے سنائی دیے اور گاڑی پر ریت، پتھر اور مٹی کی بارش ہونے لگی۔

"گولے...!" ٹائیگر بے اختیار چلا اٹھا۔ اس نے ایکسیلیٹر پر دباؤ بڑھا کر اسٹیئرنگ اُوشان سے واپس لے لیا اور گاڑی ایک بار پھر سڑک پر دوڑنے لگی۔ گاڑی سڑک پر واپس آ گئی تو اُوشان نے مطمئن انداز میں سر ہلا کر سیٹ کی پشت گاہ سے ٹیک لگا لی اور بہرام عقب نما میں اُن دو بڑے گڑھوں کو دیکھتا رہا جو گولے گرنے کی وجہ سے پیدا ہوئے تھے۔

ٹائیگر نے رفتار کم کی تو اُوشان نے اُسے فوراً ٹوک دیا اور گاڑی اگلے ہی لمحے پھر ہوا سے باتیں کرنے لگی۔ "ایک اور گولہ آنے والا ہے۔" اُوشان کے اس اعلان پر روبی دم بخود رہ گئی۔ "بائیں... شہزاد بائیں طرف...!" اُوشان نے تیز لہجے میں کہا۔

گاڑی بائیں طرف گھومتی چلی گئی۔ اسی لمحے ایک گولہ گاڑی کے قریب سے گزر کر کچھ دور پھٹ گیا۔

ٹائیگر نے اُوشان کے اشارے پر گاڑی روک لی۔

اُوشان کھڑکی کا شیشہ اُتار کر چند لمحوں تک کچھ سننے کی کوشش کرتا رہا پھر کچھ دیر بعد بولا۔ "بس، ٹھیک ہے۔" اس نے ریڈیو دوبارہ کھولا اور وہی گیت سننے لگا جس سے کچھ دیر قبل محظوظ ہو رہا تھا۔

"اُوشان... آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ تیسرا گولہ بھی آنے والا ہے؟" روبی پوچھے بغیر نہ رہ سکی۔

"ہر اچھی چیز تین کی تعداد میں ہوتی ہے۔" اُوشان نے جواب دیا۔

"اور شروع کا گولہ... میرا مطلب ہے آپ کو حملے کا علم کس

طرح ہوا تھا؟"

"گولے کی آواز سن کر... سنو لڑکی! اگر تمہارے کان پر بال گرے ہوئے نہ ہوتے تو یہ آواز تمہیں بھی سنائی دے سکتی تھی۔"

"لیکن کار میں تو ریڈیو کا شور ہو رہا تھا۔" وہ بے بسی سے بولی۔

"ہاں... لیکن اُوشان ریڈیو پر گیت نہیں سن رہے تھے۔" ٹائیگر نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ وہ جانتا تھا کہ اس جواب سے روبی کا اطمینان نہیں ہو گا لیکن اس کے پاس روبی کے سوال کا اور کوئی جواب بھی تو نہیں تھا۔ اس نے روبی کو جو جواب دیا تھا وہ درحقیقت صدفی صد صحیح تھا۔ اُوشان اپنی غیر معمولی حیات سے کام لینے کا ماہر تھا۔ اسے سونگھنے میں بہت سی خصوصیات ملی تھیں اور اس کی ہر صلاحیت کے پس پشت ایک انتہائی سادہ سا راز تھا کہ اس نے فنِ سنانجو کے مطابق اپنے جسم اور ذہن کو ہم آہنگ بنا لیا تھا۔

"مگر تم بھی تو اُوشان کے شاگرد ہو، تم وہ آوازیں کیوں نہیں سن سکے تھے؟" روبی نے ایک اور نکتہ اُٹھایا۔

"اُوشان کی سماعت مجھ سے بہتر ہے۔" ٹائیگر نے فراخ دلی سے اعتراف کیا۔

"خاموش رہو۔" اُوشان نے اچانک ہی اُکتا کر کہا۔ "تم دونوں فضول باتیں کر رہے ہو۔ اصل بات کی طرف نہیں آتے۔"

"کیا مطلب؟" بہرام سمیت سب ہی چونک پڑے۔ "اصل بات کیا ہے اُوشان؟" بہرام نے پہلی بار اس گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے پوچھا۔

"میں ان دونوں سے یہ مطالبہ کرتا رہا ہوں کہ سنانجو کے لیے ایک وارث پیدا کریں مگر...!"

"اُوشان... پلیز...!" ٹائیگر نے گھبرا کر کہا۔

روبی بُرا سا منہ بنا کر رہ گئی لیکن اس کے دل میں واقعی اُوشان کی خواہش کا احترام کرنے کی آرزو کروٹیں لینے لگی تھی۔

"میرا خیال ہے اس وارث کے لیے تمہیں کچھ زیادہ ہی انتظار کرنا ہو گا۔" اُوشان، بہرام نے ہنستے ہوئے کہا اور پھر یہ گفت گو کار رُکنے کے باعث ختم ہو گئی۔ یہاں سے آگے کار گزرنے کی گنجائش نہیں تھی۔ درختوں کے جھنڈ دُور دُور تک نظر آ رہے تھے۔

"میرا خیال ہے، تو بھی اپنی ناکامی کی اطلاع اپنے ہیڈ آفس کو ضرور دیں گے۔" بہرام نے سوچتے ہوئے کہا۔

"بالکل درست...!" اُوشان نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"ممکن ہے انہیں ہمارے بچنے کی اطلاع مل چکی ہو اور وہ ہمارے لیے جال بنا رہے ہوں لہٰذا آپ روبی کو کار میں واپس لے جائیں۔ ہم پیدل ہی آگے جائیں گے۔" ٹائیگر نے تجویز پیش کی۔

"میں بزدل نہیں ہوں۔" روبی نے غصیلے انداز میں اعتراض کیا۔

اُوشان قہقہہ لگا کر مخصوص انداز میں ہنس پڑا۔ "اس لڑکی کا بیٹا بہت بہادر ہو گا، شہزاد... میری بات لکھ لو۔"

"اُوشان... پلیز...!" ٹائیگر نے سنجیدگی سے کہا اور پھر بہرام کی طرف پلٹ گیا۔ "آپ دونوں اس پٹرول پمپ پر رُک کر ہمارا انتظار کریں گے، جو راستے میں نظر آیا تھا۔ مقصد حاصل ہوتے ہی ہم واپس آ جائیں گے۔"

"ٹھیک ہے ٹائیگر... وہاں فون بھی ہو گا جس سے میں استفادہ کر سکوں گا۔"

اُوشان اور ٹائیگر کار سے اُتر گئے اور روبی گاڑی چلاتی ہوئی واپس لے گئی اور پھر جب روبی نے عقب نما میں دیکھا تو اُسے دُور دُور تک ان دونوں کا نشان تک دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ وہ سوچنے لگی کہ آخر ان دونوں میں کس قسم کی روح حلول کر گئی ہے وہ اُسے کسی چھلاوے سے زیادہ تیز رفتار لگ رہے تھے۔

کار کو مارٹر کے گڑھوں سے بچاتی ہوئی روبی سڑک پر پہنچی اور پھر کار فراٹے بھرنے لگی لیکن پھر ایک موڑ پر اسے پوری قوت سے بریک لگانے پڑ گئے... اگر وہ بریک پیڈل کو پورا نہ دبا دیتی تو گاڑی اس ٹرک سے ضرور ٹکرا جاتی جو سڑک پر ترچھا کھڑا تھا اور جس میں کئی فوجی جوان سوار تھے۔ کار کے رُکتے ہی چار جوان جن کے ہاتھوں میں آٹومیٹک ہتھیار تھے، کُود کر کار کے قریب آئے اور انہوں نے چاروں کھڑکیوں کو ہتھیاروں کی زد میں لے لیا۔ روبی نے اپنی گاڑی ریورس میں ڈال کر فرار ہونے کی کوشش نہیں کی کیونکہ عقب نما میں اسے مزید تین ایسے ہی مسلح جوان نظر آ رہے تھے۔

"اُتروں...!" ایک رنگروٹ نے غرا کر کہا اور ایک سنیدفام سارجنٹ کی خونناک آنکھیں روبی پر جم کر رہ گئیں۔

★★

ایک چھوٹی سی پہاڑی پر پہنچ کر ٹائیگر نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ دُور پہاڑوں کی چوٹیاں نظر آ رہی تھیں۔ یہ وہی مقام تھا جہاں مشہور خانہ جنگی کا آخری معرکہ ہوا تھا اور اُوشان اچھی طرح جانتا تھا کہ یہ جنگ غلامی کا طوق اُتار پھینکنے کے لیے لڑی گئی تھی۔ ٹائیگر کی آنکھیں نیچے کچھ تلاش کرنے لگیں۔ ایک جگہ اسے زمین دبی ہوئی نظر آئی تو وہ سمجھ گیا کہ وہاں ایک مارٹر توپ موجود تھی اور

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

اب وہاں توپ کی موجودگی کا مطلب صرف یہی تھا کہ کیپٹن فاتو کو غلام بنانے کے خواہش مندوں کو ان کی آمد کا علم تھا لہٰذا وہ اور پیچھے ہٹ گئے تھے۔

"چلو...!" اوشان نے سرد لہجے میں کہا۔ "اس فوج کی تلاش میں چلو، جو خود کا دیا ہوا تحفہ... آزادی چھیننے کے لیے بے قرار ہے۔"

★★

جھاڑیوں کی دوسری جانب، ایک میدان میں فوجی کیمپ تھا اور اس کے چاروں طرف فوجی ٹرک کھڑے تھے۔ ٹرکوں کے آگے وہ بسیں کھڑی تھیں جن میں فوجی جوانوں کو وہاں تک لایا گیا تھا جبکہ ایک کونے میں روبی کی سفید کار دکھائی دے رہی تھی۔

ابھی کیمپ میں صرف کرنل بلیچ کا خیمہ ہی لگ سکا تھا۔ اس خیمے کے سامنے کرنل بلیچ اپنے جاہ و جلال کے ساتھ اسٹک تھامے کھڑا تھا اور اس کی نظریں ان دونوں قیدیوں کا بغور جائزہ لے رہی تھیں۔ بہرام اور روبی کو فرار ہونے سے روکنے کے لیے زرد دانتوں والا سارجنٹ اور تین جوان آٹومیٹک ہتھیار لیے کھڑے تھے۔ ان کے عقب میں پانچ سو جوان نیم دائرے میں بیٹھے تھے۔ روبی اور بہرام کو اندازہ ہو چکا تھا کہ ان سب کی رگوں میں نسلی منافرت کا زہر گھلا ہوا ہے۔

کرنل بلیچ کو اس وقت زیادہ فکر یہ تھی کہ جوانوں کے سامنے وہ ان دونوں کو مرعوب کر سکے لہٰذا وہ بار بار ان کے آگے پیچھے آ جا رہا تھا۔ "اب کھل جاؤ۔" اس نے روبی کے چہرے پر اپنے لیے حقارت کے تاثرات دیکھ کر کہا۔ "تم کون ہو؟"

کرنل کی آواز سنتے ہی تمام فوجی ساکت اور خاموش ہو گئے۔

"ہم فوجی پریڈ دیکھنے آئے ہیں۔" روبی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "قہقہے میں دہشت ہیں۔"

"اچھا...!" کرنل بلیچ کا لہجہ بے حد خطرناک تھا۔ "میں دیکھوں گا کہ تمہاری یہ حس ظرافت کب تک برقرار رہتی ہے اور تم...؟"

وہ بہرام کی طرف پلٹ پڑا۔

"میرے پاس کہنے کے لیے کچھ نہیں ہے۔" بہرام نے پُروقار لہجے میں جواب دیا۔

"ہوں...!" بلیچ نے ہنکارا بھر کر فوجیوں کی طرف دیکھا جو پتھر کے مجسموں کی طرح خاموش اور ساکت بیٹھے تھے۔ "دیکھا تو! ان کے چہرے دیکھ لو، پہچان لو انھیں... یہ جاسوس ہیں۔" وہ ایک لمحے کے لیے خاموش رہا تاکہ ڈرامائی تاثر پیدا ہو سکے۔ "یہ دونوں جاسوس اور غدار ہیں۔ میں اعلان کرتا ہوں کہ ہم زمانۂ جنگ میں ہیں۔ کالوں اور رنگ داروں کے خلاف جنگ ہو رہی ہے۔ زمانۂ جنگ میں غدار اور جاسوس کو صرف ایک سزا دی جا سکتی ہے اور میں انھیں سزائے موت دیتا ہوں۔"

"کیا تم ہمیں پریڈ دیکھنے کی اجازت نہیں دو گے؟" روبی نے بے خوفی سے پوچھا۔

"کہیں ویسا ہی گاکہ فائرنگ اسکواڈ کے سامنے بھی تمہاری ظرافت برقرار رہتی ہے یا نہیں۔" کرنل بلیچ نے پاؤں پٹخ کر کہا لیکن پھر فوراً ہی خود پر قابو پا لیا۔ وہ جوانوں کے سامنے کسی قسم کی کمزوری کا اظہار کرنا نہیں چاہتا تھا۔ "تمھیں فائرنگ اسکواڈ کے حوالے کرنے سے قبل میں تم سے یہ ضرور اگلوا لوں گا کہ تم کون ہو؟"

"غصے میں مت آؤ۔" روبی نے مسکراتے ہوئے مشورہ دیا۔

دفعتاً کرنل بلیچ کے اشارے پر زرد دانتوں والے سارجنٹ نے روبی کے دونوں ہاتھ پکڑ کر پشت پر موڑ دیے۔ اس نے روبی کو دھکا بھی دیا جس کے باعث وہ کرنل بلیچ کی طرف جھکی اور بلیچ کی اسٹک اس کے کندھے سے ٹکرا گئی۔

روبی ایک کراہ کے ساتھ زمین پر گر پڑی۔

بلیچ نے مکروہ انداز میں قہقہہ لگایا اور بہرام تلملا کر رہ گیا۔ اس کے تن بدن میں آگ سی لگ گئی۔ وہ کرنل بلیچ کی طرف جھپٹ پڑا۔ بلیچ نے اسٹک اٹھا کر اس کے سر پر مارنے کی کوشش کی لیکن بہرام نے جھکائی دے کر وار ناکام بنا دیا۔ ساتھ ہی اس کا زوردار گھونسا بلیچ کی موٹی ناک پر پڑا۔ بلیچ نے اپنے خالی ہاتھ سے ناک پکڑ لی۔ اس دوران میں باقی چار فوجی بہرام کو دبوچ لینے میں کامیاب ہو گئے۔ انھوں نے اسے گرا دیا اور ایک جوشیلے رنگروٹ نے رائفل کا کندا اس کے کندھے پر دے مارا۔

بلیچ نے ناک سے ہاتھ ہٹایا تو خون بہنے لگا۔ "اس شخص کو دبوچے رکھو، میں پہلے لڑکی سے نمٹوں گا۔" یہ کہہ کر اس نے روبی کے بال پکڑے اور اسے کھینچ کر کھڑا کر دیا۔ "میں تم سے پہلے نمٹوں گا کالی چڑیل۔" یہ کہنے کے بعد وہ اپنے جوانوں کی طرف پلٹا جو اس کی لہولہان ناک کو دیکھ کر دل ہی دل میں خوش ہو رہے تھے۔

"دیکھو... یہ ایک غدار عورت کا چہرہ ہے۔"

★★

کسی نے بھی ان دونوں کو کیمپ میں داخل ہوتے نہیں دیکھا تھا۔ وہ سب کی نظروں سے بچتے بچاتے احاطے میں داخل ہوتے اور خاموشی سے بلیچ کے خیمے کے عقب میں پہنچ گئے۔ انھوں نے دیکھا کہ ایک شخص روبی کو بالوں سے پکڑ کر کھینچ رہا ہے۔ وہ روبی

کو مزاحمت نہ کرتے ہوئے دیکھ کر حیران رہ گئے لیکن پھر جب روبی کا چہرہ بلیچ کے چہرے کے قریب آیا تو وہ مسکرانے لگے کیونکہ روبی نے اس شخص کے چہرے پر بروقت تھوک دیا۔

"بڑی بہادر لڑکی ہے شہزادہ... مجھے ایک شاندار وارث دے سکتی ہے... اور تم اس بچے کے باپ ہو گے۔"

"اس وقت بچے کو بھول جائیں، اوشان... آپ کی بیٹی ہی خطرے میں نظر آ رہی ہے۔"

بلیچ کا ارادہ روبی کی کنپٹی پر اسٹک مارنے کا تھا۔ ٹائیگر نے اس کا ارادہ بھانپ لیا اور تیزی سے آگے بڑھا... پھر بجلی کی طرح کوندا سانپ کا اور اس سے قبل کہ اسٹک روبی کی کنپٹی پر پڑتی، اس نے بلیچ کے ہاتھ سے چھڑی چھین لی و ہیلو... کیا حال ہے حضرات؟" اس نے مسکراتے ہوئے کہا اور زمین پر بیٹھے پانچ سو جوانوں کی طرف دیکھ کر ہاتھ ہلانے لگا۔ جن میں اسے دیکھ کر کھلبلی سی مچ گئی تھی۔ وہ ایک دوسرے سے پوچھ رہے تھے کہ یہ شخص کون ہے اور یہاں کیسے پہنچ گیا ہے؟

خود بلیچ بھی حیران اور پریشان اسے دیکھتا رہا لیکن پھر جب اس کا ہاتھ ہولسٹر کی طرف گیا تو ٹائیگر کا ہاتھ بھی حرکت میں آیا اور بلیچ نے محسوس کیا کہ ہولسٹر اس کی بیلٹ سے الگ ہو گیا ہے پھر اس نے ہولسٹر کو ہیں فٹ دُور گرتے ہوئے دیکھا۔

"مہمانوں کو خوش آمدید کہنے کا یہ طریقہ تو نہیں ہوتا۔"

بہرام کو پکڑنے والے فوجیوں نے بھی ہتھیار سنبھال لیے تھے۔ سارجنٹ کے اشارے پر چار پانچ کی نال، ٹائیگر کے پیٹ کی طرف تھی جبکہ باقی تین کی رائفلیں بھی اُس کی طرف اُٹھی ہوئی تھیں۔

"بس... بہت ہو گیا۔" سارجنٹ نے سفاک لہجے میں کہا۔

روبی اب خود کو سنبھال چکی تھی۔ اُس نے احترام کی نظروں سے ٹائیگر کی طرف دیکھا اور آنکھ سے اشارہ کر کے مسکرانے لگی۔

"اگر تم لوگوں نے کوئی حرکت کی تو بعد میں تم سے بھی نمٹ لوں گا۔" ٹائیگر نے اپنے اوپر ہتھیار اُٹھانے والوں کو دھمکی دی۔ مگر سارجنٹ نے اپنا ریوالور آگے کر کے اس کے پیٹ سے لگا دیا۔

اگلے لمحے ایک خوفناک چیخ گونج اٹھی۔ سب کی نظریں بلیچ کے خیمے کی طرف مرکوز ہو گئیں۔ جس میں سے ایک مدقوق اور زرد رُو نوجوان اُڑتا ہوا نکل رہا تھا۔

سارجنٹ نے اوشان پر گولی چلانے کے لیے ریوالور کا رُخ اس کی طرف کیا مگر اوشان کی لہراتی ہوئی عبا اس کے چاروں طرف اس طرح پھیل گئی کہ وہ نشانہ نہیں لے سکا... سارجنٹ نے بلبلی پر دباؤ ڈالنا چاہا لیکن اُسے بہت دیر ہو چکی تھی۔ اوشان نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ ڈال کر ریوالور کھینچ لیا تھا اور سارجنٹ اچھی طرح دیکھ سکتا تھا کہ اس کی وہ انگلی جو بلبلی پر تھی، ریوالور کے ساتھ ہی چھن گئی ہے پھر اُس نے یہ بھی محسوس کیا کہ بوڑھے کا ہاتھ فولاد کا بنا ہوا ہے کیونکہ وہ ہاتھ اب اس کی کلائی پر پنجہ تھا جو جگہ جگہ سے چبھ رہی تھی۔ سارجنٹ کے حلق سے ایک کربناک چیخ نکل گئی اور وہ کسی کٹے ہوئے درخت کی طرح گرتا چلا گیا۔

تینوں رنگروٹ اپنے سارجنٹ کو اس طرح گرتے ہوئے دیکھ کر حواس باختہ ہو گئے... پھر ان کی خوفزدہ آنکھیں اوشان پر جم

کائنات
ایم اے راحت
قیمت: ۹۰/۰۰ روپے

ابلیکا
اسلم راہی
جس میں حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک دنیا کی تاریخ پیش کی گئی ہے
سات جلدوں میں مکمل سیٹ:/1950 روپے
اردو بازار لاہور

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کر رہ گئیں۔

"فائر کرو... احمقو!" بلیچ نے چلا کر کہا۔

"خود کرتے رہو۔" ایک عقل مند رنگروٹ نے ہتھیار پھینک کر راہِ فرار اختیار کرتے ہوئے کہا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ اوشان اور یہ نوجوان، انسان کے رُوپ میں آسمانی آفتیں ہیں۔

"فائر کرو!" بلیچ کسی زخمی شیر کی طرح دھاڑا اور پھر باقی دو رنگروٹ اپنی زندگی کی آخری غلطی کر بیٹھے۔ انھوں نے رائفلیں سیدھی کیں، جو اس ہنگامے میں جُھک گئی تھیں پھر انھوں نے فائر بھی کر دیا... مگر ان کی گولیاں بلیچ کے بجائے ٹھس گئیں اور وہ وہ سیدھی مرتبہ فائر نہ کر سکے۔ دونوں نے ان کی رائفلیں پکڑ کر پیٹ میں ماری تھیں اور رائفلیں نیزوں کی طرح ان کے پیٹ میں گھس گئی تھیں۔

دونوں رنگروٹ کسی کچی دیوار کی طرح ڈھیر ہو گئے۔

سارجنٹ کی حالت بہت ابتر تھی، وہ مسلسل تڑپ رہا تھا بلیچ نے یہ صورتِ حال دیکھی تو وہ بھی خوفزدہ ہو گیا۔ اس نے بھاگنے کی کوشش کی تو ٹائیگر نے لپک کر عقب سے اس کی بیلٹ پکڑ لی، بلیچ کی ٹانگیں دوڑنے کے لیے چلتی رہیں لیکن وہ مزید ایک انچ بھی آگے نہ بڑھ سکا۔ ان پانچ سو فوجیوں کو وہ ایک ایسا کارٹون لگ رہا تھا جو ٹی۔ وی پر دکھایا جاتا ہے۔

وہ قہقہے لگانے سے باز نہ رہ سکے۔

ان کے قہقہے سن کر بلیچ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اسے آج احساس ہو رہا تھا کہ خوف اور احترام میں کتنا فرق ہوتا ہے۔

"مت ہنسو...!" اس نے چیخ کر حکم دیا... مگر قہقہے اور زیادہ شدت سے گونجنے لگے۔ غالباً ہنسنے والے فوجیوں نے محسوس کر لیا تھا کہ اب بلیچ انھیں کبھی تشدد کا نشانہ نہیں بنا سکے گا۔

"بس... کھیل ختم...!" ٹائیگر نے خونخوار لہجے میں کہا۔ نصف قہقہے بند ہو گئے بلکہ فرار کے لیے کرنل بلیچ کی ٹانگوں نے بھی جدوجہد موقوف کر دی۔

"بتاؤ کہ اس مکروہ تنظیم کی پُشت پر کون ہے؟" ٹائیگر نے سوال کیا۔

"نہیں بتاؤں گا۔" بلیچ نے ہٹ دھرمی دکھائی۔ ٹائیگر نے اس کے کان کی لَو پکڑ کر دبا دی اور بلیچ کسی کٹے ہوئے بکرے کی طرح تڑپنے لگا۔ "اب... بتاتا ہوں۔" اس نے فوراً ہتھیار ڈال دیے... "میلے یار کر...!"

ٹائیگر نے کان کی لَو چھوڑ دی۔ وہ لمبی لمبی سانسیں لینے لگا اور پھر وہ کسی کتاب کی طرح کھلتا چلا گیا۔ اس کے بہترین جوان، جن پر اُسے ناز تھا، اس کو کمزور دیکھ کر زور زور سے قہقہے لگانے لگے۔ بلیچ کی حالت غیر ہوتی گئی اور پھر وہ غصے سے بَل کھا کر اپنے ہولسٹر کی طرف دوڑا جو بیس بائیس فٹ دُور پڑا تھا۔ روبی نے یہ منظر دیکھا تو سمجھ گئی کہ وہ خودکشی کرے گا لہٰذا اُس نے ایک رائفل اُٹھائی اور فائر کر دیا۔

گولی بلیچ کی کھوپڑی میں گھس کر باہر نکل گئی۔

فوجیوں کے قہقہے ایک بار پھر رُک گئے۔ روبی نے آگے بڑھ کر بلیچ کے پیٹ پر ٹھوکر ماری اور پھر جوتے کی نوک سے اس کا بھاری جسم اُلٹ دیا۔ "میں نے اسے خود مارنے کی آرزو مند تھی۔" یہ جملہ اس نے ٹائیگر کی طرف دیکھ کر ادا کیا تھا۔

ٹائیگر نے دم بخود بیٹھے ہوئے جوانوں کی طرف دیکھا اور پھر نرم لہجے میں ان سے مخاطب ہوا۔ "دیکھ لو... یہ نسل پرستی کا انجام ہے۔ یہ ایک شخص کی نہیں بلکہ نسل پرستی کی لاش ہے۔ جاؤ اپنے اپنے گھروں کو چلے جاؤ اور صرف اتنا یاد رکھنا کہ تم ایک ایسی قوم کا حصہ ہو، کالوں، گوروں اور ہر رنگ و نسل کے لوگوں پر مشتمل ہے۔ یہی اس یونٹ کو توڑنے کا اعلان کرتا ہوں جس میں تم شامل تھے۔"

سُورج کی دُھوپ سے ٹائیگر کا چہرہ تمتمانے لگا اور اس کی آنکھیں انتہائی خوفناک نظر آنے لگیں۔

جوان اپنی اپنی جگہ دم بخود بیٹھے رہے۔ ان میں ہلنے کی بھی سکت نہیں رہی تھی۔

ٹائیگر نے جُھک کر کرنل بلیچ کا چرمی ہولسٹر اُٹھایا اور اُسے یوں چیر ڈالا جیسے تیلا سا کاغذ پھاڑ رہا ہو۔ "جاؤ... چلے جاؤ...!" اس کے لہجے میں درندگی تھی۔

"چلو... بھاگ چلو...!" کسی فوجی نے خوفزدہ لہجے میں کہا اور پھر وہ سب گرتے پڑتے بسوں کی طرف دوڑ پڑے۔

"اسکس کو بھی لے جاؤ۔" ٹائیگر نے سارجنٹ کو ٹھوکر مارتے ہوئے کہا اور پھر بہرام کی طرف دیکھا جو اپنا ایک کندھا پکڑے کھڑا تھا۔ "کیا ہوا؟... کیا انھوں نے بہت زور سے مارا تھا؟"

"نہیں...!" بہرام نے مسکرا کر جواب دیا۔ "گرنے سے چوٹ آ گئی تھی۔"

★★

"ذرا اسے دیکھو۔" بہرام نے ایک اخبار اُس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا جو بہرام کے ہوٹل کے کمرے میں پڑا ہوا تھا۔ اس اخبار میں دو صفحات کا ایک اشتہار تھا۔ ٹائیگر اسے پڑھنے لگا۔

اب ہمیں فرہدوں کے مسائل کا اصل سبب معلوم ہوا ہے۔

فرہدوسی سیاہ فام بے روزگاری، ناخواندگی، بیماری اور پسماندگی کی وجہ سے کچلے گئے ہیں، انھیں ایک ایسے ثقافتی دھارے میں شامل ہونا پڑ رہا ہے جو اُن کا اپنا نہیں ہے جبکہ فرہدوسی سفید فام اسٹرکچر پر عدم تحفظ کے احساس کا شکار ہیں اور انھیں اس بات کی شکایت ہے کہ حکومت کو ان کے مسائل سے کوئی دلچسپی نہیں۔ انھیں شکوہ ہے کہ ان کی جدّی آمدنی زیادہ ٹیکسوں، زیادہ قیمتوں اور حکومت کے ایسے پروگراموں کی نذر ہو رہی ہے جن کا ان کی نظر میں کوئی فائدہ نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مختلف نسلی گروہوں میں اختلافات جنم لے رہے ہیں... لیکن اب ان مسائل کا ایک حل موجود ہے۔ سب سیاہ فام بنیادی اقتصادی اور ثقافتی تحفظ کے خواہاں ہیں، وہ آزادی کی ضمانت، سر چھپانے کی جگہ، روٹی اور اپنے ثقافتی پس منظر کی تعلیم چاہتے ہیں۔ سفید فاموں کی خواہش ہے کہ ان کی ٹیکسیں ایک بار پھر محفوظ ہو جائیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ ٹیکس کے نام پر دھول کی جانے والی ان کی رقم ایسے لوگوں پر خرچ نہ کی جائے جنھوں نے سڑکوں پر چلنا بھی خطرناک بنا دیا ہے۔ ان مقاصد کے حصول کی خاطر ایک نئی تنظیم قائم کی گئی ہے جو نسلی کشیدگی اور ان اقتصادی مسائل کو ختم کرنے کے لیے تعمیری تجاویز پیش کرے گی جن کی وجہ سے جنوبی فرہدوسی ہل کر رہ گیا ہے لیکن ان مسائل کو حل کرنے کا مشن پورا کرنے کے لیے آپ کو ہمارا ساتھ دینا ہوگا۔ ہم جلد ہی بے نظیر ریلی کی طرف مارچ کریں گے تاکہ حکام کے کان پر جُوں رینگ سکے اور ہم چاہیں گے کہ آپ بھی ہمارے شانہ بشانہ ہوں تاکہ حکومت اچھی طرح سمجھ لے کہ ہم کس قدر سنجیدہ ہیں۔ ہم ایک نئے فرہدوسی کی تعمیر کے لیے قافلہ ترتیب دے رہے ہیں۔"

وہ صفحہ اُن لوگوں کے دستخطوں سے بھرا ہوا تھا جنھوں نے اس اشتہار کے اخراجات برداشت کیے تھے اور جو تنظیم کے بنیادی رُکن تھے۔

"اگر تم اس اشتہار کو غور سے پڑھ چکے ہو تو تمھیں اندازہ ہو گیا ہوگا کہ یہ لوگ پھر سے غلامی کا دَور واپس لانا چاہتے ہیں۔" بہرام نے پُرتفکر لہجے میں کہا لیکن معمول کے مطابق اس کے چہرے پر کسی قسم کے تاثرات نہیں تھے ویسے ٹائیگر کو احساس تھا کہ اس وقت بہرام شدید غصے کی حالت میں ہے۔

ٹائیگر نے دستخط کرنے والوں کے نام بغور پڑھے تو اسے یہ دیکھ کر شدید قلق ہوا کہ ان میں بیالیس اسمبلی اور سینیٹ کے رُکن، بارہ میئر اور سینکڑوں کونسلر شامل تھے۔ صدارت کے لیے ایک سابق اُمیدوار بھی تائید کنندگان کی فہرست میں شامل تھا۔ کئی مدیران اور صحافیوں کے نام بھی درج تھے۔

"اگر اس اشتہار کا مقصد غلامی کی واپسی ہے تو اتنے بہت سے لوگوں نے اس پر دستخط کیوں کر دیے، چیف؟"

"دستخط کرنے والوں کو اس تنظیم کے پسِ پُشت مقاصد کا علم نہیں ہوگا۔ کچھ لوگوں نے صرف مروّت میں دستخط کر دیے ہوں گے۔ خیر... جو کچھ بھی ہو، میں تو آپ کی تنظیم سے علیحدگی اختیار ہی کر چکا ہوں۔ اب یہ میرا مسئلہ نہیں ہے۔"

اسی لمحے روبی اور اوشان کمرے میں داخل ہوئے۔ وہ کافی دیر سے ان دونوں کی گفتگو سن رہے تھے۔ "نہیں...!" روبی نے ٹائیگر کی طرف انگلی اُٹھاتے ہوئے کہا۔ "یہ مسئلہ تمھارا بھی ہے۔ تم مجھ سے اسحاق کو تلاش کرنے کا وعدہ کر چکے ہو۔ کیا تم نے اپنا وعدہ پورا کر دیا ہے؟ نہیں تم ابھی تک وعدہ پورا نہیں کر سکے لہٰذا تم یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ مسئلہ تمھارا نہیں ہے۔"

روبی کی آواز اونچی ہوتی گئی حتیٰ کہ ٹائیگر نے دونوں ہاتھ کان پر رکھ کر کہا۔ "بس، بس! تم جو کہو گی میں وہی کروں گا لیکن خدا کے واسطے یہ چیخنا بند کر دو۔"

"یہ جو کہے گی وہی کرو گے؟" اوشان مسرت آمیز لہجے میں بولا۔

"نہیں، اوشان... وہ بات مت کہنا۔ میں زندگی بھر اس چیخ و پکار کو برداشت نہیں کر سکوں گا۔" ٹائیگر نے گھبرا کر جواب دیا۔

"تم دونوں کیا بات کر رہے ہو؟" روبی نے خشمگیں انداز میں دونوں کی طرف دیکھا اور پھر اوشان کو مسکراتے دیکھ کر سمجھ گئی کہ وہ بچے کے بارے میں بات کر رہا تھا لہٰذا اُس کا منہ بن گیا... مگر وہ کن انکھیوں سے ٹائیگر کی طرف بھی دیکھنے لگی۔ بہرام ان کی گفتگو سے اُکتا کر کسی کو فون کرنے لگا۔

"تم دونوں کو میری تجویز کی اہمیت کا اندازہ نہیں ہے۔" اوشان نے دھیرے سے کہا۔

"مگر میں روبی کو پسند نہیں کرتا۔" ٹائیگر نے بیڈ پر گرتے ہوئے کہا۔

"تم مجھے پسند کرتے ہو جب کہ میں تمھیں پسند نہیں کرتی۔" روبی نے غراتے ہوئے کہا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"ٹھیک ہے، ہم دونوں ہی ایک دوسرے کو پسند نہیں کرتے۔" ٹائیگر نے مصالحانہ انداز اختیار کر لیا۔

"ہرگز نہیں... تم مجھے پسند کرتے ہو اور اگر میں نے تمہیں کبھی پسند کیا تو تمہیں میرا بن کر رہنا ہی پڑے گا۔"

"شاباش۔" اوشان نے خوشی سے روبی کا شانہ تھپک دیا۔

"تم آخر خود کو سمجھتے کیا ہو... تم جیسے درجنوں افراد میرے ملازم ہیں۔" روبی اوشان کی شہ پا کر اور بھی شیر ہو گئی۔ "میں جب چاہوں تم جیسے سینکڑوں میرے قدموں میں... !"

"مگر میں ان سینکڑوں میں شامل نہیں ہوں۔"

"ٹھیک ہے، ایک دیکھوں گی۔" یہ کہہ کر وہ اوشان کی طرف پلٹ گئی۔ "کیوں اوشان! منانجو کو وارث دینے پر مجھے کیا ملے گا؟"

"صدیوں کا سرمایہ... !" اوشان نے فوراً جواب دیا۔

"... جو منوگنوں اور سیپیوں سے بھری ہوئی چار بوریوں اور چودہ ڈالر کے مصنوعی زیورات پر مشتمل ہے۔" ٹائیگر نے فوراً پول کھول دیا۔

"چپ رہو۔" اوشان نے اسے جھڑک دیا۔

"ہاں... اب ایک لفظ بھی نہ بولنا۔ اس سلسلے سے تمہارا کوئی تعلق نہیں۔" روبی نے بہک کر حکم دیا۔

"میرے خدا!" ٹائیگر نے گھبرا کر دونوں ہاتھ سر پر رکھ لیے۔ "اگر وارث کی پیدائش کا تعلق مجھ سے نہیں تو پھر کس سے ہے؟"

"میری بچی... اس احمق کی بچکانہ باتوں پر دھیان نہ دو۔" اوشان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

بہرام نے ریسیور رکھ دیا اور ان کی طرف پلٹ کر بولا۔ "تم لوگوں کی بے سروپا باتوں کے باوجود میں نے بات کر لی ہے۔"

"کس سے...؟" اوشان نے پوچھا۔

"کیپیوٹر سے... !"

"کیسے ہیں، میرا خیال ہے، ویڈیو دیکھ رہے ہوں گے۔" ٹائیگر نے یوں پوچھا جیسے ڈاکٹر بہرام سے اس کے بچوں کے بارے میں پوچھ رہا ہو۔

"ہوں...!" بہرام نے اس کندھے کو سہلایا جس پر رائفل کا کندا لگا تھا اور پھر سنجیدگی سے بولا۔ "ہماری اطلاع کے مطابق جو بحری جہاز کی اراضی پارکر ہی کی ملکیت ہے۔"

"اوہ...!" ٹائیگر اٹھ بیٹھا۔ "یہی نام اس نام نہاد کرنل نے بھی لیا تھا لیکن میں اب بھی یہ یقین نہیں کر سکتا کہ اس گورکھ دھندے کے پس پشت پارکر ہو گا کیونکہ وہ انتہائی آزاد خیال اور مغربیوں کا ہمدرد ہے جسے نسل پرستی سے دشمنی دوستی میں ملی ہے۔"

"اور آج کے اخبار میں شائع ہونے والا اشتہار بھی پارکر کی بنائی ہوئی ایک فاؤنڈیشن کے ذیلی ادارے نے جاری کیا ہے۔" بہرام نے ٹائیگر کے اعتراضات کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

"کیں اب بھی یقین نہیں کر سکتا۔"

"اور پارکر نے پریس کانفرنس کے لیے ٹی۔ وی پر پریس میں تین گھنٹے کی نشریات بھی بک کرائی ہیں۔"

"مجھے اب بھی یقین نہیں آیا کہ پارکر... !"

"حالانکہ گوشت سنتے... اعوا کی وارداتوں سے قبل کالیوں کی وہ بیس پارکر کے اس مینشن میں داخل ہوتی نظر آئی تھیں جو مغربی ساحل پر واقع ہے۔"

"وہ کسی اور کی عمارت ہو گی۔" ٹائیگر ہٹ دھرمی پر قائم رہا۔

"پارکر کی کمپنیاں تنخواہ کی مد میں ایک ارب ڈالر سے زیادہ رقم ادا کرتی ہیں اور اگر دورِ غلامی واپس آ گیا تو اسے سالانہ پچاس کروڑ ڈالر کی بچت ہو گی۔"

"اوہ... تو یہ بات ہے۔" ٹائیگر نے اس مرتبہ یقین کر لیا۔ "لیکن اصل مسئلہ اسحاق کی تلاش ہے تاکہ میں اس چڑیل... اوہ اس حسین عورت کو مطمئن کر سکوں کہ میں نے اپنا وعدہ پورا کر دیا ہے۔"

"وہ بھی یقیناً پارکر کے مغربی ساحل والے مکان میں ہو گا۔" روبی نے فوراً کہا۔

"ہاں... اطلاعات یہی کہتی ہیں۔" بہرام نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

روبی فوراً روانگی کے لیے تیار ہو گئی... مگر ٹائیگر نے ساتھ چلنے سے انکار کر دیا۔ کچھ دیر بحث کے بعد جب اس نے یہ دیکھا کہ روبی چیخنے چلانے کی تیاری کر رہی ہے تو وہ فوراً کھڑا ہو گیا۔

"ٹھیک ہے، چلو۔" اس کی اس گھبراہٹ پر اوشان بلند کی آواز میں ہنسنے لگا اور خود روبی بھی والہانہ انداز میں مسکرانے لگی۔

"میں چلنے کے لیے تیار ہوں لیکن صرف اس شرط پر کہ بہرام ہمارے ساتھ نہیں چلیں گے کیونکہ میں کسی ایسے شخص کو ساتھ رکھنے کا عادی نہیں ہوں جو بار بار اپنی چوٹ کو سہلا رہا ہو۔"

"ٹھیک ہے، ماما ان کا خیال رکھیں گی۔" روبی نے فوراً تجویز پیش کر دی۔

5

پارکر کی عظیم الشان عمارت مغربی ساحل کی عمارتوں میں اس طرح نظر آ رہی تھی جیسے عام عمارتوں میں کوئی خاص ہیرا ہو۔ یہ مینشن

چھ ایکڑ پر پھیلی ہوئی تھی اور اس کی بیرونی چار دیواری دس فٹ بلند تھی جس کو بنانے کے لیے صرف لوہا استعمال کیا گیا تھا۔ مینشن کے عقبی حصے میں سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا اور ایک گودی میں بڑی اور طاقت ور لانچ کھڑی ڈول رہی تھی۔ مرکزی دروازے کے اندر سفید ستونوں کے قریب دو وردی پوش محافظ استادہ تھے۔

ٹائیگر نے گاڑی نصف فرلانگ دور روک دی۔ "بہتر ہو گا کہ تم یہیں ٹھہرو۔" اس نے روبی سے کہا۔

"نہیں، میں بھی ساتھ چلوں گی، یہ میرے بھائی کا معاملہ ہے۔"

"شاباش...!" اوشان نے محبت بھری نظروں سے روبی کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم واقعی بہادر اور اپنے لوگوں سے مخلص ہو۔" اس جذباتی تبصرے پر ٹائیگر کا منہ بن گیا اور وہ گاڑی سے اتر آیا۔ اس کے پیچھے وہ دونوں بھی اتر آئے۔ مرکزی گیٹ پر پہنچ کر ٹائیگر رک گیا اور اس نے اشارے سے ایک گارڈ کو بلایا۔

"کیا بات ہے؟" گارڈ نے خشک لہجے میں پوچھا۔

"سنو! میں جس کام کے لیے آیا ہوں وہ آرام سے بھی ہو سکتا ہے اور سختی سے بھی...!"

"کیا مطلب ہے، تمہارا؟" گارڈ نے سخت لہجے میں سوال کیا۔

"مجھے اندر جانے دو۔"

"کیا تم نے مینشن میں آنے کی پیشگی اجازت لے رکھی ہے؟"

"نہیں... میں اجازت لینے کا عادی نہیں ہوں۔"

"تب پھر میں تمہیں اندر آنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ مجھے افسوس ہے کہ...!"

"تمہیں مزید افسوس ہو گا۔" یہ کہہ کر اس نے سلاخوں میں ہاتھ ڈال کر گارڈ کی کلائی دبوچ لی اور پھر اسے اتنا کھینچا کہ گارڈ سلاخوں سے آ لگا۔ دوسرے گارڈ کو دور سے یوں لگا جیسے اس کا ساتھی کسی سے سرگوشیوں میں باتیں کر رہا ہو۔

"کیا میں اس کلائی کا سرمہ بنا دوں؟" ٹائیگر نے سرگوشی میں پوچھا۔ "کیا چاہتے ہو... کلائی یا سرمہ؟"

"گگ... کلائی...!" گارڈ اس کی آہنی گرفت سے گھبرا گیا۔

"گڈ... عقل مند لگتے ہو۔ اب ذرا پیار سے اپنے ساتھی کو آواز دے کر یہاں بلاؤ۔" ٹائیگر کی اس ہدایت پر گارڈ نے فوراً عمل کیا۔

"کیا بات ہے، دیلی؟" دوسرے گارڈ نے قریب آتے ہوئے پوچھا۔ وہ جنگلے کے قریب پہنچا ہی تھا کہ ٹائیگر کا دوسرا ہاتھ اس کی طرف بڑھا اور اس کی کلائی بھی گرفت میں آ گئی۔

"اوہ!" ٹائیگر نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "اگر تم دونوں اپنی زندگی سے پیار کرتے ہو تو دروازہ کھول دو۔" یہ کہتے ہوئے اس نے اس کی کلائی پر گرفت بڑھا دی۔

دیلی کا آزاد ہاتھ بہت تیزی سے جیب میں گیا اور چابیوں کے ساتھ واپس آیا۔ اس نے تانبے کی ایک چابی منتخب کر کے قفل میں گھمائی۔ دروازہ کھلا تو ٹائیگر نے ان دونوں کو صرف ایک لمحے کے لیے چھوڑا اور پھر اندر گھس کر دوبارہ اسی انداز میں پکڑ لیا۔ اس نے دونوں کو ٹھاریوں میں لے جا کر بے ہوش کیا اور وہیں چھوڑ دیا... اور پھر جب وہ دروازے کے قریب پختہ روش پر پہنچا تو روبی اور اوشان بھی اندر آ رہے تھے۔ وہ انھیں دیکھ کر مسکرانے لگا۔ اس نے دروازہ کھلوانے کے لیے جو ترکیب استعمال کی تھی اس پر روبی اور اوشان دونوں ہی سرگوشیوں میں اس طرح تعریف کر رہے تھے کہ وہ انھیں کی آواز نہ سن سکے۔ لیکن ٹائیگر روبی کے ہلتے ہوئے لب دیکھ کر ہی سب کچھ سمجھ رہا تھا۔

"خاتون اور حضرت!" ٹائیگر نے ان کے قریب پہنچ کر سر خم کرتے ہوئے کہا۔ "میں نے دروازہ کھلوانے کے لیے جو ترکیب استعمال کی ہے، اس پر آپ دونوں یقیناً میری ذہانت کے معترف ہوں گے۔ کیا آپ اس کا اظہار بآوازِ بلند نہیں کر سکتے؟"

"ایسے شعبدے تو ایک بچہ بھی دکھا سکتا ہے۔" روبی نے منہ بنا کر جواب دیا حالانکہ اس وقت اس کا جی چاہ رہا تھا کہ وہ ٹائیگر کی دل کھول کر تعریف کرے۔

"اوہ... میرے بچے... میری بچی۔" اوشان نے ان دونوں کی طرف دیکھ کر کہا۔ "دونوں کا بیٹا یقیناً اس سے کہیں زیادہ ذہانت کا مظاہرہ کر سکے گا۔"

"جس کے ہونے کی کوئی توقع نہیں۔" ٹائیگر نے مصنوعی خفگی سے جواب دیا۔

"یہ وہ ہتھانی اچانک بے سروپا باتیں کیوں کرنے لگا ہے اوشان؟" روبی نے تلخ لہجے میں پوچھا۔

"پتہ نہیں؟" اوشان نے بھی حیرت کا اظہار کرنے کے لیے اپنے کندھے اچکائے۔ "میں آج تک نہیں سمجھ سکا کہ اس جیسے نوجوانوں کی ذہنی رو اچانک ہی کیوں بہک جاتی ہے۔"

ان دونوں کی گفتگو سن کر ٹائیگر نے اسی میں عافیت سمجھی کہ عمارت کی طرف چل دے۔

اصل عمارت اور رہائشی بلاک، اراضی کے آخری حصے میں سمندر تک پھیلے ہوئے تھے۔ رہائشی بلاک کے دائیں بائیں دو چھوٹی چھوٹی عمارتیں تھیں۔ درمیان ایک لان تھا جس جھاڑیاں

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

بے ترتیبی سے بڑھی ہوئی تھیں۔ جن کے درمیان سے گزر کر ٹائیگر پہلے ان عمارتوں کی طرف چل دیا۔

اس نے پہلے کمرے میں جھانک کر دیکھا۔ یہ یقیناً مالی کے رہنے کی جگہ تھی لیکن اس وقت اس کمرے میں کوئی نہیں تھا۔ دوسری عمارت، پہلی عمارت کے پیچھے چھپی ہوئی تھی۔ اس کو چکنے پتھروں سے بنایا گیا تھا۔ ٹائیگر نے اس کے اندر جھانکنے کی بھی کوشش کی لیکن اس میں ناکام رہا کیونکہ اس کی کھڑکیوں پر پردے پڑے ہوئے تھے۔ دروازے پر باہر سے کنڈی چڑھی ہوئی تھی لیکن دروازہ مقفل نہیں تھا۔

وہ تینوں اس عمارت کے بڑے کمرے میں داخل ہو گئے جس کا رقبہ بیس یا پچیس مربع فٹ رہا ہوگا۔ اس کی ایک دیوار کے ساتھ لوہے کے پلنگ پڑے ہوتے تھے۔ ایک طرف کھلا ہوا بیت الخلا تھا اور ایک دیوار کے ساتھ زنجیریں جھول رہی تھیں۔ روبی نے ان زنجیروں کو گنا تو وہ تیرہ نکلیں، وہ سوچنے لگی کہ اغوا کرنے والوں کی تعداد تو چودہ تھی۔

اسی لمحے ٹائیگر نے ایک آواز سن کر اوشان کی طرف دیکھا۔

"آپ نے آواز سنی اوشان؟" ٹائیگر نے چونک کر پوچھا۔

"ہاں" اوشان نے اثبات میں سر کو جنبش دی۔

"کیسی آواز؟" روبی نے گھور کر ان دونوں کو دیکھا۔ وہ کوشش کے باوجود کچھ نہیں سن سکی تھی۔

"کسی مشین کے چلنے کی آواز آ رہی ہے۔" ٹائیگر نے دھیرے سے کہا۔ رفتہ رفتہ اس کی تمام حسیات بیدار ہونے لگی تھیں۔ وہ احتیاط سے کمرے کا جائزہ لینے لگا۔ یہ آواز عمارت کی دیوار کے اس حصے کے قریب سے آ رہی تھی جہاں پار کر کے رہائشی گھر سے تھے۔ دفعتاً ٹائیگر نے اپنے پیروں کی طرف دیکھا اور تیزی سے جھکتے ہوئے پرانا اور پھٹا ہوا قالین اٹھا کر پھینک دیا۔

روبی اور اوشان دونوں اس کی طرف دیکھ کر رہ گئے۔ روبی کے برعکس اوشان کے چہرے پر مسکراہٹ دوڑ گئی کیونکہ قالین کے ہٹتے ہی فرش میں ایک چوکور دروازہ نظر آنے لگا تھا۔

ٹائیگر نے ہینڈل پکڑ کر دروازہ کھول دیا اور اب روبی بھی مشین کی آواز سن سکتی تھی۔ اس نے ٹائیگر کے قریب کھڑے ہو کر تہ خانے میں دیکھا۔ فرش سے نیچے لکڑی کی سیڑھی تہ خانے کے فرش تک نظر آئی اور پھر ٹائیگر نیچے اترنے لگا۔ وہ دونوں بھی اس تقلید میں نیچے اتر گئے۔

نیچے سات فٹ بلند اور رنگ سرنگ ملی جو تیس فٹ لمبد

صاحب طرز ادیب قمر اجنالوی کی تاریخی کتب

پرتھال	۱۲۵/-	نئی دنیا	۲۰۰/-
پنڈارے	۱۰۰/-	لاڈو	۹۰/-
ولی عہد	۱۵۰/-	بغداد کی رات (اول دوئم)	۶۰۰/-
شمشیر	۱۵۰/-	دھرتی کا سفیر (اول دوئم)	۶۰۰/-
چاہ بابل	۴۰۰/-	مقدس مورتی (اول دوئم)	۴۰۰/-
سلطان	۴۰۰/-	جہان لوح و قلم	۱۷۵/-
جنگ مقدس	۱۵۰/-	غزالہ	۱۵۰/-
اور خان الغازی	۱۲۵/-		

مکتبہ القریش ○ اردو بازار لاہور

ایک دروازے پر ختم ہو رہی تھی۔ دروازے کی کھڑکیوں پر سیاہ پلاسٹک کے ٹکڑے چپکے ہوئے تھے۔ ٹائیگر نے ایک ٹکڑا اٹھا کر پھینک دیا۔ اب تینوں بآسانی اندر دیکھ سکتے تھے۔

انھوں نے ایک لمبی کنویئر بیلٹ دیکھی جس کے دونوں طرف تیرہ آدمی کھڑے تھے۔ ان میں سے سات افراد لاٹھیوں پر آہنی پتریاں چڑھا رہے تھے جبکہ باقی ان پتریوں کو اتار کر لاٹھیوں کو دوبارہ کنویئر بیلٹ پر رکھ رہے تھے تاکہ کام جاری رہے۔ اس بے معنی کام میں وہ انتہائی دلچسپی لے رہے تھے۔ انھوں نے بغیر آستین کی قمیصیں پہن رکھی تھیں۔ وہ سب کے سب سیاہ فام تھے اور نیم تاریکی میں کام کر رہے تھے۔

روبی کی سانس رک کر رہ گئی۔ اس کے حلق سے ہلکی سی آواز نکلی جسے روکنے کے لیے اس نے منہ پر ہاتھ رکھ لیا۔

"کیا ہوا؟" ٹائیگر نے چونک کر پوچھا۔

"وہ رہا... وہ رہا اسحاق..." روبی نے بمشکل کہا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔

"کون سا؟"

"بائیں طرف سے پہلا..." روبی نے جواب دیا۔

ٹائیگر چند لمحوں تک اسحاق کو دیکھتا رہا۔ اسے تو وہ سب کے سب ایک ہی جیسے اور جفاکش نظر آئے تھے جنھیں اپنے کام کے علاوہ اور کسی چیز سے دلچسپی نہیں تھی۔

کنویئر بیلٹ کے خاتمے پر چھوٹے سے پلیٹ فارم کے ساتھ سُرخ بالوں والا ایک دُبلا پتلا آدمی کھڑا تھا جس کے جسم پر سفید سوٹ اور سفید ہیٹ بہت بُرا لگ رہا تھا۔ اس کے دائیں ہاتھ میں سیاہ رنگ کا کوڑا تھا۔

معاً ٹائیگر کی نگاہ ایک اور شخص پر پڑی جو ایک ایسے بلند پلیٹ فارم پر کھڑا تھا جہاں سے پورے کمرے کو دیکھا جا سکتا تھا۔ ٹائیگر نے اس شخص کی تصویریں کئی بار اخبار میں دیکھی تھیں، لہٰذا وہ اسے فوراً پہچان گیا۔ یہ پارکر تھا۔ سنی... پارکر۔ انسان دوست پارکر... نسل پرستی کا دشمن پارکر... ٹائیگر کو وہ تمام تصویریں یاد آ گئیں۔ کسی تصویر میں پارکر سیاہ فاموں کے لیے یتیم خانے کا سنگِ بنیاد رکھ رہا تھا تو کسی میں پس ماندہ علاقوں کی صفائی کے لیے مشینری فراہم کر رہا تھا۔ اسے پارکر کی تقریریں بھی یاد آ گئیں۔ اس کی ہر تقریر میں انسان دوستی کے گُر دہی گھومتی تھی۔ پھر اسے یاد آ گیا کہ اسی پارکر نے افریقہ میں خطرناک قحط کے دوران اپنے خصوصی طیاروں سے امدادی سامان روانہ کیا تھا اور اس روز

مقامی سیاہ فاموں نے اسے اپنا نجات دہندہ تسلیم کر لیا تھا۔

"یہ لوگ کیا کام کر رہے ہیں؟" پارکر نے ادھر ہی سے چلا کر پوچھا۔ اس کی آواز بھاری اور رعب دار تھی۔ غالباً اُس نے تقریر کرنے کا فن کسی ممتاز مقرر سے سیکھا تھا۔

"بہت اچھا جناب!" سفید سوٹ والے نے مودب ہو کر جواب دیا۔ "ان کے کام کی رفتار ہر روز تیز ہو رہی ہے۔" سفید سوٹ والے کی آواز پھٹی پھٹی سی تھی جسے سن کر ٹائیگر نے فوراً اندازہ لگا لیا کہ یہ شخص پیشہ ور بدمعاش ہے جس کو پارکر نے یقیناً اسی کام کے لیے منتخب کیا ہوگا۔

"ٹھیک ہے، میں آج دوسری بار بھی دورہ کروں گا... لیکن میں چاہتا ہوں کہ غلام خوش و خرم رہا کریں اور اپنے جذبوں کا اظہار کرنے کے لیے گانے گائیں۔ سمجھ گئے؟"

شائیں... کوڑا اچانک ہی گھٹوما اور کبڑی افراد کے سروں پر سے گزر گیا۔ "تم نے آقا کی خواہش سن لی۔ گاؤ..."

غلاموں نے کام کی رفتار کم کیے بغیر ایک دوسرے کی طرف دیکھا جیسے پوچھ رہے ہوں کہ کیا گائیں۔

"میں کہتا ہوں، گاؤ۔" سفید سوٹ والا دھاڑا۔

"اسحاق، تم گانا شروع کرو۔" کوڑے والے نے چیخ کر کہا تو اسحاق نے نظریں اُٹھا کر اسے دیکھا اور پھر مسکرانے لگا۔ "میں کیا گاؤں میرے آقا؟"

"میں نہیں جانتا، بس گانا شروع کر دو۔"

"میں گانا نہیں جانتا، میرے مالک!" اسحاق نے خوشامدانہ انداز میں مسکراتے ہوئے اپنی مجبوری ظاہر کر دی۔

"کوئی سا بھی گانا شروع کر دو... لیکن گانا ایسا ہونا چاہیے جس سے تمھارے کام کی رفتار بھی تیز ہو جائے۔" سفید سوٹ والے نے اس مرتبہ پیر پٹختے ہوئے کہا۔

روبی نے آنکھیں مل کر دیکھا... کان میں انگلی ڈال کر اسے صاف کیا... مگر وہ جو کچھ دیکھ اور سن رہی تھی وہ سب کچھ حقیقی تھا۔ اسحاق گا رہا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس کے ساتھی آہا... آہا... کر کے اس کا ساتھ دینے لگے لیکن پارکر کو یہ آہا واہا پسند نہ آئی،

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

اور اس نے چلا کر انھیں گانا بند کرنے کا حکم دے دیا۔

"مجھے ایسے گانے پسند نہیں۔" اس کا لہجہ خوفناک تھا۔ "سنو... میرے پاس ایک چھپی ہوئی نظم ہے۔ یہ انھیں ادکرا دینا... یہ لو۔" اس نے ایک کاغذ نکال کر ہنٹر والے کو دیا۔ "جلدی یاد کرا دینا۔"

"آپ فکر نہ کریں، مالک۔ یہ ایک گھنٹے میں اسے رٹ لیں گے۔" سفید سوٹ والے نے جواب دیا۔

بادکر مطمئن ہو کر چلا گیا۔

"کیا خیال ہے، تمھارا؟" ٹائیگر نے روبی سے پوچھا۔

"یہ لوگ بہت محنت سے کام کر رہے ہیں۔" روبی نے دھیمے لہجے میں جواب دیا۔ "میرا خیال ہے، میں اپنی فیکٹری میں بھی یہی طریقہ اختیار کروں تاکہ کارکردگی بڑھ سکے۔"

"یہ انسانیت کی تذلیل ہے۔"

"میں لوگوں کو گانے پر مجبور نہیں کروں گی۔"

"شکر کرو کہ اسحاق بالکل ٹھیک ٹھاک نظر آ رہا ہے۔"

"مجھے تو پہلے سے بہتر لگ رہا ہے۔ میں نے آج سے پہلے کبھی اسے اتنی محنت سے کام کرتے نہیں دیکھا۔ گھر میں پڑا وٹیاں توڑتا رہتا تھا۔"

اس دوران اُوشان بالکل خاموش رہا اور جب ٹائیگر نے اس کی طرف دیکھا تو حیرت زدہ رہ گیا کیونکہ اُوشان کی شیشے جیسی آنکھوں میں بلا کا قہر تھا۔ اس کے چہرے کی رنگت سُرخ ہو رہی تھی۔ اُوشان کی یہ کیفیت ٹائیگر کے لیے اجنبی تھی۔

"کیا بات ہے، اُوشان؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"یہ... یہ انسانیت کے نام پہ دھبہ ہے۔" اس نے غلاموں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "یہ شیطانیت ہے... خباثت ہے۔ اس دُنیا میں اب ایسا نہیں ہونا چاہیئے۔ یہ کمزوروں کی بے حرمتی ہے، طاقت کا شرمندہ مظاہرہ ہے۔"

"آپ جذباتی ہو رہے ہیں مسٹر فادر۔" ٹائیگر نے دھیرے سے کہا لیکن اُوشان کے ان چند جملوں نے خود اس کے اندر بھی تپش اور شدید ہیجان پیدا کر دیا تھا۔

"نہیں۔ میں انسانوں سے ایسی حیوانیت کی توقع نہیں کر سکتا۔ یہ حرکت اشرف المخلوقات کے لیے باعث شرم ہے اور ایسی حرکت کرنے والے خدا کے دشمن ہیں۔"

اسی لمحے کوڑے کی شائیں شائیں پھر سنائی دی اور سفید سوٹ والے نے چلا کر کہا۔ "کام تیز کرو۔"

"رُک جاؤ۔" اُوشان نے غضبناک انداز میں چلا کر کہا اور اس کی آواز تہ خانے کی دیواروں سے ٹکرا کر چاروں طرف سے واپس آئی۔ اس نے بہت زور سے دروازے پہ ہاتھ مارا اور دروازہ زوردار احتجاج کے ساتھ ٹوٹ گیا۔ دروازہ ٹوٹنے کی آواز اتنی زور سے گونجی جیسے کوئی بم پھٹ گیا ہو۔ پھر اُوشان کسی چیلنج کی طرح اس ہال میں داخل ہو گیا۔ "رُک جاؤ وحشی! انسان تمھارے غلام نہیں بن سکتے۔"

ہنٹر والے نے حیرت اور غصے سے اُوشان کی طرف دیکھا۔ غلاموں کی نظریں بھی ان کی طرف اٹھ گئیں لیکن وہ ایک نحیف اور زرد بوڑھے کو دیکھ کر مایوس ہو گئے۔ تاہم بوڑھے کی آنکھوں سے نکلنے والے شعلے دیکھ کر کچھ ہمت ضرور بندھ گئی۔

ہنٹر والا جس کے ایک ہاتھ میں ہنٹر اور پہلو میں ریوالور تھا کود کر فرش پر آ گیا۔ اس نے کوڑا گھما کر اُوشان پر وار کیا لیکن جونہی کوڑا اُوشان کے قریب پہنچا اس کے تربیت یافتہ ہاتھ نے کوڑے کو پکڑ لیا اور جب کوڑا واپس گیا تو اس کی لمبائی ایک فٹ کم ہو چکی تھی۔ ہنٹر والے نے کوڑے کو ایک بار پھر کھینچ کر اپنے سر کے اوپر گھمایا اور اُوشان کے کندھے پر مارنے کی کوشش کی۔ یہ ایسا وار تھا جو کارگر ہوتا تو اُوشان کے کندھے کی ہڈی ٹوٹ جاتی۔ اس مرتبہ اُوشان نے کوڑا پکڑ کر چھوڑنے کے بجائے اسے اپنی طرف کھینچ لیا اور سفید کوٹ والا ماسٹر کے قدموں پر گر گیا۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے کسی مقناطیس نے اسے اپنی طرف کھینچ لیا ہو۔ اس نے کوڑا چھوڑنے کی کوشش ضرور کی مگر اس میں ناکام رہا۔ کیونکہ کوڑا اس کی کلائی سے کسی سانپ کی طرح لپٹا ہوا تھا۔ اس نے گرتے ہی ہولسٹر پر ہاتھ مارا اور ریوالور اس کے ہاتھ میں آ گیا۔ اس نے لبلبی پر انگلی رکھی لیکن لبلبی دبانے کی اسے حسرت ہی رہی کیونکہ اُوشان کی انگشت شہادت نے اس کی ریڑھ کی ہڈی پر ضرب لگائی تھی اور ہڈی کی ہلکی سی آواز کے ساتھ ٹوٹ گئی تھی۔

اُوشان نے حقارت سے اس کی طرف دیکھا اور پھر جب ہنٹر والے کی آخری سانس بھی اپنا سفر ختم کر چکی تو اس کی نظریں غلاموں کی طرف اٹھ گئیں جو تالیاں بجاتے ہوئے اسی کی طرف دیکھ رہے تھے۔ وہ ان کی طرف بڑھ گیا اور اس کو اپنی طرف آتے دیکھ کر وہ قدرے خوفزدہ ہو گئے۔ ایسا لگا جیسے وہ آقا سے زیادہ نجات دہندہ سے خائف ہو گئے ہوں۔

"سنو..." اُوشان نے بڑی تمکنت سے ہاتھ اپنے سینے پر باندھ کر کہا۔ "ایک اصول یاد رکھو کہ انسان غلام نہیں اور جو غلام نہیں، وہ غلام نہیں بن سکتا۔ مجھے تم لوگوں سے نفرت ہے۔ تم غلامی کے لیے پیدا

نہیں ہوئے تھے لیکن تم لوگوں نے غلامی کا طوق پہن کر خدا کی عطا کردہ آزادی کی توہین کی ہے۔"

کئی غلاموں کی نظریں جھک گئیں اور کئی نظریں ٹائیگر اور روبی پر جم گئیں جو اب اندر آ رہے تھے۔ روبی جونہی ان کے سامنے آئی اسحاق بے تاب ہو کر چلایا۔ "روبی... میری بہن۔"

"تم ٹھیک ہو؟" روبی نے خشک لہجے میں پوچھا۔

"ہاں... بس کچھ تھکا ہوا ہوں..." اسحاق نے جواب دیا۔ روبی نے کن انکھیوں سے ٹائیگر کی طرف دیکھا جو اب بلند پلیٹ فارم پر چڑھ کر اس دروازے کی طرف بڑھ رہا تھا جو اصل عمارت میں کھلتا تھا۔ اُنھوں نے اسی پلیٹ فارم پہ پارکر کو دیکھا تھا۔

"تم کچھ دیر یہیں انتظار کرنا اسحاق۔" روبی کا لہجہ سپاٹ تھا۔ "ہم جلد ہی واپس آ جائیں گے۔" یہ کہہ کر وہ پلیٹ فارم کی سیڑھی پر چڑھتی چلی گئی اور پھر اس دروازے سے گزر گئی جیسے ٹائیگر چند لمحوں قبل الات مار کر کھول چکا تھا۔ روبی کے پیچھے پیچھے اُوشان بھی لپکا تو چند لمحے قبل آزاد ہونے والے غلام اپنی سانس روکنے پہ مجبور ہو گئے کیونکہ انھوں نے روبی کو زینے پر چڑھتے ہوئے اور اُوشان کو زینے پر اُڑتے ہوئے دیکھا تھا۔ پل بھر میں اُوشان، روبی کے برابر پہنچ گیا تھا۔

●

لائبریری ایک ایسی مضبوط دیوار پر ختم ہوئی جو لکڑی اور پلاسٹر کی بنی ہوئی تھی۔ روبی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس دیوار میں کوئی چور راستہ ہے یا نہیں تاہم اس کی نظریں ٹائیگر پر جمی ہوئی تھیں جو دیوار پر ہاتھ پھیر رہا تھا، اسی دوران اُوشان نے دیوار پر لگی ہوئی ایک تصویر کا فریم پکڑ کر اسے دائیں بائیں ہلایا مگر دیوار میں دروازہ نمودار نہ ہوا پھر اُوشان نے قدرے طاقت سے فریم پر دباؤ ڈالا... اسی کے ساتھ ہلکی سی گڑگڑاہٹ ہوئی اور بائیں جانب ایک دروازہ نظر آنے لگا۔ اس دروازے پر کھڑے ہو کر وہ پارکر کی مینشن کا مرکزی فلور دیکھنے لگے۔

ان کی نظریں اندرونی زیبائش پر نہیں بلکہ ان افراد پر تھیں جو بہترین سوٹ پہنے ہوئے تھے اور ان کے جسم چغلی کھا رہے تھے کہ وہ انتہائی چست اور مضبوط پہلوان ہیں۔ اُن کے چہروں پر کرختگی اور آنکھوں میں حیرت تھی۔ ان تینوں کو دیکھتے ہی ان کے ہاتھ ہولسٹروں کی طرف رینگ گئے۔

"رُک جاؤ۔ ورنہ گولی مار دوں گا۔" اُن میں سے ایک نے سفاک لہجے میں دھمکی دی۔

"تم دیوار کے پیچھے واپس جاؤ۔" ٹائیگر نے روبی کو حکم دیا اور اس سے پہلے روبی اس سے بحث کرتی، وہ دیوار کی آڑ میں ہو گئی۔ پھر وہ یہ بھی نہ دیکھ سکی کہ کیا ہوا۔ اس نے "شوں" کی آواز سنی اور صرف یہ اندازہ لگایا کہ اُوشان اور ٹائیگر حرکت میں آ گئے ہیں۔ اس کے بعد اُس نے دھپ دھپ کی دو ہلکی آوازیں سُنیں اور پھر اسے ٹائیگر کی آواز سُنائی دی۔ "سب کچھ ٹھیک ہے۔"

روبی نے دیوار کی اوٹ سے جھانک کر دیکھا... دونوں محافظ راہداری کے اختتام پر بوریوں کی طرح پڑے ہوئے تھے۔ اُن کے ہاتھوں میں ابھی تک ریوالور دبے ہوئے تھے۔

روبی ٹائیگر کو تکتی رہ گئی۔ اس کی آنکھوں میں صرف ایک سوال تھا۔ "کیا ہوا؟"

"کچھ بھی نہیں۔" ٹائیگر نے اس کا سوال سمجھ لیا تھا۔ "یہ دونوں بہت سُست نکلے اور جنگ کے دوران سُست ہونے کی سزا صرف موت ہے۔"

روبی نے ایک طویل سانس لے کر چھت کی طرف دیکھا اور ٹھٹک گئی۔ "سنو... اُسے معلوم ہے کہ ہم یہاں پہنچ چکے ہیں۔" اس کی نظریں چھت میں لگے ہوئے کلوز سرکٹ ٹیلی ویژن کیمرے پر جم کر رہ گئیں۔ اس کیمرے کے لینس کی سُرخ بتی روشن تھی اور ایسی ہی بتی راہداری کے دوسرے حصے میں بھی نظر آ رہی تھی۔

"یہ تو بہت اچھا ہوا۔" ٹائیگر نے قہقہہ لگا کر جواب دیا۔ "اب اسے تو یہ کہنے کا وقت مل جائے گا تاکہ اس کی آخرت سنور جائے۔" اُس نے کیمرے کی طرف دیکھا اور فاتحہ پڑھنے کے انداز میں ہاتھ اُٹھا دیے۔

اُنھیں مینشن کے دوسرے فلور میں جانے والا راستہ تلاش کرنے میں کوئی دشواری پیش نہ آئی۔ پھر عقبی حصے میں اُنھیں پارکر کا دفتر بھی مل گیا جہاں بھورے سوٹ میں ملبوس ایک شخص بیٹھا ہوا تھا۔ ان کو دیکھتے ہی وہ خوفزدہ ہو گیا۔ اس کے چہرے کی رنگت زرد ہو گئی۔ روبی نے اس کی ڈیسک پہ ایک ٹی وی دیکھا جس پہ پوری عمارت کے مختلف مناظر بار بار دکھائی دے رہے تھے۔ اس شخص نے ٹائیگر، اُوشان اور روبی کو زینے پر ہی دیکھ لیا تھا نیز وہ محافظوں کے حشر کا بھی عینی شاہد تھا... وہ یہ بھی دیکھ چکا تھا کہ روبی ایک موقعے پہ دیوار کے عقب میں چھپ گئی تھی مگر اسے ابھی تک یہ اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ محافظ کس طرح مرے تھے اور اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ کیمرے اس رفتار کا ساتھ دینے میں ناکام رہے تھے جس رفتار سے اُوشان اور ٹائیگر نے محافظوں کو دبوچا تھا۔ وہ اسکرین پہ زرد رنگ کی صرف چمک ہی دیکھ سکا تھا۔

"وہ کہاں ہے؟" ٹائیگر نے نرم لہجے میں پوچھا۔

"اُدھر..." بھورے سوٹ والے نے ایک بھاری دروازے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کی طرف اشارہ کر دیا۔ وہ کمرے میں تھیں لیکن انھوں نے دروازہ اندر سے بند کر لیا ہے۔ میں نے کنڈی لگنے کی آواز سُنی تھی۔"

"کوئی بات نہیں۔" ٹائیگر نے نرمی سے کہا۔

روبی نے دیکھا کہ ٹائیگر فضا میں اُچھلا تھا، اس کے دونوں پیر ایک ساتھ دروازے پر جمے تھے اور پھر دروازہ اندر جھاگر ا تھا۔ اصولی طور سے دروازے کے ساتھ ٹائیگر کو بھی اندر گر جانا چاہیئے تھا لیکن اُوشان کا شاگرد کوشش ثقل کے اُصولوں کو بھی شکست دے چکا تھا۔ وہ پوری رفتار سے قوس بناتا ہُوا فرش پر واپس گرنے لگا مگر اس طرح کہ اس کا دروازے سے وہی فاصلہ رہا جو اُچھلنے سے پہلے تھا اور پھر وہ اس طرح فرش پر کھڑا ہو گیا جیسے اُس نے اپنی جگہ سے حرکت ہی نہیں کی تھی۔

"یہ... کیسے ہُوا؟" روبی نے اس کا بازو تھام لیا۔ اس کی سانس بہت تیز چل رہی تھی۔

ٹائیگر کے چہرے پر وہی پہلے جیسی بشاشت تھی۔

"جیسے بھی ہُوا... کسی سے اس کا تذکرہ مت کرنا۔" ٹائیگر نے مُسکرا کر جواب دیا۔ "یہ سنابجو کا خاندانی راز ہے جو میرے وارث کو ہی منتقل ہو سکتا ہے۔"

ٹائیگر کے اس جملے پر رُوبی کا دل خوشی سے جھوم اُٹھا مگر اس وقت کسی جذبے کے اظہار کی گنجائش نہیں تھی لہٰذا وہ ان دونوں کے ساتھ پارکر کے کمرے میں گھس گئے... مگر اس کمرے میں کوئی نہیں تھا۔

"تم کون ہو اور کیا چاہتے ہو؟" کسی خفیہ اسپیکر سے انھیں مخاطب کیا گیا۔

"سامنے آؤ پردہ نشین!" ٹائیگر نے دونوں ہاتھ نچاتے ہُوئے کہا۔ "کہاں ہو تم؟"

"وہ... اُدھر دیکھو!" اُوشان نے اُنگلی سے ایک بُک شیلف کی طرف اشارہ کیا۔ آواز اسی طرف سے آ رہی تھی۔ وہاں یقیناً کوئی اسپیکر چھپا ہُوا تھا۔

ٹائیگر کمرے کی عقبی کھڑکیوں کی طرف بڑھ گیا۔ وہ ایک ڈیسک کے قریب سے گزرا جس پر اشتہاروں کے خاکوں اور عبارات پر مشتمل مواد رکھا ہُوا تھا۔ روبی نے بھی ان اشتہاروں کی طرف دیکھا ہر اشتہار نسل پرستانہ نعرے پر مبنی تھا اور ہر اشتہار کی پیشانی پر "رنگ داروں کے خلاف اتحاد" لکھا ہُوا تھا۔ یہ اشتہارات چھپنے کے بعد یقیناً خفیہ طور پر تقسیم کیے جانے والے تھے۔ ایک اشتہار میں لکھا تھا کہ فردوس کو فردوس بنانے کے لیے دورِ غلامی کی واپسی ضروری ہے۔ جہاں حکمرانی کا حق صرف سفید رنگ نسل کو ہونا چاہیئے۔

ایک اشتہار میں جنوبی افریقہ کی نسل پرست حکومت کو یہ کہہ کر خراجِ تحسین پیش کیا گیا تھا کہ وہاں کی سیاہ فاموں کی حدود مقرر کر دی گئی ہیں۔ ایک اشتہار میں مطالبہ کیا گیا تھا کہ سیاہ فاموں کو غلام بنانے کے لیے مسودہ قانون کی تجویز پر فوری ریفرنڈم کرایا جائے۔

"تم کون ہو؟" پوشیدہ اسپیکر سے ایک بار پھر آواز سُنائی دی۔

"اِدھر..." ٹائیگر نے اشارے سے اُوشان کو کھڑکی کے قریب بُلایا۔

اُوشان نے کھڑکی سے دیکھا۔ باہر، گودی میں لانچ کھڑی ہُوئی تھی اور لانچ پر پارکر موجود تھا۔ لانچ کے انجن کی آواز سُنائی دے رہی تھی اور پارکر کے ہاتھ میں مائیکروفون نظر آ رہا تھا۔

"ٹھیک... بالکل ٹھیک۔" اُوشان اثبات میں سر ہلانے لگا۔ دونوں کی نظریں گودی تک پہنچنے کے لیے اس راستے کو تلاش کرنے لگیں جو پارکر نے کمرے سے فرار ہونے کے لیے اختیار کیا تھا۔ انھیں یہ راستہ تلاش کرنے میں زیادہ دشواری نہیں ہُوئی۔ کمرے کے عقبی حصّے سے ایک زینہ نیچے جا رہا تھا۔

"تم یہیں ٹھہرنا۔" ٹائیگر نے سرگوشی میں روبی سے کہا تاکہ پارکر سُن سکے۔ اسے یقین تھا کہ پارکر نے کمرے میں ہونے والی باتیں سُننے کا بھی انتظام کر رکھا ہو گا۔ "ہم اسے پکڑنے کی کوشش کریں گے۔ تم اسے باتوں میں لگانے کی کوشش کرو۔"

"مگر میں... اس سے کیا کہوں؟" روبی نے بزبز ہوتے ہُوئے پُوچھا۔

"اوہ... یہ تم مجھ سے پُوچھ رہی ہو! تمھارے پاس تو لفظوں کا خزانہ رہتا ہے۔ اچھا سُنو۔ بس یہ سمجھ لو کہ لانچ میں، میں کھڑا ہُوں اور تم مجھ پر گولیاں برس رہی ہوں۔"

روبی تلملا کر رہ گئی مگر کچھ نہ بولی۔ وہ اسے وہیں چھوڑ کر زینے کی طرف بڑھ گئے۔

"سُنو پارکر..." روبی نے چلّا کر کہا اور فوراً ہی اسے احساس ہو گیا کہ پارکر اس کی آواز بخوبی سُن سکتا ہے کیونکہ پارکر نے وہ لفظ سُنتے ہی کھڑکی کی طرف دیکھا تھا۔ "ہم تم سے معاہدہ کرنے کے لیے آئے ہیں۔"

"کیسا معاہدہ؟" اسپیکر سے پارکر کی آواز سُنائی دی۔

"یہی کہ ہم سیاہ فاموں کو دو وقت کی روٹی حاصل کرنے کا حق ہے اور تمھیں حکومت کرنے کا... ہم بھی تمھارے اس نظریے سے پُوری طرح متفق ہیں۔"

"شکریہ... ہم اس قسم کی حمایت کی قدر کرتے ہیں... مگر تم

کون ہو؟"

روبی نے اسی لمحے دو جھٹکوں کو گودی کی طرف بڑھتے دیکھا۔ ان کی رفتار اتنی تیز تھی کہ وہ پل بھر میں گودی تک پہنچ گئے اور پھر لانچ کی طرف لپکنے لگے۔ پارکر کی پیٹھ اُن کی طرف اور چہرہ روبی کی طرف تھا۔

"ہم تمھاری موت ہیں پارکر..." روبی نے یہ دیکھ کر قہقہہ لگایا کہ وہ دونوں جلد ہی پارکر تک پہنچ جائیں گے۔ "تم انسانوں کے فضلے سے بھی بدتر ہستی ہو۔" روبی کے لہجے میں فاتحانہ رنگ تھا۔ ابھی پارکر کچھ سمجھ ہی نہیں سکا تھا کہ روبی نے بھی زینے کی طرف دوڑ لگا دی۔ وہ اپنا کام مکمل کر چکی تھی۔ وہ گودی پر پہنچی تو پارکر ایک کرسی پر بیٹھا ہُوا تھا جبکہ اُوشان لنگر اُٹھا چکا تھا اور ٹائیگر اس فکر میں مبتلا تھا کہ لانچ کس طرح چلے گی۔ روبی کو دیکھ کر پارکر نے نفرت سے مُنہ موڑ لیا تھا۔ روبی شوخ انداز میں ہنس کر اس کی آنکھوں کے سامنے اُنگلیاں نچانے لگی۔ "دیکھا۔ اسے کہتے ہیں... سیر کو سوا سیر۔"

ٹائیگر نے لانچ کنٹرول کرنے کا طریقہ معلوم کر لیا اور لانچ پانی کا سینہ چیرتی ہُوئی آگے بڑھنے لگی۔ پانچ منٹ تک لانچ پوری رفتار سے دوڑتی رہی... پھر ٹائیگر نے انجن بند کر کے اسے لہروں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔ وہ پارکر کی طرف واپس آیا تو اس کا چہرہ خوشی سے کھلا ہُوا تھا۔

"تم کون ہو؟" پارکر نے پھر سوال کیا۔ "اگر تمھارا تعلق پولیس سے ہے تو اپنے کاغذات دکھاؤ۔"

"ہمارے پاس کوئی کاغذ نہیں ہے۔"

"تب پھر تمھیں میری لانچ پر قبضہ کرنے کی اجازت کس نے دی؟"

"طاقت نے... بالکل تمھاری طرح۔" روبی نے خشک لہجے میں جواب دیا۔ "تم نے بھی تو طاقت کے بل بُوتے پر لوگوں کو غلام بنایا تھا۔ تم نے اپنے تہ خانے کو جیل بنا رکھا تھا۔ کیا میں غلط کہہ رہی ہُوں؟"

پارکر نے کچھ کہنا چاہا مگر سختی سے ہونٹ بھینچ لیے۔

"سُنو ظالم انسان!" روبی کے چہرے پر برہمی اور نفرت ٹوٹ کر آئی۔ "ہم بھی طاقت رکھتے ہیں اور تم بھی طاقت ور... ہماری طاقت انسانوں کی بہبود کے لیے استعمال ہوتی ہے مگر تم نے اپنی طاقت اور دولت کا استعمال لوگوں کو غلام بنا کر کیا ہے۔ لہٰذا طاقت کا استعمال کرنے پر ہم سزا کے مستحق نہیں بلکہ تم ہو..."

"میں تمھیں خبردار کرتا ہُوں کہ مجھے چھوڑ دو ورنہ تم لوگوں کو سنگین نتائج بھگتنے پڑیں گے۔"

"میں خلوصِ دل سے معذرت خواہ ہُوں مسٹر پارکر!" ٹائیگر نے نرم لہجے میں کہا۔ "لیکن تم جیسے درندہ صفت آدمی کو چھوڑ دینا ہم لوگوں کی عادت نہیں ہے۔" اچانک اُس کا لہجہ درشت ہو گیا۔ "سُنو، میں تمھارے بارے میں بہت کچھ جانتا ہُوں۔ تمھارے اجداد نے جب سے فردوسی زمین پر قدم رکھا ہے، یہاں کے محنت کشوں اور عام لوگوں کا استحصال ہو رہا ہے۔ تمھاری پچھلی تین نسلوں نے لوگوں کا خُون چُوسا ہے لیکن اب یہ سلسلہ مزید جاری نہیں رہے گا۔ میں تم سے اگلے پچھلے تمام قرضوں کا حساب لُوں گا۔"

"پچھلے لوگ بدقسمت تھے... مگر اس دَور کے فردوسی خوش قسمت ہیں کہ انھیں شمشیر سنابجو کی حمایت حاصل ہے۔" اُوشان نے مشفقانہ انداز میں ٹائیگر کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہُوئے کہا۔ "اور شمشیر سنابجو کا مالک اپنے وارث کی ہر بات کو اپنی بات سمجھتا ہے۔"

"میں صرف اتنا کہنا چاہتا ہُوں کہ میں نے جن لوگوں کو غلام بنایا، وہ غلام ہی بننے کے اہل تھے۔ اب میں اپنے وکیل سے مشورہ کیے بغیر تم سے کوئی بات نہیں کروں گا۔"

"ہمیں فیصلہ کرنے کے لیے کسی وکیل کے دلائل سُننے کی ضرورت

ہولناک اور پراسرار ماحول میں جنم لینے والی ایک
حقیقت جو کہانی بن گئی
ایک آشفتہ حال کی داستانِ عبرت جسے قانون نے
مجرم بنا دیا
رقصِ ابلیس
انوار صدیقی
قیمت -/150
ماڈرن بک کارپوریشن
اردو بازار لاہور

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

نہیں۔" ٹائیگر نے چبھتے ہوئے انداز میں کہا۔ "میں، تم کو ان تمام جرائم کا ذمے دار قرار دیتا ہوں جو تمھاری پچھلی نسلوں نے کیے اور ہر جرم کی سزا موت مقرر کرتا ہوں۔ میں اس سزا کے خلاف دُنیا کی کسی عدالت میں کسی اپیل کی اجازت دینے کے لیے بھی آمادہ نہیں ہوں۔"

"مگر یہ خلافِ قانون ہے۔" پارکر کے چہرے پر موت کی دہشت اُبھر آئی۔

"ہاں... مگر یہ صرف فردوسی قانون کی خلاف ورزی ہے۔" اُوشان نے جواب دیا۔

پارکر گھبرا کر رُوبی کو دیکھنے لگا کہ شاید عورت ہونے کے ناتے وہی رحم کرنے پر تیار ہو جائے مگر رُوبی کا چہرہ سپاٹ رہا۔ "تم لوگ ہیں مجرم اور لاقانونیت کے مرتکب قرار دیتے رہے ہو۔ تم نے ہماری نسل کو غلام بنانے کی کوشش کی ہے لہٰذا میں تمھاری سفارش نہیں کر سکتی۔"

ٹائیگر نے مزید کچھ کہے بغیر لنگر کی زنجیر کھینچ لی اور پھر لنگر دھکیلتا ہُوا، پارکر کی طرف لانے لگا جو اَب مارے خوف کے کانپ رہا تھا۔ "مجھ پر مقدمہ چلایا جائے، میرے ساتھ انصاف کیا جائے... تم لوگ مجھے پولیس کے حوالے کیوں نہیں کر دیتے؟" اُس کے مُنہ سے بے ربط جملوں کا سیلاب اُمڈ پڑا۔

"تم پر مزید کوئی مقدمہ چلانے کی ضرورت نہیں... اور ہم انصاف ہی کر رہے ہیں۔" ٹائیگر نے بے رحمی سے جواب دے کر پارکر کو بھی کھینچ لیا۔ وہ بظاہر ٹائیگر سے مضبوط جسم کا مالک تھا۔ اُس نے خود کو بچانے کے لیے ہاتھ پاؤں مارے، لیکن ٹائیگر نے ایک انچ موٹی زنجیر، اُس کے جسم کے گرد اس طرح باندھ دی جیسے وہ مٹی کا بُت رہا ہو۔

"نن... نہیں۔" پارکر نے چلّا کر کہا۔ "تم ایسا نہیں کر سکتے۔"

"ہم ایسا ہی کریں گے۔" اُوشان نے ہنستے ہوئے کہا۔ "اگر تم میں ہمت ہے تو ہمیں روک کر دکھاؤ۔"

"میں تم پر مقدمہ کروں گا۔"

"مرنے کے بعد..." ٹائیگر نے جواب دیا۔ "ہم اپنی سرزمین کو تمھارے بوجھ سے نجات دلا رہے ہیں، تاکہ یہاں کے لوگ کبھی کسی کے غلام نہ بن سکیں۔ تمھارے جانے کے بعد یہ دُنیا ایک بار پھر حسین ہو جائے گی۔"

"میرے وکیل کو بلاؤ۔" پارکر حلق پھاڑ کر چیخا۔

"کیوں... کیا وہ لنگر کا بوجھ اُٹھانے میں تمھاری مدد کر سکتا ہے...؟" ٹائیگر نے مضحکہ خیز انداز میں پوچھا اور پھر لنگر کو اس طرح سمندر میں اُچھال دیا جیسے وہ کوئی فٹ بال رہا ہو۔ لنگر جونہی سمندر میں گرا، زنجیر کھنچنی شروع ہو گئی۔ دفعتاً پارکر بھی ایک زبردست جھٹکے سے سمندر میں جا گرا... اُس کی آخری چیخ بلند ہوئی جو جلد ہی خرخراتی ہوئی آواز میں بدل گئی اور سمندر کی تیز موجوں نے لنگر کی طرح اُسے بھی اپنے دامن میں چھپا لیا۔ نظروں سے اوجھل ہو گیا، لنگر کے ساتھ ہی زیرِ آب چلا گیا۔

"اب تو تم مطمئن ہو؟" ٹائیگر نے دھیمے لہجے میں پوچھا۔

"ہاں..." رُوبی صرف اتنا ہی کہہ سکی اور سمندر میں اس مقام کو غور سے دیکھتی رہی جہاں پارکر گرنے کے بعد ڈوبا تھا۔ اُس کا دل، اس وقت جذبوں کے نئے الاپ رہا تھا اور وہ سوچ رہی تھی کہ شہزادے صرف اُس کی خاطر، اس مہم کو اپنے ہاتھ میں لیا تھا۔ اُس کی نظریں اُن بلبلوں پر جمی رہیں جو پارکر کے گرنے اور ڈوبنے کے بعد سطحِ آب پر اُبھر اُبھر کر فنا ہو رہے تھے۔ جیسے جیسے پارکر کی زندگی فنا کی منزل پر پہنچ رہی تھی، بلبلے بھی بتدریج غائب ہو رہے تھے۔

ٹائیگر نے لانچ کا انجن اسٹارٹ کیا اور پھر اُسے پارکر مینشن کی گودی کی طرف بڑھا دیا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ ابھی اُس کا کام ختم نہیں ہُوا ہے۔ ابھی اسحاق اور اُس جیسے کئی افراد کو عمارت سے رہائی دِلانی ہے۔

لانچ گودی کے قریب پہنچی تو رُوبی اگلے حصّے میں اُوشان کے ساتھ کھڑی تھی لیکن اُس کی نظریں بدستور اُن پائیوں پر جمی رہیں جہاں پارکر کو پھینکا گیا تھا۔ "کتنی عجیب بات ہے اُوشان!" اُس نے کچھ دیر بعد دھیمے لہجے میں کہا۔ "ایک عرصہ گزرا جب ہم یہاں غلام بنائے گئے تھے اور پھر ہم نے غلامی کی ان زنجیروں کو توڑ پھینکا تھا لیکن اب بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو ہمیں وہ زنجیریں دوبارہ پہنانے کی کوششیں کر رہے ہیں۔"

"ہاں... دُنیا میں بے رحم قاتلوں کی کمی نہیں ہے میری بچی..." اُوشان کے لہجے میں ہلکی سی لرزش تھی۔ "یہ دُنیا آزاد انسانوں کے لیے بنائی گئی تھی لیکن بعض لوگوں نے اسے رنگ و نسل کی تفریق کا شکار بنا لیا۔ انسانوں نے انسانوں ہی کو غلام بنانا شروع کر دیا۔ انسان نے انسان کو زنجیریں پہنا دیں لیکن میری بیٹی..." یہ کہہ کر اُس نے رُوبی کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔ "جب تک اس دُنیا میں ایک بھی نرم دل انسان زندہ ہے، غلامی کے خلاف جنگ جاری رہے گی اور جس روز یہ جنگ بند ہو جائے گی، اُسی روز انسانیت کا جنازہ نکل چکا ہوگا... فکر نہ کرو... زنجیروں سے خوف زدہ مت ہو، یہ تو صرف ہاتھوں کو باندھنے کے کام آتی ہیں۔ ان سے رُوح قید نہیں کی جا سکتی... اور ہاتھوں کو ان زنجیروں سے آزاد کرانے والے ہاتھ ابھی موجود ہیں۔"

"ہاں... آپ ٹھیک کہتے ہیں۔" رُوبی نے پہلے اُوشان اور پھر ٹائیگر کے ہاتھوں کی طرف دیکھ کر جواب دیا۔ "جب تک یہ ہاتھ سلامت ہیں، انسانوں کو غلام بنانے کے خلاف جنگ جاری رہے گی اور انسانیت کا سر بلند رہے گا۔"

ٹائیگر نے لانچ کو خشکی پر چڑھایا اور پھر کود کر اُتر گیا۔ اُوشان

اسلم راہی ایم اے کے ولولہ انگیز تاریخی ناول

اندھیروں کے ساربان	۲۰۰/-	سنہری غول	۱۵۰/-
تاریک رزم گاہ	۲۵۰/-	صلیب و حرم	۱۵۰/-
صقلیہ کا مجاہد	۱۵۰/-	نیشاپور کا شاہین	۱۵۰/-
عقاب	۱۵۰/-	بابل کا بت شکن	۱۵۰/-
صحرا کی آگ	۱۵۰/-	طلسم کدہ	۱۷۵/-
قتیبہ بن مسلم	۱۵۰/-	آتش فشاں	۱۵۰/-
موت کے مسافر	۱۷۵/-	آخری حصار	۲۰۰/-
یثرب کا ابلیس	۱۵۰/-	بنت نیل	۱۵۰/-

مکتبہ القریش اُردو بازار لاہور ۲

اور رُوبی بھی لانچ سے اُتر گئے اور شاہانہ بشاشانہ کھڑے ہو کر مینشن کی طرف دیکھنے لگے۔ یہ عمارت نہیں بدی کا مرکز تھا اور بدی کے اس مرکز کی تباہی بے حد ضروری ہو گئی تھی۔

وہ عمارت کے اس حصّے کی طرف بڑھنے لگے جو غلاموں کے لیے مخصوص تھا۔ دفعتاً اُنھوں نے گاڑیوں کی آوازیں سُنیں۔ تین رولز رائس کاریں مرکزی عمارت کے دروازے پر رُک رہی تھیں۔

"آپ لوگ جا کر ان سب کو یہاں سے نکال دیں۔" ٹائیگر نے اُوشان سے کہا۔ "اس دوران میں ان لوگوں سے نمٹ کر آتا ہُوں۔" یہ کہتے ہوئے وہ عام سے انداز میں مرکزی عمارت کی طرف بڑھ گیا اور عین اس وقت وہاں پہنچا جب نفیس سوٹ میں ملبوس چھ افراد چھوٹے مگر قیمتی چرمی بریف کیس لے کر ان کاروں سے اُتر رہے تھے۔ ان کے لباس اور انداز سے صاف ظاہر تھا کہ وہ سب کے سب ارب پتی لوگ ہیں اور یقیناً صنعت کار ہیں۔ یہ تمام لوگ واقعتاً فردوس کی صنعت کے لیے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے تھے۔ تجارت۔ درآمد و برآمد اور زرِ مبادلہ کی آمدنی... سب ان کے ہاتھوں میں تھی اور یہ لوگ بادشاہ گر مشہور تھے۔

"ہیلو..!" ٹائیگر نے ان کے قریب پہنچ کر نہایت احترام سے کہا۔ "مسٹر پارکر نے مجھے آپ لوگوں سے ملاقات کے لیے بھیجا ہے حضرات! آپ لوگ یقیناً مظاہرہ دیکھنے تشریف لائے ہیں۔"

وہ سب ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرانے لگے۔ ان میں سے ایک نے جو باقی پانچوں سے زیادہ بُردبار اور دولت مند لگتا تھا، گہری نظروں سے ٹائیگر کی طرف دیکھا اور پھر اثبات میں سر ہلانے لگا۔ "ہاں... ہم غلاموں کو کام کرتے ہوئے دیکھنا چاہتے ہیں اور ہمیں خوشی ہے کہ ہم ایک عظیم تجربے میں مسٹر پارکر کے رفیق کار ہیں۔"

"مجھے معلوم ہے کہ مسٹر پارکر آپ لوگوں کو بہت عزیز رکھتے ہیں اور اسی باعث انھوں نے آپ کو اس اہم مگر خفیہ پروگرام میں شامل بھی کیا ہے۔ پلیز... اس طرف تشریف لے آئیں۔" یہ کہہ کر وہ زینے کی طرف پلٹ گیا۔ چند قدم چلا اور پھر رُک گیا۔ "ازراہِ کرم اپنے ڈرائیوروں کو یہاں سے بھیج دیں کیونکہ مظاہرہ دیکھنے میں بہت وقت لگ جائے گا۔"

ان لوگوں نے فوراً اپنے ڈرائیوروں کو ہدایت کی وہ چلے جائیں مگر ٹائیگر نے دوبارہ کہا کہ صرف ڈرائیور جائیں گے۔ کاریں یہیں رہیں گی تاکہ اگر کہیں جانا ہو تو مسٹر پارکر کے ڈرائیور کاریں استعمال کر سکیں۔ سنو... اس نے ایک ڈرائیور سے کہا۔ "یہاں قریب ہی ایک ریستوران ہے۔ تم لوگ وہاں اپنا وقت گزار سکتے ہو۔ یہ لوگ جب فارغ ہو جائیں گے تو تمھیں وہیں سے طلب کر لیا

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

جائے گا۔"

ڈرائیوروں کے جانے کے بعد وہ ان معزز مہمانوں کو بصد احترام اندر لے آیا اور بائیں جانب والی راہداری سے اس دیوار تک پہنچا۔ جس میں چور دروازہ تھا۔ . . اوہ اب آپ حضرات ایک شاندار تماشا دیکھیں گے؟" اُس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

☆☆

اُوشان اور روبی قیدیوں کی ہیرپنیاں کھول کر انھیں اُوپر ایک شیڈ میں لے آئے اور قیدی اپنے کپڑوں کی تلاش میں اس ڈھیر پر ٹوٹ پڑے جو وہیں پڑا ہوا تھا۔ یہ وہی کپڑے تھے جو انھوں نے اغوا کے وقت پہن رکھے تھے۔ اسحاق، روبی سے کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن روبی نے اُسے خاموش رہنے کا اشارہ کر دیا کیونکہ اسے نیچے سے کسی کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ ان میں سب سے نمایاں آواز ٹائیگر کی تھی۔

"ٹھیک ہے۔" ٹائیگر کسی سے کہہ رہا تھا۔ "تم تینوں یہ لباس پہنو اور تم تینوں یہ والا۔ سمجھ گئے؟"

پھر ایک لمحے تک کوئی آواز سنائی نہیں دی۔ غالباً کوئی بہت آہستہ آہستہ بول رہا تھا۔

"کیا کہہ رہے ہو تم۔ کیا تم نے میری بات نہیں سنی۔" یہ ٹائیگر کی آواز تھی۔

"ہم سمجھ گئے جناب۔ بالکل سمجھ گئے۔" کئی افراد نے بیک وقت جواب دیا۔

"گڈ . . ." ٹائیگر کا لہجہ فاتحانہ تھا۔ "اب یہ یاد رکھو کہ مسٹر پارکر تمھیں خوش و خرم دیکھنا چاہتے ہیں اور میں بھی چاہتا ہوں کہ تم لوگ ہنستے کھیلتے رہو اور اپنی خوشی کا اظہار کرو۔ اظہارِ مسرت کے لیے سب سے مناسب طریقہ گانا ہے۔ کیا تمھیں کوئی گیت یاد ہے؟"

وہ سب خاموش رہے۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ کسی فیصلے پر پہنچنے کی کوشش کر رہے ہوں۔

"گاؤ . . . کوئی سا بھی گیت گاؤ۔" ٹائیگر کا لہجہ اس مرتبہ خوفناک تھا۔

روبی کانپ کر رہ گئی۔ اُسے ٹائیگر کے لہجے میں نہ بردست کاٹ محسوس ہو رہی تھی۔ پھر معاً گانے کی ایک آواز فضا میں اُبھرنے لگی۔

"گڈ . . . لیکن ذرا زور سے گاؤ۔ سب آواز سے آواز ملا کر گاؤ۔" ٹائیگر نے نیا حکم دیا اور پھر وہ سب مل کر گانے لگے۔

روبی ہنسی ضبط نہ کر سکی۔ "یہ ہوئی نا بات۔" اس نے اپنے بھائی کے کندھے پر زور سے ہاتھ مار کر کہا۔

"اور زور سے گاؤ . . ." ٹائیگر کی گرج دار آواز پھر سنائی دی "گانے کے دوران کام بھی کرتے رہو۔ کسی بات کی فکر مت کرنا۔ بہت جلد کوئی تمھیں یہاں سے نکال کر لے جائے گا۔ اسے بیڑیاں کھولنے میں دیر تو لگے گی لیکن زیادہ زحمت نہیں اُٹھانا پڑے گی۔ میرا خیال ہے، تمھیں زیادہ سے زیادہ تین چار دن تک یہاں کام کرنا ہوگا۔"

ایک منٹ بعد ٹائیگر بھی اُوپر آ گیا۔ اس نے غلاموں کو آزادی کے بعد ان کے اپنے کپڑوں میں دیکھا تو اس کے چہرے پر مسکراہٹ دوڑ گئی اور پھر اس نے تہ خانے کے دروازے کی طرف انگوٹھے سے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "تم لوگوں کی جگہ چھ نئے افراد نے لے لی ہے۔"

"اور وہ لوگ گانا بھی گا رہے ہیں۔" ایک سیاہ فام نے کان لگاتے ہوئے کہا۔ "ویسے ان سفید فاموں کی آواز بہت اچھی ہوتی ہے۔ جی چاہتا ہے کہ گانے پر رقص کرتے رہو۔"

"اب واپسی کا پروگرام بنایا جائے۔" ٹائیگر نے دونوں ہاتھ اُٹھاتے ہوئے کہا۔ "باہر دو لینڈ راورز کی گاڑیاں کھڑی ہیں۔ انھیں یہاں سامنے لے آؤ تاکہ تم سب شان سے واپس جا سکو۔"

سیاہ فام چیختے چلاتے تیزی سے باہر دوڑ گئے۔ اسحاق بھی ان میں شامل تھا۔

"اسحاق . . ." روبی نے اُسے آواز دی۔ "تم ہمارے ساتھ چلو گے۔"

"ہرگز نہیں۔" وہ پلٹے بغیر بولا۔ "میں روور لرائس کار میں گھر جاؤں گا۔"

روبی برا سا منہ بنا کر رہ گئی اور پھر اُس نے گہری نظروں سے ٹائیگر کی طرف دیکھ کر کہا۔ "کیوں . . . تم کیا سوچ رہے ہو؟"

"یہی کہ تمھارا بھائی آزاد ہی پا کر کتنا خوش ہے۔"

☆☆

ٹائیگر، اوشان اور روبی ایک ساتھ باہر نکلے تو انھیں ایک اور حیرت کا سامنا کرنا پڑا۔ باہر ایک سفید فام بوڑھا، زمین پر گھسٹتا ہوا جا رہا تھا۔ اُس کی حالت ناگفتہ بہ تھی اور لگتا تھا کہ اس نے غالباً مہینوں سے کپڑے نہ بدلے ہوں۔ تاہم اس کے جسم پر جو لباس تھا، اس سے یہ حقیقت عیاں تھی کہ وہ کوئی کھاتا پیتا آدمی ہے۔ سب سے پہلے ٹائیگر، اس کے پاس پہنچا۔

"تم کون ہو؟" اُس نے نرم لہجے میں پوچھا۔ "اور تمھاری یہ حالت کس طرح ہوئی؟"

"مم . . . میں . . ." بوڑھے نے خوف زدہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ اس دوران میں اُوشان اور روبی بھی اُس کے قریب پہنچ گئے۔

"میں رچمنڈ بروڈی . . . رچمنڈ بروڈی۔"

"رچمنڈ بروڈی . . ." روبی نے حیرت سے اُس کی طرف دیکھا اور پھر اگڑوں بیٹھ کر اس کو بغور دیکھنے لگی۔ "ہاں، تم وہی ہو۔ بالکل وہی . . . لیکن تمھاری یہ حالت کیسے ہوئی؟ تم یہاں کیسے آ گئے؟"

"تم . . . کون . . . ہو؟" بوڑھے نے روبی کے لہجے میں اپنے لیے شناسائی محسوس کرتے ہوئے پوچھا۔

"میں روبی ہوں . . . روبی . . . تم نے مجھے پہچانا نہیں۔"

"میرے خدا . . . تم روبی ہو، شعبۂ سراغ رسانی و جاسوسی کی ایجنٹ۔" بوڑھے کی آنکھیں چمکنے لگیں اور پھر آنسوؤں سے بھر آئیں۔ "روبی . . . تم یہاں سے چلی جاؤ۔ وہ بہت ظالم لوگ ہیں، سیاہ فاموں کو غلام بنانا چاہتے ہیں۔ میں نے اُن کی مخبری کرنے کی ایک ہی کوشش کی تھی اور ابھی دفتر کو رپورٹ بھی نہ دے سکا تھا کہ انھیں اس کا علم ہو گیا . . . اور انھوں نے مجھے اغوا کر لیا اور مجھ پر وحشیانہ تشدد کیا۔ مجھے جھوٹا کاغذ، تھرڈ ڈگری استعمال کی تاکہ میں یہ بتا سکوں کہ میں نے کس کس کو اُن کے منصوبے کی اطلاع دی ہے۔ وہ بہت خطرناک لوگ ہیں . . . بے حد خطرناک . . . یہاں سے چلی جاؤ۔ میری قسمت اچھی تھی کہ میں عمارت میں لوگوں کی بھاگ دوڑ سے فائدہ اُٹھا کر نکل آیا اور . . ."

"یہ کون ہے، روبی؟" ٹائیگر نے دھیرے سے پوچھا۔

"یہ محکمہ جاسوسی کا علاقائی سربراہ ہے۔"

"اوہ . . ." اُوشان ایک طویل سانس لے کر رہ گیا۔ "میں نے کہا تھا نا کہ سفید چمڑی کے نیچے بھی سنہرا دل ہوتا ہے۔"

"یہ کون ہیں، روبی؟" رچمنڈ نے ڈوبتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"یہ نجات دہندہ ہیں . . . انھوں نے اس خوفناک منصوبے کو ناکام بنا دیا ہے جو کامیاب ہو جاتا تو فردوس میں دورِ غلامی واپس آ جاتا۔"

"ناکام بنا دیا۔" رچمنڈ کے چہرے پر سُرخی دوڑ گئی۔ "کیا سب پکڑے گئے . . . اور وہ ملعون پارکر . . . اس کا کیا ہوا؟"

"وہ سمندر کی تہ میں گہری نیند سو رہا ہے۔"

"شاندار . . ." بوڑھے رچمنڈ کی آنکھیں مزید چمکنے لگیں۔ "سنو، روبی! یہ جال بہت ہوشیاری سے بنایا گیا تھا اور اس کی پشت پناہی کرنے والوں میں بہت بڑے بڑے لوگ شامل ہیں۔ میں اُن سب کے نام جانتا ہوں۔ سنو . . . غور سے سنو۔ قومی اسمبلی کا اسپیکر اور . . ."

☆☆

اُس رات ملک میں ایک بڑا فوجی آپریشن ہوا جس کی قیادت، چیف آف آرمی اسٹاف کر رہا تھا۔ اس کے پاس جو فہرست تھی، اس میں بعض ایسے لوگوں کے نام بھی شامل تھے جن پر ہاتھ ڈالنے سے ملک میں بغاوت ہو سکتی تھی لہٰذا ایسے تمام افراد کو چُن چُن کر سمندر برد کر دیا گیا تاکہ

لوگ یہ سوچ کر مطمئن ہو جائیں کہ وہ لوگ کہیں غائب ہو گئے ہیں . . . ان کی گرفتاریوں کی اطلاع کسی اخبار میں شائع نہیں ہوئی۔ صرف چند سینیٹروں کے بارے میں سرکاری طور پر یہ اعلان جاری کیا گیا کہ انھوں نے آئین کی خلاف ورزی کی تھی۔

اسی رات کمانڈروں کا ایک اعلیٰ سطحی اجلاس بھی ہوا جس میں ایسی یونٹوں کو فی الفور غیر مسلح کرنے کے احکام جاری کیے گئے جن میں نسل پرستی کے جراثیم سرایت کر چکے ہوں۔ غیر مسلح کرنے کے اس حکم پر چشم زدن میں عمل ہو گیا اور راتوں رات ایسے تمام لوگوں کو فائرنگ اسکواڈ کے حوالے کر دیا گیا جو نسل پرستی کے مرتکب ہوئے تھے۔ اتنی سختی آئین کے خلاف ضرور تھی لیکن آئین کو بچانے کے لیے حکومت یہ غیر آئینی راستہ اختیار کرنے پر مجبور ہو گئی تھی۔

اگلی صبح کے اخبارات میں صرف اتنی سی خبر شائع ہوئی کہ اسپیشل ملٹری کورٹ نے، کورٹ مارشل کے ضابطوں کے تحت بعض ایسے فوجیوں کو سزائے موت دی ہے . . . جو ڈسپلن کی سنگین خلاف ورزیوں کے مرتکب ہوئے تھے۔

یہی وہ وقت تھی جب ٹائیگر لمبی تان کر سویا تھا اور اسی شب رچمنڈ کو صدر مملکت کے خصوصی حکم پر علاج معالجے کے لیے ملٹری اسپتال میں داخل کرا دیا گیا تھا۔

☆☆

اگلے روز ٹائیگر، اوشان اور روبی تینوں گھر پہنچے تو بوڑھی ماں اُن کا انتظار کر رہی تھی۔ "اسحاق گھر آیا، ممّا!" روبی نے خوشی سے بھرپور لہجے میں پوچھا۔ اس کے انگ انگ سے خوشی کی لہریں نکل رہی تھیں۔

"نہیں . . . لیکن اس مردود کا فون ضرور آیا تھا۔ کہہ رہا تھا کہ میں نے اغوا کرنے والوں کو ایسی مار لگائی ہے کہ وہ زندگی بھر یاد رکھیں گے۔"

"گدھا کہیں کا۔" روبی برا سا منہ بنا کر بولی۔

"وہ کیا کرتا رہا، اتنے دنوں تک؟"

"کام کرتا رہا۔"

"نہیں . . ." بوڑھی عورت کے چہرے پر شدید حیرت کے آثار نمودار ہو گئے۔ "میں کبھی نہیں۔ اسحاق . . . اور کام کرے . . . ناممکن! میری بچی!"

"یقین کیجیے، ممّا! وہ بہت محنت سے کام کر رہا تھا۔" ٹائیگر نے بھی یقین دلانے کی کوشش کی اور پھر بوڑھی عورت نے پہلی مرتبہ بغور اسے دیکھا اور بولی۔

"ہاں، لڑکے! تم جس آدمی کو چھوڑ گئے تھے، وہ اب بہت سکون سے سوتا ہے۔ اس کی تکلیف کم ہو گئی ہے لیکن وہ خود کو ڈاکٹر کیوں کہتا ہے؟ اپنا علاج تو خود کر نہیں سکتا۔"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"وہ ایسا ڈاکٹر نہیں ہے۔"

"تب ہی اُسے یہ بھی نہیں معلوم کہ اسپرین کا کیا اثر ہوتا ہے۔"

"وہ کہاں ہے؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"ہوٹل میں..." بوڑھی عورت نے اُوشان اور رُوبی کو دیکھتے ہوئے جواب دیا جو کونے میں بیٹھے کسی اہم موضوع پر بحث کر رہے تھے پھر ٹائیگر، اُوشان کو لے کر ہوٹل چلا آیا جہاں بہرام ایک کرسی پر بیٹھا ہوا اخبار پڑھ رہا تھا۔ اُسے فون پر تمام حالات کی مکمل خبریں پہلے ہی مل چکی تھیں۔

"کندھے کا کیا حال ہے چیف؟" ٹائیگر نے شوخ لہجے میں پوچھا۔

"میرا خیال ہے میں آج ہی پٹی کھول کر وہ سبز مرہم صاف کر دوں جو رُوبی کی ماں نے میرے کندھے پر لگایا ہے۔" بہرام نے اکتاہٹ آمیز انداز میں کہا۔ "ویسے مرہم سے مجھے سکون بہت ملا ہے... کمال کی دوا تھی۔"

"ذرا دکھائیں تو..." اُوشان نے اُس کی قمیص کے بٹن کھول کر صرف مرہم کا جائزہ لیا اور پھر مطمئن انداز میں سر ہلانے لگا۔ "شاندار۔ مجھے بڑی بی سے اس مرہم کا فارمولا پوچھنا ہوگا۔"

"ان باتوں کو چھوڑو۔ یہ بتاؤ کہ وہاں کیا ہوا؟"

"پاد کر چکا ہے۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ "قیدی آزاد کرا لیے گئے ہیں دُنیا غلامی کی لعنت سے بچ گئی ہے اور میں تنظیم سے علیحدہ ہو رہا ہوں۔"

"ٹھیک ہے... لیکن ایک اور مسئلہ ابھی باقی ہے۔" بہرام نے سرسری سے انداز میں کہا۔

"نہیں، سویٹ ہارٹ... کوئی مسئلہ باقی نہیں۔ سب حل ہو چکے ہیں اور میں..."

"شہنشاہ بہرام کی بات غور سے سنو، شہزاد۔" اُوشان نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔ "شہنشاہ بہرام: اس نکھٹو نوجوان کو بتاؤ کہ وہ مسئلہ کیا ہے۔"

"یہ بات تم اچھی طرح جانتے ہو کہ چارہ گر ایک خفیہ تنظیم ہے اور جب تک اس کا وجود خفیہ رہے گا، یہ زندہ رہے گی۔"

"میں یہ بات ہزاروں مرتبہ سن چکا ہوں۔"

"شہزاد..." اُوشان نے سخت لہجے میں کہا۔ "جب سے تمہارے ہاتھ نئی، وی پر دکھائے گئے ہیں، تب سے تم حفظِ مراتب بھی فراموش کرتے جا رہے ہو۔ ذرا چھوٹے لوگوں کا بھی احترام کرنا سیکھو۔"

"چھوٹا کون ہے، مائی فادر؟"

"میرے علاوہ ہر آدمی چھوٹا ہے۔" اُوشان نے فخر سے سر اُٹھا کر جواب دیا۔ "شہنشاہ بہرام کی باتیں غور سے سنو۔"

"ٹھیک ہے، سویٹ ہارٹ!" ٹائیگر ایک ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "میں سن رہا ہوں۔"

"رُوبی کو چارہ گر کے بارے میں بہت کچھ معلوم ہو چکا ہے، لہٰذا اُس کا خاتمہ کر دو۔" یہ کہہ کر بہرام نے غور سے ٹائیگر کی طرف دیکھا مگر اُسے وہاں کوئی جذبہ یا کسی قسم کا اشتعال نظر نہ آیا۔ اُس نے چند قدم آگے بڑھائے اور بہرام کی کُرسی سے دُور کھڑکی کے سامنے کھڑا ہو کر باہر دیکھنے لگا۔ "بہرام! کیا آپ اُسے قتل کرانا چاہتے ہیں؟"

"ہاں، اُسے قتل کر دیا جائے۔"

"کیا آپ یہ بھول گئے کہ اب میں چارہ گر کا آلۂ کار نہیں ہوں۔"

"نہیں... لیکن یہ کام تمہیں کرنا ہوگا۔"

"پر گز نہیں۔ میں ریٹائر ہو چکا ہوں۔ اگر آپ اسے قتل کرانا چاہتے ہیں تو اُوشان سے بات کریں۔"

"اُوشان..." ڈاکٹر بہرام کی نظریں ایوان سنانجو کے سربراہ کا چہرہ ٹٹولنے لگیں۔

"شہنشاہ بہرام!" اُوشان نے ٹھہرے ہوئے انداز میں کہا۔ "آپ کا ہر دشمن میرا دشمن ہے۔ بس اشارہ کریں اور دیکھیں کہ وہ سنانجو کے قہر کا کتنی جلد شکار ہوتا ہے لیکن... رُوبی کے خلاف میں کچھ نہیں کر سکتا۔"

"کیوں نہیں کر سکتے؟"

"اس لیے کہ وہ مجھے سنانجو کے لیے ایک وارث دے گی۔"

"اوہ..." بہرام کی آنکھیں مسکرانے لگیں۔ اُس نے مسکرا کر ٹائیگر کی طرف دیکھا جو بولے بغیر کہہ رہا تھا کہ اس معاملے پر وہ بھی اظہارِ خیال کرنا چاہتا ہے لیکن اُوشان نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا کہ یہ اس کا مسئلہ نہیں ہے۔

"رُوبی میرے وارث کی ماں بننے والی ہے لہٰذا میں اسے قتل نہیں کر سکتا۔ میں اپنے وارث کو سنانجو کا فن منتقل کروں گا۔"

"میرا خیال ہے کہ رُوبی کا قتل آپ کو خود کرنا پڑے گا۔" ٹائیگر نے زہر خند کے ساتھ بہرام سے کہا۔ "ایک قتل آپ بھی کر کے دیکھ لیں پھر آپ کو احساس ہوگا کہ کسی کی جان لینے کے بعد کیسا محسوس ہوتا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ میں خود کروں گا۔" بہرام کے اس جواب پر وہ دونوں مسکرانے لگے۔ اسی لمحے دروازے پر دستک ہوئی۔

"آجاؤ۔ دروازہ کھلا ہے۔" ٹائیگر نے کہا۔

رُوبی اندر آگئی۔ وہ اس وقت ایک مشرقی لڑکی لگ رہی تھی۔

"ہیلو..." اُس نے مسکرا کر بہرام کی طرف دیکھا۔ "ان لوگوں نے آپ کو رپورٹ تو دے دی ہوگی؟"

"نہیں، ہم کبھی رپورٹ نہیں دیتے۔ ہم صرف اتنا کہتے ہیں کہ مسئلہ

حل ہو گیا ہے اور پھر ہر مہینے اُن لوگوں کی فہرست بھیج دیتے ہیں جو ہمارے ہاتھوں لاشوں میں بدل جاتے ہیں۔ اب ذرا تم بہرام سے باتیں کرو۔ یہ نہیں کچھ بتانا چاہتے ہیں۔ اس دوران میں ہم باہر کھڑے رہیں گے۔"

دوسرے کمرے میں پہنچتے ہی ٹائیگر نے اُوشان کی طرف دیکھا۔ "کتنی دیر لگے گی؟"

"کس سلسلے میں؟" اُوشان نے پوچھا۔

"رُوبی کے ہاتھوں بہرام کی شکست میں... مجھے یقین ہے کہ بہرام جلد ہی رُوبی کے قتل کا ارادہ ترک کر دے گا لیکن پریشانی یہ ہے... کہ رُوبی کتنی دیر لگائے گی۔"

"صرف پانچ منٹ... اور ٹھیک پانچ منٹ بعد بہرام اُسے چارہ گر کے لیے منتخب کرنے پر مجبور ہو جائے گا۔"

"نہیں... دس منٹ۔" ٹائیگر نے زور دے کر کہا۔

"پانچ منٹ... لگاؤ شرط۔"

"کس چیز پر...؟"

اُوشان معنی خیز انداز میں مسکرانے لگا۔

"میں شرط نہیں لگاؤں گا۔" ٹائیگر نے گھبرا کر کانوں پر ہاتھ رکھ لیے۔ اُوشان کسی بطخ جیسی آواز میں ہنسنے لگا۔

★★

بہرام کے کمرے میں رُوبی اُس کے سامنے والی کُرسی پر بیٹھی ہوئی تھی۔

"سوال یہ ہے کہ آپ قتل کرنے کے لیے ریوالور استعمال کریں گے یا زہر؟"

"کیا مطلب...؟" بہرام بھونچکا رہ گیا۔ "تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ میں...؟"

"ذہانت میرے گھر کی لونڈی ہے، جناب!" رُوبی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ آپ کی تنظیم ہر اُس شخصیت کو نقصان دہ سمجھتی ہے جو اُس کے راز سے واقف ہو جائے اور اگر میں آپ کی جگہ ہوتی تو میرا فیصلہ بھی وہی ہوتا جو آپ کر رہے ہیں تاکہ تنظیم کا راز محفوظ رہ سکے۔"

"اور..." بہرام اثبات میں سر ہلا کر رہ گیا۔ کسی نے آج تک خود کو قتل کرانے کے لیے جواز پیش نہیں کیا تھا لیکن یہ لڑکی دلائل سے ثابت کر رہی تھی کہ اس کا قتل کیوں ضروری ہے۔

"ویسے میں نے سب کچھ ڈائری میں لکھ کر لاکر میں رکھوا دیا ہے تاکہ میرے قتل کی حقیقت معلوم ہو سکے۔"

"تم مجھ بلیک میل کر رہی ہو۔" بہرام نے ضبط کرتے ہوئے کہا۔

"وہی سمجھ لیں۔ زندگی ہر ایک کو پیاری ہوتی ہے۔"

"ہوں..." بہرام ہنکارا بھر کر رہ گیا۔

"میں بتاؤں کہ اس مسئلے کا کیا حل ہوگا؟" رُوبی نے شوخ لہجے میں کہا۔ "آپ مجھے ملازم رکھ لیں۔"

"مگر کس لیے؟" بہرام اُچھل پڑا۔

"تنظیم کے کام کو آگے بڑھانے کے لیے... میں فعال کارکن تو نہیں ہوں گی لیکن مختلف مہمات میں ہاتھ ضرور بٹاتی رہوں گی۔"

"ٹھیک ہے۔" ڈاکٹر بہرام نے ایک طویل سانس لے کر جواب دیا۔ وہ اس کے علاوہ کچھ کر بھی تو نہیں سکتا تھا۔ "میں تمہیں پانچ ہزار ڈالر تنخواہ دوں گا۔"

"محکمۂ جاسوسی مجھے پچیس ہزار ڈالر دیتا تھا۔" رُوبی نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"وہ کس سلسلے میں؟"

"محض سن گن لے کر رپورٹ بھیجنے کے عوض۔" رُوبی نے جواب دیا۔

مجبوراً بہرام پچیس ہزار پر رضامند ہو گیا۔ "یہ سراسر ڈکیتی ہے۔" چند لمحے بعد بہرام نے مسکراتے ہوئے کہا۔

رُوبی بھی مسکرانے لگی۔ "یقیناً... مگر اب میں تنظیم کی ڈاکو ہوں..." یہ کہہ کر وہ دروازے تک گئی اور اس نے دروازہ کھول دیا۔ "آپ لوگ اندر کیوں نہیں آجاتے؟"

"اوہ! دیکھا... چار منٹ اور پچپن سیکنڈ میں رُوبی جیت گئی..." اُوشان نے فاتحانہ انداز میں اسٹاپ واچ لہراتے ہوئے کہا اور ٹائیگر کمرے میں چلا آیا، رُوبی اُوشان کے ساتھ باہر کھڑی ہو گئی۔

"یہ کیا ہوا، چیف؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"انتظامی فیصلہ ہے کہ رُوبی تنظیم میں رہے گی۔ ویسے میں تمہیں ایک بات بتا دینا چاہتا ہوں کرنل۔ وی پر ماؤنٹنگ کے عوض تمہیں کچھ نہیں ملے گا۔ چارہ گر میں رہو۔"

"نہیں، چیف! میں الوداعی ملاقات کے لیے آیا ہوں۔"

"یہ جھوٹ بولتا ہے۔" رُوبی نے کمرے میں منڈوال کر کہا۔ "یہ تنظیم ہی میں رہے گا ورنہ میں اسے شادی پر مجبور کر کے، اس کی زندگی تباہ کر دوں گی اور یہ زندگی بھر میری چیخ و پکار سنتا رہے گا۔ اسے سکون نہیں ملے گا اور..."

"بس... خدا کے لیے، بس..." ٹائیگر نے گھبرا کر دونوں ہاتھ کانوں پر رکھ لیے۔ "چیف! میں تیار ہوں۔ میں چارہ گر میں کام کرتا رہوں گا۔ ورنہ یہ عورت چیخ چیخ کر میرے کانوں کے پردے پھاڑ ڈالے گی۔"

معاً رُوبی کے چہرے پر دنیا جہان کی نرمی اُمڈ آئی۔ وہ ٹائیگر کو دیکھتی رہی اور اُوشان اپنے مخصوص انداز میں ہنستا رہا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ٹائیگر نے ایک طویل سانس لے کر اپنا جسم ڈھیلا چھوڑ دیا۔

اُسے یوں لگ رہا تھا جیسے اس کا پورا وجود، اس کی ہستی اور اس کے تمام تر عناصر بکھر کر ذرات میں تبدیل ہو گئے ہوں اور یہ ذرات خلا میں چکراتے پھر رہے ہوں... کبھی وہ ایک طرف جاتے اور کبھی منتشر ہو کر نیچے بیٹھنے لگتے۔

اس نے نہایت آہستگی سے آنکھیں کھولیں۔

سب سے پہلے اس کی نگاہ چھت سے جھولتے ہوئے ایک فانوس پر پڑی۔ یہ اُن تیرہ شیشوں والے فانوس سے قدرے مختلف تھا جو آپریشن ٹیبل کے اوپر لٹکا ہوتا ہے... لیکن اب اُس نے دیکھا کہ وہ ایک آپریشن ٹیبل پر بندھا ہوا ہے تو اُسے یقین ہو گیا کہ اُسے آپریشن جیسے کسی عمل سے گزارنے کے لیے ہی یہاں لایا گیا ہے۔ اس کے لبوں پر شریر سی مسکراہٹ پھیل گئی "سویٹ ہارٹ...!" اُس نے بہرام کو مخاطب کیا حالانکہ وہ آپریشن رُوم میں موجود نہیں تھا۔

ٹائیگر نے آنکھیں بند کر لیں۔ ایک بار پھر اُسی تاثر نے ذہن کو جکڑ لیا جس کے تحت اُسے اپنی ہستی بکھرتی اور منتشر ہوتی محسوس ہوئی تھی۔ اس نے گھبرا کر جلدی سے آنکھیں کھول دیں۔ اب اس کے ہونٹوں پر شریر مسکراہٹ نہیں تھی بلکہ اس کے ہونٹ تفکر آمیز انداز میں سکڑ گئے تھے۔ کچھ دیر وہ ذہن پر زور دے کر سوچتا رہا کہ آخر وہ اس آپریشن ٹیبل تک کیسے پہنچا؟ اس کے ذہن کی اسکرین پر دُھندلے دُھندلے سے عکس تیزی سے نمودار ہو کر غائب ہوتے رہے اور بالآخر اُسے اندازہ ہو گیا کہ یہ سب کچھ کیا ہے اور اُسے آپریشن ٹیبل پر کیوں باندھا گیا ہے۔

کچھ عرصے قبل اس نے چارہ گر سے علیحدگی اختیار کر لی تھی اور بہرام کو صاف لفظوں میں کہہ دیا تھا کہ اب وہ مزید خوں ریزی نہیں کرے گا وہ اپنا مستقبل ایک عام آدمی کی طرح مختلف دلچسپیوں میں کھو کر گزارنا چاہتا تھا کہ اُن لذتوں سے محروم نہ رہے جن سے دوسرے انسان اپنی عام حیثیت کے باعث ہی لطف اندوز ہوتے ہیں۔ سوچ کی یہ تبدیلی دراصل وہ جمود ختم کرنے کے لیے پیدا ہوئی تھی جس نے اس کی ہستی پر گزشتہ کئی سالوں سے پنجے گاڑ رکھے تھے۔

ٹائیگر نے ایک بار پھر آنکھیں کھولیں اور موجودہ حال پر غور کرنے لگا۔ معاً اُسے یوں محسوس ہوا جیسے اُس کی رگ و پے میں ایک برقی لہر دوڑ گئی ہو۔ یہ برقی لہر اس پر غنودگی سی طاری کر گئی۔ اُسے جھلاہٹ کا احساس ہوا۔ وہ خود کو اس حالت میں پا کر غصے کا شکار ہوا تو اُس نے آہستہ آہستہ اپنے بازوؤں کی پھیلیوں میں تناؤ پیدا کرنا شروع کر دیا۔

وہ یہ بندھن توڑ کر اُٹھ جانا چاہتا تھا لیکن اُسے یہ محسوس کر کے شدید حیرت ہوئی کہ وہ بندشیں توڑنے کے قابل نہیں ہے حیرت کے ایک شدید جھٹکا اس کے ذہن کو لگا اور اُس نے جسم ڈھیلا چھوڑ دیا۔

اس کا ذہن اب تیزی سے کام کر رہا تھا۔ وہ سمجھ گیا کہ اس کے ساتھ کیا واقعہ پیش آیا ہے۔ اس کی آنکھیں گردش کرتی ہوئی ایک کیلنڈر پر جم گئیں جو ایک دُور افتادہ دیوار پر آویزاں تھا۔ تاریخ دیکھ کر وہ چونکے بغیر نہ رہ سکا۔

کیلنڈر پر تیرہ تاریخ تھی۔

اُسے اچھی طرح یاد تھا کہ آٹھ تاریخ کی شام وہ اُوشان اور آہو خن کی ملاک روبی کے ساتھ بہرام کے ساتھ ڈنر کے لیے چارہ گر کی عمارت میں آیا تھا اور پھر کھانے کے بعد اچانک ہی اس کی کھوپڑی گھوم گئی تھی اور اُس نے پامسر ڈائننگ ٹیبل سے ٹکرا دیا تھا پھر کیا ہوا تھا، اُسے کوئی خبر نہیں تھی... اور اب پانچویں روز وہ خود کو ایک آپریشن رُوم کی میز پر اس طرح بندھا ہوا دیکھ رہا تھا کہ اُس کے جسم میں وہ توانائی نہیں تھی جس کے بل بوتے پر وہ ٹھوس چیزوں کے پرخچے اُڑا دیا کرتا تھا۔ وہ آشیا موم کی بنی ہوئی ہوں۔

کیا مجھے ناکارہ کر دیا گیا ہے؟ اُس کے ذہن میں پہلا خیال آیا۔ اس خیال سے اُسے تکلیف نہیں ہوئی کیونکہ وہ خود بھی ایک عام آدمی بننا چاہتا تھا۔ خاص آدمی بننے کے بعد اُسے یہ احساس بڑی شدت سے ہوا تھا کہ انسان خاص آدمی بننے کے لیے بڑے پاپڑ بیلتا ہے لیکن جب وہ خاص آدمی بن جاتا ہے تو خود کو بے حد الگ تھلگ اور تنہا محسوس کرنے لگتا ہے۔ خاص آدمی کا تفاخر زیادہ عرصے تک برقرار نہیں رہتا۔ پھر وہ خونریزی جس کے لیے اُسے بطور خاص تخلیق کیا گیا تھا، اس کے لیے بے حد تکلیف دہ ہو گئی تھی۔ وہ بنیادی طور پر کوئی جنونی قاتل نہیں تھا کہ انسانی خون بہا کر لطف و لذت محسوس کرتا۔ چاہے وہ کتنا ہی خاص آدمی بن گیا تھا، آخر وہ انسان ہی تھا... ایک ایسا انسان جس کے سینے میں گوشت پوست کا دھڑکتا ہوا دل بھی تھا۔ وہ پتھر نہیں تھا اور نہ ہی وہ درندہ بننا چاہتا تھا۔ اُسے اپنا سرکاری نام ٹائیگر بھی اس حد تک پسند تھا کہ یہ نام اُسے ایک خاص حیثیت کا احساس دلاتا رہتا ہے اور ٹائیگر

بننے کے بعد وہ رفتہ رفتہ اس احساس سے بھی عاری ہو گیا تھا۔

اُسے حیرت تھی کہ اُوشان کہاں ہے؟ کیا اُسے بھی اسی طرح بے بس کر کے کسی اور آپریشن رُوم میں ڈال دیا گیا ہے؟ اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ کم از کم اُسے اس نوبت کو تو ہرگز نہ پہنچنے دیتا۔ آخر اس سارے معاملے کی وجہ کیا ہے؟ کیا بہرام انھیں یہ احساس دلانا چاہتا ہے کہ وہ اس کی دسترس سے دُور نہیں ہیں اور وہ جب چاہے ان دونوں کو بے بس کر سکتا ہے۔ اس نے فیصلہ کیا کہ اگر بہرام نے ایسا چاہا تو وہ بغاوت کر دے گا۔ ابھی یہ خیال اُس کے ذہن میں آیا ہی تھا کہ اُسے یکایک اپنی رہی سہی توانائی بھی سلب ہوتی محسوس ہونے لگی۔ اس پر غنودگی کا زبردست حملہ ہوا تھا۔

وہ دیر تک بے سُدھ پڑا رہا۔

اس بار ٹائیگر ہوش میں آیا تو وہ خود کو قدرے تروتازہ محسوس کر رہا تھا۔ اچانک اُسے یوں محسوس ہوا جیسے کوئی اس کے قریب موجود ہے۔ اس نے نظریں گھما کر دیکھا تو اُوشان پر نگاہ پڑتے ہی اُس کے ہونٹ خوشگوار مسکراہٹ سے پھیل گئے۔

"کیا محسوس کر رہے ہو فرزند؟" اُوشان نے مسکرا کر پوچھا۔ اس کے انداز میں بے پناہ شفقت تھی۔

"کیا آپ میرے احساسات سے بے خبر ہیں فادر؟" اُس نے کرب ناک لہجے میں اُلٹا اُس سے پوچھ لیا۔

"نہیں... لیکن میں تمہاری زبان سے سننا چاہتا ہوں۔"

"یوں محسوس ہوتا ہے جیسے میں ایک طویل عرصے سے ایک ایسا خواب دیکھتے دیکھتے بیدار ہوا ہوں جس میں مجھے بڑی غیر معمولی تخصیت حاصل تھی اور میں نے زبردست کارنامے سرانجام دیے تھے۔"

"لیکن وہ خواب نہیں، سب کچھ حقیقی تھا میرے بچے۔" اُوشان نے سمجھانے والے انداز میں کہا۔

"... اور یہ سب کچھ کیا ہے؟" ٹائیگر کا لہجہ تلخ ہو گیا۔

"یہ دوسری حقیقت ہے۔" اُوشان نے جواب دیا اور قہقہہ لگا کر اپنے مخصوص انداز میں ہنسنے لگا۔ "اس وقت تو تمہاری یہ حالت ہے کہ اگر کوئی مکھی بھی چاہے تو تمہیں زچ کر کے خودکشی پر مجبور کر سکتی ہے۔"

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں فادر؟" ٹائیگر کو حیرت ہونے لگی۔

"ہاں... اور اس کی وجہ یہ ہے کہ تم نے ہمیشہ میری ایک بات کو رد کیا... اگر تم میری باتوں پر توجہ دیتے ہوئے اپنی رُوحانی طاقت بڑھانے کی کوشش کرتے رہتے تو آج تمہیں اس سائنسی تجربے سے دوچار نہ ہونا پڑتا۔"

"آپ کا مطلب ہے، میں رُوحانی طور پر کمزور تھا؟"

"کمزور ہی نہیں فرزند، تم روحانی طور پر نابالغ بھی تھے۔" اُوشان نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "شہنشاہ بہرام نے تمہیں جدید دَور کی ایک ایسی دَوا دے دی ہے، جو اس وقت تمہاری رگ رگ میں دَوڑ رہی ہے۔ اس دَوا کے زیر اثر تم کبھی بغاوت نہیں کر سکتے۔ تمہاری تخلیق جس نظریے کے تحت ہوئی تھی، اس سے منحرف نہیں ہو سکتے۔ جیسے ہی تمہارے ذہن میں کوئی باغیانہ خیال آئے گا، یہ دَوا فوری طور پر تمہاری ذہنی صلاحیتوں اور اعصاب پر اثر انداز ہو جائے گی اور تم ٹائیگر سے کچھ کے بن جاؤ گے۔" یہ کہہ کر اُوشان ایک بار پھر اپنے مخصوص انداز میں ہنس پڑا۔

"معلوم ہوتا ہے آپ اس سازش میں بہرام کے ساتھ شامل رہے ہیں؟" ٹائیگر کے لہجے میں شکایت تھی۔

"نہیں، میں کسی سازش میں کیوں شامل ہونے لگا؟"

"تو پھر آپ نے یہ سب کچھ کیسے برداشت کر لیا؟"

"برداشت...؟" اُوشان نے زیر لب کہا۔ "اصل مسئلہ تو یہی ہے فرزند... برداشت...!"

ٹائیگر پلکیں جھپکا کر اُوشان کی طرف دیکھنے لگا۔

"تمہارا کیا خیال ہے، انسانی خون میں نے زیادہ بہایا ہے یا تم نے؟"

"میرا خیال ہے، میں ابھی آپ کے سامنے طفلِ مکتب ہوں۔" ٹائیگر نے اعتراف کیا۔

اُوشان کا قہقہہ اس قدر بلند اور اچانک تھا کہ ٹائیگر چونکے بغیر نہ رہ سکا۔ "طفلِ مکتب... قہقہہ...!" اُوشان جس قدر اچانک ہنسا تھا اسی قدر ناگہانی انداز میں بے حد سنجیدہ بھی ہو گیا۔ "میں نے کبھی انسانی خون نہیں بہایا فرزند... کبھی نہیں... ایک بوند بھی نہیں... میرے ہاتھوں آج تک جتنی بھی زندگیاں تلف ہوئی ہیں، وہ انسانی زندگیاں نہیں تھیں، بلکہ درندوں کی زندگیاں تھیں... ایسے درندوں کی جو انسانوں کا لہو پی کر زندہ رہنا چاہتے تھے۔ اسی طرح تم نے بھی درندوں ہی کو ٹھکانے لگایا ہے... لیکن تمہاری برداشت کم تھی، اس لیے تم نے اسے انسانی خون سمجھا اور بالآخر ذہنی طور پر بغاوت سے ہمکنار ہو گئے۔ بہرحال اب میں تمہاری تربیت میں اس پہلو کو خاص طور سے سامنے رکھوں گا یاد رکھو، جس طرح خدائے عظیم کی خاطر بتوں کو پاش پاش کیا جانا ایک عظیم کام ہے، اسی طرح رب عظیم کا قانون نافذ کرنے کے لیے غیر انسانوں کا خاتمہ خون بہانا بھی ایک کارِ عظیم ہے جس میں اکتاہٹ، اضمحلال سے انحراف کے مترادف ہوتی ہے۔"

"آپ ٹھیک کہتے ہیں فادر...!" ٹائیگر نے اس کی تائید کی۔ "آپ کی ان باتوں سے مجھے خون بہانے کی پیاس محسوس ہونے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

لگی ہے۔"

"تمہیں جلد ہی اس کا موقع دیا جائے گا۔" اوشان نے شاہانہ انداز میں کہا۔ "یاد رکھو تم ایک خاص آدمی ہو... لیکن تم ایک عام آدمی بھی ہو۔ تمہیں بیک وقت ان دونوں حیثیتوں کی تسکین کا خیال رکھنا چاہیے اور ایسا اسی وقت ہو سکتا ہے جب تمہاری برداشت اس حد کو پہنچ جائے گی جس حد تک میں نے پہنچا رکھی ہے۔ یا جس حد تک سناتنجو کے آباؤ اجداد پہنچ چکے تھے۔"

ٹائیگر نے آنکھیں بند کر لیں۔

اوشان نے اُسے جس رُخ سے آشنا کیا تھا۔ وہ اگرچہ کوئی نیا رُخ نہیں تھا لیکن اُس نے اس طرف بہت کم توجہ دی تھی۔ "اوشان!" اُس نے دھیمی آواز میں کہا۔ "کیا میں اپنے لہو میں شامل اس خاص دوا کا اثر زائل کر سکتا ہوں؟"

"اس سلسلے میں ابھی کوئی کوشش کرنا تمہارے لیے نقصان دہ ہوگا۔" اوشان نے تنبیہہ کی۔ "تمہیں انتظار کرنا چاہیے۔ برداشت میں اضافہ کرتے چلے جاؤ حتیٰ کہ یہ دوا اگر جسم میں موجود بھی رہے تو بیکار ہے۔"

"گویا میں اسے خارج یا بے اثر نہیں بنا سکتا... بلکہ مجھے اپنی برداشت بڑھانا پڑے گی۔" ٹائیگر نے تھکے تھکے لہجے میں کہا۔

اوشان چونک پڑا۔

"تمہارا لہجہ...!" اُس نے کچھ کہنا چاہا لیکن جملہ مکمل نہ کر سکا۔ وہ گہری نظروں سے ٹائیگر کی طرف دیکھ رہا تھا۔ غالباً اُسے توقع تھی کہ اس جملے سے ٹائیگر کو کوئی نقصان پہنچ جائے گا... لیکن ٹائیگر پُرسکون رہا۔ کوئی ردِعمل ظاہر نہ ہوا۔

اوشان نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"ہاں... مجھے تم پر فخر کرنا چاہیے میرے پیارے احمق فرزند!" اُس کے لہجے میں یکایک بے پناہ پیار سمٹ آیا تھا۔ "میرا انتخاب غلط نہیں رہا تھا۔ تم واقعی میرے فرزند ہو اور مجھے فخر ہے کہ سناتنجو کی شمشیر کی غلط ہاتھ کو نہیں سونپ رہا ہوں۔"

"آپ نے بھی تو میرے ساتھ بغاوت کی تھی اوشان!" ٹائیگر نے کہا۔ "پھر بہرام نے آپ کو کیسے معاف کر دیا؟"

"میں نے بغاوت نہیں کی تھی بلکہ تمہارا سایہ بن گیا تھا... اگر میں تمہارے ساتھ نہ رہتا تو شاید تم اتنی دُور نکل جاتے کہ تمہاری واپسی ناممکن ہو جاتی۔ شہنشاہ بہرام یہ بات اچھی طرح جانتا تھا یہی وجہ ہوگی کہ اُس نے تمہیں کچھ عرصہ اپنی مرضی سے گزارنے کا موقع دے دیا تھا۔"

"اور یہ موقع مجھے محض آپ کے ایما پر حاصل ہوا تھا؟"

"ہو سکتا ہے۔" اوشان نے جواب دیا۔ "اور اگر ایسا نہ ہوتا تو شاید کچھ اور ہو رہا ہوتا۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔" ٹائیگر چونک پڑا۔ "اوہ...!" جیسے اچانک ہی اُسے سب کچھ سمجھ میں آ گیا۔ "آپ شاید یہ کہنا چاہتے ہیں کہ بہرام آپ کو میری ہلاکت پر...!"

"اگر کبھی ایسا ہوتا ہے تو تم اس کے لیے بہرام کو الزام نہیں دے سکتے۔" اوشان نے گہری متانت سے کہا۔ "تم نہیں جانتے کہ اس شخص کی کیا خدمتیں ہیں اور اُن سے عہدہ برا ہونے کے لیے اُسے کس قدر اعصاب شکن کام کرنا پڑتا ہے۔ وہ دُنیا کے لیے رحمت کا ایک فرشتہ ہے۔"

"میں پہلی بار آپ کی زبان سے اس کی تعریف سُن رہا ہوں!" ٹائیگر نے مسکرا کر کہا۔ "کہیں یہ وہ سونا تو نہیں بول رہا جو ایک خاص آب و ہوا کے زیرِ اثر سال میں دو بار سناتنجو پہنچایا جاتا ہے۔"

"نہیں... تم جانتے ہو کہ سونا میرے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتا اگر میں چاہوں تو سناتنجو کی گلیوں میں سونے کی سڑکیں بنوا سکتا ہوں۔ میرے آباؤ اجداد کی روحیں ہر وقت میری نگرانی کرتی ہیں اگر مجھ سے غلطی سرزد ہوتی ہے یا میں کسی کے ساتھ زیادتی کرتا ہوں تو یہ روحیں بڑی سختی سے میرا محاسبہ کرتی ہیں۔ میں حرام نہیں کھا سکتا۔"

"آپ تو فوراً سنجیدہ ہو جاتے ہیں۔ لٹل فادر۔" ٹائیگر بھی سنجیدہ ہو گیا۔ "جانتے ہیں میں موت سے کبھی نہیں ڈرتا۔ موت سے کھیلتا میرا پُرانا مشغلہ ہے۔ میں موت کا حریف ہوں اور حریف اجل ہونے کی حیثیت سے آج بھی مجھے اس پر سبقت حاصل ہے۔"

"بس بس... حد سے مت بڑھو۔" اوشان نے ہاتھ اُٹھا کر کہا اُسی لمحے قدموں کی آہٹ گونجنے لگی اور دونوں دروازے کی طرف متوجہ ہو گئے۔

آنے والا بہرام تھا۔ اس کا چہرہ تھکا تھکا سا تھا اور اُس کی آنکھوں کے گرد بے خوابی کے حلقے پڑے ہوئے تھے۔ اس کی نظریں ٹائیگر پر جمی ہوئی تھیں۔ غالباً وہ اس کا ردِعمل جاننے کے لیے بے چین تھا۔

ٹائیگر چند لمحوں تک تو اُسے گھورتا رہا... پھر خونخوار لہجے میں بولا "میرے قریب آؤ سویٹ ہارٹ۔"

بہرام چونک پڑا۔ اس نے ٹائیگر کے لہجے میں خوفناک تاثر محسوس کر لیا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ اس کے قریب جا کھڑا ہوا۔ اچانک ٹائیگر کا ایک بندھا ہوا ہاتھ آہستہ آہستہ بلند ہوا اور بندھن یوں ٹوٹ گیا جیسے وہ اصلی بیلٹ نہیں بلکہ روئی کی نرم و نازک سی پٹی رہی ہو۔ یہی حال باقی بندشوں کا بھی ہوا۔

ٹائیگر اچھل کر میز پر بیٹھ گیا۔ اس کی ٹانگیں میز کے نیچے جھول رہی تھیں اور سُرخ سُرخ آنکھیں بہرام پر جمی ہوئی تھیں۔ اس کی پتلیاں ساکت تھیں اور ان میں بے رحمی ہلکورے لے رہی تھی۔ بہرام کا دل شدت سے دھڑکنے لگا۔

ٹائیگر میز سے اُتر کر بہرام کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ اس کا انداز اتنا جارحانہ تھا کہ بہرام کو اپنی موت کا یقین ہونے لگا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ایک ایسا شخص جسے غیر معمولی بنانے کے لیے اس نے اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دیا تھا وہ کبھی اتنے جارحانہ انداز میں اس کے مقابل بھی آ کھڑا ہوگا... وہ حیران تھا کہ آخر ایسا کس طرح ممکن ہے؟

ٹائیگر کا جس انداز میں علاج کیا گیا تھا اور اُسے جو ادویات استعمال کرائی گئی تھیں اُن کے بعد اُسے بہرام کے ساتھ اس قسم کا ردِعمل ظاہر نہیں کرنا چاہیے تھا۔ کوئی باغیانہ خیال ذہن میں آتے ہی اس کی اعصابی حالت شکستہ ہو جانی چاہیے تھی اور اس کے دماغ پر نیند یا بے ہوشی کا غلبہ ہو جانا چاہیے تھا۔ کیا ٹائیگر اپنی غیر معمولی حیثیت کو بروئے کار لا کر ان جدید ترین ادویات کو ناکارہ اور غیر مؤثر بنانے میں کامیاب ہو گیا ہے؟ بہرام نے سوچا اور ٹائیگر کی طرف دیکھا۔

ایک لمحے کے لیے دونوں کی آنکھیں ایک دوسرے کی آنکھوں میں پیوست ہو گئیں۔

بہرام نے ایک جھرجھری سی لی۔ وہ دنیا کا سب سے زیادہ مضبوط اعصاب والا آدمی تھا لیکن ٹائیگر ایک غیر معمولی انسان تھا۔ وہ اس سے نہیں جیت سکتا تھا۔ اس نے اوشان کی طرف دیکھا۔

اوشان بے تعلق کھڑا چھت کو گھور رہا تھا۔

"میں تمہیں جان سے مار ڈالوں گا سویٹ ہارٹ۔" ٹائیگر کے لہجے میں اب واضح طور پر درندگی جھلک آئی تھی۔

"تم ایسا نہیں کر سکتے۔" بہرام نے کرخت اور تحکمانہ لہجے میں کہا۔ "مجھے کچھ نہیں ہوگا۔ تمہاری دواؤں کا اثر زائل ہو چکا ہے۔ تم نے مجھے دھوکا دیا ہے۔ اپنی مرضی کے خلاف کسی کو اجازت نہیں دے سکتا کہ وہ مجھے استعمال کرے۔ مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ سویٹ ہارٹ!"

ٹائیگر کے دونوں ہاتھ آہستہ آہستہ بلند ہوئے اور بہرام کی گردن کی طرف بڑھنے لگے۔

بہرام نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر انھیں تر کیا۔ پھر اوشان کی طرف دیکھا۔ شاید اُسے توقع تھی کہ اوشان اس معاملے میں مداخلت کرے گا لیکن وہ تو یوں بنا کھڑا تھا جیسے جیتے جاگتے انسان کی بجائے کوئی مجسمہ رکھا ہو۔ اُدھر ٹائیگر کے مہلک ہاتھ آہستہ آہستہ بلند ہو کر اب اس کے گلے تک پہنچ گئے تھے۔ اُس نے ایک طویل سانس لے کر جسم ڈھیلا چھوڑ دیا۔

اُسے ٹائیگر سے محبت تھی کیونکہ وہ اس کے خیالوں اور خوابوں کی تعبیر تھا... اور یہی تعبیر آج اس کے لیے مہلک ثابت ہونے جا رہی تھی۔ اس نے ایک لمحے میں فیصلہ کیا کہ اُسے کیا ردِعمل ظاہر کرنا چاہیے۔ اس نے اپنی دانست میں ٹائیگر پر جو حربہ آزمایا تھا وہ آخری ترکیب تھی۔ اس کے بعد صرف یہی ممکن تھا کہ وہ اوشان کو ٹائیگر کی ہلاکت کا حکم دے دے۔ یہ حکم اس نے ایک بار پہلے بھی دیا تھا اور یہ حکم دینے کے بعد اُس نے خود کو ذہنی طور پر خود کشی کے لیے آمادہ کر لیا تھا لیکن حالات نے آخری لمحے ایک ایسی کروٹ لی تھی کہ اوشان، ٹائیگر کی یاد داشت واپس لانے میں کامیاب ہو گیا تھا اور وہ سب ہی ہلاکت سے بچ گئے تھے ورنہ ٹائیگر کو ہلاک کر کے خود اوشان بھی زندہ نہ رہتا اور ان دونوں

اے حمید
کے ایڈونچرس قلم سے
گنگا کے
پجاری ناگ
دو جلدوں میں
جلد اول =/150
جلد دوم =/200
مکتبہ القریش سرکلر روڈ اردو بازار لاہور
فون 7668958

تاریخی ناول
ابلیس مصر — الماس ایم۔اے — /100
حسن بن صباح — الماس ایم۔اے — /125
راجکماری — الماس ایم۔اے — /150
نور الدین زنگی — الماس ایم۔اے — /250
سلطان عادل — الماس ایم۔اے — /150
مکتبہ القریش اُردو بازار۔ لاہور 2

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کے بعد بہرام کی زندگی کوئی معنی نہیں رکھتی تھی۔ آج قسمت ایک بار پھر ان تینوں کو ایک ایسے ہلاکت خیز موڑ پر لے آئی تھی۔

ٹائیگر کے دونوں ہاتھ بہرام کے گلے تک پہنچ گئے۔

اس کی انگلیاں بہرام کے گلے سے لپٹی ہوئی رسی پر پھیلنے میں بھیگی ہوئی انگلیاں جن کی معمولی سی جنبش اُسے موت کی تاریک وادیوں میں اُتار سکتی تھی۔ اس نے سانس روک لی۔ ایک لمحے کے لیے موت کا خوف اس کے ذہن پر سوار ہُوا تو اُس نے سوچا کہ اُوشان کو مدد کے لیے پکارے... لیکن پھر اُس نے یہ ارادہ ترک کر دیا۔ اس نے کوئی ردِعمل ظاہر نہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کبھی کبھی انسان کو خود اپنی تخلیقات کا بھی ہدف بننا پڑتا ہے۔ وہ بھی خود کو ایک ایسا ہی بدنصیب شخص تصور کر کے مرنے کے لیے تیار ہو گیا۔ اس نے آنکھیں بند نہیں کیں بلکہ اب وہ براہِ راست ٹائیگر کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔

"تم مجھے مارڈالنا چاہتے ہو؟" اس نے نرمی سے کہا۔ "ضرور مارو، میرے اشارے پر دوسروں کو ہلاک کرنے والا، ایک دن خود میری ہلاکت کا باعث بن جائے گا۔ یہ بات مجھے بہت پہلے سوچ لینی چاہیے تھی لیکن مجھے اپنی موت پر افسوس نہیں بلکہ ختم ہو گا۔ خدا حافظ اُوشان!"

اُس نے اُوشان کی طرف دیکھے بغیر کہا اور متوقع موت کا انتظار کرنے لگا۔

ٹائیگر کی انگلیاں اب اُسے نسبتاً گرم محسوس ہونے لگی تھیں۔ ان کا دباؤ بھی قدرے بڑھ گیا تھا۔ انگلیاں اس کی گردن پر اور انگوٹھوں کے گدی دار حلقے اس کے نرخرے پر جمے ہوئے تھے اور ان کا دباؤ دھیرے دھیرے بڑھتا چلا جا رہا تھا۔

ڈیموس مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔ وہ بہت کم مسکراتا تھا اور اُس کی مسکراہٹ کبھی محض ایک لکیر سے زیادہ کشادہ نہیں ہوتی تھی۔ اس کے سیاہ ہونٹوں کے درمیان لمبائی میں ایک دراڑ جیسا خلا نمودار ہوتا تھا اور یہی اُس کی مسکراہٹ ہُوا کرتی تھی اور اس سے اظہار ہوتا تھا کہ وہ کسی چیز سے لطف اندوز ہو رہا ہے۔ "میں جہازوں کا کاروبار کرتا ہوں، مسٹر سمرفرال! پائپ کا دھندا نہیں کرتا۔" یہ کہہ کر اُس نے بادامی ذائقے والا مشروب اُٹھا لیا اور جام ٹھکرا دیا۔

ڈیموس ایک ناٹے قد کا موٹا آدمی تھا۔ پہلی نگاہ میں یوں لگتا تھا جیسے کسی طویل قامت شخص کو اوپر سے دبا کر چھوٹا کر لینے کے بعد یہ جسامت عطا کی گئی ہو۔ وہ اس قدر بھدا اور بدصورت تھا کہ سراپا بنی شخص کو حیرت ہوتی تھی کہ وہ حسین خواتین کو اپنا پیچھا کرنے پر کیسے مجبور کرتا ہو گا؛ لیکن جب اس کی دولت سامنے آتی تھی تو یہ راز از خود بے نقاب ہو جاتا تھا۔

علاوہ ازیں بہت سے ایسے لوگ جن کا خیال تھا کہ ڈیموس اپنی دولت کے بل بوتے پر خواتین کا مطلوب ہے۔ وہ غلطی پر تھے۔ ایسی ہی اور بھی بہت سی غلط فہمیاں اس شخصیت کے بارے میں پائی جاتی تھیں۔ اس سے قبل دوسری جنگِ عظیم میں استعمال ہونے والا بحری جہاز ٹیکن پیش کرنے کے بعد ہی ڈیموس صحیح معنوں میں دولت مند ہُوا تھا اور جب سمرفرال نے اپنے ڈائرکٹروں کے سامنے یہ اعلان کیا کہ وہ ڈیموس کے لیے دنیا کا سب سے بڑا بحری جہاز تیار کرنا چاہتا ہے تو لندن میں اُس کی شپنگ کمپنی کے حصص کے بھاؤ نہ یکدم تاریخی نوعیت کی بلندی حاصل کر لی تھی۔

وہ ایک بہت بڑا بحری جہاز تھا۔ اس سے قبل صنعتِ جہاز سازی میں اتنا بڑا جہاز کبھی تیار نہیں کیا گیا تھا۔ اس کی لمبائی کسی طرح بھی نصف میل سے کم نہیں تھی۔ کوئن الزبتھ دوم جیسے دو بحری جہاز آسانی سے اس جہاز کے عرشے پر رکھے جا سکتے تھے اور اس کے پیندے تک اُترنے کے لیے پیراشوٹ کے ذریعے کُود جا سکتا تھا۔ یہ جہاز خلیج فارس سے تیل لانے کے لیے بنایا گیا تھا اور اس میں کسی بڑے شہر جتنا بڑا سسٹم موجود تھا۔ کسی بھی ریاست کے تمام ٹرک اس میں آسانی سے سما سکتے تھے اور ضرورت پڑنے پر ایک ہزار ٹینک آسانی سے لاد کر فوج کو ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچایا جا سکتا تھا۔

"اگر اسے تھوڑا سا اور لمبا کر دیا جائے۔" سمرفرال نے مزاحیہ لہجے میں کہا، "تو ہم یہ جہاز بحیرۂ قیافانوس کے آر پار رکھ سکتے ہیں۔"

اگرچہ اُس کی بات میں مبالغہ تھا لیکن وہ جہاز مبالغے کی حد تک بڑے سائز کا تھا اس لیے اُس کی یہ بات غلط بھی معلوم نہیں ہوتی تھی۔

ڈیموس مسکراتا رہا... اپنے مخصوص انداز میں، اپنے ہونٹوں کے درمیان خفیف سے خلا والی لکیر سجائے مسکراتا رہا۔ وہ جانتا تھا کہ سمرفرال اُس کے سلسلے میں بالکل اسی طرح غلط فہمی کا شکار ہو گیا ہے جیسے کہ عموماً ماضی میں لوگ ہوتے رہے ہیں... اور اس غلط فہمی کا انھیں کیا خمیازہ بھگتنا پڑا تھا۔ اس سے سمرفرال بے خبر تھا۔ وہ اس بات سے بھی بے خبر تھا کہ ڈیموس کے بارے میں غلط فہمی کے باعث اُسے اس غیر معمولی جہاز سے بھی ہاتھ دھونے پڑ سکتے ہیں جس کا نام انھوں نے "بحری کائنات" رکھا تھا۔

ڈیموس ایک یونانی تھا۔ کم عمری میں وہاں وہ جوتے پالش کیا کرتا تھا جب اُس کا شعور قدرے بیدار ہُوا تو اُس نے قیمتی جُوتوں کے مالکان سے پالش کرنے کے دوران ایسی باتوں کا سلسلہ شروع کر دیا جن سے اُسے کاروباری طور پر کوئی فائدہ پہنچ سکے۔ وہ اتنا چرب زبان

تھا کہ دولت مندوں سے کئی قیمتی تجربات پر مبنی باتیں اگلوا لیتا تھا پھر وہ ایک شہر سے دوسرے شہر گھومتا رہا اور ایک روز اپنے ملک سے غائب ہو گیا۔ سمرفرال سے پہلی ملاقات کے وقت وہ بے پناہ دولت کا مالک بن چکا تھا۔ اس نے بڑی سوجھ بوجھ سے کام لے کر بحری جہازوں میں قسمت آزمائی کی تھی اور اتفاق سے چھڑ جانے والی ایک جنگ کے دوران میں اُسے ایسے کام مل گئے جن میں اس نے دونوں ہاتھوں سے دولت سمیٹی... اور جب وہ بحری جہازوں کی طرف متوجہ ہُوا تو تھابیس نامی ایک اور یونانی امیر اُس کا حریف ثابت ہُوا... لیکن ڈیموس نے کئی موقعوں پر زک اُٹھانے کے باوجود تھابیس کو چت کر دیا۔

اب کوئی تھابیس کا نام لینا بھی پسند نہیں کرتا تھا کیونکہ اس کی ذات سے بُرے ہی گھناؤنے اسکینڈل وابستہ ہو گئے تھے۔ یہ الگ بات ہے کہ تمام تر اسکینڈل ڈیموس کے غیر معمولی ذہن نے تراشے تھے اگرچہ اُس نے تھابیس کو کنگال کر کے خودکشی کرنے پر مجبور کر دیا تھا لیکن آج بھی تھابیس کا نام اس کے لیے گالی کی حیثیت رکھتا تھا اور مذاق ہی مذاق میں سمرفرال نے جب اس کا نام لیا تو ڈیموس یوں بدکا جیسے اُسے کسی بچھو نے ڈنک مار دیا ہو۔

یہ سمرفرال کی بدقسمتی کا پہلا باب تھا۔ اس کے بعد ڈیموس نے اُسے اس قدر پریشان کرنا شروع کر دیا کہ سمرفرال تنگی کا ناچ ناچنے پر مجبور ہو گیا۔

ڈیموس نے پہلے تو سمرفرال کی کمپنی کے حصص کا بھاؤ آسمان پر پہنچا دیا۔ اس سے قبل وہ بیشتر حصص خود خرید چکا تھا۔ یہ بات کوئی بھی نہیں جانتا تھا کہ دراصل وہ اتنے حصص کا مالک بن چکا ہے کہ جب چاہے خود سمرفرال کو دھکے دے کر کمپنی سے الگ کر سکتا ہے... لیکن اُس کے شیطانی ذہن میں کہیں بڑا منصوبہ تھا اور آج وہ آخری اور سب سے بڑے منصوبے پر کام کرنے کا ارادہ لے کر سمرفرال کو شرفِ ملاقات بخش رہا تھا۔

ڈیموس نے جہاز میں ان گنت تبدیلیاں کروائیں۔ ان تبدیلیوں میں سمرفرال کے نفع کا تناسب گرتا چلا گیا... حتیٰ کہ آج اُس نے نفع کے تابوت میں آخری کیل بھی ٹھونک دی۔ اس کی بات سُن کر سمرفرال یوں اچھل پڑا جیسے اس کے برہنہ پاؤں انگاروں پر پڑ گئے ہوں۔

"کیا فرمایا... کک... کیا کہا آپ نے؟" وہ ہکلانے لگا۔ "ٹائیگر پاور انجن... مجھے افسوس ہے، ہم اتنی بڑی تبدیلی کے متحمل نہیں ہو سکتے۔"

ڈیموس نے لاپروائی سے کندھے اچکا دیے۔ "مجھے جہاز میں ٹائیگر انجن چاہئیں۔"

"لیکن آپ وہ انجن ہم سے نہیں لے سکتے۔" سمرفرال چیخ پڑا۔

"تو پھر میں تم سے جہاز بھی نہیں لے سکتا۔" ڈیموس نے کھرا جواب دے دیا۔

"لیکن جناب! ہمارے درمیان باقاعدہ معاہدہ ہُوا ہے۔"

"ٹھیک ہے، دیکھتے ہیں کہ عدالتیں اس معاہدے کے سلسلے میں کیا کہتی ہیں۔" ڈیموس نے کھردرے لہجے میں جواب دیا۔

"آپ جانتے ہیں جناب کہ ہماری کمپنی بھاری قرضے تلے دب گئی ہے۔ ہم جہاز کی تکمیل اور اس کے بعد ڈیلیوری دے کر قیمت کا باقی حصہ وصول کیے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے۔"

"اگر یہ سب کچھ چاہتے ہو تو ٹائیگر انجنوں کا بندوبست کرو، ورنہ اپنا جہاز اپنے پاس رکھو۔ مجھے اس کی ضرورت نہیں۔"

اس گفت و شنید کے بعد ڈیموس نے اعلان کر دیا کہ وہ سمرفرال کمپنی کا جہاز نہیں خریدے گا۔ یہ اعلان ہوتے ہی ملک بھر میں کہرام برپا ہو گیا۔ شیئرز کے بھاؤ آسمان سے اچانک ہی زمین پر آ گئے اور ڈیموس نے قرضی اداروں کی معرفت ان کی دھڑا دھڑ خریداری شروع کر دی۔ حتیٰ کہ جب اُس نے دیکھا کہ سمرفرال کی کمپنی دیوالیہ ہو گئی ہے تو اس نے انتہائی سستے داموں ایک قرضی ادارے کی معرفت کمپنی خرید لی۔ اگلے ہی روز اُس نے اعلان کیا کہ وہ جہاز خریدے گا۔ شیئرز کے بھاؤ ایک بار پھر آسمان سے باتیں کرنے لگے، اور سمرفرال اپنے دفتر میں بیٹھا بال نوچتے ہوئے صرف تین باتوں پر غور کر رہا تھا۔ پہلی بات یہ کہ اُسے خود کو بیوالور کی گولی سے ہلاک کرنا چاہیے۔ دوسری یہ کہ رسّی استعمال کرے اور تیسری بات یہ کہ کوئی زہریلی شے کھا کر اپنا کام تمام کر لے۔ وہ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اُسے بے حد خاموشی کے ساتھ اس دنیا سے علیحدگی اختیار کر لینی چاہیے۔ اس نے اپنے دفتر پر الوداعی نگاہ ڈالی اور اٹھ کھڑا ہُوا۔ گھر کی طرف جاتے ہوئے راستے میں وہ ڈرائیو سے بھددانہ بھر میں باتیں کرتا رہا... پھر گھر پہنچ کر کار سے اُترنے سے قبل اس نے اپنی کلائی کی ڈرائیور کو بطور تحفہ دے دی۔

"اگر سے ڈیموس کرنے کی نوبت آ... دھڑک بیچ دینا۔" سمرفرال نے کہا۔

"نہیں جناب، میں اسے فروخت نہیں کروں گا۔" ڈرائیور نے بڑے عزم سے جواب دیا۔ "میں... بائیس سال آپ کی خدمت کی ہے... اور میرے نزدیک آپ دُنیا کے سب سے شریف انسان ہیں۔ میرے پاس یہ آپ کی نشانی رہے گی۔ دُنیا کے سب سے شریف انسان کی قیمتی نشانی۔ یہ میری بائیس سالہ خدمات کا بہترین انعام ہے۔"

"میں تمھارے جذبات کی قدر کرتا ہوں۔" سمرفرال نے دکھی لہجے میں کہا۔ "تم نے واقعی بائیس سال میں مثالی خدمات پیش کی ہیں۔"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"کیا آپ کو آج رات میری ضرورت نہیں ہے جناب؟"

"نہیں، مجھے اب کسی چیز یا کسی شخص کی ضرورت نہیں ہے۔" سرفراز نے عجیب سے لہجے میں کہا۔ "جاؤ خدا حافظ!"

ڈرائیور نے اسے خدا حافظ کہا اور گھر کے سامنے اتار کر گاڑی اپنے گھر کی طرف موڑ لی۔ وہ روزانہ سرفراز کو اس کے ہاں چھوڑنے کے بعد کار اپنے گھر لے جایا کرتا تھا۔

ڈرائیور چلا گیا تو سرفراز نے محسوس کیا کہ زندگی ہمیشہ ہی موت سے زیادہ سخت ہوتی ہے لیکن بہت سے لوگوں کو اس کا بہت بعد میں احساس ہوتا ہے۔

●

اُوشان نے آہستہ آہستہ گردن موڑی اور ٹائیگر کی طرف دیکھنے لگا۔ اب اُس کے ہونٹوں پر بڑی ہی عجیب سی مسکراہٹ تھی۔ "شہنشاہ بہرام کو چھوڑ دو، فرزند!" اُس نے شگفتہ لہجے میں کہا۔ "کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہاری شرارت سے خوف زدہ ہو کر، اُس کی حرکتِ قلب ہی بند ہو جائے۔"

ٹائیگر چونک پڑا۔

اُس نے ہاتھ ہٹائے بغیر حیرت سے اُوشان کی طرف دیکھا۔ "تو کیا آپ سمجھ گئے تھے، نیل فادر؟" اُس نے پوچھا۔

"ہاں..." اُوشان نے شفقت سے جواب دیا۔ "مجھے خوشی ہے کہ تم میں اتنی صلاحیت تو موجود ہے کہ ایسے موقعوں پر کام نکال سکو۔"

ٹائیگر نے ایک طویل سانس لی اور دونوں بازوؤں کو خفیف سا اپنی جانب جھٹکا دیا۔ بہرام لڑکھڑایا اور اگلے ہی لمحے وہ ٹائیگر کے سینے سے لگا ہوا تھا۔ دونوں لپٹ گئے اور ٹائیگر کے قہقہے سے آپریشن روم گونج اُٹھا۔

"کیا آپ مرنے کے لیے بالکل تیار تھے، سویٹ ہارٹ؟" ٹائیگر نے دریافت کیا۔

"میں، تمہارے چکر میں اب تک جزوی طور پر کئی بار مر چکا ہوں۔" بہرام نے محبت سے کہا۔ "لیکن مجھے حیرت ہے کہ تم..."

"آپ سبھی کہنا چاہتے ہیں کہ وہ دوا جو میرے خون میں دوڑ رہی ہے، اس نے میرے اعصاب اور ذہن پر کیوں اثر نہیں کیا؟" ٹائیگر نے پُراسرار انداز میں اُس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

بہرام نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"بہت آسان سی بات تھی۔" ٹائیگر نے وضاحت کی۔ "میں جو کچھ بھی کرتا رہا، وہ سوچے سمجھے بغیر ہی کرتا رہا۔ احساس کے بغیر عمل اداکاری کہلاتا ہے تو آپ اسے میری اداکاری پر بھی محمول کر سکتے ہیں۔"

"یہ بات شہنشاہ بہرام کی سمجھ میں نہیں آئے گی، فرزند!" اُوشان نے کہا۔ "اس عمل کا تعلق براہِ راست رُوحانی قوت سے ہے۔"

اچانک دروازہ کھلا اور رُوبی اندر آ گئی۔ "کس کو اپنی رُوحانی قوت کا ذکر ہے؟" اُس نے دُور ہی سے ہانک لگائی۔ "سامنے آئے۔"

"اوہ..." ٹائیگر بُرا سا منہ بنا کر رہ گیا... پھر بہرام کی طرف جُھک کر سرگوشی کی۔ "چیف کسی روز سرکاری طور پر حکم دے دیں کہ میں اس لڑکی کی زبان ہمیشہ کے لیے بند کر دوں۔"

بہرام مُسکرا کر سر ہلانے لگا۔

"میں سب سمجھ رہی ہُوں۔" رُوبی نے تیکھے انداز میں ٹائیگر کی طرف دیکھ کر کہا۔ "تم ابھی ابھی انکل سے کیا کہہ رہے تھے؟"

"کچھ نہیں، ان کے کان میں کچھ پڑ گیا تھا، میں اسے دیکھ کر نکال رہا تھا۔" ٹائیگر نے جلدی سے کہا۔

اُوشان محبت پاش نظروں سے ان دونوں کو باری باری دیکھ رہا تھا۔ "تم دونوں کو ایک دوسرے کے قریب دیکھ کر مجھے فوراً یاد آ جاتا ہے کہ میری بُوڑھی آغوش، ایک ننھے مُنّے سے وجود کو ترس رہی ہے۔" اُس کا لہجہ غم انگیز ہو گیا۔

ٹائیگر نے بہرام کا ہاتھ تھام لیا اور اُسے لے کر دروازے کی طرف بڑھ گیا تو عقب سے رُوبی کا قہقہہ سُنائی دیا۔ "تم نے غلط ہاتھ تھام لیا، شہزاد! وہ چیخ کر بولی۔ ٹائیگر نے دونوں ہاتھوں سے کان ڈھانپ لیے...

"اُوشان کا اشارہ کسی اور طرف تھا۔"

ٹائیگر نے اُس کی بات پر توجہ نہیں دی اور بہرام سے اس انداز میں بات کرتا ہُوا دروازے کی طرف بڑھتا رہا جیسے کسی نہایت ہی اہم معاملے پر گفتگو ہو رہی ہو۔

عقب میں رُوبی اور اُوشان کے قہقہے گُونجتے رہے

●

وہ جس گھر میں داخل ہُوا تھا، اُسے اس کے آباؤ اجداد نے تعمیر کیا تھا۔ وہ سیدھا اُس کمرے میں چلا گیا جہاں وہ پچپن سال قبل پیدا ہُوا تھا۔ اس کمرے میں کچھ وقت گزار کر وہ اُس کمرے میں چلا گیا جس سے اس کا بچپن وابستہ تھا۔

رہ رہ کر اُسے افسوس ہو رہا تھا کہ اُس نے ڈیموس کو کس قدر غلط سمجھا۔ دھوکے باز، جھوٹا، چور اور لٹیرا ڈیموس... جس نے کمال ذہانت سے اُسے اس ثبوت کو پہنچا دیا کہ آج اس کے پاس اپنے ڈرائیور کو تنخواہ دینے کی بھی رقم نہیں تھی۔

اچانک اُسے ایک کار کے انجن کی آواز سُنائی دی۔

وہ چونک پڑا۔ یہ ڈیموس کی کار کی آواز تھی۔ وہ اسے سینکڑوں

کاروں کی آوازوں میں شناخت کر سکتا تھا۔

ڈیموس نے بیرونی دروازہ کھولا اور اندر آ گیا۔ مختلف کمروں میں گھومنے کے بعد وہ اس کمرے میں پہنچ گیا جہاں سرفراز اپنی زندگی کی شام کا آخری منظر دیکھ رہا تھا۔

"سرفراز!" ڈیموس نے کہا۔ "مجھے خوشی ہے کہ میں بروقت یہاں پہنچ گیا۔"

"کیا واقعی؟" سرفراز نے بے حد سرد لہجے میں دریافت کیا۔ "آخر یہ زحمت کرنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"جب مجھے آپ کے دیوالیہ ہونے کی خبر ملی اور جب میرے آدمیوں نے مجھے بتایا کہ آپ ایک ریوالور لے کر یہاں آئے ہیں تو میں نے اندھا دُھند اس طرف دوڑ لگا دی۔ میں بروقت پہنچ گیا، مجھے دُکھ ہوتا اگر آپ میری آمد سے پہلے خودکشی کر لیتے۔"

"کیا تم مجھے اقدامِ خودکشی سے روکنے کی کوشش کرو گے؟" سرفراز نے عجیب سے لہجے میں دریافت کیا۔

"اوہ، نہیں۔ میں تو یہ شاندار اور یادگار منظر دیکھنے ہی آیا ہُوں۔ اگر تم میری آمد سے قبل خودکشی کر لیتے تو مجھے واقعی بے حد دُکھ ہوتا۔"

سرفراز نے ایک طویل سانس لی۔

غصے اور بے بسی سے اس کی آنکھیں چھلک پڑی تھیں۔ وہ حیران تھا کہ گوشت پوست کے بنے ہوئے کسی انسان میں اتنی بے حسی، اتنی درندگی اور اتنی سفاکی بھی ہو سکتی ہے۔

"اب دیر نہ کرو، سرفراز!" ڈیموس نے گہرے اشتیاق سے کہا۔ "جلدی سے خودکشی کر لو۔"

سرفراز ہنس پڑا۔ اپنی بے بسی پر ہنسنا کس قدر اذیت ناک ہوتا ہے۔ اس کا احساس سرفراز کو زندگی میں پہلی بار ہُوا تھا۔ "تم نے یہ کیسے اطمینان کر لیا کہ میں خودکشی کرنے سے قبل تمہیں گولی نہیں مار دُوں گا؟"

"زندہ رہنے کے لیے دوسروں کو سمجھنا بے حد ضروری ہوتا ہے۔ میں جانتا ہُوں کہ تم اس قسم کے آدمی نہیں ہو۔"

"چونکہ تم میری ہلاکت کا منظر دیکھنے آئے ہو لہٰذا میرے ذہن میں یہ بات گردش کرنے لگی ہے کہ مجھے اس تباہی کے لیے منتخب کرنے کے سلسلے میں کاروبار سے ہٹ کر بھی کوئی وجہ ضرور ہے۔"

"ہاں..." آپ نے ٹھیک ہی محسوس کیا۔ سرفراز۔" ڈیموس نے بڑی فراخ دلی سے اعتراف کیا۔ "لیکن کاروبار کو پھر بھی اوّلیت حاصل ہوتی ہے۔"

"کیا میں نے تمہاری کوئی خاص قسم کی بے عزتی کی ہے؟"

"ہاں... اور یہ بات تم نے ایک اخباری بیان میں کہی تھی۔"

"کیا میں پوچھ سکتا ہُوں کہ وہ کیا بات تھی؟" سرفراز نے پوچھا۔

"وہ ایک چھوٹی سی بات تھی۔"

"یقیناً... لیکن وہ تمہارے لیے چھوٹی ہرگز نہیں ہو سکتی۔"

"ہاں، وہ میرے لیے چھوٹی نہیں ہے۔ تم نے فرال کمپنی کے صدر کی حیثیت سے میرے حریف تھامپسن کے بارے میں کہا تھا کہ وہ جہاز رانی کے کاروبار کا سب سے بڑا آدمی تھا۔"

"ہاں۔ آپ سے پہلے وہ واقعی جہاز رانی کی دُنیا کا سب سے بڑا آدمی تھا لیکن جب آپ نے اس عظیم منحوس جہاز کے لیے آرڈر دیا تو آپ کا طوطی بولنے لگا۔"

"اور اب میں سب سے بڑا آدمی ہُوں، نا؟"

"ہاں... لیکن میں نے جو اخباری بیان دیا تھا، وہ تو بہت پُرانی بات ہے اتنی پُرانی کہ مجھے بمشکل یاد ہے۔"

"ہاں... یہی غلطی ہے۔ آدمی کو کبھی کوئی بات بھولنی نہیں چاہیے۔"

"کیا میری تباہی کا باعث صرف یہی ایک بات ہے؟"

"نہیں۔ میں بتا چکا ہُوں کہ اس میں کاروباری وجوہ بھی ہیں۔ مثال کے طور پر میں اب اس جہاز ہی کا نہیں، اس جہاز کو تیار کرنے والی کمپنی کا بھی مالک ہُوں۔ یہ میری ذہانت کا کرشمہ ہے۔ کیا تم مجھے داد نہیں دو گے؟"

"میں حیران ہُوں، تم جہاز رانی کی دُنیا کے سب سے بڑے آدمی ہو لیکن ایک معمولی سی بات نے تمہیں مجھ جیسے ایک دیانت دار آدمی کو تباہ کرنے پر مجبور کر دیا۔"

"یقیناً..." ڈیموس نے جواب دیا۔

"اور اب تم میری خودکشی کا تماشا دیکھنے آئے ہو؟"

"ہاں... میں نے جو کچھ بھی کیا، یہ اس کا آخری منظر ہے اور تم جانتے ہو کہ اگر انسان آخری منظر نہ دیکھے تو اُسے خاک بھی نہیں آتا۔"

سرفراز کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔

"تم نے شاید آج صبح کا اخبار نہیں دیکھا۔" اُس نے کہا۔ "تم دُنیا کے سب سے بڑے آدمی ہی نہیں، سب سے بڑے اور بے مثال ذلیل اور کمینے بھی ہو۔"

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔" ڈیموس کے لہجے میں حیرت تھی۔

"آج سے پانچ ایسٹ میں چھوٹے پیمانے پر جنگ شروع ہو گئی ہے۔"

"مجھے یہ بات اخبارات میں شائع ہونے سے پہلے ہی معلوم ہو گئی تھی۔" ڈیموس نے فخریہ لہجے میں بتایا۔

"ہاں... اور شاید تم بھول رہے ہو کہ تم نے وہ وسیع و عریض جہاز ہماری کمپنی سے سستا تیل لانے کے لیے تیار کرایا تھا اور اب تمہیں وہ

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

تیل نہیں ملے گا۔" سرفراز نے کہا اور پلٹ کر ڈیموس کی طرف دیکھنے لگا جو بڑی محویت سے اس کا جائزہ لے رہا تھا۔

سرفراز نے جیب سے ریوالور نکالا اور اس کی نال اپنے مُنہ میں رکھ لی۔ ڈیموس کی آنکھیں چمک اُٹھیں۔ وہ کسی ایسے بچے کی طرح خوش نظر آ رہا تھا جو من پسند تماشا دیکھنے میں مصروف ہو۔

سرفراز نے ریوالور کا ٹریگر دبا دیا۔

ایک گھٹا گھٹا سا دھماکا گونج اُٹھا۔ گولی سرفراز کے حلق سے گزر کر کھوپڑی کے عقبی حصّے سے نکلی تو اس کے پرخچے اُڑا گئی۔ اس کا مُنہ خون سے بھر گیا اور وہ آہستہ آہستہ یوں فرش کی طرف جُھکتا چلا گیا جیسے وہ دُبلا کانپتا ہُوا ایک ایسا پتلا تھا جس میں ہُوا بھری ہوئی تھی... اور اب وہ ہُوا نکل گئی ہو۔

یہ سب کچھ زندگی کے مقابلے میں کس قدر آسان تھا۔ اس کا احساس صرف ایک ساعت کے لیے ہُوا تھا اور وہ بھی مرنے والے کو...!

ڈیموس نے گولی کا دھماکا سُنا، سرفراز کی کھوپڑی کے عقبی حصّے سے گولی نکلتے اور خون آلود چیتھڑے بکھرتے دیکھے۔ لطف و لذت سے وہ سرشار ہو گیا۔ وہ کھڑا کھڑا یوں جُھومنے لگا جیسے اس منظر نے اس پر نشے کی سی کیفیت طاری کر دی ہو۔ کافی دیر تک وہ محویت کے عالم میں رہا... پھر چونک پڑا۔

اس نے سرفراز کی لاش کو دیکھا اور اس کے ہونٹوں پر ایک کشادہ لکیر نمودار ہوئی جس میں خفیف سا خلایہ ظاہر کرتا تھا کہ وہ مسکرا رہا ہے۔ اس نے یوں اثبات میں سر ہلایا جیسے جو کچھ بھی ہُوا اُسے اس کی توقع رہی ہو... اور یہ سچ بھی تھا کیونکہ جب اُس نے پہلی بار سرفراز سے مصافحہ کیا تھا تو اُسے احساس ہو گیا تھا کہ مصافحہ کرنے والا یہ شخص عبرتناک موت سے ہمکنار ہو گا۔

اس عظیم جہاز کے سلسلے میں ہونے والی اموات میں سرفراز کا نمبر آٹھواں تھا۔ اس سے قبل وہ اسی انداز میں سات دیگر آدمیوں کو بھی موت کے مُنہ میں دھکیل چکا تھا اور باری باری سب کی دولت اس کی جھولی میں آ گری تھی۔ یہ آٹھ اموات ڈیموس کے لیے کوئی خاص معنی نہیں رکھتی تھیں کیونکہ اس کے شیطانی ذہن میں جو منصوبہ پرورش پا رہا تھا، اس کے مطابق ان گنت لوگوں کو ایسی ہی موت سے ہمکنار ہونا تھا۔ وہ ایک وسیع تر منصوبے پر کام کر رہا تھا۔ اس منصوبے کی بنیاد ہی انسانی لاشوں پر رکھی گئی تھی۔

ڈیموس کو سرفراز کے آخری الفاظ یاد تھے۔ اس نے جو کچھ کہا تھا، وہ درست ہی تھا۔ اب وہ اس عظیم جہاز سے اس اندازیں استفادہ نہیں کر سکتا تھا جیسے کہ اس نے چاہا تھا۔ تیل کی قیمتوں میں مشرقِ وسطیٰ کی جنگ کے باعث خاصا اضافہ ہو گیا تھا اور اب اُسے زیادہ منافع کی توقع نہیں تھی۔ علاوہ ازیں وہ عظیم الشان بحری جہاز جس پر تہہ میں لنگر انداز تھا، وہاں ڈیموس کو پچھتر ہزار ڈالر ہر ہفتے خرچ کرنا پڑتے تھے یہ اخراجات جہاز کو چلانے پر اُٹھتے تھے تاکہ انجن رواں رہیں اور انہیں زنگ ناکارہ نہ کر دے۔ اس دوران میں ڈیموس نے ایک بار یہ بھی سوچا کہ اُسے اب اس جہاز کو اسکریپ میں دے دینا چاہیے لیکن سرفراز کے گھر سے واپسی پر جب وہ ایک ریستوران میں ایک سیاہ فام ڈپلومیٹ سے ملا اور بات چیت کے بعد وہ یکایک اُٹھ کر رقص کرنے لگا تو ڈپلومیٹ کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اُسے یہ شبہہ ہونے لگا کہ کہیں دُنیا کے اس سب سے بڑے آدمی کا ذہنی توازن تو متاثر نہیں ہو گیا۔

"... اور جب ڈیموس نے اُسے بتایا کہ وہ اس جہاز کو کس سلسلے میں استعمال کرے گا تو سیاہ فام ڈپلومیٹ اس کی شیطانی کھوپڑی اس میں آنے والے غیر معمولی خیالات پر کانپ کر رہ گیا۔

●

بہرام نے ایک انگڑائی لی اور میز کی دراز سے ایک شیشی نکال کر ٹاپ پر رکھ دی۔ اس شیشی میں ایسی ٹکیاں تھیں جنہیں وہ پناہ مصروفیات کے دنوں میں ناشتے، لنچ اور ڈنر کے بطور کھایا کرتا تھا۔

رات کے کھانے کا وقت ہو گیا تھا لیکن بہرام کے پاس کھانے کا وقت نہیں تھا۔ وہ جانتا تھا کہ کھانے میں نصف گھنٹہ ضرور لگ جائے گا جبکہ اس کے پاس صرف چند منٹ تھے۔ اس نے دو ٹکیاں نکال کر مُنہ میں رکھیں اور پھر پانی کے گھونٹ سے انہیں معدے میں اتار لیا۔

کچھ ہی دیر بعد بھوک کا احساس زائل ہو گیا اور اُسے توانائی محسوس ہونے لگی۔ بالکل ویسی ہی جیسی وہ ڈنر کے بعد محسوس کرتا تھا۔

ڈنر سے فارغ ہو کر وہ بے حد نفیس سگار سُلگا کر دھیرے دھیرے اُس کے کش لینے لگا۔ اس دوران میں ایک لمحے کے لیے بھی اُس کی نظریں اُن کاغذات سے نہیں ہٹی تھیں جنہیں اس نے گزشتہ بیس گھنٹے سے میز پر پھیلا رکھا تھا۔ وہ صبح ہونے سے قبل یہ کام نمٹا لینا چاہتا تھا حالانکہ ابھی اُسے ماسٹر کمپیوٹر سے تازہ ترین "معلومات کا ریکارڈ بھی چیک کرنا تھا۔ اس کمپیوٹر میں دُنیا جہان کی معلومات کا ذخیرہ ہوتا رہتا تھا اور وہ چوبیس گھنٹے میں ایک بار اس کا جائزہ ضرور لے لیتا تھا۔

بہرام چارہ گر نامی اس تنظیم کا مردِ آہن تھا... اگر ٹائیگر اور اُدشان میدانِ عمل کے شیر تھے تو وہ آہنی اعصاب کا مالک ایک ایسا دماغ تھا جس میں مسائل اور اُن کے حل اتنی تیزی سے تکمیل پاتے تھے کہ بعض اوقات اُسے خود بھی اپنی اس خداداد صلاحیت پر حیرت ہُوا کرتی تھی لیکن

وہ جانتا تھا کہ اُسے کام کرنا ہے، کام... کام... اور صرف کام... اس نے اپنی زندگی غیر معمولی ذہین اور غیر معمولی طاقت ور مجرموں کے خلاف کام کرنے کے لیے وقف کر رکھی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ دُنیا کی تمام بڑی حکومتوں کو چارہ گر نامی اس تنظیم کی اہمیت کا احساس تھا اور سب نے اس کے لیے اپنے خزانوں کے مُنہ کھول رکھے تھے۔ بہرام جس ملک سے معاہدہ کرتا سب سے پہلے ٹائیگر کے لیے قتل کرنے کا لائسنس حاصل کرتا تھا۔ اس اجازت نامے کی رُو سے ٹائیگر کسی بھی شخص کو کوئی وجہ بتائے بغیر قتل کر سکتا تھا۔ اس کے بعد چارہ گر کے اخراجات کے لیے ایک خاص بجٹ منظور کرایا جاتا جس میں اُدشان کے گاؤں سنا بھیجنے کے لیے سونے کی ایک مخصوص مقدار پیش پیش ہوتی۔

چارہ گر کی ساکھ ایسی تھی کہ اس کی بے اندازہ افادیت کے پیشِ نظر بہت سے ترقی یافتہ ممالک نے اس ادارے کی مستقل خدمات حاصل کر لی تھیں۔ یہ الگ بات ہے کہ ان خدمات کا علم صرف صدر مملکت کو ہوتا تھا اور وہ اقتدار سے ہٹتے وقت نئے صدر مملکت کو اس ادارے سے باخبر کر دیتا تھا۔ بہرام نے چارہ گر کا مرکز جزیرہ فردوس میں بنایا تھا اور دیگر دفاتر تقریباً ہر ملک میں موجود تھے۔ ماسٹر کمپیوٹر بھی مرکزی عمارت ہی میں تھا جہاں دُنیا بھر سے رپورٹیں آ کر ذخیرہ ہوتی رہتی تھیں۔

بہرام نے کافی کا کام نمٹا کر ایک انگڑائی لی اور اُٹھ کھڑا ہُوا۔

اب اسے ماسٹر کمپیوٹر کا جائزہ لینا تھا۔

جس کمرے میں ماسٹر کمپیوٹر تھا اُس کا دروازہ ایک خاص قسم کے قفل سے بند رہتا تھا۔ یہ تالا صرف بہرام کے ہاتھ ہی کھول سکتے تھے اس کی انگلیوں کے نشانات ماسٹر کمپیوٹر میں محفوظ تھے اور وہ جیسے ہی ہینڈل پر ہاتھ رکھتا تھا اُس کے نشانِ انگشت ماسٹر کمپیوٹر کو اپنی اسکرین پر رواں چلتے تھے۔ جیسے ہی تصدیق ہوتی تھی کہ نشان درست ہیں خود کار تالا کھل جایا کرتا تھا۔

یہ کمرہ ائرکنڈیشنڈ تھا۔ بہرام اس کمرے میں پہنچا اور کام میں مصروف ہو گیا۔ یہ انتہائی اہم کام ہوتا تھا اور اس کی تکمیل میں بہرام شدید اعصابی تھکن محسوس کرنے لگتا تھا۔ ابھی وہ تیسری رپورٹ ہی دیکھ رہا تھا کہ اُسے چونک جانا پڑا۔

اس کی نظریں تازہ ترین رپورٹ پر جم گئیں اور وہ گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ اس رپورٹ میں سرفراز شپنگ کمپنی اور ان کے بنائے ہوئے تازہ ترین اور عظیم بحری جہاز کی تفصیل درج تھی۔ بہرام اس جہاز کی خصوصیات پڑھ کر حیرت زدہ رہ گیا۔ یہ غالباً دُنیا کا پہلا اتنا بڑا جہاز تھا جس میں اٹامک انجن نصب تھے۔

بہرام نے سرفراز کے سلسلے میں مزید معلومات حاصل کرنے کے لیے کمپیوٹر پر کچھ دیر کام کیا اور بالآخر یکلہ معلومات کا ٹیپ حاصل کر کے اس نے سگار سُلگا لیا اور اُس کے دھیمے دھیمے کش لگاتے ہوئے ٹیپ سننا شروع کر دیا۔ وہ نہایت اطمینان سے سُن رہا تھا کہ یکایک اُسے اُچھل جانا پڑا۔

سرفراز نے خودکشی کر لی۔

یہ بات اس کے لیے تحیر خیز ہی نہیں ناقابلِ اعتبار بھی تھی۔

اُسے یاد آیا کہ اس سے قبل بھی چند اہم ہستیوں کو غیر معمولی انداز میں موت کا شکار ہونا پڑا ہے۔ وہ سوچ میں پڑ گیا کہ کیا ان لوگوں کی موت کا سرفراز کی موت سے بھی کوئی تعلق ہو سکتا ہے؟

وہ جوں جوں اس معاملے پر غور کر رہا تھا، اُس کا ذہن اُلجھتا جا رہا تھا۔ بالآخر اس نے سر جھٹکا اور اُٹھ کھڑا ہُوا۔ وہ سیدھا اُس کمرے میں گیا جہاں فون رکھے ہوئے تھے۔ یہ فون تعداد میں تین تھے۔ ان میں سے ایک سُرخ رنگ کا تھا جس پر ڈائل کی جگہ صرف تین نمبروں کے بٹن لگے ہوئے تھے۔ اس ٹیلی فون پر صرف صدرِ مملکت سے گفتگو کی جا سکتی تھی۔ اسی رنگ کا ایک فون پریذیڈنٹ کی میز کی بالائی دراز میں منتقل رہتا تھا اور اس فون پر ڈائل تو درکنار کوئی نمبر یا بٹن بھی موجود نہیں تھا... اور اس کی وجہ یہ تھی کہ صدرِ مملکت اس فون سے کال نہیں کر سکتے تھے، صرف سُن سکتے تھے۔

بہرام کو جب سے سابق پریذیڈنٹ کے ساتھ تلخ تجربہ ہُوا تھا۔ اس نے یہ شرط نئے صدرِ مملکت کے ساتھ پہلے ہی روز طے کر لی تھی کہ اُسے کال نہیں کیا جائے گا... البتہ اس نے چوبیس گھنٹوں میں دو ایسے اوقات ضرور صدرِ مملکت کو بتا دیے تھے جن پر وہ ہر حال میں خود کال کیا کرے گا۔ دوسرا فون عام قسم کی کالوں کے لیے مخصوص تھا جبکہ تیسرے فون پر صرف ٹائیگر سے رابطہ قائم کیا جاتا تھا۔ اس فون کا رنگ زرد تھا۔

اس نے زرد فون کا ریسیور اُٹھایا اور ایک مخصوص نمبر ڈائل کر کے فوراً ہی سلسلہ منقطع کر دیا۔ دوسری طرف گھنٹی بجنے کا بعد فوراً ہی بند ہو گئی تھی۔ یہ ٹائیگر کے لیے ایک اشارہ تھا۔ اس کا واضح مطلب تھا کہ اگر وہ کسی کام میں مصروف ہے تو اسے ترک کر کے فون کے قریب پہنچ جائے اور اگر کوئی خبر متعلق آدمی اس کے قریب موجود ہے تو فوری طور پر اس سے نجات حاصل کر لے۔

چند لمحے انتظار کرنے کے بعد بہرام نے دوبارہ نمبر ڈائل کیا اور اس بار بھی سلسلہ منقطع کر دیا... پھر اُس نے پہلے کی طرح وقفے سے تیسری بار نمبر ڈائل کر کے گھنٹی بجنے دی۔ بیٹھک ساتویں گھنٹی پر دوسری طرف سے ٹائیگر کی آواز سنائی دی۔ "ہیلو سویٹ ہارٹ!"

"میری بات غور سے سُنو۔" بہرام نے کہا۔ "کیں...!"

"ایک منٹ سویٹ! اگر یہ بات کسی ایسی خاتون کے بارے میں

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ہے جس کے چہرے پر ان گنت بھورے بھورے تل ہیں تو...؟"

- شٹ اَپ!" بہرام کا موڈ یک دم خراب ہو گیا۔ "یہ سنجیدگی کا وقت ہے؟"

"اوہ...!" دوسری جانب سے ایک طویل سانس لینے کی آواز سنائی دی۔ غالباً ٹائیگر نے گھڑی پر وقت دیکھا تھا۔ "ہاں... رات کے تین بجے سنجیدہ ہی ہونا چاہیے... جانتے ہیں اس وقت دُنیا کا صرف ایک ہی مرد غیر سنجیدہ ہوتا ہے۔ شہزادہ شب... اُلو...!"

"کیا تم چاہتے ہو کہ میں اس اہم گفت گو کے لیے خود تمھارے پاس آ جاؤں؟"

"ارے نہیں خدا کے لیے نہیں، سویٹ ہارٹ! چلیے ہو گیا سنجیدہ! ذرا خود سوچیے ہمیں گہری نیند سو رہا تھا اور ایک حسین و جمیل خاتون کے چہرے پر موجود بھورے بھورے تلوں کو شمار کرنے کی کوشش کر رہا تھا... بالکل اسی طرح جیسے کوئی عاشقِ نامراد ہجر کی راتوں میں اختر شماری کرتا ہے... اور آپ نے مجھے جگا دیا۔ اگر دس منٹ اور نہ جگاتے تو میں تلوں کو شمار کرتے میں یقیناً کامیاب ہو گیا ہوتا۔ یہ الگ بات ہے کہ چھ ان تلوں میں سے ایک میں سے بھی تیل نہ نکلتا۔"

"بولتے رہیے میں غور سے سن رہا ہوں۔" بہرام کی آواز سنائی دی۔ غالباً وہ سمجھ گیا تھا کہ ٹائیگر اس وقت جگائے جانے پر جھلایا ہوا ہے اور جب تک وہ توپ، ٹینک نہیں لے گا، کام کی بات نہیں ہو سکے گی۔

"ہاں، تو میں کہہ رہا تھا، سویٹ ہارٹ! اگر ان بھورے بھورے تلوں میں سے تیل نکلنا شروع ہو جائے تو ایسی خاتون کو کیا کہا جائے گا... لیکن خیر... آپ کیا فرما رہے تھے؟"

"تم نے آج کا اخبار دیکھا؟"

"ہاں... پرنٹنگ بہت خراب تھی اور خبروں کا معیار بھی کافی گر گیا ہے۔"

"تمھاری نظر سے کوئی خاص خبر نہیں گزری؟"

"ایک گزری تو تھی... لیکن وہ اتنی تیزی سے گزر گئی کہ میں اسے یاد ہی نہیں رکھ سکا۔"

"تو پھر وہ خبر مجھ سے سن لو۔ مسز فرال نے خودکشی کر لی ہے۔"

"مسز... فرال...!" ٹائیگر شاید ذہن پر زور دے رہا تھا۔ "آں... ہاں... چلیے اچھا ہوا۔ جنازہ کب ہے؟"

بہرام دھیرے دھیرے اس کو احکامات اور ہدایات دیتا رہا۔

اس وسیع و عریض کمرے میں اتنی تیز روشنی تھی کہ اگر وہاں فلم بندی کا ارادہ کر لیا جاتا تو یہ روشنی بے حد مناسب ہوتی۔ ٹائیگر جس

پراسرار اور خوفناک کہانیاں جنہیں
پڑھتے ہوئے آپ چونک اٹھیں گے
انوار صدیقی کے پراسرار قلم سے
آسیب زدہ قیمت =/110
دستک قیمت =/100
مکتبہ القریش سرکلر روڈ اردو بازار لاہور
فون 7668958

کمرے کے سامنے کھڑا تھا۔ اُس پر پیتل کی ایک تختی لگی ہوئی تھی اور تختی پر ایک نمبر کندہ تھا۔ کمرے کے اندر سے بھن بھناہٹ جیسی آوازیں آ رہی تھیں۔ نصف درجن کے قریب زبانوں میں لوگ باتیں کر رہے تھے۔

محافظ نے اپنے ریوالور کا دستہ چھوتے ہوئے ٹائیگر کی طرف دیکھا۔ اور بولا۔ "جب روشنیاں بجھ جاتی ہیں تو کوئی بھی اندر قدم نہیں رکھ سکتا۔"

"بہت بہت شکریہ!" ٹائیگر نے جواب دیا لیکن اس دوران میں اُس کے قدم متحرک ہی رہے تھے۔ اُسے ہدایت کی گئی تھی کہ وہ دوسروں کی توجہ مبذول کرانے کے سلسلے میں بے حد محتاط رہے۔ اُسے یہاں داخلے کے سلسلے میں کوئی مؤثر اقدام کرنا تھا۔ چونکہ ابھی کمرہ روشن تھا اس لیے ٹائیگر راہ داری میں آگے بڑھتا چلا گیا حتیٰ کہ وہ ایک دیوار گیر ٹیلی فون کے پاس رُک کر ایک مخصوص نمبر ڈائل کرنے لگا۔

سلسلہ ملتے ہی دوسری طرف سے بہرام کی بھاری آواز سنائی دی۔

"ابھی کمرہ روشن ہے۔" ٹائیگر نے اطلاع دی۔

"کیا تم صحیح دروازے تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے ہو؟"

ٹائیگر نے جواباً وہی نمبر دُہرایا جو اُس نے پیتل کی پلیٹ پر پڑھا تھا۔

"بالکل ٹھیک..." بہرام کی آواز اُس کی سماعت سے ٹکرائی... "جیسے ہی روشنیاں بجھ جائیں تمھیں اس کمرے میں پہنچ جانا چاہیے... بے حد محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ یہ اس قدر خطرناک اور اہم ترین معاملہ ہے کہ تم سوچ بھی نہیں سکتے۔" بہرام نے ایک بار پھر تاکید کی۔ "ہم کسی بھی حادثے کے متحمل نہیں ہو سکتے۔"

"فکر نہ کریں، سویٹ ہارٹ!" ٹائیگر نے کہا۔ "کیا آپ جانتے ہیں، جس عورت کے چہرے پر ان گنت بھورے بھورے تل نہیں ہوتے، اُس کی مثال ایسی رات جیسی ہوتی ہے، جس رات آسمان پر تارے نہیں نکلتے۔" اُس نے ریسیور کان سے ہٹا لیا کیونکہ دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہوئے کئی منٹ دیر ہو چکی تھی۔

ریسیور رکھ کر وہ اس طرف چل دیا، جدھر سے ابھی ابھی آیا تھا۔ اب اُس کی چال میں رقص کا سا انداز شامل ہو گیا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے اُس کا جسم اور اُس کی رُوح، ہم آہنگ ہو گئے ہوں۔ اگرچہ اُس کی رفتار زیادہ تیز نہیں تھی، پھر بھی اُس کے پیروں کے تلے محض ایک لمحے کے لیے ہی فرش سے چھوتے تھے۔ بوٹوں کے باوجود، اُس کے چلنے سے آواز پیدا نہیں ہو رہی تھی۔ یہ ایک حیرت انگیز بات تھی لیکن یہ تحیر خیز چال اُس کی عادتِ ثانیہ تھی۔ سرسری دیکھنے پر یہی لگتا تھا جیسے کوئی چلتا ماحول سے بے نیاز اور بے آواز چل رہا ہو۔

وہ اسی دروازے پر پہنچ گیا جس کے باہر اُسے ایک محافظ دکھائی دیا تھا۔

محافظ اب بھی موجود تھا اور بے حد مستعد دکھائی دے رہا تھا۔ اُس نے ٹائیگر کی طرف دیکھا لیکن ٹائیگر اُس کی طرف متوجہ نہیں تھا۔ حالانکہ اُس کی حسیات، محافظ کے محسوسات سے غافل نہیں تھیں۔

محافظ کے انداز سے حیرت جھلک رہی تھی۔ غالباً وہ ٹائیگر کی چال میں اُلجھ کر رہ گیا تھا۔ ٹائیگر کی حسیات نے کسی خطرے کی اطلاع نہیں دی۔ گویا محافظ اُس کی طرف سے مشکوک نہیں تھا۔

وہ اطمینان سے اس ٹائلٹ کی طرف بڑھ گیا جو مطلوبہ دروازے کے مقابل ہی واقع تھا۔

ٹائلٹ میں جا کر، اُس نے سنک میں ہاتھ منہ دھویا۔ اس دوران میں وہ اپنی حسیات کے ذریعے کمرے کے اندرونی ماحول سے باخبر تھا۔ جیسے ہی روشنیاں بجھیں، اُس کے دونوں ہاتھوں نے سنک کو تھام لیا اور پھر اُسے اُکھاڑ کر واپس چل دیا۔

محافظ نے اُسے سنک اُٹھا کر آتے دیکھا تو مارے حیرت کے اُس کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ حیرت کے یہ لمحات، اُس کے لیے بہت عجیب ثابت ہوئے تھے۔ اگر وہ حیران ہو کر فوری طور پر بے خبری کا شکار نہ ہو گیا ہوتا تو شاید اُسے بے پناہ اذیت برداشت کرنی پڑتی۔ سنک اُس کے دونوں ہاتھوں پر آ رہا تھا اور وہ اُسے اُٹھائے باتھ رُوم کی طرف جا رہا تھا۔ یہ بات ایک لمحے کے لیے بھی اس کی سمجھ میں نہیں آئی کہ آخر وہ سنک اُٹھائے باتھ رُوم کی طرف کیوں جا رہا ہے۔ اس نے تو صرف یہی دیکھا تھا کہ نوجوان نے سنک اُس کے دونوں ہاتھوں پر رکھ دیا تھا اور خود دروازہ کھول کر اندر چلا گیا تھا۔ عقب میں دروازہ بند ہونے سے پہلے ہی وہ غیر ارادی طور پر لڑکھڑایا تھا اور پھر سنک اُٹھائے باتھ رُوم کی طرف بڑھ گیا تھا۔

باتھ روم میں سامنے والی دیوار کے ساتھ جا کر وہ ٹکرایا تو سنک اُس کے ہاتھ سے گر گیا اور وہ خود بھی اوندھے منہ سنک کے اُوپر ہی ڈھیر ہو گیا۔

دروازہ عقب میں بند کر کے ٹائیگر ایک نشست پر بیٹھ گیا۔

کمرے میں متعدد آدمی تھے لیکن اس وقت سب کی نگاہیں سامنے رکھے ٹی۔ وی پر جمی ہوئی تھیں۔ ٹی۔ وی اسکرین پر اس وقت ایک بہت ہی غیر معمولی سائز کا بھری جہاز نظر آ رہا تھا۔ چونکہ جہاز کا کوئی پس منظر نہیں تھا۔ اس لیے ٹائیگر اُس کے حجم کا اندازہ نہیں لگا سکا۔ ٹائیگر کے برابر والی سیٹ پر براجمان شخص نے جیب سے ایک لفافہ نکالا اور مونگ پھلی چھیل چھیل کر کھانے لگا۔

"اور اب ہم آگے بڑھتے ہیں۔ آپ لوگوں نے وہ نکات تو سُن لیے جن کے تحت ہماری نیوی..."

"میں ذرا دیر سے آیا ہوں..." ٹائیگر نے بلند آواز میں کہا۔

"اوہ، میرے خدا..." اسکرین کے قریب سے آواز آئی۔ "اب میرے پاس ان نکات کو دُہرانے کا وقت نہیں ہے۔ آپ کو جلدی آنا چاہیئے تھا۔" آواز اور لہجے سے پتہ چلتا تھا کہ بولنے والا برطانوی نژاد ہے۔ "بہرحال، میں میٹنگ ختم ہونے کے بعد ذاتی طور پر آپ کو بتا دوں گا۔"

"لیکن مجھے یہاں رُکنے کی ضرورت نہیں، میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔"

"جنٹلمین!" برطانوی نژاد کی آواز گونجی۔ "کچھ دیر کے لیے اسکرین آف کی جاتی ہے۔ ایک آخری آدمی آ رہا ہے۔ وہ نہیں چاہتا کہ کوئی اُسے دیکھے۔ لہٰذا ہمیں اصول کے مطابق دروازے کی طرف متوجہ نہیں ہونا چاہیئے۔"

اسکرین آف ہو گئی۔

کمرے میں گہری تاریکی چھا گئی۔

دروازہ کھلا اور کوئی اندر آ گیا۔

دروازہ بند ہوا تو ایک بار پھر اسکرین روشن ہو گئی۔

"ہاں، تو میں عرض کر رہا تھا کہ یہ جہاز اپنے سائز اور خصوصیات کے اعتبار سے دُنیا کا سب سے غیر معمولی اور سب سے بڑا جہاز ہے۔ جب یہ سمندر میں سفر کرے گا تو اس کا ایک سو بڑی سے بڑی لہر سے نکل چکا ہو گا، تب کہیں وہ لہر اُس کا ایک چوتھائی حصہ کور کر سکے گی۔ اس میں اٹامک پاور انجن نصب ہیں۔"

"سگریٹ بجھا دو۔" ٹائیگر نے اپنے قریب بیٹھے ہوئے آدمی سے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

"تمھارا لہجہ بے حد گستاخ ہے۔" جواباً ایک غراہٹ سنائی دی۔ اُس نے سگریٹ نہیں بجھایا۔

ٹائیگر نے ہاتھ بڑھا کر اُس کی سگریٹ کا جلتا ہوا گوشہ مسل دیا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

جواباً ایک بار پھر غراہٹ سُنائی دی۔
اس شخص نے جھک کر دوبارہ سگریٹ سُلگالی۔
اس بار ٹائیگر نے سگریٹ چھین کر توڑ دی اور اس شخص سے لائٹر بھی چھین لیا۔
"یہ جنگلی نشستوں پر کیا ہو رہا ہے؟" برطانوی نژاد کی آواز گونجی۔
"یہ معاملہ اس شخص نے شروع کیا ہے۔" ٹائیگر نے سخت لہجے میں شکایت کی۔
سگریٹ نوشی کی عادت میں مبتلا شخص حیران رہ گیا۔ وہ ابھی نیا سیکورٹی چیف تھا اور اُسے یقین تھا کہ اس سے کوئی حماقت سرزد نہیں ہُوئی۔
"ان معمولی باتوں میں نہ اُلجھیئے پلیز!" برطانوی نژاد نے درخواست کی۔ "ایک ماہ کے اندر اندر، دُنیا کی تمام قوموں کے نمائندے اپنی قسمت، ہمارے ہاتھ میں دے دیں گے۔ اُنھیں ہماری مہارت پر اعتماد ہے اور اُنھیں یقین ہے کہ اُن کی بقا اسی میں ہے۔ دُنیا ہم سے فرض کی ادائیگی کی توقع کر رہی ہے اور ہم اس پر پورے اُتریں گے۔ اس لیے میری درخواست ہے کہ اپنے اندر چھوٹے چھوٹے اختلاف نہ پیدا ہونے دیں۔"
البانیا سیکورٹی کے چیف نے رضاکارانہ طور پر سگریٹ نوشی ترک کرنے کا اعلان کر دیا جس پر تاریک کمرے میں تالیاں گونجیں اور اس کے اس اقدام کو سراہا گیا۔
اُسی لمحے دروازہ کھلا اور ایک شخص اندر آگیا۔ اُس نے بتایا کہ باہر ایک حادثہ ہوگیا ہے۔ مسلح محافظ تاریکی میں مُردہ پڑا ہے۔ کارروائی فوری طور پر ختم کر دی گئی اور کمرے سے لوگ باری باری باہر نکلنے لگے۔
ٹائیگر تاریک کمرے میں چند لمحوں تک آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتا رہا، لیکن ٹی۔ وی اسکرین تاریک ہونے کے بعد، اب کمرے میں اتنا اندھیرا ہوگیا تھا کہ ہاتھ کو ہاتھ سُجھائی نہیں دے رہا تھا۔
وہ بھی کمرے سے باہر آگیا۔
عمارت سے نکل کر ایک ٹیلی فون بُوتھ سے اُس نے بہرام کو کال کیا... لیکن اُسے اپنا پیغام ٹیپ کروانا پڑا... کیونکہ بہرام موجود نہیں تھا۔
ریسیور رکھ کر وہ اس ہوٹل کی طرف روانہ ہوگیا جہاں آج کل وہ اُوشان کے ساتھ مقیم تھا۔

●

دارالعیش نامی اس ہوٹل میں خوابناک روشنیاں پھیلی ہُوئی تھیں۔ یہ ایک بین الاقوامی اہمیت کا ہوٹل تھا اور اس کی شاخیں دُنیا کے تمام بڑے اور اہم شہروں میں موجود تھیں۔ اس ہوٹل کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ اس میں دُنیا کی ہر قوم اور مُلک کا ماحول میسّر تھا اور یہاں قیام کرنے والوں کو ہوٹل کے کسی مخصوص حصّے میں نہ صرف اپنے ہی مُلک کا ماحول مل جاتا تھا بلکہ اُنھیں اپنے مُلکی پسندیدہ کھانے بھی نصیب ہو جاتے تھے۔
انتظامیہ نے اپنے مہمانوں کے طعام اور قیام کا بندوبست اتنے اعلیٰ پیمانے پر کر رکھا تھا کہ بعض اوقات کئی لوگوں کو کمرہ نہ ملنے کی وجہ سے بڑی دُشواری ہو جاتی تھی۔ اسی باعث جو لوگ یہاں کسی سرکاری یا کاروباری دورے پر آتے تھے، وہ کم از کم دو ماہ قبل اپنی ریزرویشن کروا لیتے تھے، تاکہ عین موقعے پر مایوسی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔
اس ہوٹل میں مہمانوں کے تحفظ کے لیے خصوصی سیکورٹی متعین تھی۔ پائیں باغ میں ہر وقت مسلح محافظ موجود رہتے تھے اور راہ داریوں میں بھی اُن کا گشت رہتا تھا۔ جبّار خان چیف سیکورٹی آفیسر عرصہ بیس سال سے یہاں ملازم تھا... اور اُس نے زندگی میں بڑے نشیب و فراز دیکھے تھے۔ وہ ایک دلیر آدمی تھا اور موت سے پنجہ آزمائی، اُس کے لیے روزمرّہ کا ایک کھیل تھا۔ پہلے وہ فوج میں تھا... پھر اُس نے ریٹائر ہو کر یہاں مُلازمت کر لی تھی۔ دارالعیش کا صدر دروازہ کسی وقت بھی بند نہیں ہوتا تھا کیونکہ دُنیا بھر سے آنے والی انٹرنیشنل فلائٹس رات بھر آتی جاتی رہتی تھیں، اس لیے مسافروں کی آمد و رفت کا سلسلہ بھی جاری رہتا تھا۔
رات دو بجے، وہ آخری راؤنڈ کے بعد سونے کے لیے اُس کمرے میں چلا جاتا تھا جو ہوٹل کی طرف سے اُسے دیا گیا تھا۔ آج اُس کا سر کچھ بھاری بھاری سا تھا۔ شام ہی سے نہ جانے کیوں طبیعت کچھ بوجھل تھی۔ اگرچہ طبیعت گھومنے پھرنے پر مائل نہیں تھی لیکن فرض سے کوتاہی کا تصوّر اُس کی زندگی میں نہیں پایا جاتا تھا۔ اس لیے وہ جبر کر کے اُٹھا، ہولسٹر میں ریوالور کی موجودگی محسوس کر کے ایک طویل سانس لی اور صدر دروازے سے نکل کر پائیں باغ میں اُتر گیا۔
ہلکی ہلکی چاندنی اور ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں میں اُس نے ایک گہری سانس لی اور شبنم آلود گھاس پر آہستہ آہستہ قدم اُٹھاتا ہُوا آگے بڑھنے لگا۔ اُس کے انداز میں بے پناہ اعتماد تھا۔ وہ بے حد چوکنا تھا۔ ذرا سی آہٹ پر اس کا دایاں ہاتھ ہولسٹر تک پہنچ جاتا تھا اور پھر ریوالور نکالنے میں اُسے ایک لمحہ بھی نہیں لگتا تھا۔ وہ تیز رفتار ترین گن مین تصوّر کیا جاتا تھا۔
معاً وہ رُک گیا۔
اُس نے ایک آہٹ سُنی تھی۔

اُس کی سانس تک رُک گئی اور دل جیسے دھڑکنا بھُول گیا۔
اس وقت وہ ہمہ تن گوش تھا اور اُس کے رگ و ریشے کسی ایسے اسپرنگ کی مانند تن گئے تھے جنھیں عمل میں لانے کے لیے بس ذرا سے اشارے کی ضرورت تھی۔ اُس کا ہاتھ ریوالور کے دستے پر جم گیا تھا۔
اُس نے محتاط نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھا۔
سائے جامد تھے اور جا بجا چاندنی اور سائے ہم آغوش تھے... درختوں کے تنے خاموش تھے، پتے ساکت تھے اور ہوا کے نرم و لطیف جھونکوں کی سرگوشیوں کے باوجود، فضا میں ڈھیر ہوئے لگ رہے تھے۔ جبّار خان آسانی سے مطمئن ہونے والوں میں سے نہیں تھا۔ چاروں طرف کا جائزہ لینے کے باوجود، اُس کا دل کہہ رہا تھا کہ آس پاس کوئی موجود ہے۔ وہ درخت کے تنے سے ٹیک کر کھڑا ہو گیا... پھر اُس نے آہستہ آہستہ رُکی ہُوئی سانس چھوڑی۔ اسی لمحے اُس پر گویا قیامت ٹوٹ پڑی۔
کوئی درخت کے اوپر موجود تھا۔ اُس نے چیتے کی مانند جست لگائی تھی اور جبّار خان کو آہنی بازوؤں کے حصار میں لیے ہُوئے گھاس پر لُڑھکتا چلا گیا تھا۔
حملہ اس قدر ناگہانی تھا کہ جبّار خان کو سنبھلنے کی مہلت ہی نہ مل سکی اور جب وہ سنبھلا تو اُسے بے دست و پا کر دیا گیا تھا۔
وہ گھاس پر چت لیٹا ہُوا تھا اور اُس کی آنکھیں حملہ آور پر جمی ہُوئی تھیں جو کسی آسیب کی طرح اُس پر جُھکا ہُوا تھا۔
"کوئی حرکت نہ کرنا۔" سرگوشی میں سفاکی کا گہرا تاثر گھُلا ہُوا تھا۔
"چابیاں نکالو۔"
اس سے قبل کہ جبّار خان کا ہاتھ اپنی جیب کی طرف جاتا، اُس نے ریوالور نکالنے کے بارے میں سوچا... پھر وہ ایک طویل سانس لے کر رہ گیا۔ ریوالور اُس کے ہولسٹر میں موجود نہیں تھا۔ حملہ آور نے جست لگانے کے بعد غالباً پہلی لڑھکنی کے دوران میں، پہلے ریوالور ہی پر ہاتھ ڈالا تھا۔
"چابیاں میرے پاس نہیں ہیں۔" جبّار خان نے کرخت لہجے میں جواب دیا۔
حملہ آور غالباً وقت ضائع کرنے کا عادی نہیں تھا۔ اُس کے دائیں ہاتھ میں ایک لمبی سی تلوار دبی ہُوئی تھی۔ تلوار کی نوک جبّار خان کے نرخرے پر تھی اور اُس کی چبھن سے اندازہ ہوتا تھا کہ اُس کی زندگی اور موت کے درمیان، ہاتھ کی ایک خفیف سی جنبش ہی حائل ہے۔ حملہ آور سر سے پاؤں تک سیاہ لبادے میں لپٹا ہُوا تھا۔ اس کی صرف آنکھیں ہی اس لبادے سے جھانک رہی تھیں۔

سرزمین نیپال کا سچا واقعہ
درندہ
یعقوب جمیل کے ہوشربا قلم سے
دو جلدوں میں
مکمل سیٹ =/300 روپے
مکتبہ القریش سرکلر روڈ اردو بازار لاہور
فون 7668958

بغداد کی رات
قمر اجنالوی
الف لیلیٰ کی ایک ہزار راتوں سے زیادہ حسین و رنگین رات، دجلہ اور نیل کے دامنوں میں لپٹی ہوئی رات، جسے بے شمار کتابوں کے حوالوں سے آراستہ کیا گیا ہے
1200 سے زائد صفحات
قیمت =/600
ناشر مکتبہ القریش
اردو بازار لاہور

تلوار کا دباؤ بڑھ گیا۔ نوک تھوڑی سی نرخرے میں گھس گئی۔
جبّار خان نے محسوس کیا کہ اُس کے نرخرے سے خون کا ایک قطرہ نکل کر تلوار کی نوک سے لپٹ گیا ہے۔
"میں کہہ چکا ہوں کہ..."
"یکا رہے۔" قریب ہی سے ایک آواز سُنائی دی۔ "وقت ضائع نہ کرو۔"
یہ جُملہ شاید سیاہ پوش حملہ آور کے لیے کہا گیا تھا۔ کیونکہ اگلے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ہی مجھے تلوار کی نوک جبار خان کے نرخرے سے ہٹ گئی تھی۔ اُس نے ایک طویل سانس لی اور سمجھا کہ شاید حملہ آوروں نے اُسے چھوڑ دیا ہے۔ اُس نے کہنیوں کے بل اُٹھنے کی کوشش کی۔ اسی لمحے تلوار کی ضرب اُس کے گلے پر پڑی... جبار خان نے چیخنے کی کوشش نہیں کی تھی لیکن تکلیف کے احساس نے جسم کو ردِعمل ظاہر کرنے پر مجبور کر دیا تھا... لیکن پھر بھی حلق سے جو آواز نکلی اُسے کسی طرح بھی چیخ نہیں کہا جا سکتا تھا۔ یہ خرخراہٹ سے ملتی جلتی آواز تھی جو ایک ہی ساعت میں ختم ہو گئی۔ شمشیر کا وار بے حد طاقت ور ہاتھ سے کیا گیا تھا۔ اُس کی گردن تن سے الگ ہو گئی۔ ایک اور سیاہ پوش جوان کی طرف بڑھ رہا تھا۔ دانستہ یا غیر ارادی طور پر اُس کی ٹھوکر کھوپڑی پر لگی... اور کھوپڑی گھاس پر لڑھکتی ہوئی ایک درخت کے تنے سے جا ٹکرائی۔ کٹی ہوئی گردن والا دھڑ بے طرح تڑپ رہا تھا۔ سیاہ پوش نے اُسے ٹانگوں سے پکڑا اور پھولدار جھاڑیوں میں ڈال دیا۔

ہوٹل کی عمارت کے کونے سے دو سائے باغ میں اُترے... باغ میں موجود تین سیاہ پوش فوراً ہی درختوں کی اوٹ میں جا کر ساکت ہو گئے۔ اُن کی حرکات و سکنات بے آواز تھیں اور عمل میں اتنی تیزی تھی کہ باغ میں اُترنے والے دونوں محافظوں کی اُن میں سے کسی پر بھی نگاہ نہ پڑی ہو گی۔

محافظوں میں سے ایک سگریٹ پی رہا تھا۔ اُس کا ساتھی دبے دبے لہجے میں اُس سے کوئی بات کہہ رہا تھا۔ اچانک اُس کی آواز بند ہو گئی۔ وہ دونوں ہاتھ پیٹ پر رکھ کر دُہرا ہو گیا۔

"کیا بات ہے، پیٹ میں تکلیف..." دوسرے محافظ کی آواز بھی ڈوب گئی۔ دونوں قریب قریب گر گئے اور چند ہی ساعتوں میں اُن کے جسم ساکت ہو گئے۔ ان میں سے ایک کے پیٹ میں تیر پیوست ہوا تھا جبکہ دوسرے کی گردن کے آر پار نظر آ رہا تھا۔ غالباً یہ تیر زہر میں بجھے ہوئے تھے۔ اس لیے اُنھوں نے دونوں محافظوں کو سانس تک لینے کی مہلت نہیں دی تھی۔ قریب ہی ایک سیاہ پوش موجود تھا۔ اُس کے ہاتھ میں شمشیر برہنہ تھی۔ دو بار تلوار قوسی حالت میں گردش کرتی دکھائی دی اور پھر محافظوں کی گردنیں کٹ گئیں۔ اُن کی کھوپڑیاں اور دھڑ... پھولدار جھاڑیوں میں چھپانے کے بعد تیر انداز اور شمشیر زن دونوں تیزی سے آگے بڑھے اور درختوں کی اوٹ میں ہو گئے جہاں اُن کے تین ساتھی پہلے سے موجود تھے۔

کچھ دیر اُن میں سرگوشیاں ہوتی رہیں... پھر وہ دبے قدموں صدر دروازے کی طرف بڑھنے لگے۔ ایک جگہ رُک کر اُنھوں نے ایک آدمی کو آگے جانے کا اشارہ کیا۔ اُس نے کونے سے جھانک کر صدر دروازے کی جانب دیکھا اور پلٹ آیا۔ "وہاں اب صرف ایک ہی محافظ ہے اور وہ اپنی جگہ سے نہیں ہٹے گا۔ ہمارے پاس وقت کم ہے نہ جانے وہ گدھا کیا کر رہا ہے؟" سیاہ پوش نے دھیمی لیکن سخت آواز میں کہا اور ہوٹل کی کھڑکیوں کی طرف دیکھنے لگا۔

یکایک ایک کھڑکی کھل گئی

کسی نے جھانک کر کھڑکی سے دیکھا اور پھر پیچھے ہٹ گیا۔ باغ میں موجود سیاہ پوشوں میں سے ایک کے حلق سے ایسی آواز نکلی جیسے شب کی ویرانی سے گھبرا کر کوئی تنہا اُداس پرندہ بولا ہو۔ اسی آواز کے ساتھ ہی کھڑکی سے غائب ہونے والا دوبارہ نمودار ہوا۔ اگلے ہی لمحے کھڑکی سے ایک موٹی سی رسّی نیچے باغ میں آ گری۔ رسّی کا ایک سرا غالباً کمرے میں کسی وزنی شے سے باندھ دیا گیا تھا۔

باری باری پانچوں سائے اسی رسّی کے ذریعے اُوپر کمرے میں چلے گئے۔ یہ کمرہ تیسری منزل پر واقع تھا اور اتفاق سے نچلی دو منزلوں کی کھڑکیاں تاریک تھیں ورنہ شاید وہ اتنی آسانی سے اُوپر پہنچنے میں کامیاب نہ ہوتے۔

وہ جیسے ہی کمرے میں پہنچے، رسّی اُوپر کھینچ کر کھڑکی بند کر دی گئی۔ کھڑکی پر بھاری پردہ برابر کرتے ہوئے، نائٹے قد کے اُس آدمی نے کمرہ روشن کر دیا۔ پانچوں سیاہ پوش بدروحوں کی طرح کمرے میں کھڑے تھے اور اُن سب کی نظریں کمرے کے مکین پر جمی ہوئی تھیں۔

"اسی منزل کا آخری کمرہ... اسی راہ داری میں۔" نائٹے قد کے آدمی نے اُن کی نگاہوں کے جواب میں کہا۔ وہ خود بھی اس وقت سیاہ لباس میں تھا لیکن اس کا سر پوش موجود نہیں تھا۔ بات ختم کرتے ہی اُس نے اپنے لبادے کی جیب سے سر پوش نکال کر پہن لیا۔ اب وہ بھی اپنے ساتھیوں جیسا ہی سر تا پا سیاہ پوش بن گیا تھا۔ آنے والوں میں سے ایک نے اثبات میں سر ہلایا اور باتھ رُوم کی طرف دیکھا... پھر اُس نے آگے بڑھ کر باتھ رُوم کا دروازہ کھول دیا۔

باتھ رُوم میں ایک باوردی محافظ کی لاش موجود تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ اُن کے ساتھی نے اپنا کام بڑی خوش اسلوبی سے نمٹایا تھا اور اُن کے لیے راستہ صاف کر دیا تھا۔ اُس نے دروازہ بند کر دیا اور اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا۔

سب دروازے کی طرف بڑھ گئے لیکن نائٹے قد والا لیکن اُن کی رہنمائی کیلئے سب سے آگے تھا۔ وہ راہ داری میں نکل آئے راہ داری ویران تھی۔ اُس کے محافظ کو وہ پہلے ہی ٹھکانے لگا کر، اپنے باتھ رُوم میں بند کر چکا تھا۔ آسیبوں کے انداز میں منڈلاتے ہوئے، وہ چھ آدمی راہ داری کے سب سے آخری کمرے کے سامنے رُک گئے۔ ایک نے

جھک کر کی ہول سے اندر جھانکا۔ کمرے میں چار آدمی تھے... ایک آدمی پریشانی کے عالم میں ٹہل رہا تھا، دوسرا کچھ پینے میں مصروف تھا جبکہ باقی دو تاش کے پتوں میں ڈوبے ہوئے تھے۔

نائٹے قد والے سیاہ پوش نے جیب سے ایک چابی نکال کر دروازہ غیر مقفل کر دیا۔ یہ چابی اُس نے سرِ شام ہی حاصل کر لی تھی اور اس کے لیے اُسے ایک ایسے بٹلر کی خدمات حاصل کرنا پڑی تھی جسے کسی وجہ سے ایک ہفتے بعد ملازمت سے خارج کر دیا جانا تھا۔

دروازہ بے آواز کھل گیا اور وہ سایوں کی مانند دروازے سے اندر چلے گئے۔ اس وقت کوئی بھی بیرونی دروازے کی طرف متوجہ نہیں تھا حتیٰ کہ ٹہلنے والا بھی دروازے کی طرف پشت کیے، اُس کھڑکی کی طرف بڑھ رہا تھا جس پر بھاری پردہ پڑا ہوا تھا۔

دروازے سے داخل ہوتے ہی ان چھ سیاہ پوشوں کے جسموں میں جیسے بجلیاں سی بھر گئیں۔

وہ درندوں کی طرح لپک پڑے۔

اسی لمحے کھڑکی کی طرف جانے والا آدمی پلٹ پڑا اور پھر جیسے ہی اُس کی نگاہ سیاہ پوش پر پڑی، اُس کا مُنہ خوف سے کھل گیا اور آنکھیں حلقوں سے اُبل پڑیں۔

اس سے پہلے کہ اس کے حلق سے کوئی آواز نکلتی، نائٹے قد کا سیاہ پوش اس پر جھپٹ گیا۔ اُس کے ہاتھ میں گنڈاسا نما ایک بھیانک سا ہتھیار تھا۔ یہ ہتھیار بڑی بے رحمی سے استعمال ہوا۔ وار سیدھا کھوپڑی پر کیا گیا تھا جس کے نتیجے میں کھوپڑی دو حصّوں میں تقسیم ہو گئی اور وہ شخص کسی کٹے ہوئے درخت کی طرح قالین پر ڈھیر ہو گیا۔ تاش کھیلنے والوں نے اچانک ہی دیکھا کہ اُن کی میز پر بکھرے ہوئے پتّوں پر خون کے چھینٹے ہی چھینٹے بکھر گئے ہیں، گویا ہولی کی بارش ہو گئی ہو... لیکن وہ اس کی وجہ سمجھنے سے قاصر رہے کیونکہ یہ خود اُنہی کا خون تھا جس کا نظارا وہ ایک ساعت سے زیادہ عرصے تک نہیں کر سکے تھے۔

جو شخص پینے میں مصروف تھا، اُس کا گلاس والا ہاتھ اُٹھا ہوا تھا... پھر جب گلاس فرش پر گرا... تو ساتھ ہی کھوپڑی بھی گر گئی۔ اُس کی گردن پر وزنی ہاتھ سے جو وار ہوا تھا، اُس نے گردن الگ کر دی تھی۔ اُس کا بے گردن لاشہ، کرسی پر پہلے تو سیدھا بیٹھا رہا... پھر وہ بھی آہستہ آہستہ سامنے کی طرف جھکا اور میز کے کنارے سے ٹک گیا۔

سیاہ پوش چند منٹ تک اس کمرے میں مصروف رہے... پھر راہ داری میں آ کر تیزی سے اپنے کمرے کی طرف بڑھتے چلے گئے۔



● جمیکا کی جنگ میں برطانیہ کا آخری بحری کپتان ہلاک ہوا تھا تو تاج برطانیہ پر اچانک ہی انکشاف ہوا تھا کہ اس جہاز پر اسپینی لٹیروں نے حملہ کر دیا تھا اور ان بحری قزاقوں نے نہ صرف جہاز لوٹ لیا تھا بلکہ جہاز کے عملے کا ایک ایک آدمی قتل کر دیا تھا۔ خونریزی کی یہ مثال اس سے پہلے کبھی سُننے میں نہیں آئی تھی۔ ایک گرفتار شدہ بحری قزاق نے بعد میں برطانوی جہاز پر ہونے والے واقعات کا جس انداز میں نقشہ کھینچا تھا۔ اس پر برطانیہ میں کہرام برپا ہو گیا تھا۔

جب دونوں جہاز ایک دوسرے پر گولہ باری شروع کرنے ہی والے تھے کہ اچانک اسپینی جہاز کے کپتان نے مقدس الفاظ کے حوالے سے یہ وعدہ کیا تھا کہ اگر برطانوی جہاز کا عملہ خوشی سے خود کو اُن کے حوالے کر دے تو نہ صرف اُن کی جان بخشی کر دی جائے گی بلکہ اُن سے تاوانِ جنگ بھی طلب نہیں کیا جائے گا۔

برطانوی کپتان جانتا تھا کہ وہ بُری طرح گھر گئے ہیں اور اب اُن کا زندہ رہنا محال ہے، لہٰذا اُس نے اسپینی کپتان کے ان الفاظ کو غنیمت جانتے ہوئے فوراً قبول کر لیا اور ہتھیار ڈال دیے۔ جب اسپینی فوج برطانوی جہاز پر آ گئی اور اُنھوں نے سب کو اپنے نرغے میں لے لیا تو برطانوی کپتان کو کشاں کشاں لے جا کر، ایک مستول کے قریب باندھ دیا گیا۔ جہاں اُس پر ہر ممکن ستم ڈھانے کے بعد اُس کی گردن تن سے الگ کر دی گئی۔

دو سو سال بعد یہی روایت جدید دور میں بھی دُہرائی گئی۔

البانیا کا جہاز ابھی ساحل سے دُور ہی تھا کہ اس پر چند پُراسرار سیاہ پوشوں نے قبضہ کر لیا اور پھر جہاز کے کپتان کو مستول کے قریب باندھ کر نہ صرف اُس کی گردن اُڑا دی گئی بلکہ ان وحشی سیاہ پوشوں نے کچھ دیر کپتان کی کھوپڑی سے کھیل کر لطف بھی اُٹھایا۔

جہاز کا عملہ زیادہ آدمیوں پر مشتمل نہیں تھا تاہم سب کو ہلاک

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کر دیا گیا۔ اس وقت البانیا کا سفیر جہاز کے کیبن میں موجود تھا اور اس بات سے بے خبر تھا کہ اوپر عرشے پر جو شور ہو رہا ہے، وہ کس قدر خوفناک کھیل کے نتیجے میں پیدا ہو رہا ہے۔ وہ تو تب چونکا جب اُس کے کیبن کا دروازہ کھٹکھٹایا گیا اور پھر آٹھ سیاہ پوش زبردستی اندر گھس آئے۔

سفیر پریشان ہو گیا۔

اُس نے اُن سے انگریزی زبان میں پوچھا کہ وہ لوگ کیا کر رہے ہیں اور کیا چاہتے ہیں؟ اُسے کوئی جواب نہ ملا تو سفیر نے فرانسیسی اور رُوسی زبان میں یہی بات دُہرائی ... یہ دونوں کوششیں بھی ناکام ہو گئیں تو اُس نے بین الاقوامی زبان سے کام لیا اور ہاتھوں کے اشارے سے اس دخل در معقولات اور مقصد کے بارے میں معلوم کیا تو انھوں نے زبردستی اُسے گھٹنوں کے بل جھکا دیا۔

سفیر دُنیا کی پانچ زبانیں جانتا تھا۔ اب تک وہ چار زبانوں اور اشاروں میں پوچھ چکا تھا اور اُسے کوئی جواب نہیں دیا گیا تھا۔ لہٰذا اُس نے آخری کوشش یہ کی سویڈش میں اُنھیں بتانے لگا کہ اُس کے پاس زیادہ رقم نہیں ہے۔ علاوہ ازیں وہ کوئی سیاسی آدمی نہیں ہے اور نہ ہی وہ اُن کے لیے کسی معاملے میں کار آمد ثابت ہو سکتا ہے۔

سیاہ پوش اس دوران میں یوں بنے رہے تھے جیسے وہ گونگے اور بہرے ہوں۔ انھوں نے اُس کی کسی بات کا جواب نہیں دیا تھا اور نہ ہی کسی قسم کا کوئی تاثر ظاہر کیا تھا۔ اُن کی آنکھیں پتھرائی ہوئی لگ رہی تھیں، بالکل ایسے، گویا وہ انسان نہیں بلکہ پتھر کے بنے ہوئے متحرک مجسمے ہوں۔

سفیر اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گیا۔ اس وقت وہ اپنے کیبن میں گھٹنوں کے بل جھکا ہوا تھا اور ایک سیاہ پوش نے اُس کے بال پکڑ کر اُس کی کھوپڑی جھکا رکھی تھی۔ پہلے پہل تو سفیر کو کچھ بھی محسوس نہ ہوا ... پھر اُسے یوں لگا جیسے اُس کی گردن پر کسی چیز نے کاٹ لیا ہو۔ اُسے تکلیف محسوس نہیں ہوئی اور پھر وہ اپنے بقول واقعی بے کار ہو گیا۔ غالباً سیاہ پوش واقعی یہ یقین کر لینا چاہتے تھے کہ وہ کار آمد نہیں ہے۔ اس کی گردن دھڑ سے الگ ہو کر کیبن کے چوبی فرش پر گر گئی۔

ایک سیاہ پوش نے ٹھوکر مار کر، اُس کی کھوپڑی، کُرسی کے نیچے لڑھکا دی۔ اُس کے دھڑ سے خون فوارے کی شکل میں بہہ نکلا تھا اور لاش چوبی فرش پر موت کا خوفناک رقص پیش کرنے ہی لگی تھی۔ چند ساعتوں تک سیاہ پوش اُس کے دھڑ کا تڑپنا دیکھتے رہے ... پھر اس منظر میں کشش کھو بیٹھے اور کیبن میں موجود سامان کی تلاشی لینے میں مصروف ہو گئے۔

سفاک قاتلوں نے جہاز پر یہ خونی ڈراما سرِ شام شروع کیا تھا اور صبح کی پہلی کرن کے ساتھ اُسے ختم کر دیا۔ اُن میں سے ایک نے محسوس کیا کہ وہ اگرچہ قاتل نہیں ہے ... لیکن اب ایسا لگنے لگا تھا جیسے قتل و غارت گری ہی اُن کا پیشہ رہا ہو۔ اُسے حیرت ہو رہی تھی کہ اس قدر درندگی کا مظاہرہ اُن کے ہاتھوں کیسے ہو رہا ہے؟ وہ جانتا تھا کہ مُلک کے طول و عرض میں کئی اہم مقامات پر اسی انداز میں کئی ہستیوں کو تہ تیغ کیا جا رہا ہے ... اور سُورج طلوع ہونے تک اُن گنت ہستیاں زندگی سے محروم ہو چکی ہوں گی۔ ان سیاہ پوشوں کا لیڈر سائنھ نامی ایک شخص تھا۔ وہ اس وقت مصری سفارت خانے میں یہی خوفناک عمل کرنے میں مصروف تھا۔ اُسے سفیر کے کمرے سے کونسی کی کئی گڑیاں ملی تھیں۔ اُس نے یہ گڑیاں روئی کی ٹوکری میں ڈال کر اُنھیں آگ لگا دی تھی ... اور پھر پوری عمارت کو اس انداز میں نذرِ آتش کیا تھا کہ اندر موجود کسی شخص کو بھی باہر نکلنے کی مُہلت نہیں مل سکی تھی۔ اُس نے سب کو عملاً بھون ڈالا تھا۔

جس وقت یہ سب کچھ بیرونی دُنیا میں شروع ہوا تھا، عین اُسی وقت، دُنیا کے سب سے بڑے بحری جہاز میں بھی ایسے ہی ... سیاہ پوشوں نے اپنے کام کا آغاز کیا تھا۔ اس جہاز میں کئی کیبن تھے اور اس وقت بیشتر کیبن آباد تھے کیونکہ ان کیبنوں میں دُنیا بھر کے کئی سفارت کار اور اُن کا عملہ سفر کر رہا تھا۔ یہ تمام افراد عالمی نوعیت کی ایک اہم کانفرنس میں شرکت کے لیے جا رہے تھے۔

رات کی تاریکی میں جہاز سمندر کے پُرسکون پانی پر کسی بہت بڑے تابوت کی طرح حرکت کر رہا تھا۔ اچانک ایک کیبن سے فون پر کسی نے چیخ کر کہا۔ "ہم پر حملہ کیا جا رہا ہے، ہمیں قتل کیا جا رہا ہے۔"

حولب نامی ڈپٹی کونسل نے بھی یہ آواز سُنی تھی اور وہ ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھا تھا۔ اُسے باہر راہ داری سے فائرنگ کی آواز سُنائی دے رہی تھی۔ اچانک اُس کے فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ وہ کچھ دیر بات کرتا رہا پھر یہ کہہ کر ریسیور رکھ دیا۔ "معلوم کرو کہ پہلی گولی کس نے چلائی تھی؟"

اُس نے لیمن جُوس کا ایک گلاس تیار کیا اور اُس سے ہلکی ہلکی چسکیاں لینے لگا۔ گلاس ختم کر کے اُس نے دوبارہ فون پر رابطہ قائم کیا۔ "ہاں، کیا رہا؟"

"کسی نے بھی نہیں ..." دوسری طرف سے جواب دیا گیا۔

"حیرت انگیز ..." حولب بڑبڑایا۔ "اگر ہم چلے گئے ہیں ... کہ صبح زندہ و سلامت اس جہاز سے نکل جائیں تو ہمیں یہ فائرنگ رُکوانی

پڑے گی؟"

دوسری طرف سے سلسلہ پھر منقطع ہو گیا۔

دس منٹ بعد گھنٹی بجنے پر حولب نے ریسیور اُٹھایا تو دوسری طرف سے ہانپتی ہوئی آواز میں بتایا گیا۔ "جن لوگوں نے فائرنگ کی ہے اُن کا کہنا ہے کہ انھوں نے سیاہ لبادوں میں لپٹے ہوئے آدمی دیکھے تھے۔ اُن کے ہاتھوں میں خون آلود شمشیریں تھیں۔"

"ٹھیک ہے، تم فائرنگ رُکواؤ۔ میں دوسرے ڈیلی گیٹس سے بات کرتا ہوں کہ اُن کی اس سلسلے میں کیا رائے ہے۔"

اُس نے باری باری مختلف کیبنوں میں مقیم دیگر ممالک کے لوگوں سے بات کی۔

"کیا ... کیا ... اوہ!" ایک نیند میں ڈوبی ہوئی آواز سُنائی دی۔ "میں تو اسے خواب سمجھا تھا۔"

"میں اتنے شور میں سو نہیں سکتا۔" ایک مُلک کے نمایندے نے کہا۔ "کاش میں بیروت سے روانہ ہی نہ ہوا ہوتا۔"

حولب نے سب کو اطلاع دینے کے بعد ریسیور رکھ دیا اور اپنے سُوٹ کیس سے ایک بھاری بھرکم ریوالور نکال لیا۔ وہ اسٹریٹ فائٹ کا ماہر تھا اور اُسے آتشیں اسلحے کے سلسلے میں خاصی معلومات حاصل تھیں۔ اس وقت حولب کے ہاتھ میں جو ریوالور تھا، اُس ریوالور سے وہ کئی لاشیں گرا چکا تھا اور یہ اُس کا قدیمی ساتھی تھا ... وفادار لیکن دشمنوں کے لیے مہلک ثابت ہونے والا ساتھی۔

اُس نے میز پر رکھی ہوئی ایش ٹرے اُٹھائی اور بیرونی دروازہ کھول کر فوراً ایک طرف ہٹ گیا ... پھر اُس نے وزنی ایش ٹرے باہر راہ داری میں پھینک دی۔ ایش ٹرے راہ داری میں لڑھکتی ہوئی دُور تک چلی گئی لیکن اس کا کوئی ردِ عمل نہیں ہوا، کسی نے فائر نہیں کیا۔

وہ دروازے سے جھانک کر دیکھنے لگا۔

اُس کے حلق سے ایک طویل سانس نکل گئی۔

یوں محسوس ہوتا تھا جیسے راہ داری میں سے کوئی ایسا ریوڑ گزرا ہو جس نے ہر چیز کو تہس نہس کر دیا ہو۔ راہ داری کے فرش پر جا بجا خون پھیلا ہوا تھا۔ وہ حیران تھا کہ اُسے آج کتنی گہری نیند آئی تھی۔ نہ جانے قتل و غارت گری کا یہ کھیل خاموشی کے ساتھ کتنی دیر سے جاری تھا اور اُسے کانوں کان خبر نہیں ہو سکی تھی۔ اُس نے راہ داری میں پہنچنے کے بعد بلند آواز میں پکارا۔ "فائرنگ بند کر دی جائے اور سب باہر آ جائیں۔"

یہ بات کہتے ہوئے اُس نے اپنا تعارف بھی کروا دیا تھا۔ چند لمحے بعد آہستہ آہستہ ایک کیبن کا دروازہ کھلا اور کسی نے جھانک کر باہر دیکھا ... پھر دوسرا دروازہ کھلا اور اُس میں سے بھی ایک سر دکھائی دیا۔ کوئی اندر سے راہ داری میں جھانک رہا تھا۔ طویل راہ داری کے تمام دروازے یکے بعد دیگرے کھلتے چلے گئے اور اُن میں سے مختلف قوموں اور مختلف ممالک کے لوگ باہر راہ داری میں آنے لگے۔ ہر شخص کی عجیب حالت تھی۔ کوئی نیند سے نڈھال دکھائی دے رہا تھا تو کسی کے چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں، کسی کے ہاتھ میں ریوالور تھا تو کوئی کاغذ کاٹنے والا چاقو اُٹھائے ہوئے تھا۔

افراتفری کی حالت میں، دفاع کے لیے جس کے ہاتھ جو کچھ بھی لگا، وہ اُسے اُٹھا کر تیار ہو گیا تھا۔

"ہاں تو حضرات ..." حولب نے ہاتھ اُٹھا کر تقریر کرنے کے انداز میں کہا۔ "ہمیں بعض ایسے افراد کو تلاش کرنا ہے جنھوں نے سیاہ لباس پہن رکھے ہیں اور جن کے ہاتھوں میں برہنہ تلواریں ہیں ... خون آلود شمشیریں۔" اُس نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ "راہ داری میں موجود تو کوئی بھی آدمی سیاہ لباس میں نہیں ہے، اس کا مطلب ہے کہ وہ لوگ کسی کیبن میں چھپے ہوئے ہیں۔ وہ مصری دوست کہاں ہے جس نے مجھ سے فون پر بات کی تھی اور جس نے ان لوگوں کو سب سے پہلے دیکھا تھا؟"

راہ داری میں موجود تمام لوگ ساکت رہے۔

"ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے حضرات۔" حولب نے انھیں حوصلہ دلایا۔ "سامنے آ جائیں۔ اگر یہ معاملہ صبح تک نہ نمٹ سکا تو یقین کیجیے کہ ہم میں سے ایک آدمی بھی زندہ نہیں رہے گا۔"

ایک آدمی ہچکچاتا ہوا سامنے آ گیا۔

اُس نے سب کو صورتِ حال سے آگاہ کیا اور ان سیاہ پوش درندوں کے بارے میں بتایا جنھوں نے مختلف کیبنوں میں محوِ خواب تقریباً تیس آدمیوں کی گردنیں کاٹ ڈالی تھیں۔ اُن میں سے بعض کے

صحرا کا چاند	اے حمید	80/-
پہلی محبت کے آنسو	اے حمید	250/-
اداس جنگل کی خوشبو	اے حمید	100/-
چاند چہرے	اے حمید	200/-

مکتبہ القریش اُردو بازار۔ لاہور 2

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

سر اُن کی ٹھوکروں سے باہر راہ داری میں آ گئے تھے۔

وہ لوگ آپس میں مشورہ کرنے لگے۔

کچھ دیر بعد ایک سانولی رنگت والے آدمی نے ہال وے کی طرف اشارہ کیا۔

حولب نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ وہ جانتا تھا کہ حملہ آور کسی دروازے کے پیچھے ہی موجود ہوں گے۔ "ٹھیک ہے، دوستو!" اُس نے پُورے عزم سے کہا۔ "کوئی ایسا دروازہ تلاش کریں جو بند ہو... لیکن کوئی بھی اسے کھولنے کی کوشش نہ کرے۔ یہ اقدام اُس کے لیے مہلک بھی ثابت ہو سکتا ہے۔"

راہ داری میں موجود سب لوگ منتشر ہو گئے اور جلد ہی ایک ایسا دروازہ تلاش کر لیا گیا جس کے عقب میں حملہ آوروں کی موجودگی ممکن تھی۔ یہ ایک اسٹور تھا... بہت بڑا اسٹور جس کا دروازہ اُس وقت بند تھا۔

"اگر وہ اس اسٹور میں چھپے ہوئے ہیں تو جہاز کی سکیورٹی کو چاہیے تھا کہ وہ سفر شروع ہونے سے پہلے اچھی طرح جہاز چیک کر لیتے۔" ایک آدمی نے اعتراض کیا۔

"لیکن یہ سکیورٹی فورس کہاں ہے؟" ایک اور نے بلند آواز میں پُوچھا۔

اس پر بڑبڑاہٹوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

"حضرات! ہمیں وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے۔" حولب نے اُنھیں مشورہ دیا۔ جہاں تک میرا خیال ہے، حملہ آوروں نے سکیورٹی فورس کا سب سے پہلے صفایا کیا ہے۔ اُس کے بعد دوسرے لوگوں کو قتل کرنا شروع کیا ہو گا۔"

"ہاں... سکیورٹی کا ہر آدمی قتل کیا جا چکا ہے۔" کسی نے دہشت زدہ آواز میں کہا۔

"اس کا مطلب ہے کہ حملہ آور منظم ہیں۔" حولب نے کہا۔ "اگر ہم لوگ منظم نہ رہے تو ایک بھی آدمی زندہ نہیں بچے گا۔"

حولب کی اس بات پر سب خاموش ہو گئے۔ حولب نے سب پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالی۔ سب لوگ اُس کی طرف متوقع نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ گویا اُنھوں نے بہ زبانِ خاموش اُسے اپنا لیڈر تسلیم کر لیا تھا۔ حولب نے ایک طویل سانس لی اور کلوزٹ کی طرف بڑھ گیا۔ اُس نے قریب پہنچنے کے بعد ہاتھ کے اشارے سے سب کو دروازے کے سامنے سے ہٹنے کے لیے کہا۔ لوگ فوراً ہی منتشر ہو کر دائیں بائیں راہ داری کی دیواروں سے لگ گئے۔ اب اگر اندر سے فائرنگ ہوتی تو براہِ راست کوئی بھی گولیوں کی زد میں نہیں آ سکتا تھا۔

حولب کی نظریں تیزی سے صورتِ حال کا جائزہ لے رہی تھیں۔ راہ داری میں جو کارپٹنگ تھی، اُس کی نگاہ اس پر جم گئی۔ دروازے سے پہلے تین قدم کے فاصلے پر خون کا ایک بڑا سا دھبہ دکھائی دے رہا تھا۔ اُس نے جھک کر دیکھا۔ یہ تازہ خون کا دھبہ تھا اور جب اُس نے دروازے کی طرف دیکھا تو وہاں بھی خفیف سی سُرخی دکھائی دی۔ یہ اس بات کا ثبوت تھا کہ اُن پُراسرار حملہ آوروں میں سے کوئی ایک زخمی ہو گیا ہے۔

حولب نے خود کو دروازے کے ساتھ دیوار سے چپکا لیا۔ اُس کا بھاری بھرکم ریوالور ہاتھ میں دبا ہوا تھا۔ ایک بار پھر اُس نے دیکھ لیا کہ کوئی شخص گولیوں کی زد میں تو نہیں ہے۔ مطمئن ہو کر اُس نے ریوالور والا ہاتھ اُٹھایا اور اس کی نال سے دروازے پر ایک گہری تراش ڈال دی۔ اُس نے جلدی سے ہاتھ واپس کھینچ لیا تھا۔ یہ تجربہ کبھی کبھی خاصا کارگر ثابت ہوتا ہے۔ آواز سنتے ہی اندر سے فائرنگ شروع ہو جاتی ہے... لیکن حولب کی اس حرکت کے جواب میں اندر سے کوئی ردِعمل ظاہر نہیں ہوا۔ ایک بھی گولی نہیں چلی۔

"ٹھیک ہے۔" وہ بلند آواز میں بولا۔ "ہم جانتے ہیں کہ تم لوگ اندر ہو۔ دروازہ کھول کر اپنے ہتھیار باہر پھینک دو اور اپنے ہاتھ سروں پر رکھ کر باری باری باہر آ جاؤ۔ اگر تم لوگوں نے میری ہدایت کے مطابق عمل کیا تو تمھیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔"

"یہ ہم سب کا وعدہ ہے۔" عراقی سفیر نے بلند آواز میں کہا۔

اس بات پر سفیروں کے ہجوم میں سے کوئی ہنس پڑا لیکن دوسروں کی کڑی نگاہیں محسوس کر کے اُس کی ہنسی فوراً دب گئی۔

اندر سے کوئی آواز سُنائی نہیں دی۔ سناٹا چھایا رہا۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے کلوزٹ میں کوئی متنفس موجود نہیں ہے۔

"میرا خیال ہے، اندر کوئی بھی نہیں ہے۔" حولب نے اعلان کر دیا۔

"وہ یقیناً اندر ہی ہیں۔" ایک دہشت زدہ آواز گونجی۔ "اس اسٹور کا دوسرا دروازہ نہیں ہے۔"

"میرا خیال تم سے مختلف ہے۔" ایک اور آواز سُنائی دی۔

"بحث کرنے کی ضرورت نہیں۔ میرے پاس جہاز کا نقشہ موجود ہے اور نقشے کے مطابق اس اسٹور کا کوئی دوسرا دروازہ نہیں ہے۔" پہلے نے حتمی لہجے میں کہا۔

"یہ شخص ٹھیک کہتا ہے۔" کسی نے حمایت کی۔ "میں بھی نقشہ دیکھ چکا ہوں۔"

حولب کے علاوہ سب ہی اس بات پر متفق ہو گئے کہ اسٹور

لازوال کہانیوں کے خالق
انوار صدیقی کی اپنے قارئین کے لیے
ایک نئی سوغات

رقصِ ابلیس

ہولناک اور پراسرار ماحول میں جنم لینے والی ایک حقیقت جو کہانی بن گئی۔
ایک آشفتہ حال کی داستانِ عبرت جسے قانون نے مجرم بنا دیا
قیمت -/150 روپے

ناشر: مکتبہ القریش سرکلر روڈ اردو بازار لاہور 2

کا کوئی دوسرا دروازہ نہیں ہے، اس لیے حملہ آور اندر ہی موجود ہوں گے... لیکن حولب کی چھٹی حس سب کچھ محسوس کر رہی تھی۔ اسٹور میں چھایا ہوا سناٹا ظاہر کر رہا تھا کہ حملہ آور وہاں سے نکلنے میں کامیاب ہو چکے ہیں۔ "اس اسٹور کی دیواریں کس چیز کی بنی ہوئی ہیں؟" اُس نے اُس سفیر سے پوچھا جس کے پاس نقشہ موجود تھا۔

"مضبوط اسٹیل... فولادی دیواریں۔" سفیر نے جواب دیا۔

"اگر یہ بات ہے تو کوئی منطقی صورت نظر نہیں آتی۔ یقیناً وہ لوگ اندر قید ہو کر رہ گئے ہیں۔" حولب نے حتمی لہجے میں جواب دیا۔ "لیکن میں محسوس کر رہا ہوں کہ اندر کوئی بھی نہیں ہے۔ اس کا مطلب ہے وہ لوگ اس اسٹور میں داخل ہی نہیں ہوئے ہوں گے۔"

باری باری سب لوگ اس سے متفق ہو گئے۔

اچانک ایک دُور افتادہ راہ داری میں دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز گونجنے لگی۔ سب لوگ اُدھر متوجہ ہو گئے۔ آنے والے جہاز کے عملے سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ مسلح تھے۔ آنے والوں نے پوچھا کہ کیا ہوا ہے؟ حولب نے اُن سے بات چیت کی اور اُنھیں حکم دیا کہ وہ واپس جا کر اپنی مقررہ جگہوں پر فرائض ادا کریں اور اس معاملے کو اُن پر چھوڑ دیں۔

آنے والے جو کچھ راستے میں دیکھتے ہوئے آئے تھے، اُس کے مطابق ان لوگوں کا خیال تھا کہ کوئی دیوانہ اور جنونی آدمی جہاز میں گھس آیا ہے جو سامنے آنے والے کو ٹکڑے ٹکڑے کرتا رہا ہے... خاص طور سے وہ گردنیں اُڑانے کا شوقین معلوم ہوتا ہے۔

"بہرحال، وہ اس کلوزٹ میں قید ہیں۔" کسی نے بلند آواز میں کہا۔

حولب یہ سُن کر جھلا گیا۔ اُس نے آگے بڑھ کر ایک جھٹکے سے ہینڈل گھما کر دروازہ کھول دیا۔

دروازہ کھلتے ہی ہر شخص نے اطراف میں جست لگائی تھی تاکہ بھٹکی گولیوں سے محفوظ رہ سکے... لیکن کلوزٹ خالی تھا۔ اگرچہ اس کے اندرونی فرش پر انسانی خون کے ایک دو دھبے نظر آ رہے تھے لیکن پورے اسٹور میں ایک بھی متنفس نہیں تھا۔

حولب نے سب سے درخواست کی کہ وہ جہاز کے ریستوران میں جمع ہو جائیں تاکہ اس صورتِ حال پر غور کر کے کوئی مؤثر اقدام کیا جا سکے۔ اس وقت وہاں کئی ملکوں کے نمایندے موجود تھے۔ اُن میں سے بعض ممالک ایک دوسرے سے شدید نفرت اور دشمنی میں مبتلا تھے اور عام حالات میں وہ لوگ ایک دوسرے کو دیکھتے ہی گولی مارنے سے باز نہ رہتے لیکن اس وقت ایسی صورتِ حال تھی کہ وہ سب کچھ بھولے ہوئے تھے۔ اُنھیں صرف اپنی زندگی کا خیال تھا اور زندگی کی محبت سب کو ایک دوسرے کے قریب

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

سے آئی تھی۔ کوئی بھی کسی سے اختلاف کرنے کے موڈ میں نظر نہیں آتا تھا۔

تھوڑی ہی دیر میں جب سب لوگ ریستوران میں جمع ہو گئے تو جولیب نے کہنا شروع کیا۔ "حضرات! یہ جہاز ایک طرح سے بہت بڑا تابوت ہے۔"

سب لوگ خاموش بت بنے اُس کی باتیں سُن رہے تھے۔

"پچھلے چند گھنٹوں میں اس جہاز پر خونریزی ہوئی ہے۔ قتل کی ایسی وارداتیں ہوئی ہیں جن کی ہم صرف درندوں ہی سے توقع کر سکتے ہیں۔ اندازہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ پُراسرار حملہ آوروں کا تعلق دہشت پسندوں سے ہے۔ میں آپ لوگوں سے یہ درخواست کرنا چاہتا ہوں کہ ان حالات میں دہشت پسند کسی بھی جگہ پر حملہ کر سکتے ہیں۔ مجھے ذاتی طور پر ان دہشت پسندوں کی کوئی پروا نہیں۔ میں نے ابھی کچھ دیر قبل اس جہاز کو تابوت کہا تھا تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ جہاز سب کے لیے تابوت ہے۔ یہ صرف ہم لوگوں کے لیے تابوت ہے، کیونکہ ہم اس میں زندہ دفن ہیں۔ جبکہ پُراسرار حملہ آور جانتے ہیں کہ اس میں ایک خفیہ راستہ بھی ہے۔ ایک ایسا راستہ جس سے ہم بے خبر ہیں اور اُس راستے سے وہ لوگ جب چاہیں اور جس جگہ چاہیں حملہ کر کے ہمیں زندگی سے محروم کر سکتے ہیں؟"

وہ لوگ جو اب تک اُس کی باتیں نہایت غور سے اور خاموشی سے سُن رہے تھے اس بات پر بے چینی کا شکار ہو گئے۔ اُن میں سے ہر شخص یہ معلوم کرنے کے لیے بے تاب تھا کہ اس بات کا جولیب کو کیسے علم ہوا۔

جولیب نے سب کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور پھر بتایا کہ کس انداز میں حملہ آوروں کے خلاف مزاحمت ہوئی تھی اور کس طرح اُن میں سے ایک زخمی ہو گیا تھا۔ خون کے جو دھبے دکھائی دیے تھے اُن کا رُخ کلوزٹ کی طرف تھا۔ اس کا واضح مطلب تھا کہ حملہ آور اس اسٹور میں گئے تھے لیکن جب اُنھوں نے دروازہ کھولا تو اندر کوئی بھی نہیں تھا حالانکہ اُنھیں اسٹور کے فرش پر بھی خون کے دھبے ملے تھے۔

"جہاں تک میں محسوس کر رہا ہوں یہ جہاز خاص طور سے اس طرح ڈیزائن کیا گیا ہے کہ اس میں سفر کرنے والوں کو ہلاکت سے ہمکنار کیا جا سکے۔" جولیب نے سامعین کے سروں پر ایک اور دھماکہ کر دیا۔

"دہشت پسند...." کئی آوازیں ایک ساتھ گونج اُٹھیں۔

"ہو سکتا ہے یہ جہاز دہشت پسندوں ہی کی ملکیت ہو۔" جولیب نے خدشے کا اظہار کیا... اور اُس کی یہ بات دُرست ہی تھی کیونکہ صبح کا سورج طلوع ہونے سے قبل اُس کا سر کاٹ کر ایک دیوار سے لٹکا دیا گیا تھا۔

صدرِ مملکت بے حد پریشان تھے۔

دہشت پسندوں کی کارروائیاں روز بروز بڑھتی جا رہی تھیں اور اس بار تو اُنھوں نے ایسی صورتِ حال پیدا کر دی تھی کہ خود اُن کے مُلک کی سلامتی خطرے میں پڑ گئی تھی۔ اب تک کئی ممالک کے سفیر قتل ہو چکے تھے۔ اگر دہشت پسندوں نے کوئی مطالبہ کیا ہوتا تو صدرِ مملکت اُسے پورا کرنے میں ایک لمحے کی بھی تاخیر نہ کرتے۔

اس دوران میں وہ بے چینی سے بہرام کی طرف سے کوئی خاص بات معلوم ہونے کے منتظر تھے لیکن گزشتہ تین روز سے بہرام نے مقررہ اوقات میں اُن سے رابطہ نہیں کیا تھا۔ اس سے پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا تھا یہ بات زیادہ پریشان کُن تھی کیونکہ اندازہ ہوتا تھا کہ وہ بھی بھید اُلجھا ہوا ہے۔ صدرِ مملکت حیران تھے کہ بہرام کے وہ دونوں آدمی آخر کیا کر رہے ہیں؟ اُنھوں نے ابھی تک دہشت پسندوں کے خلاف کوئی مؤثر کارروائی کیوں نہیں کی؟

اُنھوں نے گھڑی پر وقت دیکھا۔

بہرام سے بات چیت کے لیے جو رات کا وقت طے تھا اس میں پانچ منٹ ابھی باقی تھے۔ اُنھوں نے اپنی دراز سے سُرخ فون نکال کر میز پر رکھ لیا۔ دفتر کے دروازے مُقفل تھے اور اُنھوں نے اپنی سیکرٹری کو ہدایت کر رکھی تھی کہ کسی بھی حال میں اُنھیں ڈسٹرب نہ کیا جائے۔ مقررہ وقت پر اُن کی نظریں فون پر جم گئیں۔ اُن کا دل شدت سے دھڑک رہا تھا۔ بار بار یہ خدشہ اُنھیں پریشان کر رہا تھا۔ کہیں ایسا نہ ہو اس وقت بھی بہرام کی کال نہ آئے۔ ایسی حالت میں اُنھیں رات بھر پریشانی اور بے قراری میں گزارنی پڑتی۔ حتیٰ کہ صبح کا مقررہ وقت نہ ہو جاتا۔

سُرخ ٹیلی فون خاموش تھا۔

معاً اس کی گھنٹی بجی تو وہ معمولیت سے چونک پڑے۔ خاموش کمرے میں گھنٹی کی آواز بھی بہت پُرشور محسوس ہوئی تھی۔ اُنھوں نے جلدی سے رسیور اُٹھایا۔ "میں پچھلے تین دنوں سے آپ کی فون کال کا منتظر ہوں۔" صدرِ مملکت نے بے تابی کا اظہار کیا۔

"مجھے افسوس ہے جناب! میں اسی کام کے سلسلے میں مصروف تھا۔" بہرام کی آواز سُنائی دی۔

"کوئی خاص بات...؟" صدرِ مملکت اُس سے جلد از جلد صورتِ حال معلوم کر لینا چاہتے تھے۔ "دہشت پسندوں نے تو اس

بار ہماری زندگی ہی اجیرن کر دی ہے۔ میں حیران ہوں کہ آخر یہ لوگ کیا چاہتے ہیں؟ دوسرے ممالک کے جتنے افراد ہلاک ہوئے ہیں، اس پر ان حکومتوں نے کس قدر شدید ردِعمل ظاہر کیا ہے؟ مجھے خدشہ ہے کہ کہیں کوئی اعلانِ جنگ نہ کر دے۔"

"آپ تشویش میں مبتلا نہ ہوں۔ انشاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔" بہرام نے اُنھیں اطمینان دلانا چاہا لیکن صدرِ مملکت بے حد پریشان تھے۔ اس لیے باتوں سے نہ بہل سکے۔ لہٰذا بہرام کو اُنھیں اپنی تحقیقات کے سلسلے میں کسی حد آگاہ کرنا ہی پڑا۔

"ٹھیک ہے، میں منتظر ہوں۔ مجھے اس سلسلے میں جلد از جلد کوئی خوش خبری سُنائی جائے۔" یہ کہہ کر صدرِ مملکت نے ریسیور رکھ دیا، اور ایک طویل سانس لے کر کرسی کی پشت گاہ سے ٹیک لگا لی۔ وہ آنکھیں بند کر کے ذہنی کشیدگی دُور کرنا چاہتے تھے لیکن آنکھیں بند ہوتے ہی نیند کسی نشہ آور شے کی طرح اُن کے ذہن پر حاوی ہو گئی اور وہ گہری نیند میں ڈوب گئے۔ کئی دنوں کے تھکے ہوئے اعصاب بالآخر سکون آشنا ہو رہے تھے...

ٹائیگر کی آنکھ کھُل گئی۔ خفیف سی آہٹ تھی جس نے اُس کی نیند خراب کر دی تھی۔ اُس نے اُدشان کی طرف دیکھا جو بے سُدھ پڑا سو رہا تھا۔ اُسے رشک آنے لگا۔ اُدشان ماحول سے باخبر رہ کر بھی پُرسکون نیند کے مزے لے سکتا تھا جبکہ ٹائیگر ابھی پوری طرح اس خصوصیت سے فیض یاب نہیں ہو پا رہا تھا۔ وہ خاموش لیٹا رہا۔ اُس کی چھٹی حس بتا رہی تھی کہ آس پاس کہیں کوئی گڑبڑ ہے... وہ کیا ہے؟ اس کا اُسے غنودہ ذہن کی وجہ سے پُوری طرح ادراک نہیں ہو سکا جس آہٹ سے اُس کی آنکھ کھُلی تھی، وہ دوبارہ سُنائی نہیں دی تھی۔ چھت کی طرف دیکھتے ہوئے ٹائیگر نے اپنی حسیات سے کام لے کر سُراغ لگانے کی کوشش کی کہ آخر وہ کیا غیر معمولی بات ہے جس نے اُس کی نیند اُچاٹ کر دی ہے؟

ایک دُور افتادہ دیوار پر ننھی سی چھپکلی حرکت کر رہی تھی۔ ٹائیگر اس حرکت کو دیکھے بغیر بھی محسوس کر سکتا تھا... پہلے تو اُس کے ذہن میں یہی خیال آیا کہ کہیں اس چھپکلی کی وجہ سے تو اُس کی آنکھ نہیں کھُلی تھی؟... پھر اُس نے یہ خیال ذہن سے جھٹک دیا۔ وہ اب ایسی چھوٹی موٹی چیزوں کی حرکات و سکنات کا عادی ہو گیا تھا۔ بات کچھ اور تھی۔ اُسے پسینے کی خفیف سی بُو، خون کی ہلکی سی مہک اور موت کا وجدان ہو رہا تھا۔ یہ سب کچھ وہ کسی چھپکلی سے منسوب کر کے بے نیازی نہیں برت سکتا تھا۔

وہ اُٹھ بیٹھا۔ اُس کے اُٹھنے سے ذرا سی بھی آواز پیدا نہیں ہوئی تھی۔

کمرے میں نائٹ بلب روشن تھا۔ اس نے کمرے پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالی اور اُدشان کی طرف دیکھا جو کسی معصوم بچے جیسی پُرسکون اور خوشگوار نیند سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ ٹائیگر نے اس کی طرف دیکھ کر دروازے کی طرف نگاہ اُٹھائی تو اس کے ہونٹ مسکرانے کے انداز میں پھیل گئے۔ باہر راہداری میں تیز روشنی تھی اس لیے دروازے کی پچھلی جھری سے اُسے ایک ایسا سایہ دکھائی دے رہا تھا جو دروازے کے سامنے آ کر رُک گیا تھا۔ ٹائیگر کسی ایسے درندے کی طرح دروازے کی طرف بڑھا جو اپنے شکار پر جھپٹنے کا ارادہ کر رہا ہو۔ اس نے ایک جھٹکے سے دروازہ کھول دیا اور پھر پلٹنے کے بغیر زندہ رہ گیا۔

سامنے آٹھ آدمی کھڑے تھے۔ وہ سر سے پاؤں تک سیاہ لبادوں میں لپٹے ہوئے تھے جن میں چہرے پر صرف آنکھوں کی جگہ دو سوراخ تھے جن سے اُن کی درندگی سے بھرپور آنکھیں جھانک رہی تھیں۔

ایک ایسی عورت کی کہانی
جو مردوں کے معاشرے میں
ملکہ بن کر جینا چاہتی تھی
ناگ رانی
دو جلدوں میں
جلد اول =/145
جلد دوئم =/145
مکتبہ القریش سرکلر روڈ اردو بازار لاہور
فون 7668958

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"ہیلو... تم لوگ رات کو آنے کی مناسبت سے شب تار کے بچے لگتے ہو۔" ٹائیگر نے خوشگوار لہجے میں کہا۔ "لیکن مجھے حیرت ہے کہ یہاں آتے وقت تمہیں کس بات پر ندامت محسوس ہو رہی ہے۔ اگر یہ بات نہیں تو پھر تم لوگوں نے اپنے چہرے نقابوں میں کیوں چھپا رکھے ہیں؟"

راہ داری ویران تھی۔

ہوٹل پر خاموشی طاری تھی۔ راہ داری کا بلب بھی اُونگھتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ ہر کمرے کا دروازہ مضبوطی سے بند تھا اور اتنی خاموشی تھی کہ اگر کوئی زور سے سانس بھی لیتا تو اُس کی آواز آسانی سے سُنائی دے سکتی تھی۔

سیاہ پوشوں کو غالباً اس بات کی توقع نہیں تھی کہ کوئی انہیں دیکھ کر اس قدر زندہ دلی کا مظاہرہ بھی کر سکتا ہے۔ وہ تو دہشت کے سفیر تھے اور انہیں دیکھ کر عام آدمیوں کی حرکت قلب ہی بند ہو جاتی تھی۔ ان میں سے بعض کی خونیں آنکھوں میں اُلجھن تیرنے لگی اور انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھنا شروع کر دیا... پھر آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارے ہوئے اور اگلے ہی لمحے تین آدمیوں نے اپنے ہاتھ عقب سے سامنے لاتے ہوئے اُن شمشیروں کی نمائش کی جنہیں وہ اب تک پشت پر چھپائے ہوئے تھے۔

ٹائیگر کی آنکھیں ساکت تھیں۔ گول گول سی سیاہ آنکھیں جھیل جیسے سکون سے پُر آنکھیں، تلواریں دیکھ کر اُس نے پلکیں تک نہیں جھپکائیں معاً ایک تلوار کی نوک اُس کے سینے کی طرف اُٹھ گئی۔

"اندر چلو!" شمشیر بدست سیاہ پوش کسی غصیلے ناگ کی طرح پھنکارتی ہوئی آواز میں بولا۔

ٹائیگر نے کندھے جھٹک دیے۔ وہ خود بھی راہ داری میں ہنگامہ کر کے آس پاس کے لوگوں کی نیند خراب نہیں کرنا چاہتا تھا۔

وہ پلٹ کر اندر چلا گیا۔

آٹھوں سیاہ پوش کسی خاموش طوفان کی طرح اس کے پیچھے اندر آئے تھے۔ تلوار بدست آدمیوں نے ٹائیگر کو گھیرے میں لے لیا۔ کمرے میں آنے کے بعد دروازہ بند کر دیا گیا۔ اب ہر سیاہ پوش کے ہاتھ سامنے تھے اور ان میں تلواریں نظر آ رہی تھیں۔ اندر آتے ہی دو سیاہ پوش اُوشان کے قریب جا کھڑے ہوئے۔

ٹائیگر کے ہونٹوں پر بڑی ہی پُراسرار مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔

ایک نوجوان کی سنسنی خیز لہو رنگ خود نوشت

دہشت گرد

سلیم فاروقی کے ایڈونچرس قلم سے

☆ وہ محبِ وطن ہونے کے باوجود

دہشت گرد کہلاتا تھا

☆ وقت کی راہیں تھامتے،

اس کے ہاتھ لہو ہو گئے تھے

☆ ایک پاکستانی کی سرفروشانہ داستان

چار حصوں میں

مکمل سیٹ =/180 روپے

ناشر

مکتبہ القریش سرکلر روڈ

اردو بازار لاہور نمبر 2

7668958

"تعارف کی رسم کون ادا کرے گا؟" ٹائیگر نے انہیں اپنی غیر متحرک آنکھوں سے دیکھتے ہوئے دریافت کیا۔

"خاموش رہو، سوال ہم کریں گے۔" ایک سیاہ پوش غرایا۔

"تمہارے حلق میں کوئی خرابی ہے؟" ٹائیگر نے مضحکہ اُڑانے والے انداز میں کہا۔ "شاید اسی لیے آواز ایسی ہو گئی ہے جیسے تم بات کرنے کی بجائے بھونک رہے ہو۔"

اس سیاہ پوش کا ہاتھ تلوار کے دستے پر تھا۔ اپنی تضحیک پر اس کی انگلیاں تلوار کے دستے پر سخت ہو گئیں۔ اس کی آنکھوں پر خون کے دو بڑے بڑے نقطوں کا گمان ہوتا تھا... پھر اُس نے ایک طویل سانس لی اور اس کی انگلیوں کی گرفت قدرے ڈھیلی پڑ گئی۔ گویا وہ ٹائیگر کی تضحیک آمیز بات ہضم کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اس سے ٹائیگر کو اندازہ ہو گیا کہ وہ اُسے فوری طور پر قتل نہیں کرنا چاہتے بلکہ اس سے معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ کیسی معلومات، اس کا اُسے ابھی تک اندازہ نہیں ہو سکا تھا جبکہ تلواریں دیکھ کر وہ سمجھ گیا تھا کہ یہ وہی دہشت پسند ہیں جو شہر میں سرکٹی لاشوں کی وجہ سے کہرام برپا کیے ہوئے ہیں۔

ٹائیگر نے کن انکھیوں سے اُوشان کی طرف دیکھا۔

اُوشان سو رہا تھا... گہری پُرسکون نیند میں ڈوبا ہوا۔ اس کا چہرہ سے حد معصوم لگ رہا تھا اور اُس کے ہونٹوں پر خوابناک مسکراہٹ تھی۔

"فرمائیے! میں آپ لوگوں کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟" ٹائیگر نے خوش اخلاقی سے دریافت کیا۔ "اور اس سے پہلے یہ بتاؤ کہ تم میں سے کس کے پہلے پر مجبوروں کے ان گنت قتل ہیں؟"

سن کر ایک شخص اچھل پڑا۔

"تم کیسے جانتے ہو؟" وہ غرایا۔

چوڑی داڑھی میں نہ کا کے مصداق وہ سیاہ پوش خود پر قابو نہیں رکھ سکا تھا۔ ٹائیگر اس کی بوکھلاہٹ پر مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔ "میں جانتا ہوں۔" اُس نے مزید کشادہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "میرے نزدیک ایک ایسی عورت جس کے چہرے پر ان گنت مجبوروں کے قتل نہیں ہوتے، اس کی مثال ایک ایسی رات جیسی ہوتی ہے جب آسمان پر ستارے نہیں نکلتے... اور ایک ایسا مرد جس کے چہرے پر ایسے قتل ہوتے ہیں، اُس کی مثال ایک ایسے دن جیسی ہوتی ہے جب آسمان پر تارے نکلے ہوئے ہوتے ہیں۔"

"اگر اجازت ہو تو میں اس کی کھوپڑی میں چند تارے اُتار دوں؟" وہی نقاب پوش غرایا وہ جس شخص سے مخاطب تھا، وہ غالباً اُن کا لیڈر تھا۔

لیڈر کے حلق سے تیز غراہٹ نکلی۔ "نہیں... تم خاموش رہو۔"

اور خود پر قابو رکھو۔" وہ ٹائیگر کی طرف متوجہ ہو گیا۔ "میں تم سے چند سوال کرنا چاہتا ہوں۔ زندگی عزیز ہے تو ٹھیک ٹھیک جواب دینا۔"

"مجھے فی الحال تو اپنی نیند عزیز ہے جسے تم لوگوں نے خراب کر دیا ہے۔" ٹائیگر نے لاپروائی سے جواب دیا۔ "اور تم دونوں...!" اُس نے اُوشان کے گرد کھڑے ہوئے آدمیوں سے کہا۔ "اگر ٹیل فادر کی نیند خراب ہو گئی تو تمہیں اپنے پسندیدہ انداز میں مرنا بھی نصیب نہیں ہو گا۔"

کسی نے کوئی جواب نہیں دیا۔

کمرے میں کچھ دیر کے لیے گہری خاموشی چھا گئی۔

یوں لگتا تھا جیسے ہر شخص اپنی اپنی جگہ سوچ میں ڈوبا ہوا ہو۔

غالباً وہ حیران تھے کہ ٹائیگر نے کمرے میں آٹھ سیاہ پوشوں کی موجودگی سے خوفزدہ کیوں نہیں ہے۔ وہ تو یہ توقع لے کر آئے تھے کہ ان پر نگاہ پڑتے ہی اس کی گھگھی بندھ جائے گی اور وہ ہاتھ جوڑ کر انہیں سب کچھ بتا دے گا... پھر وہ اطمینان سے اس کی گردن تن سے جدا کر کے رخصت ہو جائیں گے جبکہ معاملہ بے حد مختلف اور خلافِ توقع لگ رہا تھا۔

"تم کون ہو اور کس کے لیے کام کرتے ہو؟" لیڈر نے اپنی خونیں آنکھوں سے ٹائیگر کو گھورتے ہوئے پہلا سوال کیا۔

"کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ مجھے کس سے مخاطب ہونے کا شرف حاصل ہو رہا ہے؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

لیڈر کا ہاتھ دستے پر سخت ہو گیا۔ اس کی تلوار اچانک ہی لہرائی۔ کمرے میں تلوار ہوا کو کاٹتی ہوئی ٹائیگر کے سر سے گزر گئی تو ایسی آواز پیدا ہوئی جیسے کوئی غضبناک سانپ زور سے پھنکارا ہو۔ "تم صرف جواب دو گے۔" لیڈر کی آواز میں بھی تلوار جیسی کاٹ تھی۔ "اگر تم نے دوبارہ مداخلت کی اور اِدھر اُدھر کا کوئی قصہ چھیڑا تو میری تلوار ہوا کی بجائے تمہاری کھوپڑی کاٹ ڈالے گی۔"

"یہ کون بدبخت شمشیر سانبوجے کے کمرے میں اپنی تلوار بازی کی مہارت کا دعوا کر رہا ہے؟" اچانک اُوشان کی آواز کمرے میں گونجی۔

تمام سیاہ پوش اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔

ایک سیاہ پوش کھل کھلا کر ہنس پڑا۔ "بی مینڈک کو بھی زکام ہونے لگا۔" اُس نے قہقہہ لگا کر کہا۔

"بکواس بند کرو۔" اُوشان غضبناک ہو گیا۔ "تمہاری موت سب سے زیادہ دردناک ہو گی۔" اُس نے اپنی نوکیلی انگلی اُس سیاہ پوش کی طرف اُٹھاتے ہوئے کہا۔ "تم اگر مجھے مسٹر مینڈک کہتے تو میں برا نہ مانتا... لیکن تم نے شمشیر سانبوجے کے مالک کی جنس بدل کر توہین کی ہے۔ یہ ایک ناقابلِ معافی جرم ہے۔"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"یہ خنجر سنانجو کیا شے ہے؟" مہکما اُڑانے والے نے ہنس کر دریافت کیا۔ "کلاسی کی بنی ہوئی کھلونا تلوار دکھائی ہے؟"

"وہ تمہارے ہاتھ میں پکڑی ہوئی تلواروں کی والدہ ماجدہ ہے۔" اُوشان نے فخریہ لہجے میں جواب دیا۔ "اور اس وقت سامنے والی الماری میں اپنی آرام دہ میان میں استراحت فرما رہی ہے۔"

"دیکھو... اگر وہاں کوئی تلوار ہے تو اُسے نکال لاؤ۔" لیڈر نے اپنے ایک ساتھی کو اشارہ کیا۔

اس سیاہ پوش نے جلدی سے اپنی تلوار پشت پر لٹکے ہوئے کے نیچے پوشیدہ میان میں ڈالی اور الماری کی طرف بڑھ گیا۔ الماری مقفل نہیں تھی۔ اس نے اُسے کھولا اور ایک بھاری بھرکم تلوار نکال لی۔ یہ تلوار خاصی وزنی تھی اور عام آدمی کے لیے اُسے اُٹھانے میں خاصی طاقت صرف کرنی پڑتی تھی۔ وہ تلوار اُٹھا کر لایا تو جو سیاہ پوش اُوشان کا مضحکہ اُڑا رہا تھا اُس کی آنکھوں میں پہلے تو حیرانی کے تاثرات پیدا ہوئے... پھر وہ قہقہہ لگا کر اُوشان سے مخاطب ہوا۔

"اس تلوار کو اُٹھانے والا تمہارا ملازم پہلوان کہاں ہے؟... یا پھر تم دونوں اسے مل کر اُٹھاتے ہو؟"

ٹائیگر کے ہونٹوں پر بڑی ہی شریر مسکراہٹ رقص کرنے لگی۔ اسے اس سیاہ پوش پر ترس آنے لگا۔ وہ جانتا تھا کہ شمشیر سنانجو آسمانی قہر ہے یہ اپنے دشمنوں پر آسمانی بجلی کی طرح کڑکتی اور چمکتی ہے اور پھر فضا میں خون ہی خون بکھر جاتا ہے۔ تلوار خاصی لمبی اور بے حد وزنی تھی جب کہ اُوشان دیکھنے میں ایک چھریرے جسامت کا مالک تھا۔ کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ ماسٹر آف سنانجو کی ظاہری حالت اس قدر مختصر اور ناتواں ہو گی۔

سیاہ پوش نے تلوار لیڈر کے ہاتھ میں تھما دی۔

لیڈر نے تلوار کو میان سے نکالا اور اُسے ہاتھ میں تولتے ہوئے کہا۔ "بہت وزنی تلوار ہے۔ اس کا وزن تمہارے وزن کے برابر ہو گا۔" اس نے اُوشان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "کیا تم اس تلوار کو استعمال کر سکتے ہو؟"

"تم نے اسے بے نیام کر کے اچھا نہیں کیا۔" اُوشان نے پُراسرار لہجے میں کہا۔ "اب یہ خون پیئے بغیر میان میں واپس نہیں جائے گی۔"

"ہاں... اور مجھے افسوس ہے کہ تم دونوں کے جسم میں اتنا لہو نہیں ہے کہ اس بڑی تلوار کی پیاس بجھ سکے۔" لیڈر غرایا۔ "اب جلدی جلدی بولنا شروع کر دو۔ ہو سکتا ہے کہ ہم تمہیں معاف کر دیں... لیکن اس کا انحصار اس بات پر ہے کہ تم دونوں ہم سے کس حد تک تعاون کرتے ہو۔"

اُوشان خاموش رہا۔ اس کی غیر متحرک آنکھیں سیاہ پوش لیڈر پر جمی ہوئی تھیں۔ ٹائیگر بھی خاموش رہا۔ وہ جانتا تھا کہ ان سیاہ پوشوں نے شمشیر سنانجو اور اُوشان کا مضحکہ اُڑا کر اپنی موت کے پروانے پر دستخط کر دیے ہیں... پھر اس تلوار کو بے نیام کرنا ایک ایسا جرم تھا جسے اُوشان کسی طرح بھی معاف نہیں کر سکتا تھا۔ اسے ان سیاہ پوشوں پر رحم آنے لگا جو موت کے دہانے پر کھڑے تھے اور نہیں جانتے تھے کہ آئندہ چند لمحوں میں ان کا کیا حشر ہونے والا ہے۔

"میں نے پوچھا تھا کہ تم کون ہو اور کس کے لیے کام کرتے ہو؟" لیڈر نے اپنا سوال دُہرایا۔

اُوشان اور شہزاد دونوں خاموش رہے۔

لیڈر اچانک ہی غضبناک ہو گیا۔ اس نے اپنی تلوار پشت پر لٹکے ہوئے پوشیدہ میان میں رکھ لی تھی اور اب وہ سنانجو کی شمشیر سنبھالے باری باری اُوشان اور ٹائیگر کو گھور رہا تھا۔ "بولو...!" اس کے لہجے میں کسی بھوکے کتے جیسی غراہٹ پیدا ہو گئی۔

تلوار پر اس کی گرفت سخت تر ہوتی گئی۔

"اس کوڑھے کو پکڑ کر میرے پاس لاؤ۔" لیڈر نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا۔

وہ سیاہ پوش اُوشان کی طرف بڑھے اور انھوں نے اُسے دونوں بازوؤں سے پکڑنا چاہا... لیکن اچانک ہی وہ اس کے قریب یوں کھڑے ہو گئے جیسے پتھر کے بن گئے ہوں۔ لیڈر یہ اس کا کوئی ساتھی یہ نہیں دیکھ سکا تھا کہ اُوشان کے ان دونوں ہاتھوں نے کیا حرکت کی ہے، جو بظاہر ان دو سیاہ پوشوں کی گرفت میں نظر آ رہے تھے۔

"اسے آگے لاؤ۔" لیڈر نے دہاڑ کر کہا۔

وہ دونوں ساکت کھڑے رہے۔ ان کے جسم شل ہو گئے تھے اور وہ اُوشان کے دونوں طرف باڈی گارڈوں کی طرح استادہ تھے جب ان کے قدموں میں کوئی حرکت پیدا نہ ہوئی تو لیڈر نے زیر لب کچھ کہا اور تلوار لے کر تیزی سے آگے بڑھا۔ غالباً اس کے ضبط کا پیمانہ لبریز ہو گیا تھا۔ اس نے تلوار لہرائی۔ وار اُوشان کی کھوپڑی پر کیا گیا تھا لیکن فرش پر کٹ کر گرنے والی کھوپڑیوں میں اُوشان کی کھوپڑی شامل نہیں تھی۔

وہ تو دیوار کے قریب کھڑا شمشیر سنانجو کا جائزہ لے رہا تھا جو نہ جانے کب اور کس طرح لیڈر کے ہاتھ سے نکل کر اس کے ہاتھ میں پہنچ گئی تھی۔

ٹائیگر نے کمرے میں کھڑی دو سیاہ پوش لاشوں کی طرف دیکھا جن کی گردنیں تن سے جدا ہو کر فرش پر پڑی تھیں اور جو اب بھی استادہ تھیں اور ان سے دو قدم کے فاصلے پر سیاہ پوش لیڈر اپنا دایاں کندھا، بائیں ہاتھ میں پکڑے کھڑا تھا۔ اس کی آنکھوں سے شدید ترین اذیت جھلک رہی تھی اور تعاب کا وہ حصہ جو اس کے مُنہ کے سامنے تھا۔ وہ بار بار سانس

کی وجہ سے اندر باہر پھیلتا ہوا سکڑ رہا تھا۔ غالباً حیرت اور بے یقینی سے اس کا مُنہ کھلا کا کھلا رہ گیا تھا۔

لیڈر کراہا تو اس کے باقی پانچ ساتھی جیسے ہوش میں آ گئے پہلے تو انھوں نے بھی حیرت کی زیادتی سے پھٹی ہوئی آنکھوں سے فرش پر خون اُگلتی ہوئی اپنے ساتھیوں کی دو کھوپڑیوں کی طرف دیکھا... پھر لیڈر کی طرف متوجہ ہوئے اور پھر تلواریں سونت کر ٹائیگر اور اُوشان کو گھیرے میں لے لیا۔

"انھیں قتل کر دو... ان کی گردنیں اُڑا دو۔" لیڈر نے پھنسی پھنسی آواز میں کہا۔ "اور اب مزید وقت ضائع نہ کرو۔"

دو سیاہ پوش اُوشان کی طرف لپکے۔ انھوں نے بیک وقت اس پر وار کیا۔

اُوشان کی تلوار لہرائی اور ان دونوں کی تلواروں کو اپنی تلوار پر روک لیا۔ شمشیر سنانجو کی دھار اتنی تیز تھی کہ حملہ آوروں کی تلواریں جیسے ہی اس سے ٹکرائیں، وہ یوں کٹ کر فرش پر گر گئیں جیسے وہ لوہے کی بجائے موم کی بنی ہوئی تھیں۔ دونوں حملہ آور ادھوری تلواریں لے کر خوفزدہ انداز میں پیچھے ہٹ گئے۔

وہ ماہر شمشیر زن تھے اور انھیں اپنی تلوار بازی پر بہت ناز تھا۔ لیکن جو کچھ سامنے آیا تھا، یہ سب کچھ غیر متوقع اور ناقابلِ یقین تھا۔ وہ یوں محسوس کرنے لگے جیسے جاگتی آنکھوں سے کوئی بھیانک سا خواب دیکھ رہے ہوں۔

قدم قدم چلتے ہوئے وہ پیچھے ہٹتے رہے حتیٰ کہ ان کی پشت دیوار سے لگ گئی اور وہ رُکنے پر مجبور ہو گئے۔

اُوشان اپنی جگہ کھڑا تھا۔ اس کی آنکھیں غیر متحرک تھیں اور وہ ان تینوں کو گھور رہا تھا جو ٹائیگر کے گرد کھڑے تھے۔ ان تینوں نے اپنے ساتھیوں کی تلواروں کا حشر دیکھا تو ٹائیگر کو چھوڑ کر تیزی سے اُوشان کی طرف لپک پڑے۔ انھوں نے یک طرفہ حملہ کرنے کی بجائے سہ رُخی حملہ کیا۔ ایک سامنے سے اور باقی دو فوراً دائیں اور بائیں جانب سے تلواریں سنبھالے ٹوٹ پڑے۔

ٹائیگر دلچسپی سے یہ منظر دیکھتا رہا۔

اُوشان اپنی جگہ سے نرمی سے اُچھلا۔ اس کا جسم یوں بلند ہوا جیسے کوئی پُرتوقار پرندہ فضا میں پروں کو پھڑپھڑائے بغیر بلند ہو رہا ہو۔ چھت سے چند انچ نیچے اُس کا رُخ بدلا اور پھر وہ فضا میں تیرنے کے سے انداز میں کمرے کے وسط کی طرف آیا جہاں ایک فانوس جھول رہا تھا۔ فانوس سے ایک فٹ دُور ہی وہ نیچے ہو گیا اور پھر فرش پر اس کے قدم ٹک گئے۔

تینوں حملہ آور شمشیر زن جھونک میں ایک دوسرے سے ٹکرا گئے۔ ان میں سے ایک کی تلوار پوری قوت سے سامنے والے کی کھوپڑی پر پڑی۔ کھوپڑی دو حصوں میں تقسیم ہو گئی جس شخص کی کھوپڑی پر قیامت ٹوٹی تھی، اس کی تلوار حملہ آور کے پیٹ... پھر چھاتی اور پھر یوں اندر اُتر کر پشت پر نکل گئی جیسے چھری مکھن کو کاٹ ڈالتی ہے تیسرا حملہ آور ان دونوں کے تصادم کی وجہ سے بال بال بچ گیا۔ اس کی تلوار معانقہ کرتے ہوئے اپنے ہی دو ساتھیوں کے درمیان لگی اور ان کے چاروں بازو کٹ کر فرش پر گر گئے جب کہ وہ خود بروقت اُچھلنے کے باعث، ان کے اوپر سے ہوتا ہوا سامنے والی دیوار سے جا ٹکرایا تھا۔

وہ دیوار سے ٹکراتے ہی سنبھل کر پلٹ پڑا لیکن اُسے اپنی تلوار استعمال کرنے کی حسرت ہی رہی۔ ابھی اس کا سر سے بلند ہاتھ فتوحی حالت میں پوری طرح گھوما بھی نہیں پایا تھا کہ اُسے یوں محسوس ہوا جیسے وہ پورے جسم کے ساتھ گھوم گیا ہو۔

جن دو سیاہ پوشوں کی تلواریں کٹ گئی تھیں، وہ چھوٹا شاگرد تھے اور ان کے انداز سے لگتا تھا جیسے وہ بھول ہی گئے ہوں کہ یہاں اپنے ساتھیوں کی موت کا تماشا دیکھنے نہیں بلکہ دو آدمیوں کو موت کے گھاٹ اُتارنے آئے تھے۔ ان کے پانچ آدمی اُن کی آنکھوں کے سامنے ایسی موت سے ہمکنار ہوئے تھے کہ انھیں اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ وہ تینوں پیچھے کھسکے۔ سیاہ پوش سر پیٹنے اور کھسکنے کی صلاحیت کھو بیٹھے تھے اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر کمرے میں موجود لاشوں، ٹائیگر اور اُوشان کی طرف دیکھ رہے تھے۔

اُوشان اس وقت ان کے چہرے سامنے سے ہٹ رہا تھا۔

یہ وہی شخص تھا جو دو آدمیوں کے تصادم سے بچ نکلا تھا اور پھر دیوار سے جا ٹکرایا تھا۔ وہ پلٹ کر جیسے ہی تلوار سے اُوشان پر حملہ آور ہوا تھا۔ اس کے ساتھیوں نے دیکھا کہ اس کی تلوار نے فوسی حالت میں حرکت شروع کر دی پھر ابھی تلوار آدھا راستہ ہی طے کر پائی تھی کہ وہ شخص خود بخود گھومنے لگا۔ اس دوران میں اُوشان نے اس کے پہلو میں صرف ایک ہلکی سی ٹھوکر ہی ماری تھی۔

اس ٹھوکر میں نہ جانے کیا تاثر تھا کہ وہ شخص تلوار سر سے بلند کیے کسی لٹو کی مانند گردش کرنے لگا اور پھر باقی ماندہ دونوں سیاہ پوشوں کے حلق سے ایک کراہ نکل گئی کیونکہ ان کے تیسرے زندہ ساتھی نے خود کو گھومتی ہوئی حالت سے روکنے کی کوشش کی تھی۔ وہ اس کوشش میں کامیاب بھی ہو گیا لیکن چونکہ اس کی تمام تر توجہ اپنی گردش پر تھی اس لیے وہ اپنے سر سے بلند ہاتھ اور اس میں دبی ہوئی تلوار کی طرف سے بے خبر ہو گیا تھا۔ وہ جیسے ہی رُکا، اُس کا دایاں ہاتھ حرکت میں آ

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

گیا... پھر وہ قوس مکمل ہو کر ایک دائرہ بنتی چلی گئی جو اس کے پورے جسم کے حرکت میں آتے ہی ادھوری رہ گئی تھی۔ تلوار دو الا ہاتھ تیزی سے سامنے سے نیچے آتا اور پھر تلوار کی نوک اس کی ناف پر ایک ساعت کے لیے رک کر اندر گھستی چلی گئی۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ اپنے دائیں ہاتھ پر قابو کھو بیٹھا ہو۔ تلوار نے اس کا پیٹ چاک کر دیا۔

وہ اوندھے منہ فرش پر گر پڑا۔

فرش پر گرتے ہی باقی ماندہ تلوار بھی اس کے پیٹ میں دھنس گئی اور دستے تک پہنچ کر رک گئی۔ اس کی پشت سے تلوار کا چوڑا بلیڈ نکلا ہوا نظر آ رہا تھا، وہ خون آلود تھا اور تلوار کے چمک دار بلیڈ پر خون کے قطرے ننھے ننھے یاقوتوں کی طرح چمکتے ہوئے نیچے کی طرف ڈھلک رہے تھے۔

اب صرف دو نقاب پوش باقی تھے۔

اُوشان ان کی طرف متوجہ ہوا "تم میں سے کون شمشیر زن سانجو کا عذاب اُتار رہا تھا؟" اس نے ان دونوں کو گھورتے ہوئے پوچھا۔

"وہ... وہ... وہ..." ایک سیاہ پوش کی انگلی اشارہ کرنے کے انداز میں متحرک ہوئی۔ اس نے پہلے قریب پڑی لاش کی طرف اشارہ کیا۔ پھر اس کی انگلی دوسری اور اس کے بعد تیسری لاش کی طرف سفر کرتی رہی۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ فیصلہ نہ کر پا رہا ہو کہ اُوشان کی بات کے جواب میں کس کو موردِ الزام ٹھہرائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی انگلی گردش کر کے اس ساتھی کی طرف اُٹھ گئی ہو اس کے قریب ہی کھڑا تھا۔

"بکواس مت کرو۔" اس کا ساتھی چیخ پڑا "وہ نہیں تھا۔"

اشارہ کرنے والے کی انگلی کا رُخ اس کی طرف سے ہٹ گیا لیکن اسی لمحے تھر تھر کانپتے ہوئے اس کے ساتھی نے آدھی کٹی ہوئی تلوار پوری قوت سے اُس کے سر پر دے ماری۔ تیز دھار حصہ کھوپڑی کو کاٹتا چلا گیا۔ اس نے جیسے ہی حملے کا آغاز کیا تھا، اُوشان نے چیخ کر اسے رکنے کے لیے کہا تھا لیکن اس وقت تک تلوار مقتول کے بالوں سے چھو چکی تھی اور پھر وہ اس کی کھوپڑی کو دو برابر حصوں میں صفائی سے کاٹتی چلی گئی تھی۔ یہ معاملہ یہیں پر ختم نہیں ہوا۔ وہ شخص شاید اپنے حواس کھو بیٹھا تھا۔ اس نے تلوار اپنے نرخرے پر پھیر لی اور کسی ذبح ہونے والے جانور کی طرح فرش پر گر کر تڑپنے لگا۔

"خس کم جہاں پاک!" اُوشان نے شمشیر میان میں واپس رکھتے ہوئے کہا۔

"سب مر گئے!" ٹائیگر نے مسکرا کر کہا۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے ان کا مرنا محض ایک بچکانہ کھیل رہا ہو جس سے وہ اب تک لطف اندوز ہو رہا تھا... لیکن یہ کیفیت زیادہ دیر برقرار نہ رہی۔ "بہت برا ہوا ان میں سے ایک آدھ کو زندہ رہنا چاہیے تھا۔"

"تاکہ وہ دوسروں کی تجہیز و تکفین میں ہماری مدد کر سکتا۔" اُوشان نے قہقہہ لگا کر کہا۔ "ویسے اتنی جلدی شمشیر سانجو یا ماسٹر کا مذاق اُڑانے والوں کو پہلے کبھی سزا نہیں ملی۔ آج تو کمال ہی ہو گیا۔ یوں لگتا تھا جیسے یہ سب کے سب ایک دوسرے کے دشمن ہو گئے ہوں۔"

"اب ایسا بھی انکسار نہ دکھایئے۔" ٹائیگر نے کہا۔ "میں سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ ویسے ایک بات تو بتایئے، وہ شخص تلوکی طرح گھومتا ہوا خود کو کیسے ہلاک کر بیٹھا تھا؟"

"اسے چھوڑو... تم تو صرف یہ بتاؤ کہ جب وہ تینوں شمشیر زن میری طرف لپک رہے تھے، اُن تین چار لمحوں میں تمہاری توجہ صرف میری ذات پر کیوں مرکوز ہو گئی تھی... اگر ان لمحوں میں کوئی تلوار باز چلتے چلتے یونہی ہاتھ بھی لہرا دیتا تو تمہارے جسم کا دایاں حصہ اس کی تلوار کی زد میں ہوتا... آخر تم یہ لاابالی پن کب ترک کرو گے؟"

"کک... کیا مطلب؟" ٹائیگر حیرت زدہ رہ گیا۔

اگرچہ وہ اپنی تربیت کے اعتبار سے تکمیل کے آخری مرحلے میں داخل ہو گیا تھا لیکن اُوشان جانتا تھا کہ اسے حیرت زدہ کر کے ہی چھوڑتا تھا۔ وہ ایک طویل سانس لے کر رہ گیا۔ اُوشان نے غلط نہیں کہا تھا ان لمحوں میں وہ واقعی غافل ہو گیا تھا اور اس بھول میں غفلت کا دوسرا نام ہمیشہ ناقابلِ تلافی نقصان ہی ہوتا ہے۔ کوئی بھی شمشیر زن اسے جاتے جاتے چرکا لگا سکتا تھا... اسے یاد تھا کہ ان لمحوں میں وہ یہ دیکھنے کے لیے اُوشان کی طرف متوجہ ہو گیا تھا کہ وہ اپنے دفاع کے لیے کون سا انداز اختیار کرتا ہے اور کس تیکنیک سے جوابی کارروائی کرتا ہے۔

اُوشان نے جو تیکنیک اختیار کی تھی وہ اس کے لیے نئی نہیں تھی اور نہ ہی وہ انداز نیا تھا لیکن اپنے استاد کی کارکردگی اُسے ہمیشہ ہی مسحور کر دیتی تھی۔ اسی وجہ سے اس نے اُن آٹھوں میں سے ایک پر ہاتھ نہیں اُٹھایا تھا۔ بہت عرصے بعد شمشیر زنی کا منظم دیکھنے کو ملا تھا لیکن آنے والے معمولی تلوار باز ہی ثابت ہوئے تھے۔ ان میں سے کوئی بھی ماہر فن نہیں تھا ورنہ جنگ دیکھنے کا حقیقی لطف آتا۔

ٹائیگر نے ندامت آمیز انداز میں اُوشان کی طرف دیکھا "سوری ٹیل فادر!" اس نے دھیمی آواز میں معذرت کر لی۔

اُوشان کے ہونٹوں پر شفقت آمیز مسکراہٹ آ گئی "تمہیں معاف کیا جا سکتا ہے... کیونکہ اس لاپروائی کے لمحوں میں تم نے یقیناً کچھ نہ کچھ سیکھا ہے۔"

"مجھے معاف کرنے کی کوئی شرط تو نہیں ٹیل فادر؟" ٹائیگر نے کراہ کر پوچھا کیونکہ اسے شبہ تھا کہ اُوشان اسے کوئی کڑی مشق کرنے کی سزا دینے کا ارادہ نہ کر لے۔

"ہاں، شرط تو ہے۔" اُوشان کے لہجے میں شرارت تھی "تمہیں یہ انسانی لاشوں کا کوڑا کرکٹ اُٹھانا پڑے گا۔" اس نے انگلی سے فرش پر بکھری ہوئی لاشوں کی طرف اشارہ کیا "فرش اور قالین کی دھلائی بھی ہو گی۔ کیں ایسے ماحول میں سانس بھی نہیں لے سکتا۔ موت انفرت، خوف اور دہشت کے تاثرات اس کمرے کی فضا میں منجمد ہو کر رہ گئے ہیں۔ جب تک تم یہ کام کرو، میں غسل کر کے آتا ہوں۔" یہ کہہ کر اُوشان نے بڑی محبت سے اپنی شمشیر کے دستے پر ہاتھ پھیرا۔ شمشیر سانجو کے دستے پر بہت سے جواہرات جڑے ہوئے تھے جن سے انعکاسِ نور کے باعث بڑی ہی اثر انگیز لہریں پھوٹتی محسوس ہو رہی تھیں۔

اُوشان نے شمشیر الماری میں واپس رکھ کر اسے بند کر دیا اور غسل خانے کی طرف بڑھ گیا۔

ٹائیگر نے گھڑی کی طرف دیکھا۔

صبح ہونے میں اب زیادہ دیر نہیں تھی۔ کھڑکی سے پار وہ آسمان پر پھیلی سحر کی خفیف سی نکیر مسمار بھانپنے لگی تھی۔ اس نے ایک طویل سانس لی اور قالین کا ایک کونا پکڑ کر لاشوں کو اس کے درمیان جمع کرنے لگا۔

سات سیاہ پوشوں کی لاشیں قالین کے درمیان ڈھیر کر کے وہ چند لمحوں تک ان کی طرف دیکھتا رہا... پھر مراقبہ سا بنا کر آٹھویں لاش کی طرف متوجہ ہو گیا۔ یہ آٹھویں، ساکت لاش ان سیاہ پوشوں کے لیڈر کی تھی۔ اس کے قریب پہنچ کر ٹائیگر چونکے بغیر نہ رہ سکا۔ وہ اسے تو فوراً ہی پہچان گیا تھا۔ اس نے گہری نظر سے لیڈر کی طرف دیکھا بظاہر تو وہ کسی لاش کی مانند بے حس و حرکت ہی پڑا رہا تھا لیکن ٹائیگر نے محسوس کر لیا کہ وہ زندہ ہے۔ وہ اس کے قریب پہنچ کر رک گیا۔

"اگر تم زندہ ہو تو اُٹھ جاؤ۔" ٹائیگر نے کہا۔

لیڈر کے جسم میں خفیف سی حرکت بھی پیدا نہ ہوئی۔

"اور اگر تم مُردہ ہو تو اسی طرح پڑے رہو۔ میں تمہیں بھی باقی لاشوں کے ساتھ باندھ کر دریا برد کر دوں گا۔" اس بار ٹائیگر کا لہجہ خاصا خشک تھا۔

معاً لیڈر کے حلق سے ایک کراہ نکل گئی۔

"ویری گڈ... ہوش میں آنے کی یہ ادا اگرچہ بہت پرانی ہے لیکن مجھے پسند آئی۔" ٹائیگر نے کہا "اب اُٹھ جاؤ اور بتاؤ کہ تم ناشتے میں کیا پسند کرتے ہو۔ اُوشان تو اپنی شمشیر کو ڈنر کرانے کے بعد غسل کرنے چلا گیا ہے جب کہ میری انگلیاں پیاسی ہیں۔ یقین کرو، ہفتے میں ایک لیٹر خون سے انگلی آرام سے پی لیتی ہے۔"

لیڈر ایک بار پھر کراہا اور اُٹھ کھڑا ہوا۔

اس کی آنکھوں میں اب بے پناہ دہشت تھی۔ وہ ٹائیگر کی طرف رحم طلب نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"تم مجھ سے کچھ پوچھنے آئے تھے۔" ٹائیگر نے کہا۔ "بولو وہ کیا کیا سوال تھے؟"

"مم... میں... میں..." وہ ہکلا کر رہ گیا۔

"اس زبان میں بات کرو، جو میری سمجھ میں بھی آ سکے۔" ٹائیگر کا لہجہ ناخوشگوار تھا۔ "میرا خیال ہے پہلا سوال یہ تھا کہ میں کون ہوں اور کس کے لیے کام کرتا ہوں۔" اس نے تضحیک آمیز انداز میں سیاہ پوشوں کی طرف دیکھا "یہی سوال تھا نا؟ تو جواب یہ ہے کہ میں ایک گرکھی فوج ہوں جہاں فوج کا پورا ایک دستہ کارآمد ثابت نہیں ہوتا، وہاں میں کام کر گزرتا ہوں... اگر تم میرے مثل خاور کو بھی شامل کر لو تو یہ دو گرکھی فوج ہو جاتی ہے لیکن اس طرح ہم پوری ایک ڈویژن فوج کے برابر کارکردگی دکھانے کے قابل ہو جاتے ہیں، سمجھ گئے۔ رہا تمہارے سوال کا دوسرا حصہ... تو ظاہر ہے ہم حکومت کے لیے کام کرتے ہیں... لیکن صرف اس ملک کی حکومت کے لیے نہیں... بلکہ دنیا کی ہر اس حکومت کے لیے جو ہماری خدمات کی طلب گار ہوتی ہے۔"

"اوہ... تو تم کرائے کے گوریلے ہو؟" سیاہ پوش پہلی بار بولا اور

ایک نوجوان کی عجیب داستان
جو اپنی یادداشت کھو بیٹھا تھا
گم کردہ
یعقوب جمیل کے قلم سے
خوبصورت سرورق، بہترین طباعت و کتابت
قیمت =/100 روپے
مکتبہ القریش
سرکلر روڈ اردو بازار لاہور
7668958

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

اس نے فوراً ہی کراہ کر اپنا دایاں کندھا بائیں ہاتھ کے پنجے میں جکڑ لیا۔

"تم شاید انگریزی فلمیں بہت زیادہ دیکھتے ہو۔" ٹائیگر نے برا سا منہ بنا کر کہا۔ "کیا تمہیں کوئی اور اچھی سی مثال نہیں آتی؟"

سیاہ پوش نے نظریں جھکا لیں۔

"بس اب پردہ پوشوں جیسا انداز اختیار مت کرو اور شروع ہو جاؤ۔"

"مم... میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔" ٹائیگر ہکلانے لگا۔

"تم کون ہو اور تمہیں یہاں کس نے بھیجا ہے؟" ٹائیگر نے سوال کیا۔

"میں ایک عام سا مہرہ ہوں۔" سیاہ پوش نے ایک ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ "اور جس کسی نے بھی مجھے یہاں بھیجا ہے میں اس کے بارے میں تمہیں کچھ نہیں بتا سکتا کیونکہ...!"

"شٹ اپ! تم ابھی سب کچھ بتا دو گے۔" ٹائیگر غرایا۔ "لیکن یاد رکھو پھر میں تمہاری بات نہیں سنوں گا۔"

"یقین کرو میں کچھ بھی نہیں بتا سکتا۔" سیاہ پوش گڑگڑایا۔

"وہ کیوں؟" ٹائیگر نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"وہ مجھے جان سے مار ڈالیں گے۔" وہ روہانسے والی آواز میں بولا۔

"اور تمہارا کیا خیال ہے میں نے تمہیں یہاں رومانی مکالموں کی ریہرسل کے لیے روک رکھا ہے۔ ہوش کے ناخن لو فرزند! اپنے ان ساتھیوں کی طرف دیکھو۔ کیا یہ تمہیں عبرت ناک موت سے ہمکنار و کھائی نہیں دیتے؟ یا تم اسے بھی مذاق سمجھ رہے ہو۔ اگر ایسی بات ہے تو ان سب کو پکار کر کہو اور ان کے ساتھ ٹھنڈے ٹھنڈے رخصت ہو جاؤ۔"

سیاہ پوش الجھن میں پڑ گیا۔

اچانک اوشان باتھ روم سے نکلا تو اس کے حلق سے ایک تیز آمیز چیخ نکل گئی۔ ٹائیگر نے عقب میں دیکھا۔ اوشان کی آواز نے اسے لمحاتی بوکھلاہٹ میں مبتلا کر دیا۔ سیاہ پوش نے اس خفیف سی غفلت سے بھرپور استفادہ کیا۔ اس نے سر جھکایا اور پوری قوت سے ٹائیگر کے پیٹ میں ایک ٹکر مار دی... اور پھر اس کے حلق سے ایک گھٹی گھٹی سی چیخ نکل گئی۔ اگلے ہی لمحے وہ دونوں ہاتھوں سے اپنی کھوپڑی سنبھالے فرش پر ڈھیر ہو رہا تھا۔

ٹائیگر اس وقت کسی تھپیڑے کے مجسمے کی طرح ساکت تھا۔ اس کے پیٹ کے عضلات میں زبردست تناؤ تھا... اور اس احمق نے پوری طاقت سے اپنی کھوپڑی اس کے پیٹ سے ٹکرا دی تھی جس کے نتیجے میں اس کی گردن ٹوٹ گئی اور دماغ میں اتنی زبردست چوٹ لگی کہ وہ ایک پل میں اپنے ساتھیوں کی طرح حقیقی لاش میں تبدیل ہو گیا۔

"آپ کو کیا ہو گیا تھا لیفٹیننٹ فادر؟" ٹائیگر نے اوشان سے چیخنے کی وجہ دریافت کی۔

"اوہ، کچھ نہیں۔ میں سمجھا تھا کہ شاید تم نے کوئی ایک آدھ لاش زندہ کر لی ہے اور اس کا انٹرویو لے رہے ہو۔" اوشان نے کہا اور ٹائیگر برا سا منہ بنا کر لاشیں سمیٹنے میں مصروف ہو گیا۔

✱

بہرام نے تھکے تھکے سے انداز میں انگڑائی لی۔

وہ رات بھر جاگتا رہا تھا اور اب اس کے اعصاب میں خاصی کشیدگی پیدا ہو گئی تھی۔ اس نے نرمی سے آنکھیں بند کر لیں۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کی کھوپڑی کا ہر حصہ اور دماغ پتھر کا ہو گیا ہو۔

اس بار چارہ گر کو بڑی ہی خوفناک صورتِ حال کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ شہر میں چند روز کے اندر اندر اتنی قتل و غارت گری ہو گئی تھی کہ ملک بھر میں کہرام برپا ہو گیا تھا۔ افسوس کی بات یہ تھی کہ قتل ہونے والے زیادہ تر لوگوں کا تعلق غیر ملک کے سفارت خانوں سے تھا۔ اس پر پوری دنیا میں بے چینی کی لہر دوڑ گئی تھی۔ مختلف قسم کی قیاس آرائیاں ہونے لگی تھیں۔ شدید غم و غصے کا اظہار ہونے لگا تھا اور بعض ملکوں کا احتجاج تو ایک طرح سے اعلانِ جنگ کے مترادف لگ رہا تھا۔

ہر ملک یہ تقاضا کر رہا تھا کہ قاتلوں کو ان کے حوالے کیا جائے۔

اس صورتِ حال سے صدرِ مملکت بے حد پریشان تھے۔

ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے اور کیوں ہو رہا ہے۔ اس بات کا تو انھیں یقین تھا کہ یہ ساری کارستانی دہشت پسندوں کی ہے لیکن وہ لوگ کیا چاہتے ہیں اس کا ابھی تک پتہ نہیں چل سکا تھا۔ انھوں نے فرداً فرداً تمام محکموں کے سربراہوں سے معلوم کیا تھا کہ دہشت پسندوں نے ان سے کوئی مطالبہ تو نہیں کیا؟ ان کا خیال تھا کہ اگر دہشت پسند کوئی مطالبہ پورا کروانا چاہتے ہیں تو سر دست اسے پورا کر کے قتل و غارت گری کا یہ سلسلہ روک دیا جائے۔ بعد میں دہشت پسندوں سے بہ آسانی نمٹا جا سکتا تھا... لیکن کسی بھی محکمے کے سربراہ نے جواب مثبت انداز میں نہیں دیا تھا۔ گویا دہشت پسندوں نے ابھی تک کسی سے رابطہ قائم نہیں کیا تھا۔

اچانک بہرام کے ایک فون کی گھنٹی بجنے لگی۔

سناٹے میں یہ آواز بے حد خوفناک لگ رہی تھی۔ اس نے چونک کر آنکھیں کھول دیں۔ ہنگامی حالات کے پیشِ نظر اس نے صدرِ مملکت کے لیے عارضی طور پر ایک فالتو لائن کا بندوبست کر دیا تھا تاکہ وہ بوقتِ ضرورت اس سے رابطہ قائم کر سکیں۔ اس

وقت جس فون کی گھنٹی بج رہی تھی، اس کا تعلق صدرِ مملکت ہی سے تھا۔

بہرام نے تھکے تھکے سے انداز میں رسیور اٹھا لیا۔ "ہیلو... ڈاکٹر بہرام۔" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"پریذیڈنٹ دس سائیڈ۔" صدرِ مملکت کی آواز گونجی۔ "کل رات بھی تین قتل ہو گئے ہیں۔"

"جی ہاں... میں سن چکا ہوں۔"

"تم کیا کر رہے ہو؟" صدرِ مملکت کی آواز میں جھلاہٹ تھی۔

"میں مصروف ہوں جناب۔" بہرام نے اطمینان سے جواب دیا۔ "کام ہو رہا ہے۔"

"تمہاری مصروفیت اور اس کام کا نتیجہ کیا ہے؟ میں وہ سننا چاہتا ہوں۔" اس بار صدرِ مملکت کے لہجے میں ایسا تاثر تھا جیسے احساسِ بے بسی سے ان کی آواز بھرا رہی ہو۔

"میرے آدمی سر توڑ کوشش کر رہے ہیں، جلد ہی کوئی نتیجہ بھی سامنے آ جائے گا۔"

"اس بار تمہارے آدمی ناکارہ ثابت ہو رہے ہیں۔" صدرِ مملکت نے سخت ترین لہجے میں کہا۔

"میرا خیال آپ سے مختلف ہے۔" بہرام نے کہا۔ "اگر ایسی بات ہوتی تو گزشتہ رات تین کی بجائے تیس وارداتیں ہوتیں۔"

"کیا کہہ رہے ہو۔ تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا؟" صدرِ مملکت کے لہجے میں کسی ناقابلِ فہم جذبے کا تاثر تھا۔

"جو لوگ ان سر کٹی لاشوں کے ذمے دار ہیں، ان میں سے آٹھ آدمیوں کی ٹیم کو ٹھکانے لگا دیا گیا ہے۔"

"تمہارا مطلب ہے، وہ سب کے سب مارے گئے۔ کیا انھوں نے مرنے سے قبل کچھ بتایا تھا؟"

"جی نہیں... وہ اس نوبت کو پہنچنے سے قبل ہی موت کے گھاٹ اتر گئے تھے۔"

"اوہ... احمق۔ تمہارے ان احمق آدمیوں کو چاہیے تھا کہ ان میں سے ایک دو کو زندہ رہنے دیتے تاکہ ان سے معلومات حاصل کی جا سکتیں۔"

بہرام خاموش رہا۔

"تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔" صدرِ مملکت کا لہجہ بے حد خشک تھا۔

اس بار بھی بہرام نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اسے ٹائیگر اور اوشان کے سلسلے میں، ان کے بتصرے سے دکھ ہوا تھا اور وہ بطورِ احتجاج خاموش ہو گیا تھا۔

اچانک لائن پر ایک نسوانی آواز ابھری۔ "ہیلو... ثمینہ... ہیلو، کہو بھئی کیسی ہو؟"

"کون بول رہا ہے؟" صدرِ مملکت کی دہاڑ سے لائن کانپ گئی۔

"تم کون ہو؟" جواباً اس عورت نے کہا۔

"میں جو کوئی بھی ہوں، اسے بھول جاؤ اور فون بند کر دو۔" دوسری طرف سے عورت نے گویا منہ چڑا کر کہا۔ "میں نے کال کی ہے اور میں ثمینہ سے بات کرنا چاہتی ہوں۔"

اچانک ہی فون پر ایک اور آواز ابھری۔ "میں ثمینہ بول رہی ہوں۔ کون ہے؟"

"ہائی ثمینہ کہو کیسی ہو؟ تمہارے چھوٹے بچے کا اب کیا حال ہے؟" پہلی عورت نے چہک کر کہا۔

"بہرام...!" صدرِ مملکت نے جھلائی ہوئی آواز میں کہا۔ "یہ کیا ہو رہا ہے؟"

"ارے... یہ کون ہے؟" ثمینہ کی تحیر زدہ آواز لائن پر سنائی دی۔

"معلوم نہیں۔" پہلی عورت نے کہا۔ "ان مردوں کو نہ جانے عورتوں کی کالیں سننے کا کیا شوق ہے۔ آپریٹر۔ لائن سے ہٹ جاؤ۔"

"میں آپریٹر نہیں ہوں۔" صدرِ مملکت کی آواز غصے سے پھٹ گئی۔

"تم کوئی بھی خان سہی لیکن لائن سے ہٹ جاؤ۔" وہی عورت غرانے لگی جس کی آواز سب سے پہلے فون پر ابھری تھی۔

"مسز ارشد...!" ثمینہ نے جلدی سے کہا۔ "چھوڑو۔ کیوں اس کے منہ لگ رہی ہو۔ اور ہاں۔ پرسوں رات مسز برہان کے ہاں ہونے والی دعوت کیسی رہی... بھئی مجھے تو خاک لطف نہیں آیا۔ انھوں نے غیر ملکی کھانوں کے نام پر نہ جانے کیا الا بلا پکا کر کھلا دیا۔ میرے پیٹ میں ابھی تک تکلیف ہے۔"

"خواتین!" پریذیڈنٹ نے خود پر قابو پاتے ہوئے انھیں ایک بار پھر سمجھانے کی کوشش کی۔ "براہِ کرم فون بند کر دیں۔ میں اس وقت ایک بے حد ضروری بات چیت میں مصروف ہوں۔ آپ کی مداخلت نے سب کچھ غارت کر دیا۔"

"مداخلت ہم نے نہیں، تم نے کی ہے۔" مسز ارشد نے کہا۔ "اگر تم سامنے ہوتے تو میں تمہارا منہ نوچ لیتی۔ کال میں نے کی تھی تم لائن پر کیوں اڑے ہوئے ہو؟"

"میں پہلے سے بات کر رہا تھا۔" صدرِ مملکت نے زچ ہو

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

فرلبا... بہرام..."

"بلالو... بہرام ڈاکو چھوڑ تم سلطانہ ڈاکو سے بھی آنے کے لیے کہہ دو۔ میں کسی سے نہیں ڈرتی... اب مداخلت نہ کرنا ورنہ وہ سناٹوں گی کہ پودہ طبق روشن ہو جائیں گے۔ ہاں۔"

"بہرام... تم کیوں خاموش ہو؟" صدر مملکت نے بدمزگی سے کہا۔ "ان خواتین سے کہو کہ یہ لائن سے ہٹ جائیں۔"

"واہ! یہ بھی خوب رہی ہم کیوں ہٹ جائیں۔ تم خود کیوں نہیں دفعان ہو جاتے۔"

"میں پریذیڈنٹ بول رہا ہوں۔" صدر مملکت نے مسز ارشد کو مرعوب کرنے کے لیے کہا۔

"اچھا..." مسز ارشد ہنس پڑی۔ "کسی یتیم خانے کے..."

"شٹ اپ۔" صدر مملکت کی دہاڑ خوفناک تھی۔ "میں اس ملک کا صدر بول رہا ہوں اور تمہیں حکم دیتا ہوں کہ لائن سے ہٹ جاؤ ورنہ..."

"زیادہ شور مت مچاؤ۔ صدر مملکت تم جیسے سیکڑوں نہیں ہو سکتے۔ تم لائن سے ہٹتے ہو یا میں شروع کروں بے نقط سنانی..."

"اوہ، مائی گاڈ۔ ان عورتوں نے تو زندگی اجیرن کر دی ہے۔" صدر مملکت کے لہجے میں بے بسی تھی۔ "بہرام... کیا تم لائن پر موجود ہو؟"

"جی ہاں... میں سن رہا ہوں۔" بہرام نے جواب دیا۔

"مسز برلان نے جو ساڑھی پہن رکھی تھی۔" مسز ارشد کی آواز ابھری۔ "میرا خیال ہے، وہ اس نے حال ہی میں لنڈے بازار سے خریدی ہے۔"

"وہ تو کہہ رہی تھی کہ کینیڈا سے آئی ہے۔" ثمینہ نے جواب دیا۔

"بہرام... اپنے آدمیوں سے کہو کہ وہ اس معاملے کو جلد از جلد نمٹا دیں۔" صدر مملکت نے کہا۔

"اس نے جھوٹ نہیں کہا۔" مسز ارشد نے مسترم قہقہہ لگا کر کہا۔ "وہ گانٹھ لنڈے بازار میں کینیڈا سے آئی ہو گی۔"

"میں تو مسز ہنول کے اس ہار پر لٹو ہو رہی تھی جسے ان کے شوہر نے گفٹ کیا تھا۔" ثمینہ بولی۔

"میں نے ارشد صاحب سے کہا ہے کہ وہ مجھے..."

"خواتین... پلیز میری بات سنیں۔" صدر مملکت نے التجائیہ انداز اختیار کر لیا۔ "میں اس وقت ملکی سالمیت کے سلسلے میں ایک اہم بات چیت کر رہا ہوں۔ براہ کرم اپنے یہ تبصرے کسی اور وقت کے لیے اٹھا رکھیں۔ میں جھوٹ نہیں بول رہا... میں واقعی پریذیڈنٹ ہی بول رہا ہوں۔"

جواباً پہلے مسز ارشد ہنسی... پھر ثمینہ کے قہقہے سے لائن جھن جھنا گئی۔

"بہرام۔ ان خواتین کو بتاؤ کہ میں ٹھیک ہی کہہ رہا ہوں۔"

"خواتین..." بہرام نے بھاری آواز میں کہا۔ "براہ کرم لائن سے ہٹ جائیں۔ یہ ایک سرکاری نوعیت کی کال ہے۔"

"اچھا..." مضحکہ اڑانے والے انداز میں کہا گیا۔ "ویسے تم کس ملک کے صدر مملکت ہو؟" مسز ارشد نے دریافت کیا۔

"میں پریذیڈنٹ نہیں ہوں۔"

"اوہ، خدا کا شکر ہے۔" ثمینہ نے اس بات پر تبصرہ کیا۔

"میں ایک ڈاکٹر ہوں۔" بہرام نے کہا۔ "اور میں درخواست کرتا ہوں کہ..."

"بہتر ہو گا... فی الحال اپنے فون کا علاج کراؤ۔" مسز ارشد نے کہا۔ "لائن سے ہٹ جاؤ۔"

"جناب..." بہرام نے بے بسی سے کہا۔ "یہ خواتین پسپا ہونے پر آمادہ نہیں۔ بہتر ہو گا کہ ہم..."

ثمینہ اور مسز ارشد کا مشترکہ قہقہہ بلند ہوا۔

"ٹھیک ہے، میں کچھ دیر بعد دوبارہ کال کروں گا۔" صدر مملکت نے جواب دیا۔

"اور جب دوبارہ کال کرو تو آنکھیں کھلی رکھ کر نمبر ڈائل کرنا۔" مسز ارشد نے مشورہ دیا۔

"شٹ اپ۔" صدر مملکت گرج اٹھے۔

"اے، مُنہ سنبھال کر... ورنہ ایسا جواب دوں گی کہ سُن کر کھوپڑی اُڑ جائے گی۔"

"تمہیں خدا سمجھے..." صدر مملکت نے یہ کہتے ہوئے جھٹ کر ریسیور پٹخ دیا۔ دوسری طرف سے مسز ارشد نے ان کی شان میں جو کچھ کہا تھا، اس کا انہوں نے صرف ابتدائی حصہ ہی سنا تھا اور کھوپڑی میں جھنجھناہٹ پیدا کرنے کے لیے وہی کافی تھا۔ وہ دیر تک فون کو گھورتے رہے... پھر انہوں نے سگار نکال کر سُلگایا اور اُسے دو تین گہرے گہرے کش لگا کر ایش ٹرے پر رکھ دیا۔ انہوں نے ایک بار پھر ریسیور اُٹھایا اور جلدی سے واپس رکھ دیا کیونکہ ثمینہ اور مسز ارشد اب بھی لائن پر مصروف تھیں۔ انہوں نے سگار اُٹھایا اور بڑبڑاتے ہوئے اُسے منہ کی طرف اُٹھایا تو جلدی سے پیچھے ہٹا لیا۔ اگر بروقت ایسا نہ کرتے تو یقیناً سگار کا جلتا ہوا گوشہ اُن کے ہونٹوں سے چھو گیا ہوتا اور ہونٹ

بُری طرح جل گئے ہوتے۔ جھلاہٹ میں انہیں خیال ہی نہیں رہا تھا کہ انہوں نے سگار غلط انداز میں اُٹھا لیا ہے۔

صدر مملکت کے آفس میں اس وقت اُن کے علاوہ کوئی بھی موجود نہیں تھا۔ انہوں نے کچھ دیر قبل سکرٹری سے فون پر کہہ دیا تھا کہ رات تک طے شدہ تمام ملاقاتیں منسوخ کر دی جائیں اور کسی بھی حالت میں انہیں ڈسٹرب نہ کیا جائے حتیٰ کہ وہ خود ہی دفتر سے باہر نہ آ جائیں۔ یہ حکم دیئے ہوئے انہیں پورے دو گھنٹے ہو گئے تھے جس میں ڈیڑھ گھنٹہ انہوں نے دہشت پسندوں کی وارداتوں کے سلسلے میں، مختلف محکموں کے سربراہوں سے بات چیت کرتے ہوئے گزارا تھا اور آخری نصف گھنٹے میں سے چند منٹ بہرام سے باتیں کرنے یا پھر ان خواتین کی وجہ سے پیدا ہونے والی بدمزگی میں گزار دیے اور اب وہ تھوڑے تھوڑے وقفے سے ریسیور اُٹھا کر بہرام سے رابطہ قائم کرنا چاہتے تھے لیکن لائن پر ابھی تک ان عورتوں کی باتوں کا سیلاب تھا۔

انہوں نے جھنجھلاتے ہوئے ایک بار پھر ریسیور اُٹھایا تو لائن خاموش تھی۔ وہ دل ہی دل میں کلمۂ شکر بجا لائے اور جلدی جلدی بہرام کا نمبر ڈائل کرنے لگے۔

جلد ہی دوسری طرف سے بہرام کی آواز سنائی دے گئی۔

"یہ کیسی لائن ہے؟ اس میں جو بھی نقص ہے اُسے فوری طور پر دُور کرایا جائے۔" صدر مملکت نے بدمزگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "ٹیلی فون ڈیپارٹمنٹ کیا کر رہا ہے۔ مجھے اس سلسلے میں پہلے بھی کئی شکایات موصول ہو چکی ہیں۔"

"مجھے افسوس ہے جناب!" بہرام نے کہا۔ "یہ محکمہ میری دسترس سے دُور ہے۔ اس کے لیے تو آپ خود ہی کوئی براہِ راست ایکشن لے سکتے ہیں۔"

"خیر..." انہوں نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "کیا تم جانتے ہو کہ جن ممالک کے سفارت کار ہلاک ہوئے ہیں ان ملکوں نے کیا تقاضا کیا ہے؟"

"جی ہاں۔ وہ چاہتے ہیں کہ قاتلوں کو ان کے حوالے کر دیا جائے۔" بہرام نے کہا۔ "لیکن قاتل ابھی تک نامعلوم ہیں۔ اُن کے مقاصد نامعلوم ہیں اور..."

"کیا تمہارے ذہن میں ایک بھی ایسی وجہ نہیں آتی جسے ان وارداتوں کی بنیاد قرار دیا جا سکے؟"

"نہیں... مسٹر پریذیڈنٹ! سوائے دہشت پسندی کی تلکین کے کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔"

"تم کہہ رہے تھے کہ گزشتہ رات جو وارداتیں ہوئیں، ان کی تعداد بڑھ بھی سکتی تھی۔ میں اس بات کا مطلب نہیں سمجھ سکا۔ کیا تم یہ کہنا چاہتے تھے کہ جو آدمی تمہارے آدمیوں کے ہاتھوں مارے گئے، اگر وہ زندہ ہوتے تو مزید اموات بھی متوقع تھیں؟"

"جی ہاں..." بہرام نے جواب دیا۔

"گویا اُن لوگوں کی موت کے بعد اب سکون رہے گا؟" صدر مملکت نے ایک موہوم سی اُمید کا دامن تھامتے ہوئے سوال کیا۔

"یہ بھی ممکن ہے کہ ان کے پاس مزید دہشت پسند ہوں۔" بہرام نے کہا۔ "اور اگر ان کی تعداد آٹھ ہی تھی تو یقیناً اس سلسلے میں کسی اور وارداتوں کی توقع نہیں کی جا سکتی۔"

"خدا کرے کہ ایسا ہی ہو... میں اس سلسلے میں بے حد پریشان ہوں اور عالمی سطح پر ہماری پوزیشن خاصی خراب ہو رہی ہے لہٰذا جس طرح اور جس قدر بھی جلد ممکن ہو سکے، اس معاملے کو نمٹا دو۔ یہ تمہارا قومی فرض ہے... لیکن میں اس سلسلے میں ذاتی طور پر بھی تمہاری خدمات کو سراہوں گا۔"

"میں اپنی طرف سے ہر ممکن کوشش کر رہا ہوں، جناب۔" بہرام نے جواب دیا۔

"گڈ لک... میں کسی خوشخبری کا بے چینی سے منتظر رہوں گا۔" پریذیڈنٹ نے کہا اور سلسلہ منقطع کر دیا۔

*

ٹائیگر بے حد حیران تھا۔

برسوں بعد اس نے اُوشان کو اپنے روایتی لباس میں دیکھا اس وقت وہ دونوں لبِ سمندر واقع ایک عالیشان کیبن کی طرف بڑھ رہے تھے جہاں ان کی ایران کے سفیر سے ملاقات طے تھی۔ ٹائیگر حیران تھا کہ آخر اُوشان کو اس ملاقات کے لیے اتنا بننے سنورنے کی کیا ضرورت تھی۔ لیکن اُوشان آج بھی اس کے لیے ایک ناقابلِ فہم ہستی تھی۔ وہ اسے پوری طرح نہیں سمجھ سکا تھا حالانکہ وہ برسوں سے اس کا شاگرد تھا اور اب اس کا فن بڑی حد تک ٹائیگر کو منتقل ہو چکا تھا۔

ٹائیگر نے محسوس کیا کہ اُوشان بے حد خوش بھی ہے۔ اس خوشی کی وجہ ایران کے سفیر سے ملاقات تو ہرگز نہیں ہو سکتی تھی، کیونکہ وہ فون پر اُوشان سے بات کر چکا تھا۔ یکایک ٹائیگر کو خیال آیا کہ اُوشان دراصل ماضی کی یادوں میں کھویا ہوا ہے۔ ماضی میں خانہ سنابخر کے ماہرینِ فن نے پہلوی خاندان

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کے لیے کام کیا تھا اور تاریخی نوعیت کے کارنامے سرانجام دیے تھے۔ غالباً اُوشان اُن کارناموں کو ذہن میں دہرا کر لطف اندوز ہو رہا تھا اور اس نے جو روایتی لباس زیب تن کیا تھا تو اس کی وجہ بھی یہی ہوگی کہ وہ اپنے آباؤ اجداد کی پیروی میں اُسی شان و شوکت کے ساتھ ایران کے سفیر سے ملنا چاہتا تھا جو خانہ سناتجو کے اُستادوں کی روایت تھی۔

"کیا مجھے بھی یہ روایتی لباس پہن کر آنا چاہیئے تھا، لٹل فادر؟" ٹائیگر نے دریافت کیا۔

"نہیں..." اُوشان نے مسرور لہجے میں کہا۔ "تم پتلون قمیص ہی میں جچتے ہو۔"

"ایک منٹ..." ٹائیگر نے اُوشان کا ہاتھ تھام کر اُسے روک لیا اور پھر غور سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔ اُس نے کچھ دیر بعد ایک طویل سانس لی اور مسکرانے لگا۔ "دیکھنے میں تو ٹھیک ٹھاک ہی لگتے ہیں۔" وہ بڑبڑایا۔ "اب کوئی دماغی اسکرو ڈھیلا ہو گیا ہو تو کہہ نہیں سکتا۔"

"کیا بکواس ہے؟" اُوشان کی تیوریاں چڑھ گئیں۔ "یہ تم کیا بک رہے ہو؟"

"میرا مطلب ہے، میں بعض باتیں، برسوں میں پہلی بار آپ کی زبان سے سُن رہا ہوں۔ مثال کے طور پر آپ نے میرے لباس کی تعریف کی اور..."

"تم مکمل خود اعتمادی کب حاصل کرو گے، نالائق!" اُوشان نے اُسے گھورتے ہوئے کہا۔

"تم میرے بیٹے ہو۔ شمشیر سناتجو کے وارث ہو... اور میرے بعد خانۂ سناتجو تمہارے نام معتقل ہو جائے گا۔"

"بشرطیکہ نوگان کے ہاتھوں بچ گیا۔"

اُوشان نے ٹائیگر کی اس بات پر قہر آلود نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ اس کا موڈ... اچانک ہی بے حد خراب ہو گیا تھا۔ لیکن ٹائیگر کو یہ دیکھ کر زندگی کا سب سے بڑا ذہنی جھٹکا لگا کہ اُوشان اگلی ہی ساعت مسکرانے لگا تھا۔ "تم اس کے ہاتھوں بچ چکے ہو، فرزند! لیکن وہ تمہارے ہاتھوں نہیں بچ سکے گا۔"

نہ جانے کیوں ٹائیگر کو اُوشان کی اس بات پر بے حد فخر کا احساس ہونے لگا۔ اس نے آسمان کی طرف دیکھا۔ اُجلا اُجلا نیلا آسمان بے حد وسیع لگ رہا تھا۔ اس نے دل ہی دل میں کلمۂ شکر ادا کیا کہ اس کے محترم اُستاد کے دل میں اس جیسے ناکارہ اور ناچیز شاگرد کے لیے اس قدر عزت و احترام موجود ہے۔

وہ کیبن کے قریب پہنچ چکے تھے۔

جیسے ہی ٹائیگر نے دستک دینے کے لیے ہاتھ بلند کیا، دروازہ اچانک ہی کھل گیا۔ سامنے ایک دیو قامت شخص کھڑا تھا۔ ٹائیگر کا اُٹھا ہوا ہاتھ اُٹھا ہی رہ گیا۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ اس شخص کی کھوپڑی پر گھونسہ مارنا چاہتا تھا لیکن کسی خیال نے اُسے روک لیا ہو۔ سامنے دروازے میں جو شخص کھڑا تھا، وہ یقیناً کسی زمانے میں پہلوان رہ چکا تھا لیکن اس وقت اُس کے جسم پر فوجیوں جیسی وردی تھی اور پہلوؤں میں ریوالور تھے۔ گویا وہ باڈی گارڈ تھا۔

"مسٹر فیروز موجود ہیں؟" ٹائیگر نے آہستہ آہستہ ہاتھ نیچے کر لیا۔ "ہماری اُن سے ملاقات طے ہے۔"

"کیا تمہارا تعلق خانۂ سناتجو سے ہے؟" پہلوان نے دریافت کیا۔

ٹائیگر نے اُوشان کی طرف اشارہ کر دیا۔ "محترم اُوشان میرے ساتھ تشریف لائے ہیں۔" اس نے پُروقار لہجے میں جواب دیا۔

پہلوان نے مضمحل اُڑانے والے انداز میں اوشان کی طرف دیکھا۔ وہ اسے بظاہر کوئی درباری مسخرہ ہی محسوس ہو رہا تھا۔ وہ بے ساختہ مسکراہٹ دبا کر انھیں اندر لے آیا اور کمرۂ نشست میں بٹھا کر برابر والے کمرے میں چلا گیا۔ اُوشان بڑی شان سے ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔ اس نے باڈی گارڈ کی تضحیک آمیز نظروں کو کوئی اہمیت نہیں دی تھی۔ ٹائیگر کی کنپٹیاں البتہ گرم ہو گئی تھیں۔ اس نے ایرانی سفیر کے باڈی گارڈ کو پسند نہیں کیا تھا۔

مسٹر فیروز تشریف لانے اور دروازے ہی میں ٹھٹک کر رہ گئے۔

ان کی نظروں پہلے تو ٹائیگر پر اور پھر اُوشان پر جم گئیں۔ معاً اُس کے ہونٹ مسکرا اُٹھے۔ غالباً اُسے کسی زبردست اور متاثر کُن شخصیت کی توقع تھی لیکن وہ اپنے سامنے جس شخص کو دیکھ رہا تھا، وہ کسی طرح بھی ماسٹر نہیں ہو سکتا تھا۔ اس کی دانست میں وہ کسی پرانے دربار کا مسخرہ تھا۔

اُوشان اُٹھا اور اُس نے جھک کر کورنش بجالاتے ہوئے اپنا تعارف کرایا لیکن مسٹر فیروز ذرا بھی متاثر نہ ہوئے... تاہم اُنھوں نے اُوشان اور شہزاد کو بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے خود بھی ایک سیٹ سنبھال لی۔ اس دوران میں پہلوان نما باڈی گارڈ اور اسی جیسا ایک اور اینڈیل شخص، سفیر کے پہلوؤں میں آ کھڑے ہوئے۔ اُن کے ہونٹوں پر بڑی ہی تضحیک آمیز مسکراہٹیں تھیں۔

اور وہ ساکت پتلیوں سے اُوشان اور ٹائیگر کو گھور رہے تھے۔

"میں نہیں جانتا کہ ہمارے شاہ کو تم دونوں میں سے کسی ایک میں وہ کیا خوبی نظر آئی ہے کہ اُنھوں نے مجھے تمہاری خدمات حاصل کرنے بھیج دیا ہے۔"

"جس خوبی کو چشمِ شاہ دیکھ سکتی ہے، وہ عام آدمی کو نظر نہیں آ سکتی۔" ٹائیگر نے قدرے ناگواری سے جواب دیا۔

"مسٹر فیروز نے اس کی طرف کوئی توجہ نہیں دی۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ ٹائیگر کو سرے سے کوئی اہمیت ہی نہ دے رہا ہو۔ البتہ ٹائیگر کی بات پر وہ دونوں باڈی گارڈوں کا موڈ بے حد خراب ہو گیا تھا۔ وہ ٹائیگر کو ایسی نظروں سے دیکھنے لگے تھے جیسے اگر موقع ملے تو وہ اُس کے ٹکڑے اُڑا دیں۔ ان میں سے ایک نے اپنی ایک مٹھی بھینچ کر دوسرے ہاتھ کی ہتھیلی پر مارنی شروع کر دی۔

"شاہ کا فرمان ہے کہ اس دُنیا میں کہیں سناتجو نام کی ایک بستی ہے جہاں کے رہنے والے لوگ غیر معمولی طاقتوں کے مالک ہوتے ہیں۔ سُنا ہے، جس رفتار سے عام آدمی زمین پر دوڑ سکتا ہے، اس بستی کے ماسٹر اسی رفتار سے پہاڑوں پر چڑھ جاتے ہیں... لیکن مجھے یقین ہے کہ یہ سب کچھ افسانوی ہے۔ علی بابا چالیس چور اور دیگر داستانوں کی طرح سناتجو بھی ایک داستان ہے۔ ایسی صورت میں تمہاری موجودگی، میرے لیے حیرت کا باعث ہے۔ تمہیں دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ تم نے گزشتہ دو صدیوں سے روٹی کا لقمہ بھی نہیں کھایا۔ کیا آج کل سناتجو میں قحط چل رہا ہے؟"

ٹائیگر نے بڑی مشکل سے غصہ ضبط کیا۔

اگر وہ شاہ ایران کے ایما پر اس سے ملنے نہ آئے ہوتے تو یقیناً اب تک سفیر کی لمبی زبان اُس کی گدی سے کھینچ لی جاتی... اور پھر ٹائیگر پر حیرت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ اس نے اُوشان کو ہاتھ اُٹھاتے دیکھا۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ نہ صرف ٹائیگر کو صبر و تحمل سے کام لینے کی ہدایت کر رہا ہو بلکہ سفیر کی بات کی تائید بھی کر رہا ہو۔

"ٹھیک ہے۔" اُوشان کی آواز اُبھری۔ "میں مان لیتا ہوں کہ جس چیز کا انسان کو علم نہ ہو، وہ دُنیا میں اس کے نزدیک بے وجود ہوتی ہے... لیکن جب کوئی حقیقت سامنے آ جائے تو اُس کو آزمائے بغیر کوئی فیصلہ کرنا سراسر زیادتی ہے۔"

"بات معقول ہے۔" سفیر نے اُوشان کے لہجے کی سچائی سے متاثر ہوتے ہوئے کہا۔ "میں ضرور آزماؤں گا۔"

"میں ہر آزمائش کے لیے تیار ہوں۔" اُوشان نے کہا۔ حالانکہ اس کی ضرورت نہیں کیونکہ شاہ کے آباؤ اجداد، میرے آباؤ اجداد کو بارہا آزما چکے ہیں۔"

"لیکن میں ان تمام باتوں کو قصے کہانیوں سے زیادہ اہمیت نہیں دیتا۔" سفیر نے جواب دیا۔ "بہرحال، تمہیں بھی یہ بتانا پڑے گا کہ تمہاری حقیقت کیا ہے۔ اس کا فیصلہ ان دونوں سے مقابلے کے بعد ہی ہو سکتا ہے۔ مجھے اپنے طرزِ عمل پر افسوس ہے لیکن کیا کروں حالات کا تقاضا یہی ہے۔"

"اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ تم ان دونوں گدھوں کو مُفت میں، ہمارے ہاتھوں قتل کروانا نہیں چاہتے؟" اُوشان نے کہا۔ "میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ مُفت میں قتل کرنا میرے لیے ممکن نہیں۔ اگر میں نے ایسا کیا تو یہ ایک غیر پیشہ ورانہ حرکت ہو گی۔"

"تو پھر میں تمہیں اپنے ان دونوں محافظوں کو قتل کرنے کا، فی کس ایک ہزار ڈالر معاوضہ ادا کروں گا۔ ہم اپنی کشتی میں انٹرنیشنل سمندر میں چلے جائیں گے، سمندر کا وہ حصہ یہاں سے تین میل دُور ہے۔ وہاں پر یا تو تم مجھ سے رقم حاصل کر لو گے یا پھر تمہاری لاشیں، وہیں سمندر میں پھینک دی جائیں گی۔ لوٹھے آدمی!" وہ رُک رُک کر ترحم آمیز نگاہوں سے اُوشان کی طرف دیکھنے لگا۔ "میں، تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچانا چاہتا لیکن میں اپنے ملک اور اپنی قوم کا سرمایہ مسخروں پر ضائع کرنا پسند نہیں کر سکتا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

اب بھی موقع ہے کہ تم اپنے مسخرے پن کا اعتراف کر لو، میں محض ایک قہقہہ لگا کر تم دونوں کو معاف کر دوں گا۔" بولتے بولتے اچانک ہی ایرانی سفیر خاموش ہو گیا۔ اُسے اپنے بائیں کندھے پر کچھ بوجھ سا محسوس ہونے لگا تھا۔ اس نے چونک کر دیکھا تو اس کے محافظوں میں سے ایک نے اپنی ٹھوڑی عقب سے اس کے بائیں کندھے پر ٹکا دی تھی۔ اگرچہ یہ ایک گستاخانہ حرکت تھی لیکن ایرانی سفیر یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وہ محافظ مسکرا بھی رہا ہے۔

مارے غصے کے سفیر کی کنپٹیاں سُلگ اُٹھیں۔ اس محافظ کو ایسی جرأت نہیں کرنی چاہیئے تھی۔ سفیر نے محافظ کی سیاہ آنکھوں میں غصیلے انداز سے دیکھا۔ وہ چاہتا تھا کہ محافظ جلدی سے معذرت کر کے ہٹ جائے اور دوبارہ اس کے عقب میں کھڑا ہو جائے... لیکن محافظ مسلسل مسکراتا رہا۔

معاً ایرانی سفیر کو محسوس ہُوا کہ کوئی گڑبڑ ہو گئی ہے۔ تب اس نے دیکھا کہ ٹائیگر اس محافظ کے عقب میں کھڑا ہے اور اس کا دایاں ہاتھ محافظ کی گدی پر جما ہُوا ہے... اور محافظ نے اس کے کندھے پر جو ٹھوڑی ٹکا رکھی تھی، اس میں خود اس کے ارادے کو دخل نہیں تھا بلکہ ٹائیگر نے اُسے اس طرح جھکنے اور ٹھوڑی اس کے کندھے پر رکھنے کے لیے دباؤ ڈال رکھا ہے۔ ایرانی سفیر حیران تھا۔ وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا، باڈی گارڈ کو چاہیئے تھا کہ وہ اس شخص کو ایسا کرنے کی ہرگز اجازت نہ دیتا۔

"اسے قتل کر دو۔" سفیر غرایا۔

جواباً اس کا باڈی گارڈ مسکراتا ہی رہا۔

اس کی ٹھوڑی اب بھی سفیر کے کندھے پر تھی اور اس کی پیشانی ایرانی سفیر کے رخسار سے چھو رہی تھی۔

"میں کہتا ہوں، اسے قتل کر دو۔" ایرانی سفیر کا مارے غصے کے عجب حال ہو گیا۔

وہ باڈی گارڈ مسلسل مسکراتا ہی رہا۔

بھڑک کر ایرانی سفیر نے دائیں جانب کھڑے گارڈ کو حکم دیا۔ "اس آدمی کو قتل کر دو۔"

لیکن وہ محافظ بھی ٹس سے مس نہ ہُوا۔ لطف کی بات یہ ہُوئی کہ وہ بھی بچارے سے انداز میں اپنے سفیر کی طرف دیکھتا ہُوا مسکرا رہا تھا... لیکن اس کی آنکھوں میں دو موٹے موٹے آنسو بھی چمک رہے تھے۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ پتلون کے سامنے رکھے ہوئے تھے اور سفیر کو وہاں پر گیلا پن محسوس ہو رہا تھا۔

"میں کہتا ہوں، اسے قتل کر دو۔" اس بار سفیر دہاڑ اُٹھا۔ اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا۔

"دیکھئے، مائی لارڈ۔" گارڈ نے اپنے ساتھی کی طرف اشارہ کرتے ہُوئے سفیر سے درخواست کی۔

سفیر کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ وہ پہلے ہی اس محافظ سے نالاں تھا جس نے اس کے سفارتی کندھے پر اپنی کم حیثیت ٹھوڑی ٹکا رکھی تھی۔ اس نے پہلو بدل کر اپنے جسم کا بوجھ منتقل کرنے اور محافظ کا چہرہ اپنے کندھے سے ہٹانے کی کوشش کرنی چاہی تو اچانک ہی ایک نئی چیز کے احساس نے اُسے نہ صرف ساکت کر دیا بلکہ اس کی کھوپڑی غصے کی انتہا پر گھومنے لگی۔ اُسے خود اپنی پتلون پر کسی سیال شے کے بہنے کا احساس ہو رہا تھا۔ اس نے نظریں جھکا کر دیکھا تو یہ سیال اس کے بائیں جُوتے میں گرنے لگا اور اُس کی چپچپاہٹ ناگوار محسوس ہونے لگی۔ تب اُسے نظر آیا کہ درحقیقت گارڈ کا ایک بازو اس کی ایک ٹانگ کے ساتھ ساتھ نیچے جھکا ہُوا تھا اور اس میں سے خون ٹپک رہا تھا۔ ایرانی سفیر حیرت زدہ رہ گیا۔ وہ سمجھے بغیر نہ رہ سکا کہ محافظ کی ٹھوڑی اس کے کندھے پر جمی ہوئی ہے تو اس کا ہاتھ فرش کو بھلا کیسے چھُو سکتا ہے۔ یہ ایک غیر فطری پوزیشن تھی جس کی توقع کسی انسان سے تو ہرگز نہیں کی جا سکتی تھی۔

وہ چونک پڑا اور پلٹ کر دیکھنے لگا۔

اس کے کندھے پر محافظ کا چہرہ اب بھی موجود تھا لیکن اس کے عقب میں جسم نہیں تھا۔ جسم سیٹ کے عقب میں، فرش پر پڑا تھا۔ کٹا ہُوا سر اس کے کندھے پر اور بے سر کی لاش فرش پر تھی اور کٹی ہُوئی گردن سے سُرخ سُرخ خون یوں بہہ رہا تھا جیسے کسی نالی میں پانی بہتا ہے۔

ایرانی سفیر کے حلق سے، دہشت کی ایک گھٹی گھٹی سی چیخ نکل گئی حالانکہ اس نے چیخنے کے لیے اپنے پھیپھڑوں کی پوری طاقت صرف کر دی تھی۔

اُوشان کے ساتھی نے اس محافظ کی گردن محض اپنے ہاتھوں کی مدد سے الگ کر دی تھی اور یہ سب کچھ اتنی خاموشی سے ہُوا تھا کہ سفیر کو اپنی پشت پر پیش آنے والی صورتِ حال کی بھنک تک نہیں پڑ سکی تھی۔

"کیوں، سویٹ ہارٹ۔" ٹائیگر نے مسکرا کر کہا۔ "کیسا مسخرہ پن ہے؟"

ٹائیگر نے کھوپڑی فرش پر پھینک دی اور دونوں ہاتھوں جھاڑنے لگا جیسے وہ گرد آلود ہو گئے ہوں... پھر اس نے اپنی آستین سے ایک

خونی خون کا دھبہ انگلی کی مدد سے پونچھ ڈالا اور سفیر کی طرف متوجہ ہو گیا۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ اس سے اپنے مسخرے پن کے سلسلے میں داد طلب کر رہا ہو۔ کوئی بھی بات اتنی بے سود نہیں ہوتی جس قدر تم ظاہر کر رہے تھے۔" ٹائیگر نے کہا۔ "کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟"

سفیر نے تائید میں سر ہلا دیا اور اُٹھ کھڑا ہُوا۔ اگلے ہی لمحے وہ مسکراتا ہُوا اُوشان کی طرف بڑھ رہا تھا۔ "میں اپنے رویے کے لیے معذرت خواہ ہُوں۔ دراصل آپ سمجھ رہے ہوں گے کہ میری پوزیشن کس قدر نازک ہے۔ میں مطمئن ہوئے بغیر معاملے طے نہیں کر سکتا تھا۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو... اور پھر تمہیں وہ طرزِ عمل اختیار کرنے کا بھی حق تھا۔" اُوشان نے بڑی فراخ دلی سے اُس کی معذرت قبول کرتے ہوئے جواب دیا۔ "بہرحال، اب تم کیا کہتے ہو؟"

"میں آپ کی خدمات حاصل کرنے کے سلسلے میں درخواست پیش کرنا چاہتا ہُوں۔" سفیر نے استدعا کی۔

"میرے آباؤ اجداد شاہ کے آباؤ اجداد کی خدمت کر چکے ہیں۔" اُوشان نے پُروقار لہجے میں کہا۔ "اس لیے میں شاہ کی خدمت کرنے سے بھلا کیسے انکار کر سکتا ہُوں۔ میرا بیٹا بھی میرے ساتھ ہے۔" اُوشان نے یہ کہہ کر ٹائیگر کی طرف بڑے ہی مخصوص انداز میں دیکھا۔

ایرانی سفیر نے ٹائیگر کی طرف دیکھا اور ایک جھرجھری سی لے کر رہ گیا۔ وہ اب اس قدر معصوم اور بے خبر لگ رہا تھا کہ سفیر کو خود بھی یقین کرتے ہوئے تامل ہو رہا تھا کہ اسی نوجوان نے اُس کے دو طاقت ور ترین پہلوانوں کو عبرت ناک شکست سے دوچار کیا ہوگا۔ "کیا یہ تمہارا بیٹا ہے؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

اُوشان نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ وہ اب بھی بڑے فخریہ انداز میں ٹائیگر کی طرف متوجہ تھا۔

"کیا آپ نے کسی دیسی عورت سے شادی کی تھی؟" سفیر نے اپنا تحیر رفع کرنے کے لیے پوچھ ہی لیا۔ "اس کے نقش و نگار آپ سے بہت مختلف ہیں۔"

"بیٹا حاصل کرنے کے لیے ضروری نہیں کہ شادی بھی کی جائے۔" اُوشان نے بڑے ہی پُراسرار انداز میں کہا اور اوپر دیکھنے لگا۔ "کبھی کبھی خداوندِ ذوالجلال یہ نعمت انسان کو اپنی طرف سے بھی بخش دیتا ہے۔"

"اوہ... گویا یہ آپ کا شاگرد ہے۔" سفیر نے ایک طویل سانس لی۔

"نہیں... یہ میرا بیٹا ہے۔" اُوشان کے لہجے میں اصرار تھا۔

"یہ کاٹھ کباڑ صاف کرنا تمہارا کام ہے۔" ٹائیگر نے فرش کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

اگر یہ بات کسی اور نے کہی ہوتی تو شاید سفیر اُسے گولی مار دیتا لیکن اس وقت تو وہ اُن کی ہر بات ماننے پر تلا ہُوا تھا۔ اُس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ "میں تمہارا مطلب سمجھ رہا ہُوں، نوجوان۔ بے فکر رہو شاہ کو ان دو آدمیوں کے نقصان کی کوئی پروا نہیں ہوگی۔ میں وضاحت کر دوں گا کہ کیا ہُوا تھا... تم پر کسی قسم کا حرف نہیں آئے گا۔"

اس کے بعد سفیر فیروز مشہدی نے اُوشان اور ٹائیگر دونوں کے سلسلے میں ایسے ایسے جملے کہے کہ خود انھیں بھی اپنی تعریف میں کبھی نہیں سوجھے ہوں گے۔ اُس نے کہا کہ وہ انتہائی فخر سے شاہ کو یہ اطلاع دے گا کہ خانۂ سنا سنو کی خدمات حاصل کر لی گئی ہیں۔ اچانک ٹائیگر نے اُس کی قیمتی ٹائی پکڑ لی اور خفیف سا جھٹکا دے کر بولا۔ "بس! باتوں سے نہ بہلاؤ۔ پہلے وہ رقم نکالو جو ان دونوں کے سلسلے میں طے ہوئی تھی۔"

سفیر کا ہاتھ فوراً ٹائیگر کے ہاتھ پر پہنچ گیا لیکن اس نے اپنی ٹائی ٹائیگر کی گرفت سے نکالنے کی کوشش نہیں کی۔ ایک ہی لمحے میں اُس کے ہاتھ کی سختی نرمی میں بدل گئی اور وہ مسکرا کر ٹائیگر کا ہاتھ تھپتھپانے لگا۔ "یقیناً تم نے وہ رقم جیت لی ہے۔" وہ بھرائی ہوئی سی آواز میں بولا۔ "بلکہ تم اس سے کہیں زیادہ کے مستحق ہو۔ تمہیں انعام و اکرام سے مالا مال کر دیا جائے گا۔"

اس بار اُوشان نے اپنے مخصوص فلسفیانہ انداز میں مداخلت کی۔ "جہاں پھولوں کو حسنِ عظیم حاصل ہوتا ہے وہاں کبھی کبھی کانٹے بھی حسین نظر آنے لگتے ہیں۔ یہ بات ہمیشہ یاد رکھو کہ پھول جتنا خوبصورت ہوگا، اُس کے کانٹے اتنے ہی نوکیلے اور نیز ہوتے ہیں۔ میرا بیٹا تم سے اولین انعام حاصل کرنا چاہتا ہے کیونکہ اس نے مظاہرے میں کُود ھار نہیں کیا۔ اسے اولیت گردو پتھروں کی حوصلہ افزائی کرنا یوں بھی بڑوں کا فرض ہوتا ہے۔"

سفیر نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلا دیا اور جیب سے ایک پھولا ہُوا پرس نکال کر نوٹ گننے لگا۔ اس نے نوٹ ٹائیگر کی طرف بڑھا دیے تو

رومانی ناول

زیب	حمیدہ جبین	75/-
شاخِ بریدہ	حمیدہ جبین	75/-
حنا اور پتھر	حمیدہ جبین	75/-
گیت یہ میرے	حمیدہ جبین	75/-

مکتبہ القریش اُردو بازار۔ لاہور 2

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ٹائیگر نے اُسی ہاتھ سے نوٹ تھام لیے جس سے ٹائی جکڑ رکھی تھی پھر جب اُس کا ہاتھ ہٹا تو اُس میں ٹائی کا وہ حصہ بھی موجود تھا جسے اُس نے پکڑ رکھا تھا۔ سفیر نے ایک نظر اپنی ٹائی کی طرف دیکھا اور جلدی سے کوٹ برابر کر لیا تاکہ ادھوری ٹائی کا عیب اُس کے نیچے چھپ جائے۔ اُس کے چہرے پر زردی چھائی تھی اور وہ بے حد اُلجھا ہوا نظر آ رہا تھا۔ بار بار اُس کے ہونٹوں پر جھینپی جھینپی سی مسکراہٹ آ جاتی اور اگلے ہی لمحے وہ سنجیدہ ہو جاتا۔ یہ کیفیت دیر تک برقرار رہی۔ حتیٰ کہ اُوشان اُٹھ کھڑا ہوا

"اب مجھے اجازت دی جائے۔" اُوشان نے کہا۔

دفعتاً سفیر کے چہرے پر پریشانی کے تاثرات اُبھر آئے۔ "اب جب کہ آپ دونوں شاہ کی شرائط پر کام کرنے کے لیے آمادہ ہو گئے ہیں۔" اس کی نگاہ فرش پر بکھری ہوئی دونوں لاشوں پر جم گئی۔ "میں سمجھتا ہوں کہ ان لاشوں کو ٹھکانے لگانے میں آپ لوگوں کو میری مدد کرنی چاہیے۔"

ٹائیگر یوں بن گیا جیسے اُس نے سفیر کی بات سُنی ہی نہ ہو۔ اُوشان نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ "جہاں تک تمہاری درخواست کا تعلق ہے اُسے قبول کیا جا سکتا ہے... لیکن شاہ کے کھاتے میں نہیں۔ اس خدمت کے سلسلے میں ادائیگی تمہیں ہی کرنا پڑے گی۔"

سفیر نے ایک لمحے کے لیے سوچا پھر تائید میں سر ہلا دیا۔ "مجھے کیا ادا کرنا پڑے گا؟"

"فی لاش دو ہزار ڈالر!" ٹائیگر نے جلدی سے مداخلت کی۔

سفیر چونک پڑا۔ لیکن ان کی ہلاکت پر فی کس ایک ہزار ڈالر خرچ آئے تھے۔ اُس نے احتجاج کرتے ہوئے کہا۔

"یقیناً... اور ہم نے طے شدہ رقم ہی وصول کی ہے۔ زیادہ کے لیے اصرار نہیں کیا۔ زندہ آدمی اور لاش کے سلسلے میں ہمارے جذبات بے حد مختلف ہیں۔ بالکل اسی طرح جیسے تم کسی زندہ جاوید لڑکی سے اظہارِ محبت کرنے پر بخوشی آمادہ ہو سکتے ہو جب کہ کسی مُردہ لڑکی سے ایسا ایک جملہ کہنا بھی مشکل ہوتا ہے۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے نا؟"

سفیر نے اثبات میں سر تو ہلا دیا لیکن چہرے پر زلزلے کے سے آثار پیدا ہو گئے تھے۔ "اس وقت میرے پاس اتنی بڑی رقم نہیں ہے میں ایران پہنچتے ہی..."

"آں... ہاں...!" ٹائیگر نے جلدی سے اُسے ٹوک دیا۔ "میں ایسے لوگوں پر اعتماد نہیں کرتا جو مجھ پر اعتماد نہ کرتے ہوں۔"

"اوہ... لیکن کوئی بھی شخص ہوش میں اتنی بڑی رقم جیب میں رکھ کر نہیں گھومتا۔"

"یہ انگوٹھی دو ہزار ڈالر میں بک سکتی ہے گی۔" اُوشان نے مسٹر فیروز کی انگلی میں چمکتی انگوٹھی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"یہ... یہ... بیس ہزار ڈالر کی ہے۔" سفیر بُری طرح ہانپنے لگا۔ "میں نے اسے نیویارک سے بیس ہزار میں خریدا تھا۔"

"تم نے اسے پرچون میں خریدا ہو گا جب کہ میں تھوک کا بھاؤ بتا رہا ہوں۔" اُوشان نے جواب دیا۔

ٹائیگر نے بڑی مشکل سے ایک بے ساختہ قہقہہ روکا تھا۔ اُوشان بے حد سنجیدہ تھا اس لیے وہ بھی سنجیدہ ہو گیا۔ وہ جانتا تھا کہ سفیر فیروز نے ابتدا میں ان دونوں کی جو توہین کی تھی، اُوشان اس کا نقد بدلہ لینے کے موڈ میں تھا۔ خود وہ بھی اس شخص کی مغرور گفتگو سے بے حد نالاں تھا اس لیے چاہتا تھا کہ اُوشان اس شرارت کو طویل کر دے تو لطف ہی آ جائے۔ اُس نے محسوس کیا کہ اُوشان بھی کچھ ایسے ہی موڈ میں ہے

"میں اس وقت ایک غیر ملک میں ہوں۔" سفیر فیروز نے تھوک نگلتے ہوئے کہا۔ "اور میں یہاں کسی قانونی پیچیدگی میں نہیں پڑنا چاہتا۔ اس لیے مجبوری ہے کہ یہ لاشیں ٹھکانے لگ جائیں۔" وہ بولتے بولتے رُک گیا۔ "فرض کرو کہ میں یہ انگوٹھی تم لوگوں کو دے دیتا ہوں تو کیا یہ کافی ہو....؟"

"اس انگوٹھی سے ایک لاش کا مسئلہ حل ہو جائے گا۔" اُوشان نے کہا۔ "لیکن دوسری لاش...؟" اُس نے معنی خیز انداز میں جملہ ادھورا ہی چھوڑ دیا۔

"یہ گھڑی...؟" سفیر تھوک نگل کر بولا۔ "میرا خیال ہے اس کی قیمت دو سال تمہیں تین ہزار ڈالر تھی؟"

"سیکنڈ ہینڈ...!" اُوشان بڑبڑایا۔ "نہیں... ہم استعمال شدہ چیزیں نہیں خریدتے... البتہ تمہارا کوٹ کچھ نیا معلوم ہوتا ہے۔"

"گھڑی کے ساتھ کوٹ کی قیمت لگائی جائے تو ایک ہزار ڈالر ٹھیک رہیں گے۔" ٹائیگر نے لقمہ دیا۔ "کیوں اُوشان؟"

اُوشان نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ "پتلون زیادہ گھسی ہے اس لیے، یہ کسی طرح بھی بیس ڈالر سے زیادہ کی نہیں ہو سکتی جب کہ انڈے بازار میں ایسی پتلونیں آٹھ روپے میں بھی دستیاب ہیں۔"

سفیر نے آنکھیں بند کر لیں۔ غالباً وہ سمجھ گیا تھا کہ اسے لوٹنے کی کوشش نہیں کی جا رہی بلکہ اس کے رویے کے خلاف یہ ایک طرح کی انتقامی کارروائی ہے۔ کچھ دیر وہ آنکھیں بند کیے کھڑا رہا... پھر آنکھیں کھول دیں۔ ایک نظر اُوشان کی طرف دیکھا اور سیدھا اُس کے پیروں کی طرف جھکتا چلا گیا اور جب وہ فرش پر جھک گیا اور اُس نے اُوشان کے دونوں پاؤں تھامنے کی کوشش کی تو وہاں اُس کے پیروں کا نام و نشان تک نہیں تھا۔ اس کے ہاتھ فرش پر ٹٹولنے کے انداز میں حرکت کر کے رہ گئے۔ وہ کچھ دیر گھٹنوں کے بل جھکا رہا... پھر اُس نے اِدھر اُدھر دیکھا

تو اُوشان اُسے عقب میں اُسی سیٹ پر براجمان نظر آیا جس پر کچھ دیر قبل وہ خود بیٹھا ہوا تھا۔

"عظیم اُوشان...!" سفیر نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔ "میں آپ کے آباؤ اجداد کی عظمتوں کے نام پر استدعا کرتا ہوں کہ مجھے معاف کر دیا جائے۔"

اُوشان اُس کی طرف حیرت زدہ نظروں سے دیکھنے لگا۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے اُسے سفیر کی بات سمجھ میں نہ آئی ہو... اور وہ سوچ میں پڑ گیا ہو کہ وہ ایسا کیوں کر رہا ہے... لیکن فیروز بھی اپنی جگہ ایک گھاگ آدمی تھا۔ اب صورتِ حال پوری طرح اُس کی سمجھ میں آ چکی تھی اور وہ جانتا تھا کہ سوائے جھکنے کے یہاں کوئی اور حربہ کارگر ثابت نہیں ہو سکتا اُسے افسوس ہونے لگا کہ اُس نے اُن دونوں کو اس قدر حقیر جہاں کیا تھا۔ اُسے اپنی حالت پر ندامت تو ہو رہی تھی لیکن وہ خلوصِ دل سے اس بات کا قائل ہو گیا تھا کہ کوا کب بظاہر جو کچھ بھی نظر آتے ہیں، درحقیقت کچھ اور ہی ہوتے ہیں۔

وہ گھٹنوں کے بل جھکا رہا حتیٰ کہ اُوشان کے تیوروں میں نرمی پیدا ہو گئی۔ اُس نے ٹائیگر کی طرف دیکھا جس کا دل بھی فیروز کی حالت پر پگھل گیا تھا۔ اُس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

اُوشان نے ایک طویل سانس لی اور سفیر کی طرف دیکھا۔ "مسٹر فیروز، تم یہاں سے تین میل دُور یہیں سیر کرانے کی دعوت دے رہے تھے، کیا وہ دعوت برقرار ہے؟"

"یس... جی ہاں... لیکن اب کشتی مجھے خود چلانی پڑے گی۔ دراصل آپ لوگوں سے ملاقات بے حد خفیہ تھی اس لیے اس کیبن میں ان دونوں کے علاوہ کسی ملازم کو نہیں روکا گیا تھا... اور آپ دیکھ رہے ہیں کہ یہ کیبن ایک ویران ساحل پر بنا ہوا ہے۔"

"ٹھیک ہے... چلو شہزادہ، ذرا سا بحری سفر سے بھی لطف اندوز ہو لیا جائے۔" اُوشان نے کہا اور ٹائیگر کو ایسی چیز تلاش کرنے لگا جس میں ان لاشوں کو باندھ کر کشتی تک پہنچایا جا سکے۔

بیس منٹ بعد اُن کی کشتی سمندر کے نیلے روشن پانی میں تیزی سے آگے بڑھ رہی تھی۔ سفیر فیروز مشہدی کی سوچ درست تھی۔ اس کیبن یا فرب و جوار میں لاشوں کی دریافت سفارت خانے کے لیے بڑی پیچیدگیاں پیدا کر سکتی تھی اس لیے ان کا غرقاب ہو جانا ہی بہتر تھا۔ ٹائیگر حیران تھا کہ یہ سفیر شاہِ ایران کو ان دونوں پہلوانوں کی گمشدگی کے بارے میں کیا کہے گا... اور کیا شاہ اس کا جواز تسلیم کر لے گا؟

اس بحری سفر کا مقصد صرف وہ دو لاشیں ٹھکانے لگانا ہی نہیں تھا بلکہ اُوشان، مسٹر فیروز سے اپنے کاروباری معاملات بھی طے کرنا چاہتا تھا۔ یہ کشتی ایک طاقت ور انجن والی لانچ تھی جس پر سمٹے ہوئے بادبان بھی موجود تھے تاکہ انجن خراب ہو لے کی صورت میں ان سے کام لیا جا سکے۔ وہ جیل پر مسٹر فیروز تھا اور اُوشان اُس کے قریب بیٹھا معاملات طے کرنے میں مصروف تھا۔ بین الاقوامی حدود میں داخل ہونے کے بعد فیروز نے ایک طویل سانس لی۔ دُور دُور نزدیک کوئی کشتی، کوئی لانچ یا بحری جہاز نہیں تھا۔ اس جگہ لاشیں سمندر میں پھینک کر وہ ہر طرح سے مطمئن ہو سکتا تھا۔ ٹائیگر نے لاشوں کو ایک بہت بڑے گٹھر کی صورت میں باندھ کر کشتی میں رکھ دیا تھا اور یہ منظر دیکھ کر مسٹر فیروز کی سانس دیر تک رُکی رہی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ ان پہلوانوں کا مجموعی وزن کسی طرح بھی چھ سات سے چھ سن سے کم نہیں ہو گا... لیکن ان کا گٹھر ٹائیگر نے یوں اُٹھا لیا تھا جیسے ہڈیوں اور انسانی گوشت کے ڈھیر کی بجائے رُوئی کی ہلکی پھلکی گٹھڑی ہو۔

سمندر کی بین الاقوامی حدود میں پہنچتے ہی ٹائیگر نے وہ گٹھر کھول دیا اور لاشیں پانی میں پھینک دیں۔ اُس جگہ شارک مچھلیوں کی موجودگی کا امکان تھا اس لیے مسٹر فیروز کو تو قع تھی کہ چند ہی ساعتوں میں ان لاشوں کا نام و نشان بھی باقی نہیں رہے گا۔

اُوشان اور سفیر کے مابین معاملات طے پا چکے تھے۔

یوں معلوم ہوتا تھا جیسے شاہ نے مسٹر فیروز کو بے انتہا اختیارات دے رکھا تھا۔ اُس نے اُوشان کی ہر شرط منظور کر لی تھی۔

"اب تمہیں اُس جہاز پر جانا پڑے گا جسے موت کا تابوت کہا جاتا ہے۔" مسٹر فیروز نے کہا۔ "اس جہاز کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ دُنیا میں آج تک اتنا بڑا بحری جہاز کبھی تیار نہیں کیا گیا۔"

اُوشان نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

کشتی پانی کی لہروں سے اُلجھتی ہوئی تیزی سے واپسی کا سفر طے کر رہی تھی۔

▼

ٹائیگر نے ریسیور اُٹھایا اور دوسری طرف سے بہرام کی آواز سُن کر مسکرانے لگا۔ "ہیلو سویٹ ہارٹ؟"

"رپورٹ...!" دوسری جانب سے بہرام کی خشک آواز سنائی دی۔

"میں جب پولیس میں تھا تب بھی یہ لفظ مجھے زہر لگا کرتا تھا۔" ٹائیگر نے برا سا منہ بنا کر جواب دیا۔ "کیا ضرورت ہے اس قدر خشک انداز میں صورتِ حال معلوم کی جائے۔"

"تم اس وقت بہت خوشگوار موڈ میں معلوم ہوتے ہو۔" بہرام ہنس پڑا۔ غالباً وہ سمجھ گیا تھا کہ ٹائیگر اس وقت باتوں کے موڈ میں ہے اور اگر اس سے چند خوشگوار باتیں نہ کی گئیں تو اس کے فرشتے بھی رپورٹ

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

معلوم نہیں کر سکیں گے۔

"وہ مُوڈ تو آپ نے غارت کر کے رکھ دیا۔ رپورٹ... رپورٹ!" اس نے بہرام کے لہجے میں بُرا سا منہ بناتے ہوئے دُہرایا۔ "وہ چاہتا ہے کہ ہم دُنیا کے اس سب سے بڑے بحری جہاز پر جائیں جسے آج کل ہوت کہا تابوت کہا جا رہا ہے۔ میں حیران ہوں کہ اُسے زندگی کا تابوت کیوں نہیں کہا جاتا؟"

"اوہ... ویری گُڈ!" بہرام نے پُرجوش لہجے میں کہا۔ "منزل اب زیادہ دُور نہیں لگتی۔ کیا نام اس ملاقات کی تفصیل نہیں بتا سکتے؟"

ٹائیگر اُسے تفصیل بتانے لگا۔ پہلوانوں کی موت پر بہرام کو ہنسی آگئی اور پھر جب ٹائیگر نے بتایا کہ اُوشان نے اور اُس نے اپنی تفتیش کا ایرانی سفیر سے کس طرح بدلا لیا تھا تو دوسری طرف سے اتنے قہقہے سنائی دیے کہ خود ٹائیگر یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ کہیں وہ بہرام کی بجائے کسی اور کو تو رپورٹ نہیں دے رہا..... لیکن دوسری جانب بہرام ہی تھا اور ٹائیگر کی باتوں پر بے تحاشا ہنس رہا تھا۔ وہ بے حد خوش تھا کیونکہ دُنیا کا خوفناک ترین کیس اب باقاعدہ ایک فنکل اختیار کرتا جا رہا تھا اور اس کے دونوں ایجنٹ منزل سے قریب تر جا رہے تھے۔ خاص طور پر اُس بحری جہاز کے سلسلے میں بہرام کے جذبات بڑے ہی عجیب تھے۔ نہ جانے کیوں اس کی دلی خواہش تھی کہ وہ جہاز غرق ہو جائے۔

بہرام کے قہقہے ختم ہوئے تو اُس نے ٹائیگر کی کارکردگی کو سراہا۔ ٹائیگر کے لیے یہ ایک انہونی بات تھی کیونکہ اس کا چیف بہت کم اس کی تعریف کیا کرتا تھا۔ اس تعریف و توصیف میں ٹائیگر کو ذرا سی بھی بناوٹ کا احساس نہیں ہوا تھا۔ اسے یقین تھا کہ بہرام اُسے دل کی گہرائیوں سے چاہتا ہے اور اُسے اپنے بیٹے کی طرح عزیز سمجھتا ہے۔ اس کی رُکھائی، اکھڑ کی فطرت ثانیہ تھی کیونکہ وہ بہت زیادہ دانتی کام کرنے والا آدمی تھا۔

ٹائیگر کا دل اپنے چیف کے لیے عزت و احترام کے جذبات سے لبریز ہو گیا۔

●●

ہوائی سفر بے حد خوشگوار تھا۔

اُوشان اُونگھ رہا تھا اور ٹائیگر کسی خیالی نکتے پر نگاہ گاڑے نہ جانے کس سوچ میں ڈوبا ہوا تھا کہ اچانک جہاز کے فرسٹ کلاس کی طرف سے میزبان خاتون دو پیغام لے کر آئی۔ پہلا پیغام تو یہ تھا کہ ایرانی سفیر ٹائیگر اور اُوشان دونوں سے فوری طور پر ملاقات کرنا چاہتا تھا۔ دوسرے پیغام کے سلسلے میں ایئر ہوسٹس نے کہا کہ وہ فرصت ملنے پر ٹائیگر کو اطمینان سے بتائے گی۔ بات مکمل کر کے وہ مسکرائی تو مرطوب ہونٹوں کی وجہ سے اس کی مسکراہٹ گیلی گیلی سی لگ رہی تھی۔

"ٹھیک ہے۔" ٹائیگر جھلا گیا تھا۔ "اس سے کہہ دو کہ میں اپنی پنڈلیوں میں کچھ تکلیف محسوس کر رہا ہوں، جو تمہارا دوسرا پیغام سُن کر ہی دُور ہو سکتی ہے۔"

اگر ماحول جہاز کے علاوہ کہیں اور کا ہوتا تو آخری جملے سے جسپن ہوسٹس کا چہرہ غیر معمولی گلابی ہو گیا ہوتا... لیکن وہاں وہ خود کو بہت محتاط انداز میں رکھنے کی عادی معلوم ہوتی تھی۔ اس کی آنکھوں میں، جو تاثرات نظر آئے انھیں محبت کے خاموش اور بے زبان بولوں پر محمول کیا جا سکتا تھا لیکن ٹائیگر زمین سے ہزاروں فٹ کی بلندی پر محبت کرنے کا قائل نہیں تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اگر ایسے میں جہاز کریش ہو جائے تو ساتھ ہی محبت بھی کریش ہو جاتی ہے اور محبت کے سلسلے میں کریش کا لفظ اُسے بالکل پسند نہیں تھا۔ وہ دل کو ایک سالم ٹکڑے کی شکل میں دھڑکتے محسوس کرنا زیادہ پسند کرتا تھا، نہ کہ کریش ہونے کے بعد اس دل کے ٹکڑے ہزار ہوں۔ کوئی یہاں گرے اور کوئی وہاں گرے۔

ہوسٹس اپنی مطلوب مسکراہٹ کے ساتھ واپس چلی گئی۔ وہ ایک جواں سال لڑکی تھی اور ٹائیگر کی شخصیت نے اُسے جاگتی آنکھوں سے خواب دیکھنے پر مجبور کر دیا تھا۔

ایئر ہوسٹس کی بجائے ایک پہلوان نما باڈی گارڈ فرسٹ کلاس سے عقبی حصے میں آیا۔ اس کے ہاتھ میں دو لمبے لمبے لفافے دبے ہوئے تھے۔ اُس نے وہ لفافے ٹائیگر کی طرف بڑھا دیے اور ایرانی سفیر مسٹر فیروز کا پیغام دیا کہ انھیں اخبارات میں شائع ہونے والے چند مخصوص مضامین کا مطالعہ کر لینا چاہیے تاکہ انھیں دُنیا کے اس سب سے بڑے جہاز کے سلسلے میں پیش آنے والے خطرات کا اندازہ ہو سکے۔

پہلوان نما باڈی گارڈ چلا گیا تو ٹائیگر نے اُوشان کو اُونگھنے کی کیفیت سے باہر کھینچا اور اپنے نئے آجر کا حکم سُنا دیا۔

اُوشان نے بُرا سا منہ بنا کر اخبارات لے لیا۔

ٹائیگر نے اُسے بتایا کہ اس جہاز کے سلسلے میں ایک اہم کانفرنس ہوئی تھی جس میں اتفاق سے وہ بھی موجود تھا۔ اس کانفرنس میں دُنیا کی کئی اہم شخصیات نے شرکت کی تھی اور وہاں یہ خدشہ ظاہر کیا گیا تھا کہ یہ غیر معمولی بحری جہاز دہشت پسندوں کا ٹارگٹ بن سکتا ہے۔ ممکن ہے، وہ اس جہاز کو اغوا کر لیں اور پھر زبردست زر تاوان کا تقاضا بھی کر لیں۔

اُوشان نے بدمزگی سے ایک طویل جماہی لی اور بولا۔ "یہ دہشت پسند بھی عجیب اصطلاح ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے جیسے کسی بچے کو بلّی سے ڈرایا جاتا ہو۔"

ٹائیگر نے مسکرا کر اس بات کی تائید میں سر ہلا دیا اور اخبار کے

مطالعے میں ڈوب گیا۔ اس اخبار میں جو مضامین شائع ہوئے تھے، وہ زیادہ تر دُنیا کے سب سے بڑے بحری جہاز کے متعلق ہی تھے اور ایرانی سفیر نے کئی سطروں کے نیچے سُرخ لکیریں کھینچ دی تھیں۔ یہ سطریں معلومات کے اعتبار سے بے حد اہم تھیں۔ دفعتاً ٹائیگر ایک نام پڑھ کر چونک پڑا اور بڑبڑایا۔ "دراتی!"

یہ دہشت پسندوں کا خطرناک ترین گروہ تھا اور اس نے دُنیا کی کئی حکومتوں کو بڑی ہی پریشانیوں سے دوچار کر دیا تھا۔ سطریں سُرخ پنسل سے نمایاں کرنے کا مطلب تھا کہ ایرانی سفیر کے نزدیک ساری واردات یہی گروہ کر رہا تھا۔

ٹائیگر نے اخبار کا جائزہ لینے کے بعد اُوشان کی طرف بڑھا دیا اور اس کا اخبار لے کر خود دیکھنے لگا... پھر اس نے تھکے تھکے سے انداز میں دریافت کیا۔ "اس گروہِ آزادی کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے، اُوشان؟"

"یہ گروہ...!" اُوشان نے سوچ میں ڈوبے ہوئے لہجے میں کہا۔ "اسے 'دراتی' کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ ان لوگوں کا عقیدہ تھا کہ وہ دُنیا سے ناپسندیدہ ہستیوں کی فصل کاٹنے کے مجاز ہیں۔ خانۂ سانجو کو اپنے وجود میں جس گروہ سے سب سے زیادہ پریشان کُن مقابلہ کرنا پڑا، وہ یہی گروہ تھا... لیکن ان کا صفایا کر دیا گیا تھا اور پھر شاید ان کا نام و نشان تک مٹ گیا تھا۔ دراتی کے لوگ چُن چُن کر قتل کر ڈالے گئے تھے یا پھر انھیں معذور بنا دیا گیا تھا۔"

ٹائیگر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اس نے ایرانی سفیر کے بھیجے ہوئے اخبارات کے حواشی میں درج بعض جملوں سے اندازہ لگایا تھا کہ دراتی نام کی اس تنظیم کا سب سے زیادہ زور ایران میں رہا۔ ان دنوں شاہ ایران نے خانۂ سانجو کی خدمات حاصل کر لیں جس کے ماہروں نے دراتی کے سفاک دہشت پسندوں کو تہِ تیغ کر ڈالا تھا اور ایرانی سفیر کا ذاتی خیال تھا کہ اس نام کی کسی تنظیم کا دُنیا بھر میں وجود نہیں ہے۔ یہ ایک افسانوی نوعیت کا گروہ تھا جس کی افسانوی دہشت کے بل بوتے پر کسی نے دہشت گردی شروع کر دی ہے۔ ٹائیگر کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔ وہ جانتا تھا کہ یہی بات سفیر خانۂ سانجو کے بارے میں بھی سوچ چکا تھا۔ اس سلسلے میں اُسے جس انداز میں یقین دہانی کرائی گئی تھی، اُس کے بعد اُسے اتنا کھل کر کسی شے کو افسانوی نہیں کہنا چاہیے تھا... لیکن معلوم ہوتا تھا کہ وہ بہت جلد اپنے اعصاب پر قابو پا کر مصائب کو ذہن سے جھٹک دینے والا آدمی ہے۔ ٹائیگر، اُوشان کی طرف متوجہ ہو گیا، جو اُسے دراتی نامی اس گروہ کی دہشت گردیوں کا احوال تفصیل سے سنا رہا تھا۔ جن دنوں اس گروہ کی دہشت گردی عروج پر تھی، اُن ایام میں ایران میں ماؤ پس کا تسلط تھا۔ یہ دہشت گرد ماؤ ازم کے جانی دشمن تھے۔ دراتی کے بارے میں تفصیل سُننے کے بعد ٹائیگر نے اُوشان کو اشارہ کیا اور دونوں اُٹھ کر فرسٹ کلاس کے اس حصے کی طرف بڑھ گئے جہاں ایرانی سفیر کی سیٹ تھی۔

مسٹر فیروز ایک خاص ادا سے ٹیک لگائے بیٹھا ہوا تھا اور اس کے پہلو والی سیٹ پر اس کا باڈی گارڈ براجمان تھا۔ یہ باڈی گارڈ بے حد فرض شناس آدمی معلوم ہوتا تھا اور غالباً ہر سفیر کے ساتھ اس کی سرشت تھی۔ اُس نے اب تک اُوشان اور شہزاد کے سلسلے میں کوئی تفصیلی تبصرہ نہیں دیا تھا اور نہ ہی اُس نے ان پر کسی قسم کا تبصرہ کیا تھا۔ بلکہ وہ ان دونوں کی طرف سے یوں بے نیاز تھا جیسے اُسے اطمینان ہو کہ وہ اس کے فرائض میں حارج نہیں ہوں گے۔ وہ جیسے ہی سفیر کے قریب پہنچے، باڈی گارڈ اُٹھ گیا۔

ٹائیگر سفیر کے پہلو میں بیٹھ گیا۔

فیروز کے دوسری جانب سیٹ خالی تھی، اُوشان اُس سیٹ پر جا بیٹھا۔

"دراتی کے بارے میں پڑھ لیا؟" سفیر نے دھیمی آواز میں پوچھا۔

"ہاں...!" اُوشان نے جواب دیا۔ "لیکن اخبار میں جو کچھ شائع ہوا ہے، میری معلومات اس سے کہیں زیادہ ہیں۔"

"اوہ... وہ کیسے؟" سفیر نے چونک کر سوال کیا۔

"میرے آباؤ اجداد اس گروہ کا قلع قمع کرنے ایران آئے تھے۔" اُوشان نے فخریہ لہجے میں جواب دیا۔

"اچھا... تو یہ گروہ بھی مبنی بر حقیقت ہے؟" سفیر کے لہجے میں حیرت تھی۔ "آخر تم سرہلاد کو فرضی کیوں تصور کرتے ہو؟" اُوشان نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "یہ تاریخ ہے اور تاریخ کبھی جھوٹ نہیں بولتی۔"

"اوہ... ہاں...!" سفیر کے چہرے پر زلزلے کی سی کیفیت طاری ہو گئی۔ اسے شاید وہ منظر یاد آگیا تھا جب ٹائیگر نے اس کی فرمائش پر اپنے فن کا خاموش مظاہرہ کرتے ہوئے اس کے دو غیر معمولی آدمیوں کو ہلاک کر دیا تھا۔ "ہاں... یقیناً ایسا ہی ہے، جیسا آپ کہتے ہیں۔" سفیر بڑبڑایا۔

"جانتے ہو، ان لوگوں نے ایران میں اپنی شبینہ حکومت قائم کر لی تھی۔ دن کے وقت شاہ کا حکم اں ہوتا تھا اور رات کو دراتی کے کارندوں کی حکومت ہوتی تھی... پھر خانۂ سانجو سے آنے والوں نے اُن سے نہ صرف یہ شبینہ حکومت چھین لی بلکہ اُنھیں چُن چُن کر قتل بھی کر دیا۔"

سفیر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اُسے یقین آگیا تھا کہ ایسا ہی ہوا ہوگا۔

"کیا آپ ان پر حملہ آور ہوں گے؟" سفیر نے ٹائیگر اور اُوشان کی طرف دیکھتے ہوئے دریافت کیا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"نہیں... اس بار ٹائیگر... اب دیا تفاخر ہم خود دانہی کی طاقت کو انھیں کمزور کرنے کے لیے استعمال کریں گے۔ میرا تجربہ ہے کہ بظاہر جس قدر بے ضرر محسن ہو، بباطن اتنا ہی مہلک اور خطرناک ہوا کرتا ہے۔"

اس بات کی تائید میں سفیر نے جلدی سے اثبات میں گردن ہلا دی لیکن ٹائیگر نے دیکھا کہ اوشان بھی حمایت میں سر کو جنبش دے رہا ہے۔

اس عظیم الشان جہاز کی بندرگاہ میں آمد بڑی ہی پُرشکوہ تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے روشنیوں کا کوئی متحرک شہر سمندر میں تیرتا ہوا ساحل سے آلگا ہو۔ اس جہاز پر اتنی روشنیاں تھیں کہ وہاں دن کا سا سماں لگ رہا تھا۔ اس وقت ساحل پر دُنیا بھر سے آئے ہوئے اجنبی نمایندے موجود تھے۔ یہ جہاز اپنے آزمائشی سفر پر پہلی بار نکلا تھا اور دُنیا بھر کے لوگ اس میں ذاتی دلچسپی لے رہے تھے۔ اس جہاز کے بارے میں جو کوائف گزشتہ روز شائع ہوئے تھے ان کے مطابق اس کے اسٹوروں میں اتنا غذائی سامان موجود تھا کہ چنگیز خان کی پوری فوج میدان جنگ میں اتنی غذا پر دو سال زندہ رہ سکتی تھی۔ ایٹمی انجنوں سے مزین یہ سمندر کے سینے پر تیرتی ہوئی ایک بالکل ہی مختلف دُنیا تھی۔ اس جہاز کو دیکھ کر کسی چور یا کا احساس ہوتا تھا جہاں کے عرشے پر موجود افراد ننھے ننھے نقطوں کی طرح دکھائی دے رہے تھے۔

جہاز میں ملتے کھرے اور شعبے تھے کہ ان کی پوری طرح سیر کرنے میں دو ماہ سے زیادہ عرصہ لگ سکتا تھا۔ بہاب اندازے کے مطابق اس کے اندر بنے ہوئے اسٹیڈیم میں پانچ ہزار کے لگ بھگ تماشائیوں کے لیے گنجائش موجود تھی۔ یہ دُنیا کا سب سے بڑا اور سب سے غیر معمولی جہاز تھا۔ مسافروں کو یہ بات خاص طور سے بتائی گئی تھی کہ زلزلے کی حالت میں اس جہاز پر بس اتنا سا اثر ممکن ہے جتنا کہ کسی عام سمندری لہر سے اثر پڑ سکتا ہے۔

سفیر فیروز مشہدی کو اس جہاز کے سلسلے میں جو کچھ معلوم تھا، وہ اس نے بڑی وضاحت سے بتا دیا تھا۔

اوشان کے چودہ عدد لڑنک کئی آدمیوں نے اُتار رکھے تھے اور ان کا رُخ سفارت خانۂ ایران کی طرف تھا۔

منزل پر پہنچنے کے بعد جب اوشان اور شہزاد کچھ دیر کے لیے تنہا ہوئے تو اوشان نے کہا، "اس شخص فیروز کے ساتھ نرمی سے پیش آنا، دوستانہ انداز میں نہیں۔"

ٹائیگر مسکرا دیا۔ وہ اوشان کی اصطلاحوں سے ہمیشہ لطف اندوز ہوا کرتا تھا... لیکن اُسے اندازہ تھا کہ درحقیقت اوشان کبھی کبھی دریا کو کوزے میں بند کر کے پیش کر دیتا ہے۔

کچھ دیر بعد سفیر واپس آگیا اور اس نے اوشان سے درخواست کی کہ وہ جائزہ لے کر دہشت پسند کہاں سے اور کس طرح انھیں نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ اس نے ایکسٹرنک آئی اور محافظوں کی تفصیل بتاتے ہوئے اوشان کو ایسے مخصوص تالوں سے بھی آگاہ کیا جنھیں مخصوص کوڈ ورڈوں کر ہی کھولنا ممکن ہوتا ہے۔

"کیا یہ سب کچھ تم نے خود تعمیر کرایا ہے؟" اوشان اس قدر زبردست انتظامات پر متحیر ہو کر بولا، "ان سب چیزوں کی موجودگی میں تمھیں ہماری خدمات کی بھلا کیا ضرورت ہو سکتی ہے؟"

"نہیں... یہ عمارت ڈیموس نے بنوائی تھی۔ وہی جس نے وہ عظیم بحری جہاز بنوایا ہے۔"

"کیا ڈیموس شاہ کا وفادار ہے؟" اوشان نے دریافت کیا۔

"اس نے یہ عظیم بحری جہاز شاہ کے لیے نہیں بنوایا۔ اس کا کہنا ہے کہ وہ اس جہاز سے پوری دُنیا کی خدمت کرنا چاہتا ہے۔"

"ہوں!" اوشان سوچ میں پڑ گیا، "اگر وہ جہاز شاہ کی ملکیت نہیں تو تمھیں اس میں اتنی دلچسپی لینے کی کیا ضرورت ہے۔ شاہ کو اطلاع دے دو کہ ہم باڈی گارڈ بننا پسند نہیں کرتے۔"

"مگر... لیکن جناب! یہ قطعی مختلف معاملہ ہے۔" سفیر بوکھلا گیا۔

"تم نے مجھے اس آتش زدگی کے بارے میں بتایا تھا۔" اوشان اس کی بات نظر انداز کرتے ہوئے بولا، "پھر تم نے سرکٹی لاشوں کا بھی تذکرہ کیا تھا۔ اس میں تو حیرت کی کوئی بھی بات نہیں۔ ایسا کسی بھی جگہ اور کسی کے بھی ہاتھوں سے عمل میں آسکتا ہے۔"

"ہمیں کیا کرنا چاہیے؟" سفیر نے بے بسی سے ہاتھ ملتے ہوئے پوچھا۔

"اپنا قلعہ شاہ تعمیر کرو۔" اوشان نے پُروقار انداز میں مشورہ دیا اور ٹائیگر منہ پھیر کر مسکرانے لگا۔ وہ ان دونوں کی باتوں سے خاصا لطف اندوز ہو رہا تھا۔

شہباز

مصنف اظہر کلیم

دو حصوں میں

مکمل سیٹ =/100 روپے

مکتبہ القریش

سرکلر روڈ اردو بازار لاہور

فون 7668958

"یہ سچ جناب! ہم اس عظیم الشان جہاز کے کچھ حصے دار ہیں۔ اتنا بڑا جہاز ہم خود تیار نہیں کر سکتے۔ وہ تو پانی کے سینے پر تیرنے والی پوری ایک دُنیا کی حیثیت رکھتا ہے۔"

"اگر تم ولیا جہاز خود تیار نہیں کر سکتے اور اپنا خاطر خواہ تحفظ بھی نہیں کر سکتے تو پھر اس انداز میں مرنے کا فن سیکھو۔ بعد میں تمھاری موت شاہ کے لیے ندامت کا باعث نہ بنے۔"

سفیر کے چہرے کے عضلات پھڑپھڑانے لگے۔ اس کی آنکھوں میں دہشت کی علامات نمودار ہونے لگی تھیں۔ وہ حیران تھا کہ یہ شخص اچانک ہی کیسی باتیں کرنے لگا ہے۔ آخر خانہ شاہ نجو کے اس ماسٹر کی خدمات حاصل کرنے کا مقصد کیا ہے؟ اگر اُسے قتل کر دیا گیا تو یہ ایران کی شاہی حکومت کے لیے بے حد توہین آمیز بات ہوگی۔ سفیر اوشان کی اس بات پر گہری سوچ میں ڈوب گیا تھا کہ اُسے مرنے کا کوئی اچھا سا انداز سیکھ لینا چاہیے۔ آخر کیوں؟ وہ اپنے آپ میں اُلجھنے لگا۔ اس ماسٹر کی خدمات اس لیے تو حاصل نہیں کی گئیں کہ یہ کھڑ شاہ کے وفاداروں کو پُروقار انداز میں موت سے ہمکنار ہوتے ہوئے دیکھتا رہے۔

اس نے بالآخر اپنی اُلجھن بڑی صاف گوئی سے اوشان کے گوش گزار کر دی۔

اوشان بڑی شفقت سے مسکرا دیا اور بولا، "میری عظیم شمشیر تمھارے لیے تحفظ فراہم کر سکتی ہے لیکن اگر تم یہ چاہو کہ میں اس شمشیر کے ذریعے تمھیں مکھیوں اور پھلوں سے بھی نجات دلا سکتا ہوں تو یہ تمھاری خام خیالی ہے۔ وہ بڑے بڑے درخت کو کاٹ سکتی ہے لیکن مکھی نہیں مار سکتی۔"

ٹائیگر بھی اوشان کی باتوں سے ذہنی طور پر اُلجھ گیا۔

اوشان بے حد سنجیدہ ہو گیا تھا اور وہ جانتا تھا کہ اوشان اس وقت کس موڈ میں ہے۔ خود اُسے بھی یہ کام ہاتھ میں لیتے ہوئے اچھا محسوس نہیں ہوا تھا... لیکن بات اس کے موڈ کی نہیں تھی۔ اُسے تو اپنا فرض پورا کرنا تھا۔ ذاتی طور پر اس نے نہ تو سفیر فیروز مشہدی کو پسند کیا تھا اور نہ ہی وہ غیر معمولی جہاز اس کی پسند پر پورا اُترا تھا۔ فیروز نے جو خوشبو لگا رکھی تھی، اُسے تو ٹائیگر نے کچھ زیادہ ہی نفرت انگیز محسوس کیا تھا جبکہ اس کے آس پاس پھیلے ہوئے ملازمین کے لیے اس کے دل میں نفرت بڑھتی ہی جا رہی تھی۔

سفیر انھیں لے کر ایک خاص کمرے میں پہنچا جہاں ضرورت کا تقریباً ہر شے موجود تھی۔

چاندی کے برتن، قیمتی فرنیچر اور کلف سے اکڑی ہوئی وردی والی ایک حسین لڑکی جس نے اس ملازمت کو حاصل کرنے کے لیے کس قدر محنت حاصل کی تھی۔

نامور مصنف محمود احمد مودی

وہی تحریر اور وہی انداز

کے ساتھ، اپنے چاہنے والوں

کے لئے ایک نئی سوغات لئے

بہریہ

خوبصورت سرورق، بہترین

طباعت و کتابت، سفید کاغذ

قیمت =/180

مکتبہ القریش

سرکلر روڈ اردو بازار لاہور

7668958

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"ہم اس قسم کا سامان استعمال نہیں کرتے۔" ٹائیگر نے نفرت سے کہا۔ "بہرحال، شاہ کا اس سلسلے میں شکریہ ادا کر دینا۔"

"اگر یہ لڑکی ٹائپ کرنا جانتی ہے تو میں اسے پسند کرنے پر مجبور ہوں۔" اوشان نے بڑی بے نیازی سے لڑکی کے بارے میں تبصرہ کیا۔

جواباً لڑکی کے ہونٹوں پر بڑی ہی حسین مسکراہٹ رقص کرنے لگی۔

تھوڑی ہی دیر بعد وہ اس عظیم الشان جہاز کی طرف روانہ ہو گئے جس میں ان کے لیے ایک آراستہ کیبن موجود تھا۔ یہاں بھی شاہانہ سازوسامان کی کمی نہیں تھی۔ اس کمرے میں داخل ہوتے ہی انسان کو احساس ہونے لگتا تھا کہ وہ کسی شاہ کا مہمان ہے۔ اوشان بستر پر گر گیا اور ٹائیگر ایک آرام کرسی پر بیٹھ کر جوتوں کے تسمے کھولنے میں مصروف ہو گیا۔

▼

ٹائیگر آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہا تھا۔ اس غیر معمولی جہاز میں بطور ایرانی سکیورٹی آفیسر کے اس کا فرض تھا کہ وہ تھوڑا بہت گھوم پھر کر جائزہ لے لے عجیب جہاز تھا۔ وہاں ضرورت کی ہر شے موجود تھی۔ انسان مہینوں اس جہاز پر قیام کر کے باہر کی دنیا نہ دیکھنے کی کمی محسوس نہیں کر سکتا تھا۔ سکیورٹی کا بھی زبردست انتظام تھا۔ ہر ملک کا سفیر اپنی سکیورٹی کے ساتھ آیا تھا جبکہ جہاز کی اپنی سکیورٹی بھی کچھ کم نہیں تھی اور الیکٹرونک حفاظتی انتظام بھی انتہا درجے کا تھا۔

وہ ایک براہ داری میں چل رہا تھا اور اس کا رخ عرشے کی طرف تھا۔ اس براہ داری میں چلتے ہوئے اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ نیویارک کے کسی سب وے میں پیدل چل رہا ہو لیکن سب وے میں چلتے وقت انسان مطمئن ہوتا ہے کیونکہ اسے معلوم ہوتا کہ وہ کہاں پہنچے گا جبکہ اس براہ داری کا اختتام کہاں ہوگا، ٹائیگر اس بات سے بے خبر تھا کہ اس کے قدم اسے کہاں لے جائیں گے۔ معاً وہ چونک پڑا۔

اسے کسی کی موجودگی کا احساس ہونے لگا تھا۔ وہ اس وقت جس براہ داری میں چل رہا تھا اس میں دبیز قالین بچھا ہوا تھا اور اس پر چلنے سے قدموں کی آہٹ بلند نہیں ہوتی تھی۔ لیکن ٹائیگر تو یوں بھی بے آواز چلنے کا عادی تھا۔ اسے یاد نہیں تھا کہ گزشتہ پندرہ سال کے عرصے میں اس کے قدموں نے ایک بار بھی آہٹ پیدا کی تھی۔ اس نے گردن گھما کر دیکھا اسے کوئی نظر نہ آیا۔ اس نے سامنے دیکھا، تب بھی کوئی نہ دکھائی دیا۔ وہ اپنی اس مخصوص حس پر شبہ نہیں کر سکتا تھا جس نے کسی کی موجودگی سے اس کے ذہن کو آگاہ کر دیا تھا۔

"کیا تم عرشے پر جا رہے ہو؟" ایک آواز سنائی دی۔

ٹائیگر نے آواز کی طرف دیکھا۔ وہاں ایک آدمی کھڑا گہری نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کو حیرت ہوئی کہ ابھی یہ آدمی یہاں موجود نہیں تھا۔ پھر اچانک ہی کہاں سے ٹپک پڑا۔ یقیناً براہ داری کی دیواروں میں کوئی خفیہ دروازہ تھا جس سے وہ یوں پراسرار انداز میں سامنے آ گیا تھا۔

"ہاں... میں عرشے پر جا رہا ہوں۔" ٹائیگر نے نرمی سے جواب دیا۔ "میں یہاں کچھ گھٹن سی محسوس کر رہا تھا۔"

"تم جس راستے پر جا رہے ہو، اس پر چلتے ہوئے کل صبح تک بھی عرشے پر نہیں پہنچ سکتے۔ یہ بہت طویل راستہ ہے۔"

"اوہ..." ٹائیگر کے ہونٹ بھنچ گئے اور چہرے پر بے بسی کے تاثرات پھیل گئے۔ "اس کا مطلب ہے کہ مجھے واپس چلے جانا چاہیے۔"

"ارے نہیں، میرے ساتھ آؤ۔ میں ایک مختصر راستے سے واقف ہوں۔ چند منٹ میں اوپر پہنچا دوں گا۔"

ٹائیگر نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلا دیا اور اس کے ساتھ چلنے لگا۔ راہ داری میں کچھ آگے بڑھنے کے بعد وہ شخص بائیں جانب گھوم گیا۔ جبکہ ٹائیگر اگر تنہا ہوتا تو یقیناً سیدھا ہی بڑھتا چلا جاتا۔ اس نے سیکورٹی کے لباس والے اس شخص کی طرف دیکھا۔ اس کا چہرہ خوش گوار تھا، ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی اور وہ ایک زندہ دل آدمی لگتا تھا لیکن نہ جانے کیوں ٹائیگر اس کے ساتھ چلتے ہوئے بے چینی محسوس کر رہا تھا۔

"تمہارا تعلق ایران کی سیکورٹی سے ہے؟" اس شخص نے پوچھا۔

"ہاں..." ٹائیگر نے جواب دیا۔ اس کے سینے پر بائیں جانب ایک بیج لگا ہوا تھا جو ظاہر کرتا تھا کہ اس کا تعلق کس ملک کے سفارت خانے سے ہے۔

"سنا ہے، ایران کی سیکورٹی دنیا بھر میں سب سے اچھی ہے اور کوئی اسے چیلنج نہیں کر سکتا۔"

"سنا تو میں نے بھی ہے... لیکن میں اپنے منہ میاں مٹھو بننا پسند نہیں کرتا۔" ٹائیگر کا لہجہ بے حد خوش گوار تھا۔

"ادھر سے چلو..." اس شخص نے ایک دروازہ کھولا۔

ٹائیگر اس کے ساتھ ایک اور راہ داری میں داخل ہو گیا۔ اس

جگہ فرش پر قالین کی بجائے دبیز گھاس بچھا ہوا تھا۔ راہ داری میں چلتے ہوئے اب خفیف سی آواز بھی سنائی نہیں دے رہی تھی۔ ٹائیگر نے محسوس کیا کہ اس وقت وہ جہاز کے جس حصے میں ہے، یہ دوسرے حصے سے کافی مختلف ہے۔ اس نے دونوں دیواریں دیکھیں۔ ان پر اسے وائرنگ کی دو دو فٹ دیواریں دکھائی دے رہی تھیں۔ نہ جانے یہ تاروں کو اس طرح باہر کھلی رکھا گیا تھا جبکہ اسے پانی کے پائپ نظر نہیں آ رہے تھے۔ اچانک ٹائیگر کو ٹی۔ وی اسکرین دکھائی دی اور پھر جا بجا کیمرے کی آنکھیں نظر آنے لگیں۔ گویا اس راہ داری میں چلنے والوں کو آسانی سے کہیں اور بھی دیکھا جا سکتا تھا۔

وہ جیسے جیسے آگے بڑھ رہا تھا اسے راہ داری کے نظام سے اُلجھن ہوتی جا رہی تھی۔

"عرشہ اب کتنی دور ہے؟" ٹائیگر نے اپنے ساتھی سے پوچھا۔

"زیادہ دور نہیں..." وہ شخص بولا اور ٹائیگر کی طرف دیکھنے لگا۔ "تم زبان سے تو ایرانی نہیں لگتے۔"

"میں نے امریکہ میں تعلیم حاصل کی ہے۔"

"لیکن تمہارے نقش و نگار بھی ایرانی نہیں ہیں۔" اس شخص نے اصرار کیا۔

"ہو سکتا ہے، امریکہ میں طویل عرصے تک قیام کی وجہ سے میرے چہرے میں بھی کوئی تبدیلی آ گئی ہو۔" ٹائیگر نے مسکرا کر جواب دیا۔ "تم اس بات سے انکار نہیں کر سکتے کہ ماحول انسان کو بہت بدل دیتا ہے۔"

"ہاں... یہ بات تو ہے۔" اس نے تائید کی۔

"عرشہ کہاں ہے؟" ٹائیگر کے صبر کا پیمانہ اب لبریز ہونے لگا تھا کیونکہ وہ ایک راہ داری سے گھوم کر دوسری میں اور پھر تیسری سے چوتھی میں داخل ہو گئے تھے۔

"تمہیں اوپر جانے کی بہت جلدی ہے؟" وہ شخص معنی خیز لہجے میں بولا۔

"ہاں... میں یہاں مزید گھٹن محسوس کر رہا ہوں۔"

"تو پھر چلو، تمہاری یہ خواہش یہیں پوری کر دی جائے۔" یہ کہہ کر وہ شخص رُک گیا اور اچانک ہی اس کے ہاتھ میں ایک عجیب ساخت کا ریوالور نظر آنے لگا۔

"میں نے ریوالور نہیں عرشہ کہا تھا۔" ٹائیگر نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "کیا تمہارے ملک میں عرشہ کو

نامور مصنف محمود احمد مودی
وہی تحریر اور وہی انداز
کے ساتھ 'اپنے چاہنے والوں
کے لئے ایک نئی سوغات لئے
تلاش
دو جلدیں جلد اول =/150
جلد دوئم =/150
خوبصورت سرورق' بہترین
طباعت و کتابت' سفید کاغذ
مکتبہ القریش
سرکلر روڈ اردو بازار لاہور
7668958

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ریوالور کہا جاتا ہے؟"

اس شخص کی آنکھوں میں اب ایک عجیب سی چمک تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے اس کی آنکھوں میں ایک شعلہ سا بھڑک رہا ہو۔ یہ دیوانگی کا شعلہ تھا جو اس کے دماغ پر تیزی سے حاوی ہو رہی تھی۔

"تمہارے منہ سے آواز نہیں نکلنی چاہیئے۔" اس نے سرگوشی کی۔

"اگر تم مجھے گولی مارو گے تو یقیناً آواز پیدا ہو گی۔" ٹائیگر نے مسکرا کر کہا۔

"اس میں ایک خاص قسم کا سائیلنسر لگا ہوا ہے۔" وہ سنگدلانہ انداز میں بولا اور ریوالور کا رُخ ٹائیگر کی طرف کر دیا۔

"ذرا دیکھوں..." ٹائیگر نے کہا اور ہاتھ بڑھا دیا۔

دیوانگی کے جذبات سے مغلوب شخص نے فوراً لبلبی پر دباؤ ڈالا لیکن اس سے پہلے کہ اس کی انگلی کا دباؤ مکمل ہوتا' ریوالور اس کے ہاتھ سے نکل کر ٹائیگر کے ہاتھ میں پہنچ چکا تھا۔ وہ حیرت اور سکتے کے سے عالم میں ٹائیگر کو گھورتا رہ گیا۔ اس کے ہاتھ خالی کا منظر بے آب مچھلی جیسا تھا... ریوالور ٹائیگر کے ہاتھ میں دیکھ کر وہ خوفزدہ نہیں ہوا تھا۔ شاید یہی وجہ تھی کہ وہ خود پر قابو پاتے ہی ٹائیگر کی طرف لپک پڑا تھا۔

ٹائیگر نے اس کا استقبال کرنے کیلئے ریوالور استعمال نہیں کیا بلکہ اپنی انگشت شہادت آگے بڑھائی جو اس کی ناف سے ٹکرائی۔ وہ ایک جھٹکے سے رُک گیا۔ اگر وہ اپنی ہی جھونک میں آگے بڑھتا تو یقیناً انگلی اس کے پیٹ میں اُتر گئی ہوتی۔ یہ نائف پوائنٹ کا مخصوص وار تھا لیکن ٹائیگر نے انگلی محض اُسے آگے بڑھنے سے روکنے کے لئے آگے کی تھی۔ وہ اسے جان سے مارنا یا زخمی کرنا نہیں چاہتا تھا۔ انگلی اور ناف کا تصادم ہوتے ہی حملہ آور جس انداز میں رُکا تھا' اس سے یہ ہُوا کہ وہ اُلٹ کر گر گیا۔ گرتے گرتے اس کی دونوں ٹانگیں اُوپر کو اچھلی تھیں لیکن ٹائیگر ان کی دسترس سے بہت دُور جا کھڑا ہُوا تھا۔ اس کے بعد حملہ آور کو اُٹھنے کی فرصت ہی نہ رہی۔ اسے اپنے پیٹ میں مروڑ کا احساس ہو رہا تھا... پھر نہ جانے کیوں اس کے پورے جسم پر بے حسی سی طاری ہو گئی۔

وہ محسوس کر رہا تھا کہ اس کا جسم گویا مفلوج ہو گیا ہے۔ وہ ربر کے فرش پر چت لیٹا ہُوا تھا اور اس کی آنکھیں راہ داری کی چھت سے لگی ہوئی تھیں۔

ٹائیگر نے ریوالور کا جائزہ لیا۔ عجیب ساخت کا ریوالور تھا۔ اگرچہ ہتھیاروں کے سلسلے میں اُس کی معلومات کافی وسیع تھیں لیکن ایسا ریوالور پہلے کبھی دیکھنے کا اتفاق نہیں ہُوا تھا۔ ٹائیگر کو حیرت ہوئی کہ اس شخص نے ریوالور پر سائیلنسر کی موجودگی کا اظہار کیا تھا... لیکن ریوالور کی نال خالی تھی۔ اس پر سائیلنسر دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اس نے اپنے حریف کی طرف دیکھا۔ وہ اب بھی ربر کے فرش پر دراز تھا اور اس کی آنکھیں چھت کو گھور رہی تھیں۔

ریوالور کا کلپ نکال کر اُس نے نال کا جائزہ لیا تو پتہ چلا کہ اس جدید ترین ریوالور میں سائیلنسر نال کے اندر ہی بڑی خوبصورتی سے فٹ کر دیا گیا تھا۔ ٹائیگر کو یہ ریوالور بے حد پسند آیا لیکن آتشیں اسلحہ اُس کے فن پر ایک بدنما دھبے کی سی حیثیت رکھتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس کی جیبیں ایسے ہتھیاروں سے ہمیشہ خالی ہی رہتی تھیں۔

اچانک ٹائیگر کی چھٹی حس ظاہر کرنے لگی کہ اسے دیکھا جا رہا ہے۔ اس نے کلپ ایک طرف اور ریوالور ساکت پڑے ہوئے آدمی کے قریب پھینکا اور تیزی سے آگے بڑھ گیا۔ وہ جانتا تھا کہ یہاں سے واپس جانا ممکن نہیں کیونکہ راہ داری کی جھولتی قندیلیں اسے اُلجھا سکتی تھیں۔ اس نے بہتر سمجھا کہ آگے ہی آگے بڑھتا رہے۔

جیسے ہی وہ راہ داری میں ایک طرف گھوما اُسے دروازے دکھائی دیئے۔ اس کے حلق سے اطمینان کی سانس نکل گئی۔ اس نے ایک دروازہ کھولا اور پھر اُسے فوراً ہی بند کر دیا۔ اندر کسی ملک کا سفیر کسی خاتون سے اپنے سفارتی تعلقات پر... بات چیت کر رہا تھا۔ وہ تو غیر ہوئی کہ ان دونوں کی اس پر نگاہ نہیں پڑی تھی ورنہ خاصہ ہنگامہ کھڑا ہو جاتا۔ یہ ایک کیبن کا دروازہ تھا۔ ٹائیگر نے دوسرا دروازہ آزمایا۔

یہ بھی ایک کیبن ہی تھا... لیکن سامنے کوئی دکھائی نہیں دے رہا تھا... اس سے پہلے کہ ٹائیگر واپسی کا ارادہ کرتا' اسے سامنے ایک ٹی وی اسکرین دکھائی دی۔ اس اسکرین پر وہی راہ داری روشن تھی جس سے وہ ابھی ابھی گزر کر آیا تھا... اور اسکرین پر وہی شخص ساکت پڑا نظر آ رہا تھا جس نے ٹائیگر کو گولی مارنے کی کوشش کی تھی۔ ٹائیگر سمجھ گیا کہ اس حصے کی تمام راہ داریاں کیمروں کی آنکھوں سے مزین ہیں اور یہاں پر ہونے والی خفیف سے خفیف حرکت بھی مختلف کیبنوں میں لگے ہوئے ٹی وی سیٹوں پر دیکھی جاتی ہے۔ وہ دروازے کی طرف پلٹ پڑا۔

ابھی وہ دروازے سے چند قدم دور ہی تھا کہ اُس نے ٹی وی پر کسی کی آواز سُنی۔ "کیا رہا...؟"

وہ پلٹ کر اسکرین کی طرف دیکھنے لگا۔

اسکرین پر اس وقت ایک آدمی دکھائی دے رہا تھا جو ربر کے فرش پر گرے ہوئے آدمی کو سہارا دے کر کھڑا کر رہا تھا۔ ٹائیگر کا حریف اب آہستہ آہستہ کراہ رہا تھا۔ "اس نے مجھے زخمی کر دیا میرا پورا جسم مفلوج ہو کر رہ گیا ہے۔" یہ کہہ کر اس نے اپنے پیٹ پر ہاتھ رکھ لیا۔ "لیکن کیا وہ کوئی انسان تھا؟"

"کیا مطلب؟" دوسرے آدمی کے لہجے میں حیرت تھی۔

"تم کیا کہہ رہے ہو؟"

"یقیناً وہ انسان نہیں ہو سکتا۔" پہلا آدمی کراہ کر بولا۔ "وہ خالی ہاتھ تھا۔ اس کے لباس سے پتہ چلتا تھا کہ اس کے پاس کوئی ہتھیار نہیں ہے۔"

"پھر تم اس سے کس طرح مار کھا گئے؟" دوسرا شخص بولا۔ "تمہارے پاس تو وہ مخصوص ریوالور بھی تھا۔ وہ کیا ہُوا؟" اس نے اِدھر اُدھر دیکھا تو اپنے قدموں میں پڑا ہُوا اُسے وہ ریوالور بھی نظر آ گیا۔ اس نے ریوالور اُٹھایا تو اس کا کلپ غائب دیکھ کر مسکرانے لگا۔ "تم جلد بازی میں اسے لوڈ کرنا بھول گئے تھے۔"

"نہیں اس میں کلپ موجود تھا۔" پہلا شخص بولا۔ "ہمیں گولیاں پڑا ہو گا۔"

"اوہ... اس ریوالور کے باوجود ایک نہتا آدمی تم پر قابو پانے میں کامیاب ہو گیا۔ مجھے یقین نہیں آتا۔"

"لعنت ہو تم پر... میں کہتا ہوں' وہ انسان نہیں بلکہ کوئی مافوق البشر ہستی تھی۔ میں نے ریوالور اس کی طرف تان لیا تھا اور ٹریگر دبانے ہی والا تھا کہ اس نے دونوں ہاتھ بڑھا کر ریوالور مجھ سے چھین لیا۔ یقین کرو میں اس کے ہاتھوں کو دیکھنے میں کامیاب ہی نہیں ہو سکا تھا۔ اتنی پھرتی سے کسی انسان سے توقع نہیں کی جا سکتی۔"

"کیا تمہیں کہیں گولی لگی ہے؟" دوسرے نے تشویش سے پوچھا۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ اس کی بہکی بہکی باتوں کو اس کی ابتر ذہنی حالت کا ذمے دار سمجھ رہا ہو۔

"میرا خیال ہے' نہیں۔"

"تو پھر اس نے تمہاری کھوپڑی پر ریوالور کا دستہ آزمایا ہو گا جس سے تمہاری ذہنی کیفیت کافی خراب ہو گئی ہے۔"

"میرا مذاق مت اُڑاؤ۔" پہلا شخص جھلا گیا۔ "یوں لگ رہا ہے جیسے میرا پیٹ یا تو پھٹ چکا ہے یا عنقریب پھٹنے والا ہے۔ اس نے میرے پیٹ میں اُنگلی ماری تھی۔"

دوسرا شخص منہ پھیر کر مسکرانے لگا پھر وہ جلد ہی سنجیدہ ہو گیا۔

"بہت بُرا ہُوا۔" دوسرا آدمی بڑبڑایا۔ "ممبرون کو پتہ چلے گا تو وہ غصے سے بے قابو ہو جائے گا۔"

"جہنم میں گیا' ممبرون۔ میں کہتا ہوں کہ میں مر رہا ہوں۔"

"بہتر ہو گا کہ اسے بتا دیا جائے۔ وہ منتظر ہو گا... اور ہاں... وہ شخص کدھر گیا۔ میں نے اسے واپس جاتے ہوئے تو نہیں دیکھا۔"

"میرا خیال ہے' وہ آگے کہیں چلا گیا ہے۔"

"میں ممبرون کو اطلاع دیتا ہوں... اور پھر اس کی تلاش شروع ہو جائے گی۔" یہ کہہ کر اس نے دیوار پر لگے ہوئے ایک ریسیور پر کسی سے رابطہ قائم کر کے صورت حال بتانا شروع کر دی۔

اب ٹائیگر کے لئے وہاں کھڑے رہنا فائدہ مند نہیں تھا۔ اگر وہ چاہتا تو ان لوگوں سے ٹکرا جاتا لیکن خود پر قابو رکھنے کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ وہ جہاز کے ماحول میں ابتری پھیلانا نہیں چاہتا تھا۔ اس طرح اُسے اپنے مقصد میں ناکامی بھی ہو سکتی تھی۔ ظاہر ہے' وہ اس غیر معمولی جہاز پر ایرانی سفیر کی حفاظت کرنے تو نہیں آیا تھا بلکہ اس کے درپردہ ان دہشت پسندوں

نواب حیدر علی
الماس ایم اے قیمت:-/200
بہیمانہ
قیمت:-/150 روپے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کو تلاش کرنا اس کا مقصد تھا جنھوں نے ملک کے طول و عرض ہی میں نہیں پوری دنیا میں گہرا اثر قائم کر رکھا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ منزل اب زیادہ دور نہیں ہے اس لئے وہ منزل کے قریب پہنچ کر ناکامی کا داغ نہیں لگوانا چاہتا تھا۔

وہ کمرے سے باہر آ گیا۔

راہ داری سنسان پڑی تھی۔ ممکن ہے راہ داری میں لگی ہوئی الیکٹرونک آنکھ اس کا عکس کسی اسکرین پر منتقل کر رہی ہو لیکن ایسی آنکھوں کی اب اُسے پروا بھی نہیں تھی۔ وہ جلد از جلد اس جگہ سے نکل کر واپس اپنے کیبن میں پہنچ جانا چاہتا تھا۔ راہ داری میں دوڑتے وقت اس کی رفتار بے حد تیز تھی۔ ربر کی وجہ سے اس کے قدموں سے آہٹ پیدا نہیں ہو رہی تھی... اور اگر ربر نہ ہوتی تو بھی یہ آہٹ پیدا نہیں ہو سکتی تھی کیونکہ اس کی رفتار دوڑتے وقت اتنی تیز ہو جاتی تھی کہ دیکھنے والوں کو اس کے پاؤں زمین پر لگتے دکھائی بھی نہیں دیتے تھے اور یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ زمین سے چند انچ اُوپر ہوا میں تیر رہا ہو۔ دُور سے دیکھنے پر اس کے دوڑنے کا عمل کسی شاہین کی پرواز جیسا پُروقار لگتا تھا۔

اگر ان راہ داریوں کی بھول بھلیوں میں کھو جانے کا خدشہ نہ ہوتا تو وہ کبھی ان لوگوں کے ہاتھ نہیں لگ سکتا تھا۔

وہ دوڑتا رہا۔ دوڑتے دوڑتے اسے کافی دیر ہو گئی۔ اس کے جسم پر ہلکا ہلکا پسینہ آ گیا اور کپڑے چپکنے لگے۔ تب اسے احساس ہوا کہ وہ غلطی کر رہا ہے۔ اس طرح تو وہ قیامت تک دوڑتا رہے گا اور ان بھول بھلیوں سے نہیں نکل سکے گا۔ اب اُسے اندازہ ہوا تھا کہ ان راہ داریوں کو اس انداز میں کسی خاص مقصد کے تحت ہی بنایا گیا تھا اور وہ مقصد اس کے علاوہ کیا ہو سکتا ہے کہ اجنبی آدمی ان راہ داریوں میں بھٹکتا رہے حتیٰ کہ ان کے ہتھے چڑھ جائے۔ اچانک ٹائیگر کو یاد آیا کہ جس شخص نے عرشے تک رہنمائی کرنے کی پیش کش کی تھی، اس کی موجودگی تو اس نے پہلے ہی محسوس کر لی تھی جب کہ وہ سامنے بعد میں آیا تھا اور اس کی آمد غیر متوقع انداز میں سامنے آئی تھی۔ وہ کہاں سے آیا تھا اور کس طرح اس جگہ نمودار ہوا تھا، اس سلسلے میں وہ کوئی فیصلہ نہیں کر سکا تھا جب کہ اس وقت ٹائیگر کا ذہن تیزی سے کام کرتے ہوئے یہ نتیجہ اخذ کر چکا تھا کہ راہ داری کی دیواروں میں ایسے خفیہ دروازے موجود ہیں، جن کی مدد سے ان دیواروں کے آر پار آیا جا سکتا ہے۔

وہ رُک گیا۔

اس نے ایک طویل سانس لی اور متلاشی نظروں سے دیواروں کو گھورنے لگا۔ بظاہر ایسی کوئی جگہ، کوئی جوڑ یا کوئی دراڑ نظر نہیں آ رہی تھی جہاں پر دروازے کا گمان ہوتا... لیکن وہ مایوس نہیں ہوا۔

اس نے دونوں ہاتھ دیوار پر ٹکا دیئے اور دیوار کے ساتھ ساتھ یوں چلنے لگا کہ اس کے دونوں ہاتھ چکنی دیوار پر پھسلتے رہے تھے۔

اچانک اس کی چھٹی حس نے اُسے کسی کی موجودگی سے آگاہ کر دیا... اس کی حساس سماعت نے بتایا کہ کوئی سامنے سے چلا آ رہا ہے۔ سامنے ایک موڑ تھا۔ جو کوئی بھی اِدھر آ رہا تھا، وہ موڑ سے دوسری جانب راہ داری میں تھا۔ ٹائیگر تیزی سے پلٹا اور دوڑنے لگا۔ وہ دوڑتا ہوا دوسرے موڑ پر پہنچا اور پھر وہاں رُک کر دیوار کو ٹٹولتا ہوا آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگا۔

الیکٹرونک آنکھ ہر راہ داری میں اس کی نگرانی کر رہی تھی۔

دیوار کے ساتھ چلتے ہوئے وہ ایک جگہ رُک گیا۔

یہاں اُسے دیوار میں بنی ہوئی ایک الماری نظر آ رہی تھی قریب ہی دیوار کی راہ داریوں میں کئی آدمی اس کی تلاش میں دوڑتے پھر رہے تھے۔ ٹائیگر نے سوچا کہ وقتی طور پر اس الماری میں ہی پناہ لینی چاہیے۔

اس نے الماری کا پٹ کھولا۔ اندر سامان نام کی کوئی شے نہیں تھی اور نہ ہی الماری میں خانے بنے ہوئے تھے۔ البتہ اس میں ربر کا وہ قالین صاف کرنے کا ایک ویکیوم کلینر ضرور رکھا ہوا تھا جو راہ داری میں پھیا ہوا تھا۔ اس نے اندر گھستے ہی الماری کا پٹ بند کر لیا۔ الماری کا پٹ بند ہوا تو اُسے ایک عجیب سی سرسراہٹ سنائی دی۔ اس نے چونک کر عقب میں دیکھا تو اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

الماری کا عقبی حصہ کھسک کر ایک اور دروازہ بنا رہا تھا۔

گویا یہ ایک خفیہ دروازہ تھا اور اس کا میکنزم ایسا تھا کہ بیرونی پٹ کھلنے پر عقبی دروازے کی کوئی ایسی کل دب جاتی تھی جو پٹ بند کرتے ہی عقبی دیوار میں دروازہ نمودار کر دیتی تھی۔

اس طرف بھی ایک راہ داری تھی اور یہاں بھی ربر بچھا ہوا تھا گویا وہ اس مخصوص راہداری کے ایک اور حصے میں نکل آیا تھا۔ وہ اس راہداری میں آگے بڑھتا چلا گیا۔ معاً اُسے پھر قدموں کی سرسراہٹیں سنائی دیں۔ اس بار اُسے آتشیں اسلحے کا بھی احساس ہو گیا تھا۔ ٹائیگر نے سوچا کہ اس طرح بھٹکنے میں توانائی ضائع کرنے کی بجائے اُسے کسی سے مدد حاصل کر لینی چاہیے۔ اچانک اُسے ایک نوعمر آدمی دکھائی دیا۔ ٹائیگر نے

اُس کے ہاتھ میں ایک کھلا ہوا چاقو دیکھا۔ اس سے قبل کہ وہ شخص چاقو سے ٹائیگر پر حملہ کرتا، ٹائیگر نے اُسے اپنے دائیں بازو کے آنکڑے میں پھنسا لیا اور اپنی کلائی سے اس کے نرخرے پر دباؤ ڈالتے ہوئے سخت لہجے میں پوچھا۔ "یہاں سے باہر نکلنے کا راستہ کہاں ہے؟"

جواباً اُس شخص نے خوفزدہ انداز میں کوئی جواب دیا جو اجنبی زبان کی وجہ سے ٹائیگر کی سمجھ میں نہ آ سکا۔

ٹائیگر نے اس کے نرخرے پر دباؤ بڑھا دیا۔

وہ شخص ایک بار پھر بولا لیکن اس بار بھی بات ٹائیگر کے پلے نہ پڑ سکی۔ اس نے اپنے شکار کو ایک طرف اُچھال دیا اور راہداری میں آگے بڑھ گیا۔ اب وہ بڑی توجہ سے دیوار کی طرف دیکھتا ہوا چل رہا تھا۔ اُسے کسی دیوار، گہری الماری کی تلاش تھی۔ جلد ہی وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا۔ اس بار وہ دیوار کی کیبنٹ سے نکلا تو دوسری جانب وہی راہداری تھی جس میں اُسے وہ پہلا شخص ملا تھا جس نے اُسے عرشے تک لے جانے کی پیش کش کی تھی۔

وہاں سے اس کے لیے اپنے کیبن میں پہنچنا زیادہ مشکل نہیں تھا۔

وہ اپنے دروازے سے داخل ہوا تو ایک باڈی گارڈ خبک کرنے کے لیے تیار ہو گیا لیکن اُس نے اپنے کمرے میں قدم رکھا تو اُوشان اُس ایرانی لڑکی سے ایک کھلونے میں مصروف تھا جو اُن کی خدمت کے لیے مامور کی گئی تھی۔ لڑکی بار بار اُوشان کی باتوں پر کھل کھلا کر ہنس پڑتی تھی۔

ٹائیگر نے قریب پہنچ کر کہا۔ "میرے پاس آپ کے لیے ایک دلچسپ خبر ہے، لارڈ فادر!"

"وہ کیا؟" اُوشان نے چونک کر دریافت کیا۔

"اس وقت ہمیں ٹی۔ وی پر دیکھا جا رہا ہے۔"

"اوہ..." اُوشان جلدی سے اپنا لبادہ سمیٹ کر پوز بنانے لگا۔ "کیا تم ٹھیک کہہ رہے ہو؟"

"ہاں..." ٹائیگر نے بھاری لہجے میں جواب دیا۔ "دراصل یہ ایک جہاز نہیں ہے بلکہ جہاز ہیں۔ اس جہاز کے اندر ایک پوشیدہ جہاز بھی موجود ہے جس کے بارے میں صرف چند مخصوص لوگ ہی جانتے ہیں۔"

"اور وہ کیبنوں میں مقیم لوگوں کو ٹی۔ وی اسکرین پر دیکھتے رہتے ہیں۔" اُوشان نے لڑکی کو گھورتے ہوئے کہا۔ "کیا انھوں نے ہمارے درمیان ہونے والی تمام باتیں سن لی ہوں گی؟"

"جی ہاں... وہ تو اس وقت بھی ہماری باتیں سن رہے ہوں گے اس سلسلے کے لیے ایک داخلی سرکٹ کا نظام ہے... اور یہ لوگ دیواروں میں سے گزر جاتے ہیں۔ اس جہاز میں جو واردا تیں ہوئی ہیں ان میں انہی لوگوں کا ہاتھ ہے۔"

"جہنم میں جائیں!" اُوشان نے ناک بھوں چڑھا کر کہا۔

"یہ موت کا جال ہے۔ لٹل فادر!" ٹائیگر نے تفکر آمیز لہجے میں کہا۔

"اس سلسلے میں اسے زیادہ اہمیت نہ دو۔ باہر کی دنیا بھی ایسی ہی ہے۔" اُوشان نے اُسے فکر نہ دیکھتے ہوئے جواب دیا اور چھت سے لگے ہوئے ایک الیکٹرونک آئی کی طرف اشارہ کیا۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے اپنی بات میں زور پیدا کرنے کے لیے اُس نے محض ہاتھ لہرایا ہو۔

ٹائیگر نے کن انکھیوں سے اس الیکٹرونک آئی کی طرف دیکھا۔ یہ آنکھ بالکل اسی زاویے پر لگی ہوئی تھی جس زاویے پر اس نے جہاز کے مخصوص حصے میں ٹی۔ وی سیٹ دیکھا تھا... اور پھر ٹائیگر چونکے بغیر نہ رہ سکا۔ یہ الیکٹرونک آئی ٹوٹی ہوئی تھی۔ گویا اُوشان نے اس کا سُراغ پہلے ہی لگا لیا تھا اور اُسے ناکارہ کر دیا تھا۔

◆

نارمے کے جس علاقے میں اس غیر معمولی اور عظیم الشان جہاز کو تیار کیا گیا تھا، وہاں انسپکٹر ڈیوز بھی بالکل اسی نتیجے پر پہنچا تھا جس پر ٹائیگر پہنچ چکا تھا۔ یہ ایک ذہین سُراغ رساں تھا اور اس کا تعلق اسکاٹ لینڈ یارڈ سے تھا۔ اس نے ماضی کی بعض واردا توں کا گہرا مطالعہ کرنے کے بعد جہاز میں ہونے والی وارداتوں پر غور کیا تو اُسے ایک عامل وارداتی مل گئی جس پر غور کرتے ہوئے اس کا ذہن مختلف قلابازیاں کھانے کے

اے حمید کے ایڈونچر قلم سے
شیوسینا کے دہشت گرد
چار جلدوں میں مکمل سیٹ =/700 روپے
ناشر: مکتبہ القریش
اردو بازار لاہور

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ٹائیگر نے ایک طویل سانس لی اور آنکھیں بند کرلیں۔

اس وقت وہ دُنیا کے سب سے بڑے بحری جہاز کے ایک کیبن میں اپنے بستر پر لیٹا ہُوا تھا۔ اُوشان بھی اسی کمرے میں ہوتا لیکن اس وقت وہ برابر والے کمرے میں وی۔ سی۔ آر پر کوئی ویسٹرن فلم دیکھ رہا تھا۔ اس نے آواز اتنی اُونچی کر رکھی تھی کہ ٹائیگر کو بار بار کانوں میں اُنگلیاں ٹھونس لینی پڑتی تھیں۔ وہ حیران تھا کہ اُوشان ان فلموں کو کیوں دیکھتا ہے اور خاص طور سے اتنی بلند آواز کیوں رکھتا ہے۔ شاید اس سے کسی مخفی جذبے کی تسکین ہوتی ہو۔ اس نے سوچا اور آنکھوں کو مزید سختی سے بھینچ لیا۔

اب اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا کہ وہ اپنی صلاحیتوں سے کام لے کر اعصاب کو اس شور سے متاثر ہونے سے محفوظ رکھ سکے۔ اس کا ذہن آہستہ آہستہ غنودگی کا شکار ہونے لگا۔

اس نے اپنے دوران خون میں پہلے تو بے حد تیزی پیدا کی تھی اور پھر اسے سُست کرتا چلا گیا تھا۔۔۔ اب اس کی دھڑکنیں ڈوبتی جا رہی تھیں اور جسم کے رگ و ریشے میں ایک عجیب سی کاہلی اور ڈھیلا پن پیدا ہوتا جا رہا تھا۔ وہ محسوس کرنے لگا کہ اس کی ہستی گہرے پانیوں میں ڈوبتی چلی جا رہی ہو۔ کچھ ہی دیر بعد وہ گہری نیند میں ڈوب گیا۔۔۔ لیکن یہ نیند زیادہ دیر برقرار نہ رہ سکی۔ اس کی حسیات بیدار تھیں اور وہ اسے کسی بھی غیر معمولی صورتِ حال سے آگاہ کرتی تھیں۔ اسے یوں محسوس ہُوا تھا جیسے اس کے کیبن میں کوئی گڑبڑ ہو رہی ہو۔ یہ کیسی گڑبڑ تھی، اس کا اسے نیند کی حالت میں تو اندازہ نہیں ہو سکتا تھا اس لئے وہ آنکھیں کھولنے پر مجبور ہو گیا۔

حواس جیسے ہی بیدار ہوئے، برابر کے کمرے سے آنے والی ویسٹرن فلم کی سماعت خراش آوازیں اس کے کانوں میں جھنجھنانے لگیں۔ اس وقت اسکرین پر غالباً کسی گن فائٹ کا منظر پیش ہو رہا تھا۔ گولیوں کے دھماکوں سے کیبنوں کے در و دیوار پر لرزہ سا طاری تھا۔

ٹائیگر اُٹھ بیٹھا۔ اس نے محتاط نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھا۔ دیواروں پر آوازوں کے اثرات کے علاوہ کوئی خاص بات نہ تو نظر آ رہی تھی اور نہ ہی کچھ محسوس ہو رہا تھا۔۔۔ لیکن تربیت یافتہ حسیات کہہ رہی تھیں کہ کوئی گڑبڑ ہے۔ ٹائیگر جانتا تھا کہ اس وقت وہ جس جہاز میں موجود ہے، اس کی حیثیت ایک ایسے تابوت جیسی ہے، جس میں کسی بھی لمحے، کسی بھی سمت سے موت جھپٹ سکتی ہے۔ کیا یہ جہاز دہشت پسندوں کی آماجگاہ ہے؟ کیا یہاں درانتی جیسی دُنیا کی خوف ناک ترین تنظیم کے لوگ موجود ہیں؟ آخر یہ کون لوگ ہیں اور کیا چاہتے ہیں؟ ان لوگوں نے آناً فاناً ہر طرف موت ہی موت بکھیر دی تھی۔ انھوں نے کوئی مطالبہ نہیں کیا تھا۔ اور نہ ہی کوئی حکومت یہ جانتی تھی کہ درانتی کے لوگوں کی دشمنی کا رُخ کس کی طرف ہے۔ بس یُوں لگ رہا تھا جیسے وہ سفارت خانے سے متعلق لوگوں کو ختم کرنے پر تُلے ہوئے ہوں۔ ابھی تک ایرانی سفارت خانے کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا تھا لیکن شاہِ ایران کے حکم پر اس کے سفیر نے خانہ سنانجو کے ماسٹر اُوشان کی خدمات حاصل کر لی تھیں۔ کیوں؟ ٹائیگر سوچتا رہا اور اس کی آنکھیں بطورِ استفہامی انداز میں جھپکتی رہیں۔

بار بار اس کا ذہن صرف اس چیز میں اُلجھ جاتا تھا کہ کیا واقعی درانتی کے لوگوں کا وجود ہے؟ ایرانی سفیر کو خانہ سنانجو اور اس کے ماسٹر کی موجودگی پر یقین نہیں تھا جب کہ وہ ایک ٹھوس حقیقت کی طرح دُنیا میں موجود تھا۔۔۔ لیکن اُوشان کا دعویٰ تھا کہ اس کے آباؤ اجداد نے درانتی کے گُرگوں کو چُن چُن کا ختم کر دیا تھا۔۔۔ پھر یہ تنظیم دوبارہ کہاں سے پیدا ہو گئی؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ اُس دور میں درانتی کا کوئی گُرگا بچ نکلا ہو اور درپردہ اپنی طاقت بڑھاتا رہا ہو۔۔۔ اور اب وہ انتقام لینے کے لئے میدان میں اُتر آیا ہو۔

ٹائیگر نے یہ خیال ذہن سے نکال دیا۔ اس کی عقل کہتی تھی کہ درانتی کے گروہ کا وجود اُوشان کے آباؤ اجداد نے مٹا دیا تھا۔ یہ کوئی نیا، باتنظیم ہے۔ کوئی نیا مجرم ذہن ہے۔ جس نے دہشت پھیلانے کے لئے درانتی کا تاریخی خوف و ہراس استعمال کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس کی نظروں ایک۔ کے بعد دوسری دیوار سے ہوتی ہوئی اپنے کیبن کے دروازے پر رُک گئیں۔

دروازہ مضبوطی سے بند تھا۔

اس کی نچلی خفیف سی جھری سے روشنی کی ایک رنگین لکیر برابر والے کمرے سے آ رہی تھی اور اس کا مخرج ٹی وی اسکرین کے علاوہ کیا ہو سکتا تھا۔

وہ بستر سے نیچے اُتر آیا

معاً اس نے محسوس کیا کہ اس کے قدموں تلے فرش کانپ رہا ہے۔ وہ جھک کر دیکھنے لگا۔ اس کی غیر معمولی حسیات بتا رہی تھیں کہ قالین کے نیچے جو بظاہر نرم فرش ہے، وہ درحقیقت بے حد ٹھوس ہے۔ اس نے جلدی سے قالین ہٹایا تو چونکے بغیر

نہ رہ سکا۔ اس سے پہلے وہ دیکھ چکا تھا کہ کیبن کا فرش جو بی ہے لیکن اب وہ فرش لکڑی کا نہیں تھا بلکہ اس پر اسٹیل کی ایک بے لچک پلیٹ چڑھ گئی تھی۔ اس نے پلیٹ کو آہستہ سے ٹھونکا بجایا اور پھر نائٹ بلب کی دھندلی روشنی میں اِدھر اُدھر دیکھا تو حیران رہ گیا۔ کچھ دیر قبل جو دیواریں لکڑی کی نہیں، اب وہ بھی چوبی نہیں تھیں بلکہ ان پر بھی ویسی ہی اسٹیل کی پلیٹ چڑھ گئی تھی جیسی وہ ابھی ابھی فرش پر دیکھ رہا تھا۔

یہ ایک ایسی تبدیلی تھی جسے دیکھ کر ٹائیگر جیسے غیر معمولی آدمی کے بھی رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ خوف اور دہشت کے یہ جذبے اب اس کے لیے نامانوس ہو گئے تھے۔۔۔ لیکن آخر وہ ایک انسان ہی تو تھا۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ اس وقت جس کمرے میں ہے، اس کو واقعی ایک تابوت میں تبدیل کیا جا رہا ہے۔ یہ سب کچھ اتنے غیر محسوس انداز میں ہو رہا تھا کہ عام آدمی اس کی طرف کسی طرح بھی متوجہ نہ ہوتا اور اگر دیکھ بھی لیتا تو شاید کوئی اہمیت نہ دیتا۔

ٹائیگر کی نگاہ دروازے کی طرف اُٹھ گئی۔ اس کے نیچے ابھی جھری موجود تھی جبکہ برابر والے کمرے کے دروازے کی وہ جھری غائب ہو گئی تھی اور اس دروازے پر بھی اسٹیل کی پلیٹ حرکت کر رہی تھی۔ یہ پلیٹ کسی ایک جانب سے نہیں بلکہ چاروں جانب سے حرکت کر کے لکڑی کو ڈھانپ رہی تھیں۔

ٹائیگر نے بڑھ کر اس دروازے پر دستک دی۔

دوسری طرف سے اب آوازیں آنا بند ہو گئی تھیں۔ اسٹیل کی پلیٹ دروازے پر پوری طرح چھا گئی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ جب یہ کمرہ پوری طرح اسٹیل کی پلیٹوں سے ڈھک جائے گا تو اس کی حیثیت ایک ایسے تابوت جیسی ہو جائے گی جس میں انسان دم گھٹ کر مر سکتا ہے۔ اچانک ہی ٹائیگر کو ان لاشوں کے بارے میں یاد آیا جو اس جہاز میں جلی ہُوئی پائی گئی تھیں۔ تب اسے اندازہ ہُوا کہ اس وقت یہ کمرہ کتنی خوفناک قبر کی صورت اختیار کرتا جا رہا ہے۔

وہ سمجھ چکا تھا کہ اسٹیل کی تہیں چڑھنے کے بعد یہ کمرہ ایک بھٹی بن جائے گا اور اس میں آگ ہی آگ پھیل جائے گی جو سب کچھ جلا کر راکھ کر دے گی اور پھر شاید وہ راکھ سمیٹ کر اسٹیل کی چادریں ہٹا دی جائیں گی، تب کوئی اس کمرے میں آ کر یہ نہیں کہہ سکے گا کہ اس کمرے میں کبھی اتنا شاہانہ ساز و سامان اور ایک زندہ انسان بھی موجود رہا ہو گا۔

یہ ایک خوفناک صورتِ حال تھی جس کے خلاف مدافعت کرنا انسان کے لیے کسی طرح بھی ممکن نہیں تھا۔ برابر کے کمرے میں اُوشان ہر بات سے بے نیاز فلم دیکھنے میں مصروف تھا۔ ٹائیگر نے سوچا کہ معلوم نہیں وہ بھی اس تبدیلی سے آگاہ ہُوا ہے یا نہیں، اور یہ کہ اس کمرے میں بھی اسٹیل کی پلیٹیں چڑھ رہی ہیں یا نہیں؟ وہ دیکھ چکا تھا کہ اس کمرے میں اب صرف بیرونی دروازہ ہی ایسا تھا جس پر اسٹیل کی پلیٹ نہیں چڑھی تھی جبکہ باقی پورا کمرہ تابوت میں تبدیل ہو چکا تھا۔

یہ ٹائیگر کی زندگی کا سب سے خطرناک لمحہ تھا۔ ایک ایسا لمحہ جب اس کی بے پناہ اعصابی طاقت، قوتِ ارادی اور غیر معمولی تربیت بھی اُسے خوف و ہراس میں مبتلا ہونے سے نہیں روک سکی تھی۔ اس کی پیشانی پر پسینے کی بوندیں چمک رہی تھیں اور جسم کا ہر مسام پسینہ اُگلنے لگا تھا۔ اس نے جو نائٹ سوٹ پہن رکھا تھا وہ اس کے جسم سے چپک رہا تھا۔

اس نے دروازے کی طرف دیکھا۔

بیرونی دروازے پر بھی چاروں طرف سے اسٹیل کی پلیٹیں سرکنے لگی تھیں۔ ان پلیٹوں کی رفتار زیادہ تیز نہیں تھی۔ یہی وجہ تھی کہ ان کے حرکت کرنے سے کسی قسم کی سرسراہٹ پیدا نہیں ہو رہی تھی۔ اگر ٹائیگر غیر معمولی حسیات سے عاری ہوتا تو شاید اس وقت اطمینان سے سوتا ہی رہتا اور اُسے خبر بھی نہ ہوتی کہ وہ جس کمرے میں اطمینان اور سکون سے سویا تھا، وہ جہنم زار بن چکا ہے۔

اس نے آنکھیں بند کرلیں۔

رفتہ رفتہ اس کے جسم کے تمام ریشے اور تمام پٹھے سخت ہونے لگے۔ اتنے سخت کہ وہ ٹھوس چیزوں سے متصادم ہو سکتا تھا۔ معاً اُس کے دماغ پر دُھند سی چھانے لگی۔ یہ ایک نئی بات تھی۔ اس نے استغراق کے عالم میں جھرجھری سی لی اور پھر اُسے یوں محسوس ہونے لگا جیسے اس کے آس پاس شعلوں کی ان گنت زبانیں لپک پڑی ہوں۔۔۔ ایسے شعلے جو اس کی ہستی کو چاٹ جانا چاہتے تھے۔



Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ڈاکٹر فیلگر کا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔

اس کی آنکھیں بند تھیں اور وہ یوں محسوس کر رہا تھا جیسے اس کے آس پاس آن گنت شعلے رقص کرنے لگے ہوں۔ یہ اس کا احساس تھا یا اس کی دوسماعی کیفیت تھی جس نے اسے قبل از وقت اس کیبن کے بارے میں آگاہ کر دیا تھا جو عنقریب رش آنے والا تھا۔ اچانک اس نے جھرجھری سی لے کر آنکھیں کھول دیں۔ اس کی نگاہ دروازے پر جم گئی۔

دروازے پر چاروں طرف سے جو چادر سمٹ رہی تھی اس میں ابھی ایک فٹ کشادہ خلا باقی تھا۔ ٹائیگر کے ذہن میں پچھلے چند لمحوں کی تفتیش سے حاصل ہونے والی معلومات گھوم گئیں۔ اسے یاد آگیا کہ اسی جہاز کے ایک کیبن سے چند ثانیے قبل یوں غائب ہو گئی تھیں کہ ان کا نام و نشان تک نہیں مل سکا تھا۔ اس کے ذہن میں سوچوں نے قلابازی کھائی اور سب کچھ اس کے سامنے بے نقاب ہو گیا۔ وہ سمجھ گیا کہ یہ کمرہ عنقریب بھٹی بننے والا ہے۔ اب اسٹیل کی ان چادروں کا اسرار بھی اس کی سمجھ میں آگیا تھا۔ اسے تپہ چل گیا تھا کہ جیسے ہی اس کیبن کے دروازہ نما دیوار پر اسٹیل کی پلیٹوں کا سرکٹ مکمل ہو جائے گا، الیکٹرک فرنس کا خودکار نظام کام کرنے لگے گا اور یہ کیبن جہنم کا نمونہ بن جائے گا۔

اس نے دروازے کی طرف دیکھا اور اس کے ہونٹوں پر بڑی ہی طمانیت بھری مسکراہٹ رقص کرنے لگی۔

وہ لپک کر دروازے تک پہنچا۔ اس کا دایاں ہاتھ اٹھا۔ اس کی انگشت شہادت میں تناؤ پیدا ہوا۔ یہ وہی انگلی تھی جسے وہ تیغہ کی طرح استعمال کرنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ اس کا ہاتھ رفتہ رفتہ دروازے کے اس حصے کی طرف بڑھا جہاں پلیٹوں کا سرکٹ آہستہ آہستہ بند ہو رہا تھا۔ اس نے بڑھتی ہوئی پلیٹوں سے کچھ فاصلے پر انگلی رکھی اور اسے دبانے لگا۔ رفتہ رفتہ اس کا ناخن پلیٹ میں گہری خراش ڈالتا چلا گیا حتیٰ کہ کچھ جگہ باقی رہ گئی تب اس نے ایک کنارے سے پلیٹ کو تھوڑا سا اٹھایا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وہ خاصی نرم پلیٹ تھی۔

اس نے دو انچ کی پٹی اس مربعے سے بنانی شروع کی جتنی کہ خلا مکمل ہوتے ہوتے بس اتنی ہی جگہ باقی رہ گئی جہاں سے پٹی کاٹی گئی تھی۔ اگر وہ یہ ٹکڑا نہ نکالتا تو یقیناً دروازے پر اسٹیل کی اس نرم پلیٹ کا سرکٹ مکمل ہو جاتا اور الیکٹرک فرنس کام کرنے لگتی... لیکن دو انچ کی پٹی نکل جانے سے خلا بن گیا اور سرکٹ نامکمل رہ گیا۔

پلیٹوں کی حرکت رک چکی تھی۔

ٹائیگر کی پیشانی پسینے کی ننھی ننھی سی بوندیں لرز رہی تھیں۔ اس نے ایک طویل سانس لی اور اس تڑکاؤ کو گھورتا رہا جس کی وجہ سے اس کی زندگی بچ گئی تھی... اگر یہ خلا پُر ہو جاتا تو اس جہنم زار سے اس کی راکھ ملنا بھی ناممکن تھی۔ اب اسے احساس ہو رہا تھا کہ یہ جہاز درحقیقت ایک بہت بڑا تابوت ہے جو سمندر کے سینے پر تیر رہا تھا۔ اس کے دل اور دماغ میں غصے کی ایک لہر سی دوڑ گئی۔ اس نے دل ہی دل میں فیصلہ کیا۔ اس سلسلے میں جو بھی مجرم سامنے آئیں گے، وہ انھیں بڑی ہی عبرتناک سزا سے ہمکنار کرے گا۔

وہ ایک آرام کرسی پر خم دراز ہو گیا۔

اس کا لباس پسینے کی وجہ سے چپک گیا تھا لیکن اب وہ سکون محسوس کر رہا تھا اس لیے اس کے عضلات بھی معمول پر آ گئے تھے۔ اگرچہ کیبن میں اب قدرے گھٹن تھی لیکن وہ اس گھٹن کو برداشت کر سکتا تھا۔

یکایک اس کی حساس سماعت سے کسی کے قدموں کی دھیمی چاپ ٹکرانے لگی۔ اس نے دروازے کی طرف دیکھا۔

کوئی دروازے کی طرف بڑھتا چلا آ رہا تھا۔

ٹائیگر کے ہونٹوں پر بڑی ہی شریر سی مسکراہٹ رقص کرنے لگی۔ وہ سمجھ گیا کہ جو لوگ اسے اس الیکٹرک فرنس میں بھون ڈالنا چاہتے تھے، وہ یا تو اس کا حشر دیکھنے آ رہے ہیں یا پھر کسی ذریعے سے انھیں تپہ چل گیا ہے کہ سرکٹ میں کوئی خرابی پیدا ہو گئی ہے اور بھٹی نے کام نہیں کیا لہٰذا کوئی اس نقص کو دور کرنے آ رہا ہے۔ قدموں کی چاپ سے اندازہ ہوتا تھا کہ آنے والوں کی تعداد تین سے زیادہ نہیں ہے۔

چند ساعتوں تک تو وہ آرام کرسی پر خم دراز رہا... پھر وہ چیتے جیسی پھرتی سے اٹھا اور اپنی مسہری کی طرف بڑھ گیا۔ اگلے ہی لمحے وہ مسہری پر بالکل اس انداز میں دراز تھا جیسے سہ شام سونے کے بعد سے اب تک اس نے ایک کروٹ بھی نہ لی ہو۔ اس کی حساس سماعت اب بھی قدموں کی چاپ سن رہی تھی جو لمحہ بہ لمحہ قریب تر آتی جا رہی تھی۔

قدموں کی چاپ دروازے کے باہر رک گئی۔

جہاز کے اس کیبن پر اس وقت گہرا سناٹا طاری تھا۔ باہر بھی خاموشی ہی ہو گی لیکن اس کا صحیح معنوں میں اندازہ اس لیے نہیں ہو رہا تھا کہ پورے کمرے میں، دروازے پر دو انچ مربع جگہ کے علاوہ ہر طرف اسٹیل کی چادروں کا حصار قائم ہو چکا تھا۔ اس وقت بیک وقت جتنی بھی آکسیجن موجود تھی، وہ استعمال ہو چکی تھی، اس لیے ٹائیگر کو گھٹن کا احساس رفتہ رفتہ بڑھتا ہوا محسوس ہونے لگا تھا۔ اس نے ایک طویل سانس لی اور مبہم دم کی حالت میں چلا گیا۔ اب اگر اس کیبن میں آکسیجن ختم بھی ہو جاتی تو اسے کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا تھا۔ اس کی حسیات البتہ بیدار رہیں۔

اس نے دروازہ باہر سے کھلنے کی آواز سنی۔

آنکھوں میں خفیف سی جھری پیدا کر کے اس نے دروازے کی طرف دیکھا۔

دو انچ کے فریم میں اسے ایک چہرہ دکھائی دیا۔

کوئی شخص اندر جھانک رہا تھا۔ ٹائیگر نے محسوس کیا کہ اس شخص کی آنکھوں میں حیرت کا تاثر ابھر آیا ہے۔ وہ حیران حیران آنکھوں سے اندر کیبن میں دیکھتا رہا... پھر اس نے پلٹ کر اپنے کسی ساتھی سے کچھ کہا۔ اگلے ہی لمحے وہ چہرہ فریم میں غائب ہو گیا اور اس کی جگہ دوسرے چہرے نے لے لی۔

نئے چہرے پر بھی تحیر کی گہری چھاپ تھی۔ گویا انھوں نے جو کچھ بھی دیکھا تھا، اس پر انھیں یقین نہ آ رہا ہو۔ ٹائیگر خاموش اور ساکت لیٹا آنکھوں میں خفیف سی جھریوں کے ذریعے دروازے کے اس فریم کی طرف دیکھ رہا تھا جس میں تصویروں کی طرح چہرے بدل رہے تھے۔ اب وہاں تیسرا چہرہ نظر آ رہا تھا۔

تینوں آپس میں باتیں کرنے لگے۔

غالباً وہ اس ناقابل یقین صورت حال پر تبادلہ خیالات کر رہے تھے۔

دروازہ ایک دھماکے سے بند ہو گیا۔ ٹائیگر نے آنکھیں کھول دیں اور اٹھ بیٹھا۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ مزید گہری ہو گئی تھی۔

ابھی وہ بستر سے اترا ہی تھا کہ اسے ہیروں کے نیچے ہلکی سی سرسراہٹ محسوس ہونے لگی۔ اس نے دروازے کی جانب دیکھا۔ اسٹیل کی پلیٹیں دوبارہ یوں واپس سمٹ رہی تھیں۔ اس بار ان کی حرکت بے حد تیز تھی۔ چند ہی لمحوں میں وہ نظروں سے اوجھل ہو گئیں۔

ٹائیگر نے ایک انگڑائی لی اور دروازے کی جانب بڑھ گیا۔

اسٹیل کی پلیٹ ہٹ جانے کے بعد درمیانی دروازہ بھی دکھائی دینے لگا تھا اور اس کے نیچے کی جھری سے روشنی بھی دکھائی دے رہی تھی۔ دوسرے کمرے میں ابھی تک وی۔ سی۔ آر چل رہا تھا۔ گویا اوشان اپنی کوئی پسندیدہ فلم دیکھنے میں محو تھا۔ ٹائیگر کو حیرت ہونے لگی کہ کیا اس نے اسٹیل کی پلیٹوں کی سرسراہٹ نہیں سنی تھی اور اگر سنی تھی تو وہ مزے سے فلم دیکھنے میں کیسے مصروف رہا؟

اس نے دروازہ کھولا اور اس کمرے میں داخل ہو گیا۔

اوشان فرش پر کنول کے آسن میں براجمان تھا۔

اس کی نظریں ٹی۔ وی اسکرین پر جمی ہوئی تھیں جہاں مار دھاڑ سے بھرپور ایک منظر پیش کیا جا رہا تھا۔ اوشان کے چہرے پر بچکانہ جوش و خروش کے تاثرات دکھائی دے رہے تھے۔ آنکھوں میں ایسی چمک تھی جیسے وہ بہ تیسرے درجے کی گھٹیا سی فائیٹ دیکھ کر بے حد متاثر ہو رہا ہو حالانکہ یہ فائیٹ ان مووکوں کے مقابلے میں نہایت احمقانہ تھی جنھیں اب تک خود اوشان لوگوں کے سامنے سرانجام دے چکا تھا اور لوگوں نے حیرت کی زیادتی سے اپنی انگلیاں دانتوں میں دبا کر کاٹ ڈالی تھیں۔

ٹائیگر آہستہ آہستہ چلتا ہوا ٹی۔ وی سیٹ کے قریب جا پہنچا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر سیٹ آف کر دیا۔ اوشان کی نگاہیں اب بھی اسکرین پر جمی ہوئی تھیں اور یوں لگ رہا تھا جیسے وہ تصور ہی تصور میں باقی منظر دیکھ رہا ہو۔ جب اس کی محویت میں کوئی فرق نہ آیا تو اس نے سیٹ دوبارہ آن کر دیا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ جب تک اوشان فلم پوری نہیں دیکھ لے گا، اس کی طرف کبھی متوجہ نہیں ہو گا۔ جو سین اسکرین پر دکھایا جا رہا تھا، اس سے ٹائیگر کو اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ فلم کا آخری منظر ہے۔ اس نے سوچا کہ چند منٹ کی یہ کوفت برداشت کر ہی لینی چاہیے۔

"مارو... اور مارو..!" اوشان چیخ پڑا۔ وہ ہیرو کو شہ دے رہا تھا، جو اس وقت دو تین بدمعاشوں سے الجھا ہوا گھونسے بازی کے جوہر دکھا رہا تھا۔ اوشان کی مٹھیاں بھنچی ہوئی تھیں اور وہ بار بار گھونسہ لہرا لہرا کر چیخ رہا تھا۔ اس وقت اسے دیکھ کر کون کہہ سکتا تھا کہ وہ اس صدی کا سب سے بڑا فائیٹر اور کنگ فو جیسے خطرناک ترین فن کا دنیا بھر میں واحد استاد ہے۔ ٹائیگر نے اوشان کے تاثرات کا جائزہ لیا تو پہلی بار اس پر یہ حقیقت آشکار ہوئی کہ اس وقت اوشان اپنی اصل حیثیت کو بھلا کر ایک عام سے آدمی کی طرح فلم سے لطف اندوز ہو رہا ہے۔ اسے احساس ہوا کہ یہ ایک ایسی خوبی ہے جس کی طرف سے وہ آج تک غافل ہی رہا تھا اگر وہ بھی اس خوبی سے استفادہ کرتا تو پچھلے دنوں اس پر جو بیزاری اور کوفت طاری ہوئی تھی، وہ ہرگز نہ ہوتی۔ گویا کام کے وقت کام اور تفریح کے وقت تفریح ضروری ہوتی ہے جب کہ وہ ہر وقت خود کو ٹائیگر سمجھتا رہتا تھا اور اپنی شخصیت کسی لمحے بھی اس کے ذہن سے محو نہیں ہوتی تھی۔

وہ بھی فلم دیکھنے میں محو ہو گیا۔

اگرچہ اس نے فائیٹ سین کا آخری حصہ اور انجام کا محض ایک ہی منظر دیکھا تھا لیکن اسے اچھی طرح احساس ہو گیا کہ اس دوران میں جو خود فراموشی کی کیفیت اس پر طاری ہوئی ہے، اس نے بڑی حد تک اعصابی تناؤ ختم کر دیا ہے۔ وہ خود کو تر و تازہ محسوس کر رہا تھا۔

ٹی۔ وی سیٹ آف کر کے اس نے اوشان کی طرف دیکھا۔

اوشان کے ہونٹوں پر استہزائیہ مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔ انداز

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ایسا ہی تھا جیسے ٹائیگر پر پہلی بار نظر پڑی ہو اور وہ اُسے دیکھ کر بے حد خوش ہُوا ہو۔

"کہو فرزند! کیا تمہارے کیبن میں کھٹمل ہیں یا مچھروں کی وجہ سے نیند اُچاٹ ہوگئی ہے؟"

"مائیل فادر...!" ٹائیگر نے تعظیم میں ڈوبے ہوئے لہجے میں کہا۔

"آواز تو مجھے بھی سُنائی دی تھی، شاید مچھروں کی بن بھنبھناہٹ!"

"مختصر باپ!" ٹائیگر نے تیز لہجے میں کہا۔

"کیا بات ہے، فرزند! یوں لگتا ہے جیسے تم کسی بھٹی سے نکل کر آرہے ہو۔ تمہارے اعصاب کشیدہ، آنکھیں معمول سے قدرے سخت اور فکرمند کیوں محسوس ہو رہی ہیں؟"

"گویا آپ سب کچھ جانتے ہیں اور جان بُوجھ کر بے خبر بنے یہاں بیٹھے فلم دیکھتے رہے ہیں جبکہ برابر کے کیبن میں میری جان پر بن آئی تھی۔" ٹائیگر کے لہجے میں شکایت تھی۔

"میں دیکھنا چاہتا تھا کہ تم کیا کرتے ہو۔" اُوشان نے مخصوص انداز میں قہقہہ لگاتے ہوئے جواب دیا۔

"اور اگر اب تک میں جل کر راکھ ہوگیا ہوتا؟"

"تو میرا تم سے کوئی تعلق یا کوئی رشتہ نہ ہوتا۔" اُوشان کے لہجے میں رُکھائی پیدا ہوگئی۔ "اُوشان کا شاگرد ایسے معمولی خطروں سے شکست تسلیم نہیں کرسکتا۔" یہ کہتے ہوئے اُس نے ٹائیگر کی طرف جن نظروں سے دیکھا، اُن میں شہزاد کے لیے گہری ستائش کے تاثرات تھے۔ "مجھے تم پر فخر ہے... لیکن تمہاری ٹائمنگ بہت خراب ہے۔"

"کیا مطلب؟" ٹائیگر چونک پڑا۔

"جس وقت اس ظلم میں...!" اُوشان نے ٹی۔وی اسکرین کی طرف انگلی سے اشارہ کیا۔ "ہیرو گرفتار ہوگیا تھا اور بدمعاش اس پر تشدد کررہے تھے تو میں سوچ رہا تھا کہ ہیرو کو ان لوگوں کی گرفت سے نکلنے میں زیادہ سے زیادہ پانچ منٹ لگیں گے۔ ایسے میں تمہیں تین منٹ لگنے چاہئیں تاکہ تم یہاں آکر دیکھتے کہ ہیرو نے خود کو کس انداز میں رہا کرایا ہے... لیکن تمہیں دیر ہوگئی۔ ہیرو تم سے پہلے ہی آزاد ہوگیا اور اس نے بدمعاشوں کی وہ ٹھکائی کی... وہ ٹھکائی کی... وہ ٹھکائی...!"

"جی ہاں... میں آخری منظر دیکھ رہا تھا۔" ٹائیگر نے منہ پھلا کر کہا۔

"دیکھا... کیسے نچلے ہاتھ مار رہا تھا۔" اُوشان نے پُرجوش انداز میں ہاتھ ہلاتے ہوئے کہا۔

ٹائیگر نے اثبات میں سر ہلا کر تائید کی تو اُوشان کی آنکھوں میں یکایک سنجیدگی اُتر آئی۔ وہ اب غور سے ٹائیگر کی طرف دیکھ رہا تھا... پھر اُس نے بھی اثبات میں سر ہلا دیا۔ اب وہ بالکل ہی بدلا ہُوا اُوشان لگ رہا تھا۔ پُروقار اور عمر رسیدہ... تجربہ کار اور دانش ور!

"مجھے خوشی ہے، شہزاد کہ تم میں سیکھنے کی صلاحیت دن بہ دن بڑھتی جارہی ہے۔ جسم اور رُوح کو ہم آہنگ کرو۔ ان کے تقاضوں کو نبھاؤ... پھر دیکھو کہ فطرت تم پر کیا کیا نچھاور کرتی ہے۔"

اچانک ٹائیگر کی نگاہ اُس دروازے کی طرف اُٹھ گئی جو ماہر راہ داری میں کھلتا تھا۔ اُوشان کے کیبن کا یہ دروازہ بند تھا اور اس پر ایک جگہ اُسے چوکور نشان دکھائی دے رہا تھا۔ خراش کا ایک مربع نما نشان... بالکل ویسا ہی جیسا اُس نے اپنے کیبن کے دروازے پر اسٹیل کی پلیٹ کاٹ کر بنایا تھا۔ ٹائیگر سوچ میں پڑ گیا۔ اس نشان کا مطلب تھا کہ جو کچھ ابھی ابھی اُسے پیش آیا تھا، وہ اُوشان کے ساتھ بھی آچکا تھا۔

"یہ جہاز ایک تابوت ہے مائل فادر...!" وہ بڑبڑایا۔

"میں جانتا ہُوں... لیکن یہ جن لوگوں نے اپنے لیے تعمیر کیا ہے، ان کی تدفین اس تابوت میں بہت اچھا انداز میں ہوگی۔"

"میں اس معاملے کو جلد از جلد نمٹانا چاہتا ہُوں۔"

"ہونا تو یہی چاہیے... لیکن حقائق سامنے آنے میں ابھی کچھ وقت لگے گا۔ یہ کوئی چھوٹا موٹا چکر نہیں ہے، فرزند... محض ایک واردات پر مشتمل ہوتا تو کبھی کا نمٹ چکا ہوتا۔ اس معاملے کی جڑیں بہت گہری ہیں۔"

"آپ کا مطلب ہے، اس کا تعلق ماضی کے اس قاتل گروہ سے ہے جو...!"

"نہیں...!" اُوشان نے گہری سنجیدگی سے جواب دیا۔ "اگر ایسا ہوتا تو وہ لوگ سائیکوٹک ذرائع استعمال نہ کرتے... وہ فن کاروں پر مشتمل گروہ تھا۔ ان لوگوں کے ہاتھ کاٹ ڈالے گئے تھے اور وہ ہاتھ اب دُنیا میں ناپید ہیں۔ سنا ہے کوئی تجربہ کبھی کوئی کام ادھورا نہیں چھوڑتی۔"

"ممکن ہے اکا دُکا بچا کھچا کوئی دہشت گرد...!"

"اسے ذہن سے جھٹک دو۔" اُوشان نے کہا۔ "میں اس پہلو پر کافی غور کرچکا ہُوں اور بالآخر اس نتیجے پر پہنچا ہُوں کہ کسی نے ماضی کے اس دہشت پسند گروہ کی آڑ میں کام دکھانا شروع کر رکھا ہے۔ یہ کروڑوں نہیں بلکہ اربوں ڈالر کا بکھیڑا ہے، برخوردار...!"

"اربوں ڈالر...!" شہزاد بڑبڑایا۔

"ہاں... بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ ہوگا۔ مجھے گنتی ہی اربوں تک آتی ہے، ورنہ میں زیادہ بڑی رقم بتاتا۔"

ٹائیگر کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیلنے لگی۔

"ممکن ہے، ان لوگوں نے ہمیں ٹھکانے لگانے کا کوئی طریقہ بھی سوچ رکھا ہو۔" کچھ دیر بعد وہ بولا۔ "دماغی قسم کے شعبدے بہرحال ذہن کو بُری طرح اُلجھا دیتے ہیں۔ میں نے سوچا ہے کہ اب اپنی طرف سے بھی کچھ شروع کردیا جائے۔"

"نہیں...!" اُوشان نے ہاتھ اُٹھا کر کہا۔

ٹائیگر وضاحت طلب نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"تم نہیں جانتے کہ دُشمن کون ہے۔ ایسے میں ممکن ہے کوئی ایسا آدمی ہی کام آجائے جس کا اس سارے معاملے سے کوئی تعلق ہی نہ ہو۔ سکون سے رہو اور دیکھتے رہو کہ پردۂ غیب سے کیا ظہور میں آتا ہے؟"

دفعتاً راہ داری میں قدموں کی آہٹ گونجنے لگی۔

یہ وزنی بُوٹوں کی آواز تھی۔

اُوشان نے دیدے نچائے اور ٹائیگر کی طرف دیکھا۔ ٹائیگر دروازے کی طرف متوجہ ہوگیا۔ بھاری بُوٹوں کی آواز رفتہ رفتہ قریب آتی جارہی تھی۔

❁

ڈیموس اس وقت اپنے نجی جہاز ٹیتا کے عرشے پر ٹہل رہا تھا۔

اس کے انداز میں خفیف سی بے چینی تھی۔ وہ گزشتہ تین روز سے اس نجی جہاز پر تھا۔ اس سے پہلے وہ تنہا اتنے دنوں تک کبھی جہاز میں نہیں رہا تھا۔ ایک بار وہ تین ہفتے تک جہاز پر مقیم رہا تھا لیکن یہ ان دنوں کی بات تھی جب اُس نے دوسری شادی کی تھی اور وہ تین ہفتوں کا ہنی مُون منانے کے لیے ٹیتا پر مقیم رہا تھا۔

یہ ایک گلفتری شپ تھا جس میں دُنیا جہان کی آسائشیں موجود تھیں۔ ڈیموس دُنیا کا امیر ترین آدمی تھا۔ صرف سرفراز کو مالی بحران میں مبتلا کرنے کے بعد اس نے کروڑوں ڈالر کما لیے تھے اور سرفراز کا قصور صرف یہ تھا کہ اس بے چارے نے ڈیموس کے جرائم تھائیس کی ڈیموس کے سامنے تعریف کردی تھی۔ اس طرح وہ شاید مالی بحران سے دوچار ہوکر لقمۂ اجل بن گیا۔

ٹیتا نامی اس گلفتری شپ کا عملہ اپنے کام سے کام رکھنے کا عادی تھا۔ اسے ڈیموس کی باتوں پر حیرت ظاہر کرنے یا ایک دوسرے سے سرگوشیوں میں تبصرے کرنے کی عادت نہیں تھی کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ڈیموس دولت مند ترین ہستی ہی نہیں بے حد غیر معمولی ذہن آدمی بھی ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو جُوتے پالش کرنے والا وہ یونانی لڑکا بھی دُنیا کا امیر ترین آدمی نہ بن سکتا۔ تھائیس بھی ایک یونانی تھا اور نہ جانے کس بنا پر ان دونوں میں ایک عرصے سے عجیب سی مقابلہ بازی ہو رہی تھی۔ تھائیس نے ایک اداکارہ سے شادی کی تو اسی مہینے ڈیموس نے ایک اور اداکارہ کو اپنی دُلہن بنا لیا۔ تھائیس نے اداکار بیوی کو طلاق دے کر ایک شہزادی سے شادی کی تو ڈیموس نے ایک صدر کی بیوہ کا ہاتھ تھام لیا۔ اس وقت انھوں نے تیسری شادی کی تھی۔ تھائیس نے بیس سال کی ایک حسین لڑکی کو دُلہن بنایا تو ڈیموس نے ڈھونڈ ڈھانڈ کر اٹھارہ سال کی ایک حسینہ کو اپنی بیوی بنا لیا۔ ٹیتا کے عملے میں جتنے بھی لوگ شامل تھے وہ محسوس کر رہے تھے کہ ڈیموس کی بے چینی کا باعث یقیناً تھائیس کی کوئی نئی حرکت ہی ہوسکتی ہے۔

ڈیموس صرف اتنا ہی کھاتا تھا جتنا کہ اس کے ڈاکٹر نے اُسے اجازت دے رکھی تھی۔ کھانے کے بعد وہ عرشے پر پہنچ جاتا اور ٹہلتا رہتا حتیٰ کہ اُسے دوبارہ بھوک لگ جاتی۔ وہ تھوڑا سا کھانا کھا کر کچھ دیر آرام کرنے کے بعد پھر عرشے پر پہنچ جاتا تھا۔ گزشتہ تین روز سے ٹیتا ساحل سے دُور گہرے پانیوں میں لنگر انداز تھا۔ کبھی کبھی ڈیموس سمندر کی دیو پیکر لہروں کو گھونسا دکھا کر چیخ پڑتا تھا تو یوں محسوس ہوتا جیسے اس کا ذہنی توازن بگڑ گیا ہے... یا پھر دُور سے دیکھنے والا یہی محسوس کرتا کہ وہ ان آزاد لہروں کو اپنے قبضے سے باہر دیکھ کر پاگل ہو رہا ہے۔ ان تین دنوں میں اُس نے کسی سے کوئی بات نہیں کی تھی... حتیٰ کہ تیسری شام کے سیاہ پردوں نے ٹیتا کے عرشے پر پھیلنا شروع کردیا۔

اچانک ایک تیز رفتار لانچ جہاز کی طرف آتی دکھائی دی۔

رومانی ناول

دل کا آنگن	سلمیٰ رعنا	75/-
کالے کنول	سلمیٰ رعنا	75/-
اور دیا جلتا رہا	سلمیٰ رعنا	100/-
موج گرداب	سلمیٰ رعنا	100/-

مکتبہ القریش اُردو بازار - لاہور 2

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

یہ لانچ ساحل کی طرف سے آرہی تھی۔ اس وقت ڈیموس عرشے پر ٹہل رہا تھا۔ اس کی نگاہ جیسے ہی اس لانچ پر پڑی، وہ خوشی سے اچھل پڑا۔ عملے کے لوگوں کو تب محسوس ہوا کہ وہ دراصل سمندر کی لہروں کو کہنیاں گھونسے دکھا رہا تھا۔ وہ حقیقت میں کسی کی آمد کا انتظار تھا اور مطلوبہ شخص کو آنے میں دیر ہو رہی تھی۔ گویا اُسے پہلی ہی شام آجانا چاہیے تھا یا پھر دوسری شام تو ضرور وہاں پہنچ جانا چاہیے تھا۔ سب متجسس نظروں سے لانچ کی طرف دیکھنے لگے۔ وہ حیران تھے کہ اس لانچ میں ایسی کون سی ہستی آرہی ہے جس کے انتظار میں ڈیموس جیسے آدمی نے تین دن اور تین راتوں تک اس قدر بے چینی سے انتظار کیا تھا۔ اس کی تیسری شادی ابھی حال ہی میں ہوئی تھی اس لیے چوتھی شادی کا امکان نہیں تھا اور ڈیموس ایک ایسی شخصیت کا نام تھا جسے عورتوں سے کوئی خاص دلچسپی بھی نہیں تھی... اگر ایسا ہوتا تو اس کی پہلی دو بیویوں میں سے ایک کبھی خودکشی نہ کرتی اور وہ دوسری یوں ہرگز لاپتہ نہ ہوتی کہ آج تک اس کا نام و نشان تک نہیں ملا تھا۔

لانچ جہاز کے قریب آکر رُک گئی۔

ایک ادھیڑ عمر کا آدمی اس لانچ میں موجود تھا اس کے لیے فوری طور پر زینہ اُتارا گیا۔ وہ زینہ طے کر کے اُوپر آیا تو ڈیموس لپکتا ہوا اس کی طرف بڑھا... پھر بے تکلفی سے ہاتھ تھام کر اُسے اپنے کمرۂ خاص میں لے گیا۔ کمرے کا دروازہ بند ہو گیا۔

یہ ایک ساؤنڈ پروف کمرہ تھا جس سے ہلکی سی بھنک بھی باہر سنائی نہیں دیتی تھی۔ اگر ایسا ممکن ہوتا تب بھی کوئی سُن گُن لینے کی جُرأت نہ کرتا۔ ڈیموس کو اپنے بارے میں متجسس لوگ تو پسند تھے لیکن ٹوہ لینے والوں کو اتنی عبرتناک سزائیں دیتا تھا کہ سننے اور دیکھنے والوں کی بھی رُوح تک لرز جاتی تھی۔

"کیا رہا؟" ڈیموس نے بے چینی سے ہاتھ ملتے ہوئے پوچھا۔

"اٹھارہ فیصد...!" مہمان نے جواب دیا۔

یہ مہمان دراصل ڈیموس کا بینکار تھا جو بورڈ آف ڈائریکٹرز کی طرف سے ڈیموس کو مبارک باد دینے آیا تھا صرف وہی ایک شخص جانتا تھا کہ درحقیقت وہ بینک ڈیموس کی ملکیت ہے۔ اس بینک کے ذریعے ڈیموس کو سب سے بڑا فائدہ یہ تھا کہ وہ لوگوں کی دولت کو کم سے کم شرح سُود پر اپنے استعمال میں لاتا اور یوں اُسے بے شمار ڈالر حاصل ہو جاتے تھے۔ علاوہ ازیں وہ اس بینک کی وجہ سے دیگر بھی بہت سے فوائد حاصل کرتا تھا جن کے بارے میں اس بینکار کے فرشتوں کو بھی خبر نہیں تھی۔

"گڈ... اچھا منافع ہے۔" ڈیموس کے لبوں نے کھنچ کر ایک موٹی سی لکیر بنا دی۔ یہ اس بات کی علامت تھی کہ وہ مسکرا رہا ہے۔ وہ بہت کم مسکرایا تھا اور اس کی مسکراہٹ کبھی محض ایک لکیر سے زیادہ کشادہ نہیں ہوا کرتی تھی۔ اس کے سیاہ ہونٹوں کے درمیان لمبائی میں ایک دراڑ نما خلا سا نمودار ہوتا تھا اور یہی اس کی مسکراہٹ ہوا کرتی تھی اور اس سے یہ بھی اظہار ہوتا تھا کہ وہ کسی چیز سے لطف اندوز ہو رہا ہے۔

بینکار مطمئن نظر آنے لگا۔ اس نے ڈیموس سے شناسائی کے بعد آج پہلی بار اُسے مسکراتے دیکھا تھا اور یہ وہی مثالی مسکراہٹ تھی جس کے بارے میں اس نے بہت سے لوگوں سے سُن رکھا تھا اور اس کی شدید خواہش تھی کہ کاش! کبھی ایسی ہی مسکراہٹ ڈیموس کے لبوں پر خود اُس کے کسی کارنامے سے نمودار ہو جائے۔

اس مسکراہٹ کا مطلب تھا، ڈیموس کی خوشی اور اس کی خوشی کا صاف مطلب تھا کوئی بہت بڑا انعام... غیر معمولی تحفہ... بینکار نے ہاتھ بڑھا کر وہ گلاس اُٹھا لیا، جو کچھ دیر قبل خود ڈیموس نے اس کے لیے لبریز کیا تھا... لیکن اگلے ہی لمحے اُسے چونک جانا پڑا۔

ڈیموس نے ہاتھ بڑھا کر گلاس اُس کے ہاتھ سے لے لیا تھا۔

بینکار نے سوالیہ نظروں سے ڈیموس کی طرف دیکھا۔ اچانک ہی اس کے چہرے کی رنگت اُڑ گئی تھی۔ اس نے جب یہ دیکھا کہ ڈیموس کے چہرے سے وہ مسکراہٹ بھی غائب ہے جس نے اُسے ایک لمحے کے لیے خیالوں کے ایک نئے جہان سے روشناس کرا دیا تھا تو اس کی دھڑکنیں بے ترتیب ہو گئیں۔

- نہیں...! ڈیموس کا لہجہ عجیب تھا "تم اس کے کہیں زیادہ بہتر مشروب کے حق دار ہو۔" یہ کہہ کر اس نے کال بیل کا بٹن دبا دیا۔

دروازہ کھلا اور ایک بٹلر چراغ کے کسی جن کی طرح حاضر ہو گیا۔ یوں محسوس ہوا تھا جیسے بٹن گھنٹی کا نہیں بلکہ اس بٹلر کا دبایا گیا تھا جس کے باعث وہ فوراً ہی کمرۂ خاص میں نمودار ہو گیا تھا۔ ڈیموس نے اُسے ایک مخصوص اشارہ کیا۔ بٹلر واپس چلا گیا۔

کچھ دیر بعد وہ آیا تو اس کے ہاتھوں پر ایک خوش نما ٹرے تھی اور ٹرے پر ایک سفید لمبا سا گلاس رکھا ہوا تھا۔ اس گلاس میں نارنجی رنگ کا ایک مشروب تھا جس کی مہک پورے کمرے میں پھیل گئی تھی۔ اس نے گلاس میز پر رکھ دیا اور پلٹ کر دروازہ بند کرتا ہوا رخصت ہو گیا۔ بینکار نے اس انداز میں گلاس کی طرف دیکھا جیسے اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو رہا ہو اور وہ ایک ہی سانس میں دنیا کا یہ سب سے مہنگا مشروب اپنے حلق میں انڈیل لینا چاہتا

ہو۔ نہ جانے کیوں اس کا ہاتھ گلاس کی طرف بڑھنے سے بار بار رُک جاتا تھا۔

"مجھے سولہ فیصد منافع کی توقع تھی۔" ڈیموس نے کہا۔

"جب کہ میں نے اسے اٹھارہ فیصد کر دیا۔"

"ہاں... لیکن یہ بیس فیصد بھی ہو سکتا تھا۔"

"گڈ... کیا... کیسے؟" بینکار حیرت زدہ رہ گیا۔

"جس طرح اٹھارہ فیصد ہوا ہے۔" ڈیموس کے لہجے میں رُکھائی تھی۔

"مگر... میں نے زیادہ سے زیادہ منافع...!"

ڈیموس کا اُٹھا ہوا ہاتھ دیکھ کر بینکار نے جملہ ادھورا ہی چھوڑ دیا۔ حیرت کی زیادتی سے اس کا منہ کھلا کا کھلا ہی رہ گیا تھا... اور وہ ڈیموس کو یوں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہا تھا جیسے سوچ رہا ہو کہ اس اونٹ کی نہ جانے کون سی کل سیدھی ہے۔

"تم نے آدھی کامیابی حاصل کی جب کہ میں ہمیشہ پوری کامیابی پسند کرتا ہوں۔" ڈیموس نے بدستور سنجیدگی سے کہا۔ "شاید تم بھول گئے کہ میں آج کل شدید مالی بحران سے دوچار ہوں۔"

"آپ... مالی بحران...؟" بینکار کی تو سٹی ہی گم ہو گئی۔

"ہاں... کیا تم نے کبھی سوچا ہے کہ میں نے دنیا کا سب سے بڑا جہاز کیوں تیار کرایا تھا؟"

"اس لیے کہ آپ ایک شپنگ مین ہیں۔"

"کیا... اسٹاک مین ہوں، ہوٹل مین ہوں، لینڈ مین ہوں... میں ہر قسم کا مین ہوں۔" ڈیموس نے فخریہ انداز میں بتایا۔ "میں نے دنیا کا سب سے بڑا جہاز اپنے تفاخر کی تسکین کے لیے بنوایا تھا۔ پہلے دو بار کروڑ کے بعد انسان جتنی بھی دولت کماتا ہے، وہ صرف اور صرف اپنی انا کی تسکین کے لیے کماتا ہے، ورنہ اس کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی کیونکہ انسان اسے اس دنیا میں خرچ نہیں کر سکتا۔ میں نے وہ جہاز بنوا کر اپنی عظمت کے جھنڈے گاڑنے کی کوشش کی تھی۔"

یہ کہہ کر ڈیموس، بینکار کی طرف دیکھنے لگا جس کے چہرے پر یکلخت ہی ایک رنگ آرہا تھا۔ ڈیموس نے اپنے مؤقف کی بہت تفصیل سے وضاحت کی۔ اس دوران میں بینکار گنگ بیٹھا مگر مگر اسے دیکھتا رہا۔

"اب تمہاری سمجھ میں آگیا ہوگا کہ میں نے وہ عظیم الشان جہاز کیوں بنوایا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس دنیا میں ایک ایسا آدمی بھی ہے، میں خود کو جس سے عظیم تر ثابت کرنا چاہتا تھا۔"

"اور وہ آدمی آپ خود ہیں مسٹر ڈیموس۔"

"احمقانہ بات ہے۔" ڈیموس نے اس کی چاپلوسی پر خوش ہونے کی بجائے سرد لہجے میں کہا۔ "یہ باتیں احمق قسم کے کھلاڑی یا آتش سازی اپنے بارے میں کہہ کر خوش ہو سکتے ہیں۔ میں خود کو تھا میں سے عظیم تر ثابت کرنا چاہتا تھا۔"

"اوہ ہاں... آپ دونوں دوستانہ انداز میں ایک دوسرے کے رقیب ہیں۔" بینکار نے ایک طویل سانس لیتے ہوئے کہا۔

"دوستانہ رقیب... دوستانہ حریف..." ڈیموس نے کہا اور کھل کھلا کر ہنس پڑا۔ اس انداز میں شاید پوری دنیا میں کسی نے بھی اُسے ہنستے نہیں دیکھا تھا۔ بینکار حیرت زدہ سا یہ سوچنے لگا کہ اس سلسلے میں اُسے خود کو دنیا کا خوش قسمت ترین آدمی سمجھنا چاہیے یا بدقسمت ترین... کیونکہ اس ہنسی میں جو دیوانگی پوشیدہ تھی، اُسے اس نے صاف طور پر محسوس کر لیا تھا اور اس احساس نے اس کی ریڑھ کی ہڈی میں خوف کی ایک جھرجھری پیدا کر دی تھی جس نے رفتہ رفتہ رینگنا شروع کر دیا تھا... نوکیلے پنجے اس کے گوشت میں پیوست کر کے، قدم قدم اُوپر کی طرف رینگتی ہوئی جھرجھری...!

وہ ایک جھرجھری کی لے کر رہ گیا۔

"مم... میں نے یہ بات اس لیے کہی تھی کہ آپ دونوں نے براہِ راست کبھی ایک دوسرے پر حملہ نہیں کیا۔" بینکار نے صفائی پیش کی۔

"کبھی تم نے کسی لومڑی کو کسی ریچھ سے لڑتے ہوئے دیکھا ہے۔ نہیں، کبھی نہیں دیکھا ہوگا۔ دونوں ایک دوسرے کے دشمن ہوتے ہیں لیکن ان کے شکار ہمیشہ مختلف ہوتے ہیں۔ ہم دونوں میں ذہانت کی جنگ ہو رہی ہے۔ ہم ایک دوسرے کو مالی بحران میں مبتلا کر کے شکست دیتے ہیں۔ یہ ایک طرح کی روحانی جنگ ہے... اور میں یہ جنگ ہار گیا ہوں۔"

بینکار کے ذہن میں فوراً ہی وہ دعوت گھوم گئی جو تھامیں نے دنیا کے عظیم ترین بحری جہاز کے سلسلے میں دی تھی۔ اس کا مطلب تھا، اُسے اندازہ ہو گیا تھا کہ ڈیموس نے ایک ایسا سفید ہاتھی پال لیا ہے جو عنقریب اسے دیوالیہ کر دے گا۔ اُسے تب حیرت ہوئی تھی کہ تھامیں کو اس جہاز کے سلسلے میں جشن منانے کی کیا ضرورت تھی... اب سب کچھ اس کی سمجھ میں آگیا تھا۔ ڈیموس اس معاملے میں واقعی مات کھا گیا تھا۔ اس نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر انھیں تر کیا اور کن انکھیوں سے مشروب کے گلاس کی طرف دیکھا۔

"آؤ... اٹھو۔" ڈیموس نے اچانک ہی کہا۔ "ان گلاسوں کو ذہن سے جھٹک دو۔ تمہیں بھوک لگ رہی ہوگی۔" وہ دروازے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کی طرف چل دیا۔

بینکار کے حلق میں کانٹے پڑ گئے تھے۔

اس نے ڈیموس کی طرف دیکھا... پھر گلاس کو دیکھ کر غالباً یہ سوچا کہ وہ ڈیموس کے متوجہ ہونے سے پہلے پہلے مشروب پی سکتا ہے یا نہیں... پھر اس نے یہ خیال ذہن سے جھٹک دیا اور تیزی سے ڈیموس کے پیچھے چل دیا۔ دروازہ کھلا اور دونوں باہر راہداری میں آ گئے۔ ڈیموس کا رُخ اُس کمرے کی طرف تھا جہاں داخل ہونے کے بعد انسان دُنیا کے خوبصورت ترین ریستوران کو بھی بھول جائے۔ بادر دی بٹلر نے ان کے لیے دروازہ کھولا۔

سیز پر انواع و اقسام کے کھانے چُنے ہوئے تھے۔ ڈیموس نے ان کھانوں کی طرف ایک نظر دیکھا... پھر منہ پھیر کر وہ گزشتہ پانچ سال سے وہ ان اشیا کو کھانے سے ترس گیا تھا۔ یہ کھانے اس کے لیے زہر جیسی حیثیت رکھتے تھے۔ وہ ان اشیا میں سے ایک لقمہ بھی نہیں کھا سکتا تھا۔ بینکار اس سے ملنے کے لیے آتا ہے تو نہ تھا کہ بورڈ آف ڈائریکٹرز کی میٹنگ ختم ہوتے ہی لانچ میں سوار ہو کر بحری سفر پر روانہ ہو گیا تھا۔ وہ جلد از جلد ڈیموس تک پہنچ کر انتہائی فیصلہ شاہکار مناصح کی اطلاع دینا چاہتا تھا۔ چلتے وقت اُسے شدید بھوک لگ رہی تھی لیکن اس نے کھانے کے لیے رُکنا بھی وقت ضائع کرنے کے مترادف سمجھا تھا... اور اب اس شاندار کمرے میں جو کچھ میزوں پر اس کا منتظر تھا، اُسے دیکھ کر ہی تو چاہتا تھا کہ ہر تکلف بالائے طاق رکھ کر ٹوٹ پڑے اور حلق تک ٹھونس ٹھونس کر کھا لے... لیکن، وہ ڈیموس جیسی ناقابلِ فہم ہستی کا مہمان تھا اس لیے خود پر قابو رکھنا ضروری تھا۔ اُسے معلوم تھا کہ محض ایک بات پر بعض اوقات وہ لوگوں کو کس قدر بھیانک انجام سے دوچار کر دیتا ہے۔

ڈیموس نے اُسے کھانے کی میز پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

وہ بیٹھ گیا اور بار بار ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔

اس کا خیال تھا کہ ڈیموس اُسے کھانا شروع کرنے کا اشارہ کرے گا لیکن ایسا نہیں ہوا وہ کسی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ بینکار کو اس گھناؤنی شخصیت کا ایک ایسا کارنامہ یاد آ گیا جسے ذہن میں دہراتے وقت اس کے جسم میں کپکپی پھیل گئی تھی۔

دو سال قبل ڈیموس نے ایک فلم بنانے کا اعلان کیا۔ اس سلسلے میں فلم سے متعلق اَن گنت لوگوں نے اس سے رابطہ قائم کیا ڈیموس نے ہر شعبے کے بہترین آدمیوں کی خدمات حاصل کیں اور پھر جب فلم بندی کا آغاز ہوا تو سب کے سب لوگ بُری طرح خوفزدہ ہو گئے کیونکہ ڈیموس اس وقت کی سب سے خوفناک فلم بنوانا چاہتا تھا۔ اس نے ایک آبدوز مستعار لی اور بہترین کیمرہ مین کو ہدایت کی کہ وہ تھائیس آئی لینڈ کے آس پاس منڈلاتا رہے گا۔ اُسے ڈیموس کے حریف کی بیوی شہزادی کو میلا کی تصویریں اُتارنا تھیں۔ دو ہفتے تک آبدوز جزیرے کے آس پاس منڈلاتی رہی تھی کہ کیمرہ مین کو اپنے مطلب کی تصویریں اُتارنے کا موقع مل گیا۔ شہزادی کو میلا کی تصویریں اُتار کر اس نے ڈیموس کے حوالے کر دیں تو اس نے انھیں ایک ایسے رسالے کے حوالے کر دیا جو قابلِ اعتراض تصاویر شائع کرنے کے سلسلے میں بدنام تھا۔

عین ممکن تھا کہ وہ رسالہ ان تصویروں کو شائع کرنے سے انکار کر دیتا لیکن ایڈیٹر کو بروقت معلوم ہو گیا کہ رسالے کا پبلشر تبدیل ہو گیا ہے اور نیا پبلشر چاہتا ہے کہ یہ تصویریں شائع کر دی جائیں یہ بات صرف اس بینکار ہی کو معلوم تھی کہ تصویروں کی اشاعت سے صرف تین روز قبل وہ پبلشنگ کا ادارہ ایک فرضی نام سے ڈیموس نے خریدا تھا۔ یہ راز اُسے بھی بول معلوم تھا کہ پبلشر کو جو ادائیگی کی گئی تھی، وہ اس کے بینک کے ذریعے ہوئی تھی۔

اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ ڈیموس اسے تک اس پر بے حد مہربان رہا تھا اور اب بھی اس انداز میزبانی سے لطف اندوز ہونے کے لیے اُسے بحری جہاز ٹینا پر بلا بھیجا تھا... لیکن آج وہ خود بھی کچھ اُلجھا اُلجھا سا تھا۔

بینکار نے کن انکھیوں سے ڈیموس کی طرف دیکھا۔

وہ ایک پُرجھری سی لے کر رہ گیا۔

اُسے وہ خوبصورت نوجوان یاد آ گیا جس نے ڈیموس کی اکلوتی بیٹی کے قتل کرنے کی کوشش کی تھی۔ یہ نوجوان کسی پارٹی میں ڈیموس کی بیٹی سے متعارف ہوا تھا اور دیکھتے ہی دیکھتے دونوں ایک دوسرے سے اس قدر متاثر ہو گئے کہ انھوں نے شادی کا ارادہ کر لیا۔

ڈیموس کو یہ بات پسند نہ آئی۔

نتیجتہً اس نوجوان کی لاش پیرس کے ایک گٹر سے برآمد ہوئی۔ اس کی بے حرمتی کی گئی تھی اور اس کے اعضا اتنے ٹکڑوں میں ملے تھے کہ شمار کرنے والا پولیس افسر تین بار گنتی بھول کر پھر سے گننے پر مجبور ہو گیا تھا۔

... اور پھر وقت نے ایک اور رنگ دکھایا۔

اس بار بازی ڈیموس کے حریف نے جیت لی تھی۔

ڈیموس کو کانوں کان خبر نہ ہو سکی اور تھائیس نے اس کی

بیٹی سے شادی کر لی۔ یہ شادی کیسے ہوئی، دُنیا کا کوئی بھی شخص اس راز سے پردہ ہٹانے میں کامیاب نہیں ہو سکتا... البتہ یہ بات دُنیا کا ہر شخص جانتا تھا کہ ڈیموس کی اکلوتی بیٹی نے باپ کے حریف سے شادی کر نے کے ایک ماہ کے اندر اندر گلے میں پھندا ڈال کر خودکشی کر لی تھی۔

"میں نے وہ عظیم الشان بحری جہاز اس لیے بنوایا تھا کہ وہ، دُنیا کی جس بھی بندرگاہ پر پہنچے، لوگ اُسے میری عظمت کا نشان سمجھ کر سہما ہوا بغیر نہ رہ سکیں۔ مجھے منافع کے نام پر سنہرے یا تقریباً سکوں کا ایسا ڈھیر نہیں چاہیے جسے گننے کے لیے زندگی بہت کم پڑ جاتی ہے۔ دولت کی میرے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رہی۔ میں تھائیس کو بُری طرح شکست دینا چاہتا تھا... لیکن شکست فاش کس کو ہوئی؟ مجھے... کیونکہ میں اس جہاز کو اسکریپ بھی نہیں بنا سکتا۔ دُنیا کا کوئی بھی شخص اپنی اَنا کا اسکریپ نہیں بنا سکتا۔"

"لیکن جہاز کی وجہ سے کئی حادثے آپ کے ساتھ طویل العیاد معاہدے کیے ہیں اور...!"

"یہ درست ہے۔ میں اس عظیم الشان جہاز کی وجہ سے اتنی دولت کمانے لگا تھا کہ دولت کے سمندر کا رُخ میری آغوش کی طرف ہو گیا تھا... لیکن یہ سب کچھ اس وقت تک تھا جب تک اسے سمندر کی لہروں پر بہتا ہوا عظیم الشان جہاز کہا جاتا تھا جب کہ لوگ اسے اب تابوت کہنے لگے ہیں۔ اب وہ میرے لیے اتنا ہی نقصان دہ ثابت ہو رہا ہے اور میں اس سفید ہاتھی کو مار بھی نہیں سکتا۔ وہ اپنے مسکن میں خاموش بیٹھا تماشا دیکھ رہا ہے اور میں دن بہ دن تباہی کے گڑھے کی طرف بڑھتا جا رہا ہوں۔"

"جناب!" بینکار نے کھنکار کر گلا صاف کرتے ہوئے پوچھا۔ "کیا میں کچھ دریافت کرنے کی جرأت کر سکتا ہوں؟"

"آہ... کیا بات ہے؟" ڈیموس نے چونک کر کہا وہ پھر خیالوں میں ڈوب گیا تھا۔

"آپ یقین سے کیسے کہہ سکتے ہیں کہ اس خونریزی کے پیچھے تھائیس ہی کا ہاتھ ہے؟" بینکار نے پوچھنے کی جرأت کر ہی ڈالی۔

"پہلی وجہ یہ ہے کہ قتل و غارت گری کا آغاز اس وقت ہوا، جب میں نے جہاز سے بے پناہ دولت کمانا شروع کر دی۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس قسم کی قتل و غارت گری کے لیے مہارت، بحری جہازوں کے سلسلے میں وسیع تر معلومات اور بے شمار دولت کی ضرورت ہوتی ہے۔ کوئی بھوکی ننگی تنظیم اس قسم کا اقدام نہیں کر سکتی۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ ان واردا توں سے کسی کو کوئی بھی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ ماسوائے اس کے کہ جہاز کی ساکھ خراب ہو جائے۔ ان واردا توں کا کوئی مقصد سمجھ میں نہیں آتا۔ دولت کی نام کی تنظیم کا کوئی وجود نہیں، یہ صرف ایک آڑ ہے جس کے پیچھے سے سب کچھ کیا جا رہا ہے۔ یہ سب کچھ دراصل ایک ایسا قہقہہ ہے، جو میری بے بسی پر لگایا جا رہا ہے، میرے حریف کی مجھ پر ہنسنے کی ایک خطرناک اور مہلک ادا ہے۔"

"یہ بھی تو ممکن ہے جناب! کہ یہ سب کچھ کرنے والا کوئی جنونی شخص ہو، کوئی پاگل ہو۔"

"ہاں... انتقام کی آگ میں جلتا ہوا جنونی اور پاگل، تھائیس۔"

بینکار گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

صورتِ حال ایسی عجیب اور پیچیدہ ہو گئی تھی کہ وہ اب سب کچھ بھول گیا تھا۔ کھانے کی مہک نے اب اس کی اشتہا کو للکارنا بند کر دیا تھا اور اس کے پیٹ میں دوڑنے والے چوہے، نڈھال ہو کر ساکت ہو گئے تھے۔ اب صرف اُس کا ذہن کام کر رہا تھا اور وہ سوچے جا رہا تھا... لیکن اس کی سوچیں آوارہ تھیں، وہ بھٹکتی رہیں نہ تو خود کسی منزل تک پہنچ سکیں اور نہ ہی انھوں نے بینکار کو کچھ سجھائی دینے کے قابل بنایا۔

"میں نے جو عظیم الشان جہاز بنوایا ہے، وہ کئی برسوں میں مکمل ہوا ہے۔ اس بیوٹی کو بیوٹی نے تابوت کی شکل دینے کا منصوبہ بھی ایک دو روز میں نہیں بنا ہوگا۔ اس منصوبے میں یقیناً کئی برس بیت گئے ہیں اور اس پر عمل درآمد میں کثیر سرمایہ کاری بے حد ضروری تھی۔ مجھے چوٹ دینے کے لیے وہ دولت کی پرواہ نہ کرنے والی صرف ایک ہی ہستی ہے اور وہ ہے تھائیس۔ تمھارا خیال غلط ہے، یہ کسی جنونی آدمی کا کام نہیں۔ کیونکہ پاگل اور جنونی لوگ منظم کام کرنے کے اہل نہیں ہوتے۔ آج اور کل رات جہاز پر دو پارٹیاں دی گئیں، جانتے ہو یہ پارٹیاں کس کے نام کی تھیں؟"

"آپ کے نام کی... مسٹر ڈیموس۔"

"اور اب مجھے شکست ہو گئی ہے۔ میرے لیے قبر کھودی جا چکی ہے اور میں اپنی ہی دولت کی دلدل میں پھنستا ہوا نیچے دھنستا چلا جا رہا ہوں۔"

"آپ یہ کچھ مجھے کیوں بتا رہے ہیں، مسٹر ڈیموس؟"

"کیونکہ ہمیں ایک جنگ درپیش ہے اس لیے میں چاہتا ہوں کہ تم اپنے کمانڈر انچیف کا ذہن اچھی طرح سمجھ لو۔ ممکن ہے میں خود بھی ذاتی طور پر اس جنگ میں حصہ لوں... لیکن بہرحال میں ایک مُردہ

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

آدمی ہوں اس لیے تمہیں بہت کچھ کرنا ہے۔"
بینکار نے اثبات میں سر ہلا دیا۔
ڈیوس بولتا رہا۔ بینکار ہدایات کے نوٹس بکھارتا رہا۔
وہ دو گھنٹے تک کھانے کی میز پر بیٹھے رہے۔ بینکار کو اس دوران میں کئی بار اچانک ہی بھوک کا احساس ہوا اور کئی بار ڈیوس کی باتوں سے یکایک اس کی بھوک اڑ گئی۔
انجام کار ڈیوس کسی ایسے مینڈک کی طرح مطمئن نظر آنے لگا جو ایک سالم مکھی نگلنے میں کامیاب ہو گیا ہو... اور جس کی بھوک مٹ گئی ہو اور اس کے اشتہا سے پر بینکار یوں کھانے پر ٹوٹ پڑا جیسے پیٹ میں لگی ہوئی آگ پر لقمے پھینک پھینک کر اسے بجھانے کی کوشش کر رہا ہو۔

٭

ٹائیگر عرشہ نمبر ا ٹھارہ پر ٹہل رہا تھا۔
وہ اس عظیم الشان جہاز پر آنے کے بعد سے اس کے بارے میں بہت سی باتیں معلوم کرنے کے بعد بے حد حیران ہوا تھا۔ یہ جہاز جدید دور کا ایک عجوبہ تھا۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ جہاز لہروں کے اوپر تیرتا ہوا سفر نہیں کرتا بلکہ دیو ہیکل لہروں کو نیست و نابود کر کے گزر جاتا ہے۔ اٹامک انجنوں سے چلنے والا یہ جہاز سمندر کے سینے پر اپنی عظمت کا لوہا منوا رہا تھا۔
جہاز کے ورلڈ اسٹیڈیم میں ایک عالی شان پارٹی ہونے والی تھی اور اس کے بارے میں تمام مسافروں کو اطلاع دے دی گئی تھی۔
سکیورٹی کمانڈ نے ٹیلی ٹائپ رائٹر پر اطلاع دی تھی کہ جہاز اب ہر طرح سے محفوظ ہے، اس میں سفر کرنے والوں کو کسی قسم کا خطرہ لاحق نہیں۔ ادھر اُدشان کو منع کر دیا تھا کہ وہ خود کو خانہ سنا نجو سے متعلق ظاہر نہ کرے اور ایرانی حکومت کے عہدے داروں کو بھی یہ بات نہ بتائی جائے کہ اس عظیم الشان بحری جہاز کے اندر ایک خفیہ جہاز بھی بنا ہوا ہے۔ جس تک رسائی عام آدمی کے لیے ممکن نہیں۔
اُدشان کا کہنا تھا کہ ہر بات کا اظہار کرنے کا ایک وقت ہوتا ہے اور ابھی وہ وقت نہیں آیا تھا۔
"ہیلو... تم بالکل تنہا اور اداس محسوس ہو رہے ہو!" ایک نسوانی آواز سنائی دی۔ ٹائیگر نے چونک کر آواز کی طرف دیکھا۔
اُس کے سامنے ایک سانولی سی عورت کھڑی تھی جس کے نقش و نگار میں جوانی کی چمک دمک تھی۔ وہ لوگ جو میک اپ زدہ عورتوں کو حسین سمجھتے ہیں ممکن ہے ان میں سے کوئی اس عورت کو دیکھتا تو یہی سمجھتا کہ وہ کسی خاص میک اپ میں نہیں ہے بلکہ اس کا حسن قدرتی ہے۔
"ہاں... میرا خیال ہے، میں تنہائی کی اداسی بھگت رہا ہوں!" ٹائیگر نے اُسے گہری نظروں سے دیکھنے کے بعد مسکرا کر کہا۔ اس کی یہ مسکراہٹ منصوبہ بندی تربیت کے باعث تھی اور ماہرین نفسیات کا دعویٰ تھا کہ دنیا کی کوئی بھی ہوش مند عورت اس مسکراہٹ کے اثرات سے محفوظ نہیں رہ سکتی۔
سانولی عورت ایک دھچکے سے رُک گئی۔
اُس کی آنکھوں میں اچانک ہی خوابناک سی کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔
یُوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ اپنے بے پناہ جمال سے تسخیر کا جو ارادہ لے کر آئی تھی، وہ بھول گئی ہو... اور خود ہی شکست کھا گئی ہو۔
"میرا نام ہیلن ہے۔" عورت نے کہا۔
"اور میں شہزاد ہوں۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔
"میں نے تمہیں مشرقیوں کے ساتھ دیکھا ہے۔"
"ہاں... میرا تعلق بھی مشرق سے ہے۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ "لیکن جہازیں تو مختلف قوموں اور مختلف ممالک کے لوگ سوار ہوئے تھے۔ تم نے خاص طور سے مجھے مشرقیوں کا ساتھ کیسے کہہ دیا؟"
"میں اپنی فورڈ ین ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتی ہوں۔" عورت نے فخریہ لہجے میں بتایا۔ تب ٹائیگر نے دیکھا کہ واقعی اُس کے گلے میں دُوربین لٹکی ہوئی تھی۔ میں خاص طور سے وہ کئی بار دوربین دیکھ کر حیران ہوئی تھی جنہیں وہ بحر ہوا کوریائی اپنے ساتھ لایا تھا۔ وہ کورین ہے، نا؟"
ٹائیگر نے اثبات میں سر ہلایا۔
"ان صندوقوں کو دیکھ کر مجھے تو یہی گمان گزرا تھا کہ ان میں ٹائنامائٹ بند ہیں۔" عورت نے مسکرا کر کہا۔ اب وہ ٹائیگر کی مسکراہٹ کے اثر سے نکل گئی تھی اور اس کے دل کا دماغ سے تسلط ہٹ گیا تھا۔ گویا وہ جذبات کے معاملے میں ایک غیر معمولی عورت تھی، ورنہ اتنی جلدی دنیا کی سب سے زیادہ متاثر کر دینے والی مسکراہٹ کے اثر سے ہرگز نہ نکل پاتی۔
"تم کوریا کے باشندوں کی ایکسپرٹ معلوم ہوتی ہو۔"
"ہاں... اس کے علاوہ بھی میں کئی باتوں میں ماہر ہوں۔" وہ نہایت فخریہ انداز میں مسکرائی۔
"اوہ، گویا تم واقعی ایکسپرٹ ہو یعنی ماسٹر ہو۔" ٹائیگر کے لہجے سے یُوں ظاہر ہونے لگا جیسے وہ اُس کی شخصیت سے بے حد

متاثر ہو گیا ہو۔ "کیا تم کہیں اپنے یہ فنون سکھاتی بھی ہو؟"
"نہیں، میں ایسا نہیں کرتی کیونکہ میرے پاپا اس بات کی... اجازت نہیں دیتے... تاہم میں کثرت سے مطالعہ کرتی ہوں اور جب بھی مجھے کوئی کارآمد موضوع اور اس کا ماہر مل جاتا ہے، تو میں فوراً اُس کی خدمات حاصل کر لیتی ہوں۔"
ٹائیگر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ انداز میں ستائش تھی۔
"ڈیڈی کا خیال ہے کہ دنیا کا کوئی بھی مرد کسی ایسی عورت کو پسند نہیں کرتا جو سوچنے سمجھنے کی صلاحیت رکھتی ہو۔ اس سلسلے میں تمہارا کیا خیال ہے؟"
ٹائیگر سوالیہ نظروں سے عورت کی طرف دیکھنے لگا۔ اُس کا ایک ابرو کمان کی صورت اختیار کر گیا تھا۔ کچھ دیر وہ اُس کی جانب دیکھتا رہا پھر اُس نے مُنہ پھیر لیا اور سمندر کی طرف متوجہ ہو گیا۔
سورج گلابی رنگت اختیار کر کے دُور اُفق پر سمندر کی طرف جھک رہا تھا اور اُس کے آس پاس اندھیرے کی چادر پھیلنے لگی تھی۔
"ایک ایسی عورت جو سوچنے سمجھنے کی صلاحیت رکھتی ہو۔ اس کے بارے میں تمہاری رائے کیا ہے؟" ہیلن نے اپنا سوال دُہرایا۔
"میں ان باتوں پر یقین نہیں رکھتا۔"
"پھر تم کس بات پر یقین رکھتے ہو؟"
"تمہیں اس سے کیا؟"
"میں دلچسپی محسوس کر رہی ہوں۔"
"میں صرف اس بات پر یقین رکھتا ہوں کہ جس عورت کے چہرے پر ان گنت بھورے بھورے تل نہیں ہوتے، اُس کی مثال ایک ایسی رات جیسی ہے جس رات ستارے نہیں نکلتے۔" یہ کہتے کہتے ٹائیگر کا لہجہ بے حد نرم ہو گیا تھا۔ خوابناک حد تک نرم...
ہیلن چند لمحوں تک اُس کی طرف دیکھتی رہی جیسے ٹائیگر کی بات اُس کی سمجھ میں نہ آئی ہو... پھر اُس کے ہونٹ اتنے حسین انداز میں مسکرائے کہ خود ٹائیگر اس کے لیے مثال تلاش کرنے کے لیے تصور میں سر کے بل کھڑا ہو گیا۔
"بے حد حسین اور فلسفیانہ خیال ہے۔" وہ زیر لب بولی۔
"نہیں... یہ ایک سادہ ترین بات ہے، بالکل ایسی جیسے... سانس لینے کا عمل کسی کے لیے حیرت انگیز نہیں ہوتا۔"
"تم ایک پرکشش جوان ہو۔" ہیلن نے تعریفی لہجے میں کہا۔ "تمہیں دوسروں کو اپنی طرف متوجہ کرنا آتا ہے۔ اگر نہ بھی آتا ہو تو تب بھی لوگ تمہاری طرف ضرور کھنچے جاتے۔"
"ہوں... اور تم ایک لڑکی ہو۔ اس کے علاوہ کیا ہو؟ میرا

نامور مصنف محمود احمد مودی
وہی تحریر اور وہی انداز
کے ساتھ 'اپنے چاہنے والوں
کے لئے ایک نئی سوغات لئے
بہروپ
خوبصورت سرورق، بہترین
طباعت و کتابت، سفید کاغذ
قیمت =/180
مکتبہ القریش
سرکلر روڈ اردو بازار لاہور
7668958

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

مطلب ہے۔ تم کوئی رپورٹر ہو یا نقاد؟"

"صرف انسان... میں اس موضوع پر کام کرتی ہوں۔"

ٹائیگر نے مُسکرا کر سائنہ بنا لیا۔ اُسے اس بات سے شروع ہی سے نفرت رہی تھی کہ اُسے تجزیے کے لیے مخصوص سمجھا جائے۔

"کبھی کبھی انسان بننا بہت مشکل ہو جاتا ہے نا۔" یہ کہتے ہوئے وہ دوبارہ مسکرائی تو ڈوبتے سورج کی سُرخی نے اس کے چہرے سے منعکس ہو کر اس کے نقش و نگار میں ایسی چمک دمک پیدا کر دی جو آنکھوں کو خیرہ اور دھڑکنوں کو بے ترتیب کرنے کی صلاحیت سے مالا مال تھی۔

"انسان بننا یا ہر وقت انسان بنے رہنا واقعی ایک مشکل کام ہے۔" ٹائیگر نے تائید کی۔ "خدا نے ہمیں انسان بنا کر دُنیا میں بھیجا لیکن آج ہم میں سے کتنے انسان ہیں؟ بعض حیوان بن چکے ہیں، بعض درندے ہیں اور بعض شیطان..." یہ کہتے ہوئے وہ نزدیکے کی طرف بڑھ گیا۔

اُس نے لڑکی کو نظر انداز کر دیا تھا حالانکہ ہیلن اب بھی اُس کے ساتھ چل رہی تھی۔ نہ جانے کیوں ٹائیگر کو اچانک ہی بے چینی کا احساس ہونے لگا تھا۔ وہ ایک ہال دے میں پہنچ گیا۔ جہاں سفید رنگ کا بے داغ قالین بچھا ہوا تھا۔ اس ہال دے کے دروازے سے نکل کر وہ لفٹ کی طرف چل دیا۔ ہیلن اب بھی اس کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔ جب ٹائیگر نے کافی دیر تک اُس کی طرف کوئی توجہ نہ دی تو وہ پوچھے بغیر نہ رہ سکی۔ "کیا میری کسی بات سے تم ناراض ہو گئے ہو؟"

"نہیں..." ٹائیگر نے جواب دیا۔ اس کے دل میں اضطراب بڑھتا جا رہا تھا۔

"پھر کیا بات ہے؟" ہیلن نے اصرار کیا۔

"میں نے تمہیں اپنے ساتھ چلنے کی دعوت نہیں دی تھی۔" ٹائیگر نے خشک لہجے میں کہا۔ "میرا خیال ہے کہ تم عرشے پر محض ہوا خوری کے لیے نکلی ہو۔"

"ہاں... اور اس دوران ایک ایسے نوجوان سے ملاقات ہو گئی جسے میں دل سے پسند کرنے لگی ہوں۔ اب میں اُس نوجوان کو کیسے تنہا چھوڑ دُوں؟" ہیلن کے انداز میں اپنائیت تھی۔ "اس کے علاوہ میں محسوس کر رہی ہوں کہ تمہاری شخصیت اور تنہائی مدد کے لیے پکار رہی ہے۔ یہ ایسی نرم و نازک آواز میں ہوتی ہیں جنہیں صرف ایک عورت ہی سُن سکتی ہے یا محسوس کر سکتی ہے... اور میں نے انہیں محسوس کر لیا ہے۔"

ٹائیگر رُک گیا۔ اُس کی چھٹی حس کسی غیر معمولی بات کی طرف اشارہ کر رہی تھی۔ اُس نے دائیں بائیں نہیں دیکھا بلکہ اپنی حسیات کے ذریعے محسوس کرنے کی کوشش جاری رکھی۔ لڑکی اس سلسلے میں صاف تھی۔ کچھ اور ہی گڑبڑ تھی... لیکن کیا؟ اُس کا ذہن اسے تلاش کرنے میں کامیاب نہیں ہو رہا تھا۔

معاً اُسے خفیف سی سرسراہٹ سنائی دی۔

اُس نے سامنے راہ داری کی چمک دار دیوار پر نظریں گاڑ دیں۔

عقبی دیوار میں ایک دراڑ پیدا ہو رہی تھی۔

ہیلن اُس کے سامنے کھڑی اُسے دیکھ رہی تھی۔ غالباً اُسے اپنے سوال کے جواب کا انتظار تھا۔ اچانک اُس کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی چلی گئیں۔ اُس نے دیکھا کہ ٹائیگر اچانک ہی پیچھے کی طرف یُوں پھسلنے لگا تھا جیسے اُسے سامنے سے کسی نے زوردار ٹکر ماری ہو۔ پھسلتا ہوا وہ عقبی دیوار تک چلا گیا۔ اس میں اب ایک کشادہ شگاف تھا۔ جیسے باقاعدہ دروازہ رہا ہو۔ اس دروازے میں کئی آدمی کھڑے تھے اور اُن میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں ایک چاقو دبا ہوا تھا۔ یہ لوگ نقاب پوش نہیں تھے اور نہ ہی اُنھوں نے وردیاں پہن رکھی تھیں ...لیکن ہیلن اُن لوگوں سے زیادہ ٹائیگر کی طرف متوجہ تھی۔ جو اُن لوگوں کے درمیان سے یُوں گزر گیا تھا جیسے گیلی گھاس میں سے تیز دھار تلوار گزر سکتی ہے۔ کئی آدمی باہر راہ داری میں آ گئے۔ کچھ ابھی اندر ہی تھے اور کچھ فرش پر بکھر گئے تھے۔ ہیلن کو یُوں محسوس ہونے لگا، جیسے... وہ کوئی بھیانک خواب دیکھ رہی ہو۔ اُس کی سماعت سے دبی دبی کراہیں، رگوں سے پھٹی ہوئی ہڈیوں کے ٹوٹنے اور چٹخنے کی آوازیں اور انسانی جسموں کے گرنے کے خفیف دھماکے ٹکرا رہے تھے۔ اُس نے دو ایک بار کرائے کے مقابلے دیکھے تھے اور خود بھی اس فن میں کسی حد تک دسترس رکھتی تھی لیکن جو کچھ اُس کی آنکھوں کے سامنے تھا، یہ سب کچھ اُس نے کبھی نہ تو دیکھا تھا اور نہ ہی سُنا تھا۔ اُس نے محسوس کیا کہ حملہ آوروں کی تعداد بیس کے لگ بھگ ہے۔ وہ سب کے سب تیزی سے وار کر رہے تھے۔ چاقوؤں کے بلیڈ بار بار فضا میں چمک رہے تھے۔ یہ سارے کے سارے چاقو ٹائیگر کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے لیے لپکتے تھے لیکن ٹائیگر جہاں ایک لمحے قبل دکھائی دیتا تھا، دوسرے لمحے وہاں موجود نہیں ہوتا تھا۔ ہیلن کا مُنہ کُھلا کا کُھلا رہ گیا۔

اُس کی پھٹی پھٹی آنکھیں یہ حیرت انگیز فائیٹ دیکھتی رہیں۔

ایک خاص بات جو ہیلن نے جو اس بھانپ ہوتے ہی محسوس کی یہ تھی کہ ٹائیگر کی حرکات و سکنات حملہ آوروں کے مقابلے میں کافی سُست ہے... لیکن ہر حرکت اتنی جچی تُلی تھی کہ اُس کا مثبت نتیجہ نکلتا تھا۔ یہ ٹائیگر کا ایک ایسا مظاہرہ تھا جس پر ہیلن... عش عش کر اُٹھی۔ اگر وہ یہی منظر کسی فلم میں دیکھتی تو شاید اتنی زیادہ متاثر نہ ہوتی کیونکہ اُسے معلوم تھا کہ وہ سب کچھ کیمرے کی کارستانی ہوتی ہے جبکہ یہ سب کچھ اُس کی آنکھوں کے سامنے درحقیقت ہو رہا تھا۔

یکایک حملہ آوروں میں سے ایک کی نگاہ ہیلن پر پڑی تو اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔ غالباً اُن لوگوں کو اس کی موجودگی کا احساس ہی نہیں تھا۔ ہیلن کو دیکھنے والے نے بیٹھی بیٹھی سی آواز میں چند الفاظ کہے۔ یہ الفاظ ٹائیگر کے لیے غیر مانوس تھے۔ جیسے ہی یہ الفاظ اس شخص کے حلق سے برآمد ہوئے، سب کے سب حملہ آوروں نے دیوار ہی شگاف کی طرف دوڑ لگا دی۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے ان سب میں، اس دروازے تک پہلے پہنچنے کا جنوں پیدا ہو گیا ہو۔ مقابلے کی یہی کیفیت تھی۔ اس دوران میں ان لوگوں نے اپنے زخمی اور مُردہ ساتھیوں کو بھی اُٹھا لیا تھا اور پھر وہ بھیڑوں کی طرح اس دراڑ میں سے جا کر غائب ہو گئے اور اگلی ہی ساعت دراڑ بند ہو گئی۔ اب اُدھر دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ ابھی کچھ دیر قبل اس راہ داری میں ایک خوفناک جنگ ہو رہی تھی۔

ٹائیگر حیرانی سے سوچ رہا تھا کہ ان لوگوں نے ریوالور کیوں استعمال نہیں کیے؟ اس نے ہیلن کی طرف دیکھا جو لپ چھپ رہی تھی۔

"کیا یہ کسی قسم کا فنی مظاہرہ تھا؟" اس کی آواز میں خفیف سی تھرتھراہٹ تھی۔ "بہت خوبصورت... بے حد سنسنی خیز..."

ٹائیگر نے اس بات پر بڑی معصومیت سے چاروں طرف دیکھا جیسے اس کی بات پر حیران ہو رہا ہو کہ وہاں کسی قسم کا مظاہرہ ہُوا اور وہ اسے دیکھنے سے ہی محروم رہ گیا۔ اس کا انداز اتنا بے ساختہ تھا کہ چند لمحوں کے لیے خود ہیلن بھی اُلجھن میں پڑ گئی کہ اس نے جو کچھ دیکھا تھا، وہ حقیقت تھی یا اس کے تصور کا کوئی کرشمہ تھا... پھر وہ بے اعتباری سے ہنسنے لگی۔

"تم جادو ہو تو مجھ پر اعتماد کر سکتے ہو۔" اس نے کہا۔

"یہ ایک ایسی بات ہے۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ "جس کا کسی انسانی مُنہ سے نکلنا ہی غیر انسانی امر ہے۔ تم ایک احمق لڑکی ہو جو ایک ایسا دعوا کر رہی ہو جس کی حقیقت کا تمہیں خود بھی علم نہیں۔"

ہیلن کی مسکراہٹ بُجھ گئی۔

کسی نے اس کے مُنہ پر اُسے احمق کہا ہو، یہ شاید اس کی پوری زندگی میں پہلی بار ہُوا تھا۔ اب تک غالباً وہ نوجوانوں سے اپنے حُسن کے قصیدے ہی سُنتی آئی تھی۔ گویا اُسے کسی نے بھی نظر انداز نہیں کیا تھا جبکہ ٹائیگر کا رویہ ایسا ہو گیا تھا جیسے ہیلن اس کے نزدیک مٹی کی کسی مُورتی سے زیادہ اہمیت نہ رکھتی ہو۔ یہ بات اس کے لیے بے حد ناقابلِ فہم تھی۔ وہ اپنے حُسن کی کرشمہ سازیوں سے آگاہ تھی لیکن یہاں تو معاملہ کچھ ایسا لگ رہا تھا جیسے پتھر میں جونک نہیں لگ رہی۔

ٹائیگر نے اِدھر اُدھر دیکھا۔

اسے راستے کی تلاش تھی۔ اس وسیع و عریض اور کئی عرشوں والے جہاز پر ایک یہی بات اس کے لیے سب سے زیادہ پریشانی کا باعث تھی۔ اس نے سوچا کہ اگر وہ سیدھا کیپٹن ڈور میں چلا رہے تو وہ ایک زینے تک پہنچنے میں کامیاب ہو جائے گا۔ وہ ہمیشہ زینے استعمال کرنا پسند کرتا تھا جبکہ لوگ لفٹ میں سفر کرنے کو ترجیح دیتے تھے اور ٹائیگر کو لفٹ میں سفر کرنے سے اُلجھن ہی نہیں گھٹن کا بھی احساس ہوتا تھا۔ بیس یا تیس سیڑھیاں اُس کے لیے کوئی معنی نہیں رکھتی تھیں۔ اس نے ذہن پر زور ڈال کر یہ یاد کرنے کی کوشش کی کہ وہ عرشے تک کس راستے پر چل کر پہنچا تھا... لیکن اُسے راستہ یاد نہ آ سکا کیونکہ چلتے وقت اس کی تمام تر توجہ دیواری الماریوں یا پھر دیواروں پر مرکوز رہی تھی جہاں سے کسی بھی لمحے موت اس پر جھپٹ سکتی تھی۔

راستوں کی بھول بھلیوں اور جہاز کی وسعت نے اس پر چڑچڑے پن کی کیفیت پیدا کر دی اور وہ ذہنی تسکین کے لیے یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ کاش! اُسے جو مہم سونپی گئی ہے، وہ مختلف ہوتی۔ کاش! اُسے کہا جاتا کہ اس جہاز میں موجود جتنے بھی پُراسرار آدمی موجود ہیں، اُنھیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر ہلاک کر دے۔ کاش! اُسے یہی مہم سونپ دی گئی ہوتی کہ ہر ملک کے سفارت خانے کے عملے کو ٹھکانے لگا دے... اور کاش! اس نے ہیلن کی طرف دیکھا۔ کاش! اُسے اس لڑکی کا گلا گھونٹنے کی مہم سونپ دی جاتی۔ تو وہ کم از کم اس وقت اپنی چڑچڑے پن کی کیفیت کا ضرر رساں ازالہ کر لیتا۔

یکایک اُسے یاد آ گیا کہ اُوشان نے اسے کیا ہدایت کی تھی۔

آج رات جہاز پر ایک شان دار پارٹی تھی اور اُوشان، ایرانی سفیر کے ساتھ اس دعوت میں شریک ہونا چاہتا تھا۔ اس کی

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

خواہش تھی کہ ٹائیگر بھی اس کے ساتھ چلے لہٰذا اُس نے سختی سے ہدایت کی تھی کہ وہ پارٹی کے وقت سے کچھ پہلے ہی واپس اپنے کیبن میں پہنچ جائے۔ یہ پارٹی جہاز کے مالک مسٹر ڈیموس کے اعزاز میں دی جا رہی تھی۔

ٹائیگر کو ایک زینہ نظر آگیا۔

ہیلن اب بھی اس کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔

"آخر تم کچھ بتانے سے خوفزدہ کیوں ہو؟" ہیلن نے کہا۔

"خوف کے بارے میں یہ بات ہمیشہ ذہن میں رکھو کہ وہ خوف ہی ہوتا ہے، جو انسان کو دہشت میں مبتلا رکھتا ہے ورنہ دُنیا میں ڈرانے والی کسی بھی چیز کا وجود نہیں ہے۔"

"یہ بھی ایک احمقانہ خیال ہے۔" ٹائیگر کڑبڑایا۔

"تم اسے احمقانہ کیسے قرار دے سکتے ہو؟"

"خوف، سانس لینے کے عمل کی طرح ضروری اور فطری ہے۔ خوف ایک اچھی چیز ہے۔ یہ لوگوں کو زندہ رہنا سکھاتا ہے البتہ بے جا اور حد سے زیادہ خوف ایک ایسی چیز ہے جسے بُرا کہا جا سکتا ہے۔"

سیڑھیاں اُتر کر وہ ایک ہال کمرے تک پہنچ گئے جہاں کئی سفارت کار اپنے عملے کے ساتھ مختلف ٹولیوں میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ٹائیگر دروازے میں رُک گیا۔ اس نے محسوس کیا کہ ہر ملک کے سفیر کے ساتھ کئی کئی باڈی گارڈ ہیں۔ یہ مین پاور کا سب سے غلط استعمال تھا اور ٹائیگر کو اس بات سے چڑ تھی۔ ہیلن نے بھی ہال کا جائزہ لیا... پھر بولی۔ "کیا تم عربی پڑھ سکتے ہو؟"

"نہیں..." ٹائیگر نے سرسری لہجے میں جواب دیا۔

"یہ اقوام متحدہ کی زرعی کمیٹی کا اجلاس ہے..." ہیلن نے تختہ پر پڑھ کر اُسے آگاہ کیا۔ علاوہ ازیں اس نے تفصیل بتائی کہ کمیٹی نے دو قرار دادیں پاس کی ہیں۔ جن میں سے ایک مقبوضہ عرب علاقے میں زرعی نقصان اور تیسری دُنیا میں زرعی پس ماندگی پیش نظر رکھی گئی ہے۔

ٹائیگر نے کوئی جواب نہ دیا۔

"جانتے ہو یہ ایک بڑی ہی دلچسپ بات ہے؟"

ٹائیگر نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"جب الجیریا نے فرانسیسیوں کو ٹھوکر مار کر ملک سے نکال باہر کیا تھا تو اُس وقت اُن کا ملک زرعی مصنوعات برآمد کیا کرتا تھا... اور جب خود ان کی اپنی حکومت بن گئی تو غذائی قلت دُور کرنے کے لیے انھیں دوسرے ممالک سے اشیا درآمد کرنی پڑ رہی ہیں۔"

"میں اقوام متحدہ نامی ادارے سے زیادہ توقعات وابستہ نہیں رکھتا۔"

"تمھارا کیا ہے؟" وہ نک بھوں چڑھا کر بولی۔ "تم تو ایک حسین لڑکی کی رفاقت پر بھی خوش نہیں رہتے۔"

"بڑوں کو چھوٹوں پر شفقت کا ہاتھ رکھنا چاہیئے نہ کہ اپنی طاقت سے انھیں غلام بنا لینا چاہیئے۔" ٹائیگر نے جواب دیا گویا اپنے موقف کی وضاحت کی اور ایک زینے کی طرف بڑھ گیا۔

"ہاں... یہی بات ہیں، تمھیں بھی سمجھانے کی کوشش کر رہی ہوں۔" ہیلن نے جھنجلا کر کہا۔ "لیکن تمھاری سمجھ میں ہی کچھ نہیں آ رہا۔ جانتے ہو، جب میں نے پہلی بار تمھیں دُوربین کے ذریعے دیکھا تھا تو اس وقت مجھے احساس ہو گیا تھا کہ ہم دونوں ایک دوسرے کے روحانی ساتھی ہیں۔ مجھے نظر انداز نہ کرو، ورنہ میں عرشے سے سمندر میں کود جاؤں گی۔ مجھے تمھاری ضرورت ہے میں تمھیں دُنیا کا دولتمند ترین آدمی بنا سکتی ہوں۔"

"ہمیں ایک دوسرے سے ملے ہوئے نصف گھنٹہ ہوا ہے اور میرے نظر انداز کرنے پر تم موت کو گلے لگانے کے لیے آمادہ ہو گئی ہو۔ اس سے مجھے یہ اندازہ لگانے میں کوئی دشواری نہیں ہو رہی کہ تم ایک ذہنی مریض ہو۔" یہ کہہ کر وہ سیڑھیاں اُترتا چلا گیا۔

وہ اتنی تیزی سے سیڑھیاں اُتر رہا تھا کہ ابھی ہیلن تیسرے زینے پر تھی اور ٹائیگر پچاس سیڑھیاں اُتر کر دوسرے زینے کی طرف بڑھ چکا تھا۔ ہیلن ایک طویل سانس لے کر رہ گئی اور واپس اوپر جا کر لفٹ کی طرف چل دی۔

ٹائیگر مختلف زینے طے کرتا، مختلف راہ داریوں میں بھٹکتا رہا۔ اُسے اپنے کیبن تک پہنچنے کی جلدی تھی جبکہ راستہ اُسے معلوم نہیں تھا۔ سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ اُسے راستہ بتانے والا کوئی نہیں تھا۔ جہاز میں جتنے بھی لوگ سفر کر رہے تھے، ان میں سے بیشتر اپنے ہی حصے تک محدود رہتے تھے اس لیے انھیں جہاز کے دیگر حصوں کے بارے میں معلومات نہیں تھیں۔

بیس منٹ بعد اُسے ایک مانوس راستہ نظر آگیا۔

اب اس کے لیے اپنے مخصوص حصے تک پہنچنا زیادہ مشکل نہیں تھا۔ وہ ایرانی کونسلیٹ کے لیے وقف حصے میں پہنچا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ ہیلن وہاں پہلے ہی سے موجود تھی۔

"تم جھوٹی ہو۔" وہ چیخ پڑا۔ "اور میں جھوٹوں کو پسند نہیں کرتا۔"

"کیا مطلب؟" ہیلن نے فکرمندی سے پوچھا۔

"تم نے وعدہ کیا تھا کہ خودکشی کر لو گی؟"

"ہاں..." وہ ایک طویل سانس لے کر بولی۔ "لیکن میں نے اب زندہ رہنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔"

"تمھارے فیصلے جلد جلد بدل جاتے ہیں۔ یہ ایک اچھی عورت کے لیے بہت بُری بات ہے۔" ٹائیگر نے عجیب سے لہجے میں تبصرہ کیا۔

چند منٹ اِدھر اُدھر کی باتوں کے بعد وہ ہیلن سے پیچھا چھڑا کر اپنے کیبن میں چلا گیا جہاں ایرانی سفیر، اُوشان سے بیٹھا باتیں کر رہا تھا۔ اس کے چہرے سے فکرمندی جھلک رہی تھی۔ معلوم ہوا کہ اس کے دونوں سیکورٹی مین جہاز کی انتظامیہ کے لیے دلچسپی کا باعث بنے ہوئے ہیں۔ علاوہ ازیں جہاز میں یہ افواہ بھی گشت کر رہی تھی کہ ان دونوں میں سے کسی ایک کی "ورانتی" نامی تنظیم کے دہشت پسندوں سے مڈبھیڑ ہو چکی ہے اور اس نے انھیں بُری طرح شکست سے دوچار کر دیا ہے۔ ایرانی سفیر یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ... دونوں میں وہ کون ہے؟ اُوشان... یا... ٹائیگر...

"ہاتھ آج رات خاموش ہے۔" اُوشان نے پُرتکلف لہجے میں جواب دیا۔

سفیر چند لمحوں تک اُن دونوں کو باری باری دیکھتا رہا... پھر اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اب اس کے چہرے پر فکرمندی کی جھلک نہیں تھی۔

وہ اُٹھا اور تعظیماً اُوشان کے سامنے جھک کر دروازے کی جانب بڑھ گیا۔ ٹائیگر نے دروازہ بند کر دیا۔

"ہاتھ، آج رات خاموش ہے۔" ٹائیگر بڑبڑایا۔

اُوشان نے پلکیں جھپکا کر اس کی طرف دیکھا۔

"اس بات کا کیا مطلب تھا، لٹل فادر؟"

"بعض جملے صرف گاہکوں کے لیے مخصوص ہوتے ہیں۔"

ٹائیگر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ اُوشان نے سفیر سے یہ کہا ہے کہ جو کچھ بھی کہا جا رہا ہے، اس کے سلسلے میں اس کا ماسٹر ہینڈ خاموش رہا ہے اور اس نے کسی کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی۔

"چلو جلدی سے تیار ہو جاؤ۔"

"کیا اس دعوت میں میری شرکت ضروری ہے؟"

"بے حد ضروری..." اُوشان معنی خیز انداز میں مسکرانے لگا۔

ٹائیگر نے ایک طویل سانس لی اور کپڑے بدلنے لگا۔ نہ جانے کیوں وہ خفیف سی کاہلی محسوس کر رہا تھا اور اُسے کچھ دیر آرام کرنے کی طلب ہو رہی تھی۔

... لیکن اُوشان اُسے ساتھ لے جانے کا تہیہ کر چکا تھا اس لیے اُسے تھکن اور کاہلی دُور کرنے کے لیے اپنے عمل تنفس سے کام لینا پڑا... نتیجتہً جب وہ پارٹی میں پہنچا تو اس کا چہرہ ایک بار پھر تر و تازہ تھا اور اس کا موڈ بھی بڑی حد تک خوش گوار ہو گیا تھا۔

پارٹی میں کئی ممالک کے سفیر اور ان کا عملہ موجود تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ یہ عملہ زیادہ تر باڈی گارڈز پر مشتمل رہا ہو۔ اُوشان اپنے روایتی لباس میں سب کی نگاہوں کا مرکز بنا ہوا تھا۔ بہت سے باڈی گارڈ اسے اور ٹائیگر کو سفیر کے ساتھ دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔ اُن کی آنکھوں میں دونوں کے لیے حقارت کا تاثر تھا... لیکن اُوشان نے ایسی باتوں کی، نہ تو پہلے کبھی پروا کی تھی اور نہ ہی اب اُسے کوئی پروا تھی۔

یہ ایک شان دار پارٹی تھی۔

ہر طرف مشروب اور دیگر اشیائے خورد و نوش کی ٹرے گردش کر رہی تھیں۔ یکایک ایک باڈی گارڈ نے شراب کا گلاس قریبی ٹرے سے اٹھا کر اُوشان کے ہاتھ میں تھما دیا۔ اُوشان نے اسے خندہ پیشانی سے قبول کر کے ٹائیگر کی طرف بڑھا دیا۔ دونوں آگے بڑھ گئے۔

"بُری بات ہے۔" اُوشان نے سرگوشی کی۔

"کیا مطلب ہے؟" ٹائیگر چونک پڑا۔

"تم نے اس گلاس کی ساری شراب اس باڈی گارڈ کے سفیر کے کوٹ کی جیب میں کیوں انڈیل دی؟"

"اوہ، تو آپ نے دیکھ لیا۔" ٹائیگر ایک طویل سانس لے کر بولا۔ "میرا خیال ہے یہ اس باڈی گارڈ کے لیے ایک اچھا سبق ہو گا۔"

جس جگہ پارٹی کا بندوبست کیا گیا تھا، وہ ایک وسیع و عریض ہال تھا جس کے اوپر گیلری بنی ہوئی تھی اور اس گیلری میں ہر ملک کے سفیر کے لیے ایک کیبن بنا ہوا تھا۔ بالکل ویسا ہی تھا جیسے کہ عموماً سینما ہال میں بکس بنے ہوتے ہیں۔ ٹائیگر اوپر دیکھتا رہا... حتیٰ کہ ایک جگہ اس کی نظریں جم کر رہ گئیں۔

ایک بکس میں ہیلن بیٹھی ہوئی تھی۔

یہ بکس بالکونی کے وسط میں تھا۔ وہ اس وقت سیاہ

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

اسلم راہی ایم اے کے ولولہ انگیز تاریخی ناول

اندھیروں کے ساربان	۲۰۰/-	سنہری عقول	۱۵۰/-
تاریک رزم گاہ	۲۵۰/-	صلیب و حرم	۱۵۰/-
صقلیہ کا مجاہد	۱۵۰/-	نیشاپور کا شاہین	۱۵۰/-
عقاب	۱۵۰/-	بابل کا بت شکن	۱۵۰/-
صحرا کی آگ	۱۵۰/-	طلسم کدہ	۱۷۵/-
قتیبہ بن مسلم	۱۵۰/-	آتش فشاں	۱۵۰/-
موت کے مسافر	۱۷۵/-	آخری حصار	۲۰۰/-
یثرب کا ابلیس	۱۵۰/-	بنت نیل	۱۵۰/-

مکتبہ القریش اردو بازار لاہور

لباس میں تھی جس کی کناری پر نقرئی حاشیہ تھا اور گریبان پر ایک پن تھی جس میں ایک قیمتی ہیرا چمک رہا تھا۔ وہ تنہا تھی اور ٹائیگر حیرانی سے سوچ رہا تھا کہ وہ اس رائل بکس تک کیسے پہنچ گئی۔ ایران کے سفیر کے لیے جو بکس مخصوص تھا وہ ہیلن کے بکس سے چالیس قدموں کے فاصلے پر تھا۔

"میرا خیال تھا کہ تم نے اب تک خودکشی کر لی ہوگی۔" ٹائیگر نے چیخ کر کہا اور لوگ حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگے۔

"میرے پاس زندہ رہنے کا ایک معقول جواز موجود ہے۔" ہیلن نے اپنے کیبن سے چیخ کر جواب دیا اور کئی نظریں اس طرف بھی اٹھ گئیں۔ وہ بڑے ہی مسحور کن انداز میں مسکرا رہی تھی۔

"مجھے یہ سن کر افسوس ہوا۔" ٹائیگر نے زیر لب کہا۔

اس سے قبل کہ سفیر اس سے کچھ پوچھتا، اوشان اپنے مخصوص انداز میں قہ قہ... قہ... قہ... قہ کر کے ہنسنے لگا اور دیر تک ہنستا ہی رہا۔

☆

کیمرے کام کر رہے تھے۔

اگرچہ ہر کیمرہ مین کا یہ فرض تھا کہ وہ پارٹی کی فلم بندی کرے لیکن بیشتر کیمرے سے ایک خاص شخصیت کو اپنے حصار میں لینے کی کوشش کر رہے تھے۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ انھیں خاص طور سے جس شخصیت کے بارے میں کہا گیا ہے، اس کی بہتر سے بہتر تصویر اس خاص گھر سے تک پہنچائی جائے جہاں اسے گہری توجہ سے دیکھا جا رہا تھا۔ جب تمام کیمرہ مین اپنے اپنے زاویے سے جائزہ لے چکے تو صرف دو کیمرہ مین اس بات پر متفق ہو سکے کہ وہ جہاں کھڑے ہیں صرف وہیں سے بہترین تصویر منتقل ہو سکتی ہے۔ یہ دونوں کیمرے اس مخصوص زاویے سے کام کرنے لگے۔ ان میں سے ایک نے ٹائیگر اور دوسرے نے اوشان کی تصویر کشی شروع کر دی تھی۔

اس عظیم الشان جہاز کے اندر جو ایک خفیہ جہاز تھا، اس کے ایک خاص کمرے میں اسکر خاموش بیٹھا ٹی۔ وی سیٹ کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اسکرین پر جہاز میں ہونے والی پارٹی کا منظر پیش کیا جا رہا تھا۔ کیمرہ مین بڑی مستعدی سے کام کر رہے تھے اور کمرے میں موجود کئی ٹی۔ وی سیٹوں پر ہر زاویے سے اس پارٹی کی تصویریں بھیجی جا رہی تھیں۔ وہ کبھی کبھی نگاہ اٹھا کر دوسرے کسی سیٹ کی طرف بھی دیکھ لیتا تھا لیکن زیادہ تر توجہ ان دو اسکرینوں پر رہی جن میں سے ایک پر ٹائیگر اور دوسرے پر اوشان کو دکھایا جا رہا تھا۔

اسکر نے ایک طویل سانس لی۔

وہ ٹائیگر کی کئی فلمیں دیکھ چکا تھا۔ ایسی فلمیں جو اس کے جہاز میں آنے کے بعد بطور خاص تیار کی گئی تھیں۔ ان فلموں میں

... اس نوجوان کی شخصیت کے کئی پہلو بے حد عجیب اور بے حد ناقابل فہم۔ خاص طور سے وہ اس کی چال دیکھ کر حیران تھا۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے چلتے وقت اس کے تلوے زمین سے چھوتے ہوں بلکہ وہ زمین سے چند انچ اوپر ہوا میں تیر رہا ہو۔ بالکل یہی چال اس بوڑھے کی بھی تھی جس نے دنیا کا عجیب ترین لباس زیب تن کر رکھا تھا۔

اسکر کو اس نوجوان کے قتل پر مامور کیا گیا تھا۔

وہ ایک ایسا قاتل تھا جس کے بارے میں بڑے وثوق سے کہا جا سکتا تھا کہ ناکامی کبھی اس سے چھو کر بھی نہیں گزری۔ وہ اعلیٰ درجے کا تعلیم یافتہ تھا۔ آلات قتل کے سلسلے میں اس کی معلومات قابل رشک تھیں۔ پہلے وہ تفریحاً قتل کیا کرتا تھا پھر اس نے اسے پیشہ بنا لیا حالانکہ آج بھی وہ برطانیہ کے ایک کالج میں پروفیسر تھا اور معاشرے میں اسے بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔

اس نے بے چینی سے پہلو بدلا اور اسکرین پر نظریں گاڑ دیں۔ اسکرین پر اس وقت ٹائیگر دکھائی دے رہا تھا جن دو ٹی وی کیمروں نے اس کا عکس سیٹ پر منتقل کرنا شروع کیا تھا۔ ان کے کیمرہ مین واقعی بے حد ذہین تھے اور وہ ٹائیگر کو اس انداز میں فوکس میں لینے کی کوشش کر رہے تھے۔ جس سے اس کی شخصیت زیادہ سے زیادہ واضح اور نمایاں ہو کر اسکر کے سامنے آ سکے۔

اب تک جہاز میں ٹائیگر کے ساتھ جو دو تین مقابلے ہوئے تھے۔ ان کی فلم دیکھنے کے بعد اسکر نے ہدایت کر دی تھی کہ اس کی چوبیس گھنٹے نگرانی کی جائے اس سلسلے میں الیکٹرونک آئیز کافی بہتر کارکردگی دکھا رہی تھیں لیکن آج وہ اسے جس انداز میں دیکھ رہا تھا۔ اس سے وہ زیادہ بہتر طور پر اس کی شخصیت کا جائزہ لینے کے قابل ہو گیا تھا۔

نہ جانے کیوں اسکر کو زندگی میں پہلی بار یہ احساس ہو رہا تھا کہ وہ اس کام کو ہاتھ میں لے کر درحقیقت اپنی زندگی داؤ پر لگا رہا ہے... لیکن یہ نمبرون کی خواہش تھی کہ شہزاد نامی اس نوجوان کو وہ اپنے ہاتھوں سے قتل کرے۔ اس نے وعدہ کر لیا تھا لیکن اب ایک عجیب سی بے کلی یہ احساس جگا رہی تھی کہ اس نے وعدہ کر کے غلطی کی ہے۔ گزشتہ سترہ سالوں کے دوران میں، اسکر نے قتل کی جتنی بھی وارداتیں کی تھیں۔ ان میں اسے شکار کے بارے میں بہت ہی کم معلومات فراہم کی جاتی رہی تھیں۔ اس کے باوجود وہ ان لوگوں کو ٹھکانے لگانے میں کامیاب ہو گیا تھا جبکہ ٹائیگر کے سلسلے میں اسے ہر طرح کی معلومات فراہم کی جا رہی تھیں... اور وہ ابھی تک کوئی لائحہ عمل طے کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔ بے اختیار اس کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی... کہ کاش! اسے صرف ایک بار یہ تینوں کردار دکھا دیا جاتا اور اس کے بارے میں یہ تفصیلی معلومات فراہم نہ کی جاتیں۔ اس طرح کم از کم اس میں احساس کمتری تو پیدا نہ ہوتا۔ ٹائیگر کے بارے میں جیسے جیسے اس کی معلومات کا دائرہ وسیع ہوتا جا رہا تھا۔ یہ احساس جڑ پکڑتا جا رہا تھا کہ وہ ایک ایسا نوجوان ہے جس کا تعلق اس مادی دنیا سے نہیں بلکہ روحانی دنیا سے ہے۔

اسکر خود بھی غیر معمولی حسیات کا مالک تھا۔

... اور یہ اس کی حسیات ہی تھیں جنھوں نے ٹائیگر کے سلسلے میں بعض ایسی باتیں بھی اس کے ذہن تک پہنچا دی تھیں، جنھیں ٹی وی کیمرے اپنی گرفت میں نہ لے سکتے تھے۔ جب سے چوبیس گھنٹے کی نگرانی کا کام شروع ہوا تھا تب سے ٹائیگر اور اوشان کے درمیان باتوں کا سلسلہ بے حد سرسری سا ہو کر رہ گیا تھا۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ اس سفر یا اس جہاز کے بارے میں کوئی بات کرنا پسند ہی نہیں کرتے... اور انہی لمحوں میں اسکر کو یہ احساس ہوا کہ ٹائیگر کے سانس لینے کے عمل میں ایک عجیب سی پراسراریت ہے۔ اس کی حسیات نے اس... عمل تنفس کی شرح نکالی اور جب اس نے اوشان کے عمل تنفس کی شرح محسوس کی تو وہ چونکے بغیر نہ رہ سکا۔ دونوں کی سانسوں میں ہم آہنگی تھی، یوں جیسے وہ ایک ساتھ سانس لیتے ہیں اور ساتھ ہی سانس چھوڑتے ہیں۔ یہ ایک ایسی بات تھی جس نے اسکر کو بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔

اسکر نے فلموں میں یہ بھی دیکھا تھا کہ ٹائیگر نے اب تک کسی بھی مقابلے میں کوئی ہتھیار استعمال نہیں کیا تھا۔ اس نے صرف اپنے دونوں ہاتھ ہی استعمال کیے تھے... لیکن اب اسے اچھی طرح معلوم ہو گیا تھا کہ اس نوجوان کا پورا جسم ہی درحقیقت ایک ہتھیار ہے۔

نمبرون کو یقین تھا کہ ٹائیگر اس خفیہ جہاز اور اس میں موجود خطرناک گروہ کی موجودگی سے آگاہ ہو گیا ہے۔ اس نے یہ بات اوشان کو بھی بتا دی تھی... لیکن انھوں نے یہ بات ایرانی سفیر سے کیوں چھپائے رکھی۔ اب تک ایرانی سفیر نے جہاز سے اپنے ملک جتنے بھی پیغامات بھیجے تھے، وہ کوڈ میں ہونے کے باوجود ڈی کوڈ کر لیے گئے تھے لیکن ان میں جہاز سے متعلق کسی بات کا کبھی کوئی تذکرہ نہیں مل سکا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

اچانک فون کا بلب روشن ہوگیا۔
اُس نے فون اٹینڈ کیا۔ دوسری طرف سے ایک تحکمانہ آواز سنائی دی۔
"کیا تم نے اس شخص کے سلسلے میں کچھ طے کر لیا؟"
"نہیں..." آسکر نے جواب دیا۔
"نمبر ون اس سلسلے میں بے حد بے قرار ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ نصف شب کو یہ پارٹی ختم ہو تو کچھ نہ کچھ ہونا چاہیئے۔"
"ٹھیک ہے، جناب۔" آسکر نے جواب دیا اور سلسلہ منقطع کر دیا۔
اس نے تھکے تھکے سے انداز میں کرسی پر بیٹھ کر آنکھیں بند کر لیں۔ اس کا ذہن اپنے ماضی کے دھندلکوں میں کھو گیا۔ وہ ٹوڈو کو دفتر روزگار کے ایک آفیسر کے سامنے کھڑا دیکھ رہا تھا۔ آفیسر اُس سے کہہ رہا تھا۔
"تم سینٹ مارٹن جا رہے ہو۔" یہ کہتے ہوئے آفیسر کا لہجہ نرم ہوگیا "وہاں تم اپنی زندگی کا بہترین وقت گزارو گے۔"
"لیکن میرے پاس کسی تفریحی مقام پر جانے کے لیے دولت نہیں ہے، میں ملازمت کی تلاش میں یہاں آیا ہوں۔"
آفیسر اس بات پر جس انداز میں مسکرایا۔ اس سے آسکر کو اندازہ ہوگیا کہ اس کا کام بن گیا ہے... اور کام بھی کسی غیر معمولی نوعیت کا ہے۔ اُس نے اپنے چہرے پر ایسے تاثرات طاری کر لیے جیسے اُسے اس بات کا احساس تک نہ ہو... تب اُسے سچ مچ خواہ بتائی گئی، اُسے سن کر اُس کے پورے جسم کے ہر مسام نے پسینہ اُگل دیا تھا۔ وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ زندگی میں اتنی خطیر خواہ حاصل کرنے کے قابل ہو جائے گا۔
اس کے بعد سب سے پہلے وہ ہوائی جہاز میں کرسیچانا انٹرنیشنل پورٹ پہنچا جہاں سے ایک ہوا روی شٹل فلائٹ نے اُسے مولیٹ بے نامی ایک ایسے مقام پر پہنچا دیا جسے جنت کا ٹکڑا کہا جا سکتا تھا۔ وہاں ایک اپارٹمنٹ اُس کے لیے مخصوص تھا ایک بٹلر، ایک ملازمہ... اور ایک عدد بیوی... ایسی بیوی جس سے شادی نہیں ہوئی تھی۔ اُس کی خدمت کے لیے موجود تھی۔ ایک حسین عورت تھی، ایسی عورت جس سے بہت کم تر درجے کی عورت کی اُس نے خواہش کی تھی لہٰذا وہ اُسے پا کر خود فراموشی میں مبتلا ہوگیا۔ کافی دنوں بعد جب وہ لطف کی ساعتوں سے بڑی حد تک مانوس اور مطمئن ہو گیا، تب اُس کے ذہن نے دوبارہ کام کرنا شروع کیا تھا... اور تب ہی اُسے احساس ہوا کہ اُس کے آس پاس جتنے بھی لوگ ہیں، وہ کام کے سلسلے میں بے مثال ہیں اور اس کی واحد وجہ یہی سمجھ میں آئی کہ ان سب کو آسکر کی طرح بے مثال معاوضہ ادا کیا جاتا تھا۔
رفتہ رفتہ اُسے معلوم ہوگیا کہ وہ ایک ایسے چکر میں پھنس گیا ہے۔ جس میں اُسے دنیا کا ہر عیش و آرام ملتا رہے گا... لیکن وہ اس سے نہ تو کبھی گلو خلاصی حاصل کر سکے گا اور نہ ہی کسی کام سے انکار کرنے کی جرأت کر سکتا ہے۔ اس سلسلے میں آزمائش کے طور پر اس نے ایک بار انکار کیا تو اُسے دو دن اور دو راتوں تک جگایا گیا۔ اس دوران میں، اُسے ایک لمحے کے لیے بھی سونے نہیں دیا گیا تھا۔ اس پورے عرصے میں وہ اپنے اپارٹمنٹ سے دور ایک جنگل میں رہا تھا۔
اُسے ایک ایسی گولی کھلائی گئی تھی، جسے نگلنے کے بعد اُسے اس پاس کا پورا ماحول رنگین محسوس ہونے لگا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے ہر شے کسی خاص رنگ میں رنگی ہوئی ہو۔ اور یہ سارے کے سارے رنگ ایسے تھے کہ اس نے انہیں پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اُس نے سوچا کہ اُسے کسی خاص قسم کی دوا دی گئی ہے۔ دو دن اور دو راتوں کی بیداری کے بعد یوں بھی اُس کا ذہن ایک عجیب سے نشے میں ڈوب گیا تھا... اور اب تو اُس کی حالت مزید بگڑ گئی تھی۔ لیکن لطف کی بات یہ تھی کہ اُسے یہ سب کچھ اچھا اور خوش گوار لگ رہا تھا۔ وہ اس صورتِ حال سے لطف اندوز ہونے لگا تھا۔
اس نے ایک شخص کو قتل کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ یہ سزا اُسے اسی حکم عدولی کے سلسلے میں دی گئی تھی۔ اس رنگین ماحول میں ایک بار جب اُس کی آنکھ کھلی تو اُس نے دیکھا کہ اُس کے ہاتھوں میں اُسی شخص کی کھوپڑی موجود ہے جسے قتل کرنے کا کام اُس کے سپرد کیا گیا تھا اور اُس نے انکار کر دیا تھا۔ تب اُسے احساس ہوا کہ یہ کھوپڑی خود اس کی اپنی بھی ہو سکتی تھی۔ وہ ایک جھرجھری سی لے کر بیدار ہوگیا۔ تب اُسے ماحول پہلے سے کہیں زیادہ رنگین و حسین لگنے لگا تھا۔
بیدار ہونے کے بعد پہلی بار اُس نے نمبر ون سے وفاداری کا حلف اُٹھایا۔ انکار سے قبل غالباً اُس پر اتنا اعتماد کیا جاتا تھا کہ ان لوگوں نے اُس سے حلف لینے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی تھی۔ اُس نے شمار آوردہ حالت میں نمبر ون کو دیکھا تھا۔ اس کے باوجود اُس کا چہرہ اُسے قدرے... مانوس محسوس ہوا۔ وہ ایک خوب صورت آدمی تھا۔ حلف اُٹھانے کے بعد وہ گہری نیند میں ڈوب گیا تھا کیونکہ اُسے اب سونے کی اجازت دے دی گئی تھی اور اس کی سزا پوری ہو چکی تھی۔ اُس رات اُس نے خواب میں دیکھا کہ دنیا میں رہتے ہوئے اُسے نمبر ون سے زیادہ کسی سے بھی محبت نہیں ہے۔
اس کے بعد وہ مسلسل غور کرتا رہا۔
اُسے نمبر ون کا چہرہ مانوس محسوس ہوا تھا۔ کیوں؟
اس کا ایک ہی مطلب تھا کہ وہ اُسے پہلے بھی کہیں دیکھ چکا تھا۔
... لیکن کہاں؟ یہ بات اُسے یاد نہ آسکی۔ ہو سکتا ہے، تعلیمی عرصے میں اُسے کہیں دیکھا ہو... اس کے ذہن پر زور ڈالا تو احساس ہوا

کہ نمبر ون کو اس سے پہلے بھی دیکھا تھا جب وہ کم عمر تھا اور اُس کے بال کی رنگت تھری ہوا کرتی تھی۔ اُسے یاد آیا کہ یہ چہرہ اس نے ہر بار کسی نہ کسی عورت کے ساتھ دیکھا تھا۔ وہ ذہن پر زور دیتا رہا لیکن نمبر ون کا نام اُسے کوشش کے باوجود نہ آسکا۔
اس دوا آلود نیند سے بیداری کے بعد اُسے ایک احساس ذہنی طور سے ہوا کہ وہ اس طرح جاگا ہے جیسے اس کو ایک نئی زندگی مل گئی ہو... لیکن سب سے زیادہ حیرت اُسے اس بات پر ہوئی تھی کہ اس کی آنکھ ایک بحری جہاز کے کیبن میں کھلی تھی۔ وہ زندہ تھا اور جاگ رہا تھا... اور اُسے اس کیبن میں دنیا جہاں کی آسائشیں میسر تھیں۔
وہ باتھ روم میں گیا اور اس نے اپنا چہرہ دیکھا تو اُسے اپنی آنکھوں کی نیلاہٹ پہلے سے کافی کم محسوس ہوئی۔
اپنے عکس کو گھورتے ہوئے اچانک ہی اُس کے ذہن نے... قلابازی کھائی۔
اس نے نمبر ون کو پہچان لیا تھا۔
وہ تھا بیس تھا... دنیا کے چند دولت مند ترین آدمیوں میں سے ایک...
"نمبر ون سے محبت کرو... نمبر ون سے محبت کرو... نمبر ون سے محبت کرو۔" کوئی بار بار اُس کے اندر سے چیخ رہا تھا... اور پھر وہ خود بھی بار بار یہی جملہ دہرانے لگا۔ اُسے اپنی آواز بے حد عجیب محسوس ہونے لگی۔
ماضی کی یادوں سے چونک کر اُس نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔ اُس کا سر تیزی سے گھوم رہا تھا۔
کیبن کی ہر شے اُسے گھومتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔
اچانک ٹیلی فون کا پینل روشن ہوگیا۔
"منفی..." اُس نے نرمی سے کہا۔
جواباً اُسے وہی الفاظ سنائی دیے جن کے بارے میں... وہ خوف زدہ تھا۔
"نمبر ون کو رپورٹ کرو۔"
اُس نے کانپتے ہاتھوں سے شیشی کھولی اور مسکن دوا کی تین گولیاں ایک ساتھ اپنے حلق سے نیچے اتار لیں۔ وہ سوچ رہا تھا کہ نمبر ون کے سامنے جا کر اپنی ناکامی کا اقرار کرنے سے پہلے کاش اُس پر بے ہوشی طاری ہو جائے۔
اُس کے کیبن میں ایک خفیہ دروازہ کھل گیا۔ وہ کمرے سے نکلا اور ایک پلیٹ فارم پر پہنچ گیا۔ اس کے ساتھ ہی عقب میں خفیہ دروازہ بند ہوگیا۔ اب وہ اس وقت تک اپنے کیبن میں واپس نہیں جا سکتا تھا، جب تک کہ دروازہ کسی خاص مقام سے خاص میکنزم کے تحت دوبارہ نہیں کھول دیا جاتا۔
اس پلیٹ فارم پر چلتا ہوا وہ ایک کمرۂ خاص میں پہنچ گیا۔
کمرے میں شاہی تخت نما ایک مسند تھی جس کے سامنے ایک کرسی رکھی ہوئی تھی۔ وہ اس کرسی پر جا کر بیٹھ گیا... اُس نے محسوس کیا کہ مسکن دوا نے اپنا کام کرنا شروع کر دیا ہے لیکن اُس کے ہونٹوں پر خشکی سے پپڑیاں سی جم گئی تھیں اور حلق میں کانٹے سے چبھنے لگے تھے۔
اُس پر غنودگی سی طاری ہونے لگی۔
کچھ دیر بعد اس کی آنکھیں بند ہوگئیں۔
دفعتاً اُسے احساس ہوا کہ شاہی مسند نما تخت پر کوئی آکر بیٹھ گیا ہے۔ اُس نے پوری قوت صرف کر کے آنکھیں کھول دیں اور تب اُس نے دیکھا کہ نمبر ون وہاں بیٹھا ہوا تھا۔
"نمبر ون سے محبت کرو..." اُس نے زیرِ لب کہا۔
"اور یہ شہزاد اور اُدشان..." نمبر ون کی آواز اُس کی سماعت سے ٹکرائی "ہم اُن سے اپنا اسکور برابر کرنے میں کب کامیاب ہوں گے؟" نمبر ون کے لہجے میں ٹھہراؤ لیے والا تاثر تھا۔
"شہزاد... اور... اُدشان؟" آسکر بڑبڑایا۔
"ہاں..." نمبر ون نے جواب دیا "ہم اُن کے خلاف کوئی قدم کب اُٹھانے میں کامیاب ہوں گے؟"
"اس مقصد میں آپ اپنی زندگی کے کسی حسین ترین دن بھی... کامیاب نہیں ہو سکیں گے۔" یہ کہنے کے بعد وہ بے ہوش ہوگیا۔
یہ وہ آخری الفاظ تھے جو اس کی زبان سے نکلے تھے۔ اس کے بعد وہ کبھی بولنے کے قابل نہ ہو سکا... سمندر کی تہہ میں سوں سوں ٹنوں پانی کے نیچے بھلا کوئی بول بھی کیسے سکتا ہے؟ اُس کے ٹخنوں سے زنجیریں باندھ کر اُسے جہاز سے نیچے سمندر میں لٹکا دیا گیا تھا۔
جب وہ دم توڑ رہا تھا تو اُس کے دل نے کہا "کہو... نمبر ون سے محبت کرو۔" اُس نے دل کی آواز پر مُنہ کھولا لیکن چند بلبلے سے اُس کے چہرے کے آس پاس منتشر ہو کر رہ گئے اور اُس کا جسم محض ایک خول بن کر رہ گیا۔ روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔

ڈیموس تیزی سے سفر کر رہا تھا۔
ابھی اس کا ذاتی جہاز دنیا کے اس وسیع و عریض جہاز سے کافی دور تھا کہ پہلی اخباری خبر اس تک پہنچ گئی۔ ان خبروں کے لیے ایک خاص مشین اس نجی جہاز پر نصب تھی بلکہ ایسی ان گنت مشینیں ہر اس مقام پر نصب تھیں، جہاں ڈیموس کی موجودگی کا امکان ہوتا تھا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

اخبارات نے اس خبر کو خوب اُچھالا تھا کہ مسٹر تھامپسن نے اس غیر معمولی جہاز کے سلسلے میں جو شاندار پارٹی دی تھی، پہلی پارٹی میں ڈیموس موجود نہیں تھا۔ اس پر تھامپسن نے حیرت اور رنج کا اظہار کیا تھا۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی کہی کہ شاید مسٹر ڈیموس اپنے اس غیر معمولی جہاز کو خود ہی غیر محفوظ خیال کرتے ہیں۔ اس لیے وہ اس جہاز میں سفر کرنا پسند نہیں کرتے کہ مبادا اُسے کوئی ہلاک کر دے۔

ڈیموس اپنے کسی بھی جہاز پر سفر کرنے سے کبھی نہیں ڈرتا تھا۔ اُس نے پہلی دو پارٹیوں میں شرکت نہیں کی تھی اور وہ جانتا تھا کہ تھامپسن یہی سوچ رہا ہوگا کہ ڈیموس کبھی اس جہاز پر قدم نہیں رکھے گا... لیکن وہ اُسے حیرت زدہ کرنا چاہتا تھا اور آج تیسری پارٹی میں شرکت کے لیے جا رہا تھا۔

یہ خبر اب دُنیا بھر میں پھیل گئی تھی کہ وہ غیر معمولی جہاز غیر محفوظ ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو خود اُس کا مالک اپنے ہی اعزاز میں دی گئی پارٹیوں میں کیوں شریک نہ ہوتا۔ اس سلسلے میں اب تک جتنی بھی کہانیاں اخبارات میں شائع ہوئی تھیں، ڈیموس نے گہری توجہ سے اِن کو مشین پر سُنا تھا۔ اور ایک ایک بات ذہن نشین کر لی تھی۔

اُس نے کوبا کا صاحبزادہ ایک قیمتی سگار نکالا اور اُسے سُلگا کر دُھواں اُڑاتا ہوا کھڑکی سے باہر سمندر کی مچلتی ہوئی لہروں کو دیکھنے لگا۔ کچھ دیر اُس کی آنکھیں گہری سوچ میں ڈوبی رہیں... پھر اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی... بڑی ہی پُراسرار مسکراہٹ...

اخبارات میں جو کچھ شائع ہُوا تھا۔ یہ تھامپسن کی پہلی فتح تھی۔

وہ سوچ رہا تھا کہ جب اس کی طرف سے جوابی کارروائی ہوگی تو تھامپسن پر کیا گزرے گی؟ اُس نے کندھے اُچکا دیے۔ اس کھیل میں ابھی ایک دو روز باقی تھے۔ اس وقت تو ڈیموس تیسری شاندار پارٹی میں شرکت کرنے کے لیے اسی جہاز کی طرف رواں دواں تھا، جو اُس کی اپنی ملکیت تھا اور جس کے سلسلے میں یہ افواہیں گردش کرنے لگی تھیں کہ وہ غیر محفوظ ہے اور خود اُس کا مالک اس پر قدم رکھتے ہوئے... ڈرتا ہے۔

ڈیموس نے اپنے ذاتی جہاز کی رفتار میں اضافہ کرنے کا حکم دے دیا۔

۞

ہیلن نے اپنے باپ کی طرف دیکھا اور محبت سے مسکرانے لگی۔

"بہت پُرلطف پارٹی ہے، پاپا!" وہ خوش دلی سے گنگنانے والے انداز میں بولی اور اپنے والد کا ہاتھ تھام لیا۔

ہولناک اور پراسرار ماحول میں جنم لینے والی ایک
حقیقت جو کہانی بن گئی
ایک آشفتہ حال کی داستان عبرت جسے قانون نے
مجرم بنا دیا

رقص ابلیس

انوار صدیقی

قیمت:- 150/

اردو بازار لاہور

تھامپسن نے اپنی بیٹی کا ہاتھ تھپتھپایا اور مہمانوں کے ہجوم پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالتے ہوئے بولا: "ہاں... لیکن افسوس وہ پالش کرنے والا یونانی لڑکا اس محفل میں موجود نہیں ہے۔"

"وہ یہاں نہیں آسکتا، ڈیڈی۔" ہیلن نے دھوکا کیا۔ وہ کبھی اپنے باپ کو پیار سے پاپا اور کبھی ڈیڈی کہا کرتی تھی۔

"نہیں... وہ ضرور آئے گا۔" تھامپسن نے کہا۔ "اخبارات نے جو کچھ لکھا ہے، اُسے پڑھ کر وہ یہاں آئے بغیر نہیں رہ سکتا... بلکہ میرا تو خیال ہے کہ وہ اب تک یہاں آنے کے لیے سفر پر نکل چکا ہوگا۔ اگر ایسا ہے تو وہ کل یہاں پہنچے گا۔ اس لیے میں آج رات اپنی کشتی پر گزاروں گا۔ میں بہت تھکن محسوس کر رہا ہوں۔"

"میں بھی پاپا..." وہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔

وہ رائل بکس سے نکلے تو مسلح محافظوں نے تعظیم سے جُھک کر اُن کے لیے راستہ چھوڑ دیا۔ وہ راہ داری میں چلنے لگے۔ اچانک ٹائیگر ایک باڈی گارڈ کی پشت پر جا پہنچ گیا۔ وہ اس طرح چل رہا تھا... کہ باڈی گارڈ کو عقب میں اُس کی موجودگی کا احساس بھی نہ ہو سکا۔ ٹائیگر چلتے چلتے آگے بڑھا اور ہیلن کے ساتھ ساتھ قدم اُٹھانے لگا۔

"تم کہاں جا رہی ہو؟" اُس نے سرگوشی کی۔

"اوہ، تم... میرا تو خیال تھا کہ تم مجھے پسند نہیں کرتے۔"

جاسوسی ڈائجسٹ کا مقبول ترین سلسلہ

سنگتراش

ادوام پرستی کے نت نئے رنگ میں رنگے ہوئے جبرین قبیلے کی طلسماتی داستان

آتش کدے کا مقدس پروہت مانینی پراسرار اور ماورائی طاقتیں اس کی غلام تھیں۔

جس سے جبرین کا سردار جوبا بھی خائف رہتا تھا۔

ایک سنگتراش کی محبت کا دلگداز فسانہ جس کی محبت کی روح پروہت کے قبضے میں تھی۔

اقلیم علیم کے پراسرار قلم سے

خوبصورت سرورق، دیدہ زیب کتابت و سرورق

دو جلدوں میں مکمل

جلد اول : -/150

جلد دوم : -/150

کتاب اپنے قریبی بک سٹال سے طلب فرمائیں یا ادارے کے نام کل قیمت کا منی آرڈر آنے پر کتاب آپ کو بذریعہ رجسٹری ارسال کر دیا جائے گی۔

خط و کتابت کے لئے

مکتبہ القریش سرکلر روڈ، اُردو بازار، لاہور ۲

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"میرا بھی یہی خیال تھا لیکن میں یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ تم جیسی جوان لڑکی کسی بوڑھے کے ساتھ کہیں جائے۔" ٹائیگر نے سرگوشی میں کہا اور اس نے تھابیس کی طرف اشارہ کیا' جو ان سے کئی قدم آگے آگے چلا جا رہا تھا۔

اس سے پہلے کہ ہبلن اس کی غلط فہمی دور کرتی اور اسے بتاتی کہ جسے وہ اس کا ساتھی کہہ رہا ہے' وہ اس کا باپ ہے اچانک ایک باڈی گارڈ نے قدرے بلند آواز میں ٹائیگر کو للکارا۔

"اے... وہاں سے ہٹ جاؤ۔"

ٹائیگر نے پلٹ کر اس کی طرف نہیں دیکھا اور اس کی بات بھی نظر انداز کر دی جس پر باڈی گارڈ دندناتا ہوا آگے بڑھا اور اس نے دونوں بازو پھیلا کر ٹائیگر کو دبوچ لینا چاہا۔

"چلے جاؤ۔" ٹائیگر نے سخت لہجے میں کہا۔ "دیکھتے نہیں کہ میں اس خاتون سے بات کر رہا ہوں۔"

باڈی گارڈ نے اس کے دونوں کندھے جکڑ لیے۔

ٹائیگر نے اس کے ہاتھوں پر ضربیں دی۔

باڈی گارڈ کے ہاتھ اس کے کندھے سے ہٹ گئے۔ اس نے انھیں دوبارہ اٹھا کر ٹائیگر کی گردن کو گرفت میں لینا چاہا۔ لیکن وہ ہاتھوں کو حرکت دینے میں کامیاب نہ ہو سکا۔

"یہ شخص کون ہے؟" تھابیس نے یکایک پلٹ کر پوچھا۔

"ہو سکتا ہے تمھیں رقابت محسوس ہو رہی ہو' بڑے میاں لیکن...!" ٹائیگر کا جملہ ادھورا ہی رہ گیا کیونکہ ہبلن کہہ رہی تھی۔

"یہ میرے پاپا ہیں...!" ہبلن کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ "مسٹر تھابیس...!"

"اوہ... تو وہ آپ ہیں جنھوں نے یہ پارٹی دی ہے؟" ٹائیگر نے ذہن پر زور دیتے ہوئے چٹکی بجا کر کہا۔

تھابیس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"تو آپ کو اس سلسلے میں شرم آنی چاہیے۔"

"کیا مطلب؟" غصے سے تھابیس کا چہرہ تاریک ہو گیا۔ اس سے اس انداز میں پہلے کبھی کسی نے مخاطب ہونے کی جرأت نہیں کی تھی۔ "شرم آنی چاہیے تھی۔" یہ کہتے ہوئے وہ ہبلن کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اس کا انداز شکایت آمیز تھا۔ "یہ کون بدتمیز ہے؟"

ٹائیگر نے جو کچھ کہا تھا اس کی دو صداقت نہیں کی یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ تھابیس کو محض غصہ دلانا چاہتا ہو... اگر اس کا صرف یہی مقصد تھا تو اسے ناکامی نہیں ہوئی تھی۔

تھابیس اور اس کی بیٹی راہداری میں ٹائیگر کے ساتھ چلتی رہی۔

خود ہبلن بھی اس بات پر حیران تھی لیکن اس نے ٹائیگر سے کچھ نہیں کہا اور نہ ہی اپنے باپ کو کوئی جواب دیا۔ وہ ایک خودکار لفٹ کے قریب پہنچ گئے۔ وہاں بھی کئی گارڈ موجود تھے جس گارڈ نے ٹائیگر کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے روکنے کی کوشش کی تھی، وہ پیچھے رہ گیا تھا۔

وہ ابھی تک اپنے ہاتھوں کی طرف دیکھ رہا تھا' جو بظاہر تو بالکل ٹھیک دکھائی دے رہے تھے لیکن وہ ان سے کام نہیں لے سکتا تھا۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے ان کی رگیں اور پٹھے مفلوج ہو گئے ہوں۔

تھابیس لفٹ کے قریب رک گیا۔

وہ پلٹ کر ٹائیگر کو دیکھنے لگا۔

اس کی آنکھیں اب بھی غصے سے دہک رہی تھیں اور شدت غضب سے چہرے کی تاریکی میں اضافہ ہو گیا تھا۔ وہ اس طرح ٹائیگر کو گھور رہا تھا جیسے اسے پہچاننے کی کوشش کر رہا ہو۔

"میرا نام شہزاد ہے۔" ٹائیگر نے اپنا تعارف کرایا۔

"یہ شہزاد ہے' ڈیڈی۔" ہبلن نے جلدی سے کہا اور پھر کندھے اچکا کر گویا کسی بہت بڑے فرض سے نجات حاصل کر لی ہو۔ تھابیس کچھ بڑبڑایا۔

لفٹ کے ذریعے وہ ایک عرشے پر پہنچ گئے

اس عرشے سے ایک دروازے کی جانب بڑھتے ہوئے تھابیس اور ہبلن کے ساتھ ساتھ قدم اٹھاتے ہوئے ٹائیگر نے کہا۔

"میں یہیں کام کرتا ہوں... اور میرا تعلق ایران کے سفارت خانے سے ہے۔ کم از کم لوگ تو یہی سمجھتے ہیں۔ او شان اور میں... ہم دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ ایران کے تربوز دنیا میں سب سے زیادہ لذیذ ہوتے ہیں۔"

تھابیس ایک جھٹکے سے رک گیا۔

اب تک شاید وہ غیر حاضر دماغی سے کام لے رہا تھا۔

"تم شہزاد ہو...؟" اس کے پوچھنے کا انداز ایسا تھا جیسے یہ نام اس نے پہلی بار سنا ہو۔ اب اس کے چہرے پر غصے کے تاثرات نہیں تھے۔

"ہاں...!" ٹائیگر نے جواب دیا۔

"اور تمھارا تعلق ایران کے سفارت خانے سے ہے؟"

"ہاں...!" ٹائیگر نے کہا اور اثبات میں سر ہلا دیا۔

اچانک ٹائیگر کو یوں محسوس ہوا جیسے تھابیس کی آنکھوں میں بے پناہ سرد مہری اتر آئی ہو۔ اس کے ڈھیلے برف کی دو گول گول

گولیوں سے مشابہ تھے۔ سخت، ٹھوس، گہری اور سفاک آنکھیں، جو ٹائیگر کے جسم کے ہر انچ کا جائزہ لے رہی تھیں۔

"گارڈز...!" یکایک تھابیس نے محافظوں کو پکارا۔ "اس شخص کو یہاں سے دور ہٹا دو۔"

ٹائیگر نے ادھر ادھر دیکھا۔

تھابیس اس کی طرف دیکھ کر معذرت آمیز انداز میں مسکرایا اور بولا۔ "مجھے افسوس ہے' ہبلن کو اور مجھے اب یہاں سے جانا ہے اور تم ہمیں پریشان کر رہے ہو۔"

"میں ہبلن کو پریشان نہیں کر رہا۔" ٹائیگر بولا۔

"ہاں پاپا... یہ مجھے پریشان نہیں کر رہا ہے۔" ہبلن نے بڑی ادا سے ٹائیگر کی طرف دیکھ کر ایک مسکراہٹ اچھالی اور اپنے باپ سے کہا۔

"تم مجھے پریشان کر رہے ہو۔" تھابیس کے لہجے میں عجیب سا تاثر تھا۔ وہ آہستہ آہستہ کھسکتا ہوا ٹائیگر سے دور ہو گیا تاکہ محافظوں کا راستہ صاف ہو جائے۔ محافظ کڑیل تیوروں والے خونخوار آدمی تھے۔ وہ سب کے سب تربیت یافتہ تھے اور ان کے آگے بڑھنے کا انداز کسی ایسی فوج جیسا تھا جو اپنے سامنے آنے والی ہر شے کو نیست و نابود کرنے کا ارادہ رکھتی ہو۔

ٹائیگر جہاں کھڑا تھا، وہیں کھڑا رہا۔ اس کا چہرہ تاثرات سے عاری تھا۔ البتہ اسے ہبلن کے ہونٹوں پر بڑی ہی عجیب سی مسکراہٹ نظر آ رہی تھی۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ کوئی دلچسپ تماشا دیکھنے کی خواہش رکھتی ہو۔ تھابیس نے اس کا بازو پکڑ کر اسے بھی ایک طرف ہٹا دیا۔

بھیڑیوں کے جھنڈ کے غول کی طرح چاروں طرف سے محافظ آگے بڑھتے رہے۔ انھوں نے ٹائیگر کو گھیرے میں لے لیا تھا۔ چند لمحوں کے لیے ٹائیگر ان سیاہ کوٹوں والے محافظوں کے درمیان چھپ گیا جیسے کئی چٹانیں بیک وقت چاروں طرف سے شہزاد کو پیس ڈالنے کے لیے سمٹ رہی ہوں۔

سیاہ کوٹوں کا دائرہ تنگ ہونے لگا۔

اچانک سب ایک ساتھ لپکے اور یوں لگا جیسے سیاہ کوٹوں کا کوئی بہت بڑا ڈھیر فرش پر پڑا ہو۔ ٹائیگر ان کے نیچے دبا ہوا تھا۔

تھابیس کے ہونٹوں پر ظالمانہ بھری مسکراہٹ آ گئی۔

کوٹوں کا ڈھیر فرش پر پڑا رہا۔

اس میں ہلچل سی محسوس ہوتی رہی۔

کبھی کبھی کسی کی کراہ بھی گونج اٹھتی تھی... لیکن ابھی تک کوئی بھی نتیجہ برآمد نہیں ہوا تھا۔ ان لوگوں کو چاہیے تھا کہ وہ ٹائیگر کو پکڑ کر اٹھا لیتے اور وہاں سے لے جاتے۔ نہ جانے وہ فرش پر پڑے کیا کر رہے تھے۔ انداز تو ایسا ہی تھا جیسے وہ اپنے نیچے دبے ہوئے ٹائیگر کو پیس ڈالنے کی کوشش کر رہے ہوں... لیکن ہبلن حیران تھی کہ ٹائیگر کی آواز کیوں نہیں سنائی دے رہی؟

کہیں وہ اس ہجوم میں دب کر بے ہوش تو نہیں ہو گیا؟

تھابیس نے نرمی سے اس کا ہاتھ تھام لیا اور دوسرے عرشے کی طرف جانے والے راستے کی طرف چل دیا۔ وہ پلٹ پلٹ کر دیکھتی رہی جب کہ تھابیس نے ایک بار بھی پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا تھا غالباً اسے یقین تھا کہ وہ جس نوجوان کو قتل کروانے کا خواہش مند تھا، وہ ان پہاڑ جیسے جسموں والے محافظوں کے بوجھ تلے پس کر رہ گیا ہو گا۔

یکایک کوٹوں کے ڈھیر میں ہلچل بڑھ گئی۔

... اور پھر ان کے درمیان ایک خلا سا پیدا ہوا جس میں سے ٹائیگر اٹھ کھڑا ہوا۔ جب تھابیس اور ہبلن آخری عرشے کی لفٹ کے قریب پہنچے تو تھابیس نے کچھ کہنے کے لیے ہبلن کی طرف دیکھا اور پھر دیکھتا ہی رہ گیا کیونکہ اس کے پہلو میں اس کی بیٹی ہبلن نہیں بلکہ وہی نوجوان تھا جس کی موت کا اسے یقین ہو چکا تھا۔

پہلے تو اسے یقین ہی نہ آیا... لیکن جب اس نے پلٹ کر دیکھا تو... فرش پر سیاہ کوٹوں کا ایک بہت بڑا ڈھیر پڑا ہوا تھا۔ اس ڈھیر کے بیشتر حصے ساکت تھے۔ کسی کسی حصے میں ہلکی سی ہلچل بھی تھی لیکن تھابیس حیران تھا کہ تمام باڈی گارڈ ڈھیر کی شکل میں کیوں پڑے ہیں؟ وہ اٹھتے کیوں نہیں؟

ٹائیگر بھی اس ڈھیر کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"بہت اچھے آدمی ہیں۔" اس نے نرم لہجے میں کہا۔ "لیکن معلوم ہوتا ہے کہ آپ انھیں آرام کرنے کے لیے زیادہ مہلت نہیں دیتے۔ ان میں سے بیشتر صبح تک آرام سے سوتے رہیں گے۔"

تھابیس کی آنکھیں حیرت اور بے یقینی سے پھیل گئیں۔

"آیئے! آپ جہاں جا رہے تھے، میں آپ کے پیچھے چلوں۔" ٹائیگر نے پیش کش کی اور ہبلن کا ہاتھ تھام لیا۔ اس کے انداز سے یہ ہرگز ظاہر نہیں ہو رہا تھا کہ وہ ابھی ابھی لگ بھگ آٹھ بھاری بھرکم محافظوں کے نیچے دبی ہوئی حالت سے نکلا ہو گا۔

تھابیس تھکے تھکے قدموں سے ان کے پیچھے چل دیا... لیکن ہر ایک دو قدم کے بعد وہ عقب میں کوٹوں کے اس ڈھیر کی طرف ضرور دیکھ لیتا تھا۔ اب محافظوں نے ایک دوسرے سے الجھنا شروع

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کر دیا تھا: معلوم ہوتا تھا کہ وہ اس بات سے بے خبر ہیں کہ وہ جسے تلاش کر رہے ہیں، وہ تو کبھی کا ان کے زغے سے نکل کر جا چکا ہے۔

"تم نے یہ سب کچھ کیسے کیا؟" ہیلن نے پوچھا۔

"کیا چیز؟"

"تم ان لوگوں کے زغے سے کیسے نکلے؟"

"اوہ... وہ...!" ٹائیگر جھیلے جھیلے سے انداز میں بولا۔ "کوئی خاص بات نہیں ہے۔ دراصل یہ سب کچھ بہت آسان تھا۔"

"وہ کیسے؟" ہیلن نے دریافت کیا۔

"یہ دھم... تال... مائیکل... یہ ایسی اصطلاحات ہیں جو تمہاری سمجھ میں نہیں آئیں گی لیکن دراصل ان میں بہت سی پُراسرار باتیں پوشیدہ ہیں جب... ان سب نے مجھے پرچھانے کی کوشش کی تھی تو میں خاموش کھڑا ان کی ایک ایک حرکت کا جائزہ لیتا رہا۔ جب میں نے یہ دھم محسوس کر لیا تو میں نے خود کو اسی دھم کے حوالے کر دیا۔ مجھے کچھ بھی نہیں کرنا پڑا۔ میں خاموش لیٹا ان لوگوں کا لوجھ برداشت کرتا رہا تھا کہ وہی یہ دھم خود ان لوگوں کے خلاف کام کرنے لگا۔ یہ ایک قانون ہے فطرت کا قانون...!"

ہیلن ٹکٹکی باندھے اسے دیکھتی رہی۔

"نہیں، ایسا نہیں..." ٹائیگر نے قہقہہ لگا کر کہا۔ "اچھا تم گولی کی مثال لے لو... اگر تم اس کی فورس کے سامنے اور اس کی زد میں موجود ہو تو وہ اپنی فورس کے باعث تمہیں زیادہ نقصان پہنچائے لیکن اگر تم اس کی اپنی سمت میں اور اس کی فورس کے موافق حرکت کرو تو زیادہ نقصان نہیں پہنچے گا۔ اس طرح اگر تمہیں تجربہ حاصل ہو تو شاید تم گولی کو پکڑنے میں بھی کامیاب ہو جاؤ۔"

ہیلن کی آنکھوں میں الجھن تھی اور وہ ٹائیگر کے لیے تاسف کا بھی تاثر دے رہی تھی۔

"اس سلسلے میں خاصی مشق کی ضرورت پڑتی ہے۔" ٹائیگر کہہ رہا تھا۔

"کس قدر مشق؟"

"پچاس سال...!" ٹائیگر نے جواب دیا۔

"کیا کہا... پچاس سال!" ہیلن کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ "لیکن تمہاری عمر بہت کم معلوم ہوتی ہے۔"

"ہاں... میری عمر تیس سال سے زیادہ نہیں اور میرا تجربہ پچاس سال یعنی نصف صدی پر محیط ہے۔"

"یہی بات عقل میں نہیں بیٹھ رہی۔"

"اس میں میرے استاد کا چالیس سالہ تجربہ شامل ہے۔"

"اوہ! گویا تم نے دس سال کا تجربہ حاصل کیا ہے۔"

"ہاں... مسلسل دس سال اور روزانہ آٹھ گھنٹے کی تربیت۔" ٹائیگر نے جواب دیا اور کن انکھیوں سے تھابیس کی طرف دیکھا۔ وہ اب بھی پلٹ پلٹ کر دیکھ رہا تھا۔ ان کے قدم اس عرشے کی طرف جانے والے زینے کی طرف اٹھ رہے تھے جہاں سے ایک لفٹ پہلو کے سب سے نچلے پلیٹ فارم تک جاتی تھی۔ غالباً ان لوگوں کی منزل وہی پلیٹ فارم تھا۔ یہ پلیٹ فارم سطح آب سے تقریباً ایک سو فٹ بلندی پر تھا۔

ٹائیگر نے گرد و پیش کا جائزہ لیا۔

اُسے اس زینے کی تلاش تھی جس کے ذریعے ان لوگوں کو نیچے جانا تھا۔ اُسے اس لفٹ کے بارے میں معلوم نہیں تھا، جو اس پلیٹ فارم تک جاتی تھی لیکن وہ تھابیس کی شاندار بادبانی کشتی کو ڈوبتے ہوئے دیکھ سکتا تھا جسے اس عظیم الشان جہاز کے قریب ہی لنگر انداز کیا گیا تھا۔

ٹائیگر نے دیکھا کہ وہ ایک پاور فل لانچ ہے جس کے ساتھ بادبان بھی لگے ہوئے ہیں۔ یہ ایک لگژری لانچ تھی جس پر دُنیا کے اس دولت مند ترین آدمیوں میں سے ایک آدمی یعنی تھابیس نے تعیش و آرام کا پورا پورا سامان کر رکھا تھا۔

وہ ایک جگہ رُک گئے۔

ٹائیگر، ہیلن کی طرف متوجہ تھا۔

"میں تمہاری ضرورت محسوس کرتی رہی ہوں۔"

"حالانکہ تم نے خودکشی کا ارادہ کر لیا تھا۔" ٹائیگر نے سرگوشی میں جواب دیا۔

"میں دیکھنا چاہتی تھی کہ تمہیں میری کس حد تک ضرورت ہے۔"

"میں کم از کم تمہارے لیے خودکشی نہیں کر سکتا کیونکہ...!"

وہ سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"میں بتا چکا ہوں کہ مجھے اَن گنت بھوروں بھوروں والی لڑکیاں پسند ہیں۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ "اگر تم اپنے چہرے پر ویسے تل پیدا کرنے میں کامیاب ہو جاؤ تو میں تمہارے لیے بھی خودکشی پر آمادہ ہو سکتا ہوں۔"

ہیلن کھل کھلا کر ہنس پڑی۔

تھابیس ان کے بالکل قریب پہنچ گیا۔

ٹائیگر اس وقت ہیلن کی طرف پوری طرح متوجہ تھا اس لیے وہ تھابیس کی اس حرکت سے بے خبر رہا جو اس نے بالکل اچانک ہی کی تھی۔ اس سلسلے میں اُس نے بڑی پھرتی دکھائی تھی۔ اس نے ہیلن کو سامنے کی طرف دھکیلا اور خود اس کے پیچھے

لپک پڑا۔ اس سے قبل کہ ٹائیگر صورتِ حال سمجھنے میں کامیاب ہوتا، اس کے اور ان لوگوں کے درمیان کانچ کا ایک دروازہ حائل ہو گیا تھا۔

ٹائیگر ایک طویل سانس لے کر رہ گیا۔

وہ اس لفٹ کی طرف سے بے خبر تھا، ورنہ وہ لوگ اتنی آسانی سے اُسے چوٹ دے کر نکل جانے میں کامیاب نہ ہوتے۔

ٹائیگر کے ہونٹوں پر بڑی ہی پُراسراری مسکراہٹ رقص کرنے لگی۔

لفٹ تیزی سے نیچے چلی گئی۔

شیشے کے دروازے سے اُس نے ہیلن اور تھابیس دونوں کے لبوں کی طرف دیکھا تھا۔ دونوں نے ہی کچھ نہ کچھ کہا تھا۔ شیشے کے دروازے کی وجہ سے آواز تو ٹائیگر کی سماعت تک نہ پہنچ سکی... لیکن وہ ان کے ہونٹوں کی حرکت سے سمجھ گیا کہ انھوں نے کیا کہا تھا۔

"خدا حافظ شہزادہ!" یہ ہیلن کے آخری الفاظ تھے۔

"پھر ملیں گے، نوجوان۔" تھابیس نے کہا تھا اور اس کی آنکھوں اور چہرے کے تاثرات سے ٹائیگر کو یہ اندازہ لگانے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی تھی کہ اس نے یہ جملہ چیلنج کرنے والے انداز میں کہا تھا۔

لفٹ اور ان کے چہرے ٹائیگر کی نظروں سے اوجھل ہو گئے۔

ٹائیگر نے ریلنگ کے سہارے جھک کر جہاز کے پہلو میں تیزی سے نیچے جاتی ہوئی لفٹ کی طرف دیکھا۔

چند ہی ساعتوں میں لفٹ پلیٹ فارم پر عین تھابیس کی لانچ کے سامنے رُک گئی۔ شیشے کا دروازہ سرک گیا۔ سب سے پہلے ہیلن باہر نکلی۔ اس کے پیچھے پیچھے تھابیس تھا۔ ہیلن نے نگاہ اُٹھا کر اوپر نہیں دیکھا، غالباً وہ اس بات کی توقع نہیں کر رہی تھی کہ ٹائیگر کو ریلنگ سے نیچے دیکھنے کا بھی دھیان آیا ہوگا اگر وہ اوپر دیکھتی تو یقیناً دونوں کی نظریں چار ہو جاتیں۔

تھابیس نے ہیلن کا ہاتھ تھام لیا۔ اس کا انداز محبت آمیز تھا اگرچہ اس کے چہرے اور آنکھوں سے اس وقت پوری شفقت ظاہر نہیں ہو رہی تھی۔ ممکن ہے یہ ٹائیگر اور محافظوں کے درمیان ہونے والے اس واقعے کا ردِ عمل رہا ہو... یا پھر وہ یہ سوچ کر اُلجھ گیا ہو کہ اس نوجوان کو ٹھکانے لگانے کی جو آخری کوشش اس سے ممکن تھی، وہ بھی ناکام ہو گئی۔ ٹائیگر اُسے اور اس کے آدمیوں کو خاصا نقصان پہنچا چکا تھا اور وہ ہر حالت میں اس سے اپنا حساب برابر کر لینا چاہتا تھا... لیکن اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا کہ ٹائیگر کو محض ہاتھوں کی طاقت سے نہیں کچلا جا سکتا۔ یہ بات اُس نے ان فلموں میں بھی دیکھی تھی جو پہلے مقابلے کے دوران خفیہ کیمروں کے ذریعے ان کے ریکارڈ میں محفوظ تھیں۔

ٹائیگر ریلنگ پر جھکا رہا اور نیچے دیکھتا رہا۔

اُسے ہیلن ایک ننھی سی گڑیا محسوس ہو رہی تھی۔

ایک ایسی گڑیا جو کسی میکنزم کے ذریعے حرکت کر رہی ہو۔ ایک سو فٹ کے فاصلے سے، وہ اپنے باپ کے ساتھ چلتی ہوئی لانچ تک پہنچ گئی۔

جیسے ہی تھابیس نے لانچ پر قدم رکھا، وہ رسّے ہٹا دیے گئے جن کی مدد سے لانچ اس عظیم الشان جہاز کے ساتھ بندھی ہوئی تھی۔

ٹائیگر ہیلن سے بعض باتیں معلوم کرنا چاہتا تھا۔ اُسے افسوس ہونے لگا کہ اس نے اُسے یکسر نظر انداز کیا۔ اس کا دل کہہ رہا تھا کہ ہیلن یا اس کا باپ ان خفیہ راستوں کے بارے میں ضرور کچھ نہ کچھ جانتا ہے جن کے ذریعے پُراسرار حملہ آور جہاز میں سفر کرنے والوں پر موت بن کر جھپٹ پڑتے ہیں۔ علاوہ ازیں ٹائیگر کا خیال تھا کہ ممکن ہے ہیلن کو یہ بھی معلوم ہو کہ اس عظیم الشان جہاز کا مالک ڈیموس دراصل کیا چاہتا ہے اور وہ جہاز پر ایسی خونریزی کیوں کروا رہا ہے۔ اسے اس سلسلے میں خاصا تجسس تھا اور جہاز میں ایسے خفیہ راستے کس مقصد کے تحت بنائے گئے ہیں؟ اور جہاز کے اندر ایک خاص حصہ خفیہ طور پر کیوں تعمیر کیا گیا ہے۔ وہی حصہ جسے وہ خفیہ جہاز کا نام دیتا تھا۔

اچانک نیچے سے انجن کی آواز سنائی دی۔

ٹائیگر چونک کر نیچے دیکھنے لگا۔

لانچ اسٹارٹ ہو گئی تھی اور اُس کا رُخ ایک خاص سمت میں تھا۔ ٹائیگر نے اس سمت کی طرف دیکھا تو اُسے کافی فاصلے پر تاریکی میں کچھ روشنیاں دکھائی دیں۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے سمندر میں کوئی اور جہاز بھی موجود ہو۔ تھابیس کی لانچ کا رُخ اُسی جہاز کی طرف تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ اس لانچ کے ذریعے تھابیس اپنے بڑے جہاز کی جانب جا رہا تھا جو دُور سمندر میں اس کا منتظر کھڑا تھا۔

ٹائیگر نے بینائی پر زور ڈال کر دیکھا۔

وہ جہاز دھندلا اور تاریکی کے باعث واضح دکھائی نہیں دے رہا تھا تاہم اس کا فاصلہ کسی طرح بھی پانچ سو گز سے زیادہ نہیں تھا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ٹائیگر کو سمندری ہوا کی وجہ سے اپنی زبان کی نوک قدرے نمکین محسوس ہونے لگی۔ وہ اس کڑوے نمک کا ذائقہ مچھنے کے بعد منہ کھولنے پر مجبور ہو گیا۔ اب تھابیس کی لانچ جہاز سے کافی دُور نکل چکی تھی اور دونوں جہازوں کے درمیان پھیلی ہُوئی دُھند میں اُسے اچھی طرح دیکھنا ممکن نہ تھا۔

"لعنت ہو، تم پر تھابیس... خبیث۔" ٹائیگر بڑبڑایا۔

اُسے یکایک ہی غصہ آ گیا تھا۔ اگر اُوشان نے اُسے بے حد محتاط رہنے کی تاکید نہ کی ہوتی تو وہ لفٹ کو نیچے جانے سے یقیناً روک لیتا... وہ بہرحال میں ہیلن سے بات کرنا چاہتا تھا۔ کچھ دیر وہ سوچتا رہا... پھر اس نے اپنے جوتے عرشے پر کھڑے کھڑے ہی اُتار کر ایک طرف پھینک دیے اور پتلون کے پائنچے اوپر چڑھا لیے۔ اب وہ سمندر میں کُود نے کے لیے تیار تھا۔ وہ ریلنگ کے اوپر سے ہوتا ہُوا کچھ دیر فضا میں معلق سا دکھائی دیا... پھر اس کا جسم گہرے تاریک پانی کی طرف گرتا چلا گیا۔

جیسے جیسے اس کا جسم پانی کی طرف گر رہا تھا ویسے ویسے وہ اپنی سانسوں کی رفتار کم کرتا جا رہا تھا۔ اس کی دھڑکنیں البتہ تیز ہوتی جا رہی تھیں اور اس کے دوران خون میں بھی خاصی تیزی آتی جا رہی تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ جب اس کا جسم پوری قوت سے پانی کے ساتھ ٹکرائے تو تصادم سے اُسے کوئی نقصان نہ پہنچے۔ اس کے علاوہ پانی کی بے پناہ ٹھنڈک بھی اثر انداز نہ ہو۔

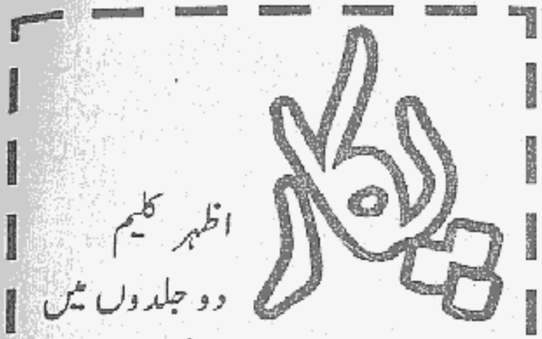
وہ جوں جوں گرتا جا رہا تھا اس کے بیرونی جسم کا درجۂ حرارت بھی کم ہوتا جا رہا تھا۔ اُسے یقین تھا کہ جب اس کا جسم پانی سے ٹکرائے گا تو اس کے عضلات اور اس کی جلد اس تصادم اور پانی کے درجۂ حرارت سے متاثر نہیں ہو گی۔

وہ پیروں کے بل پانی سے ٹکرایا۔

اس کا جسم کسی تیز دھار تلوار کی طرح پانی کو کاٹتا ہُوا نیچے چلا گیا۔

چند فٹ نیچے جانے کے بعد نہایت پُر وقار اور قابلِ دید انداز میں اس کے پاؤں آہستہ آہستہ اُٹھے اور اس کے گھٹنے پیٹ سے لگ گئے۔ اس نے ایک قلابازی کھائی اور جسم کو مزید گہرائی میں گرنے سے نہ صرف روک لیا بلکہ اُسے اُوپر بھی اُٹھانا شروع کر دیا۔ اگلے ہی لمحے وہ سطحِ آب پر تھا۔

اس نے ایک طویل سانس لے کر خود کو سنبھالا اور تیزی سے اُدھر تیرنے لگا جس طرف تھابیس کی لانچ گئی تھی۔ اس کے



تیرنے کا انداز کسی شارک مچھلی جیسا پُر وقار اور طاقتور تھا۔ وہ تیرتا رہا اور اس کی رفتار میں تیزی آتی رہی۔

لانچ زیادہ تیز رفتاری سے نہیں جا رہی تھی اس لیے ٹائیگر کو اس تک پہنچنے میں زیادہ محنت نہیں کرنا پڑی۔ جلد ہی اُسے لانچ کے انجنوں کی آواز سنائی دینے لگی۔ وہ تیرتا رہا حتیٰ کہ لانچ کی روشنیوں میں اُسے ہیلن دکھائی دینے لگی۔

ہیلن عرشے پر، لانچ کے عقبی حصے میں ایک کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی۔

وہ گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔

غالباً تھابیس نے اس کے اَن کہے خیالات کو پڑھ لیا تھا۔ اس نے خود ہی بات چھیڑ دی۔ "وہ ایک پُر کشش نوجوان ہے۔" اس نے دھیمی آواز میں کہا۔ "لیکن وہ بے حد خطرناک بھی ہے۔"

"کچھ لوگ یہی رائے آپ کے بارے میں بھی رکھتے ہیں۔"

"لیکن جہاں تک میرا تعلق ہے، یہ بات بالکل غلط ہے۔"

تھابیس نے احتجاج کرنے والے انداز میں کہا۔ ظاہر ہے، اُسے اپنی بیٹی کے مُنہ سے اپنے بارے میں کسی ایسی بات سُننے کی ہرگز توقع نہیں تھی... پھر وہ خود ہی ہنس پڑا۔ "ہاں... ایک اعتبار سے تم مجھے خطرناک کہہ سکتی ہو۔ اس جُوتے پالش کرنے والے لڑکے ڈینیوس کے لیے میں بہرحال، خطرناک ہُوں کیونکہ وہ بھی میرے لیے خطرناک ہے۔ میں خطرناک بن کر ہی اس کا مقابلہ کر سکتا ہُوں... اور جہاں تک اس نوجوان کا تعلق ہے تو اس کے خطرناک ہونے کا معاملہ دوسرا ہے۔ اس کی وجہ سے جہاز پر کافی خونریزی ہو چکی ہے۔"

"یہ بات آپ کو کیسے معلوم ہُوئی، پاپا؟" ہیلن حیران رہ گئی۔

تھابیس چونک کر اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

"آپ آج شام سے پہلے اس جہاز پر موجود نہیں تھے۔" ہیلن نے اپنے سوال کی وضاحت کی۔ "پھر آپ کو کیسے معلوم ہُوا کہ جہاز پر خونریزی ہُوئی ہے؟"

"میں اس سلسلے میں کہانیاں سُن چُکا ہُوں۔" تھابیس نے قدرے کرخت لہجے میں کہا۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ بولتے بولتے خیالوں میں کھو گیا ہو۔ "تم یہ کیوں بھول رہی ہو کہ ابھی کچھ دیر قبل وہ ہمارے آٹھ بہترین آدمیوں کو ناکارہ بنا چکا ہے۔ ان میں بعض کا تو ذہنی توازن بگڑ گیا ہے اور دو لوگ ایک دوسرے کو ہی مار نے پر تُل گئے ہیں۔ اس کے علاوہ مجھے جو رپورٹ ملی ہے، اس کے مطابق ہمارے ایک اور اہم باڈی گارڈ کے دونوں ہاتھ بیکار ہو گئے ہیں۔ ان سب باتوں سے صرف ایک ہی بات سامنے آتی ہے کہ وہ ایک خطرناک نوجوان ہے۔ بے حد خطرناک!"

ہیلن خاموش رہی۔

اس کی اُنگلیاں چمک دار ریلنگ پر جمی ہُوئی تھیں۔

دفعتاً اُس نے یُوں محسوس کیا جیسے پانی سے بھیگی ہُوئی کوئی شے سطحِ سمندر سے بلند ہُوئی اور اُس نے اس کی اُنگلیوں کو چھُو لیا ہو۔

ہیلن نے جلدی سے ہاتھ ہٹا لیا۔

اُس نے اپنی اُنگلیوں کی طرف دیکھا۔ وہ گیلی تھیں۔

شاید کوئی مچھلی ہو، اُس نے سوچا اور اپنے باپ سے... مخاطب ہُوئی۔ "آپ نے ابھی ابھی ڈیموس کا تذکرہ کیا تھا۔ میں حیران ہُوں کہ آپ اُس کے ساتھ کیا کرنا چاہتے ہیں؟"

"کچھ بھی تو نہیں، ڈیئر۔" تھابیس نے جواب دیا۔

یہ جواب دے کر وہ سامنے گھُورنے لگا۔

ہیلن اس انداز کو خُوب پہچانتی تھی۔ اُسے معلوم تھا کہ اُس کا باپ اس وقت ماضی کے اُن دنوں کے بارے میں سوچ رہا ہے جب وہ بعض بڑے نقصانات سے دوچار ہُوا تھا۔ اُسے اپنے باپ سے بے حد محبت تھی اور وہ اُس کو کبھی پریشان نہیں دیکھنا چاہتی تھی... لیکن وہ ایک تعلیم یافتہ اور سمجھ دار لڑکی تھی۔ وہ تخریب پسند نہیں تھی اور نہ ہی تباہ کاریاں اُسے اچھی لگتی تھیں۔

یکایک تھابیس کے ہونٹوں پر ایک خوش گوار مسکراہٹ آ گئی۔

ہیلن اس مسکراہٹ کو بھی خُوب پہچانتی تھی۔ اس طمانیت بھری مسکراہٹ کا مطلب تھا کہ اُس کا باپ اپنے تابناک مستقبل کے بارے میں غور کر رہا ہے۔ اُس نے اپنا ہاتھ دوبارہ ریلنگ پر رکھ دیا۔ اُس کی اُنگلیوں نے ریلنگ اپنی گرفت میں لے لی۔ ابھی اُس نے اُنگلیاں وہاں رکھی ہی تھیں کہ اچانک ہی اُسے دوبارہ کسی گیلی چیز کے چھُو جانے کا احساس ہُوا۔

اُس نے اُنگلیوں کا جائزہ لیا۔

اُنگلیاں گیلی تھیں۔

وہ ریلنگ سے جُھک کر نیچے دیکھنے لگی۔ اُس کا خیال تھا کہ اِدھر کوئی ڈھیلا سا رسّہ لٹک رہا ہے جو پانی کی سطح سے چھُو کر پھُولتا ہُوا بار بار اُس کی اُنگلیوں سے چھُو جاتا ہے... لیکن وہ ایک چہرہ دیکھ کر ششدر رہ گئی۔ یہ ٹائیگر کا چہرہ تھا، جو اس کی طرف دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔

اس سے پہلے کہ ہیلن کے مُنہ سے بے اختیار کچھ نکل جاتا... ٹائیگر نے اپنے ہونٹوں پر اُنگلی رکھ کر اُسے خاموش رہنے کا اشارہ کر دیا۔ وہ پلٹ کر اپنے باپ کی طرف دیکھنے لگی۔ وہ دیکھنا چاہتی تھی کہ تھابیس نے بھی کچھ دیکھا ہے یا نہیں؟... لیکن وہ خلاء میں اس مقام کو گھُور رہا تھا، جہاں اُس کے تمام تخیلات حقیقت کا رُوپ دھار رہے تھے اور جہاں کوئی بھی اُس کا حریف نہیں تھا۔ جہاں صرف اسی کی طاقت کا سکّہ چلتا تھا۔

وہ دوبارہ ریلنگ سے نیچے دیکھنے لگی۔

اب وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔

وہ حیران رہ گئی... پھر اُس نے اپنے خیالوں کا کرشمہ سمجھا اور زیرِ لب مُسکرا دی۔ اُس نے پانی میں اِدھر اُدھر دُور دُور تک دیکھا لیکن جہاں تک اُس کی نگاہ کام کرتی تھی، اُسے سوائے سیاہ پانی کے اور کچھ بھی دکھائی نہ دیا۔ اب اُسے یقین ہو گیا کہ وہ محض اُس کا تخیل ہی تھا۔ تخیل اور خواہشات کی حالت بھی منفیات جیسی ہوتی ہے۔ یہ دونوں چیزیں انسان کو بعض اوقات بڑے عجیب عجیب سراب دکھاتی ہیں۔

اُس نے مُسکرا کر یہ خیال ذہن سے جھٹک دیا۔

لانچ جہاز کے قریب پہنچ گئی تھی۔

جہاز کا عملہ اُن کے استقبال کے لیے موجود تھا۔ انھوں نے تھابیس اور ہیلن کو عرشے پر پہنچنے میں مدد دی اور جب وہ عرشے پر پہنچی تو اُس نے ایک بار پھر نیچے پانی کی طرف دیکھا، کچھ بھی نظر نہ آیا۔ وہ نوجوان جسے وہ اپنی دھڑکنوں میں بسا چکی تھی۔ اُس کا کہیں نام و نشان تک نہیں تھا۔

"محض تخیل..." اُس نے خود کلامی کے انداز میں کہا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

برہمچاری

نواصدیقی

قیمت ۱۵۰/۰۰ روپے

... لیکن اُس کی اُنگلیوں میں ابھی تک کسی کے زندہ لمس کی جھنجھناہٹ موجود تھی۔ وہ کسی کی اُنگلیاں اب بھی اپنی اُنگلیوں سے چھوتی ہوئی محسوس کر رہی تھی۔ پھر وہ اپنے باپ کی آواز سُن کر خیالوں کی دُنیا سے باہر آ گئی۔ تھابیس ریلنگ پر جھکا ہوا لانچ کے پائلٹ سے کہہ رہا تھا۔

"اُس جہاز پر واپس جاؤ اور اُن آٹھ باگلوں کو لے کر... واپس آؤ۔"

"یاڈی گارڈز؟" پائلٹ نے پوچھا۔

"ہاں...،" تھابیس نے بُلند آواز میں جواب دیا۔

"وہ کہاں ہوں گے جناب؟"

"اُوپر والے عرشے پر یا آس پاس ہی کہیں... وہ تمھیں کسی بھوت کو پکڑنے کی کوشش کرتے ہوئے نظر آ جائیں گے یا پھر بے ہوش پڑے ہوں گے۔ اُن سے کہو کہ مَیں نے اُنھیں واپس آنے کا حکم دیا ہے۔"

"یس سر... ایٹ یور سروس۔" پائلٹ نے مستعدی سے... جواب دیا اور لانچ کا رُخ اُسی جانب ہو گیا، جدھر سے وہ ابھی کچھ دیر قبل آئی تھی۔ اُس کی رفتار اس بار خاصی تیز تھی۔

"گڈ نائٹ، ڈیڈی۔" ہیلن نے کہا۔

"گڈ نائٹ، ڈیئر۔ خوب اطمینان سے سو جاؤ۔" تھابیس نے نرمی سے مُسکراتے ہوئے کہا۔

ہیلن اپنے کیبن کی طرف چل دی۔ وہ عقب سے اُسے پُروقار انداز میں چلتے ہوئے دیکھتا رہا۔ وہ بے حد حسین اور پُرکشش تھی اور اس کا قد اپنی ماں کی طرح لمبا تھا۔ وہ یہ سوچ کر نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبانے پر مجبور ہو گیا کہ اس لڑکی نے اپنی ماں یا باپ کی ذہانت ورثے میں نہیں پائی۔ اس کے دل سے ایک ہُوک سی اُٹھی۔ اُسے بیٹے کی خواہش تھی لیکن افسوس اس کا بیٹا پیدا ہوتے ہی نہ صرف خود مر گیا بلکہ اپنی ماں کو بھی ساتھ لیتا گیا۔ تھابیس کے ذہن میں وہ حسین و جمیل لڑکی گھوم گئی، جو اس کے حریف ڈیموس کی اکلوتی بیٹی تھی اور جو اُس سے شادی کرنے کے بعد خودکشی کرنے پر مجبور ہو گئی تھی۔ اس بات پر تھابیس کو بے پناہ فخر محسوس ہونے لگا کہ کم از کم اس کی ایک بیٹی تو موجود ہے جب کہ اس کے حریف ڈیموس کے پاس کچھ بھی نہیں رہا۔ یہ اُس کی زندگی کا سب سے پُرلطف خیال تھا۔ وہ جب بھی اس پہلو پر سوچتا تھا، اس کی اَنا کو بے حد تسکین ملتی تھی۔

لانچ اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئی۔

وہ خیالوں میں ڈوبا ہوا اپنے کیبن میں پہنچا اور بستر پر دراز ہو گیا۔ اس کی نگاہیں چھت پر مرکوز ہو گئیں۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کل دُنیا کے اس عظیم ترین بحری جہاز پر آخری پارٹی ہے۔ ڈیموس اس پارٹی میں ضرور آئے گا... اور اس کے بعد اُس کی برسوں پُرانی خواہش پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے گی۔ ڈیموس کے بعد وہ دُنیا کا سب سے زیادہ دولت مند آدمی بن جائے گا... نمبر ون!

"نمبر ون سے محبت کرو۔" اس نے لذت آمیز انداز میں کہا اور آنکھیں بند کر لیں۔ تھوڑی ہی دیر بعد وہ گہری نیند میں ڈوب چکا تھا۔

ہیلن کے لیے جو کیبن مخصوص تھا، اس کے برابر میں ایک اور کیبن تھا جہاں اُس کی خاص ملازمہ سوتی تھی۔ اس کے قریب ہی میز پر ایک انٹرفون رکھا تھا، جس کے دو تار پلگ وہ اپنے کانوں میں لگا کر سویا کرتی تھی تاکہ رات کو کسی وقت ہیلن بوقتِ ضرورت اس سے بات کر سکے۔ یہ برسوں پُرانی ایک رسم تھی، جو تھابیس کے خاندان کی ملازم عورتوں میں چلی آ رہی تھی۔ ملازمہ سو گئی تھی اور ہیلن اپنے کمرے میں ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی زیورات اُتار رہی تھی۔ وہ جب اپنے کیبن میں آئی تھی تو اُسے خالی دیکھ کر بے حد مایوس ہوئی تھی کیونکہ اس کا خیال تھا کہ شہزاد نامی وہ نوجوان وہاں موجود ہو گا۔ اسے کمرے میں نہ پا کر بالآخر اُسے یقین ہو گیا کہ وہ جاگتی آنکھوں سے خواب دیکھتی رہی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ جب اُسے آئینے میں ٹائیگر کا عکس نظر آیا تھا تو وہ اُسے بھی اپنے تصوّر کا ایک دھوکا ہی سمجھی تھی۔

"ہیلو ڈیئر!" ٹائیگر نے کہا۔ وہ باتھ روم میں سے نکلا تھا۔

"کیا تم حقیقت ہو؟" وہ مسکرا بولی۔

"اگر تم میرے تخیل کا فریب نہیں ہو تو مجھے بھی فریب نظر نہ سمجھو۔" ٹائیگر نے شہد میں ڈوبے ہوئے لہجے میں کہا۔

"مجھے توقع نہیں تھی کہ دُنیا میں کوئی نوجوان، میرے لیے اتنے خطرات بھی مول لے سکتا ہے۔ میرے دل میں تمھاری قدر و منزلت بہت بڑھ گئی ہے۔"

"لہٰذا تم یقیناً مجھ سے جھوٹ نہیں بولو گی۔"

وہ سوالیہ نظروں سے اُس کی طرف دیکھنے لگی۔

"جب تمھارے پاپا، ڈیموس سے اس قدر نفرت کرتے ہیں تو اُنھوں نے ڈیموس کے اعزاز میں اُس کے جہاز پر دعوتوں کا سلسلہ کیوں شروع کر رکھا ہے؟"

ہیلن نے کندھے اُچکا دیے۔ "ڈیڈی جو کچھ بھی کرتے ہیں، اُن کا مقصد کوئی نہیں سمجھ سکتا لیکن میرا خیال ہے کہ وہ اس عظیم الشان جہاز سے واقعی متاثر ہو چکے ہیں۔ جہاں تک ڈیموس کا تعلق ہے، وہ ایک مُردہ خور گدھ ہے اور اُس سے کوئی بھی محبت نہیں کر سکتا۔ میں اپنے پاپا کو کئی بار سمجھا چکی ہوں کہ اس کا پیچھا چھوڑ دیں... کیونکہ بھیڑ بکریوں کے ساتھ رہنے والے اگرچہ بھیڑ بکریوں میں تبدیل نہیں ہوتے لیکن اُن کے جسموں سے کم از کم بھیڑ بکریوں جیسی بُو ضرور آنے لگتی ہے۔"

"لیکن اُس نے کسی شہر جتنا بڑا بحری جہاز بنوایا ہے۔"

"ہاں، یہ ایک کارنامہ ہے جو کوئی بھی دولت مند سرانجام دے سکتا ہے۔"

"کیا تم جانتی ہو کہ اس جہاز کے اندر، ایک خفیہ جہاز اور بھی ہے بالکل اسی طرح جیسے زیرِ زمین کوئی خفیہ اڈا ہوتا ہے؟"

"نہیں... وہ مجرم ذہن کا آدمی ہے۔ اس سے کوئی ایسی حرکت کسی طرح بھی بعید نہیں۔"

"کیا تم اس جہاز کے خفیہ حصّے کے خفیہ راستوں سے واقف ہو؟" ٹائیگر نے کہا۔ "تمھیں وہ آدمی یاد ہوں گے جو اچانک ہی دیواروں سے نکل کر مجھ پر حملہ آور ہوئے تھے۔"

"میرا خیال ہے، اس طرح ڈیموس نے احمقانہ انداز میں سکیورٹی کا انتظام کیا ہے۔" ہیلن مُنہ بنا کر بولی۔

"کیا تم نے اس بات کا اپنے ڈیڈی سے بھی تذکرہ کیا تھا؟"

"ہاں... لیکن وہ کچھ نہیں جانتے۔"

"ہُوں..." ٹائیگر نے ایک طویل سانس لی۔ "میں اس یقین کے ساتھ واپس جا رہا ہوں کہ تم نے مجھ سے ایک بات بھی جھوٹ نہیں کی ہے۔"

"جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے، میں نے جھوٹ نہیں بولا... اور یہ تم جانے کی کیا بات کر رہے تھے۔ یہیں رُک جاؤ۔ نا۔ میں تم سے بہت سی باتیں کرنا چاہتی ہوں۔"

"نہیں... بہت لمبا فاصلہ ہے۔ تیرتے تیرتے بیڑا غرق ہو جانے کا امکان ہے۔ خُدا حافظ!" یہ کہہ کر ٹائیگر، اس کے کمرے سے نکل آیا اور وہ اُسے عقب سے پکارتی ہی رہ گئی۔

ٹائیگر نے اپنے عقب میں دروازہ بند کیا۔ راہ داری میں مدھم روشنی کا بلب تھا۔ وہ عرشے کی طرف چل دیا۔ دبے قدموں... بے آواز... لیکن اُسے ٹھٹک جانا پڑا۔ کوئی بالکل اسی انداز میں چل رہا تھا... دبے قدموں... اور... بے آواز... اور یہ آوازیں اُس کی طرف ہی آ رہی تھیں۔ یُوں لگتا تھا جیسے چلنے والے کے تلوے چوبی فرش سے نہ چھُو رہے ہوں... اور پھر ٹائیگر کو یُوں محسوس ہُوا جیسے اُس پر قیامت ٹوٹ پڑی ہو۔ ایک بھاری بھرکم، چٹان جیسا جسم، اُس کے جسم پر آ گرا تھا۔ ٹائیگر دُور تک راہ داری میں اس بوجھ تلے دبا ہُوا پھسلتا چلا گیا۔ اُسے اپنے گلے پر دو آہنی پنجوں کا احساس ہو رہا تھا جن کی گرفت ہر گزرتے ہوئے لمحے کے ساتھ ساتھ بڑھتی ہی جا رہی تھی۔

جہاز ہموار اور متوازن انداز میں سمندر کے سینے پر پھسلتا جا رہا تھا اور ٹائیگر اس کی ایک راہ داری میں زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا تھا۔ ڈوبتے ہوئے ذہن کے ساتھ وہ صرف یہی سوچ سکا تھا کہ بالآخر زندگی میں پہلی بار اس کا کوئی مدِمقابل بھی سامنے آ ہی گیا۔ وہ حلق پر ہونے والی تکلیف کو ذہن سے جھٹکنے اور اس بھاری بھرکم جسم کو خود سے دھکیلنے کے لیے آہستہ آہستہ اپنی رگوں، اپنے پٹھوں اور اپنے ریشوں کو سخت کرتا چلا گیا حتیٰ کہ وہ ایک ٹھوس جسم کا مالک بن گیا۔ ایک ایسا جسم ہی اس حریف کا مقابلہ کر سکتا تھا۔

ٹائیگر نے اپنے حریف کی گرفت ختم کرنے کے لیے اس کے وہ دونوں بازو تھام لیے جن کے پنجے اس کے گلے پر جم کر رہ گئے تھے۔ تب پہلی بار اُسے محسوس ہُوا کہ وہ انسانی بازو نہیں ہیں۔

اس نے چونک کر اپنے حریف کی طرف دیکھا اور ایک جھرجھری سی لے کر رہ گیا۔ وہ ایک چیتا تھا۔

شاید یہ پالتو چیتا اس جہاز پر رات کے وقت نگرانی کے لیے کھلا چھوڑ دیا جاتا تھا۔ چیتے نے اسے کوئی نقصان نہیں پہنچایا تھا۔ اس بات سے ہی ٹائیگر کو اندازہ ہُوا کہ وہ ایک پالتو درندہ ہے۔ اُسے خوشی تھی کہ چیتا اس دوران میں ایک بار بھی نہیں گرجا تھا۔ ایسی صورت میں یقیناً محافظ اس طرف متوجہ ہو جاتے۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ٹائیگر ایک دوسرے کے آمنے سامنے آگئے تھے۔ ٹائیگر نے چیتے کی آنکھوں میں دیکھا۔ وہ سبز سبز، گول گول، کانچ کی گولیوں جیسی چمک دار آنکھیں... ٹائیگر نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔ چیتا اُسے سر دھری سے گھورتا رہا۔

بے حد خطرناک صورت حال تھی۔ اگر ٹائیگر اس وقت ذرا سی بھی حرکت کرتا تو چیتے کے پنجے اس کا نرخرہ ادھیڑ ڈالتے۔ ٹائیگر کے جسم کا ریشہ ریشہ آہنی تاروں کی طرح تن چکا تھا غیر محسوس انداز میں اس نے اپنی سانس روکنی شروع کر دی۔ بالکل اس طرح جیسے خوف اور دہشت کی زیادتی سے کوئی شخص بے ہوش ہو جاتا ہے۔ جیسے ہی اس کی سانس رکی، ٹائیگر نے اپنی حسیات کے ذریعے چیتے کی بے چینی محسوس کرنی شروع کر دی۔

اگلے ہی لمحے وہ اُسے چھوڑ کر الگ ہٹ گیا تھا۔

اس سے قبل کہ ٹائیگر کا پنجہ اس کی طرف بڑھتا اور اس کے جسم کے کسی حصے کے چیتھڑے اُڑا دیتا، اچانک ہی چیتے نے منہ اُٹھا کر کچھ سونگھا... پھر پلٹ کر دیکھا اور کسی پالتو بلی کے سے انداز میں دُم دائیں بائیں لہراتا ہُوا اُس دروازے کی طرف بڑھ گیا جس سے ابھی کچھ دیر قبل ٹائیگر نکلا تھا... اور جہاں اس وقت ہیلن کھڑی پھٹی پھٹی آنکھوں سے کبھی چیتے کی طرف اور کبھی ٹائیگر کی جانب دیکھ رہی تھی۔ اس کا خوش نما دہانہ اظہارِ حیرت کے لیے کھلا ہوا تھا اور دائیں ہاتھ کی دو انگلیاں اپنے نرخرے پر جمی ہوئی تھیں۔ جہاں سے ایک انچ کے فاصلے پر اس کی رگ

وہ نیچے گرا ہُوا تھا۔ چیتا اس کے اوپر یوں سوار تھا کہ اس کے سامنے والے پنجے ٹائیگر کے گلے کے دونوں طرف جمے ہوئے تھے اور اس کا پیٹ، ٹائیگر کے پیٹ سے چھو رہا تھا۔ اس کی دونوں عقبی ٹانگیں ٹائیگر کی ٹانگوں کے دونوں طرف تھیں۔ اس طرح چیتے کا بوجھ اس کے جسم پر نہیں پڑ رہا تھا لیکن اس کے دونوں پنجوں کی وجہ سے ٹائیگر کو سانس لینے میں دشواری ہو رہی تھی۔

ٹائیگر کو لطف آگیا۔

وہ نام کا ٹائیگر تھا اور اس پر جو درندہ سوار تھا، وہ سراپا ٹائیگر تھا۔ آج زندگی اُسے اس موڑ پر لے آئی تھی جہاں دو

ایک نوجوان کی سنسنی خیز لہو رنگ خود نوشت

دہشت گرد

سلیم فاروقی کے ایڈونچرس قلم سے

☆ وہ محب وطن ہونے کے باوجود

دہشت گرد کہلاتا تھا

☆ وقت کی راہیں تھامتے

اس کے ہاتھ لہو ہو گئے تھے

☆ ایک پاکستانی کی سرفروشانہ داستان

چار حصوں میں
مکمل سیٹ =/180 روپے

ناشر

مکتبہ القریش سرکلر روڈ
اردو بازار لاہور نمبر 2
7668958

تیزی سے بھڑک بھڑک کر اس کے گہرے اضطراب کا احوال بتا رہی تھی۔

ٹائیگر اُٹھ کھڑا ہُوا۔

وہ آہستہ آہستہ چلتا ہُوا ہیلن کے قریب جا پہنچا۔

"تم نے مجھے بتایا ہی نہیں کہ شیر بھی پال رکھے ہیں۔"

"میں تو تمھیں آوازیں ہی دیتی رہ گئی تھی۔" وہ لرز کر بولی۔ "جوگر نے تمھیں کوئی نقصان تو نہیں پہنچایا؟"

"نہیں... اور نہ ہی میں نے اسے کوئی نقصان پہنچایا ہے۔"

"اوہ، کیا تم اسے بھی..." ہیلن کا جملہ ادھورا ہی رہ گیا۔

ٹائیگر نے اپنا دایاں ہاتھ چیتے کی گردن پر رکھ دیا۔ چیتے نے ایک ننھی سی لی لیکن ہلنے کی حسرت اس کے دل ہی میں رہی۔ وہ فرش پر ڈھیر ہو گیا۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے اس کی گردن کی ہڈی ٹوٹ گئی ہو۔ وہ الٹ گیا۔ اس کی چاروں ٹانگیں فضا میں رقص کرنے لگیں۔ پنجوں کی گرفت اتنی پُرقوت تھی کہ ان کی زد میں آئی ہُوئی کسی بھی شے کے پرخچے اُڑ سکتے تھے۔

"اوگ... کیا یہ..." ہیلن ہکلا کر رہ گئی۔

"تھوڑی دیر بعد ٹھیک ہو جائے گا۔"

"تم آخر کس مٹی کے بنے ہوئے ہو؟"

"مٹی کا نہیں اسٹیل کا بنا ہُوا ہوں۔" ٹائیگر نے کہا۔ عین اسی وقت وہ تیزی سے عرشے کی ریلنگ تک پہنچا، اسی وقت کسی گارڈ کی نگاہ اس پر پڑ گئی اور وہ دھاڑ اُٹھا "کون ہے... اسٹاپ... آئی ول شوٹ!"

ٹائیگر نے جست لگائی۔

وہ ریلنگ کے اوپر سے ہوتا ہُوا پانی کی طرف گرتا چلا گیا۔

اوپر سے ایک برسٹ مارا گیا۔ فضا گولیوں کی تڑتڑاہٹ سے گونج اُٹھی۔ اس وقت تک ٹائیگر پانی میں خوب گہرا اُتر چکا تھا۔ وہ نیچے ہی نیچے تیرتا ہُوا اس طرف بڑھنے لگا جہاں دُنیا کا سب سے بڑا جہاز لنگر انداز تھا۔

**

ٹائیگر جب بڑے ڈیک کی لفٹ سے اُترا تو پانی اس کے پیروں میں ٹپک رہا تھا۔ اس وقت ڈیک سنسان تھا لیکن اچانک ہی ٹائیگر کی نگاہ ایک آدمی پر پڑی جو ریلنگ کے سہارے کھڑا تاریک سمندر کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کی پشت ٹائیگر کی طرف تھی۔ ٹائیگر ایک جھٹکے سے رُک گیا اور اس شخص کی طرف دیکھنے لگا۔

دُور کہیں سے کسی ساز کی آواز رات کے سناٹے کو مجروح کر رہی تھی۔

کوئی بے سُرے انداز میں گا رہا تھا اور اس کی بھونڈی آواز بتا رہی تھی کہ پارٹی میں دیر تک پینے کے بعد گانے کا شوق چرایا تو وہ اس قابل ہی نہیں رہا کہ کچھ گا سکتا... اس کے باوجود بھٹے ہوئے بانس جیسی آواز سے وہ ماحول میں ارتعاش پیدا کر رہا تھا۔ بے اختیار ٹائیگر کا جی چاہا کہ اس گویے کو ڈھونڈ کر اس کا گلا دبا دے... لیکن اس خواہش پر وہ شخصیت حاوی ہو گئی جسے اس نے ریلنگ کے قریب کھڑے دیکھ لیا تھا۔

وہ شخص لفٹ سے لگ بھگ تیس قدم کے فاصلے پر کھڑا تھا۔ اس کی نبل میں کسی ٹیوب جیسے انداز میں کاغذوں کا ایک پتلا سا رول دبا ہُوا تھا۔ اس کے جسم پر ایک نیلا جیکٹ تھا۔ عقب سے ٹائیگر دیکھ سکتا تھا کہ اس کے بال بڑی نفاست سے کٹے ہُوئے ہیں۔ وہ شخص ریلنگ پر جھکا ہُوا تھا اور انداز سے یہ ظاہر نہیں ہوتا تھا کہ وہ محض آرام کی غرض سے اس طرح کھڑا ہے... بلکہ یوں لگتا تھا جیسے وہ سمندر کی طرف غور سے دیکھ رہا ہو اور ہواؤں سے کوئی خاص پیغام سُننے کی کوشش کر رہا ہو۔

ٹائیگر اس کا چہرہ نہ دیکھ سکا۔

اُسے وہ چہرہ دیکھنے کی بھی ضرورت نہیں تھی کیونکہ وہ تو اس شخص کو لاکھوں کے ہجوم میں بھی آسانی سے شناخت کر سکتا تھا۔

وہ آہستہ آہستہ چلتا اس کے عقب میں جا کھڑا ہُوا۔

"ہیلو سویٹ ہارٹ! آپ یہاں کیا کر رہے ہیں؟"

"پیراکی سے لطف اندوز ہو لیا؟" بہرام نے پلٹے بغیر دریافت کیا۔ اس کے لہجے میں کوئی تاثر نہیں تھا۔

"ہاں... بُرا نہیں رہا۔ میں خود کو فٹ رکھنے کے لیے اب ہر رات نصف گھنٹے تک پیراکی ضرور کرتا ہُوں لیکن آپ یہاں کیا کر رہے ہیں اور آپ کے جسم پر یہ لنڈے بازار سے خریدا ہُوا تین سو سال پُرانا جیکٹ کیوں نظر آ رہا ہے؟"

"میں نے سوچا کہ میرا وہ بھورا سوٹ تمھیں پسند نہیں اس لیے یہ جیکٹ ہی پہن لوں۔" بہرام نے جواب دیا۔ اب اُس کے ہونٹوں پر خفیف سا تبسم بھی تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ ٹائیگر کو دُنیا میں سب سے زیادہ چڑ اسی بھورے سوٹ سے تھی۔

"وہ سوٹ کم اور تھیلا زیادہ نظر آتا ہے۔" ٹائیگر غرایا۔

"اور آپ اسے پہن کر چارہ گر جیسے عظیم ادارے کے چیف یا سربراہ نہیں بلکہ کوئی بردہ فروش نظر آتے ہیں۔"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"لگو یا تمھیں یہ جیکٹ بھی پسند نہیں آیا۔"

"گذشتہ دس سالوں میں آپ کو ایک ہی سوٹ میں اُٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے اور دوڑتے بھاگتے دیکھ کر میرا جی چاہنے لگا تھا کہ خودکشی کر لوں، وہ تو بھلا ہو مختصر باب اُوشان کا کہ انھوں نے مجھے صبر و تحمل کی کئی مشقیں کرا کے ٹھنڈا کر دیا ورنہ میں بھی اس تھیلا نما سوٹ میں آپ کے ساتھ ہی گھس کر سیدھا پیرس چلا جاتا اور وہاں کے ایفل ٹاور سے کُود جاتا... اور اب آپ کسی مخمرے کو ٹھگ کر اس کا یہ جیکٹ اتروا لائے ہیں۔ پلیز سویٹ ہارٹ! اسے اُتار کر ابھی میرے سامنے سمندر میں پھینک دیجیے۔ ممکن ہے یہ کسی مگرمچھ کو فٹ آجائے اور وہ آپ کو دعائیں دے کر سیدھا جنت میں پہنچوا دے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے فرزند... لیکن یہ تمھارے جسم پر ایک نسوانی لباس کیوں نظر آرہا ہے۔ تم اپنی جنس تبدیل کر رہے ہو یا کوئی دوسری بات ہے؟"

ٹائیگر نے پہلی بار اپنے تن کے کپڑوں کی طرف دیکھا تو اسے حیرت کا شدید جھٹکا لگا۔ وہ ہیلن کے کیبن میں گیا تھا تو اس کے باتھ روم میں اس نے بھیگے ہوئے کپڑوں سے نجات حاصل کر کے وقتی طور پر وہ تولیہ پہن لیا تھا جو یقیناً ہیلن ہی کا تھا... پھر آتے وقت وہ جھونک میں وہی پہن کر نکل آیا تھا۔ اسے حیرت ہونے لگی کہ ہیلن نے اسے اس سلسلے میں کیوں نہیں ٹوکا تھا؟

"یہ تو... ہم... ہم... میں... میں...!" وہ ہکلا کر رہ گیا۔

"ٹائیگر گھبراتے نہیں، دھاڑتے ہیں، فرزند۔" بہرام نے اسے سمجھایا۔

"بہرحال، اس سے پہلے کہ مجھے اپنی زندگی میں کسی ایسی عورت کی کمی کے صدمے کا احساس ستانے لگے جس کے چہرے پر اَن گنت بھورے بھورے تل..."

"بس بس..." بہرام نے جلدی سے ہتھیار ڈال دیے۔ "آپ یہاں کیا کر رہے ہیں، چیف؟" ٹائیگر نے موضوع بدل دیا۔

"یہ بھی ایک سرکاری راز ہے۔"

"پروانہ کیجیے۔ بتا دیں۔ میں بھی آخر ایک سرکاری گماشتہ ہوں۔"

"تم اس وقت ایک ایمانی گارڈ ہو۔"

"ٹھیک ہے۔ آپ نہیں بتاتے تو مجھ سے سن لیجیے کہ آپ یہاں کیوں موجود ہیں۔" ٹائیگر نے مسکرا کر کہا۔ "آپ کو شبہہ ہو گیا ہے کہ اس تابوت نما جہاز پر کوئی گڑبڑ ہونے والی ہے۔ اور آپ اُسے روکنا چاہتے ہیں۔ آپ کی بغل میں یہ جو کلندوں کا رول دبا ہُوا ہے، یہ درحقیقت اس جہاز کا ڈایاگرام ہے۔"

بہرام کی آنکھوں سے سختی جھلکنے لگی۔

"آپ نے یہ ڈایاگرام اس لیے حاصل کیے ہیں کہ آپ کو شبہہ ہے، ان دہشت پسندوں، قتل و غارت گری کی وارداتوں اور دیگر تمام تباہیوں کا تعلق کسی نہ کسی طرح اس جہاز سے بھی ہے۔ میں نے اب تک جو کچھ کہا ہے، وہ ٹھیک ہے، نا؟"

"خیال بُرا نہیں۔"

"بس تو پھر ٹھیک ہے۔" ٹائیگر نے گہری متانت سے کہا۔ "اب میں آپ کو ایک خاص بات بتاتا ہُوں۔ اس تابوت نما جہاز پر کوئی بہت بڑی گڑبڑ ہونے والی ہے۔ وہ کیا ہے، یہ تو میں نہیں بتا سکتا لیکن کچھ نہ کچھ ہو گا ضرور... اور آپ جو یہ نقشہ کشی کی کاپی بغل میں دبائے گھوم رہے ہیں، اس سے میٹرک کے امتحان میں جغرافیے کا پرچہ تو آسانی سے حل کیا جا سکتا ہے، اس جہاز کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کی راہداریوں میں کسی بھول بھلیوں جیسی خصوصیت ہے اور ہر دیوار میں ایسے خفیہ دروازے ہیں جن کا سراغ لگانا محال ہے۔ میں آپ سے صرف یہ کہنا چاہتا ہُوں کہ آپ اپنے حلیفوں کو لے کر یہاں سے بروقت نکل کیوں نہیں جاتے۔ کسی مصیبت کا انتظار کیوں کر رہے ہیں؟"

"اگر اس جہاز پر ایسا کوئی حادثہ ہوتا ہے تو وہ پوری دُنیا کے لیے ایک عظیم سانحہ ہو گا۔" بہرام نے گہری سنجیدگی سے کہا۔

"اسی لیے میں مشورہ دے رہا ہُوں کہ جتنے بھی دوستوں کو آپ بچانا چاہتے ہیں، انھیں سمجھا بجھا کر یہاں سے نکال لے جائیں۔ یہ ایک پُراسرار جہاز ہے۔ اس کے بارے میں ابھی تک میں بھی کچھ معلوم کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا اور میں سمجھتا ہُوں کہ اُوشان بھی ناکام رہا ہے۔"

"ہمارا ادارہ اس انداز میں کام نہیں کرتا۔" بہرام نے ٹھوس لہجے میں کہا۔

"اس کا مطلب ہے کہ آپ اس تابوت میں قیام کرنا چاہتے ہیں۔" ٹائیگر کے لہجے میں برہمی تھی۔ "ٹھیک ہے۔ اگر آپ خودکشی کا ارادہ لے کر آئے ہیں تو میں بھلا آپ کو کیسے روک سکتا ہُوں۔"

"میں یہاں ایک ضروری کام سے آیا ہُوں۔"

"جی ہاں۔ غیر ضروری کاموں کے لیے تو میں اور اُوشان ہی آئے ہیں۔" ٹائیگر بڑبڑایا۔ "اس کا مطلب ہے کہ اُوشان کی آپ کے بارے میں رائے ٹھیک ہی ہے۔"

"وہ کیا رائے ہے؟"

"یہی کہ آپ جنونی ہیں۔"

بہرام کے ہونٹوں پر مخمر سی مسکراہٹ نظر آنے لگی جسے دیکھ کر ٹائیگر مزید بھلا گیا۔ اس کا خیال تھا کہ اس خطاب پر بہرام کا مُوڈ خراب ہو جائے گا اور وہ یا تو واپس جانے پر آمادہ ہو جائے گا... یا پھر اپنی آمد کا مقصد بتا دے گا۔ جہاں تک ٹائیگر کا خیال تھا، اس کی آمد کا واحد مقصد اپنی آنکھوں سے اس غیر معمولی جہاز کے اندرونی حالات کا جائزہ لینا ہی تھا۔ تجسس نے اسے اس خطرناک جہاز میں آنے پر مجبور کر دیا تھا... لیکن وہ، یہ بات بہرام کی زبان سے سننا چاہتا تھا اور اس کی دلی خواہش تھی کہ وہ واپس چلا جائے۔ اس جہاز کے چپے چپے پر موت سے مڈبھیڑ ہونے کا امکان تھا۔ یہ جہاز واقعی ایک تابوت تھا، ایک ایسی قتل گاہ جہاں سے مرنے والوں کی لاشیں بھی نہیں ملتی تھیں۔

"ایران کے لیے کام کرنا کیسا لگ رہا ہے؟"

"اُوشان نے ایران کے تربوزوں کی بہت تعریف کی ہے۔ اگر زندگی رہی تو واپسی پر یہ جہاز تربوزوں سے بھر کر لاؤں گا اور باقی زندگی ان تربوزوں کو کھاتے ہوئے گزار دوں گا۔"

"آج تمھارا مُوڈ کچھ زیادہ ہی خراب ہے۔"

"بات یہ ہے، چیف!" ٹائیگر بے حد سنجیدہ ہو گیا۔ "جہاں تک میں سمجھ رہا ہُوں، آپ صرف تجسس رفع کرنے کے لیے یہاں آئے ہیں... یا پھر ممکن ہے، آپ کے ذہن میں یہ بات رہی ہو کہ آپ اس جہاز کو تباہی سے بچا لیں گے۔ یہ کام میں اور اُوشان کر سکتے ہیں۔"

بہرام نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ اُسے نیم وا آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔

"آپ نے میری بات کا جواب نہیں دیا، سویٹ ہارٹ؟" ٹائیگر نے اصرار کیا۔ "کیا آپ یہ بات محسوس نہیں کر سکتے کہ ہمیں یہاں بعض مسائل درپیش ہیں... اور کیا آپ کو یقین نہیں کہ ہم اتنے خوبصورت اور قیمتی جہاز کو غرق ہونے سے بچا سکتے ہیں؟ اس لیے میرا مشورہ ہے کہ آپ پہلی آبی لہر پر سوار ہو کر یہاں سے نکل جائیں، وہ آپ کو کسی قریبی ساحل پر لے جا پھینکے گی جہاں سے آپ پیدل بھی گھر جا سکتے ہیں۔"

بہرام کے ہونٹوں پر بڑی ہی پُراسرار مسکراہٹ رقصاں ہونے لگی۔

"میں نے جو کچھ کہا ہے، آپ ہم سے وہی چاہتے ہیں یا نہیں؟"

"تم جو کچھ کہہ رہے ہو، وہ اپنی جگہ درست ہے لیکن..."

"لیکن آپ کی ہٹ دھرمی اپنی جگہ برقرار ہے۔" ٹائیگر غرایا۔

"آخر تم مجھے مٹی کا پُتلا کیوں سمجھ رہے ہو؟"

"آپ کہیں تو میں آپ کو مٹی کا شیر تک سمجھنے کے لیے آمادہ ہُوں لیکن خدا کے لیے یہاں سے چلے جائیے۔ یہاں موت اتنی غیر یقینی انداز میں سامنے آتی ہے کہ انسان کی ہر حسیات دم توڑ دیتی ہے اور کچھ بھی پلے نہیں پڑتا... میں کم از کم آپ کو گمنام انداز میں مرتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا۔"

"گمنام انداز سے تمھارا کیا مطلب ہے؟"

"یہی کہ میں اپنی جگہ یہ سمجھ کر مطمئن رہوں کہ آپ کسی ایسی خاتون کے چکر میں پڑ کر غائب ہیں جس کے چہرے پر اَن گنت بھورے بھورے تل ہیں اور آپ درحقیقت سمندر کی تہ میں مچھلیوں کا لقمۂ لذیذ بنے پڑے ہوں۔"

بہرام ہنس پڑا۔

"میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہُوں۔" ٹائیگر نے جلدی سے کہا۔ "آپ لقمۂ لذیذ ہرگز نہیں ہو سکتے۔ سارے سمندر کی مچھلیوں کا ہاضمہ بگڑ کر رہ جائے گا اور ممکن ہے بعد میں انہی مچھلیوں کو کھا کر پورے روئے زمین کے انسان پیچش میں مبتلا ہو جائیں..." وہ یکایک پھر سنجیدہ ہو گیا۔ "تو آپ واپس نہیں جائیں گے؟"

"فی الحال نہیں۔" بہرام نے ٹھوس لہجے میں جواب دیا۔ یہ کہہ کر وہ گھوم گیا اور بغل سے کاغذات کا رول نکال کر اُسے کھولا اور پھر کاغذات پر نگاہ گاڑ دی۔ ٹائیگر ایک طرف چل دیا۔

چند قدم چلنے کے بعد وہ رُک گیا اور پلٹ کر بولا۔ "آپ پاگل ہیں، جنونی ہیں۔"

بہرام نے کوئی جواب نہ دیا۔ البتہ اثبات میں سر ہلا دیا۔

"آپ نے یہ جیکٹ کسی مخمرے سے ٹھگ کر حاصل کیا ہے۔" ٹائیگر چیخا۔

بہرام نے کاغذات سے نظریں ہٹائے بغیر تائید میں سر کو جنبش دی۔

ٹائیگر چند قدم چل کر پھر رُک گیا۔ وہ پلٹ کر چیخا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"میں گدھا ہوں۔ ایک سرکاری گدھا۔۔۔"

بہرام نے اس بار بھی اثبات میں سر ہلا دیا۔

"کیا آپ پلٹ کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی اور آنکھیں چمک رہی تھیں۔ چند لمحوں تک وہ کچھ فاصلے پر کھڑے ٹائیگر کی طرف دیکھتا رہا۔۔۔ پھر اس نے ہاتھ لہرا کر کہا۔ "اوشان سے میرا سلام کہہ دینا۔"

ٹائیگر نے فضا میں دایاں گھونسا اچھالا۔۔۔ پھر فلائنگ کِک لگائی اور پھر دونوں ٹانگیں بیک وقت بلند کر کے ایک قلابازی کھائی اور طوفانی جھونکے کی طرح زینے کی طرف بڑھ گیا۔

**

ہاگرو نے ایک طویل سانس لی اور دُور سمندر میں کھڑے اس وسیع و عریض جہاز کی طرف دیکھا جس کی روشنیاں، رات کی تاریکی میں کسی بہت بڑے شہر کی روشنیوں کی طرح لگ رہی تھیں۔ وہ ایک کسرتی جسم کا مالک اور وجیہہ چہرے والا نوجوان تھا۔ اس کی طرف دیکھ کر کوئی بھی نہیں کہہ سکتا تھا کہ اس کی پُرکشش شخصیت کے پیچھے ایک درندہ چھپا ہوا ہے۔ وہ ایک قاتل تھا اور قتل کرنے کے سلسلے میں اس کی ساکھ، ہم پیشہ لوگوں کے لیے باعثِ رشک و حسد تھی۔ غالباً وہ دُنیا میں سب سے زیادہ معاوضہ لینے والا قاتل تھا اور خفیہ سرگرمیوں کے حامل گروہوں میں اس کا نام لینے سے قبل لوگ دائیں بائیں ضرور دیکھ لیا کرتے تھے کہ کہیں ہاگرو قریب ہی موجود نہ ہو۔ یا کہیں کوئی اور سُن کر اس تبصرے کو ہاگرو تک نہ پہنچا دے۔ وہ خوف و ہراس کی علامت تھا۔ اکثر ایسا بھی ہوا تھا کہ اس کے بعض شکاروں کو جب یہ معلوم ہوا کہ اُن کو قتل کرانے کے لیے ہاگرو کی خدمات حاصل کر لی گئی ہیں تو چند ایک کی حرکتِ قلب ہی بند ہو گئی۔

اس وقت ہاگرو ایک خاص لانچ پر دُنیا کے سب سے بڑے جہاز کی طرف جا رہا تھا تو اس کی دھڑکنوں میں خفیف سی بے چینی گھلی ہوئی تھی۔ یہ اس کی زندگی کا پہلا موقع تھا کہ کسی گمنام ہستی نے اُس سے رابطہ قائم کیا تھا۔ وہ گمنام لوگوں کے لیے کام کرنا پسند نہیں کرتا تھا۔۔۔ لیکن اس گمنام ہستی نے اتنا کثیر معاوضہ پیش کیا تھا کہ ابتدا میں ہاگرو نے اس طرف توجہ ہی نہیں دی تھی کہ وہ کسی ایسے گمنام آدمی کے لیے کام کرے گا جو خود کو نمبر ون کہلواتا ہے۔ معاوضہ بھی اسے نقد ادا کیا گیا تھا اس لیے یہ بھی نہیں سوچا جا سکتا تھا کہ کوئی اسے دھوکا دینے کی کوشش کر رہا ہے۔۔۔ اور اب اس لانچ میں، اس تاریک رات کو جہاز کی طرف سفر کرتے ہوئے نہ جانے کیوں اس کا دل خفیف سی بے چینی محسوس کر رہا تھا۔ شروع شروع میں اس نے اسے ماحول کی تبدیلی پر محمول کیا تھا لیکن بالآخر یہ بے چینی اُسے کسی خطرے سے آگاہ کرنے لگی تھی۔ ایک ایسا خطرہ جو شکار ہونے والا جانور اپنی موت سے کچھ دیر قبل محسوس کرتا ہے۔

ہاگرو نے کندھے جھٹک کر یہ خیال ذہن سے کھرچ کر پھینک دینا چاہا لیکن بے نام سی بے کلی اس کی روح کا احاطہ کیے ہوئے تھے۔ وہ اس سے پیچھا نہ چھڑا سکا۔ اس نے الکحل کی بوتل کی طرف ہاتھ بڑھایا۔۔۔ پھر رُک کر جیب ٹٹولنے لگا۔ لانچ کا پائلٹ اُسے پانی پر تیزی سے آگے ہی آگے لے جا رہا تھا اور اس نے شروع سفر سے اب تک ہاگرو سے ایک بھی بات نہیں کی تھی۔ جیب سے اس نے ایک چھوٹی سی ڈبیہ نکال لی۔

اس ڈبیہ میں ایک سرنج رکھی ہوئی تھی۔

سرنج نکال کر اس نے پنّی میں لپٹا ہوا ایک وائل نکالا۔ اس وائل میں سرخ رنگ کا گاڑھا سیال بھرا ہوا تھا۔ اس نے وائل کا سرا توڑا اور سرنج کی سُوئی اس میں ڈبو کر اسے بھر لیا۔۔۔ پھر اُسے کہنی کے اندرونی رُخ ایک ابھری ہوئی نس میں پیوست کر لیا۔ چبھن کی وجہ سے اس نے ایک ہلکی سی سسکاری لی۔ اس سسکی میں لذت کا تاثر گھلا ہوا تھا اور اس سے اذیت پسندی جھلک رہی تھی۔

سیال غالباً بے حد سریع الاثر تھا۔ انجیکشن لگنے کے چند ہی سیکنڈ بعد اس کے ہونٹ سیٹی بجانے والے انداز میں سکڑ گئے اور پھر اسٹیمر کی خفیف سی آواز پر اس کی سیٹی پر جھڑی ہوئی کسی نغمے کی دھن غالب آ گئی اور تاریک ماحول خوش گوار ہوتا چلا گیا۔

پندرہ منٹ بعد لانچ، جہاز کے قریب پہنچ گئی۔

غالباً اس لانچ کے سلسلے میں پہلے سے اطلاع دے دی گئی تھی۔ ڈیک سے رسّی کی ایک سیڑھی فوراً ہی لانچ تک پہنچ گئی۔ لانچ کے پائلٹ نے اس کی طرف دیکھا اور کہا۔ "میں یہاں سے واپس جاؤں گا۔ گڈ لک!"

"گڈ لک۔۔۔!" ہاگرو نے عجیب سے لہجے میں کہا اور

اپنا بیگ کندھے پر ڈال کر رسّی کی سیڑھی کی طرف بڑھ گیا۔ اسے سیڑھی سے اوپر جاتے ہوئے دیکھ کر اس پر کسی چاق و چوبند اور پھرتیلے بندر کا گمان ہوتا تھا۔

عرشے پر پہنچ کر اس نے اِدھر اُدھر دیکھا لیکن وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔

اس کے ہونٹ بے آواز سیٹی بجانے کے انداز میں سکڑ گئے۔

فضا میں خفیف سی آواز بلند ہوئی۔ اس نے ریلنگ پر جُھک کر نیچے دیکھا۔ لانچ واپس جا رہی تھی۔ وہ اس کی طرف دیکھتا رہا۔ آتے وقت اس کی روشنیاں بجھی ہوئی تھیں اور جاتے وقت بھی پائلٹ نے انھیں بجھا کر ہی رکھا تھا۔

ہاگرو نے ایک طویل سانس لی۔

اس وقت وہ جہاز کے سب سے اوپر والے عرشے پر تھا۔ ریلنگ سے جھانکنے کے بعد اُسے زیریں پلیٹ فارم دکھائی دیے تھے لیکن ان پر ویرانی مسلط تھی۔ وہ جس حصّے سے اوپر آیا تھا اس حصّے سے کوئی بھی عرشہ یا پلیٹ فارم نہیں دکھائی دیا تھا۔ ہاگرو نے عرشے کے دُور افتادہ حصّے کی طرف دیکھا جہاں اسے ایک ہیولا نظر آیا۔ یہ کوئی ایسا شخص تھا جس نے خود کو ریلنگ پر کافی حد تک جُھکا رکھا تھا۔ معاً اُسے ایک اور ہیولا بھی دکھائی دیا۔۔۔ لیکن یہ انسانی ہیولا متحرک تھا۔

وہ چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

اُسے یوں محسوس ہوا جیسے وہ شخص عرشے پر چل نہ رہا ہو بلکہ تھوڑا سا اوپر فضا میں معلق، حرکت کر رہا ہو۔ اس کے تلوے عرشے کے چوبی فرش سے چھوتے محسوس نہیں ہو رہے تھے۔ ہاگرو نے اپنی زندگی میں پہلے کبھی کسی انسان کو اس انداز میں چلتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ وہ مبہوت سا اس نوجوان کی طرف دیکھتا رہا جو کچھ دُور چلنے کے بعد سیڑھیوں کے قریب پہنچا اور پھر اس کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

ہاگرو بھی اسی زینے کی طرف بڑھ گیا۔

اس کی رفتار خاصی تیز تھی اور وہ غالباً چند ہی لمحوں میں زینے تک پہنچ بھی گیا تھا۔۔۔ لیکن جب اس نے پہلی سیڑھی پر قدم رکھا تو اُسے وہی نوجوان تیسرے عرشے کی سیڑھیاں اترتا دکھائی دیا۔

ہاگرو نے اپنی کھوپڑی کا عقبی حصّہ ٹٹولا۔

وہ جس سیال کے نشے میں تھا، اس نے اس کے ذہن کو ہمیشہ پُرسکون بنایا تھا اور اس کی اعصابی حالت انجیکشن لگنے کے چند ہی لمحوں کے بعد بہتر ہو جاتی تھی۔ اس نے زندگی میں پہلے کبھی سراب نہیں دیکھے تھے۔۔۔ جبکہ یہ رات اپنے جلو میں اس کے لیے اتنی حیرت خیزیاں لے کر آئی تھی کہ اُسے ہر بات پر نظرِ ثانی کی ضرورت محسوس ہونے لگی تھی۔ اُسے یوں محسوس ہو رہا تھا، جیسے وہ خواب کی سی حالت میں مبتلا ہو گیا ہو۔۔۔ اور ہر شے اپنا حقیقی وجود کھو بیٹھی ہو۔ سب کچھ خوابناک ہو گیا ہو۔۔۔ لیکن وہ خوابوں کی دُنیا میں رہنے والا آدمی نہیں تھا۔ اس نے سر جھٹک کر ذہن سے جھٹک دی اور خود کو سنبھالنے میں لگ گیا۔ عرشے کی سیڑھیاں اُترتے اُترتے وہ نارمل ہو چکا تھا۔

اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر وہ نقشہ نکالا جس پر چلنے کے بعد اسے ایک ایسے کیبن تک پہنچنا تھا، جو اس کے لیے مخصوص تھا۔

نقشے کے مطابق اس کیبن تک پہنچنے میں اُسے بیس منٹ لگ گئے۔ وہ یہ سوچے بغیر نہ رہ سکا کہ اگر یہ نقشہ نہ ہوتا تو وہ شاید زندگی بھر اس کیبن کو تلاش کرنے میں کامیاب نہ ہوتا۔ اس نے دروازے کا ہینڈل گھمایا اور اندر داخل ہو گیا۔

یہ ایک شاندار کیبن تھا، جس میں ضرورت کی ہر شے موجود تھی۔

ہاگرو نے اپنا بیگ کندھے سے اتار کر دُور بستر پر اُچھال دیا اور ایک آرام کرسی پر ڈھیر ہو گیا۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں اور خود کو خالی الذہن کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ چند لمحوں کے بعد اس کی ذہنی حالت خاصی پُرسکون ہو گئی تھی۔

اچانک قریبی میز پر رکھے ہوئے فون کا بلب اسپارک کرنے لگا۔

ہاگرو نے چونک کر فون کی طرف دیکھا۔

"یس ون۔۔۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "خوش آمدید!"

ہاگرو کے حلق سے ایک طویل سانس نکل گئی۔ اس آواز کا مطلب تھا کہ نمبر ون نامی وہ پُراسرار شخصیت اسی جہاز پر موجود ہے۔ یہ آواز سن کر وہ قدرے سکون محسوس کرنے لگا تھا۔

"میں آئندہ اقدام کے سلسلے میں معلوم کرنا چاہتا ہوں۔"

"مجھے ضروری کوائف مہیا کر دیے جائیں۔"

"اس کے لیے تمھیں اپنے کیبن کے ٹی۔ وی سے مدد مل سکتی ہے۔ اس پر تمھارے شکار کی ایک فلم دکھائی جائے گی۔"

"ویری گڈ۔۔۔" ہاگرو خوش ہو گیا۔

"کیا یہ کام آج رات ہو سکتا ہے؟"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"فلم دیکھنے کے بعد ہی کوئی فیصلہ کروں گا۔"

"میں چاہتا ہوں کہ تم صبح تک کام نمٹا کر واپس چلے جاؤ۔ ٹھیک پانچ بجے صبح اُسی مقام سے تمہیں رسّی کی سیڑھی سے اترنا ہے جہاں تم لانچ سے اُتر کر جہاز پر سوار ہوئے تھے۔ وہاں لانچ تمہاری منتظر ہوگی۔"

ہاگرو نے گھڑی کی طرف دیکھا۔

"تمہارے پاس پورے پانچ گھنٹے ہیں۔"

ایڑ بیس میں نمبرون کی آواز گونجی تو وہ چونکے بغیر نہ رہ سکا۔ وہ سمجھ گیا کہ نمبرون اُسے اچھی طرح دیکھ سکتا ہے۔ ہاگرو نے متلاشی نظروں سے کیبن میں اِدھر اُدھر دیکھا تو اُسے وہ کیمرے نظر آ گئے جو کیبن میں دو جگہ نصب تھے۔ اس کا مطلب تھا کہ اس کیبن کا ایک ایک حصّہ کہیں ٹیلی کاسٹ ہو رہا ہے۔ ہاگرو سوچ میں پڑ گیا۔ اتنے زبردست وسائل ہونے کے باوجود اب تک نمبرون اپنے مطلوبہ آدمی کو ٹھکانے لگانے میں کیوں کامیاب نہیں ہوا؟ ہاگرو جانتا تھا کہ لوگ اس سے اسی وقت رابطہ قائم کرتے ہیں، جب وہ سب طرف سے مایوس ہو چکے ہوتے ہیں۔

"کیا سوچ رہے ہو؟" ایڑ بیس میں نمبرون کی آواز گونجی۔

"میں ٹی۔ وی کھول رہا ہوں۔" ہاگرو نے ٹھوس لہجے میں جواب دیا۔ "فلم شروع کر دی جائے۔" یہ کہہ کر اس نے ریسیور رکھ دیا۔

سلسلہ منقطع کر کے اس نے ٹی۔ وی اسکرین روشن کی اور دوبارہ آرام کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس نے ایک سگریٹ سلگائی اور نیم وانظروں سے اسکرین کی طرف دیکھنے لگا۔

ٹی۔ وی اسکرین کچھ دیر تو روشن بجھتیوں اور ذرات ظاہر کرتی رہی... پھر اچانک ہی اس پر ایک نوجوان کے نقش و نگار اُجاگر ہوتے چلے گئے۔ یہ ٹائیگر تھا۔ وہ اس وقت زینے سے اُتر کر ایک راہ داری میں چلا جا رہا تھا۔ اس کی چال دیکھ کر ہاگرو چونک پڑا۔ اس کے ہونٹوں میں دبی ہوئی سگریٹ نکل کر گود میں گر گئی... لیکن اُسے احساس تک نہ ہو سکا کیونکہ وہ اس چال کو دیکھ رہا تھا۔ یہ ایک انوکھی چال تھی۔ کسی ماہر ترین رقاص جیسی چال... اُسے یوں محسوس ہونے لگا جیسے یہ نوجوان فرش پر چلنے کی بجائے، فرش سے ذرا سا اوپر تیرتا ہوا آگے بڑھ رہا ہو۔

یہ چال اور یہ شخصیت ہاگرو پہلے بھی دیکھ چکا تھا۔

ابھی تھوڑی دیر قبل اس نے سب سے اوپر والے عرشے پر اس نوجوان کو دیکھا تھا تو اس کی چال دیکھ کر اُسے سراب کا احساس ہوا تھا اور وہ یہ سوچ کر رہ گیا تھا کہ اُس کا نشے میں ڈوبا ہوا ذہن اس سے شرارت کر رہا ہے... لیکن اب اُسے کسی قسم کا بھی شک و شبہ نہیں رہ گیا تھا۔

سگریٹ نے اس کا لباس جلانا شروع کر دیا۔

اچانک اُسے اپنی گود میں تپش اور جلنے کی بُو کے ساتھ دُھواں سا اُٹھتا نظر آیا تو وہ چونک کر سیدھا ہو گیا۔ اس نے جلدی سے سگریٹ اُٹھا کر فرش پر پھینکی، اُسے یوں جوتے کے تلے سے مسل ڈالا جیسے کسی بچھو کو کچل رہا ہو... پھر اپنے کپڑوں کے سلگتے ہوئے حصّوں پر قریب رکھے ہوئے جگ سے پانی انڈیل دیا۔ اس ساری کارروائی میں اُسے بمشکل نصف منٹ لگا تھا لیکن وہ یوں ہانپ رہا تھا جیسے کئی بہت بڑی عمارت کو نذرِ آتش ہونے سے بچانے کے لیے شدید محنت کے بعد فارغ ہوا ہو۔

وہ سنبھل کر دوبارہ بیٹھ گیا۔

اب اس کے چہرے اور آنکھوں سے غصّہ جھلک رہا تھا۔

غالباً اُسے اپنی کمزوری پر تاؤ آ رہا تھا۔ یہ ایک ایسی بات تھی جسے اس نے زندگی میں کبھی پسند نہیں کیا تھا۔ وہ خود کو کمزور سمجھنے کا عادی نہیں تھا جب کہ اس وقت وہ کسی ایسے شخص کی طرح بن گیا تھا جو زندگی میں کوئی دلیرانہ کام کرنے کا ارادہ کرنے سے بھی خوف زدہ رہا ہو۔ ذہنی حالت پر قابو پانے کی کوشش میں اُسے شدید دباؤ برداشت کرنا پڑا۔ اس نے جیب سے دو ہی سرنجیں اور گاڑھے سیال والا وائل نکالا اور نس میں سوئی اتارنے کے بعد آنکھیں بند کر لیں۔ جیسے جیسے سیال اس کے خون میں شامل ہو رہا تھا اس کا اعصابی انتشار ختم ہوتا جا رہا تھا۔

اس نے اپنے بارے میں غور کیا اور پھر اپنی سوچوں پر نظرِ ثانی کے بعد دوبارہ ٹی۔ وی اسکرین کی طرف متوجہ ہو گیا۔ غصّہ، جھلاہٹ اور خود اعتمادی کا فقدان زائل ہونے کے بعد اس نے پوری فلم نہایت اطمینان سے دیکھی۔ اس فلم میں ٹائیگر کی وہ فائیٹ شامل تھی جب کئی آدمیوں نے ایک راہ داری میں اُسے گھیر کر مار ڈالنے کی کوشش کی تھی۔ فلم دیکھتے ہوئے وہ کئی بار یہ بھول ہی گیا کہ اُسے فلم دکھانے کا مقصد کیا ہے۔ وہ اُسے ایک حقیقی منظر سمجھ کر اس کی جزئیات تک میں کھو جاتا اور ٹائیگر کے ایک ایک ایکشن پر عش عش کر اُٹھتا۔ کئی بار اس کے مُنہ سے بے ساختہ "واہ" اور "شاباش" جیسے الفاظ بھی نکل گئے۔ فلم ختم ہوئی تو اُس نے فون کی طرف دیکھا جس کا روشن

بلب کال کا اشارہ دے رہا تھا۔

ہاگرو نے ریسیور اُٹھا لیا۔

"تم نے اپنا شکار دیکھ لیا؟" دوسری طرف سے نمبرون کی آواز آئی۔

"ہاں... میں اسے دیکھ چکا ہوں۔ کیا یہ نوجوان واقعی انسان ہے؟"

"کیا مطلب؟" دوسری طرف سے سخت آواز سنائی دی۔

"کیا تم اسے کوئی مافوق الفطرت ہستی سمجھ رہے ہو؟"

"ہاں... وہ ایک غیر معمولی انسان ہے... اور میں سمجھتا ہوں کہ اس دُنیا کا کوئی بھی آدمی اسے قتل نہیں کر سکتا۔"

"ہاگرو..." نمبرون کے لہجے میں غراہٹ تھی۔ "میں نے تمہاری خدمات اس نوجوان کی تعریف و توصیف کرنے کے لیے حاصل نہیں کیں۔ تمہیں اس شخص کو قتل کرنا ہے، سمجھے! تم اس کام کا معاوضہ لے چکے ہو اور..."

"مجھے افسوس ہے، مسٹر نمبرون۔ میں اس کام میں ہاتھ نہیں ڈال سکتا۔" ہاگرو نے صاف لفظوں میں جواب دیا۔

"کیا مطلب؟" نمبرون کے لہجے میں بے پناہ کاٹ تھی۔

"میں واپس جا رہا ہوں۔"

"رقم یہ معاملہ منظور کرنے کے وقت لے چکے ہو۔"

"رقم تمہیں کل واپس مل جائے گی۔"

"تمہارے بارے میں تو بہت کچھ سنا تھا۔" نمبرون نے طنزیہ کہا۔ "لیکن معلوم ہوتا ہے کہ تم مٹی کے شیر ہو۔"

"میں جس قسم کا بھی شیر ہوں، مجھے معلوم ہے۔" ہاگرو نے کہا۔ "تم نہیں جانتے، قاتل اور اس کے شکار کے درمیان ایک رابطہ قائم ہوتا ہے... اسے تم روحانی رابطہ کہہ سکتے ہو۔ یہ رابطہ شکار کرنے میں قاتل کے لیے مددگار ثابت ہوتا ہے۔ اس شخص سے میرا رابطہ قائم نہیں ہو رہا۔ لہٰذا میں اپنی زندگی خطرے میں نہیں ڈال سکتا۔"

"ہوں... ٹھیک ہے، آرام کرو۔ صبح پانچ بجے لانچ تمہیں واپس لے جائے گی۔" اس کے ساتھ ہی دوسری طرف سے رابطہ منقطع ہو گیا۔

ہاگرو نے ریسیور رکھ دیا اور طویل سانس لے کر دوبارہ آرام کرسی پر نیم دراز ہو گیا۔ اس نے جلے ہوئے کپڑے بدلنے یا جوتے اُتار کر بستر پر لیٹنے کی بھی کوشش نہیں کی تھی۔ اس کے سینے میں اضطراب کا جو طوفان تھا، وہ اب تھم چکا تھا۔ وہ اس بے نام سی کلی کی توجیہہ کرنے سے قاصر تھا لیکن یہ کیفیت ماضی میں اس کے بہت کام آ چکی تھی اور درجنوں بار مشکلات میں گھرنے سے بال بال بچ گیا تھا۔ اب جبکہ وہ اس معاملے سے ہاتھ کھینچ چکا تھا، اس کے باوجود بھی وقفے وقفے سے اُسے بے چینی کا احساس ہو رہا تھا۔ وہ حیران تھا کہ یہ اس کے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟

وہ اُٹھ کر کیبن میں ٹہلنے لگا۔

ٹہلتے ٹہلتے وہ رُک جاتا اور وقت دیکھتا۔ ہر بار شوخی اُسے اسی سمندر پر منجمد نظر آتی، جہاں کچھ دیر پہلے دکھائی دیتی تھی۔

صبح پانچ بجے سے نصف گھنٹہ قبل ہی وہ کیبن سے نکلا اور راہ داری میں آ گیا۔ راہ داری سنسان تھی۔ جہاز کی اندر کی دُنیا خاموشی میں ڈوبی ہوئی تھی۔ وہ اسی راستے پر چلتا ہوا عرشے پر پہنچ گیا جس راستے سے رات کو کیبن تک رسائی حاصل کی تھی۔ باہر آ کر کھلی ہوا کی خنکی میں اُسے گھٹن کے احساس میں کمی محسوس ہوئی لیکن ابھی تک اس بے نام سی بے کلی نے اس کا پیچھا نہیں چھوڑا تھا۔

عرشے پر آ کر وہ گہری گہری سانسیں لینے لگا۔

عرشے پر اس وقت کوئی نہیں تھا۔

اس نے ریلنگ سے جھک کر نیچے دیکھا۔ بہت نیچے اُسے سمندر کا پانی گاڑھے سیاہ سیال کی صورت میں متحرک نظر آ رہا تھا۔ جہاز کے قریب و جوار میں جہاں اس کی بینائی کام کر سکتی تھی، اس نے دیکھا کوئی کشتی یا کوئی لانچ نظر نہ آئی۔ وہ اس وقت اس جگہ کھڑا تھا جہاں سے رات کے ابتدائی حصّے میں جہاز کے عرشے پر پہنچا تھا۔ وہ رسّہ اب بھی ایک کنڈے سے بندھا ہوا نیچے جھول رہا تھا جس کی مدد سے وہ اُوپر آیا تھا۔ اُسے اسی رسّے کی مدد سے نیچے جانا تھا لیکن نیچے سمندر کی تاریکی میں کسی لانچ کی روشنیاں دکھائی نہیں دے رہی تھیں۔

"میں کافی پہلے یہاں آ گیا ہوں۔" وہ زیرِ لب بولا۔ "یہ انتظار کے لمحے کس قدر کٹھن اور دُشوار محسوس ہو رہے ہیں۔"

وہ جلد از جلد اس جہاز سے دُور نکل جانا چاہتا تھا۔

اس کام میں ناکامی اس کی ساکھ کو متاثر کر سکتی تھی لیکن اُسے ساکھ سے زیادہ اپنی زندگی پیاری تھی۔ انسان زندہ رہے تو اپنی کھوئی ہوئی ساکھ دوبارہ بھی حاصل کر لیتا ہے... اور غیر معمولی حالات کا شکار ہو کر موت کے مُنہ میں پہنچ جائے تو ساکھ کے ساتھ ساتھ زندگی سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ اس نے کندھے اچکائے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

اور ایک بار پھر نیچے دیکھنے لگا۔
اس کی نظریں سیاہ سیال کو گھورتی رہیں۔
اچانک اس کی سماعت سے کسی انجن کی خفیف سی آواز ٹکرانے لگی۔ اس نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر نیچے تاریکی میں دیکھا۔
ایک لانچ جہاز کی طرف بڑھ رہی تھی۔
ہاگرو نے اطمینان کی ایک طویل سانس لی۔
اُس نے رسّہ تھام لیا اور اشارہ ملتے ہی نیچے اترنے کے لئے تیار ہوگیا۔ لانچ سے تیز روشنی کا ایک دھارا بلند ہوا۔ اس نے رسّے پر گرفت مضبوط کی اور آہستہ آہستہ نیچے اترنے لگا۔
وہ بہت تیزی سے نیچے اتر رہا تھا۔
جیسے جیسے عرشے سے اس کا وجود دُور ہوتا جارہا تھا، اس عجیب سی بے کلی میں کمی آتی جارہی تھی جسے وہ اب تک کوئی نام دینے سے قاصر رہا تھا۔ نصف سے زیادہ فاصلہ طے کرنے کے بعد اس نے نیچے دیکھا، جہاں رسّے کا نچلا سرا نظر آرہا تھا، لانچ اس سے کچھ فاصلے پر تھی۔ ہاگرو نے ایک طویل سانس لی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ نیچے جاکر اُسے چیخ کر لانچ کے پائلٹ کو متوجہ کرنا پڑے گا تاکہ وہ لانچ رسّے کے عین نیچے لے آئے... پھر اُس نے اُوپر دیکھا۔ اُسے عرشے پر کسی کا ہیولا دکھائی دیا۔
کوئی شخص وہاں اس جگہ کھڑا تھا، جہاں کنڈے سے اس رسّے کا ایک سرا بندھا ہُوا تھا، جس سے وہ نیچے اتر رہا تھا۔ ہاگرو کا دل سینے کے پنجرے میں کسی زخمی پرندے کی طرح پھڑکنے لگا۔ اس نے اترنے کی رفتار مزید تیز کردی۔ وہ جلد از جلد اس رسّے سے لانچ میں اترنا چاہتا تھا۔
اس نے اترتے اترتے ایک بار پھر نیچے دیکھا۔
اب اس کا نچلے حصّے سے فاصلہ بہت کم رہ گیا تھا۔
اچانک روشنی بجھ گئی۔
ہر طرف تاریکی ہی تاریکی پھیل گئی۔
ہاگرو بمشکل رسّے پر اپنی گرفت رکھنے میں کامیاب رہا ورنہ رسّہ اس کے ہاتھ سے پھسل ہی جاتا۔ اندیشوں نے اُس کے قلب و ذہن پر یلغار کردی۔
اس نے اُوپر دیکھا۔ وہ سایہ اب اُسے دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ وہ بھی اندھیرے ہی کا ایک حصّہ بن گیا تھا۔ بے اختیار اُس کا جی چاہا کہ وہ رسّہ چھوڑ دے اور کود جائے۔ اُسے اندازہ تھا کہ لانچ رسّے کے نچلے سرے سے کتنے فاصلے پر اور کس سمت میں کھڑی تھی۔ پانی میں گرنے کے بعد وہ تیر کر بھی لانچ تک پہنچ سکتا تھا...
لیکن اس سے پہلے کہ وہ اپنے اس خیال کو عملی جامہ پہناتا، اس کی حساس سماعت سے لانچ کے انجن کی گڑگڑاہٹ ٹکرانے لگی۔
اس کی اوپر کی سانس اُوپر اور نیچے کی سانس نیچے رہ گئی۔
لانچ، جہاز سے دُور ہو رہی تھی۔
"سازش..." کوئی اس کے ذہن میں چیخ پڑا۔
وہ مزید تیزی سے اترنے لگا... پھر اچانک ہی اُسے یوں محسوس ہُوا جیسے اُس کا وجود فضا میں ایک لمحے کے لئے معلق ہوگیا ہو۔ اگلی ہی ساعت وہ کسی وزنی بوری کی طرح نیچے گرنے لگا۔ رسّہ اب بھی اُس کے ہاتھوں میں دبا ہُوا تھا لیکن وہ اس کے سہارے خود کو گرنے سے روک نہیں سکتا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ رسّے کا بالائی سرا جس کنڈے سے بندھا ہُوا تھا، اب اُسے وہاں سے کھول دیا گیا تھا۔
ہاگرو پانی میں گرا تو اس کے حواس منتشر ہو چکے تھے۔
اس نے سنبھلنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوسکا۔ پانی کی سطح سے ٹکراتے ہی اس کا جسم تیزی سے ڈوبتا چلا گیا۔ وہ کسی بھاری پتھر کی طرح تہ نشیں ہوتا جارہا تھا۔
کافی نیچے جانے کے بعد اس نے خود کو سنبھالا اور دونوں گھٹنے اپنے پیٹ سے لگا کر پانی میں قلابازی لگاتے ہوئے وہ سمت کا اندازہ نہ کرسکا۔ اس نے پانی کے اندر ہی ایک طرف تیرنا شروع کردیا۔
سیاہ روشنائی جیسے پانی میں تیرتے تیرتے اچانک ہی اُسے یوں محسوس ہُوا جیسے اس کا جسم کسی بھنور میں پھنس گیا ہو۔ اس نے اس بھنور سے نکلنے کے لئے ہاتھ پاؤں مارے اور پھر تیر کی طرح ایک طرف بڑھا۔ اچانک ہی کوئی چیز اس کی کھوپڑی سے ٹکرائی۔ اس کی پوری ہستی تاریکی میں ڈوبتی چلی گئی۔ جو تیز دھار شے اس کی کھوپڑی سے ٹکرائی تھی، اس نے اُسے درمیان سے دو حصّوں میں تقسیم کردیا۔
ہاگرو کا جسم دو حصّوں میں تقسیم ہوکر بھنور میں تیرنے لگا۔
دونوں حصّے تیزی سے گردش کرتے ہوئے ایک بار پھر اُسی تیز دھار شے کی زد میں پہنچ گئے جس نے انھیں آٹھ حصّوں میں بانٹ دیا۔ یہ آٹھوں حصّے گردش کرتے ہوئے دوبارہ اس بھنور کے مرکز تک پہنچے اور مزید حصّوں میں کٹ گئے... چند ہی لمحوں میں وہ ان گنت چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم ہوچکا تھا۔
اچانک بھنور کی گردش تھم گئی۔
گوشت کے تیرتے ہوئے لوتھڑوں اور خون کی بُو نے مچھلیوں کو متوجہ کرلیا اور پھر اس عظیم الشان جہاز کے نچلے حصّے

میں ان گنت مچھلیاں انسانی گوشت سے دعوت اُڑانے میں مصروف ہوگئیں۔

☆

ٹائیگر نے بُرا سا منہ بنایا اور دوسری طرف دیکھنے لگا۔
"میں اس سلسلے میں کچھ بھی نہیں سُننا چاہتا، لٹل فادر۔" اس نے کہا۔
"ظاہر ہے تم کیوں سننے لگے۔" اوشان کے لہجے میں برہمی تھی۔ "تم کوئی ایسی بات بھلا کیوں سننے لگے جس سے تمہاری زندگی کا انحصار ہے۔"
"میری زندگی کا انحصار ایرانی ٹیلی ویژن پر نہیں ہے۔" ٹائیگر نے تلخی سے کہا۔ "مجھے اس بات کی کوئی پروا نہیں کہ ایران میں ٹی وی والے کوئی ڈراما دکھاتے ہیں یا نہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ وہ کم از کم دن کے وقت کوئی ڈراما نہیں دکھاتے۔"
"کتنے دکھ کی بات ہے۔" اوشان نے بھرائی ہوئی سی آواز میں کہا۔ "تمہیں اپنے استاد سے ذرا بھی ہمدردی نہیں ہے۔ تمہیں تو بس آدھی آدھی رات کو سمندر کی گہرائی ناپنے سے دلچسپی ہے۔ تم اس بات کی کبھی پروا نہیں کرتے کہ مجھ پر کیا پہاڑ ٹوٹ پڑے ہیں۔"
"دیکھئے مختصر یہ کہ اب..." ٹائیگر کے لہجے میں اب بھی تلخی تھی۔ "ایران کے لئے کام کرنے کا ارادہ آپ نے ظاہر کیا تھا اس لئے اب اس فلک کے سلسلے میں شکایات کرنا ترک کردیں۔"
"وہ تو ٹھیک ہے لیکن یہ بھی تو تمہارا فرض تھا کہ مجھے بتاتے... کہ تخت طاؤس، جس پر نادر کیا جاتا تھا، وہ آجکل کن گہرائیوں میں ڈوب چکا ہے۔ ایران اپنے حکمرانوں کی وجہ سے ایک عظیم مملکت تھی... لیکن یہ جو ایران ہے، جدید ایران، اس کے بارے میں تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا تھا۔ بھلا ایسے کسی ملک کے لئے کوئی کام کرنے سے کیا فائدہ جس میں ان کے وقت بوڑھوں کی دل بستگی کے لئے ٹی وی پر کوئی ڈراما نہ دکھایا جاتا ہو۔"
"آخر یہ بات مجھے کس طرح معلوم ہوسکتی تھی۔ آپ کے خیال میں کیا میں نے ایران میں جنم لیا تھا؟" ٹائیگر اب واقعی جھلا گیا تھا۔ ان کے درمیان نصف گھنٹے سے اس موضوع پر بحث ہو رہی تھی کہ ایران میں دن کے وقت ٹی وی پر کوئی ڈراما نہیں دکھایا جاتا بلکہ کسی سے اوشان کو یہ پتہ چلا تھا کہ وہاں اس قسم کے ڈرامے سرے سے دکھائے ہی نہیں جاتے۔ ٹی وی کے رسیا اوشان کی کمزوری تھے اور یہ معلوم کرنے کے بعد اس کا دل اُچاٹ ہوگیا تھا۔
"میں پوچھتا ہوں، تم بحیثیت شاگرد اپنے فرائض کب پہچانو گے۔"
ٹائیگر نے ایک طویل سانس لی اور خاموش رہا۔
اوشان بھی خاموش ہوگیا۔
اس کے انداز سے ظاہر ہوتا تھا جیسے وہ گہرے دکھ میں مبتلا ہوگیا ہو۔
"لٹل فادر...!" ٹائیگر نے اُسے پکارا۔
اوشان نے اُسے کوئی جواب نہ دیا۔
"لٹل فادر...!"
اوشان نے اپنی چمکدار آنکھوں سے اُس کی طرف دیکھا تو ان میں بے حد رنجی کے تاثرات تھے۔
"میں آج سے اپنی مرضی سے کام کا آغاز کرنے لگا ہوں۔" ٹائیگر نے کہا۔ "میں اس جہنم کدے میں زیادہ عرصے تک نہیں رہ سکتا۔"
اوشان نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ مراقبے میں ڈوب گیا تھا اور انداز ایسا ہی تھا جیسے کہہ رہا ہو کہ اس کی طرف سے ٹائیگر جہنم میں بھی چلا جائے تو اُسے کوئی پروا نہیں...

☆

دونوں گارڈ لیبیا کے لئے مخصوص حصّے کی راہ داری میں پہرہ دے رہے تھے اور ان کے چہروں سے بے پناہ سختی جھلک رہی تھی۔ ان کی نگاہ ٹائیگر پر پڑی تو انھوں نے اس پر کوئی توجہ نہیں دی... پھر اُن میں سے ایک نے ٹائیگر کے ہونٹوں کی طرف توجہ سے دیکھا۔ اُس کے ہونٹ سختی سے بھنچے ہوئے تھے اور انھوں نے اس کے چہرے پر ایک کوئی سی لکیر بنادی تھی۔
ہونٹوں سے اُوپر جب اس گارڈ کی نگاہ ٹائیگر کی آنکھوں کی طرف اٹھی تو وہ اندر ہی اندر کانپ کر رہ گیا۔
اس نے اپنی پوری زندگی میں پہلے کبھی اتنی کالی آنکھیں نہیں دیکھی تھیں۔ ٹائیگر کی سیاہ آنکھوں میں بے پناہ مقناطیسی کشش تھی اور ان میں دیکھنے والا آدمی فوری طور پر نگاہ چرانے میں کامیاب نہیں ہوسکتا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ آنکھیں، اپنی طرف متوجہ آدمی کو باندھ لیتی ہیں۔
ٹائیگر راہ داری میں چلا آرہا تھا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

وہ بلند آواز میں یوں باتیں کر رہا تھا جیسے کوئی نادیدہ ہستی اس کے پہلو میں چل رہی ہو اور وہ اس سے مخاطب ہو . . . لیکن وہ تنہا تھا اس کے حلق سے جو آوازیں نکل رہی تھیں، انھیں بھی کوئی معنی نہیں پہنائے جا سکتے تھے۔

"میں تنگ آ گیا ہوں . . ." وہ کہہ رہا تھا۔ "ہر ایسے شخص کے لیے باعث زوال ثابت ہونے والی ہستی بن کر زندہ رہنا بہت مشکل ہے، جو دوسروں کے لئے تباہی کا گڑھا کھودنے میں مصروف ہو۔ میں تنگ آ گیا ہوں۔" وہ چیخ پڑا۔ "سب مجھے ہی الزام دیتے ہیں۔ سوسیٹی ہارٹ کو جب کچھ نہیں سوجھتا تو وہ مجھ کو الزام دیتا ہے۔ لٹل فادر کی دل بستگی کا سامان پیدا نہیں ہوتا تو وہ مجھے قصوروار ٹھہراتا ہے۔ آخر میں کس پر الزام دھروں؟ میں ان بے معنی الزامات کا رُخ کس طرف کروں؟"

وہ راہداری میں یوں چل رہا تھا جیسے جنگل میں کسی پگڈنڈی پر محوِ سفر ہو اور اُسے احساس تک نہ ہو کہ آس پاس کوئی دوسرا موجود ہے یا نہیں۔ اُسے مسلسل آگے بڑھتا دیکھ کر دونوں گارڈ پہلے تو حیرت سے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے . . . پھر انھوں نے آگے بڑھ کر ٹائیگر کا راستہ روک لیا۔

"رُک جاؤ۔" ایک گارڈ نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

جو گارڈ ٹائیگر سے مخاطب ہوا تھا، وہ قد و قامت میں اپنے ساتھی سے کافی بڑا اور دیو قامت تھا۔ اس نے سیاہ سوٹ پہن رکھا تھا اور سفید ٹائی باندھ رکھی تھی۔ اس کے سیاہ بالوں میں تیل چمک رہا تھا۔ اس کی جلد گندمی تھی اور اس کے نقش و نگار ٹھوس تھے۔ اس نے اپنا گوریلے جیسا بھاری بھرکم ہاتھ بڑھایا اور ٹائیگر کے کندھے پر رکھ دیا۔

ٹائیگر نے چونک کر اُس کی طرف دیکھا۔

اس کا انداز ایسا ہی تھا جیسے اس دیو قامت گارڈ کی موجودگی محسوس کر کے بُری طرح چونک پڑا ہو۔ اگرچہ ٹائیگر کا قد بھی کم نہیں تھا لیکن یہ گارڈ اس سے پورے چار انچ لمبا تھا

"تم کون ہو اور کہاں منہ اُٹھائے چلے جا رہے ہو؟" گارڈ نے عربی زبان میں ٹائیگر سے دریافت کیا۔

ٹائیگر نے پلکیں جھپکا کر اُس کی طرف دیکھا جیسے اس کی بات سمجھ میں نہ آئی ہو۔ "کیا تم انگریزی میں بات نہیں کر سکتے؟" ٹائیگر نے کہا۔ "مجھے قالینوں کا کوئی سوداگر مت سمجھو اور کسی ایسی زبان میں بات کرو جو میری سمجھ میں آ سکے۔"

دیو قامت گارڈ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔

بڑی بے رحم اور سفاک مسکراہٹ تھی۔

"میں یہ پوچھ رہا تھا کہ تم اس راہ داری میں کیا کر رہے ہو۔ رات کے آٹھ بجے کے بعد، اس راہ داری میں کوئی غیر آدمی داخل نہیں ہو سکتا۔ اس اعتبار سے یہ ایک ممنوعہ علاقہ ہے۔" گارڈ نے انگریزی میں کہا۔

"میں چہل قدمی کر رہا ہوں۔"

دوسرا گارڈ بھی اپنے ساتھی کے پہلو میں آ کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے بھی بالکل ویسا ہی سوٹ پہن رکھا تھا جیسا کہ دیو قامت آدمی کے جسم پر دکھائی دے رہا تھا۔ گویا یہ ان گارڈز کی یونیفارم تھی۔

"یہ کوئی مشرقی باشندہ ہی لگتا ہے۔" دوسرا گارڈ بولا۔

دیو قامت گارڈ کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

اس نے جو ہاتھ ٹائیگر کے کندھے پر رکھا ہوا تھا اُسے تھوڑا سا دبایا۔ عام جسمانی حالت کے تحت ٹائیگر کو اس کی گرفت سے چیخ اُٹھنا چاہیئے تھا لیکن اس کے ہونٹوں پر بڑی پُراسرار مسکراہٹ رینگ آئی تھی اور اس کی آنکھوں کی چمک میں بے پناہ اضافہ ہو گیا تھا۔

"میں قطب شمالی کا باشندہ ہوں۔" ٹائیگر نے مسکرا کر جواب دیا۔ "اور وہاں مونگ پھلی کی کاشت کرتا ہوں۔"

اس بات پر دونوں گارڈز ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ ایک لمحے کے لیئے دونوں کی آنکھوں میں حیرت کا تاثر اُبھرا تھا خصوصاً دیو قامت آدمی کے چہرے سے اُلجھن جھلکنے لگی تھی۔ شاید اُس نے جو اپنی جسمانی طاقت کا مظاہرہ کیا تھا ٹائیگر کو اس سے متاثر نہ دیکھ کر اُسے شدید حیرت کا جھٹکا لگا تھا۔

"میرا خیال ہے، ہمیں اس شخص کو باز پُرس کے لیئے روک لینا چاہیئے۔" دیو قامت گارڈ نے اپنے ساتھی سے کہا۔ "اگر یہ کوئی شرپسند آدمی نہ ہُوا تو اسے صبح چھوڑ دیں گے۔"

اس نے اپنے ہاتھ کا دباؤ مزید بڑھا دیا۔

یہ ایسی گرفت تھی کہ عام آدمی اس گرفت سے ضرور چیخ پڑتا لیکن ٹائیگر نے تو پلکیں تک نہیں جھپکائی تھیں۔ اس بار گارڈ کے چہرے اور آنکھوں سے برہمی جھلکنے لگی تھی۔

"لیبیا کا کیا حال ہے، دوستو؟" ٹائیگر نے دریافت کیا۔

"وہاں مونگ پھلی کا ہول سیل میں کیا بھاؤ چل رہا ہے؟"

"بس۔ کافی ہے۔" دیو قامت گارڈ غرایا اور اپنے ساتھی سے مخاطب ہُوا۔ "محمد۔ اسے پکڑ لو۔ ہم اسے تفتیش کمرے میں بند

کرتے ہیں۔ صبح ہمارے افسران خود ہی اس سے نمٹ لیں گے۔"

"ہاں محمد . . . ضرور مجھے لے چلو۔ میں ویسے بھی تنہائیوں کا مارا ہُوا ہوں۔ میں گزشتہ پندرہ منٹ سے اس راہ داری میں ہوں اور مجھے ٹائلٹ کی تلاش تھی۔ جس کمرے میں تم مجھے بند کرو گے، وہاں اطمینان سے اپنی یہ اُلجھن دُور کر لوں گا۔ شاید تم نہیں جانتے کہ اس وقت تم دونوں مجھ پر کس قدر مہربانی کرنے والے ہو۔ چلو۔ کدھر چلنا ہے؟"

دیو قامت گارڈ نے اپنے ساتھی کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھیں کہہ رہی تھیں کہ وہ ٹائیگر کو کوئی دیوانہ یا نشے باز سمجھ رہا ہے۔

"اور تم نہیں جانتے کہ میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کرنے والا ہوں۔" اس نے محمد سے کہا۔ "تمہارا نام کیا ہے؟" دوست؟" اس نے دیو قامت گارڈ سے دریافت کیا۔

"میرا نام احمد ہے۔" دیو قامت گارڈ غرایا۔

"بہت خوب۔" ٹائیگر مسکرانے لگا۔ "تم دونوں کے نام مسلمانوں جیسے ہیں لیکن شکلیں کچھ اور ہی ظاہر کر رہی ہیں۔"

یہ سُن کر احمد نامی باڈی گارڈ کی تیوریاں چڑھ گئیں۔ اُس نے غُصّے بھری نگاہوں سے ٹائیگر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تمہاری اس گستاخی کی سزا دینے کے لیئے میں کوشش کروں گا کہ تم سے تفتیش کرنے کا کام میرے سپرد کر دیا جائے۔" اس نے یہ سب کچھ ایسے لہجے میں کہا تھا کہ عام اعصاب کا آدمی اُس کے تاثر سے ہی سرتاپا لرز کر رہ جاتا۔

ٹائیگر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

اُس نے دیو قامت گارڈ کے لہجے میں لذت کا وہ تاثر محسوس کر لیا تھا، جو دوسروں کو اذیت میں مبتلا کر کے حاصل کی جاتی ہے۔ ٹائیگر کی حسیات نے اُسے بہت پہلے بتا دیا تھا۔ کہ احمد ایک قاتل ہے . . . وہ نام کا تو مسلمان ہے لیکن درحقیقت کچھ اور ہی چیز ہے۔

دونوں محافظوں نے ریوالور نکال لیے۔

"چلو . . ." محمد نے کہا اور ریوالور کی نال ٹائیگر کے پیٹ سے لگا دی۔ "گھوم جاؤ اور اس دروازے کی طرف بڑھتے رہو۔"

دیو قامت گارڈ نے اپنا ہاتھ ٹائیگر کے کندھے سے ہٹا لیا تھا۔

ٹائیگر کو اپنے پیٹ میں ریوالور کی نال چبھتی محسوس ہوئی تو اُس نے سانپ جیسی گول گول اور ساکت سیاہ آنکھیں اپنے حریف کی آنکھوں میں گاڑ دیں۔ "کیا تم جانتے ہو، یہ کھلونا کس کام آتا ہے؟" اُس نے ریوالور کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں . . . یہ بعض لوگوں کو جہنم رسید کرنے کے کام آتا ہے۔" محمد نے تلخ لہجے میں جواب دیا۔ وہ اپنے دیو قامت ساتھی کی بہ نسبت جلد باز اور تُند مزاج ثابت ہو رہا تھا۔

ٹائیگر مسکرا اُڑانے والے انداز میں ہنس پڑا۔

اس ہنسی نے لیبیا کے اس سفاک گارڈ کے غُصّے کو مزید ہوا دی اور وہ جنونی کیفیت میں مبتلا ہو گیا۔ اسی دیوانگی کے عالم میں اُس کی اُنگلی ٹرائیگر پر سخت ہوتی چلی گئی۔ ٹائیگر کی تمام تر حسیات بیدار تھیں۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ ٹرائیگر پر دباؤ بڑھتا جا رہا ہے . . . اور پھر محمد کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیلتے چلے گئے۔ اُس کے چہرے پر جو برہمی تھی، سب سے پہلے وہ دُور ہوئی۔ اُس کی آنکھوں میں جو درندگی تھی، دوسرے نمبر پر وہ ہوا ہوئی

سرزمین نیپال کا سچا واقعہ
درندہ
یعقوب جمیل کے ہوشربا قلم سے
دو جلدوں میں
مکمل سیٹ =/300 روپے
مکتبہ القریش سرکلر روڈ اردو بازار لاہور
فون 7668958

اسلام کے نامور مجاہدین	قمر تسکین	-/50
اسلام کی نامور خواتین	قمر تسکین	-/40
سو مسلمان مشاہیر	قمر تسکین	-/75
ملک ملک کی عورتیں	قمر تسکین	-/35

مکتبہ القریش اُردو بازار - لاہور 2

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

اور پھر رفتہ رفتہ وہ تمام تاثرات ڈھلتے چلے گئے، جن سے اُس کی شخصیت خوف ناک لگ رہی تھی اور ان تاثرات کی جگہ اُلجھن ہی اُلجھن نظر آنے لگی۔

اُس نے جیسے ہی ٹائیگر پر اُنگلی رکھی تھی، اُس کی اُنگلی نے اسٹیل کی ٹھنڈک محسوس کی تھی۔ اُنگلی کی پور میں ایک عجیب سی لذت حل گئی تھی اور اس لذت کا اُسے فائر کرتے وقت ہمیشہ احساس ہوتا تھا... لیکن آج یہ احساس دیرپا ثابت نہ ہو سکا... کیونکہ اگلی ہی ساعت اُس کی اُنگلی شل ہو گئی تھی۔ ہر قسم کے احساس سے عاری ہو گئی تھی۔ اب نہ تو وحات کی ٹھنڈک کا احساس تھا اور نہ ہی گولی چلاتے وقت ٹائیگر پر لطف آمیز دباؤ ڈالنے کا احساس باقی رہا تھا... ایک عجیب سی بے کیفی نے اُس کی اُنگلی سے سفر کر کے اُس کے دل و دماغ مفلوج کیے۔ اس کی پوری ہستی کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا یہ بے کیفی رفتہ رفتہ بے حسی میں بدلتی جا رہی تھی۔

اُس کی آنکھوں میں بے پناہ چمک پیدا ہو گئی۔

یہ چمک اس آبی جھلی نما تہ کی تھی، جو اچانک ہی نہ جانے کیسے اُس کی دونوں آنکھوں میں اُتر آئی تھی اور راہ داری میں لگے ہوئے تیز روشنی والے بلبوں کی روشنی اس سے منعکس ہونے لگی تھی... اُسے اس جھلی کے باعث ہر شے مٹھے بھر کے لیے... دُھندلی سی دکھائی دی... اُس نے پلکیں جھپکائیں۔

دو قطرے اُس کی آنکھوں سے نکل کر رُخساروں پر ڈھلک گئے۔ یہ آنسو تھے، شرقِ ندامت تھا یا خوف کی کوئی علامت تھی، خود محمد اس سلسلے میں کوئی فیصلہ کرنے سے قاصر تھا... ہو سکتا ہے، اُس نے اس طرف توجہ ہی نہ دی ہو کہ اُس کی آنکھوں سے زندگی میں پہلی بار دو آنسو ٹپکے ہیں... اور اس بے خبری کا سبب یہ تھا کہ وہ کسی اور ہی طرف متوجہ تھا، اس کی تمام تر توجہ اس ریوالور کی طرف تھی، جو اُس کے ہاتھ کی گرفت سے نکل کر ٹائیگر کے ہاتھ میں جکڑا ہوا تھا۔

محمد حیران تھا کہ یہ سب کچھ کیسے ہو گیا؟ کب ہو گیا؟ کیوں ہو گیا؟ وہ ایک ماہر نشانچی تھا، ریوالور ہاتھ میں ہو تو وہ ہر حال میں اپنی فتح کا یقین رکھتا تھا... آج تک اُس کا کوئی نشانہ خطا نہیں گیا تھا اور نہ ہی ریوالور کی موجودگی میں کسی حریف کو اس کی زد سے بچ نکلنے میں کامیابی ہوئی تھی... جبکہ اُس کے سامنے کھڑے ہوئے نوجوان نے نہ صرف سب کچھ غلط قرار دے دیا تھا بلکہ اسے ثابت بھی کر دکھایا تھا۔ محمد نے اس حقیقت کو حلق سے اُتار تو لیا لیکن اُسے ہضم نہ کر سکا۔ اُس کا ذہن یہ تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں تھا کہ اس کی گرفت سے عین اس وقت ریوالور نکل گیا ہو گا، جب وہ ٹائیگر دبا رہا تھا اور گولی چلنے ہی والی تھی۔

"اور اب مسٹر احمد..." ٹائیگر نے پلٹ کر دیو قامت گارڈ سے کہا۔ "تم بھی اپنی توپ میرے حوالے کر دو۔"

ٹائیگر کے ہاتھ میں ریوالور دیکھ کر دیو قامت احمد یوں اُچھل پڑا جیسے اُس کا جسم کسی سخت اسپرنگ کا بنا ہوا ہو۔ وہ جلدی سے اُچھلا، ایک قدم پیچھے ہٹا... اور پھر اُس نے فائر کرنے کی پوزیشن اختیار کر لی۔ ٹائیگر اُس کی جسامت اور پھرتی میں بے پناہ توازن دیکھ کر دل ہی دل میں اُسے سراہے بغیر نہ رہ سکا۔ بلا شبہ وہ ایک بہترین گارڈ رہا ہو گا... لیکن اُسے فائر کرنے کی حسرت ہی رہی۔

اُس نے پوری قوت سے انگشتِ شہادت دبا کر فائر کرنے کی کوشش کی لیکن نہ جانے کیا بات تھی کہ اُنگلی دباؤ... ڈالنے میں کامیاب ہی نہیں ہو رہی تھی۔ شاید ٹرائیگر جام ہو گیا ہے۔ اُس نے سوچا اور جب ریوالور کی طرف دیکھا تو وہ اُسے کہیں بھی نظر نہ آیا۔

حیرت کا ایک شدید جھٹکا لگا۔

اُس کا ہاتھ اب بھی فائرنگ پوزیشن میں پھیلا ہوا تھا اور اُس کی ظاہری حالت بتا رہی تھی کہ کوئی شے اس میں دبی ہوئی ہے لیکن وہ چیز نظر نہیں آ رہی تھی۔ احمد نے اُس شے کی تلاش میں ٹائیگر کی طرف دیکھا تو اُس کا منہ حیرت کی زیادتی سے پھٹ کر رہ گیا۔

ریوالور ٹائیگر کے ہاتھ میں تھا۔ اُس نے ایک ہاتھ میں محمد کا ریوالور تھام رکھا تھا اور دوسرے ہاتھ میں احمد کا ریوالور دبا ہوا تھا۔

احمد نے اپنا پھیلا ہوا ہاتھ سمیٹنے کی کوشش کی تو پتہ چلا کہ وہ اپنے بازو کو حرکت دینے کے قابل نہیں رہ گیا ہے۔ اس وقت اُسے دیکھ کر کسی ایسے شخص کا گمان ہوتا تھا جو خیالوں ہی خیالوں میں کسی تصوراتی ریوالور سے اپنے حریف کو گولی کا نشانہ بنا رہا ہو۔ اس کے ہاتھ کی جو حالت تھی اس کا اژدھے کے جوڑ تک تھا۔ وہ باقی جسم کو آزادی سے حرکت دے سکتا تھا اور پھر وہ کسی طوفان کی طرح حرکت میں آ گیا... لیکن یہ طوفان جتنی تیزی سے اُٹھا تھا، اس سے کہیں زیادہ تیزی سے دب گیا۔

احمد کا دہانہ اس وقت عجیب منظر پیش کر رہا تھا۔ اس کے مُنہ میں دو ریوالوروں کے دستے ٹھنسے ہوئے تھے۔ اس کے

گالوں کے اُبھار بتا رہے تھے کہ اگر یہ ریوالور تھوڑے سے مزید آگے تک گھس آتے تو شاید اس کے دونوں گال پھٹ گئے ہوتے۔ اس کی آنکھیں اپنے حلقوں سے اُبلی اُبلی سی لگ رہی تھیں۔

"اب کیا خیال ہے؟" ٹائیگر نے اُن دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔ "دماغ ٹھکانے آ گیا یا کچھ اور شروع کروں؟"

دونوں گارڈ اس کی طرف یوں دیکھنے لگے جیسے انہوں نے دل ہی دل میں شکست تسلیم کر لی ہو۔ لیکن وہ اپنی مفلوج زبانوں سے اس کا اظہار نہیں کر سکتے تھے۔ ان کی آنکھوں میں زندگی کی بھیک مانگنے جیسے تاثرات تھے۔ ٹائیگر کی ظاہری حالت سے انہوں نے جو دھوکا کھایا تھا، اس دھوکے سے انہیں اچھی خاصی نصیحت ہو گئی تھی اور وہ دونوں اپنی اپنی جگہ پر تہیہ کر رہے تھے کہ آئندہ اپنی جسمانی طاقت کا بے جا استعمال ہرگز نہیں کریں گے۔ انہوں نے ٹائیگر کی طرف دیکھا تو اس نے ان کی آنکھوں کے تاثرات سے دل کا احوال پڑھ لیا۔

"نہیں... میں تمہیں اتنی آسانی سے اور اتنی جلدی معاف نہیں کروں گا۔" ٹائیگر نے مسکرا کر کہا اور احمد کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کے چہرے کی ہیئت کذائی بڑی ہی فہقہہ آور تھی۔ وہ دو بدو ریوالور مُنہ میں ٹھونسے ٹائیگر کی طرف دیکھ رہا تھا جبکہ اس کا ایک ہاتھ فائر کرنے کے انداز میں پھیل کر وہیں ساکت ہو گیا تھا۔

وہ اپنے اس ہاتھ کی طرف بغور دیکھ رہا تھا۔

مُنہ میں ٹھنسے ہوئے ریوالوروں کی وجہ سے اُسے جو تکلیف ہو رہی تھی، اُسے اب تک نہ جانے وہ کیسے برداشت کر رہا تھا۔ غالباً اس کے دہانے کے تمام عضلات شل ہو گئے تھے۔ اور وہ دماغ تک درد کی لہریں بھیجنے سے قاصر ہو گئے تھے۔

احمد کو اپنے ساکت ہاتھ کی سب سے زیادہ فکر تھی۔ وہ مفلوج ہاتھ والا آدمی کہلوانا پسند نہیں کرتا تھا۔ معذوری پر وہ موت کو ترجیح دینے والا آدمی تھا... اس نے اپنے ہاتھ کی طرف دیکھا تو اُسے پہلی بار احساس ہوا کہ اس نے زندگی میں پہلے کبھی اپنے ہاتھوں کو اتنی توجہ سے کبھی نہیں دیکھا ہو گا۔ یہ خوفناک ہاتھ تھے... قاتل ہاتھ... جنہوں نے درجنوں گردنیں مروڑی تھیں اور سینکڑوں گولیاں چلائی تھیں... لیکن اس وقت وہی ہاتھ ساکت، ناکارہ اور مفلوج ہو کر رہ گیا تھا۔

"میں تم دونوں سے جو کچھ کہوں گا، تمہیں اس پر عمل کرنا پڑے گا۔" ٹائیگر نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "ٹھیک ہے نا؟"

انہوں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

ٹائیگر نے ان کے کندھوں پر ہاتھ رکھے اور دھیرے دھیرے کچھ کہنے لگا۔ دونوں محافظوں کی گردنیں تائید میں حرکت کرتی رہیں... پھر وہ دونوں راہ داری میں الٹ کر گر گئے... ٹائیگر کے قدموں کی آہٹ رفتہ رفتہ دُور ہوتی چلی گئی۔

مسٹر بارلو چیف ڈیلیگیٹ کے ذہن پر خمار چھا رہا تھا۔ وہ واپس اپنے کیبن میں آیا تھا تو اُسے گہری نیند تک جانے کی بھی توفیق نہیں ہوئی تھی اور وہ فرش پر ہی دراز ہو کر گہری نیند میں ڈوب گیا تھا۔ اس کا کیبن لیبیا کے لیے مخصوص حصے کے وسط میں واقع تھا۔

اچانک کوئی چیز اس کی سماعت پر گراں گزرنے لگی۔

وہ بے چین ہو گیا۔

تھا لو فینڈ اتنی آسانی سے نہیں کھلا کرتی لیکن وہ نہ جانے کیسی آوازیں تھیں جو اس کے کانوں کے راستے اس کے دماغ میں گھس رہی تھیں اور جنہوں نے اس کے قلب و ذہن کو اضطراب آشنا کر دیا تھا۔ وہ جاگنے پر مجبور ہو گیا۔

اسے یاد نہیں تھا کہ وہ کتنی دیر سے سو رہا ہے۔ اس نے اپنی آنکھیں سختی سے بھینچ لیں اور سر کو اپنی بائیں جانب حرکت دی تاکہ ذہن پر چھائی ہوئی دھند دُور ہو جائے اور جو آوازیں سماعت سے ٹکرا رہی تھیں، وہ صاف ہو جائیں۔ ذہن قدرے صاف ہوا تو اُسے سب سے پہلا خیال اپنے گارڈز کے بارے میں ہی آیا۔

وہ اُچھل کر کھڑا ہو گیا۔

غصے سے اس کے جبڑے بھنچ گئے تھے۔

اس نے ایک جھٹکے سے دروازہ کھول دیا اور ہال نما حصے میں دیکھا۔ اس کے دونوں محافظ احمد اور محمد دیوار سے ٹیک لگائے فرش پر بیٹھے ہوئے تھے اور وہ حلق پھاڑ پھاڑ کر گا رہے تھے۔

سفیر کو یوں محسوس ہوا جیسے وہ کوئی خواب دیکھ رہا ہو۔

اس نے زور سے کہا۔ "شٹ اپ۔"

اس کا خیال تھا کہ یہ آوازیں بند ہو جائیں گی لیکن ایسا نہیں ہوا۔ دونوں محافظوں نے اس کی طرف دیکھا۔ اُن کا انداز جھینپا جھینپا سا تھا، پھر وہ مُنہ پھیر کر زور زور سے گانے میں مصروف ہو گئے۔ اس بار ان کی آواز پہلے سے کہیں بلند تھی۔

سفیر نے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں اور ایک دھماکے سے دروازہ بند کر لیا۔ عین اُسی لمحے اسی راہ داری کے ایک دُور افتادہ گوشے میں ایک دروازہ آہستہ آہستہ کھل رہا تھا۔

ٹا فینگر کے ہونٹوں پر بڑی ہی شریر سی مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔ اس نے راہ داری کے اُس دُور افتادہ کیبن کے دروازے سے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

لیبیا کے سفیر کو اپنے کمرے کے دروازے سے باہر راہ داری میں جھانکتے اور پھر محافظوں کو بے ہنگم انداز میں گاتے دیکھ کر جب کانوں میں انگلیاں ٹھونستے دیکھا تو اُس نے بڑی مشکل سے ایک بے ساختہ قہقہہ ہضم کیا تھا۔

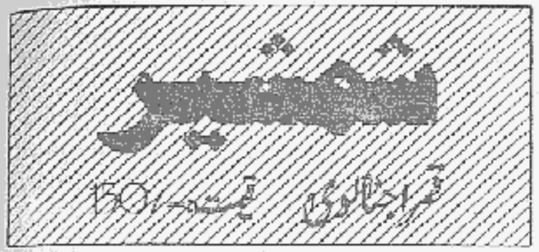
سفیر نے جیسے ہی دروازہ بند کیا، وہ اس کیبن سے باہر راہ داری میں نکل آیا جس میں وہ وقتی طور پر دوسروں کی نگاہوں سے روپوش ہونے کے لیے گھس گیا تھا۔

راہ داری میں اب بھی دونوں محافظ حسبِ معمول پھاڑ پھاڑ کر گا رہے تھے۔ ان کے انداز سے ظاہر ہوتا تھا جیسے انھیں گرد و پیش کا کوئی ہوش نہ ہو۔ وہ جو کچھ گا رہے تھے، اس کا مفہوم انھیں معلوم نہیں تھا کیونکہ وہ مصرعہ عربی زبان کا نہیں تھا۔ ٹائیگر نے انھیں ایک مختصر سا اُردو شاعری کا مصرعہ رٹا دیا تھا اور وہ بار بار اُسی کو الاپ رہے تھے۔

ٹائیگر مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔ اس نے سفیر کو جس انداز میں کانوں میں انگلیاں ٹھونستے اور جس انداز میں دروازہ بند کرتے دیکھا تھا اُسی سے اندازہ ہو گیا تھا کہ صبح کی پہلی کرن ان دونوں محافظوں کے لیے سنگین عتاب کا پیغام لے کر آئے گی... لیکن اب اُسے اس بات کی کوئی پروا نہیں تھی اور نہ ہی وہ ان دونوں مغرور اور اُجڈ محافظوں کے لیے اپنے دل میں کوئی نرم گوشہ محسوس کر رہا تھا۔ اُسے تو بس اپنے کام سے مطلب تھا اور وہ اس نے بہر حال نکال ہی لیا تھا۔

وہ آہستہ آہستہ قدم اُٹھاتا ان محافظوں کے قریب جا پہنچا۔

چند لمحوں تک وہ ان کی طرف دیکھتا رہا... لیکن جب وہ اس کی طرف متوجہ نہ ہوئے اور اپنی ہی دُھن میں گاتے رہے تو اُسے یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ یہ دونوں اس وقت تک گاتے رہیں گے جب تک کہ ان کے گلے بالکل ہی جواب نہیں دے جاتے یا پھر یہ بے ہوش نہیں ہو جائیں گے وہ اب تک اس راہ داری کے بیشتر دروازوں کو آزما چکا تھا اور تقریباً ہر کمرے میں گھس کر جھانک چکا تھا۔ صرف ایک دروازہ باقی تھا اور یہ دروازہ لیبیا کے سفیر کے دروازے سے قریب ہی واقع تھا۔ ٹائیگر نے اس دروازے کو کھولا اور اندر چلا گیا۔ کچھ دیر وہ کمرے میں اِدھر اُدھر دیکھتا رہا۔ کسے کوئی مشکوک چیز دکھائی نہ دی تو وہ روشنی بجھا کر راہ داری میں نکل آیا۔ اب اُسے راہ داری میں واقع اسٹور کے دروازوں کو دیکھنا تھا یہ اسٹور اُن الماریوں پر مشتمل تھے جو اس راہ داری میں خاص طور سے بنائی گئی تھیں۔ ٹائیگر سوچ رہا تھا کہ ممکن ہے، انہی میں سے کوئی دروازہ اس کی منزلِ مقصود کا دروازہ ہی ثابت ہو... اور وہ اس خفیہ حصے تک پہنچنے میں کامیاب ہو جائے، جو اس جہاز میں سب کی نگاہوں سے اوجھل ہے اور جہاں چھپے ہوئے مجرم جہاز میں خوف و ہراس



چاہ بابل

دیو تاؤں کے شہر بابل کی کہانی

جسے مصنف نے 35 سال کی ریسرچ کے بعد قلمبند کیا۔

800 صفحات

قیمت -/400

اردو بازار لاہور

کی لہر دوڑانے میں کامیاب ہو چکے تھے اور کسی کو ان کے بارے میں کانوں کان خبر نہیں ہوئی تھی بلکہ اب تو بیشتر لوگ جہاز میں ہونے والی وارداتوں کے سلسلے میں یہ بھی کہنے لگے تھے کہ ان میں یقیناً کسی غیر مرئی ہستی کا ہاتھ ہے یا پھر یہ جہاز کسی آسیبی چکر میں پھنس گیا ہے۔ کسی کا ذہن یہ تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں تھا کہ اس جہاز میں ایک خفیہ دُنیا بھی آباد ہے جس کے مکین جب چاہتے ہیں اور جہاں چاہتے ہیں، آکر تباہی مچاتے ہوئے غائب ہو جاتے ہیں۔

ٹائیگر نے ایک کلوزٹ کا دروازہ کھولا اور اُس میں گھس گیا۔ اندر قدم رکھنے کے باوجود اُسے احساس نہیں تھا کہ وہ یہاں کس ارادے سے آیا ہے یا اس میں داخل ہونے میں درحقیقت اس کا مقصد کیا ہے۔ اب وہ کسی حد تک بے بکری کا شکار ہو گیا تھا اور کچھ نہ کچھ کر گزرنا چاہتا تھا ٹائیگر کی حیثیت سے اس نے اب تک جتنی بھی زندگی گزاری تھی، اس میں

اُسے کبھی ایسی صورتِ حال کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا جس میں مجرم اس کی ناک تلے من مانیاں کرتے رہے ہوں اور پھر بھی محفوظ ہوں۔ اُس نے اُوشان سے کھل کر کہہ دیا تھا کہ اُسے خفیہ کیمروں سے کوئی خوف نہیں۔ وہ کوئی احتیاط نہیں کرے گا، چاہے جہاز کے خفیہ حصے میں رہنے والے مجرم جہاز کے پیندے میں سوراخ کر کے اسے ڈبو ہی کیوں نہ دیں... اور اگر سوراخ میں سے پھسل کر چیف مہرام سمندر میں گر جاتا ہے اور کوئی مچھلی اُسے انسانی کباب سمجھ کر اپنے پیٹ میں اُتار لیتی ہے، تب بھی اُسے کوئی پروا نہیں... بس کچھ نہ کچھ ہونا چاہیے... اور کچھ کرنے کا ارادہ لے کر ہی وہ اپنے کیبن سے نکل کر لیبیا کے سفارت خانے کے لیے مخصوص حصے کی طرف چلا آیا تھا جہاں اس کی مڈبھیڑ اُن دو تنومند محافظوں سے ہو گئی تھی جو اَب بے مقصد بکروں کی طرح ممیا رہے تھے۔ اُوشان نے اُسے جلد بازی سے روکا تھا تو اُس نے جھلا کر کہہ دیا تھا کہ کچھ بھی ہو جائے، اُسے اور اُوشان کو بہر حال کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ اس لیے دوسروں کے لیے فکر کرنے کی ضرورت نہیں... اور اب تو اس پر ایسی جھلاہٹ طاری ہو گئی تھی کہ اُسے اُوشان تو درکنار، خود اپنی زندگی کی بھی کوئی پروا نہیں رہی تھی۔ وہ کسی نہ کسی نتیجے پر پہنچنا چاہتا تھا اور یہ بات سب ہی جانتے ہیں کہ ایسی حالت میں کوئی نہ کوئی اندھا قدم اُٹھانا ہی پڑتا ہے۔

وہ اس وقت جس کلوزٹ میں تھا، اس میں صفائی ستھرائی کرنے کا کافی سامان رکھا ہوا تھا، نہ جانے کیوں اس نے کلوزٹ کی دیوار میں سوراخ کرنے کا ارادہ کر لیا۔ یہ ایک ایسا فعل تھا جس کی اس کے پاس کوئی توجیہ نہیں تھی... اگر اس وقت کوئی اُس سے پوچھتا کہ اس حرکت کا آخر مطلب کیا ہے تو وہ یہی جواب دیتا "بس جی چاہ رہا ہے۔"

اس کی انگلی اکڑ گئی۔ یہ نالف پوائنٹ تھا جس کو اگر کسی جسم میں چبھو دیا جائے تو ایک ساعت میں شکار دم توڑ جائے۔ برسوں کی محنت نے اس کے جسم کو فولاد جیسی خصوصیت بخش دی تھی۔ اس کا انگوٹھے والا حصہ دیوار کی تہہ پر پہلے تو ایک گہری خراش ڈال گیا پھر اس نے چاقو کا کٹا ہوا کنارا پکڑا اور اُسے اُدھیڑتا چلا گیا۔ اُس نے اس طرح دیوار کی پوری ایک چمڑی اُتار پھینکی۔ یہ بے مقصد کام کرنے کے بعد وہ ہنس پڑا۔

"تختِ طاؤس زندہ باد...!" اُس نے زیرِ لب کہا اور دوسری دیوار کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اس نے دوسری پٹی بھی اُدھیڑ کر رکھ دی۔ دونوں پٹیاں اُدھیڑنے کے بعد اس نے لکڑی کے تختے ہٹائے تو چونکے بغیر نہ رہ سکا۔ اس کے سامنے دیوار میں ایک شگاف پیدا ہو گیا تھا اور اس شگاف سے ایک کمرے کے خدوخال دکھائی دے رہے تھے۔ اس نے چاہا کہ خوشی کا ایک زوردار نعرہ بلند کرے۔ بالآخر وہ اس خفیہ حصے تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ وہ اس سوراخ سے اس کمرے میں داخل ہو گیا۔ بحری جہاز کے تہہ خانے میں واقع یہ چھوٹا سا کمرہ اُسے اس وقت دُنیا کا حسین ترین مقام محسوس ہو رہا تھا جہاں اس نے کئی دنوں بعد سکون کی چند گہری گہری سانسیں لی تھیں اور پھر اپنے جسم کو ڈھیلا چھوڑ دیا تھا۔ اس کمرے میں ایک سُرخ بلب چھت سے جھول رہا تھا اور اس سے سُرخ کرنیں کمرے میں بکھر رہی تھیں۔ سامنے ایک دھاتی دروازہ تھا جس میں نہ اب دکھائی نہیں دے رہی تھی حالانکہ یہ بالکل ویسا ہی حفاظتی دروازہ تھا جیسا اس کے اپنے کمرے میں لگا ہُوا تھا اور جسے کھولنے کے لیے اُسے ایک مخصوص چابی دی گئی تھی کیونکہ وہ دروازہ اس چابی کے علاوہ کسی اور چابی سے ہرگز نہیں کھل سکتا تھا۔

ٹائیگر نے آگے بڑھ کر اُس دھات کے بنے ہوئے دروازے کو ٹھوکر ماری اور دروازہ کھل کر اپنے قبضوں کے سہارے جھول گیا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے کواڑ کو جکڑ کر قبضوں سے اُکھاڑا اور کمرے کے وسط میں فرش پر پھینک دیا۔

اس دروازے کی دوسری جانب ایک راہ داری تھی۔

ٹائیگر راہ داری میں نکل آیا۔ وہ سنسان تھی۔ اس راہ داری میں کہیں کہیں دروازے نظر آ رہے تھے۔ ٹائیگر آہستہ آہستہ چلنے لگا۔ راستے میں جو بھی دروازہ نظر آتا، وہ رُک کر ٹھوکر سے اُسے کھول دیتا اور دوسری جانب جھانک کر اطمینان کر لیتا۔ ان دروازوں کے پیچھے جتنے بھی چھوٹے بڑے کمرے تھے، وہ سب کے سب اُسے خالی ہی ملے۔

بحری جہاز کے پیٹ کا یہ اندرونی حصہ ایسی راہ داریوں سے بھرا ہُوا تھا۔ ایک لامتناہی جال سا محسوس ہوتا تھا۔ ایسی بھول بھلیاں جس میں کھو کر انسان زندگی بھر بھٹکتا رہے اور کبھی منزلِ مقصود پر نہ پہنچ سکے۔ ہر راہ داری میں دروازے تھے اور ان دروازوں کے عقب میں کمروں کا ایک لامتناہی سلسلہ پھیلا ہُوا تھا۔ ٹائیگر کو یوں محسوس ہونے لگا جیسے وہ ان دروازوں کو توڑ توڑ کر تھک جائے گا اور یہ سلسلہ کبھی ختم نہیں ہو گا۔

اُس نے ٹھوکر مار کر ایک دروازہ کھولا تو ٹھٹک گیا... اس کمرے میں نصف درجن کے قریب ایسے تھیلے پڑے ہوئے تھے جنہیں ہُوا بھر کر سونے کے لیے بطور بستر استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کمرے کا فرش بھی دھات کی چادر کا بنا ہُوا تھا اور اس پر سلیپنگ بیگ کے علاوہ مٹر کے خالی ڈبے اور کھانے بکھرے ہوئے تھے۔ ٹائیگر نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ اُسے کوئی بھی متنفس دکھائی نہیں دیا۔ اُسے حیرت تھی کہ اس خفیہ حصے کے تمام مکین آخر کہاں چلے گئے ہیں، یوں لگ رہا تھا جیسے وہ بحری جہاز کے خالی پیٹ میں تنہا آدمی ہو اور اس کے علاوہ وہاں

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کسی ذی رُوح کا نام و نشان تک مٹ چکا ہو۔ آخری بار جب وہ ایک ایسی ہی راہ داری میں آیا تھا، تب یہ حفیہ حصہ قاتلوں اور ٹیکنیشن کے کام کرنے والوں سے بھرا پڑا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے یہاں سینکڑوں افراد پر مشتمل عملہ موجود ہو... لیکن اب تو کوئی مخلوق بھی دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

وہ گھومتا ہُوا جہاز کے حفیہ مقام کے وسطی حصّے میں پہنچ گیا۔ یہاں اس نے دیکھا کہ مختلف کمروں میں کمپیوٹر موجود ہیں۔ وہاں بجلی کے نئے تاروں کی بُو پھیلی ہوئی تھی۔ یہ کمرے تعداد میں تین تھے اور ایک قطار میں واقع تھے۔ چوتھا کمرہ کوڑے دان کا منظر پیش کر رہا تھا کیونکہ وہاں ردّی کاغذات کا ڈھیر لگا ہُوا تھا۔ وہ ایک ایسی مشین کے سامنے کرسی پر بیٹھ گیا جس پر کاغذ چڑھا ہُوا تھا۔ وہ اس کاغذ پر ٹائپ کی ہوئی تحریر پڑھنے لگا۔

وہ چونک پڑا۔

اس کاغذ کے اوپر اس کا نام لکھا ہُوا تھا: "شہزاد... جزیرہ فودہ کا باشندہ...!"

ٹائیگر کی آنکھوں سے سختی جھلکنے لگی۔ اس کاغذ پر چار حصّوں میں، اس کے متعلق معلومات درج تھیں۔

سب سے پہلے حصّے کی سُرخی تھی: "روزمرّہ کا اُتار چڑھاؤ...!" اس کی تفصیل یوں لکھی ہوئی تھی کہ شہزاد کی زندگی کے معمولات کا اُتار چڑھاؤ غیر محسوس ہے۔ تاہم اُسے ہمیشہ اعلا ترین کارکردگی کا مظاہرہ کرتے ہی دیکھا گیا ہے۔

ٹائیگر کے ہونٹوں پر ستائش آمیز مسکراہٹ آگئی۔ اُسے اپنے بارے میں یہ معلوم کر کے خوشی اور فخر کا احساس ہُوا تھا۔

دوسری سُرخی کا مضمون اس کی ناکامیوں کے سلسلے میں تھا۔ یہاں یہ بات ٹائپ کی گئی تھی کہ اُسے کبھی، ناکامی سے ہمکنار ہوتے نہیں دیکھا گیا۔ اس بار بھی ٹائیگر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ گویا وہ اپنی اس خصوصیت سے اتفاق تھا۔

تیسرے حصّے میں اس کی طبعی خصوصیات کا احوال درج تھا۔ وہ توجہ سے اپنے بارے میں پڑھنے لگا۔ یہ ایک ایسی رائے تھی جس سے اُسے گہری دلچسپی کا احساس ہو رہا تھا۔

معلومات ٹائپ کرنے والے نے لکھا تھا: "نہایت کینہ پرور... ظالم... تشدد پسند... اور بے انتہا خطرناک آدمی ہے۔"

یہ پڑھ کر اس کی تیوریوں پر بل پڑ گئے۔

اس بار اُس نے اثبات میں سر نہیں ہلایا تھا کیونکہ اس کے بارے میں جو کچھ لکھا گیا تھا، اُس سے یہ رائے نہ صرف پسند نہیں آئی تھی بلکہ اُس سے اختلاف بھی تھا۔ "کینہ پرور... ہُنہ...!" وہ غرّایا اور اس کا ہاتھ طمانچہ مارنے کے انداز میں مشین کے اُس حصّے کی طرف لپکا جہاں سے اس کے بارے میں رائے ٹائپ ہوئی تھی۔

ہلکی سی آواز پیدا ہوئی اور مشین وہاں سے ٹوٹ گئی۔ "کینہ پرور ہُنہ... ظالم، تشدد پسند... بے حد خطرناک ہُنہ...!" یہ کہتے ہوئے اُس نے مشین کو یوں گھونسہ دکھایا جیسے اگر اُس کی کوئی ناک ہوتی تو وہ ایک ہی گھونسے سے اُسے مضروب توڑ ڈالتا۔ "میں تمھیں بتاؤں گا کہ میں کس قدر کینہ پرور، ظالم اور خطرناک ہُوں۔" اس بار ٹائیگر کا لہجہ برہمی سے لبریز اور سفّاک تھا۔

اس نے اپنے سلسلے میں ٹائپ کی گئی رپورٹ کے چوتھے حصّے کا جائزہ لیا۔ اس میں جذباتی کیفیات کا حوالہ دے کر خیال آرائی کی گئی تھی۔

"ناقابلِ فہم... خود پسند... معمولی قسم کی مداخلتِ بے جا پر بھی غیر معمولی، شدید جوابی کارروائی کرنے والا آدمی...!"

"ٹھیک ہے۔ میں تمھاری اس معمولی قسم کی مداخلتِ بے جا پر بھی جو کارروائی کروں گا، وہ تمھیں قائل کر دے گی کہ میرے بارے میں تمھارے بعض اندازے کس قدر غلط اور توہین آمیز ہیں۔" یہ کہتے ہوئے اُس نے ہاتھ بڑھا کر مختلف تاریں ہٹکڑیں اور پھر یوں جھٹکا دیا جیسے وہ تاروں کی بجائے اُس مشین کی مُونچھوں کے بال رہے ہُوں اور وہ اس کی مُونچھیں اُکھیڑ رہا ہو۔

مشین سے ایسی آوازیں اُبھریں جیسے وہ مارے تکلیف کے کراہ اُٹھی ہو... پھر اُس کی روشنیاں بُجھ گئیں اور وہ بند ہو گئی۔

ٹائیگر نے مشین سے اپنے بارے میں معلومات کا پرچہ پھاڑا اور دوسری مشین کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اس پر اسی قسم کی ایک کاغذی شیٹ چڑھی ہوئی تھی۔ اس نے شیٹ پر نام دیکھا تو مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔ یہ اُوشان کی شیٹ تھی۔

ٹائیگر اس پر درج معلومات کو بآوازِ بلند پڑھنے لگا۔ "ناقابلِ یقین... خود پسند... معمولی سی مداخلتِ بے جا پر شدید ترین ردِّ عمل!"

"بالکل درست!" اس نے تائید میں کہا اور احتیاط سے وہ شیٹ تہ کر کے جیب میں رکھ لی تاکہ بعد میں اُوشان کو دکھا سکے۔ اس کے بعد وہ دیگر کمپیوٹروں اور ان پر چڑھی ہوئی شیٹوں کا بھی مطالعہ کرتا رہا۔ ان میں ایک شیٹ بہرام کے لیے مخصوص تھی۔ اسے پڑھ کر ٹائیگر کو بے حد مایوسی ہوئی۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ اندازہ لگانے والا بہرام کو سرے سے جانتا ہی نہ ہو۔ اس نے باقی تمام رپورٹیں مشینوں سے اُتار کر پھاڑ ڈالیں اور کمرے میں ان کے پُرزے بکھیر دیے جو یوں فضا میں تیرنے لگے جیسے

موت کے سوداگر
کے خالق
اقلیم علیم کے قلم سے لکھی گئی
پہلی سلسلے وار طلسماتی کہانی جس نے مقبولیت کے نئے ریکارڈ قائم کیے۔
ناگ بھون
ایک پراسرار اور ایڈونچر کہانی جو
روپ بدل کر انسانوں کو محسور کرنے
والی چمپیلی ناگنوں، جل منڈل، ناگ بھون اور ناگ پوجا جیسے
ہولناک اسراروں سے پردہ اٹھاتی ہے۔
انتقام پر تلی ہوئی زہریلی ناگنوں جل کماری، ناگ رانی کے
طلسماتی تصادم میں گھرنے کے بعد ایک نئی زندگی حاصل کرنے والے
محمد سلطان خان کی لرزہ خیز کہانی جو اقلیم علیم نے اُسی کے الفاظ میں قلمبند کی ہے۔
قیمت
حصّہ اوّل: 150/- روپے
حصّہ دوم: 150/- روپے
کتاب اپنے قریبی ہاک سٹال سے طلب
فرمائیں یا ادارے کے نام کل قیمت کا
سَو فی صد ایڈوانس منی آرڈر
کتاب آپ کو
بذریعہ رجسٹری ارسال کر دیا جائے گی۔
خط و کتابت کے لئے
مکتبہ القریش سرکلر روڈ، اُردو بازار، لاہور ۲

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

اس کمرے میں ان گنت تتلیاں گھس آئی ہوں۔

وہ دروازے کی طرف چل دیا۔

اسی راہ داری کے ایک دُور افتادہ حصے میں ٹائیگر نے ٹھوکر سے ایک اور دروازہ کھولا تو اندر کمرے میں اُسے ٹی۔ وی کیمروں کے مانیٹر لگے ہوئے دکھائی دیئے۔ اس کمرے میں اَن گنت اسکرینیں تھیں جن پر بحری جہاز کے بے شمار حصّوں کی تصاویر دیکھی جا سکتی تھیں۔ اس نے انھیں آن کر دیا۔

جیسے ہی اسکرینیں روشن ہوئیں اُسے کئی مناظر دکھائی دیئے۔ بعض مناظر دیکھ کر اس نے بُرا سا منہ بنایا اور بعض مناظر کی وجہ سے اس کی ہنسی چھوٹ گئی۔ یہ مناظر کسی نہ کسی سیفر کے کیبن کا اندرونی حصّہ اُجاگر کر رہے تھے۔ ٹائیگر نے باری باری تمام اسکرینیں توڑ ڈالیں۔ کمرہ دُھوئیں اور بُو سے بھر گیا حتّٰی کہ اس میں سانس لینا بھی مشکل ہو گیا۔ یہ تمام اسکرینیں ناکارہ ہو گئی تھیں اور اب کوئی بھی ان پر بحری جہاز کے کسی حصّے کا کوئی منظر نہیں دیکھ سکتا تھا۔

وہ ایک بار پھر مختلف کمروں میں گھس گھس کر دیکھنے لگا لیکن اُسے ان کمروں میں کوئی بھی دکھائی نہ دیا سوائے کسی ذی رُوح سے ملافات نہ ہوئی۔ کمروں میں غذا کے خالی ڈبے یا سلیپنگ بیگ ضرور نظر آئے۔ ٹائیگر حیران ہوا کہ اُسے کوئی ہتھیار یا غذا کا بھرا ہوا ڈبہ کیوں نہیں ملا؟

ان کمروں میں مشینوں کے علاوہ کوئی بھی ایسی شے نہیں ملی جس سے پتہ چلتا... کہ یہ حصّہ موجودہ حالات میں کسی کے زیرِ استعمال ہے۔ ٹی۔ وی کے مانیٹر، کمپیوٹر اور دیگر مشینیں ہی ہر جگہ پھیلی ہوئی تھیں۔

راہ داری اب وسیع دائرے کی شکل میں گھومتے ہوئے بالآخر ٹائیگر ایک چھوٹے سے کمرے میں پہنچ گیا جہاں ایک باتھ روم تھا جو غسل کرنے والا برش رکھا ہوا تھا۔ یہ وہی کمرہ تھا جس کی دیوار میں شگاف پیدا کر کے وہ اس خفیہ حصّے میں داخل ہونے میں کامیاب ہوا تھا۔ وہ اس کمرے سے نکل آیا اور پھر اس کا دروازہ واپس رکھ کر اُسے وہاں جام کر دیا تاکہ کوئی دوسرا اس راستے سے بحری جہاز کے اس ممنوعہ حصّے میں قدم نہ رکھ سکے۔

وہ واپس چل دیا۔

بیشتر راستے سنسان تھے۔

اس وقت محافظوں کو ڈیوٹی پر موجود ہونا چاہیے تھا لیکن تمام کی پارٹی میں بُری طرح بہائے جانے والے سیال نے ان سب کی کھوپڑیوں میں نیند ٹھونس دی ہو گی اور وہ کہیں کونوں کھدروں میں اوندھے پڑے بے سُدھ سو رہے ہوں گے۔ منحرف راہ داریوں میں سے گزرتے ہوئے ٹائیگر کسی کسی کے خرّاٹے لینے کی آوازیں بھی سُن رہا تھا... اور جب ٹائیگر اس مخصوص راہ داری میں داخل ہوا جس میں اس کا کمرہ واقع تھا تو یکایک اُسے احساس ہوا کہ کوئی اُسے تلاش کرتا پھر رہا ہے۔ وہ چوکنا ہو گیا۔

چند قدم آگے بڑھنے کے بعد اُسے ایک آدمی نظر آیا۔ اُس کی پُشت ٹائیگر کی طرف تھی۔

ٹائیگر دبے قدموں اُس کی طرف بڑھتا چلا گیا حتّٰی کہ وہ اس کی پُشت پر جا پہنچا... اور دھیمی آواز میں بولا "ہیلو سویٹ ہارٹ...!"

"اوہ! ہیلو...!" بہرام نے چونک کر دیکھا اور کہا۔ "کیا تم پھر تیرنے کے لیے جا رہے ہو؟"

"آپ کسی شے کے متلاشی معلوم ہوتے ہیں؟" ٹائیگر نے اس کی بات نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ اس کی نظریں اُن کاغذات پر جمی ہوئی تھیں جنھیں بہرام نے اپنے ہاتھ میں تھام رکھا تھا۔ یقیناً وہ اس جہاز کا نقشہ ہی تھا جس کی مدد سے وہ کچھ ڈھونڈ نکالنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"ہاں... میں اس بحری جہاز کا وہ راز معلوم کرنا چاہتا ہوں۔" بہرام نے جواب دیا۔

ٹائیگر کے ہونٹوں پر بڑی ہی شریر سی مسکراہٹ رقص کرنے لگی۔ اُسے کچھ دیر قبل اپنے ذہن پر چھا جانے والی جھنجلاہٹ یاد آ گئی تھی اور وہ خیال بھی دوبارہ اس کے ذہن میں گھومنے لگا تھا کہ اگر بہرام جہاز کے پیندے میں ہونے والے سوراخ سے نکل کر سمندر میں گر جائے اور پھر کسی وہیل مچھلی کے پیٹ میں اُتر جائے، تب بھی اُسے کوئی پروا نہ ہو گی۔

"تمھاری مسکراہٹ معنی خیز ہے۔" بہرام نے چونک کر کہا۔

"جی ہاں... اگر آپ اس خفیہ حصّے تک پہنچنے کا راستہ تلاش کر رہے ہیں تو یقین کیجیے کہ وہاں تک پہنچنے کا ایک ہی نہیں، بلکہ درجنوں راستے ہیں اور آپ جہاں سے چاہیں، اس حصّے میں داخل ہو سکتے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ وہ لوگ بحری جہاز کے جس حصّے میں چاہتے تھے، من مانی کر کے چند ہی ساعتوں میں غائب ہو جاتے تھے۔" ٹائیگر نے اطراف میں دیکھا اور دھیمے سے رازدارانہ لہجے میں بولا۔ "وہ خفیہ حصّہ عقبی سمت میں واقع ہے۔"

"عقبی نہیں... سامنے والی سمت میں۔" بہرام نے تصحیح کی۔

"ہو گا...!" ٹائیگر نے لاپروائی سے جواب دیا اور اب وہاں خالی کمروں، خالی راہ داریوں اور خالی ڈبوں کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔

کوئی ہتھیار نہیں، البتہ کمپیوٹر بہت ہیں۔"

بہرام کا چہرہ یکایک روشن ہو گیا۔ "کمپیوٹر...!" اُس نے دُہرایا "کہاں ہیں وہ کمپیوٹر؟"

ٹائیگر کا موڈ یکایک خراب ہو گیا۔ وہ جانتا تھا کہ کمپیوٹر، بہرام کی کمزوری ہے۔ وہ بھی ہر نئے ماڈل کے کمپیوٹر سے اُلجھا رہتا تھا۔ "نہیں میں آپ کو اس بارے میں کچھ نہیں بتا سکتا۔" اس نے تلخی بھرے لہجے میں کہا۔

"کیوں نہیں...؟"

"یہ ایک ذاتی قسم کا راز ہے، جسے میں اپنی ذات تک محدود رکھنا چاہتا ہوں۔" یہ کہہ کر وہ بڑے ہی تاؤ دلانے والے انداز میں مسکرایا۔ "اور کے، سویٹ ہارٹ! پھر ملاقات ہو گی۔" وہ کسی طاقتور اسپرنگ کے سے انداز میں اُچھل کر پیچھا اور واپس اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔ اسے جس ذہنی خلجان نے کمرے سے نکالا تھا، وہ دُور ہو گیا تھا اور اب وہ بے حد خوش تھا۔ کمرے میں جاتے ہی وہ بستر پر ڈھیر ہو گیا۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں لیکن اُسے فوراً ہی احساس ہو گیا کہ وہ سو نہیں سکے گا۔ اس کے ذہن میں بحری جہاز کا وہ خفیہ حصّہ گھومنے لگا۔ راہ داریاں اور دروازے گردش کرنے لگے اور وہاں موجود مشینیں اور غذا کے خالی ڈبے ہلکورے لینے لگے۔

اس نے آنکھیں کھول دیں اور چھت کو گھورنے لگا۔

**

جیسے جیسے دوپہر ڈھلتی جا رہی تھی اور شام کے سائے سطحِ سمندر پر اترتے جا رہے تھے، دنیا کے اس عظیم ترین جہاز کے دونوں طرف سرمئی رنگ کی اور سفید کشتیوں، لانچوں اور موٹر بوٹس کی تعداد بڑھتی جا رہی تھی۔ آج دنیا کے اس سب سے بڑے جہاز پر پارٹی کی آخری رات تھی اور مہمان چلے آ رہے تھے۔ ڈیموس دوبارہ فٹ لمبی کشتی میں سوار تھا اور یہ کشتی بھی جہاز کی طرف جا رہی تھی۔ اُسے پل، پل کی خبریں مل رہی تھیں۔ اُسے بتایا گیا کہ اُس کا حریف تھامپسن کی دو سو تیرہ فٹ لمبی کشتی جہاز کے قریب پہنچ چکی ہے۔ اس وقت خود ڈیموس کی کشتی بھی جہاز سے زیادہ دُور نہیں تھی۔ ڈیموس کو یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ اپنی کشتی کے چمکیلے عرشے پر تھامپسن نے اپنے تمام آدمیوں کو جمع کر کے ایک خاص کانفرنس کی تھی۔ یہ وہی لوگ تھے جو ایک رات قبل تک دنیا کے اس عظیم ترین جہاز کے خفیہ حصّے میں اپنی پُراسرار کارروائیوں میں مصروف رہے تھے۔ انھوں نے بے پناہ خونریزی کی تھی اور اس عظیم جہاز کی ساکھ کو اس قدر نقصان پہنچایا تھا کہ وہ آیندہ کے لئے مشکوک اور ناقابلِ اعتبار ہی نہیں، ایک منحوس، خطرناک اور آسیب زدہ جہاز مشہور ہوتا جا رہا تھا... اور اگر آج رات آخری پارٹی میں خود اس کا مالک یعنی ڈیموس، دعوت میں شریک نہ ہوا تو اس جہاز کو اسکریپ کرنے کے علاوہ کوئی صورت باقی نہیں رہ جائے گی۔ خود ڈیموس نے بھی اپنے آدمیوں کے ساتھ ایک کانفرنس کی تھی۔ اس میٹنگ میں وہ نئے لوگ بھی شامل تھے، جن کو حال ہی میں بعض خاص وجوہ کے تحت ملازم رکھا گیا تھا۔

تھامپسن نے، دہشت پسندوں پر مشتمل اپنے آدمیوں کو لائحہ عمل خوب اچھی طرح سمجھا دیا تھا۔ ہر کارکن جانتا تھا کہ اُسے وقت آنے پر کیا کرنا ہے۔ تھامپسن نے لائحہ عمل سمجھانے کے بعد، وقت کی پابندی کے سلسلے میں خاصا زور دیا... حتّٰی کہ یہ بھی کہہ دیا کہ اس نے جو ٹھوس بم بنایا ہے، اس کی تکمیل میں وقت کی پابندی کو بے حد اہمیت حاصل ہے... اگر پابندیٔ وقت کا خیال نہ رکھا گیا تو اس منصوبے میں ناکامی اور بے لطفی پیدا ہو جائے گی جسے وہ کسی طرح بھی برداشت نہیں کر سکے گا۔

ٹیٹانک نامی عظیم الشان اور جدید ترین کشتی پر ڈیموس دُنیا بھر کے اخبارات کے ابتدائی صفحات کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس کی کشتی صبح کی پہلی کرن کے ساتھ، دُنیا کے عظیم ترین جہاز سے کچھ فاصلے پر پہنچ کر رُک گئی تھی۔ ڈیموس کی آنکھوں میں خطرناک چمک تھی۔ اس کے حریف نے جو چیلنج کیا تھا، بالآخر وہ اُسے قبول کرنے پر آمادہ ہو گیا تھا اور اس سلسلے میں اُس نے ہر تیاری مکمل کر لی تھی۔

وہ اخبارات کا مطالعہ کرتے ہوئے مسکرا رہا تھا۔ اس کی مسکراہٹ میں بے پناہ سفاکی تھی کیونکہ وہ جانتا تھا کہ چوبیس گھنٹوں کے اندر اندر کیا رُونما ہونے والا ہے۔ اس طرح دُنیا بھر کے اخبارات اپنی رائے بدلنے پر مجبور ہو جائیں گے اور وہ اپنے حریف کو شکست فاش دینے کے علاوہ اپنا قیمتی جہاز اور اُس کی ساکھ بھی بچانے میں کامیاب ہو جائے گا۔ اُس نے نیویارک ٹائمز، واشنگٹن پوسٹ، لندن ٹائمز، پیرس میچ جیسے عالمی شہرت یافتہ اخبارات کے علاوہ دُنیا کے دیگر ممالک کے بڑے بڑے اخبارات کے نمایندوں کو بھی جہاز پر آنے کی دعوت دی تھی اور یہ اعلان کیا تھا کہ وہ خود بھی اس دعوت میں شریک ہو کر تمام افواہوں کو باطل قرار دینا چاہتا ہے۔

وہ دل ہی دل میں اپنے منصوبے کی جزئیات پر غور کرنے لگا۔ جیسے جیسے وہ اُس کی تفصیل پر غور کر رہا تھا، اُس کی آنکھوں میں چمک بڑھتی جا رہی تھی اور اس کے چہرے پر نظر آنے والے جوش و خروش میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

"کل کے اخبارات، دُنیا کو ایک انوکھی کہانی سنائیں گے۔" وہ زیرِ لب بولا۔ "دُنیا کی سب سے انوکھی کہانی..." اس نے ایک

ندیم

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ہلکا سا قہقہہ لگایا "میرے دوست، میرے حریف... میرے دشمن..." اس کے لہجے میں سفاکی آگئی "تمہاری ملاقات میں تھوڑا ہی وقت باقی رہ گیا ہے... صرف بارہ گھنٹے..."

**

ہیوی ویٹ چیمپئن کبھی کبھی اپنے ٹریننگ روم میں کافی دیر لگا دیتے ہیں اور مقررہ وقت پہ رنگ میں نہیں اُترتے۔ دراصل اس طرح وہ اپنے حریف کو انتظار کی زحمت میں مبتلا کر کے اس کے اعصاب پر اثر انداز ہونے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ بات تھابیس بھی جانتا تھا۔ اس لئے جب اُس نے ڈیموس کی عظیم الشان کشتی سے کیپٹن کی لانچ کو متحرک ہوتے دیکھا تو وہ حیران رہ گیا اور گہری دلچسپی سے اُس لانچ کی طرف دیکھنے لگا جو آہستہ آہستہ دنیا کے عظیم ترین جہاز کی طرف بڑھنے لگی تھی۔ تھابیس کی لانچ بھی جہاز کی طرف روانہ ہونے کے لئے تیار تھی۔ لیکن وہ اپنے حریف کو بے چینی میں مبتلا کرنے والا گر استعمال کرتے ہوئے ابھی انتظار کر رہا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ اُس کی لانچ، ڈیموس کی لانچ کے بعد جہاز کے قریب پہنچے... جب اُس نے دیکھا کہ ڈیموس کی لانچ اس پلیٹ فارم کے ساتھ لگ کر رُک گئی ہے جہاں سے لفٹ کے ذریعے بالائی عرشے پہنچا جاتا ہے، تو اس نے اپنی لانچ چلانے کا اشارہ دے دیا۔

تھابیس سفید ڈنر جیکٹ اور سیاہ پتلون میں ملبوس تھا پتلون پر ساٹن کے چمک دار دھبے بے حد خوشنما لگتے تھے۔ ان سے روشنی منعکس ہوتی تھی تو لوں لگتا تھا جیسے سُرمئی سمندر کی سطح پر ستارے اتر آئے ہوں۔ وہ اپنی لانچ کے عرشے پہ پہنچا... اور پھر اس کی لانچ جیسے ہی اپنے حریف کی لانچ کے قریب پہنچی اس نے ریلنگ پر جھک کر اس میں چھلانگ لگا دی۔

ٹائیگر اس وقت دنیا کے اس عظیم ترین جہاز کے عرشے پہ کھڑا یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ اس نے پہلے تھابیس اور اس کے پیچھے پیچھے ہیلن کو نمودار ہوتے دیکھا۔ ہیلن کے عقب میں نصف درجن دوسرے آدمی تھے۔

"ڈیمو...!" تھابیس نے ریلنگ پر جھک کر اپنے حریف کو پکارا۔

ڈیموس کی لانچ سے کوئی جواب نہ ملا۔

"ڈیمو... میرے پرانے دوست...!" تھابیس نے بلند آواز میں دوبارہ ہانک لگائی "باہر آجاؤ!"

ڈیموس کی لانچ کے عرشے کا دروازہ اٹھا اور پنجلی میڑھیوں سے کسی کا اُبھرتا ہوا سر دکھائی دینے لگا... پھر ایک مضبوط جسم والا کپتان نمودار ہوا۔ اس نے نیلی اور سفید دھاریوں والا لباس زیب تن کر رکھا تھا۔ اس کی پتلون پر کہیں کہیں گریس کے دھبے لگے ہوئے تھے۔ اُس نے عرشے پر آکر تھابیس کی طرف دیکھا جو اس وقت بھی ریلنگ پر جھکا ہوا تھا۔

"وہ لانچ پر موجود نہیں ہے" کپتان نے ہاتھ سے مُنہ کے سامنے بھونپو بناتے ہوئے آگاہ کیا۔ وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگا حتیٰ کہ وہ اپنی لانچ کے عرشے کی ریلنگ تک پہنچ گیا۔ اب وہ تھابیس سے بے حد قریب تھا۔ تھابیس اُسے قریب سے دیکھ کر یوں سمٹ گیا جیسے وہ انسان کی بجائے کوئی غلیظ مخلوق رہا ہو۔

"ڈیمو کہاں ہے؟" تھابیس نے بڑی نفرت سے پوچھا۔

"وہ یہاں نہیں ہے" کپتان نے اُسی جیسی نفرت سے لبریز لہجے میں جواب دیا اور پھر کھل کھلا کر ہنس پڑا جیسے اُس نے کوئی بے حد مزاحیہ بات کہی تھی۔

تھابیس اُسے قہر آلود نظروں سے دیکھنے لگا۔ کپتان نے لاپروائی کے اظہار میں کندھے اُچکائے اور واپس اس دروازے کی طرف چل دیا جس میں سے کچھ دیر قبل وہ نمودار ہوا تھا۔ دروازہ ایک دھماکے سے بند ہو گیا۔ نیچے کیبن کا دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی آواز سنائی دی... پھر ڈیموس کی لانچ کا انجن بیدار ہو کر گرجنے لگا۔ اگلے ہی لمحے لانچ نہایت شاندار انداز میں گھومی اور پھر کسی بہت بڑی مچھلی کی طرح سمندر کے سینے پر تیرتی ہوئی اس عظیم الشان جہاز سے دُور ہوتی چلی گئی جہاں آج ڈیموس کو دعوت میں شریک ہونے کے لئے آنا تھا۔

ٹائیگر نے اوپر سے دیکھا تھابیس نے کسی جھٹلائے ہوئے آدمی کے سے انداز میں اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہتھیلی پر گھونسے کی شکل میں مارا... پھر اُس نے اثبات میں سر ہلایا جیسے اس کی سمجھ میں کوئی خاص بات آگئی ہو اور اب تک اُسے جو اُلجھن تھی، وہ دُور ہو گئی ہو۔ وہ اپنی بیٹی کی طرف جھک گیا۔

ٹائیگر عرشے پہ کھڑا، تھابیس کو اپنی بیٹی ہیلن سے سرگوشیاں کرتے ہوئے دیکھتا رہا۔

کچھ دیر بعد ٹائیگر نے ڈیموس کی لانچ کی طرف دیکھا۔ وہ بڑے جہاز سے چار سو گز دور پہنچ چکی تھی۔ اچانک وہ رک گئی۔ ٹائیگر چونک پڑا۔ اس نے حیرت سے اس لانچ کی طرف دیکھا جو رُکنے کے بعد اچانک ہی یوں گھومنے لگی تھی جیسے کسی کو کوئی خاص اشارہ دے رہی ہو... یا پھر اس مقام پر انتظار کر رہی ہو کہ کوئی خاص چیز ظہور پذیر ہو گی۔

ٹائیگر ایک بار پھر تھابیس کی لانچ کو دیکھنے لگا۔ وہ اس وقت بلند ترین عرشے پر تھا اس لئے اُسے ریلنگ سے کافی جُھک کر نیچے دیکھنا پڑ رہا تھا۔ اس نے دیکھا کہ تھابیس نے اپنی بیٹی کا ہاتھ تھام لیا ہے اور اُسے لانچ سے اس پلیٹ فارم پر اترنے میں مدد دے رہا ہے، جہاں سے لفٹ ان لوگوں کو دنیا کے سب سے بڑے بحری جہاز کے اس بلند ترین عرشے تک پہنچا سکتی تھی۔ تھابیس نے پلیٹ کر اپنے آدمیوں کو ایک مخصوص قسم کا اشارہ بھی کیا تھا، جس کا مفہوم ٹائیگر کی سمجھ میں نہ آسکا... لیکن وہ یہ دیکھ کر چونکے بغیر نہ رہ سکا کہ اُن نصف درجن آدمیوں میں سے ہر ایک نے ایک سیاہ رنگ کا بریف کیس اٹھا رکھا ہے۔

تمام آدمی، تھابیس اور ہیلن کے پیچھے چلتے ہوئے پلیٹ فارم پر پہنچ گئے۔ اب اس عظیم جہاز کے عظیم ترین خم کی وجہ سے ٹائیگر اُن لوگوں کو دیکھ نہیں سکتا تھا۔

نوے سیکنڈ کا وقفہ رہا... پھر لفٹ اوپر آتی دکھائی دینے لگی۔ جہاز کے پہلو سے تیز رفتار لفٹ اوپر عرشے کی طرف آرہی تھی۔ ٹائیگر لفٹ کی طرف متوجہ رہا۔ لفٹ عرشے کی سطح کے برابر پہنچی تو اُسے لفٹ میں موجود افراد دکھائی دینے لگے۔ بین ڈیک پر واقع دروازہ آہستہ آہستہ اور بے آواز کھلا۔ سب سے پہلے تھابیس لفٹ سے باہر آیا۔ اس کے پیچھے پیچھے ہیلن تھی... ان کے بعد لفٹ سے کوئی نہیں نکلا۔ اس کا مطلب تھا کہ بریف کیسوں والے وہ چھ آدمی ابھی نیچے ہی ہیں۔

تھابیس اور اس کی بیٹی ہیلن نے جیسے ہی عرشے پر قدم رکھا، وہاں موجود مہمانوں کے ہجوم نے فوراً ہی ان کو نرغے میں لے لیا۔ یہ سب کے سب لوگ شام کی سمندری ہوا سے لطف اندوز ہونے کے لئے عرشے پہ کھڑے تھے۔ اُنھوں نے تالیاں بجا کر ان دونوں کا استقبال کیا۔

اچانک ہیلن کی نگاہ اُٹھ گئی۔

ٹائیگر اس سے صرف چند قدموں کے فاصلے پر موجود تھا۔

ٹائیگر نے اس کی طرف دیکھ کر ہاتھ لہرایا لیکن ہیلن اس انداز میں پلٹ گئی جیسے اس کی صورت بھی نہ دیکھنا چاہتی ہو۔ لفٹ کا دروازہ بند ہو گیا اور وہ دوسرے مسافروں کو لینے کے لئے نیچے پھسل گئی۔ عرشے پر موجود مختلف ممالک کے سفیر اب بھی تھابیس اور ہیلن کی پذیرائی میں تالیاں بجا رہے تھے۔ دونوں جوابًا مسکرا رہے تھے۔ کبھی کبھی ان میں سے کوئی ہاتھ بھی لہرا تا اور کبھی سر خم کر دیا جاتا۔

اچانک تالیوں کی آواز بند ہو گئی۔

ایک اور آواز تالیوں کی آواز پر غالب آگئی تھی۔ عرشے پر موجود ہر شخص چونک پڑا۔ خود ٹائیگر بھی چونکے بغیر نہ رہ سکا۔ اس نے اُوپر دیکھا۔ اوپر فضا میں ایک ہیلی کاپٹر اپنے پَر پھڑپھڑا رہا تھا۔

سب کی نگاہیں اس چمک دار زرد رنگ کے ہیلی کاپٹر پر جم کر رہ گئیں۔ جس کے بیٹ پر "ٹیٹنا" کے الفاظ چمک رہے تھے۔ جہاز کچھ دیر فضا میں معلق رہا... پھر آہستہ آہستہ کسی عظیم پرندے کے سے پُروقار انداز میں نیچے ہبھتا چلا گیا۔

ٹائیگر نے گردن گھما کر تھابیس کی طرف دیکھا۔

تھابیس کے ہونٹ بھنچ گئے تھے اور اس کی آنکھوں سے بے پناہ سختی چھلکنے لگی تھی۔ اس کے ہونٹ یوں سکڑ گئے تھے کہ اس کے چہرے پر مونچھوں کی جگہ ایک موٹی سی لکیر دکھائی دینے لگی تھی۔ ٹائیگر نے سمندر کی طرف دیکھا۔ تھابیس کی لانچ واپس جا رہی تھی اور اس میں صرف ایک پائلٹ ہی دکھائی دے رہا تھا۔ اس کی نگاہ ڈیموس کی لانچ کی طرف اُٹھ گئی جو اب بھی عظیم ترین جہاز سے چار سو گز دور سمندر میں کھڑی تھی۔ اب اس نے چکر کاٹنا بند کر دیا تھا۔

ہیلی کاپٹر جہاز کے عرشے پر اُتر گیا۔ انجن بند ہو گیا۔ بڑے بڑے پردوں نے ہوا کے جھونکوں کو کاٹنا بند کر دیا اور جلد ہی پُرسکون ہو گیا۔ عرشے پر گہرا سکوت چھا گیا۔ اب عرشے پر موجود ہجوم ہیلی کاپٹر کی طرف لپک رہا تھا۔ تھابیس اور ہیلن جہاں تھے وہاں تنہا کھڑے رہ گئے۔ ان کی آنکھوں میں تکنہ تھا جیسے انھیں توقع نہیں تھی کہ لوگ انھیں اتنی آسانی سے بھی نظر انداز کر سکتے ہیں۔

"فکر نہ کرو، میں تمہارے ساتھ ہوں" ٹائیگر نے ہیلن سے مخاطب ہو کر کہا۔

"مجھ سے دُور رہنا" ہیلن نے اُسے تنبیہ کرنے کے انداز میں کہا۔

اس کی آواز سُن کر تھابیس چونک پڑا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا اور پھر اس کی آنکھیں ٹائیگر پر جم کر رہ گئیں "شہزادہ...!" اس نے عجیب سے انداز میں کہا۔

"اور بھلا کون ہو سکتا ہے، جناب!" ٹائیگر نے انکسار سے قدرے خم ہو کر جواب دیا اور مسکرانے لگا۔

تھابیس نے ہیلن کا بازو تھام لیا اور پھر اُسے ایک جھٹکے سے کھینچ کر اسی طرف چل دیا جدھر عرشے پر موجود لوگوں کے ہجوم کا رُخ تھا۔ لوگ ہیلی کاپٹر کے قریب جا کھڑے ہوئے تھے اور ہیلی کاپٹر کا دروازہ آہستہ آہستہ کھل رہا تھا۔

ڈیموس دروازے میں نمودار ہوا تو اُس کے ہونٹوں پر بڑی

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ہی فاتحانہ مسکراہٹ تھی۔ اُس نے دیر سے آنے اور اپنے حریف کو انتظار کی اذیت میں مبتلا کرنے کے سلسلے میں تھابیس کو شکست فاش دے دی تھی۔

اُس نے بھورے رنگ کا سوٹ پہن رکھا تھا جس کی وجہ سے اُس کی شخصیت مزید بارعب لگ رہی تھی... اُس کے گھنگھریالے بالوں کے مقام پر پیشوں قدرے چھوٹی ہوئی تھی اور اُس کے بال وحشیانہ انداز میں منتشر تھے۔ سمندری ہواؤں نے اُس کے بالوں کو بُری طرح بکھیر دیا تھا۔

وہ بڑے ہی پُروقار انداز میں دھات اور لکڑی کے بنے ہوئے اس مخصوص پلیٹ فارم پر اُترا جو ہیلی کاپٹر اُتارنے کے لیے ہی مخصوص تھا۔ پلیٹ فارم پر اُتر کر اُس نے لوگوں کی طرف دیکھا، جو اُس کے استقبال میں نعرے لگا رہے تھے۔

ڈیموس کے ہونٹوں پر اُس کی مخصوص مسکراہٹ اُبھر آئی اور جب اُس کی نگاہ اپنے حریف پر پڑی تو یہ مسکراہٹ مزید کشادہ ہوگئی۔ اُس کی نگاہ اپنے حریف کی بیٹی ہیلن پر جم کر رہ گئی۔

"ہیلو تھابی...،" اُس نے ہاتھ لہرا کر دُور ہی سے تھابیس کو پکارا۔

"تھابیس...،" تھابیس نے اپنے نام کے سلسلے میں تصحیح کی تو اُس کا لہجہ بے حد سرد تھا۔ "مجھے خوشی ہے کہ تم دعوت میں شریک ہونے آگئے ہو۔"

"دُنیا کی کوئی بھی چیز آج کی رات مجھے اس دعوت میں شریک ہونے سے نہیں روک سکتی تھی۔" ڈیموس نے پُروقار لہجے میں جواب دیا اور ہیلن کی طرف دیکھ کر ایک ایسے انداز میں مسکرانے لگا کہ اس طرح مسکراتے ہوئے زندگی میں اُسے پہلے کبھی نہیں دیکھا گیا تھا۔

ٹائیگر نے ڈیموس کو غور سے دیکھا۔ اُسے اس شخص سے طاقت اور توانائی کی لہریں سی نکلتی دکھائی دے رہی تھیں۔ غالباً یہ اس شخص کی بے پناہ، قوتِ ارادی تھی، جس نے ٹائیگر کو ایسی غیر مرئی لہروں کا احساس دلایا تھا۔

"ہیلن...،" ڈیموس نے ہیلن کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تمہاری موجودگی میں دُنیا کے اس سب سے بڑے جہاز کا نام بے پناہ پڑھ لیا ہے۔" وہ لڑکی کے باپ کی طرف متوجہ ہوا۔ "تھابی! ہم آج کی تقریب میں اس جہاز کو ایک خاص نام دیں گے۔ اس کا نام ہوگا ہیلن۔"

تھابیس اپنے نام کی تصحیح پیش کرنا چاہتا تھا لیکن جب اُس نے دیکھا کہ اُس کا حریف اپنے عظیم ترین جہاز کا نام اُس کی بیٹی ہیلن کے نام پر رکھنا چاہتا ہے تو وہ چونک پڑا۔ اُس نے جلدی سے خود کو سنبھالا اور بولا۔ "کیوں نہیں! آخر یہ تمہارا شاہکار ہے۔ تم اس کا نام اپنی مرضی سے رکھ سکتے ہو... لیکن میں یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ ہیلن اسے پسند کرے گی یا نہیں۔"

ڈیموس نے ایک ہیبل قہقہہ لگایا۔ "ہاں، آج یہ جہاز میرا ہے، آج رات یہ ہیلن کی ملکیت بن جائے گا... اور کل نہ جانے یہ کس کا ہوگا۔" یہ کہہ کر وہ پلیٹ فارم سے اتنی پھرتی کے ساتھ نیچے اُترا کہ ٹائیگر ہکا بکا رہ گیا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس شخص کے جسم میں اتنی پھرتی بھی ہوگی۔

ڈیموس نے عرشے پر آکر ہیلن کا ہاتھ تھام لیا۔ "یونان میں یہ برسوں پرانی روایت ہے کہ خواتین دوسرے مردوں کے ساتھ رقص کرتی ہیں... لیکن آج کی شب، میں تمہارے علاوہ کسی کا ہم رقص بننا پسند نہیں کروں گا۔"

ہیلن کے چہرے پر نرمی چھا گئی۔ اس بار وہ مسکرائی تو اُس کی مسکراہٹ کی چمک چاند نے ڈیموس کو بوکھلا دیا۔

"میں تو سمجھی تھی کہ دُنیا میں حُسن پرستی کا خاتمہ ہوگیا ہے۔" یہ کہہ کر ہیلن نے ایک تیز نگاہ ٹائیگر پر ڈالی اور پھر ڈیموس کی طرف متوجہ ہوگئی۔

"نہیں... جب تک دُنیا میں تم جیسی حسین لڑکی موجود ہو، حُسن پرستی کا خاتمہ نہیں ہوسکتا۔ دُنیا کا کوئی بھی شخص تمہارے حُسن کی چمکا چوند سے اپنی آنکھوں کو محفوظ نہیں رکھ سکتا۔" یہ کہہ کر وہ ہیلن کے باپ تھابیس کی طرف متوجہ ہوگیا۔ "چلو تھابی! جشن کا آغاز کریں۔"

ڈیموس کسی لیڈر کی مانند سب سے آگے چل دیا۔ صرف ہیلن اُس کے ساتھ تھی۔ باقی لوگ چند قدموں کے فاصلے سے چل رہے تھے۔

ٹائیگر نے تھابیس کی طرف دیکھا۔ اُس کا لباس جس قدر تر و تازہ اور بے شکن تھا، اس وقت اُس کا چہرہ اتنا ہی مُرجھایا ہوا اور شکن در شکن دکھائی دے رہا تھا۔ وہ تھکے تھکے سے انداز میں اُن کے پیچھے چل دیا۔

ڈیموس کے آنے کی خبر پل بھر میں ہی پورے جہاز میں پھیل گئی۔ لوگ کونوں کھدروں تک سے نکل آئے۔ ہزاروں کی تعداد میں لوگ اُس کے استقبال کے لیے پہنچ گئے۔ ہر شخص کی یہ خواہش معلوم ہوتی تھی کہ وہ ڈیموس کو قریب سے دیکھ لے۔ ڈیموس ہیلن کا ہاتھ تھامے، اس وسیع و عریض آڈیٹوریم کی طرف بڑھ رہا تھا جہاں دعوت کا انتظام کیا گیا تھا۔

ٹائیگر ایک قدم ہٹ گیا تاکہ ان لوگوں کو گزرنے کا راستہ مل

سکے۔ اس وقت وہ اُن کے راستے میں کھڑا تھا۔ اُس نے مزید ہٹنے کی کوشش کی تو یوں محسوس ہُوا جیسے عقب میں جگہ بالکل ختم ہوگئی ہو... اور وہاں کوئی ایسی دیوار موجود ہو جسے گرائے بغیر وہ مزید پیچھے نہ ہٹ سکتا ہو۔ اس وقت چونکہ وہ عرشے پر تھا، اس لیے اُسے حیرت ہُوئی کہ آخر عقب میں کیا چیز ہے؟ جو اُسے مزید ہٹنے نہیں دیتی؟

"ہیل...،" یکایک عقب سے ایک کمزور سی کراہ سُنائی دی۔

"اوہ، افسوس ہے، اُوشان،" ٹائیگر نے پلٹے بغیر کہا۔

"افسوس؟ تم کسی توپ کے گولے کی طرح مجھ سے ٹکرائے تھے اور تم نے مجھے ناکارہ کر دیا ہے۔ اس کے لیے صرف افسوس!" اُوشان کا لہجہ بے حد خراب تھا۔

"اوہ، میری طرف سے دلی افسوس اور پشیمانی کے تاثرات قبول فرمایئے، عالی جاہ۔ مجھے دُکھ ہے کہ میرا ناکارہ اور غلیظ جسم آپ سے چھو گیا تھا۔"

"ہاں... یہ پہلے سے کچھ بہتر ہے۔" اُوشان نے کہا اور اپنے مخصوص انداز میں ہنسنے لگا۔ بطخ جیسی آواز اُس کے حلق سے کچھ دیر نکلتی رہی۔ پھر اُس نے دریافت کیا۔ "یہ کون لوگ ہیں؟"

"وہ تھابیس ہے۔" ٹائیگر نے ایک طرف اشارہ کیا۔ "اور اُس کی بیٹی ہیلن ہے۔ انہی دونوں نے گزشتہ رات جہاز میں پارٹی دی تھی... اور وہ مختصر سا جانور ڈیموس ہے۔ اس جہاز کا اکلوتا مالک!"

"اگر تمہیں کبھی ان لوگوں سے واسطہ پڑ جائے تو اس مختصر سے آدمی کی طرف سے ہمیشہ محتاط رہنا۔" اُوشان نے نصیحت کی۔

"وہ کیوں ٹیل فادر؟"

"مجھے یہ آدمی بے حد خطرناک لگ رہا ہے۔ اگر اسے موقع مل جائے تو یہ انسانی آنکھوں کے ڈھیلوں کو گولیاں سمجھ کر اُن سے کھیلنا شروع کر دے گا۔"

"اور دوسرے آدمی کے متعلق آپ کی رائے کیا ہے؟" ٹائیگر نے تھابیس کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔

اس شخص کو اگر موقع مل جائے تو یہ تمہاری کھوپڑی کے نیچے سے آنکھیں چوری کر لے گا... لیکن رات کے اندھیرے میں... اور... انتہائی بُزدلانہ انداز میں...،"

"اوہ...،" ٹائیگر کے ہونٹ سکڑ گئے۔

"پہلا آدمی شیطان ہے جبکہ دوسرا آدمی کو تم نیولا سمجھ سکتے ہو۔"

"اور اُس نیولے کی بیٹی کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟"

ٹائیگر نے [illegible]

"قد و قامت میں اچھی ہے۔ بوقتِ ضرورت اُس کے کپڑے تمہارے جسم پر بالکل فٹ آسکتے ہیں۔"

ٹائیگر نے چونک کر عقب میں دیکھا۔ اُوشان کے چہرے پر گہری سنجیدگی تھی، اس کے باوجود ٹائیگر سمجھ گیا کہ اُوشان نے اُس کے کہے میں ہیلن کا وہ ناٹی سوٹ دیکھ کر "ٹیل فادر" لگا لیا تھا کہ وہ اس لڑکی کا ہو سکتا ہے۔ اچانک اُس کی نگاہ اپنے چیف پر پڑی۔ بہرام، اُوشان کے پہلو میں کھڑا تھا اور اُس کی بغل میں اب بھی کاغذات کا پلندہ دبا ہُوا تھا، جس میں اس جہاز کا نقشہ تھا۔

"ہیلو سویٹ ہارٹ!" ٹائیگر نے مسکرا کر کہا۔ "کوئی خفیہ راستہ دریافت کیا؟"

"میں اس سلسلے میں کام کر رہا ہُوں۔" یہ کہہ کر بہرام، اُوشان کی طرف متوجہ ہوگیا۔ "اور اُوشان! تمہارا کیا حال ہے؟ نئے مُوکلوں سے خُوب نبھ رہی ہے، نا؟"

اُوشان کے چہرے پر زلزلے کی سی کیفیت نظر آنے لگی۔ "دراصل!" وہ تھوک نگل کر بولا۔ "وہ میرے نہیں بلکہ ٹائیگر کے مُوکل ہیں۔ اسی نے مجھے ان لوگوں میں لا کر پھنسایا ہے۔ ورنہ میں تو ہمیشہ بہرام جیسے شہنشاہ کو اپنا مُوکل بنانا پسند کرتا ہُوں۔"

"ٹیل فادر...،" ٹائیگر نے شکایت آمیز لہجے میں کہا۔ وہ اس سفید جھوٹ پر احتجاج کرنا چاہتا تھا لیکن موقع نکل چکا تھا۔ کیونکہ اُوشان نے جو کچھ کہنا تھا، وہ بات اُس کی زبان سے نکل گئی تھی۔

"میں سمجھتا ہُوں۔" بہرام نے مُسکرا کر کہا۔ "میں دراصل تم سے یہ کہنا چاہتا تھا کہ ایران کی حکومت تم دونوں کی کارکردگی سے بے حد مطمئن اور خوش ہے۔ یہ کہہ کر وہ پلٹا اور لوگوں کے ہجوم میں گھل مل کر نگاہوں سے اوجھل ہوگیا۔

اُوشان نے مُسکرا کر ٹائیگر کی طرف دیکھا اور بولا۔ "تعریف اور توصیف کا بوجھ اُٹھانا بہت مشکل ہوتا ہے۔ میں کچھ تھکن سی محسوس کرنے لگا ہُوں لہٰذا اپنے کمرے میں جا رہا ہُوں۔" یہ کہہ کر وہ بھی ہیولوں کی طرح غائب ہوگیا، جیسے برف کی ڈلی پانی میں پگھل کر غائب ہو جاتی ہے۔ ٹائیگر نے اُسے لوگوں کی بھیڑ میں یُوں راستہ بنا کر آگے بڑھتے دیکھا جیسے کوئی شناور کچھلی اپنے پنکھ سے پانی کاٹ کر آگے بڑھتی چلی جاتی ہے۔

ٹائیگر کندھے جھٹک کر آگے بڑھ گیا۔

اس کا رُخ تھابیس، اس کی بیٹی اور ڈیموس کی طرف تھا جو عرشے پر ریلنگ کے قریب رُک کر سمندر کے اس حصّے کی طرف دیکھنے میں مصروف تھے جہاں تھابیس کی لانچ تیر رہی تھی۔ ٹائیگر

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

نے محسوس کیا کہ ڈیموس براہ راست اپنی کشتی کو گھور رہا ہے اُس کی لانچ جہاز سے کئی سو گز کے فاصلے پر اب پھر چکرانے لگی تھی... اچانک ڈیموس نے بڑے ہی پُراسرار انداز میں سر کو مثبت جنبش دے ڈالی۔

گارڈز نما لوگوں نے اپنے نرغے میں لے کر متحرک زینے کی طرف چل دیے۔ ہجوم ایک بار پھر اُن کے پیچھے پیچھے چل دیا۔ انسانوں کا سیل رواں تھا، جو متحرک زینے سے اس وسیع راہ داری میں بہہ رہا تھا، جو آڈیٹوریم میں جا کر ختم ہوتی تھی۔

ٹائیگر عرشے پر کھڑا رہ گیا۔

اُس کی نظریں ڈیموس کی لانچ پر جمی ہوئی تھیں، جو اب سرمئی شام اور سیاہی مائل پانی کے پیش منظر میں ایک بھورے رنگ کا بڑا سا دھبہ لگ رہی تھی۔ اُس کے دیکھتے ہی دیکھتے لانچ نے وائڈے میں گردش ختم کر دی اور آہستہ آہستہ تھابیس کی لانچ کی طرف تیرنے لگی... معاً ٹائیگر نے ہوا کے بُلبلے دیکھے۔ چھوٹے چھوٹے حُباب کی ایک قطار سی نظر آ رہی تھی سیاہ سمندر کے سینے پر سفید دھبّوں کی مانند دکھائی دینے والے یہ بلبلے دیکھ کر ٹائیگر چونک پڑا۔ یہ بلبلے ڈیموس کی لانچ کے قریب سے سمندر کی سطح پر نمودار ہو کر تھابیس کی کشتی کی طرف بڑھ رہے تھے۔

ٹائیگر نے ایک طویل سانس لی اور ریلنگ سے ہٹ کر لفٹ کے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ اس وقت تک عرشے سے ہجوم تقریباً ختم ہو گیا تھا۔ اِکا دُکا لوگ ہی دکھائی دے رہے تھے۔ ٹائیگر کو اپنے ذہن میں کوئی شے چبھتی ہوئی سی محسوس ہونے لگی۔ جہاز کے پچھلے حصّے میں واقع ان پُراسرار کیبنوں کی طرف جانے والے راستے کو اُس نے سربمہر کر دیا تھا... لیکن معلوم ہوتا تھا کہ اُس حصّے تک جانے کے لیے کوئی اور راستہ بھی ضرور ہوگا۔

وہ ذہن پر زور دیتا رہا اور سوچتا رہا کہ آخر اُسے کیا چیز پریشان کر رہی ہے؟ دفعتاً اُس نے ہاتھ بلند کیا اور لفٹ کے فریم کو ٹٹولنے لگا۔ سر سے اُوپر اُس نے چھت کو انگلیوں سے بجا کر دیکھا۔ کوئی چیز اُسے بُری طرح پریشان کر رہی تھی۔ وہ لاشعور کے خانوں سے اس چیز کو شعور کے کسی خانے میں دھکیل دینا چاہتا تھا۔ وہ یاد کرنے کی کوشش کرتا رہا لیکن اُسے کامیابی نہ ہوئی... بس ایک عجیب سے احساس نے گھیر لیا تھا کہ اُسے تھابیس اور ڈیموس کو اپنی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہونے دینا چاہیے۔

ٹائیگر آڈیٹوریم میں پہنچا تو اُس نے دیکھا کہ اس کے دونوں مطلوبہ آدمی اور ہیلن رائل باکس میں نشست اختیار کر چکے ہیں اور دروازے پر تین مسلح محافظ نگرانی کر رہے ہیں۔ اس کا تعلق چونکہ ایرانی سفارت خانے سے تھا۔ اس لیے اصولاً تو اُسے اس باکس میں جا کر بیٹھنا چاہیے تھا جو ایرانی سفیر کے لیے مخصوص تھا لیکن ٹائیگر نے دیکھا کہ اُس کا باکس ہنوز خالی ہے اور وہ وہاں سے ان لوگوں کو اپنی نگاہوں میں نہیں رکھ سکتا۔ وہ کچھ دیر ادھر اُدھر دیکھتا رہا... پھر ٹہلتا ہُوا دروازے کے سامنے سے گزرا... اور محافظوں کو احساس تک نہ ہو سکا کہ کوئی شخص اُن کے سامنے سے آگے نہیں گیا بلکہ رائل باکس میں داخل ہو گیا ہے اور انہیں کانوں کان خبر بھی نہیں ہوئی۔

ٹائیگر تھابیس کے پہلو والی سیٹوں تک جا پہنچا۔ باکس کا دروازہ بند ہو گیا۔ اس لیے اب محافظ نہ تو اندر جھانک سکتے تھے اور نہ ہی اندر سے آواز باہر جا سکتی تھی۔ آڈیٹوریم میں باکس کی سیٹیں اہمیت کے اعتبار سے، ہندسوی صورت میں رکھی گئی تھیں، ہال کے جو طولانی پہلو تھے، اُن میں سے ایک میں رائل باکس واقع تھا۔ یہ سب کے درمیان تھا جبکہ مختلف ممالک کے سفیروں کے لیے مخصوص باکس اطراف میں پھیلے ہوئے تھے۔ ان ممالک میں انڈیا، کمبوڈیا اور افریقی ریاستوں کے باکس بھی تھے جبکہ عالمی اہمیت کے حامل سفیروں کے لیے خصوصی باکس بنائے گئے تھے۔ بلجیم اور غیر ترقی یافتہ ممالک کے باکس دُور افتادہ حصّوں میں واقع تھے اور انہیں دوسروں کے مقابلے میں کم آرام دہ بنایا گیا تھا۔ تھابیس کے پہلو والی سیٹیں جہاں واقع تھیں، وہاں انڈین سفیر کا کیبن تھا۔ لیکن ٹائیگر وہاں سے تھابیس، ہیلن اور ڈیموس پر نگاہ رکھ سکتا تھا۔

انڈین سفیر دو مغربی ممالک کی جواں سال خواتین کے ساتھ اپنے کیبن میں براجمان تھا۔ اُس کے سامنے ایک بوتل کھُلی رکھی تھی اور ایک گلاس بوتل کے سیال سے لبریز بُلبلے اُڑا رہا تھا۔ وہ کیبن کی ریلنگ کے قریب تر ایک لمبے صوفے پر براجمان تھے۔ ٹائیگر نے مغربی لڑکیوں کا جائزہ لیا۔ دونوں سنہرے بالوں والی تھیں اور انھوں نے گہرے گلے والے لباس پہن رکھے تھے۔ تھابیس اور ڈیموس جس کیبن میں بیٹھے تھے۔ اُس کے اور انڈین باکس کے درمیان تین فٹ اُونچی ایک دیوار تھی۔ اچانک انڈین سفیر نے پلٹ کر دیکھا اور جیسے ہی اُس کی نگاہ ٹائیگر پر پڑی، وہ اچھل پڑا۔ "معاف کیجئے گا..." وہ جلدی سے بولا۔

"جاؤ معاف کیا" ٹائیگر نے شاہانہ انداز میں ہاتھ لہرا کر کہا۔ "میں جانتا ہوں کہ تم میرے راستے میں حائل نہیں ہو سکتے"

انڈین سفیر اپنی ساتھی خواتین کی طرف دیکھ کر اس انداز

لاتعداد پراسرار اور سنسنی خیز داستانوں کے خالق

ایم اے راحت کا

ایک اور ہیبت ناک پراسرار ایڈونچر ناول

طلسم نادی

روشنی کی دنیا سے دُور پراسرار دنیا کی کہانی جہاں مافوق الفطرت زندگی کا دَور دورہ تھا، دو دشمنوں کی عجیب داستان جنہوں نے جب ایک دوسرے کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا تو ایک ناقابلِ یقین کہانی نے جنم لیا۔

ایم اے راحت کا وہ شاہکار ناول جسے شروع کرنے کے بعد مکمل کیے بغیر رکنا ناممکن ہو۔

شائع ہو گیا ہے ہر اچھے بکسٹال سے طلب کریں۔

دو حصّوں میں مکمل
حصّہ اوّل: 150/-
حصّہ دوم: 150/-

کتاب اپنے قریبی بک سٹال سے طلب فرمائیں یا ادارے کے نام مکمل پتہ کا منی آرڈر کرائیں۔ سال خرچ ایڈوانس۔
کتاب آپ کو بذریعہ رجسٹری ارسال کر دی جائے گی۔

خط و کتابت کے لئے

مکتبہ القریش سرکلر روڈ، اُردو بازار، لاہور ۲

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

میں مسکرایا۔ جیسے اس معمولی سی بدمزگی کے سلسلے میں معذرت خواہ ہوا اور انھیں یقین دلا رہا ہو کہ وہ جلد ہی اس معاملے کو نمٹا کر ایک بار پھر تنہائی میں ان کی رفاقت سے محظوظ ہو سکے گا۔ پھر وہ ٹائیگر کی طرف متوجہ ہوا اور بولا "میرا خیال ہے، آپ میرا مطلب نہیں سمجھے۔ یہ ایک نجی قسم کی پارٹی ہے، جس میں ۔۔۔۔"

"دیکھو، مہاتما جی! میں اس باکس میں قدم رکھ چکا ہوں اور میں یہیں رہوں گا۔" اس کے لہجے میں بے پناہ اطمینان تھا جس نے انڈین سفیر کو شدید احساسِ کمتری میں مبتلا کر دیا۔ "اب تم اطمینان سے یہ مُفت کی پیتے رہو اور دوسروں کے بخشے ہوئے عیش و آرام کو اپنے لیے حرام نہ کرو۔ مجھ سے اُلجھنے کی ضرورت نہیں۔ میری قریب کی نگاہ بے حد کمزور ہے۔ اس لیے میں کچھ بھی نہیں دیکھ سکوں گا۔"

انڈین سفیر کا مُنہ حیرت کی زیادتی اور بے یقینی کے باعث کُھل گیا اور وہ ٹائیگر کو پھٹی پھٹی سی آنکھوں سے دیکھنے لگا۔

ٹائیگر کی سیاہ چمک دار آنکھیں سکڑ گئیں اور وہ تنبیہ کرنے والے انداز میں انڈین سفیر کو دیکھتا رہا۔ سفیر نے نہرو جیکٹ اور پاجامہ پہن رکھا تھا۔ جیسے ہی اُس کی نظریں ٹائیگر کی نظروں سے چار ہوئیں، اُسے اپنے جسم میں ایک سرد سی لہر دوڑتی محسوس ہونے لگی۔ اُس نے ایک جھرجھری سی لی اور اپنی ساتھی خواتین کی طرف دیکھنے لگا جو وضاحت طلب نظروں سے کبھی تو انڈین سفیر کی طرف دیکھ رہی تھیں اور کبھی اُن کی نگاہیں ٹائیگر پر جم جاتی تھیں۔ ٹائیگر اور انڈین سفیر کے مابین بات چیت اُردو میں ہوئی تھی۔ اس لیے وہ دونوں غیر ملکی لڑکیاں اب تک صورتحال سے بے خبر تھیں۔ انڈین سفیر نے انھیں بتایا کہ یہ نوجوان کیا چاہتا ہے؟

"اوہ، چھوڑو۔" ایک لڑکی نے کہا۔ "اسے بیٹھنے دو۔ ہمارا کیا جاتا ہے؟"

"کوئی حسین خاتون اگر عقل مند بھی ہو تو میرے دل میں اُس کی قدر و منزلت بہت زیادہ ہو جاتی ہے۔" ٹائیگر نے مخصوص تربیت یافتہ لہجے میں کہا تو سنہرے بالوں والی لڑکی نہ صرف موم کا پُتلا بن گئی بلکہ اُس کی آنکھوں میں خواب دیکھنے جیسا تاثر بھی جاگ اُٹھا تھا۔ دوسری لڑکی کے رخسار قدرے تمتما اُٹھے۔ شاید وہ سوچ رہی تھی کہ کاش اُس نے انڈین سفیر کو سمجھانے کی پہل کی ہوتی ... اور کاش! اس نوجوان نے یہی جملہ اُس سے مخاطب ہو کر کہا ہوتا ... پھر بھی وہ ٹائیگر کی حمایت میں بولے بغیر نہ رہ سکی "ہاں، یہ ہمیں پریشان نہیں کرے گا۔"

"جیسی آپ دونوں کی مرضی۔" انڈین سفیر نے جلدی سے کہا۔ پھر ٹائیگر کی طرف متوجہ ہو گیا "میری ساتھی خواتین نے تمھیں اجازت دے دی ہے۔ تم یہاں بیٹھ سکتے ہو۔"

"تم بہت خوش قسمت ہو۔" ٹائیگر نے مسکرا کر کہا۔

انڈین سفیر نے اس تبصرے کو ان حسین لڑکیوں کی رفاقت کے سلسلے میں محسوس کیا تو فخریہ انداز میں مسکرائے بغیر نہ رہ سکا ... پھر وہ اپنے گلاس اور اپنی دوستوں کی طرف یوں متوجہ ہو گیا جیسے بھی دیواروں والے اس باکس میں کسی اور کا وجود ہی نہ ہو۔

ٹائیگر جس سیٹ پر بیٹھا تھا، اُس کے فوراً بعد بھی دیوار تھی اور اس دیوار کی دوسری جانب پہلی سیٹ پر ہیلن بیٹھی ہوئی تھی۔ ٹائیگر نے تین فٹ کی اس دیوار کے اوپر سے ہاتھ دوسرے باکس میں ڈالا اور ہیلن کی آستین پکڑ کر اُسے ہلکا سا جھٹکا دیا۔

وہ مُڑ کر اُس کی طرف دیکھنے لگی۔ ٹائیگر پر نگاہ پڑتے ہی اُس کے چہرے اور آنکھوں سے برہمی کا اظہار ہونے لگا۔

"کیا تم جانتے ہو کہ یہاں سے تمھیں پذیرائی نہیں ملے گی؟" اُس نے دھیمی لیکن سخت آواز میں کہا۔

"ہاں ... میں جانتا ہوں کہ یہاں مجھے گھاس نہیں ڈالی جائے گی۔" اس کا لہجہ بھی سرگوشی سے زیادہ نہیں تھا "لیکن مہاتما جی نے مجھے قبول کر لیا ہے اور اس نے یہ شام اپنے ساتھ گزارنے کی دعوت دی ہے۔" ٹائیگر نے آنکھ سے انڈین سفیر کی طرف اشارہ کیا "اب چونکہ ہم آپس میں پڑوسی ہیں اس لیے میں نے سوچا کہ کیوں نہ ہمارے درمیان دوستی کے جذبات بھی موجود ہوں۔"

"چلے جاؤ یہاں سے، مجھے تم سے نفرت ہے۔" ہیلن نے کہا اور اپنے برابر بیٹھے ہوئے ڈیموس کی گردن کو انگلی کے کنارے سے چھو لیا۔ وہ چونک کر ہیلن کی طرف دیکھنے لگا اور پھر اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ اُس کی طرف تھوڑا سا جُھک گیا ... پھر اُس نے سرگوشی میں نہ جانے کیا کہا کہ ہیلن کھل کھلا کر ہنس پڑی۔ اچانک اُس کا باپ تھابیس اپنی سیٹ سے اُٹھا، وہ ریلنگ پر جُھک گیا اور نیچے آڈیٹوریم میں موجود اپنے آدمیوں کو اشارے سے احکامات دینے لگا ... پھر اُس نے ہاتھ سے ایک اور اشارہ کیا جو آڈیٹوریم میں موجود تمام حاضرین کے لیے تھا۔ غالباً یہی وجہ تھی کہ فضا میں باتوں کی بھنبھناہٹ یک دم معدوم ہو گئی اور ہر طرف سناٹا چھا گیا۔

دفعتاً ایک ساز کی آواز گونجنے لگی۔ لوگوں نے اپنے جسم ڈھیلے چھوڑ دیے اور موسیقی سے لُطف اندوز ہونے لگے۔ ٹائیگر اپنی جگہ سے اُٹھا اور

ریلنگ سے جُھک کر نیچے دیکھنے لگا۔ آڈیٹوریم کے درمیان ایک ایرینا بنا ہوا تھا۔ یہ بالکل ولیاری کے اکھاڑہ تھا جیسا کہ سلطنتِ رُوما میں مقابلوں کے لیے بنوایا کرتا تھا۔ اچانک ٹائیگر کی نگاہ پانچ آدمیوں پر پڑی۔ یہ آدمی قدیم رُومانیے کے لڑاکوں کا لباس پہنے ہوئے تھے۔ وہ فلور پر دکھائی دیے تو لوگوں نے تالیاں بجا کر اُن کا استقبال کیا۔

جو لڑکے فلور پر نظر آ رہے تھے، ان میں سے بعض کے ہاتھوں میں تلواریں تھیں۔

ٹائیگر کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔

تھابیس نے اس پارٹی کا لُطف دوبالا کرنے کے لیے رومن کھیلوں میں سے ایک کا انتخاب کر کے بڑی ذہانت کا ثبوت دیا تھا۔ ٹائیگر نے دیکھا کہ ان لڑاکوں میں سے چار سفید فام ہیں جب کہ پانچواں ملیک تھا۔ بیاہ فام نے صرف ایک پتلون پہن رکھی تھی اور اُس کا بالائی جسم بے لباس تھا۔ اس نے تیل کی مالش کر رکھی تھی جس کے باعث اس کا جسم روشنیوں میں چمک رہا تھا۔ اس کے بازوؤں کی مچھلیاں نمایاں تھیں اور وہ دیکھنے میں گوشت کا پہاڑ محسوس ہوتا تھا۔ جب یہ پانچوں افراد ایرینا کی طرف بڑھے تو حاضرین نے نعرے لگا کر پسندیدگی کا اظہار کیا۔ پانچوں لڑاکے نپے تُلے قدم اُٹھاتے ہوئے اکھاڑے کی طرف بڑھتے رہے اور ٹائیگر وہیں کھڑا گہری نظروں سے ان کا جائزہ لیتا رہا۔

تھابیس ان لوگوں کو اشاروں سے ہدایات دینے کے بعد اب اپنی مخصوص سیٹ پر بیٹھ گیا تھا اور اس کے ہونٹوں پر بڑی ہی طمانیت بھری مسکراہٹ تھی۔ وی آئی پی کے لیے مخصوص باکس میں بیٹھے ہوئے مختلف ممالک کے سفیر ریلنگ سے جُھک کر ان لڑاکوں کو دیکھ رہے تھے۔ ہر شخص کے انداز سے دبا دبا سا جوش و خروش ظاہر ہو رہا تھا اور بالکنی میں مختلف لوگوں کے قہقہوں سے بھنبھناہٹ سی پھیل گئی تھی۔ نیچے موجود حاضرین ابھی تک تالیاں بجا رہے تھے اور ان کے نعروں سے آڈیٹوریم گونج رہا تھا۔

پانچوں لڑاکے آہستہ آہستہ چلتے ہوئے ایرینا میں پہنچ گئے اور ایک قطار میں اس مقام پر کھڑے ہو گئے جو تھابیس کے باکس کے بالکل سامنے، نیچے واقع تھا۔ اب لوگ اپنی سیٹوں پر نیم دراز ہو کر بھی ان لڑاکوں کو دیکھ سکتے تھے۔ ٹائیگر واپس اپنی سیٹ پر آ کر بیٹھ گیا۔ انڈین سفیر اور اس کی دوست لڑکیاں اپنے شغل میں مصروف تھیں اور انھوں نے ٹائیگر کو یوں نظر انداز کر دیا تھا جیسے اس بغیر چھت کے باکس میں ان تینوں کے علاوہ کسی اور ذی رُوح کا وجود تک نہ ہو۔ لڑاکے ایک قطار میں کھڑے ہو گئے۔ انھوں نے اپنے اپنے ہتھیار اُٹھائے اور پھر انھیں اپنے سروں کے سامنے لے جا کر جُھکا دیا۔ یہ ایک طرح کا سلام تھا۔

ڈیموس بھی گہری نظروں سے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ وہ مزید توجہ سے دیکھنے کے لیے اپنی سیٹ میں تھوڑا سا آگے جُھک گیا۔ ہیلن اس سے قریب تر رہنے کی کوشش کر رہی تھی۔ ٹائیگر نے محسوس کیا کہ وہ اپنی ران اس سے بدلا لینے پر تُلی ہوئی ہے۔ گویا وہ اُسے رقابت کے جذبے میں مبتلا کرنا چاہتی تھی کیونکہ ٹائیگر نے اُسے ٹھکرا دیا تھا اس لیے وہ ڈیموس کی طرف زیادہ سے زیادہ توجہ دینا چاہتی تھی اور گزشتہ شب کی ناکام ملاقات کا انتقام لینا چاہتی تھی۔ اس دوران میں اُس نے پلٹ کر دو تین بار ٹائیگر کی طرف بھی دیکھا تھا جیسے جائزہ لینا چاہتی ہو کہ اس کے دل پر کیا بیت رہی ہے۔ ٹائیگر کا چہرہ اب ہر قسم کے تاثرات سے عاری ہو گیا تھا۔

وہ بار بار کن انکھیوں سے تھابیس کی طرف دیکھ رہا تھا جس کی مسکراہٹ تلے ایک عجیب سا تاثر محسوس ہو رہا تھا۔ ٹائیگر نے اپنی حیات اور تجربے سے کام لیتے ہوئے اس تاثر کو کوئی نام دینا چاہا پھر اُس نے اس اندازے، اثبات میں سر ہلایا، جیسے وہ سب کچھ سمجھ گیا ہو۔ تھابیس کی مسکراہٹ کے نیچے جو خفیف سا تاثر تھا، اس میں رحم کی آمیزش تھی۔ ٹائیگر یہ فیصلہ نہ کر سکا کہ اسے لڑاکوں پر ترس آ رہا ہے یا یہ تاثر کسی اور ہستی کے لیے ہے ... کسی ایسی ہستی کے لیے جو اس کی زندگی کے بھنبھٹ چڑھنے والی تھی۔ جیسے جیسے آڈیٹوریم میں لوگوں کا شور بڑھتا جا رہا تھا، ویسے ویسے تھابیس کی مسکراہٹ بھی گہری ہوتی جا رہی تھی۔ جلد ہی ٹائیگر کے ذہن نے یہ فیصلہ دے دیا کہ تھابیس کو لڑاکوں کی زندگی یا موت سے کوئی دلچسپی نہیں۔ کوئی اور ہی معاملہ تھا جس کا اندازہ لگانے میں ٹائیگر کو "ما حال" ناکامی ہی رہی تھی۔ وہ حیران تھا کہ ایرینا میں موجود مسلح لڑاکوں کی جنگ کس حد تک حقیقت سے قریب ہو گی۔ کیا یہ لوگ قدیم رُوما کے لڑاکوں کی طرح ایک دوسرے کا خون بہائیں گے یا محض شمشیر زنی کے جوہر دکھا کر ہی لوگوں کو محظوظ کریں گے۔

لڑاکے اب ایرینا میں گھومنے لگے تھے۔

انھوں نے اپنے ہتھیاروں کی نمائش کی، اپنے جسموں، اپنی طاقت اور اپنی مہارت دکھانے کے لیے کچھ حرکتیں کیں جنھیں بے پناہ سراہا گیا۔ تالیاں بجائی گئیں اور خوب نعرے لگائے گئے۔ اس دوران میں ٹائیگر کی نگاہ بار بار تھابیس کی طرف اُٹھتی رہی۔ وہ اس کا جائزہ لیتا رہا اور غور کرتا رہا۔

سٹیج سے بہت شور اُٹھا۔

ٹائیگر ایرینا کی طرف متوجہ ہو گیا۔

پانچ میں سے دو سفید فام جو قد میں قدرے چھوٹے تھے، ایک دوسرے کے مقابل آ گئے جب کہ دراز قد سفید فام، ملیک میں کے سامنے آ گئے۔ گویا

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

سیاہ فام ان دونوں سے مقابلہ کرنے والا تھا۔ اس کے ایک ہاتھ میں ایک لمبا سا نیزہ تھا اور دوسرے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا جال دبا ہوا تھا جبکہ اس کے دونوں حریف شمشیروں اور ڈھالوں سے مسلح تھے۔ دونوں نیلے ذرکے سفید فام بھی شمشیر زن تھے۔ انھوں نے تلوار بازی شروع کر دی۔

وہ اس فن میں ماہر معلوم ہوتے تھے۔ تلواروں کی جھنکار سے آڈیٹوریم گونج اٹھا اور روشنیاں تلواروں سے منعکس ہو کر آنکھوں کو چندھیانے لگیں۔ اچانک سیاہ فام نے پینترا بدلا اور وہ نیزے سے اپنے ایک حریف پر حملہ آور ہوا۔ مقابل نے ڈھال سے اس کا وار روکا اور پہلو بدل کر ایک طرف ہو گیا جب کہ اس کے ساتھی نے اپنی تلوار سیاہ فام پر آزمائی۔ سیاہ فام تیزی سے پیچھے ہٹ گیا۔ تلوار اس کے چہرے سے تقریباً چھوتی ہوئی گزر گئی تھی۔ صرف ایک ساعت کی تاخیر درکار تھی۔ اس کی ناک کٹ کر ایرینا میں گر گئی ہوتی۔

آڈیٹوریم میں سناٹا چھا گیا۔ لوگوں نے سانس تک روک لی تھی۔

ٹائیگر گہری توجہ سے یہ مقابلہ دیکھ رہا۔

پیچھے ہٹتے ہٹتے یکایک سیاہ فام لڑکھڑایا اور چت گر گیا۔ اس کی کھوپڑی بڑے زور سے چوبی فرش کے ساتھ ٹکرائی تھی۔ آواز آڈیٹوریم کے ہر حصے میں بآسانی سنی گئی تھی۔ پہلے تو ٹائیگر سمجھا کہ اس کی کھوپڑی کسی ماربل کی طرح چٹخ گئی ہوگی... لیکن وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ سیاہ فام مسکرا رہا تھا اور اس کے سینے سے مقابل کی تلوار کی نوک چھو رہی تھی اگر وہ ذرا سا دباؤ ڈال دیتا تو یقیناً تلوار سیاہ فام کے جسم میں پیوست ہو گئی ہوتی۔

آڈیٹوریم میں سناٹا چھا گیا۔

اتنی خاموشی تھی کہ اگر اس وقت سوئی بھی گرتی تو اس کی آواز سنی جا سکتی تھی۔ ٹائیگر بھی منتظر نظروں سے ایرینا کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اسے توقع تو نہیں تھی کہ سیاہ فام کا انجام موت ہوگا... لیکن اس جہاز پر اب تک جو کچھ بھی ہوا تھا، وہ خلاف توقع ہی ہوا تھا۔

اس نے کن انکھیوں سے برابر والے باکس کی طرف دیکھا۔

ہیلن کسی مجسمے کی طرح ساکت تھی۔

وہ ایرینا کی طرف یوں دیکھ رہی تھی جیسے خود اس کو بھی یقین نہ ہو کہ کیا ہونے والا ہے۔ غالباً وہ اپنے باپ کی فطرت سے اچھی طرح واقف تھی اس لیے اسے بھی کسی انہونی کی توقع تھی۔

ڈیموس البتہ جس اوبنے تاثر دکھائی دے رہا تھا۔

وقت جیسے ٹھہر گیا تھا۔

شمشیر زن کے ہاتھ میں خفیف سی بھی لرزش نہیں تھی۔ اس کا انداز اگرچہ جارحانہ نہیں تھا لیکن اس کے دل میں کیا تھا یہ بات بھلا کسی کو کیسے معلوم ہو سکتی تھی۔ دوسرے دو سفید فام بھی لڑتے لڑتے رک گئے تھے اور لمحے قدوالا شمشیر زن بھی متوقع نظروں سے اپنے ساتھی کی طرف دیکھنے لگا تھا۔ تجسس کی یہ گھڑیاں اس وقت ختم ہوئیں جب قامت شمشیر زن کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دکھائی دینے لگی تھی مسکرانے کے باوجود اس نے تلوار سیاہ فام کے سینے سے نہیں ہٹائی تھی۔

شمشیر زن نے نیزہ کی طرف دیکھا جس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ دیو قامت سیاہ فام ایرینا میں مٹی کے ڈھیر کی طرح پڑا ہوا تھا۔ ریفری نے سفید فاموں کو فاتح قرار دیا اور اس کے ساتھ ہی مقابلہ ختم ہونے کا اعلان کر دیا۔ ٹائیگر نے چونک کر ڈیموس کی طرف دیکھا۔ وہ اپنی سیٹ کی پشت گاہ سے سر ٹکائے پاگلوں کی طرح ہنس رہا تھا۔ اس نے ایرینا کی طرف نگاہ ڈالی تو وہی سیاہ فام جو کچھ دیر قبل طاقت کا دیوتا بنا اپنی پھیلیاں پھڑکاتا پھر رہا تھا اب اس انداز میں ہاتھ اٹھائے ایرینا میں گھوم رہا تھا جیسے وہی فاتح ہو۔ ٹائیگر سمجھ گیا کہ تھابیس نے اپنے حریف ڈیموس سے مذاق کیا ہے۔ اس کی طاقت کا مذاق اڑایا ہے اور اب اس مذاق سے خود ہی محظوظ ہو رہا ہے۔ اس کے دل میں تھابیس کے لیے بے پناہ نفرت پیدا ہو گئی یہ شخص اسے بالکل پسند نہیں آیا تھا۔

اس نے ڈیموس کی طرف دیکھا۔

ڈیموس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نہیں تھی۔ وہ خفت زدہ بھی نظر نہیں آ رہا تھا... بلکہ اس کے چہرے سے تو یوں محسوس ہوتا تھا جیسے اس نے اس مذاق کو سرے سے کوئی اہمیت ہی نہ دی ہو۔ وہ اب بھی اپنے حریف کی پیٹھ تھپتھپا کر سرگوشیوں میں بات کر رہا تھا۔ اس کے چہرے سے سکون اور طمانیت کا احساس ہوتا تھا۔

اچانک آڈیٹوریم میں ایک بار پھر شور بلند ہوا۔

ٹائیگر ریلنگ سے نیچے جھانکنے لگا۔

اس نے دیکھا کہ ایک بہت بڑا کیک لایا جا رہا ہے۔ اتنا بڑا کیک ٹائیگر نے اپنی زندگی میں اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا نیچے موجود سب لوگ اپنی سیٹوں سے اٹھ اٹھ کر اس غیر معمولی سائز کے کیک کو دیکھنے لگے۔ ٹائیگر نے ذہن میں فیصلہ دے دیا کہ یہ دنیا کا سب سے بڑا کیک ہے۔

کیک سفید رنگ کا تھا اور اس کی ساخت بالکل اس جہاز جیسی تھی جس کے آڈیٹوریم میں اس وقت یہ پارٹی ہو رہی تھی۔ اس جہاز کے اوپر کسی پھول کی بجائے ایک بہت بڑا ٹریکٹر بنا ہوا تھا۔ کریم کا یہ ٹریکٹر اپنی ساخت کے اعتبار سے بے حد بھونڈا تھا۔ اس کیک کو ملازمین کی پوری ایک فوج نے اٹھا رکھا تھا۔ کیک جس پلیٹ

فارم پر رکھا ہوا تھا اس کے نیچے پہیے لگے ہوئے تھے۔ اس پلیٹ فارم کو فرش پر کھینچ دیا گیا... پھر ملازمین نے اسے دھکیلنا شروع کر دیا۔ وہ اسے آڈیٹوریم کے ایک مخصوص حصے کی طرف لے جا رہے تھے۔ اب روشنیوں کا طوفان سا امڈ پڑا تھا۔ آڈیٹوریم کا ذرہ ذرہ اور گوشہ گوشہ روشن ہو گیا تھا۔ ہر کسٹرا پہ ایک مسحور کن دھن شروع ہو گئی اور لمحے بھر میں ماحول ایسا ہو گیا جیسے اس جگہ موجود ہر شے عیش و نشاط کے نشے میں ڈوب گئی ہو۔

دفعتاً اسپیکر پر تھابیس کی آواز ابھرنے لگی۔ "میں اپنے پرانے دوست ڈیمو کو یہ کیک تحفے میں پیش کرتا ہوں اور اسے مبارک باد دیتا ہوں کہ اس نے دنیا کا سب سے بڑا بحری جہاز بنوایا۔ اس جہاز کی شان و شوکت دیکھتے ہوئے جی چاہتا ہے کہ..." اچانک اس کی آواز بند ہو گئی۔

ٹائیگر کی سماعت سے کسی کا بلند آہنگ قہقہہ ٹکرانے لگا۔

اس نے چونک کر برابر والے باکس کی طرف دیکھا۔

ڈیموس کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے پاگلوں کی طرح ہنس رہا تھا اور اس کی ہنسی میں فاتحانہ تاثر تھا۔

ٹائیگر نے کچھ دیر کے لیے اس ماحول سے نکل جانے کا ارادہ کر لیا۔ وہ کیبن کے دروازے سے باہر آیا تو تینوں محافظوں نے اسے سیلوٹ کیا۔ ٹائیگر زیر لب مسکراتا ہوا راہ داری میں آگے بڑھ گیا۔

بیٹھے بیٹھے نہ جانے کیوں اسے الجھن سی ہونے لگی تھی۔ وہ کچھ دیر چہل قدمی کر کے اس الجھن کو دور کرنے کے علاوہ ایک بات کا جائزہ بھی لینا چاہتا تھا۔ ایرینا میں جس سیاہ فام نے دو نوں سفید فاموں سے شکست کھائی تھی، اس نے اسے پریشان سا کر دیا تھا۔ نہ جانے کیوں اسے اس بات پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ اگرچہ سیاہ فام بالکل فطری انداز میں لڑ کھڑا کر گرا تھا اور پھر اس کے سنبھلنے سے قبل ہی تلوار کی نوک اس کے سینے پر آ کر رک گئی تھی۔ سیاہ فام چاہتا تو اس موقع پر بھی دفاع کر سکتا تھا لیکن وہ تو مٹی کا ڈھیر بن کر رہ گیا تھا... اور یہ بات ٹائیگر کے حلق سے نہیں اتر رہی تھی۔ وہ اس سیاہ فام سے ملنا چاہتا تھا اور اس سلسلے میں اپنی ذہنی الجھن دور کرنا چاہتا تھا۔ اگر تھابیس نے واقعی مذاق ہی کیا تھا اور اس مذاق کو عملی جامہ پہنانے کے لیے اس سیاہ فام کو بھیجا گیا تھا تو وہ تھابیس کے سلسلے میں بھی کوئی ایسی ہی سزا تجویز کرنے کا ارادہ کر رہا تھا۔ وہ راہ داری کے اس حصے کی طرف بڑھتا رہا جہاں ایک دروازے سے اس نے سیاہ فام کو جاتے دیکھا تھا۔ یقیناً اس طرف اس کا کیبن ہوگا۔

وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا راہ داری کے آخری حصے میں پہنچ گیا یہاں ویرانی کا راج تھا۔ اطراف میں جو دروازے تھے ان پر نمبر پلیٹ دیکھ کر ٹائیگر کو اندازہ ہو گیا کہ اس حصے کے کیبن ملازمین کے لیے مخصوص ہیں۔

وہ ایک دروازے کے سامنے رک گیا۔

اس کا ارادہ تھا کہ دروازے پر دستک دے کر کسی سے سیاہ فام کے کیبن کا پتہ چلائے گا اور پھر اس سے ملے گا۔ اسی لمحے اس کی حسیات نے اسے بے چین کر دیا۔ وہ دہشت، نفرت، خون اور موت کی بو محسوس کرنے لگا تھا۔ اس نے دستک دینے کے لیے جو ہاتھ اٹھا رکھا تھا، اسے پوری قوت سے دروازے پر دے مارا۔ دروازہ ایک دھماکے سے کھل گیا اور ٹائیگر کو یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے اس کی کھوپڑی پر کوئی وزنی شے دے ماری ہو۔

سامنے ہی فرش پر سیاہ فام پڑا تڑپ رہا تھا۔

اس کے سینے میں ایک نیزے کی آنی کافی گہرائی تک پیوست تھی۔ اسی ساعت راہ داری کئی بھاری قدموں کی آہٹوں اور درندگی سے بھرپور غراہٹوں سے گونج اٹھی۔

بغداد کی رات
قمر اجنالوی
الف لیلیٰ کی ایک ہزار راتوں سے زیادہ حسین و رنگین رات، دجلہ اور نیل کے دامنوں میں لپٹی ہوئی رات، جسے بے شمار کتابوں کے حوالوں سے آراستہ کیا گیا ہے
1200 سے زائد صفحات
قیمت -/600
ناشر مکتبہ القریش
اردو بازار لاہور

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ٹائیگر چند لمحوں تک تو حیران کھڑا سیاہ فام کی لاش کو دیکھتا رہا... پھر وہ فوراً ہی پلٹا اور دروازے سے نکل کر راہداری میں پہنچ گیا۔ اس نے آوازوں اور غراہٹوں کی مخالف سمت میں دوڑنا شروع کر دیا۔ راہداری سے نکل کر وہ جلدی واپس اپنی سیٹ پر پہنچ گیا۔ وہاں پارٹی پلنے عروج پر تھی اور کسی کو کانوں کان خبر نہیں تھی کہ اس وسیع و عریض ہال سے باہر کیا کچھ ہو رہا ہے۔

"ہمیں ڈیموس چاہیے... ہمیں ڈیموس چاہیے" یکایک آوازیں ابھرنے لگیں۔

یہ دو آدمیوں کی آوازیں تھیں۔ ٹائیگر نے ان کی طرف دیکھا۔ وہ آڈیٹوریم میں رائل سوٹ کے قریب اگلی سیٹوں پر براجمان تھا۔ ٹائیگر نے ان دونوں کو پہلے بھی دیکھا تھا۔ یہ دونوں شروع ہی سے ڈیموس کی نگرانی کر رہے تھے۔ ان کی نظریں ایک لمحے کے لیے بھی ڈیموس سے نہیں ہٹی تھیں اور جس وقت دنیا کا سب سے بڑا کیک لایا گیا تھا تو ڈیموس نے اٹھ کر تقریر کی تھی، اس وقت ٹائیگر نے دیکھا تھا کہ ڈیموس نے انہی دو آدمیوں کو کوئی مخصوص اشارہ کیا تھا۔ اس نے اپنے دائیں ہاتھ کی انگشت شہادت کو ایک خاص انداز میں حرکت دی تھی۔ یہ حرکت دیکھتے ہی ان دونوں میں سے ایک اپنی سیٹ سے اٹھ گیا تھا اور اس نے تقریباً پچاس قدم دور جا کر واپس اپنے ساتھی کی طرف دیکھا تھا پھر دونوں ہی چیخنے لگے تھے "ہمیں ڈیموس چاہیے... ہمیں ڈیموس چاہیے"

چند لمحوں تک صرف ان دونوں کی آوازیں گونجتی رہیں... پھر رفتہ رفتہ دوسرے لوگ بھی ان کے ہمنوا بن گئے... اور پھر اس قدر شور بلند ہوا کہ کان بہرے ہونے لگے۔

ڈیموس نے تھابیس کی طرف دیکھا۔

اس کے چہرے پر جوش و خروش کا تاثر تھا۔

تھابیس نفی میں سر ہلا کر انکار کر دیا "نہیں... ڈیمو... تم جاؤ۔ یہ سب کچھ تمہارے ہی کرنے کا کام ہے"

ڈیموس دروازے کے پاس پہنچ چکا تھا۔ دروازہ کھلا اور وہ باہر نکل گیا۔ اس کے جاتے ہی ایک شخص نے اندر جھانکا۔ اس کا چہرہ دیکھ کر یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ سیمنٹ کا بنا ہوا ہو۔ اس نے تھابیس کی طرف عجیب سے انداز میں دیکھا۔ جواباً تھابیس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ سیمنٹ سے بنا سر گیا ہوا چہرہ دروازے سے غائب ہو گیا۔

تھابیس اپنی سیٹ کی طرف متوجہ ہو گیا۔ وہ اس سے مخاطب ہو کر کچھ کہہ رہا تھا۔ ٹائیگر نے آڈیٹوریم میں ہونے والے شور کو داد سے جھٹک دیا اور اپنی تمام تر حسیات کو بروئے کار لاتے ہوئے ان دونوں میں ہونے والی بات چیت سننے کی کوشش کرنے لگا۔ یہ ایک ایسی صلاحیت تھی جس کے لیے وہ اوشان کا بے حد شکر گزار تھا۔ اگرچہ اس صلاحیت کو بیدار کرنے میں اسے بے پناہ مشقت کرنی پڑی تھی لیکن اپنی سماعت کو دوسری تمام آوازوں سے بے نیاز کر کے محض کسی سرگوشی کو سننے کے قابل بنا لینا بہرحال ایک قابل فخر بات تھی۔ تھوڑی سی محنت کے بعد وہ ان دونوں کی باتیں پوں آسانی سے سننے لگا جیسے وہ آپس میں سرگوشیاں نہ کر رہے ہوں بلکہ اس کے قریب ہی بیٹھے بلند آواز میں بول رہے ہوں۔

"میں اس ٹوٹ صاف کرنے والے لڑکے کو خوب اچھی طرح جانتا ہوں" تھابیس اپنی بیٹی سے کہہ رہا تھا "ہر تھوڑے کیک اس کی کمزوری ہے"

ٹائیگر نے تھابیس کی طرف دیکھا۔ وہ یہ جملہ کہہ کر ہیلن کی طرف اس انداز میں دیکھ رہا تھا جیسے توقع کر رہا ہو کہ وہ اس کی تائید کرے گی لیکن لڑکی نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ خاموش اور ساکت بیٹھی تھی اور انداز ایسا ہی تھا جیسے اس نے اپنے باپ کی بات سنی ہی نہ ہو۔

"میرا خیال ہے تم پلیٹ پر واپس چلی جاؤ" تھابیس نے قدرے ناگواری سے کہا "اور پھر میرے لیے لنچ واپس بھیج دینا"

"نہیں فادر..." ہیلن نے جواب دیا "میں یہاں رہنا چاہتی ہوں"

"مجھے اس بات کی کوئی پروا نہیں کہ تم کیا چاہتی ہو... اور کیا نہیں چاہتیں۔ میں تو صرف اتنا جانتا ہوں کہ تمہیں ہر حال میں واپس جہاز پر چلے جانا چاہیے۔ بس اب اٹھ جاؤ، وقت بہت قیمتی ہے"

ٹائیگر نے ہیلن کو اپنے باپ کی طرف دیکھتے پایا تو اس کا انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ مزید کچھ کہنے والی ہو... لیکن اس نے شاید بولنے کا ارادہ ملتوی کر دیا... اور پھر ایک لفظ بھی منہ سے نکالے بغیر وہ اپنی سیٹ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ ریلنگ تک گئی۔ وہاں سے جھک کر نیچے آڈیٹوریم کے فرش کی طرف دیکھا جہاں ڈیموس ایک لمبی چمک دار چھری ہاتھ میں لیے کیک کی طرف بڑھ رہا تھا۔ چند لمحوں تک وہ اسے دیکھتی رہی... پھر پلٹ کر وہ بیرونی حالین میں ٹخنوں ٹخنوں دھنستی ہوئی رائل سوٹ کے داخلی حصے سے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

ٹائیگر نے اس کے کندھوں میں اٹھان، ٹھوڑی میں کھنچاؤ اور آنکھوں میں ایک خاص قسم کے تاثر کی جھلک دیکھ کر اندازہ لگا لیا کہ وہ اس وقت فرمانبردار بیٹی بن کر کیبن سے باہر نہیں جا رہی ہے۔ اس کا صاف مطلب تھا کہ وہ اپنے جہاز پر واپس جا کر تھابیس کی خواہش پوری نہیں کرنا چاہتی بلکہ اس کے عزائم کچھ اور ہی ہیں۔

ٹائیگر بھی اپنی سیٹ سے اٹھ گیا۔

باہر راہداری میں آ کر وہ تیزی سے ہیلن کے پیچھے چل دیا۔ اس نے دیکھا کہ تھابیس کے محافظوں نے ہیلن کو اپنے گھیرے میں لے لیا۔

"اس کی ضرورت نہیں" وہ محافظوں پر برس پڑی "تم لوگوں کے بغیر بھی اپنے جہاز کے عرشے تک پہنچ سکتی ہوں، تم لوگ یہیں ٹھہرو"

ٹائیگر نے اسے گارڈز کے نرغے سے نکلتے اور غصے سے پاؤں پٹخ کر راہداری میں تنہا آگے بڑھتے دیکھا تو اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔

ٹائیگر چند لمحوں کے لیے وہیں رک گیا جب محافظوں کی بھیڑ چھٹ گئی تو وہ تیزی سے آگے بڑھا۔ اس وقت تک ہیلن راہداری کے موڑ پر پہنچ چکی تھی۔

ٹائیگر موڑ پر پہنچا تو اس نے دیکھا کہ ہیلن اس طرف نہیں جا رہی جدھر سے وہ اپنے جہاز تک پہنچ سکتی تھی۔ وہ آڈیٹوریم کے دروازے کی طرف جا رہی تھی... پھر وہ اندر داخل ہو گئی اور لوگوں کے ہجوم میں گھس کر آڈیٹوریم کے فلور پر کھڑی ہو گئی۔ اس وقت وہ جہاں کھڑی تھی، اس کا باپ اپنے رائل سوٹ سے اسے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ ہیلن کی نگاہ ڈیموس پر جمی ہوئی تھی۔

ڈیموس اس وقت کیک کاٹ رہا تھا۔ کیک کاٹتے ہوئے یکایک اس کی نگاہ اٹھی، اس نے ہیلن کو دیکھا تو اس کی آنکھیں چمک اٹھیں اور پھر وہ معنی خیز انداز میں مسکرانے لگا۔ اس نے ہیلن کی طرف دیکھ کر اثبات میں سر ہلایا... پھر چھری اپنے سر کے اوپر سے لہرا کر کسے اشارہ کیا۔ چھری پر کریم اور کیک کے رنگین ٹکڑے چپکے ہوئے تھے۔ لہرانے کی وجہ سے اطراف میں ان ننھے ننھے ٹکڑوں کی بارش ہو گئی۔

ٹائیگر خاموشی سے ہیلن کے قریب جا کھڑا ہوا۔

ہیلن اس کی طرف متوجہ نہ ہوئی۔ وہ تو ڈیموس کی طرف دیکھ رہی تھی اور اس کے چہرے پر بڑے ہی ناقابل فہم سے تاثرات پھیلے ہوئے تھے۔

"میں تو سمجھا تھا کہ یہ شخص ماضی کا نہیں حال کا بھی جوتے پالش کرنے والا ایک لڑکا ہے" ٹائیگر نے ہیلن کی طرف جھک کر سرگوشی کی۔

وہ اس کی آواز سن کر چونکی اور پھر اسے قریب پا کر یوں اچھل پڑی جیسے یکایک اس کے پاؤں میں کوئی کانٹا چبھ گیا ہو۔ اس نے گھور کر ٹائیگر کی طرف دیکھا پھر ناک بھوں چڑھا کر بولی "تمہیں اس بات سے کوئی دلچسپی نہیں ہونی چاہیے"

"اگر تمہارے فادر کو یہ معلوم ہو گیا کہ تم نے اس کی خواہش پوری نہیں کی تو وہ یقیناً ناراض ہو جائے گا" ٹائیگر نے جیسے میں خلوص پیدا کرتے ہوئے کہا۔

"میں اسے کئی بار پہلے بھی ناخوش کر چکی ہوں" ہیلن نے منہ بنا کر کہا "اور میں سمجھتی ہوں کہ آج رات کے بعد وہ بے حد ناراض ہو گا۔ اتنا ناخوش اور ناراض کہ زندگی میں پہلے کبھی نہیں ہوا ہو گا" وہ ٹائیگر سے بات کرتے وقت بھی ڈیموس کی طرف متوجہ تھی اور جب بھی ان دونوں کی نظریں چار ہوتی تھیں، ہیلن کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھر جاتی تھی۔

ٹائیگر الجھن میں پڑ گیا۔ آج اسے یہ اعتراف کرنا پڑ رہا تھا کہ وہ عورت کو نہیں سمجھ سکتا۔ عورت واقعی ناقابل فہم ہوتی ہے۔ وہ جانتا تھا کہ لڑکی کو ڈیموس سے شدید نفرت ہے۔ وہ بھتیجا اور پوتا تھا۔ بالکل کسی مینڈک جیسا تھا لیکن ہیلن اس کی طرف یوں دیکھ دیکھ کر مسکرا رہی تھی جیسے وہ دنیا کا کوئی حسین ترین نوجوان ہو۔

"گزشتہ شب کے بارے میں کیا کہتی ہو؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"گزشتہ شب... کیا مطلب؟ اوہ... کچھ بھی تو نہیں... نہ میرا کوئی مطلب تھا... اور نہ ہی تمہارا کوئی مطلب تھا... اب تم براہ مہربانی مجھے تنہا چھوڑ دو"

"ہاں... اس حسین خاتون کو پریشان کرنا چھوڑ دو" ایک آواز سنائی دی۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ٹائیگر چونک کر آواز کی طرف متوجہ ہوگیا۔

اوشان اس کے قریب ہی کھڑا تھا۔ نہ جانے وہ کب اس کے قریب آکھڑا ہوا تھا۔ ٹائیگر کو کانوں کان خبر نہ ہو سکی تھی۔ اس نے ہیلن کی طرف دیکھا۔ وہ اب بھی ڈیوس کی طرف متوجہ تھی۔ گویا اس نے اوشان کی آواز نہیں سنی تھی اور نہ ہی اسے دیکھا تھا۔

"کیا بات ہے لٹل فادر؟" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"اس جہاز پر ہمیشہ کچھ نہ کچھ گڑبڑ ہوتا ہے... کام ہی کام... اور چونکہ تم لوگوں کو بلاوجہ پریشان کرنے کے کام میں مصروف ہوا اس لیے میں نے سوچا کہ باقی سارا کام مجھے خود ہی کر گزرنا چاہیے۔" اوشان کے لہجے میں ناگواری کے تاثرات تھے۔

ٹائیگر نے ایک طویل سانس لی اور مسکرانے لگا۔ "ٹھیک ہے اوشان۔" اس نے جیسے ہار مانتے ہوئے کہا۔ "بتائیے کیا بات ہے؟"

"بہتر ہوگا کہ تم میرے ساتھ چلو۔ تمہارا شاہ بہرام زخمی ہے۔"

ٹائیگر کو یوں محسوس ہوا جیسے اچانک ہی کسی نے اس کا دل اپنی مٹھی میں جکڑ لیا ہو۔ "بہرام...؟" اس نے ہانپتے ہوئے دہرایا۔

"ہاں... وہی بہرام جسے تم سویٹ ہارٹ کہتے ہو۔" اوشان کے لہجے میں برہمی آگئی تھی۔ وہ ایک جھٹکے سے پلٹا اور ہجوم میں راستہ بناتا ہوا دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

ٹائیگر بھی اس کے پیچھے لپک پڑا۔ اس نے پلٹ کر ہیلن کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہیں کیا تھا۔ اب اسے بہرام کے علاوہ کوئی چیز اپنی طرف متوجہ نہیں کر سکتی تھی۔ اس کا دل شدت سے دھڑک رہا تھا اور وہ کوشش کے باوجود اپنی ہیجانی کیفیت پر قابو پانے میں کامیاب نہیں ہو رہا تھا۔ ہجوم میں راستہ بناتے ہوئے وہ سرعت تیزی سے آگے بڑھتے رہے۔

"وہ کہاں ہے؟" ٹائیگر نے بے تابی سے دریافت کیا۔

"ہمارے کمرے میں..." اوشان نے مختصر سا جواب دیا۔

"آپ نے اسے کہاں پایا تھا؟"

"جہاز کے خیمہ حصے میں...؟"

"آپ کا مطلب ہے ان خیمہ دروازوں کے اندرونی حصے میں جو رازداری سے عام آدمی کو دکھائی نہیں دیتے؟" ٹائیگر نے وضاحت چاہی۔

"ہاں... غالباً میں نے اسی حصے کا تذکرہ کیا ہے۔"

"لیکن وہ وہاں کیا کر رہا تھا؟"

"جب میں اور تم کوئی کام نہیں کریں گے اور محض عیش کریں گے تو ظاہر ہے وہ کام اسے ہی کرنا پڑے گا۔" اوشان کے لہجے میں تلخی آگئی۔ غالباً وہ بھی بہرام کے زخمی ہونے سے بے حد تشویش میں مبتلا ہو گیا تھا۔

"اور جب آپ نے بہرام کو تلاش کیا تو آپ اس خیمہ حصے میں کیا کر رہے تھے؟" ٹائیگر نے سوال کیا۔

"میں ان جانوروں کو کریم سے تھوڑا سا ہوا کیک کھلاتے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اس لیے میں نے جہازوں کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا تھا... اور اس نے جہان میں بہرام سے مڈبھیڑ ہو گئی۔"

"نئے جہازوں کی تلاش...!" ٹائیگر الجھ گیا۔

"ہاں... میرے ٹی وی کا سلسلہ اچانک ہی منقطع ہو گیا تھا۔" اوشان نے ناگواری سے بتایا۔ "میں نے سوچا کہ ممکن ہے کسی جگہ سے کوئی تار خل گیا ہو اور اسے جوڑنے سے سلسلہ بحال ہو جائے... لیکن جب میں وہاں پہنچا تو معلوم ہوا کہ کسی احمق نے خیمہ ٹی وی کی تمام لہریں بھیجنے والے سرکٹ ہی کاٹ ڈالے ہیں۔"

"میں جانتا ہوں میں وہاں جا چکا ہوں... لیکن بہرام کے بارے میں بتائیے۔ اسے کیا ہوا ہے؟"

"اسے جو کچھ ہوا ہے وہ بے حد خوفناک ہے۔"

"کیا مطلب؟" ٹائیگر کی پیشانی پر پسینے کی بوندیں چمکنے لگیں۔

"خوفناک... بے حد خوفناک...!" اوشان نے سرد لہجے میں جواب دیا۔

"کیا خوفناک... کس حد تک خوفناک؟" ٹائیگر بھی جھلا گیا۔

"ٹی وی سیٹ ناکارہ ہو گیا۔ اس سے زیادہ خوفناک بات اور کیا ہو سکتی ہے؟"

"میں بہرام کے بارے میں پوچھ رہا ہوں۔" ٹائیگر غرایا۔

اوشان نے گردن گھما کر اس کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں غصہ تھا۔ وہ کیں نے اسے ایک خفیہ کمرے میں پایا تھا۔ اسے بری طرح زدوکوب کیا گیا ہے۔"

"زدوکوب کیا گیا ہے، بہرام کو...!" ٹائیگر کی کھوپڑی میں جیسے کسی ہتھوڑے نے ڈنک مار دیا ہو۔

"اس کی کھوپڑی پر زبردست چوٹ لگائی گئی ہے۔ اس کے جبڑے اور پیٹ پر بھی نشانات ہیں۔ جلد محفوظ ہے جس کا مطلب ہے کہ اسے اندرونی چوٹیں آئی ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ بہرام جیسے شخص کے لیے اتنی مار پیٹ مہلک بھی ثابت ہو سکتی ہے۔"

"اب اس کی طبیعت کیسی ہے؟" ٹائیگر نے بے تابی سے دریافت کیا۔

"وہ زندہ رہے گا۔" اوشان نے جواب دیا۔

ٹائیگر خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔ اسے اوشان پر بے تحاشا غصہ آرہا تھا جو اسے بہرام کے سلسلے میں سب کچھ ایک ہی بار کھل کر نہیں بتا رہا تھا۔ وہ خاموش رہا۔ اس بار اس نے کوئی سوال نہیں کیا۔ وہ اوشان کی عادت جانتا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ وہ جس قدر اصرار کرے گا اوشان

کی بے نیازی بڑھتی جائے گی۔ یہ کینہ کمار گرنابت ہوا۔ وہ جیسے ہی ہجوم سے نکل کر ایک سنسان راہداری میں پہنچے اوشان زیر لب بولنے لگا۔

"وہ بے ہوش ہے... لیکن وہ زندہ رہے گا۔ میں نے اسے اس حالت میں چھوڑ دیا کیونکہ اس کے جسم کو آرام اور سکون کی ضرورت ہے۔ حرکت اس کے لیے خطرناک ثابت ہو سکتی ہے اور تم جانتے ہو کہ بے ہوشی میں انسانی جسم کو سب سے زیادہ پرسکون اور بے حرکت رکھا جاتا ہے۔ بہرحال، اگر مار پیٹ کرنے والوں سے تکنیکی غلطیاں سرزد نہ ہوئیں تو وہ ہرگز زندہ نہ ہوتا۔ یہ بات ہمیشہ ذہن میں رکھو غلطی کا نام خود تمہاری موت اور دشمن کی زندگی ہی ہوا کرتا ہے۔"

ٹائیگر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ وہ اس وقت اوشان کے فلسفے پر غور کرنے یا اس سے اختلاف کرنے کے موڈ میں نہیں تھا۔ وہ تیز تیز چلتے ہوئے ایرانی سفارت خانے کے مخصوص حصے کی طرف بڑھتے رہے۔ سنسان راہداریوں میں ان کی رفتار غیر معمولی تیز ہو جاتی تھی اور جیسے ہی وہ کسی ایسے حصے میں پہنچتے تھے جہاں کسی سے مڈبھیڑ کا اندیشہ ہوتا تھا ان کے قدم دھیمے پڑ جاتے تھے۔

ایرانی سفارت خانے والی جگہ پہنچ کر ٹائیگر نے رفتار تیز کر لی اور تقریباً دوڑتا ہوا اوشان کے کمرے کے دروازے پر جا پہنچا لیکن جب وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تو اوشان کسی دیو ہیکل پرندے کی طرح اڑتا ہوا اس کے قریب سے گزر کر بہرام کے قریب جا پہنچا۔ ٹائیگر نے صرف اس کے لبادے کی ایک ہلکی سی جھلک ہی دیکھی تھی۔ اوشان کا لبادہ کسی بہت بڑے پر کی طرح اس کے قریب ایک ساعت کے لیے پھڑپھڑایا تھا... اور پھر وہ آگے نکل گیا تھا۔ ٹائیگر بہرام کے قریب پہنچا تو اوشان جھک کر اس کا جائزہ لینے میں مصروف ہو گیا۔ چند لمحوں کے بعد وہ بہرام کے پاس سے ہٹ گیا تو ٹائیگر نے بہرام کا معائنہ شروع کیا۔

بہرام ہری پسلے ہوش میں آیا تھا۔ اس کا جسم ساکت تھا۔ پلکیں بے حس اور بے حرکت محسوس ہو رہی تھیں۔ سینے میں خفیف سا بھی تموج نہیں تھا۔ نتھنے سانس کی آمد و رفت کا اظہار نہیں کر رہے تھے۔ بادی النظر میں وہ ایک لاش ہی دکھائی دے رہا تھا۔ اس کے سر کے بائیں حصے سے خون کی بوندیں ٹپک رہی تھیں۔ اس کے چہرے پر اندرونی چوٹوں کے نیلاہٹ آمیز نشانات تھے۔ اس کے بالائی جسم کے کپڑے چیتھڑے ہو کر رہ گئے تھے جیسے انھیں بڑی بے دردی سے پھاڑ ڈالا گیا ہو۔ ٹائیگر یہ اندازہ نہ لگا سکا کہ اس کے کپڑوں کی یہ حالت حملہ آوروں نے بنائی ہے یا اوشان نے زخموں کا جائزہ لینے کے لیے انھیں پھاڑ ڈالا تھا۔

ٹائیگر گھٹنوں کے بل جھک کر اس کی سانس کو محسوس کرنے لگا۔ اس کی حیرت بیدار تھیں اور وہ بہرام کی سانسوں کی آواز سن رہا تھا۔ لیکن یہ آواز اتنی دھیمی تھیں کہ انھیں اسٹیتھو اسکوپ کے ذریعے ہی سنا جا سکتا تھا۔ اس نے ایک طویل سانس لی۔ کم از کم یہ اطمینان تو ہو گیا تھا کہ بہرام ابھی زندہ ہے۔ وہ یہ محسوس کیے بغیر نہ رہ سکا کہ کمرے میں خوف اور دہشت کے تاثرات نہیں ہیں۔ گویا بہرام اس قدر مار پیٹ کے باوجود بھی خوفزدہ نہیں ہوا تھا۔ اس نے بہرام کی طرف دیکھا۔ اس کا چہرہ اب بھی پُروقار تھا۔ ٹائیگر کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔ پُروقار زخمی... اس نے دل ہی دل میں بہرام کو خطاب دیا اور پہلو سے اٹھ کر بہرام کے پیروں کی طرف آگیا۔ اس نے اوشان کی طرف اجازت طلب نظروں سے دیکھا۔

اوشان نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

ٹائیگر اسے ہوش میں لانا چاہتا تھا اور اوشان نے اسے رضامندی دے دی تھی۔

"لٹل فادر... آپ نے کہا تھا کہ یہ ٹھیک ہو جائیں گے۔" ٹائیگر نے زیر لب کہا۔

"میں نے یہ نہیں کہا تھا کہ یہ ٹھیک ہو جائے گا۔" اوشان پلٹ کر بولا۔ "میرے الفاظ یہ تھے کہ یہ زندہ رہے گا۔"

ٹائیگر نے اثبات میں سر ہلا دیا اور بہرام کا بایاں ٹخنہ تھام لیا۔ اس نے اپنے دونوں انگوٹھے پاؤں کی محراب پر رکھے اور انھیں آہستہ آہستہ دبانے لگا۔

اچانک بہرام کے حلق سے ایک کراہ نکل گئی۔

"زیادہ جلد بازی مت کرو۔" اوشان غرایا۔ "آہستہ آہستہ دباؤ ڈالو... مزید آہستہ...!"

ٹائیگر نے جلدی سے انگوٹھوں کا دباؤ ختم کر دیا۔ کچھ دیر بعد اس نے دوبارہ دباؤ ڈالنا شروع کیا۔ اس بار وہ پہلے سے کہیں زیادہ آہستگی سے دباؤ ڈال رہا تھا۔ جیسے جیسے بہ غیر محسوس انداز میں ڈالا جانے والا دباؤ بڑھ رہا تھا، بہرام کا تنفس تیز تر ہوتا جا رہا تھا اور اب تو وہ اتھلے اتھلے سانس بھی لینے لگا تھا۔ پاؤں کی گہرائی میں باریک باریک نسوں سے لبریز نسوں میں اس دباؤ سے جیسے طغیانی سی آتی جا رہی تھی اور ٹائیگر اس کے سانسوں میں تیزی محسوس کرنے لگا تھا۔ یہ تیزی محسوس کر کے اس نے دباؤ ڈالنے کا عمل مزید سست کر دیا۔ چند ہی لمحوں میں بہرام نے آنکھیں کھول دیں۔ وہ کچھ دیر تو خالی خالی نظروں سے چھت کو گھورتا رہا... پھر اس نے سر گھما کر اطراف میں دیکھنا شروع کر دیا۔ سر کو حرکت دیتے ہی اس کے حلق سے ایک بار پھر کراہ نکل گئی۔

"ٹھیک ہے سویٹ ہارٹ۔" ٹائیگر نے پیار سے کہا۔ "گھبرانے کی ضرورت نہیں ہم آپ کے پاس ہیں۔"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

گنگا کے پجاری ناگ

اے حمید ○ قیمت ۳۵۰/۰۰ روپے

"اوہ... ٹائیگر... بہرام ہانپ کر بولا "جلدی کرو... جلدی کرو..."

"جلد بازی آپ کے لیے نقصان دہ ہے سویٹ ہارٹ۔ اوشان کا کہنا ہے کہ سب کچھ سست رفتاری سے ہونا چاہیے"

"نہیں... تمھیں جلدی کرنی پڑے گی... جلدی... بہت جلدی، نہ جانے کتنا وقت گزر چکا ہے" بہرام بولتے بولتے بُری طرح ہانپنے لگا۔

"کیا بات ہے چیف" ٹائیگر اس کی طرف جھک کر بولا "آپ کو کیا پریشانی ہے؟"

"جہاز... یہ جہاز تباہ ہونے والا ہے... اس میں آگ لگنے والی ہے۔ سب کچھ تباہ ہو جائے گا"

"اوہ..." ٹائیگر کے ہاتھوں سے بہرام کا پاؤں گر گیا اس طرح بہرام کی ٹانگ کو ایک جھٹکا لگا۔ اس کے حلق سے ایک کربناک چیخ نکل گئی۔ مارے درد کے وہ نڈھال سا ہو گیا۔

"کیا... آپ کیا کہہ رہے ہیں؟" ٹائیگر اُس کے چہرے پر جھک گیا

"جہاز کے وسط میں جو خفیہ راستہ ہے... میں نے وہاں پر کچھ لوگوں کو بم کا دھماکہ کرنے کا منصوبہ بناتے ہوئے سُنا تھا" بہرام نے خود کو بمشکل سنبھال کر ہانپتے ہوئے کہا۔ انداز سے ظاہر ہوتا تھا کہ اُسے بے پناہ تکلیف ہو رہی ہے۔ اذیت اس کی آنکھوں اور اس کے چہرے سے ظاہر تھی۔ اس کی پیشانی پر شفاف موتیوں جیسے پسینے کے قطرے اُمڈ آئے تھے "ان لوگوں کو میری موجودگی کا احساس ہو گیا تو انھوں نے مجھے پکڑ لیا تھا"

"لیکن آپ اس خفیہ حصے تک پہنچنے میں کامیاب کیسے ہو گئے؟" ٹائیگر نے جھلاہٹ آمیز لہجے میں کہا کیونکہ اُسے یاد تھا کہ وہاں سے نکلنے کے بعد اس نے خفیہ راستہ اس مضبوطی سے بند کر دیا تھا کہ عام آدمی اُسے آسانی سے نہیں کھول سکتا تھا۔

"وہ راستہ بند تھا" بہرام نے کراہ کر کہا "میں نے ایک سلاخ کی مدد سے اُسے توڑا اور پھر اسٹیل کی چادر ہٹا کر اندر چلا گیا"

"اوہ... اور جب آپ اندر پہنچے تو وہ لوگ خفیہ حصے میں پہلے سے موجود تھے؟" ٹائیگر نے چونک کر پوچھا۔

بہرام نے جواباً اثبات میں سر ہلانے کی کوشش کی تو کراہ کر رہ گیا۔ اس کی کھوپڑی اتنی زخمی تھی کہ خفیف سا جھٹکا بھی برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ کھوپڑی سے درد کی ایک لہر پورے جسم میں دوڑ گئی اور وہ خود کو سرتاپا مفلوج محسوس کرنے لگا۔ ٹائیگر سمجھ گیا کہ اس خفیہ حصے تک رسائی کے لیے ایک وہی راستہ نہیں ہے۔ کوئی اور راستہ بھی یقیناً موجود ہے جسے وہ لوگ اپنی خفیہ آمد و رفت کے لیے استعمال میں لاتے ہوں گے۔ بہرام نے اٹھ کر نشست کی پشت سے ٹیک لگا لی۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔ وہ بے حس و حرکت ہو گیا تھا۔ ٹائیگر نے اس کے چہرے کی طرف دیکھا جہاں ہمیشہ کی طرح بے پناہ خود اعتمادی دکھائی دے رہی تھی۔ اس نے اطمینان کے اظہار میں سر کو مثبت جنبش دی اور پلٹ کر دروازے کی طرف دوڑ پڑا۔ وہ راہداری میں پہنچا اور بالائی ڈیک کی طرف جانے والی سیڑھیوں کی طرف لپکا تو اس نے محسوس کیا کہ اوشان بھی اس کے پہلو میں موجود ہے۔

"مجھے تم پر فخر ہے میرے بچے!" اوشان نے دوڑتے ہوئے کہا۔ اس کے لہجے میں بے پناہ پیار تھا۔

"وہ کس سلسلے میں قتل فادر؟" ٹائیگر نے حیرت سے پوچھا۔

"صحیح قدم اٹھانے کے سلسلے میں...!" اوشان نے جواب دیا دوڑتے دوڑتے وہ اس انداز میں باتیں کر رہے تھے، جیسے یہ باتیں دوڑنے کے دوران نہیں بلکہ محض چہل قدمی کرتے ہوئے کر رہے ہوں۔

"اور وہ صحیح قدم کیا ہے فادر؟" ٹائیگر چونک پڑا۔

"یہی کہ تم سب کو چھوڑ چھاڑ کر اس جھنجٹ سے فرار ہو رہے ہو" اوشان مسرور ہو کر بولا۔ "ہم سیدھے اوپر عرشے پر جائیں گے۔ وہاں سے ایک کشتی پر قبضہ کر کے اس منحوس جہاز سے جتنی بھی دُور ممکن ہو گا، نکل چلیں گے۔ میرا خیال ہے ہم کا دھماکہ ہونے میں ابھی کافی دیر ہے"

اسلم راہی ایم اے کے ولولہ انگیز تاریخی ناول

سائبیریا کا طوفان	۱۵۰/-	صحراؤں کے صحرا	۳۰۰/-
آتش و آہن	۱۵۰/-	رقصِ درویش	۳۰۰/-
ظلمات	۱۵۰/-	دشت کے بھیڑیئے	۲۵۰/-
سراج منیر (اول دوم)	۵۰۰/-	غرناطہ کا چوپان	۳۰۰/-
طارق بن زیاد	۲۵۰/-	شبیر شاہ سوری	۲۵۰/-
مقدس دیوداسی	۱۷۵/-	سندھ کا سورما	۲۵۰/-
ایلیکا (سات جلدیں مکمل سیٹ)	۱۹۵۰/-		

مکتبہ القریش ○ اُردو بازار لاہور

اسلم راہی ایم اے کے ولولہ انگیز تاریخی ناول

اندھیروں کے ساربان	۲۰۰/-	سنہری غول	۱۵۰/-
تاریک رزم گاہ	۲۵۰/-	صلیب و حرم	۱۵۰/-
صقلیہ کا مجاہد	۱۵۰/-	نیشاپور کا شاہین	۱۵۰/-
عقاب	۱۵۰/-	بابل کا بت شکن	۱۵۰/-
صحرا کی آگ	۱۵۰/-	طلسم کدہ	۱۷۵/-
قتیبہ بن مسلم	۱۵۰/-	آتش فشاں	۱۵۰/-
موت کے مسافر	۱۷۵/-	آخری حصار	۲۰۰/-
یثرب کا ابلیس	۱۵۰/-	بنت نیل	۱۵۰/-

مکتبہ القریش اُردو بازار لاہور

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ٹائیگر کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔ اس کے دوڑنے سے اوشان نے غالباً یہ مطلب اخذ کیا تھا کہ وہ بموں کے دھماکوں کا سن کر اس جہاز سے فرار ہو رہا ہے۔ "مختصر بات۔" ٹائیگر کا لہجہ بھی اوشان کے لہجے کی طرح مسموم ہو گیا۔ "آپ سمجھے ہیں۔ ہم ان بموں سے فرار نہیں حاصل کر رہے بلکہ انھیں ناکارہ بنائیں گے۔"

"اچھا۔۔۔!" اوشان نے دوڑتے دوڑتے کہا۔ "اگر یہ بات ہے، فرض کرو ہم ان بموں سے دور کیوں جا رہے ہیں؟ ہم تو پچھلے حصے میں نصب ہیں۔"

"میں چاہتا ہوں کہ کچھ لوگ ہماری مدد کے لیے بھی آجائیں۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔

"اوہ! سمجھے۔ یا تمھیں اب عام آدمیوں کی مدد کی بھی ضرورت پڑنے لگی ہے۔" اوشان کے لہجے میں حیرت تھی۔

"اگر یہ بات ہے تو ظل خاور تو بہتر ہوگا کہ آپ نیچے چلے جائیں اور بموں کو ناکارہ بنانا شروع کر دیں۔ اس دوران میں، میں کچھ لوگوں کو لے کر آپ کے پاس پہنچ جاؤں گا۔"

"اوہ۔۔۔ تو تم تنہا فرار ہونا چاہتے ہو؟" اوشان نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"یہ واہیات بکواس بند کرو اور آپ کسی بم پر سوار ہو کر آسانی سے نیچے پہنچ جائیں گے۔۔۔ پھر وہاں ظاہر ہو گا کہ۔۔۔!" یہ کہہ کر ٹائیگر نے رفتار تیز کر دی۔ اب اس کے پاؤں فرش کو چھوتے ہوئے نہیں لگ رہے تھے۔ بادی النظر میں یہی لگتا تھا جیسے وہ فرش سے تھوڑا سا اوپر فضا میں تیرتا ہوا چلا جا رہا ہو۔

اوشان ایک جھٹکے سے رک گیا۔

چند لمحوں تک وہ ٹائیگر کو گھورتا رہا۔۔۔ پھر اس کے ہونٹوں پر بڑی ہی پیاری سی مسکراہٹ آگئی اور وہ پلٹ کر راہداری کے اس حصے کی طرف دوڑنے لگا جہاں سے وہ جہاز کے خفیہ حصے میں داخل ہو سکتا تھا۔ اس کی رفتار بے حد تیز تھی۔ اتنی تیز کہ اگر کوئی اس پر نگاہ جمانے کی کوشش کرتا تو اسے یقیناً ناکامی ہوتی۔ اس کا لبادہ ہوا میں پھڑپھڑا رہا تھا اور اس پر کسی ایسے پرندے کا گمان ہوتا تھا جو بے پر واز کر رہا ہو۔ اس کا رخ جہاز کے اس حصے کی طرف تھا جسے وہ عام طور پر پیٹ کہا کرتا تھا۔

ٹائیگر عین وقت پر اوپر پہنچ گیا۔

اس وقت تھا میں تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا ایک لفٹ کی طرف بڑھ رہا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ لفٹ میں سوار ہو گیا۔ اس کے دروازے بند ہو گئے۔ لفٹ تیزی سے اوپر اٹھنے لگی۔

ٹائیگر نے عرشے کی طرف جانے والے زینے کی طرف دوڑ لگا دی۔ وہ اس سے پہلے عرشے پر پہنچ جانا چاہتا تھا۔ عرشے سے دوسری لفٹ میں سوار ہو کر تھامیں اپنی کشتی پر آسانی سے پہنچ سکتا تھا۔ ٹائیگر اوپر پہنچا تو وہاں لوگوں کا خاصا ہجوم تھا۔

سمندر کی سطح بے شکن تھی اور لہروں کی آواز میں سرکشی کا تاثر نہیں تھا۔ پارٹی میں سے بعض مسافر اپنے عملے کے ساتھ اوپر آ گئے تھے اور عرشے پر کھلی ہوا سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ ٹائیگر نے دیکھا کہ بیشتر لوگ ٹولیوں کی شکل میں ڈیموس کے ہیلی کاپٹر کے گرد کھڑے باتوں میں مصروف ہیں۔ ٹائیگر نے ادھر ادھر متلاشی نگاہ ڈالی تو اسے تھامیں دکھائی دے گیا۔ وہ جہاز کے اس ہچکولے سے پیٹ خارم پر آ تر رہا تھا، جس کے ساتھ اس کی عظیم الشان لانچ ٹکی ہوئی تھی۔ اچانک ٹائیگر کی نظریں ان لمحہ در لمحہ آدمیوں پر جم گئیں، جنھوں نے ہاتھوں میں سوٹ کیس تھام رکھے تھے۔ یہ چھ آدمی تھامیں کا انتظار کر رہے تھے تھامیں پر نگاہ پڑتے ہی اس کی لانچ کے عملے نے لنگر اٹھانے شروع کر دیے اور وہ رسیاں کھولنا شروع کر دیں جن سے لانچ اس عظیم الشان جہاز سے بندھی ہوئی تھی۔

ٹائیگر حیران تھا کہ سوٹ کیسوں والے یہ آدمی کہاں سے ٹپک پڑے؟ اس کے پاس زیادہ غور کرنے کا وقت نہیں تھا۔ وہ تیزی سے ہجوم میں سے راستہ بناتا ہوا ڈیموس کے ہیلی کاپٹر کی طرف لپک پڑا۔ اگرچہ لوگوں کے ہجوم نے اصل منظر چھپا رکھا تھا لیکن قریب پہنچتے ہی ٹائیگر نے دیکھا کہ ہیلی کاپٹر کو ناکارہ بنا دیا گیا ہے۔ تاریں کاٹ ڈالی گئی تھیں اور انجن کھول دیا گیا تھا۔ ہیلی کاپٹر کے کئی پرزے چوبی عرشے پر بکھرے پڑے تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے کسی مکینک نے مرمت کے لیے اس کا انجن کھول کر پرزے ادھر ادھر ڈال دیے ہوں۔ ڈیموس اور ہیلن قریب قریب کھڑے ہیلی کاپٹر کے پائلٹ کی طرف دیکھ رہے تھے، جو جہاز کو پہنچنے والے نقصان کا جائزہ لے رہا تھا۔ ٹائیگر نے محسوس کیا کہ ڈیموس نے بڑی مضبوطی سے ہیلن کا دایاں ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھام رکھا ہے۔ ہیلن نے اپنے باپ کے حکم کی نافرمانی کی تھی۔ اسے اس وقت اپنی لانچ میں ہونا چاہیے تھا جب کہ وہ اپنے باپ کے حریف کے قریب، دنیا کے سب سے بڑے جہاز کے عرشے پر کھڑی تھی۔ ٹائیگر کو اس لڑکی کے ذہن پر حیرت ہوئی تھی۔ وہ حیران تھا کہ آخر یہ لڑکی ڈیموس جیسے بوڑھے چیتے کی خاطر اسے اور اپنے باپ کو کیوں نظر انداز کر رہی ہے۔ ہیلن غالباً وہ پہلی لڑکی تھی جس نے ٹائیگر کی شخصیت کا کوئی اثر نہیں لیا تھا۔ ٹائیگر کو وہ ایک ایسے اونٹ کی مانند محسوس ہوئی جس کی کوئی بھی کل سیدھی نہ ہو۔ وہ سمجھ گیا کہ ہیلن نے ڈیموس کی لانچ پر شب بھر

کا تہیہ کر رکھا ہے اور یہ بات اس نے اب نہیں بلکہ بہت پہلے طے کر لی تھی۔ وہ ٹائیگر کو رقابت کی آگ میں جلا کر اسے سزا دینا چاہتی تھی۔ اپنے باپ کو ناراض کر کے اس سے کسی قسم کا انتقام لینا چاہتی تھی۔ اس بات کا فیصلہ کرنے میں ٹائیگر کو اس وقت بے پناہ دشواری ہو رہی تھی کیونکہ زندگی میں پہلے کبھی ایسی بے ڈھب لڑکی سے اس کا کبھی پالا نہیں پڑا تھا۔ وہ ان کے قریب جا پہنچا۔ "یونانی۔۔۔!" اس نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

ڈیموس نے اس کی آواز سن لی۔ اس نے ترچھی نگاہوں سے ٹائیگر کی طرف دیکھا۔۔۔ پھر ہیلن سے پوچھا۔ "کیا تم اس شخص کو جانتی ہو؟"

"اسے نظر انداز کرو۔ ڈیڈا۔" ہیلن نے بڑی ادا سے کہا۔

"یہ جہاز تباہ ہونے والا ہے۔۔۔ اور یہ تمھارا ہی کام ہے۔ آؤ چلو۔" ٹائیگر کا لہجہ بے حد سرد تھا۔

ڈیموس نے اپنے محافظوں کو اشارہ کرنے کی کوشش کی لیکن اچانک ہی اسے محسوس ہوا کہ اس کا بایاں ہاتھ اس کے جسم کا حصہ نہیں رہا۔۔۔ بلکہ پورا بازو ہی یکایک شل ہو گیا تھا۔ ٹائیگر نے اس کی کہنی انگوٹھے اور درمیانی انگلی کے درمیان تھام لی تھی۔

"چلنے کی ضرورت نہیں۔۔۔ اور نہ ہی تم کوئی اشارہ کرو گے۔" ٹائیگر کا لہجہ بے حد سفاک تھا۔ اس نے ڈیموس کو ہلکا سا دھکا دے کر اپنے سامنے کر لیا۔ وہ بوں ہموار کر سامنے آ گیا جیسے اس کے پیروں تلے پہیے لگے ہوئے ہوں۔ اچانک اس نے دیکھا کہ وہ گارڈ اس کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ "ان سے کہو کہ سب ٹھیک ٹھاک ہے۔" ٹائیگر کی دھیمی غراہٹ میں نہ جانے کیا تاثر تھا کہ ڈیموس سر سے پاؤں تک کانپ گیا۔

وہ زندگی میں پہلے کبھی اتنا خوفزدہ نہیں ہوا تھا جتنا کہ اس نوجوان سے اس وقت خوفزدہ ہو رہا تھا۔ اس نے خود کو سنبھالنے کی کوشش کی لیکن اس کی بے پناہ خود اعتمادی نہ جانے کہاں غائب ہو گئی تھی۔ اس سے قبل کہ محافظ ان کے قریب پہنچتے، اس نے دور ہی سے انھیں کہا۔ "سب ٹھیک ہے۔ تم لوگ اپنا کام کرو۔"

محافظ سامنے سے ہٹ گئے۔ ٹائیگر، ڈیموس کو لے کر آگے بڑھ گیا۔

"اس بات سے تمھارا کیا مطلب تھا کہ یہ جہاز تباہ ہونے والا ہے؟" ڈیموس نے چند قدم چلنے کے بعد دریافت کیا۔ ٹائیگر اسے لے کر ان سیڑھیوں کے پاس پہنچ چکا تھا جو جہاز کے نچلے حصے کی طرف جاتی تھیں۔

"میرا مطلب تھا کہ تمھارے بدمعاشوں نے جہاز میں بم نصب کر دیے ہیں۔۔۔ اگر وہ بم پھٹ گئے تو تم بھی ان کے ساتھ ہی پھٹ کر بکھر جاؤ گے۔"

"میں نہیں جانتا کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔" ڈیموس بڑبڑایا۔

"ابھی کچھ دیر میں سب کچھ سمجھ جاؤ گے۔" ٹائیگر نے سرد مہری سے جواب دیا اور ڈیموس کو لے کر اس راہداری میں پہنچ گیا جہاں خفیہ حصے تک جانے کا راستہ تھا۔ وہ اس دروازے تک جا پہنچا جہاں سے ایک بار پہلے بھی خفیہ حصے میں داخل ہو چکا تھا۔۔۔ اور یہ وہی راستہ تھا جسے استعمال کر کے بہرام نے بھی خفیہ حصے تک رسائی حاصل کی تھی۔ اس نے دیکھا کہ بہرام نے بم کی کسی سلاخ سے دروازہ توڑ کر الگ کر دیا تھا۔۔۔ اور غالباً ابھی کچھ دیر قبل اوشان نے اندر جاتے وقت آہنی چادریں چیر کر اس راستے کو مزید کشادہ کر دیا تھا۔ ٹائیگر نے ڈیموس کو ہلکا سا دھکا دیا اور اسے راہداری سے خفیہ حصے میں داخل کر دیا۔

اندر قدم رکھتے ہی ڈیموس نے حیرت سے چاروں طرف دیکھا اور پھر ٹائیگر کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔ "یہ سب کچھ کیا ہے؟" اس کے لہجے میں استعجاب تھا۔

"میرے لیے صرف ایک ہی بات حیرت کا باعث ہے کہ تم خود اپنے ہی جہاز کو کیوں تباہ کرنا چاہتے ہو؟"

"لعنت ہو تم پر۔۔۔ پاگل آدمی۔۔۔ میں نہیں جانتا کہ تم کیا بکواس کر رہے ہو۔ یہ کون سی جگہ ہے؟ مجھے بتاؤ۔" اس کا انداز اب رفتہ رفتہ ملتجیانہ ہوتا جا رہا تھا۔ اس کے چہرے اور آنکھوں سے جو خوف جھلک رہا تھا۔ اب اس کی جگہ الجھن نے لے لی تھی اور حیرت تو گویا اس کے چہرے سے ٹپک رہی تھی۔

"کیا تم نہیں جانتے؟" ٹائیگر نے دریافت کیا۔

"نہیں۔۔۔ میں بالکل نہیں جانتا۔ یہ جو کچھ بھی مجھے دکھائی دے رہا ہے، میں نے اسے کبھی تصور نہیں کیا۔ یہ سب کچھ میرے لیے اجنبی اور حیران کن ہے۔ یہ جگہ تو آئل اسٹور کے لیے مخصوص تھی۔۔۔ اور جب جہاز کا ماڈل دوبارہ تیار کرایا گیا تھا تو اس حصے کا نام و نشان تک نہیں تھا۔ یہاں کوئی راہداری۔۔۔ یا۔۔۔ کوئی کمرہ نہیں ہوتا چاہیے تھا۔"

"ہاں۔۔۔ لیکن اب یہاں ان گنت راہداریاں اور بے شمار کمرے موجود ہیں۔" ٹائیگر نے ناگواری سے کہا۔ "نہ صرف راہداریاں اور کمرے۔۔۔ بلکہ کمپیوٹرائزڈ سرکٹ ٹی وی اور ہتھیار بھی یہاں موجود ہیں۔"

اچانک انھیں سامنے سے اوشان آتا دکھائی دیا۔

ڈیموس اسے دیکھ کر ٹھٹک گیا اور پھر حیرت سے بکھرے ہوئے کپڑوں کا جائزہ لینے لگا۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے اس نے زندگی میں پہلے کبھی ایسی کوئی مخلوق نہ دیکھی ہو۔

"بہت برا۔۔۔ بہت برا۔۔۔!" اوشان نے قریب آتے ہوئے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

افسوس کے اظہار میں سر ہلا کر کہا۔

"کیا بات ہے شیل فادر؟" ٹائیگر نے بے چینی سے پوچھا۔

"میں چند دم تلاش کرنے میں کامیاب ہو چکا ہوں اور میں نے انھیں ناکارہ بھی بنا ڈالا ہے... لیکن ابھی اور بھی کئی بم موجود ہیں۔"

"فکر نہ کرو شیل فادر... ہم ان تمام بموں کو ناکارہ بنا دیں گے۔" ٹائیگر نے قدرے خوشگوار لہجے میں جواب دیا۔

"اس کے علاوہ ہر طرف پیٹرول ہی پیٹرول چھڑکا گیا ہے۔ پیٹرول کی بوتلیں اور پیٹرول سے بھیگے ہوئے کپڑے کی دھجیاں ہر طرف بکھری ہوئی تھیں۔ میں ہر طرف ریڈیو کے آلات بھی دیکھ چکا ہوں۔"

"تھا بس...!" ڈیموس نے کراہ کر کہا۔ "یہ سب کچھ اسی خبیث کا کیا دھرا ہے۔"

"اس کا ایک ایسے جہاز سے بھلا کیا تعلق ہو سکتا ہے جو تمہاری ملکیت ہے؟" ٹائیگر نے مشکوک لہجے میں سوال کیا۔

"اسی نے اس جہاز کو تباہ کرنے کا منصوبہ بنایا ہے اور وہ اس کے ساتھ ساتھ مجھے ڈبو کر نیست و نابود کر دینا چاہتا ہے۔ وہ ایک تباہ کار ہے... وہ بہت ظالم ہے...!" یہ کہتے کہتے ڈیموس کے لہجے میں کسی بھیڑیے جیسی غراہٹ پیدا ہو گئی۔ وہ غصے کی زیادتی سے کانپ رہا تھا۔ اچانک اس نے خود کو جھٹکا دے کر ٹائیگر سے چھٹکارا پایا اور اس سے دور ہو گیا... ٹائیگر اس کی قوت اور توانائی پر ششدر رہ گیا۔ آج تک کوئی عام آدمی اس انداز میں خود کو جھٹک کر اس کی گرفت سے آزاد نہیں ہو سکا تھا۔ وہ تیزی سے آگے بڑھا تاکہ ڈیموس کو روک سکے... لیکن اس وقت تک وہ راہداری میں کافی آگے بڑھ چکا تھا۔

ٹائیگر ایک طویل سانس لے کر اوشان کی طرف متوجہ ہوا۔

"بچے بوں اور بم کہاں ہیں، اوشان؟" اس نے پوچھا۔

"ادھر... ہر جگہ... ہر طرف...!" اوشان نے راہداری سے دور اندھیرے کی طرف ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے جواب دیا۔

ڈیموس پوری طاقت سے راہداری میں دوڑ رہا تھا۔ وہ بری طرح ہانپ رہا تھا۔ اس کی مشکل راہ داری میں گونج کر بازگشت پیدا کر رہی تھی۔ "کوئی مدد ماش ڈیموس کے جہاز کو تباہ نہیں کر سکتا۔ یہ میری سخت کاشی سے... اسے کوئی نہیں مٹا سکتا!"

اس کی آواز میں ہذیانی تاثر تھا اور ان آوازوں پر کسی بدروح کی چیخوں کا گمان ہوتا تھا۔

**

تھا بس تیزی سے اپنی کشتی پر چڑھا اور ریلنگ کے سہارے جا کھڑا ہوا۔ اس کے چہرے پر جوش و خروش کے آثار تھے اور وہ بری طرح ہانپ رہا تھا۔ اس کی کشادہ پیشانی پر موتیوں جیسے پسینے کے قطرے لرز رہے تھے اور اس کی آنکھوں میں بے پناہ چمک تھی۔ وہ جیسے ہی ریلنگ کے قریب پہنچا کسی نے دوربین اس کی طرف بڑھا دی۔

وہ ریلنگ پر جھک گیا اور دوربین کے عدسوں کو حرکت دے کر دنیا کے عظیم ترین جہاز کو اس کے فوکس میں لیتے ہوئے مسکرانے لگا۔ اس کے انداز میں بے پناہ خود اعتمادی اور وقار تھا۔ وہ شاہانہ پن سے ہر حرکت کر رہا تھا اور غالباً اس وقت خود کو ماسٹر آف سیچوئیشن سمجھ رہا تھا۔

رات کی نیم تاریکی میں دھند اور چاندنی کا عجیب سا تاثر تھا۔ اس دھندلی چاندنی میں وہ دیو پیکر جہاز بے حد حسین لگ رہا تھا۔ اس کے نیچے سمندر کی بڑی بڑی لہریں یوں بل کھا رہی تھیں جیسے کوئی اژدہا کچل جانے کے بعد تڑپتا ہے۔ دور سے یہ عظیم الشان جہاز ڈولتا ہوا بے حد خوشنما نظر آ رہا تھا۔ وہ لہروں کے دوش پر رقص کرتا محسوس ہو رہا تھا۔

تھا بس نے اپنے آدمیوں کی طرف دیکھے بغیر پوچھا۔ "کتنے منٹ باقی ہیں؟"

وہ چھ پُراسرار آدمی، جو سوٹ کیس لیے اس کے ساتھ کشتی کے عرشے پر موجود تھے اور جن میں سے آخری آدمی نے ابھی ابھی عرشے پر قدم رکھا تھا، ان میں سے ایک نے اپنی کلائی کی گھڑی کی طرف دیکھا اور مسکرانے لگا۔

"صرف تین منٹ ہیں جناب!" اس شخص نے جواب دیا۔

"اور ہیلی کاپٹر پرواز نہیں کر سکے گا؟" تھا بس نے دریافت کیا۔ اس کا لہجہ بے حد مسرور تھا جیسے وہ اس شور شرابے حال سے خوب لطف اندوز ہو رہا ہو۔ "کیا تمھیں یقین ہے کہ ہیلی کاپٹر پرواز نہیں کر سکے گا؟"

"میں نے آج تک بغیر انجن کے کوئی جہاز اڑتے نہیں دیکھا پھر بھلا وہ ہیلی کاپٹر کیسے پرواز کر سکے گا؟" "چھ میں سے ایک آدمی نے جواب دیا۔

تھا بس ہنس پڑا۔ اس کی ہنسی میں لطف و لذت کا گہرا تاثر تھا۔ اس نے دوربین آنکھوں سے ہٹالی اور ایک باوردی آدمی سے کہا۔ "مس ہیلن کو یہاں بلا لاؤ۔ یہ ایک ایسا وقت ہے کہ اُسے کچھ سیکھنے کا موقع ملے گا۔ میں اسے سمجھاؤں گا کہ شپنگ کا کاروبار اس قدر نرم و نازک نہیں ہوتا، جتنا کہ عام لوگ سمجھتے ہیں۔ یہ کریم کے بنے ہوئے کیک کو کاٹ کر خوش ہونے سے زیادہ مشکل کام ہے۔"

"لیکن مس ہیلن جناب...!" باوردی آدمی نے چونک کر کہا۔

"ہاں، ہاں... کہا سے بلاؤ... جلدی... صرف تین منٹ باقی رہ گئے ہیں۔" تھا بس نے پُرجوش لہجے میں کہا۔

"لیکن مس ہیلن تو واپس نہیں آئیں، جناب! کیا وہ آپ کے ساتھ نہیں تھیں؟" باوردی آدمی کی آواز میں گھبراہٹ تھی اور اس نے رومال

نکال کر جلدی جلدی چہرے سے پسینہ پونچھنا شروع کر دیا تھا۔

تھا بس کے ہاتھ سے دوربین گر گئی۔

اس سے قبل کہ کوئی دوربین کو سنبھالتا۔ وہ عرشے پر گر کر پھسلی اور پھر ریلنگ کے نیچے سے سمندر کے سیاہ پانی میں گر کر لنگا ہوں سے اوجھل ہو گئی۔

"ہیلن... تمھارا... مطلب ہے... وہ ابھی تک اسی منحوس جہاز پر ہے؟" تھا بس نے تھوک نگل کر سوال کیا۔ وہ یوں بار بار نگل رہا تھا جیسے اس کے حلق میں اچانک ہی بے شمار کانٹے اگ آئے ہوں۔

کسی نے اس کی اس بات کا جواب نہیں دیا۔

تھا بس پلٹ کر اس عظیم ترین جہاز کی طرف دیکھنے لگا، جو دنیا کا سب سے بڑا جہاز تھا، جو اس کے حریف ڈیموس کی عظمت کا نشان تھا اور اس کی برتری کی علامت تھا... اور جسے اس نے تباہ کرنے کا بندوبست کر دیا تھا... اور جو صرف تین منٹ بعد چیتھڑوں میں تبدیل ہونے والا تھا۔ اس کے حریف کی عظمت اور برتری کا نشان معدوم ہونے والا تھا۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ خود تھا بس کی بیٹی بھی ختم ہونے والی تھی... وہ اپنی آنکھوں سے اپنے حریف کی تباہی اور ہیلن کی موت کی شکل میں خود اپنی بربادی کا تماشا دیکھنے والا تھا۔ اب ہیلن کی واپسی ناممکن تھی۔ اس کی بیٹی، اس کی آنکھوں کے سامنے موت سے ہمکنار ہونے والی تھی۔

تھا بس کو یوں لگ رہا تھا جیسے کسی نے اچانک ہی اس کا دل اپنی مٹھی میں لے لیا ہو اور اس پر اپنی آہنی گرفت بڑھا کر اسے کچل ڈالنا چاہتا ہو۔ اس کے دونوں ہاتھ تو ریلنگ پر جم گئے۔ اس کی گرفت اتنی سخت تھی کہ اگر اس میں ذرا سی اور سختی پیدا ہو جاتی تو شاید ہاتھوں کی ہڈیاں ٹوٹ جاتیں... اب اس کی آنکھوں میں فاتحانہ چمک نہیں بلکہ شکست کی علامات جاگر ہو گئی تھیں اور وہ پھٹی پھٹی نظروں سے اس جہاز کی طرف دیکھ رہا تھا جس کی تباہی میں صرف تین منٹ باقی رہ گئے تھے۔

**

"بہت زیادہ... بے شمار... بہت زیادہ... بے شمار...!" ڈیموس بری طرح چیخ رہا تھا۔ اس کی حرکات و سکنات سے دیوانگی جھلک رہی تھی۔ اس نے ڈائنامائٹ کے ایک گچھے سے تار کھینچ کر توڑ دیا۔ "بہت زیادہ... بے شمار...!" وہ بار بار یہی کہہ رہا تھا۔

اچانک وہ خاموش ہو گیا۔ وہ سیدھا ہو کر کھڑا ہوا اور پھر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

راہداری میں ہر طرف ڈائنامائٹ ہی ڈائنامائٹ نصب تھے۔ آتش گیر بموں کی تعداد بھی کم نہیں تھی اور شیطانوں نے ان بموں کو نصب کرتے وقت ہر ایک کو الگ الگ ٹائمنگ ڈیوائس سے منسلک کیا تھا۔ اس طرح دھماکے کے امکانات صد فی صد ہو گئے تھے۔ ماس چال کو ناکام بنانا اب ممکن نہیں لگتا تھا۔

ڈیموس نے مایوسی سے سر ہلایا۔ "نہیں... یہ بہت زیادہ ہیں۔ ہم ان کو الگ نہیں کر سکتے، ہم ان سے نجات حاصل نہیں کر سکتے۔" اب اس کی آواز کراہنے کی آواز بن گئی تھی۔ شکست، رفتہ رفتہ اس کے اعصاب پر اپنے پنجے گاڑ رہی تھی۔

ڈیموس نے ٹائیگر اور اوشان کی طرف دیکھا، وہ بھی ڈائنامائٹ اور بموں سے منسلک تاروں کو الگ کرنے میں مصروف تھے۔

"میرا خیال ہے فرینڈز...!" اوشان نے ایک ڈائنامائٹ کو ناکارہ بناتے ہوئے کہا۔ "اس سے قبل کہ ہماری روحیں، ہمارے جسموں کا قیمہ ہوتے دیکھیں۔ ہمیں یہاں سے چل دینا چاہیے۔"

"نہیں شیل فادر... ابھی نہیں...!" ٹائیگر نے تیزی سے کہا۔

"اگر ابھی نہیں... تو پھر کبھی نہیں...!" اوشان نے زیر لب کہا۔

"یہ ہمارا کام نہیں ہے۔ ہم جو کچھ کر چکے ہیں، یہی کافی ہے، اس سے زیادہ ہم اور کیا کر سکتے ہیں؟ ہم شہنشاہ ایران کے ملازم ہیں۔"

"خاموش رہ کر تیزی سے یہ تاریں الگ کرتے رہیں، شیل فادر۔" ٹائیگر نے سختی سے کہا۔ "ہم یہ کام کسی ایران کے شہنشاہ کے لیے نہیں بلکہ ہزاروں آدمیوں کی زندگی بچانے کے لیے کر رہے ہیں۔"

"مجھے ہزاروں آدمیوں سے کوئی دلچسپی نہیں۔" اوشان نے منہ بنا کر کہا۔ "اور نہ ہی مجھے ہیرو بننے کا شوق ہے۔"

"حالانکہ آپ وحشی قسم کے ہیروؤں کی فلمیں بہت شوق سے دیکھتے ہیں۔"

"میرے شوق کا حوالہ نہ دو۔" اوشان کا موڈ مزید خراب ہو گیا۔ "ہر کسی کے اپنے اپنے شوق ہوتے ہیں۔ میں تم جیسے کئی شوقوں میں مبتلا نہیں ہوں۔"

"آپ ایک ہمدرد انسان بھی تو ہیں۔" ٹائیگر نے مسکرانے کی کوشش کی۔ "ہمیں توقع نہیں کرنی چاہیے کہ آپ اتنے کٹھور بھی ہو سکتے ہیں۔"

"میں سب سے پہلے خود اپنے آپ سے ہمدردی کرتا ہوں۔" اوشان نے اک شانِ بے نیازی سے کہا۔ "اس کے بعد مانجو کے عوام میری ہمدردی کے مستحق ہیں اور اس سلسلے میں میں کبھی لاپروائی نہیں کرتا۔"

ٹائیگر سوچ میں پڑ گیا۔

اوشان کی ذہنی رو بہک گئی تھی اور اسے راہ پر لانا مشکل تھا لیکن جب تک وہ راہ پر نہ آ جاتا، اس سے کسی قسم کی توقع فضول تھی۔ کچھ لمحے اسی سوچ و بچار میں گزر گئے پھر اس نے جھنجھلائی ہوئی آواز میں کہا۔ "آپ کو ان ہزاروں آدمیوں سے چشم پوشی نہیں کرنی چاہیے، شیل فادر!"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"لیکن ان ہزاروں آدمیوں نے ہماری خدمات حاصل نہیں کیں۔" اُوشان غرایا۔ "اور ہاؤس آف سنائجو کا مالک مفت میں کام کرنے کا عادی نہیں ہے۔"

"میں یہ کام درحقیقت خود اپنے لیے کر رہا ہوں..." ٹائیگر نے جواب دیا۔ "اور آپ بھی یہ کام خود اپنی ذات کے لیے کر رہے ہیں... وقت اتنا کم ہے کہ ہم یہاں سے فرار نہیں ہو سکتے۔" اُس نے یہ کہہ کر ایک اور ڈائنامائٹ کو ناکارہ بنا دیا۔

اُس نے جس ڈائنامائٹ کو ناکارہ بنایا تھا، وہ تین بموں سے بندھا ہوا تھا اور اُس کے تار برابر والے ڈائنامائٹ تلے دبے ہوئے تھے۔ اس طرح وہ بیک وقت کئی بم اور ڈائنامائٹ بیکار کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اُسے حیرت ہو رہی تھی کہ آخر کتنے آدمیوں نے یہ بم یہاں رکھے ہیں؟ اور وہ کتنی دیر تک اس کام میں مصروف رہے ہیں؟ یکایک اُس کے ذہن میں وہ چھ سوٹ کیسوں والے آدمی گھوم گئے۔ وہ سمجھ گیا کہ ان سوٹ کیسوں میں ڈائنامائٹ اور بم ہی بند تھے۔

"کوئی فائدہ نہیں..." ڈیموس اُن کے قریب آ کر بولا۔ "یہ ڈائنامائٹ اب پھٹنے ہی والے ہیں۔ ہم ان سب کو ناکارہ نہیں بنا سکتے۔ ان سب کے دھماکوں سے جہاز کے پرخچے اُڑ جائیں گے اور یہ تباہ ہو جائے گا۔" غصّے اور مایوسی کے عالم میں وہ اس دیوار پر گھونسے برسانے لگا جو اُس راہ داری اور انجن روم کے درمیان حائل تھی۔ اُس کے چہرے کی جھریوں میں آنسو بہہ نکلے تھے۔ "وہ ذلیل... وہ... اوہ! اُس نے بالآخر مجھے تباہ کر دیا۔" وہ غصّے سے اپنے بال نوچنے لگا۔

اچانک ٹائیگر نے ایک خفیف سی سرسراہٹ محسوس کی۔ اُس کے ساتھ ہی ہلکا سا دھواں اُٹھا... پھر دُور افتادہ حصّے میں ایک دھماکا ہوا۔ ٹائیگر کے حساس نتھنوں سے پیٹرول کے جلنے کی بُو ٹکرائی۔ جس جگہ دھماکا ہوا تھا، وہ وہاں سے خاصی دُور تھی۔ اس کے باوجود جلد ہی ڈیموس نے بھی دھویں کی بُو سونگھ لی۔ ٹائیگر نے اس جانب دیکھا۔ اُسے دھوئیں کی ایک لکیر تیزی سے راہ داری میں سفر کرتی دکھائی دی۔

"میرا جہاز... میرا جہاز..." ڈیموس حلق کے بل چیخ پڑا۔

اس پر ایک بار پھر ہذیانی کیفیت طاری ہو رہی تھی۔

"بہتر ہوگا کہ اب ہم یہاں سے چل دیں۔" ٹائیگر کے لہجے میں بھی مایوسی آ گئی۔ "اب کچھ نہیں ہو سکتا۔"

"نہیں..." ڈیموس نے شدّت سے سر کو نفی میں ہلایا۔ "میں نہیں جاؤں گا... میں یہیں رہوں گا۔ یہ میرا جہاز ہے۔ میں اس کے ساتھ ہی ڈوبوں گا۔" ایک بار پھر اُس کے آنسو رخساروں کی جھریوں میں بہنے لگے۔ "میں اسی جگہ رہوں گا... میں نہیں جاؤں گا۔"

"ہو سکتا ہے، ابھی کچھ وقت ہو... اور ہم یہاں سے زندگی بچا کر نکل جانے میں کامیاب ہو جائیں۔" ٹائیگر نے اُسے سمجھانے کی کوشش کی۔

اسٹیل کی دیواروں میں ایک بار پھر دھماکا ہوا۔ ایک اور بم پھٹ گیا تھا۔ دھوئیں کے بادل اُٹھنے لگے تھے۔ پیٹرول کو آگ لگنے سے ہر طرف بُو پھیل رہی تھی۔

"چلو..." ٹائیگر نے سختی سے کہا۔

"ٹھہرو..." ڈیموس یکایک خاموش ہو گیا۔ وہ گہری سوچ میں ڈوبا ہوا معلوم ہو رہا تھا۔ "ہم یہ سب کچھ ڈبو سکتے ہیں۔" اُس نے دُور افتادہ حصّے کی طرف ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "اگر یہ سب کچھ بھیگ جائے تو ناکارہ ہو سکتا ہے۔"

"بھیگ جائے..." ٹائیگر چونک پڑا۔ "وہ کیسے؟"

"اگر ہم کسی طرح اس جگہ پانی لے آئیں تو یہ سب کچھ بھیگ کر بیکار ہو جائے گا۔" ڈیموس پُرجوش لہجے میں کہہ رہا تھا۔

"اگر ہم جہاز کو پانی سے بھر دیں گے تو یہ ڈوب جائے گا۔" ٹائیگر نے کہا۔ اُس کی سمجھ میں ابھی تک یہ بات نہیں آ سکی تھی کہ ڈیموس اس سے کیا کہنا چاہتا ہے۔

"نہیں... جہاز نہیں ڈوبے گا اور یہ بم وغیرہ بھی ناکارہ ہو جائیں گے۔" وہ ایک لمحے کے لیے خاموش ہو گیا۔ "لیکن نہیں... ہم یہاں سمندر کا پانی نہیں لا سکتے۔"

اُوشان ہنس پڑا۔ "سمندر میں پانی کی کمی نہیں ہے..." اُس نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

معاً ایک اور دھماکا ہوا۔

وہ لوگ جس جگہ کھڑے تھے، وہاں کے ڈائنامائٹ اور بم چونکہ ناکارہ بنائے جا چکے تھے، اس لیے فی الحال انھیں کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا تھا۔ البتہ راہ داری کے دُور افتادہ سرے پر دھماکوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ وہاں دھواں ہی دھواں پھیل گیا تھا اور اسٹیل کے فرش یا اسٹیل کی دیواروں پر پیٹرول کے جلنے سے شعلے رقص کرنے لگے تھے۔ شعلوں کی تڑتڑاہٹ بے حد خوفناک انداز میں سُنائی دے رہی تھی اور ہر طرف بھورا دھواں، بادلوں کی شکل میں پھیلتا نظر آنے لگا تھا۔

"تم کسی ایسی دیوار کی نشاندہی کر سکتے ہو جس کے دوسری طرف سمندر کا پانی موجود ہو؟" ٹائیگر نے اُوشان کی بات سمجھتے ہوئے ڈیموس سے سوال کیا۔

"اُدھر... اُس طرف..." وہ دیوار دار ایک طرف اشارہ کرنے لگا۔ "لیکن ہم اس دیوار کو توڑ نہیں سکتے۔"

"ہم اسے توڑ سکتے ہیں۔" ٹائیگر نے کہا۔ "ہمیں وہ جگہ دکھاؤ۔"

ہمارے اپنے گلی کوچوں میں ہونے والا تماشائے آہن و سنگ
ہمارے آپ کے گرد بکھرے ہوئے کرداروں کی داستانِ ہزار رنگ

محمود / احمد مودی کے ایڈونچرس کا شاہکار

عرش

12 حصّوں میں شائع ہو گیا ہے

قیمت
فی حصّہ ۵۰/- روپے | مکمل سیٹ ۶۰۰/- روپے

ناشر
مکتبہ القریش، سرکلر روڈ، اُردو بازار، لاہور
فون: ۷۶۶۸۹۵۸

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ڈیموس تیزی سے راہ داری میں دوڑ پڑا۔ وہ بھوسے سوٹ میں ایک مختصر سا اور عجیب قسم کا جانور لگ رہا تھا لیکن اس وقت اُسے دوڑتے دیکھ کر ٹائیگر کو بے حد حیرت ہو رہی تھی۔ اُس نے اپنی زندگی میں کسی عام آدمی کو اتنی تیزی سے دوڑتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا تھا...

یکایک ڈیموس ایک جگہ رُک گیا اور سامنے والی دیوار کی طرف اشارہ کر کے پاگلوں کی طرح چیخنے لگا۔ "اس دیوار کے پیچھے سمندر موجود ہے۔ ادھر پانی موجود ہے۔ کاش، کسی طرح یہ دیوار ٹوٹ جائے... اس میں کسی طرح شگاف پڑ جائے تو سمندر اس حصّے میں گھس آئے گا۔" وہ بُری طرح ہاتھ مل رہا تھا۔ اُس کی بے قراری اور بے تابی دیکھنے والی تھی...

"لیکن یہ اسٹیل کی تین انچ موٹی دیوار ہے۔"

"اسٹیل... اسٹیل..." ٹائیگر نے زیرِ لب کہا۔

"ہاں... لیکن بعض لوگ بھی اسٹیل کے بنے ہوتے ہیں۔" اُوشان نے پہلی بار اب بھی عجیب سا تاثر تھا۔

"ہمیں ہو گا کہ تم یہاں سے نکل جاؤ۔" ٹائیگر نے ڈیموس سے کہا اور اوپر دیکھنے لگا۔ وہ چونک پڑا۔ اس حصّے میں اُن کے سروں کے اوپر، کچھ فاصلے پر ایک خفیہ دروازہ تھا۔ ٹائیگر سمجھ گیا کہ یہ وہی خفیہ راستہ ہے جس سے دہشت پسند جہاز کے خفیہ حصّے میں داخل ہوتے تھے اور اتنی خاموشی سے چلے جاتے تھے کہ کسی کو اُن کی آمد و رفت کا کانوں کان پتہ نہیں چلتا تھا۔ اب اُسے احساس ہُوا کہ جب تھائیس ان چھ نوٹ کیس بردار آدمیوں کے ساتھ، اس جہاز پر سوار ہُوا تھا... تو عرشے پر وہ تین کے ساتھ پہنچا تھا جبکہ وہ چھ پُراسرار آدمی نہ جانے کہاں غائب ہو گئے تھے۔ اُس وقت ٹائیگر نے اُن کی گم شدگی پر کوئی توجہ نہیں دی تھی لیکن اب سب کچھ سمجھ گیا تھا۔ وہ چھ افراد اسی دروازے سے جہاز کے اندر آ گئے تھے۔ اس کا مطلب تھا کہ یہ خفیہ دروازہ، جہاز کے سب سے نچلے پلیٹ فارم کے قریب واقع تھا... اور کچھ اس طرح بنا ہوا تھا کہ اُسے باہر سے کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ علاوہ ازیں اس پلیٹ فارم کے بارے میں ٹائیگر کو معلوم تھا کہ وہ پانی کی سطح کے برابر بنا ہُوا ہے...

اب وہ ساری بات سمجھ گیا تھا۔ یہ بات اُسے اب معلوم ہُوئی تھی کہ اس ساری کارروائی کی پُشت پر تھائیس کا ہاتھ ہے، ورنہ وہ تو اب تک یہی سمجھ رہا تھا کہ یہ سب کچھ خود ڈیموس ہی کر رہا ہے۔ اس نے فیصلہ کیا کہ وہ اس سنگدل آدمی کو بڑی ہی اذیتناک اور عبرتناک موت سے ہمکنار کرے گا۔

ایک اور بم پھٹ گیا۔ زبردست شعلے بھڑک اُٹھے۔ شعلوں کی تڑتڑاہٹ میں تیزی آ گئی اور پیٹرول کی بُو میں اب سانس لینا بھی دشوار ہو گیا تھا۔ انھوں نے راہ داری میں دیکھا۔ کچھ دیر قبل وہ لوگ جہاں کھڑے تھے، وہاں سے تھوڑے ہی فاصلے تک شعلے پہنچ گئے تھے۔ یہ شعلے سفر کر رہے تھے۔ لاوے کی طرح اسٹیل کے فرش پر بہہ رہے تھے اور اُن کا رُخ، اُسی جانب تھا، جہاں وہ اس وقت کھڑے اسٹیل کی دیوار میں شگاف کرنے کا ارادہ کر رہے تھے۔

معاً ایک ڈائنامائٹ کے پھٹنے سے کان کے پردوں کو متاثر کر دینے والا دھماکا ہُوا۔ ٹائیگر اُچھل کر قریبی دیوار سے جا ٹکرایا۔ ڈیموس فرش پر مُنہ کے بَل گر گیا تھا... البتہ اُوشان یوں کھڑا تھا جیسے اُس کے جسم نے دھماکے کا ارتعاش محسوس ہی نہ کیا ہو۔

"یہاں سے نکل جاؤ، فوراً۔" ٹائیگر نے چیخ کر ڈیموس سے کہا۔

اُوشان نے آگے بڑھ کر دیوار کے اس حصّے کو اُنگلیوں سے ٹٹولنا شروع کر دیا جس کی طرف ڈیموس نے اشارہ کیا تھا۔ کچھ دیر بعد اُس نے نفی میں سر ہلایا اور ٹائیگر کی طرف دیکھ کر بولا۔ "اسٹیل... اسٹیل..."

ٹائیگر نے جسم کو متوازن کیا اور ذرا سا فضا میں بلند ہُوا... پھر اُس کا جسم توپ کے گولے کی طرح دیوار کی طرف لپکا۔ اُس کی دائیں ٹانگ تیزی سے آگے بڑھی اور اُس کا پنجہ دیوار سے ٹکرا گیا۔ اُس کے فوراً ہی بعد دوسرے پاؤں نے بھی چوٹ لگائی... وہ فرش پر واپس آیا تو اُس کی پیشانی پر پسینے کی بوندیں نمودار ہو گئی تھیں۔ اُسے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ اپنی غیر معمولی طاقت سے اسٹیل کی اس دیوار میں شگاف پیدا کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اُس نے بے بسی سے اُوشان کی طرف دیکھا جس کے ہونٹوں پر بڑی ہی شریر مُسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔

"کیا ہُوا، فرزند؟" اُوشان نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

"یہ اسٹیل کی دیوار ناقابلِ شکست ہے۔" ٹائیگر نے زیرِ لب اپنی شکست کا اعتراف کرتے ہُوئے جواب دیا۔ "میں نہیں سمجھتا کہ اس میں شگاف پیدا کیا جا سکتا ہے۔"

"حالانکہ تم باتیں مجھ سے بہت زیادہ بناتے ہو۔" اُوشان غرّایا۔

"دیکھو، یہ شگاف کیسے ہو سکتا ہے۔" اُس نے کہا اور ڈیموس کی طرف دیکھا جو اب تیزی سے راہ داری کے دروازے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس دروازے تک ابھی شعلے نہیں پہنچے تھے اور بہتی ہُوئی آگ وہاں سے کافی فاصلے پر تھی۔ وہ دروازے تک پہنچا، ایک لمحے کے لیے وہاں رُکا... پھر اُس نے پلٹ کر اُن دونوں کی طرف دیکھا اور ایک جھٹکے سے مُڑ کر دروازے میں داخل ہو کر اُن کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

ٹائیگر اب پُرسکون ہو چکا تھا۔

اُوشان نے اسٹیل کی اس دیوار میں شگاف کرنے کے سلسلے میں جس انداز سے بات کی تھی، وہ اُسے اُوشان کا ایک دعوا سمجھ رہا تھا اور اُسے معلوم تھا کہ خانہ ساز سائنس کا مالک، اُوشان کبھی غلط دعوا نہیں کیا کرتا

اب وہ ساکت کھڑا، اُوشان کی طرف دیکھنے لگا۔ اُس نے خود جو کوشش کی تھی، وہ ناکام ثابت ہُوئی تھی اور اُسے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ اسٹیل کی دیوار میں شگاف پیدا کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے گا۔ اب وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ اُس کا اُستاد، اس کام میں کیسے کامیابی حاصل کرتا ہے۔

اُوشان آہستہ سے فضا میں بلند ہُوا... پھر وہ دیوار کی طرف بڑھا۔ اُس کے دائیں پاؤں نے دیوار پر چوٹ لگائی۔ اسٹیل کی دیوار میں خفیف سی جنبش پیدا ہُوئی۔ یہ گنجائش ابھی معدوم نہیں ہُوئی تھی کہ اُوشان کے دوسرے پاؤں کی ضرب پڑی... اور پھر ٹائیگر کے دیکھتے ہی دیکھتے اُوشان نے چار بار اسی مخصوص ٹائمنگ کے ساتھ ضربیں لگائیں... پھر وہ رُک کر اُس مقام کو دیکھنے لگا۔ وہاں معمولی سا گڑھا بھی نہیں پیدا ہُوا تھا۔

ٹائیگر کو ہنسی آ گئی۔

اُس نے اُوشان کی طرف دیکھا اور بولا۔ "کیوں، اٹل فادر... اسٹیل..." اُس کی آواز حلق ہی میں دم توڑ گئی۔ وہ پھٹی پھٹی نظروں سے دیوار کی طرف دیکھنے لگا۔

دیوار میں اب ایک خفیف سی دراڑ نمودار ہو رہی تھی۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اسٹیل چیخ رہا ہو... پھر یہ دراڑ بڑھتی چلی گئی۔ ٹائیگر کو سب سے زیادہ حیرت اس بات پر ہو رہی تھی کہ اسٹیل پر چوٹوں کی گونج ابھی تک باقی ہے۔

اچانک اُوشان نے نعرہ لگایا۔ وہ ایک بار پھر فضا میں بلند ہُوا اور پھر اُس نے اُوپر تلے دو ٹھوکریں اسی مقام پر ماریں جہاں دراڑ پیدا ہُوئی تھی۔ ٹائیگر کو یہ سب کچھ ایک خواب محسوس ہونے لگا۔ اُس نے دیکھا کہ اسٹیل کی دیوار کا وہ حصّہ جو اُس کی چوٹوں سے بے اثر رہا تھا، اب یوں ہو گیا تھا جیسے وہاں سے دھات بھربھری ہو گئی ہو۔ دو تین ٹکڑے فرش پر گر گئے اور وہاں سے سمندر کا نیلا پانی، ایک گڑگڑاہٹ کے ساتھ اندر گرنے لگا۔

"پکڑو... اس حصّے کو مزید کشادہ کرو۔" اُوشان نے اُسے حکم دیا۔

ٹائیگر نے اسٹیل کی دیوار میں پیدا ہونے والے شگاف میں ہاتھ ڈال کر چادر کا کنارا تھام لیا اور عجب، اُسے کھینچا تو وہ یوں چرتا چلا گیا جیسے اسٹیل کی بجائے موٹا کاغذ ہو۔ جیسے جیسے شگاف چوڑا ہو رہا تھا، پانی کی مقدار اور اُس کی آمد سے شور بڑھتا ہی چلا جا رہا تھا۔ پانی کا ریلا تیزی سے راہ داری میں آگے بڑھنے لگا۔

ٹائیگر نے اس حصّے کی طرف دیکھا، جدھر دھماکے ہُوئے تھے اور جہاں نہ صرف آگ لگ گئی تھی بلکہ وہاں سے لاوے کی شکل میں شعلوں نے دھاتی فرش پر سفر بھی شروع کر دیا تھا۔ اس سے قبل کہ یہ پگھلی ہُوئی آگ راہ داری کے دروازے تک پہنچتی، پانی کا ریلا اُس تک پہنچ گیا... آگ اور پانی کا تصادم بھی بڑا دلچسپ تھا۔ راہ داری میں ایسی آوازیں پیدا ہونے لگیں جیسے وہاں اَن گنت اژدہے ایک ساتھ پھنکار رہے ہوں۔ بپھری ہُوئی لہریں اندر داخل ہو رہی تھیں اور اُن کی راہ میں جو بھی چیز آ رہی تھی، وہ اُسے بہا کر آگے بڑھ رہی تھیں۔ پانی کے تھپیڑوں نے اُوشان اور ٹائیگر کو بھی دھکیل کر دیوار کے ساتھ لگا دیا تھا۔

"اب ہمیں یہاں سے نکل چلنا چاہیے، اٹل فادر۔" ٹائیگر نے پانی کے شور سے بلند آواز میں چیخ کر کہا۔

اُوشان نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

وہ دونوں تیزی سے راہ داری کے دروازے کی طرف بڑھنے لگے۔ اُنھوں نے اسٹیل کی دیوار کا سہارا لے رکھا تھا۔ پانی اب فرش پر اُن کی پنڈلیوں کی سطح تک بھر چکا تھا اور اس میں ہر گزرتے ہُوئے لمحے کے ساتھ اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ راہ داری کا دروازہ قدرے بلند تھا۔ اس لیے اُنھوں نے راہ داری سے گزرتے ہی اُسے مضبوطی سے بند کر دیا... اب اُنھیں صرف اس بات کی فکر تھی کہ وہ جہاں سے اس خفیہ حصّے میں داخل ہُوئے تھے، اس حصّے کو بھی فوری طور پر بند کر دینا چاہیے۔

ابلیکا
اسلم راہی
جس میں حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک دنیا کی تاریخ پیش کی گئی ہے
سات جلدوں میں مکمل سیٹ۔/1950 روپے
اردو بازار لاہور

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

وہ اُدھر لپک پڑے۔ اس کے لیے انھوں نے بیرونی راہ داری استعمال کی تھی۔ جب وہ وہاں پہنچے تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ پانی اس دروازے تک پہنچ چکا تھا۔ انھوں نے جلدی جلدی اس راستے کو بند کیا اور اِدھر اُدھر سے اسٹیل کی چند چادریں اُتار کر دروازے کو سیل کر دیا۔ اب وہاں سے پانی باہر کی راہ داری میں داخل نہیں ہو سکتا تھا۔

ٹائیگر نے ایک طویل سانس لی۔

بالآخر وہ تھا جس کی سازش کا شکار ہونے سے بچ گئے تھے۔ کوریڈور اب لوگوں سے بھر گیا تھا۔ سب کے سب شدید خوف اور دہشت کے عالم میں تھے۔ افراتفری کا ایسا عالم تھا کہ قیامت کا گمان گزرتا تھا جس کا جدھر مُنہ اُٹھا، وہ اُسی طرف بھاگ رہا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے ہر آدمی سمت کا اندازہ کھو بیٹھا ہو... اور بس جدھر جس کے سینگ سما رہے تھے، وہ اُسی طرف بھاگا چلا جا رہا تھا۔ مختلف ملکوں کے سفیر ایک دوسرے سے اُلجھتے ہوئے دوڑ رہے تھے۔ محافظ اپنی ذمے داریاں بھول کر فرار ہو رہے تھے۔ اس وقت وہ کسی کے محافظ نہیں بلکہ خود حفاظتی کے خیال میں مُبتلا دوڑے جا رہے تھے۔

"دیکھا تم نے؟" اُوشان نے ان محافظوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "عام حالات میں یہ لوگ کس قدر جاں نثاری ظاہر کرتے ہیں۔ ایسے قسم کا دفاع حاصل کرنے کا یہی نتیجہ ہونا ہے۔"

"ہمیں اوپر چلنا چاہیے، ٹِل فاور۔" ٹائیگر نے عرشے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ اس کا جی چاہ رہا تھا کہ افراتفری میں مُبتلا ان لوگوں کو بتا دے کہ اب کوئی خطرہ نہیں رہا۔ جہاز محفوظ ہو گیا ہے، اس لیے انھیں بھاگ دوڑ کرنے کی ضرورت نہیں... لیکن اس نے محسوس کیا کہ اس وقت اُس کی آواز نقار خانے میں طوطی کی آواز بن کر رہ جائے گی۔ اصل ہیجان خیزی میں بھلا کون اس کی بات سُنے گا؟

ڈیک پر انھیں ڈیموس نظر آ گیا۔ وہ اپنے جہاز کے فرسٹ آفیسر سے بات چیت کر رہا تھا۔ ان پر نگاہ پڑی تو ڈیموس نے انھیں انگلی کے اشارے سے اپنی طرف بُلایا۔ فرسٹ آفیسر یوں کھڑا ڈیموس کی ہدایات سُن رہا تھا جیسے اس کو سانپ سونگھ گیا ہو۔

"جب سینٹرل ونگ سے ہر آدمی باہر آ جائے تو جہاز کے دیگر حصّوں کی طرف جانے والا راستہ بند کر دینا۔ اس دروازے کے بند ہونے کے بعد سمندر کا پانی اسی حد تک پیندے کے خلا میں جمع ہو سکے گا کہ اس سے جہاز کو ڈوبنے کا خطرہ لاحق نہیں ہو گا۔"

"لیکن جناب! اس طرح تو سینٹرل ونگ میں بھی پانی بھر جائے گا۔" فرسٹ آفیسر نے اعتراض کیا۔

"ہاں... اور میں پانی کو زیادہ سے زیادہ وہیں تک محدود رکھنا چاہتا ہوں۔" ڈیموس نے جواب دیا۔ "اگر وہ حصّہ بھی لبالب بھر گیا، تب بھی یہ جہاز تیرتا رہے گا۔ اب تم جلدی سے کارروائی شروع کر دو... فوراً..."

ڈیموس، ٹائیگر اور اُوشان کی طرف متوجہ ہُوا۔ اُسی لمحے دو ملکوں کے سفیر اطراف سے، اس سے ٹکراتے ہوئے نکل گئے۔ ان کے تصادم سے ڈیموس بُری طرح گھوم گیا۔ اس نے خود کو سنبھالا، اور ٹائیگر کی طرف دیکھنے لگا۔ اب اس کے ہونٹوں پر بڑی ہی طمانیت بھری مُسکراہٹ تھی۔

ٹائیگر نے اطراف کا جائزہ لیا۔

عرشے پر بھی زبردست ابتری پھیلی ہوئی تھی۔ لوگ اِدھر سے اُدھر بھاگے پھر رہے تھے۔ جدھر جس کا مُنہ اُٹھتا تھا، وہ ناک کی سیدھ میں دوڑتا چلا جا رہا تھا۔ کسی کو ہوش نہیں تھا کہ وہ کہاں جا رہا ہے... اور کیوں جا رہا ہے۔ ان میں سے بیشتر اس حصّے کی طرف لپک رہے تھے جہاں لائف بوٹس تھیں اور لائف جیکٹ رکھے ہوئے تھے۔ ایک ایک لائف جیکٹ سے بیس بیس آدمی چمٹ گئے تھے۔ ہر ایک اسے حاصل کرنے کے لیے اپنی طرف کھینچ رہا تھا جس کے نتیجے میں ہر لائف جیکٹ کے بیس بیس حصّے ہو گئے تھے اور پھر ہر آدمی اپنے حصّے میں آئے ہوئے ٹکڑے کو پھٹی پھٹی نظروں سے گھورنے لگا تھا کیونکہ پھٹے ہوئے لائف جیکٹ کا یہ ٹکڑا اُس کے کسی کام نہیں آ سکتا تھا۔

دفعتاً دو آدمی اُوشان سے آ کر ٹکرا گئے۔ وہ پھرتی سے اُن کے درمیان سے نکل گیا۔ نتیجتاً وہ دونوں ایک دوسرے سے بُری طرح ٹکرا گئے اور پھر ایک دوسرے سے گتھے ہوئے حال میں ڈھیر ہو گئے۔

"میں نہیں جانتا... کہ تم کس طرح کامیاب ہو گئے۔" ڈیموس، ٹائیگر سے کہہ رہا تھا۔ "لیکن میں اعتراف کرتا ہوں کہ اس جہاز کی سلامتی تم دونوں کی مرہونِ منت ہے۔"

اچانک لڑنے جھگڑنے کی آوازیں اُبھرنے لگیں۔

ٹائیگر اور ڈیموس دونوں ہی اس طرف متوجہ ہو گئے۔ جنریٹر میں طبوسات والے اعلیٰ طبقے کے لوگ، باڈی گارڈ، لمبے لمبے گاؤن میں لپٹی ہوئی خواتین اور ملازمین، سب ایک دوسرے کو نوچنے کھسوٹنے میں مصروف تھے۔ ان میں سے ہر ایک کی یہ کوشش تھی کہ وہ کسی نہ کسی طرح لائف بوٹ میں سوار ہو جائے۔

"ان کی طرف دیکھو۔ یہ جینٹیوں سے مختلف لوگ نہیں ہیں۔

افراتفری کی وجہ سے ان کی عقل پر پردہ پڑ گیا ہے۔ انھیں اس وقت کچھ سجھائی نہیں دے رہا۔ اب ان میں نہ کوئی چھوٹا ہے اور نہ کوئی بڑا ہے۔ سب ایک ہی سطح کے لوگ معلوم ہوتے ہیں۔ سب کا ردِعمل ایک ہی جیسا ہے۔ سب کی سوچ یکساں ہے... اور جانتے ہو سب سے زیادہ تعجب خیز کیا ہے؟ جنھیں ڈوبا ہے کہ وہ اس دُنیا کو چلا رہے ہیں اور ان کے دم سے ہی دُنیا کے بیشتر کاروبار چل رہے ہیں۔"

"بہت سے آدمی چیونٹیوں جیسی زندگی ہی بسر کرتے ہیں۔" اُوشان نے فلسفیانہ لہجے میں جواب دیا۔ "اور وہ جس دُنیا کو چلانے کا دعویٰ کرتے ہیں، وہ بھی چیونٹیوں ہی پر مشتمل ہوتی ہے۔ جبکہ حقیقی آدمی اپنی زندگی خود اپنے اصولوں کے تحت گزارتا ہے، چاہے حالات کچھ بھی کیوں نہ ہو جائیں۔"

"آپ بہت عاقل آدمی ہیں، جناب۔" ڈیموس نے اسے قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"اور میں بالغ آدمی ہوں۔" ٹائیگر نے لقمہ دیا... پھر وہ مین کی تلاش میں اِدھر اُدھر نظر دوڑانے لگا... لیکن وہ اسے کہیں بھی دکھائی نہ دی۔

اچانک نیچے چند دھماکے ہونے پر غالباً اس حصّے کے ڈائنامیٹ تھے جہاں ابھی تک پانی نہیں پہنچا تھا۔ اس کے بعد خاموشی چھا گئی۔ ان دھماکوں کی وجہ سے لوگوں میں مزید افراتفری پھیل گئی۔ وہ اور زیادہ زور شور سے ایک دوسرے کو نوچنے کھسوٹنے لگے تھے۔ ان میں سے ہر شخص پاگل ہو رہا تھا۔ کسی کے حواس ٹھکانے نہیں تھے۔ سب ایک دوسرے کو کچل کر اس جہاز سے نکل جانا چاہتے تھے۔

ٹائیگر حیرت اور کپکپی سے انسانوں کے اس عجیب اور ناقابلِ فہم ردِعمل سے دلچسپ اندوز ہو رہا تھا۔ اچانک اُسے اپنے کندھے پر کسی کی اُنگلیوں کی گرفت محسوس ہوئی۔ اس نے چونک کر پیچھے دیکھا۔

عقب میں بہرام کھڑا تھا۔

بہرام کے چہرے پر خون جم کر ایک سُرخ دھبہ سا پیدا ہو گیا تھا۔

"کیا ہوا؟" بہرام نے بھرائی ہوئی آواز میں دریافت کیا۔

"سب ٹھیک ہے، سویٹ ہارٹ۔ جہاز اب پوری طرح محفوظ ہے۔" ٹائیگر نے مُسکرا کر جواب دیا۔

بہرام نے اس کا کندھا تھپک دیا۔ "شاباش! تم انسانی عظمت کا نشان ہو..." اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے تھے۔

ٹائیگر نے حیرت سے بہرام کی طرف دیکھا۔

اس کی آنکھوں میں پہلی بار اُسے آنسوؤں کی نمی محسوس ہوئی تھی۔ یکایک اس کی ٹانگیں جواب دینے لگیں۔ وہ لڑکھڑا گیا۔ ٹائیگر نے جلدی سے اُسے سہارا دے کر ریلنگ کے سہارے بٹھا دیا۔

"مجھے بتاؤ... سب کچھ بتاؤ... کیا ہوا... تم نے کیا کیا... کیسے کیا...؟" بہرام نے ہانپتے ہوئے کہا۔

ٹائیگر اس کے قریب ہی گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا اور اسے تفصیل سے صورتِ حال سُنانے لگا۔ جیسے جیسے اس کی کہانی آگے بڑھ رہی تھی، بہرام کا چہرہ پُرسکون ہوتا جا رہا تھا۔ جب ٹائیگر نے اُسے بتایا کہ اُوشان نے کس طرح جہاز کی تین انچ موٹی اسٹیل کی دیوار توڑ دی تھی تو بہرام کے لبوں پر بڑی ہی جاندار مُسکراہٹ آ گئی تھی۔ وہ محبت بھرے انداز میں اُوشان کی طرف دیکھنے لگا تھا جو لائف بوٹ سے اُلجھے ہوئے لوگوں کا تماشا دیکھتے ہوئے اپنے مخصوص انداز میں ہنس رہا تھا۔ قہ... قہ... قہ... بطخے جیسی مخصوص آواز اس کے حلق سے نکل رہی تھی اور اُوشان کا انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ ٹی وی پر کوئی پسندیدہ پروگرام دیکھ رہا ہو۔ وہ ڈیموس کے قریب کھڑا تھا اور وہ دونوں لائف بوٹ میں سوار ہونے والوں کی افراتفری دیکھ کر محظوظ ہو رہے تھے... اچانک ہی گولی کا دھماکہ ہُوا۔ سب چونک کر اُس طرف دیکھنے لگے جدھر سے آواز آئی تھی۔ ٹائیگر بھی اِدھر متوجہ ہو گیا تھا۔ اس نے دیکھا کہ انڈین سفیر کے ہاتھ میں ریوالور دبا ہوا ہے اور اس کی نال سے دھوئیں کی ایک باریک سی لکیر خارج ہو کر فضا میں منتشر ہو رہی تھی۔ اس سے دو قدم کے فاصلے پر کمبوڈیا کا سفیر عرشے پر چت پڑا ہوا تھا اور اس کے سینے سے خون اُبل رہا تھا۔ انڈین سفیر نے اُسے شوٹ کر دیا تھا۔

ٹائیگر کے دیکھتے ہی دیکھتے انڈین سفیر نے لاش کی گرفت سے لائف جیکٹ کھینچ لیا۔ اُسی لمحے لاش دیکھ کر دو عورتیں ہسٹیریائی انداز میں چیخ پڑیں۔

ڈیموس نے آگے بڑھ کر اس معاملے کو اپنے ہاتھ میں لینا چاہا تو ٹائیگر نے اُسے روک دیا۔ "ایک منٹ جناب!" اس نے کہا۔ "یہ معاملہ مجھے سلجھانے دیجیے۔"

ڈیموس رُک گیا اور حیرت سے اُوشان کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "کیا یہ لڑکا اس معاملے کو سنبھال لے گا؟"

اُوشان نے شکایت آمیز نظروں سے ڈیموس کی طرف دیکھا۔ "اس سے پہلے جو معاملہ اس نے سلجھایا ہے، اس کے بارے میں تمھارا کیا خیال ہے؟"

"اوہ... میں معذرت چاہتا ہوں۔" ڈیموس نے اُوشان کے ناگوار لہجے کو محسوس کرتے ہی جلدی سے کہا۔ "میرا مطلب تھا کہ یہ سب لوگ اس وقت پاگل ہو رہے ہیں۔ ان پر اپنی اپنی جان بچانے کا بھوت

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

سوار ہے اور اس سلسلے میں کوئی شخص اس بات کی بھی پروا نہیں کر رہا... کہ اس کے ہاتھوں سے کتنی زندگیاں تلف ہو رہی ہیں"

اُوشان اس کی طرف دیکھتا رہا اور مسکراتا رہا۔

ڈیموس نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔ ایک لمحے کے لیے وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا... پھر وہ ایک جھرجھری سی لے کر رہ گیا۔ اُسے یوں محسوس ہونے لگا تھا جیسے اس کا جسم لوہے کا ایک حقیر سا ٹکڑا ہے اور بوڑھے اُوشان کی حیثیت ایک بہت بڑے مقناطیس جیسی ہے جو اُسے اپنی کشش سے کھینچنے لگا ہے۔ اس کا ذہن بکھر گیا... اگر وہ فوراً ہی نگاہیں نہ پھیر لیتا تو ہو سکتا تھا کہ اُسے چکر آجاتا اور وہ لڑکھڑا کر عرشے پر گر گیا ہوتا۔

کچھ دیر بعد اس نے خود کو سنبھال لیا... پھر وہ اُوشان کی طرف متوجہ ہوا اور معذرت آمیز لہجے میں بولا "دراصل وہ اس کی آدمی ہیں' اس لیے میں سمجھا کہ..."

"کئی آدمی نہیں' کئی چیونٹیاں ہیں" اُوشان نے کہا۔ "تم کچھ دیر قبل اپنی زبان سے ان لوگوں کو چیونٹیوں سے مثال دے چکے ہو... اور کسی آدمی کے لیے بہت سی چیونٹیوں کو اپنے پیروں تلے کچل دینا کوئی بڑی بات نہیں ہوتی"

"کیا وہ ان سب کو مار ڈالے گا؟" ڈیموس گھبرا گیا۔

اُوشان نے نفی میں سر ہلا دیا۔ "اگر ضرورت نہ ہوا تو سب سلامت رہیں گے' ورنہ اُن کا حشر چیونٹیوں سے مختلف نہیں ہو گا"

ڈیموس نے انتہائی بے صبری کے عالم میں جنرل دی اور ٹائیگر کو دیکھنے لگا جو ٹہلتا ہوا اُس ہجوم تک جا پہنچا تھا۔ ہجوم میں موجود ہر آدمی لائف جیکٹ حاصل کرنے کے لیے جنگی بنا ہوا تھا۔ سب ایک دوسرے سے اُلجھے ہوئے تھے۔ اچانک ڈیموس نے اپنی زندگی کا سب سے زیادہ حیرت انگیز منظر دیکھا۔ وہ لوگ جو مکھیوں کی طرح لائف جیکٹوں سے چمٹے ہوئے تھے' رفتہ رفتہ منتشر ہونے لگے اور پھر ان کی آوازیں بھی ہذیانی تاثر کھونے لگیں اور وہ سب کے سب ایک قطار کی صورت اختیار کرتے چلے گئے... اور پھر جب ٹائیگر واپس آیا تو سب لوگ مل کر ایک گیت کے بول الاپ رہے تھے۔ یہ زندگی کا گیت تھا۔

ڈیموس کی آنکھیں حیرت کی زیادتی سے اُبل پڑی تھیں۔

اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کچھ کیسے ممکن ہوا۔ اس نے صرف ٹائیگر کو اس ہجوم میں گردش کرتے دیکھا تھا۔ اس دوران میں ٹائیگر کے ہاتھ پیروں سے کیا کچھ عمل میں آ رہا تھا' یہ چیز ڈیموس کی آنکھیں دیکھنے سے قاصر رہی تھیں۔

"میں تم سے یہ تو نہیں پوچھنا چاہتا کہ ان لوگوں کو..." ڈیموس نے کچھ کہنا چاہا۔

"یہ ہمارے مشرق کا ایک خاص جادو ہے" ٹائیگر نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "ہمارے ہاں کہا جاتا ہے کہ جادو' وہ جو سر چڑھ کر بولے۔ دیکھ لیجیے۔ سر چڑھ کر بول رہا ہے یا نہیں" اس نے ہاتھ سے ان لوگوں کی طرف اشارہ کیا جو تنویم زدہ سی حالت میں' قطار بنائے کھڑے تھے اور زندگی کا گیت گا رہے تھے۔ وہی لوگ جو کچھ دیر قبل اپنی زندگی بچانے کے لیے' دوسروں کی زندگی کے گاہک بن گئے تھے' اب زندگی کا ترانہ گا رہے تھے۔

اچانک فرسٹ آفیسر آ گیا۔ اس کا لباس میلا کچیلا ہو رہا تھا چہرے پر پسینے کے علاوہ سیاہی اور گریس کے دھبے لگے ہوئے تھے' لیکن اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ وہ بے حد پُرجوش لگ رہا تھا۔ اس نے آتے ہی ڈیموس کو خوشخبری سنائی۔ "آپ کی مرضی کے مطابق سارا کام مکمل ہو گیا' جناب۔ سب کچھ محفوظ ہے"

"گڈ..." ڈیموس نے خوش ہو کر کہا۔ "تم نے بہت اچھی کارکردگی کا مظاہرہ کیا۔ تم ایک اچھے کپتان ہو۔ مجھے تم پر فخر ہے"

فرسٹ آفیسر کا سینہ فخر سے کشادہ ہو گیا۔ اس نے واقعی بہت محنت کی تھی اور تھوڑے سے وقت میں کافی کام نمٹا دیا تھا اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ اس میں زبردست انتظامی صلاحیتیں موجود ہیں۔ اس کے چہرے پر اپنی تعریف و توصیف سے سُرخی پھیل گئی تھی۔ اس نے بڑے ہی انکسار سے مسکراتے ہوئے ڈیموس کا شکریہ ادا کیا۔

دفعتاً عقب سے دو ہاتھ بڑھے ڈیموس کی گردن میں حائل ہو گئے۔ "اوہ' ڈیمو! میں بے حد فکرمند تھی"

ٹائیگر نے پلٹ کر دیکھا۔

ڈیموس بھی چونک کر عقب میں دیکھنے لگا تھا... اور جیسے ہی اس کی نگاہ ہیلن پر پڑی' اس کا موڈ خراب ہو گیا۔ اس نے ہیلن کے ہاتھوں کو سختی سے جھٹک دیا۔

ہیلن کو یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے اس کے سر پر دھماکہ کیا ہو۔ وہ پھٹی پھٹی نظروں سے ڈیموس کی طرف دیکھنے لگی۔

اس کا انداز ایسا ہی تھا جیسے اُسے یقین نہ آ رہا ہو کہ ڈیموس اس کے ساتھ اتنے بہت سے لوگوں کی موجودگی میں ایسا سلوک بھی کر سکتا ہے۔

وہ بے یقینی سے ہنس پڑی جیسے صورتِ حال کو مذاق سمجھا ہو۔

وہ ایک قدم آگے بڑھی اور دونوں ہاتھ پھیلا لیے۔

ڈیموس ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔

"کیا بات ہے' ڈیمو؟" ہیلن نے بڑے پیار سے کہا۔ "تم مجھ سے اس قدر برہم کیوں نظر آ رہے ہو؟"

حسن بن صباح

★ شہنشاہ حشیش اور ابلیس وقت

جو چھتیس (36) سال تک قلعہ الموت میں ایک نظر فریب جنت ارضی بنا کر بیٹھا رہا اور مسلمانوں کے بڑے بڑے جید علماء کرام اور محدثین، مفسرین، مفکرین اور ارکان سلطنت کے خون سے ہولی کھیلتا رہا---- مسلمان والیانِ ریاست اس کا کچھ نہ بگاڑ سکے-----

اسی ساحر اور مُرتد کی رنگین اور خوفناک داستان
الماس ایم۔ اے کے سحر انگیز قلم سے-----

ناشر: مکتبہ القریش اُردو بازار۔ لاہور 2 قیمت -/125 روپے

برصغیر کا سپوت---- آزادی کا متوالا
مسلمانانِ ہند کا رکھوالا-----

شہید سلطان ٹیپو

جس کی دہشت سے انگریز سوتے سے جاگ پڑتے تھے
اور انگریز بچے۔ سلطان ٹیپو کا نام سُن کر چُپ ہو جاتے تھے۔

★ ایک بہادر
★ ایک مجاہد
★ ایک شہید

ایک ناول--------ایک تاریخ

الماس ایم۔ اے کے ایمان افروز قلم سے-------- قیمت -/200 روپے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"دُور ہو جاؤ مجھ سے..." ڈیموس غرایا۔ "تم ایک ناگ کی بیٹی ہو... اور ناگن ہو... تمہارے باپ نے مجھے ڈسنے کی کوشش کی تھی۔ وہ ناکام رہا۔ اب تم مجھے ڈسنے آگئی ہو۔" ڈیموس کی آنکھیں غصّے کی زیادتی سے سرخ ہو گئی تھیں۔ اس کے لہجے میں لڑکی کیلئے بے پناہ نفرت تھی۔

"میں اپنے باپ جیسی نہیں ہوں۔" ہیلن جواباً چیخ پڑی۔

"تمہارے باپ نے میری عظمت کا نشان مٹا دینے کی کوشش کی تھی۔" ڈیموس دہاڑنے لگا۔ "جانتی ہو اگر یہ جہاز تباہ ہو جاتا تو دُنیا کے ہزاروں اہم آدمی موت کے گھاٹ اتر جاتے۔" اس نے یہ کہتے ہوئے، سامنے پھیلے سمندر کی طرف ہاتھ لہرایا۔ "یہ سب کے سب پانی کی قبر میں اتر گئے ہوتے۔"

"اور ان کے ساتھ میں بھی آبی قبر میں اتر گئی ہوتی۔" ہیلن نے اپنے دفاع میں کہا۔ "کیا اتنی سی بات تمہاری سمجھ میں نہیں آتی۔"

ٹائیگر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ وہ جانتا تھا کہ ہیلن ٹھیک کہہ رہی ہے۔ وہ اپنے باپ کے منصوبے سے بے خبر تھی۔ اگر اسے معلوم ہوتا کہ اس کے باپ نے جہاز کو تباہ کرنے کے لئے بم نصب کروا رکھے ہیں تو وہ اس کے حکم کی تعمیل میں اس وقت جہاز سے کوسوں دور اپنے باپ کی شان دار لانچ میں موجود ہوتی... لیکن ٹائیگر نے اس کی صفائی یا حمایت میں کچھ نہیں کہا اور خاموشی سے ان دونوں کی طرف دیکھتا رہا۔

"تمہاری رگوں میں تھابیس کا خون گردش کر رہا ہے۔" ڈیموس کہہ رہا تھا۔ "وہی خون، جو میرے لئے زہر ہے۔ تمہارے باپ نے اس جہاز کو تباہ کرنے کی کوشش کی ہے۔"

"لیکن اس میں میرا کیا قصور ہے۔" ہیلن نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ وہ کمر پر ہاتھ رکھے، اپنے سفید گاؤن میں کسی پری کی طرح کھڑی ڈیموس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اسے توقع تھی کہ ڈیموس اس سے ہمدردی کا اظہار کرے گا... لیکن وہ جواباً بے پناہ سرد مہری اور نفرت سے پیش آ رہا تھا۔

"کل کے اخبار میں پوری دُنیا یہ خبر پڑھے گی کہ تمہارا باپ اس عظیم جہاز میں میرا خفیہ حصّے دار تھا۔ اس نے سازش کر کے جہاز کی تعمیر میں گڑبڑ پیدا کی تھی اور ایک خفیہ حصّہ بنوایا تھا... ایک ایسا حصّہ جس کے بارے میں صرف وہ اور اس کے آدمی ہی جانتے تھے اور اس خفیہ حصّے میں روپوش رہ کر اس کے دہشت پسند ساتھی جہاز میں قتل و غارت گری کرتے رہے ہیں... لیکن اس کا منصوبہ بالآخر ناکام ہو گیا۔ میں ایک سی مین ہوں... اور جانتا ہوں کہ اپنے جہاز کی کس طرح حفاظت کی جاتی ہے۔ اس جہاز کی تعمیر میں عظیم ڈیموس کا عظیم ذہن استعمال ہوا تھا یہی وجہ ہے کہ اس وقت جہاز کا نچلا حصّہ تباہ ہونے کے باوجود بھی بالائی حصّہ محفوظ ہے اور اب اسے کوئی بھی تباہ نہیں کر سکتا۔ وہ ایک گھٹیا ذہنیت والا حریف نکلا ایسے لوگ زندگی میں کبھی کامیاب نہیں ہوتے... البتہ تم جیسی غلیظ بیٹیاں ضرور پیدا کرنے میں کامیاب رہتے ہیں۔"

یہ کہہ کر ڈیموس نے ہیلن کی طرف تھوک دیا۔

ہیلن چند لمحوں تک تو بے بسی سے ہونٹ چباتی رہی... پھر یکدم بپھر گئی۔ وہ اپنی توہین برداشت کرنے والی لڑکیوں میں سے نہیں تھی۔ اگر ایسی بات ہوتی تو وہ ٹائیگر جیسے پُرکشش اور دُنیا بھر میں سب سے منفرد قسم کے نوجوان کو ہرگز نظر انداز نہ کرتی۔

ڈیموس کے الفاظ سن کر وہ یوں کئی قدم پیچھے ہٹ گئی تھی جیسے ڈیموس نے لفظوں کے کوڑے مار کر اسے شدید مجروح کر دیا ہو۔ اس کا چہرہ پہلے تو غم و غصّے سے کاغذ کی مانند سپید پڑ گیا... پھر غصّے اور طیش کی زیادتی سے اس پر سُرخی چھا گئی جیسے پورے جسم کا خون اس کے چہرے اور اس کی آنکھوں میں سمٹ آیا ہو۔ "تم جوتے پالش کرنے والے لڑکے..." وہ پاؤں پٹخ کر نفرت سے بل کھا کر غرّائی۔ "میرا باپ تمہیں کسی جھینگ مانگنے والے سے زیادہ اہمیت نہیں دیتا۔ وہ تمہیں نیست و نابود کر دے گا... اور اب میں بھی اس کی مدد کروں گی۔ جب تک دُنیا سے تم جیسے غلیظ آدمیوں کا صفایا نہیں ہو جاتا میں یا میرا خاندان کبھی چین سے نہیں بیٹھے گا۔ میں تم سے اس توہین کا بدلہ لوں گی اور تمہیں سسکا سسکا کر اپنے ہاتھوں سے ماروں گی۔"

ڈیموس نے اس کی لاف و گزاف سُن کر یوں اپنا ہاتھ لہرایا۔ جیسے کسی مکھی کو اُڑا رہا ہو۔ اس کے ہونٹوں پر بڑی ہی طنزیہ مسکراہٹ تھی۔ اس نے ہیلن کی باتوں کو سرے سے کوئی اہمیت ہی نہیں دی تھی بلکہ اس کے انداز سے ظاہر ہوتا تھا جیسے وہ اسے اذیت پہنچا کر بے حد لطف اندوز ہو رہا ہو۔

"چلی جاؤ یہاں سے... اس جہاز سے اپنا غلیظ وجود لے کر سمندر کی گہری قبر میں اتر جاؤ۔" ڈیموس نے کہا اور پھر اس کے حلق سے ایک بتدریج بلند ہوتا ہوا ہذیانی قہقہہ اُبل پڑا۔

ہیلن چند لمحوں تک اسے گھورتی رہی۔

اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔

اتنے بڑے مجمعے میں اسے زندگی میں پہلی بار شدید ترین ذلت اور رسوائی کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ وہ دو قدم مزید پیچھے ہٹ گئی اب وہ بھر بھر کانپ رہی تھی۔ [illegible]

ضعف نازک کو اس قدر غصّے میں نہیں دیکھا تھا۔ نہ جانے کیوں اسے ہیلن سے ہمدردی محسوس ہونے لگی۔ اس کا جی چاہا کہ اس کا ہاتھ تھام کر اسے تسلی دے اور اس کے دل و دماغ پر سکون کا مرہم رکھ دے... لیکن وہ خود پر ضبط کر کے کھڑا رہا۔ وہ جانتا تھا کہ صورت حال ایسی نہیں ہے کہ وہ اس میں مداخلت کرے۔ یہ دُنیا کے دو بہت بڑے دولت مندوں کا آپس کا جھگڑا تھا جسے ان لوگوں کو خود ہی نمٹانا چاہیئے۔

ہیلن اب ڈیموس کو ایسی نظروں سے دیکھ رہی تھی جیسے اس کا سراپا اپنے ذہن میں محفوظ کر رہی ہو۔ وہ اب بھی بار بار اپنے ہونٹ کاٹ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں شعلے رقص کر رہے تھے اور یوں محسوس ہوتا تھا جیسے اس کا بس چلتا تو وہ بوڑھے ڈیموس کو ناخنوں اور دانتوں سے بھنبھوڑ کر رکھ دیتی... پھر وہ ایک جھٹکے سے پلٹی اور تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی ایک طرف چل دی۔ اس کی چال میں اب خفیف سی بھی لڑکھڑاہٹ نہیں تھی۔ اس کی پشت اکڑی ہوئی تھی اور کندھوں میں ذرا سا بھی جھکاؤ نہیں تھا۔ وہ ایک ایسی باعزم لڑکی لگ رہی تھی جس نے خود کو مستقبل کی کسی خوفناک مہم کے لئے تیار کر لیا ہو... ایک ایسی مہم جس کی بنیاد نفرت تھی۔ وہی نفرت جس نے دُنیا میں اب تک نہ جانے کس قدر تباہی پھیلائی تھی اور ابھی نہ جانے کتنی تباہی پھیلنے والی تھی۔ ان گنت لوگ ازل سے اس نفرت کا شکار ہو چکے تھے لیکن ان سب کی موت کے باوجود اس جذبے کو نہ تو ابھی تک موت آئی تھی اور نہ ہی یہ جذبہ سرد پڑا تھا... بلکہ یہ جذبہ تو روز افزوں تھا۔ دلوں میں نفرت کی آگ لگا دی تھی، جہاں سے بھڑک کر یہ آتش جہنم نہ جانے کتنی جانوں کو ہلاکت میں ڈال سکتی تھی۔

وہ نظر سے اوجھل ہو گئی۔

ٹائیگر نے ڈیموس کی طرف دیکھا اور ہلکا سا قہقہہ لگا کر بولا۔ "بات چیت میں تم اس لڑکی کے مقابلے میں زیادہ پوائنٹس حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ میرا خیال ہے کہ وہ جیت گئی ہے۔"

"نہیں..." ڈیموس نے عجیب سے لہجے میں کہا۔ "جیت ہمیشہ ڈیموس ہی کی ہوتی ہے۔" اس نے یہ کہہ کر سمندر کی طرف دیکھا۔

ٹائیگر کی نگاہوں نے اس کی نظروں کا تعاقب کیا تو اُسے دُور ایک اور جہاز کی جھلملاتی ہوئی روشنیاں دکھائی دینے لگیں۔

"وہ تم سے شدید نفرت کرتی ہے۔" ٹائیگر نے پلٹ کر ڈیموس سے کہا۔

"میں بھی یہی چاہتا تھا۔" ڈیموس نے بڑے فخریہ لہجے میں انکشاف کیا۔ "میں ایسی زندگی کا تصور بھی نہیں کر سکتا جس میں تھابیس خاندان کا کوئی ایسا فرد موجود نہ ہو جس کی ناک کو میں گوبر میں نہ رگڑ سکوں... اور اگر وہ محض شکار ہونے والے لوگ ہوں تو زندگی بے لطف ہو جاتی ہے۔ شاید تم جانتے ہو کہ شکاری صرف مشکل شکار کر کے ہی شکار کا صحیح لطف اٹھاتا ہے۔ اس خاندان کے کسی نہ کسی فرد کو مجھ سے شدید نفرت کرتی ہی چاہیئے تاکہ میں آئندہ زندگی میں مزید پُرلطف گھڑیاں گزار سکوں۔"

ڈیموس کی ان باتوں نے اُسے چونکنے پر مجبور کر دیا۔ ٹائیگر نے ایک بار پھر سمندر کی طرف دیکھا۔ اسے تھابیس کی شان دار کشتی چاندنی رات میں بے حد خوبصورت نظر آ رہی تھی۔ اس پر بے پناہ روشنیاں تھیں یوں لگتا تھا جیسے تھابیس نے اپنی کشتی پر چراغاں کر رکھا ہو۔

"میرا خیال ہے، تمہارا حریف تم سے بہت زیادہ نفرت کرتا تھا۔" اوشان نے بات چیت میں حصّہ لیتے ہوئے کہا۔ "اسے کوئی ضرورت نہیں تھی کہ وہ اپنی نفرت بیٹی میں منتقل کر کے تمہارے پاس بھیجتا۔ لڑکی اپنے باپ سے مختلف تھی لیکن تم نے اسے بھی ویسا ہی بنا دیا۔"

ڈیموس نے اپنی کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی کی طرف دیکھا اور پھر اوشان کی طرف دیکھ کر مسکرانے لگا۔ "یہ نفرتوں کا کھیل ہے، تم ایک بوڑھے آدمی ہو۔ تمہیں کیا معلوم کہ اس کھیل میں کتنا لطف آتا ہے۔"

اچانک فضا میں ایک خوفناک دھماکہ ہوا۔

سرِ شے پر موجود ہر شخص کو گویا سانپ سونگھ گیا۔

ٹائیگر اور اوشان بھی چونکے بغیر نہ رہ سکے۔

دنیا کے اس سب سے بڑے جہاز سے کئی ہزار گز کے فاصلے پر تھابیس کی شان دار کشتی کے وسط سے ایک آگ کا گولہ سا بلند ہوا اور اطراف کا سمندر یکلخت روشن ہو گیا جیسے وہاں سورج نکل آیا ہو۔ آگ کے شعلے آسمان کی طرف بلند ہونے لگے۔ یوں لگتا تھا جیسے اس جہاز میں آتش فشاں پھٹ پڑا ہو۔ ان شعلوں میں انسانی جسم بھی اڑتے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔ تھوڑی ہی دیر بعد ایک اور دھماکہ ہوا۔ اس مرتبہ شکن دھماکے کے بعد تھابیس کی کشتی کے پرزے پرزے ہو گئے۔ سمندر کی سطح پر آگ ہی آگ پھیل گئی۔

اچانک ٹائیگر کو ہیلن دکھائی دی۔

وہ جہاز کی ریلنگ کی طرف دوڑی اور پھر دونوں ہاتھوں سے ریلنگ تھام کر اتنے زور سے چیخی کہ آس پاس کھڑے ہوئے لوگوں کے دل سہم گئے۔

"تھابیس کو اپنے منصوبے پر عمل کرنے میں بہت دیر ہو گئی تھی۔" ڈیموس ہنس کر کہہ رہا تھا۔ "اسے بہت ہی دیر ہو چکی تھی۔"

"اوہ... یہ سب کچھ کیسے ہوا؟" ٹائیگر نے اس کی آنکھوں میں

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

دیکھتے ہوئے سرد لہجے میں سوال کیا۔ "کیا اس میں تمہارا ہی ہاتھ ہے؟"

"کیا کہا جا سکتا ہے۔" ڈیموس نے بے چارگی کے اظہار میں ہاتھ پھیلا کر جواب دیا۔ "ممکن ہے، وہ ایک دو ڈائنا مائٹ میرے جہاز میں نصب کرنا بھول گیا ہو۔۔۔ اور انھیں واپسی پر اپنی کشتی پر لے لیا ہو۔۔۔ اور وہ وقت کے مطابق پھٹ گئے ہوں۔"

ٹائیگر اب بھی ہتھا بیس کی کشتی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ شعلے اب آسمان سے سمندر پر گر رہے تھے۔ ان شعلوں میں جلتی ہوئی اشیاء کے ٹکڑے بھی شامل تھے۔ کچھ ہی دیر بعد سمندر کی سطح پُرسکون ہو گئی۔ سب کچھ لہروں نے نگل لیا۔۔۔ صرف چوبی تختے تیرتے پھر رہے تھے یا پھر کہیں کہیں کوئی رنگین کپڑا اپنی جھلک دکھا جاتا تھا۔ ٹائیگر کو کچھ یاد آ گیا۔ اس نے کافی دیر قبل کوئی چیز دیکھی تھی جسے وہ اس وقت کوئی معنی نہیں پہنا سکا تھا۔ اس نے ڈیموس کی طرف دیکھا۔ اس کے ذہن میں وہ بلبلے تازہ ہو گئے تھے جنھیں اس نے ڈیموس کی کشتی سے ہتھا بیس کی کشتی کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھا تھا لیکن اس وقت اس کی حقیقت نہیں سمجھ سکا تھا۔ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ کسی نے انڈر واٹر مائنز لگا کر اس کشتی کو تباہ کیا ہو؟ اس نے کہا اور بغور ڈیموس کی طرف دیکھتا رہا۔

"اس سلسلے میں کسی کو حتمی طور پر نہیں کہہ سکتا۔" ڈیموس نے لاپروائی سے جواب دیا۔ "سمندر ایک خطرناک محبوبہ بھی فطرت کا مالک ہے۔" اس نے سمندر کی طرف دیکھا جو اس کے حریف ہتھا بیس اور اس کی شان دار کشتی کو نگل چکا تھا۔ "خدا حافظ، میرے حریف۔۔۔ تم کبھی سمندر کو نہیں سمجھ سکے۔ اسی لئے بالآخر سمندر تم پر غالب آ گیا!"

ہیلن نے اب چیخنا بند کر دیا تھا۔

وہ کسی مجسمے کی طرح ساکت کھڑی سمندر کی سطح کو گھور رہی تھی۔ اس کی آنکھوں سے ویرانی جھانکنے لگی تھی اور اس کا چہرہ کسی لاش کے چہرے جیسا ہو گیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں ایک بھی آنسو نہیں تھا۔ ویران اور اجاڑ آنکھوں میں، دل کی ویرانی اور دکھ کا ملا جلا تاثر تھا۔

یکایک وہ پلٹی اور خنجر کی طرح نوک دار انگلی ڈیموس کی طرف اٹھا کر چیخ پڑی۔ "قاتل۔۔۔ قاتل۔۔۔ قاتل۔۔۔"

"ہتھا بیس جیسے آدمی کی موت کو قتل کا نام نہیں دیا جا سکتا۔" ڈیموس نے پُرسکون لہجے میں تبصرہ کیا۔

"اب مجھے پتہ چلا کہ یونانیوں کے بارے میں یہ بات کیوں مشہور ہے کہ ان کی طرف سے کبھی غافل نہیں رہنا چاہیے۔" ٹائیگر نے سر ہلایا۔

ڈیموس ہنس پڑا۔

اس کے ہنسنے کے انداز میں فخر کی جھلک تھی۔

"کیا تم دونوں میرے لئے کام کرنا پسند کرو گے؟" اس نے باری باری ٹائیگر اور اوشان کی طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"چلو شہزاد۔۔۔" اوشان نے ٹائیگر کا کندھا تھپتھپاتے ہوئے کہا۔ "اب ہم بہرام کے علاوہ کسی کے لئے کام نہیں کریں گے۔"

ٹائیگر نے اثبات میں سر ہلا دیا اور اس طرف دیکھنے لگا جہاں بہرام اب بھی ریلنگ کے ساتھ لگا بیٹھا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر آسودہ سی مسکراہٹ تھی اور وہ دل ہی دل میں اس بات پر خوش ہو رہا تھا کہ ہزاروں آدمیوں کی زندگی بچا کر اس کے آدمیوں نے ایک بہت بڑا کارنامہ سرانجام دیا ہے۔

☆☆

چند گھنٹے بعد جہاز کے مسافروں کو ڈیموس کی کشتی میں سوار کر کے واپس ساحل کی طرف روانہ کر دیا گیا تو ٹائیگر اور اوشان بھی اس کشتی کے مسافروں میں شامل تھے، بہرام بھی ان کے ساتھ تھا اور وہ بے حد خوش تھا۔ وہ بات بے بات قہقہے لگا رہا تھا اور ٹائیگر اسے دیکھ کر دھیمے انداز میں مسکراتا جا رہا تھا۔ اسے اپنے سوویٹ ہارٹ۔۔۔ اپنے چیف پر فخر تھا۔۔۔

☆☆

اس کا نام ایلیمو تھا۔ وہ ایک عام آدمی تھا اور عام آدمی کی حیثیت سے اس کے سینے میں مختلف قسم کی خواہشات کا پورا ایک سمندر ٹھاٹھیں مارتا تھا۔۔۔ لیکن ان خواہشوں میں ایک ایسی خواہش بھی تھی جس پر اس کا دم نکلتا تھا۔۔۔ اور یہ خواہش تھی کہ کسی طرح وہ ایسا خشک دلیا ایجاد کرنے میں کامیاب ہو جائے جس کا ذائقہ انڈوں اور بھنے ہوئے گوشت جیسا ہو۔ ممکن ہے، کچھ لوگوں کو یہ خواہش بڑی عجیب اور ناقابل فہم محسوس ہوتی ہو۔۔۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ جن لوگوں کو بھنا گوشت، پکانا اور انڈا، ملنا نہ آتا ہو اور جنھیں ہر روز دلیا ابال کر کھانا پڑتا ہو، کوئی ان کے دل سے پوچھے کہ وہ اس خواہش کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

ایلیمو ایک موحد تھا۔

وہ دن بھر اپنے کمرے میں بند رہتا اور مطالعہ کرتا رہتا۔ آج کل وہ ایک خاص ایجاد کے سلسلے میں مطالعہ کر رہا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ یہ ایجاد اس کی کایا پلٹ دے گی۔ وہ پوری دنیا میں تنہا ایک کمزور سا نوجوان تھا جس کی شکل و صورت واجبی بھی نہیں تھی، اس لئے کوئی اسے گھاس ڈالنا تو درکنار، گھاس کے قریب جانے

کی اجازت دینا بھی پسند نہیں کرتا تھا۔ اس کے بینک اکاؤنٹ میں تھوڑی سی رقم باقی تھی اور وہ سوچ رہا تھا کہ اگر جلد ہی اپنی مطلوبہ شے ایجاد کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا تو اسے یہ دلیا بھی نصیب نہیں ہوگا، جو اسے پیٹ کی آگ بجھانے کے لئے کئی ماہ سے مسلسل کھانا پڑ رہا تھا۔ اس کے پاس قوت ارادی کی بھی کمی تھی اس لئے وہ موقع ملتے ہی نفسیات کی بھی کوئی نہ کوئی کتاب پڑھنے لگتا تھا۔۔۔ لیکن آج نہ جانے کیا بات تھی کہ اس کی معمولی سی قوت ارادی اسے نفسیات کی کتاب پڑھنے پر بھی آمادہ نہیں کر سکی تھی۔

وہ بے مدد اس تھا کیونکہ آج بھی اسے ابلا ہوا دلیا ہی تیار کر کے زہر مار کرنا تھا۔ یہی لمحہ تھا جب اس کے دل میں خواہش پیدا ہوئی تھی کہ کاش! وہ ایسا خشک دلیا ایجاد کرنے میں ہی کامیاب ہو جائے جس کا ذائقہ انڈوں اور بھنے ہوئے گوشت جیسا ہو۔

ٹوہا کر کہا اس نے نفسیات کی کتاب اٹھالی اور وہ باب کھول لیا جس میں محنت، دل اور دوسروں پر غالب آنے کی ترکیبیں لکھی ہوئی تھیں۔ ایک پیراگراف پڑھ کر اس نے کتاب بند کر دی، کیونکہ وہ کسی پر غالب آنے کا خواب نہیں دیکھ سکتا تھا۔ وہ ایک کوتاہ قامت نوجوان تھا۔ بے حد شریف النفس بلکہ بزدل لڑکا تھا۔ وہ جیرائی سے یہ سوچے بغیر نہ رہ سکا کہ اگر اس نے کسی پر غالب آنے کی کوشش کی۔۔۔ اور جواباً وہ شخص ہی اس پر غالب آ گیا تو وہ کیا کرے گا؟ اس نے کتاب بند کر دی اور اپنے باورچی خانے کی میلی کچیلی کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔ وہ یہ سوچ رہا تھا کہ کیوں نہ دوسروں پر غالب آنے والی کوئی ترکیب فوری طور پر اپنے بڑبولے پڑوسی پر آزما ڈالے۔ وہ جاک نامی ایک پہاڑ نما آدمی تھا۔ اور اس کی بیوی بڑی ہی نٹ کھٹ تھی۔ اگر وہ حسین نہ ہوتی تو شاید ایلیمو، جاک کے ساتھ ساتھ اس کی بیوی مسز جاک کے دانت توڑنے کی بھی خواہش ضرور کرتا۔۔۔ لیکن وہ اس کے خوابوں کی مخلوق تھی، اس کے تخیلات کا مرکز تھی اور وہ اسے حاصل کرنے کے لئے سب کچھ کر سکتا تھا۔۔۔ مگر مصیبت یہ تھی کہ اس میں کچھ بھی کرنے کی ہمت نہیں تھی یہی وجہ تھی کہ اسے جاک اور مسز جاک، دونوں کی طرف سے ہر روز اذیت برداشت کرنا پڑتی تھی۔

وہ خوابوں اور خیالوں سے نکل کر حقیقت کی دنیا میں واپس آ گیا۔

اس نے دلیے کا پیالہ اٹھا کر سنک میں الٹ دیا اور نل کھول دیا۔ جب تک دلیے کا آخری دانہ بھی سنک میں بہہ نہیں گیا، وہ یہی سوچتا رہا کہ ہو سکتا ہے، آج اسے اپنی ایجاد کی تکمیل میں کامیابی ہو جائے۔ اگر ایسا ہوا تو وہ عنقریب دولت مند ہو جائے گا۔۔۔ تب وہ اپنی منظور نظر مسز جاک پر یہ ثابت کر دے گا کہ وہ صرف وہی نہیں ہوتا جس کے بازوؤں کی مچھلیاں اور ریشے مضبوط ہوتے ہیں۔۔۔ بلکہ اس جیسے کمزور اور کوتاہ قامت بھی آدمی ہی ہوتے ہیں، اپنی شخصیت کی تکمیل اسے صرف دولت ہی کے ذریعے ہوتی نظر آئی تھی اور دولت حاصل کرنے کے لئے کسی کارآمد ایجاد کا ہونا ضروری تھا۔ وہ کئی دنوں سے ایک خاص نظریئے پر کام کر رہا تھا اور اسے توقع تھی کہ آج یا کل میں اس کی ایجاد پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے گی۔

اس نے جلدی جلدی کپڑے بدلے۔ حالانکہ جن کپڑوں کو اس نے اتارا تھا، وہ پہنے جانے والے کپڑوں سے قدرے بہتر تھے لیکن وہ کام پر جانے سے پہلے کپڑے بدلنے کا عادی تھا، خواہ میلے کچیلے اور پھٹے پرانے لباس کی جگہ دوسرا پھٹا پرانا اور میلا کچیلا جوڑا ہی کیوں نہ پہن لے۔ اس نے ریک سے دوبارہ وہی کتاب اٹھا لی کہ طاقت کے ذریعے دوسروں پر غالب آیا جا سکتا ہے۔ وہ کتاب پڑھتا ہوا آگے بڑھا تو اسے ایک ٹانگ سے ٹھوکر لگ گئی۔ وہ منہ کے بل گر گیا۔ کراہ کر اٹھا اور سنبھل کر وہ بارہ آگے بڑھا تو اس کا پاؤں بلی پر پڑ گیا جو بڑے زور سے چیخی تو مارے خوف کے اس کی گھگی بندھ گئی۔ وہ ایک بار پھر منہ کے بل فرش پر آ رہا۔ کراہتا ہوا اٹھا تو اس کے گھٹنے میں درد کی ایک لہر سی دوڑ گئی۔ بلی نے جہاں پنجہ مارا تھا، وہاں اب جلن ہونے لگی تھی اور خراشوں سے خون بہہ نکلا تھا۔ وہ لنگڑاتا ہوا آگے بڑھا تو بلی کو پچکارنے کے علاوہ اس سے معذرت کرنا نہیں بھولا تھا۔ وہ اسی کمرے سے کچھ فاصلے پر

دیوتاؤں کے شہر نیپال میں بسنے والے
ایک درندے کی پراسرار داستان
درندہ
یعقوب جمیل کے ہوشربا قلم سے جس کا
قارئین کو برسوں سے انتظار تھا
مکتبہ القریش سرکلر روڈ اردو بازار لاہور
فون 7668958

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

واقع ایک گیراج میں اپنا تحقیقی کام کرتا تھا۔ وہ عقبی دروازے سے نکلا تو دل ہی دل میں دعا کر رہا تھا کہ کہیں جاک اور مسز جاک سے مڈبھیڑ نہ ہو جائے۔ ان دونوں کو اس سے خدا واسطے کا بیر تھا۔

عقبی دروازے سے نکلتے وقت اس نے ہر ممکن کوشش کی کہ دروازہ بند ہونے کی آواز پیدا نہ ہو۔ لیکن وہ جیسے ہی چند قدم آگے بڑھا اُسے مسز جاک کی تیز آواز سنائی دی "اے جاک! اس پلے کی طرف دیکھو، یہ کوشش کر رہا ہے کہ ہماری نظروں میں آئے بغیر اس منحوس گیراج تک پہنچ جائے۔"

"لعنت ہو، تم پر میری منظورِ نظر..." ایلمو نے اُسے زیرِ لب کوسا اور پھر سوچا کہ اسے ان دونوں کی باتوں کو نظر انداز کر دینا چاہیئے۔

"ادھر آؤ پلے..." جاک کی دہاڑ سنائی دی "تمہارے گیراج کی روشنی نے ہماری نیند حرام کر رکھی ہے۔ بہتر ہو گا کہ اس کا کوئی بندوبست کر لو ورنہ میں تمہاری تمام ہتیاں گل کر دوں گا۔"

ایلمو نے نگاہ اُٹھا کر ادھر اُدھر دیکھا۔ وہ دونوں ابھی تک اُسے دکھائی نہیں دیے تھے۔ نہ جانے اُن کم بختوں نے اسے کیسے دیکھ لیا تھا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اس کے گیراج کی روشنی ان کے لیے زحمت کا باعث نہیں بن رہی ہے کیونکہ اس نے تمام کھڑکیوں پر دبیز سیاہ کاغذ چسپاں کر دیا تھا اور روشنی کی ایک کرن بھی گیراج سے باہر نہیں جا سکتی تھی۔ اس نے ارادہ کیا کہ اپنے موقف کے سلسلے میں دفاعی بات چیت کرے لیکن کمزوری غالب آ گئی تو اس نے ممنماتی آواز میں جواب دیا "ٹھیک ہے مسٹر جاک! میں اس سلسلے میں کچھ نہ کچھ ضرور کروں گا۔ مجھے افسوس ہے کہ..."

"یہ کہہ رہا ہے کہ اسے افسوس ہے۔" مسز جاک نے اپنے شوہر سے کہا "اسے حقیقی افسوس سے روشناس کرا دو، جاک! ایک گھونسہ رسید کر کے اسے گیراج تک پہنچا دو۔"

جاک نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ وہ اپنی بیوی کی کوئی فرمائش ٹال نہیں سکتا تھا لیکن اس کم بخت پلے کو گھونسہ مارنے کا کوئی نہ کوئی بہانہ بھی تو ہو... اس نے ذہن پر زور ڈالتے ہوئے ایک اور شکایت گھڑ لی "اور تم، رات کو اونچی آواز میں ریڈیو کیوں بجاتے ہو۔ جی چاہتا ہے کہ وہ ریڈیو اٹھا کر تمہارے حلق میں ٹھونس دوں۔"

ایلمو اب مسز جاک کے گیراج کے سامنے پہنچ چکا تھا۔ یہاں سے اس کا گیراج زیادہ دُور نہیں تھا لیکن اب اُسے وہ تمام میلوں دُور لگ رہا تھا کیونکہ جاک اس کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔ چھ فٹ تین انچ قد، موٹی موٹی شاخوں جیسے بالوں سے بھرے ہوئے بازو اور کسی ڈھول جیسا پیٹ دیکھ کر مارے خوف کے وہ تھر تھر کانپنے لگا۔ اس کے پیچھے وہی حسین عورت کھڑی تھی جسے ایلمو اپنے خوابوں کی ملکہ سمجھتا تھا۔

"تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔" اس بار جاک کا لہجہ بے حد تخواہ ہو گیا تھا۔

ایلمو کا جی چاہا کہ وہ اُسے صاف لفظوں میں بتا دے، اس کے پاس ریڈیو نام کی کوئی چیز نہیں ہے... لیکن وہ جانتا تھا کہ جاک اپنی بیوی کی فرمائش پر اسے ایک گھونسہ رسید کرنے کی آرزو میں فوراً کہے گا کہ وہ اُسے جھوٹا سمجھتا ہے۔

"میں اب اسے دھیمی آواز میں بجایا کروں گا۔" اس نے ممنماتی ہوئی آواز میں جواب دے کر اپنی دانست میں بات ہی ختم کر دی۔

"میں اب اسے دھیمی آواز میں بجایا کروں گا۔" مسز جاک نے جس کا نام فلس تھا، اس کی نقل اتارتے ہوئے دُہرایا "اس پلے کو دیکھ کر میرا موڈ خراب ہو جاتا ہے۔ بیلٹ نکالو اور اس کی کھال اُدھیڑ دو۔" اس نے اپنے شوہر سے کہا۔

"یہ اتنی مار نہیں سہہ سکتا۔" جاک نے اپنی پتلون سنبھالتے ہوئے کہا جو اس کی توند سے پھسلنے لگی تھی۔

"اسے ایک گھونسہ تو ضرور رسید کر دو۔" فلس چیخ پڑی۔

جاک کو غالباً اس غلیظ اور رُذیل لڑکے پر رحم آ گیا تھا۔ اس نے پلٹ کر اپنی بیوی کو سمجھانے کی کوشش کی تو ایلمو کو موقع مل گیا۔ وہ جاک نکلا اور چند ہی چھلانگوں میں اپنے گیراج میں جا پہنچا۔ اندر جا کر اس نے جلدی سے دروازہ بند کر لیا۔ اب وہ بُری طرح ہانپ رہا تھا۔ پسینہ اس کی پیشانی پر ہی نہیں، اس کے چہرے اور جسم کے ہر حصے پر پھوٹ پڑا تھا اور وہ تھر تھر کانپ بھی رہا تھا۔

"جب تم باہر آؤ گے تو میں، تمہارا منتظر رہوں گا۔" باہر سے جاک کی للکار سنائی دی۔

اس کی آواز میں نہ جانے کیا تاثر تھا کہ ایلمو نے دونوں کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں۔ کافی دیر بعد وہ اپنے منتشر اعصاب کو یکجا کرنے میں کامیاب ہوا۔ وہ اپنے کام کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اس کے والدین نے انتقال کے بعد اس کے لیے جو کچھ چھوڑا تھا، وہ تیزی سے سکڑتا جا رہا تھا اس لیے اسے جلد از جلد کوئی ایسی چیز تیار کر لینی چاہیئے تھی جس سے اس کی آمدنی کا کچھ سلسلہ شروع ہو جاتا ورنہ نوبت فاقوں پر پہنچ سکتی تھی۔ اس نے کام کا آغاز کرنے کے لیے گیراج کا بلب روشن کرنے کی کوشش کی تو آگے بڑھتے ہوئے اس کا گھٹنا کار سے ٹکرا گیا۔

اس کے حلق سے کراہ نکل گئی۔

یہ کتنی عجیب بات تھی کہ اُسے اس ٹوٹی پھوٹی کار کا ڈھانچہ دکھائی نہیں دیا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر روشنی کی اور پلٹ کر کار کے ڈھانچے

کو دیکھنا چاہا تو اس کے حلق سے خوشی اور فتح کے احساس میں ڈوبا ہوا ایک نعرہ نکل گیا۔ بالآخر وہ کامیاب ہو گیا تھا۔ اس نے جو پینٹ تیار کیا تھا، آخر کار وہ کام کر گیا تھا۔ وہ کار کے ڈھانچے کو محسوس تو کر سکتا تھا لیکن اپنی آنکھوں سے دیکھ نہیں سکتا تھا۔

وہ خوشی سے نیم پاگل سا ہو رہا تھا۔

باہر سے جاک کے چیخنے اور دہاڑنے کی آوازیں اب بھی آ رہی تھیں لیکن اب اُسے کسی کی کوئی پروا نہیں تھی۔ قسمت کی دیوی کو بالآخر اس پر ترس آ ہی گیا تھا۔ وہ گزشتہ کئی دنوں سے مختلف قسم کے رنگوں پر تجربات کر رہا تھا۔ وہ دراصل ایک ایسا پینٹ ایجاد کرنا چاہتا تھا جس پر گرد نہ جم سکے اور وہ رنگ کرنے کے بعد کار کو پالش نہ کروانا پڑے... یہ محض اتفاق ہی تھا کہ وہ نسبتاً بہتر ایجاد کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اس نے سیاہ پینٹ کو ایک خاص دھاتی فارمولے کے ساتھ مکس کیا تھا۔ اگرچہ ننگی آنکھ سے دیکھنے پر وہ رنگ ہموار لگتا تھا لیکن اگر اسے خوردبین کی مدد سے دیکھا جائے تو یوں لگتا تھا جیسے رنگ ہموار نہیں بلکہ اس کی گھاٹیاں اور ٹیلے سے بن گئے ہیں... اور غالباً یہی وجہ تھی کہ جب اس رنگ پر روشنی پڑتی تھی تو روشنی کا انعکاس نہیں ہوتا تھا چونکہ روشنی منعکس ہو کر واپس نہیں آتی تھی اس لیے انسانی آنکھ اس رنگ کو دیکھنے سے قاصر ہو گئی تھی۔ یہ انعکاس رنگ کے اندر پھیلی ہوئی گھاٹیوں اور ٹیلوں میں گم ہو کر رہ جاتا تھا جس کے نتیجے میں جس چیز پر یہ رنگ کیا گیا ہو، وہ موجود ہونے کے باوجود انسانی آنکھوں کے سامنے سے غائب ہو جاتی تھی۔ گویا اس رنگ سے لتھڑی ہوئی شے محض ایک عکس بن کر رہ جاتی تھی... صد فی صد سیاہ... اس چیز کے خدوخال دکھائی نہیں دیتے تھے۔ گویا یہ ایک غیر مرئی رنگ تھا جس کو دیکھا نہیں جا سکتا تھا۔ مارے خوشی کے ایلمو رقص کرنے لگا۔

**

ٹائیگر خوف اور دہشت کے تاثر سے آزاد ہو چکا تھا۔

اسے کسی بھی چیز سے ڈر نہیں لگتا تھا۔ اس کی سب سے بڑی وجہ تو یہ تھی کہ وہ ایک غیر معمولی انسان تھا۔ غیر معمولی اِن معنوں میں کہ اس کا جسم اور اُس کی روح اس حد تک متوازن ہو چکی تھی کہ وہ بیک وقت ان دونوں طاقتوں کو استعمال کر سکتا تھا جبکہ عام آدمی اپنی روحانی قوت کو استعمال کرنے پر قادر نہیں ہوتا۔ یہ ایک ایسی قابلِ فخر خصوصیت تھی، جس کے لیے ٹائیگر رب عظیم کا ہر وقت شکر ادا کرتا رہتا تھا۔ انسانی خوف کا زیادہ تر دارومدار صرف ایک چیز پر ہوتا ہے... اور وہ ہے موت... یا پھر دوسرے عوامل اُسے دہشت میں مبتلا کرتے ہیں، جیسے ایک غبن کرنے والے شخص کو پکڑے جانے کا خوف ہوتا ہے۔ اسی طرح کسی

ایک ایسی عورت کی کہانی
جو مردوں کے معاشرے میں
ملکہ بن کر جینا چاہتی تھی
ناگ رانی
دو جلدوں میں
جلد اول =/145
جلد دوئم =/145
مکتبہ القریش سرکلر روڈ اردو بازار لاہور
فون 7668958

بچے کے، اندھیرے سے خوف زدہ ہونے کی بھی وضاحت ہو جاتی ہے... ٹائیگر ان سب تاثرات سے بے نیاز تھا کیونکہ اُس کی زندگی انسانیت کے لیے وقف تھی اور اُس کا دل خداوند کریم کی رضا پر دھڑکتا تھا اس میں کوئی اخلاقی کمزوری نہیں تھی کیونکہ اُس نے اپنی زبردست قوتِ ارادی کے وہ دن میں شدید مجاہدہ کیا تھا۔ نفس پر قابو پانے اُسے زبردست روحانی طاقت بخشی تھی اور فنی تربیت نے اُس کے جسم کو روح کا ایسا میکانکی نظام بنا دیا تھا جس سے وہ اپنی مرضی کے مطابق کام لے سکتا تھا... یہی وجہ تھی کہ وہ ایک مکمل انسان تھا... ایک ایسا انسان جس کی زندگی کا ہر لمحہ خدا کے بنائے ہوئے اصولوں کے مطابق اور انسانیت کی فلاح اور بہبود کے لیے گزرتا تھا۔ وہ خوف اور دہشت سے بے نیاز ہو گیا تھا اور دنیا کی کوئی بھی چیز اُسے خوف زدہ نہیں کر سکتی تھی کیونکہ اُسے اپنی موت کا کوئی دھڑکا نہیں تھا... بلکہ اب تو صرف فکر رہنے لگی تھی کہ مستقبل قریب میں کون اُن کے ہاتھوں مرنے والا ہے۔ وہ تنہائیوں میں خدائے بزرگ و برتر سے، جو دانہ و دھا کیا کرتا تھا کہ اگر اُسے زمین پر عزرائیل کا نائب بنایا ہے تو کوئی بےگناہ اُس کے ہاتھوں ہلاک نہ ہو۔

موت کے خوف سے بے نیاز ہونے کے بعد انسان ایک عجیب سا سکون محسوس کرتا ہے۔ ٹائیگر نے جب اسپتال میں قدم رکھا تو اُس نے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

زندگی میں پہلی بار یہ سکون محسوس کیا... لیکن وہ اس سکون کی کیفیت کو کوئی نام نہ دے سکا۔ راہ داری میں چلتے چلتے اُس نے اسپتال کے نگران کی طرف دیکھ کر شناساؤں سے انداز میں ہاتھ لہرایا۔ ایک گزرتی ہوئی ادھیڑ عمر کی نرس کی طرف شریر سی مسکراہٹ اُچھالی اور وہیل چیئر میں بیٹھی ہوئی ایک مریض بچی کو منہ چڑھایا جس پر وہ کھل کھلا کر ہنس پڑی۔ وہ لفٹ تک پہنچ گیا اور پھر اُس نے تیسری منزل کا بٹن دبا دیا۔

تیسری منزل "خصوصی توجہ" کے مریضوں کے لیے مخصوص تھی۔ تیسری منزل پر پہنچ کر اُس نے سنسان راہ داری میں اِدھر اُدھر دیکھا ...اور پھر ایک دیوار گیر الماری کی طرف بڑھ گیا۔

الماری سے ایک ایپرن نکال کر اُس نے اپنے لباس کے اُوپر باندھ لیا اور نقاب پہن کر ٹوپی سر پر جماتے ہوئے، قریب ہی لگے ہوئے قدِ آدم آئینے میں اپنا عکس دیکھ کر اظہارِ اطمینان کے لیے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اب وہ دیکھنے میں سرویس بوائے لگتا تھا۔ چلتے چلتے اُس نے اپنے ایک بازو پر تولیوں کا گٹھر بھی رکھ لیا۔

خصوصی توجہ کے لیے مخصوص وارڈ میں داخل ہونے کے بعد اُس نے وارڈ نرس کی طرف دیکھا اور پوچھا۔ "آج رات کیسا حال رہا ہے؟"

وارڈ نرس نے اُس کی گہری سیاہ آنکھوں میں دیکھا تو اُس کا پورا جسم کپکپاہٹ میں مبتلا ہو گیا۔ اُسے یوں محسوس ہوا تھا، جیسے اُس کی پوری ہستی کو ایک مقناطیسی جھٹکا لگا ہو۔ "سب کچھ معمول کے مطابق ہے۔" وہ تھوک نگل کر بولی۔ "کیا تم نئے وارڈ بوائے ہو؟"

ٹائیگر نے اثبات میں سر ہلا دیا اور جھک کر مریضوں کی ہسٹری کا جائزہ لینے لگا۔ تاہم نام پڑھنے کے بعد اُس نے بڑی ہی خوش گوار مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "کیا تم بعد میں مجھے وارڈ کا ایک تعارفی چکر لگوا دو گی؟"

"کیوں نہیں ..." وارڈ نرس ہکلا کر بولی۔ وہ حیران تھی کہ اس نوجوان کی شخصیت میں آخر کون سا تاثر ہے کہ اُس کا حلق بات کرتے کرتے ہی خشک ہوتا جا رہا ہے۔ "کیوں نہیں... کیوں نہیں...." وہ زور سے بولنے کی کوشش کرتے ہوئے بولی۔ کیونکہ اُسے شبہ ہو رہا تھا کہ پہلے اُس کے حلق سے آواز نکل ہی نہیں سکی تھی۔

ٹائیگر نے اُس کی طرف اپنی مخصوص یافتہ مسکراہٹ اُچھالی۔ یہ مسکراہٹ خواتین کو بے پناہ خواب ناک محسوس ہوتی تھی۔ وارڈ نرس کی آنکھیں خواب ناک ہو گئیں۔ "تم سے بعد میں ملاقات رہے گی۔" ٹائیگر نے نرس سے کہا اور اندرونی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

یہ خصوصی توجہ کے مریضوں والے وارڈ کا دفتر تھا۔ وہاں ٹائپ مشین پر ایک شخص بیٹھا ہوا تھا۔ غالباً اُس نے ابھی ابھی ایک شیٹ ٹائپ کی تھی اور اب اُس کا مطالعہ کر رہا تھا۔ ٹائیگر پر نگاہ پڑتے ہی اُس نے شیٹ اُلٹ کر میز ہی پر رکھ دی... لیکن ٹائیگر دیکھ چکا تھا کہ یہ خصوصی توجہ والے وارڈ کے مریضوں کی نئی لسٹ تھی۔ ٹائیگر نے کافی مشین سے اپنے لیے کافی کا ایک پیپر کپ لیا، پیز کیا اور وارڈ بوائے کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا۔ وہ گہری نظروں سے اُس شخص کی طرف دیکھ رہا تھا۔ "کیا تم ہی وہ آدمی ہو؟" ٹائیگر نے سوال کیا۔

"کیا مطلب؟" وارڈ بوائے نے چونک کر الجھن اور حیرت سے کشادہ آنکھیں اُس پر گاڑ دیں۔ "کون آدمی؟" اُس نے وضاحت چاہی۔

"وہی جو یہاں کا کاروبار چلا رہا ہے۔" ٹائیگر نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"تم کس کاروبار کی بات کر رہے ہو؟" وارڈ بوائے کے لہجے میں خفیف سی کپکپاہٹ محسوس ہونے لگی۔ ٹائیگر سمجھ گیا کہ وارڈ بوائے بہر حال زدہ ہو گیا ہے اور دہشت میں وہی شخص مبتلا ہوا کرتا ہے، جس کے دل میں کوئی چور ہوتا ہے... "واہ یہ تھرمے چھوڑ واور جلدی سے بتاؤ کہ آج لسٹ پر کون ہے؟" ٹائیگر نے قدرے جھلاہٹ کا مظاہرہ کیا۔

"مجھے واپس ڈیوٹی پر بھی جانا ہے۔ آخر تمہارے پاس اس کام کے لیے کتنے دن باقی ہیں؟"

وہ پتلے دبلے وارڈ بوائے نے ایک بار پھر حیرت سے پلکیں جھپکائیں۔ "کیا آج مسز گریسن کی باری ہے؟" ٹائیگر نے اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

وارڈ بوائے نے تھوک نگل کر کہا۔ "یس... اور... بچیں..."

"میں کہتا ہوں وہ اس سے بھی پہلے ہلاک ہو جائے گی۔" ٹائیگر نے بات آگے بڑھائی۔

"اس کے لیے تمہیں کچھ ڈالر کی ادائیگی کرنا پڑے گی۔" وارڈ بوائے نے بھی قدرے کھلتے ہوئے کہا۔

ٹائیگر نے اثبات میں سر ہلا دیا اور ایپرن کے نیچے ہاتھ ڈال کر اپنے لبادے میں سے نوٹوں کا ایک بنڈل نکال لیا۔ اُس نے پچاس کا نوٹ الگ کرتے ہوئے کہا۔ "میں نے سنا ہے کہ تم میں سے بعض آدمی مریضوں کے منہ سے آکسیجن کے پلگ کھینچ دیتے ہیں۔ یہ کوئی اچھا طریقہ محسوس نہیں ہوتا۔"

"ہو سکتا ہے، تمہارا خیال درست ہو... لیکن مسز گریسن کا پلگ اگر مقررہ وقت پر نہ کھینچا جائے تو اُس کی زندگی کے دنوں میں اضافہ ہو جائے گا، جو غالباً تمہیں کسی طرح بھی قابلِ قبول نہیں ہو گا۔" اُس نے پچاس کا نوٹ لینے کے لیے ہاتھ آگے بڑھا دیا۔

"جی تم نے یہ بھی سوچا ہے...." ٹائیگر نے یہ کہتے ہوئے دانستہ اپنا جملہ اُدھورا چھوڑ دیا۔

"کیا...؟" وارڈ بوائے نے پوچھا۔

"یہی کہ اگر کبھی تو خود تمہاری حالت ایسے مریض جیسی ہو اور تمہارے منہ سے آکسیجن کا پلگ کھینچ لیا جائے تو تمہیں کیا محسوس ہو گا؟"

وارڈ بوائے نے چونک کر براہ راست ٹائیگر کی آنکھوں میں دیکھا۔ پہلی بار اُس کے چہرے پر خوف نظر آنے لگا۔ اُسی لمحے ٹائیگر کا دہنا ہاتھ جس میں پچاس کا نوٹ دبا ہوا تھا، تیزی سے کسی سانپ کی طرح لپک پڑا اور اُس کی گرفت وارڈ بوائے کے نرخرے پر قائم ہو گئی۔ نتیجہ پہلے تو کچھ سمجھا ہی نہیں تھا۔ اُس کا ایک ہاتھ اب بھی نوٹ لینے کے لیے آگے بڑھا ہوا تھا... پھر جیسے ہی اُسے اپنی تو کی نالی پر انگوٹھے کا ہلکا سا دباؤ محسوس ہوا، سب کچھ پل بھر میں اُس کی سمجھ میں آ گیا۔ اُس کا بڑھا ہوا ہاتھ ٹائیگر کے سینے پر جم گیا۔ اُس نے اُسے دھکیلنے کی پوری قوت سے کوشش کی لیکن ایک تو اُس کی زندگی اور جسم کے مابین رشتہ ٹوٹ رہا تھا، دوسرے ٹائیگر جیسی چٹان اُس کے ناتواں ہاتھ کے دباؤ سے بھلا کیسے ہٹ سکتی تھی۔ اس ہاتھ سے وہ لاچار اور مجبور مریضوں کے منہ سے آکسیجن کا پلگ کھینچ کر اُسے موت سے تو ہمکنار کر سکتا تھا، لیکن خود اپنی سانس کا سلسلہ بحال کرنے کے لیے نرخرے سے انگوٹھے کا دباؤ ختم نہیں کر سکتا تھا۔

وارڈ بوائے کی آنکھیں حلقوں سے اُبل پڑیں۔

ٹائیگر نے ہلکا سا جھٹکا دیا۔

وارڈ بوائے کا سانس ٹوٹ گیا اور اُس کی زبان لٹک گئی۔

اُس کا چہرہ بے حد مضحکہ خیز لگ رہا تھا۔

ٹائیگر نے اُسے گھسیٹ کر قریبی دیوار گیر الماری میں ٹھونس دیا۔

یہ کپڑوں کی الماری تھی اور اُس میں خاصی جگہ تھی۔ وہ واپس آ کر وارڈ بوائے کی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ اُس نے میز پر اُلٹ کر رکھی ہوئی شیٹ اُٹھا لی اور اُس کا مطالعہ کرنے لگا۔ اچانک دروازہ کھلا اور ایک حسین عورت اندر قدم رکھا۔ وہ ٹائیگر کو دیکھ کر چونک پڑا۔ "آنٹی کہاں ہے؟" اُس نے دریافت کیا۔

"چلا گیا..." ٹائیگر نے جواب دیا۔ "تمہاری ڈیوٹی کہاں ہے؟"

"انیسویں وارڈ میں..." اُس شخص نے کہا۔ "لیکن آنٹی کہاں چلا گیا؟"

ٹائیگر نے شیٹ اُس کی طرف بڑھا دی۔ "وہ یہ شیٹ میرے حوالے کر کے مر گیا۔" ٹائیگر نے تاسف آمیز لہجے میں جواب دیا۔

"مر گیا... کیسے...؟" وہ شخص چونک کر بولا۔

"ایسے..." ٹائیگر نے کہا اور اُس کا ہاتھ تیزی سے لپک پڑا۔ اُس کی گرفت نووارد کے نرخرے پر قائم ہو گئی۔ اُس نے چیخنے کی کوشش کی... لیکن حلق پر دباؤ اتنا شدید تھا کہ وہ چیخنا تو درکنار سانس تک نہیں لے سکتا تھا۔ دہشت اُس کے چہرے پر تحریر تھی اور آنکھیں بے یقینی سے پھیلی ہوئی اپنے نارمل سائز سے دُگنی ہو گئی تھیں۔ ٹائیگر نے اُسے بھی جھٹکا دے کر زندگی کے بوجھ سے نجات دلا دی اور پھر لاش گھسیٹ کر اُسی کپڑوں کی الماری کی طرف لے گیا، جہاں اُس نے پہلے وارڈ بوائے آنٹی کی لاش ڈال دی تھی۔

نئی لاش وارڈ بوائے دُنکن کی تھی۔ اُس نے دُنکن کو بھی اُسی الماری میں ٹھونس دیا اور واپس آ کر آنٹی کی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ وہ شکار اُسے ایک ہی جگہ اور مکمل تنہائی میں مل گئے تھے اور انہیں ٹھکانے لگانا اُس کے لیے ذرا سا بھی دُشوار ثابت نہیں ہوا تھا۔ اب اُسے تیسرے شکار کا انتظار تھا... اُس کا نام ڈیوک تھا۔

اور جب ڈیوک نے کمرے میں قدم رکھا تو ٹائیگر چونکے بغیر نہ رہ سکا۔ نام سے وہ اندازہ نہیں لگا سکا تھا کہ جینی عورت ہی ہو گی... اور عورت بھی کیسی...؟ بے حد نرم و نازک اور حسین... لیکن اُس کی آنکھیں برف کی ڈلیوں کی طرح سرد تھیں۔ وہ مسکراتی ہوئی دفتر میں داخل ہوئی تو جیسے ہی اُس کی نگاہ ٹائیگر پر پڑی، ٹھٹک کر رہ گئی۔ چند لمحوں تک وہ ساکت کھڑی رہی... پھر اُس کے ہونٹوں پر وہی مسکراہٹ دوبارہ



Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

رقص کرنے لگی۔ اس انداز میں مسکرانا غالباً اُس کی عادت تھی۔

"آرنی کہاں گیا؟" اُس نے پوچھا۔

"ڈنکن کے ساتھ..." ٹائیگر نے جواب دیا۔

"کہاں...؟" وہ مسکراتی ہوئی اُس کے قریب آگئی۔ ابھی تک اُس کی نظریں ایک لمحے کے لیے بھی شہزاد کے چہرے سے نہیں ہٹی تھیں۔

"آؤ بتاؤں..." اُس نے جیکی کا ہاتھ تھام کر اُسے کپڑوں کی الماری کے پاس پہنچا دیا۔ "الماری کھولو..."

جیکی حیرت زدہ ہوگئی... لیکن اُس نے ہاتھ بڑھا کر الماری کا ہینڈل تھام لیا... اور پھر جیسے ہی اُسے کھولا، اُس کا منہ چیخ مارنے کے انداز میں کھل گیا۔ اُسی لمحے اُس کے نوخیز سے پر ٹائیگر کا انگوٹھا جم گیا۔

"مرنے سے پہلے ایک بات ضرور محسوس کرنے کی کوشش کرو..." ٹائیگر نے سرگوشی میں کہا۔ "جب تم لوگ بے بس اور مفلوج مریضوں کے منہ سے آکسیجن کی نالی الگ کرتے تھے تو اُسے بالکل ایسی ہی تکلیف اور اذیت ہوتی تھی، جیسی کہ اس وقت تمہیں ہو رہی ہے۔"

جیکی نے پلٹ کر اُس کی گرفت سے نکل جانا چاہا لیکن وہ محض اپنا جسم ہی متحرک کرنے میں کامیاب ہو سکی۔ اُس کی گردن آزاد نہیں ہوئی اور نہ ہی ہوا کی نالی پر ٹائیگر کے انگوٹھے کا دباؤ کم ہو سکا۔ اُس کا رُخ اب ٹائیگر کی طرف تھا۔ اُس کی برفانی تاثر سے بھرپور آنکھوں میں خوف منجمد ہو گیا تھا اور چہرہ مرنے سے قبل ہی کسی لاش کے چہرے جیسا بن گیا تھا۔ اُس نے ایک ہچکی لی... بے آواز ہچکی... اُس کا جسم خفیف سا پھڑکا اور پھر اُس کی رُوح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔

ٹائیگر نے اُس کی لاش بھی کپڑوں کی الماری میں پہلے سے پڑی ہوئی دو نعشوں پر دھکیل دی اور پھر دروازہ بند کر دیا۔

اُس کا کام ختم ہو گیا تھا۔ آج کی حد تک یہ کافی تھا۔ اُس نے وہ شیٹ تہ کر کے اپنی جیب میں رکھی، جو سب سے پہلے شکار آنی سے حاصل ہوئی تھی۔ وارڈ بوائے کے کمرے سے نکل کر وہ ٹہلنے کے سے انداز میں واپس چل دیا۔ لفٹ سے نچلی منزل پر آتے آتے اُس نے سفید ایپرن، سفید کپڑے کی نقاب اور سفید ٹوپی اُتار کر ایک بنڈل بنا لیا، جسے اُس نے لفٹ سے نکلتے ہی ایک ردی کے کنستر میں پھینک دیا اور بیرونی دروازے کی طرف جانے والی راہ داری میں چلنے لگا۔ راستے میں اُسے وہی ادھیڑ عمر کی نرس ملی، جسے دیکھ کر وہ آتے وقت مسکرایا تھا... اس بار اُس نے نرس کی طرف کوئی توجہ نہیں دی... حالانکہ وہ اُسے دیکھ کر وہی سے مسکرانے لگی تھی۔ جب وہ اجنبی سے انداز میں قریب سے گزر گیا تو نرس کا منہ بن گیا۔ وہ راہ داری کے کونے تک پلٹ پلٹ کر ٹائیگر کی طرف دیکھتی رہی لیکن اُس نے ایک بار بھی مڑ کر نہیں دیکھا تھا۔ وہ دروازے سے نکلا اور سڑک پر پہنچ گیا، جہاں قریب ہی اُس کی پارکنگ میں اُس کی کار کھڑی تھی۔

وہ کار میں بیٹھ گیا اور چند ہی لمحوں میں اس کی کار ٹریفک کے ہجوم میں سفر کر رہی تھی اور وہ یوں دھیمے سُروں میں سیٹی بجا رہا تھا، جیسے اُس کی ساری زندگی اسی انداز میں سیٹی بجاتے ہوئے گزری ہو۔ اس وقت اُسے دیکھ کر کون کہہ سکتا تھا کہ کچھ دیر قبل اُس کے ہاتھوں تین انسانی جانیں تلف ہو چکی ہیں۔

★★

ایلمو نے کار کی گیئر کو چھوا۔ اس کے سوراخ ایلمو کی انگلیوں سے مس ہونے لگے۔ اس نے ہاتھ ہٹا لیا۔ وہ اس جنگلے کو محسوس کر رہا تھا جسے دیکھ نہیں سکتا تھا۔ ایلمو کو سینے میں اپنا دل طوفانی رفتار سے دھڑکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ اب اس کا بھی وقت آگیا تھا۔ اس کے دن پھر گئے تھے۔ اُسے اُبلا ہوا بدمزہ دلیا نہیں زہر مار کرنا پڑے گا۔ مسٹر اور مسز جاک جیسے غیر انسانی جوڑے کے پڑوس میں قیام کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔ وہ زندگی کی جتنی بھی چیزوں سے عاجز تھا، رفتہ رفتہ وہ سب کی سب اس کی نظروں میں گھومتی رہیں۔ ان سب چیزوں سے اس کا پیچھا چھوٹنے والا تھا۔ یہ پُراسرار پیشہ ور زندگی کے سلسلے میں، اس کے لیے ایک پاسپورٹ کی حیثیت رکھتا تھا۔

ایک گھنٹے بعد اس نے اسپرے کین میں اپنا پینٹ ڈالا اور پڑوس کے وحشی جوڑے کی آوازوں کو نظر انداز کرتا ہوا واپس اپنے کمرے میں آگیا۔ وہاں سے اس نے ادارۂ تعاون برائے موجد حضرات کو فون کیا۔ یہ ادارہ حال ہی میں قائم ہوا تھا اور ان لوگوں نے اعلان کیا تھا کہ وہ ایجاد پسند حضرات کی معاونت ہی نہیں کریں گے بلکہ ان کی ایجادات کو تجارتی پیمانے پر تیار کرنے میں مدد بھی دیں گے۔

کال سیکرٹری نے ریسیو کی اور اُسے بتایا کہ اگلے روز سہ پہر کو ڈائریکٹر حضرات کی ایک کانفرنس ہے۔ اگر وہ ادارے کی ممبر شپ حاصل کر کے ابتدائی پانچ صد ڈالر کا خرچہ برداشت کر لے تو اس کی ایجاد اس کانفرنس میں شریک ہو سکے گی۔ جہاں ڈائریکٹر اس کی افادیت کا جائزہ لینے کے بعد فیصلہ کریں گے کہ ادارہ اس سلسلے میں اُس کی کوئی مدد کر سکتا ہے یا نہیں...

ایلمو نے ایک بار پھر کپڑے تبدیل کیے۔ یہ وہی لباس تھا جسے اس نے گیراج میں جانے سے قبل اتارا تھا۔ میلا کچیلا اور بوسیدہ لباس... جس سے بدبو کے بھبکے اُٹھ رہے تھے لیکن وہ عادت سے مجبور ہو کر باہر جانے سے قبل لباس تبدیل کر رہا تھا۔

اس نے کئی گھنٹے صرف کیے۔ اس دوران میں گھر کی کئی اشیا کباڑیوں کے ہاتھ فروخت کیں اور کسی نہ کسی طرح پانچ سو ڈالر جمع کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اُس رات وہ سکون سے نہ سو سکا۔ رات بھر وہ کھلی آنکھوں سے خواب دیکھتا رہا تھا۔ صبح ہونے میں نہیں آرہی تھی۔ خدا خدا کر کے صبح ہوئی تو اس نے اُٹھ کر سب سے پہلے دلیا تیار کیا۔ اگرچہ دلیا ہمیشہ کی طرح بدمزہ تھا لیکن آج اُسے صرف اپنا پیٹ بھرنا تھا، ذائقے کا اُدھار چکانے کے لیے اب اس کے پاس کافی وقت تھا۔

وہ رات والے کپڑے بدل کر حسبِ عادت دوسرے لباس میں گھر سے نکلا اور سہ پہر تک شہر میں آوارہ گردی کرتا رہا۔ حتیٰ کہ وقتِ مقررہ پر اُس دفتر میں جا پہنچا جہاں سے اس پر شہرت اور دولت کے دروازے کھلنے والے تھے۔ اس نے پانچ سو ڈالر کی خطیر رقم ادا کر کے ممبر شپ حاصل کی اور پھر کانفرنس میں شریک ہونے کا انتظار کرنے لگا۔

"اسے اندر بھیج دو۔" ایک پٹاخے دار آواز مائیک پر اُبھری تو سیکرٹری سے اُسے اشارے سے ایک کمرے کے دروازے میں داخل ہونے کی اجازت دے دی۔

ایلمو شدت سے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا۔ کمرے میں تین آدمی بیٹھے تھے۔ اس نے اپنے نام کا اعلان کیا اور میز پر رکھ دیا۔

"جلدی کھولو، اس میں کیا ہے؟" ایک شخص نے بدمزاجی سے کہا۔ "ہمیں ادارۂ ایجادات کا بھی جائزہ لینا ہے۔"

ایلمو نے تھیلا کھولا۔ اس میں سے ایک چھوٹا سا برتن، کپڑے کا ایک ٹکڑا... اور... اسپرے گن نکال لی۔

"جلدی کرو۔" دوسرا آدمی غرایا۔ "مداریوں کی طرح نمود نمائی مت کرو۔ کیا تم کوئی سپیرے ہو اور اس برتن میں سے سانپ نکال کر دکھانا چاہتے ہو؟"

ایلمو نے رحمی نگاہ سے باری باری ان تینوں کی طرف دیکھا۔ اُسے ان کے رویے پر افسوس ہو رہا تھا... لیکن اس نے یہ سوچ کر یہ سب کچھ برداشت کر لیا کہ ابھی کچھ دیر میں اس کی ایجاد انھیں حیرت سے اُچھل پڑنے پر مجبور کر دے گی، تب وہ ان سے اس بدمزاجی کا بدلہ ضرور لے گا۔ اس نے برتن میز پر رکھ کر اس پر اسپرے گن سے وہ جادوئی پینٹ چھڑکنا شروع کر دیا۔ اس دوران میں تینوں ڈائریکٹر منہ چڑھائے بیٹھے رہے۔ جب رنگ خشک ہو گیا تو میز پر رکھا ہوا وہ برتن سب کی نظروں کے سامنے سے غائب ہو گیا۔ ایلمو نے فخریہ لہجے میں کہا۔ "دیکھا... دیکھا...؟"

"کیا دیکھا... دیکھنے کو رکھا ہی کیا ہے، آخر؟" ایک کے حلق سے غراہٹ نکل گئی۔ "کیا ہوا ہے؟"

"وہ برتن غائب ہو گیا۔" ایلمو نے رو دینے والے انداز میں کہا۔

"پھر کیا ہوا۔ کسی چیز کو غائب کر دینا کوئی اچھی بات نہیں۔ اس سے بھلا کسی کو کیا فائدہ ہو سکتا ہے؟" دوسرے آدمی نے کہا۔

"کوئی غائب ہونے والے برتنوں سے دلچسپی نہیں رکھ سکتا۔"

اس پر اس شخص کے باقی ساتھی کھل کھلا کر ہنس پڑے۔

ان کے رویے سے ایلمو بے حد مایوس ہوا۔ وہ جس ایجاد کو اس قدر اہم سمجھ رہا تھا، اُسے ان احمقوں نے چٹکیوں میں اُڑا دیا تھا۔ وہ مایوسی کے عالم میں دفتر سے باہر آگیا۔ دُنیا اس کی نگاہوں میں اندھیر ہو گئی تھی۔

گھر پہنچ کر اُس نے خود کو کمرے میں بند کر لیا۔

اس کا جی چاہتا تھا کہ وہ خودکشی کر لے۔ خود کو اس دُنیا کی نگاہوں سے اوجھل کر دے... غائب ہو جائے...

"غائب... غائب ہو جاؤں۔" اس نے زیرِ لب کہا اور بُری طرح اُچھل پڑا۔ اس خیال نے اس کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو ایک بار پھر اُمید کا ساحل دکھا دیا۔ وہ خوشی سے ناچ اُٹھا۔ "میں غائب ہو سکتا ہوں... میں انسانی آنکھ کو دکھائی نہیں دے سکتا۔" وہ بار بار کہہ رہا تھا۔

اس نے وہ پُراسرار پینٹ اُٹھایا اور برش کے ذریعے اپنے کپڑوں پر اس رنگ کی تہ جمانے لگا۔

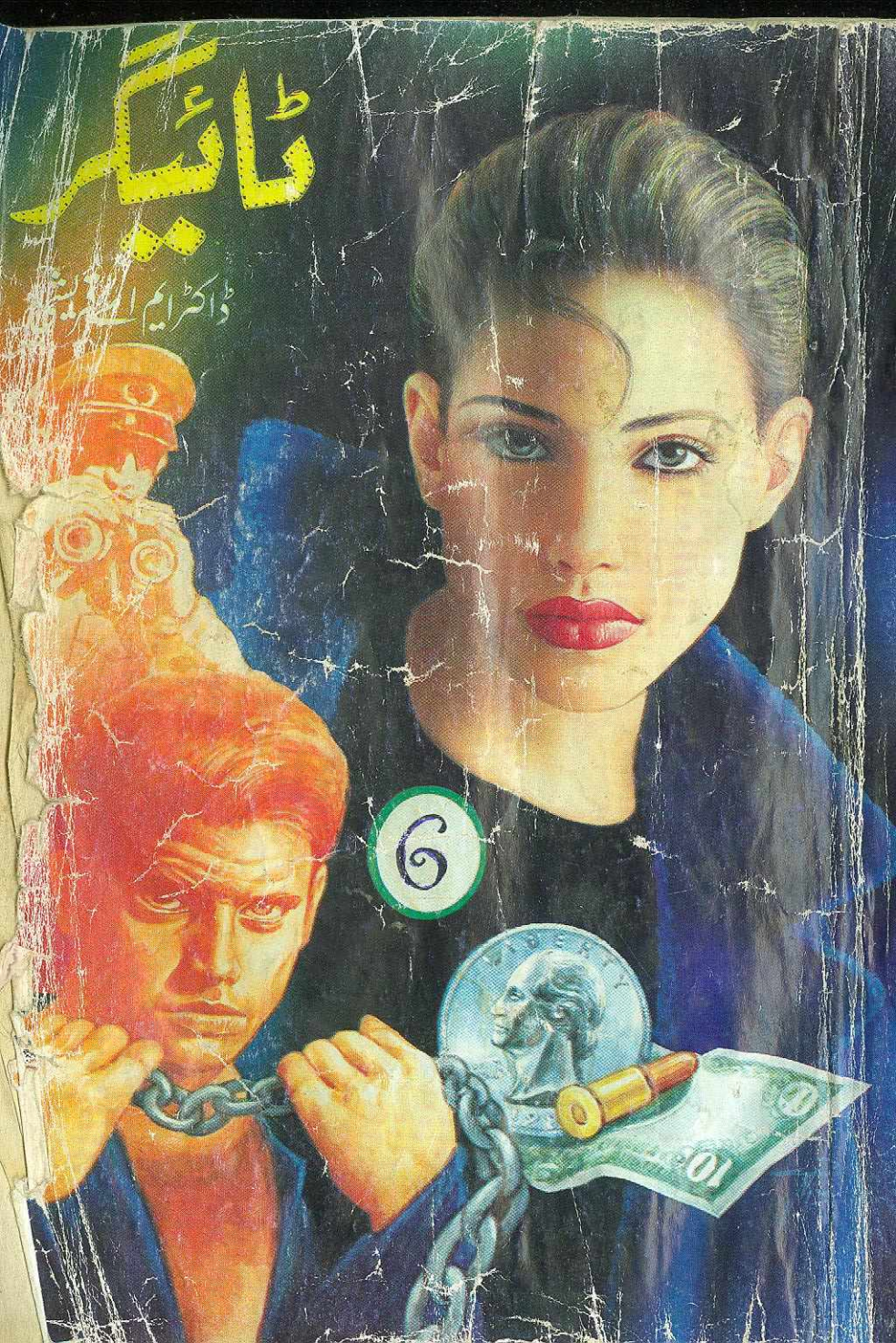
اس کے بعد

ٹائیگر کے چھٹے حصے کا مطالعہ کریں۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ٹائیگر

ڈاکٹر ایم اے رحمٰن



وہ رُک گیا اور کرسی پر تن کر بیٹھنے کے بعد باری باری ہر بات پر گہرے انہماک سے غور کرنے لگا۔ وہ سوچتا رہا حتیٰ کہ اُسے یہ بات سمجھ میں آگئی کہ درحقیقت وہ کیا چاہتا ہے۔

"چور... اور... ڈاکو..." اُس نے زیرِ لب کہا۔

یہ خیال آتے ہی اُس کے جسم میں کپکپاہٹ دوڑ گئی۔

وہ حیران تھا کہ کیا اس پہلو پر عمل بھی کر سکے گا؟ کیا اس میں اتنی ہمت تھی کہ وہ ایک ڈاکو کا کردار ادا کر سکے؟ اس بات کا جواب کسی نے اس کے دل کے اندر سے دیا: کیا فاقوں مرنے سے بدتر بھی کوئی شے ہو سکتی ہے؟"

وہ اُٹھا اور کمرے میں ٹہلنے لگا۔

وہ سوچتا رہا اور اُلجھتا رہا... لیکن رفتہ رفتہ وہ ایک حتمی فیصلے پر پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ اچانک اُس کا پاؤں ایک بار اپنی پالتو بلی پر پڑ گیا۔ بلی چیخ اُٹھی۔ ایلمو نے زیرِ لب اس سے اپنی لاپروائی کے سلسلے میں معذرت کی اور الماری سے اپنا سب سے غلیظ، بوسیدہ اور ناکارہ لباس نکال لیا۔ اُس نے یہ لباس دروازے کے عقبی حصے میں لگی ہوئی ایک کیل سے لٹکا دیا اور اپنا اپسرے پمپ اُٹھا کر اس پر دھاتی فارمولے والا پُراسرار پینٹ کرنے میں مصروف ہو گیا۔

کپڑوں کی طرف سے فارغ ہونے کے بعد اُس نے اپنے جوتوں پر بھی اپسرے کیا اور پھر انھیں دوبارہ الماری میں رکھ دیا۔ جیسے جیسے رنگ خشک ہو رہا تھا، ہر وہ چیز نظروں سے اوجھل ہوتی جا رہی تھی جس پر رنگ کی تہہ چڑھی ہوئی تھی۔ خود کو ایک عجیب آدمی سمجھ کر وہ بے حد پُرجوش ہو رہا تھا۔ وہ تیزی سے باورچی خانے کی طرف دوڑا تو اُس کا پاؤں پھر بلی پر پڑ گیا۔ بلی پہلے سے زور سے چیخی لیکن اس مرتبہ ایلمو نے معذرت چاہنے کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کی۔ اُس نے کین سے پلاسٹک کا ایک لفافہ لیا، اُس میں آنکھوں کی جگہ چھوڑ کر باقی حصے پر رنگ کر دیا۔ اب یہ ایک ایسی نقاب بن گئی تھی جسے پہننے کے بعد وہ تو ہر کسی کو دیکھ سکتا تھا لیکن کوئی بھی اُس کی آنکھوں کے سوا اُس کے جسم کا کوئی حصہ یا اس کے نقش و نگار نہیں دیکھ سکتا تھا۔

کافی دیر بعد وہ اپنے امتحان کے لیے تیار ہوا تو اُس کے پسینے میں شدید دھڑکنوں کی وجہ سے ہیجل سی مچی ہوئی تھی۔

ایلمو نے وہ غیر مرئی لباس زیبِ تن کر لیا۔

اُس نے کھڑکیوں کے پردے کھینچ کر برابر کیے اور کمرے میں تیز روشنی کر دی پھر وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا قدِ آدم آئینے کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

وہ دیر تک اپنا عکس تلاش کرتا رہا... لیکن آئینہ اُسے ظاہر کرنے سے قاصر تھا۔

وہ سر سے پاؤں تک غائب تھا۔

ایلمو نے سوچا کہ کیا اپنی پوری زندگی میں، وہ پہلے بھی کبھی اس قدر ہیجانی کیفیت سے دوچار ہوا ہے؟

اس بات کا جواب اُس کے ذہن نے نفی میں دیا۔

وہ خود پر بے حد نازاں تھا... لیکن وہ خوفزدہ بھی تھا۔

▼ ▼ ▼

ایلمو ڈاکو بننے سے خوفزدہ تھا... لیکن فاقوں مرنے کے خیال سے بھی اُس کی روح فنا ہوتی تھی۔ وہ ایک گمنام نوجوان تھا جس کا کوئی دوست نہ تھا... اور جس کے پاس اب بھوٹی کوڑی بھی نہیں تھی۔ اس نے انتظار کیا حتیٰ کہ باہر گہری تاریکی چھا گئی... پھر اُس نے اپنا پُراسرار لباس نکال کر پہن لیا، کمرے کی بتی بجھائی اور پھر احاطے میں نکل آیا۔ اس نے خود اپنے آپ کو دیکھنے کی کوشش کی... لیکن ناکام رہا... کچھ آگے بڑھنے کے بعد اُس نے دوبارہ اپنا جائزہ لیا تو اُسے اپنا خفیف سا عکس دکھائی دیا۔ وہ سمجھ گیا کہ اس جگہ تھوڑی بہت روشنی ہے، اس لیے اس کا عکس اُبھر آیا ہے... گویا اُسے ہر حال میں خود کو گہری تاریکی میں رکھنا چاہیے۔

وہ گھروں کے عقبی حصوں سے ہوتا ہوا بالآخر ایک ایسے احاطے سے گزرا جس میں ایک جرمن نسل کا کتا بندھا ہوا تھا۔ کتا سو رہا تھا۔ ایلمو اُس کے قریب سے گزر گیا لیکن کتے کو کانوں کان خبر نہ ہو سکی۔ یہ دیکھ کر ایلمو کے حوصلے مزید بلند ہو گئے۔ اُسے یوں محسوس ہونے لگا جیسے اُس کے اندر سے ایک طاقت سی پھوٹ پڑی ہو۔ اس کے رگ و ریشے میں توانائی کی لہریں دوڑنے لگیں اور وہ جو خود کو ہمیشہ کمزور و کوتاہ قامت اور بزدل سمجھا کرتا تھا، بالآخر اس نتیجے پر پہنچ گیا کہ اب اُسے خوفزدہ ہونے کی کوئی ضرورت نہیں، وہ مسکرا دیا۔

اس کی مسکراہٹ میں خود اعتمادی تھی... وہی خود اعتمادی جسے حاصل کرنے کے لیے وہ اب تک نفسیات کی نہ جانے کتنی کتابیں پڑھ چکا تھا... لیکن بات کسی طرح بن ہی نہیں سکی تھی جب کہ اس وقت وہ خود کو اعتماد اور طاقت کا دیوتا تصور کر رہا تھا۔

وہ جانتا تھا کہ اسے کس مکان میں اپنی زندگی کی پہلی واردات کرنی ہے۔

پارک سے کچھ فاصلے پر ایک شاندار گھر تھا جس کے سامنے ایک کیڈیلاک گاڑی کھڑی دکھائی دیا کرتی تھی۔ یہ سُرخ اینٹوں کا بنا ہوا ایک ایسا گھر تھا جس کے در و دیوار اپنے مکینوں کی امارت کا اعلان کرتے محسوس ہوتے تھے۔ وہ مکان کے عقب میں پہنچ کر

رُک گیا اور پھر دبے قدموں تاریک پورچ میں جا پہنچا۔ وہ اپنے اعصاب پر قابو رکھنے کی پوری کوشش کر رہا تھا لیکن دل کی دھڑکنیں تھیں کہ ہر ساعت بے قابو ہوتی جا رہی تھیں۔ اس کے سینے میں دل اتنی شدت سے دھڑک رہا تھا کہ اس کی دانست میں دھڑکن کی آواز ایک فرلانگ کے فاصلے سے بھی بہ آسانی سُنی جا سکتی تھی۔ وہ پیدائشی طور پر بزدل تھا، اس لیے یہ فطری خوف تھا جس پر اُس کے غیر مرئی لباس نے خود اعتمادی کی چادر ڈال دی تھی... اور یوں وہ وقتی طور پر ولیر اور بہادر نوجوان بن گیا تھا۔

وہ دروازے کے سامنے رُک گیا۔

اس کا ہاتھ بلند ہوا اور اُس نے اطلاعی گھنٹی پر لمحے بھر کے لیے اُنگلی رکھ کر ہٹا لی۔ پھر وہ پہلو کی دیوار کے سائے میں ہو گیا۔

اُسے زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑا۔

دروازہ تھوڑا سا کھل گیا اور ایک بہاء فام ملازمہ نے جھانک کر باہر دیکھا۔ کسی کو سامنے موجود نہ پا کر وہ بلند آواز میں بولی۔

"کون ہے...؟"

ایلمو نے سانس روک لی۔

ملازمہ نے جب باہر سے کسی کا جواب نہ پایا تو اُس نے دروازہ پورا کھول دیا اور خود باہر پورچ پر نکل آئی۔ اس کا ایک ہاتھ اب بھی دروازے کے اٹو پر جما ہوا تھا۔ وہ آہستہ سے آگے بڑھا اور خاموشی سے دروازے میں داخل ہو گیا۔ ملازمہ اُسے نہیں دیکھ سکی تھی۔ ایلمو نے دروازے سے گزرتے وقت ملازمہ کو بڑبڑاتے سُنا۔ وہ محلے کے لڑکوں کو بُرا بھلا کہہ رہی تھی: جہنم کی مخلوق... ان لڑکوں کو رات کے وقت بھی چین نہیں آتا۔"

اندر پہنچ کر ایلمو ایک تاریک گوشے میں جا کھڑا ہوا، وہ ساکت ہو گیا تھا اور ملازمہ کی واپسی کا انتظار کر رہا تھا۔ اس کے دل نے ایک بار پھر شدت سے دھڑکنا شروع کر دیا تھا اور پھر اچانک ہی وہ بے پناہ دہشت زدہ ہو گیا۔

یہ خیال نہ جانے کہاں سے اُس کے ذہن میں رینگ آیا تھا کہ اگر وہ پکڑا گیا تو کیا ہو گا؟ اگر ملازمہ نے واپسی پر بتی جلا دی تو وہ کسی نیولے سانپ کی طرح اُس کے سامنے آ جائے گا۔ اُس نے فیصلہ کیا کہ آئندہ وہ بہت سوچ سمجھ کر منصوبہ بنائے گا اور اس پر عمل پیرا ہوتے وقت ہر قسم کی احتیاطی تدابیر کرے گا۔

ملازمہ واپس آ گئی۔

اس کے قدموں کی آہٹ سُنائی دے رہی تھی۔ وہ اس گھر کے گوشے گوشے سے واقف معلوم ہوتی تھی اس لیے واپسی پر اس نے کوئی بتی جلانے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی۔ وہ اب بھی زیرِ لب بڑبڑا رہی تھی۔ غالباً گھنٹی بجا کر غائب ہو جانے والے کو بُرا بھلا کہہ رہی تھی۔ وہ اُس کے قریب سے گزر گئی اور اُسے احساس تک نہ ہو سکا کہ کوئی نہایت خاموشی سے، عین اُس کی ناک تلے سے گزر کر گھر میں داخل ہو گیا ہے۔ بیرونی دروازہ بند کرنے کے بعد وہ سیدھی کمرۂ نشست میں چلی گئی۔

"کون تھا، فلورنس؟" ایک مردانہ آواز نے غالباً ملازمہ سے دریافت کیا تھا۔

ایلمو دبے قدموں ہال کی طرف بڑھ گیا۔

چلتے وقت اس کی سماعت سے ملازمہ کی آواز ٹکرائی "مسٹر ہیمن! شریر لڑکا تھا کوئی۔"

"اوہ!" اکاش گھنٹی کی آواز سے مسز ہیمن کی نیند اُچاٹ ہو گئی ہو، مردانہ آواز سُنائی دی۔

ایلمو دروازے کے قریب پہنچ گیا۔ اس نے تاریکی میں سے اندر جھانک کر دیکھا۔ ایک مرد صوفے سے اُٹھ رہا تھا۔ اس کی عمر چالیس کے لگ بھگ تھی... اور لباس سے وہ خوب کھاتا پیتا آدمی دکھائی دے رہا تھا۔ "فلورنس!" اس آدمی نے ملازمہ سے کہا۔ "میں باہر جا رہا ہوں، مسز ہیمن کو مت جگانا۔"

"کیس مقاطر ہوں گی؟" ملازمہ نے دھیمی آواز میں جواب دیا۔ "کیا آپ جلد ہی واپس آ جائیں گے جناب؟"

گھر کے مالک نے ملازمہ کا ہاتھ تھام لیا اور بڑے ہی نرم لہجے میں بولا۔ "فکر نہ کرو، جلد ہی آ جاؤں گا۔ میری آمد تک سو تو نہیں جاؤ گی؟"

جواباً ملازمہ خوش دلی سے ہنس پڑی۔

مسٹر ہیمن دروازے کے قریب واقع کپڑوں کی ایک الماری کی طرف بڑھ گئے۔ اس دوران میں ایلمو دبے قدموں بالائی منزل کی سیڑھیوں کی طرف چل دیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر اس گھر میں زیورات موجود ہیں تو ان لوگوں نے انھیں یقیناً ماسٹر بیڈ روم میں رکھا ہو گا۔

بالائی منزل کے دو دروازوں میں سے صرف ایک دروازہ بند تھا۔

ایلمو دروازے کے سامنے رُک کر آہستہ لینے لگا۔ اُس نے پوری توجہ سے سُنا تو اس کی حساس سماعت سے کسی کے سانس لینے کی مدھم مدھم آوازیں ٹکرانے لگیں۔ اس نے آہستہ سے دروازے کو دھکیلا اور اندر داخل ہو گیا۔ کمرے میں قدم رکھتے ہی اُس کی نگاہ ایک مسہری پر پڑی، جو سنجوگ تھی۔

ایلمو نے سانس روک لی۔

جو خاتون بستر پر سو رہی تھی، وہ دیکھنے میں ایلمو کی پڑوسن

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ہلاک کر دیا جائے۔"

"لیکن باس یہ بات پسند نہیں کرے گا۔" دوسرا ساتھی بولا۔ "اس طرح بہت زیادہ خونریزی ہوگی۔ ان گنت لاشیں ہوں گی بے شمار اخباری نمائندے اور... یہ معاملہ بہت بڑا ہو جائے گا اور ہمارے خلاف کارروائیوں کا دائرہ وسیع ہو جائے گا۔"

"تو پھر تم ہی بتاؤ کہ ایسی حالت میں کیا کیا جائے۔ میں تو سوچ سوچ کر پاگل ہو گیا ہوں۔"

دوسرے آدمی نے کوئی جواب نہیں دیا۔

یکایک ایلمو کے ذہن میں ایک جھماکا سا ہوا۔

"موت... ہا!" اس نے سرگوشی کی۔ "موت ہی میرے تمام مسئلوں کا حل ہے... لیکن اپنی موت کیوں؟... کسی اور کی موت کیوں نہیں؟" اُسے احساس ہو گیا کہ موت ہی اُسے تمام مسائل سے نجات دلا سکتی ہے اور جب ایسا ہی ہے تو اُسے اس کے لیے تیار ہو جانا چاہیے۔ اُسے اپنی بے پناہ بزدلی کی وجہ بھی معلوم ہو گئی تھی۔ وہ موت سے ڈرتا تھا۔ موت کا خوف ہی اُسے ہمیشہ بزدل بناتا تھا... لیکن آج وہ موت کے دہانے پر آ پہنچا تھا۔ اس نے موت کا چہرہ دیکھ لیا تھا! اس لیے موت سے اب اُسے کوئی خوف محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ اُسے یوں محسوس ہونا چاہیے اُس کے کمزور اور منحنی سے جسم میں ایک بہت بڑی اور مضبوط ہستی جنم لے کر انگڑائیاں لے رہی ہو۔ وہ چٹان کی اوٹ سے نکل آیا اور چیخ کر بولا۔ "اسے میں قتل کروں گا۔"

اندھیرے میں کھڑے دونوں ساتھی بُری طرح اُچھل پڑے۔

"کک... کیا...؟" ایک ہکلا کر بولا۔

"تت... تم کون ہو؟" دوسرے نے کہا۔

اُن دونوں کی حالت دگرگوں ہو گئی تھی۔ وہ پہلے تو پھٹی پھٹی نگاہوں سے دیکھتے رہے... پھر اُس کا جثہ دیکھ کر انھوں نے قدرے اطمینان کی سانس لی۔ "کون ہو تم؟" اُن میں سے ایک نے غراتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"میں تمھارے مسئلے کا حل ہوں۔" جواب ہوں۔" ایلمو نے شاہانہ وقار کے ساتھ جواب دیا۔ اس کے لہجے میں بے پناہ خود اعتمادی تھی جس نے ان دونوں بدمعاشوں کے ذہن پر خاصا گہرا اثر کیا اور وہ اس کی ظاہری شخصیت سے چشم پوشی پر مجبور ہو گئے۔ "تم جس کسی کو بھی راستے سے ہٹانا چاہتے ہو میں اُسے قتل کر سکتا ہوں۔" ایلمو نے وضاحت کی۔

"تم... تم...!" ایک نے کچھ کہنا چاہا لیکن اپنا جملہ مکمل نہ کر سکا۔

"تم یہ کام کر سکو گے؟" دوسرے نے پوچھا۔ وہ سنبھل چکا تھا اور ایلمو کا جائزہ لینے کے بعد اُسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ منحنی سا آدمی قاتل بھی ہو سکتا ہے۔

ایلمو سمجھ گیا کہ وہ تذبذب میں کیوں مبتلا ہیں۔ وہ ایک ایسی ہستی کا مالک تھا جس پر مقتول ہونے کا شبہ تو کیا جا سکتا تھا لیکن جس کے بارے میں قاتل ہونے کا یقین ہرگز نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ظاہری حالت سے وہ کوئی مسخرہ ہی لگتا تھا۔ لوگ اُسے ایسے توہین آمیز خطابات سے اکثر نوازتے رہتے تھے... لیکن اب وہ ویسا نہیں تھا۔ ھیرو میوں، نا کامیوں اور مایوسیوں نے بالآخر اُس کے اندر ایک شیطانی ہستی کو جنم دے دیا تھا۔ اس وقت وہ دُنیا کا خوفناک اور خطرناک ترین آدمی تھا۔

"کسی کی ظاہری حالت سے کبھی دھوکا نہ کھاؤ۔" ایلمو نے انھیں... نصیحت کی۔ "تم دونوں جو کچھ چاہتے ہو میں وہ کام بخوبی کر سکتا ہوں۔"

دونوں جرائم پیشہ افراد ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے کچھ دیر بعد ٹونی نے کندھے اچکا دیے۔ "ٹھیک ہے، جیک! بلا دکیا جاتا ہے۔" بالآخر اُس نے گویا منظوری دے دی۔

جیک نے ایک طویل سانس لی اور اثبات میں سر ہلا دیا۔ اُس نے ایلمو کی طرف دیکھا اور دریافت کیا۔ "معاوضہ کیا ہو گا؟"

ایلمو نے کھنکار کر گلا صاف کیا۔ یہ ایک ایسی بات تھی جس کا اُسے کوئی اندازہ نہیں تھا۔ کچھ دیر غور کرنے کے بعد اُس نے اپنی دانست میں ایک بہت بڑی رقم کا اندازہ کیا اور بولا۔ "ایک ہزار ڈالر کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

اس غیر معاوضے پر جیک اور ٹونی دونوں ہی سکتے میں رہ گئے۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ دُنیا میں کوئی شخص محض ایک ہزار ڈالر کے عوض کسی کو قتل بھی کر سکتا ہے... پھر جس شخص کو وہ قتل کروانا چاہتے تھے، وہ انہی کا ایک ساتھی تھا اور اس وقت پولیس کے ہاتھوں میں تھا۔ اس کے بارے میں شُبہ کیا جا رہا تھا کہ وہ اپنی جان بچانے کے لیے سرکاری گواہ بن جائے گا... اور گروہ کے راز فاش کر دے گا۔ اس کی گواہی، اس کا بیان پورے گروہ کے لیے ہلاکت کا باعث بن سکتا تھا... اُسے قتل کرنے سے بڑے بڑے ماہر قاتلوں نے انکار کر دیا تھا جب کہ یہ اتنی سخرہ محض ایک ہزار ڈالر کے لیے یہ کام کرنے پر آمادہ ہو گیا تھا۔

"ٹھیک ہے، تم یہ کام کر دو۔ ہم تمھیں ایک ہزار نہیں بلکہ دس ہزار ڈالر دیں گے۔" جیک نے جواب دیا۔

"وہ شخص کل رات ہلاک ہو چکا ہو گا۔" ایلمو نے ٹھوس لہجے میں کہا۔ "بتاؤ وہ کون ہے اور کہاں ہے؟"

انھوں نے اُسے صورتِ حال سے آگاہ کر دیا۔

ایلمو کا سب سے پہلا شکار ایک بہت بڑا مجرم تھا۔ خفیہ کاروبار کرنے والوں اور زیرِ زمین گروہوں میں اس کا نام بہت بڑا تھا... لیکن آج کل وہ شخص پولیس کا گواہ بن گیا تھا۔ وہ اپنی کھال سلامت رکھنے کے لیے تمام راز فاش کر دینے پر تُل گیا تھا۔ پولیس نے اُسے گرفتار کرنے کے بعد ایک ایسے علاقے میں منتقل کر دیا تھا جہاں چاروں طرف پولیس ہی پھیلے رہتے تھے۔ انھوں نے ایلمو کو اس مقام کے بارے میں تفصیلات سے آگاہ کر دیا اور متوقع شکار کا حلیہ بھی اُسے اچھی طرح ذہن نشین کرا دیا۔ انھوں نے اُسے ہدایت کی کہ آئندہ شب بارہ بجے سے پہلے پہلے اس شخص کا کام تمام ہو جانا چاہیے ورنہ وہ سب کچھ اُگل دے گا تو پھر اُس کی موت یا زندگی برابر ہی ہو جائے گی۔

"کل رات ٹھیک دو بجے یہاں آ جانا۔" ایلمو نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔ "اور رقم ساتھ لیتے آنا۔"

"رقم کے بارے میں تم کوئی فکر نہ کرو۔" جیک نے اُسے یقین دہانی کرائی۔

"مجھے کچھ ایڈوانس بھی چاہیے۔" ایلمو نے کہا۔

"کتنا...؟" جیک نے دریافت کیا۔

"فی الحال صرف بیس ڈالر کافی رہیں گے۔" ایلمو نے بے ساختہ کہا۔ جیک نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور پانچ پانچ ڈالر کے چار نوٹ ایلمو کی طرف بڑھا دیے۔

ایلمو کو افسوس ہونے لگا کہ اس نے کچھ زیادہ رقم کیوں نہیں مانگ لی... پھر اُس نے کندھے اچکا دیے۔ کوئی بات نہیں۔ اُس نے سوچا۔ کل میری جیب میں کافی رقم ہو گی۔ بیس ڈالر بھی اس وقت اُسے ایک خطیر رقم محسوس ہو رہی تھی۔ ساحل سے واپسی پر اگرچہ اُسے شدت سے بھوک لگی ہوئی تھی لیکن اب وہ پہلے جیسا نڈھال نہیں تھا۔ اُسے کھانے پینے کے لیے جو سب سے پہلی جگہ نظر آئی وہ وہیں جم گیا۔ اُس نے من پسند چیزوں کا آرڈر دیا اور بے تابی سے ان کی آمد کا انتظار کرنے لگا۔ کھاتے وقت بھی وہ مرغیوں کی طرح جلدی جلدی نگلتا رہا... حتیٰ کہ برتنوں سے خالی پیٹ کا گوشت گوشہ کھانے سے لبریز ہو گیا۔ ملی جُلی بھک ٹھونسنے کے بعد اُس نے جائزہ لیا تو سات ڈالر باقی بچ گئے تھے۔ زیادہ کھانے سے اُسے چلنے میں دشواری ہونے لگی تو اُس نے زندگی میں پہلی بار ایک ٹیکسی کو ہاتھ کے اشارے سے روکا اور اس کی پچھلی نشست پر نیم دراز ہو گیا۔ کھڑکی سے آنے والی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا اور نیم سیری کے باعث اُس پر غنودگی سی طاری ہونے لگی۔ زندگی میں پہلی مرتبہ وہ محسوس کر رہا تھا کہ جب پیٹ بھرا ہوتا ہے تو انسان خود کو کس قدر بے فکرا اور مطمئن سمجھنے لگتا ہے۔ وہ نشے کی سی کیفیت میں گھر پہنچا۔

ٹیکسی سے اُترنے کے بعد وہ تیزی سے اپنے گیراج کی طرف بڑھ گیا تھا۔ آج اُسے اپنے پڑوس میں رہنے والے دیو قامت آدمی اور اُس کی حسین بیوی کی بھی پروا نہیں تھی۔ وہ خود کو ایک بدلا بدلا سا آدمی محسوس کر رہا تھا... اور اس بدلی بدلی سی کیفیت نے اس میں بے انتہا خود اعتمادی پیدا کر دی تھی۔ اُسے پہلا کام مل گیا تھا اور اُس کی تکمیل پر اُس کی آئندہ زندگی کا دارومدار تھا۔ وہ ایک بار اُس کے ذہن میں یہ خیال آیا کہ وہ یہ کام کر سکے گا؟ کیوں نہیں؟ اس کے اندر سے ایک آواز ابھری۔ کیوں نہیں کر سکوں گا... لیکن وہ جس شخص کو قتل کرنا چاہتا ہے اُسے ہلاک کرنے کے لیے کون سا ہتھیار استعمال کرے گا؟ اس کے پاس ریوالور نہیں تھا... بلکہ اس نے تو زندگی میں کبھی ریوالور کی صورت بھی نہیں دیکھی تھی۔ چاقو اور چھری کا استعمال بڑے دل گُردے کا کام ہوتا ہے، اس لیے وہ پہلے قتل میں اس قسم کا کوئی چھوٹا ہتھیار استعمال نہیں کرنا چاہتا تھا۔

وہ کسی موزوں ہتھیار کی تلاش میں گیراج کا سامان اُلٹ پلٹ کرنے میں مصروف ہو گیا۔ وہ اپنی سابقہ بیکاری اور ادھوری ایجادات میں استعمال ہونے والا سامان اُلٹ پلٹ کرتا رہا حتیٰ کہ بالآخر اُسے اپنے مطلب کی ایک چیز مل گئی۔ اُسے یاد آ گیا کہ کافی عرصے قبل وہ بادام اور اخروٹ توڑنے کا ایک آلہ بنانے کی کوشش کر رہا تھا۔ ان دونوں اس کا خیال تھا کہ وہ ایجادات کی دُنیا میں یہ انقلابی اوزار پیش کر کے تہلکہ مچا دے گا... لیکن پھر اُسے جلد ہی احساس ہو گیا تھا کہ وہ غلطی پر ہے۔ کوئی بھی کسی ایسے آلے میں دلچسپی نہیں لے گا۔ اسی سلسلے میں ایلمو نے ایک چھوٹا سا دستی پریسر بھی خریدا تھا۔ اس نے پریسر کے دو چمٹوں کے درمیان اخروٹ رکھ کر توڑنے کی کوشش کی تھی تو وہ پاؤڈر بن کر رہ گیا تھا۔ اُس نے سوچا کہ کیوں نہ ان دو چمٹوں کے درمیان اتنی بڑی جگہ بنا دی جائے جس میں اخروٹ کی جگہ کسی انسان کی کھوپڑی آسانی سے سما جایا کرے۔ اُس نے جلد ہی ایک ایسا چمٹا تیار کر لیا... پھر اُسے پریسر سے منسلک کر کے جب اس کا ٹرائیگر دبایا تو سانپ جیسی پھنکار کے ساتھ چمٹے کے دونوں کنارے ایک دوسرے کی طرف بڑھے اور آپس میں سختی سے جڑ گئے۔ اُسے اس عمل میں تیزی پیدا کرنی تھی۔ وہ کئی گھنٹے تک اسی کام میں مصروف رہا حتیٰ کہ صبح کی پہلی کرن سے قبل ہی اس نے ایک سخت اور گول چیز اس کھوپڑ... کی مدد سے ایک ہی سیکنڈ... توڑ ڈالی۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

اب وہ رقم اس کے قبضے میں آنے والی تھی۔ ساحل پر پہنچ کر اس نے اپنا غیر ملکی لباس نہیں اُتارا، بس گردن تک پڑا ہُوا کپڑے کا ٹکڑا اور چشمہ اُتار لیا تھا۔ وہ قبل از وقت منزلِ مقصود پر پہنچ گیا لیکن ٹونی اور جیک پہلے سے وہاں موجود تھے۔

کار سے اُتر کر وہ سایوں میں لپٹا ہُوا اُن کی طرف بڑھا تو اُسے جیک کی آواز سُنائی دی۔ وہ کہہ رہا تھا "اس مسخرے قاتل نے کام کر دکھایا ہے۔ ٹونی نے ریڈیو پر خبر سُن لی ہے۔"

"ہاں... لیکن مجھے افسوس ہو رہا ہے کیونکہ ہمیں اس احمق کو ٹھکانے لگانے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس شخص کا اپنا ایک الگ اسٹائل ہے۔ اُس نے دُنیا میں سب سے منفرد انداز میں قتل کیا ہے۔ اسے زندہ رہنا چاہیے تھا۔ ممکن ہے، وہ آیندہ بھی ہمارے کچھ کام آجاتا۔" ٹونی نے کہا۔

"ہاں... لیکن اگر اس احمق قاتل کو یہ پتہ چل گیا کہ ہم نے اُسے درپردہ استعمال... چھوڑو ان باتوں کو... !"

ایلیو کو اپنی سانس رُکتی ہوئی محسوس ہوئی۔

اُسے ان غدّاروں پر بے حد غصہ آ رہا تھا۔ اُس نے سوچا کہ اگر وہ لاپروائی سے ان کے پاس پہنچ گیا ہوتا تو وہ یقیناً اسے بھون ڈالتے۔ وہ انھیں گھور تا رہا۔ دونوں جرائم پیشہ افراد اپنے اپنے ریوالور کا جائزہ لینے میں مصروف ہو گئے تھے... پھر انھوں نے ریوالور اپنے کمروں سے جھولتے ہوئے ہولسٹروں میں ڈال دیے۔

ایلیو آگے بڑھ آیا اور غرّاتی ہوئی آواز میں بولا۔ "مجھے افسوس ہے تم دونوں حفاظت زیادہ دیانت دار ثابت نہیں ہوئے۔"

جیک نے چونک کر اُس طرف دیکھا، جدھر سے ایلیو کی آواز سُنائی دی تھی... پھر وہ تاریکی میں آنکھیں پھاڑتا رہ گیا کیونکہ اُسے آس پاس کوئی سایہ تک دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ "یہ مجذوب کس نے کہا تھا؟" وہ اپنے ساتھی کی طرف دیکھ کر پوچھنے لگا۔

"میں سمجھا تھا کہ تم بولے ہو۔" ٹونی کے لہجے میں بھی حیرت تھی۔

"یہ بات میں نے کہی تھی۔" ایلیو نے کہا۔

اُسی لمحے ٹونی کا ہاتھ اپنے ہولسٹر کی طرف لپکا تھا... لیکن اُس وقت تک ایلیو کے کیپسر نے اس کی کھوپڑی اپنے حصار میں لے لی تھی۔ اس سے قبل کہ ٹونی ریوالور نکالنے میں کامیاب ہوتا، اس کی کنپٹی کسی خربوزے کی طرح پچک گئی اور وہ بے آواز گر گیا۔

اپنے ساتھی کا حشر دیکھ کر جیک کی گھگی بندھ گئی۔ اس نے خود کو ٹونی کی لاش پر گرا دیا کیونکہ وہ اس لاش کی پناہ لینا چاہتا تھا۔ اُسی وقت خوفناک قہقہے سے گونج اُٹھا۔

"تم مجھے نہیں دیکھ سکتے، جیک!" ایلیو نے کرخت لہجے میں کہا۔ "لیکن میں تمھیں اچھی طرح دیکھ سکتا ہُوں۔"

"تت... تم... تم کیا چاہتے ہو؟" جیک نے گھبراتی ہوئی آواز میں دریافت کیا۔

"اپنی رقم کے علاوہ کیا چاہ سکتا ہُوں۔" ایلیو کے لہجے میں مسخرہ پن تھا۔ زندگی میں پہلے کبھی کوئی اس سے خوفزدہ نہیں ہُوا تھا۔ آج اُسے احساس ہُوا کہ اپنے سامنے کسی کو گھگیاتے دیکھ کر کتنا لُطف آتا ہے اور لوگ کمزوروں پر مظالم توڑ کر اس قدر خوش کیوں ہوتے ہیں۔ جیک کی آواز سے اپنے سے زندگی کی بھیک مانگتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

"دس ہزار ڈالر...؟" جیک نے پوچھا۔

"ہاں... لیکن اب میں بیس ہزار ڈالر لوں گا کیونکہ تم لوگوں نے مجھ سے دھوکا کرنے کی کوشش کی ہے۔ تم اس رقم میں سے وہ بیس ڈالر کاٹ کر رکھ سکتے ہو جو میں نے کل رات ایڈوانس دیے تھے۔ جلدی سے رقم لے آؤ... اگر تم نے کوئی ہوشیاری دکھانے کی کوشش کی تو تمھارا حشر بھی ٹونی سے مختلف نہیں ہوگا، سمجھ گئے؟"

جیک تھر تھر کانپ رہا تھا۔ زندگی میں پہلے کبھی وہ اس قدر دہشت زدہ نہیں ہُوا تھا۔ اُسے یقین تھا کہ ملبے کے خوف کے اس کا چہرہ کسی لاش کی طرح سپید پڑ گیا ہوگا۔

"جلدی واپس آؤ، میں یہیں تمھارا انتظار کر رہا ہُوں۔" ایلیو نے کہا۔ "اگر رقم تمھارے پاس ہے تو دیتے جاؤ، کار میں ہے تو نکال لاؤ اور اگر خالی ہاتھ آئے تو نصف گھنٹے کے اندر اندر بیس ہزار ڈالر لے کر واپس آجاؤ، ورنہ تم سمجھ گئے ہو گے کہ دُنیا میں تمھیں کہیں پناہ نہیں ملے گی۔"

"میں جلد ہی واپس آؤں گا۔" جیک نے لرزتی ہوئی آواز میں جواب دیا۔ چونکہ ارادہ تمھیں قتل کر دینے کا تھا، اس لیے ہم نے رقم ساتھ لانے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔"

ایلیو نے ایک خوفناک قہقہہ لگایا۔

جیک اپنی کار کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اگلے چند لمحوں میں اس کی کار آندھی اور طوفان کی طرح ساحل سے دُور ہوتی چلی گئی۔ ایلیو کو یقین تھا کہ وہ رقم لے کر ضرور واپس آئے گا۔ اس نے سرکاری گواہ کی پُراسرار موت کے بارے میں سُن لیا تھا اور ٹونی کی لاش اپنی آنکھوں کے سامنے گرتے دیکھی تھی... ایسے میں وہ رقم لے کر واپس آنے کے لیے مجبور تھا۔ دوسری صورت میں اُسے یقین ہو گیا ہوگا کہ وہ روئے زمین پر کہیں بھی محفوظ نہیں رہ سکے گا۔ ایلیو یہ سوچ کر ہنسے بغیر نہ رہ سکا کہ وہ اُسے یقیناً کوئی خبیث رُوح ہی سمجھ رہا ہوگا۔

ایلیو کا اندازہ درست نکلا۔

نصف گھنٹے سے بھی کچھ پہلے جیک واپس آ گیا۔

ایلیو حیرت زدہ رہ گیا۔ وہ یہ سوچے بغیر نہ رہ سکا کہ یہ شخص کس رفتار سے شہر گیا ہوگا اور کس رفتار سے اس کی واپسی عمل میں آئی ہے۔ ایلیو کی دانست میں کوئی تیز رفتار پرندہ ہی اتنی جلد اُڑ کر جا سکتا تھا اور اتنے کم وقت میں واپس بھی آ سکتا تھا... لیکن اُسے اب اس بات سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ تو اس گڈی کو دیکھ رہا تھا جسے جیک نے اس کی طرف بڑھا رکھا تھا۔

جیک کے ہاتھ سے گڈی نکل کر فضا میں معلق ہو گئی۔

وہ حیرت سے دیدے پھاڑ کر رہ گیا۔ یوں لگتا تھا جیسے نوٹوں کی وہ گڈی خود بخود ہی پرواز کرنے لگی ہو... اور پھر حیرت کے اسی مرحلے میں اس کی کھوپڑی ایک ٹھکنچے میں جکڑی گئی۔ اس کے ہاتھ تیزی سے اپنی کھوپڑی کے گرد سے وہ نادیدہ حصار ختم کرنے کے لیے بلند ہوئے لیکن وہ وہاں تک پہنچنے بھی نہیں پائے تھے کہ اس کی رُوح ہیبتناک سے نکل کر اپنے دوست ٹونی کی رُوح کے پاس پہنچ چکی تھی۔

اس کا بے سر لاش ریت پر گر گئی۔

واپسی پر ایلیو سوچ رہا تھا کہ اس نے ایک ہی رات میں تین قتل کر دیے ہیں۔ وہ بے حد خوش تھا۔ چلتے وقت اُس نے ایک نظر ان مجرموں کی لاشوں پر ڈالی، جو اُسے اس کے کارنامے کا معاوضہ اس کی موت کی شکل میں دینا چاہتے تھے... پھر اُس نے سمندر کی طرف دیکھا۔ وہ ہنس پڑا جیسے گمان کر رہا ہو کہ وہ سمندر کو بھی شکست دینے میں کامیاب ہو گیا ہے... ورنہ کیا عجب تھا کہ اس وقت اُس کی اپنی لاش بھی پھول کر لہروں پر ڈول رہی ہوتی۔

۲

اسپتال میں تین بیسی ہستیوں کو ٹھکانے لگانا کوئی بہت بڑا کام نہیں تھا اگرچہ ٹائیگر کو اس بات سے خوشی ہوتی تھی کہ اس کے ہاتھوں دُنیا کی بدکار ہستیوں کا صفایا ہوتا جا رہا ہے لیکن انسانی موت اسے اندر سے دُکھی کر دیتی تھی۔ تب وہ سوچتا کہ کاش! یہ لوگ مجرم کی راہ نہ اپنائے اور اس کے ہاتھوں ہلاک نہ ہوتے... لیکن یہ دُنیا تھی جس میں انسان نما درندوں کی کمی نہیں تھی اور ٹائیگر ایسے ہی درندوں کا شکاری تھا۔

اس وقت ٹائیگر کی کار تیزی سے ایک طرف جا رہی تھی اور وہ سوچ رہا تھا کہ بہرام بھی عجیب آدمی تھا۔

صبح ہی صبح بہرام نے اُسے فون پر ایک ایسی جگہ پہنچنے کی تاکید کی تھی جہاں ایک غیر معمولی لاش پائی گئی تھی۔ بہرام کا بیان تھا کہ درجنوں پولیس والوں اور سیکیورٹی افسروں کی ناک تلے اس شخص کو قتل کر دیا گیا تھا اور کسی کو کانوں خبر نہیں ہو سکی تھی۔ مجرم کب آیا، کیسے آیا اور کس طرح اس سرکاری گواہ کو قتل کر کے واپس چلا گیا، اس بات پر سب حیرت زدہ تھے... اور یہی ایک بات ٹائیگر کے حق سے نہیں اُتر رہی تھی۔ وہ کسی طرح بھی یہ ماننے پر آمادہ نہیں تھا کہ اس جدید ترین دور میں بھی کوئی شخص دوسروں کی نگاہوں سے اوجھل ہو کر کوئی ایسا کام کر سکتا ہے... لیکن حالات بتاتے تھے کہ اس بار کوئی نہ کوئی انہونی ہو چکی ہے۔

وہ منزل پر پہنچا تو اس کا خیال تھا کہ عمارت کے صدر دروازے پر اس کی کار روک کر اُس سے شناخت طلب کی جائے گی لیکن وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ صدر دروازے پر کوئی محافظ موجود نہیں تھا۔ اس نے تلخی سے سوچا کہ اگر یہاں کی سیکیورٹی ایسی ہی دقتے دار ہے تو قاتل کو اپنا کام کرنے میں یقیناً کوئی دُشواری نہیں ہوئی ہوگی۔ وہ کار سے اُتر کر آگے بڑھا تو اُسے سرآمدے کی سیڑھیوں پر ایک سادہ لباس والا آدمی بیٹھا نظر آیا۔ "کوئی میری شناخت معلوم کرنا چاہتا ہے؟" اس نے بلند آواز میں پوچھا۔

"کس سلسلے میں؟" سیڑھیوں پر براجمان آدمی نے سگریٹ کا ایک گہرا کش لگایا اور دھوئیں کا بادل منتشر کرتے ہوئے جواباً ٹائیگر سے ہی پوچھا۔

"سیکیورٹی..." ٹائیگر نے وضاحت کی۔

"کیسی سیکیورٹی؟" وہ شخص جھلا گیا۔ "یہاں اب حفاظت کے لیے رہ بھی کیا گیا ہے کچھ بھی نہیں... کچھ بھی تو نہیں۔" بولتے بولتے اس کے لہجے میں شدید مایوسی پیدا ہو گئی... پھر یکایک ہی وہ شخص ٹائیگر کے سلسلے میں متجسس ہو گیا۔ "ویسے، برسبیلِ تذکرہ، تم بتا سکتے ہو، دفعتاً کہ تمھارا مدعا و ارادہ کیا ہے؟"

"مجھے تمھاری سیکیورٹی چیک کرنے بھیجا گیا ہے۔" ٹائیگر نے اُس شخص کی تھلاہٹ کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

"اس بات کی اب بھلا مجھے کوئی پروا نہیں۔" یہ کہہ کر وہ شخص ہنس پڑا لیکن اس کی ہنسی میں بھی تھلاہٹ کی آمیزش تھی۔

ٹائیگر کو صورتِ حال کا کچھ کچھ اندازہ ہو گیا تھا، اس لیے اُس نے سادہ لباس والے کی باتوں کا کوئی بُرا تاثر قبول نہیں کیا۔ وہ ٹہلتا ہُوا عمارت کے ایک کمرے میں داخل ہو گیا۔ اُسے بتایا گیا تھا کہ ویران مقام پر یہ عمارت ایسے مجرموں کو رکھنے کے لیے استعمال ہوتی ہے جو پولیس کے لیے بے حد اہم ہوتے ہیں اور جن کو جرائم پیشہ لوگوں سے بچانا بھی مقصود ہوتا ہے۔ ویرانے میں دُور دُور تک

ندیم

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ٹائیگر کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔ اس نے آگے بڑھ کر بہرام کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ "بہرام... سوئیٹ ہارٹ...!" اس نے نرمی سے کہا۔ "جس روز میں غیر ذمے دار ہو گیا، وہ میری زندگی کا آخری دن ہوگا۔" وہ یہ کہہ کر اوشان کی طرف پلٹا۔ "کیوں اوشان؟"

"غیر ذمے داری کے بارے میں تو میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔" اوشان نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ "لیکن لاپروائی کا لمحہ تمہاری زندگی کا آخری لمحہ ضرور ہوگا۔"

"میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم دو کاموں کو آپس میں اتنا الجھا کر بھی بولا کر سکتے ہو۔" بہرام نے شکایت آمیز لہجے میں کہا۔ اس کی نظریں ٹائیگر پر جمی ہوئی تھیں۔ "میں نے تمہیں اسپتال میں چند ہستیوں کو ٹھکانے لگانے کا حکم دیا تھا اور سرکاری گواہ کے سلسلے میں صرف سیکیورٹی چیکنگ کرنے بھیجا تھا۔ تم شاید اسپتال کی ہستیوں کی سیکیورٹی چیکنگ کرتے رہے ہو... اور پھر تم نے جا کر نہ صرف سرکاری گواہ کو قتل کر دیا بلکہ...!"

ٹائیگر نے تردیدی انداز میں سر ہلا دیا۔

بہرام الجھی آمیز انداز میں اپنی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ وہ بے حد تھکا تھکا لگ رہا تھا۔ "حکومت ایک اہم ترین گواہ سے محروم ہو گئی۔" بے اس نے بھاری آواز میں کہا۔ "میں پوچھتا ہوں آخر اس سرکاری گواہ کو قتل کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی؟"

"میں اوشان کو بھی بتا چکا ہوں کہ وہ میرے ہاتھوں ہلاک نہیں ہوا۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔

"تم نے اسے قتل نہیں کیا؟" اس بار بہرام کے لہجے میں بے یقینی کی بجائے حیرت تھی۔ "تو پھر کیا اسے اوشان نے قتل کیا ہے؟"

"نہیں...!" اوشان نے ناگواری سے کہا۔ "میں صرف انہی لوگوں کو ٹھکانے لگاتا ہوں جن کے لیے مجھ سے درخواست کی جاتی ہے۔ تمہارا کیا خیال ہے، بہرام کہ میرا کام فن کا اعلیٰ نمونہ نہیں ہوتا؟ خاصا سنسنی خیز فالک سے اتنے گھٹیا انداز میں کسی کو قتل کرنے کی توقع رکھنا، اس کی توہین ہے؟"

"ایک منٹ ٹیل خاور۔" ٹائیگر نے جلدی سے ہاتھ اٹھا کر اسے خاموش رہنے کی ہدایت کی۔ "چیف کا یہ مطلب نہیں کہ درحقیقت آپ پر ہی شبہ کیا جا رہا ہے۔ بہتر ہوگا کہ پہلے میں صورت حال واضح کر دوں، اس طرح شاید کچھ بات بن جائے۔"

اوشان نے ٹائیگر کی مداخلت پر کڑے تیوروں سے اس کی طرف دیکھا... لیکن خاموش رہا۔

ٹائیگر کی پیشانی پر پسینے کے قطرے نمودار ہو گئے تھے۔ اس کا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔ وہ سمجھ چکا تھا کہ صورت حال محض باتوں سے قابو میں آنے والی نہیں ہے۔ بہرام پریشان ہے تو یقیناً کوئی بہت ہی اہم بات ہے۔ اس نے دونوں ہاتھ میز پر رکھے اور بہرام کی طرف جھکتے ہوئے دریافت کیا۔ "آپ کو یہ شبہ یا یقین کیوں ہے کہ اسے میں نے ہی قتل کیا ہے؟"

"تو پھر اور کون ایسا کر سکتا ہے؟ وہاں درجنوں خونخوار کتے تھے، درجنوں مسلح محافظ تھے، چپے چپے پر سیکیورٹی گارڈ موجود تھے اور کون اس کی کھوپڑی کو اس انداز میں توڑ سکتا تھا کہ کھوپڑی کے چیتھڑے پورے کمرے میں بکھرے ہوئے پائے گئے تھے؟" بہرام نے اسی سے سوال کر دیا۔

"سب سے پہلی بات تو یہ ذہن نشین کر لیں کہ قاتل میں نہیں ہوں۔ دوسری بات یہ ہے کہ اسپتال میں جن لوگوں کو ٹھکانے لگانا تھا وہ اپنے انجام کو پہنچ چکے ہیں اگر ابھی تک ان کی لاشیں نہیں ملیں اور پولیس کو ان کی موت کی رپورٹ نہیں کی گئی تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ زندہ ہیں۔ ان کی لاشیں کٹروں کی الماری میں تہ در تہ رکھی ہوئی ہیں، جا کر خود ملاحظہ کر لیں۔"

بہرام نے پلکیں جھپکائیں۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ ٹائیگر کے بیان پر غور کر رہا ہو... پھر وہ کرسی کی پشت گاہ سے ٹیک گیا۔ اس نے فون گھسیٹ کر سامنے کر لیا۔ جلدی جلدی کسی کا نمبر ڈائل کیا۔ کچھ دیر احکامات دیتا رہا... پھر ریسیور رکھ کر ایک طویل سانس لی۔ اس کی نظریں اب فون پر جمی ہوئی تھیں جیسے اپنے احکامات کا جواب ملنے کے بعد ہی وہ مزید کوئی بات کرنا چاہتا ہو۔ چند منٹ کے لیے کمرے میں گہری خاموشی چھا گئی۔ تین آدمیوں کی موجودگی کے باوجود اس قدر سناٹا تھا جیسے وہاں کسی ذی روح کا نام و نشان تک نہ ہو... پھر یہ بوجھل سناٹا فون کی سمع خراش آواز سے ٹوٹ گیا۔ اوشان چونک پڑا۔ بہرام بھی اپنی سیٹ پر اچھل پڑا اور اس کا ہاتھ بالکل اسی انداز میں ریسیور پر پڑا جیسے کوئی ناگ کسی چیز کو ڈسنے کے لیے پھن مارتا ہے۔ وہ دوسری طرف سے ہونے والی بات گہری توجہ اور تمانت سے سنتا رہا۔ اس دوران میں کئی بار اس کے چہرے کا رنگ متغیر ہوا اور کئی بار اس نے ٹائیگر کی طرف دیکھا... پھر بھاری آواز میں بولا۔ "لاشیں مل گئی ہیں۔"

"مبارک ہو۔" ٹائیگر نے مسکرا کر کہا۔ "لیکن میں نہیں سمجھتا کہ یہ خوشی نے آپ کے لیے کوئی بڑی عید اور چھوڑی ہوگی۔"

بہرام کے ہونٹوں پر پہلی بار مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

"کیا مجھے ٹنگ کی صلیب سے اتار دیا گیا ہے، چیف؟" ٹائیگر نے دریافت کیا۔

"ریسیور ابھی تک اپنی صلیب سے ہٹایا ہوا ہے۔" اوشان نے اپنی پتلی سی بسی منحنی ٹھوڑی کی انگلی سے اشارہ کیا۔

بہرام نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

"ہاں... مجھے یقین آگیا کہ تم نے دونوں کام اسی طرح کیے ہیں، جیسے کہا گیا تھا... لیکن سوال اب بھی پریشان کن ہے کہ اگر تم نے قتل نہیں کیا تو قاتل کون ہے... اتنا طاقت ور قاتل... جو کسی کے کھوپڑی کے چیتھڑے بکھیر سکتا ہو؟" بہرام نے ٹائیگر کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ انداز سوالیہ تھا لیکن لگتا تھا جیسے وہ خود کلامی میں مبتلا ہو۔ "اس کے علاوہ پولیس کو ساحل پر دو لاشیں اور بھی ملی ہیں۔ ان دونوں کو بھی اسی انداز سے ہلاک کیا گیا ہے، جس طرح سرکاری گواہ قتل ہوا ہے۔"

"اوہ...!" ٹائیگر کے ہونٹ سکڑ گئے۔ "بہرحال یہ بات تو طے ہو گئی کہ انہیں میں نے یا اوشان نے قتل نہیں کیا۔ یہاں سے اصل کیس شروع ہوتا ہے۔ اب دیکھیے کیا سامنے آتا ہے۔" اس نے اوشان کی طرف دیکھا۔ "فاضل خاور... کہیں یہ نوگان کا کارنامہ تو نہیں؟"

نوگان کے نام پر اوشان یوں اچھل پڑا جیسے اس کے مختصر سے بدن کو بجلی کی برہنہ تار چھو گئی ہو۔ ایک لمحے کے لیے اس کی آنکھوں میں شبہے کی جھلک نظر آئی... پھر اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ چند ساعتوں تک وہ گہرے استغراق کی حالت میں رہا۔ اس دوران میں اس کے ہونٹ بھی حرکت کرتے رہے۔ گویا وہ ذہنی طور پر یہ تحقیق کر رہا تھا۔ بار بار اس کے نتھنے پھڑکتے رہے جیسے وہ کچھ سونگھنے کی کوشش کر رہا ہو۔ اس نے آنکھیں کھولیں تو ان میں سرخی تیر رہی تھی۔ وہ نفی میں سر ہلانے لگا۔ "نہیں... یہ نوگان کا کارنامہ نہیں ہے۔" اس نے جواب دیا۔

"ان سب باتوں سے ایک نقطہ قائم ہوتا ہے۔" بہرام نے تفکر آمیز انداز میں کہا۔ "اس شہر میں کوئی ایسا وجود ہے، جو بے انتہا طاقت ور ہے۔ اس کے علاوہ اس میں خود کو پوشیدہ رکھنے کی بھی صلاحیت موجود ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو اتنے بہت سے آدمیوں میں سے کوئی ایک کم از کم اس کا سایہ یا ہیولا ضرور دیکھ لیتا۔ یہ ایک پریشان کن صورت حال ہے۔ وہ شخص اتنا طاقت ور ہے کہ انسانی کھوپڑیوں کو چیتھڑوں میں تبدیل کر سکتا ہے اور ہمیں دیکھنا ہے کہ وہ کون ہے۔"

"جن دو آدمیوں کی لاشیں ساحل پر پائی گئی ہیں، ٹائیگر نے دریافت کیا۔ "ان سے کوئی رہنمائی حاصل کی جا سکتی ہے؟"

"ہاں...!" بہرام نے جواب دیا۔ "اس معاملے کی رپورٹ ایک نشے باز نے کی تھی۔ جو وہاں ایک طرف چٹان پر بیٹھا انتہائی لطف اندوز ہو رہا تھا۔ اس نے بتایا کہ دونوں آدمی ایک ایسے آدمی سے باتیں کر رہے تھے، جو وہاں موجود نہیں تھا اور ایک ایسی ہستی جو اسے دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ ان دونوں آدمیوں کا جو اسے دے رہی تھی۔"

"دو آدمی... اور... تین آوازیں۔" ٹائیگر ہنس پڑا۔ "ممکن ہے، تیسری آواز اس نشے باز کے ذہن میں تیرتے ہوئے نشے کی پیداوار رہی ہو۔"

"نہیں... اگر ایسا ہوتا تو وہ پولیس کے پاس رپورٹ کرنے کبھی نہ جاتا۔" بہرام نے اس کا خیال رد کر دیا۔ "ہمیں کسی ایسی ہستی کو تلاش کرنا ہے، جو دکھائی نہیں دیتی۔ ایک ایسا مجرم تلاش کرنا ہے، جو انسانی کھوپڑیاں ذرات میں بکھیرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔"

"جن دو آدمیوں کی لاشیں ساحل پر ملی ہیں، وہ کون تھے؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"وہ جرائم پیشہ افراد... جن کا تعلق ایک خفیہ گروہ سے ہے۔ ان دونوں کے ذمے یہ کام لگایا گیا تھا کہ وہ اپنے اس ساتھی کو قتل کر دیں، جس نے سرکاری گواہ بن کر اس گروہ کے راز فاش کرنے کی حامی بھر لی تھی۔"

"آپ کے خیال میں ان کے درمیان کوئی تعلق ہے؟"

"یقینی طور پر یہی بات ہے۔" بہرام نے کہا۔ "تین آدمی... اور تینوں کی کھوپڑیاں کسی اخروٹ کی طرح توڑ دی گئی ہیں۔ یہ محض ایک اتفاق نہیں ہو سکتا۔"

"اگر یہ حقیقت ہے تو اور بھی اچھی بات ہے۔ میری بات مانیے، چیف! جو مجرم کھوپڑیاں بکھیرتا پھر رہا ہے، اس کی گرفتاری کا خیال ذہن سے نکال دیں۔"

"وہ کیوں؟" بہرام نے حیرت سے پوچھا۔

"اس طرح باری باری تمام جرائم پیشہ افراد ختم ہو جائیں گے اور ہماری محنت بچ جائے گی۔" ٹائیگر نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔ "میں تو یہ مشورہ دوں گا کہ کھوپڑیاں بکھیرنے والے کی سلامتی کے لیے دعائیں کی جائیں۔ ایک عرصے بعد دنیا میں ایک ایسا شخص پیدا ہوا ہے، جو میرا کام کر کے مجھے آرام کا موقع دے رہا ہے۔"

"لیکن یہ بات اتنی سادہ سی نہیں ہے۔" بہرام بولا۔

"یہ بات تو میں اوشان سے کئی بار کہہ چکا ہوں کہ سادگی کا زمانہ گزر چکا ہے... لیکن یہ مجھے بھی اپنی طرح سادہ لوح دیکھنا چاہتے ہیں، خصوصاً خواتین کے سلسلے میں اور مزید خصوصاً ایسی خواتین کے سلسلے میں جن کے چہرے پر ان گنت جھوٹے بھوٹے تل ہوتے ہیں۔" ٹائیگر نے اوشان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

اوشان کی تیوریوں پر بل پڑ گئے۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"میں کہہ رہا تھا کہ ہم اس معاملے کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔" بہرام نے بڑے ضبط سے کام لیتے ہوئے اپنی بات دہرائی۔ "اس وقت ہمارے ملک کی صورتِ حال ہمیں چشم پوشی کی اجازت نہیں دیتی۔"

"ملک کی صورتِ حال...؟" ٹائیگر چونک پڑا۔ "ملکی صورتِ حال کو کیا ہوا؟"

"ان دنوں بسلامی کا امیر ہمارے ملک میں موجود ہے۔" بہرام نے انکشاف کیا۔

"مارے گئے۔" ٹائیگر نے کراہ کر کہا۔ "یہ بسلامی کا امیر کیا بلا ہے اور وہ یہاں کیا کر رہا ہے؟"

"تم بسلامی کے بارے میں بھول گئے۔" اوشان نے جلدی سے دخل در معقولات کی۔ "خانہ ساز سائنس کو جن چند امرا اور سلاطین کی نظرِ عنایت حاصل رہی ہے، بسلامی کا امیر ان میں سے ایک ہے۔ اوہ، وہ کتنا عظیم بادشاہ ہے، کیں...!"

"لیٹل فادر!" ٹائیگر نے احتجاجاً ہاتھ بلند کر دیا۔

"بات یہ ہے کہ بسلامی کے نئے حکمرانوں نے پرانے سلطان کے سر کی قیمت پچاس لاکھ ڈالر مقرر کی ہے۔" بہرام نے کہا۔

ٹائیگر چونک پڑا۔ اس کی دو مٹھیاں سے ترتیب ہو گئی تھیں۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ روئے زمین پر کوئی شخص اتنا قیمتی بھی ہو سکتا ہے۔ "پچاس لاکھ ڈالر...!" اس نے دہرایا اور کن انکھیوں سے اوشان کی طرف دیکھا۔ وہ بھی منہ پھاڑے بہرام کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ٹائیگر نے اپنے استاد کو پہلے کبھی اتنی شدت سے اظہارِ حیرت کرتے نہیں دیکھا تھا۔

"چیف...!" وہ بہرام کی طرف جھک کر رازدارانہ لہجے میں بولا۔ "کیوں نہ یہ رقم حاصل کر لی جائے۔ سارے ڈالر ردّی ہو جائیں گے۔"

بہرام اسے خطرناک تیوروں سے گھورنے لگا۔

ٹائیگر نے بوکھلا کر اوشان کی طرف دیکھا۔ "کیوں لیٹل فادر... پچاس لاکھ ڈالر سے خانہ ساز سائنس کی کتنی نسلیں پرورش پا سکتی ہیں؟"

"نسلیں ڈالروں سے پروان نہیں چڑھا کرتیں، فرزند۔" اوشان نے گہری سنجیدگی سے جواب دیا۔ "ڈالروں کی زیادتی تو نسلوں کو تباہی کی طرف لے جاتی ہے اور انہیں نیست و نابود کر دیتی ہے۔"

"آپ لوگوں کی مرضی۔" ٹائیگر نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔ "میں نے تو ایک تجویز پیش کی تھی۔" وہ بہرام کی طرف متوجہ ہو گیا۔ "بسلامی کا سلطان اس وقت کہاں ہے؟"

"مشرقی ساحل پر واقع جزیرے میں...!" بہرام نے جواب دیا۔ "وہ وہاں اس وقت تک قیام کرے گا جب تک انتقال نہیں کر جاتا۔ فطری اور قدرتی موت نہیں آ جاتی... اس کے ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ وہ زیادہ عرصے تک زندہ نہیں رہے گا۔"

"تب پھر کسی کو کیا پاگل کتے نے کاٹا ہے کہ وہ ایک ایسے بوڑھے کو قتل کرتا پھرے گا۔" ٹائیگر نے حیرت سے کہا۔ "اور مجھے تو یہ بسلامی کے سنے سنائے محکمان بھی کچھ سر کے ہوئے لگتے ہیں۔ وہ ایک دم توڑتے ہوئے آدمی سے نہ جانے کیوں خوفزدہ ہیں، اور اس کی موت کے لیے اتنی بڑی رقم کا اعلان بھی حفاظت نہیں تو اور کیا ہے؟"

"یہ سیاسی نوعیت کا معاملہ ہے۔" بہرام نے وضاحت کی۔ "ہمارے دشمن ملک کے لیے یہ ایک سنہرا موقع ہے۔ وہ سابق سلطان کو ٹھکانے لگوا کر پوری دنیا میں ہماری ساکھ خراب کر سکتا ہے کہ ہم اپنے دوستوں کی حفاظت بھی نہیں کر سکتے۔"

"لیکن سابق امیر کا اس کھوپڑی توڑ سے کیا تعلق ہے؟"

"فرض کرو کہ سرکاری گواہ اور دیگر دو آدمیوں کو قتل کرنے والا کوئی پکڑا گیا ہے... ایک ایسا قاتل جس کی خدمات ان دونوں جرائم پیشہ افراد نے حاصل کی تھیں، جن کی لاشیں ساحل پر پائی گئی تھیں۔ فرض کرو کہ اس نے دولت کے لالچ میں پہلے سرکاری گواہ کو کسی پُراسرار طریقے سے قتل کر دیا... پھر اپنی شناخت چھپانے کے لیے اس نے رقم حاصل کرنے کے بعد ان دونوں کو بھی ٹھکانے لگا دیا ہو۔"

"جی ہاں، کر لیا فرض... فرض کرنے میں کسی کا کیا جاتا ہے، بات تو فرض نبھانے کی ہوتی ہے۔ جیسے آپ یہاں بیٹھے فرض کرتے رہتے ہیں جب کہ مجھے فرض کی بھاگ دوڑ میں نہ جانے کیا کیا کرنا پڑتا ہے۔"

"اگر وہ کرائے کا قاتل ہے تو پچاس لاکھ ڈالر اس کے منہ میں پانی لانے کے لیے بہت بڑی رقم ہے۔ عین ممکن ہے، اس نے زبردست سیکیورٹی کے باوجود سرکاری گواہ کو قتل کر کے ایک نمونہ پیش کیا ہو۔ اس مثال کے بعد کون اس سے بے داغ وارادات کروانا پسند نہیں کرے گا؟ بسلامی سلطان کو ٹھکانے لگانے کے لیے اس وقت وہ اہم ترین ہستی ہے۔ نئے حکمران بھی اس سے رابطہ قائم کر سکتے ہیں اور ہمارے دشمن ملک کو ایسا کرنے سے بھلا کون روک سکتا ہے؟"

ٹائیگر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ وہ اب بے حد سنجیدہ تھا۔ اس کی آنکھوں اور چہرے سے متانت کے ساتھ ساتھ فکرمندی بھی جھلک رہی تھی۔ نہ جانے کیوں اس کی چھٹی حس اسے کہہ رہی تھی کہ اپنی زندگی کا سب سے مشکل امتحان درپیش ہے۔

"کیا سمجھے؟" بہرام نے اسے سوچ میں ڈوبے دیکھ کر پوچھا۔

"یہی کہ ہمیں بسلامی کے امیر کو اس وقت تک زندہ رکھنا ہے جب تک وہ مر نہیں جاتا... قدرتی طور پر۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔

"بالکل یہی بات ہے۔" بہرام اس کے سمجھنے اور ادائیگی کے انداز پر ہنس پڑا۔

"کیا آپ چاہتے ہیں کہ ہم بسلامی سلطان کی حفاظت کریں؟"

"پہلے جا کر سیکیورٹی چیک کرو... اگر وہ تمہاری مرضی کے مطابق ہو تو تمہیں اس سلسلے میں فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔ اس کے محافظ اور ہمارے دیگر محکمے اس معاملے کو سنبھال لیں گے۔"

"اور اگر جس وہاں سیکیورٹی چیکنگ کے لیے گیا تو صورتِ حال ویسی ہی پائی جیسی کہ سرکاری گواہ کے سلسلے میں سامنے آ چکی ہے، تب کیا ہو گا؟"

بہرام یکایک پریشان ہو گیا۔ "ٹائیگر...!" اس نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔ "یہ بات مذاق میں بھی نہ کہنا۔ مسندِ مملکت اس شخص کو ہر حال میں زندہ دیکھنا چاہتے ہیں۔"

"فطری موت آنے تک...!" ٹائیگر نے لقمہ دیا۔

بہرام نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ "جاؤ اور جا کر سیکیورٹی چیک کرو۔ دیکھو، کہیں کوئی حفاظتی جال کو توڑ تو نہیں سکتا۔ ادھر سے مطمئن ہونے کے بعد تم اس کھوپڑی توڑ قاتل کی تلاش میں جا سکتے ہو۔ میں یہ خطرہ مول نہیں لے سکتا کہ اسے سلطان پر قاتلانہ حملہ کرنے کا موقع مل جائے... پہلے اسے تلاش کرو۔"

"ٹھیک ہے۔" ٹائیگر نے اوشان کو چلنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "اگر سلطان ہمارے پہنچنے سے قبل ہی عالمِ بالا پہنچ چکا ہو تو اس کی ذمہ داری ہم دونوں پر عائد نہیں ہو گی۔"

"جاؤ... پلیز... جلدی جاؤ۔" بہرام نے زچ ہوتے ہوئے کہا۔ اس معاملے میں ٹائیگر کا مذاق بھی اس کے دل میں اضطراب کی لہریں پیدا کرنے کے لیے کافی تھا۔

▼▼

بسلامی کا سلطان جس جزیرے پر مقیم تھا، اس کی طرف ایک لگژری کروزر نہایت خاموشی سے تیرتی ہوئی جا رہی تھی۔ اس لانچ کے کاک پٹ میں اوشان اور ٹائیگر بیٹھے ہوئے تھے۔ لانچ ٹائیگر چلا رہا تھا اور اوشان دُور افق پر نظریں جمائے نہ جانے کس سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔

"آپ بہت چپ چپ نظر آ رہے ہیں، لیٹل فادر۔" ٹائیگر نے کن انکھیوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

اوشان نے کڑے تیوروں سے اس کی طرف دیکھا۔ وہ اس وقت دو مٹھاروں والا سانگ رچا رہا تھا جس نے محسوس کیا ہے کہ جب میں بولتا ہوں تو تم مداخلت ضرور کرتے ہو۔ "اوشان غرّایا۔ "اور جب میں خاموش ہوتا ہوں تو تمہارے دل میں فوراً یہ خواہش پیدا ہوتی ہے کہ کیں بولنا شروع کر دوں... شاید اس لیے کہ تم وہ بارہ مداخلت کر سکو۔"

"باتوں میں ٹالنے کی کوشش نہ کریں۔" ٹائیگر ہنس پڑا۔ "میں جانتا ہوں کہ اس وقت کوئی نہ کوئی چیز آپ کے ذہن کو پریشان کر رہی ہے۔"

اوشان نے کوئی جواب نہ دیا۔

"بتائیے نا، فادر؟" ٹائیگر نے اصرار کیا۔

اوشان نے ایک طویل سانس لی۔ "ہاں... تم ٹھیک سمجھے۔ مجھے ایک چیز پریشان کر رہی ہے۔"

"میں وہی معلوم کرنے کی درخواست کر رہا ہوں۔" ٹائیگر نے استدعا کی۔

"یہ بتاؤ کہ بسلامی کے سلطان کو قتل کرنے کا معاوضہ کس سے حاصل کیا جا سکتا ہے؟"

"کیا مطلب؟" ٹائیگر بُری طرح چونک پڑا۔ اس کا ہاتھ وہیل پر بہک گیا جس کے نتیجے میں لانچ تیزی سے لہرائی۔ ٹائیگر نے جلدی سے اسے سنبھالا اور پھر حیرت بھری نظروں سے اوشان کی طرف دیکھنے لگا۔ "کیا آپ اس قریب المرگ بوڑھے کو قتل کرنا چاہتے ہیں؟"

"ہاں...!" اوشان نے ایک طویل سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ "اس کے سوا کوئی چارہ بھی تو نہیں ہے۔"

"میں اب بھی آپ کا مطلب سمجھنے سے قاصر ہوں۔" ٹائیگر نے بے بسی کا اظہار کر دیا۔ "آخر آپ اس کی موت کے کیوں خواہاں ہیں؟"

"اس کی وجہ ایک پُرانا قرض ہے، جو آج تک ادا نہیں کیا گیا۔ اس بیمار کے آباؤ اجداد خانہ ساز سائنس کے مقروض تھے۔ اس کے آباؤ اجداد پر بے حد...!"

"اتنی دولت کے باوجود وہ لوگ کنجوس تھے؟" ٹائیگر نے جلدی سے اس کا جملہ مکمل کر دیا۔

"میری باتوں میں روک ٹوک تمہاری پُرانی عادت ہے۔" اوشان بگڑ گیا۔

"مجھے افسوس ہے، لیٹل فادر۔" ٹائیگر نے جلدی سے معذرت کر لی۔ "براہِ کرم اپنی بات جاری رکھیے۔"

"شکریہ!" اوشان کا لہجہ قدرے نرم ہو گیا۔ "یہ ایک سادہ سی کہانی ہے۔ میں یہ کہانی بہرام کے دفتر میں سنانا چاہتا تھا لیکن تم نے ٹوک دیا۔ مجھے حیرت ہے کہ لوگ دوسروں کی بات سننے میں اس قدر کنجوس کیوں ہوتے ہیں؟"

"میں پوری توجہ سے سن رہا ہوں۔" ٹائیگر نے سنجیدگی سے اسے یقین دلایا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"یہ کئی سال پرانی بات ہے... شاید دو صدیوں پہلے کا معاملہ ہے۔ ان دنوں کا قصہ ہے جب اسکوندر نے مشرق کے بیشتر علاقے پر اپنا تسلط جما لیا تھا۔"

"میں دلچسپی تو نہیں کرنا چاہتا... لیکن یہ اسکوندر کون تھا؟"

"وہی یونانی جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ فاتح عالم تھا۔"

"شاید آپ سکندرِ اعظم کا تذکرہ کر رہے ہیں۔" ٹائیگر نے پوچھا۔

"ہاں... سکندرِ اعظم..." ہنہہ!" اوشان کا موڈ خراب ہو گیا۔ اگر بسلامی کے سلطان نے خانہ ساز سمجھ سے دھوکا نہ کیا ہوتا تو آج تاریخ کے وہ صفحات خالی پڑے ہوتے جن میں سکندرِ اعظم کی فتوحات کا تذکرہ ہے۔" اوشان نے غرّاتی ہوئی آواز میں کہا۔ "خانہ ساز سمجھ کر ان دنوں ماسٹر ڈنگ کی حکومت تھی بسلامی کے سلطان نے اس کی خدمات حاصل کیں تاکہ اس کے دشمنوں کا صفایا ہو سکے۔ ماسٹر ڈنگ نے ایسا ہی کیا۔ جب وہ بسلامی کے دشمنوں کو نیست و نابود کرنے میں کامیاب ہو گیا تو وصولی کے لیے بسلامی کے محل پہنچا۔ اسے پتہ چلا کہ جس امیر نے اس کی خدمات حاصل کی تھیں، وہ گذشتہ ہفتے سوتے میں ہلاک ہو گیا تھا۔ شاید حرکت قلب بند ہونے سے... اور اب بسلامی پر اس کے بیٹے کی حکومت قائم ہو گئی تھی۔ ماسٹر ڈنگ نئے سلطان سے ملا تو اس نے اوائیگی سے صاف انکار کر دیا۔ اس نے کہا کہ جس کا معاملہ تھا جب وہ مر گیا تو رقم بھی اس کے ساتھ ہی ڈوب گئی... تب سے بسلامی حکومت پر بھاری وہ قرض باقی ہے... لیکن تم اس قدر حیران کیوں نظر آ رہے ہو؟"

"ماسٹر ڈنگ نے طاقت کے زور پر وصولی کیوں نہیں کر لی؟"

"طاقت کے ذریعے دولت حاصل کرنا ہمارا نصب العین نہیں ہے۔" اوشان نے بڑے خوبصورت لہجے میں کہا۔

"حالانکہ آپ بسلامی کے اس قریب المرگ امیر کو قتل کر کے یہی ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ...!"

"وہ مرنے والا ہے... چند روز قبل مر گیا تو کوئی فرق نہیں پڑے گا... لیکن اس طرح اس کے آباؤ اجداد کا قرض بھی اتر جائے گا۔" اوشان نے وضاحت کی۔

"اوہ... تو کیا آپ اس بے چارے بوڑھے کو اس کے آباؤ اجداد کے قرضوں کے سلسلے میں ذمے دار سمجھ رہے ہیں؟"

"میں یقین سے نہیں کہہ سکتا کیونکہ آج کل وہ بسلامی کا امیر نہیں ہے۔ ذمے دار تو اس شخص کو سمجھا جانا چاہیے جو اس وقت حکمران ہے اور تم جانتے ہو کہ بوڑھے سلطان کی موت پر اوائیگی نیا سلطان ہی کر رہا ہے۔ دوسری طرف اگر پرانا امیر واپس جا کر اپنا تخت و تاج حاصل کرنا چاہے تو وہ ہماری مدد سے ایسا کرنے کے بعد بھی ادائیگی کر سکتا ہے لیکن اُسے پھر بھی پرانا قرض ضرور ادا کرنا پڑے گا جب کہ نئے کام کے سلسلے میں معاوضہ مانگ دینا پڑے گا۔ میں اس سلسلے میں غور کروں گا کہ کیا راستہ اختیار کرنا چاہیے؟"

"جب آپ کسی نتیجے پر پہنچ جائیں تو مجھے ضرور آگاہ کر دیجیے گا۔"

اوشان نے اثبات میں سر ہلا دیا اور سامنے نظر آنے والے جزیرے کے ساحل پر نظریں گاڑ دیں۔ جزیرے پر جو شاندار محل نما عمارت تھی۔ اس کا صدر دروازہ ساحل کی طرف کھلتا تھا۔ ٹائیگر نے سوچا کہ حفاظتی انتظامات چیک کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ کسی کو اپنی موجودگی سے آگاہ کیے بغیر سلطان تک پہنچا جائے۔ اس وقت ان کی لانچ سمندری گھاس کے ایک قطعے میں سے گزر رہی تھی۔ لانچ کا انجن بے آواز تھا اور ٹائیگر اسے جس مہارت سے چلا رہا تھا اس کے باعث پانی کی آواز بھی زیادہ دُور تک نہیں پھیل رہی تھی۔ اچانک اوشان نے اس کا کندھا چھو لیا۔

ٹائیگر نے چونک کر عقب میں دیکھا۔

سمندر میں کہیں کہیں جھاڑیاں بھی پھیلی ہوئی تھیں۔ اوشان نے ان جھاڑیوں کی طرف اشارہ کر دیا۔ ٹائیگر نے غور سے اُدھر دیکھا تو اوشان کے عمیق مشاہدے کا دل ہی دل میں قائل ہو گیا۔ اسے ایک تار نظر آ رہا تھا۔ یہ تار غالباً آوازوں کو کسی خاص آلے تک پہنچاتا تھا۔ پھر ٹائیگر کو وہ آلہ بھی نظر آ گیا۔ اس نے ایک طویل سانس لی۔ کوئی بھی لانچ یا کشتی سمندر میں اپنا آپ ظاہر کیے بغیر سفر نہیں کر سکتی تھی کیونکہ اس آلے کی مدد سے کسی مقام پر اس لانچ کے بارے میں فوراً پتہ چل سکتا تھا۔ ٹائیگر کو اوشان کا بتایا ہوا اسباق یاد آ گیا۔ اس کا کہنا تھا کہ بے آواز چلنا یا بے آواز سفر کرنا بے حد مفید ہوتا ہے اس طرح انسان کو اپنی احتیاط کی اصلاح کرنے کا موقع مل جاتا ہے۔ ٹائیگر کے ذہن میں وہ مناظر کسی فلم کی طرح گردش کرنے لگے جب اوشان نے اسے بے آواز چلنا سکھایا تھا۔ اس نے فرش پر اخروٹ کے چھلکے، مونگ پھلی کے چھلکے اور مڑے تڑے کاغذ کے ٹکڑے ہی نہیں بلکہ کانچ کی گولیاں بھی بچھا دی تھیں اور پھر ٹائیگر کو حکم دیا تھا کہ ان سب کے اوپر سے اس طرح چلتا ہوا گزرے کہ خفیف سی آواز بھی پیدا نہ ہونے پائے۔ یہ ایک سخت ترین مشق تھی اور اس میں کامیابی حاصل کرنے میں ٹائیگر کو کئی ہفتے لگ گئے تھے۔ اسے یاد تھا کہ وہ اس دوران میں جب بھی حرفِ شکایت زبان پر لاتا تھا تو اوشان صرف ایک ہی جملہ کہا کرتا تھا "دوڑو... کوئی بھی خاموش کتے پر پتھر نہیں پھینکتا... دوڑو... بے آواز دوڑو...!"

اُن کی لانچ اب ایک ایسی جگہ پہنچ گئی تھی، جہاں سے جزیرے کی محل نما عمارت مزید صاف نظر آنے لگی تھی۔ اس دوران میں اُن کی لانچ، برقی باڑوں، بارودی سرنگوں اور الیکٹرونک آئی سسٹم کے درمیان سے راستہ بناتی ہوئی چلتی رہی تھی۔ ٹائیگر نے بڑی مہارت کا مظاہرہ کیا تھا اور نہ بے خبری میں لانچ کسی بھی زیرِ آب بارودی سرنگ سے ٹکرا کر تباہ ہو سکتی تھی۔ وہ دونوں اپنی لانچ میں اس حفاظتی نظام سے بچ کر جزیرے سے قریب تر پہنچتے جا رہے تھے اور ٹائیگر نے دل ہی دل میں ان انتظامات کو سراہا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ اگر کوئی شخص اوشان اور ٹائیگر جیسی صلاحیتوں کا مالک ہو، تو صرف وہی اس راستے سے بچ کر زندہ جزیرے تک پہنچ سکتا ہے ورنہ نہیں...!

لانچ ساحل پر رُک گئی اور دونوں اُتر گئے۔

عمارت اور ساحل کے درمیان دو سو گز لمبا اور کئی سو گز کشادہ میدانی حصہ تھا۔ وہ خاموشی سے اس میدانی حصے میں چلتے ہوئے محل نما عمارت کے عقبی حصے کی طرف بڑھنے لگے۔ اب تک انھیں کوئی بھی متنفس دکھائی نہیں دیا تھا۔ ٹائیگر نے خاص طور سے لانچ کو عمارت کے عقبی حصے میں پھیلے ہوئے ساحل تک پہنچایا تھا اور اب اُن دونوں کا ارادہ تھا کہ وہ فصیل سے کود کر خاموشی سے اس عمارت میں داخل ہو جائیں گے اور کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہو گی۔ اس فصیل پر گارڈ روم نہیں تھے۔ اس لیے انھیں دیکھ لیے جانے کا کوئی خدشہ نہیں تھا... لیکن اس عمارت کے نگران غافل نہیں تھے۔

اچانک ہی دونوں اطراف سے کئی مسلح محافظ دوڑتے ہوئے آئے اور انھوں نے پل بھر میں ٹائیگر اور اوشان کو گھیرے میں لے لیا۔ ہر محافظ کے ہاتھ میں جدید ترین رائفل دبی ہوئی تھی اور ہر رائفل کا رُخ ان دونوں کی طرف تھا۔ ٹائیگر اُن کی پھرتی اور اعلا کارکردگی کو دل ہی دل میں سراہے بغیر نہ رہ سکا۔ اس کے علاوہ اُس نے یہ بھی محسوس کیا کہ تمام محافظ بے حد مستعد ہیں اور وہ ذرا سی خلافِ معمول حرکت پر گولی چلانے سے دریغ نہیں کریں گے۔

"ہالٹ...!" ان محافظوں میں سے ایک نے انھیں للکارتے ہوئے کہا۔

اوشان نے ٹائیگر کی طرف دیکھا۔

ٹائیگر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

دفعتاً ایک رائفل کی نال ٹائیگر کی پسلیوں سے آ لگی۔ اس نے خفا آہنی نال کی چبھن محسوس کی تو اس محافظ کی طرف دیکھا جو اس پر رائفل تانے کھڑا تھا۔ تیوروں سے اُسے گھور رہا تھا۔ ٹائیگر نے سرسری نگاہ سے پڑتال کی پھر اُس کی نظریں ایک مسلح محافظ پر جم گئیں۔ یہ شخص وردی کے اعتبار سے اُن لوگوں کا انچارج محسوس ہوتا تھا۔ "ہم حکومت کی طرف سے آئے ہیں۔" ٹائیگر نے اُس شخص کو مخاطب کیا تھا اور ہمیں خاص طور سے اس لیے بھیجا گیا ہے کہ امیر کی حفاظت کے لیے جو انتظامات کیے گئے ہیں، اُن کا جائزہ لیں اور اس سلسلے میں آپ لوگوں کی ہر ممکن مدد کریں۔"

"ہمیں کسی نے یہ اطلاع نہیں دی کہ حکومت تم لوگوں کو بھیج رہی ہے۔" انچارج بولا۔

"ہم نے درخواست کی تھی کہ کسی کو ہماری آمد سے آگاہ نہ کیا جائے۔" ٹائیگر نے اس کے اعتراض کا جواب دیا۔ "ہم دیکھنا چاہتے تھے کہ تم لوگ کس قدر چوکس ہو اور کیا ردِ عمل ظاہر کرتے ہو۔"

رفتہ رفتہ وہ سولہ محافظ پیچھے ہٹتے گئے۔ اب انھوں نے ٹائیگر اور اوشان کو ایک تنگ سے حصار میں لے لیا تھا جس شخص نے اپنی رائفل ٹائیگر کی پسلیوں سے لگا رکھی تھی وہ البتہ اب بھی اس کے قریب ہی کھڑا تھا۔

"ہماری حکومت کا نمایندہ کہاں ہے؟" ٹائیگر نے استفسار کیا۔ "وہ ہمارے شناختی کاغذات چیک کر سکتا ہے۔"

"ہم خود بھی شناختی کاغذات چیک کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔" انچارج نے غرّاتی ہوئی آواز میں کہا۔ "لیکن ہم اس طرح کی مداخلت کو پسندیدہ نظروں سے نہیں دیکھتے۔"

ٹائیگر نے ایک ہاتھ اٹھایا اور "سنو...!" وہ شاید انچارج کو کچھ سمجھانا چاہتا تھا۔ جو محافظ اس کی پسلیوں سے رائفل کی نال لگائے کھڑا تھا، اس نے ٹائیگر کے ہاتھ کی حرکت کو حملہ کرنے کے انداز پر محمول کیا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے رائفل کھینچ لی اور اُسے پوری قوت سے گھمایا۔ نشانہ ٹائیگر کی کھوپڑی ہی تھی... لیکن اوشان کے علاوہ کوئی بھی دیکھ سکا کہ کیا ہوا ہے۔ وہ محافظ اچانک ہی زمین سے بلند ہوا اور پھر فضا میں کسی بے پر پرندے کی طرح اُڑتا ہوا دُور جھاڑیوں میں جا گرا۔ اسے چوٹ نہیں آئی تھی البتہ اس اچانک حادثے کی وجہ سے اس کی سانس جہاں تھی، وہیں رُک گئی تھی... وہ جھاڑیوں سے اُلجھتا ہوا نکلا تو بھاڑ سا منہ کھولے ہانپ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں حیرت کی زیادتی سے پھٹی ہوئی تھیں۔ ہم کسی کو نقصان پہنچانا نہیں چاہتا اس لیے جب تک ہمارے بارے میں کوئی حتمی رائے قائم نہیں ہو جاتی، کوئی بھی حملہ کرنے کی کوشش نہ کرے۔"

"تم ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔" لیڈر نے کہا۔ اس کی غراہٹ میں سفاکی کا تاثر تھا لیکن ٹائیگر سے یہ بات چھپی نہ رہ سکی کہ اس کے لہجے میں ٹھوس خود اعتمادی کا فقدان ہے۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

جھاڑیوں میں گرنے والا محافظ آہستہ آہستہ واپس آگیا۔ اس کی آنکھیں حیرت کی زیادتی سے اب بھی غیر معمولی کشادہ لگ رہی تھیں وہ قسم کھا کر کہہ سکتا تھا کہ اس نے اپنے حریف کو ذرا سی بھی حرکت کرتے نہیں دیکھا تھا... اور نہ ہی اس کے جسم کو چھوا گیا تھا پھر وہ کیسے کئی فٹ دور جا پڑا تھا۔ اس کی وضاحت اس کے لیے ممکن نہ تھی۔ یہی بات باقی تمام محافظوں نے بھی محسوس کی تھی اور وہ حیرت زدہ تھے کہ ایسا کیونکر ممکن ہوا ہے۔ تاہم وہ سب کے سب لبنتاً ذیلدہ محتاط اور چوکس ہو گئے تھے کیونکہ ان کی آنکھوں نے ابھی ابھی ایک تحیر خیز منظر دیکھا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ بن دو آدمیوں کو گھیرے میں لیے کھڑے ہیں وہ غیر معمولی صلاحیتوں کے مالک ہیں۔ لیڈر کا موڈ بے حد خراب ہو گیا تھا کیونکہ صورتِ حال اتو لکھی ہونے کے باوجود اس نے لیے تو ہین آمیز تھی... لیکن اس سے قبل کہ ان سب کے درمیان مزید کوئی بدمزگی جنم لیتی ایک عورت نمودار ہوئی۔

ٹائیگر اس عورت کی طرف متوجہ ہو گیا۔

اوشان نے بُرا سا منہ بنایا اور زیرِ لب کچھ کہنے لگا جس کسی طرف ٹائیگر نے کوئی توجہ نہ دی کیونکہ جو عورت سامنے آئی تھی اس کے حسن کا تقاضا تھا کہ تمام تر توجہ اسے ہی دی جاتے۔

اس عورت کے بال لمبے اور گھٹاؤں کی طرح سیاہ تھے آنکھیں جھیل جیسی گہری اور نیلی تھیں جبکہ ہونٹوں پر مصنوعی سُرخی سے کہیں زیادہ لالی تھی۔ اس کا سراپا پُرکشش اور مثالی تھا... بالکل سانچے میں ڈھلا ہوا... اس نے بلاؤز اور جمپر زیب تن کر رکھی تھی۔ اچانک ٹائیگر کی سماعت سے کسی محافظ کی سرگوشی ٹکرائی "یہ شہزادی سارہ...!"

ٹائیگر سمجھ گیا کہ یہ عورت بسلامی کے سلطان کی سب سے چھوٹی بیٹی ہے۔ کوئی شہزادی جہیز بھی بہن سکتی ہے۔ اس خیال نے ٹائیگر سے زیادہ اوشان کو حیرت تھی اور شاید اس نے شہزادی کو دیکھ کر بُرا سا منہ بھی اس لیے بنایا تھا۔ وہ مغربی لباس کو قطعاً پسند نہیں کرتا تھا لیکن ٹائیگر جانتا تھا کہ مشرقی جوان لڑکیاں جب سے مغرب میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے لگی ہیں، وہ تعلیم سے زیادہ مغربی فیشن اپنا کر واپس آتی ہیں۔ یقیناً یہ عورت بھی کسی مغربی یونیورسٹی کی فارغ التحصیل تھی... اور یہ بھی عجیب حادثہ تھا کہ یہ مغرب پرستی ہی بسلامی کے سلطان کے لیے تباہ کن ثابت ہوئی تھی۔ بسلامی میں ایک مذہب پرست گروہ نے اپنا تسلط قائم کر کے امیر اور اُس کے خاندان کو جلاوطنی پر مجبور کر دیا تھا۔ اس مذہب پرست گروہ کو عورتوں کی آزادی سے نفرت تھی اور وہ مغربی مطبوعات کو برداشت ہی نہیں کر سکتے تھے۔ امیر نے شروع شروع میں تو مذہب پرستوں کی اس تحریک کو طاقت سے دبانے کی کوشش کی تھی لیکن اس پر اشتعال بڑھتا گیا۔ نتیجتہً گلیوں میں اغوا، مار پیٹ اور آبروریزی کی وارداتوں کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا۔

شہزادی سارہ اُن کے قریب پہنچی تو ٹائیگر نے دیکھا کہ وہ کم عمر نہیں ہے بلکہ ایک پختہ کار عورت ہے۔ اس کی عمر چالیس سے کچھ ہی کم ہو گی لیکن وہ دلکش تھی۔ وہ خوب گردن اکڑا کر اور تن کر چل رہی تھی۔ چال میں شاہانہ وقار تھا۔ اس کی شخصیت کے حُسن میں چار چاند لگا دیے تھے۔ نہ جانے کیوں ٹائیگر کو اپنے سینے میں اپنا دل غیر معمولی رفتار سے دھڑکتا محسوس ہونے لگا۔ یہ کیفیت اس کے لیے ناقابلِ فہم ہی نہیں تحیر خیز بھی تھی۔ اس نے فوری طور پر اپنی اس کیفیت کو شہزادی کی تعظیم پر محمول کیا اور براہِ راست اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

شہزادی بھی پلکیں جھپکائے بغیر اس کی طرف دیکھتی بڑھتی چلی آرہی تھی حتیٰ کہ وہ ٹائیگر سے چند قدم کے فاصلے پر رُک گئی۔ اس کے ہونٹوں پر ایک خوشگوار تبسم چسپاں تھا۔ ٹائیگر سے نظریں چار ہوتے ہی شہزادی کو اپنی ہستی کسی زلزلے سے دوچار ہوتی محسوس ہوئی لیکن جیسے کہ وہ ایک پختہ کار عورت تھی، اس نے خود کو فوراً ہی سنبھال لیا تھا۔ ہسٹریا کا دورہ محافظوں کے لیڈر سے بولی۔

"لیکن شہزادی...!"

"جاؤ اور جا کر حکومت کے ایجنٹ کو بُلا کر لاؤ۔" شہزادی نے حکمرانہ لہجے میں کہا۔ اس سے پہلے کہ یہ دو آدمی تم لوگوں کی پوری فوج کو تباہ و برباد کر دیں بہتر ہو گا کہ میری بات مان لو۔"

ٹائیگر سمجھ گیا کہ شہزادی نے اس محافظ کو فضا میں اُڑ کر جھاڑیوں میں گرتے دیکھ لیا تھا گویا وہ ان کی غیر معمولی شخصیت کی قائل ہو گئی تھی۔ دوسری ہی دل میں شہزادی سارہ کی دانش مندی اور بروقت فیصلہ کو سراہے بغیر نہ رہ سکا۔

محافظوں کا انچارج کورنش کے انداز میں کمر تک جھکا اور پھر تیز تیز قدموں سے محل کے صدر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

"تمہارا نام...؟" شہزادی نے دریافت کیا۔ اس کی نظریں اب ٹائیگر پر جمی ہوئی تھیں۔

"شہزاد..." ٹائیگر نے جواب دیا۔

"صرف شہزاد...؟" شہزادی نے پوچھا۔

"شہزاد واسکوٹی..." ٹائیگر نے دھیرے سے مسکرا کر جواب دیا۔

"واسکوٹی..." شہزادی نے قدرے حیرت سے دُہرایا۔

"جی ہاں۔ پہلے میں اپنے نام کے ساتھ شیروانی لگایا کرتا تھا... لیکن ڈیڈی کے انتقال کے بعد شیروانی پہننا چھوڑ دی اور واسکٹ

پہننے لگا۔ تب سے واسکوٹی ہی لگا لیتا ہوں۔" یہ کہتے ہوئے ٹائیگر کا خیال تھا کہ شہزادی سارہ کھل کھلا کر ہنس پڑے گی لیکن ایسا نہیں ہوا بلکہ وہ اوشان کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔

"اور یقیناً تم اپنے نام کے ساتھ چغلی لگاتے ہو گے؟" اس نے اوشان کے ملیے لہجے کی طرف، مخروطی اُنگلی سے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

اوشان کی زرد آنکھوں میں غصے کی لہر سی چمک اُٹھی۔ بے حد خطرناک مرحلہ تھا۔ ٹائیگر چونک پڑا۔ ایسی چمک ٹائیگر نے اوشان کی آنکھوں میں بہت ہی خاص خاص موقعوں پر دیکھی تھی... ایسے مواقع جب وہ ہر بات سے بے نیاز ہو کر قتل و غارت گری پر اُتر آتا تھا۔ ٹائیگر نے جلدی سے صورتِ حال کو سنبھالنے کے لیے کہا۔ "یہ میرے اُستاد ہیں... میرے باپ ہیں... اور دنیا کے عظیم ترین آدمی ہیں۔" اس نے کن انکھیوں سے اوشان کی طرف دیکھا۔

اوشان کی آنکھیں اب ہر قسم کے تاثرات سے عاری تھیں۔

"اور ان کا نام اوشان ہے... خانہ سانجو کے ماسٹر... اوشان۔" ٹائیگر نے جلدی سے اپنی بات پوری کر دی۔

شاید شہزادی نے خانہ سانجو کے بارے میں اپنے بزرگوں سے سن رکھا تھا۔ اس کی آنکھوں سے اوشان کے لیے احترام جھلکنے لگا...

"اوہ... اگر ان کا تعلق خانہ سانجو سے نہ ہوتا تو میں تمہارے کہنے پر اسے عظیم ترین تو ضرور سمجھ لیتی البتہ..." اس نے جملہ ادھورا ہی چھوڑ دیا... کیونکہ اوشان اپنے مخصوص انداز میں قہقہہ... قہقہہ... قہقہہ کر کے ہنس پڑا تھا۔

ٹائیگر کو بطخ کی آواز سے ملتی جلتی اوشان کی یہ ہنسی بالکل پسند نہیں تھی لیکن اس وقت وہ سب کچھ برداشت کر سکتا تھا... کیونکہ اوشان ایک خطرناک ترین موڈ سے نکل آیا تھا۔

"کیا تم یہ دعویٰ کرتے ہو کہ تمہیں حکومت کی طرف سے یہاں بھیجا گیا ہے؟" شہزادی نے سوال کیا۔

"جی ہاں..." شہزاد ٹائیگر کے لہجے میں سنجیدگی تھی۔

"جلد ہی اس کی تصدیق بھی ہو جائے گی۔" شہزادی نے زیرِ لب کہا۔ وہ ایک بار پھر ٹائیگر کی طرف متوجہ ہو گئی تھی کیونکہ ٹائیگر کی تربیت یافتہ آنکھیں اور تربیت یافتہ ہونٹ، ایسے تاثرات اور ایسی مسکراہٹ پیش کر رہے تھے جس کے سامنے دُنیا کی کوئی بھی عورت خود کو بے بس کی سِل ثابت نہیں کر سکتی تھی۔

شہزادی سارہ کو یوں محسوس ہونے لگا جیسے اُس کی ہستی... برسوں سے ٹھہری ہوئی ہستی... اس مسکراہٹ کی آنچ پا کر آہستہ آہستہ پگھلنے لگی ہو۔ اس کی نظریں مقفل ہو گئیں۔ ٹائیگر مسکراتا رہا... خوابوں کے حسین دیوتا کی طرح... کسی انجانی دُنیا کے شہزادے کی مانند... کچھ ہی دیر بعد وہ شہزادی سے نظریں ہٹانے پر مجبور ہو گیا۔ کیونکہ اچانک ہی اُسے احساس ہو گیا تھا کہ کسی شاہی خاندان کی عورت کو اس انداز میں گھورنا، خلافِ ادب اور گستاخی کے مترادف ہے۔

مہارت کے کونے سے محافظوں کا انچارج آتا دکھائی دے رہا تھا۔ اس کے ساتھ ایک بھورے سوٹ والا، ادھیڑ عمر کا آدمی تھا۔ وہ موٹا، ناٹا اور پچاس سال کا تھا۔ قریب آکر وہ ہانپتی ہوئی آواز میں بولا۔ "کیا بات ہے؟ یہاں کیا ہو رہا ہے؟... اور تم لوگ کون ہو؟"

شہزادی سارہ نے گہری ناپسندیدگی سے اس شخص کی طرف دیکھا۔ شہزادی کی نگاہوں میں اپنی بوکھلاہٹ پر ناپسندیدگی کے تاثرات دیکھ کر وہ شخص سنبھل گیا۔ اس نے تھوک نگلا، کھنکارا اور پھر ٹائی کی گرہ درست کرتے ہوئے قدرے حکمرانہ انداز میں ٹائیگر سے پوچھا۔ "تم کون ہو اور کیا بات ہے؟"

ٹائیگر نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کا ایک ہاتھ اپنی جیب میں رینگ گیا۔ اس نے محسوس کیا کہ جیسے ہی اس کا ہاتھ حرکت میں آیا تھا، محافظوں کی رائفلیں ایک بار پھر اس پر مرکوز ہو گئی تھیں۔ اس نے رائفلوں کی پروا کیے بغیر جیب میں ہاتھ ڈالا اور وہ شناختی کارڈ نکال کر حکومت کے ایجنٹ کی طرف بڑھا دیا جسے بہرام نے چلتے وقت خاص طور سے اس کے حوالے کیا تھا۔

ایجنٹ نے کارڈ لے لیا اور بڑی باریک بینی سے اس کا جائزہ لینے لگا۔ اس کارڈ پر شہزاد اور اوشان کے نام درج تھے اور ان کی تصویریں بھی چسپاں تھیں۔ مہر اور دیگر علامات دیکھنے کے بعد حکومت کے نمائندے نے شہزادی کی طرف دیکھا۔

"ہاں... کیا کہتے ہو؟" شہزادی نے ناگواری سے پوچھا۔

"کارڈ تو ٹھیک ہی معلوم ہوتا ہے۔" وہ شخص بوکھلا کر بولا۔ شاید وہ شہزادی سے مانوس نہیں تھا۔ اس لیے شہزادی کی موجودگی بار بار اس کے لیے بوکھلاہٹ کا باعث بن رہی تھی۔

"معلوم ہوتا ہے..." شہزادی چیخ پڑی۔ "کیا تم یہ کارڈ دیکھ کر یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ یہ اصلی ہے یا نقلی؟"

"بات... دراصل... یہ ہے کہ... میں..." وہ ہکلا کر رہ گیا۔

"ٹھیک ہے۔" شہزادی نے سخت لہجے میں کہا اور محافظوں کے انچارج سے مخاطب ہوئی۔ "ان لوگوں کو احترام سے اندر لے جاؤ۔ اس دوران میں ہم خود حکومت سے تصدیق کر لیں گے۔"... وہ اوشان کی طرف گھوم کر بولی۔ "ماسٹر! کیا آپ اندر چلنے کی زحمت کریں گے؟"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"کیوں نہیں... شکریہ!" اُوشان نے خوش اخلاقی سے کہا۔
شہزادی نے اُسے جس انداز میں تعظیم دی تھی، وہ اس پر بے حد مسرور اور معلوم ہوتا تھا۔ "میں بوڑھا اور کمزور ہوں اور میرے گاؤں کے لوگ بے حد غریب ہیں، کیونکہ اُن کا ایک پرانا قرض ابھی تک..."
"مائی فادر..." ٹائیگر نے جلدی سے اُوشان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر ہلکا سا دباؤ ڈالا۔
"اوہ، ہاں... ٹھیک ہے" اُوشان جلدی سے بولا۔
"ہمیں آپ کے محل میں قدم رکھتے ہوئے بے پناہ فخر محسوس ہو رہا ہے۔"
شہزادی کے بانکپن سے ہونٹوں پر بڑی دلکش مسکراہٹ کھیل گئی۔
وہ شاہانہ وقار کے ساتھ پلٹی اور واپس چل دی۔
ٹائیگر، اس کی چال کو اپنی دھڑکنوں سے ہم آہنگ کر کے چلنے لگا۔ شہزادی طویل قامت تھی اور اس نے اونچی ایڑی کے سینڈل بھی پہن رکھے تھے جن کی وجہ سے اس کا قد مزید لمبا ہو گیا تھا لیکن اس کے باوجود وہ بے حد متناسب لگ رہی تھی۔ ٹائیگر کو لمبے قد کی عورتیں پسند تھیں۔
وہ دل ہی دل میں سوچ رہا تھا کہ کاش شہزادی کے چہرے پر ان گنت ننھے ننھے تل بھی ہوتے۔ ان کے بغیر تو اُسے ہر خاتون پر لیلیٰ ایسی رات کا گمان ہوتا تھا جس رات آسمان پر تارے نہیں نکلتے۔
حکومت کا نمایندہ کوشش کر رہا تھا کہ وہ شہزادی کے ساتھ ساتھ رہے لیکن اس کی کوتاہ قامتی آڑے آ رہی تھی... پھر شاید خود شہزادی بھی اُسے اپنے قریب دیکھنا زیادہ پسند نہیں کرتی تھی، اس لیے اس کی رفتار بھی خاصی تیز تھی جس کے باعث نمایندہ، اس کے پہلو میں قدم سے قدم ملا کر چلنے میں بُری طرح ناکام ہو رہا تھا۔
محل کے دروازے سے اندر آنے کے بعد شہزادی انھیں سیدھی گزرگاہ میں لے گئی جبکہ نمایندہ، ٹائیگر اور اُوشان کے سلسلے میں معلومات حاصل کرنے کے ارادے سے چلا گیا۔ شاہی دستے کے کپتان اور مسلح محافظوں نے گزرگاہ میں داخل ہونے کی کوشش کی... تو شہزادی سارہ نے انھیں ڈانٹ دیا: "تم لوگ جا سکتے ہو۔"
انچارج نے احتجاج کرنا چاہا۔
"چلے جاؤ..." وہ کسی غصیلی بلی کی طرح چیخ پڑی۔
محافظوں میں بھگدڑ مچ گئی اور وہ دوڑتے ہوئے کمرے سے نکل گئے۔
"تشریف رکھیے۔" شہزادی نے اُوشان سے کہا۔
اُوشان اِدھر اُدھر دیکھنے لگا جیسے جائزہ لے رہا ہو کہ اس آراستہ کمرے میں کہاں تشریف رکھے۔ ٹائیگر نے اُس کی مشکل حل کر دی۔ اُس نے ایک صوفے کا کشن اُٹھا کر کمرے کے وسط میں قالین پر رکھ دیا اور اُوشان اثبات میں سر ہلاتا ہوا، اس پر بیٹھ گیا۔ وہ کنول کے آسن میں بیٹھا تھا اور اُس کے انداز سے شاہانہ تمکنت ظاہر ہو رہی تھی۔
شہزادی سارہ ایک صوفے پر بیٹھ گئی تو ٹائیگر بھی کچھ فاصلے پر بیٹھ گیا۔
"کیا تم میرے بھائی کی مدد کرنے آئے ہو؟" شہزادی نے پوچھا۔ تب ٹائیگر کو پتہ چلا کہ وجے سلطان کی چھوٹی بیٹی سمجھ رہا تھا، وہ درحقیقت، اُس کی بہن ہے۔
"جی ہاں..." ٹائیگر نے جواب دیا۔ "ہمیں یہاں کا حفاظتی نظام چیک کرنے کے لیے بھیجا گیا ہے تاکہ آپ کے بھائی کی خاطر خواہ حفاظت کی جا سکے۔ آخر یہ ہماری حکومت کی ذمے داری ہے۔"
"میں سمجھتی ہوں کہ حفاظتی نظام بہت سخت ہے اور اس میں کسی قسم کی بھی خامی نہیں ہے۔"
"اس سلسلے میں فی الحال حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا۔"
"میں محسوس کر رہی ہوں کہ تم دونوں غیر معمولی آدمی ہو۔" یہ کہتے ہوئے شہزادی کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک لہرا گئی جسے ٹائیگر فوری طور پر کوئی معنی نہیں پہنا سکا۔
اس سے پہلے کہ ٹائیگر کوئی جواب دیتا، اُوشان بول پڑا۔ "یہ تو نہیں... البتہ آپ مجھے غیر معمولی آدمی کہہ سکتی ہیں۔"
"وہ تو میں ضرور کہوں گی، چاہے آپ بُرا ہی کیوں نہ مانیں۔" شہزادی نے کہا اور کھل کھلا کر ہنس پڑی۔
اچانک کمرے کے دروازے میں ایک اور آدمی دکھائی دینے لگا۔ وہ ایک طویل القامت آدمی تھا۔ اُس کے بال سیاہ تھے لیکن کنپٹیوں سے سفیدی جھلک رہی تھی۔ اُس کی آنکھوں میں سختی تھی اور ظاہر ہوتا تھا کہ وہ ایک بے حد سخت گیر آدمی ہے۔ اُس کے ہونٹ پتلے پتلے تھے اور ہونٹوں کے درمیان اتنی باریک سی لکیر نظر آ رہی تھی جیسے کاغذ میں کوئی شکن پڑ جاتی ہے۔ اُس کی سفید دودھیا رنگت پر سیاہ داڑھی جچ رہی تھی۔
"میں مداخلت کے لیے معافی چاہتا ہوں، شہزادی سارہ!" اُس نے کمرے میں قدم رکھتے ہوئے کہا۔
"اوہ، فاخر!" شہزادی نے کہا۔ "آؤ، آؤ۔" وہ اُٹھی اور اُس نے نووارد کا ہاتھ تھام لیا... پھر وہ اُسے کمرے کے وسط میں ٹائیگر اور اُوشان کے قریب لے آئی۔ "میں ان دونوں کے بارے میں ابھی حتمی طور پر نہیں کہہ سکتی کہ یہ ہمارے مہمان ہیں یا قیدی ہیں۔ حالانکہ مجھے اس میں شبہ ہے کہ ہم اپنی مرضی سے انھیں قیدی بنا سکتے ہیں۔"
اُس نے اُوشان اور ٹائیگر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے گویا تعارف کرایا۔
"میں سُن چکا ہوں۔" فاخر نے کہا۔ "خوش قسمتی سے ہمیں ان

ہمارے اپنے گلی کوچوں میں ہونے والا تماشائے آہن و سنگ
ہمارے آپ کے گرد بکھرے ہوئے کرداروں کی داستانِ ہزار رنگ
مجید امجد مودی کے ایڈونچرس کا شاہکار
ہرکش
12 حصّوں میں شائع ہو گیا ہے
قیمت
فی حصّہ ۔/۵۰ روپے | مکمل سیٹ ۔/۶۰۰ روپے
ناشر
مکتبہ القریش، سرکلر روڈ، اُردو بازار، لاہور
فون نمبر: ۷۶۶۸۹۵۸

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

دونوں کو تبدیلی بنانے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ ہم اس کے سلسلے میں تحقیقات کر چکے ہیں۔ انھیں براہ راست مدر مملکت کی طرف سے بھیجا گیا ہے۔"

"اوہ... تب پھر..." وہ ٹائیگر کی طرف متوجہ ہو گئی۔ اب اس کے ہونٹوں پر بڑی ہی سحر انگیز مسکراہٹ تھی۔ "مجھے چاہیئے کہ آپ لوگوں کو آپس میں متعارف کرا دوں۔ یہ میرے بھائی کے... کیا کہنا چاہیئے، فاخر... آں... ہاں... یہ اُن کے دست راست ہیں..." پر سی فاخر..."

"میں شہزاد اسکولی ہوں۔" شہزاد نے خود کو متعارف کراتے ہوئے کہا۔ "اور یہ اوشان ہیں۔"

"چینی نژاد...؟" فاخر نے اوشان کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

اوشان کی تیوریوں پر بل پڑ گئے۔ یہ اس کے لیے ایک توہین آمیز جملہ تھا۔

"نہیں، ان کا تعلق کوریا سے ہے۔" ٹائیگر نے جلدی سے مداخلت کی۔ "براہ کرم آئندہ یہ بات نہ کہیں۔ اوشان اپنی قومیت کے سلسلے میں بے حد حساس ہیں۔"

"میں اپنی کم علمی کے لیے معذرت خواہ ہوں۔" فاخر نے اوشان سے کہا اور کمر تک جھک کر کورنش بجا لایا۔

اوشان اُسے سخت نظروں سے گھورتا رہا... پھر اُس نے سر کو خفیف سی جنبش دی تو ٹائیگر نے اطمینان کی ایک طویل سانس لی... کیونکہ اوشان کے اس اشارے کا مطلب تھا کہ اُس نے فاخر کی معذرت قبول کر کے اُسے معاف کر دیا ہے۔

"آپ کی موجودگی سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حفاظتی نظام مؤثر ہے۔ بہرحال آپ کی حکومت اس سلسلے میں بے حد خیال رکھ رہی ہے۔" فاخر نے کہا۔

"ہم بھی کچھ دیر قبل یہی بات کر رہے تھے۔" سادہ نے اُسے بتایا۔

"لیکن میں ایک بات کی وضاحت کر دینا چاہتا ہوں۔" فاخر نے شہزادی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "آپ کا رویہ میرے آدمیوں کے ساتھ اچھا نہیں ہے۔"

"سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ شاہی دستہ میرے بھائی کے آدمیوں پر مشتمل ہے۔ ان محافظوں کو تم اپنے آدمی نہیں کہہ سکتے۔" شہزادی کا لہجہ یکایک سرد اور خشک ہو گیا۔ "دوسری بات یہ ہے کہ میں جس سے چاہتی ہوں اور جیسا سلوک چاہتی ہوں کر سکتی ہوں۔ مجھے کوئی نہیں روک سکتا۔ اگر تمھیں تقدیدی نکتہ نظر سے کوئی شکایت ہے تو وہ بھائی جان کے گوش گزار کر دو... علاوہ ازیں، میں یہ بھی پسند نہیں کروں گی کہ ان مہمانوں کے سامنے، ہمارے درمیان کوئی جھگڑا ہو۔"

"جیسے آپ کی مرضی۔" فاخر کے لہجے میں بے پناہ نرمی تھی۔ وہ ٹائیگر کی طرف متوجہ ہوا۔ "امیر، آپ دونوں کو شرف ملاقات بخشنا چاہتے ہیں۔"

ٹائیگر اُٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے اوشان کو بھی اشارہ کیا۔

سادہ، اس کی طرف متوجہ ہو گئی۔ "میں لباس تبدیل کرنے کے بعد وہاں آؤں گی۔" وہ ٹائیگر سے بولی۔ "بھائی جان اس لباس کو پسند نہیں کرتے۔" وہ ہنس پڑی۔ "لیکن مجھے یہ لباس اس لیے پسند ہے کہ میں اس میں خود کو بے حد آرام دہ حالت میں محسوس کرتی ہوں۔"

ٹائیگر نے اثبات میں سر ہلا دیا جبکہ اوشان کی آنکھوں سے ناپسندیدگی جھلکنے لگی تھی۔ سادہ، ٹائیگر کی طرف دیکھ کر مسکراتی ہوئی دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ ٹائیگر اور فاخر اُسے دیکھتے رہے۔ اوشان نے ٹائیگر کی طرف دیکھا۔ پھر اُداسی سے نفی میں سر ہلانے لگا۔ "یہ لڑکا کبھی نہیں سُدھر سکتا۔" اُس نے زیر لب کہا۔

اوشان کی بڑبڑاہٹ فاخر نہیں سن سکا تھا۔ اور اگر اس نے سن بھی لیا تھا تو اس کا مفہوم نہیں سمجھ سکا ہو گا۔ البتہ ٹائیگر نے اُس کی آواز صاف سن لی تھی۔ وہ پلٹ کر اپنے بوڑھے اُستاد کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کے ہونٹوں پر جھینپی جھینپی سی مسکراہٹ تھی... پھر اُس نے پرانی کے اظہار میں کندھے اُچکا دیئے۔

اوشان کی آنکھوں اور چہرے کے تاثرات برقرار رہے... لیکن وہ دھوئیں کے مرغولے کی مانند فرشی نشست سے اُٹھا اور اُن کے پیچھے پیچھے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

فاخر نے باہر آ کر ایک راہداری میں چلنا شروع کر دیا۔ اس کی رفتار خاصی تیز تھی۔ وہ بے حد پھرتیلے اور ٹھوس جسم کا مالک تھا۔

▼ ▼ ▼

ایلیو نے ایک طویل انگڑائی لی اور بیدار ہو گیا۔ کمرے میں تاریکی تھی۔ اس نے روشنی کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ کیونکہ وہ اندھیروں کا عادی ہو گیا تھا۔ اور اب تو اسے اندھیروں سے بے پناہ پیار بھی ہو گیا تھا۔ تاریکی کا ریشمی تاثر، اس کی ہستی کو نئے لطف و سرور سے آشنا کرنے لگا تھا اور بے اختیار اس کے دل میں بار بار یہ خواہش جنم لینے لگی تھی کہ کاش! کبھی سورج نہ نکلے۔ دنیا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے تاریک ہو جائے روشنی کی ایک کرن تک نہ چمکے۔ سب کچھ اندھیروں میں ڈوبا ہے... دیر اندھیروں میں... اندھیرا جتنا زیادہ ہوتا تھا، اس کی مستی اتنا ہی زیادہ ریشمی تاثر محسوس کرتی تھی۔

رات کے گیارہ بجے تھے۔

وہ اندھیرے میں لیٹا، سناٹے سے لطف اندوز ہوتا رہا... اپنی ایجاد کے سلسلے میں، ابتدا میں وہ جتنا مطمئن اور پُرسکون تھا، اب اس میں کافی کمی آ گئی تھی۔ کیونکہ جس بنیاد پر اُس کا غیر معمولی سیاہ رنگ، اشیا کو غائب کر دیتا تھا، وہ اصول صرف اندھیرے ہی میں کام کرتا تھا۔ تیز روشنی میں وہ سیاہی چھپ نہیں سکتی تھی۔ اس نے شروع سے آخر تک ایک ایک لمحے پر غور کیا۔ اُس نے سب سے پہلا تجربہ اپنے گیراج میں کیا تھا۔ گیراج میں پڑوسیوں کے خوف سے وہ تیز روشنی نہیں کیا کرتا تھا۔ وہاں ایک طرح سے نیم تاریکی ہی رہتی تھی اور اس جگہ سیاہ پینٹ سے رنگی ہوئی شے اُس کی نظروں کے سامنے موجود ہونے کے باوجود دکھائی نہیں دی تھی... پھر وہ اُسے لے کر اُس کمپنی کے دفتر میں گیا تھا جہاں سے اُسے مالی امداد ملنے کی توقع تھی۔ دفتر میں بھی زیادہ روشنی نہیں تھی اور وہ اس پینٹ کی مدد سے ایک چیز کو غائب کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ گویا اگر وہاں تیز روشنی ہوتی تو اس چیز کا ہیولا ضرور دکھائی دیتا۔ کتنی تیز روشنی؟ اس نے تلخی سے سوچا اور بستر پر کسمسا کر رہ گیا۔

اُس نے کروٹ بدلی اور آنکھیں بند کر لیں۔

اُس کا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔

تیز روشنی... بہت تیز روشنی... ایسی روشنی جیسی دن کے وقت ہوتی ہے... سورج کی روشنی۔ "سورج میرا دشمن ہے۔" اس کے ذہن میں یہ خیال زہر گھولنے لگا۔ "سورج میرا دشمن ہے۔" وہ بڑبڑایا۔ اُس نے فیصلہ کیا کہ وہ اپنی اس ایجاد کے سلسلے میں مزید تحقیقی کام کرے گا۔ اب اُس کے پاس دولت موجود تھی اور وہ اطمینان سے ہر کام کر سکتا تھا۔ اگرچہ جو دولت اُس کے ہاتھ آئی تھی، وہ اُس کی ضرورت سے کہیں زیادہ تھی لیکن وہ آج رات پھر کہیں جانا چاہتا تھا، کچھ کرنا چاہتا تھا... کیا؟ اُس نے اپنے آپ سے سوال کیا اور پھر خود ہی ہنس پڑا۔ دولت ہی سب کچھ نہیں ہوتی۔ انسانی زندگی کچھ اور بھی تقاضے کرتی ہے۔ وہ ان تقاضوں کی تکمیل چاہتا تھا اور اب یہ اُس کے لیے مشکل بات بھی نہیں تھی۔ اس نے کہنیوں کے بل اُٹھتے ہوئے سوچا کہ آج کی رات اُسے ان ڈائریکٹروں میں سے ایک کے ہاں جانا چاہیئے جنھوں نے ایجاد پسندوں کی مدد کا ادارہ کھول رکھا تھا لیکن در پردہ وہ سادہ لوح آدمیوں کو لوٹ رہے تھے۔ اُسے وہ رقم یاد تھی جو اُس نے اس ادارے کو ادا کی تھی۔ وہ اس رقم کو دالپس حاصل کرنا چاہتا تھا... مع سُود۔

سیاہ پینٹ والا لبادہ پہنتے ہوئے وہ بے حد فخریہ انبساط محسوس کر رہا تھا اور گنگنا رہا تھا۔ وہ خود کو رات کا شہنشاہ سمجھ کر مسرور ہو رہا تھا۔ تاریکی میں اس کی حکمرانی تھی۔ وہ دنیا کی ہر طاقت کو اندھیرے میں شکست دے سکتا تھا۔ باہر آ کر اُس نے تاریک سایوں میں چلنا شروع کر دیا... اُس کی کار گیراج کے باہر کھڑی تھی۔ اُس نے واپس آ کر اُس پر کیا ہوا سیاہ پینٹ اُتار دیا تھا کیونکہ ایک ایسی کار میں سفر کرنا بے حد خطرناک ثابت ہو سکتا تھا جو دوسروں کو دکھائی نہ دیتی ہو۔ اگر اس حالت میں اُسے کوئی حادثہ پیش آ گیا تو اُسے طبی امداد بھی حاصل نہیں ہو سکتی... وہ درختوں کے نیچے بے آواز چل رہا تھا۔ اُس کی منزل زیادہ دُور نہیں تھی۔ اُس کے گھر سے ایک میل کے فاصلے پر اُن ڈائریکٹروں میں سے ایک ڈائریکٹر رہتا تھا جس کے ہاں وہ اپنی رقم کا وہ حصہ مع سُود وصول کرنے جا رہا تھا جسے اس شخص نے اپنے باقی ساتھیوں سے حاصل کیا تھا۔

ایلیو سڑک پر نکل آیا۔

سڑک پر کافی فاصلے سے بجلی کے کھمبے لگے ہوئے تھے۔ سڑک دھندلا رہی تھی اور دو کھمبوں کے درمیان زیادہ تر تاریک حصہ تھا۔ وہ چلتا رہا... حتیٰ کہ ایک روشن سڑک پر پہنچ گیا۔ اس نے کونے پر رُک کر اس روشن سڑک کا جائزہ لیا۔ سڑک سنسان تھی۔ فاصلہ بھی زیادہ نہیں تھا۔ وہ دوڑ پڑا۔ اُس کے پیروں میں ربر سول کے جوتے تھے جن کی وجہ سے خفیف سی آواز بھی پیدا نہیں ہوتی تھی۔ جلد ہی وہ دوسرے کونے پر جا پہنچا جہاں تاریکی تھی۔ اس کا ہیولا اس اندھیرے گوشے میں تحلیل ہو گیا۔ اب درختوں کی قطاریں سڑک کے اطراف میں موجود تھیں وہ سائے سائے چلتا ہوا اطمینان سے اپنی منزل تک پہنچ سکتا تھا۔

نصف گھنٹے بعد وہ ایک عمارت کے پائیں باغ میں کھڑا ایک روشن کھڑکی کو گھور رہا تھا۔

ایلیو نے ایک درخت سے ٹیک لگا لی اور اپنی بے ترتیب سانسوں کو درست کرنے لگا۔ اچانک ایک کتا ٹہلتا ہوا اُدھر آ نکلا۔ یہ ایک خوفناک ایلسیشین تھا۔ وہ چلتے چلتے ٹھٹک گیا۔ اس نے نتھنے پھلا کر فضا میں سونگھا۔ اُس کے حلق سے خفیف سی غراہٹ نکل گئی۔ وہ ادھر اُدھر دیکھ رہا تھا لیکن قریب ہی درخت کے تنے سے ٹیک لگائے کھڑا ایلیو اُسے نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ شاید انسانی جسم کی بُو محسوس کر کے غرا رہا تھا۔ ایلیو نے سانس روک لی۔ کتا کچھ دیر اُلجھن میں مبتلا رہا پھر وہ آگے بڑھ گیا۔ اس کے جاتے ہی ایلیو گھر کی اندرونی دیوار کے سائے میں پہنچ گیا۔ وہ دیوار کے ساتھ ساتھ چلتا ہوا، بیرونی دروازے تک گیا... پھر اس نے اطلاعی گھنٹی کے بٹن پر اُنگلی رکھ دی۔ اندر کہیں گھنٹی بجنے لگی۔ رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی گھنٹی کی پُرشور آواز پر جلد ہی اندر سے کسی کے قدموں کی چاپ اُبھرنے لگی جو دروازے کے اندرونی رُخ آ کر معدوم ہو گئی... پھر پیپ ہول میں ایک

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

انسانی آنکھ کی خفیف سی جھلک نظر آئی۔ انسانی آنکھ نے باہر جو آدمے کا جائزہ لیا۔ وہاں ایک کم روشنی والا لاب تھا اس لیے ایلمو کو اپنے دیکھ لیے جانے کا خطرہ نہیں تھا۔

"کون ہے؟" اندر سے ایک نسوانی آواز نے پوچھا۔

جواباً ایلمو کھانسا اور پھر اُس کے حلق سے ایسی آواز نکلی جس کو کوئی معنی نہیں پہنائے جا سکتے تھے۔

"اوہ، تم... اتنی دیر سے..." نسوانی آواز نے کہا اور اس کے ساتھ ہی دروازہ کھل گیا۔ دروازے میں ایک ادھیڑ عمر کی عورت کھڑی تھی۔ اس کا انداز بے حد پُرجوش تھا لیکن جب اُسے کم روشنی والے برآمدے میں دروازے کے سامنے کوئی نظر نہ آیا تو وہ اُچک کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔ وہ دروازے میں اس انداز سے کھڑی تھی کہ اُس سے چھوئے بغیر اندر جانا مشکل تھا۔ اس لیے ایلمو نے بڑی بے رحمی سے اُس کی کنپٹی پر ایک چھاتلا ہاتھ رسید کر دیا۔ جب دفاع کی کوئی صورت نہ ہو تو ایسی چوٹ ہمیشہ بہترین نتائج ہی برآمد کیا کرتی ہے۔ عورت لہرائی... لیکن اس سے قبل کہ وہ گرتی، ایلمو نے اُسے سنبھالا اور اندر پہنچ کر دروازہ اپنے عقب میں بند کر دیا۔ عورت بے ہوش ہو چکی تھی۔ نہ جانے اُسے کس کا انتظار تھا؟ اپنے شوہر کا یا پھر کسی دوست کا...

ایلمو اس کا فیصلہ اس وقت تک نہ کر سکا، جب تک کہ اس نے بالائی منزل کی خواب گاہ میں ڈائریکٹر کو بے سُدھ پڑے ہوئے نہیں دیکھ لیا۔ وہ یقیناً کسی دوست ہی کی منتظر تھی۔ ایلمو نے اپنے شکار کی طرف دیکھا۔ وہ اپنا خوفناک نادیدہ ہتھیار ساتھ لایا تھا لیکن وہ اُسے بے دریغ استعمال نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اُس کی خواہش تھی کہ اُسے ناگزیر حالات میں ہی استعمال کرنے کی نوبت آئے تو اچھا ہے ڈائریکٹر جس انداز میں سو رہا تھا، اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ بے حد گہری نیند سونے کا عادی ہے۔

ایلمو کے اندر آتے وقت ایک عمل دان گر گیا تھا جس کی وجہ سے خاصی آواز پیدا ہوئی تھی۔ اس شور کے باوجود شکار گہری نیند میں ڈوبا رہا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ ایک ایسا آدمی ہے جس کے قریب چاہے ڈھول ہی کیوں نہ پیٹا جائے، اُس کی آنکھ نیند پوری ہونے کے بعد ہی کھلتی ہے... لیکن ایلمو کا یہ نظریہ غلط تھا۔ اس کا احساس اُسے اُس وقت ہوا، جب اُس نے میز پر خواب آور گولیوں کی ایک بوتل دیکھی۔ نیند کی گولیاں کھانے والوں کے بارے میں اُسے خوب اندازہ تھا۔ وہ خود بھی کئی بار خواب آور گولیاں کھا کر سویا تھا اور یوں بے سُدھ سویا تھا کہ اُسے دوسرے روز دس بجے ہوش آیا تھا۔ یہ گولیاں، ڈائریکٹر خود ہی کھا کر سویا تھا اور عین ممکن تھا کہ اُس کی بیوی نے اُسے دُودھ میں گھول کر ایک سے زائد گولیاں دے دی ہوں... تاکہ وہ اُس کی شبینہ مصروفیات میں آڑے نہ آ سکے۔

ایلمو ہنس پڑا۔

اُس نے پورے گھر کا جائزہ لینے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ کیونکہ وہ معلومات حاصل کر چکا تھا کہ ڈائریکٹر اور اُس کی بیوی کے علاوہ اس گھر میں اور کوئی نہیں رہتا۔ ایک ملازمہ تھی جو گھر سے دُور، گیٹ کے قریب، سرونٹ کوارٹر میں رہتی تھی۔ اُن کے بچے بھی نہیں تھے۔ ایلمو کو حیرت ہونے لگی کہ یہ شخص اپنے اس فراڈ ادارے سے کس قدر کماتا ہوگا۔ اس کی رہائش کا معیار بتلاتا تھا کہ وہ ایک دولت مند آدمی ہے۔ ایلمو نے سوچا کہ یہ سب اُسی جیسے ایجادِ بندوں کی محنت کا پھل ہے جسے اس شخص نے دھوکے سے حاصل کر کے استعمال کیا ہے۔

ایلمو نے بے فکری سے ایک ایک کمرے کا جائزہ لینا شروع کر دیا۔ اُسے مداخلت کی توقع نہیں تھی۔ کئی قیمتی اشیا اُسے نظر آئیں۔ لیکن وہ اُن سے چشم پوشی کر گیا۔ وہ قیمتی اشیا اُٹھانے اور بعد میں اُنہیں فروخت کرنے کی زحمت مول لینے کے خطرات سے آگاہ تھا۔ اس لیے وہ صرف اور صرف کیش کی تلاش میں تھا۔ وہ جانتا تھا کہ ناجائز دھندہ کرنے والے اپنی کمائی بینک میں نہیں رکھتے۔ گھر کی تلاش لیتے ہوئے اُسے اب تک ڈائریکٹر کی جیبوں میں رکھی ہوئی رقم اُس کے ہاتھ آئی تھی۔ معمولی طور پر یہ رقم اتنی تھی کہ اس کا قرض پورا ہو جاتا تھا... لیکن اب اُسے سُود درکار تھا... اُسے حیرت تھی کہ اس شخص نے اپنی رقم کہاں چھپا رکھی ہے۔ اُس نے گھر میں ہر ممکنہ جگہ تلاشی لے لی تھی لیکن توقع کے مطابق خطیر رقم کے ابھی تک درشن نہیں ہو سکے تھے۔

وہ دوبارہ اس خواب گاہ میں آ کر رُک گیا، جہاں سے اُس نے تلاشی کا آغاز کیا تھا۔ ڈائریکٹر ابھی تک بے سُدھ پڑا سو رہا تھا۔

اس نے سوچا کہ اُسے نیچے کمرۂ نشست میں جا کر ڈائریکٹر کی بیوی کا بھی جائزہ لے لینا چاہیے، ایسا نہ ہو کہ وہ ہوش میں آ جائے اور پھر دہشت سے چیخ پڑے۔ رات کے سناٹے میں اس کی تیز نسوانی چیخ لہراتی ہوئی دُور تک سُنائی دے سکتی تھی اور کوئی گشتی پولیس مین اس گھر کی طرف متوجہ بھی ہو سکتا تھا۔

وہ خواب گاہ سے نکل کر سیڑھیاں اُترتا ہوا کمرۂ نشست میں پہنچا تو اُسے خوشی ہوئی کہ وہ بروقت وہاں پہنچ گیا تھا۔ عورت کسمسا رہی تھی۔

اُس کے حلق سے ایک کراہ نکل گئی۔

اس سے قبل کہ وہ دوسری بار کراہ کر آنکھیں کھول دیتی، ایلمو اُس کے سر پر پہنچ گیا۔ اس نے ایک بار پھر کنپٹی پر ضرب لگائی۔ اس بار ہاتھ قدرے نرم ہی رکھا تھا، اس کے باوجود عورت کی گردن یوں ڈھلک گئی جیسے اُس نے دم توڑ دیا ہو۔ ایلمو نے گھڑی کی طرف دیکھا۔ عورت پہلی ضرب سے پورے پچاس منٹ بے ہوش رہی تھی۔ اُسے توقع تھی کہ اس بار یہ دورانیہ نصف گھنٹے سے کم نہیں ہوگا۔

اس بار ایلمو نے تلاشی کے کام کا آغاز کمرۂ نشست سے کیا۔ اُس نے وہاں رکھے ہوئے گل دانوں سے لے کر دیگر آرائشی اشیا اور دیوار پر آویزاں فریم تک دیکھ ڈالے لیکن اُسے کامیابی نہ ہوئی، اگر ایلمو کے دل میں اُس گھر کے مکینوں کے لیے نفرت نہ ہوتی تو شاید وہ وہاں سے نکل کر کسی دوسرے گھر میں داخل ہو کر دولت تلاش کرنے پر غور کرنے لگتا... لیکن یہاں تو اُن لوگوں کو دولت سے محروم کر کے سزا دینا مقصود تھا، اس لیے وہ آسانی سے شکست تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں ہوا تھا۔ زینے سے اوپر آ کر اُس نے باری باری تمام کمرے دیکھے حتیٰ کہ اسٹور میں جا پہنچا۔ وہاں اس نے کئی ڈبے رکھے ہوئے دیکھے۔ ان ڈبوں کو دیکھتے ہوئے اچانک ہی اس کے حلق سے ایک ایسی آواز نکل گئی جسے خوشی کے نعرے پر ہی محمول کیا جا سکتا تھا۔ ایک ڈبا نوٹوں سے لبالب بھرا ہوا تھا۔ اس نے دوسرے ڈبے کی طرف ہاتھ بڑھایا تو اُس کا ہاتھ کانپ گیا۔ باہر کتے کے بھونکنے کی آواز سُنائی دی تھی اور اس کے ساتھ ہی ملازمہ کی گھنٹی کا شور بھی ہونے لگا۔

"اس وقت کون ہو سکتا ہے؟" ایلمو نے سوچا۔

اس کا ذہن فوری طور پر اُس شخص کی طرف چلا گیا، گھر کی مالکہ نے جس کا نہایت پُرجوش انداز میں استقبال کرنے کے لیے دروازہ کھولا تھا۔ غالباً وہی ملاقاتی آ گیا تھا۔ ایلمو نے اپنا وہ خوفناک ہتھیار سنبھال لیا، جس کے ذریعے وہ اب تک تین آدمیوں کی کھوپڑیوں کو چیتھڑوں میں تبدیل کر چکا تھا۔ اس نے سوچا کہ اُسے فوری طور پر بیرونی دروازے تک پہنچ جانا چاہیے۔ اگر وہ شخص اندر آ گیا تو کمرۂ نشست میں بے ہوش پڑی عورت فوراً ہی اس کی نگاہوں میں آ جائے گی۔ وہ نوٹوں کا ڈبا وہیں چھوڑ کر تیزی سے دروازے کی طرف بڑھا۔ سیڑھیاں اُترتے وقت بھی اس کی رفتار خاصی تیز تھی۔ ایک بار تو اس کا پاؤں بھی پھسل گیا۔ وہ بروقت ریلنگ کا سہارا لے کر سنبھلنے میں کامیاب ہو گیا، ورنہ معلوم نہیں کتنی لڑھکنیاں کھاتا ہوا نچلی منزل کے فرش تک جا پہنچتا اور پھر شاید اُس کی ہڈیاں تک چیخ جاتیں۔ اُسے افسوس ہونے لگا کہ آتے وقت اُس نے دروازہ محض بند کیوں کیا تھا۔ اُسے چاہیے تھا کہ دروازہ اندر سے مقفل کر دیتا۔ وہی ہوا جس کا اندیشہ تھا۔

اس کے جیسے ہی زینے سے نیچے قدم رکھا، دروازہ کھل گیا۔

دروازے میں ایک مضبوط جسم والا نوجوان کھڑا تھا۔ اس کے ہونٹوں کے ایک گوشے میں جلتی ہوئی سگریٹ دبی ہوئی تھی اور پہلی نظر میں اس پر کسی جاسوسی فلموں کے ہیرو کا گمان ہوتا تھا۔ ایلمو کو اس نوجوان پر رشک آنے لگا۔ اُسے خاتونِ خانہ کا پُرجوش انداز یاد آیا تو اس نے محسوس کیا کہ وہ ایسا انداز اختیار کرنے میں حق بجانب تھی۔ اس قسم کے نوجوان کا استقبال اسی طرح ہونا چاہیے تھا۔ گھر کا کتا بھی غالباً اس نوجوان سے مانوس تھا۔ اس کے بھونکنے کی آواز دوبارہ سُنائی نہیں دی تھی۔ اس نوجوان کی آمد اور کھڑے ہونے کے انداز میں ذرا سی بھی ہچکچاہٹ نہیں تھی۔ گویا وہ مطمئن تھا کہ خاتونِ خانہ نے اس کے لیے میدان صاف کر رکھا ہے۔ دروازے میں کھڑے کھڑے اس نے اپنے ہیٹ کا جھکا ہوا گوشہ قدرے بلند کیا، سگریٹ کا ایک گہرا کش لگایا اور پھر اسے منہ سے نکال کر دھیمی آواز میں خاتونِ خانہ کو پکارا۔ کم روشنی کے باعث نلے وہ رُک گیا۔

ایلمو آہستہ سے زینے کے عقب میں چلا گیا۔ "کون ہے؟" اس کے حلق سے بھرائی ہوئی آواز نکلی۔

جواباً خاموشی رہی۔

ایلمو نے زینے کی اوٹ سے جھانک کر دیکھا۔ نوجوان کے چہرے پر اُلجھن کے تاثرات تھے۔ اُس نے ایلمو کی آواز کو وہم پر محمول کیا تھا... یا پھر اُسے شبہ ہونے لگا تھا کہ آج خاتونِ خانہ میدان صاف دکھنے میں ناکام رہی ہے۔ وہ جس جگہ کھڑا تھا اگر وہاں سے چند قدم آگے آ کر دائیں طرف دیکھتا تو اس کی نظر خاتونِ خانہ پر پڑ سکتی تھی۔ ایک بار تو ایلمو کا جی چاہا کہ وہ اس نوجوان کی تھوڑی سی مرمت کر دے... لیکن اُس نے فوراً ہی یہ خیال اپنے ذہن سے جھٹک دیا۔ خاتونِ خانہ اور اس نوجوان کی ملاقاتیں ایک طرح سے ڈائریکٹر کے لیے سزا تھی، ایلمو نہیں چاہتا تھا کہ ڈائریکٹر اس سے نجات حاصل کرے۔ اس نے دوبارہ کہا۔ "کون ہے؟" اس بار ایلمو کی آواز خاصی بلند تھی۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

نوجوان نے جیسے ہی مردانہ آواز سُنی، وہ تیزی سے پلٹا اور دروازے کی طرف دوڑا۔ اگلے ہی لمحے وہ اُس کی نظروں سے اوجھل ہو چکا تھا۔

ایلمو ہنس پڑا۔

نوجوان جس افراتفری کے عالم میں فرار ہوا تھا، اُس سے ایلمو کو لُطف آیا تھا۔ اب وہ اس قابل ہو گیا تھا کہ اُس کی ایک آواز پر طاقت ور نوجوان بھی راہِ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہو جاتے تھے، ورنہ جسمانی طور پر ہر تنومند لوگوں نے تو اس کی زندگی ہی اجیرن کر دی تھی۔ ایلمو دروازے کے پاس پہنچا، اس نے جھانک کر باہر دیکھا تو اُسے نوجوان کا ہیولا دکھائی دیا۔ وہ ایک دُور افتادہ کمپاؤنڈ والے سے دوسری طرف کُود رہا تھا اور گھر کی رکھوالی کرنے والا خوفناک کُتا طوق سے دھیمی دھیمی غراہٹیں نکالتا ہُوا اپنی دُم ہلا کر گویا اُسے الوداع کہہ رہا تھا۔

ایلمو نے دروازہ بند کر دیا اور اُسے اندر سے مقفل کر دیا۔

اب اُس کا زیادہ دیر کا کام باقی نہیں رہ گیا تھا پھر بھی احتیاط لازمی تھی، ناکام محبوب کسی وقت بھی دوبارہ آ سکتا تھا۔

وہ واپس اسٹور میں پہنچا اور مختلف ڈبوں میں بھرے ہوئے نوٹ نکال کر تھیلے میں ڈالنے لگا۔ وہ دل ہی دل میں بے حد خوش ہو رہا تھا۔ اُسے توقع نہیں تھی کہ ڈائریکٹر نے اس سے جو رقم دھوکا دے کر حاصل کی تھی، اس کی واپسی، اس قدر کثیر سُود کے ساتھ بھی ممکن ہو سکتی ہے۔ تھیلا بھرنے کے بعد اُس نے اپنا خطرناک ہتھیار سنبھالا اور خواب گاہ پر الوداعی نظر ڈالتا ہوا سیڑھیاں اُتر کر نیچے آ گیا۔ بیرونی دروازہ کھول کر وہ باہر نکلا تو کتا سامنے ہی کھڑا تھا۔ اس کے نتھنے پھڑک رہے تھے، لیکن کسی کو سامنے نہ پا کر محض ہلکے ہلکے غرا رہا تھا۔ غالباً اپنی شکی فطرت کی بنا پر وہ غرا کر یہ احساس دلانا چاہتا تھا کہ وہ باخبر ہے۔ ایلمو اُس کے قریب سے گزرتا چلا گیا۔ اُس کا جی بے اختیار چاہا تھا کہ کُتے کی دُم پکڑ کر کھینچے لیکن اس شرارت کے نتائج خطرناک بھی ہو سکتے تھے، اس لیے وہ خود پر قابو پا کر روش پر چلتا ہُوا اُسی حصّے کی طرف چل دیا جہاں سے اُس نے خاتونِ خانہ کے چاہنے والے نوجوان کو کمپاؤنڈ والی کُٹیا لانگتے ہوئے دیکھا تھا۔

کُتا وہیں کھڑا اِدھر اُدھر دیکھتا اور دھیمی آواز میں غراتا رہا۔

▼ ▼

ہسلامی کا سلطان بیمار ہونے کے باوجود بڑے شاہانہ انداز

کے مترادف بھی قرار دی جا سکتی تھی، لیکن معلوم ہوتا تھا کہ اُوشان کو اس سلسلے میں ذرا سی بھی پروا نہ ہو۔

"مجھے یہ سُن کر شدید بے چینی کا سامنا کرنا پڑا ہے کہ تم دونوں حفاظتی نظام سے بآسانی گزر کر محل تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔" سلطان نے کہا۔

ٹائیگر نے قریب سے سلطان کا جائزہ لیا تو اس کی شخصیت اُسے مزید پُروقار دکھائی دی۔ امیر کے بال بھُورے تھے اور اُن میں کئی مقامات سے سفیدی جھلک رہی تھی۔ وہ بے حد دُبلا پتلا اور کمزور تھا۔ چہرے کی کھال ڈھیلی پڑ کر لٹک گئی تھی۔ شہزادے نے دیکھا کہ وہ بے حد لمبے قد کا آدمی ہے۔ اپنے مانے ہیں وہ یقیناً بڑی زبردست شخصیت رہا ہو گا لیکن اب تو اُسے ہڈیوں کا ایک ایسا ڈھانچہ ہی کہا جا سکتا تھا جس کے انداز سے شاہانہ وقار ٹپکتا تھا۔

"آپ کو ہماری اس معمولی سی کامیابی پر بے چین اور پریشان نہیں ہونا چاہیے، یور ہائی نیس۔" ٹائیگر نے کہا۔ "کوئی اور اس زبردست حفاظتی نظام کو درہم برہم کر کے اتنی آسانی سے یہاں تک نہیں پہنچ سکتا۔ ہماری چند ہدایات پر عمل کرنے کے بعد یہی نظام اس حد تک مؤثر ہو جائے گا کہ آپ کے دشمنوں کی پوری فوج بھی جزیرے پر قدم رکھنے میں کامیاب نہیں ہو سکے گی۔"

بسترِ مرگ پر دراز بوڑھا سلطان خشک انداز میں ہنس پڑا۔ ٹائیگر نے محسوس کیا کہ یہ ہنسی نہیں ہے بلکہ بیماری کی وجہ سے وہ کھانسنے لگا تھا اور اُسے گمان گزرا تھا کہ سلطان ہنس رہا ہے۔ "میں نہیں سمجھتا کہ کسی کو میری اس حد تک ضرورت ہے کہ وہ پوری فوج کو بھیجنے پر مجبور ہو جائے۔" سلطان نے خود کو سنبھالتے ہوئے نقاہت آمیز لہجے میں جواب دیا۔

"میری دُعا ہے کہ آپ کا فرمان سچ ثابت ہو۔" ٹائیگر نے نہایت ادب سے کہا۔

"اوہ، اس میں کوئی شک نہیں کہ دُنیا میں اپنے بہت سے لوگ ہیں جو میری موت کے خواہاں ہیں۔" سلطان نے کہا۔ "لیکن ان میں سے اکثر لوگ مجھے قتل کرنے کی صرف اُسی وقت کوشش کر سکتے ہیں جب انھیں ایسا کرنا بے حد آسان دکھائی دے۔"

ٹائیگر نے تائید میں سر ہلا دیا۔

"ماسوائے بھونی کیفیت کے..." اُوشان کھردرے لہجے میں بولا۔ "جب کوئی مقصد یا کام چیلنج کی حیثیت اختیار کر لیتا ہے تو اُس کی تکمیل کے لیے کوئی بھی مشکل یا رکاوٹ خاطر میں نہیں لائی جاتی۔ ایسے میں انسان، دوسروں کو تباہ کرنے کی کوشش میں خود بھی تباہ ہونا گوارا کر لیتا ہے۔"

"بہت خوب۔ بہت خوب۔" سلطان نے اُوشان کی طرف تعریفی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "بہت شاندار نکتہ ہے اور اس سے تمھاری ذہانت کا پتہ چلتا ہے۔ میں تمھاری عقل و دانش کا قائل ہو گیا ہوں، ماسٹر اوشان۔"

اچانک سلطان کا جسم یوں چُور چُور ہو گیا جیسے شدید تکلیف اور اذیت نے اُسے بے چین کر دیا ہو۔ اس کا چہرہ اذیت کے باعث بگڑ گیا اور کھانسی کے شدید دورے نے اُسے بے حال کر دیا۔ چند لمحوں تک اُوشان اُسے گہری توجہ سے دیکھتا رہا... پھر وہ نرمی سے تسلی آمیز لہجے میں کہتا ہوا مسہری سے مزید قریب ہو گیا۔ ٹائیگر نے اُسے بسلامی کے سلطان پر جھکتے ہوئے دیکھا۔ اُوشان کی اُنگلیاں اب سلطان کی پسلیوں سے چھونے لگی تھیں اور وہ ان پر مخصوص انداز میں دباؤ ڈال رہا تھا۔ یکایک کھانسی رُک گئی اور سلطان کے چہرے سے اذیت کے تاثرات بھی یکایک ہی زائل ہو گئے۔ اس صورتِ حال نے اُسے شدید حیرت اور خوشی سے دوچار کر دیا۔ "کک... کیا... تم نے مجھے کیا کیا ہے؟" اُس نے تحیّر آمیز لہجے میں اُوشان سے دریافت کیا۔

"عضلات پر خفیف سا دباؤ اور مخصوص نوعیت کی مالش۔" اُوشان نے جواب دیا۔

"کیا تم کوئی طبیب ہو؟"

"نہیں، باقاعدہ طبیب نہیں ہوں۔"

"اس کے باوجود تمھیں امراض اور ان کا علاج معلوم ہے۔"

اُوشان نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

سلطان نے جسم کو مزید آرام دہ حالت میں رکھنے کے لیے حرکت کی۔ اس دوران میں ٹائیگر نے محسوس کیا کہ بوڑھا سلطان تیزی سے سوچ کر کسی نتیجے پر پہنچنے کی کوشش بھی کر رہا ہے... اور جب وہ آرام دہ حالت میں نیم دراز ہو گیا تو اس کی آنکھیں بند ہی تھیں لگتا وہ کسی خاص نتیجے پر پہنچنے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ ٹائیگر دل ہی دل میں سلطان کی بے پناہ قوتِ ارادی اور قوتِ فیصلہ کا قائل ہو گیا۔ اتنی جلدی اور ایسی حالت میں، کسی نتیجے پر پہنچنا، عام آدمی کے بس کی بات نہیں تھی۔

"کیا تم میرا معائنہ کر سکتے ہو؟" سلطان نے اُوشان سے کہا۔

اُوشان نے ٹائیگر کی طرف دیکھا۔

ٹائیگر نے کندھے اُچکا دیے۔

"میرا خیال ہے، میں آپ کو کوئی ایسی بات نہیں بتا سکوں

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

گا، جو آپ کے ڈاکٹروں نے پہلے سے بتا رکھی ہو۔" اوشان نے سلطان کی امیدوں کو محدود کرنے کی خاطر کہا۔

"میرے ڈاکٹر اپنی قنوطی دواؤں اور دیرینہ تجربے کے باوجود وہ کچھ کہنے میں کامیاب نہیں ہو سکے، جو کچھ تم نے محض مجھے چھو کر دیکھا ہے، میں زندگی بھر تمہارا نہ بھلا احسان رہوں گا۔ چاہے کوئی بھی نتیجہ کیوں نہ نکلے۔ میرا معائنہ ضرور کرو۔" اس کی بوڑھی زندگی سے مایوس آنکھیں اوشان کی آنکھوں سے ٹکرائیں اور پھر زندگی میں پہلی بار اس کا لہجہ استدعا آمیز ہو گیا۔ "پلیز... ماسٹر اوشان۔"

اچانک دروازہ کھلا اور پرنسس سارہ اندر آ گئی۔ وہ اس وقت سفید ریشمی لبادے میں ملبوس تھی اور اس کے گلے میں سرخ ہیروں کا ہار جگمگا رہا تھا۔ شہزادی پر نگاہ پڑتے ہی سلطان کا چہرہ قدرے سرخ ہو گیا۔ "اوہ... سارہ..."

"جی ہاں۔ بھائی جان۔" وہ مسکرا کر بولی۔

"اچھی بچی ہو اور سنو شہزادہ کو ساتھ لے کر باغ میں تھوڑی سی چہل قدمی کر آؤ۔ اس دوران میں ماسٹر اوشان اور میں ایک اہم موضوع پر بات کرنا چاہتے ہیں۔"

ٹائیگر نے محسوس کیا کہ سلطان نے بڑی ہی نرمی سے درخواست کی تھی لیکن اسے فوراً ہی اندازہ ہو گیا کہ شاہی درخواست خواہ کتنی ہی نرم کیوں نہ ہو، وہ تکمیل کرانے کے لیے تحکم کا درجہ رکھتی ہے۔ سارہ بھلدی سے جھک کر تعظیم بجا لائی اور بولی۔

"جیسے آپ کا حکم بھائی جان۔" وہ ٹائیگر کی طرف متوجہ ہوئی اور اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیلنے لگی۔ "آیئے مسٹر شہزاد۔"

چلتے پر نسس نے ٹائیگر سے کہا اور اوشان کی طرف متوجہ ہو گئی۔ "میں نچلی منزل کے کمرۂ نشست میں آپ کا انتظار کروں گا، ایل فادر۔"

... لیکن اوشان نے شاید اس کی بات سنی ہی نہیں تھی، کیونکہ شہزادی کے جاتے ہی وہ سلطان کی طرف متوجہ ہو گیا تھا اور اس کی انگلیاں سلطان کے سینے پر سکون جنبش دینا شروع کر چکی تھیں۔ ٹائیگر نے انبات میں سر ہلایا اور دروازے سے باہر آ گیا۔ باہر راہداری میں سارہ اس کا انتظار کر رہی تھی۔ وہ اس کے پہلو میں آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا چلنے لگا۔ اچانک ٹائیگر نے محسوس کیا کہ شہزادی کا قد پہلے سے کچھ چھوٹا ہو گیا ہے۔ اس نے چونکے بغیر شہزادی کا جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ اس نے اونچی ایڑی کے سینڈل اتار دیے ہیں، جنہیں وہ پہلی ملاقات کے دوران میں پہنے ہوئے تھی۔

"یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے؟" شہزادی نے پوچھا۔

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔" ٹائیگر نے کہا۔

"میرا بھائی اور تمہارا سامنا تھی..."

"اوہ... وہ دونوں عمر کی اس منزل پر ہیں کہ ہم بچوں کو ان کی کسی حرکت پر تشویش نہیں ہونا چاہیے۔ تاہم معاملہ میری اپنی عقل اور معلومات سے بعید ہے۔" ٹائیگر نے اس انداز میں جواب دیا جیسے وہ خود بھی ان دونوں کے سلسلے میں اُلجھن کا شکار ہو۔

سارہ نے اس کی رہنمائی کی اور اسے سیڑھیوں سے نچلی منزل پر لے چلی، پھر دونوں اندرونی دروازے سے سنگ مرمر کی پیش دہلیز پر نکل آئے۔ اس کے گرد بڑا ہی خوبصورت باغ پھیلا ہوا تھا۔ انواع و اقسام کے پھولوں کی مہک سے وہاں کی فضا معطر ہو رہی تھی۔ باغ کے وسط میں ایک بہت بڑا فوارا تھا۔ وہ سنگ مرمر کی ایک بینچ پر بیٹھ گئے اور فوارے میں پانی کی اٹکھیلیاں دیکھنے لگے۔

"کیا آپ بھی اسی محل میں مقیم ہیں؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"نہیں... میں دارالحکومت میں رہتی ہوں۔ وہاں مجھے ایک شاندار اپارٹمنٹ فراہم کیا گیا ہے۔" شہزادی سارہ نے جواب دیا۔ "میں یہاں کبھی کبھار ہی آتی ہوں۔ دراصل میں بہت جلد اُکتا جانے والی عورت ہوں۔"

"فاخر کا انداز آپ کے سلسلے میں بے حد عجیب ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے جیسے وہ یہاں آپ کی موجودگی کو پسند نہ کرتا ہو۔"

"نہیں... یہ بات نہیں ہے۔ وہ مجھ سے محبت کرتا ہے۔" سارہ نے جواب دیا۔ لیکن مردوں میں ایک طرح کی انا ہوتی ہے۔" ٹائیگر کی طرف دیکھنے لگی۔ "حالانکہ میرے اپنے معاملات کچھ کم نہیں ہیں۔ مجھے انہی سے فرصت نہیں ملتی۔" اس نے ٹائیگر کے ہاتھ کو نرمی سے چھوا اور مسکرانے لگی۔

"کوئی دلچسپ بات ہے، کیا؟" ٹائیگر اس کے مسکرانے کی وجہ معلوم کیے بغیر نہ رہ سکا۔

"تمہیں محسوس نہیں ہوئی؟" سارہ کے لہجے میں حیرت تھی۔

"میں نے ابھی ابھی تمہارے ہاتھ کو چھوا تھا۔"

"اوہ... جی ہاں..." ٹائیگر کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ آ گئی۔

"کسی روز میرے اپارٹمنٹ ضرور آؤ۔" سارہ نے اسے مدعو کیا۔

"ضرور آؤں گا۔" ٹائیگر نے خوابناک لہجے میں جواب دیا۔

اچانک سارہ نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ اس کا جسم یوں تن گیا جیسے ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی کی لہر دوڑ گئی ہو۔ وہ ٹائیگر کے کندھے کے اوپر سے عقب میں دیکھ رہی تھی۔ ٹائیگر نے اس کی

نظروں کے تعاقب میں پلٹ کر دیکھا تو اسے تیرس پر اوشان کھڑا دکھائی دیا۔ وہ انہی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ "وہ بوڑھا..." سارہ نے اشارہ کیے بغیر ہی کہا۔ "اور تم... دونوں ایک دوسرے سے گہرا تعلق رکھتے ہو؟"

"جی ہاں... بہت گہرا۔" ٹائیگر نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "ہم صدیوں پر محیط روایت کے بندھن میں جکڑے ہوئے ہیں۔"

"لیکن جب میرے ہاں آؤ تو اسے ساتھ نہ لانا۔" سارہ نے تنبیہی انداز میں کہا۔

"آپ کا حکم سر آنکھوں پر، بوریا ہی نہیں۔" ٹائیگر نے کہا۔

اور اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ تیرس کی طرف چل دیا۔ اوشان کے قریب پہنچ کر اس نے پوچھا۔ "کیا رہا، فضل فادر؟ کیا وہ زندہ رہے گا؟"

اوشان نے نفی میں سر ہلا دیا۔ "نہیں... وہ اتنی جلد کی مر جائے گا کہ کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا۔"

"کیا یہ بات آپ نے اس کے گوش گزار کر دی ہے؟"

"میں نے اسے صرف اتنا کہا ہے کہ اس کے معالجوں نے جو کچھ بھی تشخیص کیا ہے، وہ درست ہے۔ اس نے بالآخر یہ حقیقت دماغی طور پر قبول کر لی ہے، اس لیے قدرے پُرسکون ہو گیا ہے۔" یہ کہتے ہوئے اوشان سمندر کی طرف گھورنے لگا۔

"ہم جب سے اس جزیرے پر آئے ہیں، آپ کا رویہ بہت پُراسرار ہو گیا ہے۔" ٹائیگر نے کہا۔ "خاص طور سے، سلطان سے ملاقات کے بعد سے تو آپ کا رویہ ناقابل فہم ہو گیا ہے۔ کیا آپ نے بالآخر یہ فیصلہ کر لیا کہ اسے اس کے آباؤ اجداد کے فرض سے آگاہ کر دیں گے؟"

اوشان اسے غصیلی نظروں سے گھورنے لگا۔ "چونکہ تم بہت زیادہ اصرار کر رہے ہو، اس لیے بتا دیتا ہوں کہ مجھے کیا چیز پریشان کر رہی ہے۔" اس نے اپنی طویل استخوانی انگلی سے چھت کی طرف اشارہ کر دیا۔ "اوپر جو شخص ہے وہ ایک مظلوم سلطان ہے جبکہ نائجو کا کوئی ماسٹر کسی ہستی سے ملاقات کرتا ہے تو وہ اس کی حقیقت کو فوراً پہچان لیتا ہے۔ یہ شخص جگرانی کے لیے پیدا ہوا ہے... لیکن گزشتہ کچھ عرصے سے اس کو جن حالات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے، ان کی روشنی میں جلاد ملکہ کی زندگی گزارنے سے بہتر ہو گا کہ وہ مر جائے۔"

"ٹھیک ہے، آیئے چلیں۔ میں فاخر کو حفاظتی نظام کے سلسلے میں ایک ضروری ہدایت دینا چاہتا ہوں۔"

فاخر انہیں محل کے کمرۂ نشست میں اپنا منتظر ملا۔

"آپ لوگوں نے حفاظتی نظام کو کیسا پایا؟" اس نے ٹائیگر کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"یہاں کتوں کی کمی ہے۔" ٹائیگر نے کہا۔

"کیا مطلب؟" فاخر چونک پڑا۔

"محل کے اردگرد کافی جنگل ہے۔ انتظار قبیلے کے آدمیوں کی پوری فوج بھی اس کا احاطہ کر سکتی ہے... لیکن کتوں کی محدود تعداد اس کا بہترین نعم البدل ہے۔ اگر ہم تیرے کے دونوں ساحلوں پر کتے پھیلا دیں تو حملہ کرنے کی نیت سے آنے والا مجبوراً درمیانی حصے سے آئے گا۔ اگر ایسا ہوا تو الیکٹرونک آلات آسانی سے اس کا سراغ لگا لیں گے اور تمہارے آدمیوں کو قبل از وقت پتہ چل جائے گا۔ پھر تم لوگ بہتر انداز میں اس کا استقبال کر سکو گے۔"

فاخر گہری توجہ سے اس کی باتیں سن رہا تھا لیکن اس کے چہرے پر کسی قسم کے تاثرات نہیں تھے۔ اس کی سرد مہری کو ٹائیگر خاطر میں نہ لایا کیونکہ اگر فاخر نے اس کی ہدایت پر عمل نہ کیا تو یہ کام وہ بہرام کے ذریعے کروا سکتا تھا۔ فاخر کو کتوں والی تجویز سے لاکھ اختلاف ہوتا، وہ حکومت کی طرف سے فراہم کیے گئے کتے رکھنے پر مجبور ہو جائے گا۔

کوسٹ گارڈ لانچ کے ذریعے وہ واپس چل دیے۔

واپسی پر ٹائیگر نے لانچ ساحل کے اس حصے پر روک دی جہاں دو جرائم پیشہ آدمیوں کی لاشیں پائی گئی تھیں۔ وہی دو آدمی جنہوں نے سرکاری گواہ کو قتل کرنے کے لیے اٹلیو کی خدمات حاصل کی تھیں اور پھر خود اسی کے ہاتھوں اپنی کھوپڑیوں سے بھی محروم ہو گئے تھے۔ ساحل پر قدم رکھنے سے پہلے اس نے ٹرانسمیٹر مراپنے چیف سے رابطہ قائم کیا۔

"حفاظتی نظام کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟" بہرام نے سلسلہ ملتے ہی دریافت کیا۔

"بُرا نہیں ہے۔ چیف آف سکیورٹی نے ہمیں زیادہ پسند نہیں کیا لیکن میں نے اسے کتے رکھنے کی جو تجویز پیش کر دی ہے..."

"تم فاخر کی بات کر رہے ہو، نا؟"

"جی ہاں..." ٹائیگر نے جواب دیا۔

"میں ان کے لیے کتوں کا بندوبست کر دوں گا۔"

"اور وہ بوڑھا گدھا کون ہے، جو وہاں ہماری نگرانی کر رہا ہے؟"

"وہ ایک سرکاری ایجنٹ ہے۔ زندانی... کیوں؟"

"اسے وہاں سے واپس بلا کر کسی اور علیل میں کام پر لگا دیں۔ ممکن ہے، وہاں چند دولتیاں کھا کر اس کے حواس ٹھکانے آ جائیں۔"

"اور اس بڑی ہستی کے بارے میں کیا کہتے ہو؟"

"اوہ... وہ..." ٹائیگر نے ایک طویل سانس لی۔ "وہ ایک

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

عظیم ہستی ہے... لیکن دُنیا سے اُس کا تعلق محض چند روز ہے وہ اپنے بستر پر اطمینان اور سکون کی موت سے ہمکنار ہو جائے گا۔"

"اگر ایسا ہو جائے تو میری ایک بڑی دردِ سری ختم ہو جائے گی۔"

"ساحل پر جن بدمعاشوں کی کھوپڑیاں بکھر گئی تھیں، ان کے بارے میں کوئی اور بات معلوم ہوئی؟"

"وہ سرکاری گواہ روبیو کو قتل کرنے کے لیے کسی قاتل کی خدمات حاصل کرنے کے لیے دربدر مارے مارے پھرتے پائے گئے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ بالآخر انھیں کوئی کارآمد آدمی مل گیا تھا۔" ہرام نے جواب دیا۔

"کچھ آئیڈیا ہے کہ وہ قاتل کون ہے؟"

"نہیں... لیکن میرا اندازہ ہے کہ وہ ایک نیا اور شوقیہ کام کرنے والا آدمی ہے کیونکہ شہر کے تمام قاتل اس کام میں ناکامی ڈالنے سے خوف زدہ تھے۔ کوشش کرو۔ دیکھیں بالآخر کون سامنے آتا ہے۔"

"او۔ کے۔ سویٹ ہارٹ۔" ٹائیگر نے کہا اور سلسلہ منقطع کر دیا۔

لابی سے اتر کر وہ اس رستے کی طرف چلنے لگے جہاں بیچ دری چٹانیں پھیلی ہوئی تھیں۔ وہاں ایک متروک گودی بھی تھی۔ اوشان نے دھند میں رستے پھیلائے اور ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔ یہ ایک غلیظ سی جگہ تھی۔ مچھلیوں اور سڑتے ہوئے پانی کی بدبو ماحول میں پھیلی ہوئی تھی۔

"میرا خیال ہے، وہ جگہ یہی ہے۔" ٹائیگر نے ایک جگہ رُکتے ہوئے کہا۔

"آنکھوں سے زیادہ اپنی حسیات سے کام لینے کی کوشش کرو۔ گو شبہ تو نہیں ہے۔" اوشان نے قدرے سخت لہجے میں کہا۔

گودی کے چھوٹے سے چوبی تختے پر سیاہ بھیگے نظر آ رہے تھے۔ غالباً یہ خون کے چھینٹے تھے۔ ٹائیگر جھک کر ان کا جائزہ لینے لگا۔ "مجھے تو یہ بھی پتہ نہیں کہ درحقیقت ہم یہاں کس چیز کی تلاش میں ہیں۔" وہ بڑبڑایا۔

"زیادہ گہرائی تک جانے سے دماغ میں بوجھ کی مقدار بڑھ جاتی ہے۔ اس لیے کہہ رہا ہوں کہ اپنی وجدانی کیفیات کو استعمال میں لاؤ۔" اوشان کا لہجہ اس بار بے حد کھردرا ہو گیا تھا۔ وہ اس کے قریب ہی جھک گیا۔ اس کی پیلی پیلی آنکھیں ایک جگہ مرکوز ہو کر رہ گئی تھیں۔ وہ شاید اس نے ہاتھ بڑھایا۔ "لکڑی میں کوئی چیز پیوست ہو کر رہ گئی ہے۔" اس نے زیرِ لب کہا۔

ٹائیگر نے دیکھا کہ اس نے اپنی استخوانی انگلی کو کسی نوکدار خنجر کی طرح لکڑی پر مارا اور پھر کوئی شے اس کے ناخن سے چپک کر ہتھیلی پر آ گئی۔ اوشان گہری نظروں سے اس چیز کا جائزہ لینے لگا۔ "اوہ... یہ رہی..." وہ چہک پڑا۔

"کیا رہی؟" ٹائیگر چونک پڑا اور حیرت سے اوشان کی طرف دیکھنے لگا۔

"دیکھو یہ کیا ہے؟" اوشان نے ہتھیلی اس کے سامنے پھیلا دی۔

ٹائیگر نے بغور دیکھا۔ یہ ایک سیاہی مائل دھبہ نما شے تھی۔ کسی چیز کا پتلا سا ٹکڑا... جیسے کسی چیز کا چھلکا رہا ہو۔ "یہ کیا ہے، اوشان؟" اس نے دریافت کیا۔

"معلوم نہیں... لیکن کیا تم نے زندگی میں پہلے کبھی اس قدر کوئی سیاہ پیز دیکھی ہے؟"

کسی رقیب رُو سیاہ کے چہرے سے اُترا ہوا چھلکا معلوم ہوتا ہے۔" ٹائیگر نے برا سا منہ بنا کر جواب دیا۔

"تم نے ایک اچھی مثال دی ہے لیکن اس کا موقع نہیں تھا۔ توجہ دو، فرزند! معلوم ہوتا ہے یہ رنگ کا ٹکڑا ہے۔ اسے مزید توجہ سے دیکھو۔"

"ہوں... یہ غیر معمولی سیاہ ہے۔" ٹائیگر سنجیدہ ہو گیا۔ "بہت زیادہ سیاہ... لیکن اس سے کیا نتیجہ نکلتا ہے؟"

"میں نے اپنی زندگی میں پہلے کوئی چیز اس قدر سیاہ کبھی نہیں دیکھی۔" اوشان نے کہا۔ "جانتے ہو، اس سے روشنی کا انعکاس نہیں ہو سکتا۔"

"میں اب بھی کوئی نتیجہ اخذ کرنے سے معذور ہوں۔" ٹائیگر نے بے بسی سے جواب دیا۔

"اس قدر سیاہ شے یم تاریکی میں غیر مرئی ہو جاتی ہے۔" اوشان نے وضاحت سے بتایا۔ "یہ علم الانعکاس کے ذریعے آنکھوں کو دکھائی نہیں دے سکتی۔ کیا تمھیں اپنے سوال کا جواب مل گیا؟"

ٹائیگر چونک پڑا۔ "کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ہم جس شخص کی تلاش میں ہیں، وہ ایک طرح سے غیر مرئی ہے؟ اس نے خود پر اتنا سیاہ رنگ کر لیا ہے کہ یم تاریکی یا مکمل اندھیرے میں کسی کو بھی دکھائی نہیں دے سکتا؟"

"ہاں... یہ ممکن ہے۔" اوشان نے پُراعتماد لہجے میں جواب دیا۔

"اوہ، میرے خدا!" ٹائیگر نے زیرِ لب کہا۔ "یہ ایک ایسا معاملہ ہے کہ سویٹ ہارٹ بہرام چوکڑی بھول جائے گا۔"

| |

اس کی زندگی کا ہمیشہ حفظہ الذمیجے سے ڈرتے ہوئے گزرا تھا... لیکن اب ایلمو کو معلوم ہو گیا تھا کہ روشنی اس کی دشمن ہے۔ تاریکی اور اندھیرے میں وہ شہنشاہ تھا... اس نے اب تک جہاں جہاں گھوم پھر کر دیکھا تھا، اُسے اپنی ملکیت تصور کرنے لگا تھا۔ جب کائنات پر سیاہی پھیل جاتی تھی تو اس کی حکمرانی کا آغاز ہو جاتا تھا... جب کہ روشنی میں اس کی حیثیت ایک چھوٹے سے بزدل نوجوان جیسی تھی۔ ایک عام سا نوجوان جسے گھر کی بلی بھی آنکھیں دکھاتی تھی۔

اس نے طاقت کا ذائقہ چکھ لیا تھا۔ تین آدمیوں کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے باوجود وہ ابھی آزاد تھا اور کسی کی نوخیز اس کی طرف مسند دل نہیں ہو سکی تھی۔ اُسے اپنی طاقت کا نشہ سا رہنے لگا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اب دن کی روشنی میں اس کے ساتھ جو بھی زیادتی ہوتی تھی، وہ اُسے ہنسی خوشی برداشت کر لیا کرتا تھا مگر دل ہی دل میں ہنس پڑتا تھا۔ ایسے موقعوں پر وہ یہ سوچ کر خوش ہو لیتا تھا کہ رات کی تاریکی میں یہی زیادتی کرنے والا اُس کے سامنے کس قدر گڑگڑا سکتا ہے۔ پہلے پہل اس کا ارادہ تھا کہ وہ کچھ دولت جمع کر کے سیدھی سادی زندگی شروع کر دے گا اور اس ایجاد کو تباہ کر دے گا لیکن اب اس نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ ایسا نہیں کرے گا۔ جو چیز آنے کی طاقت، دُنیا کی ہر شے خریدنے یا چھیننے کی قوت، دنیا کی ہر عورت کو حاصل کرنے کی صلاحیت اور دوسروں کی زندگی اور موت کا فیصلہ کرنے کا اختیار... یہ ایسی قوتیں نہیں تھیں، جن سے ایک بار لذت آشنا ہو کر کوئی کنارا کشی کر لیتا۔

گھر سے ملحقہ چھوٹے سے گیراج میں ایلمو نے اپنے غیر معمولی سیاہ لبادے کا جائزہ لیا تو پتہ چلا کہ رنگ کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا اُتر کر کہیں گر گیا تھا۔ وہ سوچ میں پڑ گیا۔ یہ ایک خامی تھی جس سے اُسے کسی وقت زبردست نقصان بھی پہنچ سکتا تھا۔ وہ سمجھ گیا کہ اُسے ابھی اس ایجاد پر مزید کام کرنا پڑے گا۔ وہ اس غیر معمولی رنگ میں کوئی ایسی ہی کسی دوسری چیز کو استعمال کرے گا تاکہ آئندہ رنگ اکھڑنے نہ پائے۔ اس میں کوئی دو اڑھائی برس پڑے یا کوئی تکرانہ آ سکے۔ اس نے لبادے پر اُس جگہ مزید رنگ کا اسپرے کر دیا جہاں سے ایک ٹکڑا نکل کر کہیں گر گیا تھا۔ اب وہ لبادہ ایک بار پھر نیا اور قابلِ استعمال ہو گیا تھا۔ وہ اسے آج رات پھر استعمال کرنا چاہتا تھا... بلکہ اس بار وہ اسے جس مقصد کے لیے استعمال کرنا چاہتا تھا، یہ اس کی بہنوں پر آنی تھی۔ گویا یہ اس کے لیے اپنے خوابوں کی تعبیر دیکھنے کی رات تھی۔ تخیلاتی مناظر کو حقیقت کا روپ دینے کی رات تھی۔ اُنہتر کا فی پُرانے اُدھار چکانے تھے۔

اس نے تازہ رنگ کیے ہوئے لبادے کو سوکھنے کے لیے لٹکا دیا اور خود اُس تسلیف کی طرف متوجہ ہو گیا جس میں اُس کی کئی سال پُرانی بعض ایسی ایجادات رکھی ہوئی تھیں، جنھوں نے اُسے کوئی پھل نہیں دیا تھا۔ اچانک اُسے ایک الیکٹرونک کھلونا نظر آیا۔ یہ ایک مختصر سی مشین تھی جس کا درمیانی حصہ جھولے کی طرح حرکت کرتا تھا۔ اُس نے سوچ میں ڈوبے ہوئے انداز میں یہ الیکٹرونک مشین اُٹھا لی۔ برسوں سے ناکارہ پڑی ہوئی یہ مشین اب اس کے لیے بے حد کارآمد ثابت ہو سکتی تھی۔ اس مشین کا تار جب الیکٹرک کرنٹ والی کسی تار سے ملک کر دیا جاتا تھا تو اُس کی ڈیزائن تبدیل ہو جاتی تھی اور پاور کی لہر سے پوری لائن ڈیڈ ہو جاتی تھی۔ یہ فارمولا کامیاب تو رہا تھا لیکن اس کی کوئی تجارتی قدر و قیمت نہیں تھی۔ آخر اس دُنیا میں اتنا بڑا احمق کون ہو گا جو اپنے گھر یا کسی لائن کی بتیاں بجھانا چاہتا ہو گا۔ ایلمو نے اس الیکٹرونک آلے کو شیلف پر رکھ دیا تھا اور پھر اُسے بھول گیا تھا۔ لیکن آج اس کی قدر و قیمت ایلمو کی نگاہ میں اچانک ہی بہت زیادہ ہو گئی تھی۔ اس نے ٹائن وولٹ کی نئی بیٹری اس آلے میں لگائی... پھر اس کا وائر لیس نما ایریل نکال کر اس لائن کی طرف اُٹھا دیا جس سے منسلک بتی گیراج میں جل رہی تھی۔ جیسے ہی اس نے بٹن دبایا، اچانک ہی بلب بجھ گیا اور گیراج میں تاریکی پھیل گئی۔ کسی قسم کا شور بلند نہیں ہوا تھا اور نہ ہی کوئی قابلِ ذکر گڑبڑ پیدا ہوئی تھی۔ بس بلب بجھ گیا تھا اور اندھیرا پھیل گیا تھا۔

ایلمو کے حلق سے ایک بلند آہنگ قہقہہ اُبل پڑا۔

اُس نے اس الیکٹرونک آلے پر بھی مادی اشیا کو غیر مرئی بنا دینے والا رنگ کر دیا۔

غیر مرئی لبادہ خشک ہو چکا تھا۔ ایلمو اُسے زیبِ تن کرنے لگا۔

... بڑوسیوں سے ملاقات کا وقت ہو گیا تھا... جین دمیسل، سیزر جاک... اور خوبرو مسٹر جاک سے ملاقات کا وقت... جنھوں نے اس کی زندگی اجیرن کر دی تھی... اور جن کو سبق دینے کے لیے وہ اب تک نہ جانے کتنے طریقے سوچ سوچ کر رد کر چکا تھا۔ اس کے ذہن میں مسٹر جاک کا سراپا گھوم گیا اور اُسے وہ تخیلاتی مناظر یاد آنے لگے جن سے وہ اپنی تنہائیوں میں لطف اندوز ہوتا رہا تھا... لیکن آج رات سب کچھ حقیقت بن کر سامنے آنے والا تھا۔

ایلمو اب ہر طرح سے مطمئن تھا۔

اس کی زندگی کامیابی کی شاہراہ پر چل نکلی تھی۔ وہ اب پہلے جیسا بزدل ایلمو نہیں رہا تھا۔ اس کے ہاتھوں تین آدمی عبرتناک موت کا شکار ہو چکے تھے اور اب تک کسی کا دھیان اُس کی طرف نہیں گیا تھا... اگر کوئی اس کی طرف متوجہ ہو بھی جاتا تو اب اُسے اس بات کی زیادہ پروا بھی نہیں تھی کیونکہ وہ ایک غیبی انسان تھا اور اس خصوصیت نے اُسے عام آدمی سے کہیں زیادہ طاقت ور اور ناقابلِ تسخیر بنا دیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اُسے اب ہر وقت طاقت کا نشہ سا رہنے لگا تھا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

الف لیلہ ڈائجسٹ کا مقبول سلسلہ

انسان اور شیطان

مصنف محمد فراز

امیر علی خان کی خوفناک آپ بیتی

مکتبہ القریش، سرکلر روڈ لاہور بازار لاہور
فون 7668958

...اور آج مسٹر اور مسز جاک سے ملنی کا حساب برابر کرنے کے خیال سے اُس کے جسم کا رُواں رُواں خوشی سے جھوم رہا تھا۔ ... خوشی کا ایسا عظیم احساس اُسے زندگی میں پہلے کبھی نہیں ہُوا تھا۔ حسین و جمیل مسز جاک جس کا نام فیلس تھا اُس کے خوابوں کی ملکہ تھی۔ اُس نے بڑے ہی سہانے سپنے دیکھے تھے اور آج ان سپنوں کی تعبیر دیکھنے کے لیے بے چین تھا۔ اُس کے ذہن میں بار بار مسز جاک کا سراپا گھوم جاتا اور وہ سوچنے لگتا کہ آخر مسز جاک کے تاثرات کیا ہوں گے؟ کیا وہ خاموشی سے موت قبول کرے گی؟ اُسی لمحے اُس کے ذہن میں مسٹر جاک کا کرخت چہرہ گھوم جاتا، غصّے کی زیادتی سے بار بار ایلمو کے جبڑے بھنچ جاتے اور مٹھیاں اتنی سختی سے بند ہو جاتیں کہ اُسے اپنے بازوؤں کے عضلات میں تکلیف محسوس ہونے لگتی۔ وہ اس شخص کو بڑی ہی اذیت ناک موت سے ہمکنار کرنا چاہتا تھا کیونکہ اس شخص نے اُسے زندگی میں جتنی اذیت دی تھی، اُس کے تصور سے ہی ایلمو کے رونگٹے کھڑے ہو جایا کرتے تھے۔

"تیار ہو جاؤ مسٹر جاک ...!" وہ تیز لب بولا۔ اس کے لہجے میں بے پناہ درندگی تھی۔ "آج میں تمھیں بتاؤں گا کہ درندگی دراصل کیا ہوتی ہے؟"

اُس نے گھڑی پر وقت دیکھا اور مسکرانے لگا۔

غیر مرئی لباس پہن کر وہ پوری طرح تیار ہو چکا تھا۔ اُس نے الیکٹرانک آلہ سنبھالا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ یہ متروک ایجاد اس وقت اُس کے لیے بے حد کارآمد ثابت ہو سکتی تھی۔ اس آلے کا کمال یہ تھا کہ اس کی مدد سے کسی گھر یا کسی مخصوص لائن کی بتیاں آسانی سے بجھائی جا سکتی تھیں۔ اس کے استعمال سے شور بھی پیدا نہیں ہوتا تھا اور نہ ہی کوئی دوسری گڑبڑ پیدا ہوتی تھی بس بلب بجھ جاتے تھے اور اندھیرا چھا جاتا تھا۔

ایلمو کا ارادہ تھا کہ وہ مسٹر اور مسز جاک کے گھر میں کافی وقت گزارے گا بلکہ ممکن ہُوا تو صبح تک وہیں رہے گا... لیکن دروازے سے نکلتے نکلتے اُسے اپنے خواب یاد آ گئے۔ تب اُس نے فیصلہ کیا کہ مسٹر جاک ایک خونخوار آدمی ہے، اس کے ساتھ زیادہ وقت گزارنا کوئی خوش گوار فعل نہیں ہوگا، بہتر ہوگا کہ اُسے جلد سے جلد ٹھکانے لگا دے۔

وہ پڑوسیوں کے دروازے پر پہنچ کر رُک گیا۔

ہر طرف تاریکی تھی لیکن اندر روشنی ہو رہی تھی۔ مختلف آوازوں سے اندازہ ہوتا تھا کہ ممکن ابھی تک جاگ رہے ہیں۔ ایلمو جانتا تھا کہ وہ بہت رات گئے تک سونے کے عادی ہیں، چونکہ ان دونوں کی کوئی اولاد نہیں تھی اس لیے اُن کی دلچسپیاں عام شادی شدہ جوڑوں سے بہت مختلف تھیں۔ ایلمو نے گزشتہ کافی عرصے میں یہ بات خاص طور سے محسوس کی تھی کہ اس کا پڑوسی جوڑا راتوں کو بہت کم باہر جاتا ہے۔ غالباً وہ ایک دوسرے سے بے حد مطمئن تھے اس لیے انھوں نے ایک دوسرے کو ہی اپنی ذات کا محور بنا رکھا تھا یا پھر وہ ایلمو کی لَوہ میں لگے رہتے تھے۔ اُسے تو گویا اُن دونوں نے ایک کھلونا ہی سمجھ لیا تھا۔ وہ اُسے اذیت دے کر اور اُس سے چھو کر بلی جیسا کھیل کھیل کر لُطف حاصل کرتے تھے۔ گویا یہ اُن کی واحد دلچسپی تھی اگر وہ دوسرے لوگوں کی طرح گھر سے باہر دیگر دلچسپیوں میں بھی وقت گزارتے تو یقیناً ایلمو کو ستانے میں اُنھیں لُطف نہ آتا۔ ایسی صورت میں تو شاید وہ اُسے توجّہ کے قابل بھی خیال نہ کرتے دوسرے پڑوسی ایسا ہی کرتے تھے۔ ایلمو کا خیال تھا کہ باقی پڑوسیوں کو تو شاید یہ بھی علم نہ ہو کہ ایلمو نامی کوئی غیر اہم آدمی ان کے محلّے میں رہتا ہے۔

صدر دروازہ بند تھا۔

ایلمو کو یاد آیا کہ مسز جاک اُسے عموماً اپنے کچن کی کھڑکی... یا دروازے سے دیکھ کر اپنے شوہر کو اس کے بارے میں اطلاع دیا کرتی تھی... اور اُسے معلوم تھا کہ کچن کا پچھلی دروازہ ہمیشہ کھلا ہی رہتا ہے۔ وہ مکان کے گرد گھومتا ہُوا کچن کی طرف بڑھنے لگا۔

کچن کا دروازہ اس کی توقع کے مطابق کھلا ہُوا تھا۔

اندر سے مسز جاک کی گنگناہٹ سُنائی دے رہی تھی۔ وہ غالباً سنک کے سامنے کھڑی برتن دھو رہی تھی۔ ایلمو نے کواڑوں کو ہلکے سے دھکیلا تو خفیف سی آواز پیدا ہوئی۔

یہ چرچراہٹ سُن کر مسز جاک قدرے چونک پڑی۔ اُس کے ہونٹوں پر گنگناہٹ دم توڑ گئی۔ اُس نے دروازے کی طرف دیکھا۔ ایک لمحے کے لیے اُسے اُلجھن رہی کہ دروازہ خود بخود کیسے کھل گیا۔ اُسی لمحے ایلمو کو اپنی ٹانگوں سے کوئی شے رگڑ کھاتی ہوئی گزرتی دکھائی دی۔ اُس نے نیچے دیکھا تو ایک موٹی تازی بلّی تھی جو غالباً دروازہ کھلا دیکھ کر کچن میں چلی آئی تھی۔ بلّی کو دیکھ کر مسز جاک کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ غالباً وہ یہ سوچ کر مطمئن ہو گئی تھی کہ دروازہ بلّی نے کھولا ہے۔

مسز جاک کو مسکراتے دیکھ کر ایلمو کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔

اُس نے مسز جاک کو پہلے بھی مسکراتے دیکھا تھا... لیکن تب وہ اُس پر حقارت سے مسکرایا کرتی تھی، اس وقت بلّی کے لیے اُس کے ہونٹوں پر بڑی ہی محبت بھری مسکراہٹ تھی۔ ایلمو کے تن بدن میں آگ سی لگ گئی۔ وہ ایک بلّی پر محبت آمیز مسکراہٹ نچھاور کرتی تھی جبکہ ایلمو اس کے نزدیک بلّی سے بھی کہیں زیادہ حقیر تھا۔ اس کا جی چاہا کہ آگے بڑھ کر ایک ایسا تھپّڑ مارے کہ مسز جاک کی یہ مسکراہٹ اذیت آمیز تاثر میں بدل جائے۔ ممکن ہے وہ ایسا کر بھی گزرتا لیکن اچانک ہی اُسے یاد آ گیا کہ وہ یہاں کس مقصد کے تحت آیا ہے۔ اُسے اپنے ہونٹوں پر خفیف سا کھچاؤ محسوس ہُوا تو سمجھ گیا کہ غیر ارادی طور پر وہ مسکرا رہا ہے۔

وہ دروازے سے چند قدم آگے گیا۔

اُس نے رُک کر مسز جاک کو دیکھا۔ اب وہ اس سے اتنے فاصلے پر تھی کہ ایلمو اگر ہاتھ بڑھاتا تو اُسے چھو سکتا تھا... لیکن وہ، ایلمو کی موجودگی سے بے خبر تھی اور اب دوبارہ سنک میں رکھی ہوئی پلیٹوں کی صفائی میں مصروف ہو گئی تھی۔ اُس نے دوبارہ گنگنانا شروع کر دیا تھا۔ اُس کی آواز میں سُریلا پن تھا۔ ایلمو خاموش اور ساکت کھڑا اس گنگناہٹ سے لُطف اندوز ہوتا رہا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کاش اس سُریلی عورت کے سینے میں کسی عورت کا نرم سا دل ہوتا جس میں دوسروں کے لیے ہمدردی کے جذبات ہوتے تب یہ عورت کتنی عظیم ہوتی اور وہ اسے مختلف انداز میں پسند کرتے بلکہ اس کی تعظیم کرنے پر مجبور ہو گیا ہوتا

دفعتاً مسز جاک کے ہاتھ سے پلیٹ پھسل گئی۔

پلیٹ پھسل کر فرش پر گری اور چکنا چور ہو گئی۔

غیر ارادی طور پر ایلمو کے مُنہ سے "اوہ...!" نکل گیا۔ یہ آواز سُن کر مسز جاک بُری طرح برحواس ہو گئی اور اُس نے ایک جھٹکے سے مُڑ کر دیکھا لیکن باورچی خانے میں ایلمو موجود ہونے کے باوجود اُسے دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ کچن میں بہت تیز روشنی نہیں تھی اس لیے ایلمو کا ہیولہ بھی اُسے نظر نہیں آ سکتا تھا۔ کچھ دیر وہ اُلجھن آمیز نظروں سے کچن میں اِدھر اُدھر دیکھتی رہی... پھر ایک طویل سانس لے کر فرش پر جھکی اور ٹوٹی ہوئی پلیٹ کے ٹکڑے جمع کرنے لگی۔ اس کا موڈ اچانک ہی بے حد خراب ہو گیا تھا... اور اب وہ ایلمو کو بالکل ویسی ہی عورت دکھائی دے رہی تھی جس سے وہ شدید نفرت کرتا تھا۔

"کیا ٹوٹ گیا؟" ایک مردانہ آواز کچن تک آئی۔

"کچھ نہیں۔" مسز جاک نے غصیلی آواز میں جواب دیا۔

جواباً مردانہ آواز سنائی نہیں دی، غالباً مسٹر جاک نے اپنی بیوی کے لہجے میں برہمی محسوس کر کے چپ رہنے میں ہی عافیت سمجھی تھی۔ مسٹر جاک کی آواز سنتے ہی ایلمو جیسے جوش میں آ گیا۔ وہ اب تک مسز جاک کی سحر انگیز شخصیت میں کھویا کچن ہی میں کھڑا تھا۔ مسٹر جاک کی آواز نے اُسے یاد دلایا کہ وہ یہاں کھڑا وقت ضائع کر رہا ہے۔ اُسے جا کر اس درندے کو سبق دینا چاہیے۔ یہ کام مسز جاک کو دیکھنے سے کہیں زیادہ پُر لطف ثابت ہو سکتا تھا۔ مسٹر جاک کی آواز کہیں دُور سے آتی محسوس ہوئی تھی۔ ایلمو نے سوچا کہ کاش! وہ اس وقت غسل خانے میں ہو۔

وہ کچن سے صحن میں پہنچا تو اُسے مسٹر جاک کی غراہٹیں سُنائی دینے لگیں۔

مسٹر جاک اس وقت غسل خانے میں ہی تھا۔ یہ شخص ایک ہیوی ویٹ چیمپئن تھا اور اس کا زیادہ تر وقت ویٹ لفٹنگ اور ورزش کرتے ہوئے ہی گزرتا تھا۔ اس وقت بھی غالباً وہ غسل خانے میں یہی کام کر رہا تھا۔ ایلمو نے اثبات میں سر ہلایا اور مطمئن ہو گیا۔ اس کی یہ خواہش بھی پوری ہو گئی تھی کہ مسٹر جاک اس وقت غسل خانے میں ہو۔ اس نے پلٹ کر کچن کے دروازے سے دکھائی دینے والی مسز جاک پر الوداعی نگاہ ڈالی اور غسل خانے کی سیڑھیوں کی طرف بڑھنے لگا۔

قدم قدم زینے اُترتے ہوئے اس کا دل بھی اتنی ہی تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ غسل خانے میں ایک کم پاور کا بلب روشن تھا۔ مدھم روشنی کے باوجود مسٹر جاک کا کسرتی جسم چمک رہا تھا۔ اس کے مضبوط بازوؤں کی مچھلیاں پھڑک رہی تھیں اور وہ ڈیڑھ سو پاؤنڈ وزنی ویٹ سنبھالے بینچ پریس میں مصروف تھا۔ جسمانی طور پر ایلمو ایک کمزور نوجوان تھا۔ ایک لمحے کے لیے اُس نے ڈیڑھ

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

سو پاؤنڈ وزن کو اتنی آسانی سے اُوپر نیچے جاتے دیکھا تو اُس کی سانس رُک گئی۔ وہ بہت دیر سا کھڑا مسٹر جاک کو دیکھتا رہا۔ ہر بار وہ جب بھی اُوپر جاتا تھا زور کی وجہ سے مسٹر جاک کے حلق سے غراہٹ سی نکل جاتی تھی۔ ان غراہٹوں نے جلد ہی ایلمو کو اس کی شخصیت کے سحر سے نکال دیا اور اُسے یوں محسوس ہونے لگا جیسے مسٹر جاک ایک ایسا درندہ ہے، جو اُس کی موجودگی پر غرا رہا ہے اور کسی بھی وقت اس پر کود پڑے گا... اور پھر اُس کا نرخرہ اُدھیڑ دے گا۔

ایلمو نے روشنیاں بجھانے والا آلہ ہاتھ میں تیار کر لیا۔

جیسے ہی وہ ایک غراہٹ کے ساتھ مسٹر جاک کے سینے سے دونوں ہاتھوں پر بلند ہوا، ایلمو نے آلہ تہ خانے کے اکلوتے بلب کی طرف اُٹھایا اور اُس کا بٹن دبا دیا۔ اگلے ہی لمحے بلب بجھ گیا۔ تہ خانے میں گہری تاریکی چھا گئی۔

"لعنت ہو!" مسٹر جاک غرایا۔ یہ روشنی کو بھی اسی وقت جانا تھا۔

ایلمو اندھیرے میں ہی آگے بڑھا۔ اس نے پوری قوت سے ایک گھونسہ مسٹر جاک کے منہ پر مارا۔ مسٹر جاک لڑکھڑا کر رہ گیا۔ اس کے حلق سے ایسی آواز نکلی جیسے اُسے یقین نہ آ رہا ہو کہ کسی نے اس کی تھوتھنی پر وار کیا ہے۔

"گک... کون... کون؟" مسٹر جاک کے لہجے میں درندگی تھی۔

"مسٹر جاک!" ایلمو نے نرم آواز میں اُسے پکارا۔

"کون ہو تم؟" اس بار جاک کے انداز میں بے پناہ جارحیت تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ آواز کی سمت میں جست لگا کر بولنے والے کو اپنے مضبوط بازوؤں میں جکڑ کر پیس ڈالنے کا ارادہ کر رہا ہو۔

"مسٹر جاک!" اس بار بھی ایلمو نے سرگوشی کی تھی۔

"تت... تم... تم کون... کیا چاہتے... کون...؟" مسٹر جاک کی آواز لڑکھڑانے لگی۔ یوں لگتا تھا گھونسہ کھانے کے بعد تاریکی نے اس کے اعصاب پر گہرا اثر کیا ہو... اور اس کا ذہن مختلف خدشات میں مبتلا ہو گیا ہو۔ یہ خدشات اب اُسے ڈرانے لگے تھے... اور اُس کی ساری دلیری، طاقت کا نشہ ہرن ہو گیا تھا۔

ایلمو کا دل خوشی سے جھوم اُٹھا۔

وہ آج ایک ایسے شخص کو اپنے آپ سے خوفزدہ محسوس کر رہا تھا جس کے تصور سے ہی اُس کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے اور جس کے گھونسے سے بچنے کے لیے وہ ہمیشہ اس کی ہر بات پر سر تسلیم خم کر لیا کرتا تھا۔ آج اُس نے اُسے نہ صرف گھونسہ مارا تھا بلکہ اُسے دہشت زدہ بھی کر دیا تھا۔ ایلمو کو لطف و لذت کا ایک انوکھا سا احساس ہوا۔ یہ احساس اُس کی روح تک کو سرشار کر گیا۔ چوہے اور بلی والا کھیل شروع ہو گیا تھا... لیکن اس بار کردار بدل گئے تھے۔ جو چوہا تھا وہ بلی بن گیا تھا اور جس نے بلی بن کر ہمیشہ چوہے کو ڈرایا تھا، وہ اس وقت خود کسی چوہے کی طرح سہما ہوا تھا۔ ایلمو خود کو اندھیرے کا شہنشاہ سمجھتا تھا۔ تاریکی میں اس کی حکومت تھی اور اس وقت وہ غرور اور نفرت کے جذبات سے مغلوب ایک ایسے شخص کے ساتھ اندھیرے تہ خانے میں تنہا تھا جس کو اذیت دے کر اُس کی برسوں پرانی آرزو پوری ہو رہی تھی۔ ایلمو کو اس بات کا خوف نہیں تھا کہ مسٹر جاک چیخے چلانے لگے گا۔ سیڑھیاں اُترنے کے بعد اُسے اندازہ ہو گیا تھا کہ تہ خانے سے آواز اُوپر کچن تک نہیں جائے گی۔ پلیٹ ٹوٹنے کی آواز فرش کی وجہ سے نیچے تہ خانے میں سنائی دی ہو گی تو مسٹر جاک نے نیچے جا کر اپنی بیوی سے پوچھا ہو گا کہ کیا ہوا تھا اگر وہ اس جگہ سے چیخ کر بھی معلوم کرتا تو اُس کی آواز تہ خانے میں گونج کر رہ جاتی اور کچن میں موجود اُس کی بیوی یہ آواز سرگوشی سننے میں کامیاب نہ ہوتی۔ ایلمو دل ہی دل میں خوش ہوا کہ اس کا شکار ایک ایسی جگہ ہے جہاں اس کی چیخ و پکار صرف اُسے ہی سنائی دے گی اور وہ چاہتا بھی یہی تھا۔ اُس کی خواہش تھی کہ مسٹر جاک گڑگڑانا شروع کر دے۔ اس سے منت سماجت کرے، اپنی زندگی کے لیے اُس سے بھیک مانگے اور وہ اس کی بے بسی پر کھل کر قہقہے لگائے۔

اس کے ہاتھ میں وہ فولادی آلہ تیار تھا جس سے وہ مسٹر جاک کی کھوپڑی کو چیتھڑوں میں تبدیل کر سکتا تھا۔ وہ کوئی خطرہ مول نہیں لینا چاہتا تھا اس لیے پوری طرح چوکس تھا۔ لطف و لذت کے اس کھیل کو مناسب حد تک کھیلنے کے بعد ہی وہ اُسے موت سے ہمکنار کرنا چاہتا تھا۔ اس لیے دوسری بار اس نے جگہ بدل کر پھر سرگوشی کی۔ "مسٹر جاک...!"

"گک... کون... تم کون ہو اور... کیا...؟"

"تمہارا پڑوسی...!" ایلمو نے پھر سرگوشی کی۔

"مم... میں... تمہیں نہیں جانتا۔" وہ اندھیرے میں ہکلایا۔

"تم مجھے بہت اچھی طرح جانتے ہو۔"

"مگر... تم یہاں...!"

"میں خیر سگالی کے سلسلے میں آیا ہوں۔" ایلمو نے سرگوشی کی۔

اس بار اُس کے لہجے میں نہ جانے کیا بات تھی کہ مسٹر جاک سر سے پاؤں تک کانپ گیا۔ اس کو شاید ابھی تک صورتِ حال کی سنگینی کا احساس نہیں ہوا تھا۔ اس لیے وہ محض رفع حیرت کے لیے سوالات کیے جا رہا تھا۔ کچھ تو اندھیرے کی وجہ سے... اور کچھ گھونسے کی وجہ سے مسٹر جاک پر گھبراہٹ طاری تھی۔ اس کے باوجود وہ ذہنی طور پر اس نتیجے پر نہیں پہنچا تھا جہاں انسان کو اپنی موت سامنے نظر آنے لگتی ہے... وقت پر لگا کر اُڑ رہا تھا۔ اندھیرے سے مانوس ہونے کے ساتھ ساتھ مسٹر جاک کی گھبراہٹ بھی کم ہوتی جا رہی تھی اور اس کا ذہن بھی سوچنے سمجھنے کے قابل ہوتا جا رہا تھا۔

اس بات کا ایلمو کو بھی احساس ہو گیا۔ وہ سمجھ گیا کہ اب شکار اس کی زد سے نکلنے ہی والا ہے اس لیے اُس نے کھوپڑی توڑ آلے کو آہستہ آہستہ بڑھانا شروع کر دیا۔ سیڑھیوں کے اوپر روشنی تھی۔ تہ خانے کے بلب کا کنکشن غالباً کسی دوسری لائن سے تھا۔ اُس لیے وہ بلب نہیں بجھ سکا تھا اور اس کی مدھم سی روشنی سیڑھیوں پر اُجالا کر رہی تھی اور اس کے باعث تہ خانے میں کچھ دیر بعد اندھیرے سے مانوس آنکھوں کو چھٹپٹے جیسا خفیف سا اُجالا محسوس ہونے لگا تھا۔ اس نیم تاریکی میں مسٹر جاک کو تو کچھ بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا جبکہ ایلمو اُسے اچھی طرح دیکھ سکتا تھا... یہی وجہ تھی کہ وہ کھوپڑی توڑ آلے کو اس انداز میں رکھنے پر قادر ہو گیا تھا کہ جب چاہتا خفیف سے اشارے سے مسٹر جاک کی کھوپڑی کو پاش پاش کر سکتا تھا۔

مسٹر جاک نے آہستہ آہستہ زینے کی طرف کھسکنا شروع کر دیا۔ ایلمو کی مہلک مشین بھی متحرک رہی۔

وہ اس سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھا اور مسٹر جاک کے ہانپنے کی آواز سن رہا تھا۔ ان آوازوں پر تہ خانے میں کسی اژدہے کی ہلکی ہلکی پھنکاروں کا گمان ہوتا تھا اور ایلمو کے دل میں یہ آوازیں سن سن کر نفرت اور انتقام کی آگ تیز ہوتی جا رہی تھی۔

"تم نے مجھ پر ہاتھ اُٹھایا تھا!" مسٹر جاک نے پوچھا۔

"ہاں... میرے گھونسے نے تمہاری تھوتھنی کا نوسیا لیا تھا۔"

"مجھ سے تمہاری کیا دشمنی ہے؟"

"میں تم سے نفرت کرتا ہوں۔" ایلمو نے سرگوشی کی۔

"کیوں... آخر کیوں؟"

"اس لیے کہ تم قابلِ نفرت ہو۔"

"میں تمہیں نہیں جانتا... اور میرا خیال ہے میں نے تم سے کبھی کوئی زیادتی نہیں کی... پھر تم...!"

"تم نے مجھ سے بہت زیادتیاں کی ہیں۔" ایلمو کی سرگوشی پھنکار بن گئی۔

"مگر میں تمہیں نہیں جانتا۔"

"تم مجھے جانتے ہو، بہت اچھی طرح جانتے ہو۔ میں تمہارا روزمرہ کا شکار تھوں۔ لیکن آج تم میرے شکار ہو۔"

"تمہارا دماغ خراب ہے۔"

"ہونا بھی چاہیے۔" ایلمو نے تائید کی۔ "اور اسے تم نے خراب کیا ہے۔"

"کیا چاہتے ہو؟"

"تمہاری موت۔" یہ ایک فیصلہ کن جملہ تھا۔

مسٹر جاک نمایاں طور پر کانپ گیا۔ اب اُسے اچھی طرح اندازہ ہو گیا تھا کہ اس کا مخاطب اس سے کس قدر شدید نفرت کرتا ہے اور اس کے ارادے درحقیقت کیا ہیں۔ وہ تہ خانے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہا تھا لیکن اُسے کوئی بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ ایک آہٹی سے تاثر سے بھرپور کیفیت پورے تہ خانے پر طاری تھی۔ ماحول خوفناک اور دہشت ناک تھا۔ مسٹر جاک نے تھرتھر کانپتے ہوئے زینے کی طرف دیکھا۔ اس کا پورا جسم ہانپنے کی وجہ سے جھٹکے لیتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

"تم مجھے دکھائی کیوں نہیں دیتے؟" اس نے شدید حیرت اور مایوسی کے عالم میں بالآخر وہ سوال بھی کر دیا، جس نے اُس

ایک نوجوان کی عجیب داستان
جو اپنی یادداشت کھو بیٹھا تھا
گم گشتہ
یعقوب جمیل کے قلم سے
خوبصورت سرورق، بہترین طباعت و کتابت
قیمت =/100 روپے
مکتبہ القریش
سرکلر روڈ اردو بازار لاہور
7668958

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کے لاشعور کو خوف سے آشنا کیا تھا۔

"تمہارے زاویۂ نگاہ کا قصور ہے۔ سامنے دیکھو... بالکل سامنے۔ میں تم سے صرف تین قدموں کے فاصلے پر کھڑا ہوں۔" ایلمو نے سرگوشی کی۔ اس وقت اس کی آواز بے حد خوفناک تھی۔

اچانک مسٹر جاک نے سامنے کی طرف چھلانگ لگا دی۔

اس کے دونوں ہاتھ کسی جھپٹنے والے چیتے کی طرح پھیلے ہوئے تھے اگر ایلمو صرف ایک لمحے قبل دہلیز سے ہٹ نہ گیا ہوتا تو مسٹر جاک کے بازوؤں میں یقیناً سما گیا ہوتا۔ وہ اس کے دائیں طرف کھڑا تھا۔ جیسے ہی مسٹر جاک ہست لگا تے ہوئے فرش سے فضا میں بلند ہوا۔ ایلمو نے کہنی کا ٹھوکا دیا۔ آہنی ہتھوڑوں نے اس کی کھوپڑی کچل دی۔ مسٹر جاک کسی زخمی پرندے کی طرح پھڑپھڑتا ہوا فرش پر آرہا۔ اس کے حلق سے خفیف سی آواز بھی نہیں نکل سکی تھی لیکن اس کا بھاری جسم فرش سے ٹکرایا تھا تو تہ خانے میں یوں آواز گونجی جیسے کوئی چٹان ٹوٹ کر گرنے سے پیدا ہوتی ہے۔

"خدا حافظ پڑوسی!" ایلمو نے کہا۔

وہ اس وقت نچلے زینے پر کھڑا تھا اور اس کی آنکھیں مسٹر جاک کو گھور رہی تھیں جو بیتا جاگتا تھا اور رہ لیوں کا مغرور پہاڑ تھا... اور رہ گیا تھا تو بے جان ڈھیر لگ رہا تھا۔

چند لمحوں تک مسٹر جاک کے بے جان جسم میں کہیں کہیں گوشت، ریشوں اور عضلات کی پھڑکن سے حرکت محسوس ہوتی رہی... پھر یہ ڈھیر بھی ساکت ہو گیا۔ اب ایلمو کو اس میں کوئی دلچسپی محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ اس کے کھیل کا ایک حصہ اس کی مرضی کے مطابق ہو گیا تھا۔ ایک کھلاڑی آؤٹ ہو چکا تھا۔ اب اسے زندگی کے میدان میں دوسرے کھلاڑی کو بلانا تھا۔ تہ خانہ اس مقصد کے لیے بہت مناسب تھا۔ اس نے اوپر دیکھا۔ ایک ہاتھ منہ پر رکھا اور مسز جاک کو پکارنے لگا۔ اس نے آواز ایسی ہی بنانے کی کوشش کی تھی کہ اس کی آوازوں پر مسٹر جاک کی آوازوں کا گمان ہوتا تھا۔

"کیا بات ہے؟" اوپر سے مسز جاک نے چلا کر پوچھا۔

"ذرا نیچے آؤ۔" ایلمو نے کہا۔

"میں برتن دھو رہی ہوں۔"

"زندگی سے ہاتھ دھونے کے لیے آؤ ڈیئر!" ایلمو نے کہا۔

یہ جملہ مسز جاک کی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ وہ نہ جانے کیا سمجھی تھی کہ بڑبڑاتی ہوئی تہ خانے کی طرف آنے لگی۔

تہ خانے کی تاریک فضا سے ایلمو نے سیڑھیوں کی طرف دیکھا۔ ایک لہریل نسوانی سایہ نیچے نیچے سے آخری زینے تک کسی قوتی خاکے کی طرح نظر آرہا تھا۔ وہ بالائی زینے پر کھڑی تھی اور عقب سے بلب کی روشنی کے باعث اس کا سایہ تہ خانے میں نیچے تک پھیلا ہوا تھا۔ ایلمو جس جگہ کھڑا تھا، وہاں سے مسز جاک اسے دکھائی نہیں دے رہی تھی لیکن وہ اس کا سایہ دیکھ کر اندازہ لگا سکتا تھا کہ پڑوسن قدرے مذبذب کا شکار ہو گئی ہے۔ ہو سکتا ہے وہ ایک ایسی عورت رہی ہو جو تہ خانے میں اترنا پسند نہ کرتی ہو... یا پھر شاید تہ خانے میں خلافِ معمول اندھیرا دیکھ کر اس کے قدم تھم گئے ہوں۔

"جاک...!" اس نے اوپر کھڑے کھڑے اپنے شوہر کو پکارا۔

جواباً ایلمو نے حلق سے ایسی غراہٹ نکالی جیسے اس نے وہیٹ اٹھا رکھا ہو۔

"نیچے اندھیرا کیوں ہے؟"

ایلمو نے بھاری آواز میں کہا۔ "نیچے تو آؤ۔"

وہ آہستہ آہستہ سیڑھیاں اترنے لگی۔

اس کے پیروں میں سینڈل تھے۔ اونچی ایڑی کے سینڈلوں کی ٹک ٹک سے تہ خانے میں نغمگی سی گھل گئی۔ ایلمو اس موسیقی سے دل ہی دل میں لطف اندوز ہونے لگا۔ وہ بے چینی سے اس کے نیچے آنے کا انتظار کر رہا تھا۔

چند سیڑھیاں اتر کر وہ رک گئی۔

اب وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر نیچے دیکھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

ایلمو اب نچلے زینے پر ایک طرف کھڑا تھا۔ روشنی سے مانوس مسز جاک کی آنکھیں اندھیرے میں کچھ دیکھنے سے قاصر تھیں۔ وہ کچھ دیر کھڑی دیکھتی رہی... پھر مزید سیڑھیاں اتر کر نچلے زینے پر قدم رکھ دیا۔ ایلمو نے سانس روک لی۔ وہ چاہتا تھا کہ مسز جاک تہ خانے کے فرش پر پہنچ جائے... لیکن جب وہ وہیں کھڑی رہی تو اسے خدشہ لاحق ہوا کہ کہیں وہ خطرے کی بو سونگھ کر واپس نہ پلٹ جائے۔ وہ بے آواز قدموں سے مسز جاک کے قریب سے گزر کر اوپر چلا گیا اور پھر اس نے تہ خانے کا فرشی دروازہ بند کر دیا۔ دروازہ بند ہونے سے تہ خانے میں اندھیرے کی چادر مزید بوجھل ہو گئی۔

ایلمو کا دل شدت سے دھڑک رہا تھا۔ اسے اس ریشمی اندھیرے میں سانسوں کی سرسراہٹوں سے عجیب قسم کا احساس ہو رہا تھا۔ اس احساس نے اس کے انتقام کی آگ مزید تیز کر دی۔

"جاک...!" مسز جاک نے تیز سرگوشی کی۔

"فکر مت کرو ڈیئر!" جواباً ایلمو نے بھی سرگوشی میں کہا۔

عقب سے آواز سن کر مسز جاک چونک پڑی۔ یہ آواز سیڑھیوں کے بالائی حلقے کی طرف سے آئی تھی جبکہ اس کے شوہر کو تہ خانے کے اندرونی حصے سے جواب دینا چاہیے تھا۔ ایلمو اب تاریکی کا حصہ بنا ہوا تھا۔ وہ مسز جاک سے دو زینوں کے فاصلے پر تھا۔ ممکن ہے وہ اس کی سانسوں کی آواز سن رہی ہو کیونکہ اس بار وہ بولی تھی تو اس کے لہجے میں خوف کا تاثر تھا۔

"کون... کون ہے؟" وہ سہمی ہوئی آواز میں بولی۔

"تمہارا پڑوسی...!"

"کون پڑوسی...؟" مسز جاک نے گھبرا کر پوچھا۔

"وہی جو تم دونوں کو بے حد پسند کرتا ہے۔" ایلمو نے کہا اور ہنس پڑا۔

"تم نے تہ خانے کا دروازہ کیوں بند کر دیا؟"

"ابھی بتایا نا تو ہے؟" ایلمو نے اس کا مضحکہ اڑایا۔

"اوہ...!" وہ ایک طویل سانس لے کر رہ گئی۔ خوف کی ایک چھپکلی اس کی ریڑھ کی ہڈی سے چپک گئی تھی اور آہستہ آہستہ رینگتی ہوئی اس کی پوری ہستی پر خوف کا تاثر بکھیرنے لگی تھی تو جاک...!" وہ پلٹ کر چیخ پڑی۔ "جاک، تم کہاں ہو؟"

ایلمو کے حلق سے ایک خونخوار قہقہہ ابل پڑا۔

"وہ ہم سے بہت دور جا چکا ہے۔"

"کک... کہاں...؟"

"جہاں سے کوئی بھی واپس نہیں آتا۔"

یہ سن کر مسز جاک کے حلق سے ایک ایسی ڈوبتی ہوئی سی چیخ نکل گئی جس نے ایلمو کے روئیں روئیں کو خوشی کا ایک ہلکورا سا عطا کر دیا۔ ایک کے بعد دوسری چیخ گونجتی رہی اور اندھیرا ہنستا رہا۔ ایلمو کچھ دیر تو اس کی دہشت آمیز چیخوں سے لطف اندوز ہوتا رہا۔ پھر وہ اس کے قریب پہنچ گیا۔ اچانک اس کا دایاں ہاتھ بلند ہوا اور پھر اس نے مسز جاک کی کھوپڑی کے عقبی حصے پر ایک ہلکی سی ضرب لگا دی۔ چوٹ زیادہ شدید نہیں تھی لیکن مسز جاک اسے برداشت نہ کر سکی۔ وہ لہرائی اور تہ خانے کے فرش پر ڈھیر ہو گئی۔

ایلمو اس کے قریب کھڑا رہا۔ اندھیرے میں کچھ دیر اسی طرح ساکت کھڑے رہنے کے بعد وہ سیڑھیاں چڑھتا ہوا اوپر گیا۔ اس نے تہ خانے کا دروازہ کھولا اور اوپر گھر میں چلا گیا۔ اس نے مکان کا جائزہ لیا... پھر کچن کا عقبی دروازہ اندر سے بند کر دیا۔ یہ دروازہ ہمیشہ ہی کھلا رہتا تھا۔ اس کی وجہ ایلمو کو اب معلوم ہوئی۔ دروازے کی کنڈی ٹوٹی ہوئی تھی اور اڑوس پڑوس کے لوگوں کو نہ جانے کب سے اس کی مرمت کرنے کا خیال بھی نہیں آیا تھا۔ گھر کا ہر دروازہ اندر سے بند تھا۔ رات تیزی سے بیت رہی تھی۔ اس نے ایک بار پھر تہ خانے کا رخ کیا اور اس کے نچلے حصے میں بلب کو روشن کرنے کے لیے فیوز تلاش کیا۔ فیوز لگانے کے

بعد وہ تہ خانے میں اتر تا چلا گیا جہاں مسز جاک اب بھی بے ہوش پڑی تھی۔

ٹائیگر نے کھڑکی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ ٹہلنے کے سے انداز میں کھڑکی کی طرف بڑھا اور اس کا پردہ ہٹا کر باہر دیکھنے لگا۔ وہ ایک ایسے ہوٹل میں منتقل ہو گیا تھا، جو شہر کے وسط میں واقع تھا۔ اتفاق سے یہ ہوٹل اس ہوٹل سے قریب ترین تھا جہاں شہزادی سارہ رہتی تھی۔

اوشان کمرے کے وسط میں ایک چٹائی پر ساکت بیٹھا تھا۔ کنول کے آسن میں اس کا انداز نشست ہمیشہ پُروقار ہوتا تھا۔ اس کے چہرے پر بے پناہ سکون تھا۔ مہرام کے چہرے پر جس قدر کشیدگی تھی، اس سے اوشان کے چہرے سے موازنہ کرنے سے انسان کو عجیب سے تضاد احساسات کا شکار ہونا پڑتا۔ اگرچہ اوشان نے مہرام اور ٹائیگر کے درمیان ہونے والی تمام باتیں سن لی تھیں لیکن اس نے ایک بار بھی آنکھیں نہیں کھولی تھیں اور نہ ہی ان کی باتوں میں مداخلت کی تھی۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ خود کو اس کمرے ہی میں نہیں بلکہ پوری دنیا میں تنہا محسوس کرتا ہو... اور اس کے علاوہ آس پاس، دور دور تک کسی اور ذی روح کا نام و نشان تک نہ ہو۔

"میں حیران ہوں کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟" مہرام بڑبڑایا۔

"سارے جہاں کا درد اپنے سینے میں رکھیں گے تو ایسا ہی ہوگا۔" ٹائیگر نے کھڑکی سے ہٹے بغیر کہا۔ اس کی نگاہ اس ہوٹل پر جمی ہوئی تھی جہاں شہزادی سارہ مقیم تھی۔ اس کا جی چاہ رہا تھا کہ وہ شہزادی سارہ سے ملنے جائے... لیکن مہرام نے ایک نئی لاش کی خبر دے دی تھی۔

"کیا تم وہ لاش دیکھنے نہیں جاؤ گے؟" مہرام نے پوچھا۔

"کیوں نہیں جاؤں گا؟" ٹائیگر نے ایک سرد آہ بھرتے ہوئے کہا۔ "یوں لگتا ہے جیسے میں اور اوشان دونوں لاشوں کے سوداگر ہوں۔ صرف خواب میں لاشیں دکھائی نہیں دیتیں، ورنہ جاگتی آنکھوں کو تو ہر طرف لاشیں نظر آتی ہیں... بلکہ کبھی کبھی تو میں خود کو

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

بھی لاش ہی سمجھنے لگتا ہوں اور اوشان پر مجھے قدیم معرکی کسی چلتی پھرتی ... !" اس کا جملہ ادھورا ہی رہ گیا کیونکہ اوشان نے اس مجسمے آنکھیں کھول دی تھیں، اور قہر آلود نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگا تھا۔ شاہی شخصیت کا گمان ہوتا ہے۔" ٹائیگر نے جملہ پورا کر دیا۔

اوشان کی آنکھوں سے غصے کی سرخی یکایک غائب ہو گئی اور ان میں مسکراہٹ اور ستائش کی جھلک نظر آنے لگی۔ ٹائیگر ایک طویل سانس لے کر رہ گیا... پھر وہ قدرے خم ہو کر بولا۔ "آقا نے سنا ہو گا کیا آپ ایک عدد لاش ملاحظہ کرنے تشریف لے چلیں گے؟"

اوشان بڑے ہی شاہانہ انداز میں اٹھ کھڑا ہوا۔

اس کے اٹھنے کے انداز میں اس گاڑی سے دھوئیں جیسی خاموشی، توازن اور سکون تھا جو کسی الاؤ سے اس وقت اٹھتا ہے جب ہوا ساکت ہوتی ہے۔

"کس کی لاش ہے؟" اس نے دریافت کیا۔

"ٹوٹی ہوئی کھوپڑی والی ایک انسانی لاش۔" بہرام نے کہا۔

"وہ کون تھا؟"

"ایک ہیوی ویٹ چیمپئن!"

"ممکن ہے، یہ رقابت کا معاملہ ہو۔" ٹائیگر نے خیال آرائی کرتے ہوئے کہا۔

"ہمیں اس لاش کی کھوپڑی کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے۔" بہرام نے ٹھوس لہجے میں کہا۔ "اس سے پہلے جو لاشیں پائی گئی ہیں وہ جرائم پیشہ لوگوں کی تھیں جبکہ یہ شخص صرف اپنے گھر اور رہنگ میں نظر آنے والا آدمی تھا۔"

اوشان نے اثبات میں سر ہلایا اور دروازے کی طرف چل دیا۔ ٹائیگر اس کے پیچھے تھا۔ بہرام نے ایک طویل سانس لی اور تھکے تھکے سے انداز میں خود کو ایک آرام کرسی پر گرا دیا۔

● ٹائیگر نے جانے والے واردات سے کچھ فاصلے پر کار روک دی اور اوشان کے ساتھ نیچے اتر آیا۔ اوشان اس وقت بڑے ہی خوشگوار موڈ میں تھا۔ اچانک ان دونوں کو ایک نوجوان نظر آیا۔ یہ چھوٹے قد کا کمزور اور سہما سہما نوجوان تھا جس کے چہرے پر پریشانی اور تیز دوڑ کی سے نظر آ رہی تھی۔ یہ نوجوان اس مکان کے برابر والے مکان سے نکل رہا تھا جس میں وہ خوفناک واردات ہوئی تھی۔

نوجوان نے گتے کا ایک ڈبہ اٹھا رکھا تھا۔

ڈبہ آدھا وزنی تھا کہ وہ اس کے بوجھ سے جھکا جا رہا تھا۔ وہ یہ ڈبہ اٹھائے ایک کار کی طرف بڑھ رہا تھا جو دروازے کے سامنے سڑک کے کنارے کھڑی تھی۔ جب وہ کار سے چند قدم کے فاصلے پر پہنچا تو اس کے قدم لڑکھڑا گئے۔ وہ گرنے لگا۔ ٹائیگر نے جلدی سے بڑھ کر اس کا وزنی ڈبہ تھام لیا۔ مسکین صورت والا نوجوان بوجھ ہٹتے ہی خود کو سنبھالنے میں کامیاب ہو گیا۔

ٹائیگر وہ ڈبہ اٹھائے کار کی طرف بڑھا اور ڈبے کو گاڑی میں رکھ دیا۔ نوجوان بری طرح ہانپ رہا تھا۔ اس نے قریب آ کر ٹائیگر کا شکریہ ادا کیا۔

"کوئی بات نہیں۔" ٹائیگر نے خوش دلی سے کہا۔ "کیا تم یہ مکان چھوڑ کر جا رہے ہو؟"

"ہاں جناب!" نوجوان نے ماتھے سے پسینہ پونچھتے ہوئے جواب دیا۔ "اس علاقے میں جرائم کی تعداد روز بروز بڑھتی ہی جا رہی ہے اور رہائش کے سلسلے میں یہ علاقہ بے حد خوفناک محسوس ہونے لگا ہے۔ خاص طور سے میرے پڑوس میں جو کچھ ہوا ہے اس کے بعد سے یہاں رہنا محال ہے۔"

"کیا تم ان لوگوں کو اچھی طرح جانتے ہو؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

ایلیو نے نفی میں سر ہلا دیا۔ "زیادہ نہیں... بس کبھی کبھی... علیک سلیک ضرور ہو جاتی تھی۔ آپ تو پڑوسیوں کی عادات سے واقف ہی ہوں گے۔ آج کل لوگ ایک دوسرے سے زیادہ گھلنا ملنا پسند نہیں کرتے۔" اس نے افسوس کے اظہار میں سر کو منفی جنبش دی جیسے اس صورت حال سے مایوس ہو گیا ہو۔ "اوہ! کس قدر خوفناک واقعہ ہوا ہے۔ میرے تو رونگٹے کھڑے ہو گئے ہیں اگر برابر والے گھر میں قتل کی واردات ہو جائے تو کس قدر خوف آتا ہے۔" اس نے ایک جھرجھری سی لی۔

"قتل...!" ٹائیگر نے دہرایا۔ "میرا خیال ہے پولیس نے اسے ایک تحقیق طلب موت قرار دیا ہے۔"

"میں نہیں جانتا کہ پولیس نے اس سلسلے میں واردات کو کیا نام دیا ہے۔ فیلس... مسٹر جاک کی بیوہ...!" ایلیو نے ایک جھرجھری سی لے کر کہا۔ "اس پاس کے ہر آدمی کو تیار ہی تھی کہ اس کے شوہر کو قتل کیا گیا ہے... اور خود اس کے ناموس کی توہین کی گئی ہے۔"

اگرچہ ایلیو نے مسز جاک پر بیت جانے والے سلسلے میں مہذب ترین الفاظ استعمال کیے تھے لیکن ٹائیگر یہ محسوس کیے بغیر نہ رہ سکا کہ اس کے انداز میں چٹخارے کی جھلک تھی۔ اسے اس بے ہنگم سے نوجوان پر بڑا ترس آیا کیونکہ وہ اپنی ظاہری شخصیت سے ایک ایسا آدمی تھا جس کی طرف دیکھنا بھی کوئی عورت گوارا نہیں کر سکتی۔ ٹائیگر یہ سوچے بغیر نہ رہ سکا کہ یہ نوجوان بڑی ہی بور زندگی گزار رہا ہو گا۔

مصنف
ایم اے راحت

تاریک وادی

سرزمین افریقہ کے پراسرار گوشوں کی داستان ہے جہاں آج بھی تہذیب کے قدم نہیں پہنچے۔ اور علم کی روشنی نہیں پھیلی۔ اسی وجہ سے وہاں توہمات، جادو اور دیوی دیوتاؤں کی کہانیاں بکھری ہوئی ہیں۔ اور ہزاروں سال سے وہ لوگ اپنے عقائد کے سہارے زندگی بسر کر رہے ہیں۔

تاریک وادی بھی سرزمین افریقہ کے پراسرار گوشوں کی داستان ہے جس میں رونگٹے کھڑے کر دینے والے واقعات اور ہمالیہ کے دامن میں بکھری ہوئی لاماؤں کی داستان اس کہانی میں ایک خوبصورت اضافہ کرتی ہے۔

خوبصورت سرورق ◎ بہترین کتابت وطباعت

دو جلدوں میں مکمل

جلد اول : ۱۵۰/- روپے
جلد دوم : ۱۵۰/- "
مکمل سیٹ : ۳۰۰/- "

کتاب اپنے قریبی بک سٹال سے طلب فرمائیں یا ادارے کے نام کی قیمت کا منی آرڈر ارسال فرمائیں۔
کتاب آپ کو صلہ وصولی چٹھی آنے کے بعد روانہ کر دی جائے گی۔

خط وکتابت کے لئے

مکتبہ القریش سرکلر روڈ، اردو بازار، لاہور ۲

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"کیا تم نے کل رات شور بھی سنا تھا؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"نہیں... میں نے کچھ نہیں سنا، رابیلو نے جواب دیا۔ میں بہت جلدی سو جانے کا عادی ہوں۔ اس کے علاوہ مجھے بہت گہری نیند آتی ہے۔ فیلس کا کہنا ہے کہ وہ بُری طرح چیختی چلاتی رہی تھی... لیکن میری نیند اچاٹ نہ ہو سکی۔ مجھے اس حسین عورت کے سابقہ ہونے والے حادثے کا بے حد افسوس ہے۔"

"ممکن ہے تمہاری آنکھ کا نہ کھلنا تمہارے لیے خوش قسمتی کی علامت بن گیا ہو!" ٹائیگر نے مسکرا کر کہا۔ "اگر تم اٹھ جاتے تو شاید اس بے رحم قاتل کے دوسرے شکار تم ہی ہوتے۔"

نوجوان یہ سُن کر نمایاں طور پر کانپ گیا۔

"مم... مجھے اپنی پیکنگ مکمل کر لینی ہے جناب!" اُس نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا اور جانے کی اجازت چاہی۔

"ٹھیک ہے، جاؤ! شکریہ۔"

ٹائیگر، اُوشان کی طرف بڑھ گیا جو پڑوسن کے دروازے کے سامنے کھڑا اُس کا انتظار کر رہا تھا۔ اُوشان وہاں کھڑا ابھی دونوں کی طرف دیکھ رہا تھا جب ٹائیگر اس کے قریب پہنچا تو اُس نے کہا۔ "یہ چھوٹا سا نوجوان اپنے پڑوسیوں کو پسند نہیں کرتا۔"

"پڑوسیوں کو آج کل کے دور میں کون پسند کرتا ہے۔" ٹائیگر نے اس کی بات ہنسی میں اُڑا دی۔ "آؤ، مسز جاک... ہیں... لاش تو غالباً پولیس لے جا چکی ہے۔"

شوہر کی اندوہناک موت کے باوجود فیلس نے لباس کے انتخاب میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کی تھی۔ غالباً اُسے شروع ہی سے احساس تھا کہ اس حادثے کے باعث وہ پولیس کے اعلیٰ افسران، اخباری نمائندوں اور پورے محلے کی نگاہوں کا مرکز بن جائے گی۔ اس کی آنکھوں اور چہرے سے غم زدہ ہونے کا احساس تو ہوتا تھا لیکن وہ بڑے دل گُردے والی اور بے نیاز قسم کی عورت تھی۔ اس نے جو لباس پہن رکھا تھا وہ کسی طرح بھی کسی بیوہ کے لیے موزوں نہیں تھا اس لیے اُوشان نے اُسے دیکھتے ہی مُنہ بنا لیا تھا اور اس نے اپنی مادری زبان میں جو کچھ کہا تھا لہجے سے مسز جاک یہی سمجھی ہوگی کہ یہ بوڑھا اس سے ہمدردی کا اظہار کر رہا ہے... لیکن ٹائیگر جانتا تھا کہ اُوشان کیا کہہ رہا ہے۔ "تمہارے ساتھ جو کچھ ہوا، وہ بہت کم تھا۔"

ٹائیگر نے گہری نظر سے فیلس کا جائزہ لیا۔

فیلس بھی اُسے گہری نگاہ سے دیکھ رہی تھی۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے دونوں نظروں ہی نظروں میں ایک دوسرے کے دل میں جھانک رہے ہوں۔ اُوشان کی تیوریوں پر پڑے ہوئے بل مزید گہرے ہو گئے تھے۔

"تم کیا چاہتے ہو؟" مسز جاک نے دریافت کیا۔ اس کی نگاہوں میں ٹائیگر کے لیے پسندیدگی کے اثرات تھے۔ یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں تھی کیونکہ ٹائیگر کی شخصیت میں ایک طرح کی نسوانیت بھی تھی۔ یہ نسوانی تاثر اس نے خصوصی مشقوں کے ذریعے اپنے آپ میں پیدا کیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جب وہ مخصوص انداز اختیار کرتا تھا تو خواتین کے دلوں میں اس کے لیے لطیف ترین جذبات ضرور پیدا ہو جاتے تھے۔

"ہم تمہارے شوہر کے سلسلے میں آئے ہیں۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔

مسز جاک نے مزید توجہ سے ٹائیگر کی طرف دیکھا۔ اب وہ یوں دیکھ رہی تھی جیسے جائزہ لے رہی ہو کہ وہ اس کے شوہر کے سلسلے میں کیوں آیا ہے۔ اگر وہ یہی سوچ رہی تھی تو اس کا سوچنا بجا تھا کیونکہ پولیس سارا کام نمٹا کر لاش لے جا چکی تھی اور وہ کچھ ہی دیر قبل اخباری نمائندوں کو فارغ کر کے اندر آئی تھی کہ ان دونوں نے اطلاعی گھنٹی بجا دی تھی۔

"کیا تم پولیس کے کوئی افسر ہو؟" اس نے دریافت کیا۔

ٹائیگر کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ "ہمارا معاملہ اس شخص سے ہے جس نے تمہارے شوہر کو قتل کیا ہے۔"

بہت سے دوسرے لوگوں کی طرح مسز جاک نے بھی اس کے جواب پر غور نہیں کیا بلکہ اس جواب سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ اس کا تعلق پولیس سے ہے۔ اس نے رُخ پھیر کر اُوشان کی طرف دیکھا۔ "کیا یہ شخص بھی پولیس مین ہے؟" اس نے پوچھا۔

"ظاہری حالت سے تم انھیں کوئی ریٹائرڈ تھانیدار نہ سمجھو۔" ٹائیگر نے خوش دلی سے کہا اور اُوشان کی طرف دیکھا جب اس کی پیشانی پر غصے کی سلوٹیں دیکھیں تو اپنی بات بدل دی۔ "نہیں، یہ پولیس مین سے کہیں زیادہ اہمیت کے حامل ہیں۔" جملے کے آخری حصے کا ردِ عمل اُسے اُوشان کے پتلے پتلے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ ملا۔

"کیا ہم اندر آ سکتے ہیں؟" اُوشان نے لہجے کو ٹھوس بنانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "ہم خصوصی نوعیت کی جانچ پڑتال کرنا چاہتے ہیں۔"

ایک لمحے کے لیے مسز جاک گہری سوچ میں ڈوب گئی... پھر اس نے اثبات میں سر ہلا دیا اور بولی۔ "میرا خیال ہے، مجھے اس میں کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔"

وہ اندر داخل ہوئے تو مسز جاک نے عقب میں دروازہ بند کر دیا۔

"کیا میں تم دونوں کی کوئی خاطر مدارت کروں؟" مسز جاک نے دریافت کیا۔ "کافی، چائے یا...؟"

"نہیں، شکریہ۔ ہم تمہارا زیادہ وقت نہیں لینا چاہتے۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ "کیا تم ہمیں وہ جگہ دکھا سکتی ہو جہاں واردات ہوئی تھی؟"

"مم... میں... نیچے جانا نہیں چاہتی۔ میں، تمہیں وہ جگہ دکھا دیتی ہوں لیکن غسل خانے میں تم دونوں کو ہی جانا پڑے گا۔"

غسل خانے کی سیڑھیوں کی طرف بڑھتے ہوئے اچانک ہی ٹائیگر کی نگاہ کچن کے عقبی دروازے پر پڑ گئی۔ وہ ٹھٹک گیا۔ اس نے مسز جاک کی طرف دیکھا اور دروازے کی طرف اشارا کرتے ہوئے پوچھا۔ "کیا یہ دروازہ ہمیشہ غیر مقفل رہتا ہے؟"

مسز جاک نے دروازے کی طرف دیکھا اور پھر پتہ نہیں کیا سوچ کر بولی۔ "نہ جانے کس تاثر کے تحت اس نے پلٹ کر ٹائیگر کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں خوف کی پرچھائیاں رقص کرنے لگی تھیں۔ غالباً اُسے رات کی کوئی بات یاد آ گئی تھی۔ اس نے دروازہ کھلتے دیکھا تھا اور پھر ایک بلی کو اندر آتے دیکھ کر مطمئن ہو گئی تھی حالانکہ اُس وقت اس کی چھٹی حس نے اُسے کسی خطرے سے آگاہ کر دیا تھا۔ اگر وہ اس وقت یوں آسانی سے مطمئن نہ ہو گئی ہوتی تو شاید آج اس کی زندگی اتنے خطرناک موڑ پر نہ پہنچ گئی ہوتی۔ اس نے ایک طویل سانس لی اور ٹائیگر کی طرف دیکھ کر بولی۔ "اس دروازے کی کنڈی کئی ماہ سے ٹوٹی ہوئی ہے۔ جاک کو اسے مرمت کرنے کا خیال ہی نہیں آتا تھا اور نہ ہی میں نے کبھی توجہ دی تھی۔" اس کے حلق سے ایک سرد آہ نکل گئی۔ "تمام تر احتیاطی تدابیر کا خیال انسان کو کسی نہ کسی حادثے سے دوچار ہونے کے بعد ہی آتا ہے۔ کاش ہم اس کی طرف توجہ دیتے۔"

"تمہارے خیال میں قاتل اس دروازے سے گھر میں داخل ہوا تھا؟"

"اور کدھر سے آتا۔ اس کے علاوہ کوئی راستہ نہیں تھا۔"

"ہاں... اس طرف سے بے توجہی ایک بہت بڑی غلطی تھی۔" ٹائیگر نے تبصرہ کیا۔ "ممکن ہے قاتل جانتا ہو کہ یہ دروازہ اُسے کھلا ملے گا۔"

"یہ ہے وہ غسل خانہ..." مسز جاک نے سیڑھیوں کے قریب رُک کر انگلی سے اشارا کرتے ہوئے کہا۔ اس کی انگلی میں واضح لرزش تھی۔

ٹائیگر اور اُوشان غسل خانے میں آ گئے۔

مسز جاک اُوپر ہی کھڑی رہی۔ گزشتہ رات کی یادوں نے ایک بار پھر اس کے چہرے کی شگفتگی چھین لی تھی۔ اس کے رخساروں کی رنگت، دہشت کی وجہ سے کسی لاش کے بے رنگ رخساروں جیسی ہو گئی تھی اور آنکھوں میں خوف کی پرچھائیاں تھیں۔

غسل خانے میں اُترتے ہی اُوشان نے ناک اُٹھا کر کچھ سُونگھا... پھر اس کی عقابی نظریں اطراف کا جائزہ لینے میں مصروف ہو گئیں۔ ٹائیگر بھی گہری نظروں سے غسل خانے کے چپے چپے کو دیکھ رہا تھا۔

پولیس نے جاتے وقت غسل خانے کی صفائی کر دی تھی لیکن یہ کام بڑی بے دلی سے ہُوا تھا کیونکہ اب بھی وہاں خون اور مغز کے کچھ ٹکڑے دیواروں سے چپکے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔ غسل خانے کے کونے میں ایک مُڑا تُڑا کمبل پڑا ہُوا تھا۔ اس پر بھی خون کے دھبے تھے۔ ممکن ہے کسی نے اس کمبل کو صفائی کے لیے استعمال کر ڈالا ہو۔

ٹائیگر نے ویٹ لفٹنگ کے سامان کا جائزہ لیا۔

اُوشان غسل خانے میں گھومتا ہُوا اب اس کمبل کے قریب جا کھڑا ہُوا تھا جسے ٹائیگر نے سرسری طور پر دیکھنے کے بعد اپنے ذہن سے جھٹک دیا تھا... اُوشان اس کمبل پر جھک گیا۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ کوئی خاص چیز دیکھ رہا ہو۔

چند منٹ بعد ٹائیگر کو اس مقام سے وحشت ہونے لگی۔ یہ غسل خانہ مقتل تھا اور یہاں ایک شخص کا قتل ہو چکا تھا... غسل خانے میں خوف، دہشت اور بربریت کا ملا جُلا تاثر پھیلا ہُوا تھا جسے وہ اپنی مخصوص حسیات کی وجہ سے کچھ زیادہ ہی محسوس کر رہا تھا۔ اس نے اُوشان کی طرف دیکھا۔

اُوشان اب بھی کمبل پر جھکا ہُوا تھا۔

"زیادہ پسند آ گیا ہے تو لے چلیں۔" ٹائیگر نے کہا۔ "ڈیڈ باڈی میں آسانی سے بک جائے گا۔"

اُوشان نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ اب اس کمبل کو مزید توجہ سے دیکھ رہا تھا... پھر اس نے ہاتھ بڑھا کر کوئی چیز ٹٹولی اور ٹائیگر کی طرف دیکھے بغیر بولا۔ "اِدھر آؤ، ہیر ڈریسر!"

ٹائیگر بھی اس کے قریب جا کر کمبل پر جھک گیا۔

"کچھ نظر آیا؟" اُوشان نے پوچھا۔ لہجہ طنزیہ تھا۔

"نہیں... آپ کو کیا نظر آ رہا ہے؟"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"یہ دیکھو کیا ہے؟" اوشان نے کمبل سے کوئی چیز اٹھا کر ہتھیلی پر رکھ لی "غور سے دیکھو" اس کا لہجہ فدیے سخت ہو گیا تھا۔

ٹائیگر نے غور سے دیکھا تو بری طرح چونک پڑا۔ اوشان کی ہتھیلی پر بالکل ویسا ہی سیاہ رنگ کا ٹکڑا رکھا ہوا تھا جیسا اس نے ساحل پر بھی دھونڈ نکالا تھا۔ اس نے وہ ٹکڑا اٹھا کر اپنی ہتھیلی پر رکھ لیا۔ یہ کہیں سے اودھڑا ہوا رنگ کا ٹکڑا تھا۔ غیر معمولی سیاہ ... جیسے سرسری نگاہ سے دیکھنا محال ہی نہیں ناممکن بھی ہے۔

"ہوں ..." اس کے حلق سے آواز نکلی "اس سے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ اس واردات میں بھی اُس شخص کا ہاتھ ہے جس نے ساحل پر قتل کیے تھے اور بھرپور دست سیکورٹی کے باوجود اس مخبر کو قتل کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا میں حیران ہوں کہ یہ شخص کس اوزار سے ایسا کرتا ہے۔ شاید ہتھوڑا استعمال کرتا ہو۔"

"نہیں ... یہ ہتھوڑے کی ضرب کا کمال نہیں ہے" اوشان بڑبڑایا "کسی غیر معمولی شکنجے سے البتہ اس طرح کھوپڑی کو پاش پاش کیا جا سکتا ہے۔"

"ہاں ... یہ ممکن ہے" ٹائیگر نے کہا "ہمیں اس کی جستجو کی کا دوسرا سُراغ مل گیا ہے لیکن ہم ابھی تک اس نتیجے پر پہنچنے میں کامیاب نہیں ہو سکے کہ وہ کون ہو سکتا ہے۔ اوشان تمہیں آپ راتوں کو اٹھ اٹھ کر ..."

"بکواس بند کرو۔ میں اتنا گھٹیا قاتل نہیں ہو سکتا۔"

"اوہ ہاں، ہمیں بھول گیا۔ آپ تو بڑے بھاری قسم کے قاتل ہیں۔"

"اور میری زندگی کا سب سے بڑا قتل تمہارا ہو گا" اوشان نے پلٹ کر کہا۔ اس کا دایاں ہاتھ کسی ناگ کی طرح لپکا تھا لیکن ٹائیگر بے خبر نہیں تھا۔ وہ فوراً ہی جھکائی دے کر اوشان کا وار بچانے میں کامیاب ہو گیا۔

اوشان زینے کی طرف بڑھ گیا۔

ٹائیگر نے اس اودھڑے ہوئے رنگ کا ٹکڑا اپنی قمیص کی جیب میں رکھ لیا اور اوشان کے پیچھے چل دیا ... وہ تہ خانے سے نکلے تو باہر مسز جاک موجود نہیں تھی۔ وہ کمرہ نشست میں جا پہنچے، جہاں وہ ایک صوفے پر بیٹھی ان کا انتظار کر رہی تھی۔ وہ خود پر قابو پا چکی تھی اور اُسے دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ ابھی کچھ دیر قبل اس عورت کا چہرہ دہشت کی وجہ سے کسی لاش کا چہرہ لگ رہا تھا۔

"جب تمہارے شوہر نے تمہیں پکارا تھا تو کیا اس سے قبل تم نے کسی قسم کی آواز سُنی تھی؟" ٹائیگر نے سوال کیا۔

"نہیں ... کچھ نہیں" الیاس نے جواب دیا۔

"اس وقت تہ خانے کا بلب روشن تھا؟"

"نہیں ... وہ بجھا ہوا تھا۔"

"بہت بہت شکریہ" ٹائیگر نے مسکرا کر کہا "تم ہمارے لیے بڑی مدد گار ثابت ہوئی ہو۔ ہمیں تمہارے ساتھ ہونے والے غیر انسانی سلوک اور تمہارے شوہر کے بہیمانہ قتل پر بے حد افسوس ہے۔"

"قاتل ..." مسز جاک کی آواز بھرا گئی۔

"کوئی بھی قاتل زیادہ دنوں تک قانون کے لمبے ہاتھوں سے محفوظ نہیں رہ سکتا" ٹائیگر نے اُسے اطمینان دلایا۔

"میں تو حیران ہوں کہ اس نے مجھے بھی قتل کیوں نہیں کر دیا" وہ بڑبڑائی۔

"اگر اس کی جگہ میں ہوتا تو میں بھی تمہیں قتل نہ کرتا۔"

"کک ... کیوں؟" وہ کانپ گئی۔

"شاید اس لیے کہ تم ہمیں قتل کرنا بہت بڑا گناہ ہوتا۔"

"کک ... کہیں ایسا تو نہیں کہ قاتل دوبارہ ..."

"نہیں ... اگر میں اس کی جگہ ہوتا تو کبھی ایک ہی مقام پر دوسری بار آنے کی حماقت نہ کرتا" ٹائیگر نے جواب دیا۔

نہ جانے اس جملے میں کیا تھا کہ مسز جاک کانپ کر رہ گئی۔ شاید اُس نے اس بات میں اپنی توہین کا کوئی پہلو تلاش کر لیا تھا۔ اس نے خود کو سوگوار ظاہر کرنے کی کوشش کی تو ٹائیگر نے جیب سے اپنا رومال نکال کر اُس کی طرف بڑھا دیا "پلیز یہ رکھ لو۔ اگر تمہیں کسی بات پر رونا آ جائے تو اس سے آنسو پونچھ لینا۔ اس کا کپڑا آنسوؤں کے سلسلے میں بہتر ہیں جاذب ہے۔"

مسز جاک نے اُس سے رومال لے لیا۔

اُس کی آنکھوں میں واقعی آنسو تیرنے لگے تھے۔

اوشان نے بیرونی دروازہ کھولا اور باہر نکل گیا۔ ٹائیگر اُس سے دو قدم پیچھے تھا۔ مسز جاک اُن کے ساتھ ساتھ تھی۔ وہ اس کے دیے ہوئے رومال سے آنسو خشک کرتی ہوئی دروازے تک آئی اور ٹائیگر کو الوداع کہتے ہوئے اُس کی آنکھوں میں نظر آنے والی نمی میں ایک موہوم سی اُمید جھلک آئی تھی۔ اچانک اُس کی نگاہ اپنے پڑوسی پر پڑ گئی۔

ٹائیگر نے دیکھا کہ وہی نوجوان سامان کا آخری پھیرا لے کر گاڑی تک پہنچ چکا ہے۔ اس پر نگاہ پڑتے ہی مسز جاک کی آنکھوں میں نفرت پیدا ہو گئی اور وہ اپنی زبان قابو میں نہ رکھ

سکی "اوہ تم ...!" وہ چیخ پڑی اور ٹائیگر ٹھٹک کر اُس کی طرف دیکھنے لگا۔

"کیا بات ہے؟" اُس نے نرمی سے پوچھا۔

"اسے دیکھا؟" وہ چلائی۔

"ہاں ... لیکن اس میں کیا خاص بات ہے؟"

"اگر مجرموں کو یہ معلوم نہ ہوتا کہ اس محلے میں اتنے بدصورت اور بزدل لوگ رہتے ہیں" اُس نے انگلی سے ایلو کی طرف اشارہ کیا "تو وہ کبھی اس طرف کا رُخ کرنے کی بھی جرأت نہ کرتے۔ وہ بے چارہ جاک ... جو کچھ اس کے ساتھ ہوا، اس ناکارہ لڑکے کے ساتھ پیش آ جاتا تو کیا حرج تھا؟"

ٹائیگر نے ایلو کی طرف دیکھا، جو بڑی بے چارگی سے سامان اٹھانے اپنی گاڑی کی طرف جا رہا تھا۔ اُس نے سوچا کہ یہ نوجوان واقعی بے حد بزدل ہے ... لیکن مسز جاک کی نفرت سراسر بے جا تھی۔ اُسے ایلو جیسے بظاہر ناکارہ، بدصورت اور کمزور نوجوانوں سے نفرت کرنے کا کوئی حق نہیں تھا ... اور اگر وہ کسی ایسے نوجوان کو قابل نفرت سمجھتی بھی تھی تو اتنے واشگاف الفاظ میں اظہار کسی طرح بھی مناسب نہیں تھا۔ پہلی نگاہ میں اچھی لگنے والی مسز جاک اُسے اپنے مصنوعی انداز کی وجہ سے کچھ ہی دیر بعد بُری معلوم ہونے لگی تھی اور اب تو وہ اُسے بالکل ہی زہر لگنے لگی تھی۔

"کیا تم اس معصوم اور بے ضرر نوجوان کے پر الزام لگا رہی ہو؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"یہ چوہا کسی کا کیا بگاڑ سکتا ہے" مسز جاک نے نفرت سے کہا۔

ٹائیگر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"اگر میری کسی معاملے میں ضرورت ہو تو مجھے ضرور کال کرنا۔"

"ضرور کروں گا۔ تم نے جو وقت دیا، اس کے لیے شکریہ" یہ کہہ کر ٹائیگر تیکی سے اوشان کی طرف بڑھ گیا جو کار میں بیٹھ گیا تھا۔ ٹائیگر نے گاڑی اسٹارٹ کی اور ایک اُچٹتی ہوئی نگاہ پہلے مسز جاک اور پھر اس ناتواں سے لڑکے پر ڈالی اور کار آگے بڑھا دی۔ ایلو اپنی گاڑی میں سامان کا آخری ڈبہ رکھ کر خاموش کھڑا اُلجھن آمیز نظروں سے مسز جاک کی طرف دیکھ رہا تھا۔ مسز جاک نے ایک بار پھر اس پر بچھنا اور زہر اگلنا شروع کر دیا تھا۔

"بے چارہ لڑکا" ٹائیگر بڑبڑایا۔

"یہ لڑکا اپنے پڑوسیوں کو پسند نہیں کرتا" اوشان نے تبصرہ کیا۔

"اور پڑوسیوں کا رویہ آپ دیکھ ہی چکے ہیں" ٹائیگر نے ناگواری سے جواب دیا اور گاڑی کی رفتار تیز کر دی۔

جب ٹائیگر اور اوشان کی گاڑی موڑ سے گھوم کر نظروں سے اوجھل ہو گئی تو ایلو کے تاثرات یک لخت تبدیل ہو گئے۔ وہ اب بھی مسز جاک کی طرف دیکھ رہا تھا لیکن اب اُس کے انداز سے خوف یا بے بسی ظاہر نہیں ہو رہی تھی بلکہ اس کی آنکھوں میں فاتحانہ تاثر تھا۔ اس کے ہونٹوں پر آسودہ سی مسکراہٹ تھی۔ اُس نے پتلون کی جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک گلابی رنگ کی کپڑے کی دھجی نکالی اور اُسے اپنی آنکھوں کے سامنے لہرا کر قہقہہ لگایا۔

اُس کے ہاتھ میں وہ گلابی دھجی دیکھ کر مسز جاک کی زبان ... یکایک بند ہو گئی۔ یہ اس کے لباس کی دھجی تھی۔ اُسی لباس کی جسے اُس نے گزشتہ رات اُس وقت پہن رکھا تھا، جب وہ اپنے شوہر کی آواز پر تہ خانے میں اُتری تھی اور پھر اُسے اپنی زندگی کے بدترین لمحات سے گزرنا پڑا تھا۔

چند لمحوں تک اُس گلابی دھجی کی نمائش کرنے کے بعد ایلو نے وہ کپڑا اپنی کار کی سیٹ پر پھینک دیا اور مسز جاک کی طرف دیکھ کر ہاتھ لہرایا۔

مسز جاک پھٹی پھٹی نظروں سے یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔

اس کی پوری ہستی اس وقت اضطراب کی لہروں میں مبتلا تھی۔ اس کی سانس رُک سی گئی تھی۔ بار بار وہ گلابی دھجی اس کی آنکھوں کے سامنے لہرائی تھی اور اُس کا رُواں رُواں خوف سے کانپ اُٹھتا تھا۔ اُس نے مُٹھیاں بھینچ لیں۔

ایلو گاڑی میں سوار ہو گیا۔

وہ اب بھی مسکرا رہا تھا۔

اُس نے کار اسٹارٹ کی اور مسز جاک کی طرف دیکھا۔

مسز جاک اب کسی سنگی مجسمے کی طرح ساکت کھڑی تھی۔ کچھ دیر قبل وہ جس انداز میں زہر اُگل رہی تھی، وہ نہ جانے کہاں غائب ہو گیا تھا۔ اس کی پھٹی پھٹی سی آنکھوں سے بے یقینی ظاہر ہو رہی تھی اور اس کا منہ صدمے کی زیادتی سے کھلا کا کھلا رہ گیا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے اسی حالت میں کھڑے کھڑے اس پر سکتہ کی سی کیفیت طاری ہو گئی ہو۔

"نہیں ..." وہ زیر لب بولی "وہ، یہ نہیں تھا ... وہ، یہ نہیں ہو سکتا ... لیکن میرے لباس کا یہ گلابی ٹکڑا اس کے پاس کہاں سے اور کیسے آ گیا؟"

یہ ایک ایسا سوال تھا جس کا جواب ایلو کی فاتحانہ مسکراہٹ دے تو رہی تھی لیکن مسز جاک کا ذہن اُسے کسی طرح قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہو رہا تھا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ایلیو نے کار ایک دھچکے سے آگے بڑھادی جاتے وقت اُس نے الوداعی انداز میں ہاتھ بھی لہرایا تھا۔ مسٹر جاک کا چہرہ تاریک ہوتا چلا گیا۔

ایلیو کے پاس اب کام کی کمی نہیں تھی۔

اس کے ذہن میں اَن گنت منصوبے تھے اور وہ ہر منصوبے کو تکمیل کے مرحلے میں داخل کرنے کے لیے بے چین تھا... لیکن سب سے پہلے وہ ماضی کے باقی ماندہ حساب چکا دینا چاہتا تھا۔ مستقبل تابناک ہو تو نفسیاتی طور پر انسان شاداب اور تاریک ماضی کو ذہن سے جھٹک دینا پسند کرتا ہے لیکن ایسا صرف اُسی وقت ہوتا ہے جب وہ ماضی کی تلخیوں کا ازالہ کر دے۔ ایلیو کے افسوسناک ماضی سے جو بھی تلخ یادیں وابستہ تھیں۔ ان میں سے بیشتر اب پُرلطف یادوں میں بدل چکی تھیں... لیکن اب بھی ایک یاد ایسی تھی جو کسی بچھو کی طرح موقع پاتے ہی اس کے ذہن میں ڈنک مارنے لگتی تھی۔ تابناک مستقبل کی طرف مکمل طور پر متوجہ ہونے کے لیے ضروری تھا کہ وہ اس مقرب نما یاد کو بھی جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دے یا اس پر کسی سہانی یاد کا سائبان ڈال دے۔

اس نے ایجاد پسندوں کو تحفظ دینے والی فرم کے ایک ڈائریکٹر کے ہاں سے اپنا حساب پورا کر لیا تھا لیکن ابھی اس کے تین ساتھی باقی تھے۔ اس نے باری باری اُن کی قیام گاہوں پر جانے کا فیصلہ کیا تھا لیکن پھر یہ سوچ کر ارادہ بدل دیا کہ اس طرح اُسے کافی وقت ضائع کرنا پڑے گا۔ لہٰذا بہتر ہوگا کہ ان لوگوں سے اُن کے دفتر میں ملاقات کرے اور وہیں ان کا حساب چکتا کر دے۔ اُسے معلوم تھا کہ وہ لوگ رات گئے تک اپنے آفس میں بیٹھتے ہیں۔

رات کی تاریکی میں جب وہ اُن کے دفتر پہنچا تو اُس وقت تینوں اپنے دفتر میں موجود تھے اور کسی ایجاد کے سلسلے میں بحث کر رہے تھے۔

ایلیو خاموشی سے کھڑا اُن کی باتیں سنتا رہا۔

وہ اس وقت اپنے غیر مرئی لباس میں تھا۔ دونوں خوفناک ہتھیار اُس کے پاس تھے۔ الیکٹرانک کمپ..... اور بجلی کی رَو کا سلسلہ منقطع کرنے والا آلہ... ان کی باقی کی رَو اس کے تن بدن میں آگ سی لگا رہی تھی۔ وہ کسی موجد کی تازہ ترین ایجاد پر بات کرتے ہوئے ہنس رہے تھے اور اس موجد کا مذاق اُڑا رہے تھے۔ ان کی باتوں سے ایلیو کو اندازہ ہو گیا کہ وہ لوگ سائنس یا ایجادات کے سلسلے میں کچھ بھی نہیں جانتے۔ انھوں نے تو بس دھوکا دہی کی ایک ایسی فرم بنا رکھی تھی جہاں بیٹھ کر وہ لوگوں کو سبز باغ دکھاتے تھے اور انھیں ہر ممکن طریقے سے لوٹ لیتے تھے۔

"تمھیں وہ احمق یاد ہے؟" ایک کہہ رہا تھا۔

"کون احمق؟" دوسرے نے پوچھا۔ "یہاں تو سبھی احمق آتے ہیں۔"

اس پر ایک زوردار قہقہہ پڑا۔

"میں اُس بھوں سے نوجوان کی بات کر رہا ہوں جس کی صورت پر لکھا ہوا تھا، میں گدھا ہوں۔ وہی جو سیاہ رنگ کا ایک ڈبہ اور برش لے کر آیا تھا اور جس کا دعوا تھا کہ جس کسی چیز پر وہ رنگ کر دیا جائے، وہ غائب ہو جاتی ہے۔"

"ہاہاہا... ہاں... مجھے یاد ہے۔" دوسرا بھی ہنس پڑا۔

اُسی لمحے اچانک ہی کمرے کی تمام بتیاں بجھ گئیں اور وہاں اندھیرا چھا گیا۔ کمرے کے باہر راہداری میں روشن بلب سے خفیف سی روشنی کمرے میں آ رہی تھی جس کے باعث وہ ایک دوسرے کو دیکھ سکتے تھے۔ سائنسدانوں کی فرم کے ایک ڈائریکٹر نے بجلی اور بجلی کے مکمکے کو بُرا بھلا کہا اور اپنی کرسی سے اُٹھنے لگا۔

اچانک وہ ایک غیر مانوس آواز سن کر چونک پڑا۔

اُس نے گردن گھما کر آواز کی طرف دیکھا تو اس کی سانس حلق ہی میں رُک گئی۔ اس کا ایک ساتھی اُسے عجیب سی حالت میں نظر آ رہا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے اچانک ہی وہ اپنی نصف کھوپڑی سے محروم ہو گیا ہو۔ اس ڈائریکٹر نے اپنے ساتھی کو پکارنے سے پہلے اپنا ذہن صاف کر لینا چاہا۔ یہ منظر ناقابلِ فہم تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ بعد میں اُس کے ساتھی اس کا مضحکہ اُڑائیں۔ نیم تاریکی میں سب کچھ صاف تو دکھائی نہیں دے رہا تھا تاہم جو کچھ بھی اُسے نظر آ رہا تھا

نئے دل کش مقبول سلسلہ
سرفروش
نامور مصنف اظہر کلیم
کے ایڈونچرس قلم سے
دو حصوں میں مکمل سیٹ =/100
مکتبہ القریش سرکلر روڈ اردو بازار لاہور
فون 7668958

وہ اس کے رونگٹے کھڑے کرنے کے لیے کافی تھا۔ اُسی لمحے اُسے احساس ہوا کہ اس کے کپڑوں پر کوئی سیال سی شے چھینٹوں کی شکل میں گر گئی ہے۔

وہ سفید قمیض پہنے ہوئے تھا۔

نوا اور انگلی سے چھونے کے بعد اُسے یقین ہو گیا کہ یہ خون کے چھینٹے ہیں۔ ابھی وہ کوئی فیصلہ نہیں کر پایا تھا کہ اُسے ایک ایسی آواز سنائی دی جیسے کوئی سانپ دھیرے سے پھنکارا ہو۔ اُس نے چونک کر آواز کی طرف دیکھا۔

اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔

برابر میں دوسری طرف بیٹھے ہوئے ساتھی کا بھی وہی حال دکھائی دے رہا تھا جو پہلے ساتھی کا ہو چکا تھا۔ اس کی بھی آدھی کھوپڑی غائب ہو چکی تھی... اور اس بار بھی اُس کے کپڑوں پر چھینٹے گرے تھے۔ اُس نے انگلی سے ان چھینٹوں کو چھوا تو کوئی لیس دار سی گوند جیسی چیز اُس کی انگلی سے چمٹ گئی۔

"یہ... یہ کیا ہو رہا ہے... آری... ہارڈ...؟" وہ ہکلایا۔

"ہیلو مسٹر فرانک...!" ایک آواز سنائی دی۔

"ہیلو... کون ہے؟" وہ دہشت زدہ نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگا... لیکن اُسے نیم تاریکی میں کوئی بھی دکھائی نہیں دیا۔

"میں گدھا ہوں۔" جواب سنائی دیا۔

"گگ... کون گدھا؟"

"وہی... جس کا تم ابھی ابھی بڑے ہی پُرلطف انداز میں تذکرہ کر رہے تھے۔"

"تم کہاں ہو؟" ڈائریکٹر ہراساں ہو گیا۔

"تمھارے سامنے...!" ایلیو نے جواب دیا۔

"لیکن تم مجھے دکھائی کیوں نہیں دے رہے؟"

"اس لیے کہ تمھاری آنکھوں پر فریب کی پٹی بندھی ہوئی ہے۔"

"میرے ساتھیوں کو کیا ہوا ہے؟"

"شاید یہ مر چکے ہیں۔" ایلیو نے بے نیازی سے جواب دیا۔

"کیا... گگ... کیا تم مجھے بھی...؟"

"یقیناً...!" ایلیو نے جواب دیا۔ "اب تمھیں یقین آ گیا کہ وہ سیاہ رنگ کس قدر اہمیت کا حامل تھا۔ اُسے استعمال کر کے کیا کیا فوائد حاصل کیے جا سکتے تھے۔ تم نے سب کچھ کھو دیا مسٹر فرانک... اور اب تم اپنی زندگی سے بھی ہاتھ دھو لو گے۔"

"مجھے... مجھے مت مارو۔" وہ گڑگڑانے لگا۔

"مجھے قائل کر دو، ہو سکتا ہے تم پر رحم آ جائے۔" ایلیو نے جواب دیا۔ اس کی آواز میں کیف و سرور کا تاثر تھا۔ غالباً وہ مسٹر فرانک کی آہ و زاری سے لذت محسوس کر رہا تھا... اور اس صورتِ حال کو کچھ دیر برقرار رکھنا چاہتا تھا۔

"ہم... میں نے کوئی بہت بڑا جرم نہیں کیا۔" مسٹر فرانک نے جلدی سے کہا۔ وہ دھوکا دہی کی ایک معمولی سی حرکت تھی۔"

"میں اسے بہت بڑا جرم سمجھتا ہوں۔" ایلیو نے اس کی بات کاٹ دی۔

"لیکن عدالت اس جرم کی سزا محض چند ماہ قید ہی دے سکتی ہے۔"

"ہاں... کیونکہ وہ لوگ اس جرم کو معمولی سمجھیں گے۔ اس لیے معمولی سزا ہی دیں گے۔" ایلیو نے جواب دیا۔ "میں قاتل بن چکا ہوں، جرائم پیشہ بن چکا ہوں... اور اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ تم لوگوں نے میرے ساتھ دھوکا کیا۔ میرے تمام جرائم کی ذمے داری تم ہی لوگوں پر عائد ہوتی ہے۔ اس منفی شخصیت کی تعمیر تمھارے ہی ہاتھوں سے ہوئی تھی لہٰذا اس کا خمیازہ بھی تمھیں ہی بھگتنا پڑے گا۔"

ایلیو نے یہ سب کچھ اس انداز میں کہا جیسے وہ مسٹر فرانک کو فردِ جرم پڑھ کر سنا رہا ہو۔

اچانک مسٹر فرانک کو غصب سے دھکا لگا۔ وہ کرسی سے اُٹھ گیا تھا اس لیے لڑکھڑا گیا۔ فوراً ہی سنبھل کر اُس نے پیچھے دیکھا لیکن اُسے کوئی بھی دکھائی نہیں دیا۔ وہ حیران تھا کہ یہ سب کچھ کیسے ممکن ہے؟

"میں پاگل ہو گیا ہوں۔" وہ خود کلامی کے انداز میں بولا۔

"نہیں، تم پاگل نہیں ہوئے۔"

"پھر میں کوئی بھیانک خواب دیکھ رہا ہوں۔"

"تمھاری آنکھیں کھلی ہیں اور تم کھلی آنکھوں سے خواب دیکھ رہے ہو۔" ایلیو نے اس بات پر ایک فلک شگاف قہقہہ لگایا۔ "یہ آنکھیں اب ہمیشہ کے لیے بند ہونے والی ہیں۔"

مسٹر فرانک تھر تھر کانپنے لگا۔

اچانک اُس کے گال پر ایک زوردار تھپڑ پڑا۔ اس کا رُخسار جھنجنا گیا۔ اس کے حلق سے ایک گھٹی گھٹی سی چیخ نکل گئی۔ اس چانٹے نے اُسے حقیقت سے روشناس کرا دیا تھا۔ وہ نہ تو پاگل ہوا تھا اور نہ ہی کھلی آنکھوں سے خواب دیکھ رہا تھا... سب کچھ حقیقت تھا۔ اس کے دو ساتھی موت سے ہمکنار ہو چکے تھے اور خود اُس کی زندگی بھی خطرے میں تھی۔ کسی بھی لمحے اس کا حشر بھی اپنے ساتھیوں جیسا ہی ہونے والا تھا۔ وہ حیران تھا کہ اس صورتِ حال سے کس طرح نجات حاصل کرے۔ اُس نے سفاک قاتل کو قائل کرنے کی کوشش

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کی تھی، جس میں اُسے ناکام ہونا پڑا... جبکہ قاتل نے اُسے قاتل کر دیا تھا کہ اس کی سزا موت ہی ہونی چاہیے۔ وہ واقعی اس شخص کو منفی ذہن کا آدمی بنانے کا ذمے دار تھا۔ اس کے باوجود فرہاد کو مرنا نہیں چاہتا تھا۔ اُسے زندگی سے بے پناہ محبت تھی۔ یہ زندگی سے محبت ہی تو تھی جس نے اُسے اس قدر خود غرض بنا دیا تھا... اور آج خود غرضی کی اُسے بھیانک ترین سزا ملنے والی تھی۔

"تمہاری چہکنے والی زبان بند کیوں ہو گئی؟" ایلمو غرایا۔

"مم... نہیں... تم سے معافی چاہتا ہوں۔"

"کس بات کی؟"

"یہی کہ ہم نے تمہارے ساتھ دھوکا کیا۔"

"مجھ سے پہلے بھی تو کچھ لوگوں کے ساتھ ایسا ہوا ہوگا۔ کیا تم نے ان سب سے معافی مانگ لی ہے؟" ایلمو نے نفرت سے پوچھا۔

"مم... میں... مم... سب سے معافی مانگ لوں گا۔" یہ کہتے کہتے وہ ہذیانی انداز میں چیخ پڑا۔ اس نے سوچا کہ دروازے کی طرف دوڑ لگا دے... لیکن وہ نہیں جانتا تھا کہ قاتل کہاں ہے؟

اگر قاتل اُسے دکھائی دے رہا ہوتا تو شاید وہ اس سے اُلجھ پڑتا، اس کا مقابلہ کرتا... ممکن ہے، وہ اس پر قابو پانے میں کامیاب ہو جاتا... لیکن کسی نادیدہ دشمن سے وہ بھلا کس طرح محفوظ رہ سکتا تھا۔ اچانک اُسے پھر ویسی ہی آواز سنائی دی جیسے کوئی سانپ اندھیرے سے پھنکارا ہو۔

وہ بدحواسی کے عالم میں اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔

اُس نے پھیپھڑوں کی پوری قوت صرف کر کے چیخنے کی کوشش کی... لیکن اس کے حلق میں کانٹے پڑ گئے تھے اور آواز نہ جانے کب کی کھو گئی تھی۔ قوتِ گویائی سے محروم ہونے کا احساس اس کے لیے مزید دہشت ناک تھا۔ وہ نہ تو اس دشمن کا مقابلہ کر سکتا تھا اور نہ ہی اس کی گرفت سے بھاگ سکتا تھا۔ ہر لمحہ اُسے آنے والی موت سے خوفزدہ کر رہا تھا۔ ہر ساعت اُسے زندگی سے محروم ہونے کی منحوس خبر سنا رہی تھی... اور پھر اُس نے یوں محسوس کیا جیسے کوئی چیز اس کی کھوپڑی کو شکنجے میں جکڑ رہی ہو۔ اُس نے خود کو اس کی گرفت سے نکالنے کی کوشش کی لیکن اُسی لمحے سانپ جیسی پھنکار سے اندھیرا لرز اُٹھا۔ کمرے کے بند ماحول میں کسی چیز کے رینگنے، پھیلنے اور پھر منتشر ہونے کی آواز پیدا ہوئی اور مسٹر فرانک فرش پر کسی ڈھیر کی طرح گر گیا۔

●

ٹائیگر نے ایک طویل سانس لی: اوہ... تین اور...!" اُس نے فون پر بہرام کی آواز سننے کے بعد کہا اور اُوشان کی طرف دیکھا جو بے نیازی سے ٹی وی پر ایک فائٹ فلم دیکھ کر بچوں کی طرح خوش ہو رہا تھا۔ کبھی کبھی وہ بہرام کو شہ دینے کے لیے کوئی جملہ بھی بول دیتا تھا۔

"ہاں... میں نے یہی کہا ہے، تین اور...!" بہرام کے لہجے میں فکرمندی تھی۔ یہ تینوں آدمی موجدوں کی مدد کرنے والی ایک کمپنی کے مالک تھے۔ ان کی سیکرٹری سے معلوم ہوا ہے کہ فرم کسی موجد کی کوئی مدد نہیں کرتی تھی اور نہ ہی انہیں ایجادات سے کوئی دلچسپی تھی۔ وہ لوگ صرف موجدوں سے فیس بٹورا کرتے تھے اور ایجاد پسند کسی نہ کسی بہانے ان کے ہاتھوں لٹتے ہی رہتے تھے۔"

"اوہ...!" ٹائیگر کے ہونٹ سکڑ گئے۔

"جس کمرے میں ان کی لاشیں پائی گئی ہیں، اُس میں ایک بڑی کانفرنس ٹیبل بھی ہے۔ اس پر سیاہ رنگ سے لکھا ہوا ایک پیغام بھی پولیس کو ملا ہے۔"

"کیسا پیغام؟" ٹائیگر نے بے چینی سے پوچھا۔

"پیغام میں لکھا ہے، 'یہ آخری کام ہے جسے میں مفت کر رہا ہوں۔'"

"اس کا مطلب ہے کہ محض انتقاماً یا شوقیہ قتل کرنے والا یہ پُراسرار شخص اب پیشہ ور قاتل بننا چاہتا ہے۔" ٹائیگر غرایا۔

"اور تم اچھی طرح جانتے ہو کہ کسی پیشہ ور قاتل کے لیے سب سے بڑا کام ہمارے شہر میں موجود ہے اسلامی کا سلطان۔" بہرام نے یاد دہانی کرائی۔

ٹائیگر کی گرفت ریسیور پر بے حد سخت ہو گئی۔

"اور اُوشان کا نظریہ ایک بار پھر درست ثابت ہو گیا ہے۔" بہرام کہہ رہا تھا۔

"کیا مطلب؟" ٹائیگر چونک پڑا۔

"لیبارٹری سے اس غیر معمولی رنگ کے مکعبے کی رپورٹ آ گئی ہے۔" بہرام نے وضاحت کی۔ "ان کا کہنا ہے کہ وہ واقعی ایک ایسا دھاتی رنگ ہے، جس میں ہر قسم کی روشنی کو جذب کرنے کی غیر معمولی خصوصیت موجود ہے۔"

"کیا اس رنگ کی وجہ سے کوئی شخص نادیدہ بھی بن سکتا ہے؟"

"دھوپ اور غیر معمولی تیز روشنی میں وہ محض کسی سائے کی طرح نظر آ سکتا ہے لیکن ہلکی روشنی یا تاریکی میں انسانی آنکھ کے لیے اُسے دیکھنا ناممکن ہے۔" بہرام نے جواب دیا۔ "وہ اس رنگ سے رنگے ہوئے کپڑے استعمال کر کے ایسا کر سکتا ہے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ وہ روزِ روشن میں کچھ نہیں کر سکتا؟"

"ہاں... بظاہر تو ایسا ہی لگتا ہے۔" بہرام نے تائید کی۔

"آپ کو یاد ہے، میں نے کہا تھا کہ اسلامی کے سلطان کی سیکیورٹی میں کچھ بھی شامل کر دیے جائیں۔"

"کتے وہاں پہنچا دیے گئے ہیں، جو خونخوار بلڈ ہاؤنڈ...!"

"اور اب وہاں فلڈ لائٹس کا بھی بندوبست کروا دیں... یہ روشنیاں اس انداز میں لگائی جائیں جیسے کسی شبینہ میچ کے لیے اسٹیڈیم میں نصب ہوتی ہیں اور اُن سے اسٹیڈیم کا چپہ چپہ روشن ہوتا ہے۔"

"بہت اچھا خیال ہے۔" بہرام نے خوش ہو کر کہا۔

ٹائیگر کو اپنے کانوں پر یقین نہ آیا۔ بہرام نے اس لہجے اور اس انداز میں فی البدیہہ اُس کی کسی بات کو کبھی نہیں سراہا تھا۔ اُس کے یہ تعریفی الفاظ ٹائیگر کے لیے اجنبی سے تھے۔ "ابھی ابھی آپ نے کیا کہا تھا، سویٹ ہارٹ...؟"

"میں نے کہا تھا کہ بہت اچھا خیال ہے۔"

"اب میں اطمینان سے مر سکوں گا۔" ٹائیگر چہک پڑا۔

"نہیں... مرنا نہیں... اور... نہ ہی دوسروں کو مرنے دینا تم انسانیت کی بقا کی علامت ہو ٹائیگر! تم زندگی کا نشان ہو، خدا کی طرف سے جانے کیلئے ایک نعمت ہو۔ زندہ رہو... اور انسانوں کو زندہ رہنے میں مدد دو۔" اس کے ساتھ ہی سلسلہ منقطع ہو گیا۔

ٹائیگر دیر تک ریسیور کو گھورتا رہا۔ آج بہرام کی باتوں سے اس کی روح تک خوشی سے سرشار ہو گئی تھی۔ اُسے اپنی ذات پر بے پناہ فخر کا احساس ہوا۔ اُس نے اپنی اس اہمیت پر دل ہی دل میں خدائے بزرگ و برتر کا شکریہ ادا کیا اور آہستہ سے ریسیور رکھ کر اُوشان کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"تین اور کھوپڑیاں ٹوٹ گئیں، لٹل فادر!" اُس نے بلند آواز میں کہا۔

"میں سن چکا ہوں۔" اُوشان نے آنکھیں کھولے بغیر جواب دیا۔ "میری سماعت ابھی اتنی کمزور نہیں ہوئی۔ بہرام بے حد فکرمند معلوم ہوتا تھا۔"

"جی ہاں، وہ اسلامی کے سلطان کے لیے پریشان ہے۔"

"ہمیں اس سے پہلے کسی غیبی مجرم سے کبھی پالا بھی تو نہیں پڑا۔"

"غیبی مجرم... ہنہ!" ٹائیگر نے نفرت سے کہا۔ "وہ سیاہ رنگ کے سوٹ والا ایک آدمی ہے۔ اسے نادیدہ انسان مت کہیں۔"

"دعا کرو کہ صرف یہی بات ہو۔" اُوشان بڑبڑایا۔ "لیکن کچھ ایسے بھی ہیں جن کی کھوپڑیاں ٹوٹ چکی ہیں، انہیں تم سے ہمدردی اتفاق نہیں ہو سکتا۔"

"میرا خیال ہے کہ ہمیں چل کر جائے واردات کو ایک نظر دیکھ لینا چاہیے۔" ٹائیگر نے کہا۔ "آپ بھی چلیں گے؟"

اُوشان اُٹھ کھڑا ہوا۔ ٹائیگر نے اُسے جس قدر تعظیم سے چلنے کے لیے کہا تھا، اس پر اُوشان کا دل خوش ہو گیا تھا ورنہ اس نے محض اس لیے اُونگھنا شروع کر دیا تھا کہ ٹائیگر کو پریشان کر کے ہی ساتھ جانے پر آمادہ ہو گا۔ وہ روایت پرست تھا اور اپنی اہمیت کو ہمیشہ ملحوظ رکھتا تھا۔

وہ جائے واردات پر پہنچے تو آفس سیکرٹری نے انہیں کانفرنس روم میں پہنچایا۔ یہ وہی کمرہ تھا جہاں کھوپڑیاں توڑنے کی واردات ہوئی تھی۔ سیکرٹری واپس چلی گئی تو ٹائیگر نے کمرے کا جائزہ لیا۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے کمرے کی ہر شے کو ڈرائی کلین کیا گیا ہو۔ وہاں خون کا ایک دھبہ یا گودے کا ذرہ بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ قالین تک بے داغ تھا، دیواریں بھی صاف تھیں۔ لمبی کانفرنس ٹیبل پر کاغذ کی صرف ایک سلپ رکھی ہوئی تھی جسے غالباً بہرام کی ہدایت پر پولیس نے وہاں چھوڑ دیا تھا۔

ٹائیگر نے وہ سلپ اُٹھالی اور اُسے پڑھنے لگا۔

"یہ آخری واردات ہے جسے میں مفت کر رہا ہوں۔"

اُس نے سلپ اُوشان کی طرف بڑھا دی جسے گہری نگاہ سے دیکھنے کے بعد اُوشان نے واپس میز پر رکھ دیا... اور خود جا کر سوئچ بورڈ کا جائزہ لینے لگا۔ وہ اتنے انہماک سے سوئچ بورڈ کی طرف متوجہ تھا کہ ٹائیگر کو حیرت ہونے لگی۔ اُس نے اُوشان کی طرف کن انکھیوں سے دیکھا اور مسکرانے لگا۔ اُس نے چھت پر لگے ہوئے بلب کو بجھا دیا تھا... پھر اُس نے سوئچ آن کیا تو کمرے میں روشنی پھیل گئی۔ وہ باری باری تمام بٹنوں کو بجھاتا جلاتا رہا۔

یہ عمل اُوشان نے کئی بار کیا اور ٹائیگر اُسے محض اپنے بوڑھے اُستاد کی شرارت سمجھ کر مسکراتا رہا۔

"بجلی ایجاد کرنے سے فارغ ہو جائیں تو ذرا اِدھر آ جائیں، لٹل فادر!" تنگ آ کر ٹائیگر نے کہا۔ کیونکہ اُوشان اب بھی بتیاں جلا جلا کر بجھا رہا تھا۔

اُوشان نے پلٹ کر اُس کی طرف دیکھا اور تفکر آمیز انداز میں سر کو مثبت جنبش دی۔ وہ اُس کے قریب پہنچا تو ٹائیگر نے پوچھا۔

"یہ آپ سوئچ بورڈ کی ایسی تیسی کرنے میں کیوں لگے ہوئے تھے؟"

"میں کچھ سیکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔"

"مجھ سے فرمایا ہوتا، میں الیکٹرک سٹی کی کوئی کتاب لا دیتا..." ٹائیگر نے بھنا کر کہا۔ "ویسے آپ کیا معلوم کرنے کی کوشش کر رہے تھے؟"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"میں ابھی کسی نتیجے پر پہنچنے میں جلدبازی سے کام نہیں لینا چاہتا۔ ابھی تو صرف ایک بجلی ایجاد ہو چکی ہے اور جس نے بھی اسے ایجاد کیا تھا، اس نے کسی نتیجے پر پہنچنے کے بعد ہی اسے روشناس کرایا تھا۔ سوئچ بورڈ سے چھیڑ چھاڑ نقصان دہ بھی ثابت ہو سکتی ہے۔ یہ کتنگ فوکا میدان نہیں ہے۔ ذرا سا سوئچ خراب ہوتا تو اس وقت کوئلے کا بنا ہوا اُدشان وہاں کھڑا نظر آتا۔"

اُدشان طنزیہ انداز میں ہنس پڑا۔

"چلیے، بیرونی دفتر میں اس لڑکی سے کچھ معلوم کریں۔"

"اوہ... تو تم اس لڑکی سے معلومات حاصل کرنے کے لیے بےچین ہو رہے تھے۔" اُدشان نے مسکرا کر کہا۔ "چلو فرزند... ویسے لڑکیاں بجلی کے کرنٹ سے کہیں زیادہ نقصان دہ بھی ثابت ہوا کرتی ہیں۔"

ٹائیگر نے اُدشان کے اس تبصرے پر ناک بھوں چڑھاتے ہوئے دروازے کی طرف قدم بڑھا دیئے۔ بیرونی آفس میں سیکرٹری اپنی سیٹ پر کسی نمائشی مجسمے کی طرح ساکت بیٹھی تھی۔ وہ ایک فرض شناس اور دلیر لڑکی معلوم ہوتی تھی ورنہ اس کی جگہ کوئی اور ہوتی تو اپنے مالکان کی بےسر لاشیں دیکھنے کے بعد ہارٹ فیل ہو جانے کے باعث یا تو قبرستان پہنچ چکی ہوتی... یا پھر ذہنی صدمے کی وجہ سے اسپتال کے کسی وارڈ کی مکین بن گئی ہوتی۔

"کتنی بڑی ٹریجڈی ہے..." ٹائیگر بولا۔

ٹائیگر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ "میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہیں اپنے مالکان کی موت کا خاصا غم ہے۔"

"وہ بُرے لوگ نہیں تھے۔ کم از کم میرے لیے تو بہت ہی اچھے تھے۔"

"گزشتہ رات جب واردات ہوئی تھی تو یہاں کون موجود تھا؟"

"دفتر کا بوڑھا نگران ویلی... وہ یہیں سوتا ہے۔ اس وقت وہ ایک کمرے کی صفائی میں مصروف ہے۔ کیا آپ اس سے ملنا چاہتے ہیں؟"

"ہاں... اور اس کے بعد اگر تمہیں زحمت نہ ہو تو میں تمہاری تحویل میں موجود فائلوں کو ایک نظر دیکھنا چاہتا ہوں... اور اگر تم پلیز کر دو تو میرا کچھ وقت بچا سکتی ہو مجھے ہر اُس شخص کا نام اور پتہ درکار ہے جو گزشتہ چھ ماہ کے دوران یہاں آ چکا ہے۔ ہر موجد اور ہر ایجاد کی تفصیل کے ساتھ..."

"کوئی بات نہیں۔" مستعد سیکرٹری نے خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔ "یہ نصف گھنٹے کا کام ہے۔ میں ابھی شروع کر دیتی ہوں۔"

"تمہیں آدھے گھنٹے کا اوور ٹائم مل جائے گا۔"

"شکریہ جناب!"

"لیکن پہلے اس بوڑھے نگران کو بلا دو۔"

سیکرٹری جارگا بوڑھے ویلی کو لے آئی۔ عام بوڑھوں کی طرح وہ ایک سنجیدہ اور کردار آدمی لگ رہا تھا لیکن اس وقت نہ جانے کیوں جھلایا ہوا تھا۔ اُس نے ٹائیگر کی طرف دیکھ کر ناگواری سے منہ بنایا اور پھاڑ کھانے والے لہجے میں بولا۔ "کیا تمہارے خیال میں میں کسی جلاد کا بچہ ہوں؟"

"نہیں محترم... آپ تو مجھے کسی اور ہی شے کے بچے لگتے ہیں۔"

اُدشان اپنے مخصوص انداز میں قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

"یہ بوڑھا بلغمی کیوں، ورم ہے؟" ویلی نے تیوریاں چڑھا کر پوچھا۔

"اسے نظر انداز کر دو۔" ٹائیگر نے مطلب کی بات پر آتے ہوئے کہا۔ "یہ بتاؤ کہ گزشتہ رات تم نے کچھ سنا تھا؟" وہ اُس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔ "یا تم نے کوئی غیر معمولی شے دیکھی تھی؟"

"میری بینائی کافی کمزور ہے۔" بوڑھے نے ہاتھ نچا کر جواب دیا۔ "یہ سوال بے حد اہم ہے۔" ٹائیگر نے اصرار کیا۔

"مجھے ان باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں۔"

"کیا تم نے پولیس سے بھی اسی قسم کی باتیں کی تھیں؟"

"وہ مجھ سے زبردستی تو کچھ نہیں پوچھ سکتے تھے۔" بوڑھے کا لہجہ فاتحانہ تھا۔

"ٹھہرو ذرا۔" اُدشان نے کہا۔ "اس قابل قدر اور بے مثال بوڑھے سے مجھ کو بات کرنے دو۔" وہ لہراتی ہوئی مخصوص چال سے ویلی کے قریب پہنچا اور پھر اتنی پھرتی سے ہاتھ بڑھا کر بوڑھے کے کان کی لَو چٹکی میں ذبانی جیسے کوئی چھوٹا مار کر مکھی پکڑ لیتا ہے۔

"اب سوالوں کا جواب دینا شروع کر دو۔" اُدشان نے نرمی سے کہا۔

بوڑھے ویلی کے چہرے پر بے پناہ اذیت کے تاثرات اُبھر آئے۔ اُس کا منہ بار بار یوں کھل کر بند ہونے لگا جیسے وہ ہوا کے بڑے بڑے جھونکوں کو نگلنے کی کوشش کر رہا ہو۔

"او... وو... وئی... جی ہاں جناب!" وہ کانپ کر بولا۔

"ویلی اب تمہارے لیے کارآمد ثابت ہوگا۔" اُدشان نے اُس کی کان کی لَو کو آزاد کرتے ہوئے کہا۔ "جو چاہو، پوچھو۔ یہ تمہیں بتائے گا۔"

"مجھے خوشی ہے کہ آپ بوڑھوں کی نفسیات خوب سمجھتے ہیں۔" ٹائیگر نے کہا۔

"جب معاملہ اذیت کا ہو تو سب کی نفسیات برابر ہو جاتی ہے۔"

... اور اس بار واقعی بوڑھا ویلی یوں بولنے لگا جیسے اچانک ہی اُس کی کھوئی ہوئی یادداشت واپس آ گئی ہو۔ اُس نے ٹائیگر کے سوالوں کا بھی انتظار نہیں کیا اور بے تکان بولتا چلا گیا۔

"میں کوئی ایسی بات کسی سے نہیں کہنا چاہتا تھا جس پر مجھے غلطی یا مغلوط الحواس قرار دیا جائے۔" بوڑھے ویلی نے کہا۔ "یہ حقیقت ہے کہ میں نے سنا تھا... میں نے ایک آواز سنی تھی... اور یہ آواز کمپنی کے مالکان میں سے کسی کی بھی نہیں تھی کیونکہ میں اُن کی آوازوں کو خوب پہچانتا ہوں۔ کوئی اور ہی بول رہا تھا... اور اس انداز میں بول رہا تھا جیسے سرگوشیوں میں بولنے کا عادی ہو... میں جب کانفرنس روم میں داخل ہوا تو مجھے کوئی اجنبی دکھائی نہیں دیا۔ میں قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ میں نے اس شخص کی آواز سنی تھی اور آواز سنتے ہی میں کمرے میں داخل ہو گیا تھا... لیکن کمرے میں کوئی نہیں تھا... اور اگر تھا تو مجھے دکھائی نہیں دے رہا تھا... حالانکہ میری نظر اس عمر میں بھی خاصی تیز ہے۔"

ٹائیگر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"میں نے فوراً ہی پولیس کو فون کر دیا۔" بوڑھا ویلی کہہ رہا تھا... "پولیس چلی گئی تو مجھے صفائی کا کام کرنا پڑا۔ اُف میرے خدا... میں نے اپنی زندگی میں صرف ایک ہی دن میں اتنی زبردست صفائی کبھی نہیں کی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے میں کسی مذبح خانے کی صفائی پر مامور کر دیا گیا ہوں۔"

"ہوں... تو تم نے کسی کو بھی نہیں دیکھا؟"

"صرف لاشیں دیکھیں... مغز بکھرے ہوئے... اور... کھوپڑی کے چیتھڑے فرش سے دیواروں اور فرنیچر تک پھیلے ہوئے تھے۔"

"وہ آواز کیسی تھی؟ دوبارہ سنو تو پہچان لو گے؟"

"سرگوشی... نرم... اور... پُرسکون سرگوشی..." ویلی نے جواب دیا۔ وہ اب بھی اپنے کان کی لَو مسل رہا تھا اور اُس کی آنکھوں میں خوف کی پرچھائیاں رقص کر رہی تھی۔ "کیا اب میں جا سکتا ہوں؟"

"مجھے جو پوچھنا تھا، پوچھ چکا ہوں۔"

"لیکن میں جو کچھ پوچھنا چاہتا ہوں، وہ ابھی باقی ہے۔" اُدشان نے کہا۔

بوڑھے ویلی کا ہاتھ فوراً ہی اپنے کان پر پہنچ گیا۔ "زبان سے پوچھنا۔" اُس نے استدعا کی۔ "اس عمر میں ہاتھا پائی کرتے... تمہیں شرم نہیں آتی؟"

"یہ ہاتھا پائی کے ماسٹر اُدشان ہیں۔" ٹائیگر نے لقمہ دیا... اُسے بوڑھے کے تبصرے پر لطف آیا تھا۔

"اپنے کانوں سے ہاتھ ہٹاؤ، احمق!" اُدشان نے غرا کر کہا۔ "اور بتاؤ کہ جب تم دفتروں داخل ہوئے تو بتیاں جل رہی تھیں یا نہیں؟"

"کل رات؟" ویلی نے چونک کر پوچھا۔

"ہاں، کل رات۔" اُدشان نے دہرایا۔

ٹائیگر نے بُرا سا منہ بنا کر نفی میں سر ہلایا۔ اُسے حیرت تھی کہ آخر اُدشان بلبوں اور سوئچوں کے پیچھے ہاتھ دھو کر کیوں پڑ گیا ہے؟

"بتیاں بجھی ہوئی تھیں۔" بوڑھے نے جواب دیا۔

"جبکہ سوئچ آن تھے۔" اُدشان نے کہا۔

"آپ... آپ کو کیسے معلوم ہوا؟" بوڑھا ویلی حیران رہ گیا۔ اب وہ گہری توجہ سے اُدشان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ اُس کی شخصیت کے بارے میں جو دھوکا کھا چکا تھا، اُس پر اُسے افسوس ہو رہا ہو۔ اس بار اُس کی آنکھوں میں اُدشان کے لیے احترام کی جھلک پیدا ہو گئی۔ ظاہراً وہ اُس کی ذہانت کا معترف ہو گیا تھا۔

"میری بات کا جواب دو۔" اُدشان نے اُس کے کان کی طرف ہاتھ بڑھا دیا۔

بوڑھا جلدی سے سمٹ گیا۔ "اس زحمت کی ضرورت نہیں جناب، میں سمجھ گیا ہوں کہ آپ غیر معمولی ذہین آدمی ہیں۔"

اُدشان نے فاتحانہ نظروں سے ٹائیگر کی طرف دیکھا۔

ٹائیگر بھی چونک پڑا تھا۔

"جی ہاں..." بوڑھا ویلی کہہ رہا تھا۔ "تمام بلب بجھے ہوئے تھے جبکہ سوئچ آن تھے۔ اس کمرے میں تو بلب ہیں۔ سب کے سب بجھے ہوئے تھے... بلکہ پگھلے ہوئے تھے۔ تمام بلب پھٹے تھے اور میں نے حال ہی میں انھیں بدلا تھا۔ ایک دو بلب فیوز ہو جائیں تو میں عموماً سارے ہی بلب بدل دیتا ہوں۔ میں نے کسی کتاب میں پڑھا تھا کہ ایک ہی لائن کے بلبوں کو ہمیشہ ایک ساتھ ہی بدل دینا چاہیئے۔"

"ہوں... تمام بلب جلے ہوئے تھے اور تم نے ان سب کو بدل دیا تھا؟"

"جی ہاں، جناب! یہی بات ہوئی تھی۔"

"اب تم جا سکتے ہو۔" اُدشان نے شاہانہ انداز میں ہاتھ لہرایا۔ بوڑھا جانے کے لیے مڑا تو اُس نے اُسے نرمی سے پکارا۔ "اور ہاں... سنو۔"

بوڑھے نے مڑ کر دونوں ہاتھوں سے کان ڈھانپ لیے۔

"تمہارے کان میں اب تو تکلیف نہیں ہو رہی ہے؟"

"جی نہیں، بالکل ٹھیک ہے۔"

"جاؤ..." اُدشان نے اپنے بادامی ناخن والی انگشتِ شہادت اُٹھا کر اشارہ کیا اور بوڑھا ویلی یوں بھاگ اُٹھا جیسے اُسے خدشہ ہو کہ کہیں پھر سے نہ دھر لیا جائے۔ ٹائیگر اُس کی بوکھلاہٹ پر کھل کھلا کر ہنس پڑا۔

"آپ نے اس بوڑھے کے ساتھ جو سلوک کیا ہے۔" ٹائیگر نے کہا۔ "کیا آپ اسے کسی بڑی عمر کے آدمی کی تعظیم کہہ سکتے ہیں، ٹل فادر؟"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"عظیم... پانی کی طرح نیچے سے اُوپر کی طرف نہیں بلکہ اوپر سے نیچے کی طرف جانے والی چیز ہے۔ ممکن ہے یہ بات تمھاری سمجھ میں نہ آئے لیکن بعض معاملات کو خاص اصولوں کے تحت نمٹانا پڑتا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" ٹائیگر نے گھبرا کر کہا۔ وہ اس وقت قدیم فلسفے کے موڈ میں نہیں تھا۔ "لیکن یہ تو بتایئے کہ آپ روشنی کے بلبوں میں اتنی دلچسپی کیوں لے رہے ہیں؟"

"کیونکہ ہمارا وہ نادیدہ مجرم..." اُوشان نے اپنے مؤقف کی وضاحت کی۔ "صرف تاریکی ہی میں کام کر سکتا ہے۔ یہ واردات... اور وہ واردات جو خضاب زدہ بالوں والی عورت مسز جاک کے گھر ہوئی تھی، تاریکی ہی میں ہوئی تھی۔ میں اب یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ اس مجرم کے پاس تاریکی پیدا کرنے کا کوئی خاص ذریعہ بھی موجود ہے۔"

ٹائیگر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

اُوشان کی بات دل کو لگتی تھی۔

"میرا خیال ہے، ہمیں اب فوراً یہاں سے چل دینا چاہیئے..." ٹائیگر نے کہا۔ "میری دانست میں سیکرٹری نے اپنا کام مکمل کر لیا ہوگا۔"

سیکرٹری ایک شیٹ ٹائپ کر رہی تھی۔ گزشتہ چوبیس گھنٹوں میں وہاں بیس کے لگ بھگ موجد آئے تھے۔ ٹائیگر اس زرد کاغذ پر جھک گیا جسے سیکرٹری نے ٹائپ کیا تھا۔ اس وقت اُسے قطعاً احساس نہیں تھا کہ وہ درحقیقت اس فہرست سے کیا نتیجہ اخذ کرنا چاہتا ہے لیکن اُسے ایک خفیف سے اشارے یا ایک موہوم سے سُراغ کی تلاش تھی... اور زرد شیٹ میں یہ چیز موجود تھی۔

"اُوشان دیکھیں۔" ٹائیگر نے شیٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

اُوشان نے اس کے کندھے کے اُوپر سے شیٹ کا جائزہ لیا۔

"نادیدہ رنگ..." ٹائیگر پڑھنے لگا۔ "ایلمو... اور ذرا اس ایڈریس کو بھی ذہن میں تازہ کریں... یہ وہی پتہ ہے جہاں مسٹر جاک رہتا تھا۔"

"ہاں... یہ وہی نوجوان لگتا ہے جس کے بارے میں بِل نے کہا تھا کہ اپنے پڑوسیوں کو پسند نہیں کرتا۔"

ٹائیگر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ "وہی چھوٹا سا اور دبکر رہنے والا نوجوان۔"

"بظاہر دبکر رہنے اور چھوٹے نظر آنے والے ہمیشہ ویسے نہیں ہوتے۔"

ٹائیگر نے چونک کر اُوشان کی طرف دیکھا۔ وہ ٹھیک ہی کہہ رہا تھا... کم از کم یہ بات خود اُوشان کی حد تک صد فی صد درست تھی۔ اُسے دیکھ کر کون کہہ سکتا تھا کہ ایک ایسا نوجوان بُوڑھا جسے محض ایک پھونک مار کر لڑکھڑانے پر مجبور کیا جا سکتا ہے، اس صدی کا سب سے بڑا کرائم ماسٹر بھی ہو سکتا ہے۔

"کیوں نہ ایلمو کے ہاں چلا جائے۔" ٹائیگر نے خیال پیش کیا۔ "ممکن ہے ہمیں وہاں سے کوئی اور کام کی بات معلوم ہو جائے... یا ہم کچھ دیکھنے میں کامیاب ہو جائیں۔"

"یا پھر ممکن ہے، ہمیں کچھ بھی دکھائی نہ دے۔"

اُوشان نے عجیب سے لہجے میں کہا اور ٹائیگر کے ساتھ چل دیا۔

●

ایلمو نے گھر چھوڑتے وقت کچھ چیزیں ساتھ لے جانے کی ضرورت نہیں محسوس کی تھی۔ ان اشیا میں فرنیچر پیش پیش تھا۔ علاوہ ازیں ایسی تمام چیزیں بھی موجود تھیں، جن کی اُسے ہنڈ زندگی میں کوئی ضرورت نہیں تھی۔ ٹائیگر اور اُوشان اس کے گھر کا جائزہ لیتے ہوئے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔

"وہ فرنیچر" پوڑ گیا ہے۔" ٹائیگر بڑبڑایا۔

"ہاں... یہ اس کی ہلکی پھلکی شخصیت کے مقابلے میں بے حد بھاری بھرکم ہے۔" اُوشان نے تبصرہ کیا۔ "ویسے اب وہ خود بھی بھاری بھرکم شخصیت کا مالک بن گیا ہے۔"

ٹائیگر سوچ رہا تھا کہ جس کمزور اور ناتواں سے نوجوان سے اُس کی ملاقات ہوئی تھی، اگر وہی نادیدہ قاتل ہے تو وہ اس فرنیچر میں بیٹھا ہوا یوں بھی کسی کو دکھائی نہیں دیتا ہوگا۔ فرنیچر قدیم اور بوسیدہ تھا۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے ایلمو کو یہ فرنیچر اپنے آباؤ اجداد کی طرف سے ورثے میں ملا ہوا ہو۔

کچن میں بھی کچھ سامان موجود تھا۔ ہر چیز ایلمو کی مفلسی کا اظہار کر رہی تھی... اور خود کو یوں چھوڑ جانے پر طمانیت محسوس ہوتی تھی۔ کچن میں جو ڈائننگ ٹیبل تھی اس کا صرف ایک ہی پایا تھا، باقی پایوں کے لیے ایلمو نے ڈبے اور اینٹیں رکھی ہوئی تھیں۔ ٹائیگر بڑی احتیاط سے ایک ایک چیز کا جائزہ لے رہا تھا۔ ایک سے دوسرے کمرے میں جاتے ہوئے اس کی عقابی نظریں کسی معمولی سی شے کو بھی نظر انداز نہیں کر رہی تھیں۔ ابھی تک اُسے خود بھی معلوم نہیں تھا کہ وہ کس چیز کی تلاش میں ہے... لیکن وہ مایوس نہیں ہوا تھا۔ کوئی ایسی شے، کوئی ایسا نشان، کوئی ایسا سُراغ جو اُس کے شبہات کو یقین کی منزل میں داخل کر دے لیکن ابھی تک اُسے کچھ بھی نظر نہیں آیا تھا۔

گھر کے نیچے ایک تہ خانہ بھی تھا۔

اس تہ خانے میں ردی اخبار اور بے شمار کاغذات کا ڈھیر تھا۔ پرانی بوسیدہ کتابیں بھی تھیں۔ ان میں سے بعض اتنی پرانی تھیں

کہ ان کی ورق گردانی کرنا بھی ممکن نہیں تھا... لیکن ٹائیگر کو کسی قسم کا بھی خط نہیں ملا۔ کسی رشتے دار یا کسی دوست کا خط جس سے ایلمو کی شخصیت پر روشنی پڑ سکتی۔ گھر کا جائزہ لیتے ہوئے یوں لگتا تھا جیسے یہ کوئی قدیم کھنڈر ہو... اور ہر سو سے کسی مکین کو ترس رہا ہو۔

ٹائیگر مایوس ہو کر کمرۂ نشست میں آ گیا۔

وہ چونک پڑا۔

اُوشان نے ایک ایسی شے دریافت کر لی تھی جسے وہ نہ جانے کس طرح نظر انداز کر گیا تھا۔ اُوشان اس وقت کنول کے اسٹول پر بیٹھا ہوا تھا اور ایک میگزین کا مطالعہ کر رہا تھا۔ اس کے قریب ہی تپائی پر دیگر بہت سے میگزین بھی پڑے ہوئے تھے۔ غالباً یہ میگزین بستر کے نیچے تھے جہاں ٹائیگر نے جھانکنے کی ضرورت نہیں سمجھی تھی۔

ٹائیگر نے وہ میگزین اُٹھا لیا جس کا ایک شمارہ اُوشان کے ہاتھ میں تھا۔ یہ ایک رابطہ میگزین تھا۔ ایک ایسا رسالہ جس میں مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے لوگ اپنی اپنی ضروریات کو مشتہر کرتے تھے اور پھر ان ضرورتوں پر پورا اُترنے والے لوگ اس اشتہار کے حوالے سے متعلقہ آدمی یا ادارے سے رابطہ قائم کر لیتے تھے۔

اُوشان گہرے انہماک سے رسالہ دیکھ رہا تھا۔

"لٹل فادر..." ٹائیگر نے اُسے متوجہ کرنے کی کوشش کی۔

اُوشان نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کے انداز سے یہی معلوم ہوتا تھا جیسے وہ یہاں یہ رسالہ پڑھنے کے ارادے سے آیا تھا۔

میگزین کے ڈھیر میں چند ایسے رسالے بھی موجود تھے۔ جن سے اشتہار دینے والے لوگ دل بہلاتے ہیں، ٹائیگر نے اوشان کو متوجہ کرنے میں ناکامی پر ایک ایسا رسالہ اُٹھا لیا اور اس کی ورق گردانی میں مصروف ہو گیا۔ اچانک اس کی نظریں اُوشان کے ہاتھ میں پکڑے ہوئے میگزین کے سرورق پر جم گئیں۔ وہ بُری طرح چونک پڑا۔

رسالے کے ٹائیٹل پر ایک آدمی کی تصویر تھی اور اس کے سر پر ایک موٹا تار لپٹا ہوا تھا۔ تصویر کے نیچے تحریر تھا کہ فلاں صفحے پر یہ مضمون ملاحظہ کیجیے۔ مضمون کا عنوان تھا "قتل کرنے کے جدید ترین طریقے۔"

ٹائیگر نے اس صفحے پر نظریں گاڑ دیں جو اُوشان کے زیرِ مطالعہ تھا۔

اس وقت اُوشان سرورق پر دیے گئے مضمون کا صفحہ کھولے اُسی کا مطالعہ کر رہا تھا۔ مضمون ختم کر کے اس نے ایک طویل سانس لی اور ٹائیگر کی طرف دیکھ کر مسکرانے لگا۔ "میں نے پہلے کبھی کسی ایسے میگزین کا نام تک نہیں سنا تھا۔" اس نے کہا۔

"میں بھی اس قسم کا رسالہ پہلی بار دیکھ رہا ہوں۔"

اُوشان نے مضمون والا صفحہ بند کر دیا۔

"اس مضمون میں کیا لکھا ہے؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"قتل کرنے کے طریقے..... اور بھونڈے جواز..." اُوشان نے ناک بھوں چڑھاتے ہوئے کہا۔ "علاوہ ازیں کس کو قتل کیا جائے اور کس کی خدمات حاصل کی جائیں... پھر اس قسم کے قتل کی کتنی فیس ہونی چاہیے۔"

"آپ کو کوئی ترکیب پسند آئی؟"

"نہیں..." اُوشان نے جواب دیا۔ "لیکن اس سے ایک بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ اگر بہرام کبھی ہم دونوں کو ہدف کر دے تو ہم آسانی سے یہ پیشہ اختیار کر سکتے ہیں۔ قتل و غارت گری کی ہمیشہ سے مانگ رہی ہے... اور اب تو اس میں اور بھی اضافہ ہو گیا ہے۔ کمرانے کا قاتل... ہُنہہ۔"

ٹائیگر زیرِ لب مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔

"لیکن اس میگزین میں تمھاری دلچسپی کا بھی سامان ہے۔" اُوشان نے یہ کہہ کر ایک صفحہ کھولا اور رسالہ ٹائیگر کی طرف بڑھا دیا۔

ٹائیگر اس صفحے کو دیکھ کر اُچھل پڑا۔

یہ اس میگزین کے کلاسی فائیڈ اشتہارات کا صفحہ تھا اور سب سے اوپر موٹے موٹے حروف میں تحریر تھا۔ "دُنیا میں سب سے زیادہ مہنگا متاعِ قیمتی مقتول... اسلامی کا سلطان..."

ٹائیگر کو ایک لمحے کے لیے اپنے سینے میں اپنی سانس رُکتی ہوئی سی محسوس ہوئی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ دور پرے اس قسم کی اشاعتیں بھی ہو رہی ہیں۔

اسلامی کے سلطان کو قتل کرنے کے سلسلے میں مہم اس قدر زور پکڑ چکی ہوگی، یہ تو اس نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔ اشتہار والے صفحے پر اسلامی کے سلطان کی تصویر بھی شائع کی گئی تھی۔

تصویر میں شاہ اسلامی اپنے روایتی لباس میں تھا۔

اشتہار میں کہا گیا تھا کہ اسلامی کے سلطان کے سر کی قیمت بیس ملین ڈالر ہو چکی ہے۔ اسلامی کی نئی حکومت نے دُنیا بھر کے جرائم پیشہ لوگوں کو دعوت دی تھی کہ ان میں سے جو کوئی بھی سلطان کا سر لے کر آئے گا، اُسے فی الفور ادائیگی کر دی جائے گی۔ ٹائیگر

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کو سب سے زیادہ تشویش اس بات پر تھی کہ ایلمو نہ صرف یہ اشتہار پڑھ چکا تھا بلکہ اُس نے اشتہار پر سُرخ دائرہ بھی لگا دیا تھا... گویا اس نے سلطان کو قتل کرنے کا ارادہ کر لیا تھا۔

ٹائیگر نے رسالے کی ورق گردانی شروع کر دی۔

یہ درحقیقت ایک خفیہ قسم کی پبلی کیشن تھی۔ غالباً کسی خفیہ مجرمانہ تنظیم کا رسالہ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس کا کوئی شمارہ کسی بک اسٹال پر کبھی دکھائی نہیں دیتا تھا۔ اس کے مخصوص قسم کے خریدار تھے اور یہ رسالہ انھیں خفیہ طور پر ہی بھیجا جاتا تھا۔

ٹائیگر یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اس رسالے میں کئی جگہ بسلامی کے سلطان کو قتل کرنے کے اشتہار موجود تھے... اور سب سے زیادہ حیرانی کی بات یہ تھی کہ ہر اشتہار کے نیچے جو پوسٹ بکس تھا، وہ مختلف تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ ملک بھر میں اس وقت کئی خفیہ تنظیمیں اور مجرم گروہ اسی سلسلے میں سرگرم عمل تھے۔

"اوہ... میرے خدا!" ٹائیگر ایک جھرجھری سی لے کر رہ گیا۔ "میرا خیال ہے ہمیں یہ کام قبول کر لینا چاہیے۔"

"کون سا کام؟"

"سلطان کو ٹھکانے لگا کر ہم بے پناہ دولت کما سکتے ہیں۔"

"پھر کوئی اسکرو ڈھیلا پڑ گیا ہے، شاید۔" ٹائیگر اس مذاق سے لطف اندوز نہ ہو سکا کیونکہ یہ معاملہ اب اس کے لیے ایک چیلنج کی حیثیت اختیار کر گیا تھا اور اتفاق سے مجرم بھی سامنے آ رہا تھا جس کو آنکھوں سے دیکھنا ممکن نہیں تھا۔ اگر ٹائیگر کو پتے پتا قوت حاصل تھی تو مجرم بھی کسی طرح اس سے کم نہیں تھا۔ ٹوٹی ہوئی کئی کھوپڑیاں ٹائیگر کے ذہن میں گھومنے لگیں اور اس نے مٹھیاں بھینچ لیں۔

اس کی حالت دیکھ کر اوشان ہنسے بغیر نہ رہ سکا۔

"بس نکل گئی ہوا؟" اوشان نے طنزاً کہا۔ "اسی لیے کہا کرتا تھا، فرزند کہ کبھی غمارہ بننے کی کوشش نہ کرو۔ غمارہ کتنا ہی کہنہ نہ پھول جائے، ایک معمولی سی سوئی کی نوک سے پھوٹ جاتا ہے۔"

ٹائیگر نے وہ میگزین اپنی پتلون کی عقبی جیب میں ٹھونس لیا۔

"آپ ان رسالوں کا جائزہ لیجیے، میں ذرا گیراج کو دیکھتا ہوں۔"

وہ ملحقہ گیراج تک پہنچ گیا۔ یہ ایک چھوٹا سا تاریک کمرہ تھا۔ اچانک اُسے کھڑکی سے ہیرہ پڑوسن مسز جاک دکھائی دی۔ وہ گیراج سے باہر آ گیا۔

"ہیلو... تمھیں دیکھ کر خوشی ہوئی۔" وہ مسکرا کر بولی۔ "میں تو سمجھی تھی کہ تم مجھ سے ملنے آئے ہو۔"

"ذرا آہستہ بولو۔ اگر فادر نے سن لیا تو بگ مدر کو گھر سے نکال باہر کریں گے۔" ٹائیگر نے سہمے ہوئے انداز میں ایلمو کے گھر کے کمرۂ نشست کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "میں چند چیزوں کا جائزہ لینے آیا تھا۔"

"کام سے فارغ ہو کر آنا۔ میں تمھارے لیے کافی تیار کرتی ہوں۔"

"مجھے افسوس ہے، میں اس وقت ڈیوٹی پر ہوں۔"

"ڈیوٹی ختم ہونے پر؟"

"دیکھوں گا۔" ٹائیگر کا لہجہ یکایک کھردرا ہو گیا۔

مسز جاک چند لمحوں تک اُسے گھورتی رہی۔ اس کی آنکھوں میں مایوسی چھا گئی۔ وہ پلٹی اور اپنے چھوٹے سے باغیچے میں چلی گئی... پھر پودوں کا جائزہ لینے لگی۔ ٹائیگر واپس گیراج میں داخل ہو گیا۔ وہ صرف اسی لیے باہر آیا تھا کہ کہیں مسز جاک گیراج میں نہ گھس آئے۔ ایسی صورت میں اس سے پیچھا چھڑانے میں خاصی دشواری ہوتی۔ اب وہ اطمینان سے گیراج کا جائزہ لے سکتا تھا اور اُسے کسی مداخلت کا خدشہ نہیں رہا تھا۔

گیراج میں تاریکی تھی۔ وہ چند لمحوں تک اندھیرے سے مانوس ہونے کے بعد اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ دن کے وقت یہاں تاریکی کا باعث وہ بھاری بھرکم پردے تھے جنھوں نے کھڑکیوں اور دروازے کو ڈھانپ رکھا تھا۔ صرف ایک کھڑکی کا پردہ ذرا سا ہٹا ہوا تھا اور وہاں سے اُسے اپنے باغیچے میں پودوں کا جائزہ لیتی ہوئی مسز جاک اب بھی دکھائی دے رہی تھی۔

اُس نے متلاشی نگاہوں سے اِدھر اُدھر دیکھا... پھر سرگرمی تلاش کر کے روشنی کر دی۔ سامنے کی دیوار کے قریب اُسے ایک ورک بینچ دکھائی دی۔ شیلف میں ان گنت بے کار اشیا پڑی تھیں۔ ان تمام چیزوں کو غالباً ایلمو اس لیے ساتھ نہیں لے گیا تھا کہ اب اُسے ان کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ دولت کی شاہراہ پر گامزن تھا۔ وہاں اُسے ایسی سڑی بسی اشیا کا تو خیال بھی نہیں آ سکتا تھا۔

ٹائیگر ان اشیا کا جائزہ لینے لگا۔

یہ مختلف قسم کی ایجادات تھی۔ ان میں سے بیشتر تو ٹائیگر کی سمجھ میں ہی نہیں آ رہی تھیں، ہر ایجاد پر ایک لیبل چسپاں تھا جس پر تیاری کی تاریخ پڑی ہوئی تھی۔ ٹائیگر دل ہی دل میں ایلمو کی ایجادات کو سراہے بغیر نہ رہ سکا۔ بے ساختہ اس کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ کاش وہ گمراہ نہ ہو گیا ہوتا۔ اس نے شیلف کا جائزہ لیا تو اس میں سے دو خانے خالی دکھائی دیے۔ غالباً ان دو خانوں میں جو اشیا تھیں، وہ ایلمو کے لیے کارآمد تھیں اور وہ انھیں اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ ایک خلنے پر لگی ہوئی پرچی پر لکھا تھا۔ "انورٹ ٹوڑ آلہ" دوسری پر "الیکٹرک لائٹ آسکی لیٹر" لکھا ہوا تھا۔ ٹائیگر ان دونوں آلات کے بارے میں غور کرتا ہوا ان خالی خانوں کو گھورتا رہا... پھر وہ فرش کی طرف متوجہ ہو گیا۔

گیراج کے فرش پر جا بجا مختلف رنگوں کے دھبے پڑے ہوئے تھے۔ رنگ وہاں منجمد تھا اور ان دھبوں کو دیکھ کر بادی النظر میں قالین کے مختلف پھولوں کا گمان ہوتا تھا۔

فرش پر کہیں کہیں کسی جلی ہوئی چیز کے بھی داغ تھے۔ چند سوراخ بھی دکھائی دے رہے تھے۔ کہیں رنگ کی پپڑیاں نظر آ رہی تھیں اور کسی کسی جگہ لکڑی کے ننھے ننھے ٹکڑے بھی پڑے ہوئے تھے۔ یکایک

امریکہ رے امریکہ — طارق اسمٰعیل ساگر — 150/-
سوویت اور عالم اسلام — طارق اسمٰعیل ساگر — 125/-
کورٹ مارشل — طارق اسمٰعیل ساگر — 200/-
آخری گناہ کی مہلت — طارق اسمٰعیل ساگر — 150/-
مکتبہ القریش اُردو بازار - لاہور 2

صحرا کا چاند — اے حمید — 80/-
پہلی محبت کے آنسو — اے حمید — 250/-
اداس جنگل کی خوشبو — اے حمید — 100/-
چاند چہرے — اے حمید — 200/-
مکتبہ القریش اُردو بازار - لاہور 2

اُس کی نگاہ کونے میں کھڑی اُس کھٹارا گاڑی پر پڑی جسے اُس نے اب تک نہیں دیکھا تھا۔ یہ کار پہلی نظر میں دکھائی نہیں دیتی تھی کیونکہ اس پر عجیب سا رنگ کیا ہوا تھا۔ کار کی باڈی پر جا بجا گاڑھے پڑے ہوئے تھے۔ ٹائیگر حیران تھا کہ اس کار پر ایسا رنگ کیوں کیا گیا ہے؟ اس نے زندگی میں پہلے کبھی کسی کار پر ایسا رنگ نہیں دیکھا تھا۔ وہ جلد ہی سمجھ گیا کہ اس کار کو بھی نادیدہ بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ ایک سیاہ رنگ کی کار تھی۔

یہ رنگ ہونے سے پہلے کار کی رنگت کیا تھی، اس کا ٹائیگر کو اندازہ نہ ہو سکا کیونکہ کار کو بڑے ہی بھونڈے انداز میں رنگا گیا تھا۔

وہ کار کا مزید توجہ سے جائزہ لیتا رہا حتیٰ کہ اس نے بعض ایسے حصے بھی دیکھے جہاں سے رنگ اُدھڑ گیا تھا۔ اُسے سمجھنے میں بیس زیادہ دشواری نہیں ہوئی کہ اوشان نے ساحل سے رنگ کا جو ٹکڑا تلاش کیا تھا، وہ اسی کار سے کھرچ کر وہاں گرا ہو گا۔ اس کے اثبات میں سر ہلایا۔ ٹوٹی اور بکھری ہوئی زنجیر کی کڑیاں رفتہ رفتہ جڑتی جا رہی تھیں اور اب سب کچھ قابلِ فہم ہوتا جا رہا تھا۔

وہ گیراج سے باہر آ گیا۔

مسز جاک اب بھی باغیچے میں موجود تھی۔

ٹائیگر نے اُس کی طرف کوئی توجہ نہیں دی اور یوں قریب سے گزرتا چلا گیا جیسے اس سے پہلے اس کو جانتا تک نہ ہو۔ وہ دوبارہ ایلمو کے کمرۂ نشست میں داخل ہوا تو اوشان اسی ایک میگزین کے مطالعے میں مصروف تھا۔

"آپ کا نظریہ درست تھا، اوشان!" ٹائیگر نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔

"ہوں... کیا وقت ہو گیا ہے؟"

ٹائیگر نے گھڑی دیکھ کر وقت بتایا تو اوشان نے یوں انگڑائی لی جیسے اس مخصوص وقت پر انگڑائی لینا اس کا معمول رہا ہو پھر وہ ٹائیگر کی طرف دیکھ کر مسکرانے لگا۔ "تم میرے نظریے کے بارے میں کچھ کہہ رہے تھے، کیا بات تھی؟"

"اس شخص نے اپنی کار پر بھی وہی رنگ کیا تھا۔"

گویا یہ بات درست ہے کہ اس نے کوئی ایسا رنگ ایجاد کر لیا ہے جس کی وجہ سے وہ دوسرے آدمیوں کی نظروں سے اوجھل رہ سکتا ہے۔"

"جی ہاں..." ٹائیگر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ "اس کے علاوہ بھی اس نے چند چیزیں ایجاد کی ہیں۔ ایک انورٹ توڑنے والی مشین اور دوسری روشنی بجھانے والا آلہ... انورٹ توڑنے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

والی مشین سے وہ کھوپڑیاں تولنے کا کام لیا گیا ہے اور دوسری روشنیاں بجھا کر اپنے لیے اندھیرا مہیا کرتا ہے تاکہ کسی کو نظر نہ آسکے۔"

اوشان ہنس پڑا۔ "آہ... وہ کمزور اور ناتواں نوجوان...!"

ٹائیگر خفت کے باوجود مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔

"اب جبکہ میرے نظریات سے تمہیں کافی فائدہ پہنچا ہے اور تمہارا کام کافی حد تک پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم تھوڑی سی میری بھی مدد کرو۔"

"میں آپ کے لیے کیا کر سکتا ہوں ایمل فادر؟"

"اس رسالے کے ایڈیٹر کو تلاش کرو۔"

"وہ کیوں؟" ٹائیگر کے لہجے میں حیرت تھی۔

"میرا خیال ہے میں اس رسالے کے لیے بہترین مواد فراہم کر سکتا ہوں... اور اس قسم کے رسالے معاوضہ بھی بہت اچھا دیتے ہوں گے۔"

"اوہ...!" ٹائیگر نے ایک طویل سانس لے کر کندھوں کو ڈھیلا چھوڑ دیا۔ اس کا خیال تھا کہ اوشان نے شاطری، ڈرامہ نویسی اور مضمون لکھنے کا پیشہ اپنانے کا خیال اپنے ذہن سے جھٹک دیا ہو گا... لیکن یہ خیال برسوں بعد بالآخر غلط ہی ثابت ہوا تھا۔

اچانک فون کی گھنٹی بجنے لگی۔

ٹائیگر نے چونک کر فون کی طرف دیکھا۔ فون کی موجودگی اتنی حیرت انگیز نہیں تھی جتنی اس کی گھنٹی بجنے پر حیرت ہو رہی تھی۔ غالباً ایمل نے جاتے وقت کمپنی کو فون کاٹنے کی ہدایت نہیں کی تھی اگر وہ ایسا کرتا تو یقیناً فون اب تک کٹ چکا ہوتا۔ ٹیلی فون کا محکمہ نیا کنکشن دینے میں جس قدر سست تھا اس سے کہیں زیادہ تیز رفتاری... فون کاٹنے میں دکھاتا تھا۔ اس نے اوشان کی طرف دیکھا۔

اوشان میگزین کے مطالعے میں مصروف ہو گیا تھا

ٹائیگر نے آہستہ سے ریسیور اٹھا لیا۔

"تم کہاں تھے کتنی دیر سے گھنٹی بج رہی تھی؟" دوسری طرف سے ایک بھلائی ہوئی آواز سنائی دی۔

"اوہ سویٹ ہارٹ!" ٹائیگر، بہرام کی آواز سن کر بے اختیار مسکرا دیا۔ وہ دراصل یہیں اس سوچ میں پڑ گیا تھا کہ مجھے یہ کال ریسیو کرنی چاہیے یا نہیں؟"

"کیا رہا...؟" بہرام کے لہجے میں بے چینی تھی۔

"آپ کا مطلوبہ قاتل ایک کمزور اور ناتواں سا نوجوان ہے۔ ایمو... اس نے ایک خاص رینگ ایجاد کیا ہے جس کی مدد سے

چاہ بابل

دیوتاؤں کے شہر بابل کی کہانی

جسے مصنف نے 35 سال کی ریسرچ کے بعد قلمبند کیا۔

800 صفحات

قیمت -/400

اردو بازار لاہور

ش کی گئی ہے۔ یہیں ملین ڈالر نیک معاملہ پہنچ چکا ہے۔ ایمو نے ہر اشتہار کے گرد ایک سرخ دائرہ بنا رکھا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اس معاملے میں دلچسپی لے رہا ہے۔" ٹائیگر نے کہا۔ "ایک اشتہار سب سے پُرلطف ہے۔ اس کا عنوان ہے "سلطان کو ٹھنڈا کر کے اپنی جیب گرم کر لو۔"

"ہاں... یہ اشتہار میری طرف سے ہے۔" بہرام بولا۔

"یعنی...!" ٹائیگر ہکا بکا رہ گیا۔

"یہ اشتہار میں نے ہی دیا تھا۔" بہرام نے وضاحت کی۔ "اور کمال بھی میں نے اسی سلسلے میں کی ہے۔"

"بڑی عجیب بات ہے۔ کیا آپ کا بھی کوئی اسکروڈھیلا ہو گیا ہے؟" ٹائیگر نے بوکھلا کر کہا۔ "معاف کیجیے سویٹ ہارٹ، میں اس وقت استعفا دے رہا ہوں کیونکہ مجھ سے یہ کام نہیں ہو سکے گا۔"

"میں نے یہ اشتہار اس لیے دیا تھا کہ اگر کوئی سلطان کو قتل کرنے میں دلچسپی لے رہا ہے تو وہ سامنے آجائے۔" بہرام کی خراہٹ سنائی دی۔

"اوہ...!" ٹائیگر ایک طویل سانس لے کر رہ گیا۔

"اور آج رات میری ایمو سے ملاقات متوقع ہے۔" بہرام وضاحت کی۔ "وہ سینٹرل پارک میں آئے گا۔ کہیں یہاں کا تھم کر کے جلد از جلد وہیں پہنچنا ہے۔ سمجھ گئے۔ یہ ایک اہم ترین معاملہ ہے۔ میں کسی قسم کی کوتاہی برداشت نہیں کروں گا۔"

"فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں چیف۔" ٹائیگر نے کہا اور دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہونے کی آواز سن کر ریسیور رکھ دیا۔ وہ اپنے چیف بہرام کے بارے میں اچھی طرح جانتا تھا۔ وہ ان کا سب سے زیادہ اصول پسند اور وفادار آدمی تھا۔ اس نے دستِ راست سرگوشل کی معاونت سے یہ تنظیم بنائی تھی۔ اس لیے وہ چوبیس گھنٹے کام کیا کرتا تھا۔ ٹائیگر کا خیال تھا کہ وہ ایک کے لیے بھی آرام نہیں کرتا۔ ایک ساعت کے لیے بھی نہیں۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ ناگزیر صورتِ حال کے لیے وہ خود کو ہمیشہ تیار رکھتا ہے۔ اس کی جیب میں ہر وقت چند سریع الاثر گولیاں موجود رہتی ہیں۔ اس تنظیم کی راہ میں اپنی ذات کو سب سے بڑا خطرہ سمجھتے ہی وہ ان گولیوں کو استعمال کر سکتا تھا۔ ٹائیگر کو یقین تھا کہ بہرام کمرے میں ایک تابوت ہر وقت تیار رہتا ہے۔ وصیت اس نے بطور خاص اپنے لیے بنوایا تھا تاکہ اس کی لاش کو اس کے آبائی گاؤں بھجوائی جا سکے۔ [illegible]

اور وہ اس کے معمول سے اشارے پر جان تک کی بازی لگانے سے بھی دریغ نہیں کر سکتا تھا۔

ریسیور رکھنے کے بعد اس نے اوشان کی طرف دیکھا...

"سویٹ ہارٹ کی کال تھی۔" اس نے اطلاعاً کہا۔

"میں جانتا ہوں۔ دنیا میں ہمیں صرف وہی فون کر سکتا تھا۔"

"یہاں سے نکل کر ہمیں سینٹرل پارک جانا ہے۔"

"چہل قدمی کے لیے؟" اوشان نے خوش ہو کر کہا۔ "رات کے وقت باغ میں چہل قدمی جسم اور روح دونوں کے لیے مفید ہوتی ہے۔"

"میرا خیال ہے ہمیں چلنا چاہیے۔ اب زیادہ وقت نہیں رہا۔ رات ہونے والی ہے۔" ٹائیگر نے کھڑکی سے باہر پھیلتے ہوئے اندھیرے کی طرف دیکھ کر کہا۔

اوشان، دھوئیں کے سرغوبے کی طرح لہراتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ ٹائیگر کے پیچھے دروازے کی طرف چل دیا۔

ٹائیگر نے نرمی سے دروازے کی ناب تھام لی اور تعظیماً اوشان کے لیے دروازہ کھول کر کھڑا ہو گیا۔ اوشان کے ہاتھ میں خفیہ سرگرمیوں سے متعلق رسالہ اس وقت بھی دبا ہوا تھا اور وہ چلتے چلتے بھی اس کا مطالعہ کر رہا تھا۔

اچانک ٹائیگر کو اوپر چھت پر کسی کے قدموں کی آہٹ محسوس ہوئی۔

اوشان اس وقت تک دروازے سے نکل کر برآمدے میں پہنچ چکا تھا۔ دبے دبے قدموں کی آہٹ پر ٹائیگر کے جسم کا ایک ایک حصہ چاق و چوبند ہو گیا۔ خطرے کے احساس نے اس کے جسم میں بجلیاں سی بھر دیں۔ معاً اسے احساس ہوا کہ اوپر جو کوئی بھی ہے وہ برآمدے سے اوشان پر کود پڑے گا اور اوشان ہر طرف سے بے نیاز رسالہ پڑھتا ہوا چلا جا رہا تھا... اور پھر ٹائیگر کا اندازہ درست ہی ثابت ہوا۔

اوپر سے ایک آدمی اوشان پر کود رہا تھا۔

ٹائیگر نے کسی چیتے کی طرح جست لگائی۔

اس کا جسم عقاب کی سی پرواز میں بلند ہوا اور اس سے پہلے کہ کودنے والا شخص اوشان کو کوئی نقصان پہنچانے میں کامیاب ہوتا، ٹائیگر نے فضا میں اسے جکڑ لیا۔ ریڑھ کی ہڈی ٹوٹنے کی آواز پیدا ہوئی اور وہ شخص اوشان کے قدموں میں گر گیا۔ اوشان اسے پھلانگتا ہوا گزر گیا۔ اس کی نگاہ اب بھی رسالے پر جمی ہوئی تھی۔

حملہ آور کے ہاتھ میں ایک کھلا ہوا چاقو تھا جو اب اس کے قریب

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

فرش پر پڑا ہوا تھا۔

"بائیں طرف ایک اور بھی ہے۔" اُوشان نے کہا۔

اُسی لمحے ٹائیگر نے دوسرے آدمی کو دیکھا۔

وہ شخص اتنا دبلا اور سنبھالے اُوشان کو نشانہ بنانا چاہتا تھا۔

ٹائیگر نے خود کو فضا میں بلند کیا اُسی طرح اُچھلا کا ہُوا... لیکن گولی ٹائیگر کے بالوں کو چھوتی ہوئی گزر گئی... پھر وہ شخص گرا۔ اُوشان نے رسالے سے نگاہ ہٹا کر پہلی بار چھت کی طرف دیکھا۔ ریوالور والا ہاتھ خالی تھا اور اُس شخص نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سینہ تھام رکھا تھا۔

پھر اُسے اُبکائی آئی تو اُوشان نے اُس کے کھلے ہوئے دہانے میں ریوالور کا دستہ دیکھ لیا۔ اُس نے اظہارِ اطمینان میں سر کو اثبات میں جُنبش دی اور بیرونی دروازے کی طرف چلتا رہا۔

ٹائیگر نے دونوں لاشوں کی تلاشی لی لیکن اُن کی جیبیں خالی تھیں۔ کوئی نشان، کوئی کاغذ یا کوئی ایسی شے موجود نہیں تھی جو اُن دونوں کی شخصیت کو بے نقاب کرنے کے سلسلے میں کارآمد ثابت ہوتی۔

لاشیں وہیں چھوڑ کر ٹائیگر اُوشان کے پیچھے لپک پڑا۔

جب میں کار میں بیٹھ رہا تھا تو اُوشان نے برہمی سے کہا۔

"تمہیں وہ رسالے اپنے ساتھ لانے چاہیے تھے اگر وہ پولیس کے ہاتھ لگ گئے یا کسی اور نے اُنہیں پا لیا تو...!"

"اوہ...!" ٹائیگر نے کہا اور تیزی سے واپس چل دیا۔

کچھ دیر بعد وہ رسالوں کا ڈھیر اُٹھائے واپس آگیا۔ رسالے کار کی عقبی نشست پر پھینک کر اُس نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی اور کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔

"آپ مجھے اُن دونوں کی موجودگی سے آگاہ کر سکتے ہیں۔" ٹائیگر نے شکایت آمیز لہجے میں کہا اور کن انکھیوں سے اُوشان کی طرف دیکھا جو اُس وقت بھی رسالے کی طرف متوجہ تھا۔

"میں مطالعے میں مصروف تھا۔ مجھے حیرت ہے کہ لوگ مطالعہ کرنے کو ضروری کام کیوں نہیں خیال کرتے۔"

ٹائیگر نے ناگواری سے مُنہ بنایا اور خاموشی سے ڈرائیو کرتا رہا۔

اپنے ہوٹل پہنچ کر اُس نے مُنہ ہاتھ دھویا اور تازہ دم ہونے کے بعد گھڑی پر وقت دیکھا۔ بہرام نے سینٹرل پارک پہنچنے کے لیے جو وقت دیا تھا اس میں ابھی کافی دیر تھی۔ اس نے محض اُوشان کو ایلمو کے گھر سے اُٹھانے کے لیے جلد بازی دکھائی تھی۔ ٹائیگر نے سوچا کہ باہر جانے سے قبل بہرام کو ان دو آدمیوں کے سلسلے میں اطلاع دے دینی چاہیے۔ اس نے فون کیا اور بہرام کی آواز سنتے ہی بولا۔ "دو آدمیوں نے اُوشان کو... اور... مجھے قتل کرنے کی کوشش کی تھی۔"

"کون کامیاب رہا؟" بہرام نے سوال کیا

"ہم دونوں مقتول ہونے سے بال بال بچ گئے۔"

"تفصیل سے بیان کرو۔" بہرام غرّایا۔

ٹائیگر نے اُسے ان دونوں آدمیوں کے بارے میں سب کچھ تفصیل سے بتا دیا اور اُوشان کی طرف دیکھنے لگا جس نے سینٹرل پارک جانے کے لیے اپنا مخصوص بھورا لبادہ پہن لیا تھا۔

"کوئی شناخت نہیں ملی؟" بہرام نے دریافت کیا۔

"نہیں... کچھ بھی نہیں۔"

"کیا وہ غیر ملکی تھے؟"

"آپ کا مطلب ہے، ان کا تعلق کہیں بسلامی سے تو نہیں تھا؟" ٹائیگر نے کہا۔ "جہاں تک میں سمجھتا ہوں، وہ اٹلی کے باشندے تھے۔"

"گہری رنگت والے؟" بہرام نے پوچھا۔

"ہاں... اگر ان کا تعلق بسلامی سے تھا تو اس حکومت کو مجھ سے یا اُوشان سے کیا دشمنی ہو سکتی ہے؟" ٹائیگر کے لہجے میں اُلجھن تھی۔

"میرا خیال ہے، جب تم امیر بسلامی سے ملاقات کے لیے گئے تھے تو وہاں تم نے کسی کو دوست بنانے کی کوشش نہیں کی بلکہ کوئی نہ کوئی دشمن پیدا کر لیا ہے۔" بہرام نے خیال آرائی کی۔

"آج رات بہت زیادہ محتاط رہو ٹائیگر... بے حد محتاط۔"

"او کے۔ ڈیڈی۔" ٹائیگر نے شگفتہ لہجے میں کہا۔ "مجھی کو سلام کہیے گا۔" اس نے ریسیور رکھ دیا اور اُوشان کی طرف متوجہ ہو گیا۔

وہ کمرے سے نکلے تو ٹائیگر کا ذہن اب بھی قاتلوں میں اُلجھا ہُوا تھا جو کچھ دیر قبل اس کے ہاتھوں مقتول ہو گئے تھے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ انھیں کس نے بھیجا ہو گا... اور کیوں؟ کیا ایلمو نے ان دونوں کی خدمات حاصل کی تھیں؟ نہیں... اس نے یہ خیال ذہن سے جھٹک دیا کیونکہ ایلمو خود ایک قاتل بن چکا تھا... ایک ناقابلِ تسخیر قاتل... اُسے کسی کو بھیجنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ اگر وہ خود آتا تو شاید اس وقت صورتِ حال بالکل ہی مختلف ہوتی۔

باہر رات اندھیری تھی۔ آسمان پر چاند نہیں تھا۔ ٹائیگر نے تلخی سے سوچا کہ اندھیرا پارک کسی نادیدہ قاتل کے لیے بڑی ہی محفوظ شکارگاہ ثابت ہو سکتا ہے۔ نہ جانے کیوں اس کی پریکٹیکل

کی ہڈی کے نچلے حصّے پر ایک مبہم سی سنسنی چمکی چمک گئی۔ جو آہستہ آہستہ رینگتی ہوئی اُوپر آ رہی تھی اور اس کے چلنے سے ٹائیگر کو اپنے پورے جسم میں سرد سی لہریں دوڑتی محسوس ہو رہی تھیں۔

ٹائیگر اور اُوشان، دونوں کے قدم تاریک سینٹرل پارک کی طرف بڑھتے رہے اور ٹائیگر کا دل معمول سے زیادہ تیزی سے دھڑکتا رہا۔

ایلمو پارک میں داخل ہُوا تو رات کے گیارہ بجے تھے۔

اس نے دُودھیا سفید قمیص، سفید پتلون اور سفید ہی جوتے پہن رکھے تھے۔ وہ جس لباس میں تھا، اس میں اُسے بیلوں دُور سے دیکھا جا سکتا تھا۔ پارک کی ایک روش پر چلتے چلتے اچانک ہی وہ اچھلا اور جھاڑیوں میں دُبک گیا۔ اس کا خیال تھا کہ اُسے کسی نے نہیں دیکھا۔ اس سلسلے میں ایلمو نے خود کو شاباش دی اور اپنی کارکردگی کو دل ہی دل میں سراہنے لگا۔

... لیکن ایلمو کا خیال غلط تھا۔

اُسے دیکھ لیا گیا تھا... اور دیکھنے والا تھا مرفی...

مرفی اس وقت کس شکار کی تاک میں، ایک باڑ سے ٹیک لگائے کھڑا تھا اور جیسے ہی ایلمو پارک میں داخل ہُوا تھا اس کی نگاہ ایلمو پر گئی تھی چونکہ وہ خود اندھیرے میں تھا اس لیے خود ایلمو اُسے دیکھنے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا اور بلاوجہ ہی اس خوش فہمی میں مبتلا ہو گیا تھا کہ کسی نے اُسے پارک میں قدم رکھتے ہوئے نہیں دیکھا۔ مرفی کے ہاتھ میں لمبے پھل والا ایک سوئچ بلیڈ دبا ہوا تھا جسے اس کی انگلیاں بے چینی سے چھو رہی تھیں۔ اس کی ایک اُنگلی بار بار اُس بٹن پر پہنچ کر رُک جاتی تھی جس پر معمولی سا دباؤ ڈالنے سے چاقو کا خوفناک بلیڈ ایک جھٹکے سے باہر نکل آتا تھا۔

وہ اس وقت بھورے رنگ کے لباس میں تھا اس لیے تاریکی میں اچانک ہی نگاہ میں اُسے دیکھنا ممکن نہیں تھا۔ مرفی ایک رہزن تھا۔ دیہات مقامات کا شہنشاہ اور ایک دیوانہ قاتل... وہ اکا دُکا آدمیوں کو قتل کر کے اپنی دیوانگی کی آگ بجھا چکا تھا لیکن آج اُسے پھر خون کی پیاس محسوس ہو رہی تھی۔ جب اس کی جیب خالی اور پیٹ میں بھوک کی زیادتی سے اینٹھن ہونے لگتی تھی تو کسی کو قتل کرنے اور اُسے لوٹ لینے کی خواہش تیز تر ہو جایا کرتی تھی۔ وہ نو بجے رات سے یہاں موجود تھا اور انتظار کرتے کرتے اس کی دیوانگی میں کئی گنا اضافہ ہو گیا تھا۔ ایلمو دُور ہی سے ایک ایسا کوہان دکھائی دے رہا تھا جس کے سر سے پاؤں تک ہر جگہ لفظ شکار لکھا نظر آتا تھا۔

کسی سے خفیہ ملاقات کے لیے آیا ہے۔" مرفی یہ کہہ کر ہنس پڑا۔ "تم جس سے ملنے آئے ہو اُس سے کبھی نہیں مل سکو گے، دوست! اگر کسی احمق لڑکی نے تمہیں یہاں ملاقات کے لیے بُلایا ہے تو وہ آج تمہاری بجائے مرفی سے ملاقات کرے گی۔" وہ زیرِ لب بولتا رہا۔ "اور تمہیں بھی کسی لڑکی کے بجائے مرفی سے مل کر کسی قدر حیرت کا جھٹکا لگے گا۔" اس نے پیار سے اپنے چاقو کو سہلایا اور بے آواز ہنستا رہا۔

وہ ایلمو کو دیکھتا رہا اور دل ہی دل میں ہنستا رہا کیوں کہ وہ اسی راستے پر چلا آ رہا تھا جس پر آگے مرفی کھڑا تھا۔ اچانک مرفی چونک پڑا۔ اس نے ایلمو کو جست لگا کر جھاڑیوں میں غائب ہوتے دیکھا۔ "کہاں جا سکتا ہے؟" مرفی نے لاپروائی سے کہا۔ اس نے سفید کپڑے پہن رکھے ہیں اور کسی لائٹ ہاؤس کی طرح دُور سے نظر آ رہا ہے۔ میں ابھی اسے تلاش کر لوں گا۔" خود کلامی کے انداز میں یہ کہتے ہوئے ایلمو کی تلاش میں آگے بڑھنے لگا۔

مرفی نے بٹن دبایا اور چاقو کا پھل نکل آیا۔

وہ اب آہستہ آہستہ چلتا ہُوا اُس جگہ پہنچ گیا تھا جہاں اس نے ایلمو کو جھاڑیوں میں داخل ہوتے دیکھا تھا۔

اے حمید کے ایڈونچر قلم سے
شیوسینا کے
دہشت گرد
چار جلدوں میں مکمل سیٹ =/700 روپے
ناشر: مکتبہ القریش
اردو بازار لاہور

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"کیا تم نے مجھ سے کچھ کہا؟" ایک آواز سنائی دی۔

"آہا... تم..." مرفی خوشی سے جھوم کر بولا... لیکن پھر وہ لٹو کی طرح گھوتا ہی چلا گیا کیونکہ اُسے بولنے والا کہیں بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

"تم ابھی ابھی مجھے یاد کر رہے تھے، نا؟"

وہی نرم سی سرگوشی دوبارہ سنائی دی۔ اس بار تو مرفی کو یوں محسوس ہوا تھا جیسے کوئی اس کے دائیں کندھے کے اوپر سے، بالکل کان کے قریب مُنہ لاکر بولا ہو۔ وہ چکرا کر سے گھوم گیا۔ لیکن عقب میں ساکت اور خاموش جھاڑیاں تاریکی میں اُداس اور مغموم کھڑی نظر آرہی تھیں۔ وہاں کسی ذی رُوح کا نام و نشان تک نہیں تھا۔ پہلی بار مرفی کو خوف کا احساس ہوا۔ اس کے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر تاریکی میں گھور رہا تھا۔ لیکن اُسے کچھ بھی دکھائی نہیں دیا۔

اس سے پہلے کہ وہ کچھ سوچتا، کچھ کرتا، دفعتاً اُسے یوں محسوس ہُوا جیسے اس کی کھوپڑی کے گرد ایک آہنی شکنجہ سا کسا جا رہا ہو۔ اُسے اپنی کنپٹیوں میں تکلیف کا احساس ہونے لگا۔ وہ تیزی سے اپنا چاقو والا ہاتھ عقب میں استعمال کرنا چاہتا تھا... لیکن اس سے پہلے ہی اُس کی کھوپڑی کسی اخروٹ کی طرح کٹکٹے ٹکڑے ہوگئی۔ شکنجہ اچانک ہی بے حد سخت ہوگیا تھا۔ اتنی سُرعت کے ساتھ کہ وہ مدافعت میں کچھ بھی نہ کر سکا تھا۔

جھاڑیوں میں گھسنے کے بعد اُسے ایک مختصر سا خلا نظر آیا۔ لیکن وہاں تو کسی کا نام و نشان تک نہیں تھا۔ ایلمو نہ جانے کہاں غائب ہوگیا تھا۔ وہ دیوانہ وار اِدھر اُدھر تلاشی نظروں سے دیکھتا رہا۔

ایلمو کو وہاں موجود نہ پاکر مرفی کی دیوانگی آخری حد کو چھونے لگی۔ وہ اب تک بے بلند آواز میں ایلمو اور اس کے سفید لباس کو بُرا بھلا کہہ رہا تھا۔ اس کی گرفت چاقو کے دستے پر بے حد سخت تھی اور وہ اُسے کسی کے زندہ گوشت میں اُتار دینے کے لیے بے چین ہو رہا تھا۔ اس کے حلق میں کانٹے سے پڑ گئے تھے۔ شدت سے پیاس کا احساس ہو رہا تھا۔ اس کے ہانپنے کی آواز کئی قدموں کے فاصلے سے بھی با آسانی سُنی جا سکتی تھی۔

"اے سفید پوش..." وہ دھیمی آواز میں غرایا "تم کہاں غرق ہوگئے ہو... تم سفید کفن پہن کر آئے تھے... لیکن میرے ہاتھوں مرنے سے پہلے ہی جہنم رسید ہوگئے۔ آؤ... سامنے آؤ... میں تمہارے اس سفید لباس کو سُرخ رنگت عطا کرنا چاہتا ہوں۔"

سسپنس ڈائجسٹ کا
مقبول ترین
سلسلہ

دہشت

ایک عشق گزیدہ نواب زادے کی
ہنگامہ خیز سرگزشت۔
تین دوستوں کا قصہ جن کے عزم و استقلال
سے طوفان شکست کھا گئے تھے۔

لازوال کہانیوں کے خالق
انوار صدیقی
کے پُراسرار قلم سے
دو حصوں میں
حصہ اوّل ۴۵/۰۰ حصہ دوم ۴۵/۰۰
ناشر: مکتبہ القریش
اردو بازار لاہور ۲

ایلمو نے ایک طویل سانس لی۔

وہ بے حد خوش تھا۔ اس نے کھوپڑی توڑ آلے کو کپڑے سے پونچھا اور پھر اُسے کمر سے بندھے ہوئے تھیلے میں ڈال دیا۔ یہ تھیلا اُس نے دونوں آلات رکھنے کے لیے بطورِ خاص تیار کیا تھا اور اُسے غیر مرئی بنانے کے لیے اس پر وہی مخصوص رنگ بھی کر دیا تھا۔

گھر سے چلنے سے پہلے ہی، وہ اپنے غائب ہونے کے سلسلے میں حائل مشکلات پر غور کرتا رہا تھا۔ اس نے سراسر امکانی پہلو کا جائزہ لیا تھا۔ مصیبت یہ تھی کہ تیز روشنی میں وہ ایک انسانی سایہ لگتا تھا۔ جیسے جیسے روشنی کم ہوتی جاتی تھی، اس کا وجود دوسرے انسانوں کی نگاہوں سے اوجھل ہوتا جاتا تھا... لیکن روشنی اس کی دشمن تھی... وہ سوچتا رہا تھا کہ پارک میں اگر وہ انسانی سایہ بھی نظر آیا تو خطرہ پیدا ہو سکتا ہے۔ وہ چاہتا تھا کہ کسی طرح، ملاقاتی کو اس کا سایہ دکھائی نہ دے۔ اچانک چلتے وقت اُس کے ذہن میں ایک ترکیب آگئی۔ اس نے چار لکڑی کے تختے لیے اور ان پر غیر مرئی رنگ پھیر دیا۔ ان تختوں کی وجہ سے وہ ایک آڑ حاصل کر سکتا تھا اور اس آڑ میں وہ کسی کو انسانی سایہ ہرگز دکھائی نہیں دے سکتا تھا۔

جھاڑیوں میں داخل ہونے کے بعد اُس نے سب سے پہلے نظر آنے والے درخت سے تختے ایک جگہ کھڑے کیے تھے اور پھر ان کی اوٹ میں کھڑے ہو کر اپنا پُراسرار لبادہ پہن لیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جب مرفی جھاڑیوں کے درمیان اس میدانی جگہ میں داخل ہوا تھا تو اُسے ایلمو دکھائی نہیں دیا تھا... بلکہ جب اُس نے ایلمو والے حصے کی طرف دیکھا تھا تو اُسے وہ جگہ بھی جھاڑیوں ہی کا ایک حصہ محسوس ہوئی تھی۔ یہ اس صورتِ حال کی ایک آزمائش تھی جس میں ایلمو صد فی صد کامیاب رہا تھا... اور اس کا ثبوت مرفی تھا، جو اس وقت اس کے پیروں میں اپنی ٹوٹی ہوئی کھوپڑی کے باعث بے حد بھیانک لگ رہا تھا۔

اس نے جو ترکیب سوچی تھی، وہ کامیاب رہی تھی اس لیے مطمئن ہو کر ایلمو نے اپنا سامان اُٹھایا اور جھاڑیوں سے باہر آگیا۔

اب وہ اس سمت میں جا رہا تھا جہاں اس کی ملاقات طے تھی۔

اس نے خود کو آگے پیچھے دو تختے باندھ کر انسانی سائے کے زمرے سے نکال لیا تھا۔ اس لیے اُسے توقع تھی کہ سلامی کے سلطان کو قتل کروانے کے خواہش مند لوگ اُسے دیکھنے کے باوجود بھی دیکھنے میں کامیاب نہیں ہو سکیں گے۔

ایلمو اسلامی کے سلطان کے بارے میں بہت کم جانتا تھا۔ اس کی معلومات محض ٹی۔ وی پر پیش کی جانے والی خبروں تک محدود تھیں... لیکن اُسے سیاست سے کبھی دلچسپی نہیں رہی تھی۔ وہ تو صرف اس دولت کو حاصل کرنا چاہتا تھا، جو سلطان کو قتل کرنے کے سلسلے میں پیش کی جانے والی تھی۔

اُس نے ابھی تک یہ فیصلہ نہیں کیا تھا کہ سلطان کی موت کے بعد وہ ایک گمنام قاتل ہی رہے گا یا اس تاریخی اہمیت کے قتل کے بعد اُسے خود یہ اعلان کرنا چاہیے کہ قتل اُس نے کیا ہے۔ خود کو قاتل کی حیثیت سے متعارف کرانے کا یہ فائدہ ہوتا کہ لوگ اس سے مزید کام لیتے اور خفیہ سرگرمیوں سے وابستہ اُس میگزین کے ذریعے اُس کی خدمات حاصل کرتے... دوسری صورت میں اُسے خود ہی شکار کی تلاش میں مارے مارے پھرنا پڑتا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ دونوں ہی طرح وہ عمل کر سکتا ہے۔ اُسے ایسا کرنے سے بھلا روک بھی کون سکتا تھا... لیکن اُس نے یہ فیصلہ تا نتِ قرین ملاقات کے بعد ہی کرنے کا تہیہ کیا۔ بیس ملین ڈالر کا تصور ہی اُس کے مُنہ میں پانی لانے کے لیے کافی تھا۔

ایلمو کو افسوس ہونے لگا کہ اُس نے اپنی زندگی کا سب سے پہلا قتل کس قدر کم معاوضے پر کیا تھا۔ سرکاری گواہ ایک اہم ترین شخص تھا۔ اُس کی زندگی اور موت جرائم پیشہ لوگوں کے لیے بڑی اہمیت رکھتی تھی بلکہ اُن سب کی زندگیوں کا انحصار اُس سرکاری گواہ کی موت پر تھا... اور اُس نے اتنی اہم شخصیت کو محض چند ڈالروں کے لیے قتل کر دیا تھا۔ وہ ایک ناممکن قتل تھا اور ناممکن قتل کا معاوضہ بھی ایسا ہی ہونا چاہیے تھا۔

"کوئی بات نہیں۔" وہ زیرِ لب بولا۔ "جن دو احمقوں نے مجھے بے وقوف بنانے کی کوشش کی تھی، وہ جہنم رسید ہو چکے ہیں۔ میں نے بھی اُن سے وہ انتقام لیا ہے، جو ان دونوں سے کوئی بھی نہیں لے سکتا تھا۔"

وہ خود کو تسلی دینے لگا۔

ان دنوں وہ ایک احمق اور بزدل نوجوان ہوا کرتا تھا۔ اب وہ بھیڑیا بن چکا ہے۔ ایلمو ایک نادیدہ قاتل ہے... جرائم کی دنیا کا بے تاج بادشاہ ہے۔ ان خیالات سے اُسے بے پناہ طمانیت کا احساس ہُوا اور وہ اپنے آپ ہی مسکرانے لگا... مگر چلتے چلتے وہ ہنس بھی پڑا۔ اسے شوخی سُوجھی تو اُس نے روشنیاں بجھانے والے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

آلے کا رُخ قریبی بلب کی طرف کر کے اُس کا بٹن دبا دیا۔

کھمبے پر لگا ہُوا بلب ایک لمحے کے لیے بھڑکا اور پھر تاریک ہوگیا۔ اس کے ساتھ ہی اُس قطار میں جو پندرہ بلب لگے ہُوئے تھے، وہ بھی بُجھ گئے۔

ایلمو یہاں تین پارٹیوں سے ملاقات کے لیے آیا تھا۔

اُس نے میگزین میں تین اشتہارات منتخب کیے تھے۔ یہ وہ اشتہار تھے، جن میں بالترتیب زیادہ سے زیادہ معاوضے کی پیش کش کی گئی تھی۔ تینوں ملاقاتیں، ایک ایک گھنٹے کے وقفے سے طے تھیں اور جائے ملاقات بھی سنٹرل پارک تھا۔

سنٹرل پارک ایک وسیع و عریض پارک تھا۔ میلوں کے رقبے میں پھیلا ہُوا... ایلمو نے تین مختلف گوشوں میں ملاقات طے کی تھی۔ اُس کا ارادہ تھا کہ وہ پندرہ منٹ ہر پارٹی کا جائزہ لے گا، پندرہ منٹ معاملہ طے کرنے میں صرف کرے گا اور پھر نصف گھنٹے میں دوسری ملاقات کے لیے مخصوص مقام پر پہنچ جائے گا۔ اُس نے چلتے وقت یہ بھی تہیّہ کیا تھا کہ اگر اُسے کسی پارٹی پر ذرا سا بھی شبہ ہوگیا تو وہ اُس سے ملاقات نہیں کرے گا اور اُسے قتل کر دے گا۔ وہ کسی جال سے دل ہی دل میں خوف زدہ تھا۔ لاشعوری طور پر بُزدلی ایسے موقعوں پر اب بھی آڑے آرہی تھی حالانکہ شعوری طور پر وہ خود کو عام آدمیوں سے بہتر خیال کرنے لگا تھا۔

سب سے پہلی ملاقات ایک بسلامی باشندے سے طے تھی۔

اس شخص سے بات چیت فون پر ہُوئی تھی کیونکہ اُس نے پوسٹ بکس پر خط لکھ کر فون نمبر طلب کیا تھا جس فون پر اُن کی گفتگو ہُوئی تھی، وہ مقامی ٹیلی فون کا ایک بُوتھ تھا۔ ایلمو نے بھی احتیاطاً ایک ٹیلی فون بُوتھ سے ہی کال کی تھی اور محض چند باتوں میں بالمشافہ بات چیت کے لیے پروگرام بن گیا تھا۔ ایلمو نے اس شخص کو حوالہ دیا تھا کہ اُسی نے وہ نامعلوم قتل کیا ہے، جس کے لیے شہر کا کوئی بھی کرائے کا قاتل آمادہ نہیں ہو رہا تھا۔ اُس کی تفصیل بسلامی باشندہ اخبارات میں پڑھ چُکا تھا۔ اس لیے وہ ایلمو سے بات چیت کرتے ہُوئے بیحد پُرجوش ہوگیا تھا۔ وہ تو اُسی وقت ملاقات کے لیے بے چین ہوگیا تھا لیکن ایلمو ملاقات تاریکی پھیلنے کے بعد کرنا چاہتا تھا۔ اس لیے اُس نے سینٹرل پارک کے مشرقی کونے کا حوالہ دیتے ہُوئے ٹھیک بارہ بجے رات کا وقت طے کر لیا تھا۔ اس نے بسلامی باشندے کو ہدایت کی تھی کہ اُس کے ساتھ کوئی دھوکا نہ کرے ورنہ وہ اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے گا... اور آتے وقت طے شدہ رقم ضرور لیتا آئے، کیونکہ وہ پورا معاوضہ پیشگی چاہتا ہے۔ بسلامی باشندے نے کوئی بحث کیے بغیر اُس کی بات مان لی تھی۔

... اور اب وہ مشرقی کونے میں اُس سے ملاقات کے لیے جا رہا تھا۔

وہ طے شدہ مقام پر پہنچا تو ابھی ملاقات کے وقت میں پانچ منٹ باقی تھے۔ ایلمو نے اپنے مؤکل کو یہ بھی ہدایت کی تھی کہ وہ ٹھیک وقت پر وہاں پہنچے۔ اگر اُس نے پہلے یا بعد میں آنے کی کوشش کی تو اُن کے درمیان معاہدہ نہیں ہو سکے گا۔ اُس نے اپنی دانست میں ہر طرح سے احتیاط کی تھی اور بڑی حد تک مطمئن تھا۔

اُس نے وہ بورڈ جھاڑیوں کے سامنے رکھ دیا، جس پر جھاڑیوں کے سے انداز میں رنگ کیا گیا تھا۔ اس تختے کی اوٹ میں بیٹھ کر وہ انسانی ہیولے جیسا دکھائی نہیں دے سکتا تھا بلکہ تختے کی وجہ سے وہ جھاڑیوں کا ایک حصّہ ہی دکھائی دیتا تھا۔

اُس کی نگاہ اپنی کلائی کی گھڑی پر جم گئی۔

نصف منٹ باقی تھا۔

تیس سیکنڈ کا یہ وقفہ اس نے اطراف کا جائزہ لینے میں صرف کیا۔

خطرے کی کوئی بات محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ ایلمو نے کلائی کی گھڑی، غیر مرئی لباس کی آستین کے نیچے سرکا دی... اور اُس روش کی طرف متوجہ ہوگیا، جس پر اُسے ایک متحرک انسانی سایہ اپنی طرف آتا نظر آرہا تھا۔

بسلامی باشندہ تنہا تھا۔ اُس کے دونوں ہاتھ خالی تھے۔ وہ نیلے سُوٹ میں ملبوس تھا۔ اُس کے چلنے کے انداز میں مہارت تھی۔ یُوں لگتا تھا جیسے اُس کا تعلق فوج سے رہا ہو۔ اُس کی ہیجانی حالت قابلِ رشک تھی۔ وہ پختے قدموں سے اس میدانی جگہ پر آکر کھڑا ہوگیا، جس کی تین اطراف میں جھاڑیاں پھیلی ہوئی تھیں۔

ایلمو نے چند لمحوں تک اُس کا جائزہ لیا... پھر مطمئن ہونے کے بعد تختے کی اوٹ سے نکل آیا۔ وہ اس شخص کو دکھائی نہیں دے سکتا تھا۔ وہ دبے قدموں اُس کے عقب میں پہنچ گیا۔ آنے والا اب بھی متلاشی نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا... پھر اس نے اپنی کلائی گھڑی پر وقت دیکھا۔

"تم بالکل ٹھیک وقت پر آئے ہو۔" ایلمو نے کہا۔

اُس شخص نے آواز کی جانب دیکھا لیکن اُسے کوئی بھی دکھائی نہیں دیا۔

"میں تمہیں دیکھنے سے قاصر ہوں۔ کیا تم سامنے نہیں آؤ گے؟"

"میں تمہارے سامنے ہی ہُوں۔"

"لیکن مجھے دکھائی نہیں دے رہے۔"

"ہاں... میری ایک خصوصیت ہے۔ جو مجھے دوسرے لوگوں سے ممتاز کرتی ہے۔" ایلمو نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "تم رقم لائے ہو؟"

"ہاں... رقم میرے پاس موجود ہے۔"

"رقم نکال کر اپنے سامنے زمین پر رکھ دو۔"

اُس شخص نے ایسا ہی کیا۔ رقم رکھنے کے بعد اُس نے ایلمو سے دریافت کیا۔ "لیکن مجھے کس طرح یقین آئے گا کہ تم واقعی کام کر دو گے اور رقم واپس نہیں لو گے؟"

"اس کے لیے تمہیں میری زبان پر اعتبار کرنا ہوگا۔" ایلمو نے کہا۔

"لیکن میں یہی کس کو یقین دلاؤں گا کہ وہ مُردہ میں اُس کو کس طرح مطمئن کر سکوں گا؟"

"کیا تم مجھے دیکھ سکتے ہو؟"

"نہیں... وہ بسلامی باشندے نے جواب دیا۔

"اگر میں تمہارے اس وقت قتل کر کے یہ رقم حاصل کر لُوں تو مجھے کون روک سکتا ہے؟" ایلمو نے شانہ وقار کے ساتھ سوال کیا

"کوئی نہیں..." بسلامی باشندے نے جواب دیا۔ اُس کے لہجے میں خوف نہیں تھا اور نہ ہی وہ خوف زدہ محسوس ہوتا تھا۔ "لیکن میں تمہاری اطلاع کے لیے عرض کر دُوں۔"

"تم یہ کیوں نہیں کہتے کہ میں تمہیں زندہ جانے کی ہدایت دیتا ہُوں۔" ایلمو نے کہا۔ "یہ ہدایت ہی اس بات کا ثبوت ہوگی کہ میں جو کچھ کہتا ہُوں، وہی کرتا ہُوں۔ لیں... اب تم چلے جاؤ۔" ایلمو نے کہا اور جس جگہ کھڑا تھا، وہاں سے ہٹ گیا۔ وہ کوئی غیر معمولی حرکت نہیں کرنا چاہتا تھا... محض آواز پر یہ گولی چلانی جا سکتی تھی۔ وہ اکیلا تھا، دوسروں کو نظر نہیں آرہا تھا لیکن وہ اپنی طرف آنے والی گولی کا رُخ بھی تو نہیں پھیر سکتا تھا۔

بسلامی باشندہ چند لمحے ہچکچایا... پھر وہ پلٹ کر روش کی طرف چل دیا۔ آنے کے انداز میں عجلت نہیں تھی۔ یُوں لگتا تھا جیسے اُس کا ایلمو پر بھروسا آگیا ہو۔ اور وہ اتنی بڑی رقم محض بھروسے پر چھوڑ کر وہاں سے چلا جا رہا ہو۔ وہ ایلمو کو نہیں جانتا تھا۔ اُس کے ارادوں سے آگاہ نہ تھا۔ لیکن آج کی پہلی اور آخری ملاقات اُسے یقین دلانے کے لیے کافی تھی کہ بسلامی کے لیے محض کچھ وقت قریب آگیا ہے۔ مگن کی ہے۔ یہ اجنبی شخص اُسے ابھی کچھ دیر بعد ہی قتل کر دے گا... اور اُس کام کی تکمیل سے تک بھی ہو سکتی تھی۔

وہ ششدر ہوگیا۔

ایلمو جھاڑیوں کے راستے میں کھڑا اُسے غائب ہوتے دیکھتا رہا۔ بسلامی کا باشندہ چلا گیا تو ایلمو نے اپنی جگہ سے نکل کر وہ کرنسی نوٹوں کی گڈی اُٹھائی اور اُس کا جائزہ لینے کے بعد اُسے کمر سے بندھے ہُوئے اُس تھیلے میں ٹھونس لیا، جس میں اُس کے دو فون اور آلات موجود تھے۔

پہلی ملاقات خاصی مختصر اور مفید رہی تھی۔

ایلمو نے اس شخص سے ایک ملین ڈالر طے کیے تھے۔ یہ رقم اُس کے پاس موجود تھی اور وہ حیران تھا کہ وہ صرف ایک ہی تھیلے میں کیسے سما گئی۔ اُس کا دل خوشی سے جھُوم اُٹھا۔ اُس نے کلائی کی گھڑی پر وقت دیکھا اور دوسری ملاقات کے لیے مخصوص مقام کی طرف چل دیا۔ اُس کی رفتار خاصی تیز تھی کیونکہ اُسے محض پندرہ منٹوں میں اُس جگہ پہنچنا تھا۔ اُس نے اپنی دانست میں زبردست ذہانت دکھائی تھی۔ تین ہفتے گاہکوں سے ایک وقت سودا کرتا رہا تھا کام ایک ہی تھا... بسلامی کے سلطان کی موت... اس لیے تینوں گاہک خاطر خواہ انداز میں مکمل کر دیا گیا ہے۔ ایسے میں کسی کو یہ شبہ نہ ہو سکتا کہ اُسے لُوٹ لیا گیا ہے... یا ایلمو نے یہ قتل کرنے کے لیے بیک وقت تین پارٹیوں سے رقم حاصل کی ہے۔

ایلمو کا جی چاہ رہا تھا کہ کھل کر قہقہہ لگائے۔ وہ زندگی میں اس قدر مسرور پہلے کبھی نہیں ہُوا تھا... لیکن اس وقت اُس پر ایک ہیجانی کیفیت بڑی شدت سے حاوی ہوگئی تھی... کیونکہ وہ غیر مرئی لباس میں تھا اور آواز اس کی نشاندہی کر سکتی تھی۔ اُس نے رفتار مزید تیز کر دی۔

پہلی ملاقات بخیر و خوبی طے پا گئی تھی۔ دوسری ملاقات کے سلسلے میں اُس کے حوصلے بڑھ گئے تھے اور اُس کی خود اعتمادی میں بھی اضافہ ہوگیا تھا۔

وہ مقررہ مقام پر پہنچا تو اس کا مؤکل ابھی وہاں نہیں آیا تھا۔ ایلمو نے گھڑی پر وقت دیکھا۔ ملاقات کے وقت میں تین منٹ باقی تھے۔ اس نے یہ وقت اطراف کا جائزہ لینے میں گزار دیا۔ مقام محفوظ تھا۔ کسی قسم کی گڑبڑ کا امکان نہیں تھا۔

ایلمو نے وہ تختہ جھاڑیوں کے سامنے رکھا اور اس کی اوٹ میں بیٹھ گیا۔

اب اُسے اپنے دوسرے مؤکل کا انتظار تھا۔

اس بار جو شخص اُسے جائے ملاقات پر آتا دکھائی دیا

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

وہ بھاری بھرکم تھا اور اس کی چال میں خفیف سی لنگڑاہٹ تھی۔ اس کے دائیں ہاتھ میں واکنگ اسٹک تھی جس کے سہارے وہ آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔

موکل کے ہاتھوں میں چھڑی دیکھ کر ایلیو سوچ میں پڑ گیا۔ اس نے ہدایت کی تھی کہ موکل کو خالی ہاتھ ہونا چاہیے۔ یہ ایک بدعہدی تھی جس نے ایلیو کے غصے کی آگ کو ذرا سا بھڑکا دیا۔ اُس کا جی چاہا کہ اس شخص کو سزا دے تاکہ یہ معاہدے کی خلاف ورزی کا خمیازہ بھگت سکے... لیکن اگلے ہی لمحے وہ چونکا۔

بھاری بھرکم آدمی ایک جگہ رُک گیا تھا۔

اُس نے اِدھر اُدھر متلاشی نگاہوں سے دیکھا... پھر اس نے طے شدہ مقام سے کچھ پیچھے ہی پختہ روش پر وہ چھڑی پھینک دی اور آہستہ آہستہ جھاڑیوں کے درمیان میدانی جگہ کی طرف بڑھنے لگا۔ یہ وہی مقام تھا جہاں اُن کی ملاقات طے تھی۔

ایلیو نے ایک طویل سانس لی۔

آدمی سمجھ دار تھا اور اُسے معاہدے کی نزاکت کا احساس تھا۔ وہ چھڑی لے کر آیا تھا تو برا اس کی مجبوری تھی لیکن معاہدے کے مطابق اس نے جائے ملاقات سے کچھ ہی دُور اس چھڑی سے نجات حاصل کر لی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ بھی ایک صاف ستھرا آدمی ہے... بسلامی کے اُس باشندے کی طرح جو اُسے خاموشی سے رقم ادا کر کے چلتا بنا تھا۔

بھاری بھرکم آدمی کو اب چلنے میں زیادہ دُشواری ہو رہی تھی۔ غالباً چھڑی کے بغیر قدم اُٹھانا اس کے لیے بے حد تکلیف دہ تھا۔ ایلیو نے سوچا کہ اُسے آواز دے کر کہہ دے کہ وہ اپنی چھڑی لا سکتا ہے... لیکن پھر اس نے یہ خیال ذہن سے جھٹک دیا۔ اُسے دوسروں کی بہ نسبت اپنی ذات سے ہمدردی ہونی چاہیے تھی۔

موکل میدان کے درمیان آ کر کھڑا ہو گیا۔

اس کا سر چاروں طرف گھوم رہا تھا لیکن اُسے ابھی تک کوئی ملاقاتی دکھائی نہیں دیا تھا۔ اس نے اپنی گھڑی پر وقت دیکھا، جیبی گھڑی واپس جیب میں رکھنے کے بعد اس نے سگریٹ سلگائی اور دھیرے دھیرے کش لگانے لگا۔

"ہیلو...!" ایلیو نے اس کی پشت سے کچھ فاصلے پر رُکتے ہوئے کہا۔

"اوہ... ہیلو۔" وہ شخص پلٹ کر دیکھنے لگا۔ اس کے ہونٹوں میں سگریٹ دبی ہوئی تھی۔ جب اس نے عقب میں کسی کو نہ پایا تو اس کے لرزتے ہوئے ہونٹوں سے سگریٹ نکل کر گر گئی۔

"کک... کون... کون ہے یہ"

"وہی... جس سے فون پر بات ہوئی تھی۔" ایلیو نے اسی سرگوشیانہ لہجے میں کہا جس میں اس شخص سے فون پر بات کی تھی۔ "کیا تم رقم لائے ہو؟"

"لیکن تم ہو کہاں؟"

"تمہارے قریب، تمہارے سامنے۔"

"اور میری آنکھوں کو کیا ہو گیا ہے؟" وہ شخص بڑبڑایا۔

"تمہاری بات بالکل درست ہے۔" ایلیو ہنس پڑا۔

"پھر تم مجھے دکھائی کیوں نہیں دے رہے؟"

"بالکل اسی طرح بسلامی کا سلطان اور اُس کے باڈی گارڈ بھی مجھے نہیں دیکھ سکیں گے اور میں اپنا کام مکمل کر کے اطمینان سے واپس آ جاؤں گا۔"

"ناممکن... کوئی شخص فضا میں تحلیل نہیں ہو سکتا۔"

"کیا تم نے اس سرکاری گواہ کی خبر نہیں پڑھی جس کا میں نے فون پر تمہیں حوالہ دیا تھا؟" ایلیو کا لہجہ یکایک ناگوار ہو گیا۔ "وہ درجنوں گارڈز کی نگرانی میں، میرے ہاتھوں قتل ہوا تھا۔"

"اوہ... ہاں... کوئی بھی تمہیں نہیں دیکھ سکا تھا۔"

"رقم کہاں ہے؟ اسے نکال کر سامنے کرو۔"

"لیکن اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ مجھے دھوکا نہیں دیا جائے گا؟"

"تمہارا یہاں سے زندہ چلے جانا ہی ضمانت ہو گی۔"

"کک... کیا مطلب؟" وہ شخص ہکلایا۔

"یہی کہ میں وہ رقم تمہیں ہلاک کر کے بھی حاصل کر سکتا ہوں۔"

"اوہ... لیکن تم مجھے قتل نہیں کرو گے؟" اس نے سوال کیا۔

دیو تاؤں کے شہر نیپال میں بسنے والے
ایک درندے کی پُراسرار داستان

درندہ

یعقوب جمیل کے ہوشربا قلم سے جس کا
قارئین کو برسوں سے انتظار تھا

مکتبہ القریش سرکلر روڈ اردو بازار لاہور
فون 7336958

"ہے نا؟"

"نہیں... میں تمہیں قتل نہیں کروں گا۔"

"کیوں؟" اس شخص نے دریافت کیا۔

"اس لیے کہ میں اس پیشے میں ساکھ بنانا چاہتا ہوں۔" ایلیو نے پُروقار انداز میں جواب دیا۔ "ظاہر ہے اس معاملے میں تم تنہا نہیں ہو گے۔ تمہاری لاش دیکھ کر تمہارے ساتھی سمجھ جائیں گے کہ میں نے تم سے دھوکا کیا ہے... پھر یہ بات پَر لگا کر اُڑے گی اور ساری دُنیا میں پھیل جائے گی۔ تب کون میری خدمات حاصل کرے گا؟"

"تم ایک سمجھ دار آدمی ہو۔" بھاری بھرکم شخص نے خوش ہو کر کہا۔ "اب میں آنکھیں بند کر کے تم پر اعتماد کر سکتا ہوں... لیکن تم انسانی آنکھ سے اوجھل کیسے ہوتے ہو؟"

"یہ میں نہیں بتا سکتا۔"

"کیوں؟" وہ شخص بولا۔

"اس لیے کہ میں تم پر آنکھیں بند کر کے اعتماد نہیں کر سکتا۔" ایلیو نے جواب دیا۔ "بلکہ میں کسی پر بھی اعتماد نہیں کر سکتا۔"

"ٹھیک ہے، میں اپنی گردن تمہارے حوالے کر رہا ہوں۔" یہ کہہ کر اس شخص نے اپنے کوٹ کی اندرونی جیب میں ہاتھ ڈالا اور ایک پھولا ہوا لفافہ نکال کر سامنے کر دیا۔

"اسے سامنے زمین پر پھینک دو۔" ایلیو نے کہا۔

لفافہ زمین پر پھینک دیا گیا۔

"اب تم جا سکتے ہو۔ تمہارا کام ہو جائے گا۔"

"لیکن کب... اور کیسے؟"

"ملاقات کا وقت ختم ہو گیا۔" ایلیو کا لہجہ خوفناک ہو گیا۔

وہ شخص قدرے متذبذب رہا... پھر اس نے ایک طویل سانس لی اور پلٹ کر اس روش کی طرف چل دیا جس پر اس نے آتے وقت اپنی چھڑی پھینک دی تھی۔ جب وہ روش پر پہنچ گیا تو ایلیو نے آگے بڑھ کر زمین سے وہ لفافہ اُٹھا لیا۔ یہ لفافہ بھی اس نے اپنے تھیلے میں ڈال لیا۔ اب اس کے پاس دولت کی کمی نہ تھی، وہ بے حد خوش تھا۔ اُسے معلوم تھا کہ دُنیا میں دولت ہی سب کچھ ہے۔ اس سے سب کچھ خریدا جا سکتا ہے، انسانوں کو بھی... اور انسانوں کی بنائی ہوئی تمام اشیا کو بھی خریدنا ممکن ہے۔

اب اُسے آخری پارٹی سے ملنا تھا۔

تیسری پارٹی بے حد اہم تھی کیونکہ اس نے بسلامی کے سلطان کو قتل کرنے کے لیے سب سے زیادہ معاوضہ ادا کرنے کا اعلان کیا تھا... بیس ملین ڈالر... ایلیو اس حصے کی طرف چل دیا جہاں اس کی اپنے تیسرے موکل سے ملاقات طے تھی۔

ایلیو ملاقات کے مقام پر طے شدہ وقت سے کافی پہلے پہنچ گیا۔

اُس نے تختہ جھاڑیوں کے سامنے لگایا اور اس کی اوٹ میں بیٹھ گیا۔ اب اُسے اپنے تیسرے اور سب سے مہنگے موکل کا انتظار تھا۔ وہ اس تختے کی اوٹ سے اطراف پر گہری نگاہ رکھے ہوئے تھا۔ اُسے توقع تھی کہ تیسرے موکل سے بھی ٹھیک ٹھاک انداز میں ہی معاملات طے ہو جائیں گے اور پھر وہ بخیر و خوبی یہاں سے رخصت ہو جائے گا۔ بسلامی کے سلطان کو قتل کرنا اس کے لیے دُشوار معاملہ نہیں تھا۔ وہ اُسے قتل کر کے اپنی زندگی کو نئے سرے سے شروع کرنا چاہتا تھا۔ زندگی نے اُسے جتنے دُکھ دیے تھے، وہ ان کا ازالہ چاہتا تھا... اور اب باقی ماندہ زندگی کا ایک ایک لمحہ عیش و آرام سے گزارنے کی خواہش اس کے دل میں کروٹیں لے رہی تھی کہ بیٹھے بیٹھے اُسے مسز جاک یاد آ گئی۔ اس سے قبل کہ ایلیو کے ذہن میں ماضی کے مناظر کسی فلم کی طرح چلنے لگتے، اس نے مسز جاک کا خیال ذہن سے جھٹک دیا۔ اُسے معلوم ہو گیا تھا کہ وہ ایک بے راہ رو عورت ہے۔ یہ ایلیو کی بدنصیبی تھی کہ خواتین کے سلسلے میں اُسے شروع ہی سے ایلیوں کا شکار ہونا پڑا تھا۔ اس کا باپ ایک نرم خُو، شریف اور بیوی کا وفادار آدمی تھا جبکہ اس کی ماں نے اپنے شوہر سے کبھی وفا نہیں کی تھی۔ وہ اُسے چھوڑ کر چلی گئی تھی... اور پھر کئی مہینوں کے بعد واپس آئی تھی تو بے حد بیمار تھی۔ تب اس کے باپ نے نہ صرف اُسے گھر میں آنے کی اجازت دے دی بلکہ اس کی تیمارداری بھی کی... حتیٰ کہ وہ جب موت سے ہمکنار ہوئی تو اس کا باپ اپنی بیوی کی پٹی سے لگا بیٹھا تھا۔ اُس نے بیوی سے اس کی بے وفائی کا کبھی گلہ نہیں کیا تھا۔ ایلیو کو اپنی ماں سے کبھی محبت نہیں رہی تھی کیونکہ اُس نے ایلیو کو کبھی اپنا بیٹا سمجھ کر پیار سے اپنے پاس نہیں بٹھایا تھا۔ وہ بچپن ہی سے ماں کی آغوش کو ترس رہا تھا... پھر جب اس کا باپ بھی مر گیا تو وہ دُنیا میں تنہا رہ گیا۔ تب اس کا واسطہ عورتوں سے پڑا... لیکن کسی نے بھی اُسے محبت کی نگاہ سے نہیں دیکھا... سب نے اُسے یوں دھتکار دیا تھا جیسے وہ انسان نہیں بلکہ کوئی مکروہ جانور رہا ہو۔

اُس نے کلائی کی گھڑی پر وقت دیکھا۔

ملاقات میں دو منٹ ابھی باقی تھے۔ اُس نے گھڑی کو غیر مرئی بیاس کی آستین کے نیچے سرکا لیا اور ایک بار پھر اطراف کا

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

جائزہ لینے لگا۔ اچانک اُسے چونک جانا پڑا۔ اُس کی نگاہ دو ہیولوں پر پڑی۔ دو آدمی چلے آرہے تھے... جبکہ وہ صرف ایک کا منتظر تھا۔

آنے والوں میں سے ایک لمبے قد کا تھا جبکہ دوسرا چھوٹے قد کا دبلا پتلا سا بوڑھا تھا۔ بوڑھے نے عجیب سا لباس پہن رکھا تھا۔ ایلمو نے اُسے دیکھا تو اس کا دل شدت سے دھڑکنے لگا۔ وہ اس لباس اور اس بوڑھے کو پہلے بھی دیکھ چکا تھا۔ وہ دونوں ذرا قریب آئے تو ایلمو نے انہیں پہچان لیا۔ یہ دونوں وہی تھے، جن کو اس نے مسز جاک کے پڑوس کا مکان چھوڑتے وقت دیکھا تھا۔ بلکہ اس نوجوان سے تو اس کی باتیں بھی ہوئی تھیں... اور اس نوجوان نے سامان اُٹھانے میں اس کی مدد کی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ یہی دونوں آدمی مسز جاک سے تفتیش کرنے گئے تھے "پولیس..." اس نے زیرلب کہا۔

لیکن یہ گیرے سے لبادے والا شخص پولیس مین نہیں ہو سکتا۔ پھر یہ کون ہے اور یہ دونوں یہاں کیا کر رہے ہیں؟ کہیں ان کی آمد محض اتفاق تو نہیں؟ ان گنت خیالات ایلمو کے ذہن میں گھوم گئے۔ وہ کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکا... البتہ وہ ایک فیصلے پر ضرور پہنچ گیا تھا کہ اسے ان دونوں کو قتل کر دینا چاہیئے۔ یہ دونوں آدمی، ایلمو کی شخصیت کے بارے میں وہ دنیا میں سب سے زیادہ جانتے تھے... اور یہ بات ایلمو کے لیے خطرناک بھی ثابت ہو سکتی تھی۔

ایلمو اُٹھ کھڑا ہوا۔

اُس نے اپنے تھیلے میں ہاتھ ڈالا اور کھوپڑی توڑنے والا آلہ نکال لیا... لیکن اس سے قبل وہ لمب بجھانے والے آلے کو استعمال کرنا نہیں بھولا۔ ماحول تاریکی میں ڈوب گیا۔ چند لمحوں تک تو ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیا... پھر رفتہ رفتہ آنکھیں اندھیرے سے مانوس ہوئیں تو تاروں کی مدھم روشنی میں ایلمو کو سب کچھ نظر آنے لگا۔

اس کا ایک ہاتھ تختے پر جما ہوا تھا۔

تختے کو سامنے رکھتے ہوئے وہ آہستہ آہستہ ٹائیگر اور اُوشان کی طرف بڑھنے لگا۔ ایلمو کا دل شدت سے دھڑک رہا تھا۔ جس شخص سے اس کی ملاقات طے تھی، اس سے ملنے کا وقت ہو گیا تھا اس لیے ان دونوں سے جلد از جلد نمٹ کر وہ ملاقاتی کے لیے اس مقام پر پہنچنا چاہتا تھا... وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا ان دونوں سے کچھ فاصلے پر پہنچ گیا۔ ابھی بھی وہ تختہ اس کے سامنے تھا۔ اس نے فیصلے سے کھوپڑی توڑنے والا آلہ پہلے ہی نکال لیا تھا۔ اب صرف ان دونوں کو ٹھکانے لگانا تھا۔

اس نے شکنجہ آگے بڑھایا۔ وہ نوجوان کو پہلے ختم کرنا چاہتا تھا۔ ٹائیگر اور اُوشان ایک بنچ پر بیٹھ گئے تھے اور باتیں کر رہے تھے۔ کھوپڑی توڑنے والے آلے کا شکنجہ آہستہ آہستہ ٹائیگر کی کھوپڑی کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

اندھیرا... ٹائیگر کی آواز پارک کے تاریک سناٹے میں گونج گئی... اور ایلمو کا ہاتھ رُک گیا۔ اُن دونوں کی باتوں میں بعض الفاظ ایسے تھے کہ وہ اُن کی گفتگو سننے پر مجبور ہو گیا۔ وہ یہ جاننا چاہتا تھا کہ ٹائیگر اور اُوشان اُس کے بارے میں کس حد تک جانتے ہیں۔ انہیں قتل کرنا اُس کے لیے کوئی مشکل کام نہیں تھا اور نہ ہی اس میں زیادہ دیر لگ سکتی تھی... لیکن یہ معلوم کرنا بہرحال ضروری تھا کہ وہ اپنی اس نئی شخصیت کے ساتھ کس حد تک بے نقاب ہو چکا ہے۔

اُسے تھیرے ملاقاتی سے ملنا تھا اور اس ملاقات کا وقت بھی ہو گیا تھا... لیکن وہ شخص ضرورت مند تھا، اس لیے ایلمو کا انتظار بھی کر سکتا تھا۔

ایلمو ہاتھ روک کے گہری توجہ سے اُن کی باتیں سننے لگا۔

"ہاں... ایسا اندھیرا جو صرف زرد رنگ کے کسی سور کے لیے مخصوص ہے۔" اُوشان کہہ رہا تھا۔ "کیونکہ وہ صرف اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے اور دیکھنے کے لیے دیگر حسیات استعمال کرنے پر قادر نہیں ہوتا۔"

"میں حیران ہوں کہ کہیں اس دُھندلکے کی تعمیر میں ہمارے اُسی دوست کا ہاتھ تو نہیں۔" ٹائیگر نے خدشہ ظاہر کیا۔

"نہیں..." اُوشان نے جواب دیا۔ "میں سمجھتا ہوں کہ ایک ہی لائن میں لگے ہوئے تمام بلبوں نے ایک ساتھ فیوز ہونے کا ارادہ کر لیا ہوگا۔"

"ممکن ہے، بنانے والے جیسا کہتے ہیں، ویسی معیاری چیزیں بناتے نہیں ہیں۔" ٹائیگر نے اُوشان کے نظریے کی تائید کی۔

"جھاڑیوں کے سلسلے میں بھی میرا یہی خیال ہے۔" اُوشان بولا۔

جھاڑیاں...؟ ایلمو نے اپنی سماعت پر زور ڈالا اور سوچنے لگا کہ اس بوڑھے نے ابھی ابھی یہی کہا تھا؟ نہیں... اُس نے خود ہی اپنی بات رَد کر دی۔ یہ دونوں بھی انسان ہی ہیں۔ دوسروں کی طرح یہ بھی اُسے نہیں دیکھ سکتے۔ یقیناً بوڑھے نے کچھ اور کہا ہے، میں نے ہی غلط سمجھا ہوگا۔ اُس نے لفظ "جھاڑیوں" نہیں، بلکہ اس سے ملتا جلتا کوئی لفظ کہا ہے۔ اوہ... میں کس بات کا انتظار کر رہا ہوں۔ میرا کام اب ختم ہو جانا چاہیے۔ انہیں ٹھکانے لگا کر مجھے اپنے ملاقاتی کے پاس پہنچ جانا چاہیے۔ کہیں وہ مایوس ہو کر واپس ہی نہ چلا جائے... لیکن... نہیں... اُسے تو اسی جگہ آنا تھا۔ اسی مقام پر، جہاں یہ دونوں [illegible]

طور پر جگہ خالی کروا لینی چاہیے۔

ایلمو اُن دونوں سے دس قدم کے فاصلے پر عقب میں، اندھیری جگہ کھڑا تھا۔ اُس نے کمپریسر کے ٹرائیگر پر اُنگلی رکھ دی... اور آہستہ آہستہ کچھ اور آگے بڑھنے لگا۔ وہ بہت دبے قدموں چل رہا تھا۔ اُس کے پیروں میں ربڑ سول کے جوتے تھے اور نیچے گھاس تھی۔ اس لیے آواز پیدا ہونے کا ذرا سا بھی امکان نہیں تھا... لیکن اس کے باوجود وہ کوئی بھی خطرہ مول نہیں لینا چاہتا تھا۔ جب وہ اتنے فاصلے پر پہنچ گیا، جہاں سے وہ ٹائیگر کی کھوپڑی کو کمپریسر کی گرفت میں لے کر توڑ سکتا تھا، تو وہ رُک گیا اور اُس نے کمپریسر سے منسلک چمٹا آگے بڑھا دیا۔ جس وقت وہ ایسا کر رہا تھا تو اچانک ہی اُسے چونک جانا پڑا کیونکہ اُس نے بوڑھے کا ہاتھ تاریکی میں حرکت کرتے دیکھ لیا تھا۔

اُوشان نے اپنے سر کے اُوپر سے عقب میں ہاتھ بڑھایا اور پھر اُس نے چمٹے کا ایک حصہ اپنی گرفت میں لے لیا۔

ایلمو سوچ میں پڑ گیا۔

یہ بھلا کیسے ممکن ہے؟ اس بوڑھے نے چمٹے کا ایک بازو بھلا اپنی گرفت میں کیسے لے لیا ہے جبکہ چمٹا اُس مخصوص رنگ کی وجہ سے انسانی آنکھ کو دکھائی نہیں دے سکتا؟ محض اتفاق ہے۔ ایلمو نے خود کو سمجھایا... لیکن بوڑھے کو اس اتفاق کی بھاری قیمت ادا کرنی پڑے گی۔ اُس کی اُنگلیاں کٹ کر بازو سے الگ ہو جائیں گی... مرنے سے قبل یہ اپنے ہاتھ... اور... اپنی اُنگلیوں سے محروم ہو جائے گا۔ اس خیال سے ایلمو کو ہنسی آگئی جس کو اُس نے بڑی مشکل سے ضبط کیا۔

اُس نے کمپریسر کا ٹرائیگر دبا دیا۔

ٹرائیگر دبتے ہی چمٹے کے دونوں بازوؤں کو پوری قوت سے ایک دوسرے کے ساتھ ٹکرانا تھا اور اُن کے درمیان کوئی چیز اُوشان کے ہاتھ کو کاٹ کر گر جانا تھا... لیکن ایسا نہیں ہوا۔ کیوں...؟ ایلمو کے ذہن میں کوئی چیخ پڑا۔ ایسا کیوں نہیں ہوا؟

کمپریسر نے حرکت نہیں کی تھی۔

کیا اُس کا نشانہ خطا ہو گیا ہے؟

نہیں... یہ ناممکن ہے۔ ایلمو نے تلخی سے سوچا۔

اُس نے دوسری بار ٹرائیگر دبایا... لیکن اس بار بھی چمٹے کے بازو ساکت ہی رہے۔ انہوں نے حرکت ہو کر آپس میں ٹکرانے سے گویا انکار کر دیا تھا۔ اچانک اُس کے ہاتھ میں دبے ہوئے اس مہلک آلے کی مشینری میں عجیب سی آوازیں پیدا ہونے لگیں جیسے پُرزوں نے جو کچھ کرنا چاہا تھا، وہ مکمل نہ ہونے کی وجہ سے پُرزوں کو شدید ردِعمل برداشت کرنا پڑا ہو... اور اس زبردست ردِعمل نے انہیں ٹوٹ پھوٹ میں مبتلا کر دیا ہو۔

ایلمو نے وہ مہلک مشین ہاتھ سے چھوڑ دی۔

وہ تیزی سے اس تختے کی طرف دوڑ پڑا جس کے سامنے والے حصے پر نگاہ پڑتے ہی تاریک جھاڑیوں کا تاثر ذہن میں اُبھرا تھا اور جس کی اوٹ میں وہ انسانی ہیولے کے طور پر بھی دکھائی نہیں دے سکتا تھا۔ یہ تختہ اُس کے لیے بہترین پناہ گاہ تھا اور اب تک وہ اسی اوٹ میں بیٹھ کر دو ملاقاتیوں کو دھوکا دیتا آیا تھا حالانکہ تاریکی میں اُس کا ہیولا بھی نظر نہیں آرہا تھا۔

"اس طرف..." بوڑھے کی آواز ایلمو کی سماعت تک پہنچی۔

اُس کے سینے میں ننھا سا برموں پرانا ڈر پوک دل کانپ اُٹھا۔

دونوں آدمی سیدھے اُسی تختے کی طرف آرہے تھے۔ وہ چیختی چھاڑیوں کی طرف بھاگ اُٹھا اور اقبیں بڑبڑاتا ہوا اندر ہی اندر گھستا چلا گیا۔ اس وقت ایلمو کی حالت کسی ایسے خرگوش جیسی ہو رہی تھی، جو شکاری کتوں سے جان بچانے کے لیے جھاڑیوں میں گھس گیا ہو۔

اُسے کچھ آوازیں بھی سنائی دیں لہٰذا وہ ٹھٹک کر اُدھر دیکھنے پر مجبور ہو گیا۔

تقریباً پچاس گز دور سے آٹھ آدمی دوڑتے ہوئے ٹائیگر اور اُوشان کی طرف آرہے تھے۔ ان میں سے کئی ایک اپنے ہاتھوں کو سروں کے اُوپر لہراتے ہوئے دوڑ رہے تھے۔

ٹائیگر اور اُوشان نے جھاڑیوں میں گھسنے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ انہیں مجبوراً اس نئی افتاد کی طرف توجہ دینا پڑی۔

ایلمو ایک بار پھر دوڑ پڑا۔ اُسے مزید گہری تاریکی کی تلاش تھی۔ اگلے ہی لمحے وہ ایک اور گھنی جھاڑی میں گھس گیا۔ یہاں اندھیرا ایسا گھپ گھپ تھا اور اُسے کوئی بھی نہیں دیکھ سکتا تھا جبکہ وہ ہانپتا ہوا اُدھر دیکھ رہا تھا جہاں اُسے آٹھ آدمی ٹائیگر اور اُوشان کے گرد کھڑے نظر آرہے تھے۔ فطری بزدلی عود کر آئی... اور ایلمو تھر تھر کانپنے لگا۔ اُس کے پورے جسم میں سرد سرد سی لہریں دوڑنے لگی تھیں۔

اُن آٹھ چاقوؤں سے مسلح آدمیوں نے ٹائیگر اور اُوشان کو گھیرے میں لے لیا۔ تین آدمی ایک ساتھ آگے بڑھے۔ انہوں نے چاقوؤں سے مہلک وار کیے... لیکن اس شدید مگر کارِ مہمل ایلمو کے لیے ناقابلِ یقین ثابت ہوا۔ اُس نے تینوں حملہ آوروں کو زمین پر گرتے اور ساکت ہوتے دیکھا۔ نہ جانے کیوں ایلمو کا دل کہہ رہا تھا کہ زمین پر ساکت پڑے ہوئے وہ تینوں آدمی موت سے ہمکنار ہو چکے ہیں۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

یہ کیسے ممکن ہے؟ ایلمو کے ذہن میں یہ سوال گونج اُٹھا کیونکہ اُس نے لمبے قد والے نوجوان اور اُس کے ساتھی بوڑھے کو کچھ بھی تو کرتے نہیں دیکھا تھا۔

وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگا۔

اب باقی ماندہ پانچ آدمی حرکت میں آ رہے تھے۔

انھوں نے ایک ساتھ حملہ کیا۔ اگلے ہی لمحے اُن میں سے دو اور گر گئے۔ وہ بھی ساکت پڑے تھے اور ایلمو کو یقین تھا کہ وہ بھی مر چکے ہیں، حالانکہ اس بار بھی اُس نے ٹائیگر یا اُوشان کو کچھ کرتے نہیں دیکھا تھا۔ ایلمو کو گمان گزرا کہ کہیں وہ کوئی خواب تو نہیں دیکھ رہا ہے۔ اُس نے اپنی ایک اُنگلی مُنہ میں دبائی اور دانت بھینچ لیے۔ اُس کے حلق سے چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔ غیر ارادی طور پر اُس نے خاصی زور سے دانتوں کو بھینچ لیا تھا۔ نہیں... یہ خواب نہیں ہے... اُس نے زیرِ لب کہا۔ اس کا مطلب ہے کہ دونوں آدمی اتنی تیزی سے حرکت کر رہے ہیں کہ اُس کی بینائی، اُن کی حرکات کو گرفت میں لینے سے قاصر ہے... لیکن اتنی تیز حرکت کسی انسان کے بس کی بات تو نہیں ہو سکتی، ایسا تو صرف مشین ہی کر سکتی ہے۔ ایک لمحے کے لیے ایلمو کے ذہن میں یہ خیال بھی آیا کہ کہیں یہ دونوں آدمی، روبوٹ تو نہیں ہیں؟

وہ مزید توجہ سے وہ منظر دیکھنے لگا۔

باقی ماندہ تین حملہ آور اب ٹھٹک جانے پر مجبور ہو گئے تھے۔

ایلمو باری باری ٹائیگر اور اُوشان کی طرف دیکھ رہا تھا... جب اُس کی نگاہ اُوشان سے ہٹ کر ٹائیگر کی طرف گئی اور پھر پلٹ کر اُوشان کی طرف واپس آئی تو وہ یہ دیکھ کر ہکا بکا رہ گیا کہ آخری تین حملہ آور بھی زمین بوس ہو چکے ہیں۔ اب اس میدانِ کارزار میں صرف لمبے قد والا نوجوان اور اُس کا بوڑھا ساتھی ہی کھڑا تھا۔ اُن کے پیروں میں چاروں طرف وہ آٹھوں آدمی ساکت پڑے تھے، جو چند ہی لمحے قبل وحشیوں کی طرح حملہ کرنے کے لیے اپنے سروں پر چاقو لہراتے ہوئے آئے تھے۔

ایلمو مزید دیکھنے کے لیے نہیں رُکا۔ وہ جھاڑی سے نکلا اور تاریکی میں جس قدر بھی تیزی سے ممکن تھا، بھاگتا چلا گیا۔ وہ اس وقت تک دوڑتا رہا، جب تک پارک سے باہر نہیں نکل آیا۔

اُس نے اُن دونوں آدمیوں کے بارے میں جس قدر سوچا تھا، وہ اُس سے کہیں زیادہ خطرناک آدمی تھے۔ ایلمو کے دل میں اُن کے لیے شدید ترین نفرت کے جذبات پیدا ہو گئے۔ غصّے کی زیادتی سے اُس کا رُواں رُواں کانپنے لگا... اور اُس کی وجہ یہ تھی

الف لیلیٰ داستان کا مقبول سلسلہ
انسان اور شیطان
مصنف محمد فراز
امیر علی خان کی خوفناک آپ بیتی
مکتبہ القریش سرکلر روڈ اردو بازار لاہور
فون 7668958

کہ انھوں نے اُسے ایک بار پھر بزدلی کی دُنیا میں واپس لا پھینکا تھا۔ وہ بزدل ایلمو جسے اُس نے اپنی دانست میں مار ڈالا تھا، پھر سے زندہ ہو گیا تھا۔ چاہے چند لمحوں کے لیے سہی لیکن اُس کی بزدلی لوٹ آئی تھی اور اس بات نے اُس کے دل و دماغ پر گہرا اثر کیا تھا۔ انھوں نے اُس کا کمپیوٹر بھی تباہ کر ڈالا تھا۔ وہ دوڑتا رہا... اور سوچتا رہا۔

تاریک فٹ پاتھوں پر دوڑتے ہوئے اُس کا پورا جسم پسینے میں شرابور ہو گیا تھا۔ اُس کی ٹانگیں تھکن سے چُور چُور ہو گئی تھیں لیکن وہ دوڑتا ہی چلا جا رہا تھا۔ وہ اس علاقے سے ہر ممکن دُور نکل جانا چاہتا تھا... بہت دُور... اتنی دُور جہاں ان دو ناقابلِ فہم آدمیوں کا گمان بھی نہ پہنچ سکے۔

اُسے احساس تھا کہ آج خوش قسمتی نے ہی اُسے بچا لیا ہے۔ اُوشان نے چونکہ پلٹ کر نہیں دیکھا تھا اس لیے ایلمو کو یقین تھا کہ وہ اُسے دیکھنے میں کامیاب نہیں ہو سکا ہے، ورنہ شاید اُسے یوں بچ کر بھاگ نکلنے کا موقع ہرگز نہ ملتا۔

ایلمو اب بھی نادیدہ آدمی تھا۔ اُس نے فیصلہ کیا کہ جلد ہی وہ ایک نئے آدمی کی حیثیت سے دوبارہ میدانِ عمل میں آئے گا۔ مزید گہری نفرت... اور... مزید طاقت کے ساتھ... وہ قہر کا دیوتا بن کر واپس آئے گا۔ وہ سوچتا رہا اور دوڑتا رہا.... اُن دونوں کو آج کی اس مداخلت کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ اُسے افسوس ہو رہا تھا کہ وہ اپنے آخری موکل سے ملاقات نہیں کر سکا۔ ایلمو کے ذہن میں اپنے شکار کی جو فہرست تھی، اُس نے ان دونوں کا نام اس فہرست میں سب سے اُوپر رکھ لیا تھا۔

وہ تاریک فٹ پاتھوں، اندھیری گلیوں اور سنسان

سڑکوں پر دوڑتا رہا اور سوچتا رہا... اور غصّے سے بل کھا کھا کر اُن دونوں کو بُرا بھلا کہتا رہا... حتیٰ کہ اُس کی ٹانگوں نے مزید... دوڑنے سے انکار کر دیا۔

اُس نے قریبی دیوار سے ٹیک لگا لی۔

وہ بُری طرح ہانپ رہا تھا۔ لیے سے اُس کے اندرونی کپڑے جسم سے چپک گئے تھے اور وہ لبادہ بھی گیلا ہو رہا تھا جو مخصوص سیاہ رنگ کی وجہ سے ایلمو کو ایک نادیدہ انسان بنا دیتا تھا۔

❖❖

اُوشان نے جُھک کر اُن لاشوں کی طرف دیکھا۔

ٹائیگر! اِدھر اُدھر دیکھتا ہوا نتھنے پھیلا رہا تھا اور انھیں بار بار اس طرح پچکا رہا تھا، جیسے وہ کچھ سُونگھنے کی کوشش کر رہا ہو... پھر وہ اُوشان کی طرف متوجہ ہوا اور کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ اُوشان بول پڑا "میں جانتا ہوں فرزند... وہ بھاگنے میں کامیاب ہو گیا ہے۔"

"اسے آپ نے فرار ہونے کا موقع دیا ہے۔" ٹائیگر نے تلخی سے کہا۔

"ناکامیوں سے اتنی جلدی دل برداشتہ نہیں ہونا چاہیے۔" آپ جانتے تھے کہ وہ کس جگہ موجود ہے... پھر آپ نے اسے بھاگنے کا موقع کیوں دے دیا؟" ٹائیگر کا موڈ بے حد خراب تھا۔ یہ اس کی زندگی کی پہلی شکست تھی۔ اس سے قبل اُس کی گرفت سے کوئی مجرم کبھی فرار ہونے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔

"اندازے کی خوفناک غلطی...،" اُوشان بڑبڑایا۔

ٹائیگر نے آٹھ مُردہ آدمیوں میں سے ایک کا چاقو اُٹھا لیا۔ اس نے چاقو کے دستے پر انگشتِ شہادت پھیر کر بڑی اداسی سے محسوس کیا اور بولا "یہ دیسی چاقو تو نہیں لگتا۔"

"ہاں... ورنہ اب تک تو یہ چاقو ڈی کی بجائے ٹوٹ پھوٹ کر کوئی اور ہی چیز نظر آنے لگتے۔" اُوشان کا لہجہ طنزیہ ہو گیا۔

"میں حیران ہوں کہ ان سنگروں کو کس نے بھیجا تھا؟"

"اور اُن دونوں کے بارے میں کیا خیال ہے؟ جنھوں نے آدمے کی چھت سے کود کر ہم پر قاتلانہ حملہ کیا تھا۔" اُوشان نے دوبارہ کرائی لیتے ہوئے کہا "یہ سب کے سب، ہمیں شکار کرنے میں بلکہ شکار ہونے کے لیے چلے آ رہے ہیں؟"

"جی ہاں...،" ٹائیگر نے ہنکارا بھرتے ہوئے کہا "لیکن یہ بات بہرام کو آپ ہی بتائیں گے کہ غیبی مجرم آپ کی لاپروائی کی وجہ سے فرار ہونے میں کامیاب ہوا ہے۔"

اچانک اُوشان نے اُسے ٹہوکا دیا۔

ٹائیگر چونک کر اُس کی طرف دیکھنے لگا، جدھر اُوشان دیکھ رہا تھا۔ وہ پارک کے عین میدانی سبزہ زار میں کھڑے تھے، اُس کے دوسرے کنارے پر ایک سایہ سا حرکت کر رہا تھا۔ یہ ایک نسوانی ہیولا تھا۔ عورت اُنھی کی طرف آ رہی تھی۔ ٹائیگر نے بغور اُس کی طرف دیکھا تو بالوں اور انداز سے... فوراً ہی آنے والی عورت کو پہچان لیا۔

وہ شہزادی سارہ تھی۔

اُس نے ریشمی بلاؤز، جینز اور ہائی بوٹ پہن رکھے تھے۔ آستینوں والی بلاؤز اور بالوں میں بندھے ہوئے ربن کی رنگت دُور سے آنکھوں کو بہت بھلی لگ رہی تھی۔ اُس کے دائیں پہلو میں جو ہاتھ جھول رہا تھا، اُس میں ریوالور دبا ہوا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ چلتی اُن کے قریب آئی اور انھیں گہری مشکوک نظروں سے دیکھنے لگی۔

"شہزادی...،" ٹائیگر بڑبڑایا۔

"میرے قریب مت آنا،" شہزادی نے ریوالور والا ہاتھ بلند کرتے ہوئے کہا۔

"مجھے یہاں کسی سے ملنا تھا۔"

"وہ خوش نصیب کون ہے؟" ٹائیگر نے گہری نظروں سے شہزادی کی طرف دیکھ کر سوال کیا۔ اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی تھی۔

"ایک ایسا شخص جو میرے اشتہار کے جواب میں یہاں آنے والا تھا۔"

"وہ اُس خفیہ رابطے کے رسالے میں اشتہار آپ نے خود دیا تھا۔" اس بار ٹائیگر کے لہجے میں حیرت کا گہرا تاثر تھا۔

شہزادی کی آنکھیں بے یقینی سے پھیل گئیں۔ "تم کیسے جانتے ہو؟"

"کیونکہ ایک اشتہار ہم نے بھی دیا تھا۔"

"اور یہ سب کیا ہے؟" شہزادی نے ریوالور والے ہاتھ سے آٹھ لاشوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔ "اس اشتہار کے جواب میں کیا یہ سب کے سب...؟"

"نہیں... یہ اشتہار کے جواب میں نہیں آئے۔" ٹائیگر نے کہا۔ "میرا خیال ہے ان لوگوں کے سلسلے میں آپ ہی کچھ بتا

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

سکتی ہیں۔"

"میں کیوں۔۔۔؟" شہزادی نے تیکھے لہجے میں کہا۔ "میں بھلا کسی جان سکتی ہوں کہ یہ کون لوگ ہیں اور یہاں کس ارادے سے آئے تھے؟"

"شاید انھیں موت کی آرزو یہاں کھینچ لائی تھی۔" ٹائیگر نے کہا۔ "اگر آپ آدمی کسی کو قتل کرنے کے ارادے سے آئیں۔۔۔ اور اس کے بعد آپ جیسی ہستی نظر آئے تو یہی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آپ ان کی کارکردگی ملاحظہ کرنے تشریف لائی ہیں۔"

"احمقانہ باتیں مت کرو۔" شہزادی نے توہین آمیز لہجے میں کہا۔ "اگر میں کسی کو قتل کرنے کے لیے بھیجتی تو تم اس وقت مر چکے ہوتے۔"

"اگر یہ بات ہے تو ریوالور پھینکیں۔"

شہزادی نے ریوالور کی طرف دیکھا تو یوں چونک پڑی جیسے اُس کی موجودگی کا پہلی بار احساس ہوا ہو۔۔۔ پھر رفتہ رفتہ اُس کا ہاتھ جھک گیا۔ ریوالور اب پہلو میں پہنچ گیا تھا۔ بالکل اُسی حالت میں جس میں آتے وقت نظر آرہا تھا۔ "مجھے افسوس ہے۔" وہ قدرے دھیمے لہجے میں بولی۔ "میں نہیں جانتی کہ اس جگہ کس سے ملاقات ہوگی۔ اس لیے مسلح ہو کر آنا ضروری سمجھا۔ اپنے بھائی کی مدد کرنے کا مجھے صرف یہی ایک طریقہ سمجھ میں آیا تھا۔"

"اور آپ نے ایک بےقصور بالشتے کے رسالے کو تلاش کر کے قاتل کو دعوت دے ڈالی۔" ٹائیگر نے اطمینان میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "کیا آپ تنہا آئی ہیں؟"

"نہیں۔۔۔ جب میں یہاں آرہی تھی تو اچانک فاخر میرے اپارٹمنٹ پر پہنچ گیا وہ میرے ساتھ آنے کے لیے بضد تھا۔"

"میری جان! کمزور ہو گئی ہے یا وہ شریف ہی نہیں تھا۔" ٹائیگر نے ادھر اُدھر دیکھتے ہوئے وضاحت چاہی۔

"میں نے اُسے کار میں بیٹھنے پر مجبور کر دیا تھا۔"

"آپ ایک دلیر اور بہادر خاتون ہیں۔"

"مجھے اپنے بھائی سے بہت زیادہ محبت ہے۔"

"اگر یہ بات ہے تو ان چہروں کو غور سے دیکھیے۔" ٹائیگر نے لاشوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "کیا ان میں کوئی مانوس چہرہ دکھائی دیتا ہے؟"

وہ اس وقت درختوں کے نیچے کھڑے تھے، یہاں تاریکی تھی، اس لیے شہزادی کو جھک کر ان لاشوں کے چہرے دیکھنے پڑے۔ وہ غور سے ایک ایک چہرے کو دیکھتی رہی۔۔۔ پھر سیدھی ہو کر ایک طویل سانس لی۔ ٹائیگر سوالیہ نظروں سے اُس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"نہیں۔۔۔ میں ان میں سے کسی کو بھی نہیں جانتی۔" شہزادی نے اُس کی سوالیہ نظروں کے جواب میں کہا۔

"اس وقت کے لیے بہت بہت شکریہ۔" ٹائیگر نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "میرا خیال ہے اب چہروں کو دیکھنا آپ کے لیے قطعی بےکار عمل نہیں رہا۔"

"ان سب کو تم نے قتل کیا ہے؟" شہزادی نے حیرت سے کہا۔ "صرف تم دونوں نے۔۔۔ یہ شاید تعداد میں آٹھ تھے۔"

"ان کی تربیت بڑے نفیس انداز میں ہوئی تھی۔" ٹائیگر نے ان لوگوں کی موت کا جواز پیش کرتے ہوئے کہا۔ وہ اس طرف دیکھنے لگا جدھر فاخر کو چھوڑ آیا تھا۔

جونہی اُس نے فاخر کو، ٹائیگر اور اوشان کو دیکھ کر حیرت سے منہ کھولا۔ عین اُس نے اپنی حیرت خاطر خواہ کی سزا اس سلسلے میں اُسے خاصی جہالت معلوم ہوئی تھی۔ اس نے قریب آکر ان دونوں کی طرف کوئی توجہ نہیں دی اور انھیں نظر انداز کرتے ہوئے شہزادی سارہ سے مخاطب ہوا۔

"آپ کو کوئی چوٹ تو نہیں آئی؟"

"نہیں۔۔۔ میں ٹھیک ہوں۔" سارہ نے جواب دیا۔

"بہت خوب۔" فاخر بولا۔ "کیا آپ وہ کام پورا کر چکی ہیں جس کے لیے یہاں آئی تھیں؟"

"نہیں۔۔۔" شہزادی سارہ کے لہجے میں برہمی آگئی۔

فاخر نے لاشوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے دریافت کیا۔ "یہ کون لوگ ہیں؟"

"ان لوگوں نے ہمارے ان دوستوں پر قاتلانہ حملہ کرنے کی

سرزمین خیبال کا سچا واقعہ
درندہ
تعاقب، تجسس کے سنسنی خیز مراحل سے
دو جلدوں میں
مکمل سیٹ =/300 روپے
ملنے کا ترین سنگر بک ایجنسی اردو بازار لاہور
فون 766858

کوشش کی تھی۔" شہزادی نے ٹائیگر اور اوشان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے وضاحت کی۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے انھیں فاخر سے متعارف کرا رہی ہو۔

فاخر نے اپنی داڑھی کی نوک کو سہلایا اور ان لاشوں کو گھورنے لگا۔ گہری سوچ میں ڈوبا ہوا معلوم ہو رہا تھا۔ اس نے حیرت کا اظہار اب بھی نہیں کیا تھا۔ وہ ایک عام سے "موت" نہیں طلبگار تھا لیکن اس کی انگلیوں میں پکی ہوئی انگوٹھیاں اور اس کے بیش قیمت لبادے یہ ظاہر کر رہے تھے کہ وہ کوئی معمولی آدمی نہیں ہے۔

"میں تمھاری دلیری کا معترف ہوں۔" اس نے ٹائیگر کی طرف جھک کر کہتے ہوئے کہا۔۔۔ پھر وہ شہزادی سارہ کی طرف متوجہ ہو گیا۔ "میرا خیال ہے اب ہمیں واپس چل دینا چاہیے۔ آپ کو یاد ہوگا کہ میں نے ایسی کسی خطرناک صورت حال سے آپ کو پہلے سے آگاہ کر دیا تھا۔"

میں تمھیں تنبیہ کرتا ضروری خیال کرتی ہوں کہ مجھ سے بات کرتے وقت اپنے لہجے پر قابو رکھو۔" شہزادی نے برہم لہجے میں کہا۔ "۔۔۔ شاہی آداب کو نہیں سے مت بھلاؤ۔"

"میں نے کچھ کہا؟ اس میں آپ کی توہین تھی۔۔۔ فاخر نے جلدی سے جو جیرانی پائی اور مؤدب لہجے میں بولا۔" اس وقت ہمیں لاش کی طرح خطرناک ترین جگہ سے اور ہمیں کسی خطرے سے دوچار ہوئے بغیر اپنے اپارٹمنٹ واپس پہنچ جانا چاہیے۔"

شہزادی نے اُسے نظر انداز کر دیا۔

ٹائیگر کی طرف دیکھ رہی تھی۔ "تمھارے خیال میں ان آدمیوں کا تعلق کسی طرح میرے بھائی سے بھی ہو سکتا ہے؟" سارہ نے پوچھا۔

"میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ "آپ ان شخص کے بارے میں کیا جانتی ہیں جس سے یہاں ملاقات طے تھی؟"

"کچھ بھی نہیں۔" شہزادی نے جھک کر جواب دیا۔ "مجھے سے کہا گیا تھا کہ میں مقامی اخبار میں کوئی ایسا اعلان نہ شائع کروں جس سے مجھے اپنا پتا معلوم ہو سکے۔ میں نے اس ہدایت پر عمل کیا۔ میں نے ایک شخص کے ہاتھ پیغام بھیجا کہ کیا اور آج رات یہاں ملاقات کا وقت طے کر لیا۔ ٹھیک ساڑھے نو بجے۔"

"بہت بہت شکریہ۔" ٹائیگر نے جھک کر کورنش بجا لاتے ہوئے کہا۔ "آپ مجھے ہمیشہ اپنا خادم سمجھیں گی۔"

"میں تم سے بے حد خوش ہوں۔" سارہ نے مسکرا کر کہا۔ اس نے گہری نگاہ سے ٹائیگر کو دیکھا۔ "تم ایک متفرد شخصیت کے مالک ہو۔" یہ کہہ کر وہ اوشان کی طرف متوجہ ہو گئی اور اس نے قدرے سر خم کر کے اُسے تعظیم دی۔۔۔ پھر پلٹ کر ایک روش پر چلتی ہوئی پارک کے مرکزی گیٹ کی طرف بڑھ گئی۔

فاخر نے ٹائیگر اور اوشان کی طرف دیکھا۔ "تعظیم" بھجوا کر شہزادی سارہ نے پیچھے رہ جانے والوں کو اتنی دیر تک لیے دیے نظروں سے کافی دور جا چکی تھی۔

"مجھے یہ آدمی پسند نہیں آیا۔" اوشان بڑبڑایا۔

"جس شخص کی صورت پسند نہیں آتی وہ عموماً کسی کی آرزو ہوتا ہے۔" ٹائیگر نے تبصرہ کیا۔

اوشان نے کوئی جواب نہ دیا۔

وہ شہزادی سارہ اور فاخر کی طرف دیکھ رہا تھا جو اب روش پر چلتے ہوئے اس جگہ پہنچ گئے تھے جہاں سے گروہ ان کی نگاہوں سے اوجھل ہو جاتے۔ ٹائیگر نے کہا۔ "چلیے۔" وہ روش پر گھوم گئے۔

"چلیے، لیکن فائدہ۔۔۔"

"ابھی نہیں۔" اوشان نے پُرسکون لہجے میں کہا۔

"ان لوگوں کی تدفین کا ارادہ ہے کیا؟"

"نہیں۔۔۔ ہم ایک چیز کو نظر انداز کر رہے ہیں۔"

"وہ کیا چیز ہے اوشان؟" ٹائیگر چونک کر بولا۔

اس بار اوشان نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ پلٹ کر اسی طرف چلنے لگا جہاں سے وہ اٹھ کر آئے تھے۔ ٹائیگر خاموشی سے اس کے پیچھے چل دیا۔ اوشان اس جگہ پہنچا جہاں وہ کچھ دیر پہلے ایک درخت پر ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ وہ نیچے کے تعفن میں چلتا ہوا پہنچا اور چند لمحوں تک وہ کچھ سوچتا رہا۔ پھر اس نے ایک شاخ کو پکڑ کر اوپر کی طرف چڑھنا شروع کر دیا۔ ٹائیگر سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اوشان کے ہاتھ میں غیر معمولی حیات پیدا کرنے والی وہ ایک چیز تھی جو اس نے ایک لاش کے ہاتھ سے اٹھائی تھی۔ اس وقت اس کی

تھا کہ محض ایک ہیولہ ہی نظر آ رہا تھا۔ اس پر جتنی بھی روشنی پڑ رہی تھی، جذب ہو رہی تھی۔ روشنی کا انعکاس نہ ہونے کی وجہ سے انسانی آنکھ کے لیے اس چیز کو دیکھ پانا بے حد دشوار تھا۔ یہ اُوشان کی غیر معمولی حسیات ہی تھیں جن کے ذریعے اس نے تاریکی میں اس ہڈی کا سراغ لگا لیا تھا۔ غالباً اس نے اس غیر مرئی شے کے گرنے کی وہ خفیف ترین آواز سن لی تھی جسے ٹائیگر نہیں سن سکا تھا۔

"یہ کیا ہے، اُوشان؟" ٹائیگر نے حیرت سے دریافت کیا۔

"ابھی کچھ دیر قبل یہ چیز تمھاری کھوپڑی کے چیتھڑے بھی اُڑا سکتی تھی۔"

"کیا مطلب؟" ٹائیگر اب بھی حیران تھا۔

"تمھیں اپنی حسیات پر بھروسہ نہیں ہے۔" اُوشان نے خشک لہجے میں کہا۔ "یہ وہی خوفناک آلہ ہے جس سے کھوپڑیاں توڑی جاتی ہیں اور کچھ دیر قبل تمھاری کھوپڑی، اس کے شکنجے میں قید ہو چکی تھی۔ اگر میں بھی اپنی کھوپڑی میں تمھاری طرح ہر وقت خرافات بھری رکھتا... تو آج تمھاری بھیانک ترین لاش دیکھ کر مجھے بے حد دکھ ہوتا۔"

ٹائیگر کے جبڑے سختی سے بھنچ گئے۔ اُوشان نے جس لہجے میں بات کی تھی، اس سے قبل وہ اس سے اس لہجے میں کبھی مخاطب نہیں ہوا تھا۔

"جس وقت میں نے اسے چھینا تھا، اس وقت وہ غیبی مجرم، اس آلے کو تمھاری کھوپڑی کے گرد نصب کر چکا تھا۔ سمجھ رہے ہو نا؟"

"مجھے افسوس ہے، ابنِ قادر!" ٹائیگر بڑبڑایا۔ "میں آپ سے بے حد شرمندہ ہوں۔ آئندہ محتاط رہوں گا۔"

اُوشان کے ہونٹوں پر بے ساختہ مسکراہٹ آ گئی۔ "زندگی بچ جائے تو افسوس نہیں بلکہ خوشی کا اظہار کرنا چاہیے، فرزند!" اس نے خوش دلی سے کہا۔ غالباً ٹائیگر کو نادم دیکھ کر اُسے اس پر رحم آ گیا تھا۔

"لیکن آپ نے اُسے محسوس کرنے کے باوجود جانے کیوں دیا؟" ٹائیگر نے اُلجھن سے پوچھا۔ "کیا آپ میری زندگی بچانے میں مصروف تھے؟"

"نہیں... میں نے یہ سوچ کر یہ چیز حاصل کرنی چاہی تھی کہ ممکن ہے یہ کوئی قیمتی ایجاد ہو اور اس کی مدد سے دُنیا کو خوب فائدہ ہو۔"

"ابنِ قادر..."

"ہُوں..." اُوشان نے کہا۔

"بہت بہت شکریہ!"

"کوئی بات نہیں۔ یہ تو میرا فرض تھا۔" اُوشان نے انکسار سے جواب دیا۔ "اب تم اپنے چیف کو بتا سکتے ہو کہ میں نے اس غیبی شخص کو فرار ہونے کا موقع دیا تھا۔"

ٹائیگر نے نفی میں سر ہلا دیا۔ "اب میں آپ کو الزام نہیں دوں گا۔"

"میرا خیال ہے، اب ہمیں چل دینا چاہیے۔"

ٹائیگر نے تائید میں سر کو جنبش دی اور دونوں ایک روشن راستے کی طرف بڑھ گئے۔ ٹائیگر گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ آج اس کی موت بالکل سر پر پہنچ گئی تھی۔ اس نے یہ سوچ کر جھرجھری سی لی کہ اگر اُوشان اس کے ساتھ موجود نہ ہوتا تو صبح اس کی عبرتناک لاش اس بیچ پر پڑی ہوتی۔ طاقت اور غیر معمولی توانائی کے علاوہ زبردست حسیات کے باوجود، وہ موت کو اپنے قریب محسوس کرنے سے قاصر رہا تھا اور اس کی وجہ صرف ایک ہی تھی... بقول اُوشان، اس کی کھوپڑی میں ہر وقت خرافات بھری رہتی ہیں۔

ہوٹل پہنچ کر اس نے بہرام کو فون کیا اور صورتِ حال بتائی۔

"کیا کہا... تم نے اُسے فرار ہونے کا موقع دے دیا؟" دوسری طرف سے بہرام چیخ پڑا۔

ٹائیگر خاموش رہا۔ یہ ایسا موقع نہیں تھا کہ وہ اپنی ناکامی کو باتوں میں ٹال دیتا۔ بہرام کو مطمئن کرنا ضروری تھا۔ دوسری جانب سے بہرام جس انداز میں چیخ رہا تھا، اس سے ٹائیگر کو اندازہ ہو رہا تھا کہ اُسے ناکامی کی اس خبر سے کس قدر اذیت پہنچی ہے۔

"بات یہ ہے چیف! کہ میں اُسے دیکھنے میں کامیاب نہیں ہوا تھا۔" ٹائیگر نے آہستہ سے کہا۔

"تو پھر تمھیں کیسے پتہ چلا کہ وہ وہاں آیا تھا؟" بہرام غرایا۔

"اس نے میری کھوپڑی کے چیتھڑے اُڑانے کی کوشش کی تھی۔"

"کیا وہ اپنے مقصد میں کامیاب رہا۔" بہرام کی کراہٹ میں بے پناہ دُکھ تھا۔

"یہ کوئی مضحکہ خیز بات نہیں ہے، سویٹ ہارٹ!"

"اس کا فرار بھی مضحکہ خیز نہیں ہے۔" بہرام نے چیخ کر کہا۔ زندگی میں پہلی بار وہ فون پر اس قدر چیخ چیخ کر بول رہا تھا کہ اس کا گلا بیٹھ گیا اور اس کی آواز بھرا کر کسی بہت بڑے مینڈک کے ٹرانے جیسی ہو گئی۔ "میں پوچھتا ہوں، تم..."

"ٹھیک ہے، میں بتاتا ہوں۔" ٹائیگر نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "اگر یہ سب کچھ معلوم کر کے آپ کے کسی جذبے کی تسکین ہو سکتی ہے تو سن لیجیے۔ وہ وہاں آیا تھا لیکن میں اُسے دیکھنے... یا محسوس کرنے میں ناکام رہا۔ اس نے مجھے قتل کرنے کی کوشش کی۔ اُوشان نے اس کی موجودگی محسوس کر لی لیکن صورتِ حال ایسی تھی کہ وہ یا تو میری زندگی بچا سکتا تھا یا پھر اُسے پکڑ سکتا تھا۔ اس نے دونوں باتوں میں سے میری زندگی کو ترجیح دی... اور میں سمجھتا ہوں کہ اس نے یہ اقدام کر کے مثبت عمل کیا ہے۔"

"میں اس تاویل پر غور کروں گا۔"

"ہمدردی سے..." ٹائیگر نے لقمہ دیا۔

"ان آٹھ آدمیوں کے بارے میں بتاؤ، جن کا قاتم نے ابھی کچھ دیر قبل تذکرہ کیا تھا۔ کیا ان میں سے کسی ایک کی بھی شناخت نہیں ہو سکی؟"

"نہیں، ایک کی بھی نہیں... حتیٰ کہ شہزادی سارہ بھی انھیں نہیں جانتی۔"

"کیا تمھیں اس پر یقین ہے؟"

"ہاں..." ٹائیگر نے جواب دیا۔

"یہ اُس لڑکی سے متاثر ہو گیا ہے۔" اُوشان نے کمرے کے دوسرے کونے سے ہانک لگائی۔

"اُوشان کیا کہہ رہا ہے؟" بہرام نے پوچھا۔

"اس کا کہنا ہے کہ اگر کبھی ایسی صورتِ حال آئندہ بھی پیش آئی تو وہ میری زندگی بچانے کو ترجیح دے گا۔" ٹائیگر نے جلدی سے بات بناتے ہوئے کہا۔

بہرام نے اس سلسلے میں مزید تکرار نہیں کی اور دریافت کیا۔ "اب تم اس سلسلے میں کیا کرنے کا ارادہ کر رہے ہو؟"

"میں خفیہ رابطے کے اس میگزین کا جائزہ لینا چاہتا ہوں۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ "آپ نے اس میں ایک اشتہار دیا تھا جبکہ شہزادی سارہ کہتی ہے کہ اس نے بھی ایک اشتہار شائع کروایا تھا۔ میں یہ معلوم کرنے کی کوشش کروں گا کہ دوسرا اشتہار کس نے دیا تھا۔ ممکن ہے، میں اس طرح اس غیبی شخص تک پہنچنے میں کامیاب ہو جاؤں۔"

"کیا خیال ہے، وہ اب بھی نسلاطی کے سلطان کو قتل کرنے میں دلچسپی لے سکتا ہے؟" بہرام نے سوال کیا۔

"جی ہاں، بات صرف دولت کی نہیں ہے، سویٹ ہارٹ!" ٹائیگر نے وضاحت کی۔ "میں اس شخص سے مل چکا ہوں۔ وہ ایک کمزور اور ناتواں شخص ہے جسے معاشرے نے بُری طرح نظر انداز کیا ہے۔ ایسا شخص طاقت حاصل کر لے تو اس کا انتقام اسی طرح بھیانک ہوتا ہے، جس انداز میں ہمارے سامنے آیا ہے۔ اس نے ایک غیر معمولی صلاحیت حاصل کر لی ہے۔ وہ اب طاقت ور ہو گیا ہے۔ لہٰذا وہ کبھی برداشت نہیں کر سکتا کہ ہم اُسے سلطان کو قتل کرنے سے باز رکھیں۔ اُس کے رُکنے کی صرف ایک ہی صورت ہے... کہ وہ دہشت زدہ ہو گیا ہو اور اس نے جرائم سے توبہ کر کے ایک نئی زندگی شروع کرنے کا ارادہ کر لیا ہو... ورنہ وہ دوسری کوشش ضرور کرے گا۔"

"دلچسپ تھیوری ہے۔" بہرام بڑبڑایا۔

"جب تک کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوتا، ہر چیز تھیوری ہی رہتی ہے۔" یہ کہہ کر ٹائیگر نے سلسلہ منقطع کر دیا۔ اس نے ریسیور رکھ کر اُوشان کی طرف دیکھا جو اپنا بوڑھا سر اثبات میں ہلا رہا تھا۔ ٹائیگر نے دیکھا کہ وہ خفیہ رابطے کا ایک شمارہ پڑھ رہا تھا۔

"یہ مضامین بے حد خوفناک ہیں۔" اُوشان نے کہا۔

"لیکن میں نے آپ کو اب تک ایک بار بھی جھرجھری لیتے نہیں دیکھا۔"

"میں جھرجھری پروف ہوں۔"

"ان مضامین میں کیا ہے؟"

"ان میں صرف دولت اور ہتھیاروں کی باتیں ہیں۔ مکمل قتل... یا... مکمل قسم کے قاتل کا کوئی حوالہ نہیں... فن کی عظمت، تاریخ اور دیگر روایات کا کوئی پاس نہیں... یہ تو ضرورت مندوں کا... دوسرے لفظوں میں ضرورت مندوں کے لیے ایک کاروباری سا معاملہ لگتا ہے۔"

"جی ہاں... اور اگر فن کی بات ہوتی تو آپ بہترین کلاکرگی دکھا سکتے ہیں۔"

"یہ بات بھی مجھ سے زیادہ کوئی نہیں جانتا۔" اُوشان نے فخریہ لہجے میں کہا۔ "لہٰذا جب تم ان لوگوں کا دفتر تلاش کرنے میں کامیاب ہو جاؤ تو اس رسالے کے ایڈیٹر کا نام ضرور معلوم کر لینا کیونکہ جب میں اپنی کہانی مکمل کروں گا تو مجھے اس کی ضرورت پڑے گی۔"

"آپ کی کہانی کا موضوع کیا ہو گا؟"

"پاگلوں کی دُنیا میں ایک مہذب قاتل... اُوشان، وحشیوں کے دیس میں..." اُوشان نے سوچ میں ڈوبے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

"بہرام کو یہ کہانی بہت پسند آئے گی۔"

"وہ میرا پرانا قاری ہے۔" اُوشان بڑبڑایا۔ "لیکن مجھے اس سے زیادہ تمھاری فکر ہے۔ تمھیں آمدنی کا دوسرا ذریعہ ڈھونڈنا پڑے گا۔"

"مجھے اس کی توقع تھی۔" ٹائیگر مسکرانے لگا۔

"چند دنوں کے لیے تکرار مت کرو، فرزند!" اُوشان نے کہا۔ "ہمارے درمیان دولت کے سلسلے میں اختلاف کوئی اچھی بات نہیں۔"

ٹائیگر نے ایک طویل سانس لی اور کرسی سے نکل کھڑا ہوا۔

اُسے خفیہ رابطے کے رسالے کا دفتر تلاش کرنا تھا۔ یہ ایک کٹھن کام تھا۔ غیر قانونی اشاعت کا یہ رسالہ کہاں سے شائع ہوتا تھا، کسی کو بھی معلوم نہ تھا۔ اس کے لیے بڑے ہی منظم طریقے سے کام کیا جاتا تھا۔ ان گنت ٹیلی فون نمبرز، ان گنت ایجنٹ... اور ان گنت مقامات... بالآخر وہ ایک ساحلی سڑک پر پہنچ گیا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

یہ علاقہ اُن لوگوں کی بستی کہلاتا تھا، جنھوں نے زندگی میں کبھی ایک کوڑی بھی محنت مزدوری کرکے یا کسی جائز ذریعے سے حاصل نہیں کی تھی۔ وہ ایک گھٹیا سے شراب خانے میں جاکر بیٹھ گیا اور لوگوں کا جائزہ لینے لگا۔ یہ ایک ایسا کام تھا جس میں صرف غیبی مدد سے ہی اُس کا مسئلہ حل ہو سکتا تھا۔ ورنہ جب وہ اس مقام کا سُراغ لگانے میں کامیاب ہو گیا تھا جہاں بہرام نے فون کرکے خُفیہ رابطے کے لیے اشتہار دیا تھا تو اُسے ناکامی ہی ہوئی تھی کیونکہ وہاں ایک بے حد بوڑھا شخص رہتا تھا اور وہی فون پر اشتہار نوٹ کرتا تھا اور ادائیگی بھی اُسی کے ذریعے ہوتی تھی... لیکن وہ نہیں جانتا تھا کہ یہ کام وہ کس کے لیے کرتا ہے۔ نہ جانے اُن لوگوں کو کیسے معلوم ہو جاتا تھا کہ فون پر اُسے کوئی اشتہار موصول ہو گیا ہے۔ کال ملنے کے بعد کوئی نہ کوئی فوراً ہی فون کرکے اُس سے مضمون سُن لیتا تھا اور ادائیگی کے سلسلے میں بھی کوئی نہ کوئی وہاں پہنچ جاتا تھا۔ ٹائیگر نے اسی طریقۂ کار کو کارآمد بنانا چاہا تھا لیکن جو شخص رقم وصول کرنے آیا تھا، وہ ایک بھکاری تھا اور اُسے رقم کا لفافہ ساتھ لے کر دن بھر اپنے کام میں مصروف رہنا تھا... پھر شام کو اچانک ہی اُس بھکاری کو معلوم ہوتا تھا کہ رقم کا لفافہ اُس کی جیب میں موجود ہیں ہے۔ دن میں کسی وقت کسی کی ماہرانہ نگاہیں اُسے نکال لی ہوتی تھیں اور لفافے کی جگہ اُس کے لیے ایک دو بُرے نوٹ پڑے ہوتے تھے۔ اگر ٹائیگر اس زنجیر کے ساتھ ساتھ چلتا رہتا تو شاید اُسے خُفیہ رابطے کے دفتر تک رسائی حاصل کرنے میں برسوں لگ جاتے اور اُن گنت لوگ اس سلسلے میں اس کے ہاتھوں ہلاک ہو جاتے اور پھر بھی کون یقین سے کہہ سکتا تھا کہ وہ منزلِ مقصود پر پہنچ جاتا یا نہیں۔

اچانک ایک آدمی اُس کے قریب آکھڑا ہوا۔

ٹائیگر نے نگاہ اُٹھا کر اُس شخص کی طرف دیکھا۔

اُس کے قریب جو شخص کھڑا تھا، اُس کی آنکھیں کسی نشہ آور شے کے استعمال سے دہک رہی تھیں۔ اُس کا چہرہ بے حد بھیانک تھا اور اُس کے ہاتھ پاؤں مضبوط تھے۔ وہ ٹائیگر کو ایسی نظروں سے دیکھ رہا تھا جیسے تول رہا ہو کہ وہ کتنے پانی میں ہے۔

"تم کون ہو مسٹر! اور کیا چاہتے ہو؟" بھیانک چہرے والے شخص نے پوچھا۔

"تمھیں اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہونی چاہیے۔"

"میں پولیس کے آدمیوں کو برداشت کرنے کا عادی نہیں ہوں۔"

"کچھ یہی حال میرا بھی ہے۔" ٹائیگر بڑبڑایا۔ "اُن لوگوں نے میری زندگی اجیرن کر رکھی ہے۔" یہ کہہ کر وہ دل ہی دل میں ہنس پڑا۔ اُس نے غلط بیانی سے کام نہیں لیا تھا۔ ایسے میں اگر وہ شخص خود ہی کوئی غلط مطلب اخذ کرتا ہے تو اس میں ٹائیگر کا کوئی قصور نہیں تھا۔ ٹائیگر نے یہ بات اس لیے کہی تھی کہ اکثر اوقات بہرام اُس سے ایسے کام لیتا تھا جو درحقیقت پولیس والوں کو کرنے چاہئیں... اور یہ بات ٹائیگر کو شروع ہی سے ناپسند تھی اور اس بات نے گویا اُس کی زندگی اجیرن کر رکھی تھی۔

"لیکن تم... تم تو شریف آدمی لگتے ہو۔" وہ شخص اُلجھن میں پڑ گیا۔

"یہی میرا کاروباری طرۂ امتیاز ہے۔"

"کیا کچھ کر سکتے ہو؟"

"دُنیا کا ہر وہ کام جو کوئی دوسرا نہیں کر سکتا۔"

"کسی کی کھوپڑی میں سیسہ اُتار سکتے ہو؟ چاقو کا ٹھنڈا بلیڈ انسانی گوشت میں داخل کر سکتے ہو؟" بھیانک چہرے والے نے تجسس سے پوچھا۔

"معقول معاوضے پر تم مجھ سے ہر کام کی توقع کر سکتے ہو۔"

"کوئی خاص کارنامہ جو تمھیں متعارف کرا سکے؟"

ٹائیگر نے جواباً اس مخبر کا نام لے دیا جسے ایلمو نے کھوپڑی توڑ کر ہلاک کیا تھا۔ یہ سُن کر وہ شخص قدرے متاثر نظر آنے لگا... لیکن جلد ہی اُس کی آنکھوں سے شُبہ جھلکنے لگا۔ اگلے ہی لمحے وہ مسکرا رہا تھا۔ انداز سے بے یقینی مترشح تھی۔

"بیٹھ جاؤ۔" ٹائیگر نے کہا۔ "میں تمھیں یقین دلاتا ہوں۔"

وہ شخص بیٹھ گیا۔ ٹائیگر نے سامنے پڑی ہوئی بوتل اپنے ہاتھ میں لے لی۔ اُس نے دونوں ہاتھوں سے بوتل کو مروڑا اور اُس کے ٹکڑے میز کے ٹاپ پر پھینک دیے۔ "بالکل اسی طرح کسی آدمی کی کھوپڑی کے بھی ٹکڑے ہو سکتے ہیں۔" ٹائیگر نے اُس شخص کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

بھیانک چہرے والے شخص کا چہرہ مزید بھیانک ہو گیا۔ اُس کی آنکھوں سے اب بھی بے یقینی ظاہر ہو رہی تھی لیکن اُس نے جو کچھ بھی دیکھا تھا، اُسے دیکھ کر ٹائیگر کی باتوں پر یقین نہ کرنا حماقت ہی تھی۔

"اگر تمھیں اب بھی یقین نہیں آیا تو میں تمھاری کھوپڑی توڑ کر ثابت کرنے کے لیے بھی تیار ہوں۔" ٹائیگر کے لہجے میں سفاکی آگئی۔

بھیانک چہرے والا شخص لرز گیا۔

اُس وقت، وہ دونوں شراب خانے کے ایک سُنسان کونے میں بیٹھے ہوئے تھے اور وہاں بھی اکّا دُکّا لوگ ہی موجود تھے۔ ٹائیگر اس شخص کے بارے میں جاننا چاہتا تھا، جو اُس میں دلچسپی لیتا ہوا، اب اُس کے سامنے براجمان تھا۔ ٹائیگر جانتا تھا کہ وہ بلا وجہ

حسن بن صباح

☆ شہنشاہ حشیش اور ابلیس وقت

جو چھتیس (36) سال تک قلعہ الموت میں ایک نظر فریب جنت ارضی بنا کر بیٹھا رہا اور مسلمانوں کے بڑے بڑے جید علماء کرام اور محدثین، مفسرین، مفکرین اور ارکان سلطنت کے خون سے ہولی کھیلتا رہا۔۔۔۔ مسلمان والیانِ ریاست اس کا کچھ نہ بگاڑ سکے۔۔۔۔۔

اِسی ساحر اور مُرتد کی رنگین اور خوفناک داستان
الماس ایم۔اے کے سحر انگیز قلم سے۔۔۔۔۔

ناشر: مکتبہ القریش اُردو بازار۔لاہور 2 قیمت -/125 روپے

برصغیر کا سپوت ---- آزادی کا متوالا
مسلمانانِ ہند کا رکھوالا۔۔۔۔۔

شہید سلطان ٹیپو

جس کی دہشت سے انگریز سوتے سے جاگ پڑتے تھے
اور انگریز بچے سلطان ٹیپو کا نام سُن کر چُپ ہو جاتے تھے۔

☆ ایک بہادر
☆ ایک مجاہد
☆ ایک شہید

ایک ناول ------ ایک تاریخ

الماس ایم۔اے کے ایمان افروز قلم سے ------ قیمت -/200 روپے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ہی اُس کی طرف متوجہ نہیں ہُوا۔ وہ اُس کا مقصد جاننے میں اب مزید وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"ٹھیک ہے۔" وہ شخص ایک طویل سانس لے کر بولا... اُس نے معانقے کے لیے ہاتھ بڑھا دیا۔ "میں تمہیں خوش آمدید کہتا ہوں... جرائم کی خفیہ دُنیا میں خوش آمدید..."

"شکریہ..." ٹائیگر نے بے نیازی سے کہا۔

"مجھے یقین ہے کہ اس منجر کی موت تمہارے ہی ہاتھوں ہوئی ہے... لیکن میں حیران ہُوں کہ تم نے ان دونوں کو ساحل پر کیوں ہلاک کر دیا تھا، جنھوں نے..."

"سب سے پہلے خود کو متعارف کراؤ، دوست۔" ٹائیگر نے اُسے ٹوک دیا۔ "اُس کے بعد ہی مزید بات چیت ہو سکے گی۔"

"میں اس چھوٹی سی دُنیا کا مالک ہُوں۔" بھیانک چہرے والے نے شراب خانے کے کاؤنٹر اور فرنیچر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "اور میرا نام ہاگر ہے۔"

"تم مجھے شہزاد کہہ سکتے ہو۔"

"کسی پیشہ ور قاتل کے لیے یہ نام مناسب نہیں۔" ہاگر نے تبصرہ کیا۔ "یہ گاہکوں کو زیادہ متاثر نہیں کرتا۔"

"مجھے نام سے زیادہ کام سے دلچسپی رہتی ہے۔"

"میرے پاس تمہارے لیے بہت کام ہے۔"

"بہت کام سے تمہارا کیا مطلب ہے؟"

"یُوں سمجھ لو کہ میں پوری دُنیا کو قتل کروانے کا ٹھیکے دار ہُوں۔" ٹائیگر سوالیہ نظروں سے اُس کی طرف دیکھتا رہا۔

"میں نے جھوٹ نہیں کہا۔" ہاگر ہنس پڑا۔ "بہت کم قتل ایسے ہوتے ہیں جن سے میرا کسی نہ کسی طور تعلق نہیں ہوتا۔"

"لیکن میں دام بہت اچھے لیتا ہُوں۔" ٹائیگر کے لہجے میں بے پناہ سنجیدگی تھی۔ "میرے پاس رابطہ قائم کرنے کا ذریعہ نہیں ہے... مجھے گاہک تلاش کرنے پڑتے ہیں اور یہ ایک خطرناک کام ہے۔ میں خود کو زیادہ ظاہر نہیں کرنا چاہتا۔"

"جیسا کہ میں تمہیں بتا چکا ہُوں۔" ہاگر نے فخریہ لہجے میں کہا۔ "میں قتل و غارت گری کا ٹھیکے دار ہُوں۔ لہٰذا تم مجھ پر پوری طرح بھروسا کر سکتے ہو۔ میں تمہیں ایک ایسے شخص کے پاس بھیج دُوں گا جہاں تمہاری کامیابی کا پہلا زینہ موجود ہے۔"

"تم گول مول باتیں کرنے کے عادی معلوم ہوتے ہو۔" ٹائیگر نے ناگواری سے کہا۔ "اور باتوں کی وضاحت چاہنے میں وقت ضائع ہوتا ہے۔"

ہاگر نے جیب سے ایک کارڈ نکال کر میز پر رکھ دیا۔

"یہ کیا ہے؟" ٹائیگر نے دریافت کیا۔

"تمہارے ہر سوال کا جواب... میری ہر بات، وضاحت۔"

ٹائیگر نے کارڈ اُٹھا لیا۔ کارڈ پر نگاہ پڑتے ہی اُس نے بڑی مشکل سے خود کو چونکنے سے باز رکھا۔ اُس کے دُونوں رُخوں میں سنسنی کی لہر دوڑ گئی تھی۔ کارڈ پر ایک کھوپڑی بنی ہُوئی تھی جس کی آنکھوں سے خُون کے دو قطرے ڈھلک گئے تھے۔ کھوپڑی کے وسط میں ایک خنجر، دستے تک دھنسا ہُوا تھا۔ نیچے ایک پتہ درج تھا۔

"مجھے جادُو اور ٹونے سے کوئی دلچسپی نہیں۔" ٹائیگر نے بُرا سا مُنہ بنا کر وہ کارڈ واپس میز پر ڈال دیا۔

ہاگر ہنس پڑا۔ وہ دیر تک ہنستا رہا۔ یُوں محسوس ہوتا تھا جیسے ٹائیگر نے اپنی کم علمی کا اظہار کر کے، اُسے کوئی پُرلطف لطیفہ سُنا دیا ہو۔ "یہ کسی جادُوگر کا کارڈ نہیں ہے۔" اُس نے ہنسی ضبط کرتے ہُوئے کہا۔ "یہ ایک خفیہ رابطہ ہے۔ جاکر اس شخص سے مل لو۔ یہ کارڈ دے کر صرف میں ہی خاص خاص لوگوں کو اُس کے پاس بھیجتا ہُوں۔"

"میں اب بھی تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔" ٹائیگر بڑبڑایا۔

"عجیب آدمی ہو یار! اس قدر وضاحتی گفتگو کی عادت ترک کر دو۔" ہاگر نے اُسے سمجھانے والے انداز میں کہا۔ "یہ اشاروں کنایوں کی دُنیا ہے۔"

"جلد ہی میں سب کچھ سمجھ لُوں گا۔" ٹائیگر نے نرمی سے کہا۔ "اب تم لگے ہاتھوں اپنا معاملہ بھی طے کر لو۔"

"میں ہر رابطے کا دس فی صد لیتا ہُوں۔" ہاگر نے جواب دیا۔

"ایڈوانس..."

ٹائیگر نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور چند بڑے نوٹ نکال کر، اُس کی طرف بڑھا دیے۔ "میں نہیں جانتا کہ مجھے کتنا کام ملے گا اور کتنا معاوضہ طے ہوگا... اور یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ دوبارہ تم سے ملاقات ہوگی یا نہیں... لہٰذا یہ رقم تمہیں مجھ سے دوستی کے سلسلے میں ہر قسم کے افسوس سے دُور رکھے گی۔"

ہاگر نے وہ رقم لے لی۔

نوٹوں پر نگاہ پڑتے ہی اُس کی آنکھوں میں بے پناہ چمک پیدا ہو گئی تھی۔ ٹائیگر کو اندازہ ہو چکا تھا کہ یہ شخص دولت کے لیے اپنی ماں کو بھی قتل کر سکتا ہے۔ اُسے اس شخص سے بے پناہ نفرت محسوس ہونے لگی۔ اُس کے دائیں ہاتھ کی اُنگلیاں بے چینی ظاہر کر رہی تھیں۔ اگر وہ جلد ہی خود پر قابو نہ پا لیتا تو بے اختیار

اُنگلیاں، ہاگر کو جہنم رسید بھی کر سکتی تھیں... لیکن بلاوجہ کی خون ریزی، ٹائیگر کی سرشت میں شامل نہیں تھی۔ وہ صرف احکامات کی بجاآوری میں یا ناگزیر حالات ہی میں قتل کرتا تھا۔

"اب تم مجھے اس خفیہ رابطے والی پارٹی کے سلسلے میں وضاحت سے بتا سکتے ہو۔" ٹائیگر نے کہا۔ "وہاں کس سے ملاقات ہوگی اور کس طرح معاملات طے ہوں گے۔ کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ تم اس شخص کو فون کر کے یہیں بلا لو؟"

ہاگر ہنس پڑا۔ "نہیں، اُن میں سے کوئی یہاں نہیں آئے گا۔ وہ بہت معروف لوگ ہیں۔" یہ کہتے ہُوئے اُس کے انداز میں مضحکہ اُڑانے جیسا تاثر پیدا ہو گیا۔ "یہ ایک سائنٹیفک طریقۂ کار ہے۔ جبکہ تم اندھا دھند کام کرنے کے عادی ہو۔"

ٹائیگر اس انداز میں اُس کی طرف دیکھنے لگا جیسے بات سمجھ میں نہ آئی ہو۔

"یہ ایک خفیہ اشاعتی ادارے کا پتہ ہے۔"

"اوہ..." ٹائیگر کے ہونٹ سُکڑ گئے۔

"جن لوگوں کو کسی کا صفایا کرانا مقصود ہوتا ہے، وہ اشتہار دیتے ہیں اور اس طرح کام کرنے والا، اُن سے رابطہ قائم کر لیتا ہے۔ یہ سب کچھ اس اشاعتی ادارے کی معرفت عمل میں آتا ہے... سمجھ گئے نا؟"

"ہاں... میرا وہاں جانا کیوں ضروری ہے، فون پر بات کر کے معاملہ نہیں بن سکتا؟" ٹائیگر نے اُلجھن آمیز لہجے میں پوچھا۔ وہ یہ ظاہر کرنے کی کوشش کر رہا تھا جیسے خود کو کسی جال میں پھنسنے سے بچانا چاہتا ہو۔

"میں خاص خاص آدمیوں کو وہاں جانے کی اجازت دیتا ہُوں۔" ہاگر نے اس انداز میں کہا جیسے وہ ٹائیگر کی سات پُشتوں پر احسان کر رہا ہو۔ "اس طرح تمہیں اس ادارے کی خصوصی توجہ حاصل ہو جائے گی اور تمہیں بہت ہی خاص قسم کے کام ملیں گے۔ خاص کاموں کے سلسلے میں تو تمہیں معلوم ہی ہوگا کہ اُن کا معاوضہ بھی خاص ہی ہوتا ہے۔"

ٹائیگر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اس بار وہ اپنی سرشت سے ہٹ کر کام کر رہا تھا۔ اگر معاملہ کسی غیبی انسان کا نہ ہوتا اور خاص طور سے، وہ اس غیبی قاتل کے ہاتھوں ذلت نہ اُٹھا چکا ہوتا تو وہ ہاگر کو اذیت سے دوچار کر کے چند جملوں پر مشتمل گفتگو کرتا اور اُسے جہنم رسید کر کے چلتا پھرتا نظر آتا۔ وہ جانتا تھا کہ اذیت اور خوف میں مبتلا شخص کہانی جلد تک بیچ ہی بول دیتا ہے... لیکن انسانی فطرت میں انتقام کا عنصر، اُسے بہت کم آخری حد تک حقائق اُگلنے دیتا ہے۔ یہ صرف لالچ ہی ہے جو انسان کو ہر معاملے کی آخری حد تک لے جاتی... اور ہاگر بلاشبہ ایک لالچی آدمی تھا۔

ہاگر نے اُسے بعض حقائق سے بھی رضاکارانہ طور پر آگاہ کر دیا تھا اور پھر ٹائیگر وہاں سے اُٹھ گیا۔ اب شراب خانے میں خاصا ہجوم ہو گیا تھا اور جو لوگ پہلے سے آئے بیٹھے تھے، اُن کے ظرف بھی چھلک پڑے تھے۔ نتیجتاً وہاں ایسا شور پیدا ہو گیا تھا... جو پُرسکون اعصاب کے لوگوں کو بے چینی سے دوچار کر دیتا ہے۔

ٹائیگر نے باہر آ کر ایک طویل سانس لی... اور پھر اپنی کار کو نظر انداز کرتا ہُوا ٹیکسی اسٹینڈ کی طرف بڑھ گیا۔ ٹیکسی اسٹینڈ وہاں سے کچھ فاصلے پر تھا اور وہاں تک پہنچنے کے لیے ایک نیم تاریک گلی سے گزرنا پڑتا تھا۔ ٹائیگر جیسے ہی اس گلی میں داخل ہُوا، اُس کی حسیات نے اُسے کسی خطرے سے آگاہ کر دیا۔ وہ چوکنا ہو گیا۔ اُس نے سامنے دیکھا، آخری حصے تک گلی سُنسان تھی۔ اس طرف مکانوں کے عقبی دروازے تھے جن میں سے بیشتر بند تھے۔ کسی کسی کی نچلی درز سے روشنی جھلک رہی تھی، کھڑکیاں بھی

ایک نوجوان کی عجیب داستان
جو اپنی یادداشت کھو بیٹھا تھا
گم کردہ
یعقوب جمیل کے قلم سے
خوبصورت سرورق، بہترین طباعت و کتابت
قیمت =/100 روپے
مکتبہ القریش
سرکلر روڈ اردو بازار لاہور
7668958

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

بیٹھتے ہی اکاؤنٹنٹ کی کھوپڑی سے خون کے فوارے نکلنے لگے۔ ٹائیگر کے ہاتھ میں پکڑا ہوا ریوالور ابھی تک دھواں اگل رہا تھا۔ اس کی نالی سے بارود کی بو نکل رہی تھی۔ ٹائیگر کو یہ یقین کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی تھی کہ اس کا نشانہ بالکل درست تھا۔ اس کی گولی نے اکاؤنٹنٹ کی کھوپڑی کے پرخچے اڑا دیئے تھے۔ اس کی حیات تک ہچکیاں لے رہی تھی۔ ٹائیگر کی جرأت اور بہادری کی داد دینے کے بجائے وہ اس کی حیات تک ہچکیاں لے رہی تھی۔ ٹائیگر کی جرأت اور بہادری کی داد دینے کے بجائے وہ اس کی حیات تک ہچکیاں لے رہی تھی۔ ٹائیگر کی جرأت اور بہادری کی داد دینے کے بجائے وہ اس کی حیات تک ہچکیاں لے رہی تھی۔

آدھی گولی لگنے کے بعد اس نے محسوس کیا کہ کوئی اجنبی اس کے سر پر کھڑا ہے۔ اس نے پلٹ کر دیکھنے کی ضرورت نہیں سمجھی تھی۔ قدموں کی خفیف سی آہٹ بھی بتا سکتی تھی کہ پیچھے جو وجود ہے وہ کس کا ہے۔ اس وقت کہ جب اس کا دشمن اس کی ہر حرکت و سکنات کو بالکل اسی طرح محسوس کر سکتا تھا جیسے کوئی شخص کھلی آنکھوں سے کوئی منظر دیکھ سکتا ہو۔

وہ یہ کون تھا بہت ہی احتیاط سے گولی اس چلا تھا۔ اس کے پیروں میں شاید ربڑ سول کے جوتے تھے۔ خفیف سی آہٹ بھی پیدا نہیں ہوئی تھی لیکن ٹائیگر کی غیر معمولی حسیات اس کی سرجھ بہت کوشش کر رہی تھیں جو قاتل کا تعاقب کرنے والے شخص کے جوتوں اور زمین پر چلنے کے باعث اس کی حسیات تک ہچکیاں لے رہی تھیں۔ اسے والا ایک بھاری بھرکم آدمی تھا۔ اس کے دائیں پاؤں کی گولی سے دل ہوئی تھی جس پر اس کی وزنی باڈی تھی۔ اکاؤنٹنٹ کی حیات تک ہچکیاں لے رہی تھیں۔ اسے سے ٹائیگر کی جرأت تھا۔ اس لیے وہ اس شخص کے جذبات سے بھی آگاہ تھا۔ وہ شخص اس پر حملہ کرنے کا ارادہ کر چکا تھا۔

ٹائیگر نے غیر محسوس انداز میں اپنی پوزیشن تبدیل کر لی۔

وہ چاہتا تھا کہ اگر حملہ ہو تو اس گولی میں ہو جائے۔ اس گولی کے بعد ایک یا دو گولیاں اور تھیں۔ اس لیے وہ لاشوں کی نگاہوں کا مرکز نہیں بننا چاہتا تھا۔ اس پر حملہ کرنے والے شخص کا ارادہ بھی یہی تھا کہ وہ ایک گولی میں ٹائیگر سے نمٹ لے۔ ٹائیگر کافی دیر تک یہ اندازہ لگانے میں ناکام رہا تھا کہ یہ شخص کون ہے اور اسے کیوں قتل کرنا چاہتا ہے۔ ہم پچھلے دو دنوں سے جن پراسرار واقعات میں الجھے ہوئے تھے۔ ان کی وجہ سے ٹائیگر کا ذہن بری طرح الجھ چکا تھا۔ اس سلسلے کا ہر شخص ہی ہو سکتا تھا اور یہ بھی ممکن تھا کہ قاتل کوئی اور ہو۔ قاتل کے حالات شخص اسے ٹائیگر کا ارادہ سے گمراہ کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔

دونوں کے درمیان فاصلہ تیزی سے کم ہونے لگا۔

وہ شخص ٹائیگر سے دو قدم کے فاصلے پر آ رکا۔ ٹائیگر نے اس کا ہاتھ حرکت میں آتے دیکھا۔ پھر وہ دائیں جانب گھوما۔ ٹائیگر نے پلٹتے ہوئے دیکھا کہ وہ اس نے پہچان لیا کہ وہ اکاؤنٹنٹ ہاگر کا ساتھی ہے۔ اسے احساس ہوا کہ اس نے ہاگر کو مار کر اچھا نہیں کیا۔ کتنی بڑی غلطی کی ہے۔ اس کا خیال تھا کہ ہاگر کے دماغ میں آگ لگنے کے بعد وہ بھی ہاگر کی طرح بے قابو ہو جائے گا۔ اور اس کے ساتھی کو اس کی ضرورت ہی نہیں رہے گی۔ اور یہ وہ سب کچھ آج رات

کے دونوں ہاتھ اپنے پیٹ پر جمے ہوئے تھے جہاں سوا دھنسا ہوا تھا۔ اس کے حلق سے اب گھٹی گھٹی سی کراہیں نکل رہی تھیں۔ وہ ٹائیگر سے کچھ کہنے کی کوشش بھی کر رہا تھا لیکن اسے کامیابی نہیں ہو رہی تھی۔

ٹائیگر نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ اس کی آنکھوں میں موت چھا رہی تھی۔ ٹائیگر نے سیدھے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ "خدا حافظ، دوست!" یہ کہہ کر وہ پلٹ گیا۔ اور گلی کے سرے کی طرف بڑھ گیا۔ جب اس نے پہلا قدم اٹھایا تھا تو دوسرا پاؤں ایک قدم کے فاصلے پر اٹھ کر واپس زمین پر پہنچ گیا تھا۔ ٹائیگر کی ایڑی، ہاگر کے دونوں ہاتھوں پر پڑی تھی اور باقی ماندہ سوا بھی اس کے پیٹ میں اتر گیا تھا۔

ہاگر کی گردن ڈھلک گئی۔

ٹائیگر نے پلٹ کر یہ دیکھنے کی زحمت بھی گوارا نہیں کی کہ وہ واقعی مر چکا ہے یا نہیں... اسے اپنے عمل پر کچھ اتنا ہی اعتماد تھا۔ وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا گلی کے سرے پر اور پھر بارونق سڑک پر نکل آیا... اس نے ایک گزرتی ہوئی ٹیکسی کو ہاتھ دے کر روکا اور کارڈ پر لکھے ہوئے پتے کی طرف روانہ ہو گیا۔

♦♦

خفیہ اشاعتی ادارے کا دفتر، ایک عمارت کی نویں منزل پر واقع تھا۔ دروازے پر جس رسالے کا نام لکھا ہوا تھا، وہ غالباً اس ادارے کا وہ پرچہ تھا جسے وہ حکومت کی طرف سے ملے ہوئے اجازت نامے کے تحت شائع کرتے تھے جبکہ خفیہ رابطہ در پردہ شائع کیا جاتا تھا۔ دفتر چھوٹا سا تھا اور اس میں اخبار و رسائل کے دیگر دفاتر کی طرح خاصی بے ترتیبی تھی۔ استقبالیہ پر ایک آدمی براجمان تھا اور انداز سے پتہ چلتا تھا کہ اس شخص کی زندگی کا مقصد صرف یہ ہے کہ ملاقاتیوں کی ٹانگوں پر کاٹتا رہے۔

"کیا بات ہے؟" وہ کسی غصیلے کتے کے سے انداز میں غرایا۔

"کیا تمہیں کوئی ایسا انداز پذیرائی آتا ہے، جسے تم ایک ایسے آدمی کے لیے استعمال کر سکو، جو تمہاری زندگی بچا سکتا ہے...؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"کیا...؟" اس شخص کی غراہٹ میں بے چینی آ گئی۔ "تم میری زندگی کیسے بچا سکتے ہو؟"

"اپنا ارادہ بدل کر..." ٹائیگر نے جواب دیا۔ "میں جس ارادے سے یہاں آیا ہوں، اس میں تبدیلی تمہاری زندگی کی ضمانت بن سکتی ہے... حالانکہ میں دیکھ رہا ہوں کہ تم اپنی عادتوں کے اعتبار سے اس کے مستحق نہیں ہو۔"

"کیا...؟" وہ شخص جھلا گیا۔

ٹائیگر نے اس کی آنکھوں میں دیکھا تو اسے یہ شخص ذہنی طور پر کچھ سہما ہوا سا محسوس ہوا۔ شاید اسی لیے اب تک اس پر گھبراہٹ طاری نہیں ہوئی تھی... ہو سکتا ہے، اس نے ٹائیگر کی باتوں کو محض مذاق سمجھ کر نظر انداز کر دیا ہو۔

"میں تمہارا ریکارڈ چیک کرنا چاہتا ہوں۔" ٹائیگر نے کہا۔

"وہ کس سلسلے میں؟"

"میں تمہارے چند گاہکوں کے نام اور پتے معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ ان لوگوں کے جنہوں نے حال ہی میں خفیہ رابطے میں اشتہار شائع کرائے ہیں... اور ان لوگوں کے بھی جنہوں نے خواہ مخواہ رابطہ قائم کیا ہے۔"

"خفیہ رابطہ..." وہ شخص بڑبڑایا۔ "یہ کیا بلا ہے؟ کیا تم نے باہر ہمارے رسالے کا نام نہیں دیکھا؟ تم غلط دفتر میں آ گئے ہو۔"

"میں غلط دفتر میں نہیں آیا بلکہ تم ایک غلط آدمی ثابت ہو رہے ہو۔" ٹائیگر نے مسکرا کر کہا اور ہاگر کا دیا ہوا کارڈ نکال کر اس کے سامنے ڈال دیا۔

"اگر میں تمہاری بات کا اقرار کر لوں، تب بھی وہ ریکارڈ خفیہ ہے۔" استقبالیہ پر بیٹھے ہوئے شخص نے کن انکھیوں سے کارڈ کی

بغداد کی رات سے

قمر اجنالوی

الف لیلیٰ کی ایک ہزار راتوں سے زیادہ حسین و رنگین رات، دجلہ اور نیل کے دامنوں میں لپٹی ہوئی رات، جسے بے شمار کتابوں کے حوالوں سے آراستہ کیا گیا ہے

1200 سے زائد صفحات | قیمت -/600

عابر بک کارنر

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اب تم جا سکتے ہو۔"

"جانے کی اجازت دینے کا شکریہ!" ٹائیگر اب بھی مسکرا رہا تھا۔ "لیکن میں جاؤں گا نہیں۔" اُس نے اِدھر اُدھر نگاہ دوڑائی اور دریافت کیا۔ "یہاں پر کتنے آدمی کام کرتے ہیں؟"

"تم کیوں معلوم کرنا چاہتے ہو؟"

"کیونکہ اگر دفتر میں کوئی اور موجود ہے تو مجھے تمہاری ضرورت نہیں پڑے گی۔ میں اپنا مقصد اس سے حل کر لوں گا... اور جانتے ہو، مجھے جن لوگوں کی ضرورت نہیں ہوتی، اُن کے ساتھ میں کیا سلوک کرتا ہوں؟"

وہ شخص اب اُلجھن آمیز نظروں سے ٹائیگر کو گھورنے لگا تھا۔

"میں ایسے لوگوں کی کھوپڑی میز کی دراز میں ٹھونس دیا کرتا ہوں۔"

"کیا...؟" اُس شخص کے حلق سے پھر غراہٹ نکلی۔

"اب تم بھنکے تو بہت بُرا ہوگا۔"

اچانک وہ شخص اپنی میز کے عقب میں کھڑا ہو گیا۔ تب ٹائیگر نے دیکھا کہ وہ چھ فٹ چھ انچ لمبا ہے۔ اس کا وزن کسی طرح بھی ٹائیگر کے وزن سے نصف ٹن سے کم نہیں تھا۔

"اس وقت یہاں کوئی نہیں ہے۔" کُتّے کی طرح غرّانے کی علامت میں مبتلا شخص نے زیرِ لب مسکرا کر کہا۔ "بس، دوست... ہم دونوں ہی ہیں۔ کیا خیال ہے؟"

"خیال تو اچھا ہے لیکن شاید تمہیں مرگی خیال پسند نہ آئے۔" ٹائیگر نے کہا اور استقبالیہ پر بیٹھے ہوئے شخص کا استقبال کرنے کے لیے تیار ہو گیا۔

اس شخص نے وہیں کھڑے کھڑے کسی پہلوان کی طرح دونوں بازو پھیلا دیے اور یوں اُنگلیوں کو حرکت دینے لگا جیسے ہینڈ لاک ٹیسٹ کا ارادہ کرنے کے لیے ٹائیگر کی انگلیوں میں اپنی اُنگلیاں اُلجھانا چاہتا ہو۔

ٹائیگر نے کندھے اُچکا دیے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس شخص کو قتل کرنے سے ہی بہتر ہوگا۔ کم از کم ٹوٹی ہوئی کلائیوں یا اُنگلیوں کے بعد یہ شخص بولنے کے قابل تو رہے گا۔ اس نے اپنا دایاں ہاتھ بڑھایا اور دیو پیکر استقبالیہ کلرک کے بائیں ہاتھ کی اُنگلیوں میں اپنی اُنگلیاں ڈال دیں۔ اُس نے اپنی اُنگلیوں کو بے حد نرم رکھا تھا۔ اُن میں ذرا سی بھی سختی پیدا کرنے کی کوشش نہیں کی تھی اور نہ ہی اُس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کوئی دباؤ ڈالا تھا۔

"اگر تمہیں اپنے انہی لڑکیوں جیسے ہاتھوں پر اتنا ناز ہے... تو دوست، مجھے افسوس ہے۔ تم بہت بڑی مصیبت میں پھنس چکے ہو۔" اس پہلوان نما شخص کے لہجے میں ٹائیگر کے لیے ہمدردی پیدا ہو گئی تھی... پھر اُس نے اپنی اُنگلیوں کو سخت کرنا شروع کر دیا... اور وہ دباؤ ڈالنے لگا۔

ٹائیگر، اُس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا اور مسکراتا رہا۔

اُس نے ایک بار بھی سسکاری نہیں لی... اور نہ ہی پلکیں جھپکائیں۔

دیو پیکر شخص کا دباؤ بڑھتا رہا... حتیٰ کہ اُس نے پوری قوت صرف کر دی... پھر اُس کی پیشانی پر بل پڑ گئے اور آنکھوں سے حیرت جھلکنے لگی۔

"ناممکن..." وہ بڑبڑایا۔

اُس نے اپنی اُنگلیوں کی گرفت ختم کر دی اور ٹائیگر کا ہاتھ تھام لیا۔ اچانک ہی اُس نے ٹائیگر کو پوری قوت سے اپنی طرف کھینچا اور چاہا کہ اُس کی کھوپڑی میز کے کنارے پر دے مارے... لیکن یہ کیا؟ ٹائیگر اپنی جگہ کھڑا تھا۔ وہ ٹس سے مس بھی نہیں ہوا تھا۔

دیو پیکر آدمی نے حیرت سے پلکیں جھپکائیں، اُس کی پیشانی پر شکنوں اور سلوٹوں کے باعث کسی نقشے کی طرح نظر آنے لگی۔

"دراصل میں دائیں ہاتھ سے کام لینے کا عادی ہوں۔" وہ بڑبڑایا۔

ٹائیگر نے اثبات میں سر ہلا کر، بایاں ہاتھ اس شخص کے ہاتھ میں دے دیا۔ ایک بار پھر اُن کی اُنگلیاں اُلجھ گئیں۔ اس شخص نے اچانک ہی پوری قوت صرف کر ڈالی۔ اس مرتبہ اُس نے رفتہ رفتہ دباؤ نہیں بڑھایا تھا بلکہ سب کچھ یکایک ہی کر ڈالا تھا۔

ٹائیگر اس بار بھی ناقابلِ تسخیر رہا۔

عین اس وقت جبکہ ٹائیگر سوچ رہا تھا کہ اُسے اس شخص کی کلائی سے ہاتھ کو توڑ کر، اس کی دوسری ہتھیلی پر رکھ دینا چاہیے... استقبالیہ کے آدمی نے اُنگلیوں کا دباؤ ختم کر دیا اور اپنی اُلجھی ہوئی انگلیاں آزاد کر لیں۔

"ٹھیک ہے۔" اُس نے فراخ دلی سے اعتراف کیا... "تم جیت گئے۔"

ٹائیگر نے سر کو مثبت جنبش دے کر اُس کا شکریہ ادا کیا۔

"لیکن تم یہ سب کچھ کرنے میں کیسے کامیاب ہو گئے؟"

"تربیت اور صاف ستھری زندگی کے ذریعے۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔

"ہُوں... میری بات کا برا مت ماننا۔" دیو پیکر شخص بولا۔ "دیکھنے میں تو تم کسی چڑیا کی طرح نازک لگتے ہو۔"

"ہاں... لیکن میں جو تربیت حاصل کرتا ہوں، اُس کا تعلق جسم سے کم اور دماغ یا روح سے زیادہ ہے۔"

دیو پیکر شخص اُسے تعریفی نظروں سے دیکھنے لگا۔

"تمہارا نام کیا ہے؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"بارڈن..."

"کیا تم ایڈیٹر ہو؟"

"نہیں... میں ایڈیٹر کے علاوہ سب کچھ ہوں۔" بارڈن نے جواب دیا۔ "یہ ایک دو رُخی ادارہ ہے۔ ایڈیٹر مارک سامن انڈے ہے۔"

"اوہ! تو تم مجھ سے مذاق کر رہے تھے کہ یہاں کوئی اور نہیں ہے۔" ٹائیگر نے مسکرا کر کہا۔ "تم بہت شریر لگتے ہو، پیارے گوریلے!"

"چلو، میں تمہیں ایڈیٹر کے پاس لے چلتا ہوں۔"

ٹائیگر نے اثبات میں سر ہلایا اور اُس کے پیچھے چل دیا۔

دیو پیکر استقبالیہ کلرک، ٹائیگر کو لے کر ایک ایسے کمرے میں پہنچا، جہاں ایک بڑی سی میز پر ایک شخص قینچی سنبھالے براجمان تھا۔ اُس کے سامنے اخباری تراشوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا اور اُس کی انگلیاں گم سے لتھڑی ہوئی تھیں۔

"مارک، میرے دوست سے ملو۔" بارڈن نے کمرے میں قدم رکھتے ہوئے کہا۔ "اور اس کا نام ہے..." وہ پلٹ کر ٹائیگر کی طرف دیکھنے لگا۔

"شہزاد..." ٹائیگر نے جلدی سے اُس کی مشکل حل کر دی... پھر اُس نے ایڈیٹر کی طرف مصافحے کے لیے اپنا ہاتھ بڑھا دیا۔

"ٹھیک ہے، ٹھیک ہے۔" مارک نے اس کا ہاتھ نظر انداز کر دیا۔

ٹائیگر نے پلٹ کر بارڈن کی طرف دیکھا جس نے جواباً بے بسی سے کندھے اُچکا دیے۔ وہ مارک کی طرف متوجہ ہوا اور بولا۔ "میرا دوست شہزاد، رسالے میں دلچسپی لے رہا ہے، مارک! میں نے سوچا کہ اسے دفتر کی سیر کرا دوں۔"

"ٹھیک ہے، کرا دو۔" مارک اپنے کام کی طرف متوجہ رہا۔

"کیا تم نے کبھی مسودہ خریدا بھی ہے یا کترنوں ہی سے رسالہ نکال رہے ہو؟" ٹائیگر نے ایڈیٹر سے پوچھا۔ "میری دانست میں یہ پڑھنے والوں کے ساتھ ایک گھٹیا مذاق ہی ہوتا ہے کہ انھیں اِدھر اُدھر سے پکڑ دھکڑ کر مواد پڑھایا جائے۔"

"اگر کوئی بہت اچھی چیز ہو تو میں اُسے خرید بھی لیتا ہوں۔" مارک بولا۔ "کیا تم کوئی مصنف ہو؟"

"نہیں... لیکن میرا ایک دوست بہت بڑا مصنف ہے۔"

"کیا وہ قتل و غارت گری کے متعلق سب کچھ جانتا ہے؟"

"وہ ماسٹر ہے۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔

"گڈ... اگر اُس نے کوئی مضمون لکھا ہے تو ضرور ہے آؤ۔ بیشتر مضامین جو ڈاک سے آتے ہیں، وہ پکوان کی سڑی بسی ترکیبوں سے بھرے ہوتے ہیں۔ انھیں قتل کی کوئی تکنیک ہرگز نہیں کہا جا سکتا۔ یوں لگتا ہے جیسے لوگوں کے نزدیک قتل کرنے کا پیشہ محض یہ ہے کہ گولی چلا دی جائے یا چاقو کا وار کر کے کسی کو ٹھکانے لگا دیا جائے۔"

"شکریہ۔ میں اپنے دوست سے بات کر کے مواد تمہیں بھجوا دوں گا۔"

"آؤ، دوسرا کمرہ اُس طرف ہے۔" بارڈن نے ٹائیگر کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا اور پھر ملحقہ دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

ٹائیگر نے اُس کمرے میں قدم رکھتے ہی بھانپ لیا کہ خفیہ رابطے کے سلسلے کی تمام فائلیں اس کمرے میں موجود ہیں۔ بارڈن نے خائل کیبنٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے دریافت کیا۔ "ہمارے ہاں جتنے بھی اشتہار شائع ہوئے ہیں، وہ، اُن کا ریکارڈ... تمہیں کس کی ضرورت ہے؟"

"مجھے ان اشتہارات کا ریکارڈ چاہیے جن میں بسلامی کے سلطان کو قتل کرنے کی تشہیر ہوئی ہے یا کسی سے رابطہ قائم کرنے کے لیے کہا گیا ہے۔"

بارڈن نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ وہ ٹائیگر کو اب گہری نظروں سے دیکھنے لگا تھا۔ "ہاں... پچھلے ماہ کے شمارے میں اس سلطان کے سلسلے میں زبردست اشتہار شائع ہوئے تھے۔ یہ گزشتہ مہینے کا سب سے گرم معاملہ ہے۔" اس نے ایک بار پھر ٹائیگر کی آنکھوں میں دیکھا۔ دو تین اشتہار شائع ہوئے تھے۔

"چار...!" ٹائیگر نے تصحیح کی۔ "کیا تم ان فائلوں کو تلاش کر سکتے ہو؟"

"کیوں نہیں...!" غیر معمولی جسامت والے شخص نے جواب دیا اور کسی مست ہاتھی کی طرح جھومتا ہوا آگے بڑھا۔ اس نے قاتل کیبنٹ کو کھولا اور اُس کی اُوپر والی دراز کو ٹٹولنے لگا۔

"کیا تم اس بات کا بھی ریکارڈ رکھتے ہو کہ ان اشتہاروں کا کس نے جواب دیا تھا؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"نہیں...!" بارڈن نے کندھے کے اوپر سے عقب میں دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ "ہم اس جواب کو اشتہار دینے والے کی طرف بڑھا دیتے ہیں۔ ہم ان خطوط کو کھولتے بھی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم اب تک کسی قانونی پیچیدگی کا شکار نہیں ہوئے۔"

اس نے ایک فائل نکالی اور اُسے لہرا کر ٹائیگر کو دکھایا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"کیا یہ وہی فائل ہے؟"

"ہاں...!" بارڈن نے جواب دیا

ٹائیگر نے فائل لے لی اور اس کی ورق گردانی کرنے لگا۔ اس میں چار اشتہاروں کے مضمون اور اشتہار دینے والوں کے ایڈریس موجود تھے۔ پہلا اشتہار کسی جان براؤن نامی شخص نے دیا تھا۔ ایڈریس کسی پوسٹ بکس کی معرفت تھا۔ ٹائیگر سمجھ گیا کہ یہ اشتہار بہرام نے دیا تھا۔ دوسرا اشتہار کسی مسز جین اسمتھ نے دیا تھا۔ اس اشتہار کو بھیجنے والی عورت نے بھی پوسٹ بکس کی معرفت خط و کتابت کی تھی۔ ٹائیگر نے وہ اشتہار نکال لیا اور بارڈن کی طرف بڑھا دیا۔

"کیا تمہیں اس اشتہار کے سلسلے میں کچھ یاد ہے؟"

بارڈن نے اشتہار پر ایک نظر ڈالی اور بڑبڑانے لگا۔ "مسز جین اسمتھ...!" اس کی آنکھیں سوچ میں ڈوب گئی تھیں اور پیشانی پر تفکر کی گہری سلوٹیں نمودار ہو گئی تھیں۔ "ہاں... میں بھلا اسے کس طرح بھول سکتا ہوں۔ وہ ایک دراز قامت اور حسین لڑکی تھی۔ اس کے بال غیر معمولی سیاہ تھے۔ وہ بہت ہی پُروقار انداز میں گفتگو کر رہی تھی۔ انداز و اطوار سے وہ کسی مشرقی ملک کی ملکہ ہی لگ رہی تھی۔"

ٹائیگر سمجھ گیا کہ وہ شہزادی سارہ ہوگی۔ اس نے بارڈن کی طرف ایسی نگاہوں سے دیکھا جیسے اس کی غیر معمولی یادداشت کا معترف ہو گیا ہو۔ اس نے نہ صرف شہزادی سارہ کو یاد رکھا تھا بلکہ اس کے رکھ رکھاؤ سے یہ بھی اندازہ لگا لیا تھا کہ اس کا تعلق کسی شاہی خاندان سے ہے۔ حالانکہ وہ مسز جین اسمتھ بن کر اُسے ملی تھی۔

تیسرا اشتہار کسی مسٹر رگ نے دیا تھا۔

ٹائیگر نے دیکھا کہ اشتہار کے نیچے اس شخص کا پتہ بھی درج ہے۔ اُس نے وہ پتہ نوٹ کر لیا... پھر وہ بارڈن کی طرف متوجہ ہوا اور بولا۔ "میں اس تعاون کے سلسلے میں تمہارا بے حد شکر گزار ہوں۔"

"کوئی بات نہیں! تم جب چاہو مجھ سے دوبارہ بھی تعاون حاصل کر سکتے ہو لیکن اس بار جب تم آؤ گے تو میں بھی تم سے تھوڑی بہت تربیت ضرور لوں گا۔"

"فکر نہ کرو! اگلی مرتبہ میں اپنی تربیت کرنے والے کو ساتھ ہی لیتا آؤں گا۔" ٹائیگر نے خوش دلی سے جواب دیا۔ "اس سے بہتر تمہاری تربیت کوئی نہیں کر سکتا۔"

"اوہ! یہ تو مجھ پر بہت بڑا احسان ہوگا۔"

"اس کا فیصلہ تو تم دونوں کی ملاقات پر ہی ہو سکتا ہے۔"

ٹائیگر دروازے کی طرف بڑھ رہا تھا کہ بارڈن نے ایک رسالہ اُس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "یہ میری طرف سے ایک اعزازی کاپی ہے، اسے قبول کرو۔"

یہ خفیہ رابطے کا تازہ ترین شمارہ تھا۔

ٹائیگر نے اس کا شکریہ ادا کیا اور پرچہ لے لیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ نیا شمارہ حاصل کر کے اُو شان بے حد خوش ہوگا۔... ٹائیگر نے اس سے الوداعی انداز میں ہاتھ ملایا اور دفتر سے باہر آ گیا۔

ٹائیگر کے جاتے ہی مارک سائمن استقبالیہ کمرے میں آیا اور غرایا۔ "کس کو پوچھتا ہوں یہ شخص کون تھا؟"

"یقین کرو، یہ شخص اس صدی کا عجوبہ ہے۔" بارڈن نے فخریہ لہجے میں بتایا۔ "بظاہر وہ جس قدر کمزور دکھائی دیتا ہے، دراصل اس سے کہیں زیادہ طاقت ور ہے... اور یہ کسی خاص قسم کی تربیت کا نتیجہ ہے۔"

"میں پوچھتا ہوں، وہ کون تھا اور کیا چاہتا تھا؟"

"ذرا صبر سے کام لو تم تو بلاوجہ ناراض معلوم ہوتے ہو۔" بارڈن نے نرمی سے کہا۔ "وہ صرف ہمارے چند اشتہارات دیکھنا چاہتا تھا۔"

"کس قسم کے اشتہار؟"

"اسلامی کے سلطان کو قتل کرنے کے سلسلے میں شائع ہونے والے۔"

"کیا تم نے وہ اشتہار اُسے دکھا دیے؟"

"میں اس کی کسی بات کو ٹال نہیں سکتا تھا۔"

"تم دُنیا کے سب سے بڑے احمق ہو۔" یہ کہہ کر ایڈیٹر پاؤں پٹختا ہوا واپس اپنے کمرے میں چلا گیا۔ اُس نے ایک دھماکے سے دروازہ بند کیا اور پھر بارڈن نے دروازہ مقفل ہونے کی آواز سنی۔ وہ کندھے اُچکا کر رہ گیا۔

"آخر میں اور کر بھی کیا سکتا تھا؟" بارڈن بے بسی سے بڑبڑایا اور اپنی سیٹ پر بیٹھ کر اس مخصوص تربیت کے بارے میں غور کرنے لگا جس نے ٹائیگر کو ایک غیر معمولی انسان بنا دیا تھا۔

♠♠

اطلاعی گھنٹی کے بٹن پر اُنگلی رکھتے ہوئے ٹائیگر نے نیم پلیٹ کی طرف دیکھا۔ اس پر جیمز رگ لکھا ہوا تھا۔ اُس نے اثبات میں سر ہلایا۔ گویا پتہ جعلی نہیں تھا۔ وہ اُن سیڑھیوں کی طرف دیکھنے لگا جنہیں طے کر کے وہ ابھی ابھی یہاں تک پہنچا تھا۔ اسی دوران میں دروازہ کھل گیا۔

"کون ہے... اور... کیا بات ہے؟"

"میں آپ کے اشتہار کے جواب میں حاضر ہوا ہوں۔"

"تمہیں میرا نام کیسے معلوم ہوا؟" رگ نے گہری نظروں سے ٹائیگر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ ایک طویل قامت آدمی تھا۔

اس کے سر کے بال برف کی طرح سفید تھے۔ اس کی آنکھیں تھکی تھکی سی اور سُرخ تھیں۔

"کیا اس سے کوئی فرق پڑتا ہے؟" ٹائیگر نے دھمکانا چاہی۔

"کام مکمل ہو چکا ہے۔" رگ نے جواب دیا۔

"میں اس کام کو زیادہ بہتر انداز میں پورا کر سکتا ہوں۔"

"مجھے اس میں شُبہ ہے۔" کبڑے قد والے رگ نے گہری نظروں سے ٹائیگر کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

"شُبہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے... میں... !"

"دیکھو! مجھے افسوس ہے کہ تمہیں زحمت ہوئی لیکن یہ حقیقت ہے کہ کام میری مرضی کے مطابق پورا ہو چکا ہے۔ خدا حافظ!"

ٹائیگر نے دروازے کی ناب اپنی اُنگلیوں کی گرفت میں لی اور اُسے گھمانے لگا۔ لٹو گھومتا رہا حتیٰ کہ تالے کا لیور آڑے ہونے لگا۔ اس مقام پر اُسے ایک خاص انداز میں جھٹکا لگا۔ تالے میں کچھ ٹوٹنے کی آواز آئی... پھر لٹو کا دوسرا حصہ اندر سے گر گیا۔ باہر کی جانب سے آدھا لٹو ٹائیگر کے ہاتھ میں تھا۔ اسے راہداری میں ایک طرف اُچھال کر ٹائیگر نے اپنی ہتھیلی کے گدی دار حصے سے دروازے پر ایک ہلکی سی چوٹ لگائی۔ دروازہ کھل گیا۔ میز رگ دروازے کے اندرونی رُخ پانچ قدموں کے فاصلے پر کھڑا تھا۔ اس کی نگاہ ٹوٹے ہوئے تالے اور کھلے دروازے پر جمی ہوئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں دہشت اور بے یقینی کی سی کیفیت تھی۔

"اشتہار کا جواب کس نے دیا تھا؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"میں نہیں سمجھا کہ...!"

"گڈ... کہیں ایسے لوگوں کو اچھی طرح سمجھ لیتا ہوں جو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے۔" ٹائیگر نے اس کی بات کاٹ دی۔ اُس نے ٹوٹے ہوئے لاک والا دروازہ اپنے عقب میں بند کیا اور مسٹر رگ کے قریب سے گذرتا ہوا اندرونی کمرے میں داخل ہو گیا۔

"اگر تم فوراً یہاں سے نہ چلے گئے تو میں پولیس کو فون کر دوں گا۔"

"بہت خوب!" ٹائیگر ہنس پڑا۔ "اور میں انھیں بتاؤں گا کہ میری یہاں آمد کا باعث وہ اشتہار ہے جس میں تم نے کسی کو قتل کرانے کی سازش کی ہے۔" ٹائیگر نے جب لفظ قتل استعمال کیا تو مسٹر رگ کی آنکھوں میں گہری تشویش پیدا ہو گئی۔

کچھ دیر وہ اسی حالت میں ساکت کھڑا ٹائیگر کو گھورتا رہا... پھر آہستہ آہستہ پستہ قامت کے کونے میں بنے ہوئے بار کاؤنٹر کی طرف بڑھ گیا۔ اپنے لمبے اسکاچ کا ایک بڑا گلاس بھرنے کے بعد اُس نے ٹائیگر کی طرف دیکھا لیکن اُس نے نفی میں سر ہلا دیا۔ مسٹر رگ نے گلاس مُنہ سے لگا لیا اور دو تین سانسوں میں اُسے ختم کر دیا۔

"اشتہار کے جواب میں کس نے رابطہ قائم کیا تھا؟" ٹائیگر نے اپنا سوال دُہرایا۔

"میں نہیں جانتا۔" مسٹر رگ نے جواب دیا۔

"یہ کیسے ممکن ہے؟" ٹائیگر غرایا۔

"میں نے صرف اُس کی آواز ہی سُنی تھی۔"

"بہتر ہوگا کہ تم یہ بات تفصیل سے بتا دو۔" ٹائیگر نے دُرشت لہجے میں کہا۔

"اشتہار شائع ہونے کے بعد مجھے ایک خط موصول ہوا۔ اس خط میں مجھ سے کہا گیا تھا کہ میں اخبار میں کوئی ایسا فون نمبر شائع کراؤں جس پر مجھ سے رابطہ قائم کیا جا سکے۔ میں نے ایسا ہی کیا۔ جس کے نتیجے میں مجھے فون پر کال کی گئی۔ ایک مردانہ آواز نے مجھ سے پارک میں ملنے کا وقت طے کر لیا۔ میں مقررہ وقت سے بیس منٹ پہلے اپنے اپارٹمنٹ سے نکلا تاکہ بروقت طے شدہ مقام پر پہنچ سکوں... لیکن میں جیسے ہی قبرستان میں داخل ہوا، وہ تاریک ہو گئی... اور اندھیرے میں وہ میرا منتظر تھا۔ میں اُسے دیکھنے سے قاصر تھا۔ بہرحال، ہمارے درمیان معاملے کی بات چیت ہوئی اور معاوضے طے ہو گیا۔"

"کتنا معاوضہ؟" ٹائیگر نے دریافت کیا۔

"ایک لاکھ...!"

"بسلامی کے سلطان کو قتل کرنے کا معاوضہ... صرف ایک لاکھ؟" مسٹر رگ نے اپنا گلاس ختم کیا اور اثبات میں سر ہلایا۔ "درحقیقت میں بسلامی کے سلطان کو قتل کرانا نہیں چاہتا تھا۔"

"لیکن تمہارے اشتہار میں تو اسے قتل کرنے کی خواہش درج تھی۔"

"ہاں... دراصل اس طرح میں کسی کارآمد شخص کی تلاش میں تھا۔ ایک ایسے آدمی کی تلاش جو میرے شریک کار کو قتل کر سکے۔ ایک ایسا قاتل جو بسلامی کے سلطان کو قتل کر سکتا ہو، وہ میرے پارٹنر کو بآسانی ٹھکانے لگا سکتا تھا۔"

"کیا یہ سچ ہے؟"

مسٹر رگ کے چہرے پر ہیجانی چاٹ نظر آنے لگی۔

ٹائیگر آہستہ آہستہ اُس کی طرف بڑھنے لگا۔ انداز خوفناک تھا۔

"ہاں! یہ حقیقت ہے کہ میں اپنے پارٹنر کو قتل کرانا چاہتا تھا۔"

"تم کیا کاروبار کر سکتے ہو؟"

"ایڈورٹائزنگ...!"

"مجھے تمہاری بات پر یقین کر لینا چاہیے۔" ٹائیگر نے کہا اور مسٹر رگ سے اس کے پارٹنر کا پتہ معلوم کر کے نوٹ کر لیا۔ وہ واپسی کے لیے دروازے کی طرف بڑھ رہا تھا کہ عقب سے گلاس میں سیال ٹکاچ

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ڈالنے کی آواز سنائی دینے لگی تو اپنا تالا درست کروالینا۔" ٹائیگر نے دروازے میں رُک کر کہا۔ "آج کل شہر میں جرائم کی بہتات ہوئی ہے۔"

مسٹر ریگ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ اس وقت قسمت اس کا کس قدر ساتھ دے رہی ہے۔ ٹائیگر کا اس طرح واپس چلے جانا اس کے لیے خوش قسمتی کی علامت تھی۔

ٹائیگر سیڑھیاں اُتر رہا تھا کہ اُسے شہزادی سارہ دکھائی دی۔ وہ تیزی سے اُوپر آ رہی تھی۔ ٹائیگر رُک گیا اور بولا۔ "معلوم ہوتا ہے کہ ہم دونوں ایک ہی لائن پر کام کر رہے ہیں۔" اس نے شہزادی کے کندھے کے اُوپر سے عقب میں دیکھا۔ "فاخر دکھائی نہیں دیتا؟"

"میں ہر وقت کسی نگران کو ساتھ رکھنا پسند نہیں کرتی۔" شہزادی نے جواب دیا۔

ٹائیگر نے خوش دلی سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"مجھے رسالے کے دفتر سے معلوم ہوا تھا کہ تم وہاں بھی گئے تھے۔"

"ہاں... میں کہہ چکا ہوں کہ اتفاق سے ہم دونوں ایک ہی لائن پر کام کر رہے ہیں۔" ٹائیگر نے مسکرا کر کہا۔ "آیئے میں آپ کو بتاؤں کہ مسٹر ریگ سے مجھے کیا معلوم ہوا ہے۔"

شہزادی سوچ میں پڑ گئی۔

"کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ ہمیں مل کر کام کرنا چاہیے؟"

"جب ہمارا مقصد ایک ہے تو ایک ساتھ کام کرنے میں کیا قباحت ہے؟"

"تو پھر چلو... میرے اپارٹمنٹ میں ماحول خوشگوار رہے گا۔" شہزادی نے کہا۔

ٹائیگر نے آگے بڑھ کر تعظیماً شہزادی کا ہاتھ تھام لیا اور دونوں آہستہ آہستہ سیڑھیاں اُترتے ہوئے نیچے چل دیے۔ عمارت سے باہر نکل کر ٹائیگر نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ شہزادی اپنی کار میں آئی تھی۔ اُس نے کار کا دروازہ کھولا تو شہزادی سارہ شاہانہ تمکنت کے ساتھ عقبی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ ٹائیگر نے اسٹیئرنگ سنبھال لیا اور گاڑی ایک طرف روانہ ہو گئی۔ کچھ دیر بعد شہزادی کو احساس ہوا کہ گاڑی اس کے اپارٹمنٹ کی طرف نہیں بلکہ کسی اور ہی جانب جا رہی ہے۔ اُس نے کہا۔ "کیا تم میرے اپارٹمنٹ کی طرف جانے والے راستے سے بے خبر ہو؟"

"نہیں مس رائیس!" ٹائیگر نے جواب دیا۔

"پھر تم کہاں جا رہے ہو؟"

جواباً ٹائیگر نے اُسے وہ سب کچھ بتا دیا جو اُس کو مسٹر ریگ سے معلوم ہوا تھا۔

"اوہ... تو کیا ہم اس شخص کو خبردار کرنے جا رہے ہیں؟"

"نہیں..." ٹائیگر نے جواب دیا۔ "میں اس امکان کو نظر انداز نہیں کرنا چاہتا کہ ممکن ہے اطلو اس وقت بھی وہاں موجود ہو سکتا ہے اگر وہ وہاں موجود نہ ہوا تو ہمیں کچھ دیر اُس کا انتظار کرنا پڑے گا۔ وہ یقیناً اس شخص کو قتل کرنے آئے گا۔"

"کیا تمہیں یقین ہے؟"

"جی ہاں۔ یہ بات مسٹر ریگ کے ساتھ ہو چکی ہے اور قاتل اُس سے پیشگی معاوضہ وصول کر چکا ہے۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ اُس نے گاڑی ایک سڑک پر گھومتے ہوئے سڑک اور چند سڑکوں پر گھومنے کے بعد اُسے ایک بالکل ویسی ہی عمارت کے سامنے روک دیا جیسی عمارت سے وہ کچھ دیر قبل نکلے تھے اور جہاں ان دونوں کی سیڑھیوں پر ملاقات ہوئی تھی۔

ٹائیگر نے اُتر کر شہزادی کے لیے دروازہ کھول دیا۔

شہزادی سارہ تجسس نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔

ٹائیگر نے عمارت کے صدر دروازے کے ساتھ بیرونی جانب لگے ہوئے ڈاک کے ڈبوں کا جائزہ لینا شروع کر دیا۔ اُس نے مطلوبہ آدمی کا نام تلاش کر کے اپارٹمنٹ کا نمبر اور منزل نوٹ کر لی اور شہزادی کے ساتھ دروازے سے اندر داخل ہو کر لفٹ کی طرف بڑھ گیا۔

مطلوبہ منزل پر پہنچ کر اُس نے دروازے کی طرف دیکھا تو بُری طرح چونک پڑا۔ شہزادی بھی دروازے کی طرف ہی دیکھ رہی تھی۔ دروازہ کھلا ہوا تھا۔

"میرے پیچھے رہیے۔" ٹائیگر نے سرگوشی میں کہا۔

"اُونھ...!" شہزادی کے حلق سے ایک ناقابلِ فہم آواز نکلی۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے اس کو ٹائیگر کی یہ بات پسند نہ آئی ہو۔ وہ مردوں کی برتری تسلیم کرنے والی عورتوں میں سے نہیں تھی۔ ٹائیگر نے اس کی آواز میں کھچاؤ کی کیفیت محسوس کر لی تھی... لیکن وہ اپنی مخصوص حیاتیات کے ذریعے یہ بھی پتہ چلا چکا تھا کہ شہزادی دل ہی دل میں بے حد خوفزدہ ہو رہی ہے۔

اپارٹمنٹ میں قطعاً بے ترتیبی نہیں تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے یہاں رہنے والا بے حد نفاست پسند ہو۔ بے انتہا صاف ستھرا ماحول تھا۔ ہر شے قرینے سے رکھی ہوئی تھی اور پورے اپارٹمنٹ میں کہیں بھی کسی قسم کی جدوجہد کے آثار نہیں پائے جاتے تھے۔ ٹائیگر نے سارہ کو کمرۂ نشست میں رُکنے کا اشارہ کیا اور خود تلاشی نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ اس کی آنکھیں بڑی باریک بینی سے ایک ایک چیز کا جائزہ لے رہی تھیں۔

کمرۂ نشست کی طرف سے مطمئن ہونے کے بعد ٹائیگر نے آگے بڑھ کر خواب گاہ کا دروازہ کھول دیا۔ خواب گاہ میں تاریکی پھیلی ہوئی

تھی۔ ٹائیگر نے اندھا دُھند اندر گھسنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ تاریکی کے باعث بے حد محتاط رہنا چاہتا تھا کیونکہ ایسی ہی تاریکی میں وہ گزشتہ رات ایلو کے ہاتھوں مرتے مرتے بال بال بچ گیا تھا۔ پچھلی رات کی صورتِ حال نے ٹائیگر کو جھرجھری لینے پر مجبور کر دیا۔

خواب گاہ کے دروازے اور کھڑکیوں پر بھاری پردے گرے ہوئے تھے اور ان میں سے روشنی کی ایک کرن بھی باہر سے اندر نہیں آ سکتی تھی۔ ٹائیگر نے اپنی حسیات کو بیدار کیا اور اُن سے کام لینے لگا۔ وہ اس اندھیری خواب گاہ میں ایلو کی موجودگی کو محسوس کرنا چاہتا تھا... لیکن کمرے میں کسی آدم کی بھی آواز نہیں تھی۔ کسی کے سانس لینے کی آواز بھی محسوس نہ ہوئی۔ تاہم وہ خوف و ہراس اور موت کی بُو فوراً محسوس کرنے لگا۔ یہ محسوس کرتے ہی وہ چونک پڑا۔ اس کا مطلب تھا کہ ایلو اپنا کام کر کے ابھی کچھ دیر قبل ہی یہاں سے رخصت ہوا ہے۔

مسٹر ریگ کے پارٹنر کی لاش فرش پر پڑی تھی۔

تاریکی سے مانوس ہوتے ہی ٹائیگر کی آنکھوں نے وہ لاش دیکھ لی۔ وہ اس وقت مختصر ترین لباس میں تھا۔ غالباً وہ گھر واپس آیا تھا اور شب خوابی کا لباس پہننے ہی والا تھا کہ قاتل وہاں پہنچ گیا... اور پھر اس نے اپنے شکار کو ذرا سی بھی مہلت نہیں دی تھی۔ مکین کی کھوپڑی ٹوٹی ہوئی تھی۔ قریب ہی ایک وزنی ٹی۔ وی سیٹ تھا جس کی اسکرین پاش پاش ہو چکی تھی۔ اچانک ٹائیگر کو اپنے عقب میں کسی کی طویل سانس لینے کی آواز سنائی دی۔ وہ چونک کر پلٹ پڑا۔

شہزادی سارہ اس کے عقب میں کھڑی تھی۔ اس کی آنکھیں حیرت کی زیادتی سے پھٹی پھٹی سی لگ رہی تھیں اور ان کی گہرائی میں خوف موجزن تھا۔ اُس نے ٹائیگر کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے ڈرائنگ روم میں رُکنے کی بجائے اُس کا پیچھا کیا تھا اور اب عقب میں کھڑی لاش کو گھور رہی تھی۔ اس کا منہ خفیف سا کھلا ہوا تھا۔

"کوئی چیخ مت مار دیجے گا۔" ٹائیگر نے نرمی سے تنبیہ کی۔

"میں چیخیں مارنا پسند نہیں کرتی۔" شہزادی نے سخت لہجے میں جواب دیا۔

ٹائیگر نے مطمئن انداز میں سر کو اثبات میں ہلایا اور ایک گھٹنے کے بل جھک کر جائزہ لینے لگا۔

مسٹر ریگ کے پارٹنر کی کھوپڑی کسی وزنی شے سے کچلی گئی تھی۔ ٹائیگر نے اثبات میں سر ہلایا۔ گویا ایلو کل رات اپنے مخصوص ہتھیار سے محروم ہونے کے بعد دوسرا ہتھیار تیار کرنے میں ابھی تک کامیاب نہیں ہوا تھا۔ یہ ایک وقتی طور پر اطمینان محسوس کرنے کی بات تھی۔ گویا اگر وہ اس وقت یہاں موجود بھی ہو تو اپنے مخصوص مہلک انداز کو اختیار نہیں کر سکتا تھا۔ ٹائیگر نے ٹی۔ وی کی طرف دیکھا۔ اس کی ٹوٹی ہوئی اسکرین اور ایک طرف لگے ہوئے خون سے اندازہ ہوتا تھا کہ ایلو نے یہ سیٹ اُٹھا کر پوری قوت سے مقتول کی کھوپڑی پر دے مارا ہوگا۔ ایلو نظر تو ایک کمزور سا نوجوان تھا۔ نہ جانے اس نے کس طرح اتنی وزنی شے کو آلۂ قتل کے طور پر استعمال کیا ہوگا۔

مسٹر ریگ کا پارٹنر قتل ہو چکا تھا۔

خیر و بطلان میں شائع ہونے والا ایک اور اشتہار کامیابی سے ہمکنار ہو گیا تھا۔

ٹائیگر لاش دیکھ کر بآسانی سمجھ سکتا تھا کہ شکار کی موت فوری طور پر واقع ہو گئی ہوگی اور اس بے چارے کو چیخنے یا بچ نکلنے کا موقع ہی نہیں ملا ہوگا کہ اس کی کھوپڑی پر ایک بہ کیا قیامت ٹوٹ پڑی ہے۔

"چلیے... چلیں!" ٹائیگر نے ایک طویل سانس لے کر شہزادی سے کہا۔ "ہمیں یہاں آنے میں تھوڑی سی دیر ہو گئی۔ قاتل اپنا کام کر کے جا چکا ہے۔"

شہزادی ادھر اُدھر دیکھ رہی تھی۔ اچانک وہ فرش کی طرف دیکھتے ہوئے کچھ اُٹھانے کے ارادے سے جھکی تو ٹائیگر کی آواز سن کر ٹھٹک گئی۔ اس کا جسم جہاں کا تہاں ہی رہ گیا تھا۔ گلے ہی لمحے اس کی تیوریوں پر بل پڑ گئے۔ اس نے کڑی نظروں سے ٹائیگر کی طرف دیکھا کیونکہ اس کا لہجہ قدرے سخت اور حکم آمیز تھا۔

"کسی چیز کو مت چھوئیے۔" ٹائیگر نے اپنی بات دُہرائی۔

شہزادی ایک طویل سانس لے کر سیدھی کھڑی ہو گئی۔

"کیا تم پولیس کو اطلاع نہیں دو گے؟" اُس نے سوال کیا۔

"نہیں!" ٹائیگر نے جواب دیا۔

ٹائیگر کے لہجے میں نہ جانے کیا بات تھی کہ شہزادی کو دوبارہ اُسے مخاطب کرنے کی جرأت نہ ہوئی اور نہ ہی اب اس کے چہرے پر خفگی کے تاثرات تھے۔ وہ اپارٹمنٹ سے باہر آ گئے۔ لفٹ کے ذریعے نیچے آ کر وہ دوبارہ اپنی کار میں بیٹھ گئے۔ کار اسٹارٹ کر کے ٹائیگر نے آگے بڑھا دی۔ اس بار کار کا رُخ اُس عالیشان عمارت کی طرف تھا جس کے سب سے بڑے اور آراستہ و مکمل حصے میں شہزادی سارہ کا قیام تھا۔

یہ اپارٹمنٹ دریا کے رُخ واقع تھا اور اس کی کھڑکیوں سے دریا کا پانی بے حد خوشنما نظر آتا تھا۔ دریا کے کنارے بنے ہوئے پارک اور اس میں جگ مگ کرتی ہوئی روشنیاں ایک دُور رس پرو منظر پیش کر رہی تھیں۔

سارہ اُسے اپنے مخصوص کمرے میں لے گئی۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کمرے کی آرائش دیکھ کر ٹائیگر چند لمحوں کے لیے تو بہوت ہی رہ گیا تھا۔

"یہ سب کچھ تمہارے نزدیک کیا اہمیت رکھتا ہے؟" شہزادی نے دریافت کیا۔

"کیا آپ کا اشارہ اُس مقتول کی طرف ہے؟"

"نہیں... لیکن اب تم یہی سمجھ لو۔"

"صرف یہ کہ میں ایک بار پھر اطمینور پر ہاتھ ڈالنے میں ناکام رہا ہوں۔"

"بس... صرف یہی جذبات ہیں تمہارے؟"

"اگر آپ کو میرے جواب سے مایوسی ہوئی ہے تو مجھے افسوس ہے۔" ٹائیگر نے کندھے اُچکاتے ہوئے جواب دیا۔ "لیکن یہ حقیقت ہے کہ میں دُنیا میں واحد آدمی ہوں جسے مرنے والوں کے سلسلے میں کبھی کوئی افسوس نہیں ہوتا۔ میری دلچسپی صرف زندہ ہستیوں تک محدود ہے۔"

"اور ایک زندہ ہستی میں بھی ہوں۔" سارہ نے کہا۔

"جی ہاں..." ٹائیگر نے کہا اور مسکرانے لگا۔ "اسی لیے میں آپ میں بھی دلچسپی لینے پر مجبور ہوں۔"

شہزادی کے چہرے پر شرم و حیا کا وہ تاثر پیدا ہو گیا جسے ٹائیگر نے اب تک کی تمام ملاقاتوں میں پہلی بار دیکھا تھا۔ ان تاثرات کے ساتھ وہ ایک بالکل ہی بدلی بدلی سی لڑکی محسوس ہونے لگی اور یوں اس کا حسن پہلے سے کہیں زیادہ پُرکشش ہو گیا۔

"کیا خیال ہے ایلیونا کو یہ شخص بھائی جان کو بھی قتل کرنے کی کوشش کرے گا؟" شہزادی سارہ نے خود پر قابو پاتے ہوئے سوال کیا۔

"ہاں، وہ یقیناً ایسا کرے گا۔"

"کیوں... اور وہ یہ کام کس کے لیے کرے گا؟ اس طرح اُسے کیا حاصل ہو گا؟"

"آپ کا خیال یہاں درست ہے۔" ٹائیگر نے اس کی ذہانت کو سراہتے ہوئے کہا۔ "اس وقت اُس کے پاس سلطان کو قتل کرنے کا کوئی بھی معاہدہ نہیں ہے۔ جن لوگوں نے اس کی خدمات سلطان کے سلسلے میں حاصل کرنے کی کوشش کی تھی انھوں نے درپردہ اپنے ہی کسی رقیب کو راستے سے ہٹانے کے لیے یہ ذریعہ استعمال کیا تھا۔ میرا اور آپ کا اشتہاریوں ضائع گیا کہ ہم سے اس کا معاہدہ ہی نہیں ہو سکا... اور اُسے دولت حاصل کرنے کا یہ نادر موقع کھونا پڑا... لیکن ایک غیبی انسان کے لیے کسی زندہ ہستی کو تلاش کرنا مشکل نہیں، جو درحقیقت سلطان کی موت کی خواہش مند ہے۔ جیسے ہی وہ اس ہستی سے معاہدہ کرنے میں کامیاب ہو گیا، وہ سلطان پر ضرور حملہ کرے گا۔"

شہزادی نے اس کی بات کی تائید میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "تم ٹھیک کہتے ہو... لیکن جہاں تک میں اس شخص کے سلسلے میں سمجھ رہی ہوں اس کے مطابق وہ بغیر دولت حاصل کرنے کے چکر میں پڑے بھی یہ کام کر سکتا ہے۔"

"جی ہاں، دراصل ہم ایک ایسے آدمی کے سلسلے میں بات کر رہے ہیں جو پہلے ایک گیدڑ ہوا کرتا تھا۔ اس گیدڑ کے ہاتھ شیر کی کھال لگ گئی ہے اور وہ اسے پہن کر خود کو شیر سمجھنے لگا ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ وہ شیر بن بھی گیا ہے۔ وہ اب ایک طاقت ور ہستی ہے اور گزشتہ رات میں نے اور روشان نے گویا ایک طرح سے اس کی طاقت کو للکار دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ سلطان کو نظر انداز نہیں کرے گا... اگر ایسا نہ ہوا تو یقین کیجیے کہ وہ خود اپنی ہی کھوپڑی توڑنے پر مجبور ہو جائے گا۔ ناکامی... اور... ان حالات میں ناکامی اُس کے لیے ناقابلِ برداشت ہو گی۔ تاہم مجھے یقین ہے کہ وہ چیلنج ضرور قبول کرے گا۔"

"اور تم... تمہارا اپنے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"میں بھی ہر قسم کا چیلنج قبول کرنے پر مجبور ہوں۔"

"کوئی نفسیاتی وجہ؟"

"نفسیاتی وجہ کے علاوہ یہ میرا فرض بھی ہے۔"

وہ نصف شب سے کچھ دیر بعد تک اس موضوع پر باتیں کرتے رہے۔ آخر انھوں نے بہت دیر سے کھایا اور پھر ٹائیگر شہزادی سے اجازت لے کر اُٹھ کھڑا ہوا۔ وہ عمارت سے باہر آیا تو ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی اور موسم کچھ بھیگا بھیگا سا محسوس ہو رہا تھا۔

باہر آنے کے بعد اُس نے دروازے کے سامنے رُک کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ اُس کی حسیات پوری طرح بیدار تھیں اور وہ فضا میں اپنے لیے کسی خطرے کی بُو محسوس کر رہا تھا۔

ٹائیگر حیران تھا کہ اُوشان کو جب یہ معلوم ہو گا کہ وہ نصف شب تک شہزادی سارہ کے ساتھ رہا ہے تو اس کے کیا تاثرات ہوں گے۔ وہ عورت کو مرد کی کامیابیوں میں سب سے بڑی رُکاوٹ محسوس کرتا تھا... ٹائیگر نے سوچا کہ اگر وہ میڑھیوں پر شہزادی سارہ سے باتوں میں کچھ وقت ضائع نہ کرتا اور سیدھا یہاں چلا آتا تو شاید ایلیو سے ملاقات ہو جاتی... اور یہ معاملہ آج ہی ختم ہو جاتا۔ اُس کو اُوشان کے اصول بے حد پسند تھے لیکن نہ جانے کیوں وہ بعض اُصولوں کے سلسلے میں خود کو اب تک پابند کرنے میں کامیاب نہیں ہوا تھا۔

عمارت کے دروازے سے نکلنے کے بعد وہ ایک طرف میں دبا چلنے کا انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ آدھی رات کے بعد چہل قدمی کے ارادے سے نکلا ہو۔

* * *

اسے آدھی رات کا وقت بے حد پسند تھا۔

لاتعداد پراسرار اور سنسنی خیز داستانوں کے خالق

ایم اے راحت کا

ایک اور ہیبت ناک پراسرار ایڈونچر ناول

طلسم زادی

روشنی کی دنیا سے دُور پراسرار دنیا کی کہانی جہاں مافوق الفطرت زندگی کا دَور دورہ تھا، دو دشمنوں کی عجیب داستان جنھوں نے جب ایک دوسرے کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا تو ایک ناقابلِ یقین کہانی نے جنم لیا۔

ایم اے راحت کا وہ شاہکار ناول جسے شروع کرنے کے بعد مکمل کیے بغیر رکنا ناممکن ہو۔

شائع ہو گیا ہے ہر اچھے بکسٹال سے طلب کریں۔

کتاب اپنے قریبی بک سٹال سے طلب فرمائیں یا آداب کے نام کل قیمت کا منی آرڈر ارسال کر دیں کتاب آپ کو بذریعہ رجسٹری ارسال کر دی جائے گی

دو جلدوں میں مکمل جلد اول: 150/- جلد دوم: 150/-

خط و کتابت کے لیے

مکتبہ القریش سرکلر روڈ، اُردو بازار، لاہور ۲

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ولسن کی اس پسندیدگی کے پیچھے صرف یہ راز تھا کہ رات کے اس پہر اُس نے اپنی زندگی کے کامیاب ترین کام پایۂ تکمیل کو پہنچائے تھے۔ اُس نے چاقو کے ذریعے اپنا نام کمایا تھا۔ پیٹ پھاڑنے اور گردنیں کاٹنے میں اُسے نہ صرف خاصی مہارت تھی بلکہ اس سلسلے میں وہ کافی شہرت بھی حاصل کر گیا تھا۔ اُسے اپنے آپ پر اور اپنے فن پر فخر تھا۔ وہ اپنا روزگار بھی اپنے چاقو ہی سے وابستہ کرنے پر مجبور تھا اور اس سلسلے میں کامیابیوں نے ہمیشہ اس کے قدم چومے تھے۔ کبھی کبھی اُسے حکومت کے بڑے گھروں، بطور مہمان بھی رہنا پڑتا تھا۔ ان دنوں کے علاوہ اس کی زیادہ تر راتیں کسی نہ کسی انداز میں مصروف ہی گزرتی تھیں۔

آج بھی ایک مصروف رات تھی۔

یہ رات اُس کے لیے یوں بھی اہم تھی کہ اُسے کام کا بہت بڑا معاوضہ ملنے والا تھا۔ وہ دل ہی دل میں اس رقم سے کوئی بڑا کاروبار شروع کرنے کے منصوبے بنا رہا تھا اور جرائم پیشہ لوگوں کے نزدیک بڑا اور دلیرانہ آسان کام ہمیشہ منفیات فروشی ہی ہوتا ہے۔ یہ ولسن کی برسوں پرانی خواہش تھی لیکن اس کام کے لیے بہت زیادہ سرمایہ درکار تھا، جو اتفاق سے کبھی اس کے ہاتھ نہیں آیا تھا... لیکن آج رات اُس کی برسوں پرانی خواہش پوری ہونے والی تھی۔

جس شخص نے اس کی خدمات حاصل کی تھیں، وہ ایک آدمی کو ٹھکانے لگانا چاہتا تھا۔ یہ کام اپنی دانست میں، ولسن تنہا بھی سر انجام دے سکتا تھا لیکن اس شخص کی ضد تھی کہ وہ اپنے ساتھ چند مزید ماہر آدمی بھی رکھے چونکہ اس آدمی نے مددگار کو الگ سے معاوضہ دینے کی پیش کش کی تھی، اس لیے ولسن کو اعتراض نہیں تھا۔ اُسے تو تب اعتراض ہوتا، جب اس کے حصے میں سے کسی کو رقم ادا کی جاتی۔

ویلی اور ویپ دو ایسے آدمی تھے جن سے ولسن اکثر کام لیا کرتا تھا۔ یہ دونوں زبردست غنڈے تھے اور ساتھ میں بڑی خوش اسلوبی سے کئی کاموں میں ولسن کا ہاتھ بٹا چکے تھے۔ ویلی بھی ایک ماہر چاقو باز تھا لیکن ولسن کے خیال کے مطابق اس کے پاس اسٹائل کی کمی تھی۔ ویلی کی عمر بھی ولسن کی طرح چھبیس سال تھی لیکن وہ وزن میں کافی زیادہ تھا۔ اس کا قد بھی قدرے لمبا تھا اور اس کے چہرے پر ہر وقت سُرخی لہریں مارتی رہتی تھی... لیکن آج رات ویلی اس کا ہاتھ بٹانے کے لیے ساتھ نہیں آیا تھا بلکہ اُس نے اپنے ہم زُلف ٹیلر کو اپنی جگہ بھیج دیا تھا۔ ٹیلر اگر کوٹ مار میں مصروف نہیں ہوتا تھا تو عام دنوں میں ایک ڈرائی کلینر کی دُکان پر کام کرتا تھا۔ اس لیے اُس سے رابطہ قائم کرنے میں کسی قسم کی دُشواری نہیں ہوئی اور وہ کام کے لیے فوراً ہی آمادہ بھی ہو گیا تھا۔ اس سے قبل ولسن کو ٹیلر کے ساتھ کام کرنے کا کبھی موقع نہیں ملا تھا۔ اس لیے وہ دل ہی دل میں کُڑھ کر رہا تھا کہ کہیں یہ شخص کام خراب نہ کر ڈالے۔

اس کا تیسرا ساتھی، بگ لوئیس تھا۔ دُنیا میں جتنے بھی مکار آدمیوں سے ولسن کی واقفیت تھی۔ بگ لوئیس ان سب سے زیادہ مکار اور ذہین تھا۔ اس میں بلا کی پھرتی بھی تھی۔

وہ لوگ اس وقت ایک تاریک گوشے میں کھڑے تھے اور ولسن اپنے ساتھیوں کو ہدایات دے رہا تھا۔ "میں جو کچھ کہہ رہا ہوں، اس کے مطابق ہی عمل ہونا چاہیے۔" ولسن نے قدرے تحکمانہ لہجے میں کہا۔ "اگرچہ ہمیں سب کو مل کر صرف ایک ہی آدمی سے ملنا ہے لیکن جس شخص نے ہماری خدمات حاصل کی ہیں، اُس کا کہنا ہے کہ یہ شکار آسان ثابت نہیں ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ تم لوگوں کو یہ زحمت برداشت کرنا پڑے گی، سمجھ گئے؟"

"سمجھ گئے۔" سب بیک زبان بولے۔

"ٹھیک ہے۔" ولسن نے اطمینان کا اظہار کیا۔

"ٹھنڈ اٹھنڈا پانی سی میگو...!" ٹیلر پھر گنگنانے لگا۔

ابھی وہ باتیں کر رہے تھے کہ ویلی بھی وہاں آ پہنچا۔ اسے دیکھ کر ولسن خوش ہو گیا۔ "تم نے آ کر بہت اچھا کیا، ویلی۔"

"میں جس کام میں مصروف تھا، وہ جلدی ختم ہو گیا۔" ویلی نے کہا۔

"تم بالکل ٹھیک وقت پر پہنچے۔"

"شکار کہاں ہے؟"

"ابھی اندر ہے، جلد ہی نمودار ہونے کا امکان ہے۔" ولسن نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "ہم اسی سلسلے میں پروگرام بنا رہے تھے۔ سنو! جیسے ہی وہ شخص دروازے سے نکلے گا، میں اور ویلی اُس مقام سے اُس پر جھپٹ پڑیں گے۔ لوئیس اور ٹیلر، دوسری جانب متعین کھڑے رہیں گے اگر وہ اس طرف آنے کی بجائے اُدھر گھوم گیا تو تم دونوں پیچھے حملہ کر دو گے۔ ویپ درمیان میں رہے گا اور جس کسی کو بھی مدد کی ضرورت ہوگی، یہ فوراً اُس کی مدد کے لیے کود جائے گا۔ سمجھ گئے؟"

"سمجھ گئے۔" سب بیک زبان بولے۔

"ٹھیک ہے۔" ولسن مطمئن ہو گیا۔

"ٹھنڈ اٹھنڈا پانی سی میگو...!" ٹیلر پھر گنگنانے لگا۔

"میری کوشش ہوگی کہ سب سے پہلا حملہ میں کروں۔" ولسن نے اس کی گنگناہٹ پر توجہ دیے بغیر بات جاری رکھی۔ "یہ میرا کام ہے، اس لیے پہل مجھے ہی کرنی چاہیے۔ خیال رہے کہ اس شخص کی جیبیں خالی کرنا ہیں تاکہ بعد میں یہ لوٹ مار کا معاملہ سمجھا جائے اور کسی کی توجہ اُس شخص کی طرف مبذول نہ ہو جس نے اتنے ہنگامے کھڑے کر ہماری خدمات حاصل کی ہیں۔ کھیل ختم ہوتے ہی تم لوگ مجھ سے اپنا معاوضہ وصول کر لینا۔ سمجھ گئے؟"

"سمجھ گئے۔" سب نے ایک ساتھ کہا۔

"ٹھیک ہے۔" ولسن نے اطمینان کے اظہار میں سر ہلا دیا۔ "ٹھنڈا ٹھنڈا...!" ٹیلر کی گنگناہٹ دم توڑ گئی کیونکہ ویلی نے فوراً ہی اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔

"وہ باہر آ رہا ہے۔" ولسن بڑبڑایا۔

"ہمیں اپنی اپنی پوزیشن سنبھال لینی چاہیے۔" ویلی نے کہا۔

سب تاریکی میں منتشر ہو گئے اور انھوں نے اپنی اپنی پوزیشن سنبھال لی۔ عین اسی وقت ٹائیگر، اس عمارت کے دروازے پر نمودار ہوا تھا جس میں شہزادی سارہ مقیم تھی۔ ولسن نے بہت اچھا منصوبہ بنایا تھا۔ ٹائیگر کسی بھی سمت میں جاتا، اس کے ساتھیوں سے بچ نہیں سکتا تھا۔ اس نے ہر طرف جال پھیلا رکھا تھا... اور پھر وہ سب کے سب حیران رہ گئے کیونکہ ان کی توقع کے خلاف ٹائیگر دائیں یا بائیں نہیں گھومتا تھا۔ وہ سڑک پار کر کے سیدھا دوسرے فٹ پاتھ کی طرف بڑھ رہا تھا۔

ایک لمحے کے لیے ولسن کو یوں محسوس ہوا جیسے اس کا سارا منصوبہ دھرا کا دھرا رہ جائے گا اور شکار اُس کی دسترس سے نکل جائے گا۔ اس سے رابطہ قائم کرنے والے نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ یہ شخص آسان شکار نہیں ہو سکتا۔ اس نے بڑا ہی غیر معمولی راستہ اختیار کیا تھا۔ ولسن اور اس کے ساتھیوں میں سے کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ سڑک پار کر کے دوسرے فٹ پاتھ کی طرف چل دے گا۔

ولسن نے فیصلہ کیا، اس سے قبل کہ معاملہ ہاتھ سے جاتا رہے، اُسے چاہیے کہ فوراً کوئی عملی قدم اُٹھائے۔ وہ ٹائیگر کی طرف دوڑ پڑا۔

"اے مسٹر... مسٹر... ٹھہرو...!"

ٹائیگر چونک کر رُک گیا۔

اُس نے پلٹ کر دیکھا، ایک شخص ہاتھ لہراتا ہوا اُس کی طرف دوڑا چلا آ رہا تھا۔ عین اسی وقت چار مزید نوجوان اس کے پیچھے قطار بنا کر آگے بڑھنے لگے۔

"کیا بات ہے؟" ٹائیگر نے ولسن سے پوچھا۔

"تمھارے پاس ماچس ہوگی؟" ولسن نے تیزی سے سوچتے ہوئے بہانہ بنایا۔

"تمباکو سگریٹ کہاں ہے؟"

"اوہ... سگریٹ...!" ولسن نے بوکھلا کر پہلے اپنے ہونٹوں کو ٹٹولا پھر اپنے ہاتھوں کی طرف دیکھا۔ "وہ تو شاید دوڑتے میں کہیں گر گئی ہے۔"

"پھر تو تمھیں ماچس کی ضرورت نہیں رہی۔"

"میں کہتا ہوں، مجھے ماچس چاہیے۔" ولسن غرایا۔ "ٹھہرو، میں دوسری سگریٹ نکالتا ہوں۔" یہ کہہ کر اس نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور کن انکھیوں سے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا جو اب کافی قریب پہنچ گئے تھے۔

ولسن کا ہاتھ جیب سے باہر آیا تو اس میں ایک چاقو دبا ہوا تھا۔

"اگر تمھیں ماچس کی ضرورت ہے تو خود کو فٹ پاتھ پر رگڑنا شروع کر دو... بلکہ ایڑیاں رگڑنا ممکن ہے، ایک آدھ چنگاری پیدا ہو جائے۔" ٹائیگر نے اُسے پُرخلوص انداز میں مشورہ دیا اور نیم وا آنکھوں سے چاقو کی طرف دیکھنے لگا۔

"میں تمھیں کاٹ کر رکھ دوں گا۔"

"کیوں تمھارے کیٹ کی مونچھیں ہوں، دوست!" ٹائیگر نے اُسے ایک بار پھر بھڑکانے کی کوشش کی۔ "جاؤ، کوئی دوسری مونچھ کا جڑ تلاش کرو۔"

ولسن نے پلکیں جھپکائیں۔ آدھی رات کے وقت سنسان سڑک پر پانچ آدمیوں کے درمیان گھرے ہوئے ہونے کے باوجود اس کا شکار خوفزدہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ کوئی بات نہیں، ولسن نے دل میں سوچا، ابھی تمھاری دلیری، رخصت ہو جائے گی۔ اس نے تیزی سے چاقو والا ہاتھ گھمایا۔ یہ اس کا مخصوص انداز تھا اور اس میں ولسن کو پہلے کبھی ناکامی نہیں ہوئی تھی۔ اچانک اُسے محسوس ہوا کہ چاقو اب اس کے ہاتھ میں نہیں ہے۔ اس کی مٹھی بند تھی اور اس میں سے چاقو غائب ہو گیا تھا۔ مٹھی نیچے سے اُوپر سفر کرتی ہوئی قوس حالت میں عین اس کی ناک کے نیچے پہنچ گئی۔ ٹائیگر نے اس کے متحرک ہاتھ کو نیچے سے اُوپر کی جانب ہلکی سی ضرب لگائی تھی۔ اس سے قبل کہ ولسن اپنے بازو کی حرکت پر قابو پاتا، خود اس کا اپنا ہی گھونسہ ناک پر پڑا۔ اس کے حلق سے ایک گھٹی گھٹی سی چیخ نکل گئی۔ ولسن کو سب سے زیادہ حیرت اس بات پر تھی کہ اُس نے اپنے ساتھ کھڑے ہوئے نوجوان کو حرکت کرتے نہیں دیکھا تھا۔

"اوہ... میرا چاقو... ویلی...!" اس نے ایک ساتھی کو پکارا۔

ویلی اُچھل کر سامنے آ گیا۔ نہ جانے اس کے چہرے اور آنکھوں سے خوف کیوں جھلک رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں چاقو دبا ہوا تھا اور وہ اپنا ہاتھ لہرا رہا تھا۔ اس سے قبل کہ اس کا چاقو والا ہاتھ وار کرنے

ندیم
Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

میں کامیاب ہو جاتا، اُس نے دیکھا کہ ہاتھ کا رُخ اچانک ہی بدل گیا ہے۔ سنبھلتے سنبھلتے بھی اس کے چاقو کی تیز دھار نے خود اُس کے ساتھی ولسن کے رخسار پر گہرا چرکہ لگا دیا۔

"لعنت ہو تم پر...!" ولسن دوسری بار چیخ پڑا "تم نے تو مجھے ہی کاٹ ڈالا ہے گدھے۔"

"ایمان سے... اس میں میری کوئی خطا نہیں" ولیل بوکھلا کر وضاحت پیش کرنے لگا۔

"بکواس بند کرو اور اسے کاٹ ڈالو" ولسن چیخا "اور تم بھی" وہ باقی ساتھیوں کی طرف دیکھ کر غرایا... اور پھر جو کچھ بھی ہوا اُسے ولسن نے کھلی آنکھوں سے دیکھنے کے باوجود خواب سمجھا۔ ایک بھیانک خواب جس نے اس کے رونگٹے کھڑے کر دیے۔

ٹیلر نے چاقو گھونپنے کے انداز میں حملہ کیا۔

ایک لمحے کے لیے ٹائیگر اس کا بہترین ہدف تھا لیکن دوسری ساعت وہ وہاں موجود نہیں تھا۔ چاقو اور ٹیلر دونوں آگے بڑھتے رہے حتیٰ کہ ٹائیگر جس جگہ کھڑا تھا اس کی دوسری جانب موجود ولیل تک پہنچ گئے۔ دباؤ ڈالتا ہوا چاقو اُس کے پیٹ میں اُترتا چلا گیا۔ اب پہلے تو ولیل کی سمجھ میں کچھ بھی نہ آیا... پھر جب اُس کی آنکھوں کے سامنے تاریکی پھیلنے لگی، ذہن ماؤف ہونے لگا اور اس کی ٹانگوں نے جسم کا بوجھ اُٹھانے سے انکار کر دیا تو وہ سڑک پر جھکتا چلا گیا تب اُس کی نگاہ اپنے پیٹ پر پڑی قمیص میں سے خون کا فوارا اُبل پڑا تھا۔ اُس نے چیخ کر دونوں ہاتھوں سے اپنا پیٹ تھام لیا اور پھر مُنہ کے بل گر گیا۔

اگلے ہی لمحے وہ ساکت ہو گیا۔

ولیل کی چیخ نے سرد رات کے سناٹے کو یوں مجروح کیا جیسے کوئی نوکیلا اور تیز شے کسی نرم و نازک سی ڈبل روٹی میں اُترتی چلی گئی ہو۔

ٹیلر ہکا بکا کھڑا اپنے ساتھی کو دیکھ رہا تھا۔

اُس کی آنکھیں بے یقینی سے پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں۔

اُس نے ولیل کو مُنہ کے بل گرتے ہوئے دیکھا... پھر وہ پلٹا ہی تھا کہ اس کا جسم یکایک فضا میں بلند ہوتا چلا گیا۔ ولسن نے ٹیلر کو ٹائیگر کے دونوں بازوؤں پر بلند ہوتے دیکھا اور پھر ٹائیگر نے اُسے ایک کار کی طرف اُچھال دیا۔

ٹیلر سر کے بل ایک قریب کھڑی کار کی ونڈ اسکرین سے ٹکرایا۔ اس کی کھوپڑی اور شیشے کا تصادم ہوا۔ ایک دھماکے سے اسکرین پھٹ کر ریزہ ریزہ ہو گئی اور ٹیلر کی کھوپڑی، مسخ چہرے اور مُردہ جسم کے ساتھ کار کی اگلی سیٹ پر کسی لمبے گوشت اور ہڈیوں کے ڈھیر کی طرح پڑا دکھائی دینے لگا جسے انسانی لباس میں بھر دیا گیا ہو۔

لوئیس نے عقب سے چاقو کا وار کیا۔

ٹائیگر چاقو کی زد سے نکل گیا اور اگلے ہی لمحے لوئیس کے عقب میں نظر آیا۔ اُس نے خنجر نما انگلی سے اُس کی پُشت پر وار کیا۔ تو کیلی انگلی لوئیس کے جسم میں یوں اُتر گئی جیسے چُھری مکھن کی ٹکیہ میں اُتر جاتی ہے۔

ولسن کو اپنے سینے میں کوئی چیز ڈوبتی ہوئی سی محسوس ہوئی۔

اس کا دل یہ منظر دیکھ کر ڈوبنے لگا تھا کہ لوئیس جس انداز میں گرا ہے اب وہ کبھی دوبارہ اُٹھنے میں کامیاب نہیں ہو سکے گا۔

میرا چاقو کہاں ہے؟ ولسن کو اچانک ہی خیال آیا اور اُس نے چاقو کی تلاش میں اِدھر اُدھر دیکھا۔ اُسے اپنی سانس رُکتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ اُس نے عملِ تنفس برقرار رکھنے کی کوشش کی تو معلوم ہوا کہ نرخرے کا کام نہیں کر رہا ہے۔

یہ میرے نرخرے کو کیا ہوا؟ اُس نے حیرت سے سوچا اور پھر اُسے یوں محسوس ہوا جیسے کوئی چیز اس کے حلق پر دباؤ ڈال رہی ہے۔ اچانک ہی اُسے ٹائیگر کا چہرہ اپنے چہرے کے مقابل دکھائی دیا۔

وہ ایک مسکراتا ہوا چہرہ تھا۔

ولسن کو یوں لگ رہا تھا جیسے اس نوجوان کا چہرہ دُھند میں تیر رہا ہو۔ نوجوان کے ہونٹ متحرک تھے اور وہ اُس سے کچھ کہہ رہا تھا۔ غالباً کچھ پوچھ رہا تھا لیکن ڈوبتے ہوئے دل، دُھندلاتی ہوئی آنکھوں اور ماؤف ہوتے ذہن کی وجہ سے ولسن کی سمجھ میں کچھ بھی نہیں آ رہا تھا۔ اُس نے توجہ سے سُننے کی کوشش کی۔

"تمہیں کس نے بھیجا ہے؟" ٹائیگر اُس سے پوچھ رہا تھا۔

ولسن نے ذہن پر زور ڈالا۔ لعنت ہو۔ اس نے سوچا میں تو اُس کا نام بھی نہیں جانتا، وہ تو بس ایک مفید فام ہی تھا۔...

"ہم... میں... میں نہیں جانتا" اُس نے ہکلا کر کہا۔

"کتنے ناداں ہو؟" ٹائیگر بڑبڑایا۔

ولسن کے نرخرے پر دباؤ کچھ کم ہو گیا۔

"مجھے جانتے ہو؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"نہیں... میں نہیں جانتا"

"بہت بڑے احمق ہو" ٹائیگر نے تبصرہ کیا "تم نے ایک اجنبی کی بات مان لی اور ایک اجنبی کو قتل کرنے نکل کھڑے ہوئے۔ بتاؤ، تم نے اس بات سے کیا سیکھا؟"

"یہی کہ اجنبیوں پر اعتماد نہیں کرنا چاہیے"

"اعتماد تو خیر کسی پر بھی نہیں کرنا چاہیے" ٹائیگر نے مسکرا کر کہا۔

"تم ٹھیک کہتے ہو"

"اور میں جو کچھ کرتا ہوں وہ بھی ٹھیک ہی ہوتا ہے" ٹائیگر نے جواب دیا۔

اچانک ولسن کو اپنے پیروں میں پڑا ہوا چاقو نظر آ گیا۔ اُس نے تیزی سے جھک کر نہ صرف اُٹھا لیا بلکہ نیچے سے ہی اُسے قوسی حالت میں گھمایا۔ اس کی دانست میں اجنبی کا پیٹ چاک ہو جانا چاہیے تھا لیکن اس کا بازو کہیں رُکا نہیں تھا اور جب وہ رُکا تو بلیڈ اس کے اپنے پہلو میں نہ صرف پیوست ہو گیا تھا بلکہ اس کے ہاتھ میں دبی ہوئی حالت میں ایک بار پھر گھوم گیا تھا اور خود اُس کا پیٹ چاک ہو گیا۔

چاقو اُس کے ہاتھ سے گر گیا۔ اس کے گلے میں پھندا سا پڑ گیا اور وہ چاقو کے گرتے ہی خود بھی ڈھیر ہو گیا۔ اس دوران میں وہ یہ بھی نہ دیکھ سکا کہ اس کا آخری ساتھی ویب کس حال میں ہے۔ ویب کی لاش اس سے دو قدم کے فاصلے پر پڑی تھی۔ اس کی آنکھیں حلقوں سے اُبلی ہوئی تھیں اور وہ آسمان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ انداز ایسا تھا جیسے لاش اپنی رُوح کی پرواز دیکھ رہی ہو۔

ٹائیگر نے ولسن کی لاش کو دیکھا اور بُرا سا مُنہ بنایا۔

وہ اس شخص کو قتل نہیں کرنا چاہتا تھا کیونکہ ابھی اس سے بہت سی معلومات حاصل کرنا تھیں... لیکن جو کچھ بھی ہوا تھا، بالکل خودکار سے ردِعمل کے طور پر ہوا تھا۔ یہ دفاعی ردِعمل ہی ولسن کے لیے جان لیوا ثابت ہوا تھا۔

اُس نے باقی لاشوں کا بھی جائزہ لیا۔ سب کی سب ساکت تھیں۔

آخر یہ کون لوگ تھے؟

ٹیلر ہے... قاتل... انجانے دُشمن!

اُس نے نگاہ اُٹھا کر اُس عمارت کی طرف دیکھا جس سے ابھی کچھ دیر قبل باہر نکلا تھا۔ اُس کے ذہن میں ٹمٹک کا سایہ سا رینگ گیا۔ کیا یہ جال شہزادی سارہ کا پھیلایا ہوا تھا؟ اُس نے سوچا... شہزادی سارہ کے اپارٹمنٹ کی کھڑکی تاریک تھی۔ اس نے گہری نظروں سے اس تاریکی میں کسی وجود کی موجودگی محسوس کرنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ اسی لمحے کسی اور کی نگاہوں کا احساس ہوا۔

اُس نے اثبات میں سر ہلایا اور اُسی سمت میں بڑھنے لگا۔

گلی کے آخری حصے میں ایک شخص ٹائیگر پر ہونے والے حملے اور اس کی جوابی کارروائی دیکھ چکا تھا۔ وہ بے حد حیران تھا اور اس پر سکتے کی سی کیفیت طاری تھی۔ اُسے افسوس ہونے لگا کہ اس نے ایسے ناکارہ لوگوں سے کیوں رابطہ قائم کیا۔ ولسن اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں اُس نے سرسری سی معلومات حاصل کی تھیں اور لوگوں نے بتایا تھا کہ ولسن اس علاقے کا سب سے ماہر چاقو زن ہے۔ اس کے ساتھی بھی زیرِ زمین دُنیا میں گمنام نہیں تھے لیکن جو کچھ اُس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا، اس میں کسی جھوٹ کی آمیزش نہیں تھی۔ وہ لوگ ٹائیگر کے ہاتھوں اس طرح مر گئے تھے جیسے رضاکارانہ طور پر موت سے ہمکنار ہوئے ہوں... اور اب اُن کا شکار جو درحقیقت شکاری ثابت ہوا تھا، اُسی جانب بڑھا چلا آ رہا تھا جہاں وہ فیصلے کا منتظر کھڑا تھا۔

وہ ایک مفید فام آدمی تھا اور ٹائیگر کو آتے دیکھ کر سوچ رہا تھا کہ فیصلہ اب اُسے خود کرنا پڑے گا۔ اُس کی نگاہ ٹائیگر پر جم گئی جو ٹہلنے کے سے انداز میں مسلسل آگے بڑھتا چلا آ رہا تھا۔

سفید فام نے اپنی کار سے ٹیک لگا لی۔

جیب ٹٹول کر اُس نے سگریٹ نکال کر سلگائی اور دھیرے دھیرے کش لگانے لگا۔ وہ اب پوری طرح پُرسکون تھا اور کوئی بھی عملی قدم اُٹھانے کے لیے ذہنی طور پر تیار تھا۔ اُس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ جس کام کے لیے اُس نے مقامی غنڈوں کی خدمات حاصل کی تھیں، اُسے اب خود ہی مکمل کرے گا کاش! میں پہلے ہی یہ فیصلہ کر لیتا۔ اُس نے تاسف سے سوچا اور جیب میں پڑے ہوئے ریوالور کو تھپتھپایا۔ یہ بھلا کون سا مشکل کام ہے۔ آدھی رات کے وقت کسی سنسان سڑک پر ایک شخص کو گولی کا نشانہ بنا دیا جائے تو آس پاس کے مکینوں کے کان پر جُوں بھی نہیں رینگے گی... اور اگر کوئی دھماکہ سُن کر گہری نیند سے بیدار بھی ہو گیا تو اُس کے باہر جھانکنے اور جائزہ لینے سے قبل وہ اپنی کار میں جائے واردات سے کوسوں دُور جا چکا ہو گا۔

ٹائیگر اُس سے تقریباً تیس قدموں کے فاصلے پر پہنچ گیا تو اُس نے جیب سے ریوالور نکال لیا اور کار سے ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ اب وہ بالکل سامنے تھا۔ اُس نے ریوالور والا ہاتھ اُٹھایا۔ اطمینان سے آگے بڑھتے ہوئے ٹائیگر کا نشانہ لیا اور گولی چلا دی۔

ایک دھماکہ ہوا۔ گولی سنسناتی ہوئی ہدف کی طرف گئی۔

یہ کیا؟ وہ چونک پڑا۔ اتنا آسان نشانہ خطا گیا۔

ناممکن... اُس نے سوچا۔ گولی سیدھی ہدف کی طرف گئی تھی لیکن ہدف تو اب بھی متحرک تھا۔ وہ نوجوان مسلسل بڑھتا چلا آ رہا تھا۔ اُس نے دوسری گولی چلائی۔ اتنے قریبی فاصلے سے اس کا نشانہ خطا نہیں ہو سکتا تھا لیکن اس بار بھی اُسے ناکامی کا مُنہ دیکھنا پڑا۔ وہ حیران تھا کہ شکار نے دائیں بائیں جُھکنے کی بھی کوشش نہیں کی تھی... وہ تو بس اُسی اطمینان سے آگے ہی آگے بڑھتا چلا آ رہا تھا جیسے وہ گولیاں نہیں بلکہ محض پٹاخے چلا رہا ہو۔ ٹائیگر سیدھا اُسی کی طرف آ رہا تھا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

سفید فام نے تین اور فائر کیے لیکن اس کا نشانہ گرنے کی بجائے اب بھی بڑھ رہا تھا یا تو گولیاں ضائع جا رہی تھیں یا پھر وہ شخص آنی تیزی سے جھکائی دے جاتا تھا کہ اس کی نگاہیں دھوکا کھا جاتی تھیں۔

سفید فام مبہوت کھڑا اُسے گھورنے لگا۔

اُس نے پوکھلا کر خالی ریوالور ہی ٹائیگر پر کھینچ مارا۔ اس بار کافی قریب ہونے کی وجہ سے اُس نے ٹائیگر کو ذرا سا بائیں جانب جھکتے اور ریوالور سے اپنی کھوپڑی بچاتے دیکھ لیا۔ اُس کی گردن نے صرف ایک لمحے کے لیے حرکت کی تھی اور پھر وہ آگے بڑھتا چلا آیا۔ جیسے شروع سے اسی طرح چل رہا ہو۔ ٹائیگر اب اُس کے بالمقابل تھا۔ یکایک سفید فام نے اُس کے دونوں ہاتھ اپنے حلق پر محسوس کیے۔ سفید فام کے ہاتھ اپنی پتلون کی جیبوں کے قریب تھے۔ اُس نے گلے کی پروا کیے بغیر جیب میں ہاتھ ڈالا۔ جیب میں ایک کھٹکے دار چاقو موجود تھا۔

اُس نے چاقو نکالا۔ اُس کا بٹن دبایا اور پھر اُسے نیچے سے اوپر کی جانب اُچھالا۔ ٹائیگر نے اُس کا ہاتھ اُوپر آنے دیا لیکن اُس کے گلے سے ہاتھ نہیں ہٹائے۔ اچانک ہڈی ٹوٹنے کی آواز سنائی دی اور وہ شخص ٹائیگر کے ہاتھوں میں جھول گیا۔ چاقو اُس کے ہاتھ سے گر گیا۔ ٹائیگر نے اُسے چھوڑ دیا۔ اُس نے اپنا گھٹنا بھی پیٹ سے ہٹا لیا۔ سفید فام کی ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی۔

ٹائیگر نے جھک کر کار کے قریب پڑے ہوئے سفید فام کا جائزہ لیا۔ وہ مر چکا تھا۔ اُس نے سفید فام کی جامہ تلاشی لی۔ اُس کی جیب میں ایک بھرا ہوا بٹوہ موجود تھا۔ ٹائیگر نے بٹوے کا جائزہ لیا اور پھر اُسے اپنی جیب میں ڈال کر اپنے ہوٹل کی طرف بڑھ گیا۔

اُس کے ذہن میں اب بھی شہزادی سمارہ گھوم رہی تھی۔

ٹائیگر کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

اُسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ بہرام جو کہہ رہا ہے، وہ سچ ہے۔ اُس نے ہوٹل آنے کے بعد بٹوے کی تلاشی لی تھی اور پھر اُسے بہرام کو بھیج دیا تھا۔۔۔ اور اب بہرام فون پر اُسے ایک ایسی خبر سنا رہا تھا، جسے سن کر اُسے اپنی سماعت پر اعتبار نہیں آ رہا تھا۔

"وہ کون تھا؟" اُس نے حیرت سے دریافت کیا۔

بہرام نے اپنی بلند ہمالی و گزشتہ ہفتے تک وہ ایک فیڈرل ایجنٹ تھا اس کے بعد اُس نے ملازمت چھوڑ دی تھی۔"

"لیکن کسی ایجنٹ کو۔۔۔ سابق ایجنٹ کو مجھ سے کیا دشمنی ہو سکتی ہے؟" ٹائیگر نے بے یقین لہجے میں کہا۔ "آخر اُس نے کس وجہ سے مجھ پر قاتلانہ حملہ کیا؟"

"میں نہیں جانتا۔ یہ بات تو تمہیں ہی معلوم کرنا ہے۔" بہرام نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔" ٹائیگر نے ایک طویل سانس لی۔ "کیا اُوشان نے آپ سے کوئی بات کی تھی؟"

"نہیں۔۔۔ کیوں؟" بہرام بولا۔

"میں یہاں آیا تھا تو وہ موجود نہیں تھا۔"

"اُس نے مجھ سے رابطہ قائم نہیں کیا۔ میں نہیں جانتا کہ وہ کہاں ہے؟" بہرام نے یہ کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا۔

ٹائیگر نے ریسیور رکھ کر کھڑکی سے باہر شہر کی طرف دیکھا۔

"ایک سابق ایجنٹ!" وہ بڑبڑایا۔ "آخر کیوں؟" اُس نے ایک مختصر قبل ہی سرکاری ملازمت چھوڑی تھی۔ ٹائیگر خود بھی ایجنٹ رہ چکا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ بعض اوقات اعلا افسران اپنے کسی ماتحت کو کام پر لگانے سے قبل یا تو محکمے سے نکال دیتے تھے یا وہ خود ہی استعفا دے دیتا تھا تاکہ اگر وہ کام کرتے ہوئے پکڑا جائے تو افسران بالا ہاتھ جھاڑ کر الگ ہو سکیں کہ ان کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ کیا یہ ایسا ہی کوئی معاملہ ہے؟ ٹائیگر سوچنے لگا۔

اس خیال کی جڑیں ایک خاص نکتے تک پہنچتی تھیں مگر ایسا ہی تھا تو اس کا صرف یہی مطلب ہو سکتا ہے کہ خود اُس کی حکومت ہی بسلامی کے سلطان کو قتل کروانا چاہتی ہے۔ یہ کوئی انہونی بات تو نہیں تھی۔ حکومت کے بسلامی کے ساتھ سفارتی تعلقات برقرار تھے۔ بلاشبہ بسلامی کا سابق سلطان ان کا دوست تھا لیکن حکومتوں کی دوستی محض شخصی بنیاد پر نہیں ہوتی۔ حکومت صرف حکومت ہی کی دوست ہوتی ہے۔۔۔ اور بسلامی کی حکومت آج کل انقلابیوں کے ہاتھ میں تھی۔

بسلامی کا سلطان اس وقت اُن کی حکومت کے لیے ایک بڑا مسئلہ تھا۔

وہ اُسے پناہ دے کر بسلامی کے موجودہ حکمرانوں سے بگاڑنا نہیں چاہتے تھے اور ساتھ ہی بسلامی کے سابق سلطان کو تحفظ نہ دے کر وہ دنیا کے دوسرے حکمرانوں کو یہ تاثر نہیں دینا چاہتے تھے کہ وہ اپنے دوستوں کی حفاظت نہیں کر سکتے۔

"اگر ایسی ہی بات تھی تو یہ کام ہمارے ذریعے آسانی سے کروایا جا سکتا تھا۔" ٹائیگر بڑبڑایا۔ "اور اب۔۔۔ لیکن اُوشان کہاں ہے کہیں وہ۔۔۔!"

اس نے ذہن جھٹک دیا۔ فی الحال اُس کی پلکوں کو بوجھل کر رہی تھی۔ وہ یہ سوچتا ہوا سونے کے ارادے سے لیٹ گیا کہ اُوشان کہاں

گیا ہے؟

اُسے بے چینی محسوس ہو رہی تھی۔۔۔ لیکن اس کا تربیت یافتہ ذہن جلد ہی پُرسکون ہو گیا اور وہ گہری نیند میں ڈوب گیا۔

ٹیکسی ڈرائیور اس وقت ساحل جیسے ویران اور سنسان علاقے کی طرف نہیں جانا چاہتا تھا۔۔۔ خاص طور سے اس ناتواں بوڑھے کو لے کر تو وہ بالکل ہی جانے کے لیے آمادہ نہیں تھا جس سے اُسے توقع تھی کہ منزل پر پہنچ کر اُس کی منت سماجت کرنے لگا کہ اس کے پاس کرایہ نہیں ہے، اس لیے اُسے معاف کر دے۔ ایسے شخص سے ٹپ یا بخشش کی توقع فضول تھی۔ اس لیے وہ اُوشان کی طرف ایک بار دیکھنے کے بعد اسٹیئرنگ پر انگلیاں بجاتے ہوئے ونڈ اسکرین کو گھورنے لگا تھا۔

"کیوں بھائی چل رہے ہو یا نہیں؟" اُوشان نے دوبارہ پوچھا۔

"دیکھو بڑے میاں! مجھے تم سے ہمدردی ہے۔" ٹیکسی ڈرائیور نے کہا۔ "لیکن رات کے اس پہر میں ساحلی علاقے کی طرف نہیں جا سکتا۔ میں تو دن کے وقت بھی آنے جانے کا کرایہ لیے بغیر نہیں جاتا۔ تم اس وقت کی بات کر رہے ہو۔ اس کے علاوہ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ وہاں اب مچھلیاں بالکل ختم ہو گئی ہیں۔ ایک بھی تمہارے ہاتھ نہیں آئے گی۔ گھر جا کر آرام سے سو جاؤ۔ صبح اُٹھ کر بازار کے جانا اور دو تین کلو وزنی کوئی مچھلی خرید کر لے جانا۔ تمہاری بڑھیا خوش ہو جائے گی کہ تم اس بڑھاپے میں بھی مچھلی کا شکار کر سکتے ہو۔"

"میں مچھلی کا شکار کرنے نہیں جا رہا۔" اُوشان بڑبڑایا۔

"تو پھر یقیناً سمندر میں نہانے جا رہے ہو گے۔" ٹیکسی ڈرائیور بولا۔ "یہ بھی تمہاری صحت کے لیے مضر ہو گا۔ تم دھان پان سے آدمی ہو۔ کوئی لہر تمہیں سمندر کے دوسرے کنارے تک ایک ہی ریلے میں بہا لے جائے گی۔"

"میں نہانے بھی نہیں جا رہا ہوں۔"

"اوہ! تو کیا تمہاری بڑھیا نے ساحل پر تم سے ملاقات کا وعدہ کر رکھا ہے؟" یہ کہہ کر ٹیکسی ڈرائیور نے قہقہہ لگایا اور گاڑی گیئر میں ڈال دی۔ اس نے ایکسیلیٹر پر دباؤ ڈالا لیکن گاڑی آگے جانے کی بجائے وہیں کھڑی رہی جبکہ ڈرائیور کو صد فی صد یقین تھا کہ ٹیکسی کے پہیے تیزی سے گھوم رہے ہیں۔ اس نے چونک کر اُوشان کی طرف دیکھا جو دروازے کے قریب کھڑا تھا اور اس کی گردن کھڑکی سے اندر تھی۔ وہ اس کو یقین دلانے کی کوشش کر رہا تھا کہ اگر اُسے ساحل پر پہنچا دے تو وہ نہ صرف

ہولناک اور پراسرار ماحول میں جنم لینے والی ایک
حقیقت، جو کہانی بن گئی
ایک آشفتہ حال کی داستان عبرت جسے قانون نے
مجرم بنا دیا

رقص ابلیس

انوار صدیقی

قیمت -/150

ناشر مکتبہ اُلفت پبلشرز
اردو بازار لاہور

ڈبل کرایہ دے گا بلکہ خاطر خواہ ٹپ بھی دے گا۔۔۔ لیکن ڈرائیور اس کی بات نہیں سن رہا تھا۔ وہ بار بار ایکسیلیٹر دبا رہا تھا اور ٹیکسی تھی کہ ٹس سے مس نہیں ہو رہی تھی۔

"میں کہیں نہیں جاؤں گا۔" ڈرائیور نے غرا کر کہا۔ "یہ لعنتی ٹیکسی تو اپنی جگہ سے حرکت ہی نہیں کر رہی۔"

"یہ حرکت ضرور کرے گی۔ میں دیکھتا ہوں۔" اُوشان بولا۔ اس کی گردن ابھی تک ٹیکسی کے اندر تھی۔

"آؤ۔۔۔ اچھا۔۔۔ وہ کیسے؟" ٹیکسی ڈرائیور نے مضحکہ اُڑایا۔

اُوشان۔۔۔ گھوم کر ڈرائیور کے برابر والی نشست پر بیٹھ گیا۔ "چلو! اب کوشش کرو۔" اُس نے ڈرائیور کے کندھے پر تھپکی دیتے ہوئے کہا۔

ڈرائیور نے ایکسیلیٹر دبایا تو گاڑی ایک جھٹکے سے آگے بڑھ گئی۔ ڈرائیور کو غالباً توقع نہیں تھی کہ ٹیکسی آگے جائے گی اس لیے وہ قدرے لاپروا تھا اور جب گاڑی نے کسی چیتے کے سے انداز میں جست لگائی تو اسٹیئرنگ اُس کے ہاتھوں سے چھوٹ گیا۔ ٹیکسی بُری طرح لہرائی۔ ٹیکسی کی رفتار بے حد تیز تھی۔ ڈرائیور نے گھبرا کر آنکھیں بند کر لیں۔ اس کا خیال تھا کہ گاڑی قریب کی کسی عمارت سے ٹکرا کر پاش

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

پاش ہو جائے گی... بوکھلاہٹ میں وہ ایکسلیٹر سے پاؤں ہٹانے کی بجائے اس پر دباؤ بڑھاتا جا رہا تھا۔ اپنی دانست میں وہ پوری قوت سے بریک لگا رہا تھا۔

کچھ دیر بعد جب تصادم نہیں ہوا تو اس نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھول دیں۔

ٹیکسی تیز رفتاری سے اڑی جا رہی تھی۔

ڈرائیور نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ادھر ادھر دیکھا۔ اکا دکا گاڑیاں سامنے سے آ کر گزر رہی تھیں لیکن کوئی حادثہ نہیں ہو رہا تھا۔ اس نے چونک کر اُوشان کی طرف دیکھا۔ وہ مطمئن انداز میں سامنے دیکھ رہا تھا اور اس کے ہونٹوں پر بڑی ہی آسودہ سی مسکراہٹ تھی۔ ڈرائیور نے اسٹیئرنگ کی طرف دیکھا۔ اُوشان کا ایک ہاتھ اسٹیئرنگ پر جما ہوا تھا اور وہ اُسے یوں سنبھالے ہوئے تھا جیسے کوئی موٹر سائیکل سوار اپنے شاگرد کو کار ڈرائیونگ کی تربیت دے رہا ہو۔

"بہتر ہوگا کہ اب تم اسٹیئرنگ بھی سنبھال لو۔" اُوشان نے اس کے حواس ٹھکانے آتے دیکھ کر کہا۔ "ورنہ کرائے میں سے نصف ڈرائیونگ کا معاوضہ کاٹ لوں گا۔"

"اوہ... ہو... اوہ..." ڈرائیور کے حلق سے عجیب سی آوازیں نکلنے لگیں اور اس نے اسٹیئرنگ سنبھال لیا۔ کچھ ہی دیر بعد وہ نارمل انداز میں ڈرائیو کر رہا تھا۔ جب اس کے حواس پوری طرح بیدار ہو گئے تو اس نے اُوشان کی طرف دیکھا اور پوچھا۔ "کیوں بڑے میاں! کیا تم ہمیشہ ٹیکسیوں میں اسی طرح سفر کرتے ہو؟"

"کبھی ایسا بھی ہوتا ہے۔" اُوشان نے بے چارگی سے جواب دیا۔

ٹیکسی ڈرائیور کے حلق سے ایک طویل سانس نکل گئی۔

"کیا تم چینی جادوگر ہو، بڑے میاں؟"

اُوشان کا موڈ خراب ہو گیا۔ اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

ٹیکسی ڈرائیور چونک پڑا۔ شاید اُسے یاد آ گیا تھا کہ کچھ دیر قبل ٹیکسی کو ایک عجیب اور ناقابلِ فہم سی صورتِ حال پیش آ گئی تھی۔ وہ اوشان سے اس سلسلے میں دریافت کرنا چاہتا تھا لیکن اُوشان نے اسے ٹوک دیا۔ اس نے ٹیکسی ڈرائیور سے کہا کہ اگر وہ اپنی زبان بند رکھ کر ساحل تک اُسے پہنچا دے گا تو اُسے شاندار ٹپ ملے گی۔

"لیکن... بڑے میاں..." ڈرائیور نے کچھ کہنا چاہا۔

اُوشان نے اپنے لمبے ناخن والی انگلی اس کے ہونٹوں کے سامنے کر دی۔ "نہیں... تم کوئی بات نہیں کرو گے۔ میں کچھ سوچنا چاہتا ہوں۔"

ڈرائیور سمجھ دار تھا۔ وہ خاموش ہو گیا۔

ساحل تک خاموشی ہی رہی۔ ایک جگہ ٹیکسی رُکوا کر اُوشان نے دروازہ کھولا اور نیچے اُتر گیا۔ اس نے میٹر کی طرف توجہ نہیں دی اور اپنے لبادے میں ہاتھ ڈال کر ایک چرمی تھیلا نکال لیا۔ اس میں سے ایک بڑا نوٹ نکال کر اس نے ڈرائیور کی ناک کے نیچے یوں رکھا جیسے اسے سونگھانا چاہتا ہو۔

"یہ لو..." اُوشان نے کہا۔ "اور یقین کر لو کہ میں دُنیا کا سب سے زیادہ سخی آدمی ہوں۔ حاتم کا نام تو یونہی مشہور ہے۔"

ڈرائیور نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے نوٹ کی طرف دیکھا۔

"کیا یہ اصلی ہے، بڑے میاں؟" ڈرائیور نے شک بھرے لہجے میں پوچھا۔

"بالکل میری طرح اصلی۔" اُوشان نے فخریہ لہجے میں جواب دیا۔

ڈرائیور نے جلدی سے نوٹ لے کر یوں جیب میں رکھ لیا جیسے خدشہ ہو کہ کہیں اُوشان اُسے واپس نہ لے لے۔ اس نے اُوشان کا شکریہ ادا کیا اور پھر ٹیکسی آگے بڑھا دی۔ وہ دیر تک عقب نما آئینے میں اُوشان کو دیکھتا رہا حتیٰ کہ وہ اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔

اُوشان آہستہ آہستہ چلتا ہوا ساحل کی طرف بڑھ گیا۔

اس نے کرائے کی موٹر بوٹ کے سلسلے میں بات کی۔ بوٹ کا مالک اس وقت کہیں جانے کے لیے آمادہ نہیں تھا۔ اس نے مشکوک نظروں سے اُوشان کی طرف دیکھا اور نفی میں سر ہلا کر سگریٹ کا کش لگانے لگا۔ اُوشان نے اصرار کیا تو اس نے سمجھایا کہ وہ دن بھر کئی آدمیوں کو لے کر سمندر میں گیا تھا۔ ان میں سے ایک نے بھی پکڑنے کا کانٹا استعمال کیا لیکن معلوم ہوتا ہے کہ آج سمندر کی تمام مچھلیوں کا پیٹ بھرا ہوا ہے۔ کسی نے چارے پر منہ نہیں مارا۔ نتیجتاً شام تک ہر شخص کو ناکام واپس آنا پڑا۔ اس نے اُوشان کو مشورہ دیا کہ یہ رات گھر میں آرام کرنے کے لیے بہترین ہے اس لیے اُسے واپس اپنے گھر چلے جانا چاہیے۔

اُوشان چند لمحوں تک اُسے گھورتا رہا۔ اس دوران میں وہ سوچتا رہا تھا کہ اس شخص کو جزیرے تک چلنے کے لیے کس طرح آمادہ کر سکتا ہے۔ موٹر بوٹ کا مالک اس وقت پی رہا تھا اور وہ قدرے نشے میں بھی تھا اس لیے اُسے محض باتوں سے قائل کرنا یوں بھی بہت مشکل تھا لہٰذا اُوشان نے سوچا کہ کوئی اور ہی ترکیب استعمال کرنا پڑے گی۔ اچانک اس کی نگاہ ایک آہنی سُلاخ پر پڑی۔ یہ سُلاخ کافی موٹی تھی اور اس کا ایک سرا کسی سوئے جیسا تھا۔ یہ نوکیلی سلاخ شارک مچھلیوں کو شکار کرنے میں استعمال ہوتی تھی۔ اس نے لپک کر سلاخ اُٹھا لی۔ اس کا دوسرا سرا موٹر بوٹ کے لنگر سے بندھا ہوا تھا۔ اُوشان نے لنگر کھولا اور سلاخ کو اُٹھا کر موٹر بوٹ کی طرف بڑھا۔

موٹر بوٹ کا مالک اس کی حرکات و سکنات کو بغور دیکھ رہا تھا۔ اس نے اُوشان کو سلاخ اُٹھاتے دیکھا تو اُچھل کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر اُسے اُٹھانا چاہا تو موٹر بوٹ کا سیاہ فام مالک ہنس پڑا۔

"نہ نہ... کلائی میں موچ آ جائے گی۔ یہ بہت وزنی ہے۔" اس نے اُوشان کے ناتواں جسم پر نگاہ ڈالتے ہوئے طنز کیا۔

اُوشان نے سُلاخ اُٹھالی اور پھر اُسے دونوں ہاتھوں میں سنبھال کر اُفقی حالت میں تھام لیا۔ اگلے ہی لمحے وہ اس کے ایک ہاتھ کے ذریعے متوازن ہو چکی تھی۔ اُوشان نے دایاں ہاتھ اُٹھایا اور جب ہاتھ نیچے گرا اور ہتھیلی کا کنارا سُلاخ کے درمیانی حصے سے ٹکرایا تو وہ کسی تنکے کی طرح ٹوٹ گئی۔

سیاہ فام نے یہ دیکھا تو اُچھل کر پیچھے ہٹ گیا۔ اس نے سُرخ و سفید آنکھوں کو پھاڑ پھاڑ کر پہلے اس وزنی سلاخ اور پھر اُوشان کی طرف دیکھا۔ اُوشان نے بڑی بے نیازی سے سلاخ کے دونوں ٹکڑے ہاتھوں میں تھام لیے اور کشتی کی طرف بڑھ گیا۔

"سب... بڑے... جناب... میاں..." سیاہ فام اس کے پیچھے لپکا۔ "ٹھہریے میں چل رہا ہوں... بلکہ آپ حکم کریں تو میں آپ کو کندھوں پر بٹھا کر تیرتا ہوا بھی اس جزیرے تک لے جا سکتا ہوں۔"

اُوشان نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ وہ موٹر بوٹ میں سوار ہو گیا تو سیاہ فام کیپٹن نے بوٹ کا انجن اسٹارٹ کر دیا۔ اس کی ہر حرکت سے پھرتی ظاہر ہو رہی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے اس کے انگ انگ میں بجلیاں بھر گئی ہوں۔ اُوشان نے سوچا کہ وہ ایک سمجھ دار آدمی ہے۔ اس نے آہنی سلاخ کو ٹوٹتے دیکھا تو فوراً ہی اس نتیجے پر پہنچ گیا کہ اگر وہ خود اپنا سر اس سلاخ جیسا نہیں کروانا چاہتا تو اُسے اُوشان کی ہر بات بلا چوں و چرا مان لینی چاہیے۔ اُوشان کو ایسے حقیقت پسند لوگ بے حد پسند تھے۔ اس کی خواہش تھی کہ کاش! دُنیا کا ہر شخص اسی طرح حقیقت پسند بن جائے۔

جب موٹر بوٹ نے جزیرے کے ساحل کو چھوا تو صبح کے آٹھ بج چکے تھے۔ نصف شب کے بعد سے اب تک اُوشان مسلسل بڑی دلچسپ سفر کی حالت میں رہا تھا لیکن اس کے باوجود جب وہ ساحل پر اُترا تو اس کے چہرے یا حرکات و سکنات سے خفیف سی تھکن بھی ظاہر نہیں ہو رہی تھی۔

اُوشان نے ٹوٹی ہوئی سُلاخ کے دونوں ٹکڑے سیاہ فام کیپٹن کی طرف بڑھا دیے۔ "میں تھوڑی دیر میں واپس آ جاؤں گا۔" اس نے کہا۔

"آپ اطمینان سے قیامت تک تشریف لائیے۔ میں آپ کا انتظار کروں گا۔" سیاہ فام کیپٹن نے انکساری سے جواب دیا۔ اس کی آنکھوں میں اُوشان کے لیے بے پناہ احترام تھا اور وہ اس وقت اُوشان کو ایک ایسا قدیم زمانے کا آدمی لگ رہا تھا جس نے طاقت کے سامنے ہتھیار ڈال کر غلامی کا طوق پہن لیا ہو۔

اُوشان محل نما حویلی کی طرف بڑھ گیا۔ یہ وہی عمارت تھی جہاں وہ ایک بار ٹائیگر کے ساتھ پہلے بھی آ چکا تھا... لیکن دروازے پر متعین دونوں گارڈ اُس کی طرف اجنبی نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔

محافظوں نے اُسے روک لیا۔ اُوشان سے اندر جانے کا خصوصی اجازت نامہ طلب کیا جو اُس کے پاس موجود نہیں تھا۔ اُسے بوڑھا سمجھ کر ایک گارڈ نے ہمدردی سے سمجھانے کی کوشش کی کہ خاص قسم کے اجازت نامے کے بغیر کوئی بھی محل میں قدم نہیں رکھ سکتا۔ نیز یہ کہ اگر اُسے بھیک مانگنا ہے تو وہ دروازے سے ہٹ کر بیٹھ جائے۔ اندر سے آنے والا کوئی بھی شاہی خاندان کا آدمی رحم کھا کر اُسے کچھ نہ کچھ ضرور دے دے گا۔

اُوشان کی بھویں کمان ہو گئیں۔

اس کی آنکھوں میں اتنی تیزی سے سُرخی آئی تھی کہ اُس سے بات کرنے والا محافظ چونکے بغیر نہ رہ سکا۔ نہ جانے اُوشان کی آنکھوں میں اس وقت کون سا تاثر تھا کہ محافظ کو اپنی ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی سی دوڑتی محسوس ہونے لگی۔

"تو تم مجھے بھکاری سمجھ رہے ہو؟" اُوشان عزّیا خانہ سنامنجو کے مالک کو بھکاری کہہ رہے ہو... اور وہ بھی اس کے منہ پر..."

"میں تمہاری دل آزاری نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن..."

"لیکن مجھے تمہاری یہ جرأت پسند آئی ہے۔" اُوشان عجیب سے انداز میں مسکرایا۔ "تم نے جو کچھ کہا، وہ کوئی دلیر اور خاندانی آدمی ہی کہہ سکتا ہے۔ سامنے کہنا اور سامنے ہی کچھ کرنا بہادروں کا شیوہ ہے۔ جاؤ، میں نے تمہیں معاف کر دیا۔"

"اس کے باوجود ہم تمہیں اندر جانے کی اجازت نہیں دے سکتے۔" وہ دوسرا گارڈ غرّایا۔

"کیوں؟" اُوشان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ مزید گہری ہو گئی۔

"اس لیے کہ تمہارے پاس خصوصی اجازت نامہ نہیں ہے۔"

"میرے پاس ایک خصوصی اجازت نامہ موجود ہے لیکن شاید وہ تمہیں پسند نہ آئے۔" اُوشان نے یہ کہہ کر ہاتھ آگے بڑھا دیا۔

ایک ہی پل میں کیا ہو گیا۔ یہ دونوں میں سے کوئی ایک گارڈ بھی نہیں جانتا تھا اور نہ ہی سمجھ سکا تھا۔ ان کے ذہنوں پر اتنی تیزی سے غنودگی حملہ آور ہوئی تھی کہ وہ سنبھل بھی نہیں سکے تھے۔ اگلے ہی

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

لمحے وہ عارضی نیند میں ڈوب گئے تھے۔ اُوشان اس وقت بڑے ہی خوش گوار موڈ میں تھا کیونکہ اُسے آتے وقت ٹیکسی اور پھر موٹر بوٹ مل گئی تھی۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو شاید وہ ان دونوں محافظوں کو شدید زخمی کر دیتا۔

اس دروازے پر اُس وقت وہی دو محافظ تھے۔

اُوشان نے انھیں بیرونی پوسٹ دہلیز پر چھوڑا اور دروازہ کھولتے ہوئے محل میں داخل ہو گیا۔ راہ داری میں بھی محافظ موجود تھے لیکن اب اُوشان اُن سب کو آسانی سے چکمہ دے سکتا تھا۔ وہ سلونوں کی آڑ میں اتنی تیزی سے حرکت میں آیا کہ اُس پر نگاہ جمانا مشکل تھا۔ اُوشان جانتا تھا کہ سلطانی کے سلطان کا کمرہ کہاں ہے۔ وہ اس کمرے میں پہلے بھی آ چکا تھا۔

سلطان کے کمرے کے باہر بھی ایک محافظ موجود تھا۔

اس سے قبل کہ محافظ کو صورت حال کا علم ہوتا، اُوشان نے اُسے بھی باہر والے محافظوں کی طرح عارضی نیند میں مبتلا کر دیا۔ اس کے لیے اُسے زیادہ محنت نہیں کرنا پڑی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ انسانی جسم کے وہ کون سے عضلات ہیں جنھیں خفیف سے دباؤ کے ذریعے کارآمد بنایا جا سکتا ہے۔ ان عضلات پر دباؤ، دبن پر فوری غنودگی طاری کر دیتا تھا۔

اُوشان نے دروازہ کھولا اور کمرے میں داخل ہو گیا۔ محافظ راہ داری میں ایک ستون کے ساتھ استادہ تھا۔ اُوشان نے اُسے یوں کھڑے کرنے میں ایک خاص قسم کی مہارت استعمال کی تھی۔ اب راہ داری میں متحرک دوسرے محافظوں کو کسی قسم کا شبہ نہیں ہو سکتا تھا۔ اس نے کمرے میں قدم رکھا تو سلطان اپنے بستر پر گول تکیے کے سہارے بیٹھا ہوا تھا۔ جیسے ہی اس کی نگاہ اُوشان پر پڑی اُس کا چہرہ خوشی سے کھل اُٹھا۔

"اوہو... میرے دوست۔ تم مجھے بھولے نہیں اور مجھ سے ملنے چلے آئے؟" سلطان نے کہا۔

"یہ میری خوش قسمتی ہے، یور ہائینس!" اُوشان نے ادب سے جواب دیا۔

"مجھے حیرت ہے کہ کسی نے تمھاری آمد کی پیشگی اطلاع نہیں دی؟"

"جب وہ بیدار ہوں گے تو سب سے پہلا کام یہی کریں گے، جو آخر ہے۔"

سلطان ہنس پڑا۔ وہ سمجھ گیا کہ اُوشان اُن لوگوں کو کس طرح بے بس کر کے اس تک پہنچا ہوگا؟ "وہ زیادہ زخمی تو نہیں ہوئے؟" سلطان نے دریافت کیا۔

اُوشان نے ہوا میں نفی میں سر ہلا دیا۔

"وہ سب کے سب اچھے آدمی ہیں۔" سلطان نے اپنے محافظوں کی تعریف کی۔

"وہ اچھی نیتوں والے آدمی ہیں۔" اُوشان نے تصحیح کی "اچھا آدمی ہونے اور اچھی نیت رکھنے میں بہت فرق ہوتا ہے، یور ہائینس!"

سلطان نے تائید میں سر ہلا دیا۔ اس کی پیشانی پر سوچ کی لکیریں نمودار ہو گئی تھیں۔ جیسے اُوشان کی بات نے اُسے سوچنے پر مجبور کر دیا ہو... پھر جب وہ اس کا مفہوم اچھی طرح سمجھ گیا تو اُس نے دوبارہ اس بات میں سر ہلا دیا۔

"کیا تمھارا ساتھی... کیا نام ہے اُس کا... ہاں... شہزاد... اس ملاقات میں وہ بھی تمھارے ساتھ آیا ہے؟" یہ پوچھتے ہوئے سلطان نے بائیں طرف کی کھڑکی کی طرف رُخ کر لیا، جہاں سے آنے والی سورج کی کرنوں نے اس کا چہرہ منور کر دیا۔ اس کے تھکے ہوئے خدوخال مزید نمایاں ہو گئے جن سے جھانکتا ہوا موت کا انتظار اُوشان کو صاف دکھائی دے رہا تھا۔ اُسے اُس قریب المرگ بوڑھے سلطان سے نہ جانے کیوں ہمدردی ہو گئی تھی۔ شاید یہ اس لیے کہ وہ دُنیا میں تنہا تھا اور ان گنت لوگ اس کی موت کے خواہاں تھے۔ وہ کمزور تھا اور طاقت ور لوگ اُسے جان سے مار ڈالنا چاہتے تھے اور اُوشان ہر حال کمزوروں اور مظلوم لوگوں کا ساتھی تھا۔

"نہیں یور ہائینس۔" اُوشان نے ادب سے جواب دیا "اور میں یہاں آپ سے ملاقات کے لیے نہیں بلکہ ایک خاص مشن پر آیا ہوں۔"

"اور وہ مشن کیا ہے؟"

"آپ کے آس پاس جتنے بھی لوگ ہیں، کیا آپ ان پر اعتماد کرتے ہیں؟" اُوشان نے سوال کیا۔

"ہاں... میں جس قدر اعتماد کر سکتا ہوں، کر رہا ہوں۔"

"آپ کا معاون...؟"

"وہ فاخر... وہ کئی سال سے میرے ساتھ ہے۔"

"کئی سال کی رفاقت، اعتماد کے لیے ناکافی ہوتی ہے یور ہائینس!"

"لیکن مجھے اس پر اعتماد ہے۔" سلطان نے تھوڑے غصے سے جواب دیا۔

"اور آپ کی بہن... شہزادی سارہ؟"

"وہ مجھ سے بے پناہ محبت کرتی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اگر ضرورت پڑی تو وہ اپنی زندگی قربان کر کے بھی مجھے بچانے کی کوشش کرے گی۔"

اُوشان نے قریب المرگ سلطان کی طرف ہمدردی سے دیکھا۔ وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا تھا کہ اُسے سلطان کو حالات سے کس حد تک آگاہ کرنا چاہیے؟ کچھ دیر غور کرنے کے بعد وہ بولا۔

"گزشتہ چند ہفتوں میں مجھ پر اور شہزاد پر کئی قاتلانہ حملے ہو چکے ہیں اور تمام حملہ آوروں کا تعلق آپ ہی کے ملک سے تھا۔"

"کیا تم ان لوگوں کے نام معلوم کرنے میں کامیاب ہو گئے ہو؟"

"نہیں... ان میں سے کسی ایک کی بھی شناخت نہیں ہو سکی۔" اُوشان نے جواب دیا۔ "کسی کا بھی نام معلوم نہیں ہوا۔"

"اس کے باوجود تمھیں یقین ہے کہ ان لوگوں کا تعلق میرے ہی ملک سے ہے؟ شاید تم نہیں جانتے کہ یہ ہیت سی قوموں کے افراد شکل و صورت میں ایک ہی جیسے نظر آتے ہیں۔" سلطان نے وضاحت کی۔

"جی ہاں..." اُوشان بولا۔ "لیکن ان میں بہت ہی کم قومیں ایک جیسا کھانا کھاتی ہیں۔ جن لوگوں نے ہم پر قاتلانہ حملے کیے تھے ان میں سے بیشتر کے منہ سے ان مخصوص کھانوں کی بو محسوس کی گئی تھی، جو صرف آپ ہی کے ملک میں کھائے جاتے ہیں۔"

سلطان نے تفکر آمیز انداز میں سر کو جنبش دی۔ اُوشان جو کچھ کہہ رہا تھا، سلطان اُسے بالکل اُسی پیرائے میں سمجھ رہا تھا، جس میں بات کی جا رہی تھی۔ اس سے ثابت ہوتا تھا کہ وہ ایک جہاندیدہ آدمی تھا اور اُسے معلوم تھا کہ وہ کس قسم کے آدمی کی بات ہرگز رد نہیں کی جا سکتی۔ "لیکن انھوں نے مجھے چھوڑ کر تم دونوں پر کیوں حملے کیے۔ انھیں چاہیے تھا کہ یہ کوشش مجھ پر کی جاتی۔"

"میرا خیال ہے کہ وہ آپ کے سر کی زیادہ سے زیادہ قیمت وصول کرنا چاہتے ہیں۔ جیسے جیسے وقت گزر رہا ہے، یہ قیمت بڑھتی ہی جا رہی ہے۔" اُوشان نے کہا۔ "جب ان لوگوں نے ہم پر حملہ کیا تھا تو اس کے فوراً ہی بعد شہزادی سارہ بھی وہاں پہنچ گئی اور اُن کے بعد فاخر بھی آ گیا تھا۔"

"ماسٹر اُوشان..." سلطان نے بڑی تعظیم اور احترام سے اُس کو مخاطب کیا۔ "میں تمھاری قیمتی باتوں اور فقید المثال جذبات کی قدر کرتا ہوں... لیکن میں دل و جان سے ان لوگوں پر اعتماد کرتا ہوں، جیسا کہ تم نے کہا ہے کہ وہ جائے واردات پر پہنچے تھے تو مجھے اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ وہ مجھے بچانے کے سلسلے میں ہی وہاں گئے ہوں گے۔ جب تک مجھے قدرتی موت نہیں آ جاتی۔ وہ لوگ مجھے کسی کے ہاتھوں ہلاک نہیں ہونے دیں گے۔ میں اپنی طبعی موت کا انتظار کر رہا ہوں۔ میں اس کے لیے تیار ہوں۔ تم نے گزشتہ ملاقات کے دوران میں میرا معائنہ کرتے وقت یہی محسوس کیا تھا نا ماسٹر اُوشان؟"

اُوشان نے سوگواری سے سر کو اثبات میں ہلا دیا۔

"ہم اسی سلسلے میں اپنی طرف سے ہر ممکن کوشش کر رہے ہیں، یور ہائینس کہ آپ فطری موت سے ہمکنار ہوں... اور پورے وقار کے ساتھ..." اُوشان نے کہا۔

"میرا ایمان ہے کہ ایسا ہی ہوگا۔" سلطان نے کہا۔ قدرے توقف کے بعد وہ پھر بولا۔ "ایک بات تو بتاؤ ماسٹر اُوشان، آخر یہ کیا بات ہے۔ جب میں نے پہلی بار تمھیں دیکھا تھا تب سے مجھے یہ محسوس ہو رہا ہے کہ ہم اُس سے پہلے بھی کہیں مل چکے ہیں۔ کیا کوئی ایسا احساس ہم دونوں کے درمیان برقرار رہتا ہے، جس کا سلسلہ پچھلے کئی سالوں پر محیط ہے؟"

"ہم اس سے پہلے کبھی نہیں ملے۔" اُوشان نے ٹھوس لہجے میں جواب دیا۔ "لیکن کئی سال پہلے ہمارے آباؤ اجداد کی ملاقات ہوئی تھی۔"

"میدانِ جنگ میں...؟"

"نہیں... خانہ بدوشانجو کے ماسٹر آپ کے شاہی گھرانے کے لیے کام کرتے رہے ہیں۔" اُوشان نے نرمی سے وضاحت کی۔ "ان دنوں خانہ بدوشانجو کا جو مالک تھا، اس نے آپ کے آباؤ اجداد کے لیے ایک مہم سر کی تھی... جس کا اُسے معاوضہ نہیں دیا گیا تھا۔ اگر میں آپ کی زندگی بچانے میں کامیاب ہو گیا تو وہ بل آپ کو ضرور بھیجوں گا۔"

"اور اگر میں زندہ رہا تو ادائیگی کر دوں گا۔" سلطان نے مسکراتے ہوئے ہامی بھر لی۔ "خانہ بدوشانجو..." اس نے زیر لب دُہرایا اور گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ "ہاں... یقیناً میں یہ نام سن چکا ہوں... لیکن میرا خیال تھا کہ یہ محض ایک قصہ کہانی ہے۔"

"یہ ایک روایت ہے۔" اُوشان نے پُروقار لہجے میں تصحیح کی۔ "اب مجھے جانے کی اجازت دیجیے۔ میں جو کچھ معلوم کرنے آیا تھا، معلوم کر چکا ہوں۔"

سلطان نے اثبات میں سر ہلا کر آنکھیں موند لیں۔

اُوشان دروازے کی طرف بڑھ گیا، جب وہ دروازے کے قریب پہنچا تو سلطان نے نرمی سے اس کا نام پکارا۔ اُوشان نے پلٹ کر دیکھا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"میں اس ملک کی حکومت پر اعتماد نہیں کر سکتا۔" سلطان نے تفکر آمیز لہجے میں کہا۔ "یہ درست ہے کہ ماضی میں ہمارے ان کا دوست تھا... لیکن دوستی صرف حکومتوں کے درمیان ہوتی ہے۔ معزول یا محبوب بادشاہوں کے ساتھ نہیں... یہ ملک میری وجہ سے اس وقت بڑی پریشانیوں میں گھرا ہوا ہے۔ اس لیے لگتا ہے حکام یہ سوچ رہے ہوں کہ میرا صفایا ہی بہتر ہے۔ ماضی میں ایسا نہیں ہوا تھا لیکن اب یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا..." بولتے بولتے اس کی آواز ڈوب گئی... اور نقاہت سے بند آنکھوں پر نیند کا پردہ پڑ گیا۔ ماضی کی دھندلی یادوں کو نیند کا دریا بہا کر دور لے گیا اور اسلامی کے سلطان کا جسم ڈھیلا پڑ گیا۔

"جب تک میں زندہ ہوں، آپ پر کوئی آنچ نہیں آنے دوں گی۔" اوشان نے محو خواب سلطان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "اگر ایسا ہوا تو اس ملک کو آپ کی موت کا قرض چکانے کے لیے بہت سی انسانی جانوں کی قربانی دینی پڑے گی۔ یہ میرا وعدہ ہے..."

اگرچہ سلطان اس کی باتیں نہیں سن رہا تھا لیکن نہ جانے کیوں نیند کی حالت میں بھی اس کے لبوں پر مسکراہٹ کھیلنے لگی تھی۔ طمانیت بھری... پُراعتماد مسکراہٹ۔

ٹائیگر نے اوشان کی طرف دیکھا اور دریافت کیا۔ "مِس فادر... آپ کہاں گئے ہوئے تھے؟"

اوشان ابھی ابھی بہت بھرا اور پورا دن غائب رہنے کے بعد واپس آیا تھا اور اس کی آنکھیں سوچ میں ڈوبی ہوئی معلوم ہوتی تھیں۔ ٹائیگر کا سوال سن کر وہ جھلا گیا۔ "کیا میں اسکول کے بچوں کی طرح اپنی مصروفیات کا حساب دینے کا پابند ہوں؟" اس نے تلخ کر جواب دیا۔ "جہاں میرا جی چاہے گا، ضرور جاؤں گا۔"

"آپ نے درست فرمایا، مِس فادر۔" ٹائیگر نے فوراً وہ لہجہ اختیار کیا جس کے ذریعے وہ اوشان کو رام کر لیا کرتا تھا۔ "میں نے تو یونہی پوچھ لیا تھا۔"

"میں اسلامی کے سلطان سے ملنے گیا تھا۔"

"اوہ... خیریت تو تھی؟"

"میں اُس سے اس کی چہیتی بہن کے تاثرات معلوم کرنا چاہتا تھا۔"

"اُس کے بارے میں سلطان کی کیا رائے ہے؟"

"وہ اس پر بے پناہ اعتماد کرتا ہے۔"

"کیا آپ کے نزدیک وہ قابلِ اعتماد نہیں ہے؟"

"میں تو صرف اتنا جانتا ہوں کہ وہ خاتون بے حد چالاک اور



غیر معمولی قوت ارادی کی مالک ہے۔ اس کے علاوہ اس خاتون نے تمہاری آنکھوں کو چند چھپا دیا ہے اور تم اس کے چہرے کے آگے کوئی اور چہرہ دیکھ ہی نہیں سکتے۔"

ٹائیگر نے اثبات میں سر ہلا دیا اور حیرت انگیز انداز میں وہ ساری داستان سنا دی جو شہزادی سارہ کی عمارت سے نکلنے کے بعد اُسے ہپناٹائز آئی تھی۔

"جب بھی موت جھپٹتی ہے تو وہ عورت ہمیشہ کہیں قریب ہی موجود ہوتی ہے۔" اوشان بڑبڑایا۔ وہ گہری نظروں سے ٹائیگر کی طرف دیکھ رہا تھا۔

اچانک فون کی گھنٹی بجنے لگی۔

دوسری جانب بہرام تھا۔ اس نے ٹائیگر کی آواز سنتے ہی کہا۔ "میں اس معاملے پر غور کرتا رہا ہوں۔"

"میں بھی غور کرنے میں مصروف رہا ہوں۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ "اگر وہ شخص جس نے گزشتہ رات مجھ پر قاتلانہ حملہ کرنے کی کوشش کی تھی، فیڈرل کا ایجنٹ تھا تو اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ہماری حکومت اسلامی کے سلطان کو ٹھکانے لگانے میں دلچسپی لے رہی ہے۔ اس صورتِ حال میں اگر آپ اب بھی سلطان کو تحفظ دینا چاہتے ہیں تو ہم تیار ہیں لیکن یہ بات ضرور ذہن میں رکھیں کہ اس طرح خود ہمارے کئی آدمی ہلاک ہونے کا خطرہ ہے۔ کیا آپ یہ خطرہ مول لے سکتے ہیں؟"

"میں اس سلسلے میں سوچ رہا ہوں۔" بہرام نے جواب دیا۔ "میں نے اس شبے کی تصدیق چاہی تو ایک عجیب بات سامنے آئی۔ جس شخص نے تم پر قاتلانہ حملہ کیا تھا، اس کے کاغذات واقعی فیڈرل ایجنٹ کے کاغذات تھے... لیکن یہ وہ آدمی نہیں تھا۔ میں نے ان دونوں کے فنگر پرنٹس کا جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ دونوں مختلف آدمی ہیں۔"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ایک وطن پرست اور کفن بردوش نوجوان کی داستانِ خونِ رنگ
جو محبِ وطن ہونے کے باوجود دہشت گرد کہلاتا تھا۔
وقت کی راسیں تھامنے میں اس کے ہاتھ لہولہان ہو گئے تھے۔
معاشرے کے اُجلے لوگوں کی کہانی جن کے من کالے ہیں۔

دہشت گرد

سلیم فاروقی

چار حصوں میں شائع ہو گیا ہے
قیمت
مکمل سیٹ -/۱۸۰ روپے

مکتبہ القریش، سرکلر روڈ، اردو بازار، لاہور ۲
پوسٹ کوڈ ۵۴۰۰۰

تو پھر وہ کون تھا؟"

"معلوم نہیں... لیکن یہ ثابت ہو چکا ہے کہ فیڈرسن ہیٹ ہرگز نہیں تھا۔"

کوئی چیز ٹائیگر کے ذہن میں ہلچل سی مچانے لگی۔ اس نے ذہن پر زور ڈال کر غور کیا اور اپنی یادداشت کو ٹٹولا۔ "اصلی ریپورٹ... کیا اُسے سلطان کے حفاظتی دستے میں شامل کیا گیا تھا؟"

"ہاں... ملازمت چھوڑنے سے قبل وہ وہیں تھا۔"

"ہوں... اب ذرا ایک بات اور بھی بتا دیں۔ وہاں بلیک اور آدمی بھی تھا۔ رندھاٹی... کیا آپ اس کا حلیہ بتا سکتے ہیں؟ کیا تم اُسے دیکھ چکے ہو؟ اگر ایسا ہے تو اس کا حلیہ تم بھی بتا سکتے ہو۔"

"یوں نہیں، سویٹ ہارٹ۔ فائل دیکھ کر بتائیے۔ میں انتظار کر لیتا ہوں۔ ویسے مجھے ضروری ہے۔" ٹائیگر نے اصرار کیا۔

ریسیور رکھ دیا گیا۔ ٹائیگر کی حساس سماعت دوسری طرف کی آوازیں سنتی رہی۔ وہ تصور کی آنکھ سے دیکھ سکتا تھا کہ بہرام دوسری جانب کیا کر رہا ہے۔ ریسیور رکھنے کے بعد اُس نے ڈیسک ٹاپ پر نصب کمپیوٹر کی اسکرین کھولی تھی... پھر ٹائپ رائٹر کی کیز پر اُنگلیاں مارنے کی آواز آئی۔ چند ہی لمحوں کے بعد بہرام دوبارہ لائن پر تھا۔ اس نے حلیہ بتانا شروع کیا تو ٹائیگر کا مزخرفانہ انداز میں الجھی میں پلنے لگا۔ یہ اُس آدمی کا حلیہ ہرگز نہیں تھا جس سے اُس کی ملاقات ہوئی تھی۔

"نہیں، سویٹ ہارٹ۔ وہ آدمی نہیں..."

"کیا مطلب؟" بہرام چونک پڑا۔

"آپ جس شخص کا حلیہ بیان کر رہے تھے، ہماری جس آدمی سے جزیرے پر ملاقات ہوئی، اُس سے بے حد مختلف ہے۔ ممکن ہے اصل رندھاٹی مر چکا ہو اور اس کی جگہ کسی اور نے لے لی ہو۔"

دوسری طرف سکوت طاری ہو گیا۔ ٹائیگر جانتا تھا کہ وہ کمال اس قدر نازک ہے کہ بہرام داخلی طور پر کہرام کا شکار ہو گیا ہو گا۔

"اس کا مطلب ہے کہ..." بہرام نے کچھ کہنا لیکن ٹائیگر نے اس کا جملہ اُچک لیا۔

"اس کا صرف ایک ہی مطلب ہے چیف! جزیرے پر موجود ہر اجنبی معلی ہو سکتا ہے۔ وہ سب کے سب اس مکروہ سے تعلق رکھتے ہیں جو اسلامی دنیا کے سلطان کو قتل کرنا چاہتا ہے۔"

"اگر یہ بات ہے تو ان لوگوں نے ابھی تک سلطان کو قتل کیوں نہیں کیا؟" بہرام نے اعتراض کیا۔

کمرے میں دوسری طرف بیٹھے اُوشان نے ہانک لگائی۔ "صرف اس بات کا انتظار ہو رہا ہے کہ سلطان کے سر کی زیادہ سے زیادہ قیمت لگ جائے۔"

"صرف اس بات کا انتظار ہو رہا ہے۔" ٹائیگر نے تشکر آمیز نگاہوں سے اُوشان کی طرف دیکھتے ہوئے دُہرایا۔ "کہ سلطان کے سر کی زیادہ سے زیادہ قیمت لگ جائے۔"

"ہاں... یہ ممکن ہے۔" بہرام نے کہا۔

"اور میرا خیال ہے کہ ہمارا مطلوبہ آدمی یہی خاصہ ہے۔"

"وہ کیوں؟"

"کیونکہ وہ جزیرے کی سیکیورٹی کا انچارج ہے۔" ٹائیگر نے وضاحت کی۔ "اگر نقلی باڈیگارڈوں کا اجتماع ہوتا اور وہ خود مخلص ہوتا تو اب تک صورتحال اُس کے علم میں آ جانی چاہیے تھی۔"

"میں ہیلی کاپٹر بھیج رہا ہوں۔" بہرام چیخ پڑا۔ "صرف اسی طرح تم جلد سے جلد جزیرے تک پہنچ سکتے ہو۔"

"جزیرے میں فون کیوں نہیں کر دیتے؟" ٹائیگر نے مشورہ دیا۔

"فون کروں کے کس سے بات کروں گا؟" بہرام غرایا۔ "وہاں غداروں اور مجرموں کا جزیرہ بن گیا ہے۔"

ٹائیگر سوچ میں پڑ گیا... پھر اُس نے مشورہ دیا۔ "شہزاد کی سارہ سے رابطہ قائم کیجیے۔"

"اور اگر وہ وہاں موجود نہ ہوئی تو...؟"

"تب پھر ہمیں وہاں ضرور جانا چاہیے۔" ٹائیگر نے کہا۔ "اور ہاں... سویٹ ہارٹ..."

"کیا بات ہے؟" بہرام نے تشویش سے پوچھا۔

"جب ہم وہاں پہنچیں گے، اگر وہ مر چکا ہوا..." ٹائیگر نے کہا۔ "تو اس کا الزام ہمیں مت دیجیے گا۔"

"ناممکن..." بہرام نے پُرزور لہجے میں کہا۔

"میں اس پر یقین نہیں کر سکتا کہ وہ مر چکا ہو گا۔"

"میں آپ کو یقین دلانے کی کوشش ہی نہیں کروں گا۔ آپ تو پہلے ہی مجھے سرکاری گواہ کا قاتل سمجھ بیٹھے تھے۔" ٹائیگر نے بُرا سا منہ بنا کر جواب دیا۔ "میرا خیال ہے کہ آپ اپنے کمپیوٹر سے بھی مشورہ کر لیں۔ اس پر آپ کو زیادہ اعتماد رہتا ہے۔"

"دیکھو... میری بات سنو۔" بہرام نے ہاتھ ملتے ہوئے ٹائیگر اور پھر اوشان کی طرف دیکھ کر کہا۔ "میں یہ نہیں کہتا کہ تم غلط بیانی سے

کام لے رہے ہو۔ لیکن میرا خیال ہے کہ تم سے نتیجہ کرنے میں غلطی ہو سکتی ہے۔ ممکن ہے فاخر پر تمہارا شک بے بنیاد ہو۔ اور اصل مخبر خفیہ رپورٹ کے مطابق امیر اسلامی کو قتل کرنے کے لئے بحیرۂ روم کے ایک ملک میں سازش تیار ہو چکی ہے اور ہماری اطلاع کے مطابق انقلاب کے حامی امیر کو قتل کرنے کے لئے مختلف راستوں سے ملک میں داخل ہونے والے ہیں لہٰذا ہوشیار رہنا۔"

"کیا ہم نے ایمرجنسی کی ذمے داری بھی سنبھالنی ہے چیف؟" ٹائیگر نے خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا۔

"پلیز... اسنجیدگی سے کام لو۔ ہماری اطلاعات کے مطابق ان میں چند عورتیں بھی شامل ہیں۔"

"واہ... کیا ان میں کوئی ایسی عورت بھی ہے جس کے چہرے پر ان گنت بھورے بھورے تل ہوں؟"

اوشان بُرا سا منہ بنا کر رہ گیا اور بہرام نے طویل سانس لے کر سیاہ ٹکڑے کو گھومنا شروع کر دیا۔

ایلیو بزدل کے باوجود خون کا پیاسا ہو رہا تھا لیکن وہ اپنا پسندیدہ ہتھیار کھو چکا تھا۔ اب اس کی تیاری بھی ایک وقت طلب مسئلہ تھا جب کہ بزدل کے جذبے سے نجات پانے کے لیے قتل کرنا اس کے لیے ضروری تھا۔ لہٰذا اس نے چاقو پر رنگ کیا اور آخری بار اپنے نیلے پر نظر ڈالی۔ الیکٹرانک آلہ پینٹی کے ساتھ بندھا ہوا تھا۔ اس وقت وہ اس حسینہ کے بارے میں سوچ رہا تھا جس نے کل اُسے دھتکار دیا تھا وہ سارا تھی، ایک دُکان کی ریسپشنسٹ۔ اس کا حسین چہرہ اور متناسب سراپا اُسے یاد آ گیا۔ اس کے خون کا دوران تیز ہونے لگا اور خون کنپٹیوں پر ٹھوکریں مارنے لگا۔ "میں آ رہا ہوں قتالۂ عالم... میں آ رہا ہوں ظالم..."

اس کے قدم تیزی سے اُٹھنے لگے۔ اس نے گھر سے نکلتے ہی چشمہ بھی لگا لیا تھا۔ وہ سڑک پر بنی اسٹریٹ لائٹ کی روشنیوں سے بچتا ہوا چل رہا تھا۔ حالانکہ اس وقت سڑکیں سنسان تھیں۔ جب وہ سارا کے اپارٹمنٹ کے سامنے پہنچا تو اس کا دل بلیوں اُچھل رہا تھا۔ وہ تیزی سے زینے طے کرنے لگا۔

راہداری میں پہنچ کر وہ رُک گیا۔ اس نے نظریں گھما کر اطراف کا جائزہ لیا۔ اس وقت وہاں کوئی نہ تھا۔ دروازے پر پہنچ کر اس نے کال بیل پر انگلی رکھ دی۔ جواباً خاموشی چھائی رہی۔ تین مرتبہ گھنٹی بجانے کے بعد اُسے اندر سے کسی کے کھانسنے کی آواز سنائی دی۔ یہ یقیناً سارا کے شوہر کی آواز تھی۔ وہ دروازہ کھولنے کے لیے خود آ رہا تھا۔

"کون ہے؟" مرد نے دروازہ تو کھول دیا مگر زنجیر نہیں ہٹائی۔

"پلیز..." ایلیو نے فوراً جواب دیا کیونکہ دروازہ پوری طرح کھلوانے کا اور کوئی طریقہ نہ تھا۔ "آپ کی گٹر لائن کا پانی سڑک پر گر رہا ہے۔"

"صبح آ کر ٹھیک کر دینا۔ یہ بھی کوئی وقت ہے۔" مرد نے دروازہ کھولتے ہوئے کہا اور ملیش کے عالم میں باہر آ گیا۔ ایلیو کو صرف اتنی ہی مہلت درکار تھی۔ وہ فوراً اندر گھس کر ایک کونے میں کھڑا ہو گیا۔

"کہاں گیا...؟" مرد کے لہجے میں حیرت تھی۔ "کم بخت نے نیند ہی خراب کر دی۔" وہ دائیں بائیں دیکھ کر بڑبڑانے لگا۔ وہ سخت غصے میں تھا اگر ایلیو نے سیاہ نیا وہ نہ پہن رکھا ہوتا وہ یقیناً ایلیو کی گردن دبوچ لیتا۔

ایلیو کو اپنی ہنسی روکنا مشکل ہو گئی لیکن اس نے بہرحال قہقہے کو حلق ہی میں روک لیا۔ اب دروازہ بند کر کے واپس آ رہا تھا۔ اس نے صرف زیر جامہ پہن رکھا تھا۔ جونہی وہ اس کے قریب سے گزرا ایلیو نے زوردار لات رسید کر دی اور وہ گرتے گرتے بچا۔ "کک... کون ہے؟" وہ اِدھر اُدھر دیکھ کر ہکلانے لگا اس کی حالت غیر ہو رہی تھی کیونکہ لات مارنے والا اُسے نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس نے آنکھیں پھاڑ کر چاروں طرف دیکھا جب اُسے کوئی بھی نظر نہ آیا تو اس کے چہرے پر خوف اپنا رنگ جمانے لگا۔

اسی لمحے بیڈ روم کی ٹیوب لائٹ روشن ہو گئی۔

"کون ہے ڈارلنگ؟" سارا کی مترنم آواز سنتے ہی باوجود ایلیو نے پلٹ کر نہیں دیکھا بلکہ الیکٹرانک آلے کا ایریل نکال لیا۔ اچانک ہی پورا مکان گھپ اندھیرے میں ڈوب گیا۔

"ارے... لائٹ چلی گئی۔ محترم چیخ کیوں رہے تھے؟" سارا نے ایک بار پھر پوچھا اور اسی وقت ایلیو نے پھر ایک زوردار لات مرد کے ماری اور اس بار وہ اوندھے منہ کرسی پر گر گیا۔

"یہاں... کوئی...؟" مرد خوفزدہ انداز میں چلایا۔ اس کی چیخ آتی زوردار تھی کہ گشت کرنے والے پولیس اسکواڈ کو اپنی طرف متوجہ کر لیتی۔ مگر اب ایلیو کے لیے اسے مزید چھوٹ دینا خطرناک بھی ثابت ہو سکتا تھا اس نے چاقو سیدھا کیا اور آگے بڑھ کر مرد کے سینے میں گھونپ دیا۔

خون کا فوارہ مرد کے سینے سے پھوٹا اور قریب کھڑی سارا کے سفید نائٹ گاؤن کو سُرخ کر گیا۔

"یہ... کیا ہوا...؟" سارا نے جھٹکا لگنے والے انداز میں چیخ کو کہا چاہا۔ "تم..."

"اب یہ زندگی بھر نہیں بول سکے گا جان عزیز۔" ایلیو پر شیطان سوار ہو چکا تھا۔

"تت... تم کون ہو؟ اور... کک... کہاں ہو؟" سارا کی حالت

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

غیر ہونے لگی۔ اس کا جسم خوف سے لرزنے لگا۔ اُسے چکر آ رہے تھے لہٰذا وہ دیوار کے سہارے کھڑی ہو گئی تھی۔

"تمہارا دیوانہ...؟" ایلیو نے ہلکا سا قہقہہ لگاتے ہوئے کہا "وہی جس کو کل تم نے دکان میں دھتکار دیا تھا۔"

"مگر تم... نظر کیوں نہیں آتے۔ کہاں ہو... جم... یہ کون ہے؟"

"جم اب کبھی نہیں جاگ سکے گا جانم! چلو آگے بڑھو اور سنو! اگر ذرا بھی چلائیں تو جم کی طرح تم بھی ماری جاؤ گی۔"

★★

سارا کا مکان پولیس والوں کے علاوہ خصوصی تفتیشی ٹیم کے افسروں سے بھرا ہوا تھا۔ یہ نئی واردات تھی جسے اخبارات نے پولیس کی نااہلی پر محمول کیا تھا۔ اخبارات کی رائے تھی کہ کوئی جنونی پاگل خانے سے فرار ہو کر ایسی وارداتیں کر رہا ہے۔

جم کی لاش اسپتال لے جائی گئی تھی اور سارا کو بے ہوشی کی حالت میں اسپتال منتقل کر دیا گیا تھا۔ فنگر پرنٹس کا ماہر جگہ جگہ پاؤڈر چھڑک کر نشانات لینے کی کوشش کر رہا تھا لیکن سنگ مرمر کے زینے پر صرف ایک جگہ کسی پیر کا انتہائی مبہم نشان ملا تھا۔ دروازے کے ہینڈل حتیٰ کہ بیڈ روم کے دروازے پر بھی کوئی نشان نہ مل سکا تھا۔ بہرحال انتہائی مایوس کن تھی اور اب محلہ پڑوسیوں سے گفتگو کر رہا تھا۔

لیکن یہ گفتگو بھی فضول ہی ثابت ہوئی۔ کوئی بھی پڑوسی انھیں کام کی بات نہ بتا سکا۔ سارا اور جم سے ملنے والوں کے جو گلے پڑوسیوں نے بتائے تھے اس پر تقریباً شہر کا ہر دوسرا فرد پورا اُترتا تھا چنانچہ پولیس افسر مایوسی سے سر جھٹکنے لگا۔

سارا کو نفسیاتی وارڈ میں رکھا گیا تھا۔ اس کی حالت نازک تھی۔ ہوش میں آتے ہی وہ کپڑے پھاڑنے یا کسی نادیدہ چیز کو دونوں ہاتھوں سے دھکے دینے کی کوشش کرنے لگتی تھی۔ ڈاکٹروں کی رپورٹ کے مطابق سارا کی نہ صرف بے حرمتی کی گئی تھی بلکہ اسے ذہنی اذیت بھی دی گئی تھی۔ اس کی کلائیوں اور پیر پر بل پرستوں کی خراش کے تازہ نشان اب بھی موجود تھے۔ پولیس والوں کا کہنا تھا کہ وہ خود کو تفتیش سے بچانے کے لئے بن رہی ہے لیکن ڈاکٹروں کی قطعی رائے یہ تھی کہ وہ مریضہ کو پوچھ گچھ کے لئے پولیس کے حوالے نہیں کر سکتے۔ انھوں نے فیڈرل ہیورو کی درخواست بھی مسترد کر دی تھی۔

▣

"یہ ایک عام سا کیس ہے جناب! اسے پولیس کو حل کر لینا چاہیے۔" انسپکٹر نے جمائی لے کر کہا۔ اس وقت بہرام خان کے ہوٹل آیا تھا اور اس کی پیشانی پر پڑی ہوئی گھنڈیاں بتا رہی تھیں کہ وہ سخت طیش کے عالم میں ہے۔ ادھر اوشان ان دونوں کی بحث سے لاتعلق کنول کا آسن جمائے چھت کو گھور رہا تھا۔ اس کی یہ پوزیشن غیر معمولی تھی کیونکہ بالعموم وہ کنول کے آسن میں نوے درجے کے زاویے پر نہیں دیکھا گیا تھا۔

"طریقہ واردات ایک ہی ہے شہزاد!"

"لیکن اس بار یہ کسی جنسی جنونی کا کام لگتا ہے اور امیر اسلامی کو قتل کرنے کے لئے آنے والے جنسی جنونی نہیں ہو سکتے۔"

"میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔ قاتل کوئی بھی ہو اُسے پکڑنا ضروری ہے ورنہ ممکن ہے کہ لاکھوں ڈالر کی پیشکش کرنے والے اس سے اپنا کام کرا لیں۔"

"عورت نے کیا بیان دیا؟"

"وہ بیان دینے کے قابل نہیں۔"

"عورت... اور بولنے کے قابل نہیں؟" اوشان نے اچانک ہی ان کی طرف پلٹ کر کہا اور اپنے مخصوص انداز میں بطخ کی طرح قہقہہ کر کے ہنسنے لگا۔

بہرام کے ماتھے کی شکنیں مزید گہری ہو گئیں۔ جب وہ بولا تو اس کے لہجے میں غصے کی آمیزش تھی۔ "وہ گہرے صدمے کی کیفیت سے دوچار ہے اوشان! ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ..."

"ہوں..." اوشان نے جھلا کر کہا "یہ ڈاکٹر آخر کب سدھریں گے۔ عورت کو صدمے کی کیفیت سے نہیں نکال سکتے؟"

"انھوں نے ہر ممکن کوشش کر کے دیکھ لی ہے۔" بہرام نے چڑ کر جواب دیا "اگر تم کچھ کر سکتے ہو تو میں اس سے ملاقات کی خصوصی اجازت دلا سکتا ہوں۔"

"اگر عورت بیان دے سکے تو کیا وہ کارآمد ہوگا؟" اوشان نے اچانک سنجیدگی سے پوچھا۔

"ہاں! بہت زیادہ۔" بہرام نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

"تب پھر میں اس کے پاس لے چلو۔" اوشان نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

▣

اس رات ایلیو پال بال بچا۔ ایک گھر میں داخل ہوتے ہوئے اس کا لبادہ ایک کیل سے اُلجھ گیا تھا مگر اس سے قبل کہ کپڑے پھٹنے کی آواز آتی، اس نے فوراً اپنے قدم روک لیے تھے۔ اس نے بڑی احتیاط سے کپڑے کو کیل سے نکالا اور پھر الیکٹرانک آلے کی مدد سے اس مکان کی لائٹ آف کر دی۔

اندر ایک بیماری سی بچی محو خواب تھی جس کے برابر ایک گڑیا لیٹی ہوئی تھی۔ ایلیو اس کمرے سے گزر کر دوسرے کمرے میں داخل ہوا تو اس کی آنکھیں حیرت سے پھٹی رہ گئیں۔ اندر ایک شخص موم بتی کی روشنی میں نوٹوں کے ڈھیر اپنے سامنے رکھے کسی سے فون پر بات کر رہا تھا۔

"ساری رقم موجود ہے۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ کس ادارے کو کتنی رقم دی جائے؟" اس نے کسی سے کہا۔ وہ کچھ دیر تک سنتا رہا اور پھر بولا "ٹھیک ہے۔ دس ہزار ڈالر نابینا افراد کے فنڈ میں بھیج دو۔ ایک لاکھ ڈالر ہیضے کی بہبود کے لیے اور اتنے ہی لاوارث بوڑھوں کے گھر کے لیے درج کر لو۔ صبح اگر رقم لے جانا۔ میں گن کر رکھ دوں گا۔ کیا؟... ہاں... اچھا ٹھیک ہے۔ بالکل ٹھیک... پولیو فنڈ کے لیے بھی دس ہزار ڈالر بھجوانا مت بھولنا۔"

یہ کہتے ہوئے اس نے ریسیور رکھ دیا اور بھلی والوں کو ہوتی سی گالی دے کر اس کمرے کی طرف دیکھنے لگا جہاں اس کی معصوم بچی محو خواب تھی۔

اس کی باتیں سن کر ایلیو کی حالت غیر ہو گئی تھی۔ وہ پسینے سے تر ہو چکا تھا۔ وہ نیکی کی اس دنیا سے جلد از جلد نکل بھاگنا چاہتا تھا۔ اس شخص نے انگڑائی لی، نوٹوں کے ڈھیر کو فرش پر پھینکا اور اُٹھ گیا۔ وہ یقیناً اپنی بچی کی خواب گاہ میں جا رہا تھا۔ ایلیو نے اُسے راستہ دے دیا اور پھر دبے قدموں خود بھی اس کے پیچھے چل دیا۔ اس شخص نے بچی کو پیار کیا۔ اس کا مکیل بتایا تاکہ مچھر کنڈیشن بند ہونے کے باعث اسے گرمی نہ لگے اور پھر اس کے سرہانے بیٹھ کر اخبار سے پنکھا جھلنے لگا۔

ایلیو کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہ باہر نکلا۔ اس نے ایریل نیچے کیا اور پھر اپنی گاڑی کی طرف دوڑ گیا۔ اسے صرف یہ خوشی تھی کہ بچی کو اب گرمی نہیں لگے گی۔

"لیکن آج رات اسے ہر قیمت پر مرنا ہوگا۔" اس نے کچھ سوچا اور گاڑی کا رُخ ایک اور متمول علاقے کی طرف کر دیا۔ تلاش بسیار کے بعد اگرچہ وہ ہل تو گیا تھا لیکن اس نے کم سے کم دس بیس ہزار ڈالر حاصل کرنے کا ارادہ ترک نہیں کیا تھا۔

رات بھیگتی جا رہی تھی۔ سڑکوں پر ٹریفک بھی نہ ہونے کے برابر تھا۔ ایلیو نے کار ایک ویران پلاٹ پر کھڑی کر دی... اور خود پیدل ہی نیم تاریک گلیوں سے گزرتا ہوا ان بنگلوں کی طرف بڑھنے لگا جن کی ہر اینٹ سے امارت ٹپک رہی تھی۔ اس نے سب سے بڑے بنگلے کو منتخب کیا جس کی چند ایک کھڑکیوں سے روشنی چھلک رہی تھی۔

ایلیو نے جونہی ایریل کا رُخ بنگلے کی طرف کیا وہ کھڑکیاں بھی تاریک ہو گئیں۔ کچھ ہی دیر بعد چند افراد بڑبڑاتے ہوئے لان میں آ گئے۔

ایلیو نے اندازہ لگا لیا تھا۔ اب لان پر تین افراد کرسیاں ڈال کر بیٹھ رہے تھے اور ان میں سے ایک بڑی حسرت سے کہہ رہا تھا "کمال ہے فیوز بھی نہیں اُڑا اور بجلی چلی گئی۔"

"کوئی پول فالٹ ہوگا مارٹن!" دوسرے نے کہا "آرام سے بیٹھو۔ کچھ دیر بعد فون کر کے بجلی والوں کو بُلا لیں گے لیکن اس کی آمد سے قبل ہمیں اپنے منصوبے کو عملی شکل دے دینی چاہیے تاکہ کل ہی سے کام شروع کر سکیں۔"

ایلیو ان کے منصوبے کی سن گن لینے کے لیے ان کے قریب ہی کھڑا ہو گیا۔ ان کے سامنے بوتلیں کھلی ہوئی تھیں لیکن ان کے چہروں پر پریشانی کے آثار بہت واضح تھے۔

"اگر جیک اور ٹونی نہ مرتے تو وہ اس مسئلے کو فوراً حل کر دیتے رابرٹ!" مارٹن نامی شخص نے کہا۔ جیک اور ٹونی کے نام سن کر ایلیو چونک اُٹھا۔ یہ وہی دو غنڈے تھے جن کو اس نے ہلاک کیا تھا اور جو کسی کی ہدایت لے کر آئے تھے کہ سرکاری گواہ کو قتل کرنے والے کا بھی صفایا کر دیا جائے۔

معاً ایک اچھوتا خیال اس کے ذہن میں اُبھرا۔ کیوں نہ اپنے قتل کی ہدایت دینے والے اس پورے گروہ کو ہی صاف کر دیا جائے۔ ان لوگوں کی باتوں سے اندازہ ہوتا تھا کہ ابھی اس گروہ کے لوگ باقی ہیں، وہ یہ سوچ سوچ کر ہی انتقام کی آگ میں سُلگنے لگا کہ ان میں سے ہی کسی نے اس کی ایمانداری کے صلے میں اس کے قتل کا حکم دیا تھا۔

"ہاں..." رابرٹ نے جواب دیا "لیکن حماقت ان دونوں ہی کی تھی۔ اگر وہ اسے باتوں میں لگا کر یہاں لے آتے تو ہم اس کا قصہ پاک کر سکتے تھے اور جیک اور ٹونی کو بھی مزید زندہ رہنے کا موقع مل سکتا تھا۔"

"لیکن سوال یہ ہے کہ تم نے اس شخص کو ہمیشہ کے لئے آلۂ کار بنانے کے بجائے اس کے قتل کا حکم کیوں دیا تھا رابرٹ؟"

"تم نہیں سمجھو گے لیونارڈ!" رابرٹ نے طویل سانس لے کر کہا۔ اور ایلیو کی غیر مرئی آنکھیں نفرت سے رابرٹ کو گھورنے لگیں۔

"اگر میں اُسے قتل کرنے کا حکم نہ دیتا تو وہ ساری عمر ہمیں بلیک میل کر سکتا تھا۔"

"نہیں..." ایلیو نے یہ کہتے ہی پوزیشن بدل لی "وہ بلیک میل نہیں کرتا۔" یہ کہہ کر وہ پھر دوسری جگہ منتقل ہو گیا اور وہ تینوں گھبرا کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگے۔ مارٹن تو اتنا بوکھلا گیا کہ اس نے میز کے نیچے تلاش کرنا شروع کر دیا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"اس شخص نے تمہاری خوبصورت بیوی کی عصمت دری... یعنی یہ کہ کر وہ رابرٹ کے سر پر پہنچ گیا "تم نے اس کی ایمانداری سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش کی اور اب..." یہ کہہ کر ایلیو سفاکی سے ہنسنے لگا۔ اس کے لہجے میں دُنیا جہان کی درندگی سمٹ آئی تھی۔ وہ ان کی گھبراہٹ سے اس طرح لطف اندوز ہو رہا تھا جیسے کوئی شکاری شکار کو جال میں اُلجھے دیکھ کر خوش ہوتا ہے۔

رابرٹ نے گھبرا کر کرسی سے اُٹھنے کی کوشش کی ایلیو نے اسے اس کا موقع نہ دیا۔ اس کا خنجر اپنا کام کر چکا تھا۔ لیونارڈ اور مارٹن کی آنکھیں دہشت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اُنھیں ایسا لگا جیسے ان کے سر غنہ کے سینے سے از خود خون کا فوارہ چھوٹ پڑا ہو۔ اس سے قبل کہ وہ کچھ سوچتے خنجر نے لیونارڈ کا بھی وہی حشر کیا۔ اس ساری صورت حال نے مارٹن کو حواس باختہ کر دیا۔ اس کے بلا سوچے سمجھے اندر کی سمت دوڑ لگا دی۔ ایلیو اُسے بھی چھوڑنا نہیں چاہتا تھا۔

مارٹن نے اپنے کمرے میں جا کر ہی سانس لیا۔ یہاں وہ خود کو اس طرح محفوظ سمجھ رہا تھا جیسے کوئی بچہ ماں کی آغوش میں جا کر خود کو محفوظ سمجھتا ہے۔ وہ لمبی لمبی سانس لیتا ہوا کھڑکی سے جھانکنے لگا۔ باہر لان پر دو لاشیں پڑی تھیں۔ یہ ایسے لوگوں کی لاشیں تھیں جو نہ صرف اس کے گہرے دوست تھے بلکہ مافیا جیسی تنظیم کے کرتا دھرتا بھی تھے۔

وہ دراز میں کھولنے لگا۔ اس نے ریوالور نکالا۔ سکریو ریوالور فوراً ہی اس کے ہاتھ سے چھن گیا اور ہوا میں معلق ہو گیا۔ مارٹن کانپنے لگا۔ اس کی گھگی بندھ گئی۔ ایلیو اس کی بے خبری کے کسی لمحے میں کمرے میں داخل ہو چکا تھا۔

"مال کہاں ہے؟" ایلیو نے ریوالور کی گولیاں نکال کر اِدھر اُدھر پھینک دیں۔

"مگر تم کون ہو؟" مارٹن کے لہجے میں خوف کی آمیزش تھی۔

"وہی جس کے بارے میں تم کچھ دیر قبل گفتگو کر رہے تھے۔"

"قاتل...!"

"ہاں! تمھاری موت کا ہرکارہ۔ اب تم جلدی سے یہ بتا دو کہ رقم کہاں ہے؟"

"الماری میں..." مارٹن نے کسی معمول کی طرح الماری کی طرف اشارہ کیا۔ اور ایلیو اس کے اشارے کی سمت بڑھ گیا۔

اس الماری میں ایک ایک ہزار ڈالر کے نوٹوں کی کئی گڈیاں رکھی ہوئی تھیں۔ ایلیو کا دل خوشی سے جھومنے لگا۔ اس نے لبادے سے غیر مرئی تھیلا نکالا اور ان میں گڈیاں ڈال لیں۔ اس دوران مارٹن صرف یہی دیکھ سکا کہ نوٹ الماری سے نکل کر غائب ہو رہے ہیں۔ اسے یہ پتہ نہیں چل سکا کہ نوٹ کہاں گئے۔

"اب تم بھی تیار ہو جاؤ۔" ایلیو نے پوزیشن بدل کر کہا۔ اس اثنا میں مارٹن بھی اپنی حالت پر قابو پا چکا تھا۔ اس نے اپنی جہت مجمع کی آواز کی سمت میں چھلانگ لگا دی مگر ایلیو اُسے حرکت میں آتا دیکھ کر ہی اپنی جگہ سے ہٹ چکا تھا... اس نے ایک طرف ہٹتے ہوئے چاقو والا ہاتھ آگے بڑھا دیا۔ پھر جونہی مارٹن اور چاقو کا تصادم ہوا۔ ایلیو نے چاقو کو نیچے سے اُوپر حرکت دی۔ مارٹن ایک کراہ کے ساتھ اُلٹ کر قالین پر گر گیا۔ اس کی قمیض پر پیٹ سے لے کر سینے تک ایک سُرخ لکیر نمودار ہو گئی جو دوسرے ہی لمحے پھیل کر اس کی قمیض کا رنگ بدلنے لگی۔

ایلیو نے وہاں زیادہ دیر رکنا مناسب نہ سمجھا اور رقم سے بھرا تھیلا اُٹھایا اور اب اس کے غیر مرئی تھیلے میں معقول رقم تھی۔

□

دوسرے دن کے اخبارات نے پورے ملک میں تہلکہ مچا دیا تھا۔ کبھی ڈاکو نے مافیا کے اڈے میں گھس کر نہ صرف تمام سرکردہ افراد کو قتل کر دیا تھا بلکہ نقدی کا بھی صفایا کر دیا تھا۔ یہ خبر شہ سرخیوں کے ساتھ شائع کی گئی تھی اور ایک اخبار نے اداریہ تبصرے میں قاتل کو نیک دل قرار دیتے ہوئے لکھا تھا کہ حکام ہماری پولیس نہ کر سکی وہ کسی اجنبی نے کر ڈالا۔ اخبار نے قاتل کو مشورہ دیا تھا کہ وہ ان تین افراد کو زندہ یا مُردہ پکڑوانے کا انعام حاصل کرنے کے لیے خود کو سامنے لائے۔

اس روز ایلیو نے پہلی بار اخبار پڑھا تھا اور یہ خبر پڑھ کر وہ مُسکرانے لگا تھا۔ اخبار کے مشورے پر عمل کرنے میں صرف ایک قباحت تھی کہ اسے انعام الیکٹرک چیئر پر بیٹھنے کے بعد ہی ملتا۔

اس نے اخبار اُلٹ پلٹ کر دیکھا۔ آخری صفحے پر سارا کی تصویر اور خبر لگی ہوئی تھی۔ "مقتول جم کی بیوہ پر اب بھی ہذیانی کیفیت طاری ہے۔ وہ بیٹھے بیٹھے ہاتھ پیر چلانے لگتی ہے اور کسی نادیدہ دشمن سے بچنے کے لیے دونوں ہاتھ سامنے کر لیتی ہے۔ ماہرین نفسیات اُسے مکمل علاج کے لیے نفسیاتی اسپتال میں منتقل کرنے کا فیصلہ کر رہے ہیں... اُدھر حکام نے سنوچ کے گرد حفاظتی پہرا بھی کڑا کر دیا ہے۔"

ایلیو کے لیے سارا میں کوئی دلچسپی نہ تھی لہٰذا اس نے صفحہ پلٹ دیا۔ اندر کے صفحے پر ایک انتہائی خوبصورت عورت کی تصویر چھپی ہوئی تھی اس کے بال لمبے اور گھٹاؤں کی طرح سیاہ تھے۔ رنگین ترانسپیرنٹی میں اس کی چیل جیسی گہری نیلی آنکھیں بہت پُرکشش

نظر آ رہی تھیں۔ اس نے بغور دیکھا ہونٹ اگرچہ لپ اسٹک سے بے نیاز تھے لیکن ان کی رنگت خون کبوتر کی طرح سُرخ تھی۔ وہ گلابی ریشمیں لبادے میں ملبوس تھی اور اس کی ستواں گردن میں سُرخ ہیروں کا ہار غضب ڈھا رہا تھا۔ تصویر کے نیچے لکھا تھا: شہزادی سارہ۔ امیر بسلامی کی ہمشیرہ جس نے بُرے وقت میں بھی بھائی کا ساتھ نہیں چھوڑا۔

"آہ..." ایلیو نے اسکاچ کا لمبا سا گھونٹ لے کر اخبار ایک طرف رکھ دیا۔ وہ باآسانی شہزادی سارہ کا پتہ چلا سکتا تھا مگر مسئلہ صرف یہ تھا کہ امیر بسلامی کو قتل کرانے والے کیا اس لڑکی کو بھی قتل کرانے کا ارادہ رکھتے ہیں یا نہیں۔ وہ یہی سوچتا رہا اور پھر نوٹوں کا ایک بنڈل نکال کر اپنے فلیٹ سے نکلا۔ اب وہ کسی اچھے ہوٹل میں رہنا چاہتا تھا۔

□

"لڑکی..." اُوشان نے سارا کے سرہانے بیٹھ کر بڑی نرمی سے کہا لیکن اس کے انداز سے بیزاری جھلک رہی تھی جیسے وہ کوئی ناپسندیدہ فعل انجام دے رہا ہو۔

سارا اس وقت ڈائزیپام کے انجکشن کے زیر اثر تھی لہٰذا اس پر بخوبی کیفیت طاری نہیں تھی تاہم اس کے ہاتھ پیر اس طرح ہل رہے تھے جیسے وہ بندشوں سے نجات حاصل کرنا چاہتی ہو۔

اس وقت کمرے میں اُوشان، ٹائیگر اور اسپتال کے ڈائریکٹر کے علاوہ کوئی نہ تھا۔ اسپتال کے ڈائریکٹر کو صرف یہ اطلاع ملی تھی کہ صدر اس کیس میں ذاتی دلچسپی لے رہے ہیں اور اپنے دو خصوصی ڈاکٹروں کو مریضہ کے معائنہ کے لیے بھیج رہے ہیں۔ ڈائریکٹر آنے والے نوجوان سے تو ضرور متاثر ہوا لیکن سر جھکا بیٹھے ہوئے بوڑھے اور نحیف شخص کو دیکھ کر اسے صدر کی عقل پر شبہ ہونے لگا۔ اُوشان نے اس کے تاثرات محسوس کر کے اُسے اتنے کڑے انداز میں گھورا تھا کہ وہ سہم کر سارا کی فائل اُلٹنے پلٹنے لگا تھا۔

"یہ... اس کے دماغ کا ایکسرے ہے جناب۔" ڈائریکٹر نے ٹائیگر کی طرف دیکھ کر کہا اور ٹائیگر بڑی دلچسپی سے ان لکیروں کو دیکھنے لگا جو ایکسرے میں نظر آ رہی تھیں۔

"کیوں وقت ضائع کر رہے ہو؟" اُوشان نے غراتے ہوئے کہا۔

"ہم ڈاکٹر ہیں فادر..." ٹائیگر نے مُسکراتے ہوئے کہا۔ "مریضہ کے مرض کی نوعیت معلوم کرنے کے بعد اس کا معائنہ بھی کریں گے۔"

"اور یہ بلڈ رپورٹ ہے۔" ڈائریکٹر نے ایک شیٹ سامنے رکھ کر کہا۔

"کیا اس میں لکھا ہے کہ خون سفید تھا؟" اُوشان نے تلخی سے پوچھا۔

"نہیں فادر! ان کے آلات خون کی رنگت ایک جیسی ہی ظاہر کرتے ہیں۔" ٹائیگر نے بھی بڑی سنجیدگی سے جواب دیا۔

"تب پھر ان آلات کو توڑ دو۔"

"حضرات..." ڈائریکٹر نے پہلو بدل کر کہا۔ "آپ جدید سائنس کی توہین کر رہے ہیں۔ اگر صدر کی طرف سے براہ راست حکم نہ ملتا تو میں آپ کو..."

"اُٹھا کر پھینک دیتا۔" اُوشان نے مُسکرا کر کہا اور پھر اس کا مخصوص قہقہہ اسپتال کے ڈائریکٹر کے اعصاب تک کو منتشر کر گیا۔

"ٹن... نہیں۔ میرا مطلب یہ تھا کہ مریضہ سے کسی کو ملنے کی اجازت نہیں لیکن کیونکہ آپ حضرات صدارتی محل کے خصوصی عملے سے تعلق رکھتے ہیں لہٰذا میں کوئی اعتراض نہیں کر سکتا۔ ویسے میرا تجربہ یہ ہے کہ جب تک مریضہ کو بھلی کے جھٹکے نہیں دیے جائیں گے۔ اس کی حالت بہت خراب رہے گی۔"

"اور کوئی رپورٹ؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"جی... یہ اس کی عمومی رپورٹ ہے۔ حادثے کے فوراً بعد کی۔" ڈائریکٹر جنرل نے ایک میلی فائل اس کی طرف بڑھا دی۔ اُوشان سے آنکھیں نہیں ملا رہا تھا۔ یہ رپورٹ پڑھ کر ٹائیگر کے رونگٹے تک کھڑے ہو گئے۔ اس کی آنکھیں سُرخ ہو گئیں۔ عجلت کے ساتھ جو کچھ کیا گیا تھا وہ انتہائی خوفناک تھا۔

"کیا ابھی حالات کی بنا پر وہ ذہنی توازن کھو بیٹھی ہے؟"

"جی ہاں..." اس نے شوہر کی حالت نہیں دیکھی لہٰذا ان نے نہیں کہہ سکتا کہ وہ شوہر کی موت اور لاش کی حالت دیکھ کر اس کیفیت کی شکار ہوئی ہے۔"

"فضول وقت ضائع مت کرو ایک گھنٹے بعد راک ہڈسن کا شو شروع ہونے والا ہے۔ مجھے ٹی۔ وی بھی دیکھنا ہے چلو... لڑکی کے پاس چلو۔" اُوشان کی استخوانی انگلیوں نے ٹائیگر کا ہاتھ پکڑ لیا۔ پھر سارا کے بستر کے قریب آ گئے۔ ڈائریکٹر بھی اُن کے برابر آ کر کھڑا ہو گیا۔ جب اُوشان نے پلٹ کر اس سے کہا کہ اب اس کی ضرورت نہیں تو وہ مُنہ کھولے رہ گیا اور پھر خاموشی سے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ ڈائریکٹر کے جاتے ہی اُوشان لڑکی کی طرف متوجہ ہو گیا اور اس کے استخوانی ہاتھ لڑکی کی کنپٹیاں سہلانے لگے۔

"اٹھو لڑکی..." اس کی آواز سرسرا رہی تھی۔ "ابھی تمہیں زندگی میں بہت کچھ کرنا ہے۔ اُٹھو... زندہ رہو۔ زندہ لاش بن کر نہیں۔ اپنی

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

رُوح کی آواز سنو... سُن رہی ہو نا...؟"

سارہ کے جسم میں ہلکی سی کپکپی پیدا ہوئی پھر وہ پُرسکون ہوگئی۔ ہاتھ پیروں کی تڑپ ختم ہوگئی۔ ٹائیگر خاموشی سے اُوشان کی طرف دیکھنے لگا جو اب لڑکی کے ٹخنوں پر کوئی رگ تلاش کر رہا تھا۔ یہ بہت چھوٹی اور مختصر سی رگ تھی جو انگوٹھے کے نیچے ملی۔ اس نے رگ دبائی تو سارا کا جسم بہت ہلکے ہلکے کانپنے لگا۔ اُوشان نے بڑی پھرتی سے لڑکی کی کنپٹی کی رگ پکڑلی اور اس کی مالش کرنے لگا۔ اس وقت اوشان ایک رُوح کی طرح نظر آرہا تھا۔ خود اس کی پیشانی بھی عرق آلود تھی۔ کنپٹی پر رگ کی مالش جاری رہی... پھر پندرہ منٹ بعد سارا نے آنکھیں کھول دیں۔ "پانی..." اس نے نقاہت بھری آواز میں کہا۔ ٹائیگر نے لپک کر گلاس اس کے مُنہ سے لگانا چاہا مگر اُوشان نے اسے روک دیا۔

"پچھلا لاؤ..." اس کا ہاتھ اب بھی رگ پر تھا۔ ٹائیگر نے چمچہ سے پانی سارا کے حلق میں ٹپکایا تو محض پانچ منٹ بعد اس کی آنکھیں ان دونوں کو دیکھ رہی تھیں۔ ان میں کوئی دیوانگی نہیں تھی۔ وہ حیرت سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

"آپ... کون ہیں مشفق بزرگ؟" اس نے پوچھا۔

"ڈاکٹر..." ٹائیگر نے جواب دیا۔ "ہم خاص طور پر آپ کا علاج کرنے آئے ہیں۔"

"علاج..." وہ کچھ دیر تک ذہن پر زور دیتی رہی اس دوران اُوشان کی نظریں اس پر مرتکز رہیں۔ اب وہ رگ کو چھوڑ چکا تھا پھر معاً ہی سارا کی آنکھیں ڈبڈبانے لگیں اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ بلک بلک کر رونے لگی۔ اُوشان ایک طرف ہاتھ باندھ کر کھڑا ہوگیا اور ٹائیگر نے مُنہ پھیر لیا۔ اُوشان نے اُسے آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارہ کیا تھا کہ وہ عورت کو رونے دے۔ چند منٹ بعد جب اس کی سسکیاں تھم گئیں تو وہ ٹوٹے ہوئے لہجے میں بولی۔

"وہ... بہت ظالم تھا۔ شاید... اس نے جم کو قتل کر دیا تھا۔ کیوں تھا وہ میری بچی؟" اوشان نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔

اندھیرے میں کچھ نظر ہی نہیں آیا۔ اور پھر... بیڈ روم... میں بھی نظر نہیں آیا۔" یہ کہہ کر وہ رونے لگی اس کی ہچکیاں سی بندھ گئیں۔ اُوشان نے گلاس اُٹھا کر اس کے ہونٹوں سے لگا دیا۔

"یعنی بہت قریب ہونے کے باوجود بھی نظر نہیں آیا؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"ہاں..." عورت نے آنکھیں بند کرلیں۔

اوشان اور ٹائیگر نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا انہوں نے مزید واقعات پوچھے اور پھر اسے تسلی دے کر کمرے سے نکل گئے۔

"نٹل فادر..." ٹائیگر نے احتجاج کرنے والے انداز میں کہا لیکن اوشان نے اس کی ایک نہ سنی۔ اور ٹائیگر کو سہارے بل بغیر ہاتھوں کے سہارے کمرے کے وسط میں کھڑا ہونا پڑا۔ اُوشان کنول کا آسن بنا کر ٹی وی دیکھنے لگا اور ٹائیگر کی جان اُسی وقت چھٹی جب ٹیلی فون کی گھنٹی نے آواز دی۔

"ہیلو..." ٹائیگر کی آواز غیر معمولی طور پر نرم اور سانس ہموار تھی۔

"رپورٹ..." دوسری طرف سے بہرام کی آواز سنائی دی۔

"اس عورت کے چہرے پر ایسے ان گنت تل ہیں۔"

"ٹائیگر..." بہرام نے سخت لہجے میں کہا۔ "کبھی تو سنجیدگی اختیار کر لیا کرو۔"

"سنجیدگی..." ٹائیگر نے طویل سانس لے کر کہا۔ اس کی نظریں اُوشان پر تھیں جو ٹی وی پر پروگرام میں منہمک تھا۔ "چار گھنٹے سے میں سنجیدہ ہوں اور نٹل فادر نے میرے تمام پرزے اوور ہال کر دیے ہیں لہٰذا..."

"میں نے رپورٹ مانگی تھی۔"

"عورت اسے گریڈ میں پاس ہوگئی ہے۔"

"کیا مطلب؟" بہرام نے غصہ بمشکل ضبط کیا۔ "اسے یہ فکر کھائے جا رہی ہے کہ قتل و غارت گری کے یہ واقعات کسی اعلیٰ ڈرامے کی ریہرسل ہے۔"

"خانہ بدوشوں کا آخری چشم و چراغ ایک عظیم طبیب بھی ہے باس۔" یہ کہتے ہوئے ٹائیگر کے لہجے میں فخر کے تمام عنصر شامل تھے۔ "ہم اس کا بیان سُن چکے ہیں لیکن اب آپ کا کام یہ ہے کہ پولیس یا ایف بی آئی والے کو اس سے دُور رکھیں۔ فی الحال ہم اس کے بیان کو اخبارات میں شائع ہونے سے روکنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ اس طرح خوف و ہراس ہی پیدا ہوگا۔"

"رپورٹ دو..." بہرام نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "پولیس اور ایف بی آئی کو ہدایت کر دی جائے گی۔"

ٹائیگر نے بُرا سا مُنہ بناتے ہوئے اسے تفصیلات بتا دیں۔ بہرام حیرت زدہ رہ گیا۔

"ٹائیگر..." اس کی سرسراتی ہوئی آواز سنائی دی۔ "سنو... میری بات غور سے سنو۔ اگر یہ غیر مرئی قاتل امیر لبسلامی کو قتل کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا تب بھی قاتلوں کا ٹولہ اس سے ضرور رابطہ قائم کرے گا۔ میری ہی طرح پھر دُنیا کی چار شاطر ترین ایجنسیاں یہ پتہ چلانے کی کوشش کر رہی ہیں کہ لبسلامی کا سلطان کہاں مقیم ہے۔ ان کے لیے یہ کام زیادہ مشکل نہیں ہوگا۔ ممکن ہے وہ اس غیر مرئی قاتل کی خدمات حاصل کریں۔ اس طرح انہیں بہت آسانی ہو جائے گی اور ہمارے ملک کو دوستوں میں شرمندہ ہونا پڑے گا۔"

"کیا ہم لبسلامی کے سلطان کو کہیں اور نہیں بھیج سکتے؟" ٹائیگر نے بُرا سا مُنہ بنا کر کہا۔

"میں نے یہ تجویز پیش کر دی ہے اور صدر کی قومی سلامتی کونسل اس پر غور کر رہی ہے لیکن تجویز کی منظوری میں وقت لگے گا اور اگر اسی دوران لبسلامی کا سلطان قتل ہوگیا تو ہم بدنام ہو جائیں گے۔" ٹائیگر اُکتا گیا تھا۔

"آپ اپنے کمپیوٹر سے کہیں کہ وہ غیر مرئی قاتل کا پتہ بتا دے تاکہ ہم اس کی گردن مروڑ سکیں۔" یہ کہہ کر اس نے ریسیور پٹخ دیا اور سر کے بل کھڑا ہوگیا۔ وہ یہ نہیں دیکھ سکا تھا کہ اُوشان زیر لب مسکرا رہا ہے۔ اس وقت اوشان کو اس پر بہت فخر محسوس ہو رہا تھا۔ اس کی تربیت ضائع نہیں گئی تھی۔ جزیرۂ فردوس میں پھانسی کی سزا پانے والا شخص اب اس کا حقیقی جانشین بن چکا تھا لیکن اُوشان کو نوگان کی بھی فکر تھی۔ وہ بار بار جال سے نکل رہا تھا اور بار بار حملے کر رہا تھا تاہم اس کیس میں اسے نوگان کے ملوث نہ ہونے کا یقین بھی تھا۔

ایلیونی کار اور نیا بنگلہ خریدنے کے بعد اب جین کی جنسی بیداری تھا لیکن جب کبھی اسے زندگی سے اکتاہٹ محسوس ہونے لگتی تو وہ اپنا مخصوص لباس پہن کر اور کپڑے کے رات کو نکل کھڑا ہوتا تھا۔ کمپریسر دوبارہ بنانے میں اسے بڑی دشواری ہوئی تھی تاہم اب وہ لبسلامی کے قتل میں لگا رہا تھا جس کے لیے وہ ایک آدمی سے ایک ملین ڈالر وصول کر چکا تھا۔ اسے یہ بات بھی طرح معلوم تھی کہ اگر وہ یہ قتل نہ بھی کرے تب بھی رقم اس کے پاس ہے۔ اور وہ نفرلی یورپ یا ساؤتھ ریلینڈ جا کر عمر بھر سکون کی زندگی گزار سکتا ہے مگر قتل تو اب اس کا شوق بنتے جا رہے تھے۔

اخبارات کے روزانہ مطالعہ سے اُسے امیر لبسلامی سے متعلق معلومات حاصل ہو چکی تھیں۔ اسے علم تھا کہ حکومت نے امیر کو پناہ دے رکھی ہے اور ظاہر ہے کہ اس کی زبردست حفاظت کی جا رہی ہوگی۔ لیکن امیر لبسلامی کا پتہ چلانے کی کوشش کے دوران وہ قتل بطور شوق کرنا چاہتا تھا۔ معاوضہ بھی مل چکے۔ سوال یہ تھا کہ کس کو قتل کیا جائے۔ ایک روز اس نے بہت

ماہنامہ شعاع
ایم اے راحت
دو حصے
قیمت: ۹۰/۰۰ روپے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

سوچ سمجھ کر اخبار میں اشتہار دیا۔

"دشمنوں سے نجات حاصل کیجئے۔"

"مشرق سے ایک انتہائی پہنچے ہوئے عامل کا دعویٰ ہے کہ وہ محبت کو نفرت میں، نفرت کو محبت میں، دوستی کو دشمنی میں اور دشمنی کو دوستی میں بدل سکتا ہے۔ دشمنوں سے نجات دلانا اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ وقت ضائع نہ کیجئے، فوراً رابطہ قائم کریں۔" اس اشتہار پر اس نے پتے کے بجائے پوسٹ بکس نمبر لکھا تھا اور اسے یقین کامل تھا کہ سمجھنے والے فوراً اس سے رابطہ قائم کریں گے لیکن ایسا نہیں ہوا۔

ایک ہفتے بعد اسے ایک اسلامی کے قتل کا علم ہوا جس کا گولیوں سے چھلنی جسم ساحلی علاقے میں ملا تھا۔ ایلیو غصے سے بل کھانے لگا۔ لاش کی تصویر دیکھ کر اسے متلی ہونے لگی۔ "یہ ظلم ہے۔ کیا ایک گولی کافی نہیں تھی؟" اس نے اپنے آپ سے کہا اور پھر خبر پڑھنے لگا۔

دارالحکومت کے ساحلی کیسینو کے قریب ایک اسلامی شاہپوری کی گولیوں سے چھلنی لاش ملی ہے۔ قاتلوں نے سب مشین گن کا پورا برسٹ مقتول کے جسم پر مارا۔ اطلاعات کے مطابق شاہپور سلطان اسلامی کے ان خصوصی ساتھیوں میں سے ایک تھا جنھوں نے انقلاب کو کچلنے کے لیے قصر آباد جیل میں خصوصی اذیتی سیل بنائے تھے اور شاہپور کے حکم پر ان گنت افراد کو فائرنگ اسکواڈ کے حوالے کر دیا گیا تھا۔ سیخورٹی کے ذرائع کا کہنا ہے کہ شاہپور کی موت کے ذمے دار وہی لوگ ہیں جن سے سلطان کو بھی خطرہ لاحق ہے۔"

"دھت ترے کی۔" ایلیو نے اخبار ایک طرف پھینکتے ہوئے کہا۔ "کیسے جاہل ہیں اخبار والے بھی۔ قاتلوں کا پتہ بھی نہیں چلا سکے۔"

"بل فادر..." ٹائیگر نے ٹی۔وی آف کرتے ہوئے کہا۔ وہ بہت دیر سے اوشان کی توجہ اپنی طرف مبذول کرانے کی کوشش کر رہا تھا مگر ٹی۔وی پروگرام کی وجہ سے اسے مسلسل ناکامی ہو رہی تھی لہٰذا اس نے ٹی۔وی آف کرنا ہی مناسب سمجھا۔

"کیا بے ہودگی ہے؟" اوشان نے جس کو پروگرام میں نہیں ٹائیگر کی جھنجلاہٹ سے لطف محسوس ہو رہا تھا معصومیت سے کہا۔

"بے ہودگی صرف یہ ہے کہ سلطان نواز مسلمانوں کا قتل شروع ہو چکا ہے۔"

"مکافاتِ عمل فرزند۔" اوشان نے کسی غیر مرئی نکتے کو گھونٹتے ہوئے کہا۔

"لیکن بہرام بیچ قتاب کھا رہا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ قاتلوں کا کوئی جانفروش دستہ ملک میں داخل ہو چکا ہے۔ اس نے اتنی صفائی سے شاہپور کو قتل کیا ہے کہ شاہپور کے محافظوں کو خراش تک نہیں آئی۔ سارا نکتہ شاہپور ساحل پر محافظوں کے مجمعے میں چل رہا تھا۔

"قاتل کتنے تھے؟"

"بتائے واردات سے صرف ایک شخص کو فرار ہوتے ہوئے دیکھا گیا۔"

"اور اسے پکڑا نہیں جا سکا۔ کیوں؟ کیا محافظ کتے تھے؟"

"نہیں... لیکن ان میں آپ اور میں شامل نہیں تھے۔"

"قہ... قہ... قہ..." کمرے میں بھیانک سی آواز گونجنے لگی۔ اوشان نے اس جملے سے بہت لطف اٹھایا تھا۔ "اب کس کی باری ہے؟"

"پتہ نہیں... بہرام کا کہنا ہے کہ قاتل فی الوقت ان لوگوں کو نشانہ بنانا چاہتے ہیں جو سرکاری پہرے میں نہیں۔ ویسے میرا خیال ہے کہ شہزادی کو بھی ٹھکانے لگانا چاہتے ہوں گے۔"

"اسی عورت کو جس کے ساتھ تم لان میں ہنس رہے تھے؟" اوشان نے برا سا منہ بنا کر کہا۔ "اس عورت کو جو تمھارے نزدیک مشکوک بھی ہے؟"

"ہاں! میرا خیال ہے کہ مجھے شہزادی سارہ سے پھر ملنا پڑے گا تاکہ کوئی کلید تو ہاتھ لگے۔ قاتل کا حلیہ مل چکا ہے اور ایف بی آئی کی لیبارٹری نے اس کا اسکیچ بنا دیا ہے۔ یہ رہا اسکیچ۔"

اوشان دیر تک اسکیچ دیکھتا رہا اور پھر اس نے ٹائیگر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا۔ "کچھ سمجھے؟"

"صرف اتنا کہ اس کی آنکھوں میں شرارت کے ساتھ درندگی بھی ہے۔ مضبوط اعصاب کا مالک ہے۔ مقامی نہیں، سلاوی ہے اور اس کی پیشانی مجھے پھٹی ہوئی نظر آ رہی ہے۔"

"ٹائیگر...؟" اوشان نے سر اٹھاتے ہوئے بھیگی آواز میں کہا۔ "تم غلطی پر ہو۔ میری آنکھیں اس کی پیشانی نہیں بلکہ کنپٹی ٹوٹی ہوئی دیکھ رہی ہیں۔"

"غلطی انسان ہی سے ہوتی ہے ٹل فادر۔" ٹائیگر نے دھیرے سے جواب دیا۔ "اب میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے نہیں بیٹھ سکتا۔"

"تب پھر سنو بیٹے۔" اوشان نے اسکیچ ایک طرف پھینکتے ہوئے کہا اور ٹی۔وی کو ریموٹ کنٹرول سے آن کر دیا۔ اس وقت رات کے دس بجے تھے اور بہرام نے اسے ایک شخص علی سے ملنے کی ہدایت کی تھی جو سلطان کا سابق وزیر داخلہ تھا اور جس پر انقلابیوں نے ایک سو اٹھائیس افراد کے قتل کا الزام لگایا تھا جو اسلامی کے دو چوک میں سلطان کے خلاف مظاہرہ کر رہے تھے اور جن پر فوج نے فائرنگ کے حکم سے فائرنگ کی گئی تھی۔

ٹائیگر نے سیاہ پتلون، بھوری قمیض اور جوتے پہن کر اوشان کی طرف دیکھا مگر اوشان تو اسٹیج شو میں مصروف تھا لہٰذا وہ آہستہ سے دروازہ بند کر کے نکل گیا۔

"کون ہو تم...؟" اسٹین گن کی ٹھنڈی نال ٹائیگر کے سینے پر آ گئی۔ اسٹین گن والا اسلامی ہی تھا اور اس کے چہرے پر شقاوت نظر آ رہی تھی۔

"اس کھلونے کو ہٹا لو۔" ٹائیگر نے بڑی مقامیت سے نال ایک طرف کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے جناب علی سے ملنا ہے۔"

"وہ سو رہے ہیں۔" محافظ نے غرا کر کہا۔ "اپنی شناخت کراؤ۔"

"انھیں بیدار کر دو ورنہ وہ ساری زندگی سوتے رہیں گے۔"

"بکواس مت کرو۔" محافظ جھنجلا کر بولا۔ "اپنی شناخت کراؤ۔"

"صرف جناب علی کو میری شناخت پوچھنے کا حق ہے۔ تم اپنا کام کرو، دیر مت کرو۔"

"کون ہے علمدار...؟" پورچ کی لائٹ اچانک روشن ہو گئی اور ٹائیگر کی آنکھیں بھی روشن ہو گئیں۔ پورچ میں تیس پینتیس سالہ ایک عورت شب خوابی کے لباس میں کھڑی تھی۔ اس کا چہرہ میک اپ سے بے نیاز تھا لیکن وہ بلا کی حسن کا نمونہ تھی۔ اس کے دونوں ہاتھ گاؤن کی جیبوں میں تھے اور ٹائیگر کو یقین تھا کہ ان جیبوں میں پستول موجود ہیں۔

"میں جناب علی سے ملنا چاہتا ہوں۔" ٹائیگر کے چہرے پر وہی مسکراہٹ ناچنے لگی جو پتھر دل عورتوں کو بھی موم بنا دیا کرتی تھی۔ عورت غور سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔ پھر طویل سانس لے کر بولی۔ "وہ آرام کر رہے ہیں۔ میں ان کی بیوی ہوں۔ اگر..."

"فی الحال تو مجھے آپ ہی سے ملنا ہے محترم خاتون۔" ٹائیگر نے جان بوجھ کر فی الحال کا لفظ استعمال کیا تھا۔ "میں ایوان صدر سے آیا ہوں۔"

"اوہ..." عورت تھرتھراتے انداز میں اس کے قریب آ گئی۔ اس کی آنکھوں میں سُرمہ ڈورے نظر آ رہے تھے۔ "علمدار... تم چوکس رہو۔ میں مہمان کو اندر لے جا رہی ہوں۔ تمھارے باقی آدمی کہاں ہیں؟"

"جھاڑیوں میں چھپے ہوئے ہیں خاتون۔" علمدار نے بڑے احترام سے جواب دیا۔ "آپ فکر نہ کریں، کوئی پرندہ بھی یہاں پر نہیں مار سکے گا۔"

"حالانکہ میں یہاں پنجے بھی گاڑ چکا۔" ٹائیگر نے ایک ہونٹ دانتوں تلے دبا کر خاتون کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "کیا عقبی چار دیواری محفوظ ہے؟" ٹائیگر نے چبھتی ہوئی نظروں سے محافظوں کے انچارج کو دیکھا۔

"ہاں..." علمدار نے بڑے غصیلے لہجے میں کہا۔ "وہاں جرمن نسل کے کتے موجود ہیں۔"

"مگر کتوں کو بے ہوش بھی تو کیا جا سکتا ہے۔" یہ کہہ کر ٹائیگر عورت کے ساتھ اندر چلا آیا اور باہر محافظ پیر پٹختا رہ گیا۔

"کچھ پیو گے... میرا نام نیلوفر ہے۔"

"نہیں شکریہ میں چل چکا۔" ٹائیگر نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ اس کے ہونٹوں پر شرارتی مسکراہٹ تھی۔ "فی الوقت تو میں آپ کے شوہر سے ملنا چاہتا ہوں اور ان کی نظر انتخاب کی داد دینا چاہتا ہوں۔"

"کیا مطلب؟" نیلوفر کا چہرہ تمتمانے لگا۔

"یہی کہ انھوں نے نیلوفر کے پھولوں میں سے سب سے بھرپور پھول منتخب کیا ہے۔"

"اوہ... تھارا نام کیا ہے؟" نیلوفر کے بالائی ہونٹ پر پسینے کی بوندیں لرزنے لگیں۔

"سٹ شہزاد...!"

"شہزاد...! کیا علی سے ملاقات کے بعد مجھ سے گفتگو کے لیے وقت نکال سکو گے؟"

"یہ حالات پر منحصر ہے۔" نیلوفر اُوہ بے تکلفی سے بولا۔ "لیکن آپ سے گفتگو کرتے میں ہی مجھے زندگی کی مسرتوں کا ادراک ہوگا۔"

وہ چپ ہو گئی۔ شاید اپنے ڈولتے خیالات پر بند باندھ رہی تھی۔ اس نے ایک کمرے میں جا کر کسی سے کچھ کہا اور فوراً واپس آ گئی۔ "وہ تم سے خواب گاہ ہی میں ملنا چاہتے ہیں۔ لیکن سنو ان سے زیادہ گفتگو نہ کرنا۔"

ⓑ

علی سنگل بیڈ پر لیٹا ہوا تھا لیکن شہزاد کو دیکھتے ہی کھڑا ہو گیا۔

"آؤ دوست! مجھے فون پر تمھارے بارے میں اطلاع مل گئی تھی۔" اس نے گرمجوشی سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ "ویسے... مجھے کوئی خطرہ نہیں میرے محافظ بہت ہوشیار ہیں۔"

"یقیناً..." ٹائیگر نے مسکرا کر کہا۔ "لیکن مہمانوں کی حفاظت ہمارا فرض بھی تو ہے۔"

"مجھے بتایا گیا ہے کہ تم رات کو یہیں رہو گے۔"

"اگر آپ اجازت دیں تو..."

"میں تمھارے لیے برابر والا کمرہ خالی کرا دیتا ہوں۔ میری بیوی بالائی منزل پر سو جائے گی۔"

"ارے نہیں... اس کی فکر نہ کریں۔ میں اسی کرسی پر بیٹھا رہوں گا۔ رات کو مجھے نیند نہیں آتی۔"

پھر وہ علی سے انقلاب کے بارے میں باتیں کرنے لگا۔ ملازم اس دوران کافی لے آیا۔ کمرے میں سنگل بیڈ کی موجودگی کا سبب ٹائیگر کو علی پر نظر پڑتے ہی معلوم ہو گیا تھا۔ اس کی عمر پچپن سال سے زیادہ تھی۔

ڈیڑھ گھنٹے بعد اچانک کتے بھونکنے لگے۔ ٹائیگر کی تمام حسیں جاگ اٹھیں۔ وہ کھڑا ہو گیا۔ اس وقت علی اونگھ رہا تھا۔ ٹائیگر نے محافظوں کی شش و شش کی آوازیں سنیں۔ وہ کتوں کو پچکار رہے تھے۔ وہ باہر نکلا۔ باری میں کوئی نہ تھا۔ ٹائیگر بے آواز وہاں ٹہلنے لگا چند

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

لمحوں بعد سب خاموش ہو گئے تھے لیکن ٹائیگر کی تمام حسیں چیخ چیخ کر کہہ رہی تھیں کہ کوئی طوفان آنے والا ہے۔

اور پھر زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ فائرنگ شروع ہو گئی۔

نیلوفر کے کمرے کا دروازہ دھڑ سے کھلا' اسی لمحے علی بھی نکل گیا۔

"اندر جاؤ۔" ٹائیگر کے لہجے میں بے پناہ سختی تھی۔ "اگر کھڑکیاں کھلی ہوئی ہیں تو انھیں بند کر لو۔ اس وقت تک باہر مت آنا جب تک میں نہ کہوں۔"

وہ دونوں کانپتے ہوئے اندر چلے گئے مگر اس بار نیلوفر علی کے ساتھ اس کے کمرے میں آئی تھی۔

ٹائیگر کو اندازہ تھا کہ اصل حملہ کس طرف سے ہوگا۔ اس کی چھٹی حس بتا رہی تھی کہ فائرنگ محض محافظوں کو الجھانے کے لیے کی جا رہی ہے۔ وہ تن کر کھڑا ہو گیا۔

پھر اچانک فیوز اُڑ گیا۔ ٹائیگر کے چہرے پر سفاکانہ مسکراہٹ تیرنے لگی۔ اس کی نظریں کھلی کھڑکی پر جمی رہیں اور پھر وہ دیوار سے لگ کر کھڑا ہو گیا۔ چند لمحوں بعد ہی ایک سیاہ پوش کی گردن نظر آئی۔ وہ اندر جھانک رہا تھا۔ راستہ صاف پا کر اس نے پہلے اسٹین گن اندر پھینکی اور پھر خود بھی کود آیا مگر اسی لمحے ٹائیگر نے اُسے جکڑ لیا۔

وہ شخص سانپ کی طرح پھنکارا۔ اس نے تلملا کر ٹائیگر کے پیٹ میں کہنی، اری مگر ٹائیگر اس وار کے لیے تیار تھا۔ اس نے پیٹ کے عضلات سخت کر لئے اور حملہ آور کو ایسا لگا جیسے اس کی کہنی کسی دیوار سے ٹکرا گئی ہو۔ تاہم وہ بھی غضب کا آدمی تھا۔ وہ مچھلی کی طرح پھسل کر اسٹین گن کی طرف لپکا مگر ٹائیگر نے ہوا میں اُچھل کر اس کی کمر دبوچ لی۔ اب وہ پہلوانوں کی طرح داؤ پیچ لگا رہے تھے اور باہر سے فائرنگ کی آواز مسلسل آ رہی تھی۔

حملہ آور نے ٹائیگر کو دھکیلنے کی کوشش کی لیکن وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ اس دھکے کی وجہ سے حملہ آور پر ٹائیگر کی گرفت اور مضبوط ہو گئی۔ وہ تڑپنے لگا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے مچھلی پانی کے باہر آ گئی ہو۔ حملہ آور نے آخری کوشش کی اس نے دونوں پیر ٹائیگر کے پیروں پر مارے اور اس بار وہ اس کی گرفت سے نکل گیا۔ غالباً اس نے احساس کر لیا تھا کہ اسے اسٹین گن اٹھانے کا موقع نہیں ملے گا۔ لہٰذا اس نے کراٹے کے داؤ استعمال کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس کی کھڑی ہتھیلی ٹائیگر کے بازو کی طرف تلوار کی طرح آئی مگر اس بار ٹائیگر نے کلائی پر روک کر الٹی قلابازی کھائی اور پھر اس کے دونوں پیر حملہ آور کے سینے پر پڑے۔ وہ اوندھا گرا مگر بڑی پھرتی سے اُٹھ کر دوبارہ حملہ کرنے لگا۔ اس مرتبہ اس نے بھی فلائنگ کک مارنے کی کوشش کی تھی تاہم ٹائیگر نے اس کے دونوں پیر فضا میں ہی پکڑ لیے اور اسے کسی کھلونے کی طرح گھمانے لگا۔ اب حملہ آور کی چیخیں نکل رہی تھیں۔ وہ اپنی زبان میں چلا چلا کر کچھ کہہ رہا تھا۔ ٹائیگر نے اسے چار پانچ مرتبہ گھما کر دیوار پر دے مارا۔ زوردار آواز کے ساتھ ہی دل خراش چیخ بلند ہوئی اور حملہ آور ساکت ہو گیا مگر اب اس کی چیخیں سُن کر اس کے ساتھی کھڑکی پر فائرنگ کرنے لگے تھے... ٹائیگر نے اسٹین گن اُٹھا کر ایک برسٹ دے مارا۔ باہر کئی چیخیں بلند ہوئیں... پھر معاً ہی پولیس کا وہ سائرن گونجنے لگا اور فائرنگ اچانک ختم ہو گئی۔

ٹائیگر نے اسٹین گن پھینک کر نقاب پوش کو دیکھا پھر شاید کسی نے ٹیوب لگا دیا اور عمارت روشن ہو گئی۔ نقاب پوش بہت خوبصورت نوجوان تھا۔ اسکیچ اسی کا تھا اور جب ٹائیگر نے اس کی کنپٹی دیکھی تو حویل سانس لے کر رہ گیا۔ کنپٹی شاید دیوار کے کونے سے ٹکرائی تھی اور اس سے خون بہہ رہا تھا۔ اُسے اُوشان کی بات یاد آ گئی۔ وہ سیدھا کھڑا ہو گیا۔ علی اور نیلوفر خاموشی محسوس کرتے ہی کمرے سے نکل آئے۔ انھوں نے پہلے ٹائیگر اور پھر لاش کی طرف دیکھا اور پھر چھری لے کر رہ گئے۔ مرنے والا جسم اور طاقت کے اعتبار سے ٹائیگر سے دوگنا لگ رہا تھا۔

دوسرے ہی لمحے راہداری بھاری قدموں کی دھمک سے گونجنے لگی۔ علمدار اور پولیس والے اندر داخل ہوئے اور علمدار اپنے آقا کو محفوظ دیکھ کر خوشی سے رونے لگا۔

"تم کون ہو؟" ایک پولیس افسر نے ٹائیگر سے پوچھا جو اب اپنے ہاتھ جھاڑ رہا تھا۔ علی نے فوراً افسر کو ایک طرف لے جا کر کچھ کہا تو اس کا رویہ بدل گیا۔

"علمدار... کیا ہوا؟"

"میرے تین آدمی مر گئے۔ اُن کے دو آدمی اس شخص کے برسٹ سے مارے گئے باقی چار فرار ہو گئے۔" علمدار نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔ وہ ٹائیگر سے نظریں نہیں ملا رہا تھا جب کہ نیلوفر اس نوجوان کو والہانہ انداز میں دیکھ رہی تھی جس نے پہلی ہی نظر میں اُسے گھائل کر دیا تھا۔

"شکریہ شہزادہ..." علی نے اپنا لرزتا ہوا ہاتھ اس کے چوڑے کندھے پر رکھ کر کہا۔ "اگر تم نہ ہوتے تو میرے احمق محافظوں نے میرا کام تمام کرا دیا تھا۔"

"مگر آقائے علی..." علمدار نے کچھ کہنا چاہا مگر علی نے اپنی زبان میں جو کچھ بھی کہا وہ علمدار کو غصے یا خفت کی وجہ سے سُرخ کر دینے کے لیے کافی تھا۔ وہ اپنی اسٹین گن جھکا کر ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ افسوس!

لاش اٹھانے کا حکم دیا۔ انھیں سب سے زیادہ خوشی اس بات کی تھی کہ شاہپور کے قاتل کو قتل کر دیا گیا ہے مگر ٹائیگر بے چین تھا۔ اُس شخص کی موت سے گروہ کا پتہ چلانے کی اُمید بھی اپنی موت آپ مر گئی تھی اور اس کے باقی ساتھی فرار ہو چکے تھے یا ان کی لاشیں باہر پڑی ہوئی تھیں۔

"اناڑی..." ایلینا نے اس واقعے کی خبر پڑھتے ہی بُرا سا منہ بنایا۔ "پوری فوج لے کر گیا لیکن مارا گیا۔ مجھ سے کہوں تو میں مل لیا۔"

اسے ہر گزرتے ہوئے دن کے ساتھ ایسے لوگوں سے ملاقات کی خواہش شدید ہو رہی تھی جو بسلامی کے سابق حکمراں کے دشمن تھے۔ اُسے بسلامی کے بارے میں زیادہ معلومات نہ تھیں لیکن اخبارات کے ذریعے اتنا پتہ چل گیا تھا کہ بسلامی میں بادشاہت کا تختہ اُلٹنے والوں نے اس کے اپنے ملک کے درجنوں سفارتکاروں کو یرغمال بنا کر رکھا ہے۔

اس نے ایک ہفتہ تک اخبارات کا دلچسپی سے مطالعہ جاری رکھا صرف اس اُمید پر کہ شاید انقلابیوں کا پتہ مل سکے۔ یا یہ علم ہو سکے کہ امیر کہاں پناہ گزین ہے۔

"علی اور اس کی بیوی کی فکر مت کرو۔" بہرام نے اپنی ٹائی کی گرہ ٹھیک کرتے ہوئے کہا۔ "ہم نے انھیں ایک محفوظ مقام پر پہنچا دیا ہے۔"

"وہاں... جہاں کسی غیر مرئی قاتل کا بھی وجود نہ ہو۔" ٹائیگر نے زیر لب مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"غیر مرئی قاتل...؟" بہرام نے طویل سانس لے کر کہا۔ "اگرچہ ابھی تک بسلامی کیس میں اس کا کوئی کردار نظر نہیں آتا لیکن میری چھٹی حس کہتی ہے کہ وہ کبھی نہ کبھی ضرور اہم کردار ادا کرے گا۔ ممکن ہے کہ انقلابیوں کا اس سے رابطہ ہو گیا ہو اور صرف اس وجہ سے بات نہ بن سکی ہو کہ انھیں امیر کا پتہ نہیں معلوم۔"

"شہزادی سارہ کے بارے میں کیا خیال ہے؟" ٹائیگر نے ایک آنکھ دباتے ہوئے کہا تو بہرام ایک لمحے کے لیے جھینپ سا گیا لیکن دوسرے ہی لمحے اس کے چہرے پر دائمی برہمی چھا گئی۔

"وہ کل اپنے بھائی کے پاس تھی آج واپس وارا لحکومت پہنچ گئی ہے۔ اور اس کی حفاظت خصوصی کمانڈوز کر رہے ہیں۔ اس کے سلسلے میں تمھیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔"

"اور ملکہ کہاں ہے؟"

"بچوں کے ساتھ سوئٹزرلینڈ میں ہے لیکن جب وہ تم لوگ سلطان سے ملنے گئے تھے اسی شب وہ آئی تھی تاہم اب واپس چلی گئی ہے۔"

"سلطان کو کہیں اور بھیجنے کی تجویز کا کیا ہوا؟"

"دوست ممالک سے بات چیت جاری ہے۔ سلطان کی یہاں موجودگی بسلامی میں ہمارے سفارتکاروں کے لیے ہلاک ثابت ہو سکتی ہے۔ انتہا پسندوں کا مطالبہ یہی ہے کہ یرغمالیوں کے عوض سلطان کو ان کے حوالے کیا جائے۔"

"پھر کر دیں نا... مسئلہ حل ہو جائے گا۔ طاقت کا استعمال کر کے آپریشن چلے ہیں۔ آپ کے ہیلی کاپٹر دشمن فضائیں آپس ہی میں ٹکرا کر تباہ ہو گئے۔" ٹائیگر نے مسکرا کر کہا اور کمرے میں اُوشان کی قہ... قہ... گونجنے لگی۔ اس نے غالباً ٹائیگر کے اس چٹکلے سے بہت لطف اُٹھایا تھا یا اسے زیادہ مزا بہرام کی پیشانی پر پڑی ہوئی گھنڈیوں کو دیکھ کر آیا تھا۔ سفارتخانے سے سفارتکاروں کو بذریعہ قوت رہائی دلانے کے اس منصوبے کی بہرام نے اعلیٰ سطح پر مخالفت کی تھی لیکن صدر نے نیشنل سیکورٹی کونسل کے منصوبے کو انتہائی جامع قرار دے کر اس کی منظوری دے دی تھی۔ پھر ہوا یہ تھا کہ بسلامی کے اندر آزاد ایجنٹوں سے رابطہ ہوا تھا۔ ایک ہمیارہ بردار جہاز سے گن شپ ہیلی کاپٹر پرواز کر کے رات کے اندھیرے میں بسلامی پہنچے تھے۔ انھیں مقررہ سگنل پر ایک جگہ اُتارا گیا۔ وہ بسلامی میں تھے اور انھیں دارالحکومت پہنچنے میں مزید چند گھنٹے لگنے تھے لیکن پھر اچانک ہیلی کاپٹر میں اندھن کی ضرورت محسوس کی گئی۔ ایندھن بردار ہیلی کاپٹر بھی آ گیا مگر پھر ایسا لگا جیسے طوفان نے سپر طاقت کے ان سپر ہیلی کاپٹروں کو کھلونا بنا دیا ہو وہ پتھروں کی طرح ایک دوسرے پر گر گرے یا ٹکرائے اور مشن ناکام ہو گیا۔

"سلطان کو ان کے حوالے کرنا صدر کو گوارا نہیں۔" بہرام کے لہجے میں تلخی تھی۔ "لیکن وہ اس تجویز پر رضامند ہو گئے ہیں کہ سلطان سے معذرت کر لی جائے اور کسی دوست ملک میں انھیں بھیج دیا جائے۔"

"میرے اجداد نے بھی اہرام مصر کے دامن میں واقع ایک گاؤں میں پناہ لی تھی۔" اُوشان کی آنکھیں چمکنے لگیں۔

"اُوشان...؟" بہرام نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ اُسے اس بات پر حیرت تھی کہ جس ملک کے بارے میں ابھی صرف صدر کو ہی علم ہے اس کا نام اُوشان کو کیسے پتہ چل گیا۔

"یہ ان دنوں کی بات ہے... جب سنامخو پر ایک آفت آئی تھی۔ طاعون پھوٹ پڑا تھا تو وہ اپنے لوگوں کو لے کر وہاں پہنچے تھے اور وہاں کے لوگوں نے ان کی بڑی آؤ بھگت کی تھی۔"

ٹائیگر بہت غور سے سُن رہا تھا۔ اُسے یقین ہو گیا تھا کہ سلطان کو

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

معصوم میں پناہ دلانے کی بات ہو رہی ہے۔ معاً اسے شہزادی سارہ کا خیال آیا۔

"شہزادی کہاں مقیم ہے؟"

"کیوں...؟ تمہیں اس سے کیا؟" بہرام نے اسے گھور کر دیکھا اور اُدھر شان کی چمکدار نظریں ٹائیگر کے سینے پر جم گئیں۔ وہ زیرو بم دیکھ رہی تھیں مگر ٹائیگر بھی اسی کا شاگرد تھا۔ اس کے سانس کی رفتار معمول کے مطابق رہی۔

"میں صرف حفاظتی اقدامات کا جائزہ لینا چاہتا ہوں۔"

ایلو کو سُن گُن مل گئی کہ بعض اسلامی طالب علم ایک ہوٹل میں رات کو ڈیرہ جماتے ہیں چنانچہ ایک روز وہ وہیں پہنچ گیا۔ ایک طرف اسلامی طالب علم خوش گپیاں کر رہے تھے۔ ان کے درمیان لڑکیوں کے موضوع پر بات ہو رہی تھی۔ وہ ان کی گفتگو سُنتا رہا جو کہ باتوں کے موضوع فلم کے مناظر کی طرح بدلتے رہے اور پھر سیاست پر گفتگو شروع ہوگئی۔ ایلو نے فوراً اندازہ لگا لیا کہ لڑکیوں کے بارے میں اتفاق رائے رکھنے والے یہ نوجوان سیاست کے شعبے میں ایک دوسرے سے شدید اختلاف رکھتے ہیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے ان میں گرما گرمی شروع ہو گئی۔ اور پھر اُٹھا پٹخ کا مرحلہ بھی آ گیا۔ اس وقت تک ایلو یہ اندازہ کر چکا تھا کہ کون کس کی طرف ہے۔ اس نے آگے بڑھ کر سلطان کے مخالف نوجوان کے شانے پر ہاتھ رکھا اور نرم لہجے میں بولا "کیوں لڑتے ہو؟" اس کا انداز بہت دوستانہ تھا۔ اگر ان بے سروپا باتوں میں اُلجھ کر توانائی ضائع کر دو گے تو مقصد کس طرح حاصل کرو گے؟"

کچھ دیر بعد جھگڑا ختم ہو گیا اور سلطان کے مخالف اسلامی ایلو کی میز کے گرد بیٹھ گئے جب کہ اس کے حامی رفو چکر ہو گئے کیونکہ ایلو نے ہوٹل کے مالک سے کہا تھا کہ وہ جھگڑا ختم کرانے کے لیے پولیس طلب کرنے اور جھگڑا شروع کرنے کی ذمے داری سلطان نواز دل پر عائد کی تھی۔

"تم کون ہو؟" ایک نوجوان نے پوچھا۔

"انقلاب اور تبدیلی کا دوست۔" اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا اور پھر دھیرے سے کہا "علی پر حملہ ناکام ہونے کی وجہ منصوبہ بندی میں خامی تھی دوستو! آئندہ دیکھ بھال کر منصوبہ بنایا کرو۔"

ایک گھنٹے بعد وہ اُٹھا تو بہت مطمئن تھا۔ وہ پیدل آیا تھا لہٰذا پیدل ہی چل دیا۔ اُسے علم تھا کہ ایک انقلابی اس کا چوری چھپے تعاقب کر رہا ہے اور وہ چاہتا بھی یہی تھا۔

پندرہ بیس منٹ بعد وہ اپنے کمرے میں بیٹا کتاب پڑھ رہا تھا۔ اُسے کال بیل بجنے کا انتظار تھا۔ لیکن کال بیل دو گھنٹے بعد بھی جب وہ اونگھ رہا تھا۔ اس نے کتاب ایک طرف پھینکی اور دروازہ کھول دیا۔ وہی نوجوان اس کے سامنے کھڑا تھا۔ "مجھے آپ سے چند ضروری باتیں کرنی ہیں جناب۔"

"آؤ... اندر آجاؤ دوست" بلا تکلف۔" وہ مسکرا کر ایک طرف ہو گیا اس کی حکمت عملی کامیاب ہو رہی تھی۔

محافظ اندر گئی تو پل بھر میں شہزادی سارہ اِشب خوابی کے لباس ہی میں خود ٹائیگر کا استقبال کرنے کے لیے چلی آئی۔ اس کا چہرہ خوشی سے دمک رہا تھا۔ "اوہ... تم نے میری رہائش کا پتہ کس طرح چلا لیا شہزادہ چلو اندر چلو۔ میری ساری کوفت تمہیں دیکھتے ہی دُور ہو گئی ہے"

"اچھا..." ٹائیگر نے مصنوعی حیرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولا۔ پھر شہزادی سارہ کے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے خواب ناک لہجے میں بولا تو اس کے انداز میں دُنیا جہان کی حسرت رچی ہوئی تھی "لیکن اگر تمہارے حسین چہرے پر بھورے بھورے تل ہوتے تو شاید میری کوفت بھی دُور ہو جاتی۔"

"کیا مطلب؟" شہزادی سارہ نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے حیرت سے پوچھا

"کچھ نہیں" یہ کہہ کر ٹائیگر نے یوں چہرے کے آگے ہاتھ ہلایا جیسے ناک پر بیٹھی مکھی اُڑا رہا ہو۔

ٹائیگر نے یہی ظاہر کیا کہ وہ حفاظتی اقدامات کا جائزہ لینے کے لیے آیا ہے لیکن محض پندرہ منٹ بعد وہ شہزادی کی گفتگو سُننے پر مجبور ہو گیا تھا۔

"اب کب آؤ گے؟" شہزادی سارہ نے دروازے پر اُسے خدا حافظ کہتے ہوئے عمومی لہجے میں پوچھا۔

"کہو تو کل بھی آجاؤں۔" وہ مسکرا رہا تھا۔

"ضرور... اور روزانہ آیا کرو۔ مجھے بہت خوشی ہوگی" سارہ نے چہکتے ہوئے جواب دیا مگر وہ یہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اس وقت اس نوجوان کے ذہن میں سلطان کی حکومت کے نظام کی تفصیلات موجود ہیں اور وہ صرف اپنا فرض ادا کر رہا ہے۔

"میں تیار ہوں آغا! وعدہ پورا کرنا میرا فرض ہے۔" ایلو نے ایک عمر دار شخص سے کہا جو نوجوان عمارت کے ساتھ اس کے گھر آیا تھا مگر میں کرائے کا قاتل ہوں اور میرے کچھ اصول ہیں۔ پہلا اصول یہ ہے کہ مجھے اس امیر کا پتہ بتایا جائے اور پھر مجھ سے دُور رہیں۔ میں کام مکمل کر کے فون پر موسم سازگار ہونے کی اطلاع دُوں گا۔

"منظور... لیکن فون ہم کریں گے۔ اور... مسئلہ یہ ہے کہ ہمیں خود علم نہیں کہ امیر کہاں مقیم ہے۔"

"یہ صورت حال پریشان کر دینے والی ہے۔" ایلو نے جواب دیا۔

آغا نے جیب سے ایک تصویر نکال کر اس کے سامنے رکھ دی "جب تک اس کی رہائش کا پتہ نہیں چلتا تم اس شخص کا پیچھا کرو گے۔ یہ تصویر اس کی تازہ ترین تصویر ہے۔ اس کے ساتھ ایک لڑکی ہمیشہ ہوتی ہے۔ اس کی تصویر بھی ہے۔ اس کا بھی پتہ لگانا ہے۔ یہ ہماری آزمائشی کارروائی ہوگی ایلو! اس کا معاوضہ دس ہزار ڈالر ہے۔" آغا نے عمارت کو اشارہ کیا جس نے پانچ ہزار ڈالر بیگ سے نکال کر ایلو کے سامنے رکھ دیے۔

"مگر میں نے تو سُنا تھا کہ آپ پہلے سلطان کو..."

"سب سے آخر میں..." آغا نے جواب دیا "میں چاہتا ہوں کہ سلطان اپنے کُتوں کا حشر اخباروں میں پڑھتا رہے اور کرب کی منزلیں طے کرتا رہے۔ اُسے قتل کرنے سے قبل ہم اس کی بہن سارہ کو ختم کریں گے اور پھر..."

"شہزادی سارہ!" ایلو کی نظروں میں شہزادی کا حسین سراپا گھوم گیا لیکن اس نے سامنے پڑی ہوئی تصویر اُٹھائی اور اُسے گھورنے لگا۔ تصویر کی پُشت پر نام اور پتہ لکھا ہوا تھا۔

"دوراب..." وہ زیر لب مسکرایا "دوراب۔ اب تمہاری موت میں چند گھنٹے رہ گئے ہیں۔"

"چند گھنٹے...؟" آغا اور عمارت ایک ساتھ بولے۔

"ہاں... میں آج کا کام کل پر اُٹھا کر نہیں رکھتا۔ آپ ٹھیک ایک بجے کے بعد مجھے فون کریں۔ میں آپ کو جواب ملنے پر دو بجے کے بعد تک باقی رقم میرے پاس پہنچ جائے گی۔ شب بخیر حضرات..."

وہ دونوں حیرت زدہ انداز میں اُس سے ہاتھ ملا کر چلے گئے۔

دوراب کے فلیٹ کے زینے پر دو محافظ تعینات تھے۔ ایلو نے اپنے مخصوص آلے سے تمام بلب بند کر دیے۔ تاریکی چھاتے ہی وہ دونوں تن کر کھڑے ہو گئے لیکن ان دونوں کے آمنے سامنے کھڑے ہونے کے باوجود اتفاقاً صلہ تھا کہ ایلو ان کے درمیان سے گزر سکتا تھا۔ وہ مسکراتا ہوا ان کے درمیان سے گزر گیا اور وہ باتوں میں مگن رہے۔ دروازے پر بھی ایک محافظ اونگھ رہا تھا اور خوش قسمتی یہ تھی کہ دروازہ بند نہ تھا۔

ایلو کا دل چاہا کہ اس محافظ کے سر پر چپت لگا کر اُسے بیدار کر دے لیکن ایسا کرنا خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔ وہ دبیز قالین والی راہداری میں پہنچا اس نے بیڈ روم میں جھانک کر دیکھا وہ خالی تھا لیکن اسٹڈی روم میں اُسے بھاری بھرکم دوراب نظر آ گیا جو سڑک کی جانب کھلنے والی کھڑکی میں کھڑا نیچے جھانک رہا تھا۔ اُسے ختم کرنے میں ایلو کو زیادہ دشواری نہیں ہوئی۔ اس کی آواز تک نہ نکلی اور وہ دھڑام سے قالین پر گر گیا۔ ایلو نے چٹا اور کیپسر لیبادے میں رکھ کر واپسی کی راہ لی۔ پھر فلیٹ سے نکل کر سیٹی بجاتا اپنے گھر کی طرف چل دیا۔ صرف اتنی احتیاط رکھی کہ کسی گاڑی کی ہیڈ لائٹس کی زد میں نہ آ سکے۔ اپنے [illegible]

ایک بجنے کر دو منٹ ہو رہے تھے۔ اس نے مسکرا کر ریسیور اُٹھا لیا۔

"موسم سازگار ہے۔ میرا سامان لے آؤ۔"

دوراب کی موت کے بعد تہلکہ مچ گیا علی کے زندہ بچ جانے سے پولیس کی جو نیک نامی ہوئی تھی وہ خاک میں مل گئی۔ اُدھر بہرام ایک بار پھر مُٹھیاں بھینچ بھینچ کر کہہ رہا تھا کہ غیر مرئی شخص کی خدمات افضل نے حاصل کر لی ہیں۔ "اُسے پکڑنا بہت ضروری ہے" اس نے ٹائیگر کی طرف دیکھ کر کہا۔

"ہوا کو پکڑنا میرے بس کی بات نہیں۔"

"تم ناشکرے ہو" اُوشان نے بُرا سا منہ بنا کر کہا "میں نے تمہیں ہوا کو پکڑنے کی بھی تربیت دی ہے۔"

"شٹ اَپ... یہ مذاق۔"

"میں مذاق نہیں کرتا فرزند!" اُوشان نے گہری سانس لے کر کہا "اپنی صلاحیتوں سے لاعلم رہ کر تم میرے ساتھ مذاق کرتے ہو۔"

"میں سلطان نواز تمام افراد کو مخصوص عمارت میں منتقل کرنے کا کام دے چکا ہوں۔" بہرام نے کہا "وہ وہاں محفوظ رہیں گے لیکن شہزادی سارہ کا کہنا ہے کہ فی الوقت وہ نہ تو بھائی کے پاس واپس جائے گی اور نہ ہی اپارٹمنٹ چھوڑے گی۔"

"اس کی فکر نہ کریں۔ وہ میری ذمے داری ہے" ٹائیگر نے شوخ لہجے میں جواب دیا۔

"گوشت خور..." اُوشان نے بڑی نفرت سے کہا "ہر عورت تمہاری ذمے داری نہیں کمزوری بن جاتی ہے۔"

"ہمیں شہزادی سارہ کو ہر قیمت پر بچانا ہے۔ دوراب کی موت کے بعد سلطان کی حالت غیر ہے اور اگر شہزادی کو کچھ ہو گیا تو وہ جیتے جی مر جائے گا۔"

"وہ تو اب بھی زندہ درگور ہے" اُوشان نے جواب دیا "مجھے اس پر ترس بھی آتا ہے اور غصہ بھی۔ لیکن فرعونوں پر ترس کھانے کے بجائے مجھے اپنے آپ پر ترس کھانا چاہیے۔"

"اُوشان!" بہرام نے قدرے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ "تم کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"یہی کہ امیر اسلامی کو سلطان نے زندہ درگور کر ڈالا ہے۔ وہ زیادہ عرصے تک اس دُنیا میں سانس نہیں لے سکے گا لیکن میری چھٹی حس کہہ رہی ہے کہ وہ اس زمین پر آخری سانس نہیں لے گا۔"

"خیر... وہ جب تک یہاں ہے ہماری ذمے داری ہے" بہرام نے پیچھے ہٹتے ہوئے کہا "شہزادی کے بارے میں تم نے کیا سوچا ٹائیگر؟"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"صرف یہی کہ اس کے چہرے پر آن گذت بھورے بھورے تل نہیں ورنہ..." بہرام تیزی سے پلٹا اور کمرے سے نکل گیا۔ اندر اُوشان کا مخصوص قہقہہ گونجتا رہا اور باہر کار میں بیٹھتے ہوئے بہرام بھی بے ساختہ ہونٹوں پر مسکرا دیا۔

"ہیلو..." وہ اُسے دیکھتے ہی ادا سے بولی۔ "پورے دس منٹ دیر کر دی ہے۔"

"بس کیا کہوں شہزادی!"

"یہ کہ جیب میں تمہیں شہزادہ کہتی ہوں تو تم مجھے سارہ کہا کرو۔"

"شکریہ..." وہ دریوان پر نیم دراز ہو کر بولا۔

"اب ان تکلفات کو چھوڑو۔ کیا پیو گے؟" وہ نائٹ گاؤن کی ڈوریاں کستی ہوئی بولی۔ اس کے چہرے پر بلا کی شادابی تھی اور آنکھیں مسرت سے چمک رہی تھیں۔ اس نے شہزادے کے لیے کافی اور اپنے لیے اسکاچ بنا کر سینٹر ٹیبل پر رکھی اور ساتھ والے صوفے پر بیٹھ گئی۔

"سلطان... کیا تم نے تمام ساتھیوں کو محفوظ مقامات پر منتقل کر دیا گیا ہے سارہ ماتم نے جانے سے کیوں انکار کر دیا؟"

"بور مت کرو۔ میں بھی چلی جاتی لیکن یہ سوچ کر رک گئی کہ تم کو وقت دے رکھا ہے۔"

"دو راب پر انجارات نے بڑے گھناؤنے الزامات لگائے ہیں۔"

"ہاں! شاید یہ الزامات درست بھی ہیں لیکن ہر اچھا افسر اپنے حکمران کے اقتدار کو طول دینے کے لیے یہی کرتا ہے۔ تو دو راب نے کیا؟"

"عورتوں اور بچوں پر مظالم؟"

"چھوڑو شہزادہ! اچھی باتیں کرو۔ مجھے صرف اپنے بھائی سے محبت ہے اس کے اقتدار سے نہیں۔ میں ملکہ نہیں بلکہ سلطان کی بہن ہوں اور میں جانتی ہوں کہ ملکہ اب شوہر کی موت کا انتظار کر رہی ہے تاکہ بیٹے کی جانشینی کا جلاوطنی میں اعلان کر کے مغرب سے رقم بٹور سکے۔"

شہزادہ طویل سانس لے کر رہ گیا۔ اسے بھی کسی بات سے دلچسپی نہیں تھی لیکن وہ صرف اس وجہ سے سارہ کے اپارٹمنٹ میں آیا تھا کہ اس کی چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ غیر مرئی قاتل ہر طرف سے مایوس ہو کر سارہ کے اپارٹمنٹ کا ہی رُخ کرے گا۔ لہٰذا وہ اس سے بہت اچھی اچھی باتیں کرنے لگا۔

"گھروں پر کوئی نہیں ہے آغا!" ایلمو نے فون پر کہا۔ اس نے سات گھروں میں جا کر دیکھا تھا لیکن اُسے شدید مایوسی ہوئی تھی آخری گھر سے نکلتے ہوئے غصے کے عالم میں وہ ایک کتے کا ہی کام تمام کر آیا تھا۔ اس وقت ناکامی کے باعث اسے ایسی پیاس لگ رہی تھی جو بیئر کے کئی ٹب پینے سے بھی نہیں بجھا سکے تھے۔

"اچھا..." آغا سوچ میں پڑ گیا۔ "شاید تمہاری حکومت ہو کر شہزادی ہے۔ لیکن سنو! میری اطلاع کے مطابق شہزادی اپنے اپارٹمنٹ میں موجود ہے۔"

"کیا تم اپنی ہدایت بدل رہے ہو؟" ایلمو نے پوچھا۔

"ہاں! اگر کوئی ہاتھ نہیں لگ سکا تو پھر اُسی پر ہاتھ ڈالو۔ وہاں صرف تین محافظ ہیں لیکن..."

"تم جانتے ہی ہو کہ مجھے فوج کی بھی پروا نہیں۔ رقم کا کیا ہو گا؟"

"میرا آدمی نصف گھنٹے میں بیس ہزار ڈالر لے کر تمہارے گھر پہنچ رہا ہے۔ رپورٹ ملنے پر جب معمول..."

"ٹھیک ہے۔ آدمی بھیجو..." ایلمو نے ریسیور رکھ دیا۔ اسے ایسا لگ رہا تھا کہ جب تک کوئی آدمی یا عورت قتل نہیں ہو گی اس کی پیاس بھی نہیں بجھے گی۔ وہ بیئر کی چسکیاں لیتے ہوئے بے چینی سے ٹہلنے لگا اس وقت وہ عام لباس میں تھا۔ نصف گھنٹے بعد گھنٹی بجی۔ اس نے دروازہ کھولا۔ ایک بچے نے اسے پیکٹ دیا اور رفو چکر ہو گیا۔ دروازہ بند کر کے ایلمو نے رقم گنی پورے بیس ہزار ڈالر تھے۔ دس ہزار ایک ایسے آدمی کو قتل کرنے کے پیشگی مل چکے تھے جو گھر پر نہیں ملا تھا اس طرح تیس ہزار اس کے پاس تھے اور شہزادی کی قیمت ساٹھ ہزار ڈالر رکھی گئی تھی۔

اس نے خفیہ الماری کھول کر گڈیاں اوپر نیچے رکھیں۔ اپنا خاص لباس پہنا۔ شہزادی کی تصویر دیکھی اور مسکراتا ہوا گھر سے نکل گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ سارا یعنی مسٹر جاک کے برعکس شہزادی کو آسان بھی کرنا ہے۔ شہزادی کا سراپا اس کی نظروں میں دوڑتا رہا اور وہ پیدل ہی چل دیا۔ کار کا استعمال خطرناک ثابت ہو سکتا تھا کیونکہ آج سڑک پر بھاری آئل ٹینکر نظر آ رہے تھے۔

وہ فٹ پاتھ پر لوگوں سے بچتا ہوا چلتا رہا۔ اسے یقین تھا کہ اگر شہزادی اپارٹمنٹ میں ہی ہے تو آج وقت بہت شاندار گزرے گا۔

اسے اپارٹمنٹ کا پتہ اچھی طرح معلوم تھا۔ بیس پچیس منٹ بعد وہ اس عالیشان عمارت کے سامنے پہنچ گیا جس کا ہر اپارٹمنٹ کسی الگ تھلگ بنگلے سے کم نہیں تھا۔

اب اسے احتیاط سے کام لینا تھا۔ اس نے ابرپل نکال کر اس کا رُخ اپارٹمنٹ کی طرف کیا اور اسی لمحے اپارٹمنٹ میں گھپ اندھیرا چھا گیا تھا۔

"سارہ...!"

"کیا ہے؟" وہ مخمور لہجے میں بولی۔

"اُٹھو! باتھ روم میں جا کر خود کو اندر بند کر لو۔"

"کیا مطلب؟ اتنے اندھیرے میں؟" شہزادی سارہ نے حیرت سے کہا۔

"ہاں! تمہیں خطرہ ہے۔ چلو جلدی کرو۔" اس وقت ٹائیگر کی تمام حسیں کام کر رہی تھیں۔ اندھیرا ہوتے ہی ذہن کے تمام گوشے روشن ہو گئے تھے۔ اس نے سارہ کو بمشکل باتھ روم میں دھکا دیا اور پھر اپارٹمنٹ کے دروازے کو کھول کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے حفظ ماتقدم تن چکے تھے اور گردن زدن ہوا کو پکڑنے کے لیے تیار تھا۔

دس منٹ بعد اس کے کان کھڑے ہو گئے۔ محافظ باہر موجود تھے مگر وہ اس ہلکی سی آواز سے بے خبر تھے جو اب نیچے پر پیدا ہو رہی تھی۔ ٹائیگر نے کان زمین سے لگا دیا۔ کوئی ربر سول کے جوتے پہنے سیڑھیاں چڑھ رہا تھا۔ آواز بتدریج قریب آ رہی تھی اور پھر جونہی اس نے یہ آواز چوکھٹ کے قریب سنی وہ سیدھا کھڑا ہو گیا۔ دروازے کا پٹ آدھا کھلا ہوا تھا۔ لیکن پھر وہ اچانک اس طرح پورا کھل گیا جیسے زوردار ہوا کا جھونکا آیا ہو۔ ٹائیگر دروازے کی اوٹ میں ہو گیا اس نے اپنی آنکھوں پر توجہ دی ساری توانائی بصارت پر لگا دی اور اس کی سانس بہت تیز چلنے لگی۔ اس کی کنپٹیوں میں دھمک ہونے لگی آنکھیں پل بھر کے لیے اندھی ہو گئیں لیکن پھر دوسرے ہی لمحے پردے ہٹ گئے۔ اب وہ غیر مرئی آدمی کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں چھٹا ہتھیار اور پیٹی میں ایک اور آلہ تھا جس کا ایریل نکلا ہوا تھا۔

ٹائیگر نے بصارت کی اس انتہا کو برقرار رکھنے کے لیے اپنی سانسوں کی ترتیب میں تبدیلی کی۔ قاتل، سارہ کے بیڈ روم کی طرف جا رہا تھا۔ ٹائیگر بھی دبے قدموں اس کی طرف بڑھنے لگا۔ ٹائیگر، سارہ کے بیڈ کو پہلے ہی اس طرح ترتیب دے چکا تھا جیسے کوئی سو رہا ہو۔

غیر مرئی آدمی کو دیکھ کر ٹائیگر کو مایوسی تو ہوئی تھی لیکن وہ جانتا تھا کہ اس کے ہاتھ میں موجود چھٹا اور اس سے منسلک کمپریسر خوفناک ثابت ہو سکتا ہے۔

وہ غیر مرئی آدمی کی حرکتیں دیکھتا رہا جو کمپریسر ایک طرف رکھ کر بیڈ کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ٹائیگر سمجھ گیا کہ وہ کیا کرنا چاہتا ہے۔ اس کے چہرے پر عجیب سی مسکراہٹ دوڑ گئی۔

لیکن اسی لمحے سارہ کی آواز سنائی دی۔

"آجاؤں شہزاد...!"

غیر مرئی آدمی تیزی سے پلٹا اور ٹائیگر شہزادی کو کوستا ہوا اس پر جھپٹ پڑا۔ اس نے دھول پاٹ مار کر اسے بیڈ پر پچھاڑا۔ لیکن ایلمو نے جونہی اپنے سامنے شہزادہ کو دیکھا۔ اس کی فطری بزدلی پھر واپس آ گئی۔ بالک والا واقعہ وہ ابھی تک فراموش نہیں کر سکا تھا۔ "اب تم کہیں نہیں جاؤ گے پیارے۔" شہزادے نے کہا مگر یہی اس سے غلطی ہوئی۔ بولتے ہی اس کی بصارت کم ہونے لگی اور وہ شخص غائب ہونے لگا۔ اس سے قبل کہ ٹائیگر اس کو دبوچتا وہ بیڈ سے اُٹھ کر بھاگا۔

ایلمو زینے کی طرف فرار ہو چکا تھا۔ ٹائیگر نے اس کا تعاقب کرنا چاہا مگر اس سے جو غلطی ہو چکی تھی۔ اب اُسے اس کا خمیازہ بھگتنا پڑ رہا تھا۔ اس نے بول کر اور تکار کو ختم کر ڈالا تھا۔

"وہ کون تھا شہزادہ؟" سارہ نے بمشکل پوچھا۔

"تمہیں قتل کرنے کے لئے آیا تھا۔" ٹائیگر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

اسی دوران محافظ بھی اندر آ گئے۔

"مگر... ہم نے کسی کو اندر آتے ہوئے نہیں دیکھا؟" ایک محافظ نے اپنی صفائی پیش کرنا چاہی۔

"ہاں! تم ہوا کو نہیں دیکھ سکتے۔"

"تو تم نے کیسے دیکھ لیا؟" سارہ کے چہرے پر رنگ واپس آنے لگے تھے۔

"ماسٹر آف سناغو کے فن سے۔"

"اوہ..." سارہ کی آنکھوں میں ایک تخیف لبادہ پوش کا سراپا دوڑ گیا۔ "پھر وہ کیسے نکل گیا؟"

"ماسٹر کے نالائق شاگرد کی نالائقی کی وجہ سے۔"

اس رات آغا کو فوراً اطلاع مل گئی کہ حملہ ناکام ہو گیا ہے۔ لیکن اس نے اس کی پروا نہ کی۔ کیونکہ اسے اطلاع مل گئی تھی امیر کہاں مقیم ہے۔

آغا نے ایلمو کے نمبر ملائے۔ اس کو تسلی دی اور پھر تیزی سے اُسے اصل مقصد سمجھانے لگا۔

"پھر نکل گیا؟" بہرام نے چلا کر کہا۔ اس کے چہرے پر غیظ و غضب کے آثار نمایاں تھے۔ "میں..."

"عالی جاہ..." اوشان نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "یہ پہلی کوشش میں ہوا کہ نہیں پکڑ سکا لیکن اس کی دوسری کوشش ضرور کامیاب ہو گی۔ میں اس کو مزید مشقیں کراؤں گا۔"

"میرا خیال ہے کہ تم دونوں اب جزیرے میں خود جا کر امیر کی حفاظت کرو۔ اس وقت تک جب تک ہماری حکومت ہمان کو زندہ

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

سلامت یہاں سے رخصت نہ کردو۔"

ٹائیگر نے جو ایلو کے نکل جانے پر واقعی شرمندہ تھا پہلی بار گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا: "شہزادی کا کیا ہوا؟"

"شہزادی کو اس کے بھائی کے پاس پہنچا دیا گیا ہے۔" بہرام نے درشت لہجے میں جواب دیا۔ "اور تم دونوں کے لیے جیلی کا پیٹر..."

"نہیں عالی جاہ..." اُوشان نے زیرلب مسکرا کر کہا۔ "ہم سرکاری پٹرول ضائع نہیں کریں گے۔"

"کیا مطلب...؟"

"اُوشان کا مطلب یہ ہے کہ ہم دوسروں کی نظروں میں آئے بغیر وہاں جائیں گے تاکہ اگر فاخر واقعی انقلابیوں سے ملا ہوا ہے تو پھر اُسے چوہے کی طرح پکڑ سکیں۔"

"جو چاہو کرو لیکن امیر کا قتل اِس سرزمین پر نہیں ہونا چاہیے۔" بہرام کا لہجہ اُکھڑا ہوا تھا۔ اس نے ٹائیگر کی طرف دیکھا اور پھر دھیرے سے بولا۔

"دیکھو ٹائیگر! یہ بات بہت اہم ہے کہ امیر کو اس ملک میں آخری سانس نہیں لینی ہے۔"

"فکر نہ کریں۔ ہم اس سے کہیں گے کہ آخری سانس روک لے تاکہ اُسے کسی دوسرے ملک منتقل کیا جا سکے۔" ٹائیگر نے پھر سے پہ سنجیدگی طاری کرتے ہوئے جواب دیا۔

موٹر بوٹ کے سیاہ فام مالک نے اُوشان کو دیکھا تو اُچھل پڑا۔ اس کی نظر اس کی طرف گئی جو اُوشان نے ہاتھ سے توڑی تھی اور جسے اس نے بطور یادگار اپنے شانے پر لٹکا رکھا تھا۔

"باب... بڑے صاحب!" وہ جھکتا چلا گیا۔ "میرے لیے کوئی خدمت؟"

"نہیں بیٹے..." اُوشان کی آواز بہت نرم تھی۔ "ہم تمہیں زحمت دینے کے لیے آئے ہیں۔ ہمیں ایک بار پھر جزیرے تک جانا ہے۔"

"مجھے آپ کی خدمت کر کے بڑی خوشی ہوگی جناب۔" سیاہ فام نے رکوع کے انداز میں جھکتے ہوئے کہا۔ "مگر یہ..." اس کی نظریں شہزادہ پر تھیں جو سیاہ فام کو اُوشان کی اس طرح مہربان دیکھ کر حیرت زدہ تھا۔

"یہ میرا شاگرد ہے۔ اس نے بھی سلاخ کو توڑنا سیکھ لیا ہے۔"

"چل... چلیے۔" سیاہ فام ٹائیگر کو دیکھ کر پہلے ہی متاثر ہو گیا تھا فوراً تیار ہو گیا۔

وہ ساحل پر اترے تو ہر طرف سناٹا تھا۔

"اب تم واپس جاؤ میرے بچے۔" اُوشان نے موٹر بوٹ کے مالک سے کہا۔ "بہت بہت شکریہ۔"

"مگر آپ کی واپسی کس طرح ہوگی جناب؟"

"اس کی فکر مت کرو۔" یہ کہہ کر اُوشان آگے بڑھ گیا اور جب موٹر بوٹ واپس چلی گئی تو ٹائیگر بھی اُوشان کے پیچھے چل دیا۔

"مسٹر فادر..." ٹائیگر اچانک ہی ایک جگہ رک گیا۔

"سونگھ لی...؟" اُوشان نے مسرت بھرے لہجے میں کہا۔ "مجھے بھی ابھی محسوس ہوئی ہے۔" اُوشان کے نتھنے تیزی سے پھول پچک رہے تھے۔

"ہاں! دائیں طرف سے آ رہی ہے۔"

"کنفرم..." اُوشان کو اس وقت صرف یہ خوشی تھی کہ اس کے شاگرد نے آس پاس دشمن کی موجودگی کی بُو اس سے پہلے ہی سونگھ لی تھی اور اس وقت اُسے ٹائیگر سے زیادہ اپنے اُوپر فخر محسوس ہو رہا تھا۔

دونوں کچھ اس انداز میں دائیں طرف کی پگڈنڈی پر بڑھ گئے جیسے وہ ہر خطرے سے بے نیاز ہوں لیکن ان کی تمام حسیں کام کر رہی تھیں اور انہیں اندازہ تھا کہ محض چند گز دور کوئی گھات لگائے ہوئے بیٹھا ہے۔

وہ چلتے رہے۔ مگر اُوشان کا مخصوص قہقہہ جزیرے کے پرندوں تک کو خوفزدہ کر گیا اور عین اسی وقت ٹائیگر اس طرح اُچھلا جیسے کسی نے اس کے پیروں میں اسپرنگ لگا دیے ہیں اور پھر کسی پرندہ کی سی پرواز کے ساتھ وہ اوپر گزرتا ہوا ایک جھاڑی پر جا گرا۔ وہ جس جسم پر گرا تھا وہ فولادی تھا مگر اس فولادی جسم کا مالک بے ساختہ طور پر کراہ اُٹھا تاہم اس نے ٹائیگر کو اپنی فولادی گرفت میں لے لیا وہ اس کو اپنی گرفت میں لے کر پیسنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ٹائیگر کو پل بھر کے لیے ہی احساس ہوا کہ یہ دیو زاد بہت زیادہ طاقتور اور شاید بسلامی کے دربار کا سابق پہلوان بھی ہے۔ اس نے اس گرفت سے چھٹکارے کے لیے ایک طویل سانس لی اور پھر کندھوں کو ہلکے سے جھٹکا دیا تو پہلوان گھاس پر تڑپتا ہوا نظر آیا۔ ٹائیگر کی دونوں کہنیاں اس کے سینے پر لگی تھیں۔ پہلوان عمر دراز تھا لیکن اس کا جسم بہت گٹھیلا تھا اور وہ یقیناً طاقتور تھا کیونکہ ٹائیگر کی ضرب اس نے بآسانی برداشت کر لی تھی اور دوسرے ہی لمحے ایک لمبا خنجر نکال کر اُسے خون خوار نظروں سے دیکھتا ہوا اس کی طرف بڑھنے لگا۔ اس کے تیور بہت خطرناک تھے اور اس کی آنکھوں سے خون ٹپک رہا تھا۔

"آؤ... گڈ بے..." ٹائیگر نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "او شاید تمہارا خنجر بہت پیاسا ہے۔"

پہلوان کی آنکھیں خون کی طرح سرخ ہو گئیں۔ اس نے پہلوانی کا ایک گُر استعمال کیا یعنی بائیں طرف جھکائی دے کر دائیں طرف سے حملہ کیا لیکن ٹائیگر نے بُرا سا منہ بنا کر اس کی کمر پر زوردار لات رسید کر دی۔ وہ ڈکراتا ہوا اوندھے منہ گر گیا۔ اس نے غصے میں زمین پر ہی تھوکنے برسانے شروع کر دیئے تاہم وہ خنجر لے کر ایک بار پھر پلٹا۔

اس دوران ٹائیگر نے کچھ دور مزید آوازیں سنیں لیکن اس نے ان پر توجہ نہیں دی۔ اسے علم تھا کہ اُوشان اس طرف موجود ہے۔

پہلوان اب پہلے سے زیادہ خطرناک انداز میں اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس بار اس نے دھوکا دینے کے بجائے براہ راست حملہ کیا۔ خنجر ٹائیگر نے آنے دیا اور جب اس کی نوک ٹائیگر سے صرف ایک انچ دور رہ گئی تو اس نے حملہ آور کی کلائی پکڑ لی۔ اُوشان کی اصطلاح میں یہ زنانی گرفت تھی مگر پہلوان کو ایسا لگا جیسے کسی آہنی شکنجے میں اس کا ہاتھ آ گیا ہو۔ پہلے خنجر گرا پھر پہلوان بھی ڈھیر ہونے لگا۔ ٹائیگر اس کا قصہ تمام کر دینا چاہتا تھا... لیکن معاً ہی اُسے خیال آیا کہ شاید اس سے کچھ کام کی باتیں معلوم ہو سکیں لہٰذا اس نے بڑی نرمی سے اس کے سر پر تھپڑ مارا اور پہلوان بے ہوش ہو گیا۔

اب وہ اس طرف متوجہ ہوا جہاں اُوشان تھا۔ اس نے جھاڑیوں میں سے جھانکا تو ایک بے ساختہ مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر دوڑ گئی۔ اُوشان کے اردگرد چار لاشیں پڑی ہوئی تھیں اور اُوشان چوتھی لاش کی آنکھیں بند کر رہا تھا۔

"مسٹر فادر..." ٹائیگر نے سر جھٹکتے ہوئے کہا۔ "کیا آپ نے سب کو ہضم کر لیا؟"

"ہاں! یہ موت کے آرزومند تھے۔ اور موت ان کو اپنی گود میں لینے کے لیے بے قرار تھی۔ سو میں نے ان کی خواہش پوری کر دی پانچویں کا کیا ہوا؟"

"میں نے اسے موت کی گود سے واپس اُتار لیا ہے مسٹر فادر!"

"گڈ..." اُوشان کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ "کبھی کبھی ایسا لگتا ہے کہ تم پر روحی کا اثر ہوتا جا رہا ہے۔"

"فادر..." اُوحی کا نام سنتے ہی ٹائیگر گھبرا گیا۔

"میں نے کوئی غلط بات نہیں کی۔" وہ قریب آ کر پہلوان کے بے ہوش جسم کا معائنہ کرنے لگا۔ "وہ لاشعوری طور پر تمہیں مقتل منہ بنا رہی ہے۔ اب اسے ہی دیکھو۔ اگر تم پر روحی کا اثر نہ ہوتا تو تم اسے بھی مار ڈالتے اور ہم اندھیروں میں ٹامک ٹوئیاں مارتے رہتے۔ اب اس سے ہم کچھ پوچھ سکیں گے۔"

"فادر..." وہ اچانک ہی مسکرانے لگا۔ "میرا خیال ہے کہ آپ پر روحی کا کوئی اثر نہیں ہوا۔"

"اس پر میرا اثر ہوا تھا فرزند؟" اُوشان نے اس کا باقی الضمیر سمجھ کر جواب دیا۔ کیونکہ ٹائیگر کا اشارہ ان چار لاشوں کی طرف تھا۔ "اگر میری جگہ وہ ہوتی تو یقیناً ان چاروں کو مار ڈالنے میں ہی حکمت سمجھتی۔ یہ دانش کی باتیں ہیں لڑکے... اور ہم تینوں میں صرف ایک شخص ایسا ہے جو دانش کی ان باتوں کو نہیں سمجھ سکتا۔" اُوشان پہلوان پر جھک کر اس کی کنپٹی سہلانے لگا۔ ٹائیگر بُرا سا منہ بنا کر رہ گیا۔ وہ جانتا تھا کہ اُوشان نے اسے ہی بے وقوف کہا ہے۔

"تم...؟" پہلوان نے اچانک آنکھیں کھول دیں۔ وہ بسلامی الفسل تھا... "کون ہو تم؟"

"موت کے ہرکارے۔" اُوشان نے مختصر سا جواب دیا۔ نحیف و نزار کمزور بوڑھے کو سامنے دیکھ کر پہلوان نے اُٹھنا چاہا مگر اُوشان نے اپنا ہاتھ اس کے سینے پر رکھ دیا اور پہلوان کو ایسا لگا جیسے کسی نے اس کے سینے پر ٹنوں بوجھ رکھ دیا ہو۔ اس کی حالت بن بل مچھلی کی سی تھی۔ پھر جونہی ٹائیگر پر اس کی نظر پڑی وہ ساکت ہو گیا۔

"ہم یہ تصدیق ملنے کے منتظر ہیں کہ تمہاری موت کا پروانہ جاری ہوا ہے یا نہیں۔" ٹائیگر کا لہجہ انتہائی سفاک تھا۔

"تمہارا نام کیا ہے؟" اُوشان نے اس کے سینے سے ہاتھ ہٹا کر پوچھا اور اس بار پہلوان کو سانس لینے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ وہ اس بوڑھے کو پیس سکتا تھا۔ اس کی اسے خواہش بھی تھی لیکن وہ یہ سوچ کر ساکت رہا کہ کہیں بوڑھا ایک بار پھر اپنا ہاتھ اس کے سینے پر نہ رکھ دے۔

"ماسٹر نے تمہارا نام پوچھا ہے۔" ٹائیگر غرایا۔

"م... فا... آغا...؟"

"آغا...؟" اُوشان نے مسکرا کر کہا۔

"اور تم ہمیں قتل کرنے کے لیے یہاں چھپے ہوئے تھے؟"

"م... مجھے حکم ملا تھا کہ اس طرف سے جو کوئی بھی حویلی کی طرف جائے اُسے قتل کر دیا جائے۔"

"یہ حکم کس نے دیا تھا؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"امیر نے..."

"بکواس..." ٹائیگر نے اپنا پیر اس کی ران پر رکھ کر مسل لیا مگر یہ ہلکی سی سزا آغا کے لئے کافی تھی وہ ران پکڑ کر دوہرا ہو گیا۔

"بولو آغا... ورنہ یہ لڑکا تمہارے ریشوں کی مدد سے رسی تیار کرے گا اور پھر تمہیں پھانسی دے دے گا۔" اس بار اُوشان کا لہجہ بھی خوفناک تھا۔ "بتاؤ... کس نے حکم دیا تھا؟"

"نف... فاخر نے..."

اُوشان اور ٹائیگر دونوں سر ہلا کر رہ گئے اس بار جواب میں سچائی تھی۔

"حکم دینے کی وجہ...؟"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"تاکہ..." وہ پھر خاموش ہو گیا مگر ٹائیگر کی ٹانگ اُٹھتے دیکھ کر ہی کھل گیا "تاکہ... اس شخص کو بحفاظت یہاں تک پہنچنے کا موقعہ مل جائے جو... جو... یہاں آ رہا ہے۔"

"وہ کون ہے آغا...؟" اسے اُوشان کی سرسراتی ہوئی آواز سنائی دی

"ایلو...؟"

"قہ... قہ... قہ..." جنگل پھر اُسی قہقہے سے گونج اٹھا "ایلو! تو تم نے اس مداری کی خدمات حاصل کر لی ہیں۔ کتنی رقم میں معاملہ طے ہوا ہے؟"

"دس... لاکھ ڈالر۔"

"بیچ کا آدمی کون تھا؟"

"ہم... میں۔"

"فاخر، امیر کو قتل کیوں کرانا چاہتا ہے؟"

"تاکہ امیر کا بیٹا بادشاہت کا اعلان کر کے بسلامی واپس چلا جائے۔ ملکہ کا خیال ہے کہ امیر سے بسلامیوں کو نفرت ہے مگر بادشاہت سے نہیں۔ نئے بادشاہ کے وہاں پہنچتے ہی بسلامی کی انقلابی حکومت کا تختہ اُلٹ جائے گا۔"

"یہ ملکہ کی بھول ہے۔" اُوشان نے سرسراتے ہوئے لہجے میں کہا۔ "انقلابی بہت زیادہ سخت لوگ ہیں۔ خیر... اب یہ بھی بتاتے چلو کہ ایلو کب آ رہا ہے۔"

"آج رات کسی وقت۔"

"اور وہ اپنا کام آج ہی رات مکمل بھی کرے گا۔"

"ہاں! صبح ہونے سے پہلے اسے اس کے بنگلے میں واپس پہنچا دیا جائے گا تاکہ صبح ہونے پر سب محافظ ناشتے کے کمرے میں جائیں تو انھیں امیر کی لاش ملے۔"

"کتوں کا کیا کرو گے؟"

"کچھ نہیں۔ ایلو کا کہنا ہے کہ اُسے کتوں کی فکر نہیں۔"

"کیا تم نے ایلو سے ملاقات کی ہے؟"

"ہاں! لیکن تم لوگ... اب مجھے..."

"اب ہم تمھیں چین کی نیند سلا رہے ہیں آغا! سو جاؤ۔" اُوشان نے کنپٹی پر ہلکی سی چپت ماری اور آغا کا جسم ایک جھٹکا لے کر... ساکت ہو گیا۔

"لٹل فادر..." ٹائیگر نے تعریفی انداز میں اس کی طرف دیکھا۔ "میرا خیال ہے کہ آپ پر رُوحی کا اثر غالب آ رہا ہے۔ وہ بھی معلومات حاصل کرنے کے بعد اُسے قتل کر دیتی تھی۔"

"چلو... اور یہ یاد رکھو کہ اگر تم دونوں کی شادی ہو جائے تو مجھے تم سے اچھا جاسوس نہیں مل سکتا ہے۔"

ٹائیگر بُرا سا مُنہ بنا کر خاموش ہو گیا۔

وہ پگڈنڈی پر چلتے رہے۔ اب انھیں احساس ہُوا تھا کہ پگڈنڈی محل کے عقبی حصّے کی طرف لے جا رہی ہے۔ انھوں نے ایک جگہ رُک کر اطراف کا جائزہ لیا۔ سورج غروب ہونے والا تھا اور ان کے پاس فاخر اور اس کے ساتھیوں کو ٹھکانے لگانے کا سب سے اہم کام تھا تاکہ ایلو کی آمد پر وہ کھل کر کھیلنے کے قابل ہو سکیں۔

مرکزی دروازے پر تعینات محافظوں نے انھیں فوراً ہی پہچان لیا لیکن وہ اسٹین گن سیدھی کر کے کھڑے ہو گئے۔

"تم لوگ اندر نہیں جا سکتے۔" ان میں سے ایک نے کہا۔

"وہ کیوں پیارے بھائی؟"

"یہی حکم ہے۔"

"تب پھر..." اُوشان نے شاہانہ انداز میں ہاتھ بلند کیا۔ "میں امیر کی طرف سے یہ حکم منسوخ کرتا ہوں جو تمھیں یقیناً فاخر نے دیا ہے۔"

"نہیں..." محافظ نے صرف اتنا ہی کہا تھا کہ اُوشان کا ہاتھ نیچے گرا اور اس کی اسٹین گن کا بٹ اسی کے پیٹ میں گھس گیا۔ اس نے حیرت زدہ انداز میں اپنے پھٹے ہوئے پیٹ اور باہر اُبلی ہوئی آنتوں کو دیکھا اور اس کے بعد دیکھے بغیر مر گیا کہ اس کے دوسرے ساتھی کا ٹائیگر نے کیا حشر کیا ہے۔ دوسرے نے اُوشان پر گولی چلانے کا صرف ارادہ ہی کیا تھا کہ ٹائیگر کے چوتھے کی نوک اس کی گُدی پر لگی اور وہ آواز نکالے بغیر ڈھیر ہو گیا تھا۔ ٹائیگر نے دونوں اسٹین گنیں دُور پھینک دیں۔

"شاباش! تم نے پہلی بار نفاست سے بیک بک استعمال کی ہے فرزند!"

"شکریہ شکریہ..." ٹائیگر نے اس طرح جھک کر سلام کیا جیسے کسی شعر پر داد وصول کر رہا ہو۔

وہ بیرونی پیش دہلیز سے اندر آئے تو وہاں بھی ایسا ہی مسلح محافظ موجود تھا جس کو ٹائیگر نے بآسانی سنبھال لیا اور ایک دھچکے پر پھینک دیا۔ اب وہ ستونوں کے قریب سے گزر رہے تھے۔ اُوشان نے ٹائیگر کی طرف دیکھا۔ ٹائیگر اس کا مطلب سمجھ گیا اور امیر کے کمرے کے سامنے سے گزرتا چلا گیا جب کہ اُوشان دستک دے کر کمرے میں داخل ہو گیا۔

"تم...؟" امیر کے چہرے پر بشاشت نظر آنے لگی۔ "اس بار بہت جلدی آ گئے۔"

"جی ہاں! میں مشن کی تکمیل میں ذرا عجلت کرتا ہوں اور مجھے

زیادہ عجلت پسند وہ لڑکا ہے؟"

"تمھارا شاگرد؟"

"ہاں! بہت شریر ہے۔"

"کیا وہ بھی ساتھ آیا ہے؟"

"جی ہاں! اور اس وقت آپ کی آستین میں چھپے ہوئے سانپوں نے سر نکال رہا ہے۔"

"کک... کیا مطلب؟" امیر ہڑبڑا کر رہ گیا لیکن پھر اگلے پل کھانسی کا اتنا شدید دورہ پڑا کہ بے حال ہونے لگا۔ اُوشان نے پُرتاسف انداز میں اس کی طرف دیکھا اور اُس کے سینے پر مالش کرنے لگا۔ جلد ہی امیر کی حالت بحال ہونے لگی اور چہرے پر رنگت بھی واپس آنے لگی۔

"تم نے کچھ کہا تھا۔ میرے بزرگ دوست..."

"جی ہاں! میں آستین کے سانپوں کی بات کر رہا تھا۔" اُوشان کے لہجے میں بھی سانپ جیسی پھنکار تھی۔

چار مزید محافظ ٹائیگر کی تیز اور کاری ضربوں کا شکار ہو چکے تھے اور اب راستہ صاف تھا۔ آخری محافظ نے مرنے سے قبل اُسے فاخر کے کمرے کا راستہ بتا دیا تھا اور اب ٹائیگر پوری رفتار سے دوڑ رہا تھا مگر ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ اُڑ رہا ہو۔ فاخر کا کمرہ حویلی میں سلطان کے کمرے سے ایک فرلانگ دُور تھا۔

فاخر کے کمرے کا دروازہ کھلا ہُوا تھا۔

اس نے اندر جھانک کر دیکھا۔ فاخر ایک جدید وا کی ٹاکی پر آغا کی لاش سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"ہیلو آغا... ہیلو آغا... دس از فاخر... اسٹیشن آغا!"

"ہیلو فاخر..." ایلو ٹائیگر نے مُسکراتے ہوئے عقب سے کہا... اور فاخر اتنی تیزی سے گھوما کہ خود ٹائیگر بھی اس کی تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکا۔

"تم... یہاں کیسے؟"

"سات آٹھ آدمیوں کو قتل کر کے تم تک پہنچا ہوں بڑے بھائی! ٹائیگر کا بچہ نرم مگر انوکھا نشانہ تھا اور ہاں... آغا بھی مرنے والوں میں شامل ہے۔ صرف ایلو اور تم باقی بچے ہو۔"

فاخر بہت شاطر تھا۔ اس نے بڑی پھرتی سے وا کی ٹاکی ٹائیگر پر دے مارا۔ اس کا خیال تھا کہ ٹائیگر وا کی ٹاکی سے بچنے کی کوشش کرے گا اور اس دوران وہ ریوالور نکال لے گا لیکن اس نے ایک حیرت انگیز بات دیکھی۔ ٹائیگر آگے بڑھا۔ اس نے وا کی ٹاکی کو ہوا سے ایک طرف کر دیا۔ اس طرح جیسے مکھی کو بھگاتے ہیں اور پھر دوسرے ہاتھ سے فاخر کی گردن پکڑ لی۔ فاخر نے دونوں ہاتھ ملا کر اس کے دو ہتڑ مارنے کی کوشش کی مگر ٹائیگر نے اسی دو ہتڑ پر کھڑا ہاتھ مار لیا۔ فاخر کی دل خراش چیخ نکلی۔ اس کی تمام انگلیاں ہڈی کے ریزوں میں بدل گئی تھیں۔ ٹائیگر نے اس کی گردن پھر دبوچی۔ اب فاخر صرف چیخ چلا رہا تھا لہٰذا ٹائیگر نے اپنے دونوں پنجے اس کے پنجوں پر بھی زور لگایا اور ایک طرف ہو گیا۔ فاخر کے پنجوں کی تمام انگلیاں کراہ بن گئی تھیں۔

"اپنے گھر کے گندے کپڑے باہر دھونے والوں کا یہی حشر کرتا ہوں فاخر..." اس نے تڑپتے ہوئے ناکارہ دو پیکر شخص سے کہا۔ "تم اس ملک میں امیر کا خون بہانا چاہتے تھے تاکہ یہ ملک عظمیٰ بنائے عامہ کی نظر میں گر جائے اور تمھیں تمھارا مقصد بھی حاصل ہو جائے... لیکن سُنو، تم نے بڑی سنگین غلطی کی۔ تم نے ایسے وقت یہاں کارروائی کی جب ماسٹر آف سنانجو اور اس کا شاگرد یہاں موجود تھا۔"

"میں..." فاخر اب بھی بُری طرح تڑپ رہا تھا۔

"میں تمھیں اپنے اُوپر قاتلانہ حملوں کا بدلہ لینے کے لیے سو ٹکڑوں میں تقسیم کر سکتا ہوں فاخر! لیکن ایسا نہیں کروں گا۔ تم قانون کے حوالے کیے جاؤ گے تاکہ انصارات میں تمھاری تصویریں چھپیں۔" یہ کہہ کر وہ باہر نکلا۔ اس نے کمرے کو باہر سے مقفل کیا اور امیر کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

"تو خانہ سنانجو کے بڑے کارنامے ہیں۔" اُوشان امیر کو بہت سے کارنامے سُنا چکا تھا۔ اس وقت شہزادی بھی وہیں بیٹھی ہوئی تھی۔ اُسے باتوں سے اندازہ ہو گیا تھا کہ شہزادی بھی آیا ہُوا ہے لیکن وہ دیر تک اُسے تلاش کرنے کے باوجود ناکام رہی تھی۔ اسے اس بات پر بھی حیرت تھی کہ محافظ کہاں غائب ہو گئے۔ لیکن اس بارے میں جب اس نے اُوشان سے پوچھا تھا تو امیر نے سرزنش کرنے والے انداز میں کہا تھا۔ "وہ لعنتی تھے۔ بزرگ دوست سے وہ سوالات مت کرو جو میں پہلے ہی کر چکا ہوں۔"

"ہاں تو میں یہ بتا رہا تھا کہ..."

"لٹل فادر..." یہ آواز سُنتے ہی شہزادی کھل اُٹھی مگر شہزادی کی ساری توجہ بوڑھے ساحر پر بنڈول دیکھ کر اس نے مُنہ بنا لیا۔

"کیا بات ہے تمھیں یہ بھی احساس نہیں کہ امیر کے حضور میں ہو۔" اُوشان نے نہ جانے کیوں اس دخل اندازی کا بُرا مانتے ہوئے کہا۔ "بولو... اب کیا ہُوا؟ کیا میری مدد کی ضرورت ہے؟"

"نہیں لٹل فادر! میں صرف اتنا بتانے آیا تھا کہ موسم بہت اچھا ہے۔ ہلکی ہلکی ہوا چل رہی ہے۔ سورج غروب ہو چکا ہے اور ہمارا دوست کسی بھی وقت آ سکتا ہے لہٰذا آپ یہیں آرام فرمائیے میں ذرا پہل قدمی کرتے جا رہا ہوں۔"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"آنکھیں کھلی رکھنا۔"

"ضرور۔۔۔" ٹائیگر نے خوشگوار انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔ "آپ فکر نہ کریں میری آنکھیں آج کل کچھ زیادہ ہی کھلی ہوئی ہیں۔" یہ کہہ کر وہ دروازے کی طرف پلٹا لیکن اس سے قبل اس نے کمرے کا جائزہ لے لیا تھا۔ تمام کھڑکیاں اندر سے بند تھیں اور واحد راستہ دروازے سے تھا۔ وہ مطمئن انداز میں سر ہلانے لگا۔ شہزادی غالباً اُسے آنکھوں ہی آنکھوں میں کوئی پیغام دے رہی تھی مگر وہ امیر اور شہزادی کی طرف دیکھے بغیر نکل گیا۔

یہ بات اُسے اچھی طرح معلوم تھی کہ ایلو اکیلا نہیں آئے گا۔ کوئی نہ کوئی اس کی رہنمائی کے لیے ضرور ساتھ ہوگا۔ لیکن وہ ٹائیگر تھا اُسے فوج سے مقابلے کا فن سکھایا گیا تھا اور وہ اب نادیدہ ایلو کو بھی دیکھ سکتا تھا اور جہاں تک چیٹے کا تعلق تھا وہ کم از کم اس کی کھوپڑی کو پاش پاش کرنے کی طاقت نہیں رکھتا تھا۔

ٹائیگر اس پگڈنڈی پر چلا آیا جہاں لاشیں بکھری ہوئی تھیں پھر نہ جانے کیا سوچ کر اس نے واپس قدم اُٹھائے۔ فاخر اور دوسرے لوگوں کو ایک ساتھ باندھا۔ فاخر بے ہوش تھا اور باقی لاشیں تیس۔ اس نے نو جسموں کا یہ گٹھر کسی دیہاتی کی طرح پیٹھ پر رکھا اور ساحل کی طرف بڑھ گیا۔ اب اس کے پاس بارہ لاشیں اور ایک نیم مُردہ آدمی تھا۔ اس نے فاخر کو ساحل پر پھینک کر لاشیں بڑے قرینے سے اس کے اردگرد سجا دیں۔ پھر خود ایک طرف بیٹھ گیا۔

توقعات کے عین مطابق رات کے اندھیرے میں ایک تیز رفتار موٹر بوٹ ساحل کی طرف آتی ہوئی نظر آئی۔ وہ مسکرانے لگا۔ اس کے خوبصورت سفید دانت خوفناک انداز میں چمکنے لگے اور اس کی نظریں بوٹ پر جم گئیں۔

چاروں طرف گھُپ اندھیرے کا راج تھا۔ درختوں کی وجہ سے تاریکی کے تاثر میں مزید سنگینی پیدا ہوگئی تھی اور دُور دُور تک سناٹا ترسا رہے تھے۔

بوٹ قریب آئی تو ٹائیگر نے بمشکل قہقہہ ضبط کیا۔ وہ ماری کسی کے ساتھ نہیں بلکہ اکیلا آیا تھا اور ظاہر ہے کہ اوزار کے بغیر ٹائیگر کی آنکھوں کو یہی نظر آرہا تھا کہ بوٹ از خود لنگر انداز ہوئی ہے اور اس میں کوئی سوار نہیں ہے۔

ٹائیگر اپنی جگہ سے سرک کر لاشوں کے قریب درخت کی آڑ میں کھڑا ہوگیا۔ اس نے جونہی بوٹ کے زینے کو ہلتے ہوئے دیکھا تو طویل سانس لی اور تمام حسیات نظروں میں سمو لیں۔ اسے ایک سایہ نظر آیا۔ اور پھر وہ واضح طور پر ایلو کو دیکھنے لگا جو بوٹ کے آخری زینے پر تھا۔

اس کے ہاتھ میں چمٹا تھا اور بیلٹ میں ایکٹر ایک آلہ...

ایلو نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ شاید اس کو یہ یقین تھا کہ کوئی اسے لینے کے لیے ضرور آئے گا مگر وہاں لاشوں کے علاوہ کوئی نہ تھا۔ ایلو نے طویل سانس لی اور پھر اس سمت میں دیکھا جہاں لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ اس کے حلق سے عجیب سی چیخ نکلی اور وہ... ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔ اس کی بزدلی عود کر آئی تھی۔ اسے ایسا لگا تھا جیسے یہ لاشیں نہیں بلکہ کوئی جال ہے۔

وہ واپس پلٹنے لگا۔

"ایل... ایلو...؟" لاشوں میں سے ایک لاش نے اچانک ہی آواز دی تو اس کی گھگی بندھ گئی۔

"کک... کون؟" وہ گھبرا کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔

"میں ہوں... فاخر... وہی..."

"فاخر...؟" ایلو کو وہی پُروقار آواز یاد آگئی جس نے وعدہ کیا تھا کہ امیر کے قتل کے بعد اُسے مزید پانچ لاکھ ڈالر ملیں گے۔ "آپ..."

"ہاں! مجھے یہاں سے نکالو۔"

"مم... مگر آپ... خود کیوں نہیں اُٹھ سکتے؟"

"اس نے میری تمام انگلیاں توڑ دی ہیں۔"

"کس نے...؟" ایلو پسینے میں شرابور ہوگیا اور اس کی آنکھوں میں وہی دو افراد ناچنے لگے جو پارک میں ٹکرائے تھے۔

"شہزادے... بوڑھے کے ساتھی نے..."

"ششش... شہزاد۔" ایلو کی سٹی گم ہوگئی۔ "اب دونوں کہاں ہیں؟"

"شاید امیر کے کمرے میں ہوں! لیکن تم اپنا وعدہ پورا کرو گے نا۔ جاؤ پہلے مجھے اُٹھا کر حویلی کے عقب میں جھونپڑی میں ڈال دو اور پھر اُن چاروں کو ٹھکانے لگا دو۔"

"چاروں کو...؟"

"ہاں! شہزادی سارہ بھی ہمارے لیے خطرناک ثابت ہوسکتی ہے۔"

"مگر..." ایلو نے اُسے اُٹھانے کی کوشش میں ناکامی کے بعد ہانپتے ہوئے کہا۔ "آپ تو بہت وزنی ہیں۔"

"تب پھر پہلے ان کا قصہ تمام کرو۔ اس کے بعد یہاں واپس آنا۔ میں تمہیں ایک فون نمبر دوں گا۔ اس پر اطلاع کر دینا۔ میرے لوگ یہاں پہنچ جائیں گے۔"

"ان کا قصہ تمام کر دوں۔" ایلو نے عجیب سے لہجے میں کہا۔ "ہاں! مجھے ان دونوں سے انتقام بھی تو لینا ہے۔ انھوں نے مجھے ایک بار پھر بزدل بنا دیا تھا۔ مگر یہ لاشیں؟"

"یہ ان دونوں کی ہی حرکت ہے۔ کیا تمہیں نظر نہیں آتا۔ آغا کی لاش بھی انہی میں شامل ہے۔"

خوف کی سرد لہر ایلو کے جسم میں دوڑ گئی۔ آغا کو ہلاک کرنے والا یقیناً کوئی معمولی آدمی نہیں ہوسکتا۔ باقی لوگ بھی بہت توانا تھے۔ خوف اور انتقام کے ملے جُلے جذبات سے اس نے حویلی کی طرف دیکھا جس کے ایک کمرے کی بتی جل رہی تھی۔

وہ ابھی چند قدم آگے بڑھا ہی تھا کہ ٹائیگر پر اس کی نظر پڑی۔

وہ انتقام کی آگ میں سُلگنے لگا اور اس یقین کے ساتھ اس نے چمٹا آگے بڑھایا کہ وہ ٹائیگر کی کھوپڑی کو پاش پاش کر دے گا لیکن پھر ایک انہونی ہوئی، چمٹا خلا میں معلق ہو کر رہ گیا۔

اس نے پلٹ کر دیکھا، ٹائیگر اس کے عقب میں کھڑا مسکرا رہا تھا اس نے ایک بار پھر چمٹا آگے بڑھایا لیکن اس بار چمٹا اس کے ہاتھ سے نکل کر دُور جا گرا۔

ایلو کا دُوال دُوال خوف سے کانپنے لگا اس نے خود کو تنہا دیکھ کر اندھا دُھند دوڑ لگا دی۔ اب اس کے پاس صرف یہ راستہ تھا کہ وہ جنگل میں روپوش ہوجائے...

وہ اندھا دھند دوڑتا رہا لیکن ٹائیگر مطمئن انداز میں اس کے پیچھے چلتا رہا۔ اس کا انداز بڑا عام سا تھا لیکن رفتار اتنی تیز تھی کہ ایلو سے اس کا فاصلہ زیادہ سے زیادہ پانچ گز ہی رہا تھا۔

ایلو کو موت یاد آنے لگی۔

بھیانک موت۔

پھر ساحل میں پڑی لاشیں اس کی نظروں میں پھرنے لگیں اور وہ چیختا چلاتا ہوا زیادہ رفتار سے بھاگنے لگا۔

معاً ہی اس نے خود کو حویلی کی پیش دہلیز پر پایا، وہ چھپنے کے لیے اندر گھس گیا مگر جونہی اس نے ٹائیگر کو مسکراتے ہوئے اپنے تعاقب میں دیکھا اس کے رہے سہے اوسان بھی خطا ہوگئے۔ وہ چیخ مار کر پہلے ہی کمرے میں گھس گیا لیکن چوکھٹ پر ہی اس کے زوردار لات پڑی وہ اوندھے مُنہ فرش پر گرنے لگا مگر اسی لمحے ایک ہاتھ نے اُسے سہارا دیا۔ یہ سہارا نہیں... دستِ اجل تھا۔ ہاتھ اس کی پیشانی پر لگا اور وہ آخری سانس لیے بغیر ڈھیر ہوگیا۔

ٹائیگر ہاتھ جھاڑتا ہوا اُوشان کی طرف دیکھنے لگا۔

"اس کو اتنا دوڑانے کی کیا ضرورت تھی؟" اُوشان نے امیر اور شہزادی کو نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا جو خوف سے کانپ رہے تھے۔

"بس... ذرا لُطف آرہا تھا۔" ٹائیگر نے بہت دیر بعد خاموشی توڑی۔

کمرے کی دودھیا روشنی میں ایلو کا ساکت جسم فرش پر پڑا ہوا تھا۔

"کک... کیا یہ مر گیا؟" شہزادی نے پوچھا۔

"ہاں..." اُوشان نے مختصر سا جواب دیا۔

"مگر کیسے؟" امیر نے ایلو کے جسم پر کوئی زخم نہ دیکھ کر پوچھا۔

"بس... بلاوا آگیا تھا۔ اب تم..." اُوشان نے انگلی اُٹھا کر ٹائیگر سے کہا۔ لہجے میں غصہ تھا لیکن آنکھوں میں فخر کے تاثرات لیے بڑے بھائی کو اس کی اطلاع دی تاکہ ہم ایک رات چین سے سو سکیں۔ میں نے کئی روز سے راک ہڈسن کا پروگرام بھی نہیں دیکھا۔

"کیا کوئی ٹیلی فون آس پاس موجود ہے؟"

"ہاں! آؤ میں..."

"شکریہ..." وہ پُروقار انداز میں ایلو کی لاش پھلانگ کر نکل گیا اور امیر سے عجیب سی نظروں سے دیکھتا رہ گیا۔ "کمال کا نوجوان ہے۔"

"ہاں، مگر ابھی خام ہے۔" اُوشان کے لہجے میں واضح طور پر فخر تھا۔

"ہیلو سوئیٹ ہارٹ۔"

"کیا رہا...؟" ڈاکٹر بہرام کی آواز سنائی دی۔

"تمہارا دوست ایلو اُوشان کی ایک ہتھیلی کی تاب نہ لا سکا۔"

"میرے خدا! کیا وہ وہاں پہنچ گیا تھا؟"

"ہاں! تمہارے تمام انتظامات کے باوجود۔" ٹائیگر نے مسکرا کر کہا۔

"باقی لوگوں کا کیا ہوا؟"

"سب فاخر کے آدمی تھے اور سب مارے گئے۔"

"اوہ..." ٹائیگر کے لہجے کی سفاکی کا احساس کر کے خود بہرام بھی کانپ اُٹھا۔ "اور فاخر...؟"

"میں نے اس کی تمام انگلیاں توڑ کر ساحل پر پھینک دیا۔" شاید پوچھ گچھ میں کام آسکے۔"

"گڈ... اب تم دونوں وہاں سے نکل آؤ۔ میں ہیلی کاپٹر بھیج رہا ہوں۔"

"امیر اور..."

"اُن کی فکر مت کرو، وہ کل ہی مصر کے لیے روانہ ہو رہے ہیں۔"

"ایک اور سوال سوئیٹ ہارٹ۔"

"بولو..."

"کیا رُوبی واپس آگئی ہے؟"

"نہیں..." بہرام کے لہجے میں حیرت انگیز طور پر تڑپ تھی۔ "وہ کل یا پرسوں آئے گی اور کچھ..."

"اس سے صرف اتنا پوچھ لینا کہ کیا ایشیا میں اسے ایسی کوئی عورت نظر آئی جس کے چہرے پر..."

بہرام نے ریسیور پٹخ دیا۔ ٹائیگر مسکرانے لگا۔ بات ہی ایسی تھی

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

اعلیٰ منصب پر پہنچنے کے لیے ہی پیدا ہوا تھا اور اگر اسے ملک میں ریٹائرمنٹ کے بعد بھی بڑا منصب نہ ملتا تو شاید یہ قانونِ فطرت کی خلاف ورزی ہوتی۔ اس کا نام ایڈمرل وان گیٹ تھا۔ اسے بحریہ سے ریٹائر کر کے سی۔ آئی۔ اے کی سربراہی سونپی گئی تھی۔

اس نے ایناپولس سے ڈگری حاصل کی تھی، ہارورڈ بزنس اسکول سے کمپیوٹرمیں سرٹیفکیٹ لیا تھا، وہ آکسفورڈ کی ثقافت کا فوٹو اور بحریہ کی فٹ بال ٹیم کا ہاف بیک رہ چکا تھا۔ اس کی گہری نیلی آنکھیں برف کی طرح چمک دار تھیں، جن میں ہمہ وقت شوخی رچی رہتی تھی۔ وہ پہلی بار ٹیلی ویژن اسکرین پر پیش کیا گیا تھا تو اس نے یہی تاثر دینے کی کوشش کی تھی کہ سی۔ آئی۔ اے اب ایسے ہاتھوں میں ہے جن پر نہ صرف ملک بلکہ پوری دنیا فخر کر سکتی ہے۔

وہ بہت ذہین تھا اور تیسری جنگِ عظیم کے آغاز کا ذمہ دانستگی میں فیصلہ کرنے سے ایک گھنٹے قبل وہ ایک ایسے شخص سے بحث کر رہا تھا جس نے شاید اس کے بارے میں ٹائم کا تازہ شمارہ نہیں پڑھا تھا، جس میں لکھا گیا تھا کہ ایڈمرل گیٹ بہت خدری شخص ہے اور جو چاہتا ہے، وہ مسکراتے ہوئے حاصل کر لیتا ہے۔

"بس، بہت ہو گیا، گیٹ!" اس شخص نے کہا۔ وہ ایک عام سی کرسی پر بیٹھا ہوا تھا جس میں نیم دراز ہو کر آرام کرنے کی گنجائش نہ تھی، یہ کمرہ واشنگٹن کے باہر وفاقی مرکزِ حراست سے تعلق رکھتا تھا۔ اس شخص کے چہرے پر شرافت تھی اور آنکھوں میں نرمی اور ذہانت کی چمک... اگر وہ قیدیوں کا لباس پہنے ہوئے نہ ہوتا تو عام لباس میں کسان ہی لگتا۔

ایڈمرل گیٹ بے چینی سے اس کے اردگرد ٹہل رہا تھا اور انداز ایسا تھا جیسے پریڈ گراؤنڈ میں جوانوں کی چستی کا معائنہ کر رہا ہو۔ اس نے ہلکے نیلے رنگ کا سوٹ پہن رکھا تھا جس پر آفتی ٹھاپیاں تھیں اور ان دھاریوں کے باعث وہ اپنے قد سے کچھ زیادہ ہی دراز قد نظر آ رہا تھا۔ اس کا جسم ورزشی تھا، کندھے چوڑے تھے اور آنکھوں کی رنگت ٹائی کے رنگ کے مطابق تھی۔ اس کے بال بہت قرینے سے بنے ہوئے تھے، ان میں بھورے پن کے باوجود چمک تھی اور یہ بال کنپٹیوں پر جا کر سفید ہو گئے تھے۔

"میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ تمہارا ذرا سا تعاون، مستقبل میں خود تمہارے لیے سود مند ہو گا۔" ایڈمرل گیٹ نے ایک جگہ رک کر کہا اور پھر پہلو بدلنے کے انداز میں کرسی کے گرد گھومنے لگا۔

موٹے عدسوں کے پیچھے قیدی کی آنکھیں چھوٹی چھوٹی نظر آنے لگیں لیکن چہرے پر غیب سی مسکراہٹ ناچنے لگی تھی۔ "تھوڑا سا تعاون، ہاں۔" اس کا لہجہ زہریلا تھا۔ "میں نے پینتیس سال تک تم لوگوں سے تعاون ہی نہیں کیا بلکہ تمہاری خدمت کی... اور اس خدمت کا صلہ مجھے کیا ملا؟ یہ کمرہ۔" اس نے کمرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اپنا سُن پھیر لیا اور دونوں ہاتھ سینے پر باندھ لیے، جس کے باعث اس کی قمیص پر لکھا ہوا، قیدی نمبر چھپ گیا۔ اس کے چہرے پر شدید کرب اور باطنی دکھ کے تاثرات پیدا ہونے لگے۔

ایڈمرل گیٹ گھومتا ہوا، ایک بار پھر اس کے سامنے آ کھڑا ہوا تاکہ قیدی اس کے چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ واضح طور پر دیکھ سکے۔ "بس دل کی بھڑاس نکل گئی۔ اب بتاؤ وہ کہاں رکھی ہے؟"

"جہنم میں جاؤ، تم بھی اور وہ لوگ بھی جن کے لیے تم کام کرتے ہو۔" قیدی نے غرا کر جواب دیا۔

"مجھے چابی چاہیئے۔" ایڈمرل نے ایک ایک لفظ چبا کر کہا... قیدی اس سے مرعوب ہی نہیں ہو رہا تھا اور یہ بہت بُری بات تھی۔ ایڈمرل گیٹ کی انا بُری طرح مجروح ہو رہی تھی۔

"آخر تمہیں چند ٹکوں کی چابی کی اتنی فکر کیوں ہے؟" قیدی نے اس بار بھی مرعوب ہوئے بغیر پوچھا۔ وہ سی۔ آئی۔ اے کے ڈائریکٹر کو بغور دیکھ رہا تھا جس کے چہرے پر اب وہ مسکراہٹ نہ تھی جس کے لیے وہ مشہور تھا، مسکراہٹ کی جگہ گھٹنوں نے لے لی تھی۔

"اس لیے کہ چابی بہت اہم ہے۔" ایڈمرل گیٹ نے اپنے غصے پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے جواب دیا۔ ورنہ اس وقت تو اس کا دل چاہ رہا تھا کہ قیدی کی دھنائی شروع کر دے لیکن وہ جانتا تھا کہ وہ اس قیدی پر نہ تو خود تشدد کر سکتا ہے اور نہ ہی اسے سیل کے حوالے کر سکتا ہے، جو برقی تار، انگوٹھوں سے باندھ کر بجلی کے جھٹکے دیتے ہیں اور قیدی از خود سب کچھ اگلتا چلا جاتا ہے۔ وہ سوچنے لگا کہ شاید قیدی کو اس کمزوری کا علم ہے اور اسی لیے وہ ہٹ دھرمی سے کام لے رہا ہے۔

"چابی کہاں ہے؟" ایڈمرل نے لہجے میں نرمی پیدا کرتے ہوئے پوچھا۔

"چابی..." اس مرتبہ قیدی کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔ "میں نے چابی ایک گٹر میں پھینک دی ہے... لیکن نہیں... میں نے اس چابی کی سینکڑوں نقلیں بنوا کر ہر ایک کو دے دی ہیں تاکہ جو چاہے تمہارے باتھ روم میں جا کر نہا سکے اور تمہارے سنک کو غلیظ کر سکے۔"

ایڈمرل نے طویل سانس لے کر نیکٹ پہ ہاتھ باندھ لیے۔ اگر وہ ایسا نہ کرتا تو اس کے دونوں ہاتھ قیدی کا ٹینٹوا دبا چکے ہوتے۔

"ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے۔" اس نے دھمکی آمیز لہجے میں کہا۔ "لیکن یاد رکھنا، میں تمہارے اس جواب کو فراموش نہیں کروں گا... یہ بات مجھے یاد رہے گی۔ میں فی الوقت صرف اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ اگر تم اپنی ضد پر قائم رہے تو نہ صرف پینشن سے ہاتھ دھو بیٹھو گے بلکہ سزا کا آخری منٹ بھی جیل میں گزارو گے۔ تمہارے ساتھ کوئی رُو رعایت نہیں کی جائے گی اور تم جیسے لوگوں کو آئندہ کبھی اس ملک کی انٹیلی جنس میں شامل نہیں کیا جائے گا۔"

"بس یا کچھ اور بھی کہنا ہے۔" قیدی نے فاتحانہ لہجے میں پوچھا۔ "ساری دھمکیاں ختم ہو گئیں؟ بس تم اتنا ہی اختیار رکھتے ہو؟ اب جاؤ اور اپنے پرائیویٹ باتھ روم کو کھولنے کی کوشش کرو۔"

گیٹ نے قیدی کی طرف دیکھا اور پھر سر جھٹکتا ہوا دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ اسی لمحے اس کے پیڈومیٹر نے سگنل دیا... یہ میٹر اس کے بائیں گھٹنے کے ساتھ لگا ہوا تھا اور اس کا مقصد یہ تھا کہ ایڈمرل گیٹ کو یہ علم ہتا رہے کہ وہ کتنا پیدل چل چکا ہے۔

"گیٹ..." وہ دروازے کی چوکھٹ پر اپنا نام سُن کر اس خیال سے پلٹا کہ شاید قیدی اسے چابی کے بارے میں بتانا چاہتا ہو۔

"بولو..." اس نے بڑی بے چینی سے کہا۔

"میں تمہیں ایک نصیحت کرنا چاہتا ہوں۔" قیدی نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "وہ یہ کہ اس وقت جو حال میرا ہے، وہ مستقبل میں تمہارا بھی ہو سکتا ہے۔ وہ تم سے زیادہ طاقت ور ہیں، کھیل کے دوران میں ضابطے بدل بھی سکتے ہیں، پھر تم اُس گھاس کی طرح ہو جاؤ گے جو کٹنے کے فوراً بعد مرجھا جاتی ہے۔ میں اُس دن کا انتظار کروں گا جب تم اسی کمرے میں لائے جاؤ گے اور میں ازراہِ مہربانی تمہیں یہاں سونے کی اجازت دے دوں گا۔"

یہ کہہ کر قیدی نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ وہ کوئی معمولی آدمی نہیں بلکہ سی۔ آئی۔ اے کا سابق سربراہ تھا اور موجودہ سربراہ سے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کر رہا تھا۔

"لو... ایڈیٹ..." ایڈمرل پیر پٹختا ہوا وہ دروازہ بند کر کے چلا گیا اور قیدی کا قہقہہ زیرِ زمین کمرے کی دیواروں تک کو لرزانے لگا۔

●

ایڈمرل گیٹ نے صبح نو بجے کرسی سنبھالتے ہی انٹر کام پر سیکرٹری کو طلب کیا۔ "مس..." اس نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"باتھ روم کا دروازہ اکھاڑ کر نیا دروازہ لگا دو۔" اس کی دو چابیاں بنوانا۔ ایک اپنے لیے اور ایک میرے لیے۔"

"بہت بہتر، سر!" لڑکی نے قدرے حیرت سے جواب دیا۔ اسے اس بات پر حیرت تھی کہ اتنا معمولی سا حکم دینے کے لیے سی۔ آئی۔ اے کا ڈائریکٹر بلکہ وہ سیکرٹری کے ذریعے بھی دے سکتا تھا۔

لڑکی کے جانے کے بعد، گیٹ نے پیڈومیٹر چیک کیا اور یہ دیکھ کر اسے بڑی مسرت ہوئی کہ وہ مقررہ دس میل پیدل چلنے کے ہدف سے ڈیڑھ میل پہلے ہی پیدل چل چکا ہے۔ دن کا یہ آغاز اچھا تھا۔ اس نے سگار نکالا اور پھر کیوبا کے بارے میں غور کرتے ہوئے سگار سے لطف اندوز ہونے لگا۔

بیس منٹ بعد، اس نے اعلیٰ افسروں کو طلب کیا... ان میں ڈائریکٹر آپریشنز اور چیف آف پرسنل بھی شامل تھے۔ اس نے سی۔ آئی۔ اے کے فیلڈ اسٹاف میں چھانٹی کا حکم دیتے ہوئے ڈھائی سو ایجنٹوں کی برطرفی کے فرمان پر دستخط کیے۔ اس کا مقصد فیلڈ اسٹاف میں کمی کے ذریعے، بجٹ پر بوجھ کم کرنا تھا۔ اسے علم تھا کہ روسیوں کی دلی خواہش ہے کہ ان کی فیلڈ فورس بھی سی۔ آئی۔ اے کی طرح بڑی ہوتی۔

"انھیں بھی علم ہونا چاہیے کہ میں کفایت شعار ہوں۔" گیٹ نے دستخط کرتے ہوئے کہا۔

"کہیے، سر!" ڈائریکٹر آپریشنز نے فوراً چوکس ہو کر پوچھا۔

"چھوڑو..." وہ خفیف ہو کر بولا۔ "اور کچھ...؟" اس نے ڈائریکٹر آپریشنز کی طرف دیکھا جو ایک موٹا اور مغرب شخص تھا۔ اسے ہر وقت پسینہ آتا رہتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ رومال کے بجائے ٹشو پیپر کا بنڈل ساتھ رکھتا تھا۔ اس کے دانت پیلے تھے اور شاید اس کی وجہ مسلسل پائپ پینا تھی۔

"غالباً ایک ایسی فائل ہے جس کا آپ کو علم نہیں، ایڈمرل!" ڈائریکٹر آپریشنز نے کہا۔ "میری مراد آپریشن اومیگا پروجیکٹ ہے۔"

"یہ کیا بلا ہے؟" گیٹ نے دونوں ہاتھ میز پر رکھ کر آگے جھکتے ہوئے، ان دونوں کی طرف دیکھا۔ "اس پروجیکٹ کا کیا مقصد ہے؟"

"پتا نہیں، ایڈمرل!" ڈائریکٹر آپریشنز نے بے چارگی سے جواب دیا۔ "لیکن نہیں... میں نے غلط جواب دیا ہے۔ دراصل اس پروجیکٹ کا کوئی مقصد ہی نہیں۔ میری نظر میں یہ دنیا کا پہلا پروجیکٹ ہے، جس کا کوئی مقصد نہیں۔" ڈائریکٹر آپریشنز کا لہجہ جنوبی باشندوں جیسا تھا۔ وہ گیٹ کا جگری دوست تھا اور سی۔ آئی۔ اے میں آنے سے قبل جنوبی علاقوں کے محکمۂ شاہراہ کا سربراہ تھا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"یعنی کوئی کام نہیں؟"

"کوئی کام ہی نہیں۔" ڈائریکٹر آپریشنز نے دُہرایا۔ "اس پروجیکٹ کا عملہ خالی بیٹھا رہتا ہے یا تاش کھیلتا رہتا ہے۔"

"کتنے افراد ہیں؟"

"چھ..." ڈائریکٹر آپریشنز نے فوراً جواب دیا۔ "اُن کا کام صرف یہ ہے کہ دن میں ایک بار فون کریں اور پھر چلے جائیں۔"

"کس کو فون کرتے ہیں؟" گیٹ نے پہلو بدلتے ہوئے پوچھا۔

"کسی چچی کو، جو اٹلانٹا میں رہتی ہے۔"

"اُن پر کتنا خرچہ ہو رہا ہے؟"

"اُنچاس لاکھ ڈالر۔" ڈائریکٹر آپریشنز نے پسینہ پونچھتے ہوئے جواب دیا۔ "لیکن یہ رقم صرف تنخواہوں کی مَد میں خرچ نہیں ہوتی، کہاں جاتی ہے، اس کا بھی کوئی علم نہیں۔"

"اُنچاس لاکھ ڈالر..." ایڈمرل کی پیشانی پر بھی پسینہ آگیا۔ "اِن کو نکال دو۔ ذرا سوچو... اگر ٹائم کو اس کی بُو مل جائے تو؟"

"آپ کی مُراد ٹائم میگزین سے ہے جناب؟" ڈائریکٹر آپریشنز نے دانت چھپانے کے لیے مُنہ پر ٹشو پیپر رکھتے ہوئے پوچھا۔

"اُسے چھوڑو۔"

"کیا میں چچی کا پس منظر بھی معلوم کرلوں؟"

"کس کی چچی کا؟" ایڈمرل نے حیرت سے اُس کی طرف دیکھا۔

"اوہ... وہ... اسی عورت کا جس کو اومیگا پروجیکٹ والے روزانہ فون کرتے ہیں۔"

"نہیں، اس کا پس منظر معلوم کرنے پر بھی خرچہ ہوگا۔ یہاں تو بات بے بات خرچہ ہوتا ہے۔ اب اس دروازے پر اتنا خرچہ ہوگیا۔ اگر ہم نے اس عورت کی چھان پھٹک کی تو اومیگا پروجیکٹ کا بجٹ بڑھ کر پچاس لاکھ ڈالر ہو جائے گا۔ کوئی یہ نہیں سمجھے گا کہ اصل بجٹ انچاس لاکھ ڈالر تھا، سب یہی کہیں گے کہ پچاس لاکھ ڈالر ایک عورت پر خرچ کر دیے گئے... نہیں، اُسے مت چھیڑو... ورنہ اخبار والے بال کی کھال نکالیں گے۔"

ڈائریکٹر آپریشنز اور چیف آف پرسنل نے ایک دوسرے کو کن انکھیوں سے دیکھا لیکن دونوں نے اومیگا پروجیکٹ کے بارے میں ایڈمرل کے فیصلے کی تائید سر ہلا کر کی۔ یہ پروجیکٹ اُن کے لیے تجربہ بدی تھا اور اس کا دُنیا کے کسی بھی علاقے سے کوئی تعلق ثابت نہیں ہوا تھا۔ اومیگا گروپ والوں سے وہ خود بھی عاجز تھے کیونکہ وہ لوگ دن بھر مفت کی روٹی کھاتے تھے یا بڑھیا کو فون کر کے چلے جاتے تھے۔ اُنھیں علم تھا کہ اٹلانٹا والی عورت کی کوئی حیثیت نہیں۔ پرسنل

ڈائریکٹر پہلے ہی یہ چیک کر چکا تھا کہ عورت کا تعلق، صدرِ مملکت کے خاندان یا سسرال سے نہ ہو۔ کیونکہ اس علاقے میں ہر شخص کسی نہ کسی طرح صدر کا رشتے دار تھا۔ تاہم خوش قسمتی سے عورت، صدر کی دُور پَرے کی بھی رشتے دار نہیں تھی۔

صبح دس بجے، اومیگا پروجیکٹ کے ان چھ ایجنٹوں کو برطرفی کا نوٹس مل گیا۔ اُن میں سے کسی نے بھی کوئی شکایت نہیں کی لیکن اُنھیں یہ علم بھی نہیں تھا کہ وہ اب تک کیا کرتے رہے تھے۔

▣

ایڈمرل گیٹ، میٹنگ کے بعد کمرے میں ٹہلنے لگا... وہ خوش تھا کہ اُس نے سی۔آئی۔اے کے دو سو چھپن ایجنٹوں کو برطرف کر کے، ٹیکس دہندگان کے ایک کروڑ ڈالر بچا لیے ہیں۔

▣

اٹلانٹا کے مضافات میں پیس فیری روڈ سے قدرے ہٹ کر، ایک چھوٹے سے فارم ہاؤس میں بوڑھی امیلا، کچن کے سنک میں سیب چھیل رہی تھی۔ اُس کے ہاتھ کانپ رہے تھے اور اُن ہاتھوں پر نیلی رگیں بہت نمایاں تھیں۔ وہ سیب چھیل کر کھانے کی عادی تھی کیونکہ چھلکا کھانے سے اُسے الرجی ہو جاتی تھی۔ اُس نے سنک کے اوپر لگے ہوئے کلاک کی طرف دیکھا... دس بج کر چوالیس منٹ ہوئے تھے۔ وہ مسکرانے لگی۔ ٹھیک ایک منٹ بعد فون کی گھنٹی بجنے والی تھی۔ اُس کو چھ افراد، مختلف اوقات میں فون کرتے تھے اور اُس نے صرف اس خیال سے پہلے ایک چارٹ بنا لیا تھا کہ اُسے فون آنے کے وقت کا اندازہ رہے لیکن گزشتہ بیس برسوں میں اُسے یہ اوقات ازبر ہو گئے تھے لہٰذا اُس نے چارٹ برتنوں کے نیچے بچھا دیا تھا۔ اُس نے سیب ایک طرف رکھ کر ہاتھ دھوئے اور اُنھیں سُوتی تولیے سے خشک کر کے کچن کی میز کے قریب پہنچ گئی جہاں فون رکھا ہوا تھا۔ بعض اوقات وہ دیر تک یہی سوچتی رہتی تھی کہ اُسے فون کرنے والے کون لوگ ہیں، اُسے اُن کے نام تک معلوم نہیں تھے لیکن ان بیس برسوں کے دوران میں وہ اُن چھ آوازوں کو اچھی طرح پہچاننے لگی تھی...

شروع شروع میں اُس نے اُنھیں باتوں میں لگانے اور ذاتی باتیں کرنے کی بھی کوشش کی لیکن وہ ہمیشہ جلدی میں ہوتے تھے۔ وہ صرف یہ کہہ کر رابطہ منقطع کر دیا کرتے تھے۔ "ہیلو، ہنی! سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہے۔"

بعض اوقات وہ یہ بھی سوچتی تھی کہ کیا وہ کسی غلط کام میں ملوث ہو گئی ہے کیونکہ صرف فون پر ہیلو... ہیلو...

کہنے کے عوض، پندرہ ہزار ڈالر سالانہ کا معاوضہ بہت زیادہ تھا۔ اس بات کا ذکر، امیلا نے اپنے پستہ قد اور رُوکھے آدمی سے بھی کیا تھا جو بیس سال قبل وار الحکومت سے آیا تھا اور جس نے اُسے یہ کام سونپا تھا۔

"تم فکر مت کرو، امیلا!" اس شخص نے جواب دیا تھا۔ "تم جو کچھ کر رہی ہو، وہ بہت اور انتہائی اہم ہے۔ تمھیں ہر ہدایت یاد ہے نا؟"

امیلا سر ہلا کر رہ گئی تھی۔ یہ ۱۹۵۰ء کی بات تھی... پھر اُس نے مُسکراتے ہوئے پوچھا تھا۔ "اگر روسیوں نے ہم پر بمباری کر دی تو کیا ہوگا؟"

"تب..." پستہ قد شخص اچانک ہی سنجیدہ ہو گیا تھا۔ "تب ہر بات خود بخود ہوتی چلی جائے گی اور ہمیں کسی قسم کی پروا نہیں ہوگی۔"

اُس شخص نے امیلا کو ڈبل چیک کیا تھا۔ اُسے معلوم ہُوا تھا کہ امیلا کی ماں کی عمر پچانوے سال اور باپ کی عمر چورانوے سال ہے اور اس وقت خود امیلا کی عمر ساٹھ سال تھی۔ اب وہ اسی سال کی ہو گئی تھی۔ اُسے بیس سال قبل دی جانے والی ہدایات حرف بحرف یاد تھیں۔

اُس کی نظریں سیکنڈ کی سُوئی پر جم گئیں۔ دس بج کر ساڑھے پینتالیس منٹ ہو چکے تھے۔ اُس نے اس خیال سے کہ گھنٹی بجتے ہی ریسیور اُٹھا لے گی، ریسیور پر ہاتھ رکھ دیا۔ یہ اُس کی بیس سالہ پُرانی عادت تھی۔ ٹھیک دس بج کر ساڑھے چوالیس منٹ پر اُس کا ہاتھ ریسیور پر پہنچ جاتا تھا اور پہلی گھنٹی کے مکمل ہونے سے قبل ہی وہ ریسیور اُٹھا لیا کرتی تھی۔

اُنسٹھ سیکنڈ...

ساٹھ سیکنڈ...

امیلا کی سفید بھویں آپس میں مل گئیں۔

دس بج کر پینتالیس منٹ ہو چکے تھے اور سُوئی آگے بڑھ چکی تھی مگر گھنٹی نہ بجی۔

وہ مزید تیس سیکنڈ تک انتظار کرتی رہی۔ پہلے ایسا کبھی نہیں ہُوا تھا۔ اُس نے ریسیور اُٹھا کر کان سے لگایا۔ فون ٹھیک تھا۔ وہ ریسیور اتنے زور سے پکڑے ہوئے تھی کہ اُس کی کلائی میں درد ہونے لگا تھا۔ وہ پہلے ہی جوڑوں کے درد اور عارضۂ قلب کی مریضہ تھی۔ اُس نے ریسیور رکھ دیا اور میز پر سر رکھ کر بیٹھ گئی۔

"تم لوگ کہاں ہو؟" اُس نے دھیرے سے کہا۔ "آج کسی کا بھی فون نہیں آیا۔" اُس نے سر اٹھایا۔ اُس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ بیس سال میں پہلی مرتبہ وہ روئی تھی، اُن لوگوں کے لیے، جن کو اُس نے کبھی دیکھا تک نہ تھا، جن کے اُسے نام بھی معلوم نہیں تھے لیکن وہ اُس کے اپنے تھے، اس حد تک کہ کم از کم وہ اس کا حال تو پوچھ لیتے تھے ورنہ آج کے دور میں تو...

وہ اس سے زیادہ کچھ نہ سوچ سکی۔ آنسو اُس کی بوڑھی آنکھوں سے نکل کر، اُس کے جھُریوں زدہ چہرے کو بھگونے لگے تھے۔

وہ گیارہ بجے تک ساکت بیٹھی رہی پھر اُس نے ایک طویل سانس لی۔ اُسے گرمی سے اُٹھنے میں بڑی دُشواری محسوس ہُوئی... ایسا لگا جیسے وہ سیمنٹ کی بھیگی ہُوئی بوری ہو۔ اُٹھنے کے بعد اُس نے کلائی کی گھڑی اُتار کر، اُسے بڑی احتیاط سے میز پر رکھ دیا... اور رومال سے آنسو پونچھتے ہوئے، عقبی دروازے کے راستے صحن میں پہنچ گئی۔

صحن تک پہنچنے کے لیے اُسے چار سیڑھیاں اُترنا پڑی تھیں۔ مکان زمین سے قدرے بلند پلیٹ فارم پر بنایا گیا تھا۔ وہ ہانپنے لگی۔ اُس نے رُک کر ادھر اُدھر دیکھا، صحن میں تناور درخت جھُوم رہے تھے اور نرم دھُوپ پھُولوں کو زیادہ شگفتہ بنا رہی تھی۔ یہاں شہد جیسی مہک تھی۔

اُس نے پگڈنڈی پر پہلا قدم رکھا جس کے دونوں طرف پھُولوں کے کُنج تھے۔ اُس نے دوسرا قدم اُٹھایا اور اُن ہدایتوں کو یاد کرنے لگی جو اُسے بیس سال قبل دی گئی تھیں۔ اُس سے کہا گیا تھا کہ اگر کسی روز فون آنے میں دس سیکنڈ کی بھی تاخیر ہو جائے تو اُسے کیا کرنا ہے... وہ چند لمحوں تک کُنج کو دیکھتی رہی اور اسے پہلی بار احساس ہُوا کہ آج کل وہ اُن کی طرف سے لاپروا ہو گئی ہے۔ اُس نے فیصلہ کیا کہ وہ ہدایت پر عمل کرنے کے بعد کیاریوں کو ٹھیک کرے گی۔

وہ صحن کے ایک کونے میں بُلند پلیٹ فارم پر نصب ایک کھمبے کی طرف بڑھ گئی جس کے چاروں طرف خاردار تاروں کی باڑ تھی۔ کھمبا پچیس فٹ بلند تھا۔ لوگ اسے فلیگ پول کہنے لگے تھے اور اس کی تنصیب کا مقصد بھی کسی کو معلوم نہ تھا۔ یہ کھمبا بھی اُسی پستہ قد شخص نے نصب کرایا تھا جو واشنگٹن سے آیا تھا... اور اس کی تنصیب میں مقامی مزدوروں کے بجائے، اس کے ساتھ آنے والوں نے ہاتھ بٹایا تھا۔

وہ لوگ رات بھر کام کرتے رہے تھے اور صبح ہونے پر کنکریٹ کا پلیٹ فارم بھی مکمل ہو چکا تھا۔

امیلا نے کنکریٹ کے پلیٹ فارم پر چڑھنے سے قبل کلائی کی

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

طرف دیکھا، وہ سستی گھڑی موجود نہیں تھی۔ اُس شخص نے یہی کہا تھا کہ اگر کبھی تنگ پہنچنے کا مرحلہ آئے تو وہ سستی گھڑی اُتار دینا۔

اُس نے باہر کا چھوٹا سا دروازہ کھولا اور پھر کنکریٹ کے پلیٹ فارم کا دروازہ کھول کر اندر آگئی۔ وہاں پول پر ایک پینڈل لگا ہوا تھا جس پر ایک نمبر لپٹی ہوئی تھی اور نمبر میں قفل تھا۔ امیلا نے جیب سے زنگ آلود چابی نکال کر بمشکل قفل کھولا اور پھر نمبر الگ کر دی۔ اتنے ہی سے کام میں اس کی سانس پھول گئی تھی۔

اب پینڈل پر ایک گھنڈی لگی ہوئی نظر آرہی تھی۔ اُس نے ایک بار پھر پرانی یادداشت پر زور دیا اور گھنڈی کو ایک سو اسی درجے پر گھما دیا۔ معاً اُسے کلک کی آواز سنائی دی اور پھر ایسا لگا، جیسے زلزلہ سا آگیا ہو۔ مگر یہ کیفیت پل بھر ہی قائم رہی اور پھر ختم ہو گئی۔ اُس نے طویل سانس لے کر سر کو جھٹکا اور باہر نکل آئی۔ دونوں دروازے بند کر کے وہ نیچے کی طرف بڑھنے لگی۔

وہ سوچ رہی تھی کہ اُس نے جو کچھ کیا ہے، اُس کا نتیجہ کیا نکلے گا لیکن پھر معاً اُسے وہ سیب یاد آگیا جسے وہ چھیل رہی تھی۔ اُس نے اندر جا کر دیکھا، سیب بھورا ہو چکا تھا۔ اُس نے سیب ایک طرف پھینک دیا اور آرام کرنے کے لیے کچن ہی میں بیٹھ گئی۔ اب ٹیلی فون، اُس کے لیے بے کار چیز بن گیا تھا۔ صرف اسی خیال سے کہ وہ لوگ اب کبھی فون نہیں کریں گے، اُس کا دل بھر آیا۔ اُسے اچانک شدید تھکن محسوس ہونے لگی۔ اُس نے سر پر بازو رکھ کر، لمبی لمبی سانسیں لیں لیکن اُسے محسوس ہو گیا کہ سانسیں بھاری ہو رہی ہیں اور پھر اُسے یہ احساس بھی ہوا کہ وہ ہانپ رہی ہے۔

"میرے خدا..." موت اُس کی نظروں کے سامنے ناچنے لگی۔ وہ سمجھ گئی کہ اُسے ہارٹ اٹیک کا سامنا ہے۔ اُس نے ٹیلی فون کی طرف ہاتھ بڑھانے کی کوشش کی لیکن اچانک ہی اُسے سینے میں درد کی ایک تیز لہر کا احساس ہونے لگا۔ اُس کا بایاں بازو سُن ہونے لگا اور پھر ایک طرف جھول گیا۔

درد کسی تیز جاقو کی طرح محسوس ہو رہا تھا اور سینے سے شانوں تک دوڑنے لگا... پھر یہی درد پیٹ سے رانوں تک پہنچ گیا پھر سانس اٹکنے لگی، اُکھڑنے لگی۔ اُس نے سانس لینے کی آخری کوشش کی مگر کرسی سے لڑھک کر فرش پر گر پڑی۔

❁

امیلا کو زلزلے کا جو احساس ہوا تھا، وہ اُس کا وہم نہیں تھا... گھنڈی کے گھومتے ہی زیرِ زمین آلات نے جو طاقت ور شمسی جنریٹر سے منسلک تھے، کام شروع کر دیا تھا۔ گھنڈی کی وجہ سے بیس سال سے خاموش جنریٹر نے اچانک ہی سانس لی تھی اور فضا میں طاقت ور ریڈیائی سگنل پھیلنے شروع کر دیے تھے۔ ان سگنلوں کے لیے یہ ضرر ساکھمبا، انٹینا کا کام دے رہا تھا۔

پورے میں سُرخ بتیاں جل اُٹھیں۔ روم کے ایک گیراج میں بیس سال سے بند سُرخ بلب اچانک روشن ہو گیا۔ پیرس کی ایک ہیکری میں سُرخ لائٹ جلنے بجھنے لگی۔ لندن کے ایک خوبصورت مکان میں سُرخ رنگ کے آرائشی گل دان سے معاً سُرخ روشنی نکلنے لگی اور ایک چھوٹے سے گھر میں سُرخ بلب جلنے لگا۔

پورے یورپ میں جن لوگوں نے ان سُرخ سگنلوں کو دیکھا، وہ فوراً تیار ہو گئے۔

❁

روم کے ڈاکٹر ریکو نے بیوی کو خدا حافظ کہہ کر گیراج کا رُخ کیا، جہاں دو کاریں کھڑی ہوئی تھیں۔ ایک پرانی فیاٹ تھی جس کا رنگ جگہ جگہ سے اُکھڑا ہوا تھا۔ اس کار کی ڈکی میں اس کا میڈیکل بیگ بھی رکھا ہوا تھا اور اس بیگ کی رنگت بھی جگہ جگہ سے اُڑی ہوئی تھی۔ اگرچہ گزشتہ برسوں میں ڈاکٹر ریکو اس بیگ پر کئی بار پالش کر چکا تھا لیکن اب پالش بھی اس پر اثر نہیں کرتی تھی۔ چمڑا جگہ جگہ سے چٹخ گیا تھا۔ اس بیگ سے ڈاکٹر ریکو کو بڑی محبت تھی کیونکہ یہ بیس سال قبل، گریجویشن کے موقعے پر اُسے تحفے میں ملا تھا اور اس بیگ کو ساتھ رکھتے ہوئے اُسے ہمیشہ خوشی محسوس ہوتی تھی۔ ہفتے میں تین دن تک یہ بیگ، اُس کے ساتھ رہتا تھا کیونکہ یہ تین دن روم کے ایک مضافاتی علاقے میں واقع کلینک کے لیے وقف تھے۔ ڈاکٹر ریکو نے یہ کلینک غریبوں کے لیے بنوایا تھا۔

اُس نے بیگ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے ڈکی بند کر دی... اور فیاٹ میں بیٹھ کر اُسے اسٹارٹ کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ انجن نے کئی بار اسٹارٹ ہونے سے انکار کیا مگر آخر ہار مان گیا اور ہلکی سی گڑگڑاہٹ کے ساتھ اسٹارٹ ہو گیا۔

لیکن اسی لمحے گیراج کے اندر، دیوار پر اچانک ایک سُرخ بلب روشن ہو گیا۔

"اوہ..." ڈاکٹر ریکو کی نظریں اس بلب پر جم گئیں جو بار بار جل بجھ رہا تھا۔ اُس نے انجن بند کر دیا۔ اس کے جسم میں سنسنی کی ایک عجیب سی لہر دوڑ گئی۔

ڈاکٹر ریکو نے بلب کو بغور دیکھا، انجن بند کیا اور رومال سے پسینہ پونچھنے لگا۔ اُس نے زمین پر بنے دہانے... جس سال

پہلے ملنے والی ہدایت کے عین مطابق جل بجھ رہا تھا۔ پہلے دو مرتبہ جلا، بجھا... پھر وقفہ ہوا... اس کے بعد پانچ مرتبہ چمکا، وقفہ بھی طویل ہوا اور اس کے بعد ایک بار زور سے چمک کر بجھ گیا۔

ڈاکٹر ریکو نے اب بھی اپنی جگہ سے حرکت نہ کی بلکہ بلب کو گھورتا رہا۔ ٹھیک تیس سیکنڈ بعد بلب اسی ترتیب سے جلنے بجھنے لگا۔

"بیس سال بعد..." ریکو نے گردن سے پسینہ پونچھتے ہوئے کہا۔ "اس کا مطلب ہے کہ کام شروع ہو گیا۔" اُس نے اسٹیئرنگ پر دونوں ہاتھ رکھ کر بہت تیزی سے سوچا۔ اُسے ہدایت بہت واضح طور پر یاد تھی۔ "سگنل ملتے ہی تاخیر نہ کی جائے۔"

"اوہ... میں تاخیر کر رہا ہوں۔" اُس نے کار کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا پھر پلٹ کر اگنیشن سے چابی نکالی، ڈکی کھول کر بیگ واپس رکھا اور دوسری کار کی طرف بڑھ گیا۔ یہ نئی چمکتی دمکتی ہوئی سیڈان تھی، اسی سال کا نیا ماڈل۔ اس کی ڈکی میں ایک بالکل نیا، کار کی طرح چمکتا ہوا میڈیکل بیگ رکھا ہوا تھا۔ اس کے نقرئی ہینڈل کی چمک، اندھیرے میں بھی واضح طور پر نظر آرہی تھی۔ اُس نے یہ بیگ اور کار چھ ماہ قبل ہی خریدی تھی۔ درحقیقت وہ ہر چھ ماہ بعد بیگ اور ہر سال کار تبدیل کر دیا کرتا تھا۔ اُس کے امیر مریضوں کو ایسا قیمتی بیگ اور نئی کار دیکھتے ہی اُس کی صلاحیت پر اعتماد ہو جاتا تھا۔ جبکہ اُس کے غریب مریض، پرانا بیگ اور پرانی کار دیکھ کر اُس سے بے تکلف ہونے میں دیر نہیں لگاتے تھے۔

ڈاکٹر ریکو نے سیڈان کے اگنیشن میں چابی گھمائی تو کار ہلکی سی آواز کے ساتھ اسٹارٹ ہو گئی۔ وہ گاڑی کا انجن اسٹارٹ کر کے گھر میں واپس آگیا۔ اُس کے چہرے پر آسودہ سی مسکراہٹ تھی۔ اُس کی محبوب بیوی، اُسے واپس آتے دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئی۔

"کیا ہوا، ریکو؟ کیا کچھ بھول گئے؟" اُس نے کچن سے نکلتے ہوئے پوچھا۔ وہ سڈول جسم کی مالک خوبصورت اور انتہائی وفا شعار عورت تھی جسے ریکو کی سیڈان سے زیادہ فیاٹ اور نئے بیگ سے زیادہ پرانے بیگ سے پیار تھا۔

"ہاں، تمھیں خدا حافظ کہنا بھول گیا تھا۔" وہ مسکراتے ہوئے اس کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

"اوہ... آج بہت شوخ لگ رہے ہو۔" وہ بڑی محبت سے بولی۔ "خدا حافظ کہہ تو چکے تھے۔"

"کیا تمھیں اندازہ ہے کہ میں تم سے کتنی محبت کرتا ہوں؟" ریکو نے غیر معمولی لہجے میں کہا لیکن اس کی بیوی نے اس کے لہجے کو محسوس نہیں کیا۔

"ہاں، کبھی کبھی مجھے ایسا لگتا ہے کہ تم اپنے مریضوں سے زیادہ مجھے چاہتے ہو اور میرے مریض بن گئے ہو۔"

"ہاں، میں تم سے آخری سانس تک محبت کرتا رہوں گا..." اُس نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔ "خدا حافظ، ڈارلنگ۔" ریکو نے پلٹ کر کہا اور وہ کچھ سوچ کر مسکرانے لگی لیکن اُس نے یہ نہیں دیکھا کہ اُس کے محبوب شوہر کی آنکھوں میں آنسو مچل رہے ہیں۔

اُس نے کچن کی کھڑکی سے جھانک کر دیکھا تو برا سا منہ بنا کر رہ گئی۔ ریکو آج خلافِ معمول فیاٹ کے بجائے سیڈان میں جا رہا تھا۔ حالانکہ آج فیاٹ کا دن تھا یعنی غریبوں کے علاج کی باری تھی۔ اُسے علم تھا کہ ریکو بھی سیڈان اور امیر مریضوں سے نفرت کرتا ہے لیکن اُسے غریبوں کا کلینک چلانے کے لیے امیروں کا علاج بھی کرنا پڑتا ہے تاکہ فضائی کلینک میں آنے والے غریبوں کا مفت علاج کر سکے۔

❁

وٹیکن سے صرف بیس فرلانگ دور ڈاکٹر ریکو جب اپنے پرائیویٹ کلینک میں داخل ہوا تو نرس اور ریسپشنسٹ حیران رہ گئیں۔ انھوں نے اس کی خلافِ معمول آمد پر کئی سوال کر ڈالے

ابلیکا
اسلم راہی
جس میں حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک دنیا کی تاریخ پیش کی گئی ہے
سات جلدوں میں مکمل سیٹ۔ 1950 روپے
ناشر: مکتبہ القریشی
اردو بازار لاہور

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

لیکن وہ صرف کندھے اُچکا کر رہ گیا۔ اپنے کمرے میں پہنچتے ہی اُس نے اپنے نائب کو فون کیا اور اُسے ہدایت کی کہ وہ فوری ہسپتال کے لیے کسی اچھے ڈاکٹر کی خدمات مستقلاً حاصل کرے۔ ریسیور رکھ کر اُس نے پسینہ پونچھا، ہاتھ منہ دھویا اور پھر روسی سفارت خانے کے نمبر ملانے لگا۔

"اوہ... ریکو... کیا حال ہے؟" اُس کا نام سنتے ہی روسی سفیر نے مخصوص انداز میں قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ ان دونوں میں دوستی بے تکلفی کی حد کو چھونے لگی تھی۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں لیکن تم سے چند ضروری باتیں کرنا چاہتا ہوں۔" ڈاکٹر ریکو نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"اوہ... کوئی خاص بات ہے؟"

"ہاں، تمہارے بلڈ ٹیسٹ کی رپورٹ ابھی موصول ہوئی ہے اور میں اس بارے میں تم سے کھل کر بات کرنا چاہتا ہوں۔" ڈاکٹر ریکو نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ اُس کی پیشانی پر پسینے کی بوندیں جھلملا رہی تھیں۔

"اوہ... کیا... کیا کوئی گڑبڑ ہے؟" سفیر کی آواز میں لرزش نمایاں تھی۔

"یہ... یہ بات میں ٹیلی فون پر نہیں بتا سکتا۔ تم اس کی اہمیت اچھی طرح سمجھتے ہو۔"

"ٹھیک ہے، ڈاکٹر! میں ابھی آیا۔"

ڈاکٹر ریکو نے ریسیور رکھ کر آہنی سیف کھولا، کوئی چیز نکالی اور میڈیکل بیگ میں رکھ لی۔ اُس کے بعد اپنی کرسی پر بیٹھ کر دونوں انگوٹھوں سے کنپٹیاں دبانے لگا۔ گزشتہ بیس سال کے واقعات اُس کی آنکھوں میں فلم کی طرح گھومنے لگے۔ اُسے بچپن، لڑکپن... جوانی، شادی سب کچھ یاد آگیا اور پھر وہ غریبوں کے اس کلینک کے بارے میں سوچنے لگا جسے بنانے کی خواہش اُسے بچپن ہی سے تھی، اس وقت سے جب اُس کا باپ گھر میں مر گیا تھا، صرف اس وجہ سے کہ اُس کے پاس علاج کرانے کے لیے رقم نہیں تھی۔

روسی سفیر صرف دس منٹ میں وہاں پہنچ گیا۔ اُس کے ساتھ اُس کا وہ خطرناک محافظ بھی تھا جس کی عادت ہر شخص کو شک کی نظروں سے دیکھنے کی تھی۔ وہ کار پارکنگ سے لے کر عمارت میں داخل ہونے تک تمام احتیاطی تدابیر اختیار کرتا تھا۔ حتیٰ کہ کار کے چلتے ہوئے بھی اس کی نظر ڈرائیور اور راہگیروں پر رہتی تھی... بعض اوقات وہ سفیر کو بھی اس طرح دیکھنے لگتا تھا جیسے وہ خودکشی کرنے والا ہو۔ اُسے کے۔ جی۔ بی سے یہ ہدایت بھی ملی تھی کہ وہ نہ صرف سفیر کو قتل ہونے سے بچائے بلکہ خود کشی بھی نہ کرنے دے... کیونکہ اس طرح ملک کا وقار مجروح ہوگا۔

وہ سفیر کے ساتھ ساتھ، ڈاکٹر ریکو کے کمرے میں داخل ہوا۔

"ہیلو..." ریکو نے سفیر کا بھاری بھرکم ہاتھ تھامتے ہوئے کہا "کیا آپ کا محافظ باہر انتظار کر سکتا ہے، پلیز...؟"

"ہاں، ہاں... کیوں نہیں۔" سفیر نے ہچکچاتے ہوئے جواب دیا... اور یہ جانتے ہوئے بھی اُسے باہر جانے کی ہدایت کی... کہ وہ کے۔ جی۔ بی کو تخلیے میں اس ملاقات سے ضرور باخبر کر دے گا لیکن ریکو کے بارے میں یہ سفیر اور اس سے پہلے کے سفیر جو اطلاعات ماسکو بھیج چکے تھے، وہ ریکو کے حق میں تھیں اور اُسے روس کا دوست کہا جاتا تھا۔ لہٰذا اُسے ایسی رپورٹ کی فکر نہیں تھی۔ وہ بہانہ بنا سکتا تھا کہ ریکو نے تنہائی میں اُس سے متحرف ہونے... اور ماسکو جانے کی خواہش پر ابتدائی بات چیت کی ہے۔

محافظ نے باہر جا کر دروازے پر پوزیشن سنبھال لی تاکہ کوئی اندر نہ جا سکے۔ ریسپشنسٹ نے اُسے بڑی نفرت سے دیکھا لیکن پھر اُس کے چہرے پر برہمی اور غصہ دیکھ کر گھبرا گئی۔

●

"میں جانتا ہوں کہ تم اتنے مضطرب کیوں ہو، ریکو۔" سفیر نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "تم ماسکو جانے کا فیصلہ کر رہے ہو۔" اگرچہ سفیر کے چہرے پر مسکراہٹ تھی لیکن وہ یہ سوچ سوچ کر پریشان ہو رہا تھا کہ ریکو نے اس کے خون میں نہ جانے کیسے جراثیم کا پتا چلا لیا ہے۔

"ابھی تک کوئی فیصلہ نہیں کیا۔" ریکو نے بھی خوش دلی سے جواب دیا۔

"کبھی نہ کبھی تو ضرور کرو گے۔" روسی سفیر نے زور دیا۔ "تمہاری عادتیں، تمہارا فری کلینک، سب یہ ظاہر کرتے ہیں کہ تم پرولتاریہ کے ساتھی ہو۔"

"اپنی انہی عادتوں اور فری کلینک کی وجہ سے ہی روس نہیں جا سکتا۔" ریکو نے سفیر کو ایک کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا، جو ایکسرے ڈسپلے بورڈ کے بالمقابل رکھی ہوئی تھی... گلاس اسکرین پر سینے کا ایکسرے لگا ہوا تھا۔ ریکو نے ڈسپلے پینل کا سوئچ آن کیا اور آفس لائٹ بجھا دی۔

"یہ تمہارے تازہ ترین ایکسرے ہیں۔" اُس نے دھیرے سے کہا۔ "یہ شدید سردیوں کے زمانے میں اس وقت لیے گئے تھے، جب تمہیں شدید کھانسی ہوئی تھی۔ یہ کہتے ہوئے وہ سفیر کی کرسی کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا اور اُنگلی سے ایکسرے کی طرف اشارہ کرنے لگا۔

"دونوں پھیپھڑوں کے نیچے تمہیں دھبے نظر آ رہے ہوں گے۔" یہ کہنے کے ساتھ ہی اُس کا دوسرا ہاتھ، میڈیکل بیگ میں رینگ گیا۔

"ہاں..." سفیر ننھے ننھے دو دھبے دیکھ کر پریشان ہو گیا... "ان کا کیا مطلب ہے؟"

ڈاکٹر ریکو کے ہاتھ نے بیگ میں کچھ ٹٹولا اور پھر جب ہاتھ باہر آیا تو اُس میں ایک سیاہ پستول دبا ہوا تھا۔

"کچھ بھی نہیں۔" ریکو نے پژمردہ لہجے میں کہا۔ "یہ ایکسرے تمہارا نہیں۔" یہ کہہ کر اُس نے میکانکی انداز میں پستول سفیر کی کنپٹی سے لگا دیا۔ اُس کا چہرہ ہر قسم کے تاثرات سے عاری تھا۔

روسی سفیر نے حیرت سے اُس کی طرف دیکھا۔ اُس کی آنکھوں سے بے یقینی مترشح تھی۔ وہ ڈاکٹر ریکو کی اس حرکت کو مذاق تصور کر رہا تھا لیکن ریکو کا چہرہ سپاٹ تھا۔

دفعتاً زور دار دھماکا ہوا۔ سفیر کی کھوپڑی پھٹ گئی اور ریکو کو یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ بیس سال قبل ملنے والا یہ پستول اب بھی کام کر رہا ہے۔

دھماکے کی آواز ریسپشن روم میں بھی سنی گئی۔ لوگ ایک دوسرے کو حیرت سے دیکھنے لگے۔

کرخت چہرے والا باڈی گارڈ تیر کی طرح کمرے میں داخل ہوا۔ اُس نے اپنا ریوالور بھی نکال لیا تھا لیکن اُسے ریوالور استعمال کرنے کی مہلت نہ ملی۔

ریکو نے دوسری گولی اپنی کنپٹی پر مار لی تھی۔ پستول نے اس بار بھی اُسے دھوکا نہیں دیا تھا۔

●

ایڈمرل گیٹ کی کار جونہی گیٹ میں داخل ہوئی، اُس کی نظر برآمدے میں کھڑی لوسی پر پڑی۔ لوسی کو دیکھتے ہی اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ لوسی اُس کی بیوی تھی۔ گیٹ کو ایسا کوئی دن یاد نہ تھا جب وہ گھر پہنچا ہو اور اُس نے لوسی کو برآمدے میں اپنے استقبال کے لیے موجود نہ پایا ہو۔

گیٹ نے کار سے اُتر کر مسکراتے ہوئے لوسی کا ہاتھ تھام لیا۔

"دن کیسا گزرا ہنی؟" لوسی نے اس کے ہاتھ سے بریف کیس لیتے ہوئے پوچھا۔

"روز جیسا۔" گیٹ نے کندھے اُچکائے اور اُس کے ساتھ ڈرائنگ روم کی طرف بڑھ گیا، جہاں معمول کے مطابق گرم گرم کافی اُس کا انتظار کر رہی تھی۔

اُس نے مسکراتے ہوئے لوسی کی طرف دیکھا اور صوفے پر پھیل گیا۔ یہ دونوں میاں بیوی کا معمول تھا کہ گیٹ جونہی گھر میں داخل ہوتا، سب سے پہلے وہ ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر کافی سے شغل کرنے کے ساتھ ساتھ موسم اور دیگر امور پر تبادلۂ خیال بھی کرتے تھے۔

"ارے ہاں... گیٹ! تمہارے لیے مسز اورلی کا پیغام ہے۔" لوسی نے کافی کا گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔

"کون اورلی؟" ایڈمرل گیٹ نے چونک کر پوچھا۔

"ہمارے پڑوسی۔"

"اوہ، اچھا... وہ بوڑھا فرانسیسی ہیوڈی جوڑا۔" ایڈمرل گیٹ نے قہقہہ لگا کر کہا۔ "کیوں، انھیں کیا تکلیف ہے؟"

"انھوں نے پیغام دیا ہے کہ تم فوراً اُن سے مل لو... بعض اہم امور پر بات کرنی ہے۔"

"اہم امور پر؟ میں سمجھا نہیں۔" ایڈمرل گیٹ نے بیوی کو سوالیہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ جواباً لوسی صرف کندھے اُچکا کر رہ گئی۔

ایڈمرل گیٹ کافی ختم کرتے ہی اورلی سے ملنے چل دیا۔

بوڑھے اورلی کو امریکا آئے زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا۔ پیرس میں اُس کا اچھا خاصا کاروبار تھا۔ دونوں میاں بیوی دنیا کی سیاحت کے لیے نکلے تھے لیکن انھیں امریکا اتنا پسند آیا کہ انھوں نے کچھ عرصے وہیں رہنے کا فیصلہ کر لیا اور رہائش کے لیے ایڈمرل گیٹ کے برابر والا مکان خرید لیا۔ یہ اُن دنوں کی بات تھی جب ایڈمرل گیٹ بحریہ سے فارغ ہونے کی تیاری کر رہا تھا۔

کال بیل کے جواب میں، بوڑھا اورلی ہی اُس کے استقبال کو نکلا تھا۔ ایڈمرل کو دیکھتے ہی اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"ہیلو، ایڈمرل!" اس نے اپنا عرشہ زدہ ہاتھ ایڈمرل گیٹ کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا اور اُسے لیے ہوئے ڈرائنگ روم میں آ گیا۔

"بیٹھو، کیا پیو گے، ایڈمرل؟"

"کچھ نہیں، شکریہ! آپ فرمائیں، مجھے کس سلسلے میں یاد کیا؟" ایڈمرل نے ڈرائنگ روم کا جائزہ لیتے ہوئے کہا جو کافی نفاست سے سجا ہوا تھا۔

"ایڈمرل! تمھیں یاد ہے، جب تم کیپٹن تھے تو پیرس گئے تھے؟"

"ہاں، کیوں؟" ایڈمرل گیٹ نے اُسے سوالیہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"پھر تمھیں وہ شام بھی یاد ہو گی، جب ویت کانگ کے ایک عامی گروپ نے تمھیں اغوا کر لیا تھا؟"

"ہاں... لیکن تمھیں کیا معلوم؟" ایڈمرل گیٹ نے چونک کر بوڑھے کو

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

مشتبہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"بس صرف ایک بات اور۔ ایڈمرل!" بوڑھا ایڈمرل کی کیفیت پر مسکراتے ہوئے بولا۔ "صرف اتنا بتا دو، تمہیں ان کے چنگل سے کس نے رہائی دلائی تھی اور کیوں؟"

ایڈمرل گیٹ نے ایک طویل سانس لے کر آنکھیں موند لیں اور بولا۔ "ایک روسی جوان نے جو نیا نیا کے۔ جی۔ بی کا ایجنٹ بنا تھا۔ ایک رات میں نے ایک کسینو میں اس کی مالی امداد کی تھی۔ بہت اچھا نوجوان تھا وہ... میں اب بھی اس سے محبت کرتا ہوں۔"

"وہ بھی تمہارا بہت احترام کرتا ہے۔" ایڈمرل وان گیٹ..." بوڑھے نے بدلی ہوئی آواز میں کہا۔ اس کی آواز سنتے ہی ایڈمرل ایک جھٹکے سے سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ یہ آواز کسی بوڑھے آدمی کی ہرگز نہیں تھی۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر بوڑھے کو گھور رہا تھا۔

"تم... تم..." ایڈمرل نے ہکلاتے ہوئے کہا۔

"ہاں، میں... میں وہی نوجوان ولیسلی کارٹی نوف ہوں، ایڈمرل!" بوڑھا مسکراتے ہوئے بولا۔

"اوہ... ولیسلی... لیکن یہ سب کیا ہے؟" ایڈمرل نے حیرت زدہ ہوتے ہوئے کہا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا... کہ کے۔ جی۔ بی کا ایجنٹ، اس کے پڑوس میں رہے اور اسے خبر ہی نہ ہو۔

"میں تمہارے گھر میں ہی تم سے ملتا لیکن میں جانتا ہوں... کہ تمہارے گھر کی دیواروں کے بھی کان ہیں اور وہاں ہونے والی گفتگو سی۔ آئی۔ اے کے ہیڈ کوارٹر میں سنی جاتی ہے۔" ولیسلی نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"یہ امریکا ہے ولیسلی! ماسکو نہیں، جہاں..."

"طنز نہیں، ایڈمرل! میں تم سے صرف یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ تمہارے ایک جاسوس نے آج سہ پہر روم میں ہمارے سفیر کو کیوں قتل کیا؟ یہ تو اسنجیدہ مسئلہ ہے۔" اس نے ایڈمرل کو درشت انداز میں گھورتے ہوئے کہا۔

ایڈمرل اس کے انداز گفتگو پر پہلو بدل کر رہ گیا۔ اسے ولیسلی کا لہجہ پسند نہیں آیا تھا لیکن اس نے اپنے غصے پر قابو رکھا اور بولا۔ "میں سمجھا نہیں کارٹی نوف؟"

"میں وضاحت کیے دیتا ہوں۔" کارٹی نوف کرسی پر آگے جھکتے ہوئے بولا۔ "آج روم میں ہمارے سفیر کو ایک اطالوی ڈاکٹر نے قتل کر دیا ہے اور قاتل تمہارا آدمی ہے۔"

"ہمارا آدمی... نہیں، کارٹی نوف! یہ کوئی غلط فہمی ہے۔ اگر ہمارا کوئی آدمی ہوتا تو مجھے ضرور اطلاع ملتی۔"

"اس کا نام ڈاکٹر ریکو ہے۔ کیا نام سن کر کچھ یاد آیا؟"

"کیا اسے گرفتار کر لیا گیا ہے؟"

"نہیں، اس نے بھی خودکشی کر لی ہے۔"

"ریکو... ڈاکٹر ریکو..." ایڈمرل گیٹ نے اپنی چندیا پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ "ایک منٹ رکو۔ میں ابھی معلوم کرتا ہوں۔" وہ اٹھ کر کونے میں رکھے فون کی طرف بڑھا لیکن چند قدم چل کر ہی وہ رک گیا اور پلٹ کر ولیسلی کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کی آنکھوں میں پھر وہی فطری مسکراہٹ نمایاں تھی۔ اس کی شخصیت کا خاصہ تھی۔

"میرا خیال ہے ولیسلی! ہم کہیں اور چل کر گفتگو کرتے ہیں۔" اس نے دوستانہ انداز میں ولیسلی کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ جواباً ولیسلی صرف کندھے اچکا کر رہ گیا۔

وہ دونوں ٹہلتے ہوئے ایک فون بوتھ تک پہنچ گئے۔

ایڈمرل نے بوتھ میں داخل ہو کر چیف آف آپریشنز کے نمبر ملائے اور اس پر گرجنے برسنے لگا... پھر وہ کافی دیر تک... دوسری طرف ہونے والی گفتگو سنتا رہا... پھر جب وہ بوتھ سے باہر نکلا تو اس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔

"تمہاری معلومات غلط نکلیں کارٹی نوف! ریکو کبھی ہمارا آدمی نہیں رہا۔ ہمارے ریکارڈ میں اس کا نام تک نہیں۔"

"جہنم میں گیا تمہارا ریکارڈ۔" کارٹی نوف نے مشتعل ہو کر جواب دیا۔ اس نے اب ہیٹ بھی اتار لیا تھا۔ "ہمیں معلوم ہے کہ سی۔ آئی۔ اے نے ریکو کو ڈاکٹری کی تعلیم دلائی تھی۔ اسے غریبوں کے لیے کلینک کھولنے کے لیے رقم فراہم کی، اور بیس سال تک اس کلینک کے لیے ضروری سامان سی۔ آئی۔ اے ہی فراہم کرتی رہی۔"

"ناممکن..." ایڈمرل گیٹ نے اپنے ہاتھ پر گھونسہ مار کر کہا۔

"میں سو فی صد حقائق بیان کر رہا ہوں، ایڈمرل! ہمارے پاس نہ صرف ثبوت بلکہ وہ گواہ بھی ہے جس کے تحت وہ کام کر رہا تھا۔"

"گواہ... کیسا گواہ؟"

"آپریشن اومیگا۔" کارٹی نوف نے درشت لہجے میں کہا۔

"کک... کیا؟" ایڈمرل اس طرح اچھلا جیسے اسے تنکے تار نے چھو لیا ہو۔ "تم نے یہی کہا نا؟ کیا تمہیں اس کی تفصیلات کا علم ہے؟"

"ہمیں صرف اس کا نام معلوم ہے اور اس نام کی فائل خروشیف کے زمانے سے ہمارے ریکارڈ میں موجود ہے... اور اس آپریشن کو ان اداروں کی مدد حاصل ہے جن کے ذریعے سی۔ آئی۔ اے

آپ نے بہت سے سفرنامے پڑھے ہوں گے۔۔۔۔۔۔۔
مگر ایسی لرزہ خیز کہانی آپ پہلی بار پڑھیں گے۔
جسے اردو کے صاحب طرز ادیب اور الفاظ کے جادوگر
قمر اجنالوی نے اپنے مخصوص انداز میں تحریر کیا۔۔۔۔۔

دھرتی کا سفر

انسانی تاریخ و آثار کے پس منظر میں ایک ہولناک سرگزشت

قیمت: حصہ اول/-300 حصہ دوم-/300

ناشر: مکتبہ القریش اردو بازار۔ لاہور 2

نئی دنیا

★ ۔۔۔۔۔ ایک اخباری رپورٹر کی حیرت انگیز اور سنسنی خیز کہانی جسے ظہور میں آنے والے واقعات کی خبر پیشگی مل جاتی تھی۔

★ ۔۔۔۔۔ کائنات کے اسرار و عجائبات کا وہ نقشہ جسے آدمی سمجھ نہیں سکتا۔ ایک مرا ہوا آدمی جو شہاب کو پیشگی اخبار فراہم کرتا رہا کون تھا۔۔۔۔۔ ★ ۔۔۔۔۔ ایک سنسنی خیز ناول جسے صاحب طرز ادیب قمر اجنالوی نے تحریر کیا۔

۔۔۔۔۔ بہترین طباعت قیمت: -/200 روپے

ناشر: مکتبہ القریش اردو بازار۔ لاہور 2

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

رقوم تقسیم کرتی ہے۔"

"مگر آپریشن اومیگا تو میں کل ہی منسوخ کر چکا ہوں۔" ایڈمرل نے پُرتفکر لہجے میں کہا۔ "اس منسوخی کی وجہ یہی تھی کہ کسی کو بھی اس کی تفصیلات کا علم نہیں تھا۔"

"تب پھر تم جلد از جلد معلوم کرنے کی کوشش کرو کہ اس آپریشن کا اصل مقصد کیا ہے؟ اور میں یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ ہماری حکومت بھی سفیر کے قتل کا جواب دے سکتی ہے۔"

"سنو، تم پریشان مت ہو۔"

"پریشان نہ ہوں۔" کارلی نوف تلخ لہجے میں بولا۔ "ہمارا ایک اہم ترین آدمی قتل ہو گیا۔ تمہارے ایجنٹ نے اُسے قتل کیا اور میں پریشان نہ ہوں۔ نہیں ایڈمرل! میں نے اس قسم کی اخلاقیات میں تعلیم حاصل نہیں کی۔"

"پلیز..."

"میری حکومت اینٹ کا جواب پتھر سے دے سکتی ہے۔"

"یقین کرو کہ اس میں ہمارا کوئی ہاتھ نہیں۔" ایڈمرل گھبرا گیا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ کسی ملک میں کوئی امریکی سفیر مارا جائے۔ "سنو، میں تمہیں صرف ایک طریقے سے یقین دلا سکتا ہوں۔" یہ کہتے ہوئے ایڈمرل نے جیب سے ایک کارڈ نکال کر وسیلی کو دیا۔ "تم کل صبح میرے آفس آ جاؤ۔ وہیں دیکھیں گے کہ یہ کیا مسئلہ ہے۔"

●

ایڈمرل کے کارڈ نے بآسانی وسیلی کو اس تک پہنچا دیا...

ایڈمرل اُسے لے کر رتہ خانے میں آیا جہاں سے ایک لفٹ کے ذریعے وہ کسی اور جگہ پہنچے۔ "تم پہلے روسی ہو جو اس مقام پر سانس لے رہے ہو۔" ایڈمرل نے لفٹ سے نکلتے ہوئے کہا اور اس کا ہاتھ تھام کر طویل غلام گردش میں چلنے لگا جس کے خاتمے پر ایک ہال تھا، وہاں ایک سو چھتیس نمبر کے کمرے میں ایک گنجا آدمی بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ اس نے قدموں کی آہٹ سن کر آنکھیں کھول دیں۔

"میں ایڈمرل گیٹ ہوں۔" سی۔ آئی۔ اے کے ڈائریکٹر نے اس سے کہا۔

"جانتا ہوں۔"

"تم لائبریرین نارٹن ہو؟"

"یس سر..."

"میں ایک فائل کی تلاش میں آیا ہوں۔"

"خدا آپ کی رہنمائی کرے، جناب!"

"کیا مطلب؟" ایڈمرل نے چونک کر پوچھا۔

گنگا کے پجاری تارک

اے حمید ○ قسمت ۳۵۰/۰۰ روپے

رومانی ناول

دل کا آنگن	سلمیٰ رعنا	75/-
کالے کنول	سلمیٰ رعنا	75/-
اور دیا جلتا رہا	سلمیٰ رعنا	100/-
موج گرداب	سلمیٰ رعنا	100/-

مکتبہ القریش اُردو بازار - لاہور 2

اسلام کے نامور مجاہدین	قمر تسکین	50/-
اسلام کی نامور خواتین	قمر تسکین	40/-
سو مسلمان مشاہیر	قمر تسکین	75/-
ملک ملک کی عورتیں	قمر تسکین	35/-

مکتبہ القریش اُردو بازار - لاہور 2

"یہ مطلب تو آپ ہی بتائیں جناب! آپ کی سی۔ آئی۔ اے دس بارہ دنوں کی پالیسی کے تحت، لائبریری عوام کے لیے آپ ہی کے حکم پر کھولی گئی تھی اور اب اندر جا کر دیکھ لیں، ایک سی دن میں کیا حشر ہوا ہے۔"

لائبریری کی حالت واقعی ناگفتہ بہ تھی۔ پورا ہال کاغذوں سے بھرا ہوا تھا۔ شیلف خالی تھے اور خالی فائل کور اس کا منہ چڑا رہے تھے۔ اس نے اخبارات کے ذریعے مقبولیت حاصل کرنے کی خاطر یہ حکم دیا تھا کہ ہفتے میں ایک مرتبہ لائبریری اور سی۔ آئی۔ اے کے دفاتر عوام الناس کے لیے کھولے جائیں گے تاکہ عوام سی۔ آئی۔ اے کے عوامی کردار سے باخبر رہ سکیں۔ روسی ایجنٹ حساس لائبریری کا یہ حشر دیکھ کر مسکرانے لگا اور ایڈمرل نارٹن پر گرجنے برسنے لگا۔ اس نے دہلیز سے آپریشن چیف کو فون کیا اور اُسے ہدایت کی کہ لائبریری کا ریکارڈ دوہ اپنی نگرانی میں ٹھیک کرائے اور آپریشن اومیگا کی فائل تلاش کرے۔

●

کارلی نوف اور گیٹ کے۔ جی۔ بی اور سی۔ آئی۔ اے کے طریقۂ کار کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے کافی پی رہے تھے کہ آپریشن چیف ایک لوسیدہ کاغذ لے کر کمرے میں داخل ہوا مگر روسی ایجنٹ کو دیکھ کر ٹھٹک گیا۔

"سوری سر! میں بعد میں آ جاؤں گا۔" اس نے کاغذ سنبھالتے

"فکر مت کرو۔" ایڈمرل نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا... "کارلی نوف ہمارے رازوں سے بے خبر نہیں۔ تم نے آپریشن اومیگا کے بارے میں کیا پتا چلایا؟"

"پورے کمرے میں آپریشن اومیگا سے متعلق صرف یہی کاغذ ہے اور یہ بھی کسی کی پرسنل فائل سے۔" آپریشن چیف نے ہچکچاتے ہوئے جواب دیا۔

"اس میں کیا لکھا ہے؟"

"اس میں..." آپریشن چیف نے روسی جاسوس کو ایک نظر دیکھا مگر پھر یہ سوچ کر وہ بھی نہیں ہچکچایا کہ اس کا سربراہ ہی کی موجودگی میں بات کرنا چاہتا ہے تو اس کی بلا سے! "اس میں لکھا ہے کہ آپریشن اومیگا پر صرف اس وقت عمل کیا جائے... جب امریکا ایٹمی جنگ میں ہار جائے۔"

"کس کی پرسنل فائل سے نکلا ہے؟"

"یہ... رازر..."

"بولو... بولو..." ایڈمرل نے غصے سے میز پر گھونسہ مارتے ہوئے کہا۔ "کس کی فائل سے ملا ہے؟"

"ایک سابق ملازم کی... غالباً اس کا منصوبہ بنانے میں کوئی ہاتھ تھا۔"

"ارے، بابا، نام بتاؤ۔"

"ڈاکٹر بہرام آج کل نیویارک میں مقیم ہے اور چارہ گر نامی سیٹلی ٹورپم چلا رہا ہے۔"

"خیر تگی ہے؟"

"جی ہاں..." آپریشن چیف نے جواب دیا اور واپس چلا گیا۔

"دیکھا، تم نے، کارلی نوف! ہمارے پاس زیادہ معلومات نہیں۔" ایڈمرل نے ہوانا کا سگار سلگاتے ہوئے کہا۔

"لیکن آپریشن اومیگا نے ہمارے سفیر کو قتل کیا ہے اور اس قتل کو ہم اعلان جنگ بھی سمجھ سکتے ہیں۔ کیا تم ڈاکٹر بہرام سے لابطہ قائم کرو گے؟"

"کیوں نہیں... میں اس سے سب کچھ اگلوا لوں گا۔" اسی لمحے فون کی گھنٹی بجی۔ ایڈمرل نے ریسیور اٹھایا اور پھر حیرت سے ریسیور کو دیکھنے لگا۔ "یہ... یہ تمہاری کال ہے کارلی نوف! کیا تم بتا کر آئے تھے؟"

کارلی نوف نے ریسیور لے لیا۔ اس کا سر اثبات میں ہلتا رہا اور نظریں ایڈمرل پر جمی رہیں۔ "شکریہ..." اس نے صرف اتنا ہی کہا اور ریسیور رکھ دیا۔ "یہ فون میرے آفس سے تھا، ایڈمرل... کچھ دیر قبل ہی پیرس میں ہمارے سفیر کو چاقو مار کر قتل کر دیا گیا ہے۔ قاتل بیکری والا ہے اور اس کا تعلق بھی آپریشن اومیگا سے ہے۔"

ایڈمرل کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔

کارلی نوف کے جانے کے بعد، ایڈمرل نے اپنی سیکرٹری کی مدد سے ڈاکٹر بہرام کا ٹیلی فون نمبر تلاش کیا۔ یہ فون نمبر ایک سیٹلی ٹورپم ہی کا تھا۔ سیکرٹری نے نمبر ملا کر بزر بجایا۔ "کیا ہوا؟" ایڈمرل نے فون اٹھا کر پوچھا۔

"ڈاکٹر بہرام کی لائن مل گئی ہے، جناب! بات کریں..." سیکرٹری نے کہا اور کلک کی آواز کے ساتھ ہی دوسری طرف سے بھی ایک لڑکی کی بڑی تند آواز سنائی دی۔

"ڈاکٹر بہرام سے بات کراؤ۔"

"وہ ہر ایرے غیرے سے بات نہیں کرتے۔" لڑکی کا لہجہ مشتعل کر دینے والا تھا۔ "تم کون ہو؟"

"ایڈمرل وان گیٹ... میں..."

"کیا چاہتے ہو، ایڈمرل؟"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"میں سیکرٹری سے بات کرکے وقت ضائع کرنا نہیں چاہتا، لڑکی!" ایڈمرل نے بُرے سے لہجے سے جواب دیا۔ "ڈاکٹر بہرام سے بلاؤ۔"

"وہ تشریف نہیں رکھتے۔" لڑکی دوٹوک انداز میں بولی۔

"تب پھر وہ کہاں ہے؟"

"یہاں تو بہرحال نہیں ہیں۔"

"دیکھو، میں ایک انتہائی اہم مسئلے پر اُس سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"وہ اِس وقت گولف کھیل رہے ہیں اور میرے نزدیک یہ کام باقی تمام کاموں سے زیادہ اہم ہے۔"

"ٹھیک ہے، اُس سے کہنا کہ واپس آتے ہی مجھے فون کرے اور پھر ملنے کے لیے وقت لے کر آجائے۔"

"وہ واپس آکر دوسرے اُمور میں مصروف ہوجائیں گے۔ لہٰذا تمھیں خود ہی یہاں آکر اُن سے ملنا ہوگا، ایڈمرل!"

"کیا تمھیں نہیں معلوم کہ میں سی۔ آئی۔ اے کا ڈائریکٹر ہوں؟" ایڈمرل کا بلڈ پریشر بڑھنے لگا۔

"کوئی بات نہیں۔ تم اُن سے ملنا چاہتے ہو... ضرور مل لوگے اور یقین کرو کہ راستہ بھولے بغیر یہاں تک پہنچ سکو گے۔ ویسے جب میں سی۔ آئی۔ اے میں تھی تو میں نے کوئی ایسا ایجنٹ نہیں دیکھا جو راستہ نہ بھولا ہو۔"

"میں نہیں آؤں گا۔ ڈاکٹر بہرام خود مجھ سے ملنے آئے گا۔"

"تم ضرور آؤ گے، ڈائریکٹر!" لڑکی نے کہا اور ریسیور رکھ دیا۔

چند لمحوں بعد اُس نے ریسیور دوبارہ اُٹھا کر ویسٹ پورٹ کے نمبر ملائے۔ اس وقت وہ بہت خوش نظر آرہی تھی۔

❁

ایڈمرل گیٹ کے لیے چند ایجنٹوں کو گولف کورس بھیج کر ڈاکٹر بہرام کو اٹھوا لینا بہت آسان ثابت ہوتا لیکن اُسے نہ جانے کیوں ڈاکٹر بہرام کی شخصیت پُراسرار لگنے لگی تھی اور ویسے بھی لوگوں کو اغوا کرکے، چائے پلانا، اُس کے نزدیک غیر اخلاقی بات تھی لیکن منصوبہ یہی تھا کہ اگر بہرام نہ آیا تو اُس کی کمر کسی ہوجائے گی اور پھر اُسے اُٹھوانا ہی پڑے گا۔

وہ سوچنے لگا کہ بہرام پر ہاتھ ڈالنے سے قبل، اُسے صدر سے مشورہ کرلینا چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ صدر کا کوئی دوست نکلے اور بعد میں صدر، اُسے غیر آئینی کام کرنے کے الزام میں وہیں پہنچا دے جہاں سابق ڈائریکٹر ہے۔ اگر صدر، اس غیر قانونی کام کی اجازت دیتا ہے تو اخبارات میں صرف وہی موردِ الزام نہیں قرار پائے گا بلکہ صدر بھی مَوت ہوجائے گا۔

یہ سوچ کر اُس کی مُسکراتی آنکھیں بجھنے لگیں اور اُن میں مُسکراہٹ کے بجائے تفکر کے سائے تیرنے لگے۔ وہ خود کو پہلے کے مقابلے میں کافی بُوڑھا محسوس کررہا تھا۔

ہیلتھ ہاؤس جاتے ہوئے بھی اُسے سابق ڈائریکٹر کے جُملے یاد آرہے تھے۔ 'ایک روز وہ کھیل کے دوران ہی میں ضابطے بدل دیں گے اور پھر تم بھی یہیں آؤ گے تو میں ازراہِ ہمدردی تمھیں اس کمرے میں رہنے کی اجازت دے دوں گا۔"

سابق ڈائریکٹر نے جو کچھ کہا تھا، وہ دھمکی آمیز تھا لیکن ایسا لگ رہا تھا جیسے اُس کی پیشگوئی سچی ثابت ہوسکتی ہے۔ گیٹ کو چارج سنبھالے ہوئے ابھی چند ہی روز ہوئے تھے لیکن ان چند روز میں اُسے انتہائی مشکل حالات کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ دروازے سے لے کر اومیگا پروجیکٹ اور پھر ڈاکٹر بہرام۔ یہ مسائل بہت مشکل ثابت ہورہے تھے۔ اُسے معاً اپنے پیش رَو سے ہمدردی محسوس ہونے لگی۔

صدرِ مملکت اوول آفس میں اُس کے منتظر تھے۔ اُس نے میز کے پیچھے، ارجنٹوں کے درمیان شناسا چہرے کو دیکھا تو اُسے بڑا سکون محسوس ہُوا۔ ساتھ ہی ایک عجیب سا احساس بھی بیدار ہوگیا۔ صدر، اپنے دورِ جوانی میں اُس کا ماتحت رہ چکا تھا۔ ایک زمانے میں وہ اس نوجوان کا کمانڈنگ آفیسر تھا جو یونائیٹڈ اسٹیٹس اکیڈمی سے فارغ التحصیل ہوکر آیا تھا۔ وہ نوجوان ہمیشہ گیٹ کو لیڈر سمجھتا تھا اور اُس کے ہر حکم کی تعمیل کرتا تھا۔ اب وہی نوجوان، صدرِ مملکت تھا اور ایڈمرل اُس کا ماتحت۔

"کیا حال ہے، کیپٹن؟" صدرِ مملکت نے مُسکراتے ہُوئے پوچھا۔ "بیٹھو..."

"شکریہ، جناب!" ایڈمرل نے چلغوزے کی بنی ہُوئی میز کے ساتھ بڑی کُرسی پر بیٹھتے ہُوئے کہا۔

"رُوسیوں کو کس نے قتل کیا ہے، کیپٹن؟"

"اوہ... آپ کو اس کی اطلاع مل چکی ہے، جناب...؟" ایڈمرل کا مُنہ حیرت سے کھلا رہ گیا۔

"ہاں، دفترِ خارجہ نے بتایا ہے اور اس اطلاع کے ملنے پر مجھے یقین تھا کہ تم یہاں ضرور آؤ گے۔"

"اب کیا عرض کروں، جناب!" ایڈمرل نے طویل سانس لے کر جواب دیا۔ "سمجھ میں نہیں آتا، کیا کہوں؟

"کچھ تو کہو۔" صدر نے زیرِ لب مُسکرا کر کہا اور پنسل کی ایک پنسل اُٹھالی۔

"آپ نے پُوچھا ہے کہ رُوسیوں کو کس نے قتل کیا۔ میرا خیال ہے کہ ہم نے..."

صدرِ مملکت کے ہاتھ سے پنسل میز پر گر گئی۔ "ہم نے...؟" وہ تقریباً اُچھل پڑے۔

"جی..." ایڈمرل نے اس طرح ہاتھ لہرایا جیسے کسی نادیدہ دُشمن کے حملے سے بچنا چاہتا ہو اور پھر اُس نے وہ تمام باتیں بتادیں جو اُسے معلوم ہُوئی تھیں۔ اُس نے کاربی نوف سے ملاقات کی تفصیلات بھی بتادیں۔

"سوال یہ ہے کہ تم نے پروجیکٹ اومیگا ختم ہی کیوں کیا؟"

"میں تو حُکم کا غلام ہُوں، جناب!"

"مگر میں نے ایسا کوئی حُکم نہیں دیا۔"

"جی... لیکن آپ نے حُکم دیا تھا کہ سی۔ آئی۔ اے کا بجٹ کم کیا جائے۔ یہ بات آپ نے پریس کانفرنس میں بھی کہی تھی... اور میرے نزدیک پروجیکٹ اومیگا، ہمارے بجٹ پر بہت بڑا بوجھ تھا۔ اس پروجیکٹ کا کوئی سر پیر ہی نہیں۔"

"دُنیا میں سب سے بڑا بوجھ تیسری جنگِ عظیم کے خطرے کا ہے۔" صدر نے خشک لہجے میں جواب دیا۔ "اور اگر رُوسی سفیر، ہمارے لوگوں کے ہاتھوں اسی طرح قتل ہوتے رہے تو پھر یہ خطرہ حقیقت بن جائے گا... اور اس کے بوجھ سے دُنیا ختم ہوجائے گی۔"

کمرے میں خاموشی چھا گئی۔

"اُلانشاکی اس عورت کا کیا ہُوا؟" چند لمحوں بعد صدر نے تلخ لہجے میں پوچھا۔

"میں نے پہلا کام یہی کیا تھا، جناب! وہ میرے آدمیوں کو اپنے گھر میں مُردہ ملی۔ غالباً دل کی مریضہ تھی۔ گھر میں ایسی کوئی چیز نہیں ملی جس سے پروجیکٹ اومیگا پر روشنی پڑ سکتی ہو۔"

"کیا تم نے اپنے آدمیوں کو مکان کی تلاشی لینے کے لیے بھیجا تھا؟" صدر کا چہرہ سُرخ ہونے لگا تو اسی لمحے ایڈمرل کو احساس ہُوا کہ اس نے بلا وارنٹ تلاشی کی اجازت دے کر قانون شکنی کی ہے۔ اُس کے سامنے، کمرۂ عدالت گھوم گیا۔

"جج... جی ہاں..." اُس نے بمشکل کہا لیکن اس وقت اُس کا ذہن بہت تیزی سے کام کررہا تھا۔

"کیا میں نے تمھیں ایسا کرنے کی اجازت دی تھی؟"

ایڈمرل کے ذہن میں خطرے کی گھنٹیاں بجنے لگیں... وہ جانتا تھا کہ صدر کے اس سوال کا مقصد صرف یہ ہے کہ وہ خود کو بری آئی۔ اے کے اس اقدام سے الگ کررہا ہے۔ وہ بہت جلد ایک فیصلے پر پہنچ گیا۔ اُس نے طویل سانس لی۔ "کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ میرا یہ اقدام غلط تھا، جناب صدر؟"

"ہاں، تم نے تکنیکی طور پر غلط اقدام کیا ہے۔"

"تب پھر مجھے اپنی اصلاح کرنی ہوگی۔" ایڈمرل نے زیرِ لب مُسکراتے ہُوئے کہا۔ "میں پریس کو اس واقعے کی تفصیل بتا کر قوم سے انسانی حقوق کی اس خلاف ورزی پر معذرت کرلُوں گا۔ اس طرح آپ کی حکومت کی بدنامی نہیں ہوگی۔" یہ کہہ کر اُس نے صدر کی طرف دیکھا۔ تبرنشانے پر بیٹھا تھا۔ ایڈمرل کا ایسا کوئی بھی بیان حکومت بدل سکتا تھا اور وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ موجودہ حکومت غیر مقبول ہے۔

صدر نے طویل سانس لی اور پھر دھیرے سے بولے۔ "تم کیا چاہتے ہو، کیپٹن؟"

"صرف یہ کہ آپ عورت کے مکان کی تلاشی کو اپنا حکم قرار دے دیں۔"

"ٹھیک ہے... اب مطمئن ہو؟"

"فی الوقت تو مطمئن ہُوں لیکن اگر آپ یہی بات تحریر میں دے دیں تو بہت اچھا ہوگا۔ مجھے جلدی نہیں۔ آج کسی بھی وقت یہ تحریر دی جاسکتی ہے۔" ایڈمرل فاتحانہ لہجے میں بولا۔

"کیا تمھیں مجھ پر اعتماد نہیں؟" صدر نے حیرت سے اُس کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"اوے نہیں، ہم تو برسوں کے دوست ہیں لیکن اصل بات یہ ہے کہ سابق ڈائریکٹر سے کل ہی جیل میں ملاقات ہُوئی ہے۔"

"اُس کی اصل جگہ وہی ہے۔" صدرِ مملکت نے جواب دیا

"اُس کا قصور صرف اتنا ہی تھا، جتنا میرا ہے اور میں جیل جانا نہیں چاہتا۔ تحریر ضروری ہے، جناب!"

"ٹھیک ہے، مِل جائے گی۔ اب آپریشن اومیگا کی بات کرو۔ کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ اس کی فائل ہی غائب ہے؟"

ایڈمرل نے صدرِ مملکت کو یہ بتانا مناسب نہیں سمجھا کہ اُس کی سی۔ آئی۔ اے اوپن ہاؤس ڈے والی پالیسی نے کیسا غضب ڈھایا ہے۔ "صرف ایک حوالہ ملا ہے، جناب!"

"وہ کیا...؟" صدر نے آگے جُھک کر پوچھا۔

"یہ پروگرام بیس سال قبل ایک ایسے غیر ملکی ملازم نے شروع کیا تھا جو اب ریٹائر ہوچکا ہے۔ اُس کا نام ڈاکٹر بہرام ہے اور وہ

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

سینی ٹوریم چلاتا ہے۔ اے نیویارک میں۔"

صدرِ مملکت کے چہرے پر کئی رنگ آکر گزر گئے مگر فوراً ہی وہ مسکرانے لگے۔ "ڈاکٹر بہرام... تم نے یہی نام لیا ہے نا؟"

"یس سر..." ایڈمرل حیرت سے صدر کی طرف دیکھنے لگا۔

"تم نے اس سے بات کی؟"

"کوشش کی تھی۔" ایڈمرل کو لڑکی کا لہجہ یاد آگیا۔ "مگر اس کی سیکرٹری بڑی چنڈال ثابت ہوئی۔ وہ بھی کہتی ہے کہ کبھی اس کا بھی سی۔ آئی۔ اے سے تعلق رہا ہے۔"

"اس نے تم سے کیا کہا؟" صدرِ مملکت پھر مسکرانے لگے۔

"یہی کہ ڈاکٹر بہرام مجھ سے ملنے کے لیے نہیں آئے گا بلکہ میں اس سے ملاقات کے لیے سینی ٹوریم جاؤں گا۔ میں نے کہا کہ یہ ناممکن ہے لیکن وہ اپنی بات پر مُصر رہی۔ اس کا لہجہ..."

"...دھمکی آمیز تھا؟"

"نہیں..." ایڈمرل نے پہلو بدل کر کہا۔ "اس کے لہجے میں یقین تھا کہ میں سینی ٹوریم ضرور جاؤں گا۔ ویسے اس کا لہجہ بہت سرد اور تیز تھا... لیکن جناب! آپ مسلسل کیوں مسکرا رہے ہیں؟"

"یہ بات تم نہیں سمجھ سکو گے۔"

"کیا میرے لیے کوئی خصوصی حکم ہے جناب؟"

"نہیں... بس اتنا حکم ہے کہ زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ میں روسی سفیر سے بات کر کے اسے یقین دلانے کی کوشش کروں گا کہ ہم اس پورے مسئلے کے بارے میں اندھیرے میں ہیں۔ اس دوران میں تم بھرپور کارکردگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے حقائق معلوم کرو گے۔"

"بہت بہتر جناب!" ایڈمرل اٹھ گیا۔ "اور کوئی حکم؟"

"نہیں... اور ہاں... کیا تم رین کوٹ لے کر آئے ہو؟"

"جی... جی ہاں۔ میرا خیال تھا کہ بارش ہو جائے گی۔ اس لیے رین کوٹ بھی ساتھ لے لیا۔"

"تمہیں اس کی ضرورت محسوس ہو سکتی ہے۔ نیویارک میں آج کل بہت سردی ہے۔"

"کیا مطلب جناب؟" ایڈمرل حیرت سے اچھل پڑا۔ "کیا آپ یہ مشورہ دے رہے ہیں کہ میں ڈاکٹر بہرام سے ملنے کے لیے وہاں جاؤں؟"

"نہیں..." صدر نے جواب دیا۔ "یہ بات میرے اختیار میں نہیں ہے۔"

ایڈمرل گیٹ، صدر کے دفتر سے نکلا تو وہ پہلے سے زیادہ الجھا ہوا تھا اور اسے یقین تھا کہ صدر، ڈاکٹر بہرام کے بارے میں یقیناً کچھ نہ کچھ جانتا ہے۔

●

سی۔ آئی۔ اے کے صدر دفتر واپس آتے ہوئے ایڈمرل بار بار بہرام کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

اس نے اپنے کمرے میں پہنچ کر رین کوٹ کرسی پر پھینکا۔ آج وہ پہلی بار سکون کے ساتھ باتھ روم استعمال کرنا چاہتا تھا۔ اس کے پیڈو میٹر پر صرف تین میل کے ہندسے چمک رہے تھے... عام دنوں میں اس وقت تک وہ سات میل پیدل چل لیا کرتا تھا۔ پھر اسے اچانک سابق ڈائریکٹر کا خیال آگیا۔ اس نے سی۔ آئی۔ اے کے وکیل کو فون کیا۔

"ایڈمرل گیٹ بات کر رہا ہوں۔"

"اوہ... ایک منٹ جناب!" دوسری طرف سے کہا گیا تو ایڈمرل نے منہ بنالیا۔ وکیل یقیناً اس کے احکام ٹیپ کرنا چاہتا تھا۔

"یس سر..." چند لمحوں بعد وکیل کی آواز سنائی دی۔

"سنو..." ایڈمرل نے کہا۔ "اگر سابق ڈائریکٹر کی قبل از وقت رہائی کی درخواست عدالت میں پیش ہو تو میرا موقف، درخواست کے حق میں ہوگا۔ اسے جیل میں مزید رکھنے سے کوئی مقصد حاصل نہیں ہوگا، سمجھ گئے؟"

"یس، ایڈمرل گیٹ!"

"شکریہ!" وہ جانتا تھا کہ وکیل نے جان بوجھ کر اس کا نام لیا ہے تاکہ ہدایات کے ساتھ نام بھی ٹیپ ہو جائے۔ اس نے ریسیور رکھ دیا۔ حکم دینے کے بعد اسے عجیب سی مسرت ہوئی۔ آج اس نے پہلا نیک کام کیا تھا۔

اچانک اسے باتھ روم سے پانی بہنے کی آواز سنائی دی۔

"ارے، میں نل کھلا چھوڑ گیا تھا۔" اس نے باتھ روم کی طرف قدم بڑھا دیے۔ دروازہ کھولا تو اس پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ اندر دو آدمی نلوں کا معائنہ کر رہے تھے۔ ان میں سے ایک نوجوان تھا۔ اس نے ٹی شرٹ پہن رکھی تھی۔ اس کے بال اور آنکھیں سیاہ تھیں۔ دوسرا مشرقِ بعید کا کوئی ضعیف العمر اور نحیف شخص تھا... جس نے بروکیڈ کی قبا پہن رکھی تھی۔ وہ اس طلائی کیپ کو گھما رہا تھا جس سے سنک میں گرنے والا پانی بند ہو جاتا تھا۔ اس نے ایک کیپ گھمائی اور پھر ہاتھ اٹھا لیا... وہ بار بار یہی حرکت کر رہا تھا...

"کیوں شہزاد، نل بہت اچھا ہے نا؟"

"آپ کو پسند آیا، ایس فادر!" سونے کہا۔ "نوجوان نے

جواب دیا۔

"لیکن یہ چکر کیا ہے؟" بوڑھے نے ایک بار پھر نل کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا۔ "اس کی ایک ہی گھنڈی ہے اور میری سمجھ میں ابھی تک یہ نہیں آیا کہ ایک ہی گھنڈی سے گرم اور سرد پانی کو کس طرح کنٹرول کیا جا سکتا ہے؟"

"میرا خیال ہے کہ اس میں دو طرفہ والو کا سسٹم ہے، فادر!" نوجوان بولا۔

"دو طرفہ والو کا نظام تو سب کو معلوم ہے، کوئی نئی بات بتاؤ۔" کہتے ہوئے بوڑھے نے پھر گھنڈی اٹھائی اور رکھ دی۔ اس کی بات جدید سائنس کے مقابلے میں مات کھا گئی تھی۔ کم از کم اس چہرے سے یہی ظاہر ہو رہا تھا۔

"اگر تم دونوں باتھ روم کا معائنہ مکمل کر چکے ہو تو اب مجھے بتاؤ کہ یہ سب کیا ہے؟"

بوڑھے نے خشونت سے پلٹ کر ایڈمرل کو اس طرح دیکھا جیسے کوئی بزرگ کسی بچے کو شور کرنے پر سرزنش کر رہا ہو۔

"پتا نہیں۔" ٹائیگر نے کندھے اچکا کر جواب دیا۔ "لیکن اب میں بھی عاجز آچکا ہوں۔ کام... کام... کام... ہر وقت کام... اٹھنے سے رات سونے تک کام کرنا پڑتا ہے۔ شاید اوپر والوں کو خیال ہے کہ میرے چار ہاتھ ہیں۔ بس، اب چلو۔"

"نہیں، تم لوگ نہیں جا سکتے۔" ایڈمرل نے ان کا راستہ روکتے ہوئے کہا۔ "بس..."

"تمہیں بھی ساتھ لے کر جائیں گے، پریشان کیوں ہو رہے ہو؟"

"ہاں..." بوڑھے نے اس کی آستین پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "دل تھوڑا مت کرو۔ ہم تمہیں یہاں اکیلا چھوڑ کر نہیں جا سکتے۔"

ایڈمرل کو ان کا لہجہ بڑا عجیب سا لگا لیکن اس سے قبل کہ وہ لپک کر خطرے کی گھنٹی پر ہاتھ رکھتا، وہ فرش پر گرتا چلا گیا... ان لمحوں میں سے کسی ایک نے اس کے کندھے پر ہاتھ مارا تھا۔ اسے یاد آیا تھا جیسے سینکڑوں شہاب ثاقب آنکھوں کے سامنے ناچنے لگے ہوں۔ اس نے ایک بہت بڑا بیگ دیکھا جس کا منہ نوجوان کھول رہا تھا پھر اس نے دیکھا کہ وہ اسے بیگ میں ٹھونس رہے ہیں...

"فوشان... یہ باہر نکلتے ہی شور مچا دے گا۔ کیا میں اس کا منہ بند کر دوں؟" شہزاد نے پوچھا۔

"اس آزاد ملک میں کسی کا منہ بند کرنے کا کوئی بھی اقدام قابلِ مذمت ہے فرزند!" فوشان نے کہے لہجے میں کہا۔ "منہ بند کیے بغیر کام کل [illegible]

اس نے بیگ میں ہاتھ ڈالا اور ایڈمرل کے دائیں جبڑے کے نیچے کوئی رگ ٹٹول میں دبا کر چھوڑ دی۔ ایڈمرل نے چلانے کی کوشش کی لیکن اس کے کھلے ہوئے منہ سے کوئی آواز نہیں نکلی۔ اس نے لمبی سانس لی ہوا کو پھیپھڑوں میں بھرا اور دوبارہ چیخنے کی کوشش کی لیکن وہ اس بار بھی ناکام رہا، صرف ہلکی سی آواز ہی نکل سکی۔ ایسی جیسے ہوا کا جھونکا گزرا ہو۔ وہ کوشش کرتا رہا لیکن اس کی ہر کوشش ناکام ہوتی گئی۔

پھر تھیلے کا منہ بند ہو گیا۔ اس نے محسوس کیا کہ وہ فضا میں بلند ہو رہا ہے۔ "یہ رین کوٹ ہے، فوشان!" ٹائیگر شہزاد نے کرسی پر پڑے ہوئے کوٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ اس وقت تھیلا اس کے ایک کندھے پر پڑا ہوا تھا۔

"ہاں... لیکن میرا نہیں ہے۔ اس میں سے بدبو آرہی ہے۔"

"کوئی بات نہیں، اٹھا لو۔ تم جانتے ہی ہو کہ روسے میں کتنی سردی پڑ رہی ہے۔"

ایڈمرل ششدر رہ گیا۔ یہ سب کچھ بہت حیرت انگیز تھا۔ یہی بات صدرِ مملکت نے بھی کہی تھی۔ وہ سوچنے لگا کہ حکومت کے اندر کوئی گڑبڑ ضرور ہو رہی ہے۔ تھیلا نیچے رکھا گیا اور اس کا منہ کھول کر کوٹ ایڈمرل کے سر پر ڈال دیا گیا۔ اس کے بعد منہ پھر بند ہو گیا۔ تھیلا پھر بلند ہوا اور اب وہ ایک بار پھر ٹائیگر کے کندھے پر تھا۔ یہ اندازہ ایڈمرل کو صرف اس وجہ سے ہوا کہ ٹائیگر سیٹی بجا رہا تھا اور سیٹی کی آواز اس کے دائیں کان میں گھس رہی تھی۔

پھر دروازہ کھلا اور دونوں، تھیلے سمیت سیکرٹری کے کمرے میں آگئے۔

"ہیلو ہنی!" ایڈمرل نے نوجوان کی آواز سنی۔ "کیا ایڈمرل اب تک نہیں آئے؟"

"ہاں..." اسے اپنی سیکرٹری کی آواز سنائی دی۔ وہ چیخ کر اسے بتانا چاہتا تھا کہ وہ اپنے کمرے میں نہیں بلکہ تھیلے میں ہے۔ اس کا منہ کھلا ضرور تھا پھر بھی کوئی آواز نہیں نکل سکی۔

"چلو، کوئی بات نہیں۔" ٹائیگر کی آواز ایڈمرل کے کان سے بہت قریب تھی۔ "ہم بعد میں آجائیں گے۔"

"اگر چاہو تو انتظار کر لو۔" سیکرٹری کا لہجہ بتا رہا تھا کہ وہ نوجوان پر لٹو ہو چکی ہے۔ "میں تمہیں بہترین کافی پلا سکتی ہوں۔"

"نہیں، شکریہ!"

"ساتھ میں رین سینڈوچز بھی..." تھوڑنا۔"

"پھر کبھی۔" ٹائیگر نے مسکرا کر جواب دیا۔ "اور جب دوبارہ آؤں گا تو ذہن میں سینڈوچز نہیں، تم ہو گی۔"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"اچھا..." ایڈمرل نے اپنی سیکرٹری کی آواز سنی۔ وہ چیخ کر کہنا چاہتا تھا مگر بے وقوف لڑکی تھیلا کھول کر دیکھ لے لیکن آواز اس کا ساتھ نہیں دے رہی تھی۔

"ہمارا ایک کام کر دو۔"

"ضرور... بولو۔" لڑکی نے بڑے اشتیاق سے کہا۔

"یہاں سے نکلنے کے لیے ہمیں پاس دے دو۔ تم جانتی ہو کہ گارڈز کوڑے کے اس ڈھیر کو بے جان داخلوں کو بھی تلاشی سے مستثنیٰ قرار نہیں دیتے۔"

"میرے خدا..." ایڈمرل کانپ کر رہ گیا۔ یہ لوگ بہت ہوشیار تھے۔ وہ سیکرٹری کو خبردار کرنا چاہتا تھا مگر ہونٹ چبانے کے علاوہ کچھ اور نہ کر سکا۔

"کیوں نہیں..." اس نے سیکرٹری کی آواز سنی "یہ لو... یہ ایڈمرل کے اسپیشل کلیئرنس پاس ہیں۔ ان کی جھلک دیکھتے ہی گارڈز دوسری طرف منہ موڑ لیں گے۔"

"شکریہ ڈیئر!"

"اور اگر تم مجھ سے ملنے یہاں آنا چاہو تو یہی پاس سنبھال کر رکھنا۔ یہ لامحدود مدت کے لیے ہیں۔ آتے جاتے دونوں کے لیے۔"

اگر اس وقت ایڈمرل کے بس میں ہوتا تو وہ کم از کم اپنا سر ضرور پیٹ لیتا۔ سیکرٹری ٹائیگر پر اس بری طرح فریفتہ ہوئی تھی کہ اسے یہ بھی یاد نہیں رہا تھا کہ اسپیشل پاس صرف خاص لوگوں کو تہہ خانی ملاقات میں جاری کیے جاتے ہیں۔

"بہت بہت شکریہ!" ٹائیگر نے جھکتے ہوئے کہا۔ ایڈمرل گھبرا گیا۔ اسے ایسا لگا کہ وہ فرش پر گر پڑے گا۔ کیونکہ ٹائیگر کے جھکنے کے ساتھ ہی تھیلا بھی جھک رہا تھا۔ ٹائیگر پاس لے کر سیدھا ہوا تو ایڈمرل کی جان میں جان آئی۔

"مجھ سے ملنے آؤ گے نا؟"

"ضرور..." ٹائیگر نے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

"مگر اس تھیلے میں کیا ہے؟"

"سوکا ری راز..."

"مذاق مت کرو۔ بتاؤ نا!" سیکرٹری اٹھلا کر بولی۔

"اس میں ایڈمرل ہنسا ہے۔" ٹائیگر کے اس جواب پر سیکرٹری کا متوقع قہقہہ گونج اٹھا۔ وہ دور ہوتا چلا گیا۔ تھیلے میں بند ایڈمرل یہ سوچ کر ہراساں ہو گیا کہ وہ عمارت سے باہر نکل رہا ہے۔

"تم تو بہت اچھے جا رہے ہو ایڈمرل!" ٹائیگر نے دھیرے سے کہا۔ "بس اسی طرح رہو تاکہ ہم جلد از جلد یہاں سے نکل جائیں۔"

ایڈمرل نے محسوس کیا کہ وہ فلیٹ میں سوار ہو رہے ہیں پھر اس نے محسوس کیا کہ وہ کھلی فضا میں آ چکا ہے۔ اسے حیرت ہو رہی تھی کہ اس کا وزن دو سو پونڈ ہے اور اتنا چلنے کے باوجود نوجوان نے کندھا نہیں بدلا تھا۔ وہ اس طرح چل رہا تھا جیسے اس کے دائیں کندھے پر تنکا رکھا ہوا ہو۔

اس نے جلد ہی خود کو ایک گاڑی میں اور پھر تھوڑی دیر بعد ہیلی کاپٹر میں پایا۔ اس دوران میں کسی نے بھی انھیں نہیں روکا تھا... اور وہ دونوں مختلف پرندوں کی صلاحیتوں کے بارے میں باتیں کرتے رہے۔ کبھی کبھی بوڑھا اپنے اسکرپٹ کے بارے میں نوجوان سے الجھتا بھی رہا۔ شاید وہ کوئی فلم بنا رہا تھا۔ اس نے کئی بار جریدہ ورائٹی کا حوالہ بھی دیا اور بعض اداکاروں کے نام بھی لیے جن کو فلم میں کاسٹ کرنا چاہتا تھا لیکن نوجوان کو ایک اداکارہ کے نام پر اعتراض تھا۔

ایڈمرل کو یقین ہونے لگا کہ وہ پاگلوں کے ہتھے چڑھ گیا ہے۔

ہیلی کاپٹر میں پہنچتے ہی تھیلے کا منہ کھول دیا گیا تاکہ ایڈمرل کو سانس لینے میں دشواری نہ ہو۔

ہیلی کاپٹر اسٹارٹ ہوا پھر اوپر اٹھتا چلا گیا۔

تھوڑی دیر کی پرواز کے بعد ہیلی کاپٹر کہیں اتر گیا۔ نوجوان نے ایک بار پھر تھیلا اٹھا کر کندھے پر ڈالا اور پیدل چل دیا۔ چند منٹ بعد اسے تخت فرش پر ڈال دیا گیا۔

"یہ کیا ہے؟" اس نے ایک سرد آواز سنی۔ "تم دونوں یہاں کیا کر رہے ہو؟"

"مجھے کوئی الزام نہ دیں سویٹ ہارٹ!" ٹائیگر نے احتجاج کرتے ہوئے کہا۔ "یہ حکم آپ کی بہن نے دیا تھا۔"

"یہ سو فی صد درست کہہ رہا ہے شہنشاہ معظم!" اوشان نے ٹائیگر کا دفاع کرتے ہوئے کہا۔

"شہنشاہ معظم..." ایڈمرل کا سر چکرانے لگا۔

"میں نے روبی کو حکم دیتے ہوئے سنا تھا۔" اوشان نے پھر کہا۔ "میں کمرے کے باہر تھا لیکن مجھے اس کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔ آواز اتنی تیز تھی کہ میرے خیالات منتشر ہو گئے اور میں اسکرپٹ شروع نہیں کر سکا۔"

"ہاں یہ ٹھیک ہے۔" ایڈمرل نے اس عورت کی آواز سنی "میں نے یہی ہدایت کی تھی۔"

"کیا...؟" سرد آواز سنائی دی تو ایڈمرل اٹھ کھڑا ہوا کیونکہ اب تھیلے کی زپ پوری کھول دی گئی تھی۔ اس کی ٹانگیں بے جان ہو رہی تھیں۔

سرد آواز والا ایک دبلا پتلا گنجا آدمی تھا جو ایک بڑی سی میز کے عقب میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس کمرے میں ہر طرف کھڑکیاں تھیں۔ ایڈمرل نے پل بھر میں اندازہ لگا لیا کہ وہ لانگ آئی لینڈ کے ساحل پر کسی عمارت میں ہے۔ ایڈمرل کو دیکھتے ہی سرد آواز والے کی آنکھیں حیرت کی پھٹی رہ گئیں۔ "گیٹ...؟"

"گا... گا... ٹ... گا..."

"اوشان!" ٹائیگر نے مسکرا کر کہا تو اوشان نے آگے بڑھ کر ایڈمرل کے ہیٹ کی ایک اور رگ دبا دی۔ ایڈمرل کو ایسا لگا جیسے اس کی قوت گویائی اچانک واپس آ گئی ہو۔ اسے کوئی تکلیف نہیں ہوئی تھی۔

"ڈاکٹر ہیرام...؟" ایڈمرل کا لہجہ بھی سرد تھا۔ اس نے چاروں طرف دیکھا۔ ٹائیگر اور اوشان اس کے عقب میں کھڑے ہوئے تھے۔ ان کے ساتھ ایک سنہرے رنگ والی دراز قد عورت بھی تھی۔ اس کے بال پونی ٹیل کی شکل میں بنے ہوئے تھے جس پر سرخ ربن بندھا ہوا تھا۔ وہ سیاہ پتلون اور قمیص پہنے ہوئے تھی اور اس کے پیروں پر شوز کے بجائے ڈھائی نظر آ رہی تھی۔

"یہ سب کیا ہے۔ روبی؟" ہیرام نے اسے تیز نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"یہ آپ سے بات کرنا چاہتا تھا۔" روبی کا لہجہ گستاخانہ تھا۔ "میں نے بار بار بتایا کہ آپ بہت مصروف ہیں لیکن یہ باز نہیں آیا۔ لہٰذا میں نے ان دونوں کو بھیج دیا کہ اسے یہاں لایا جا سکے۔"

"اس تھیلے میں...؟"

"جی ہاں! صرف یہی طریقہ درست تھا کیونکہ آج کل کی آئی اے کے دفتر کے کوڑے کرکٹ سے بھرے ہوئے ایسے ہی تھیلے نکل رہے ہیں اور ان پر کوئی زیادہ توجہ بھی نہیں دیتا۔" روبی کی نظریں ایڈمرل پر تھیں۔

"تم نے شرخ ربن کیوں باندھ رکھا ہے روبی؟" ٹائیگر نے اچانک ہی روبی سے پوچھا۔

"اس لیے کہ یہ اسٹائل مجھے بہت پسند ہے۔" روبی نے جواب دیا۔ "میں شرخ ربن پسند کرتی ہوں اور یہ مت سمجھو کہ میں نے تمہارے لیے بناتی ہوں۔ میں اپنی مرضی کی مالک ہوں۔ جس طرح بال بناؤں، تمھیں کیا؟"

ایڈمرل نے محسوس کیا کہ روبی کی آواز مسلسل بلند ہوتی جا رہی ہے۔ آخری جملہ اس نے چیخ کر ادا کیا تھا۔ ٹائیگر نے فوراً کانوں پر ہاتھ رکھ لیے۔ "بس! بس کرو روبی۔ مجھ سے غلطی ہو گئی۔" اس نے کانوں سے ہاتھ ہٹائے بغیر کہا۔

روبی نے ایک لمبی سانس لی تاکہ زیادہ زور سے چیخ سکے لیکن ہیرام نے تیز نظروں سے دیکھا۔

"میرا خیال ہے کہ تم تنہائی میں مجھ سے زیادہ بہتر طور پر بات کر سکو گے ایڈمرل گیٹ۔" ڈاکٹر ہیرام نے سی آئی اے کے ڈائریکٹر کی طرف دیکھ کر کہا تو گیٹ سر ہلانے لگا۔

"دفتر خالی ہونے کے بعد ہیرام نے گیٹ کو صوفے پر بیٹھنے کی دعوت دی۔ کمرے میں ہیرام کی کرسی کے علاوہ اور کوئی کرسی نہیں تھی۔

"اب ذرا وضاحت کرو کہ یہ سب کیا ہے ڈاکٹر ہیرام؟"

"تم کچھ بھول رہے ہو ایڈمرل۔" ہیرام کا لہجہ اب بھی سرد تھا۔ "تم خود مجھ سے بات کرنا چاہتے تھے۔ اگر ایسا نہیں تھا تو تم نے مجھے فون کیوں کیا؟"

"ہاں! لیکن اب پہلے میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ مجھے اس طرح کیوں لایا گیا ہے؟" ایڈمرل نے سخت لہجے میں پوچھا۔

"اتنے ملازموں کا ضرورت سے زیادہ خلوص سمجھ لو۔ اب بتاؤ، مجھ سے کیوں ملنا چاہتے تھے؟"

"یہ اغوا ہے ڈاکٹر ہیرام۔" ایڈمرل نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ "سی آئی اے کے ڈائریکٹر کا اغوا۔ میں اس کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔"

"درست! لیکن اگر تم نے یہ بات کسی اور کو بتائی تو سی آئی اے کے وقار کا جلوس نکل جائے گا لہٰذا میری مانو اور اس بارے میں خاموشی اختیار کر لو۔ اب بولو کیا بات ہے؟"

ایڈمرل چند لمحوں تک ہیرام کو گھورتا رہا جو اپنی کرسی پر



Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

سیدھا بیٹھا ہوا اس کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا چند لمحوں بعد ایڈمرل نے طویل سانس لی اور پھر بولا "میں نے اپنی فائلوں میں تمہارا نام دیکھا تھا ڈاکٹر۔"

"رسمت! میں کچھ عرصہ تک کمپنی میں رہا تھا۔ ایشیائی مفادات کے بیورو کا سربراہ تھا۔"

"اور تمہارا نام پروجیکٹ اومیگا کے سلسلے میں سامنے آیا ہے۔"

"اچھا!" ڈاکٹر بہرام پہلو بدلنے پر مجبور ہو گیا۔ "پروجیکٹ اومیگا کے بارے میں تمہیں کیا معلوم ہے؟"

"میں یہی سوال کرنے آیا ہوں۔"

"اس کا تم سے کوئی تعلق نہیں۔" بہرام کا لہجہ کاٹ دار تھا۔

"مجھ سے کوئی تعلق نہیں؟" ایڈمرل گیٹ اس طرح اچھل پڑا جیسے کسی نے اس کے سوئی چبھو دی ہو۔ "میرے بجٹ سے اس پراجیکٹ پر پچاس لاکھ ڈالر سالانہ خرچ ہو رہے ہیں۔ اس کے بجٹ پورے سال تاش کھیلتے رہتے ہیں یا دن میں ایک مرتبہ کسی بڑھیا کو ٹیلی فون کر کے ہیلو کہتے ہیں اور اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں؟"

"کیا تم نے پروجیکٹ اومیگا کو چھیڑنے کی کوشش کی ہے ایڈمرل؟" ڈاکٹر بہرام نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"نہیں! میں نے اس پروجیکٹ کو منسوخ کرنے کے ایجنٹوں کو طلب کر لیا ہے۔"

"کیا؟" اس بار اچھلنے کی باری بہرام کی تھی۔ "تم... نااہل... احمق... جاہل آدمی... تم نے یہ کیا کیا؟"

"ایک منٹ!" ایڈمرل اتنی گالیاں سن کر سرخ ہو گیا۔ "اب وقت بالکل نہیں ہے۔ کیا پروجیکٹ ختم کرنے کی اجازت صدر مملکت نے دی تھی؟"

"نہیں!" صدر کا ذکر سن کر ایڈمرل سکڑ گیا۔

"کیا تمہیں یہ علم نہیں کہ سی آئی اے کے مستقل ریکارڈ پر اومیگا پروجیکٹ کے بارے میں واضح طور پر لکھا ہے کہ اس کی منسوخی صدر کی تحریری اجازت کے بعد ہی عمل میں آئے گی؟"

ایڈمرل سوچنے لگا کہ یقیناً یہ فائل بھی اوول ہاؤس یا لیسی کی نذر ہو گئی ہو گی۔

"تمہیں اپنی فائلوں میں ملا بھی کیا ہو گا؟" بہرام کا لہجہ تلخ تھا۔ "تم نے تو سی آئی اے کے دروازے عام لوگوں پر کھول دیے ہیں۔"

"پروجیکٹ اومیگا کے ختم ہونے کے بعد سے اب تک دو روسی سفیر قتل کیے جا چکے ہیں ڈاکٹر۔" ایڈمرل گیٹ نے دھیرے سے کہا۔ "اور روسی یہ الزام لگا رہے ہیں کہ قاتلوں کا تعلق سی آئی اے سے ہے۔"

"یقیناً! الزام درست ہے۔" بہرام نے کھڑکی سے سمندر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "لیکن مزید سنگین خطرات سر پر منڈلا رہے ہیں۔ روسی وزیراعظم بھی قتل ہو سکتا ہے۔"

"میرے خدا!" ایڈمرل گیٹ کانپنے لگا۔ "اب ہم اس سلسلے کو کس طرح روک سکتے ہیں؟"

"اب یہ سلسلہ نہیں رک سکتا۔" بہرام کی آواز میں کوئی لہر نہیں تھا۔ "پروجیکٹ اومیگا شروع ہو چکا ہے۔ اسے اب روکا نہیں جا سکتا۔"

اسی لمحے بہرام کی میز کے نیچے ہلکا سا بزر بجا۔ ایڈمرل نے بہرام کو میز کے نیچے ہاتھ لے جاتے ہوئے دیکھا اور پھر اسے اس کے ہاتھ میں ایک ریسیور نظر آیا۔ "یس سر۔" بہرام کا لہجہ اب بھی سپاٹ تھا۔ "جی!... جی ہاں! وہ یہیں موجود ہے۔" بہرام نے ایڈمرل گیٹ کی طرف دیکھ کر کہا۔ "یقیناً جناب۔ ایک بہت بڑا مسئلہ پیدا ہو گیا ہے۔ جی؟ بہت بہتر... پروجیکٹ اومیگا ۱۹۵۰ کے آواخر میں تیار کیا گیا تھا۔ اس زمانے میں آئزن ہاور صدر تھے۔ یہ بات یونائیٹڈ اسپائی پیٹرن کے گرائے جانے کے بعد کی ہے۔ روسی بہت مضطرب تھے اور خدشہ تھا کہ وہ امریکہ کے خلاف ایٹمی حملہ کر دیں گے... آپ کو یاد ہو گا سر... یہ وہ زمانہ تھا جب دنیا میں ہمارے علاوہ روس کا کوئی اور دشمن نہیں تھا۔" بہرام یہ سب کچھ کہتے ہوئے ناپسندیدہ نظروں سے ایڈمرل گیٹ کو دیکھ رہا تھا۔ "جی۔ صدر اور خروشیف کی ملاقات فلوریڈا کے ساحل سے پرے ایک لانچ پر ہوئی... بالکل... میں بھی ملاقات کے دوران موجود تھا... جی؟... اس کی وجہ یہ تھی کہ صدر آئزن ہاور نے مجھے پروجیکٹ اومیگا کا آپریشن انچارج مقرر کیا تھا... اس زمانے میں روسی ایٹمی مشین ایجاد کر رہے تھے جو آواز کا تجزیہ کر کے یہ رپورٹ فوراً دے دیتی تھی کہ بولنے والا سچ بول رہا ہے یا جھوٹ۔ صدر نے خروشیف سے کہا کہ وہ اپنی یہ مشین بھی ساتھ لے کر آئیں۔ مشین نصب کر دی گئی تو صدر نے مشین چلانے کی درخواست کی اور پھر کہا کہ امریکا کو یقین ہے کہ روس جوہری حملے میں پہل کرے گا... پھر صدر نے ماضی کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ اگرچہ وہ فاتح جنرل تھے لیکن دوران جنگ انہیں موت کا خوف ہمیشہ لگا رہتا تھا لہٰذا امریکہ خروشیف ممکن ہے کہ جوہری حملے میں پہل کر کے آپ امریکا کو تباہ کر دیں لیکن یہ بات یقینی ہے کہ پھر آپ بھی جشن فتح منانے کے لیے زندہ نہیں

رہیں گے۔ میرا مطلب یہ نہیں کہ ہم روس پر ایٹم بم گرا نہیں سکتے... مطلب صرف یہ ہے کہ ہم ایٹمی حملہ ہوتے ہی روس کی اعلیٰ ترین قیادت کو چن چن کر قتل کر دیں گے۔ صدر کا خیال تھا کہ اس قسم کی دھمکی روسیوں کو ایٹمی حملے سے باز رکھ سکے گی۔ انہوں نے روسی قیادت کے قتل کا خاکہ بھی بتایا۔ جی ہاں۔ توقع کے مطابق خروشیف نے قہقہہ لگا کر کہا کہ صدر جھوٹ بول رہے ہیں لہٰذا صدر نے پیش کش کی کہ وہ مشین کی رپورٹ دیکھ لیں۔ رپورٹ میں پلس پوائنٹ تھے۔ صدر کی ایک ایک بات درست تھی۔"

ایڈمرل حیرت سے منہ پھاڑے یہ سب کچھ سنتا رہا۔

"پروجیکٹ اومیگا کا واحد مقصد یہ تھا کہ ایٹمی جنگ میں شکست ہو جانے تو روسی قیادت کو قتل کر دیا جائے۔ نہیں جناب... یہ پروگرام روزِ آخر تک کے لیے نہیں تھا صرف بیس سال تک کے لیے تھا اور میرے کلینڈر کے مطابق اس مدت کے خاتمے میں ایک مہینہ باقی تھا۔ اگر یہ ایک مہینہ بھی گزر جاتا تو پروجیکٹ اومیگا از خود ختم ہو جاتا اور بات آگے نہیں بڑھتی۔ لیکن ایڈمرل کی کفایت شعاری کے جنون نے ہمیں جنگ کے دہانے پر پہنچا دیا ہے۔ قاتل روسی قیادت کو قتل کر رہے ہیں۔"

ایڈمرل گیٹ کو ایسا لگا جیسے اس کے پیٹ میں ہیجو نٹے گوشت کاٹ رہے ہیں۔ اس کی سانس بھی منتشر ہونے لگی۔

"یس سر۔ پروجیکٹ اومیگا کے تحت چار بنیادی ہدف تھے۔ روم اور پیرس میں روسی سفیر۔ انھیں پہلے ہی ختم کیا جا چکا ہے جبکہ لندن میں روسی سفیر اور ماسکو میں روسی وزیراعظم کی زندگی سو فیصد خطرے میں ہے۔"

ایڈمرل اپنا سر جھٹکنے لگا۔

"نہیں جناب! قاتلوں کے بارے میں مجھے کچھ نہیں معلوم۔ ان کا انتخاب سی آئی اے کے ایک ایسے افسر نے کیا تھا جو عرصہ ہوا مر چکا ہے... جی؟... اس کا نام کونارڈ میک کلیئرلی تھا... دس سال پہلے انتقال ہوا ہے۔"

بہرام دیر تک دوسری طرف سے صدر کی باتیں سنتا رہا اور ایڈمرل اس دوران اپنے ناخن دانتوں سے کاٹتا رہا۔

"نہیں جناب۔" بہرام نے قطعی انداز میں کہا۔ "یہ انتہائی سنگین نوعیت کا فوری مسئلہ ہے۔ میری تجویز یہ ہے کہ ہم روس کو یہ بتا دیں کہ وزیراعظم اور لندن میں سفیر کی زندگی خطرے میں ہے۔" یہ کہہ کر وہ چند سیکنڈ خاموش رہا پھر تھوں بعد ایڈمرل کی طرف دیکھ کر بولا "جی ہاں... ہم اس مسئلے کو سنبھال سکتے ہیں... کوشش کریں گے اور

ہیں (اتنی صلاحیت نہیں۔ خاص طور سے سی آئی اے کو اس میں ٹانگ اڑانا نہیں چاہیے۔"

ایڈمرل پہلو بدل کر رہ گیا۔

"بہت بہتر! آپ خود بات کر لیں۔" بہرام نے کہا اور ریسیور ایڈمرل کی طرف بڑھا دیا۔ "یہ لو صدر ہلکت ہیں۔"

ایڈمرل بمشکل اٹھ کر میز تک گیا۔ اس نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے ریسیور تھاما اور کان سے لگا لیا۔ آشنا آواز اس کو واضح طور پر سنائی دے رہی تھی۔

"یس سر! میں... سن رہا ہوں۔" اس نے تھوک نگلتے ہوئے کہا۔

"تم جانتے ہو کہ بہرام کون ہے؟"

"یس سر۔"

"اب تم پروجیکٹ اومیگا کے بارے میں کچھ نہیں کرو گے۔ میری بات سمجھ رہے ہو نا؟ کچھ نہیں کرو گے۔ میں سفارتی ذرائع سے حالات ٹھیک کرنے کی کوشش کروں گا اور میدان میں جو کچھ کرنا ہو گا وہ دوسرے کریں گے سی آئی اے اس سلسلے میں قطعی لاتعلق رہے گی۔ سمجھ گئے کیپٹن؟"

"یس سر!" ایڈمرل نے تھوک نگل کر جواب دیا۔

"اب تم واشنگٹن واپس آ جاؤ۔ اور ہاں، تم ڈاکٹر بہرام چارہ گر سیٹی نوریم، رہے، نیویارک سب کچھ بھول جاؤ گے، سمجھے؟"

"جی جناب!" ایڈمرل نے جواب دیا اور اسی کے ساتھ دوسری طرف سے رابطہ کٹ گیا۔

سی آئی اے کے ڈائریکٹر نے مردہ ہاتھوں سے ریسیور بہرام کی طرف بڑھا دیا جس نے اسے میز کے نیچے مخصوص جگہ پر رکھ کر بزر بجایا۔ پھر وہ بولا "تم ایڈمرل کو ہیلی کاپٹر تک چھوڑ آؤ تاکہ وہ واشنگٹن واپس جا سکیں۔" گیٹ نے پلٹ کر نہیں دیکھا مگر اسے عقب سے اسی نوجوان کی آواز سنائی دی جس نے اسے تھیلے میں بھرا تھا۔

"کیا ایڈمرل کو تھیلے میں ہی واپس لے جایا جائے جناب؟"

"نہیں۔"

"گڈ۔" ٹائیگر نے مسرت بھرے لہجے میں کہا۔ "میں تھیلے میں کوڑا کرکٹ بھرتے بھرتے اکتا چکا تھا۔"

"بعض لوگ اتنا گھٹیا کام بھی خوش اسلوبی سے نہیں کر سکتے۔" ایڈمرل کو اُوشان کی آواز سنائی دی۔

"لٹل فادر!" ٹائیگر نے احتجاج کرنے والے انداز میں

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کہا مگر اسی لمحے روبی کی آواز بھی سنائی دی: "بس، اسے اب لے جاؤ۔ اسی آئی اے والوں کو دیکھتے ہی میرے سر میں درد ہونے لگتا ہے۔"

●

ایڈمرل... بہرام کے بارے میں کاربی نوف کو پہلے ہی بتا چکا تھا اور اس وقت کاربی نوف پوٹومک ریور کے پل کے قریب ایک بنچ پر بیٹھا ہوا تھا۔ دارالحکومت کی سرکاری عمارتیں اور گنبد اس کے عقب میں تھے۔ اس کی لمبی لمبی ٹانگیں پھیلی ہوئی تھیں اور کاؤبوائے ہیٹ چہرے کو دھوپ سے بچائے ہوئے تھا۔ اس کے انداز سے ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ گھر میں کرسی پر نیم دراز ہے مگر اچانک قدموں کی آہٹ سن کر وہ چونک اٹھا۔ اس نے طویل سانس لے کر ہیٹ چہرے سے ہٹایا اور آنے والے کی طرف دیکھا۔ وہ روسی سفیر تھا جس کی سانس پھول رہی تھی۔

اناتولی کاربی نوف کے ساتھ ہی بیٹھ گیا۔ اس نے جیب سے رومال نکال کر لب پونچھا اور پھر مسکراتا ہوا بولا: "اس لباس میں تم کو دور ہی سے پہچانا جا سکتا ہے کاربی نوف۔"

"مجھے؟" کاربی نوف نے مسکرا کر جواب دیا۔ "اپنی کہو۔ دائیں طرف دیکھو، ایک شخص اخبار پڑھ رہا ہے، ایک اور ٹیلی فون بوتھ کے قریب کھڑا ہے... اور یہ دونوں تمہارے تعاقب میں یہاں تک آئے ہیں۔"

"اوہ۔" روسی سفیر واضح طور پر چونک پڑا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ امریکیوں کو ہماری اس ملاقات کا علم تھا۔"

"کیوں نہیں کامریڈ۔" کاربی نوف اب بھی مسکرا رہا تھا۔ "اگر امریکی ہماری نظروں میں آئے بغیر کوئی خفیہ اجلاس نہیں کر سکتے تو پھر ہم بھی ان کی نظروں میں آئے بغیر نہیں مل سکتے۔"

"میرا خیال ہے کہ ہمیں کہیں اور ملنا چاہیے تھا۔"

"مگر کیوں؟" کاربی نوف نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔ "دیکھو... کتنا اچھا موسم ہے، پرند سے چہچہا رہے ہیں، ہوا میں تازگی ہے اور چاروں طرف درخت جھوم رہے ہیں۔ اس ماحول میں ملاقات اچھی ہے یا کسی بند کمرے میں؟"

"صدر سے میری ملاقات ہو چکی ہے۔" سفیر نے سر ہلاتے ہوئے اسے مطلع کیا۔ "انھوں نے پروجیکٹ او میگا کی وضاحت کی ہے۔"

"اب تم وضاحت کرو۔"

"یہ منصوبہ روس کے خلاف آخری حربے کے طور پر ۵۰ء کی دہائی میں وضع کیا گیا تھا..." سفیر نے اسے تفصیلات بتا کر طویل... سانس لی۔ "لیکن بقول صدر... کسی کی غلطی سے اس پر عمل شروع ہو گیا اور اب خود صدر کو پتا نہیں کہ اس پر عمل درآمد کس طرح روکا جائے۔"

"ہمارے دو سفیر قتل ہو چکے ہیں کامریڈ۔" کاربی نوف نے ہیٹ گھٹنوں پر رکھتے ہوئے کہا۔ "اب متوقع ہدف اور کون ہو سکتے ہیں؟"

"صرف دو۔" سفیر نے اپنے بہترین جاسوس کی طرف دیکھے بغیر جواب دیا۔ "لندن میں روسی سفیر اور کامریڈ وزیراعظم۔"

"کیا تم نے کرملن کو یہ اطلاع دے دی ہے؟" کاربی نوف کی آواز اتنا اہم انکشاف سننے کے باوجود سپاٹ تھی۔

"ہاں! وزیراعظم کے لیے اسپیشل سیکورٹی کا انتظام کر دیا گیا ہے اور سفیر کی حفاظت کے لیے ہر قسم کے افراد فراہم کر دیے گئے ہیں۔"

"کرملن میں اس انکشاف کا کیا اثر ہوا؟"

"دنیا بھر میں روسی فوج کو چوکس کر دیا گیا ہے اور اعلیٰ ترین سطح کے اجلاس میں یہ فیصلہ کیا جا رہا ہے کہ اس خبر کی تشہیر کی جائے یا نہیں اور کیا سفیروں کے قتل کا امریکا کو مورد الزام ٹھہرایا جائے۔"

"تمہاری اپنی رائے کیا ہے؟"

"میرا خیال ہے کہ اگر وزیراعظم کو کچھ ہوا تو کرملن میں بیٹھا ہوا کوئی جنونی وہ بٹن دبا دے گا جس سے تیسری جنگ عظیم شروع ہو جائے گی اور اگر ایسا ہوا تو ہم دونوں یہیں مر جائیں گے۔"

"کیا صدر نے کچھ اور کہا؟"

"ہاں! انھوں نے وزیراعظم اور سفیر کی حفاظت کے لیے وہ خاص افراد کی خدمات پیش کی ہیں لیکن میں نے یہ پیش کش شکریہ کے ساتھ مسترد کر دی ہے۔ میں نے انھیں یقین دلایا ہے کہ ہم اپنے لوگوں کی حفاظت زیادہ بہتر طور پر کر سکتے ہیں۔"

کاربی نوف ایک لمحے تک سوچتا رہا اور پھر اس نے پوچھا۔ "یہ خاص لوگ کون ہیں کامریڈ؟"

"اس بارے میں صدر نے کوئی وضاحت نہیں کی۔"

سفیر کے اس جواب پر کاربی نوف خاموش ہو گیا۔ دونوں دیر تک خاموش بیٹھے رہے۔ کاربی نوف سوچ رہا تھا کہ امریکیوں نے اس خوبصورت دنیا میں کوڑا کرکٹ اور زہریلے کیمیائی مادے پھینک کر اسے کتنا خراب کر دیا ہے۔ اسے شفاف پانی کی آلودگی پر صدمہ ہو رہا تھا۔

"کیا تمھیں صدر کی وضاحت پر یقین آ گیا ہے کاربی نوف؟" سفیر نے اچانک ہی پوچھا۔

"میں احمق نہیں ہوں اور بچوں کی کہانیوں پر یقین نہیں کرتا۔" کاربی نوف کا لہجہ سرد تھا۔

"مجھے بھی یقین نہیں۔"

"لیکن مجھے یقین ہے۔" کاربی نوف نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر کہا۔

"کیا تم مذاق کر رہے ہو کامریڈ؟" سفیر نے بڑی سنجیدگی سے اس کی طرف دیکھا۔

"نہیں!" روسی جاسوس پوری طرح سنجیدہ تھا۔ "سنو! اگر انھیں ہمارے چند سفیروں کو قتل کرنا ہی تھا تو وہ ایسے لوگوں کا انتخاب کیوں کرتے جو سی آئی اے سے زندگی بھر رقم لیتے رہے ہیں۔ وہ کرائے کے قاتل حاصل کر سکتے تھے، پیشہ ور قاتلوں کی اس دنیا میں کوئی کمی نہیں۔ کامریڈ اناتولی! صدر کی کہانی میں بڑی حد تک صداقت ہے۔"

"تو تم صدر کے بیان پر یقین کر رہے ہو؟" سفیر نے کھا جانے والی نظروں سے پوچھا۔

"ہاں۔ کیا صدر نے ایک مرتبہ ہم سے یہ نہیں کہا تھا کہ وہ کبھی جھوٹ نہیں بولتا۔"

"وہ ہم سے جھوٹ بول سکتے ہیں۔"

"ممکن ہے مگر پروجیکٹ او میگا کے بارے میں مجھے صدر کے بیان پر یقین ہے۔ میں ایڈمرل گیٹ کی اس وضاحت پر بھی یقین کرتا ہوں کہ اسے اس پروجیکٹ کے سرپیر کا علم نہیں۔"

"اچھا!" سفیر نے سر ہلا کر کہا۔

"ہاں! وہ اتنا ہی بتا رہے ہیں جتنا انھیں معلوم ہے۔" کاربی نوف نے بڑی متانت سے کہا۔ "لیکن وہ ایک اہم ترین بات چھپا رہے ہیں۔"

"وہ کیا؟"

"وہ یہ کہ ابھی ایسا ایک شخص زندہ ہے جس نے یہ پروجیکٹ بنایا تھا۔ یہ بیس سال پہلے کی بات ہے۔ اب ہمیں یہ معلوم کرنا ہے کہ اس شخص نے بیس سال قبل ہدف کس طرح مقرر کیے۔ اسے یہ علم کس طرح ہوا کہ بیس سال بعد ہمارا وزیراعظم کون ہوگا، روم اور پیرس میں سفیر کون ہوں گے؟"

"کیا تمھیں اس شخص کا نام معلوم ہے؟" سفیر نے اس کا مافی الضمیر سمجھتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں۔"

"تب پھر تم کیا کرنا چاہتے ہو؟"

"اس شخص سے ذاتی طور پر پوچھ گچھ۔" کاربی نوف کے چہرے پر سفاکانہ مسکراہٹ تھی۔

●

"سوئیٹ ہارٹ۔" ٹائیگر بہت چڑ کر بولا۔ "تم یقیناً کوئی گھپلا کر رہے ہو۔ تیسری جنگ عظیم صرف تمھاری وجہ سے شروع ہونے والی ہے اور تم نے سب کچھ روبی پر چھوڑ کر گواہ کھیلنا شروع کر دیا ہے۔"

"شٹ اپ۔" بہرام کے چہرے پر مسکراہٹ دوڑنے لگی۔ "روبی بہت ذہین لڑکی ہے، اب تو میں یہ سوچتا ہوں کہ نجرد کی غیر موجودگی میں اتنے سال تک کیسے کام کرتا رہا۔"

"چلو مان لیا کہ وہ عبقری ہے۔" ٹائیگر نے غصیلے لہجے میں کہا۔ "مگر وہ کام کیا کرتی ہے سوائے دن بھر چیخنے چلانے کے اور بے..."

"شٹ اپ۔" بہرام نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر کہا۔ "اتنی زور سے یہ بات مت کہو اگر اس نے سن لیا تو...؟"

ٹائیگر نے گھبرا کر بند دروازے کی طرف دیکھا۔ اسے فوراً یہ خوف محسوس ہوا تھا کہ دروازہ دھڑ سے کھلے گا اور روبی چیختی چلاتی کمرے میں گھس آئے گی۔

"ہاں فرزند، اتنی زور سے اس کی برائی مت کرو۔" اوشان

چاہ بابل
دیوتاؤں کے شہر بابل کی کہانی
جسے مصنف نے 3.5 سال کی ریسرچ کے بعد قلمبند کیا۔
400 صفحات
قیمت -/400
اردو بازار لاہور

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

نے جیسے سمجھانے والے انداز میں کہا۔ "اس کی سماعت بہت خطرناک ہے۔"

"جب وہ نہیں تھی تو کتنا اچھا وقت گزرتا تھا۔" ٹائیگر نے سرگوشی والے انداز میں کہا۔

"اس سے قبل تو تم نے یہ جذبہ کبھی ظاہر نہیں کیا۔" بہرام شرارت آمیز انداز میں مسکراتا ہوا بولا۔

"شہنشاہ معظم!" اوشان نے فوراً لقمہ دیا۔ "شہزاد آپ کا بے حد احترام کرتا ہے۔ مجھ سے بھی کئی بار کہہ چکا ہے کہ وہ اس تنخواہ پر آپ کے علاوہ کسی اور کے لیے کام نہیں کرتا۔"

بہرام نے فوراً اندازہ لگا لیا کہ اوشان مزید رقم کی درخواست کرنے والا ہے لہٰذا اس نے فوراً موضوع بدل دیا۔ "تم دونوں انگلینڈ جاؤ گے۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔ "میں چاہتا ہوں کہ تم وہاں جا کر رومی سفیر کی حفاظت کرو۔"

"میرا خیال ہے کہ آپ کو زیادہ فکر وزیراعظم کی ہونی چاہیے۔" ٹائیگر نے بھی سنجیدگی سے جواب دیا۔

"ہے... بالکل ہے ٹائیگر... مگر تمہیں وہاں بھیجنے کی اجازت نہیں مل سکی۔"

"تو کیا ہمیں انگلینڈ بھیجے جانے کی اجازت مل گئی ہے؟"

"نہیں! لیکن مجھے اتنا اختیار حاصل ہے کہ اپنی مرضی سے تمہیں آزاد دنیا کے کسی بھی علاقے میں بھیج دوں۔"

"تب پھر اٹلانٹک سٹی بھیج دو سوئیٹ ہارٹ۔ وہاں بڑے اچھے کسینو ہیں اور ایسی عورتیں بھی یقیناً ہوں گی جن کے چہرے پر ان گنت بھنورے تل ہوں گے اور..."

"ہاہا پرا سپین۔" اوشان نے بچوں کی طرح خوش ہوتے ہوئے کہا۔ "اس موسم میں اسپین بہت خوبصورت ہوتا ہے۔ الشیڈ کے بعد سے سناجو کا کوئی سربراہ وہاں گیا بھی نہیں۔ میرا خیال ہے کہ اسپین والے ہمیں زیادہ بہتر طور پر استعمال کر سکیں گے۔ بہت اچھے لوگ ہیں۔"

"انگلینڈ..." بہرام نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

"فٹل فادر۔" ٹائیگر نے حیرت سے اوشان کی طرف دیکھا۔ "پہلے جب بھی کہیں جانے کا ذکر آتا تھا تو آپ فارس جانے کی خواہش ظاہر کرتے تھے، اب یہ اسپین کہاں سے ٹپک پڑا؟"

"اس لیے کہ فارس اب ایران بن گیا ہے۔" اوشان نے برا سا منہ بنا کر جواب دیا۔ "میں اور تم اسپین جا کر بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ الشیڈ بہت نیک آدمی تھا۔ خارہ سناجو نے اس کی مدد کی اور وہ کامیاب رہا۔ ہم نے اسے ستارہ بنا دیا۔"

"لاکن۔" ٹائیگر نے بہت زور سے سر ہلایا۔ "بھلا چارلس میسٹن کا خانہ سناجو سے کیا تعلق؟"

"ہم نے اسے ولنیا لے کر دیا تھا۔"

"اچھا؟"

"اور ہم نے اسے جو مدد فراہم کی اس کی وجہ سے وہ آج اس مقام پر ہے۔"

"وہ مر چکا ہے فادر۔"

"اوہ۔ اچھا... یہ برا ہوا۔"

"سوئیٹ ہارٹ۔" ٹائیگر اچانک بہرام کی طرف پلٹا۔ "اوشان کا مقصد یہ ہے کہ الشیڈ نے دعا دفنہ دینے میں کبھی تاخیر نہیں کی لہٰذا آپ بھی سونے کی کھیپ سناجو بھیجنے میں تاخیر نہ کریں۔"

"سونے کی کھیپ وقت پر وہاں پہنچ جاتی ہے اور اب تم لوگ انگلینڈ جا رہے ہو۔"

"میرا دل تو اٹلانٹک سٹی جانے کو بے تاب ہے۔"

"اچھا!" بہرام نے مسکرا کر انسٹرکام اٹھا لیا۔ "روبی ذرا یہاں تو آؤ۔"

ٹائیگر نے فوراً اپنے ہاتھ کان پر رکھ دیے اور روبی کمرے میں داخل ہوئی تو کانوں پر ہتھیلیوں کا دباؤ بڑھ گیا۔

"روبی! ٹائیگر انگلینڈ جانے سے کترا رہا ہے۔" بہرام نے مسکراتے ہوئے روبی سے کہا۔ یہ سننا تھا کہ روبی شروع ہو گئی۔ ٹائیگر نے ہتھیلیوں کے بجائے انگلیاں کانوں میں ٹھونس لیں لیکن روبی کی آواز اس کے کان میں چاقو کی طرح اترتی رہی بالآخر اس نے ہتھیار ڈال دیے۔

"ویسٹر شر کاؤنٹی ائرپورٹ پر ایک طیارہ تمہارا منتظر ہے۔ اور تمہیں جلد از جلد وہاں پہنچنا ہے۔"

"ویسٹر شر نہیں۔ ویسٹر کاؤنٹی۔" ٹائیگر نے صلح کن انداز میں کہا۔

"جو کچھ ہو، طیارہ تمہارا منتظر ہے۔ جلدی کرو، اگر تم نے تاخیر کی تو بڑے مسئلے سے دوچار ہو جاؤ گے۔"

"ٹھیک ہے سوئیٹ ہارٹ۔" ٹائیگر نے بے چارگی سے بہرام کی طرف دیکھا لیکن کسی روز میں اس کے حلق میں سیمنٹ انڈیل دوں گا تاکہ یہ پھر کبھی مجھ پر نہ چیخ سکے۔"

"ضرور!" بہرام اب بھی مسکرا رہا تھا۔ "لیکن پہلے انگلینڈ جاؤ اور سفیر کی حفاظت کرو۔"

اوشان اور شہزاد ایک سیاہ کار میں سینٹ ٹوریم سے روانہ ہوئے لیکن ان کی نظر اس شیورلیٹ... پر نہیں پڑی جو قریب ہی کھڑی ہوئی تھی۔ یہ زوبی تھی جس نے اس کار کو دیکھا جس میں ایک شخص کاؤبوائے ڈریس پہنے ہوئے تھا۔ اس نے فوراً اپنے کمرے میں آ کر صدر دروازے کے محافظ کو فون کیا۔ "باہر کھڑی ہوئی کار کے نمبر نوٹ کر لو۔" اس نے حکم دیا اور پھر ٹائیگر کے بارے میں سوچنے لگی۔ اس کے چہرے پر مجرمانہ مسکراہٹ تھی۔

●●

دو انجنوں والے اس طیارے میں صرف دو ہی مسافر تھے اور طیارہ مشرق میں بحر اوقیانوس کی طرف محو پرواز تھا۔ اوشان اپنی عادت کے مطابق کھڑکی کے ساتھ بیٹھا ہوا طیارے کے پروں کو گھور رہا تھا۔ اس کی یہ خاص عادت تھی۔ اسے طیارے کا سفر بہت پسند تھا لیکن اس کا کہنا تھا کہ طیارے قابل اعتماد نہیں ہو سکتے کیونکہ ان کی ایجاد ناقابل اعتماد سفید فاموں نے کی ہے۔

ٹائیگر سینے پر ہاتھ باندھے ہوئے نیم دراز تھا۔ "سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم روسی سفیر کو کس کے حملے سے بچائیں گے۔" اس نے الجھے ہوئے لہجے میں اوشان کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

"یہ وانگ کا دور ختم ہونے کے فوراً بعد کی بات ہے۔ وانگ سناجو کا پہلا عظیم ماسٹر تھا۔"

"کیا؟" ٹائیگر کو اپنے سوال کا... بالکل الٹا جواب ملا تو وہ آنکھیں کھولنے پر مجبور ہو گیا۔

"عظیم وانگ نے کئی علاقوں میں خدمات انجام دے کر سناجو کے غریبوں کے لیے سونا جمع کیا لیکن جب وہ مر گیا تو ایک مسئلہ کھڑا ہو گیا۔ وہ عنفوان شباب میں اس دنیا سے گیا۔ اس کی عمر صرف آٹھ دہائی تھی۔"

"مسئلہ کیا کھڑا ہوا؟" ٹائیگر نے بے تابی سے پوچھ لیا۔

"یہ کہ لوگ یہ سمجھ بیٹھے کہ سناجو کے راز عظیم وانگ کے ساتھ ہی ختم ہو گئے لیکن ان لوگوں کو یہ علم نہیں تھا کہ ہر عظیم ماسٹر اپنے جانشین کی تربیت کرتا ہے۔ فرق یہ ہوتا ہے کہ بعض بے شاگرد لائق، ہونہار، موثر اور احترام کرنے والے ہوتے ہیں اور بعض کے حصے میں بدتمیز، ناشکرے اور گوشت خور شاگرد آتے ہیں۔ سب مقدر کا کھیل ہے۔" اوشان ایک طویل اور ٹھنڈی سانس بھر کر بولا۔

"اب تم مجھے لعن طعن کرو گے اور میں یہ برداشت نہیں کر سکوں گا فٹل فادر۔ تمہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ میں از خود تمہاری شاگردی میں نہیں آیا بلکہ تم نے خود مجھے منتخب کیا تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ سناجو میں مجھ جیسا قابل ہونہار، لائق اور اچھا شاگرد نہیں تھا۔"

"ہونہہ!" اوشان نے اس طرح ہاتھ ہلایا جیسے کان پر مکھی بیٹھ گئی ہو۔ "تو عظیم وانگ کی موت کے بعد سب ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھ گئے اور سونا آنا بند ہو گیا۔ یوں گاؤں کے لوگ بھوکے رہنے لگے اور اپنے بچوں کو سمندروں کے سفر پر روانہ کر کے مچھلی کی تیاریاں کرنے لگے۔"

"میرے خدا!" ٹائیگر نے پہلو بدلتے ہوئے کہا۔ وہ جانتا تھا کہ اس جملے سے اوشان کا مقصد سناجو کی عظمت کا اظہار کرنا ہے کہ لوگوں کے پاس اتنا بھی نہیں تھا کہ وہ اپنے شیر خوار بچوں کو پال سکیں اور اسی باعث وہ بچوں کو سمندر میں پھینک دیا کرتے تھے۔

"نیا ماسٹر اونگ خاموش اور نیک آدمی تھا۔" اوشان کہتا رہا۔ "اس نے کئی معرکہ آرا انقلابی لکھیں۔"

"اوہ! وہ لفاظی جو تم مجھے سناتے ہو اونگ کی شاعری ہے؟" ٹائیگر نے حیرت سے اوشان کی طرف جھکتے ہوئے پوچھا۔

"تم ضائع ہو چکے ہو شہزاد۔" اوشان نے تاسف سے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔ "تم تباہ ہو چکے ہو۔ سب جانتے ہیں کہ ادب کی تاریخ میں اونگ کی شاعری ایک روشن باب ہے لیکن تم... تم نرے گاؤدی ہو۔ گوشت خور عورتوں کے رسیا۔"

"شاعری! تین گھنٹے تک پھول کے کھلنے کی کیفیت بتانا شاعری ہے؟" ٹائیگر نے اوشان کو مزید چڑانے کے لیے کہا۔

"ہشت!" اوشان نے بڑی خفگی سے کہا۔ "میری بات غور سے سنو شاید کچھ سیکھ سکو۔ تو... عظیم اونگ نے جب یہ دیکھا کہ لوگ بھوکے ہیں تو اس نے بڑی بے کیف سی ہٹ کے ساتھ قلم ایک طرف

اے حمید
کے ایڈونچرس قلم سے
گنگا کے
پجاری ناگ
دو جلدوں میں
جلد اول =/150
جلد دوم =/200
مکتبہ القریش سرکلر روڈ اردو بازار لاہور
فون 7658958

ندیم
Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

رکھا۔ اسے احساس ہو گیا کہ لوگوں کو بچانے کے لیے اسے خود ہی کچھ کرنا پڑے گا۔ اس زمانے میں ایک جاپانی سفاک بادشاہ جسے جنگ کا بادشاہ کہتے تھے لوگوں کی زندگی اجیرن کر رہا تھا۔ چھوٹے کسان بہت پریشان تھے اور ان کی خواہش تھی کہ جنگ کا بادشاہ کسی طرح مر جائے۔ یہ بات سنا بخوتک بھی پہنچ گئی اور عظیم اونگ بادشاہ کو مارنے کے لیے نکل کھڑا ہوا لیکن روانگی سے قبل اس نے اپنی نظمیں اور قلم فروخت کر دیے تاکہ لوگ اس کی غیر موجودگی میں کھا پی سکیں۔"

"اور نظمیں کس نے خریدیں؟ بوڑھی والوں نے؟"

"خاموش! دخل مت دو، سنتے رہو۔ عظیم اونگ سمندر پار کر کے جاپان پہنچا اور اس نے جنگ کے بادشاہ کو بتایا کہ اسے قتل کرنے کی سازش ہو رہی ہے۔ اس نے بادشاہ کو حفاظت کرنے کی پیش کش کی۔ جنگ کا بادشاہ عظیم اونگ کی شہرت سن چکا تھا اور کیونکہ اونگ اس کا جانشین تھا لہٰذا بادشاہ اس سے بہت متاثر ہوا۔ اس پر ایک رات قبل قاتلانہ حملہ ہو چکا تھا لہٰذا اس نے عظیم اونگ کی پیش کش قبول کر لی۔ تاہم جنگ کے بادشاہ کو یہ علم نہیں تھا کہ اس کے خون کا پیاسا کون ہے۔ اس کے بہت سے دشمن تھے۔ دشمنوں کا ایک خاندان شمال میں دوسرا جنوب میں، تیسرا مشرق میں اور چوتھا مغرب میں تھا اور جنگ کے بادشاہ کو یہ بات نہیں معلوم تھی کہ کون سا خاندان اسے قتل کرنے کے درپے ہے، ویسے ہر خاندان کو اس سے دشمنی تھی۔ اونگ نے اپنے مخصوص شاعرانہ انداز میں جنگ کے بادشاہ سے بات کی۔ اس نے کہا جب بیل اعلیٰ ملے کو توڑ پھینکتے ہیں تو بعض چوہے بھی گندم چوری کر لیا کرتے ہیں۔ جنگ کا بادشاہ اس نکتے پر غور کرتا رہا اور کئی گھنٹے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ عظیم اونگ نے آستین کے سانپ کی طرف اشارا کیا ہے چنانچہ وہ یہ سوچنے لگا کہ اس کے دربار میں کون اسے قتل کر سکتا ہے۔ اس نے جتنا غور کیا اتنا ہی اسے اپنے بڑے بیٹے پر شبہ ہوتا گیا جسے اس کی جگہ تخت پر بیٹھنا تھا۔ اس رات اس نے اونگ سے کہا کہ وہ اس کے بڑے بیٹے کو مار ڈالے۔ عظیم اونگ نے حکم پر عمل کیا اور صبح جنگ کے بادشاہ کا سب سے بڑا بیٹا مر چکا تھا تاہم اگلی ہی شب بادشاہ پر ایک اور قاتلانہ حملہ ہوا تاہم عظیم اونگ کی بروقت مداخلت سے بادشاہ کی زندگی بچ گئی۔ بادشاہ نئی سوچ میں گم ہو گیا۔ اس نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ بڑے بیٹے سے چھوٹا بیٹا قتل کی سازش کر رہا ہے لہٰذا اس نے اسے بھی مروا دیا۔ اس طرح سات بیٹے مارے گئے۔ وہ سات باپ سے زیادہ خبیث تھے۔ آخری بیٹا بھی اونگ کے ہاتھوں مارا گیا تو جنگ کے بادشاہ نے ماسٹر سے دربار کے ہال میں ملاقات کی اور کہا کہ سات بیٹے مر چکے ہیں اب کوئی خطرہ نہیں لیکن اونگ نے جواب دیا کہ خطرہ ابھی موجود ہے۔ بادشاہ نے پوچھا کہ اب کون خطرہ بن سکتا ہے؟ اونگ نے جواب دیا۔ ماسٹر آف سناجو۔ یہ کہہ کر اس نے بادشاہ کو بھی قتل کر دیا۔ تم نے دیکھا شہزادہ عظیم اونگ نے صرف بادشاہ کو ہلاک کرنے کا معاہدہ کیا تھا لیکن اس نے شیطان کے چیلوں کو بھی مار ڈالا تاکہ کبھی کوئی خطرہ نہ رہے۔ راتوں کو بادشاہ پر ہونے والے حملے بھی اونگ ہی کیا کرتا تھا۔" یہ کہہ کر اوشان خاموش ہو گیا۔

"پھر؟" ٹائیگر نے جمائی لے کر پوچھا۔ "اس طرح کوئی کہانی اچانک ختم ہو ہی نہیں سکتی۔ اس کا مفہوم کیا ہے؟"

"کیا تمہیں مفہوم سمجھ میں نہیں آیا؟" اوشان نے تلخ لہجے میں پوچھا۔

"مفہوم صرف یہ ہے کہ ماسٹر آف سناجو ستاک اور بے رحم ہوتے ہیں جن پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔"

"تم لوگ خود ناقابل اعتبار ہو۔" اوشان نے بل کھا کر کہا۔

"پتا نہیں میں نے تمہیں اتنی ڈھیل کیوں دے رکھی ہے۔ اس کہانی کا سبق یہ ہے کہ اگر تمہیں تلوار کا علم نہ ہو تو تلوار کو چھو بھی نہیں سکتے۔"

"اوشان! اس کہانی سے ایسی کوئی بات معلوم نہیں ہوتی جو میں پہلے سے نہیں جانتا تھا۔ میں جانتا ہوں کہ سفیر کا تحفظ کرنا کتنا مشکل ثابت ہو سکتا ہے؟"

"اس میں ایک اور سبق بھی ہے۔ وہ یہ کہ خطرہ کسی پیشانی پر لکھا ہوا نہیں ہوتا اور خطرہ جتنا قریب ہوتا ہے اتنا ہی خطرناک ثابت ہوتا ہے۔"

"مطلب یہ ہوا کہ چوکیدار کی چوکیداری کون کرے؟" ٹائیگر نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"درست۔" اوشان نے پرجوش لہجے میں کہا۔

"لٹل فادر!"

"بولو میرے بچے۔"

"یہ کہانی انتہائی فضول تھی۔"

"پتھر سے سر ٹکرانا خود کو لہولہان کرنا ہے۔" اوشان نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

●●

دونوں لندن کے قلب میں ٹیکسی میں سوار ہوئے تو موسم انتہائی خراب تھا۔ بارش ہو رہی تھی۔

"روسی سفارت خانہ کتنی دور ہے؟" ٹائیگر نے ڈرائیور سے پوچھا۔

"چار پونڈ لوں گا۔" ڈرائیور نے سوال نظر انداز کرتے ہوئے جواب دیا۔

"تب پھر مجھے اسکاٹ لینڈ کے آفس لے چلو۔" ٹائیگر نے دروازہ کھول کر اندر بیٹھتے ہوئے کہا۔ اوشان پہلے ہی خاموشی سے بیٹھ گیا تھا۔

"چلو، برا مت مانو، دو پونڈ لے لوں گا۔" ڈرائیور نے ٹیکسی آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

سفارت خانہ، صرف دو فرلانگ دور تھا لہٰذا ٹائیگر نے ٹیکسی سے اترتے ہوئے صرف ایک پونڈ دیا اور ٹیکسی ڈرائیور کی چیخ و پکار نظر انداز کرتا ہوا اوشان کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔ عمارت پرانی تھی۔ اس کا پلاستر تک اکھڑ رہا تھا۔ ٹائیگر نے دروازے کو غور سے دیکھا اور پھر گھنٹی بجا دی۔ دروازہ سوٹ میں ملبوس ایک روسی نے کھولا۔

"کیا سفیر کی رہائش یہیں ہے؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"ہاں!" دروازہ کھولنے والے نے یورپی لہجے میں کہا۔

"تب ان سے کہو کہ باہر آئیں۔ میں ان سے چند ضروری باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

"مجھے افسوس ہے جناب، وہ اس وقت یہاں نہیں ہیں۔" روسی نے جواب دیا اور دروازہ بند کرنے لگا مگر اتنی دیر میں ٹائیگر اندر کا منظر دیکھ چکا تھا۔ اندر کئی افراد تھے اور ان کے لیوالور دور ہی سے چمکتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔

"کیا آپ انھیں کوئی پیغام دینا پسند کریں گے جناب؟" روسی نے دروازہ بند کرنے سے قبل پوچھا۔

"نہیں!" ٹائیگر کے اس جواب پر دروازہ بند ہو گیا۔

"یہ شخص جھوٹ بول رہا ہے لٹل فادر۔"

"شاید، اس کے کان کی لو دباتے... سب کچھ اگل دیتا۔"

"میں ایسا ضرور کرتا مگر وہ چار گز دور تھا۔"

نامور مصنف ایم۔ الیاس۔ کے شہکار

قلم سے ایک اچھوتی کہانی

ذلیل

خوبصورت سرورق عمدہ پرنٹنگ کتابت

قیمت =\150 روپے

"تمہاری ہیچ اچکوں سے آگے کبھی نہیں بڑھے گی۔" اوشان نے تلخ انداز میں کہا۔ ٹائیگر کا ساتھ دیتا ہوا عمارت کے عقبی حصے میں آ گیا۔ "کیا لندن برج قریب ہی ہے؟" اوشان نے اچانک پوچھا۔

"نہیں۔"

"تب پھر کہاں ہے؟"

"ایریزونا میں۔ شاید انھوں نے پل فروخت کر دیا تھا اور کسی نے اسے ایریزونا میں لے جا کر نصب کر دیا۔"

"خریدار نے دریا بھی خریدا ہو گا۔"

"ارے نہیں! ایسا کیسے ممکن ہے۔"

"کمال ہے۔ عجیب احمق خریدار تھا، دریا چھوڑ کر پل لے گیا۔"

وہ باتیں کرتے ہوئے عمارت کے عقبی حصے تک پہنچ گئے۔ ان کی منزل عمارت کا تیسرا فلور تھی لیکن وہاں تک دیوار سپاٹ تھی۔ بس کونے میں ایک نیم سیدھا سا سیوریج پائپ اوپر تک چلا گیا تھا۔

پائپ دیکھ کر ٹائیگر کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ وہ تیزی سے پائپ کی طرف بڑھا ہی تھا کہ اوشان کی غراہٹ سنائی دی۔

"احمق، عقل کا اندھا۔"

ٹائیگر نے فوراً پلٹ کر دیکھا لیکن اوشان اپنی جگہ موجود نہ تھا۔ ٹائیگر نے نگاہ اٹھا کر دیکھا۔ اوشان چھپکلی کی طرح دیوار پر رینگتا ہوا پہلی منزل تک پہنچ چکا تھا۔

ٹائیگر نے ایک لمبا سانس اندر کھینچا اور دونوں ہاتھ دیوار پر جما دیے۔ اس کے بعد وہ تیزی سے کسی چھپکلی کی مانند ہی اوپر چڑھتا چلا گیا۔

دوسرے ہی لمحے وہ عمارت کی تیسری منزل پر واقع کھڑکی کی منڈیر پر اوشان کے برابر آ کر دوں بیٹھا ہوا تھا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"تم بالکل بچے ہو شہزادے۔" اُوشان نے سرگوشی میں کہا۔

"اچھا۔۔۔" ٹائیگر نے حیرت سے اس طرح کہا جیسے اُوشان نے کوئی اہم انکشاف کیا ہو۔ "تمہیں موت کی سمت ضرورت ہے شہزادے، یہ فاصلہ صرف چار سیکنڈ کا تھا جو تم نے ساڑھے پانچ سیکنڈ میں طے کیا۔"

پھر اس سے قبل کہ اُوشان مزید کچھ کہتا ٹائیگر۔۔۔ اپنی انگشت شہادت سے کھڑکی کا شیشہ کاٹ کر اندر کود گیا۔

اُوشان نے اس کی کارکردگی پر ستائشی انداز میں گردن ہلائی۔

"ہاں اس میں تم ٹھیک ہو۔"

وہ دونوں ایک طویل راہ داری میں کھڑے تھے۔ جس کے دونوں اطراف میں کمروں کی قطار تھی۔ وہ دبے قدموں آگے بڑھے۔ اُوشان نے ایک طویل سانس کھینچی اور ایک دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ اس کی حسیات نے اس دروازے کے عقب میں زندگی کے آثار پا لیے تھے۔

ٹائیگر کے ذہن میں ایک تجویز نے جنم لیا مگر اُوشان اس سے زیادہ متاثر نہیں ہوا۔ "میری تجویز بہت شاندار ہے فادر!"

اوشان کی نظریں دروازے پر جمی ہوئی تھیں۔

"آپ تیار ہیں لٹل فادر؟"

اُوشان سانس لے کر خاموش رہا۔

"سنیں! ہمیں ایسا کوئی حکم نہیں ملا ہے کہ ہم کیا کریں گے، صرف اتنا کہا گیا ہے کہ سفیر کو زندہ رہنا چاہیے اور اس کے لیے ضروری ہے کہ ہم سفیر کو اپنے ساتھ امریکا لے چلیں۔ وہاں پہنچ کر اسے ہرام کے حوالے کر دیں۔ اس طرح سفیر محفوظ رہے گا۔"

"ہوں۔" اُوشان نے ہنکارا بھرا۔

"میں سمجھا نہیں۔" ٹائیگر نے اُلجھ کر کہا۔

"دنیا کی ہر زبان میں ہنکارا اثبات کا مظہر ہوتا ہے نفی کا نہیں۔" یہ کہہ کر اُوشان اسے ہنکارے کی مختلف قسمیں بتانے ہی لگا تھا کہ ٹائیگر دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ یہ کمرہ شاید سفیر کا آفس تھا۔ اس سے ملحقہ کمرہ ڈرائنگ روم تھا جس کی ایک میز پر ادھی آستین کی قمیص میں ملبوس ایک شخص تنہا تاش کھیل رہا تھا۔ تاہم وہ اکیلا نہیں تھا کمرے میں مزید پانچ افراد تھے۔ ان میں چار کے ہیلمٹوں پر ہولسٹر صاف نظر آ رہے تھے۔ وہ کے جی بی کے مخصوص بزنس سوٹ پہنے ہوئے تھے۔ شاید ان چاروں کی ڈیوٹی کھڑکی پر تھی۔ وہ باری باری کھڑکی سے باہر جھانک کر دیکھتے اور پھر ڈرائنگ روم کے دروازے سے ہال کی طرف دیکھ کر ایک طرف ہو جاتے۔ ان کی نظریں پردوں تک پر تھیں۔ جب ایک شخص یہ معائنہ ختم کر کے آگے بڑھتا تو دوسرا اس کی جگہ لے لیتا۔ پانچواں آدمی تاش کھیلنے والے شخص کے قریب کھڑا ہوا تھا۔ وہ وقفے وقفے سے ایش ٹرے صاف کر کے میز پر رکھتا اور گلاس بھر دیتا تھا۔

ٹائیگر نے تاش کھیلنے والے کو پہچان لیا۔ وہ سفیر کے علاوہ کوئی اور نہیں تھا۔ اس کے سنہری بال پیشانی پر گرے ہوئے تھے اور چہرہ چمکدار تھا۔ اس نے جو قمیص پہن رکھی تھی اس سے اس کا درزشی بدن صاف نظر آ رہا تھا۔ ٹائیگر کو ہرام نے سفیر بلگانوف کا جو حلیہ بتایا تھا اس پر یہ شخص پورا اترتا رہا تھا۔

"آؤ۔ تاش کھیلو۔" بلگانوف اچانک ہی کے جی بی کے ایجنٹوں سے بولا۔ وہ واضح طور پر حالات سے اکتایا ہوا تھا۔

"ہم معذرت خواہ ہیں ایکسیلینسی۔" ایک شخص نے جو یونٹ کا چیف تھا سرد لہجے میں جواب دیا۔ "ہم آپ کی حفاظت کے لیے یہاں آئے ہیں اور ہمیں ان دو افراد کے بارے میں سخت تشویش ہے جو کچھ دیر قبل آپ سے ملنے کے لیے آئے تھے۔ ہمیں اب خاص طور سے چوکس رہنا ہوگا۔ آپ جانتے ہیں کہ تاش کھیلنے والا شخص گیم میں منہمک ہو کر فرائض بھول جاتا ہے۔"

"اچھا۔" بلگانوف نے آنکھ مارتے ہوئے کہا۔ "تم جانتے ہو کہ اگر میں مارا گیا تو تم سب کا کیا حشر ہوگا لیکن موجودہ حالات میں میرا قتل ناممکن ہے لہٰذا میں سوچ رہا ہوں کہ اپنے ریوالور سے خود کشی کر کے اسے کھڑکی سے باہر پھینک دوں۔ اس طرح امریکی مورد الزام ٹھہرائے جائیں گے اور تم سب کو وطن طلب کر کے سائبیریا بھیج دیا جائے گا۔ کیا سمجھے؟"

کے جی بی کے چاروں ایجنٹ سُن ہو کر رہ گئے۔ غالباً وہ اس قسم کے مذاق کے عادی نہیں تھے۔

"لیکن آپ ایسا نہیں کریں گے ایکسیلینسی۔" ایک ایجنٹ نے گھبرا کر کہا۔

"میں ایسا کرنے کی پوری صلاحیت رکھتا ہوں۔" بلگانوف نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "لیکن اس کا انحصار حالات پر ہے۔ اگر تم تاش کھیلنے پر تیار ہو جاؤ تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ خود کشی نہیں کروں گا۔"

ٹائیگر نے تمام باتیں دروازے کی جھری پر کان رکھ کر سن لی تھیں۔ اس نے اُوشان کو واپس جا کر بتایا کہ کچھ دیر بعد کے جی بی والے اپنے فرائض بھول جائیں گے اور اس طرح کام کرنا آسان ہو جائے گا۔ انھیں معاً بلگانوف کی آواز سنائی دی جو اپنے خادم خاص کو جوا کھیلنے کے لیے پرس لانے کی ہدایت کر رہا تھا۔

پھر ایک گھنٹہ گزر گیا۔ اس کے بعد ٹائیگر کو کرسیوں پر کھسکنے کی آواز سنائی دی اور پھر بلگانوف کی فاتحانہ آواز آئی۔ "تم لوگ کنگال ہو چکے ہو اور میں اچانک ہی تھکن محسوس کرنے لگا ہوں۔ اب میں آرام کرنا چاہتا ہوں۔"

"ہم رات بھر یہیں آپ کی حفاظت کریں گے ایکسیلینسی۔"

"ہاں۔ میری خواب گاہ میں بہر حال نہ آنا۔"

❁

ٹائیگر ساکت کھڑا رہا۔ بلگانوف اپنے بیڈ روم میں جا چکا تھا پھر ٹائیگر بھی بہت تیزی کے ساتھ خواب گاہ میں داخل ہو گیا۔ اس وقت بلگانوف کی پشت اس کی طرف تھی اور وہ کھڑکی سے جھانک رہا تھا۔ ٹائیگر نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر اسے دبوچ لیا۔ سفیر نے ایک لمحہ کے لیے مزاحمت کی مگر گرفت کا احساس ہونے کے بعد اس نے ہتھیار ڈال دیے۔ وہ سمجھ گیا کہ اس گرفت سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں۔

"میری بات غور سے سنو بلگانوف۔" ٹائیگر نے سرگوشی کی۔ "کوئی آواز مت نکالنا کیونکہ میں تمہیں نقصان پہنچانے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔ صرف سنتے رہو۔ میرا تعلق امریکا سے نہیں لیکن میں وہیں سے آیا ہوں کیونکہ تمہاری زندگی خطرے میں ہے اور مجھے تمہاری حفاظت کے لیے بھیجا گیا ہے۔ ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ تم خاموشی سے ہمارے ساتھ امریکا چلو پھر کوئی بھی قاتل تم تک نہیں پہنچ سکے گا۔"

بلگانوف نے طویل سانس لی۔ اب وہ پُرسکون تھا۔

"اس بارے میں سوچو۔ یہاں قاتل تمہیں کسی بھی وقت دبوچ سکتا ہے۔ بالکل اس لمحے جیسے پیرس اور روم میں ہوا۔"

بلگانوف کچھ کہنا چاہ رہا تھا کیونکہ ٹائیگر کو اپنے اس ہاتھ کی ہتھیلی پر گدگدی محسوس ہوئی جو بلگانوف کے منہ پر رکھا ہوا تھا۔

"میں ہاتھ ہٹا رہا ہوں لیکن کسی کو بلانے کے لیے چیخنا مت۔۔۔" ٹائیگر نے دھیرے سے کہا۔

بلگانوف اثبات میں سر ہلانے لگا تو ٹائیگر نے ہاتھ ہٹا لیا۔

"تمہاری تجویز بہت دلچسپ ہے۔" بلگانوف نے بھی سرگوشی کے انداز میں کہا۔ "میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ سیکورٹی کے ان شکنجوں سے نجات مل جائے جو ہر وقت مکھیوں کی طرح میرے اردگرد منڈلاتے رہتے ہیں۔"

ٹائیگر اثبات میں سر ہلانے لگا۔ اس نے اُوشان کی طرف نہیں دیکھا جو نہ جانے کس وقت کمرے میں آ کر سفیر کے بیڈ پر بیٹھ کر بیڈ شیٹ کی نوبصورتی میں گم ہو گیا تھا۔

"لیکن میں تنہا نہیں جا سکتا۔"

"لیکن تم اپنے تمام محافظ ساتھ لے کر نہیں جا سکتے بلگانوف، میرے طیارے میں اتنی جگہ نہیں۔"

"میں صرف اپنے خادم خاص آندرے کو ساتھ لے کر چلوں گا۔ وہ ہمیشہ میرے ساتھ رہتا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" ٹائیگر نے کچھ سوچ کر سر ہلا دیا۔

اُوشان مایوسی سے سر ہلاتا ہوا چادر پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

"کیا میں آندرے کو آواز دے سکتا ہوں؟"

"ضرور۔" ٹائیگر نے اجازت دے دی اور اُوشان بڑے غصے سے چادر پر بنے ہوئے پھول کو مسلنے لگا جس کی رنگت اسے اچھی نہیں لگ رہی تھی۔

"آندرے!" بلگانوف نے دروازہ کھول کر آواز دی۔

"ذرا ایک منٹ کے لیے یہاں آؤ۔"

دراز قد آندرے جونہی کمرے میں داخل ہوا اس کی نظر ایک نحیف بوڑھے پر پڑی۔ اس نے بلگانوف کی طرف دیکھا اور اس کے ساتھ ایک نوجوان کو دیکھ کر اچھل پڑا۔

"آندرے۔ یہی ہے۔ امریکی قاتل۔" بلگانوف نے اچانک چلا کر کہا۔ "پکڑ لو۔"

آندرے کسی ہرن کی طرح اچھلا۔ اس نے ریوالور سونت لیا اور ریوالور کی نال ٹائیگر کی طرف گھومتی چلی گئی۔

آندرے کے ہاتھ میں وہ سیاہ خوفناک ریوالور کا رخ ٹائیگر کی طرف تھا۔ کمرے میں قبرستان کا سا سناٹا اپنے پر پھیلائے ہوئے تھا۔

دفعتاً ٹائیگر کو کمرے میں موت اور خون کی بو رقص کرتی محسوس ہوئی۔ اس کے ساتھ ہی ٹائیگر کے عضلات سخت ہونا شروع ہو گئے۔ اس نے غیر محسوس انداز میں پلٹ کر اُوشان کی طرف دیکھا۔

اُوشان اس تمام کارروائی سے لاتعلق، بڑے اطمینان سے بیڈ پر بیٹھا بیڈ شیٹ پر ہاتھ پھیر رہا تھا۔ اس کے انداز سے یوں لگ رہا تھا جیسے اُسے کمرے میں ہونے والی کارروائی سے کوئی دلچسپی نہیں ہے عام آدمی کے لیے ایسے حالات میں

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

اپنے حواس کو برقرار رکھنا اور اتنے اطمینان اور لاتعلق انداز میں بیٹھے رہنا ناممکن امر تھا لیکن اُوشان کوئی عام آدمی نہ تھا۔ وہ ماسٹر مائنڈ شیئر سنا نجو کا مالک۔ جس کی حسیات ہمہ وقت بیدار رہتی تھیں۔

دفعتاً بلگانوف ہذیانی انداز میں ہنسنے لگا۔ اس کے انداز سے یہ بات عیاں تھی کہ اس ساری صورتِ حال نے اسے اعصابی طور پر توڑ کر رکھ دیا ہے اور وہ زیادہ دیر تک اسے برداشت نہ کر سکے گا۔

ٹائیگر نے حیرت سے بلگانوف کی طرف دیکھا جو اب باقاعدہ قہقہے لگا رہا تھا۔ مگر اس کے قہقہوں سے گونج رہا تھا۔

دفعتاً راہداری میں دوڑتے ہوئے قدموں کی دھمک سنائی دینے لگی۔ ٹائیگر نے پلٹ کر دروازے کی طرف دیکھا۔ ابھی وہ دروازے کی طرف ہی متوجہ تھا کہ کمرے کی فضا گولی چلنے کے دھماکے سے گونجنے لگی۔

ٹائیگر میکانکی انداز میں اپنی جگہ سے گھوما۔۔۔ لیکن اسے دیر ہو چکی تھی۔ بلگانوف ڈگمگاتے ہوئے بیڈ کے پیچھے غروب ہو رہا تھا۔ گولی نے اس کے سر کے چیتھڑے اڑا دیے تھے اسے اس کے نام خاص آندرے نے ہی گولی مار دی تھی۔

ٹائیگر غراتے ہوئے آندرے کی طرف پلٹا، وہ سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ بلگانوف کا خادم خاص ہی اس کا قاتل ثابت ہوگا۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے اب تک آندرے کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی تھی۔

"رک جاؤ دوست۔۔۔" آندرے نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "بس اب کھیل ختم ہو چکا ہے۔" اس کا لہجہ سپاٹ تھا۔

ٹائیگر اس کی جانب بڑھتے ہوئے ٹھٹک گیا۔ آندرے نے ریوالور کی نال اپنے منہ میں رکھ کر لبلبی دبا دی۔ ٹائیگر نے حیرت سے پہلے اُسے پھر اُوشان کو دیکھا جو اب بھی بڑے انہماک سے بیڈ شیٹ کے معائنے میں مصروف تھا۔

محافظ اب دروازہ دھڑا دھڑ توڑ رہے تھے۔ اس سے پہلے کہ دروازہ اپنی چولوں سے اکھڑ جاتا۔ اُوشان بیڈ سے اتر کر دروازے کی طرف بڑھ گیا اور وہ لاک کھول کر تیزی سے دوبارہ بیڈ پر جا بیٹھا۔ اس کا انداز کسی ایسے بچے کا سا تھا جو اپنا قیمتی کھلونا دوسرے بچے سے چھپانا چاہتا ہو۔

آٹومیٹک لاک کے کھلتے ہی تین مسلح محافظ طوفان کی طرح

دو جلدیں
قیمت ۲۰۰/- روپے
نام آکاش
تاریک وادی
اے حمید کے ایڈونچر قلم سے
شیوسینا کے دہشت گرد
چار جلدوں میں مکمل سیٹ =/700 روپے
ناشر: مکتبہ القریش
اردو بازار لاہور

کمرے میں گھس آئے۔ آندرے کی لاش دیکھتے ہی ایک لمحے کو ان پر سکتہ سا طاری ہو گیا۔

"یہ۔۔۔ یہ سب کیا ہے؟" ایک نے آندرے کی لاش کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔ "اور کام ریڈ کہاں گئے؟"

"اونٹ مکتے ہی کی طرف بھاگتا ہے۔" اُوشان نے انتہائی نرم لہجے میں کہا اور ایک ٹھنڈی سانس لے کر ناصحانہ لہجے میں بولا۔ "دنیا ایک خواب ہے اور عدم اس کی تعبیر ہے۔ ضمیر اجل ہے خواہ جوان ہے یا پیر ہے، دوسرے زمین اور تربیہ زمین انسانوں سے پُر ہے۔ گویا یہ صفحۂ خاک دو رویہ قبور ہے۔"

"کک۔۔۔ کیا مطلب؟ ہم کچھ نہیں۔" دوسرے نے سوالیہ

نگاہوں سے اُوشان کو گھورتے ہوئے پوچھا۔ جواب بھی بیڈ شیٹ کے معائنے میں مصروف تھا۔

"میرا مطلب یہ ہے برخوردار کہ ہر شے اپنی اصل ہی کی طرف رجوع کرتی ہے۔ یہ قانونِ فطرت ہے خواہ تم اس پر ایمان رکھو یا نہ رکھو۔"

"اس کا" طلب ہے تم ماسٹر بیڈ کو قتل کرنے میں کامیاب ہو گئے ہو۔" تیسرے محافظ نے جو قدرے فربہ اندام تھا۔ ریوالور کا رخ اُوشان کی طرف کرتے ہوئے کہا۔

"نہیں۔۔۔ ہم نے نہیں بلکہ اس گھر کو گھر ہی کے چراغ نے مالکِ گیا ہے۔" اُوشان یہ کہہ کر اپنے مخصوص انداز میں ہنسنے لگا۔ تو وہ تینوں محافظ حیرت سے بت بنے اسے قہقہے لگاتے دیکھ رہے تھے۔

انھیں یوں لگ رہا تھا جیسے کمرے میں کوئی بطخ گھس آئی ہو اور چاروں طرف قد قد کرتی گھوم رہی ہو۔

"اے موٹے۔۔۔" ٹائیگر نے فربہ اندام محافظ کو اپنی طرف متوجہ کیا جو اُوشان پر ریوالور تانے حیرت سے اسے ہنستے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ ٹائیگر کے منہ سے اپنے لیے موٹے کا خطاب سن کر وہ بھنا گیا اور پھر جونہی اس نے ریوالور کا رخ ٹائیگر کی طرف کر کے لبلبی دبانے کی کوشش کی تو حیرت و کرب کے ایک شدید جھٹکے نے اسے منجمد سا کر دیا۔

ٹائیگر ریوالور سے نکلنے والی گولی کی مانند ہی اس کی طرف لپکا تھا اور موٹے کو ایک شرارہ سا آنکھوں کے سامنے لپکتا محسوس ہوا تھا لیکن جب اس نے اپنے ریوالور والے ہاتھ کی جانب دیکھا تو دہشت کی ایک لہر سی اس کے چہرے پر پھیل گئی۔

اس کا ہاتھ کلائی سے غائب تھا۔ اس نے اچھے اچھے صحت مند قصائی دیکھے تھے، جو گائے کی موٹی سے موٹی ہڈی کو بھی بغدے کے ایک وار سے دو ٹکڑے نہیں کر سکتے تھے لیکن کوئی اپنے ہاتھ سے ہی بغدے کا کام لے سکتا ہے، یہ مظاہرہ اس نے زندگی میں پہلی بار دیکھا تھا بلکہ یہ مظاہرہ خود اس کے ساتھ ہی ہوا تھا۔

اس نے اپنے کٹے ہوئے ہاتھ کی تلاش میں نظریں گھمائیں اور پھر اس کی آنکھیں ایک کونے میں جم کر رہ گئیں جہاں اس کا کٹا ہوا ہاتھ پڑا تھا۔ اس ہاتھ میں اب تک ریوالور دبا ہوا تھا۔ وہ چند لمحے تک اُسے تکتا رہا اور پھر دھیرے دھیرے اس کے گھٹنے مڑنے لگے اور وہ اپنا اُدھورا ہاتھ تھامے قالین پر گرتا چلا گیا۔

"میرا خیال ہے ٹائیگر کے جی بی والوں کو حرف بہت دیر ڈوبے رہنے کی ہی تمہیت دی جاتی ہے۔" اُوشان نے اپنی انگشت شہادت سے دونوں محافظوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا جو حلقوں کی طرح آنکھیں پھاڑے اپنے ساتھی کے کٹے ہوئے ہاتھ کو دیکھ رہے تھے۔

"ہاں کیونکہ وہ آپ جیسے مہنگے ماسٹر کو پالینے کی حیثیت نہیں کر سکتے۔" ٹائیگر نے بھی اسی لہجے میں جواب دیا لیکن اسے فوراً اپنی جگہ سے چھلانگ لگانا پڑی تھی۔ وہ اُوشان کی انگلی کو حرکت کرتا دیکھ چکا تھا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے اپنے عقب میں ایک محافظ کی کربناک چیخ سنی تھی۔

اُوشان نے بیڈ کے سرہانے رکھی اسٹیل کی ایش ٹرے پھینکی تھی جس نے محافظ کے سر پر ایک قیامت سی مچا دی تھی۔ اپنے ساتھیوں کا یہ حشر دیکھ کر تیسرا محافظ بدحواس سا باہر گیا۔ وہ ریوالور پھینک کر بڑے جنونی انداز میں چیختے چلاتے اُوشان کی طرف بڑھا تھا۔

ابھی وہ بیڈ سے دو قدم دور ہی تھا کہ ٹائیگر کی بائیں ایڑی اس کی ٹھوڑی سے ٹکرائی اور وہ ایک کراہ کے ساتھ اُلٹ کر دروازے سے جا ٹکرایا۔ جبکہ ٹائیگر اپنی جگہ ہی جما کھڑا تھا۔ اس کی صرف ایک ٹانگ ہی نے حرکت کی تھی ٹائیگر کے اس انداز پر اُوشان نے توصیفی انداز میں گردن ہلائی تھی اور پھر بیڈ شیٹ کو اُلٹنے پلٹنے میں مصروف ہو گیا تھا۔

"اگر پسند ہے تو پلیٹ کر ساتھ لے لو۔" ٹائیگر اُوشان کو چڑانے والے انداز میں بولا۔

جواباً اُوشان نے اُسے عضیلی نظروں سے ہی دیکھا تھا۔

○

کچھ ہی دیر بعد وہ دونوں مدِ مقابل ایک دوسرے سے کچھ فاصلہ رکھے چہل قدمی کے انداز میں چل رہے تھے۔ ابھی وہ سفارت خانے کی عمارت سے کچھ ہی دور گئے تھے کہ ایک جیپ اُوشان کے قریب آ کر رکی۔

اُوشان تیزی سے جیپ کی طرف بڑھا تھا۔ ٹائیگر اب بھی اس سے کچھ فاصلے پر شور و مزاحمت کی اشیا کا معائنہ کرتے ہوئے آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔ وہ اُوشان کو جیپ کی طرف بڑھتے دیکھ چکا تھا لیکن جب اس نے اُوشان کو غصے سے جیپ ڈرائیور کی گردن پکڑ کر کچھ کہتے دیکھا تو وہ تیزی سے اس کے قریب جا پہنچا۔

"کیا ہوا اٹل فادر؟"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"سچ... سچ جناب میں معافی... !" ٹائیگر نے ڈرائیور ٹائیگر کو مدد طلب نگاہوں سے دیکھتے ہوئے ہکلایا۔ اس کی آنکھیں بتا رہی تھیں اب چہرے کا رنگ متغیر ہو رہا تھا۔

"یہ کم بخت مجھ سے کہہ رہا تھا کہ کون سے سرکس میں کام کرتے ہو بڑے میاں... !" اُدشان غصیلے لہجے میں کہا۔

"اے... !" ٹائیگر بے ساختہ ہونٹوں پر در آنے والی مسکراہٹ دباتے ہوئے بولا۔ "بے وقوف آدمی یہ سرکس میں کام نہیں کرتے بلکہ ان کے اپنے سرکس چلتے ہیں... بلکہ اب تو یہ فلم بھی بنانے والے ہیں۔"

ٹائیگر کی آخری بات پر اُدشان نے اثباتی انداز میں گردن ہلائی اور ڈرائیور کی گدی سے ہاتھ ہٹا لیا۔

"چلو معاف کیا تمہیں۔" اس نے شاہانہ انداز میں کہا اور دروازہ کھول کر ٹیکسی میں بیٹھ گیا۔ ٹائیگر بھی دوسری طرف کا دروازہ کھول کر بیٹھ چکا تھا۔

"اسٹریٹ۔ چلو۔" ٹائیگر نے ڈرائیور کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

▼

بہرام آج کل بہت خوش تھا اس کی وجہ بھی تھی کہ رابطوں اور دفتری امور کا سارا کام روبی نے سنبھال رکھا تھا اور اسے کئی جھمیلوں سے نجات دلا دی تھی۔ اس وقت بھی وہ ایک پرانے دوست کی سالگرہ میں شرکت کے لیے جا رہا تھا۔ یہ سالگرہ ایک ایسے دوست کی تھی جو برسوں سے اس سے ناراض تھا۔ وہ ہر سال شادی کی سالگرہ کا دعوت نامہ بھیجتا مگر گزشتہ سات آٹھ سالوں میں بہرام کبھی سالگرہ میں شریک نہیں ہوا تھا مگر اس بار بہرام نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ وہ سالگرہ میں ضرور آئے گا۔

سالگرہ کی تقریب نجی تھی۔ میاں بیوی نے صرف بہرام کو مدعو کیا تھا اور وہ کھانا پکانے کے بعد اب اس کے منتظر تھے۔

"ابھی تک بہرام نہیں آیا آصف۔" کچن سے آواز آئی۔

"کمال ہے پہنچ کہیں غائب تو نہیں ہو گیا ہو تم زینو۔ ذرا دونوں کو کرو۔ اس نے فون تھوڑی دیر قبل ہی کہا تھا کہ وہ دفتر سے نکل رہا ہے۔"

"ہاں۔ فون کرتا ہوں پشکا۔" زینو کے کی طرف بڑھتی ہوئی بولی۔ وہ اس دنیا میں بہرام کی دوست تھی۔ نام زینو اور ہیں، اس کی طرح ہوتی ہے۔

سب کچھ بہت عجلت میں ہوا تھا۔ اس نے لندن میں ٹائیگر اور اُدشان کی ناکامی کی خبر بہت سکون سے پڑھی تھی اور پھر ٹیکسی پر نظر پڑتے ہی ٹیکسی ڈرائیور کو پیسے دے کر رخصت کر دیا تھا۔ ان خبروں میں صرف یہ ذکر تھا کہ روسی سفیر کو اس کے خادم خاص نے قتل کر دیا جبکہ قاتل نے خودکشی کر لی لیکن باقی چار افراد کا قتل کس نے کیا، ابھی اس کا بھی تک کوئی پتا نہیں چل سکا تھا۔

اور اب بہرام سالگرہ میں شرکت کے لیے جاتے ہوئے بھی میکانکی انداز میں پریزیڈنٹ اوبیرکا پر غور کر رہا تھا۔ اس کا آفری ہدف دنیا کا عظیم تھا اور پھر تیسری جنگ عظیم ناگزیر تھی۔ اسے علم ہو چکا تھا کہ روسی ایٹمی آبدوزیں، فہلک میزائلوں سے لیس تیار کھڑی ہیں اور فضائیہ بھی چند گھنٹوں کے نوٹس پر حملہ کرنے کے لیے تیار ہے لیکن سب سے وحشت ناک خبر یہ تھی کہ روسیوں نے ایس ایس ایٹی میزائلوں کے اڈے کو تلے کے لیے تیار رہنے کا حکم دے دیا ہے اور اس کا مطلب یہ تھا کہ کوئی شہر ان دور مار میزائلوں کی زد سے محفوظ نہیں۔

سگنل کی سُرخ بتی نے اسے رکنے کا اشارہ کیا۔ اس کی نظر ونڈ اسکرین پر تھی۔ الارڈ ہن روسی قنصلے کی جانب تھا اسی لیے وہ عقبی سیٹ کا دروازہ کھلتے نہ دیکھ سکا۔

"بس۔ سیدھے چلتے رہو۔" ایک نرم سی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی اور پھر گدگدی پر ریوالور کی نال کا دباؤ محسوس کر کے ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گیا۔

کچھ دور جا کر راستے کا ٹریفک سگنل سے ہٹا کر پارک کرنے کی ہدایت کی گئی دونوں ایک ساتھ اتر کر سُرخ شیورلیٹ نووا میں بیٹھے جس کی ڈرائیونگ سیٹ پر کاؤبوائے ڈریس میں ملبوس ایک شخص پہلے ہی موجود تھا۔

"ڈاکٹر بہرام۔" کاؤبوائے نے عقب نما میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"یا لوئر۔" بہرام کا لہجہ پُرسکون تھا۔ اس نے اس شخص کو پہچاننے میں کوئی غلطی نہ کی تھی۔ یہ کرنل کارپی نوف تھا تاہم اس نے یہ ظاہر کرنا مناسب نہ سمجھا کہ وہ اسے پہچان چکا ہے۔

"لڈ۔ ہمیں چند ضروری باتیں کرنا ہیں۔" کارپی نوف نے کار اسٹارٹ کر کے ٹریفک کے ہجوم میں ڈال دی اور بہرام کے برابر بیٹھے ہوئے شخص نے پستول کی نال اس کی پسلیوں سے لگا دی۔

▼

"ہیلو۔" روبی نے کھڑکی کی طرف دیکھ کر کہا۔ اس وقت ساڑھے آٹھ بج رہے تھے۔

"مس روبی۔ ڈاکٹر بہرام ابھی تک یہاں نہیں پہنچے ہیں۔" دوسری طرف سے زینو کی آواز سنائی دی اور روبی ہونٹ بھینچ کر رہ گئی۔ بہرام نے جاتے ہوئے کہا تھا کہ وہ زینو کے گھر جا رہا ہے اور اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ یہیں بھی نہیں رُکے گا۔ اسے گئے ہوئے ایک گھنٹہ ہو چکا تھا اور روبی کو علم تھا کہ زینو کے گھر کا فاصلہ صرف نو منٹ کا ہے۔

"اوہ مسز آصف۔ مجھے افسوس ہے کہ ڈاکٹر کو عین وقت پہ کسی اہم کام سے شہر جانا پڑ گیا۔" روبی نے بات بناتے ہوئے کہا۔ "وہ مجھ سے کہہ گئے تھے کہ آپ کو مطلع کر دوں کہ... کچھ زیور ہو جانے کی لیکن مجھے یاد ہی نہیں رہا۔"

"اوہ۔" زینو کے لہجے میں اُداسی تھی۔ "بہرام ہمیشہ سے ایسا ہے روبی۔ بچپن ہی سے۔ اسے گھر والوں کی کبھی فکر نہیں ہوئی۔"

"آپ فکر نہ کریں۔ میں ان کا فون آتے ہی بتا دوں گی۔"

"شکریہ روبی۔" زینو نے ریسیور رکھ دیا۔

روبی کو علم تھا کہ زینو اور آصف حال ہی میں تقریباً فروس سے یہاں منتقل ہوئے ہیں اور یہاں ان کے گھر میں یہ پہلی تقریب تھی جس میں بہرام کی شرکت کو یقینی بنانے کے لیے انھوں نے ہر شرط مان لی تھی۔

لیکن اس وقت تقریب کی بجائے بہرام کا مسئلہ درپیش تھا۔ اس نے ٹیلی فون ڈائریکٹری نکالی اور نیویارک کے تمام گیس اسٹیشنوں پر فون کرنے لگی۔ اس نے جان بوجھ کر وہی بھیجا اختیار کیا جو پیپ پہ کام کرنے والے سیاہ فاموں کا ہوتا ہے۔ وہ اس لہجے پہ قادر تھی۔

"ہے۔ میرا نام میڈی جیکسن ہے۔ میں ایک کار کی تلاش میں ہوں۔ سُرخ نووا۔ اس نے میری کار کی ڈوکی کو تباہ کر دیا اور میں اسی کے مالک کا سر توڑنا چاہتی ہوں۔"

بارھویں کال پہ اسے کامیابی ہو گئی۔

"ہیلو۔ میڈی۔" دوسری طرف سے کسی نے کہا۔ "یہ تو گربانوف کی کار ہے۔"

"گربانوف؟"

"ہاؤڈر گربانوف۔ الکنور گربانوف۔ وہ بخمن پیلس میں رہتا ہے۔ سروس یہیں کراتا ہے۔ میڈی... ہیلو... آج شام کوئی پروگرام تو نہیں؟"

"نہیں... لیکن پہلے اس گربانوف سے مل لوں۔" روبی نے مسکرا کر جواب دیا۔

"میں گیارہ بجے آف ہو جاؤں گا میڈی۔" پھر روبی کو اس سے جان چھڑانی مشکل ہو گئی۔ اس نے ریسیور رکھ کر طویل سانس لی اور ڈائریکٹری میں گربانوف کا پورا پتا تلاش کرنے لگی۔ اس نے محض لاشعوری طور پر یہ تمام معلومات کمپیوٹر میں ڈالیں۔ تین چار بٹن دبائے۔ کمپیوٹر نے طویل سانس لے کر ایک کاغذ اُگل دیا۔

"الکنور گربانوف۔ عمر ۵۱ سال، ہوا بازی کا ماہر۔ ہائیکر پر وسیسنگ میں کام کرتا رہا ہے۔ اٹھارہ سال قبل اپنی بیوی سمیت منحرف ہو کر امریکا آیا تھا۔ سیاسی پناہ دے دی گئی تھی۔ سات سال قبل امریکی شہری بن گیا۔ دو سال قبل اس کی بیوی ہلاک ہو گئی۔ گربانوف حربی ایکٹرانکس میں کام کرتا تھا جو خلائی جہازوں کے لیے بیرونی ڈھانچے بنانے کے ٹھیکے تیار کرتی ہے۔"

روبی سر ہلانے لگی۔ اسے یقین تھا کہ گربانوف کا منحرف ہو کر یہاں آ جانا کسی خفیہ عملی کے تحت تھا اور گربانوف اب بھی روس کے لیے کام کر رہا ہے۔ اُسے سُرخ کار میں بیٹھا ہوا شخص اچھی طرح یاد تھا اور اس کی بھینچی جس کہہ رہی تھی کہ وہ گربانوف نہیں کوئی اور ہے۔ اس نے دونوں کے جیکٹ کمپیوٹر میں پھر ڈال دیے اور اس بار کمپیوٹر نے فوراً رابطہ اُگل دیے۔

"کرنل ولیلی کاربی نوف۔ واشنگٹن کے روسی سفارت خانے میں ثقافتی اتاشی ہے۔ فلاڈلفیا تالیس سال۔ کاؤبوائے لباس کا بہت شوقین ہے۔ اصل رینک کرنل بتانے کے جی بی روسی وزیراعظم کا خاص آدمی ہے اور امریکا میں روس کا سب سے بڑا جاسوس ہے۔ کچھ عرصہ ایک بوڑھے فرانسیسی کے بھیس میں ایئرل گیٹ کے پڑوس میں بھی رہ چکا ہے۔"

روبی نے ایک سفید کاغذ پر سارا کچھ سے گربانوف کا نام اور پتا لکھ کر بہرام کی میز پر رکھا تاکہ اُدشان اور ٹائیگر اگر یہاں آئیں تو وہ سب کچھ سمجھ جائیں۔ ویسے اس کے دل سے دُعا نکل رہی تھی کہ شہزادہ بلا تاخیر یہاں پہنچ جائے۔

گربانوف کے گھر کا تہہ خانہ دراصل کھیل کود کا مرکز تھا یہاں

منحوس
الماس ایم اے قیمت:=/150

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ایسی بہت سی چیزیں موجود تھیں جو ان ڈور گیمز میں استعمال ہوتی ہیں۔

"بیٹھو۔" کاربی نوف نے اپنا ریوالور ایک میز پر رکھتے ہوئے بہرام سے کہا۔ اس وقت گربانوف کچن کی طرف جانے والے دروازے پر کھڑا ہوا تھا۔ اس کی جیکٹ کی جیب پھولی ہوئی تھی اور ایک ہاتھ جیب کے اندر تھا۔

"تم کون ہو؟" بہرام نے جان بوجھ کر یہ سوال کیا۔

"کیا تم نہیں جانتے؟" کاربی نوف نے دونوں انگوٹھے بیلٹ کی بکل میں لگا کر کہا۔

"نہیں۔ کین کاڈیوالے نہیں دیکھتا۔"

"گڈ۔" کاربی نوف بے ساختہ طور پر مسکرانے لگا۔ "ویری گڈ۔ لیکن اس مسئلے کو فی الحال یہیں چھوڑ دو کہ تم مجھ سے واقف ہو یا نہیں۔ زیادہ اہم بات یہ ہے کہ میں تم سے اچھی طرح واقف ہوں۔"

بہرام اثبات میں سر ہلانے لگا۔

"میں یہ پروجیکٹ اومیگا سے متعلق تفصیلات سننا چاہتا ہوں ڈاکٹر بہرام۔"

"پتا نہیں تم کیسی باتیں کر رہے ہو۔" بہرام نے لاتعلقی ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

"ڈاکٹر بہرام۔ میرا خیال ہے کہ ہم لفظوں کو دھندلا نہ دیں۔" کاربی نوف نے نرم لہجے میں کہا۔ "تمہارا نام بہرام ہے۔ تم سینی لوریم چلاتے ہو اور بیس سال قبل جب تم سی آئی اے سے وابستہ تھے تو تم نے پروجیکٹ اومیگا بنایا تھا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ اگر امریکا ایٹمی جنگ میں ہار جائے تو روسی قیادت کو بچنے نہ دیا جائے اور تمام سرکردہ لیڈروں کو چن چن کر قتل کر دیا جائے اس کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ ایٹمی جنگ روکی جائے۔ یہ مقصد حاصل ہو گیا اور پھر تم ایشیا کے کسی ملک میں ریٹائرمنٹ کی زندگی گزارنے لگے۔ پھر اچانک اب پروجیکٹ اومیگا پر عمل شروع ہو گیا۔ میں جانتا ہوں کہ اس میں تمہارا کوئی ہاتھ نہیں۔ ہمارے تین سفیر قتل ہو چکے ہیں اور کسی کو یہ علم نہیں کہ اس پروجیکٹ پر عمل درآمد کس طرح روکا جائے۔ وزیراعظم کا قتل ہوئے بغیر یہ پروجیکٹ ختم نہیں ہو سکتا اور اگر روسی وزیراعظم کو قتل کر دیا گیا تو یہ جنگ عظیم کا آغاز ہو گا۔ میں جانتا ہوں کہ تم تیسری دنیا کے ممالک کو جنگ عظیم اور ایٹمی بربادی سے بچانے کے خواہاں ہو۔ میرا مقصد بھی یہی ہے لہٰذا میری تجویز یہ ہے کہ ہم دونوں اس مسئلے پر کھل کر بات کریں تاکہ پروجیکٹ اومیگا پر عمل درآمد مزید کسی نقصان کے ختم ہو جائے۔"

"مجھے جو کچھ معلوم تھا وہ میں اپنے حکام کو بتا چکا ہوں۔" بہرام نے دونوں ہاتھ سینے پر باندھتے ہوئے جواب دیا۔

"مجھے علم ہے۔" کاربی نوف کا لہجہ اب بھی نرم تھا۔ "لیکن ڈاکٹر! میں ایک بات واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ میری حکومت شدید ترین اعصابی جھٹکوں کے بعد اب برداشت کا حوصلہ کھوتی جا رہی ہے۔ جنگ روکنے کے لیے میں ہر معمولی سی بات بھی سننے کے لیے تیار ہوں۔"

بہرام خاموش رہا۔

"ایڈمرل گیٹ نے مجھے بتایا ہے کہ پروجیکٹ اومیگا کے تحت چار اہداف ہیں تین قتل کیے جا چکے ہیں اور روسی وزیراعظم اگلا اور آخری نشانہ ہو گا۔ ان چار افراد کا انتخاب کس نے کیا تھا؟"

"میں نے۔" بہرام طویل سانس لے کر بولا۔

"وہ کیسے؟ بیس سال قبل تم آج کے سفیروں اور وزیراعظم کو کیسے منتخب کر سکتے تھے؟"

"وہ اہداف جغرافیائی اہمیت کے اعتبار سے منتخب کیے گئے تھے میری مراد روم، ایڈریس میں روسی سفیروں سے ہے۔ قاتلوں کو یہ ہدایت تھی کہ وہ ان شہروں میں روسی سفیروں کو قتل کر دیں خواہ وہ کوئی بھی ہوں۔"

"اوہ۔ باقی دو؟"

"میں نے دس نوجوان سفارت کاروں کی فہرست بنائی تھی اور مجھے یقین تھا کہ لندن میں روسی سفیر اسی فہرست کا کوئی آدمی ہو گا۔"

"دس افراد کی کیا قاتل مزید نو افراد کے قتل کا تصور رکھتے ہیں؟"

"ایسا ممکن تھا مگر اب یہ نو افراد لندن میں سفیر نہیں ہیں لہٰذا ان کے قتل کا کوئی امکان نہیں۔ ہدایت یہ تھی کہ اگر وہ شخص لندن میں سفیر ہو تو اسے قتل کر دیا جائے۔"

"اور وزیراعظم؟" کاربی نوف نے طویل سانس لے کر کہا۔ "تم نے یہ اندازہ کیسے لگایا کہ بیس سال بعد وزیراعظم کون ہو گا؟"

"میں نے ایسا کوئی اندازہ نہیں لگایا۔ بس چھ افراد کی فہرست تیار کی تھی۔"

"میری سمجھ میں نہیں آیا۔ اس وقت کے پولٹ بیورو میں تو موجودہ وزیراعظم کا نام تک نہیں تھا ڈاکٹر۔"

"ہاں۔ لیکن میں نے بسٹ کی تیاری میں پولٹ بیورو کے اراکین کو مدنظر نہیں رکھا تھا۔" بہرام نے جواب دیا۔ "میں نے ایسے چھ افراد پر نظر رکھے تھے جو پولٹ بیورو کے متبادل ہیں۔ اور جو روسی وزیراعظم بننے کے معیار پر پورے اترتے تھے۔"

"وہ معیار کیا تھا؟"

"میں نے تین انتہائی شاطر اور تین انتہائی احمقوں کے نام فہرست میں لکھے تھے۔"

گربانوف زینے پر ٹھٹکا رہ گیا۔

"گویا تم نے اس قدیم روایت کو اصول بنایا کہ یا تو انتہائی ظالم یا انتہائی بزدل شخص ترقی کرتا ہے۔" کاربی نوف نے خوشگوار لہجے میں پوچھا۔

"درست۔ اور یہ قدیم اصول آج بھی درست ہے۔"

"میں یہ نہیں پوچھوں گا کہ تم ہمارے موجودہ وزیراعظم کو ظالم سمجھتے ہو یا احمق اور بزدل لیکن یہ سوال اب بھی تشنۂ جواب ہے کہ قاتلوں کا انتخاب کس نے کیا؟"

"سی آئی اے کے ایک مقامی افسر کونارڈ نے۔"

"کیا میں یہ یقین کر لوں کہ تمہیں قاتلوں کے بارے میں کوئی علم نہیں۔" کاربی نوف اچانک سنجیدہ ہو گیا۔

"یقیناً کر لو۔۔۔ کیونکہ میں نے کونارڈ کے کام میں نہ تو مداخلت کی اور نہ ہی ان لوگوں کے بارے میں پتا چلانے کی کوشش کی جنہیں اس نے بھرتی کیا تھا۔"

"لیکن یہ تو علم ہو گا کہ بھرتی کس طرح کی گئی تھی؟"

"نہیں۔ اس کا طریقہ بہت عجیب تھا۔ وہ اپنی مجبوبہ نینک کو کسی بھی مقصد کے لیے استعمال کر سکتا تھا۔ اس نے تعلقات، رشوت اور دھونس و دھمکی کے ذریعے لوگوں کو بھرتی کیا ہو گا۔"

"ان امور کا سی آئی اے کے ریکارڈ میں ذکر کیوں نہیں؟"

"اس لیے کہ کونارڈ کی دو ٹوک ہدایت یہی تھی، صدر آئزن ہاور سے کچھ تک۔۔۔ کسی اور کو علم نہیں تھا کہ ایسا کوئی پروجیکٹ موجود ہے۔"

کاربی نوف سر ہلانے لگا لیکن وہ بہرام کو گھما پھرا کر اسی موضوع پر بار بار لا رہا تھا کہ قاتل کون ہیں؟ اسے ڈاکٹر بہرام کی وضاحتوں میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اسے صرف اس بات میں دلچسپی تھی کہ تیسری جنگ عظیم شروع نہ ہو جائے۔

*

رولی نے اپنی سفید کار بنجمن پیلس سے کچھ دور پارک کر کے ڈوگی سے چند رسالے نکالے اور پُراعتماد انداز میں چلتی ہوئی دروازے کی گھنٹی بجانے لگی لیکن جب کوئی جواب نہ ملا تو وہ گھنٹی پر کندھا ٹکا کر کھڑی ہو گئی۔

[illegible] کاربی نوف [illegible] نظروں سے گربانوف کی طرف دیکھا اور کاربی نوف نے مرہلا کر ریوالور اپنے عقب میں میز پر رکھ دیا اور ساتھ ہی معنی خیز نظروں سے بہرام کی طرف دیکھا۔

گھنٹی اب بھی بج رہی تھی، گربانوف نے فیصلے انداز میں دروازہ کھولا مگر چوکھٹ پر ایک نوجوان لڑکی کو دیکھ کر اس کا غصہ ٹھنڈا پڑ گیا۔

"سنو۔" رولی نے کسی اداکارہ کی طرح ہاتھ ہلاتے ہوئے کہا۔ "میرا تعلق پبلی کیشنز پر موشن سیل سے ہے اور میں یہ چند رسالے لائی ہوں جن میں زندگی گزارنے کے سنہرے اصول درج ہیں ان پر عمل کر کے زندگی کی بے رونقی ختم کی جا سکتی ہے۔"

"اچھا!" گربانوف نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"اور میں یہ رسالے تمہیں بطور تحفہ پیش کرنا چاہتی ہوں۔" رولی نے گربانوف کے کندھوں کے اوپر دوسری طرف دیکھتے ہوئے کہا لیکن گربانوف کے چوڑے شانوں کی وجہ سے اسے کچھ نظر نہیں آیا۔

"شکریہ۔ میں تحفے نہیں لیتا۔" گربانوف نے دروازہ بند کرنے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔

"بات تو سنو۔" رولی نے تیزی سے کہا۔ "تحفہ کو ٹھکرانا انسانیت کی توہین ہے۔"

"بھاگ جاؤ۔" گربانوف نے اس بار جھلا کر کہا۔

"ٹھیک ہے۔ تمہاری مرضی۔" رولی نے بڑی مایوسی سے سر ہلاتے ہوئے پرس میں ہاتھ ڈالا۔ پھر دوسرے ہی لمحے گربانوف کی کھوپڑی پر قیامت ٹوٹ پڑی تھی۔

یہ سب کچھ اتنی سرعت سے ہوا تھا کہ گربانوف سنبھل ہی نہ سکا۔ گربانوف سر پکڑ کر چکرانے لگا مگر عزب زیادہ شدید زد تھی۔

"اندر چلو۔" رولی ریوالور ہلاتے ہوئے غرائی۔ اس کی غراہٹ میں کسی ذہنی شیرنی جیسی گرج تھی۔

اندر گھستے ہی رولی نے پہلے بغیر لات مار کر دروازہ بند کر دیا۔

"وہ کہاں ہے؟" اس کا لہجہ سرد تھا۔

"کون؟" گربانوف عزب پر قابو پا چکا تھا۔

"زیادہ چالاک مت بنو گربانوف۔" اس نے سینی لوریم بناتے ہوئے کہا۔ اس کی آواز بند کمرے میں گونج گئی۔ "مجھے ذرا بھی دھوکا دیا تو۔۔۔ اس میں گولیاں موجود ہیں۔"

گربانوف رولی اور ریوالور کو دیکھتا رہ گیا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"یہ ایشارہ ۲ ہائیم آلو ہیلتھ ہے۔" روبی نے بڑی شان سے کہا۔ "اس کے کارتوس پانچ سال چلتے ہیں لیکن اگر میں نے تمہاری کنپٹی پر نال رکھ کر گولی چلائی تو نہ صرف نشانہ خطا نہیں ہوگا بلکہ گولی بھی اثر کر سے گی۔" اب روبی کے چہرے پہ بڑی سفاک سی مسکراہٹ تھی۔

کہاں ہے وہ...؟"

"نن... نیچے... نہ خانے میں۔" گربالوف نے تھوک نگلتے ہوئے کہا۔ اس کی تجربہ کار نظریں بتا رہی تھیں کہ یہ عورت بہت خطرناک ثابت ہو سکتی ہے۔

"چلو۔ میرے آگے آگے چلو لیکن میں پھر کہے دیتی ہوں کہ کسی قسم کی چالاکی مت کرنا۔"

گربالوف طویل سانس لے کر زینے کے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ پہلے ہی زینے پر روبی کو نیچے کا منظر صاف نظر آیا۔ اس نے ریوالور سیدھا کر لیا اور کاربی لوف کو نشانہ پر رکھ کر آخری زینے تک پہنچ گئی۔ کاربی لوف کے چہرے پر دل ہلا دینے والی مسکراہٹ دوڑ گیا۔

"یہ شیر نی لڑکی کون ہے ڈاکٹر بہرام؟" اس نے ہلکے پھلکے انداز میں پوچھا۔

"میری انتظامی معاون۔" ڈاکٹر بہرام نے جواب دیا۔

"آپ ٹھیک ہیں ڈاکٹر؟" روبی نے یہ محسوس کر کے کہ روسی ڈاکٹر کا نام بھی جانتے ہیں شدید بے چینی محسوس کی۔

"اوہ۔" بہرام نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"اوکے۔" روبی نے طویل سانس لے کر کاربی لوف کی طرف دیکھا۔ "چلو۔ تم کاؤنٹر کے دوسری طرف جاؤ... اور گورملے..." وہ گربالوف سے مخاطب ہوئی۔ "تم بھی..."

پل بھر کے لیے گربالوف، کاربی لوف اور روبی کے درمیان آ گیا اور یہی ایک پل کاربی لوف کے لیے ایک سنہرا موقع فراہم کر گیا۔

اس نے میز پر رکھا ریوالور جھپٹ لیا۔ دوسری ساعت میں وہ بہرام کی پشت پر تھا اور ریوالور کی نال بہرام کی کنپٹی پہ رکھی ہوئی تھی۔

"اب تم ریوالور رکھ دو بیاری لڑکی۔" کاربی لوف نے مسکراتے ہوئے کہا۔

روبی نے بڑی عقارت سے ریوالور کی طرف دیکھا جیسے سارا قصور اسی کا ہو اور پھر اس نے بستول چند قدم آگے پھینک

ایک بے بس نوجوان کی حیرت انگیز داستان
جسے اپنی موت کا وقت معلوم ہو گیا تھا
مظلوم
یعقوب جمیل کے ہوشربا قلم سے
جس کا قارئین کو برسوں سے انتظار تھا
مکتبہ القریش سرکلر روڈ اردو بازار لاہور
فون 7668958

دیا جسے گربالوف نے فوراً اٹھا لیا۔ ساتھ ہی اس نے روبی کو دھکا نیچے مارنے کی بھی کوشش کی لیکن کاربی لوف کی خوفناک عزائیت کے باعث اس کا اٹھا ہوا ہاتھ اسی تیزی سے اپنی جگہ واپس آ گیا

"ایسی حرکت پھر نہ کرنا گربالوف۔" کاربی لوف کا لہجہ انتہائی سفاک تھا پھر وہ اس گومڑ پر ہاتھ پھیرنے لگا جو روبی کی ضرب کے باعث کھوپڑی پر نمودار ہو گیا تھا۔

"بیٹھو۔ اور آؤٹ!" کاربی لوف نے کاؤنٹر پر بہرام کے قریب خالی جگہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے روبی سے کہا۔

"ہاں ڈاکٹر!" روبی کے بیٹھ جانے کے بعد کاربی لوف نے اس طرح کہا جیسے کوئی بات ہی نہ ہوئی ہو۔ "صورتحال مسلسل پیچیدہ ہوتی جا رہی ہے۔ تم نے پروجیکٹ ٹوبیگا کے بارے میں جو کچھ بتایا ہے میں اس پر یقین کرتا ہوں لیکن اب چند باتوں کی وجہ سے مجھے یہ احساس ہو رہا ہے کہ ہر بات سو فیصد درست نہیں۔"

"کیوں؟" بہرام نے پرسکون لہجے میں پوچھا۔

"اس لیے کہ امریکا میں کسی سیٹی ٹورسم کا کوئی انتظامی معاون اپنے ساتھ ریوالور لے کر نہیں چلتا۔"

"اگر تم میرے ساتھ نہیں رہتے تو یقیناً سب مشین گن کے ساتھ رکھا کرتے۔" روبی نے منہ بنا کر کہا اس کا اشارہ سیاہ فاموں کی بستیوں میں ہونے والے فسادات کی طرف تھا۔

"تم بہت نٹر بھو لڑکی۔" کاربی لوف مشفقانہ انداز میں بولا۔

"لیکن تمہاری شرارتیں نہیر..." اس نے اس طرح ہاتھ ہلایا جیسے کان پہ بیٹھی مکھی اڑا رہا ہو پھر وہ اچانک ہی سنجیدہ ہو گیا۔ اس نے بہرام کی طرف دیکھا۔

"میں نے تم سے مل کر بڑا خطرہ مول لیا ہے... لیکن میں مطمئن تھا کہ زیادہ سے زیادہ گربالوف پر شک ہو گا اور میں اسے روس واپس بھیج دوں گا... لیکن اب یہ لڑکی... تم نے میرے لیے صورتحال بہت خراب کر دی ہے ڈاکٹر!"

"مجھے تم سے دلی ہمدردی ہے۔" بہرام نے پوری سنجیدگی سے ساتھ کہا۔

کاربی لوف نے میز سے ریوالور پھر اٹھا لیا۔ "تم جانتے ہو... کہ ان حالات میں مجھے کیا کرنا چاہیے؟" اس نے بہرام کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"ہاں... یہ بات میں بتا سکتا ہوں۔"

کاربی لوف ایک جھٹکے سے پلٹا اور حیرت سے زینے کی طرف دیکھنے لگا جہاں ٹائیگر کھڑا ہوا تھا۔ گربالوف اس سے ایک زینہ نیچے تھا اور اوشان ٹائیگر کے پیچھے دونوں ہاتھ سینے پر باندھے کسی بت کی طرح ساکت کھڑا تھا۔

گربالوف کے چہرے پر ایسے تاثرات تھے جیسے وہ بولنے کی کوشش کر رہا ہو لیکن قوت گویائی سلب ہو گئی ہو۔ اسے اس بات پر حیرت تھی کہ وہ ان دونوں کے قدموں کی آہٹ کیوں نہ سن سکا۔ اس نے روبی کے ریوالور کی لبلبی دبانے کی کوشش کی تھی مگر ٹائیگر کی انگلیوں نے اس کی کلائی اس طرح پکڑ لی تھی کہ اسے اپنی انگلیاں سرد اور بے جان محسوس ہو رہی تھیں۔

"یہاں آنے کا حق کون ہے؟" ٹائیگر نے روبی کی طرف دیکھے بغیر پوچھا۔

"میں ہوں۔" کاربی لوف کا لہجہ برف کی طرح سرد تھا۔

"سوری کنگ کانگ... لیکن تم تو سوٹ کیس کی طرح نظر آ رہے ہو جس نے کاؤ بوائے ہیٹ پہن رکھا ہو۔" کہتے ہوئے ٹائیگر نے گربالوف کی کلائی چھوڑ دی۔ گربالوف نے لبلبی دبانے کی پھر کوشش کی لیکن ٹائیگر نے اسے کسی بچے کی طرح دونوں ہاتھوں میں اٹھا کر اوشان کی طرف اچھال دیا اور اوشان نے بھی اسی طرح اسے پہلو بچانے کے ایک کونے میں اچھال دیا۔ گربالوف کا ایک دھماکے کے ساتھ پختہ فرش سے ٹکرایا تھا۔ اس نے اپنی توانائی مجتمع کر کے ایک بار اٹھنے کی کوشش کی لیکن وہ پوری طرح پہ کھڑا ہونے میں کامیاب نہ ہو سکا اور کسی کٹے ہوئے درخت کی طرح وہیں ڈھیر ہو گیا

"شش... تم تو خاموش ہی رہو تو بہتر ہے۔" ٹائیگر چہرا نے والے انداز میں بولا۔ "ورنہ میں واپس چلا جاؤں گا۔" یہ کہہ کر اس نے کاربی لوف کی طرف دیکھا۔ "ہاں تو بوکاذ بولے..."

"یہ کون لوگ ہیں بہرام؟" کاربی لوف کا بدن کسی بھیڑیے کی طرح تھا اور اس کے چہرے سے صاف ظاہر تھا کہ وہ ان سے مرعوب نہیں ہوا۔

"میرے دو مزید انتظامی معاون۔" بہرام نے سپاٹ لہجے میں کہا اور پھر ٹائیگر کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے ہاتھ اٹھایا۔ "ٹائیگر اسے مت مارو دینا۔"

"لیکن سے بلاک کیوں نہ کروں؟ سب جانتے ہیں کہ ہر کاؤ بوائے کو فلم کے آخر میں مرنا پڑتا ہے۔" ٹائیگر بے نیاز سے انداز میں کاربی لوف سے فاصلہ کم کرتے ہوئے بولا۔

"ہاں لیکن اسے قتل مت کرنا ٹائیگر۔" بہرام بولا تو ایک معدوم سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پہ پھیل گئی۔ "ہمیں کرنل کاربی لوف کی ضرورت محسوس ہو گی۔"

کاربی لوف اپنا نام سن کر چونک اٹھا لیکن یہ حیرت صرف پل بھر کے لیے نظر آ کے فوراً معدوم ہو گئی۔ وہ بہرام کو تکنے لگا پھر اس نے ٹائیگر اور اوشان کا بغور جائزہ لیا۔ وہ بہرام کو... بآسانی قتل کر سکتا تھا مگر یہ دو... وہ محتاط سے محسوس ہوا جیسے کوئی کپڑا اس کے ریوالور والے ہاتھ سے ٹکرایا ہو اور... اس نے اپنا ہاتھ ریوالور کے بوجھ سے آزاد محسوس ہوا۔

"ہرگز نہیں۔" اس نے اوشان کی آواز سنی جو اس کا... ریوالور بہرام کو دے رہا تھا۔ "ہرگز نہیں شہنشاہ اعظم... میں انتظامی معاون کے درجے تک نہیں گر سکتا۔ آپ نے مجھے انتظامی معاون نہیں کہا تھا۔"

"بیٹھ جاؤ۔" ٹائیگر کے دونوں ہاتھ کاربی لوف کو اپنے کندھوں پہ دبیز ہوئے۔ ان کا دباؤ ناقابل برداشت تھا... کاربی لوف طویل سانس لے کر کاؤنٹر پر بیٹھ گیا۔

"ٹھیک ہے دوست... میرے پاس اب اور کوئی راستہ نہیں۔"

"گڈ... لیکن دوست آئی سنجیدگی سے نہیں کہتے۔ دوست کہتے وقت مسکراتے بھی ہیں۔" ٹائیگر نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "آپ کا کیا خیال ہے کرنل فادر...؟"

"ہاں لیکن پہلے اس بات کا فیصلہ کرو کہ ہم دونوں میں سے انتظامی معاون کون ہے؟" اوشان بہرام کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

اسے اپنے لیے انتظامی معاونوں کا خطاب پسند نہیں آیا تھا۔

۲۲

پھر سب کچھ انتہائی خوشگوار ماحول میں طے ہو گیا۔

بہرام کا منصوبہ بہت سیدھا سادا تھا۔

"وزیراعظم کو ماسکو میں ہلاک کرنا بہت مشکل ہوگا کرنل۔" اس نے دو ٹوک لہجے میں کہا تھا۔ "ممکن ہے کہ قاتل کوئی انتہائی قریبی حلقے میں ہو۔ روم اور لندن کے روسی سفیروں کو قتل کرنے والے ان کے انتہائی قریبی لوگ تھے بلکہ لندن میں تو قاتل خادم خاص ہی نکلا۔ اس مسئلے کا واحد حل یہ ہے کہ وزیراعظم کو امریکا لے آیا جائے۔ ان کے ساتھ کوئی نہ ہو۔ عملہ بھی نہ ہو۔"

یہ مشورہ ہر اعتبار سے روسس کے حق میں تھا۔ اس کی ناکامی میں روس، امریکا کو وزیراعظم کے قتل کا ذمے دار ٹھہرا سکتا تھا۔

"لیکن یہ بہت خطرناک بھی ثابت ہو سکتا ہے ڈاکٹر!..." کارلی نوف بہرام کا منصوبہ سن کر بولا۔

"ہمارے لیے زیادہ خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔" بہرام کا لہجہ سپاٹ تھا۔ "تاہم اس کی کامیابی کے امکانات بھی ہیں، جبکہ ماسکو میں وزیراعظم بڑی آسانی سے قتل ہو سکتے ہیں۔"

"لیکن میں وزیراعظم کو اس پراسرار طریقے سے قتل کروں گا کہ..."

"تمہارے وزیراعظم سے قریبی تعلقات ہیں کارلی اور وہ تمہاری تجویز پر یقیناً مثبت ردعمل کا اظہار کریں گے۔"

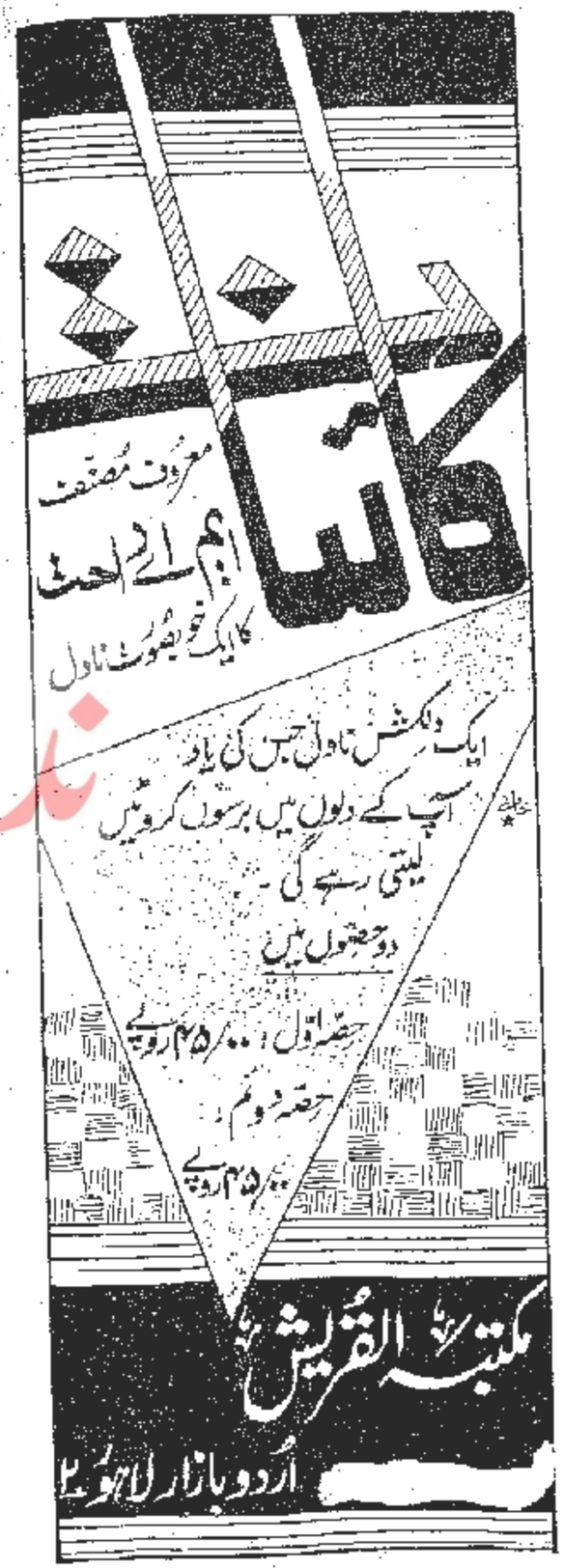
"وہ..." کارلی نوف کو اس بات پر حیرت تھی کہ بہرام کو اس کے بارے میں اتنا کچھ معلوم ہے۔ "ہاں۔ وہ میری بات کبھی نہیں ٹالتے۔"

"تب پھر ان سے بات کرو۔ اس کے بعد ہم وزیراعظم کو تحفظ فراہم کرنے کے لیے ایک ساتھ کام کریں گے... کم از کم اس وقت تک دوست رہیں گے جب تک قاتل کو قتل نہیں کر دیا جاتا... یا وہ گرفتار نہیں ہو جاتا۔"

کارلی نوف کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ "ٹھیک ہے دوست، بالکل ٹھیک ہے۔"

۲۲

سنہرا قالین آتشدان پر گرتا تو اسے تلاش کرنا مشکل ہو جاتا۔ ڈیسک بہت بڑی اور شاندار تھی اور اس کے عقب میں ایک شاندار شخصیت کی مالک ایک دیسی ہستی براجمان تھی جس کے چشم ابرو کے اشارے پر دنیا کے کسی بھی ملک کا تختہ الٹا جا سکتا تھا لیکن اس وقت اس کے



چہرے پر تردد کے آثار پھیلے ہوئے تھے اور پیشانی پر پھیلا سلوٹوں کا جال کسی گہری سوچ کا اظہار کر رہا تھا۔ دفعتاً اس نے ایک ٹھنڈی سانس بھر کر ٹیلی فون کی طرف دیکھا۔

اس نے ٹیلی فون کی طرف ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ اچانک کمرے کا دروازہ کھلا اور ایک جنرل جس کے سینے پر درجنوں تمغے چمک رہے تھے، سات افراد کے دستے کی قیادت کرتا ہوا داخل ہوا۔

وزیراعظم کے چہرے کی رنگت فق ہو گئی۔ اس نے کسی بھی حملے سے نپٹنے کے لیے خود کو تیار کر لیا۔ اس نے پل بھر میں فیصلہ کر لیا کہ اگر گولی چلائی گئی تو وہ میز کے نیچے پناہ لے گا۔

"جنرل ارکوف!" وزیراعظم نے غصیلے انداز میں کہا۔ "اس طرح کمرے میں داخل ہونے کی وجہ؟"

"جلد بھی کرو۔" جنرل ارکوف نے اپنے ماتحت عملے کو حکم دیا۔ "ہر چیز کو اچھی طرح دیکھو۔"

وزیراعظم کو یقین ہو گیا کہ اس کے خلاف بغاوت ہو گئی ہے لیکن سوویت یونین جیسے ملک میں فوجی بغاوت اس سے زیادہ وہ کچھ اور نہ سوچ سکا اور آنے والے وقت کے لیے خود کو... تیار کرنے لگا۔

ان سات افسروں میں سے دو باتھ روم میں گھس گئے۔ ایک گھٹنوں کے بل بیٹھ کر کرسیوں اور صوفوں کے نیچے جھانکنے لگا، چوتھا وزیراعظم کی ڈیسک کے نیچے گھس گیا۔ دو افسروں نے الیکٹرونک... آلات نکال کر دیواروں کا معائنہ شروع کر دیا اور جنرل ارکوف چوکس حالت میں کھڑا... انہیں دیکھتا رہا۔ چند منٹ بعد وہ سب اس کے سامنے قطار بنا کر اٹینشن کھڑے ہو گئے تاہم ان کے سر نفی میں ہل رہے تھے۔

"ٹھیک ہے۔ اپنی اپنی پوزیشن سنبھال لو۔" جنرل ارکوف نے حکم دیا جسے سنتے ہی وہ بکھر گئے۔ انہوں نے کمرے میں پوزیشن سنبھال لی اور اس کے بعد جنرل ارکوف نے پہلی مرتبہ وزیراعظم کی طرف دیکھا جسے ابھی تک اپنے زندہ رہنے پر حیرت تھی۔ تاہم جب وہ بولا تو اس کا لہجہ تند و تیز تھا۔

"کیا اب یہ بتا سکو گے کہ یہ سب کچھ کیا ہے جنرل؟"

"میجر جنرل بلگانوف قتل ہو چکا ہے۔" جنرل نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔ "قتل لندن میں سرکاری رہائش گاہ پر ہوا اور وہ چاروں افراد بھی مارے گئے جو بلگانوف کی حفاظت کر رہے تھے۔"

"اوہ۔" وزیراعظم کو واقعتاً صدمہ ہوا تھا۔ "قاتل کون ہے جنرل ارکوف؟"

"بلگانوف کا خادم خاص آندرے۔"

"لیکن بلگانوف تو اس کی بہت تعریف کیا کرتا تھا۔"

"وہ کل رات اس وقت تک اتنا ہی اچھا آدمی تھا کامریڈ۔" جنرل ارکوف نے جواب دیا۔ "لیکن گولی چلانے کے بعد اس کی اصلیت کھل کر سامنے آ گئی۔ یہی وجہ ہے کہ ہم اس وقت یہاں آئے ہیں۔"

"مجھے گولی مارنے کے لیے؟" وزیراعظم نے یہ سوال لاشعوری طور پر کیا تھا مگر جب یہ جملہ ادا ہو گیا تو وہ پچھتانے لگا۔ جنرل کی آنکھیں سکڑ کر چھوٹی ہو گئیں۔ اس نے اندازہ لگا لیا کہ وزیراعظم نے اگر یہ جملہ مذاق میں کہا ہے تب بھی اس سے وزیراعظم کی کمزوری ظاہر ہوتی ہے۔ اس تجزیے کی بنا پر اس نے فیصلہ کیا کہ اب وزیراعظم پر کڑی نگاہ رکھی جائے گی۔

"نہیں کامریڈ وزیراعظم!" جنرل نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔ "ہم صرف آپ کی مفاظت کے لیے آئے ہیں تاکہ کوئی قاتل آپ تک نہ پہنچ سکے۔"

وزیراعظم نے کے جی بی کے ان ساتوں افسروں کی طرف دیکھا۔ وہ سب اسی کی طرف متوجہ تھے۔

"جنرل ارکوف!" وزیراعظم نے پرسکون لہجے میں کہا۔ "میں اس حالت میں کیسے کام کر سکوں گا؟"

"مجھے افسوس ہے جناب، لیکن فی الوقت ان کی موجودگی آپ کو برداشت کرنا ہی پڑے گی۔"

"ضرور... لیکن میری حفاظت اس کمرے کے باہر سے بھی کی جا سکتی ہے جنرل۔"

"نہیں جناب۔ روم میں سفیر کے قتل سے یہ تھیوری غلط ثابت ہو گئی کہ حفاظت باہر سے بھی کی جا سکتی ہے۔"

وزیراعظم کندھے اچکا کر رہ گیا۔ اسی لمحے ٹیلی فون کی گھنٹی بجی اس سے قبل کہ وزیراعظم ریسیور اٹھاتا، ایک افسر نے لپک کر اٹھا لیا اور ماؤتھ پیس سامنے کرنے سے قبل اس کا اچھی طرح معائنہ کرنے لگا اور مطمئن ہو کر ریسیور وزیراعظم کی طرف بڑھا دیا۔

دوسری طرف... وزیراعظم کی سیکریٹری تھی۔ "کیا کافی بھیج دوں جناب؟"

"نہیں۔ واڈکا کا بڑا گلاس بھیجو۔"

"اتنی صبح... یس..."

"تب پھر بلوڈی مری بوتل بھیج دو۔" وزیراعظم نے چڑ کر حکم دیا۔ "آپ کو علم ہے کہ ڈاکٹر نے..."

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"اور تمہیں معلوم ہے کہ تم ڈاکٹری کی ہاتھ نہیں میری سیکرٹری ہو۔ ایک بوتل اور گلاس بھیجو۔ برف مت بھیجنا۔"

وزیراعظم ریسیور رکھ کر مڑا تو ایک اور عجیب منظر سامنے تھا۔ تین افسر فالسن کا معائنہ کر رہے تھے۔

"کیا موت کی شعاع تلاش کر رہے ہو؟" وزیراعظم نے خوشگوار انداز میں جنرل سے پوچھا۔

"جی..... ہاں۔ ہم بھی مل سکتا ہے۔"

"اچھا۔" وزیراعظم کا منہ بن گیا۔ "کیا تمہیں علم ہے کہ ہمارے تینوں سفیر فسادیوں کے ہاتھوں قتل ہوئے ہیں۔ ایسے لوگوں نے انہیں قتل کیا ہے جو ان کے بہت قریب تھے لہٰذا اگر مجھے قتل کیا گیا تو کوئی آدمی ہی کرے گا۔ کوئی مشین یا بم قتل نہیں کر سکتا۔"

"لیکن ہم کوئی بھی امکان نظر انداز کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے۔" جنرل نے جواب دیا۔

"میں ان احمقانہ حرکتوں کو برداشت نہیں کر سکتا۔" وزیراعظم کا لہجہ ایک بار پھر تلخ ہو گیا تھا۔ "میں گھر جا رہا ہوں اگر تمہیں فالوکس کے اصل قاتل مل جائیں تو مجھے اطلاع کر دینا۔ اچھا طالانک کی دوات میں بھی جھانک لینا۔ ممکن ہے قاتل وہیں چھپ گیا ہو۔"

جنرل الکوف نے اب بھی اس کا پیچھا نہ چھوڑا بلکہ ضد کر کے وزیراعظم کے ساتھ لیموزین کی عقبی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ اس نے کوٹ کے بٹن کھول لیے تھے اور اس کا ہاتھ ریوالور کے بٹ پر تھا۔ وہ بڑی گہری نظروں سے اس شوفر کو دیکھ رہا تھا جو تقریباً دس سال سے وزیراعظم کے ساتھ تھا۔

گاڑی چلی تو اس سے آگے ایک اور گاڑی تھی جس میں سی بی کے تین افراد سب مشین گنوں سے لیس چوکس بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کی نظریں سڑک، عمارتوں اور مکانوں کی چھتوں پر تھیں۔ ایسی ہی ایک گاڑی پیچھے آ رہی تھی۔ اس سڑک پر ٹریفک بند کر دی گئی تھی لہٰذا سکھ کے مضافات میں چھوٹے سے گھر تک تمام راستے وزیراعظم کو کوئی اور گاڑی نظر نہیں آئی۔ وہ طویل سانس لے کر رہ گیا۔

مکان کے چاروں طرف اونچی دیوار کے سی بی تعینات تھی۔ بیرونی تمام مکان اسی طرح کے تھے جس طرح وزیراعظم نے اپنے لڑکپن کے زمانے میں دیکھے تھے۔ اس زمانے میں ان کا مکان بہت پُرسکون تھا۔ صرف ایک اس کے ساتھ ہوتی تھی اور دونوں کو یہی امید تھی کہ وہ اس کے عذاب سے بچے رہیں گے۔ وزیراعظم نہ صرف اس مکان بلکہ خطرہ شبہات کی اصلاحات سے بھی آگاہ تھا اور اب وہ قائد تھا۔ جنگ عظیم سوئم شروع کرنے کے لیے اس کے پاس اختیار تھا۔ اس نے اپنی کامیابیوں کا جائزہ لیا۔ دنیا نام ہیں امریکی چھا چکے تھے۔ افریقہ میں روسی کا اثر بڑھ رہا تھا اور اب افریقہ میں صرف جنوبی افریقہ ہی امریکا کے زیر اثر تھا۔ اس کی نظریں امریکی اڈوں توڑ رہا تھا مگر اب قتل کی اس لہر نے خود وزیراعظم کو تشویش میں مبتلا کر دیا تھا۔ تین سفیر قتل ہو چکے تھے اور اب اس کی باری تھی۔ سوال یہ تھا کہ کیا وہ اپنی زندگی بچانے کے لیے وہ ہتھ دبا سکتا ہے۔ جس کے دبتے ہی جنگ عظیم شروع ہو سکتی ہے۔ اس کا ملک بہت طاقتور تھا لیکن موت کے خوف سے وہ خود کو بہت چھوٹا سمجھ رہا تھا۔

اس نے اپنے سیکرٹریٹ کی ہدایت کے مطابق ابھی تک سفیروں کے قتل پر امریکا کی مذمت نہیں کی تھی، ویسے الزام لگانا بہت آسان ہوتا اور امریکی اخبار بھی اس الزام کی صداقت کے لیے مواد شائع کر دیتے۔ سب ہی یہ الزام تسلیم کر لیتے کہ امریکی سی آئی اے نے سفیروں کے عملے کو خرید لیا تھا۔

گھر کے سامنے عقبی گاڑی رک گئی جبکہ اگلی کار اندر چلی گئی اور جب وزیراعظم نے اترنے کی کوشش کی تو جنرل نے پھر ایک منٹ کہہ کر اسے روک لیا۔ اگلی گاڑی کا عملہ گھر کے اندر داخل ہو گیا۔ اس نے گھر کی تلاشی لی۔ چند منٹ بعد جب اسے داخل ہونے کی اجازت دی گئی تو نیا دروازے پر موجود تھی۔ وہ شخص وزیراعظم سے دس بارہ سال چھوٹی تھی لیکن اب پچاس کے پیٹے میں ہونے کی وجہ سے اس کا وہ حسن ماند پڑ گیا تھا جس نے وزیراعظم کو پاگل بنا کر رکھ دیا تھا۔ وہ کافی موٹی ہو گئی تھی اور بعض اوقات وزیراعظم سوچنے پر مجبور ہو جاتا تھا کہ امریکی لیڈروں کی بیگمات اتنی دبلی کیسے رہتی ہیں؟

"یہ احمق کون ہیں؟" اس نے اپنے شوہر کا بازو پکڑ کر چلاتے ہوئے کہا۔ "انہیں میرے گھر میں قدم رکھنے کی جرأت کیسے ہوئی؟"

"سیکورٹی..... ڈیئر ڈارلنگ۔"

"تمہاری سیکورٹی نے وہ کیک بنا کر دیا ہے جو میں ایک گھنٹے سے تیار کر رہی تھی۔"

"اس بارے میں جنرل کو بتاؤ۔ آج وہ شکایتوں کا اچار ہے۔ اب تک میری تمام شکایتیں اس نے نظر انداز کر دی ہیں۔ ممکن ہے تمہاری شکایت پر کان دھرے۔" یہ کہہ کر وہ کچن کی طرف بڑھ گیا مگر اچانک ہی ایک افسر نے اسے روک لیا اور دوسرا کچن میں گھس گیا۔ اس نے ریفریجریٹر تک میں سر ڈال کر اس طرح...

اندر دیکھا جیسے کوئی قاتل فریزر میں بیٹھا ہو۔ جب اس نے سر واپس نکالا تو اس پر برف کے ٹکڑے جمے ہوئے تھے مگر اس کے چہرے پر طمانیت تھی۔

وزیراعظم اب یہ صورتحال مزید برداشت نہیں کر سکتا تھا لہٰذا بیٹھے پایا کہ وہ اور نینا کچن میں تنہا ہوں گے جبکہ جنرل دروازے پر کھڑا رہے گا۔ دو ایجنٹ عقبی دروازے پر تعینات رہیں گے اور باقی پانچ جو دوسری کار میں آئے تھے کھڑکیوں پر نظر رکھیں گے تاکہ کھڑکی کے راستے حملہ نہ ہو۔

"ٹھیک ہے۔" وزیراعظم نے طویل سانس لے کر کہا۔

"شکریہ۔ لیکن ایک اور درخواست ہے۔" جنرل الکوف نے کہا۔ "باتیں کرتے ہوئے اپنے سر نیچے رکھیں تاکہ..... اس کا جملہ مکمل ہونے سے قبل ہی وزیراعظم کچن میں داخل ہو گیا جہاں نینا اس کے لیے مشروب کا گلاس بنا رہی تھی۔ دونوں آمنے سامنے بیٹھ گئے۔

"یہ بہت بڑا ہو رہا ہے۔ نجی زندگی بھی محفوظ نہیں۔" نینا نے منہ بنا کر اپنے محبوب شوہر کی طرف دیکھا۔

"ہمارے تین سفیر قتل ہو چکے ہیں اور اب میرا نمبر ہے۔"

"لیکن قاتل کون ہو سکتا ہے؟ تمہیں کون قتل کرنے کی جرأت کرے گا۔" نینا کی آنکھیں خوف سے پھیل رہی تھیں۔

"اس کا کسی کو بھی علم نہیں۔ سنا ہے کہ کوئی خفیہ امریکی..... جاسوس ہے۔"

"اوہ۔" نینا نے اپنے گلاس سے ایک گھونٹ لے کر کہا۔ "لیکن مجھے یہ سب کچھ پسند نہیں۔ حفاظت کرنے کا یہ انداز پہلے کبھی نہیں دیکھا۔"

"پہلے....." وزیراعظم نے طویل سانس لے کر کہا۔ "پہلے حالات ہمارے لیے کتنے خراب تھے نینا؟ جب ہم نے یہ مکان خریدا تھا تو حالات بدتر تھے۔ ہمیں یقین ہی نہیں تھا کہ زندہ بھی رہیں گے۔ مجھے پولٹ بیورو سے نکال دیا گیا تھا لیکن تم نے بہت ساتھ دیا۔"

"ہم ہمیشہ ایک دوسرے کا ساتھ دیتے رہے ہیں۔" وہ محبوبانہ انداز میں بولی۔

"نہیں۔ تم نے ہمیشہ ساتھ دیا ہے۔" وزیراعظم کا لہجہ بہت محبت بھرا تھا۔ "میں سے روزگار تھا لیکن تم گھر چلاتی رہیں۔ جب میرے پاس چھوٹی گاڑی بھی نہیں تھی تو تم نے اس گھر کے لیے فرنیچر خریدا۔ میرے لیے نئے کپڑے بنائے۔"

"شاید تمہیں یہ توقع تھی کہ میں امریکی عورتوں کی طرح اپنے شوہر کو مصیبت کے زمانے میں چھوڑ دوں گی۔" نینا نے کہا۔

"نہیں۔ تم ان عورتوں کی طرح نہیں ہو۔ مجھے یاد ہے جس زمانے میں گوشت بہت مہنگا تھا، ہماری میز پر بھنا ہوا گوشت ضرور ہوتا تھا۔ یہ سب کچھ تم کیسے کر لیتی تھیں؟"

وہ جواب دینا ہی چاہتی تھی کہ کچن کی دیوار پر لگا ہوا ٹیلی فون بج اٹھا۔ وزیراعظم نے بوکھلا کر دیکھا یہی تھا کہ جنرل اٹھ کھڑا ہوا اور اس نے بڑی تیزی سے ریسیور کھینچ لیا۔ اس نے ایک لمحے کے لیے ریسیور کو دیکھا، کان سے لگایا۔ وزیراعظم نے نینا کے چہرے پر ناپسندیدگی دیکھی تو وہ بھی بدل کر رہ گیا۔ پھر جنرل نے ریسیور اسے دے دیا۔

"کرنل کاربی لوف لائن پر ہے کام مریڈ وزیراعظم۔" اس نے کہا۔ "ٹیلی فون دفتر کے نمبر پر آیا تھا مگر سیکرٹری نے یہاں ملا دیا۔ آپ آزادی سے بات کر سکتے ہیں۔"

"شکریہ جنرل۔" وزیراعظم نے کہا۔ کاربی لوف کا نام سن کر اس کی آنکھیں چمکنے لگی تھیں۔ "ہیلو کاربی! کیا حال ہے؟ آج کل جب تم گھوڑے پر سوار ہوتے ہو تو لگام کس کے ہاتھ میں ہوتی ہے؟" یہ کوڈ ورڈ تھا اور اس کا مفہوم یہ تھا کہ لائن کلیئر ہے۔

"اچھا....." وزیراعظم نے دوسری طرف سے کچھ سننے کے بعد کہا۔ "لیکن یہ مت کہنا کہ تم بھی فکرمند ہو۔" اس نے ہیں قدرے ہنسا کر کہا تاکہ نینا بھی کاربی لوف کی آواز سن سکے۔

"یس کامریڈ..... میں سچ کہہ رہا ہوں..... لیکن میرے پاس ایک ایسا طریقہ ہے کہ آپ کی حفاظت کی جا سکتی ہے۔"

"لیکن کاربی....."

"سنئے نہیں جناب۔" کاربی لوف کے لہجے میں بے تکلفی تھی۔ "اگر یہ طریقہ ناکام ہو گیا تو ہمیں امریکا پر حملہ کرنے کا جواز مل جائے گا۔"

"بہت دور کی کوڑی لائے کاربی۔" وزیراعظم نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ اسے علم تھا کہ کاربی لوف کا مطلب یہی ہے کہ اگر روسی وزیراعظم کو امریکا میں قتل کیا جاتا ہے تو پھر روس امریکا کے خلاف حملے میں پہل کر سکتا ہے۔

"اپنا منصوبہ بتاؤ لڑکے....." میں نے سی بی کے شوٹروں کو اپنے دائیں بائیں آگے پیچھے دیکھ کر اکٹھا کیا ہوا ہے۔ آج تو وہ میرے کچن اور باتھ روم تک میں گھس آئے۔"

جنرل الکوف نے یہ تبصرہ سن کر اس طرح برا منہ بنایا جیسے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

اسے بالجبر کڑوی گولی حلق سے اُتارنا پڑی ہو۔ ویسے اگر یہ جملہ کوئی اور کہتا تو جنرل اسے ساشبیریا کی سیر کرا سکتا تھا۔ اسے کاربی لوف سے بھی حسد تھا جو رینک میں چھوٹا ہونے کے باوجود پریسیڈیم اور پولٹ بیورو میں اس سے کہیں زیادہ اثر و رسوخ رکھتا تھا۔ جنرل ارکوف کئی بار کوشش کر چکا تھا کہ کاربی لوف کو امریکا سے واپس بُلا کر کسی چھوٹے سے ملک میں تعینات کر دے لیکن اس کی ہر کوشش ناکام ہو گئی تھی۔

"میری بات غور سے سُنیں۔" کاربی لوف نے کہا۔ "سیزوں کے قتل کا الزام امریکا پر رکھنے کی بجائے ہم اعلان کریں کہ آپ اس بارے میں امریکی صدر سے بات چیت کے لیے فوری طور پر واشنگٹن روانہ ہو رہے ہیں۔ اس طرح آپ ان پر بالواسطہ الزام رکھیں گے اور دُنیا سمجھ جائے گی کہ وزیراعظم کا اتنا اچانک دورہ دُو بدو بات چیت کے لیے ہے لیکن خیال رہے یہ دورہ انتہائی خفیہ ہو گا۔"

"مگر اس دورے کا میری حفاظت سے کیا تعلق؟" وزیراعظم نے پُرسکون لہجے میں پوچھا۔

"بنیادی تعلق آپ کی حفاظت سے ہی ہے۔ آپ تنہا جائیں گے کیونکہ میری رائے میں قاتل آپ سے بہت قریبی تعلق رکھتا ہو گا۔ آپ تنہا جائیں گے تو قاتل روس ہی میں رُک جائے گا اور جب تک ہم اسے تلاش نہیں کر لیں گے آپ امریکا میں رہیں گے۔"

"فرض کرو کہ مجھے وہاں قتل کر دیا گیا؟"

"تب پھر ہماری حکومت جو چاہے گی کرے گی۔" کاربی لوف نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔ "لیکن یہاں آپ کے قتل کا امکان نہ ہونے کے برابر ہے اور آپ ... اپنے گھر میں بہرحال محفوظ نہیں ہیں۔"

"درست۔" وزیراعظم نے طویل سانس لے کر کہا۔ "ویسے بھی ارکوف کے آدمیوں نے جینا حرام کر رکھا ہے۔ تو میں تنہا آؤں؟"

"بالکل جناب۔"

"گڈ۔ تم سے جلد ہی ملاقات ہو گی۔" یہ کہہ کر وزیراعظم نے ریسیور رکھ دیا اور جنرل کی طرف دیکھ کر بولا۔ "تمہیں یہ سُن کر خوشی ہو گی کہ میں قاتل سے بچنے کے لیے امریکا فرار ہو رہا ہوں۔"

"وہاں تو ہر شخص آپ کے خون کا پیاسا ہے جناب۔" جنرل نے بڑی سختی سے اس خیال کی مخالفت کی۔ "ویسے آپ کی مرضی ہے ... میں فوراً تیاری کر لیتا ہوں۔"

"نہیں جنرل۔ کیا تم نے سُنا نہیں کہ میں تنہا جاؤں گا۔" ارکوف نے بحث کرنے کے لیے مُنہ کھولا لیکن وزیراعظم کی بھنویں غصے کی وجہ سے آپس میں مل گئیں اور جنرل برف کی طرح سرد ہو گیا۔ وہ سلیوٹ کر کے کمرے سے گیا تو وزیراعظم نے اپنی بیوی سے کاربی لوف کی تجویز پر رائے مانگی۔

"میرا خیال ہے کہ تم غلطی کر رہے ہو۔" نینا نے مُسکراتے ہوئے کہا۔

"اوہ۔ تم بھی مخالف ہو؟"

"امریکا جانے کی نہیں۔" نینا سنجیدہ ہو گئی۔ "امریکا واقعی محفوظ ترین مقام ہو گا۔"

"تب پھر ...؟ میں کیا غلطی کر رہا ہوں؟"

"تم نے یہی کہا ہے نا کہ بالکل تنہا جاؤ گے ... یہی تمہاری غلطی ہے۔ تم تنہا نہیں جاؤ گے۔ میں تمہارے ساتھ چلوں گی۔"

5

اُوشان اور ٹائیگر روبی کے کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے اور روبی ٹائیگر کو اس طرح دیکھ رہی تھی جیسے وہ کوئی چور چوری کرنے کے لیے آیا ہو۔

"روبی تمہیں اچھی لگتی ہے لٹل فادر؟" ٹائیگر نے اچانک ہی بہت دھیرے سے سرگوشی کی۔

"وہ دن میری زندگی کا سب سے پُرمسرت دن ہو گا جب تم دونوں مجھے اپنا بیٹا پیش کرو گے اور پھر میں اسے گود دے کر تم دونوں سے قطع تعلق کر لوں گا۔"

"بوڑھا۔" روبی نے بڑی حقارت سے ٹائیگر کی طرف دیکھا۔

"... اور پھر میں اس بچے کو اس طرح تربیت دوں گا کہ وہ حقیقی معنوں میں ماسٹر آف سناجو بن جائے گا۔" اُوشان دونوں کو نظر انداز کرتے ہوئے خوابناک لہجے میں کہتا رہا۔ "اب میں تم سے اُکتا چکا ہوں۔ مجھے تم دونوں کے فیصلے کا انتظار ہے۔"

"ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔" روبی نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"کیوں ...؟" اُوشان چونک کر روبی کا چہرہ تکنے لگا۔

"میں جانتا ہوں لٹل فادر۔ چاہت کے نام سے گدھی نے بھی کھیت کھانا چھوڑ دیا تھا۔" تو پھر ..."

"تم انتہائی بے ہودہ باتیں کرتے ہو۔" روبی نے چیخنے کے بجائے کڑوے لہجے میں جواب دیا۔

"ہیں؟" ٹائیگر نے پہلو بدل کر کہا۔ "سنو روبی! میرے پاس ایسے ستائیس کڑیل ہیں کہ اگر ایک بھی استعمال کروں تو تلوہ پطرہ میرا نام پکارتی ہوئی قبر سے نکل آئے۔"

ہمارے اپنے گلی کوچوں میں ہونے والا تماشائے آہن و سنگ
ہمارے آپ کے گرد بکھرے ہوئے کرداروں کی داستانِ ہزار رنگ

محمود احمد مودی کے ایڈونچرس قلم سے

ہرکش

12 حصّوں میں شائع ہو گیا ہے

قیمت
فی حصّہ ۔/۵۰ روپے | مکمل سیٹ ۔/۶۰۰ روپے

ناشر
مکتبہ القریش، سرکلر روڈ، اُردو بازار، لاہور
فون: ۷۶۶۸۹۵۸

ندیم

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"مجھے یہ ایک بھی گُر کامیاب نہیں ہو سکتا دہقانی۔"

"ایسی کوئی بات مت کہو جس پر بعد میں پچھتانا پڑ جائے۔"

"میں منہ دکھائی میں ایک ہزار اشرفیاں دوں گا۔" اوشان نے بڑی فراخ دلی سے پیش کش کی۔

"دونوں کو؟" روبی نے پوچھا۔

"کیا مطلب؟"

"ایک ہزار کے اور ایک ہزار اس دہقانی کو۔"

"نہیں۔ دونوں کو ملا کر ایک ہزار۔ پانچ سو منہ دکھائی کی اور پانچ سو سلامی کی۔"

"نہیں۔ میں محض پانچ سو اشرفیوں کی خاطر کسی کی غلامی قبول نہیں کر سکتی۔"

"غلامی..... نہ۔ تم میری پانچ سو اشرفیاں بھی لے سکتی ہو۔"

"تب پھر شادی طے رہی۔" اوشان اچھل کر بولا۔

"سوچوں گی۔" اگرچہ شادی کے نام ہی سے روبی کے دل میں لڈو پھوٹنے لگے تھے مگر اس نے واضح طور پر بے نیازی کا اظہار کیا تھا۔

"مجھے یہ سودا منظور نہیں۔ تیس پانچ سو اشرفیوں کی خاطر کسی چڑیل کو اپنی بیوی نہیں بنا سکتا۔" ٹائیگر نے فوراً گھڑکا۔

"تم چپ رہو۔" اوشان چڑ کر بولا۔ "اس کام سے کیا تعلق۔ تم صرف روبی سے شادی کرو گے۔ اس کے شوہر نہ ہو گے۔"

"مگر یہ اشرفیاں کیا ہوتی ہیں؟" روبی نے معاً چونک کر پوچھا۔

"سونے کی گولیاں۔ گولیوں سے ذرا بڑی بڑی۔" اوشان نے جواب دیا۔

"اوہ۔ تب پھر مجھے جنوبی افریقہ کا سودا درکار ہو گا۔"

"مقررم کرو۔ نسل پرستوں کے سونے کو اچھا کہہ رہی ہو۔" ٹائیگر نے اس پر طنز کیا۔ اسی لمحے بیرا آ گیا۔ روبی نے فوراً آرڈر لکھوا دیا اور کچھ منٹ کے بعد رکھ دیا۔

"ہاں۔ تم دونوں کو بلایا گیا ہے۔"

"وہ انتظار کر سکتا ہے۔ اس وقت ہم انتہائی اہم مقابلے پر گفتگو کر رہے ہیں۔" اوشان نے ایک ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"مگر وہ جنگ عظیم سوم روکنے کی کوشش کر رہا ہے لارڈ قادر۔"

"تمہاری منہ دکھائی کے لیے ایک ہزار اشرفیاں افریقہ کی۔"

اوشان نے جنگ عظیم کا ذکر اس طرح نظر انداز کر دیا جیسے ٹائیگر نے کسی فلم کو دیکھنے کی فرمائش کی ہو۔

"اوشان۔" ٹائیگر نے فوراً کہا۔ "کس جال میں پھنس رہے ہو۔ جنوبی افریقہ کی اشرفیاں..... ہماری اشرفیوں سے زیادہ بھاری ہوتی ہیں۔"

"کوئی بات نہیں۔ شیر شاہ سوری کا مالک منہ سے نکلی ہوئی بات سے کبھی نہیں پھرتا۔"

"میں سوچنے کے لیے مہلت چاہتی ہوں۔" روبی کن انکھیوں سے ٹائیگر کی طرف دیکھ کر بولی۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ ٹائیگر بھی اس کی خوشامد کرے اور پھر وہ ہتھیار ڈال کر اپنا خوبصورت سا گھر بتانے مگر ٹائیگر اکڑا کر ہرام کے کمرے میں چلا گیا۔ لہٰذا اوشان بھی منہ بناتا ہوا اس کے پیچھے چل دیا۔

وہ طویل سا لنچ کر کے گئی ٹائیگر واقعی پتھر دل تھا۔

☆

ہرام انگلیوں سے میز بجا رہا تھا اور اس کے مخاطب وہی دونوں تھے۔

"کرنل کاربی نوف سے میری تفصیلی بات ہو چکی ہے۔ روسی وزیر اعظم آج ہی ڈالاس انٹرنیشنل ایئرپورٹ پہنچیں گے۔ چار بجکر پچیس منٹ پر۔" ہرام نے کہا۔ "ہم اس کی موت کو ہر اس شخص کے لیے عبرت بنا دیں گے جو آئین کی حکمرانی کے خلاف ہے۔" اوشان نے تقریر کرنے والے انداز میں کہا۔

"نہیں۔ ہرگز نہیں۔" ہرام نے تردید سے سر ہلاتے ہوئے ٹائیگر کی طرف دیکھا جو بے نیازی سے کھڑکی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ "اوشان۔" ہرام کا لہجہ نرم تھا۔ "میں یہ چاہتا ہوں کہ تم دونوں وزیر اعظم کی اس وقت تک حفاظت کرتے رہو جب تک متوقع قاتل کا پتا نہیں چل جاتا۔"

"ٹھیک ہے۔" اس بار ٹائیگر نے جواب دیا تھا۔

"یہاں نہیں۔ بالکل ایسا ہی ہو گا شہنشاہ اعظم۔" اوشان نے بھی فوراً جواب دیا۔ "آپ کے دوست ہمارے دوست ہیں۔"

"کاربی نوف ہوائی اڈے پر وزیر اعظم سے ملاقات کرے گا۔" کیا اسے علم ہے کہ ہم بھی وہاں ہوں گے؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"میرا خیال ہے کہ..... نہیں۔ یہ بتایا نہیں گیا کہ وہاں کوئی اور بھی ہو گا اور وہ سارا کام خود تنہا کرنا چاہتا ہے۔" اس نے مجھ سے کہا تھا کہ ہوائی اڈے پر کوئی امریکی موجود نہ ہو۔" ہرام نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اور ہم امریکی نہیں ہیں۔"

"ہم صرف انسان ہیں۔" اوشان نے فلسفیانہ انداز میں تقریر دیا۔ "کاربی نوف عقل مند آدمی لگتا ہے۔"

"اس لیے سارا کام خود کرنے کا مسئلہ اٹھا کا ہے اوشان۔"

"تب پھر وہ احمقانہ حرکت کرے گا شہنشاہ اعظم۔"

"بہرحال۔ ہم اسے زندہ رکھیں گے۔" ٹائیگر نے ہرام کو یقین دلایا۔ "اور کوئی حکم سوئیٹ ہارٹ۔"

"فی الوقت یہی کام کرنا ہے۔" ہرام نے لانگ آئی لینڈ کی ڈائریکٹری دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ "اور حکم بھی فی الوقت یہی حکم ہے۔"

"فی الوقت۔" ٹائیگر بڑبڑایا کیونکہ "فی الوقت" کے بعد ہرام اور بھی بہت سے کام بتاتے تھے۔ ہرام نے اس کے استفسار کا جواب نہ دیا تو وہ دونوں سیدھی لوئیم سے نکل آئے۔

"شہزادہ۔" اوشان نے چاک ہی ٹائیگر کا ہاتھ تھام لیا۔ "میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ روس، امریکا کا دشمن ہے۔"

"سوائی صد..... اور امریکا روس کا دشمن ہے۔"

"تب پھر ہمیں روسی کی جان بچانے کے لیے کیوں کہا جا رہا ہے۔ ہم اسے قتل کر کے اپنا کوئی آدمی زار کے تخت پر بٹھا سکتے ہیں۔"

"زار..... ہا۔" ٹائیگر نے مسکرا کر کہا۔ "زار کو مرے ہوئے عرصہ ہو گیا اوشان۔"

"خدا غارت کرے اسے۔" اوشان نے بڑے غصے سے کہا۔ "کم بخت ماسٹر ڈینگ کی خدمات کا معاوضہ دیے بغیر کیسے مر گیا۔ دھوکے باز..... فقدار۔" اس سے قبل کہ اوشان ماسٹر ڈینگ کی کوئی کہانی سناتا، ٹائیگر تیزی سے کار کی طرف بڑھ گیا۔

☆☆

ایلیمرل گیٹ اپنے کمرے میں بے چینی سے ٹہل رہا تھا۔ اُسے اس بوڑھے اور نوجوان سے شدید نفرت ہو رہی تھی۔ اس نے عزم کر لیا تھا کہ وہ اس کا بدلہ ضرور لے گا۔ اسے اس بات پر غصہ بھی آ رہا تھا کہ آخر یہ خبر ملکی امریکی پالیسیوں پر اتنی شدت سے اثر انداز کیوں ہو رہے ہیں۔

اس کی راہ میں سب سے بڑی دستوری حکومت کی آئینی پابندی تھی۔ اگر پانچ سال پہلے کی بات ہوتی تو ان تینوں کو ٹھکانے لگانا کوئی مسئلہ ہی نہیں ہوتا۔ سی آئی اے کی ہٹ ٹیم انھیں قتل کر دیتی اور پھر قاتلوں کو فی الفور بیرون ملک بھیج کر سفارتخانوں میں فراخدلی سے تمغے دیے جاتے اور معاملہ دب جاتا لیکن اب صورتحال بہت مختلف تھی۔ ذرا سی بے احتیاطی اس کی نوکری ہی نہیں بلکہ آزادی بھی چھین سکتی تھی۔ اسے یہ بھی علم تھا کہ سی آئی اے کے لیے کام کرنے والوں کو اپنے تحریر بات پر مبنی کتابیں لکھنے کا انتہائی بھاری معاوضہ مل رہا ہے اور کسی ایسے شخص سے قتل کرانے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا جو گرفتار ہونے کے بعد جیل میں بیٹھ کر کتاب لکھنا شروع کر دے اور بھول بھلیاں جیسے کتاب وہ خود بھی لکھنا چاہتا تھا اور اس نے اس کام کا آغاز ایک جملے سے ایک بیرا گراف لکھ کر شروع بھی کر دیا تھا۔ اس نے کتاب کے پہلے باب کا نام "سی آئی اے میں میرا پہلا دن" رکھا تھا اور وہ ایک

تاریخی ناول

دنیا کے نامور فاتحین	قمر تسکین	100/-
شیر مصر	قمر تسکین	100/-
شمشیر اسلام	قمر تسکین	100/-
ترک مرد میدان	قمر تسکین	100/-

مکتبہ القریش اردو بازار۔ لاہور 2

ایک بے بس نوجوان کی حیرت انگیز داستان
جسے اپنی موت کا وقت معلوم ہو گیا تھا
مرظلوم
یعقوب جمیل کے ہوشربا قلم سے
جس کا قارئین کو برسوں سے انتظار تھا
مکتبہ القریش سرکلر روڈ اردو بازار لاہور
فون 7668958



Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

باب چابی کے مسئلے پر لکھنا چاہتا تھا۔

اچانک ہی ٹیلی فون کی گھنٹی نے اس کی سوچوں کا سلسلہ منقطع کر دیا۔ یہ سبز فون تھا اور لائن پر صدر مملکت کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔

"روسی وزیراعظم آج سہ پہر امریکا پہنچ رہے ہیں ایڈمرل۔" صدر نے اسے مطلع کیا۔

"نہیں۔" ایڈمرل کو ایسا لگا جیسے اس کے سر پر بم پھٹ گیا ہو۔

"کیوں نہیں کیپٹن؟" صدر نے اپنے مخصوص انداز میں پوچھا۔

"ہمیں ابھی ان کی حفاظت کے لیے انتظامات کرنے ہیں جناب۔" ایڈمرل نے فوراً جواب دیا۔

"یہ تمہارا مسئلہ نہیں۔" صدر نے روکھے لہجے میں کہا۔ "میں نے تمہیں صرف مطلع کیا ہے تاکہ تم روسی وزیراعظم کو غیر قانونی تارک وطن سمجھ کر گرفتار نہ کر لو۔"

ایڈمرل نے فوراً فون ٹیپ کرنے کے لیے بٹن دبا دیا اور پھر واضح اور سپاٹ لہجے میں بولا۔ "جناب عالی! سرکاری طور پر میں آپ کو اس پورے منصوبے پر عمل نہ کرنے کا مشورہ دوں گا۔ میرا خیال ہے کہ اس طرح بے ضرورت خطرہ مول لیں گے۔"

"میں نے تمہاری رائے ذہن نشین کر لی ہے۔" صدر نے سرد ترین لہجے میں جواب دے کر ریسیور رکھ دیا۔

"یہ ٹھیک ہوا۔" ایڈمرل گیٹ نے سکون کی سانس لیتے ہوئے کہا۔ "میں نے اپنی رائے ریکارڈ کر لی ہے اور اگر ہنگامی صورتحال نے جنم لیا تو میں کانگریس سے کہہ سکوں گا کہ میں نے اس منصوبے کی مخالفت کی تھی۔ حالات یقیناً بدترین شکل اختیار کریں گے لیکن میں ٹیپ پیش کر کے بری الذمہ ہو جاؤں گا۔"

ایڈمرل اپنی کرسی پر بیٹھ کر لمبی لمبی سانس لینے لگا۔ اب وہ یہ سوچ رہا تھا کہ خود کو بچا لینا ہی کافی ہے۔ اس نے اس مسئلے پر صرف تیس سیکنڈ تک غور کیا اور ایک قطعی فیصلے پر پہنچ گیا۔

اسے اپنی بقا کے لیے جدوجہد کرنا تھی۔ مستقبل کے لیے خود کو بچا کر رکھنا تھا۔ اس نے اپنے پیشرو سے سبق سیکھا تھا جو اس وقت جیل میں سڑ رہا تھا۔ "صدر کو غلطی کرنے دو۔" اس نے اپنے آپ سے کہا۔ "... لیکن خود کوئی غلطی نہ کرو تاکہ اگر کبھی صدر کے مہرے کے لیے صاف ستھرے اور بے داغ ریکارڈ والے کی تلاش ہو تو میرا نام سب سے اوپر ہو۔"

اس نے پشت گاہ سے ٹیک لگاتے ہوئے کارلی نوف کے دیے ہوئے سگاروں میں سے ایک سگار لیا پھر اچانک ہی وہ اچھل پڑا۔ خود کو تاریخ میں امر کرنے کے لیے اس کے پاس بہترین موقع تھا۔ وہ جنگ عظیم روک سکتا تھا اور وزیراعظم کی زندگی بچا سکتا تھا۔ اس کا ذہن تیزی سے کام کرنے لگا۔ اس نے تینوں مستقبل سفیروں کی فائل نکال لی۔

"ہوں۔" وہ ہنکارا بھر کر رہ گیا۔ یہ انکشاف بہت اہم تھا کہ سفیروں کو قتل کرنے والے ان کے بہت قریب تھے۔

"اور... وزیراعظم کے قریب ترین کون ہے؟" اس نے اپنے آپ سے پوچھا پھر میز پر ہاتھ رکھ کر کھڑا ہو گیا۔ "کارلی نوف... صرف کارلی نوف... اور کارلی نوف ہی نے روسی وزیراعظم کو امریکا آنے پر مجبور کیا ہے۔ نہیں... کارلی نوف۔" وہ کمرے میں ٹہلنے لگا۔ "تم مجھ سے زیادہ عقل مند نہیں ہو۔ میں جانتا ہوں کہ تم نے وزیراعظم کو حفاظت کے بہانے یہاں کیوں بلایا ہے... تم چاہتے ہو کہ وزیراعظم تمہاری زد میں رہے اور تم اسے قتل کر کے سارا الزام ہمارے سر تھوپ دو۔"

کارلی نوف کی فائل اٹھا کر اس نے ٹیلی فون اٹھایا۔ بہت دیر سے حکم دیا۔ ریسیور رکھ کر وہ کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس کا چہرہ جوش سے سرخ ہو رہا تھا اور اس وقت وہ خود کو دنیا کا سب سے بڑا جاسوس سمجھ رہا تھا۔

بزر بجتے ہی اس نے ریسیور اٹھا لیا۔ "بولو۔"

"سوری سر۔" دوسری طرف سے جواب ملا۔ "کرنل کارلی نوف کے بارے میں کوئی فائل دستیاب نہیں ہے۔"

"کیا مطلب؟" ایڈمرل کھڑا ہو گیا۔ "فائل کہاں گئی؟"

"کیا آپ کو یاد نہیں جناب کہ آپ کی اوپن ہاؤس پالیسی نے لائبریری کی کیا حالت بنا دی تھی۔ کارلی نوف کی فائل بھی اسی پالیسی کی نذر ہو گئی ہے جناب۔"

ایڈمرل گیٹ نے ریسیور پٹخ دیا اور کرسی پر ڈھیر ہو گیا۔ "کوئی بات نہیں کارلی نوف۔ میں وزیراعظم کو ضرور بچاؤں گا۔ تمہاری کوئی حکمت عملی کامیاب نہیں ہو سکے گی شاطر آدمی۔"

▼ ▼

ڈلاس انٹرنیشنل ایئرپورٹ، وائٹ ہاؤس سے باہر اتنے فاصلے پر تھا کہ عام لوگ ٹیکسی کے ذریعے وہاں پہنچ کر گھومنے پھرنے کا سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ لوگ بس میں آیا جایا کرتے تھے۔

روسی وزیراعظم اور اس کی بیوی نینا ایک برطانوی طیارے میں بڑی خاموشی سے وہاں پہنچے۔ دونوں اس طیارے میں پوگو سلاویہ سے سوار ہوئے تھے اور ماسکو سے یوگو سلاویہ ایک ایروفلوٹ کی فلائٹ

سے پہنچے تھے۔ ان تمام انتظامات کا نگران کرنل کارلی نوف خود تھا۔ اسے برطانوی، فرانسیسی، امریکی اور اطالوی طیاروں میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا تھا۔ اس نے اطالوی طیارہ اس وجہ سے استعمال نہیں کیا کہ اطالوی ہوا باز عام طور پر راستہ بھٹک جاتے ہیں... فرانسیسی طیاروں پر اسے اعتماد نہ تھا۔ اب برطانوی اور امریکی طیاروں میں انتخاب کرنا تھا۔ کارلی نوف نے جان بوجھ کر برطانوی طیارے کا انتخاب کیا کیونکہ امریکیوں کی طرح ان کے ہوا باز بھی بہت ماہر اور امریکیوں کے برعکس چوکس ہوتے ہیں۔ اسے یاد تھا کہ ایک امریکی ہوا باز پر اس وقت دل کا دورہ پڑا تھا جب وہ کاک پٹ میں دوران پرواز لکھ رہا تھا جس کا نام تھا "پہلا سرد سفر"۔

کارلی نوف کی پہر سٹیورلیٹ طیارے کے قریب ہی کھڑی ہوئی تھی۔ سیڑھی لگتے ہی وہ اندر گیا اور چند لمحوں بعد وزیراعظم اور نینا کے ساتھ نمودار ہوا۔

وزیراعظم نے کالے شیشوں والا چشمہ لگا رکھا تھا۔ آنکھوں والا ہڈی حصہ اس کے سر پر تھا جس کی وجہ سے چہرے کا بڑا حصہ چھپ گیا تھا۔ نینا سرخ ڈگ لگائے ہوئے تھی۔ اس کے چشمے کے شیشے نیلے تھے اور اس نے اسکرٹ کے ساتھ بلاؤز پہن رکھا تھا۔

"ہم انگریزی میں بات کریں گے۔" وزیراعظم نے مسکرا کر کہا۔ "اس طرح کسی کو بھی علم نہیں ہو سکے گا کہ ہم امریکی نہیں ہیں۔"

کارلی نوف انھیں خاموشی سے اپنی کار تک لایا پھر اس نے اچانک ہی ٹائیگر اور اوشان کی طرف دیکھا مگر اس کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں ابھرا۔

"بہت اچھے جا رہے ہو۔" ٹائیگر نے آگے بڑھ کر کہا۔

"تم یہاں تک کس طرح پہنچے؟" کارلی نوف نے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔

"خدا آپ پر اپنی برکتیں نازل فرمائے تمام روسیوں کے شہنشاہ۔" اوشان نے مؤدبانہ انداز میں سر خم کرتے ہوئے کہا۔

"یہ کون ہے؟" وزیراعظم نے کارلی نوف سے چونک کر پوچھا۔

"میں انتظامی معاون نہیں ہوں عظیم زار۔ میرا سلام قبول کیجیے۔" اوشان نے پھر کہا۔

"شکریہ۔ مگر میں زار نہیں ہوں۔" وزیراعظم نے زیر لب مسکرا کر جواب دیا۔ "میں صرف وزیراعظم ہوں۔"

"تب پھر یہ محترم خاتون زارینہ بھی نہیں ہوں گی۔"

"نہیں۔ یہ صرف نینا ہیں۔"

"زار اور زارینہ پر خدا کی لعنت ہو۔" اوشان نے مطمئن انداز میں بڑبڑا دی۔

"امریکی دوستوں کو دیکھ کر مجھے بہت خوشی ہوئی۔" وزیراعظم نے کہا۔

"مگر میں امریکی نہیں ہوں۔" اوشان نے احتجاج کیا۔

"اور میرا تعلق بھی امریکا سے نہیں ہے۔"

"اس لڑکے پر زیادہ توجہ نہ دیں جناب عالی۔" اوشان نے وزیراعظم سے کہا۔ "اصل بڑبادیں ہوں۔"

"تم لوگ یہاں کیوں آئے ہو؟" کارلی نوف نے پوچھا۔

"صرف یہ یقینی بنانے کے لیے کہ سب کچھ ٹھیک ٹھاک رہے۔" ٹائیگر نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"شکریہ۔" وزیراعظم نے پُرخلوص لہجے میں جواب دیا۔

وہ کار میں بیٹھ کر طیارے سے دور ہونے لگے تو اچانک ہی دو کاروں نے ان کی کار کا تعاقب شروع کر دیا۔ ہر کار میں چار چار افراد سوار تھے۔ کارلی نوف نے انھیں دیکھ کر ہنکارا بھرا اور شیورلیٹ کی رفتار تیز کر دی۔ گاڑی ناہموار رن وے پر اچھلتی ہوئی دوڑنے لگی۔ اس کا رخ ایک خیمہ نما راستے کی طرف تھا جو ہائی وے پر نکلتا تھا۔ تعاقب کرنے والی دونوں کاروں کی رفتار بھی بڑھ گئی تھی اور اب وہ الگ الگ ہو کر تیر کی طرح آ رہی تھیں۔ ان کو جو بھی ڈرائیو کر رہے تھے ان کی نیت واضح تھی، وہ شیورلیٹ کو سینڈوچ بنانا چاہتے تھے۔

وزیراعظم اور نینا اس تعاقب سے پوری طرح باخبر تھے، وزیراعظم کی نگاہیں ٹائیگروں اور رن وے کی طرف تھیں جن میں کمرشل طیارے کھڑے تھے جب کہ نینا کارلی نوف کی شکل تک رہی تھی۔ اس نے اچانک ہی پوچھا۔

"کیا یہ تمہارے لوگ ہیں کارلی؟"

"نہیں۔" کارلی نوف نے دانت پر دانت جما کر کہا۔

اب دونوں کاریں شیورلیٹ کے قریب آ چکی تھیں۔ ان میں سوار تمام افراد مسلح تھے اور دونوں کاروں کے ڈرائیور شیورلیٹ سے آگے نکلنے کی کوشش کر رہے تھے۔

"یہ آگے نکل کر ہمارا راستہ روکنے کی کوشش کریں گے کارلی نوف۔" ٹائیگر نے پہلو بدلتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔ ایسا ہی لگتا ہے۔" روسی جاسوس کے جبڑوں کی ہڈیاں تک نمایاں ہو گئیں۔ وہ شدید ٹینشن میں تھا۔

ٹائیگر نے اپنی طرف کی کھڑکی کا شیشہ نیچے کر لیا۔ "کارلی!"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

اس کا چہرہ پُراسرار تھا۔ وزیراعظم نے بڑھ کر اس کاندے کے قریب ہونے کی کوشش کی۔

"کیوں؟" کارلی لوف نے سر جھٹکتے ہوئے پوچھا۔

"بس۔ جیسا کہہ رہا ہوں۔۔۔ میرے للکارنے پر ویسا ہی کرنا۔" ٹائیگر نے سیٹ سے ابھر اُٹھتے ہوئے کہا اور دایاں ہاتھ کار کے دروازے پر رکھ دیا۔ اب وہ کار اس کے سامنے دیوار بن رہی تھی۔

"چلو۔ کرو۔" ٹائیگر نے تیزی سے کہا۔ کارلی لوف نے بڑی مہارت سے ایکسیلیٹر پر پاؤں بڑھا کے موٹے کار کو کنٹرول میں رکھا اور اسٹیئرنگ کو ہلکی سی جنبش دی تو کار دائیں طرف والی گاڑی کے قریب ہوگئی اس نے اسٹیئرنگ کو ایک اور جھٹکا دیا اب دونوں کاریں متوازی چل رہی تھیں اور ان کے درمیان مشکل چند انچ کا فاصلہ تھا۔ اسی لمحے ٹائیگر کے دونوں ہاتھ کھڑکی سے نکلے۔ کارلی لوف نے لرزا دینے کی آواز سنی۔

اس نے گھبرا کر ٹائیگر کی طرف دیکھا تو اسے سانس رُکتی لیتی پڑی۔

ٹائیگر اپنی سیٹ پر واپس بیٹھ رہا تھا اور دوسری کار کا اسٹیئرنگ وہیل اس کے ہاتھ میں تھا۔ بغیر اسٹیئرنگ والی گاڑی کا ڈرائیور حیرت کے شدید جھٹکے کے باعث دیوانہ وار خالی ہاتھ چلانے لگا۔ شاید وہ ابھی تک یہی سمجھ رہا تھا کہ اسٹیئرنگ اس کے ہاتھ میں ہے اس کا چہرہ خوف سے بگڑ چکا تھا اور کار بائیں طرف آتی میل فی گھنٹہ کی رفتار سے بے قابو ہو کر دوڑ رہی تھی۔

"بس۔ اب تیزی سے نکل چلو۔" ٹائیگر نے چلا کر کہا اسی لمحے بے قابو کار کے ڈرائیور نے بریک لگائے اچانک بریک لگانے کی وجہ سے تیز رفتار کار اُلٹ آئی۔ اس نے ایک قلابازی کھائی اور سیدھی ہو کر کسی بے قابو مند سے سانڈ کی طرح پھر دوڑی اور دوسری مرتبہ اُلٹ گئی۔

کارلی لوف یہ منظر عقب نما میں دیکھ رہا تھا۔ کار نے تین قلابازیاں کھائیں اور پھسل کر دوسری کار سے ٹکرائی جو کار سواروں کو بچانے کے لیے اس طرف دوڑ رہی تھی۔ یہ سب کچھ پل بھر میں ہی ہو گیا تھا۔

"آئی تیز کار ڈرائیو کرتا ہے کارلی۔" وزیراعظم نے مسکراتے ہنستے کہا۔ "یہ سب کے اوسان خطا ہو جاتے ہیں۔"

"وزیراعظم جناب۔" کارلی لوف نے رفتار مزید تیز کرتے ہوئے ٹائیگر کو مسکراتے دیکھا تو اس نے اچانک بریک کو

باہر پھینک دیا۔

"کیا خیال ہے کون لوگ تھے؟" ٹائیگر نے ایک لمحے کے بعد پوچھا۔

"ہاں۔ میں جانتا ہوں۔" کارلی لوف نے جواب دیا۔ "لیکن شاید بتانا مناسب نہیں۔"

◇

کارلی لوف نے اپنے فلیٹ کے نام سے واشنگٹن کے مضافات میں واقع ایک ہوٹل میں تین کمرے بک کرائے تھے۔ یہ پہلے درمیانی درجے کا ہوٹل تھا اور اس کا کرایہ آٹھ ڈالر فی کمرا تھا۔ ہوٹل کے باہر وہ کار میں وزیراعظم اور نینا کو چھوڑ کر ٹائیگر کے ساتھ ہوٹل میں گیا اور اس نے اچھی طرح کمروں کا معائنہ کیا۔

"کیا تمہارے حکام ان ہوٹل میں ٹھہرتے ہیں؟" ٹائیگر کو اگرچہ اندازہ تھا کہ کارلی لوف نے اتنا سستا ہوٹل محض اس لیے منتخب کیا ہے کہ وزیراعظم نظروں میں نہ آسکے لیکن اس نے محض تصدیق کرانے کے سوال پوچھا۔ کارلی لوف صرف مسکرا کر رہ گیا۔

اس اثنا میں اوشان، وزیراعظم اور نینا کو لے کر اندر آگیا۔

"اوہ۔" اس بار وزیراعظم نے کمرے میں آکر حیرت کا اظہار کیا۔ "کیا سرکاری مہمان ایسے ہی ہوٹلوں میں ٹھہرائے جاتے ہیں؟" اس نے یہ سوال ٹائیگر سے کیا تھا۔

"نہیں۔ یہ ہوٹل سربراہان مملکت و حکومت کے لیے ہے۔" ٹائیگر نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔

"تو چھوٹے افسر کہاں قیام کرتے ہیں؟"

"شہر کے پارکوں میں بنچ لگا دیے جاتے ہیں۔" ٹائیگر نے شوخ لہجے میں جواب دیا۔ "اور انہیں کی گنجائش افسر کے عہدے کے لحاظ سے ہوتی ہے۔"

"شکر ہے ریمنٹ نہیں دیا گیا۔" وزیراعظم نے نینا کی طرف دیکھ کر کہا۔ "مجھے تو نیند ہی نہیں آتی۔"

"کیا تم دونوں بچپن کے دوست ہو؟" نینا نے ٹائیگر اور کارلی لوف کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"نہیں! ہماری دوستی مختصر مگر نہایت گہری ہے۔" کارلی لوف نے جواب دیا۔

"کہاں ہے۔ ہر شخص باتیں بنائے جا رہا ہے۔" اوشان نے جھنجھلا کر کہا۔ "خاتون محترم! اس نے نینا کی طرف دیکھا۔ ان باتوں سے کہیں زیادہ دلچسپ باتیں میں سنا سکتا ہوں۔ آپ اگر پسند کریں تو میں اپنا اسکرین پلے تفصیل سے سنا سکتا ہوں۔"

"اسکرین پلے کیا ہوتا ہے؟" نینا نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

"ایک موشن پکچر کی کہانی۔" اوشان بے چارگی سے بولا اسے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی تھی کہ وزیراعظم کی بیوی اسکرین پلے کے بارے میں کچھ نہیں جانتی۔ "آپ کے ملک میں ٹریکٹروں اور کسانوں کے بارے میں اسکرین پلے لکھے جاتے ہیں اور یہاں واقعات کے بارے میں۔"

"تب پھر اپنا اسکرین پلے سناؤ۔"

"آپ کو پھٹا پرانا چمڑے کا خاتون۔" ٹائیگر نے اسے خبردار کیا۔ اوشان کا اسکرین پلے کئی کئی دن دہینوں تک نہیں سو سکا تھا۔"

"اپنا مُنہ بند رکھو ورنہ میں تمہیں فلم سے نکال دوں گا۔ ایک بھی سین میں تمہارا ذکر تک نہیں آئے گا۔" اوشان نے بُرے بھلے انداز میں کہا۔

"سناؤ۔" وزیراعظم بھی صوفے پر بیٹھ کر اوشان کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے بولا۔ "اپنی کہانی سناؤ۔ مجھے بھی کہانیاں سننے کا بہت شوق ہے۔"

کارلی لوف نے ٹائیگر کو ایک طرف لے جا کر سرگوشی کی۔ "اس نے ٹائیگر کی ہدایت کے مطابق مسکراتے ہوئے کہا اور پھر سنجیدہ ہو گیا۔ "وہ لوگ ایڈمرل گیٹ کے آدمی تھے اور اب میں اس سے بات کرنے کے لیے سی آئی اے کے دفتر جا رہا ہوں۔"

"تب پھر میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گا۔"

"لیکن یہاں؟"

"اوشان کی موجودگی میں کوئی پرندہ بھی پَر نہیں مار سکے گا۔ میں اسکرین پلے پہلے بھی سن چکا ہوں۔ اسے ختم ہوتے میں دو گھنٹے لگیں گے۔ اگر اس دوران قاتل نے سانس بھی لینی چاہی تو اوشان اس کا نرخرا چبا ڈالے گا اور ہم ایک گھنٹے ہی میں رائیس فالس سے گے۔"

"لیکن اوشان بہت کمزور آدمی ہے۔" کارلی لوف نے کہا۔

"سنو دوست۔" ٹائیگر نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ "یہ بات اس کے سامنے کبھی نہ کہنا۔ تم نے راستے میں میرے جس قسم کا ظاہر دیکھا ہے وہ اوشان کی صلاحیتوں کا عشر عشیر بھی نہیں۔ اگر دونوں کی حفاظت اوشان نہیں کر سکا تو پھر دنیا کا کوئی بھی گن۔۔۔ جس میں تم بھی شامل ہو۔۔۔ ان کی حفاظت نہیں کر سکے گا اس وقت اس دنیا میں اوشان جیسے کمزور اور نحیف

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem



اس وقت اوشان فیصلہ کر چکا تھا کہ وہ اسکرین پلے روسی زبان میں سنائے گا تاکہ مہمانوں کو اس میں زیادہ دلچسپی محسوس ہو۔

کارلی لوف نے سر ہلایا، اسے ٹائیگر کے دعوے پر یقین تھا وہ تہ خانے میں اس بوڑھے کی پھرتی دیکھ چکا تھا۔ دونوں خاموشی سے کمرے سے نکل گئے۔ ان کی منزل سی آئی اے کا دفتر تھی۔

◇

ایڈمرل کے دفتر تک جانے کے لیے وہ لفٹ میں سوار ہوئے تو ٹائیگر کچھ سوچ رہا تھا۔

"کس سوچ میں غرق ہو؟" کارلی لوف نے دوستانہ لہجے میں پوچھا۔

"قاتل کے بارے میں کوئی علم ہوا؟"

"نہیں۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ وہ ماسکو میں ہی رہ گیا ہے اب کے جی بی اس کا پتا چلا کر ہمیں مطلع کرے گی۔"

"اگر کے جی بی امریکی سی آئی اے کی طرح ذہین ہے تو تمہیں شاید انتہائی طویل انتظار کرنا ہوگا کارلی۔"

"تم غلط سمجھے۔ کے جی بی سی آئی اے کی طرح ذہین نہیں بلکہ قاتل کا پتا جلد چل جائے گا۔۔۔ بشرطیکہ وہ ماسکو میں ہی ہو۔" وہ لفٹ سے نکلے تو کئی گارڈ راستے میں حائل ہو گئے مگر ٹائیگر کے ہاتھ میں دبے خصوصی پاس کو دیکھ کر سارے گارڈ موم کی طرح پگھل گئے اور وہ دونوں بھیڑ راستے سے ایڈمرل کے پرائیویٹ آفس میں داخل ہو گئے۔ کمرا خالی تھا مگر فوراً ہی باتھ روم کا دروازہ کھلا اور ایڈمرل چابی جیب میں ڈالتا ہوا انہیں گھورنے لگا۔

"تم یہاں کیوں آئے ہو؟" اس نے کارلی لوف کے بجائے ٹائیگر سے پوچھا جو جائی لے رہا تھا۔

"اسے میں لایا ہوں۔" کارلی لوف نے فوراً جواب دیا۔ "صرف اسی حفاظت کی خاطر۔۔۔ میں دو کاروں کے درمیان سینڈوچ

سننے پر تیار نہیں ہوں ایڈمرل گیٹ!"

ایڈمرل کے چہرے کی رنگت فق ہوگئی۔

"کیا تمھیں وزیر اعظم کی آمد کا علم ہے؟" کاربی نوف نے پوچھا۔

"ہاں۔" ایڈمرل نے جواب دیا مگر اس کی نظریں اب بھی ٹائیگر پر جمی تھیں۔

"وزیر اعظم کالونی اسٹورا میں مقیم ہیں۔" کاربی نوف نے واشنگٹن کے سب سے بہترین ہوٹل کا نام لیا جہاں غیر ملکی سربراہ قیام کرتے تھے "کیا تم ان کی حفاظت کے لیے اپنے آدمی وہاں تعینات کر سکتے ہو ایڈمرل۔ محض خیر سگالی کا اظہار کرنے کے لیے۔"

"مجھے اس کام میں ٹانگ نہ اڑانے کی ہدایت ملی ہے۔"

"لیکن میں ذاتی طور پر درخواست کر رہا ہوں ایڈمرل۔" کاربی نوف نے نرم لہجے میں کہا "میں تنہا ان کی حفاظت نہیں کر سکتا۔"

ایڈمرل اپنی کرسی پر بیٹھ گیا اس کی گردن اکڑی ہوئی تھی۔

"ذاتی درخواست..." اس نے مسکرانے کی فاتحانہ انداز میں کہا "چلو... ٹھیک ہے... کیا تم بھی وہیں مقیم ہو۔ کس کمرے میں؟"

"وزیر اعظم اور ماما دام دونوں کمرا نمبر ۱۹۰۲ میں ہیں جبکہ میں اپنے آدمیوں سمیت کمرا نمبر ۱۹۰۰ میں ہوں ۱۹۰۴ بھی ہمارے پاس ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تمھارے آدمی اس ہوٹل میں موجود رہیں خاص طور سے لابی اور لاؤنج میں اور ان لوگوں پر خاص طور سے نظر رکھیں جو مشکوک نظر آئیں۔"

"ٹھیک ہے۔" ایڈمرل نے کہا "میرے آدمی بیس منٹ میں وہاں پہنچ جائیں گے۔"

"شکریہ۔" کاربی نوف نے گرم جوشی سے کہا "... ہاں... میں تمھیں یہ بتانا تو بھول ہی گیا کہ ہوائی اڈے پر ایک غیر معمولی واقعہ رونما ہوا تھا ایڈمرل گیٹ!"

"اوہ وہ کیا؟" سی آئی اے کا ڈائریکٹر پہلو بدل کر رہ گیا اور جب کاربی نوف نے اسے تمام حالات بتائے تو وہ ایک ٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا۔

"بڑے خوش قسمت ہو۔" ایڈمرل کا لہجہ سپاٹ تھا۔

"ہاں۔ لیکن میں سوچ رہا ہوں کہ ان لوگوں کو ائرپورٹ کس نے بھیجا تھا؟"

"ممکن ہے... وہ بھی وزیر اعظم کی حفاظت کے ارادے سے وہاں گئے ہوں۔" ایڈمرل نے دوسری طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

"ممکن ہے۔" کاربی نوف نے ہاتھ بڑھا دیا "شکریہ ایڈمرل تم نے ہمیشہ ہم سے تعاون کیا ہے۔"

ایڈمرل نے سرد انداز میں ہاتھ پکڑ کر چھوڑ دیا اور دونوں کمرے سے واپس نکل آئے۔

"تم نے دو لوگ بات کیوں نہیں کی کاربی؟" ٹائیگر نے لفٹ میں سوار ہوتے ہوئے کہا "اسے بتا دیتے کہ وہ لوگ سی آئی اے کے تھے اور گاڑی کو ٹکر مارنا چاہتے تھے۔"

"نہیں۔ میں تمھاری طرح براہ راست کام نہیں کرتا لیکن مجھے سو فی صد یقین ہے کہ اسے پتا چل گیا ہے کہ میں اس پر شک کر رہا ہوں اور میں نے یہ امر یقینی بنایا ہے کہ مجھ پر اس کا شک پختہ ہو جائے۔"

"کیسا شبہ؟"

"وہ مجھے قاتل سمجھ رہا ہے۔"

"کیا تم قاتل ہو؟"

"اگر میں قاتل ہوتا تو اس وقت وزیر اعظم کی لاش کمرے میں پڑی ہوئی ہوتی دوست۔" کاربی نوف نے مسکراتے ہوئے کہا

"لیکن تم نے اسے ہوٹل کالونی اسٹورا کا نام بتا کر کیوں کہا؟"

"اس لیے کہ اگر وہ اپنے طور پر لوگوں کو ہمارے پیچھے لگاتا تو شاید وہ ہمارے ہوٹل کا پتا چلا لیتے لیکن اب اس کے آدمی دوسرے ہوٹل میں گھومتے رہیں گے اور ہمیں پریشان نہیں کریں گے۔"

ٹائیگر سر ہلانے لگا۔ وہ اس شخص کی ذہانت کا قائل ہو گیا تھا۔

▲

"یہ شخص!" نینا نے انھیں دیکھتے ہی چلا کر کہا۔ اس کا اشارہ اوشان کی طرف تھا جو کنول کے آسن میں فرش پر بیٹھا ہوا تھا اور اس کی نظریں دیواروں پر آویزاں تھیں "ناقابل برداشت ہے۔"

"کیا ہوا؟" کاربی نوف نے گھبرا کر پوچھا۔

"میں ٹیلی ویژن دیکھنا چاہتی تھی مگر اس نے یہ کہہ کر مخالفت کی کہ ٹی وی کا ہر فرقہ فش ہوتا ہے اور پھر اصرار کرنے لگا کہ میں اس کی کہانی سنوں لیکن میں نے بہرحال ٹی وی کھول لیا۔ اس وقت خبریں آنے والی تھیں اس نے کہا کہ میں خبریں نہ سنوں کیونکہ خبروں میں موٹے آدمی کے علاوہ اور کچھ نظر نہیں آئے گا۔"

"پھر؟" کاربی نوف نے سوال کیا۔

"پھر... ٹھیک ہے، خبروں میں ایک موٹا آدمی نظر آیا مگر وہ... وہ... میرا شوہر... وزیر اعظم تھا۔ اب بولو، کیا کہتے ہو؟"

کاربی نوف حیرت سے ٹائیگر کی طرف دیکھنے لگا جو لاتعلقی سے دوسری طرف دیکھ رہا تھا۔

"بولو۔ خاموش کیوں ہو؟" نینا نے ٹائیگر سے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ وزیر اعظم کو اپنا وزن کچھ کم کر لینا چاہیے۔"

"پھر جب میں نے ٹی وی بند نہیں کیا تو اس نے ٹی وی کے پن اور سوئچ کھینچ کر باہر نکال دیے تاکہ ٹی وی ناکارہ ہو جائے!"

"روسیوں نے آج تک کبھی مذاق کی لطافت کا احساس نہیں کیا۔ زار کے دور میں۔" اوشان نے کچھ کہنا چاہا مگر ٹائیگر کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر چھت کی طرف دیکھنے لگا۔

"وزیر اعظم کہاں ہیں؟" کاربی نوف نے اکتا کر پوچھا۔

"دوسرے کمرے میں ٹی وی دیکھ رہے ہیں۔"

"خدا کرے کہ اس کی آنکھیں خراب نہ ہوں۔" اوشان نے طویل سانس لے کر کہا۔

"میرا خیال ہے کہ آپ کو اوشان کا اسکرین پلے پسند نہیں آیا۔" ٹائیگر نے نینا سے کہا۔

"ہم ایک گھنٹے بعد ہی اسکرین پلے سن کر اکتا گئے تھے۔" نینا نے برا سا منہ بنا کر کہا "اسی باعث ہم نے درخواست کی تھی کہ یہ اپنا اسکرین پلے مزید نہ سنائے۔"

"روسی گندم کے کھیتوں میں جھوٹ بولنے کے بعد کہتے ہیں کہ انھیں صداقت کی مہک محسوس ہو رہی ہے۔" اوشان نے چھوٹ کی "ایون گڈ کے بعد آج تک کوئی حساس روسی پیدا نہیں ہوا۔"

"ایون گڈ؟" کاربی نوف حیرت سے ٹائیگر کی طرف دیکھنے لگا۔

"ہاں۔" ٹائیگر ٹھنڈی سانس لے کر بولا "اوشان کے خاندان نے ایون کے لیے کبھی کوئی کام کیا تھا جس کا معاوضہ بروقت مل گیا تھا لہٰذا اس نے ایون ہنگامہ پرست کو ایون نیک سرشت قرار دے دیا۔"

وہ اوشان کو اسی کمرے میں چھوڑ کر دوسرے کمرے میں چلے گئے جہاں وزیر اعظم سنگل بیڈ پر بیٹھا مسکرا رہا تھا۔ "تمھارے اسکرین پر آج تو میری ہی تصویریں ہیں۔" اس نے ٹائیگر سے کہا۔

"خبروں میں کیا بتایا گیا ہے؟" کاربی نوف نے پوچھا۔

"یہی کہ تین سفیروں کی موت پر صدر سے مشورہ کرنے کے لیے عنقریب امریکا آنے والا ہوں۔ لیکن سفارتخانے نے میری آمد کی تاریخ کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔"

"گڈ۔" کاربی نوف نے مطمئن انداز میں کہا۔ مگر وزیر اعظم نے اس کا تبصرہ نہیں سنا بلکہ ٹی وی کو غور سے دیکھنے لگا۔

"نینا۔ دیکھو۔" اس نے ٹیوب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "ہم بھی یہاں جائیں گے۔"

کاربی نوف اور ٹائیگر بھی اسکرین کی طرف دیکھنے لگے اسکرین پر فلوریڈا کے ڈزنی ورلڈ کا اشتہار چل رہا تھا۔ نینا پرجوش انداز میں سر ہلانے لگی۔

"میں وہاں جانا چاہتا ہوں۔" وزیر اعظم نے اسکرین سے نظریں ہٹائے بغیر کہا۔

"کب؟" کاربی نوف نے پوچھا۔

"ابھی چلتے ہیں۔ کیوں؟"

"کیوں؟" کاربی نوف نے کچھ سوچتے ہوئے کہا اور پھر سر ہلانے لگا "ٹھیک ہے۔ ہم ابھی چلیں گے۔ آپ تیاری کریں۔ میں روانگی کے انتظامات کرتا ہوں۔"

▼

اُسی شب نو بجے، وزیر اعظم، نینا، ٹائیگر، اوشان، کاربی نوف اور اس کے چار خاص آدمی ایک نجی طیارے میں آرلینڈو فلوریڈا کی طرف پرواز کر رہے تھے۔

اس سے دس منٹ قبل ہی ایڈمرل گیٹ کو اپنے فلیٹ میں علم ہوا تھا کہ روسی وزیر اعظم نے کالونی اسٹورا میں کبھی قدم ہی نہیں رکھا۔

"خبیث۔" اس نے ریسیور رکھتے ہوئے کاربی نوف کو تین بار

بنیادی انگلش اُردو ریڈر

★ ---- عبدالرؤف انجم

انگلش زُبان سیکھنے کے لئے

ایک مفید اور لاجواب کتاب

قیمت: -/40 روپے

مکتبہ القریش اردو بازار لاہور 2

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

موٹی موٹی گالیاں دیں۔ کاربی نوف نے اسے جو زک پہنچائی تھی اس پر وہ تلملا رہا تھا۔ اسے یقین تھا کہ وہ وزیراعظم کے ساتھ کسی ایسی جگہ چلا گیا ہے جہاں روسی رہنما کو بآسانی قتل کیا جا سکتا ہے۔

وہ سوچنے لگا اور پھر مسلسل ٹیلی فون کرنے لگا۔ اس نے دل کیا وہ جذبات کی۔ ایک ہی گھنٹے میں اس کے آدمی اس ہوٹل تک پہنچ گئے جہاں وزیراعظم نے قیام کیا تھا۔ وہاں انھیں علم ہوا تھا کہ ایک چارٹرڈ طیارہ آزلینڈ کے لیے روانہ ہوا ہے۔

انھوں نے فوراً آزلینڈ کے تمام ہوٹل چیک کیے۔ پھر بہت دیر بعد انھیں علم ہوا کہ ایک ہوٹل کے چار کمرے ڈاکٹر ہالی ڈے فیملی کے نام پر بک کرائے گئے ہیں۔

ڈاکٹر ہالی ڈے۔ کاربی نوف کے کاذبانہ پاسپورٹ نے اس کی شناخت کروائی تھی۔ مالی ڈے کا ذبانہ فلموں کا ایک اہم کردار تھا۔

ہوٹل منیجر نے تصدیق کی کہ مہمان صبح کے وقت چار مختلف کاروں میں بیٹھ کر ڈنی ورلڈ کے پہلے دروازے پر پہنچے ہیں۔

ایڈمرل ایک لمحے تک اپنے کمرے میں ٹہلتا رہا اور پھر وہ ایک قطعی نتیجہ پر پہنچ گیا۔ وزیراعظم کو بچایا کر وہ تاریخ میں امر ہو سکتا تھا۔

"کاربی نوف!" اس نے دیوار کی طرف دیکھ کر کہا۔ "میں تمھیں وزیراعظم کو قتل کرنے کی مہلت نہیں دوں گا۔"

لیکن اس کے نزدیک وزیراعظم کو موت سے بچانے کے لیے ضروری تھا کہ کاربی نوف کو قتل کر دیا جائے اور پھر یہ ہدایت ایڈمرل نے ٹیلی فون پر بھی دے دی۔

▼▼

وزیراعظم امریکی بچوں کی طرح ڈنی ورلڈ کی سیر کرنے پر بضد تھا۔ وہ عام امریکی کی طرح ڈنی ورلڈ کی گلیوں اور سڑکوں پر گھومنا چاہتا تھا تاکہ کوئی بھی انہیں نہ پہچان سکے۔

کاربی نوف کے چاروں آدمیوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر اثبات میں سر ہلا دیے تھے۔ ٹائیگر وزیراعظم کو دیکھنے لگا جو اس وقت ہوائی کی دھاری دار قمیص، سفید پتلون اور بڑے سے ہیٹ اور بڑے بڑے شیشوں کا چشمہ لگائے ہوئے تھا تاہم جس کسی نے بھی ٹی وی پر اس کی تصویر دیکھی ہوگی وہ اسے کسی بھیس میں بھی پہچان سکتا تھا۔

چاروں ٹیکسیاں وقت پر ہوٹل پہنچ گئیں۔ ٹائیگر اور نینا اور وزیراعظم ایک ٹیکسی میں سوار ہوئے جبکہ باقی تین ٹیکسیاں ان کے پیچھے چلنے لگیں۔ ٹائیگر نے ٹیکسی ڈرائیور کو ہدایت کی کہ وہ ان کے پیچھے چلتا رہے۔

ٹائیگر نے وزیراعظم کو ڈنی ورلڈ کے داخلی دروازے پر پہنچا کر ٹیکسی سے نیچے اتارا۔ وہ دروازے کی ٹیکسی تھی اور آدمان حسب عادت آخری ٹیکسی میں تنہا بیٹھا ہوا تھا۔ ٹیکسی کی آدمان نے بیٹھنے سے قبل ٹائیگر نے اسے یاد دلایا تھا کہ وزیراعظم کی ہر قیمت پر حفاظت کرنی ہے۔

"پوہ" آدمان نے بڑی حقارت سے کہا تھا۔ "میری ساری زندگی دوسروں کی حفاظت کرتے ہوئے گزری ہے۔"

▼▼

ڈنی ورلڈ پہنچ کر وزیراعظم اور نینا اطمینان سے ادھر ادھر گھومتے رہے۔ یوں لگ رہا تھا جیسے انھیں موت کا کوئی خوف نہ ہو جبکہ ٹائیگر اور کاربی نوف ہر قدم پر محتاط انداز میں ارد گرد کا جائزہ لیتے رہے۔ خاص طور پر ٹائیگر کی تو تمام حسیات بیدار تھیں اور وہ اپنے جسم میں سنسنی کی لہریں سی محسوس کر رہا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ بھوت بنگلے کے سامنے کھڑے ہوئے تھے لیکن دروازے پر لٹکا ہوا تھا کہ آج کارروائی بند رہے گی تاہم انھیں دیکھ کر ایک درازقد نوجوان سامنے آیا۔

"سوری سر!" اس نے وزیراعظم سے کہا۔ "آپ کو انتظار کرنا پڑا۔ دراصل ہم اندر کچھ مرمت کر رہے تھے، وہ کام مکمل ہو گیا ہے اور اب ہم چاہتے ہیں کہ کچھ لوگ اندر جا کر ہمیں سیکورٹی کے بارے میں رائے دے سکیں۔ اتفاق سے آپ لوگ ہی سامنے آ گئے۔ تشریف لے چلیں ہم فیس نہیں لیں گے۔"

"بالکل مفت؟" وزیراعظم نے بڑی حیرت سے پوچھا۔

"جی ہاں۔"

"سب کے لیے؟" آدمان بھی بچوں کی طرح خوش ہو کر بولا۔

"سب کے لیے نادر۔" نوجوان نے جواب دیا۔

"جیتے رہو فرزند جیتے رہو۔"

"چلو... اندر چلو۔" وزیراعظم نے اس انداز میں کہا کہ جیسے اگر انھوں نے ویرنگائی تو نوجوان داخلہ فیس وصول کرے گا۔

وہ اندر داخل ہوئے تو لکڑی کا بھاری دروازہ بند ہو گیا۔ کے جی بی کے دو ایجنٹ وزیراعظم کے آگے آگے چل رہے تھے۔ ٹائیگر وزیراعظم کے ساتھ تھا جبکہ نینا اور آدمان ان کے پیچھے تھے۔

تاریک سرنگ کے خاتمے پر ہلکی ہلکی روشنی نظر آ رہی تھی۔ کچھ ہی دیر بعد وہ ایک خوبصورت کمرے میں تھے جس کی دیواروں پر اٹھارویں صدی کے مشہور افراد کی تصویریں لگی ہوئی تھیں۔

ایک مشین نے اعلان کیا کہ وہ ماضی میں واپس آ گئے ہیں۔ اس اعلان نے تصویروں کے بارے میں بتایا اور پھر اچانک

ان تصویروں نے جان ہونے لگیں۔

ٹائیگر نے پلٹ کر دیکھا تو کاربی نوف کا کوئی پتا نہیں تھا۔

"خفیہ راستوں کے کھلنے پر آپ حضرات ماضی میں قدم رکھ سکتے ہیں۔ انتظار مت کیجیے گا، خفیہ راستے کھلتے ہی اندر داخل ہو جانا ہے۔" مشین نے پھر ہدایت کی۔

کمرے میں ہلکی سی سرسراہٹ گونجنے لگی اور ایک دیوار اپنی جگہ سے ہٹتی ہوئی نظر آئی۔ دیوار کے ہٹتے ہی ایک غلام گردش دکھائی دی۔

آدمان، وزیراعظم اور نینا کے ساتھ خفیہ راستے میں داخل ہو گیا۔ چاروں ایجنٹ ان کے عقب میں تھے۔ اسی لمحے ٹائیگر نے بیرونی دروازے کی طرف دوڑ لگا دی۔ وہ تاریک سرنگ میں داخل ہو گیا۔ عام آنکھوں کے لیے تاریکی میں دیکھنا ناممکن تھا لیکن ٹائیگر کی آنکھیں صاف اور واضح طور پر دیکھ سکتی تھیں اس نے سرنگ کی ایک دیوار پر بٹن دیکھے اس نے انھیں دبا دیا۔ اس وقت اسے صرف کاربی نوف کی فکر تھی۔ بٹن کے دبتے ہی دیوار سرک گئی اور ایک چھوٹا سا کمرا نظر آنے لگا۔

ٹائیگر نے کاربی نوف کی تلاش میں ایک ہی نظر میں پورے کمرے کا جائزہ لیا۔ پھر اسے ایک کونے میں کاربی نوف نظر آ ہی گیا۔ وہ چت لیٹا ہوا تھا اور اس کی قمیص پر خون کا فوارہ بہتا ہوا جو مسلسل پھیل رہا تھا۔ اس کا دیوار کمرے کے ایک کونے میں پڑا ہوا تھا۔

"کاربی!" ٹائیگر اس پر جھک گیا۔

نزدیکی روشنی سے بمشکل آنکھیں کھولیں۔ اس نے ٹائیگر کو پہچان لیا اور مسکرانے کی کوشش کی جس کے نتیجے میں خون کی ایک بلند ہوتی ہوئی دھار سے ٹپک گئی۔

"کک... کیا حال ہے دوست؟"

"خون بہنا۔" ٹائیگر نے دھیمے لہجے میں پوچھا لیکن اس لمحے میں بھی بھاگنا کا کاربی نوف غالب تھا۔

"ایڈمرل کیٹ کے آدمی... وہی تھا جس نے اندر آنے کی کوشش... کی تھی... میں تم سب کے آنے... سے پہلے... اچانک مجھے کسی نے... سرنگ میں... پکڑ لیا... بیہاں... گھونپ لیا... غلطی... میری تھی..."

"خاموش کرو... میں ابھی ڈاکٹر کا انتظام کرتا ہوں۔"

"نہیں... بہت دیر ہو... گئی ہے... کیا... وزیراعظم ٹھیک ہے..."

"ہاں۔" کاربی نوف نے بمشکل کہا۔

"وہ ٹھیک ہیں۔ بالکل ٹھیک... اور ٹھیک رہیں گے۔" ٹائیگر نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ اس وقت ٹائیگر کی آنکھیں سلگ رہی تھیں۔ اسے اس شخص سے ہمدردی محسوس ہو رہی تھی جس کے ملک کو وہ انسانیت کا دشمن سمجھتا تھا۔

"میں جانتا... ہوں... دوست۔" کاربی نوف نے دوست کہتے ہوئے مسکرانے کی کوشش کی مگر خون کے کئی فوارے نکل

اسلام کے نامور مجاہدین — قمر تسکین — 50/-
اسلام کی نامور خواتین — قمر تسکین — 40/-
سو مسلمان مشاہیر — قمر تسکین — 75/-
ملک ملک کی عورتیں — قمر تسکین — 35/-

مکتبہ القریش اردو بازار۔ لاہور 2

ایک ایسی عورت کی کہانی
جو مردوں کے معاشرے میں
ملکہ بن کر جینا چاہتی تھی

ناگ رانی

دو جلدوں میں
جلد اول =/145
جلد دوئم =/145

مکتبہ القریش سرکلر روڈ اردو بازار لاہور
فون 7668958

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

سے نکل پڑے۔ وہ یقیناً شدید کرب سے دوچار تھا اس کی آواز بھی سرگوشی سے زیادہ اونچی نہیں تھی۔ اس کا سینہ بہت تیزی سے بلکہ دھونکنی کی طرح پھول پچک رہا تھا۔

"مجھے افسوس ہے کاربی نوف۔" ٹائیگر کا لہجہ اداس تھا۔ "اگر ہم پہلے ملے ہوتے تو دونوں کی انتہائی زبردست ٹیم بن جاتی۔"

کاربی نوف اثبات میں سر ہلا کر رہ گیا لیکن اس نے اپنے لہجے سے اس بات کی تردید کر دی۔ "ہمارے درمیان میلوں کا... فاصلہ... تھا دوست... اگر ایڈمرل... مجھے... آج قتل نہ کرتا... تو تم... کبھی نہ بھی... مجھے قتل کر دیتے... کیونکہ... مجھے... تمہاری تنظیم... کے بارے میں بہت... کچھ معلوم... ہو گیا تھا۔"

ٹائیگر نے احتجاج کرنا چاہا لیکن پھر رک گیا۔ کاربی نوف درست کہہ رہا تھا۔ اسے یاد آگیا کہ بہرام نے اسے یہ ہدایت دی تھی کہ "فی الوقت" وزیراعظم کی حفاظت کرنی ہے اور یقیناً وہ وزیراعظم کے بارے میں مشن مکمل کرکے اسے کاربی نوف کے پیچھے لگانے کا ارادہ رکھتا تھا۔ اس کے چہرے پہ عجیب سے تاثرات ابھر آئے جنھیں لب مرگ کاربی نوف نے محسوس کیا۔

"دل چھوٹا مت کرو لڑکے۔" اس کا لہجہ قدرے بہتر تھا۔ "ہمیں اس کام... کے لیے... منتخب... کیا... گیا ہے... ہمارے ذاتی... جذبے... کوئی حیثیت... نہیں رکھتے۔" یہ کہہ کر وہ ایک لمحے کے لیے خاموش ہوا، اس نے کچھ کہنے کے لیے دوبارہ منہ کھولا تو اس کا منہ خون سے بھر گیا اور پھر اس کا سر ایک طرف ڈھلک گیا اور اس کی کھلی ہوئی بے جان آنکھیں دیوار کی طرف ہو گئیں۔

ٹائیگر سیدھا کھڑا ہو گیا اور خاموشی سے کاربی نوف کا چہرہ تکنے لگا جو خود اس کے خون سے سرخ ہو رہا تھا۔ اس کے دل میں کاربی نوف کے لیے انسیت سے زیادہ... احترام کے جذبات موجزن تھے۔

"خدا حافظ پارٹنر۔" اس نے احتراماً سر جھکا کر کہا اور پھر انتہائی تیزی سے لابی میں واپس آگیا۔

ماضی کی غلام گردش میں گھپ اندھیرا تھا لیکن ٹائیگر کو یاد تھا کہ خفیہ دروازہ کہاں ہے۔ وہ اس دروازے کو دیکھنے کے بعد ہی کاربی نوف کی تلاش میں واپس آیا تھا اس نے لکڑی میں اپنی انگلیاں اسکروڈرائیور کی طرح پیوست کر دیں اور پھر لکڑی کو اپنی طرف کھینچ لیا۔ "ٹرش" کی زوردار آواز پیدا ہوئی کیونکہ دروازہ کا کنٹرول ہائیڈرولک تھا مگر ہائیڈرولک کا قفل اس کی انگلیوں کے سامنے صابن کا ٹکڑا بن گیا تھا، پریشر ختم ہوتے ہی دروازہ کھل گیا اور لکڑی کے ٹوٹنے کی زوردار آواز گونج کر رہ گئی۔

اب اس کے سامنے سانپ کی طرح بل کھاتی ہوئی طویل گردش تھی۔ وہ دوڑنے لگا۔ اس کے قدم اتنی تیزی سے اٹھ رہے تھے کہ عام آنکھ اگر انھیں دیکھتی تو ایسا لگتا جیسا وہ زمین سے چند انچ اوپر ہوا میں تیر رہا ہو۔ اچانک ہی اس کے سامنے ایک چھوٹا سا ریلوے پلیٹ فارم آگیا۔

اُدشان اس پلیٹ فارم پر تنہا کھڑا تھا۔ اس کی نظریں ٹائیگر پر تھیں۔

"کاربی نوف کو قتل کر دیا گیا۔" ٹائیگر نے سپاٹ لہجے میں اسے مطلع کیا۔

"وہ اچھا آدمی تھا۔" اُدشان نے دھیرے سے جواب دیا۔

"وزیراعظم کہاں ہے؟"

"اپنے محافظوں کے ساتھ۔"

اسی لمحے ایک چھوٹی سی ٹرین نمودار ہوئی اور ان سے قریب سے گزرتی ہوئی رفتار پکڑنے لگی۔ چاروں محافظ اس میں موجود تھے۔

"وزیراعظم کہاں ہے؟" ٹائیگر نے ان کی طرف دیکھتا زور سے پوچھا۔

"پچھلی بوگی میں۔" ایک نے ہاتھ کے اشارے سے کہا اور ٹرین گزر گئی۔ پہلے وہ بوگی نظروں سے اوجھل ہو کر گرنگ میں داخل ہوئی جس میں محافظ سوار تھے ٹائیگر اور اُدشان نے ایک ساتھ پچھلی بوگی کی طرف دیکھا لیکن وزیراعظم اور نینا دونوں ہی اس میں نہیں تھے۔

"میرا خیال ہے کہ وہ ٹرین میں بیٹھے ہی نہیں۔" ٹائیگر نے طویل سانس لے کر کہا۔

"بے وقوف۔" اُدشان کے حلق سے عجیب سی آواز نکلی اور وہ پلیٹ فارم کے دوسرے حصے کی طرف دوڑنے لگا۔ ایک فائبر گلاس سے ٹرین کے اسٹیشن اور سوار ہونے والے حصے کو الگ کر دیا گیا تھا۔ ٹائیگر اُدشان کے پیچھے لپکا، اس نے اُدشان کو فائبر گلاس کی نادیدہ دیوار سے ٹکرا کر گرتے ہوئے اور پھر اچھلتے ہوئے دیکھا۔ پل بھر میں دیوار اُدشان کے ہاتھوں کی زد میں تھی اور پلیٹ فارم پر اس کے ٹکڑے اچھل اچھل کر گر رہے تھے۔ اُدشان نے رفتار بھری اور دیوار کے دوسری طرف پہنچ گیا۔

پھر اچانک ہی انھیں وہ دونوں نظر آگئے۔

نینا نے پلیٹ کر ان کی طرف دیکھا، وہ اپنے شوہر سے چھ فٹ دور کھڑی ہوئی تھی، اس نے انھیں دیکھتے ہی ریوالور کی نال وزیراعظم کی طرف کر دی اس کی انگلی لبلبی پر پہنچ ہی رہی تھی کہ ٹائیگر اڑتا ہوا اس کے سر پر جا پہنچا۔ گولی چلی مگر نینا کا نشانہ خطا گیا اور گولی پلیٹ فارم کی دیوار میں دھنس گئی۔ اس سے قبل کہ وہ دوسری بار لبلبی دبا کر خودکشی کرتی، اُدشان نے اس سے ریوالور چھین لیا اور ٹائیگر کے حوالے کر دیا۔

وزیراعظم کا چہرہ صدمے کی وجہ سے زرد ہو رہا تھا اور اس کی آنکھوں میں نمی تھی۔

"نینا... تم... مگر کیوں؟" وہ صرف اتنا ہی کہہ سکا کیونکہ اب نینا دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے بلک بلک کر رو رہی تھی

"میں... میں مجبور تھی... مجھے... یہی کرنا تھا۔"

ٹائیگر نے خزاں رسیدہ پتے کی طرح کانپتی ہوئی عورت کو سہارا دیا اور اس وقت تک اس کا ہاتھ تھامے رہا جب تک وہ رو رو کر سنبھل نہ گئی۔

☆

"مگر کیوں؟" ٹائیگر نے پشت گاہ سے ٹیک لگاتے ہوئے کہا۔ "نینا نے ایسا کیوں کیا؟"

"اس لیے کہ قاتلوں کو بھرتی کرنے والے... کی نظر انتخاب بیس سال قبل نینا ہی پر پڑی تھی۔ ان دنوں آج کا وزیراعظم مفلوک الحال تھا۔ پروجیکٹ اومیگا کے معاون نے اس صورتحال سے فائدہ اٹھایا اور وفاشعار بیوی نینا کو وقتاً فوقتاً رقوم دیتا رہا۔ نینا رقم سے لینے کے لیے مجبور تھی کیونکہ اسے گھر چلانا تھا۔"

"کیا کونارڈ نے نینا کو بتا دیا تھا کہ ضرورت پڑنے پر اسے اپنے محبوب شوہر کو قتل کرنا پڑے گا؟"

"ہاں۔ تاہم نینا کو یقین تھا کہ ایسا کبھی نہیں ہوگا جنگ عظیم کبھی نہیں ہوگی اور اسے اپنے شوہر کو قتل کرنا بھی نہیں پڑے گا۔"

"وہ پروجیکٹ اومیگا کا سگنل نظر انداز بھی کر سکتی تھی۔ اس نے ایسا کیوں نہیں کیا؟"

"اس لیے کہ کونارڈ نے اس کے ذہن میں یہ بات بٹھا دی تھی کہ اگر اس نے سگنل ملنے پر عمل نہ کیا تو ٹھیک ایک ماہ بعد امریکی حکومت ایسی خفیہ دستاویز جاری کر دے گی جن سے وہ امریکی جاسوس ثابت ہو جائے گی اور اگر اس وقت اس کا شوہر وزیراعظم ہوا تو وہ بھی معزول ہو جائے گا اور ان دونوں کو سارا سامان جھیلنا پڑے گا لہٰذا نینا نے یہی سوچا کہ شوہر کو بدنامی

ایک نوجوان کی سنسنی خیز لہو رنگ خود نوشت

دہشت گرد

سلیم فاروقی کے ایڈونچرس قلم سے

☆ وہ محبِ وطن ہونے کے باوجود

دہشت گرد کہلاتا تھا

☆ وقت کی راہیں تھامتے

اس کے ہاتھ لہو ہو گئے تھے

☆ ایک پاکستانی کی سرفروشانہ داستان

چار حصوں میں
مکمل سیٹ =/180 روپے

ناشر

مکتبہ القریش سرکلر روڈ
اردو بازار لاہور نمبر 2
7668958

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

سے بچانے کے لیے اسے امریکا میں قتل کر دے۔ ایسی صورت میں وزیر اعظم کو روسی سپونٹ کا اعزاز ملنا یقینی صورت دیگر وہ زندگی بھر غدار کی حیثیت سے دن کاٹتا رہتا۔۔۔ خیر چلو، قصہ ختم ہوا۔" بہرام نے سکون کی سانس لی۔

"کیا تمہارے نزدیک اختتام بالخیر ہوا ہے سوئیٹ ہارٹ؟" ٹائیگر نے انتہائی سنجیدگی سے پوچھا۔

"ہاں۔ کیوں نہیں؟"

"کارل نوف کا قتل!"

"اوہ۔ مجھے واقعی افسوس ہوا۔ ذہین آدمی تھا۔" بہرام نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔ "لیکن اگر وہ سی آئی اے کے ہاتھوں سے بچ نکلتا تو میں تمہیں زحمت دیتا۔ اسے ہمارے بہت راز معلوم ہو گئے تھے۔"

"کیا یہی ہمارا ضابطہ ہے، جو بھی ہمارے بارے میں واقفیت حاصل کرے اسے مرنا پڑتا ہے؟"

"ہاں۔ یہی بات ہے۔"

"شکریہ!" ٹائیگر کھڑا ہو گیا۔ "ایک اور شخص ہمارے راز سے واقف ہے اس کا ختم ہونا بھی ضروری ہے۔"

وہ باہر آیا تو روبی اسے غور سے دیکھ رہی تھی۔ اس نے خلاف توقع انتہائی نرم لہجے میں پوچھا۔

"کیا بات ہے؟ تم اداس نظر آ رہے ہو؟"

"کارل نوف کو ہمارے رازوں کا علم ہو گیا تھا لہٰذا اگر وہ زندہ ہوتا تو میں اسے قتل کر دیتا۔۔۔ یہی اصول ہے۔۔۔ اب میں اس شخص سے بدلہ لینے جا رہا ہوں جو نہ صرف کارل نوف کا قاتل ہے بلکہ جسے ہمارے راز معلوم ہیں۔"

روبی نے سر جھکا لیا اور وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا چلا گیا۔

اتنا تو ٹائیگر ان دنوں وہ شدید کرب و اذیت کے مراحل سے گزر رہا تھا کہ اوشان اسے ہر روز صبح سے شام تک نت نئی ہدایتیں کرتا رہا تھا اور ٹائیگر ہمیشہ ان مشقوں کو اپنے لیے اذیت ہی سمجھتا تھا۔ یہ اور بات تھی کہ وہ اوشان کی سمجھائی ہوئی ورزشوں کی افادیت کا شروع ہی سے قائل تھا کیونکہ انہی مشقوں نے اسے دنیا میں ناقابل تسخیر بنا کر دنیا کے سب سے بڑے اعزاز ٹائیگر کا حق دار ٹھہرایا تھا۔

وہ دونوں ان دنوں ایک ماہ کی چھٹی پر تھے۔ بہرام نے انھیں اس شرط پر چھٹی دی تھی کہ وہ اپنی چھٹیاں صرف امریکا میں ہی گزاریں گے۔ انھیں امریکا سے باہر جانے کی ہرگز اجازت نہیں۔ بہرام کی یہ بات سن کر ٹائیگر نے انتہائی بُرا سا منہ بنایا تھا۔ جبکہ اوشان صرف سر ہلا کر رہ گیا تھا۔

"سویٹ ہارٹ! ہمارے ملک میں جب کسی کی شادی ہوتی ہے تو میاں بیوی کو دونوں کے ماں باپ بہت سا سامان دیتے ہیں وہ لوگ اسے جہیز کہتے ہیں۔ جہیز کے اس سامان پر صرف لڑکی لڑکے کا حق ہوتا ہے۔ وہ اسے جیسے چاہیں استعمال کریں۔ تمہارے ہاں بھی ایسا ہی ہوتا ہے نا مدبی؟" ٹائیگر نے آخری جملہ روبی کی طرف دیکھتے ہوئے ادا کیا۔ جواباً روبی اسے گھور کر رہ گئی۔ ابھی وہ کچھ بولنا ہی چاہتی تھی کہ بہرام نے اسے اشارے سے روک دیا۔

"تم کہنا کیا چاہتے ہو برخوردار!" بہرام نے بھویں اچکا کر کہا۔ اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تھی جو اس کے خوشگوار موڈ کی دلالت کر رہی تھی۔

"صرف یہ جناب عالی کہ آپ کی ابھی شادی نہیں ہوئی اس لیے میرا خیال ہے آپ اپنے جہیز کے سامان میں نہیں کر سکتے۔ میں ایک انسان ہوں اور۔۔۔"

"اور خواہشات کے غلام ہو۔" روبی نے اس کی بات کاٹتے ہوئے چلاتی۔ "تم آرام پسند واقع ہوئے ہو۔۔۔"

"نہیں روبی اس وقت نہیں۔" بہرام نے خوشگوار لہجے میں ہاتھ اٹھا کر روبی کو روکا اور ٹخنے پھڑکاتے ہوئے ٹائیگر کو مزید خطابات سے نوازنے کا ارادہ کر رہی تھی لیکن جب بہرام بولا تو اس کے لہجے میں ٹھہراؤ تھا اور چہرہ بالکل سپاٹ تھا۔ اس وقت اس کے سپاٹ چہرے کو دیکھ کر مدِ مقابل صرف یہی رائے قائم کر سکتا تھا کہ یہ چہرہ مسکراہٹ سے نا آشنا ہے اور اس کی زندگی میں جذبات کا کوئی دخل نہیں ہے۔

"دیکھو ٹائیگر! اس دنیا میں کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جنھیں مشین بن کر جینا پڑتا ہے۔ انسانوں کی بھلائی کے لیے، ان کی فلاح کے لیے جس طرح خدا کے برگزیدہ بندے اس کا پیغام انسانوں تک پھیلاتے اور مظلوم انسانیت کو امن و آشتی کی راہ دکھانے کی خاطر اپنی خواہشوں اور امنگوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اپنی ذات کو اس مقدس مشن کے لیے وقف کر دیتے ہیں۔ ہمارے سامنے بھی ایک مشن ہے اور ہم۔۔۔؟"

"کیا ہم خدا کے ہرگزیدہ لوگ ہیں باس فادر؟" ٹائیگر اوشان کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"یقیناً نہیں۔" بہرام کرسی سے اٹھتے ہوئے بولا۔ "ہم خدا کے بالکل عام سے بندے ہیں لیکن جب خدا رستے ہیں بوقتِ

دیا ہے اور صلاحیتوں سے نواز لیا ہے تو ہم اس عطیۂ خداوندی سے مظلوم انسانوں کی مدد کیوں نہ کریں۔"

"مظلوم انسانوں کی مدد۔" ٹائیگر منہ بنا کر بولا۔ "آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے سویٹ ہارٹ! مظلوم تو وہ لوگ بھی ہیں جو بیروت کے کیمپوں میں کسمپرسی کی زندگی گزار رہے ہیں جن پر آپ کے دوست پریذیڈنٹ سٹنا کے چہیتوں نے عرصۂ حیات تنگ کر رکھا ہے۔ مظلوم تو جنوبی افریقہ کے اٹھانوے فی صد کالے بھی ہیں جنھیں آپ کے دو فی صد گورے دوستوں نے غلام بنا رکھا ہے پھر ہم وہاں۔۔۔"

"میں بحث کے موڈ میں نہیں ہوں ٹائیگر۔" بہرام اس کی بات کاٹتے ہوئے بڑے ناخوشگوار لہجے میں بولا اور تیزی سے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

اوشان جو اس تمام عرصے میں خاموشی سے کنول کا آسن جمائے، ٹائیگر کی گفتگو سن رہا تھا، اسے ستائشی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ بہرام کے جانے کے بعد ٹائیگر کا کاندھا تھپکتے ہوئے بولا۔

"تمہاری ساری باتیں درست تھیں فرزند لیکن مجھے تمہارا لہجہ پسند نہیں آیا۔ تمھیں شہنشاہ سے اس لہجے میں بات نہیں کرنا چاہیے تھی۔ وہ اچھا آدمی ہے۔"

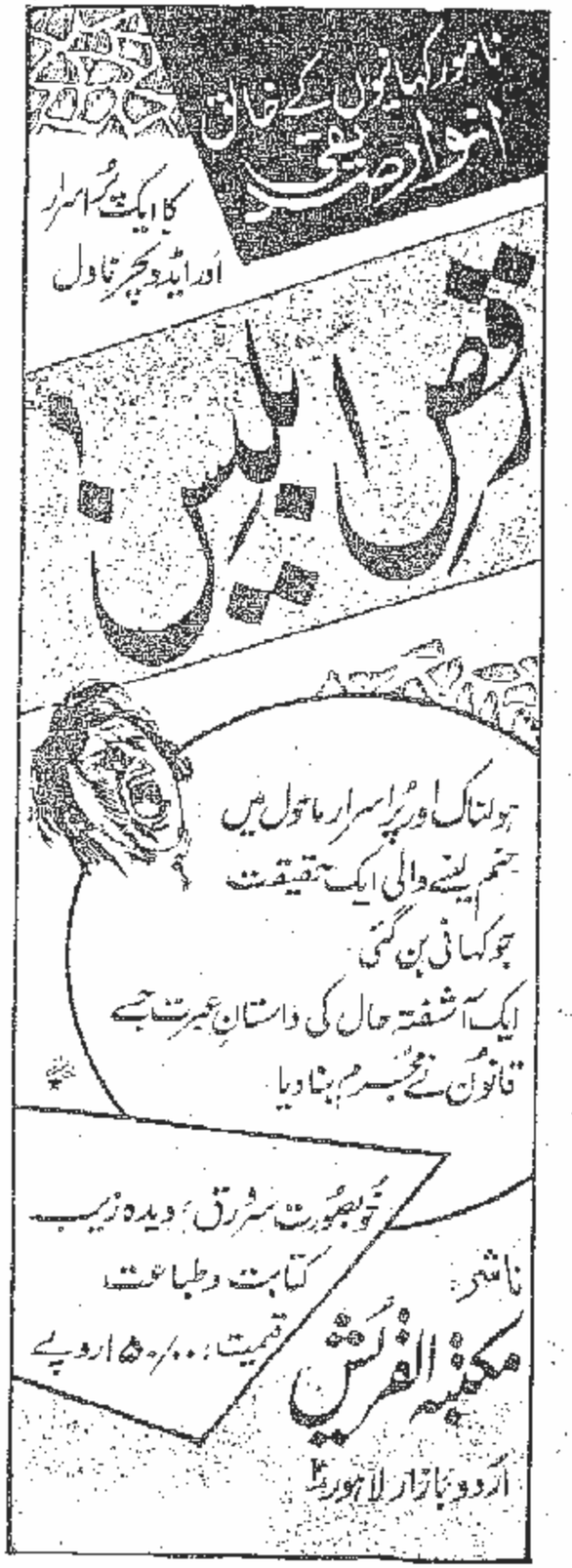
بات اگر یہیں تک ہوتی تو شاید وہ سہہ لیتا لیکن جب اوشان نے اسے بتایا کہ انھیں تمام چھٹیاں میکسیکو کے ایک نواحی گاؤں میں گزارنا ہیں تو وہ بھڑک اٹھا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اوشان کا اسے شہر کی رنگین زندگی سے دور لے جانے کا مقصد کیا ہے پھر جلد ہی وہ مقصد بھی سامنے آ گیا۔

"میں دیکھ رہا ہوں شہزاد تم دن بدن سست اور ڈھیلے ہوتے جا رہے ہو۔ تمہارا وزن بھی پہلے کی بہ نسبت ایک آدھ پونڈ بڑھ گیا ہے۔ تمھیں ورزش کی سخت ضرورت ہے میرے بچے۔" اوشان اس کے سراپا کا تنقیدی نظروں سے جائزہ لیتے ہوئے بولا۔

"ہاں فادر! آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔" روبی نے دروازے ہی سے ہانک لگائی۔ اس کے ہاتھوں میں ناشتے کی ٹرے تھی۔ "آپ اس کے دماغ میں بھی چربی ضرور پگھلائیے گا تاکہ یہ کچھ سوچنے سمجھنے کے قابل ہو سکے۔"

کیوں نہیں میری بچی۔" اوشان روبی کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بڑے پیار سے بولا۔ "میں اسے تمہارے قابل ضرور بناؤں گا۔"

کہا۔۔۔ ٹائیگر اپنی کرسی سے اس طرح اچھلا جیسے کسی نے



Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

اس کی کرسی میں کرنٹ چھوڑ دیا ہو۔" اب میں اتنا بھی بدذوق نہیں مسٹر فادر۔ اس سے تو میں لنڈورا ہی بھلا۔"

روبی جو ایک ہاتھ کمر پر رکھے اُسے گھور رہی تھی۔ یہ سُن کر بھڑک اُٹھی۔ "تو میں کون سا تمہارے فراق میں آہیں بھر رہی ہوں۔ میری طرف سے جہنم میں جاؤ۔" یہ کہہ کر وہ پیر پٹختی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔

☆

میکسیکو پہنچتے ہی اُوشان نے اس کے چیخنے چلانے کے باوجود نت نئی مشقیں کرانا شروع کر دی تھیں۔ اُوشان نے سب سے پہلا کام یہ کیا تھا کہ اس کے تمام کپڑے اپنے صندوق میں بند کر دیئے تھے اور پہننے کے لیے صرف گھٹنوں تک ایک نیکر دی تھی اور صبح سے شام تک خزاں کے مارے ایک درخت کی شاخ پر اُلٹا لٹکنے کا حکم دیا تھا۔

اس وقت بھی ٹائیگر اسی پوزیشن میں تھا جبکہ اُوشان درخت سے کسی قدر فاصلے پر کنول کے آسن میں اپنا پسندیدہ میگزین... پڑھنے میں مصروف تھا۔ سورج تانبے کے تھال کی طرح عین ان کے سروں پر آگ برسا رہا تھا۔ ٹائیگر سوچ رہا تھا کہ اگر روبی اسے اس حال میں دیکھتی تو اس پر اس قدر ہنسی کرتی کہ وہ خودکشی پر مجبور ہو جاتا۔

"لٹل فادر..." ٹائیگر اُوشان کو اس طرح لاتعلق انداز میں بیٹھے دیکھ کر کراہا۔ لیکن اُوشان کے انداز میں کوئی تبدیلی نہ آئی۔ "خدا کے لیے لٹل فادر میری بات سُنیں۔" ٹائیگر اُوشان کی بناوٹی بے حسی دیکھ کر زور سے چلایا۔

"کیوں چلا رہے ہو؟" اُوشان نے اسے گھور کر دیکھا۔ "تم کچھ دیر خاموش نہیں رہ سکتے؟"

"کوئی باپ اپنی اولاد پر اتنا ظلم نہیں کرتا اُوشان جو تم مجھ پر کر رہے ہو۔"

"بس پانچ منٹ اور صبر کر لو۔" اُوشان نے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "ذرا سورج اور آگے بڑھ جائے پھر کھانے کا وقفہ کریں گے۔"

"جانے اُس وقت تک گرمی سے میں اللہ ہی کو پیارا ہو جاؤں۔" ٹائیگر رو دینے والی آواز میں بولا۔

"نہیں فرزند اب تم اتنے بھی پیارے نہیں کہ اللہ کو پیارے ہو جاؤ۔" اُوشان نے مسکراتے ہوئے کہا اور دوبارہ مطالعے میں مصروف ہو گیا۔

☆

اُوشان کا کہنا تھا کہ اس مشق سے اس کی ذہنی صلاحیتیں مزید اُبھریں گی اور اسے اونچے بونچے خیالات سے نجات مل جائے گی۔ اس نے صرف اس مشق پر ہی اکتفا نہیں کیا تھا بلکہ ہر راستے کھانے کے بعد وہ اسے افریقہ کی مختلف زبانوں اور قبائل کے بارے میں بھی لیکچر دیتا رہتا تھا۔

☆

"اے لڑکے۔" جیمز فورسٹی ہیکوٹ نے چلا کر ہوٹل میں کام کرنے والے لڑکے کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ حالانکہ اب بستانی میں ملازموں کو لڑکا یا غلام کہنے کی سختی سے مخالفت تھی۔ کل ہی... بستانی ٹائمز نے حکومت کے نئے ضابطے شائع کیے تھے۔ جس کے تحت غیر ملکی اور خاص طور پر امریکی کسی بستانی کو لڑکا یا غلام نہیں کہہ سکتے اور اس ضابطے کی خلاف ورزی پر نہ صرف ایک سو ڈالر کا جرمانہ تھا بلکہ اسے کوڑے بھی مارے جا سکتے تھے لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی درج تھا کہ اگر کوئی مرد آہن عظیم فاتح داداوگ ٹونڈی اوبیدے اور وزیر عوامی بہبود کو جرمانے کی رقم پیشگی ادا کر دے تو وہ کسی بھی بستانی کو لڑکا بلکہ کچھ بھی کہہ سکتا ہے۔

جیمز نے اپنی زندگی میں پہلی بار جرمانہ قبل از جرم کی اصطلاح سنی تھی۔ جب وہ یہاں آیا تھا تو اس کے دل میں افریقی اصولوں اور رسم و رواج کا بڑا احترام تھا لیکن اسے جلد ہی معلوم ہو گیا کہ یہاں بھی اب اخلاقی اقدار بدل چکی ہیں اور انسانیت اپنا دامن سمیٹ کر رخصت ہو چکی ہے۔ اس نے امریکا میں یہاں کے متعلق بہت کچھ سنا تھا کہ کوئی دور حکومت میں بہت سکون تھا اور کوئی بچہ ہیروں سے بھری ہوئی تھیلی لے کر تنہا ملک کے طول و عرض کا سفر کر سکتا تھا نہ تو کوئی لوٹنے والا تھا اور نہ ہی لوٹنے والا پھر نجانے کیسے یہاں کے دریا زہریلے ہونے لگے۔ لوگ وبائی امراض کا شکار ہو کر مرنے لگے۔ ان کی تعداد کم ہوتے ہوتے پھر ہوسا قبائل آدھی طوفان کی طرح یہاں چھا گئے۔ جن کی سفید چمڑی والوں سے دوستی تھی۔ انھوں نے آتے ہی لوٹ مار کا قتل عام شروع کر دیا۔ ان کی زمینوں پر قبضہ کر کے انھیں شراب کی بوتلوں کے عوض غیر ملکیوں کے ہاتھ فروخت کرنے لگے جو انھیں زنجیروں سے باندھ کر امریکا لے جاتے اور کھیتوں میں کام کرواتے تھے۔

بیس بائیس سال قبل وہ علاقہ جو پہلے لوئی لینڈ کہلاتا تھا۔ اب آزاد تھا اور اس کا نام بستانی تھا۔ اب یہاں کوئی بھی غیر ملکی مستقل نہیں رہ سکتا تھا۔ خواہ وہ کسی بھی مرتبے کا کیوں نہ ہو۔ اسی لیے جیمز نے یہاں آتے ہی سب سے پہلے وزیر عوامی بہبود کو جرمانے کی رقم ادا کر دی تھی تاکہ اسے کوئی دشواری نہ ہو۔ وقت بہت جو امریکی باپ اور افریقی ماں کی وجہ سے دوغلی نسل کا تھا۔ جس نے رسمیں کرنے کے بعد اسے تسلی دی تھی کہ اب اگر اسے کوئی سقامی آدمی تنگ کرے تو وہ اسے بتا دے۔

"لڑکے..." جیمز پھر چلایا۔ "میرے لیے فوراً پانی لاؤ۔"

"یس بوانا! میں ابھی آیا۔" دُور کونے سے ایک مہین سی آواز سُنائی دی پھر ایک دُبلا پتلا افریقی نمودار ہوا جس نے ڈھیلی ڈھالی قمیص سفید پتلون اور پلاسٹک کی ٹوٹی ہوئی چپل پہن رکھی تھی۔

وہ تیزی سے چلتا ہوا جیمز کی طرف آیا۔ وہ ہانپ رہا تھا اور پسینے کے قطرے اس کے سیاہ چہرے پر موتیوں کی طرح چمک رہے تھے۔

"یس بوانا۔" وہ ہاتھ ملتے ہوئے بولا۔ اس کی نتھنوں اپنی ٹوٹی ہوئی چپلوں پر جمی ہوئی تھیں جس کے باعث وہ گاؤں میں کافی خوشحال آدمی سمجھا جاتا تھا۔

"بوانا کے بچے میرے لیے پانی لاؤ۔" جیمز گود میں رکھا تولیہ اس کے منہ پر مارتے ہوئے دہاڑا۔ اسے اپنے شیو کی فکر تھی جو تین دن سے بڑھ گئی تھی۔ کیونکہ بستانی میں کلین شیو والے کو زیادہ اچھی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔

لیکن جب اس نے افریقی کو ایک جگ میں پانی لاتے دیکھا تو سلگ کر رہ گیا۔ "یہ تم جگ میں پانی کیوں لائے کم بخت یہ غالباً ٹھنڈا بھی ہے؟"

"جی ہاں جناب اب یہاں کوئی گلاس باقی نہیں بچا۔ صبح فوج آئی تھی تو سارے گلاس قوم کے نام پر لے گئی تھی تاکہ ہم... سامراجی اشیاء استعمال نہ کریں۔ اور گلیس بھی صبح سے ختم ہو گئی ہے۔" افریقی بڑی معصومیت سے بولا تھا۔

"ٹھیک ہے ہیلی گر ٹھنڈے پانی سے شیو کرتے ہوئے مجھے ایک بھی خراش آئی تو میں تمہیں دو خراشیں لگاؤں گا سمجھے گدھے کہیں کے۔"

"یس بوانا۔" منحنی سی آواز اُبھری۔ اس کے ساتھ ہی وہ آلتی پالتی مار کر زمین پر بیٹھ گیا اور جیمز کو شیو کرتے دیکھنے لگا۔ اس کے سیاہ چہرے پر بھی سفید آنکھوں سے خوف متر شح تھا اور وہ بار بار اضطراری طور پر اپنی انگلیاں چٹخا رہا تھا۔

جیمز نے شیو مکمل کیا تو اسے تین خراشیں آئی تھیں۔

"چھ۔" اس نے ریزر مولی کی آنکھوں کے سامنے لہرایا۔

"بوانا۔" مولی خوف سے سہم گیا۔ "ہم... میں ایک تجویز پیش کرتا ہوں۔ آپ مجھ غریب کو بلیڈ سے نہ کاٹیں۔ میں جانتا ہوں آپ لوگوں کو زخم لگانے کا بہت شوق ہے مگر آپ یہ شوق کسی لڑکی پر بھی تو پورا کر سکتے ہیں۔"

"مجھے کالی عورتوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔" جیمز نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"نہیں بوانا..." مولی اس کا ہاتھ پکڑ کر آنکھوں سے لگاتے ہوئے گھگیایا۔ "یہاں سفید بھی ہیں بالکل سفید۔ تمہارے جیسی۔"

"کیا..." جیمز ایک جھٹکے سے سیدھا ہو گیا اور سکتے کی سی حالت میں مولی کو تکنے لگا۔

"ہاں بوانا۔ میں بالکل سچ کہہ رہا ہوں۔ انھیں چھپا کر رکھا گیا ہے۔ اپنی جان بچتے دیکھ کر مولی کی آنکھیں چمکنے لگیں۔

"وہ اُس بڑے مکان میں ہیں بوانا۔ جس کا پھاٹک بہت بڑا اور لوہے کا ہے اگر آپ کے پاس پیسے ہیں تو آپ انھیں کاٹ کاٹ کر ختم بھی کر سکتے ہیں بوانا۔"

"ناممکن مولی۔ ایسا ہونا ناممکن ہے۔" یہ کہہ کر جیمز گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ وہ سچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس کی ہم نسل لڑکیوں کے ساتھ ایسا بھیانک سلوک بھی کیا جاتا ہو گا۔

"ٹھیک ہے مولی اگر تمہاری بات غلط ہوئی تو..." یہ کہہ کر جیمز نے ریزر دوبارہ اس کی آنکھوں کے سامنے لہرایا۔ "لیکن ٹھہرو میں تمہیں ایک کاغذ دیتا ہوں اگر میں رات واپس نہ آیا تو تم لاگوس میں امریکی سفارت خانے جا کر یہ کاغذ کسی کو بھی دے دینا۔ وہ تمہیں انعام بھی دیں گے اور کپڑے جوتے اور بہت کچھ اور یہ رقم بھی رکھ لو۔" یہ کہہ کر جیمز نے جیب سے سو ڈالر کے چند نوٹ نکال کر مولی کو تھما دیے اور جلدی سے ایک کاغذ پر چند لائنیں گھسیٹ کر اسے دے دیا۔

شام کے سائے دھیرے دھیرے بستانی پر اُتر رہے تھے۔ سرخ و سفید چہرے لاغر جسم کے مالک سیاہ فام نوجوان اپنے گھروں کے آگے زمین پر ٹولیاں بنائے مختلف تفریحات میں مشغول تھے۔

جیمز کی جیپ ریت اُڑاتی تیزی سے گلیوں میں دوڑ رہی تھی۔ وہ جلد سے جلد بڑے پھاٹک والی عمارت تک پہنچنا چاہتا تھا۔ جو غالباً بستانی کی واحد سہ منزلہ عمارت تھی جسے انگریزوں نے اپنے دور حکومت میں تعمیر کیا تھا۔ اس کی تعمیر میں وہ تمام خصوصیات مدنظر رکھی گئی تھیں جو کسی بھی قلعے کے لیے ضروری ہوتی ہیں۔

جیمز جب عمارت کے سامنے پہنچا تو شام کے سائے اندھیرے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

لازوال کہانیوں کے خالق
انوار صدیقی کی اپنے قارئین کے لیے
ایک نئی سوغات

رقصِ ابلیس

ہولناک اور پراسرار ماحول میں جنم لینے والی ایک حقیقت جو کہانی بن گئی۔
ایک آشفتہ حال کی داستان عبرت جسے قانون نے مجرم بنا دیا
قیمت۔/150 روپے

ناشر۔ مکتبہ القریش سرکلر روڈ اردو بازار لاہور 2

میں تبدیل ہو رہے تھے۔ شام کے ملگجے اندھیرے میں سفید پھاٹک والی سیاہ عمارت آسیب زدہ نظر آ رہی تھی۔ اس نے جیپ سے اتر کر عمارت کا جائزہ لیا۔ گیٹ کے آس پاس کوئی ذی روح موجود نہ تھا اور نہ ہی عمارت میں زندگی کے آثار نظر آ رہے تھے۔

جیمز دھیرے دھیرے گیٹ کی طرف بڑھا۔

گیٹ اندر سے بند تھا۔ جیمز کا جی چاہا کہ وہ واپس ہو جائے لیکن اس نے کچھ سوچ کر گیٹ کے قریب پڑا ایک پتھر اٹھا لیا اور زور زور سے گیٹ کو بجانے لگا۔ چند ہی لمحے گزرے تھے کہ اسے گیٹ کے دوسری جانب قدموں کی دھمک سنائی دی۔

جیمز نے پتھر ایک کونے میں اچھال دیا اور خود ایک جانب ہو کر کھڑا ہو گیا۔

فضا میں پھر پہلی سی خاموشی چھا گئی۔

آنے والا غالباً گیٹ کے دوسری جانب خاموش کھڑا جیمز کے آئندہ ردِ عمل کا انتظار کر رہا تھا یا پھر کسی خفیہ کھڑکی سے اس کا جائزہ لے رہا تھا۔ یہ سوچ کر جیمز نے پھر چلا کر آواز لگائی۔

"اسے کوئی ہے؟" لیکن جواب میں اسے اپنی آواز کی بازگشت ہی سنائی دی۔ ابھی بازگشت کی گونج ختم بھی نہ ہوئی تھی کہ گیٹ میں ایک چھوٹی سی کھڑکی بن گئی جس سے ایک چہرہ جھانکتا دکھائی دیا۔

"اے کون ہو تم۔ یہاں کیوں آئے ہو؟" جھانکنے والے نے کرخت لہجے میں سوال کیا۔

"میرا نام جیمز ہے۔"

"اچھا!" سیاہ فام نے استہزائیہ انداز میں کہا۔ جیسے اسے یہ نام سن کر حیرت ہو رہی ہو۔

"تمہیں یہاں کا پتا کس نے دیا؟"

"ڈریکولا می ہیوورنے۔ وہ میرا دوست ہے۔" جیمز نے دروغ گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا۔

"اچھا اندر آجاؤ۔" یہ کہہ کر اس نے چھوٹا دروازہ کھول دیا۔ جیمز محتاط انداز قدموں سے چلتا ہوا اندر داخل ہو گیا۔ سیاہ فام نے پلٹ کر دروازہ بند کر دیا۔

راہداری میں کہیں کہیں مشعلیں جل رہی تھیں جن سے پھوٹنے والی روشنی نے کسی حد تک عمارت میں پھیلی تاریکی کو کم کر دیا تھا۔ جیمز نے اس ملگجی روشنی میں سیاہ فام دربان کا جائزہ لیا۔ وہ سارجنٹ کی وردی میں تھا اور اس کی وردی پر لگے بیج اندھیرے میں بھی چمک رہے تھے۔ وہ جیمز کو لیے ایک بڑے کمرے میں پہنچا۔

"آپ کیا پئیں گے برانا؟" وہ جیمز کو بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے بولا لیکن جیمز نے نفی میں سر ہلا دیا۔

اس کے خون کی سنسناہٹ تیز ہو گئی تھی۔

"ٹھیک ہے برانا۔ غالباً آپ بے چینی محسوس کر رہے ہیں۔" سارجنٹ مسکراتے ہوئے بولا۔ اس کے سفید دانت موتیوں کی طرح چمک رہے تھے۔

"اگر وزیر نے آپ کو قواعد نہیں بتائے تو سن لیں آپ یہاں کے حالات سے باہر نہیں جا سکیں گے۔ مزید کسی سے اس کا نام پوچھیں گے؟"

"ٹھیک ہے مجھے منظور ہے۔" جیمز نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"اگر آپ کو منظور ہے تو وہ سوٹ کیس ادا کر دیں اور یہ بھی بتا دیں کہ آپ کو کن چیزوں کی ضرورت ہو گی۔ میرا مطلب ہے ریزر، چاقو، کوڑے وغیرہ۔"

جیمز ٹھٹک کر رہ گیا۔ اس نے دو سو ڈالر ادا کر دیے۔

سارجنٹ نے الماری سے ایک چمڑے کا بکس نکال کر اسے تھما دیا۔ جس میں کوڑا اور آہنی کڑیاں رکھی ہوئی تھیں اور اپنے ہمراہ آنے کا اشارہ کیا۔

جیمز محتاط انداز میں سارجنٹ کے تعاقب میں چل پڑا۔ اس کے اعصاب تنے ہوئے تھے۔ ماحول کا فسوں رفتہ رفتہ اس کی رگ رگ میں طاری ہوتا جا رہا تھا۔ خون اس کی رگوں میں سیلابی پانی کی طرح تیز رفتاری سے دوڑ رہا تھا۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے خون اس کے مساموں سے پھوٹ نکلے گا۔

راہداری میں جلنے والی مشعلیں دیواروں پر عجیب عجیب سے منظر پیش کر رہی تھیں۔ جیمز کو اپنا ہر قدم سو سو من کا لگ رہا تھا۔ ابھی اس نے چند قدم ہی طے کیے تھے کہ ایک دلخراش چیخ نے اس کے قدم جکڑ لیے۔

وہ اپنی جگہ منجمد سا ہو گیا۔ اس کی پیشانی پسینے سے تر ہو گئی۔

چیخ پھر بلند ہوئی۔ آواز نسوانی تھی اور قریب سے آتی محسوس ہو رہی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے کوئی شقی القلب کسی لڑکی کو ذبح کر رہا ہو۔

سارجنٹ بھی جیمز کو کھڑا دیکھ کر رک گیا۔ اس کے ہونٹوں پر انتہائی مکروہ مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ اس کے انداز سے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ ان چیخوں کا عادی ہے اور یہ کرب آمیز چیخیں اس کے لیے لطف کا باعث ہیں۔

اس نے ایک دروازے کی سمت اشارہ کیا اور بڑھ کر دروازے میں ایک چھوٹی سی جھری بنا دی۔ جہاں سے اندر کا منظر

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

بآسانی دیکھا جا سکتا تھا

چیخ پھر بلند ہوئی۔ سارجنٹ کے سنانے کو چیرتی ہوئی جیمز کے کانوں کے پردے سے ٹکرائی لیکن اب ان چیخوں کے ساتھ کسی کے قہقہے بھی گونج رہے تھے۔

ان قہقہوں میں دیوانگی تھی لطف و لذت کا احساس تھا جیسے کوئی محض لطف و لذت کی انتہائی منازل کو چھو رہا ہو۔

چیخوں اور قہقہوں کا امتزاج قیامت ڈھانے کی خاموش فضا میں ایک عجیب سا تاثر پیش کر رہا تھا جیسے انسانیت ابلیس کے سامنے گریہ کناں ہو اور ابلیس اس کی بے بسی پر اپنے بھیانک قہقہوں کی پوری طاقت سے قہقہے لگا رہا ہو۔

وہ دھیرے دھیرے چلتا دروازے تک پہنچا۔ اس نے آنکھ جھری سے لگا دی۔ اندر داخل ایک سوراخ تھا جو شاید اس کمرے کی دیوار سے ملحق کمرے کی طرف کھلتا تھا۔

اندر مدھم روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ جس ایک طاق میں دو مشعلیں روشن تھیں جن کی روشنی کمرے میں پھیلی تاریکی کو دور کرنے کی ناکام کوشش کر رہی تھیں۔ جیمز نے آنکھ جھری کے اندر کا منظر دیکھنا چاہا۔ دھیرے دھیرے اس کی آنکھ تاریکی میں دیکھنے کے قابل ہو گئی تو اس نے دیکھا کہ ایک عورت اس کی لنگیاں توڑ کر باہر نکلنے کے لیے بے چین ہو گئی۔ اس کا دایاں ہاتھ مشعلے سے جلنے لگا۔

اس نے مارے طیش کے اپنی مٹھیاں بھینچ لیں۔ اس کا جی چاہا کہ وہ دروازہ توڑ کر کمرے میں داخل ہو جائے اور اندر موجود ابلیس کے چیلے کے چیتھڑے اڑا دے۔ اس کی یہ سوچ بے وجہ بھی نہ تھی۔ وہ بھی ذی ہوش انسان اگر یہ منظر دیکھ لیتا تو اس کی بھی یہی کیفیت ہوتی۔

کمرے میں ایک نیم عریاں لڑکی سلاخوں میں جکڑی ہوئی تھی۔ اس کا لباس تار تار ہو رہا تھا اور تمام کے ہر حصے سے خون کی سرخی رِس رہی تھی۔ تکلیف کی شدت سے لڑکی کے گھنے بال بکھرے ہوئے تھے۔ اس کا چہرہ چھپا ہوا تھا۔

جیمز نے دیکھا کہ اس لڑکی کا جائزہ لیتے ہوئے کہ ایک بھاری بھرکم سیاہ فام لڑکی کی طرف بڑھا۔ اس کے ہاتھ میں بید تھا جو شاید لڑکی کے جسم سے ٹکرا کر ٹوٹ گیا تھا۔ اس نے دوسرا بید اٹھا لیا۔ لڑکی نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ وہ یہ منظر نہیں دیکھنا چاہتا تھا لیکن اس کی آنکھیں بند کر لینے سے کیا ہوتا تھا۔ لڑکی کی چیخ پھر بلند ہوئی اور جیمز لڑکھڑاتے ہوئے دروازے سے پیچھے ہٹ گیا۔

اس کی آنکھیں لرز رہی تھیں اور اس کے جسم کا سارا خون چہرے میں جمع ہو گیا تھا۔ اس کا جی چاہا کہ وہ اپنے برابر کھڑے سارجنٹ کی بوٹیاں نوچ لے۔ اس کے خونخوار کتوں سے

سیاہ فام سارجنٹ کو گھورا جو اس کی کیفیت سے بے خبر مکروہ انداز میں مسکرا رہا تھا۔

اس سے قبل کے جیمز اس پر حملہ آور ہوتا۔ دفعتاً اس کے ذہن نے اسے رُکنے کا اشارہ کیا کہ اگر وہ سارجنٹ کو قتل بھی کر دے تو بھی ان لڑکیوں کو اس اذیت خانے سے رہائی نہیں دلا سکتا۔ کیونکہ سارجنٹ کی ایک ہی آواز پر ہزاروں گولیاں اس کے جسم میں ان گنت روشن دان کھولنے پر تیار ہوں گی۔

وہ رُک گیا اور اس نے ایک طویل سانس لے کر اپنے اعصاب کو پُرسکون کرنے کی کوشش کی۔ سارجنٹ نے آگے بڑھ کر اس کا بازو اپنی گرفت میں لے لیا۔ اس کی گرفت کا انداز کر کے جیمز اپنے فوری فیصلے کی تائید کرنے پر مجبور ہو گیا۔

سارجنٹ کی گرفت آہنی تھی۔ جیمز کو یوں محسوس ہوا جیسے اس کا ہاتھ کسی آہنی شکنجے میں کس دیا گیا ہو۔ وہ جسمانی طاقت میں سیاہ فام کے ہم پلہ نہیں تھا۔ چنانچہ وہ کسی معمول کی طرح سارجنٹ کے ساتھ کھنچتا چلا گیا۔ سارجنٹ ایک بند دروازے کے سامنے رُک گیا اور مسکراتے ہوئے اسے اندر جانے کا اشارہ کیا۔

جیمز نے دھڑکتے دل کے ساتھ دروازے کو جنبش کیا۔

اندر مکمل تاریکی تھی تاہم دروازہ کھلنے سے راہداری میں جلنے والی مشعل کے باعث تاریکی میں قدرے کمی آ گئی تھی۔ جس کے باعث جیمز کمرے کا منظر دیکھنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ کمرے میں ایک پلنگ کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ پلنگ پر ایک انسانی ڈھانچہ سفید لباس میں لپٹا پڑا تھا۔

روشنی کے باعث ڈھانچے میں جنبش ہوئی۔ وہ بستر سے اُٹھ کر دھیرے دھیرے دیوار تک پہنچا اور ایک موم بتی جلا کر دیوار میں بنے طاق میں لگا دی۔ موم بتی کی روشنی میں کمرے کا منظر کچھ اور بھی ہیبت ناک ہو گیا تھا۔ دیوار میں جگہ جگہ آہنی شکنجے نصب تھے۔

لڑکی خاموشی سے شکنجوں کے قریب جا کر کھڑی ہو گئی۔ اس کے جسم کے کھلے حصے میں جگہ جگہ خراشیں پڑی ہوئی تھیں۔ چہرہ بھی زخم زخم ہو رہا تھا۔

"کیا تم تشدد کے دوران میری چیخیں بھی سننا چاہو گے؟" لڑکی نے لرزتی آواز میں پوچھا۔ اس کے لہجے سے صاف عیاں تھا کہ وہ امریکی ہے اور کسی نشے کے زیر اثر ہے۔

"نہیں..." جیمز نے تھکی تھکی سی آواز میں کہا اور دروازے سے ٹیک لگا کر لمبے لمبے سانس لینے لگا۔ "تم... تم کون ہو لڑکی؟"

لڑکی نے کوئی جواب نہ دیا اور خاموشی سے اسے گھورتی رہی۔

"اگر تم اجازت دو تو میں بیٹھ جاؤں لیپی۔" لڑکی کی نحیف سی آواز جیمز کے کانوں سے ٹکرائی۔ جیمز اس لڑکی کے منہ سے اپنا نام سن کر چونک گیا اور ایک جھٹکے سے اُٹھ کر اس لڑکی کے پاس پہنچ گیا۔

"تت... تم میرا نام جانتی ہو۔ کیسے؟"

"آہستہ بولو لیپی۔ میں تمہیں جانتی ہوں۔" لڑکی کی آنکھوں میں آنسو موتی بن کر چمکنے لگے تھے۔ شدت جذبات سے اس کا سارا بدن لرز رہا تھا۔

جیمز نے اس کے ہاتھ تھام لیے..... اور سہارا دے کر پلنگ پر بٹھا دیا۔ اس نے موم بتی اُٹھا کر لڑکی کے چہرے کے قریب کر دی اور بغور اس کا جائزہ لینے لگا۔

"اوہ..." جیمز کے منہ سے حیرت آمیز آواز نکلی۔ "سن... سنتھیا تم؟ تم زندہ ہو۔ ہم تو تمہیں مر بھکا کر سپرد خاک کر چکے تھے؟"

"مجھے اب بھی مُردہ ہی سمجھو جیمز۔ کیا میں تمہیں زندہ نظر آتی ہوں؟" یہ کہہ کر وہ استہزائیہ انداز میں ہنسنے لگی۔

"اگر زندگی اسی کا نام ہے تو موت کیا ہوتی ہے جیمز۔ اب تم فوراً واپس چلے جاؤ۔ ورنہ... ورنہ..." سنتھیا ہانپنے لگی۔ اس کا جسم لرز رہا تھا اور آنکھوں سے وحشت ٹپک رہی تھی۔

"جاؤ جیمز چلے جاؤ۔ کوئی لیکوٹ خاندان کے پیچھے پڑ گیا ہے بتائی سے چلے جاؤ۔" یہ کہہ کر سنتھیا منہ ڈھانپ کر سسکیاں لینے لگی۔

جیمز اسے خالی خالی نظروں سے دیکھتا رہا۔ اس کے ذہن میں آندھیاں سی چل رہی تھیں۔ وہ سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ کوئی اس کے خاندان کی لڑکیوں کو اغوا کر کے اس حال تک پہنچا دے گا۔

"اگر یہ سنتھیا ہی ہے تو پھر وہ لڑکی کون تھی جسے اس نے خود قبرستان تک پہنچایا تھا؟" وہ سوچتا رہا اور اُلجھتا رہا۔ موم بتی کا شعلہ جلتے جلتے ٹمٹمانے لگا۔

"تم چلے جاؤ لیپی ورنہ یہ لوگ تمہیں بھی مار ڈالیں گے..." سنتھیا کی آواز نے اسے پھر جھنجوڑا۔

اس نے خالی خالی نگاہوں سے سنتھیا کو دیکھا اور زمین پر پڑا کوٹ اُٹھا کر سنتھیا کے گلے میں کسنے لگا۔ جیمز یہ ساری کارروائی کسی روبوٹ کی طرح انجام دے رہا تھا۔ اس کا چہرہ ہر تاثر سے عاری تھا۔

دوسرے ہی لمحے سنتھیا اس کی بانہوں میں جھول رہی تھی۔ جیمز نے اسے آرام دہ بستر پر لٹا دیا۔

"سوری سنتھیا۔ میں تمہارے لیے یہی کر سکتا تھا۔" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا اور التفات بھری نظروں سے اُسے دیکھتا ہوا دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ اس کی چال میں لڑکھڑاہٹ واضح تھی اور کندھے جھکے ہوئے تھے۔

راہداری میں پہلے کی طرح سناٹا چھایا ہوا تھا۔

ابھی وہ راہداری میں کھڑا اپنے حواس درست کر رہا تھا کہ راہداری وزنی بوٹوں کی دھمک سے گونجنے لگی۔ جیمز نے نگاہیں اُٹھا کر دیکھا اور اس کے چہرے پر سراسیمگی پھیل گئی۔

چند فوجی بڑے جارحانہ انداز میں اس کی طرف بڑھ رہے تھے۔ جیمز نے پلٹ کر کمرے میں گھسنا چاہا لیکن فوجیوں نے اس کے ارادے کو بھانپ کر اسے فوراً قابو میں کر لیا۔

"اے سُنو! میں وزیر کا مہمان..." جیمز نے خوفزدہ ہو کر خود کو چھڑانے کی کوشش کی۔

"ہم تمہیں اُسی کے پاس لے جائیں گے۔" کیپٹن کی وردی میں ملبوس ایک فوجی نے اسے باہر کی طرف دھکیلتے ہوئے کہا۔

ماحول پر تاریکی کا راج تھا۔ جیپ تیزی سے نامعلوم منزل کی طرف دوڑ رہی تھی۔

جیمز خوف سے دُبکا بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے ارد گرد سیاہ فام فوجی بھی کسی سنگی بت کی مانند خاموش بیٹھے تھے۔ جیمز کو پہلی بار اپنے افریقہ آنے پر افسوس ہو رہا تھا۔

وہ بنیادی طور پر مہم جو تھا اور یہی مہم جوئی کا شوق اسے کشاں کشاں افریقہ لایا تھا لیکن اس کے یہاں آنے کی اس کے علاوہ بھی ایک وجہ تھی۔ وہ اس سرزمین کو دیکھنا چاہتا تھا جہاں سے اس کے اجداد نے ایک عرصہ تک دولت کشید کی تھی لیکن بتائی آ کر اسے ایسے شدید جذباتی جھٹکوں کی اُمید نہ تھی۔

"اس کے خاندان کا ایسا دشمن کون ہے؟" جیمز نے اپنے ذہن پر کافی زور ڈالا لیکن ایسا کوئی شخص یا تنظیم نظر نہ آئی جو دشمنی میں اس حد تک جا سکے۔

پھر یہ کون ہے؟ اس نے اپنے آپ سے سوال کیا لیکن اس کا ذہن اس سوال کا جواب دینے سے قاصر تھا۔ ابھی وہ اسی سوچ میں غلطاں تھا کہ جیپ ایک جھٹکے کے ساتھ رُک گئی۔

"اے مسٹر کتے نیچے اُترو۔" ایک سیاہ فام فوجی نے اسے کالر سے پکڑ کر نیچے کھینچتے ہوئے کہا۔

جیمز اس کے اس انداز تخاطب سے کھول اُٹھا۔ غصے کی شدت سے اس کی مٹھیاں کس گئیں۔ قریب تھا کہ وہ سیاہ فام پر جھپٹ پڑتا لیکن گردن پر لگنے والی ضرب نے اسے خاک چاٹنے پر مجبور کر دیا پھر فوراً دو فوجیوں نے اس کی مشکیں کس کر اسے آگے کی طرف دھکیل دیا۔

اندھیرا پورے طور پر ماحول کو اپنی گرفت میں لے چکا تھا۔ ابتدائی تاریکیوں کے باعث چاند بھی تاریکی کی چادر میں کوئی روزن پیدا کرنے میں ناکام ہو رہا تھا۔ یہی وجہ تھی جیمز آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے کے باوجود اپنے صیادوں کو پہچاننے سے قاصر تھا۔ اس کی مثال کسی ایسے بے بس پرندے کی مانند تھی جس کے پر کاٹ کر اسے چھوڑ دیا گیا ہو۔ شاید یہی وجہ تھی کہ جیمز نے فرار کی کوئی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ اپنے اردگرد ان گنت سایوں کو حرکت کرتا دیکھ رہا تھا۔

"اس... بس... ساری کارروائی کا آخر کیا مطلب ہے؟" جیمز ہکلایا۔ "میں ایک امن پسند امریکی ہوں۔ یاد رکھو تمہیں ان حرکات کی جواب دہی کرنا ہو گی۔"

"اس ساری کارروائی کا مطلب ہی تمہیں مزید امن پسند بنانا ہے مسٹر۔" ایک فوجی نے اس کی کمر پر دھپ جماتے ہوئے اس کا مضحکہ اُڑایا۔

"میں کرنل ولیم اوڈی کا مہمان ہوں خدا را تم مجھے..." جیمز روہانسا ہو کر بولا۔

اس ساری صورت حال نے اُسے بوکھلا کر رکھ دیا تھا۔ شاید ابھی وہ کچھ اور بھی کہتا لیکن ایک گونج دار آواز نے اس کی رگوں میں مسرت کی لہریں سی دوڑا دیں۔ وہ جو کچھ دیر قبل موت کو شدت سے بھی زیادہ قریب سمجھ رہا تھا۔ فوراً ہی خود کو زندگی کی سنہری کرنوں کے ہالے میں جھولتا محسوس کرنے لگا۔

"اوہ... کرنل خدا کا شکر ہے تم آ گئے۔" جیمز خوشی سے بوجھل لہجے میں بولا۔

"ہاں مسٹر جیمز فورسٹی لیکوٹ، کرنل ولیم اوڈی حاضر ہے۔" جیمز وزیر عوامی بہبود کی زبان سے اپنا خاندانی نام سن کر ہالوس ہو گیا۔ ایک لمحے قبل اسے افریقہ کے اس تاریک صحرا میں زندگی کی جو چمک دکھائی دی تھی۔ وہ دوبارہ تاریکی کا حصہ بن چکی تھی۔

"ٹیک... ہے کرنل۔ جیمز ایک... گھریلو سا... لیکن ہالوس... لڑکا ہے۔ اگر حفاظت کی ذمہ داری... میرے اوپر ہے تو حفاظت اسٹاف کی... تم سفید فام جرنیلوں کے... بارے میں..."

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"نہیں... میں اوّل تا آخر سیاہ فام ہوں پپی۔ میرا سفید فاموں سے کوئی تعلق نہیں۔" کرنل اوڈی نے تڑپ کر اس کی بات کاٹ دی۔

"میں تمہارے خاندان کے ایک سفید فام بھیڑیے کے ظلم کا نتیجہ ہوں پپی۔ مجھے نفرت ہے تم سفید فاموں سے..... پلیز ٹھانڈان سے... میں تمہارے خاندان کی ایک ایک لڑکی کو اغوا کر کے بستانی کے قحبہ خانے کی زینت بناؤں گا۔ جیمز!" یہ کہہ کر وہ گہرے گہرے سانس لینے لگا اور چند لمحے توقف کے بعد دوبارہ گویا ہوا۔

"تمہارا خیال تھا جیمز کہ جب تم یہاں داخل ہو گے تو تمہیں پہچانا نہیں جائے گا۔ ہاں... لیکن ہم تمہیں پہچان گئے تھے پپی۔ اس وقت جب تم لاگوس میں امریکی سفارت خانے سے روانہ ہوئے تھے ہم سمجھ گئے تھے کہ تم اس سرزمین کا جائزہ لینے آئے ہو۔ جسے تمہارے دادا نے صدیوں لوٹا... جو نک بن کر ہمیں کی رگوں سے سارا خون چوستا رہا۔ ہم بھی یہی چاہتے تھے کہ تم آؤ اور بستانی کا وہ محل دیکھو جہاں تمہارے خاندان کی خوبصورت لڑکیاں عیش و آرام کی زندگی گزار رہی ہیں... کیسی رہی خانوادہ پپوٹ کے نمائندے پپو... کیسی رہی؟" کرنل اوڈی ہذیانی انداز میں قہقہے لگانے لگا۔

جیمز خاموش کھڑا امریکی کرنل کو گھورتا رہا جو چند لمحے بعد اس کے دہن میں بھی آ تھوکنے والی تھی لیکن وہ مطمئن تھا۔ اسے یقین تھا کہ موبی لاگوس میں واقع امریکی سفارت خانے کو اس کے قتل کی اطلاع ضرور دے دی گئی ہو گی اور پھر وہ لوگ اس کے خاندان کی لڑکیوں کو جلد ہی بچا لیں گے۔

"کیا سوچ رہے ہو پپی؟" کرنل اوڈی کی آواز دوبارہ سناٹے کا سینہ چیرنے لگی۔ "اب تمہارا نصیب ہے جیمز!"

"میں تیار ہوں تمہارش بارہ کتے!" جیمز نے دانت پیستے ہوئے کرنل کو گالی دی لیکن اس پر اس گالی کا کوئی اثر نہ ہوا۔

"میں جانتا ہوں تم تیار ہو لیکن تمہاری جان اتنی سستی نہیں کہ ہم اسے فوراً ہی خرچ کر دیں۔ ہم تمہاری دونوں ٹانگیں اور آنکھیں نکال کر تمہیں صحرا میں تنہا چھوڑ دیں گے۔ اسی صحرا میں جہاں جہاں کی مٹی بیچ کر تم نے امریکا میں بڑے بڑے محل تعمیر کیے۔ ہمارے جانے کے بعد اگر وہ تم پر رحم کھا لے تو ہمیں کوئی اعتراض نہ ہو گا۔" یہ کہہ کر وہ دیوانہ وار قہقہے لگانے لگا۔

اور چند ہی لمحوں بعد اس کے قہقہوں کے ساتھ جیمز... کی کربناک چیخیں بھی گونجنے لگیں۔

※ ※ ※

اوشان کا موڈ سخت آف تھا لیکن اس کی وجہ ٹائیگر کی کوئی تراش نہ تھی۔ وہ میکسیکو سے واپس آنے کے بعد کافی تابعدار سی کا مظاہرہ کر رہا تھا۔

"کم بخت یہ امریکی کبھی کسی کے جذبات کا احساس نہیں کرتے۔" اوشان بڑبڑایا۔

"کیا ہوا لٹل فادر...؟" ٹائیگر نے ٹائم میگزین سے نگاہ ہٹاتے ہوئے پوچھا۔ جس میں اس کی غیر موجودگی میں اس کے نام سے مضامین چھپے تھے۔ یہ اور بات تھی کہ یہ تمام مضامین اس کے اپنے تحریر کردہ تھے بلکہ جارہ گر کے شعبہ ریسرچ کے ماہرین کے زورِ قلم کا نتیجہ تھے۔

"ذرا دیکھو تو ان ٹی وی والوں کو لوگوں کے پسندیدہ پروگرام روک کر پانی کے کسی دروازے کے اسکینڈل کی تفصیل سنا رہے ہیں۔ اب بھلا مجھے پانی کے گیٹ سے کیا دلچسپی؟" اوشان ٹی وی پر نظر آنے والے کمپیئر کو گھورتے ہوئے بولا۔

اوشان کی بات سن کر ٹائیگر کے ہونٹوں پر ایک بے ساختہ سی مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"لٹل فادر یہ کسی پانی کے دروازے کا قصہ نہیں بلکہ اس واٹر گیٹ اسکینڈل کی تفصیل ہے جو سابقہ صدر کی حکومت کے خاتمے کا سبب بنا... ویسے لوگ اس میں بھی کافی دلچسپی لیتے ہیں۔" ٹائیگر نے واٹر گیٹ اسکینڈل کی وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

"کرتے ہوں گے پسند لیکن میرا شمار ان لوگوں میں نہیں ہوتا۔" اوشان ریموٹ کنٹرول کے ذریعے ٹی وی آف کرتے ہوئے بولا۔

"اور ہاں میں تمہاری حکومت کے پسندیدہ گھٹیا اخلاق سوز پروگرام دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"میری حکومت...؟ نہیں لٹل فادر آپ یقین کریں میرا اس حکومت سے کوئی تعلق نہیں۔ میں بھی تمہاری طرح یہاں غیر ملکی ہوں۔" ٹائیگر، اوشان کی خفگی دور کرنے کی خاطر بڑی معصومیت سے بولا۔

جواباً اوشان صرف ہنہ کہہ کر رہ گیا اور ٹیبل پر پڑے میگزینوں میں اپنا پسندیدہ میگزین تلاش کرنے لگا۔

"اگر آپ کی پانچ دن پہلے پکائی ہوئی باسی بطخ ختم ہو گئی ہو تو میں مارکیٹ سے اور لا دوں؟" ٹائیگر دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ اسے یقین تھا کہ اب اوشان میگزین سے کوئی نہ کوئی کہانی تلاش کر کے اسے بآواز بلند ضرور سنائے گا۔

"اے خبردار اگر تم نے آئندہ میرے کھانے کو باسی کہا۔ کوئی چیز کبھی باسی نہیں ہوتی صرف آدمی کی سوچ باسی ہو جاتی ہے... ویسے اگر تم رنگین تتلیوں کے تعاقب میں فوراً ہونا چاہتے ہو تو دفع ہو جاؤ۔"

"ٹھیک ہے میں آپ کے لیے کچھ میگزین ہی لیتا آؤں گا۔" ٹائیگر کندھے جھٹکتا ہوا بولا۔

ابھی وہ دروازے کی سمت پلٹا ہی تھا کہ کمرے میں نصب میوزیکل بیل کے بجنے کی مخصوص موسیقی بکھرنے لگی۔ ٹائیگر نے آگے بڑھ کر ایک جھٹکے سے دروازہ کھول دیا۔

باہر تین افراد کھڑے تھے جو تھری پیس سوٹ میں ملبوس تھے۔ ایک کے ہاتھ میں بریف کیس تھا جبکہ دو خالی ہاتھ تھے۔ ٹائیگر نے ایک نظر ان کے سراپا پر ڈالی۔

وہ اپنے چہرے اور حلیے سے کاروباری نظر آ رہے تھے لیکن ان کی بغل کا ابھار اس بات کی نفی کر رہا تھا۔ کوئی بھی کاروباری آدمی یا اس کا ایجنٹ بغل میں ریوالور لیے نہیں گھومتا۔

"اگر آپ لوگ کوئی انسائیکلو پیڈیا فروخت کر رہے ہیں تو میں معذرت چاہتا ہوں۔" ٹائیگر نے یہ کہہ کر دروازہ بند کرنا چاہا۔

"ایک منٹ پلیز!" اگلے رنگ کے سوٹ میں ملبوس شخص بڑے شستہ لہجے میں بولا۔ "ہمیں شہزاد احمد سے ملنا ہے جو ٹائم کے لیے مضامین وغیرہ لکھتے ہیں۔"

"اوہ اچھا۔" یہ کہہ کر ٹائیگر نے انھیں اندر آنے کا اشارہ کیا۔ وہ تینوں کمرے میں داخل ہو گئے۔ اوشان اب کسی میگزین میں ڈوبا ہوا تھا اور اس نے آنے والوں پر کوئی توجہ نہ دی تھی۔

"فرمائیے میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟" ٹائیگر انھیں بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

"آپ ہی شہزاد احمد ہیں؟" اگلے سوٹ والا دوبارہ بولا۔ جبکہ اس کے دونوں ساتھی کمرے کا جائزہ لینے میں مصروف تھے۔

ٹائیگر نے اثبات میں گردن ہلا دی اور سوالیہ نگاہوں سے انھیں دیکھنے لگا۔

"میرا نام مارٹن ہے اور یہ میرے ساتھی نام اور مائک ہیں۔" اس نے اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا۔ "ہمارا تعلق فورسٹی لمیٹڈ کے ہیڈ کوارٹر سے ہے۔ دراصل ہم آپ سے ٹائم کے آئندہ شمارے میں آنے والے آپ کے مضمون کے بارے میں گفتگو کرنا چاہتے ہیں جو آپ نے بستانی کے بارے میں لکھا ہے۔"

"بستانی کے بارے میں...؟" ٹائیگر حیرت سے بولا اور پُرسوچ انداز میں انھیں گھورنے لگا۔ "بستانی کے بارے میں... لیکن وہ تو ابھی چھپا بھی نہیں۔"

"ہاں ہم نے اس کی کاپی حاصل کر لی ہے۔" یہ کہہ کر مارٹن نے بریف کیس سے کاغذوں کا ایک پلندہ نکال کر میز پر رکھ دیا۔ "دراصل ہمارے باس گراہم فورسٹی کو بستانی سے کافی دلچسپی ہے ہم انھی کی ایما پر آپ سے ملنے آئے ہیں۔"

"تو پھر میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟" ٹائیگر نے... کن انکھیوں سے تام اور مائک کا جائزہ لیتے ہوئے کہا جو بڑی دلچسپی سے قالین پر پھیلے ہوئے اوشان کے لبادے کا جائزہ لینے میں مصروف تھے۔

"کیا آپ ہمیں یہ بتا سکتے ہیں کہ آپ کی معلومات کے ذرائع کیا ہیں؟"

"اور اگر میں نہ بتانا چاہوں تو...؟" ٹائیگر نے بڑے سادہ لہجے میں پوچھا۔

"ہم آپ کو اس کا معاوضہ دیں گے مسٹر۔"

"اگر میں پھر بھی انکار کر دوں تو...؟" ٹائیگر نے اسی لہجے میں کہا۔

"تو ہم آپ کو اپنے باس گراہم فورسٹی کے پاس لے جائیں گے۔" اور اس طرح... تام نامی آدمی نے بغلی ہولسٹر سے ریوالور نکال کر ٹائیگر کی آنکھوں کے سامنے لہراتے ہوئے کہا۔

ریوالور دیکھ کر ٹائیگر کے ہونٹوں پر مسکراہٹ سی دوڑ گئی اور وہ دلچسپی سے ان کا جائزہ لینے لگا۔ اس کا انداز کسی ایسے شخص

پراسرار اور خوفناک کہانیاں جنہیں
پڑھتے ہوئے آپ چونک اٹھیں گے
انوار صدیقی کے پراسرار قلم سے

آسیب زدہ قیمت =/110

دستک قیمت =/100

مکتبہ القریش سرکلر روڈ اردو بازار لاہور
فون 7668958

پرتھال
قمر اجنالوی قیمت =/125

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کا سامنا جو بچوں کی شرارت سے لطف اندوز ہو رہا ہو۔

"بظاہر تو تم لوگ کاروباری نظر آتے ہو لیکن یہ کھلونا..."

ٹائیگر نے ریوالور کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں بنیادی طور پر ہم تشدد پسند نہیں لیکن اگر تم ہمیں مجبور کر رہے ہو تو... چلو اب کھڑے ہو جاؤ۔" اُن کا تیسرا ساتھی مالک اپنے لہجے میں مصنوعی سفاکی پیدا کرتے ہوئے بولا اور اس کے ساتھ ہی مارٹن اور ٹام بھی کھڑے ہو گئے۔

ان کے ہر انداز میں اناڑی پن کی جھلک تھی۔ ٹائیگر سوچ رہا تھا کہ انھیں اس کام کے لیے چننے والا دُنیا کا احمق ترین آدمی ہی ہو گا۔

"ٹھیک ہے چلو..." یہ کہہ کر ٹائیگر بھی کھڑا ہو گیا اور دروازے کی سمت بڑھ گیا۔

وہ تینوں بھی اس کے پیچھے پیچھے چل دیے۔

انھوں نے اب بھی اُوشان پر کوئی توجہ نہ دی تھی اور نہ ہی اُوشان کے استغراق میں کوئی فرق پایا تھا۔

"اچھا اُوشان خدا حافظ۔" ٹائیگر دروازے پر پہنچ کر اچانک پلٹا۔ ٹائیگر کے اچانک پلٹنے پر مارٹن جو اس کے عقب میں اس سے تقریباً چپکا ہوا چل رہا تھا' اس سے ٹکرا گیا۔ اس ٹکراؤ کی وجہ سے اس کے ہاتھ میں دبے ریوالور کا رُخ اوپر کی طرف ہو گیا۔

اسی لمحے ٹائیگر کی کہنی سانپ کے پھن کی طرح مارٹن کے پیٹ کی طرف لپکی اور وہ دوہرا ہو کر عقب میں آنے والے اپنے ساتھیوں سے جا ٹکرایا اور وہ تینوں ہی ایک دوسرے سے اُلجھ کر قالین پر ڈھیر ہو گئے۔ بوکھلاہٹ میں ریوالور بھی ان کے ہاتھ سے نکل چکے تھے۔

مارٹن دونوں ہاتھ پیٹ پر رکھے انتہائی تکلیف کی حالت سے اپنے ہونٹ کاٹ رہا تھا جبکہ اس کے دونوں ساتھی کپڑے جھاڑتے ہوئے اپنے ریوالور کی تلاش میں قالین پر نظریں دوڑا رہے تھے۔

ٹائیگر نے انھیں زیادہ مہلت دینا مناسب نہ سمجھا اور مالک کے چہرے پر ایک ہلکا سا تھپڑ رسید کر دیا لیکن اس تھپڑ نے اسے کچھ دیر کے لیے ہوش کی دُنیا سے دور کر دیا اور وہ ہراتے ہوئے اُوشان کے قدموں میں ڈھیر ہو گیا۔

"تم کافی دیر لگا رہے ہو برخوردار۔" اُوشان نے میگزین سے نظر اُٹھاتے ہوئے کہا۔ "اس جھگڑے کو جلدی سے نمٹاؤ... دفعان ہو جاؤ۔"

"بہت اچھا مائی فادر۔" یہ کہہ کر ٹائیگر ٹام کی طرف لپکا جو دروازے سے نکلنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ٹائیگر نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈال دیا اور اسے اُٹھائے ہوئے صوفے کی طرف بڑھا۔

وہ ٹائیگر کے ہاتھوں کی گرفت میں کسی بچے کی طرح مچل رہا تھا لیکن وہ اس گرفت سے خود کو آزاد کرانے میں کسی طرح سے بھی کامیاب نہیں ہو رہا تھا۔ ٹائیگر نے اسے بڑے آرام سے صوفے پر بٹھا دیا اور اُوشان کی طرف پلٹتے ہوئے بولا۔

"کیا خیال ہے نیل فادر پہلے اس کے ہاتھ توڑوں یا اس کی دونوں آنکھیں نکالوں؟"

"نہیں نہیں۔ پلیز میرے ساتھ ایسا سلوک نہ کرو۔" ٹام التجائیہ انداز میں ہاتھ پھیلاتے ہوئے بولا۔ اس کے چہرے کا رنگ فق ہو چکا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے کسی نے اس کے جسم کا سارا خون نچوڑ لیا ہو۔ وہ بنیادی طور پر آفس ورک کا عادی تھا اور زندگی میں کبھی ایسی صورتحال سے دوچار نہیں ہوا تھا۔ وہ تو اسے ایک عام سا اور معمر عمر صحافی سمجھ کر مارٹن کے ساتھ آ گیا تھا ان کا... خیال تھا کہ وہ ریوالور کی جھلک دیکھتے ہی پگھل جائے گا لیکن یہاں تو معاملہ ہی بالکل اُلٹ تھا۔ ایک تو یہ صحافی بالکل نوجوان تھا اور دوسرے ان کے ہاتھوں میں دبے ریوالور سے خوفزدہ نہیں ہوا تھا۔ اس نے جس طرح پلک جھپکتے میں مارٹن اور مالک کو بے بس کیا تھا' وہ کسی عام آدمی کے بس کا کام نہیں تھا۔

"کاش وہ یہاں نہ آیا ہوتا۔" اس نے سوچا' اب بچانے یہ صحافی اس کا کیا حشر کرے۔ یہ اپنی حرکات و سکنات سے تو بالکل پیشہ ور قاتل لگتا ہے پھر یہ نڈر و بیوقوف' یہ تو جیسے اس کمرے میں موجود ہی نہیں۔

وہ سوچے جا رہا تھا اور اس کی نیلی آنکھیں ٹائیگر پر جمی ہوئی تھیں' جو اس کے سامنے دونوں ہاتھ سینے پر باندھے کھڑا تھا۔

"اچھا تو تمہارے ساتھ ایسا سلوک نہ کروں' ہاں!" ٹائیگر اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔

جواباً ٹام صرف تھوک نگل کر رہ گیا۔

"ٹھیک ہے پیارے اگر تم چاہتے ہو کہ تمہارے ساتھ ایسا سلوک نہ کیا جائے تو پھر شروع ہو جاؤ۔"

"ہمیں صرف اتنا ہی حکم دیا گیا تھا کہ تمہارے بارے میں تحقیق کریں کہ تم کون ہو اور تمہارے معلومات کے ذرائع کیا ہیں؟ ہم نے اس سلسلے میں تمام ذرائع استعمال کر لیے لیکن ہمیں کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔ کسی بھی ادارے کے پاس تمہارا ریکارڈ نہیں ہے اور نہ ہی ٹائم کی انتظامیہ تمہارے متعلق کچھ جانتی ہے۔" یہ کہہ کر وہ سانس لینے کے لیے رُکا اور ہونٹوں پر زبان پھیر کر اپنے خشک ہونٹوں

کو تر کرنے لگا۔

ٹائیگر نے اس کی یہ کیفیت دیکھ کر فریج سے پانی کی بوتل نکال کر اسے تھما دی۔

ٹام نے پانی گلاس میں انڈیلنے کی بھی زحمت گوارا نہ کی اور بوتل منہ سے لگا کر غٹا غٹ پی گیا۔

ٹائیگر خاموشی سے اسے پانی پیتے دیکھتا رہا۔ اس اثنا میں اُوشان جو اپنی پسندیدہ کہانی ختم کر چکا تھا' اُٹھ کر ٹام کے عقب میں آ گیا اور دھیرے دھیرے اس کی کنپٹیاں سہلانے لگا۔

اُوشان کے اس عمل سے ٹام کو یکبارگی سکون کا احساس ہوا اور وہ احسان مند نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔ یہ بوڑھا جو چند لمحے قبل تک رُوح قبض کرنے والا فرشتہ نظر آ رہا تھا۔ اب سراپا رحمت لگ رہا تھا۔

"کہو میرے بیٹے! تمہارے مالک کو شہزاد کے بارے میں معلومات کیوں درکار ہیں؟" اُوشان نے بڑی شفقت سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"دراصل ہمارے باس کو بہتائی کے حالات سے کافی دلچسپی ہے۔ ان کے اجداد نے وہاں سے کافی دولت کمائی تھی۔"

"وہ کس طرح؟" ٹائیگر نے بھی نرم لہجہ اختیار کرتے ہوئے پوچھا۔

"ہیروں اور غلاموں کی تجارت سے۔ لیکن اب کسی خفیہ تنظیم نے انھیں دھمکی دی ہے کہ وہ ان کے خاندان سے ان کے ہم وطنوں پر ہونے والے مظالم کا بدلہ لے گی۔ اسی لیے پچھلے ایک سال سے باوجود سخت سکیورٹی کے ان کے خاندان کی کئی نوجوان لڑکیاں بھیانک انداز میں قتل ہو چکی ہیں۔ ابھی پچھلے دنوں اُن کا ایک لڑکا انوائرمنٹ کی سیاحت کے لیے گیا تھا لیکن لاپتا ہو گیا۔ آخری اطلاع کے مطابق اُسے بہتائی کی طرف جاتے دیکھا گیا تھا۔ مسٹر گراہم نے پریس تک تنظیم کی دھمکی اور ہیمز فورسٹی کی گمشدگی کی خبر نہیں جانے دی۔ وہ ذاتی طور پر اس مسئلے سے نمٹنا چاہتے ہیں۔ تم یقین کرو۔ وہ تمھیں مدد کا منہ مانگا معاوضہ دیں گے۔ ان کے پاس دولت کا انبار ہے۔ وہ دُنیا کی ہر شے خرید سکتے ہیں۔"

ٹام کے آخری الفاظ پر ٹائیگر نے بُرا سا منہ بنا لیا۔

"لیکن میرا خیال ان چیزوں میں نہیں ہوتا مسٹر ٹام جسے تمھارے باس کی دولت خرید سکتی ہے۔ لہٰذا اب تم انھیں اُٹھا کر چلتے پھرتے نظر آؤ۔" اس نے مارٹن اور مالک کے بے ہوش جسموں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے تلخ لہجے میں کہا۔

شمالے کا سوامی
مصنف طارق اسمٰعیل ساگر
خوبصورت سرورق
دیدہ زیب پرنٹنگ و طباعت
قیمت =/150 روپے
مکتبہ القریش
سرکلر روڈ اردو بازار لاہور
فون 7668958

"لیکن آپ ذرا سوچ تو لیں۔ وہ آپ کو مالا مال..." ٹام ہکلاتے ہوئے بولا۔

"چلو..." ٹائیگر غرایا۔ "اگر میں نے ضرورت سمجھی تو خود تمہارے باس سے مل لوں گا۔"

✣

گراہم فورسٹی کا آفس شہر کے مرکزی علاقے میں واقع تھا۔ یہ ساٹھ منزلہ عمارت تھی جو فورسٹی پلازہ کہلاتی تھی۔ ٹائیگر کو اُمید تھی کہ گراہم فورسٹی کے لیے حفاظتی انتظامات کافی سخت ہوں گے اور اس تک پہنچنے کے لیے اسے کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا اور ہوا بھی یہی۔ جونہی وہ عمارت میں داخل ہوا اسے استقبالیہ کلرک کے بجائے سکیورٹی کے عملے کا سامنا کرنا پڑا۔ لفٹ کے دروازے اور زینے غرض ہر جگہ پر مسلح محافظ تعینات تھے۔

"فرمائیے۔" ایک محافظ نے جو اپنی وردی پہنے ہوئے بیج سے سکیورٹی چیف لگتا تھا۔ ٹائیگر کو مشتبہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"مجھے تمہارے باس گراہم فورسٹی سے ملنا ہے اور ضروری ہے۔" ٹائیگر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیا ملاقات کا وقت طے ہے؟" سکیورٹی چیف نے اسی لہجے میں پوچھا۔

"ہاں' وہ میرے منتظر ہوں گے۔ انھوں نے مجھے گیارہ بجے بلایا تھا اور اب صرف دو منٹ باقی ہیں۔"

سکیورٹی چیف نے فوراً ہاتھ میں پکڑی ڈائری کے ورق

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

پلٹے پھر دوسرے ہی لمحے وہ ٹائیگر کو کھڑی نگاہوں سے گھورنے لگا۔ اس کا ایک ہاتھ بیلٹ میں اڑسے ریوالور پر تھم گیا۔

"کون ہو تم مسٹر اور باس سے کیوں ملنا چاہتے ہو؟" سکیورٹی چیف غراتے ہوئے بولا۔ "آج صبح سے تین بجے تک ان کی کسی سے ملاقات طے نہیں۔"

"حیرت ہے۔" ٹائیگر نے چونکنے کی اداکاری کرتے ہوئے کہا۔ "ویسے اس کی تمام حسیات بیدار ہو چکی تھیں اور وہ ہونے والے ہنگامے سے نمٹنے کے لیے پوری طرح تیار تھا۔ ویسے وہ نہیں چاہتا تھا کہ یہاں کسی قسم کا کوئی ہنگامہ ہو۔

"تم میرے ساتھ آفس میں چلو۔" سکیورٹی چیف نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے سخت لہجے میں کہا اور ٹائیگر کو فی الحال اس کے ساتھ چلنا پڑا۔

غالباً سکیورٹی چیف بھی اس معاملے کو اپنے طور پر ہی نمٹانا چاہتا تھا پھر جونہی وہ سکیورٹی آفس کے دروازے پر پہنچا ٹائیگر نے اس سے سرگوشی میں ٹوائلٹ کے بارے میں دریافت کیا۔

ٹائیگر کی بات پر سکیورٹی چیف چند لمحے تک تذبذب کا شکار رہا پھر کچھ سوچ کر سر ہلا دیا اور اسے لے کر ایک سمت چل دیا۔ ایک کونے میں مردانہ ٹوائلٹ کا بورڈ آویزاں تھا۔ سکیورٹی چیف نے دروازے کے پاس رک کر ٹائیگر کو اندر جانے کا اشارہ کیا۔ ٹائیگر بڑی عجلت میں ٹوائلٹ میں جا گھسا۔ سکیورٹی چیف اس کی تیزی دیکھ کر مسکرائے بغیر نہ رہ سکا لیکن وہ نہیں جانتا تھا کہ اس نے کتنے خطرناک آدمی کو خود سے دور کر دیا ہے۔

ٹائیگر نے اندر گھس کر دروازہ لاک کیا اور ٹوائلٹ کا جائزہ لینے لگا۔ اسے امید تھی کہ ٹوائلٹ میں کوئی نہ کوئی روشن دان ضرور ہوگا، چنانچہ جب اس کی نگاہ واش بیسن کے اوپر بنے روشن دان پر پڑی تو وہ مسکرائے بغیر نہ رہ سکا اور فوراً .... واش بیسن پر چڑھ کر روشن دان کے دوسری طرف دیکھنے لگا۔ دوسری سمت ایک طویل نیم تاریک راہداری دور تک چلی گئی تھی۔ ٹائیگر نے روشن دان کا جائزہ لیا اور پھر ہاتھ کی انگلیاں ٹیڑھی کر کے فریم کے چاروں طرف ہلکی ہلکی ضربیں لگانے لگا۔

دوسرے ہی لمحے روشن دان کا پورا فریم اکھڑ کر ٹائیگر کے ہاتھ میں تھا۔ اس نے فریم بیسن پر رکھا اور ہاتھ دیوار پر جما کر تعاقب ٹانگیں روشن دان میں پھنسا دیں۔

اگلے لمحے وہ تاریک راہداری میں تھا، باہر اب سکیورٹی چیف دروازہ بجانے لگا تھا۔

ٹائیگر نے زیادہ دیر وہاں رکنا مناسب نہ سمجھا اور تیزی سے راہداری میں دوڑنے لگا۔ اس کے جوتوں میں کریپ سول جوتے تھے جس کی وجہ سے اس کے دوڑنے سے آواز پیدا نہیں ہو رہی تھی۔

وہ دوڑتا رہا۔ اسے ہنگامی زینے کی تلاش تھی، آخرکار اسے راہداری کے اختتام پر ہنگامی زینہ نظر آ ہی گیا۔ وہ تیزی سے زینے طے کرنے لگا۔ زینے طے کرتے وقت اس کی رفتار اتنی تیز تھی کہ شاید کیمرے کی آنکھ بھی اسے فوکس میں قید نہ کر سکتی تھی۔

راہداری اب سکیورٹی والوں کے دوڑتی جوتوں کی دھمک سے گونج رہی تھی لیکن ٹائیگر ان کی پہنچ سے کسی حد تک دور ہو چکا تھا۔

ٹائیگر اب عمارت کی آخری منزل پر پہنچ چکا تھا۔ اسی فلور پر گرام انور سٹی کا آفس تھا۔ ٹائیگر ایک لمحے کے لیے وہاں ٹھٹکا اس کی حساس سماعت سے ٹائپ رائٹرز کی آواز ٹکرا رہی تھی۔ اس نے آواز کی سمت کا اندازہ لگایا اور ٹہلتے ہوئے اس سمت بڑھ گیا۔ اس کے چہرے سے ذرا بھی تھکان کا اندازہ نہیں ہو رہا تھا۔ اسے دیکھ کر کوئی بھی شخص یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ اس نے ساٹھ منزلیں دوڑتے ہوئے طے کی ہیں۔

راہداری ایک جگہ جا کر مڑ گئی تھی، جونہی ٹائیگر راہداری سے مڑا اس کی نظر استقبالیہ کاؤنٹر پر بیٹھی ایک خاتون پر پڑی جو ٹائپ رائٹر پر جھکی ہوئی تھی۔ ٹائیگر نے بغور اس کا جائزہ لیا، اس کی عمر کسی طرح سے بھی چالیس سے کم نہیں تھی۔ ٹائیگر گھبرا پاتے ہوئے اس کے سامنے کاؤنٹر پر کہنیاں ٹیک کر کھڑا ہو گیا۔ خاتون اپنے کام میں اتنی منہمک تھی کہ اسے ٹائیگر کی موجودگی کا احساس ہی نہ ہو سکا۔

"ہائے ہنی۔" ٹائیگر نے اپنے ہونٹوں پر انتہائی دل آویز مسکراہٹ سجاتے ہوئے اسے متوجہ کیا۔

"اوہ کون ہو تم؟" خاتون نے چونکتے ہوئے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا اور دیکھتی رہ گئی۔ اس نے اپنی زندگی میں اتنا شاندار و جیہہ نوجوان نہیں دیکھا تھا۔ ٹائیگر بھی اپنی آنکھوں میں دنیا جہاں کا پیار سمیٹے اس کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔

"کیا حال ہے ہنی!" وہ خمار آلود لہجے میں بولا۔

"مم... میں..." وہ ہکلائی اور اضطراری طور پر اپنی انگلیوں کے گرد رومال لپیٹنے لگی۔

"ہاں جانم تم ٹھیک ہو؟" ٹائیگر نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

"میں ٹھیک ہوں۔ بالکل ٹھیک۔" اس نے ٹائیگر کی آنکھوں کی تپش سے گھبراتے ہوئے سر جھکا لیا اور گہرے گہرے سانس لینے لگی۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے اس نوجوان نے اسے اچانک ہی بے آب و گیاہ صحرا سے نخلستان میں پھینک دیا ہو۔ اس کی شخصیت کے سحر نے اس کی رگوں میں سرور کی لہریں سی دوڑا دی تھیں۔ وہ خود کو ایک عرصے سے تشنہ دہانہ صحرا کی مانند سمجھ رہی تھی۔ اب اچانک ہی برگ و باد سے لدا ہوا محسوس کرنے لگی تھی۔

کاش وقت تھم جائے اور یہ نوجوان اسی طرح اس کے سامنے کھڑا رہے۔ اس کے دل سے دعا نکلی اور وہ ملتجی نگاہوں سے ٹائیگر کو تکنے لگی۔

"ہنی تمہارے باس سے ملنا چاہتا ہوں ہنی۔ ان کے پاس کوئی موجود تو نہیں؟" ٹائیگر نے اس کا ہاتھ سہلاتے ہوئے کہا۔

"ہاں! ان کے پاس اس وقت صرف سکیورٹی چیف ہیں۔ غالباً نیچے کوئی پالگل گفس آیا ہے... تم بیٹھو نا۔" وہ ٹائیگر کا ہاتھ دباتے ہوئے بولی۔

"نہیں ہنی پہلے میں ذرا تمہارے باس سے مل لوں۔"

"پھر آؤ گے نا؟" وہ سسکاری بھر کر بولی اور حسرت سے ٹائیگر کو جاتے ہوئے دیکھنے لگی۔

ٹائیگر جونہی کمرے میں داخل ہوا اس کا سامنا سکیورٹی چیف سے ہوا جس کا رخ دروازے کی طرف ہی تھا۔ جونہی اس کی نگاہ ٹائیگر پر پڑی اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ وہ ایک لمحے کے لیے ٹھٹکا اور دوسرے ہی لمحے اس نے ہولسٹر سے ریوالور نکال لیا۔

"اے اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر دیوار کی طرف منہ کر لو۔" اس نے ریوالور لہراتے ہوئے کہا لیکن ٹائیگر نے اپنی جگہ سے کوئی جنبش نہ کی۔

ٹائیگر کو اپنی جگہ جما دیکھ کر وہ غراتے ہوئے اس کی طرف بڑھا اور انتہائی تیزی سے ٹائیگر کی کھوپڑی بجانے کے لیے ریوالور گھمایا لیکن اس سے قبل کہ ریوالور کے دستے کا سفر ختم ہوتا ٹائیگر نے پھرتی سے اس کے ریوالور بردست ہاتھ کو کلائی سے پکڑ لیا۔ سکیورٹی چیف نے اپنا ہاتھ جھٹکے سے چھڑانا چاہا لیکن اسے کامیابی نہ ہوئی۔ اسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس کی کلائی کسی آہنی شکنجے میں کس دی گئی ہو۔

یہ محسوس کر کے کہ وہ اپنی کلائی ٹائیگر کی گرفت سے آزاد نہیں کرا سکتا، اس نے اپنی انگلی کا دباؤ لبلبی پر بڑھانے کی کوشش کی لیکن اسے یہ دیکھ کر حیرت کا شدید جھٹکا لگا کہ اس کی انگلی نے اس کے ذہن کا حکم ماننے سے انکار کر دیا۔ اس کا ہاتھ کلائی تک تقریباً بے جان ہو چکا تھا۔

سکیورٹی چیف کا چہرہ متغیر ہو رہا تھا۔ پہلی بار اس کی آنکھوں سے خوف جھلکنے لگا۔ جبکہ ٹائیگر کے ہونٹوں پر دھیمی دھیمی شرارتی مسکراہٹ ناچ رہی تھی۔ اس نے دوسرا ہاتھ بڑھا کر سکیورٹی چیف کے ہاتھ سے ریوالور لے کر دور کونے میں پھینک دیا۔

سکیورٹی چیف کچھ زیادہ ہی سٹپٹایا ہوا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ ایک ہاتھ آزاد ہونے کے باوجود بھی کوئی مزاحمت نہیں کر رہا تھا۔ حالانکہ وہ کچھ دیر قبل تک ٹائیگر کو ایک معمولی... بے روزگار نوجوان سمجھ رہا تھا جو شاید روزگار کے چکر میں مسٹر گرام کو پریشان کرنے چلا آیا تھا لیکن اب... اب وہ اپنی زندگی کے سب سے زیادہ حیرت انگیز منظر نہ صرف دیکھ رہا تھا بلکہ خود بھی اس کا حصہ تھا۔

ابھی وہ خود کو حیرت کے ان شدید جھٹکوں سے آزاد بھی نہیں کر پایا تھا کہ اس نے خود کو پہلے فضا میں بلند ہوتے اور پھر تیرتے ہوئے پایا لیکن اس سے قبل کہ فضا میں اس کی پیرائی تمام ہوتی، اس کے ذہن میں جنم لینے والی دہشت نے اسے ہوش و خرد سے بیگانہ کر دیا اور وہ اپنے بھاری بھرکم جسم کو دیوار سے ٹکراتے اور پھر قالین پر گرتے ہوئے نہ دیکھ سکا۔

"نوجوان! اگر تمہیں اس کھیل کود سے فرصت مل جائے تو مجھ سے بھی وہ باتیں کر لینا۔" ٹائیگر جو سکیورٹی چیف کے جسم پر جھکا ہوا اس کی نبض ٹٹول رہا تھا، یہ پاٹ دار آواز سن کر چونک گیا۔

اس نے پلٹ کر آواز کے مخزن کی طرف دیکھا تو اس کی نظر وسیع ٹیبل کے عقب میں بڑی سی ریوالونگ چیئر میں دھنسے ایک معمر شخص سے ہم پر جم گئی جس کے سر کے بال برف کی مانند سفید تھے اور جھریوں نے اس کے چہرے پر ان گنت نقش و نگار بنا رکھے تھے۔ پہلی نظر میں کوئی بھی شخص اسے حنوط شدہ لاش ہی قرار دے سکتا لیکن اس کی چمک دار اور روشن آنکھیں اس کے زندہ ہونے کا ثبوت دے رہی تھیں۔

ٹائیگر نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا کیونکہ اس نے جو پاٹ دار آواز سنی تھی وہ اس بھنی سے بوڑھے شخص کی شخصیت سے میل نہیں کھاتی تھی۔

"آرام سے بیٹھو نوجوان۔ مجھے بتاؤ تم کیا چاہتے ہو؟" بوڑھے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کے لب ہلے اور ٹائیگر ایک طویل سانس لے کر ٹیبل کے سامنے پڑی کرسی پر نیم دراز سا ہو گیا۔ اس کی نگاہیں بوڑھے کی آنکھوں پر جمی ہوئی تھیں جس میں خوف و دہشت کے بجائے تحسین کے جذبات تھے۔

"نوجوان! اگر تم بستائی کے ایجنٹ ہو تو مجھے بتاؤ وہ لوگ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟" بوڑھے نے انگلیوں سے بالوں میں کنگھی کرتے ہوئے پوچھا۔ ایسا کرتے ہوئے اس کی انگلیوں میں پہنی ہوئی ہیرے کی انگوٹھیاں چمک اٹھیں۔

"میں نہ تو بستائی سے متعلق ہوں اور نہ ہی ان کا ایجنٹ ہوں بلکہ میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ تم نے اپنے کتنوں کو بیرے ورد وانے پر پھونکنے کی اجازت کیوں دی؟" ٹائیگر بدستور اس کی آنکھوں میں جھانکتا ہوا بولا۔

ابھی اس نے اپنی بات ختم ہی کی تھی کہ دروازہ ایک دھماکے سے کھلا اور درجنوں کے حساب سے سکیورٹی کا عملہ کمرے میں گھس آیا۔ ان کے ہاتھوں میں ٹامی گنیں دبی ہوئی تھیں اور ان کا رُخ ٹائیگر کی سمت تھا۔

"آپ ٹھیک تو ہیں سر؟" ایک محافظ نے ہانپتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

ٹائیگر کے ہاتھ کرسی کے دستوں پر مضبوطی سے جم گئے اور وہ کسی فوری عمل کے لیے خود کو تیار کرنے لگا۔ اس کی نظریں بدستور بوڑھے گرامہم پر جمی ہوئی تھیں جس کے ہونٹوں پر اب دھیمی دھیمی مسکراہٹ رینگ رہی تھی۔

"ہاں میں ٹھیک ہوں۔ تم لوگ جاؤ۔" اس نے مسکراتے ہوئے انھیں باہر جانے کا اشارہ کیا تو سکیورٹی کا عملہ حیرت سے اس کا چہرہ تکنے لگا۔

ان کی گنوں کا رُخ اب بھی ٹائیگر کی سمت تھا۔ اس نے محافظوں کو تذبذب میں دیکھا تو اس کی آنکھوں میں ناگواری کے تاثرات جنم لینے لگے اور وہ کڑے لہجے میں بولا۔

"جاؤ میں ٹھیک ہوں اور اپنے نکمے چیف کو بھی اٹھا لے جاؤ۔"

محافظ بادل نخواستہ سکیورٹی چیف کو اٹھا کر لے سے نکل گئے۔

"اچھا تو نوجوان!" بوڑھا مسکراتے ہوئے بولا۔ "تو تم ہو وہ صحافی جو آج کل افریقہ ہیرو کا اسٹار بنی سمجھا جاتا ہے۔"

"ہاں میرا نام ہی شہزاد احمد ہے۔"

"ٹھیک ہے نوجوان، تمھیں میرے ملازمین کی وجہ سے جو کوفت اٹھانی پڑی ہے۔ میں اس پر معذرت چاہتا ہوں۔ اب تم میری چند باتیں ذرا غور سے سُن لو۔ میرے اجداد کا تعلق... انگلستان سے ہے۔ وہ امریکا کی دریافت کے بعد یہاں آ گئے اور بہت سے افریقہ کی طرف ہونے اور ہیروں کی کانوں کی تلاش میں چلے گئے۔ یہاں ہمارے لیے سب سے بڑا خطرہ ریڈ انڈین کے حملوں کا تھا، جو وحشی لوگ آئے دن ہم پر کرتے رہتے تھے۔ لہٰذا ہم نے افریقہ سے بھاری تعداد میں غلام درآمد کیے اور پھر جب ہمارے لوگوں نے وہاں سونے اور ہیرے کی کانیں دریافت کیں تو ہم نے اپنے کاروبار کو کافی وسیع کر لیا لیکن پھر حالات بدل گئے۔ غلاموں کی تجارت پر پابندی لگ گئی۔ افریقہ میں بھی ہم لوگوں کے خلاف جذبات پیدا ہونے لگیں۔" یہ کہہ کر اس نے اپنی آنکھیں موند لیں اور کرسی کی پشت سے سر ٹیک دیا۔ کچھ دیر بعد اس نے ایک ٹھنڈا سانس بھرا۔ کہنے لگا۔

"پھر ہمیں وہاں سے بھی نکلنا پڑا۔ میں اپنے خاندان کا سب سے آخری آدمی تھا جو وہاں سے نکلا۔ اب ایک عرصے بعد نہ جانے کون اور کیوں مجھے ذہنی اذیت پہنچانے پر تلا ہوا ہے؟ پہلے مجھے ایک خفیہ تنظیم کی جانب سے دھمکی ملی پھر میرے خاندان کی کئی لڑکیاں یکے بعد دیگرے غائب ہوئیں، کچھ قتل ہو گئیں۔ اب ایک ماہ قبل میرا پوتا جیمز دنیا کی سیاحت کرتے ہوئے افریقہ چلا گیا اور لاپتا ہو گیا۔ اس کے بارے میں آخری اطلاع یہی ہے کہ وہ بستائی کی طرف جاتے دیکھا گیا ہے۔"

"پھر مجھ سے آپ کیا چاہتے ہیں؟ آپ کے بیٹے کی گمشدگی میں میرا تو کوئی ہاتھ نہیں ہے۔" ٹائیگر نے بے پروائی سے کندھے اُچکاتے ہوئے کہا۔ وہ گرامہم کی اس رام کہانی سے ذرا بھی متاثر نہیں ہوا تھا بلکہ وہ اسے اس سے بھی زیادہ سخت سزا کا مستحق سمجھتا تھا جو اسے مل رہی تھی۔

"میں نے تمھارے مضامین سے یہ اندازہ لگایا ہے کہ تمھیں بستائی کے اندرونی حلقوں تک رسائی حاصل ہے۔ میں چاہتا ہوں، تم اپنے طور پر جیمز کی بازیابی کے لیے وہاں جاؤ۔ میں تمھیں اس کا منہ مانگا معاوضہ دوں گا۔" گرامہم فورسٹی نے عجلتی لہجے میں کہا۔

"میں بھاڑے کا ٹٹو نہیں مسٹر گرامہم۔ اب آیندہ تم اپنے پتلوں کو باندھ کر رکھنا ورنہ میں دوبارہ بھی یہاں پہنچ سکتا ہوں۔" ٹائیگر نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

"پلیز مسٹر شہزاد! میری بات پر غور کرو۔ میری مدد کرو۔" دروازے سے نکلتے ہوئے ٹائیگر کو گرامہم کی ملتجی ہوئی آواز سنائی دی

لیکن اس نے پلٹ کر بھی دیکھنا گوارا نہ کیا اور تیزی سے آگے بڑھ گیا۔

استقبالیہ پر بیٹھی خاتون کا چہرہ اسے دیکھتے ہی کھل اٹھا۔ وہ اپنی سیٹ سے کھڑی ہو گئی لیکن ٹائیگر نے دُور سے ہی اس کی طرف ہتھیلی بوسہ اُچھال دیا اور ہاتھ ہلاتے ہوئے لفٹ کی طرف بڑھ گیا۔ ٹائیگر کی اس بے اعتنائی پر اس کا دل ٹوٹ کر رہ گیا۔ احساسِ توہین کی شدت سے اس کا جسم لرزنے لگا۔ وہ دھم سے اپنی کرسی پر گر گئی۔

"نہیں، میں وہاں نہیں جاؤں گا۔" ٹائیگر نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"یہ سراسر ناانصافی ہے جو ان کے خلاف ہو رہا ہے۔ سویٹ ہارٹ! آپ کیوں اپنی انرجی ضائع کر رہے ہیں؟"

"سمجھنے کی کوشش کرو ٹائیگر!" بہرام نے نرم لہجے میں کہا۔ "اگر کوئی گدھا تمھیں لات مار دے تو کیا جواباً تم اسے لات مارو گے؟"

"یہ یقیناً مارے گا شہنشاہ! کیونکہ یہ بھی گدھا ہی ہے۔" اوشان نے لقمہ دیا۔

"دیکھو ٹائیگر! ظلم، ظلم ہی ہوتا ہے وہ خواہ کوئی بھی کرے اور ہمیں اس ظلم کے خلاف جدوجہد کرنا ہے۔ مجھے اس سے بحث نہیں کہ ماضی میں لیکوٹ خاندان نے بستائی میں کیا کیا لیکن اب وہاں وہ جو کچھ کر رہے ہیں وہ انسانیت سوز ہے۔ انھوں نے چند مقید فام لڑکیوں کو اغوا کر کے قحبہ خانے کی زینت بنا دیا ہے جہاں صرف ان کے اعلیٰ فوجی افسر اور منظورِ نظر ہی جا سکتے ہیں۔"

"آپ کو یہ اطلاع کس سے ملی؟"

"جیمز فورسٹی لیکوٹ کے ایک خط سے۔ اس نے اس قحبہ خانے میں جانے سے قبل ہوٹل کے ویٹر کو دیا تھا اور بعد میں جیمز قتل ہو گیا اور وہ ویٹر خط اور اس کے قتل کی خبر لے کر لاگوس بھاگ آیا اور رام پکی سفارت خانے میں پناہ لے لی۔"

بہرام دونوں ہاتھ پشت پر باندھے کمرے میں اِدھر اُدھر ٹہل رہا تھا۔

اوشان کمرے کے وسط میں کنول کا آسن جمائے بیٹھا تھا اور اس کی آنکھیں بہرام کے ساتھ ساتھ حرکت کر رہی تھیں جبکہ ٹائیگر اس کے سامنے کرسی پر نیم دراز تھا۔

"ہم نے گرامہم فورسٹی کو اس کے بیٹے کے قتل کی اطلاع نہیں دی ہے بلکہ صرف گمشدگی کے متعلق بتایا ہے۔ اب یہ تمھارا کام ہے کہ تم وہاں جاؤ اور حالات کا مشاہدہ کرتے ہوئے اپنے طور پر جو چاہو کارروائی کرو۔ تمھیں وہاں تنظیم کی طرف سے یا امریکی حکومت کی طرف سے کوئی مدد نہیں ملے گی۔ بس اب تیاری کرو۔ یہ میرا حکم ہے۔" یہ کہہ کر بہرام تیزی سے باہر نکل گیا اور ٹائیگر خالی دروازے کو گھورتا رہ گیا۔

❀

جیپ کچے اور ناہموار راستے پر تیزی سے بچکولے کھاتی اپنا سفر طے کر رہی تھی۔ ٹائیگر وڈرائیور خاموشی سے کسی سنگی بُت کی طرح اسٹیئرنگ وہیل دونوں ہاتھوں سے تھامے جیپ کو کنٹرول کر رہا تھا۔ اس کی آنکھیں ونڈ اسکرین پر جمی ہوئی تھیں اور اس کے انداز سے مشاقی کا اظہار ہوتا تھا۔ ورنہ ایسے ناہموار راستے پر اس طرح تیز ڈرائیونگ خودکشی ہی کے مترادف تھا، کیونکہ ایک تو راستہ ناہموار تھا اور دوسرے قدم قدم پر گہرے کھڈے منہ کھولے انھیں نگلنے کے لیے تیار تھے۔

ٹائیگر سفر شروع ہونے کے چند لمحے بعد ہی ڈرائیور کی مہارت کا قائل ہو گیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اطمینان سے نقشہ اپنے گھٹنوں پر پھیلائے، اس کا جائزہ لینے میں مصروف تھا جس میں جگہ جگہ بعض ناموں کے گرد چھوٹے چھوٹے سُرخ دائرے بنے ہوئے تھے۔ یہ نقشہ اسے روانگی سے قبل بہرام نے دیا تھا کہ اسے اب اسی نقشے کے مطابق سفر کرنا ہے لیکن ٹائیگر یہ دیکھ کر حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکا تھا کہ اس کی منزل بستائی کا دارالحکومت بستا نہیں بلکہ بستائی کا ایک دُور دراز صوبہ قزان ہے، جس کا اسّی فی صد حصّہ گھنے جنگلات سے بھرا ہوا تھا یعنی گھنے جنگلات اس کے لیے حفاظتی فصیل کا کام دیتے تھے۔

بستائی کا یہ صوبہ افریقہ کے ایک اور چھوٹے سے غیر اہم ملک نائگا سے ملتا تھا جس کی آبادی ٹھوس طور پر پندرہ بیس ہزار نفوس پر مشتمل تھی۔ یہ اتنا چھوٹا ملک تھا کہ نقشے میں بھی اس کی نشاندہی ایک انتہائی باریک نقطے سے کی گئی تھی۔ ٹائیگر نے لاگوس کا نسبتاً آسان راستہ چھوڑ کر اس دشوار گزار راستے کے انتخاب پر کافی نکتہ چینی کی تھی لیکن اس نکتہ چینی کا مقصد بہرام کے پروگرام پر اعتراض کرنا نہیں تھا، بلکہ وہ چاہتا تھا کہ بہرام اسے ذرا کھل کر حقائق سے آشنا کرے۔

"بات دراصل یہ ہے ٹائیگر کہ یہ معاملہ صرف لیکوٹ خاندان کے وارث کی گمشدگی کی حد تک ہی نہیں بلکہ اس سے بھی بڑھ کر ہے۔" بہرام نے سنجیدگی سے کہا تھا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"مختصر الفاظ میں تم اسے اس طرح سمجھ لو کہ کوئی نیمراف کے پرانے پروگرام کو ایک ترقی یافتہ شکل دے رہا ہے۔ پچھلے دو ماہ سے صرف امریکا سے کسی نے تقریباً پانچ ہزار کرائے کے فوجی بھرتی کیے ہیں لیکن انھیں کہاں لے جایا گیا ہے' اس سے دُنیا کی کوئی بھی انٹیلی جنس واقف نہیں۔ اس کے علاوہ چوٹی کے کئی اہم سائنس دان بھی لاپتا ہوئے ہیں' جن میں روسی اور یورپی دونوں شامل ہیں۔ ان لوگوں کو کس مقصد کے لیے اور کس نے اغوا کیا؟ اس پر بھی ہنوز پردہ پڑا ہوا ہے؟"

"لیکن سویٹ ہارٹ! اس بات کا بستانی سے کیا تعلق؟ مجھے تو صرف بستاؤ کے قبرخانے میں مقید سفید فام لڑکیوں کو ہی دیکھنا ہے۔" ٹائیگر نے بہرام کے چہرے پر سنجیدگی کے گہرے بادل دیکھتے ہوئے بڑے نرم لہجے میں پوچھا۔

"ہاں' اسے تم میرا وجدان کہہ لو یا کچھ اور۔ مجھے بستانی میں غیرملکیوں کے قیام پر پابندیوں کے پیچھے سازش ہی محسوس ہو رہی ہے کہ وہ لوگ کسی بھی غیرملکی کو بستاؤ سے باہر جانے کی اجازت نہیں دیتے۔۔۔ آخر کیوں؟ بس یہی بات مجھے کھٹکتی ہے۔ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ تم لاگوس کے ذریعے بستانی میں داخل ہونے کے بجائے تانگانکا کا دُشوار گزار راستہ اختیار کرو۔ وہاں چند لوگ تمھارے منتظر ہیں' وہی قران تک تمھاری راہنمائی کریں گے۔"

یہی وجہ تھی کہ ٹائیگر اب اس دُشوار گزار راستے پر محوِ سفر تھا۔ تانگانکا میں ان کی ملاقات تین افراد سے ہوئی تھی' اُن میں یہ ڈرائیور بھی شامل تھا جس نے اسے بستاؤ تک پہنچانے کی ذمے داری اُٹھائی تھی۔

شام دھیرے دھیرے اُتر رہی تھی۔ اپنے ٹھکانوں کی طرف محوِ سفر پرندوں کے شور سے فضا میں عجیب سی گنگناہٹ پیدا ہو رہی تھی۔ آسمان پر اُڑتے پرندوں نے اس کے سر پر ایک چادر سی تان دی تھی۔ ٹائیگر اس منظر سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ اس نے مسکراتے ہوئے آسمان کی طرف دیکھا۔

"فطرت کا ایسا حسن صرف افریقہ ہی میں ملتا ہے بوانا۔" ڈرائیور نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اس کے لہجے میں فخر کا احساس نمایاں تھا۔ ٹائیگر نے کھڑکی سے چہرہ اندر کرتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔۔۔ دورانِ سفر یہ پہلا موقع تھا کہ نیگرو نے اسے مخاطب کیا تھا۔

"شاید۔۔۔" ٹائیگر مسکراتے ہوئے بولا۔ "لیکن حسن ہر جگہ ہوتا ہے دوست! لیکن اسے صرف دل کی آنکھ ہی سے دیکھا جا سکتا ہے۔ ویسے یہ تو بتاؤ ہمیں اب اور کتنا سفر طے کرنا ہے؟"

"ہم اب تک دو سو میل کا سفر طے کر چکے ہیں بوانا! یہاں سے بستانی کا گھنا جنگل دس میل ہے۔" نیگرو نے سنجیدگی سے کہا۔ اب اس کے چہرے پر پھر وہی پہلے کی سی کیفیت طاری ہو گئی تھی۔ اس کا چہرہ ہر قسم کے جذبے سے عاری نظر آنے لگا تھا۔ اس کی آنکھیں ونڈ اسکرین پر جم گئی تھیں۔

دفعتاً فضا میں ایک زوردار دھماکہ ہوا اور جیپ ہچکولے کھانے لگی۔ قریب تھا کہ وہ بے قابو ہو کر کسی درخت سے ٹکرا جاتی' نیگرو نے انتہائی مہارت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے روک لیا۔

اس کے چہرے سے بدحواسی کا اظہار نہیں ہو رہا تھا جیپ رکتے ہی وہ کُودا اور ٹائروں کا معائنہ کرنے لگا۔

ٹائیگر بھی اس کے ساتھ ہی کودا تھا۔ جیپ کا اگلا ایک وھیل برسٹ ہو گیا تھا۔ نیگرو نے فوراً ہی اسپیئر وھیل اُتارا اور ناکارہ وھیل کو الگ کرنے میں مصروف ہو گیا۔ ٹائیگر بھی نٹ کھولنے میں اس کی مدد کرنے لگا۔ ابھی وہ وھیل الگ بھی نہ کر پائے تھے کہ اچانک ہی ان پر قیامت ٹوٹ پڑی۔ انھیں ایسا محسوس ہوا جیسے کسی نے ان کی گردن شکنجے میں کس دی ہو۔

ٹائیگر اس فوری حملے کے لیے تیار نہ تھا' اس لیے اس اچانک یلغار نے اسے لڑھکنیاں کھانے پر مجبور کر دیا لیکن جلد ہی اس نے خود کو سنبھال لیا اور ایک جھٹکے سے حملہ آور کو پرے اُچھال دیا پھر اُلٹی قلابازی کھاتے ہوئے اس مقام سے فوراً دُور ہو گیا اس کا یہ فوری اقدام انتہائی دانشمندانہ ثابت ہوا تھا۔

جیسے ہی ٹائیگر اُلٹی قلابازی کھاتے ہوئے فضا میں بلند ہوا تھا ایک خبر گولی کی سی تیزی سے سنسناتا ہوا عین اس مقام پر زمین میں دھنس گیا' جہاں ایک لمحے قبل حملہ آور اسے زمین پر رگیدنے کی کوشش کر رہا تھا۔

ٹائیگر نے فوراً حملہ آور کا جائزہ لیا۔ وہ سر تا پیر تک سیاہ لباس میں ملبوس تھا۔ حتیٰ کہ چہرہ بھی سیاہ نقاب میں چھپا ہوا تھا۔ چست لباس کے باعث اس کا کسرتی بدن نمایاں ہو رہا تھا اور وہ کسی مست ہاتھی کی طرح لہراتے ہوئے ٹائیگر کی طرف بڑھ رہا تھا۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ ٹائیگر کو اپنی باہوں میں لے کر پیس ڈالنا چاہتا ہے۔

ٹائیگر نے فوراً ہی دفاعی انداز اختیار کرتے ہوئے کن انکھیوں سے نیگرو ڈرائیور کی طرف دیکھا جو ابھی تک حملہ آور سے اُلجھا ہوا تھا۔

اچانک ہی نقاب پوش کے مُنہ سے ایک دہاڑ بلند ہوئی

اور وہ اُڑتا ہوا ٹائیگر کی سمت لپکا۔ ٹائیگر۔۔۔ اپنا آپ بچانے کے لیے فوراً ہی زمین پر جھکتا چلا گیا۔ اس کے جھکنے کا انداز ایسا ہی تھا جیسے کوئی موم کا مجسمہ شدید حرارت کے باعث پگھل کر زمین پر بہہ گیا ہو۔ پھر جونہی نقاب پوش نے اپنے ہدف کو نشانے سے چُکتے دیکھا اس نے فضا میں اپنی ٹانگیں سکیڑ کر دوبارہ زمین پر قدم جمانے کی کوشش کی۔

لیکن اسے دیر ہو چکی تھی۔ ٹائیگر نے زمین پر گرتے ہی اپنی دونوں ٹانگوں کو فضا میں چلایا تھا۔ پھر جونہی حملہ آور اس کی رینج میں آیا اس نے پوری طاقت سے اسے دوبارہ فضا میں بلند کر دیا اور حملہ آور ایک دھماکے کے ساتھ زمین سے ٹکرایا تھا۔ اس نے مُنہ سے ایک ہلکی سی کراہ نکلی تھی۔ اس نے ایک دو بار اپنے ہاتھ زمین پر ٹیک کر اُٹھنے کی کوشش کی لیکن وہ صرف اپنی گردن ہی زمین سے قدرے اُوپر اُٹھانے میں کامیاب ہو سکا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے اس کا جسم اس کے ذہن کا ساتھ نہ دے رہا ہو۔

ٹائیگر نے اُٹھنے کی کوشش کی لیکن جونہی اس کی سماعت سے بہت سے دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز ٹکرائی' اس نے اپنا ارادہ ملتوی کر دیا اور تیزی سے لڑھکتے ہوئے آواز کی سمت بڑھنے لگا۔

آنے والے تین تھے۔ ٹائیگر کو لڑھکتا دیکھ کر وہ ایک لمحے کے لیے ٹھٹک گئے۔ غالباً وہ فیصلہ نہیں کر پا رہے تھے کہ انھیں کیا کرنا چاہیے۔ انھوں نے ٹائیگر کو زخمی سمجھ کر حملہ کرنے کا ارادہ ملتوی کر دیا لیکن دوسرے ہی لمحے انھیں اپنے اس فیصلے پر پچھتانا پڑا۔

آگے آنے والے دونوں نقاب پوش 'اوغ' کی آواز نکالتے ہوئے ایک ساتھ ہی جھکے تھے۔ ان کے دونوں ہاتھ اپنی ناف سے کچھ نیچے جمے ہوئے تھے۔

ان کے جھکنے کا انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ کسی کو تعظیم دے رہے ہوں۔

ان کے عقب میں آنے والا' اپنے ساتھیوں کا سر جھکا دیکھ کر ایکدم رُک گیا لیکن اس کا رُکنا ایک لمحاتی عمل تھا۔ دوسرے ہی لمحے اس نے ٹائیگر پر چھلانگ لگا دی' جواب' اپنے پیروں پر کھڑا اس کے حملے کا منتظر تھا۔

ٹائیگر نے حملہ آور کو اپنے ہاتھوں پر روکا اور اُٹھا کر نیچے گرے ہوئے اس کے دونوں ساتھیوں پر پٹخ دیا لیکن حملہ آور حیرت انگیز پھرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے فوراً ہی اُلٹی قلابازی لگا کر ٹائیگر سے دور ہو گیا۔

اب اس کے انداز میں احتیاط تھی اور وہ محتاط انداز میں ٹائیگر کا جائزہ لے رہا تھا۔ وہ سمجھ چکا تھا کہ اس کا مدِمقابل کوئی اناڑی آدمی نہیں ہے بلکہ فائٹر ہے۔ وہ خود بھی رنگ فائٹ کا ماہر تھا۔ بلکہ کچھ عرصے تک وہ پیشہ ور باکسر کی حیثیت سے مختلف مقابلوں میں بھی حصہ لے چکا تھا۔ ان میں سے بیشتر مقابلے اس نے طاقت اور مہارت کے بجائے اپنی ذہانت سے جیتے تھے۔

وہ بنیادی طور پر انتہائی ٹھنڈے مزاج کا آدمی تھا اور بڑی سے بڑی گالی بھی اسے مشتعل نہیں کر سکتی تھی۔ وہ ہر کام سوچ سمجھ کر۔۔۔ چنانچہ اس نے باکسروں کا سا ہوّا بنا لیا اور رقص کے سے انداز میں ٹائیگر کے گرد چہلنے لگا۔

شام کے سائے اب اندھیروں میں تبدیل ہو رہے تھے۔ فضا میں خنکی کا احساس بڑھتا جا رہا تھا۔ درختوں کے سائے طویل ہو گئے تھے اور ان پر بسیرا کرنے والے پرندے اس ہنگامے سے بے نیاز اپنی اپنی بولیاں بولنے میں مگن تھے۔

ٹائیگر نے ناگوار سی سے نقاب پوش کو دیکھا لیکن اُس کی حرکات دیکھ کر اس کے ہونٹوں پہ مضحکہ اُڑانے والی مسکراہٹ دوڑ گئی۔ وہ جانتا تھا کہ اس کے مقابلے میں کوئی تجربے کار ماسٹر نہیں بلکہ افریقہ کا کوئی نوآموز باکسر ہے۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے اپنی جگہ سے کوئی حرکت نہ کی تھی لیکن اس کی آنکھیں نقاب پوش کے متحرک جسم پر

اے حمید
کے ایڈونچرس قلم سے
گنگا کے
پجاری ناگ
دو جلدوں میں
جلد اول =/150
جلد دوم =/200
مکتبہ القریش سرکلر روڈ اردو بازار لاہور
فون 7668958

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

تھی ہوتی تھیں۔

نقاب پوش اس کے گرد حرکت کرتے ہوئے لمحہ بہ لمحہ قریب ہو رہا تھا لیکن اس نے اب تک حملہ کرنے کی کوئی کوشش نہ کی تھی۔ اگر اس کے چہرے پر نقاب نہ ہوتی تو شاید ٹائیگر بھی اس کے ہونٹوں پر کھیلتی مسکراہٹ دیکھنے میں کامیاب ہو جاتا جو کسی بھی مخالف کو مشتعل کرنے کے لیے کافی تھی لیکن سیاہ نقاب نے اس کے چہرے کے ہر تاثر کو پوشیدہ کر رکھا تھا۔

اس نے رقص کرتے ہوئے ٹائیگر اور اپنے درمیان فاصلے کو مزید کم کیا اور بجلی کی سی تیزی سے ٹائیگر کی طرف لپکا۔

ٹائیگر کے دونوں ہاتھ یکساں انداز میں اس کے چہرے کا دفاع کرنے اور حملہ آور کو جواب دینے کے لیے اٹھ گئے۔ وہ جانتا تھا کہ ہر باکسر کی فطری طور پر یہی خواہش ہوتی ہے کہ وہ مقابل کے چہرے کو نشانہ بنائے اور اس کے سامنے بھی ایک باکسر تھا۔

پھر جونہی فاصلہ کم ہوا، ٹائیگر یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وہ اس پر حملہ کرنے کے بجائے لڑکھڑا کر نیچے گر رہا ہے۔ اس کے گرنے کا انداز ایسا تھا جیسے اچانک ہی اس کا پیر پھٹ گیا ہو۔

لیکن جلد ہی ٹائیگر کو اس کے لڑکھڑانے کی وجہ معلوم ہو گئی۔ نقاب پوش نے انتہائی پھرتی سے جھکتے ہوئے اس کی ٹانگ پر ضرب لگانے کی کوشش کی تھی۔ ٹائیگر نے تیزی سے پیچھے ہٹنے کی کوشش کی لیکن اسے دیر ہو چکی تھی۔

نقاب پوش ٹائیگر کو دھوکا دینے میں کامیاب ہو چکا تھا۔

ٹائیگر کو یہی محسوس ہوا تھا جیسے اس کی پنڈلی پر قیامت سنسناہٹ نے کرنے کا عادی تھا۔ ایک لمحے قبل ٹائیگر پر بے اختیارانہ جھپٹنے کا یہ ظاہر جذباتی عمل بھی جذباتی نہ تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ ایسے میں حملہ آور اسے اپنے ہاتھوں پر روک کر اچھال سکتا ہے اور وہ یہی چاہتا تھا۔

ٹائیگر کی اس حرکت نے اس پر یہ بات واضح کر دی تھی کہ اس کا مقابلہ ایک ایسے شخص سے ہے جو نہ صرف تجربے کار لڑاکا ہے بلکہ اس کا جسم آہنی چٹان ہے اور اس کے بازوؤں میں فولاد کی سی سختی ہے۔

اس وقت وہ خود کو رنگ میں تصور کر رہا تھا۔ اسے یہی محسوس ہو رہا تھا جیسے ہزاروں آنکھیں اس پر جمی ہوئی ہوں تالیوں کے نعرے لگا لگا کر اسے مقابل کے چہرے کا بھرتہ بنانے کو کہہ رہے



ٹوٹ پڑی ہو۔ نقاب پوش نے ضرب لگاتے ہوئے اپنی پوری طاقت صرف کی تھی۔

وہ ٹائیگر کا توازن بگاڑنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ وہ ضرب لگاتے ہی ٹائیگر کی زد سے دور ہو گیا تھا ورنہ شاید ٹائیگر کے ہاتھوں کی ضرب اسے ٹانگ سے محروم کر دیتی۔

ٹائیگر کے جسم میں شرارے سے بھر گئے اور اس کے ہاتھ نقاب پوش کے اعضاء علیحدہ کرنے کے لیے بے چین ہو گئے لیکن وہ سمجھ گیا تھا کہ اس کا حریف انتہائی چالاک آدمی ہے۔ اور اس نے اس کے متعلق غلط اندازہ لگایا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ نقاب پوش اسے زمین پر گرانے میں کامیاب ہو گیا۔

دفعتاً اس کے کانوں میں اوشان کے کہے ہوئے الفاظ گونجنے لگے۔

"اپنے حریف کو کبھی بھی خود سے کم تر اور کمزور نہ سمجھنا ٹائیگر! اور ہمیشہ بانس کی مثال اپنے سامنے رکھنا جو انتہائی کمزور اور پتلا ہونے کے باوجود بھی بڑے سے بڑے طوفان کا مقابلہ کرتا ہے جبکہ مضبوط سے مضبوط تر درخت اپنی جگہ سے اکھڑ جاتے ہیں۔"

اسے ایسا لگا جیسے اوشان قریب کھڑا اسے نصیحتیں لگاتوں سے گھور رہا ہو۔

"سوری ٹیل فادر۔" اس نے ندامت سے کہا۔ "اب ایسا نہیں ہوگا۔ اس نے کچھ فاصلے پر کھڑے نقاب پوش پر نظریں جما دیں پھر اس سے قبل کہ ٹائیگر اس کی طرف بڑھتا، فضا ایک تیز سیٹی سے گونج اٹھی۔ سیٹی اتنی تیز تھی کہ پرندے بھی اپنے پر پھڑپھڑاتے ہوئے درختوں سے اڑ گئے۔

اسی لمحے ٹائیگر کو اپنے عقب میں بہت سے دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز سنائی دی۔ اسے ایسا محسوس ہوا جیسے بہت سے لوگ عقب سے اس پر حملہ آور ہونے کے لیے آ رہے ہوں۔

اس احساس کے ساتھ ہی اس کے عضلات سخت ہونا شروع ہو گئے۔ اب اس کا ایک ایک عضو موت کا ہرکارہ بننے کو تیار تھا لیکن اس نے پلٹ کر نہ دیکھا بلکہ اس کی نگاہیں سامنے کھڑے حریف پر جمی ہوئی تھیں، جو ایک بار پھر رقص کے سے انداز میں جھوم رہا تھا لیکن اب وہ فاصلہ کم نہیں کر رہا تھا۔ اس وقت اس کے اور ٹائیگر کے درمیان تقریباً پچیس قدم کا فاصلہ تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس کی طرح اس کا حریف بھی یہ فاصلہ ایک جست میں طے نہیں کر سکتا۔

سیٹی دوبارہ بلند ہوئی۔ اس بار اس کی آواز پہلے سے زیادہ بلند تھی۔

ٹائیگر نے چھپکلی کی طرح گھوم کر اپنے عقب میں دیکھا لیکن یہ دیکھ کر اس کی حیرت دوچند ہو گئی کہ اس کے عقب میں کوئی بھی نہ تھا۔ دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز اب دور ہوتی جا رہی تھی۔

اس نے گھوم کر نقاب پوش کی جانب دیکھا لیکن وہاں بھی اب کچھ نہ تھا۔ نقاب پوش فرار ہو چکا تھا۔

ٹائیگر تیزی سے آگے بڑھا۔ غصے کی شدت سے خون اس کی کنپٹیوں پر ٹھوکریں مار رہا تھا۔ ایک معمولی باکسر دنیا کے سب سے بڑے ماسٹر کو زک پہنچا کر فرار ہونے میں کامیاب ہو چکا تھا۔

اندھیرے نے ہر چیز کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ ٹائیگر راہ میں آنے والی جھاڑیاں پھلانگتا ہوا تیزی سے آگے بڑھ رہا تھا۔ اسے دوڑتے دیکھ کر ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ فضا میں تیر رہا ہو لیکن اس کے باوجود بھی اسے کوئی نظر نہ آ سکا۔

ٹائیگر کے ذہن پر جھنجلاہٹ طاری ہونے لگی۔

"آخر اتنی جلدی وہ کہاں جا سکتے ہیں؟" اس نے اپنے ذہن سے سوال کیا لیکن اس کا ذہن بھی اسے کوئی جواب دینے سے قاصر تھا۔ اس کی سماعت نے کسی گاڑی کی آواز بھی نہیں سنی تھی۔ لیکن اس کے باوجود بھی وہ لوگ اس کی نظروں سے غائب ہو گئے تھے۔

اگر انھوں نے فرار کے لیے کوئی گاڑی استعمال نہیں کی ہے تو اس کا مطلب ہے کہ وہ یہیں کہیں پوشیدہ ہیں اور اس کی حرکات پر نظر رکھے ہوئے ہیں۔ اس خیال کے آتے ہی ٹائیگر نے گھنے درختوں کا جائزہ لینا شروع کر دیا لیکن اس کی تیز نگاہیں بھی درختوں میں چھپے ہوئے کسی وجود کو تلاش کرنے میں ناکام رہیں۔

ٹائیگر کو بھل قدموں سے چلتا ہوا اپنی جیپ کی طرف بڑھا اور نیگرو ڈرائیور کی تلاش میں چاروں طرف نگاہیں دوڑانے لگا لیکن نیگرو ڈرائیور کا آس پاس نام و نشان تک نہ تھا اور نہ ہی ٹائیگر کے ہاتھوں مضروب ہونے والے نقاب پوشوں کے بے ہوش اجسام کا کوئی پتا تھا۔

غصے اور خفت سے ٹائیگر کے تن بدن میں آگ سی لگ گئی۔

"ٹھیک ہے دوست! تمہارا اُدھار میں ضرور اتاروں گا۔" اس نے غراتے ہوئے خود کلامی کی۔ اس وقت اس کے لہجے میں سفاکی تھی اور اس کی حالت کسی زخمی شیر جیسی ہو رہی تھی۔

✻

اوبیدے دونوں ہاتھ پشت پر باندھے مسلسل ٹہل رہا تھا۔ اس کے انداز میں بے چینی تھی اور چہرے پر گہری تشویش کے سائے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

لبریز رہے تھے۔

وہ پچاس سال کا ہونے کے باوجود کسرتی جسم کا مالک تھا۔ مسلسل ورزش اور شراب سے پرہیز نے اس کی صحت کو قابلِ رشک بنا دیا تھا۔ اس کے مضبوط اعضاء اور چمکتی آنکھوں سے پاک چہرہ دیکھ کر کوئی بھی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ اتنی عمر کا ہوگا۔

وہ اور کرنل ولیم اوڈی بستانی کے واحد آدمی تھے جنھوں نے امریکا کے اعلیٰ فوجی اداروں سے عسکری تعلیم حاصل کی تھی۔ اس کا تعلق ہوسا قبائل سے تھا جس نے سفید فاموں کی مدد سے لوتیوں کو کچلا تھا اور انھیں دو پہاڑوں میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا تھا ... جبکہ اوڈی دوغلی نسل سے تعلق رکھتا تھا اس کا باپ ایک امریکی تھا اور ماں لوتی لیکن اس کے باوجود بھی ان دونوں کی دوستی مثالی سمجھی جاتی تھی۔ ... ان دونوں نے مل کر ہی سفید فام تاجروں کے خلاف جدّوجہد کی تھی۔

اوبیدے نے ہوسا اور اوڈی نے لوتیوں کو منظم کیا تھا۔ انھوں نے سفید فاموں کے خلاف ایسے ناقابلِ فراموش کارنامے انجام دیے تھے کہ اب انھیں بستانی میں دیوتاؤں کا اوتار سمجھا جانے لگا تھا ... سفید فاموں کے خلاف نفرت کے جذبات ان کے رگ و پے میں بسے ہوئے تھے۔ ان کے تجزیے کے مطابق دُنیا کی دونوں سُپر پاورز سیاہ فاموں کو غلام بنانے اور ان کا استحصال کرنے میں برابر کی شریک ہیں، دونوں ہی دوستی کے معاہدوں کی آڑ میں چھوٹے ممالک کو اپنا زیرِ نگیں بنانے اور ان کے خام مال کو اپنے زیرِ استعمال لانے میں برابر کی حصّہ دار ہیں ... ان کی اسی کاروباری مسابقت نے دُنیا کو دن بدن تیسری جنگِ عظیم سے قریب کر دیا تھا۔

لیکن اب انھوں نے بستانی کو آزاد کرا لیا تھا۔ ان کے پاس سونا تھا، ہیرے کی کانیں تھیں اور دیگر قدرتی معدنیات کے خزانے ان کی ضربِ محنت کا انتظار کر رہے تھے۔

وہ دُنیا کی دونوں سُپر پاورز سے انتقام لینا اور پسماندہ افریقہ کو ایک تیسری اور سب سے بڑی فیصلہ کُن قوّت کے طور پر دُنیا کے سامنے لانا چاہتے تھے۔ اس لیے انھوں نے اپنی دولت کے بھرپور استعمال کا ارادہ کر لیا تھا ... اس ضمن میں انھوں نے سب سے پہلے امریکا سے پانچ ہزار کرائے کے فوجی بھرتی کیے اور دقیقے وقفے سے انتہائی پوشیدہ طور پر انھیں بستانی اسمگل کیا۔ دُنیا کے اعلیٰ تربیت یافتہ فوجی انسٹرکٹرز کی خدمات لوتیوں اور ہوسا قبائل کی فوجی تربیت کے لیے حاصل کیں۔

انکا، اقابلہ، سونا گھاٹ کا پجاری
اور غلام روحیں
کے بعد انوار صدیقی کا ایک
اور شہکار ناول

برہمچاری

قیمت =/150 روپے

مکتبہ عمران سرکلر روڈ اردو بازار لاہور
فون 7668958

اُن کے عزائم انتہائی خطرناک تھے۔ وہ دُنیا کو تباہی کے عمیق گڑھے کی طرف لے جا رہے تھے۔ اس سلسلے میں انھوں نے دُنیا کے چوٹی کے سائنس دانوں کی خدمات حاصل کیں جو اپنے اپنے ملک کے سیاسی نظاموں سے بدظن تھے۔ اب وہ بستانی کے مختلف علاقوں میں قائم لیبارٹریوں میں انتہائی مُہلک اسلحہ تیار کرنے میں مصروف تھے۔

اوبیدے ٹہلتے ہوئے رُکا۔ اس نے دروازے کی سمت گھورا اور دوبارہ ٹہلنے لگا۔ ٹہلتے ہوئے وہ کمرے کے وسط میں پڑی ایک بڑی آبنوسی ٹیبل کے سامنے رُکا۔ ٹیبل پر رکھے سنہرے سگار کیس سے ایک سگار منتخب کیا، دراز سے طلائی لائٹر نکال کر سگار کو شعلہ دکھایا اور ہلکے ہلکے کش لینے لگا۔

دفعتاً دروازے پر دستک ہوئی۔

اوبیدے نے گردن گھما کر دروازے کی سمت دیکھا۔ کرنل ولیم اوڈی مسکراتے ہوئے کمرے میں داخل ہو رہا تھا۔

"آؤ اوڈی، میں تمھارا ہی منتظر تھا۔" اوبیدے نے اسے کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

کرنل اوڈی نے ایک طویل سانس لی اور کرسی پر پھیل گیا۔ وہ بھی اوبیدے کا ہم عمر تھا لیکن اپنی صحت اور جسامت کے لحاظ سے کسی طرح بھی اوبیدے سے کم نہ تھا۔ اس کا رنگ سُرخی مائل تھا لیکن چہرے کے فربہ و خال موٹے موٹے سے تھے جو اس بات کی دلالت کرتے تھے کہ وہ مقامی ہی ہے۔ دوسرے لفظوں میں اس کا چہرہ مغرب و مشرق کا امتزاج تھا۔

اس نے آنکھیں بند کر کے کرسی کی پشت گاہ سے ٹیک لگا لیا اور اپنے ہاتھوں کی انگلیوں سے بالوں میں کنگھی کرنے لگا۔ اس کے چہرے سے تھکاوٹ کا اظہار ہو رہا تھا جیسے وہ انتہائی مصروف دن گزار کر آیا ہو۔

اوبیدے خاموشی سے اُسے تکتا رہا۔ اسے اپنے اس دوست سے انتہائی محبت تھی، جو اپنی رگوں میں سفید فام باپ کا خون رکھنے کے باوجود بھی خود کو کالا کہنے میں فخر محسوس کرتا تھا۔

"کیا رہا اوڈی۔۔۔؟" اوبیدے نے اسے خاموش دیکھتے ہوئے پوچھا۔ اس کے لہجے سے بے چینی کا اظہار ہو رہا تھا اور وہ اضطراری طور پر سگار کے کش پہ کش لگا رہا تھا۔

اوڈی نے اسے بھرپور نگاہوں سے دیکھا اور اوبیدے کے چہرے پر پھیلی بے قراری اور آنکھوں میں فکرمندی کا تاثر دیکھ کر مسکرانے لگا لیکن جب وہ بولا تو اس کے لہجے میں سفاکی گھلی ہوئی تھی۔

"سب ٹھیک ہے اوبیدے! ہم ایک ماہ بعد دُنیا کی تقدیر کے مالک بننے والے ہیں۔" یہ کہہ کر اس نے اپنی جیبیں ٹٹولیں اور پھر ٹیبل سے اوبیدے کا سگار اٹھا کر سلگانے لگا۔

"آج سے ٹھیک ایک ماہ بعد قزان سے جارجیا، ٹیکساس، ماسکو اور لوکیو راکھ کا ڈھیر بن جائیں گے پھر دُنیا میں ایک نئی سُپر پاور اُبھرے گی جس کا نام بستانی ہوگا۔ عظیم بستانی" اوبیدے عظیم بستانی" اس نے خاصے رُعب سے کہا اور اُٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگا۔ اس کا سُرخ چہرہ اندرونی جذبات سے تمتما رہا تھا اور ہاتھوں کی مٹھیاں بھنچی ہوئی تھیں۔ اس نے سگار کا ایک طویل کش لیا اور دھواں کمرے کی فضا میں بکھیرتے ہوئے بولا۔

"ہم اپنی مختصر سی لیکن دُنیا کی اعلیٰ ترین تربیت اور اسلحے سے آراستہ فوج سے پوری دُنیا کو سر کریں گے میرے دوست، ہم کالے پوری دُنیا میں فتح اور فخر کی علامت کے طور پر پہچانے جائیں گے جس طرح کبھی چنگیز اور ہلاکو ایشیا کے لیے تھے۔"

اس کی آنکھیں بند تھیں اور وہ خوابناک لہجے میں بول رہا تھا۔

اُن کا منصوبہ واقعی بڑا خطرناک تھا۔ وہ اپنی محرومیوں کا انتقام لینے کے لیے دُنیا کو تباہی کی طرف لے جانا چاہتے تھے۔ اگر ان کا یہ مذموم منصوبہ کامیاب ہو جاتا ہے تو کروڑہا انسان موت کی نیند سو جائیں گے اور یہ چھوٹا سا ملک اس عظیم تباہی کے بعد افریقہ بلکہ دُنیا کے تقریباً تمام چھوٹے ترقی پذیر ممالک کو اپنا غلام بنانے کے قابل بن جائے گا۔

❁

اندھیرے نے جنگل کو پوری طرح اپنے حصار میں لے لیا تھا لیکن جنگل کے باسی چرند و پرند اب بھی اپنے گھونسلوں میں اپنے دن بھر کی روداد ایک دوسرے کو سنا رہے تھے۔ ان کی آوازیں ایک دوسرے میں سے گڈمڈ ہو کر عجیب طرح کی انوکھی موسیقی کا رُوپ دھار رہی تھیں۔

ٹائیگر موسیقی کی ان لہروں میں کھویا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ بظاہر اس کے انداز میں بے پروائی تھی لیکن اس کی حسیات اپنی جگہ بیدار اور آنے والے خطرات سے نمٹنے کے لیے پورے طور پر تیار تھیں۔

آگے جنگل مزید گھنا ہو گیا تھا۔ درختوں کا درمیانی فاصلہ بھی کم ہوتا جا رہا تھا اور ان کی شاخوں نے ایک دوسرے کے ساتھ مل کر سر پر ایک چھت سی قائم کر دی تھی لیکن اس چھت نے ماحول کو کچھ زیادہ ہی پُراسرار اور ہیبت ناک بنا دیا تھا۔ اگر ٹائیگر کی جگہ کوئی اور آدمی ہوتا تو شاید یہ اس وحشت ناک ماحول سے دہشت زدہ ہو کر اس کی حرکتِ قلب ہی بند ہو جاتی لیکن ٹائیگر کوئی عام آدمی نہ تھا۔ وہ سنائجو کے مالک کا جانشین تھا، جس کے جسم کے ایک ایک ریشے میں موت چھپی ہوئی تھی۔

کافی دیر کی تلاش بسیار کے باوجود جب اُسے نقاب پوشوں کا ٹھکانہ نہ ملا تو اس نے آگے بڑھنے کا ارادہ ملتوی کر دیا اور ایک درخت کے تنے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا ... اس نے اپنے اعضاء کو آرام دینے کی خاطر جسم کو ڈھیلا چھوڑ دیا اور ذہن کو تر و تازہ کرنے والی سانس کی مشق کرنے لگا لیکن ان مشقوں کے دوران بھی اُس کی حسیات بیدار تھیں۔

دفعتاً وہ چونک اُٹھا۔ اُس کی بند پلکیں خود بخود کھل گئیں۔ ٹائیگر کو محسوس ہوا جیسے کوئی چھپ کر اُس کی نگرانی کر رہا ہو لیکن کوشش کے باوجود اُسے کوئی شخص نظر نہ آ سکا۔

ٹائیگر نے اس احساس کو اپنا وہم سمجھ کر ذہن سے جھٹکنے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔ ذہن مسلسل اشارے دے رہا تھا کہ کوئی اُسے دیکھ رہا ہے۔

لیکن کون...؟ اس بات کا اس کے ذہن کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔

ٹائیگر نے سانس روک کر آنکھیں بند کر لیں اور اپنے کان جھینگروں کی آوازوں پر لگا دیے۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ اگر کوئی شخص سانس بھی لے تو اس کی آواز اس کے کانوں تک آ جائے لیکن اُسے پرندوں اور جانوروں کے سانس لینے کی آواز کے سوا اور کوئی آواز سنائی نہ دی تو وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔

اُس کی آنکھیں درختوں کی شاخوں میں چھپے کسی وجود کی تلاش میں بھٹکنے لگیں لیکن وہاں سوائے گھونسلوں کے اُسے اور کچھ نہ نظر آ سکا جہاں پرندے اپنی گردنیں پروں میں دبائے دن بھر کی محنت و مشقت سے چُور بدن کو آرام دے رہے تھے۔

ٹائیگر کی تیز بینائی ایک ایک پتے کو کھنگال رہی تھی بالآخر اُسے وہ آنکھ نظر آ ہی گئی جو اُس کی ایک ایک حرکت کا جائزہ لے رہی تھی۔

وہ ایک آٹومیٹک کیمرا تھا جو ایک درخت کی شاخوں میں پوشیدہ تھا۔

ٹائیگر آگے بڑھا اور کیمرے کو درخت کی شاخ سے نوچ لیا۔ یہ ایک جدید ساخت کا کیمرا تھا جو خود کار نظام کے تحت کام کرتا تھا۔ اس کیمرے کی مدد سے کوئی بھی شخص پانچ میل دُور بیٹھ کر کسی کی بھی نقل و حرکت پر نگاہ رکھ سکتا تھا۔

ٹائیگر نے کیمرے کا جائزہ لیا اور ایک ٹھنڈی سانس بھر کر اسے زمین پر پٹخ دیا۔ ٹائیگر نے کیمرا اتنی قوت سے پھینکا تھا کہ اگر کوئی اسے تلاش بھی کرتا تو اسے کیمرے کے ریزے ہی مل سکتے۔

جدید کیمرے کی موجودگی نے ٹائیگر کو بہرام کی ذہانت پر ایمان لانے پر مجبور کر دیا۔ اب اسے بہرام کے شکوک بلاوجہ نہیں لگ رہے تھے۔ اُسے یوں محسوس ہوا جیسے بہرام اپنے اندازے کی کامیابی پر مسکرا رہا ہو۔

"تم واقعی عظیم ہو، سویٹ ہارٹ۔" ٹائیگر نے مسکراتے ہوئے خود کلامی کی۔ "تم ٹھیک کہتے تھے کہ اس جنگل میں کوئی سازش پروان چڑھ رہی ہے۔"

ٹائیگر نے اب زیادہ دیر یہاں رُکنا مناسب نہ سمجھا۔ وہ سمجھ گیا کہ یہاں صرف ایک ہی کیمرا نہیں ہوگا بلکہ بیسیوں کیمرے اس کی ایک ایک حرکت کو کہیں اور پہنچا رہے ہوں گے۔ اسی دوران ٹائیگر کے آتے ہی ٹائیگر نے آس پاس کے تمام درختوں کو کھنگالنا شروع کر دیا۔

وہ بندر کی سی تیزی سے درخت پر چڑھتا اور شاخوں کو ٹٹول ٹٹول کر دوسرے درخت پر چھلانگ لگا دیتا... اس کے انداز میں تیزی اور پھرتی تھی۔ اس وقت اگر کوئی بندر بھی اسے دیکھ لیتا تو وہ اسے بھی اپنی نسل سے تعلق رکھنے والا ہی سمجھتا۔

کچھ ہی دیر میں اس کے قدموں میں کیمروں کا ڈھیر جمع تھا۔ ٹائیگر نے کچھ سوچ کر انہیں ضائع کرنا مناسب نہ سمجھا صرف ان کے اینٹینا کے دو دو، چار چار ٹکڑے کر دیے۔

ابھی وہ ان کیمروں کا معائنہ ہی کر رہا تھا کہ اچانک ہی اسے کسی کے دوڑنے کی آواز سُنائی دی۔

ٹائیگر نے آواز کی سمت دیکھا۔ اس کے عضلات خود بخود آنے والے خطرے سے نمٹنے کے لیے سخت ہونا شروع ہو گئے۔

ٹائیگر دھیرے دھیرے غیر محسوس انداز میں پیچھے ہٹنے لگا۔ اس کی آنکھیں اب بھی آواز کی سمت لگی ہوئی تھیں۔

آواز ایک تواتر سے آ رہی تھی اور دوڑنے کے انداز میں یکسانیت تھی۔ جیسے کوئی کسی شدید خطرے کو دیکھ کر جان بچانے کے لیے دوڑ رہا ہو۔

ٹائیگر نے محسوس کیا یہ آواز کسی کمزور جانور کی ہے جو اپنی کمزور ٹانگوں کو استعمال میں لاتے ہوئے خود کو خطرے سے دُور کر رہا ہے۔

ٹائیگر کے عین سامنے والی جھاڑی سے ایک ہرن نے چھلانگ لگائی اور کیمروں کے ڈھیر سے اُلجھ کر وہیں پھیل گیا۔ اس کی پشت خون آلود ہو رہی تھی اور اس کا جسم ہولے ہولے کانپ رہا تھا۔

ٹائیگر درخت کی اوٹ سے نکل آیا۔

ہرن نے خطرے کی بُو محسوس کرتے ہی اُٹھنے کی کوشش کی لیکن پھر لڑکھڑا کر گر گیا۔ اس نے آنکھیں پٹ پٹا کر ٹائیگر کی سمت دیکھا جیسے اس سے رحم کی بھیک مانگ رہا ہو۔

زخمی ہرن کو دیکھتے ہی ٹائیگر کو اپنی وہ پالتو ہرنی یاد آ گئی جو اس نے ہندوستان میں پالی تھی اور جس کی لاش کو اس نے اپنے ہاتھوں سے سپردِ خاک کیا تھا۔ ٹائیگر کو اپنی اس ہرنی سے انتہائی محبت تھی۔ اس کی موت پر وہ کافی دنوں تک اُداس رہا تھا۔

ٹائیگر دھیرے دھیرے ہرن کی طرف بڑھا۔ اس کے ہونٹوں پر دوستانہ مسکراہٹ تھی۔ ہرن اسے اپنی طرف بڑھتا دیکھ کر بیچ کنا ہو

گیا۔ اس نے ایک بار پھر بھاگنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔

"گھبراؤ مت دوست! میں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔" ٹائیگر کے لہجے میں دُنیا جہان کی نرمی تھی۔ ہرن کے قریب بیٹھ کر ہولے ہولے اس کی گردن سہلانے لگا۔

ہرن نے ٹائیگر کے انداز میں جارحیت نہ پا کر آہستگی سے اپنا سر زمین پر ٹکا دیا لیکن اس کا جسم اب بھی لرز رہا تھا اور سانس دھونکنی کی طرح چل رہی تھی۔ ٹائیگر نے اس کے زخم کا معائنہ کیا۔ یہ زخم کافی گہرا تھا اور خون بڑی تیزی سے رِس رِس کر زمین کو سُرخ کر رہا تھا۔

ٹائیگر ابھی زخم دیکھ ہی رہا تھا کہ ہرن کے جسم کو ایک جھٹکا سا لگا اور اس کی گردن ایک طرف ڈھلک گئی... اب وہ ہر خطرے سے دُور ہو چکا تھا۔ اس کی آنکھیں اب بھی کھلی ہوئی تھیں۔ ٹائیگر نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ اسے محسوس ہوا جیسے اس کی آنکھوں میں اس کے لیے تشکر کے جذبات ہوں۔

"نہیں دوست میں نے تمہارے لیے کچھ نہیں کیا۔" ٹائیگر نے ہرن کی آنکھیں بند کرتے ہوئے کہا۔ اس کی آواز رُندھی ہوئی تھی۔ اسے ہرن کی موت کا دُکھ تھا جس نے اس کے دل میں اس کی اپنی پالتو ہرنی کی یاد تازہ کر دی تھی۔ وہ بھی کچھ اسی انداز میں اس کے پاس آئی تھی۔

ٹائیگر ایک ٹھنڈی سانس بھر کر اس کے پاس سے اُٹھ گیا۔ اس کے چہرے پر دُکھ کے سائے تھے۔ اس وقت اس کے تاثرات کو دیکھ کر کوئی بھی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ قتل کرنے والی مشین ہے جس کی زندگی اس قسم کے جذبات سے عاری ہے۔ اس وقت وہ واقعی دُکھی تھا۔ کسی ایسے معصوم بچے کی مانند جس کا اکلوتا کھلونا اس کی نظروں کے سامنے توڑ دیا گیا ہو اور اُسے اُمید ہو کہ اب اسے ایسا قیمتی کھلونا دوبارہ نہیں مل سکتا۔

وہ درخت سے ٹیک لگائے خاموشی سے ہرن کی لاش کو گھورتا رہا۔ اسے حیرت ہو رہی تھی اس ہرن پر حملہ کرنے والا درندہ اب تک اس کے تعاقب میں کیوں نہیں آیا۔ کیونکہ جانوروں کی یہ فطرت ہوتی ہے کہ اگر اُن کا شکار اُن کے پنجوں سے زخمی ہو جائے تو وہ اس کا پیچھا نہیں چھوڑتے لیکن اب تک اس ہرن کا دعوے دار کوئی بھی جانور سامنے نہیں آیا تھا۔

ٹائیگر ابھی یہ سوچ ہی رہا تھا کہ اس کی حسیات نے اسے خطرے کا سگنل دیا... اور ٹائیگر کو فضا میں ہر طرف موت اور خون کی فتح کی ہوئی محسوس ہونے لگی۔

دفعتاً ٹائیگر کو اپنے عقب میں واقع جھاڑیوں میں سرسراہٹ سی محسوس ہوئی۔

ٹائیگر نے پلٹ کر جھاڑیوں کو گھورا۔

اُسے جھاڑیوں میں کئی چراغ جلتے دکھائی دیے۔ جیسے کسی نے چراغوں کی لَو کو ساکت کر دیا ہو۔ ٹائیگر نے پیچھے ہٹتے ہوئے آنکھیں شمار کیا تو پتا چلا کہ جھاڑیوں میں نمودار ہونے والے چراغوں کی تعداد چھ ہے۔

ٹائیگر پیچھے ہٹتے ہوئے قدرے کھلی جگہ پر آ گیا۔ اس نے اپنا بوجھ اپنے پنجوں پر ڈال رکھا تھا اور اس کی آنکھیں اُن روشن چراغوں پر جمی ہوئی تھیں جو اب دھیرے دھیرے قریب آ رہے تھے۔

یہ روشن چراغ بھیڑیوں کی آنکھیں تھیں۔ ٹائیگر ان بھیڑیوں کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اس نے اپنی زندگی میں کبھی اتنے قد آور بھیڑیے نہیں دیکھے تھے۔

بھیڑیے اب ایک دائرے کی صورت میں آہستہ آہستہ درمیانی فاصلہ کم کر رہے تھے۔ ان کی آنکھیں سُرخ انگاروں کی طرح دہک رہی تھیں۔ ٹائیگر کو ان آنکھوں میں اپنے لیے سوائے نفرت اور خونخواری کے اور کچھ نظر نہ آیا۔ ان کا انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ اس حملے میں ہی اُسے چیر پھاڑ کر اس کی ٹکا بوٹی کر دیں گے۔

ٹائیگر ان کے حملوں کے لیے پوری طرح تیار تھا۔

دفعتاً اُسے اپنے عقب میں ایک غرّاہٹ سنائی دی اور ایسا محسوس ہوا جیسے کسی بھیڑیے نے اس پر چھلانگ لگائی ہو لیکن ٹائیگر نے پلٹ کر دیکھنے کی ضرورت محسوس نہ کی۔ پھر جیسے ہی ایک بھیڑیا اُڑتا ہوا اس کے قریب آیا، ٹائیگر کی ایک ٹانگ بجلی کی تیزی کے انداز میں حرکت میں آئی اور عقب سے چھلانگ لگانے والا بھیڑیا ایک دھماکے کے ساتھ زمین کے ساتھ جا ٹکرایا۔ ٹائیگر کی ایڑی ٹھیک اس کے سر پر لگی تھی جس نے اسے تڑپنے کی مہلت بھی نہ دی تھی۔

اس چوٹ نے بھیڑیے کے سر کو ناقابلِ علاج حد تک مکڑوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ اپنے ساتھی کی لاش دیکھتے ہی تمام بھیڑیے مرغیوں کی طرح اس پر ٹوٹ پڑے۔

ان کے اس عمل سے ٹائیگر کے چہرے پر نفرت اور حقارت کا تاثر پھیل گیا۔ غصّے کی ایک لہر سی اس کے جسم میں دوڑنے لگی۔

شدتِ غضب سے ٹائیگر نے لپک کر ایک بھیڑیے کی ٹانگیں پکڑ لیں اور جو اپنے ہی ساتھی کو ہڑپ کرنے میں مصروف تھا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ٹائیگر کی اس حرکت نے بھیڑیے کو مزید مشتعل کر دیا۔ اس نے پوری قوت سے خود کو ٹائیگر کی گرفت سے آزاد کرانے کی کوشش کی لیکن اسے رتی برابر بھی کامیابی نہ ہوئی۔ اگر انسان ہوتا تو فوراً جان لیتا کہ وہ اس کی گرفت سے خود کو آزاد نہیں کرا سکتا لیکن وہ انسان نہ تھا۔ اس کی سوچ دھندلا رہی تھی اور اس کا مطمع نظر صرف اور صرف شکار کو چیرنا پھاڑنا تھا۔

چنانچہ اس نے خود کو آزاد کرانے کی بھرپور جدوجہد کی لیکن ٹائیگر نے اس کی ہر کوشش کو ناکام بناتے ہوئے اپنے ہاتھوں کو ہلکا سا جھٹکا دیا۔ دوسرے ہی لمحے بھیڑیے کا جسم دو حصوں میں تقسیم ہو گیا۔

ٹائیگر نے اسے دُور جھاڑیوں میں اُچھال دیا۔ دوسرے بھیڑیے بھی جھاڑیوں کی طرف لپکے۔

ٹائیگر نے اس موقعے کو غنیمت جانا اور زمین پر بکھرے کیمرے سمیٹے اور ہرن کی لاش کو کندھے پر ڈال کر ایک سمت دوڑ لگا دی۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ بھیڑیے ہرن کی لاش کو چیریں پھاڑیں لیکن ابھی وہ کچھ ہی دُور گیا تھا کہ اسے اپنے عقب میں بھیڑیوں کے دوڑنے کی آوازیں سنائی دیں لیکن ٹائیگر نے رُکنا مناسب نہ سمجھا۔

وہ دوڑتا رہا۔ دوڑتے دوڑتے اس نے ہرن کی لاش کو ایک بلند درخت کی شاخوں پہ اُچھال دیا۔ ہرن کے شانوں پر گرنے سے مکین شجر بُرا مار کر فضا میں بلند ہو گئے۔

ٹائیگر نے اس دوران میں اپنی رفتار میں کوئی کمی نہیں آنے دی تھی۔ وہ تیزی سے جھاڑیاں پھلانگتا ہوا بھیڑیوں سے دُور ہو رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ بھیڑیے ہمیشہ غول کی صورت میں ہی سفر کرتے ہیں اور اگر کوئی اکّا دُکّا آدمی انھیں نظر آ جائے تو شاید ہی وہ خود کو ان سے بچا سکتا ہے۔

اسی اثنا میں اس نے محسوس کیا کہ بھیڑیے اب اس کے قریب آتے جا رہے ہیں اور ان کا درمیانی فاصلہ اب کم سے کم ہوتا جا رہا ہے۔ ایسا لگتا تھا جیسے ہزاروں بھیڑیے اس کے تعاقب میں دوڑ رہے ہوں۔

ٹائیگر نے دوڑنا موقوف کر دیا۔ اُس نے ہاتھ میں پکڑے کیمرے ایک جھاڑی میں چھپا دیے اور خود کو بھیڑیوں کے حملے کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار کرنے لگا۔

دفعتاً جھاڑیوں میں زلزلے کی سی کیفیت پیدا ہو گئی۔ ہیبتناک بھیڑیے جھاڑیوں سے نمودار ہوئے۔ ان کی زبانیں لٹک رہی تھیں اور آنکھوں سے خونخواری ٹپک رہی تھی۔

..

وہ ٹائیگر کو اپنی جگہ جما دیکھ کر ٹھٹک گئے لیکن ان کا ٹھٹکنا ایک لمحاتی عمل تھا۔ دوسرے ہی لمحے ایک قد آور بھیڑیے نے ٹائیگر پر چھلانگ لگا دی۔ اس کی چھلانگ لگانے کی رفتار اتنی تیز تھی کہ ٹائیگر کو ایسا محسوس ہوا جیسے فضا میں بجلی سی کوند گئی ہو۔ اس کے ساتھ ہی ٹائیگر نے خود کو جھکا لیا۔

بھیڑیا اس کے سر سے تقریباً ٹکراتا ہوا دوسری سمت جا گرا۔ اس کے ساتھ ہی پورے غول نے ٹائیگر پر حملہ کر دیا۔ یہ حملہ بیک وقت چاروں طرف سے کیا گیا تھا۔ ایک لمحے کے لیے ٹائیگر کے قدم لڑکھڑا سے گئے۔

لیکن جلد ہی اس نے اپنے آپ کو سنبھال لیا۔ اس کے چاروں ہاتھ پیر مشینی انداز میں چلنے لگے اور بھیڑیے اُچھل اُچھل کر اِدھر اُدھر گرنے لگے۔

فضا اب بھیڑیوں کی کربناک چیخوں سے گونج رہی تھی۔

اچانک ہی ایک بھیڑیا ٹائیگر کے چہرے پر اپنا پنجہ مارنے میں کامیاب ہو گیا۔ ٹائیگر نے تڑپ کر اپنی کہنی اس بھیڑیے کی پسلیوں میں دے ماری۔ بھیڑیا ایک غرّاہٹ کے ساتھ وہیں ڈھیر ہو گیا۔ ٹائیگر کی کہنی نے اس کی پسلیوں کو ہزاروں ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا تھا۔

ٹائیگر نے لوٹ لگا کر بھیڑیوں کے جتھے سے دُور ہونے کی کوشش کی لیکن ایسا لگتا تھا جیسے بھیڑیے اسے کسی قیمت پر بھی معاف کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ ٹائیگر کے لوٹ لگانے کے ساتھ ہی دو بھیڑیے پوری قوت کے ساتھ اس سے ٹکرائے۔ ٹائیگر نے انھیں ایک جھٹکے سے دُور اُچھال دیا اور فوراً ہی کھڑا ہو گیا۔

ٹائیگر کے جسم سے خون رس رہا تھا۔ اس کے چہرے پر بھی ایک گہری خراش آئی تھی۔ بھیڑیے اب اپنے مُردہ ساتھیوں پر ٹوٹ پڑے تھے۔

ٹائیگر نے انھیں مصروف دیکھ کر وہاں سے نکلنے کا ارادہ کیا اور ایک لمبی چھلانگ لگا کر ایک بلند جھاڑی کو عبور کیا لیکن دوسرے ہی لمحے اس پر حیرتوں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔

یہ ایک بہت بڑا ہال تھا جہاں میزوں پر بہت سے ٹی وی سیٹ نصب تھے۔ ان میں ہر ٹی وی سیٹ کی اسکرین پر مختلف منظر نظر آ رہے تھے۔ کسی پہ تاریک جنگل تھا تو کسی پر برقی قمقموں سے روشن راہداریاں نظر آ رہی تھیں۔

اچانک ہی ایک ٹی وی سیٹ پر ایک جیپ نظر آئی جو... تیز رفتاری کے تمام ریکارڈ توڑتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی۔ اگلے ایک لمحے کے لیے حیرت زدہ سا نظر آنے لگا۔ اس نے اس اسکرین کو

چھاؤنی سے جب یہ کنٹرول روم قائم کیا گیا تھا۔ اب تک سوائے ل آفیسر ڈیگ ڈنڈی اور گھنے جنگل کے کچھ نہ دیکھا تھا۔

وہ اسکرین پر جھک گیا اور اپنے سامنے بنے بورڈ پر مختلف ں اور لیوروں کو دباتے گھمانے لگا۔ منظر کچھ صاف ہونے لگا۔

دفعتاً اس کی سانس حلق میں پھنس کر رہ گئی۔ اس کے چہرے حیرت و استعجاب کا تاثر ٹپکنے لگا۔

"ناممکن..." وہ خود کلامی کے انداز میں بولا۔ "ایک شخص اتنے اں کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔"

لیکن جو کچھ وہ دیکھ رہا تھا، وہ بھی جھوٹ یا اس کا واہمہ نہیں حقیقت تھا۔ نوجوان کے بدن میں بجلی بھری محسوس ہو رہی تھی۔ بجلی ہی کی طرح کڑک رہا تھا اور اب تک ان کے کئی نوجوانوں کو ہلاک کر چکا تھا۔ وہ دل ہی دل میں اُس نوجوان کی پھرتی چابکدستی داد دیے بغیر نہ رہ سکا لیکن وہ زیادہ دیر تک ان مناظر سے ف اندوز نہ ہو سکا۔ جلد ہی اسکرین پر پہلے جیسا سناٹا چھا گیا۔

اس نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور آنکھ موند کر کرسی کی ... ت گاہ سے ٹیک لگا کر پھیل گیا پھر دوسرے ہی لمحے وہ چونک ید کھڑا ہو گیا۔ اس کے چونکنے کی وجہ ہال میں پھیلی سنسنی تھی۔ ہر شخص ں ہاتھ سا نظر آ رہا تھا۔ اس نے اپنے سامنے لگے ٹی وی کی اسکرین دیکھا اور پھر خود بھی اُنھی لوگوں کی صف میں شامل ہو گیا۔

ٹی وی کی اسکرین جو چند لمحے قبل روشن تھی، اب کسی بے وفا محبوب کے دل کی طرح تاریک تھی۔ اس پر کوئی منظر نہیں تھا۔ اس نے مڑ کر اپنے قریب بیٹھے آپریٹر کی سمت دیکھا، وہ بھی حیرت سے بلیک اسکرین کو دیکھ رہا تھا۔

"اٹین شن پلیز... اٹین شن پلیز" ہال میں نصب اسپیکرز سے ایک گونج دار آواز سنائی دینے لگی۔ تمام آپریٹرز آواز کی سمت متوجہ ہو گئے۔

"کوئی غیر متعلقہ آدمی کیمپ کی حدود میں داخل ہو چکا ہے۔ اس نے کیمپ کے اردگرد نصب کیمرے بے کار کر دیے ہیں۔ لہٰذا ٹاف سے درخواست ہے کہ وہ نہ صرف ہوشیار رہیں بلکہ بغیر اطلاع کے کیمپ سے باہر جانے سے پرہیز کریں کیونکہ سکیورٹی کا عملہ اپنے ور پر اس نامعلوم فرد کی تلاش میں مصروف ہے اور انھیں کسی بھی رد کو مشکوک حالت میں دیکھتے ہی گولی مار دینے کا حکم ہے۔"

اعلان کے ختم ہوتے ہی ہال میں سرگوشیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ ر شخص اپنے طور پر قیاس آرائیاں کرنے میں مصروف تھا وہ اس

نامور مصنف ایم۔ الیاس۔ کے شہکار
قلم سے ایک اچھوتی کہانی
ذلیل
خوبصورت سرورق عمدہ پرنٹنگ کتابت
قیمت =\150 روپے

ہولناک اور پراسرار ماحول میں جنم لینے والی ایک
حقیقت جو کہانی بن گئی
ایک آشفتہ حال کی داستان عبرت جسے قانون نے
مجرم بنا دیا
رقص ابلیس
انوار صدیقی
قیمت =\150
اردو بازار لاہور

حرکت کو کسی ایک فرد کی کارروائی ماننے پر تیار نہیں تھے لیکن انھوں نے ٹی وی اسکرین پر صرف ایک ہی نوجوان کا سایہ دیکھا... جو بندروں کی طرح اُچک اُچک کر درختوں پر چڑھتا تھا اور دوسرے ہی لمحے اسکرین تاریک ہو جاتی تھی۔

▼▼

اچانک لگنے والے جھٹکے نے ایک لمحے کے لیے ٹائیگر کو جس قدر پریشان کر دیا تھا پھر جو نہی صورتِ حال اس کی سمجھ میں آئی

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

بے ساختہ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ سی دوڑ گئی۔ وہ سمجھ گیا کہ وہ کسی شکاری کے لگائے ہوئے پھندے کا شکار ہوا ہے لیکن اس نے ایسا پھندا اس سے قبل نہ دیکھا تھا جو شکار کو ایک جھٹکے سے اُلٹا لٹکا دے۔

بھیڑیے اب بھی اُچک اُچک کر اس پر حملہ کرنے کی کوشش کر رہے تھے لیکن وہ کسی حد تک ان کی پہنچ سے دُور ہو گیا تھا اور ان بھیڑیوں کی جھنجلاہٹ سے محظوظ ہو رہا تھا جو مارے طیش کے درخت کے تنے پر اپنے نوکیلے پنجے مارنے میں مصروف تھے۔

ٹائیگر نے سر اُٹھا کر درخت کے تنے کو دیکھا۔ تنا زیادہ بلند نہ تھا اگر وہ جسم کو جھول دے کر اوپر اُٹھنے کی کوشش کرتا تو بآسانی اس تک پہنچ سکتا تھا چنانچہ اس نے یہی کرنے کا فیصلہ کیا لیکن ابھی وہ اپنے فیصلے کو عملی جامہ پہنانا ہی چاہتا تھا کہ اس کی غیر معمولی حسیات نے اسے خطرے سے آگاہ کیا۔

ٹائیگر نے گردن گھما کر چاروں طرف دیکھا۔ بھیڑیے اب بھی درخت کے اردگرد گھوم رہے تھے اور اُچک اُچک کر اُسے پنجے مارنے کی کوشش کر رہے تھے۔

ٹائیگر جانتا تھا کہ اب وہ اس تک نہیں پہنچ سکتے۔ اس لیے فی الحال اسے ان سے کوئی خطرہ نہیں لیکن اس کی حسیات پھر بھی اسے کسی خطرے سے آگاہ کر رہی تھیں۔

ٹائیگر نے حیرت سے پھر اپنے اطراف کا جائزہ لیا پھر اس کی نگاہ دائیں جانب واقع جھاڑیوں پر جم کر رہ گئیں جہاں ایک قد آور بھیڑیا اس پر جست لگانے کی تیاری کر رہا تھا۔ اس کی آنکھیں گھپ اندھیرے میں دو سرخ انگاروں کی طرح دہک رہی تھیں۔ وہ دھیرے دھیرے آگے بڑھ رہا تھا اور پھر یکدم دوڑتے ہوئے اس نے ٹائیگر پر چھلانگ لگا دی۔

وہ تقریباً ٹائیگر کے سینے تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا تھا لیکن ٹائیگر نے اس کی اس خطرناک جست سے بروقت آگاہ ہوتے ہی اپنے جسم کے عضلات کو فولاد کی طرح سخت کر لیا تھا۔ اب اگر اس کے جسم سے کوئی بھی شے ٹکراتی اس کا انجام سوائے پاش پاش ہونے کے اور کچھ بھی نہ تھا۔

بھیڑیا جونہی اس کے قریب پہنچا، بجلی کی سی سرعت کے ساتھ آگے بڑھنے والے ہاتھوں نے اُسے جسم سے دُور رکھتے ہوئے اس کی گردن کو اپنی گرفت میں لے لیا اور اب بھیڑیا اس کے ہاتھوں کی گرفت سے نکلنے کے لیے اپنی پوری قوت صرف کر رہا تھا۔

رفتہ رفتہ ٹائیگر کی انگلیوں کا دباؤ بھیڑیے کی گردن پر بڑھنے لگا۔ بھیڑیے کے جسم نے ایک دو جھٹکے لیے اور پھر ساکت ہو گیا۔

ٹائیگر نے مُردہ بھیڑیے کو دوبارہ جھاڑیوں کی طرف اُچھال دیا۔ بھیڑیا جھاڑیوں پر گرا اور درخت کے اردگرد جمع تمام بھیڑیے ایک عزاءت کے ساتھ جھاڑیوں کی طرف لپکے اور اپنے ساتھی کے مُردہ جسم سے ضیافت اُڑانے میں مصروف ہو گئے۔

٧ ٧

ٹائیگر نے تمناسک کے سی ماہر کھلاڑی کی طرح اپنے جسم کو بل دیا اور دھیرے دھیرے اُوپر اُٹھتے ہوئے درخت کی مرئی سی شاخ کو اپنے دونوں ہاتھوں سے تھام لیا پھر دوسرے ہی لمحے وہ شاخ پر بیٹھا تھا۔

شاخ پر پہنچتے ہی اس نے پیروں میں لگے پھندے کا جائزہ لیا۔ وہ ایک آہنی کڑی تھی جو مجرموں کے ہاتھوں میں پہنائی جانے والی کڑیوں سے مشابہ تھی لیکن کسی نے انتہائی ذہانت سے کام لیتے ہوئے اس میں ردّوبدل کر کے اسے شکاری پھندے کی شکل دی تھی لیکن اپنی ساخت کے اعتبار سے وہ انسانوں کو پھنسانے کے لیے ہی بنی تھی۔

ٹائیگر نے اپنی انگشتِ شہادت کو آہنی کڑی میں پھنسایا اور دوسری انگلی سے اس پر ہلکا دباؤ ڈالنے لگا۔ اگلے ہی لمحے اس کی انگلیوں نے قینچی کی طرح آہنی کڑی کے دو ٹکڑے کر دیے۔ ٹائیگر کو ایسا کرتے ہوئے صرف اتنی ہی دقت ہوئی تھی جتنی کسی درزی کو کپڑا کاٹنے میں لگتی ہے۔

اپنا پیر آزاد کرتے ہی ٹائیگر نے درخت میں نصب وہ عجیب ساخت کی چرخی بھی ڈھونڈ لی جو اسے اُلٹا لٹکانے کا سبب بنی تھی۔ بظاہر یہ ایک عام سی چرخی تھی جس پر ایک مضبوط زنجیر بندھی ہوئی تھی لیکن اس کے ساتھ ایک عجیب وضع کی موٹر بھی نصب تھی جو شمسی توانائی سے چلتی تھی اور یہی موٹر اس چرخی کی جان تھی۔ ٹائیگر نے اسے الٹ پلٹ کر دیکھا اور پھر موٹر کو دو ٹکڑوں میں تقسیم کر کے دوبارہ ... اس کی جگہ رکھ دیا۔

وہ سوچ رہا تھا کہ انسان نے سائنس میں اتنی ترقی کر لی ہے کہ ایک دو کلو وزن کی معمولی چرخی بھی اس جیسے انسان کے بوجھ کو بآسانی اُٹھا لیتی ہے لیکن اگر یہی صلاحیتیں یہ انسان پوری انسانیت کے لیے کام میں لائے تو دُنیا کا نقشہ ہی بدل جائے۔

اُسے ایلمو یاد آ گیا جو بظاہر انتہائی کمزور اور نکما نوجوان نظر آتا تھا لیکن اس نے جو کچھ ایجاد کیا تھا وہ نہ صرف قابلِ تعریف تھا بلکہ پوری دُنیا کے لیے قابلِ قدر ایجاد بھی تھی لیکن اس نے بھی اپنی صلاحیتوں کو منفی انداز میں استعمال کیا اور شیطان کی پیروی کرنے لگا۔

سوچتے سوچتے اس نے اپنی آنکھیں موند لیں اور سر درخت کی شاخ سے ٹکا دیا۔ چاند کسی گول تھالی کی طرح آسمان پر رُکا ہوا تھا اور ماحول پر دودھیا سی چاندنی نے ایک عجیب سا سحر طاری کر دیا تھا۔ جنگل کی چاندنی راتیں ویسے بھی مشہور ہیں۔ ٹائیگر بھی خود کو ماضی کے حصار سے بچا نہ سکا اور اس پُرفسوں ماحول میں کھو کر رہ گیا لیکن ایسا کرتے ہوئے بھی وہ اپنے اطراف سے بے خبر نہ تھا۔ وہ پوری طرح چوکنا تھا۔ اُسے یقین تھا کہ وہ لوگ اس کی تلاش میں ضرور آئیں گے اس کی یہ سوچ بلاوجہ بھی نہ تھی۔ کیونکہ کیمرے ناکارہ ہونے سے قبل وہ اس کی ایک ایک حرکت کنٹرول روم میں بیٹھے دیکھ رہے تھے لیکن اس نے کیمرے تباہ کر کے انہیں مجبور کر دیا تھا کہ وہ اس کی تلاش میں اپنی کمین گاہ سے باہر نکلیں۔

جلد ہی وہ اُن چار افراد کو دیکھنے میں کامیاب ہو گیا جو اس درخت سے جہاں وہ چھپا بیٹھا تھا کچھ دُور منڈلا رہے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں ٹامی گنیں دبی ہوئی تھیں اور وہ محتاط انداز میں ایک ایک جھاڑی کا جائزہ لے رہے تھے پھر وہ چاروں مختلف اطراف میں بکھر گئے۔

ٹائیگر نے اپنے جسم کو سمیٹ لیا اور ان کے قریب آنے کا انتظار کرنے لگا لیکن اُسے زیادہ دیر انتظار نہ کرنا پڑا۔ جلد ہی ایک سیاہ پوش ٹہلتے ہوئے اس درخت کے قریب آ گیا جہاں ٹائیگر چھپا بیٹھا تھا۔

سیاہ پوش نے قریب آ کر ٹارچ کی روشنی جھاڑیوں پر ڈالی۔ روشنی کا دائرہ مختلف اطراف میں گھوما۔ پھر اچانک اس کا منہ حیرت سے کھل گیا جہاں ٹائیگر نے مُردہ بھیڑیے کو پھینکا تھا وہاں اب بھیڑیے کی ہڈیاں کے سوا کچھ نہ تھا۔

سیاہ پوش دھیرے دھیرے محتاط انداز میں جھاڑیوں کی طرف بڑھا لیکن اگلے ہی لمحے ٹائیگر نے اُسے چونک کر رُکتے دیکھا۔ سیاہ پوش نے ٹارچ بجھا دی تھی اور اس کے ہاتھوں کی گرفت ٹامی گن پر سخت ہو گئی تھی پھر اس کے مُنہ سے ایک تیز سیٹی سی خارج ہوئی اور اس نے جھاڑیوں میں ٹامی گن کا برسٹ مارا۔

جھاڑیوں سے دو بھیڑیے اُچھل کر گرے اور اس کے باقی ساتھی تیزی سے راہِ فرار اختیار کرنے لگے لیکن سیاہ پوش نے بھاگتے ہوئے بھیڑیوں پر ایک برسٹ اور مارا۔ مزید تین بھیڑیے ایک عزاءت کے ساتھ لڑھکتے ہوئے ان کے جسم ایک دو بار پھڑک کر سرد ہو گئے۔

فائرنگ اور سیٹی کی آواز سُن کر سیاہ پوش کے دوسرے ساتھی بھی وہاں پہنچ گئے۔

"میرا خیال ہے وہ قریب ہی کہیں چھپا ہوا ہے۔ یہ بھیڑیے

سسپنس ڈائجسٹ کا
مقبولِ تریں
سلسلہ
درخت
ایک عشق گزیدہ نواب زادے کی
ہنگامہ خیز سرگزشت۔
تین دوستوں کا قصہ جن کے عزم و استقلال
سے طوفان شکست کھا گئے تھے۔
○
لاندوال کہانیوں کے خالق
انوار صدیقی
کے پُراسرار قلم سے
دو جلدوں میں
حصہ اوّل ۴۵/۰۰ حصہ دوم ۴۵/۰۰
ناشر: مکتبۂ القریش
اردو بازار لاہور ۲

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

اس کی تاک میں تھے۔ فائر نگ کرنے والے نے ہانپتی ہوئی آواز میں کہا۔ اس کا لہجہ خالص برطانوی تھا۔

"ٹھیک ہے مائیکل تم یہاں دیکھو اگر بھیڑیوں نے اسے چٹ کر لیا ہو تو وہ زخمی حالت میں کہیں آس پاس ہی ہوگا۔" یہ کہہ کر اس نے دوسرے ساتھیوں کو اشارہ کیا اور وہ پھر ادھر ادھر بکھر گئے۔

مائیکل بھی محتاط قدموں سے چلتا ہوا اس درخت کے عین نیچے پہنچ گیا۔ جہاں ٹائیگر چھپا بیٹھا تھا۔ اچانک اس کی نگاہ ایک زنجیر پر پڑی جو درخت سے لٹک رہی تھی۔ زنجیر دیکھتے ہی وہ ٹھٹک گیا۔ اس نے تیزی سے کمر سے بندھی ٹارچ کی طرف ہاتھ بڑھایا لیکن ابھی اس کا ہاتھ ٹارچ تک پہنچا ہی تھا کہ اس پر قیامت ٹوٹ پڑی۔

ٹائیگر نے اسے ٹارچ نکالنے کا موقع دینا مناسب نہ سمجھا اور فوراً ہی اس پر چھلانگ لگا دی تھی۔ اس سے قبل کہ سیاہ پوش سنبھلتا ٹائیگر نے اس کی گردن پر اپنے ہاتھ کے کنارے سے ایک کاٹ دار ضرب لگائی۔

فضا میں سیاہ پوش کی گردن کی ہڈی ٹوٹنے کی مدھم سی آواز گونجی اور سیاہ پوش منہ سے کوئی آواز خارج کیے بغیر ہی لڑکھڑا کر زمین کی طرف محوِ سفر ہو گیا لیکن ٹائیگر نے اسے زمین پر ڈھیر ہونے سے قبل ہی ہاتھوں پر سنبھال لیا اور اس کی ٹامی گن اپنے کندھے پر لٹکا کر سیاہ پوش کو اسی شاخ پر منتقل کر دیا۔ جہاں کچھ دیر پہلے تک وہ خود تھا۔ اس کے فوراً بعد ٹائیگر خود بھی دوبارہ درخت پر چڑھ گیا۔

ٹائیگر نے اوپر پہنچتے ہی مُردہ مائیکل کا جائزہ لیا اور اس کا نقاب ہٹا کر دیا لیکن جب ٹائیگر نے اس کے چہرے کا جائزہ لیا تو وہ چونک کر رہ گیا۔ ابھی کچھ ہی دیر قبل جب وہ اپنے ساتھیوں سے گفتگو کر رہا تھا تو اس کا لہجہ خالص انگریزوں جیسا تھا۔ جبکہ جو چہرہ اب ٹائیگر کے سامنے تھا وہ سیاہ فام تھا۔

ٹائیگر نے اس کے چہرے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے میک اپ کا اندازہ کرنا چاہا پھر ہاتھ پھیرتے ہی اسے محسوس ہو گیا کہ یہ میک اپ ہے۔ ٹائیگر اپنے ناخنوں کے ذریعے اس کا میک اپ اُکھاڑنے کی کوشش کرنے لگا۔ جلد ہی مائیکل کے چہرے سے پلاسٹک کے ننھے ننھے ٹکڑے علیحدہ ہونے لگے اور پلاسٹک میک اپ کے نیچے سے سفید فام چہرہ جھلکنے لگا۔ یہ دیکھ کر ٹائیگر ایک ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گیا۔

ٹائیگر نے اس کے لباس کی تلاشی لی۔ جس میں اس کی جیب سے سوائے ایک شناختی کارڈ کے اور کچھ نہ برآمد ہوا۔ جس پر ایک تصویر چسپاں تھی جس کے نیچے مائیکل اسسٹنٹ سیکورٹی انسپکٹر کیپ نہر ایک کے علاوہ اور کچھ درج نہ تھا۔

ٹائیگر نے پھرتی سے اس کا سیاہ لباس اُتار کر اسے اپنا لباس پہنا دیا اور اس کی لاش جھاڑیوں میں اُچھال دی اور خود ٹامی گن استعمال کر نیچے اُتر آیا اور بالکل اسی کے انداز میں ادھر اُدھر دیکھتے ہوئے آگے بڑھ گیا۔

اب وہ مائیکل کے روپ میں تھا۔ اسے یقین تھا کہ اصلی مائیکل کی لاش صبح تک بھیڑیوں کا تمر بن جائے گی ... اور وہ بآسانی مائیکل کے روپ میں کیمپ تک پہنچ جائے گا۔

▼▼

اُوشان دونوں ہاتھ پُشت پر باندھے دھیرے دھیرے ... فٹ پاتھ پر چل رہا تھا۔ فضا کہرآلود ہو رہی تھی۔ سرد ہواؤں کے تھپیڑوں کے باعث اس کا لبادہ پھڑ پھڑا رہا تھا۔ ایسے میں دیکھنے والا اسے کوئی آسمانی مخلوق ہی سمجھتا لیکن اس وقت اسے دیکھنے والا کوئی نہ تھا۔

ٹائیگر کے جانے کے بعد وہ خود کو کافی تنہا تنہا سا محسوس کر رہا تھا۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کے جسم کا کوئی حصہ کم ہو گیا ہو۔ اسے ٹائیگر سے اتنی ہی محبت تھی کہ وہ زیادہ دیر تک اس کی جدائی برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ وہ بھی ٹائیگر کے ہمراہ بستانی جانا چاہتا تھا لیکن ہرام نے اسے بھیجنے کی ضرورت نہ سمجھی تھی ... اس لیے وہ اپنا زیادہ وقت روبی کے پاس گزارتا تھا۔

وہ حسب عادت علی الصباح چہل قدمی میں مصروف تھا اس وقت وہ جس ایریا میں تھا، یہاں زیادہ تر سفارت کاروں کی رہائش گاہیں تھیں۔ دن کے وقت بھی اس ایریا میں چہل پہل کم ہی ہوتی تھی اور اس وقت تو خیر صبح کے پانچ بج رہے تھے۔ سخت کہر کے باعث عمارتوں کے خاکے بھی دُھندلے دُھندلے سے نظر آ رہے تھے لیکن اُوشان کی تیز نگاہیں اس دین کو دیکھنے میں کامیاب ہو گئیں جو ایک دیوار کے سائے میں کھڑی تھی اور ایک باوردی شخص کندھے پر رائفل لٹکائے، ڈرائیور کی کھڑکی پر جھکا اشارے سے کچھ بتانے میں مصروف تھا پھر اس کے پیچھے ہٹتے ہی دین رینگتے ہوئے گیٹ سے آگے بڑھ گئی اور پارٹمنٹ سے قدرے فاصلے پر رُک گئی۔

دین کے رُکتے ہی اس کے عقبی حصے سے تین نوجوان کود کر اُترے۔ ان کے ہاتھوں میں جدید ساخت کی دو دو مار رائفلیں دبی ہوئی تھیں اور وہ محتاط انداز میں اپارٹمنٹ کے عقبی حصے کی طرف بڑھ رہے تھے۔

باوردی شخص دوبارہ عمارت میں غائب ہو چکا تھا ... اُوشان تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا گیٹ کے قریب پہنچا اور گیٹ پھلانگ کر اندر داخل ہو گیا۔

پھلانگ کر اندر داخل ہو گیا۔

یہ عمارت ایک عرب ملک کے سفارت کار کی رہائش گاہ تھی، جس سے آج کل امریکہ کے تعلقات انتہائی معاندانہ نوعیت کے تھے اور سی آئی اے بھی متعدد بار اس ملک کے سربراہ کا تختہ اُلٹنے کی ناکام کوشش کر چکی تھی۔ اُوشان تختی پر اس ملک کا نام پڑھ کر بہت کچھ سمجھ گیا تھا۔ وہ تیزی سے عمارت کے عقبی حصے کی طرف بڑھا، جہاں وہ ایک لمحہ قبل تین مسلح نوجوانوں کو جاتے دیکھ چکا تھا۔ وہ ہوا کے کسی جھونکے کی مانند دین کے قریب سے گزرتا ہوا عمارت کے عقبی حصے کی طرف مڑ گیا پھر اسے وہ مسلح نوجوان بھی نظر آ گئے جو دیوار پر چڑھنے کی کوشش کر رہے تھے۔

اُوشان ان کے قریب جا کر کھڑا ہو گیا وہ نوجوان اس کے وجود سے بے خبر اپنی کوشش میں مصروف رہے لیکن کہر کے باعث دیوار گیلی ہو کر چکنی ہو گئی تھی، جس کے باعث بار بار ان کے ہاتھ پھسل رہے تھے۔ وہ تینوں چست اوور کوٹ میں ملبوس تھے اور سردی سے بچنے کے لیے اوور کوٹ کے کالر بھی کھڑے کر رکھے تھے۔

"دیوار میں پھلانگنا بھی ایک فن ہے میرے بچو۔" اُوشان دونوں ہاتھ سینے پر باندھتے ہوئے مسکرا کر بولا۔

تینوں نوجوان یکدم ٹھٹک کر تیزی سے پلٹے لیکن آپ سامنے ایک مدقوق سے بوڑھے کو دیکھ کر ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گئے۔

انھوں نے حیرت سے اُوشان کے سراپا پر نظر ڈالی پھر ایک نوجوان نے کندھے سے رائفل اُتار کر اس کی نال اُوشان کے سینے سے لگا دی۔

"تم کہاں سے آ گئے بڈھے میاں؟" دوسرا نوجوان جو اپنے دوسرے ساتھیوں سے قدرے دراز قد اور مضبوط جسامت کا مالک تھا، اُوشان کے کندھے پر ہاتھ رکھتا ہوا بولا۔ اس کا لہجہ مضحکہ اُڑانے والا تھا اور اس کے مُنہ سے سانس بھاپ بن کر نکل رہی تھی۔

"آسمان سے ...!" اُوشان نے مسکراتے ہوئے اُنگلی آسمان کی طرف اُٹھا دی۔ "اور بطور خاص تم لوگوں کے لیے۔"

"اچھا ..." رائفل والا استہزائیہ لہجے میں بولا۔ "لیکن تم بڑے غلط وقت پر آئے ہو بڑے میاں۔ تمہیں فوراً واپس آسمان پر ہی چلے جانا چاہیے۔ کہیں سردی سے تمہارا نازک بدن قلفی نہ بن جائے۔" یہ کہہ کر وہ تینوں استہزائیہ انداز میں ہنسنے لگے لیکن اُوشان کے اطمینان میں کوئی فرق نہ آیا۔ وہ اسی طرح دونوں ہاتھ سینے پر باندھے کھڑا اُن کی ہنسی رُکنے کا انتظار کرتا رہا۔

رائفل کی نال اب بھی اُوشان کے سینے سے لگی ہوئی تھی۔



پھر دھیرے دھیرے اس کے ہاتھ کھلے اور اس نے غیر محسوس انداز میں رائفل کی نال کو درمیان سے چٹکی میں دبا لیا تینوں نوجوان بدستور ہنسنے میں مصروف تھے لیکن یکایک ان کی ہنسی کو بریک لگ گئے اور ان کی آنکھیں حیرت سے پھٹ کر رہ گئیں۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے انھوں نے کوئی ناقابلِ یقین منظر دیکھ لیا ہو۔

اُوشان نے رائفل کی نال کو چٹکی میں دبا کر دو حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ رائفل بردار نوجوان کی آنکھیں غیر یقینی انداز میں اپنی ٹوٹی ہوئی رائفل پر جمی ہوئی تھیں پھر اس سے قبل کہ دوسرے نوجوان اپنی رائفلیں سیدھی کرتے، اُوشان کی اُنگلیوں نے اُن ... رائفلوں کو بھی دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔

اُوشان کے چہرے پر اب بھی مسکراہٹ کھیل رہی تھی جبکہ تینوں نوجوان اس طرح بُت بنے کھڑے تھے جیسے انھیں ہپناٹائز کر دیا گیا ہو۔

"میرا خیال ہے بچو اب اندر چلا جائے۔ کہیں تم مارے سردی کے قلفی ہی نہ بن جاؤ۔" اُوشان مسکراتے ہوئے بولا لیکن اس کا لہجہ اتنا سرد تھا کہ تینوں نوجوان کپکپا کر رہ گئے۔

"آگے بڑھو۔" اُوشان دراز قد کو کندھے سے پکڑ کر آگے کی طرف دھکیلتے ہوئے بولا۔

تینوں نوجوان بلا چون و چرا میکانکی انداز میں آگے بڑھ گئے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس مدقوق سے، زرد بوڑھے کی ہدایت پر کیوں عمل کر رہے ہیں لیکن وہ کوشش کے باوجود بھی اُس کے خلاف کوئی قدم نہیں اُٹھا پا رہے تھے۔ انھیں ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے بوڑھے کی آنکھیں کسی برمے کی طرح ان کے جسم میں سوراخ کر رہی ہیں پھر وہ جونہی وین کے قریب پہنچے، ڈرائیور انھیں دیکھ کر باہر نکل آیا اور حیرت سے انھیں تکنے لگا۔ اسے اتنی جلدی ان کے واپس آنے کی توقع نہ تھی پھر اس سے قبل کہ صورتحال اس کی سمجھ میں آتی، اُوشان نے ایک ہاتھ سے اس کی گردن دبوچ لی اور وین کے عقبی

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

حلقے کا دروازہ کھول کر اسے اندر اُچھال دیا۔ وہ سر کے بل اندر گرا تھا اور اس کا سر کچھ اتنی زور سے وین کے فرش سے ٹکرایا تھا کہ وہ ایک کراہ کے ساتھ ڈھیر ہو گیا۔ اوشان وین کا دروازہ لاک کرتے ہوئے تیزی سے اُن تینوں نوجوانوں کی طرف لپکا جو اب عمارت کے گیٹ تک پہنچ چکے تھے۔

"چلو اب اپنے گُرو سے کہو گیٹ کھولے۔" وہ ایک نوجوان کی کمر میں اُنگلی چبھوتے ہوئے بولا۔

وہ نوجوان تڑپ کر اس طرح آگے بڑھا تھا جیسے اُوشان نے اُنگلی نہیں خنجر کی نوک چبھو دی ہو۔ اس کے اور کوٹ کے اس حصے پر جہاں اُوشان نے اُنگلی چبھوئی تھی اب ایک باقاعدہ... سوراخ بن گیا تھا اور اس سوراخ کے کناروں پر خون کی لالی چمکنے لگی تھی۔ بقیہ دونوں نوجوان یہ دیکھ کر کپکپا کر رہ گئے۔ انھوں نے ایک ساتھ ہی گیٹ بجانا شروع کر دیا۔ ان کی یہ حرکت اتنی بے ساختہ تھی کہ جیسے انھوں نے ذرا بھی دیر کر دی تو ان کے جسموں میں بھی ایسے ہی سوراخ ہو جائیں گے۔

گیٹ تو ذرا ہی کھلا گیا۔ گیٹ کھولنے والا وہی باوردی شخص تھا جو کچھ دیر قبل ان نوجوانوں کو اشارے سے کچھ بتا رہا تھا۔ اس نے حیرت سے ان تینوں کی طرف دیکھا۔ اس کی نظر اب تک اُوشان پر نہیں پڑی تھی جو اُن کے عقب میں کھڑا تھا۔

"کیا ہوا... یہاں کیوں آئے ہو؟" اس نے حیرت سے ان کے گھبرائے ہوئے چہرے دیکھتے ہوئے کہا۔

"تمھیں وفاداری کا سبق سکھانے فرزند۔" اُوشان ان کے عقب سے نکلتا ہوا بولا پھر اس سے قبل کہ باوردی شخص سنبھلتا اُوشان کا دایاں ہاتھ سانپ کے پھن کی طرح حرکت میں آیا اور وہ اچانک مہلک وار پیچھے کی طرف اُٹھ گیا۔ تکلیف کی شدت سے اس کے چہرے کے نقش و نگار بگڑ کر عجیب صورت اختیار کر گئے تھے۔

"چلو اب سفیر کے کمرے کی طرف ہماری رہنمائی کرو۔ ورنہ پھر دوسرا کندھا بھی..." اُوشان نے اُسے کالر سے پکڑتے ہوئے کہا۔ باوردی شخص نے رحم طلب نظروں سے اُوشان کی طرف دیکھا اور سر جھکا کر آگے بڑھ گیا۔ وہ تینوں نوجوان بھی کاپک قطار کی صورت میں اس کے پیچھے چلنے لگے۔ ٹوٹی ہوئی رائفلیں اب بھی ان کے کندھوں سے لٹکی ہوئی تھیں جبکہ اُوشان اُن کے پیچھے کسی فاتح جرنیل کی طرح گردن تانے چل رہا تھا۔

وہ لان پار کرتے ہوئے عمارت کے داہنی حصے کی طرف بڑھ گئے اور بڑے ہال سے گزر کر ایک راہداری میں پہنچ گئے، جہاں دو درجن بہ کمروں کی قطاریں تھیں۔ باوردی شخص ایک دروازے کے سامنے پہنچ کر رُک گیا اور سوالیہ نگاہوں سے اُوشان کی طرف دیکھنے لگا۔

اُوشان نے آگے بڑھ کر دو تین بار دروازہ کھٹکھٹایا کچھ ہی دیر بعد دروازے کے دوسری جانب سے قدموں کی چاپ سنائی دی جو دروازے کے قریب آ کر رُک گئی۔

"کون...؟" اندر سے نیند کے خمار میں ڈوبی آواز سنائی دی۔

"ایک سنٹ یورایکسی لینسی۔ آپ کے کچھ مہمان آئے ہیں۔" اُوشان بڑے مؤدب لہجے میں بولا۔

کچھ توقف کے بعد دروازہ کھل گیا اور لیکن دروازہ کھولتے وقت سفیر کمال ہوشیاری سے دروازے کی آڑ میں ہو گیا تھا۔ اُوشان سفیر کی اس حرکت پر مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔ اس نے چاروں کو اندر چلنے کا اشارہ کیا اور خود بھی ان کے پیچھے کمرے میں داخل ہو گیا۔

"اب تم لوگ اپنے ہاتھ اوپر کر لو۔" پشت سے ایک سرد آواز سنائی دی۔

"گھبرانے کی کوئی بات نہیں یورایکسی لینسی، ہم بالکل بے ضرر لوگ ہیں۔" اُوشان ہاتھ اٹھائے بغیر پلٹ کر بولا۔

"کیا مطلب؟" سفیر نے حیرت سے پوچھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک سیاہ پستول چمک رہا تھا۔ وہ جوان العمر آدمی تھا اور اس کا سفری لباس اس بات کی غمازی کرتا تھا کہ وہ اپنے آپ کو چاق و چوبند رکھنے کے لیے معمولاً ورزش کرنے کا عادی ہے۔ اس کی آنکھوں میں اب بھی نیند کا خمار تھا اور وہ حیرت سے کبھی اُوشان کو اور کبھی ان چاروں مسلح نوجوانوں کو دیکھ رہا تھا۔ جو پہلے کٹے پھندوں کی طرح سر جھکائے کمرے کے وسط میں کھڑے تھے۔ پھر اس نے اُوشان کی آنکھوں میں دوستانہ چمک دیکھ کر پستول والا ہاتھ گرا دیا۔

"آپ گستاخی نہ سمجھیں جناب! سادا مطلب آپ کا یہ وفادار محافظ بنائے گا۔" اُوشان باوردی محافظ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

"ہاں اب تم شروع ہو جاؤ فرزند۔" اُوشان نے باوردی محافظ کو ٹہوکا دیا۔ "یہ سب کیا ڈراما تھا؟"

"وہ... وہ جناب یہ آپ کو قتل کرنا چاہتے تھے۔" وہ ہکلاتے ہوئے تینوں نوجوانوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

"اور تمھارا اس میں کیا کردار تھا یہ بھی بتاؤ۔" اُوشان اس کے دائیں کندھے پر اُلٹے ہاتھ سے ضرب لگاتے ہوئے سرد آواز میں کہا۔

"مم... میں بھی ان کا ساتھی ہوں جناب۔ ہمیں تنظیم کی طرف سے ہدایت ملی تھی کہ مقدس اسرائیل کے نام پر آپ کو قتل کر دیا جائے۔"

"ٹھیک ہے یورایکسی لینسی آپ پریذیڈنٹ کو فون کر کے اس کی اطلاع دے دیں۔" یہ کہہ کر اُوشان نے باری باری اس چاروں کی کنپٹیاں دبا دیں اور وہ چاروں یکے بعد دیگرے قالین پر ڈھیر ہو گئے۔ سفیر حیرت سے یہ ساری کارروائی دیکھ رہا تھا۔ اب تک اس کے مُنہ سے ایک بھی لفظ نہ نکلا تھا۔

"اور ہاں ایک وین میں بھی پڑا ہے اس کا بھی بندوبست کر لیں لیکن برائے مہربانی آپ صدر یا پولیس کو میرے بارے میں نہ بتائیں ورنہ میں غریب یونہی مارا جاؤں گا۔" یہ کہہ کر اُوشان دروازے کی طرف بڑھ گیا اور سفیر حیرت سے گنگ بیٹھا اسے دروازے سے نکلتے دیکھتا رہا۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ کوئی خواب دیکھ رہا ہو پھر جونہی اس کی نظر قالین پر پڑے ہوش پڑے نوجوانوں پر گئی، وہ چونک گیا۔ یہ سب کچھ خواب نہیں حقیقت تھا۔

وہ تیزی سے باہر کی طرف دوڑا لیکن اُوشان جا چکا تھا۔ وہ کندھے جھٹکتا ہوا ٹیلی فون سیٹ کی طرف بڑھ گیا اور صدر امریکہ کے نمبر ڈائل کرنے لگا۔

امریکہ سے اس کے ملک کے تعلقات کافی کشیدہ تھے اور اس کی وجہ ہر دلعزیز سربراہ مملکت کی انقلابی پالیسیاں تھیں جس کے سبب عرب دُنیا میں امریکہ کے مفادات پر ضرب پڑنے کا... خدشہ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ امریکہ اور اسرائیل نے کئی بار ان کی حکومت کا تختہ اُلٹنے اور انھیں قتل کرنے کی کوشش کی تھی لیکن اس میں ناکامی کے بعد انھیں دُنیا بھر کے دہشت گردوں کا سربراہ قرار دیا تھا۔

کچھ دیر بعد لائن مل گئی اور وہ انتہائی تلخ لہجے میں پیش آنے والی صورتحال بتانے لگا۔ اس کے لہجے میں تندی اور چہرے پر اعتماد تھا۔ اس وقت اسے دیکھ کر کوئی بھی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ ایک چھوٹے سے ملک کا سفیر ہے۔

۲۲

ٹائیگر کو زیادہ دیر انتظار نہ کرنا پڑا۔ جلد ہی تینوں نقاب پوش بھی واپس آ گئے۔

"کیا رہا مائیکل؟" قریب آتے ہی ان میں سے ایک نے ٹائیگر سے سوالیہ انداز میں پوچھا۔ جواباً ٹائیگر نے صرف کندھے اُچکانے پر ہی اکتفا کیا۔ اس نے غور سے تینوں نقاب پوشوں کو جائزہ لیا۔ ان سب کے سینوں پر بیج لگے ہوئے تھے، جن پر نام اور عہدے درج تھے۔

209/تاثیر

ایک ایسی عورت کی کہانی
جو مردوں کے معاشرے میں
ملکہ بن کر جینا چاہتی تھی

ناگرانی

دو جلدوں میں
جلد اول =/145
جلد دوئم =/145

مکتبہ القریش سرکلر روڈ اردو بازار لاہور
فون 7668958

ابھی ٹائیگر ان کا جائزہ ہی لے رہا تھا کہ فضا میں پھر ایک تیز سیٹی گونجی۔ ٹائیگر سمجھ گیا کہ یہ کسی قسم کا سگنل ہے۔ ابھی وہ کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ وہ تیزی سے پلٹ گئے۔ ٹائیگر بھی ان کے پیچھے ہو لیا۔ اس نے نقاب پوش کا بھیس تو بدل لیا لیکن سب سے بڑا مسئلہ اس کے چہرے کا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اگر کیمپ میں جا کر نقاب اُتارنا پڑا تو اس کی حقیقت کھل جائے گی اور اگر نقاب نہ بھی اُتارا گیا تو بھی اس کے لیے بہت سے مسائل کھڑے ہو سکتے ہیں۔

کافی سوچ بچار کے بعد اس نے اس کا حل بھی سوچ لیا اور چلتے چلتے مُنہ سے ایک زوردار آواز نکال کر زمین پر گر پڑا۔ آگے چلنے والے تینوں نقاب پوش ٹھٹک کر رہ گئے۔ جب انھوں نے ٹائیگر کو زمین پر پڑے دیکھا تو تیزی سے اس کی جانب بڑھے۔

"کیا ہوا مائیکل؟" وہ اسے سہارا دے کر اُٹھاتے ہوئے ایک ساتھ بولے۔

"کچھ نہیں۔ غالباً پیر میں موچ آ گئی ہے۔" ٹائیگر تکلیف کی

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

شفقت سے کراہتے ہوئے بولا۔

"اوہ چلو ہم سہارا دے کر چلاتے ہیں۔" یہ کہہ کر دونے اس کی بغلوں میں ہاتھ دے کر اسے آگے کی جانب بڑھایا اور ٹائیگر تکلیف میں مبتلا ہونے کی شاندار اداکاری کرتے ہوئے لنگڑا کر چلنے لگا۔ کچھ دور چلنے کے بعد وہ ایک پگڈنڈی پر نکل آئے، جہاں چار جیپیں ایک قطار میں کھڑی تھیں۔ اس کے تینوں ساتھیوں نے اسے سہارا دے کر ایک جیپ میں سوار کرایا اور خود بھی بیٹھ گئے۔ ان میں سے ایک نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی تھی۔

جیپ ایک جھٹکے سے اسٹارٹ ہوئی اور اڑتی ہوئی دوڑنے لگی۔ دوسری جیپیں بھی اسٹارٹ ہوگئی تھیں لیکن ٹائیگر یہ نہ دیکھ سکا کہ ان میں کتنے آدمی سوار ہیں۔

"فکر نہ کرو مائیکل، کیمپ پہنچ کر ڈیانا کے ہاتھ لگتے ہی تمہارا پیر بالکل ٹھیک ہو جائے گا۔" ایک نقاب پوش جس کے سینے پر وسیم کے نام کا بیج لگا ہوا تھا، ٹائیگر کے کندھے پر ہاتھ مارتے ہوئے بازاری لہجے میں بولا اور اس کے ساتھ ہی جیپ کی فضا قہقہوں کے قہقہوں سے گونجنے لگی۔ جواباً ٹائیگر نے کچھ کہنا مناسب نہ سمجھا۔ کیونکہ اسے مقتول مائیکل کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہ تھا۔

"ویسے مائیکل تم نے ہاتھ بڑی اونچی جگہ مارا ہے۔ خوش قسمت ہو تم۔" وسیم کے لہجے میں تشنہ جذبات کی حدت تھی۔ اس کی بات سن کر ٹائیگر سمجھ گیا کہ مقتول مائیکل نے ایک عدد محبوبہ بھی پال رکھی ہے جو اب اسے بھگتنا پڑے گی۔ یہ سوچتے ہوئے اس نے آنکھیں موند لیں اور سر سیٹ کی پشت گاہ سے ٹکا دیا۔

آدھے گھنٹے کے سفر کے بعد جیپ ایک جھٹکے سے رک گئی۔ ٹائیگر نے آنکھیں کھول کر ماحول کا جائزہ لیا۔ جیپ ایک بڑے سے جالی دار گیٹ کے پاس رکی تھی۔ غالباً کیمپ کی حدود شروع ہوگئی تھی۔

گیٹ کے ساتھ خاردار تاروں کی قدرے فاصلے پر بنی ہوئی تین دیواریں دور تک چلی گئی تھیں۔ ٹائیگر سمجھ گیا کہ درمیان والی تاروں میں بجلی رو دوڑ رہی ہوگی۔ ڈرائیور نے تین بار ہارن دیا تو گیٹ کھل گیا۔ جیپ تیزی سے آگے بڑھ گئی۔ گیٹ کے اندر باقاعدہ روڈ بنا ہوا تھا اور جگہ جگہ سرچ لائٹیں لگی ہوئی تھیں جس کے باعث رات میں بھی دن جیسا سماں [illegible] گیا تھا۔ یہاں پر ایک دوسرے سے قدرے فاصلے پر سیمنٹ سے بنی عمارتوں کا سلسلہ دور تک پھیلا ہوا تھا۔

جیپ ایک عمارت کے گیٹ کے سامنے رک گئی، جس پر رہائشی ایریا کا بورڈ لگا ہوا تھا۔

"وسیم تم مائیکل کو کمرے میں چھوڑ آؤ، پھر چیف کو رپورٹ کرتے ہیں۔" ڈرائیور نے وسیم نامی شخص کو ہدایت کی اور وہ اثبات میں سر ہلاتا ہوا نیچے اترا اور ٹائیگر کو سہارا دے کر نیچے اتارنے میں مدد دینے لگا۔

وہ اسے لے کر کمرے میں داخل ہوگیا۔ اندر سے عمارت کا ڈیزائن بالکل کسی اسپتال جیسا ہی تھا۔ طویل راہداری کے دونوں جانب کمروں کی قطاریں بنی ہوئی تھیں اور ہر دروازے پر نیم پلیٹیں بھی لگی ہوئی تھیں پھر وسیم ایک دروازے کے سامنے رک گیا جس پر مائیکل کے نام کی تختی لگی ہوئی تھی۔

اس نے ٹائیگر کی جیب سے چابیوں کا چھلا نکالا اور دروازہ کھول کر اسے بستر پر بٹھا دیا۔

"کہو تو میں ڈریسنگ کر دوں؟" وہ سوالیہ انداز میں بولا لیکن ٹائیگر نے اسے اشارے سے منع کر دیا۔

"اچھا ٹھیک ہے میں ڈیانا کو اطلاع کر دیتا ہوں۔" یہ کہہ کر وہ مسکراتے ہوئے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ اس کے جانے کے بعد ٹائیگر نے اٹھ کر دروازہ لاک کر دیا اور کمرے کا جائزہ لینے لگا۔ ایک کونے میں ڈریسنگ ٹیبل اور برابر میں وارڈ روب بنا ہوا تھا۔ ٹائیگر نے تیزی سے ڈریسنگ ٹیبل اور وارڈ روب کی تلاشی لی لیکن اس میں اسے کوئی خاص چیز نہ مل سکی جو مائیکل کی شخصیت پر روشنی ڈال سکتی۔ چنانچہ اب اسے جو کچھ بھی کرنا تھا اپنی ذہانت کے بل بوتے پر ہی کرنا تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ کیمپ نمبر ۱ کیا بلا ہے اور یہاں سفید فاموں کی موجودگی کا مقصد کیا ہے؟ اس نے جیب سے شناختی کارڈ نکال لیا اور مائیکل کی تصویر کا جائزہ لینے لگا۔ وہ ڈریسنگ ٹیبل کی تلاشی کے دوران میک اپ کے سامان کا جائزہ لے چکا تھا۔ گو کہ وہ پلاسٹک میک اپ کا ماہر نہیں تھا لیکن اپنے چہرے کو کسی حد تک سیاہ تو کر ہی سکتا تھا۔

ابھی وہ یہی سوچ رہا تھا کہ دروازے پر کسی کے قدموں کی آہٹ سنائی دی پھر تالے میں چابی لگانے کی آواز گونجی۔ ٹائیگر فوراً ہی بستر پر لیٹ گیا۔ دروازہ ہائیڈلی کھلا اور سیاہ تہبند میں ملبوس ایک سڈول جسم لڑکی کمرے میں داخل ہوگئی۔ اس کا چہرہ بھی نقاب میں چھپا ہوا تھا۔

"کیا ہوا ڈارلنگ۔ سنا ہے تم کچھ لوٹ پھوٹ گئے ہو؟" وہ بستر پر بیٹھتی ہوئی شوخ لہجے میں بولی اور اس کے ساتھ ہی اس نے نقاب اتار دیا۔ اس کا چہرہ دیکھ کر ٹائیگر چونکے بغیر نہ رہ سکا۔ وہ

کشش خدوخال کی مالک سفید فام لڑکی تھی۔ اس کی آنکھوں میں محبت اور وارفتگی کے چراغ جل رہے تھے اور گلاب رنگ ہونٹ پھول برساتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔ ٹائیگر ایک لمحے کے لیے اس کی جھیل کنول آنکھوں میں ڈوب کر رہ گیا۔ وہ سمجھ گیا کہ یہی... ڈیانا ہے۔

"مائیکل پلیز آج تو اپنا اصلی چہرہ دکھا دو۔ ہر طرف کالے چہرے دیکھ دیکھ کر تو اب میرا جی متلانے لگا ہے۔" اس کے لہجے میں درخواست تھی، ایک انوکھی حسرت تھی۔ ٹائیگر نے ایک لمحے کے لیے کچھ سوچا اور پھر بولا۔

"ایک شرط پر ہنی۔ میرا چہرہ دیکھنے کے بعد تم دوبارہ میرا میک اپ کرو گی۔ بولو منظور ہے؟"

"بالکل بلکہ ہزار بار منظور۔" ڈیانا بچوں کی طرح ٹھنکتے... ہوئے بولی۔

"ٹھیک ہے پھر تم اپنا چہرہ اس طرف کر لو۔" یہ کہہ کر ٹائیگر نے نقاب اتار دیا۔ "ہاں اب بولو۔ میں کیسا لگتا ہوں؟" ٹائیگر نے مسکراتے ہوئے اسے کندھوں سے تھام لیا۔

"اوہ خدایا... مائیکل تم تو بالکل میرے خوابوں کے شہزادے کی مانند ہو۔ تم نے اب تک اپنا چہرہ چھپا کر مجھ پر ظلم کیا ہے مائیکل۔" ڈیانا وارفتگی سے بولی اور اپنی انگلیوں سے اس کے بالوں میں کنگھی کرنے لگی پھر خود کو ٹائیگر کی شخصیت کے سحر سے بچا نہ سکی اور اس کی جمال مستی میں کھو کر رہ گئی لیکن سرور کے ان لمحات میں ڈیانا بے ساختگی سے ٹائیگر کو کیمپ کے متعلق بہت کچھ بتا چکی تھی۔

ٹائیگر کو یہ جان کر حیرت کے شدید جھٹکوں سے دوچار ہونا پڑا کہ یہ کیمپ اصل میں فوجی اڈے کی حیثیت رکھتا ہے اور یہیں کسی مقام پر ایٹمی میزائل نصب کیے جا رہے ہیں اور اس قسم کے مزید تین کیمپ قزان کے مختلف علاقوں میں واقع ہیں۔ جس کے متعلق ڈیانا کو زیادہ معلومات حاصل نہ تھیں۔

ٹائیگر کو حیرت ہو رہی تھی کہ افریقہ کا یہ چھوٹا سا ملک آخر کس لیے اور کیوں خود کو ایٹمی طاقت بنانے میں مصروف تھا، جبکہ اس کے تعلقات قریب کے کسی بھی ملک کے ساتھ کشیدہ نہ تھے۔

آنے والا دن ٹائیگر کے لیے ایک ہنگامہ خیز دن بھی ثابت ہو سکتا تھا، کیونکہ وہ کچھ نہیں جانتا تھا کہ اسے یہاں کیا کرنا ہے۔ اس کی یہ مہم پچھلی مہموں سے بالکل انوکھی تھی کیونکہ یہاں وہ صرف بتاؤ کے قحبہ خانے میں مفید سفید فام لڑکیوں کو رہا کرانے کے لیے آیا تھا لیکن بہرام کے خدشات کے پیش نظر اسے مزید تحقیقات کے لیے قزان کا راستہ اختیار کرنا پڑا تھا اور اب اس تحقیقات کا نتیجہ اس کے سامنے تھا لیکن اس کے فرائض پر ہنوز پردہ تھا کہ اسے ان حالات میں کیا کرنا چاہیے۔ آیا بہرام کو کسی نہ کسی ذریعے سے رپورٹ کرے یا اپنے طور پر کوئی کارروائی کرے یا پھر یہاں سے چپکے سے نکل کر بتاؤ چلا جائے؟

چنانچہ اس سے قبل کہ ڈیانا خوابوں کی وادیوں میں بھٹک جاتی، ٹائیگر نے اپنا میک اپ کر ڈالنا مناسب سمجھا پھر کچھ ہی دیر میں وہ مکمل طور پر سیاہ فام کے روپ میں تھا۔ اس نے جیب سے مائیکل کی تصویر نکال کر اس سے اپنا موازنہ کیا۔ تصویر اور اس میں اب سرمو فرق نہ تھا۔ چنانچہ اس نے تعریفی انداز میں سر ہلاتے ہوئے ڈیانا کی طرف دیکھا، جس کی آنکھوں میں اب بھی خود سپردگی اٹکھیلیاں لے رہی تھی اور اس کی سانسوں کی آمد و رفت بھی معمول سے کچھ زیادہ ہی تیز تھی۔

ٹائیگر نے مسکراتے ہوئے اسے کندھوں سے تھام لیا اور ڈیانا اس کی مسکراہٹ کی تپش سے موم کی طرح پگھلنے لگی۔ اس کی خمار آلود آنکھیں آپ ہی آپ بند ہوتی چلی گئیں لیکن چند لمحوں کے بعد کمرے کی فضا اس کے خراٹوں سے گونج رہی تھی۔

ٹائیگر نے بستر پر بکھری ڈیانا کا جائزہ لیا، جو سوتے میں بھی مسکرا رہی تھی۔ اسے یقین تھا کہ اب وہ صبح سے قبل نہیں اٹھے گی اور اسے صبح تک بہت کچھ کرنا تھا وہ بے آواز قدموں سے چلتا ہوا راہداری میں نکل آیا۔

راہداری کسی بیوہ کی طرح سونی سونی سی تھی لیکن چھت پر لگی سرکری لائٹس نے ہر طرف دن کا سا اجالا کر رکھا تھا۔ ٹائیگر کا رخ بیرونی دروازے کی طرف تھا لیکن دروازے کے قریب پہنچ کر اسے رک جانا پڑا، کیونکہ باہر لگی سرچ لائٹس اسے محافظوں کی نگاہوں سے چھپنے کا موقع نہیں دے سکتی تھیں اور اس کی مشکوک حرکات محافظوں کی گنوں کے لب کھولنے کے لیے کافی تھیں۔ اس نے ایک لمحے کے لیے کچھ سوچا اور پھر ایک ٹھنڈی سانس بھر کر ہاتھ دروازے کے لاک پر رکھ دیا۔

ابھی وہ دروازہ کھولنا ہی چاہتا تھا کہ کسی کے باتیں کرنے کی مدھم مدھم آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے دو افراد آپس میں باتیں کرتے ہوئے چلے آ رہے ہوں۔

ٹائیگر سانس روک کر ایک سائڈ پر ہو گیا اور ان کے نزدیک

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

آنے کا انتظار کرنے لگا۔ قدموں کی دھمک رفتہ رفتہ نزدیک آنے لگی اور پھر دو افراد باتیں کرتے ہوئے دروازے کے سامنے سے گزر گئے۔

وہ کیمپ کے محافظ تھے جو اپنے معمول کے گشت پر تھے۔ انھیں یقین تھا کہ اتنے کڑے انتظامات کے ہوتے ہوئے کوئی بھی اجنبی کیمپ میں داخل نہیں ہو سکتا۔ شاید اسی لیے وہ اتنے اطمینان سے باتیں کرتے ہوئے ٹہل رہے تھے۔ جونہی وہ دروازے کے سامنے سے گزر کر کچھ آگے بڑھے۔ ٹائیگر نے ہلکے سے دروازہ بجا دیا۔ ایسا کرتے ہوئے اسے یقین تھا کہ یہ ہلکی سی آواز بھی... محافظوں کے کانوں تک ضرور جائے گی اور وہ متجسس ہو کر ضرور پلٹیں گے۔ پھر ہُوا بھی ایسا ہی۔ جونہی دروازہ بجنے کی آواز گونجی تو باتوں کا سلسلہ یکدم رُک گیا اور قدموں کی آواز پھر دروازے کی سمت آنے لگی۔

ٹائیگر فوراً کونے کی سمت لپکا تاکہ محافظ دروازہ کھول کر راہداری میں داخل ہو تو وہ فوری طور پر اُس کی نظروں میں نہ آ سکے۔ ابھی اسے کونے میں کھڑے ایک لمحہ بھی نہ گزرا تھا کہ دروازے کا لیور آہستہ آہستہ گھومنے لگا اور پھر دروازہ ایک ہلکی سی چرچراہٹ کے ساتھ کھل گیا لیکن محافظ اندر آنے کی ضرورت محسوس نہ کی اور باہر ہی سے راہداری کا معائنہ کر کے دروازہ بند کرنے لگا لیکن اس سے قبل کہ وہ دروازہ بند کر کے آگے بڑھتا، ٹائیگر نے دیوار پر لگے لائٹوں کے سوئچ پر ہاتھ رکھ دیا اور اگلے ہی لمحے پوری راہداری اندھیرے میں ڈوب گئی۔

دروازہ ایک جھٹکے سے پھر کھلا اور ایک محافظ اندر داخل ہو کر تیزی سے اسی جانب بڑھا جہاں ٹائیگر کھڑا تھا۔ محافظ کا ایک ہاتھ اُٹھا ہُوا تھا۔ غالباً وہ دیوار پر نصب سوئچ بورڈ کا معائنہ کرنا چاہتا تھا۔ ٹائیگر نے کھسک کر جگہ تبدیل کر لی پھر جونہی محافظ نے ہاتھ سوئچ بورڈ پر رکھنا چاہا، ٹائیگر نے بجلی کی سی سرعت سے اسے دبوچ لیا۔ محافظ اس اچانک افتاد سے گھبرا سا گیا۔ اس نے ٹائیگر کی گرفت سے نکلنے کے لیے اپنے جسم کو دو تین جھٹکے دیے لیکن اسے ایسا محسوس ہُوا جیسے اس کا جسم کسی آہنی شکنجے میں کس دیا گیا ہو اور اب وہ اس شکنجے سے اپنی مرضی سے آزاد نہیں ہو سکتا۔ یہ سوچتے ہی اس کے جسم سے ٹھنڈا ٹھنڈا پسینہ خارج ہونے لگا۔ اس نے خوف سے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور ہاتھ میں دبی رائفل پھسلتے ہوئے فرش پر گر گئی۔

ٹائیگر کے بازو کسی اکٹوپس کے پیروں کی طرح اس کے جسم کے گرد کسے ہوئے تھے۔ جب اس نے محسوس کیا کہ محافظ کی مزاحمت اب دم توڑ چکی ہے تو اس نے تیزی سے اس کی... کنپٹیاں مسل دیں اور اس کے گرتے وجود کو ہاتھوں میں سنبھال کر ایک قریبی کمرے کا دروازہ کھولنا چاہا لیکن دروازہ لاک ہونے کے باعث نہ کھل سکا۔ ٹائیگر نے دوسری بار بڑے ماہرانہ انداز میں لیور کو ایک ہلکا سا جھٹکا دیا اور لاک کلک کی آواز کے ساتھ ٹوٹ گیا۔

ٹائیگر نے یہ دیکھے بنا کہ کمرا خالی بھی ہے یا نہیں، محافظ کے بے ہوش جسم کو بستر کی طرف اُچھال دیا اور خود سینے پر ٹائیگل کے نام کے بیج کو اُتار کر جیب میں رکھتے ہوئے بیرونی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ محافظ کی رائفل اب بھی دروازے کے پاس پڑی تھی۔ ٹائیگر وہ رائفل اُٹھا کر باہر نکل آیا لیکن باہر نکلنے سے قبل وہ لائٹ آن کرنا نہ بھولا تھا۔

دوسرا محافظ کچھ فاصلے پر کھڑا سگریٹ کے کش لگا رہا تھا۔ اس کا چہرہ بھی نقاب میں چھپا ہُوا تھا۔ اس کی نظریں دروازے کی سمت لگی ہوئی تھیں۔ جونہی ٹائیگر دروازے سے نکلا، اس نے سگریٹ ہونٹوں سے نکال کر زمین پر پھینک دی اور اسے جوتے کی ایڑی سے مسل دیا... اور ٹائیگر کے قریب پہنچنے کا انتظار کرنے لگا۔

ٹائیگر کسی قدر فاصلے پر بنی ہوئی دو منزلہ عمارتوں کا جائزہ لیتے ہوئے ٹہلنے کے سے انداز میں اُس محافظ کی طرف بڑھنے لگا۔

▽ ▽

اُوشان صوفے پر ساکت و جامد بیٹھا ہُوا تھا۔ اس کی نگاہیں چھت پر کسی نکتے پر مرکوز تھیں اور بہرام دونوں ہاتھ پشت پر باندھے کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ اس کے چہرے پر تفکر کے تاثرات نمایاں تھے اور وہ کسی سوچ میں ڈوبا ہُوا محسوس ہوتا تھا۔ کبھی کبھی وہ چلتے ہوئے اُوشان کے سامنے رُک جاتا اور گہری نظروں سے اس کا جائزہ لے کر پھر ٹہلنے میں مصروف ہو جاتا۔

"کیا بات ہے شہنشاہ غالباً آپ کچھ کہنا چاہتے ہیں؟" اُوشان نے اُس کی بے چینی بھانپتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں..." بہرام اس کے سامنے رُکتا ہوا بولا۔ اس کی نظریں اب بھی اُوشان کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ ان نظروں میں ایک عجیب طرح کا اضطراب تھا جیسے وہ اُوشان کے چہرے پر کوئی شے تلاش کر رہی ہوں۔

اُوشان نے مسکراتے ہوئے بہرام کی آنکھوں میں جھانکا۔ اُوشان کی آنکھوں میں نہ جانے کون سی چمک تھی کہ بہرام جھرجھری سی لے کر رہ گیا اور اس نے سٹپٹا کر نگاہیں جھکا لیں اور اپنے ٹہلنے کا عمل دوبارہ شروع کر دیا۔

"آپ کچھ کہہ رہے تھے شہنشاہ!" اُوشان مسکراتے ہوئے بولا۔

"ہاں..." بہرام ایک طویل سانس لے کر بولا۔ "آج صبح تم کہاں تھے؟" اس بار بہرام نے اس کی طرف نہیں دیکھا تھا۔

"وہیں، جہاں کے بارے میں آپ کو بتایا گیا ہے۔" اُوشان انتہائی نرم لہجے میں بولا۔ اس کے ہونٹوں پر بدستور دھیمی دھیمی سی مسکراہٹ ناچ رہی تھی۔ اسے یقین تھا کہ عرب سفیر نے پریذیڈنٹ کو اس کا حلیہ ضرور بتایا ہوگا اور اسی حلیے کے باعث پریذیڈنٹ نے بہرام سے بات کی ہوگی۔

"کیا تمھارا یہ عمل درست تھا اُوشان؟" بہرام کے لہجے میں قدرے سختی آ گئی تھی اور وہ اب اپنی مخصوص کرسی پر بیٹھ چکا تھا۔ "تمھیں معلوم ہے یہودیوں کا امریکی اقتدار میں کتنا اثر ہے۔ بلکہ امریکہ میں پس پردہ حکومت ہی یہودی کرتے ہیں۔ وہ جسے چاہتے ہیں... اقتدار سے محروم کر دیتے ہیں اور جو اُن کے سر میں سُر ملا کر بولے اُسے مسندِ اقتدار پر بٹھا دیتے ہیں۔ ان کی مخالفت تو یہاں عرب بھی کھل کر نہیں کر سکتے پھر تم نے ان کے ایک آدمی کو ہلاک اور چار کو زخمی کر دیا ہے اور یہ بھی خدا کا شکر ہے کہ سفیر نے صرف پریذیڈنٹ کو ہی تمھارا حلیہ بتایا ہے ورنہ ہمارے لیے امریکہ میں کافی مسائل کھڑے ہو سکتے تھے۔"

اُوشان نے دونوں ہاتھ پیچھے پر باندھ لیے اور آگے کی جانب جھکتے ہوئے بولا۔ "آپ کو صرف اتنا فیصلہ کرنا ہے شہنشاہ کہ میرا یہ عمل درست تھا یا نہیں؟"

"غلط بھی نہیں تھا اُوشان لیکن..." بہرام نے آنکھیں موند کر سر کرسی کی پشت گاہ سے ٹکا دیا۔ "لیکن یہ ضابطے کے خلاف اور تمھارے فرائض میں شامل نہیں تھا۔ ٹائیگر کو امریکہ سے باہر بھیجنے کے پیچھے بھی کچھ عوامل تھے اُوشان اور وہ عوامل یہ تھے کہ پریذیڈنٹ نے اس عرب ملک کے سربراہ کو قتل کرنے کے لیے کہا تھا اور میں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا تھا۔"

"آپ نے بالکل درست کیا تھا بہرام۔" اُوشان نے توصیفی انداز میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"لیکن تم یہ بھی جانتے ہو کہ امریکہ میں یہودیوں کی... مخالفت کر کے کوئی بھی نہیں رہ سکتا۔ وہائٹ ہاؤس میں بھی جس نے ذرہ برابر بھی اسرائیل کی مخالفت کی وہ اگلے الیکشن میں وہائٹ ہاؤس سے باہر ہوتا ہے۔ امریکہ میں امریکیوں کی حکومت نہیں بلکہ اسرائیلی یہودیوں کی حکومت ہے اُوشان... اگر انھیں ہمارے بارے میں علم ہو گیا تو وہ ہمارے لیے کافی مشکلات کھڑی کر سکتے ہیں۔"

اُوشان شانے جھٹکتا ہُوا اُٹھ کھڑا ہُوا اور دھیرے دھیرے چلتا ہُوا بہرام کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ جب وہ بولا تو اس کے لہجے میں فولاد کی سی سختی تھی۔ "اگر ایسا ہُوا شہنشاہ تو آپ یقین رکھیں میں بلا معاوضہ ایک ایک انتہا پسند یہودی کو قتل کر دوں گا۔" یہ کہہ کر وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا جہاں صبح اس کے لیے ناشتا تیار کیے بیٹھی تھی۔

"آئیے فادر..." روبی اُوشان کو کمرے میں داخل ہوتے دیکھ کر بولی۔ "آپ نے انکل کے پاس کافی دیر لگا دی؟"

"ہاں میری بچی۔ بہرام یہودیوں کی وجہ سے کافی پریشان ہے۔" اُوشان ناشتے کی ٹرے کا جائزہ لیتے ہوئے بولا۔

"ہونا بھی چاہیے فادر! اُن کی حرکتیں اب ناقابلِ برداشت ہوتی جا رہی ہیں۔ آج بھی نیویارک میں اُن کا جلسہ ہو رہا ہے جس میں وہ اسرائیل کے مظالم کی مخالفت کرنے والوں کا سوشل بائیکاٹ کرنے کا فیصلہ کریں گے۔" روبی ناشتا کرتے ہوئے تیز تیز لہجے میں بول رہی تھی اور اُوشان خاموشی سے اسے بولتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر پراسرار مسکراہٹ رقصاں تھی اور وہ سوچ رہا تھا کہ اگر شیرز راضی ہو جائے تو روبی کے ساتھ اس کی جوڑی کیسی شاندار لگے۔

▽ ▽

ٹائیگر محافظ کے نزدیک پہنچ کر جان بوجھ کر جھینکیں مارنے لگا تاکہ وہ اپنے ساتھی کی آواز پر زیادہ توجہ نہ دے سکے۔

"کیا بات تھی ہیٹر؟" محافظ اس کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

"کوئی خاص نہیں۔" ٹائیگر رومال سے ناک رگڑتے ہوئے بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "بس ذرا فیوز اُڑ گیا تھا۔"

"خیر... چلو میں سرکنی بلاک کا راؤنڈ لگاتا ہوں تم بڑھے توتوں والے بلاک کا چکر لگا لو۔" یہ کہتے ہوئے محافظ بڑھنے لگا۔

"ویسے ہیٹر یہ بھی کتنی عجیب بات ہے۔ یہ امریکی اور روسی بظاہر تو ایک دوسرے کے دشمن رہتے ہیں لیکن یہاں یہ دونوں بڈھے تو نے کس طرح باہم شیر و شکر ہیں۔ جیسے ہر غم و غم کے ساتھی ہوں۔" یہ کہہ کر وہ ایک بڑی سی عمارت کی طرف بڑھ گیا جبکہ ٹائیگر سامنے واقع اُس رہائشی عمارت کی سمت چل دیا۔ جس کی نشاندہی محافظ نے کی تھی۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

وہ عمارت کے دروازے پر پہنچ کر رُک گیا۔ یہ عمارت بھی بالکل دیسی ہی تھی، جہاں سے ٹائیگر نکل کر آیا تھا۔ چنانچہ اس نے ایک لمحے کے لیے گیٹ پر رُک کر اردگرد کا جائزہ لیا۔ محافظ نظروں سے اُوجھل ہو گیا تھا اور سرچ لائٹ پر تعینات محافظ بھی بے فکری کے ساتھ گپیوں میں مصروف تھے۔ کبھی کبھار ان کے قہقہوں سے کیمپ پر طاری سناٹا چیخ جاتا تھا۔

ٹائیگر اطمینان سے مطمئن ہو کر اندر داخل ہو گیا۔ اس راہداری میں روشنی زیادہ تھی۔ غالباً مرکزی لائٹس کے بجائے روشنی کے لیے چھوٹے بلب یا ٹیوب لائٹس استعمال کی گئی تھیں۔ راہداری میں سناٹا پھیلا ہُوا تھا۔ ٹائیگر نے اپنی حسیات کو کام میں لاتے ہوئے کوئی مدھم سی آواز سُننے کی کوشش کی لیکن اسے سوائے خراٹوں کے اور کوئی آواز سنائی نہ دی۔ چنانچہ وہ دروازوں پر لگی نیم پلیٹیں پڑھتا ہُوا آگے بڑھنے لگا۔۔۔ ابھی وہ چند ایک نام ہی پڑھ سکا تھا کہ اس کی سماعت سے مدھم سی سرگوشی ٹکرائی۔ ٹائیگر سرگوشی سُن کر ٹھٹک گیا۔ اس نے سماعت پر زور ڈال کر سمت کا اندازہ لگانے کی کوشش کی تو پتا چلا کہ کوئی سب سے آخر والے کمرے میں باتیں کر رہا ہے۔

ٹائیگر بے آواز قدموں سے دھیرے دھیرے آگے بڑھا۔

جُوں جُوں وہ آگے بڑھتا جا رہا تھا، سرگوشیاں صاف ہوتی جا رہی تھیں۔ اب ٹائیگر بعض لفظ بھی صاف سُن سکتا تھا۔ اس نے دروازے سے کان لگا دیا۔

کمرے میں تین افراد بحث میں مصروف تھے۔ تینوں انگریزی میں باتیں کر رہے تھے لیکن تینوں کا لہجہ مختلف تھا۔ ٹائیگر نے ان کے لہجے سے ان کی قومیت کا اندازہ لگانے کی کوشش کی تو اسے یہ جان کر بڑی حیرت ہوئی کہ وہ امریکہ، فرانس اور روس سے متعلق ہیں لیکن سب سے زیادہ باعثِ حیرت بات یہ تھی کہ گفتگو کے دوران ان کا لہجہ انتہائی دوستانہ ہے اور ان کی آوازوں سے یہ بھی عیاں تھا کہ ان میں سے دو کافی عمر رسیدہ آدمی ہیں جبکہ ایک کی عمر ان سے قدرے کم ہے۔

ٹائیگر آرام سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ لیکن وہ اس طرح اندر آیا تھا کہ ان تینوں کو اس کی آمد کا احساس نہ ہو سکا۔ وہ بدستور اپنی گفتگو میں محو رہے۔

وہ تینوں ایک چھوٹی ٹیبل کے گرد بیٹھے تھے۔ ان کے آگے ایک بوتل کھلی رکھی تھی اور ہاتھوں میں گلاس دبے ہوئے تھے۔ ان میں دو واقعی عمر رسیدہ تھے۔ ان کے سر کے بال چاندی کی طرح چمک رہے تھے اور چہرے پر جھُرّیوں کا جال سا پھیلا ہُوا تھا۔ ان میں سے

ایک پراسرار مورتی کے حصول کے لئے ہونے والے خوفناک معرکے کا احوال

خبیث

انوار صدیقی کے پراسرار قلم سے

5 حصوں میں، مکمل سیٹ =/200 روپے

مکتبہ القریش سرکلر روڈ اردو بازار لاہور

فون 7668958

جاسوسی ڈائجسٹ کا مقبول سلسلہ

سرکش

محمود احمد مودی کے شہکار قلم سے

12 حصوں میں شائع ہو گیا ہے

قیمت فی حصہ =/50 روپے

مکمل سیٹ =/600 روپے

مکتبہ القریش سرکلر روڈ اردو بازار لاہور

فون 7668958

ایک کا لہجہ خالص امریکی تھا جبکہ دوسرا بوڑھا روسی لہجے میں انگریزی بول رہا تھا۔ ان کا تیسرا ساتھی اپنے چہرے کے نقش و نگار سے فرانسیسی نظر آ رہا تھا اور وہ اپنے دونوں ساتھیوں کے مقابلے میں کافی صحت مند اور کم عمر لگ رہا تھا۔ اس کے سر کا درمیانی حصہ بالوں سے پاک تھا اور کسی انڈے کی طرح چمک رہا تھا۔

ٹائیگر دروازے کے قریب کھڑا ان کا جائزہ لیتا رہا۔ ان کی

عشق کا مقبول سلسلہ

سرفروش

نامور مصنف اظہر کلیم

کے ایڈونچرس قلم سے

دو حصوں میں مکمل سیٹ =/100

مکتبہ القریش سرکلر روڈ اردو بازار لاہور

فون 7668958

ابلیسا

اسلم راہی

جس میں حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک دنیا کی تاریخ پیش کی گئی ہے

تمام جلدوں میں مکمل سیٹ =/1950 روپے

ناشرین و تاجر حضرات سے رابطہ فرمائیں

گفتگو اس کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ وہ دقیق سائنسی اصطلاحات نہیں، جو وہ اپنی گفتگو میں استعمال کر رہے تھے۔

ٹائیگر بے آواز قدموں سے چلتا ہُوا ان کے قریب پہنچ گیا لیکن وہ اس کے وجود سے بے خبر اپنی گفتگو میں مصروف رہے۔ انہیں اس بات کا قطعی احساس نہ ہو سکا کہ کوئی عین ان کے سر پر کھڑا ان کی گفتگو سُن رہا ہے۔

انہیں اس وقت ٹائیگر کے وجود کا احساس ہُوا جب اس نے امریکی کے ہاتھ سے گلاس تھام کر زور سے میز پر رکھ دیا۔ وہ تینوں گلاس رکھنے کی آواز سے اس طرح اُچھلے جیسے انہیں کسی بچھو نے کاٹ لیا ہو۔ انہوں نے پلٹ کر منہ توڑ نظروں سے آنے والے کو دیکھا پھر جب ان کی نگاہ سیاہ لبادے میں ملبوس ٹائیگر پر پڑی تو ان کے چہرے پر ناگواری کے تاثرات پھیل گئے۔

"تم یہاں کیا کر رہے ہو مسٹر؟" روسی نے درشتی سے پوچھا۔

"تمہاری ڈیوٹی باہر ہے کمرے کے اندر نہیں۔"

"ہاں... لیکن میں نے سوچا کہ آج مجھے بھی آپ کی علمی گفتگو سے مستفید ہونا چاہیے۔ میرا خیال ہے آپ لوگوں کو میری موجودگی ناگوار نہیں گزرے گی۔" ٹائیگر نے انتہائی مؤدب لہجے میں کہا۔

"اپنی ڈیوٹی پر جاؤ نوجوان۔" امریکی نرم لہجے میں بولا۔ "ہماری باتیں تمہاری سمجھ میں نہیں آئیں گی۔"

"بالکل...!" فرانسیسی مسکراتے ہوئے بولا۔ "تم نے اپنی عمر کا وہ حصہ جس میں تم علم حاصل کر سکتے تھے۔ یقیناً لڑکیوں کے پیچھے دوڑتے دوڑتے گنوا دیا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو آج تم معمولی محافظ نہ ہوتے۔ اس لیے اپنی ڈیوٹی پر جاؤ اور ہمیں پریشان نہ کرو۔"

"آپ درست فرماتے ہیں جناب!" ٹائیگر بدستور مؤدب لہجے میں بولا۔ "لیکن ایک چھوٹی سی تشکیل ہے اگر آپ کو گراں نہ گزرے تو سُن لیجیے۔ اُمید ہے اس سے آپ کے علم میں اضافہ ہو گا۔"

"اچھا...!" فرانسیسی استہزائیہ انداز میں مسکراتے ہوئے بولا۔ پھر جلدی سے سُنا کر دفعان ہو جاؤ۔" یہ کہہ کر اس نے اپنے ساتھیوں کو آنکھ ماری اور وہ بھی ناگواری سے ٹائیگر کی جانب دیکھنے لگے۔

"ایک بار کسی عالم کو ایک ضروری کام سے دوسرے شہر جانے کی ضرورت پیش آئی۔ چنانچہ وہ دریا کے کنارے پہنچا اور کشتی والے سے کرایہ طے کر کے کشتی میں سوار ہو گیا۔ جونہی کشتی چلی، اس نے ملاح کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا کیوں بھئی تم نے کچھ علم بھی حاصل کیا یا نہیں؟ ملاح نے بڑی ندامت سے جواب دیا۔ نہیں جناب! میں اَن پڑھ ہوں۔ عالم نے تاسف کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ افسوس تمہاری زندگی بے کار گئی۔ ملاح کو اس بات سے بڑا دکھ پہنچا۔۔۔ پھر جیسے ہی کشتی دریا کے درمیان پہنچی تو اچانک اُسے طوفان نے آن لیا اور کشتی ڈولنے لگی۔ یہ دیکھ کر ملاح نے عالم سے پوچھا۔ جناب کیا آپ کو تیرنا آتا ہے؟ عالم نے نفی میں سر ہلا دیا تو ملاح نے بڑے تاسف کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ افسوس ہے جناب کہ آپ نے بھی اپنی زندگی گنوا دی۔" یہ کہہ کر اس نے کشتی سے چھلانگ لگا دی اور تیرنے لگا جبکہ عالم کشتی اُلٹنے سے ڈوب

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

گیا تو تمثیل سنا کر ٹائیگر خاموشی سے ان کے چہرے کا جائزہ لینے لگا۔ تینوں سائنس دانوں کے چہروں پر برہمی کے آثار چھانے لگے تھے۔

"تمہارا یہ تمثیل سنانے کا مقصد کیا ہے مسٹر؟" روسی نے غصے سے غراتے ہوئے کہا۔

"صرف اتنا جناب عالی! کہ آپ نے صرف دنیا کو تباہ کرنے کا علم حاصل کیا ہے۔ اپنی زندگیاں بچانے کا نہیں۔ اس لیے آپ نے اپنی زندگی گنوا دی۔" یہ کہتے ہوئے ٹائیگر کے ہاتھ نے تیزی سے حرکت کی اور اس کی تنی ہوئی انگلی کسی خنجر کی طرح روسی بوڑھے کے نرخرے میں ترازو ہوگئی اور اس کی آنکھیں حیرت و کرب سے پھٹ کر رہ گئیں۔ جب ٹائیگر نے اپنی انگلی کھینچی تو روسی کے حلقوم سے خون کسی فوارے کی طرح ابل ابل کر میز کی سطح کو مسرح کرنے لگا۔

فرانسیسی اور امریکی سائنس دان دہشت سے بت بنے اپنے ساتھی کو دیکھ رہے تھے جس کے نرخرے سے عجیب عجیب سی آوازیں خارج ہو رہی تھیں۔

وہ ایک لمحے کے لیے اپنی سیٹ پر تنا بیٹھا رہا پھر دھیرے دھیرے اس کا سر آگے کی جانب جھکنے لگا اور پھر وہ ایک جھٹکے سے میز پر الٹ گیا۔ اس کے بدن پر لرزا طاری تھا جیسے اسے شدید سردی لگ رہی ہو۔

اس کے دونوں ساتھی پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے تڑپتا دیکھ رہے تھے۔ وہ جو انسانیت کو تباہ کرنے کے منصوبے بنانے کے ماسٹر تھے، خود اپنے ساتھی کو موت کے بے رحم ہاتھوں میں دیکھ کر اتنے دہشت زدہ ہو گئے تھے کہ ایک لمحے کے لیے ٹائیگر کو بھی بھول گئے جو ان کے ساتھی کے لیے فرشتۂ اجل ثابت ہوا تھا۔

ابھی وہ اپنے ساتھی کو دم توڑتے ہوئے دیکھنے میں ہی مصروف تھے کہ ٹائیگر نے امریکی کو گردن سے پکڑ کر کرسی سے کھڑا کر دیا۔

"ہاں جنابِ عالی! اب بتائیں کس کی زندگی بے کار گئی؟" اس نے سرد آواز میں پوچھا۔

امریکی نے پلٹ کر اس کی آنکھوں میں جھانکا جہاں سفاکی اور موت کے سوا اسے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس نے آج تک کسی کو اپنی انگلی سے خنجر کا کام لیتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ اس کے دل کی دھڑکن تیز ہونے لگی۔ ایک عام آدمی کا دل ایک منٹ میں بہتر مرتبہ دھڑکتا ہے لیکن اس نے محسوس کیا کہ اس کا دل کسی بھی عام آدمی کے دل کے تناسب میں کافی سے زیادہ تیز رفتاری سے دھڑک رہا ہے۔

اس نے رحم طلب نگاہوں سے ٹائیگر کی طرف دیکھا... لیکن ٹائیگر کی آنکھوں اور ہاتھ کی گرفت سے اس نے اندازہ لگایا کہ وہ رحم جیسے جذبے سے اسی طرح عاری ہے جیسا کہ وہ خود... اگر وہ خود رحم دل ہوتا تو کبھی دنیا کی تباہی کا سامان نہ کرتا اور نہ ہی دولت کے لالچ میں کبھی ان سفاک سیاہ فاموں کے ہتھے چڑھتا لیکن اب وہ کیا کر سکتا ہے۔ کچھ بھی تو نہیں۔ یہ سوچتے ہوئے اس کا دل بڑے زور سے پھڑکا اور پھر خاموش ہو گیا ہمیشہ کے لیے...!

ٹائیگر نے اس کے بے جان جسم کو چھوڑا تو وہ کسی مُردہ چھپکلی کی طرح دھپ سے کرسی پر گر گیا۔

کمرے کی فضا میں موت کا سناٹا پھیلا ہوا تھا۔ فرانسیسی کو ہر طرف موت رقص کرتی نظر آ رہی تھی۔ اسے اپنی تیز تیز سانسوں کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی جو نہی امریکی بے جان ہو کر اس کے سامنے گرا، وہ یک دم ہوش میں آ گیا۔ اس نے ایک نظر اپنے ساتھیوں پر ڈالی۔ اس کا روسی ساتھی جو چند منٹ قبل اس سے بحث میں مصروف تھا اب تڑپتے تڑپتے ساکت ہو چکا تھا جب کہ اس کا دوسرا ساتھی تڑپے بغیر ہی موت کی تمام منازل طے کر چکا تھا۔ اسے ٹائیگر کی صورت میں موت اپنی طرف بڑھتی ہوئی محسوس ہوئی۔

وہ ایک جھٹکے سے اٹھا اور تیزی سے پہلو والے دروازے کی طرف دوڑا لیکن راہ میں ٹائیگر کا وجود کسی چٹان کی طرح حائل تھا۔ اس نے پورے زور سے ٹائیگر کے سینے پر مکہ ماری۔ اس کا خیال تھا کہ ٹائیگر لڑکھڑا جائے گا اور اس طرح اسے دروازے تک پہنچنے کا موقع مل جائے گا... لیکن جب وہ ٹائیگر سے ٹکرایا تو اسے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ انسان نہیں کوئی آہنی دیوار ہو... اور اس دیوار سے ٹکرانے کے باعث اس کے اندر کچھ ٹوٹ پھوٹ ہو گئی ہو۔ وہ ایک لمحے کے لیے لڑکھڑایا اور پھر ٹائیگر کے کندھے کا سہارا لے کر سنبھل گیا۔ اس کا جسم خزاں رسیدہ پتے کی مانند لرز رہا تھا اور چہرے سے دہشت اس طرح ٹپک رہی تھی جیسے اس نے کوئی انتہائی خوفناک منظر دیکھ لیا ہو۔

اس نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے ٹائیگر کی طرف دیکھا جس کی آنکھوں میں سرد مہری تھی۔ اگر ٹائیگر کے چہرے پر نقاب نہ ہوتی تو شاید وہ اس کے ہونٹوں پر امڈتی وہ سفاک مسکراہٹ بھی دیکھ لیتا جو بدقابل کا پتہ پانی کرنے کے لیے کافی ہوتی ہے۔

ٹائیگر نے اسے لڑکھڑاتے دیکھا تو اسے سہارا دے کر دوبارہ کرسی پر بٹھا دیا۔

"ہاں اب بتاؤ میرے دوست کہاں نصب ہیں؟" اس نے لہجے کو خنجر کر دینے والی سرد آواز میں پوچھا لیکن فرانسیسی صرف خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گیا۔ اس کی نگاہیں اپنے ساتھیوں کے بے جان جسموں پر جمی ہوئی تھیں۔

ٹائیگر نے اس کی حالت کا جائزہ لیتے ہوئے میز پر رکھی بوتل سے وہسکی گلاس میں انڈیلی اور گلاس اٹھا کر فرانسیسی کے ہاتھوں میں تھما دیا۔

فرانسیسی نے پورا گلاس ایک ہی سانس میں حلق میں انڈیل لیا اور آنکھیں بند کر کے لمبی لمبی سانسیں لینے لگا۔ رفتہ رفتہ اس کے چہرے کے تاثرات اعتدال پر آنے لگے۔ کچھ ہی دیر کے بعد اس نے آنکھیں کھول دیں۔ اب وہ اپنے مُردہ ساتھیوں کی طرف دیکھنے سے گریز کر رہا تھا۔

"میزائل ابھی نصب نہیں کیے گئے بلکہ وہ تیاری کے انتہائی آخری مراحل میں ہیں۔ البتہ چند دنوں میں نہ صرف تیار ہو جائیں گے بلکہ انھیں استعمال بھی کیا جائے گا۔" اس نے بڑے مدھم لہجے میں کہا۔

"یہ کس کے خلاف استعمال ہوں گے؟" ٹائیگر نے اس بار کافی نرم لہجے میں پوچھا۔

"معلوم نہیں۔ البتہ اس کی مار نصف ارضی بلکہ روس تک ہوگی۔"

"ہُوں..." ٹائیگر نے سوچتے ہوئے کہا۔ "اسے بے ضرر بنانے کا کوئی طریقہ بھی ضرور ہوگا۔" ٹائیگر نے اسے سوالیہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں، ابھی وہ تیاری کے مراحل میں ہے اگر کوئی ماسٹر کمپیوٹر کو تباہ یا پھر میزائل میں نصب ڈسک پروگرام کو نکال کر ضائع کر دے تو وہ چلائے جانے کے قابل نہیں رہے گا لیکن اس کی تباہ کن خاصیت برقرار رہے گی۔ مگر کمپیوٹر اور ڈسک پروگرام دوبارہ تیار کرنے میں نہ صرف ایک طویل مدت بلکہ کثیر سرمایہ بھی درکار ہوگا۔" اب فرانسیسی قدرے اعتماد سے بول رہا تھا اور اس کا انداز ایسا تھا جیسے وہ کسی کلاس کو لیکچر دے رہا ہو۔ "اس سے چھٹکارا پانے کا سب سے آسان طریقہ یہی ہے کہ اسے گہرے سمندر میں پھینک دیا جائے۔"

"ماسٹر کمپیوٹر کہاں نصب ہے؟" ٹائیگر نے ٹرمی سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے پوچھا۔

"کنٹرول روم کے اوپر والے حصے میں... کیا تم سیکرٹ ایجنٹ ہو نوجوان...؟"

"نہیں۔" ٹائیگر مسکراتے ہوئے بولا۔ "میں خدائی فوجدار ہوں۔"

"اب تم مجھے تو قتل نہیں کرو گے نا؟" فرانسیسی تھوک نگلتے ہوئے بولا۔ اس کی آنکھوں میں رحم طلبی اور التجا کے ملے جلے تاثرات تھے۔

"قتل تو ضرور کروں گا لیکن چونکہ تم نے مجھ سے کسی قسم کا تعاون کیا ہے، اس لیے مرتے ہوئے تمھیں فوراً ہی تکلیف نہیں ہوگی۔" یہ کہہ کر وہ دھیرے دھیرے فرانسیسی کے قریب ہونے لگا۔

فرانسیسی اسے اپنی طرف بڑھتا دیکھ کر خوفزدہ ہو گیا۔ اس نے

شمثیلے کا سوداگر
مصنف طارق اسمٰعیل ساگر
خوبصورت سرورق
دیدہ زیب پرنٹنگ و طباعت
قیمت 150/- روپے
مکتبہ القریش
سرکلر روڈ اردو بازار لاہور
فون 7668958

کرسی سے اٹھنے کی کوشش کی لیکن ٹائیگر نے اسے کندھے سے پکڑ کر دوبارہ کرسی پر دبا دیا اور پھر اس کے ساتھ ہی ہاتھ کی پشت سے اس کی کنپٹی پر ایک زوردار ضرب لگائی اور فرانسیسی منہ سے کوئی آواز نکالے بغیر کرسی سے ڈھلک گیا۔ اس کے چہرے پر کرب کا کوئی تاثر نہیں تھا۔ ٹائیگر نے صحیح کہا تھا کہ مرتے ہوئے اسے ذرا بھی تکلیف نہیں ہوئی۔

ٹائیگر نے اس کے لباس سے خون آلود انگلی صاف کی اور کہتے ہوئے عمارت سے باہر آ گیا۔ اس کے انداز میں بے فکری دیکھ کر کوئی بھی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ اس ایک رات میں اس نے کئی افراد کو ہلاک اور زخمی کیا ہے۔

فضا میں اب خنکی سا جانا چھا رہا تھا۔ سرچ لائٹیں بجھ چکی تھیں۔ رات بھر کے جاگے محافظ بھی اب اونگھ رہے تھے۔ ٹائیگر اندھیرے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اس عمارت کی طرف بڑھنے لگا جو دوسری عمارتوں سے قدرے ہٹ کر بنی ہوئی تھیں۔ دور کیمپ کے مرکزی گیٹ پر ہی کچھ گہما گہمی سی نظر آ رہی تھی، باقی پورے کیمپ میں سناٹا پھیلا ہوا تھا۔

اس عمارت کی وضع قطع دوسری عمارتوں سے کافی مختلف تھی اور وہ دوسری عمارتوں کے برعکس اس عمارت پر پہرا بھی سخت لگا ہوا تھا اور سیاہ پوش کندھے پر مشین گن لٹکائے درجنوں کے حساب سے سپاہی ٹہلنے میں مصروف تھے۔ اس کی کمر سے ریوالور کی پیٹی بھی ٹنگ رہی تھی جس سے اعشاریہ تین کے سیاہ ریوالور کا دستہ جھانک رہا تھا۔

ٹائیگر جونہی قریب پہنچا، محافظ چوکنے ہوتے ہوئے الرٹ ہو گیا اور ٹامی گن کندھے سے لٹکا کر [illegible]

"خدا حافظ [illegible]

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

درمیان کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

ٹائیگر نے خاموشی سے جیب میں ہاتھ ڈالا اور وہیم کا شناختی کارڈ نکال کر اسے تھما دیا۔ محافظ نے ایک نظر کارڈ پر ڈالی اور سر ہلاتے ہوئے کہنے لگا۔

"تمہاری ڈیوٹی کنٹرول روم میں تو نہیں ہے؟" اس نے مشکوک نظروں سے ٹائیگر کو دیکھا اور ٹامی گن کا رُخ اس کی سمت کر دیا۔ اس نے اپنے ہاتھ اوپر کئے آگے بڑھو۔" یہ کہہ کر وہ تیزی سے ٹائیگر کی پشت پر آ گیا۔ اب ٹامی گن کی نال ٹائیگر کی پشت پر چبھ رہی تھی۔

ٹائیگر نے خاموشی سے اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دیئے ... اور دروازے کی طرف قدم بڑھا دیئے محافظ اسے اسی عمارت میں لے جا رہا تھا جہاں ٹائیگر خود جانا چاہتا تھا اگر ایسا نہ ہوتا تو ٹائیگر کبھی بھی اس طرح ہتھیار نہ پھینکتا پھر جونہی ٹائیگر نے اپنے عقب میں دروازہ بند ہونے کی آواز سنی وہ جیسے ہی اس نے بجلی کی سی تیزی سے ہاتھ نیچے کئے ایک جھٹکے کے ساتھ ٹامی گن اس کے ہاتھ سے نکل کر فرش پر دور تک پھسلتی چلی گئی۔ محافظ کے دونوں ہاتھ ناف سے نیچے دبے ہوئے تھے لیکن اس سے قبل کہ ٹائیگر دوسرا کوئی قدم اٹھاتا۔ محافظ تیزی سے زمین پر لوٹ لگاتا ہوا دور ہو گیا اور پھر فرش سے کمر کے اوپر سیدھا ہوا سیاہ ریوالور نکال لیا۔

ٹائیگر اس کی پھرتی کی داد دیئے بغیر نہ رہ سکا۔ اس نے اپنی جگہ سے کوئی جنبش نہ کی۔ اس کے عضلات آپ ہی آپ سخت ہونے لگے اور اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دوڑنے لگی۔

محافظ اسے متوحش نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے ٹائیگر کو اپنی جگہ ساکت دیکھ کر ریوالور سیدھا کیا۔ سناٹے میں سیفٹی کیچ کے ہٹنے کی آواز سنائی دی اور اس کے ساتھ ہی محافظ کی انگلیوں کا دباؤ ٹریگر پر بڑھنے لگا۔ ریوالور پر سائیلنسر لگا ہوا تھا۔ ایک ہلکی سی آواز گونجی اور سپرنگ نے کارتوس کو پوری قوت کے ساتھ آگے کی طرف دھکیلا۔

ٹائیگر نے ایک لمحے کے بیسویں حصے میں ایک سرخ شعلے کو تیزی سے اپنی جانب بڑھتے ہوئے دیکھا۔ فوراً ہی اس کے پیچھے اس کے ہونٹوں پر اب بھی مسکراہٹ رینگ رہی تھی۔ ٹائیگر انتہائی غیر محسوس انداز میں اپنی جگہ سے کھسکا۔ اس کی یہ حرکت اتنی تیز اور غیر محسوس تھی کہ محافظ اسے محسوس ہی نہ کر سکا۔ اسے صرف ٹائیگر کا ایک ہاتھ تیزی سے آگے بڑھتا دکھائی دیا تھا۔

ٹائیگر دھیرے دھیرے آگے بڑھا۔ اس کا ایک ہاتھ اب بھی آگے بڑھا ہوا تھا اور مٹھی بند تھی۔ محافظ فرطِ حیرت سے بت بنا اس کی بند مٹھی کو اس طرح تک رہا تھا جیسے اس میں منہ اور سر بند ہوں۔

ٹائیگر اس کے سر پر پہنچ کر رک گیا۔ اس نے رفتہ رفتہ بند مٹھی کھول کر الٹ دی اور پھر جونہی محافظ کی آنکھوں نے دیکھا، وہ منظر اس نے اس سے قبل کبھی نہ دیکھا تھا اور شاید آئندہ بھی نہیں دیکھ سکتا تھا کیونکہ مٹھی الٹنے کے ساتھ ہی ٹائیگر نے اپنے دائیں پیر سے اس کی گردن پر ایک زوردار ٹھوکر رسید کی تو گردن ٹوٹنے کی آواز محافظ کے دیوار سے ٹکرانے کی آواز میں جذب ہو کر معدوم ہو گئی اور دیوار کے سہارے پھسلتا ہوا وہ دوبارہ فرش پر پھیل گیا اور ٹائیگر کی مٹھی سے نکلنے والی اس کے ریوالور کی گولی اس کی گود سے پھسل کر فرش پر دور تک لڑھکتی ہوئی چلی گئی۔

دفعتاً ٹائیگر کی سماعت سے کئی قدموں کی آواز ٹکرائی ... جو لمحہ بہ لمحہ قریب سے قریب تر آتی جا رہی تھی۔

ٹائیگر نے پلٹ کر دیکھا اور راہداری کے کونے سے اچانک ہی تین سیاہ پوش نمودار ہوئے اور ٹائیگر پر نظر پڑتے ہی وہ ٹھٹک گئے ان کے ہاتھ تیزی سے اپنی اپنی ٹامی گنوں کی طرف بڑھے۔ اس کے ساتھ ہی ٹائیگر کے عضلات سخت ہونا شروع ہو گئے۔

▽ ▽

"اے خدا کی برگزیدہ قوم کے نوجوانو!" مقرر کی آواز جدید ایڈریس سسٹم سے نکل کر ہال میں گونجی۔

اوشان نے سب سے پچھلی صف سے سر اٹھا کر پورے ہال کا جائزہ لیا اور برابر میں بیٹھی ہوئی روبی کی طرف جھکتے ہوئے سرگوشی کی "اس ہال میں نوجوان کتنے ہیں روبی؟"

"پانچ سو میں سے بمشکل سو بھی نہ ہوں گے فادر!" روبی نے بھی مسکراتے ہوئے سرگوشی میں جواب دیا۔ وہ اس وقت یہودیوں کی ایک تنظیم کے ہنگامی جلسے میں شریک تھے جو ان کی رہائش گاہ سے قریب ہی ایک ہال میں منعقد کیا گیا تھا۔

"آج خدا کی منتخب اور پسندیدہ قوم پر ایک کڑا وقت ہے۔ مقرر کی آواز پھر گونجی۔" ہمیں دنیا بھر کی طاقتیں مل کر نیست و نابود کرنے پر تلی ہوئی ہیں لیکن یہ ہمارا اتحاد اور رب عظیم کا فضل ہے کہ ہم ۴۸ء سے لے کر اب تک اپنی منفرد حیثیت کو قائم کر رہے ہیں۔ اس سلسلے میں ہم امریکہ میں بسنے والے یہودیوں پر انتہائی اہم ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں کہ ہم اپنی ریاست کے کامیاب دفاع کے لیے ہر ممکن تر بہ استعمال کریں جیسا کہ ہم ماضی میں کرتے آئے ہیں۔ ہم نے کبھی بھی یہاں اپنے مذہب کے ازلی دشمن مسلمانوں کو پنپنے کا موقع نہیں دیا کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ جب انہیں سر اٹھانے کا موقع ملے گا یہ ہمیں کچلنے کی کوشش کریں گے یہی وجہ ہے کہ ہم نے ۷۳ء میں شکاگو میں عبدالحمید الدری فلسطینی کے شاندار ہوٹل کو تباہ کیا جو ہمارے خلاف

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

پہلے والی سرگرمیوں کا آغاز کرنے والا تھا۔ آپ کے انتباہ و چند روز قبل کے باعث دو ٹھکانوں کو ختم کرنے کی نوبت کو پہنچا ہوا ہے یہ آپ ہی لوگ ہیں جنہوں نے بال خنڈلے جیسے چالاک امریکی سیٹر کو شکست سے دوچار کیا۔ جو عربوں کے لیے یہاں نرم جذبات پیدا کرنا چاہتا تھا۔ ہماری خدمات امریکہ اور مقدس اسرائیل کے لیے ان گنت ہیں آج امریکہ کا کوئی بھی اخبار ہمارے خلاف کچھ لکھنے سے قبل ہزار بار سوچنے پر مجبور ہے۔ اے خدا کے برگزیدہ لوگو! اسی ملک میں آج صبح ہمارے چار نوجوانوں کو ایک دہشت پسند عرب ملک کے سفیر کی غلط رپورٹ کی بنیاد پر گرفتار اور ایک نوجوان کو انتہائی بے دردی سے قتل کر دیا گیا ہے۔ اس نوجوان کا خون ناحق پکار پکار کر انصاف طلب کر رہا ہے لیکن ہمیں انصاف کون دے گا؟ اقوامِ متحدہ جس پر ظالم مسلمانوں کا اثر ہے یا یہ بے بس امریکی انتظامیہ جو ایک معمولی امداد عرب سفیر کی جھوٹی رپورٹ پر اس طرح کی کارروائیاں کر رہی ہے اس لیے ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ کل ہم تمام عرب ممالک کے سفارت خانوں کے سامنے مظاہرہ کریں گے اور اگر پھر بھی ..."

ابھی وہ اپنی بات مکمل بھی نہ کر پایا تھا کہ اوشان ایک جھٹکے سے اٹھا اور روبی کا ہاتھ تھام کر ہال سے باہر آ گیا۔ اس کا چہرہ شدتِ جذبات سے سرخ ہو رہا تھا۔

"یہ بھیڑیا کہاں رہتا ہے روبی؟" اوشان کی غراہٹ سن کر روبی ایک لمحے کے لیے کپکپا کر رہ گئی۔ اوشان کو اس سے قبل اس نے کبھی اتنا غصے میں نہیں دیکھا تھا۔

"کیوں فادر؟" روبی تجسس کی تلاش میں نظریں دوڑاتی ہوئی بولی۔

"اس کمبخت کو جھوٹ بولنے کی سزا ملنی چاہیے۔"

▽ ▽

یہ نیویارک کا فیشن ایبل علاقہ تھا۔ اس علاقے میں عموماً تنگدست اپارٹمنٹ واقع تھے جن کا کرایہ ادا کرنا متوسط طبقے کے کسی فرد کے بس کا روگ نہ تھا۔ یہاں صرف اونچے طبقے کے لوگ ہی مقیم تھے۔ اس فیشن ایبل علاقے کے ایک خوبصورت اپارٹمنٹ میں ابراہم بروک بھی رہائش پذیر تھا جو امریکہ میں مقیم یہودیوں کی انتہا پسند تنظیم کا سربراہ تھا۔

اسی تنظیم نے امریکہ میں مقیم مسلمانوں خصوصاً عرب مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کر رکھا تھا۔ اس کی دہشت گرد کارروائیوں سے صرف مسلمان ہی پریشان نہ تھے بلکہ امریکی بھی نالاں تھے لیکن وہ خود اپنے ملک میں اس کے اثر و رسوخ کے آگے بے بس تھے۔ اس وقت بھی اس کے اپارٹمنٹ کے ایک خوبصورت ڈرائنگ روم میں تنظیم کے سرکردہ ارکان جمع تھے۔

ابھی وہ کل کے پروگرام کو آخری شکل دے ہی رہے تھے کہ دفعتاً

سلطان نورالدین زنگی
الماس ایم اے قیمت:=/250

کی توقع نہ تھی۔ تنظیم کے تمام ارکان کو بھی ابراہم بروک کی اس رہائش گاہ کا علم نہ تھا۔

کال بیل کی آواز پر سب نے ایک دوسرے کی جانب دیکھا پھر ابراہم بروک خود ہی اٹھ کر دروازے کی جانب بڑھ گیا۔ اس نے اپنی جیب سے آنے والے کا جائزہ لیا لیکن شاید آنے والا دروازے سے ہٹ کر کھڑا تھا۔ اس لیے ابراہم اسے دیکھنے میں کامیاب نہ ہو سکا چنانچہ اس نے کچھ سوچ کر دروازہ کھول دیا۔

آنے والا ایک مدقوق سا زرد رو عیسائی بوڑھا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ سینے پر بندھے ہوئے تھے اور جسم پر ایک لمبا سا زرد لبادہ جھول رہا تھا۔ ابراہم نے اسے غور سے دیکھا تو اسے یاد آ گیا کہ اس نے آج جلسے میں بھی اسے دیکھا تھا۔ اس بوڑھے کے ساتھ ایک لڑکی بھی تھی اور یہ دونوں اس کی تقریر ختم ہونے سے قبل ہی اٹھ گئے تھے۔

"فرمایئے جناب! میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟" ابراہم نے مؤدبانہ انداز اختیار کرتے ہوئے پوچھا حالانکہ وہ اس بوڑھے کی بے وقت آمد پر دل ہی دل میں سخت مشتعل تھا اور اس کا جی چاہ رہا تھا کہ وہ اس بوڑھے کو اٹھا کر پچیس منزلوں سے نیچے پھینک دے۔

"ابراہم بروک تمہارا ہی نام ہے؟" بوڑھے نے انتہائی بدتمیزی کا مظاہرہ کرتے ہوئے پوچھا تو ابراہم کے جسم کا سارا خون اس کے چہرے پر جمع ہونے لگا۔

"ہاں! تمہیں کیا کام ہے؟" ابراہم نے ناگواری سے پوچھا۔

"مجھے خدا کے مقرب بندوں سے ملنے کا شوق ہے۔" بوڑھے نے ابراہم کو گھورتے ہوئے کہا۔ اس کے لہجے میں نہ جانے کیا بات تھی کہ ابراہم کو اپنی ریڑھ کی ہڈی میں خوف کی چھپکلی دوڑتی محسوس ہوئی۔

اس نے ایک جھٹکے سے دروازہ بند کر دیا۔ ابھی وہ دروازہ لاک کر کے پلٹا ہی تھا کہ اس کی سماعت سے ایک زوردار آواز ٹکرائی دی۔

ابراہم ٹھٹک کر پلٹا لیکن اس نے اپنے عقب میں جو منظر دیکھا، اس نے ایک لمحے کے لیے اسے اپنی جگہ منجمد کر کے رکھ دیا۔ بوڑھا آلہ لاک توڑ کر اپارٹمنٹ میں داخل ہو چکا تھا۔

"میں خدا کے مقرب بندوں سے ملنا چاہتا ہوں مسٹر ابراہم ..."

بوڑھے کے پتلے پتلے لبوں میں پھر جنبش ہوئی۔ اس بار اس کا لہجہ کافی نرم تھا لیکن اس کی آنکھیں اس کے لہجے کا ساتھ نہیں دے رہی تھیں۔

"جاؤ یہاں سے۔" ابراہم بروک غراتے ہوئے اس کی طرف جھپٹا۔ اس کے دونوں ہاتھ پھیلے ہوئے تھے اور وہ بوڑھے کو اپنے دونوں ہاتھوں میں دبوچ کر باہر پھینکنا چاہتا تھا لیکن وہ خونخوار بوڑھے کے قریب پہنچا، اس کے ہاتھ ہوا میں ہی لہرا کر رہ گئے۔ وہ بوڑھے کو چھونے میں بھی کامیاب نہ ہو سکا تھا جب کہ بوڑھا اس سے چند قدم کے فاصلے پر کھڑا مسکرا رہا تھا۔

ابراہم کو کبھی بھی اتنی خفت کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا جتنا اس بوڑھے کو پکڑنے میں اٹھانا پڑ رہی تھی پھر اس سے قبل کہ وہ دوبارہ بوڑھے کی طرف بڑھتا، وہ خود ہی اس کی طرف بڑھا۔ اس وقت بھی بوڑھے کے چہرے پر مشتعل کر دینے والی مسکراہٹ کھیل رہی تھی پھر لگنے ہی لمحے ابراہم نے خود کو بوڑھے کے کمزور ہاتھوں کی گرفت میں پایا لیکن ان کمزور ہاتھوں کی گرفت اتنی سخت تھی کہ ابراہم اپنی تمام تر طاقت کے باوجود بھی اپنے جسم کو آزاد کرانے میں ناکام رہا۔

بوڑھے نے اسے کسی کھلونے کی طرح اٹھا کر اس کمرے کی میز پر اچھال دیا جس کے گرد تنظیم کے تمام سرکردہ عہدے دار بیٹھے ہوئے تھے۔ ابراہم ایک دھماکے کے ساتھ ان کے درمیان جا گرا۔ اس کے گرتے ہی تمام لوگوں کی نظریں دروازے کی طرف اٹھ گئیں۔ ان میں سے دو افراد کے ہاتھ اپنے کوٹ کی جیبوں میں بھی داخل ہو چکے تھے۔

لیکن بوڑھا ان کی ہر حرکت سے بے نیاز نظر آ رہا تھا یا جان بوجھ کر وہ بے نیازی ظاہر کر رہا تھا۔ وہ بڑے اطمینان سے چلتا ہوا کمرے کے درمیان آ گیا۔

"تو تم ہو وہ لوگ، جو خود کو خدا کے مقرب بندے کہتے ہو؟" بوڑھے نے میز کے گرد بیٹھے پانچوں آدمیوں کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

"تمہاری اس حرکت کا مقصد کیا ہے بڑے میاں؟" پانچوں میں سے ایک ریوالور نکال کر کھڑے ہوتے ہوئے بولا۔ ابراہم اب ایک طرف کھڑا اپنی کمر سہلا رہا تھا اور اس کے چہرے پر کرب اور غصے کے تاثرات تھے۔

"مقصد...؟" بوڑھا مسکرایا۔ "عرب سفیر کو قتل کرنے کا تمہارا کیا مقصد تھا؟"

"اوہ، تو یہ بات ہے۔" ریوالور بردار کے منہ سے ایک ٹھنڈی سانس نکلی گئی۔ اس نے استفہامیہ نگاہوں سے ابراہم کی طرف دیکھا جو ایک خشونت بھری نگاہوں سے بوڑھے کو گھور رہا تھا۔

"اسے گولی مار دو۔" ابراہم نے اپنے ساتھیوں کو اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

چلا کر ریوالور بردار کو حکم دیا اور اس کے ساتھ ہی وہ خود بھی اس کی طرف دوبارہ جھپٹا۔

بوڑھا اسی اطمینان کے ساتھ کھڑا رہا پھر جیسے ہی آنرک نے ریوالور کا سیفٹی کیچ ہٹایا، اس کی کمر پر قیامت ٹوٹ پڑی اور فضا میں اس کی دیڑھ کی ہڈی ٹوٹنے کی ہلکی سی آواز گونجی اور وہ ریوالور چلانے کی حسرت دل میں لیے قالین پر اوندھا گر گیا۔ بوڑھے نے اتنی تیزی سے حرکت کی تھی کہ ایک لمحے کے لیے سب کے سب ہونق رہ گئے تھے پھر آنرک کے قالین پر گرتے ہی وہ سب ایک ساتھ بوڑھے پر جھپٹے اور اگلے ہی لمحے کراہ رہے تھے۔

سب سے پہلے ابراہم گرا۔ اس کی حالت ایسی تھی کہ عام آدمی اس کی طرف دیکھتے ہی چیخ مار کر بے ہوش ہو جاتے۔ اس کی کھوپڑی کا آدھا حصہ اس طرح غائب تھا جیسے کسی ماہر سرجن نے اس کا دماغ نکالنے کے لیے کھوپڑی کو کاٹ دیا ہو۔ دوسرے نمبر پر گرنے والا مائیکل تھا۔ اس کے سینے کے دائیں جانب سے خون رس رہا تھا۔

بوڑھے کی انگشت شہادت نے کسی خنجر کی طرح اس کے سینے میں سے گزر کر دل میں سوراخ کر دیا تھا۔ مائیکل کو صرف ہلکی سی تکلیف کا احساس ہوا تھا لیکن اس کا ذہن اس بات کو سمجھنے سے قاصر تھا کہ [illegible] کی آنکھوں کے آگے اندھیرا کیوں چھا رہا ہے اور اس کا سر کیوں چکرا رہا ہے لیکن جب اس کی نگاہ اپنے سینے پر خون اگلتے سوراخ پر پڑی تو دہشت کی ایک سرد لہر سی اس کے رگ و پے میں دوڑ گئی اور اسے اپنی ٹانگیں بے جان محسوس ہونے لگیں۔ اس نے بمشکل آنکھیں کھول کر بوڑھے کی طرف دیکھا جس کے چہرے پر اب بھی مسکراہٹ کھیل رہی تھی پھر اسے یوں محسوس ہوا جیسے بوڑھے کا چہرہ تیزی سے اس کے قریب آ رہا ہے۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں اور آگے کی جانب جھکتا چلا گیا۔ اس کی سماعت سے ٹکرانے والی آخری آواز، خود اس کی قالین پر گرنے سے پیدا ہونے والا ہلکا سا دھماکا تھا۔ اس کے ساتھ ہی اس کا ذہن ہر احساس سے عاری ہو گیا۔

بقیہ چار میں سے دو اپنے ساتھیوں کا انجام دیکھ کر اب وہ ہوش گنوا بیٹھے تھے۔ ان کے چہرے موت کے خوف سے سفید ہو رہے تھے جیسے کسی نے ان کے جسم سے سارا خون نچوڑ لیا ہو۔ ان کی ٹانگیں خوف سے کپکپا رہی تھیں، انھیں یوں لگ رہا تھا جیسے بوڑھے کے روپ میں موت کا فرشتہ ان کے سامنے کھڑا ہو۔ وہ جو کچھ دیر قبل اسرائیل کے لیے اپنا سب کچھ قربان کرنے کا عزم کر رہے تھے اب اپنی زندگیوں کے لیے تشویش میں مبتلا تھے۔

"ہاں، تو وہ مقصد..." بوڑھا ایک کرسی کے پشتے سے ٹیک لگا کر

اپنی خون آلود انگلی پونچھتے ہوئے نرم لہجے میں بولا۔ "تو تم خدا کے مقرب بندے ہو؟"

حاروں کے سر تیزی سے نفی میں ہلنے لگے۔

"لیکن صبح تو تم لوگ یہی کہہ رہے تھے۔" بوڑھے نے مصنوعی حیرت سے کہا۔ "اب خود ہی تردید کر رہے ہو؟"

"خدا کے لیے ہمیں جانے دو ہم..." ایک ہکلاتے ہوئے بولا۔

"اچھا، لیکن تم کہاں جاؤ گے؟ اسرائیل... نہیں میں تمہیں اس بات کی اجازت نہیں دے سکتا۔" بوڑھے نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے سرد آواز میں کہا اور اس کے ساتھ ہی تیزی سے آگے بڑھتے ہوئے ایک کرسی سے ذرا پیچھے اسٹمپ کک لگائی۔

کمرے کی فضا میں ایک دل خراش چیخ گونجی اور مضروب لڑکھڑا کر گر گیا۔ بوڑھے کی ٹھوکر نے اس کی ٹانگ کی ہڈی کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ اس کے تینوں ساتھیوں نے ایک ساتھ بھاگنے کی کوشش کی۔ ان کی یہ حرکت اتنی اندھا دھند تھی کہ وہ بجائے دروازے کی طرف جانے کے بالکونی کی طرف دوڑے تھے۔

موت کی دہشت نے ان کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت بھی سلب کر لی تھی اور انھوں نے انجام سے بے پروا ہو کر پچیس منزلہ بلند بالکونی سے نیچے سڑک پر چھلانگ لگا دی تھی لیکن چھلانگ لگانے کے ساتھ ہی انھیں اپنی اضمحلاء حرکت کا احساس ہوا لیکن اب انھیں دیر ہو چکی تھی۔ زمین کی کشش انھیں تیزی سے اپنی جانب کھینچ رہی تھی اور پھر سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں فضا میں بہت سی چیخیں اور بریک لگنے کی چرچراہٹ گونجی۔

اوشان نے دونوں ہاتھ ملتے ہوئے خالی بالکونی اور پھر اس نعش کی طرف دیکھا جسے اس نے چند لمحے قبل گولی لگائی تھی وہ اب بے ہوش ہو چکا تھا۔ اب اس کا زیادہ دیر وہاں ٹھہرنا کسی طرح بھی مناسب نہ تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اب کسی بھی لمحے یہ کمرا پولیس والوں سے بھر جائے گا چنانچہ وہ تیزی سے بک شیلف کی طرف بڑھا اور وہاں رکھی فائلوں کو الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا۔

کچھ ہی دیر بعد وہ بغل میں چند فائلیں دبائے اپارٹمنٹ سے نکل رہا تھا جونہی وہ نیچے جانے والی لفٹ میں سوار ہوا آگ لمحے دوسری لفٹ سے کئی باوردی پولیس والے نمودار ہوئے اور تیزی سے ابراہم کے اپارٹمنٹ کی طرف بڑھ گئے۔

نیچے اچھا خاصا مجمع لگ چکا تھا۔ لوگ طرح طرح کی چہ میگوئیاں کرنے میں مصروف تھے لیکن اوشان کسی کی طرف توجہ دیے بغیر تیزی سے اس کار کی طرف بڑھ گیا جو اپارٹمنٹ ہاؤس سے کچھ فاصلے پر کھڑی تھی۔ اس کے اسٹیئرنگ پر ایک لڑکی بیٹھی مضطرب نگاہوں سے اپارٹمنٹ ہاؤس کے مرکزی دروازے کی جانب دیکھ رہی تھی جونہی اس کی نگاہ اوشان پر پڑی۔ اس کے حلق سے ایک اطمینان بھری سانس نکل گئی۔

"ٹائیگر نے ایک نگاہ آنے والوں پر ڈالی۔ انھوں نے اپنی ٹامی گنیں اب ہاتھوں میں تھام لی تھیں اور تیزی سے ٹائیگر کی جانب بڑھ رہے تھے۔ ان کے انداز سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ ٹائیگر کو ہوائی فائر حملہ کرتے دیکھ چکے ہیں۔ اس لیے ان کے انداز سے جارحیت ٹپک رہی تھی۔

ٹائیگر نے ایک لمحے کے لیے سوچا اور دوسرے ہی لمحے باہر کی سمت چھلانگ لگا دی۔ وہ ان مسلح آدمیوں سے خوفزدہ نہ تھا لیکن وہ جانتا تھا کہ ان سے الجھنے کا مطلب وقت کا ضیاع ہے اور وقت اس کے پاس نہ تھا۔ اسے ہر حال میں ان کے منصوبے کو ناکام بنا کر فوراً بستانی پہنچنا تھا، جہاں قحبہ خانے میں مقید سفید فام لڑکیاں جانوروں سے بدتر زندگی گزارنے پر مجبور تھیں۔ وہیں پہنچ کر اسے ہر اس کو یہاں کے بارے میں رپورٹ کرنا تھی۔

مسلح افراد اسے باہر چھلانگ لگا دیکھ کر تیزی سے دروازے کی طرف لپکے لیکن ٹائیگر ان کے اندازے سے کہیں زیادہ تیز رفتاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے قریب واقع ایک اور عمارت میں جا گھسا۔

وہ راہداری میں تیزی سے دوڑ رہا تھا لیکن دوڑنے کے باوجود بھی زمین پر اس کے جوتوں سے کوئی دھمک پیدا نہیں ہو رہی تھی بلکہ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ زمین سے چند انچ اوپر فضا میں تیر رہا ہو۔ دوڑنے کا یہ فن اس نے فلکرافٹ میں سیکھا تھا۔

راہداری اچانک ہی آگے جا کر دائیں جانب مڑ گئی تھی اور سامنے ہی زینہ نظر آ رہا تھا۔ ٹائیگر زینے کے قریب پہنچ کر رک گیا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا لیکن راہداری سنسان پڑی تھی۔ ایسا لگتا تھا، جیسے اس عمارت میں کوئی بھی متفنس نہ ہو۔

ٹائیگر نے زینے کا جائزہ لیا۔ زینے کے عقب میں نیچے جانے کا راستہ بنا ہوا تھا۔ ٹائیگر نے اوپر جانے کا ارادہ ترک کر کے زینے کے عقب میں پہنچ گیا، جہاں تہ خانے کے لیے سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں۔ ٹائیگر محتاط انداز میں سیڑھیاں طے کرتے ہوئے نیچے اترنے لگا۔

سیڑھیوں پر تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ غالباً یہاں آمد و رفت کم ہی رہی ہوگی شاید اسی لیے یہاں روشنی جلانے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی تھی۔ نیچے پہنچ کر ٹائیگر رک گیا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

رُکنے کی وجہ وہ سطح راستہ تھا جو سیڑھیاں اُترتے ہی سامنے آگیا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے زیرِ زمین سُرنگوں کا جال بچھایا گیا ہو۔ ٹائیگر کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کون سا راستہ اختیار کرے۔ ویسے بھی اُسے نہیں معلوم تھا کہ کون سی راہداری کس طرف جاتی ہے۔

ٹائیگر نے ایک لمحے کے لیے سوچا۔ وہ کنٹرول رُوم سے نکل کر دائیں سمت کی طرف دوڑا تھا اگر یہ زیرِ زمین راستہ ان عمارتوں کو آپس میں ملانے کا کام کرتا ہے تو کنٹرول رُوم کی سمت لازمی طور پر بائیں جانب والا راستہ جائے گا چنانچہ اس نے وہی راستہ اختیار کیا اور محتاط انداز میں آگے بڑھنے لگا۔ اس کی تمام حسیات بیدار تھیں اور وہ پیش آنے والے ہر خطرے سے نمٹنے کے لیے تیار تھا۔ راہداری آگے جا کر پھر مُڑ جاتی تھی۔ چنانچہ ٹائیگر جونہی موڑ پر پہنچا اُسے رُک جانا پڑا۔ یہاں سے راہداری پھر ایک دوراہے سے راستے میں تبدیل ہو گئی تھی اور اس مقام پر چھت سے ہلکی ہلکی دُودھیا روشنی پھوٹ رہی تھی جس کے باعث راہداری میں کسی قدر اُجالا پھیلا ہوا تھا۔

دفعتاً ٹائیگر کی سماعت سے کسی کے سانس لینے کی آواز ٹکرائی جیسے کوئی سوتے میں لمبی لمبی سانسیں لے رہا ہو... ٹائیگر نے آواز کی سمت کا اندازہ لیا اور دوسری سمت نکلنے والی راہداری میں چل پڑا۔ آواز رفتہ رفتہ قریب آتی جا رہی تھی لیکن اُسے کوئی بھی شخص نظر نہیں آیا اور نہ ہی کوئی ایسی جگہ دکھائی دی جہاں کوئی آرام کر سکتا ہو... لیکن ایسے سانس کا زیرو بم مسلسل محسوس ہو رہا تھا اور اس کی حیات کسی کی موجودگی کا اشارہ دے رہی تھیں۔

آخر وہ ہے کہاں؟ ٹائیگر نے جھنجلا کر سوچا۔ راہداری کسی شیطان کی آنت کی طرح پھیلی ہوئی تھی۔ ٹائیگر کچھ اور آگے بڑھا اور ایک مقام پر جا کر رُک گیا۔ اُسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے آواز کا مخرج یہی مقام ہو۔ اس نے چھت اور دیواروں پر نگاہ دوڑائی لیکن دیواریں اور چھت بالکل سپاٹ تھیں اور کہیں بھی کسی اسپیکر یا روزن کے آثار نظر نہیں آرہے تھے لیکن اس کا ذہن مسلسل یہی اصرار کر رہا تھا کہ کوئی شخص یہاں چھپا ہوا ہے اور ٹائیگر اس بات سے بخوبی آگاہ تھا کہ اس کی حسیات اسے دھوکا نہیں دے سکتیں۔

چنانچہ اس نے پہلے دائیں جانب واقع دیوار پر کان لگائے اور چھپکلی کی طرح دیوار سے چپکا ہوا چند قدم چلا اور پھر یہی عمل دوسری دیوار کے ساتھ بھی دُہرانے لگا۔ دوسرے ہی لمحے وہ ٹھٹک کر رہ گیا تھا۔

سانس لینے کی آواز اسی دیوار سے پھوٹ رہی تھی جیسے کوئی دیوار کے عقب میں لیٹا سانس لے رہا ہو۔ ٹائیگر نے دیوار پر ہاتھ پھیر کر کسی دروازے کے وجود کو تلاش کرنے کی کوشش کی۔ دیوار بالکل سپاٹ تھی لیکن ٹائیگر محسوس کر چکا تھا کہ دیوار کی پشت پر کوئی نہ کوئی کمرا ضرور موجود ہے کیونکہ دیوار پر ہاتھ پھیرتے وقت اسے دیوار کے پیچھے خلا کا احساس ہو گیا تھا۔ اسی لیے اس نے اپنے ہاتھ کو نہ روکا تھا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ یہاں کوئی نہ کوئی ایسی کل ضرور ہو گی جسے دبانے سے دیوار کے اندر راستہ بن جاتا ہو گا اور پھر ہوا بھی ایسا ہی۔

جونہی اُس کا ہاتھ زمین کے قریب دیوار پر ایک جگہ ٹکرایا دیوار ایک ہلکی سی گڑگڑاہٹ کے ساتھ شق ہو گئی اور سامنے ہی ایک مختصر سے کمرے کا منظر واضح ہو گیا۔

کمرے میں ایک بیڈ اور ایک چھوٹی سی میز کے سوا کچھ نہ تھا۔ بیڈ پر ایک اچھا خاصا تنومند شخص سو رہا تھا۔ اس کا آدھا بدن برہنہ تھا اور وہ دروازے کی طرف پُشت کیے ہوئے تھا۔ اس کی ننگی پیٹھ پر لمبی لمبی آڑی ترچھی کھنچی ہوئی سُرخ لکیریں اس بات کی غماز تھیں کہ وہ شخص سخت تشدد کا شکار ہوا ہے۔ جونہی ٹائیگر کمرے میں داخل ہوا دیوار پھر برابر ہو گئی۔

ٹائیگر دھیرے دھیرے بستر کی طرف بڑھا۔ وہ شخص اس کی آہٹ سے بے خبر نیند میں مست سو تا رہا۔ ٹائیگر نے بڑی نرمی سے اس کے کندھے کو چھوا اور اُسے ہلا کر جگانے کی کوشش کی۔ بستر پر لیٹے ہوئے شخص نے کراہ کر کروٹ لی جونہی اس کی پشت بستر سے ٹکرائی، وہ تکلیف کی شدت سے تڑپ کر اُٹھ بیٹھا۔

ٹائیگر اس کا چہرہ دیکھ کر چونکے بغیر نہ رہ سکا۔ زخمی شخص وہی نیگرو ڈرائیور تھا جو اُسے فنرآن تک لایا تھا اور پھر جنگل میں اچانک حملے کے بعد غائب ہو گیا تھا۔ اس پر نگاہ پڑتے ہی نیگرو کے چہرے پر خوفزدگی کے آثار پھیل گئے اور وہ ملتجی نگاہوں سے ٹائیگر کو دیکھنے لگا۔

"پلیز... تم یقین کرو میں اس کے بارے میں اور کچھ نہیں جانتا کہ وہ کوئی سیاح تھا اور اس نے بطور گائیڈ میری خدمات حاصل کی تھیں۔" وہ دھیمی گھٹی سی آواز میں یوں بولنے لگا جیسے کسی نے ٹیپ ریکارڈر آن کر دیا ہو۔ وہ نقاب اور سیاہ لباس کی وجہ سے ٹائیگر کو بھی اجنبی کا آدمی سمجھ رہا تھا۔

"مجھے یقین ہے دوست! بس اب تم اُٹھ کھڑے ہو جاؤ۔" ٹائیگر نے مسکراتے ہوئے نرم آواز میں کہا۔ ٹائیگر کی آواز سُن کر ایک لمحے کے لیے اُس کے چہرے پر زلزلے کے سے آثار پیدا ہو گئے۔ وہ بے یقینی سے ٹائیگر کی طرف تکنے لگا۔

"میں تمہارا وہی دوست ہُوں۔ بدو! جو تمہاری جیپ میں سوار تھا۔" ٹائیگر نے اُسے بے یقینی کی کیفیت میں مبتلا دیکھ کر دوبارہ بولا۔

"جب... بولا تم... !" نیگرو ہکلایا اور ٹائیگر کو سر سے پیر تک گھورنے لگا۔ "تم یہاں کیسے بولا؟"

"بس جیسے بھی سمجھو لیکن تم جلدی سے کھڑے ہو جاؤ۔ ہمیں یہاں سے جلد از جلد نکلنا ہے۔" ٹائیگر نے زمین پر گری قمیص اُٹھا کر اُسے تھماتے ہوئے کہا اور پھر پوری تفصیل اُسے سُنا دی۔

"اوہ!" ٹائیگر کی باتیں سُن کر اُس کے چہرے پر تشویش کے سائے پھیل گئے۔ "بولا ماما... !" کچھ دیر بعد وہ پُرسوچ لہجے میں بولا۔ "میرے ذہن میں ایک ترکیب ہے کہ ہم کسی طرح ان کے اسلحہ خانے سے بم حاصل کر لیں اور ان کے پورے کیمپ کو اُڑا دیں۔ اس طرح ان کا منصوبہ خاک میں مل جائے گا۔"

"نہیں بدو! ہم ایسا نہیں کر سکتے کیونکہ اس طرح پورے علاقے میں تابکاری پھیلنے کا اندیشہ ہے۔ میں اس میزائل کو ناکارہ بنانے کی تکنیک سے واقف ہُوں اور اب میں ان کے کمپیوٹرائزڈ نظام میں ایسا خلل ڈالوں گا کہ انھیں اپنا پروگرام ایک عرصے تک التوا میں ڈالنا پڑے گا۔"

"ٹھیک ہے بولا!" نیگرو قمیص پہنتے ہوئے بولا۔ اس کے چہرے پر اب بھی کرب و اذیت کا تاثر پھیلا ہوا تھا لیکن وہ پھر بھی انتہائی ضبط کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ "ایک منٹ بولا! ابھی تھوڑی دیر بعد کوئی نہ کوئی مجھے کھانا دینے آئے گا۔ کیوں نہ ہم اسے قابو کر کے کچھ معلومات حاصل کر لیں۔"

ٹائیگر نے اس کی اس بات پر پسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے گردن ہلا دی اور اُسے چھوٹی میز دیوار کے ساتھ لگا کر بیٹھنے کو کہا اور خود نقاب اُتار کر بستر پر لیٹ گیا۔

❁

"یہ ہیں وہ فائلیں جناب عالی! جس میں ان کا منصوبہ درج ہے۔" بہرام انتہائی مؤدب لہجے میں بولا۔ اس وقت وہ صدر امریکہ کے دفتر میں بیٹھا تھا اور اس کے سامنے وہ فائلیں رکھی ہوئی تھیں جو اوشان نے ابراہم کے اپارٹمنٹ سے حاصل کی تھیں۔

صدر کے چہرے پر گہری سنجیدگی کے سائے پھیلے ہوئے تھے۔ جُوں جُوں وہ فائلوں میں درج تحریر پڑھتا جا رہا تھا، اس کی پیشانی پسینے سے تر ہوتی جا رہی تھی۔ وہ بار بار رُومال سے پسینہ پونچھ رہا تھا۔ فائلوں میں درج منصوبے ایسے ہی تھے کہ دفترِ اسٹیٹ کنٹرول ہونے کے باوجود وہ پسینے میں نہا رہا تھا۔

صیہونیوں نے نہ صرف عرب سفیروں کے قتل بلکہ کانگریس میں عربوں کے ہمدرد چند ایک ارکان کو قتل کرنے کا منصوبہ بھی بنایا تھا اگر وہ منصوبہ کامیاب ہو جاتا تو اس سے امریکہ کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا۔ صدر، اسرائیل کے لیے نرم جذبات رکھنے کے باوجود بھی ان کے اس منصوبے کو پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اس کے ماتھے پر سوچ کی گہری سلوٹیں پڑی ہوئی تھیں۔ اس نے لرزتے ہاتھوں سے طلائی سگار کیس سے ایک سگار منتخب کیا اور سلگا کر گہرے گہرے کش لینے لگا۔

"شکریہ مسٹر بہرام!" وہ چند لمحے توقف کے بعد بولا۔ اس کے لہجے میں تھکن کے آثار غالب تھے۔

"آپ اب کیا کارروائی کا ارادہ رکھتے ہیں؟" بہرام نے اُس کے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا تو صدر کے چہرے پر شدید کشمکش کے سائے پھیل گئے۔

"شاید کچھ نہیں۔" وہ انتہائی آہستگی سے بولا تھا اور ایسا کہتے ہوئے اُس نے بہرام سے آنکھیں چار نہیں کی تھیں۔

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا جنابِ عالی!" بہرام حیرت بھرے انداز میں بولا۔

"اُن کی لابی بہت مضبوط ہے مسٹر بہرام!" صدر کے لہجے میں انتہائی لاچارگی تھی۔ "اگر ہم نے ان کے خلاف کوئی بھی قدم اُٹھایا تو شاید سینٹ اور کانگریس میں ایک نہ ختم ہونے والا ہنگامہ کھڑا ہو جائے گا جو میری حکومت کو بھی لے ڈوبے... نہیں مسٹر بہرام! میں ایسا نہیں کر سکتا۔ مجھے آئندہ ہی الیکشن لڑنا ہے۔ تمہیں بھی میرا یہی مشورہ ہے کہ تم بھی اب ان کے خلاف کوئی کارروائی نہ کرو۔" یہ کہہ کر وہ کرسی سے اُٹھ گیا اور دونوں ہاتھ پُشت پر باندھ کر ٹہلنے لگا۔ یہ اس بات کا اشارہ تھا کہ اب بہرام کو چلے جانا چاہیے۔

"ٹھیک ہے جنابِ عالی! اجازت چاہتا ہُوں۔" بہرام ناگواری سے بولا اور اُٹھ کر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ ابھی اس نے ہاتھ بڑھا کر دروازہ کھولنا ہی چاہا تھا کہ اس کے کانوں میں صدر کی آواز گونجی۔ "ایک منٹ مسٹر بہرام!" صدر نے اُسے پکارا۔

بہرام نے پلٹ کر صدر کی جانب دیکھا۔ اس کے چہرے پر اب بھی ناگواری کے تاثرات پھیلے ہوئے تھے۔

"ویسے میں سفارت کاروں کی حفاظت کے لیے سی۔ آئی۔ اے کی خدمات حاصل کروں گا اور کوشش کروں گا کہ انھیں کوئی نقصان نہ پہنچنے پائے۔"

بہرام نے بڑی سے کندھے اُچکائے اور تیزی سے باہر آگیا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اتنی بڑی سپر پاور کا صدر براہِ راست

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ہی بنائی ہوئی مملکت کے آگے آتا بے بس ہو گا کہ چاہنے کے باوجود بھی ان کے خلاف کوئی کارروائی نہ کر سکے گا۔ بہرام جانتا تھا کہ امریکہ کی آبادی میں یہودیوں کا تناسب کچھ زیادہ نہیں لیکن وہ یہاں کی سیاست میں اتنا مؤثر کردار ادا کر سکتے ہیں کہ صدر امریکہ جیسی ہستی جس کے ایک اشارے پر دنیا کا نقشہ تبدیل ہو سکتا ہے، وہ بھی انہیں کسی صورت میں ناراض کرنے کا خطرہ بھی مول لینے پر تیار نہ ہو گا۔ یہ بات تو اس نے سوچی بھی نہ تھی۔

وہ فائلیں دیکھتے ہی اسی لیے فوراً وہائٹ ہاؤس پہنچا تھا کہ کسی طرح صدر سے اس تنظیم کی بیخ کنی کی اجازت حاصل کر سکے لیکن صدر نے اس سلسلے میں جس رد عمل کا اظہار کیا تھا، اس نے اس کا موڈ سخت آف کر دیا تھا۔ اب اگر کوئی بھی اس تنظیم کے خلاف کارروائی کرے گا تو وہ چارہ گر کے کھاتے میں ہی جائے گی۔

یہی سوچتے ہوئے وہ انتہائی تیز رفتاری سے کار ڈرائیو کر رہا تھا۔ اس پیڈ و میٹر کی سوئی ستر اور اسی کے ہندسوں کے درمیان لرز رہی تھی، وہ ہوا میں اڑے پرانے کاغذ کے کسی پرزے کی طرح اڑ رہی تھی، وہ کچھ اتنے طیش کے عالم میں تھا کہ ان دو کاروں پر بھی کوئی سبقت نہ دے سکا جو وہائٹ ہاؤس کی حدود سے نکلتے ہی اس کے تعاقب میں لگ گئی تھیں اور اب وہ بھی اپنا فاصلہ کم کرتے ہوئے تیز رفتار آگے آنے کی کوشش کر رہی تھیں۔

۲۲

کمرے میں سنگین خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ ربیدو کے چہرے پر بھی قدرے اطمینان پھیلا ہوا تھا۔ وہ تکلیف برداشت کرنے کے لیے بہترین قوت ارادی کا مظاہرہ کر رہا تھا جب کہ اب بھی اس کی پشت پر بچھے زخموں سے ٹیسیں سی اٹھ رہی تھیں۔

دفعتاً ٹائیگر نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور خود بھی ایک بازو آنکھوں پر رکھ کر چت لیٹ گیا۔ ربیدو نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا لیکن فوراً ہی اپنا سانس روک کر بیٹھ گیا۔

ٹائیگر کی حساس سماعت سے ہلکی ہلکی آہٹ ٹکرا رہی تھی جیسے کوئی دور سے چلا آ رہا ہو۔ چند ہی لمحوں بعد آہٹ کمرے کے سامنے پہنچ کر رک گئی پھر ایک ہلکی سی گڑگڑاہٹ کے ساتھ دیوار شق ہو گئی اور ایک نقاب پوش ہاتھ میں ٹرے اٹھائے کمرے میں داخل ہوا اور بیڈ کے قریب پہنچ کر وہ جونہی میز کی تلاش میں پلٹا تو ربیدو نے کسی شکاری کتے کی طرح اس پر چھلانگ لگا دی۔

وہ اس اچانک افتاد پر بوکھلا سا گیا اور ٹامی گن اس کے کندھے سے پھسل کر زمین پر گر پڑی۔ اس نے دیوانہ وار خود کو ربیدو کے گھونسوں سے بچانے کی کوشش کی اور دیوار سے رگڑ کھاتا ہوا دور تک نکل گیا۔

ٹائیگر نے اس لڑائی میں مداخلت کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ ربیدو کو اپنے پر ہونے والے تشدد کا بدلہ لینے کا پورا پورا موقع دینا چاہتا تھا۔ اسی لیے وہ دلچسپی سے ان دونوں کے درمیان ہونے والا معرکہ دیکھتا رہا لیکن وہ زیادہ دیر تک خاموش تماشائی نہ بن سکا کیونکہ ربیدو زخمی ہونے کے باعث تھوڑی ہی دیر میں ہانپنے لگا تھا اور اس کے انداز میں لڑکھڑاہٹ سی پیدا ہو گئی تھی۔

پھر ٹائیگر نے اسے الگ ہٹ جانے کا اشارہ کیا تو وہ خاموشی سے الگ ہٹ کر ہانپنے لگا۔ نقاب پوش بھی دونوں ہاتھ چہرے پر رکھے ہانپ رہا تھا۔ ٹائیگر چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا ہوا اس کے سامنے جا کھڑا ہوا اور نرمی سے اس کے دونوں ہاتھ پکڑ کر چہرے سے الگ کر دیے۔

کچھ مسٹر زندگی ایک بہت ہی قیمتی شے کا نام ہے اور یہ صرف ایک ہی بار ملتی ہے بار بار نہیں سمجھے؟" ٹائیگر نے بڑے نرم لہجے میں کہا اور جواباً نقاب پوش اسے سوالیہ نگاہوں سے دیکھنے لگا۔

"اگر تم یہ بات سمجھتے ہو تو اس قیمتی شے کو ضائع ہونے سے بچا سکتے ہو۔"

"ہم... میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔" نقاب پوش ایک ہاتھ سے اپنا جبڑا سہلاتے ہوئے بولا۔

"مطلب صرف اتنا ہے کہ تم ہمیں اس زیر زمین راستے کے متعلق بتا دو تو میں تم سے تمہاری قیمتی زندگی نہیں چھینوں گا۔ ورنہ..." ٹائیگر نے اتنا کہہ کر جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

نقاب پوش نے ایک لمحے کے لیے کچھ سوچا پھر دوسرے ہی لمحے اس نے زمین پر گری اپنی ٹامی گن کی طرف چھلانگ لگا دی اور ٹائیگر نے بھی بجلی کی سی سرعت کے ساتھ ٹانگ گھما دی۔

کمرے میں نقاب پوش کی کراہ بلند ہوئی اور وہ اپنی ٹامی گن سے چند قدم آگے سیدھا ربیدو کے قدموں پر اوندھے منہ گر گیا لیکن پھر بجلا کر فوراً ہی سیدھا ہو گیا۔ ربیدو نے بھی اس کے چہرے پر ایک زوردار ٹھوکر رسید کر دی تھی۔

"ٹھیک ہے دوست! غالباً تمہیں اپنی زندگی سے کوئی دلچسپی نہیں۔" یہ کہتے ہوئے ٹائیگر نے ٹامی گن اٹھا لی اور اس کا رخ نقاب پوش کی سمت کر دیا۔ اس کے لہجے میں اتنی سنگینی تھی کہ نقاب پوش کی آنکھوں میں سراسیمگی پھیل گئی۔

"پلیز... رک... رکو مم... میں بتاتا ہوں۔" وہ ایک ہاتھ اٹھا کر خوفزدگی

کے عالم میں چلایا اور اس کے ساتھ ہی وہ سیکانی انداز میں تمام راستوں کے بارے میں اگلنے لگا۔

"او کے، ٹائیگر ٹامی گن کی نال نیچے کرتے ہوئے بولا۔ میں حسب وعدہ تمہیں جان سے نہیں ماروں گا لیکن تمہیں اپنے ساتھیوں کی آمد تک ہمیں آرام کرنا ہو گا۔" یہ کہتے ہوئے ٹائیگر نے ٹامی گن ربیدو کی طرف اچھال دی۔

نقاب پوش کے انداز سے اب اطمینان جھلک رہا تھا۔ وہ دونوں ہاتھ زمین پر ٹیک کر اٹھنے کی کوشش کرنے لگا۔ ابھی وہ اپنے قدموں پر کھڑا ہوئے بھی نہ پایا تھا کہ ٹائیگر نے اس کی دونوں کنپٹیاں مسل دیں اور وہ دوبارہ زمین بوس ہو گیا۔

ٹائیگر کے اشارے پر ربیدو نے اس کا لباس اتار کر پہننے میں دیر نہ کی تھی اور لباس کی جیب سے ایک ریموٹ کنٹرول نکال کر ٹائیگر کو تھما دیا۔ ٹائیگر نے اس کا رخ دیوار کی طرف کر کے بٹن دبایا تو دیوار آپ ہی آپ شق ہو گئی۔ ٹائیگر نے راہداری کا جائزہ لے کر ربیدو کو بھی باہر آنے کا اشارہ کیا۔

ربیدو ہم بیدھا بیرونی دروازے کی طرف بھاگے لیکن باہر نکلنے کی کوشش اس وقت تک نہ کرنا جب تک کہ میں نہ پہنچ جاؤں۔" ٹائیگر نے ربیدو کو ہدایت دیتے ہوئے کہا اور ربیدو اثبات میں سر ہلاتا ہوا ایک راہداری کی طرف بڑھ گیا۔

ٹائیگر کو یقین تھا کہ زیر زمین راہداری میں شاید ہی کسی کا سامنا ہو چنانچہ وہ ربیدو کے جاتے ہی خود اسلحے کے اسٹور کی طرف بڑھ گیا۔ اس کا اندازہ درست ہی تھا۔ وہ لوگ پلانٹ سیکورٹی کے انتظام سے اتنے مطمئن تھے کہ نیچے انہوں نے کوئی بھی محافظ رکھنے کی ضرورت نہیں سمجھی تھی چند ہی لمحوں بعد وہ اسلحے کے اسٹور کے نیچے پہنچ گیا اور تیزی سے سیڑھیاں طے کرتا ہوا اوپر پہنچا۔ اوپر ویسا ہی زینہ بنا ہوا تھا جس سے گزر کر وہ نیچے پہنچا تھا ابھی وہ باہر نکلنے کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ اسے کسی کے زینے اترنے کی آواز سنائی دی۔

ٹائیگر گھبرا کر پلٹتا ہوا زینے کے قریب پہنچ گیا۔ اترنے والوں نے جونہی آخری سیڑھی پر قدم رکھا، ٹائیگر تیزی سے گھوم کر ان کے سامنے پہنچ گیا۔ یہ ایک نفیساتی چال تھی۔ ایسا کرتے ہوئے اسے یقین تھا کہ وہ اچانک اسے سامنے دیکھ کر ایک لمحے کے لیے ششدر رہ جائیں گے اور یہی ایک لمحہ فیصلہ کن بھی بن سکتا ہے۔ ٹائیگر کی یہ سوچ غلط نہ تھی۔ جونہی وہ ان کے سامنے پہنچا، دونوں سیاہ پوش ایک جھٹکے سے رک گئے پھر اس سے قبل کہ وہ سنبھلتے، ٹائیگر نے بجلی کی سی پھرتی سے ایک ہاؤس کیک اور کہنی ایک ساتھ استعمال کی اور وہ دونوں کراہ کر سیڑھیوں پر ہی بیٹھ گئے۔ ایک کے ہاتھ میں سٹن پر جمے ہوئے تھے اور وہ اپنے دانتوں کی مدد سے باہر کھینچنے کی کوشش کر رہا تھا جبکہ دوسرا اپنا گھٹنا تھامے بیٹھا تھا۔ دونوں کی سمجھ میں یہ نہیں آ رہا تھا کہ ان کے ساتھ یہ کیا ہوا ہے۔ ٹائیگر نے انہیں زیادہ سوچنے کا موقع دینا مناسب نہ سمجھا اور انہیں گھسیٹتے ہوئے نیچے جانے والے زینے پر لے آیا۔ اگلے ہی لمحے وہ نیچے کی جانب لڑھک رہے تھے۔

ٹائیگر ان سے فارغ ہو کر تیزی سے اس کمرے کی طرف بڑھا جہاں ہلکے بم اور ٹائم بم رکھے ہوئے تھے۔ اس نے چار انتہائی طاقتور ٹائم بموں کا انتخاب کیا اور انہیں اٹھا کر تیزی سے واپس زیر زمین راستے پر آ گیا۔ اس کا رخ ربیدو کی ہلاکت کی طرف تھا۔ وہ تیزی سے دوڑ رہا تھا۔ اسے یہ ساری کارروائی دس منٹ کے اندر اندر انجام دینی تھی۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ ربیدو کو ٹامی گن استعمال کرنے کا موقع ملے کیونکہ ٹامی گن استعمال کرنے کا مطلب محافظوں کو زیر زمین راستے کی طرف متوجہ کرنا تھا چنانچہ اس کے سامنے سب سے پہلے جو زینہ آیا، وہ اسی پر چڑھ گیا۔ یہ وہی عمارت تھی جہاں اس نے دیم کے روپ میں رات کا کچھ حصہ گزارا تھا جس کے ایک کمرے میں ڈیانا شاید اب بھی سو رہی تھی۔ ڈیانا کا خیال آتے ہی ٹائیگر ایک لمحے کے لیے ٹھٹکا لیکن چھ فوراً ہی اس کے تصور کو ذہن کی اسکرین سے اس طرح کھرچ دیا کہ جیسے وہ کبھی اس نام کی خاتون سے ملا بھی نہ ہو۔

راہداری سنسان پڑی تھی۔ ٹائیگر نے مختلف جگہوں پر چار ٹائم بم فٹ کر دیے اور پانچ منٹ کا ٹائم فکس کر دیا۔ اسے یقین تھا کہ اس عمارت کی تباہی سے کنٹرول روم کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا چنانچہ وہ بم فٹ کرتے ہی دوبارہ زیر زمین راستے پر آ گیا اور کنٹرول روم کی طرف بڑھنے لگا۔ نقاب پوش کا بتایا ہوا پورا نقشہ اس نے اپنے ذہن پر نقش کر لیا تھا اور اسی لیے اتنی بے تکلفی سے اس راستے پر یوں دوڑ رہا تھا جیسے یہ راستہ سالوں سے اس کے زیر استعمال ہو۔

جلد ہی وہ کنٹرول روم کے نیچے پہنچ گیا اور محتاط انداز میں اوپر چڑھنے لگا۔ یہاں دیگر عمارتوں کی نسبت کافی چہل پہل تھی اور لوگ تیزی سے آ جا رہے تھے چنانچہ اس نے فوری طور پر باہر نکلنا مناسب نہ سمجھا اور ٹائم بم کے دھماکے کا انتظار کرنے لگا۔

وقت آہستہ آہستہ گزر رہا تھا۔ ٹائیگر کو یہ پانچ منٹ پانچ سال کے برابر محسوس ہو رہے تھے۔ اس کی نظر رسٹ واچ پر جمی ہوئی تھی۔ جونہی پانچ منٹ پورے ہوئے ایک سماعت شکن دھماکا سنائی دیا اور عمارت کو انتہائی خفیف سا جھٹکا لگا۔ اس کے ساتھ ہی چاروں طرف سراسیمگی گونجنے لگے اور لوگ انتہائی افراتفری کے عالم میں بھاگنے لگے۔

ٹائیگر تیزی سے باہر آ گیا۔ اس نے دیکھا کہ دوڑنے والوں کا رخ بیرونی دروازے کی سمت ہے چنانچہ وہ اطمینان سے اوپر

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کی سمت دوڑنے لگا۔ اس کی منزل سیکنڈ فلور تھی جس کے ایک کمرے میں ماسٹر کمپیوٹر نصب تھا۔ باہر شور بدستور جاری تھا۔ اس کے لگائے ہوئے ٹائم بم نے پوری رہائشی عمارت کو ملبے کے ڈھیر میں تبدیل کر دیا۔

ٹائیگر مختلف کمروں میں جھانکتا ہوا بالآخر اس بڑے کمرے کے دروازے پر پہنچ گیا، جو اس کی منزل تھا۔ اس کمرے میں دوسرے کمروں کی نسبت اسٹیل کا دروازہ نصب تھا۔ ٹائیگر نے بغور دروازے کا جائزہ لیا۔ دروازہ کافی مضبوط تھا۔ وہ دھیرے دھیرے چند قدم پیچھے ہٹا اور اپنی سانسوں کو متوازن کرنے لگا۔ اس کے عضلات خود بخود پتھر کی طرح سخت ہونے لگے۔

وقت تیزی سے گزر رہا تھا۔ اس کے کانوں میں باہر ہونے والا شور اب بھی گونج رہا تھا۔ اس کا ارادہ دروازہ توڑنے کا تھا پھر اس سے پہلے کہ وہ دوڑتے ہوئے دروازے سے ٹکراتا، دروازہ ایک جھٹکے سے کھل گیا اور ٹائیگر اپنی جگہ ٹھٹک کر رہ گیا۔ ٹائیگر اس وقت نقاب میں نہ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ نقاب پوش کی آنکھوں میں اس کے لیے شک کے سائے لہرا رہے تھے۔ وہ بغور ٹائیگر کے سراپا کا جائزہ لے رہا تھا۔ وہ محتاط قدموں سے چلتا ہوا راہداری کے درمیان آ گیا۔

جونہی اس نے ٹائیگر کی طرف قدم اٹھایا، ٹائیگر کے ذہن میں ایک کوندا سا لپکا۔ اسے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ اس سیاہ پوش سے پہلے بھی مل چکا ہے۔

لیکن کہاں؟ اس نے اپنے ذہن پر زور ڈالا لیکن اسے یاد نہ آ سکا کہ اس سیاہ پوش سے وہ کہاں ملا تھا۔

سیاہ پوش اب بھی اسے نظروں سے تول رہا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ میکانکی انداز میں اپنے سینے کے سامنے آ کر رک گئے اور اس نے باکسروں کا سا پوز بنا لیا۔

ٹائیگر کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی، اسے یاد آ گیا کہ وہ اس سیاہ پوش سے کہاں ملا تھا۔ یہ وہی سیاہ پوش تھا، جو اسے جنگل میں ہزیمت پہنچا کر فرار ہو گیا تھا۔ ٹائیگر نے بھی ویسا ہی پوز بنا لیا لیکن اپنی جگہ سے کوئی حرکت نہ کی۔ وہ اس کے قریب آنے کا انتظار کرنے لگا۔

سیاہ پوش آہستہ آہستہ فاصلہ کم کر رہا تھا۔ اس کی آنکھیں ٹائیگر کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ وہ اپنے انداز سے یہی ظاہر کر رہا تھا کہ اس کا ہدف ٹائیگر کا چہرہ ہے لیکن ٹائیگر جانتا تھا کہ وہ دھوکے کا وار کرے گا۔ اس کا ہدف چہرے کے بجائے اس کے جسم کا کوئی حصہ ہو گا۔

چاہ بابل

دیوتاؤں کے شہر بابل کی کہانی

جسے مصنف نے 35 سال کی ریسرچ کے بعد

قلمبند کیا۔

800 صفحات

قیمت 400/-

اردو بازار لاہور

ٹائیگر کا یہ اندازہ غلط نہ تھا۔ جونہی وہ قریب آیا، اس نے فوراً اپنا انداز تبدیل کر لیا لیکن ٹائیگر اس مرتبہ دھوکا کھانے پر تیار نہ تھا۔ وہ سمجھ چکا تھا کہ اس کا مقابل ایک تجربہ کار آدمی ہے اور کسی حد تک لڑنے کے فن سے بھی آگاہ ہے۔ چنانچہ جونہی وہ جھکا، ٹائیگر نے تیزی سے اپنی جگہ چھوڑ دی اور اپنا بایاں ہاتھ اس کے چہرے کی طرف اچھال دیا۔

اس کے کھلے ہاتھ کی ہتھیلی نے سیاہ پوش کے چہرے پر قیامت سی مچا دی تھی اور وہ ایک جھٹکے کے ساتھ الٹ کر پیچھے کی طرف گرا لیکن حیرت انگیز پھرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے دوبارہ اپنے قدموں پر کھڑا ہو گیا۔ اب وہ آگے بڑھنے کی کوشش نہیں کر رہا تھا بلکہ محتاط انداز میں ٹائیگر کے اگلے قدم کا انتظار کر رہا تھا۔

ٹائیگر نے لڑائی کو زیادہ طول دینا مناسب نہ سمجھا۔ وہ تیزی سے اس کی جانب بڑھا۔ سیاہ پوش اسے یوں بے اختیارانہ آگے بڑھتا دیکھ کر اپنی جگہ سے اچھلا۔ اس نے پوری قوت سے ٹائیگر کے سر پر ٹکر مارنے کی کوشش کی تھی۔ ٹائیگر نے اپنا سر بچانے کی کوشش نہ کی پھر جونہی سیاہ پوش کا سر ٹائیگر کے ماتھے سے ٹکرایا، وہ خود ہی پلٹ کر گر گیا اور کمرے میں دور تک لڑھکتا چلا گیا۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کا سر کسی ٹھوس چٹان سے ٹکرا گیا ہو۔ اس نے دونوں ہاتھ زمین پر ٹیک کر اٹھنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔

کمرا اس کی آنکھوں کے سامنے تیزی سے گھوم رہا تھا۔ اسے

ایسا لگا جیسے پوری کائنات ہی گردش میں آ گئی ہو پھر رفتہ رفتہ اس کے ذہن پر دھند چھانے لگی۔ اس نے اپنے جسم کی ساری قوت مجتمع کر کے آنکھیں کھول کر ٹائیگر کی طرف دیکھا جو اس کے تعاقب میں کمرے میں داخل ہو چکا تھا۔ اس کے ساتھ ہی اس کی بینائی نے بھی اس کا ساتھ چھوڑ دیا اور وہ ہوش و خرد سے بیگانہ ہو گیا۔

کمرے میں ہر طرف مختلف کمپیوٹر نصب تھے لیکن ٹائیگر کو محسوس ہوا جیسے تمام کمپیوٹر خاموش ہوں، صرف ایک کو جانے سے کی ہلکی سی بھنبھناہٹ سنائی دے رہی تھی۔ ٹائیگر ایک لمحے کے لیے خاموش کھڑا ان بے جان مشینوں کو گھورتا رہا، جو بے جان ہونے کے باوجود بھی جاندار تھیں اور انہیں انسان اپنے کسی بھی مقصد کے لیے استعمال کر سکتا تھا۔

وہ زیادہ دیر تک محویت کے عالم میں نہ رہ سکا اور اگلے ہی لمحے وہ ان کمپیوٹروں کو برقی رو پہنچانے والا پوائنٹ ڈھونڈنے لگا اور جلد ہی وہ اس کو ایک کارٹریج کیبنٹ کے عقب سے دریافت کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ ٹائیگر نے اس خدشے کے پیش نظر کہ کمپیوٹر کی تباہی کے دوران کہیں فائر سرکٹ اور آن سرکٹ آپس میں مل کر کسی لرزہ خیز تباہی کا پیش خیمہ نہ بن جائیں، ان تاروں کو ایک جھٹکے سے الگ کیا۔ برقی رو کا رابطہ کمپیوٹروں سے منقطع کر دیا اور فوراً ہی ایک زقند بھر کر وہ کمپیوٹروں کے نزدیک پہنچا، جو تھوڑی دیر قبل تک کیمپ کے پورے نظام کو کنٹرول کرتا تھا۔ اب کاٹھ کباڑ رکھنے والے کسی اسٹور کی شکل اختیار کر چکا تھا۔

ٹائیگر نے ایک مطمئن نگاہ کمرے پر ڈالی۔ اسے یقین تھا کہ اس نے دشمنوں کے پروگرام کو اب ایک طویل عرصے کے لیے تہ و بالا میں ڈال دیا چنانچہ وہ یہاں سے فارغ ہوتے ہی دوبارہ زیر زمین راستے پر آ گیا۔ اب اس کا رخ بدو کی طرف تھا جو بیرونی دروازے کے پاس اس کا منتظر تھا۔

بدو حسب ہدایت وہیں کھڑا تھا۔ اس کے ہاتھ میں اب بھی ٹائیگر گن دبی ہوئی تھی اور وہ چوکنے انداز میں اطراف کا جائزہ لے رہا تھا۔ ٹائیگر پر نگاہ پڑتے ہی اس کے چہرے پر اطمینان سے پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

ٹائیگر اسے اپنے عقب میں رہنے کا اشارہ کرتے ہوئے دیوار کی طرف بڑھا اور اس سے کان لگا کر سن گن لینے لگا۔ دیوار کے عقب سے باتیں کرنے کی ہلکی ہلکی بھنبھناہٹ سنائی دے رہی تھی۔ اس نے ریموٹ کنٹرول نکال کر اس کا رخ دیوار کی طرف کر دیا لیکن دیوار میں کوئی بھی خلا پیدا نہیں ہوا۔

یہ دیکھ کر بدو کے چہرے پر مایوسی سی پھیل گئی۔ اسے ایسا محسوس ہوا جیسے یہ زیر زمین سرنگ اب ان کی قبر ثابت ہو گی لیکن ٹائیگر کے چہرے پر تشویش کا کوئی بھی تاثر نہ تھا۔ وہ چند قدم پیچھے ہٹ گیا اور پھر دوڑتے ہوئے بدو کے پاس سے گزرا۔ بدو کو ایسا محسوس ہوا جیسے اس کے قریب سے ہوا کا جھونکا گزر گیا ہو پھر اگلے ہی لمحے اس کی آنکھیں حیرت سے پھٹ کر رہ گئیں۔ اس نے طاقت کا ایسا مظاہرہ اپنی زندگی میں کبھی نہ دیکھا تھا۔ ٹائیگر نے اڑتے ہوئے دیوار پر فلائنگ کک استعمال کی تھی اور اگلے ہی لمحے دیوار کا وہ حصہ جہاں کبھی دروازہ رہا ہو گا۔ اب وہاں دروازے کے برابر ایک خلا موجود تھا۔ اس کے ساتھ ہی راہداری میں سورج کی روشنی در آئی۔

کمرے میں چار سکیورٹی کے جوان بیٹھے تھے اور حیرت سے دروازے میں نمودار ہونے والے خلا کو تک رہے تھے۔ بدو نے فوراً گن کا رخ سیدھا کیا اور ٹریگر پر انگلی کا دباؤ بڑھا دیا۔ فضا میں گامی گن کا قہقہہ گونجا اور چاروں آدمیوں کا جسم مختلف مقامات سے خون اگلنے لگا لیکن کیمپ میں ہونے والے غل اور سائرن کی آواز میں گولیوں کی تڑتڑاہٹ دب کر رہ گئی۔

ٹائیگر تیزی سے دروازے کی جانب بڑھا۔ کیمپ میں ہر طرف افراتفری کا عالم پھیلا ہوا تھا۔ ٹائیگر نے بدو کو باہر آنے کا اشارہ کیا اور وہ دوڑتے ہوئے ایک جیپ کی طرف بڑھا۔ بدو نے فوراً اسٹیئرنگ سنبھال لیا اور جیپ کمان سے نکلے ہوئے تیر کی طرح گیٹ سے نکل گئی۔

❁

بہرام اپنے خیالوں میں مگن تھا۔ اس کی نظریں ونڈ اسکرین پر جمی ہوئی تھیں۔ اس کا ذہن اب بھی صدر کی باتوں میں الجھا ہوا تھا۔ دفعتاً اس کی نگاہ دائیں جانب پڑی اور وہ چونک کر رہ گیا۔

ایک کار خطرناک حد تک اس کی کار کے نزدیک آ چکی تھی اور کسی بھی لمحے دونوں کاروں میں تصادم ہو سکتا تھا لیکن سب سے زیادہ خطرناک وہ سیاہ نال تھی، جو کھڑکی سے جھانک رہی تھی اور اس کا رخ اسی کی جانب ہی تھا۔

بہرام کے ذہن میں خطرے کی گھنٹیاں بجنے لگیں۔ اس نے ایکسیلیٹر پر پیر کا دباؤ بڑھا دیا۔ کار نے ایک جھٹکا لیا اور تیزی سے آگے بڑھ گئی۔ اسپیڈ میٹر کی سوئی اب سو کے ہندسے سے آگے لرز رہی تھی۔ بہرام کے ہاتھ مضبوطی سے اسٹیئرنگ پر جمے ہوئے تھے۔ اس کے جبڑے بھنچے ہوئے تھے اور چہرے پر تفکر کے سائے پھیلے ہوئے تھے۔ اس کا ذہن کمپیوٹر کی طرح کام کر رہا تھا لیکن اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ کون لوگ ہیں اور ان کا مقصد کیا ہے؟ کیا وہ اسے قتل کرنا چاہتے ہیں یا اغوا؟

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

دونوں کاریں اب بھی اس کے پیچھے آ رہی تھیں اور دوبارہ اس کے برابر پہنچنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ ان کی رفتار بھی خطرناک حد تک تیز تھی۔ بہرام نے اسٹیئرنگ کو ایک ہاتھ سے تھام لیا اور دوسرے ہاتھ سے وائرلیس بورڈ کے ساتھ لگے ٹیلی فون سیٹ پر چھ ہندسوں کے نمبر ڈائل کرنے لگا۔ ابھی وہ آخری نمبر ہی ڈائل کر رہا تھا کہ اسے ایک جھٹکے کے ساتھ سیدھا ہو جانا پڑا۔

اسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس کے شانے میں آگ سی لگ گئی ہو۔ اس نے تکلیف کی شدت سے مٹھی سے دانت بھینچ لیے اور ایکسیلیٹر پر پیر کا پورا زور ڈال دیا۔ اس نے کن انکھیوں سے اپنے شانے کی طرف دیکھا، خون تیزی سے رس رس کر اس کے کپڑوں کو سرخ کر رہا تھا۔ غالباً اس پر بے آواز ریوالور سے فائرنگ کی گئی تھی۔

تعاقب میں آنے والی کاریں اب پھر قریب آ رہی تھیں۔ بہرام اپنی حالت پر قابو پانے کے لیے اپنی تمام تر قوتِ ارادی سے کام لے رہا تھا۔ اس نے سائڈ گلاس میں تعاقب میں آنے والی کاروں کو دیکھا۔ ایک کار تیزی سے اس کے دائیں جانب سے آگے بڑھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

بہرام نے تیزی سے ایکسیلیٹر سے پاؤں ہٹاتے ہوئے کار کی رفتار کم کی پھر جونہی تعاقب میں آنے والی کار اس کے قریب پہنچی اس نے تیزی سے اسٹیئرنگ دائیں جانب کاٹا، کار کا پچھلا حصہ تعاقب میں آنے والی کار سے رگڑ کھانے لگا۔ بہرام نے کار کی رفتار مزید کم کی۔ اب دونوں کاریں برابر دوڑ رہی تھیں۔ بہرام نے پوری قوت سے دوبارہ دائیں جانب موڑا۔ دوسری کار کے ڈرائیور کے چہرے سے اب گھبراہٹ کے تاثرات جھلک رہے تھے۔ اس نے گھبرا کر تیزی سے اپنی کار کا اسٹیئرنگ بھی بائیں جانب کاٹا اور اس کی کار ایک جھٹکے سے گرین بیلٹ پر چڑھ گئی اور پھر بے قابو ہو کر مخالف روڈ پر دوڑنے لگی پھر اگلے ہی لمحے ایک زوردار دھماکے کے ساتھ سامنے والی ایک تیز رفتار کار سے ٹکرا گئی۔ دوسری کار والوں نے بھی گھبرا کر کار روک لی تھی۔

بہرام کے ذہن پر اب تیزی سے دھند چھاتی جا رہی تھی اور سخت تھکاوٹ کا احساس ہو رہا تھا۔ اس نے سر جھٹک کر ذہن پر چھانے والی دھند دور کرنے کی کوشش کی لیکن اس نے محسوس کیا کہ اب وہ اسٹیئرنگ کو مزید کنٹرول نہیں کر سکتا۔ اس نے ایکسیلیٹر سے پیر ہٹا لیا اور رفتہ رفتہ اس کا سر اسٹیئرنگ سے جا ٹکرایا۔

کیا چارہ گر کار اکھل گیا؟ اس کے ڈوبتے ذہن میں آنے والا یہ آخری سوال تھا۔ اس کے ساتھ ہی وہ ہوش و خرد سے بیگانہ ہو گیا۔

●

ان کی جیپ تیزی سے بستاؤ کی طرف دوڑ رہی تھی۔ سورج آہستہ آہستہ بلند ہو رہا تھا۔ بدھو انتہائی مہارت سے ڈرائیو کر رہا تھا۔ ٹائیگر اس کی مہارت کا دل ہی دل میں قائل ہو رہا تھا۔

قمران سے بستاؤ کا سفر تقریباً آٹھ گھنٹوں کا تھا اور ٹائیگر کی کوشش تھی کہ وہ شام کا اندھیرا پھیلنے سے قبل بستاؤ پہنچ جائے، تاکہ حالات کا ٹھیک طرح سے جائزہ لے کر آئندہ کا لائحہ عمل تیار کر سکے۔ وہ ایسی نازک صورتِ حال سے اس سے قبل دو چار نہیں ہوا تھا۔ وہ سراپا فولاد تھا اور اس سے ٹکرانے والے ہر شخص کے نصیب میں موت کے سوا کچھ نہ تھا۔ اوشان کی تربیت نے اسے لاثانی انسان بنا دیا تھا لیکن وہ عقل کُل نہ تھا۔ تمام تر تربیت اور محنتِ شاقہ کے باوجود وہ علم کے سمندر سے ایک قطرہ علم ہی حاصل کر سکا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ قمران کے کمپیوٹر میں انتہائی جدید ٹیکنالوجی کے حامل ایٹمی سیٹلائٹ کے سامنے خود کو بے بس تصور کر رہا تھا۔

جب وہ بستاؤ کی حدود میں داخل ہوئے تو سورج اپنا سفر طے کرتے ہوئے منزل کے قریب پہنچ چکا تھا اور شام کے سائے پھیلنا شروع ہو گئے تھے۔ انھوں نے جیپ کی رفتار کم کر دی۔ مقامی لوگ انھیں حیرت سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہے تھے۔ ٹائیگر نے قمران سے یہاں تک کہیں بھی ایسے مظاہرے نہیں دیکھے کہ جنھیں دیکھ کر یہ کہا جا سکے کہ اس ملک کی زمین سونا اور سمیرے اگلتی ہے۔ ہر طرف افلاس اپنی ننگی کرتی نظر آ رہا تھا۔

ٹائیگر نے جیپ ایک قدرے ویران علاقے میں روکوا دی تھی۔ فورسٹی کی اطلاع کے مطابق قحبہ خانے کی عمارت شہر سے باہر واقع تھی لیکن یہاں تک کے سفر کے دوران انھیں کوئی دو منزلہ عمارت نظر نہ آئی تھی جسے وہ قحبہ خانہ کہہ سکیں۔

وہ کافی دیر تک ویرانوں میں بھٹکتے رہے آخر کار ٹائیگر نے کوہستاؤ سے لاگوس جانے والے راستے پر ڈال دیا اور جیپ ناہموار راستے پر ہچکولے کھاتی تیزی سے آگے بڑھنے لگی۔ شام کے سائے اب مکمل اندھیرے میں تبدیل ہوتے جا رہے تھے۔ ابھی انھیں سفر کرتے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ انھیں دور ایک عمارت کا خاکہ نظر آنے لگا جو شام کے اندھیرے میں کسی آسیب کی طرح نظر آ رہا تھا۔

بدھو نے جیپ کی ہیڈ لائٹس بجھا دیں اور ایکسیلیٹر پر پیر کا دباؤ بڑھا دیا۔ ناہموار راستے پر یہ قدم انتہائی خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔ جیپ کسی گہرے کھڈ میں گر سکتی تھی لیکن وہ نہیں چاہتے تھے کہ عمارت میں موجود لوگ ان کی آمد سے بیگانہ ہو جائیں۔ جیپ

قریب پہنچ گئے۔

عمارت اندھیرے میں انتہائی آسیب زدہ نظر آ رہی تھی۔ دور دور تک ویرانہ پھیلا ہوا تھا۔ بدھو نے جیپ کی رفتار کم کر دی۔ روشنی پھوٹتی نظر آ رہی تھی۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے اس روشنی کے لیے موم بتیوں کا سہارا لیا گیا ہو۔ عمارت کے دروازے پر چار پانچ فوجی جیپیں اور ایک لینڈ روور کھڑی تھی۔ ٹائیگر نے جیپ عمارت کی پشت پر لے جانے کو کہا اور خود اتر کر اندھیرے میں گم ہو گیا۔

ہر طرف سنگین سناٹا پھیلا ہوا تھا۔ اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ خاموشی اور سناٹے کے سمندر میں اتر گیا ہو۔ وہ دبے دبے پاؤں چلتا ہوا عمارت کی پشت پر بنی گیٹ کے سامنے پہنچ گیا۔ گیٹ کے سامنے کھڑی گاڑیاں بے ترتیبی سے پارک کی گئی تھیں۔ ٹائیگر نے قریب جا کر تمام گاڑیوں کا جائزہ لیا۔ ان میں کوئی بھی موجود نہ تھا۔

ابھی وہ گاڑیوں کا جائزہ ہی لے رہا تھا کہ فضا کے سناٹے کو ایک تیز چیخ نے درہم برہم کر دیا۔ آواز نسوانی تھی اور اس میں کرب و اذیت کا تاثر رچا ہوا تھا جیسے کوئی کسی لڑکی کو ذبح کر رہا ہو۔ ابھی اس کی گونج ختم بھی نہ ہوئی تھی کہ کسی کے قہقہے لگانے کی آواز سنائی دی۔ آواز ایک سے زائد آدمیوں کی تھی اور اس میں کیف و سرور کا تاثر فراوانی سے محسوس ہوتا تھا جیسے بہت سے لوگ لطف و لذت کی انتہائی منازل کو چھو رہے ہوں۔

اندر ہونے والی کارروائی کا تصور کرتے ہی غصے کی شدت سے خون ٹائیگر کی رگوں میں ٹھوکریں مارنے لگا۔ اس کا جی چاہا کہ وہ فوراً اندر جا کر قہقہے لگانے والوں کی زبانیں کھینچ کر انھیں اس حال کو پہنچا دے کہ وہ خواہش بھی کریں تو ان کے حلق سے آواز نہ نکلے لیکن وہ جانتا تھا کہ اگر اس نے اندر جا کر ضد اندر جانے کی حماقت کی تو وہ لڑکیاں جنھیں بچانے کے لیے اس نے یہ طویل سفر کیا ہے، اس زندان سے نکلنے سے قبل ہی وادیٔ مرگ کی شہرت اختیار کر لیں گی۔

ٹائیگر نے ایک دو طویل سانسیں لے کر اپنے اعصاب کو پرسکون کیا اور دوبارہ گاڑیوں کی طرف متوجہ ہو گیا اور کچھ سوچتے ہوئے لائحہ عمل لینڈ روور کے تمام پہیوں کو ناکارہ کرنے لگا۔ اس کے ہاتھ تیزی سے حرکت کر رہے تھے اور ذہن آئندہ کی منصوبہ بندی میں مصروف تھا۔ لگتے ہی سے تمام گاڑیاں ناکارہ ہو چکی تھیں۔ ان سے فارغ ہو کر وہ لینڈ روور کی طرف بڑھا۔

اس دوران میں کئی بار عمارت سے قہقہے اور چیخیں بھی سنائی دی تھیں۔ ٹائیگر نے لینڈ روور کے دروازے پر لگی تمام گاڑیوں کے دروازے کھول دیے تھے۔ وہ لاک نہ

کیوں نہیں کی تھی اور وہ کراہ کس کی تھی؟

اُس نے لرزتے ہاتھوں سے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ اُس کے چہرے پر تفکر کی لکیریں نمودار ہونے لگیں اور طرح طرح کے خدشات سانپ کی مانند اُس کے ذہن میں لہرانے لگے۔

کیا بہرام کو کوئی حادثہ پیش آگیا ہے؟ اُس نے سوچا۔ اُس کے ساتھ ہی وہ پوری جان سے لرز کر رہ گئی۔ اس بات کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتی تھی کہ بہرام جیسے شفیق انسان کو کوئی گزند پہنچے۔ وہ شخص جو دُنیا کا درد اپنے سینے میں رکھتا ہو، جس کا ہر عمل، ہر آتی جاتی سانس، انسانیت کی فلاح کے لیے وقف ہو، بھلا قدرت ایسے فرشتہ سیرت انسان کو کسی تکلیف میں مبتلا کر سکتی ہے؟ اُس کے نزدیک یہ ناممکن سی بات تھی۔

اُس نے فون سے منسلک ٹیپ ریکارڈر ریوائنڈ کیا پھر اُسے آن کر کے اپنی تمام تر توجہ اس کی جانب مبذول کر دی۔ ٹیپ ریکارڈر سے دوبار گھرر گھرر کی آواز بلند ہوئی جیسے کوئی نمبر ڈائل کر رہا ہو، پھر کلک کی آواز سنائی دی جو کمپیوٹر آن ہونے کی آواز تھی۔ اس کے ساتھ ہی ایک ہلکی سی کراہ سنائی دی اور پھر ایسا محسوس ہوا جیسے ریسیور ہاتھ سے نکل گیا ہو۔ رُوبی نے کراہنے والے کی آواز پر غور کیا اور کچھ سوچ کر مائیکرو کیسٹ کو ٹیپ ریکارڈر سے نکال لیا۔

وہ مائیکرو کیسٹ کو یوں دیکھ رہی تھی جیسے وہ اُس کے لیے کوئی... انوکھی شے ہو یا پھر کوئی ایسی چیز ہو جو اُس نے اپنی زندگی میں اس سے قبل کبھی نہ دیکھی تھی۔ اُس کی آنکھوں میں بے یقینی کے سائے لہرا رہے تھے۔ وہ کیسٹ لے کر ٹیبر کے عقب میں بنے دیوار گیر کیبنٹ کی طرف بڑھی۔ اُس نے کیبنٹ کے لاک پر دایاں ہاتھ رکھا۔ اُس کے ہاتھ رکھتے ہی یوں محسوس ہوا جیسے لاک میں کوئی مکھی بھنبھنائی ہو۔ دراصل کمپیوٹر نے اُس کے ہاتھ کا لمس محسوس کرتے ہی کام کرنا شروع کر دیا تھا۔ کچھ دیر بعد بھنبھناہٹ ختم ہو گئی۔ غالباً کمپیوٹر نے پہچان لیا تھا کہ ہاتھ کا یہ لمس دوستانہ ہے اور اسے یہ حق حاصل ہے کہ لاک کھول سکے۔

رُوبی نے کیسٹ ٹیبر پر رکھ کر کمپیوٹر ائزڈ لاک کے نمبر ملائے۔ اگلے ہی لمحے لاک کلک کی آواز کے ساتھ کھل گیا۔ رُوبی کیبنٹ کے دونوں پٹ کھول کر پلٹی اور مائیکرو کیسٹ اُٹھا کر کیبنٹ میں نصب ایک اسپیئر ٹیپ ریکارڈر کے حجم کے برابر کمپیوٹر کی طرف متوجہ ہو گئی۔ اُس نے مائیکرو کیسٹ کو کمپیوٹر میں بنے ایک خانے میں لگا دیا اور مختلف بٹن دبانے لگی۔

جاسوسی ڈائجسٹ کے مقبول سلسلے

ناگ بھون — اقلیم علیم
(دو جلدیں) قیمت =/300 روپے

سنگتراش — اقلیم علیم
(دو جلدیں) قیمت =/300 روپے

برہمچاری — انوار صدیقی
قیمت =/150 روپے

سرکش — محمود احمد مودی
(12 حصے) مکمل سیٹ =/600 روپے

مکتبہ القریش سرکلر روڈ اردو بازار لاہور
فون 7668958

اگلے ہی لمحے کمپیوٹر سے کاغذ کی ایک سلپ برآمد ہوئی۔ رُوبی نے عجلت سے کاغذ کی سلپ کو کمپیوٹر سے علیحدہ کیا اور اس میں درج عبارت کو پڑھنے میں مصروف ہو گئی۔ کمپیوٹر نے اس بات کی تصدیق کر دی تھی کہ وہ کال اور کراہ بہرام ہی کی تھی اور اس کے نیچے ہی حادثے کا محل وقوع بھی درج تھا۔ حادثہ اوشنگٹن ڈی سی سے پچاس میل کے فاصلے پر پیش آیا تھا۔

چٹ پڑھ کر رُوبی کی بڑی بڑی جھیل نما آنکھوں میں آنسو موتی کی طرح چمکنے لگے۔ وہ مضبوط اعصاب کی مالک تھی، اس کی آنکھیں اس وقت بھی نہیں چھلکی تھیں، جب موت اس سے چند قدم کے فاصلے پر باہیں پھیلائے کھڑی تھی اور وہ ہر طرف سے دشمنوں میں گھری ہوئی تھی لیکن یہ معاملہ اس سے بالکل مختلف اور ایسے شخص کا تھا جس نے اُسے باپ کے ساتھ ساتھ ماں کا پیار بھی دیا تھا جو اپنی تمام تر سرد مزاجی اور اصول پرستی کے باوجود

کا پیکر تھا۔ بے آب و گیاہ صحرا میں ٹھنڈے پانی کا ایک چشمہ تھا...

پھر ایسے شخص کے لیے اس کی آنکھیں کیوں نہ بھر آتیں؟ اُس نے جلد ہی اپنی حالت پر قابو پا لیا اور اپنی آستین سے آنسو پونچھتے ہوئے دوبارہ کمپیوٹر کی طرف متوجہ ہو گئی۔ اُس نے چند بٹنوں کو دبایا اور اس کے ساتھ ہی کمپیوٹر کے اوپر بنی ایک چھوٹی سی اسکرین روشن ہو گئی۔ اسکرین پر لیک کار کے اندرونی حصے کا منظر دکھائی دینے لگا۔ رُوبی نے ایک بٹن کو آہستہ آہستہ گھمانا شروع کیا۔ منظر کچھ دائیں اور بائیں بدلنے لگا اور اس کے ساتھ ساتھ بہت سے لوگوں کی آوازیں سنائی دینے لگیں... پھر اُس کے فوراً بعد اسکرین پر... ڈرائیونگ سیٹ نظر آئی جس پر خون کے بہت سے دھبے پڑے ہوئے تھے۔ اس کے ساتھ ہی رُوبی نے کمپیوٹر کو ایک جھٹکے سے بند کیا پھر کیبنٹ کو بھی دوبارہ لاک کر دیا۔ وہ ساری صورت حال سمجھ گئی تھی۔ غالباً بہرام پر قاتلانہ حملہ ہوا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ ایسے حالات میں اُسے کیا قدم اُٹھانا ہے۔ اُسے بہرام کی ساری ہدایات یاد تھیں جو اُس نے خاص طور پر ایسے مواقع کے لیے دی تھیں۔

وہ تیزی سے بہرام کی میز پر رکھے ٹیلی فون سیٹ کی طرف بڑھی اور ایک نمبر ڈائل کر کے بڑے نپے تلے انداز میں ساری صورت حال بتانے لگی۔ اس وقت اُس کے لہجے میں ٹھہراؤ تھا۔ اُس کے لہجے کو دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ چند لمحے قبل اُس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

اُسے اس بات کا علم نہیں تھا کہ وہ کسے فون کر رہی ہے... اُس نے بہرام کی ہدایات کے بموجب ہی کام کیا تھا پھر دوسری طرف سے اس کی بات سننے کے بعد صرف "ٹھیک ہے" کہا گیا تھا اور پھر فون بے جان ہو گیا تھا۔

رُوبی نے دوبارہ ایک نمبر ڈائل کیا۔ اُس کا ارادہ اُوشان کو مطلع کرنے کا تھا۔ اُوشان نے پہلی ہی گھنٹی پر اس طرح فون اُٹھایا تھا جیسے وہ اس کال کا منتظر ہو... پھر اس سے قبل کہ رُوبی اُسے کچھ بتاتی، اُوشان خود ہی بول پڑا۔ "تم تیار رہو، رُوبی! میں آ رہا ہوں۔" یہ کہہ کر اُوشان نے فون رکھ دیا تھا۔

رُوبی، اُوشان کی اس بات پر حیرت زدہ رہ گئی تھی کہ اُوشان کو اس حادثے کا کیسے علم ہوا لیکن اُس نے زیادہ دیر رُکنا مناسب نہ سمجھا اور تیزی سے پورچ میں پہنچ گئی۔ اُس نے گیراج سے اپنی سرخ اسپورٹس کار نکالی اور گیٹ پر ہی اُوشان کا انتظار کرنے لگی۔ اُسے اس وقت ٹائیگر کی غیر موجودگی شدت سے محسوس ہو رہی تھی۔ اُسے یقین تھا کہ اگر ٹائیگر اس وقت یہاں ہوتا تو اُس کی کیفیت بھی اس سے مختلف نہ ہوتی۔

اُسے زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑا۔ اُوشان نے اپنے اپارٹمنٹ سے یہاں پہنچنے میں صرف پانچ منٹ لگائے تھے۔ اُس نے ٹیکسی ڈرائیور کو کرایہ ادا کیا اور بڑے نپے تلے قدم اُٹھاتا ہوا رُوبی کی کار کی طرف بڑھا۔

رُوبی نے اُسے دیکھتے ہی بغلی نشست کا دروازہ کھول دیا۔ اُوشان خاموشی سے کار میں بیٹھ گیا۔ اس وقت اُس کے چہرے پر بلا کا سکون تھا۔ اُوشان کے بیٹھتے ہی رُوبی نے کار کو آگے بڑھا دیا اور اپنے پیر کا سارا بوجھ ایکسیلیٹر پر ڈال دیا اور کار کسی گولی کی مانند گیٹ سے نکل کر... نیویارک کی کشادہ سڑک پر دوڑنے لگی تھی۔

"فادر!" رُوبی ونڈ اسکرین پر نظریں جمائے بولی۔

"حوصلہ رکھو، رُوبی!" اُوشان نے اُس کا کندھا تھپکتے ہوئے کہا۔ "بس یہ بتاؤ، ہمیں کہاں جانا ہے؟"

"واشنگٹن..." رُوبی نے حیرت سے اُوشان کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "آپ کو کیسے پتا چلا، فادر؟"

"وجدان... بیٹے! صرف وجدان... جسے تم نوجوان دھم کہتے ہو۔" اُوشان مسکراتے ہوئے بولا۔ "مجھے ایسا محسوس ہوا تھا جیسے بہرام نے مجھے پکارا ہو۔ بس اس یکار کے ساتھ ہی میں تیار ہو گیا تھا کہ تمہارا فون آ گیا۔"

• •

بہرام پر نیم بے ہوشی طاری تھی اور چہرے سے نقاہت عیاں تھی۔ وہ اس وقت واشنگٹن کے ایک اعلیٰ اسپتال کے اسپیشل وارڈ میں تھا اور اُسے مسلسل خون دیا جا رہا تھا۔

رُوبی اور اُوشان کے اسپتال پہنچنے کے فوراً بعد اُسے ہوش آ گیا تھا اور انھیں دیکھ کر اُس نے سر ہلا کر تسلی دینے کی کوشش کی تھی کیونکہ وہ رُوبی کی آنکھوں میں تیرتا پانی دیکھ چکا تھا جو کسی بھی وقت چھلک سکتا تھا۔ رُوبی نے اسپتال پہنچتے ہی اُسے چارہ گر سیٹی ٹوریم منتقل کرنے کی کوششیں شروع کر دی تھیں لیکن انتظامیہ نے فوراً ہی ایسا کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ چنانچہ دونوں نے بھی اسپتال ہی میں رُکنے کا فیصلہ کیا۔ انھیں یقین تھا کہ وہ لوگ اسپتال میں بھی بہرام کو نشانہ بنانے کی کوشش کریں گے اس بات کا اظہار انھوں نے صدر مملکت کے اس نمائندے سے بھی کیا جو نامعلوم کس کی اطلاع پر اسپتال پہنچا تھا۔

"جی ہاں... آپ کا خیال درست ہے، خاتون!" اُس نے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

اُوشان کے مُحیلے کو دلچسپ نگاہوں سے دیکھتے ہُوئے کہا جو اس وقت اپنے عہدِ قدیم کے لبادے کے باعث پورے اسپتال کی توجہ کا مرکز بنا ہُوا تھا۔ "مجھے جناب پریذیڈنٹ کی طرف سے ہدایت ملی ہے کہ اُن کے ذاتی دوست ڈاکٹر بہرام کو اسپتال میں کسی قسم کی گزند نہ پہنچنے پائے۔ میں آپ کی آمد سے قبل اس موضوع پر ڈاکٹروں سے گفتگو کر چکا ہوں اور وہ کل تک انھیں یہاں سے لے جانے کی اجازت دے دیں گے۔"

"کیسے پتا، کل طلوع بھی ہوگی یا نہیں۔" اُوشان بڑبڑایا... اس کے انداز میں بے نیازی تھی جیسے اُس کی نظر میں صدرِ امریکہ کے نمائندے کی کوئی وقعت نہ ہو۔

"جی..." نمائندہ چونکتے ہُوئے بولا۔ "میں سمجھا نہیں۔"

پھر اس سے قبل کہ اُوشان کچھ بولتا، روبی نے فوراً اس کا ہاتھ دبا کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور اُوشان بڑا سا منہ بنا کر اس دروازے کو گھورنے لگا جس کے عقب میں ایک بیڈ پر بہرام زندگی و موت کی کش مکش میں مبتلا تھا۔

"اس کا مطلب ہے، یہاں وہ غیر محفوظ رہیں گے۔" روبی بات بناتے ہُوئے بولی۔

"ہاں... ہم نے اس سلسلے میں ایف۔ بی۔ آئی کو چوکنا رہنے کا حکم دے دیا ہے۔ آپ بے فکر رہیں۔" وہ اُوشان کو تسلی دینے والے انداز میں بولا۔

"اس ایف۔ بی آئی کو جو اپنے صدور کی حفاظت نہیں کر سکتی۔" اُوشان تلخی سے بڑبڑایا اور بہرام کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

جواباً نمائندہ صرف اسے گھور کر رہ گیا۔ اُسے وہاں بوڑھے پر سخت غصہ آ رہا تھا لیکن صدر نے اُسے خاص ہدایت کی تھی کہ وہ اس کے دوست کے لواحقین کی ہر ممکن دلجوئی کرے۔ اسی لیے وہ مسلسل اس بوڑھے کی تیز اور برمے کی طرح چھیدنے والی نظروں کو برداشت کر رہا تھا۔

ڈاکٹر بہرام نے کراہ کر آنکھیں کھولیں تو اس کی نگاہ پہلے اُوشان پر پڑی جو اس پر جھکا ہُوا تھا۔ اُوشان کو دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر طمانیت بھری مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"وہ کون سے شہنشاہ؟" اُوشان نے نرمی سے پوچھا۔ لیکن بہرام اس کی آنکھوں میں غصے کی جھلک دیکھ چکا تھا... چنانچہ وہ صرف مسکرا کر رہ گیا۔

"صبر... اُوشان! صبر... اتنی جلدی جذبات میں آنے کی ضرورت نہیں۔" بہرام نحیف آواز میں بولا اور ہانپنے لگا۔ یہ دیکھ کر اُوشان نے اپنا داہنا ہاتھ ڈاکٹر بہرام کے سینے پر رکھ دیا اور ہلکے ہلکے مساج کے سے انداز میں پھیرنے لگا۔ جلد ہی بہرام کی حالت اعتدال پر آ گئی۔ اس نے متشکرانہ نگاہوں سے اُوشان کی طرف دیکھا۔ "ہماری زندگیاں، انسانیت کی فلاح کے لیے وقف ہیں، اُوشان! اس لیے ہماری زندگیوں میں ایسے موڑ آتے ہی رہیں گے۔ لہٰذا اپنے ذہن سے انتقامی خیالات نکال دو، صرف اور صرف اپنے مقصد پر نگاہ رکھو... یہ لوگ جنھوں نے مجھ پر فائرنگ کی ہے، لومڑی کی طرح عیار، بھیڑیے کی طرح سنگ دل اور گیدڑ کی طرح بزدل ہیں۔ یہ لوگ انسانیت اور امنِ عالم کے دشمن ہیں، اُوشان! لیکن ہمیں ان کی بیخ کنی میں حکومت کی حمایت حاصل نہیں ہوگی کیونکہ امریکی حکومت خود اُن کے آگے بے بس ہے۔"

"ہاں، شہنشاہ! ناخلف اولاد سے کبھی اچھی اُمید نہیں رکھنی چاہیے۔ تم بے فکر رہو، اُن کے منصوبے کبھی کامیاب نہیں ہوں گے۔"

"اور ہاں، ٹائیگر کی کوئی خبر آئی؟"

"نہیں... لیکن آپ بے فکر رہیں، شہنشاہ! وہ میرا بیٹا ہے اور مجھے کبھی آپ کے سامنے شرمندہ نہیں کرے گا۔" اُوشان مسکراتے ہُوئے بولا تو بہرام کے ہونٹوں پر بھی ایک خفیف سی مسکراہٹ مچل گئی لیکن اُس کی مسکراہٹ میں تفکر کا احساس غالب تھا۔

"وہ میرا بھی بیٹا ہے، اُوشان!" بہرام نے آنکھیں موندتے ہُوئے کہا... اور اُوشان اس کا کندھا تھپک کر باہر نکل گیا۔

❁ ❁

اُس کی ہتھیلیاں پسینے سے بھیگنے لگی تھیں۔ دراصل اچانک اور مسلسل بجنے والے ہارن نے ٹائیگر کے ذہن کا رابطہ اس کے ہاتھوں اور پیروں سے ایک لمحے کے لیے منقطع کر دیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اپنی جگہ ٹھٹک کر رہ گیا تھا۔

اس سلسلے کھیل میں ارتکازِ خیال کو بنیادی حیثیت حاصل ہوتی ہے اور یہی قوتِ انسان کی خوابیدہ عملی صلاحیتوں کو بیدار کرتی ہے پھر اُوشان کی تربیت نے ٹائیگر کی ان قوتوں کو... آلتہ بلکہ سراً آلتہ کر کے اُسے ایک ناقابلِ تسخیر انسان کے روپ میں دُنیا کے سامنے پیش کیا تھا لیکن اس وقت انتشارِ خیال نے ٹائیگر سے یہ صلاحیت چھین لی تھی۔ وہ ہارن کی آواز سن کر اُوشان کی اس ہدایت کو بھول بیٹھا تھا کہ کسی بھی ٹارگٹ کو سر کرنے سے قبل اپنی قوتوں کو ایک جگہ مجتمع کر لو، اپنی سوچوں کو ذہن کے تابع اور ذہن کو ٹارگٹ کی طرف مبذول کر لو۔ تم دیکھو گے کہ وہ خود بخود تسخیر ہوتا چلا جائے گا لیکن گاڑی کے ہارن نے ٹائیگر کے خیالات کو منتشر کر دیا تھا۔ وہ دھیرے دھیرے نیچے آنے لگا۔ قریب تھا کہ زمین کی کشش تیزی سے اپنی جانب کھینچتی، ٹائیگر نے فوراً ہی دیوار سے نکلے ہُوئے ایک پتھر کو پکڑ لیا اور آنکھیں بند کر کے سانس کی مشق کرنے لگا۔ اگلے ہی لمحے حیرت انگیز طور پر اسے اپنا ذہن بالکل ہلکا پھلکا محسوس ہونے لگا۔

ٹائیگر نے اپنی تمام تر توجہ اپنے ہاتھ پیروں کی طرف مبذول کی اور پھر وہ اگلے ہی لمحے کھڑکی کی منڈیر پر تھا۔ اندھیرے کے باعث اب تک اس پر کسی کی نگاہ نہیں پڑی تھی... غالباً ہارن بجانے والے کی نگاہیں صرف گیٹ پر ہی جمی ہُوئی تھیں اور اس نے اُوپر دیکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔

کھڑکی کے دوسری طرف گہری خاموشی تھی۔ ٹائیگر نے کسی ذی نفس کے وجود کو محسوس کرنے کی کوشش کی لیکن اُسے کسی کے بھی سانس لینے کی آواز نہ آئی۔ چنانچہ ٹائیگر نے دیوار میں گڑی سلاخوں کو پکڑ کر خلا میں کھینچنا شروع کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ نیچے بھی دیکھتا جا رہا تھا، جہاں دو افراد تمک سے اُتر کر گیٹ کی طرف بڑھ رہے تھے۔ اُن میں سے ایک خاصا قد آور اور کسرتی جسم کا مالک تھا اور اس کے چلنے کے انداز میں غرور اور فخر کا احساس ہو رہا تھا۔ وہ پیر زور سے زمین پر مار کر چلنے کا عادی دکھائی دیتا تھا۔ اسے دیکھ کر ٹائیگر کے ہونٹوں پر بے ساختہ مسکراہٹ دوڑ گئی۔ وہ جانتا تھا کہ اپنی طاقت... اور جسامت کی بدولت وجود فنا کرنے والے شدید ترین احساسِ کمتری میں مبتلا ہوتے ہیں اور ٹرک سے اُترنے والا بھی انھی میں سے ایک تھا۔ گو کہ اس کے جسم پر جنرل کی وردی تھی جو ٹرک کی ہیڈ لائٹس کے باعث نمایاں طور پر نظر آ رہی تھی جبکہ اس کے ساتھ آنے والا، اس سے کم رینک کا تھا۔

ٹائیگر نے اپنی توجہ دوبارہ کھڑکی کی طرف مبذول کی اور کھڑکی کے پٹ پر ہلکا سا دباؤ ڈالا۔ کھڑکی کی لکڑی غالباً استعمال و زمانہ کا شکار ہو چکی تھی کیونکہ وہ ہلکا سا دباؤ بھی برداشت نہ کر سکی تھی اور ہلکی سی آواز کے ساتھ ٹوٹ گئی تھی۔ ٹائیگر خاموشی سے اندر اُتر گیا۔

نیچے گیٹ کھلنے سے پیدا ہونے والی چرچراہٹ گونجی اور پھر کسی کے تیز تیز بولنے کی آواز سنائی دی تھی۔ آنے والا غالباً گیٹ دیر سے کھلنے پر جھنجلایا ہُوا تھا لیکن اس کے بعد پھر خاموشی چھا گئی۔ قہقہے بھی اب تھم گئے تھے لیکن ہلکی ہلکی سسکیاں اب بھی ٹائیگر کی حساس سماعت سے ٹکرا رہی تھیں جن میں کرب و اذیت کا گہرا تاثر گھلا ہُوا تھا۔

ٹائیگر نے اطراف کا جائزہ لیا۔ یہ ایک چھوٹی سی کوٹھری تھی جو غالباً اسٹور کے طور پر استعمال ہوتی تھی۔ یہ اندازہ ٹائیگر نے بے ترتیبی سے بکھرے ہُوئے کاٹھ کباڑ سے لگایا تھا۔ وہ کاٹھ کباڑ کو پھلانگتا ہُوا دروازے کی طرف بڑھا۔ دروازہ مضبوط لکڑی کا بنا ہُوا تھا لیکن اُسے باہر سے لاک کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی تھی۔ ٹائیگر نے دروازے میں ہلکی سی جھری پیدا کر کے اندر جھانکنے کی کوشش کی۔ یہ ایک طویل راہداری تھی اور دروازے کے قریب ہی گراؤنڈ فلور کے لیے سیڑھیاں بنی ہُوئی تھیں۔ سیڑھیوں کے ساتھ ہی دیوار پر ایک مشعل روشن تھی جس کے باعث راہداری میں ہلکا ہلکا اُجالا پھیلا ہُوا تھا۔ ٹائیگر نے دروازے کو مزید وا کیا اور پھر وہ باہر نکلنے ہی والا تھا کہ اس کی سماعت سے کسی کے سیڑھیاں چڑھنے کی آواز ٹکرائی... ٹائیگر نے فوراً اپنا ارادہ بدل دیا اور دروازے کی جھری سے آنکھ لگا کر کھڑا ہو گیا۔

قدموں کی چاپ دھیرے دھیرے قریب آنے لگی... وہ قدموں کی چاپ سے آنے والوں کی تعداد کا اندازہ لگانے لگا۔ اس نے آواز کے زیر و بم پر غور کیا تو پتا چلا کہ آنے والا ایک ہی ہے... اور وہ دبلے پتلے جسم کا مالک ہے۔ رفتہ رفتہ ٹائیگر کی سماعت سے اس کے سانس لینے کی آواز بھی ٹکرانے لگی۔ یکایک قدموں کی آواز رک گئی۔ غالباً نیچے سے کسی نے واپس آنے کو کہا تھا۔ وہ شخص زیرِ لب حکم دینے والے کی شان میں نازیبا کلمات ادا کرتا ہُوا پلٹ گیا تھا۔ وہ کسی جنرل اور سپاہی کو گالیاں دے رہا تھا۔ اس کی گالیاں سن کر ٹائیگر کے ہونٹوں پر بے ساختہ مسکراہٹ دوڑ گئی پھر جونہی قدموں کی آواز دور ہوئی، ٹائیگر تیزی سے راہداری میں نکل آیا۔

راہداری میں دو دروازے کمروں کی نشاندہی کر رہے تھے جن کے دروازوں میں لکڑی اور پتھر استعمال کیا گیا تھا۔ غالباً انگریزوں نے اس عمارت کی تعمیر کے وقت قیدیوں کا نقطۂ نظر ذہن میں رکھا تھا... اگر افریقی اس پر لپٹ قدیم نشانیاں سے حملہ بھی کرتے تو اس عمارت کے مکین ایک عرصے تک بے خطر رہ کر ان کا مقابلہ کر سکتے تھے۔ ٹائیگر بے اختیار قدموں... بڑھتا ہُوا آگے بڑھنے لگا... وہ دھیرے سے بلند ہونے والی... خیال اب بھی عمارت میں پھیلے سناٹے کو توڑ رہی تھیں... ...ہی کے بڑھتے ہُوئے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ایک دروازے پر پہنچ کر رک گیا۔

اُس نے دروازے پر ہلکا سا دباؤ ڈالا۔ دروازہ بغیر کسی آواز کے کھلتا چلا گیا۔ اندر ہلکی ہلکی سی روشنی ہو رہی تھی جس کے باعث کمرے کا منظر دھندلا دھندلا سا نظر آ رہا تھا۔ دروازہ کھلتے ہی ٹائیگر کے نتھنوں سے شدت شیطانی کی بُو ٹکرائی تھی۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے کمرے کے فرش کو شراب سے دھویا گیا ہو۔ ٹائیگر نے تلاشی نگاہوں سے کمرے کا جائزہ لیا۔ ایک کونے میں لوہے کا بیڈ لگا ہُوا تھا جس پر ایک خاصا موٹا شخص اوندھا پڑا ہانپ رہا تھا۔ اُس کا ایک ہاتھ پلنگ سے نیچے جھول رہا تھا اور ہاتھ کے پاس ہی تین بوتلیں گری ہُوئی تھیں جن سے شراب بہہ بہہ کر کمرے کے فرش کو تر کر رہی تھی۔

ٹائیگر ابھی بستر پر اوندھے پڑے شخص کا جائزہ لے ہی رہا تھا کہ دفعتاً ایک کونے سے کسی لڑکی کے کراہنے کی آواز گونجی...

ٹائیگر چونک کر پلٹا۔

...پھر جو کچھ اُس نے دیکھا، وہ اُس کے رونگٹے کھڑے کر دینے کے لیے کافی تھا۔ وہ منظر ایسا ہی تھا کہ ٹائیگر جیسا غیر معمولی انسان بھی اپنی جگہ ہل کر رہ گیا تھا۔

'کیا انسان اس حد تک گر سکتا ہے؟' اُس نے سوچا اور اُس کی آنکھوں میں خون اُتر آنے لگا۔ ٹائیگر کا رُواں رُواں نفرت اُگلنے لگا تھا۔ اُس نے نفرت اور غصّے کے ملے جُلے تاثرات کے ساتھ پلنگ پر اوندھے پڑے نیگرو کی طرف دیکھا جو اپنی محرومیوں کا انتقام اُن لڑکیوں سے لے رہا تھا۔ ٹائیگر دھیرے دھیرے پلنگ کی طرف بڑھا۔ پھر یہ موت کا احساس تھا یا نیگرو کی چھٹی حس، وہ کسمسا کر سیدھا ہو گیا پھر جونہی اُس کی نگاہ ٹائیگر پر پڑی، خوف کی ایک لہر سی اُس کی رگ رگ میں دوڑ گئی۔ اُس نے نشے سے بوجھل آنکھیں کھول کر اُٹھنے کی کوشش کی لیکن نشہ پوری طرح اُسے اپنی گرفت میں لے چکا تھا۔ چنانچہ وہ اُٹھتے ہی ڈھے گیا اور لڑکھڑا کر دوبارہ بستر پر ڈھیر ہو گیا۔

"کک... کون ہو تم؟" اُس کے حلق سے غراتی ہُوئی آواز نکلی۔ اُس نے دونوں ہاتھ بستر پر ٹیک کر دوبارہ اُٹھنے کی کوشش کی اور اپنے بھاری بھرکم جسم کو قدرے اوپر اُٹھانے میں کامیاب بھی ہو گیا لیکن اس اثنا میں ٹائیگر اس کے سر پر پہنچ چکا تھا۔ ٹائیگر نے ایک ہاتھ اُس کے گریبان پر ڈالا اور جھٹکے سے اُسے بستر سے نیچے کھینچ لیا۔ اُس کا پہاڑ جیسا جسم ٹائیگر کی گرفت میں ماہی بے آب کی طرح تڑپنے لگا لیکن وہ خود کو ٹائیگر کی گرفت سے آزاد کرانے میں ناکام رہا۔

ٹائیگر اُسے گھسیٹتا ہُوا، دیوار کے ساتھ نصب شکنجوں کے قریب لے آیا اور اُس کے دونوں ہاتھ شکنجوں میں کس دیے۔ نیگرو پھٹی پھٹی آنکھوں سے ٹائیگر کو تک رہا تھا لیکن اُس نے کوئی مزاحمت نہیں کی تھی اور خود کو ٹائیگر کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا تھا۔

"تت... تم کیا کرنا چاہتے ہو؟" وہ خوف سے بھرائی ہُوئی آواز میں بولا۔

"وہی جو تم اب تک کرتے آئے ہو۔" ٹائیگر نے لڑکی کی سمت اشارہ کرتے ہُوئے کہا۔ اُس کے لہجے سے سفاکی ٹپک رہی تھی۔ یہ کہتے ہُوئے ٹائیگر نے اُس کی جیب سے سگار نکال لیا اور طاق میں لگی ہُوئی موم بتی سے سُلگانے لگا۔ یہ دیکھ کر نیگرو کے بدن پر لرزہ طاری ہو گیا اور اُس کا چہرہ اپنے ساتھ ہونے والے سلوک کا تصور کر کے پسینے سے بھیگنے لگا۔

ٹائیگر سگار سُلگا کر اُس کی طرف بڑھا۔ اُس کی آنکھیں نیگرو کی آنکھوں پر جمی ہُوئی تھیں اور ہونٹوں پر مسکراہٹ بھی ہُوئی تھی، جیسے وہ نیگرو کے چہرے پر کرب و اذیت کے سائے دیکھ کر لطف اندوز ہو رہا ہو۔ نیگرو نے سُلگتے ہُوئے سگار کو دیکھا اور خوف سے آنکھیں بند کر لیں۔

"آنکھیں کھولو دوست! آج تم صحیح معنوں میں لطف اندوز ہو گے۔" یہ کہتے ہُوئے ٹائیگر نے جلتا ہُوا سگار اُس کے سینے سے لگا دیا۔

نیگرو نے سختی سے اپنے دانت پر دانت جما کر چیخ روکنے کی کوشش کی لیکن پھر بھی کراہ اُس کی دل خراش کراہوں سے گونجنے لگا۔ وہ تکلیف کی شدت سے بار بار سر جھٹک رہا تھا۔

ٹائیگر کا ہاتھ دوبارہ اُٹھا لیکن اُس نے کچھ سوچتے ہُوئے اُس کا چہرہ داغنے کا ارادہ ترک کر دیا اور جلتا ہُوا سگار اُس کی قمیص میں ڈال کر کونے میں آڑی ترچھی پڑی لڑکی کی طرف بڑھا جو اب بے ہوش ہو چکی تھی۔ اُس کے جسم پر کپڑوں کے نام پر چند چیتھڑے جھول رہے تھے اور چہرے پر جگہ جگہ سے چربی اور گوشت جھلک رہا تھا۔ ٹائیگر نے اُس کے زخمی جسم کو اُٹھا کر بستر پر ڈالا اور نیگرو کو دیکھتے ہُوئے جو اب بار بار اپنے جسم کو جھٹکے دے کر سُلگتے ہُوئے سگار سے چھٹکارہ پانے کی ناکام کوشش کر رہا تھا، دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

اُس نے اگلے پانچ منٹ میں اُس عمارت سے بارہ لڑکیوں کو برآمد کیا۔ اُن سب کی حالت مخدوش تھی۔ اُن کے ساتھ ہونے والے سلوک کا تصور کر کے ٹائیگر کی رُوح کانپ رہی تھی۔ اُس نے اُن سب لڑکیوں کو ایک کمرے میں جمع کیا اور خود تیزی سے نچلی منزل کی طرف بڑھا۔ اُس نے سوچ لیا تھا کہ وہ جنرل اوبیدے کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے بستان کے گلی کوچوں میں بکھیر دے گا۔ ابھی وہ آخری زینے پر ہی تھا کہ اُسے کسی کے تیز تیز بولنے کی آواز سُنائی دی۔ ٹائیگر وہ آواز پہچان گیا، یہ اُسی شخص کی آواز تھی جو مسلسل ہارن بجا رہا تھا پھر اُس نے کسی کے مُنہ سے جنرل اوبیدے کا نام سُنا۔

یہ نام سُنتے ہی ٹائیگر نے جست لگائی اور کمرے کے درمیان پہنچ گیا جہاں دو افراد تیز تیز لہجے میں کسی مسئلے پر بحث کر رہے تھے۔ اُن میں سے ایک تو وہی دراز قد و درشت جسم والا تھا اور دوسرا ناٹے قد کا ایک نیگرو تھا جس کے بدن پر میجر کی وردی تھی جبکہ دراز قد والے کے چہرے کی رنگت قدرے نسبتاً سپید تھی جس سے وہ غیر ملکی باشندہ لگتا تھا لیکن چہرے کے خدوخال افریقی تھے۔

ٹائیگر کی اچانک آمد پر وہ دونوں اُچھل کر کھڑے ہو گئے۔ اُن کے ہاتھ تیزی سے اپنے ہولسٹروں کی طرف بڑھے۔

"تم میں سے اوبیدے کون ہے؟" ٹائیگر اُن کے ریوالوروں سے مرعوب ہُوئے بغیر غرایا۔ "جلدی بتاؤ، میرے پاس وقت نہیں ہے۔"

"تم کون ہو؟" ناٹے قد والا ترشی سے بولا تو ٹائیگر نے جواباً تیزی سے لات گھمائی اور اگلے ہی لمحے ناٹے قد والے میجر کے ہاتھ سے ریوالور چھوٹ گیا۔ ٹائیگر کی لات نے اُس کی پسلیوں پر قیامت ڈھا دی تھی۔ اُس نے دونوں ہاتھوں سے اپنی پسلیاں دبائیں اور پھر اُنگلی سے دراز قد جنرل کی طرف اشارہ کر دیا جو اس اثنا میں سیفٹی کیچ ہٹا کر ٹائیگر کا نشانہ لے رہا تھا پھر اُس نے اپنی اُنگلی کا سارا دباؤ بیلسی پر ڈال دیا اور کمرے کی فضا ریوالور کے دھماکے سے گونج اٹھی لیکن جنرل یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اُس کی کوئی گولی بھی نشانے پر نہیں لگی تھی۔ البتہ اُس کا اپنا میجر فرطِ رنج سے سینے پر ہاتھ رکھے، زمین پر دُہرا ہو رہا تھا۔ اُس کی گولیوں کا نشانہ وہی بنا تھا۔

اُس نے متلاشی نگاہوں سے ٹائیگر کو دیکھا جو دیوار سے لگے صوفے پر بیٹھا مسکرا رہا تھا۔ اُس کی مسکراہٹ سفاکی اُڑانے والی تھی۔ اوبیدے نے اُس کی مسکراہٹ دیکھ کر غصّے سے بے قابو ہو گیا۔ یہ ایک دن میں اُس کی دوسری شکست تھی۔ آج ہی اُسے کیمپ نمبر دو کی تباہی کی اطلاع ملی تھی اور آج ہی ایک نوجوان اُسے زک پہنچانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ وہ چیخنے والے انداز میں ٹائیگر کی طرف بڑھا۔

"تمہارا کھیل ختم ہو چکا ہے اوبیدے!" یہ کہتے ہُوئے ٹائیگر نے اُس کے دائیں کندھے پر کاٹ دار ضرب لگائی، اس کے ساتھ ہی اُس نے اپنی ایڑی اوبیدے کی پنڈلی پر ماری۔ دونوں ہی ضربیں انتہائی کاری تھیں۔ اوبیدے کے حلق سے ایک دل خراش چیخ نکلی اور وہ کٹے ہُوئے شہتیر کی طرح لڑکھڑاتے ہُوئے فرش پر گر گیا۔

"میں تمہیں جان سے نہیں ماروں گا، اوبیدے! لیکن تمہیں چاروں ہاتھوں پیروں سے محروم ضرور کروں گا تاکہ تم ہمیشہ 'معصوم لڑکیوں پر ڈھائے جانے والے مظالم کو یاد رکھ سکو۔' یہ کہہ کر ٹائیگر دوبارہ اُچھلا اور اپنی ایڑیوں سے اوبیدے کے بائیں ہاتھ اور ٹانگ پر ضرب لگائی۔ فضا میں ہڈی ٹوٹنے کی ہلکی سی آواز، اوبیدے کے حلق سے نکلنے والی چیخوں میں دب کر رہ گئی۔

ٹائیگر تیزی سے عقبی دروازے کی طرف بڑھا اور دروازہ کھول کر باہر کو اندر آنے کا اشارہ کیا پھر اس کی مدد سے تمام لڑکیوں کو ہینڈ رو ور میں منتقل کر دیا اور خود دوبارہ اندر آ گیا۔ اُس نے دیوار پر لگی ہُوئی مشعلیں اُتار کر بستروں اور صوفوں پر پھینکنی شروع کر دیں۔ جلد ہی دروازوں اور لکڑی کے زینے نے آگ پکڑ لی۔

"اوبیدے! اب تم صحیح معنوں میں... اذیت پسندی سے لطف اندوز ہو سکو گے۔" ٹائیگر نے اوبیدے کے بھاری بھرکم جسم کو دونوں ہاتھوں میں اُٹھاتے ہُوئے کہا۔ اوبیدے نے بے بسی سے اُس کی طرف رحم طلب نظروں سے دیکھا لیکن اُسے ٹائیگر کی آنکھوں میں سوائے نفرت کے اور کوئی جذبہ دکھائی نہ دیا... ٹائیگر نے اُسے ایک جلتے ہُوئے بیڈ پر اُچھال دیا اور خود تیزی سے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

تاریک فضا قہقہہ خانے سے بلند ہونے والے شعلوں سے روشن ہو گئی تھی۔ عمارت پورے طور پر آگ کے شعلوں کی لپیٹ میں آ چکی تھی۔ ہینڈ رو ور اسٹارٹ کی اور تیزی سے جلتی ہُوئی عمارت کو پیچھے چھوڑتے ہُوئے لاگوس کی طرف بڑھنے لگا۔

لاگوس پہنچتے ہی ٹائیگر نے امریکی سفارت خانے کا رُخ کیا۔ اور وہیں سے چارلٹر کو فون پر تمام تفصیلات سے آگاہ کیا تھا... پھر ایک گھنٹے بعد ہی امریکن ٹاسک فورس بستان پہنچ چکی تھی اور ٹائیگر ایک چارٹرڈ طیارے میں نیویارک کی طرف محوِ پرواز تھا۔

●

کیتھی مزینو نیویارک سے ایتھنز کے سفر پر تھی۔ اُس کا ہم نشست ایک تیس بتیس سالہ شخص تھا جس کے انداز سے نفاست اور شائستگی ٹپک رہی تھی۔ اُس کی آنکھیں بھوری تھیں لیکن چہرے کا رنگ تانبے کی طرح تھا۔ وہ یقیناً کھلی اور تپتی فضاؤں میں بہت سفر کر چکا تھا۔ اُس کا لہجہ نرم اور آواز صاف تھی مگر نرم لہجے کے باوجود کیتھی اندازہ نہیں لگا سکی تھی کہ یہ شخص کس علاقے کا رہنے والا ہے۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

اس وقت وہ اُسے تسلی دے رہا تھا کہ طیارے کی ہائی جیکنگ کوئی خطرناک مسئلہ نہیں۔

"آج کل فضائی سفر ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں پیدل جانے کے مقابلے میں کہیں زیادہ محفوظ ہے، خاتون۔" وہ مسکرا رہا تھا۔ "جہاں تک ہائی جیکنگ کا تعلق ہے تو آج کل انتہائی کڑے حفاظتی اقدامات کی بنا پر یہ ممکن ہی نہیں رہا کہ فضائی قزاق کسی طیارے کو اغوا کرلیں۔ سچ بات تو یہ ہے . . . . . کہ اب قزاقی فضا میں نہیں زمین پر ہی ہو سکتی ہے۔"

کیتھی ملر نے اپنے شیر خوار بیٹے کیون کو سینے سے لگایا... ویسے وہ اب بھی مطمئن نہیں ہوئی تھی۔

"اگر طیارہ اغوا بھی کرلیا گیا تو پھر کیا ہوگا؟" اس شخص نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ ہائی جیکر طیارہ کہیں اُتار دیں گے اور پھر ہم جلد رہا کر دیے جائیں گے۔ کیونکہ آج کل کی پالیسی یہ ہے کہ ہنگامِ فضائی قزاقوں سے بات چیت کے لیے پہلی شرط یہی رکھتے ہیں کہ مسافروں کو رہا کیا جائے... پھر کل کی انتہا پسند حکومتیں بھی آج فضائی قزاقی سے عاجز آچکی ہیں۔ مجھے تو ہائی جیک ہونے سے ذرا بھی خوف نہیں آتا کیونکہ اگر ہم ہائی جیک ہوئے تب بھی میں اسے ایک دلچسپ تجربہ سمجھ کر لطف اندوز ہوں گا اور اس تجربے کی موجودگی سے میرا دل بھی بہلتا رہے گا۔"

"لیکن میں ہائی جیک ہونے کے تصور سے بھی ڈرتی ہوں۔" کیتھی ملر نے واقعتاً خوف زدہ لہجے میں کہا۔ "یرغمال بننے والے بالکل بے بس اور لاچار ہوتے ہیں۔ آخر کسی کو ہم جیسے غیر سیاسی لوگوں کی زندگیوں سے کھیلنے کا کیا حق ہے؟"

"پاگل کتا کبھی نہیں دیکھتا کہ وہ کس کو کاٹ رہا ہے۔" مسٹر ملر اس شخص نے زیرِ لب مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "لیکن میں ایک بات بتاؤں، ہائی جیکر اور دہشت گرد بہت بزدل اور بکزدہ بھی ہوتے ہیں۔"

"وہ کیسے؟" کیتھی ملر نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

"دہشت گرد لوگوں کو قتل کرتے ہیں، بم رکھ کر تباہی پھیلاتے ہیں... بے گناہوں کو گھات لگا کر گولی مارتے ہیں اغہ..."

کیتھی کی یہ باتیں سن کر اگلی نشست والا مسافر ہنس پڑا۔

"میں بھی تو یہی کہہ رہا ہوں کہ دہشت گرد سخت بزدل ہوتے ہیں کہ خود بخود مقابلہ بھی نہیں کرتے، چھپ کر وار کرتے ہیں... اصل قوت تو ان لوگوں کے پاس ہوتی ہے جو بلند و بالا عمارتیں تعمیر کرتے ہیں، اُن کے پاس نہیں جو ہم بے گناہ لوگوں کو قتل کرتے ہیں۔"

"لیکن پھر بھی مجھے ہائی جیکنگ سے ڈر لگتا ہے۔" کیتھی ملر نے اپنے بیٹے کو تھپکی دے کر سلاتے ہوئے کہا۔ "طیارے اغوا ہوتے ہی رہتے ہیں۔" کیتھی کو اب اس شخص پر غصہ آرہا تھا کہ وہ دہشت گردوں کو اتنا حقیر سمجھ رہا ہے۔ "اور یہ طیارہ بھی اغوا ہو سکتا ہے۔"

"ہونے کو تو بہت کچھ ہو سکتا ہے۔" اُس شخص نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "لیکن زندگی تو خطرات سے پُر ہے... کوہ پیما، برف کے تودے سے گر کر ہلاک ہو جاتے ہیں، ماہر پیراک ڈوب کر مر جاتے ہیں یا انہیں شارک ہضم کر لیتی ہے، کار چلاتے ہوئے حادثے کی وجہ سے کوئی بھی مر سکتا ہے... لیکن زندگی گزارنے کے لیے حادثوں سے چشم پوشی کرنا اچھی بات نہیں۔ میرا کہنا یہ ہے کہ پاگل کتوں کو ناکام بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ زندہ رہا جائے۔ ایک دوسرے سے محبت کی جائے تم اپنے شوہر سے ملنے ایتھنز جا رہی ہو۔ یہ محبت کا سفر ہے اور اسی محبت کی وجہ سے تم نے طیارے کا انتخاب کر کے یہ ثابت کر دیا ہے کہ تم دہشت گردوں کو کمزور سمجھتی ہو۔ وہ تمہیں، تمہارے شوہر سے ملنے کے لیے جانے سے نہ روک سکے۔"

"پھر بھی... میں فضائی سفر سے ہمیشہ ڈرتی رہی ہوں۔" کیتھی ملر نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

اسی لمحے ایک ائر ہوسٹس مصنوعی مسکراہٹ سجائے نمودار ہوئی۔ "آپ لوگ کچھ پئیں گے؟"

"کولا..." کیتھی ملر نے فوراً کہا۔

"کافی..." خالص شکر کے ساتھ۔" ہم سفر نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

اسی وقت تین افراد جو بزنس سوٹ میں تھے، ائر ہوسٹس کے دائیں بائیں کھڑے ہو گئے۔ کیتھی ملر کے ہم سفر نے چونک کر ان تینوں کو دیکھا اور پھر ائر ہوسٹس سے بولا۔ "میں بھی کولا پیوں گا۔"

ائر ہوسٹس نے کپ کیتھی کی طرف بڑھایا مگر اس شخص نے جو اب تک انتہائی مہذب لگ رہا تھا، انتہائی بدتمیزی سے کپ خود لے لیا اور منہ سے لگایا اور پھر کیتھی یہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئی کہ اس نے جیب سے ایک سفید گولی نکال لی تھی۔

"ایک بات ہمیشہ یاد رکھنا مسز ملر۔" وہ سر سراتے ہوئے لہجے میں بولا۔ "محبت بہت قوی جذبے کا نام ہے۔ محبت طاقت ہے اور نفرت بزدلی۔"

کیتھی ملر کے پاس فیصلے کا وقت نہیں تھا کیونکہ اسی لمحے طیارہ ہچکولے کھانے لگا تھا۔ کاؤنٹر پر رکھے ہوئے کپ گر کر ٹوٹ گئے تھے۔ ہر شخص اپنی نشست سے اچھل پڑا تھا۔ کیتھی ملر نے اپنے بیٹے کو سینے سے لگا لیا۔ اس کا ہم سفر اب بھی پُرسکون تھا۔ اس نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی سفید گولی زبان پر رکھ لی تھی۔ کیتھی کو فوراً ہائی جیکروں کا حکم یاد آگیا۔ اُسے بھی دوسرے مسافروں کی طرح سر پر ہاتھ رکھنا تھا لیکن اُس کے ہاتھوں میں کیتھی تھا لہٰذا اُس نے خوف زدہ انداز میں ایک ہاتھ سے کیون کو سنبھالتے ہوئے بایاں ہاتھ سر پر رکھ لیا۔ اُس نے آنکھیں بند کر کے، دل کی گہرائیوں سے دعائیں مانگنی شروع کر دیں۔ یہ دعائیں اُسے اسکول میں سکھائی گئی تھیں جو اس وقت اچانک ہی یاد آگئی تھیں۔ وہ دعا کر رہی تھی مگر اپنے لیے نہیں، صرف کیون کی زندگی کے لیے۔

ایک بار پھر لاؤڈ اسپیکر پر آواز گونجی۔ "ڈاکٹر السیا ڈور گلیچ! تم کس نشست پر ہو؟"

کیتھی نے مسافروں کو خوف سے سہمتے ہوئے دیکھا اور پھر وہ چونک پڑی۔ اس کے ہیر گیلے ہو رہے تھے۔ کولا کا کپ نہ جانے کس وقت ہاتھ سے نکل کر گر گیا تھا۔ اس نے پھر آنکھیں بند کر لیں اور کیون کو سینے سے لگا لیا۔ اُسے ایسا لگ رہا تھا جیسے آنکھیں بند کر لینے سے یہ سب کچھ ختم ہو جائے گا۔ اُسے یقین تھا کہ ہائی جیکر اُسے اور کیون کو کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے کیونکہ اس نے ان کا کچھ نہیں بگاڑا تھا۔ طیارہ زیادہ سے زیادہ ایتھنز کی بجائے کہیں اور اُترے گا اور پھر وہ کیون سمیت رہا کر دی جائے گی۔

"ڈاکٹر گلیچ..." وہی آواز پھر سنائی دی۔ "ہم جانتے ہیں کہ تم مسافروں میں شامل ہو لہٰذا کھڑے ہو جاؤ، بصورتِ دیگر... تم دوسرے مسافروں کو بھی خطرے میں ڈال دو گے۔"

مسافر اب سرگوشیاں کر رہے تھے۔ ایک عورت چلائی کہ اُس پر دل کا دورہ پڑ رہا ہے، ایک بچہ بہت زور سے رویا... اور ایک ائر ہوسٹس بار بار تلقین کرتی رہی کہ مسافر پُرسکون رہیں۔

کیتھی نے محسوس کیا کہ طیارہ اب نیچے کی طرف جا رہا ہے۔

"ڈاکٹر گلیچ! ہم تمہیں تلاش کر لیں گے۔" اس بار آواز خوفناک حد تک خشک تھی۔ "اگر کسی مسافر کو علم ہو کہ ڈاکٹر گلیچ کہاں بیٹھا ہے تو وہ اشارہ کر دے۔ ہم کسی کو نقصان پہنچانا نہیں چاہتے۔"

اُسی لمحے کیتھی نے ریوالور کی نال اپنے سر پر محسوس کی۔ وہ گھبرا کر بولی۔ "نن... نہیں، میں، میں دوسرا ہاتھ سر پر رکھوں گی تو بچہ گر جائے گا۔"

"اپنی آنکھیں کھولو۔" کسی نے نرم لہجے میں کہا لیکن اس لہجے میں سانپ جیسی پھنکار بھی تھی۔ کیتھی نے اس حکم پر عمل کیا۔ اُس کے سامنے ایک نوجوان پستول تانے کھڑا تھا... اور وہ شخص جس نے اُسے ہائی جیکنگ کے بارے میں بہت کچھ بتایا تھا، اس وقت سو رہا تھا۔ اُس کی آنکھیں بند تھیں، دونوں ہاتھ گود میں تھے اور زبان منہ سے قدرے باہر تھی۔

"کیا تم اسے جانتی ہو؟" ہائی جیکر نے پوچھا۔

"نہیں..." کیتھی نے گھبرا کر جواب دیا۔ "ہماری ملاقات طیارے ہی میں ہوئی تھی۔"

"یہ تو ہم جانتے ہیں۔" ہائی جیکر نے یہ انگریزی میں کہا تھا اور پھر کسی غیر ملکی زبان میں بہت دیر تک کچھ کہتا رہا تھا۔ اُس کی آواز سنتے ہی دوسرا ہائی جیکر بھی اُس کے قریب آگیا... یہ قد دے دراز قامت تھا۔

"تمہارا کیا نام ہے؟" دراز قد ہائی جیکر نے پوچھا۔

"کیتھی ملر... میرا شوہر کنسٹرکشن کمپنی میں انجینیئر ہے۔ اس کی تعیناتی ایتھنز میں ہے، میں اُسی سے ملنے جا رہی ہوں..." کیتھی نے یہ سب کچھ بہت تیزی سے کہہ ڈالا۔

"ویری گڈ..." دراز قامت نے مسکرا کر کہا۔ "تم دونوں میں کیا کیا باتیں ہوئی تھیں؟"

"ایسی ہی... عام سی باتیں۔" وہ گھبرا کر بولی اور دعا کرنے لگی کہ اجنبی مسافر جلد ہوش میں آجائے... یہ بھی کوئی سونے کا وقت تھا۔

"اچھا..." دراز قامت ہائی جیکر نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "اس نے تمہیں کچھ دیا تھا؟"

"نہیں، کچھ نہیں۔"

اس پر دراز قامت شخص نے اپنی زبان میں دوسرے سے کچھ کہا۔ اس بار لہجے میں تیزی تھی۔ پہلے ہائی جیکر نے پستول جیب میں رکھ کر پھرتی سے بے ہوش مسافر کی تلاشی لی۔ کیتھی سمجھ گئی کہ یہی اجنبی ڈاکٹر گلیچ ہے اور وہ یہ بھی جان گئی تھی کہ ڈاکٹر گلیچ نے جو سفید گولی نگلی تھی، وہ زہریلی تھی۔

"کچھ نہیں ہے۔" نوجوان ہائی جیکر نے ناکامی کے بعد کہا۔

"کوئی بات نہیں۔ ہمیں تو یہ تلاش ہے کہ اس کے ذہن

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

میں کیا تھا؟" دراز قامت ہانی جیکر نے کہا۔ "مسٹر ملر! کیا تم یقین سے کہہ سکتی ہو کہ ڈاکٹر گلیج تمہارے لیے کسی اہمیت کا حامل نہیں تھا؟"

"ہاں، مجھے اس کا نام بھی ابھی معلوم ہوا ہے۔"

"تب پھر ذہن پر زور دو۔ یہ بتاؤ کہ اس کے آخری الفاظ کیا تھے؟"

"اس نے کہا تھا... کہ محبت نفرت سے زیادہ طاقت ور ہوتی ہے۔" کیتھی نے ذہن پر زور دے کر بتایا۔

"غلط... یہ جھوٹ ہے۔ اس نے تمہیں کوئی اہم بات بتائی ہوگی۔" اب اس کے چہرے پر کرختگی نمودار ہونے لگی تھی۔

کیتھی کا سر نفی میں ہلنے لگا۔ خوف سے اس کا رنگ سفید ہونے لگا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ اتنے مختصر وقت میں وہ اس عورت کو کچھ بھی نہیں بتا سکا ہوگا۔" نوجوان ہانی جیکر نے سر ہلا کر کہا۔ "لیلے بھی ہم ناکام ہو چکے ہیں۔ اسے یرغمال بنا کر تاوان کی طلبی کا منصوبہ اب پورا نہیں ہو سکے گا۔"

دراز قامت شخص کے چہرے پر کئی رنگ آ کر گزر گئے...

"نہیں، ناکامی ہمارا مقدر نہیں۔ اس امریکی عورت نے اس شخص کی مدد کی تھی اور اگر یہ اس کی مدد نہ کرتی تو ہم کامیاب ہو چکے ہوتے۔"

"لیکن... لیڈر! یہ عام سی گھریلو عورت ہے۔" نوجوان نے الجھتے ہوئے کہا۔

"مگر یہ کچھ نہ کچھ ضرور جانتی ہے۔" لیڈر نے کہا۔ کیتھی یہ سن کر سہم گئی۔ دراز قامت شخص جس کے چہرے پر اب سفاکی تھی، ان کا لیڈر تھا۔ "یہ عورت جھوٹ بول کر ہمیں دھوکا دے رہی ہے۔"

"دھوکا تو ڈاکٹر گلیج نے دیا ہے لیڈر!"

"تم..." دراز قامت شخص کا چہرہ اچانک ہی بھیانک ہو گیا۔ "تم بھی فلسطینیوں کی طرح نرم دل ثابت ہو رہے ہو۔ اب اگر تم نے اس عورت کی حمایت کی تو میں تمہیں بھی گولی مار دوں گا... اس عورت اور اس کے بچے کو عقبی حصے میں لے جاؤ۔ میں اس سے پوچھ گچھ کروں گا۔"

"مم... میں کچھ نہیں جانتی۔" وہ رونے لگی۔

"اگر جانتیں... تب پھر کوئی فرق نہیں پڑتا۔" نوجوان... ہانی جیکر نے کہا۔ "ہمارا منصوبہ ناکام ہو گیا ہے اور ہم صرف اتنا ہی جانتے ہیں۔"

"مم... مگر وہ کون تھا؟" کیتھی نے بچے کو کلیجے سے لگا کر اٹھتے ہوئے کہا۔

"ایک موٹی اسامی... اگر نندہ ہاتھ لگ جاتی تو ہم دس بیس لاکھ ڈالر لے مرتے۔"

"خاموش..." دراز قامت نے اپنے نوجوان ساتھی کو گھور کر دیکھا۔

عقبی حصے میں پہنچ کر دراز قامت نے اپنے نوجوان ساتھی کو گھور کر دیکھا۔

عقبی حصے میں پہنچ کر دراز قامت نے کیون کو کیتھی سے چھین لیا۔ نوجوان ہانی جیکر نے کچھ اعتراض کیا مگر دراز قامت نے اسے جھڑک دیا۔ وہ اسے لے کر باتھ روم میں آ گئے اور پھر دراز قامت شخص نے کیتھی کی تلاشی لینی شروع کر دی۔ وہ ذلت کے احساس سے رونے لگی مگر اسے علم نہیں تھا کہ یہ تو محض آغاز ہے۔

"انراک..." نوجوان نے کہا۔

"نام مت لو۔" ایراک نامی دراز قامت نے غرا کر کہا۔ کیتھی کی آنکھیں بند تھیں۔ وہ ان کی شکلیں بھی نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔ پھر وہ وقت بھی آیا جب وہ دل ہی دل میں اپنے شوہر سے معافیاں مانگنے لگی... پھر وہ اسے باتھ روم ہی میں بند کر کے چلے گئے... پھر جیسے ہی اسے کیون کا خیال آیا، اس کے کمزور جسم میں توانائی بھر گئی۔ وہ دروازہ پیٹنے لگی۔ "میرا بچہ... میرا کیون، اب تو واپس کر دو۔"

"خاموش رہو۔" باہر سے کسی نے غرا کر کہا۔

باہر بچہ بھی رو رہا تھا۔

"میرا بچہ..." وہ دروازے سے سر پھوڑنے لگی۔

پھر اچانک ہی کیون کے رونے کی آواز بند ہو گئی۔ دروازہ کھلا اور کوئی چیز اس کی طرف اچھال دی گئی۔ وہ اس سے بچنے کے لیے ایک طرف ہو گئی لیکن اسے پہچاننا پڑا۔ وہ چیز، تولیے میں لپٹا ہوا کیون تھا۔ وہ دیوار سے ٹکرا کر فرش پر گر پڑا۔ اس نے لپک کر اسے سینے سے لگا لیا لیکن اب کیون میں سانس نہیں تھی... کیون کے سر سے خون بہہ رہا تھا اور اس کی گردن ایک طرف ڈھلک گئی تھی۔ کاش! میں اسے بچا لیتی۔ اس نے پل بھر کے لیے سوچا اور کیون کو مضبوطی سے چمٹا لیا۔

طیارہ اترا تو اس وقت بھی وہ بچے کو سینے سے لگائے فضا میں گھور رہی تھی۔ طیارہ اترنے کے چند لمحے بعد گولیاں چلیں اور پھر خاموشی چھا گئی۔

"ہانی جیکر فرار ہو گئے۔" کسی نے چلا کر کہا۔

مسافر، ایتھنز پر اترے تو یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح

پھیل گئی کہ ہانی جیکروں نے ایک بچے کو ہلاک اور اس کی ماں کو شدید اذیت دی ہے۔

ٹیلی ویژن پر ان لوگوں کے انٹرویو ہو رہے تھے۔

ایک کمرے میں تین افراد، اسکرین پر نظریں جمائے ہوئے تھے۔ ان سب کی عمریں چالیس سال تک تھیں۔ وہ نفیس سوٹ پہنے ہوئے تھے۔ تینوں کے شانوں پر کرنل کے نشانات نظر آ رہے تھے۔ یہ امریکی، روسی اور چینی نمائندے تھے۔

ان کی آنکھیں ٹیلی ویژن پر سکتے ہوئے چہرے پر تھیں۔ وہ اب ہوش میں تھی اور تمام تفصیلات سپاٹ لہجے میں بتا رہی تھی۔

"بزدل..." امریکی نے کہا۔

"میں آئے دن ہونے والے درندگی کے ان مظاہروں سے پریشان ہوں۔" چینی کرنل نے سر ہلا کر کہا۔

"اس صورت حال کو روکنے کے لیے سخت اقدامات کی ضرورت ہے۔ اسرائیل اس طرح باز نہیں آئیں گے، کرنل ہگنز!" روسی نے امریکی سے کہا۔

"مگر یہ کس بنا پر کہہ رہے ہو کہ وہ اسرائیلی تھے؟" امریکی کرنل نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"تم نے سنا نہیں، مظلوم عورت نے ایک نام لیا ہے، ایراک... یہ نام زیادہ تر یہودی ہی رکھتے ہیں۔"

"ممکن ہے کہ یہ کوئی جعلی نام ہو اور فلسطینی گروہ اس کی ذمے دار ہو۔"

"مظلوم عورت نے کسی کا نام احمد حسن یا محمد نہیں بتایا، کرنل!" روسی کرنل نے تلخ لہجے میں کہا اور چینی کرنل بھی سر ہلانے لگا۔ "امریکہ نے صیہونیوں کو کچھ زیادہ ہی شہ دے رکھی ہے۔"

"دہشت گرد کوئی بھی ہو، قابل مذمت ہے۔" کرنل ہگنز نے جواب دیا۔ وہ واقعی نادم نظر آ رہا تھا۔ "دہشت گردی ایک عالمی مسئلہ بن رہی ہے، کرنل پیٹروویچ!"

"دہشت گرد، آئرش آرمی کے بھگوڑے بھی ہو سکتے ہیں اور امریکہ کے تسلط سے آزادی کے خواہاں بھی... لیکن ہم ان لوگوں کو دہشت گردی کی فہرست میں شامل نہیں کر سکتے جو اپنے وطن کی آزادی کے لیے کارروائی کرتے ہیں۔" کرنل ہونگ نے کہا۔

"بہرحال..." امریکی کرنل اس حقیقت پسندانہ تجزیے پر کندھے اچکا کر بولا۔ "ہمارے پیش نظر مسئلہ انسداد دہشت گردی کے سلسلے میں اقوام متحدہ کے زیر اہتمام عالمی کانفرنس ہے جو اگلے ہفتے شروع ہونے والی ہے اور ہمیں کانفرنس کے آغاز سے قبل ہی بنیادی دستاویزات پر اتفاق رائے کر لینا ہے۔ یہ بات طے شدہ ہے کہ اگر ہم تینوں کی حکومتوں کو دہشت گردی پر تشویش نہ ہوتی تو ہم ایک ساتھ بیٹھے ہوئے بھی نہ ہوتے۔"

چینی اور روسی کرنل اثبات میں سر ہلانے لگے... اور پھر پیٹروویچ نے کہا۔ "ہم نے اس ضمن میں خاصی پیش رفت کر لی ہے۔ گزشتہ چند ہفتوں کے دوران ہم نے فنی نوعیت کے نکات پر اتفاق کر لیا ہے اور ہماری حکومتیں دہشت گردی کے خلاف ہوا سے بنائے ہوئے مشترکہ پروگرام کا اعلان کریں گی۔ دوسری اقوام بھی اس پروگرام کی حمایت کریں گی کیونکہ وہ ہم تینوں حکومتوں میں سے کسی نہ کسی کی حلیف ہیں، وہ اختلاف نہیں کر سکتیں۔ لہٰذا اب پریشانی کی کیا وجہ ہے؟"

"کرنل..." ہگنز نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "ہم ہتھیاروں کی غیر قانونی سپلائی، فضائی قزاقی، تشدد اور سیاسی نوعیت کے اغوا سے متعلق خاصے ٹھوس نکات پر متفق ہو چکے ہیں لیکن دہشت گردی کی یہ نئی لہر بعض ایسے عناصر کو جنم دے سکتی ہے جس کی وجہ سے ہمارے اس کام پر پانی پھر جائے گا۔"

پیٹروویچ اور ہونگ اس کی طرف دیکھتے رہ گئے۔

ہمارے سارے کام کی بنیاد یہ ہے کہ دہشت گردوں کو ان کے اڈے سے دور رکھا جائے۔ ہم یہ فرض کر بیٹھے تھے کہ انھیں تربیت کی ضرورت ہوتی ہے، انھیں رقم اور سرمایہ درکار ہوتا ہے اور انھیں اپنی کارروائیاں جاری رکھنے کے لیے کمین گاہ کے طور پر کسی ملک کی ضرورت ہوتی ہے لیکن اگر یہ مفروضہ غلط نکلا تو کیا ہوگا؟"

"ناممکن..." پیٹروویچ نے کندھے اچکا کر کہا۔

"یہ ممکن ہے۔" ہگنز نے جواب دیا۔

"تقریباً ممکن ہے۔" ہونگ نے بھی اپنا موقف پیش کیا۔ "تازہ ترین مثال لو۔ ہانی جیکنگ کی یہ روایات ایسے لوگوں نے کی جو بظاہر غیر تربیت یافتہ تھے اور جنھوں نے واردات برطانوی ہوائی اڈے سے نہیں، امریکی ہوائی مستقر سے کی۔ گزشتہ چند ہفتوں کے واقعات اس امر کا ثبوت ہیں کہ دہشت گردوں کا اب کوئی مستقل یا ایک اڈا نہیں، وہ پھیل گئے ہیں۔ کسی ایک ملک تک محدود نہیں رہے۔ اگر ہم اب بھی مشرق وسطیٰ یا افریقہ کے کسی ایک ہی ملک کو موردِ الزام ٹھہراتے رہے تو

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ہمارے منصوبے ناکام رہیں گے۔"

"یہ بات بھی فراموش مت کرو کہ اس طیارے کے ہر مسافر کو ایمرے مشین سے گزرنا پڑا تھا، ایسی مشین سے جو اسلحہ یا گولی تک کا پتا بتا دیتی ہے لیکن وہ ہتھیار لے کر طیارے میں سوار ہو گئے اور انھوں نے صرف سینتیس سیکنڈ میں طیارے پر قابو پا لیا۔"

"یہ اُن کی اہلیت کی دلیل ہے۔" پیٹر وراچ نے تلخ لہجے میں کہا۔

"انتہائی اعلیٰ عسکری اہلیت کی دلیل۔" ہونانگ نے پہلو بدلتے ہوئے لقمہ دیا۔ "اور اسی لیے یہ نیا عنصر زیادہ ... خوف زدہ کر دینے والا ہے۔"

"[illegible] دلیل ہے کہ دہشت پسند گروں کی اب کوئی ایک پناہ گاہ نہیں، اور میں دعوے سے کہتا ہوں کہ وہ اگر چہ تازہ تجربے کار تھے مگر انھیں انتہائی اعلیٰ تربیت دی گئی تھی۔" پیٹر وراچ نے سر ہلا کر کہا۔

"اس صورتِ حال سے میں اپنی حکومت کو مطلع کر دوں گا۔" کرنل ہنگز نے کہا۔ "میری تجویز یہ ہے کہ تم دونوں بھی اپنی اپنی حکومتوں کو مطلع کر دو کہ دہشت گردی کی ایک نئی تحریک شروع ہو چکی ہے اور کانفرنس اس وقت تک بے سود ہو گی جب تک ہم یہ پتا نہ چلا لیں کہ یہ نئی تحریک کیا ہے اور اس کے پسِ پشت کون ہے پھر یہ بھی کہ اس تحریک سے کس طرح نمٹا جانا چاہیے۔"

کرنل اینڈرسن ہنگز کو یقین تھا کہ امریکی حکومت اس تجویز پر بھرپور توجہ دے گی لیکن جب دو روز بعد اس نے پینٹاگان میں اس تجویز پر سرکاری ردِعمل وصول کیا تو اسے ایک جھٹکا سا لگا۔ وہ پڑھنے لگا

"ہماری حکومت کی پالیسی یہی بنیاد ہے کہ اس مفروضہ کو بنیاد بنا کر کارروائی جاری رکھی جائے کہ دہشت گردی میں کسی نئے عنصر کا اضافہ نہیں ہوا ہے۔"

کرنل ہنگز کا چہرہ طیش کے کپکپانے لگا۔ اس نے فوراً صدر کے پرسنل ملٹری ایڈوائزر کے نمبر ملائے۔ "یہ کیا ہے؟ کیا تم لوگ ذرا سی بھی بات نہیں سمجھ سکتے؟" اس نے غصیلے لہجے میں پوچھا۔

"کرنل!" دوسری طرف سے اس کے پرانے دوست کی سرد آواز آئی۔ "امریکہ۔ جرمنی اور روس کے اشتراک سے دہشت گردی پر قابو پانے کے لیے ایک منصوبہ پیش کرنے کا تہیہ کر چکا ہے۔ یہ منصوبہ اگلے ہفتے تک تیار ہو جانا چاہیے۔ تم اس پر کام جاری رکھو گے اور اپنے غیر ملکی ہم منصبوں کے ساتھ مل کر اس کی جزئیات طے کرو گے۔"

"کیا تم لوگ پاگل ہو گئے ہو چک؟" اس نے اس بار بھی غصیلے انداز میں کہا تھا۔ "جب تک ہمیں نئے دہشت گردوں کا علم نہ ہو جائے کانفرنس بے سود ہو گی۔"

"تمھارا لہجہ مناسب نہیں کرنل۔" چک نے اُسے یاد دلایا۔ "وہ میجر جنرل سے مخاطب ہے۔" پروٹوکول کا خیال رکھو۔"

"جہنم میں گیا پروٹوکول۔" کرنل ہنگز نے جھلا کر جواب دیا۔ "یہ کوئی فوجی مشق یا کیڈٹ کالج نہیں۔ میں ایک مسئلے کا انچارج ہوں اور اس مسئلے سے بچنے کے لیے اپنا سر ریت میں چھپا رہے ہو۔"

"کرنل!" میجر جنرل چک داران کی آواز اس بار بہت خشک تھی۔ "میں نے تمھارا پیغام حرف بحرف وہاں تک پہنچا دیا تھا اور تمھاری طرح میں نے بھی صدر کے سامنے اس کیس کو اسی انداز سے پیش کرنے کی کوشش کی تھی لیکن مجھے بتایا گیا کہ کانفرنس ملتوی نہیں ہو گی اور ہم یہ سمجھیں گے کہ کوئی نیا دہشت پسند گروہ پیدا نہیں ہوا ہے۔ یہ کمانڈر انچیف کا حکم ہے۔ براہِ راست حکم اور اس پر عمل کرنا پڑے گا۔"

کرنل ہنگز ایک طویل سانس لے کر کرسی پر ڈھیر ہو گیا اور پھر اس نے نسبتاً نرم لہجے میں پوچھا۔ "کیوں چک! کیا سی آئی اے کا یہی مشورہ ہے؟"

"میں سمجھا نہیں ہنگز!"

"بے وقوف مت بناؤ یار۔ مجھے پیٹر وراچ اور ہونانگ کو بھی مطمئن کرنا ہو گا۔ تم نے صدر سے بات کی ہے اور اس کا حکم ہے کانفرنس ضروری ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ اگلے ہفتے تک نئے دہشت گردوں کو قابو میں کرنے گا اور کس کے ذریعہ؟ سی آئی اے کے توسط سے؟"

"اس بارے میں مجھے کوئی علم نہیں۔" میجر جنرل چک نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے، جیسی تمھاری مرضی لیکن میرا ایک پیغام ایوان صدر تک ضرور پہنچا دینا اور وہ یہ کہ نیا دہشت گرد گروپ خاص نوعیت کا ہے اور شاید سی آئی اے اس پر قابو نہ پا سکے۔ جو بھی اس گروپ کو ختم کرنے کے لیے مامور کیا جائے اُس کو یہ بھی بتا دیا جائے کہ یہ گروپ کچھ زیادہ ہی ظالم ہے۔"

○

ائرپورٹ پر اس کا استقبال آدشان اور روبی نے کیا تھا۔ ڈاکٹر بہرام کو بھی واشنگٹن سے چار گھنٹے کے ہیڈ کوارٹر میں منتقل کیا جا چکا تھا۔ اس کی حالت اب قدرے بہتر تھی اور اس نے ڈاکٹروں کی مخالفت کے باوجود بھی اپنا کام اسٹارٹ کر دیا تھا لیکن اس کی حالت اب بھی ایسی نہ تھی کہ وہ زیادہ حرکت کر سکے اسی لیے اس نے ائرپورٹ خود جانے کے بجائے آدشان اور روبی کو بھیجا تھا۔ پھر اس کی اتنائی [illegible]

کار انھوں نے ایوان صدر میں جو طوفان اٹھتا اسے کنٹرول کرنا چار گھر کے بس کی بات نہ ہوتی۔ اُسے یقین تھا کہ آدشان ٹائیگر کو سنبھال لے گا اور ہوا بھی ایسا ہی۔

"ہیلو لٹل فادر!" وہ آدشان کو دیکھتے ہی چہکا۔ "کیا بات ہے سوٹ ہارٹ نظر نہیں آ رہے۔ کیا وہ چھٹیاں منانے مراکو جو اخلیں میں گئے ہوئے ہیں؟" اس نے قدرے سوالیہ روبی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

"وہ تمھاری طرح عیاش نہیں۔" روبی منہ بناتے ہوئے بولی تھی۔

"اچھا!" ٹائیگر مصنوعی حیرت سے بولا۔ "میں سمجھا شاید وہ میری غیر موجودگی کا بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوں گے۔"

جواباً روبی صرف پھنکار کر رہ گئی تھی پھر جب راستے میں روبی نے اسے ہرام پر حملے کی تفصیلات سے آگاہ کیا تو غصے سے اس کا چہرہ سُرخ ہو گیا۔

"وہ کون تھے فادر؟" جب وہ لبِ ساحل اس کی آواز پر قدرے ہٹ کا گیان ہوتا تھا۔ "تم نے بھی کچھ نہ کیا فادر؟" اس نے آدشان کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ اسے حیرت ہو رہی تھی کہ ہرام پر حملے کے بعد آدشان کیوں کر خاموش رہا۔

"دھیرج فرزند دھیرج۔" آدشان، ٹائیگر کا کندھا تھپکتے ہوئے بولا۔ "میں بھی بہت کچھ کر سکتا تھا لیکن شہنشاہ نہیں چاہتا کہ ہم اندھا دھند کوئی قدم اٹھائیں۔ ہمیں اس کے اگلے قدم کا انتظار کرنا ہو گا۔ یہی وقت کا اہم تقاضا ہے۔ دوسری صورت میں ہمیں اسریکہ چھوڑ کر کہیں اور جانا پڑ جائے گا۔ اس صورت میں نہ صرف چار گھر کو نقصان پہنچے گا بلکہ ..."

"اور آپ سونے کی کھیپ بروقت سنبھالنے نہیں پہنچا سکیں گے۔" ٹائیگر نے ایک ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے آدشان کی بات کاٹ دی اور خاموش ہو گیا۔

○

ٹائیگر اس وقت سوامنگ پول کے کنارے بیٹھا پانی کو گھور رہا تھا اور گزشتہ شب کا وہ واقعہ یاد کر کے مسکرا رہا تھا جب وہ محض اکتاہٹ دور کرنے کے لیے ایک کلب ٹیل پارٹی میں چلا گیا تھا۔ وہاں ایک شخص مسلسل پی رہا تھا اور اس کی زبان قینچی کی طرح چل رہی تھی پھر اس نے میز سے ایک بار بدتمیزی کی، دوسری بار سے تھپڑ کھایا اور جب تیسری بار میز کے کونے کی دی تو ٹائیگر نے جاموں سے بھری ہوئی ٹرے میز سے لے کر اس شخص کی کھوپڑی پر دے ماری تھی پھر اس سے قبل کہ کوئی سنبھلتا کھڑا ہوتا اور الفٹ آئی سے والے ہال پہنچتے، وہ چپکے سے وہاں سے نکل آیا تھا۔

ٹائیگر نے [illegible]

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

تھا اور ٹی وی کی آواز آ رہی تھی پھر اچانک ہی اس آواز پر دوسری آواز غالب آ گئی۔

"کیا تم تیار ہو؟" یہ آدشان کی آواز تھی۔

"ابھی نہیں لٹل فادر۔" ٹائیگر نے اپنا آئس بیئر پانی میں ڈالتے ہوئے آواز لگائی۔ یہ عجیب بات تھی کہ اس کا پیر ساکت تھا مگر پانی اس طرح ہل رہا تھا جیسے اس میں کوئی بیئر ایک چھپاکے سے گری ہو۔

"تمھیں ہر وقت تیار رہنا چاہیے۔" آدشان نے سخت لہجے میں کہا۔

"ہاں! لیکن اس وقت میں تیار نہیں ہوں۔"

"واہ! کیسا احمقانہ جواب ہے۔" آدشان کا لہجہ تلخ تھا۔

"یہ جواب سنا کو کے آقا کا شاگرد ہی دے سکتا ہے؟" ٹائیگر نے زیرِ لب مسکراتے ہوئے کہا پھر اس نے دوسرے پیر سے بھی پانی کو چھیڑا جو نیم گرم تھا۔ اس وقت وہ سوچ رہا تھا کہ اگر کل رات وہ پکڑا جاتا تو اسے کچھ دنوں کے لیے ان ورزشوں سے نجات مل سکتی تھی لیکن وہ جانتا تھا کہ اگر اسے پکڑ لیا جاتا تو اسے ایف آئی اے والے محض ایک فون پر ایوان صدر بھیج چکے تھے۔ وہاں سے اسے چار گھر کے سینی ٹوریم میں ہی آنا پڑتا اور پھر اسے نہ صرف ڈاکٹر بہرام کی جھاڑ سننی پڑتی بلکہ آدشان اُسے کسی کے سر پر ٹرے دے مارنے کا صحیح طریقہ کار بھی بتاتا۔

اس واقعے کے فوراً بعد ہی اسے بہرام کا فون ملا تھا۔ "تم جانتے ہو وہ شخص کون تھا؟ وہ کانگریس کی امور خارجہ کمیٹی کا رکن ہے۔"

"مجھے تو وہ بالکوں کی کسی خصوصی کمیٹی کا سربراہ لگتا ہے۔" ٹائیگر نے بے پروائی سے کہا تھا۔

"کیا اپنی صفائی میں صرف یہی کہنا چاہتے ہو؟"

"صرف یہی..."

"تم یہ بھی یہ بتاؤ کہ دہشت گردوں کے بارے میں کیا جانتے ہو؟"

"یہی کہ ابو لطفال دہشت گرد نہیں ہے۔" ٹائیگر کے اس جواب پر بہرام نے ایک طویل سانس لی اور ٹائیگر سانس روک کر رہ گیا۔ یہ جملہ اس کا مطلب یہ تھا کہ بہرام کا لیکچر شروع ہونے والا ہے اور ہوا بھی یہی۔ ایک گھنٹے تک عالمی دہشت گردوں اور ان کے مقاصد پر لیکچر دیا جاتا رہا۔

ٹائیگر نے جھک کر پانی میں انگلیاں بھگو دیں۔

"میں نے بھی تک پانی میں کسی کے تیرنے کی آواز نہیں سنی۔" آدشان... اندر ہی سے للکارا۔

ٹائیگر نے اثبات میں سر کو جنبش دی۔ اس وقت وہ بالکل ویسا ہی تھا جیسے بچے تھا تاہم اُس کا جسم یہ ثابت نہیں کر رہا تھا کہ

وہ ایک انتہائی مہلک ہتھیار ہے صرف کلائیاں غیر معمولی تھیں۔ اور صرف انھی کو دیکھ کر یہ اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ وہ دوسرے کسرتی جسم کے مالک افراد سے مختلف ہے۔

"میں نے اب بھی کوئی آواز نہیں سنی۔" اوشان کی آواز ابھری تو وہ طویل سانس لے کر تالاب میں اتر گیا۔ اس نے پانی میں نہ تو چھلانگ لگائی اور نہ ہی پانی کی آواز بلند ہوئی۔ وہ اس طرح تالاب میں اترا جس طرح اسے سکھایا گیا تھا۔ بے آواز... کسی مچھلی کی طرح یا اس طرح، جیسے کوئی چیز کشش ثقل کے باعث بے آواز گری ہو۔ وہ ایک لمحہ قبل تالاب کے کنارے پر کھڑا اور اگلے لمحے پانی کے اندر... اور اب پانی اس کے اوپر تھا۔ اس کے چاروں طرف تھا اور اس کے پیر نیچے تالاب کے ٹائلز پر تھے۔ اگر اس وقت اسے کوئی دیکھ لیتا تو یہی سمجھتا کہ پانی نے اسے اندر کھینچ لیا ہے۔

اس کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں اور وہ پانی میں دیکھ رہا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ پانی کی قوت کے ساتھ لہرا رہے تھے۔ جب کہ ذہن کی تمام صلاحیتیں زیرِ آب پیروں اور رانوں کو جمانے پر صرف ہو رہی تھیں۔

وہ نیلے پانیوں میں تھا اور اس وقت وہ پانی سے لڑنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا تھا۔ اسے بہت پہلے تیراکی اور پیراکی کا فن سکھاتے ہوئے اوشان نے یہی تلقین کی تھی کہ پانی سے مت لڑنا۔ ...اور پانی سے نہ لڑنے کا مطلب وہ، جو اس وقت ٹائیگر کر رہا تھا۔ اس نے چھ ماہ کی مسلسل مشق کے بعد سیکھا تھا۔

ٹائیگر نے نظریں اٹھا کر پانی کے آر پار کائنچ کی طرف دیکھا پھر اسے غصہ سا آگیا۔ اس نے پانی کو ایک تھپڑ سا مارا اور پھر تیرنے لگا۔ وہ تالاب کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک گیا اور واپس پلٹ آیا۔ پھر جیسے ہی اس نے اوشان کے قدموں کی چاپ سنی، فوراً تالاب سے باہر آگیا۔

"جھوٹا کہیں کا..." اس نے جونہی سر باہر نکالا اسے اوشان کی آواز سنائی دی۔ "پکا جھوٹا... جھوٹ کا پتلا..."

ٹائیگر خاموش رہا۔

"میں نے صرف دیوار پر کسی کے تیرنے کی آواز سنی ہے۔ اس سے پہلے جو آواز آئی تھی۔ وہ پانی پر صرف تھپڑ مارنے کی تھی۔"

"پھر میں کیا کروں۔" ٹائیگر نے وہیں سے پوچھا۔

"کیا کروں؟ ارے مجھ سے پوچھتا ہے؟" اوشان نے غصیلے لہجے میں کہا۔ "تالاب کے اندر رہتے ہوئے سر نکالے بغیر دس چکر لگاؤ... اور پھر..."

لیکن اوشان مکمل نہ کر سکا کیونکہ اسی لمحے ٹیلی فون کی گھنٹی بج اٹھی تھی۔ اس نے ناپسندیدہ نظروں سے فون کی طرف دیکھا لیکن پھر اسے رسیور اٹھانا نہیں پڑا کیونکہ ٹائیگر موقع غنیمت جان کر فون رسیو کرنے کے بہانے تالاب سے نکل آیا تھا۔

"ہیلو..." ٹائیگر نے گیلے ہاتھوں سے ہی رسیور اٹھا لیا تھا۔

"دس از ویسٹرن یونین۔" دوسری طرف سے آواز سنائی دی۔ "تمہاری آنٹی ایلس تم سے ملنے آرہی ہیں۔ لہٰذا گیسٹ روم ٹھیک کر دو۔"

"ٹھیک... مگر کس رنگ والا گیسٹ روم...؟"

"صرف گیسٹ روم... مجھ سے یہی کہا گیا تھا، جناب۔" ویسٹرن یونین کے آپریٹر نے جواب دیا اور ٹائیگر نے بڑی آہٹ کے ساتھ رسیور رکھ دیا۔ اس نے چند لمحے انتظار کیا اور پھر ایریا کوڈ کے ہندسے ڈائل کیے کیونکہ پیغام میں یہ نہیں کہا گیا تھا کہ کس رنگ کے کمرے کی بات کی گئی ہے؟ دوسری طرف سے صرف ایک ہی گھنٹی کے بعد رسیور اٹھا لیا گیا۔

"ہیلو ٹائیگر..." دوسری طرف سے ہیرام کی آواز سنائی دی۔ بے حد خوش قسمتی سے ہم نے انھیں اٹھ کی فضا میں دو ہزار فٹ کی بلندی پر ہی جا لیا ہے۔"

"تب پھر انھیں مرغابنا دیجیے، سوئٹ ہارٹ۔" ٹائیگر نے جھنجلا کر کہا۔

"ان کا پورا گروہ موجود ہے۔ وہ تاوان طلب کر رہے ہیں۔ دفاعی ادارے کے کارندے ان سے مذاکرات میں مصروف ہیں۔"

"تاوان کی رقم لاس اینجلز ایئرپورٹ پر ادا کی جانی ہے... وہ ایف بی آئی کے ایک ایجنٹ اسٹیفن پیٹرسن سے ملنا کہا گیا ہے۔ یہ موقع ہاتھ سے نہ جانے پائے، ٹائیگر۔ ہمیں پہلی بار ان سے ملاقات کا موقع مل رہا ہے۔"

"اس کا مطلب یہی ہوا کہ میں ایک بار پھر قربانی کا بکرا بنایا جاؤں گا۔" ٹائیگر کا لہجہ تلخ ہو گیا۔ "میں وہاں پیٹرسن سے مل کر تمہارے میں سوار ہو لوں گا... اور پھر یہ پتا چلانے کی کوشش کروں گا کہ وہ کون ہیں؟ ان کا سرغنہ کون ہے، کیا یہ بھی فضائی قزاقی والا معاملہ ہے؟"

"شاندار... تم سمجھتے جا رہے ہو لیکن اب رانڈ ہو جاؤ۔" ہیرام نے دھیرے سے کہا اور پھر رابطہ منقطع ہو گیا۔ ٹائیگر اس وقت یوں کو اس طرح گھور رہا تھا، جیسے اس کی ساری مصیبتوں کا ذمے دار یہی بے جان آلہ ہو۔

"کیا بات ہے، فرزند؟ اس وقت تو تم کسی ایسے سانڈ کی

طرح نظر آرہے ہو، جس کو کڑوی دوا پلائی گئی ہو۔ کس کا فون تھا؟"

"ڈاکٹر بہرام یعنی ہمارے چیف نے ذہنی طور پر ایک اور اندھی کھائی میں چھلانگ لگا دی ہے۔ مجھے علم نہیں کہ کیا قصہ ہے؟" ٹائیگر نے تلخ لہجے میں جواب دیا۔

"اس کا مطلب یہ ہے کہ آج سے تم مصروف رہو گے۔"

"ہوں..." ٹائیگر نے ہنکارا بھرتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔ "اور مجھے ابھی روانہ ہونا ہے۔"

"تب پھر مجھے بھی چلنا ہوگا۔"

"نہیں... تم بار بڑا ایسٹریلینڈ کے ٹی وی شو کو دیکھنا چاہو گے۔ لہٰذا میں تمہیں ساتھ چلنے کے لیے نہیں کہوں گا۔"

"کیا وہ کام، جو تم کرنے جا رہے ہو، کل نہیں ہو سکتا؟" اوشان نے ٹی وی کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں..."

"تب پھر خدا تمہارا نگہبان ہو۔" اوشان نے بڑے سکون سے کہا۔ "لیکن جب تمہاری طبیعت خطرات مول لینے کے لیے بے چین ہو جائے تو صرف یہ سوچنا کہ میں نے تم پر ہزار ہا گھنٹے محض تربیت کے لیے خرچ کیے ہیں۔ یہ سوچنا کہ تم زمین کی خاک تھے، میں نے تمہیں آسمان کی رفعتوں تک پہنچا دیا ہے۔"

"اور اگر کسی روز میں ان رفعتوں میں کھو جاؤں تو..." وہ جل کر بولا۔ پلٹا اور گیراج کی طرف بڑھ گیا۔ اسے کمرے سے اوشان کا مخصوص قہقہہ سنائی دے رہا تھا۔

تقریباً رنگ کی رولز رائس گیراج کے باہر ہی کھڑی تھی لیکن ٹائیگر نے کبھی اس بات کو اہمیت نہیں دی تھی کہ وہ کتنی قیمتی کار میں گھومتا پھرتا ہے۔ پھر یہ کار اس کی ملکیت بھی نہ تھی... وہ اسے صرف استعمال کرتا تھا اور بعض اوقات وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا تھا کہ وہ خود اس کی ذہنی صلاحیتیں کوئی بھی چیز اس کی اپنی نہیں اور وہ انھیں دوسروں کے کہنے پر ہی استعمال کرتا ہے۔ اب تو اس کا جسم [illegible] تھا۔ اعلیٰ چہرے پر پلاسٹک میک اپ کے ذریعے ہر ایک دو ماہ بعد کسی سفید فام کا نیا چہرہ چسپاں کر دیا جاتا تھا۔ اور بعض اوقات تو اس کے اپنے حقیقی خدوخال تک یاد کرنے کے باوجود یاد نہ آتے تھے۔

معمول کے مطابق ہوائی اڈے کی طرف جانے والی سڑک پر ٹریفک کا بے ہنگم ہجوم تھا۔ گاڑیاں میرے سے میرے ملا کر چل رہی تھیں اور اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ ان کاروں کی چھتوں کے اوپر سے اپنی کار گزار کر ایئرپورٹ تک پہنچ جائے لیکن نہ تو ایسا ممکن تھا اور نہ ہی کار کو ایسی تربیت دی گئی تھی۔ وہ نائٹ رائیڈر کی کار نہیں تھی۔

ایک بار نائٹ رائیڈر کی قسط دیکھ کر اوشان نے ہوا میں مکا لہراتے ہوئے کہا تھا کہ اب یہ لوگ مشینوں کے بل بوتے پر احمقانہ کرتب دکھانے کی کوشش کرتے ہیں اور اس کے بعد اس نے کبھی نائٹ رائیڈر کی قسط کے وقت ٹی وی کھولنے کی اجازت نہیں دی تھی۔

اس نے ڈوبتے ہوئے سورج کی طرف دیکھا اور پھر سوچنے لگا کہ کسی جگہ بلندی پر ایک طیارہ لاس اینجلز کی طرف آرہا ہوگا اور اس طیارے میں ایسے مسافر سوار ہوں گے، جن کی حالت خوف سے ابتر ہوگی، جنھیں فضائی قزاقوں نے یرغمال بنا رکھا ہوگا اور ان کے برعکس ٹائیگر کو یہ ہدایت ملی تھی کہ وہ ان فضائی قزاقوں کا قلع قمع کر ڈالے۔

ٹائیگر نے کاروں کو چیونٹی کی رفتار سے رینگتے دیکھ کر زور سے ہارن بجایا، لیکن اس کا اثر صرف یہ نکلا کہ دوسرے کار والے بھی اپنے اپنے ہارن بجانے لگے اور کاروں کی رفتار وہی رہی۔

○

ایف بی آئی کا ایجنٹ پیٹرسن واقعتاً پریشان تھا۔ اسے صرف یہ پریشانی ہی نہیں بلکہ خوف کا بھی احساس ہو رہا تھا اور اس وقت ایک شخص سرکاری کام کا کوڈ استعمال کرتے ہوئے مقامی پولیس، انٹرپورٹ پولیس اور ایف بی آئی کے گھیرے سے گزر کر اس سے ملنے کے لیے آرہا تھا۔ یہ سب کچھ عین اسی وقت ہو رہا تھا، جب طیارہ لاس اینجلز کے زون دے پر دوڑ رہا تھا اور اس پر مشین گن سے لیس بلیک ریزیشن فرنٹ کا قبضہ تھا۔

پیٹرسن کی ہدایت کے مطابق ریپورٹروں اور عام لوگوں کو زون دے سے اتنی دور رکھا گیا تھا کہ اگر گولیاں چلنی شروع ہو جائیں تو وہ ان کی زد میں نہ آسکیں۔ اس وقت جب پیٹرسن کی تمام توجہ طیارے کی طرف تھی۔ ایک شخص شناخت کرائے بغیر اس کی آستین کھینچ رہا تھا۔ محافظ اسے پیٹرسن تک آنے سے نہ روک سکے تھے۔ محافظوں نے اسے وہاں سے ہٹانے کی بہت کوشش کی تھی، مگر وہ اسے دھکیل بھی نہیں سکے تھے۔

"ذرا اپنے ہیڈ کوارٹر فون کرو، پیٹرسن۔" تو وارد نے کہا۔

"شٹ اپ مسٹر..." پیٹرسن نے غرا کر کہا۔ "کنٹرول ٹاور سے نکل جاؤ... ورنہ میں تمہیں سرکاری کام میں مداخلت کرنے کے الزام میں گرفتار کر لوں گا۔"

"اور پھر اس کی تمہیں بھرپور سزا ملے گی، شٹ اپ پیٹرسن۔ اس

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

طیارے کو جان بوجھ کر لاس اینجلز انٹرنیشنل ایئرپورٹ پر اُتارا جا رہا ہے، تاکہ میں اس میں سوار ہو سکوں اور تاوان کی رقم ادا کر سکوں۔"

پیٹرسن حیرت سے اسے گھورنے لگا۔ یہ بات بہت کم لوگوں کو معلوم تھی کہ طیارہ ہائی جیک کیا گیا ہے۔ خود اسے بھی شنکا کو سے ابھی طلب کیے کے مختصراً بریف کیا گیا تھا، جبکہ اس اجنبی کو اس سے زیادہ معلومات حاصل تھیں۔ وہ جانتا تھا کہ تاوان کی رقم مشرقی ہوائی اڈوں میں کسی پر بھی ادا کی جا سکتی تھی اور... لاس اینجلز میں طیارے کا اُترنا عجیب سی بات تھی۔ اسے شنکا کو میں بتایا گیا تھا کہ تاوان کی رقم لاس اینجلز میں ادا کی جائے گی اور جب اس نے اپنے ہیڈ سے مزید جرح کی تھی تو صرف یہ کہا گیا تھا کہ وہ احکام پر عمل کرے۔ تاوان کی ادائیگی یا عدم ادائیگی کی ہائیجیکی کا معاملہ اوپر کی سطح پر طے کیا گیا ہے۔

"اپنے ہیڈ کوارٹر فون کرو۔" اجنبی اس سے اصرار کر رہا تھا۔

"تمہارا کیا نام ہے؟"

"شہزاد۔"

"شہ... زاد۔" وہ ایک گہری سانس لے کر بڑبڑایا۔ مشرقی نام سن کر چونک پڑا۔ "مسٹر شہ... زاد..." اس نے ہجے کر کے نام لینے کی کوشش کی۔ اسے یقین تھا کہ یہ شخص مغربی یا یورپی نہیں۔ اس میں خالصتاً مشرقی انداز تھا۔ "تم یہاں کیا کر رہے ہو؟ میرا نام... شہزاد ہے۔ شہ زاد نہیں اور تمہیں یقیناً میرے بارے میں اطلاع مل جانی چاہیے تھی۔"

"ٹھیک ہے۔" پیٹرسن نے طویل سانس لی۔ "میں اپنے ہیڈ کوارٹر فون کروں گا اور اگر وہاں تمہارے بارے میں کوئی ہدایت نہ ہوئی تو تمہیں حراست میں لے لیا جائے گا یا پھر میں تمہیں گولی مار دوں گا۔"

"ٹھیک ہے، پہلے فون تو کرو۔ اور پھر ان بندوقچیوں کو ہینگر سے ہٹاؤ۔" ٹائیگر نے غرا کر کہا۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ پیٹرسن ہائیجیکروں کی موجودگی سے محتاط ہو کر غلطی کا مرتکب ہو رہا ہے۔ "تمہارے تمام بندوقچی صاف نظر آ رہے ہیں۔ ہائی جیکر تو انہیں طیارے سے ہی بھون ڈالیں گے۔ میں گولیوں کی آواز میں پسند نہیں کرتا۔" بندوقچی چار سو گز دور کیو فلاج تھے لیکن ٹائیگر کی نظروں نے انہیں ڈھونڈ نکالا تھا۔ اس کے اس جملے سے پیٹرسن کا چہرہ سپید ہو گیا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ کوئی شخص اتنے فاصلے سے چھپے ہوئے بندوقچیوں کو بھی دیکھ سکتا ہے۔ اس نے اشارے سے ٹیلی فون طلب کیا اور پھر ٹائیگر کی طرف دیکھتا ہوا نمبر ملانے لگا۔

پیٹرسن نے آہستہ سے کچھ کہا اور ایک لمحے بعد چونک کر بولا۔ "کیا واقعی؟ ذرا ہدایت دُہراؤ... یس... یس سر..." اور پھر اس نے گھبرا کر ریسیور رکھ دیا۔ اس نے عجیب سے انداز میں ٹائیگر کی طرف دیکھا۔ "بولو۔ تم کیا چاہتے ہو؟"

"کچھ نہیں۔" ٹائیگر مسکرا کر بولا۔ "اپنے ہر آدمی کو ہٹا دو، مجھے رقم کا تھیلا دو۔ میں طیارے میں جا کر ہائی جیکروں سے بات کروں گا۔"

"مگر میرا خیال ہے کہ رقم دینے سے قبل مسافروں کی رہائی ضروری ہے۔" پیٹرسن نے احتجاج کیا۔

"خیال... خیال... تم لوگ خیالوں کی دُنیا میں مست رہو۔ تم لوگ خیالوں کی دُنیا سے نکل آؤ تو بہتر ہے۔"

"لیکن وہ کئی مسافروں کو ہلاک کر سکتے ہیں۔"

"تب پھر؟" ٹائیگر نے شانے اُچکا کر پوچھا۔

"پھر یہ تباہ کن ہو گا۔" پیٹرسن ہچکچا کر بولا۔

"بصورت دیگر المیہ بھی ہو سکتا ہے۔" ٹائیگر نے کہا۔

"وہ کیسے؟" پیٹرسن اچانک گھبرا گیا۔

"وہ ایسے کہ اگر ہم ہائی جیکروں کو قائل اور مطمئن کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے تو وہ ہر مسافر کو قتل کر دیں گے۔ بچوں کو بھی۔"

"میرے خدا۔" پیٹرسن پریشان نظر آنے لگا۔ اسے پچھتاوا ہو رہا تھا کہ اس مشن کے لیے اسے ہی کیوں منتخب کیا گیا ہے۔ بہرحال تمام بندوقچیوں کو ہینگر سے ہٹا دیا۔ اب وہ دونوں اس رَن وے پر تنہا کھڑے تھے، جہاں طیارے کو آ کر رُکنا تھا۔ ٹائیگر کو دو تھیلوں میں بھری ہوئی رقم لے کر طیارے میں جانا تھا۔ دونوں تھیلے ایک بکتر بند کار میں رکھے ہوئے تھے۔

"کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اخبارات کو سب کچھ معلوم ہو جائے۔ تاوان کی ادائیگی کا بھی؟"

"نہیں۔" پیٹرسن نے فوراً جواب دیا۔

"تب پھر بکتر بند کار کی موجودگی سے ہوشیار صحافی فوراً مختلف نتائج اخذ کر لیں گے اور شاید اب تک وہ کچھ سمجھ بھی چکے ہوں۔"

"اوہ۔" پیٹرسن واقعی کراہنے لگا۔ اسے ابھی احساس ہوا تھا کہ ریڈیو سے طیارے کے بارے میں خبر کیوں کر نشر ہو سکی کسی شاطر صحافی نے بکتر بند کار دیکھ لی تھی۔ "ٹھیک ہے ہم آئندہ احتیاط کریں گے۔"

ٹائیگر نے کار کی ڈکی کھول دی تھی تاکہ ہائی جیکر رقم کے تھیلے جن پر بینک کے نشان صاف نظر آ رہے تھے، طیارے ہی سے دیکھ سکیں۔

"یہ عام ہائی جیکر نہیں ہیں جناب۔" پیٹرسن کا لہجہ اگرچہ مؤدبانہ تھا مگر اس میں تلخی بھی تھی۔ "ہم میں سے کسی کو بھی ابھی تک یہ علم نہیں کہ ان کی اصل منزل کیا ہو گی۔ سب سے خطرناک بات یہ ہے کہ طیارے میں اعشاریہ ۵۰ کی مشین گن بھی لے جانے میں کامیاب ہو گئے ہیں جو کاک پٹ کے دروازے پر نصب ہے اور اس طرح طیارے کا ہر مسافر ان کی زد میں ہے۔"

"کمال ہے۔" ٹائیگر نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "بہت ماہر لگتے ہیں۔"

"ہاں۔ وہ ہمارے جدید ترین اور حساس آلات کی موجودگی میں مشین گن اندر لے گئے۔ میرا خیال ہے کہ انہوں نے کسی کو منہ سونگھنے سے بھر کر مشین گن اسمگل کی ہو گی۔ اس طرح کوئی ہائی جیکر بھی طیارے میں اسمگل کیا جا سکتا ہے۔"

"ہائی جیکر؟" ٹائیگر نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

"مگر میں مثال دے رہا ہوں۔" پیٹرسن نے نفی میں سر ہلا کر کہا۔ "ہم ابھی تک صرف اس صورتحال میں طیارے سے زندہ واپس آ سکے ہیں۔"

"میں زندہ نکل آؤں گا۔" ٹائیگر نے سرسری انداز میں جواب دیا۔ اس نے طیارے کی طرف دیکھا جو اب ایک بار پھر بلند ہو کر ائرپورٹ کے گرد چکر لگا رہا تھا۔ شاید ہائی جیکر نیچے کی صورتحال کا بغور جائزہ لینا چاہتے تھے۔

"اپنے بارے میں تم خیر ضرورت سے زیادہ اعتماد کا شکار ہو۔"

"ہاں۔ صرف اس لیے کہ جب میں جیتے کے لیے بازو چڑھاتا ہوں تو میرے بازوؤں میں درد محسوس نہیں کرتے۔ مجھے مشین گن کے بارے میں کچھ اور بتاؤ کیا جدید آلات کی موجودگی میں اس کا اسمگل ہونا واقعی حیرت انگیز ہے؟"

"شاید ایک لحاظ سے قابل فہم بھی کہا جا سکتا ہے لیکن اب مشین گن طیارے میں موجود ہے۔" پیٹرسن نے جواب دیا۔

"ہائی جیکر؟" ٹائیگر نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

"ہاں۔" پیٹرسن نے سر ہلا کر کہا۔ حالات واقعی بہت خطرناک تھے۔ ہائی جیکروں سے کوئی ملا ہوا تھا اور اسی باعث ڈاکٹر بہرام نے چار گھر کو منتخب کیا تھا۔ اس واردات کے پیچھے جاکو قانونی بنانے کے لیے تمام تر اثر و رسوخ استعمال کیا گیا تھا۔

"شاید تمہیں ایسی باتیں بھی معلوم ہیں جن سے میں لاعلم ہوں۔"

پیٹرسن نے طیارے کو نیچے آتے ہوئے اور پھر ہینگر لگاتے ہوئے دیکھ کر ٹائیگر سے کہا۔ اس مرتبہ اس کا لہجہ خاصا مؤدبانہ تھا۔

ٹائیگر صرف سر ہلا کر رہ گیا۔

"کیا تمہارا تعلق سی آئی اے سے ہے؟"

"نہیں۔" ٹائیگر نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"ایرو نالکس سے ہے؟"

"نہیں۔"

"پھر پینٹاگان سے تعلق رکھتے ہو گے؟"

اس بار بھی ٹائیگر نے نفی میں جواب دیا۔

"آخر تم کس کی نمائندگی کر رہے ہو؟" پیٹرسن جھنجلا کر بولا۔

"انٹرنیشنل ایسوسی ایشن کی۔" ٹائیگر نے مسکرا کر جواب دیا۔

"تم جانتے ہو کہ اگر طیارے میں سوار ہر شخص مارا جائے اور طیارہ بھی تباہ ہو جائے تو پھر کمپنی کو کتنا بڑا کلیم ادا کرنا ہو گا؟"

"اوہ۔ تو تم کاروباری انداز سے سوچ رہے ہو۔"

ٹائیگر آسمان کی طرف دیکھنے لگا۔ "یہی ہمارا پرندہ ہے پیٹرسن؟" اسی لمحے طیارہ لینڈنگ کے انداز میں ایک سیدھ میں نیچے آنے لگا۔ اب وہ چکر نہیں لگا رہا تھا۔ علاقے سے ٹریفک نکال دی گئی تھی۔ سڑکیں بند ہو چکی تھیں اور تمام طیارے سمٹ کے ہینگروں میں منتقل کر دیے گئے تھے۔ طیارہ اب اس طرح نیچے آ رہا تھا جیسے کوئی فٹبال کا کوچ نیچے اترا ہو۔ پھر اچانک اس نے بہت دور بڑی کامیاب لینڈنگ کی اور تیزی سے ان کی طرف آنے لگا۔ کچھ ہی دیر بعد وہ رُک گیا۔ ٹائیگر نے طیارے کے دروازے پر دھڑ دھڑاہٹ کی آواز سنی۔ ہائی جیکروں نے اگرچہ طیارہ اغوا کر لیا تھا مگر انہیں دروازہ کھولنے کی ترکیب سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ تاہم وہ یہ ضرور جانتے تھے کہ طیارے میں مشین گن کس طرح لے جائی جا سکتی ہے۔

پھر اچانک ہی دروازہ کھلا اور ایک سیاہ پوش شخص نمودار ہوا۔ اس کے دائیں ہاتھ میں کلاشنکوف تھی اور بائیں ہاتھ میں میگافون۔ اس کے ایک پہلو میں اعشاریہ ۴۵ کا ریوالور جھول رہا تھا اور یہ تمام ہتھیار جدید ترین حفاظتی نظام کے باوجود طیارے میں پہنچ گئے تھے۔ اب ٹائیگر یہ سوچ رہا تھا کہ یہ لوگ واقعی باقی بھی اندر لے جانے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

"تم دونوں ہاتھ اُٹھا کر کاک کے دروازے کھولو..." میگافون سے انہیں للکارا گیا۔

"بہت محتاط لوگ ہیں۔" ٹائیگر نے پیٹرسن کو اشارے سے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

دروازہ کھولنے کی ہدایت دیتے ہوئے کہا۔

پیٹرسن نے دروازے کھولے تو سیاہ پوش نے مطمئن انداز میں سر کو جنبش دی۔ کار میں کوئی نہیں تھا۔

"رقم لاؤ۔" میگافون سے پھر آواز آئی۔

ٹائیگر نے دونوں تھیلے اٹھا کر سینے کے ساتھ لگا لیے۔ "میں رقم اوپر لا رہا ہوں۔" اس کا لہجہ سپاٹ تھا۔ "لیکن اس کے عوض میں مسافروں کی رہائی چاہوں گا۔ میں جانتا ہوں کہ تم رقم لیے بغیر انھیں رہا نہیں کرو گے۔۔۔ لیکن رقم کے بعد ان کی رہائی ممکن ہوگی اور انھیں طیارے سے اترنے کے لیے سیڑھی درکار ہوگی۔ لہٰذا میرے ساتھی کو بورڈنگ پلیٹ فارم لانے کی اجازت دو تاکہ رقم ملتے ہی مسافر اتر سکیں۔"

"نہیں۔ پہلے رقم دو۔ ورنہ ہم ایک ایک مسافر کو ہلاک کر دیں گے۔" سیاہ پوش نے للکارا۔

"تب پھر یقین کرو کہ تم میں سے کوئی بھی زندہ واپس نہیں جائے گا۔" ٹائیگر نے خوفناک لہجے میں کہا۔ "گولی کی آواز سنتے ہی ہم واپس چلے جائیں گے اور پھر تم موت کے جہنم میں روانہ ہو جاؤ گے۔"

"ہم مرنے کے لیے تیار ہیں۔ ہم فلسطین کی آزادی چاہتے ہیں۔"

"فلسطینی قزاق!" پیٹرسن غرایا۔

"بحومت!" ٹائیگر نے کسی درندے کی طرح اسے دیکھ کر کہا۔ "یہ فلسطینی نہیں۔ دیکھتے نہیں لگی، کوئی کہہ رہا ہے، کوئی بھی عرب کی کو، لی نہیں کہتا بلکہ نے کہتا ہے۔"

"میں تمھیں بھی گولی مار سکتا ہوں۔" سیاہ پوش نے کہا۔

"مار دو۔۔۔ اگر میں مرا تو پھر کچھ بھی باقی نہیں رہے گا۔"

"تم جھوٹ بول رہے ہو۔"

"آزما کر دیکھ لو۔"

"اچھا! ایک منٹ رکو۔" یہ کہہ کر سیاہ پوش واپس چلا گیا۔ غالباً وہ سرغنہ نہیں تھا پھر جب وہ واپس آیا تو اس نے کہا۔ "ٹھیک ہے تمھاری تجویز منظور کی جاتی ہے لیکن اگر تم نے ذرا سی بھی ہوشیاری دکھائی تو پھر غباروں کی ہلاکت کی ذمے داری تم پر ہوگی۔"

"شکریہ۔" ٹائیگر نے مسکرا کر کہا۔ "ویسے تمھاری رگوں میں یقیناً عیر عرب خون دوڑ رہا ہے۔"

ٹائیگر نے واضح طور پر محسوس کیا کہ سیاہ پوش ایک لمحے کے لیے کانپا تھا لیکن پھر سنبھل کر اس نے کلاشنکوف سیدھی کر لی تھی۔ اس کی انگلی لبلبی کے قریب تھی۔

پیٹرسن خوف کے عالم میں ٹائیگر کو دیکھ رہا تھا۔

"گاڑی لے جا کر پلیٹ فارم لاؤ۔" ٹائیگر نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔ اس کی پوری کوشش تھی کہ طاقت ور ٹیلی لینس منسلک کرنے والے فوٹو گرافر بھی اس کی تصویر نہ لے سکیں۔ اسی لیے۔۔۔ اس نے اپنی پشت ٹرمینل کی طرف کر رکھی تھی۔

پھر کار چلی گئی اور چند ہی لمحے بعد ایک بورڈنگ پلیٹ فارم والی گاڑی آہستہ آہستہ طیارے کی طرف بڑھنے لگی۔ ادھر ٹائیگر مسلسل سیاہ پوش سے گفتگو کر رہا تھا۔

پلیٹ فارم کی سیڑھی طیارے کے دروازے کے قریب پہنچی، تو سیاہ پوش چوکنا ہو گیا۔ اس نے کلاشنکوف اس طرح تان لی کہ اگر سیڑھیوں میں کوئی چھپا ہوا ہو تو اسے گولی مار سکے۔ جونہی سیڑھی دروازے سے لگی وہ پلیٹ فارم پر آ گیا۔ اب وہ نیچے دیکھ رہا تھا۔ کلاشنکوف پوری طرح تیار تھی پھر اس نے ٹائیگر کو اوپر آنے کا اشارہ کیا اور ٹائیگر اس طرح اوپر آنے لگا جیسے وہ طویل رخصت پر تعطیلات گزارنے کے لیے سفر کا ارادہ رکھتا ہو۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی اور ہاتھ میں تھیلے تھے۔ میں نے سوچا کہ طیارے میں سوار ہوتے وقت تحفہ بھی ساتھ لے لیا جائے۔ اس نے تھیلوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"زیادہ شوخی نہ دکھاؤ نوجوان!" سیاہ پوش نے غرا کر انگریزی میں کہا اور اس بار ٹائیگر کو یقین ہو گیا کہ مائی جیکر کسی قومیت سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان تھیلوں کو طیارے کے اگلے حصے میں لے چلو۔"

طیارے میں اس کے داخل ہوتے ہی ہر مسافر کی نظریں اس پر جم گئیں۔ یہ خوفزدہ مسافروں کی نظریں تھیں۔ ان میں بیوقوف بھی تھے اور سفید چمڑی والے بھی، بچے بھی تھے اور بوڑھے بھی، عورتیں بھی تھیں اور خوفزدہ شیر خوار بھی۔

کاک پٹ میں ٹائیگر کو وہی کچھ نظر آیا جس کی اطلاع پیٹرسن نے دی تھی۔ ایک مشین گن اس طرح نصب کی گئی تھی کہ سب کی نظروں میں رہے۔ اسی باعث طیارے میں خوف کا عالم طاری تھا اور ٹائیگر اس خوف کو محسوس ہی نہیں بلکہ سونگھ بھی سکتا تھا کیونکہ کئی کمزور دل لوگوں نے مارے خوف کے قے کر دی تھی اور کئی خوف سے آنکھیں پھاڑے چھت کو گھور رہے تھے۔

"اپنے اپنے چہرے سامنے کی سمت رکھو۔" ایک اور سیاہ پوش نے ان مسافروں کو حکم دیا جو ٹائیگر کو دیکھ رہے تھے مگر اس سیاہ پوش کی آواز سن کر ٹائیگر کو دو اتفاقیہ ہرت ہوئی تھی۔ یہ نسوانی آواز تھی۔ مسافروں نے گھبرا کر حکم پر عمل کیا اور ٹائیگر یہ خوشی سے چلتا ہوا مشین گن کے قریب پہنچ گیا۔ مشین گن کا رخ اس کے پیٹ کی طرف ہی تھا۔ ایک شخص، مشین گن پر تیار تھا جبکہ عورت اس کے قریب کھڑی ہوئی تھی۔

"تھیلے رکھ دو۔" عورت نے حکم دیا تو ٹائیگر نے تھیلے نیچے رکھ دیے۔

"دروازہ بند کرو کریم!" عورت نے اپنے ساتھی سے کہا مگر ٹائیگر دھوکا نہیں کھا سکا۔ کریم کہتے ہوئے عورت نے "ر" کو کچھ زیادہ کھینچا تھا۔ اس سے صاف ظاہر تھا کہ سیاہ پوش کا اصل نام کوئی اور ہے۔

"ایک منٹ۔" ٹائیگر نے کہا۔ "اب تمھیں مسافروں کو رہا کر دینا چاہیے۔"

عورت نے ٹائیگر کو بغور دیکھا۔ اس کا چہرہ بھرا بھرا تھا اور گردن بھی موٹی تھی۔ ممکن ہے کہ وہ صحرائے عرب میں پیدا ہوئی ہو لیکن اس کا نسب عربی کا نہیں تھا اور اس کا ثبوت اس کی نیلی آنکھیں تھیں۔

"مجھے مشورہ یا ہدایت دینے کی ضرورت نہیں مسٹر۔" عورت غرائی۔ وہ اپنے لب و لہجے سے گروہ کی سرغنہ دکھائی دیتی تھی۔

"اور تمھیں ان تینتیس گناہ مسافروں کو مزید خوفزدہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اب رقم کے علاوہ میں، ہوا باز اور اس کا معاون ہی تمھارے رحم و کرم پر ہیں۔"

"اسٹیورڈز بھی تو ہیں۔" عورت کی آواز واضح طور پر یورپی تھی اور لہجہ بھی ایسا ہی تھا۔

"تمھیں انھیں بھی رہا کر دینا چاہیے۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ "یرغمالی یرغمالی ہی ہوتا ہے اور اس کی حیثیت سامان سے زیادہ نہیں ہوتی۔"

"تمھیں میرے مسائل کے بارے میں کافی تشویش ہے؟" وہ اس کی طرف دیکھ کر بولی۔

"میں چاہتا ہوں کہ مسافر اور اسٹیورڈز اس کشیدہ صورت حال سے تبدیلات حاصل کر لیں اور یہ بات خود تمھارے اپنے مفاد میں بھی ہے۔"

عورت کچھ دیر تک سوچتی رہی اور پھر اس نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "تھیلے کھولو۔"

ٹائیگر نے فوراً زپ کھول ڈالیں اور ہاتھ ڈال کر نوٹوں کے کئی بنڈل نکال لیے۔

"تمھارے مطالبے کے عین مطابق یہ چھوٹے اور غیر نشان زدہ نوٹ ہیں۔" ٹائیگر بولا۔

"تو ٹھیک ہے۔ نوٹ واپس رکھ دو۔" عورت نے حکم دیا۔ "تم ان یرغمالیوں سے زیادہ قیمتی نہیں ہو جن کی تعداد ستر ہے اور۔۔۔!"

"میں بہت قیمتی ہوں۔" ٹائیگر مسکرا کر بولا۔ "میں فرسٹ آرسٹ کمپنی لاس اینجلز کا نائب صدر ہوں اور دنیا بھر کو علم ہے کہ ہم جیسے بینکار کتنے اہم ہوتے ہیں۔"

عورت سرد انداز میں مسکرانے لگی۔ "تم بینکار تو نہیں لگتے۔"

"اور یہی بات میں تمھارے بارے میں بھی کہہ سکتا ہوں کہ تم بھی دہشت پسند نہیں لگتیں۔"

"سنو!" وہ اچانک سنجیدہ ہو گئی۔ "اگر ذرا سی بھی گڑبڑ ہوئی تو سب سے پہلے تم مارے جاؤ گے۔ کریم۔" اس نے ایک بار پھر "ر" کو کھینچ کر کہا۔ "دروازہ کھول دو۔"

اس نے یہ اعلان نہیں کیا کہ مسافروں کو رہا کیا جا رہا ہے بلکہ اگلی نشستوں پر بیٹھے ہوئے مسافروں کو کھڑے ہونے کی ہدایت کی۔ وہ بہت چالاک تھی۔ اسے علم تھا کہ رہائی کا مژدہ سنتے ہی مسافر گرتے پڑتے بھاگیں گے اور اس افراتفری میں ٹائیگر کچھ بھی کر گزرے گا۔ طیارہ محض تین منٹ میں ہی خالی ہو گیا۔ ایک انگریز عورت کے نتھنے پھٹ کر اپنا کھلونا اٹھانا چاہا تو اس کی ماں نے غصے سے اسے دروازے کی طرف کھینچا۔

"نہیں!" اسے کھلونا لے جانے دو۔" سیاہ پوش عورت نے کہا۔

ایک انٹرہوسٹس نے یہ کہتے ہوئے رہا ہونے سے انکار کر دیا کہ جب تک ہوا باز رہا نہیں کیے جائیں گے وہ بھی طیارے میں ہی رہے گی۔

"تمھیں طیارے سے جانا پڑے گا۔" سیاہ پوش عورت نے غرا کر کہا اور پھر کریم کو اشارہ کیا جس نے لڑکی کو کھینچ کر دروازے سے باہر دھکیل دیا۔ اس کے بعد سیاہ پوش عورت نے کیبن ڈور پر دستک دی تو دروازہ کھلا اور ایک پستہ قد شخص ریوالور سنبھالے ہوئے نمودار ہوا۔ وہ بھی سیاہ لباس میں تھا۔

"یہ کون ہے؟" پستہ قد شخص نے پوچھا۔

"ایک بینکار اور اب ہمارا یرغمال لیکن تم اس کی فکر مت کرو۔ اسے ہم بآسانی سنبھال لیں گے۔" عورت مسکرا کر بولی۔ "کیا اب روانہ ہوا جائے، ایندھن کی صورت حال کیا ہے؟"

"ٹنکیاں بھری ہوئی ہیں۔" پستہ قد شخص نے جواب دیا۔

"تب پھر چلو۔" عورت نے حکم دیا اور چند ہی لمحے بعد ٹائیگر نے ٹیک آف کا احساس کیا۔

"اگر تم لوگ پھر شوٹ سے کودنے کا ارادہ رکھتے ہو تو پھر واقعی تمھیں میری فکر نہیں ہونی چاہیے۔" ٹائیگر نے بے پروائی سے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔

"کیا؟" عورت ایک لمحے کے لیے بھونچکا سی ہو گئی۔ "تم نے یہ کس طرح سوچ لیا کہ ہم پھر شوٹ استعمال کریں گے۔"

"ایندھن کی وجہ سے۔" ٹائیگر نے مسکرا کر جواب دیا۔ "اگر تم لوگ ٹوکیو سے فرار کا ارادہ رکھتے تو جیٹ طیارہ اختیار کرتے جس میں زیادہ ایندھن ہوتا ہے۔ اس طیارے میں زیادہ ایندھن کی گنجائش نہیں اور میرا خیال ہے کہ تم لوگ مشرق کی سمت میں پھر واپس جا رہے ہو۔ غالباً تم امریکہ کے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

وہ لمحے کا رکا، غور کر رہے ہو، جہاں تمہی ہمارا میں تم پیرا شوٹ کے ذریعے اُتر سکو گے اور وہاں تمہاری گاڑیاں پہلے سے موجود ہوں گی۔"

"تم بیکار نہیں ہو" عورت نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

ٹائیگر محض مسکرا کر رہ گیا۔

"...اور تم قیمتی برغمال ثابت ہو سکتے ہو" دستے کے چہرے پر اب بھی غیظ و غضب کے آثار تھے۔

"بھلا کسی چیکار کی لاش کس طرح قیمتی ہو سکتی ہے" ٹائیگر نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر کہا پھر خاموش ہو گیا لیکن جب طیارہ چار ہزار فٹ کی بلندی پر پہنچ گیا تو اس نے مشین گن کی طرف دیکھ کر پوچھا "اب کیا خیال ہے دوست؟"

"میں سمجھا نہیں" وہ جھلا کر بولا۔

"شکست کا مطلب سمجھتے ہو؟"

"ہاں... لیکن اس بات سے تمہارا کیا مقصد ہے؟" وہ اُلجھتے ہوئے بولا۔

"تب پھر سمجھ لو کہ تم لوگ بازی ہار چکے ہو" ٹائیگر نے بڑے اطمینان سے کہا پھر اچانک مشین گنر کی دونوں کلائیوں پر ضرب لگائی۔ مشین گنر گھبرا کر آگے کو جھکا اور اسی لمحے ٹائیگر کی دونوں ہتھیلیاں اس کے کانوں پر پیچھے سے یہ ضرب بظاہر بڑی عام سی تھی لیکن اس کی شدت اتنی زیادہ تھی کہ مشین گنر چھپکلی کی طرح پٹے سے گر پڑا اور اس کی آنکھیں ساکت ہو گئیں۔

یہ سب کچھ اتنا اچانک اور تیزی سے وہ غا ہوا تھا کہ ہائی جیکر صورتِ حال کو سمجھ ہی نہ سکے اور جب وہ حالات کو سمجھے تو انہیں بہت دیر ہو چکی تھی۔ ٹائیگر بازی کو پلٹنے کے لیے پوری طرح تیار تھا۔ اس کی تمام حسیات بیدار تھیں اور جسم کا ہر عضو فولاد کی طرح سخت ہو گیا تھا۔ وہ تیزی سے نیلی آنکھوں والی عورت کی طرف بڑھا جو ہولسٹر سے اپنا ریوالور نکالنے کی کوشش کر رہی تھی لیکن ٹائیگر نے اسے اس بات کی اجازت نہ دی۔ اور اسے دونوں ہاتھوں سے اٹھا کر ڈھال کی طرح سامنے کر لیا۔ اب اس کا رُخ کریم نامی شخص کی طرف تھا جو اپنا ریوالور نکال چکا تھا لیکن جب اس نے اپنی ہی سرغنہ کو سامنے دیکھا تو ایک لمحے کے لیے تذبذب میں مبتلا ہو گیا اور اسی لمحے ٹائیگر نے عورت کو اس کی طرف اچھال دیا۔ عورت تیزی سے اُڑتی ہوئی کریم نامی شخص سے ٹکرائی اور وہ دونوں لڑھکتے کرسیوں پر ڈھیر ہو گئے۔ کریم نامی شخص کے ہاتھ سے ریوالور نکل کر سیٹوں کے نیچے غائب ہو چکا تھا۔ اس کے ساتھ ہی کاک پٹ کا دروازہ کھلنے کی مدھم سی آواز ٹائیگر کی حساس سماعت سے ٹکرائی۔ ٹائیگر سمجھ گیا کہ باہر ہونے والے ہنگامے کا احساس باہر والوں کو ہو گیا ہو گا۔

چنانچہ ٹائیگر نے دوبارہ اُن کی سرغنہ کو ٹانگوں سے پکڑ کر اٹھایا لیا پھر کسی اٹھا ہی کی طرح تھما کر اسے دروازے کی طرف اچھال دیا۔ اس بار عورت کے حلق سے بڑی کربناک چیخ نکلی تھی۔ وہ ایک دھماکے سے اپنے ساتھی سے ٹکرائی اور پھر وہ دونوں گنر کے پاس ہی ڈھیر ہو گئے۔

"تم لوگ ٹھیک ہو نا؟" اس نے کاک پٹ میں جھانک کر پوچھا۔

"ہاں، کیا ہوا؟" ہوا باز نے پلٹ کر حیرت سے پوچھا۔ اُن کا چہرہ سُتا ہوا تھا۔

"کچھ بھی نہیں" ٹائیگر نے ہاتھ جھاڑتے ہوئے کہا "طیارہ اب محفوظ ہے۔"

"تب پھر واپس لاس اینجلز چلیں؟"

"ابھی نہیں" ٹائیگر نے جواب دیا "دس منٹ اور صبر کرو۔ اس کے بعد ہم واپس چلیں گے۔ میں ان لوگوں سے خود دو دو باتیں کرنا چاہتا ہوں" یہ کہہ کر اس نے کاک پٹ کا دروازہ بند کر دیا۔

اس نے عورت اور پستہ قد مرد دونوں کو کریم کے پاس لا کر ڈالا جو اب قدرے ہوش میں تھا اور کراہ رہا تھا۔ اس نے ان سب کے چہروں پر گلاس بھر بھر کر پانی ڈالا پستہ قد ہوائی جہاز کے دائیں ہاتھ ہلانے کی کوشش کی تو اس کی آواز نکل گئی۔

"گک... کیا ہوا؟" کریم نامی شخص نے پوچھا اور پھر وہ تینوں اُٹھ کر بیٹھ گئے پھر جیسے ہی اُن کی نظر ٹائیگر پر پڑی اُن کی آنکھوں میں نفرت اور خوف کے سائے لہرانے لگے۔

"اب ہم ایک کھیل کھیلیں گے" ٹائیگر نے پٹ سے کے پھیکے لہجے میں کہا اور اس کھیل کا نام ہے "شعور کی پہلی آواز" میں سوال کروں گا اور تم لوگ جواب دو گے لیکن جواب سوچ سمجھ کر دینا ورنہ سزا ملے گی۔"

"میں کھیل کی غیر موجودگی میں کسی سوال کا جواب نہیں دوں گی۔ مجھے اپنے آئینی حقوق کا پوری طرح علم ہے" عورت نے تڑخ کر دھمکی کے ساتھ کہا لیکن اس کے لہجے میں خوف کی آمیزش تھی۔ وہ جان چکی تھی کہ وہ بازی ہار چکے ہیں۔

"مجھے افسوس ہے کہ میں جہاز میں وکیل طلب نہیں کر سکتا" ٹائیگر نے مسکرا کر کہا "ویسے بھی میرا تعلق ایسے ادارے سے ہے جس کا کام آئین کے دائرے سے باہر رہتے ہوئے کام کرنا ہے۔ اس ادارے نے ایسے افراد کو ذمہ دار رکھا ہے جو تم جیسوں کی حرکتوں کا جواب اپنی حرکتوں سے دیتے ہیں۔ ہم میں سے کسی کو بھی آئینی حقوق کا علم نہیں، ہم صرف اور صرف احکام پر عمل کرتے ہیں۔"

"تب پھر میں تمہیں خبردار کر دوں کہ اگر ہم پر تشدد کیا گیا تو پاکستان صدر تک مظاہرہ کرنے والوں کی قطاریں لگ جائیں گی" عورت غرائی

اضطراب شکن صورتِ حال سے وہ چار تھی لیکن اپنے آپ کو پُرسکون رکھنے کی بھرپور کوشش کر رہی تھی۔

"اچھا" ٹائیگر نے مسکرا کر کہا ساتھ ہی اس کا دایاں ہاتھ حرکت میں آیا اور عورت نے تیزی سے اپنے دونوں ہاتھ گھٹنے پر رکھ لیے تھے اس کے حلق سے نکلنے والی چیخ انتہائی دلخراش تھی۔ اس چیخ نے اس کے دوسرے ساتھیوں کی رُوح تک میں خوف کی لہر دوڑا دی تھی... ان سب کے چہروں پر زلزلے کی سی کیفیت طاری ہو گئی تھی۔

"یہ میرے حقیقی تعارف کا ہلکا سا مظاہرہ ہے" ٹائیگر نے مسکراتے ہوئے کہا اور پھر سنجیدہ ہو گیا "اب تم اپنے نام بتاؤ تاکہ بات چیت آگے بڑھ سکے" وہ نرمی سے بولا لیکن اس کے لہجے میں چھپی سفاکی لمحوں میں وہ سننے والے جرم ہو کو سرد کر دینے کے لیے کافی تھی۔

"خالدہ وحید!" عورت بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

"اصل نام بتاؤ" ٹائیگر غرایا۔

"یہی ہے" عورت کے چہرے پر اب سکون نہیں تھا، درد کی وجہ سے اس کی حالت خراب ہو رہی تھی اور وہ مشکل بول رہی تھی۔

"کیا وہ سے گھٹنے پر بھی ہاتھ رکھ دوں؟" ٹائیگر نے ایک بار پھر ہاتھ اٹھاتے ہوئے اجازت لینے والے انداز میں کہا۔

"ریورینا اسٹیفن" وہ فوراً بول پڑی۔

"گڈ! اب تم اپنا نام بتاؤ کریم!"

"میرا نام جیکن" کریم نامی شخص نے کوئی مزاحمت نہ کی۔

"اور تم؟" ٹائیگر پستہ قد شخص کی طرف پلٹ گیا۔

"مصطفیٰ" وہ ہکلا کر بولا اس کا جسم پسینے سے تر ہو رہا تھا اور وہ بار بار اپنے ہاتھ پتلون پر رگڑ کر خشک کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"ایک بار پھر سوچ لو"

"مصطفیٰ الفقیم!"

"یہ نام میری سمجھ میں نہیں آیا" ٹائیگر کا لہجہ خوفناک تھا "وہ نام بتاؤ جو تمہارے ماں باپ نے رکھا تھا" یہ کہہ کر اس نے پستہ قد شخص کی گردن پکڑ لی۔ اسے کسی مچھلی کی طرح اٹھایا اور دروازے کی طرف بڑھنے لگا۔ پستہ قد شخص مچل رہا تھا مگر وہ تمام تر کوششوں کے باوجود اس گرفت سے نجات حاصل نہیں کر سکا تھا۔

ٹائیگر نے ایک جھٹکے سے دروازہ کھولا تو ہوا کا زوردار جھونکا اندر آیا۔

"ذرا پیچھے تو دیکھو دوست!" ٹائیگر بولا تو اس کا لہجہ دوستانہ تھا۔

"چار ہزار فٹ کی بلندی سے نیچے کا منظر کتنا خوبصورت لگتا ہے"

پستہ قد نے پیچھے دیکھا اور مارے دہشت کے اپنی آنکھیں بند کر لیں "نہیں... تم ایسا نہیں کر سکتے" وہ چلایا اور تیزی سے ہاتھ چلانے لگا۔ اب اس کی پتلون بھی بھیگنے لگی تھی۔

"میں جو چاہتا ہوں کر گزرتا ہوں" ٹائیگر مسکرایا۔

"میں تم پر مقدمہ دائر کر دوں گا"

"تب پھر جاؤ مقدمے کی تیاری کرو" یہ کہہ کر ٹائیگر نے اس کی گردن چھوڑ دی اور پستہ قد شخص چار ہزار فٹ کی بلندی سے پیراشوٹ کے بغیر نیچے گرتا چلا گیا۔ ریورینا اور ٹیرین کو اسی لمحے احساس ہوا کہ ٹائیگر کوئی غیر معمولی شخص ہے۔ وہ انسان کے رُوپ میں ایسا درندہ ہے جو رحم جیسے جذبے سے بالکل عاری ہے۔

"سس... سنو، ہم گمراہ ہو گئے تھے" ٹیرین نے ٹائیگر کو اپنی طرف پلٹتے ہوئے دیکھ کر فوراً کہا۔

"اب تم ابلیس کو الزام مت دینا" وہ بے پروا تھا "تم دونوں کو تمہارے تعاقب میں مظلوم سمجھتا ہے"

"لل... لیکن" ریورینا بولی "ہم دہشت گرد نہیں، چکمہ مارٹن لوتھر کنگ کے فلسفے پر یقین رکھتے ہیں، ہمیں انسانیت سے محبت ہے"

"اچھا..." ٹائیگر اچھا کو کھینچتے ہوئے حیرت سے بولا لیکن اس کا جملہ مکمل کرانے والا تھا "اب ذرا اپنے سرغنہ کا نام بتا دو... اور اس مقام کا پتا بھی، جہاں تمہیں انسانیت سے محبت کی تربیت دی گئی ہے"

"ہمیں سرغنہ کا نام معلوم نہ تھا اور انہیں سینکا فائیو یا یک کے قریب پیشن کالج میں تربیت دی جاتی تھی۔"

"انٹرکٹ کالج ہے؟"

"ہم نے آج تک اس کی شکل بھی نہیں دیکھی" ٹیرین نے کہا اور ٹائیگر کو یقین کر لینا پڑا کیونکہ وہ ٹیرین کو آخری لفظ کے ساتھ ہی طیارے سے باہر اچھال چکا تھا۔

"ہاں ملادم! اب ذرا مکمل کر باتیں ہو جائیں، یہ بتاؤ کہ تربیت کون دیتا تھا؟ مقصد کیا تھا اور پروگرام کیا ہے؟"

"مجھے نہیں معلوم" وہ کپکپاتے ہوئے لہجے میں بولی۔ اس کے دونوں ہاتھ اب بھی گھٹنے پر بے ہوئے تھے۔

"تمہیں بہت کچھ معلوم ہو گا حسینہ، مجھ سے مت چھپاؤ" ٹائیگر کا لہجہ سپاٹ تھا۔

"جہنم میں جاؤ"

"اچھا!" اس نے ایک طویل سانس لے کر اس کے بال پکڑے اور کھینچتا ہوا دروازے کی طرف لے آیا۔ پہلے تم جہنم کی سیر کر لو" اس نے کہا اور پھر وہ اور ریورینا دونوں ہی چیختے چلاتے رہ گئے اور ٹائیگر نے ان کو بھی باہر اچھال دیا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ٹائیگر نے دروازہ بند کرکے ایک لمحے کو کچھ سوچا تو اسے اپنی حماقت پر تاؤ آنے لگا۔ وہ یہ پوچھنا ہی بھول گیا تھا کہ ہائی جیکر مشین گن کس طرح قبضے میں لائے تھے۔

وہ سر جھٹک کر کاک پٹ میں واپس آ گیا۔

"ٹھیک ہے کیپٹن! اب لاس اینجلز واپس چلو۔" وہ مسکراتے ہوئے خنگفتہ لہجے میں بولا۔

ہوائی اڈے پر وکیلوں کا ہجوم اپنے مؤکلوں کا انتظار کر رہا تھا۔ فلائٹ میں سب سے پہلے پیٹرسن داخل ہوا۔ وہ ہائی جیکروں کو اپنی تحویل میں لینے کا خواہاں تھا اور کہاں ہیں وہ مردود!

"بہتر ہیں!" ٹائیگر نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ انہوں نے پیراشوٹ کے ذریعے کودنے کی کوشش کی تھی لیکن ان میں سے کسی کا بھی پیراشوٹ نہیں کھل سکا۔ یہ کہہ کر وہ خود اترا اور ہجوم میں گم ہو گیا۔ پیٹرسن نے حیرت سے پلٹ کر دیکھا۔ اسے اس کی بات پر یقین نہیں آیا تھا اور وہ تیزی سے فون کی طرف بڑھ گیا۔

"واشنگٹن ہیڈ کوارٹر کے ایک ایجنٹ نے ہائی جیکروں کو قتل کر دیا ہے جناب! اور اس کی یہ حرکت ضابطوں کی صریحاً خلاف ورزی ہے اس کے خلاف کارروائی کی جائے۔"

ایک اعلیٰ افسر نے فوراً واشنگٹن ہیڈ کوارٹر فون کیا اور یہ سن کر ششدر رہ گیا کہ وہاں سے کسی ایجنٹ کو نہیں بھیجا گیا تھا۔

"تم نے اسے طیارے میں سوار ہی کیوں ہونے دیا۔" واشنگٹن سے جواب ملنے پر افسر نے پیٹرسن کو فون کیا۔ "یہ کیس تمہارا تھا اور..."

"مم... مگر جناب...!"

"شٹ اپ!" اعلیٰ افسر دہاڑا۔ "اب ضابطوں کی خلاف ورزی پر تمہارے خلاف کارروائی ہوگی پیٹرسن!"

ٹائیگر نے اپنی رولز رائس پیسیفک پارک وے سے نیویارک تھروے کی طرف گھمائی۔ وہ لاس اینجلز سے یہاں تک بغیر رکے اور بغیر چیکنگ کے پہنچا تھا۔ ایک ہزار میل کا سفر اوشان کے شکوے شکایتوں سے عبارت رہا تھا لیکن یہ شکوے اور شکایتیں جس وقت ختم ہوئی تھیں جب اوشان سکے پوزیشنل پسلی و خرخرن پر اس کا پسندیدہ اوپیرا انجلی کاسٹ ہوتے رگا تھا۔ وہ عقبی نشست پر براجمان تھا اور ٹائیگر بظاہر اس کا شو فرلگ رہا تھا۔

جب اوشان نے پریزیڈنٹ سینکا فالنے نیویارک انٹیلٹ میں ہے تو اس نے پوچھا تھا کہ یہ جگہ بروکلین کے قریب ہے؟"

"نہیں۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔

"لیکن ایک ہی صوبے میں ہے نا؟"

"ہاں... لیکن مخالف سمتوں میں۔"

"تب پھر ہم خالی جاتے ہوئے بروکلین سے گزریں گے۔" اوشان بچوں کی طرح خوش ہوتے ہوئے بولا۔

"ہرگز نہیں، بروکلین ہمارے راستے میں نہیں آئے گا۔"

"بروکلین میں مختصر سے قیام کے لیے ہرگز نہیں کا جملہ مناسب نہیں شہزاد۔" اوشان نے خشک لہجے میں کہا۔

"لیکن بروکلین میں کیا ہے؟" ٹائیگر نے اکتا کر پوچھا۔

"میں بار برا سٹینٹ کی یادگار دیکھنا چاہتا ہوں۔" وہ وہیں پیدا ہوئی تھی۔"

"لیکن مجھے یاد نہیں کہ وہاں اس قسم کی کوئی یادگار ہے۔ قبل فادر۔"

اوشان پُرتشویش انداز میں دیکھتا ہوا بولا۔ "امریکہ میں واشنگٹن کی یادگار ہے نا؟"

"بالکل ہے۔"

"اور فلن میموریل بھی ہے؟"

"درست!" ٹائیگر اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔

"اور کولمبس سرکل بھی ہے؟"

"بالکل درست! کولمبس سرکل بھی ہے۔"

"تب پھر بار برا کی یادگار بھی ہوگی اگر امریکہ کی ایک پاگل ایک ناکام شخص اور ایک ایسے طوائف کی یادگار بنا سکتے ہیں جو اپنا سنہ بھول گیا تھا تو پھر وہ اس حسین روح کی یادگار بھی ضرور بنا چکے ہوں گے۔"

"قبل فادر! وہ قومی ہیروئن نہیں تھی۔" ٹائیگر زچ ہو کر بولا۔ وہ جانتا تھا کہ اوشان اسے پریشان کرنے کے موڈ میں ہے۔

"اوہ تو پھر تم اس ملک کی خدمت کیوں کر رہے ہو؟ اے جرائم پیشہ لوگوں سے کیوں بچانا چاہتے ہو؟" اوشان نے حیرت سے اس کی طرف دیکھ کر پوچھا۔ "جو ملک ہیروئن کو ہیروئن قرار نہ دے سکے، وہ انتہائی بدبخت ملک ہوگا۔"

▽

ٹائیگر کو پیٹسن کالج جانے کی ہدایت کرتے ہوئے بھی ہمارم دہشت گردوں کی طرف سے متفکر تھا۔ اسے یقین تھا کہ ایک مسلم ملک کا نام استعمال کر کے بعض گروہ انتہا پسندانہ حرکتیں کر رہے ہیں۔ ہائی جیکروں نے اپنے لیے مسلم نام ہی استعمال کیے تھے لیکن ان کی اہلیت قطعی مختلف تھی۔ ان میں سے کئی یہودی ثابت ہو چکے تھے۔ ان کا مقصد ایک طرف تو اس مسلم ملک کو دنیا بھر میں بدنام کرنا تھا اور دوسری طرف رقم بٹورنا... ہمارم نے اصرار کیا تھا کہ ٹائیگر عمریہ کے طیارے میں نیویارک جا کر پیٹسن کالج میں اپنا کام فوراً شروع کر دے لیکن اس تجویز کی مخالفت تو ٹائیگر نے کی تھی۔ اس نے کہا تھا کہ اگر کسی کو یہ بھنک بھی مل گئی کہ مشکوک اور مطلوبہ حلیے والا ایک شخص بھرے کے خصوصی طیارے میں جاتے ہوئے دیکھا گیا ہے تو چارہ گر کی چارہ گری خطرے میں پڑ جائے گی۔

"... لیکن یہ مشن فوری نوعیت کا حامل ہے ٹائیگر۔" ہمارم نے متفکرانہ لہجے میں کہا تھا۔

"اب تم بھی اوشان کی طرح مشکل ثابت ہو رہے ہو سوٹ ہارٹ۔" ٹائیگر نے مسکرا کر کہا تھا۔

"نہیں، تم سمجھے نہیں! میں چاہتا ہوں کہ تم جلد از جلد وہاں پہنچ جاؤ۔ تمہیں ہر قیمت پر اس گروہ کا قلع قمع کرنا ہے۔"

"وہ تو کر ہی دوں گا تم کوئی فکر مت کرو۔"

"بات بہت اہم ہے۔ اسے سمجھنے کی مت ٹالو۔" ہمارم نے خشک لہجے میں کہا تھا۔ "اگلے ہفتے نیویارک میں اندادِ دہشت گردی کے موضوع پر عالمی کانفرنس ہو رہی ہے اور میری خواہش ہے کہ کانفرنس سے قبل ہی اس گروہ کا خاتمہ کر دیا جائے۔ تم سمجھ رہے ہو نا؟ وہ کانفرنس کو بھی نشانہ بنا سکتے ہیں۔"

"میں اچھی طرح سمجھ رہا ہوں۔"

پیسفک دور دور تک پھیل ہوئی تھیں اور اب ٹائیگر کو ل بلازہ پر ٹکٹ لینے کے لیے گاڑی کی رفتار سست کر رہا تھا۔ ان کے چاروں طرف ڈوبتے سورج کی دم توڑتی روشنی پھیل ہوئی تھی اور انہیں دور ہی سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ بڑے شہر کے قریب پہنچ چکے ہیں۔

□

ٹائیگر کو پیٹسن کالج کے اس پس ٹریننگ سائٹ تلاش کرنے میں زیادہ دشواری نہیں ہوئی۔ ٹریننگ سائٹ ایسی جگہ ہوتی ہے جہاں کا سامان کسی ایک مکرے میں نہیں چھپایا جاتا۔ مثال کے طور پر وہ کانشکوف رائفلیں جو ہائی جیکروں نے استعمال کیں، ان کے استعمال یا ان کے استعمال کی تربیت کے لیے بھی کھلے میدان کی ضرورت ہوتی ہے اور اس سے نشانہ بازی کی مشق کے لیے بیک بورڈ سے زیادہ بڑی چیز کی ضرورت ہوتی ہے۔ پیٹسن کالج کا کیمپس زیادہ بڑا نہ تھا اور ٹائیگر اس میں ٹہل رہا تھا۔ اوشان ساتھ نہیں آیا تھا۔ اس نے یہ کہہ کر ساتھ دینے سے انکار کر دیا تھا کہ وہ تھک گیا ہے، اس کا نہ آنا ایک طرح سے اچھی بات تھی کیونکہ اسے دیکھ کر لوگ یقیناً چونک جاتے۔

کالج کا ایک ہال بھی تھا۔ انتظامی امور کی عمارت بہت چھوٹی سی تھی۔ تاہم مرکزی عمارت بلند اور جدید طرز کی تھی۔ اس کے چاروں طرف باغ پھیلا ہوا تھا۔

اگرچہ ٹائیگر کو احساس تھا کہ تربیت ان سبزہ زاروں پر نہیں دی جاتی ہوگی لیکن پھر بھی وہ ٹہلتے ہوئے جمنازیم میں چلا آیا۔ یہاں ایک شخص جسے اپنی تو نہ ہی بھی مشغول ہونا ہی تھی، مفت میں سیٹی بجاتے تقریباً پچاس ساٹھ موٹوں کو ورزشیں کرا رہا تھا۔ موٹے انسٹرکٹر کی عمر چالیس سال سے زیادہ نہ تھی۔ وہ بیس پال کیپ پہنے ہوئے تھا۔

"موسم بہار کی ورزشیں ہو رہی ہیں؟" ٹائیگر نے اس کے قریب پہنچ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہاں، مگر تم کون ہو؟" موٹے کی آواز بھی پھنسی پھنسی سی تھی۔

"ایک فری لانسر۔ چھوٹے کالجوں کے مسائل پر تبصرہ لکھ رہا ہوں۔ یہ بھی دیکھ رہا ہوں کہ ان کالجوں کے جمنازیم میں ضروری سہولتیں ہیں یا نہیں۔"

"اوئے۔" انسٹرکٹر نے اچانک ہی دہاڑ کر کہا۔ "دونوں ہیر پلا کر رکھو اور جھک کر انگوٹھے چھونے کی کوشش کرو۔" اور پھر ٹائیگر کی طرف پلٹ کر بولا۔ "ہم اس جمنازیم کو کراٹے مارشل آرٹ کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ جانتے ہو، سومو پہلوان ٹھیک کیسے کرتے ہیں...؟"

"کیا یہاں نسل پرستی کے عنصر بھی موجود ہیں کوچ؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"نہیں، ہمارے لڑکے بہت اچھے ہیں، انتہائی اچھے۔" کوچ نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔

"کیا جمنازیم چوبیس گھنٹے کھلا رہتا ہے؟"

انسٹرکٹر سر ہلا کر رہ گیا۔

"کیا نشانہ بازی کی تربیت بھی دی جاتی ہے؟"

"نہیں... اوئے لیونارڈ! ٹھیک سے ورزش کرو، ورنہ میں خود تمہیں ٹھیک کر دوں گا۔"

"مارشل آرٹ کی کلاسیں تو ضرور ہوتی ہوں گی؟" ٹائیگر نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"ارے نہیں! مارشل آرٹ بھی کوئی آرٹ ہے، گولی کے سامنے کام نہیں آ سکتا۔ لیکن سنو! مارشل آرٹ کے بارے میں میرا یہ تبصرہ آف دی ریکارڈ ہے۔ تم میرے حوالے سے یہ ضرور لکھ سکتے ہو کہ ہم جمنازیم کو مفاہمت کی تعمیر کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ اوئے گبرگ! کیا تمہیں ہاتھ پیر ہلانے کے لیے کسی لوکر کی ضرورت ہے، ساکت کیوں کھڑے ہو۔ پٹرولی! پسینہ پونچھو۔ ہاں، تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ ایتھلیٹکس یونانی کلسیٹے کی ایک توسیعی شکل ہے۔ اس فلسفے کی بنیاد قوی جسم اور قوی ذہن ہے۔ اس کا اصول یہ نہیں کہ مقابلے میں کون جیتتا ہے اور کون ہارتا ہے۔ سوال صرف یہ ہوتا ہے کہ تم کھیل کس طرح کھیلتے ہو؟"

"کیا گلوشہ سیزن میں ناکامی ہوئی تھی؟"

"اعداد و شمار کی روشنی میں ہم یہ نہیں کہہ سکتے۔" انسٹرکٹر نے جواب دیا۔

"بالکل اسی طرح جیسے حکومت خسارے میں چلنے کے باوجود اعداد و شمار کے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ذریعے اپنی کامیابی ثابت کردیتی ہے۔"

کالج کے پلیٹ فارم پر ڈالرے خوش اس بات کی تصدیق کردی کہ کیمپس میں اس نے نہ تو کبھی واقفی دیکھی اور نہ ہی کرائے کی کلاسیں اس نے کبھی لوگوں کو خفیہ ملاقاتیں کرتے ہوئے بھی نہیں دیکھا۔

تہ خانوں، کیمسٹری کی لیبارٹری اور اسٹوڈنٹس یونین کے دفتر میں بھی ٹائیگر کو کامیابی نہیں ہوئی لیکن ایک امر واضح تھا کہ اس کیمپس میں ترقی پسند گروپ موجود ہے۔ ہائی جیکروں کو تربیت دیے بغیر کالج کو تشکیف نہیں تھا دی جاتی اور نہ ہی مشین گن اسمگل کی جاسکتی ہے اور اگر دہشت گردوں کا یہ گروہ واقعی نیا ہے اور اس کا تعلق دہشت گردی کے تمام حالیہ واقعات سے ہے تو پھر اس کے پاس نہ صرف وسائل بھی ہوں گے بلکہ اس کی پشت پناہی بھی ہوگی۔

ٹائیگر نے کیفے ٹیریا میں قدم رکھا اور ایک گلاس پانی لے کر ایک ایسی میز کے قریب بیٹھ گیا جہاں طلباء و طالبات کے مسائل پر گفتگو کر رہے تھے اور ان کے حل تک پہنچنے کے لیے بے چین تھے۔

"بات صرف یہ ہے کہ اخلاقی قدروں پر عمل کیا جائے۔" ایک طالب علم نے کہا۔

"اور پولیس پتھراؤ کرنے والوں کو دشمن سمجھنا چھوڑ دے۔" دوسرے نے قدرے غیر محتاط انداز میں تجویز پیش کی۔

"سیاہ فاموں کو بھی متحد ہو کر جدوجہد کرنی ہوگی۔" تیسرے نوجوان نے کہا اور ٹائیگر پانی کے گھونٹ چسکیوں کے انداز میں لیتا رہا پھر اس نے ایک اور میز کی طرف توجہ دی، جہاں موجود لوگوں نے مسائل کو قدرے آسان بنا دیا تھا۔ ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ ہم سب انفرادی طور پر خود کو عالمی برادری کا لازمی حصہ سمجھیں۔ یہی ہماری نجات کا واحد راستہ ہے۔"

ٹائیگر ان باتوں کو سن کر یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ کیا پیٹن کالج واقعی دہشت گردوں کا اڈہ ہے؟ اس نے ایک لمحے کے لیے آنکھیں بند کرلیں، وہ سوچ رہا تھا کہ کیا ہائی جیکروں نے اس کالج کا نام لے کر اسے گمراہ کرنے کی کوشش کی تھی؟ وہ جس تصور میں طیارے کو دیکھ رہا تھا، سب سے زیادہ خوفزدہ مسافر دبکے ہوئے بیٹھے تھے۔ چاروں ہائی جیکروں کے پاس ہتھیار تھے۔ انہوں نے بال اور ٹھکی ہوئی گن رہی تھیں اور اسے ہر حرکت پر یہ بتا رہا تھا کہ مشین گن طیارے میں کس طرح پہنچی پھر معاً ایک خیال اس کے ذہن میں ابھرا۔ ہائی جیکر لاس اینجلز اترنے پر کیوں رضامند ہو گئے تھے۔ وہ یہ بھی کہہ سکتے تھے کہ رقم کسی اور ہوائی اڈے پر ان کے حوالے کی جائے لیکن شاید لاس اینجلز میں انہوں نے کسی کے منصوبے کا ہی حصہ تھا لیکن لاس اینجلز کس خانے میں فٹ بیٹھتا ہے؟ اس کے بھی سمجھ نہیں آرہی تھی کہ ہائی جیکروں نے پیٹن کالج کا نام لے کر گمراہ کرنے کی کوشش نہیں کی لیکن سوال یہ تھا کہ آخر تربیت کہاں دی جاتی ہے وہ آنکھیں بند کیے سوچتا رہا۔

"کیفے... خبیث...!" اس نے نسوانی آواز سن کر آنکھیں کھولیں تو میز کے قریب ایک خوبصورت لڑکی بیٹھی ہوئی رو رہی تھی۔ اس کا چہرہ بہت دلکش تھا، بال سرخ تھے۔

"کیفے... خبیث... بدذات...!" اس نے رکتے رکتے ہوئے دوبارہ اپنے الفاظ دہرائے۔

"کیا ہوا؟" ٹائیگر نے ہولے سے مسکرا کر پوچھا۔

"وہ بدبخت واقعی کی ایک بات بھی نہیں سنتے۔"

"یہ انتہائی بری بات ہے۔" ٹائیگر نے بغیر کسی جوش و خروش کے کہا۔

"میری کوئی بات ہی نہیں سنتے... اگر میں کوئی اچھی تجویز بھی پیش کرنا چاہوں تو ہنسی میں اڑا دیتے ہیں۔ رابرٹ، کارلوس اور تھیوڈور یہی باتیں کرتے ہیں، مجھے کبھی موقع نہیں دیتے۔"

"وہ واقعی خبیث ہیں۔" ٹائیگر نے سر ہلا کر کہا۔

"اور کیا۔" لڑکی اب رومال سے آنسو پونچھتی ہوئی اس کی میز پر آگئی تھی۔ "میرے پاس ایک انتہائی شاندار تجویز تھی، وہ یہ کہ انقلاب کے لیے صرف ارب پتی، کروڑ پتی، لکھ پتی افراد اور پولیس والوں کو ہلاک کرنا ہوگا۔ ارب پتی نہ ہوں گے تو سرمایہ داری ختم ہو جائے گی اور پولیس کے بغیر موجودگی میں تشدد کبھی نہیں ہوگا۔"

"شاندار!" ٹائیگر سنبھل کر بیٹھ گیا۔ "لیکن ان لوگوں کو قتل کون کرے گا؟"

"عوام!" لڑکی نے پُرجوش لہجے میں کہا۔ "شاید وہ اپنی تجویز پر ٹائیگر کی توجہ دیکھ کر خوش ہو گئی تھی۔ "غریب عوام، خواہ سیاہ فام ہوں... یا سیاہ فام...!"

"لیکن کیا یہ انقلاب صرف امریکہ تک محدود رہے گا؟"

"ہرگز نہیں، تیسری دنیا کو بھی انقلاب کی ضرورت ہے۔"

"شاندار! معقول تجویز ہے... مگر اس میں تمہارا کردار کیا ہوگا؟"

"میں انقلاب برپا کرنے میں ہر ممکن ہاتھ بٹاؤں گی، قیادت بھی قبول کرلوں گی لیکن اگر تیسری دنیا سے کوئی قیادت ابھری تو پھر میں کچھ نہ کچھ تو مشیر وزیر بھی ہو جاؤں گی۔"

"فرض کرو کہ تیسری دنیا کے لوگ بھی تمہاری اس تجویز کو خاطر میں نہ لائیں تو..." ٹائیگر نے اسے گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ارے نہیں، تیسری دنیا کے لوگ رابرٹ، کارلوس اور تھیوڈور کی طرح بے وقوف نہیں۔"

"ہاں... اور یہ میرا ایمان ہے کہ جن ہائی جیکروں نے اپنی جان کا نذرانہ پیش کیا ہے، وہ پیٹن کالج کے عظیم سپوت تھے۔"

"وہ مرے نہیں، جینی نے دھیمے سے کہا۔ "وہ امر ہو گئے لیکن وہ یہاں کے طالب علم بھی نہیں تھے۔ ان میں سے ایک فسیٹہ اسکول میں پڑھتا تھا، باقی کا تعلق کسی اسکول سے بھی نہ تھا۔"

"اوہ! تو تم ان سے واقف بھی تھیں؟"

"کیوں نہیں، میں نے کئی بار انہیں کافی اور چائے پیش کی... اور ایک بار لنچ بھی کرایا تھا۔"

"صرف ایک بار لنچ کرایا تھا؟" ٹائیگر نے ایک خاص سوال کا جواب حاصل کرنے کے لیے بالواسطہ پوچھا۔

"ہاں! ایک دن میں ایک ہی لنچ ہو سکتا ہے۔"

"اوہ! تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ انھوں نے کہیں اور تربیت حاصل کی تھی اور پھر وہ ایک دن کے لیے یہاں ٹھہرے تھے؟"

"نہیں لنچ کے بعد انہیں تربیت دی گئی تھی اور پھر رات ہوتے پر وہ چلے گئے تھے۔ ہم نے... ہم سب ایسے طلبا نے جو دنیا سے علم کا تبادلہ چاہتے ہیں، ان کی میزبانی کی تھی اگرچہ ہمیں ان کے پروگرام کا پوری طرح علم نہیں تھا لیکن ہمیں احساس تھا کہ جو کچھ بھی ہو رہا ہے وہ بہت شاندار ہے پھر بعد میں ہمیں علم ہوا کہ انھوں نے کیا کارنامہ سرانجام دیا ہے۔"

"ان کی موجودگی کے دوران تم کیا کرتی رہی تھیں؟" ٹائیگر نے بدستور معصومیت انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

"میں نہر کے کنارے کھڑی کی گئی تھی تاکہ کوئی جہاز یہ میں داخل نہ ہو سکے۔ ہم میں سے کوئی بھی انٹرکوٹر کو نہیں دیکھ سکا لیکن سنو۔ تم اتنے اچھے ماحول میں ایسی باتیں کیوں کر رہے ہو؟ دار لنگ!"

"اوہ! کچھ نہیں، میں انقلاب کی اس جنگ سے لطف اندوز ہو رہا ہوں، جو مجھے تمہارے حسین سراپے سے آرہی ہے۔"

"ایسے سوالات ان لوگوں نے بھی کیے تھے جو کل یہاں آئے تھے۔"

"اچھا!" ٹائیگر چونک اٹھا۔ "کون لوگ تھے؟ پولیس والے یا ایف۔ بی۔ آئی کے ایجنٹ؟"

"پتا نہیں کون تھے؟" جینی نے اٹکا اٹکا کر کہا۔ "کسی نے بھی انہیں پولیس والے نہیں سمجھا مگر...!"

"جینی! تم بہت اچھی ہو، اسٹار لائٹ ہو۔" یہ کہتے ہوئے وہ سوچ رہا تھا کہ کل پیٹن کالج آنے والوں کا تعلق پیارہ گوا کے علاوہ اور کسی سے نہیں ہوگا۔ یہ امر واقعتاً بڑا جدباز تھا کہ اس نے ٹائیگر کی آمد سے قبل ہی اپنے آدمی یہاں بھیج دیے تھے۔ وہ یہ بھی سوچ رہا تھا کہ سانتا نجو کے

"گڈ!" ٹائیگر پہلی بار مسکرایا۔ اس کی تمام حسیں بیدار ہو رہی تھیں۔ "ویسے تم یہاں کیا پڑھتی ہو؟"

"تاریخ اور فلسفہ سیاست... لیکن یہ مضامین اور ان کی تعلیم غیر متعلقہ بات ہے۔ میں تو صرف ایک کاغذ کا پرزہ حاصل کرنے کے لیے آئی ہوں، جس میں لکھا ہو کہ میں تدریس کے فرائض انجام دے سکتی ہوں۔"

"میرا خیال ہے کہ تم نے حالیہ ہائی جیکنگ کا واقعہ سنا ہوگا۔ اس کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟"

"کیا تم بھی اس منصوبے میں شامل تھے؟" لڑکی کی آنکھیں پھٹنے لگیں اور ٹائیگر نے جواب دینے کے بجائے مسکراتے ہوئے آنکھ ماردی۔

"میرے خدا... میرا خیال ہے کہ کسی کو بھی یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ ان کا تعلق یہاں سے تھا۔ وہ طالب علم تھا... لیکن کیا تم پولیس والے ہو؟"

"ارے! کیا میں تمہیں پولیس والا لگتا ہوں؟" ٹائیگر نے ہنس کر کہا۔

"نہیں، وہ بڑی ادا کے ساتھ بولی، اسے ٹائیگر کی ہنسی بہت دلکش لگی تھی۔ "تمہارے بال بھی پولیس والوں جیسے نہیں۔"

جینی کے والد کیمیکل انجینئر تھے اور بقول جینی، وہ مردوں کی شیو والے ٹیزر کی طرح تھا۔ استعمال کرتا تھا اور میری ماں، شاید وہ غلطی کے لیے ہی پیدا ہوئی تھی۔ میری ڈیم میٹ بس ایسی ہی ہے۔ بہرحال بنی سنوری رہتی ہے۔ میرے پروفیسر قدامت پسند بورژوازی سے تعلق رکھتے ہیں لیکن صرف سوشیالوجی کے پروفیسر ان سے مختلف ہیں۔ انھوں نے میرے مضمون "انقلاب کیسے آئے؟" پر مجھے اے گریڈ دیا ہے۔ میری خواہش تھی کہ میں ویت نام جا کر لڑوں لیکن میرے والد نے امریکہ کے خلاف میرے جذبات بھانپ لیے اور میرا اسپورٹس کار لائسنس معطل کرا دیا۔"

وہ استحصالیوں کے خلاف تھی اور استحصال زدہ لوگوں کی مدد کرنا اس کے لیے انتہائی مقدس بات تھی لیکن اس کی آنکھوں سے صاف ظاہر تھا کہ وہ جو کہہ رہی ہے، اس پر خود اسے یقین نہیں۔ اس کی آنکھوں میں پیاس تھی اور عجیب سی بے چینی بھی... اس کی عمر بائیس سال تھی لیکن آنکھوں سے تیس تیس سالہ عورت کا تجربہ جھلک رہا تھا لیکن وہ ٹائیگر کی حسین اور پیشہ ورانہ مسکراہٹ سے مچل جا رہی تھی۔ اس کا بس چلتا تو وہ ہمیشہ اس نوجوان کے آگے جھکی جھکی بولتی رہتی۔

"میں بھی انقلاب کا حامی ہوں۔" ٹائیگر مسکراتے ہوئے رازدارانہ لہجے میں بولا۔

"واقعی؟" وہ جھوم کر بولی۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ماسٹر سے یہ ضرور پوچھے گا کہ صرف چند گھنٹوں میں کسی عام آدمی کو ٹائیگر کی تربیت کس طرح دی جا سکتی ہے۔" اس نے اُوشان کو نہر کے کنارے لے جانے کا تہیہ کر لیا تاکہ وہ اُس جگہ کھڑے ہو کر جہاں بیٹھی کھڑی تھی، یہ اندازہ لگا سکے کہ تربیت کس طرح دی گئی ہو گی۔

"تم کچھ بے چین سے ہو۔" جینی نے مضطرب ہو کر کہا۔ "سنو! اگر تم نشہ کرنا چاہتے ہو تو میرے پاس ہیروئن موجود ہے۔"

"ارے نہیں، شکریہ!" ٹائیگر نے مسکرا کر جواب دیا۔ "تم تو خود ہیروئن ہو۔"

"نیل فادر!" ٹائیگر نے نہر کے اُوپر آہنی پل سے گزرتے ہوئے کہا۔ "میں ذہنی انتشار کا شکار ہوں۔"

"ذہنی انتشار ہی بعض اوقات علم کے دروازے وا کر دیتا ہے فرزند۔" اُوشان بڑے خلوص سے بولا۔

"میں جو کچھ جانتا ہوں، اُس کی رُو سے یہی کہہ سکتا ہوں کہ اس کام میں بڑا وقت صرف ہوتا ہو گا۔"

"یقیناً ہوتا ہو گا۔" اُوشان نے کام کی نوعیت پوچھے بغیر اثبات میں جواب دیا۔

"کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی شخص ایک ہی دن میں فن پر عبور حاصل کر سکے؟" ٹائیگر نے رکتے ہوئے پوچھا۔

"ایک ہی دن میں؟" اُوشان کی مونچھیں ہلکی ہوا میں ہلنے لگیں۔ "نہیں یہ ممکن نہیں۔"

اب وہ پل سے اُتر کر سرسبز تناور درختوں کے نیچے پگڈنڈی نما راستے پر چل رہے تھے۔ اس پگڈنڈی سے قدرے دُور ایک سڑک تھی جس کے دونوں طرف چھوٹے چھوٹے مکانات بنے ہوئے تھے، ان کے آگے لگی ہوئی گھاس گیلی تھی اور یقیناً گزشتہ رات بارش ہو چکی تھی۔

"تب پھر غیر تجربے کار لوگ میدانِ جنگ کا بھاری ہتھیار، مشین گن، تمام تر حفاظتی لوازمات کے باوجود دشمن سے میں کس طرح لے جا سکتے ہیں اور ایک ہی روز میں ہتھیاروں کے استعمال کی تربیت کس طرح حاصل کر سکتے ہیں؟"

"مجھے اس میں قدرے تضاد کا احساس ہو رہا ہے۔" اُوشان نے چند لمحے تک سوچنے کے بعد کہا۔

"ہاں، مگر تم یہ کہہ رہے ہو۔" ٹائیگر نے بڑے جوش سے کہا۔

"مگر اس میں کوئی تضاد نہیں۔" اُوشان نے فوراً کہا۔ اس کے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

"کیا؟" ٹائیگر کا منہ حیرت سے کھلا رہ گیا۔

"ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ شہنشاہ نے یلوان بنانچو کی خدمات حاصل کرنے کی درخواست...!"

"نیل فادر!" ٹائیگر نے اُوشان کی بات کاٹ دی۔ "میں جانتا ہوں کہ گاؤں سنانچو بہت غریب ہے۔ وہاں کوئی فصل نہیں ہوتی اور سنانچو کے بچوں اور بوڑھوں کے گزارے کے لیے تم نے اپنی خدمات مستقار دینے کی ہیں اور ایسا شخص جو معاوضہ ادا نہیں کرتا، درحقیقت سنانچو کے خیر خواہوں کا قاتل ہے۔" ٹائیگر نے یہ سب کچھ ایک ہی سانس میں کہہ ڈالا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ تم بچوں کے بارے میں سنجیدگی سے بات نہیں کر رہے ہو۔ شاید تمہارے لیے اس کی کوئی اہمیت بھی نہیں کیونکہ وہ تمہارے بچے نہیں ہیں۔" اُوشان نے غصے سے مُٹھ بھینچ لیے تھے۔

"لیکن یہ تو چھ سو سال پہلے کی بات ہے۔" ٹائیگر تقریباً گڑگڑانے لگا۔

"دور کے برعکس مجرم وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ختم نہیں ہوتے فرزند۔" اُوشان بہت سنجیدہ تھا۔

"درست!" شہنشاہ نے جو کچھ کیا، وہ ناقابلِ معافی قاتلِ مذمت اور انتہائی گھناؤنی حرکت تھی لہٰذا چین کے کسی بادشاہ پر کسی کو کبھی اعتماد نہیں کرنا چاہیے۔" ٹائیگر نرم لہجے میں بولا۔

"درست!" اُوشان نے یک قافیہ انداز میں سر جھٹک کر کہا۔

"مگر میں اُس شہنشاہ کا ذکر نہیں کر رہا ہوں، جس نے معاوضہ نہیں دیا تھا یہ دوسرے شہنشاہ کا قصہ ہے۔ بات کچھ یوں تھی کہ اس شہنشاہ کو اپنی سرحدوں کے پار دوسرے بادشاہ پر حملہ کرانا تھا۔ بادشاہ کا مکان ایک پہاڑی پر تھا اور پہاڑی بہت اُونچی تھی لہٰذا اُس پر حملے کا مطلب یہ تھا کہ محل تک پہنچنے کی کوشش میں پوری کی پوری فوج کھیت ہو جائے گی جب کہ شہنشاہ کی یہ خواہش تھی کہ اس کے فوجیوں کو نقصان نہ پہنچے۔ تاہم خشک سالی کی وجہ سے کسانوں کی تعداد بھی کم نہ تھی جنہیں فاقہ کشی کے باعث جلد یا بدیر مرنا ہی تھا۔ اب سوال یہ ہے کہ عظیم سنانچو! کیا ان کسانوں کو محل پر دھاوا بولنے کی تربیت ایک ہی دن میں دے سکتا تھا؟ کیا انسانیت کا وہ مروجہ مثالی حکمت عملی اختیار کر سکتا تھا کہ فوجی بھی نہ مریں اور محل پر قبضہ بھی ہو جائے؟"

"آپ کے جدِ امجد کو مرجوعے مثال کہا جاتا ہے؟"

"مجھے کسی نے یہی بتایا تھا۔" اُوشان نے بڑے شاہانہ انداز میں جواب دیا۔ چینی شہنشاہ نے اُسے یہی خطاب دیا تھا۔

"لیکن آپ یہ بھی تو کہتے ہیں کہ قدیم چینی کا دوسرا نام جھوٹا ہے۔" ٹائیگر شرارت سے بولا۔

"بعض اوقات جھوٹوں کے مُنہ سے بھی سچ نکل جاتا ہے۔" اُوشان نے بڑی

خندہ پیشانی سے یہ وار سہہ لیا۔ "تو اس شہنشاہ نے کہا کہ یہ کام جلد ہونا چاہیے کیونکہ اس کی اطلاعات کے مطابق بادشاہ اپنا خزانہ بہت جلد کہیں اور منتقل کرنے والا تھا لہٰذا اُس نے اس نکتے پر سوچا کہ آدمی، فوجی اور کسان کس طرح بن جاتا ہے۔ کیا آنکھوں کی وجہ سے یا نہیں، آنکھیں سب کی ہوتی ہیں، اعضاء کے باعث...!"

"نہیں، اعضاء بھی سب کے ہوتے ہیں۔" ٹائیگر مزید بھنچے میں بولا۔ لیکن اُوشان نے اس کی اَن سنی کر دی۔

"تو اُس نے اسی پر غور کیا۔ وہ سوچتا رہا کہ ہر شخص اعضا کی مختصر سی تربیت کے بعد ڈھنگ سے انھیں استعمال کر سکتا ہے تو پھر ایک آدمی کو فوجی بنانے کے لیے برسوں تک تربیت کیوں دی جاتی ہے؟ وہ دو ہفتے تک اسی اہم نکتے پر سوچ و بچار کرتا رہا پھر ایک روز اس کی نظر اچانک ہی ایک فوجی پر پڑی جو ایک کسان کو سڑک سے دھکا دے رہا تھا۔"

"کیا اُس زمانے میں سڑکیں تھیں نیل فادر؟"

"سنتے رہو، میں نے بھی اسی طرح سنا تھا۔" اُوشان نے اُسے جھڑک دیا۔ "دھکا کھانے والے کسان نے جواب میں فوجی کو دھکا نہیں دیا۔ تب ہی سنانچو کو فوجی اور کسان کے درمیان بنیادی فرق کا علم ہو گیا۔ وہ سمجھ گیا کہ محض چند نوں میں وہ کیا کر سکتا ہے۔ فوجی اور کسان کے درمیان واحد فرق ذہنی کیفیت کا تھا۔ کسان طاقت ور تھا مگر اس کے ذہن میں یہ بات نہیں تھی کہ وہ فوجی کو قتل کر سکتا ہے۔"

"تو سنانچو نے کسان کا ذہن بدل کر فوجی کو قتل کرا دیا ہو گا؟"

"نہیں، شمشیر سنانچو کے وارث اتنے جلد بادشاہ نہیں ہوتے۔" اُوشان نے بڑی بے نیازی سے کہا۔ "عظیم سنانچو نے مصوروں کو طلب کر کے محل اور پہاڑوں کی تصاویر بنوائیں اور ایک نمایاں جگہ پر رکھ کر کسانوں کو طلب کیا۔ اُس نے ان سے خطاب کیا۔ مصور بھی وہیں موجود تھا۔ عظیم سنانچو کسانوں سے خطاب کرتا رہا اور مصوران کی نظروں کے سامنے تصویروں کے ذریعے محل پر کسانوں کے دھاوے کی منظر کشی کرتا رہا۔ کسان، بادشاہ کے فوجیوں کو چن چن کر قتل کر رہے تھے اور عظیم سنانچو تصویروں کی طرف اشارہ کر کے کہہ رہا تھا کہ تم اسی طرح انھیں قتل کر سکتے ہو تم ان سے زیادہ بہادر ہو پھر کسانوں کا لشکر جنگی نعرے لگاتا ہوا سرحد پار اُس پہاڑ کی طرف پیش قدمی کرنے لگا جس پر بادشاہ کا محل تھا پھر جب کسان محل والی پہاڑی پر پہنچے تو انھوں نے عسکری عزم و حوصلے کے ساتھ محل پر حملہ کیا۔ انھوں نے جلد ہی اگلے دفاعی مورچوں پر قبضہ کر لیا۔ اس دھاوے میں زیادہ تر کسان قتل نہیں ہوئے۔ یہ سب کچھ عظیم سنانچو کی حکمت عملی کے مطابق تھا لیکن جونہی وہ محل میں داخل ہوئے تو گھٹنوں کے بل لغزیدہ جھک گئے۔ وہ بہرحال کسان تھے اور اس سے پہلے انھوں نے کبھی محل میں قدم نہیں رکھا تھا وہ محل کی شان و شوکت سے خوفزدہ اِدھر اُدھر گھومنے لگے۔ اُن کی اس کیفیت سے دشمن نے بھرپور فائدہ اُٹھایا اور محفوظ محل کے محافظوں نے ان کا قتلِ عام شروع کر دیا۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا وہ فنِ حرب پر عبور رکھتے تھے یا نہیں...؟"

"رکھتے بھی تھے اور نہیں بھی۔" ٹائیگر بولا۔

"بالکل درست!"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہاتی جیکر بھی کسانوں کی طرح تھے۔"

"بالکل درست!"

"مگر میں بہرام کو یہ پوری کہانی نہیں سنا سکتا۔ وہ پہلے ہی بہت پریشان ہے۔" ٹائیگر نے کہا۔

"پریشانی ختم ہونے کے لیے جنم لیتی ہے فرزند! شہنشاہ بہرام کی پریشانی بھی دُور ہو جائے گی۔"

"تمہیں کیا معلوم؟"

"مجھے معلوم ہے تم نے اس کی آنکھیں یا انگلیاں نہیں دیکھیں! کیا یہ بھی نہیں دیکھا کہ وہ آسمان کی طرف کس طرح دیکھتا ہے۔"

"میں نے بہرام کو کبھی آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے نہیں پایا، نیل فادر۔ اور اس کی انگلیوں کو صرف کیبورڈ پر ہی متحرک دیکھا ہے۔ وہ ایک ایسا آدمی ہے جس میں روح نہ ہو۔"

"ممکن ہے... مگر وہ آدمی تو ہے۔" اُوشان نے عجیب سے انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

اُوشان یقیناً کوئی اور کہانی سنانا چاہتا تھا مگر اُسی وقت پگڈنڈی نما راستہ ختم ہو گیا۔ اب وہ سڑک کے کنارے چل رہے تھے۔ اس وقت اگر انھیں کوئی دیکھتا تو یہی سوچتا کہ وہ مشینی انداز میں چل رہے ہیں کیونکہ بوڑھے اُوشان اور نوجوان ٹائیگر دونوں کی رفتار ایک سی تھی، قدم ساتھ ساتھ اُٹھ رہے تھے اور ہاتھ بھی اسی انداز میں آگے پیچھے حرکت کر رہے تھے۔

وہ محل پر قبضہ ہو گیا تھا نیل فادر؟" ٹائیگر نے اُسے خاموش دیکھ کر دریافت کیا۔

"کون سے محل پر؟"

"وہ... اسی بادشاہ کے محل پر جس کی کہانی...!"

"مجھے کہانیوں سے کوئی دلچسپی نہیں۔" اُوشان نے خشک لہجے میں کہا تو ٹائیگر طویل سانس لے کر رہ گیا۔ وہ ایک بار پھر خاموشی سے چلنے لگا پھر یوں ہی اُسے احساس ہوا کہ وہ تنہا ہے۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔ اُوشان اُس سے تیس بائیس فٹ دُور ایک بڑے پتھر کے قریب کھڑا تھا۔ اُس پتھر کے قریب اتنا چھوٹا سا احاطہ تھا جس میں ہرن بھی نہیں بیٹھ سکتا تھا۔ ٹائیگر نے اُوشان کو آگے چلنے کا اشارہ کیا۔ وہ چلتے رہو نیل فادر... ترجمہ ہو گا آگے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کہیں ملے گا۔"

مگر اوشان نے اپنی جگہ سے ہٹنے کی کوشش نہیں کی۔

لڑکی نے کہا تھا کہ ترپتی کیمپ پہاڑ کے دامن میں کہیں ہوگا۔ ٹائیگر نے پھر کہا۔

"یہی جگہ ہے۔" اوشان نے ایک انگلی اٹھاتے ہوئے کہا۔ ٹائیگر کو بھی پلٹ کر اسی پتھر کی طرف جانا پڑا۔ وہ اردگرد کا جائزہ لینے لگا۔ یہ پتھر انسانی قد سے دوگنا تھا۔

"یہ وہ جگہ نہیں، ٹیل فادر!"

"یہ دیکھو۔" اوشان نے اپنی انخوانی انگلی سے پتھر پر ایک ہموار جگہ کی طرف اشارہ کیا۔ یہ جگہ ماچس کی ڈبیا کے برابر تھی۔

"وقت آگیا ہے کہ ہم شہنشاہ بہرام کی بازیافت ترک کر دیں۔ تم ہو... ہو... ہو..." اوشان نے عجیب سے لہجے میں کہا۔ "میں تمہارے لیے یہی کر سکتا ہوں۔ لازمت سوال کروں گا۔ اس کے بعد اس کی مشینوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دینا چاہیے۔"

ٹائیگر کو اپنے پیٹ میں ہوا بھری محسوس ہونے لگی پھر وہ ایک طویل سانس لے کر بولا۔ "آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں، ٹیل فادر!" اس نے سر و لہجے میں کہا۔ "آپ جانتے ہیں کہ ہم ضرورت پڑنے پر کبھی پیچھے نہیں ہٹے۔"

ٹائیگر شانکو کا آخری بار آسمان کی طرف دیکھ رہا تھا۔

ہنری ہیوفٹ شکار قصاب تھا اور گوشت کے پارچے ترتیب سے دکان میں سجا رہا تھا۔ اس کی دکان سینکا فائر پر واقع تھی۔ ابھی وہ گاہک کی زبان ایک طرف رکھ کر اس پر وزن اور قیمت کی پرچی لگا رہا تھا کہ شیشن کالج کی ایک حسینہ دکان میں داخل ہوئی۔

"تمہیں وہ افراد کو قتل کرنا ہے۔" حسینہ نے دکان میں گھستے ہوئے کہا۔

"گگ... کیا..." ہنری سمجھا نہیں۔ وہ ہنری نے بات انگریزی ہی میں کی تھی۔ "مگر اس کا لہجہ جرمن تھا۔ تم کون ہو اور کس قسم کی بات کر رہی ہو لڑکی؟"

"میرا نام جینی ہے۔ میں پنیسن کالج کی سٹوڈنٹ ہوں اور انقلاب کی خاطر وہ افراد کو قتل کرانا چاہتی ہوں۔ ہمارا نظریہ انتخاب تم ہی پر پڑی ہے۔"

"بیٹھو بیٹھو..." ہنری نے گھبرا کر کہا۔ "کیا پانی پلاؤں؟ تمہاری طبیعت خراب ہے؟"

"نہیں۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔ میں نے سنا ہے کہ انڈوں کو توڑے بغیر آملیٹ نہیں بن سکتا۔ انڈے تو ڑنے ضروری ہیں۔ ان میں سے وہ افراد میں سے ایک مجھے بہت پسند ہے۔ وہ دنیا کا خوبصورت ترین مرد ہے لیکن میں انقلاب کی خاطر اسے بھی قربان کر رہی ہوں۔"

"کیا اپنا نام فون کر دوں۔ اچھی لڑکی! تمہاری طبیعت واقعی بہت خراب لگ رہی ہے۔" ہنری نے نرم لہجے میں کہا۔

"نہیں۔" جینی سرد لہجے میں بولی۔ "ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں وہ دونوں اس وقت نہر کے قریب ہیں اور ان کے سڑک پر پہنچنے سے قبل کہیں بہترین موقع مل سکے گا۔ ہم تمہیں کور فراہم کرتے رہے ہیں اور تمہیں اس کا علم بھی نہیں۔ چلو! اب اٹھو۔"

"مجھے لڑکی! تمہیں ڈاکٹر سے مشورہ کرنا چاہیے۔" ہنری نے اس بار درشت لہجے میں کہا تھا۔

"نہیں کیپٹن گرنوبل وائلڈ آف ایس۔ ایس۔" جینی چاقو نہ اٹھا کر بولی۔ "میں پہچان نہیں جاؤں گی۔ تمہارا انتظار کروں گی۔"

قصاب کے چہرے کی رنگت زرد ہو گئی اور وہ ایک دیوار کا سہارا لینے پر مجبور ہو گیا۔ اس کے چہرے پر لرزنے کی سی کیفیت طاری ہو گئی تھی۔ وہ اس کی طرف دیکھتی رہی۔

"کیپٹن! تم نازی کیپٹن کی وردی میں بہت اچھے لگتے ہو۔ ایسی کئی تصاویر ہمارے پاس ہیں۔ وہ جینی مسکرا رہی تھی۔ "لیکن میں تم سے نفرت نہیں کرتی۔ بہت سے لوگ نفرت کرتے ہیں۔ مظالم کی کہانیاں بیان کرتے ہیں اور پولیس بھی زندہ بچ جانے والے نازیوں کو تلاش کرتی رہتی ہے لیکن اب ہمیں نازیوں سے نفرت ہے۔"

قصاب ٹھوکر نکل کر رہ گیا۔ اس نے برسوں سے اپنا اصلی نام نہیں سنا تھا اور آج یہ لڑکی اسے اس نام سے پکار رہی تھی جسے وہ خود بھلا چکا تھا۔

"جینی! میں کچھ وضاحتیں پیش کرنا چاہتا ہوں۔" ہنری نے بمشکل بولا۔

"ہمارے پاس وضاحتوں کا وقت نہیں اور نہیں دھوکا دینے کی بھی کوشش مت کرنا۔ اگر مجھے کوئی نقصان پہنچا تو اس کا خمیازہ تمہاری بیوی اور بیٹی کو بھگتنا پڑے گا۔"

"تم مجھے اتنی ظالم تو نہیں لگتیں۔" وہ ایک کرسی پر بیٹھتا ہوا بولا۔ "تم نے کبھی کسی کو قتل نہیں کیا ہوگا۔"

"ابھی تک انقلاب نے مجھ سے قتل کرنے کی فرمائش نہیں کی ہے لیکن اگر مجھے حکم ملا تو میں کسی کو قتل کرنے سے دریغ بھی نہیں کروں گی۔"

"تب پھر میرا مشورہ مانو! اپنے ہاتھ کسی کے خون سے آلودہ مت کرو۔ میں لاشوں کے انبار دیکھ چکا ہوں۔ خون آلود زمین پر سویا ہوں اور مجھے علم ہے کہ اس قسم کے قتل کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔" سابق نازی کا لہجہ بہت نرم تھا۔

"تم غیر متعلقہ باتیں کر رہے ہو۔" جینی نے جھلا کر کہا۔ "ہمیں نہ صرف یہ علم ہے کہ تم نے کیا جرائم کیے ہیں بلکہ یہ بھی معلوم ہے کہ تمہارا بیٹا اور پوتے پوتیاں، یونس آئرس میں ہیں۔ دونوں بہت خوبصورت ہیں لیکن ایک ہی بم ان کو مسخ اور بدصورت کر دے گا۔"

ہنری کانپ کر رہ گیا۔ اسے ایک بار پھر اس دنیا میں دھکیلا جا رہا تھا جہاں موت تھی، خون تھا اور سفاکی تھی۔ پہلی بار جب اس سے ایسا کرنے کو کہا گیا تھا تو اس کی عمر صرف سترہ سال تھی اور اس کے رہنما نے نئی خوشحالی اور نئے عروج کے وعدے کیے تھے۔ یوں وہ محاذ پر بھیج دیا گیا لیکن محض تین سال کی مدت میں وہ بوڑھا لگنے لگا تھا۔ اس کے ہاتھوں پر درجنوں لوگوں کا لہو تھا۔ اس نے اجتماعی قبریں کھدوائی تھیں اور قبریں کھودنے والوں کو بھی ان میں دھکیل کر پاٹ دیا تھا۔ اس نے ایسی عمارتوں کو آگ لگوائی تھی جن میں لوگ سو رہے تھے۔ اسے ہر کارنامے پر ترقی ملتی رہی اور وہ کیپٹن بن گیا پھر اس کو ایک خصوصی مشن سونپا گیا لیکن جنگ کے بعد نیا نام اختیار کرنے کے بعد اس کا ضمیر جاگ اٹھا اور اس نے تہیہ کر لیا کہ وہ کبھی کسی کو قتل نہیں کرے گا۔ تاہم اب اسے پھر مجبور کیا جا رہا تھا۔ شاید لوگ دوسری عالمی جنگ کی تباہ کاریاں فراموش کر چکے تھے۔ اسے علم تھا کہ نیو نازی پارٹی بھی جنم لے چکی ہے۔

"جینی!" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "کیا تم یہ سمجھتی ہو کہ لوگوں کو قتل کر کے حالات بہتر بنا سکو گی؟"

"شاید تمہارا مردہ ضمیر بیدار ہو رہا ہے تصاب؟" جینی نے درشت لہجے میں کہا۔ "تمہیں ہمارا کام کرنا ہوگا ورنہ...!"

"ٹھیک ہے جینی۔" وہ تھکے تھکے سے لہجے میں بولا۔ "میں وہی کروں گا جو تم کہو گی۔"

ٹائیگر ششدر رہ گیا۔ اس نے ماچس کی ڈبیا کے برابر والے حصے کی طرف دیکھا اور پھر اوشان کو گھورنے لگا۔ اسے اس بات پر غصہ آ رہا تھا کہ اوشان یہ کیوں سمجھ بیٹھا ہے کہ وہ پتھر کو دیکھتے ہی کچھ سمجھ جائے گا۔

"میں استاد ہوں۔" اوشان نے غالباً اس کی سوچ پڑھ لی تھی اور اب آہستہ آہستہ اس کی طرف پلٹ رہا تھا۔ "اور کوئی استاد ایسا نہیں ہوتا۔ تمہارے پاس آنکھیں ہیں مگر تم کچھ نہیں دیکھ سکتے۔ تمہارے پاس ذہن ہے مگر تم کچھ سوچ نہیں سکتے۔ تمہارے سامنے ثبوت موجود ہیں مگر تمہیں نظر نہیں آتے اور یہ پوچھنا چاہتے ہو کہ ہم راہ فرار کیوں اختیار کریں۔ پتھر پر ضرب مارو۔ ایک ٹکڑا باہر نکالو۔"

ٹائیگر نے ایسا ہی کیا اور ایک بڑا ٹکڑا اکھاڑ کر زمین پر پھینک دیا۔ اوشان مطمئن انداز میں سر ہلانے لگا۔ پتھر جس جگہ سے اکھڑا تھا وہ جگہ بھی ماچس کی ڈبیا جتنی بڑی جگہ کی مسطح اور ہموار تھی۔

"اب کچھ سمجھے؟"

"نہیں۔" ٹائیگر کو مسلسل غصہ آ رہا تھا۔

اوشان پلٹ کر واپس جانے لگا۔ وہ اپنی قدیم زبان میں کچھ بڑبڑا بھی رہا تھا۔ ٹائیگر نے چند الفاظ سن لیے۔ یہ جملے اس کے بارے میں تھے۔ "پتھر کو ہیرا کس طرح بنایا جا سکتا ہے؟"

"میں مشن کی تکمیل کے بغیر واپس نہیں جاؤں گا۔" ٹائیگر نے پرعزم لہجے میں کہا۔

"ہاں، میں جانتا ہوں۔ تم کو آدھی زیادہ عزیز ہے اور تمہیں اپنے بوڑھے استاد سے کوئی محبت نہیں جس نے تمہیں رموزِ دنیا و حرب سکھائے، جس نے تمہیں ٹائیگر بنایا۔ ذرا پتھر کو غور سے دیکھو... لیکن نہیں، اب نہیں... ایسا کرو، آس پاس دیکھو۔"

ٹائیگر فوراً چوکنا ہو گیا۔ پگڈنڈی کے قریب جھاڑیاں غیر معمولی طور پر ساکت تھیں۔ پچاس گز دور واقع ان جھاڑیوں کے عقب میں ایک مخصوص خاموشی تھی۔ اوشان نے ٹائیگر کو اشارہ کیا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ جہاں ہے وہیں کھڑا رہے گا اور ٹائیگر گھوم کر یہ دیکھے کہ اس غیر فطری خاموشی کی وجہ کیا ہے۔

ٹائیگر جانتا تھا کہ اوشان دھوکا دے سکتا ہے۔ اس کے قدم بظاہر اٹھ سکتے ہیں لیکن درحقیقت وہ ساکت کھڑا رہے گا... بظاہر ساکت کھڑا رہے گا لیکن فی الحقیقت جھاڑیوں میں گھس جائے گا۔ اس طرح اگر جھاڑیوں میں کوئی چھپا ہوا ہے تو اس کی ساری توجہ اوشان پر ہے گی۔

ٹائیگر نسیم صبح کی طرح بے آواز پگڈنڈی سے ہٹ کر چلنے لگا۔ اس کے قدم پتھروں پر تھے اور وہ صرف ان پتھروں کو چننے کے لیے منتخب کر رہا تھا، جو وزن سہار سکتے ہوں اور آواز بھی پیدا نہ کریں۔ جنگل میں اسے ویسے دقت ہوتی تھی کیونکہ اسے شہروں میں کام کرنے کی تربیت دی گئی تھی تاہم وہ اس تربیت سے یہاں بھی استفادہ کر سکتا تھا۔

ٹائیگر جلد ہی ان جھاڑیوں کے عقب میں پہنچ گیا۔ اسے سب سے پہلے ایک سفید قمیص نظر آئی اور پھر سرخ ڈنیس... ایک رائفل سفید قمیص والے کے ہاتھ میں تھی۔ وہ فوجی انداز میں پوزیشن لیے ہوئے لیٹا تھا۔ اس کا نشانہ پچاس گز دور کھڑا ہوا اوشان تھا۔ اس کی انگلی لبلبی پر تھی۔

ہنری نے چونک کر دیکھا۔ اب دبلے پتلے مدقوق بوڑھے کے ساتھ وہ نوجوان نہیں تھا جسے اس نے پہلے نشانہ بنانے کا فیصلہ کیا تھا۔

وہ آنکھیں مل کر رہ گیا۔ محض ایک ساعت قبل نوجوان بوڑھے کے ساتھ تھا، مگر پلک جھپکتے ہی نہ جانے کہاں چلا گیا تھا۔ ہنری نے متلاشی نگاہوں سے چاروں طرف دیکھا لیکن نوجوان کو تو گویا زمین نگل گئی تھی۔ اور اب بوڑھا بھی پیچھے کی طرف ہٹ رہا تھا، لیکن نہیں،

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

پیچھے کہاں... وہ تو آگے بڑھ رہا تھا۔ ہنری جھنجلا کر رہ گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ بوڑھا کیا کر رہا ہے اور پھر ہنری کو بوڑھے سے زیادہ نوجوان کی فکر تھی۔

"جہنم میں گیا نوجوان۔" وہ دل ہی دل میں بولا۔ "پہلے اس بوڑھے سے تو نمٹ لوں۔" اور ایک طویل سانس بھر کر بوڑھے کا نشانہ لینے لگا۔ اب اُس کی تمام تر توجہ اپنے ہدف پر تھی اور اُس کے کانوں میں گولوں کی گھن گرج، گولیوں کی تڑتڑاہٹ اور زخمیوں کی آہ و بکا کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ اس کے ساتھ ہی اُس کے ہونٹوں پر ایک سفاک مسکراہٹ کھیلنے لگی۔ اب وہ کیپٹن تھا۔ ایس ایس کا کیپٹن جس نے ان گنت بے گناہوں کو سسکا سسکا کر موت کے گھاٹ اُتارا تھا۔

اُس نے رائفل کے ٹریگر پر انگشت شہادت رکھی اور دل ہی دل میں پانچ تک کی گنتی گننے لگا۔ یہ اُس کے قتل کرنے کا مخصوص انداز تھا۔ دوران جنگ نازی کیمپوں میں بھی وہ کسی کو قتل کرنے سے قبل اسی طرح گنتی گنتا اور قیدی کو موقع دیتا کہ وہ اس لمبے کا فائدہ اُٹھا کر بھاگ سکتا ہے تو بھاگ لے۔ یہ اور بات تھی کہ قیدی کے تیسرے قدم پر ہی اُس کی گنتی ختم ہو جاتی تھی اور قیدی جان بچانے کی آس میں پاؤں بھر سیسہ سمیت لیے وہیں لوٹ پوٹ ہو جاتا۔

"ایک..." اُس نے گنتی شروع کی۔ اُس کے ساتھ ہی لبادے میں ملبوس زرد رُو بوڑھے نے چونک کر سر اُٹھایا۔ اُس کے چونکنے کا انداز کسی ایسے پرندے جیسا تھا جسے فضا میں خطرے کا احساس ہوا ہو۔

"دو..." ہنری نے اپنی تمام تر توجہ بوڑھے پر ہی مبذول رکھی شور اُس کے کانوں میں لمحہ بہ لمحہ بڑھتا جا رہا تھا۔ بوڑھا دوبارہ چونکا تھا۔ اُس نے چند طویل سانس لے کر اسی سمت دیکھا جہاں ہنری چھپا بیٹھا تھا... اُس کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ دوڑ رہی تھی، جیسے کوئی بزرگ کسی بچے کی شرارت پر مسکرا رہا ہو۔

"تین..." تین کہنے کے ساتھ ہی ہنری کے دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہونے لگیں۔ اُسے یوں محسوس ہوا، جیسے کوئی انجانی قوت اُسے گولی چلانے سے روک رہی ہو، اُسے حکم دے رہی ہو۔ اُس کے ماتھے پر پسینے کے قطرے جھلملانے لگے۔ اُس کے ذہن نے انجانی قوت کے حکم کے خلاف مزاحمت کرنے کی کوشش کی اور اس نے گنتی ملتوی کر کے فوری گولی چلانے کا فیصلہ کر لیا۔

تاریخی ناول

دنیا کے نامور فاتحین	قمر تسکین	100/-
شیر مصر	قمر تسکین	100/-
شمشیر اسلام	قمر تسکین	100/-
ترک مرد میدان	قمر تسکین	100/-

مکتبہ القریش اُردو بازار۔ لاہور 2

بغداد کی رات

قمر اجنالوی

الف لیلیٰ کی ایک ہزار راتوں سے زیادہ حسین و رنگین رات، دجلہ اور نیل کے دامنوں میں لپٹی ہوئی رات، جسے بے شمار کتابوں کے حوالوں سے آراستہ کیا گیا ہے

1200 سے زائد صفحات | قیمت 400/-

ناشر: مکتبہ القریش
اردو بازار لاہور

بوڑھا اب کنول کا آسن جمائے وہیں بیٹھ گیا تھا۔ اُس کا رُخ اب بھی ہنری کی طرف تھا اور اُس کے ہونٹ مسکرا رہے تھے۔

ہنری نے اُس کے سر کا نشانہ لیا اور ٹریگر پر انگلی کا دباؤ بڑھانا شروع کیا... لیکن اس سے قبل کہ ٹریگر پورا دب کر اسپرنگ کو آزاد کرتا، اُسے ایسا محسوس ہوا کہ جیسے کسی نے عقب سے اُس کے کندھے پر ٹہوکا دے کر متوجہ کرنے کی کوشش کی ہو۔

"ڈسٹرب نہ کرو جینی..." اُس کے حلق سے ایک اجنبی سی آواز نکلی، جو غراہٹ سے مشابہ تھی۔ اس غراہٹ میں اتنی سفاکی تھی کہ عام آدمی اس سفاکی کو محسوس کر کے ہی بدحواس ہو سکتا تھا... لیکن جواباً خاموشی ہی چھائی رہی۔

ہنری نے دوبارہ ٹریگر پر دباؤ ڈالنے کی کوشش کی لیکن اُسے یہ جان کر شدید حیرت سے دوچار ہونا پڑا کہ اُس کے ہاتھ نے ذہن کا حکم ماننے سے انکار کر دیا ہے۔ اُسے اپنا پورا ہاتھ مفلوج سا محسوس ہونے لگا، جیسے اچانک ہی اس پر فالج گر گیا ہو۔

اُس نے نگاہ اُٹھا کر اپنے ہدف کی جانب دیکھا۔ وہ اب بھی دونوں ہاتھ سینے پر باندھے وہیں بیٹھا تھا لیکن اب اُس کے چہرے پر بردباری کے تاثرات تھے، جیسے ہنری کی ناکامی پر اُسے غصہ آرہا ہو۔

ہنری نے بائیں ہاتھ سے رائفل پکڑ کر علیحدہ کی اور اپنے دائیں ہاتھ کو سہلانے لگا۔ اُس کی آنکھوں میں آنسوؤں کے قطرے جھلملانے لگے تھے۔ اس نے کبھی تصور بھی نہ کیا تھا... کہ وہ اچانک ہی اپنے ایک ہاتھ سے اس طرح محروم ہو جائے گا۔

"رچ... جینی..." اُس کے حلق سے بھرائی ہوئی آواز نکلی پھر جینی کی طرف سے کوئی جواب نہ پا کر اُس نے متلاشی نگاہوں سے پلٹ کر جینی کو دیکھا، اسی لمحے اُسے احساس ہوا کہ اب جینی وہاں نہیں ہے اور شاید اب وہ کبھی اُسے دیکھ بھی نہ سکے گا کیونکہ اُس کے عقب میں جینی کی بجائے وہی نوجوان کھڑا تھا، جو کچھ لمحے پیشتر زرد رُو بوڑھے کے ساتھ تھا۔

ہنری نے ٹھوک نگل کر خالی خالی نظروں سے نوجوان کی جانب دیکھا، جو دلچسپی سے اس کی کیفیت کا اندازہ کر رہا تھا۔ ہنری نے اب بھی اپنے مفلوج ہاتھ کو بائیں ہاتھ سے تھام رکھا تھا۔

"خود دوست۔" نوجوان دوستانہ لہجے میں بولا۔ "میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے اور نہ ہی ضائع کرنے کے لیے الفاظ۔ لہٰذا تم جتنی جلدی بتا سکتے ہو بتا دو، تمہاری خدمات کس نے حاصل کی تھیں؟"

ہنری کا حلق خشک ہو رہا تھا وہ بار بار ہونٹوں پر زبان پھیر رہا تھا۔ اُس کی نظریں نوجوان کے سراپا پر جمی ہوئی تھیں۔ اُس کے کھڑے ہونے کا انداز ایسا تھا، جیسے کسی سنگ تراش نے سنگ مرمر کا مجسمہ تراش کر کھڑا کر دیا ہو۔ ہنری جانتا تھا کہ جو لوگ زیادہ الفاظ خرچ نہیں کرتے، اُن کے عمل میں پختگی ہوتی ہے۔ وہ خود بھی ایک کم گو آدمی تھا... اور اُس نے کبھی کسی کو اپنے سامنے زیادہ دیر تک بولنے کی اجازت نہیں دی تھی۔ آج وہ خود اُسی دوراہے پر تھا۔ چنانچہ اُس نے سر بات صاف صاف کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ ویسے بھی وہ مزاحمت کرنے کی پوزیشن میں نہ تھا۔

"ایک بے وقوف لڑکی نے۔" ہنری دھیمے لہجے میں بولا۔

"ہر لڑکی بے وقوف ہوتی ہے۔ تم نام بتاؤ، ورنہ پھر دوسرا ہاتھ بھی مفلوج ہو جائے گا۔" نوجوان کا لہجہ اس بار اتنا سرد تھا کہ ہنری کی ریڑھ کی ہڈی میں خوف کی ایک سرد لہر دوڑ گئی۔ اُسے یہ سن کر بھی حیرت ہوئی تھی کہ اُس کا ہاتھ فالج کے باعث مفلوج نہیں ہوا بلکہ نوجوان نے اُسے بیکار کیا ہے۔

"لک... کیا تم اُسے قتل کر دو گے؟" ہنری گھگھیا کر بولا۔

"شٹ اپ... تمہاری طرح غیر ضروری طور پر قتل نہیں کرتا مسٹر، تم نام بتاؤ۔" نوجوان نے ایک قدم آگے بڑھایا اور ہنری خوف سے کئی قدم پیچھے ہٹ گیا۔

"رچ... جینی نے..." وہ ہکلایا۔ اب اُس کے چہرے پر باقاعدہ موت کی زردی کھنڈی جا رہی تھی۔ "مل... لیکن... نت... تم یقین کرو مسٹر، میں مجبور تھا۔"

"ٹھیک ہے۔" نوجوان نے مطمئن لہجے میں اس طرح کہا، جیسے اس کا مقصد پورا ہو گیا ہو۔

نوجوان کو مطمئن دیکھ کر ہنری کے چہرے پر بھی ایک رنگ سا آگیا۔ اُسے زندگی کی اُمید ہو چلی تھی۔ "کیا میں جاؤں جناب؟" وہ مؤدب لہجے میں بولا... اور کن انکھیوں سے زرد رُو بوڑھے کی سمت دیکھا جو دھیرے دھیرے انہی کی جانب آرہا تھا۔

"نہیں پیارے۔" نوجوان نرم لہجے میں بولا۔ "اس سلسلے میں میں بھی مجبور ہوں۔ دراصل میں مسٹر فادر پر ہاتھ اُٹھانے والوں کو معاف نہیں کیا کرتا۔" اس کے ساتھ ہی اُس کا دایاں ہاتھ بجلی کے کوندے کی طرح ہنری کے چہرے کی طرف لپکا۔ ہنری کو بھی ایک لمحے کے لیے اپنی آنکھوں کے سامنے بجلی کا کوندا سا چمکتا محسوس ہوا تھا پھر اچانک ہی اُسے کرب و اذیت کا احساس ہوا۔ اُسے ایسا محسوس ہوا، جیسے کسی نے اُس کے چہرے اور آنکھوں میں آگ سی بھر دی ہو۔

ہنری نے اپنا درست ہاتھ چہرے تک لے جانے کی کوشش کی لیکن اچانک ہی تاریکیوں نے اُس کے ذہن پر حملہ کر دیا۔ اُس نے تاریک ہوتے ذہن میں اپنی بیوی اور بیٹی کا تصور اُجاگر کیا۔ اس کے ساتھ ہی اُس کے زخمی ہونٹوں پر اطمینان سے پُر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ وہ مطمئن تھا کہ اب کوئی بھی اُس کے حوالے سے اُس کی بیوی اور بیٹی کو بلیک میل نہیں کر سکے گا۔ وہ ایک لمحے کے لیے اپنی جگہ کھڑا جھومتا رہا... پھر وہ گھٹنے کے بل زمین پر ڈھیر ہو گیا۔

نوشان دھیرے دھیرے چلتا ہوا ٹائیگر کے قریب پہنچ گیا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"کیا آپ میرا خلیہ ادا کرنے آئے ہیں، ٹیل فادر؟" ٹائیگر مسکراتے ہوئے ٹھرارتی لہجے میں بولا۔

"کس بات کا شکریہ...؟" اُوشان نے تیوریاں چڑھا کر بولا۔

"میں نے ابھی بروقت مداخلت کر کے تمہاری جان بچائی ہے، فادر..."

"لیکن اگر تم مداخلت نہ بھی کرتے تو بھی یہ گولی نہیں چلا سکتا تھا۔" اُوشان نے بے پروائی سے کہا اور مُردہ ہنری کا جائزہ لینے لگا، بس کے ہونٹوں پر اب بھی مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

"پہلے موٹا پھر دُبلا..." اُوشان ہنری کی لاش کو گھورتے ہوئے بڑبڑایا۔ "اس کے بعد مُردہ جانور۔ ہونہہ یہ بھی کوئی بات ہے۔" یہ کہہ کر اُس نے ہاتھ میں پکڑا ہوا پتھر زمین پر پھینک دیا۔ ٹائیگر حیرت سے اُوشان کی شکل دیکھ کر رہ گیا۔

◻

"تمہارا کیا خیال ہے، میں آدم خور بلا تو نہیں ہوں۔" اوڈنی نے بڑے اشتیاق سے جینی سے پوچھا۔

"نہیں، تم زیادہ وحشی نہیں ہو، اوڈنی۔" وہ مُسکرا کر بولی تو اوڈنی کا چہرہ مُسرخ ہو گیا۔ اُس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ یہ پہلا موقع تھا کہ جینی نے اُس سے میٹھے لہجے میں بات کی تھی وگرنہ وہ اس کی ایک نظرِ التفات کا پیاسا ہی رہتا تھا اور اس وقت تو جینی نے خود اُسے کافی کی دعوت دی تھی۔ اوڈنی کے پاؤں زمین پر نہیں پڑ رہے تھے۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ جینی اُس کا ہاتھ تھامے ہوئی تھی۔

وہ اس وقت ہاسٹل کی طرف آنے والی پگڈنڈی پر تھے۔ جینی، اوڈنی کو پہلے سے کہیں زیادہ دلکش لگ رہی تھی۔

"ہمیں چاہیے کہ ایک دوسرے کو زیادہ سے زیادہ سمجھنے کی کوشش کریں، جینی۔" اوڈنی نے قدرے شرماتے ہوئے کہا۔

"اچھا، لیکن زیادہ بہتر طور پر سمجھنے کا بہترین طریقہ کیا ہو گا، اوڈنی؟" وہ شوخ لہجے میں بولی۔ "کیا خیال ہے، یہیں کہیں بیٹھ کر باتیں نہ کریں۔"

"نہیں نہیں... اپنے کمرے ہی میں چلو۔" وہ گھبرا کر بولا تو جینی کا مترنم قہقہہ گونج اُٹھا۔ خود اوڈنی بھی مُسکرانے لگا۔ وہ جانتا تھا کہ اگر اس وقت ہونے والے امتحان میں وہ نہ بیٹھا تو اُس کا نام کٹ جائے گا لیکن اس وقت اسے امتحان اور نام کٹنے کی فکر نہیں تھی۔ وہ پہلے بھی کئی بار فیل ہو چکا تھا۔

کمرے میں پہنچ کر وہ دونوں باتوں میں کچھ ایسے کھوئے کہ وقت کا اندازہ ہی نہ ہو سکا۔

"مگر تمہیں مجھ سے حقیقی محبت نہیں، اوڈنی۔" بہت دیر بعد جینی نے اچانک ہی کہا۔ "جب کہ میں تمہیں حقیقتاً چاہتی ہوں۔" اُس کا لہجہ بہت عجیب سا تھا۔

"میں تم سے محبت کرتا ہوں۔" وہ احتجاج کرنے والے انداز میں بولا۔

"یہ بات تم نے درجنوں لڑکیوں سے کہی ہو گی۔" اوڈنی یہ جینی کو علم تھا کہ اوڈنی کو کالج کی بدصورت ترین لڑکی بھی گھاس نہیں ڈالتی۔

"مگر حقیقی محبت تم ہی سے کرتا ہوں، جینی ڈارلنگ۔ تم یقین کرو۔" اوڈنی رو دینے والی آواز میں بولا۔

"اگر تمہیں مجھ سے محبت ہوتی تو تم یقیناً میرا تحفظ کرنے کے لیے سینہ سپر ہو جاتے۔" جینی نے میٹھے لہجے میں کہا۔

"میں تمہارا تحفظ کروں گا جینی۔ بس تم یہ بتا دو، تمہیں خطرہ کس سے ہے؟" اوڈنی نے پُرجوش لہجے میں کہا۔

"ایسے دعوے نہ کرو پیارے، جو جھوٹے نکلیں۔" وہ ایک ادا سے مُسکرا کر بولی۔

"میرا دعویٰ جھوٹا نہیں، آزما کر دیکھ لو۔" اوڈنی نے اپنے سینے پر ہاتھ مار کر کہا... اور پھر کھانسنے لگا۔ اُس کا سُرخ چہرہ جوش اور کھانسی کے باعث اور سُرخ ہو گیا تھا۔ اگر اُس کا بس چلتا تو اس وقت وہ محاورتاً ہی نہیں بلکہ حقیقتاً جینی کے لیے آسمان سے تارے توڑ لاتا یا اُس کی خواہش پر ماؤنٹ ایورسٹ کی چوٹی سے چھلانگ لگا دیتا۔

"وعدہ...؟" جینی نے تبسم کی بجلیاں گرائیں۔

"پکا وعدہ... بس یہ بتا دو کہ تمہیں کس سے خطرہ ہے؟" اوڈنی ہاتھ ملتے ہوئے ایسے بولا، جیسے ابھی وہ جینی کے دُشمن کا گلا گھونٹ دے گا۔

★★

یُوں دمے، کھانسی اور ایسی ہی کئی بیماریوں کا شکار اوڈنی، جوشِ محبت میں دیوانہ ہوا... اور اگلی صبح ہیرچاقو لیے، اس ہوٹل کے کمرے کے سامنے پہنچ گیا، جس میں اُس کی جینی کے دُشمن مقیم تھے۔ وہ وقت کے سب سے بڑے جلاد اس دور کے عظیم ترین فائٹر کو قتل کرنے کے لیے آیا تھا۔

اُس نے پہلے بُوڑھے کو قتل کرنے کا فیصلہ کیا تھا کیونکہ جوان آدمی کے مقابلے میں کسی بوڑھے کو قتل کرنا آسان ہوتا ہے۔

اسی لمحے اُوشان اپنے کمرے کی طرف آتا ہُوا نظر آیا۔ اوڈنی کے لیے یہ بہترین موقع تھا بُوڑھا اُسے محض چند لمحوں کا مہمان نظر آیا۔

"نوجوان..." اُوشان نے بڑے نرم لہجے میں کہا۔ "ذرا راستہ دو، یہ کمرا میرا ہے اور میں کمرے میں جانا چاہتا ہوں۔"

"تم اپنے کمرے میں نہیں جا سکتے۔" اوڈنی لہجے کو سخت کرتے

ہُوئے بولا۔

"تم کچھ خفا خفا سے لگ رہے ہو، کیا بات ہے؟" اُوشان کا لہجہ اب بھی نرم تھا۔

"میں تمہارے خون کا پیاسا ہوں۔" اوڈنی دانت پیس کر بولا۔

"مگر کیوں برخوردار...؟" اوڈنی کی بات پر اُس کے پتلے پتلے ہونٹوں پر ہلکی سی مُسکراہٹ دوڑ گئی۔

"تم لوگ جینی کو پریشان کرتے ہو... اگر تم نے اپنی حرکتیں بند نہ کیں تو میں چاقو استعمال کرنے پر مجبور ہو جاؤں گا۔"

"میں وعدہ کرتا ہوں کہ اب کبھی جینی کو پریشان نہیں کروں گا۔"

"اوہ..." اوڈنی کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ "کیا واقعی...؟"

"واقعی..." اُوشان نے مُسکرا کر کہا۔

"مگر تمہارا ساتھی...؟"

"وہ بھی جینی کو تنگ نہیں کرے گا۔"

"تب پھر ٹھیک ہے۔" اوڈنی نے چاقو جیب میں رکھ کر بڑے شاہانہ انداز میں کہا۔ "تم دونوں زیادہ بُرے لوگ ثابت نہیں ہوئے، ورنہ میں تو تمہیں قتل کرنے کے ارادے سے آیا تھا۔"

"مس جینی کہاں ہے؟" اُوشان نے پوچھا۔

"تم سے مطلب...؟" اوڈنی نے غرّانے کی کوشش کی، مگر پھر اُسے احساس ہُوا کہ اُس کا یہ رویہ مناسب نہیں... اس کا لہجہ نرم ہو گیا۔ "وہ کیمپس ہی میں ہو گی لیکن میں پھر کہہ رہا ہُوں کہ اُسے پریشان کرنے کی کوشش مت کرنا۔ کیمپس کا رُخ کیا تو بہت بُری طرح پیش آؤں گا۔"

"کیا میں ایسا شخص نظر آ رہا ہُوں، جو اس دھمکی کے باوجود بھی کیمپس کا رُخ کرے گا؟" اُوشان نے منمناتے ہوئے کہا تو اوڈنی فاتحانہ انداز میں مُسکراتا ہُوا پلٹ گیا۔ اُسے خود میں ایک نئی توانائی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ اُس نے اپنا وعدہ پورا کر دیا اور اب جینی کبھی یہ شکایت نہیں کرے گی کہ وہ دونوں اُسے پریشان کرتے ہیں۔

جینی اُسے دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئی۔

"ارے تم... یہاں کیا کر رہے ہو؟" جینی نے اُسے اپنے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے دیکھ کر پوچھا۔

"یہ بتانے آیا تھا کہ وہ دونوں اب کبھی تمہیں پریشان نہیں کریں گے، میری زندگی..." اوڈنی نے کسی بہادر عاشق کی طرح سینہ پُھلا کر کہا۔

"تمہارا مطلب، اس مشرقی بُوڑھے اور اُس کے خوبرو ساتھی سے ہے؟" جینی اُچھل پڑی۔

"بُوڑھے کا ساتھی زیادہ خوبرو تو نہیں۔" اوڈنی نے حسد کی آگ محسوس کرتے ہوئے کہا۔

"نہیں، میرا مطلب ہے کہ تم انھی لوگوں تک پہنچ گئے تھے نا۔"

"ہاں، انھوں نے اپنی حرکتوں پر معافی مانگی اور زندگی کی بھیک مانگنے کے لیے دو زانو بیٹھ گئے۔ میں نے انھیں معاف کر دیا۔"

اوڈنی کا خیال تھا کہ جینی خوشی سے ناچنے لگے گی مگر وہ سنجیدگی سے اُسے گھورتی رہی اور پھر اُس کا زوردار طمانچہ اوڈنی کے گال پر لگا۔ اس طمانچے کی شدت اتنی تھی کہ وہ گر گیا۔

"اب کیا ہُوا؟" اُس نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر احتجاج کیا۔ "تم نے ہی کہا تھا نا کہ چاقو لے جا کر انھیں خبردار کر دوں۔"

"مگر تم جھوٹ بول رہے ہو۔" جینی نے اُس کی لکڑی جیسی پتلی پتلی پنڈلیوں پر ٹھوکر مارتے ہوئے کہا۔

"نہیں، انھوں نے مجھ سے معافی مانگی تھی... اور... اور وعدہ کیا ہے کہ وہ آیندہ تمہیں پریشان نہیں کریں گے۔" اوڈنی ٹانگ پکڑ کر تڑپنے لگا۔

"تم نے اُن کی شکل تک نہیں دیکھی ہو گی، بندر کی اولاد..." جینی نے ایک بار پھر ٹھوکر مارتے ہوئے کہا۔

"مجھے مت مارو..." وہ بسورنے لگا۔ "میری ہڈیاں ٹوٹ جائیں گی۔ اگر مجھے مارا تو میں پورے کیمپس کو اس واقعے کے بارے میں بتا دوں گا۔"

"بتا دو گے۔" وہ دونوں ہاتھ فضا میں پر رکھ کر کسی شیرنی کی طرح دہاڑی۔ "پھر اپنا حشر بھی دیکھ لینا۔ میں تمہیں کیمپس ہی میں سب کے سامنے پیٹوں گی۔ اور اس وقت تک مارتی رہوں گی۔ جب تک تمہاری ایک ایک ہڈی نہیں ٹوٹ جاتی۔"

"نن... نہیں... میں کسی کو نہیں بتاؤں گا۔" جینی کی ٹانگ اُٹھتے ہوئے دیکھ کر وہ چلا گیا۔

◆

جینی بہت خوف زدہ تھی اور خوف زدہ انداز میں فٹ بال اسٹیڈیم کی طرف جا رہی تھی۔ اُس کے پیر منوں بھاری ہو رہے تھے۔

غلطی اُسی کی تھی۔ اوڈنی پورے کیمپس میں کمزور ترین لڑکا تھا لیکن اُسے یہ توقع نہیں تھی کہ وہ واپس آ کر ایسی احمقانہ کہانی سُنائے گا پھر جرمن کیپٹن نے بھی اپنی سی کوشش کی تھی۔ تاہم اُس کی لاش دیکھنے والوں نے یہی کہا تھا کہ ہنری پر کسی جنگلی جانور نے حملہ کر کے اُس کا سر زمین سے دے مارا۔

یہ بات ہر ایک کو معلوم تھی کہ ہنری کو کسی جنگلی جانور نے ہلاک

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کیا ہے، مگر جینی نے اصل بات ابھی تک کسی کو نہیں بتائی تھی... وہ احکام پر عمل کر رہی تھی... اور اُس کی تمام تر کوششوں کے باوجود اگر نتیجہ مثبت نہ نکلا تھا تو یہ اُس کی اپنی غلطی تھی۔

وہ ایک لمحے کے لیے کنکریٹ کے ڈھانچے کے سامنے رُکی تھی موسم خزاں میں ہفتے کو یہی اسٹیڈیم چیخ پکار اور سیٹیوں کی آواز سے گونجتا رہتا ہے لیکن اس وقت کتنا خاموش ہے۔ وہ سوچنے لگی پھر اُسے ایک عجیب سا اطمینان محسوس ہوا۔ اُس کو جو بھی ہدایت ملی تھی اُس پر اُس نے حرف بہ حرف عمل کیا تھا لیکن اُسے یہ بھی بے چینی محسوس ہو رہی تھی کہ اوڈنی کی ناکامی کے باعث اُسے انقلابی عمل میں مزید کوئی سرگرم کردار ادا کرنے کی اجازت نہیں ملے گی۔ یہ سوچ ہی دل میں چبھن کا باعث تھی کہ وہ انقلابی عمل میں مرکزی کردار نہیں رہ سکتی۔

اُس نے پہلو کی جیب سے ایک چھوٹی سی ڈبیا نکالی۔ اُس میں سے چٹکی بنا کر سفید پاؤڈر نکالا، جسے ہتھیلی پر رکھ کر ناک تک لے گئی۔ اُس نے لمبی سانس لی اور اُسی لمحے اسے قرار آ گیا۔ اُس کی آنکھوں میں پانی بھر گیا اور پورے بدن میں سنسنی کی لہر سی دوڑ گئی۔ چند لمحوں بعد بے چینی کے احساس کی جگہ ایک نئی توانائی لے لی۔

اب وہ تیزی سے ایک طرف جا رہی تھی۔ اُسے یقین تھا کہ کوئی بھی اس سے انقلابی عمل میں حصّہ لینے کا حق نہیں چھینے گا۔

وہ اسٹیڈیم کے اس حصّے میں آ گئی، جہاں لکڑی کی نشستیں بنی ہوئی تھیں۔ اُس نے سیڑھیوں میں جگہ جگہ جھانکا اور پھر وہ اُسے نظر آ گیا۔ وہ ٹھیک پچاس قدم دُور کھڑا ہوا تھا۔

کسی انقلابی اجلاس یا ملاقات کے لیے یہ جگہ مناسب نہیں تھی، زیادہ بہتر جگہ نہر کا کنارہ یا کسی گلی میں کھڑی ہوئی کار تھی۔ وہ سوچنے لگی کہ اگر وہ ایسی کھلی جگہ ملاقات کی غلطی کر سکتا ہے تو پھر اوڈنی کے معاملے پر اسے بھی موردِ الزام نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔

"میرے پاس... کوئی اچھی خبر نہیں ہے۔" وہ اس کے قریب پہنچ کر بولی۔ وہ جینی سے قدرے چھوٹا اور چھوٹا تھا۔ اُس کی آنکھیں زرد تھیں اور جلد کی رنگت بھی پیلی تھی۔ وہ سفید قمیص اور کالی ٹائی کے ساتھ سیاہ پتلون اور جیکٹ میں ملبوس تھا۔ ایک بار جینی نے اُسے جاپانی کہا تھا تو وہ غصیلے انداز میں غرا کر رہ گیا تھا۔ اس بار وہ محض سر ہلانے لگا۔

"میں نے اپنی طرف سے ہر ممکن کوشش کی مگر... اس میں میرا تو کوئی قصور نہیں۔"

اُس مشرقی کا چہرہ پتھر کی طرح بے جان رہا۔

"میں... میں نے ہر ممکن کوشش کر دیکھی۔ دُبلے اور موٹے دونوں کو استعمال کیا۔ موٹے نے بہت بہتر ین کارکردگی دکھائی۔ لل... لیکن... اُس نے ان دونوں رہبت پسندوں پر حملہ بھی کیا۔ وہ اسی جگہ پر تھے جس کا ذکر تم نے ان سے کرنے کو کہا تھا۔ اس جگہ جہاں انقلابی بھائیوں کو تربیت دی جاتی ہے۔"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ انھوں نے پتھر دیکھ لیا تھا۔"

"لل...."

"گڈ..." وہ پہلی مرتبہ مسکرایا تو جینی کا بجھا حوصلہ بڑھ گیا۔

"میں نے کامیابی حاصل کی ہے نا۔" وہ خوش ہو کر بولی۔

"تم نے خالصتاً انقلابیوں جیسی کارکردگی دکھائی ہے۔" یہ کہتے ہوئے وہ پھر مسکرایا لیکن جینی کو یہ مسکراہٹ حقارت آمیز سی لگی۔ تاہم اُس نے اس تأثر کو سر سے جھٹک دیا۔ وہ جانتی تھی کہ ان لوگوں کی ہر ادا مختلف ہوتی ہے۔

"پھونس نے کیس کے سب سے کمزور لنک کی خدمات حاصل کیں۔" جینی اب کھل کر بول رہی تھی۔ "اُس نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ وہ وہاں جا کر دونوں کو ڈرا دھمکا دے گا۔ میرا خیال ہے کہ اُس نے اپنا وعدہ پورا کیا۔"

وہ سر ہلا کر رہ گیا۔

"لیکن جب وہ واپس آیا تو اُس کے بدن پر ایک خراش بھی نہیں تھی۔ وہ مجھ سے جھوٹ بولنے لگا کہ ان دونوں نے معافی مانگ لی ہے۔"

"تم نے بہترین کارکردگی کا مظاہرہ کیا ہے جینی۔" مشرقی نے اس بار بھی سپاٹ لہجے میں کہا۔

"واقعی..." جینی اچھل پڑی۔ "مگر میرا خیال تھا کہ وہ اُن دونوں کے قریب بھی نہیں گیا ہوگا۔ میں نے تو اوڈنی کی پٹائی بھی کر دی۔ سوال یہ ہے کہ وہ معافی کیوں مانگتے؟"

"وہ معافی کیوں نہ مانگتے میری انقلابی ہیروئن۔ طوفان، دیوقامت درختوں کو تو جڑوں سے اکھاڑ پھینکتے ہیں مگر گھاس کو نقصان نہیں پہنچا سکتے... ویسے تم نے جو کارکردگی دکھائی ہے۔ اس پر میں بہت خوش ہوں۔ تاہم ابھی بہت کام کرنا ہے اور یہ کام کرنے میں تم میرا ہاتھ بٹاؤ گی۔ تم میرا ساتھ دینے کی اہل ہو کیونکہ تم ایک عظیم انقلابی ہیروئن ہو۔ تم میرے ساتھ چلو گی۔ لیکن سُنو، اگر وہ نوجوان یا اُس کا ساتھی بوڑھا تم سے پھر کبھی ملے تو تم اُس سے یہ ضرور کہنا کہ اب مُردہ جانوروں کی باری ہے۔"

"اب مُردہ جانوروں کی باری ہے؟" جینی نے حیرت سے دُہرایا۔

"نہیں بھی نہیں۔"

"اچھے انقلابی کی ایک صفت یہ بھی ہوتی ہے کہ وہ سوال پوچھنے کی بجائے انقلاب کی مدد کرنے کو فوقیت دیتا ہے۔" زرد رُو نے ایک بار پھر مسکرا کر کہا۔

"ہم انھیں قتل ہی کر ڈالیں تو بہتر ہے۔" اس بار جینی کا لہجہ سوالیہ نہیں تھا، بلکہ وہ رائے ظاہر کرنے کا انداز اختیار کیے ہوئے تھی۔

"دیواروں پر لکھا ہے کہ جب طوفان گزر رہا ہو تو باقی سب کو خاموش رہنا چاہیے۔"

"اوہ... وہ پہلو بدل کر رہ گئی۔ "ٹھیک ہے... مجھے سوال نہیں کرنے چاہئیں... لیکن میں اس فقرے کا مفہوم نہیں سمجھ سکی۔"

"میں ضرور بتاؤں گا۔" زرد رُو نے پُرشفقت لہجے میں کہا۔

"اور صرف اس لیے بتاؤں گا کہ تم نے بہت اچھی کارکردگی کا مظاہرہ کیا ہے۔ اب جو طوفان آ رہا ہے۔ وہ ہر گلی، ہر سڑک اور ہر کمرے میں خطرناک ثابت ہوگا لہٰذا میں نے تمہیں کسی گلی، سڑک اور کمرے میں ملاقات کے لیے نہیں بُلایا بلکہ یہ کھلا میدان منتخب کیا ہے۔ جب ہمارے طوفان سے کوئی بات کرتا ہے تو اس کے لیے ٹیلی گرام یا ٹیلی فون کرنے کی ضرورت نہیں۔ پیغام اس طرح بھیجا جاتا ہے کہ اُسے سمجھا جا سکے... کچھ اس طرح، جیسے ایک اور طوفان گزر جائے... اس کی نشانی پتھر کا اکھڑا ہوا حصّہ بھی ہو سکتا ہے اور کوئی سرنگوں درخت بھی... لیکن ان نشانیوں کو صرف تربیت یافتہ آنکھیں ہی پڑھ سکتی ہیں۔ تم کو ایک موٹے اور ایک دُبلے شخص کا انتخاب کرنے کے لیے کہا گیا تھا اور اس کا مقصد یہ پیغام دینا تھا کہ دشمن کی انتہا کوئی مسئلہ نہیں۔"

"اور وہ جانور...؟"

"یہ ایک راز ہے۔" زرد رُو نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "ایک انقلابی راز...."

"جس میں میں شریک ہو رہی ہوں۔" جینی بڑے جوش سے بولی۔ "میں اس راز میں ایک سچے انقلابی کے ساتھ شریک ہو رہی ہوں۔ میرا مطلب یہ ہے کہ کیا میں بھی انقلابی صفوں میں شامل ہوں؟"

"تم انقلابی صفوں میں شامل ہو۔" زرد رُو نے جواب دیا پھر کچھ سوچ کر مخصوص انداز میں مسکرانے لگا۔

"ڈاکٹر بہرام لانگ آئی لینڈ میں دیہی رقبے پر پھیلے ہوئے... جینی کو یاد آیا کہ ایک بار اس نے ایک جدید ترین کمپیوٹر کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ اُس کے چہرے پر تفکر کے سائے پھیلے ہوئے تھے۔ وہ ڈاکٹروں کے منع کرنے کے باوجود بھی اپنے کام میں جُٹ گیا تھا۔ اُس کی ہمیشہ یہی کوشش ہوتی تھی کہ اپنا کام وہ خود نمٹائے۔ حالانکہ اُس نے روبی کو بھی کافی حد تک اس قابل بنا دیا تھا کہ وہ اُس کی غیر موجودگی میں کام کی دیکھ بھال کر سکے لیکن اس کے باوجود بھی وہ ہر وقت اپنے آفس میں موجود رہتا تھا۔ اس وقت بھی اُسے بے چینی سے ٹائیگر کی رپورٹ کا انتظار تھا۔ حالانکہ ٹائیگر باقاعدہ اُسے رپورٹ دیتا رہتا تھا۔ ابھی دو دن قبل ہی اُس نے اُسے فون پر کافی تنگ کیا تھا۔ وجہ صرف اتنی تھی کہ بہرام نے اس سے قبل چند آدمی کا کیچ کا جائزہ لینے کے لیے کیوں بھیجے تھے؟

"آخر تم نے میرے وہاں پہنچنے کا انتظار کیوں نہیں کیا، چیف؟" ٹائیگر نے احتجاج کرنے والے انداز میں کہا تھا۔ "تمہیں کیا ہوتا جا رہا ہے؟"

وہ واقعی انتظار نہیں کر سکتا تھا کیونکہ دُنیا بہت جلد انسدادِ دہشت گردی کے معاہدے پر دستخط کر کے امن کی جانب ایک کامیاب زقند بھرنے والی تھی لیکن مزید کوئی بھی دہشت گردی معاہدے کے امکانات کو معدوم کر سکتی تھی اور بہرام صرف یہ چاہتا تھا کہ یہ معاہدہ ہو جائے تاکہ امریکا دہشت گردی کا الزام لگا کر کسی مسلم ملک پر دوبارہ حملہ نہ کر سکے۔

"مجھے کچھ نہیں ہوا۔" بہرام نے ناخوش گوار لہجے میں جواب دیا تھا۔ "میں ٹھیک ہوں۔"

"ٹھیک ہے، تب پھر اوشان کے ایک جُملے کا مطلب بتاؤ۔"

"مطلب...؟"

"ہاں، اوشان نے کچھ دیر پہلے ہی کہا ہے کہ جب کوئی طوفان گزرتا ہے تو دوسرے طوفان خاموش رہتے ہیں۔ اس کا مطلب کیا ہوا؟"

بہرام اس کا مطلب خود نہیں سمجھ سکا تھا۔ لہٰذا وہ خاموش رہا اور اس وقت بھی وہ اوشان کے اس جُملے پر غور کر رہا تھا۔

معاً بہرام کی ڈیسک کے نیچے بذر بج اُٹھا۔ اُس نے دراز کھولی اور مخصوص ٹیلی فون سیٹ نکال کر ریسیور اُٹھا لیا۔ "یس سر...." اُس کا لہجہ تشکک تھا۔

"کیا میں مبارک باد دوں؟" دوسری طرف سے پوچھا گیا تھا۔

"کس سلسلے میں جناب؟" بہرام مؤدب لہجے میں بولا۔

"کیا تمہارا آدمی دہشت گردوں کے اڈے میں نہیں پہنچ سکا؟" اس بار دوسری طرف سے آنے والی آواز میں تفکر کا عنصر نمایاں تھا۔

"نہیں جناب، ایسی بات نہیں۔ وہ پہنچ گیا ہے لیکن... ممکن ہے کہ ہم فوری طور پر وجہ کا خاتمہ کرنے میں کامیاب نہ ہو سکیں اور یہ وقت دہشت گردوں سے عارضی فائر بندی کا دور شاہت ہو۔"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"تم کیا کہنا چاہتے ہو؟" صدر مملکت کا لہجہ کڑا تھا۔

"مجھے بتایا گیا ہے کہ فی الوقت دہشت گردی کی کوئی نئی واردات نہیں ہوگی کیونکہ ..."

"کیونکہ... کیا...؟" صدر نے بے صبرے پن سے پوچھا۔

"یہ کہ جب ایک طوفان گزر رہا ہوتا ہے تو باقی طوفان خاموش کھڑے رہتے ہیں جناب۔" بہرام نے طویل سانس لے کر جواب دیا۔

"میں اب بھی نہیں سمجھا۔" صدر مملکت نے چند لمحے تک خاموش رہنے کے بعد کہا۔

"یہ بات میری سمجھ میں بھی نہیں آئی۔" بہرام کا لہجہ پہلے کی طرح سپاٹ اور خشک تھا۔ "لیکن یہ جملہ ہمارے ایک ایسے آدمی کی طرف سے موصول ہوا ہے، جو ہمارا دیدہ ہے۔"

"اچھا... خیر، اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم کچھ دنوں تک سکون سے سانس لے سکتے ہیں۔"

"یس سر..." بہرام نے اکتا کر جواب دیا۔

"گڈ..." صدر نے قدرے مطمئن انداز میں کہا۔ "میں یہ بات مذاکرات میں شامل اپنے نمائندوں تک پہنچا دوں گا۔ اب انسداد دہشت گردی کانفرنس کے اختتام میں صرف چار دن باقی رہ گئے ہیں۔ اس دوران میں کوئی نئی واردات نہ ہوئی تو معاہدہ ہو جائے گا اور دنیا سکون کی سانس لے سکے گی۔"

"جی ہاں..." بہرام زیادہ بحث کے موڈ میں نہیں تھا۔ ویسے بھی وہ صدر سے محض چند جملوں میں بات کرنے کا عادی تھا، اگرچہ اسی صدر نے ایک مسلم ملک پر دہشت گردی کا الزام لگا کر بمباری کرائی تھی مگر بہرام کو علم تھا کہ بمباری کا فیصلہ صدر نے ذاتی طور پر نہیں کیا بلکہ سیاسی مصلحتوں اور دباؤ کے باعث کیا ہے۔ اسے توقع تھی کہ مجوزہ معاہدے کے بعد صدر کو اس قسم کے دباؤ کا مقابلہ کرنے کے لیے دلیل مل جائے گی۔

▲ ▲

جیفواوقیالوس کے ساحل پر لنگر انداز ایک تباہ کن امریکی جہاز پر کرنل اینڈرسن، چینی اور روسی نمائندوں کا استقبال کر رہا تھا۔ اس بار دونوں ملکوں نے اپنے نمائندے بدل دیے تھے۔ روسی نمائندے کا نام کرنل الیکس اور چینی نمائندے کا نام کرنل چولائی تھا۔

وہ ایک گرم کمرے میں آئے تو کرنل اینڈرسن نے اپنا بریف کیس سبز رنگ کی گول میز پر رکھ کر ان دونوں سے دوسری مرتبہ ہاتھ ملائے۔

"آج ہم معاہدے کے مسودے کو حتمی شکل دے لیں گے، حضرات۔" اس نے مسکرا کر کہا۔ "مجھے امید ہے کہ تھکے ہوتے ہوئے بھی آپ حضرات کو سب کچھ معلوم ہوگا؟"

دونوں نے اثبات میں سر ہلا دیے۔

"مسودے کو حتمی شکل دے کر ہم اس کی نقول اپنی حکومتوں کو بھیجیں گے، تاکہ وہاں زبان، لفظ اور ترجمہ وغیرہ کی پڑتال ہو سکے پھر پرسوں وہ دوبارہ مل کر باقی کام ختم کر لیں گے۔"

"تب دہشت گردوں کے خاتمے کے بعد معاہدے کی راہ میں اب کوئی رکاوٹ نہیں ہوگی۔" کرنل الیکس نے کہا۔

"درست..." کرنل چولائی نے بھی مسکرا کر کہا۔

مگر کرنل اینڈرسن ایک طویل سانس لے کر ان دونوں کو دیکھنے لگا۔ "آپ لوگ اتنے یقین کے ساتھ کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ ہم نے دہشت گردوں کا صفایا کر دیا ہے؟"

"اب ہم سے کچھ مت چھپاؤ دوست۔" کرنل الیکس نے عیارانہ انداز میں آنکھ مارتے ہوئے کہا۔ "تمہارے آدمیوں نے تو ہائی جیکروں کو اوپر ہی مار ڈالا میرا خیال ہے کہ گزشتہ ہفتے کی ہائی جیکنگ میں تم لوگوں نے پہلی مرتبہ اپنے نئے نظام کا استعمال کیا ہے۔ ہمیں تو یہ بھی معلوم ہے کہ ہائی جیکر مشین گن تک ہتھیار سے میں لے گئے تھے۔"

"اب یہ بتاؤ کہ تم نے ہائی جیکروں سے کس طرح نجات حاصل کی؟" کرنل چولائی نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"اگر میں لاعلمی کا اظہار کروں تو کیا آپ لوگ یقین کر لیں گے؟" کرنل اینڈرسن پہلو بدل کر بولا۔

"ہرگز نہیں..." الیکس بدستور عیارانہ انداز میں مسکراتا رہا۔

"مجھے یہ شبہ تو ہو سکتا ہے کہ تم سچ بولتے رہے ہو گے لیکن اگر تم نے لاعلمی کا اظہار کیا تو میں اسے زندگی بھر سچ نہیں سمجھوں گا۔" کرنل چولائی نے بھی الیکس کی حمایت کی۔

"تب پھر وہ حقائق سن لو، جن پر تم یقین نہیں کرو گے۔" اینڈرسن نے دونوں کندھے اچکا کر کہا۔ "میرے بڑوں نے مجھے یہ ہدایت کی ہے کہ تم لوگوں کو سب کچھ بتا دیا جائے تاکہ ہم یہ اندازہ کر سکیں کہ ہمارا سامنا کن لوگوں سے ہے۔ میرے بڑوں کی رائے یہ ہے کہ فی الوقت دہشت گردی کا امکان نہیں اور تخریب کاروں کی موجودہ کمزوری عارضی ہے۔ سنو... ہنسو نہیں... مجھے بتایا گیا ہے کہ جب ایک طوفان گزرتا ہے... تو دوسرے طوفان خاموش رہتے ہیں۔"

الیکس نے غصے سے میز پر مکا مارا اور اپنی حمایت کے لیے چولائی کی طرف دیکھا۔ کرنل چولائی آنکھیں جھپکائے بغیر کرنل اینڈرسن کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"کرنل اینڈرسن۔" اس نے سر ہلاتے ہوئے لہجے میں کہا اور

الیکس کی طرف دیکھا تک نہیں۔ "تم خاموش طوفانوں کی بات کر رہے ہو؟"

اینڈرسن نے مسکرا کر سر ہلا دیا مگر چولائی بدستور سنجیدہ رہا۔

وہ اس وقت بھی نہیں مسکرایا، جب معاہدے کے چند ٹیکنیکل پوائنٹ طے ہو گئے۔ اس نے مبارک باد کے تبادلے کے وقت ہاتھ ملاتے ہوئے بھی زندگی کا یہ خیال نہیں آنے دیا۔ وہ اس وقت بھی نہیں ہنسا، جب تینوں اس وعدے کے ساتھ رخصت ہوئے کہ دو روز بعد مسودے کی قطعی منظوری سے کر پھر ملیں گے۔ وہ کینیڈا جاتے ہوئے طیارے میں بھی سوچتا رہا۔ کینیڈا میں اس کی ملاقات اپنی حکومت کے اعلیٰ حکام سے ہونا تھی۔ پرواز کے دوران یہ سوچ سوچ کر کہ کرنل اینڈرسن کی زبانی سنی ہوئی کہانی رپورٹ میں شامل کر کے پیش کرنے پر اس کی یہ شاندار پوزیشن چھن تو نہیں جائے گی۔ درحقیقت اس کہانی نے ایک قدیم چینی دیو مالا نے جنم لیا تھا اور اسے چینی بادشاہوں نے اپنی فوج میں خوف پیدا کرنے کے لیے بطور ہتھیار استعمال کیا تھا۔

وہ نیلے آسمان کو دیکھنے لگا۔

"جب ایک طوفان گزرتا ہے تو دوسرا طوفان خاموش رہتا ہے۔" وہ دل ہی دل میں دہرانے لگا۔ اسے یہ کہانی بہت اچھی طرح یاد تھی۔ اسے علم تھا کہ کوریا میں ایک چھوٹا سا گاؤں تھا، جہاں بہادر بے خوف اور ماہر لڑاکا جنم لیا کرتے تھے اور ان کا دنیا بھر میں ثانی نہیں ہوتا تھا۔ ان لوگوں کی خدمات شہنشاہ وقت فوراً حاصل کر لیا کرتے تھے لیکن پھر انقلاب کے بعد یہ سلسلہ ختم ہو گیا... اور چینیوں نے اپنی جنگیں خود لڑنی شروع کر دیں، لیکن یہ زمانہ قدیم کی ہی بات ہے کہ بادشاہ اپنی ہی فوج کے خلاف اپنی فوج کو لڑانے کا کھیل کھیلا کرتے تھے۔ اس طرح وہ دونوں فوجوں کو علم رہتا تھا کہ ان کے مقابلے کی ایک اور فوج موجود ہے جو انہیں تباہ کر سکتی ہے۔ لہٰذا وہ کان دبائے بادشاہ کی اطاعت کرتے رہتے تھے۔

وہ ذہن پر زور دینے لگا کہ وہ سنجو کس گاؤں سے آتے تھے؟ یہ گاؤں دوست ملک کوریا کے ساحل پر چین کے بالمقابل واقع تھا۔

"سنانجو..." چولائی کے ذہن میں بجلی سی چمکی۔ "ہاں..." وہ زیر لب بڑبڑانے لگا۔ "سنانجو... اس گاؤں کا نام یہی تھا۔"

اس نے ایک بار لامازی لینڈ کا عجائب گھر اور گیلری دیکھی تھی۔ وہاں ایک شیشے کے صندوق میں سات فٹ لمبی تلوار رکھی ہوئی نظر آئی تھی جس پر لکھا تھا کہ یہ تلوار سنانجو کے عظیم آقا نے خود ڈھالی ہے۔ اسے یہ بھی یاد تھا کہ ابھی کچھ عرصہ قبل صرف ایک شخص نے ہی وزیراعظم کی جان بچائی تھی اور سنا تھا کہ اس نے کامریڈ وزیراعظم کی جان بچانے کے لیے یہی تلوار استعمال کی تھی۔

اس نے پہلی مرتبہ سنانجو کا ذکر اپنے دادا سے سنا تھا۔ ان دنوں چولائی محض بچہ تھا۔ جب دادا نے سنانجو کی کہانی سنائی تھی تو اس نے پوچھا تھا: اگر سنانجو کے دو جنگجو ایک دوسرے کے خلاف تلوار سونت لیں تو کیا ہوگا؟

اس پر اس کے دادا نے یہی جواب دیا تھا: جب ایک طوفان گزر رہا ہو تو دوسرا طوفان خاموش رہتا ہے۔

"لیکن... فرض کریں کہ دونوں ایک دوسرے سے لڑ ہی پڑیں تب...؟"

"تب پھر مردہ جانوروں سے بھی دور رہنا کیونکہ کوئی بھی فانی شخص اس قیامت کو برداشت نہیں کر سکے گا۔"

"میں یہ بات نہیں سمجھ سکا۔" اسے یہ معمہ اس وقت بھی سمجھ میں نہیں آسکا تھا۔ اور اب بھی نہیں آ رہا تھا کہ مردہ جانوروں سے دور رہنے کا مشورہ کہیں دیا گیا ہے؟

"خود میں بھی نہیں جانتا، بیٹے... لیکن یہ اسی طرح لکھا ہوا ہے۔"

جوان ہونے پر چولائی، دادا کی کہانی کو رجعت پسندی پر مبنی داستان سمجھتا رہا لیکن اب... کرنل اینڈرسن سے مل کر اسے علم ہوا کہ اس میں صداقت موجود ہے۔ اسے کہانی پر یقین آگیا لیکن وہ نئے چین کا افسر تھا۔ اس قسم کی باتیں خود نہیں کر سکتا تھا۔ لہٰذا اس نے اس جملے کو رپورٹ سے حذف کرنے کا ارادہ کر لیا۔

▣

"ذرا دیکھو تو... خود ہی دیکھ لو، اس کمرے کا کیا حشر کیا گیا ہے؟" یوکا کی شوخ حسینہ نے تقریباً روتے ہوئے کہا۔ وہ ڈھیلی ڈھالی قمیص پہنے ہوئی تھی اور اس کی آنکھیں چھلکنے ہی والی تھیں۔ ٹائیگر نے سر ہلاتے ہوئے کمرے کا سرسری جائزہ لیا۔ ہر چیز الٹی پلٹی پڑی ہوئی تھی۔ جگہ جگہ پھٹے ہوئے کاغذات پڑے ہوئے تھے۔ کتابوں سے نوچے گئے ورق بھی ادھر ادھر نظر آ رہے تھے اور بیڈ شیٹ ایک طرف پڑی ہوئی تھی۔

"مگر ہوا کیا؟" ٹائیگر نے ہمدردانہ لہجے میں پوچھا۔

"یہ سب جینی کی حرکتیں ہیں۔" حسینہ نے تلملا کر جواب دیا... "وہ حسب عادت غصے میں تھی۔ اس نے دونوں ہاتھ کمر پر رکھ کر اعلان کیا کہ وہ انقلابی فوج میں شامل ہونے جا رہی ہے۔ اس نے اسکول، کالج اور مجھ پر لعنتیں بھیجیں۔ میں گھبرا کر ایک منٹ کے لیے کمرے سے چلی گئی... پھر واپس آئی تو نظارے کی یہ حالت تھی اور وہ فوجی انداز میں مارچ کرتی ہوئی واپس جا رہی تھی۔ اس نے جاتے ہوئے مجھ سے کہا کہ وہ ان کتابوں کو اس لیے پھاڑ رہی ہے کہ یہ کتابیں اسے زہر سے بھی برا لگتا ہے اور کسی کے ذہن کو متاثر نہ کر سکیں۔ اس کا کہنا تھا کہ کتابیں... فاشسٹ جھوٹ سے بھری ہوئی ہیں۔"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

حسینہ نے پیر پٹختے ہوئے کہا۔ وہ چینی سے واضح طور پر نفرت کرتی تھی۔

"مگر وہ گئی کہاں؟ اس نے کچھ بتایا تو ہوگا؟" ٹائیگر نے نرم لہجے میں پوچھا۔

"اگر وہ صرف اپنی ہی کتابیں بھاڑتی تو مجھے صدمہ نہ ہوتا، لیکن اس نے تو میری کتابیں بھی پھاڑ ڈالیں۔ میں یقین کرو کہ وہ پیڈیل ہے۔"

"بالکل وہ خبیث اور مکروہ چیز ہے۔" ٹائیگر نے اس کی تائید میں سر ہلایا۔ "مگر وہ گئی کہاں...؟"

"صرف اتنا کہہ کر گئی ہے کہ وہ نیویارک جا رہی ہے، آئندہ کہیں کی..." حسینہ نے ٹائیگر کی زبان سے چینی کے لیے گالیاں سن کر اور زیادہ خوشی کا اظہار کیا۔

"اوہ... تو وہ غلیظ عورت نیویارک گئی ہے، مگر کس علاقے میں میری معصوم گڑیا...؟"

"پتا نہیں... اور مجھے اس کی فکر بھی نہیں کہ وہ کس جہنم میں رہے گی۔" حسینہ نے ایک بار پھر کمرے پر نظر ڈالی۔ "خود ہی دیکھ لو، اس کی حرکتیں..."

"میں کمرا ٹھیک کرنے میں تمہاری مدد کروں گا، فکر مت کرو۔" ٹائیگر نے اسے دلاسا دینے والے انداز میں کہا۔

"واقعی..." وہ مسکرانے لگی، اس کی آنکھیں چمکنے لگیں اور پھر ٹائیگر کو کام کرتے دیکھ کر وہ والہانہ انداز میں باتیں کرنے لگی۔

"کیا تم مجھ سے شادی کرو گے؟" اس نے اچانک ہی پوچھا۔

"آج نہیں..." ٹائیگر نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔ "آج مجھے بال کٹوانے ہیں۔ ویسے میرا خیال ہے کہ تم جیسی حسین لڑکیاں شادی وادی کے چکر میں نہیں پڑتیں۔ تم لوگ آبادی کے اضافے کی شرح بھی زیرو رکھنا چاہتی ہو۔"

"تم بھی باسی باتیں کرتے ہو۔" وہ شکوہ بھرے انداز میں بولی۔ "ارے سنو... ہیڈ پہ ایک کاغذ پڑا رہ گیا ہے۔"

ٹائیگر نے وہ کاغذ بھی اٹھا کر ردی کی ٹوکری میں ڈال دیا اور پھر پرتفکر انداز میں بولا۔ "لیکن وہ کم ذات کمینی، خبیث اور مکروہ چڑیل نیویارک میں کس جگہ گئی ہوگی؟"

"مجھے پتا نہیں..." اس نے جاتے ہوئے بڑی احمقانہ بات کی تھی۔ "یو کا کی ماہر لڑکی ایک خاص انداز میں، بیڈ پہ بیٹھ گئی۔

"کیا کہا تھا؟"

"یہی کہ مکروہ جانور سے ہوشیار رہنا۔" یہ کہتے ہوئے وہ ہنس رہی تھی۔ "میرا خیال ہے وہ ہیروئن کے لیے گئی ہے۔"

"اوہ... وہ تو واقعی آوارہ ہے۔"

"ہاں آوارہ اور گندی کتیا ہے۔" حسینہ نے دل کی بھڑاس نکالتے ہوئے کہا۔

"اگر میرے ہاتھ لگ گئی تو اسے چیر پھاڑ کر دو برابر کے حصوں میں تقسیم کر دوں گا۔"

"واقعی..." حسینہ چونک پڑی۔ "تب پھر تم اسے اس گروپ میں تلاش کرو، وہ تمہیں وہیں مل جائے گی۔"

"کس گروپ میں؟"

"ہاں مجھے نام یاد ہے۔ شاید اس نے پیپلز یونائیٹڈ فرنٹ کا نام لیا تھا۔"

"ارے، واقعی تم حسین ہونے کے ساتھ ساتھ ذہین بھی ہو لیکن یہ گروپ کہاں مل سکتا ہے؟"

"گاؤں میں... مگر کس مقام پر، اس کا مجھے علم نہیں، لیکن مجھے ایک بات کا ضرور علم ہے۔" وہ مسکرائی۔

"وہ کیا ہنی...؟" ٹائیگر نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

"یہی کہ تمہاری شخصیت میں ایک انوکھا سحر ہے۔ تم بہت خوب صورت ہونے کے ساتھ اچھے تو ان ہو۔"

"اچھائی میری سرشت میں شامل ہے۔" وہ مسکراتا رہا۔ "سنو، اگر مجھے ہیئر کٹنگ کے بعد کچھ وقت مل گیا تو کیا تم مجھ سے شادی کے لیے وقت نکال سکتی ہو؟"

"نہیں..." وہ دو ٹوک انداز میں بولی۔ "تم کمرا صاف کر ہی چکے ہو، لہٰذا اب شادی کی کوئی ضرورت نہیں۔"

★☆

ہوٹل گلڈ میں اوشان ٹی وی پر آخری شو دیکھ رہا تھا۔

"چلیں بل فادر..." ٹائیگر نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔ "ہم نیویارک واپس چل رہے ہیں۔"

"مگر کیوں...؟" اوشان نے ناک بھوں چڑھاتے ہوئے پوچھا۔ "یہ شہر نیویارک سے بہت اچھا ہے۔ ہم دونوں زندگی بھر یہیں رہ سکتے ہیں۔ سب سے اچھی بات یہ ہے کہ اس ہوٹل میں ٹی وی پر بوسٹر بھی ہے۔ میں جس چینل پر چاہوں فلم دیکھ سکتا ہوں۔"

"یہاں نیویارک کی برفوں سے بہت قریب ہے، بل فادر۔" ٹائیگر نے ترپ کا پتا استعمال کرتے ہوئے کہا۔

"برف میں اپنی اہمیت کھو چکا ہے، فرزند۔ اب اس سے زیادہ اہم چیزیں سامنے آ رہی ہیں۔" اوشان نے گہری سنجیدگی سے کہا۔

"مثال کے طور پر...؟"

"مثال کے طور پر مکروہ جانور۔"

"اوہ... یہ تو میں بھول ہی گیا تھا، مگر تم بھی پی یو ایف کو فراموش کر رہے ہو۔"

"پی یو ایف...؟"

"ہاں کیا تمہیں معلوم نہیں کہ یہ نام مکروہ جانوروں سے پہلے آتا ہے۔ پہلے کتا، پھر دُبلا... اس کے بعد پی یو ایف اور پھر مکروہ جانور..." یہ کہتے ہوئے وہ معنی خیز انداز میں مسکرانے لگا۔

"ہوں..." اس نے اوشان کا بکواس سنا۔ "ٹھیک ہے... ہم بروک لین واپس چلیں گے۔"

۲۲

نیویارک میں پی یو ایف کی تلاش توقعات سے کہیں زیادہ مشکل ثابت ہوئی۔ نیویارک ٹائمز وغیرہ میں ایسی تنظیم کا کوئی ذکر نہیں تھا۔ نہ ہی سوشل ریسرچ اسکول کے بلیٹن بورڈ پر اس سے متعلق کوئی پوسٹر لگا ہوا ملا تھا۔ ٹائیگر نے تھک ہار کر بہرام کے خصوصی نمبر ملانے۔

"بہرام بول رہا ہوں۔" دوسری طرف سے ازلی پُرمُردہ سی آواز سنائی دی۔

"کیا حال ہے، سوٹڈ بوٹڈ مطلع کچھ ابر آلود نظر آ رہا ہے۔" ٹائیگر نے شگفتہ لہجے میں کہا۔

"کچھ پتا چلا...؟"

"نہیں... لیکن مجھے چند معلومات حاصل کرنی ہیں۔ کیا تمہارے احمق کمپیوٹروں میں پی یو ایف سے متعلق کچھ مل سکتا ہے؟"

"پی یو ایف...؟" بہرام سوچ کر بولا۔ "کیا بنتا ہے؟"

"پیپلز یونائیٹڈ فرنٹ..."

"ہولڈ کرو..."

ٹائیگر نے ریسیور کان سے لگائے رکھا۔ اس نے بٹن دبنے اور پھر کمپیوٹر چلنے کی سرسراہٹ سنی۔ چند لمحے بعد شوں کی آواز آئی تو ٹائیگر سمجھ گیا کہ کمپیوٹر نے اپنی معلومات ایک کاغذ پر منتقل کر کے اسے باہر پھینک دیا ہے۔

"پی یو ایف..." بہرام کی آواز سنائی دی۔ "سن رہے ہو؟"

"ہاں میں ہمہ تن گوش ہوں، سوٹڈ بوٹڈ..."

"پیپلز یونائیٹڈ فرنٹ... ایک جنونی انقلابی گروپ ہے جس کا نعرہ فاشی ازم کے خلاف جنگ ہے۔ چند سو اراکین پر مشتمل ہے۔ اراکین کی اکثریت کا تعلق اُن طلبا سے ہے، جو امیر خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔ ان کے عہدے داروں کے نام کا علم نہیں۔ پی یو ایف کے باقاعدگی سے اجلاس نہیں ہوتے۔ آخری اجلاس چھ ہفتے قبل بلڈی نویں اسٹریٹ کے ایک خالی کمرے میں ہوا تھا۔ یہ جگہ ایک گاؤں میں واقع ہے لیکن تم نے یہ معلومات کس لیے حاصل کی ہیں؟" بہرام نے اچانک ہی رک کر پوچھا۔

ٹائیگر نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ "میں نے سنا ہے، اس مظلم میں ایسی کئی لڑکیاں ہیں جن کے چہروں پر درختوں جیسے بھورے تل ہیں۔" اس سے قبل کہ بہرام اسے مزید کریدتا، اس نے ریسیور رکھ دیا۔

۲۳

بلڈی دراصل ایک پُشور ہارا ور ریتوران تھا جس کے ساتھ گاؤں کی پتلی سی سڑک گزر رہی تھی۔ اوشان اور ٹائیگر جب بلڈی میں داخل ہوئے تو وہاں لوگوں کا کافی ہجوم تھا اور دھوئیں کے مرغولے چھت تک جا رہے تھے۔ یہ دھواں محض تمباکو کا نہیں تھا کیونکہ ارد گرد کی کئی میزوں پر لوگ بے سدھ بھی پڑے ہوئے تھے۔

اوشان نے منشیات کی بو محسوس کر کے برا سا منہ بنا لیا۔ اسے منشیات سے سخت چڑ تھی۔ ابھی شاید وہ کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ٹائیگر ایک ایسی میز کی طرف بڑھ گیا جہاں بیٹھ کر وہ سڑک پر بھی نظر رکھ سکتے تھے۔

"تمہیں میرے بوڑھے اور نازک پھیپھڑوں کا ذرا بھی خیال نہیں، شہزاد...؟" اوشان نے منہ بنا کر کہا۔ "اگر تمہیں میری صحت کی فکر ہوتی تو مجھے یہاں کبھی نہ لاتے۔ یہاں تو کوئی کھڑکی بھی کھلی نہیں۔"

"لیکن ائیر کنڈیشن تو چل رہا ہے۔" ٹائیگر نے مسکرا کر جواب دیا۔

"ہاں... اور ائیر کنڈیشن بھی ایونیا گیس کی معمولی مقدار کمرے میں چھوڑ رہا ہے، جس سے ذہن کی قوتِ مدافعت ختم ہو جاتی ہے۔ باہر سڑک کی ہوا لگتی ہے... ذرا ایک کھڑکی تو کھول دو۔"

"یہ کھڑکیاں نہیں کھل سکتیں، فادر۔"

"اچھا..." اوشان نے حیرت سے کھڑکیوں کی طرف دیکھا۔ "تم کہتے ہو تو پھر یقین کرنا ہی پڑے گا۔" اوشان نے کھڑکیوں کا بغور جائزہ لیا جن کے فریم لوہے کے تھے۔ "اچھا... اب سمجھا۔" اس نے سر ہلا کر کہا۔ اگرچہ ٹائیگر کو اندازہ تھا کہ اب کیا ہوگا اور اس نے اوشان کو روکنے کی بھی کوشش کی تھی، مگر اسے دیر ہو چکی تھی۔ اوشان کا ہاتھ ایک کھڑکی کی طرف بڑھ چکا تھا۔ اور اس کی بیچ کی انگلی نے کھڑکی کے شیشے کو بجایا تو وہ شیشہ جو آہنی تاروں میں کسا ہوا تھا، چٹخ گیا پھر اوشان نے بڑی نفاست سے انگلی واپس کھینچی تو اس کے ساتھ ہی ایک مربع انچ کا شیشہ اس کے ساتھ تھا۔ اوشان نے اس ٹکڑے کو ایک طرف پھینک کر مطمئن انداز میں سانس لی۔

"میں نے کھڑکی کھولنے کا طریقہ نکال ہی لیا، شہزاد۔" اس کا لہجہ ایسا تھا جیسے وہ کوئی زبردست کارنامہ انجام دے چکا ہو۔

"ہاں میں دیکھ چکا ہوں۔" ٹائیگر نے کندھے اچکا کر کہا۔ "مبارک ہو۔"

اسی لمحے پُرکشش سیاہ بالوں، سبز آنکھوں اور غضروفی چہرے والی نوجوان ویٹرس اُن کی میز پر پہنچ گئی۔ وہ آرڈر لینے کی بجائے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

اُن میں زیادہ دلچسپی لے رہی تھی: "آپ لوگ کون ہیں؟" اُس نے مُسکراتے ہُوئے پوچھا۔

"ہم پیچ اور ہونگ ہیں۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ "ہم فیلڈ ریسرچ کر رہے ہیں۔"

"اور میرا نام شرلے میکلن ہے۔" ویٹرس نے چیونگم چباتے ہُوئے کہا۔ جواباً اُوشان اپنی مادری زبان میں کچھ بڑبڑا کر رہ گیا۔ لڑکی حیرت سے اُس کا مُنہ تکنے لگی۔ جب کہ اُوشان کی بات پر ٹائیگر کے ہونٹوں پر مُسکراہٹ کھیلنے لگی تھی۔

"جی میں کبھی نہیں۔" لڑکی حیرت سے اُوشان کا چہرہ تکتے ہُوئے بولی۔ "یہ کہہ رہے ہیں تم قدیم دَور کی شہزادی کی مانند ہو۔" ٹائیگر مُسکراتے ہوئے بولا جب کہ اُوشان نے لڑکی کا سلسلہ نسب ابلیس سے ملایا تھا۔

ٹائیگر کی بات سُن کر لڑکی کی آنکھوں میں مسرت کے دیپ جل اُٹھے... اور وہ جُھک کر اُوشان کا شکریہ ادا کرنے لگی۔

"خیر... یہ بتاؤ کہ کون ہیں کس کس چیز کا جُوس مل سکتا ہے؟"

"اورنج، گریپ فروٹ، لیمن، ملائم، ٹماٹو اور...،،

"ان تمام جُوسوں کو ملا کر دو بڑے گلاس بنا کر لے آؤ۔" ٹائیگر نے شوخ لہجے میں کہا۔

"اوہ تُم جُوس کے نام پر کاک ٹیل پینا چاہتے ہو؟" وہ کھل کھلا کر ہنس پڑی۔ اُس کے موتیوں جیسے دانت چمکنے لگے۔

"مان یہ تازہ ترین کاک ٹیل کا نام ہے۔" ٹائیگر بدستور مُسکرا رہا تھا اور شرلے میکلن کا دل بہت زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ "اور شلو پرف مت ڈالن۔"

"بس ابھی لائی۔" یہ کہہ کر وہ ایک ادا سے مُسکرائی، پلٹی اور خاص انداز میں چلتی ہُوئی کچن کی طرف بڑھ گئی۔ اُوشان بُرا سا مُنہ بنا کر رہ گیا۔

"بل فادر... آپ کو اس لڑکی کا دل نہیں توڑنا چاہیے۔ میں آپ سے وعدہ کرتا ہُوں کہ مشن مکمل ہونے پر آپ کو بروک مین لے جاؤں گا۔ میرا اچھا وعدہ ہے۔ آپ کم از کم ایسی لڑکیوں کے دل تو نہ توڑا کریں، جو خوابوں کی دُنیا میں رہتی ہیں۔"

"ٹھیک ہے، میں مغرب کی منافقانہ اخلاقی اقدار پر عمل کرنے کی کوشش کروں گا اور...،،

اُوشان نہ جانے کیا کچھ کہہ رہا تھا مگر اب ٹائیگر کی نظریں اُن چار افراد پر تھیں جو ابھی ابھی اندر داخل ہُوئے تھے، وہ بار کی طرف جا کر تیزی سے عمارت کے عقب میں جانے والی راہداری میں داخل ہو چکے تھے۔ پہلے تین شکل ہی سے غنڈے لگ رہے تھے، لیکن چوتھی شخصیت جانی پہچانی تھی۔ اس کا نام جینی تھا۔ وہ چست جینز اور سوئٹر پہنے ہُوئے تھی، اُس کے سر پر ایک بڑا سُرخ ہیٹ اور کندھے پر چرمی بیگ نظر آ رہا تھا۔ وہ بڑے عزم سے قدم اُٹھا رہی تھی۔

اُوشان نے ٹائیگر کی نظروں کا تعاقب کیا اور پھر سر ہلانے لگا۔

"تو یہ ہے، وہ...؟" اُس نے مُنہ بنا کر پوچھا۔

"ہاں...،" ٹائیگر نے طویل سانس لے کر جواب دیا۔

"تب پھر اس سے ہوشیار رہنا۔"

"مگر کیوں؟ یہ تو مجھے محض احمق نظر آتی ہے؟"

"تمام خالی رگیں ایک جیسی نظر آتی ہیں مگر بعض میں خون دوڑا سکتے ہو اور بعض میں زہر...،،

"شکریہ...،" ٹائیگر نے بُرا سا مُنہ بنا کر کہا۔ "میں سمجھ گیا۔"

"اس میں شکریے کی بھلا کیا بات ہے؟" اُوشان پر پھر ایک بار انکسار کا انداز سوار ہو گیا۔ "مجھے خوشی ہے کہ میں تمہارے کسی کام آ سکا لیکن ذرا ہوشیار ہی رہو تو بہتر ہے۔"

ٹائیگر ہوشیار رہا۔ اس وقت تک ہوشیار رہا، جب تک ویٹرس جُوس لے کر نہ آ گئی۔ وہ یہ پوچھتے ہُوئے بھی محتاط رہا کہ مردوں کے لیے غسل خانہ کہاں ہے؟ پھر وہ غسل خانے کی طرف جاتے ہُوئے بھی محتاط رہا تاکہ وہ کسی کی نظر میں نہ آ سکے لیکن جونہی وہ راہداری میں پہنچا، اُس نے ہوشیار رہنے کا ارادہ ترک کر دیا... اور زینے پر چڑھنے لگا۔

لیکن اُوپر ایک کمرے کے سامنے وہ پھر محتاط ہو گیا۔ اُس نے انتہائی احتیاط سے دروازے پر کان رکھا اور اندر سے جینی کی متزعم آواز کا شہد بڑی احتیاط سے کانوں میں انڈیلنے لگا۔ ایک درز سے اندر جھانکنے کا موقع بھی مل گیا۔ کمرے میں ایک درجن افراد تھے۔ آٹھ مرد اور چار عورتیں، اُن کے درمیان صرف ایک لڑکی کھڑی ہوئی تھی، باقی سب بیٹھے ہُوئے تھے۔ کھڑی ہوئی لڑکی جینی تھی۔ وہ جینی کو اس طرح دیکھ رہے تھے جیسے وہ کوئی انتہائی برگزیدہ ہستی ہو۔ جینی کے چہرے پر واضح طور سے اس توجہ کے باعث انبساط ہلکورے لے رہا تھا۔ شاید اُس کی انا کی تسکین بھی ہو رہی تھی۔

"اب آپ لوگ اچھی طرح سمجھ گئے ہیں کہ پروگرام کیا ہے؟" جینی نے بڑی تمکنت سے کہا۔ "پروگرام سے سرِمو انحراف کی اجازت نہیں ہوگی کیونکہ اس کی جزئیات تک اعلیٰ سطح پر تیار کی گئی ہیں اگر ہم سب نے اپنی اپنی ذمے داری پورے اعتماد اور یقین کے ساتھ ادا کی تو پھر یقیناً کامیابی ہماری ہوگی پھر جب انقلاب کی تاریخ لکھی جائے گی تو آپ لوگوں کے نام اُن افراد کی فہرست میں جلی حروف سے لکھے جائیں گے جنھوں نے تاریخ بنائی ہے۔"

ٹائیگر سر ہلا کر رہ گیا۔ جینی نے یہ جملے یقیناً کئی بار رٹے تھے۔ یہ کسی اور کے لکھے جملے تھے، جو جینی کو لوک زبان سے اوا کرنے کی خاطر قفل دیے گئے تھے۔

"میں ایک سوال کرنا چاہتی ہُوں۔" ایک دُبلی پتلی اور لوٹے ہُوئے دانتوں والی عورت نے کہا، جو بہت ڈھیلا سوئٹر پہنے ہوئے تھی۔

"نئے انقلابوں کے تحت سوالات کی اجازت ہے۔" جینی نے جواب دیا۔

"سوال یہ ہے کہ ٹیلر روڈ کیوں آئیڈیلی یا لاگارڈیا کیوں نہیں؟" عورت نے پوچھا۔

"اس لیے کہ ہم دوڑنے سے قبل چھوٹے چھوٹے قدم اُٹھا رہے ہیں اور اس لیے بھی کہ ہمیں اپنی قوت کا مظاہرہ کرنا ہے اور خاص طور سے اس لیے کہ ہمیں یہی حکم ملا ہے۔"

"لیکن کیوں...؟"

"کیونکہ... یُونہی...،" جینی سٹ پٹا گئی لیکن اُس نے جلد ہی سنبھالا لے لیا۔ "ویسے سوالات غیر پیداواری نوعیت کے حامل ہوتے ہیں۔ بات صرف وجوہ یا عدم وجود کی ہے۔ مجھے سوالات پسند نہیں۔ میرے بڑے بھی سوالات پسند نہیں کرتے۔ میری پوری زندگی میں لوگ سوالات کرتے رہیں گے لیکن میں ان کے جواب دینا پسند نہیں کروں گی یہ وقت ضائع کرنے کے مترادف ہے۔ ویسے بھی ہم اُن لوگوں میں سے ہیں جن کو صرف عمل کرنا ہے۔ خواہ اس عمل کی وجہ ہماری سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔" وہ پیر پٹخنے لگی۔

"جینی سچ کہتی ہے۔" ایک آدمی نے کہا۔ "سوالات غیر پیداواری فعل ہے۔"

"غیر پیداواری...،" دوسری طرف سے کسی نے نعرہ لگایا اور پھر خود ہی جواب بھی دیا۔ "مردہ باد۔"

جینی کا چہرہ خوشی سے تمتمانے لگا۔ "یہ بہت اچھی بات ہے کہ ہم سب غیر پیداواری فعل کی مذمت کرتے ہیں۔" اُس نے دونوں ہاتھ سینے پر باندھ کر کہا۔ "اب ہمیں اپنی تمام تر انقلابی توانائیاں فاشی ازم کے خلاف برسرِ جنگ ہونے والی جنگ کے لیے وقف کر دینی چاہئیں۔"

وہ سب اثبات میں سر ہلانے لگے اور پھر کھڑے ہو گئے۔

اندر تیرہ کے تیرہ افراد آپس میں گھل مل گئے۔ ہر فرد کچھ کہنے کی کوشش کر رہا تھا۔ سب ایک ساتھ بات کر رہے تھے۔ پھر ٹائیگر یہ یقین کر لینے کے بعد کہ اس کمرے سے باہر نکلنے کا اور کوئی راستہ نہیں، واپس چلا آیا۔

راہداری کے ڈائننگ رُوم میں اُس نے اندازہ لگایا کہ اُوشان اُسے شیشے میں دیکھ رہا ہے۔ وہ جونہی اُوشان کی سیٹ کے قریب آیا۔ اُوشان نے کھڑکی کے سوراخ میں ناک رکھ کر اس طرح سانس لینی شروع کر دی۔ جیسے اُس کا دم گھُٹ رہا ہو۔ ٹائیگر مُسکرا دیا۔ وہ جانتا تھا کہ اُوشان کسی تنکے میں بند رہ کر بھی ایک سال تک زندہ رہ سکتا ہے۔

"معلوم ہے، تم کیا کیا چیزیں اس طرح پھیپھڑوں میں اُتار رہے ہو، اُوشان؟" اُس نے شدتِ آمیز لہجے میں پوچھا۔

"کیا کیا چیزیں؟" اُوشان نے اُس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

"پیٹرول اور دُھوئیں کے ذرات، سڑے ہُوئے کھانے کی بدبُو اور...،،

"بس...،" اُوشان ہاتھ اُٹھا کر بولا۔ اسی لمحے ٹائیگر نے پلٹ کر دیکھا جینی کے ساتھیوں کا پہلا گروپ زینے سے اُتر رہا تھا۔ ٹائیگر اپنی میز پر اس طرح جُھک گیا کہ جینی کو دیکھتے ہی اپنی جگہ سے حرکت کر سکے۔ جینی تین منٹ بعد آخری گروپ کے ساتھ نمودار ہُوئی۔ ٹائیگر نے لپک کر اُس کا راستہ روک لیا۔ "تم زیرِ حراست ہو۔" اُس نے سرگوشی کی۔ جینی نے گھبرا کر اُس کی طرف دیکھا تو وہ مُسکرانے لگا۔

"اوہ... یہ... تم ہو۔ یہاں کیا کر رہے ہو؟" جینی نے خود کو سنبھالنے کی کوشش کی۔

"میں پیٹین کالج لائبریری کی طرف سے ایک خصوصی کام پر مامور ہُوں جینی،" وہ والہانہ انداز میں بولا۔

"واہ...،" وہ کھل کھلا کر ہنس پڑی مگر اُس کا قہقہہ کھوکھلا تھا۔ "اس کا مطلب یہ ہے کہ انھوں نے اپنی کتابوں کے پھاڑے جانے پر میرے خلاف کارروائی شروع کر دی ہے؟"

"ہاں... اور اگر تم نے میرے ساتھ مشروب نہ پیا تو میں تمہیں گرفتار کرا دُوں گا، جینی۔"

"ٹھیک ہے۔" وہ مُسکرائی۔ "لیکن دعوت قبول کیے جانے کو میری کمزوری مت سمجھنا۔ میں اس وجہ سے تمہارے ساتھ پیُوں گی کہ میں خود بھی ایسا ہی چاہتی ہُوں اور مجھے تمہیں ایک بات بھی بتانی ہے... لیکن اس وقت وہ یاد نہیں آ رہی۔"

"آؤ...،" ٹائیگر اُسے لے کر اپنی میز پر گیا، جہاں اُس نے جینی کا تعارف اُوشان سے کرایا۔ اُوشان نے پُرشفقت انداز میں مُسکراتے ہُوئے سر ہلایا۔

"معاف کرنا لڑکی! میرے تعظیماً کھڑے ہونے سے کھڑکی کے باعث فاصلہ ہُوں۔" اُس نے کہا اور پھر ٹائیگر کی طرف دیکھا۔ "میں مغرب کی اقدار کے مطابق معذرت کر رہا ہُوں، نا؟"

جینی سر ہلا کر رہ گئی۔ وہ ٹائیگر کو اسکی سمجھ رہی تھی اور اس وقت صرف یہی سوچ رہی تھی کہ ایک امریکی کسی چینی یاوبت نامی کے ساتھ کیا کر رہا ہے؟

"تم کیا پی رہے ہو؟" وہ ایک طویل سانس لیتی ہُوئی کُرسی پر بیٹھ گئی

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"سنگاپور سلنگ!" ٹائیگر نے بڑے خوشگوار لہجے میں جواب دیا "بہترین میلتھ ٹانک ہے، پیو گی؟"

"ہاں... لیکن اگر اس میں مٹھاس زیادہ ہے تو پھر نہیں پیوں گی، کیونکہ میری داڑھ میں درد رہتا ہے۔"

ٹائیگر نے ویٹرس کو بلا کر اپنے اور اُوشان کے گلاس بھروائے۔

"اور ہاں، مادام چونگ کے لیے بھی ایک سنگاپور سلنگ لاؤ... مٹھاس کم ہی رکھنا۔"

"تم اپنے بارے میں اب بھی اتنے ہی پُراعتماد ہو۔" جینی نے آگے کی طرف جھک کر کہا۔

"نہیں، جب سے تمہیں دیکھا ہے، اس دل کا عجیب عالم ہے۔" ٹائیگر نے ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے کہا "لیکن یہ بتاؤ کہ تمہیں ٹارگٹس کے بارے میں کامیابی حاصل ہوئی؟"

"ٹارگٹس؟" جینی نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"ہاں میری مُراد اُن پلوں سے ہے، جن کو تم تباہ کرنا چاہتی تھیں اور اسی لیے تم نے کالج چھوڑ دیا تم نیویارک کو مفلوج کر کے باقی ملک سے چھین لینا چاہتی تھیں اور پھر تیسری دُنیا میں انقلاب..."

"قطعاً لہجہ قدرے تلخ ہے" جینی نے انگلیاں چٹخاتے ہوئے کہا۔ "لیکن میں صرف یہی کہوں گی کہ تیسری دُنیا کے لیے انقلاب بہت ضروری ہے اور اتنا ہی ضروری امریکا کے لیے بھی۔"

"نہیں! میں تلخ نہیں ہوں اور نہ ہی تمہاری مخالفت کر رہا ہوں۔" ٹائیگر نے مُسکرا کر کہا "لیکن صرف ایک درخواست کرنا چاہتا ہوں۔"

"وہ کیا؟"

"بروک لین برج کو تباہ مت کرنا۔"

"وہ کیوں؟" جینی چونک پڑی۔ "وہ تو پہلے ہی فیصلہ کر چکی تھی کہ اگر کبھی پلوں کو تباہ کرنے کی ضرورت پڑی تو سب سے پہلے بروک لین برج کو تباہ کیا جائے گا جس کی حیثیت دوسرے پلوں کے مقابلے میں زیادہ اہم تھی۔

"اس لیے کہ پارٹ کین نے بروک لین برج کے بارے میں ایک انتہائی شاندار نظم لکھی ہے... اور پھر اس وجہ سے بھی کہ بعض لوگ اہم وجوہ کی بنا پر کبھی کبھار بروک لین جانے کے خواہشمند ہوتے ہیں۔"

"دوست!" اُوشان نے کھڑکی سے ناک ہٹاتے ہوئے کہا "موسمی صدور ست!"

"ٹھیک ہے" جینی مُسکرائے بغیر بولی "میں بروک لین پُل تمہارے نام کرتی ہوں" لیکن دل ہی دل میں وہ فیصلہ کر چکی تھی کہ اب تو... بروک لین سمیت ہر قیمت پر سب سے پہلے تباہ کیا جائے گا۔

"تب پھر میں پُل پر کھڑے ہو کر جنگلی وحوش کیا کروں گا؟" ٹائیگر کسی بچے کی طرح خوش ہو کر بولا۔

"نہیں!" جینی نے سخت لہجے میں کہا "انقلاب کے بعد جنگلی کی چھوٹی غیر قانونی قرار دے دی جائے گی" اُس کے لہجے سے ایسا لگ رہا تھا جیسے انقلابی حکومت ہوٹل کے باہر اقتدار پر قبضہ کرنے کے لیے تیار کھڑی ہے "پُل پر بلا تفریق ہر ایک کا حق ہوگا۔"

"تب پھر پُل کو تباہ ہی کر دو تو بہتر ہے" ٹائیگر نے مُنہ بنا کر کہا۔ اسی لمحے جینی نے ایک گھونٹ لیا تو اُس کا مُنہ بھی بن گیا "یہ تو بہت ہی میٹھا ہے۔"

اُوشان اپنے گلاس کو گھورتا رہا۔ ٹائیگر کو ٹیٹر برو ائرپورٹ کے بارے میں جینی سے کچھ نہ کچھ ضرور جاننا تھا۔ اس کے مشن کا انحصار اس بات پر تھا کہ اُسے ٹیٹر برو ائرپورٹ کے بارے میں جینی کے منصوبے کا علم ہو جائے۔

جینی جوس کا دوسرا گلاس پی رہی تھی کہ ٹائیگر نے اُس کا ذکر چھیڑ دیا "پلوں کے بارے میں صرف مذاق کر رہا تھا جینی!" وہ مُسکراتا ہوا بولا "لیکن اگر تمہاری جگہ میں ہوتا تو تخریب کاری کی ایسی کوئی نہ کوئی کارروائی ضرور کرتا۔ ذرا سوچو تو، سواصلاتی نظام تباہ کرنے سے انقلابی کاز کو کتنی تقویت ملے گی، کینیڈی ائرپورٹ کو اگ تھلگ کر دینے یا نیویارک ائرپورٹ پر بموں سے حملہ کرنے کے بعد کتنی زبردست افراتفری پھیلے گی۔"

"اوہ یہ تو بچوں کا کھیل ہے" جینی ہلکا سا قہقہہ لگا کر بولی۔

"ہرگز نہیں" ٹائیگر اُسے بانس پر چڑھانا چاہتا تھا "یہ کام بہت مشکل اور دُشوار ہوگا تاہم ایسا کرنے سے انقلاب کے مشن کو بہت فائدہ ہوگا۔"

جینی نے دوسرے گلاس کا آخری قطرہ بھی حلق میں انڈیل لیا۔ بھاری جوس اب اُس پر اثر کرنے لگا تھا۔ ٹائیگر نے ویٹرس کو آنکھ مار کر جینی کا گلاس پھر بھرنے کی ہدایت کی۔

"تم..." جینی نے بوجھل انداز میں ٹائیگر کی طرف دیکھا "کبھی انقلابی نہیں بن سکتے، تم بہتر دلوں سے نہیں سوچتے۔"

"میں صرف زاویہ قائمہ کے بارے میں سوچتا ہوں" ٹائیگر اپنے مخصوص انداز میں مُسکرا کر بولا "لیکن اگر تمہارے ذہن میں اس سے بھی اچھی ترکیب ہے تو بتاؤ؟" اس کا لہجہ چڑانے والا تھا۔

"ہے!" جینی واقعی مشتعل ہو گئی "سنو! اگر کنٹرول ٹاور پر قبضہ کر لیا جائے تو کیسی رہے گی؟ تمام طیاروں کے آپس میں ٹکرانے سے کتنی زبردست افراتفری پھیلے گی، اس طرح کم کام کرنے سے زیادہ نتائج برآمد ہوں گے زیادہ افراتفری پھیلے گی۔"

"شاندار!" ٹائیگر نے سر ہلا کر کہا "واہ! کیا شاندار ترکیب ہے۔ اگر اس پر رات کی تاریکی میں عمل ہو تو کیا کہنے۔"

"ہم..." وہ ایک بڑا سا گھونٹ لے کر بولی "نصف شب نہیں، دن کی روشنی میں... دن دہاڑے اسی کسی انقلابی کارروائی سے دہشت بہت زیادہ شدت اختیار کر لیتی ہے۔"

"ہوں" اُوشان کے کان کھڑے ہو گئے "تم نے درست کہا۔ میری بچی... بالکل درست کہا، ایسا ہی لکھا ہوا ہے۔"

"کیا تم پورے وثوق سے یہ کہہ سکتے ہو کہ ایسا ہی لکھا ہے؟" جینی نے بڑی عقابت سے کہا "ویسے مجھے یہ سب کچھ معلوم ہے، تیسری دُنیا میں میسنے بھی ذرائع ہیں" یہ کہہ کر اُس نے ایک اور چسکی لی "ہمارے ہاں" وہ اچانک ہی چونک پڑی "اب مجھے یاد آیا کہ مجھے کیا کہنے کی ہدایت کی گئی تھی" وہ گلاس مُنہ سے لگا کر غٹاغٹ آخری گھونٹ تک پی گئی۔

"کیا کہنے کی ہدایت کی تھی؟" ٹائیگر کے کان کھڑے ہو گئے۔

"یہی کہ اگلی باری مُردہ جانوروں کی ہوگی۔"

اُوشان نے غیر محسوس طریقے سے کرسی پر پہلو بدلا۔

"یہ تمہیں کس معلوم سے پتا چلا؟" ٹائیگر بولا "لیکن تمہیں کس نے تم سے یہ بات کہنے کی ہدایت کی تھی؟"

"پلو..." وہ کہتے کہتے چکرا کر رہ گئی "یہ میں ہرگز نہیں بتاؤں گی ہرگز نہیں۔" پھر انقلابی ہیروئن ایک بار مُسکرائی، اُس کی آنکھیں بند ہونے لگیں اور چند ہی لمحوں بعد وہ میز پر سر رکھے سو رہی تھی۔

ٹائیگر نے پہلے اُوشان اور پھر جینی کی طرف دیکھا۔ اُوشان بھی سر ہلاتے ہوئے جینی کو ہی گھور رہا تھا۔

"پھر وہی مُردہ جانوروں والی بات نکل آئی نا فادر۔ اب میں یہ پوچھے بغیر نہیں رہ سکتا کہ یہ کیا قصہ ہے؟"

"کچھ بھی نہیں" اُوشان کا لہجہ سپاٹ تھا۔ اس کی آنکھیں بدستور جینی پر مرکوز تھیں۔

"یہ اس کے سونے کی عمر نہیں ہے نیل فادر" ٹائیگر عجیب سی بے چینی محسوس کرنے لگا۔

"عمر ذی جس کم عمری میں ہی مرتا ہے فرزند... اور ان ذی جس میں تم بھی شامل ہو۔"

ٹائیگر کو براؤسے لیکنے کے تھوڑی دیر بعد تعاقب کا احساس ہوا۔ اُنہوں نے تین بڑے گلاس پینے والی جینی کو وہیں سوتا چھوڑ دیا تھا۔

"نیل فادر!" ٹائیگر نے ایک دُکان کے شوکیس کے سامنے رُکتے ہوئے کہا اور شوکیس میں رکھے ہوئے نمونے دیکھنے لگا۔

"میں تو اُکتا چکا ہوں" اُوشان نے کہا "آخر مجھے اس چینی کہانی میں حصہ لینے پر کیوں مجبور کیا جا رہا ہے؟"

"کشش... سمجھ رہے ہو" ٹائیگر نے سرگوشی کی "ہمارا تعاقب کیا جا رہا ہے۔"

"اچھا!" اُوشان نے مصنوعی حیرت اور خوف کا اظہار کرتے ہوئے کہا "بتاؤ، میں کیا کروں؟ بھاگ جاؤں یا پولیس کو بُلانے کے لیے زور زور سے چیخنے چلانے لگوں۔"

"ہمارے عقب میں نیلے سوٹ والا شخص موجود ہے لیکن پلٹ کر مت دیکھنا" ٹائیگر سنجیدگی سے بولا۔

"تم نرے گدھے ہو شہزاد" اُوشان نے زہر خند انداز میں کہا "تم نے نہ صرف تعاقب کا احساس کر کے کمال کر دکھایا بلکہ اب یہ تاثر دے کر بھی کمال کی انتہا کو پہنچ رہے ہو کہ تمہیں تعاقب کا احساس نہیں..." پھر اُوشان کو دریا کی قدیم زبان میں کچھ بڑبڑانے لگا۔ تب ہی ٹائیگر کو اندازہ ہوا کہ اُوشان پہلے سے تعاقب کرنے والے کو دیکھ چکا ہے۔

"تم نے اُسے مجھ سے پہلے دیکھ لیا تھا؟"

"سنا جو کا آقا کبھی جھوٹ نہیں بولتا۔ میں نے نہ صرف اُسے دیکھ لیا ہے بلکہ اس دوسرے کو بھی دیکھ رہا ہوں جو ہم سے آگے نکڑ پر کھڑا ہے اور یہ دونوں براؤسے ہمارے نکلنے کے وقت باہر کھڑے ہوئے تھے۔"

"کہاں ہے وہ؟"

"اب تم اُس کی طرف مت دیکھنا" اُوشان دبے دبے سے انداز میں ہنستے ہوئے بولا "ویسے میں بہت خوش قسمت ہوں کہ تم میرے ساتھ ہو۔ کتنے ذہین آدمی ہو تم شہزاد! ہر وقت چوکس رہتے ہو۔"

ٹائیگر جانتا تھا کہ یہ طنز کے زہر میں بجھا ہوا تیر ہے "اچھا ہے نا، وہ چڑ کر بولا "میں بھی غلطی کر سکتا ہوں اگر تم نے مجھے پہلے دیکھ لیا تھا تو بتا دیتے، غلطی کسی سے بھی ہو سکتی ہے۔"

"نہیں" اُوشان معاً سنجیدہ ہو گیا "ایسا شخص غلطی کرنے کا متحمل نہیں ہو سکتا، جو مُردہ جانوروں کو چیلنج کر رہا ہو۔ اک سے سوزہ ہونے والی ایک ہی غلطی آخری غلطی ثابت ہوتی ہے لیکن تم خوش قسمت ہو کہ ان لوگوں کا تعلق اس داستان سے نہیں، تمہیں ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔"

اگرچہ اُوشان نے اُسے ڈھکے چھپے لفظوں میں مُردہ جانوروں کے بارے میں بتایا تھا... لیکن بات ابھی تک واضح نہیں ہو سکی تھی سوال یہ تھا کہ تعاقب کرنے والے کون ہیں اور ان کا تعاقب کیوں کر رہے ہیں؟

دونوں اُن کے ساتھ لگے رہے۔ ایک آگے آگے اور دوسرا پیچھے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

بتاتا رہا۔ تاہم انھوں نے اوشان اور ٹائیگر کے قریب آنے کی کوشش نہیں کی پھر اوشان اور ٹائیگر اس طرح اپنے اپارٹمنٹ کی طرف چل دیے جیسے انھیں تعاقب کا احساس ہی نہ ہوا ہو۔ ٹائیگر نے اوشان کو بتایا کہ دہشت گرد کل کیا کرنے والے ہیں۔ ٹیٹربرو ائرپورٹ نیویارک میں تھا اگرچہ یہ ہوائی اڈہ زیادہ بڑا نہیں تھا لیکن غالباً دُنیا میں سب سے مصروف ستقر ضرور تھا۔ ہر تیس چالیس سیکنڈ بعد یہاں سے پرواز روانہ ہوتی تھی یا اُترتی تھی۔ اس کے کنٹرول ٹاور پر قبضہ کر کے مختلف طیاروں کو غلط ہدایات دینے کا مطلب تباہی کے علاوہ اور کچھ نہیں ہو سکتا تھا پھر یہ بھی امکان تھا کہ یہاں ہونے والے حادثات سے باخبر ہو کر دوسرے طیارے نیویارک، کینیڈی یا لاگارڈیا ائرپورٹ کی طرف خبردار ہوں اور وہاں بھی افراتفری پھیل جائے۔

"ایسا کیوں ہے ٹیل فادر؟" ٹائیگر نے دھیرے سے کہا۔ "دہشت گرد بے گناہوں کی زندگی سے کیوں کھیلتے ہیں؟"

"تم جذباتی ہو رہے ہو۔" اوشان کا لہجہ سپاٹ تھا۔

"دو تین افراد ہلاک ہو سکتے ہیں۔" اوشان، ٹائیگر کا لہجہ بھی تلخ ہو گیا۔

"نہیں! تم نے ایک پرانی کہاوت نہیں سُنی۔ جب دو بلّے کتے آپس میں لڑتے ہیں تو ایک بھونکتا رہتا ہے جبکہ دوسرا کاٹ کھاتا ہے تمھیں بھونکنے والے کتوں کی فکر نہیں کرنی چاہیے۔"

"ایسی ہی ایک مثل اُردو میں بھی ہے۔" ٹائیگر نے کہا۔

"وہ کیا؟" اوشان نے بڑے اشتیاق سے پوچھا۔

"اس وقت یاد نہیں آ رہی۔" ٹائیگر شرارتاً مسکراتے ہوئے بولا۔

"لیکن مجھے یاد ہے۔" اوشان نے مسکرا کر کہا۔ دونوں خاموش ہو گئے اور دیر تک ٹہل قدمی کے انداز میں چلتے رہے۔

"کوئی حرکت کر بیٹھوں ٹہل فادر۔" ٹائیگر نے دھیرے سے پوچھا۔

"جلد بازی کھیل بگاڑ دیتی ہے اور اُردو میں ایک مثل مشہور ہے کہ جلد بازی شیطان کا کام ہے۔"

"ہُوں۔" ٹائیگر دل ہی دل میں غرّا کر رہ گیا۔ "رات کو کیا کھاؤ گے چاول...؟"

"بلغ...!" اوشان نے فوراً جواب دیا۔ "میں ہمیشہ بلغ کو ترجیح دیتا ہُوں۔"

اور ٹائیگر منہ بنا کر رہ گیا۔ وہ چینی کے بارے میں سوچنے لگا جو جُوس کے تین گلاس پی کر مدہوش ہو گئی تھی۔ وہ جُوس دراصل انتہائی تقوّی تھا اور چینی کو اس کی قوت ہی سے تمار کیا گیا تھا۔

وہ جب اپنے اپارٹمنٹ کے پاس پہنچے تو ٹائیگر نے اوشان کو اس درخواست کے ساتھ اُوپر بھیجا کہ وہ تعاقب کرنے والوں میں سے کسی کو بھی قتل نہ کرے اور پھر جب اوشان زینے پر پہنچ کر لفٹ میں بیٹھ گیا تو ٹائیگر طویل سانس لے کر سڑک کے کونے تک آیا۔ وہ اِدھر اُدھر گھومنے لگا پھر جونہی اسے یہ یقین ہو گیا کہ تعاقب کرنے والوں نے اُسے دیکھ لیا ہے تو وہ خراب سے ایک ایسے کاک ٹیل لاؤنج میں گھس گیا جہاں نیم تاریکی تھی۔ وہ ایک سگریٹ مشین کے قریب کھڑا ہو کر اُن کا انتظار کرنے لگا۔ حسبِ توقع چند ہی سیکنڈ بعد ایک شخص اندر داخل ہُوا۔ یہ نیلے سُوٹ والا تھا جب کہ دوسرا شاید باہر رُک گیا تھا۔ نیلے سُوٹ والے نے نیم تاریکی میں پنگاڈ کی طرح دیکھنے کے لیے آنکھیں پٹپٹائیں لیکن اب ٹائیگر اس شخص کو زیادہ تجسس میں رکھنا نہیں چاہتا تھا لہٰذا اُس نے آگے بڑھ کر اُس کے بائیں ہاتھ کو اپنی آہنی انگلیوں میں دبوچ لیا۔

"ٹھیک ہے دوست!" اُس کا لہجہ خوشگوار تھا۔ "ذرا تعارف ہو جائے۔"

نیلے سُوٹ والے نے گہری نظروں سے ٹائیگر کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر عجیب سی معصومیت تھی اور اس کا جسم بھی کسی قسم کی اعصابی کش مکش کا شکار نہیں تھا۔ ٹائیگر کو محسوس ہوا کہ یہ محسوس کر کے سنسنی سی محسوس ہونے لگی کہ یہ شخص کہاں سے آیا ہو گا۔

"اگر تم میرا ہاتھ چھوڑ دو تو میں تمھیں اپنے شناختی کاغذات دکھا سکتا ہُوں مسٹر۔" اس شخص نے پُرسکون لہجے میں جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔" ٹائیگر نے مسکرا کر کہا۔ "لیکن پہلے یہ تو بتاؤ کہ میرا تعاقب کیوں کر رہے تھے؟" یہ کہتے ہوئے ٹائیگر نے اُس کا ہاتھ دبا دیا تاکہ وہ جھوٹ بولنے کی کوشش نہ کرے۔

"مجھے کچھ پتا نہیں، یہ دفتری مشن تھا۔ مجھے یہ دیکھنا تھا کہ تم کہاں جاتے ہو۔ میرا نام ایف جی ماہر ہے۔ میں محض اسسٹنٹ ہُوں۔"

"اور تمھارا دوست؟" ٹائیگر نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ "اس کا نام بھی بتانا ہو گا؟"

"وہ کرک ہے۔ میرے ساتھ دفتر میں ہی کام کرتا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" ٹائیگر نے اُس کا ہاتھ چھوڑتے ہوئے کہا۔ "میرا شکریہ مانو اور اپنے دفتر جا کر یہ رپورٹ دو کہ ہم اپارٹمنٹ میں گئے تھے۔ ہم کچ رات اپارٹمنٹ سے باہر بھی نہیں نکلیں گے لہٰذا تم آرام سے گھر جاؤ اور پیر پسار کر سو جاؤ۔"

"شکریہ۔" تعاقب کرنے والے نے انتہائی خلوص کے ساتھ کہا۔ "آج میری بیوی نے بھی جلدی گھر آنے کو کہا تھا۔"

"بیوی نے...؟" ٹائیگر کا منہ بن گیا۔ "ٹھیک ہے اب چلے جاؤ

مجھے غصہ آنے لگا ہے!"

ایف جی ماہر نے کسی سعادت مند شاگرد کی طرح سر کو جنبش دی اور پلٹ گیا۔ ٹائیگر اُسے دیر تک، بلکہ اس وقت تک دیکھتا رہا جب تک وہ کاک ٹیل لاؤنج سے باہر سڑک پر نہ پہنچ گیا۔ چند منٹ بعد ٹائیگر بھی سڑک پر نکل کر اپارٹمنٹ کی طرف جا رہا تھا۔ اس نے چند گز دُور باہر اور کرک کو دیکھا جو ایک ٹیکسی روک رہے تھے۔

ٹائیگر کو یقین تھا کہ یہ دونوں احمق چارو گر کے فیلڈ اسٹاف سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس کے نزدیک ان دونوں کا تعلق ان ہزاروں کٹھ پتلیوں سے تھا جو چارو گر کے لیے کام کرتی تھیں اور جن کو یہ علم ہی نہیں ہوتا تھا کہ وہ کس کے لیے اور کس قسم کا کام کر رہی ہیں۔ اس کا ایک مطلب یہ بھی تھا کہ بہرام ضرورت سے زیادہ بے چین ہے اور اس بے چینی کی وجہ سے اس کے آدمی بار بار ٹائیگر کی راہ میں آ رہے ہیں۔

اس نے ٹکرے میں واپس آتے ہی ایریا کو ملایا۔ وہ بہرام پر برسنے کے لیے پُر تول رہا تھا مگر بہرام کی ڈیسک پر گھنٹی بجتی رہی۔ کسی نے ریسیور نہیں اُٹھایا۔

◻

اگلی صبح اوشان نے اُس کے ساتھ ٹیٹربرو ائرپورٹ جانے سے صاف انکار کر دیا تھا۔

"میں اپنی بچی ہوئی توانائی بھونکنے والے کتوں پر ضائع نہیں کر سکتا۔" اوشان نے آخر کار زچ ہو کر کہا تھا۔

"تب پھر اپنی توانائیاں جُوتیا چاٹنے کو دیکھنے اور کوئی ایسی چیز پکانے کی ترکیب سیکھنے پر خرچ کریں، جو کوئی کھا بھی سکے۔" ٹائیگر نے بھی زچ ہو کر کہا۔ اس کا موڈ اس وقت بہت خراب تھا۔ اس پر بھی اوشان نے کسی ردِ عمل کا اظہار نہیں کیا تو ٹائیگر واقعتاً پیر پٹختا ہُوا اپارٹمنٹ سے نکل آیا اور عقب میں قہقہہ کی مخصوص آواز سُن کر اس کا خون کھولنے لگا۔

وہ اپنی کرائے کی کار میں بیٹھ کر ٹیٹربرو کی طرف روانہ ہُوا۔ تب بھی یہی سوچ رہا تھا کہ آخر اوشان نے ہوائی اڈے پر ممکنہ حملے کو سنجیدگی سے کیوں نہیں لیا۔ ٹیٹربرو میں زندگیاں داؤ پر لگی ہوئی تھیں اور دہشت گردوں کا ایسا کوئی بھی حملہ انسدادِ دہشت گردی کے مجوزہ معاہدے کو ناک میں ملا سکتا ہے۔ وہ جانتا تھا کہ ٹیٹربرو کی کیا اہمیت ہے اور اس وقت اُسے ان کہاوتوں کی بھی پروا نہیں تھی جو اوشان بار بار سُناتا رہا تھا۔ اس کے ذہن میں ہائی جیکنگ کی تازہ ترین واردات بھی تازہ تھی اور وہ جانتا تھا کہ اس وقت جب دُنیا کی بڑی طاقتیں انسدادِ دہشت گردی کے معاہدے پر دستخط کرنے والی ہیں کسی بھی قسم کی... دہشت گردی کتنی خطرناک ہو گی۔ ضرورت اس بات کی تھی کہ ان دہشت گردوں کی راہ ہی نہیں، راہ حیات بھی منقطع کر دی جائے لیکن یہ بڑی عجیب سی بات تھی کہ اوشان نے اس سلسلے میں کسی جوش و خروش کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔ وہ سوچتا رہا اور کار تیزی سے دوڑتی رہی۔ ٹیٹربرو نیوجرسی کے مضافاتی علاقے کے ایک کونے میں واقع تھا۔

ٹائیگر نے پارکنگ میں کار کھڑی کی جو ہوائی اڈے کی رننگ کے قریب ہی تھی۔ وہ کار سے اُتر کر بڑے عام سے انداز میں چلتا ہُوا ٹرمینل پر پہنچ گیا۔ یہاں اُسے نہ تو کسی نے روکا اور نہ ہی ٹوکا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ یہاں کوئی محافظ ہی نہیں تھا کسی نے بھی اس سے یہ نہیں پوچھا کہ وہ کون ہے اور یہاں کیا کر رہا ہے۔ وہ سوچنے لگا کہ یہ ہوائی اڈہ واقعی تخریب کاروں کو حملے کی دعوت دے رہا ہے۔

وہ کنٹرول ٹاور کی طرف بڑھ رہا تھا کہ معاً اُسے ایک ایمبولنس دکھائی دی جو ٹاور کے قریب ہی کھڑی ہوئی تھی اور اس کے پہلو والے دروازے ٹاور کے دروازے سے محض دس فٹ دُور تھے۔

ٹائیگر کی تمام حسیں بیدار ہونے لگیں۔

کوئی اندر سے اُسے دیکھ رہا تھا۔ اُس کی نگرانی ہو رہی تھی۔

"لیکن کون؟" وہ زیرِ لب بڑبڑانے لگا۔ "دوست یا دُشمن؟" لیکن اس سوال کا جواب اُسے معلوم تھا۔

وہ ایک ہینگر میں چلا آیا پھر دوسرے سے تیسرے ہینگر میں آیا اور اس طرح ایمبولنس کے عقب میں پہنچ گیا۔ یہاں سائے میں رہتے ہوئے اس نے ایمبولنس ٹرک کا جائزہ لیا۔ اس کی کھڑکیاں انتہائی چمک دار شیشے کی تھیں۔ یہ شیشہ یکطرفہ تھا یعنی اُس سے اندر بیٹھنے والے کو تو نظر آ سکتا تھا لیکن باہر سے جھانکنے والا اندر نہیں دیکھ سکتا تھا۔ وہ چھوٹے چھوٹے قدم اُٹھاتا ہُوا گاڑی تک گیا اور پھر اس نے ایمبولنس کے بند دروازوں کو دھڑ دھڑا دیا۔

"کیا چاہتے ہو؟" وہی آواز سُنائی دی جس سے ٹائیگر اچھی طرح واقف تھا۔

"میں اس شہر میں اجنبی ہُوں۔" ٹائیگر نے بآوازِ بلند جواب دیا۔ "میں یہاں کے تفریحی مقامات سے متعلق ٹورازم والوں کا کتابچہ تلاش کر رہا ہُوں۔"

"تب پھر چیمبر آف کامرس جاؤ۔" آواز یقیناً بہرام ہی کی تھی۔

"ہرگز نہیں جاؤں گا۔" ٹائیگر چڑانے والے لہجے میں بولا۔ "ایمبولنس بہت اچھی ہے۔ آپ پیچھا کر کے میرا خیر مقدم کریں۔" یہ کہہ کر اس نے ایک مرتبہ پھر دروازے کو زور زور سے پیٹا حتیٰ کہ اسے ایمبولنس ٹرک میں کسی کے چلنے کی آواز آنے لگی۔ بہرام نے ایک کھڑکی سے جھانک کر دیکھا اُسے ٹائیگر نظر آیا تو وہ ششدر رہ گیا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"ارے... یہ تم ہو!" بہرام کے سُتے ہوئے چہرے پر اچانک ہی سُرخی دوڑ گئی۔

"میرے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے سوئٹ ہارٹ" ٹائیگر چہک کر بولا "آپ کو کس کا انتظار تھا؟"

"اچھا!" بہرام نے طویل سانس لی "اندر آجاؤ۔"

ٹائیگر بُرا سا منہ بنا کر رہ گیا۔ اُسے یہ بات پسند نہیں تھی کہ کسی جگہ بہرام کا آدمی اور کسی جگہ وہ خود اُس کی راہ میں آرہا ہے۔ بہرحال وہ ایمبولنس ٹرک میں گھس گیا۔ وہاں مزید تین افراد تھے، جن کی نظریں اگلی فیلڈ پر جمی ہوئی تھیں۔ اُنھوں نے ٹائیگر کو ہیلٹ کر دیکھنے کی بھی زحمت گوارا نہیں کی۔ بہرام خود اُسے کھینچ کر ایمبولنس کے عقبی حصّے میں لے آیا

"تم یہاں کس طرح پہنچ گئے؟"

"بذریعہ کار...!" ٹائیگر نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔

"میرا مطلب یہ ہے کہ تمہیں یہاں کا سُراغ کیسے مل گیا؟" بہرام کے لہجے میں تلخی نہیں حسرت تھی۔

"فرنٹ کے لوگوں سے۔ وہی اس میں ملوث ہیں۔"

"ہاں، میں جانتا ہوں۔" بہرام دھیرے سے بولا۔ اس مرتبہ اس کے لہجے میں اُکتاہٹ تھی۔

"میرا خیال ہے، مجھے یہاں دیکھ کر آپ کے مُنہ کا ذائقہ کچھ خراب ہو گیا ہے جیف!" ٹائیگر نے زیرِ لب مسکرا کر کہا "اگر ایسی بات ہے تو میں جلد از جلد واپسی کا فیصلہ بھی کر سکتا ہوں۔"

"نہیں، تم جب تک ایمبولنس میں ہو، یہیں بیٹھ کر نگرانی کرتے رہو۔ ممکن ہے، تمھیں یہ پتا چل سکے کہ پیشہ ور افراد کس طرح کام کرتے ہیں۔"

"لیکن آپ کو اس صورتِ حال کا علم کیسے ہوا؟ کیا کسی نے زبان کھول دی تھی؟"

"ہاں ایک دُبلی پتلی اور ٹوٹے ہوئے دانتوں والی لڑکی نے بخوشی سب کچھ بتا دیا۔ اُس کا کہنا ہے کہ پورا پروگرام احمقانہ ہوگا۔ ویسے اُدشان کہاں ہے؟ یہاں تو نظر نہیں آیا؟"

"وہ نیویارک ہی میں ہے۔" ٹائیگر نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔ "شاید چند نئی کہانیاں گھڑنے کی کوششیں کر رہا ہے؟"

"کہانیاں؟" بہرام چونک پڑا۔ اُس نے پاس ہی پڑے ہوئے چھوٹی سی میز پر بکھرے ہوئے کاغذوں کی طرف بھی دیکھا تھا۔

"ہاں، تازہ کہاوت یہ سنی ہے کہ جب دو کتے حملہ کرتے ہیں تو ایک محض بھونکتا ہے، جبکہ دوسرا کاٹ کھاتا ہے۔"

"کتے؟" بہرام کی آنکھیں اب ایک پیلے کاغذ پر جم گئی تھیں۔

"ہاں کتے۔" ٹائیگر اُس کی بے چینی کا احساس کر کے بولا "آپ جانتے ہی ہیں کہ بعض کتے اپنی اگلی ٹانگوں کو جھنجھوڑ ڈالتے ہیں، جن سے انھیں ہڈی ملتی ہے۔ کتے بہت غلیظ ہوتے ہیں۔ اُن سے بیماریاں بھی پھیلتی ہیں اور..."

"ٹھیک ہے... ٹھیک ہے۔" بہرام بے چینی سے پہلو بدل کر بولا "ہاں، کتے!"

اسی لمحے ایمبولنس کے اگلے حصّے میں موجود ایک شخص چلّایا۔ "مسٹر جونزا وہ آرہے ہیں۔"

بہرام بہت تیزی سے اگلے حصّے کی طرف دوڑ گیا اور ٹائیگر ہی سوچتا رہ گیا کہ بہرام نے اس بار اپنی عرفیت جونز کیوں رکھی۔

"کتنے ہیں؟" اُس نے بہرام کی پھاٹ آواز سُنی۔

"چھ!" اگلے حصّے میں تعینات شخص نے جواب دیا۔ اُس کا چہرہ اب بھی شیشے سے چپکا ہوا تھا اور لہجے میں وہی انداز تھا جو ایف۔بی۔آئی والوں کا ہوتا ہے "پانچ مرد ایک عورت۔"

"ذرا لڑکی کو تو دیکھ لوں۔" ٹائیگر نے کسی آوارہ نوجوان کی طرح سرد آہ بھر کر کہا اور خود بھی اگلے حصّے کی طرف بڑھ گیا اور ایف۔بی۔آئی کے ایجنٹ اور بہرام کے درمیان اپنے لیے جگہ بنا کر باہر دیکھا تو اُسے کچھ ہچی نظر آئے۔ اس نے لڑکی کو فوراً پہچان لیا۔ یہ ہوٹل والے اجلاس میں موجود تھی مگر اسے جینی کو نہ پا کر سخت مایوسی ہوئی۔ وہ چاہتا تھا کہ جینی کو اسی جگہ سچ بولنے پر مجبور کر دے لیکن اب اس کی گنجائش ہی نہیں تھی۔

ایف۔بی۔آئی کے ایجنٹوں نے کھڑکیوں سے ہٹ کر گاڑی کے دروازوں پر پوزیشن سنبھال لی۔

"ہوشیار... چوکس رہو۔" بہرام نے سرگوشی کی "میرا اشارہ پاتے ہی دروازہ کھول کر کود جانا اور پھر انھیں دبوچ لینا۔ کوئی بھی فرار ہونے نہ پائے۔"

"احمق!" ٹائیگر نے دل ہی دل میں کہا۔ وہ جانتا تھا کہ اس کام کے لیے ایف۔بی۔آئی والوں کو ایمبولنس کے اندر نہیں باہر ہی پوزیشن لینی چاہیے تھی تاکہ ان پتیوں کا راستہ مسدود ہو جاتا۔ اس وقت یہ خطرہ موجود تھا کہ ان میں سے کوئی بھی ٹاور میں گھس سکتا تھا۔ ٹائیگر بڑی شدت سے سر ہلانے لگا۔

"تیار!" اس نے بہرام کی [illegible] ایف۔بی۔آئی والے چوکنا ہو گئے۔

"گو...!" بہرام نے غرّا کر کہا اور اسی لمحے تینوں ایجنٹ سیاہ

اسفالٹ کے فرش پر کود گئے۔ ایف۔بی۔آئی والوں میں سے ایک نے پُر رعب لہجے میں کہا "تم لوگ زیرِ حراست ہو۔"

پہلے تو وہ سب ساکت رہے لیکن پھر اُن میں سے پانچ نے ہاتھ اُٹھا دیے لیکن چھٹا کسی تیر کی طرح ٹاور کے دروازے کی سمت میں لپک گیا۔ اُس کا رُخ زینے کی طرف تھا۔ اُس کے ارادے بھانپتے ہی ٹائیگر نے بھی قلابازی کھائی۔ رن وے پر پہنچا اور پھر ٹاور میں گھستا چلا گیا۔ یہ سب کچھ محض ایک سیکنڈ میں ہوا تھا۔

ٹاور کے زینے پر پہنچنے والے نوجوان کے ہاتھ میں ریوالور تھا جس کا اُس نے بے دریغ استعمال کیا مگر ٹائیگر نے دیوار سے چپک کر خود کو بچا لیا اور اس کے بعد نوجوان کو دوسری گولی چلانے کا کوئی موقع ہی نہیں مل سکا۔ ٹائیگر نے زینہ استعمال کرنے کی بجائے اُوپر پہنچنے کے لیے کسی عقاب کی طرح پرواز کی تھی اور کسی شاہین کی طرح نوجوان پر گرا تھا۔

"بس دوست! جنگ ختم ہو گئی۔" اس نے ہنس کر کہا۔ نوجوان کی گردن پکڑی اور اُسے باہر لے آیا۔ وہاں دھوپ تھی اور گرمی... مگر نوجوان مسلسل قہقہے لگانے لگا تھا۔

"تم جس بیوقوفی پر ہنس رہے ہو، وہ ہمیں بھی سُنا دو یار!" ٹائیگر نے بڑے خوش گوار انداز میں فرمائش کی۔

"تم... یہ نوجوان اس بار صرف مسکرایا تھا، شاید یہ سمجھ رہے ہو کہ تم نے کامیابی حاصل کر لی، ہمیں پکڑ لیا لیکن سُنو...!" نوجوان اب بے حد سنجیدہ تھا "سُنو! انقلاب جاری رہے گا، تم نے جو بھونکنے والے کتے کو پکڑا ہے جبکہ کاٹنے کتا اب کاٹنے ہی والا ہے۔"

اسی لمحے ٹائیگر کو علم ہو گیا کہ اُدشان کیا کہنا چاہتا تھا۔ وہ سمجھ گیا کہ بہرام کی طرح اس نے بھی محض کچھ چیتیوں پر ہاتھ ڈالنے میں وقت ضائع کیا ہے۔ انھوں نے بے ضرر کتوں کو تو پکڑ لیا ہے لیکن خطرناک کتا ابھی آزاد ہے، جو کاٹ کھانے والا ہے۔

"چیف جلدی کرو۔" ٹائیگر نے تیزی سے کہا۔ بہرام نے اس کی طرف گھور کر دیکھا لیکن پھر جیب ٹائیگر نے اسے بوری کی طرح کھینچ کر ایمبولنس میں ڈالا تو اسے غصہ بھی آنے لگا "چیف!" ٹائیگر کا لہجہ سوگوار تھا۔ ایف۔بی۔آئی والے ابھی دُور تھے لہٰذا وہ اس کو [illegible] معاہدے سے متعلق ایسی کوئی [illegible] دم ہے، جو آج ہونے والی ہے۔"

بہرام خاموش رہا۔

"بولو چیف!" ٹائیگر نے [illegible] ورنہ تباہی بچ جانے گی۔"

"ہاں وہ بہرام [illegible] معاہدے کے مسودے [illegible] رہ گیا۔" معاہدہ کے مسودے [illegible] رہنے والے متور [illegible] ں آج نیویارک میں ہونے والا ہے تاکہ کل کے مکمل اجلاس میں حتمی مسودہ پیش کیا جا سکے۔"

"اجلاس کہاں ہو رہا ہے؟"

"ہوٹل کیری بوین۔"

"کس وقت؟"

بہرام نے گھڑی دیکھی "بس اب شروع ہونے والا ہی ہوگا۔ کمرا نمبر ۲۴۱۲!"

"کیا ایمبولنس میں فون ہے؟"

"ہاں... مگر...!"

"مگر کچھ نہیں۔" ٹائیگر نے تیزی سے اگلے حصّے میں جا کر ٹیلی فون تلاش کیا، جو ڈرائیونگ سیٹ کے سامنے ہی تھا۔ اُس نے موبائل آپریٹر کے ذریعے اپنے اپارٹمنٹ کے نمبر ملوائے پھر گھنٹی بجتی رہی... بجتی رہی۔ شاید اُدشان کوئی ڈراما دیکھ رہا تھا۔ ٹائیگر دانت پیستا رہا اور جب اُس کے دانتوں میں درد ہونے لگا تب ہی گھنٹی بجنا بند ہو گئی۔ ریسیور انتہائی تکلیف دہ حد تک آہستہ سے اُٹھایا گیا تھا۔ غالباً اُدشان ریسیور کان میں لگانے کی کوشش کر رہا تھا پھر اُسے اُدشان کی آواز سُنائی دی۔ وہ اس کا مذاق اُڑا رہا تھا۔

"کاٹنے والا کتا کہاں ہے، میرے بچے؟"

ہوٹل کیری بوان کے اپارٹمنٹ سے محض چند فرلانگ دُور تھا۔ ٹائیگر نے فون پر بار بار اُدشان سے کہا تھا کہ ہمیں کمرا نمبر ۲۴۱۲ میں موجود تینوں افراد کی ہر قیمت پر حفاظت کرنی ہے۔ اُس کی کار کے ٹائر ہر موڑ پر چرچرا کر صدائے احتجاج بلند کر رہے تھے۔ اُسے توقع تھی کہ اُدشان ہوٹل پر اس سے پہلے گا لیکن اُسے مایوسی ہوئی۔ دراصل اُسے دیر ہو گئی تھی۔

ہوٹل کے سامنے پولیس کاریں دیکھ کر وہ بے چین ہو گیا۔ اُس نے گاڑی وہیں چھوڑ دی اور پولیس والوں کے ہجوم میں گھس گیا۔

"کیا ہوا؟" اُس نے پُر رعب آواز میں پوچھا۔

"پتا نہیں... لیکن تین افراد کو موقعِ حال قتل کیا جا چکا ہے۔"

"اوہ!" ٹائیگر نے سر جھٹک کر سوچا کہ اُدشان کو بھی یہاں پہنچنے میں دیر ہو گئی ہوگی۔ وہ زندہ ہوتے، وہ سوچ رہا تھا کہ اگر اُدشان کے کہنے پر عمل کرتا ہوتا تو کتے کے پیچھے نہ جاتا تو تینوں کرنل زندہ ہوتے اور معاہدہ بھی مکمل ہو جاتا۔ اب معاہدہ خطرے میں تھا اور یہ بھی امکان تھا کہ اس پر دستخط ہوں گے بھی یا نہیں۔

"احمق!" وہ اپنے آپ کو کوسنے لگا لیکن پھر کچھ سوچ کر ہوٹل کے اندر گھس گیا۔ اس کی منزل... جو بیسویں منزل تھی، وہ کوئی ایسی چیز تلاش کرنے جا رہا تھا جس سے اس نقصان کا کسی حد تک تدارک ہو سکے۔

ندیم
Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

★★

وہ رات انتہائی چالاکی سے کی گئی تھی اور یہ بات وہ بوڑھا سوچ رہا تھا جس کے قدم بہت آہستہ آہستہ ایسٹ سائیڈ اپارٹمنٹ کی طرف اُٹھ رہے تھے۔

"بے وقوف!" اُس نے زیرِ لب کہا۔ مگر یہ اُس نے اپنے بارے میں نہیں بلکہ قاتلوں کے بارے میں کہا تھا۔ اُسے علم تھا کہ پورے منصوبے پر بڑی چالاکی سے عمل کیا گیا ہے مگر اُسے اس بات پر قلق تھا کہ قاتلوں نے کام کرتے ہوئے یہ نہیں سوچا کہ وہ ماسٹر آف سناجو کو دھوکا نہیں دے سکتے۔ شاید کوئی یہ سوچ کر بے فکر ہو گیا ہو کہ اوشان بہت بوڑھا ہو گیا ہے۔ اُس نے دل ہی دل میں سوچا اور پھر یہ بھی سوچنے لگا کہ وہ بھی جلد یا بدیر سناجو کے ان عظیم لوگوں کی صفوں میں شامل ہو جائے گا جو ختم ہو چکے ہیں جو اپنے فن، مہارت اور خلوص کے مظاہروں کی تکمیل کے بعد فنا ہو چکے ہیں۔

فنا ہو جانے کا احساس تکلیف دہ نہیں تھا۔ سب کو موت آنی ہے۔ اُس نے ایک بار پھر دل ہی دل میں کہا اور یہ سوچ کر بہت اطمینان محسوس کرنے لگا کہ غالباً وہ سناجو کا واحد بڑا ہے جس نے اپنے فن کا استعمال اتنے وسیع پیمانے پر کیا ہے پھر معاً ہی وہ سوچنے لگا کہ کیوں نہ ریٹائرمنٹ لے کر سناجو واپس چلا جائے۔ وہاں سمندر کے ساحل پر بیٹھ کر مچھلیاں پکڑنے کے جالوں کی مرمت کرے۔ بچے اس کے اردگرد منڈلاتے رہیں اور بڑے اسے یہ کہہ کر خراجِ تحسین پیش کریں کہ یہ وہ ماسٹر ہے جو سمندروں کے پار گیا اور جس نے دُنیا کے تمام تر خطرات کا سامنا کرتے ہوئے ہر خطرے کو حقیر کر دکھایا۔

لیکن ریٹائرمنٹ سے قبل اس کے جانشین کی ضرورت تھی اور یہ جانشین ٹائیگر کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا اور کبھی کبھی اوشان یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا تھا کہ شہزادی کی پچھلی نسلوں کا تعلق کسی نہ کسی طرح کوریا سے ضرور ہو گا۔ اُسے ٹائیگر پر اعتماد تھا جس نے محض ایک عشرے میں سناجو کے ہر فن پر مکمل مہارت حاصل کر لی تھی۔ اُسے ٹائیگر پر فخر محسوس ہونے لگا۔ اُس کا شاگرد... اُس کا جانشین ہر اعتبار سے دُنیا کے باقی دوسرے تمام انسانوں سے برتر تھا لیکن دو افراد ایسے تھے جو اس کا ڈٹ کر مقابلہ کر سکتے تھے۔ اُن میں سے ایک وہ خود تھا اور دوسرا... دوسرا لوگان۔ اوشان کا ناخلف، آوارہ، بدقماش اور ظالم بھتیجا...

اوشان کو اسی طرح احساس تھا کہ ٹائیگر کو کس قسم کا خطرہ لاحق ہے۔ لوگان ہر قیمت پر ٹائیگر کو راہ سے ہٹانا چاہتا تھا۔

اوشان نے ٹائیگر کو کہاوتوں اور کہانیوں کے ذریعے ہی تربیت دی تھی اور اب طوفانوں، مُردہ جانوروں اور کھنکھناتے کتوں کی کہاوتوں کا وقت آ گیا تھا۔ اوشان کی ہر کہاوت اور ہر کہانی میں نہ صرف تاریخ ہوتی تھی بلکہ حال اور مستقبل کے بارے میں پیش گوئیاں بھی۔

ٹائیگر ان کہاوتوں کو سُن کر ہنستا اور قہقہے لگاتا رہتا تھا لیکن اب ضرورت اس بات کی کہ اُسے خطرے سے بچایا جائے۔ مُردہ جانوروں کی طرف سے لاحق خطرے سے ٹائیگر کو بچانا، ٹائیگر کی اپنی نہیں، اوشان کی ذمہ داری تھی جس نے اپنے لوگوں سے وعدہ کیا تھا کہ وہ انہیں اپنا جانشین بھی دے گا تاکہ سناجو کو کھانے پینے کا سامان ملتا رہے۔

ہوٹل میں صورتِ حال دیکھ کر اوشان کو ٹائیگر کی زندگی کے تحفظ کی اور زیادہ فکر ہو گئی۔ اُسے یقین تھا کہ دوسروں کی طرح ٹائیگر نے بھی یہی سوچا ہو گا کہ کمرا نمبر ۲۱۴ پر باہر سے حملہ ہو سکتا ہے لیکن اوشان نے یہ پتا چلایا تھا کہ تینوں کرنلوں کو باہر سے نہیں اندر سے بھی مارا جا سکتا ہے۔ وہ بھی تین تھے۔ ان کے دستے کرنلوں کے تحفظ کا کام تھا مگر وہی قاتل نکلے۔

لیکن اب وہ قتل کرنے کے قابل نہیں رہے تھے۔ اوشان نے انہیں قتل نہ کرنے کے قابل چھوڑ کر تینوں کرنلوں کو ایسے کمرے میں منتقل کر دیا تھا جہاں وہ تخلیے میں اپنا احتجاج جاری رکھ سکتے تھے۔

تاہم کرنلوں کو قتل کرنے کا منصوبہ زیادہ بُرا نہیں تھا اور اس سے صرف یہ بات ظاہر ہوتی تھی کہ خطرہ ٹائیگر کے قریب تر آ رہا ہے۔

اوشان پہلی بار یہ خواہش محسوس کر رہا تھا کہ ٹائیگر اس مشن سے ہاتھ کھینچ لے۔ یہی وجہ تھی کہ اُس نے ٹائیگر کو کہاوت کا مطلب بھی بتانے سے انکار کر دیا تھا اور یہ بات بھی کہ دشمن کون ہے؟ کیونکہ یہ یقینی تھا کہ اگر ٹائیگر کو دشمن کا نام معلوم ہو گیا تو وہ پھر ایک انچ بھی پیچھے ہٹنا گوارا نہیں کرے گا اور دشمن سے جا ٹکرانے کے لیے کوشاں رہے گا۔

اپارٹمنٹ بلڈنگ میں داخل ہوتے ہوئے اوشان کے چہرے پر نرم سی مسکراہٹ دوڑ گئی۔ اسے وہ چینی کرنل یاد آ گیا تھا جو کمرے میں موجود تھا اور بس کے چہرے پر اوشان کو دیکھ کر اور پھر اوشان کی مہارت دیکھنے کے بعد حیرت کی وجہ سے زلزلے جیسے تاثرات نے جنم لیا تھا۔ اُس کا چہرہ اس حقیقت کا غماز تھا کہ اُس نے بھی کہاوت سُن رکھی ہے اور برسبیلِ بعد اسے اس کہاوت پر یقین آیا ہے۔

پھنسی کرنل کے چہرے پر ایسے تاثرات تھے جیسے وہ طوفان کو دیکھ رہا ہو۔ کہاوت والے طوفان کو!

پھر جب اوشان نامی یہ طوفان اپنے کمرے میں داخل ہوا تو وہ دل ہی دل میں عہد کر چکا تھا کہ اگر ضرورت پڑی تو وہ اپنی جان دے کر بھی ٹائیگر کو مُردہ جانوروں سے بچائے گا۔ وہ یہ حلف بھی توڑ دے گا

ایک وطن پرست اور کفن بردوش نوجوان کی داستانِ خونِ رنگ
جو محبِ وطن ہونے کے باوجود دہشت گرد کہلاتا تھا۔
وقت کی راسیں تھامنے میں اس کے ہاتھ لہولہان ہو گئے تھے
معاشرے کے اُجلے لوگوں کی کہانی جن کے من کالے ہیں۔

دہشت گرد

سلیم فاروقی

چار حصّوں میں شائع ہو گیا ہے
قیمت
مکمل سیٹ -/۱۸۰ روپے

مکتبہ القریش، سرکلر روڈ، اردو بازار، لاہور ۲
پوسٹ کوڈ ۵۴۰۰۰،

ندیم

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کہ سانجو کا کوئی ماسٹر اپنے ہی گاؤں والے پر ہاتھ نہیں اٹھائے گا۔

یہ اوشان کا فیصلہ تھا... ایک باپ کا فیصلہ جسے کوئی کہاوت نہیں بدل سکتی تھی۔

★★

"میں سمجھ گیا قبل فادر۔" ٹائیگر نے بے چینی سے کمرے میں ٹہلتے ہوئے کہا۔ "بس اتنا بتا دیں کہ آپ نے یہ سب کچھ کیسے کیا؟"

"میں نے کیا کیا؟"

"تینوں کرنلوں کی زندگی کا تحفظ۔" ٹائیگر نے جھنجھلا کر جواب دیا... "آپ کو یہ علم کیسے ہوا کہ تینوں محافظ قاتل تھے؟"

"علم؟" اوشان بھاری بروکیڈ کی قبا میں کندھے سکیڑتے ہوئے بولا۔ "جیسے اس میں علم کی کوئی بات نہیں جیسے جتنا معلوم ہوتا ہے اتنا ہی معلوم ہو سکتا ہے۔"

"تب یہ بتائیں کہ آپ کو یہ اندازہ کیسے ہوا کہ ہوائی اڈے پر حملہ محض توجہ ہٹانے کی سازش تھی؟"

"اندازہ!" اوشان نے بڑی سنجیدگی سے اس کی طرف دیکھا... "اندازے اخذ لگاتے ہیں اور میں ماسٹر آف سانجو ہوں، میرا اندازوں جیسی حماقت سے کوئی تعلق نہیں۔"

"ٹھیک ہے۔" ٹائیگر دھپ سے صوفے پر بیٹھ گیا۔ "آپ نے ہوائی اڈے کے بارے میں اپنے علم سے مجھے آگاہ کیوں نہیں کیا؟"

"میں نے تمہیں پہلے ہی کتنوں کی دو اقسام کے بارے میں آگاہ کر دیا تھا فرزند!" اوشان نے مسکرا کر کہا۔ "میں نے کہا تھا کہ کتنے دو قسم کے ہوتے ہیں ایک...؟"

"صرف ہونکتے ہیں اور دوسرے کاٹتے ہیں۔" ٹائیگر نے طویل سانس لے کر جملہ مکمل کر دیا۔ مزید کچھ کہنا چاہتا تھا مگر دروازے پر ہونے والی دستک کے باعث خاموش ہو گیا پھر خود ہی بڑبڑانے لگا تھا۔

"اب کس کی باری ہے، پہلے موتا پھر ڈبلا اور اس کے بعد مردہ جانور... میں سمجھ گیا، یہ مردہ جانور ہی ہوں گے۔" یہ کہتے ہوئے اس نے چلا کر کہا۔ "آ جاؤ، دروازہ کھلا ہوا ہے۔"

دروازہ کھلا اور بہرام داخل ہوا۔ اس نے کھلے دروازے کی طرف بڑی اکتاہٹ سے نظر ڈالی اور پھر قدرے تلخ لہجے میں بولا۔

"مجھے مسرت ہے کہ تم دونوں اپنی حفاظت کا خاص خیال رکھ رہے ہو۔"

ٹائیگر کے لیے یہ بہترین موقع تھا کہ وہ اپنے دل کے پھپھولے پھوڑ سکے۔

"آپ کو کیا پریشانی ہے چیف؟" اس کا لہجہ سپاٹ تھا۔ "اب جبکہ مجھے علم ہو چکا ہے کہ تمہارے ایجنٹ بھارا تعاقب کرتے ہیں تو مجھے کسی سے خوف کی ضرورت نہیں۔ ہم پر حملہ کرنے والوں کو وہ خود ہی سنبھال لیں گے۔"

"وہ محض ایک غلطی تھی۔" بہرام خفیف ہو کر بولا۔ "ہمارے آدمی ہر اس شخص کا تعاقب کر رہے تھے، جو براڈ سے نکل رہا تھا اور ان میں سے وہ تمہارے پیچھے بھی لگ گئے۔"

"...اور مرتے مرتے بچے!" ٹائیگر نے درشت لہجے میں کہا۔ "میرا سوال صرف یہ ہے کہ فیلڈ میں ہمارے علاوہ دوسرے آدمی لانے کی کیا ضرورت تھی چیف؟"

"کیا میں بھی یہ پوچھ سکتا ہوں کہ تم کو میرے فیصلوں پر اعتراض کا حق کس نے دیا؟" بہرام کا لہجہ بھی تلخ ہو گیا۔

"سنو چیف! اگر تم ہمیں پہلے ہی بتا دیتے کہ تینوں کرنل کس روز کانفرنس میں اکٹھے ہوں گے تو یہ جھگڑا اتنا نہ بڑھتا۔ بہرحال اب ہمیں علم ہو گیا ہے کہ کانفرنس کا آخری اجلاس کل ہو رہا ہے لہٰذا تم سنتی ٹورلیم واپس جا کر آرام کرو، میں اور اوشان باقی کام بھی کر لیں گے۔"

"تمہیں یہ علم نہیں ہو سکتا کہ کانفرنس کہاں ہو رہی ہے۔" بہرام کے لہجے میں نرمی آ گئی۔

"اقوام متحدہ کے صدر دفتر کے علاوہ اور کہاں ہو سکتی ہے؟"

"لیکن تمہیں یہ علم نہیں ہو گا کہ حملہ کس طرف سے ہو سکتا ہے۔" بہرام نے ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"جسے جتنا معلوم ہو سکتا ہے اتنا ہی معلوم ہوتا ہے۔" ٹائیگر کے لہجے میں شوخی عود کر آئی اور اوشان بے ساختہ انبساط میں سر ہلانے لگا۔

"کیا مطلب؟" بہرام نے پوچھا۔

"مطلب یہ کہ میں اس لڑکی جینی کو آج شام ہی پکڑ کر لیموں کی طرح نچوڑ ڈالوں گا تاکہ وہ سب کچھ اگل دے۔ مجھے یہ کام پہلے ہی کر لینا چاہیے تھا بہرحال دیر آید درست آید... جینی سے گفتگو کے بعد میں اس کھیل کو ختم کر ڈالوں گا۔"

"ہرگز نہیں۔" بہرام کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ "تم صرف وہی کرو گے جو میں کہوں گا اور میں یہ کہتا ہوں کہ تم ادھر ادھر نہیں گھومو گے۔ ممکن ہے کہ اس طرح تم دہشت گردوں کو کوئی ایسا قدم اٹھانے پر مجبور کر دو جس کے نتائج کا اندازہ بعد میں ہو۔"

"اندازے محض احمق لگاتے ہیں۔" ٹائیگر نے دھیرے سے کہا اور یہ دیکھ کر اسے بہت خوشی ہوئی کہ اوشان بڑی شدت سے اثبات

میں سر ہلا رہا ہے۔

"کیا مطلب؟"

"کچھ نہیں۔" ٹائیگر نے ہاتھ ہلا کر کہا۔ "ویسے آپ کو یقین ہے کہ آپ کسی بھی صورت حال پر قابو پا سکیں گے چیف؟ اور ان احمق... کیپٹو لوں کی مدد سے؟"

"تم جن کیپٹو لوں کو احمق کہہ رہے ہو، وہ ہمارے لیے آج کی بات بے انتہا سود مند معلومات کی فراہمی کریں گے۔" بہرام نے تنک لہجے میں جواب دیا۔ "ایسی معلومات جن کی مدد سے ہم کل ہونے والی بالفرنس کے شرکاء کے مکمل تحفظ کی ضمانت دے سکیں گے۔ ہم ہر اس شخص سے پوچھ گچھ کر رہے ہیں، جو براڈ والی میٹنگ میں موجود تھا۔ ہم معلومات کے ٹکڑے، نام، اطلاعات، تاریخیں، رشتے اور دوستوں کے بارے میں سب کچھ حاصل کر رہے ہیں اور یہ کام صرف ہمارے کمپیوٹر کی مدد ہی سے مکمل ہو گا۔"

اوشان نے جو اب تک خاموش رہا تھا، بہرام کی طرف دیکھ کر بڑی اداسی اور مایوسی سے سر ہلایا۔ "نہیں شہنشاہ اعظم، کمپیوٹر کسی طوفان کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

"اوہ... آہ...!" بہرام نے... چونک کر کہا۔ "یہ طوفان والا قصہ کیا ہے؟ یہ مردہ جانوروں سے کیا مراد ہے؟ میں اس بارے میں سن سن کر تنگ آ چکا ہوں اوشان۔"

"یہ سب قدیم کہاوتیں ہیں، جو کبھی جھوٹی ثابت نہیں ہوتیں۔" اوشان نے نرم لہجے میں جواب دیا۔

"لیکن ان کا مفہوم کیا ہے؟" بہرام نے گھور کر اوشان کو دیکھا لیکن پھر فوراً ہی دوسری طرف دیکھنے لگا کیونکہ اس نے اوشان کی آنکھوں میں انتہائی خوفناک چمک دیکھ لی تھی۔

"ان کہاوتوں کا مطلب یہ ہے کہ دو طوفان آپس میں اب بھی ٹکرا سکتے ہیں۔" اوشان نے سرد لہجے میں جواب دیا لیکن اس کے اس سرد لہجے میں تھیٹا ان گنت طوفان چھپے ہوئے تھے۔

"کیسے طوفان... کیسے دو طوفان؟" بہرام نے بڑی سنجیدگی سے پوچھا اور پھر وضاحت طلب انداز میں ٹائیگر کی طرف دیکھنے لگا۔

"سوری سوئٹ ہارٹ۔" ٹائیگر اس کی آنکھوں میں چھپے ہوئے سوال کو پڑھ کر بولا۔ "اوشان نے مجھے بھی ان کہاوتوں کا مطلب نہیں بتایا ہے۔"

اوشان نے ایک طویل سانس لے کر ان کی طرف سے رخ پھیر لیا اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ مزید کوئی بات کرنے کو تیار نہیں، اس کے اس انداز پر بہرام کو غصہ آ گیا، جو اوشان کے بجائے ٹائیگر پر اترا۔

"میں تم سے یہ کیس واپس لے رہا ہوں ٹائیگر۔" اس نے بیرر پتھ کر کہا۔ "اب اس کیس کو میں خود سنبھال رہا ہوں، سمجھے؟"

"سمجھ گیا۔" ٹائیگر نے کندھے اچکا کر جواب دیا۔ "یہ اچھا ہی ہوا۔" یہ کہہ کر وہ صوفے پر بیٹھا، اس نے جوتے اتارے، سوزے کھینچ کر ایک طرف ڈالے اور کوئی میگزین اٹھا کر تصویریں دیکھنے لگا۔ "بس اتنا خیال رکھنا کہ تم ایسا ہی کام کرو، جو کرنلوں کو بچانے کے سلسلے میں کیا تھا۔" انھیں تھی نے تو بچایا تھا سوئٹ ہارٹ!" ٹائیگر کے لہجے میں اتنی کاٹ تھی کہ بہرام ایک لمحے تک گھورتا رہا اور پھر پلٹ کر واپس چلا گیا۔

"بے چارہ۔" ٹائیگر نے صوفے کی پشت گاہ سے ٹیک لگاتے ہوئے کہا۔ "میری تنخواہ، چارہ گر کے اخراجات اور مسلسل محبوں نے اس کے ذہن کو منتشر کر رکھا ہے ٹیل فادر! ایسا لگتا ہے کہ ابھی تک محبت یاب نہیں ہوا۔ کیا یہ کبھی محبت یاب نہیں ہو گا؟"

"ہو جائے گا۔" اوشان نے دروازے کی طرف دیکھ کر کہا۔ "اگرچہ آج کل مقفل اور چوپٹ ہے لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ وہ جلد ہی پوری طرح محبت یاب ہو جائے گا۔"

"تم کیسے دیکھ رہے ہو؟" ٹائیگر نے اکتائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"اپنے ذہن کی آنکھوں سے۔"

"کیا دماغ میں بھی آنکھیں ہوتی ہیں ٹیل فادر؟"

"ہاں بشرطیکہ اس دماغ میں جھوٹ سا بھرا ہوا نہ ہو۔ میری آنکھیں دیکھ رہی ہیں کہ وکالہ ہی بہت بہتر ہو جائے گا۔"

"تب پھر میرے لیے مشکل پیدا ہو جائے گی۔"

"وہ کیوں؟" اوشان اسے گھورنے لگا۔

"اس لیے کہ بہرام جب بھی پوری طرح صحت مند ہوتا ہے تو میرے لیے اور زیادہ کام تلاش کرنے لگتا ہے۔"

"ہاں لیکن فی الوقت اس نے اپنے ذہنی انتشار کی رو میں بہک کر تمہیں فرائض سے سبکدوش کر دیا ہے۔ اب ہمارے پاس وقت ہے کیوں نہ ہم کسی ایسی جگہ چلیں، جہاں کی ہوا پاک صاف ہو میرا مطلب بروک لین سے ہے۔"

"لیکن کیا میں محض بہرام کے کہنے پر اس مشن کو ادھورا چھوڑ دوں گا ٹیل فادر؟" ٹائیگر بہت سنجیدہ تھا۔

"ہرگز نہیں۔" اوشان نے مایوسی سے جواب دیا۔ "تم ضدی بھی ہو اور بے وقوف بھی، ضرورت سے زیادہ وفادار ہو۔" یہ کہتے ہوئے اوشان سوچ رہا تھا کہ کسی دن شہزادی کی یہی وفاداری سنانجو کے کام آئے گی بشرطیکہ وہ کسی غدار کے ہاتھوں مارا نہ گیا۔

★★

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"نہیں، وہ دوبارہ پھر کبھی نظر نہیں آئی۔" لڑکی ویٹرس نے ٹائیگر کے سامنے سنگاپوری چوس رکھتے ہوئے جینی کے بارے میں بتایا۔ "لیکن اگر کبھی نظر آئی تو تمہیں فوراً مطلع کر دوں گی، اپنا فون نمبر دے دو۔"

ٹائیگر نے براڈے نکل کریشن کالج میں جینی کی روم میٹ کو فون کیا۔ "ہیلو بلی!" اس نے مخصوص دلکش لہجے میں کہا۔ "مجھے پہچانتی ہو؟"

"آہ... تم...!" وہ تقریباً چلائی۔ "سنو! کیا تم کالج آسکتے ہو؟"

"کیوں؟ کیا ہوا؟ کیا تمہارا کمرا پھر بے ترتیب پڑا ہے؟"

"اوہ نہیں۔" وہ ہنس پڑی۔ "لیکن اگر تمہیں ٹہلانے کے لیے کمرے کی آرائش خراب کرنے کی ضرورت ہے تو یہ کام میں ابھی کر سکتی ہوں۔"

"جلدی سے کرنا، پہلے یہ بتاؤ کہ وہ کمبخت چڑیل پھر نظر آئی؟"

"کون، جینی کمپٹی؟"

"ہاں، میں اسی حرافہ کی بات کر رہا ہوں۔"

"نہیں۔" لڑکی ہمدردانہ لہجے میں بولی۔ "بس ایک بار اس کا فون آیا تھا اور وہ بھی اس لیے کہ اسے کسی کا ٹیلی فون نمبر راہ رپتادار کا تھا۔"

"بس کا؟" ٹائیگر نے چونک کر پوچھا۔

"ایک منٹ، ابھی بتاتی ہوں۔" ڈائری اٹھاتے ہوئے لڑکی نے جواب دیا اور پھر چند لمحوں بعد بولی۔ "ایک ڈینٹسٹ کا پتا ہے، ڈاکٹر میکس کا۔ وہ کہہ رہی تھی کہ اس کے دانت میں درد رہتا ہے اور ڈاکٹر میکس اپر ویسٹ سائیڈ میں رہتا ہے۔" لڑکی نے اسے پوری طرح پتا سمجھا دیا۔

ڈاکٹر میکس کی نرس عمر رسیدہ تھی۔ وہ بھاری بھرکم جسم کی مالک تھی اور یہی سبب تھا کہ اسے ہر وقت گھر چلے جانے کی عجلت تھی۔ ابھی وہ اپنا ہینڈ بیگ اٹھا ہی رہی تھی کہ ایک خوبرو نوجوان اندر داخل ہوا۔ نوجوان کو دیکھتے ہی اس کی پیشانی شکن آلود ہو گئی تھی لیکن جب اس نے باتیں شروع کیں تو نرس ان میں کھو سی گئی۔ وہ کہہ رہا تھا کہ عورتوں کو دبلا پتلا نہیں ہونا چاہیے کیونکہ دبلی پتلی عورت دیکھ کر گنا یاد آجاتا ہے۔ نوجوان نے یہ باتیں رسمی تعارف کے بغیر اسے دیکھتے ہی کہہ ڈالی تھیں پھر وہ اپنے اصل مقصد کی طرف آیا تو اس کے صرف جینی کے بارے میں دریافت کیا۔

"اچھا تم اسی کی بات کر رہے ہو جس کے دانت میں درد ہے۔" نرس نے مسکرا کر کہا۔ اس نے اٹھلانے کی ناکام کوشش بھی کی تھی۔ "اس نے فون کیا تھا۔ وہ دانت دکھانے کے لیے آرہی ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس کا ایک دانت کھوکھلا ہے اور ڈاکٹر اس میں بھرائی کرے گا۔"

"اچھا۔" ٹائیگر نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "ویسے سچ بولو تو مجھے وہ لڑکی ایک آنکھ نہیں بھاتی۔ تم جیسی خوبصورت عورتوں کے سامنے تو وہ ہوش تخیر لگتی ہے۔"

نرس کھل کھلا کر ہنس پڑی۔ وہ بہت خوش ہوئی تھی۔

"کب تک آجائے گی؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"بس آتی ہی ہوگی، تم یہاں کسی کام سے آئے تھے؟"

"ہاں، یہی سمجھ لو... پھر کبھی تم سے ملنے ضرور آؤں گا اور مجھے امید ہے کہ تمہارے ساتھ ڈنر بھی کروں... ٹھیک ہے نا؟"

"بالکل ٹھیک۔" نرس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ "لیکن کب؟"

"ایک دو روز میں، میری ایک بات مانو گی؟"

"بولو۔" وہ والہانہ انداز میں مسکرائی۔

"جینی کے بارے میں کسی کو نہ بتانا اور خاص طور سے یہ بھی ذکر نہیں کرنا کہ میں اس کی تلاش میں یہاں آیا تھا۔ میرا تعلق ایف بی آئی سے ہے اگر جینی کو یہ علم ہو گیا کہ میں اس کے بارے میں پوچھ گچھ کرتا پھر رہا تھا تو پھر وہ جال نکلے گی اور میں مجرم کو گرفتار نہیں کر سکوں گا۔"

"تم فکر مت کرو۔ مجھے تمہاری مدد کرنے میں بہت مسرت محسوس ہوگی، تمہارا نام کیا ہے؟"

"شہزاد۔"

"اوہ... تم مشرقی ہو؟"

"آج کل مغربی ہوں۔" یہ کہہ کر وہ مسکرایا اور کلینک سے نکل گیا۔ اب وہ ویسٹ سائیڈ اپارٹمنٹ بلڈنگ کے فرنٹ ڈور پر جینی کا انتظار کر رہا تھا۔ ایک گھنٹے بعد وہ کلینک سے نکلتی ہوئی نظر آئی۔ اس نے چست جینز اور سفید بلاؤز پہن رکھا تھا۔ سڑک کی طرف آتی ہوئی وہ مسکرا رہی تھی۔ وہ سینٹرل پارک ویسٹ کی سمت میں تین بلاک دور تک چلی گئی اور پھر ٹائیگر بھی اس کا تعاقب کرنے لگا۔ جینی اچانک ہی دائیں طرف گھوم گئی۔ وہ بہت خوش نظر آرہی تھی اور اس کے کندھے پر سرخ بیگ جھول رہا تھا۔ چند قدم دور جا کر وہ بیگ ہلاتی ہوئی چھوٹی سی کافی شاپ میں داخل ہو گئی۔

ٹائیگر کافی شاپ میں داخل ہوا تو جینی ایک میز پر بیٹھی سرخ فاریکا پر انگلیاں بجا رہی تھی۔ اس کی نظریں عقبی دروازے پر تھیں لہٰذا جب ٹائیگر نے اس کی میز والی کرسی سنبھالی تب ہی اسے ٹائیگر کی موجودگی کا احساس ہوا۔

"میں پھر آگیا۔" ٹائیگر نے مسکرا کر کہا اور اس بار چند سوالوں کا جواب لینے کے لیے...!"

"اوہ... تم...!" جینی کے چہرے پر کئی سائے آکر گزر گئے۔ "تم مجھے تنہا کیوں نہیں چھوڑ دیتے۔ مجھے چند ضروری کام کرنے ہیں۔"

"میں تمہیں کوئی بھی ضروری کام کرنے نہیں دوں گا جینی۔" ٹائیگر زیر لب مسکرا کر بولا۔

جینی نے دونوں ہاتھ گود میں رکھ لیے اور اسے گھورنے لگی۔ اس بار اس کے لہجے میں نفرت تھی۔ "تم انتہائی غیر دلچسپ لیکن ہو۔" اس نے کہا۔ "کیا تم سمجھتے ہو کہ ہمارے عظیم الشان انقلاب کو روک سکو گے؟"

"اگر تمہارے عظیم الشان انقلاب کا مطلب بلا وجہ کا خون خرابا، ایک بے گناہ عورت کی عصمت دری اور ایک معصوم بچے کا قتل ہے تو پھر میں ہر قیمت پر ایسے انقلاب کو روکوں گا جینی۔"

"انڈا توڑے بغیر آملیٹ نہیں بنتا۔" جینی نے فلسفیانہ انداز میں وہی کہا جو اس کو ذہن نشین کرا دیا گیا تھا۔

"بعض اوقات کھوپڑی بھی توڑنے کی ضرورت ہوتی ہے۔" ٹائیگر نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "مجھے صرف یہ معلوم کرنا ہے کہ کل کیا ہونے والا ہے اور یہ بات صرف تم ہی بتا سکو گی۔"

"کل...!" وہ مسکرانے لگی۔ "کل انسداد دہشت گردی کانفرنس میں شریک ہر فرد مارا جائے گا... ہر شخص...!" یہ بتاتے ہوئے اس کا چہرہ مارے جوش کے تمتما رہا تھا۔ "کیا یہ عظیم الشان کارنامہ نہیں ہوگا؟"

"قتل کبھی عظیم الشان نہیں ہوتے۔"

"تم ماضی کی گندی نالی کے کیڑے ہو۔" وہ قدرے تلخ انداز میں بولی۔ "تم ماضی میں بھٹکتے ہوئے آنے والے کل کو روکنا چاہتے ہو۔ تم ایک قدیم جانور ہو... قدیم ترین۔"

وہ کچھ اور بھی کہتی مگر عقبی کمرے سے آنے والی آواز نے اسے روک دیا۔

"اب تم آسکتی ہو۔" کسی نے کہا تھا۔ ٹائیگر نے پلٹ کر دیکھا... وہ پورٹوریکن کا کوئی باشندہ تھا اور گاؤشش نائی گروپ کی وردی پہن رکھی تھی۔ یہ لباس اس وقت تک بہت مقبول تھا جب تک ٹی وی پر گاؤشش کے بارے میں فلمیں دکھائی جاتی رہی تھیں لیکن فلمیں بند ہونے کے بعد یہ احساس بھی معدوم ہو گیا تھا۔ اس شخص کی عمر بیس سال سے زیادہ نہیں تھی اور وہ جینی کو انگلی کے اشارے سے بلا رہا تھا۔

وہ کھڑی ہو گئی۔ اس نے ٹائیگر کی طرف دیکھ کر کہا۔ "تم جس قدیم نسل سے تعلق رکھتے ہو، وہ ختم ہو رہی ہے۔ تم تبدیلی پسند نہیں کرتے یہ تمہارا بھیانک جرم ہے اور اس کی سزا موت ہے۔ کم از کم جلد بازی سے جاؤ گے، اپنی موت کا انتظار کرنا۔" اس کی آواز سرگوشی سے زیادہ بلند نہ تھی اور چہرے پر نفرت کے سائے تھے۔

"میں تمہاری واپسی کا انتظار کروں گا۔" ٹائیگر نے دوستانہ لہجے میں کہا۔

جینی اسے خونخوار نظروں سے گھورتی ہوئی عقبی کمرے میں چلی گئی جب کہ ٹائیگر فرنٹ شاپ کے کاؤنٹر پر اسٹول لے کر بیٹھ گیا۔ اس نے کافی منگائی۔ وہ سماعت پر زور دے کر عقبی کمرے میں ہونے والی گفتگو سننا چاہتا تھا لیکن اس کی یہ کوشش ناکام ہو گئی کیونکہ اسی وقت ایک شخص نے جیوک بکس میں سکہ ڈال کر اپنی پسند کا لاطینی نغمہ سننا شروع کر دیا تھا۔ دھن اتنی زوردار تھی کہ ٹائیگر کو کان کے پردے بھی ہلتے محسوس ہونے لگے۔ شاید ایک سو سازندے مختلف ساز بجا رہے تھے۔

◆

کمرے میں داخل ہو کر جینی نے ان پچیس نوجوانوں کو دیکھا جو پورٹوریکن تھے اور پھر اپنا مدعا بیان کیا۔ یہ تمام نوجوان گاؤشش کی وردی میں تھے اور ان میں سے ایک کے سینے پر درجنوں تمغے لگے ہوئے تھے۔ اس نے جینی سے پوچھا۔ "مگر تم ہمارے پاس کیوں آئی ہو؟"

"اس لیے کہ ہمیں تمہاری بہادری، شجاعت اور جوانمردی کے بارے میں بہت کچھ بتایا گیا ہے۔" جینی نے مسکرا کر جواب دیا۔

"ہاں، ہم بہت بہادر ہیں۔" نوجوان نے مسکرا کر کہا۔ "ہم بہت شجاع ہیں کیونکہ ہم موالو اور سڑکوں کے بیٹے ہیں۔ ہم بہت دلیر ہیں اور اسی لیے سفید فام لڑکیاں ہمارے پیچھے لگی رہتی ہیں۔"

جینی سر ہلا کر رہ گئی۔ آخری جملہ بہرحال اسے پسند نہیں آیا تھا۔

"ہم سردیں۔" ایک نوجوان نے جھوم کر کہا۔ "اور شجاعت سردوں کا حصہ ہے۔"

"کیا ہم اپنی مردانگی کا مظاہرہ کریں؟" ایک لڑکے نے چلا کر پوچھا تو باقی سب زور زور سے ہنسنے لگے۔ ان کی نظریں جینی پر جمی ہوئی تھیں اور اسے پہلی بار جیکٹ کی ضرورت کا احساس ہو رہا تھا۔

"خاموش۔" گاؤشش لیڈر نے کہا اور پھر جینی سے بولا۔ "رقم لائی ہو؟"

"نصف رقم پیشگی دوں گی باقی کام مکمل ہونے پر...!"

"باقی رقم لینے کے لیے ہمیں اقوام متحدہ پر مظاہرہ کرنا ہوگا؟"

"ہاں... لیکن تشدد سے گریز کرو گے۔"

"ٹھیک ہے لیکن صرف مظاہرہ کرانے کے لیے اتنی بڑی رقم دینے کی کیا تک ہے؟"

"اگر تمہارا مظاہرہ بہت بڑا ہوا تو تمہیں اس سے بھی زیادہ رقم ملے گی۔" جینی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا لیکن پھر باہر موجود ٹائیگر کا خیال آتے ہی وہ سنجیدہ ہو گئی۔ "تمہیں ایک اور کام کرنا ہوگا۔" اس نے کہا۔

"ایک اور کام؟ یہ قدرے ناگوار لہجے میں کہا۔ "کیا کام؟"

جینی نے اسے چند لفظ بتائے۔ بس ہی سمجھا دیا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"ابے مسٹر!" کسی نے اُس کے کندھے پر ہاتھ مارتے ہوئے متوجہ کیا لیکن اُس کے بھیجے میں حقارت اور کھردرا پن تھا۔

ٹائیگر نے ناگواری سے پلٹ کر مخاطب کی طرف دیکھا۔ یہ کمرے میں موجود نوجوانوں میں سے ایک تھا۔ ٹائیگر کے بھورے پر ناگواری کا تاثر دیکھ کر اُس کی آنکھوں میں غصے کی سُرخی پھیلنے لگی اور ہاتھوں کی مٹھیاں یوں بھنچ گئیں جیسے وہ ابھی ٹائیگر کی دُھنائی ... شروع کر دے گا۔ یہ انداز نمبر تیسرے درجے کے بدمعاشوں کا سا تھا جو پہلے مخالف کو صرف چہرے کے تاثرات اور آواز کی گھن گرج سے خوفزدہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

"چلو تمہیں لڑکی بُلا رہی ہے۔" نوجوان کمرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے غرایا اور ٹائیگر کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ دوڑ گئی۔

وہ بھورے سے اُٹھا اور اشارے کی طرف بڑھ گیا جبکہ نوجوان اس کے عقب میں چل رہا تھا۔ کمرے کے دروازے پر پہنچتے ہی ٹائیگر ٹھٹک گیا۔ اس کے ذہن میں خطرے کی گھنٹیاں بجنے لگیں اور اس کے ساتھ ہی اُس کے اعصاب سخت ہونے لگے۔ اُسے دروازے کے عقب سے موت اور خون کی بُو آتی محسوس ہو رہی تھی پھر یکایک اُسے پشت پر بھی خطرہ محسوس ہوا۔ ٹائیگر نے گردن گھمائے بغیر سر کو ایک خاص انداز میں خم دے کر کن انکھیوں سے عقب میں موجود نوجوان کو دیکھا جس کا ایک ہاتھ اب جیب میں تھا اور نظریں اُسی پر جمی ہوئی تھیں۔ جونہی اُس کی نگاہ ٹائیگر کی نگاہوں سے ٹکرائی، وہ بوکھلا سا گیا اور فوراً ہی چند قدم پیچھے ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔

ٹائیگر نے ایک طویل سانس لی اور دروازے کا ہتھ پکڑ کر گھما دیا اور پیر کی ٹھوکر سے دروازہ کھول دیا۔ بظاہر کمرہ خالی نظر آتا تھا لیکن ٹائیگر کی حسیات بتا رہی تھیں کہ کمرے میں ایک سے زیادہ افراد موجود ہیں۔ خون کی بُو اور تیز ہو گئی تھی۔

ٹائیگر نے فوری طور پر اندر جانا ضروری نہ سمجھا۔ اُس نے پلٹ کر نوجوان کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔

"وہ اندر ہی ہے۔" نوجوان نے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

ٹائیگر بے آواز چلتا ہوا کمرے میں داخل ہو گیا۔

کمرے میں ایک اور بھی دروازہ تھا جو غالباً ڈانسنگ ہال کی سمت کھلتا تھا اور اب اس دروازے پر دو سیاہ پوش گاؤں کھڑے تھے۔ ٹائیگر نے کمرے کے وسط میں پہنچ کر اطراف کا جائزہ لیا۔ تقریباً بارہ گاؤں نوجوان کمرے میں دیواروں کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑے تھے۔ ان کی آنکھوں سے سفاکی ٹپک رہی تھی اور اُن کے ہاتھوں کی مٹھیاں بار بار کھل اور بند ہو رہی تھیں۔

"اے لڑکی کہاں ہے؟" ٹائیگر نے پلٹ کر اس نوجوان سے پوچھا جو اُسے بُلا کر لایا تھا۔ اس کا انداز احتجاج کرنے والوں جیسا تھا۔

جواباً گاؤش نوجوان صرف تمسخرانہ انداز میں مُسکرا کر رہ گیا۔ اس کی نظریں پلٹے تو ٹائیگر کے مضبوط جسامت کے مالک ایک گاؤش پر جمی ہوئی تھیں، جو اپنے جُثے کے حوالے سے اُن کا سرغنہ دکھائی دیتا تھا۔

ٹائیگر نے نوجوان گاؤش کی آنکھوں کا تعاقب کرتے ہوئے اُن کے لیڈر کی طرف دیکھا۔

"ہوں تو تم لڑکی سے ملنا چاہتے ہو؟" وہ غرایا۔

ٹائیگر نے نفی میں سر ہلا دیا۔ "میں نہیں بلکہ لڑکی مجھ سے ملنا چاہتی ہے۔"

گاؤش لیڈر نے اُسے نظروں میں تولا۔

"اس سے کون نمٹے گا؟" وہ پلٹ کر اپنے ساتھیوں سے بولا۔

"کیا تم میرا نیلام کر رہے ہو؟" ٹائیگر نے لہجے میں معصومیت پیدا کرتے ہوئے کہا۔

"بکو مت!" لیڈر غرایا۔ اور پھر اپنے ساتھیوں سے بولا۔ "کون سنبھالے گا اس سے...؟"

"میں...!" بیک وقت تین آوازیں کمرے کی فضا میں گونجیں۔

"نہیں صرف ایک آدمی...!" پھر اُس نے خود ہی ایک آدمی کا انتخاب کر لیا۔ "اے کارلو! تم آگے بڑھو۔" اُس نے ایک دراز قامت کو اشارہ کیا۔

کارلو نامی نوجوان کا چہرہ مسرت سے کھل اُٹھا۔ اُس کے مُسکرانے کا انداز ایسا تھا جیسے اُس کی دلی مُراد بر آئی ہو۔ وہ دراز قد اور کسرتی جسم کا مالک تھا۔ اُس کے کھڑے ہونے کے انداز میں خود اعتمادی اور آنکھوں سے بے رحمی اور سفاکی جھلک رہی تھی۔ وہ چھوٹے چھوٹے قدم اُٹھاتا ہوا کمرے کے وسط میں ٹائیگر کے مقابل آ کر کھڑا ہو گیا۔ اُس کا ایک ہاتھ جیب میں تھا۔ جب وہ ہاتھ باہر آیا تو اُس میں سیاہ دستے والا ایک چاقو دبا ہوا تھا۔

کمرے میں اب مکمل خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ صرف گاؤش نوجوانوں کی تیز تیز سانسیں ہی اس خاموشی میں ہلچل مچا رہی تھیں۔ وہ سب دیوار سے لگے تماشے کے منتظر تھے۔ ان سب کی ہمدردیاں کارلو کے ساتھ تھیں انہیں یقین تھا کہ کارلو اپنے مقابل کو جلد ہی ہلاک کر دے گا۔

کارلو نے سیاہ دستے کے کنارے پر لگا ہوا ایک بٹن دبایا۔ چاقو کا بلیڈ کھٹاک کی آواز کے ساتھ باہر آ گیا۔ بلیڈ روشنی میں چمک رہا تھا۔

"جیفے!" اُس نے ٹائیگر کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کسی کو مخاطب کیا۔ اُس کا چاقو والا ہاتھ دائیں بائیں مسلسل ہل رہا تھا۔ اُس کے چاقو پکڑنے کا انداز پیشہ ورانہ تھا۔

"جیفے!" وہ پھر بولا۔ "ٹکڑے کیسے چاہئیں، چھوٹے یا بڑے؟"

کمرے کی فضا گاؤش نوجوانوں کے قہقہوں سے گونجنے لگی۔

"بس اتنے بڑے ہوں کہ تکے بن سکیں۔" کسی نے شوخ بھبتی اور قہقہے دوبارہ فضا میں ارتعاش پیدا کرنے لگے۔

"ایک منٹ دوستو۔" ٹائیگر نے پُرسکون آواز میں کہا۔ اُس کی نظریں کارلو والے ہاتھ پر جمی ہوئی تھیں۔ ٹائیگر نے بلیڈ کا بغور جائزہ لیا جو زہر میں بجھا ہوا تھا۔ "میں خالی ہاتھ نہیں جیکہ میں نے سُنا تھا کہ تم لوگ برابری کی ڈیل پر یقین رکھتے ہو، یہ تو کوئی انصاف نہیں کہ ایک مسلح ہے اور دوسرا نہتا۔" ٹائیگر کے بھیجے میں شوخی کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں تھا۔

"ٹھیک ہے۔" جیفے نامی لیڈر نے کہا۔ "جوکن! اپنا چاقو دو۔"

بمشکل سولہ سالہ لڑکے نے آگے بڑھ کر اپنا چاقو اُس کے حوالے کر دیا۔ جیفے نے چاقو کھول کر اُس کا پھل دیکھا اور پھر اُسے دروازے کی طرح پھینک کر چاقو کا صرف ہینڈل ہاتھ میں رہا۔ وہ مُسکراتا ہوا ٹائیگر کی طرف پلٹا۔

"یہ لو، یہ رہا تمہارا چاقو۔" اُس نے ناکارہ چاقو اس کی طرف اُچھال دیا۔

ٹائیگر نے اُسے گرنے سے قبل ہی تھام لیا۔ اس سے کام چل جانے کا اطمینان کر لینے کے بعد ٹائیگر نے ٹوٹے ہوئے پھل والے چاقو کا معائنہ کرتے ہوئے کہا۔

"کارلو! اسے کاٹ ڈالو۔" جیفے نے حکم دیا۔

کارلو کسی چیتے کی طرح ٹائیگر پر جھپٹا لیکن ٹائیگر اپنی جگہ ساکت کھڑا رہا۔ اب کارلو ٹائیگر سے محض تین فٹ دُور خوفناک انداز میں چاقو لہرا رہا تھا۔ اس کا انداز کسی ناگ کی طرح تھا۔

وہ ایک لمحہ تک عجیب سے انداز میں سر ہلاتا رہا اور پھر دوسری مرتبہ لپکا۔ اس کے چاقو کی نوک کارلو کے سینے کی طرف تھا لیکن عین آخری وقت پر ٹائیگر غیر محسوس انداز میں دائیں طرف ہٹ گیا۔ اس کا بایاں ہاتھ بجلی کی طرح لپکا اور کارلو اپنے ایک کان کی لَو سے محروم ہو گیا۔

"سبق نمبر ایک۔" ٹائیگر نے مُسکرا کر کہا۔ "چاقو سے ڈر کبھی چھٹنا نہیں چاہیے۔"

کمرے میں سنگین خاموشی چھا گئی اور کارلو کو جلد ہی احساس ہو گیا کہ اُس کی گردن پر خون بہہ رہا ہے۔ اپنے خون کا احساس کرتے ہوئے وہ دیوانہ سا ہو گیا۔ اب اس کا چاقو ہوا کو کاٹ رہا تھا۔ وہ ایک بار پھر اچھل کر ٹائیگر کی طرف آیا مگر اس مرتبہ اُس نے ٹائیگر کو اپنے عقب میں پایا۔ دوسرے لوگوں کو بھی یہ احساس نہیں ہو سکا تھا کہ ٹائیگر کس وقت اُس کے عقب میں پہنچا ہے۔ وہ تو پھٹی پھٹی آنکھوں سے صرف یہ دیکھ رہے تھے کہ کارلو کی رخسار کی ہڈی پر ٹائیگر کا ہاتھ ہے اور پھر وہ ہڈی چٹخنے کی آواز سُن کر چونک پڑے تھے۔

"سبق نمبر دو۔" کمرے میں ٹائیگر کی آواز گونجی۔ "اپنے ہدف سے آنکھیں کبھی مت ہٹاؤ۔"

کارلو پر اب جنونی کیفیت طاری تھی لیکن اس جنون میں خوف کا عنصر شامل نہ تھا۔ اُس نے رخسار کی ہڈی ٹوٹنے کی تکلیف بڑی بہادری سے برداشت کر لی تھی۔

وہ خوفناک انداز میں دہاڑا۔ اُس نے چاقو سر سے بلند کیا اور تیسری مرتبہ ٹائیگر کی طرف جھپٹا۔ اس بار بھی ٹائیگر کھڑا رہا۔ تاہم کارلو کے قریب آتے ہی وہ اچھلا۔ اس کا دایاں ہاتھ بلند ہوا۔ اس میں چاقو کا دستہ اب بھی دبا ہوا تھا اور پھر وہ مٹھی کارلو کی کھوپڑی پر پڑی۔ چاقو کا دستہ کھوپڑی کو توڑتا ہوا بھیجے میں گھس گیا۔ اس بار کارلو کی آنکھیں پھیل گئیں وہ ڈگمگایا اور گرنے سے قبل ہی اُس کی رُوح وغیرہ بدن سے پرواز کر گئی۔

"سبق نمبر تین۔" ٹائیگر نے عام سے لہجے میں کہا۔ "میرے اردگرد تمہیں کرنا ضبع ہے، میں تمہیں چار، ہوں جو قریب آنے گا، جیل جائے گا۔"

یہ کہنے کے بعد وہ بڑے وقار سے فرنٹ ڈور کی طرف بڑھنے لگا۔ گاؤش گھبرا گھبرا کر اُسے راستہ دینے لگے۔ جیفے دروازے پر ہی کھڑا ہوا تھا۔ ٹائیگر نے اُس کی گردن، پکڑی اور اُسے ساتھ ہی کھینچتا ہوا باہر لے گیا۔

سڑک پر پہنچنے سے پہلے ہی جیفے اُسے سب کچھ بتانے پر رضامند ہو گیا تھا۔ اُس کے نزدیک جینی انتہائی بے وقوف لڑکی تھی۔ اُس نے کل اقوام متحدہ کے سامنے مظاہرہ کرنے کے عوض دو ہزار ڈالر دینے کی پیش کش کی تھی۔

"مل..." لیکن اس مظاہرے میں تشدد نہیں ہونا تھا۔" جیفے نے کہا۔ "اور... اور... اگر آپ یہ نہیں چاہتے کہ ہم وہاں نظر آئیں تو ہم ایسا ہی کریں گے۔ ہمارے لیے مالی نظم و نسق رقم سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔"

"وہاں ضرور آنا۔" ٹائیگر نے اُسے دھکا دے کر کہا اور پھر اُسے چھوڑ کر سڑک پار کر گیا۔ جینی کی تلاش لاحاصل تھی۔ وہ اب تک نہ جانے کہاں پہنچ چکی ہوگی لیکن اس نے مظاہرے کی جو تاریخیں بتائی تھیں یقیناً مندوبین پر حملے کا پروگرام بنایا ہوگا اور منصوبہ یہ ہوگا کہ جب پولیس مظاہرین کی طرف متوجہ ہوگی تو جینی کے ساتھی کانفرنس ہال پر حملہ کر دیں گے اور اس حملے کو صرف وہ اور اُن کا شان ہی ناکام بنا سکتے تھے۔

سڑکوں پر طلوع آفتاب سے قبل ہی سیاہ پوش لوگ نظر آنے لگے تھے اور جب ایلیٹ ریور کے پانی نے سورج کی پہلی کرن کو محسوس کیا تو اُن لوگوں کی تعداد کبھی بڑھ چکی تھی۔ ان لوگوں کے سامنے اقوام متحدہ کا

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

مدر دفتر تھا جس کی ایک ایک اینٹ سے سرد مہری ٹپک رہی تھی تاہم جلد ہی سورج نے اس عمارت کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا... اور عمارت معاً ہی بیدار ہو گئی۔

مظاہرین نوجوان تھے۔ ان میں پورٹو ریکن باشندوں کی اکثریت تھی جب کہ بعض بے روزگار سیاہ فام بھی موجود تھے تاہم سیاہ فاموں سے کہیں زیادہ تعداد سفید فاموں کی تھی۔ ان کے ہاتھوں میں پلے کارڈ اور بینر تھے۔

"آزادی کو غیر قانونی قرار مت دو۔"

"ہم آزادی کے لیے لڑتے رہیں گے۔"

ٹائیگر نے ایک اور بینر دیکھا جس پر لکھا ہوا تھا۔ فاشزم سے لڑنے کے لیے متحد ہو جاؤ۔ اس نے بینر لہرانے والے کو پہچان لیا، وہ گاڈشوں میں سے ہی ایک تھا۔

کانفرنس کا آغاز گیارہ بجے ہونا تھا۔ مہمانوں کی گیلری میں بیٹھنے کے لیے جن لوگوں کو پاس جاری کیے گئے تھے انھیں پہلے ہی رکاوٹوں کے دوسری طرف پہنچا دیا گیا۔ یہ لوگ مرکزی دروازے پر تھے۔

اُدھر مظاہرین کی تعداد مسلسل بڑھ رہی تھی اور اب وہ عمارت کے بالکل سامنے کھڑے تھے جس کے اندر دُنیا بھر کے نمائندے عالمی عدم توازن کو ختم کرنے کے لیے مسلسل مگر ناکام کوششیں کرتے رہتے تھے۔ تاہم آج وہ عفریتہ گردی اور عالمی دہشت گردی کو خلاف قانون قرار دینے کے مشکل ترین کام میں سر کھپانے والے تھے۔

مظاہرین کے نعرے اب بلند ہونے لگے۔

"عوامی جنگ کبھی ختم نہیں ہوگی۔"

"یہ لوگ کافی منظم ہیں شہزاد۔" اوشان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہاں... اور ان لوگوں کو منظم جیلوں ہی میں رکھنا چاہیے۔ انھیں پتا نہیں کہ یہ کچھ کیا ہیں۔"

"کچھ تیل!" اوشان نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "ہاں ایک قدیم شہنشاہ کے دور میں۔"

"اوشان... پلیز... اس وقت میں کوئی نئی کہانی سننے کے موڈ میں نہیں ہوں۔ میں پہلے ہی طوفان، موٹے اور دبلے، مُردہ جانوروں اور کتوں کی اقسام کے بارے میں سن سن کر زچ ہو چکا ہوں۔ اب مزید کسی کہانی یا کہانی کی گنجائش نہیں ہے۔"

"جیسی تمھاری مرضی۔" اوشان نے مُردہ انداز میں کہا۔ اس وقت وہ اپنے کمرے میں تھے جہاں ٹیلی ویژن پر مظاہرے کا عام منظر دکھایا جا رہا تھا۔ لیکن میری رائے یہ ہے کہ ہمیں بھی باہر نکل کر ان کیڑے مکوڑوں کے درمیان ہونا چاہیے۔"

"دوست! ہمیں یہاں سے چلنا چاہیے کیونکہ اس مظاہرے کی آڑ لے کر کوئی کانفرنس ہال پر حملہ کرنے کی کوشش کرے گا۔"

"اوہ! کیا تم نے شہنشاہ کا حکم نہیں سنا تھا۔"

"کیسا حکم؟"

"یہی کہ اب وہ اس مشن کو تم سے واپس لے رہا ہے۔"

"ٹیل فادر!" ٹائیگر کا لہجہ بہت نرم تھا۔ "ہم دونوں بہت اچھی طرح جانتے ہیں کہ ایسا کوئی بھی حکم نہ تو ہم مان سکتے ہیں اور نہ ہی وہ اس پر عمل درآمد کا سوچ سکتا ہے۔ ہم اس کھیل میں آخری سانس تک شامل ہیں اور بہرام کو اس بات کا بخوبی علم ہے۔"

"یہ کیسی وفاداری ہے کہ ملازم اپنے آقا کی حکم عدولی کر رہا ہے؟" اوشان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میرے آقا عوام ہیں۔" ٹائیگر کا لہجہ بہت سنجیدہ تھا۔ "میں عوام کے مفاد میں کام کرتا ہوں، ڈاکٹر بہرام کے مفاد میں نہیں۔"

"کمال ہے۔" اگرچہ اوشان کا سینہ فخر سے پھول گیا تھا مگر اس نے اپنی کیفیت کا اظہار کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ "تم اس شخص کو اپنا آقا تسلیم کرنے سے انکار کر رہے ہو، جو تمھیں تنخواہ دیتا ہے اور جس کے سامنے تم جواب دہ ہو؟"

"چھوڑو اوشان۔" ٹائیگر اُکتا کر بولا۔ "چلو۔"

"نہیں۔ اپنے ذہن کو قابو میں رکھنے کے لیے چند ورزشیں کر لو۔ ورنہ تمھارے جذبات تمھارے فرض پر غالب آ جائیں گے۔"

"ٹیل فادر...!" ٹائیگر پُرسکون لہجے میں بولا۔ "میں بنیادی طور سے عادی کیا جا چکا ہوں۔ اب کام کا وقت ہے لیکن ہمیں زیادہ مشکل مہم کی طرف سے ہی پیش آنے کی۔ ممکن ہے وہ چار پانچ سو افراد کے ساتھ یہاں موجود ہو اور ہمیں یہ خیال رکھنا پڑے گا کہ ان میں سے کوئی ہمارے ہاتھوں نہ مارا جائے۔"

"چیو! ہم سب سے باری باری پوچھیں گے کہ وہ بہرام کے آدمی تو نہیں یا پھر ایسے کسی شخص کو قتل نہیں کریں گے جو برساتی میں ہو۔" یہ کہہ کر اوشان دھیرے سے مسکرایا اور پھر ٹائیگر کو دیکھنے لگا جو دروازے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس نے ٹائیگر کے قدموں کی رفتار کا اندازہ لگانے کے بعد اس کے انداز میں قدم اٹھانے شروع کر دیے۔

وہ واقعتاً پریشان تھا۔ اپنے لیے نہیں بلکہ ٹائیگر کے لیے۔ اپنے پیشے کے لیے... مدِ مقابل جو طاقت تھی، وہ مستقبل کے ماسٹر کو قتل کر سکتی تھی۔ ٹائیگر کو اس قوت کا احساس کر لینا چاہیے تھا مگر وہ اس کی طرف سے بالکل بے نیاز تھا۔ اوشان اسے اس بارے میں بتانا بھی نہیں چاہتا

کیونکہ پھر ٹائیگر غصے میں آ کر اپنی انا کے نام پر وہ کچھ کر گزرتا، جو اس کے خلاف ہو سکتا تھا۔ لہٰذا اب واحد طریقہ یہ تھا کہ وقت آنے پر وہ وقت خود ٹائیگر کے سامنے آئے اور پھر ٹائیگر اپنی صلاحیتوں کو استعمال کر کے اس کا صفایا کر دے یا خود ختم ہو جائے۔

"شہزاد!" اوشان نے اچانک ہی دھیرے سے آواز دی۔ "کیا تم نے کبھی یہ نہیں سوچا کہ اس دہشت گردی کے پیچھے کون ہو سکتا ہے؟"

"میں جانتا ہوں لہٰذا مجھے اس بارے میں سوچنے کی کوئی ضرورت نہیں۔" ٹائیگر کا لہجہ بہت خوشگوار تھا۔

"اوہ...!" اوشان کا دل دھڑک اُٹھا۔

"ہاں، وہ ایسا کتا ہے جو عام طور پر بھونکتا رہتا ہے لیکن کبھی کبھی اٹ بھی لیتا ہے۔ جو سوئے کو جگانے کی خواہش رکھتا ہے مگر ڈبے پر ٹھوکر مارتا ہے اور جو مُردہ جانوروں کی جگہ فرنٹ کا انتظار کر رہا ہے۔"

"تب پھر دعا کرو کہ وہ تمھارا انتظار نہ کر رہا ہو۔" اوشان نے مسکرا کر کہا۔ "اگرچہ ہم آج کانفرنس میں آنے والوں کی حفاظت کر رہے ہیں لیکن حالات اس وقت تک نہیں بدلیں گے جب تک ان حالات کے پس پشت اصل مجرم کو تباہ نہ کر دیا جائے۔"

"اگلی باری اسی کی ہوگی ٹیل فادر۔" ٹائیگر نے پُرعزم لہجے میں جواب دیا تو اوشان اُداسی سے سر ہلا کر رہ گیا۔ اب وہ دروازے کی چوکھٹ پر ٹائیگر کے شانہ بشانہ تھا۔

"اگلی باری کی بات مت کرو، اسی بار کی بات ہونی چاہیے خرزند۔" اوشان نے کہا۔

ٹائیگر نے کوئی جواب دینا چاہا مگر اسی لمحے ٹیلی فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ ٹائیگر کو واپس کمرے میں جانا پڑا۔

دوسری طرف سے کسی لڑکی کی گھبرائی ہوئی آواز سنائی دی۔

"شہزاد! جلدی آؤ، سب کچھ ہاتھ سے نکلا جا رہا ہے۔"

"جینی... تم کہاں ہو؟" وہ پُرسکون لہجے میں بولا۔

"مُردہ جانوروں کی جگہ... مو... !" اور پھر ٹیلی فون ٹائٹی بے جان ہو گئی۔

ٹائیگر نے ریسیور کو گھورتے ہوئے بڑی احتیاط سے کریڈل پر رکھا۔ وہ فیئر پلے کا خواہاں تھا لیکن اسے یہ علم نہیں تھا کہ اسے وہ کہاں ملے گا، کب ملے گا۔ وہ اوشان کی طرف پلٹا، جو آنکھیں سکیڑے اس کو دیکھ رہا تھا۔

"یہی ہونا تھا۔ اسی کی منصوبہ بندی ہوئی تھی۔"

ٹائیگر اُسے دیکھتا رہ گیا۔

شہر کے ایک حصے میں فاتحانہ انداز سے مسکراتے ہوئے جینی نے ریسیور رکھا۔ وہ بہت مطمئن تھی۔

"کیسی رہی؟" اس نے مسکراتے ہوئے ہم نشیں سے پوچھا۔

"بہت شاندار... میرے حسین انقلابی گاب۔" مرزور شخص نے پھاڑ انداز میں جواب دیا۔

"کیا خیال ہے، وہ اس طرح جال میں پھنس جائے گا؟"

"نہیں، وہ جال میں تو نہیں پھنسے گا لیکن آئے گا ضرور۔"

اوشان اور ٹائیگر دونوں نے ہی اقوامِ متحدہ کی عمارت تک پیدل چلنے کو ترجیح دی۔ ٹائیگر اپنے ذہن میں بار بار جینی کے جملے دُہرا رہا تھا۔ اس دوران میں بے خیالی میں وہ دو مرتبہ لوگوں سے ٹکرایا تو اوشان کے چہرے پر ناپسندیدگی کے تاثرات اُبھر آئے۔

ایک پارک میں بچوں کو کھیلتے دیکھ کر لاشعوری طور پر ان کی رفتار سُست ہو گئی۔ وہ بچے ایک بڑے غبارے کو اس کی ڈھلان سے پھسل رہے تھے اور اس ڈھلوان کی شکل ایک قدیم جانور سے ملتی تھی۔ ٹائیگر دیکھنے لگا۔ اس عظیم الجثہ جانور کی کمر کتنی خوبصورتی سے ڈھلوان بنائی گئی ہے۔ وہ مسکرانے لگا لیکن اس نے ایک بار پھر غور سے جانور کی طرف دیکھا۔ اب اس شکل میں کچھ اور بھی نظر آ رہا تھا۔ یہ جانی پہچانی لگ رہی تھی۔ وہ اس شکل کو پہلے بھی دیکھ چکا تھا پھر معاً اس کے ذہن میں بجلی سی کوند گئی۔ جینی نے یقیناً یہیں سے اسے ٹیلی فون کیا تھا۔ اس جگہ سے جہاں مُردہ جانوروں کی طرح کے کھلونے بنائے گئے تھے اور اسی لمحے پہلی مرتبہ اسے یقین ہو گیا کہ دہشت گردی کے پیچھے کون ہے۔

اس نے رُک کر اوشان کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

"اوشان! میں سمجھ گیا۔" ٹائیگر کا لہجہ عجیب سا تھا۔

شعلے کا سوداگر
مصنف طارق اسمٰعیل ساگر
خوبصورت سرورق
دیدہ زیب پرنٹنگ و طباعت
قیمت =/150 روپے
مکتبہ القریش
سرکلر روڈ اردو بازار لاہور
فون 7668958

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"تب پھر تم جاؤ گے؟"

"ہاں۔" ٹائیگر نے پُراعتماد سے کہا۔ "لیکن تم کوان مندوبین کی حفاظت کرنی ہے جو کانفرنس میں شریک ہیں۔"

"ٹھیک ہے جیسی تمہاری مرضی۔" اُوشان نے سنجیدگی سے کہا۔ "لیکن یہ خیال رکھنا کہ تم جس کتے سے مقابلے کے لیے جا رہے ہو وہ بہت خطرناک ہے جب کہ تم جس کتے سے مندوبین کو بچانے کے لیے جا رہے ہو وہ الانہوں وہ صرف [illegible]"

ٹائیگر نے اُس کا بازو تھام لیا اور اُوشان نے شاید زندگی میں پہلی مرتبہ اُس سے نظر چرائیں۔ وہ اپنے دل میں ایک طوفانی کیفیت محسوس کر رہا تھا۔

"فکر نہ کریں فیل فلور۔" ٹائیگر نے محبت بھرے لہجے میں کہا۔ "میں فتح اپنے دانتوں میں دبا کر آپ کے قدموں میں لا ڈالوں گا۔"

"ہاں۔" اُوشان نے بھرپور اعتماد کے ساتھ کہا اور پھر بس میں ٹائیگر کی طرف دیکھنے کی ہمت عود کر آئی۔ وہ اُس کی آنکھوں میں دیکھتا ہُوا بولا۔ "جب آخری مرتبہ تم دونوں کا آمنا سامنا ہُوا تھا تو میں نے تم سے کہا تھا کہ وہ چار ہندسے کے معاملے میں تم سے پانچ سال آگے ہے لیکن میں نے غلط کہا تھا۔ تم دونوں کی ٹکر برابر کی ہے، زیادہ فرق نہیں۔"

"صرف برابر۔" ٹائیگر نے مسکرا کر پوچھا۔

"برابر۔۔۔ یہی لفظ زیادہ مناسب ہے۔ ویسے وہ تو فزوہ ہے اس حیثیت سے کہ تم زیادہ مہلت حاصل کر چکے ہو۔ اب جاؤ میرے بچے۔۔۔"

ٹائیگر پلٹا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہُوا علی الصباح کے اس ہجوم میں گم ہو گیا، جو سڑکوں پر تیزی سے چلتا ہُوا نظر آ رہا تھا۔ سب کو بروقت دفتر پہنچنے کی فکر تھی۔ اُوشان اُسے دیر تک دیکھتا رہا اور پھر اُس نے دل کی کامیابی کے لیے دعا کی۔ یہ دعا دل کی اتھاہ گہرائیوں سے ان۔ وہ جانتا تھا کہ ابھی ٹائیگر کو مزید بہت کچھ سیکھنے کی ضرورت ہے اور اُسے پچھتاوا تھا کہ وہ یہ باتیں اُسے اب تک کیوں نہیں سکھا سکا۔

★★

کار پر پہنچ کر ٹائیگر ایک لمحے کے لیے رُکا۔ اسی لمحے ایک ٹیکسی کی رفتار سست ہوئی تو اُس نے بغیر سوچے سمجھے اس کے دروازے پر ہاتھ ڈال دیا۔ خودکار دروازہ کھلا۔ اندر اپ سے بیٹھی نشست پر بیٹھ گیا اور پھر اُس نے خود کو سُرخ بالوں والی ایک حسینہ کی گود میں پایا۔

"اوہ۔۔۔ سوری۔۔۔ یہ کون ہے جنگلی؟" اُس خوبصورت لڑکی نے بے اختیار انداز میں کہا۔ وہ خوفزدہ حالت میں اور زیادہ حسین لگ رہی تھی مگر اس وقت ٹائیگر کے پاس حُسن کی تعریف کرنے کے لیے زیادہ وقت اور الفاظ نہیں تھے۔ اُس نے جھک کر دوسری طرف کا دروازہ کھولا۔ ٹیکسی کی رفتار اب اور کم ہو گئی تھی لہٰذا حسینہ کو ٹیکسی سے دھکا دیتے ہیں اُسے کوئی تامل نہیں کیا۔ ٹیکسی ڈرائیور کی بھی غصے سے بُری حالت تھی۔

"میوزیم آف پیچرل ہسٹری چلو۔۔۔ ذرا جلدی۔" ٹائیگر نے سپاٹ لہجے میں کہا لیکن اس لہجے میں ڈرائیور کے لیے جتنی دھمکیاں پوشیدہ تھیں وہ ڈرائیور فوراً سمجھ گیا اور ٹیکسی تیزی سے سڑکوں پر پھسلنے لگی۔ ڈرائیور دروازہ بند کرنے کے بعد پچھلی سیٹ پر موجود نوجوان کی آنکھوں میں قاتلانہ چمک دیکھ لی تھی۔

ٹائیگر نشست گاہ سے ٹیک لگانے میوزیم کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اس نے ایک مرتبہ پہلے بھی یہ میوزیم دیکھا تھا۔ اس میں کئی منزلیں تھیں اور احاطے میں چوکور عمارتوں کا ایک بلاک تھا۔ ایک خاص کمرے میں قدیم جانوروں کے حنوط شدہ جسم محفوظ تھے۔ ان میں اس جانور کا جسم بھی شامل تھا جس کا نمونہ اُس نے پارک میں دیکھا تھا۔ گو گشتہ رات اس سے باتیں کرتے ہوئے جینی نے اُسے اسی جانور کے نام سے پکارا تھا غالباً اُس نے ٹائیگر کو اشارہ دیا تھا لیکن وہ اُسے سمجھنے سے قاصر رہا تھا۔

"اور شاید جینی نے آج فون پر یہی بتانے کی کوشش کی تھی کہ وہ کہاں ہے؟" ٹائیگر نے سوچا۔ وہ سوچنے لگا کہ وہاں تو گائن موجود ہوں گے۔ اُسے دیکھ کر حیرت زدہ رہ جائے گا۔

★★

اُوشان کی چھٹی حس بار بار کہہ رہی تھی کہ کوئی گڑبڑ ضرور ہے۔ کے قدم بہت تیزی سے اُٹھ رہے تھے لیکن بظاہر ایسا لگ رہا تھا وہ سڑگشت کر رہا ہو۔ وہ اقوامِ متحدہ کی عمارت کے سامنے موجود ہجوم کے درمیان اپنا راستہ بناتا چلا جا رہا تھا۔

ایک بات اسے بُری طرح کھٹک رہی تھی اور وہ یہ کہ مندوبین پر ممکنہ حملے کا بہت سے لوگوں کو علم ہو چکا تھا۔ ڈاکٹر کو علم تھا۔ امریکی حکومت کے نصف سے زیادہ افسروں کو یہ بات معلوم تھی۔ ٹائیگر باخبر تھا۔ اُوشان جانتا تھا اور وہ لڑکی جینی بھی بخوبی واقف تھی۔

"اور فی الحقیقت لیے حملوں کی اس طرح پیشگی اطلاع کبھی نہیں ملتی۔" اُوشان زیرِ لب بڑبڑانے لگا۔ "یوان سانا کچھ سے تعلق رکھنے والا یہ حملہ اچانک بے رحمی اور حیرت انگیز پھرتی سے کرتا ہے۔" اُوشان کو یہ ضرور معلوم تھا اور اُسے محسوس ہو رہا تھا کہ کوئی جان بوجھ کر اس ضابطے کی خلاف ورزی کر چکا ہے۔ سوال یہ تھا کہ اگر اصل مقصد مندوبین کو قتل کرنا تو پھر مندوبین کو لانے کرنے حفاظتی پہرے میں جمع ہونے کی مہلت کیوں دی گئی۔ ہزاروں پولیس والوں کی موجودگی میں حملے کی کامیابی کا امکان ہے۔ مندوبین کو ان کے ہوٹلوں، گھروں یا طیاروں ہی قتل کیا جا سکتا تھا۔

"شاید میں کوئی غلطی کر رہا ہوں۔" اُوشان کے دل میں پھانس سی چبھنے لگی۔ "شاید میں نے مخالف کی صلاحیت کا کچھ زیادہ اندازہ لگا لیا ہے۔" یہی سوچتا ہُوا وہ چلتا رہا۔ "نہیں۔۔۔" وہ زیرِ لب بولا۔ "ہرگز نہیں۔ یہ بات نہیں۔ میں ایسی حماقت نہیں کر سکتا۔"

لیکن اُسے احساس تھا کہ اب تک رُونما ہونے والے واقعات میں کہیں نہ کہیں کوئی حماقت ہو رہی ہے۔ یہ حماقت کیا ہے؟ وہ اس سوال پر غور کرنے لگا۔ اب وہ عمارت کے سامنے تھا اور اس سے قبل کہ محافظوں کی نظر اس پر پڑتی، وہ کسی بلّی کی طرح اچھل کر احاطے میں کود چکا تھا۔ وہ کسی کی نظر میں نہیں آیا۔ اس کی رفتار اتنی ہی تیز تھی۔

بہرام کے آدمیوں کو پہچان لینا زیادہ مشکل بات نہ تھی۔ ٹائیگر سے اس سلسلے میں جو کہا تھا وہ سامنے تھا۔ وہ لوگ برساتی کوٹ پہنے ہوئے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں کیمرے تھے اور ان کے سینوں پر پریس لکھا ہُوا تھا۔ کیمروں کا رُخ ہجوم کی طرف تھا مگر اُوشان کو ابھی تک کسی بھی کیمرے کی کلک سُنائی نہیں دی تھی۔

اُسے اچھی طرح یاد تھا کہ برساتی کوٹ پہنے ہوئے کسی بھی شخص کو ہاتھ نہیں لگانا ہے۔

اُس کی چمکتی ہوئی آنکھیں اطراف کا جائزہ لینے لگیں۔ "حملہ کہاں سے ہوگا؟" یہ سوال کسی بگل کی طرح ذہن میں گونجا تھا۔

اب تک جو کچھ بھی ہُوا تھا اُس کا محور دھوکا تھا اور اس محور کے فلسفے کی بنیاد پر اُسے یقین تھا کہ حملہ سامنے سے ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ حملہ آور یقیناً کسی بہروپ میں ہوں گے۔ "کس روپ میں ہوں گے؟" اُوشان بار بار پلٹ کر آپ سے سوال کر رہا تھا۔ "اخباری نمائندوں کے بھیس میں؟ نہیں۔۔۔ اخباری نمائندوں پر کوئی بھی اعتماد نہیں کرتا۔ ہنگامی حالات میں تو پولیس والے براہِ راست صحافیوں کو ہی مورد الزام ٹھہراتے اور انہیں بُرا بھلا کہتے ہیں۔ انہیں آگے بڑھنے ہی نہیں دیتے۔ تو کیا قاتل پولیس کی وردی میں ہوں گے؟ نہیں۔۔۔ یہاں اتنے پولیس والے ہیں کہ کسی بھی بہروپیے کو پہچان سکتے ہیں تب پھر کسی پادری کے بھیس میں قاتل آئیں گے۔ نہیں۔۔۔" وہ سر جھٹکنے لگا۔ "اس عمارت میں پادریوں کے احاطے کا کوئی جواز ہی نہیں۔ ان کی موجودگی پولیس والوں کو مزید چوکنا کر سکتی ہے۔"

وہ ایک بار پھر محافظوں کی قطاروں کو گھورنے لگا۔ "آخر ایسا کون ہے جو اس انسانی دیوار کو بغیر کسی پوچھ گچھ کے عبور کر سکے گا؟"

تب ہی اُس کے ذہن میں جھماکا سا ہُوا۔

وہ مرکزی دروازے کے سامنے پارکنگ کی طرف بڑھنے لگا جہاں

فوجی جوان موجود تھے اور آزادی سے اِدھر اُدھر جا رہے تھے۔

"قاتل فوجی دستے کے بھیس میں ہی آ سکتے ہیں۔ فوجیوں سے کوئی پوچھ گچھ نہیں کرتا۔۔۔ اور جب پوچھ گچھ کی جاتی ہے تو اس وقت تک بہت تاخیر ہو چکی ہوتی ہے۔" اُوشان نے اپنے آپ کو یقین دلانے والے انداز میں دل ہی دل میں کہا۔ اس کو اس بات پر یقین تو تھا لیکن یہ بات ابھی تک اس کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی کہ آخر حملہ آور [illegible] اندازوں میں کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ یہ منصوبہ بندی ناقص تھی اور شاید یہی نقص۔ مخالفوں کے علم میں نہیں تھا۔

★★

میوزیم کی سامنے والی سنگی سیڑھیوں پر ایک رسّی بندھی ہوئی تھی اور اس کے قریب ہی بورڈ لگا ہُوا تھا۔ "میوزیم بند ہے۔"

ٹائیگر نے زینے کی بجائے وہ راستہ اختیار کیا جو ایک پگڈنڈی کی شکل میں تھا اور جو پہلی منزل کی طرف لے جا رہا تھا۔ درحقیقت پہلی منزل گراؤنڈ فلور سے کچھ ہی اونچی تھی کیونکہ گراؤنڈ فلور دراصل تہ خانہ تھا۔

اُسے وہاں بھی دروازہ بند ملا تاہم قفل کو محض انگلیوں کی جنبش سے توڑ دینا کوئی مسئلہ نہ تھا۔ ٹیکسی ڈرائیور دُور ہی سے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ وہ اس تجسس سے دوچار تھا کہ اس صورتِ حال کی اطلاع پولیس کو کرے یا نہ کرے۔ لیکن پھر معاً اُسے پچاس ڈالر کی بھاری ٹپ یاد آ گئی لہٰذا ڈرائیور نے فیصلہ کیا کہ اگر یہ نوجوان غیر قانونی طور سے میوزیم میں داخل ہو رہا تھا تو یہ اُس کا دردِ سر نہیں۔

اگرچہ باہر روشنی اور گرمی تھی لیکن اندر تاریکی اور خنکی تھی۔ ٹائیگر کا استقبال کیا۔ ٹائیگر نے آنکھوں اور تاریکی کو ہم آہنگ کرنے میں صرف ایک پل ہی لیا اور پھر پہلی منزل کے مرکزی ریسپشن ہال کی سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ اس کی یادداشت اچانک ہی تازہ ہو گئی تھی اور اُسے ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ کئی سال کی سیاحت محض چند روز قبل یہاں آیا تھا۔ وہ بڑے یقین کے ساتھ راہداری میں داخل ہُوا اور دائیں طرف گھوم گیا۔ یہاں پہلی منزل کے کاریڈور میں ایک کمرے کے اندر داڑھی والا ایک نوجوان بیٹھا ہُوا نظر آیا جس نے کان سے ریسیور لگا رکھا تھا۔

"وہ یہاں آ چکا ہے۔" نوجوان نے سرگوشی میں کہا۔

"گڈ!" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "ٹاپ فلور تک اس کا تعاقب کرو اور پھر اُسے ختم کر دو۔"

نوجوان سر ہلانے لگا۔ "ٹھیک ہے لیکن اگر وہ ٹاپ فلور تک نہ گیا؟"

"ضرور جائے گا۔" نوجوان سے کہا گیا۔ "اسے ختم کرنے کے فوراً بعد مجھے فون کر دینا۔"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ٹائیگر مسلسل زینہ چڑھ رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اُسے اُدوشان کی ہدایت کے مطابق بالائی منزل سے ہی شکار کی تلاش کا کام شروع کرنا چاہیے تھا اس طرح شکار کے فرار کی راہ مسدود ہو جاتی لیکن اس نے نہ جانے کیوں یہ ہدایت نظر انداز کی تھی تاہم اب وہ تیزی سے ٹاپ فلور کے قریب ہوتا جا رہا تھا۔ اس منزل کے آخری کمرے میں وہ ہال تھا جہاں قدیم اور تاریخی جانوروں کے حنوط شدہ جسم محفوظ تھے۔

وہ سیدھا اسی ہال میں داخل ہوا اور اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ یہاں وہ جانور موجود تھے جن کا ذکر اب صرف تاریخ میں محفوظ تھا اور اس وقت بالکل زندہ و سلامت لگ رہے تھے بس اُن کی خاموشی کے باعث ہی یہ احساس ہو رہا تھا کہ وہ مُردے ہیں۔ وہ ایک جانور کے قریب رُکا اور سر اُٹھا کر دیکھنے لگا۔ اس جانور کا قد دس فٹ کے قریب تھا اور اس کی لمبی سی تھوتھنی نیچے کو جھکی ہوئی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ بھی ٹائیگر کا بغور جائزہ لے رہا تھا۔

اسی لمحے ٹائیگر نے عقب میں ہلکی سی چاپ سُنی اور فوراً پلٹ کر دیکھا۔ وہی داڑھی والا نوجوان کرائے کی سیاہ یونیفارم میں اس کے سامنے کھڑا ہوا تھا۔

"ارے تم! تم نے کرائے کا فن کہاں سے سیکھا؟" ٹائیگر نے خوشگوار لہجے میں اُس سے پوچھا۔

لیکن سیاہ پوش غالباً وقت ضائع کرنے کے موڈ میں نہ تھا۔ اُس کے حلق سے مخصوص آواز نکلی اور اس کے ساتھ ہی وہ فضا میں بلند ہو کر ٹائیگر کی طرف لپکا۔ اُس کی دونوں ٹانگیں اس انداز میں مڑی ہوئی تھیں کہ وہ پلک جھپکتے میں انھیں سیدھا کر کے مہلک کک لگا سکتا تھا۔ اس کا دایاں ہاتھ مُکے کے انداز میں سر سے بلند تھا اور یہ ہاتھ بھی ضرب لگانے کے لیے تیار تھا۔

اس کی زقند اونچی اور لمبی تھی اور یہی اُس کی مہلک غلطی تھی اس سے قبل کہ وہ کک لگاتا یا ہاتھ سے ضرب مارتا، ٹائیگر نے محض پہلو بدلا اور پھر اس کا لینٹو ٹائیگر کے پھیلے ہوئے ہاتھ میں آ گیا پھر جوابی نوجوان کا سر جھکا۔ ٹائیگر نے کلائی کو ہلکا سا دبایا۔ ٹائیگر کی انگلیوں نے حلق کی ہڈیاں پچھے اور عضلات اس طرح پچکا دیے جیسے لینٹو نہیں تمازہ ہو۔ نوجوان وہیں سے تنگ مرمر کے فرش پر گرا اور ساکت ہو گیا۔ اس کی آواز تک نہیں نکلی تھی۔

▼ ▼

دوسری منزل پر پہنچ تین سو سیکنڈ گزرنے کے باوجود فون کی گھنٹی نہیں بجی تو زرد رُو شخص دھیرے سے مُسکرایا اور جینی کی طرف دیکھنے لگا۔

"کیوں، کیا ہوا؟" جینی نے پوچھا۔

"اس نے ہماری پہلی دفاعی لائن توڑ ڈالی ہے۔" زرد رُو شخص نے بدستور مُسکراتے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب؟" جینی نے پوچھا۔

"کرائے کا سامراج گیا۔" اس کے لہجے میں انتہائی اعتماد اور یقین تھا۔

"اوہ... یہ تو بہت بُرا ہوا لیکن تم اتنے پُرسکون کیوں نظر آ رہے ہو؟" جینی پہلو بدل کر رہ گئی۔

"تم ایک سچی انقلابی ہیروئن کی طرح بول رہی ہو۔" وہ ہنس پڑا۔ "ہم نے طیارے اغوا کیے، دیر غمالیوں کو گولی ماری، یہ سب کچھ کتنی آسانی سے ہو گیا۔ ہم نے آج کئی سفارت کاروں کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا۔ لیکن ہمیں اس نوجوان کی فکر ہے جس کی کرائے کی کمپنی انتہائی گھٹیا ثابت ہوئی۔"

"پھر بھی... وہ ہمارا آدمی تھا۔" جینی نے احتجاج کرنے والے انداز میں کہا۔ "جب کہ اُسے قتل کرنے والا استعمار کا کاسہ لیس اور انقلاب کا دشمن ہے۔"

"نہیں میری پیاری!" زرد رُو نے ہنس کر جواب دیا۔ "سب ایک جیسے ہیں، ان پر کوئی بھی لیبل لگا دو، وہ سب آدمی ہیں، صرف سوچ کا فرق ایجنٹ یا کچھ اور بنا دیتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ داڑھی والے کی موت کامیابی اور قریب لے آئی ہے۔"

"اور اس موت کا ذمے دار سامراج ہے۔" جینی نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "ہمارے نظریات کے لیے خطرہ ہے۔"

"اس دنیا میں نظریات نامی کوئی چیز نہیں۔" وہ کھڑا ہو گیا۔ "صرف طاقت ہی سب کچھ ہے اور طاقت کا سرچشمہ زندگی ہے۔ میری انقلابی ہیروئن۔" یہ کہہ کر وہ ڈیسک کے پیچھے جا کھڑا ہوا۔ اس نے کان دیوار سے لگا دیے لیکن اس کی نظریں جینی پر جمی ہوئی تھیں۔

اُس کی نظروں میں نہ جانے ایسی کیا بات تھی کہ جینی اپنی کرسی میں سمٹ کر رہ گئی۔ وہ کچھ سُننے کی کوشش کر رہا تھا اور جینی کو یہ علم نہیں تھا کہ وہ اپنی موت یا زندگی کے قدموں کی چاپ سُننے کی کوشش کر رہا ہے۔

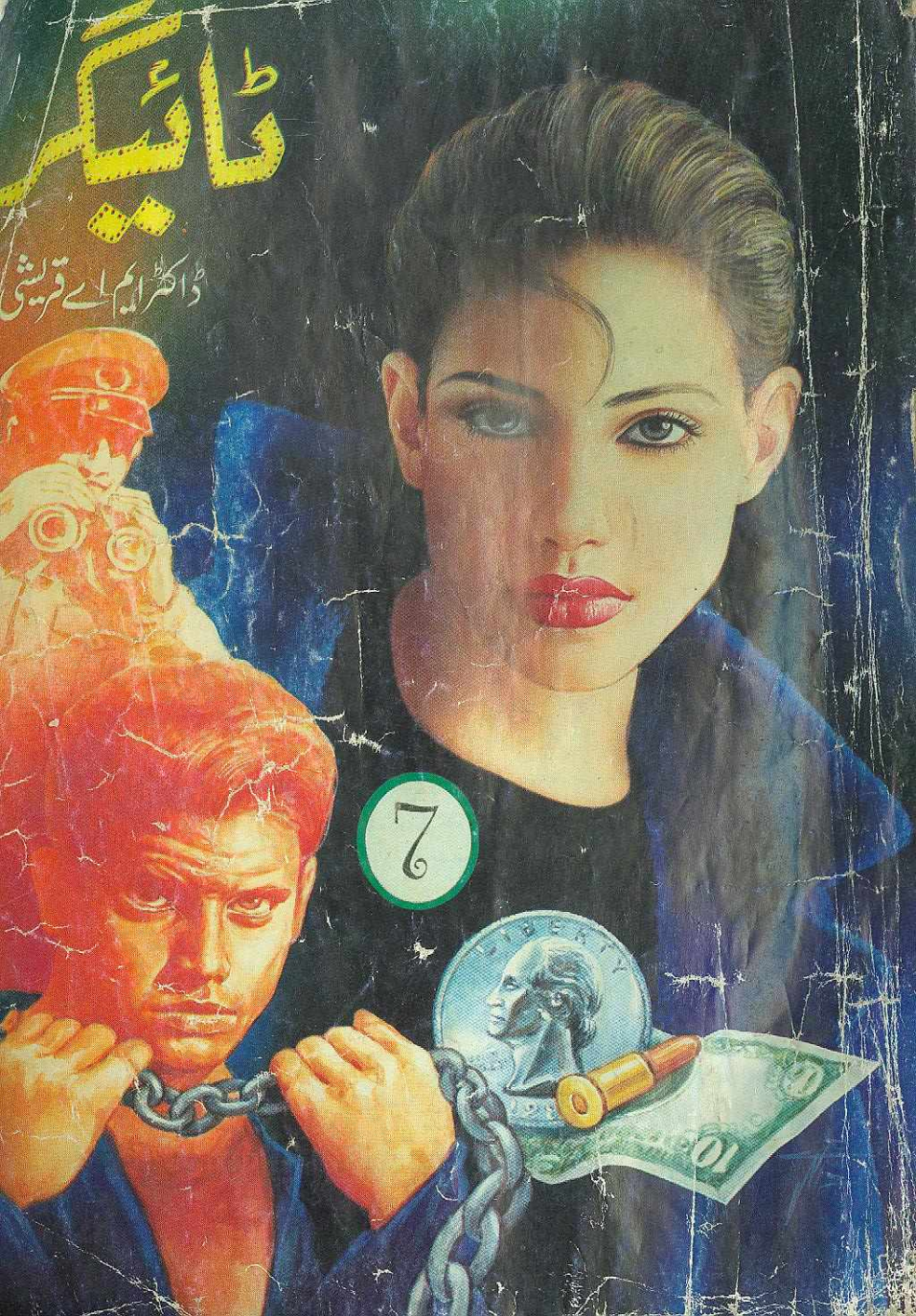
اس کے بعد

ٹائیگر کے ساتویں حصے کا مطالعہ کریں۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ٹائیگر

ڈاکٹر ایم اے قریشی



اُس کے چہرے پر گہری سنجیدگی طاری تھی۔
وہ بڑے انہماک سے دیوار سے کان لگائے کچھ سُنتا رہا لیکن ایسا کرتے ہوئے بھی اُس کی آنکھیں جینی پر ہی ہوئی تھیں۔
اُس کے اچانک خاموش ہو جانے پر جینی کے چہرے پر بھی حیرت کے تاثرات پھیل گئے لیکن وہ مُنہ سے کچھ نہ بولی اور خاموشی سے زرد رُو کی آنکھوں میں جھانکتی رہی۔
زرد رُو کے ہونٹوں پر ایک دھیمی سی مُسکراہٹ دوڑ گئی جیسے وہ کسی نتیجے پر پہنچ گیا ہو۔ جینی کو اُس کے ہر انداز میں پُراسراریت محسوس ہو رہی تھی۔ جانے اُس کی مُسکراہٹ میں کون سا تاثر تھا کہ جینی کو اپنے جسم میں سردی کی لہر سی دوڑتی محسوس ہو رہی تھی۔
"سُنو جینی! میں تمہیں اپنے ایک راز کی بات بتاؤں۔" اُس کا لہجہ انتہائی پُراسرار تھا۔ "اب تک ہمارے ہاتھوں جتنی تباہی مچی ہے، جتنے لوگ قتل ہوئے ہیں، اس تباہی اور ان وارداتوں کا میرے ذہن میں صرف ایک مقصد ہے۔ میں کسی انقلابی نظریے کو نہیں مانتا۔ میں نے اور تم نے جو کچھ کیا، اُس کا واحد مقصد دو افراد کی بربادی ہے۔"
"دو افراد کی بربادی!" جینی چونک پڑی۔ "کیا تمہاری مراد شہزاد اور اُس کے بُوڑھے مشرقی سائنسی سے ہے؟"
"ہاں! میں شہزاد کا ہی ذکر کر رہا ہوں، جو آج کل ماسٹر آف سائنجو بننے کے خواب دیکھ رہا ہے... اور اُوشان کا بھی... اُس بُوڑھے کا جو آج کل ماسٹر ہے، جس کا وجود میرے اور میرے مقصد کے درمیان کسی آہنی دیوار کی مانند حائل ہے۔"
"تمہاری باتیں غیر انقلابی ہیں۔" جینی مُنہ بنا کر بولی۔ اُسے مجھ ہر چیز سے نفرت محسوس ہونے لگی تھی۔ اُسے پہلی بار احساس ہو رہا تھا کہ طیاروں کا اغوا، لوگوں کا قتل اور ایسی ہی ساری باتیں اور حرکات قابلِ نفرین ہیں۔
"لیکن ہے۔" زرد رُو مُسکرانے لگا۔ "لیکن فتح مند شخص اپنے اعمال پر کوئی بھی لیبل لگا سکتا ہے۔ جب کہ شکست خوردہ کو یہ حق حاصل نہیں ہوتا۔" یہ کہتے ہوئے اُس کی آنکھیں عجیب انداز میں چمکنے لگی تھیں۔ "بس بہت باتیں ہو گئیں۔" وہ ایک طویل سانس لے کر خوفناک لہجے میں بولا۔ "اب وہ آنے ہی والا ہو گا۔ آؤ، اب منصوبے کے اگلے حصے پر عمل کریں گے۔"
"میں سمجھی نہیں!"
"وہ ہماری تلاش میں اوپر آئے گا اور... مایوس ہو کر وہ ایک بار پھر نیچے کا رُخ کرے گا، دیکھنا یہ ہے کہ وہ دوسری دفاعی لائن بھی توڑ سکتا ہے یا نہیں۔ ہم نیچے چلیں گے۔"
ٹائیگر نے ناپ تول کر کسی کو نپا کر بُرا سا مُنہ بنایا، مگر اُسے کسی قسم کی جھنجلاہٹ نہ ہوئی۔ وہ واپس سیڑھیاں اُترنے لگا۔
چوتھی منزل کی طرح تیسری منزل پر اب بھی کوئی نہ تھا۔ وہ سر ہلاتا ہوا نیچے پر چلتا رہا اور پھر آخری زینے کے حصے پر اُسے رُک جانا پڑا۔
نیچے ایک قد آور سیاہ پوش کھڑا ہوا تھا۔
اُس نے مُسکرا کر ٹائیگر کی طرف دیکھا اور پھر دھیرے دھیرے سیڑھیاں چڑھنے لگا۔
ٹائیگر کے ہونٹوں پر اُسے دیکھ کر ہلکی سی مُسکراہٹ رینگ گئی۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"نہیں میرے دوست۔" اُس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے سیاہ پوش کو مخاطب کیا۔ "وہ تم نہیں ہو۔" یہ کہتے ہوئے وہ غیر محسوس انداز میں پیچھے ہٹنے لگا۔

جونہی ٹائیگر پتھر ڈھلوان کے درمیانی زینے پر پہنچا، اُسے اپنے دائیں جانب ایک اور شخص کی موجودگی کا احساس ہُوا۔

"سفارت" ٹائیگر نے مسکرا کر باری باری دونوں کی طرف دیکھا جو کسی ریوڑ کی طرح دھیرے دھیرے اُس کی سمت بڑھ رہے تھے۔

"میں انقلاب کا ساتھ دینے کے لیے آیا ہُوں۔"

"جہنم میں جاؤ۔" دوسرے سیاہ پوش نے غرا کر جواب دیا۔

"حرامزادے۔" ٹائیگر مسکراتا رہا۔ "کیا تم دونوں دادو خدا جہنم ہو؟"

لیکن وہ اُسے خاموشی سے گھورتے رہے تھے۔

ٹائیگر کے ہونٹوں پر اب بھی مسکراہٹ کھیل رہی تھی لیکن اس مسکراہٹ میں پہلے والا تاثر غالب تھا۔ اس کے عضلات دھیرے دھیرے سخت ہو رہے تھے۔ اس کا ایک ایک عضو پیش آنے والے حالات سے نمٹنے کے لیے تیار تھے۔

لیکن دونوں سیاہ پوشوں میں سے کسی نے بھی حملے میں پہل کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ ایک ایک قدم انتہائی محتاط انداز میں اُٹھا رہے تھے۔ غالباً اس حقیقت سے آگاہ تھے کہ ان کے سامنے کوئی معمولی ہستی نہیں بلکہ وقت کا سب سے بڑا فائٹر کھڑا ہے۔

عمارت میں ہر سُو گہرا سناٹا چھایا ہُوا تھا۔ ٹائیگر کو ان دونوں کے دل کی دھڑکنیں صاف سُنائی دے رہی تھیں۔ اور ان دھڑکنوں کی رفتار معمول سے کچھ زیادہ ہی تیز تھی۔

ٹائیگر جانتا تھا کہ اُن کی یہ کیفیت زیادہ دیر تک برقرار نہیں رہے گی بلکہ وہ جلد ہی فیٹش میں آجائیں گے۔ ٹائیگر کا اندازہ غلط ثابت نہ ہُوا۔ اگلے ہی لمحے وہ تیزی سے آگے بڑھے تھے۔

دونوں نے بیک وقت ہاتھ اُٹھائے اور ٹائیگر نے چار ہاتھوں کو گھونسے کی صورت میں تیزی سے اپنی جانب بڑھتے دیکھا۔

اُس نے اپنی جگہ سے کوئی حرکت نہ کی اور بڑے پُرسکون انداز میں اُن کی حرکات کا جائزہ لیتا رہا۔ پھر اس سے قبل کہ اُن کے آہنی ہتھوڑوں کی مانند گھونسوں کا سفر اُس کے چہرے پر آکر ختم ہوتا۔ ٹائیگر عین وقت پر اُن کے سامنے سے ہٹ گیا۔ اب ان گھونسوں کا ہدف ٹائیگر کا چہرہ نہیں بلکہ کنکریٹ کی مضبوط دیوار تھی۔

لیکن اُن دونوں نے جونہی حرکت کی، اُسے دیکھ کر ٹائیگر چونکے بغیر نہ رہ سکا۔ انھوں نے انتہائی پھرتی کا مظاہرہ کیا تھا جونہی ٹائیگر اُن کی زد سے نکلا، اُن کے ہاتھ میکانکی انداز میں واپس ہو گئے تھے۔

ورنہ دوسری صورت میں وہ آہنی ہتھوڑے کسی کو بھی گھونسا مارنے کے قابل نہ رہتے۔

وہ تیزی سے گھومے اور ٹائیگر کے دائیں بائیں ہو گئے۔

پھر اس سے قبل کہ وہ ٹائیگر پر حملہ کرتے، ٹائیگر کی ایک ٹانگ اور ایک ہاتھ نے تیزی سے حرکت کی اور ایک سیاہ پوش اپنے چہرے پر دونوں ہاتھ رکھ کر لڑکھڑاتے ہوئے پیچھے ہٹ گیا۔

اُس کے بدن پر تشنج جیسی کیفیت تھی اور چہرے پر لگے ہوئے دونوں ہاتھوں کی پوروں سے خون لکیروں کی صورت میں بہہ کر اُس کے دستانوں کو سُرخ کر رہا تھا جب کہ دوسرے کے ہاتھ اپنی پسلیوں پر جمے ہوئے تھے۔ اُس کے چہرے پر حیرت و کرب کا ایک عجیب سا امتزاج پھیلا ہُوا تھا۔ ٹائیگر کی لگائی ہوئی ٹک نے اُس کی پسلیوں میں ایک قیامت سی مچا دی تھی۔

ٹائیگر نے زیادہ دیر وہاں رُکنا مناسب نہ سمجھا اور تیزی سے پلٹ کر زینے کی طرف بڑھ گیا۔ ابھی وہ زینے کے قریب ہی پہنچا تھا کہ اُس کے کانوں میں کسی کے گرنے کا دھماکا سُنائی دیا۔ ٹائیگر نے پلٹ کر نہ دیکھا، جیسے اُسے یقین تھا کہ اُس کے شکار زیادہ دیر تک اپنے پیروں پر کھڑے نہیں رہ سکیں گے۔

ٹائیگر بے ساختہ طور پر مسکرانے لگا۔

یہ مسکراہٹ جینی کو دیکھ کر نہیں بلکہ جینی کے ساتھی پر نظر پڑنے کے بعد اُبھری تھی۔ اُس کا اندازہ سو فی صد درست نکلا تھا۔ اُس کے سامنے نوگان کھڑا تھا۔ اُوشان کا مخالف بھیتچا اور دُنیا میں اُس کا سب سے بڑا خطرناک حریف۔۔۔

ٹائیگر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہی نوگان کے ہاتھ تالیاں بجانا بھول گئے۔

"مجھے ظفر تھا کہ تم ہی سے ملاقات ہوگی نوگان۔" ٹائیگر کے لہجے میں فتح مندی کوٹ کوٹ کر بھری ہُوئی تھی۔

"کیا اُوشان نے میرا ذکر کیا تھا؟" نوگان نے پھٹتے ہوئے لہجے میں ٹائیگر سے پوچھا۔

"نہیں۔۔۔" ٹائیگر پہلو بدل کر مسکراتا رہا۔ "اُوشان کا ہر اصول دُنیا سے انوکھا ہے۔ وہ تمھارے بارے میں بھی اصولی آدمی ہے۔ اُس کا کہنا ہے کہ نوگان کا نام صرف اور صرف تدفین کی رسُوم میں لیا جائے۔ غالباً سانجو میں یہ سزا انتہائی بدقماش آدمی کو دی جاتی ہے، کیوں؟ میں ٹھیک کہہ رہا ہُوں نا؟"

"بے چارہ۔۔۔ بُوڑھا اُوشان۔" نوگان نے سر ہلا کر کہا۔ "کچھ دیر قبل تک میرے باپ کا بھائی یقیناً بہت زبردست شخص ہوگا لیکن اب تو ختم ہو چکا ہے۔" اُس کے لہجے میں مصنوعی تاسف تھا، جیسے وہ اُوشان کا مذاق اُڑا رہا ہو۔

"نہیں۔۔۔" ٹائیگر نے فوراً جواب دیا۔ "سانجو کے ماسٹر کو ختم سمجھنے والوں سے دُنیا کے بہت سے قبرستان بھرے ہُوئے ہیں نوگان۔"

"ممکن ہے ایسا ہی ہو۔۔۔ لیکن ان مُردوں میں کسی کا نام نوگان یقیناً نہیں ہوگا اور نہ ہی ان میں سے کسی کا تعلق ایوان سانجو سے ہوگا اور اُن میں سے کوئی۔۔۔"

"اُن میں سے کوئی بھی ایوان سانجو کے وارث کا غذار بھی نہیں ہوگا نوگان۔۔۔" ٹائیگر نے پُرسکون لہجے میں جملہ پورا کر دیا۔ "ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہوگا، جو ان غریبوں کو قتل و غارت گری کے لیے استعمال کرتا ہو۔" ٹائیگر کا اشارہ جینی کی طرف تھا۔ "تم نے دہشت گردی کی راہ کا انتخاب کیوں کیا؟"

جینی ان دونوں کو باری باری اس طرح دیکھ رہی تھی، جیسے کوئی ٹینس میچ دیکھ رہی ہو۔

نوگان نے قہقہہ لگایا تو اُس کی آنکھیں نوگان کے چہرے پر جم گئیں۔

نوگان سنگِ مرمر کی ریلنگ سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ اُس کے دونوں ہاتھ سینے پر بندھے ہوئے تھے۔

قہقہہ لگاتے ہوئے نوگان نے سر کو پیچھے کی طرف جھکایا تو ٹائیگر کو اُس کے عقب میں دو موٹے موٹے تار نظر آئے تھے، جو قبل از تاریخ کی ایک ٹوٹے فوٹ بلند چھپلی کے سنبھالے ہُوئے تھے۔ اس چھپلی کے سائے کی وجہ سے یہاں قدرے تاریکی پھیلی ہُوئی تھی، جس نے ماحول کو عجیب سی پُراسراریت دے دی تھی۔

"تم اب بھی کچھ نہیں جانتے میرے چچا کے ۔۔۔ ٹائگرد؟" وہ استہزائیہ لہجے میں بولا۔

"میرے ان تمام اقدامات کا تعلق دہشت گردی سے کسی طرح بھی نہیں تھا۔ کیا اُوشان نے تمھیں کتے کی دو قسمیں نہیں بتائی تھیں؟ ایک کتا صرف بھونکتا ہے، دوسرا کاٹ کھاتا ہے۔"

"تب پھر۔۔۔؟" ٹائیگر نے دھیرے سے کہا۔

"تب پھر دہشت گردی دراصل ایسا کتا تھی، جو صرف بھونکتا ہے جب کہ کاٹ کھانے والے کتے کا اصل ہدف تم اور تمھارا بُوڑھا اُستاد ہے۔ بھونکنے والے کتے کا استعمال اسی لیے کیا گیا تھا کہ تمھاری توجہ کاٹ کھانے والے کتے سے ہٹ جائے۔ تمھیں وہ ٹائی ٹیکر یاد ہیں جنھوں نے لاس اینجلز جانے پر اصرار کیا تھا۔ اُن کا پُراصرار دعویٰ ہدایت کے مطابق تھا کہ وہ مجھے یقین دلائیں گے کہ حکومت تم کو ہی طلب کرے گی۔

ہوائی اڈے پر حملہ کرنے والوں پر حملے کا مقصد تمھیں قریب سے قریب تر لانا تھا تاکہ تمھیں ٹارگٹ رینج میں لانے کی حکمتِ عملی پر عمل کر سکا جا سکے۔"

"ٹھیک ہے۔" ٹائیگر سر ہلا کر بولا۔ "لیکن کسی کو ٹارگٹ رینج میں لے آنا الگ بات ہے اور اُسے ٹارگٹ بنانا الگ۔۔۔"

"یہی تو پورے کھیل کا حُسن ہے شہزادے۔" نوگان نے قہقہہ لگاتے ہُوئے جواب دیا۔ "میری طرف سے ضرب بھی تم ہی لگاؤ گے۔ مجھے تم سے کہ تم نے سفارت کاروں کی جان بچانے کے لیے اُوشان کو اقوامِ متحدہ بھیج دیا ہے، حالانکہ ان سفارت کاروں کی زندگی کی کوئی وقعت نہیں۔ وہاں اُوشان وہی کرے گا جس کی ماسٹر کو تربیت دی جاتی ہے۔ وہ دشمنوں کے قریب پہنچ جائے گا اور پھر اُسے بہت دیر بعد قتل ہوتا ہُوا دیکھ کر ہی اصل ہدف سفارت کار نہیں بلکہ وہ خود ہے۔" نوگان نے طویل سانس لی اور گھڑی کی طرف دیکھے بغیر بولا۔ "اس وقت دس بج کر بیالیس منٹ ہُوئے ہیں۔ سارا منظر تم اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہو۔" اُس نے معنی خیز جینی کو اشارہ کیا جس نے ایک طرف ہٹ کر دیوار سے چلنے والا وہ ٹیلی ویژن آن کر دیا جو بالکونی کے ساتھ ساتھ گزرنے والی ریلنگ کے سہارے رکھا ہُوا تھا۔

ٹیلی ویژن آن ہوتے ہی آواز فوراً آگئی۔ لوگ تالیاں بجا رہے تھے، چیخ رہے تھے، پھر ایک سیکنڈ کے بعد تصویر اسکرین پر لرزنے لگی۔ تصویر واضح ہونے میں محض ایک پل لگا اور اسکرین پر اقوامِ متحدہ کی عمارت کے سامنے لوگوں کا وہ ہجوم نظر آنے لگا جس کو محافظوں کی قطاریں پیش قدمی سے روکے ہُوئی تھیں۔

مسلح اسکرین پر بہرام نظر آیا۔ وہ محافظوں کی قطار کے پیچھے اِدھر اُدھر گھوم رہا تھا۔ ٹائیگر نے بغور دیکھا، اُوشان اسکرین پر کہیں بھی نظر نہ آرہا تھا۔

ٹیلی ویژن سیٹ سے اناؤنسر کی آواز بلند ہوئی۔

"تمام بڑے ممالک کے سفارت کار اب اندر پہنچ چکے ہیں اور کانفرنس کا آغاز جلد ہو جانا چاہیے، مگر ہجوم کا موڈ مسلسل خراب ہو رہا ہے اور ہماری اطلاع کے مطابق پولیس کو کمک بھی بھیجی جا رہی ہے۔ ہم اب آپ کو کانفرنس روم لیے چلتے ہیں۔"

اسکرین پر ایک لمحے کے لیے تاریکی چھا گئی اور پھر کانفرنس روم کے کیمرے نے کام شروع کر دیا۔ ہال ابھی پورا نہیں بھرا تھا۔ تاہم کرسیوں میں بہت سے لوگ موجود تھے۔ چند سفارت کار بھی اپنی اپنی مخصوص نشستوں پر بیٹھے ہُوئے نظر آرہے تھے۔ غالباً یہ دوسرے درجے کے نمائندے تھے اور اُن کے قائدین ابھی تک کانفرنس ہال میں نہیں آئے تھے۔ جب کہ دفتری عملہ خاموشی سے مختلف میزوں پر فائلیں

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

اور کاغذات رکھنے میں معروف تھا۔ میرے کا رُخ گیلری کی طرف ہُوا۔ وہاں موجود لوگ سرگوشیوں میں محوِ گفتگو نظر آرہے تھے۔

"اور اب..." اناؤنسر نے پھر کہا۔ "آپ اسمبلی چیمبر میں دیکھ سکتے ہیں، جہاں انسدادِ دہشت گردی کی عالمی کانفرنس کا آغاز ہونے والا ہے۔ غالباً پندرہ منٹ کے بعد کانفرنس کا آغاز ہوگا۔ اگرچہ باہر مظاہرین بہت تلخی کا مظاہرہ کر رہے ہیں لیکن یہاں... اقوامِ متحدہ کی عمارت کے اندر سفارت کاروں کی متفقہ رائے یہ ہے کہ کانفرنس عالمِ انسانیت کا بھرم رکھنے کے لیے ایک اہم ترین اور مؤثر قدم ثابت ہوگی۔ لہٰذا..."

اناؤنسر کی آواز اچانک ہی دب گئی، کیونکہ اسی لمحے دو رو دار... آوازیں سُنائی دی تھیں، پھر یہ آوازیں باقی آوازوں پر بھی غالب آگئیں۔ شاید گولیاں چلی تھیں۔

خواتین و حضرات!" اناؤنسر نے چلّا کر کہا۔ "اگرچہ ہمیں اندازہ نہیں کہ یہ آوازیں کیسی تھیں اور ہم غیر ضروری خدشات کا اظہار بھی نہیں کرنا چاہتے لیکن آپ نے بھی اندازہ لگا لیا ہوگا۔ یہ گولیاں چلنے کی آوازیں تھیں۔ ہم صورتِ حال معلوم کرنے کی کوشش کرتا ہُوا اور اس دوران میں ہم آپ کو باہر لیے چلتے ہیں۔"

نوگان کا زوردار قہقہہ گونج اُٹھا۔

"گڈ بائی ڈیئر انکل اُوشان۔" اُس نے قہقہہ لگاتے ہُوئے چینی کو اشارہ کیا جس نے ٹی وی سیٹ آف کر دیا۔ اب نوگان ٹائیگر کو بغور دیکھ رہا تھا۔

"تم سناٹجو کے نئے حکمران کی طرف دیکھ رہے ہو شہزادہ۔" نوگان کے لہجے میں بڑی سفاکی تھی لیکن ٹائیگر نے کسی ردِ عمل کا اظہار نہیں کیا۔ وہ تو نوگان کو گھُورتا رہا۔ اُس کے سر میں دھمک ہونے لگی تھی۔

"کیا تم اب بھی شکست تسلیم نہیں کرو گے۔" نوگان پیر ہلاتے ہُوئے بولا۔ "میں نے ساری منصوبہ بندی اسی لمحے کے لیے کی تھی۔ میں نے دہشت گردی کے نئے طریقے صرف اس وجہ سے اختیار کیے تھے کہ تم دونوں کو دہشت گرد ثابت کرنے کے لیے میدان میں لایا جائے۔ مجھے یقین تھا کہ طیارے میں مشین گن کا سُن کر تم میدان میں ضرور آؤ گے کیونکہ پھر یہ معاملہ لیف بی آئی کے بس کا نہیں رہے گا۔ میں نے تمھیں بل سے نکال لیا۔ کہو... کیسی رہی، جانتے ہو کہ طیارے میں مشین گن کس طرح پہنچی تھی؟"

"اس کا اندازہ کوئی بھی لگا سکتا ہے نوگان۔" ٹائیگر بہت دیر بعد بولا مگر اس وقت بھی اُس کا ذہن منتشر تھا اور وہ صرف یہ سوچ رہا تھا کہ اُوشان کس حال میں ہوگا؟

"ہاں لیکن کسی نے بھی اندازہ لگانے کی کوشش نہیں کی۔" نوگان ہنس پڑا۔ "تمھارے آلات، چھپی ہُوئی دھات یا ہتھیاروں کو تلاش کرتے ہیں۔ جب کہ ہم نے نفسیاتی کھیل کھیلا۔ مشین گن کو سب کے سامنے سے نکال کر لے گئے اور لوگ چھپے ہُوئے ہتھیاروں کی تلاش کرتے رہے۔"

"اچھا..." ٹائیگر نے صرف ایک لمحے تک سوچا۔ "کیا تم نے مشین گن طیارے میں لے جانے کے لیے معذوروں والی کُرسی استعمال کی تھی؟"

"ہاں..." نوگان نے سر ہلا کر جواب دیا۔ "وہیل چیئر کے ساتھ مشین گن کے مختلف حصے الگ کر کے باندھ دیے گئے تھے۔ وہیل چیئر پر ایک آدمی کو بٹھایا گیا اور پھر وہیل چیئر آلات کے سامنے سے گزری۔ مشین نے فوراً بتا دیا کہ دھات گزر رہی ہے لیکن وہیل چیئر بھی تو دھات کی تھی۔ لہٰذا کسی نے مشین کی چُغل خوری پر کوئی توجہ نہ دی اور وہیل چیئر بڑی آسانی سے طیارے میں پہنچ گئی۔ یہ ہماری ذہانت کی انتہا نہیں تو اور کیا تھی شہزادہ؟"

"تم نے ایک بازاری ترکیب استعمال کی تھی۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ "تم سے اچھے شعبدے تو ہالی گرو دکھا دیتے ہیں۔"

"تم میری مہارت اور میرے فن کی تردید کر رہے ہو۔" نوگان نے سخت لہجے میں کہا۔ "ذرا ہمارے تربیتی پروگرام پر توجہ کرو۔ ہم اپنے تربیت یافتہ افراد میں خام کو پختہ بنا دیتے ہیں۔ کیا اُوشان نے تمھیں یہ نہیں بتایا تھا... کہ اگر اُستاد..."

"اُوشان نے مجھے پہاڑوں پر حملے کے بارے میں بتایا تھا۔" ٹائیگر اُس کی بات کاٹتے ہُوئے بولا۔

"ہاں اُن کے سانپوں کو بھی محض چند گھنٹے کی تربیت دی گئی تھی۔" نوگان نے ہر پا کر جواب دیا۔ "لیکن اس وقت یہ خیال نہیں رکھا گیا تھا کہ عمل میں داخل ہوتے ہی وہ مرعوب ہو جائیں گے اور اسی باعث وہ سب کے سب مارے گئے۔ میں نے تم لوگوں کو بار بار تباہ کیا۔ موٹے اور مُہلے کے ذریعے پیغام بھیجے، پھر مُردہ جانوروں والا پیغام دیا لیکن اُوشان کو یہ بات دیر میں معلوم ہُوئی کہ مدِمقابل کون ہے؟ میں صرف یہی چاہتا تھا کہ اُوشان کو مدِمقابل کا علم ہو جائے۔"

"وہ کیوں...؟"

"تاکہ وہ اپنی فکر نہ کرے بلکہ تمھارے بارے میں پریشان ہوتا رہے۔ میں اُس کے ذہن کو منتشر کرنا چاہتا تھا کیونکہ اُس کی قوت کی سابھی کلید ذہنی ارتکاز میں ہی ہے۔"

"پھر تم نے جینی سے مجھے فون کرایا۔"

"ہاں... نوگان نے ایک اور قہقہہ لگایا۔ "یہ حکمت عملی بہت شاندار تھی۔ میں جانتا تھا کہ اُوشان تمھیں میرے بارے میں کبھی کچھ نہیں بتائے گا کیونکہ اس طرح تم اپنی مردانگی کا مظاہرہ کرنے کے لیے بے چین ہو جاتے۔ اس کے پیشِ نظر میں نے خود تمھیں اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی۔ میری کوشش کامیاب ہوگئی اور تم اُوشان کو تنہا سامنے کے لیے چھوڑ کر یہاں آگئے۔ اب تمھیں ہر صورت فیصلہ کرنا ہے۔"

"کیسا فیصلہ؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"میرے ساتھ کام کرو۔" نوگان نے پیش کش کی۔ "تمھیں ماسٹر کے ساتھ کام کرنے کا وسیع تجربہ ہے اور اب تمھیں نئے ماسٹر کے ساتھ کام کرنے میں کوئی شرمندگی محسوس نہیں کرنی چاہیے۔ ہم دونوں مل کر بہت جلد دُنیا بھر میں اپنا اقتدار قائم کر سکتے ہیں شہزادہ۔"

"سوال یہ ہے کہ تمھیں نیا ماسٹر کس نے منتخب کیا ہے نوگان؟" ٹائیگر کا لہجہ عجیب سا تھا۔

اس سوال پر نوگان ایک لمحے کے لیے چکرا سا گیا، مگر پھر فوراً سنبھل کر مسکرانے لگا۔

"اس کی فکر مت کرو۔ انتخاب کے لیے کچھ اور نہیں، کیونکہ ماسٹر منصب حاصل کرنے کا دعوے دار کوئی اور نہیں ہے۔"

"تم مسلسل غلط بیانی سے کام لے رہے ہو۔" ٹائیگر نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "اگر... بالفرض محال... اُوشان مر گیا ہے تو پھر میں اُس کا جانشینی کا دعوے دار ہوں گا... میں ماسٹر بنوں گا۔"

"تم...!" نوگان حقارت سے ہنس پڑا۔ "شاید تم اپنے آپ کو ہی فراموش کر رہے ہو۔ تم غیر ملکی ہو اور میں تمھارے ان ہم وطنوں جیسا نہیں ہوں جنھیں تم ابھی قتل کر کے یہاں تک پہنچے ہو۔"

"ہاں تم نے یہ بات درست کہی۔" ٹائیگر بولا۔ "وہ تو گونگے بہرے اور اندھے لوگ تھے... اس لڑکی کی طرح گونگے اور احمق لیکن تم... تم کچھ اور ہو۔ پاگل کتے کی طرح ہو۔"

"تب پھر ہم نے فاصلہ بندی کے لیے لکیر کھینچ دی ہے۔" نوگان نے ملائمیت سے کہا۔ "لیکن ایک بات بتاؤ کہ کیا تمھیں مجھ سے آخری ملاقات یاد نہیں، میں نے کہا تھا کہ تم دس سال میں بہت عظیم بن جاؤ گے۔ تاہم ابھی پورے دس سال نہیں گزرے ہیں۔"

"تم نے اُس وقت بھی غلط بیانی سے کام لیا تھا۔" ٹائیگر پُرسکون لہجے میں بولا۔ "اُوشان نے کہا تھا کہ ہم دونوں میں صرف پورب پچھم کا فرق ہے۔ پہلے خود اُوشان کا یہی خیال تھا کہ ہم دونوں میں پانچ سال کا فرق ہے لیکن اُس نے ابھی تسلیم کیا ہے کہ وہ غلطی پر تھا۔ اُس نے چند گھنٹے قبل تسلیم کیا کہ میں تم سے بہتر ہُوں۔ اُوشان تو تم سے بہتر ہی تھا۔ اب جب کہ بھول تمھارے وہ دُنیا میں موجود نہیں، میں تم سے بہتر ہُوں۔ کھیل ختم ہو چکا ہے نوگان... اور سب سے اچھی بات یہ ہے کہ میں نے ایسا کوئی حلف نہیں اُٹھایا کہ سناٹجو کے کسی شہری پر ہاتھ نہیں اُٹھاؤں گا۔"

نوگان کے چہرے پر کئی سائے آکر گزر گئے لیکن اُس کا تعلق بھی سناٹجو سے تھا۔ لہٰذا جینی اُس کی باطنی کیفیت کا اندازہ نہ لگا سکی۔ تاہم ٹائیگر نوگان کے قہقہے کی اصلیت بخوبی سمجھ رہا تھا۔ نوگان کے چہرے کی کھال سُکڑ گئی تھی اور ایسا ہونا ہی اُس کی باطنی کشیدگی کا ثبوت تھا۔

ٹائیگر منتظر رہا۔ اُسے قطعی یقین نہیں تھا کہ اُوشان مر چکا ہے، لیکن اگر اُوشان مر چکا ہے تو پھر یہی مختصر زندگی اُس کی یاد پر قربان کر دینے کے لیے تھا۔ اُس کے ذہن میں ماہی بھاگے ہونے لگے، وہ جھوم سا گیا اور اُوشان کے الفاظ ٹائیگر کی نوک زبان سے کسی رزمیہ کی طرح پھیلنے لگے۔

"میں ٹائیگر ہُوں میں تباہ کُن ہُوں، موت ہُوں، مجھے ربِ عظیم نے زندہ رہنے کے لیے سانس دی ہے۔ مجھے عظیم اُوشان نے دُنیا کا سب سے طاقتور آدمی بنایا ہے، کون ہے؟ جو مجھے للکار رہا ہے... کون ہے وہ... کون ہے وہ...؟"

ان چند لمحوں میں نہ جانے کیا قیامت چھپی تھی کہ نوگان کے چہرے کی رنگت فق ہوگئی۔ اُس کے حلق سے عجیب سی غراہٹ نکلی اور پھر وہ کسی کٹکھنے کتے کی طرح ٹائیگر پر جھپٹ پڑا۔

کوئی نہ کوئی گڑبڑ ضرور تھی۔ حملے کی منصوبہ بندی نا قص تھی اگر اس منصوبے کا خالق نوگان تھا تو اُس نے یہ حقیقت پیشِ نظر کیوں نہ رکھی کہ اُس کا مقابلہ سناٹجو کے مالک سے ہے؟

اُوشان فوجیوں کے ہجوم میں گم ہوتے ہُوئے اسی بات پر جھنجلا رہا تھا کہ نوگان نے اُسے زیادہ اہمیت کیوں نہ دی؟ اُس کے قدم مرکزی دروازے کی سمت اُٹھ رہے تھے۔

فوج کو ڈھال بنا کر استعمال کرنے کی حکمتِ عملی عام حالات میں یقیناً بہت خطرناک ثابت ہوتی۔ کوئی عام آنکھ یہ اندازہ لگانے کی اہل نہیں تھی کہ جگمگاتے تمغوں اور وردیوں کے مالک بعض چہرے کتنے سُتے ہُوئے ہیں۔ عام آنکھ یہ بھی اندازہ نہیں لگا سکتی تھی کہ اُن میں سے کتنے افراد پارٹیشن تھے اور اُنھوں نے محض چند گھنٹے قبل ہی داڑھی منڈوائی ہے لیکن یہ اُوشان کی آنکھیں تھیں اور وہ سوچ رہا تھا کہ یہ سب کچھ نوگان کی منصوبہ بندی ہے... کیا اُسے علم نہیں تھا کہ

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

اُوشان اور ٹائیگر کی تجربہ کار نظریں بھی لگی ہوں گی، وہ بھی موجود ہوں گے اور اُن کی آنکھیں اُن چہروں کو فوراً تلاش کرلیں گی جن پر داڑھی منڈوالے جانے کے بعد ابھی تک نشان موجود ہیں۔

'نوگان اتنا غیر محتاط تو نہیں ہو سکتا' اُوشان نے سر جھٹک کر سوچا 'لیکن کیا یہ غیر محتاط پن ہے یا کسی منصوبے کا حصہ...؟'

اُس کا سر غیر محسوس انداز میں ہلنے لگا۔ اُسے ٹائیگر کی بھی فکر تھی، جو اُس کا جانشین اُس کا بیٹا، اُس کا سب کچھ تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر نوگان نے ٹائیگر کو ذرا بھی نقصان پہنچایا تو پھر نوگان کے لیے دنیا کا کوئی بھی گوشہ محفوظ نہیں رہے گا۔ اُوشان وہ شخص تھا، جو ایسی کسی صورت میں اُس کے لیے فرشتۂ اجل بن جاتا تو اُس سے ایسا بھیانک انتقام لیتا کہ بدروحیں تک کانپ جائیں۔ میرے انتقام کا علم اور احساس نوگان کو بھی ہوگا۔' اُوشان سوچتا رہا اور چلتا رہا۔ 'اگر اُسے ٹائیگر سے میری محبت کا اندازہ ہے تو پھر اُس نے فون کرکے شہزاد کو اشارہ دینے اور بلانے کی بیوقوفانہ حرکت کیوں کی... ضائع نوگان کچھ اور ہی سوچ رہا ہے۔ اُس کی بعض حرکتیں ابھی تک لاینحل ہیں۔' اُوشان یہی سوچتے ہوئے بہرام سے محض ایک قدم دُور سے گزرا۔ اس وقت بہرام اِدھر اُدھر بھاگ دوڑ کر رہا تھا۔ زخمی ہونے اور مکمل صحت یابی کے بعد بھی بہرام کی بعض حرکتیں اُس کی سمجھ میں نہیں آسکی تھیں لیکن اُسے یقین تھا کہ بہرام جلد ہی معمول کے مطابق پُرسکون اور سرد مزاج ہو جائے گا۔

اُوشان فوجی افسروں کے درمیان چلتا پھرتا رہا۔ پہلے وہ کسی کو نظر نہیں آیا، پھر وہ اُس محافظ دستے کی نظروں سے بھی اوجھل ہوگیا، جو کانفرنس ہال کی حفاظت پر مامور تھا۔ وہ چھوٹے چھوٹے کمروں، میٹنگ ہالز کے سامنے تعینات تھا۔

یہاں فوجیوں کی قیادت ایک دراز قد بھورے بالوں والا شخص کر رہا تھا جس کے ہاتھ میں ایک بریف کیس بھی تھا۔ اُس کی عمر چالیس سال کے لگ بھگ تھی اور اُس کے کندھے پر میجر جنرل کے ستارے چمک رہے تھے۔ اُوشان نے ایک غیر معمولی بات فوراً نوٹ کرلی... وہ یہ کہ ہر فوجی کے پاس بریف کیس تھے۔

جنرل نے پلٹ کر اپنے آدمیوں کی طرف دیکھا اور پھر اُس کی نظریں اچانک ہی اُوشان کے چہرے پر پڑیں۔

اُوشان نے اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں لیکن جنرل کے چہرے پر ردِعمل کے طور پر کوئی تاثر نہ اُبھرا اور نہ ہی اُس نے ایسا کوئی تاثر دیا، جیسے وہ چونک پڑا ہو۔ اُس نے پُرسکون انداز میں اپنے آدمیوں کو اشارہ کیا، جو مرکزی اصلی ہال کے قریب ایک کمرے کی طرف چلنے لگے۔ اب بھی اُن کی قیادت میجر جنرل ہی کر رہا تھا۔ اُوشان نے بھی اُن کی اگلی میں شامل کرلیا۔

'آخر اس جنرل نے مجھے دیکھ کر کسی ردِعمل کا اظہار کیوں نہیں کیا؟' اُوشان سوچنے لگا۔ 'کیا اسے یقین تھا کہ میں یہاں ضرور ہوں گا؟'

کمرے میں داخل ہونے والے آخری فوجی نے جونہی دروازہ بند کیا، کمرے میں بیٹھے لوگوں کی سرسراہٹیں گونجنے لگیں۔ تمام فوجی تیزی سے اپنی وردیاں اُتار رہے تھے اور وردیوں کے نیچے ہلکی قمیصیں اور جینز پہن رکھی تھیں۔ بریف کیسوں سے اُنھوں نے ریشمی قمیصیں نکال کر پہنیں اور پھر ہینڈ گنیں سنبھال لیں۔

اُوشان سب کچھ دیکھتا رہا۔ وہ سب خاموشی سے اپنا کام کر رہے تھے اور اُوشان سوچ رہا تھا کہ انھوں نے ہینڈ گنز کا اہتمام کیوں کیا ہے یہ لوگ بم پائیں، بم کیوں نہیں لائے؟ ہینڈ گن صرف محدود اور قریب کے ٹارگٹ کو نشانہ بنانے کے لیے استعمال ہوتی ہیں۔ ان کا بڑے کانفرنس رُوم میں کوئی کام نہیں۔ یہ تو ایسے فردِ واحد کو نشانہ بنا سکتی ہیں... جو قریب ہی ہو۔

دفعتاً اُوشان کو اپنے ذہن میں ہلچل سی محسوس ہوئی اور اُسے فوراً ہی خطرے کا احساس ہونے لگا۔ اُسے ہر سمت موت کی بُو پھیلتی محسوس ہونے لگی، پھر اُسے یہ سمجھنے میں ذرا بھی دیر نہ لگی کہ اُن کا اصل ہدف کون ہے اور یہ سارا اہتمام کس کے لیے کیا گیا ہے۔

اُن کا اصل ہدف وہ خود تھا۔

اُوشان نے کن انکھیوں سے اردگرد کا جائزہ لیا۔ کمرے میں وہ بارہ قاتلوں کے درمیان گھرا ہوا تھا۔ اُوشان کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ دوڑ گئی... اُسے یقین تھا کہ اسی طرح نوگان نے ٹائیگر کے لیے بھی جال بچھایا ہوگا۔ اس کے ساتھ ہی اُس کا چہرہ غصے سے تمتمانے لگا۔ بے وقوف بھیڑیوں نے ماسٹر آف سناجو کو گھیرنے کے لیے بڑی اوچھی چال چلی ہے۔ اُوشان نے نظریں گھما کر اُس شخص کی جانب دیکھا، جو چند لمحے قبل تک میجر جنرل کی وردی میں ملبوس تھا اور اب اُس نے ایک ہلکی سُرخ قمیص زیب تن کر رکھی تھی۔ سُرخ قمیص وہ کسی ابلیس ہی کی مانند لگ رہا تھا۔ اُس کے ہاتھ میں بھی ایک ہینڈ گن دبی ہوئی تھی۔

ہینڈ گن کا رُخ اُوشان ہی کی طرف تھا اور اُس کے ہونٹوں پر مکروہ مسکراہٹ بھی ہوئی تھی۔

کمرے میں اب مکمل خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ دوسرے فوجی بھی اب اپنی وردیاں تبدیل کرکے اُوشان اور اپنے سرغنہ کی جانب ہی متوجہ تھے۔ وہ حیران ہو رہے تھے کہ اتنے مختصر سے خفیف و نزار بوڑھے کو قتل کرنے کے لیے اتنے اہتمام کی آخر کیا ضرورت تھی؟ پھر یہ بوڑھا تو ویسے ہی آج نہیں تو کل گزر ہی جائے گا۔

میجر جنرل نے مسکراتے ہوئے اپنے سینے پر ہاتھ رکھا، پھر ہاتھ کو دھیرے دھیرے بلند کرتا ہوا پیشانی تک لے گیا اور پیشانی کو چھو کر ہاتھ اُوشان کی طرف بڑھا دیا۔ وہ اپنی دانست میں اُوشان کو مرعوب و ہشت زدہ کرکے ہی مارنا چاہتا تھا، کیونکہ نوگان نے بھی اُسے اُوشان کے بارے میں کچھ زیادہ معلومات فراہم نہیں کی تھیں۔

اُوشان نے بھی مسکراتے ہوئے اپنا داہنا ہاتھ اُس کی طرف بڑھا دیا۔ اُس کا انداز ایسا ہی تھا، جیسے کوئی انتہائی خوش دلی سے کسی سے مصافحہ کر رہا ہو لیکن جونہی میجر جنرل نے اپنا ہاتھ اُوشان کے ہاتھ میں دیا، اُسے اپنے جسم میں برقی رَو سی دوڑتی محسوس ہوئی۔ اُس نے گھبرا کر اپنا ہاتھ واپس کھینچنے کی کوشش کی لیکن اُسے دیر ہو چکی تھی۔

اُوشان نے ہاتھ کو ہلکا سا جھٹکا دیا اور میجر جنرل کا گھٹیلا اور گٹھا ہوا جسم کاغذ کے کسی پُرزے کی طرح لرزتا ہوا اُس کے قریب آگیا۔

اُوشان کے چہرے پر اب بھی دھیمی دھیمی مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

کمرے میں اب بھی مکمل خاموشی طاری تھی۔ فوجی اب غیر محسوس انداز میں اُوشان کے گرد گھیرا تنگ کرتے جا رہے تھے، لیکن نامعلوم کیوں اُن کے دل کی دھڑکن معمول سے کچھ تیز ہو رہی تھی اور اُنھیں ایک انجانی سی بے چینی کا احساس ہو رہا تھا لیکن وہ اس بے چینی کا سبب جاننے سے قاصر تھے۔ اُن سب کی نگاہیں اپنے لیڈر پر جمی ہوئی تھیں، جس کا چہرہ باطنی تکلیف کی شدت سے سُرخ ہو رہا تھا اور چہرے کے عضلات ضبط کی کوشش میں تنے ہوئے تھے۔

تمام فوجیوں کے ہاتھ گنوں پر جمے ہوئے تھے اور وہ اپنے لیڈر کے اشارے کے منتظر تھے۔ جونہی لیڈر کو اس بات کا احساس ہوا اُس نے اپنا دوسرا ہاتھ اُٹھانے کی کوشش کی لیکن اس سے قبل ہی اُوشان کے ہاتھ نے تیزی سے حرکت کی اور اُس کا دوسرا ہاتھ بھی گرفت میں لے لیا۔

پھر اس سے قبل کہ کمرے میں موجود فوجی صورتِ حال کو سمجھ پاتے، لیڈر اُوشان کے ہاتھوں میں اٹھا ہوا اور پھر ایک لمحے کے لیے فضا میں معلق رہ کر اپنے عقب میں کھڑے ساتھیوں پر جا پڑا۔ عقب میں کھڑے فوجی اس غیر متوقع حملے کے لیے تیار نہ تھے، چنانچہ جونہی وہ اپنے ساتھیوں پر گرا، وہ خود کو سنبھال نہ سکے اور اُس کے ساتھ ہی لڑکھڑاتے ہوئے زمین پر گر گئے، جب کہ بقیہ فوجیوں نے اندھا دھند فائر کھول دیا۔

کمرے کی فضا گولیوں کے دھماکوں اور مجروح ہونے والوں کی آہوں سے گونجنے لگی لیکن وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ اُن کی گولیوں کا نشانہ بننے والے اُن کے اپنے ہی ساتھی تھے، جب کہ اُن کا اصل ہدف نہ جانے کب اُن کے گھیرے سے نکل کر اُن کے عقب میں کھڑا مسکرا رہا تھا۔

اس سے قبل کہ وہ دوبارہ اُوشان کا نشانہ لیتے، اُوشان اپنی جگہ سے فضا میں بلند ہوا اور کسی پرندے کی طرح پرواز کرتے ہوئے فوجیوں پر جا پڑا تھا۔ اُس کے ہاتھ اور پیر ایک وقت تیزی سے حرکت کر رہے تھے اور اُن کی زد میں آنے والے فوجی کراہوں کے ساتھ اِدھر اُدھر گر رہے تھے۔

اس اثنا میں دو فوجیوں نے دروازے کی سمت جست لگائی، پھر اس سے قبل کہ وہ ہینڈل گھما کر دروازہ کھولنے میں کامیاب ہوتے۔ اُوشان نے دوبارہ اُنھیں کمرے کے وسط میں کھینچ لیا۔ اُنھوں نے پلٹ کر کھینچنے والے کو دیکھنے کی کوشش کی لیکن انہیں اپنے اس عمل میں کامیابی حاصل نہ ہو سکی کیونکہ اُوشان نے ایک جھٹکے سے دونوں کے سر آپس میں ٹکرا دیے تھے اور انھیں ایک لمحے کے لیے ایسا محسوس ہوا تھا، جیسے کسی نے اُن کی آنکھوں کے سامنے ہزاروں بلکہ لاکھوں پھلجھڑیاں چھوڑ دی ہوں۔ اگلے ہی لمحے وہ لڑکھڑاتے پھٹتے زمین پر ڈھیر ہو گئے تھے۔ اُن کی آنکھوں کے سامنے تاریکی سی پھیلتی جا رہی تھی، پھر اسی تاریکی سے کسی کا قہقہہ بلند ہوا۔ انھیں یوں محسوس ہوا، جیسے کوئی بطخ کیسے میں گھس آئی ہو اور قہقہہ کرتی چاروں اطراف میں گھوم رہی ہو۔

اس کے ساتھ ہی اُن کا ذہن گہری تاریکی میں ڈوبتا چلا گیا۔

[redacted]

کمرے میں بند لوگ اُوشان کے غصے کی پہلی قسط تھے۔ اُسے اصل غصہ تو نوگان پر آرہا تھا۔ وہ خود سے بھی خفا تھا، کیونکہ اس کمرے میں داخل ہونے سے قبل تک وہ بے وقوف بنتا رہا تھا۔ اُسے اس بات پر بھی اپنی ذات سے بڑی چڑ تھی کہ اُس نے ٹائیگر کو جانے دیا۔ شاید موت کے منہ میں، کیونکہ اگر فریق وہ اپنا بھی ہوں، تب بھی وہی جیتا ہے، جس کی منصوبہ بندی بہتر ہوتی ہے۔ اس بار نوگان کی حکمتِ عملی غالب آرہی تھی۔

کمرے کا دروازہ کھلتے ہی سیکیورٹی والے بھرا مار کر اندر آگئے مگر اُوشان نے بڑی پھرتی سے ان آنے والوں کے درمیان ہی اپنے لیے راستہ بنایا۔ وہ خوشی سے دیوانہ ہوا جا رہا تھا۔ یہاں اُس نے کسی کی آواز سنی

"ارے... ابھی یہاں ایک بوڑھا آدمی تھا، وہ کہاں گیا؟"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"یہاں صرف لاشیں ملی ہیں، زندہ کوئی بھی نہیں نکلا۔" کسی نے غصیلے لہجے میں جواب دیا۔

اُوشان تیزی سے مرکزی دروازے کی سمت بڑھ رہا تھا۔ دل میں اُسے ایک شناسا صورت اپنی طرف دوڑتی ہُوئی نظر آئی۔ یہ بہرام تھا۔

"اُوشان... مجھے ابھی احساس ہُوا ہے... فوجی افسر۔ کیا ہُوا؟" اُس کے چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔

"وہ اب کسی کو قتل نہیں کر سکیں گے شہنشاہ۔" اُوشان کا لہجہ درشت تھا۔

"کیا سفارت کار محفوظ ہیں؟"

"وہ بھی خطرے میں نہیں تھے۔ قاتل مجھے قتل کرنے کے لیے آئے تھے۔ اب ذرا جلدی کریں۔ یہ بتائیں کہ اس شہر میں قبل از تاریخ کے جانوروں کا میوزیم کہاں ہے؟"

"کیوں؟ کیا بات ہے؟" بہرام نے سوالیہ انداز میں پوچھا۔

"کیونکہ کاٹنے والا کتا وہیں ہے۔" اُوشان کے حلق سے غراہٹ نما آواز نکلی، پھر قبل اس کے کہ بہرام اُسے بتاتا، اُوشان باہر لپکے ہُوئے ہجوم میں غائب ہو گیا تھا۔ بہرام نے اُسے کئی بار پکارا تھا لیکن اُوشان نے اَن سُنی کر دی تھی۔ بہرام کو اُوشان کے اُس رویے پر حیرت ہُوئی تھی، کیونکہ اس نے کبھی بھی بہرام سے اس انداز میں گفتگو نہیں کی تھی۔ بہرام چند لمحوں تک ہجوم کو گھورتا رہا، پھر کندھے اُچکا کر آگے بڑھ گیا تھا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ اُوشان کی یہ عجلت بلاوجہ نہیں ہو سکتی۔

▲

جینی کو حیرت تھی کہ دونوں کس قسم کی باتیں کر رہے ہیں۔ اگرچہ اُسے یقین تھا کہ اِن باتوں کا کوئی مفہوم ہے، مگر وہ کوکین کے نشے کی وجہ سے اس کا مفہوم سمجھنے سے قاصر تھی۔ اُسے سب کچھ خواب سا لگ رہا تھا۔ وہ خود کو ایک بار پھر انقلابی ہیروئن سمجھ کر مسرور ہو رہی تھی۔

لیکن اُسے کئی باتیں سمجھ میں نہیں آ رہی تھیں۔ سب سے عجیب بات یہ تھی کہ اُسے زرد رُو کا نام آج پہلی مرتبہ معلوم ہُوا تھا۔ اُس نے کہا تھا کہ ٹائیگر اور لوڈھا ہی اصل ہدف تھے لیکن اُسے اس بات پر یقین نہیں تھا۔ وہ تو اس نظریے پر یقین رکھتی تھی کہ اصل ہدف سرمایہ دارانہ نظام ہے۔ تاہم اُسے کسی بھی وقت نوگان کے انقلابی ہونے پر شک نہیں ہُوا تھا، لیکن پھر ٹائیگر نے خود کو نہ جانے کیوں کا شکار قرار دیا تھا اور پوچھنے پر بھی دونوں ایسی باتیں کر رہے تھے جیسے وہ مر چکا ہو۔

پھر بہرحال یہ بھی تھا کہ اُنھوں نے ٹیلی ویژن پر کیا دیکھا تھا۔ ٹائیگر اور نوگان کے درمیان جو تکرار اُسے ذرا بھی اچھی نہیں لگی تھی۔ طوفان، کٹکھنے کتے، حکمتِ عملی اور وہیل چیئر میں تھن... سب کچھ اُس کی سمجھ سے بالاتر تھا۔

پھر اچانک ہی اُس نے نوگان کو ٹائیگر پر جھپٹتے ہُوئے دیکھا تھا۔ اُس نے ٹی وی کھولا لیکن پھر اُن دونوں کی لڑائی دیکھنے لگی۔ ٹی وی کی آواز اُن دونوں کی غراہٹوں میں دب گئی تھی۔

وہ موت کی جنگ کا کھیل کھیل رہے تھے۔

نوگان نے اپنے جسم کو چیتے ہی کی طرح فضا میں بلند کیا تھا۔ اُس کی اُنگلیاں کسی آنکڑے کی طرح مُڑی ہُوئی تھیں جیسے وہ مدِمقابل کی بوٹیاں نوچنے کے لیے بے چین ہوں۔ اُس کے دونوں گھٹنے پیٹ کے ساتھ جُڑے ہُوئے تھے تاکہ ہدف کے قریب آتے ہی وہ پوری قوت کے ساتھ کسی اسپرنگ کی مانند حرکت کر سکیں۔

ٹائیگر کے عضلات غیر ارادی طور پر خود بخود سخت ہونے لگے اور اُس کا جسم متوقع حملے کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہو گیا۔

لیکن ٹائیگر نے نوگان کے قریب آنے کا انتظار نہ کیا اور خود بھی اسی انداز میں فضا میں بلند ہو گیا۔ وہ فضا میں ہی نوگان سے متصادم ہونا چاہتا تھا۔

یہ ایک خطرناک حرکت تھی اور اس میں اسپیڈ اور مہارت سے ہی کامیابی ممکن تھی۔ وہ تیزی سے ایک دوسرے پر جھپٹے۔

جینی کو یوں محسوس ہُوا، جیسے دو عقاب فضا میں ایک دوسرے پر حملہ آور ہو رہے ہوں۔

نوگان نے ٹائیگر کو اپنی جانب جھپٹتا دیکھ کر اپنا دایاں ہاتھ بچھو کے ڈنک کی طرح ٹائیگر کے چہرے کی طرف اُچھالا۔

اُس کا ہدف ٹائیگر کی آنکھیں تھیں۔ وہ پہلے ہی وار میں ٹائیگر کی آنکھیں لینا چاہتا تھا۔ اس کے ساتھ ہی اُس نے اپنی ٹانگوں کو بھی حرکت دی تھی۔ اس حرکت میں بجلی کی سی تیزی تھی جیسے کوئی اسپرنگ پوری قوت سے اچانک ہی کھلا ہو۔

یہ انتہائی مہلک وار تھا اور مدِمقابل کے جسم کی ہڈیوں کو ہیبتناک ٹکڑوں میں تقسیم کر سکتا تھا۔

لیکن اس وقت نوگان کا مدِمقابل کوئی عام آدمی نہ تھا بلکہ ماسٹر آف سنانجو کا ہونہار جانشین ٹائیگر تھا جس کی نس نس میں ہلاکتیں بھری ہُوئی تھیں۔

ٹائیگر نے جونہی نوگان کے ہاتھ کو چیتے کی طرف بڑھتا ہُوا دیکھا تو سمجھ گیا کہ نوگان کیا چاہتا ہے؟ چنانچہ اُس نے بجلی کی سی تیزی

سے اپنے بائیں ہاتھ کو حرکت دی اور نوگان کی کلائی پر ایک کاٹ دار ضرب لگا کر اُس کا وار ناکام بنا دیا۔ اس کے ساتھ ہی اُس نے دونوں پیروں سے نوگان کی ٹانگوں پر ضرب لگانے کی کوشش کی تھی۔

نوگان کی جگہ اگر کوئی اور ہوتا تو شاید وہ اپنے دائیں ہاتھ اور دونوں ٹانگوں سے محروم ہو چکا ہوتا لیکن نوگان، ٹائیگر کے دونوں وار ہوا میں سہہ گیا تھا۔

اُس نے فضا میں ہی اُلٹی قلابازی کھا کر خود کو ٹائیگر کی دسترس سے دُور کیا اور پھر زمین پر پہنچتے ہی خود کو دونوں ہاتھوں پر توازن کرتے ہُوئے کھڑے ہونے کی کوشش کی۔

جینی ان کی لڑائی کو حیرت سے دیکھ رہی تھی۔ وہ ریسلنگ کی شائق تھی لیکن اُس نے ایسی خطرناک فائٹ زندگی میں کبھی نہیں دیکھی تھی۔ ان دونوں کو دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا تھا، جیسے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے وہ درندے آپس میں برسرِپیکار ہوں۔

ٹائیگر نے بھی خود کو تیزی سے سنبھالا۔

نوگان ابھی تک نیم استادگی کی حالت میں تھا۔ وہ ٹائیگر کی مہارت اور دست ٹائیگ کو دل ہی دل میں سراہے بغیر نہ رہ سکا۔

پھر اس سے قبل کہ وہ دوبارہ حملے کے لیے تیار ہوتا، ٹائیگر اُس پر دوبارہ جھپٹا۔ اُس نے بڑی تیزی سے نوگان پر وار کیا تھا۔

نوگان، پیچھے ہٹتے ہُوئے اُس کا وار روکنے میں کامیاب تو ہو گیا لیکن حملے کی شدت نے اُسے لڑکھڑانے پر مجبور کر دیا تھا۔ ٹائیگر کے ہاتھ کسی سانپ کے پھن کی طرح بار بار آگے کی طرف لپک کر نوگان پر وار کر رہے تھے لیکن نوگان بھی اسی مہارت سے دفاعی انداز میں اُس کے وار روک رہا تھا۔

دفعتاً ٹائیگر نے ہاتھوں کے ساتھ ساتھ ٹانگوں کا استعمال بھی شروع کر دیا۔

اب نوگان کے انداز میں قدرے سراسیمگی پیدا ہو چلی تھی۔ وہ اب تک ٹائیگر کی قوت و مہارت کا غلط اندازہ لگاتا رہا تھا لیکن اب وہ ٹائیگر کی پھرتی اور لڑنے کا انداز دیکھ کر سمجھ چکا تھا کہ اُوشان نے انتہائی محنت سے اپنا فن اس نوجوان کو منتقل کیا ہے۔

اُوشان کا خیال آتے ہی اُس کی آنکھوں میں نفرت کے سائے لہرانے لگے اور ذہن غصے سے کھولنے لگا۔ اُسے سب سے زیادہ غصہ اس بات پر تھا کہ اُوشان نے ایک غیر قوم کے نوجوان کو کیوں اپنا فن سکھایا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

جونہی اُس کا ذہن ٹائیگر سے اُوشان کی جانب متوجہ ہُوا، ٹائیگر اُسے ایک کاری ضرب لگانے میں کامیاب ہو گیا۔

اُس نے اپنی انگشت شہادت کسی خنجر کی طرح نوگان کے پیٹ میں ماری تھی اور نوگان ایک تیز غراہٹ کے ساتھ تیزی سے پیچھے ہٹ گیا تھا لیکن اسی اثنا ٹائیگر اُس کی ٹانگوں پر ضرب لگانے میں کامیاب ہو گیا۔

نوگان ایک جھٹکے سے پیٹھ کے بل فرش پر گر گیا۔ اُس نے تیزی سے زمین پر لڑھکتے ہُوئے خود کو ٹائیگر سے دُور ہونے کی کوشش کی لیکن ٹائیگر نے اُسے کوئی موقع دینا مناسب نہ سمجھا اور اُسے لاتوں پر رکھ لیا۔

نوگان کے پیٹ سے اب باقاعدہ خون رسنے لگا تھا۔ اُس نے محسوس کر لیا تھا کہ اب ٹائیگر اُسے سنبھلنے کا کوئی موقع نہیں دے گا چنانچہ وہ کسی بلّی کی طرح اپنے ہاتھوں اور پیروں کو فضا میں اُچھال اُچھال کر ٹائیگر کے حملے روکنے کی کوشش کرنے لگا۔

"شاندار..." جینی کی چہکار گونجی۔ اُس کے لہجے میں اب بھی نشے کی آمیزش غالب تھی۔ "تم دونوں میرے لیے لڑ رہے ہو، نا؟" وہ چلاتے ہُوئے بولی۔

ایک لمحے کے لیے ٹائیگر کی توجہ جینی کی طرف مبذول ہو گئی۔

نوگان نے بے خبری کے اس لمحے کو اپنے حق میں استعمال کرنے کی بھرپور کوشش کی اور وہ اس میں کامیاب بھی رہا۔

اس نے اپنے جسم کو ایک دم فضا میں اُچھال کر ٹائیگر سے ٹکرایا تھا۔

ٹائیگر اس اچانک حملے سے سنبھل نہ سکا اور لڑکھڑا کر پیچھے ہٹ گیا۔ چنانچہ نوگان خود کو سنبھالنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ وہ اب اپنے دونوں پیروں پر تن کر کھڑا ہو گیا تھا۔ اُس کے پیٹ سے خون اب تیزی سے رسنے لگا تھا اور اس کا فرش اُس کے خون سے شرخ ہو رہا تھا۔

وہ تیزی سے آگے بڑھا اور پوری قوت سے دھاڑا۔ ٹائیگر پھر حملہ آور ہو گیا۔

وہ کسی زخمی درندے کی طرح ایک دوسرے پر جھپٹ رہے تھے۔ اُن کے ہاتھ بجلی کی سی سرعت سے ایک ساتھ حرکت کر رہے تھے لیکن ٹائیگر اس دوران میں اُس پر کئی کاری ضربیں لگانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

رفتہ رفتہ نوگان کے انداز میں سُستی پیدا ہونے لگی۔ اُس کے جسم کے کئی مقامات سے خون رِس رہا تھا۔ خون کی تیزی سے اخراج

نے اب اُس کے چہرے پہ نقاہت کے تاثرات کو گہرا کر دیا تھا۔ وہ لڑکھڑاتے ہوئے تیزی سے پیچھے ہٹنے لگا۔

ٹائیگر سمجھ گیا کہ اب وہ موقع پاتے ہی فرار ہونے کی کوشش کرے گا۔ چنانچہ اس نے فیصلہ کن انداز میں اُس کے کنپٹی پہ ایک ضرب لگائی اور نوگان کے حلق سے ایک طویل کراہ نکل گئی۔

اُس نے بے بسی سے ٹائیگر کی سمت دیکھا جس نے اُس کا ایک بازو کسی حد تک ناکارہ کر دیا تھا۔ دھیرے دھیرے اُس کے ذہن پر غنودگی چھانے لگی۔ اُس نے کئی بار سر جھٹک کر ذہن میں در آنے والے اندھیرے کو دُور کرنے کی کوشش کی لیکن اُسے کامیابی نہ ہوئی اور وہ پہلو کے بل فرش پر ڈھیر ہو گیا۔

ٹائیگر چاہتا تو بے ہوش نوگان کا گلا گھونٹ سکتا تھا۔ اس کی آنکھیں نکال سکتا تھا' اس کا دل چیر سکتا تھا لیکن نہ جانے اس نے ایسا کیوں نہیں کیا۔ اُس نے نوگان کی چمڑی بیلٹ کھول کر کھینچی اور اس سے نوگان کے ہاتھ اُس کی پشت پر باندھ دیے۔ پھر اُسے جبڑے کے نوکیلے دانت سے اس طرح لٹکا دیا کہ نوگان کے دونوں کندھے پیچھے کی طرف ہو گئے۔ اس سے فارغ ہو کر وہ جینی کی طرف متوجہ ہوا جو بڑی لگاوٹ سے اُسے دیکھ رہی تھی۔

ٹائیگر دھیرے دھیرے چلتا ہوا اُس کے قریب پہنچا۔

"کوکین سُونگھو گے؟" اُس نے بڑی ادا سے پوچھا۔

"نہیں' شکریہ۔ میں صرف چاول سُونگھتا ہوں۔" ٹائیگر نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"اچھا' یقیناً چاول سُونگھنا کوکین سُونگھنے سے زیادہ اچھا ہو گا لیکن میں نے کبھی چاول نہیں سُونگھے۔ بہر حال تم جیت چکے ہو' اب میں تمھاری ہوں۔"

"اپنی زبان بند رکھو اور کوکین سُونگھتی رہو۔ میں ٹی وی اناؤنسر کی آواز سُننے کی کوشش کر رہا ہوں۔" یہ کہہ کر اُس نے آواز کھول دی۔ اناؤنسر کہہ رہا تھا۔

"یہاں محض افراتفری ہے۔ باہر ہجوم کنٹرول میں ہے لیکن ہم نے تصدیق کر لی ہے کہ گولیاں اقوامِ متحدہ کی عمارت ہی میں چلی تھیں۔ ویسے ہمیں بتایا گیا ہے کہ کوئی بھی سفارتکار۔۔۔ زخمی نہیں ہوا۔ شکار ہونے والوں کا تعلق فوج کے ایک دستے سے ہے اور ان فوجیوں کی تعداد ستائیس ہو سکتی ہے۔ ہمیں مزید تفصیلات کا انتظار ہے جو ہم آپ کو فوراً ہی فراہم کر دیں گے۔ جونہی ہم آپ کی خدمت میں پیش کر دیں گے۔"

ٹائیگر کے ہونٹوں پر ایک فاتحانہ مسکراہٹ دوڑ گئی۔ اُس نے پلٹ کر آلے ٹکے نوگان کو دیکھا جو کچھ دیر قبل تک اُوشان کی موت کا اعلان کر رہا تھا۔ اُسے یقین تھا کہ اُوشان وہاں سے فارغ ہوتے ہی یہاں ضرور آئے گا۔ اسی لیے اس نے نوگان کو جان سے مارنا پسند نہیں کیا تھا۔ چنانچہ اُس نے اُوشان کا استقبال باہر ہی کرنے کا فیصلہ کیا۔

"تم کہاں جا رہے ہو؟" جینی نے اُسے دروازے کی سمت بڑھتے دیکھ کر احتجاج کیا۔ "تم مجھے جیت چکے ہو۔ اب مجھے چھوڑ کر نہ جاؤ۔"

"مجھے جانا ہو گا۔۔۔ ویسے میری دُنیا میں انقلاب کے لیے میں تمھاری حمایت کرتا رہوں گا۔"

"نہیں۔" وہ چلّائی۔ "نہیں' مجھے اس لفظ سے نفرت ہو گئی ہے۔ اب میں اپنے گھر جانا چاہتی ہوں۔ اپنا گھر بسانے کی خواہش مند ہوں۔"

کوکین کا اثر ختم ہوتے ہی وہ عام سی لڑکی بن گئی۔

ٹائیگر کو پہلی بار اس پر ترس آنے لگا۔ "ٹھیک ہے جینی! میں تمھیں گھر لے چلوں گا لیکن پہلے مجھے ایک آدمی کا استقبال کرنا ہے۔" یہ کہہ کر وہ تیزی سے زینے کی طرف بڑھ گیا۔

ٹائیگر نے مقفل دروازے کو لات مار کر توڑا اور سنگی سیڑھیاں اترنے لگا۔ معاً اُسے سائرن کی آواز سُنائی دی۔ یہ آواز بہت دُور سے آ رہی تھی لیکن پھر اُس کی نظر اُس ٹیکسی پر پڑی جو اُسے یہاں چھوڑ گئی تھی۔ ٹیکسی کا رُخ میوزیم کی طرف ہی تھا۔

ٹیکسی ایک جھٹکے سے رُکی' دروازہ آہستہ سے کھلا اور بھم ٹائیگر کا دُوال رُواں ناچ اُٹھا۔

اُوشان اس کے سامنے زندہ سلامت موجود تھا۔

اُوشان نے نظر بھر کر اُسے دیکھا اور اُس کے سوکھے لبوں پر ہلکی سی خفیف ترین مسکراہٹ نمودار ہوئی لیکن فوراً ہی معدوم ہو گئی۔ اُس نے اپنی قبا کے اندر دونوں ہاتھ باندھ لیے۔ اب وہ زینے کی طرف بڑھ رہا تھا۔

"کیا یہاں آنے کی بہت جلدی تھی لٹل فادر؟" ٹائیگر نے مصنوعی حیرت سے پوچھا۔

"ہاں' کیا تم آج کے دن کی اہمیت کو فراموش کر رہے ہو لڑکے؟" اُوشان کا لہجہ سپاٹ تھا۔

"آج کے دن کی اہمیت؟"

"ہاں' ہیں آج ہی تو۔۔۔ تمھارے وعدے کے مطابق بروک لین جانا ہے۔ کیا وعدہ یاد نہیں رہا؟"

"اوہ' تب ہی آپ اتنی جلدی میں ہیں۔" ٹائیگر بے ساختہ طور پر ہنس پڑا۔

"ظاہر ہے مجھے اور کس وجہ سے جلدی ہو سکتی ہے۔"

"ٹھیک ہے' وہاں بھی چلیں گے لیکن پہلے آپ وہ تحفہ دیکھ لیں جو میں آپ کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں۔"

"چلو۔" اُوشان نے بادقار لہجے میں جواب دیا۔ "ایوان سناجو کا سر براہ کبھی تحفوں کو نہیں ٹھکراتا۔"

*

"وہ رہا۔۔۔ تحفہ۔۔۔" ٹائیگر نے ڈرامائی انداز میں مجسمے کی طرف اشارہ کر کے کہا تاہم اس نے مجسمے کی طرف خود نہیں دیکھا۔

"کہاں؟" اُوشان کی سرد آواز سُنائی دی۔ ٹائیگر نے چونک کر مجسمے کی طرف دیکھا۔ وہاں صرف بیلٹ لٹکی ہوئی تھی۔ نوگان نہیں تھا۔ ٹائیگر تیزی سے دوڑتا ہوا گیلری میں گیا۔ اُس نے نیچے جھانکا۔ نیچے صرف جینی پڑی ہوئی نظر آئی۔

ٹائیگر تقریباً اُڑتا ہوا سیڑھیاں اُترا اور جینی پر جھک گیا۔ جینی کا چہرہ پیٹا ہوا تھا۔ کنپٹی پہ ایک جگہ سے خون بہہ رہا تھا اور رُخسساروں کی ہڈیاں ٹوٹی ہوئی تھیں۔

"یہ۔۔۔ یہ نوگان۔۔۔ نے کیا ہے۔۔۔" وہ بمشکل بولی۔

"تم۔۔۔ تمھارے۔۔۔ جانے۔۔۔ کے بعد اُس نے۔۔۔ اظہارِ محبت کیا۔۔۔ اُس نے کہا۔۔۔ کہ۔۔۔ اُسے۔۔۔ انقلاب کے لیے۔۔۔ میری۔۔۔ ضرورت ہے۔۔۔ میں بمشکل۔۔۔ اُوپر پہنچی۔۔۔ میں نے اُسے۔۔۔ کھول دیا۔۔۔ اور پھر۔۔۔ جب نیچے آئی۔۔۔ تو اُس نے۔۔۔ مجھ پہ۔۔۔ حملہ کر دیا۔۔۔"

ٹائیگر نے جینی کے زخموں کو دیکھا۔ وہ جانتا تھا کہ نوگان' جینی کو صرف ایک کاری وار کے ذریعے ہلاک کر سکتا تھا لیکن اُس نے جینی کو زندہ رہنے کے لیے چند لمحے دے دیے تھے۔ سوال یہ تھا کہ نوگان نے جینی کو آہستہ آہستہ مارنے کا فیصلہ کیوں کیا؟

"کیا اُس نے میرے لیے تمھیں کوئی پیغام دیا ہے جینی؟" ٹائیگر نے سرد لہجے میں پوچھا۔

"ہاں۔۔۔ اُس نے۔۔۔ کہا۔۔۔ کہ۔۔۔ اُس سے۔۔۔ تم سے۔۔۔ کہہ دینا کہ۔۔۔ وہ۔۔۔ پھر واپس۔۔۔ آئے گا اور۔۔۔ اگلی بار۔۔۔ خوش۔۔۔ قسمتی۔۔۔ تمھارا ساتھ۔۔۔ نہیں دے گی۔"

ٹائیگر ایک طویل سانس لے کر رہ گیا۔

"شہزاد۔" جینی کراہنے لگی۔

"کیا بات ہے اسٹار لائٹ۔۔۔ بولو۔"

"اُس نے۔۔۔ مجھے کیوں۔۔۔ مارا۔۔۔ کیا۔۔۔ وہ۔۔۔ مجھے۔۔۔ انقلاب۔۔۔ کے بعد۔۔۔ اپنے ساتھ۔۔۔ رکھنا نہیں چاہتا۔۔۔ تھا؟" جینی اب بمشکل بول رہی تھی۔ اُس کے منہ سے خون کے قطرے ٹپکنے لگے تھے۔ وہ اب مرگ تھی اور اُسے سکون دینا۔۔۔ ٹائیگر کا اخلاقی فرض تھا۔

"سُنو۔۔۔ وہ جانتا تھا کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں۔" ٹائیگر نے سفید جھوٹ بولا لیکن اُسے علم تھا کہ اس طرح وہ سکون سے آخری سانس لے سکے گی۔ "اُس نے اس محبت کی چمک میری آنکھوں میں دیکھ لی تھی۔ وہ یہ نہیں چاہتا تھا کہ میں تمھیں حاصل کر لوں۔"

اے حمید کے ایڈونچر قلم سے
شیونسینا کے
دہشت گرد
چار جلدوں میں مکمل سیٹ =/700 روپے
ناشر: مکتبہ القریش
اردو بازار لاہور

نواب حیدر علی
الماس ایم اے قیمت =/200

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"کیا... تم... مجھ سے... واقعی محبت... کرتے ہو؟" جینی کی سانس اُکھڑنے لگی۔

"ہاں۔"

"اوہ۔" جینی مسکرائی۔ اُس کے خون آلود دانت ٹائیگر کو نظر آئے اور پھر اُس نے ٹائیگر کی باہنوں میں دم توڑ دیا۔

ٹائیگر نے بڑی احتیاط سے اُسے نیچے لٹا دیا۔ اُوشان نہ جانے کب اُس کے پیچھے آکر کھڑا ہو گیا تھا۔

"کیا اُس کا تعاقب کیا جائے باس فادر؟" ٹائیگر نے پوچھا۔ اُس کے لہجے میں کسی قسم کا پچھتاوا نہیں تھا۔

"نہیں، اب نہ جانے کہاں نکل گیا ہو گا۔ اُس کا انتظار کرو۔ جب ہم اُسے ہلاک کرنے کا تہیہ کر لیں گے تو وہ آجائے گا۔" اُوشان نے بڑے گمبھیر لہجے میں جواب دیا۔

"اب وہ میرا شکار ہو گا۔"

"مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں کہ وہ لوگ ایک دوسرے کا کیا حشر کرتے ہیں۔" اُوشان نے روکھے لہجے میں کہا۔ "میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ تم اس وقت تک زندہ رہو جب تک میں بروک لین نہ دیکھ لوں۔"

"ٹھیک ہے، ٹھیک ہے۔" ٹائیگر جز بز ہو کر بولا۔ "آج ہی چلیں گے۔"

لیکن وہ فوراً ہی بروک لین نہ جا سکے کیونکہ جس وقت ٹائیگر لباس بدل رہا تھا اُسی وقت بہرام اُن کے اپارٹمنٹ میں داخل ہوا۔

"انسداد دہشت گردی کا معاہدہ خفیہ طور پر منظور کر لیا گیا ہے۔" اُس نے چہکتے ہوئے کہا۔

"ہاں، یہ بڑی کامیابی ہے۔" ٹائیگر کا لہجہ درشت تھا۔ "ہر فرد کو اب آزادی ہو گی کہ وہ جب چاہے کاغذ کے اس پرزے کو پھاڑ کر پھینک دے۔ ویسے اس کیس میں تمہاری طرف سے بار بار اور بے جا مداخلت ہو رہی ہے چیف۔"

"مداخلت۔" بہرام بھڑک اُٹھا۔ "تم بڑوں کے حکم کو مداخلت کہتے ہو؟"

"جو چاہو سمجھ لو۔ ہم اس مرتبہ پورے ایک مہینے کی تنخواہ ٹھکانے لگائے بغیر نہیں جائیں گے۔"

"اوہ، کہاں جا رہے ہو؟" بہرام ٹھٹھک پڑا۔

"بروک لین۔"

"مگر وہاں اتنے اخراجات تو نہیں ہو سکتے۔ دُور ہی کتنا ہے۔"

بہرام چکرا گیا۔

"دیکھ لینا۔" ٹائیگر نے اُوشان کی طرف دیکھ کر بڑا سا منہ بنایا اور مذاق اڑانے لگا۔

مسٹر طرنے انسداد دہشت گردی کے معاہدے کی خبر بڑے غور سے سُنی۔ اُسے یقین ہو گیا کہ اب دُنیا میں کسی عورت کی بے حرمتی نہیں ہو گی۔ کسی بچے کو ایسے ہی نہیں پھینکا جائے گا اور کوئی طیارہ اغوا نہیں ہو گا۔

اُس نے ٹی وی آف کیا اور دبے قدموں بیڈ روم میں چلی آئی جہاں اس کا شوہر گہری نیند میں ڈوبا ہوا تھا۔

وہ سب خوفزدہ تھے۔

وہ اتنی چھوٹی چیز تھی کہ ننگی آنکھوں سے اُسے دیکھا جانا ممکن ہی نہیں تھا لیکن ابھی تک اُس نے انھیں کوئی نقصان نہیں پہنچایا تھا۔ اُن میں جو لوگ سائنس کا علم نہیں رکھتے تھے انھیں تو اس کی خبر بھی نہ تھی کہ وہ چیز ہے کیا۔

لیکن گلستان آباد کے دو سو خاندان، موسم گرما کی بارش کے دوران گلستان آباد گریجویٹ اسکول آف بائیو ٹیکنیکل سائنسز کے گرد آلود بنجر احاطے میں اس چیز کے خلاف مظاہرہ کرنے کے لیے جمع ہو رہے تھے۔ وہ اس چیز کی تیاری کے خلاف احتجاج کرنا چاہتے تھے۔

"نہیں تیاری نہیں۔" ایک ماہر تعمیرات نے ایک خاتون سے کہا۔ "مسئلہ یہ ہے کہ وہ اس چیز کو تیار نہیں کرتے صرف بدل سکتے ہیں۔"

"پھر انھیں بدلنے سے روکا جائے۔" وہ عورت جو ماں بھی تھی بڑے غصے سے چلائی۔ اسے علم تھا کہ یہاں جو کچھ ہو رہا ہے وہ بہت بُرا ہے۔ ایسے عفریت تیار کیے جا رہے ہیں جنھیں کوئی نہیں روک سکتا۔ یہ عفریت گھروں میں داخل ہو کر قتل بھی کر سکتے ہیں اور بے حرمتی بھی اور پھر ان عفریتوں کی وجہ سے کسی بھی عورت کے بطن میں نیا عفریت جنم لے سکتا ہے۔

جزیرہ فردوس کے ان لوگوں کو سب سے زیادہ فکر اس نسل کے بارے میں تھی جو ابھی دُودھ پی رہی تھی۔ تقریباً تمام عورتوں کو اپنے بچوں کے بارے میں تشویش تھی جو اس نئی ایجاد سے متاثر ہو سکتے تھے۔

اس مظاہرے سے قبل منتظمین میں سے ایک نے گزشتہ شب اجلاس میں بڑے دلنشیں انداز میں خطرات سے خبردار کیا تھا۔

"میں آپ لوگوں کو کوئی خطرناک داستان، پُراسرار کہانی یا من گھڑت افسانہ نہیں سناؤں گا اور نہ ہی کسی کی تذلیل میرا مقصد ہے۔ میں یہ بتانے کے لیے خوفناک اصطلاحات بھی استعمال نہیں کروں گا کہ کسی پاگل سائنس داں نے ایسے ٹیسٹ ٹیوب بنا لیے ہیں جو ہم سب کو جلا سکتے ہیں۔ میں تو محض ایک سائنسی حقیقت کا ذکر کروں گا۔ ممکن ہے کہ آپ لوگوں کو اس صورت حال کا ادراک ہونے میں پہلے ہی تاخیر ہو گئی ہو اور ہم پہلے ہی تباہ ہو چکے ہوں۔"

بات واقعی خطرناک تھی۔ اس عورت نے ٹیلی ویژن کیمروں کی طرف دیکھا جو عمارت کی چھت سے منتظمین کی قلم بنا رہے تھے۔ اُسے تیسری منزل کی کھڑکی میں سیاہ اور بڑے بڑے تار لٹکتے ہوئے دکھائی دیے۔ یہی وہ جگہ تھی جہاں گمراہ سائنسداں اپنی خوفناک ایجادیں مصروف تھے اور آج یہ ثابت کرنا چاہتے تھے کہ اُن کی ایجادیں ضرر رساں ہیں۔

"بے ضرر؟" اُس عورت نے بڑے غصے سے کہا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اگر ہم پہلے ہی تباہ ہو چکے ہیں تو پھر یہ چیز بے ضرر کیسے ہو سکتی ہے۔ اگر یہ زیادہ بے ضرر نہیں تو اتنی خطرناک ضرور ہے کہ ہمارے بچے پیدا ہونا بند ہو جائیں گے کیونکہ یہ لوگ بھی بچے ہی بنا رہے ہیں۔

ایک چھوٹے سے ٹرک پر ایک شخص نمودار ہوا۔ یہ ڈاکٹر تھا اور اس کے چہرے پر واضح طور سے پریشانی کے تاثرات تھے۔

"یہ لوگ آج اپنے تجربات کریں گے۔" اُس نے میگا فون مُنہ کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

"یہ ٹیسٹ ٹیوب اپنی لیبارٹری میں لے جائیں گے اور کسی اخبار یا ٹیلی ویژن والے کو پانچ منٹ کے تجربے میں یہ ثابت کر کے دکھائیں گے کہ وہ جو کچھ کر رہے ہیں وہ خطرناک نہیں بلکہ انتہائی محفوظ طریقہ ہے لیکن میں کہتا ہوں کہ اُن کا طریقہ محفوظ نہیں انتہائی خطرناک ہے۔ ہم یہاں اس لیے جمع ہوئے ہیں کہ دُنیا کو بتا دیں... کہ... اُن کا طریقہ عالم انسانیت کے لیے تباہ کن ہے۔ یہ ابدی اصول ہے کہ زندگی کے عناصر کی قوت کو چھیڑنا خطرناک ہوتا ہے۔ اب ایٹم بم کو ہی لیں، ہم نے انھیں ایٹم بم بنانے دیا اور اب ہم تباہی کے دہانے پر کھڑے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ یہ سائنس داں سائنس کے نام پر جو کچھ کر رہے ہیں اس کے سامنے ایٹم بم بچوں کا کھلونا ہے کیونکہ ایٹم بم کی تباہی سے بچنے کی تدابیر تو کی جا سکتی ہیں لیکن ان سائنس دانوں کی ایجاد بغیر کسی بچاؤ کے اپنا کام... اپنی تباہی پھیلا سکتی ہے۔"

مقرر سانس لینے کے لیے رُک گیا۔

بیگم حشمت کو مقرر سے شکایت تھی۔ اُس نے اپنی

بیٹی عائکہ کو گود میں سنبھالا جس کا پوتڑا گیلا ہو چکا تھا۔ عائکہ کی عمر چار سال تھی مگر وہ بعض اوقات بستر پر ہی پیشاب کر دیتی تھی۔ لہٰذا بیگم حشمت ہمیشہ ہی اُسے پلاسٹک کا پوتڑا باندھے رکھتی تھی۔ عائکہ کو لانے کی وجہ یہ تھی کہ انسانی حقوق کی تنظیم نے اپیل کی تھی کہ بچوں سمیت مظاہرے میں شرکت کی جائے تاکہ دُنیا کو معلوم ہو سکے کہ ہم اپنے مستقبل، اپنے بچوں کو بچانے کے لیے جمع ہوئے ہیں۔

بچوں کو بچانے کا خیال ہی جذباتی تھا۔ بیگم حشمت کی آنکھیں بھر آئیں۔ وہ عائکہ کو بچانے کے لیے اپنی جان بھی قربان کر سکتی تھی۔ اُس نے بڑے پیار سے اُس کو دیکھا جو ایک ٹیلی ویژن کیمرے کی طرف دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔ کیمرا مین اُن کے قریب آگیا۔ اُس نے عائکہ کا کلوز اپ لیا اور ساتھ ہی ایک انتہائی وجیہ نوجوان نے مائیکروفون لے کر عائکہ کے سامنے کر دیا۔

"تم یہاں کیوں آئی ہو بے بی؟" اُس نے بڑی شفقت کے ساتھ پوچھا۔ اُس کا لہجہ بھی بہت شیریں تھا۔

"بُرے لوگوں کو روکنے کے لیے۔" عائکہ نے مُسکرا کر معصومیت سے کہا۔ اُس کی ماں نے یہی بتایا تھا کہ وہ بُرے لوگوں کو بُرے کام سے روکنے کے لیے جا رہی ہیں۔ اس وقت بے بی عائکہ بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔ اُس کے سُرخ گال دھوپ میں چمک رہے تھے۔ وہ مُسکرا رہی تھی۔

"آپ کون ہیں خاتون؟"

"بیگم نسرین حشمت۔" بیگم حشمت نے فوراً جواب دیا کیونکہ اب کیمرے کا رُخ اُسی کی طرف تھا۔ وہ نیلی ساڑی میں ملبوس تھی چہرے پر ہلکا سا میک اپ تھا۔

"... اور میں یہاں ہونے والے کام پر احتجاج کرنے کے لیے آئی ہوں۔ میں مستقبل کو محفوظ کرنے کے لیے گھر سے نکلی ہوں۔"

"مستقبل کو کس چیز سے خطرہ لاحق ہے بیگم صاحبہ؟" وجیہ نوجوان نے پوچھا۔

"بُری ایجادات سے۔" بیگم حشمت نے عائکہ کا ہاتھ پکڑے ہوئے کہا جو مائیکروفون کا تار کھینچ رہی تھی۔

"مگر تجزیہ کرنے والی ڈاکٹر... ڈاکٹر شیلا کا کہنا ہے کہ آپ لوگوں میں سے بے شمار افراد کو یہ علم بھی نہیں کہ آپ کس چیز کے خلاف احتجاج کر رہی ہیں۔ ان کا دعویٰ ہے کہ آپ کو کچھ بھی معلوم نہیں۔"

"ہمیں علم نہیں کہ ایٹم بم کس طرح بنایا اور چلایا جاتا ہے۔" بیگم حشمت یونیورسٹی سے ایم۔ اے کی سند لے چکی تھیں اور حاضر جواب بھی تھیں۔ "لیکن ہم جانتے ہیں کہ ایٹم بم کتنی تباہی پھیلاتا ہے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ہے۔ اس پر متفق ہیں کہ ایٹم بم نہیں بننا چاہیے تھا۔"

"لیکن اس زمانے میں امریکہ حالت جنگ میں تھا۔"

"وہ غیر اخلاقی جنگ تھی۔"

"میری مراد جنگ و جدل سے نہیں خاتون۔" اناؤنسر نے مسکرا کر کہا۔ "اس نے ملنے میں امریکہ برطانیہ اور جاپان سے نبرد آزما تھا۔"

"اوہ وہ تو اس کے انتہائی قریبی اتحادی ہیں۔ اب ان سے خطرہ کیسا؟ جب ان کی طرف سے خطرہ ہی نہیں تو ایٹم بم ضائع کر دینے چاہئیں۔ اچھے دوستوں کے خلاف ایٹم بم رکھنے کا کیا جواز ہے؟ ہمیں ایٹم بم نہیں بنانا چاہیے۔ ہمیں ڈاکٹر شیلا کا پلیگ اور عفریت نہیں چاہیے۔"

"کیسا پلیگ، کیسا عفریت خاتون؟"

"انتہائی خطرناک۔" بیگم عشمت نے بڑے وثوق سے کہا۔ "ایسے عفریت جنہیں تم نہ تو دیکھ سکتے ہو اور نہ ہی ان کے بارے میں زیادہ کچھ جانتے ہو۔ بائیڈ روجن بم سے زیادہ خطرناک عفریت۔"

اناؤنسر نے کیمرے کی طرف مڑ کر کے کچھ کہا اور پھر اس مخصوص جگہ کی طرف بڑھ گیا جو صرف صحافیوں کے لیے بنائی گئی تھی۔ اُسے یہ فکر کھائے جا رہی تھی کہ وہ مظاہرین کی فلم صرف بیس سیکنڈ تک کس طرح محدود رکھے گا؟

⊡

ڈاکٹر شیلا ایک ٹی۔ وی کیمرے اور اس کی روشنیوں کے سامنے بالائی منزل پر موجود تھی۔ اناؤنسر کو اس عورت سے ہمدردی ہونے لگی تھی اور اس کی وجہ شیلا کے چہرے پر بسنے والی معصومیت تھی۔ اُسے انٹرویو کرنے والے کی طرف سے سوال کا انتظار تھا اور اس وقت وہ ایک طالبہ لگ رہی تھی جس کا امتحانی پرچا ابھی سامنے نہیں آیا ہو۔

وہ اڑتیس سال کی تھی اور اُس کے چہرے پر تھکن کے آثار تھے۔ ناک اُٹھی ہوئی تھی اور آنکھوں کے نیچے حلقے پڑے ہوئے تھے۔ اُس نے ایک ڈھیلا ڈھالا سفید بلاؤز پہن رکھا تھا جس کے باعث اُس کی نسوانیت چھپی ہوئی تھی۔ صرف لفظوں سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ ایک عورت ہے۔ لوگوں کو معلوم تھا کہ وہ گزشتہ دس برس سے جزیرۂ فردوس میں ہے اور اس سے قبل وہ مغربی جرمنی میں کام کرتی رہی ہے۔

"کیا آپ یہ بتانا پسند کریں گی کہ آپ کے کام کی نوعیت کیا ہے؟" ڈاکٹر شیلا فن برگ نے؟" اناؤنسر نے ٹی۔ وی کیمرے پر سرخ بتی روشن ہوتے دیکھ کر فوراً پوچھا۔

"ہم یہاں کیا کر رہے ہیں؟" ڈاکٹر شیلا نے سوال دوہرے انداز میں دُہرایا۔ یہ کہتے ہوئے اُس کے گلے کی رگیں پھول گئیں۔ اُس کی آواز نرم و لطیف تھی۔ "ہم تخلیق نو کر رہے ہیں۔ ڈی۔ این۔ اے ہمارے اس عمل کا مرکز ہے کہ ہم کس مختلف شکلیں اختیار کر سکتے ہیں۔ ایک بیج درخت بن سکتا ہے تو دوسرا پولین۔ ہمارے کام کا مقصد یہ ہے کہ ہم ایسا کوڈنگ میکنزم تلاش کر لیں جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ چیز... چیز کس طرح بن سکتی ہے؟"

"میں سمجھ گیا۔" اناؤنسر نے فوراً کہا۔ حالانکہ اُس کے پلے کچھ بھی نہیں پڑا تھا۔ "لیکن آپ کے ناقدین کہتے ہیں کہ آپ کوئی عفریت تیار کر رہی ہیں، کوئی پلیگ ایجاد کر رہی ہیں جو لیبارٹری سے نکل کر انسانیت کو برباد و تاراج کر دے گا۔ ڈاکٹر شیلا فن برگ؟"

شیلا ہولے سے مسکرا کر سر ہلانے لگی۔ "میں اسے وہ شے ایک خوف قرار دے سکتی ہوں۔ سنا ہے ان لوگوں نے وہ فلمیں دیکھی ہوں گی جن میں ایسا پاگل سائنس داں کسی کا مغز نکال کر دوسرے افراد کے جسم کے مختلف حصوں سے جوڑتا ہے اور پھر ایک عفریت جنم لیتا ہے۔" اور پھر شیلا نے خالصتاً سائنسی اصطلاحات کا استعمال کرنا شروع کر دیا جو اگرچہ اناؤنسر کی سمجھ میں نہیں آئیں لیکن وہ شدت سے سر ہلاتا رہا۔

"لوگ جن تیاالات کا اظہار کر رہے ہیں ان کی کوئی بنیاد تو ہو گی ڈاکٹر شیلا؟" اُس نے پوچھا۔

"اس کی بنیاد ٹیلی ویژن کی احمقانہ فلمیں ہی ہو سکتی ہیں۔" شیلا نے اس بار مسکراتے ہوئے کہا۔ "وہ دیکھتے ہیں کہ کوئی شخص حادثے میں زخمی ہوا اور پھر اچانک کہیں سے ایک ماہر کیمیک نمودار ہوا اُس نے اُس کے ٹوٹے بلکہ کٹے ہوئے ہاتھ پیر ٹھیک کیے کے اُسے دُنیا کا سب سے طاقتور انسان بنا دیا۔ درحقیقت ایسا نہیں ہو سکتا۔ مثال کے طور پر اگر میں آپ کو ایک بائیو کیمیکل ہاتھ لگا دوں تو آپ کے سارے جسم کا توازن بگڑ جائے گا۔"

"آپ کا اصل نقطہ کیا ہے؟"

"ہمارا اصل نقطہ... بلکہ مسئلہ یہ نہیں کہ کسی عفریت کو قابو میں رکھا جائے بلکہ ایسا مشروب تیار کرنا ہے جو زندگی دے سکے، حیات بخش ہو اور آج میں اسی کا مظاہرہ بھی کروں گی۔"

"وہ کس طرح؟"

"مشروب کی کیا... اہمیت ہے؟ وقت میں مشروب کا نام ہی دے سکتی ہوں۔" ڈاکٹر شیلا فن برگ نے اپنی دراز زلفوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"کیا یہ خطرناک نہیں ہو گا ڈاکٹر؟" ٹی۔ وی کے اناؤنسر نے بھرپور لے کر پوچھا۔

"ہو سکتا ہے۔" ڈاکٹر شیلا نے جواب دیا اور خالصتاً سائنسی اصطلاحات میں اناؤنسر کو تفصیل سنانے لگی لیکن اناؤنسر کچھ نہ سمجھنے کے باوجود بھی سر ہلانے لگا۔ جیسے وہ اس کی ہر بات سمجھ رہا ہو۔

⊡

عام مظاہرہ شروع ہونے میں پورے دو گھنٹے لگ گئے۔ مظاہرین اپنی اپنی جگہ پر بیٹھنے کے لیے کھینچا تانی کرتے رہے۔ عورتوں کو بچوں سمیت بہرحال اگلی صفوں میں جگہ مل گئی۔

ڈاکٹر شیلا نے جس مشروب کا ذکر کیا تھا وہ ایک لمبے اور شفاف فش ٹینک میں تھا۔ ٹینک کے اندر شفاف محلول میں بارہ چھوٹی اور سرمئی سی ٹیوب نظر آ رہی تھیں۔

"از راہ کرم ممتا کو نوشی سے گریز کریں۔" ڈاکٹر شیلا نے نرم لہجے میں سب سے درخواست کی۔

"کیوں؟" ایک آدمی نے مشتعل ہو کر کہا۔ "کیا اس لیے کہ ممتا کو نوشی سے اس زہریلے محلول کی قلعی کھل جائے گی۔ اگر یہ چیز اتنی خطرناک نہیں ہے تو پھر اسے اتنی حفاظت سے شیشے کے اندر پانی اور پانی کے اندر شیشے میں کیوں رکھا گیا ہے؟"

"پہلی بات تو یہ کہ اس ٹینک میں پانی نہیں ہے۔" ڈاکٹر شیلا نے بُرا مانے بغیر جواب دیا۔ "پانی اس چیز کے لیے مناسب نہیں لہٰذا ہم نے بیلنس محلول اس میں بھرا ہے جو انسولیشن کا کام دیتا ہے۔ یہ غیر مستحکم عنصر ہیں۔"

"غیر مستحکم...؟" ایک گنجا آدمی گھبرا کر بولا۔ اُس کی ہلکی سی داڑھی تھی۔ "تب پھر یہ ٹینک دھماکے سے پھٹ بھی سکتا ہے۔" وہ مارے گھبراہٹ کے بار بار اپنی چندیا پر ہاتھ پھیر رہا تھا۔

"غیر مستحکم سے میری مراد یہ نہیں جناب۔" ڈاکٹر شیلا بولی۔ "میں نے یہ کہا ہے کہ اگر ٹیوب میں موجود عناصر کی حفاظت نہ کی جائے تو یہ بے اثر ہو سکتے ہیں۔ یہ خود مر سکتے ہیں۔"

"بھوئی... حرافہ..." بیگم عشمت مزید برداشت نہ کر سکیں۔

"آپ لوگ سمجھنے کی کوشش کریں۔" ڈاکٹر شیلا نے بڑے ضبط کا ثبوت دیتے ہوئے کہا۔ "یہ عنصر بہت حساس نوعیت کے ہیں۔ ہم جو کچھ حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اُس کا ہمیں درست تناسب اور توازن ابھی تک معلوم نہیں ہو سکا۔ یہ انتہائی بیش قیمت کلیدیں ہیں۔"

"تم تخم حیات حاصل کر رہی ہو۔" کوئی دوسرا مرد چلایا۔

"نہیں پلیز میری بات سنیں۔ کیا آپ نے کبھی اس بات پر غور کیا ہے کہ بوڑھے ہونے پر آپ کی ناک آپ ہی کی رہتی ہے اور آنکھیں بھی آپ ہی کی رہتی ہیں حالانکہ وقت ہر سات سال کے بعد آپ کی آنکھ اور ناک کا ہر سیل بدل جاتا ہے تو پھر آپ کی ناک یا آنکھ کیوں نہیں بدلتی؟"

"اس لیے کہ اس تک ابھی تمہارے ہاتھ نہیں پہنچے۔" ایک آدمی نے عقبی نشست سے دہاڑ کر کہا۔

"نہیں۔" ڈاکٹر شیلا کے صبر کا پیمانہ اب لبریز ہونے لگا تھا۔ وہ اس کی مسلسل توہین کر رہے تھے۔ "نہیں، اس کی وجہ آپ کے جسم کا کوڈنگ سسٹم ہے جو آپ کر... آپ بناتا ہے اور یہاں، اس ادارے میں ہم اس کوڈنگ سسٹم کی کلید حاصل کرنے کے لیے کوشاں ہیں تاکہ سرطان جیسے امراض کبھی جنم نہ لے سکیں۔ ان ٹیسٹ ٹیوبز میں مختلف ایسے جانوروں کے جینس موجود ہیں جن پر زندگی کی حقیقی کلید حاصل کرنے کے لیے تجربات کیے گئے تھے۔ ہمیں توقع ہے کہ ہم حیاتیاتی کائنات کا پتا لگا سکیں گے اور زندگی کے حقیقی اسرار سے پردہ اُٹھ سکے گا اور اس طرح ہم اپنی صحت اور عمر کی اوسط مدت بہتر بنا سکیں گے۔ بیماریوں کا علاج ہو سکے گا۔ مختصراً میں یہ عرض کرنا چاہتی ہوں کہ ہم زندگی کے بند اور مقفل دروازے کی کلید حاصل کرنے کے لیے کوشاں ہیں۔"

"جھوٹی... خبیث..." کوئی نادر سے چلایا اور پھر بہت سے لوگ جھوٹی، جھوٹی کے نعرے لگانے لگے پھر کسی نے ڈاکٹر شیلا کو چیلنج کیا کہ وہ اپنے ننگے ہاتھوں سے ٹیوب میں موجود محلول کو چھو کر دکھائے۔

"بس... اتنی سی بات؟" ڈاکٹر شیلا نے حقارت سے کہا اور ساتھ ہی ٹینک کی طرف ہاتھ بڑھا دیا۔ کوئی عورت مظاہرے کے خوف سے چلا اُٹھی اور سوائے بیگم عشمت کے باقی عورتوں نے اپنے اپنے بچوں کو سینے سے چمٹا لیا۔ بیگم عشمت کی بیٹی عائشہ خود ہی گود سے اُتر کر ادھر اُدھر گھوم رہی تھی۔ وہ ڈاکٹر شیلا کے ہاتھ کو مسخ ہوتے ہوئے دیکھنے کی منتظر تھی۔

پھر ڈاکٹر شیلا کا ہاتھ ٹینک سے نکلا تو اس میں ٹیوب موجود تھی۔ وہ مسکرا رہی تھی۔ اس کے چہرے پر کسی فتح مند شخصیت کے تمام تر تاثرات موجود تھے۔

"وہ لوگ اپنے اعصاب کو سنبھالیں جو درندوں سے ڈرتے ہیں کیونکہ اب میں یہ انکشاف کر رہی ہوں کہ اس ٹیوب میں ایک آدم خور شیر کا جینس موجود ہے، آدم خور کا!"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

لوگ واقعی اُچھل پڑے اور ڈاکٹر شیلا مایوسی سے سر ہلانے لگی۔ اُس نے ٹی۔ وی اناؤنسر کی طرف دیکھا جو دوستانہ انداز میں ڈاکٹر شیلا کو ہی دیکھ رہا تھا۔ وہ اُسے اپنی طرف متوجہ پا کر مسکرانے لگا۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ ڈرنے والے واقعی بے وقوف ہیں یہاں کوئی زندہ آدم خور شیر موجود نہیں تھا۔

پھر اچانک ہی ڈاکٹر شیلا نے ٹیسٹ ٹیوب منہ سے لگا کر محلول پی ڈالا اور پھر بُرا سا منہ بنا کر بولی: "آپ خواتین اور حضرات میں سے کوئی بھی ٹینک میں ہاتھ ڈال کر میرے لیے دوسری ٹیسٹ ٹیوب منتخب کر سکتا ہے۔"

"اس... ٹیسٹ ٹیوب میں کوئی خطرناک چیز رکھی ہی نہیں گئی ہوگی۔" کسی نے زور سے کہا۔ "میں بے وقوف بنا رہی ہوں۔"

"تم... تم سب بے وقوف ہو۔" ڈاکٹر شیلا کو واقعی غصہ آگیا۔ "تم لوگ واقعی جاہل ہو۔ کبھی کچھ نہیں سمجھ سکو گے۔" غصے سے بے قابو ہو کر اُس نے ٹینک میں ہاتھ ڈالا اور پھر یکے بعد دیگرے ٹیسٹ ٹیوب نکال کر محلول پینے لگی حتیٰ کہ ٹینک میں کوئی اور ٹیوب باقی نہ رہا۔

"اب بولو۔" اُس نے تڑخ کر کہا۔ "کیا تمہیں یہ اندیشہ ہے کہ میں اب چیخ یا چلا دوں گی کسی تکلیف میں مبتلا ہو جاؤں گی۔ تم سب جاہل، کٹھ حجتے اور قدامت پسند ہو۔"

اچانک ہی ڈاکٹر شیلا کا جسم کانپنے لگا اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ فرش پر گر گئی۔

"اسے کوئی مت چھوتا۔" بیگم حشمت نے سب کو خبردار کیا۔ "ممکن ہے اس کو چھونے سے کوئی وائرس منتقل ہو جائے۔"

"سب وحشت زدہ ہو گئے۔" ٹی۔ وی اناؤنسر ضابطہ اخلاق توڑ کر کے کھلے ہوئے مائیکروفون کو چھو گیا۔ اس نے ایمبولینس کے لیے بڑی ہیجانی سے فون کیا۔ ایمبولینس والے منٹوں میں آ گئے۔ ڈاکٹر شیلا کو اسٹریچر پر ڈال کر لے جایا گیا۔ اُس کی سانس ابھی باقی تھی اور اس کا ایک ساتھی یہ وضاحت پیش کر رہا تھا کہ محلول میں ایسی کوئی چیز نہیں جس سے زہر بھی کہا جائے۔ دراصل ڈاکٹر شیلا لوگوں کے رویے کو محسوس کر کے لیے جذباتی کے احساس سے بے ہوش ہوئی ہے۔

لیکن کسی نے بھی اس کی وضاحتوں پر دھیان نہ دیا یا حوالج کرنے والوں کے ایک رہنما نے کرسی پر کھڑے ہو کر کہا۔

"یہاں کی کسی چیز کو ہاتھ نہ لگانا ورنہ ممکن ہے کہ وائرس منتقل ہو جائیں۔" پھر جب اُسے یقین ہو گیا کہ کیمرے کا رُخ اسی کی طرف ہے تو اُس نے تقریر شروع کر دی۔

"اُن کا دعویٰ تھا کہ تجربات سے کسی کو کوئی خطرہ نہیں لیکن دُنیا دیکھ رہی ہے کہ اپنے دام میں خود صیاد آ گیا۔ میں مطالبہ کرتا ہوں کہ اس احمقانہ اور غیر ذمہ دارانہ تحقیق کو یہیں ختم کر دیا جائے ورنہ بے گناہ اور معصوم لوگ بھی مرنے لگیں گے۔"

پُرجوش مظاہرین کا جلسہ نما وہی والوں کے جانے کے بعد بھی جاری رہا۔ کھانے پینے کے لیے انھوں نے قریبی ریستوران سے سامان منگایا اور پھر جنوں قرار دادیں منظور کیں۔

اس دوران میں وائلڈ لیبارٹری کے عقبی حصے میں سوتی ہی پھر اچانک کسی نے غمزدہ کہا کہ اُس نے ایک خوفناک بچی کی طرف کسی درندے کا پنجہ بڑھتے ہوئے دیکھا ہے اور غرغراہٹ کی آواز بھی سُنی ہے۔ اُس کے بعد ایک اور بچے نے اطلاع دی کہ ڈاکٹر شیلا فن برگ واپس آ گئی ہے۔

"وہ عورت پھر واپس آ گئی ہے جو گندا پانی پی رہی تھی ممی۔" بچے نے اپنی ماں سے کہا۔

"اوہ نہیں۔" سب کے سب چلا اُٹھے۔ بیگم حشمت بکھر کر لیبارٹری کے عقبی حصے کی طرف دوڑ گئی۔ انھوں نے راہ میں آنے والوں کو دھکے دے دے کر اپنے لیے راستہ بنایا۔ وہ کئی بار کرسیوں سے ٹکرائی اور اس طرح دوڑتی رہی جیسے متلاشی پکار کسی اندھیرے غار میں بیٹی کو تلاش کر رہی ہو۔

عائکہ چند قدم دُور تھی مگر عائکہ تک پہنچنے میں بیگم حشمت کسی چیز سے پھسل کر گر گئی۔

خون... تازہ خون بہران کا پیر بار بار پھسل رہا تھا۔

وہ عائکہ پر جھک گئی اور پھر اُس کے حلق سے دلخراش چیخ نکل کر دیواروں سے سر ٹکرانے لگی۔

لوگ ہذیانی انداز میں چیخنے لگے۔

عائکہ کا پیٹ پھٹا ہوا تھا۔ گوشت اور آلائش غائب تھی۔

"نہیں۔" بیگم حشمت دیواروں سے سر پھوڑنے لگی۔

وہ ایمبولینس جو ڈاکٹر شیلا فن برگ کو اسپتال لے جانے کے لیے آئی تھی اگلی سڑک پر چلی گئی لیکن اس حالت میں کہ درخت سے ٹکرانے کے باعث اس کا اگلا حصہ پچک گیا تھا۔ ایک ڈرائیور کا حلق کٹا ہوا تھا اور دوسرا ڈرائیور بھی زخموں کی وجہ سے آخری سانسیں لے رہا تھا۔ اگلی نشست پر خون کے بڑے بڑے دھبے تھے جبکہ عقبی سیٹ اور اسٹریچر پر ایک بھی دھبہ نہیں تھا۔ ڈاکٹر شیلا کو بے ہوشی کی حالت میں ایمبولینس میں لٹایا گیا تھا مگر اب... اب وہ غائب تھی۔ جس کسی نے بھی ڈرائیور کو قتل کیا تھا وہی ڈاکٹر شیلا کو بھی لے گیا تھا اور انیڈنٹ جو عقبی حصے میں سوار تھا اُس کی پیشانی پر بڑا سا زخم تھا۔

"کیا انیڈنٹ کو چڑیا گھر بھیجنا ہے۔" فورسنک سرجن نے پوچھا۔ "میرا خیال ہے کہ اُس کے دل سے جانوروں کا خوف ختم کرنے کے لیے پہلے اُسے نفسیاتی اسپتال داخل کرا دو۔ اگر اس کا ڈھنگ سے علاج نہیں کیا گیا تو بڑا مسئلہ ہو جائے گا۔ میں درندے کے پنجے سے زخمی ہونے والوں کا حشر دیکھ چکا ہوں۔"

"پنجے۔" سارجنٹ نعیم نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "ارے کسی نے اس کے سر پر کوئی چیز ماری ہوگی اور انیڈنٹ چڑیا گھر سے نہیں، اسپتال سے آیا ہوگا۔ یہ اسپتال کا انیڈنٹ ہے کسی درندے کا رکھوالا نہیں۔"

"ارے نہیں۔" سرجن مسکرایا۔ وہ یہ سمجھا کہ سارجنٹ نعیم مذاق کر رہا ہے اور اُسے یقین تھا کہ انیڈنٹ کی پیشانی پر کسی شیر کے پنجے کا ہی کھروچا ہے۔ چاقو کا زخم ایسا نہیں ہوتا۔ چاقو کا لگا ہے اور یہ ایسا زخم ہے جیسے کسی درندے نے پنجہ مار کر پیشانی کو اُدھیڑا ہو۔

چھ جب عائکہ بے بی کی لاش اس کے سامنے لائی گئی تو اُسے یقین ہو گیا کہ یہاں کوئی نہ کوئی درندہ موجود تھا۔ "ذرا بچی کے پیٹ کی طرف دیکھو۔" اُس نے سارجنٹ نعیم سے کہا۔ "اس کا پیٹ۔"

"پیٹ ہے ہی نہیں ڈاکٹر۔"

"یہی میں کہنا چاہتا تھا۔" سرجن نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ "بڑے شیر پہلے پیٹ کو ہی کھاتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ یہاں آس پاس کوئی درندہ موجود تھا۔"

ادھر فردوس نگر کے شمالی حصے کے ایک تاریک فلیٹ کے کمرے میں شیلا بُری طرح کانپ رہی تھی۔ اُس کے کپڑے خون آلود تھے اور وہ اس خون کی طرف دیکھنا بھی نہیں چاہتی تھی لیکن اُسے اچھی طرح علم تھا کہ اُس کے کپڑوں پر کسی اور کا خون لگا ہوا ہے۔ اُسے صرف مرنے کی تمنا تھی۔ وہ اسی تاریک اندھیرے میں آخری سانس لینا چاہتی تھی۔ اس کی کوشش تھی کہ جو کچھ ہو چکا ہے اُس کے بارے میں اُسے کچھ یاد نہ رہے۔

وہ یورپی تھی۔ مذہب اس کے قریب سے بھی نہیں گزرا تھا لیکن وہ لوگوں کی بھلائی کے کام کرتے ہوئے خود کو بہت خوش محسوس کرتی تھی۔ اسی باعث اُس نے سائنس اور میڈیسن پر ریسرچ کے لیے جزیرہ فردوس کو منتخب کیا تھا تاکہ اس ترقی پذیر ملک میں صحت کی سہولتیں عام اور سستی ہوں لیکن آج رات اُسے خدا یاد آ رہا تھا۔ وہ دُعائیں مانگ رہی تھی کہ خدا اُس کا خوف دُور کر دے۔

اُس کے گھٹنے اور بازو ایک تخت پر تھے۔ یہ ایک دو چیئر تھی اور فرش پندرہ فٹ نیچے تھا۔ وہ خود کو اس جگہ بہت محفوظ سمجھ رہی تھی اور اب اُس کی آنکھیں گھُپ اندھیرے میں دیکھنے کے قابل ہو گئی تھیں۔

اُسی لمحے ایک گوشے سے کوئی چیز حرکت کرتی ہوئی نظر آئی۔ شاید چوہا ہے! اُس نے سوچا اور پھر اُسے پیاس لگنے لگی۔ اُس نے اپنے خون آلود ہاتھوں کو چاٹنا شروع کر دیا۔ خون کا ذائقہ محسوس ہوتے ہی اُس کا رُواں رُواں مطمئن ہونے لگا۔

اس کے حلق سے مسرت بھری غراہٹ نکلی۔ وہ مسکرانے لگی۔

ٹائیگر ایک شخص کے سامنے تھا اور وہ شخص ٹائیگر پر گھونسے سے حملہ کر رہا تھا۔

وہ سوچ رہا تھا کہ امریکہ سے طویل مسافت طے کر کے اپنے آبائی وطن میں فوراً ہی گھونسے سے خاطر مدارت ہو رہی ہے اور یہ بات اُسے ذرا بھی اچھی نہیں لگی تھی۔ نوگان کے فرار کے بعد ابھی وہ بروک لین کی سیر ہی کر رہے تھے کہ بہرام نے انھیں فوری نوعیت کا پیغام دیا کہ انھیں ہر صورت میں کل تک جزیرہ فردوس پہنچنا ہے، جہاں کوئی گڑبڑ ہو رہی ہے۔ کیسی گڑبڑ؟ اس کا بہرام نے ذکر نہیں کیا تھا اور ٹائیگر کو بھی گڑبڑ کی تفصیلات میں جانے سے دلچسپی نہیں تھی، اس کے لیے تو یہی کافی تھا کہ وہ اپنے وطن واپس جا رہا ہے اور اُدشان بھی اس کے دلی جذبات دیکھ کر خاموش ہو گیا تھا۔ یہ جذبوں کی بات تھی اور اُدشان زمین اور مٹی کی محبت کے قوی وظیفے کی قدر بخوبی کرتا تھا۔

اُس وقت ٹائیگر سوچ رہا تھا کہ اسی شہر میں اُسے غنڈوں کے حملے سے بچنے کے لیے کتنا محتاط رہنا پڑتا تھا۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ ایک ہی غنڈہ اُسے دھنک کر رکھ دیتا تھا... لیکن اب صورتِ حال بالکل مختلف تھی اور وہ اس شخص کو بغور دیکھ رہا تھا۔

سب کچھ اتفاقاً لگ رہا تھا۔

اُس شخص کا قد چھ فٹ چار انچ تھا۔ اُس کے بازو لمبے اور مضبوط تھے، ہاتھ کی پہنچی بھی زیادہ تھی، سینہ ڈھال کی طرح سپاٹ تھا

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

اُس نے تیل کے دھبّوں والی چکٹ ڈانگری پہن رکھی تھی، جُوتے بھی مضبوط تھے۔ وہ کٹے ہوئے درخت سے ٹک کر جنگل سے دارالحکومت جا رہا تھا اور اب اس سے مزید برداشت نہیں ہو رہا تھا کیونکہ سڑک کے بیچوں بیچ ایک سفید کار میں ایک شخص... بلکہ ایک نحیف و نزار بُوڑھا خط لکھنے میں مصروف تھا جس کی وجہ سے راستہ بند تھا۔ وہ بار بار کار ہٹانے کے لیے چیخ رہا تھا اور اُس نے تہیہ کر لیا تھا کہ کار راستے سے نہ ہٹائی گئی تو وہ ٹرک سے کار کو ٹکر مار دے گا۔

"خط مکمل ہونے سے قبل کار اپنی جگہ سے حرکت بھی نہیں کرے گی۔" ایک نوجوان نے کار سے اُتر کر کہا۔ یہ ٹائیگر تھا۔

"تب میں تمہارا دماغ ہی اُس کی جگہ سے ہلا دیتا ہوں۔" ٹرک والا غراتا ہُوا نیچے کُودا گیا پھر وہ گھونسا بنا کر ٹائیگر کی طرف لپکا۔ اُسے یقین تھا کہ وہ اس نوجوان کو ایک ہی گھونسے میں تارے دکھا دے گا کیونکہ وہ ہر اعتبار سے نوجوان سے برتر تھا۔ اس کا وزن بھی اس سے ایک سو پونڈ زیادہ تھا۔

لوگ یہ تماشا دیکھنے کے لیے سڑک کے کنارے رُک گئے۔ اُنھیں یقین تھا کہ دیو زاد نوجوان کو مار ڈالے گا۔ وہ جانتے تھے کہ خانو کی وجہ سے پہلے ہی درجنوں افراد کو اسپتال میں رہنے کا تجربہ حاصل ہو چکا ہے۔

اور اب ٹائیگر اپنی ہی مٹی کے خمیر سے بنے ہوئے آدمی کے گھونسے کا منتظر تھا۔ وہ اب محض انسپکٹر نہیں تھا، شہزاد کی ذات ٹائیگر کا وجود بن گئی تھی اور وہ اگر پہلے ایسے گھونسوں سے خائف رہتا تھا تو اب اس کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ دوڑ رہی تھی۔

سیفٹی لو بوٹا میں اُوشان کا دایاں ہاتھ جس میں پنسل دبی ہوئی تھی ایک نفیس رائٹنگ پیڈ پر تیزی سے چل رہا تھا بھلا وہ کس کو خط لکھتا وہ تو چشمِ تصوّر کی مدد سے سنجوکتا کی حسین جھیل کے سینے پر بیٹھی ہوئی بطخوں کی تصویر بنا رہا تھا۔ اُسے ٹائیگر سے توقع تھی کہ جب تک وہ منظر کو سیفٹی لو طاس پر منتقل نہیں کر دے گا، نہ تو گاڑی چلے گی اور نہ ہی کوئی دخل در معقولات کی ہمت کرے گا۔ اس تصویر کو بنانے کے لیے اُوشان کو سکون کی ضرورت تھی۔ ٹائیگر کہ اس کا احساس تھا لہٰذا اُس نے بڑی خاموشی سے اپنا دایاں ہاتھ اُٹھایا اور خدا کا وہ گھونسا کو بازو پر روک کر ساتھ ہی دایاں گھٹنا اُٹھایا پھر خانو ڈھیر ہوتا چلا گیا۔ اُس نے دونوں ہاتھ پیٹ پر اس طرح رکھ لیے جیسے اُسے ہوٹے کی حاجت محسوس ہو رہی ہو۔ وہ سلوموشن میں مُنہ کے بَل سڑک پر گرا پھر اُس نے اپنی گردن پر ایک جُوتے کا بوجھ محسوس کیا۔ اُس نے گردن گھما کر دیکھنے کی کوشش کی لیکن جُوتے کا یہ وزن اُسے نہوں وزنی لگ رہا تھا۔

"کشش..." ٹائیگر نے انگلی ہونٹوں پر رکھ کر اُسے خبردار کیا۔ "تمہیں سانس لینا ہے تو خاموش رہو اور خاموش رہو کیونکہ تم زندہ رہنا چاہتے ہو اور زندہ رہو تاکہ سانس لیتے رہو۔ ٹھیک ہے نا؟ تمہاری خاموشی کا انعام صرف یہی ہو سکتا ہے کہ تم خاموش رہو۔"

خانو نے حامی نہیں بھری لیکن ٹائیگر کا جُوتا محسوس کر رہا تھا کہ خانو خاموش رہے گا، تب ہی ٹائیگر نے جُوتے کا دباؤ کچھ کم کر دیا۔ خانو اس طرح سانس لینے لگا جیسے ہمالیہ کی سربفلک چوٹی سے دوڑتا ہُوا اُترا ہے۔

کسی کے زور زور سے سانس لینے کی آواز بہرحال اُوشان تک پہنچ گئی۔ اُس نے بُرا سا مُنہ بنا کر باہر کی طرف جھانکا۔ "پلیز...! ذرا تو خاموش رہو۔"

"سوری لٹل فادر۔" ٹائیگر نے فوراً کہا۔

"ایسی حسین تصویر صرف سکون کے لمحوں میں بن سکتی ہے۔" اُوشان نے کہا۔

"سوری لٹل فادر۔" ٹائیگر پھر بولا۔

"جب کوئی شخص کسی کو صدیوں کی دانش منتقل کرتا ہے تو وہ بجا طور پر یہ توقع بھی کر سکتا ہے کہ دانش کا خزانہ حاصل کرنے والا اپنے اُستاد کو سکون کے چند لمحے بھی فراہم کر سکے گا۔"

"میں نے سوری کہہ دیا۔" ٹائیگر جھنجھلا کر بولا۔

"سوری... سوری... سوری...!" اُوشان کا لہجہ بھی بگڑا ہُوا تھا۔ "کسی کے کان پر بم کا دھماکا کر کے سوری کہہ دینا ہی کافی نہیں۔ حقیقت کسی عذرت کو قبول نہیں کرتی۔ کوئی ایسی حرکت کر ہی نہیں کہ سوری کہنے کی نوبت آجائے۔"

"تب پھر میں عذرت نہیں کرتا۔ سوری واپس لیتا ہوں۔" ٹائیگر بولا۔ "میں اتنی دیر سے اس شخص کو اعضا کی زبان سے سمجھا رہا ہوں کہ یہ خاموش رہے۔ میں نے اسے ٹرک چلانے کی بھی اجازت نہیں دی کیونکہ اس کی آواز سے آپ ڈسٹرب ہوتے اور..."

"اُف... اتنی آوازیں۔" اُوشان نے پنسل پھینک کر کانوں پر ہاتھ رکھ لیے۔ "اب تو میں تصویر بنا ہی نہیں سکتا۔"

"آپ نے گزشتہ ایک ہفتے میں ایک بھی تصویر مکمل نہیں کی۔" ٹائیگر مُنہ بنا کر بولا۔ "صرف اکتائی سیدھی ٹیڑھی لکیریں بناتے رہتے ہیں۔"

"میں شاہکار بنا رہا ہوں اور اس کے بعد قلم کے لیے ایک کہانی لکھوں گا۔" اُوشان نے اپنی پرانی خواہش ایک بار پھر ظاہر کی۔

"کہانی تو کبھی بھی نہیں لکھ سکیں گے۔ ایک پیراگراف بھی ڈھنگ

کا نہیں لکھ سکتے۔"

"لکھوں گا... ضرور لکھوں گا۔" اُوشان نے زور دے کر کہا۔ "مگر وہ کہانیاں ٹی۔ وی کے ڈراموں اور فلموں کی طرح جنسی اور احمقانہ نہیں ہوں گی۔ میں محبت کی ایک عظیم داستان رقم بند کروں گا اور ایسی عظیم کہانی صرف ایسا شخص ہی لکھ سکتا ہے جو محبت کے حقیقی جذبے سے آشنا ہو۔ میں ایک عظیم داستان لکھوں گا بشرطیکہ مجھے سکون کے چند پل ہی میسّر آسکیں۔"

"اتنے سالوں میں بھی نہ لکھ سکے۔"

"صرف شور شرابے کی وجہ سے... تمہاری آواز لطیف اور حسین خیالات کو درہم برہم کر دیتی ہے۔"

"میں تو شور نہیں مچاتا۔"

"ہر وقت شور ہوتا رہتا ہے۔" اُوشان نے غصّے میں آکر پنسل پھاڑ دی۔ دونوں ہاتھ بغل میں دبا لیے اور پھر بولا۔ "تمہارے خراٹے کی آواز کے باعث میں ابھی تک عظیم داستان نہیں لکھ سکا۔ میری زندگی کتنی اُداس اور کتنی بے کیف ہے۔ سنجو کے پہلے ماسٹر نے..."

اور پھر سنجو کے سو جودہ ماسٹر نے گزرے ہوئے ماسٹروں کی تصانیف کے بارے میں تفصیلات بتانی شروع کر دیں۔ اس دوران میں ٹائیگر اپنے پیر ہی سے خانو کے سینے کی مالش کرتا رہا اور خانو کو معاً ہی اپنے اندر توانائی واپس آتی محسوس ہونے لگی۔ اُسے ٹائیگر کا جُوتا اس کا مس بہت اچھا لگنے لگا۔

"آج کل لوگ کلاسیکی رومانس والی کہانیاں پسند نہیں کرتے لٹل فادر...!" اُس نے نوجوان کو کہتے ہوئے سُنا۔ "لوگوں کو رقص اور نغموں سے بھرپور شاہکار چاہیے۔ آپ کی لکھی ہوئی کہانی ہرگز نہیں چلے گی۔ لوگ جنس، خراب و کباب، شباب..."

"بکواس!" خانو نے بُوڑھے کی آواز سُنی۔ "جنس، شراب، کباب، شباب کی داستانیں بادشاہ کو کسان اور کسان کو بادشاہ نہیں بنا سکتیں۔"

"اگر آپ کوئی کتاب لکھنا اور اسے بیسٹ سیلر بنوانا چاہتے ہیں تو گندی اور فحش کہانی لکھیں۔"

"ایسی کہانی تو صرف ایک صفحے میں ہی مکمل ہو جائے گی۔" اُوشان نے پُرتخویلیٹی بھرے میں جواب دیا۔ "وہیں... بھرپور کتاب کے لیے یہ موضوع مناسب نہیں۔ تم لوگوں کا ذہن انتہائی غلیظ ہے۔"

اسی لمحے خانو نے موقع سے فائدہ اُٹھا کر خود کو سنبھالا، وہ اُٹھا اور اُس نے ٹائیگر پر حملہ کر دیا۔

"نہیں فادر...!" ٹائیگر نے اس بار بائیں ہاتھ سے اُسے کا وار روکا مگر اُس کی طرف دیکھا تک نہیں۔ "ذہن غلیظ نہیں ہے۔"

دوسرا وار اُس نے دائیں ہاتھ سے روکا۔ تیسرے کو پھر سیدھے ہاتھ پر سنبھالا اور اُسی ہاتھ سے خانو کو دھکا دے دیا۔ وہ چار پانچ قدم دُور جا کر گر گیا۔

لوگ حیرت اور مسرت سے ٹائیگر کو دیکھ رہے تھے۔

"بس...!" ٹائیگر نے خانو کی طرف گھُور کر کہا۔ "اب میں اس کھیل سے اُکتا گیا ہُوں۔"

"ابھی بتاتا ہُوں کہ کھیل کیا ہوتا ہے۔" خانو کے اندر کا قاتل بیدار ہو گیا۔ وہ ٹرک کی طرف لپکا۔ اگلی نشست سے اُس نے شاٹ گن نکالی، جو بلّی کے کھیے کو بھی توڑ سکتی تھی اور جس کی گولی دیوار کے آر پار بھی ہو سکتی تھی۔

تماشائی معاً سنجیدہ ہو گئے اور اُن کے قہقہے بند ہونے سے خانو کو نیا حوصلہ ملا۔ وہ سمجھ گیا کہ لوگ اس سے خوفزدہ ہیں اور شاید نوجوان بھی سہم گیا ہے۔

"یہ کھلونا پھینک دو موٹے! اس سے خود تمہی کو نقصان پہنچے گا۔" ٹائیگر نے عام سے لہجے میں کہا تو خانو کو احساس ہُوا کہ نوجوان اب بھی خوفزدہ نہیں ہے۔ "یہ کوئی اچھا کھیل نہیں ہے موٹے۔"

"معافی مانگو۔" خانو نے دہاڑ کر کہا۔ وہ فیصلہ کر چکا تھا کہ اگر نوجوان نے معافی نہ مانگی تو وہ اُسے گولی مار دے گا اور اس علاقے میں ایسے لوگ موجود تھے جو اس کو جلد ہی ضمانت پر رہا کرا لیں گے۔

لیکن پھر ایک عجیب واقعہ ہُوا۔

خانو کی انگلی لبلبی پر گئی تو اُسی لمحے زور زور سے بُوڑھنے والی موٹر بوٹ میں ہلچل مچ گئی۔ اُس کی موٹر بوٹ میں ہلچل مچ گئی۔ اُس کی طرف دیکھا۔ خانو کو زندگی میں پہلی بار ایک عجیب اور خوفناک احساس ہُوا۔ اُسے ایسا لگا جیسے بُوڑھے کی آنکھیں اُس کے مغز کے گودے میں سُوئی کی طرح چُبھ رہی ہیں۔ خود نوجوان بھی اُسے اسی انداز میں دیکھ رہا تھا۔

"نہیں۔" بُوڑھے نے انتباہ کرنے والے انداز میں ہاتھ اُٹھا کر خانو سے کہا۔

"ہاں... نہیں۔" نوجوان غرّا کر بولا۔

خانو کو اب نہ تو خوف محسوس ہُوا اور نہ ہی وہ مُسکرایا، وہ تو ساکت کھڑا رہا۔ اُس کی انگلی میں جان نہ رہی، وہ لبلبی سے ہٹ گئی پھر اچانک اُسے احساس ہُوا کہ ٹوپی خالی ہے۔ خانو بُری طرح گڑبڑا گیا۔ اُسے یقین تھا کہ محض ایک پل قبل اُس کی آنکھیں دیدے پتلے بُوڑھے کو دیکھ رہی تھیں مگر اب وہ کار میں نہیں تھا... پھر آخری لمحے میں اُس نے محسوس کیا کہ وہ گر رہا ہے۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

اس کی آنکھیں چندھیا سی گئیں، اُسے اسپرٹ اور دواؤں کی بُو محسوس ہوئی اور پھر اُسے آنکھوں کے چندھیانے کی وجہ کا احساس ہُوا۔ یہ روشنیاں تھیں، کوئی سفید نقاب پوش اُس پر جُھکا ہُوا تھا۔ خود وہ کسی سخت جگہ پر لیٹا ہُوا تھا اور ایک نرس کسی سے کچھ کہہ رہی تھی۔ اب اُسے سفید پوش اور سفید ٹوپیاں پہنے ہوئے تین افراد نظر آئے۔ ان میں سے ایک لوکل انتھیا کے بارے میں کچھ کہہ رہا تھا اور کسی کے قدموں کی چاپ سُنائی دے رہی تھی۔

تب ہی خانو کو احساس ہُوا کہ وہ بے ہوش تھا اور اب اُسے ہوش آ رہا ہے۔ اس پر جھکے ہوئے لوگ ڈاکٹر تھے۔ وہ اب اُن کی باتیں سمجھ سکتا تھا۔ وہ اُس کی ریڑھ کی ہڈی کے بارے میں باتیں کر رہے تھے۔ اُن کو درپیش مسئلہ بہت سنگین تھا۔

ٹرائیگر گارڈ ریڑھ کی ہڈی کے قریب گھسا ہُوا تھا اور سب سے خطرناک بات یہ تھی کہ چیمبر میں دو زندہ گولیاں موجود تھیں اور چیمبر بھی جسم میں گھُسا ہُوا تھا۔ ڈاکٹروں کو تشویش تھی کہ اگر ٹرائیگر گارڈ کو کھینچ کر باہر نکالا گیا تو لبلبی کے دبنے سے گولیاں جسم کے اندر ہی پھٹ سکتی ہیں۔

پھر ایک ڈاکٹر نے خانو کے چہرے پر خوف کے آثار دیکھ کر اندازہ لگا لیا کہ وہ ہوش میں آ چکا ہے۔

"مسٹر! ڈاکٹر نے کہا۔ "کیا تم ہمیں یہ بتا سکتے ہو کہ شاٹ گن کا یہ حصہ تمہارے جسم میں کس طرح گھُس گیا؟ میرا مطلب یہ ہے کہ تم نے لبلبی دبے بغیر اس حصے کو جسم میں کیسے اُتار لیا؟ میں اس شاٹ گن سے بہت اچھی طرح واقف ہُوں، اس کی لبلبی بہت حساس ہے اور ہلکے سے دباؤ سے ہی کام کر ڈالتی ہے۔"

"تم... یقین نہیں کرو... گے۔" خانو نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے جواب دیا۔ "وخرہ مجھے بھی... یقین نہیں... آ رہا ہے ڈاکٹر...!"

ٹائیگر کی چھٹی حس نے اُسے خبردار کر دیا تھا کہ بہرام بھی امریکہ سے جزیرہ فردوس آ چکا ہے اور یہ بات اُسے ذرا بھی اچھی نہیں لگی تھی لیکن بہرحال اب وہ ایک ٹیلی فون بوتھ کے سامنے کھڑا ہُوا تھا، اس کے ایک ہاتھ میں ٹیلی فون ٹوکن اور دوسرے میں ایک ٹیلی فون نمبر تھا۔ یہ فون نمبر درحقیقت ایک مکمل کوڈ بھی تھا اور ٹائیگر کو اس قسم کے کوڈز سے ہمیشہ نفرت رہی تھی۔ اسے اگرچہ کوڈ پڑھنے کی بھرپور تربیت دی گئی تھی لیکن اُس نے کبھی اُسے سنجیدگی سے نہیں لیا تھا۔ اُسے معلوم تھا کہ ٹیلی فون نمبر کا تیسرا ہندسہ دراصل اس امر کی ہدایت ہے کہ وہ گھنٹی کتنی بار بجنے دے اور پھر دالبلم منقطع کر کے دوبارہ نمبر ملائے۔ چوتھا ہندسہ اس امر کی ہدایت تھا کہ اُسے کس وقت فون کرنا ہے۔ تیسرا ہندسہ دو اور چوتھا پانچ تھا۔

پانچ بجنے ہی والے تھے اور ٹیلی فون بوتھ کے سامنے ایک اور آدمی کھڑا ہُوا تھا جبکہ ایک دُبلا پتلا شخص ٹیلی فون کر رہا تھا۔

"جناب!" ٹائیگر نے بوتھ کا دروازہ کھول کر کہا۔ "میں ذرا عجلت میں ہُوں۔ کیا آپ مجھے فون کرنے کی اجازت دیں گے پلیز...؟"

اُس شخص نے نفی میں سر ہلا کر چونگے پر گفتگو جاری رکھی۔ ٹائیگر کے برعکس اُسے ذرا بھی جلدی نہیں تھی۔ وہ ریسیور رکھنے پر تیار نہیں تھا لہٰذا ٹائیگر نے خود ہی اُس کے ہاتھ سے ریسیور لے کر رکھ دیا اور اُس شخص کا سر بہت نرمی سے فون بکس اور دیوار کے درمیان پھنسا دیا۔ اُس شخص کی آنکھیں اُبلنے لگیں لیکن وہ محض لمبی لمبی سانسیں لے کر رہ گیا تھا۔

ٹائیگر نے نمبر ملائے، دو بار گھنٹی بجنے کی آواز سنی اور پھر ریسیور رکھ کر اُٹھا لیا۔ اُسے یقین تھا کہ امریکہ کے برعکس یہاں یہ کوڈ سسٹم کہے گا لیکن پہلی ہی گھنٹی پر ریسیور اُٹھا لیا گیا۔ "یس...!"

"اوہ... ہیلو...!" ٹائیگر نے دُبلے پتلے شخص کے سر پر بڑی شفقت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ اُس کا سر معاً ہی آزاد ہو گیا۔ "سوری جناب! ذرا باہر تشریف لے جائیں۔ میں تخلیے میں بات کرنا چاہتا ہُوں۔ گھر جا کر سر پر تیل لگوا لیں، درد دور ہو جائے گا۔"

دُبلا پتلا شخص سرپٹ بھاگتا چلا گیا۔

"کون تھا؟" دوسری طرف سے بہرام کی سرد اور سپاٹ آواز سُنائی دی۔

"ایک بے وقوف آدمی جو اپنا سر ٹیلی فون بکس اور دیوار کے درمیان پھنسا کر بیٹھا ہُوا تھا۔"

"ہم اس قسم کی گفتگو لوگوں کے سامنے نہیں کر سکتے ٹائیگر!" بہرام نے کہا۔

"اب یہاں کوئی نہیں... کوئی نہیں آئے گا۔" ٹائیگر نے دوسرے شخص کو بھی خوفزدہ انداز میں واپس جاتے ہوئے دیکھ کر کہا۔

"کیا تم نے اُسے مار ڈالا؟"

"ارے چھوڑو چیف! یہ بتاؤ کہ پیغام کیا ہے؟" ٹائیگر نے اُکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"تم جزیرہ فردوس پر خون خرابہ یقیناً پسند نہیں کرو گے۔ یہ ہمارا اپنا ملک ہے ٹائیگر...!"

"مقصد کی بات کرو سویٹ ہارٹ!" ٹائیگر نے عجیب سے لہجے میں بہرام سے کہا۔

"پیغام سُنو!" بہرام نے کہا۔ "تم یقیناً اس پاس بہت سی لاشیں دیکھنا پسند نہیں کرو گے؟"

ٹائیگر نے فوراً ہر لفظ کا پہلا حرف الگ کیا اور پھر طویل سانس لے کر بولا۔ "تیاپ بسلام ٹائیگ کہاں ہے؟"

"احمقانہ باتیں مت کرو۔ یہ میرا مشورہ تھا، اب پیغام سُنو!"

"اوہ!" ٹائیگر جھنجلانے لگا۔

"ہیلو ہیلپر گلستان آباد گلاب 19 رائنڈ زیبرا... سمجھ گئے؟"

"ہاں۔" ٹائیگر نے مجبوراً کہا۔

"کیا سمجھے؟"

"کچھ نہیں۔"

"ٹھیک ہے، 4 بجے دو قاصائیں اور تین گڑیاں۔"

"سمجھ گیا۔" میں وہیں ملوں گا۔" یہ کہہ کر ٹائیگر نے ریسیور رکھ دیا اور سوچنے لگا کہ اُسے بہرام سے گلستان آباد کے ائرپورٹ پر ملنا ہے۔ اُس نے بوتھ سے نکلتے ہوئے کار کی طرف دیکھا۔ اوشان بہت مصروف تھا اور کسی گڑے ہوئے ٹیک طنیت شہنشاہ کی شان میں قصیدہ لکھنے کی ناکام کوشش کر رہا تھا لیکن اُسے غصہ اس بات پر آ رہا تھا کہ ٹائیگر نے دو مرتبہ ٹیلی فون بکس میں سکے ڈال کر اُس کا ارتکاز توڑ دیا تھا۔

"ہم گلستان آباد جا رہے ہیں ٹیل فادر!" ٹائیگر نے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"اچھا... کیا گلستان آباد تمہارے ملک کا کوئی دوسرا حصہ ہے؟"

"ہاں...!" ٹائیگر نے دانت پر دانت جما کر جواب دیا۔ اُسے اچھی طرح معلوم تھا کہ اوشان جزیرہ فردوس کی گلی کوچوں سے واقف ہے۔

"یہ بڑا سنگین مسئلہ ہے شہزاد!" اوشان نے قسم رکھ کر انتہائی پژمردگی سے کہا۔

"کیا؟" ٹائیگر سمجھتے ہوئے بھی انجان بن گیا۔

"یہی کہ آج یہاں، کل وہاں، ہمیں ایک جگہ بیٹھنے کی فرصت ہی نہیں۔ اس سے تم پر تو کوئی اثر نہیں پڑ سکتا لیکن میری بات مختلف ہے۔ میں ایک تاریخی قصیدہ لکھنا چاہتا ہُوں لیکن اِدھر اُدھر آنے جانے سے میں قصیدہ نہیں لکھ سکتا۔"

گلستان آباد جانے والے جہاز میں دوران پرواز اوشان نے سات مرتبہ کہا کہ دوران پرواز قصیدہ لکھنا کتنا مشکل ہوتا ہے۔ اگر اس سفر سے گریز کیا جا سکتا تو ممکن ہے کہ وہ قصیدے کے علاوہ ناول بھی مکمل کر لیتا۔

"ساری غلطی تمہاری ہے شہزاد۔" آٹھویں مرتبہ اس نے برا سا منہ بنا کر کہا۔ "تم پیدا ہوتے اور نہ مجھے یہ سفر کرنا پڑتا۔"

گلستان آباد کے ہوائی اڈے پر اوشان نے بڑی پژمردگی سے سنا بجو کے ایک شاعر ہاک لوکا کا ایک المیہ شعر پڑھا۔ اوشان ہاک لوکا کو ٹیکنیکل سے بڑا شاعر کہتا تھا۔ شعر یہ تھا۔

"دیکھو! گلاب کھلے!
سُونگھو! گلاب مہکے!
دیکھو! گلاب مرجھائے اور مر گئے۔"

"یہ کیا تھا ٹیل فادر؟" ٹائیگر نے اپنے پیٹ میں اس شعر کی وجہ سے مروڑ سی محسوس کی۔

"ہاک لوکا انتہائی عظیم تخیل!"

"نہیں، یہ محض احمقانہ تخیل تھا۔"

"تم وحشی اور ناشکرے ہو۔" اوشان کی آواز بلند اور غصیلی تھی۔

"اور آپ میرے استاد ہیں۔" ٹائیگر نے مسکرا کر جواب دیا۔

"محض استاد!" اوشان نے مُنہ بنا کر کہا۔ "ایک ایسے شخص کا استاد بن کر بھلا کسے خوشی ہو گی جو خون، ملیغہ سے واقف ہی نہیں، جو موقعہ کسی نہ کسی کو قتل کرنا چاہتا ہے، جو رحم کرنا جانتا ہی نہیں، جو سفاک، ظالم اور ناشکرا ہے۔"

"یہ تمام خصوصیات مجھے آپ ہی سے ملی ہیں ٹیل فادر۔" ٹائیگر نے کہا۔

"حیف صد حیف۔" اوشان واقعی کسی پریشان حال شخص کی طرح بولا۔ "میں نے صدیوں کی دانش ایک خالی مغز اور بے روح جسم میں ڈال دی۔ ایسے شخص کو سونپ دی جسے شاعری کی ابجد کا بھی پتا نہیں۔"

ان کی تکرار سُن کر عبدت میں تقریباً دو ڈنے والے بھی ٹھٹک کر رک گئے۔ اس وقت اوشان کے ہاتھ اُس کی زبان کی طرح ہی تیزی سے چل رہے تھے۔

دونوں اسی طرح بحث کرتے رہے۔

ڈاکٹر بہرام تازہ ترین اخبار کی آڑ سے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ اُسے دونوں پر غصہ آ رہا تھا کہ اس طرح وہ خواہ مخواہ لوگوں کی نظروں میں آ گئے ہیں حالانکہ خود بہرام نے ان سے ملاقات کو انتہائی خفیہ رکھنے کی کوشش کی تھی اور اس ملاقات کا علم صرف ملک کے وزیراعظم یا کمانڈر انچیف کو تھا۔ وہ وزیراعظم کو دو ٹوک انداز میں بتا چکا تھا کہ اُسے جزیرہ فردوس پر کئی ناخوشگوار تجربات ہو چکے ہیں اگرچہ اب وہ حکومت باقی نہیں،

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

لیکن پھر بھی وہ یہ واضح کر دینا چاہتا ہے کہ اپنے کام میں کسی کی مداخلت برداشت نہیں کرے گا اور پھر یہ شرط بھی رکھی تھی کہ کسی کو بھی یہ سن گن نہ مل سکے کہ ڈاکٹر بہرام وطن واپس آ گیا ہے۔

لیکن اب وہ بڑے خوفزدہ انداز میں اپنے دونوں آدمیوں کو بحث کرتا ہوا دیکھ رہا تھا جن کی گفتگو شاعری سے ہٹ کر اب قتل کے فن تک جا پہنچی تھی۔ اُوشان کا چہرہ سُرخ تھا ٹائیگر کے چہرے پر سنجیدگی تھی اور دونوں یہ بحث کر رہے تھے کہ انسان کو کربناک موت سے ہمکنار کرنے کے طریقے کیا ہیں اور ایسے کون لوگ ہو سکتے ہیں، جن کو کربناک موت سے ہمکنار کیا جانا چاہیے؟ وہ دونوں اس ضمن میں مختلف دلائل دے رہے تھے۔

اگرچہ بہرام کو یقین تھا کہ عام آدمی کبھی ان دونوں کو دُنیا کے سب سے خطرناک قاتل نہیں سمجھ سکے گا لیکن پھر بھی اس طرح کھلے عام ایسی گفتگو کرنا مناسب بات نہیں تھی۔

اُسے سب سے بڑا خطرہ یہ محسوس ہو رہا تھا کہ اگر اس نے پروگرام کے مطابق ان دونوں سے لاؤنج میں ملاقات کی تو یقینی طور پر دوسروں کی نظروں میں آ جائے گا اور وہ کسی بھی قیمت پر دوسروں کی نظروں میں آنا نہیں چاہتا تھا۔ اُس نے طویل سانس لیتے ہوئے بڑی نفاست سے اجازت لی اور پھر ان دونوں سے نمٹنے کا فیصلہ کر کے کھڑا ہو گیا۔ وہ اب ان مسافروں میں شامل ہو گیا تھا جو گلستان آباد جانے کے لیے باہر نکل رہے تھے۔ ہوائی اڈے سے گلستان آباد شہر چار پانچ میل دُور تھا۔

ابھی وہ قدم بہ قدم حرکت ہی کر رہا تھا کہ اُس نے اپنے کندھے پر کسی کی تھپکی محسوس کی۔ وہ پُرسکون انداز میں پلٹا اور پھر طویل سانس لے کر دانت پیسنے لگا۔ تھپکی دینے والا ٹائیگر تھا۔

"سوری! میرے پاس ماچس نہیں ہے۔" بہرام نے اجنبیوں کے سے انداز میں کہا۔ اُسے یقین تھا کہ اس طرح ٹائیگر یہ سمجھ جائے گا کہ بہرام یہاں اُن سے بات کرنا نہیں چاہتا۔ ویسے اُسے اس بات پر غصہ آ رہا تھا کہ ٹائیگر مسلسل غیر ذمہ داری کا مظاہرہ کر رہا ہے۔

"اوہ! مجھے نہیں پہچانتے... میں نے ماچس کب مانگی ہے چیف؟" ٹائیگر نے حیرت سے کہا اور بہرام سُن ہو کر رہ گیا لیکن اب وہ یہاں کھڑے رہ کر ٹائیگر سے اُلجھنا نہیں چاہتا تھا کیونکہ اس طرح اس کی اصلیت بے نقاب ہو سکتی تھی۔ وہ گھبرا کر لائن سے باہر نکلا اور پھر دوسری مصیبت نازل ہو گئی۔ اُوشان کو رش بچاتا ہوا آ رہا تھا۔ بہرام کو ایسا لگا جیسے وہ ننگا ہو گیا ہے لیکن اُس نے اُوشان کو نظر انداز کرتے ہوئے قدم آگے بڑھا دیے۔ وہ دونوں بھی باتیں کرتے ہوئے اُس کے پیچھے آنے لگے پھر تینوں ایک ہی ٹیکسی میں سوار ہوتے ٹیکسی ڈرائیور۔

بہرحال کھال کھینچنے والا ثابت ہوا۔

"میں آپ لوگوں سے پورا کرایہ نہیں لوں گا۔" اُس نے مُسکرا کر کہا۔ "گلستان آباد تک میٹر کے حساب سے دس روپے بنتے ہیں۔ میں آپ لوگوں سے فی کس آٹھ روپے لوں گا، دو روپے فی کس کی چھوٹ!"

"بکو مت! خاموش رہو۔" بہرام نے جھلا کر کہا۔ اب پہلی مرتبہ ٹائیگر کو احساس ہوا کہ شاید بہرام قبض کا شکار ہے۔

"میں نے عرض کیا نا!" ڈرائیور نے پھر کچھ کہنے کی کوشش کی۔

"چُپ رہو۔ ٹیکسی میں چار افراد بیٹھے ہیں اور تم فی کس نہیں لے سکتے۔" بہرام نے کہا۔ "ہم تمہیں میٹر کے مطابق کرایہ دیں گے۔"

"ارے نہیں! ہوائی اڈے پر فی کس والے ترخ ہی رائج ہیں جناب! یہ مساوات کا فلسفہ ہے تاکہ کسی پر غیر ضروری بوجھ نہ پڑے۔"

"فلسفہ تو اچھا ہے۔" ٹائیگر نے کہا۔

"میرا بھی یہی خیال ہے۔" ڈرائیور بولا۔

"کیا تم اپنے کانوں سے سُنتے ہو؟"

"ہاں۔" ڈرائیور پہلی مرتبہ حیرت سے بولا۔

"تب پھر سُنو! ہم تمہیں فی کس کے حساب سے کرایہ ادا نہیں کریں گے۔" ٹائیگر بولا۔ "لیکن اگر تم نے اس دو ٹوک فیصلے کے باوجود بھی کچھ کہنے کی زحمت گوارا کی تو میں ٹیکسی تمہاری گود میں رکھ دوں گا۔ یہ میرا پُرخلوص وعدہ ہے۔"

"کیا اُلٹی سیدھی باتیں کر رہے ہو؟" بہرام نے گھبرا کر ٹائیگر کا نام لیے بغیر اُسے سرزنش کی۔

"یہ محض قاتل دندہ ہے۔" اُوشان نے گلستان آباد کے حسین مناظر کو دیکھتے ہوئے کہا۔ اپنی دانست میں بہرام کی حمایت کی۔ گذشتہ برسوں میں گلستان آباد کتنا بدل چکا تھا، یہ احساس اُسے بخوبی تھا۔ دُنیا میں ایسے ڈاکٹروں کی کمی نہیں، جو محض نقصان ہی پہنچاتے ہیں۔"

"پتا نہیں کہ آپ آج اتنے پریشان کیوں ہیں؟" ٹائیگر نے بہرام کو گھور کر کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔

"تم مسلسل مسائل کھڑے کر رہے ہو۔" بہرام نے بڑے ضبط سے کام لیتے ہوئے محتاط لہجے اور محتاط جملے میں کہا۔

"زندگی خود ہی ایک بہت بڑا مسئلہ ہے۔"

"دُنیا کے ہر ملک میں بادشاہ صدر یا شہنشاہ ہوتا ہے...!" اُوشان بھی اپنی رَو میں کہتا رہا۔ "لیکن دُنیا میں ایسا ملک کوئی بھی نہیں جہاں حقیقی معنوں میں کوئی ایسا جلاد موجود ہو جس کا کام انسانیت کے رستے ہوئے ناسوروں کو کاٹ پھینکنا ہو لیکن

درحقیقت ہر ملک کو ایک ایسے ہی عالی جلاد کی خدمات مل سکتی ہیں اور ایسے جلاد کی کتنی اعلیٰ تربیت ہوتی ہے شہنشاہِ معظم!"

"میں اس بارے میں کوئی بات نہیں کرنا چاہتا۔" بہرام بے چینی سے پہلو بدلنے لگا۔

"یہ آپ کا اپنا اور ذاتی مسئلہ ہے۔" ٹائیگر مُسکرا کر بولا۔

"اور میرا مسئلہ یہ ہے کہ مجھے کتاب لکھنے کے لیے سکون نہیں ملتا۔" اُوشان کی ذہنی رَو اچانک ہی پلٹ پڑی۔ "مجھ جیسا عظیم مصنف بھلا کون ہو سکتا ہے لیکن مجھے اسی جلاد کی وجہ سے...!"

"پلیز! تم دونوں خاموش رہو۔" بہرام سر پکڑ کر بولا۔

"کیا مطلب؟" دونوں...!" ٹائیگر حیرت سے اُس کی طرف دیکھ کر بولا۔

"اُوشان بھی اور تم بھی!"

"اوہ...!" اُوشان نے اپنے سر کو ہلکی سی جُنبش دے کر بہرام کی طرف دیکھا۔ اُس کے چہرے پر ناپسندیدگی کے تاثرات تھے۔ بہرام فوراً سمجھ گیا۔ اُوشان کو غصہ آ رہا ہے۔ اُس نے خاموش رہنے کی ہدایت کو اپنی توہین سمجھا ہے۔ اُوشان اب بالکل ساکت بیٹھا تھا۔ ہوائی اڈے سے صرف اُس کی مونچھیں... بلکہ مونچھوں کے چند بال ہل رہے تھے۔

"سوری...!" بہرام نے فوراً معذرت کر لی۔ "میں خلوصِ دل سے معذرت خواہ ہوں ماسٹر!"

اُوشان چند لمحوں تک بدستور خاموش رہا لیکن پھر اُس نے بڑے شاہانہ انداز سے سر خم کیا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ معذرت قبول کر لی گئی۔

✪

ایک چھوٹے سے ریستوراں میں بہرام نے کھانے کا آرڈر دیا تاہم اُوشان اور ٹائیگر نے کچھ کھانے سے انکار کر دیا۔ وہ اس جگہ کچھ کھا ہی نہیں سکتے تھے کیونکہ ٹائیگر نے میز پر مکھیوں کے دستے دیکھ لیے تھے۔ بہرام نے دو چپاتیاں اور بھاجی گوشت اپنے سامنے کھینچ کر چھوٹے چھوٹے نوالے کھانے شروع کر دیے پھر جلد ہی ڈکار مار کر بولا۔ "مجھے تم سے شکایت ہے ٹائیگر!"

"اچھا! کیسی شکایت؟"

"تم نے ہوائی اڈے پر جس طرح باتیں کیں، اس انداز سے لوگ تمہاری طرف متوجہ ہونے لگے تھے۔"

"اوہ! اس کا مطلب یہ ہے کہ میں لوگوں کی نظروں میں آ گیا ہوں۔" ٹائیگر بڑی سنجیدگی سے بولا۔ "ٹھیک ہے اب اس کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں کہ میں ایک طرف ہو جاؤں۔ ویسے بھی میں اس زندگی سے اُکتا گیا ہوں، جہاں کسی انسان سے باتیں نہیں کر سکتا، جہاں ہوا تک پر زور زور سے باتوں کی اجازت نہیں۔"

"نہیں!" بہرام کا لہجہ ٹھوس تھا۔ "ہمیں تمہاری ضرورت ہے۔ تمہارے ملک کو تمہاری شدید ضرورت ہے اور میں جانتا ہوں کہ تم اس سرزمین سے کتنی محبت کرتے ہو۔"

"مجھے صرف اس شخص سے محبت ہے جس نے مجھے ٹائیگر بنایا ہے اور میں اُس شخص کا نام تمہارے سامنے نہیں لے سکتا اُوشان!"

"شکریہ میرے بچے!" اُوشان نے مُسکرا کر بڑی شفقت سے جواب دیا۔

"میں کیا کہہ سکتا ہوں!" بہرام دھیرے سے بولا۔ "تم بہت سی باتیں مجھ سے بہتر جانتے ہو لیکن میں تمہیں صرف اتنا بتا دینا چاہتا ہوں کہ تمہارے ملک میں حالات خراب ہیں، سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔"

"میں بھی مشکل حالات سے دوچار ہوں سویٹ ہارٹ...!" ٹائیگر نے کہا۔

"سمجھ میں نہیں آتا کہ ملک کو درپیش مشکل کو کن الفاظ میں بیان کروں؟" بہرام نے اُسے نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ "میں نہ صرف تمہاری ضرورت ہے بلکہ ایک خاص انداز میں تمہاری خدمات درکار ہیں لیکن تم جس طرح لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرتے رہے ہو، وہ ہم برداشت نہیں کر سکتے۔"

"کیسے؟" ٹائیگر کا لہجہ جارحانہ تھا۔

"مثال کے طور پر کل ہی۔" وہ کہتے کہتے رُکا۔ بہرام طویل سانس لے کر بولا۔ "خبر یہ تھی کہ کل ایک نوجوان سڑک پر کھڑا ہوا تھا اور ایک بوڑھا...!"

"بوڑھا...!" اُوشان نے چمک کر کہا۔

"سوری ماسٹر!" بہرام زیرِ لب مُسکرایا۔ "خبر میں یہی لفظ استعمال کیا گیا تھا۔ تو خبر کے مطابق ایک بوڑھا ٹویوٹا کار میں خط لکھ رہا تھا نوجوان کا اصرار تھا کہ جب تک خط مکمل نہیں ہو گا، کار سڑک پر کھڑی رہے گی پھر ایک ٹرک ڈرائیور نوجوان سے اُلجھ پڑا... اور اُسے اسپتال لے جایا گیا۔ اس کے بعد نوجوان اور بوڑھے نے رپورٹ پر اپنی کار ایک عورت کو بطور تحفہ دے دی۔"

"تب پھر اُس کار کا کیا کرتے؟" اُوشان نے سنجیدگی سے پوچھا۔ "تباہ کر دیتے؟"

"نہیں... لیکن اُس عورت کو تحفے کے خیر بننے کا باعث نہیں بنتے، فروخت کر دیتے۔"

"اُس وقت کوئی گاہک دستیاب نہیں تھا اور طیارے میں

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کا پڑھانے کا وقت بھی نہیں تھا۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔

"اٹرپورٹ لاؤنج میں تم دونوں نے جو گفتگو کی مجھے اس پر بھی اعتراض ہے۔"

"میں شہنشاہ سے متفق ہوں۔" اوشان نے ٹائیگر کو گھور کر کہا۔ "وہاں ایسی بچکانہ باتیں کرنا نہیں چاہیے تھیں۔ تمہیں اپنی اس غیر ذمے داری کا جواب دینا چاہیے۔"

"کل تک سوچ کر دوں گا۔" ٹائیگر نے مسکرا کر کہا اور پھر بہرام کو اشارہ کیا کہ وہ اصل مقصد کی طرف آجائے۔

پھر اس نے ڈاکٹر شیلا فن برگ کی کہانی سنی اور یہ بھی سنا کہ کس طرح لوگوں کو ہلاک کیا گیا ہے۔ "دو دو اموات سے ہمیں زیادہ پریشانی نہیں ہے۔"

"تب پھر کیا پریشانی ہے؟"

"یہ کہ نسل انسانی ختم نہ ہو جائے۔"

"میں سمجھا نہیں۔" ٹائیگر نے کہا۔

"انسانی جسم میں بیماریوں سے دفاع کرنے کا ایک خاص نظام ہوتا ہے۔" بہرام نے دھیرے سے کہا۔ "ہمارے بہترین... دماغوں کو یقین ہے کہ ڈاکٹر شیلا کا جو یہی حشر ہوا، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے جسم کا دفاعی نظام ٹوٹ گیا تھا۔ بنیادی طور سے میں جو بات کر رہا ہوں کہ ایٹمی ہتھیار سے زیادہ خوفناک کوئی چیز سامنے آنے والی ہے۔"

اوشان اپنی قبا کی سلوٹیں ٹھیک کرنے لگا۔ ٹائیگر ہوٹل کی دیواروں پر لگی ہوئی تصاویر دیکھنے لگا جن میں آرٹسٹ نے سبز رنگ ضرورت سے زیادہ استعمال کیا تھا۔

"پولیس اور یہاں کے خفیہ محکمے اس مسئلے سے نہیں نمٹ سکتے۔" بہرام کہتا رہا۔ "اسی لیے ہمیں خاص طور پر درخواست بھیجی گئی کہ ہم کچھ دنوں کے لیے وطن واپس آجائیں۔ تمہارا کام یہ ہے کہ ڈاکٹر شیلا تک پہنچو اور پھر اس کلید تک رسائی حاصل کرو، جو محض جذباتی طور پر اس کے ہاتھ آگئی ہے بصورت دیگر نوع انسانی کو شدید ترین خطرہ لاحق ہو جائے گا۔"

"نوع انسانی کو خطرہ اسی وقت لاحق ہو گیا تھا جب انسان درختوں سے نیچے اترا تھا۔" ٹائیگر نے مفکرانہ انداز میں جواب دیا۔

"لیکن اس بار خطرہ انتہائی سنگین ہے۔ انٹی ٹیوٹ کے دعوے کے مطابق جانوروں کے جینس سے شیلا پر کوئی اثر نہیں ہونا چاہیے تھا لیکن یہ دعویٰ غلط ثابت ہوا۔ میرا خیال ہے کہ مختلف جینس کے ملنے کا کوئی خاص طریقہ ہے اور اگر اس فارمولے پر عمل شروع ہو گیا تو کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ کیا تباہی آسکتی ہے۔ کوئی ایسی بیماری جنم لے سکتی ہے، جس سے کوئی ذی حس نہیں بچ سکے گا یا کوئی ایسی مخلوق پیدا کی جا سکتی ہے، جو انسانوں سے کہیں زیادہ طاقت ور ہو۔"

"میں نے سنا ہے کہ آئس کریم میں پستہ بھی ملایا جاتا ہے۔" ٹائیگر نے آئس کریم لانے والے ویٹر کو دیکھ کر کہا۔

"ہاں!" بہرام نے برا سا منہ بنا کر جواب دیا اور ویٹر کے چلے جانے پر بولا۔ "میں یہ کہہ رہا تھا کہ ڈاکٹر شیلا نے حادثاتی طور پر جو فارمولا ایجاد کر لیا ہے اس سے پوری دنیا تباہ ہو سکتی ہے۔ سنا ہے سمیت ہر علاقہ تباہ ہو سکتا ہے۔"

"کیا؟" اوشان نے پہلی بار چونک کر کہا۔ "میں ٹھیک سے نہیں سن سکا۔ کیا آپ اپنے الفاظ دُہرانے کی زحمت گوارا کریں گے شہنشاہ اعظم... اوہ! میرے خدا...!"

انسپکٹر راجا نے ایسی باتیں کئی بار پہلے بھی سنی تھیں لیکن اسے براہ راست کسی ایسی عورت سے ملنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا، جو ظاہر معصوم لگتی ہو۔

"سنو حسینہ!" وہ مسکرا کر بولا۔ "میری جیب خالی ہے۔"

"خالی جیب پر مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" وہ حسینہ بہرحال نہیں تھی۔ اس کی عمر تقریباً چالیس سال تھی۔ نسوانیت غالباً چھپی ہوئی تھی لیکن اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں بلی جیسی چمک تھی۔ ان آنکھوں سے اسپیشل مارک فورس کا انسپکٹر متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا تھا۔ وہ دست بدست لڑائی کا ماہر تھا لیکن یہ آنکھیں اس کے دل کی دھڑکنیں تیز کر رہی تھیں۔

"ٹھیک ہے۔" وہ مسکرا کر بولا۔ "اگر تمہیں معاوضے کی ضرورت نہیں تو پھر تم مجھے کھا بھی سکتی ہو۔ کہاں چلو گی میرے یا اپنے گھر؟"

عورت کا نام شیلا تھا۔ وہ قدرے خوفزدہ لگ رہی تھی۔ پولیس والوں کو دیکھ کر وہ منہ پھیر لیتی تھی اور کیونکہ راجا وردی میں نہیں تھا لہٰذا وہ اس سے خوفزدہ نہیں تھی۔

وہ اسے ایک ہوٹل میں لائی۔ اس نے راجا کو دو بڑے نوٹ دیے، جس سے راجا نے کمرے کے لیے ادائیگی کی جبکہ اس دوران میں وہ ایک طرف ستون کی آڑ میں کھڑی رہی تاکہ کوئی اسے دیکھ نہ سکے۔ اس کا کہنا تھا کہ اگر کسی نے اسے پہچان لیا تو وہ بدنام ہو جائے گی۔ یہ بات انسپکٹر راجا کے دل کو بھی لگی تھی۔

انہیں الاٹ کردہ کمرا جس کی کھڑکی چوک کی طرف کھلتی تھی۔ ایک طرف چرچ نظر آتا تھا اور دوسری طرف [illegible]

انسپکٹر راجا نے کھڑکیوں کے پردے گرا دیے۔

شیلا مسکرانے لگی۔

راجا بھی والہانہ انداز میں مسکرانے لگا۔

راجا کی مسکراہٹ اندرونی بھوک کی مظہر تھی لیکن شیلا کی مسکراہٹ میں درندگی... آنکھوں میں وحشت تھی۔

راجا جلدی سو گیا اور پھر ڈاکٹر شیلا فن برگ نے انگڑائی لے کر اس کی طرف دیکھا۔ اس نے اپنا منہ کھولا۔ اب وہ مزید صبر نہیں کر سکتی تھی۔ اس کا منہ بھٹکتا چلا گیا اور پھر انسپکٹر راجا کے پیٹ کا نرم گوشت اس کے دانتوں میں آگیا۔ اس نے گردن کو زور سے جھٹکا دیا اور تیزی سے گوشت چبانے لگی۔

*

انسپکٹر راجا پیٹ میں شدید اینٹھن محسوس کر کے بیدار ہو گیا۔ اس نے شیلا کو دھکا دینے کی کوشش کی مگر شیلا اب کسی چیونٹی کی طرح اس کے حلق پر جمی ہوئی تھی۔ اس کے دانت نرم گوشت میں پیوست ہو رہے تھے۔ خون ابل رہا تھا اور شیلا گوشت چبانے کے ساتھ ساتھ اب خون بھی پی رہی تھی۔ شہ رگ کے کٹتے ہی راجا کی مزاحمت جواب دے گئی۔ وہ تڑپا تڑپا اور پھر ساکت ہو گیا۔

نصف گھنٹے بعد بستر پر تندرست و توانا راجا کے بجائے ایک پنجر پڑا ہوا تھا اور شیلا اپنے ہونٹ چاٹ رہی تھی۔

ہوٹل سے نکلتے ہوئے کسی شخص نے ایک عورت کے کپڑوں پر خون دیکھا، شاید وہ زخمی تھی۔ اس شخص نے اسپتال لے جانے کے لیے لفٹ دینے کی پیش کش کی لیکن عورت نے پیش کش قبول نہیں کی۔ وہ تیزی سے ایک گلی میں گھس گئی۔

اب وہ بائیولوجسٹ نہیں رہی تھی۔ وہ انسانی خدمت کے جذبے سے عاری ہو چکی تھی۔ وہ بائیولوجیکل انٹی ٹیوٹ کی سربراہ بھی نہیں تھی۔ اس نے اپنا خوبصورت اپارٹمنٹ بھی چھوڑ دیا تھا۔ اسے اپنے شوہر کی بھی پروا نہیں تھی، جو جو ہر مروانگی سے محروم تھا لیکن اس وقت بھی اس کے دل میں ایک آرزو تھی، وہ ماں بننا چاہتی تھی لیکن کسی ایسے بچے کی ماں نہیں، جو عام بچوں کی طرح بیمار ہوتا ہو، جس کو بیماریوں سے بچانے کے لیے ٹیکے لگوانے پڑیں، وہ پوری طرح صحت مند اور طاقتور بچے کی ماں بننا چاہتی تھی اور اس کی خواہش تھی کہ اس کے بچے کا باپ بھی دنیا کا سب سے طاقت ور شخص ہو۔

شاید اسی لاشعوری خواہش کے باعث اس نے جینک ریسرچ کو اپنایا تھا اور غالباً اسی جستجو کی وجہ سے اس نے یہ کلید پائی تھی کہ دو بچوں میں سے ایک بیج شیر اور دوسرا آدمی کیوں کر بنتا ہے؟

وہ گلی میں تیزی سے چل رہی تھی۔ اس کے کپڑے خون آلود تھے اس وقت اسے کسی رفاقت کی خواہش نہیں تھی۔ راجا نے اسے بہلا پھسلا یوس کیا تھا لیکن اس کے گوشت اور خون نے اس کا پیٹ بھر دیا تھا۔ تاہم اب گوشت خوری کی خواہش بھی ختم ہو چکی تھی۔ خون پینے سے پیاس بھی دور ہو گئی تھی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اب آئندہ کسی انسان کو نہیں کھائے گی۔

اس کو صرف ایک خواہش محسوس ہو رہی تھی کہ وہ ایسے بچوں کی ماں بن جائے جو اپنا شکار خود تلاش کر سکیں۔ وہ بچوں کو یہ فن سکھانے کے لیے تیار تھی۔

معاً اسے احساس ہوا کہ گلستان آباد کتنے لذیذ لوگوں پر مشتمل ہے۔ اس روز کے بعد وہ انٹی ٹیوٹ واپس ہی نہیں گئی تھی۔ اسے علم تھا کہ گارڈ اس کے ساتھیوں کو احساس ہو گیا کہ وہ آدم خور بن چکی ہے تو وہ اسے ختم کرنے کی کوشش کریں گے۔

آج کا انسان ایسا ہی ہے۔ اس نے سوچا اور پھر اسے انسانوں سے نفرت ہونے لگی۔

اس کا ذہن اب بھی کام کر رہا تھا اور اسے یقین تھا... کہ انسان اپنے بہترین اور طاقت ور آدمی سے قابو میں کرنے کے لیے استعمال کریں گے لہٰذا وہ یہ فیصلہ کر چکی تھی کہ ماں بننے سے قبل اسے زندہ رہنے کی جستجو کرنی ہوگی تاکہ اس کے بچے بے سہارا نہ رہ جائیں۔

لوگ اسے مسلسل گھور رہے تھے تب ہی اسے احساس ہوا کہ اس کے کپڑے خون آلود ہیں۔ یہ احساس اسے ہوٹل سے نکلنے کے بعد پہلی بار ہوا تھا۔ وہ قدرے خوفزدہ ہو گئی۔ کیا میرا دماغ خوری احساس کی صلاحیت سے محروم ہو رہا ہے۔ وہ سوچنے لگی۔ نہیں مجھے انسانوں میں زندہ رہنے کے لیے دماغ کو زندہ رکھنے کی ضرورت ہے۔

پھر معاً ہی وہ بے چین سی ہو کر ایک میڈیکل اسٹور میں گھس گئی۔

"اوہ! آپ زخمی ہیں۔" اسٹور کے مالک نے گھبرا کر کہا۔ "زخم دیکھوں آپ کے... یا ایمبولینس منگواؤں؟" وہ فون کی طرف بڑھا مگر اسی لمحے شیلا اس پر جھپٹی۔ وہ اپنے اندر بے تحاشا طاقت محسوس کر رہی تھی۔ اس نے میڈیکل اسٹور کے مالک کا سر پکڑ کر دیوار سے دے مارا اور وہ بے چارہ بے ہوش ہو کر گر گیا۔ شیلا نے فوراً شکر کر لیا مگر اسی لمحے اس نے ایک بچے کے رونے کی آواز سنی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ میڈیکل اسٹور مکان کے ایک حصے ہی میں واقع تھا۔

وہ چپ چاپ کھڑی رہی۔ اسے اس وقت بھوک کا احساس نہیں تھا ورنہ وہ مالک کو کھا سکتی تھی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ انسانوں

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

سے اس کا آخری تعلق منقطع ہو چکا ہے۔

وہ اپنی بقا کے راستے سوچنے لگی۔

وہ جانتی تھی کہ اس دنیا میں انسانوں سے بڑھ کر کوئی طاقتور نہیں اور وہ اُسے بآسانی ختم کر سکتے ہیں۔

"پھر کیا کیا جائے؟" شیلا بڑبڑانے لگی۔ اُس کی یہ بڑبڑاہٹ، غراہٹ سے کم نہیں تھی۔

"مجھے نئے نقوش... نئے خط و خال کی ضرورت ہے تاکہ میں موجودہ شیلا فن برگ نظر نہ آؤں۔ شہلا بن جاؤں۔"

پھر وہ سوچتی رہی۔

انسانوں میں مرد ہی قاتل ہوتے ہیں اور وہ ایسے نقوش حاصل کرنے پر غور کر رہی تھی جن کو دیکھ کر سردار کے ہاتھوں قتل ہونے پر بھی رقت مند ہو سکیں۔ ایسے خط و خال اختیار کیے جائیں جن سے مرد شکار ہوتے رہیں۔ وہ ایک قطعی فیصلے پر پہنچ کر خوفناک انداز میں مسکرا دی۔

وہ ذہن میں اپنی نئی تصویر بناتی رہی۔

گندمی رنگ، ستواں ناک، فراخ آنکھیں اور ازار زلفیں چہرے پر معصومیت اور...!

وہ جانتی تھی انسانوں میں سرد نامی جانور کو کس طرح لبھایا جا سکتا ہے۔

پھر وہ اس ایجنٹ کے بارے میں سوچنے لگی جو ایمبولینس میں اُس کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔

"میرا کیا قصور تھا؟" شیلا نے سوچا۔ "میں زبردستی ایمبولینس میں سوار کی گئی تھی اور پھر ایجنٹ میرے پاس بیٹھ گیا تھا۔ وہ بھوکا بھی تھا۔ میرے ہاتھ اُس کے گلے تک پہنچے تھے اور پھر مجھے بعد میں احساس ہوا تھا کہ ان ہاتھوں نے کیا کر ڈالا۔"

بائیو ٹوجیکل تھیوری کے اعتبار سے سب کچھ واضح تھا۔ انسانی جسم ہر سات سال کے بعد اپنے سیل بدلتا ہے۔ ارلوں سیل بدلتے ہیں لیکن کیا وجہ ہے کہ ناک بدلنے کے باوجود ویسی ہی رہتی ہے۔ کان تبدیل ہو جاتے ہیں لیکن ان کی شکل ویسی ہی رہتی ہے۔ حتیٰ کہ فنگر پرنٹس بھی بدلنے کے باوجود اپنی شکل نہیں بدلتے۔ ایک کوڈ جینز سسٹم کے تحت، وہ ذہن پر زور دینے سے بالکل اسی نظام کے تحت جیسے بتھوون کا فقرہ ریکارڈ چوتھا یا چھٹا نہیں ہو سکتا۔ اُس کی کتنی ہی نقلیں بنالی جائیں، وہ پانچواں ریکارڈ ہی رہے گا۔ مگر شیلا نے نقوش بدلنے کا کوڈ بلکہ کلید بھی حاصل کر لی تھی، وہ ایک قالب کو نئے سانچے میں ڈھال سکتی تھی۔

اگرچہ خود اُسے علم نہیں تھا کہ خود کو بدلنے میں سات سال لگیں گے یا اس سے کم عرصہ... لیکن اُسے یہ اندازہ ضرور تھا کہ اُسے اس عرصے میں زندہ رہنا ہے اور زندہ رہنے کے لیے اُسے شیلا سے خوبصورت، حسین، پُرکشش اور جاذبِ نظر شہلا بننا ہوگا۔

ایسا چہرہ سجانا ہوگا، ایسا جسم بنانا ہوگا، جو دوسروں کے لیے اجنبی ہو۔

اُسے یاد تھا کہ کام کے لیے ضروری سامان وہ پہلے ہی اس گودام کی دوچھتی میں چھپا چکی ہے، جہاں اُس نے اینٹی ٹیلوٹ سے فرار کے بعد پہلی رات گزاری تھی۔

اچانک ہی وہ جوش محسوس کرنے لگی۔

بچہ پھر رویا۔

اُسے اسی کی ضرورت تھی۔ وہ آواز کے تعاقب میں آگے بڑھ گئی۔ اسٹور کے عقبی حصے میں ایک زینہ تھا اور یہ زینہ پہلی منزل پر لے جاتا تھا اور بچے کے رونے کی آواز بھی پہلی منزل ہی سے آ رہی تھی۔

وہ تیزی سے اوپر چڑھ گئی۔

بچی ایک کمرے میں تھی اور اس وقت اُس کے گالوں پر آنسوؤں کے نشانات تھے۔ شاید وہ روتے روتے سو گئی تھی۔ بچی کا رنگ گلابی تھا اور شیلا کو اب بھوک بھی لگ رہی تھی تاہم اُس نے اس بھوک پر معقول حد تک قابو رکھا تھا۔

"میں اس ایک تھپے سے پیٹ کی آگ نہیں بجھا سکوں گی۔" اُس نے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے سوچا۔

اُس نے بچی کو جھنجھوڑنے کی بجائے بچی کی آنکھ کے گوشے سے گوشت کا ایک ٹکڑا نوچ لیا۔

بچی زور سے تڑپ کر رونے لگی اور شیلا فوراً ایک کونے میں چھپ گئی۔ اسے خطرہ تھا کہ کہیں بچی کی ماں یا باپ نہ آ جائیں۔ زیادہ خطرہ اس بات کا تھا کہ کہیں کوئی مسلح نہ ہو۔

لیکن کوئی نہیں آیا۔

گوشت کا ٹکڑا شیلا کے منہ میں چلا گیا۔ وہ اسے اپنے تھوک میں گھولنے لگی۔ یہی بنیادی کلید تھی اور اس نے یہی راز پایا تھا۔

شیلا بچی کی آنکھوں سے خون نکلتا ہوا دیکھتی رہی اور پھر واپس نیچے چلی آئی۔ اس نے گودام کا رُخ کیا۔ لیبارٹری کا سامان نکالا

ایک میز پر رکھا۔ یہ سامان تجربات کے لیے لازمی تھا۔ اب وہ تیزی سے کام کر رہی تھی۔ اس نے گوشت کا ٹکڑا منہ سے نکال کر اسے محلول کی شکل دی اور پھر فاتحانہ انداز میں مسکرانے لگی۔ محلول کو اس نے ایک ٹیوب میں ڈال کر برف میں رکھ دیا اب یہ محلول زندہ رہ سکتا تھا۔

شیلا کو شہلا بننے کے لیے دوسرے مرحلے پر عمل کرنا تھا وہ گودام سے نکلی۔ اس نے پبلک ٹیلی فون سے ایک شناسا کو... فون کیا۔

شناسا اس کی آواز نہیں پہچان سکی۔

"سنو! تم مجھے نہیں جانتیں لیکن میں تم سے واقف ہوں۔" شیلا نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "تمہاری عمر پچاس سال کے لگ بھگ ہے۔ ارے... رے... برا مت مانو! میں تو تمہیں ایک تحفہ پیش کرنا چاہتی ہوں۔ میں تمہاری آنکھوں پر پڑی ہوئی جھریاں دور کر سکتی ہوں۔ اچھا ٹھیک ہے... تم پچاس سال کی نہیں ہو، یہ جھریاں تیس سال کی عمر میں بھی پڑ جاتی ہیں... ٹھیک ہے نا؟ میں بہرحال تمہاری جھریاں دور کر سکتی ہوں... کیا...؟ ہاں تمام سرجنز کا خرچا بہت ہوگا... لیکن میں تم سے اس وقت تک ایک پائی بھی نہیں لوں گی جب تک تم جھریوں سے نجات حاصل نہیں کر لو گی۔ سنو! یقین کرو تمہاری جلد کسی بچے کی طرح چمکتی اور ملائم ہو جائے گی۔ واقعی... میں ضمانت دے رہی ہوں... ارے چھوڑو... قانونی اور غیر قانونی کے چکر میں پڑیں تو کبھی اپنی عمر سے کم نظر نہیں آؤ گی۔"

شیلا کو حیرت تھی کہ وہ انسانی فطرت سے کتنی واقف ہے اُسے علم تھا کہ اگر اس نے مفت علاج کی پیش کش کی تو یہ عورت کبھی رضامند نہیں ہوگی لیکن جب اس نے یہ کہا کہ کام مہنگا اور غیر قانونی ہے تو وہ کتنی جلد رضامند ہو گئی۔ اُس عورت کو یقین ہو گیا تھا کہ اس کی آنکھوں کے گرد جھولتی ہوئی کھال موٹے اور ڈھلکے ہوئے پپوٹے ٹھیک ہو جائیں گے۔

شیلا اس عورت سے زیادہ بااعتماد تھی۔

یہ اس کے منصوبے کا دوسرا حصہ تھا۔

"لیکن اگر تجربہ ناکام رہا؟" اس نے ریسیور رکھتے ہوئے سوچا۔ "کوئی بات نہیں، وہ ذرا لب بولی ہے پیٹ تو اچھی طرح بھر ہی جائے گا۔"

*

بیگم عابد نے دروازے پر خود اس کا استقبال کیا۔

"اوہ تم...!" بیگم عابد اُچھل پڑیں۔ "میں تمہاری آواز پہچان گئی۔ تم بدنام زمانہ ڈاکٹر شیلا ہو۔"

"اور میں ہی تمہیں تیس سال کی حسینہ بنا سکتی ہوں۔" شیلا نے برا منائے بغیر کہا۔

"اوہ! وہ تمہارا فون تھا، اندر آ جاؤ۔" بیگم عابد فوراً ایک طرف ہو گئیں۔

بیگم عابد بھاری بھرکم تھیں۔ ان کی ہیرپی اور گوشت کی تہیں پڑی ہوئی تھیں۔ انھیں دیکھ کر شیلا کے منہ میں پانی بھر آیا لیکن اس نے بمشکل اپنی بھوک پر قابو پا لیا۔ بیگم عابد کے بالوں کی رنگت سفید تھی لیکن انھوں نے کسی قیمتی خضاب سے بال سیاہ بلکہ سیاہ تر بنا رکھے تھے۔

"معاوضہ کتنا لو گی؟" بیگم عابد نے اس کو اسٹڈی میں آنے کی دعوت دیتے ہوئے پوچھا۔

"بہت زیادہ!" شیلا مسکرا کر بولی اور اسٹڈی کا جائزہ لینے لگی لیکن پہلے مجھے یہ تو ثابت کرنے دو کہ میں کیا کچھ کر سکتی ہوں۔" اس کا لہجہ بڑا عجیب سا تھا۔

"ہاں! اس کا کیا ثبوت ہے کہ تم مجھے زہر نہیں دو گی؟" بیگم عابد اچانک ہی خوف محسوس کرنے لگیں۔

"کیا تم یہ امتحانہ خیال اپنے مغز سے نہیں نکال سکتیں کہ میں تمہیں نقصان پہنچانے کے لیے اتنے خطرات مول لے کر یہاں آئی ہوں۔ کیا تمہیں علم نہیں کہ باہر نکلتے ہیں میرے لیے کتنے خطرات ہوتے ہیں؟"

"سوری... ڈاکٹر شیلا..." بیگم عابد خفیف سی ہو گئیں۔

"ٹھیک ہے ڈاکٹر شیلا نے سر ہلا کر کہا اور اپنے پرس سے ایک چھوٹا سا تھرماس نکال لیا۔ میں نے اندر ٹیوب محفوظ رکھا ہوا ہے... لو اسے پی لو۔" شیلا نے بیگم عابد کی طرف ٹیسٹ ٹیوب بڑھا کر کہا۔

"پہلے تم پی کر دکھاؤ۔"

"میں کیوں پیوں، جھریاں میرے نہیں تمہارے ہیں۔" شیلا نے تلخ لہجے میں جواب دیا۔

"لیکن میں تم پر کیسے اعتماد کر لوں؟"

"کیا تمہیں اپنی آنکھوں پر اعتبار ہے؟"

"ہاں!" بیگم عابد ہونٹوں پر زبان پھیر کر بولیں۔

"تب یہ بتاؤ کہ کیا تمہاری ان بوڑھی آنکھوں نے کسی کے چہرے سے سلوٹیں، جھریاں وغیرہ غائب ہوتی دیکھی ہیں؟ میری مراد سرجری سے نہیں، پلاسٹک سرجری سے تو چہرے کی حالت اور خراب ہو جاتی ہے۔ میں نئی جلد کی بات کر رہی ہوں۔ ایسی نرم و نازک

ندیم
Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

جلد کی جس پر کوئی دھبہ یا داغ نہ ہو۔"

"لل... لیکن اگر میرے جسم کی یہ تمام تبدیلیاں رُونما ہو گئیں تو میرے جلنے والے فوراً میری تمتیدگی کا اعلان کر دیں گے۔"

"درست! اسی باعث میں نے تمہیں منتخب کیا ہے۔ میں جو کوشش کر رہی ہوں، وہ یہ ہے کہ تم سب کے سامنے رہو اور اس کے عوض میں تمہارے دوستوں کو استعمال کر سکوں۔"

"لیکن اگر کوئی گڑبڑ ہو گئی تو...؟" بیگم عابد نے اپنے مصنوعی ناخن چباتے ہوئے کہا۔

"تب پھر تمہارے چہرے پر جھُرّیاں برقرار رہیں گی۔ میں تمہیں پُرشباب روپ دینا چاہتی ہوں۔"

"یہ...؟" بیگم عابد نے ٹیسٹ ٹیوب میں بھرے ہوئے محلول کی طرف خوفزدہ انداز میں دیکھا۔ "کیا پورا پینا پڑے گا؟"

"ہاں، آخری قطرہ بھی۔"

بیگم عابد نے لرزتے ہوئے ہاتھوں سے ٹیوب کا ڈھکنا کھولا اور پھر ناک بند کر کے اُسے مُنہ سے لگا لیا۔ وہ ایک ہی سانس میں سارا محلول پی گئیں۔ لیکن پھر اُن کا جی ماش کرنے لگا۔ وہ ہکائیاں لینے لگیں۔ "اُف...!" وہ بولیں۔ "کتنا غلیظ ہے یہ پانی۔"

"نہیں۔" شیلا نے بیگم عابد کا ہاتھ تھام لیا۔ "یہ پانی اس کے اثر کو زائل کر دے گا۔"

پھر واقعی بیگم عابد صوفے پر ڈھیر ہو گئیں۔ اُن کی سانس تیزی سے چلنے لگی اور چند ہی لمحوں بعد سانس کی تیزی غیر معمولی طور پر ختم ہوتی گئی۔ اب وہ آہستہ آہستہ اور قطعی سانس لے رہی تھیں۔

شیلا، بیگم عابد کی دائیں آنکھ کے گوشے کو دیکھنے لگی۔ آنکھ کا نمی ہوئی تھی اور تیل پھٹ کی طرف دیکھ رہی تھی۔

شیلا کو علم تھا کہ اب دو باتیں ظہور پذیر ہونی چاہئیں۔ پہلی یہ کہ محلول جو میل پر مشتمل ہے اپنے پروگرام کے تحت خون میں شامل ہو گا اور اسی جگہ پہنچے گا، جہاں سے اُسے گوشت کی شکل میں لوچا گیا تھا۔ وہ جگہ بیگم عابد کی آنکھ تھی لہٰذا محلول کو بیگم عابد کی آنکھ کے پاس پہنچنا چاہیے تھا۔ دوسرا مسئلہ رفتار کا تھا۔ اُسے یہ دیکھنا تھا کہ محلول کتنی سرعت کے ساتھ اثر کرتا ہے۔

اُسے اپنی یہ تھیوری بھی آزمانی تھی کہ کیا انسانی تھوک میں رہ کر کسی دوسرے کے سیل مر سکتے تو نہیں؟

وہ انتہائی بے چینی سے ان تینوں باتوں کا انتظار کر رہی تھی۔ کچھ دیر بعد بیگم عابد کی آنکھیں کسی تیل نما سیال مادے کی وجہ سے پھیلنے لگیں، جسے شیلا نے اپنے انگوٹھے سے مسلنا شروع کر دیا۔

اس کی ریسرچ کہتی تھی کہ بیگم عابد کی دونوں آنکھوں کے گرد لازماً تیزی سے تبدیلی ہونی چاہیے۔

ممکن ہے کہ یہ شیلا کا وہم ہو لیکن اُسے اچانک آنکھیں پہلے سے زیادہ خراب نظر آنے لگیں۔ جھُرّیاں بڑھ گئیں۔ کی تعداد بھی بڑھ گئی۔ آبلے سے اُبھر آئے۔ اُس نے ہونٹوں پر ہاتھ پھیرا، وہ خشک تھے۔

وہ مایوسی سے سر ہلانے لگی۔ اُسے یقین ہونے لگا کہ وہ ناکام ہو رہی ہے لیکن وہ سوچنے لگی کہ اگر یہ تجربہ ناکام ہوتا ہے تو پھر اس میں جو طاقت پیدا ہوئی ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ وہ خود شیر کا محلول پی کر شیرنی کی طرح طاقتور کیوں ہو گئی ہے؟ اس میں لپکنے، جھپٹنے اور آدم خوری کے اجزا کیوں پیدا ہو گئے ہیں؟

شیلا نے جھنجلا کر دو انگلیوں سے بیگم عابد کی آنکھوں کے گرد کھال کو مسلا۔ تو کھال پھٹنے اور نوچنے لگی۔

وہ اُچھل پڑی۔

پُرانی کھال اُتر رہی تھی اور نیچے سے نئی کھال نمودار ہو رہی تھی۔ اُس نے دوسری آنکھ پر انگلیاں آزمائیں۔ وہاں بھی یہی تبدیلی رُونما ہو رہی تھی۔

جھُرّیاں غائب ہونے لگیں۔ شیلا نے خوشی سے جھوم کر اپنا ہاتھ پھیرا اور کھال کا جو ٹکڑا ہاتھ میں آیا وہ مُنہ میں رکھ لیا۔ وہ اُسے چیونگم کی طرح چبانے لگی۔

بیگم عابد کو ہوش آیا اور انھوں نے شیشے میں اپنی آنکھیں دیکھیں تو مسرت کی شدت سے اُن کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ وہ شیلا کے ہاتھ چومنے لگیں۔ "بولو ڈاکٹر!... بولو کتنی رقم چاہیے؟" اُن کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔

"کچھ نہیں... لیکن میں جانتی ہوں کہ تمہاری نوجوان سہیلیوں کی تعداد کم نہیں۔ میں اُن کی ایک خاص انداز میں مدد کرنا چاہتی ہوں۔ میں دراصل ایک اسپیشل کلینک بھی کھول رہی ہوں۔"

"تب پھر تم بہت امیر ہو جاؤ گی۔" بیگم عابد نے آئینے کی طرف دیکھ کر کہا۔ اُن کی آنکھوں کے گرد جھلتے، جھُرّیاں اور سلوٹیں غائب ہو چکی تھیں اور پپوٹے، بھویں سب کچھ کسی بچے کی طرح ترم اور خوبصورت نظر آ رہے تھے۔

"ہاں۔" شیلا مسکرانے لگی جبکہ وہ یہ سوچ رہی تھی کہ اب وہ ایک نئی نسل کی تخلیق کر سکے گی۔ ایسی نسل کی، جو کمزور نہ ہو اور جو محض زبان، رنگ اور نسل کے مسئلے پر جنگ میں ملوث نہ ہو جائے۔

وہ بیگم عابد کو بہرحال یہی تاثر دینا چاہتی تھی کہ وہ یہ سب کچھ محض دولت کمانے کی خاطر کر رہی ہے۔ اُسے بیگم عابد کے ذریعے ایک ایسی لڑکی کی ضرورت تھی، جو شمالی حسن کی مالک ہو... اور پھر اُس نے اس خواہش کا ذکر بیگم عابد سے بھی کر دیا۔

"او بیگم عابد مُسکرانے لگیں۔ "تم ایک ہی جسم میں اتنی بہت سی خوبیاں تلاش کرنا چاہتی ہو۔"

"نہیں، ضروری نہیں کہ لڑکی ایک ہی ہو۔ مختلف لڑکیاں بھی ہو سکتی ہیں بشرطیکہ مثالی اور حسین ترین ہوں۔"

"سنو شیلا!" بیگم عابد اچانک ہی کسی خیال سے چونک پڑیں۔ "مجھے... پورا کا پورا بدل دو... میں...!"

"اس طرح تمہاری شکل بدل جائے گی۔ تم بیس سال کی لگو گی۔ تمہارا شوہر تمہیں پہچاننے سے انکار کر دے گا اور تم ساری دولت سے محروم ہو جاؤ گی۔"

"اوہ...!" بیگم عابد سوچ میں پڑ گئیں۔ "ہاں، یہ مسئلہ تو ہے پھر... خیر چھوڑو، میں اسی طرح ٹھیک ہوں۔ ویسے تم جس قسم کی لڑکی چاہتی ہو، وہ میری نظر میں ہے۔ کل تمہارے پاس پہنچ جائے گی۔"

شیلا کو اچانک ہی شدید بھوک لگنے لگی لیکن تقریر سامنے ہونے کے باوجود بھی وہ اُسے نہیں کھا سکتی تھی۔ کھانے کی صورت میں اُسے کل آنے والی لڑکی سے محروم ہونا پڑتا لہٰذا وہ بھوک ضبط کرتی ہوئی واپس چلی آئی۔

❦

اگلے روز وہ لڑکی واقعی آ گئی۔

اور اگلے چوبیس گھنٹوں میں شیلا فن برگ شہلا بن گئی۔

اُس کی لمبی، نکلی ہوئی ناک کی جگہ ایک ستواں ناک نے لے لی تھی۔ آنکھیں پہلے سے کہیں زیادہ خوبصورت ہو گئی تھیں۔ گال بھرے بھرے اور سُرخ تھے۔ پیشانی پر اُس کی دراز زُلفوں کی ایک لٹ پڑی ہوئی تھی اور وہ خود کو بہت اچھی لگ رہی تھی۔

سب سے اچھی بات بہرحال یہ تھی کہ اب پولیس والے تو درکنار، اُس کے اپنے ساتھی بھی اُسے نہیں پہچان سکیں گے۔ اس نے روپ کا اہم ترین پہلو یہ بھی تھا کہ اُسے جسمانی قوت کے علاوہ حُسن کی قوت بھی حاصل ہو گئی تھی اور اب کوئی مرد اُس کے جال میں پھنسے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔

اس کا مسئلہ اب پولیس نہیں رہا، اُسے ایک ساتھی کی ضرورت تھی اور مشرقی لباس پہنتے ہوئے وہ اسی کمی کو شدت سے محسوس کر رہی تھی۔

پہلا دن اس کے لیے کڑی آزمائش لے کر آیا۔ وہ باہر نکلی تو معاً ایک جگہ اُسے یہ خواہش محسوس ہوئی کہ کسی دیوار سے لگ کر بیٹھ جائے۔ یہ... لیکن اس نے اس خواہش پر بڑی کوشش کر کے قابو پایا۔ وہ شیرنی ضرور تھی مگر اس میں اتنی سمجھ باقی تھی کہ ایسا کرتے ہوئے دیکھ کر اس کے گرد مجمع ہو جائے گا۔

پھر دوسری خواہش بھی شدید ہونے لگی۔

اس کو شدت سے بھوک لگنے لگی۔

❦

شیلا یا شہلا نے دو مرتبہ پیٹ بھرا اور جب ڈھانچے حقیقی گلیوں میں پڑے ہوئے ملے تو ایک قیامت سی مچ گئی۔ وفاقی تحقیقاتی ادارے کے کارندے بھی حرکت میں آ گئے۔ تجربہ کار ڈاکٹروں نے لاشوں کا معائنہ کیا۔ اتنا شور شرابا ہوا کہ امن و امان کا مسئلہ پیدا ہونے لگا لہٰذا وزیراعظم کو خود ہی پر خطاب کرنا پڑا۔

"ہم نے بیگانی کھاری کی ہے اور ہم قدم بہ قدم اُس تشانے کی طرف بڑھ رہے ہیں، جس کو حاصل کر لینے کے بعد خوف اور دہشت کے لیے منظر بھی دیکھنے کو نہیں ملیں گے۔"

لوگ کچھ سمجھے لیکن خوش ہو گئے۔

جلد ہی شہر میں ہونے والے فرقہ وارانہ فسادات نے شیرنی کی آدم خوری کو پس منظر میں ڈال دیا۔ اُدھر شہلا ان فسادات کو دیکھ کر نوعِ انسانی سے مزید مایوس ہو گئی اور اُس نے ایک ایسی نسل پیدا کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا جو ان تمام خرافات سے پاک ہو۔

❦

گلستان آباد اسکول آف بائیولوجیکل سائنس کے گرد سیکورٹی انتہائی سخت تھی۔ اس ادارے میں ڈاکٹر شیلا نے بدنام زمانہ تجربات کیے تھے۔ ایبار ٹری کے سامنے والی سڑک سے بھی صرف وہی لوگ گزر سکتے تھے جن کے پاس خصوصی پاس تھے اور جن کو پاس نہیں ملے تھے، وہ فوجیوں کی بندوقوں کے بٹ کھائے بغیر سڑک سے نہیں گزر سکتے تھے۔ یہ فوجی ہر آنے جانے والے سے بہرحال پوچھ گچھ کرتے تھے لیکن انھیں خود یہ علم نہیں تھا کہ انھیں کس کی تلاش ہے۔ ان میں سے کسی کو بھی یہ نہیں معلوم تھا کہ شیلا کی تھیوری کا سائنسی نام کیا ہے۔ ان کو شیلا کی تصویریں ضرور دکھائی گئی تھیں لیکن اس کی آنکھوں کے علاوہ اور کوئی خاص چیز نہیں تھی۔

❦

"ٹائیگر اور اُدشان کیونکہ عمارت میں گھسنا نہیں چاہتے تھے لہٰذا انھوں نے داخل ہونے کے لیے اپنے شناختی کارڈ دکھائے۔ ان کارڈوں سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ وہ محکمۂ زراعت کے شعبۂ جاسوسی

ندیم

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

اور سراغ رسانی سے تعلق رکھتے ہیں۔"

"مگر یہ تو غیر ملکی ہے۔" ایک فوجی نے کارڈ دیکھنے کے بعد اوشان کی طرف اشارہ کیا۔

"غیر ملکی تم ہوگے۔" اوشان تڑخ کر بولا۔ "تم سب غیر ملکی ہو۔ میں غیر ملکی نہیں۔ اسی دنیا کا باشندہ ہوں اور تم سے محض مروت برت رہا ہوں۔"

مروت کا فلسفہ آج کل اوشان پر حاوی تھا۔ اس نے حال ہی میں ایک فلم مروت دیکھی تھی جس کا بنیادی فلسفہ غلطیوں کو نظر انداز کر دینا تھا۔ پہلے اوشان مروت کو بزدلی سمجھتا تھا لیکن فلم دیکھنے کے بعد اس کا موقف بدل گیا۔ اس نے بہت نرمی سے ٹائیگر کو بتایا۔ "میں ایسا تمہارے ساتھ مروت سے پیش آیا کروں گا۔ . . . . کیونکہ حقیر لوگوں کی غلطیوں کو نظر انداز کر دینا ہی اصل عبادت ہے۔ میں تمہارے خون کو اپنے خون کی طرح بیش بہا قرار دیتا ہوں۔"

"تھینک فادر۔۔۔!" ٹائیگر نے مسکرا کر کہا تھا۔ "ہمارے معاشرے میں کسی کو محض خون کی وجہ سے کسی پر برتری حاصل نہیں۔ اصل فضیلت کردار اور تعلیم کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے۔"

"شاندار۔" اوشان نے انتہائی خلوص سے کہا تھا۔ "میں تمہارے اس جاہلانہ تجزیے کو بھی محض مروتاً شاندار قرار دے رہا ہوں۔ تم بہت اچھے نوجوان ہو۔"

"اگر آپ یہ بات محض مروتاً نہیں کہہ رہے ہیں تو پھر اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ مجھے پسند کرتے ہیں اور اس پسند کا سبب صرف مروت نہیں بلکہ یہ حقیقت ہے کہ سانجو میں میرے جیسا کوئی نوجوان نہیں تھا۔"

"ہمیں اب انکسار سے کام نہ لو گے فرزند۔" اوشان نے مسکرا کر کہا۔ "اب جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ میرے انکسار کا ثبوت ہے اور میں یہ کہہ رہا ہوں کہ تم نے مجھ سے ملاقات کے بعد کچھ نہیں سیکھا کیونکہ تمہیں پہلے ہی سے سب کچھ معلوم تھا۔ تمہیں سانجو کے اسرار کا علم تھا۔ جدید فن حرب اور قدیم فن حرب سے تم اسی روز واقف ہو گئے تھے جب تم نے دودھ کا پہلا گھونٹ پیا تھا۔ ویسے میں حقیقت پسند بھی ہوں اور میری یہی حقیقت پسندی تقاضا کر رہی ہے کہ میں یہ کہوں کہ کیں نے ہاتھی کو ہیرے تراشنا سکھا دیا ہے۔"

اور اب وہ محافظ کو گھور رہا تھا۔

"تمہارا نام شہزاد احمد اور اس کا نام اوشان ہے۔" محافظ نے شناختی کارڈ واپس کرتے ہوئے کہا۔

"دوست!" وہ دونوں ایک آواز ہو کر بولے۔

"تب پھر عمارت میں داخل ہو سکتے ہو۔"

ایک بے بس نوجوان کی حیرت انگیز داستان
جسے اپنی موت کا وقت معلوم ہو گیا تھا
مرظلوم
یعقوب جمیل کے ہوشربا قلم سے
جس کا قارئین کو برسوں سے انتظار تھا
مکتبہ القریش سرکلر روڈ لاہور
فون 7668958

اوشان اور ٹائیگر ایک ساتھ عمارت میں داخل ہوئے۔ مگر اوشان اس محافظ سے بدلہ لینا نہیں بھولا جس نے اسے غیر ملکی کہا تھا۔ اس کے قریب سے گزرتے ہوئے اوشان نے دائیں ہاتھ کی انگشت شہادت کو صرف ذرا سی حرکت دی تھی اور ان کے دور ہونے کے بعد محافظ کو اپنی کنپٹی پر کھجلی سی محسوس ہوئی تھی۔ اس نے بے ساختہ طور پر کنپٹی کھجائی تو اس کے ناخنوں میں خون بھر گیا۔

وہ لیبارٹری میں داخل ہوا تو اسے پہلی ہی نظر میں احساس ہو گیا کہ جزیرہ فردوس کی یہ تجربہ گاہ کسی امریکی لیبارٹری سے کم تر نہیں۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ جزیرہ فردوس نے ان کی غیر موجودگی میں اہم ترقی کی تھی۔ وہ لیبارٹری کی تعریف کرتا ہوا اس میں دلچسپی لینے لگا۔

"تھینک فادر۔" ٹائیگر نے دھیرے سے کہا۔ "ہم لیبارٹری کا معائنہ کرنے کے لیے نہیں شیلا فن برگ کو تلاش کرنے کے لیے یہاں آئے ہیں۔"

"نہیں ہم ایک معزز خاتون کو تلاش کر رہے ہیں جو اب ایک خطرناک نسل سے تعلق ہو گئی ہے۔" اوشان نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "ویسے اگر شیلا نے یہ حرکت کی ہے تو تم لوگ اتنے حیران کیوں ہو۔ مغرب کی سرشت ہی یہ ہے کہ وہ پہلے طاقت حاصل کرتا ہے اور پھر اس کا غلط استعمال سکھاتا بھی مغربی ہے۔ کیا تم لوگ ہیروشیما اور ناگاساکی کو بھول گئے؟"

ڈاکٹر شیلا فن برگ کی خاص لیبارٹری پر بھی پہرہ تھا لیکن

ان محافظوں نے کارڈ دیکھ کر زیادہ جرح نہ کی۔

مجھے ایسے مقامات بہت پسند ہیں۔" اوشان خصوصی تجربہ گاہ میں داخل ہوتا ہوا بولا۔ "یہ ایک بڑا کمرا تھا جس کے ایک کونے میں آرام کرسی پر چالیس سالہ ایک شخص بیٹھا ہوا تھا جس نے کالے شیشوں والا چشمہ لگا رکھا تھا۔ ابھی ٹائیگر نے اپنا تعارف کرایا ہی تھا کہ وہ کسی گراموفون ریکارڈ کی طرح بجنے لگا۔ اس نے سالس لیے بغیر وہ تمام تفصیلات بتا دیں۔ جو وہ پہلے ہی ایف آئی اے، ایف بی آئی، سی آئی اے، پولیس، انٹیگل اسکواڈ، ہاکس اور ملٹرن انٹیلی جینس۔۔۔ وغیرہ وغیرہ کو بتا چکا تھا۔

"نہیں۔۔۔!" اس کا پہلا لفظ یہی تھا اور یہ نہیں کسی سوال کے جواب میں نہیں نکلا تھا لیکن اب وہ خود ہی اس نہیں کی وضاحت بھی کر رہا تھا۔ "اب یہاں ایسا کوئی میٹریل نہیں جس کو پی کر کوئی درندہ بن جائے۔ نہیں! ہمیں اس کیمیاوی عمل کا علم نہیں جس کے باعث شیلا فن برگ درندہ بن گئی۔ نہیں! اب یہاں کسی قسم کا کوئی تجربہ نہیں ہو رہا ہے۔ نہیں! میں کسی خفیہ انقلابی جماعت کا نمائندہ نہیں ہوں اور نہ ہی کبھی رہا ہوں۔ نہیں! میں موجودہ حکومت کے مخالفین میں شامل نہیں۔ نہیں۔ مجھے حیرانی نہیں ہے کہ ایسی صورت حال رونما ہو سکتی ہے۔ مگر نہیں۔ مجھے پتا نہیں کہ شیلا کہاں ہو گی۔ اور نہ ہی میں اس کے ذاتی دوستوں سے واقف ہوں۔ نہیں بتا سکتا۔ میں یہ نہیں جانتا کہ وہ کسی خفیہ گروپ سے تعلق رکھتی تھی۔"

"ہیلو۔۔۔!" ٹائیگر نے دھیرے سے کہا۔

"نہیں۔۔۔ اوہ۔۔۔!" وہ آدمی اس طرح چونک پڑا جیسے گہری نیند سے جاگ اٹھا ہو۔ "کیا کچھ اور پوچھنا ہے؟"

"ہاں۔۔۔ لیکن میرے سوالات قدرے مختلف ہوں گے۔" ٹائیگر کا لہجہ نرم تھا۔

"اتنے مشکل۔ مگر نہیں ہوں گے جتنے میٹرک کے امتحان میں پوچھے جاتے ہیں۔" اوشان نے اسے تسلی دی۔

"تم گزشتہ تین روز سے یہاں کیا کرتے رہے ہو؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"سوالوں کا جواب دیتا رہا ہوں!"

"شاندار۔" اوشان نے مسکرا کر کہا۔ "تم لوگوں نے جادو۔۔۔!"

"ایک منٹ پلیز۔" ٹائیگر نے فوراً کہا۔ "پہلے میں اپنے سوالوں کا کوٹا ختم کر لوں۔" یہ کہہ کر وہ پہلے ہوئے آدمی کی طرف پھر پلٹا۔ "اس دوران میں کسی نے تم سے سوالوں کے علاوہ کسی اور چیز کے بارے میں دریافت کیا؟"

"نہیں۔"

"اور تم صرف سوالوں کے جواب دیتے رہے؟"

"ہاں۔"

"کیا کبھی زندگی سے بھی غیر متعلق رہے؟"

"کبھی زندگی میرا ذاتی مسئلہ ہے۔" اس نے جواب دیا تو ٹائیگر نے ہاتھ بڑھا کر بجلی میں اس کے کان کی لو پکڑ لی اور پھر اس آدمی کی زبان کھلتی چلی گئی۔ "میں ایسب اسسٹنٹ ہوں۔ میری ایک دوست نے بعض چیزیں منگائی تھیں۔" وہ اب بار بار اپنے کان کی لو سے خون پونچھ رہا تھا جو اب اس کے اپنے ہاتھ میں تھی کیونکہ ٹائیگر اسے بہت دیر پہلے چھوڑ چکا تھا۔

"کیا تمہارا کسی اس دوست کا نام شیلا فن برگ ہے؟"

"ہرگز نہیں۔" اس آدمی نے گھبرا کر کہا۔ "وہ تو عورت لگتی ہی نہیں تھی۔ میں دوست کیسے بنا سکتا تھا۔"

"تم نے اپنی دوست کو کیا کیا دیا؟"

"انسولیٹر۔ یہ ایک کیمیکل ہوتا ہے جو بجلی کی طرح اردگرد کی حرارت کو جذب کر لیتا ہے۔"

"اچھا۔" ٹائیگر نے سر ہلا کر کہا۔ اسے احساس ہو رہا تھا کہ یہاں کوئی گڑبڑ ضرور ہے۔

"اب ذرا سنجیدہ سوالات ہو جائیں۔" اوشان نے اٹھ کر اٹھا کر کہا۔ "تم لوگ اپنے میجیکل ٹوی میٹر پرائمز کہاں رکھتے ہو؟"

"کیا؟" سیاہ چشمے والا ہونقوں کی طرح انہیں دیکھنے لگا۔

"تمہاری وہ حیرت ناک یادداشت کہاں ہے جو ایک چپ سے دوسری چپ تک جاتی ہے؟"

وہ آدمی اب بھی احمقانہ انداز میں منہ کھولے انہیں دیکھ رہا تھا جب ہی اوشان کو اس کی میز پر دودھ کا گلاس رکھا ہوا نظر آیا۔ اوشان نے بائیں ہاتھ سے سر ہلا کر دودھ کا گلاس اٹھایا۔ ایک چمچ سے تجربات میں استعمال ہونے والا پیالہ لیا اور پھر دودھ میں اس نے اپنی بائیں انگلیوں سے دودھ کو ہلانے لگا۔ جلد ہی شیشے کے اس پیالے کی نچلی سطح پر صرف پانی رہ گیا اور بالائی سطح پر کریم آ گئی۔

"میں ہاتھوں سے جادو دکھاتا ہوں۔" اوشان نے کہا۔

"میرے خدا! تم تو چلتے پھرتے سینٹر یفیوج ہو۔" وہ آدمی مارے حیرت کے اچھل پڑا۔

"ارے ہاں! اب یاد آیا۔۔۔ سینٹر یفیوج۔۔۔ سینٹر یفیوج کا بنیادی اسرار یہ ہے کہ تم محض سوچ دبا کر وہ سب کچھ کر سکتے ہو جو ہاتھ کرتے ہیں۔ سانجو میں ابھی تک اس نکتے کو سمجھا نہیں گیا۔"

"ناقابل یقین!" سیاہ چشمے والا مسلسل سر ہلا رہا تھا۔ "تم نے محض

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ہاتھوں سے وہ کر دکھایا جو سینٹر یفیوج کا کام ہے۔ میں نے آج تک ہاتھوں کی مدد سے عناصر ترکیبی کو الگ الگ ہوتے ہوئے نہیں دیکھا۔"

"سینٹر یفیوج یہ کام کس طرح کرتا ہے؟"

"لاز آف سائنس کے تحت۔"

"یہی مغربی سائنس کی عظمت ہے۔" اوشان نے پُرزور لہجے میں کہا اور پھر اس آدمی کو سینٹر یفیوج کا استعمال کرتا ہوا دیکھنے لگا۔

"یہ مجھے دے دو۔" اوشان نے فرمائش کی۔

"نہیں۔ یہ کسی کو نہیں دیا جا سکتا۔"

"چیز کے بدلے چیز کے اصول سے متفق ہو؟"

"تم مجھے کیا دو گے؟"

"یہ بتا سکتا ہوں کہ کوئی تمہاری جگہ لینے کی منصوبہ بندی کر رہا ہے۔" اوشان نے کہا۔

"ٹل فادر!" ٹائیگر نے سرگوشی کی۔ "ایسی باتیں کر کے وقت ضائع نہ کریں۔"

"کشمکش؟"

"کیا مطلب؟"

"کشمکش!"

"مگر آپ ایسا نہیں کر سکتے۔" ٹائیگر نے پُرزور لہجے میں کہا۔

اوشان سینٹر یفیوج کو دیکھتا رہا جس میں اگر کوئی سیال مادہ رکھ دیا جاتا تھا تو بالعموم وہ دو تین رنگ اختیار کر لیتا تھا۔ یہ بات صاف ظاہر تھی کہ لیب اسسٹنٹ کو اس سینٹر یفیوج سے کوئی دلچسپی نہیں تھی کیونکہ وہ محض ملازم تھا اور ملازم اپنے مالک کو خاطر میں نہ لا کر آزاد رہتے ہیں۔

"آپ اس طرح سینٹر یفیوج نہیں لے جا سکتے ٹل فادر۔" ٹائیگر نے پھر کہا۔ "وگرنہ سنا ہے کہ دنیا کی ہر ایجنسی سے غداری کے مرتکب ہوں گے۔"

"ٹھیک ہے۔ میں سینٹر یفیوج کو فراموش کرنے کے لیے تیار ہوں لیکن اس وجہ سے نہیں کہ تم کیا کہہ رہے ہو بلکہ تمہاری زبان مسلسل چلنے کے باعث متاثر ہو گی ہوں۔"

"گڈ۔" ٹائیگر نے مسکرا کر کہا۔

"میں سینٹر یفیوج کو فراموش کر دوں گا کیونکہ تم یہ سمجھ ہی نہیں سکتے کہ اس کا روایت سے کیا تعلق ہے۔ تم ابھی یہ سمجھنے کے لیے تیار ہی نہیں ہو۔ تم محض ٹائیگر ہو بلکہ شیر کے شیر خوار بچے ہو جس کو سیکھنے کے لیے ایک مدت چاہیے۔"

"میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ اگر اس آدمی کا کوئی دشمن اس کے

ناول
اظہر کلیم
دو جلدوں میں
جلد اول =/150 جلد دوم =/150
مکتبہ القریش
سرگودھا روڈ بازار لاہور
فون 7668958

خلاف ہے تو وہ ہمارا دشمن نہیں ہو سکتا۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔

"تم کچھ نہیں جانتے۔" اوشان مایوسی سے سر ہلا کر بولا۔ "لیکن بہرحال تم میری معاونت کرتے رہتے ہو لہٰذا میں ایک کہانی کھلا گا، جس میں تمہارا مرکزی کردار ہو گا۔ کہانی یہ بتائے گی کہ ایک بوڑھے استاد نے انتہائی نالائق شخص کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا اور استاد کتنا عظیم ہے۔"

"استاد کون ہو گا؟"

"ظاہر ہے کہ میں۔"

"تب پھر مرکزی کردار تو آپ ہی ہوئے۔"

"سنو! لیب اسسٹنٹ قدرے جھنجلا کر بولا۔ "کیا تم دونوں واقعی محکمہ زراعت سے تعلق رکھتے ہو۔ میرا مطلب یہ ہے کہ اگر تمہیں سینٹر یفیوج ہی بیچنا ہے تو ایک خریدی لو۔"

"تم کہاں سے لاوارث نیک دل آدمی ہو؟" اوشان نے ٹھنڈی آہ بھر کر کہا۔ "میں تو ہماری رقم ایک خانہ بدوش گاؤں کے پتے پر بھیج دیا کرتا ہوں۔"

"یہ تو بہت بُری بات ہے۔" لیب اسسٹنٹ نے اکتا کر کہا۔ "کیا تمہیں مجھ سے ہمدردی نہیں؟" اوشان نے پوچھا۔

"ہمدردی!" لیب اسسٹنٹ مسکرایا۔ "میرے بھی اپنے درجنوں مسائل ہیں۔"

یہ سن کر اوشان کو بڑا تاؤ آیا۔ اس نے لیب اسسٹنٹ کے درجنوں مسائل میں ایک اور مسئلے کا اضافہ کرنے کا ارادہ کیا اور پھر اس کا ہاتھ لیب اسسٹنٹ کے پیٹ کو چھو کر واپس آ گیا۔ لیب اسسٹنٹ دھپ سے گر گیا اور درد سے تڑپنے لگا۔

"میرا خیال ہے کہ ہمیں ابھی اس کی ضرورت تھی ٹل فادر۔" ٹائیگر نے منہ بنا کر کہا۔ "اب اسے اسپتال میں داخل ہونا پڑے گا اور ہم اسے استعمال نہیں کر سکیں گے۔"

"تمہیں صرف اپنی ضروریات کا خیال رہتا ہے۔" اوشان نے قدرے برہمی سے کہا۔ "جو قطعی مصنوعی تھی۔ یہ خود غرضی کی بدترین مثال ہے۔"

لیب اسسٹنٹ کی بُری حالت تھی۔ وہ بچوں کی طرح پیٹ پکڑے ہوئے زور زور سے رو رہا تھا۔ اس کے رونے کی آواز سن کر ہی کئی محافظ دوڑتے ہوئے کمرے میں گھس آئے۔

"کیا ہوا؟" ان میں سے ایک گارڈ نے دہاڑ کر کہا۔

"بے چارہ کھڑے کھڑے گر گیا۔" ٹائیگر نے فوراً جواب دیا۔ "شاید اپینڈکس کا درد ہے۔"

"بہت شدید درد۔" اوشان نے سر ہلاتے ہوئے تصدیق کی۔

"یہ... یہ..." لیب اسسٹنٹ نے بمشکل کہا لیکن مزید کچھ نہیں کہہ سکا کیونکہ درد نے اس کی قوت گویائی بھی سلب کر لی تھی۔

اوشان نے اپنی توہین کرنے والے لیب اسسٹنٹ کی طرف دیکھا اور پھر واپسی کے لیے قدم اٹھانے لگا۔ ٹائیگر بھی اس کے ساتھ تھا۔

"یہ درد ہوئے ٹل فادر... اب چلیں... لیکن کیا میں یہ توقع رکھوں کہ بیرونی محافظوں کے بارے میں آپ قدرے مروت سے کام لیں گے؟"

"ہاں، مروت بہت نیک جذبے کا نام ہے۔" اوشان نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

وہ تجربہ گاہ سے نکلے تو محافظ سامنے موجود تھے۔ "تم واپس آ گئے؟ کیا ہوا؟"

ٹائیگر نے کوریائی زبان میں اوشان کو خبردار کیا کہ وہ یہاں کوئی غلط حرکت نہ کرے اور یہ کہ مظلوم عورت اور لیبارٹری کے درمیان آخری تعلق بھی منقطع نہیں ہوا۔

"وہ کیسے؟" اوشان نے بھی اپنی زبان میں پوچھا۔

"اس طرح کہ لیب اسسٹنٹ کی کوئی گرل فرینڈ سائنسی آلات کی تلاش میں نہیں رہتی۔ یہ بڑی اچھی بات ہے۔"

"اب اتنی بھی اچھی نہیں۔" اوشان نے کہا۔

"تم لوگ کیا باتیں کر رہے ہو؟" ایک محافظ نے انہیں للکارا۔ وہ مشتبہ انداز میں ان کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"ہم سینٹر یفیوج کے بارے میں گفتگو کر رہے ہیں۔" ٹائیگر نے نرم لہجے میں کہا۔

"میں تم پر یقین نہیں کر سکتا۔" محافظ نے غرا کر کہا۔ "اپنے شناختی کارڈ دکھاؤ۔"

"اچھا۔" ٹائیگر نے سر ہلا کر کارڈ سامنے کر دیے۔ اس بار کارڈ کی زیادہ کڑی جانچ پڑتال ہوئی۔

"ارے، یہ کارڈ تو چل پڑا۔ یہ تو دس سال پرانے ہیں۔"

"تب پھر میری عالمی شناخت قبول کرو۔ انہیں کو دنیا کے ہر کونے میں بلا حیل و حجت تسلیم کر لیا جاتا ہے۔" ٹائیگر نے طویل سانس لے کر کہا۔ اس نے بائیں ہاتھ سے دونوں کارڈ واپس چھینے اور سیدھے ہاتھ کی انگلیاں گارڈ کے دائیں کان کے اوپر کنپٹی کے قریب بجا دیں۔ گارڈ کسی شیر خوار بچے کی طرح سونے کے لیے لیٹ گیا۔

"ذرا تم کارڈ دیکھو۔" اوشان نے دوسرے گارڈ سے کہا۔

"بالکل جائز کارڈ ہیں۔" دوسرے گارڈ نے گھبرا کر جواب دیا۔ "جائز اور قانونی... ان پر کسی کو اعتراض کرنے کا کوئی جواز نہیں۔ میں نے پہلے کبھی اتنے اچھے کارڈ نہیں دیکھے۔ یہی وجہ ہے کہ انہیں دنیا کے ہر حصے میں تسلیم کر لیا جاتا ہے۔ کیا آپ دونوں حضرات کو لیبارٹری میں سے کوئی تحفہ نکال کر پیش کروں؟"

اُسی شام ٹیلی ویژن نے آدم خور شیرنی کے بارے میں یہ نئی خبر دی کہ اس سے دو افراد اور مل گئے ہیں۔ پولیس کے مطابق ایک نوجوان اور ایک بوڑھے نے جعلی کاغذات دکھا کر لیبارٹری تک رسائی حاصل کی اور ایک انتہائی اہم سامان اٹھا کر لے گئے۔ پولیس کو تا حال یہ اندازہ نہیں کہ چوری کی اس واردات سے کس قسم کے نئے واقعات جنم لیں گے لیکن تمام شہریوں سے درخواست ہے کہ وہ تاریکی کے بعد گھروں سے نہ نکلیں اور کسی بھی مشتبہ شخص کو دیکھتے ہی پولیس کو اطلاع کر دی جائے۔"

ٹائیگر اور اوشان اسپتال کے اس کمرے میں تھے جو لیب اسسٹنٹ کے کمرے کے برابر واقع تھا۔ دونوں کمرے پرائیویٹ تھے اور ان کے کمرے میں ٹیلی ویژن بھی تھا۔ انھوں نے یہ خبر ٹی وی پر ہی سنی تھی۔ ٹائیگر لیب اسسٹنٹ پر نظر رکھنا چاہتا تھا جو اب ہوش میں آ چکا تھا۔ اس کے کمرے پر کسی قسم کا پہرہ نہیں تھا۔

ٹائیگر نے قدموں کی چاپ سنتے ہی باہر جھانک کر دیکھا تو اُسے ایک قفقاز نظر آئی۔ وہ انتہائی قیمتی لباس میں تھی اور پہلی نظر میں ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ کسی فیشن میگزین کے لیے تصویریں بنوانے کے لیے آئی ہو۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

وہ لیب اسسٹنٹ کے کمرے میں چلی گئی اور ٹائیگر نے دیوار پر کان لگا دیے۔ وہ ان کی گفتگو سننا چاہتا تھا۔

"میں اسے تلاش ہی نہیں کر سکی ڈارلنگ۔" مترنم آواز ٹائیگر کے کانوں میں شہد انڈیلنے لگی۔ "تم نے کہاں رکھ دیا؟ اچھا! اندرونی اسٹور میں؟ ہوں، کیوں رکھا؟ اوہ اے ہاں... کیوں نہیں، میں تو تمہاری دیوانی ہوں لیکن ابھی مجھے ضروری کام سے جانا ہے پھر ملیں گے۔"

ٹائیگر نے اس کے قدموں کی آہٹ راہداری میں پھر سنی۔ یہ صرف آہٹ ہی تھی حالانکہ اس نے اونچی ایڑی کے جوتے پہن رکھے تھے اور...

وہ بھی کمرے سے نکل آیا۔

"آہ! کتنی حسین رات ہے یہ۔" ٹائیگر نے خالصتاً فلمی انداز میں سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

وہ سرد مہری برتنے کے سے انداز میں مسکرا دی۔

ٹائیگر نے اپنے سحر کو استعمال کیا، جس کے باعث ایسی عورتیں بھی پگھل کر موم بن چکی تھیں، جو سرد دل سے نالاں رہتی تھیں۔

وہ اپنے مخصوص انداز میں مسکرایا اور لفٹ کے انتظار میں دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔ "ایسی راتیں اسپتال میں گزارنا کفرانِ نعمت کے علاوہ اور کچھ نہیں۔"

وہ خاموش رہی۔

لفٹ آئی تو ٹائیگر اس کے شانہ بشانہ اندر داخل ہو گیا۔

"تمہارا کیا نام ہے؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"نام کیوں پوچھ رہے ہو؟" حسینہ نے سرد لہجے میں کہا۔ "کیا ایک اجنبی عورت کے ساتھ لفٹ میں خوف محسوس ہو رہا ہے؟"

"مجھے یقین ہے کہ تم مزید اجنبی نہیں رہ سکو گی۔"

"واقعی؟" لڑکی زیرِ لب مسکرائی۔

"ہاں، مجھے یقین ہے۔"

"شاندار!" لڑکی ایک ادا سے بولی۔

باہر سڑک پر بہت گرمی تھی۔ سورج غروب ہونے کے باوجود سڑکیں تپ رہی تھیں۔ لڑکی لفٹ سے نکل کر ایک سیاہ اسپورٹس ویگن کی طرف بڑھ گئی۔ ٹائیگر نے اب بھی اس کا پیچھا نہیں چھوڑا بلکہ اس بار اس نے لڑکی کے شانے پر ہلکی سی تھپکی بھی دی۔

"کیا ہے؟" وہ غرا کر مڑی۔

"سنو سوئٹی!" ٹائیگر اپنے تمام دانت نکالتے ہوئے دیکھ کر بولا۔ "زیادہ فلیش ہیں مت آؤ ہم یا تو دوست بن سکتے ہیں یا صرف اجنبی...!"

"ہم اجنبی ہیں۔" یہ کہہ کر وہ ویگن میں بیٹھ گئی تو ٹائیگر کو بھی بیٹھنا پڑا۔ اس نے اندر بیٹھنے کے لیے دوسرا دروازہ کھولا تھا۔

"ارے!" لڑکی اچھل پڑی۔ "یہ دروازہ تو اندر سے مقفل تھا۔ کیسے کھول لیا؟"

"میں جادوگر ہوں۔" ٹائیگر مسکرانے لگا۔ لڑکی پہلی بار اس سے متاثر ہوئی تھی۔

"تب پھر جادو کے زور پر خود کو غائب کر لو۔"

"سنو لیڈی!" ٹائیگر نے نرم لہجے میں کہا۔ "میں ایک کام پر مامور ہوں اور میرا خیال ہے کہ تم اس تنہا شیرنی سے کوئی تعلق رکھتی ہو جو آدم خور بن چکی ہے اور قطستان آباد کو اجاڑ رہی ہے۔"

"میں...!" لڑکی نے چونک کر کہا مگر اس بار اس کی آواز تھرا رہی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے اس کی خود اعتمادی ختم ہو گئی ہے۔

"میں تو...؟"

"میں کہہ چکا ہوں کہ مجھے جادو آتا ہے۔ ویسے مجھے یہ اندازہ لگانے میں جادو سے کام نہیں لینا پڑا کہ لیب اسسٹنٹ کس پر عاشق ہے اور جیلین کس نے حاصل کی ہے؟"

"لیبوریٹنگ جیلین؟" لڑکی نے اپنی تھراتی ہوئی آواز پر قابو

بغداد کی رات

قمر اجنالوی

الف لیلیٰ کی ایک ہزار راتوں سے زیادہ حسین و رنگین رات، دجلہ اور نیل کے دامنوں میں لپٹی ہوئی رات، جسے بے شمار کتابوں کے حوالوں سے آراستہ کیا گیا ہے

قیمت 600/- | 1210 صفحات

ناشر مکتبہ القریش لاہور

پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔" وہ اب پھر مسکرا رہا تھا۔

"اوہ! تم ذہین ہی نہیں، وجیہہ بھی ہو۔"

"میں جانتا ہوں اور مجھ سے پہلے عورتیں میری وجاہت سے واقف ہو جاتی ہیں لیکن اب وجاہت کے بجائے جیلین کے بارے میں تھوڑی سی گفتگو ہو جائے۔"

"کیا میرے اور جیلین کے بارے میں کسی اور کو علم ہے؟" لڑکی معاً سنجیدہ ہو گئی۔

"اس سوال کی وجہ؟"

"وجہ!" لڑکی کا ہاتھ ٹائیگر کے سینے پر پہنچ گیا۔ ٹائیگر نے پہلے ہاتھ اور پھر چہرے کی طرف دیکھا۔ "تم نے چہرہ کب بدلا؟"

"کیا؟" لڑکی کی آنکھوں میں خوفناک چمک نظر آنے لگی۔

"کیا مطلب؟"

"تمہارے چہرے اور ہاتھ کی رنگت میں واضح فرق ہے حسینہ۔" ٹائیگر نے کہا۔

"کیا؟" لڑکی کے چہرے کی رنگت فق ہو گئی۔

"ہاں، سچ کہہ رہا ہوں۔ تمہارے ہاتھوں کی ساخت اور رنگت تمہیں تیس سال سے زیادہ کی قرار دے رہی ہے جب کہ تمہارے چہرے سے تمہاری عمر صرف بیس سال لگتی ہے، ویسے... ڈاکٹر شیلا فن برگ کہاں ہے حسینہ؟"

تب ہی ٹائیگر کو احساس ہوا کہ وہ سنگین غلطی کر چکا ہے۔ ایک جال میں پھنس چکا ہے۔ اس بنیادی اصول کو فراموش کر بیٹھا ہے جو اسے تربیت کے آغاز ہی میں بتا دیا گیا تھا۔ اوشان نے اسے خبردار کیا تھا کہ ایسی آنکھوں سے ہوشیار رہنا جو دیکھ نہیں سکتیں، ایسے کانوں سے چوکس رہنا جو کچھ نہیں سنتے اور ایسی ناک خطرناک ہوتی ہے، جو سونگھتی نہیں۔ اس کے لیے اس نے ایک شیر کے بچے کی مثال دی تھی، جو پہلے شکار کو سونگھتا ہے، دیکھتا ہے اور پھر اسے کاٹ لیتا ہے لیکن پہلے شکار کے بعد وہ دوسرے شکار کو سونگھنے کی کوشش بھی نہیں کرتا۔

ٹائیگر کو اپنی اس غلطی کا احساس سینے پر ہوا۔ لڑکی کے ناخن بہت تیزی سے گوشت میں اتر رہے تھے۔

وہ اسے محض عورت سمجھ بیٹھا تھا اور یہ اس کی بھیانک غلطی تھی۔

ٹائیگر کے حلق سے کربناک چیخ نکل گئی کیونکہ اب لڑکی کے ہاتھ گالوں کو نوچ رہے تھے، گوشت اُدھیڑ رہے تھے ایسا لگ رہا تھا جیسے کوئی تیز دھار بغدے سے گوشت کاٹ رہا ہو۔

اور سب سے خطرناک بات یہ تھی کہ ٹائیگر اس صورتِ حال سے گھبرا گیا تھا۔

اس وقت ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ ٹائیگر نہیں، صرف نہتا لوہے، ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اسے کبھی تربیت نہیں ملی۔ وہ عام سا آدمی لگ رہا تھا۔

اسی گھبراہٹ میں وہ ٹھیک سے گھونسا بھی نہ مار سکا۔

اس نے غراہٹ سنی اور پھر اس کا پیٹ کٹنے لگا۔

اس کے پیٹ سے خون ابل رہا تھا۔

وہ ماسٹر آف سانجو کا شہ بولا بیٹا تھا۔

وہ ایک لاکھ غنڈوں پر بھاری تھا۔

اس نے ہر دشمن کے دانت کھٹے کر دیے تھے۔

وہ نوگان کو قبل از تاریخ کے جانور کی گردن میں ٹانگ چکا تھا لیکن اس وقت وہ بہت خوفزدہ تھا۔ خوف اس کی آنکھوں سے جھانک رہا تھا۔

موت اس کے سامنے کھڑی ہوئی تھی۔

درد ناقابلِ بیان ہو رہا تھا۔

خوف کی لہریں اتنی ہی شدید تھیں۔

اور پیچھے ہٹنے کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔

اس نے درد، کرب اور خوف کے باوجود خدا کو یاد کیا۔ ایک طویل سانس لی اور پھر اسے ایسا محسوس ہوا جیسے اوشان اس کے سامنے کھڑا رو رہا ہو، وہ تڑپ گیا۔ اس نے ایک بار پھر خونی انگلیاں اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھیں اور بروقت اس کی کلائی کو پکڑ لیا۔ لڑکی اب بھی دیوانگی کے عالم میں تھی لیکن اب اس کا ایک ہاتھ جس سے ٹائیگر کا خون ٹپک رہا تھا، دنیا کے سب سے سخت جان انسان کے شاگرد کے ہاتھ میں تھا۔ ٹائیگر نے اپنی کلائی کو جھٹکا دیا تو لڑکی چیخ اٹھی۔ اس کی ساری انگلیاں اتر چکی تھیں مگر اب وہ دوسرا ہاتھ استعمال کرنا چاہتی تھی۔ انگلیاں ٹائیگر کے دل میں گھسنے والی ہی تھیں کہ ٹائیگر نے اپنا گھٹنا لڑکی کے پیٹ پر دے مارا۔ اس کوشش میں اسے خود بھی تکلیف ہوئی کیونکہ اس کا پیٹ کھلا ہوا تھا۔ اس کے بعد ٹائیگر کے دونوں ہاتھ چلنے لگے۔ ایک ہاتھ نے لڑکی کی آنکھوں میں انگلیاں گھسا دیں اور دوسرے نے اس کے شانے پر وار کیا۔ اسی لمحے اسے لڑکی کی ہنسلی کی ہڈی چٹخنے کی آواز سنائی دی۔ اس نے پھر ہاتھ چلایا۔ اس مرتبہ لڑکی کی پسلیاں ٹوٹ گئیں۔

اچانک ہی ونڈ اسکرین پر تازہ اور گرم خون کی پھوار پڑنے لگی۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

یہ دونوں کا خون تھا اور بارش کے قطروں کی طرح شیشے پر بہہ رہا تھا۔
تب ہی ڈاکٹر شیلا فن برگ کی پہلی چیخ نکلی اور وہ گاڑی سے کود گئی۔
ٹائیگر وین کی نشست پر ہی ڈھیر ہو گیا۔
"شاید میں زندہ رہوں۔" اس نے آخری بار سوچا "لیکن یہ درد... یہ ناقابلِ برداشت سے بھی قادر!"

گلستان آباد کی کیا خبر ہے ڈاکٹر؟" سیٹلائٹ فون پر وزیرِ اعظم کی آواز صاف اور واضح سنائی دے رہی تھی ہجہ اگرچہ نرم تھا مگر اس میں بے صبری بھی تھی۔
"میرا آدمی وہاں کام شروع کر چکا ہے جناب!"
"یہ تم پہلے بھی بتا چکے ہو دوست۔"
"میرا خاص آدمی وہاں کام کر رہا ہے جناب! وہ آپ کی پوری انٹیلی جنس سے زیادہ کارگر ثابت ہوگا۔"
"ممکن ہے لیکن اب یہ سوچ کر پچھتا رہا ہوں کہ میں نے اپنی فورس لگائی ہوتی تو...!"
"کیا آپ ہمیں اس مشن سے سبکدوش کرنا چاہتے ہیں جناب؟" ڈاکٹر بہرام کا لہجہ خشک اور تلخ تھا۔
"نہیں... مگر کم از کم ہی بتا دو کہ تمہیں وہاں سے کیا رپورٹ مل رہی ہے؟" وزیرِ اعظم نے فوراً کہا۔
"کوئی رپورٹ نہیں ملی۔"
"مگر تمہیں تو آج اس کی طرف سے رپورٹ ملنی تھی ڈاکٹر...؟" وزیرِ اعظم نے تیز لہجے میں کہا۔
"جی ہاں، میں نے آپ سے یہی کہا تھا۔"
"تو کیا رپورٹ نہیں ملی؟"
"فی الحال کچھ نہیں کہہ سکتا۔ مجھے کچھ پتا نہیں۔"
"کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ تمہارا آدمی بھی کسی حادثے میں

اے حمید
کے ایڈونچرس قلم سے
گنگا کے
پجاری ناگ
دو جلدوں میں
جلد اول =/150
جلد دوم =/200
مکتبہ القریش سرکلر روڈ اردو بازار لاہور
فون 7668958

نوشت ہو گیا ہے۔ کیا میں انھیں یہ بتاؤں کہ ہم ہنگامی صورتِ حال سے گزر رہے ہیں ڈاکٹر! ہم قومی بچانے پر ہنگامی صورتِ حال سے دوچار ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ ہم نے اگر اس صورتِ حال پر گلستان آباد ہی میں قابو نہ پایا تو فردوس ہی نہیں پوری دنیا اس صورتِ حال کا شکار ہو جائے گی۔"

"میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ انسانی نسل کو مکمل تباہی سے بچانے کے لیے آپ کے فوری پیغام پر یہاں آیا ہوں۔ ہمارا مشن صرف اور صرف نوعِ انساں کو بچانا ہے اور میں نے اس مشن کی ذمے داری صرف اس وجہ سے قبول کی ہے کہ میرے دو آدمی

ایسے ہیں جو نوعِ انسانی میں انسانی نسل کو بچانے کے لیے سب سے زیادہ اہل قرار دیے جا سکتے ہیں۔ ان دو افراد سے کوئی بہتر نہیں۔"
"لیکن انھوں نے رپورٹ پیش کیوں نہیں کی؟" وزیرِ اعظم کا لہجہ معاً ہی نرم ہو گیا۔
"جناب وزیرِ اعظم!" بہرام کا لہجہ تلخ تھا "وہ جنرل یا انسپکٹر نہیں، ان میں سے ایک ماسٹر آف سنسکرت ہے اور دوسرا اس کا شاگرد۔ آپ جنرل بناتے ہیں لہٰذا وہ آپ کو رپورٹ پیش کرتے ہیں مگر آپ ماسٹر نہیں بنا سکتے لہٰذا ماسٹر اور اس کا شاگرد آپ کو رپورٹ پیش کرنے کے بھی پابند نہیں... نہیں جناب! وہ رپورٹ پیش نہیں کیا کرتے۔"
"میری اطلاعات کے مطابق ان لوگوں نے ڈاکٹر شیلا کے گھر میں بھی نہیں جھانکا۔ میرا خیال ہے کہ شیلا وہاں ضرور آئے گی۔"
"تب پھر پولیس والوں کے ذریعے اسے پکڑوائیں۔" بہرام نے جواب دیا۔ "سنیے جناب! وہ زندہ عورت اپنے ماضی سے کٹ چکی ہے اب اس کے لیے اپنا گھر بھی گھر نہیں رہا۔"
"ڈاکٹر بہرام!" وزیرِ اعظم کو پھر غصہ آنے لگا۔ "میرا خیال ہے کہ میں تمھیں اس مشن سے ہاتھ کھینچنے کا مشورہ دوں!"
"نہیں جناب! اب یہ مشکل ہے۔" بہرام نے سرد لہجے میں جواب دیا۔ "اب ہم آپ کے کنٹرول میں نہیں۔ ہم ایک ایسے عالمی ادارے سے تعلق رکھتے ہیں جو عالمِ انسانیت کی خدمت کر رہا ہے اور میری یہاں آمد سے قبل جو معاہدہ ہوا تھا اس کے تحت آپ نہ تو ہم پر حکم چلا سکتے ہیں اور نہ ہی مشن واپس لے سکتے ہیں۔"
"اگر میں فوج کو تمھارے خلاف کارروائی کا حکم دوں تب...؟"
وزیرِ اعظم نے دھمکی آمیز لہجے میں کہا۔
"چند ہزار تربیت یافتہ نوجوان ناکافی ہوں گے جناب!" بہرام نے انتہائی خطرناک لہجے میں کہا۔ "چند ہزار پیادے یا سوار صدیوں کے تجربات کے وارث مائٹ اور اس کے شاگرد و جانشین کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے بلکہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ دونوں خود آپ کو یرغمال بنا کر اپنا کام کرتے رہیں۔ میرا خیال ہے کہ آپ اس صورتِ حال کو بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔"
"ہاں۔" وزیرِ اعظم کی بھرائی ہوئی آواز سنائی دی۔ "میں انھیں ایک بار ایکشن میں دیکھ چکا ہوں۔ ان دنوں میں حزبِ اختلاف کا لیڈر تھا۔ ویسے اب میں تمھیں کبھی فون نہیں کروں گا۔ میری نیک تمنائیں تمھارے ساتھ ہیں۔"
"شکریہ جناب!"

ڈاکٹر بہرام دن بھر ٹیلی فون کے پاس بیٹھا رہا... پھر جب کمرے میں گھپ اندھیرا ہو گیا تو اس نے اپنی گھڑی دیکھی۔ نو بج کر ایک منٹ۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اب ٹائیگر فون نہیں کرے گا۔
ٹائیگر...! اس کا دل گھبرانے لگا۔ ٹائیگر نے پہلے بھی کئی مرتبہ فون نہیں کیا تھا لیکن... اس بار بہرام کو اپنا دل بیٹھتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے کوئی اس کے دل پر ضرب لگا رہا ہو۔ اس کی پریشانی پینے سے بیگ گئی۔ وہ اٹھ گیا۔ اس نے کھڑکی سے جھانک کر دیکھا۔ شہر بقعۂ نور بنا ہوا تھا لیکن بہرام کو احساس تھا کہ آج اس کے اپنے دل میں تاریکی ہے۔
کیوں؟ اس نے اپنے آپ سے پوچھا لیکن اسے اس سوال کا کوئی جواب نہ مل سکا۔
"خدا تمھاری حفاظت کرے ٹائیگر۔" اس نے تھوک نگلتے ہوئے کہا اور چار گز کے اس دفتر سے ساحل کی طرف دیکھنے لگا جو اسے معاہدے کے مطابق ملا تھا۔ اس پر بھی سینی ٹوریم اور اسپتال کے بورڈ لگے ہوتے تھے جبکہ بالائی منزل پر کمپیوٹر نصب تھے، جن کا رابطہ براہِ راست ہیڈ کوارٹر کے پرنسپل کمپیوٹر سے تھا۔

گلستان آباد میں ایف آئی اے کا ڈپٹی ڈائریکٹر یہ خبر سنتے ہی پرانتہائی ناخوش تھا کہ ڈاکٹر شیلا کے کیس پر مامور ایجنٹوں کی تعداد نصف کر دی جائے لیکن حکم حاکم مرگِ مفاجات کے مصداق اسے اس پر عمل کرنا ہی تھا۔ اس کا نام کبیر احمد تھا اور اس نے سب انسپکٹر کے عہدے سے ترقی کر کے اس اعلیٰ منصب کو پندرہ سال میں حاصل کیا تھا۔
اخبار والوں سے اس کے خصوصی تعلقات تھے اور خاص طور سے گلستان آباد کے مشہور اخبار "ٹائمز آف گلستان آباد" کی سماجی پورکر نزہت سے تو دانت کاٹے کی دوستی تھی۔ اس وقت کبیر احمد ایک بار میں بیٹھا ہوا اس کا انتظار کر رہا تھا اور گلاس سے چسکیاں لیتا ہوا اپنے ماضی پر غور کر رہا تھا۔
اسے ماضی کے جھروکوں میں جھانکتے ہوئے بہت دیر ہو گئی اور وہ یادوں میں کھویا رہا۔ اس نے دوسرا گلاس اٹھایا... مگر اسی لمحے اسے اپنے ہاتھ پر ایک نازک ہاتھ کا دباؤ محسوس ہوا۔ یہ نزہت ہی تھی اور اس وقت وہ دو سو پونڈ کی بجائے ایک سو سینتی پونڈ کی لگ رہی تھی۔ کبیر کو اس پر شدید حیرت ہوئی کہ

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

آج نزہت کی آمد سے وہ آوازیں پیدا نہیں ہوئیں جو عموماً فرش پر اس کی ایڑیوں سے پیدا ہوتی تھیں۔ کل تک وہ بیٹھے ہی بیٹھے ان آوازوں سے اندازہ لگایا کرتا تھا کہ نزہت ہوٹل کے پورچ میں پہنچ چکی ہے۔

"ہیلو نزہت!" وہ مسکرا کر بولا۔ "وزن کم ہونے سے تمہاری عمر بھی کم لگ رہی ہے۔ بہت شاندار لگ رہی ہو، ڈائٹنگ ہو رہی ہے؟"

"ڈائٹنگ سے آنکھوں کی ٹھہریاں دور نہیں ہوتیں کبیر جی!" وہ مسکرا کر بولی۔

کبیر نے بیرے کو اشارے سے نزہت کے لیے مارٹینی لانے کو کہا وہ جانتا تھا کہ نزہت کسی نفسیاتی گرہ کے باعث بلا نوش بن گئی ہے۔ وہ پیتی ہیں صرف آدھے چمچ اور چار گلاس لیا کرتی تھی۔ کبیر کو علم تھا کہ عورت کی شراب نوشی کتنی غلط بات سمجھی جاتی ہے لیکن اُسے نزہت سے نفرت نہیں بلکہ ہمدردی ہوتی تھی۔ نزہت کی عمر چالیس پینتالیس سے کم نہیں تھی مگر اس وقت وہ بمشکل پچیس تیس سال کی لگ رہی تھی۔ اس کے انداز میں بھی قدرے ٹھہراؤ تھا۔ چہرے سے اعتماد جھلک رہا تھا اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ اس کی آنکھوں کے گرد نہ تو حلقے تھے اور نہ ہی جھریاں تھیں۔

"میرے لیے کچھ مت منگاؤ کبیر!" نزہت نے دھیرے سے کہا۔

"چپس تو لے ہی لو۔"

"نہیں شکریہ!"

"اوہ! تم واقعی ڈائٹنگ کر رہی ہو۔" کبیر نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

"وہی سمجھ لو۔ میں اب جو کچھ کھا رہی ہوں اس میں پروٹین بہت زیادہ ہوتا ہے۔"

"ٹھیک! ہیمبرگر منگواؤں؟"

"آں... ہاں...!" نزہت نے بیرے کی طرف دیکھا اور پھر خود ہدایت کی۔ "چار ہیمبرگر... لیکن گوشت کچا ہی رکھنا۔"

کبیر نے گھبرا کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ مسکرا رہی تھی۔ لہٰذا کبیر نے اپنا گلاس اٹھا لیا۔

"نہیں کبیر جی! اب مت پیو!" نزہت نے اپنا بھاری بھرکم ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھ کر کہا۔

"کمال ہے، تم منع کر رہی ہو۔ کیا مسیح قوم بننے کا ارادہ ہے نزہت ڈارلنگ؟"

"وہی سمجھ لو لیکن اب ایک گھونٹ بھی منہ لیا تو"

"کیوں نہ لوں؟" کبیر اس کے تحکمانہ لہجے پر بگڑ گیا۔ پینے پر ہر جگہ پابندی تھی اور یہ خفیہ اڈہ ہی ایسی جگہ تھی جہاں وہ سکون کے چند لمحے گزار سکتا تھا۔

"تم بے وقوف ہو۔"

"نزہت! کیا تمہیں وہ خاص خبر نہیں چاہیے جس کو بیچ کر تم کم از کم پانچ ہزار روپے کما سکتی ہو؟" کبیر نے ناگوار لہجے میں پوچھا۔ وہ نزہت کو خفیہ فائلوں سے خبریں نکال کر دیا کرتا تھا اور نزہت یہ خبریں دوسرے اخباروں کو بیچ دیا کرتی تھی۔ دونوں میں معاہدہ یہ تھا کہ کبیر کی فراہم کردہ خبریں ٹائمز آف شائنا نہیں ہوں گی کیونکہ نزہت سے اس کی دوستی کا سب ہی کو علم تھا۔

"اس بار میں تمہیں ایک خاص چیز دینا چاہتی ہوں۔" نزہت نے مسکرا کر کہا۔

"بشرطیکہ وہ پینے سے نہ روکے۔" کبیر کا موڈ بھی ٹھیک ہونے لگا۔

"شرط یہی ہے کہ تم پینا چھوڑ دو گے۔"

"میرا خیال ہے کہ تم کچھ زیادہ ہی بدل گئی ہو نزہت!"

"ہاں! آج رات میرے فلیٹ میں آجانا۔ میں تمہیں ایسی چیز دکھاؤں گی جس کو پا کر تم زندگی بھر میرے مشکور رہو گے۔"

"میں شادی شدہ ہوں نزہت!" کبیر شرارت آمیز لہجے میں بولا۔

"فضول باتیں مت کرو۔ نزہت ہنس پڑی۔

"کچھ بھی ہو، اس وقت تو میں ضرور پیوں گا۔"

"چلو! چار گھنٹے تک مت پینا... صرف چار گھنٹے تک...؟" نزہت نے عجیب سے انداز میں کہا۔

"میں بہت تھکا ہوا ہوں اور میں اتنی دیر تک یہاں نہیں رہ سکتا۔"

"اب تک تم نے کتنے گلاس لیے ہیں؟"

"دو... اور ایک بیئر!"

"چلو ٹھیک ہے تم ڈھائی گھنٹے تک نہیں پیو گے پھر میں تمہاری زندگی کا سب سے بڑا اور ایسا کیس دوں گی کہ تم ریٹائرمنٹ کے بعد بھی اس سے فائدہ اٹھاتے رہو گے۔"

کبیر نے گلاس رکھ دیا۔ یہ سودا زیادہ برا نہیں تھا۔ نزہت اگر واقعی کوئی ایسا ہی بڑا کیس دے رہی تھی تو وہ ڈھائی گھنٹے تک پیاسا ہی نہیں، بھوکا بھی رہ سکتا تھا۔

اسی لمحے بیرے نے ہیمبرگر، نزہت کے سامنے رکھ دیے۔ اُن میں کچا گوشت تھا۔ تازہ اور کچا گوشت، جس پر خون کی سُرخی بدستور موجود تھی۔ نزہت نے مسکرا کر ہیمبرگر کی پلیٹ آگے کی اور پھر اُن پر

ٹوٹ پڑی۔

کبیر اُسے دیکھتا رہا۔ وہ جانتا تھا کہ اُسے ڈینی ڈائر غیظ دلوانے میں اس عورت کا کتنا ہاتھ ہے۔

نزہت سفاری پارک کے قریب ایک خوبصورت اپارٹمنٹ میں رہتی تھی۔

"مجھے بھوک لگ رہی ہے نزہت!" کبیر نے کاؤچ پر نیم دراز ہو کر اعلان کیا۔ یہ اس کا خاص انداز تھا اور نزہت ہمیشہ کچن میں گھس کر اس کے لیے فرائی گوشت جیسی لذیذ ڈشیں تیار کرنے لگتی تھی۔

مگر آج ایسا نہیں ہوا۔

"کچن میں کچھ بھی نہیں ہے کبیر جی!" وہ مسکرا کر بولی۔

"آلو کے چپس؟"

"مجھے اب چپس بھی پسند نہیں رہے۔"

"کیا!" کبیر کو اپنی سماعت پر یقین نہیں آیا۔ "یہ تم کہہ رہی ہو آلو کے چپس کو زندگی سے زیادہ عزیز رکھنے والی آلو خور!"

"یقین کرو۔" وہ سنجیدہ ہو گئی۔ "میں تمہیں آلو سے زیادہ اہم چیز دکھاؤں گی۔"

"کمال ہے تم مجھ سے خصوصی خبر بھی نہیں پوچھ رہیں۔ میرے پاس اتنی اہم خبر ہے کہ تم اُچھل پڑو گی۔"

"وہ کیا؟"

"یہ کہ ایف آئی اے کو ڈاکٹر شیلا کے کیس سے ہٹا لیا جائے گا اور پھر ہم اس شہر کے لوگوں کو شیروں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیں گے۔ یہ حکم ہمیں آج ہی اس وقت ملا ہے جب مزید دو افراد کے ڈھانچے ملے ہیں۔ ہم نے ہاتھ کھینچ لیا تو پھر ڈاکٹر شیلا اور اُس کے آدمی... میرا مطلب ہے آدم خور تباہی مچا دیں گے۔"

"دیکھو! کیا ہوتا ہے!" نزہت کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ "میں ابھی آئی۔"

نزہت نے ریفریجریٹر کے پیچھے رکھے ہوئے تھرماس سے کوئی سیال اور غلیظ مادہ گلاس میں انڈیلا پھر وہ دلکش انداز میں مسکراتی ہوئی کبیر کے پاس آ گئی۔ "لو... یہ پی لو۔"

"یہ کیا ہے؟" کبیر چونک پڑا۔

"وٹامن...!"

"نہیں، میں وٹامن کھاتا ہوں، پیتا نہیں۔" کبیر نے سیال مادے کو دیکھتے ہوئے کہا۔ اُسے متلی سی ہونے لگی۔ "اگر تم میری کنپٹی پر ریوالور رکھ کر بھی کہو تو بھی میں یہ نہیں پیوں گا۔"

"کبیر جی!" وہ بڑے پیار سے بولی۔ "پی لو۔"

"ہرگز نہیں۔" وہ سر ہلانے لگا۔ "یہ مجھے سائنائیڈ یا میل سے بھی زہریلا لگ رہا ہے۔"

نزہت مسکرا کر آگے آئی اور اُس نے بائیں ہاتھ سے کبیر کو کاؤچ پر گرا دیا۔ کبیر حیرت زدہ رہ گیا۔ تمام تر تعلقات کے باوجود بھی نزہت نے یہ انداز کبھی نہیں اپنایا تھا۔ اُس نے نزہت کو دھکا دینا چاہا مگر اُسے محسوس ہوا کہ نزہت کسی پہلوان کی طرح طاقت ور ہے، وہ اُسے، اس کی جگہ سے ہلا بھی نہ سکا۔

وہ اُسے صرف ایک ہاتھ سے قابو کیے ہوئے تھی۔

پھر نزہت نے ایک اور عجیب حرکت کی۔

اُس نے کہنی کبیر کے سینے پر رکھ کر دو انگلیوں سے اس کی ناک بند کر دی۔ کبیر تڑپنے لگا لیکن کہنی کی قوت اتنی زیادہ تھی کہ وہ ہل بھی نہ سکا۔ ناک کے ذریعے سانس کی آمد و رفت بند ہوئی تو اس نے گھبرا کر منہ کے ذریعے سانس لینی چاہی۔ شاید نزہت کی حکمت عملی بھی یہی تھی۔ جونہی کبیر نے منہ کھولا، وہ غلاظت اُس کے حلق میں انڈیلتی چلی گئی اور پھر نزہت نے گلاس پھینک کر اُس کا منہ مضبوطی سے بند کر دیا۔

کبیر کو اپنی آنتیں دوبارہ معدے میں واپس لے جانی پڑیں۔ اُس کا سر اب اس طرح ہل رہا تھا جیسے کسی نے رسّی سے باندھ کر اُس کا گلا گھونٹنے کی کوشش کی ہو۔ پھر کبیر نے آنکھیں بند کر لیں۔

اُسے ایسا لگا جیسے وہ خواب دیکھ رہا ہے۔ اُس نے اپنے باپ کی آوازیں سنیں، اپنی ماں کی چیخ پکار سنی اور پھر مدّاں کی آنکھوں میں روشنی بجھنے لگی۔ شاید کوئی اس کی آنکھوں پر روشنی ڈال رہا تھا۔

"روشنی گل کر دو۔" اُس نے بمشکل کہا۔ اس وقت پیاس کی وجہ سے اُس کا حلق تڑخ رہا تھا اور شدید بھوک لگ رہی تھی۔

اُس نے آنکھیں کھول دیں۔

نزہت اُس کے قریب بیٹھی ہوئی مسکرا رہی تھی۔ کبیر نے گردن گھما کر اُسے سونگھا۔ اُسے اس کی خوشبو بہت اچھی لگ رہی تھی لیکن خود وہ اپنے کپڑوں سے آنے والی بُو کو ناپسند کر رہا تھا۔ اس بُو سے اُسے بھوک بھی لگ رہی تھی۔

"کچھ کھانے کو ہے؟" کبیر نے بے تکا ہی پوچھا۔

"مارٹینی پیو گے؟" نزہت نے مسکرا کر پوچھا اور اس نام ہی سے کبیر کو ایسا لگا جیسے اُسے متلی ہو رہی ہو۔ اس نے انکار میں گردن ہلائی۔ نزہت کی طرف دیکھا، پھر اسی کے انداز میں زبان سے اپنے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

اسلم راہی ایم اے کے ولولہ انگیز تاریخی ناول

اندھیروں کے ساربان	۲۰۰/-	سنہری غول	۱۵۰/-
تاریک رزم گاہ	۲۵۰/-	صلیب و حرم	۱۵۰/-
صقلیہ کا مجاہد	۱۵۰/-	نیشاپور کا شاہین	۱۵۰/-
عقاب	۱۵۰/-	بابل کا بت شکن	۱۵۰/-
صحرا کی آگ	۱۵۰/-	طلسم کدہ	۱۷۵/-
قتیبہ بن مسلم	۱۵۰/-	آتش فشاں	۱۵۰/-
موت کے مسافر	۱۷۵/-	آخری حصار	۲۰۰/-
یثرب کا ابلیس	۱۵۰/-	بنت نیل	۱۵۰/-

مکتبہ القریش اُردو بازار لاہور۲

کندھے کو کھجانے لگا۔

"بھوکے ہو؟"

"ہاں، بہت بھوک لگ رہی ہے۔"

"تب پھر میں تمہاری پسند کی چیز لے کر ابھی آتی ہوں ڈارلنگ۔"

کیسر کو اس وقت سکون کا عجیب سا جھٹکا مبنی سا احساس ہو رہا تھا۔ گزشتہ ایک عشرے کی ملازمت کے دوران وہ ہمہ وقت فرائض کے بارے میں سوچتا رہتا تھا، اسے اس لوازمے اور خود اپنی نیک نامی کی فکر رہتی تھی لیکن یہ باتیں اس وقت اُسے محض خواب لگ رہی تھیں، اس وقت اسے نہ تو یاد آئی تھی کی پروا تھی اور نہ ہی اپنی ملازمت کی۔ سکون و طمانیت کی عجیب سی لہر نے اُسے مدہوش سا کر رکھا تھا۔

اس وقت اُسے صرف بھوک لگ رہی تھی اور یہ احساس ہو رہا تھا کہ شاید وہ غیر محفوظ ہے۔

پھر معاً اس کی استعادہ چند ہو گئی کیونکہ اس نے کچن میں ریفریجریٹر کے کھلنے کی آواز سن لی تھی۔ اس کی نگاہیں کچن کے دروازے پر جم گئیں اور نتھنے دال بہنے لگی۔

نزہت بڑی ادا کے ساتھ اٹھلاتی اور پیار سے غراتی ہوئی اس کے لیے کسی جانور کی بڑی سی ران لے کر آ رہی تھی اور سب سے اچھی بات اسے یہ لگی کہ ران کو دھویا نہیں گیا تھا، اس پر جانور کا اپنا خون جما ہوا تھا جو اب پگھلنے لگا تھا۔

اس نے لپک کر نزہت کے ہاتھ سے ران جھپٹ لی اور اس کو چاٹنے اور بھنبھوڑنے لگا۔

اپنے ہاتھ اچھی طرح چاٹنے کے بعد اس نے نزہت کی طرف دیکھا۔ نزہت کی آنکھیں چمک رہی تھیں، وہ بھی ران ختم کر کے اپنے ناخن چاٹ رہی تھی۔

پھر دونوں مسکرا اُٹھے اور کمرے کی طرف بڑھ گئے۔

آنے والے دنوں میں دونوں کے درمیان نہ تو کوئی پردہ رہا اور نہ ہی کسی قسم کی شرم... وہ خوش و خرم رہنے لگا۔ اس نے گھر میں کھانا چھوڑ دیا۔ وہ بچوں کے ناز و نخروں سے چڑنے لگا۔

نزہت کے ہاتھوں سے مشروب پینے کے اگلے روز وہ معمول کے مطابق دفتر گیا۔ اسے ایک اہم کام سونپا گیا تھا۔ اُسے ہدایت

کی گئی تھی کہ ایک شدید زخمی کو تلاش کیا جائے، ایسے زخمی کو جس کا پیٹ پھٹا ہوا ہو۔

اس نے تمام ایجنٹوں کو طلب کر کے حکم دیا کہ اس شخص کی تلاش میں ہر ڈاکٹر، ہر اسپتال اور ہر کلینک کی چھان بین کی جائے۔ اُسے سیاہ بالوں، کالی آنکھوں اور سفید رنگ والے ایک نوجوان کی تلاش تھی، جس کی کلائیوں کے بارے میں کہا گیا تھا کہ وہ جسم کے مقابلے میں کہیں زیادہ بھاری اور طاقت ور ہیں۔

"لیکن سر! ہمیں یہ تو معلوم ہو کہ اس نے کیا جرم کیا ہے؟" ایک نوجوان سب انسپکٹر نے سب کچھ سن لینے کے بعد کہا۔

"صرف وہی کرو، جو تم سے کہا گیا ہے۔" کیسر نے غصے سے اس کی طرف... دیکھ کر کہا۔ ان لوگوں کے ساتھ بیٹھنا اس کے لیے مشکل ثابت ہو رہا تھا کیونکہ وہ ان میں سے ہر ایک کو کھا لینے کی خواہش محسوس کر رہا تھا۔ تاہم نزہت نے کہا تھا کہ جب بھی بہت سے انسانوں کے درمیان یہ خواہش محسوس ہو، کسی بکرے کا گردہ یا ران کھا لیا کرو۔ اس طرح انسانی گوشت کی خواہش وقتی طور پر دور ہو جایا کرے گی۔ اس نے کہا تھا۔

"فی الحال چند دنوں تک محتاط رہنا... پھر کچھ دنوں بعد ہی ہم انسانوں کو آزادی سے لقمہ بنایا کریں گے۔"

کیسر کو نزہت کی بات پر سو فیصد یقین تھا کیونکہ اس نے لیڈر سے ملاقات کر لی تھی اور ان کی لیڈر انتہائی طاقت ور تھی۔

اس کا نام شیلا تھا اور اسی نے نوجوان کو تلاش کر کے پکڑنے کا حکم دیا تھا۔

"وہ شدید زخمی ہے اور ممکن ہے کہ کسی اسپتال میں زیر علاج ہو۔" شیلا نے اس کا حلیہ بتاتے ہوئے کہا تھا۔

"وہ شدید زخمی ہے اور ممکن ہے کہ کسی اسپتال میں زیر علاج ہو۔" کیسر نے اپنے ماتحتوں کے سامنے یہ جملہ دہرایا۔

"زیر علاج!" ایک نوجوان نے کندھے اچکا کر کہا۔ "یہ تو کوئی کارآمد ٹپ نہیں سر!"

"اپنی تمام مصروفیات ترک کر کے اس نوجوان کو تلاش کرو، تمام صلاحیتیں صرف کر دو... اب بس دفع ہو جاؤ۔"

ان کے نکلتے ہی کیسر نے دراز کھول کر ایک تھیلے میں رکھی ہوئی ران نکالی اور دروازہ بند کیا پھر ران کو اپنے نوکیلے دانتوں سے بھنبھوڑنے لگا۔

باہر ایک انسپکٹر دوسرے ساتھی سے پوچھ رہا تھا۔ "کیا چیف کا آخری جملہ شیلا جی نے سنا تھا؟ نہیں، مل گیا تھا احمد۔"

حسینہ بیگم انتہائی متعصب عورت... بلکہ بڑھیا تھی، اس کے پاس اتنی معلومات تھیں کہ اس کا پیٹ پھول رہا تھا لیکن وہ خلاف عادت اپنا پیٹ ہلکا کرنے کے لیے آس پڑوس میں نہیں گئی تھی۔

اس کے قدم ایک ارادے کے ساتھ شمالی شہر کی طرف اٹھ رہے تھے اور وہ فٹ پاتھ پر گزرنے والے جوڑوں کو دیکھ کر ناک بھوں چڑھا رہی تھی۔ اسے سب سے بری بات یہ لگتی تھی کہ غیر مقامی باشندے بھی شہر میں اسی بے فکری اور بغیر کسی پابندی کے گھوم رہے ہیں، جو مقامی باشندوں کا حق ہے۔ اس کا کہنا تھا کہ غیر مقامی باشندوں نے شہر کا ستیاناس کر دیا ہے۔ وہ مختلف علاقے والوں کے درمیان شادی بیاہ کی بھی مخالف تھی۔

اس نے بھی آدم خوروں کے بارے میں سن رکھا تھا لیکن اسے یقین تھا کہ آدم خوری کے ان واقعات میں کوئی مقامی آدمی یا عورت ملوث نہیں ہو سکتی۔ اسے شیلا کے بارے میں ٹیلی ویژن کے ذریعے بہت کچھ معلوم ہو گیا تھا۔ اسے سو فی صد یقین تھا کہ اس غیر ملکی عورت کے تمام ساتھی غیر مقامی لوگ ہوں گے۔

لیکن اس وقت وہ شہر کے شمال میں اس علاقے کی طرف ہی جا رہی تھی جہاں بقول اس کے قابل نفرت غیر ملکی رہتے ہیں، کیونکہ اس نے سنا تھا کہ ایک خاص اطلاع فراہم کرنے والے کو مالا مال کر دیا جائے گا۔

خاص اطلاع... گلستان آباد میں ایک عام اصطلاح تھی۔ خاص اطلاع سے یہ سراد بھی لی جاتی تھی کہ جو افراد پیشہ افراد کے بارے میں پولیس کو مطلع کر کے انعام لے لیا جائے اور آج کل یہ خبر پھیلی ہوئی تھی کہ کسی زخمی نوجوان کے بارے میں اطلاع فراہم کرنے والے کو بھاری انعام دیا جائے گا۔

اس زخمی نوجوان کے بارے میں حسینہ بیگم سے زیادہ کسی اور کو علم نہیں تھا۔

گزشتہ روز ہی ایک نحیف بوڑھا ایک نوجوان کو اس طرح لیا تھا جیسے وہ نوجوان نہیں کوئی شیر خوار بچہ ہو۔ بوڑھے کا ایک ہاتھ بالکل اسی طرح نوجوان کے سر پر رکھا ہوا تھا جس طرح کسی بچے کو کندھے سے لگایا جاتا ہے۔ عام حالات میں حسینہ بیگم بڑے وثوق سے کہہ سکتی تھی کہ بوڑھا چینی تربوز بھی نہیں اٹھا سکتا لیکن اس نے نوجوان کو اس کے کندھے سے لگا ہوا دیکھ لیا تھا۔

نوجوان کراہ رہا تھا اور بوڑھا حسینہ بیگم سے کہہ رہا تھا۔ "آپ کے دروازے پر اپارٹمنٹ برائے کرایہ لکھا ہوا ہے خاتون!"

"ہاں... لیکن میں اپنے اپارٹمنٹ میں غیر قانونی کام نہیں

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ہونے دیتی۔ حسینہ بیگم نے جواب دیا تھا تاہم یہ سننے کے بعد اپارٹمنٹ خالی ہے۔ بوڑھا اپنی سر جھکا کر اندر آ گیا۔

اس نے ایک ماہ کا کرایہ پیشگی ادا کیا اور اسی روز حسینہ بیگم کو اپنے اپارٹمنٹ میں بڑی بوٹیوں کی بو محسوس ہوئی، جو اسی اپارٹمنٹ سے آ رہی تھی، جہاں وہ دونوں موجود تھے حسینہ بیگم نے اس کی شکایت کر دی تھی۔

سب سے حیرت انگیز بات یہ تھی کہ نوجوان کو جب لایا گیا تو وہ قریب المرگ تھا لیکن اسی شام نوجوان کو ہوش آ گیا تھا۔ اگلی صبح اس نے آنکھیں کھول دی تھیں اور اس کے زخم حیرت انگیز طور پر انتہائی تیزی سے بھر رہے تھے۔

حسینہ بیگم یہ پوچھنے کی خواہش مشکل دبا سکی کہ بوڑھا کس قسم کا جادوگر ہے۔ اس نے یہ بات صرف اس وجہ سے نہیں پوچھی کیونکہ بوڑھے نے اسے منہ مانگا کرایہ ادا کیا تھا۔

وہ ہر شام اپارٹمنٹ میں جانے لگی لیکن بوڑھے نے اسے کبھی لاؤنج سے آگے نہیں بڑھنے دیا جہاں تین چار ٹرنکوں میں پانی اور پانی میں بڑی بوٹیاں اٹھتی رہتی تھیں، تاہم ایک بار حسینہ بیگم نے نوجوان کی جھلک دیکھ ہی لی اور اسے یقین ہو گیا کہ بوڑھا کوئی بڑا جادوگر ہے کیونکہ نوجوان کی گردن کا وہ زخم تقریباً بھر گیا تھا، جو پہلے روز بہت گہرا اور جان لیوا لگا تھا۔ اب گردن پر اس جگہ صرف ایسا نشان تھا جیسے کھال جھلس گئی ہو۔

حسینہ بیگم کو علم تھا کہ زخم اس طرح اچانک نہیں بھر جاتے، لہٰذا اس نے سن گن لینے کا فیصلہ کیا۔

وہ بغور سنتی رہی۔ پہلے تو بوڑھا کسی اجنبی زبان میں کچھ کہتا رہا لیکن پھر وہ صاف ستھری زبان میں باتیں کرنے لگے۔ بوڑھا، زخمی سے بار بار ایک ہی بات کہہ رہا تھا کہ اس کے دل کو کس طرح دھڑکنا چاہیے، ریڑھ کی ہڈی کس انداز میں رہے اور گردے کس طرح کام کریں۔ اس کی باتوں سے تو یہی ظاہر ہو رہا تھا کہ نوجوان اپنے اعضا کو مرضی کے مطابق استعمال کرنے کا اہل ہے اور یہ بات ناقابل یقین تھی۔

وہ بوڑھا ایک بات ہر دس منٹ بعد دہرا رہا تھا۔

"تمہیں درد ہے نا؟ یقیناً ہوگا، ہونا بھی چاہیے اور درد تو زندگی کی علامت ہے۔ جس کے درد نہ ہو وہ مُردہ ہوتا ہے۔ اس کے بدن میں رُوح نہیں ہوتی۔"

حسینہ بیگم یہی سوچتی تھی کہ کیا یہی وہ زخمی شخص ہے، جس کے لیے انعام رکھا گیا ہے۔

اور اسی سوال کا جواب لینے کے لیے حسینہ بیگم اپنی نفرت کے باوجود غیر ملکیوں کے علاقے میں جا رہی تھی۔

یہ غیر ملکی دُبلا پتلا آدمی نکلا جس کے بالائی لب پر تلوار مارکہ مونچھیں تھیں۔

"حسینہ بیگم!" اس شخص نے سب کچھ سننے کے بعد ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا "آپ نے بہت بڑا کارنامہ سرانجام دیا ہے۔ یہی وہ شخص ہے، جس نے ہمارے معاشرے کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا ہے۔ ہم یہ توقع رکھیں کہ آپ اس نوجوان کے بارے میں ساری معلومات اپنے آپ تک محدود رکھیں گی؟" یہ کہتے ہوئے اس نے نئے کرنسی نوٹوں کی ایک موٹی سی گڈی نکال کر حسینہ بیگم کی گود میں ڈال دی۔ یہ گڈی ہرے نوٹوں کی تھی اور اسے دیکھ کر حسینہ بیگم کو یہ دُکھ بھی نہ رہا کہ ان کی گود کبھی ہری نہیں ہوئی تھی۔

حسینہ بیگم کی آنکھیں اتنے بہت سے نوٹ دیکھ کر ہرے حیرت کے ناقابل سائز سے دُگنی ہو گئیں۔

"میں... میں...؟" وہ ایک لاکھ روپے دیکھ کر سکتانے لگیں۔

"اب آپ کو ایک اور زحمت دوں گا حسینہ بیگم؟"

"ضرور... ضرور..." حسینہ بیگم اس شخص کے لیے اب جہنم میں بھی چھلانگ لگا سکتی تھیں۔

"اس پتے پر چلی جائیں۔" اس شخص نے کاغذ کا ایک پُرزہ دیتے ہوئے کہا "یہاں آپ کی ملاقات ایف۔ آئی۔ اے کے افسر جمیل سے ہوگی۔ آپ کو ان سے ملنے میں کوئی دُشواری پیش نہیں آئے گی۔ آپ نے مجھے جو کچھ بتایا ہے وہ انھیں بھی من و عن بتا دیجیے گا اور پھر خوشی خوشی گھر چلی جائیے گا۔"

"اوہ... ضرور... اللہ قسم ضرور..." اتنے سے کام کے عوض اتنا خطیر معاوضہ ملتے پر حسینہ بیگم نے بے ساختہ طور سے اس غیر ملکی کے ہاتھ چوم لیے۔ اسے غیر ملکیوں سے نفرت تھی لیکن یہ غیر ملکی اسے کوئی پہنچا ہوا بزرگ نظر آ رہا تھا۔

حسینہ بیگم کو یہ علم نہیں تھا کہ ان کی ملاقات کسی غیر ملکی سے نہیں پلنے ہی ملک میں جنم لینے والے ایک دوغلی نسل کے قاتل حمدو سے ہوئی ہے، جس کا نام اس کے باپ نے محمود اور ماں نے مارٹن رکھا تھا اور پھر وہ اسے یتیم خانے میں چھوڑ کر اپنے اپنے نئے عاشقوں کے ساتھ فرار ہو گئے تھے۔ محمود یا مارٹن کا نام بدلتے بدلتے حمدو بن گیا اور محمود نوجوانی میں گیارہ قتل کر کے دہشت اور موت کی علامت بن گیا۔ وہ کرائے کا قاتل تھا اور قتل کرنے کے لیے کوئی ہتھیار استعمال نہیں کرتا تھا۔ اس کی حکمت عملی یہ تھی کہ مقتول کے جسم پر بھی اس

کے فنگر پرنٹس نہ ملیں لہٰذا وہ مطلوبہ شخص پر مٹی کا تیل یا پٹرول چھڑک کر ماچس کی تیلی دکھا دیا کرتا تھا اور پھر اس تیلی کو بھی شعلوں میں پھینک دیتا تھا تاہم گزشتہ ایک سال سے اس نے کوئی قتل نہیں کیا تھا۔ اب وہ عزت کی زندگی گزارنا چاہتا تھا۔ اس کے تعلقات اب ایف۔ آئی۔ اے سے بھی استوار ہو چکے تھے اور ایف۔ آئی۔ اے کا مقامی سربراہ اس کا ایسا ہی احترام کرتا تھا جیسے کسی ساتھی کا کیا جاتا ہے۔

حمدو نے جمیل کے نمبر ملائے۔ اسے خطرہ تھا کہ ٹیلی فون کے نظام کی خرابی کے باعث کوئی بھی یہ گفتگو سُن سکتا ہے لہٰذا اس نے محتاط رہنے کا فیصلہ کیا۔

"ٹھیک ہے دوست!" اس نے مانوس سی آواز پہچانتے ہی کہا "میں تمہارا مطلوبہ آدمی مل گیا ہے اب میرا خیال رکھنا۔"

"کیا تمہیں یقین ہے کہ تم مطلوبہ آدمی کو تلاش کر چکے ہو؟" جمیل کی آواز پُرجوش تھی۔

"ہاں، ایک عورت تم سے ملنے کے لیے آ رہی ہے۔ اس کے مطابق اس نے ایسے نوجوان کو تلاش کر لیا ہے جس کا پیٹ اور حلق کٹا ہوا تھا۔ میری درخواست یہ ہے کہ چرس لے کر آنے والے میرے لڑکوں کو مت چھیڑنا تم جانتے ہی ہو کہ میں قتل وغیرہ جیسے غلط کام سے ہاتھ کھینچ چکا ہوں۔"

"ٹھیک ہے اگر وہ مطلوبہ آدمی ہی ہے تو پھر میں بھی اپنا وعدہ پورا کروں گا لیکن میں تم سے ایک اور کام لینا چاہتا ہوں۔"

"وہ کیا؟" حمدو نے ایک طویل سانس لے کر پوچھا۔

"تم ٹونی سے واقف ہو؟"

"وہی جیب کترا؟"

"ہاں اور تم یقیناً سفاری پارک کے علاقے سے بھی واقف ہو گے؟"

"ہاں کیوں نہیں؟"

"تب پھر ٹونی کو کسی نہ کسی طرح سفاری پارک کے عقب میں واقع زیر تعمیر بلڈنگ میں بھجوا دو، صبح چار بجے...!"

"چار بجے... صبح...؟"

"ہاں، بولو... یہ کام کر سکتے ہو؟"

"لیکن ٹونی تو چھوٹے موٹے جرائم کرتا ہے دوست!"

"پھر بھی... اسے بیچ دو... میں اس سے چند باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے وہ وقت پر وہاں پہنچ جائے گا۔" حمدو نے اسے یقین دلایا تو ایف۔ آئی۔ اے کے سربراہ نے مسکراتے ہوئے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

حمدو بھی سوچ رہا تھا کہ آخر جمیل نے کیا چکر چلا رکھا ہے۔ اسے ایف۔ آئی۔ اے کے اس افسر کے بارے میں بخوبی علم تھا۔ یہ واحد افسر تھا جس نے ایمانداری کو شعار بنا رکھا تھا لیکن اب یہ بات تعجب تھی کہ اس کے اصولوں میں نہ صرف لچک آ گئی ہے بلکہ وہ کسی دوسرے راستے پر بھی چل نکلا ہے۔ حمدو کو علم تھا کہ ایف۔ آئی۔ اے کے اس افسر نے اسے کتنی شدت سے ڈاکٹر نسیم کو تلاش کرنے کا حکم دیا تھا مگر اب محض چند روز قبل اس نے حمدو سے کہا تھا کہ وہ ڈاکٹر نسیم کو بھول جائے اور ایسے شخص کو تلاش کرے جس کا پیٹ اور حلق زخمی ہو۔ گذشتہ کئی دنوں میں حمدو، عمران اور کو سفاری پارک کے عقب میں واقع زیر تعمیر عمارت میں بیچ چکا تھا اور اب تک ان لوگوں کا پتا نہیں چلا تھا کہ وہ اس عمارت سے کہاں چلے گئے۔

سوال یہ تھا کہ کیا ایف۔ آئی۔ اے کا اعلیٰ افسر بھی آدم خوروں کی صف میں شامل ہو گیا؟

☐

تشریف رکھیے۔" جمیل نے حسینہ بیگم کے لیے اپنی سیاہ کار کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔ اس نے حسینہ بیگم سے اپنے دفتر میں ملنا مناسب نہیں سمجھا تھا اور اسے کہیں اور لے جانا بھی کار میں بٹھانے پر مجبور ہی نہیں تھا۔ حسینہ بیگم یہ سوچ کر فخر سے پھول گئیں کہ وہ اس کار میں بیٹھ رہی ہیں، جس کو خود ایف۔ آئی۔ اے کا افسر ڈرائیو کر رہا ہے۔ وہ جانتی تھی کہ جمیل کا تعلق اس علاقے سے ہے اور اس نے اسی شہر کے مضافاتی علاقے میں جنم لیا تھا۔

"اماں... تم بیٹھ کر بور نہیں ہو گے بلکہ..." جمیل نے حسینہ بیگم کی طرف دیکھ کر کہا اور جملہ جان بوجھ کر ادھورا چھوڑ دیا۔

"ارے بیٹے! جہاں لے جانا چاہتے ہو لے چلو۔" حسینہ بیگم نے بڑی محبت سے کہا۔ "تمہارے ساتھ تو میں خود کو انتہائی محفوظ سمجھ رہی ہوں۔ شکر ہے کہ ایف۔ آئی۔ اے میں مقامی لڑکے بھی ہیں۔ تم نہیں جانتے کہ غیر ملکیوں نے شہر میں کتنی گندگی پھیلا رکھی ہے میرے بچے! ایسے ہی دو غیر ملکی یا غیر مقامی میرے گھر میں بھی ہیں۔ ان میں سے ایک بھنگی ہے۔ دوسرے میں نے ان سے منہ مانگا کرایہ وصول کیا ہے کیونکہ کرایہ تین ماہ ہوتی تو وہ بوڑھا بھی مجھ سے منہ مانگا کرایہ وصول کرتا۔"

"درست..." جمیل نے قہقہہ لگایا اور پھر حسینہ بیگم کو کریدنے لگا۔ اس نے پہلی گفتگو کبھی نہیں کھایا تھا اور اس کے منہ میں بار بار پانی بھر کر آ رہا تھا۔ حسینہ بیگم نے اسے اپارٹمنٹ کے بارے میں سب کچھ بتا دیا۔ یہ بھی بتا دیا کہ کھڑکیاں کہاں کہاں ہیں۔ زخمی کا بستر کہاں لگا ہوا ہے اور اس کی عمارت کے گرد کون کون سی اور کیسی

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

اے حمید کے ایڈونچر قلم سے
شیوسینا کے
دہشت گرد
چار جلدوں میں مکمل سیٹ =/700 روپے
ناشر: مکتبہ القریش
اردو بازار لاہور

خاتون ہیں۔ ہمارے پڑوسی بہت شور مچاتے رہتے ہیں بیٹے!" حسینہ بیگم نے بڑی نفرت سے کہا۔ "کبھی ان کا مکان بھی سرونتے کے لیے آجاتا۔"

"آپ فکر نہ کریں اماں۔" جمیل نے مسکرا کر کہا۔ "میں انھیں سرزنش کر دوں گا۔"

حسینہ بیگم کو ہیڈ کوارٹر نے سجائے ایک پرانے گودام میں لے آیا۔ چودہری سے ویران نظر آرہا تھا۔ حسینہ بیگم ایک بار تو خوفزدہ ہوگئیں۔ انھوں نے جمیل کی طرف دیکھا جو اپنے ہونٹوں پر زبان پھیر رہا تھا۔ وہ مسکرا کر رہ گئیں شاید اس افسر کو پیاس لگ رہی تھی۔

گودام میں اُسے ایسے کئی افراد نظر آئے جو پولیس والے لگتے ہی نہیں تھے۔ وہ بھی حسینہ بیگم کو کن انکھیوں سے دیکھ کر سراہ رہے تھے۔

گودام گھم میں عجیب سی بُو رچی بسی ہوئی تھی۔ اس بُو سے گھبرا کر انھوں نے جمیل کی طرف دیکھا۔ وہ اب ان سے کئی گز دور ایک حسینہ سے محوِ گفتگو تھا۔ حسینہ بیگم کو اس حسینہ کا لباس دیکھ کر غصہ ہی نہیں بلکہ شرم بھی آنے لگی۔ اس عورت کے ساتھ یقیناً کوئی حادثہ ہوا تھا کیونکہ اس کے چہرے کے دائیں حصے پر پٹیاں بندھی ہوئی تھیں۔

حسینہ بیگم ان لوگوں کی سرگوشیاں سننے کی کوشش کرتی رہی جو اس کے اردگرد منڈلا رہے تھے پھر وہ مسکرانے لگی کیونکہ وہ بیچ جیسے خوشگوار موضوع پر تبادلہ خیال کر رہے تھے۔

"جمیل بیچ کے لیے کیا لایا ہے یار؟" ان میں سے کسی نے پوچھا۔

"شاید مقامی جانور ہے۔"

"آہ... ممکن ہے کہ بیچ کل رات کے ڈنر سے کہیں زیادہ لذیذ ہو۔ مجھے انڈین تو وہ بالکل پسند نہیں آیا۔"

"کاش کبھی ہم ایسی خوراک میں جائے۔" ایک آدمی نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"میں تو صرف بیف کا گوشت پسند کرتا ہوں۔" ایک آدمی نے منہ چلا کر کہا۔ "رائے کبھی ہضم نہیں ہوتی لیکن بہرحال یہ قسمت کی بات ہے کسی کو بیف کا گوشت ملتا ہے اور کسی کو گرگدے یا رانوں کا گوشت۔"

حسینہ بیگم زیرِ لب مسکرانے لگیں۔ اسے بھی قصائیوں سے یہی شکایت تھی کہ وہ کبھی پسند کا گوشت نہیں دیتے۔

اس نے ایک بار پھر جمیل کی طرف دیکھا جو بڑے احترام سے عورت کے سامنے سر خم کر کے اب حسینہ بیگم کی طرف ہی آرہا تھا۔ اس کے آگے بڑھتے ہی دوسرے بھی حسینہ بیگم کے گرد اور... قریب آگئے حسینہ بیگم کو یقین تھا کہ یہ سب خفیہ فورس کے ایسے رکن ہیں جنھوں نے اپنا حلیہ بدل رکھا ہے۔ ہر ایک نفیس لباس میں تھا۔ سب کے جوتے چمک رہے تھے۔

جمیل نے حسینہ بیگم کے کندھے پر ہاتھ رکھا وہ مسکرایا حسینہ بیگم بھی مسکرائیں پھر جمیل نے اپنا سر جھکایا... اور اس بار حسینہ بیگم گھبرائے بغیر۔ وہ سوچ رہی تھیں کہ یہ لڑکا کیا کر رہا ہے؟ اسی لمحے حسینہ بیگم کو اس کا منہ اپنے گلے پر محسوس ہوا۔ وہ کانپ اٹھیں اور پھر اچانک ہی انھیں اپنے سینے میں چبھن محسوس ہوئی۔ ان کے پیر کانپنے لگے اور پھر جمیل نے منہ بھر کر ان کا گوشت دانتوں کی مدد سے کھینچ لیا۔

وہ گر پڑیں۔

انھیں احساس تھا کہ ان کا گوشت مذبولہ سے الگ ہو رہا ہے۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ کسی اندھیری سرنگ میں ہیں۔ انھیں اس سرنگ میں اپنی ماں کی آواز سنائی دی، جو جلد واپس آنے کی ہدایت کر رہی تھی۔

وہ خواب دیکھ رہی تھیں، وہ دیکھ رہی تھیں کہ ان کا جسم ایک طرف پڑا ہے اور وہ دور کھڑی ہیں۔ ان کے جسم پر جمیل جھکا ہوا تھا اور اس کا چہرہ خون آلود تھا۔ دوسرے لوگ بھی ان کے جسم پر منہ مار مار کر انھیں بھنبھوڑ رہے تھے۔ ان کے منہ میں رہے تھے، ہاتھوں سے خون بہہ رہا تھا یہ حسینہ بیگم کا خون تھا۔

اور اب وہ حسینہ بھی حسینہ بیگم کی طرف ہی آرہی تھی۔

حسینہ بیگم اپنی ماں سے ملنے کے لیے جا رہی تھیں۔

"کہاں وہاں ہی جیل جیسے لوگ ہوں گے امّی جان؟"

"نہیں میری بچی یہاں تو بہت اچھے لوگ ہیں۔"

"تب پھر میں بھی آرہی ہوں۔" حسینہ بیگم نے اپنے خواب میں کہا۔

جب حسینہ بیگم کی ہڈیوں پر گوشت کا ایک بھی ریشہ نہیں رہا اور وہاں موجود لوگوں نے ہڈیاں تک چاٹ کر صاف کر دیں تو ہڈیوں کو ایک بوری میں بھر دیا گیا۔

اب شیلا اپنے لوگوں سے مخاطب تھی جو اپنے خون آلود ہاتھ چاٹ رہے تھے۔

"جمی نے اس نوجوان کو تلاش کر لیا ہے، جو میرے بچے کا باپ بنے گا۔ دوستو!"

"شاندار!" کسی نے چلا کر کہا۔

"میں ایسے بچے کی ماں بنوں گی، جو انسانوں کی موجودہ نسل سے کہیں زیادہ طاقت ور اور ذہین ہوگا اور پھر جلد ہی ہماری نئی نسل وجود میں آجائے گی۔ یہ نوجوان انسانوں کی موجودہ نسل میں سب سے بہترین ہے۔ میں تو اتنا کہوں گی کہ وہ ہم سے زیادہ طاقت ور ہے اور اگرچہ اسے تلاش کر لیا گیا ہے لیکن اسے پکڑنا بہت مشکل کام ہوگا۔"

"کام نکلنے کے بعد ہم اسے بھی کھا جائیں گے۔" ایک آفیسر کمپنی کے چیف کاؤنٹنٹ نے اپنے دانت چاٹتے ہوئے کہا۔

"ہاں یہ بھی ممکن ہے... لیکن میں پھر خبردار کر رہی ہوں کہ اسے پکڑنا بہت مشکل ہے۔"

"شاید وہ بھی انسان نہیں۔" جمیل نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "ممکن ہے کہ وہ بھی اس تجربے کے سلسلے کی ایک کڑی ہو جو آپ کر رہی ہیں۔ وہ بھی کسی کی تخلیق ہو۔"

"نہیں!" شیلا نے سر ہلا کر کہا۔ "میں جانتی ہوں کہ دنیا میں یہ سرچ کہاں تک پہنچ گئی ہے۔ میں نے جو کچھ کیا ہے، وہ پہلے کبھی نہیں ہوا۔"

"یہ بھی تو ممکن ہے کہ اس پر یہ تجربہ کسی دوسرے ملک میں ہوا ہو اور وہ فرار ہو کر یہاں آگیا ہو۔"

"نہیں، یہ تجربہ صرف میں نے کیا ہے... صرف میں نے...!"

گودام میں ایک لمحے کے لیے اداسی پھیل گئی۔ وہ سب خاموش ہوگئے۔ یقیناً وہ کچھ سوچ رہے تھے۔

"حضرات!" جمیل نے اچانک ہی کہا۔ "میں نے آپ حضرات کے لیے ایک رکیشن ڈنر کا اہتمام کیا ہے۔ صبح چار بجے سفاری پارک کے عقب والی عمارت میں مسافت ہوگی۔"

"شاندار..." وہ سب اچانک ہی کھل کھلا کر ہنس پڑے

لیکن کچھ دیر بعد شیلا نے کہا کہ صبح کا یہ وقت اُس انسان کو پکڑنے کے لیے مناسب ہوگا جس کو جمی نے تلاش کیا ہے۔

"مگر اس کے چینی ساتھی کا کیا ہوگا؟" کاؤنٹنٹ نے کہا۔

پھر یہ مختصر سی بحث شروع ہوگئی کہ چینی کا تعلق کینیڈین سے ہے یا سنگھائی سے... وہ سب اس پر بحث کرنے لگے کہ چین کے کس علاقے میں رہنے والوں کا گوشت کیسا ہوتا ہے۔

لیکن شیلا سوچ میں گم تھی۔ اس میں درندوں کے سے خوف کا احساس جنم لے رہا تھا۔ اس کی وحشیانہ حس بتا رہی تھی کہ نحیف سا بوڑھا بہت خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ وہ جانتی تھی کہ نوجوان اتنا کمزور ہے کہ خود اپنا دفاع نہیں کر سکتا لیکن اسے یہ بھی احساس تھا کہ نوجوان کا ساتھی چینی بوڑھا ان کے منصوبے کو ناکام بنا سکتا ہے شیلا کو معلوم تھا کہ بعض تاریخ ساز واقعات ایسے ہی نحیف و کمزور لوگوں کی تن تنہا کوششوں کا نتیجہ ہیں۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ جانور بہت طاقت ور ہوتے ہیں اور انسان بہت کمزور، تاہم یہ انسان ہی ہے جس نے شیروں اور گینڈوں کو پنجروں میں بند کر کے ان کی نمائش شروع کر رکھی ہے۔ انھی حقائق کے پیشِ نظر شیلا کو زرد اور نحیف بوڑھے سے خوف محسوس ہو رہا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ جمی جس آسانی سے نوجوان کو پکڑ لینے کا ذکر کر رہا ہے، وہ محض غیر ضروری خود اعتمادی ہے، اس کے علاوہ اور کچھ نہیں۔

شیلا، نوجوان کے ہاتھوں مرتے مرتے بچی تھی۔ اسے نوجوان کی قوت کا اندازہ تھا لیکن پھر بھی اسے نوجوان سے کم اور بوڑھے سے زیادہ خوف محسوس ہو رہا تھا۔

اُسے حسینہ بیگم کا جملہ یاد آگیا، "وہ کمزور بوڑھا، زخمی نوجوان کو کسی پتنگے کی طرح کندھے سے لگا کر اوپر چڑھتا چلا گیا۔"

شیلا کا دل خوف سے دھڑکنے لگا۔ اس کی حیوانی حسیں خطرے کی بُو سونگھ رہی تھیں۔

اس نے آدم خور بننے کے بعد اب تک کوئی خواب نہیں دیکھا تھا لیکن اس رات، نوجوان کو شکار کرنے کے لیے روانگی سے قبل چند گھنٹوں کی نیند میں اس نے خوفناک خواب دیکھا۔ اس نے خواب میں زوردار آوازیں نہیں، ایسا لگا جیسے سینکڑوں ڈھول پیٹے جا رہے ہیں۔ یہ آوازیں کبھی بہت دور سے اور کبھی انتہائی قریب سے آتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔ وہ ایک تنگ گھاٹی میں دوڑ رہی تھی تاکہ... ان آوازوں سے دور نکل سکے پھر اسے تنگ گھاٹی کے دہانے پر ایک ننھی سی شخص بلکہ بوڑھا نظر آیا جو پہلی ہی نظر میں لقمۂ تر لگا۔

لیکن وہ لقمۂ تر ثابت نہ ہو سکا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

شریلا خواب میں ہی سمجھ گئی کہ یہی وہ شخص ہے جس کو آدم خوروں کے خلاف بھیجا گیا ہے۔

تب ہی اس نے عہد کیا کہ وہ کبھی کسی چینی کا گوشت نہیں کھائے گی۔ زینہ سے بیدار ہونے پر بھی وہ دیر تک سہمی رہی تاہم آہستہ آہستہ اس کے اوسان بحال ہوئے اس نے انگڑائی لی اور سوچنے لگی کہ اس کے جانثار ساتھی ان دونوں میں سے کسی ایک کو افزائش نسل کے لیے بچا کر رکھ سکیں گے۔

5

حسینہ بیگم کے اپارٹمنٹ میں اوشان نے ٹائیگر کے ہاتھ منہ دھلے اور سر ہلانے لگا۔ ان ہاتھوں میں اب حرارت واپس آچکی تھی باہر اندھیرا ہو چکا تھا اور گزشتہ تین راتوں سے ٹائیگر اوشان کو کسی خاص مقصد کے لیے تیاریاں کرتا ہوا دیکھ رہا تھا۔

اپنے زخموں کو بار بار مت دیکھو۔ اس نے ٹائیگر کو تیسری مرتبہ نصیحت کی۔

"پھر کیا دیکھوں؟" ٹائیگر منمنا کر بولا۔ "اتنے شدید زخم ہیں کہ بعض اوقات درد سے نڈھال ہو کر رو دیتا ہوں۔"

"یہ زخم نہیں محض خراشیں ہیں اور ان میں درد اس لیے ہو رہا ہے کہ خراشیں ابھی بھر رہی ہیں۔" یہ کہتے ہوئے اوشان نے ایک بار پھر اس کے ہاتھ پر ہاتھ مارا۔ "درد زندگی کی علامت ہے اور بے حسی موت کی۔۔۔!"

"میری بڑی عالمہ ہے ٹیل فادر!"

"شرمناک۔۔۔ مایوس کن۔۔۔!" اوشان نے منہ بنا کر سر ہلاتے ہوئے کہا۔

ٹائیگر اس کا مطلب جانتا تھا اور مطلب یہ تھا کہ سناجو سے تعلق رکھنے والے شخص کا اس طرح زخمی ہو جانا کتنا مایوس کن اور شرمناک ہے۔

اوشان طنزیہ انداز میں ہی کچھ کہتا رہا اور ٹائیگر بار بار یہی پوچھتا رہا کہ اگر اس نے اوشان کو اتنا ہی مایوس۔۔۔ کیا ہے تو پھر وہ رات بھر اس کی پٹی سے لگا تیمارداری کیوں کرتا رہا؟ اس کا علاج کیوں کر رہا ہے؟

"اس لیے۔۔۔!" اوشان نے ایک طویل سانس لے کر آنکھیں بند کر لیں۔ "اس لیے کہ تم ایک بار پھر کسی زخمی کے ہاتھوں زخمی ہو کر مجھے شرمسار کرو۔ کیا تمہیں احساس نہیں کہ تم نے خود کو تقریباً ہلاک کر لیا تھا۔ ہم نے گزشتہ پونے نو سو سالوں میں ایک بھی ماسٹر اس طرح نہیں گنوایا تمہیں احساس ہی نہیں کہ تمہارے زخمی ہونے سے میری ساکھ کس طرح متاثر ہوتی ہے۔"

ٹائیگر نے اسے یہ بتانا چاہا کہ مقابلہ ایک نئی قسم کی آدم خور سے تھا مگر اوشان نے اس کی ایک نہ سنی۔

"نہیں، تم خود کو کسی روز نئے انداز سے ہلاک کرو گے اور ایسا کیوں کرو گے؟ یہ میں بتاتا ہوں کہ۔۔۔!"

"لیکن ٹیل فادر۔۔۔!"

"خاموش!" اوشان کا استخوانی ہاتھ اس کے سینے پر جم گیا۔ اس ہاتھ کے لمس میں عجیب سا جادو تھا۔ ٹائیگر کا سینہ اچانک ہی جلن اور درد سے بے نیاز ہو گیا۔ "تم خود کو اس لیے ہلاک کرو گے کہ تمہیں میرے انکار اور میرے عاجزانہ انداز سے کوئی خوف محسوس نہیں ہوتا۔ میں نے تمہارے کہنے پر سیشر فیوچ واپس کر دیا اور تم یہ سمجھ گئے کہ کسی سزا کے خوف کے بغیر خود کو ہلاک کر سکتے ہو۔ میں کچھ نہیں کہوں گا۔ عزت میرے آنے سے آجانے کی تم یہ بھی فراموش کر گئے کہ تمہارے مرنے کی صورت میں سناجو کی تاریخ مجھ پر لعن طعن کرے گی کہ ماسٹر اوشان نے اپنے ایک شاگرد کو اس طرح مرنے دیا۔"

انکا، اقابلہ، سونا گھاٹ کا پجاری
اور غلام روحیں
کے بعد انوار صدیقی کا ایک
اور شہکار ناول
برہمچاری
قیمت =/150 روپے
مکتبہ القریش سرکلر روڈ اردو بازار لاہور
فون 7668958

میں اب تک انتہائی سخی، بامروت اور منکسر المزاج ثابت ہوا ہوں شہزادہ۔۔۔" اوشان نے شاکی لہجے میں کہا۔ "میں نے اخلاق اور نفاست سے بھی گریز نہیں کیا لیکن اس کے جواب میں مجھے کیا ملا؟ بے پروائی، ایسے شخص کی طرف سے بے پروائی جس کو میں نے خود تربیت دی۔ یہ سہتے ہوئے اوشان نے اپنا ہاتھ ہٹا لیا۔ ٹائیگر دل ہی دل میں خوش ہوتا رہا۔ اسے علم تھا کہ اوشان آج پہلی بار ایسی کڑوی کسیلی باتیں کر رہا ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ٹائیگر خطرے سے باہر نکل آیا ہے۔ اسے یاد تھا کہ نیم بے ہوشی کی حالت میں اوشان اسے کس طرح سنبھالتا رہا تھا۔ اس کے کانوں میں سرگوشیاں کرتا رہا تھا۔ جڑی بوٹیوں سے عرق کشید کرنے کے ساتھ ساتھ وہ وقت اس کی طرف دیکھتا رہتا تھا اور اس کی ہلکی سی کراہ سن کر اس کے چہرے پر کرب عود کر آتا تھا۔ اوشان نے گزشتہ کئی راتیں اس کی پٹی سے لگ کر جاگتے ہوئے گزاری تھیں۔ اس نے ٹائیگر کا بہترین علاج کیا تھا۔ وہ بہترین قاتل ہونے کے ساتھ ساتھ بہترین مسیحا بھی تھا۔

اوشان جانتا تھا کہ اس نے طب سناجو کے قدیم قلمبند پر عمل کرتے ہوئے ٹائیگر کا علاج کامیابی سے کیا ہے۔ علاج کے دوران ٹائیگر کی قوت ارادی بھی معاون ثابت ہوئی تھی۔ اب وہ خطرے سے باہر تھا مگر خطرہ اب بھی موجود تھا۔ اوشان کو اس کی بو آرہی تھی۔ یہ رات کی آمد کا خطرہ تھا اور ٹائیگر کو اس بات پر حیرت تھی کہ آج رات اوشان کس قسم کی تیاریاں کر رہا ہے۔

ٹونی کو اس وجہ سے زندگی مل گئی کہ نیلا اور اس کے آدم خور ساتھی نوجوان کو اغوا کرنے کے لیے مقررہ وقت پر اپارٹمنٹ کی طرف چلے گئے تھے۔ انھوں نے سفاری پارک کا رخ نہیں کیا تھا۔

رات اسی تاریک تھی۔ پورے محلے میں سناٹا تھا اور شیلا اپنے ساتھیوں سمیت کسی آہٹ یا قدموں کی چاپ پیدا کیے بغیر حسینہ بیگم کی اس عمارت کے قریب پہنچ چکی تھی جس کے ایک اپارٹمنٹ میں مقصود یعنی ٹائیگر مقیم تھا۔

وہ سب بلی کی طرح دبے قدموں شکار کرنے کے لیے دائرے کی شکل میں آگے بڑھ رہے تھے اور اب وہ عمارت کے اس زینے پر تھے جو اپارٹمنٹ کی طرف جاتا تھا۔

ادھر اپارٹمنٹ میں ٹائیگر، اوشان کی طرف حیرت سے دیکھ رہا تھا جس کے چہرے پر اس وقت سنجیدگی تھی اور مونٹ بھینچے ہوئے تھے۔ اوشان نے تین چاقو سختی سے باندھ کر اس طرح ٹوٹی ہوئی کھڑکیوں کے شیشوں میں لگا دیے تھے کہ ڈوری کھینچتے ہی وہ تیر کی طرح نکل سکتے تھے۔ اوشان نے کپن سے کالی سرحوں کے سنوف کی بڑی ڈبیا نکال کر اسے اپارٹمنٹ کے دروازے پر خال کر دیا۔

"یہ سب کیا ہے ٹیل فادر؟" ٹائیگر نے تکیے میں منہ دیتے ہوئے کہا۔ "اگر کوئی خطرہ ہے تو پھر اتنے انتظامات کرنے کی کیا ضرورت ہے بھاگ چلیں۔"

"اگر ہم بھاگے تو پھر ان کے سامنے بلکہ ان کی زد میں ہی ہوں گے فرزند۔" اوشان نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔ "میں چاہتا ہوں کہ پہلا حملہ وہ کریں تاکہ ہمیں ان کے رُخ کا علم ہو سکے اس کے بعد ہم مخالف سمت میں فرار ہو سکتے ہیں۔"

"فرار۔۔۔" ٹائیگر نے ایک طویل سانس لی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ اس نے اوشان کو فرار پر آمادہ پایا تھا اور یہ انتہائی انہونی بات تھی مگر وہ جانتا تھا کہ اوشان کی موجودہ کیفیت کا سبب وہ خود ہے۔

"ٹیل فادر!" اس نے نرم لہجے میں کہا۔ "ایک ایسے تا معقول کے لیے اتنی زحمت کیوں اٹھا رہے ہیں جو آپ کے لیے خفت کا باعث بن چکا ہے۔"

"چپ رہو۔" اوشان نے اسے ڈانٹ دیا۔ "سنو!" یہ کہتے ہوئے وہ سیدھی کرسی پر بیٹھ گیا، جو ٹائیگر کے بیڈ سے لگی ہوئی تھی۔ "وہ اب باہر پہنچ چکے ہیں۔ کیا تمہیں ان کی آوازیں نہیں آرہی ہیں؟"

ٹائیگر نے مایوسی سے گردن ہلا دی۔

"آہ۔۔۔!" اوشان نے بڑی مایوسی سے کہا۔ "تم تندرست ہونے میں بہت وقت لے رہے ہو ویلے۔۔۔ تم نے اپنی صلاحیتیں ضائع کرنے میں صرف ایک منٹ ہی لگایا ہے۔ وہ باہر موجود میں ایک جھٹکے سے نمٹا رہے ہیں اور جلد ہی حملہ کرنے والے ہیں۔"

پھر اوشان نے انگشت شہادت ٹائیگر کے حلق پر رکھ دی۔

ڈاکٹر اسے ٹیپر ریچر لینا کہتے تھے جبکہ اوشان اسے زندگی کی آواز سننا کہتا تھا۔ وہ سر ہلانے لگا۔ "ہم ان کا یہیں انتظار کریں گے شہزادہ!" اس نے ٹھوس لہجے میں کہا۔ ٹائیگر کو اس وقت بھی سنگھار تھا۔

ٹائیگر نے آنکھیں بند کر لیں۔ وہ سوچنے لگا کہ اوشان کیا کر رہا ہے۔ وہ اگر فرار ہونا چاہتا تو با سانی نکل سکتا تھا لیکن شاید اسے خوف تھا کہ اس کوشش میں وہ آمنے سامنے سے ٹکرائیں گے اور ٹائیگر اس کے لیے بوجھ بن جائے گا۔ اسی لیے وہ اس وقت یہاں ٹھہرا ہوا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ ٹائیگر اپنی صلاحیتیں کھو چکا ہے۔ وہ کسی سے لڑ نہیں سکتا۔ اس وقت اس نے صرف یہ کوشش کی تھی کہ پہلے حملہ آوروں کو اُبھار دیا جائے اور پھر ٹائیگر کو لے کر کسی اور راستے سے نکل جائے۔

بقا۔۔۔ فنِ سناجو کا محور تھی لیکن بقا کی یہ جنگ۔۔۔ ہی فنِ سناجو

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

اصولوں کے تحت لڑی جاتی تھی یہ جنگ بذاتِ خود اعلیٰ ترین فن قرار دی جاتی تھی۔ اس کے لیے ضروری تھا کہ لڑنے والے کے ذہن پر کوئی بوجھ نہ ہو لیکن اوشان کے ذہن ہی نہیں بلکہ دل پر بھی زخمی اور کمزور ٹائیگر کا بوجھ تھا۔ جنگ کی صورت میں ٹائیگر اوشان کا ساتھ دینے کی پوزیشن ہی میں نہیں تھا۔

معاً ہی ٹائیگر کو سگریٹ کی طلب محسوس ہونے لگی۔ اس طلب کی وجہ سے وہ کسمسا کر رہ گیا۔ دس سال سے اس نے سگریٹ کو ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا مگر اس وقت وہ بے قرار ہو رہا تھا۔ اس نے سر جھٹکا اور اوشان کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا۔ بوڑھے آنالیق نے اسے غور سے دیکھا۔

"شکریہ ٹیل فادر!" ٹائیگر نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

سنابحہ کے عظیم حاکم اور اس کے عظیم شاگرد کے درمیان اظہارِ محبت کے لیے اس سے زیادہ الفاظ کی ضرورت نہیں تھی۔

"ڈرو مت میرے بچے!" اوشان نے ٹھوس لہجے میں کہا۔ "قدیم کہانی کچھ بھی کہتی ہو، راتوں کو گھومنے والے یہ آدم خور شیر جلد ہی اس حقیقت کو پالیں گے کہ وہ میٹھے کا ٹھکانا کرنے کے لیے نہیں آئے تھے۔"

"قدیم کہانی!" ٹائیگر چونک پڑا۔ "مجھے کہانی سناؤ۔"

"پھر کسی وقت سناؤں گا۔" اوشان نے اس کا ہاتھ سہلاتے ہوئے کہا مگر اس وقت اس کا لہجہ بڑا عجیب سا تھا۔ "اب خاموش رہنا، وہ قریب آ رہے ہیں۔"

●

پیچ ڈاکٹر ٹیلافن برگ بی ایس۔ ایم ایس۔ پی۔ ایچ۔ ڈی نے اپنے کان میں کچھ محسوس کی تو دیوار سے کان رگڑنے لگی اور پھر سر گوشیوں میں آخری ہدایات دیں۔

"نوجوان کو اختراعی نسل کے لیے بچا کر رکھنا ہے۔" اس کی آواز انسانی نہیں تھی۔ "بوڑھے کو بھی یہاں مت کھا لینا کیونکہ اگر یہاں اس کا ڈھانچہ ملا تو نئے مسائل جنم لے سکتے ہیں۔ حالات کچھ بھی ہوں مجھے نوجوان زندہ و سلامت چاہیے۔" یہ کہتے ہوئے اس نے ایک آدمی کو اشارہ کیا جو ہاتھ پیروں پر کسی چوپائے کی مانند کھڑا ہوا تھا اور وہ آدمی کسی شیر کی طرح چھلانگ لگا کر اس طرف چلا گیا جہاں اسے پہلے ہی کھڑے ہونے کی ہدایت دی جا چکی تھی۔ فرار کا یہ راستہ بھی مسدود کر دیا گیا۔

باقی چھ ہوا سونگھتے ہوئے زینے کی طرف بڑھنے لگے۔ انھیں کسی ہدایت کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ محض بو کی سمت بڑھ رہے تھے۔

وہ عقبی زینے پر پہنچے اور انھوں نے فرار کا یہ راستہ بھی بند کر دیا۔ اب شیلا ایک اور عورت کے ساتھ دروازے کی طرف بڑھ رہی تھی۔ اس نے ہاتھ مار کر تالا توڑا اور دونوں اندر داخل ہو گئیں۔ اپارٹمنٹ کے دروازے تک پہنچنے میں اب صرف دس سیڑھیاں حائل تھیں۔

●

اپارٹمنٹ کے اندر اوشان نے ٹائیگر کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا تاکہ اس کی سانس کی آواز نہ نکل سکے۔ چند لمحوں تک وہ غور سے کچھ سنتا رہا پھر بولا۔ "وہ چھ ہیں۔ اپنے پیروں پر کھڑے ہو جاؤ۔ ہمیں یہاں سے جلد از جلد نکلنے کے لیے تیار رہنا ہے۔"

ٹائیگر کھڑا ہوا مگر اسی لمحے اس کے سر میں شدید دھمک ہونے لگی پھر درد نے حلق اور پیٹ کو بھی دبوچ لیا۔ اسے ایسا لگا جیسے شیلا کے لگائے ہوئے زخموں پر صرف مہین سی جلد آئی ہو اور زخم تازہ ہیں۔ وہ ایک لمحے تک ڈگمگایا پھر اس نے پرانی تربیت کے مطابق گہرے گہرے سانس لینے کی کوشش کی اور اوشان نے بڑی نرمی سے اسے کھڑکی کے قریب والے کونے میں دھکیل دیا۔

اوشان نے بڑی تیزی سے تین بڑی موم بتیاں روشن کر کے فرش کے وسط میں رکھیں اور پھر لائٹ آف کر دی۔

"یہ کیا کر رہے ہو؟" ٹائیگر پوچھے بغیر نہ رہ سکا۔

"ششش...!" اوشان نے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ وہ انتظار کرنے لگے... مگر انھیں زیادہ دیر تک انتظار نہیں کرنا پڑا۔

مسز مراد جی بلنگھم... ریڈ کراس کی مقامی صدر نے طویل سانس لی۔ اس کے نتھنے پھڑکنے لگے۔ اس کی عمر چالیس سال تھی۔ گو شتہ اس برسوں میں وہ ہمیشہ اپنے شوہر کی آوارہ گردی پر شاکی رہی تھی اسے آنکھوں کے گرد حلقوں اور گردن پر سلوٹوں کی بھی فکر تھی لیکن اب وہ نوجوان حسینہ لگ رہی تھی۔ اب اسے اپنے شوہر کی بھی پروا نہ تھی اور اس نے تہیہ کر رکھا تھا کہ اگر اس کے شوہر نے دوبارہ اسے دھوکا دیا تو وہ اپنے ہی گھر پر دوستوں کی ضیافت کرے گی۔

سب سے پہلے کمرے میں وہی داخل ہوئی۔ اس کے حلق سے غراہٹ نکل رہی تھی مگر جونہی اوشان نے سٹی کو جھٹکا دیا، چاقو کسی تیر کی طرح نکلا اور مسز مراد جی کے سینے میں پیوست ہو کر دل میں دھنس گیا۔

اس کی دہشتناک اور درد بھری غراہٹ سن کر دروازے اور عقبی کھڑکی پر موجود آدم خور زور زور سے غرانے لگے اور اس کے بعد دروازے پر کوئی چیخنے بھی لگا۔ کالی مرچیں اپنا کام کر رہی تھیں۔

اوشان نے ہاتھ بڑھا کر ٹائیگر کی پشت تھپ تھپائی۔ اسے باقی درندوں کی پوزیشن بھی معلوم ہو گئی تھی۔

اسی لمحے ٹوٹی ہوئی کھڑکی میں ایک ہیولا نظر آیا اور اسی ایک پل میں اوشان کا استخوانی ہاتھ کھڑکی کی سمت لپکا۔ اس ہاتھ کی طاقتور اور قاتل انگلیوں نے ہیولے کا ٹینٹوا پکڑ کر اس طرح دبایا جیسے کوئی شریر بچہ پاپڑ توڑ رہا ہو۔ ساتھ ہی اس نے ہاتھ کو جھٹکا دیا تو ایک عورت دھپ سے کھڑکی کے راستے کمرے میں گر گئی۔ وہ کسی بلی کی طرح چاروں ہاتھ پیروں پر گری تھی۔ اس نے جھپٹ کر اوشان اور پھر ٹائیگر کی طرف دیکھا لیکن شاید اسی لمحے اسے یہ احساس ہوا کہ اس کا گلا کٹی جگہ سے کٹا ہوا ہے لہٰذا وہ غرا کر گری اور جلتی ہوئی موم بتیوں تک لڑھکتی ہوئی چلی گئی۔ ان میں سے دو موم بتیاں اس کی ٹکر سے گر گئیں۔ گرم گرم موم قریب پڑے ہوئے اخبار پر گرا... اور جونہی موم بتیوں کا شعلہ اخبار پر گرا اس نے آگ پکڑ لی۔ جلد ہی فرش پر ننھے ننھے شعلے رقص کرنے لگے اور اوشان نے وقت ضائع کیے بغیر ٹائیگر کو کھل کھڑکی کی طرف دھکیل دیا۔ "چڑھو۔"

اس کا لہجہ بہت عجیب تھا... پھر چند لمحوں بعد ہی ٹائیگر چھت پر جانے والی سیڑھی پر چڑھ رہا تھا جبکہ اوشان، ٹائیگر کو کھلی کھڑکی سے دیکھنے کے علاوہ دروازے کا خیال بھی رکھ رہا تھا۔ اس کا اندازہ سو فیصد درست ثابت ہوا۔ شیلا نے دروازہ توڑ دیا اور وہ کسی خونخوار شیرنی کی طرح اچھل کر کمرے میں آ گئی۔ اس کے ساتھ ہی مزید دو آدم خور کمرے میں در آتے ہوئے نظر آئے۔ ان کے چہرے غصے کی وجہ سے بگڑے ہوئے تھے۔ ان کے دانت چمک رہے تھے اور مشعلوں کی وجہ سے ان کے چہروں پر بھیانک تاثر ابھر رہا تھا۔

آگ اب پھیل رہی تھی۔ اس نے مل میں بھیگے ہوئے اس سوٹ کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا جو اوشان نے خاص طور سے یہاں رکھا تھا۔ بیڈ کے قریب والا پیر بھی آگ کی لپیٹ میں آ گئے اور کمرے میں آتش بازی کا سا منظر پیدا ہو گیا۔

اب وہ چاروں آدم خور آگ سے قدرے دور ٹھٹک کر کھڑے ہوئے تھے۔ ان کی آنکھوں سے غصہ جھلک رہا تھا۔ ان کی دال ٹپک رہی تھی۔ ان کی نظریں کبھی اپنی ساتھی کی لاش پر پڑتی تھیں اور کبھی استخوانی بوڑھے پر... وہ اس بوڑھے کی تکا بوٹی کر دینا چاہتے تھے لیکن انھیں ان ننھے ننھے شعلوں سے ڈر لگ رہا تھا جو ان کے سامنے رقص کر رہے تھے۔

اوشان نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر زقند بھری، کھڑکی پر پہنچا اور

پھر ٹائیگر کے پیچھے لپک گیا۔ اس نے زینے پر پہنچنے کے بعد پلٹ کر دیکھا، اب شاید ٹائیگر کا ہیڈ بھی جلنے لگا تھا کیونکہ شعلے اونچے ہو رہے تھے۔

ٹائیگر کو بھی کسی کے غرانے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ اس نے پلٹ کر اوشان کی طرف دیکھا۔ "چلتے رہو، وہ ہمارا تعاقب نہیں کر سکتے۔ ہم اس عمارت کی چھت سے دوسری عمارت کی چھت پر جائیں گے اور پھر نیچے اتر کر اپنی راہ لیں گے۔" پھر معاً ہی اوشان کو ایک نئے خدشے نے گھیر لیا۔ "کیا تم چل سکتے ہو میرے بچے؟"

"میری رہنمائی کرو ٹیل فادر!" ٹائیگر بڑی بے بسی سے بولا۔ اتنی نقاہت اور کمزوری اس نے پہلے کبھی محسوس نہیں کی تھی۔ اس کی ٹانگیں زینہ چڑھنے کی وجہ سے کانپ رہی تھیں۔ اس کے بازو رلنگ تھامنے کی وجہ سے دکھ رہے تھے اور ایسا لگ رہا تھا جیسے اس کے پیٹ پر کوئی مسلسل گھونسے مار تا رہا ہو۔ وہ صرف یہ دعا کر رہا تھا کہ دونوں چھتوں کے درمیان زیادہ فاصلہ نہ ہو کیونکہ اسے احساس تھا کہ اگر یہ فاصلہ ایک گز سے بھی زیادہ ہوا تو وہ دوسری چھت پر نہیں پہنچ سکے گا۔

لیکن فاصلہ محض ایک ہی قدم کا تھا اور پہلے اوشان ہی نے دوسری چھت پر قدم رکھا۔ اس نے ٹائیگر کو سہارا دینے کے لیے ہاتھ بڑھایا مگر پھر قدرتاً کھینچ لیا۔ اس کے چہرے پر اس وقت تشکر... تاثرات تھے اور اس کی نظریں ٹائیگر کے عقب میں اندھیرے پر جمی ہوئی تھیں۔ ٹائیگر نے بھی پلٹ کر دیکھا اور وہ بھی چاندنی میں اس شخص کو دیکھ چکا تھا جس کی آنکھیں اندھیرے میں کانچ کی گولیوں کی طرح چمک رہی تھیں۔ یہ آنکھیں دور سے دو روشن نقطے ہی نظر آ رہی تھیں۔

اوشان فوراً ٹائیگر کے قریب پہنچ گیا۔ اس کے دونوں ہاتھ اب ہل رہے تھے۔

روشن نقطے اپنی جگہ سے ہلنے لگے، بلند ہوئے۔ وہ اب چھت پر انسانوں کی طرح کھڑا ہوا تھا۔ اس کے حلق سے فاتحانہ غراہٹ نکل رہی تھی۔ شاید وہ ہنس رہا تھا۔ اس کی آنکھیں ان دونوں پر مرکوز تھیں۔

وہ محکمہ سراغ رسانی کا اعلیٰ افسر جمیل تھا۔

"تم کو کھا کر میرا پیٹ بھی نہیں بھرے گا۔" بوڑھے نے غرانے والے انداز میں کہا۔ وہ آہستہ آہستہ اس طرح آگے بڑھ رہا تھا جیسے شیر دل کے سے انداز میں تعاقد مار کر اوشان کو چھاپ لینے کا ارادہ رکھتا ہو۔ اس کے قدموں کی آہٹ تک پیدا نہیں ہو رہی تھی۔

اوشان اپنی جگہ سے ہلا تک نہیں لیکن اس نے دونوں ہاتھ اس طرح بلند کر لیے جیسے وہ ٹائیگر کے لیے ڈھال بن رہا ہو۔

ندیم

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"تم نہ تو انسان ہو اور نہ ہی درندے۔" اوشان نے سر ہلاتے ہوئے لہجے میں کہا۔ "میں دوغلی نسل کے گیدڑوں سے نہیں لڑتا لہٰذا ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دو۔"

"میں صرف ہڈیاں چبھونے کا عادی ہوں۔" جمیل نے جواب دیا اور قہقہہ لگانے کے لیے منہ کھول دیا۔ ساتھ ہی اس نے دفعتہً بھیڑیوں اور درندوں کی طرح اسے بھی علم تھا کہ اس کا شکار بچنے کے لیے ایک طرف ہوگا۔ اس طرح اسے کھلا راستہ مل جائے گا اور وہ نوجوان کو دبوچ لے گا۔

لیکن اس کے برعکس اوشان تھا۔

وہ اپنی جگہ سے اس بار بھی نہیں ہلا حتیٰ کہ جمیل اس کے سر پر پہنچ گیا پھر اوشان کے دونوں ہاتھ بجلی کے وہ پالوں کی طرح حرکت میں آئے۔ ان کی حرکت بظاہر سست تھی لیکن وہ جمیل کا ایک بازو توڑتے ہوئے جمیل زور سے چلایا اور لمحہ بھر کے لیے گر گیا تاہم اس میں درندوں والی صفت موجود تھی، جو زخمی ہونے کے بعد زیادہ خطرناک ہو جاتے ہیں لہٰذا وہ تڑپ کر اٹھا۔ اس بار اس نے پلٹنے دوسرے ہاتھ سے اوشان کا گلا پکڑنے کی کوشش کی۔ وہ گردن پکڑ کر خون پینا چاہتا تھا۔

اسی لمحے ٹائیگر نے اپنے عقب میں آگ کے شعلوں کی آواز سنی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا، ایک روشندان سے آگ کے شعلے نکلتے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔

اب جمیل، اوشان پر تقریباً چھا رہا تھا۔ اس کی انگلیاں پنجوں کی طرح مڑی ہوئی تھیں۔ ایک لمحے کو ایسا لگا جیسے وہ اوشان پر چھا گیا ہو لیکن پھر ٹائیگر نے ہڈیاں چٹخنے کی آواز سنی وہ سمجھ گیا کہ جمیل اپنی کئی ہڈیاں تڑوا بیٹھا ہے۔ اس نے پلٹ کر دیکھا جمیل اپنے ہی زور میں اوشان کی کمر پر سوار ہو گیا تھا پھر سہارا ہی اوشان نے اپنی کمر سیدھی کر لی تھی اور جمیل کمر سے پھسل کر تقریباً ہوا میں تیرتا ہوا ٹائیگر کے بہت قریب سے گزر کر نیچے گہرے اندھیرے خلا میں گر رہا تھا۔

ٹائیگر کو جھک کر دیکھنے کی بھی مہلت نہیں ملی کیونکہ اوشان نے اسے گود میں بھر کر دوسری چھت پر چھلانگ لگا دی تھی۔

اب وہ ٹائیگر کو سہارا دے کر دوسری عمارت کے زینے سے اتر رہا تھا اور فضا میں سائرن کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔ یہ آواز اسی وقت معدوم ہوئی جب وہ ایک ٹیکسی میں بیٹھ کر مخالف سمت میں روانہ ہوئے۔ ٹائیگر نے پشت گاہ سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر لیں۔ اس کا سر اس معمولی سی مشقت ہی سے چکرانے لگا تھا تاہم وہ محسوس کر رہا تھا کہ اوشان بار بار پلٹ کر پچھلی کھڑکی سے سڑک کا جائزہ لے رہا ہے شاید اسے اب بھی یہ خدشہ تھا کہ آدم خور ٹیکسی کا پیچھا کر رہے ہیں۔

کچھ دیر بعد اوشان، ٹائیگر کو سہارا دے کر ایک ہوٹل کے کمرے میں آرام دہ بستر پر لٹا رہا تھا۔ "آرام سے لیٹو میرے بچے! خطرہ گزر گیا ہے۔" اس نے پرشفقت لہجے میں ٹائیگر سے کہا۔

"ہاں... لیکن وہ اتنے خطرناک تو نہیں لگ رہے تھے ٹیل فادر!" ٹائیگر نے پژمردہ انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔ اس وقت اسے وہ کریہہ خیال آ رہا تھا کہ وہ ناکارہ ہو چکا ہے "تم نے انہیں بڑی آسانی سے شکست دے دی۔"

"وہ...!" اوشان نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "وہ آدم خور تھے لیکن ابھی تک مکمل آدم خور شیر نہیں بن سکے تھے۔ وہ ابھی آدم خور بچے ہیں لیکن جب بڑے ہوں گے تو پھر ہمارے لیے اصل خطرہ جنم لے گا۔ تاہم ہمیں ان سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہوگی کیونکہ اس وقت ہم یہاں نہیں ہوں گے۔"

"ہم کہاں ہوں گے ٹیل فادر؟"

"یہاں نہیں ہوں گے۔" اوشان نے اپنا جملہ اس طرح دہرایا جیسے یہی جملہ وضاحت ہو۔

"میں اب بھی نہیں سمجھا۔"

"وقت آ گیا ہے کہ ہم رخت سفر باندھیں۔ ہم انسانیت کی بہت خدمت کر چکے ہیں، اب ہمیں اپنی فکر کرنی ہوگی۔" اوشان کا لہجہ بہت عجیب سا تھا۔

"لیکن... ٹیل فادر... اگر یہ آدم خور انسانیت کے لیے خطرہ بن سکتے ہیں تو پھر ان کا فوری خاتمہ ہی ہمارا فرض ہے اگر ہم یہ کام نہ کر سکے تو پھر شاید دنیا کا وہ دور افتادہ علاقہ بھی ان سے محفوظ نہیں رہے گا جہاں ہم ہوں گے۔"

"اس وقت میں کسی دلیل سے قائل نہیں ہو سکتا۔" اوشان نے ٹھوس لہجے میں کہا۔ "ہمیں یہاں سے جانا ہے... ہر قیمت پر... ہر صورت میں...!"

"شاید تمہیں کوئی قدیم ضرب المثل یاد آ رہی ہے۔" ٹائیگر نے مسکرانے کی کوشش کی۔

"اب تم آرام کرو۔" اوشان نے حیرت انگیز طور پر اپنے من پسند موضوع سے گریز کرتے ہوئے کہا۔

"میں قدیم ضرب المثل ضرور سنوں گا ٹیل فادر!" ٹائیگر بھی اپنی طبیعت کے برخلاف اصرار کرنے لگا۔

"مگر کیوں؟" اوشان اسے گھورنے لگا۔ "میں جب تمہیں خود کہانیاں اور واقعات سناتا تھا تو تم اکتا جاتے تھے اور اب جبکہ میرے پاس کوئی خاص ضرب المثل یا کہانی نہیں تو تم اصرار کر رہے ہو۔ کسی احمقانہ کہانی کے بارے میں احمقانہ سوالات کیے جا رہے ہو۔"

"میں ضرب المثل یا کہانی... یا جو کچھ بھی تمہارے ذہن میں ہے، وہ سننا چاہتا ہوں۔" ٹائیگر نے نقاہت کے باوجود اونچے لہجے میں کہا۔

"جیسی تمہاری مرضی...!" اوشان نے ہار مانتے ہوئے کہا۔ "لیکن تم جانتے ہی ہو کہ پرانی کہاوتیں پرانے نقشوں کی طرح ہوتی ہیں اور پرانے نقشوں پر کوئی اعتماد نہیں کر سکتا کیونکہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ نقشے بھی بدلتے رہتے ہیں۔"

"لیکن سنا نجو کی کہاوتیں ہمیشہ رہنمائی کرتی رہتی ہیں ٹیل فادر!" ٹائیگر نے وہی کہا جس پر اسے پہلے کبھی یقین نہیں تھا۔

"آہ...!" اوشان کے چہرے پر ایک لمحے کے لیے قاتلانہ تاثر ابھرا اور پھر معدوم ہو گیا۔ "یہ... کہاوت ہماری آخری اور اہم ترین کہاوتوں میں سے ایک ہے اور اس کا تعلق عام آدمیوں سے ہے۔"

"تب پھر یہ میرے بارے میں ہوگی۔"

"ہاں...!" اوشان کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ "بعض اوقات تم ذرا سا اشارہ ہی سمجھ جاتے ہو اور میں حیرت زدہ رہ جاتا ہوں، میرے بچے...!"

"کہاوت سناؤ۔"

"سنو!" اور پھر اوشان اپنی قدیم زبان میں کچھ کہنے لگا مگر ٹائیگر نے اسے روک دیا۔

"اردو میں!" اس نے درخواست کی۔

"قدیم سنا نجو کی قدیم کہاوت کسی دوسری زبان میں اپنا حسن کھو بیٹھتی ہے۔"

"لیکن میں قدیم سنا نجو کی زبان کے مشترالفاظ سے واقف نہیں۔"

"جیسی تمہاری مرضی۔" آج اوشان اس کی ہر بات مان رہا تھا۔ "اور میں تمہاری خواہش اس لیے پوری کر رہا ہوں کہ تم قدیم سنا نجو کی قدیم ترین داستان کے شریر ہو۔"

"قدیم داستان میں میرا ذکر شر گزر نہیں ہو سکتا۔" ٹائیگر نے دھیرے سے کہا۔

"سنو، میری بات غور سے سنو! اس کہاوت اور کہانی میں ہر بات احمقانہ ہے اور اس کو سننے یا سنانے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔" اوشان پھر چھپانے لگا۔

"پھر بھی... سناؤ دو۔"

"اچھا... تب پھر خاموش رہنا، بیچ میں لقمہ نہ دینا۔" اوشان نے طویل سانس لے کر کہا۔ "تم قدیم داستان کے مطابق ظالموں کے لیے موت کا پیغام ہو۔"

"میں تسلیم کر لیتا ہوں۔" ٹائیگر نے مسکرا کر کہا۔ اس پر اوشان نے اسے ایسی نظروں سے دیکھا کہ ٹائیگر کو اپنی آنکھیں بند کر لینا پڑیں۔

"قدیم کہانیوں میں تم ہی واحد تباہ کن آدمی نہیں ہو... ان کہانیوں میں زیادہ تر قصے ان عظیم اور نفیس بہادروں کے ہیں جن کو ماسٹر آف سنا نجو کہا جاتا ہے، جو میری طرح حلیم الطبع شریف اور متین ہوتے تھے اور...!"

"ٹھیک ہے فادر... آگے...!" ٹائیگر نے اب بھی آنکھیں کھولنے کی جرأت نہ کی۔

"مجھ جیسا نفیس منکسر المزاج، متین اور محبت کرنے والا ماسٹر درندوں کی دنیا میں کوئی شاگرد بھی تلاش کر لیتا ہے، ایسا شاگرد جس کو پھانسی ہو چکی ہوتی ہے اور پھر ماسٹر اسے مکمل ماسٹر بنا کر ٹائیگر بنا دیتا ہے... اور پھر شاگرد کو ظالموں کے لیے قوت کا پیغام فراہم دے دیا جاتا ہے۔ بہرحال یہ بھی قدیم کہانی کا ایک حصہ ہے۔"

ٹائیگر سر ہلانے لگا۔ اوشان یہ سب کچھ اسی کے بارے میں کہہ رہا تھا۔ شہزاد کو پھانسی ہو چکی تھی اور پھر اسے تخت وارسے بچا کر ٹائیگر بنا دیا گیا تھا۔

"کہاوت کہتی ہے کہ موت کی منزل سے گزرنے والے شیر کو دوسری مرتبہ موت صرف اور صرف..." اوشان رک گیا۔ اس نے دونوں ہاتھ گود میں رکھ لیے۔

"صرف اور صرف؟" ٹائیگر نے آنکھیں کھول دیں۔

"کہانی ہم سے میرے بچے!"

"پھر بھی کہانی مکمل کریں۔"

"اس میں یہ کہا گیا ہے کہ موت کی منزل سے گزرنے والے شیر کو دوسری مرتبہ موت صرف اور صرف تمہاری طرح یا میری طرح کے انسان سے آ سکتی ہے۔"

"میں سمجھا نہیں۔" تکلیف کے باوجود ٹائیگر نے کروٹ لے کر اوشان کی طرف دیکھا جس کا چہرہ بے تاثر تھا۔ "تمہاری طرح اور میری طرح کا مطلب زرد رو اور رنگ دار لوگ ہوئے اور اس کا مطلب یہ ہوا کہ دنیا کی دو تہائی آبادی میں سے کوئی بھی مجھے قتل

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کرسکتا ہے۔"

"نہیں کہانی میں مزید تفصیل بھی ہے۔" اوشان نے دھیرے سے کہا۔

"تب پھر میں تفصیل بھی سنوں گا ٹل قادر!" ٹائیگر نے جواب دیا۔ "میری طرح کے لوگوں سے مراد سانجو کے لوگ ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی حقیر ترین شخص موقع ملتے ہی تمہیں ہلاک کرسکتا ہے۔ تاہم اس کے لیے ضروری ہے کہ تم خود کو انتہائی نچلی سطح تک گرا لو۔"

"اور میری طرح کے لوگوں سے کیا مراد ہے؟ سابق پولیس مین؟ سرکاری ملازمین؟ میرے شہر کے لوگ یا...؟"

"ان میں سے کوئی بھی نہیں۔" اوشان نے اس بار بھی سرگوشی میں ہی کہا۔

"پھر کون؟"

"سوال پھر کون کا نہیں... پھر کیا ہے۔" اوشان کا لہجہ عجیب سا تھا۔ "قدیم کہانی میں لکھا ہے کہ جب دنیا کا سب سے خطرناک شیر جنگل سے گزر رہا ہو تو اسے بھی ان آدم خوروں سے ہوشیار رہنا چاہیے جو گھات میں بیٹھے رہتے ہیں۔"

"اوہ!" ٹائیگر ایک طویل سانس لے کر بولا۔ "تمہارا اشارہ ڈاکٹر نیشا اور اس کے آدم خور ساتھیوں کی طرف ہے؟"

"وہ ابھی آدم خور بنے ہیں۔" اوشان نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "لیکن میں یہ نہیں چاہتا کہ جب وہ بڑے ہوں تو تم یہاں موجود ہو۔"

"یہ ماسٹر آف سانجو کہہ رہا ہے۔" ٹائیگر ایک لمحے کے لیے کانپ کر رہ گیا۔ اسے اپنی سماعت پر یقین نہیں آرہا تھا۔ اس کی نظریں اوشان پر گڑی ہوئی تھیں۔

"ہاں تم ذرا بہتر ہو جاؤ تو ہم کہیں دور جا کر اس موضوع پر تفصیلی بات کریں گے۔"

ٹائیگر کو شدید ترین نقاہت کا احساس ہونے لگا۔ اس میں جواب دینے کی بھی ہمت نہیں رہی۔ اس کو کمزوری کے باعث نیند آنے لگی۔ گہری نیند سے قبل اسے صرف یہ احساس تھا کہ اسے سگریٹ کی خواہش محسوس ہو رہی ہے۔ وہ سگریٹ کے لمبے لمبے کش لینا چاہتا تھا۔ اس کا جسم نکوٹین کی طلب محسوس کر رہا تھا۔

★★

لیکن وہ زیادہ دیر نہ سو سکا۔ اوشان ہی نے اسے جلد جگا دیا۔

"شہزاد!" وہ کہہ رہا تھا۔ "تم اس ڈبے کے ذریعے بہرام سے کس طرح بات کرلیتے ہو؟" اس کی لمبی انگلی کارخ ٹیلی فون کی طرف تھا۔ یہ شاید پہلا موقع تھا کہ اوشان نے خود ٹیلی فون کے استعمال کی خواہش ظاہر کی تھی تاہم اس کے لہجے میں ٹیلی فون کے لیے حقارت بلکہ عداوت بھی موجود تھی۔

"اس وقت؟" ٹائیگر نے نیند میں ڈوبی ہوئی آواز میں پوچھا۔ "کیا آپ بہرام سے آدم خوروں کو ختم کرنے کے لیے نئی شرائط طے کرنا چاہتے ہیں؟"

"میں تمہارے مسخرے پن سے متاثر نہیں ہو سکتا۔" اوشان نے سنجیدگی سے کہا۔ "یہ بتاؤ کہ یہ منحوس چیز کس طرح بہرام سے بات کرا سکتی ہے؟"

"بڑی آسانی سے۔" ٹائیگر نے مسکرا کر کہا۔ "آج کیا دن ہے؟"

"منگل یا شاید بدھ۔ کوئی بھی نام رکھ لو۔ دن... دن ہی رہے گا شہزاد...!"

"لیکن بہرام سے رابطہ قائم کرنے کے لیے ہمیں پہلے دن معلوم کرنا ہوگا۔"

"چلو ٹھیک ہے آج بدھ ہے۔" اوشان نے بیزار ہو کر کہا۔ "کیا دن مہینے کی ہیجے میں "آر" شامل ہے؟"

"نہیں میں آر شامل نہیں ہوتا۔ اب بتاؤ بہرام سے کس طرح رابطہ قائم کروں؟"

"ٹھیک آج بدھ ہے اور مئی کی ہیجے میں آر شامل نہیں۔ لہٰذا آپ پہلے ۸۰۰/ کے ہندسے ڈائل کریں اور پھر میرے شناختی کارڈ نمبر کے پہلے سات ہندسے ملائیں۔"

"تمہارے شناختی کارڈ کے پہلے سات ہندسے کیا ہیں؟" اوشان نے انتہائی غصیلے لہجے میں پوچھا۔

"یہی تو مسئلہ ہے۔ میں نے بدھ کے روز کبھی بہرام کو فون نہیں کیا کیونکہ مجھے خود اپنے پرانے شناختی کارڈ کا نمبر نہیں معلوم۔ بہتر یہ ہے کہ اسے کل جمعرات کو فون کرلینا۔"

"نہیں بہت دیر ہو جائے گی۔" اوشان نے کچھ سوچ کر بیچارگی سے جواب دیا لیکن ٹائیگر اب کچھ نہیں سن رہا تھا۔ اس نے دیوار کی طرف کروٹ لے کر آنکھیں بند کرلیں... اور وہ فوراً سو گیا تھا۔

اس کی سانس ہموار نہیں تھی۔ وہ بھاری بھاری سانسیں لے رہا تھا اور اوشان اس کے سینے کے اتار چڑھاؤ کو بڑی تشویش سے دیکھ رہا تھا۔ سانس کا بھاری پن اور رفتار یہ بتا رہی تھی کہ ٹائیگر کا جسم اس کے ذہن کے تابع نہیں رہا۔ زخموں کی وجہ سے وہ شاید اسی حالت میں واپس چلا گیا ہے جہاں وہ اوشان کے حوالے کیا گیا تھا۔ وہ یہ بھی سوچ رہا تھا کہ شہزاد کو دوبارہ ٹائیگر بننے میں کتنا عرصہ لگے گا۔

اوشان کو اس حالت پر یقیناً دکھ تھا لیکن وہ یہ عزم کر چکا تھا کہ اگر ٹائیگر کو زندگی نے مہلت دی تو وہ اسے ایک بار پھر ٹائیگر بنا کر ہی دم لے گا۔

اس نے آگے بڑھ کر ٹیلی فون کا ریسیور اٹھا لیا۔

★★

ڈاکٹر بہرام اپنے دفتر میں جو سیتی ٹو ریم میں ہی تھا گلستان آباد سے آنے والی تازہ ترین رپورٹیں پڑھ رہا تھا۔ اب اس حقیقت کو تسلیم کرنا پڑ رہا تھا کہ شیلا نے چند نئے درندے بنا لیے ہیں۔ لوگوں کے ہلاک ہونے کی شرح مسلسل بڑھ رہی تھی اور یہ وارداتیں ایک سے زیادہ افراد کر رہے تھے۔

اور اب تازہ ترین خبر جمیل جیسے اعلیٰ افسر کے ہلاک ہونے کی تھی۔ یہ انتہائی پُراسرار واقعہ تھا۔ ایک فلیٹ جل کر راکھ ہو گیا تھا اور فائر بریگیڈ کو ملبے میں سے دو جلی ہوئی لاشیں ملی تھیں جبکہ دو عمارتوں کے درمیان والی گلی میں جمیل کی لاش پڑی ہوئی تھی۔ ایک امکان یہ تھا کہ وہ آدم خوروں کو پکڑنے کی کوشش میں مارا گیا لیکن سوال یہ تھا کہ جمیل کے پیر ننگے کیوں تھے؟ وہ جوتے پہنے ہوئے نہیں تھا۔

بہرام نے خویل سانس لے کر کافی دات پیپر ویٹ کے نیچے دبا دیے۔ اسے ابھی تک ٹائیگر کی طرف سے کوئی رپورٹ نہیں ملی تھی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اوشان اور ٹائیگر بھی آدم خوروں کا لقمہ بن گئے ہوں گے... لیکن بہرحال ایک خدشہ ضرور تھا۔

اس کے ذہن میں بار بار ٹائیگر اور اوشان کی تصویر بن رہی تھی۔ وہ بار بار نفی میں سر ہلا رہا تھا۔ اسے اوشان کی اس بات پر یقین نہیں تھا کہ ٹائیگر کسی بہادر دیوتا کا اوتار ہے لیکن وہ یہ یقین کرچکا تھا کہ دنیا کی کوئی طاقت ان دونوں کو تباہ نہیں کرسکتی۔ ان دونوں نے انتہائی نازک حالات کو ٹھیک کیا تھا۔ دنیا کو کئی بار تباہی سے بچایا تھا اور زندہ و سرخرو واپس آئے تھے۔ اسے اعتماد تھا کہ وہ اس مرتبہ بھی سرخرو رہیں گے۔

اگر وہ ناکام رہے؟ بہرام کے ذہن کو زہریلا ناگ ڈسنے لگا۔ تب پھر ہر انسان آدم خور بن جائے گا۔ بنی نوع انسان کا مقدر اگر یہی ہے تو پھر...!

بہرام نے سر کو زور سے جھٹکا دیا۔ وہ اس بارے میں سوچنا بھی نہیں چاہتا تھا پھر وہ اپنے خدشات پر خود ہی ہنس پڑا۔

اور اسی لمحے انٹر کام کی گھنٹی بج اٹھی۔

"ہیلو!" اس نے ریسیور اٹھا کر کہا۔

"سوری سر!" دوسری طرف سے دوبی کی قائم مقام سکریٹری کی آواز سنائی دی۔ "میرا خیال ہے کہ آپ کے لیے کوئی کال ہے۔ چودہ ٹیلی فون آپریٹرز لائن پر ہیں۔ ہر شخص کچھ نہ کچھ کہہ رہا ہے اور ان میں سے ایک شخص کسی اجنبی زبان میں چلا چلا کر بات کر رہا ہے۔ آپریٹروں کو صرف آپ کا نام سمجھ میں آرہا ہے۔ اس شخص کا کہنا ہے کہ وہ شہنشاہ اعظم بہرام سے بات کرنا چاہتا ہے۔ اس نے دھمکی دی ہے کہ اگر بات نہ کرائی گئی تو وہ یہاں آکر سب کو قتل کر دے گا اور یہ مجذوب اس نے شستہ اردو میں کہا ہے جناب!"

"اچھا!" بہرام نے سکون کی سانس لی۔ "ذرا ملاؤ تو میں بھی دیکھوں کہ وہ کون ہے؟"

بہرام کو علم تھا کہ وہ کون ہے۔

بہرام نے دوسرا فون اٹھا کر میز پر رکھا اور ریسیور کان سے لگا لیا۔ لائن پر واقعی ایک ہنگامہ برپا تھا۔ کئی آپریٹر زور زور سے چیخ رہے تھے لیکن ان پر اوشان کی آواز بہرحال غالب تھی۔

"خاموش... مرغیوں کے چوزو!" اوشان کی للکار سنائی دی۔ "میری سماعت پر شکریاں مت مارو۔"

اس آواز میں اس قدر رعب تھا کہ تمام آپریٹرز بیک خاموش ہو گئے۔ لائن اس طرح صاف ہو گئی جیسے کسی نے سوئچ دبا دیا ہو۔ اب بہرام اوشان سے مکمل کر بات کرسکتا تھا۔

"ہیلو!" ڈاکٹر بہرام نے ٹیلی فون لائن کو باقی تمام نمبروں سے کاٹنے کے لیے ایک بٹن دباتے ہوئے کہا۔

"عظیم شہنشاہ کی خدمت میں ماسٹر آف سانجو کا سلام!" اوشان کی خالصتاً درباری آواز سنائی دی۔

"تم ٹھیک تو ہو نا... اور ٹائیگر کیسا ہے؟" بہرام نے وہی سوال کر ڈالا جو وہ مسلسل پریشان کر رہا تھا۔

"میں ہمیشہ کی طرح ٹھیک ہوں لیکن ٹائیگر کا معاملہ اس سے مرتبہ قدرے مختلف ہے۔" اوشان کی آواز ٹھہری ہوئی تھی لیکن بہرام اس لہجے میں اضطراب محسوس کر رہا تھا۔

"کیا ہوا؟" بہرام نے اپنی سانس یک لخت روک لی۔ اس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔

"اسے ایک آدم خور نے زخمی کر دیا ہے۔ ہم ہر قیمت پر چارہ گر تک پہنچنا چاہتے ہیں۔ ہم سے میری مراد میں ہے۔"

"نہیں... یہ بہت خطرناک ثابت ہوگا۔" بہرام نے کچھ سوچ کر کہا۔ اس کا ذہن بہت تیزی سے کام کر رہا تھا۔

"کل رات بھی انھوں نے ہم پر حملہ کر کے ہمیں قتل کرنے کی کوشش کی تھی۔" اوشان کا لہجہ اس بار بھی سپاٹ تھا۔ "اس بار وہ ناکام رہے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

لیکن اگر ٹائیگر کو اسی طرح زخمی حالت میں اِدھر اُدھر لے جایا جاتا رہا تو وہ جلد اپنی کوشش میں کامیاب ہو جائیں گے۔ میں اُسے اس شہر سے لے جانا چاہتا ہوں جہاں انسان، انسان کو کھا رہا ہے۔ شہنشاہِ اعظم!" اُوشان نے کہا۔ اس کے لہجے میں جو بے چینی موجود تھی اُسے بہرام نے پہلے کبھی محسوس نہیں کیا تھا اور اُسے بھی بے چینی بتا رہی تھی کہ معاملہ سنگین ہے۔ "نا معلوم کہ دُنیا کا سب سے خطرناک انسان، اُوشان بھی پریشان ہے۔"

"کل رات"، بہرام نے معاً کاغذات پر نظر ڈالی۔ "کیا یہ واقعہ اسی عمارت میں ہوا تھا جو آگ کی نذر ہو گئی؟"

"آپ کی دانش کا ثانی نہیں شہنشاہِ اعظم!" اُوشان نے جواب دیا۔ "اور کیا تمہیں علم ہے کہ وہاں خفیہ محکمے کے اعلیٰ افسر کی لاش بھی پڑی ہوئی تھی۔ کیا تم ہی نے اُسے قتل کیا ہے؟" بہرام پہلو بدل کر بولا۔

"قتل؟" اُوشان نے زہر خند لہجے میں کہا۔ "نہیں، میں نے اُسے قتل نہیں بلکہ ہلاک کیا ہے۔"

"مگر کیوں؟" بہرام کو معاً ہی یہ احساس ہوا کہ حالات انتہائی سنگین ہو چکے ہیں۔

"اس لیے کہ وہ درندوں میں سے ایک تھا اور درندوں کی تعداد جلد ہی بڑھ جائے گی۔ اگرچہ میں نے کم کر دی ہے لیکن یہ تعداد جلد ہی بڑھ جائے گی۔"

"اوہ!" بہرام نے ایک طویل سانس لے کر کرسی کی پشت گاہ سے ٹیک لگا لی۔ حالات واقعی سنگین تھے۔ اعلیٰ افسر درندے بننے لگے تھے۔

"ہمیں ہر قیمت پر سینی ٹوریم پہنچنا ہے۔" اُوشان کا لہجہ اب تحکمانہ تھا۔ "صرف اسی چار دیواری میں ٹائیگر کی حفاظت ہو سکتی ہے۔"

"اس وقت تم کہاں ہو؟"

"ایک ہوٹل میں، جہاں آپ کو خود آنا ہوگا۔"

"وہاں تک کس طرح پہنچے ماسٹر؟"

"ایک ٹیکسی میں، خدا کا شکر ہے کہ ڈرائیور زیادہ باتونی نہیں تھا۔"

"تب پھر وہ تمہیں وہاں بھی تلاش کر لیں گے۔" بہرام اب خود اضطراب محسوس کر رہا تھا۔ "ممکن ہے، وہ ٹیکسی ڈرائیور کے ذریعے ہی وہاں تک پہنچ جائیں۔"

"ہاں، اور اسی لیے میں سینی ٹوریم میں پناہ لینے پر مجبور ہو رہا ہوں۔"

"پناہ!" اُوشان کے مُنہ سے یہ لفظ سُن کر بہرام واقعی چکرا گیا۔

"ہاں... اور اگر سینی ٹوریم میں ہمارا داخلہ ممنوع ہے تو پھر میں اسے لے کر سناہجو کی بادِ فا سمر زمین پر چلا جاؤں گا، کبھی واپس نہ آنے کے لیے۔" اُوشان نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"نہیں ماسٹر!" بہرام نے بڑی مِنت سے کہا۔ اُس کی آنکھوں میں سوزش سی ہو رہی تھی۔ "وہ ہمارے جسم کا حصّہ نہ سہی لیکن ہمارا اپنا ہے۔ ہم دونوں کا... سُنو...!"

پھر بہرام نے اُوشان کو واضح ہدایات دیں کہ وہ ہوٹل سے نور چوک تک ایک ٹیکسی میں آئے، وہاں سے دوسری ٹیکسی میں ٹیرس تک پہنچے، وہاں سے کرائے کی کار لے، اس کار کو ہوائی وے پر چھوڑ دے جہاں اُسے ایک اور کار ملے گی، جو اُسے سینی ٹوریم تک پہنچا دے گی۔

"سمجھ گئے نا؟"

"ہاں۔" اُوشان کا لہجہ فاتحانہ تھا۔ "لیکن ایک بہت چھوٹی سی بات پریشان کر رہی ہے۔"

"وہ کیا ماسٹر؟"

"ٹیکسیوں اور کاروں کا کرایہ کون ادا کرے گا؟" اُوشان کا لہجہ ہمیشہ کی طرح بشاش ہو گیا۔

"کیں... اور کون؟" بہرام زیرِ لب مُسکرا کر بولا۔ "کیا میں ڈرائیوروں کو اپنی جیب سے کرائے کی رقم ادا کروں؟"

"یہی مناسب ہوگا۔"

"تو پھر یہ رقم جو میری زندگی بھر کا سرمایہ ہے، واپس مل جائے گی نا...؟"

"کیوں نہیں۔"

"تب پھر میں فوراً روانہ ہو رہا ہوں۔" اُوشان نے یہ کہہ کر ریسیور رکھ دیا اور ریسیور بہرام نے بھی رکھا لیکن اب وہ بہت سنجیدہ تھا۔ اُس کی کنپٹیوں میں درد ہو رہا تھا اور ماتھے کی رگ واضح طور پر پھڑک رہی تھی۔

☐

شیلا فن برگ خالی گودام کے سنگی فرش پر بے چینی سے ٹہل رہی تھی۔ وہ برہنہ پا تھی اور ننھے پیروں اس طرح ٹہلنے سے اُسے بہت سکون مل رہا تھا۔

"آخر وہ کہاں گئے؟" اُس نے معاً ہی پلٹ کر پوچھا۔ اُس کی آواز کسی زخمی شیرنی کی طرح خوفناک تھی۔

"میں نے یہ پتا چلا لیا ہے کہ وہ ہالی ڈے اِن میں کچھ دیر تک رہے تھے۔" ایک شخص نے کہا۔ باقی آٹھوں افراد کی نظریں اُسی پر مرتکز تھیں۔ وہ اس وقت نیم دائرے کی شکل میں کھڑے ہوئے تھے۔

"اور پھر اس کے بعد کہاں گئے؟" شیلا نے پوچھا۔

وہ سب خاموش رہے۔ اُن کی نظریں اب اپنے ہاتھوں پر تھیں۔ وہ بُھوکے تھے۔

"ان کو ہر قیمت پر تلاش کرنا ہے۔" شیلا غرّائی۔ "ہر قیمت پر اُن تک پہنچنا ہے۔ میں نوجوان کو اب بھی زندہ و سلامت حاصل کرنا چاہتی ہوں... اگر کمی چھت سے نہ گرجاتا تو ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتے۔"

"مجھے پتا ہے کہ وہ کس طرف گئے ہیں۔" ایک نوجوان نے ناخنوں سے بیٹھ کھاتے ہوئے کہا اور شیلا اُچھل کر اُس کی طرف دیکھنے لگی۔

نوجوان نے سر جھکا لیا اور دھیرے دھیرے بولنے لگا۔ "انھوں نے نور چوک تک ایک ٹیکسی میں سفر کیا پھر وہاں سے اُنھوں نے دوسری ٹیکسی لی۔ میں نے اُس دوسری ٹیکسی کے ڈرائیور سے بات کی ہے جس نے بتایا ہے کہ دونوں شیرٹن سے کرائے کی پرائیویٹ ٹیکسی میں شہر کی طرف واپس گئے تھے۔ اب میں اس پرائیویٹ ٹیکسی کے ڈرائیور کی واپسی کا منتظر ہوں۔ اسی سے معلوم ہو سکے گا کہ وہ کہاں تک گئے ہیں۔"

"معلوم کرو... معلوم کرو...!" شیلا پُرجوش لہجے میں بولی۔ "مجھے یقین ہے کہ تم بہترین اور سود مند ساتھی ہو۔"

نوجوان نے مُسکرا کر اس طرح دیکھا جیسے کسی نے اُس کی گردن سہلائی ہو۔ اُسے خوشی تھی کہ شیلا نے اس کی تعریف کی ہے اور اس کا مطلب یہ تھا کہ آج رات کے کھانے پر اُسے بہترین گوشت کھانے کے لیے پہلے مُنہ مارنے کا حق دیا جائے گا۔

★★

سینی ٹوریم کے اُوپر سورج نظر آ رہا تھا۔ چاروں طرف دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔ گرمی بہت زیادہ تھی اور لوگ پسینے میں تر تھے لیکن سینی ٹوریم میں ائرکنڈیشنروں کی خنکی تھی جونہی ٹائیگر کی آنکھ کھلی، اُس نے اس خنکی کا احساس کر لیا۔ اُسے یہی احساس پہلی بار برسوں قبل اس وقت ہوا تھا جب اُسے پھانسی گھاٹ سے نکال کر یہاں لایا گیا تھا۔ اُس وقت بھی اُسے حیرت ہوئی تھی اور اس وقت بھی اُسے حیرت ہوئی تھی۔ اُس نے آنکھیں کھول کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ بہرام اُس کے بیڈ کے قریب ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ ٹائیگر کو ہوش میں دیکھ کر بہرام واضح طور پر پُرسکون ہو گیا۔ اس کی آنکھوں سے بے چینی ختم ہو گئی۔ وہ مُسکرانے لگا۔

"شاندار!" ٹائیگر نے بھی مسکرا کر کہا۔ "تمہیں اپنی بنی سے لگے دیکھ کر بہت خوشی ہوئی ہے سوئٹ ہارٹ۔" پھر ٹائیگر کی مُسکراہٹ معاً ہی غائب ہو گئی کیونکہ اُسے اسی لمحے احساس ہوا تھا کہ اُس کی آواز غیر معمولی طور پر بھاری ہے۔ عام طور پر اس کی آواز اتنی بھاری اور خمار آلود نہیں ہوتی تھی لیکن اُس نے اس خیال کو جھٹک دیا۔ اُسے احساس تھا کہ اس کے جسمانی نظام میں گڑبڑ ہو چکی ہے۔ "یہ کہہ رہا تھا کہ بہت سے لوگ بیدار ہوتے ہیں تو اُن کی محبوبہ اُن کے سامنے ہوتی ہے۔ کچھ لوگوں کی آنکھ کھلتی ہے تو سرجن نظر آتا ہے لیکن مجھے تم نظر آ رہے ہو۔ کچھ اس طرح بیٹھے ہوئے جیسے بلی چوہے پر نظر گاڑے ہوئے ہو۔"

"میں تمہارے زخم دیکھ چکا ہوں ٹائیگر۔" بہرام نے سر ہلا کر کہا۔ "اور تم واقعی خوش قسمت ہو کہ تمہاری آنکھ کھل گئی اور یہ بھی کہ تم کسی کو دیکھنے کے قابل ہو۔"

"زخم!" ٹائیگر کو سب کچھ یاد آ گیا۔ "وان کی دیکھ بھال کرنے والا روئے ارض کے سب سے بڑے طبیب اُوشان نے کی ہے۔ ڈاکٹر!" اس کا لہجہ بہت گمبھیر تھا۔ "لیکن اس وقت وہ کہاں ہے چیف؟"

"جہنم میں۔" بہرام نے جواب دیا۔ "وہ اس جگہ کا معائنہ کرنے گیا ہے جہاں تمہاری تربیت شروع ہوئی تھی۔ کیا تمہیں یاد ہے کہ جہنم میں ہی تمہاری اور اُس کی پہلی ملاقات ہوئی تھی؟"

"ہاں۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ "پہلی ملاقات کا منظر اُس کی نظروں کے سامنے کسی فلم کی طرح آ گیا۔ "خیر چھوڑو، وہ یقیناً یہی اطمینان کرنے گیا ہے کہ نقص اس کی تربیت میں نہیں جہنم میں تھا اور اسی نقص کی وجہ سے میں زخمی ہو گیا۔ تمہارے پاس سگریٹ ہوگا چیف؟"

"سگریٹ!" بہرام اُسے گھورنے لگا اور تبھی اُسے یہ شدید کربناک احساس ہوا کہ ٹائیگر کو اپنے جسم پر قابو نہیں رہا... اگر وہ اب بھی ٹائیگر ہوتا تو سگریٹ کی طلب کبھی محسوس نہ کرتا۔ تمہیں علم ہے کہ میں تمباکو نوشی نہیں کرتا۔"

"آہ... چیف... یہاں گھر کا سا سکون ہے۔ بس یہیں سے ایک سگریٹ لا دو۔"

"تم نے سگریٹ دوبارہ کب شروع کی؟" بہرام بہت سنجیدہ تھا۔

"کبھی کبھار ایک دو کش لیتا رہا ہوں۔" ٹائیگر سفید جھوٹ بول رہا تھا۔ بات صرف اتنی تھی کہ اُسے سالوں بعد گزشتہ دو تین روز میں پہلی مرتبہ سگریٹ کی طلب محسوس ہوئی تھی۔ گزشتہ کئی برسوں کے دوران اُس نے سگریٹ کو ہاتھ تک نہیں لگایا تھا کیونکہ اس سے سانس کی ترتیب اور دل کی دھڑکنوں کا توازن متاثر ہوتا تھا جبکہ سناہجو کے فن کی تمام تر کامیابی کا انحصار ہی سانس اور دل کی دھڑکنوں پر تھا۔ پہلا سبق یہی ہوتا تھا کہ تمباکو فن سناہجو کے لیے سمِ قاتل ہے۔

لیکن اس وقت ٹائیگر سگریٹ کے لیے بے چین ہو رہا تھا۔

"چیف! صرف ایک سگریٹ!" اُس نے انتہائی خوشامدانہ

ندیم
Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

لہجے میں کہا۔

"اچھا! ایک منٹ صبر کرلو، میں تلاش کرتا ہوں" بہرام کا لہجہ ناخوشگوار تھا۔ وہ چلا گیا تو ٹائیگر نے ایک بار غور سے کمرے کا جائزہ لیا اور یہ محسوس کرکے اُسے جھٹکا سا لگا کہ... وہی کمرا ہے! جہاں سالوں قبل اس کی آنکھ کھلی تھی اور وہ سوچ رہا تھا کہ اُسے پھانسی دی جاچکی ہے۔

لیکن اُس مرتبہ اس کمرے میں اس کی آنکھ کھلنا محض اتفاق تھا صرف یہی کمرا خالی تھا۔ کمرے میں کوئی خاص بات نہیں تھی۔ اسپتالوں کے کمرے جیسا تھا۔ ایک بیڈ، ایک کرسی، ایک الماری، ایک کھڑکی لیکن کھڑکی پر ایسا شیشہ لگا ہوا تھا جس سے صرف باہر دیکھا جا سکتا تھا باہر سے کوئی اندر نہیں دیکھ سکتا تھا۔

بہرام خلاف توقع جلد اور ایک کی بجائے دو سگریٹ لے آیا تھا۔

"سگریٹ میں نے زرس سے ادھار لی ہیں" اُس نے خشک لہجے میں کہا۔ "اور اس وعدے پر کہ تم سگریٹ جلد واپس کردو گے دیسے اسے علم ہے کہ تمہارا نام جواد خان ہے اور اُوشان تمہارا نام ہے"

"یہ بات اُوشان کو مت بتانا چیف!" ٹائیگر نے سگریٹ لیتے ہوئے کہا اور ایک سگریٹ بڑی بے تابی سے ہونٹوں میں دبالی جب کہ دوسری سگریٹ جلد بازی کے باعث فرش پر گر پڑی۔ بہرام نے ماچس کی تیلی ڈبیا پر رگڑ کر سگریٹ سلگائی اور ماچس اس کے سرہانے رکھ دی جس میں اب صرف ایک تیلی تھی۔ یہ بہرام کی خاص عادت تھی کہ فضول خرچی نہیں کرتا تھا۔ دو سگریٹوں کے لیے دو تیلیاں ہی کافی تھیں۔

ٹائیگر نے ایک طویل کش لے کر دھواں پھیپھڑوں میں اتار لیا اس دوران میں بہرام نے دوسری سگریٹ بھی اُٹھا کر اُس کے سرہانے رکھ دی۔

پہلے کش کے لیتے ہی ٹائیگر کو کھانسی اُٹھی، وہ سوچنے لگا کہ کیا سگریٹ پہلے بھی ایسا ہی بدذائقہ لگتا تھا؟ وہ سر سے کفن کا ذائقہ اُسے قدرے بہتر لگا اور قدرے کش اچھا لگنے لگا۔

"کہاں سے ایک پیکٹ منگا دینا چیف" اُس نے مسکرا کر کہا۔ "اور اس کی قیمت بھی میرے بل میں ڈال دینا"

"ٹھیک ہے دیکھوں گا" بہرام نے سرد انداز میں کہا۔ ٹائیگر کو باتیں کرتا ہوا دیکھ کر اُس کی ساری پریشانی دور ہوگئی تھی اور اُسے یقین کامل تھا کہ اُوشان بہت جلد ٹائیگر کو ایک بار پھر پرانی

چاہ بابل

دیوتاؤں کے شہر بابل کی کہانی

جسے مصنف نے 35 سال کی ریسرچ کے بعد قلمبند کیا۔

800 صفحات

قیمت -/400

اردو بازار لاہور

حالت پر واپس لے آئے گا۔ اُس نے سپاٹ لہجے میں ٹائیگر کو تازہ صورت حال سے آگاہ کیا۔

"آدم خوروں کے ہاتھوں لوگوں کے قتل کا سلسلہ جاری ہے! پولیس نے ایک ایسی ہی آدم خور عورت کو گولی مار کر ہلاک کیا ہے۔ وہ گھریلو عورت تھی بدقسمتی سے وہ موقعے پر ہی ہلاک ہوگئی اور اُس سے بیان نہیں لیا جاسکا ہم یہ بھی اندازہ نہیں لگا سکے کہ کیا آدم خوری کا کوئی علاج بھی ممکن ہے یا نہیں، اگر وہ زندہ رہتی تو ہم شاید اس ضمن میں کوئی کامیابی حاصل کرلیتے"

"افسوس... بہت افسوس" ٹائیگر نے سگریٹ کا گل جھاڑتے ہوئے کہا۔ اس وقت وہ سُرور کی کیفیت میں تھا۔

"لوگ اب وفاقی حکومت کی طرف سے بھرپور مداخلت کا مطالبہ کر رہے ہیں، جو دیر سے ہی سہی سمجھتا ہوں کیونکہ اب تم اور اُوشان فی الحال اس مشن میں ملوث نہیں ہوسکتے، ویسے تمہارا یہ حشر کس نے کیا؟"

ٹائیگر نے مختصراً یہ بتایا کہ اُس پر کیا بیتی تھی اور پھر ایک طویل سانس لے کر بولا "میرا خیال ہے کہ وہ لڑکی ڈاکٹر شیلا فن برگ ہی تھی لیکن اُس نے اپنا حلیہ بدل لیا تھا اور میں اپنی صداقتین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ حلیے کی تبدیلی میک اَپ کی مرہون منت نہ تھی"

"کیا تم نے اُسے زخمی کیا تھا؟

"ہاں لیکن وہ بھاگ نکلی تھی" ٹائیگر نے جواب دیا۔

ڈاکٹر بہرام کو یہ سُن کر کہ ایک لڑکی ٹائیگر کے ہاتھوں زخمی ہو کر بھی زندہ بچ نکلی، اپنے پیٹ میں اول سی اُٹھتی ہوئی محسوس ہوئی۔ ٹائیگر ناقابل شکست تھا۔ اُس نے حال ہی میں نوگان کو بے بس کرکے چھوڑ دیا تھا اور کئی مواقع پر ایسے دُشمنوں کو مُنہ کی کھلائی تھی۔ جو طاقت میں اُس سے دُگنے تھے، لیکن ایک آدم خور لڑکی اسے زک پہنچا گئی تھی۔ اطلاعات یہ تھیں کہ ڈاکٹر شیلا واحد آدم خور نہیں اُس کے کئی ساتھی اور بھی ہیں اور یقیناً یہ خطرناک صورت حال تھی۔ بہرام کے نزدیک اس کا واحد حل یہ تھا کہ اُن سب کو قتل کردیا جائے۔ شیلا کو بھی ختم کردیا جائے تاکہ اُس کا سائنسی تجربہ مزید خطرات پیدا نہ کرسکے۔

لیکن سوال یہ تھا کہ بلی کے گلے میں گھنٹی کون باندھے گا؟ اگر ٹائیگر یہ نہیں کرسکا تو پھر کون باقی رہتا ہے؟

"مارشل لا" بہرام سوچتا رہا لیکن اُسے علم تھا کہ مارشل لا عوامی شورش تو کچل سکتا ہے لیکن آدم خوروں کو تلاش نہیں کرسکتا عام آدمی مارشل لا سے مرعوب ہوسکتے ہیں لیکن آدم خوروں کے لیے اس کی کوئی اہمیت نہیں ہوسکتی۔

ساتھ ہی بہرام کو یقین تھا کہ اگر آدم خوروں کو نہ روکا گیا تو بات گلستان آباد بلکہ فردوس سے بھی آگے نکل جائے گی۔ آدم خور کسی کارپٹ بیگ میں بیٹھ کر دُنیا کے کسی بھی حصے میں پہنچ جائیں گے اور پوری دُنیا... کرۂ ارض پر مارشل لا نہیں لگایا جاسکتا۔

اصل بات یہ تھی کہ سب سے پہلے شیلا فن برگ کو پکڑنا یا ختم کرنا ضروری تھا یہی مسئلے کے حل کی کلید تھی۔ اس طرح مزید انسان، درندے نہیں بنیں گے اور جو موجودہ آدم خوروں کو بتدریج تلاش کرکے ختم کیا جاسکے گا۔

"کیا تم شیلا کو قابو کرنے کے لیے کل سکتے ہو؟ کیا تم میں اتنی توانائی باقی ہے ٹائیگر؟"

"کیا...؟" ٹائیگر اُس کی بات سننے کی بجائے سگریٹ کے لہراتے ہوئے دھوئیں کو دیکھ رہا تھا۔

"میں کہہ رہا تھا کہ کیا تم شیلا کو پکڑ سکتے ہو؟"

"پتا نہیں" ٹائیگر کا لہجہ بہت عجیب سا تھا۔ "میں بہت نقاہت محسوس کر رہا ہوں، شاید میں اپنی صلاحیتوں سے بھی محروم ہوگیا ہوں اور اگر چاہوں تو تب بھی اُوشان مجھے اس مشن پر کبھی نہیں بھیجے گا۔ وہ کسی قدیم کہاوت کی وجہ سے بہت پریشان ہے"

"وہ عموماً کہاوت اور کہانیوں کے سلسلے میں پریشان رہتا ہے" بہرام نے جواب دیا۔

"اگر میں شیلا کو تلاش کرلینے میں کامیاب بھی ہوگیا تب بھی مجھے یقین نہیں کہ میں اُس کو ختم کرسکوں گا" ٹائیگر حقیقت پسندی سے کام لے رہا تھا۔ "میں جس وقت سنا بجو کی صلاحیتوں سے بہرہ ور تھا، اُس وقت بھی شیلا مجھے زک اور ضرب لگانے میں کامیاب ہوگئی تھی"

"تم نے اُس وقت شور کیوں نہیں مچا دیا۔ لوگ تمہاری مدد کو یقیناً آجاتے"

ٹائیگر نے چونک کر اور قدرے خفگی سے بہرام کی طرف دیکھا جو یقیناً اُس کی اہلیت کو چیلنج کر رہا تھا۔ بہرام جانتا تھا کہ انتہائی خطرناک لمحوں میں بھی ٹائیگر نے کبھی کسی کو مدد کے لیے نہیں پکارا۔ پھر معاً اُس کی آنکھیں بجھ گئیں۔ وہ سوچنے لگا کہ اب اگر شیلا سے آمنا سامنا ہوجائے تو اُسے یقیناً مدد کے لیے آوازیں دینا پڑیں گی۔

"میں... میں کچھ نہیں جانتا چیف" ٹائیگر کے لہجے میں بے چارگی تھی۔

"سوال یہ ہے کہ وہ تمہیں قتل کرنے کیوں آئے تھے؟" بہرام نے سنجیدگی سے پوچھا۔ "انھیں خدشہ تھا کہ تمہاں کے لیے کسی قسم کا خطرہ بن سکتے ہو؟ تم نے شیلا کو زخمی کردیا تھا... پھر انھوں نے تمہیں تلاش کرنا کیوں ضروری سمجھا؟ اگر وہ واقعتاً آدم خور بن چکے ہیں تو پھر انتقام کے انسانی جذبے کے تحت وہ تمہارے فلیٹ پر کیوں حملہ آور ہوئے؟ ٹائیگر یہ انسانی نفسیات ہے کہ وہ انتقام لیتا ہے جب کہ درندوں کو خطروں سے ڈر لگتا ہے۔ وہ ڈر کر بھاگ نکلتے ہیں"

"ممکن ہے کہ انھیں میں پسند آگیا ہوں"

"ناقابل یقین" بہرام کھڑا ہوگیا۔ سگریٹ اب فلٹر تک جل چکی تھی۔ لہٰذا ٹائیگر نے اسے ایش ٹرے میں رگڑ دیا۔

"یہ بات بہت اہم ہے کہ وہ تمہیں قتل کرنا کیوں چاہتے تھے ٹائیگر؟ بہت اہم..." بہرام چند لمحوں تک اُسے دیکھتا رہا اور پھر طویل سانس لے کر بولا "اب میں چلتا ہوں"

"ٹھیک ہے" ٹائیگر نے آنکھیں بند کرکے کہا۔ "اور ہاں میرے لیے سگریٹ کا پیکٹ بھجوا دینا"

بہرام نے سُنی اَن سُنی کردی کیونکہ وہ ایک انتہائی نازک مسئلے پر غور کر رہا تھا۔ اُسے اس مسئلے کی تہ تک پہنچنے میں دیر

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

نہیں لگی تھی لیکن وہ اس حقیقت کا سامنا کرنے میں پس و پیش کر رہا تھا کہ شیلا اور اس کے ساتھی ٹائیگر کے پیچھے کیوں پڑ گئے ہیں۔ اس کے ذہن میں ایک واضح تصویر موجود تھی۔ اسے شیلا کی تلاش تھی اور شواہد کہہ رہے تھے کہ شیلا کے آدمی ٹائیگر کی تلاش میں ہیں اور وہ ٹائیگر کو چارے کے طور پر استعمال کر سکتا ہے۔

اس کے علاوہ اور کوئی راستہ نہ تھا۔ اس راستے کو اختیار کرنے کا مطلب ٹائیگر کو داؤ پر لگانا تھا... اور وہ انسانیت کے عظیم تر مفاد میں ایسا کرنے پر مجبور تھا۔

وہ جانتا تھا کہ اسے کیا کرنا ہے۔ اس نے محبت بھری نظروں سے ٹائیگر کی طرف دیکھا اور پھر یہ سوچ کر دبے قدموں کمرے سے نکل گیا کہ ٹائیگر سو چکا ہے۔

اب وہ ایک جال پھیلانے پر غور کر رہا تھا۔

☆☆

گلستان آباد ٹائمز کے کثیر الاشاعت ایڈیشن میں ایک سطری اشتہار شائع ہوا۔

"ایس ایف کامریڈ چارہ گر سینی ٹوریم میں زیر علاج ہے۔"

شیلا فن برگ اور اس کے ساتھیوں نے بھی یہ اشتہار پڑھا اور شیلا فوراً سمجھ گئی کہ یہ کوئی جال ہے؟

"مجھے یقین ہے کہ یہ اشتہار کسی منصوبے کا حصہ ہے؟" شیلا نے جوتے گردوں کا ناشتا کر کے ابھی آئی تھی کہا۔

"تب پھر ہمیں جال میں پھنسنا نہیں چاہیے؟" ایک نوجوان عورت نے کہا۔ "گلستان آباد میں ایسے گوشت کی کمی نہیں جو آسانی سے مل سکتا ہے۔"

لیکن شیلا فن برگ ماں بننے کے لیے بے چین تھی۔ وہ نئی مخلوق تخلیق کرنا چاہتی تھی... اور اسے علم تھا کہ صرف وہی مرد اس کے بچے کا باپ بن سکتا ہے جس نے اسے کار میں زخمی کیا تھا اور پھر خود زخمی ہونے کے باوجود زندہ رہا۔

وہ عورت کی طرف دیکھ کر مسکرائی تو اس کے دانت چمکنے لگے۔ یہ دانت بچی کھچی ہڈیوں سے صاف ہوتے تھے۔ اس نے انتہائی نرم لہجے میں کہا۔ "نہیں... مجھے اس مریض کی ضرورت ہے۔ میں اسے اپنا مریض بنانا چاہتی ہوں۔ ہم وہاں ضرور جائیں گے۔"

☆☆

ٹائیگر نے جمنازیم میں جھولتی ہوئی رسیوں اور اس کے چمکدار فرش کو بغور دیکھا۔

"یہی وہ جگہ ہے جہاں ہماری پہلی ملاقات ہوئی تھی شہزاد!" اوشان نے دھیرے سے کہا۔ اس وقت وہ صبح کے لیے مخصوص پیلا لبادہ پہنے ہوئے تھا جس کی آستینوں میں اس کے ہاتھ چھپے ہوئے تھے۔

"ہاں اور میں نے یہاں آپ کو قتل کرنے کی کوشش کی تھی۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔

"درست..." اوشان مسکرانے لگا۔ "جونہی تم نے مجھ پر حملہ کیا، میں سمجھ گیا کہ تم میں بعض ایسی خفیہ صلاحیتیں موجود ہیں جن کے باعث میں تمہاری غلطیوں کو معاف بھی کر سکتا ہوں۔"

"لیکن پھر بھی آپ نے مجھے اٹھا کر پٹخ دیا تھا۔"

"درست... لیکن پٹخنا غلط لفظ ہے۔ میں نے تمہیں اٹھا کر بڑی احتیاط سے ریتوں پر بٹھا دیا تھا۔ اس وقت مجھے بڑا لطف آرہا تھا۔"

"یقیناً... لطف ہی آیا ہوگا۔" ٹائیگر نے برا سا منہ بنا کر کہا۔ اسے سب کچھ یاد تھا۔

"اور پھر میں نے تمہیں کراٹے کی تربیت دی تھی۔ اس وقت میں نے تمہیں یہی تاثر دیا تھا کہ کراٹے کتنی اہم چیز ہے؟"

"آپ نے ایسا کیوں کیا تھا ٹبل فادر؟ یہ بات میں آج تک نہیں سمجھ سکا۔ اب میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ کراٹے اور فن سناجچو کا دور دور تک کا کوئی تعلق نہیں۔"

"اس لیے کہ تم نے پہلی جماعت میں سبق کا آغاز الف ب پڑھ کر ہی کیا ہوگا۔ کراٹے بھی سناجچو کی الف ب ہے اور پھر جمنازیم میں تمہیں کراٹے کی تربیت لیتے ہوئے دیکھ کر دوسرے بھی مطمئن ہو گئے تھے۔ انہیں یہ علم نہ تھا کہ میں تمہیں سناجچو کی طاقت اور صلاحیت دینے کے لیے تیار کر رہا ہوں۔ ویسے اگر میں تمہیں کراٹے سکھانے کی بجائے اپنے فن سکھاتا تو تم قطعی دلچسپی نہیں لیتے۔ تم نے اس وقت تربیت میں دلچسپی لینی شروع کی، جب میں نے لات مار کر درخت کے دو ٹکڑے کر دیے لیکن مسئلہ یہ رہا کہ تم ہر چیز جلد بھول جانے کے عادی رہے۔"

"اور پھر میں اس شخص کو قتل کرنے کے لیے چلا گیا۔ جس نے مجھے ٹائیگر بنانے کے لیے منتخب کیا تھا۔"

"ہاں وہ اچھا آدمی تھا۔ اس میں ذہانت اور حوصلہ دونوں صفتیں موجود تھیں۔" اوشان نے سر ہلا کر جواب دیا۔

"اسی ذہین اور باحوصلہ آدمی نے میرا انتخاب کیا تھا، ٹبل فادر۔"

"ہاں میں سمجھتا ہوں کہ ہر ذہین اور باحوصلہ آدمی کبھی کبھی غلطی بھی کر بیٹھتا ہے۔" اوشان نے واضح طور پر اپنے مخصوص انداز میں ٹائیگر پر حملہ کیا۔

"اس کے بعد ہم دونوں دنیا بھر میں در بدر مارے مارے پھرتے رہے۔" ٹائیگر ماضی کے جھروکے میں جھانک رہا تھا۔ "کتنا عرصہ ہو گیا ٹبل فادر؟"

"یاد نہیں۔" اوشان کا لہجہ عجیب سا تھا۔ "اتنا یاد ہے کہ میں نے اپنی جوانی تمہاری نذر کی۔ اپنے سنہرے سال تمہارے لیے وقف کر دیے۔ اس دوران میں مجھے جواب میں کیا ملا، بے رحمی، غصہ، ناشکرا پن... میں نے اپنا نمبر ۱ دوست ایک ایسے شخص پر ضائع کیا ہو گوشت کھاتا ہے اور سگریٹ پیتا ہے۔"

ٹائیگر کو علم نہیں تھا کہ تمباکو نوشی اور کڑاہی گوشت کا استعمال اوشان کے علم میں آچکا ہے۔ لہٰذا اس نے فوراً کہا۔ "میں نے محض دو سگریٹ پیے تھے ٹبل فادر... یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ دھواں کیسا لگتا ہے۔"

"اور کیسا لگا؟"

"شاندار..."

"تم نے سانس لینے کی مشق اس لیے ترک کر دی کہ تم جلتے ہوئے گوشت کے ٹکڑے اپنے پھیپھڑوں میں منتقل کر سکو؟ کیا تم جانتے ہو کہ سگریٹ میں گھوڑے کی لید بھری ہوتی ہے؟"

"اس میں تمباکو ہوتا ہے ٹبل فادر! لیکن میں سانس لینے کی مشق ترک کرنا نہیں چاہتا۔ کیا سگریٹ نوشی اور سانس لینے کی مشق ساتھ ساتھ نہیں چل سکتے؟"

"تم سانس کیسے لے سکتے ہو جب تمہارے منہ میں تمباکو کا دھواں بھرا ہوتا ہے اور یہ تمہاری غلط فہمی ہے کہ سگریٹ میں تمباکو ہوتا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ تمباکو کے نام پر بید اور گوبر بھرا جاتا ہے اور سرمایہ دار گوبر اور بید کو کاغذ کے مہین ٹکڑے میں لپیٹ کر کروڑوں روپے کماتے ہیں۔"

"آج آپ کیمونسٹ لگ رہے ہیں ٹبل فادر۔" ٹائیگر نے مسکرا کر کہا۔

"کیا کیمونسٹ بھی سگریٹ پیتے ہیں؟" اوشان نے اس کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"ہاں کیوں نہیں؟"

"تب پھر میں کیمونسٹ کیسے ہو گیا؟" اوشان نے برہم ہو کر پوچھا۔ "میں تو ایسا شخص ہوں جس کو ایک طرف تو اس کی محنت کا معقول معاوضہ نہیں ملتا اور دوسری طرف اس کا شاگرد بھی اس کا احترام نہیں کرتا۔"

"میں آپ کا بہت احترام کرتا ہوں ٹبل فادر۔" ٹائیگر نے بڑی سنجیدگی کے ساتھ کہا۔

"تب پھر سگریٹ پینا چھوڑ دو۔"

"بہت بہتر..."

"گڈ..." اوشان نے بے ساختہ طور پر انگریزی کا وہی لفظ استعمال کیا جس سے اسے چڑ تھی۔

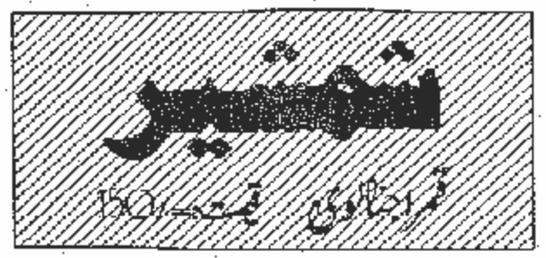
"کل سے سگریٹ... کو ہاتھ بھی نہیں لگاؤں گا۔" ٹائیگر نے اپنے وعدے میں فوراً ترمیم کر دی۔

اوشان کے سامنے جمناسٹک رنگ جھول رہے تھے۔ اس نے ٹائیگر کی طرف دیکھے بغیر دونوں رسیوں کو جو پلاسٹک نما کسی چیز کی بنی ہوئی تھیں محض ایک ہاتھ سے اس طرح ہلایا کہ وہ جھولتی ہوئی دائیں بائیں چلی گئیں۔ وہ دیوار تک جا کر تیزی سے واپس آنے لگیں اب ان کی رفتار شاید روشنی سے بھی تیز تھی۔ ٹائیگر نے دائیں طرف سے آنے والی رسی کو فوراً دیکھ لیا اور اس سے بچنے کے لیے بائیں طرف گر گیا لیکن اسی لمحے بائیں طرف سے آنے والی رسی اس کے سر پر لگی، پھر وہ گھبرا کر ایک طرف ہٹا تو دائیں طرف سے آنے والی رسی سے الجھ گیا۔

اوشان بڑی مایوسی سے سر ہلانے لگا۔ "ٹھیک ہے سگریٹ پیتے رہو تاکہ جب وہ آئیں تو تم نقمہ تر ثابت ہو شہزاد!" اس کے لہجے سے برہمی نہیں اداسی ٹپک رہی تھی۔

"کیا آپ کو یقین ہے کہ وہ مجھے قتل کرنے کے لیے یہاں بھی آسکتے ہیں ٹبل فادر؟" ٹائیگر نے رسیوں کو ایک طرف کرتے ہوئے پوچھا۔

"وہ ضرور آئیں گے کیونکہ اب تم میں کچھ بھی باقی نہیں رہا اور جب وہ تمہارے سر پر پہنچ جائیں تو مجھے مدد کے لیے مت پکارنا۔ کیونکہ مجھے تمہاری بدبودار سانس سے ابھی متلی ہو رہی ہے۔" یہ کہہ کر اوشان نے سر جھکایا اور ٹائیگر کی طرف دیکھے بغیر اس کے قریب سے گزر گیا۔ خود ٹائیگر کو حیرت تھی کہ وہ محض چند روز میں کتنی صلاحیتیں کھو چکا ہے۔ وہ بے ضرر رسیوں سے بھی نہیں بچ سکا۔



Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

بہرام نے ٹائیگر کے کمرے والی غلام گردش میں محافظ تعینات کر دیے اور سینی لوریم کے صدر دروازے پر شیلا الن برگ کی تصویر لگا دی تاکہ دوسرے محافظ بھی تصویر ذہن نشین کر لیں اور شیلا کے یہاں نظر آتے ہی اُسے اطلاع کر دیں۔ اُس نے یہ بھی واضح ہدایت کی تھی کہ اگر اس قسم کی عورت یہاں آئے تو اُسے اندر تک آنے دیا جائے تاہم اُس کی آمد کی اطلاع بھی فوراً دے دی جائے۔

وہ ٹائیگر کے کمرے میں بھی ایک محافظ تعینات کرنے کا ارادہ رکھتا تھا لیکن اُس نے ایسا اس لیے نہیں کیا کہ اوشان اسے اپنی توہین سمجھتا۔ ویسے بھی اوشان کی موجودگی میں کسی دوسرے محافظ کو کمرے میں رکھنے کا مطلب یہی تھا کہ ایک ڈویژن فوج میں مزید دس افراد کا اضافہ کر دیا جائے۔

اب ہاتھ پہ ہاتھ دھرے انتظار کرنے کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں تھا۔ ویسے پڑھنے کے لیے وہ رپورٹیں موجود تھیں، جو ابھی موصول ہوئی تھیں اور ان میں مزید افراد کے قتل اور اُن کو کھانے کا تذکرہ تھا۔ گورنر نے مارشل لا لگا دیا تھا۔ اس کا مطلب صرف یہ تھا کہ شہر میں اب پولیس کا نہیں بلکہ فوج کا گشت ہوگا۔

بہرام انتظار کرتا رہا۔

پھر اُس نے ایک اور اشتہار دینے کا فیصلہ کیا۔ وہ پنسل لے کر تیزی سے لکھنے لگا: "ضرورت ہے ایک لیڈی ڈاکٹر کی جو..."

٭ ٭ ٭

ڈاکٹر جمیلہ ثروت طلاق حاصل کرنے کے بعد آزاد تھی اور یہی آزادی اس کی پریشانی کا باعث تھی۔ اُس نے اشتہار دیکھتے ہی درخواست دینے کا فیصلہ کر لیا۔

اور پھر جب اُسے منتخب کر لیا گیا تو وہ سمجھ گئی کہ قسمت کی دیوی اُس پر مہربان ہے لیکن وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ اُس کو منتخب کرنے والے نے آنے والی درخواستوں کو بغور دیکھا تھا اور پھر یہ دیکھ کر کہ اس میں شیلا کی درخواست نہیں مُنہ بنا کر سب سے اُوپر پڑی ہوئی درخواست پہ دستخط کر دیے تھے۔ ویسے ڈاکٹر جمیلہ کو انٹرویو لینے والا شخص بھی نفسیاتی مریض لگتا تھا۔ اُس نے انٹرویو کے دوران نہ تو اُس کی طرف دیکھا اور نہ ہی سر اُٹھایا۔ وہ تو رسمی سوال کرتا رہا اور ساتھ ساتھ اُس کی نظریں مختلف کاغذات کو دیکھتی رہیں اور ہاتھ انھیں پھالتے رہے۔ اُس شخص نے مختلف قسم کے سوالات بار بار کیے تھے اور پھر بڑی بے زاری سے کہا تھا۔

"ٹھیک ہے تمھیں منتخب کر لیا گیا ہے!"

★★

اس وقت ڈاکٹر جمیلہ قدِ آدم آئینے میں اپنا جائزہ لے رہی تھی۔ وہ تین کمروں کے اس خوب صورت اپارٹمنٹ میں تھی، جو سینی لوریم کی عمارت سے محض ایک فرلانگ دُور واقع تھا اور سینی لوریم کی انتظامیہ ہی نے دیا تھا۔ وہ ڈاکٹر بہرام کو ابھی تک احمق اور بے وقوف سمجھ رہی تھی لیکن اُس کے نزدیک وہ اس حد تک بہرحال ذہین تھا کہ اُس نے ڈاکٹر جمیلہ کو منتخب کر لیا تھا۔ جمیلہ کو بہرحال یہ علم نہیں تھا کہ بہرام کس چیز کا ڈاکٹر ہے؟ اُس نے معلوم کرنے کی بھی کوشش کی تھی لیکن ناکام رہی تھی۔ تاہم اُسے یقین تھا کہ وہ میڈیسن یا نفسیات کا ماہر ہوگا۔ ڈاکٹر جمیلہ کو سب سے زیادہ خوشی اس بات کی تھی کہ اُسے آزادانہ ماحول میں کام کرنے کا موقع ملے گا۔ ڈاکٹر بہرام نے اُس سے کہا تھا کہ یہاں وہ اس کے علاوہ اور کسی کو جواب دہ نہیں ہوگی اور یہ کہ وہ عموماً جواب طلب کرنے کے لیے کبھی کسی کو نہیں بُلاتا۔

اس نے ایک بار پھر اپنے سراپا کا جائزہ لیا۔ اُس کی عمر تیس سال تھی۔ دراز زُلفیں ساتھیوں کی طرح شانوں سے نیچے کمر تک لہرا رہی تھیں، آنکھیں گہری کالی تھیں، رنگ ایسا تھا جیسے کسی نے شہد اور دودھ کو خوب خوب ملایا ہو۔ وہ زیرِ لب مُسکراتی ہوئی بالوں پر برش کرنے لگی۔

تب ہی دروازے کی گھنٹی بجنے لگی۔ ڈاکٹر جمیلہ کو واقعتاً حیرت ہوئی کیونکہ یہاں ابھی تک اُس کی کسی سے شناسائی تک نہ تھی اور نہ ہی کسی کے آنے کا امکان تھا۔ ممکن ہے کوئی سینی لوریم سے لینے کے لیے آیا ہو۔ وہ یہی سوچ کر دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ اُس نے یہ پوچھے بغیر دروازہ کھول دیا کہ باہر کون ہے؟

چوکھٹ پہ ایک خوب صورت عورت کھڑی ہوئی تھی۔ اُس کی زُلفیں بھی جمیلہ کی طرح چمک دار سیاہ اور دراز تھیں... اور وہ جمیلہ سے کہیں زیادہ خوب صورت، متناسب اور دلکش تھی۔ وہ جمیلہ کو دیکھ کر مُسکرائی تو جمیلہ کو احساس ہوا کہ اُس نے اتنی خوب صورت مُسکراہٹ پہلے کبھی نہیں دیکھی۔

"ڈاکٹر جمیلہ؟" وہ عورت بڑے نرم لہجے میں بولی۔

"جی... جی ہاں میں ہی جمیلہ ہوں۔" جمیلہ ثروت نے بے ساختہ طور پر ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

"میں نے تمھارا ذکر ہی سُنا تھا۔ میں ڈاکٹر فن برگ ہوں۔"

"تو کیا تمھارا تعلق بھی سینی لوریم سے ہے؟" جمیلہ مُسکرا کر پوچھنے لگی۔

"ہاں، سینی لوریم سے مجھے فون کیا گیا تھا کہ ہماری نئی ساتھی کے پاس کار نہیں، باہر بہت گرمی ہے۔ لہٰذا میں سینی لوریم آتی ہوئی ڈاکٹر جمیلہ کو بھی ساتھ لے لوں۔"

ایک وطن پرست اور کفن بردوش نوجوان کی داستانِ خون رنگ جو محبِّ وطن ہونے کے باوجود دہشت گرد کہلاتا تھا۔ وقت کی راستیں تھامنے میں اس کے ہاتھ لہولہان ہو گئے تھے معاشرے کے اُجلے لوگوں کی کہانی جن کے من کالے ہیں۔

دہشت گرد

سلیم فاروقی

چار حصّوں میں شائع ہو گیا ہے

قیمت

مکمل سیٹ -/۱۸۰ روپے

مکتبہ القریش، سرکلر روڈ، اردو بازار، لاہور ۲

پوسٹ کوڈ ۵۴۰۰۰

ندیم

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"اوہ... بہت بہت شکریہ۔" جمیلہ خوشی سے اُچھل پڑی۔ "میں تو یہی سوچ سوچ کر ہلکان ہو رہی تھی کہ اتنی گرمی میں ایک شرلانگ کا فاصلہ کس طرح طے کروں گی۔ آجاؤ، اندر آؤ۔" جمیلہ فوراً ہی تکلف ہو گئی۔ "تم نے ناشتا کیا ہے اگر نہیں تو میرے ساتھ کر لو۔ میں تنہا ناشتا کرنے کی عادی نہیں ہوں۔" جمیلہ نئی سہیلی کے مل جانے سے بہت خوش تھی۔

شیلا فن برگ ڈرائنگ روم میں داخل ہوتی ہوئی بہت خوش تھی۔ اُس کی آنکھیں چمک رہی تھیں اور کہہ رہی تھی "ہاں، میں بھی یہی سوچ کر آئی تھی کہ تمہارے اپارٹمنٹ ہی میں ناشتا کروں گی۔"

"یہ سلمیٰ وردی والے لوگ، غلام گردش اور ہال میں کیا کر رہے ہیں شہنشاہِ اعظم؟" اوشان نے بڑی سنجیدگی اور قدرے برہمی کے ساتھ پوچھا۔ "کیا آپ ہی نے انھیں یہاں تعینات کیا ہے؟"

اوشان کے چہرے پر ناپسندیدگی کے تاثرات تھے۔

"درست ماسٹر۔" بہرام نے جواب دیا۔ اس کا لہجہ سخت تھا۔

"مگر کیوں؟" اوشان نے اسی لمحے فیصلہ کیا کہ وہ جب تک سینی ٹوریم میں مقیم ہے بہرام کو شہنشاہ نہیں کہے گا کیونکہ بہرام نے اس سے مشورہ لیے بغیر سلمیٰ وردی والوں کو یہاں تعینات کر دیا تھا۔ ویسے بھی وہ یہ نہیں چاہتا تھا کہ سینی ٹوریم کا عملہ اسے بہرام سے کم تر سمجھے۔ "ان سلمیٰ وردی والے مجہول لوگوں کی موجودگی کا کوئی سبب تو ہوگا نا؟"

"ہاں! میں نے ان کو اس لیے لگایا ہے کہ وہ ٹائیگر تک نہ پہنچ سکیں۔ میں ٹائیگر کی حفاظت کرنا چاہتا ہوں اور یہ سب اس کے محافظ ہیں۔"

"آدم خور ٹائیگر کی تلاش میں یہاں کس طرح پہنچ سکیں گے ڈاکٹر بہرام؟"

"میں نے انھیں مطلع کر دیا ہے کہ ٹائیگر یہاں موجود ہے۔" بہرام نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

"اچھا!" اوشان کا چہرہ ایک لمحے کے لیے تغیر ہوا لیکن پھر اس نے اپنے غصے کو پی لیا۔

"میری بات سمجھنے کی کوشش کرو اوشان۔" بہرام نے دھیرے سے کہا۔ "ہم ہر حیثیت پر انھیں پکڑ تا اور ختم کرنا چاہتے ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ تم اس وجہ سے پریشان ہو کہ میری حکمت عملی سے ٹائیگر کی زندگی خطرے میں پڑ سکتی ہے۔ تمھاری طرح مجھے بھی اس سے محبت ہے لیکن مجھے صرف ٹائیگر ہی سے نہیں اس ملک کے ہر شہری سے پیار ہے۔ اس ملک سے محبت ہے اور میں کروڑوں افراد کی خاطر ایک شخص کو قربان کر سکتا ہوں۔"

"کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ اس ملک نے اپنے طور پر کتنے ماسٹر آف سنانجو پیدا کیے ہیں؟" اوشان کا لہجہ بھاری تھا اور اس کی آنکھیں سلگ رہی تھیں۔

"اپنے طور پر؟ ایک بھی نہیں۔" بہرام نے اوشان سے نظریں چُرا کر جواب دیا۔

"تب کیا تمھیں یقین ہے کہ اس ملک کے لیے ٹائیگر کی قربانی مناسب ہوگی؟ کیا اس کی زندگی اتنی ہی سستی ہے؟"

"میرا جواب اثبات میں ہے۔ میں نوعِ انسانی کی بقا کے لیے یہ قربانی دینے کو تیار ہوں۔" بہرام کی آواز واضح طور پر مرتعش تھی اور آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں۔

"کیا اس ملک کے شہریوں کی زندگی... ٹائیگر اور میری زندگی سے زیادہ وقعت رکھتی ہے ڈاکٹر بہرام؟"

"ہاں!" بہرام نے ہچکچائے بغیر جواب دیا۔

"اور کیا نوعِ انسانی کی بقا میری، تمھاری اور ٹائیگر کی زندگی سے زیادہ اہم ہے؟"

"بہت زیادہ اہم ہے۔" بہرام نے چھت کی طرف دیکھ کر کہا۔ اس وقت وہ شدید جذباتی کش مکش کا شکار تھا۔ یہ کیفیت اس پر پہلی بار طاری ہوئی تھی۔ ویسے جزیرۂ فردوس میں یہ سب کچھ پہلی بار ہی ہو رہا تھا۔ ٹائیگر پہلی بار زخمی ہوا تھا اور اوشان نے پہلی مرتبہ چلغوزہ گرسینی ٹوریم میں پناہ کے لیے درخواست کی تھی اور پہلی بار بہرام سے بات کرنے کے لیے ٹیلی فون استعمال کیا تھا۔

"اس ملک کو کتنی قربانیوں کی ضرورت ہوگی ڈاکٹر بہرام؟" اوشان نے بہرام کے کمرے کے فرش پر تھوک دیا۔ "تم ٹائیگر کی زندگی سے صرف اس لیے کھیل رہے ہو کہ چند موٹے اور غریب لوگوں کو گلیوں میں کھا لیا گیا ہے۔"

"میں آگے کی طرف دیکھ رہا ہوں ماسٹر!" بہرام کا لہجہ خشک تھا۔ "میں جانتا ہوں کہ اگر اس کھیل کو ختم نہیں کیا گیا تو پھر یہ بات گلستان آباد سے نکل کر پورے ملک میں اور پھر پوری دُنیا میں پھیل جائے گی اور سنانجو بھی اس آفت سے محفوظ نہیں رہ سکے گا۔"

"سنانجو محفوظ رہے گا۔" اوشان نے بڑے یقین سے جواب دیا۔

"آدم خور سنانجو تک پہنچ سکتے ہیں۔" بہرام نے خبردار کیا۔

"وہ سنانجو تک نہیں پہنچ سکتے کیونکہ سنانجو اس جگہ کا نام

ہونا ہے جہاں میں اور ٹائیگر ہوتے ہیں۔ جہاں ہم ہوتے ہیں وہی جگہ سنانجو ہوتی ہے۔ میں کوشش کروں گا کہ ٹائیگر زندہ رہے۔ یہ ممکن ہے کہ یہاں تم اور تمھارا بادشاہ محفوظ رہے لیکن میں اور ٹائیگر زندہ رہیں گے۔"

ایک لمحے کے لیے دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے دیکھتے رہے پھر بہرام ہی کو دوسری طرف دیکھنا پڑ گیا۔

"میں تم سے چند ضروری باتیں کرنا چاہتا ہوں ماسٹر۔" بہرام نے موضوع بدلتے ہوئے کہا۔ "مجھے ایسا لگتا ہے جیسے ٹائیگر اپنے آپ میں نہ ہو۔ بات یہ نہیں کہ وہ زخمی ہے۔ وہ سگریٹ بھی پینے لگا ہے۔ کل رات اس نے کیکڑے کھانے تھے جب کہ مجھے علم ہے کہ اس نے برسوں قبل مچھلی اور بطخ کے سوا ہر چیز ترک کر دی تھی۔ اسے کیا ہوتا جا رہا ہے ماسٹر؟"

"اس کے جسم کو زخموں کی وجہ سے گہرا صدمہ پہنچا ہے۔" اوشان نے دونوں ہاتھ لمبا دے کے اندر سینے پر باندھتے ہوئے جواب دیا۔ "اور صدمہ اتنا شدید ہے کہ اس کا جسم یہ بھول گیا کہ وہ کیا ہے؟"

"میں سمجھا نہیں۔" بہرام نے پہلو بدلتے ہوئے کہا۔

"عام لفظوں میں میں اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ جب ذہن پر چوٹ لگتی ہے تو لوگ یادداشت کھو بیٹھتے ہیں اور یہی کیفیت ٹائیگر کی ہے۔ اس کے جسم پر چوٹیں اور گھاؤ لگے ہیں لہٰذا جسم اپنے آپ کو بھول گیا ہے۔" اوشان نے خلا میں کسی نامعلوم نقطے کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"ایمنزا!"

"ہاں! جو کچھ بھی کہہ لو۔ جسم بھی اسی بیماری کا شکار ہو جاتا ہے اور شہزاد اس کا شکار ہو چکا ہے۔ اس کا جسم اس مرحلے پر واپس جا رہا ہے جہاں تم نے اسے پایا تھا۔ اس مقام پر واپسی ہو رہی ہے جہاں میں نے اس کی تربیت شروع کی تھی تمھارا کوئی انجکشن اس تنزلی کو نہیں روک سکتا۔"

"گگ... کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ ٹائیگر ختم ہو گیا۔" بہرام بے چینی سے قدرے بلند لہجے میں بولا۔ "کیا اس کی تمام خصوصی صلاحیتیں ختم ہو گئیں؟"

"فی الحال کوئی بھی نہیں بتا سکتا۔" اوشان نے افسردہ لہجے میں جواب دیا۔ "ضروری نہیں کہ اس کا جسم جھاڑی گھاٹ والے مرحلے پر ہی پہنچ جائے... یہ ممکن ہے کہ جسمانی تنزلی کا عمل راستے ہی میں رُک جائے، تربیت کا اثر برقرار رہے اور پھر مزید تربیت کے بعد اسے اس کی صلاحیتیں واپس مل سکیں لیکن اس کا سارا دارومدار اس کی ذہنی کیفیت اور قوتِ ارادی پر ہے۔ میں اس کی طرف سے مایوس نہیں۔ باپ کبھی اپنے بیٹے سے مایوس نہیں ہوا ڈاکٹر بہرام۔"

"میں جانتا ہوں عظیم اوشان۔" بہرام کی آواز بھرا گئی۔ "لیکن مجھے اس بات پر شدید دکھ ہے کہ تم نے یہ خیال کیے بغیر کہ شہزاد ماسٹر اف سنانجو ہے۔ اسے آدم خوروں کے سامنے ڈالنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس طرح جیسے وہ کوئی عام آدمی ہو۔"

بہرام گڑبڑا کر رہ گیا لیکن وہ موت اور حیات کے اس ہتھیار اور اوشان کی نفسیات سے اچھی طرح واقف تھا لہٰذا اس نے اوشان کی دُکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا۔ "ماسٹر! ٹائیگر کو جال بناتے وقت میرے ذہن میں تمھارا یہ مقولہ تھا کہ ٹائیگر ناقابلِ شکست ہے اور دُنیا کی کوئی طاقت اسے ہلاک نہیں کر سکتی۔ کیا یہ درست نہیں؟"

"ہاں! وہ ناقابلِ شکست ہے۔ دُنیا کی کوئی طاقت اسے ہلاک نہیں کر سکتی۔" یہ کہتے ہوئے بھی اوشان کی آنکھیں بھیگ رہی تھیں۔ "لیکن... اندھیری راتوں میں جنگل کا غیر متنازعہ بادشاہ بھی آدم خوروں کے جنگل میں پھنس سکتا ہے۔ اس کا جو بھی حشر ہوگا اس کی ذمے داری تم پر ہوگی اور ہاں۔ صرف ایک کرم کرو۔ سلمیٰ وردی والوں کو غلام گردش سے ہٹا دو یا کم از کم انھیں اور ان کی بندوقوں کو اس کے کمرے سے دُور رکھو کیونکہ اس کی حفاظت کے لیے میں موجود ہوں۔"

اوشان اس گفتگو کے دوران کھڑا رہا تھا اور یہ آخری جملہ کہہ کر وہ کسی جھونکے کی طرح پلٹا۔ اس کا لبادہ اُڑنے لگا۔ وہ چوکھٹ پر پہنچ کر ایک بار پھر بہرام کی طرف پلٹا۔ "شہزاد جونہی طویل سفر کے قابل ہوا میں اسے یہاں سے لے جاؤں گا اور پھر تم آدم خوروں سے خود نمٹتے رہنا کیونکہ ہم یہاں موجود نہیں ہوں گے۔"

"تم کہاں جاؤ گے؟"

"کسی بھی پُرسکون مقام پر۔ اُس جگہ جہاں ہم تمھاری تنخواہ نہیں لیا کریں گے۔"

شیلا فن برگ نے اپنی اصلی تصویر والی سیپشن پر دیکھ کر بمشکل قہقہہ ضبط کیا۔ یہ وہی پُرانی تصویر تھی جو تجربے کے مظاہرے کے دوران فوٹو گرافروں نے اتاری تھی۔ تصویر دیکھ کر شیلا کو بہرحال یہ احساس ضرور ہوا تھا کہ وہ کتنی بدصورت تھی۔ تصویر کی موجودگی اس امر کا ثبوت تھی کہ سینی ٹوریم میں واقعتاً اس کے لیے جال بچھایا گیا ہے۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"کیا یہ تصویر تمہاری بیوی کی ہے خوبصورت نوجوان؟" شیلا نے جان بوجھ کر اس ادھیڑ عمر محافظ سے پوچھا جس کی تلاش نکلی ہوئی تھی۔

"ارے نہیں۔" گارڈ جھینپ کر بولا۔ "یہ کسی ایسی پنچھی یا کی تصویر ہے جس کی اوپر والوں کو تلاش ہے خاتون۔" گارڈ یہ کہتے ہوئے شیلا فن برگ کا حسن اپنی آنکھوں میں اتار رہا تھا۔

"شاید پاگل خانے سے بھاگی ہوئی کوئی عورت ہے اور ویسے میں شادی شدہ بھی نہیں ہوں۔" گارڈ کا آخری جملہ سفید جھوٹ تھا۔ اس نے دو شادیاں کی تھیں اور وہ تیسری شادی شیلا سے کرنا چاہتا تھا۔ اس لیے شیلا سے جو اس کے ساتھ بڑی دلت کھڑی ہوئی تھی۔ شیلا سر ہلا کر رہ گئی۔

"اب ایسی ہی پاگل عورتیں اور مریض آپ کی ذمے داری ہوں گی ڈاکٹر۔" گارڈ ہونٹوں پر زبان پھیر کر بولا۔ وہ ۱۵ سے ڈاکٹر جمیلہ ہی سمجھا تھا کیونکہ شیلا نے جمیلہ کے برس میں سے ملنے والا تقرری نامہ اس کے سامنے پہلے ہی رکھ دیا تھا۔ اس پر واضح طور پر لکھا تھا کہ ڈاکٹر جمیلہ شروست کا تقرر نفسیاتی وارڈ میں کیا گیا ہے۔

"اب مجھے کیا کرنا ہوگا؟" شیلا فن برگ نے دونوں کہنیاں میز پر ٹکا کر جھکتے ہوئے کہا۔

"کک... کچھ نہیں۔" گارڈ گڑبڑا کر بولا۔ "آپ اندر جائیں گی۔ آپ کا وژیٹنگ... میرا مطلب ہے کہ نفسیاتی امراض کا شعبہ مرکزی عمارت کے اندر دائیں طرف واقع ہے پھر آپ کو شناختی کارڈ بنوانا ہوگا۔ اس کے بعد آپ کو یہاں گیٹ پر بھی کوئی نہیں روکے گا۔ ویسے... اگر کارڈ نہ بھی بنا تب بھی میں گیٹ پر موجود رہوں گا... اور میں آپ کو اب کبھی فراموش نہیں کروں گا۔"

شیلا نے مسکرا کر اس کو دیکھا۔ تقرر نامہ واپس لیا اور اس کی طرف مسکراہٹ اچھال کر آگے بڑھ گئی۔ گارڈ بہت دیر تک اس کو دیکھتا رہا اور پھر اس نے کولر سے پانی لے کر وہ گلاس حلق میں انڈیل لیے۔

*

سفید کوٹ اور کلپ بورڈ تو سبھی اسپتال میں شناختی کارڈ کی طرح ہی ہوتے ہیں۔ شیلا نے ایک ہال کی الماری سے دونوں چیزیں لیں۔ اب وہ ادھر اُدھر گھومنے پھرنے میں آزاد تھی۔ اس نے فوراً اندازہ لگا لیا کہ "ایل" کی شکل میں بنی ہوئی مرکزی عمارت دو حصوں میں منقسم ہے۔ پرانی طرز کا الگ تھلگ علاج معالجہ کے لیے مخصوص تھا جب کہ جنوبی حصے میں نقل و حرکت بہت کم تھی۔

پہلی منزل پر دفاتر اور کمپیوٹر تھے۔ بالائی منزل پر اسپتال کے کمرے اور گراؤنڈ پر ایک ڈھلوان کے قریب جھنا زیم تھا جو سینی لوڈیم کی اراضی کے آخری حصے تک پھیلا ہوا تھا۔ اس کے بعد سمندر تھا اور ساحل پر پرانی کشتیاں لنگر انداز تھیں۔

اور جنوبی حصے کو محافظوں نے گھیر رکھا تھا۔

عام حالات میں شیلا فن برگ یقیناً اس تجسس کی شکار ہو جاتی کہ اسپتال میں اتنے محافظوں کی کیا ضرورت ہے تاہم اس وقت اسے کسی قسم کا تجسس محسوس نہیں ہوا۔ اسے صرف ٹائیگر کی تلاش تھی اور اسے اندازہ تھا کہ وہ جنوبی حصے ہی میں ہوگا۔

وہ مرکزی عمارت کے ایک حصے میں گئی جو اسپیشل سروس آفس کہلاتا تھا۔ یہاں اس نے شناختی کارڈ حاصل کرنے کے لیے پولرائیڈ کیمرے سے تصویریں بنوائیں۔

"بہت دلچسپ جگہ ہے۔" اس نے آفس کی لیڈی کلرک سے کہا۔

"ہاں!" کلرک مسکرا کر بولی۔ "سب سے اچھی بات یہ ہے کہ اوپر والے ہمارے کام میں ٹانگ نہیں اڑاتے۔"

"میرا تو پہلا دن ہے۔ ویسے جنوبی عمارت میں اتنے بہت سے محافظ کیوں تعینات ہیں؟ کیا کوئی خاص بات ہے؟" شیلا فن برگ نے ایک فارم پر نام لکھتے ہوئے کہا۔

"میں نے سنا ہے کہ ایک انتہائی امیر آدمی وہاں زیر علاج ہے۔" کلرک نے تصویروں کے کنارے کاٹتے ہوئے جواب دیا۔ پھر اس نے ایک بھاری کارڈ پر تصویریں چپکائیں۔ "ویسے یہ بھی سنا گیا ہے کہ اس حصے میں کسی خاص موضوع پر سائنس داں تحقیقی کام کر رہے ہیں اس لیے وہاں کمپیوٹر بھی نصب ہیں۔ شاید حفاظتی اقدامات کمپیوٹروں کی وجہ ہی سے کیے گئے ہیں۔"

شیلا کو کمپیوٹروں سے زیادہ دلچسپی امیر ترین مریض میں تھی۔

"کیا وہ شادی شدہ ہے؟"

"کون؟" کلرک نے پوچھا۔

"وہی مریض! امیر ترین مریض؟"

کلرک نے کندھے اچکا کر فوٹو کارڈ ایسی مشین میں ڈال دیا جو کریڈٹ کارڈ پرنٹ کرتی تھی۔ اس نے ایک بٹن دبایا تو مشین نیچے جھکی پھر ہلکی سی آواز سنائی دی اور اس کے بعد پلاسٹک کی لہر محسوس ہوئی۔ "پتا نہیں۔" لیڈی کلرک نے جواب دیا۔ "اس کے ساتھ اس کا ذاتی خادم بھی ہے۔ بوڑھا سا آدمی ہے۔ یہ رہا آپ کا کارڈ ڈاکٹر جمیلہ۔ اب آپ اس کو اپنے کوٹ پر لگا کر جہاں چاہیں جا سکتی ہیں۔"

"جنوبی حصے میں بھی؟" شیلا فن برگ کی رگوں میں خون بہت تیزی سے دوڑنے لگا۔

"کہیں بھی۔" لیڈی کلرک مسکرا کر بولی۔ "مریض ہر جگہ ہوتے ہیں لہٰذا آپ کو ہر جگہ جانا پڑے گا۔"

"ہاں! تم سچ کہتی ہو۔ مریض ہر جگہ ہوتے ہیں۔" شیلا نے کارڈ لے کر فوراً کوٹ میں لگا لیا۔

اس روز شیلا نے لنچ کے لیے ڈائننگ روم میں جانے کی بجائے عمارت کے جنوبی حصے میں واقع میدان کا رُخ کیا۔ یہ پتھریلا میدان تھا اور یہیں سے ساحل کی طرف چھوٹی سی گودی تک راستہ جاتا تھا۔ نما لمبا گودی ایک عرصے سے استعمال نہیں ہوئی تھی تاہم اس کی دیکھ بھال ضرور کی جاتی رہی تھی۔ شیلا نے محل وقوع اور گودی کی تمام تفصیلات ذہن نشین کر لیں۔ اس نے وہیں سے جنوبی حصے کی طرف دیکھا اور اس بار حیرت زدہ رہ گئی۔ یہاں کھڑکیوں پر شیشوں کی بجائے آہنی گرلز لگے ہوئے تھے۔ شیلا ذہین تھی وہ سمجھ گئی کہ اندر والے باہر دیکھ سکتے ہیں مگر وہ اندر نہیں دیکھ سکتی۔ وہ یہ سوچ کر عجیب سی سنسنی محسوس کرنے لگی کہ شاید اسے زخمی کرنے والا نوجوان اس وقت اسے دیکھ رہا ہو۔ اس خیال سے اسے خوف محسوس نہیں ہوا۔ اس نے درندوں کے سے انداز میں مُنہ کھولا، طویل انگڑائی لی اور پھر دوسری منزل کی کھڑکیوں کی طرف دیکھ کر مسکرانے لگی۔

وہ عمارت میں پہنچی تو لنچ کا وقفہ ختم ہو چکا تھا۔ وہ اپنے کارڈ کی مدد سے جنوبی حصے کی دوسری منزل پر پہنچ گئی۔ وہ ایک عام سی غلام گردش... تھی مگر یہاں اسپتالوں کی مخصوص بُو اور مرہم دواؤں کی مہک نہیں تھی۔

ٹائیگر کا کمرا تلاش کرنے کے لیے اسے کوئی کوشش نہیں کرنی پڑی۔ وہ ٹائیگر کی جو خوشبو محسوس کر رہی تھی۔ ساتھ ہی اسے کسی چیز کے جلنے کی بو بھی محسوس ہوئی۔ کوئی سگریٹ پی رہا تھا۔

"تم سے سگریٹ تو چھڑوا دوں گی۔" اس نے دل ہی دل میں کہا اور پھر اس دروازے کے قریب پہنچ گئی جہاں سے ٹائیگر کی مہک آ رہی تھی۔ ایک لمحہ کے لیے وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہونے کے لیے بے قرار ہو گئی لیکن ایک دوسری خوشبو محسوس کر کے اس نے خود پر قابو پا لیا۔ یہ یاسمین اور دوسرے پھولوں کی مہک تھی اور یقیناً بوڑھے خادم کے جسم سے آ رہی تھی۔ یہی خوشبو

اس نے اس فلیٹ میں محسوس کی تھی جہاں وہ ٹائیگر کو اغوا کرنے کے لیے گئی تھی۔

اس نے دروازے کو دیکھا وہاں لکھا تھا۔ ۲۲۱۔

اس کی سانس تیز چلنے لگی اور وہ بمشکل تمام اٹھوں کو حلق میں دبانے میں کامیاب ہوئی۔ پھر وہ وہاں سے ہٹ کر ایک دوسری غلام گردش میں آ گئی۔ یہاں ایک عقبی زینہ دیکھ کر اس کی آنکھیں غیر انسانی انداز میں چمکنے لگیں۔ یہ زینہ عمارت کے باہر جاتا تھا۔

"شاندار۔" اس نے اپنے جوش و خروش کو ضبط کرتے ہوئے زیر لب کہا پھر اپنے شیشے میں واپس آ گئی۔ اب اسے بے نقص منصوبہ بندی کرنی تھی۔

▣

کمرا نمبر ۲۲۱ میں اوشان کے ہتھنے پھولنے پچکنے لگے اور پھر اس نے سر اٹھا کر ٹائیگر کی طرف دیکھا جو اپنے وعدے کے برخلاف اب اوشان کے سامنے بھی سگریٹ پی رہا تھا۔

"وہ یہاں تک پہنچ چکے ہیں شہزادے۔" اوشان کا لہجہ انتہائی عجیب سا تھا۔

"کیا آپ کو الہام ہونے لگا ہے لٹل فادر؟" ٹائیگر نے خوشگوار لہجے میں پوچھا۔ بظاہر اس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔ مگر وہ اوشان کے اضطراب کو روح کی گہرائیوں سے محسوس کر رہا تھا۔ اس وقت اسے یہ تواہش محسوس ہو رہی تھی کہ وہ اور اوشان جزیرۂ فردوس سے کہیں دور کسی پرفضا علاقے میں جا کر سکون کے چند دن گزار لیں۔ اسے پہلی بار اپنے وجود سے وحشت محسوس ہو رہی تھی۔

"نہیں! مجھے الہام نہیں ہوتا۔ میں اپنی حسیات کو اسی طرح استعمال کرتا ہوں جس طرح ایک ہفتہ قبل تک تم استعمال کر رہے تھے۔"

"تب پھر آدم خوروں کو فراموش کر دیں۔" ٹائیگر نے سگریٹ کے دھوئیں کو رقص کرتے ہوئے دیکھ کر جواب دیا۔

"انہیں فراموش کرنے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ وہ یہاں موجود ہیں۔" اوشان نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ وہ اس وقت یہ سوچ رہا تھا کہ ٹائیگر درحقیقت اپنی حفاظت نہیں کر سکتا بلکہ اسے آدم خوروں کے خطرے کی شدت کا احساس بھی نہیں۔ ان حالات میں وہ ٹائیگر کی حفاظت کس طرح کر سکتا ہے۔ اس نے محض چند لمحے قبل غلام گردش میں محتاط قدموں کی چاپ سنی تھی اور پھر یہ چاپ دروازے پر رک گئی تھی۔ اس کے بعد قدموں کی یہ آواز تیزی سے واپس چلی گئی تھی۔ اوشان جانتا تھا کہ یہ چاپ عام

ندیم

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

انسان کی نہیں تھی۔ جو کوئی بھی تھا وہ انسانوں کے برعکس پہلے پنجہ ٹین پر رکھ رہا تھا اور پھر ایڑی اور چاپ کی آواز سے ایسا لگ رہا تھا جیسے پیروں پر ربر بندھی ہوئی ہو۔

"لٹل فادر! ان لوگوں سے آپ ہی نمٹ لیں تو بہتر ہے۔" ٹائیگر نے کاہلی سے منہ چلاتے ہوئے کہا۔ اس کے منہ میں بھنی ہوئی ران، روسٹ اور چکن فرائی کا خیال آتے ہی پانی بھر آیا تھا۔ کھانے کے بعد سگریٹ پینا کتنا فرحت انگیز ہوتا ہے۔" وہ مسلسل یہی سوچے جا رہا تھا۔

★★

ٹھیک آٹھ بجے شب شیلا کے تین ساتھی اس کی ہدایت کے مطابق سیٹی تو یم کی اس ویلا سے کو دکما حاطے میں داخل ہوئے جس پر کونٹ والے نازل نہیں رہتے تھے۔

ٹھیک آٹھ بج کر بارہ منٹ پر وہ تینوں سیولے ہاتھ پیروں کے بل چلتے ہوئے اس غلام گردش میں داخل ہو گئے جہاں ٹائیگر کا کمرا تھا۔ زینے پر جو حفاظتی انتظامات کیے گئے تھے وہ اوشان کی ضد کے باعث پہلے ہی ہٹائے جا چکے تھے اور اب ان کو روکنے والا کوئی نہیں تھا۔ ان کے حلق سے جو غراہٹیں نکل رہی تھیں ان سے انسانیت ظاہر تھی۔ وہ تینوں سیولے ٹائیگر کی بو پا کر کمرے کی طرف ہی بڑھ رہے تھے جس میں ٹائیگر فرائی گوشت اور تافتان کھانے کے بعد لیٹا ہوا تھا۔

صرف ایک شخص ایسا تھا جس کو ان کی آمد کا علم ہو چکا تھا۔ اور وہ عظیم اوشان تھا۔

اوشان نے گھاس کی بنی ہوئی چٹائی پر پہلو بدلا اور پھر تیزی سے اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ اس کے قدموں کی چاپ تک پیدا نہیں ہوئی تھی اور ٹائیگر کو بھی علم نہ ہو سکا تھا کہ اوشان چٹائی پر موجود نہیں۔

ڈاکٹر بہرام اپنے کمرے میں شارٹ سرکٹ ٹیلی ویژن سیٹ پر نظریں جمائے ہوئے تھا کہ اچانک اس کی نظر دیواروں پر پڑی سان کے ساتھ ایک مرد بھی تھا۔ اس نے جو منظر دیکھا اس کے باعث اس جیسے مڈر اور قوی اعصاب کا مالک شخص بھی ہل کر رہ گیا۔

وہ تینوں جانوروں کی طرح چل رہے تھے۔ ان کی انگلیاں فرش پر جمی ہوئی تھیں۔ وہ ہر کمرے کے دروازے پر رک کر سونگھتے اور پھر آگے بڑھ جاتے۔ پھر معاً ہی ان میں سے ایک کا چہرہ دیوار میں پیوستہ کھڑکی کی طرف ہو گیا۔ بہرام نے دانت بھینچ لیے۔ یہ ایک عورت تھی۔ اس کے ہونٹ درندوں کی طرح پھیلے ہوئے تھے اور دانت صاف نظر آ رہے تھے۔ اس کی آنکھوں میں غیر انسانی چمک تھی۔ بہرام کو یقین ہو گیا کہ ان تینوں اور اصلی درندوں کے درمیان اب زیادہ فرق برقرار نہیں رہا۔

پھر وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے اعشاریہ ۴۵ کا آٹومیٹک نکالا اور ٹائیگر کے کمرے والی راہ داری میں جانے کے لیے دیوار و در کا زینہ چڑھنے لگا۔

★★

اوشان اب دروازے سے لگا ہوا کھڑا تھا اور ٹائیگر اسے اس حالت میں دیکھنے کے بعد بیڈ پر بیٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"کیا ہوا اوشان؟" اس نے قدرے پریشان ہو کر پوچھا۔

"وہ یہاں آ چکے ہیں میرے بچے۔"

"ہاں، مجھے بھی اس کا احساس ہو رہا ہے۔"

"تب پھر تم کیا کرنا چاہتے ہو؟" اوشان کی شعلہ بار نظریں ٹائیگر پر جم کر رہ گئیں۔

"میں تمہاری مدد کروں گا۔" ٹائیگر کے لہجے میں زلزلہ دینے والی بے بسی تھی۔

"نہیں! تم آرام کرو۔ تمہارے حصے میں گوشت، مرچیں چکنائی اور ہڈیوں پٹھوں میں دھواں ہے۔ خود کو تکلیف مت دو لیٹے رہو۔"

"مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں تمہارا ہاتھ نہیں بٹا سکتا۔" ٹائیگر نے سر تھام کر کہا۔

"لیٹے رہو۔" اوشان نے ہاتھ ہلاتے ہوئے غرا کر کہا اور پھر دروازے کی طرف پلٹ گیا۔

■

باہر تینوں آدم خور دیواروں سے بیٹھ کھسی کھا کر غرا رہے تھے۔ انھوں نے ٹائیگر کے دروازے کو کھولنے کی بجائے توڑنے کی کوششیں شروع کر دیں۔ اگر وہ انسان ہوتے تو صرف ہینڈل گھما کر دروازہ کھول سکتے تھے مگر اس وقت وہ عقل سے محروم درندے تھے۔

انھوں نے دروازے پر پنجے مارنے شروع کر دیے۔ پنجوں کی آوازیں غلام گردش میں گونجنے لگیں۔ ان کے حلق سے غراہٹیں بھی نکل رہی تھیں۔

بہرام درآتا ہوا راہ داری میں داخل ہوا اور پھر ان تینوں کو ٹائیگر کے دروازے پر دیکھ کر لبو کھلا گیا۔ اس نے فوراً ایک کونے میں پوزیشن سنبھال کر آٹومیٹک کی نال سیدھی کی اور پھر زوردار لہجے میں بولا۔ "دروازے سے دور ہٹ جاؤ... فرش پر لیٹ جاؤ ورنہ گولی مار دوں گا۔"

تینوں آواز کسن کر اس کی طرف پلٹ گئے۔ یہ واضح تھا کہ وہ بہرام کی آواز ہی سن سکے ہیں، انھیں اس جملے کا مفہوم سمجھ نہیں آیا، اور نہ ہی وہ آٹومیٹک سے خوف زدہ تھے۔

ان کے منہ سے رال ٹپکنے لگی۔

اندر کمرے میں اوشان اور ٹائیگر نے بھی بہرام کی آواز سنی اور دونوں ہی چونک پڑے۔

"یہ بے وقوف یہاں کیوں آ گیا؟" اوشان کا لہجہ بہت غصیلا تھا۔

باہر... تینوں آدم خور اپنے سامنے شکار دیکھ کر دروازے سے ہٹ گئے اور بہرام کی طرف بڑھنے لگے۔

"ٹھیک ہے۔ بس اب رک جاؤ۔ فرش پر لیٹ جاؤ۔" بہرام نے ٹائیگر کے دروازے سے خطرہ ٹلتے ہوئے دیکھ کر سکون کی سانس لی۔

مگر وہ تینوں اس کی طرف بڑھتے رہے۔ ان کی غیر انسانی نظریں بہرام پر جمی رہیں۔

"خبردار... فرش پر لیٹ جاؤ۔" بہرام نے ایک بار پھر کڑے لہجے میں حکم دیا۔

لیکن انھوں نے اب بھی بہرام کا مطلب نہیں سمجھا۔ اس کے بجائے وہ تینوں قدرے مختلف انداز سے... الگ الگ ہو کر بہرام کی طرف بڑھتے رہے۔ اس مرتبہ ان کی رفتار بھی تیز تھی۔ بہرام نے فوراً فائر کر دیا۔ گولی مرد کے سینے میں لگی، وہ تقریباً ایک فٹ اوپر اچھلا اور پھر سنگ مرمر کے فرش پر پیٹھ کے بل گر گیا۔ اس کا خون سفید ٹائلز کو سرخ کرنے لگا۔

کمانچہ بی ۲۲۱ میں ٹائیگر نے گولی کی آواز سنتے ہی اٹھنے کی کوشش کی۔

"اوشان! بہرام کو ہماری مدد کی ضرورت ہے۔" اس کا حلق خشک ہو رہا تھا اور آنکھیں سلگ رہی تھیں۔

"لیٹے رہو۔" اوشان نے غرا کر حکم دیا۔

"جہنم میں گیا لیٹنا۔ ٹائیگر پھر کر بولا۔ "میں اس کی مدد کے لیے جاؤں گا۔"

"تم...!" اوشان نے زہر خند انداز میں کہا۔ "تم آرام کرتے رہو میں جا رہا ہوں۔" یہ کہہ کر وہ ٹائیگر کو بستر پر بیٹھا ہوا چھوڑنے کے بعد غلام گردش میں نکل آیا۔

اور اسی لمحے ٹائیگر کی کھڑکی سے لگی ہوئی ڈرین پائپ لائن پر موجود شیلا فن برگ نے سر اٹھایا۔ وہ دو گھنٹے سے اسی جگہ چپکی ہوئی تھی مگر اس کو تھکن کا کوئی احساس نہ تھا۔ اس نے کھڑکی میں لگے ہوئے شیشے کے سوراخ سے جھانک کر دیکھا۔ اوشان دروازے سے نکل رہا تھا، ہال میں پہنچ چکا تھا اور ٹائیگر کمرے میں تنہا تھا۔ جونہی اوشان نے دروازہ بند کیا، شیلا نے شیشے پر پنجہ مارا اور ساتھ ہی ٹوٹے ہوئے شیشے سے کمرے میں کود گئی۔ وہ ٹائیگر کے بیڈ سے محض چند قدم دور گری تھی۔

وہ مسکرا رہی تھی۔

ٹائیگر ششدر اور گم صم تھا۔

وہ مادرِ خوشی کے غرانے لگی۔

"ہیلو سویٹ ہارٹ! میں تمہیں اپنانے کے لیے آ گئی ہوں۔"

■

غلام گردش میں دونوں آدم خور عورتیں اس انداز میں بیٹھی غرا رہی تھیں جیسے ابھی زقند بھر کر بہرام کو بھنبھوڑ ڈالیں گی۔ دونوں میں قدرے فاصلہ بھی تھا اور بہرام واضح طور پر انھیں زندہ پکڑنے کے لیے ڈرا دھمکا رہا تھا۔ اس نے باری باری دونوں کی طرف ریوالور کر کے انھیں ایک بار پھر فرش پر لیٹ جانے کو کہا مگر دونوں غراتی رہیں۔

پھر یہ اوشان ہی تھا، جس نے احساس کر لیا کہ اب بہرام کی زندگی چند لمحوں پر محیط ہے۔ اس نے دیکھ لیا تھا کہ عورتوں کے پٹھے پھڑک رہے ہیں اور وہ دونوں کسی بھی لمحہ بہرام کو چھاپنے والی ہیں۔ لمحہ والی مخصوص زمتناب کسی بھی ساعت ٹوٹنا ہو سکتی تھی۔

اوشان سرد ہوا کے جھونکے کی طرح پل بھر میں بہرام اور آدم خوروں کے درمیان پہنچ گیا۔ اس نے سب سے پہلے بہرام کے ہاتھ پر ہاتھ مارا۔ ریوالور ایک آواز کے ساتھ فرش پر گر گیا۔ عورتوں نے بہرام پر زقند بھری مگر اب اوشان ان کے درمیان تھا۔ اس کا بایاں ہاتھ بلند ہوا اور ایک عورت کی گردن پر لگا۔ وہ کسی چھپکلی کی طرح پیٹ سے گر گئی۔ اس لمحے دوسری عورت نے اوشان کی گردن پر پنجہ مارنا چاہا مگر اوشان کسی پارے کی طرح تیزی اور پھرتی سے اس عورت کی گردن کے نیچے آیا اور پھر اس کی کہنی عام رفتار سے بلند ہوئی اور پھر عورت کے پیٹ میں لگی۔ وہ عورت بہت زور سے غرائی تاہم اس کی غراہٹ زمیں پر گرنے سے قبل ہی دم توڑ گئی تھی۔ درحقیقت وہ ہوا ہی فضا ہی میں دم توڑ چکی تھی۔

بہرام لپک کر ان دونوں پر جھک گیا۔ "یہ دونوں مر گئیں مائی گاڈ!"

"یقیناً۔" اوشان نے مختصر سا جواب دیا۔

"مگر میں ان میں سے کسی ایک کو زندہ پکڑنا چاہتا تھا۔" بہرام

ندیم
Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

نے قدرے چڑچڑے انداز میں کہا۔

"اور یہ تمہیں کھانے کے بعد ہضم بھی کرنا چاہتی تھیں۔" اوشان نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔ "شاید یہ تم سے زیادہ عقل مند تھیں۔ ویسے ان میں وہ شامل نہیں جو پہلے بھی یہاں آچکی ہے۔" یہ کہتے ہی اوشان ٹائیگر کے کمرے کی طرف دوڑا اور کسی خوف کے باعث بہرام بھی دوڑ پڑا۔

وہ کمرے میں داخل ہوئے تو وہاں کوئی نہ تھا۔

کھڑکی کے شیشے کے ٹوٹے ہوئے ٹکڑے فرش پر پڑے تھے۔

اوشان دیوانہ وار کھڑکی کی طرف لپکا۔ اس نے باہر دیکھا۔ نیچے زمین پر ایک عورت ٹائیگر کو کندھے پر ڈالے ہوئے گودی کے قریب پہنچ چکی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے اس عورت کو بوجھ کا احساس ہی نہ ہو یا کوئی بچہ درخت کا کھلونا اٹھائے بھاگ رہا ہو۔

"لے... جی... امی... ای... ای..." اوشان نے خوفناک چیخ ماری اور ٹوٹی ہوئی کھڑکی سے نیچے کود گیا۔

بہرام نے ٹھیک اس وقت کھڑکی سے جھانکا، جب اوشان دو منزل نیچے عقبی زینے کے پلیٹ فارم پر کود کر گراؤنڈ پر کود رہا تھا۔ بہرام بھی پھرتی سے پلٹا اور دیوانہ وار زینے کی طرف بھاگنے لگا۔

اس نے باہر نکلتے ہی تیس فٹ لمبی وہ طاقت ور موٹر بوٹ دیکھی جو اب ہلکورے لے رہی تھی۔

شیلا فن برگ نے ہذیانی انداز میں غراتے ہوئے ٹائیگر کو ایک کیبن میں ڈالا اور پھر انجن روم کی سمت میں دوڑ گئی۔

اس وقت اوشان موٹر بوٹ سے چالیس گز دور تھا۔ اس نے دو تین لمبی لمبی چھلانگیں لگائیں۔ درحقیقت اس وقت وہ ہوا میں اڑ رہا تھا مگر جونہی وہ گودی پر پہنچا، موٹر بوٹ تیزی سے چکر کاٹ کر کھلے سمندر کی طرف روانہ ہو چکی تھی۔ اوشان محض چلاتا رہ گیا اگر اس وقت کوئی اس کی آواز سننے والا ہوتا تو وہ سمجھ لیتا کہ اوشان آدم خوروں کو ٹائیگر کے ہاتھوں بربادی کی بددعا دے رہا تھا۔

چند لمحوں بعد بہرام بھی وہاں پہنچ گیا اور وہ دونوں موٹر بوٹ کو گھپ اندھیرے میں گم ہوتے دیکھتے رہے۔ موٹر بوٹ پر ایک بھی بتی روشن نہیں تھی۔

بہرام کا دل بھر آیا۔

اس نے ہمدردی اور محبت کے جذبے سے مغلوب ہو کر اوشان کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا لیکن بوڑھے اوشان نے اس لمس کو محسوس نہیں کیا۔ تب ہی بہرام کو پہلی مرتبہ احساس ہوا کہ اوشان کتنا دبلا، کتنا چھوٹا اور کتنا کمزور لگ رہا ہے، وہ ایسا باپ



لگ رہا تھا جس کی کمر ٹوٹ دی گئی ہو۔

بہرام نے دوستانہ انداز میں اوشان کا شانہ دبایا۔

"میرا بیٹا مر گیا۔" اوشان کے لہجے میں دنیا جہان کا درد تھا۔ آواز زخمی تھی اور آنکھیں چندھیائی ہوئی۔

"نن... نہیں... ا...!" بہرام تڑپ اٹھا۔ "نہیں اوشان! ایسا مت کہو، وہ زندہ ہے۔"

"وہ مر جائے گا۔" اوشان نے پھر کہا۔ اس مرتبہ اس کا لہجہ سپاٹ تھا۔ شاید وہ یا ظنی جذبوں پر قابو پانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ یا شاید بیٹے کے سپاٹ پن کی وجہ یہ تھی کہ خوف نے اس کی صوتی رگوں کو خشک کر دیا تھا۔ "وہ مر جائے گا کیونکہ اب وہ خود کو بچانے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔"

"وہ نہیں مر سکتا۔" بہرام نے چلا کر کہا۔ "وہ زندہ رہے گا... زندہ رہے گا۔" یہ کہتے ہوئے وہ بڑے عزم کے ساتھ سینی ٹوریم کی طرف دوڑنے لگا۔

یہ وہ بہرام نہیں تھا۔ سرد اور غیر جذباتی بہرام محض چند لمحے قبل مر چکا تھا۔

اور یہ وہ اوشان بھی تو نہیں تھا۔

باحوصلہ، نڈر، دلیر اور دنیا کا سب سے بڑا بہادر اپنا حوصلہ کھو چکا تھا۔

اوشان سر جھکا کر کچھ بڑبڑانے لگا۔

بہرام تیزی سے دوڑتا رہا۔ ابھی رات شروع ہی ہوئی تھی اور اسے بہت کام کرنا تھا۔ آج اس کا کام بالکل وہی تھا۔ وہی پھانسی سے بچا کر نئی زندگی دینے کا مشن آج پھر اس کے سامنے تھا۔

*

ٹائیگر کو جو شیلا فن برگ کے وائلڈ ہتھوڑے سے بے ہوش ہو چکا تھا، پاور بوٹ میں ہوش آیا۔ اس وقت بوٹ کے انجن بند تھے اور ایسا لگ رہا تھا جیسے بوٹ کسی دوسری کشتی سے لگی ہوئی ہو۔

اس نے ذہن پر چھائی ہوئی دھند دور کرنے کے لیے سر جھٹکا تو اسے احساس ہوا کہ شیلا کی مضبوط گرفت اس کے دائیں کندھے پر ہے اور کندھے میں درد ہو رہا ہے۔

"چلو!" شیلا فن برگ نے اسے آگے کی طرف کیبن سے باہر دھکیلتے ہوئے کہا۔

باہر اب بھی گھپ اندھیرا تھا۔ موجیں شور مچا رہی تھیں۔ نمک کی بو بہت تیز تھی۔ شیلا نے ٹائیگر کو سہارا دے کر دوسری موٹر بوٹ میں چڑھایا۔ یہ قدرے چھوٹی مگر تیز رفتار کشتی تھی۔ شیلا نے ایک لمحے کے لیے بھی اس کو اپنی گرفت سے آزاد نہیں کیا۔

تب ہی ٹائیگر کو غصہ آگیا۔ اس نے ہاتھ گھمایا لیکن ہاتھ پوری طرح نہیں گھوم سکا۔ اس کے پٹھے اور ریشے ساتھ چھوڑ چکے تھے۔ اس کی انگلیاں... وہ انگلیاں نہ رہی تھیں جبکہ شیلا کی انگلیاں اس کے گوشت میں چبھ رہی تھیں۔

"کیا میں واقعی اتنا کمزور ہو گیا ہوں؟" ٹائیگر کا دل ڈوبنے لگا۔ اس نے ایک بار پھر کوشش کی اور اس مرتبہ شیلا نے غرا کر کہا۔ "اب تم نے ہاتھ چلانے کی کوشش کی تو تمہیں دوبارہ سلا دوں گی، کیا تم یہی چاہتے ہو؟"

"نہیں، میں صرف سگریٹ پینا چاہتا ہوں۔"

"سوری، یہاں تمباکو نوشی منع ہے۔"

"اچھا۔" وہ سر جھٹک کر رہ گیا۔ اب اس کی آنکھیں اندھیرے میں دیکھنے کی عادی ہو چکی تھیں۔ اسے کشتی کے عقبی حصے میں ایک بڑا سا صندوق رکھا ہوا نظر آیا۔

"ادھر آؤ۔" شیلا اسے ہاتھ سے پکڑ کر اسی طرف لے گئی۔ یہ صندوق نہیں بلکہ ایک بڑا آہنی پنجرہ تھا۔ اس کے اوپر چھت کی جگہ سیاہ پردے تھے۔ شیلا نے اپنے ایک ہاتھ سے پنجرے کا دروازہ کھولا اور پھر غرا کر بولی۔ "اندر جاؤ۔"

"کیا میں پنجرے میں بند ہونا ضروری ہے شیلا فن برگ؟" ٹائیگر نے خوشگوار لہجے میں پوچھا۔ اس وقت وہ خود کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دینے کی حکمت عملی اختیار کرنا چاہتا تھا۔

"میں تم پر نگاہ رکھنے میں اپنا وقت ضائع کرنا نہیں چاہتی۔" شیلا نے اپنا نام سن کر فاتحانہ انداز میں مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "تم فرار ہونے کی کوشش ضرور کرو گے۔"

"اگر میں فرار ہونے کی کوشش کروں تو؟" ٹائیگر نے اس کو بغور دیکھا۔ وہ بہت قریب تھی اور عجیب سی گھن ٹائیگر کو محسوس ہو رہی تھی۔ شاید یہ کچے گوشت کی بدبو تھی۔

"تب پھر میں تمہیں اس پنجرے میں بند رکھوں گی۔ تم میری قوت کا ایک مظاہرہ تو دیکھ ہی چکے ہو۔"

اندھیرے کے باوجود شیلا کے دانت چمک رہے تھے اور آنکھیں ایسی لگ رہی تھیں جیسے تیز دھار چاقو ہوں۔

ٹائیگر نے ایک اور کوشش کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس نے اپنا ہاتھ پھڑپھڑایا اور پھر اسی طرح گھوم کر بیک لگ مارنے کی کوشش کی اور یہ وہ ابتدائی داؤ تھا جس پر وہ اچھی طرح مہارت رکھتا تھا لیکن اسے یہ بھی علم تھا کہ اس کی بیک لگ سے مخالف کا کیا حشر ہوتا ہے اس کا ہم ایڑیوں پر گھوما، اس کا ہاتھ شیلا کی گرفت سے آزاد ہوا لیکن پھر وہ پوری طرح نہ گھوم سکا۔ بغل مکمل ہونے میں کوئی خامی رہ گئی تھی۔ رفتار اور جسمانی طاقت کا توازن گڑبڑ ہو گیا تھا لہٰذا اس کی پشت شیلا کی طرف ہونے کی بجائے اس کا دایاں پہلو اس کی طرف ہو گیا پھر ٹانگ بھی دیر سے اٹھی اور شیلا کے قریب ہوا۔ اس گھوم کر رہ گئی۔ تب ہی شیلا نے لپک کر اسے دبوچ لیا۔ وہ غرا رہی تھی۔ اس کے نازک نتھنے تیزی سے پھول اور پچک رہے تھے۔ "غور سے سنو شہزاد! اب اگر تم تعاون کرو گے تو جاگتے رہو گے لیکن اگر تم نے ذرا سی بھی آواز نکالی تو میں تمہیں پھر سلا دوں گی اور تمہارے جسم پر چند نئے زخم ابھر آئیں گے۔"

ٹائیگر نے فی الوقت تعاون کرنے ہی کو ترجیح دی۔ اس وقت وہ یہ سوچ رہا تھا کہ کیوں نہ باقی زندگی تعاون کرتے ہی سکون سے گزار دی جائے تاہم اسے اپنی کیفیت پر خود حیرت تھی۔ وہ بے انتہا

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کا پل اور بیزاری محسوس کر رہا تھا۔

پھر اُسے اچانک ہی سگریٹ کی شدید طلب محسوس ہوئی۔ ساتھ ہی بُجھتے ہوئے گوشت کا خیال آیا اور مُنہ میں پانی بھر آیا۔

"ایک سگریٹ ہوگی تمہارے پاس؟" اُس نے اپنائیت بھرے لہجے میں پوچھا۔

"نہیں!" وہ اس بار نرم لہجے میں بولی لیکن لہجے کی غراہٹ میں بہرحال کوئی کمی نہیں آئی تھی۔

اُوشان، بہرام کو غلام گردش سے لاشیں ہٹاتا ہُوا دیکھتا رہا اور پھر اپنے کمرے میں چلا گیا وہ بالکل گم سُم تھا۔ اُس نے بہرام سے ایک بات بھی نہیں کی تھی، کسی سوال کا جواب نہیں دیا تھا اور پھر بہرام بھی لاشیں ہٹا کر سیدھا اپنے دفتر میں چلا گیا تھا۔

بہرام کا نام سرکاری حلقوں میں اُس وقت بھی اجنبی تھا جب اُس نے سرگوش کے ساتھ مل کر اس تنظیم کی بنیاد رکھی تھی اور آج بھی اجنبی تھا جب چارہ گر نے دُنیا میں اہم ترین کارنامے سرانجام دیے تھے۔ ویسے بھی وہ ایک مدت کے بعد وطن واپس آیا تھا۔ ان حالات میں اُس کا کوئی اثر نہیں ہونا چاہیے تھا لیکن بات بہرام نامی آدمی کی نہیں، چارہ گر کے نظام کی تھی اور ڈاکٹر بہرام ملک کا سربراہ نہ ہوتے ہوئے بھی ملک میں ایک تربیت یافتہ فوج کا گمنام سربراہ تھا جو بیرونِ ممالک کے ہزاروں عام آدمی چارہ گر سے تنخواہ پاتے تھے۔ ہزاروں دوسری ایجنسیوں کے توسط سے چارہ گر کے لیے کام کرتے تھے۔ تاہم اُن کی رپورٹیں چارہ گر کے لیے آتی تھیں۔ ویسے یہ نظام ایسا تھا کہ اگر بہرام ٹیلی فون کی بجائے براہِ راست ذاتی طور پر اُن میں سے کسی بھی آدمی کو حکم دیتا تو وہ اُسے محض لمحوں کی شکل کا دیوانہ سمجھ کر نظر انداز کر دیتا۔

بہرام نے کبھی وہ خصوصی اختیارات استعمال نہیں کیے تھے جو اُسے معاہدے کے تحت حاصل تھے۔

لیکن اب وہ ان اختیارات کو استعمال کر رہا تھا۔

ایک خوجی اڈے کے کمانڈر نے ٹیلی فون پر غور سُنا، آئی سر کہا اور پھر ریسیور پٹخ کر کنٹرول رُوم کی طرف دوڑ گیا۔ اُسے حکم دینے والا صدرِ ریاست یا وزیرِ اعظم نہیں بلکہ بہرام تھا۔ اُس نے اپنا تعارف کرانے کے بجائے محض کوڈ بتایا تھا اور اس اڈے کے ہر کمانڈر کو یہ حکم تھا کہ اس کوڈ کو سننے والا شخص جو بھی حکم دے اُسے سپریم کمانڈر کا حکم سمجھا جائے۔ یہ انتہائی عجیب بات تھی اس قسم کا حکم اس اڈے کو پہلی بار ملا تھا۔

"جزیرے پر کڑی نگاہ رکھی جائے۔" کمانڈر نے چاق و چوبند تھوا جازوں کو حکم دیا۔ "ستائیس سے تیس فٹ لمبی پادر بوٹ تلاش کرنی ہے، جس کا رنگ چاندی جیسا ہے۔"

اگلے تین منٹوں میں چھ فوجی گن شپ سمندر پر گشت کر رہے تھے۔

وفاقی مُراعی رسال ادارے کا ہر تجربہ کار ایجنٹ پریشان تھا کیونکہ اُسے سمندری راستوں اور گلیوں پر نگاہ رکھنی تھی۔ لامادی آئی لینڈ کے قریب بحریہ کی کشتیاں گھوم رہی تھیں اور دُور بینوں کی مدد سے ایک ستائیس فٹ لمبی کشتی کی تلاش جاری تھی۔ ان سب کو صرف یہ بتایا گیا تھا کہ ایک ایسے سفارت کار کو اغوا کر لیا گیا ہے جس کو فردوس میں سیاسی پناہ دے دی گئی تھی۔ اُس کا نام اگرچہ خفیہ رکھا گیا تھا مگر حُلیہ بتا دیا گیا تھا۔ اُس کے بال گھنے سیاہ آنکھیں کالی، رخسار کی ہڈیاں اونچی، فراخ سینہ اور انتہائی مردانہ کلائیاں تھیں۔

ائرپورٹ سیکورٹی فورس اور لڑاکا طیاروں کو بھی اُس شخص کی تلاش کے لیے چوکس کر دیا گیا تھا۔ انھیں یہ بتایا گیا تھا کہ اس شخص کو تلاش کرنا قومی سلامتی کے لیے ناگزیر ہے۔

یہ سب کچھ کر لینے کے بعد بہرام اپنی سیدھی کرسی پر بیٹھ کر نتائج کا انتظار کرنے لگا پھر اُس کی نظریں سمندر پر جم گئیں۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیا ان اقدامات کا کوئی نتیجہ نکلے گا بھی یا نہیں۔

کچھ ہی دیر بعد ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے لگی لیکن بہرام کو اس وقت دوسرے فون کی گھنٹی کا انتظار تھا لہٰذا اُس نے بُرا سا مُنہ بنا کر بغیر ڈائل والے سیٹ کا ریسیور اُٹھا لیا۔

"جی جناب! بہرام عرض کر رہا ہُوں۔" اُس نے رُوکھے لہجے میں کہا۔

"گلستان آباد میں ہونے والی آدم خوری آخر کب ختم ہوگی ڈاکٹر؟"

دوسری طرف وزیرِ اعظم تھا۔

"میں جو کچھ کر رہا ہُوں، وہ اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے جناب!" بہرام کے لہجے میں کوئی تاثر نہیں تھا۔

"میرا خیال تھا کہ تمہارا خفیہ ہتھیار رات تک سب کچھ ختم کر چکا ہو گا۔" وزیرِ اعظم کے لہجے میں واضح طور پر تلخی اور کبیدگی تھی۔

"خفیہ ہتھیار زخمی ہو چکا ہے جناب وزیرِ اعظم۔" بہرام نے پہلی مرتبہ درشت لہجے میں جواب دیا۔ "وہ نہ صرف زخمی ہے بلکہ اُسے اغوا بھی کر لیا گیا ہے۔ اب میرے نزدیک سب سے اہم ضرورت اس کی بازیابی ہے۔ میں اُسے بازیاب کرنا چاہتا ہُوں اس سے قبل کہ...."

"اس سے قبل کہ وہ سب کچھ اُگل دے..."

"جی ہاں... یا اس سے قبل کہ اُسے قتل کر دیا جائے۔"

"ڈاکٹر!" وزیرِ اعظم کی آواز کانپ رہی تھی۔ "اگر اس نے زبان کھول دی تو ایک عالمی بحران اُٹھ کھڑا ہوگا۔"

"میں جانتا ہُوں جناب!"

"ہم اسے زبان کھولنے سے کس طرح روک سکتے ہیں؟"

"اُسے تلاش کر کے۔" بہرام نے دوٹوک انداز میں جواب دیا۔

"اور پھر؟"

"پھر اگر یہ خطرہ ہُوا کہ وہ زبان کھول سکتا ہے تو پھر حالات کو میں سنبھال لوں گا۔"

"وہ کیسے؟"

"میرا خیال ہے کہ آپ اس سوال کا جواب حاصل کرنا پسند نہیں کریں گے جناب!" بہرام کا لہجہ بہت عجیب تھا۔

وزیرِ اعظم ایک طویل سانس لے کر رہ گیا۔ وہ جانتا تھا کہ بہرام کا جواب کیا ہے۔ "ٹھیک ہے ڈاکٹر! میں یہ سب کچھ تمہاری صوابدید پر چھوڑتا ہُوں۔"

"کچھ بہتر بات ہوگی جناب!" بہرام نے نرم لہجے میں جواب دیا۔ "ویسے ہم چند درندوں کو ہلاک کر چکے ہیں۔ اس شرح آدم خوری کی شرح میں بہرحال قدرے کمی آ جائے گی۔"

"شرح میں کمی سے اب آنسو نہیں پونچھے جا سکتے ڈاکٹر۔"

"درست! ہم اس کیس پر کام کر رہے ہیں جناب!"

"شب بخیر!" وزیرِ اعظم نے دھیرے سے کہا۔ "یہ مسئلہ حل ہونے کے بعد میں تم سے بالمشافہ ملاقات ضروری سمجھتا ہُوں۔"

"شب بخیر جناب!" بہرام نے کوئی وعدہ کرنے کی بجائے آہستہ سے ریسیور رکھ دیا۔

دوسری مرتبہ اسی عام سیٹ کی گھنٹی بجی جس پر بہرام دیر سے نظریں جمائے ہوئے بیٹھا تھا۔

"کرنل احمد آف کوسٹ گارڈ کالنگ سر!" دوسری طرف سے آواز سُنائی دی۔ کرنل احمد کو صرف یہ علم تھا کہ وہ وزارتِ داخلہ کے کسی اہم افسر سے بات کر رہا ہے۔ "ایک ہیلی کاپٹر نے مطلوبہ کشتی کو تلاش کر لیا ہے جناب! کشتی خالی ہے اور لہروں کی وجہ سے جنوب کی طرف جا رہی ہے۔ اس میں روشنی بھی نہیں ہے۔"

"شکریہ!" بہرام نے فوراً ریسیور رکھ دیا پھر ایک نمبر ملایا۔ کشتی کے کوائف بتائے اور رابطہ منقطع کر دیا۔ پانچ منٹ بعد ہی گھنٹی بج اُٹھی۔

"کشتی کا مالک گلستان آباد کا ایک سرجن ہے جس کا کہنا ہے کہ اس نے کشتی صرف ایک گھنٹہ قبل ایک لاکھ چالیس ہزار روپے کے عوض فروخت کی ہے۔ خریدار شارق نامی ایک نوجوان تھا جس نے گلے میں طلائی زنجیر پہن رکھی تھی۔ اس کے علاوہ اور کچھ معلوم نہیں ہو سکا جناب!"

"شکریہ!" بہرام نے طویل سانس لے کر ریسیور رکھ دیا۔ اُسے مایوسی ہوئی تھی۔ وہ خود کو ایک بند گلی میں پا رہا تھا۔ کشتی خریدنے والا یقیناً آدم خوروں ہی سے تعلق رکھتا تھا اور یہ وہی شخص تھا جس کو بہرام نے باہر غلام گردش میں گولی ماری تھی۔ وہی شخص طلائی زنجیر پہنے ہوئے تھا۔

اس رات بہرام کسی اور کال کے انتظار میں رہا لیکن سپیس صبح ہو گئی اور کسی نے فون نہیں کیا۔

ابھی رات باقی تھی کہ ایک چھوٹا سا طیارہ ایک غیر ہموار سے رن وے پر اُترا۔ بہرام کے پوری طرح رُکنے کے بعد ٹائیگر نے محسوس کیا کہ اس کے پنجرے کو کارگو ڈور کی طرف کھینچا جا رہا ہے اور پھر جب اُس پنجرے کو پانچ فٹ کی بلندی سے نیچے ڈالا گیا تو وہ کراہ کر رہ گیا۔

"کیا مصیبت ہے، ذرا بھی انسانیت نہیں ہے۔" وہ چلا کر بولا۔ تاہم اُس کی آواز پنجرے میں ہی گھٹ کر رہ گئی کیونکہ پنجرے پر چاروں طرف دبیز پردے پڑے ہوئے تھے۔

پھر خاموشی چھا گئی مگر کچھ دیر بعد طیارے کا انجن اسٹارٹ ہونے کی آواز سُنائی دی اور ایسا لگا جیسے یہ آواز عین پنجرے کے اُوپر پیدا ہو رہی ہے۔ اُس نے اپنی سماعت کو ان آوازوں سے بچانے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ وہ یہ سوچ کر کانپ گیا کہ اس سے ہر قسم کی سماعت چھنتی جا رہی ہے۔ ایک وقت تھا کہ وہ بم کے دھماکے کو بھی محسوس نہیں کرتا تھا۔ اپنی سماعت پر تربیت کے مطابق دبیز پردے ڈال لیتا تھا لیکن اس بار اُس نے جونہی سانس کھینچ کر پردۂ سماعت کو بے حس بنانا چاہا، اُسے سینے میں شدید درد محسوس ہُوا اور وہ بُری طرح کھانسنے لگا۔

پھر انجن کی آواز دُور ہونے لگی۔ طیارہ اب رن وے پر دوڑ رہا تھا۔ چند ہی لمحے بعد طیارہ یقیناً فضا میں بلند ہو گیا کیونکہ ٹائیگر کو اس کی آواز اب اور دُور جاتی ہوئی لگ رہی تھی۔

وہ سر جھٹکنے لگا۔ اُس کی پیشانی پر پسینے کے قطرے جھلملانے لگے۔ وہ پریشان تھا اور پہلی بار سوچ رہا تھا کہ اب وہ کیا کرے گا۔

پھر معاً طیارے کی ہلکی گنگناہٹ بھی ختم ہو گئی۔ چاروں طرف خاموشی چھا گئی۔ تاہم چند ساعت بعد حشرات الارضی کے بولنے اور ٹرٹرانے کی آوازیں آنے لگیں۔ ایسا لگا جیسے ان سب نے ایک اجتماعی گیت الاپنا شروع کر دیا ہو۔

اور پھر ٹائیگر کو دی غلب دوبارہ محسوس ہوئی۔

سگریٹ کی طلب۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

دو تین منٹ بعد ایک طرف کا پردہ اُٹھا کر پنجرے کی چھت پر الٹ دیا گیا۔

پنجرے کے باہر شیلا فن برگ فاتحانہ انداز میں کھڑی ہوئی تھی۔

"کیا حال ہے جانم؟" وہ مسکرا کر پوچھنے لگی۔ تمازت گرمی کے باعث اس نے بلکا سا لباس پہن رکھا تھا اور وہ واقعی قیامت لگ رہی تھی۔

"شاندار!" ٹائیگر بھی مسکرا کر بولا۔ "تفریح کرتے ہوئے تو ایسا لگتا ہے جیسے وقت کو پر لگ گئے ہوں۔"

"کیا تم اس پنجرے سے باہر نکلنا چاہتے ہو شہزادے؟" وہ ایک ادا سے سر جھٹک کر بولی۔

"اس کا انحصار میری مرضی پر نہیں، تمہاری مرضی پر ہے شیلا۔" ٹائیگر نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ اس نے اتنی بے بسی کبھی محسوس نہیں کی تھی اور وہ جانتا تھا کہ اگر اس کا جسم اس کے ذہن کے تابع ہوتا اور عضلات میں وہی پرانی توانائی ہوتی تو وہ اس پنجرے کو توڑ سکتا تھا۔

شیلا سلاخوں سے ٹیک لگا کر کھڑی ہو گئی۔ "سوچو شہزادے!" وہ نرم لہجے میں بولی۔ "میرا خیال ہے کہ تم اب تک اس بات کے قائل ہو چکے ہو گے کہ میں تم سے زیادہ طاقت ور ہوں اگر تم اس ایک بات کو یاد رکھو اور فراری کی کوشش نہ کرو تو میں تمہیں پنجرے سے آزاد کر سکتی ہوں لیکن اگر تم نے میرے لیے مشکلات پیدا کرنے کی کوشش کی تو پھر تم پنجرے میں بند رہو گے۔"

"اب باہر تو نکالو۔" ٹائیگر پوری طرح شکست تسلیم کر چکا تھا۔

"گڈ! پنجرے سے باہر تم زندگی کو بہت حسین پاؤ گے۔" شیلا نے اپنی جیب سے ایک کنجی نکال کر قفل کھول دیا تو ٹائیگر سیاہ رنگ کے پردے کو اٹھا کر ہاتھ پیر سیدھے کرنے لگا۔

"شاندار! اب احساس ہوا کہ باہر کا ماحول کتنا حسین ہے۔"

"چلو۔" شیلا نے ایک جیپ کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ جو درختوں کے قدرے ہٹ کر کھڑی ہوئی تھی۔ شیلا خود ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گئی اور ٹائیگر نے اس کی برابر والی نشست سنبھال لی۔

"ایک بات تو بتاؤ۔ تم ہی شیلا فن برگ ہو نا؟" ٹائیگر نے گشت گاہ سے ٹیک لگاتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں، میں ہی شیلا فن برگ ہوں، ڈاکٹر شیلا فن برگ۔" وہ خوشگوار انداز میں ہنستی ہوئی بولی۔ اس کے لہجے میں فخر بھی شامل تھا۔

"تب پھر تمہاری تصویر تمہارے ساتھ انصاف نہیں کرتی۔" ٹائیگر نے کہا۔

دیوتاؤں کے شہر نیپال میں بسنے والے
ایک درندے کی پراسرار داستان
درندہ
یعقوب جمیل کے ہوشربا قلم سے جس کا
قارئین کو برسوں سے انتظار تھا
مکتبہ القریش سرکلر روڈ اردو بازار لاہور
فون 7668958

"میری تصویر وہی ہے جیسی میں تھی۔" شیلا نے جواب دیا۔

"اور میری وہ شکل اب باقی نہیں رہی۔"

"درست!" ٹائیگر طویل سانس لے کر بولا۔ "ویسے ہم کہاں ہیں؟"

"برائٹ آئی لینڈ... گلستان آباد سے چار سو میل دور۔" شیلا نے معنی خیز انداز میں جواب دیا۔

"اوہ! تم مجھے قتل کرنے کے لیے اتنی دور لائی ہو تم نے مجھے وہیں قتل کیوں نہیں کر دیا؟"

"تمہیں کون قتل کر سکتا ہے۔" وہ نیم وا نظروں سے اسے دیکھ کر بولی۔ "میں نے تمہارے لیے ایک منصوبہ بنا رکھا ہے۔" یہ کہہ کر وہ عجیب سے انداز میں مسکرائی اور اس کی اس مسکراہٹ میں ٹائیگر کو کسی قسم کی کشش محسوس نہ ہوئی۔

"کیسا منصوبہ؟" اس نے پہلو بدلتے ہوئے پوچھا۔

"تم نے افزائش نسل کے فارم دیکھے ہیں؟" وہ اب ونڈ اسکرین پر نظریں جمائے ہوئے تھی۔ "یقیناً دیکھے ہوں گے اور میں نے تمہیں ایک ایسے ہی فارم پر رکھنے اور اسی مقصد کے لیے استعمال کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔"

ٹائیگر کے چہرے پر یہ سن کر جو مسکراہٹ پیدا ہوئی اُسے اگر اُدھان بھی دیکھ لیتا تو اُسے کوئی معنی نہیں پہنا سکتا تھا۔ یہ بے بسی، لطف، خوشی، نفرت اور بے چارگی کے تمام تر جذبوں سے بھری ہوئی مسکراہٹ تھی۔ اور اس وقت بھی ٹائیگر کو سگریٹ کی طلب محسوس ہو رہی تھی بلکہ اس کی شدت اور زیادہ ہو گئی تھی۔

جیپ گنے کے کھیت کے سامنے رکی۔ یہاں سفید فارم ہاؤس نظر آ رہا تھا۔ گنے کی فصل غالباً بہت دنوں قبل کاٹی جا چکی تھی اور اب کھیتوں میں اس طرح جھاڑ جھنکاڑ نظر آ رہے تھے جیسے کسی گنجے کی چندیا پر بال ہوتے ہیں۔ بکھری ہوئی گھاس اور گنے کے سوکھے ہوئے چھلکے دور دور تک پھیلے ہوئے تھے۔ جب ٹائیگر جیپ سے اترا اور اس کا پیر ان چھلکوں پڑا تو کسی سالخوردہ دروازے کی طرح چلا اُٹھے۔

فارم ہاؤس نہ صرف صاف ستھرا تھا بلکہ اس میں اضافے بھی کیے گئے تھے۔ باہر گیسولین کا شور مچاتا ہوا جنریٹر تھا جس سے فارم ہاؤس کو بجلی فراہم ہوتی تھی۔ اندر گھستے ہی ٹائیگر نے سب سے پہلے ایک الماری کھول کر اس میں سگریٹ تلاش کرنے شروع کر دیے۔ یہ غالباً اُس کی قسمت تھی کہ الماری میں تین پیکٹ رکھے ہوئے مل گئے۔ شیلا سگریٹ نہیں پیتی تھی اور شاید ان پیکٹوں پر کسی کی نظر بھی نہیں پڑی تھی، ورنہ یہ پیکٹ یہاں نظر نہ آتے۔ ٹائیگر نے بڑی بے صبری سے سگریٹ سلگائی اور ایک لمبا کش لے کر دھواں نکل گیا۔ نکوٹین حلق کے راستے پھیپھڑوں تک اُترتی چلی گئی۔

اس کے بعد مطمئن ہو کر ٹائیگر نے ریفریجریٹر میں جھانکا اندر اُسے چاکلیٹ اور کیک رکھے ہوئے نظر آ گئے اور وہ کسی بھوکے کی طرح چاکلیٹ مُنہ میں ڈال کر اسے گھلانے لگا۔

وہ نکوٹین پی رہا تھا اور چاکلیٹ کی شکل میں شکر پھانک رہا تھا۔

اُدھان ان دونوں چیزوں کو جسم و جان، ذہن و نظر کے لیے زہر قرار دیتا تھا۔

عرصہ ہوا تھا کہ اُس نے چاول، مچھلی، بطخ اور کبھی کبھی سبزیوں کے علاوہ سب کچھ کھانا بند کر دیا تھا۔ اُسے خود یاد نہیں کہ اس نے آخری بار میٹھا کب کھایا تھا اور اس وقت چاکلیٹ کا رس حلق سے اُتارتے ہوئے وہ سوچ رہا تھا کہ آخر اتنے عرصے تک ان نعمتوں سے کیوں دُور رہا۔

وہ دوسری چاکلیٹ مُنہ میں رکھ رہا تھا کہ شیلا دروازے پر نمودار ہوئی۔ اُس نے لباس بدل لیا تھا اور اس وقت وہ سفید گاؤن میں تھی۔ اس نے کچھ کہنے کے لیے مُنہ کھولا لیکن پھر کچھ کہے بغیر تیزی سے آگے بڑھی اور بڑی بدتمیزی سے اس نے سگریٹ چھین کر ایش ٹرے میں مسل دیا۔

"ارے! میں سگریٹ پی رہا تھا۔" ٹائیگر نے احتجاج کرنے والے لہجے میں کہا۔

"شاید تمہیں کسی نے نہیں بتایا کہ تمباکو نوشی صحت کے لیے مُضر ہوتی ہے؟" وہ غرا کر بولی لیکن پھر فوراً ہی دلکش انداز میں مسکرانے لگی۔ "تمباکو کے برعکس میں تمہیں ایک بہترین ٹانک دوں گی۔"

ٹائیگر کو تم میں ایک عجیب سی سنسنی محسوس ہونے لگی۔ اس کا احساس اس کو کئی سالوں سے نہیں ہوا تھا۔ وہ مسکرانے لگا اور پھر شیلا اس کا ہاتھ پکڑ کر اُسے کمرے کی طرف کھینچنے لگی۔

شیلا کے کمرے سے چلے جانے کے بعد اس نے یونیفارم کی جیب میں چھپا ہوا پیکٹ نکال کر ایک اور سگریٹ سلگائی اور چت لیٹا اپنی موجودہ کیفیت پر غور کرنے لگا۔

دس بارہ سال قبل جب سرگوش نے اسے چارہ گر کے لیے منتخب کیا تھا تو اس کے ذہن کے کسی کونے میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ وہ کسی آدم خور کی غلام بن جائے گا۔ اس وقت وہ "مقدس محبوب" تھا اور ایک انجانی سی خلش اُسے پریشان کر رہی تھی۔

وہ پے در پے تین سگریٹ پھونک گیا اور پھر تیسرے سگریٹ کے ختم ہونے پر بُجھا کر سو گیا۔

صبح اس کی آنکھ کھلی تو بیڈ روم کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ شیلا کچن میں کھڑی ہوئی نظر آ رہی تھی۔

ٹائیگر کچن میں ہی چلا گیا۔

"کیا خیال ہے؟" وہ اُسے دیکھ کر معنی خیز انداز میں بولی۔ اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ "ناشتے سے قبل یا... بعد؟"

"ناشتے کے بعد..." ٹائیگر ایک طویل سانس لے کر بولا۔ اُسے بہت عجیب سا لگ رہا تھا۔

شیلا نے اس کے سامنے گوشت کے کچھ ٹکڑے اور کچے انڈے رکھ دیے۔

"پہلے..." ٹائیگر نے گھبرا کر جواب میں ترمیم کر دی۔

"نہیں، اب ناشتے کے بعد..."

"مگر انڈوں کو اُبال تو دو۔"

"میں بچوں کو تکلیف دینا نہیں چاہتی۔" شیلا نے مسکرا کر کہا۔

"مگر اس کچے گوشت اور انڈوں کو کون کھائے گا؟" ٹائیگر احمقانہ انداز میں بولا۔ ساتھ ہی اُس نے شیلا کو کچے انڈے توڑ کر پیتے ہوئے اور پھر کچا گوشت کھاتے ہوئے دیکھا۔

"بھئی میں نے تو تمہارے لیے ناشتا بنا دیا ہے۔" وہ ایک کچی بوٹی نگل کر انگلیوں سے خون چاٹتی ہوئی بولی۔ "اب اگر تمہیں پسند نہیں تو دلیہ کھا لو۔"

"نہیں، میں کم از کم انڈے تو اُبال ہی سکتا ہوں۔" ٹائیگر نے اپنی پلیٹ اُٹھاتے ہوئے کہا۔

"ہرگز نہیں۔" وہ سنجیدہ ہو گئی۔ "تم کچے کو ہاتھ بھی نہیں لگاؤ گے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ٹائیگر خاموشی سے بیٹھا رہا اور پھر اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر چاکلیٹ نکالی اور منہ سے ہی پھاڑنے لگا۔ یہ اُس کا یہاں پہلا ناشتا تھا۔

★★

چارہ گر میں یہ تیسرا دن تھا مرنے والے آدم خوروں کا پوسٹ مارٹم ہُوا تو بہرام کے بدترین خدشات سچ ثابت ہوئے۔ تینوں افراد کے جسم کیمیاوی تبدیلی سے گزر چکے تھے اور درحقیقت تینوں ہی انسانی جسم کا کیمیاوی تناسب نہ ہونے کے برابر تھا۔ تینوں انسان اور حیوان کے درمیان کی منزل پر تھے اور بہرام کو خطرہ تھا کہ اگر یہ سلسلہ جاری رہا تو ان لاشوں کے زندہ ساتھی مختل اور زیادہ خطرناک درندے بن جائیں۔

گلستان آباد میں بہرحال آدم خوروں کے ہاتھوں مرنے والوں کی شرح کم ہوتی رہی۔ ممکن ہے اس کی وجہ فوج کا گشت ہو لیکن بہرام کو یقین تھا کہ اموات میں کمی کی وجہ ان تینوں کی موت ہے جس کے باعث درندوں کی قوت میں خاصی کمی واقع ہو گئی ہے۔

اس کو یہ بھی یقین تھا کہ ٹائیگر کو لے جانے والی عورت شیلا ہی تھی اور یہ بھی کہ وہ گلستان آباد میں نہیں ہے اگر وہ ٹائیگر کو لے کر کہیں اور نہ جاتی تو آسانی گلستان آباد میں مزید درندے پیدا کر سکتی تھی اور یوں اموات کی شرح میں کمی رُونما نہ ہوتی۔ بہرام کے لیے سیدھے سبھاؤ خطرہ یہ تھا کہ کہیں شیلا فن برگ ٹائیگر کو بھی اپنی راہ پر ڈال کر درندہ نہ بنا لے۔ وہ جانتا تھا کہ اگر ایسا ہُوا تو پھر دُنیا میں قیامت آجائے گی اور ٹائیگر کو روکنے والا صرف ایک ہی شخص ہوگا۔

"صرف ایک شخص!" بہرام نے کندھے سکیڑ کر کہا۔ وہ اپنے آپ سے باتیں کر رہا تھا۔ سوال یہ تھا کہ وہ اُس شخص کے سامنے اس مسئلے کو کس طرح اُٹھائے؟

تب ہی اُسے وہ دن یاد آگیا جب اُس نے ٹائیگر کو سرگوشی کے قتل کا حکم دیا تھا۔ وہ خنجر جھری لے کر کھڑا ہو گیا اور اُس کے قدم دوسری منزل کے کمرے کی طرف اُٹھنے لگے۔

دروازہ بند تھا مگر مقفل نہیں۔ اُس نے ہلکے سے دستک دی کوئی جواب نہ آیا۔ بہرام نے دروازے پر ہاتھ رکھا۔ ہلکا سا دھکا دیا تو دروازہ کھل گیا۔

اُوشان کفن نما سفید عبا میں گھاس کی چٹائی پر دوزانو بیٹھا ہُوا تھا۔ کمرے کی دونوں کھڑکیوں پر گہرے کالے پردے پڑے ہوئے تھے اور چاروں کونوں میں موم بتیاں جل رہی تھیں۔ کمرے میں فرنیچر نہیں تھا۔ اُوشان کے سامنے ایک پیالے میں موم جل رہا تھا۔

"اُوشان!" بہرام نے رُندھی ہوئی آواز میں اُسے پکارا۔

"کیا ہے؟" کمرے میں نحیف سی آواز اُبھری۔

"میں... میں... بہت شرمندہ ہُوں۔ ٹائیگر کے معاملے میں ابھی تک کوئی اطلاع نہیں مل سکی ہے ایسا لگتا ہے جیسے ان دونوں کو آسمان کھا گیا ہے یا زمین نگل گئی ہے۔"

"وہ مر چکا ہے۔" اُوشان کا لہجہ جذبات سے عاری تھا۔

"تم اتنے یقین سے کس طرح کہہ سکتے ہو؟"

"اس لیے کہ میری خواہش بھی یہی ہے۔"

"تمھاری خواہش؟" بہرام چونک پڑا۔ "مگر کیوں ماسٹر؟ تمھاری یہ خواہش کیوں ہے کہ...؟"

"اس لیے کہ اگر وہ زندہ ہے تو پھر اُنھی جیسا بن جائے گا اور اگر وہ اُن جیسا بن گیا تو سانجو کی ایک سو نسلیں مجھ سے مطالبہ کریں گی

ایک ایسی عورت کی کہانی
جو مردوں کے معاشرے میں
ملکہ بن کر جینا چاہتی تھی
ناگ رانی
دو جلدوں میں
جلد اول =/145
جلد دوئم =/145
مکتبہ القریش سرکلر روڈ اردو بازار لاہور
فون 7668958

کہ میں اُسے ہلاک کر دوں، یہ میرا فرض ہوگا کہ میں اُسے غلط استعمال نہ ہونے دوں۔ میں اُسے قتل کرنا نہیں چاہتا لہٰذا میری خواہش ہے کہ وہ مر چکا ہو۔"

"میں سمجھتا ہُوں ماسٹر۔" بہرام نے انتہائی آزردگی سے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ اُسے اُوشان کو سمجھانے کی ضرورت نہیں پڑی تھی۔ اُوشان خود ہی وہ سب کہہ رہا تھا جو بہرام اس سے کہنے کے لیے آیا تھا۔ بات واضح تھی اگر ٹائیگر بھی آدم خور بن گیا تو خود اُوشان اُس کا خاتمہ کر دے گا۔ اس کا دل بھر آیا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اس وقت اُوشان کس شدید جذباتی ہیجان کا شکار ہے۔ وہ اُوشان سے مزید کچھ نہ کہہ سکا اور سر جھکا کر کمرے سے نکل آیا۔

ایب ٹائیگر کو اچھی طرح احساس ہو گیا کہ لوگ جنت سے نکلنے کے لیے شیطان سے سودا کیوں کر لیتے ہیں؟

یہاں کا ماحول ایک جیسا اور بے زار کر دینے والا تھا۔ ہر وقت گھنا جھاں رہتی تھی۔ شیلا ہر وقت حسین لگتی رہتی تھی اور اس کے سلسلے ہر وقت ٹائیگر کو پریشان کرتے رہتے تھے۔ اُس کو اکتاہٹ محسوس ہونے لگی۔ حالات اس لیے بھی پریشان کُن تھے کہ ٹافیاں اور سگریٹ دونوں آہستہ آہستہ ختم ہو رہے تھے۔ سگریٹ کم ہونے کی وجہ شیلا بھی تھی جو اس کے ہاتھ میں سگریٹ دیکھتے ہی چھین کر توڑ دیتی تھی۔ وہ ماچس کی بھی دشمن تھی اسی لیے ٹائیگر نے بچی ہوئی واحد ماچس کی ڈبیا بستر کے نیچے چھپانی شروع کر دی تھی۔ ایک اور سنگین مسئلہ کھانے کا تھا۔ شیلا نے اسٹو جلانے پر پابندی لگا رکھی تھی۔ وہ خود تو منہ لے لے کر کچا گوشت کھاتی رہتی تھی اور ٹائیگر ڈبل روٹی یا کیک پر گزارا کرتا تھا۔

کبھی کبھی ٹائیگر کو اُوشان کا خیال بھی آتا اور وہ یہ سوچتا کہ کیا اب کبھی اُوشان سے ملاقات ہو سکے گی؟ کسی وقت وہ یہ سوچ کر پہلو بدلنے لگتا کہ شاید اُوشان اُسے فراموش کر کے کسی دوسرے شخص کو ٹائیگر بنانے کے لیے تلاش کر رہا ہو۔

اُس روز ٹائیگر پورچ میں نکلا۔ فارم ہاؤس کے اردگرد کئی فٹ بلند باڑ تھی۔ ٹائیگر اُس پر کہنیاں ٹیک کر کھڑا ہو گیا۔ اسی لمحے اُسے یاد آیا کہ اُوشان نے اس کو کس طرح پتلی پتلی دیوار پر دوڑا کر توازن برقرار رکھنے کی تربیت دی تھی۔ اُسے وہ تمام مقامات یاد آگئے جہاں جہاں وہ دوڑا تھا۔ یہ تو پورچ کی ریلنگ تھی۔ اس سے خود کو آزمانے کا فیصلہ کیا۔ ٹائیگر نے کہنیاں ہٹا کر فضا میں اُچھلنے اور دیوار پر پہنچنے کی کوشش کی مگر اُس کا دایاں پیر ہی دیوار تک پہنچ سکا۔ بایاں پیر پیچھے اور نیچے رہ گیا اور وہ اُلجھ کر نیچے آگرا۔

پہلی بار ٹائیگر کو پریشانی محسوس ہوئی۔ وہ اس طرح کبھی نہیں پھسلا تھا۔ وہ پھر اُٹھا۔ اُس نے دوسری بار کوشش کی۔ اس مرتبہ اُس کے دونوں پیر منڈیر پر پہنچ گئے مگر وہ توازن برقرار نہ رکھ سکا اور چند لمحوں تک آگے پیچھے جھولنے کے بعد اُسے نیچے کود جانا پڑا۔

"تمھاری حالت واقعی افسوسناک ہے۔" عقب سے شیلا کی آواز سُنائی دی۔

"کیا مطلب؟" وہ اُس کی طرف پلٹ کر بولا۔ شیلا دروازے کی چوکھٹ پر کھڑی ہوئی مُسکرا رہی تھی۔ "تم سے پہلی ملاقات ہوئی تو تم واقعی غیر معمولی آدمی تھے شہزاد!" وہ کہتے گئی۔ "اسی وجہ سے میں نے تمھیں یہاں لانے کا فیصلہ کیا تھا لیکن اب... اب تم عام نوجوانوں کی طرح بے کار آدمی ہو اور چند سال بعد نوجوان بھی نہیں رہو گے۔"

شیلا نے اپنے لہجے میں ٹائیگر کے لیے حقارت کو چھپانے کی کوئی کوشش نہیں کی تھی۔

"ایک منٹ... کیا کہنا چاہتی ہو؟ میرے یہاں لائے جانے کا کیا مقصد ہے؟"

"تمھارا دماغ بھی کام نہیں کرتا شہزاد!" وہ مُسکرا کر بولی۔ "اگر خود اندازہ نہیں لگا سکتے تو مجھ سے بھی مت پوچھو۔ تماشا کرو، تمھیں تو اتنا ہی کرنا ہے۔"

"میں ڈبل روٹی اور ٹافیاں کھا کھا کر اُکتا چکا ہُوں۔" ٹائیگر نے غصیلے لہجے میں جواب دیا۔

"تب پھر اُداس کھانا دو۔" یہ کہہ کر وہ گھر میں واپس چلی گئی۔

جب وہ اُسے یہاں لائی تھی تو ابتدائی دنوں میں اُس نے ٹائیگر پر کڑی نظر رکھی تھی تاکہ وہ فرار نہ ہو سکے اگر اُسے کسی کام سے باہر جانا ہوتا تھا تو وہ ٹائیگر کو کمرے میں بند کر کے جاتی تھی لیکن اب اُس نے ٹائیگر کو نظر انداز کرنا شروع کر دیا تھا۔ شاید اُس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ ٹائیگر فرار ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

اس وقت ٹائیگر کو بار بار یہی احساس ستا رہا تھا کہ کیا وہ اس حد تک گر چکا ہے... اس حد تک کہ ایک عورت اُس کی اس طرح تذلیل کر دے۔ سانجو کا فن کہاں گیا؟ کیا یہ فن اتنا ہی بے وفا تھا اتنی جلد ساتھ چھوڑ گیا؟

"یا میں نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا؟" ٹائیگر نے اپنے آپ سے سوال کیا۔ "کیا میں غدار ہُوں؟"

وہ ریلنگ سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔ اُس نے لکڑی پر انگلیاں رکھ لیں۔ چند ہفتے قبل تک وہ محض لکڑی کے لمس کا احساس کر کے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

یہ بتا سکتا تھا کہ لکڑی کس قسم کی ہے اور اس کا رنگ کیا ہے اس میں کتنی نمی ہے، کتنی پرانی ہے، اور گیلی ہو کر کس حد تک پھیلنے کا سبب بن سکتی ہے۔

لیکن اب... اب اس کی انگلیاں کسی قسم کا پیغام نہیں دے رہی تھیں۔

وہ محض لکڑی تھی۔

اس نے سنا نجو کے فن کی شرائط پر عمل درآمد ترک کر دیا تھا لہٰذا سنا نجو کے فن نے اس سے منہ موڑ لیا تھا۔ اس نے تربیت ترک کر دی تھی۔ سانس لینے کی مشق وہ ترک کر چکا تھا۔ یہ بھی بھول چکا تھا کہ اپنے جسم کو عام لوگوں کے مقابلے میں کس طرح ممتاز بنایا جا سکتا ہے۔

اس نے دوسری چیزوں سے بھی بے وفائی کی تھی۔

اوشان سے بھی غداری کی تھی جس نے برسوں تک محض محبت کی وجہ سے اس کے نخرے برداشت کیے اور صدیوں کی دانش اس میں منتقل کی۔ ہر ایک سے بھی وفا نہ کی، جس نے شدید ترین اعصابی دباؤ کے باوجود اس کو کسی مشین کی طرح استعمال نہیں ہونے دیا۔

اسے معمولی تکلیف دہ احساس ہونے لگا کہ وہ اپنے خاندان سے بہت دور نکل آیا ہے۔ اپنے گھر کو چھوڑ آیا ہے۔ اپنے دوستوں سے اس نے نظریں پھیر لی ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ سنا نجو کے فن کو فراموش کر بیٹھا ہے۔

ٹائیگر نے ایک طویل سانس لے کر پورچ میں نظر دوڑائی۔ اس نے چند لمحوں کے وقفے سے ایک اور گہری سانس لی۔ ہوا تازہ اور صاف تھی۔ وہ مسلسل گہری گہری سانسیں لینے لگا۔ اس طرح اپنے پھیپھڑوں کو تازہ ہوا سے بھرنے لگا اور یہ ہوا اس کے پیٹ تک میں سرایت کرنے لگی۔ وہ لاشعوری طور پر سانس کی ویسی ہی مشق کرنے لگا جو اوشان نے اسے سکھائی تھی۔

اس مشق کا آغاز ہوتے ہی اسے ایسا لگا جیسے سیلاب کے دنوں میں کسی بند کا دروازہ کھل رہا ہو۔ اسے یاد آ گیا کہ وہ پہلے کیا تھا۔ اسے ہوا کی مہک اور اس کا ذائقہ محسوس ہونے لگا۔ یہ سبزیوں کی مہک اور نمکین کا ذائقہ تھا۔ سانس میں نمی پیدا ہونے لگی۔ اسے احساس ہوا کہ سمندر کہیں قریب ہی ہے۔ سمندر کی خوشبو بھی آ رہی تھی۔ نمک کا ذائقہ محسوس ہو رہا تھا اور پہاڑوں پر سے ٹھنڈک ہوا آ رہی تھی۔

اس نے ایک اور گہری سانس لی۔ اسے جانوروں کی بساند محسوس ہوئی۔ شیلا کی کچن ٹیبل سے جانوروں کے کچے گوشت کی بدبو آنے لگی پھر معاً اس کی حسیات اس کا ساتھ دینے لگیں۔

اسے اپنے پیروں تلے خشک لکڑی کی موجودگی کا احساس ہوا۔

ایسا لگا جیسے وہ مُردہ تھا، زندہ ہو گیا۔

وہ عجیب سے انداز میں ہنسنے لگا۔ اس وقت وہ بہت خوش تھا کیونکہ اس نے اپنی حسیات میں زندگی کو جنم لیتے ہوئے محسوس کر لیا تھا۔

سنا نجو فی الحقیقت فنِ مرگ تھا مگر اپنے پیروکاروں کے لیے صرف زندگی کا پیام، اس کے اصولوں پر عمل کرنے سے جسم و جان قلب و نظر اور جسم کے ہر حمام میں زندگی انگڑائی لینے لگتی تھی۔

وہ ایک بار پھر ہنسا۔

اس بار پورچ اس کے قہقہے سے لرز اٹھا کیونکہ قہقہہ دیوار سے ٹکرا کر واپس گونجتا ہوا آیا تھا۔

وہ پلٹا اور ہوا میں چھلانگ لگا دی۔

اس بار وہ کسی پَر کی مانند ریلنگ کی منڈیر پر پہنچا۔ اس کے دونوں پیر منڈیر پر ٹک گئے اور وہ بے حرکت کھڑا ہو گیا۔

اس کا دل کلکاریاں مارنے کو چاہنے لگا کیونکہ اس نے زندگی کی طرف واپسی کی پہلی جنگ جیت لی تھی۔

★★

اندر شیلا نے اس کا قہقہہ نہیں سنا۔ اس نے ابھی کچے گوشت اور خون آلود گردوں پر مشتمل ناشتا ختم کیا تھا۔ وہ مسکرا رہی تھی لیکن پھر چند ہی لمحوں بعد یہ مسکراہٹ معدوم ہو گئی اور شیلا نے اپنی پلیٹ میں بڑی سی قے کر دی۔

شیلا چند لمحوں تک ہونقوں کی طرح بیٹھی رہی لیکن پھر اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ اپنی ہی قے پر اس کی نظریں جم کر رہ گئیں۔ اس کے سُرخ ہونٹوں میں کپکپاہٹ سی پیدا ہوئی اور وہ مسکرانے لگی۔

وہ پلیٹ اور میز پر پڑے ہوئے گوشت کے ان لوتھڑوں کو دیکھ کر مسکرا رہی تھی، جو اس نے چند منٹ قبل ہی کھانے تھے۔

گزشتہ چھتیس گھنٹوں سے اس کی حیوانی صفت اسے گوشت کھانے کی ترغیب دیتی رہی تھی لیکن اب اس کی انسانی صفت اسے وہ راز بتا رہی تھی جس کو سننے کے لیے شیلا خود سے بے چین تھی۔

وہ جانتی تھی کہ اگر اس کا جسم درست ہے تو پھر اسے ٹائیگر کی مزید کوئی ضرورت نہیں رہے گی۔

وہ اسے کھانے کا پہلے ہی ارادہ کر چکی تھی۔

پورچ میں ٹائیگر نے سگریٹ جیب سے نکالا اور پھر سگریٹ

جاسوسی ڈائجسٹ کا مقبول ترین سلسلہ

سنگتراش

اوہام پرستی کے نت نئے رنگ میں رنگے ہوئے جبرین قبیلے کی طلسماتی داستان

آتش کدے کا مقدس پروہت مانینی پراسرار اور ماورائی طاقتیں اس کی غلام تھیں۔

جس سے جبرین کا سردار جوبا بھی خائف رہتا تھا۔

ایک سنگتراش کی محبت کا ولگداز فسانہ جس کی محبت کی روح پروہت کے قبضے میں تھی۔

اقلیم علیم کے پراسرار قلم سے

خوبصورت سرورق، دیدہ زیب کتابت و سرورق

دو جلدوں میں مکمل

جلد اول : -/۱۵۰

جلد دوم : -/۱۵۰

کتاب اپنے قریبی ہاکر، اسٹال سے طلب فرمائیے یا آفس کے کام کی قیمت کا منی آرڈر ارسال فرمائیے۔ کتاب آپ کو بذریعہ رجسٹرڈ آفس ارسال کر دی جائے گی۔

خط و کتابت کے لئے

مکتبہ القریش سرکلر روڈ، اردو بازار، لاہور ۲

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کو پیکٹ سمیت مسل دیا، توڑ دیا، برباد کر دیا پھر اس نے سگریٹ اور کاغذ کے اس مجموعے کو دور کھیتوں کے باہر پھینک دیا اب اسے سگریٹ کی طلب نہ تھی اسے تمباکو کی بو ہی سے کراہت محسوس ہونے لگی۔

اس نے سگریٹ پھینک دیے مگر ماچس اپنی جیب ہی میں رکھی اب وہ تیزی سے کچھ سوچ رہا تھا۔

❁❁

بات یہ نہیں کہ بار کی لیڈی بارٹینڈر حسین تھی اس میں حسن ضرور تھا لیکن وہ ذہین بھی تھی۔ اس کی ذہانت کا ثبوت یہ تھا کہ وہ ایرے غیرے، سے راہ و رسم نہیں بڑھاتی تھی اور نہ ہی کسی کی بے دولت سے متاثر ہوتی تھی۔ اس میں ایڈونچر کا شوق کوٹ کوٹ کر بھرا تھا لہٰذا جب اس نے داؤد کی سرسیڈیز دیکھی تو وہ ابھی متاثر نہیں ہوئی نہ ہی وہ داؤد کے بھولے بھولے پن سے متاثر ہوئی تاہم وہ داؤد سے متاثر تھی اور اس کا سبب یہ تھا کہ داؤد ایک پرائیویٹ پائلٹ تھا اور وہ سوچ رہی تھی کہ کیا کبھی داؤد اسے طیارے میں سیر کرانے کے لیے لے جائے گا۔

"کیوں نہیں؟" داؤد نے جھوم کر جواب دیا "کسی بھی دن... یا کسی بھی شب۔ یہ کہہ کر وہ بڑھا تکیے لگا کر میں تمہیں محض ایک گھنٹے میں برف پوش چوٹیوں کی سیر کرا سکتا ہوں عذرا۔" اس نے کہا "میں بہت ماہر ہوا باز ہوں۔ میں نے گزشتہ ہفتے ہی صرف ایک گھنٹے میں دشوار گزار قبائلی راستوں کا سفر مکمل کیا تھا۔ ویسے وہ سفر واقعی عجیب تھا۔ ایک مغربی عورت جو مختصر لباس میں تھی اپنے ساتھ ایک بڑا سا پنجرہ لے کر مزے سے میں گئی تھی۔ مجھے یقین ہے کہ اس پنجرے میں کوئی مرد بند تھا کیونکہ میں نے اس کے چیخنے کی آوازیں سنی تھیں۔ وہ اس وقت بہت زور سے چیخا تھا جب میں نے پنجرہ پانچ فٹ کی بلندی سے نیچے پھینکا تھا۔"

داؤد یہ سب کچھ ہرگز نہ بتاتا لیکن چار ڈبل پیگوں نے اس سے ہوش و حواس چھین لیے تھے لہٰذا وہ یہ باتیں ملبہ آواز میں کر رہا تھا۔

یہ باتیں اس بوڑھے نے بھی سنیں جو گزشتہ دس برسوں سے کسی انجانے ذریعے سے ملنے والی تنخواہ پر گزارا کر رہا تھا۔ اس تنخواہ کے عوض وہ ہر ہفتے ایک ٹیلی فون کرتا اور دوسری طرف سے کسی کی آواز سنے بغیر وہ تمام دلچسپ باتیں بتا دیتا جو اسے گزشتہ ایک ہفتے کے دوران معلوم ہوتیں۔ ان دس برسوں میں تنخواہ دینے والے نے اسے کبھی فون نہیں کیا تھا لیکن صرف دو روز قبل اس نے اس سے رابطہ قائم کیا تھا اور کہا تھا کہ انھیں ایک عورت اور ایک نوجوان کی تلاش ہے۔

"ممکن ہے ان کی کہانی اس کے لیے دلچسپ ثابت نہ ہو۔" رفیق حسین نے سوچا۔ "لیکن میں بتا ہی دوں... ممکن ہے تکا لگ جائے اور بونس بھی مل جائے۔"

یہی سوچ کر وہ بار سے نکلا اور اس نے خصوصی ٹیلی فون نمبر ملائے۔

❁

ایک گھنٹے بعد عذرا، داؤد کے گھر جانے کے لیے تیاری کر رہی تھی اور داؤد کو یقین تھا کہ آج کی رات بہادروں میں گزرے گی۔ وہ عذرا کو سامان سمیٹتا ہوا دیکھ کر ہوا کھانے کے لیے باہر آگیا اور باہر اس کی ملاقات اس شخص سے ہوئی جس کی آواز مدھم مگر لہجہ انتہائی درشت تھا۔

"کیا تم ہی ہوا باز داؤد ہو؟" بھورے سوٹ میں ملبوس اس شخص نے پوچھا۔

داؤد نے تیزی سے اس شخص کی جسامت اور قوت کا اندازہ لگایا۔ وہ بہت معمولی شخص تھا۔ اس کے سوٹ کی قیمت بھی ڈیڑھ ہزار روپے سے زیادہ نہ تھی اور سوٹ بھی پرانا... نیز شکن آلود تھا۔ بال خشک تھے اور ان میں خشکی اندھیرے کے باوجود نظر آ رہی تھی۔ وہ یقیناً نہ تو طیارے کے ہوا باز کو کرائے پر لینے کے قابل تھا اور نہ ہی اس کی پچھلی نسلوں میں کسی نے طیارے میں سفر کیا تھا۔

"کیوں کیا بات ہے؟" داؤد اکھڑ لہجے میں بولا۔

"میرا نام بہرام ہے۔" بھورے سوٹ والے نے بھی اکھڑ لہجے میں کہا۔ "اور میں گزشتہ ہفتے کی فلائٹ کا ذکر سننے کے لیے آیا ہوں۔"

"کیسی فلائٹ؟" داؤد چونک پڑا۔

"وہی جس میں ایک عورت نے ایک انسان بردار پنجرے سمیت سفر کیا تھا۔" بہرام نے دانتوں پر دانت جمانے سے قبل کہا۔

"اس کا ذکر تم سے کس نے کیا؟"

"سوالات میں کروں گا داؤد۔" بہرام نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "تم صرف جواب دو گے۔"

"اس موضوع پر میں بات کرنا ہی نہیں چاہتا۔" داؤد نے بھی ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ساتھ ہی اس نے ادھر ادھر دیکھا کہ کہیں ان پر کسی کی نظر تو نہیں پڑ گئی۔ بات یہ تھی کہ حسینہ نے اسے اصل معاوضے کے علاوہ دگنا بونس بھی دیا تھا تاکہ وہ اس سفر کے بارے میں اپنا منہ بند رکھ سکے۔ اگرچہ منہ کھولنے سے وہ رقم داؤد سے چھن نہیں جاتی لیکن داؤد کا یہ

بھرم ٹوٹ جاتا کہ وہ ناقابلِ اعتماد ہوا باز ہے اور اس طرح اس کا کاروبار بُری طرح متاثر ہوتا۔

"مجھے افسوس ہے داؤد... لیکن تمہیں اس وقت اسی موضوع پر بات کرنی پڑے گی۔" بہرام نے سر سرلاتے ہوئے لہجے جواب دیا۔ "اور دماغ کھول کر...!"

"کیا تم مجھے دھمکی دے رہے ہو؟" داؤد نے آواز دھیمی رکھنے کی کوشش کی لیکن نشے کی وجہ سے آواز اس کے قابو میں نہ رہی۔

"نہیں! میں دھمکیاں دینے سے ہمیشہ گریز کرتا ہوں۔" بہرام نے تقریباً سرگوشی والے انداز میں جواب دیا۔ "ویسے میں تمہیں یہ بتانے کی کوشش نہیں کروں گا کہ اگر میں چاہوں تو صبح ہونے سے قبل تمہارا ہوا بازی کا لائسنس چھن جائے گا اور نہ ہی میں جزیرہ تپاؤ سے شہزاد کے لیے تمہاری رنگولر فلائٹس کی بات کروں گا جن میں بڑے بڑے تھیلے ہوتے ہیں۔ میں ان باتوں میں دلچسپی نہیں لیا کرتا داؤد... میں صرف یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ تمہارے مسافر کون تھے، تم نے انھیں کہاں اتارا تھا، تمہیں اوائیگی کس نے کی؟ اور کیا انھوں نے تم سے کوئی بات بھی کی؟"

داؤد نشے میں تھا اور اس کیفیت میں بہت سے بزدل بھی بہادر بن جاتے ہیں پھر داؤد تو غنڈہ گردی کے ہر ہتھکنڈے سے اچھی طرح واقف تھا اگرچہ جزیرہ تپاؤ سے شہزاد کی فلائٹس کا سن کر وہ قدرے پریشان ہو گیا تھا لیکن پھر بھی وہ اڑا رہا۔

"تم سوال پوچھو۔" وہ مسکرا کر بولا۔ "اور پوچھتے رہو میں تو چلا۔"

"جیسی تمہاری مرضی۔" بہرام نے کندھے اچکا کر کہا۔ "لیکن اگر یہیں جواب دے دیتے تو زیادہ بہتر ہوتا۔"

"دفعان ہو جاؤ۔" داؤد یہ بھی بھول گیا کہ عذرا قریب ہی کھڑی ہے۔ بہرام نے اسے پکڑنا چاہا مگر وہ تیزی سے آگے بڑھنے لگا تاہم پھر اچانک ہی ایک نحیف و نزار بوڑھا جس کا وزن بمشکل ستر اسی پونڈ تھا اس کی راہ میں حائل ہو گیا۔ اس نے بوڑھے کو تھپڑ مارنے کی کوشش کی مگر اس کا ہاتھ اٹھا کا اٹھا ہی رہ گیا اور پھر نیچے گر گیا لیکن اس کا نشانہ بوڑھا نہیں بنا بلکہ ہاتھ ایک بانس میں اس طرح گھس گیا جیسے کوئی چاقو ہو۔ داؤد نے بمشکل خود کو گرنے سے بچایا کیونکہ گرنے کی صورت میں اس کا ہاتھ جھٹکے کی وجہ سے ٹوٹ بھی سکتا تھا۔ وہ ہاتھ دو شاخہ بانس سے نکالنے کے لیے جدوجہد کرنے لگا۔

"اب یہ آپ سے بات کر سکتا ہے شہنشاہِ معظم!" اوشان نے اپنے مخصوص انداز میں کہا۔

"اب بتاؤ کہ وہ کون تھے، کہاں گئے، کب گئے اور کس طرح گئے؟" بہرام نے اس کے قریب آ کر پوچھا۔

"پہلے... میرا ہاتھ آزاد کراؤ۔" داؤد گھبرا کر بولا کیونکہ بانس کے نوکیلے ٹکڑے گوشت میں چبھنے بلکہ گھسنے لگے تھے۔

"ٹھیک ہے۔" اوشان نے سر ہلا کر کہا۔ "ہم تمہارا ہاتھ آزاد کر دیں گے اور تمہاری پسند کے مطابق اسے تمہاری بائیں جیب میں رکھ دیں گے یا کار کی ڈکی میں... اور اگر شہنشاہِ معظم پسند فرمائیں تو تمہارے ہاتھ کو بذریعہ پارسل تمہارے گھر کے پتے پر بھی ارسال کیا جا سکتا ہے لیکن پہلے خود پسند کر لو کہ ہاتھ آزاد کرا کے کہاں رکھوا دیں گے۔"

"ہم... میں... پہلے بات کرنا چاہتا ہوں۔" داؤد گھبرا کر بولا اسے یقین ہو گیا تھا کہ بوڑھا اپنے کہے پر عمل کر سکتا ہے۔ "حیلیل... لیکن وعدہ کرو کہ اس بوڑھے کو مجھ سے دور رکھو گے۔" وہ بہرام کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"زبان کھولو داؤد۔" بہرام نے سر سرلاتے ہوئے لہجے میں کہا۔

پانچ منٹ بعد اوشان اور بہرام ایک تیز رفتار کار میں تقریباً ائرپورٹ کی طرف روانہ ہو رہے تھے جہاں صرف ہیلی کاپٹر رکھے جاتے تھے۔ ہیلی کاپٹر انھیں پچیس میل دور پہاڑوں کے پار ایک فوجی ہوائی اڈے پر لے گیا جہاں ایک مال بردار فوجی جہاز ان کا منتظر تھا۔ وہ جونہی طیارے میں بیٹھے طیارہ رن وے پر دوڑنے لگا

☆ ☆ ☆

شیلا نے ابھی بیئر ہی کیا تھا کہ اسے متلی ہونے لگی پھر گوشت کے کچے ٹکڑے اچھل اچھل کر منہ سے باہر گرنے لگے۔ وہ دیوانہ وار قہقہے لگانے لگی۔

اسے یقین ہو گیا کہ وہ ماں بننے والی ہے۔

"نئی نسل کا پہلا بچہ۔" وہ جھوم کر بولی۔ "شہزاد اپنا کام مکمل کر چکا ہے میں بھی اس سے اکتا چکی ہوں۔ اب اس سے نجات حاصل کرنے کا وقت آ چکا ہے۔"

وہ سوچ رہی تھی کہ اس کیفیت میں وہ ٹائیگر کو ہضم بھی کر سکے گی یا نہیں؟

☆ ☆ ☆

"شہزاد! تم کہاں ہو؟" وہ ٹائیگر کی سمت جا رہی تھی لیکن اس مرتبہ اس کی چال بہت مختلف تھی۔ وہ محتاط انداز میں قدم اٹھا رہی تھی تاکہ پنجے کو کوئی نقصان نہ پہنچ سکے۔

ٹائیگر نے تختوں پر شیدا کے پیروں سے ہونے والی لرزش

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

محسوس کرکے ہی یہ اندازہ لگایا کہ وہ باہر آرہی ہے۔ ساتھ ہی اُس نے یہ بھی محسوس کرلیا کہ شیلا کی رفتار معمول کے برعکس سُست ہے۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ سنبھل سنبھل کر چل رہی ہو۔

"شاید وہ میرا انتظار کرنے آرہی ہے۔" اُس نے سوچا۔ "شیر اسی طرح دبے قدموں شکار کی طرف بڑھتے ہیں۔"

ٹائیگر ریلنگ کی منڈیر پر چڑھ کر کھیتوں میں اُتر گیا۔ یہاں اب گنے کے پودے جنم لینے لگے تھے۔ اُن کے اردگرد جھاڑیاں تھیں اور آگے بانس و بنت تھے جہاں ٹائیگر پناہ لے سکتا تھا۔

وہ بڑی تیزی سے آگے بڑھا۔ اُس نے درختوں کے جھنڈ کو عبور کیا اور پھر کھیت کے کنارے پر پہنچ کر انتظار کرنے لگا۔ اس کی سانس اتنی ہی بھاگ دوڑ میں پھولنے لگی تھی۔

اُسے اپنی حالت پر افسوس ہونے لگا۔

اُسے اُوشان کا دیا ہُوا پہلا سبق یاد آنے لگا۔ "بنیادی اہمیت عمل تنفس پر قابو کو حاصل ہے میرے بچے... سانس کی اعصاب تک رسائی انسانی اعصاب کو پُرسکون بناتی ہے اور صرف پُرسکون آدمی ہی بے خوف ہوتا ہے۔ اپنا ذہن خالی کرکے تمام خیالات کو نکال پھینکو تو تمہیں صرف اپنا مشن یاد رہے گا اور ذہن خوف و خدشات میں نہیں اُلجھے گا۔"

ٹائیگر نے لمبی لمبی سانسیں لیں لیکن اس کے اعصاب پُرسکون نہیں ہو سکے۔

"کیوں؟" اس نے اپنے آپ سے سوال کیا اور پھر خود ہی اُسے جواب مل گیا۔ "مجھے عمل تنفس پر قابو نہیں رہا ہو۔"

اسی لمحے اُسے شیلا کی آواز سُنائی دی۔ وہ اُسے بُلا رہی تھی۔

"تم کہاں ہو میری جان، آؤ دیکھو میں تمہارے لیے کتنی بے چین ہُوں۔"

اُسے ایسا لگا جیسے شیلا اپنے پالتو کتے کو پچکار کر بلا رہی ہو۔

اگر کوئی اور وقت ہوتا تو شاید وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑتا لیکن اس وقت وہ ایسا کوئی خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ وہ آواز سُنتے ہی اس پر جھپٹ سکتی تھی اور ابھی تک ٹائیگر کو یہ یقین نہیں تھا کہ وہ شیلا جیسی حیوانی طاقت رکھنے والی عورت سے مقابلے کے قابل ہے وہ اُس وقت بھی اُسے زخمی کر چکی تھی جب سنا نجو کا فن ٹائیگر کے ساتھ تھا اور اب... اب تو وہ نہ صرف کمزور بلکہ فن سے بھی محروم ہو چکا ہے۔

ٹائیگر نے جھاڑیوں میں سے جھانک کر دیکھا۔ شیلا اب پورچ میں تھی۔ اس کے دونوں ہاتھ سامنے کی طرف پھیلے ہوئے تھے۔ اس کی انگلیاں پنجوں کی طرح اکڑی تھیں اور اس کا چہرہ آگے کو اس طرح بڑھا ہُوا تھا جیسے وہ کچھ سُونگھنے کی کوشش کر رہی ہو۔ اس نے گردن دائیں بائیں گھمائی۔

وہ ہَوا سُونگھ رہی تھی۔ پھر معاً ہی وہ اسی سمت میں بڑھنے لگی جس سمت سے اُسے ٹائیگر کی مہک آرہی تھی۔ اب اُس کے حلق سے غصیلی غرّاہٹیں نکل رہی تھیں۔

وہ اس وقت ایسی شیرنی لگ رہی تھی، جو شکار کو محض غرّاہٹوں ہی سے نیم جان کر دینا چاہتی ہو۔

وہ پورچ سے نکلی۔ اس کے ہاتھ اب پہلوؤں میں تھے۔

"تم فرار نہیں ہو سکتے۔" وہ زور سے چلائی اور اتنی تیزی سے چلنے لگی جیسے کسی ہموار سڑک پر دوڑ رہی ہو۔

ٹائیگر نیچے جھک گیا۔ وہ فی الوقت اس کی نظروں میں آنا نہیں چاہتا تھا پھر وہ جھکے جھکے مکان کی طرف دوڑنے لگا۔ اُس نے اپنے جسم کے دائیں حصّے پر خنک ہَوا کی سرسراہٹ محسوس کی اور پھر اُسے یہ احساس ہو گیا کہ اب ہَوا کا رُخ بدل گیا ہے اور شیلا اس کی بُو نہیں سُونگھ سکے گی۔

کچن کے باہر اسٹور میں اُسے جنریٹر چلانے کے لیے رکھے ہوئے تیل کے دو پیپے نظر آئے۔ اُس نے ایک ایک ہاتھ میں ایک ایک پیپا اُٹھا لیا۔ اب وہ تیزی سے کھیت میں واپس جانا چاہتا تھا تاہم پنجوں کے وزن نے اُس کی رفتار سُست ہی رکھی اور جلد ہی اُس کے بازوؤں میں درد ہونے لگا۔

شیلا اب بھی اُسے پکار رہی تھی۔ اُس کی آواز میں تبدیل ہوتی غیر انسانی انداز شامل ہو رہا تھا۔

وہ اُس جگہ رُکی جہاں ٹائیگر کچھ دیر کے لیے چھپا رہا تھا۔ اُس نے وہاں اِدھر اُدھر مُنہ کرکے سُونگھا اور پھر دُور سے بولی۔ "تم نے یہ کیوں سمجھ لیا کہ تمہارا کام مکمل ہو چکا ہے شہزاد؟" پھر وہ تیزی سے اُس پگڈنڈی کی طرف بڑھ گئی جس سے ٹائیگر پہلے گزر چکا تھا۔ "اِدھر اُدھر چھپنے کا کوئی فائدہ نہیں، کتنے شرم کی بات ہے کہ تم اپنے بچے کی ماں سے چھپ رہے ہو۔"

اس وقت ٹائیگر اُس راستے پر تیل چھڑک رہا تھا جس سے گزر کر وہ آیا تھا۔ اُس نے ہر ممکن کوشش کی تھی کہ اس کا سر اوپر نہ اٹھے ایک پیپا اس کے ہاتھ میں تھا اور دوسرے کو وہ خشک گھاس اور جھاڑیوں پر خالی کر رہا تھا۔

ڈیڑھ پیپا جلد ہی خالی ہو گیا اور جب شیلا کھیت کے دوسرے حصّے میں پہنچی تو وہ دونوں پیپے خالی کر چکا تھا۔ اب تیل پورچ کی بائیڈ تک پھیلا ہُوا تھا۔

[illegible] ٹائیگر کو [illegible]

بدتر حالت میں ہے۔ اُس کی سانس بھی پھول چکی تھی اور جسم بھی ذرا سی مشقت کے بعد پسینے میں تر ہو چکا تھا۔ پیٹ کے عضلات پر پیپے اُٹھانے کے بعد اب کھچاؤ محسوس ہو رہا تھا۔ اُس نے پیپے ایک طرف ڈال کر خود کو یکجا کرنے کی کوششیں کیں۔ وہ جانتا تھا کہ شیلا سے دو دو ہاتھ کرنے کا مطلب محض شکست ہوتی تاہم وہ شیلا کا قصہ تمام کرنا چاہتا تھا اور اس کے لیے قوت کے علاوہ اور کسی چیز کی ضرورت تھی۔

اُس نے شیلا کو اس جگہ سے اُٹھتے دیکھا جہاں وہ اُس کی بُو سُونگھ رہی تھی پھر معاً شیلا نے بائیں طرف دیکھا اور وہ جنونی انداز میں جھاڑیوں کو پھلانگتی ہوئی ٹائیگر کی طرف لپکنے لگی... مگر اس سے قبل کہ وہ وہاں پہنچتی ٹائیگر بھاگ کر کھیتوں کے وسط میں پہنچ گیا اور وہاں سے ہی اُس نے شیلا کو للکارا۔ "او گندی بلی! تُو کہاں ہے، سامنے آ...!"

شیلا اُس کی طرف پلٹی اور اپنی جگہ پر کھڑی وہ کراہنے لگی پھر معاً اُس کے چہرے پر خوفناک مُسکراہٹ دوڑ گئی۔ اس مُسکراہٹ میں نہ تو خوشی کا تاثر تھا اور نہ ہی لُطف لینے کا انداز... اس میں صرف طمانیت تھی۔ ایسی جیسے شیلا اپنے شکار کو تلاش کر لینے کے بعد مطمئن ہو... یا ایسی طمانیت جو میز پر کھانا سلیقے سے رکھا ہُوا دیکھ کر محسوس ہوتی ہے۔

وہ آہستہ آہستہ اُس کی طرف بڑھنے لگی۔ اس کی کمر خم تھی اور ہاتھ نیچے جھول رہے تھے۔ وہ حملہ کرنے کے لیے پوری طرح تیار تھی۔

"میرا خیال تھا کہ تم اس بار مجھے زیادہ بھاگ دوڑ پر مجبور کرو گے شہزاد... لیکن تم تو جلد ہی سامنے آگئے۔" اس نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

"ہاں... مگر گرمی بہت ہے اور میں اس گرمی میں آنکھ مچولی نہیں کھیلتا۔" ٹائیگر نے بھی اُسی کے لہجے میں جواب دیا۔

"کیوں... کیا اپنے بچّے کی ماں کے ساتھ بھی رہنے میں گرمی کی فکر کرو گے شہزاد؟" وہ مزید ایک دو قدم آگے بڑھنے کے بعد بولی۔

اس بار شیلا کا جملہ کسی تیر کی طرح ٹائیگر کے سینے میں پیوست ہو گیا اور اس خبیث نے برسوں کی اُس محرومی کو پھر زندہ کر دیا کہ اس کا کبھی اپنا گھر نہیں ہوگا، وہ کبھی باپ نہیں کہلائے گا۔

"کیا مطلب؟" وہ ٹھوکر نگل کر بولا۔

"میں تمہارے بچّے کی ماں بننے والی ہُوں شہزاد۔" وہ مُسکراتی رہی۔ "اب وہ محض بیس بائیس گز دُور تھی۔ "تم اسی مقصد کے لیے تو یہاں لائے گئے تھے، تمہیں۔"

"مگر کیوں؟" ٹائیگر نے سر جھٹک کر پوچھا۔ وہ اگرچہ جذباتی ہو رہا تھا مگر اُس نے شیلا کی طرف سے آنکھیں کھلی رکھی تھیں۔

"اس لیے کہ میں کمزور انسانوں کو جنم دینا نہیں چاہتی تھی میں ایک ہی [illegible] کی [illegible] چاہتی تھی میں ایک [illegible] پورا

ہوگا اور ایک روز میرا بیٹا اس دُنیا پر حکمرانی کرے گا۔"

شیلا نے یہی غلطی کی۔ اُس نے "میرا بیٹا" کہہ کر ٹائیگر کو حقیقت کی دُنیا میں واپس دھکیل دیا۔ اُس کے ذہن میں یہ سنتے ہی پہلا خیال یہ آیا کہ درندوں کا حکمراں اُس کا بیٹا نہیں ہوگا اور اگر شیلا نے کسی بچّے کو جنم دیا تو وہ آدھا انسان اور آدھا درندہ ہوگا... اور یہ معصوم انسانوں کو ختم کر دے گا، دُنیا پر درندگی کا راج ہو جائے گا اور جب نسلِ انسانی تباہ ہو جائے گی تو دُنیا پر صرف اور صرف... درندے راج کریں گے۔

ٹائیگر کو بھی باپ بننے کی آرزو تھی مگر کسی درندہ صفت بچّے کا باپ نہیں۔

اُسے شاید پہلی مرتبہ شیلا سے شدید نفرت کا احساس ہُوا۔ اُسے سمجھ آنے لگی۔ شیلا نے اُس کو مرد ہوتے ہوئے بھی غلام بنا رکھا تھا۔ وہ اُسے کسی بیل سے زیادہ اہمیت نہیں دیتی تھی۔

وہ غصّے سے تلملا گیا۔

"تمہارا بیٹا دُنیا پر راج نہیں کر سکے گا شیلا فن برگ!" اس نے غرّا کر کہا۔ "اگر وہ پیدا بھی ہُوا تو درختوں کے نیچے سوئے گا اور قصاب کی دُکان کے باہر پڑی ہوئی ہڈیاں کھا کھا کر گزارا کرے گا پھر اگر اُس پر جنگلی کی نظر پڑ گئی تو اُسے چڑیا گھر لے جایا جائے گا۔ تم بھی اس کے ساتھ ہو گی شیلا!"

شیلا غصّے سے کانپنے لگی تھی... "میں شاید تمہیں زندہ نہ چھوڑتی شہزاد... لیکن تم ابھی تک کچھ نہیں سمجھ سکے اور نہ ہی سمجھنا چاہتے ہو۔ سُنو! میں انسانوں کی نسل سے قطعی الگ ایک نئی نسل ہُوں۔ نئی مخلوق ہُوں اور اب اس نئی نسل کی تخلیق کروں گی۔"

"تم محض چند ٹیوبوں کی نسل سے تعلق رکھتی ہو..." ٹائیگر نے بپھرے ہوئے لہجے میں کہا۔

وہ صرف دس گز دُور تھی۔ ٹائیگر کی نظریں اس پر جمی ہوئی تھیں۔ شیلا کے دونوں ہاتھ اب کانوں کے پاس تھے اور دونوں ہاتھوں کی انگلیاں کسی درندے کے نوکیلے پنجوں کی طرح مُڑی ہوئی تھیں۔ اُس کا سر ایک طرف جُھکا ہُوا تھا۔ سفید دانت چمک رہے تھے اور مُنہ بھیانک انداز میں کُھلا ہُوا تھا جس سے رال ٹپک رہی تھی۔

پھر وہ بجلی کی طرح اُچھلی۔

اس کی رفتار نے خود ٹائیگر کو ایک لمحے کے لیے ہکّا بکّا کر دیا اور وہ ردِعمل کے طور پر صرف دائیں طرف گر کر ہی خود کو بچا سکا۔ اُس نے گرتے ہی کئی قلابازیاں کھائیں اور پھر تقریباً دوڑتا ہُوا کھڑا ہو گیا۔

شیلا اسی بھیانک جھونک میں جھاڑیوں کے اندر گھس گئی۔ اُس کے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

حلق سے ایک وحشیانہ غراہٹ نکلی مگر لمحہ بھر ہی میں وہ سنبھل کر ایک بار پھر ٹائیگر کی طرف لپکی۔

ٹائیگر کو اس مرتبہ بھی اندازہ ہوگیا کہ وہ پرانا ٹائیگر نہیں بلکہ پرانا شہزادہ ہے۔ وہ پچاس فیصد بھی فٹ نہیں تھا۔ شیلا درندہ تھی، سو فیصد فٹ تھی، جبکہ وہ ایک عام سا انسان تھا۔

لیکن نہیں، ٹائیگر نے دل ہی دل میں سوچا۔ اس کی نظریں اب بھی شیلا پر جمی ہوئی تھیں۔ مجھے شیلا پر برتری حاصل ہے۔ وہ درندہ ہے، میں انسان ہوں۔ میں اس ذہانت کا حامل ہوں جس کے باعث انسان نے کائنات تسخیر کرلی ہے، جس نے ان درندوں کو بھی پنجروں میں بند کر رکھا ہے۔

وہ بدستور پیچھے ہٹتا رہا اور پھر گپھا کے کنارے پہنچ گیا۔ وہ شیلا کی اگلی زقند کے لیے خود کو تیار کر چکا تھا۔ اس نے شیلا پر سے نظریں ہٹائے بغیر جیب میں ہاتھ ڈالی، کرمچ کی ڈبیا نکال لی۔ اب اسے شیلا کے حملے کا انتظار تھا۔ شیلا اس بار دھوکا دے کر لپکی۔ وہ پہلے دائیں طرف اور پھر بائیں طرف جھکی۔ چند قدم دوڑی اور اس کے بعد اچھل کر ٹائیگر پر آ رہی۔ ٹائیگر کو پل بھر کے لیے ایسا لگا جیسے شیلا کے لمبے لمبے ناخن اس کے شانے کا گوشت ادھیڑ کر لے جائیں گے۔ ایسا ہی ہوا اور اسے شانے سے خون بہنے کا احساس ہونے لگا۔ ساتھ ہی وہ جھک گیا۔ جھکتے ہی شیلا اس کے سر پر پہنچی۔ وہ کھڑا ہوگیا۔ اس کا سر شیلا کے پیٹ میں لگا۔ "آہ۔۔۔!" کی کربناک آواز کھیتوں میں گونجی اور فضا میں تحلیل ہوتی چلی گئی۔

لیکن ٹائیگر جھنجلا کر رہ گیا۔ اس کی یہ ضرب کسی کی کمر کو دو ٹکڑوں میں تقسیم کر سکتی تھی مگر شیلا صرف چلائی تھی۔ وہ زمین پر گری اور ایک بار تڑپ کر اٹھ گئی۔ وہ بہت پھرتی سے ایک بار پھر ٹائیگر کی طرف پلٹ پڑی۔

اس کی سینہ چمکدار جلد اب مٹی سے اٹ چکی تھی۔ وہ ایسا جانور لگ رہی تھی جو گھاس اور مٹی میں لوٹتا رہا ہو۔

اس سے قبل کہ وہ ٹائیگر پر کوئی نیا حملہ کرتی، ٹائیگر نے ماچس کی تیلی جلا کر اس کی طرف پھینک دی۔ تیلی، شیلا کے عقب میں تیل کی کیمر پر گری اور فوراً ہی گھاس نے آگ پکڑ لی۔ خشک گھاس اور تنکے جلنے اور چٹخنے لگے۔ آگ کی یہ لکیر ان دونوں کی طرف پھیلنے لگی۔

شیلا کے چہرے پر پہلی مرتبہ خوف کے آثار نمایاں ہوئے۔ اس کی آنکھیں نامعلوم سائز سے بڑی ہوگئیں اور اس بار مسکرانے کی باری ٹائیگر کی تھی۔

اس کا اندازہ درست نکلا۔

اس نے اس بنا پر تسہیل کا چھٹکارا پا لیا تھا کہ انسانوں کے سوا ہر جانور آگ سے ڈرتا ہے۔ صرف انسان ہی آگ کو غلام بنا سکا ہے۔ یہ احساس اسے اسی وقت ہوگیا تھا جب شیلا نے اس سے سگریٹ چھینے تھے اور اسے چولھا جلانے کی اجازت نہیں دی تھی۔

شیلا اپنے عقب میں ننھے ننھے شعلوں سے گھبرا کر اچھلی اور ایک طرف ہوگئی۔

اب وہ پھنس چکی تھی۔ اس کے تین طرف آگ تھی اور سامنے ٹائیگر۔ پیچھے کا طریقہ صرف یہی تھا کہ ٹائیگر کو راہ سے ہٹایا جائے۔ شیلا نے آگ سے بچنے کے لیے ٹائیگر پر حملہ کر دیا۔ ٹائیگر نے اس بار ہٹنے کی کوشش نہیں کی بلکہ وہ گھٹنوں کے بل جھک گیا۔ شیلا اس کی پیٹھ پر سے ہوتی ہوئی ایک طرف جا گری مگر ٹائیگر منصوبے کے دوسرے حصے پر شیلا کی پھرتی کے باعث عمل نہیں کر سکا۔ وہ اسے آگ میں جھونک دینا چاہتا تھا مگر شیلا نے فوراً ہی خود کو سنبھال کر اس کی پنڈلی پکڑ لی اور وہ جھٹکے کی وجہ سے گر پڑا۔ یہی لمحہ شیلا کے لیے اہم تھا۔ وہ اس پر سوار ہوگئی۔ وہ اس کی پیٹھ پر سوار تھی اور اب ناخنوں سے اس کی گردن ادھیڑنا چاہتی تھی۔

ٹائیگر نے اپنے اعصاب پر قابو رکھا۔ اسے علم تھا کہ گھبراہٹ سارے کیے کرائے پر پانی پھیر سکتی ہے۔ اسے علم تھا کہ اب اسے کیا کرنا ہے لہٰذا وہ شیلا کے ناخنوں کی چبھن سے بے نیاز ہو کر گھٹنوں اور ہاتھوں کے بل چلنے لگا۔ اس کی حالت تو خراب ہوتی رہی مگر اسے یقین کامل تھا کہ وہ اس عفریت سے نجات حاصل کر سکے گا۔ وہ آگ کے دائرے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ آہستہ آہستہ۔۔۔ جونہی وہ دائرے کے قریب پہنچا، شیلا اس کی پیٹھ سے کود کر دور ہوگئی۔ اس کی آنکھیں نفرت سے چمک رہی تھیں اور وہ محض دس گیارہ فٹ کے فاصلے پر ٹائیگر کو گھور رہی تھی۔

"یہ آگ یونہی نہیں جلتی رہے گی۔" شیلا نے غرا کر کہا۔ "آگ کے بجھتے ہی میں تمہیں کھا جاؤں گی۔ تم مجھ سے بچ کر فرار نہیں ہو سکتے۔"

"فوراً کسی نتیجے پر پہنچ جانا اچھا نہیں ہوتا۔" ٹائیگر نے اپنی بے ترتیب سانسوں کو تھپک کرتے ہوئے کہا۔ "تم جیسی گندی بلیاں بہرحال فوراً ہی کسی نتیجے پر پہنچنے کی غلیظ عادت میں مبتلا ہوتی ہیں۔ سنو! اب میں تم پر حملہ کروں گا شیلا فن برگ!"

ٹائیگر، شیلا کے تین حملوں کا سامنا کر چکا تھا لہٰذا اب اسے اچھی طرح احساس تھا کہ ان حملوں کی نوعیت ایک جیسی ہوتی ہے۔ وہ ہاتھ اٹھا کر، سر جھکا کر اس طرح حملہ کرتی تھی کہ اس کا پیٹ حملے کے لیے بہترین ہدف ثابت ہوتا تھا اور ٹائیگر اس کی اسی کمزوری سے فائدہ اٹھانا چاہتا تھا۔

وہ شعلوں کی پناہ سے نکل کر شیلا کے گرد چکر لگانے لگا۔ حتیٰ کہ ٹائیگر کے عقب میں آگ نہ رہی اور شیلا کو بھی یہ دھوکا ہوگیا کہ وہ اب اگر ٹائیگر پر حملہ کرے گی تو جھونک میں گرنے کی صورت میں شعلے سامنے نہیں ہوں گے۔

وہ اپنے خاص انداز میں حملہ آور ہوئی۔ اسی لمحے ٹائیگر نے خود کو زمین پر گرا کر دونوں پیر اوپر اٹھا دیے۔ شیلا خود کو نہ روک سکی۔ اس کا پیٹ ان پیروں پر آیا تو ٹائیگر نے آنکھیں بند کر کے اسے اچھال دیا۔ وہ خاصی اونچی اچھلی لیکن پھر اس نے فضا ہی میں قلابازی کھائی اور اپنے پیروں پر زمین پر کھڑی ہونے کے لیے نیچے آنے لگی تاہم اس کا اندازہ غلط ثابت ہوا۔ وہ کٹے ہوئے گنے کے ڈھیر پر گری اور ایک بانس تیر کی طرح اس کے پیٹ میں گھس گیا۔

ٹائیگر اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے یہ منظر دیکھتا رہا۔

شیلا کا جسم اب بانس میں تھا اور وہ پھسل رہی تھی۔ بانس اس کی پیٹھ سے نمودار ہوا۔ اس کا اوپری سرا خون آلود تھا۔ اس پر گوشت کے ٹکڑے سجے ہوئے تھے۔

وہ مر رہی تھی۔ اس نے حیرت سے ٹائیگر کی طرف دیکھا۔ یہ ویسے ہی تاثرات تھے جیسے کسی درندے کے چہرے پر اس وقت ہوتے ہیں جب اسے اپنی موت کا یقین نہ ہو لیکن موت کو اپنے سامنے دیکھ کر اس کی آنکھیں بجھ رہی تھیں۔

ٹائیگر ایک طویل سانس لے کر کھڑا ہوگیا۔ اس کے قدم آہستہ آہستہ شیلا کی طرف اٹھ رہے تھے۔

مگر شیلا نے ایک ہاتھ اٹھا کر اسے اپنی طرف متوجہ کیا۔

وہ اس کے قریب پہنچ گیا۔

"کیا حال ہے ٹائیگر جس؟" ٹائیگر نے مسکرا کر پوچھا۔

"سنو! میں تمہیں راز کی ایک بات بتانا چاہتی ہوں۔" شیلا نے بمشکل کہا۔

ٹائیگر اس کے قریب پہنچ کر جھک گیا تاکہ راز کی بات سن سکے۔ اسی لمحے شیلا نے اس کی گردن جھنجھوڑنے کے لیے گردن گھمائی لیکن اب موت اس کو چھاپ بیٹھی تھی۔ ٹائیگر نے فوراً خود کو پیچھے کی طرف گرا کر بچا لیا اور شیلا کا سر ایک طرف ڈھلک گیا۔

ٹائیگر ہانپنے لگا۔

"سوری۔۔۔ مگر تمہاری خدمات کا معاوضہ یہی تھا ڈارلنگ!" اس نے دھیرے سے کہا اور پھر اسے شدید تھکن کا احساس ہوا۔ یوں لگا جیسے وہ تیر کر سمندر پار کر چکا ہے۔ اسے نیند آنے لگی۔ آرام کی خواہش محسوس ہونے لگی، وہ وہیں لیٹ کر سو گیا پھر جب وہ بیدار ہوا تو اس نے اپنے تھکے ہوئے ذہن کو سنانجو کے لیے وقف کرنے کا عہد کیا تاہم اسے سب سے پہلے ایک ضروری کام کرنا تھا۔ بصورتِ دیگر وہ زندگی بھر بے چین اور مضطرب رہتا۔

□

شعلے بجھ چکے تھے مگر دھواں اٹھ رہا تھا۔ اوشان اور بہرام چند منٹ قبل ہی کرائے کی جیپ میں یہاں پہنچے تھے۔ جیپ کے ٹائر پنکچر کو اچھی طرح یاد تھا۔ ایک عورت نے اس کی جیپ پورے دن کے لیے کرائے پر لی تھی اور اس کے ساتھ ایک بڑا تیز رو بھی تھا۔ ڈرائیور کو یہ بھی یاد تھا کہ وہ عورت جیپ میں ایک آدمی کو لے کر کس طرف گئی تھی لہٰذا ان دونوں کو فارم ہاؤس تلاش کرنے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی تھی۔

وہ جیپ سے اترے تو ٹائیگر ان کی طرف پشت کیے ہوئے کھڑا تھا۔ شیلا کی لاش ٹائیگر کے سامنے پڑی ہوئی تھی، شاید ٹائیگر نے پیٹ کے زخم کو گہرا اور چوڑا کیا تھا کیونکہ اس کی اپنی انگلیاں خون آلود تھیں۔ ان انگلیوں سے اب بھی خون ٹپک رہا تھا۔

پھر وہ ان کی طرف پلٹا۔ اس کی نظر اوشان پر پڑی تو وہ خوشی سے مسکرانے لگا۔

"تم ٹھیک ہو نا؟" بہرام نے اس کو دیکھ کر مسرت کی ایک اجنبی سی لہر جسم میں دوڑتی ہوئی محسوس کی۔

"ہاں، میں بالکل ٹھیک ہوں۔۔۔ مگر یہ جھوٹی نکلی۔" اس نے مجھ سے جھوٹ بولا تھا۔" یہ کہہ کر اس نے شیلا کے زخم کو چھو کر دیکھا اور ہاتھ دھونے کے لیے تیزی سے فارم ہاؤس کی طرف بڑھ گیا مگر اس بار اوشان اس کے ساتھ تھا۔ وہ ٹائیگر کے ساتھ ساتھ قدم اٹھا رہا تھا۔

"تمہیں دیکھ کر بہت افسوس ہوا۔" اوشان نے عجیب سے لہجے میں کہا۔ "تم مجھے مہذب ہو رہے ہو۔۔۔ موٹے ہو رہے ہو۔۔۔"

"میں جانتا ہوں مائی فادر۔۔۔ اور میں بہت کچھ سیکھ چکا ہوں۔" ٹائیگر کے لہجے میں ندامت تھی۔

"اوہ، شاید تم نے پہلی بار کچھ سیکھا ہے۔" اوشان نے سپاٹ لہجے میں کہا مگر پھر اچانک ہی اس کے لہجے میں غصیلا پن آگیا۔ "کیا تمہیں علم ہے کہ میں نے موم بتیوں پر کتنی رقم خرچ کی ہے؟"

"موم بتیوں پر؟" ٹائیگر ٹھٹک کر رہ گیا۔ "اوہ! کیا آپ میری آخری رسوم ادا کر چکے ہیں؟ اوہ! میں سنانجو کی رسوم سے واقف ہوں مائی فادر۔۔۔ کسی کے مرنے پر صرف باپ یا بھائی ہی موم بتیاں جلاتا اور ان کے سامنے بیٹھ کر مغفرت کی دعائیں کرتا ہے۔"

"ہاں۔۔۔ سنانجو میں یہی رسم ہے۔" سنانجو کے ماسٹر نے بے نیازی

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

سے کہا۔ "مگر تمہاری موت اتنی بے قدر تھی کہ میں نے یہ سوچ کر موم بتیاں جلا دیں کہ تمہاری رُوح کو عذاب نہ سہنا پڑ جائے۔ ویسے تم نے مجھے دھوکا دیا شہزاد!"

"کیسا دھوکا؟"

"معصوم مت بنو۔ میں نے موم بتیاں جلا کر زبردست دھوکا کھایا اور تم میں اتنی جرأت ہی نہیں تھی کہ موم بتیاں جل جانے ہی کا پاس کرتے اور مر جاتے۔ تمام موم بتیاں ضائع ہو گئیں۔"

"آپ فکر نہ کریں لیفٹیننٹ فادر۔" ٹائیگر کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔ "ہم بازار سے اور موم بتیاں خرید لیں گے۔ ویسے ایک بات بتاؤں اگرچہ میں بہت کچھ نہیں ہوں لیکن یہ آپ کی خوش قسمتی ہے کہ میں آپ کا بیٹا ہوں۔"

"اچھے بیٹے کا باپ ہونا واقعی اچھی بات ہے۔" اوشان نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "لیکن تم جیسا بیٹا ہونے سے زیادہ اچھی بات یہ ہے کہ بیٹا ہی نہ ہو۔ شہزاد تم میں ذرا سی بھی مروت نہیں۔"

"اور میں موٹا بھی ہوں۔" ٹائیگر نے ہنستے ہوئے اوشان کو چھیڑا۔

وہ باہر نکلے تو بہرام لاش کا معائنہ کر چکا تھا۔

"کیا یہی شیلا تھی ٹائیگر؟" اس نے دھیمے لہجے میں تصدیق چاہی۔

"ہاں، یہی شیلا فن برگ تھی۔" ٹائیگر نے بڑی نفرت سے لاش کی طرف دیکھ کر کہا۔

"گڈ! اب ہمیں یہ سکون ہو گا کہ یہ عورت مزید انسانوں کو درندہ نہیں بنا سکے گی۔" بہرام نے اپنے سر پر ہاتھ پھیر کر کہا۔ "کیا تم اس کے اُن ساتھیوں کا پتا چلا سکے ہو، جو اب بھی گلستان آباد میں موجود ہیں؟"

"نہیں۔"

"خیر کوئی بات نہیں، تم ان کے طرزِ عمل سے اچھی طرح واقف ہو چکے ہو لہٰذا واپس جا کر باقی درندوں کا صفایا کرنے میں تمہیں کوئی مشکل درپیش نہیں ہو گی۔"

"میں وہاں واپس نہیں جاؤں گا چیف۔" ٹائیگر نے دو ٹوک انداز میں انکار کر دیا۔

"لیکن ابھی کئی درندے زندہ ہیں۔" بہرام نے سنجیدگی سے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

"وہ جلد ہی ختم ہو جائیں گے۔"

"وہ کیسے؟" بہرام نے چونک کر پوچھا۔

"میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ شیلا فن برگ آپ سے نہیں تھی۔ سوئٹ ہارٹ!"

"میں کچھ نہیں۔" بہرام نے آنکھیں جھپکاتے ہوئے کہا مگر پھر ٹائیگر نے اُسے سمجھانے کی بھی کوشش نہیں کی۔ وہ چوائی اڈے کی طرف جاتے ہوئے جیپ میں بھی خاموش رہا۔ اوشان اُسے دیکھ دیکھ کر سر ہلا رہا تھا پھر جب وہ طیارے میں سوار ہو گئے اور طیارہ زمین کو چھوڑ کر فضاؤں میں تیرنے لگا تو اوشان نے بڑے نرم لہجے میں پوچھا۔

"میرا خیال ہے کہ شیلا کی کچھ تبدیلیاں آ رہی تھیں شہزاد۔"

"ہاں... مگر آپ کو کیسے علم ہوا لیفٹیننٹ فادر؟" ٹائیگر حیرت زدہ رہ گیا۔

"اس کی لاش کو دیکھ کر۔" اوشان نے جواب دیا۔ "اس کا جسم دُبلا اور حسن کھو چکا تھا۔ میں نے اسے اس وقت دیکھا تھا، جب وہ تمہیں اُٹھا کر لے گئی تھی یا اب دیکھا ہے۔ اُس وقت کی عورت اور اس وقت کی عورت میں زمین و آسمان کا فرق نظر آیا ہے۔"

"آپ نے درست اندازہ لگایا۔" ٹائیگر نے سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔ "اُسے متلی ہونے لگی تھی، وہ اُبکائیاں کرتی تھی۔ اُس کو یقین ہو گیا کہ یہ سب کچھ استقرارِ حمل کی وجہ سے ہے لیکن درحقیقت ایسا نہیں تھا۔ اصل بات یہ نکلی کہ اس کے جسم نے کچا گوشت مزید قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ وہ واپسی کے سفر پر روانہ ہو چکی تھی۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ گلستان آباد والے درندے بھی واپسی کے سفر پر ہیں۔"

"ہاں... اور میرا خیال ہے کہ انہیں اُن کے حال پر ہی چھوڑ دیا جائے۔ وہ خود ہی مر کھپ جائیں گے۔"

بہرام عقبی نشست پر یہ سب کچھ سُن کر مطمئن انداز میں سر ہلا رہا تھا۔

اوشان خاموش ہو گیا۔ ٹائیگر بھی چپ رہا۔ طیارہ جزیرہ فردوس کے کسی فوجی اڈے کی طرف پرواز کرتا رہا اور پھر اچانک ہی اوشان کی جھلائی ہوئی آواز بلند ہوئی۔ "سب ناشکرے ہیں، کسی میں ذرا سی بھی مروت نہیں۔"

"کیا ہوا ماسٹر؟" بہرام نے چونک کر پوچھا۔

"کسی کو بھی اس کی پروا نہیں کہ میں ایک کتاب لکھنا چاہتا ہوں۔ کوئی مجھے فرصت اور سکون کے چند لمحات بھی نہیں دے سکتا۔"

"فکر مت کریں لیفٹیننٹ فادر۔" ٹائیگر قہقہہ لگا کر بولا۔ "اب آپ کے پاس فرصت ہی فرصت ہے۔ چار پانچ کتابیں لکھ ڈالیے گا۔"

"میرے مقدر میں فرصت کہاں۔" اوشان کا لہجہ اب بھی غصیلا تھا۔

"کیوں؟ اب کون سا مشن درپیش ہے؟" ٹائیگر نے حیرت سے اُس کی طرف دیکھا۔

"تمہیں دوبارہ ٹائیگر بنانے کا مردود!" اوشان نے اُسے گھونسا دکھا کر کہا اور ٹائیگر ایک دم خاموش ہو گیا۔

"چپ کیوں ہو گئے؟" اوشان نے اس بار محبت بھرے انداز میں کہا۔ "فکر کیوں کرتے ہو۔ چند مہینوں میں تم بھی واپسی کے سفر پر ہو گے۔ بس دیکھتے رہنا، ساری توانائی، تمام صلاحیتیں اور قوت واپس مل جائے گی۔"

ٹائیگر نے آنسو ضبط کر کے بہرام کی طرف دیکھا جو شفقت سے مسکرا رہا تھا۔

ٹائیگر نے آنکھیں بند کر لیں۔ اُسے بہت کچھ یاد آ رہا تھا۔

"لیکن اگر اس مشن کے بعد بھی مجھے کتاب لکھنے کا وقت نہیں ملا تو میں ڈاکٹر شیلا کی طرح کوئی شریر بچی گود لے لوں گا۔" اوشان نے زوردار لہجے میں کہا اور اس بار بہرام کا قہقہہ طیارے میں گونج اُٹھا۔ وہ بہت دنوں بعد اس طرح ہنسا تھا۔

"نہیں ماسٹر، تمہیں شریر بچے پیدا کرنے کی ضرورت نہیں تم شریر بچے بغیر ہی...!"

اوشان نے ہاتھ ہلا کر اُسے خاموش رہنے کے لیے کہا۔ دونوں نے ٹائیگر کی طرف دیکھا، جو کسی بچے کی طرح اوشان کے پہلو میں سر رکھ کر سو رہا تھا۔

◆

ٹائیگر کی شامت آئی تھی اور اوشان اس بات پر بضد تھا کہ وہ اُسے ہر چیز ابجد ہی سے سکھائے گا۔

"پلیز اوشان۔" ٹائیگر دوسرے روز گھگیا کر بولا۔ "مجھے سب کچھ معلوم ہے۔ میں سب کچھ جانتا ہوں، بس ایک ریفریشر کورس کی ضرورت ہے۔ میں از خود سب کچھ حاصل کر لوں گا۔"

"ہونہہ!" اوشان بڑی حقارت سے اُس کی طرف دیکھ کر بولا۔ "سب کچھ کر لو گے؟"

"ہاں۔" ٹائیگر نے بھرپور انداز میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ اُسے یقین تھا کہ اوشان مان جائے گا اور اُسے ان مراحل سے دوبارہ نہیں گزرنا پڑے گا جن سے وہ سرگوش کے زمانے میں ہی اوشان کے ہاتھوں گزر چکا تھا۔

"ٹھیک ہے۔ اس دیوار پر چڑھ کر دکھاؤ۔" اوشان نے عقب میں دیکھے بغیر اپنی پشت والی دیوار کی طرف اشارہ کر دیا، جو چار ہ گز سیدھی ٹور یم کی مرکزی دیوار تھی۔

ٹائیگر بے بسی سے اُسے دیکھ کر رہ گیا کیونکہ معاً ہی اُسے شیلا کے فارم ہاؤس والی تین چار فٹ بلند منڈیر یاد آ گئی تھی، جس پر چڑھنے اور توازن برقرار رکھنے میں، وہ کئی بار ناکام ہوا تھا پھر یہ دیوار تو ایک سو بیس فٹ بلند تھی۔

"نہیں کر سکتے؟" اوشان نے غرا کر کہا۔ "سب کچھ بھول چکے ہو خبیث! حواس باختہ نہیں ہونا، چلو... اندر چلو!" اوشان کا اشارہ جمنازیم کی طرف تھا۔ ٹائیگر مرے مرے قدموں سے اندر داخل ہوا۔ چند لمحوں بعد اوشان بھی آ گیا۔ اس کے ہاتھ میں نوار کا ایک گولا تھا جسے دیکھ کر ٹائیگر کو وہ ٹوائلٹ پیپر یاد آ گیا، جس پر چلنے اور توازن برقرار رکھنے کی اُسے تربیت دی گئی تھی اور پھر تربیت کا یہ سلسلہ ٹوائلٹ پیپر سے خطرناک اور بلند منڈیروں اور کھائیوں میں منتقل ہو گیا تھا۔

وہ سینے پر ہاتھ باندھے کھڑا رہا۔

اوشان نے عجیب سے انداز میں نوار کے گولے کو حرکت دی تو گولا کھلتا چلا گیا اور نوار کی چار انچ چوڑی پٹی نوے کے زاویے پر جمنازیم کی آخری دیوار تک پھیلتی چلی گئی۔

"چلو! اس پر قدم رکھ کر چلنا سیکھو۔ پیسر ذرا بھی ہچکا اور فرش پر لگا تو ہیل میں ڈیلو دوں گا۔"

"ایک منٹ شہنشاہِ اعظم!" اوشان نے باتیں کرتے کرتے اچانک ہونٹوں پر انگلی رکھ کر کہا۔ وہ دونوں دیر سے ٹائیگر کے مستقبل کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے مگر بہرام کو ایسا لگ رہا تھا جیسے اوشان کی ساری توجہ جمنازیم کے مرکزی ہال پر ہے۔ جو اگرچہ نظر نہیں آ رہا تھا مگر بہرام کو یہ بات معلوم تھی کہ وہاں ٹائیگر اپنی روزمرہ کی ورزش کر رہا ہے۔ اوشان دیر تک کان لگائے کچھ سننے کی کوشش کرتا رہا اور پھر مسکراتا ہوا بہرام کی طرف دیکھنے لگا۔

"خیریت ماسٹر؟" بہرام نے پوچھا۔

"ہاں، وہ سانس کی ورزش کر رہا ہے۔"

"اوہ..." بہرام نے یہ پوچھنے کی کوشش نہیں کی، سانس کی ورزش کیے جانے کا علم اوشان کو کس طرح ہوا؟ پھر تمہارا کیا خیال ہے اوشان؟"

"کس بارے میں؟"

"میں کہہ رہا تھا کہ کیوں نہ ہم ٹائیگر کو آتشیں اسلحہ استعمال کرنے کی بھی اجازت دے دیں۔"

"میں آگ اُگلنے والے ہتھیاروں کو پسند نہیں کرتا۔" اوشان نے دو ٹوک لہجے میں کہا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

مستقلاً نہیں، صرف اُس وقت تک، جب تک ٹائیگر اپنی اصل حالت میں واپس نہیں آجاتا۔"

"ان ہتھیاروں کا استعمال اُسے بزدل بنا دے گا۔" اُوشان نے کہا۔ "وہ اُسے اپنی صلاحیتوں پر اعتماد نہیں رہے گا بلکہ وہ ہتھیاروں پر اعتماد کرنے لگے گا۔"

"میں اُس کے بھلے کے لیے ہی کہہ رہا ہوں ماسٹر۔" بہرام نے پہلو بدل کر کہا۔ "کل اس پر فائر ہوئے تھے اور وہ بمشکل بچ سکا تھا اگر اس کے پاس کوئی پستول ہی ہوتا تو وہ اُن بھاگتے ہوئے لوگوں کو نشانہ بنا سکتا تھا۔"

"اوم ...!" اُوشان مُنہ چلا کر رہ گیا۔

"یہ میری درخواست ہے کہ جب تک وہ اپنی اصلی حالت پر واپس نہ آئے اُسے آتشیں ہتھیار رکھنے کی اجازت دے دی جائے ماسٹر!"

"ہوم ...!" اُوشان نے آنکھیں بند کرلیں اور بہرام سر ہلاتا ہوا اُٹھ گیا کیونکہ آنکھیں بند کیے جانے کا مطلب یہی تھا کہ اُوشان اب مزید کوئی بات نہیں کرنا چاہتا۔

۷.۷

جنادرم میں تربیت دی جا رہی تھی۔

"اس لکڑی کے تین ٹکڑے ہونے چاہئیں شہزادہ۔" اُوشان نے ایک موٹا تختہ ٹائیگر کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔ "تینوں ٹکڑوں کی لمبائی اور چوڑائی بھی ایک جیسی ہونی چاہیے۔"

"لبل فادر۔" ٹائیگر نے کچھ کہنا چاہا مگر اُوشان کا موڈ دیکھ کر خاموش ہو گیا۔ اس نے لکڑی کو بغور دیکھا چند قدم دُور گیا اور پھر فضا میں اُچھلا۔ اس کی ایک ٹانگ آگے تھی اور دوسری پیچھے ... مگر تختے پر گرتے ہوئے اُس کے دونوں پیر متوازی ہو گئے تھے۔ تاہم اُن میں فاصلہ موجود تھا۔ دونوں پیر تختے پر لگے اور تختہ دو ٹکڑے ہو گیا۔

"تم ناکام رہے۔" اُوشان نے غرا کر کہا۔ "تین کے بجائے دو ٹکڑے ہوئے ہیں اور وہ بھی چھوٹے بڑے۔"

"کیا آپ کو جھونپڑی بنانے کے لیے برابر برابر لکڑیوں کی ضرورت ہے لبل فادر؟" ٹائیگر نے ہنستے ہوئے پوچھا۔ ویسے وہ بہت خوش تھا۔ آج پہلی بار اُسے احساس ہوا تھا کہ کھوئی ہوئی صلاحیتیں عود کر آ رہی ہیں۔ ایک ہفتے قبل وہ اتنا موٹا تختہ توڑنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔

"لکھ لعنت۔" اُوشان نے اُس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔ "جھیل کی تہہ میں جا کر اُس وقت تک بیٹھے رہو جب تک میں نہ آجاؤں۔"

ٹائیگر تیزی سے سنبھل رہا تھا مگر اس میں ابھی وہ بات پیدا نہیں ہوئی تھی جو شیلا کے حملے سے قبل تھی۔ وہ جانتا تھا کہ اُسے ابھی بہت کچھ سیکھنا ہے۔ جسم کو سخت کر کے گولیوں سے بچنا وہ بھول چکا تھا۔ جس دم کی صلاحیت واپس آ رہی تھی ... مگر وہ بمشکل ایک دو منٹ ہی تہہ میں رہنے کے قابل تھا۔ اس کی رفتار بڑھ رہی تھی مگر دو ٹانگیں اب بھی اس کے پیر زمین پر لگتے ہوئے نظر آتے تھے۔ وہ وزن اُٹھانے کے قابل ہو گیا تھا مگر اب بھی اس قابل نہیں تھا کہ دو آدمیوں کو بیک وقت اُٹھا کر دوڑ سکے۔

اُوشان بار بار اُس کی ناکامی پر جھنجلا جاتا تھا مگر جب وہ اور بہرام اکیلے ہوتے تھے تو اُوشان کی مسرت کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہوتا تھا۔ "دیکھا شہنشاہ! وہ میرا بیٹا ہے۔ کتنی تیزی سے صحت یاب ہو رہا ہے۔ اُس کی جگہ اگر کوئی اور ہوتا تو زندگی بھر ان صلاحیتوں کو دوبارہ حاصل نہیں کر سکتا تھا۔"

"تم عظیم ہو ماسٹر!"

"اوہ!" اُوشان کے چہرے پر ہلکی سی سُرخی دوڑ گئی۔ پھر اُس نے غیب سے بولتے ہوئے کہا۔ "وہ مجھ سے عظیم تر ہے شہنشاہ ... اگر میں اُس کی جگہ زخمی ہوا ہوتا تو شاید سنانجو بے وارث ہی رہ جاتا۔"

"ہر عظیم ماسٹر دوسرے ماسٹر کو عظیم تر ہی کہتا ہے۔" بہرام نے مسکرا کر کہا۔

"ہاں۔" اُوشان نے چونک کر بہرام کی طرف دیکھا۔ "میں آپ کی فرمائش پر اُسے فنانہ بازی بھی سکھانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ ممکن ہے کبھی یہ فن بھی اُس کے کام آجائے۔"

★★

وہ رات بہت اندھیری تھی۔ یعنی ٹورم میں اندھیرا تھا۔ بہرام گہری نیند سو رہا تھا مگر نیچے جنادرم میں ایک سیاہ پردے کے سامنے تین بڑی موم بتیاں جل رہی تھیں۔ اُوشان اُن کے سامنے دو زانو بیٹھا ہوا تھا اور ٹائیگر اُس سے ہٹ کر ایک طرف کھڑا تھا۔ اُوشان کے ہونٹ تیزی سے ہل رہے تھے۔ وہ کچھ پڑھ رہا تھا۔ پڑھتے پڑھتے اُس کے دونوں ہاتھ سیاہ پردے کے عقب میں گئے اور پھر واپس آ گئے۔ ان ہاتھوں میں ایک ریوالور دبا ہوا تھا۔

ٹائیگر چونک پڑا۔

"یہاں آؤ میرے بچے۔" اُوشان کی عجیب سی آواز اُس کے پورے جسم میں سنسنی کی لہر دوڑا گئی۔ "میرے قریب آؤ میرے بیٹے ... میرے قریب ...!"

ٹائیگر چھوٹے چھوٹے قدم اُٹھاتا ہوا اُوشان کے قریب پہنچ گیا۔

"جُوتے اُتارو شہزادہ۔"

ٹائیگر نے حکم کی تعمیل کی۔

"یہ لو!" اُوشان نے ریوالور دونوں ہاتھوں میں رکھ کر اس کی طرف بڑھا دیا۔ "میں اس کا استعمال تم پر حلال قرار دیتا ہوں۔" اُس کی آواز کسی سرگوشی سے زیادہ بلند نہیں تھی۔ "میں اس کا استعمال تم پر حلال قرار دیتا ہوں سنانجو کے بہادر، میرے بزرگو! گواہ رہنا، میں ان ہتھیاروں کا استعمال اس کے لیے حلال قرار دے رہا ہوں۔"

"فادر!" ٹائیگر نے کچھ کہنا چاہا۔

"میں شہزاد کی طرف سے یہ عہد کرتا ہوں کہ وہ اس ہتھیار کو استعمال بھی صرف خیر کے کاموں میں کرے گا۔ اپنی قوت کی طرح اس کی قوت بھی بدی کے خلاف استعمال کرے گا۔ یہ شہزلو کا عہد ہے۔ سنانجو کے بہادر، میرے بزرگو!"

یہ کہنے کے بعد اُس نے تیزی سے موم بتیوں کو پھونک مار کر گُل کیا اور پھر ہوا کے جھونکے کی طرح جنادرم سے نکل گیا۔

ٹائیگر دیر تک ریوالور کو دیکھتا رہا اور پھر اُسے جیب میں رکھ کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ وہ بہت کچھ سوچ رہا تھا اور ایک سوچ یہ بھی تھی کہ اس اجازت کے دینے میں اُوشان کی کیا حکمت عملی ہے؟

●

سنانجو کے چند فنون کی دوبارہ مشق کرنے کے بعد ٹائیگر نے اُوشان کے مشورے پر جسم کو منظم رکھنے اور چابکدستی پر زور دیا۔ اس کی خوراک اب ایک بار پھر بلغم، چاول اور مچھلی ہو گئی تھی۔ اُسے عمل تنفس پر مبنی وہ طریقہ آہستہ آہستہ قابو حاصل ہونے لگا تھا ... مگر اسے یہ بات بڑی عجیب لگتی تھی کہ ان تمام تربیتوں کے باوجود اُوشان اسے جدید اور نت نئے ہتھیاروں کے استعمال کی طرف بھی راغب کر رہا ہے۔ یہ ہتھیار بہرام لا کر دیا کرتا تھا۔ پھر اُوشان کسی فوجی ماہر سے ان ہتھیاروں کے استعمال پر سیر حاصل گفتگو کرتا تھا اور پھر ٹائیگر کو ان کا استعمال سکھایا کرتا تھا۔ ٹائیگر اب مشین گن کو پرزے پرزے کر کے دوبارہ جوڑنے میں محض دو منٹ لیا کرتا تھا۔

"یہ سب فضول ہے۔" اُوشان نے ایک دن تنگ آ کر اُس سے کہہ دیا۔ "میرے پاس سنانجو کا فن ہے۔ مجھے کسی اور ہتھیار کی ضرورت نہیں ہے۔"

"تم بعض اوقات سنانجو کے فن کو بھول جاتے ہو شہزادہ۔" اُوشان نے بڑی سنجیدگی سے جواب دیا۔ "شو شیلا کا واقعہ ہی لو۔ تم سب کچھ بھول گئے تھے اگر تمہاری جیب میں ایسا کوئی ہتھیار ہوتا تو تم کم از کم اُسے گولی مار کر وہیں گرا سکتے تھے۔"

"مگر فادر!"

"کچھ نہیں! میں نے تمہارے لیے ان ہتھیاروں کے استعمال کی اجازت بہت مشکل سے حاصل کی ہے۔ ویسے اگر تم چاہو تو میں تم پر یہ پابندی لگا سکتا ہوں کہ کسی ہنگامے پر اس کا استعمال نہیں کرو گے۔"

ٹائیگر ٹکر ٹکر اُسے دیکھتا رہا اور پھر ایک طویل سانس لے کر اس نے ریوالور سیدھا کیا۔ آسمان پر اُڑتے ہوئے ایک پرندے کا نشانہ لیا اور گولی چلا دی۔

پرندے نے فضا میں دو تین قلابازیاں کھائیں پھر کسی پتھر کی طرح تیزی سے زمین پر گر پڑا۔

"نشانہ کیسا ہے لبل فادر؟" ٹائیگر نے خوش ہوتے ہوئے پوچھا۔

"دغا باز!" اُوشان غرا کر رہ گیا۔

"کیوں؟ کیا ہوا اُوشان؟" ٹائیگر نے حیرت سے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"تم نے تختے پر گولی چلائی ہے۔" اُوشان نے مُنہ بنا کر اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

ٹائیگر جھینپ کر کچھ گنگنانے لگا۔ کھڑکی سے بہرام یہ پورا منظر دیکھ رہا تھا۔ اُس کے چہرے پر خفیف سا تبسم نمودار ہوا ... اور پھر وہ اپنے دفتر کی طرف پلٹ گیا۔

جنوری کی سرد ترین رات تھی۔ صبح کے ساڑھے تین بجے تھے۔ خشک اور سرد ہواؤں کے جھکڑ کی وجہ سے گلشن آباد کی ویران سڑک پر اخبار اور کاغذ اُڑ رہے تھے۔ اس ماحول میں دو وین ٹرک زیر زمین ٹرین سروس کے سب وے کے داخلی دروازے پر اس جگہ آ کر رُکے جہاں پارکنگ ممنوع تھی۔ ڈرائیوروں نے انجن بند کر دیے اور کان لگا کر ایسی کوئی آواز سُننے کی کوشش کرنے لگے جس سے انھیں ٹرین کی آمد کا علم ہو سکے۔ تب ہی زمین میں ارتعاش پیدا ہوا۔ انھوں نے اپنی گھڑیاں دیکھیں۔ ایک منٹ بعد جب ٹرین گزر گئی تو وہ ٹرکوں سے کود پڑے۔ انھوں نے بڑی پھرتی سے وین کے عقب میں اُٹی ہوئی لکڑی کی رکاوٹیں اُٹھائیں اور سب وے میں داخل ہونے والے دونوں راستوں پر کھڑی کر دیں۔

"مزاحمت کے بعد بند ہے۔" ان رکاوٹوں پر لیبل سفید پینٹ سے لکھا ہوا تھا۔ ٹیں ٹیں چیک تھی۔ یہ لوگ عام رفتار سے چلتے ہوئے زینہ اُترے اور ریلوے لائن کے قریب بورڈنگ پلیٹ فارم پر پہنچ گئے۔ اس وقت تین بج کر اکتیس منٹ اور دس سیکنڈ ہو چکے تھے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ان لوگوں کا رُخ اب اُن اسٹالوں کی طرف تھا جہاں ٹرین کے ٹکٹ فروخت کیے جاتے تھے۔

اُن چاروں میں سے ایک پستہ قد تھا، اُس کی رنگت سیاہ تھی وہ اسٹیشن میں داخل ہوا۔ وہاں سگریٹوں کے ٹکڑے، اخباروں کی ردّی اور کیلوں کے چھلکے پڑے ہوئے تھے تاہم یہ خوش قسمتی ہی تھی کہ کوئی مسافر نظر نہیں آ رہا تھا۔ اُس کے اشارے پر اس کی طرح باقی تینوں نے بھی چہروں پر رومال باندھ لیے۔ وہ بڑی پھرتی سے ریلوے لائن کے دونوں طرف پہنچے اور انھوں نے اسٹال کلرکوں کو مار مار کر ادھ موا کر دیا۔

یہ سب کام صرف پانچ سیکنڈ میں ہو گیا۔

اسٹیشن میں اب بھی ویرانی تھی۔ حملہ آوروں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر اپنے اس جامع منصوبے پر عمل کرنے لگے جس کی وہ بار بار مشق کر چکے تھے۔

جو ٹرین ابھی گذری تھی دراصل ۹۶ سیکنڈ لیٹ تھی۔ اب اگلے آٹھ منٹ تک کسی دوسری ٹرین کے آنے کا کوئی امکان ہی نہیں تھا۔

وہ چاروں دو دو کی ٹولیوں میں تقسیم ہو کر کام کرتے رہے۔ اُن میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں ہلکے سبز کپڑے کے تھیلے تھے۔ یہ دونوں ریلوے کی بڑی پرکوڈ گنتے تاہم انھوں نے اس امر کا خاص خیال رکھا کہ وہ الیکٹرک ٹریل سے دُور ہی رہیں۔ انھوں نے بڑی پھرتی کے ساتھ ڈائلز لگانے اور پھر سوئچ کے قریب لائن کے نیچے بھاری پیکٹ رکھ دیے۔ یہ کام مکمل کرتے ہی وہ اُلٹی چھلانگیں لگا کر پلیٹ فارم پر پہنچ گئے۔ دونوں نے ایک دوسرے کو اشارے کیے اور پھر اپنے دیگر ساتھیوں کے ساتھ جا ملے، جو چھت کو سنبھالنے والے ستونوں پر کام کر رہے تھے۔ یہ ستون آہنی اور فولادی تھے۔ ان میں کنکریٹ اور فولاد کے علاوہ کچھ اور نہ تھا۔ کیونکہ حملہ آوروں نے شاید خوفِ خدا کے باعث اسٹیشن کی تعمیر میں کوئی ناقص سامان استعمال نہیں کیا تھا۔ انھوں نے بھرپور مہارت اور خاموشی سے کام کرتے ہوئے بارود کی موٹی موٹی پٹیاں اُن ستونوں کے گرد لپیٹیں۔ حتیٰ کہ پانچ ستونوں پر یہ پٹیاں نظر آنے لگیں۔ ایک شخص ہر ستون کے پاس جا کر ٹائم نصب کرنے لگا۔ اس نے صرف پچیس سیکنڈ میں یہ کام مکمل کر لیا۔ اُن کی سرگرمیوں سے صاف ظاہر تھا کہ وہ اس مشن کی تکمیل کے لیے بھرپور مشق کرتے رہے ہیں۔

جونہی یہ کام مکمل ہوا، انھوں نے پٹک کر اسٹال کلرکوں کو باہر کھینچ لیا، جن کی آنکھوں پر اب پٹّا بندھا ہوا تھا۔ وہ انھیں کھینچتے ہوئے نیچے پرلے آئے اور انھیں باہر رکاوٹوں کے قریب ڈال دیا گیا۔ ان چاروں نے اب تک آپس میں بات نہیں کی تھی۔ وہ خاموشی سے ٹرکوں کی طرف بڑھ گئے۔ انھوں نے فیڈل پارک کی طرف بھی نہیں دیکھا، جہاں کوئی آوارہ گرد ہیروئن کا انجکشن لگا کر سوئی جیب میں رکھ رہا تھا۔

وہ ٹھیک تین بج کر چھتیس منٹ اور اٹھاون سیکنڈ پر وہاں سے روانہ ہو گئے۔ اُن کے پاس سب وے سے دُور نکلنے کے لیے کافی وقت تھا لہٰذا ٹرکوں کی رفتار معمول کے مطابق ہی رکھی گئی۔

ابھی ٹرک مرکزی شاہراہ پر نصف فرلانگ ہی دُور پہنچے تھے کہ زیرِ زمین پہلا دھماکا ہوا۔ دھماکے سے پٹریاں تباہ ہو گئیں۔ وہ اپنی جگہ سے اُکھڑیں اور تقریباً سیدھی کھڑی ہو گئیں۔ ایک سیکنڈ تک پٹریاں یونہی جھومتی اور جھولتی رہیں... پھر دُوسرا دھماکا ہوا۔ یہ دھماکا مرکزی ستون میں ہوا تھا۔ دھماکے کی قوت اتنی شدید تھی کہ کنکریٹ اور فولاد موم کی طرح گرنے لگا۔ ستون اس طرح ڈھے گیا جیسے آئس کریم کا بنا ہوا تھا۔ ساتھ ہی کئی اور زوردار آوازیں سنائی دیں۔ مٹی اور دھوئیں کا غبار اُٹھا اور پھر سب وے کی چھت ایک گڑگڑاہٹ کے ساتھ بیٹھنے لگی۔

۷۰ویں شاہراہ کی کئی دُکانیں اور وہاں کھڑی ہوئی متعدد گاڑیاں اس چھت کے ساتھ ہی سب وے میں دھنس گئیں۔ بجلی کے کھمبے اپنی جگہ سے اُکھڑ گئے۔ ٹیلی فون اور بجلی کے تار آپس میں اُلجھے۔ تڑتڑ کی آوازیں آئیں، بجلی کے تاروں سے شعلے نکلنے لگے اور آس پاس قیامت مچ گئی۔

ایک گوالے نے یہ منظر دیکھ کر اپنے ٹرک کو روکنا چاہا مگر اس کی رفتار تیز تھی۔ ٹرک پھسل کر اُس گہرے غار میں گر گیا، جو دھماکوں کی وجہ سے سڑک پر بن چکا تھا۔

بیالیس سیکنڈ بعد دونوں وین ٹرک شمال کی طرف دوڑ رہے تھے۔ اُن میں دو دو فرلانگ کا فاصلہ تھا پھر وہ نوں ٹرک یکے بعد دیگرے ایک سو چھبیسویں شاہراہ پر مُڑ گئے۔ وہ کالج آف کامرس کے سامنے سے گزرے اور پھر ایک سو پچیسویں شاہراہ پر دوڑنے لگے۔ اس کے بعد ایک سو تیئیسویں اسٹریٹ پر پہنچ کر دریائے فردوس کی اُترائی میں گم ہو گئے۔

دریائے فردوس کے متوازی شاہراہ پر پہنچ کر ڈرائیوروں نے پسینہ پونچھا اور بائیں طرف گھوم کر ایک کھلے گودام میں داخل ہو گئے۔

جونہی ٹرکوں کو بریک لگے، گودام کا عقبی دروازہ گر گیا۔ ٹرکوں کی بتیاں بجھیں اور پھر گھپ اندھیرا چھا گیا۔

دس سیکنڈ بعد عمارت کے اندر روشنی ہوئی تو وہ چاروں ٹرک سے اُتر گئے۔ اُن میں ابھی تک کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ انھوں نے ایک بار پھر کسی مشین کی طرح کام کرتے ہوئے ٹرک کے اندر رکھے تھیلے دھوئے، تمام ٹائر بدلے اور ٹرکوں پر نیا رنگ کرنا شروع کر دیا۔ بیس منٹ بعد پہلے ٹرک سیاہ اور سفید رنگ اختیار کر چکے تھے۔

تب ان چاروں نے سکون کی سانس لی۔

"ہلاد!" پستہ قد شخص نے پہلی بار کچھ کہا۔ اس کے لہجے سے ظاہر تھا کہ وہی ان کا سرغنہ ہے۔ اُس کا نام عبدل تھا۔ اُس نے حکم دیتے ہی سب سے پہلے اپنی جیکٹ اُتاری اور دوسرے بھی اُس کی تقلید کرنے لگے۔ عبدل کی طرح باقی دو بھی مقامی تھے، جب کہ چوتھا چپٹا اور زرد رُو تھا۔ اس کے بال دراز تھے۔

"ہر چیز؟" چپٹی ناک والے نے پوچھا۔

عبدل حیرت سے اسے گھورنے لگا۔ اُس کے چہرے پر پہلی مرتبہ خفگی کے آثار نمایاں ہوئے۔ اُس کی آنکھیں سانپ کی طرح چمکنے لگیں۔ "ہاں، ہر چیز۔" اُس نے خونخوار لہجے میں کہا۔ "اور خاص طور سے اپنے جُھوٹے۔ ہم نہیں چاہتے کہ پولیس اپنے جدید ترین آلات کی مدد پر کوئی بھی سُراغ پا سکے۔"

اُن چاروں نے سونے تک اُتارے، کپڑوں اور جُوتوں کو ایک بکس میں رکھا گیا اور پھر یہ بکس عمارت کے اندر ہی مگر دُور حصے میں لے جایا گیا۔ یہاں گیس کی بھٹی موجود تھی جس نے بکس کو سالماتی سطح پر محض چند سیکنڈ میں راکھ بنا ڈالا۔

عبدل نے مطمئن ہو کر سر ہلایا اور پھر اُن تینوں کو عمارت کے ایک اور حصے میں لے گیا جہاں چار پیکٹ رکھے ہوئے تھے۔ ہر پیکٹ پر ایک ایک نام لکھا ہوا تھا۔ اُن میں ان کے لیے ان کے مزاج کے مطابق کپڑے اور جُوتے موجود تھے۔

"شاندار!" اُن میں سے ایک نے سفاری سُوٹ پہنتے ہوئے کہا۔ "کپڑا اچھا اور سلائی شاندار ہے۔"

"آہ، ذرا میری جینز تو دیکھو، شاید باہر سے منگوائی گئی ہے۔" دوسرے نے ہنس کر کہا مگر عبدل سنجیدہ رہا۔ اس نے اُن کی طرف پلٹ کر بھی نہیں دیکھا۔ وہ بالوں میں کنگھا کر رہا تھا۔ باقی تینوں بھی تیار ہو گئے تو وہ اُنھیں ایک اور کمرے میں لے آیا جہاں ایک میز کھانے اور توتلوں سے سجی ہوئی تھی۔

"تم لوگوں نے بہت شاندار کارکردگی دکھائی ہے دوستو!" عبدل نے پہلی بار مسکرا کر کہا۔ "اب کھانے پر ٹوٹ پڑو۔"

وہ واقعی بھوکے اور پیاسے تھے۔ تینوں کھانے اور توتلوں پر ٹوٹ پڑے اور عبدل انھیں دیکھتا رہا پھر جب اُس نے دیکھا کہ اب تینوں کو کھانے اور پینے کے علاوہ کسی دوسری چیز کی پروا نہیں تو وہ سر ہلاتا ہوا اُس کمرے سے ایک ہال میں پہنچا اور ہال سے ایک سجے ہوئے کمرے میں داخل ہو گیا۔

ایک دراز قد نسوانی حسینہ خوبصورت اور گول ہیڈ فریم دراز تھی۔ عبدل نے جونہی لائٹ کھولی وہ اُچھل پڑی۔

"اوہ... عبدل... ڈارلنگ۔" وہ مسرت سے چیخ پڑی۔ "بیٹھتے کو دی اور اُس کے پاس آ گئی۔ "کیا رہا عبدل؟"

"شاندار... بہت شاندار سولن...!" عبدل نے مسکرا کر کہا۔ سولن عبدل سے دراز قد تھی مگر اُس نے خود کو اس طرح جھکا رکھا تھا کہ عبدل کو اس کی دراز قامتی کا احساس نہ ہو۔

"آہ... تم کتنے ذہین ہو" وہ فوراً مسرت سے جھوم اُٹھی۔

"سب کچھ شاندار رہا مائی ڈیئر!" عبدل نے کہا۔ "کوئی غلطی نہیں ہوئی۔ کوئی مسئلہ درپیش نہیں آیا۔ بس ایک دھماکا ہوا اور منصوبہ کامیاب ہو گیا۔ اب کوئی بھی کم از کم چھ ماہ تک اس راستے کو استعمال نہیں کر سکے گا۔"

"عبدل! میں جانتی تھی کہ یہ کام صرف تم ہی کر سکتے ہو۔" سولن نے کہا۔ عبدل کو اسی ایک اور کام کرنا تھا۔ وہ میز پر رکھے ہوئے ایک چھوٹے سے ریڈیو کی طرف بڑھ گیا۔ اناؤنسر کی آواز جاری تھی۔

"سُن رہے ہو، کیا تم سُن رہے ہو چھوٹے؟"

"فوراً فون کرو۔ بگ ڈیڈی کو مطلع کرو کہ تم نے کیا تیر مارا۔" یہ کسی ڈرامے کا حصہ تھا۔

"ارے بند کرو اسے۔" سولن نے اُٹھ کر کہا۔

"نہیں سولن! میں اُسے فون تو کروں گا۔" عبدل نے مسکرا کر جواب دیا۔

"تم بہت ہر جائی ہو۔ خیر... یہ کام بھی کر لو اور ہاں کیا میں تمھاری باتیں سُن سکتی ہوں؟" سولن کا لہجہ محجوبانہ تھا۔

عبدل سر ہلا کر رہ گیا۔ اُس نے فون کا ریسیور اُٹھایا اور ایک نمبر ملایا۔

نمبر مکمل ہوتے ہی ریسیور پر ایک آواز گونجی۔ یہ بگ ڈیڈی کی آواز تھی۔ "اپنا ریڈیو بند کرو احمق۔"

"بکو مت اُلو کے...!" عبدل نے گالی دے کر کہا۔ "تمھیں ایک خبر چاہیے، جس سے تم بہت مشہور ہو جاؤ گے۔ ریکارڈنگ بند کر دو تاکہ تم پوری خبر ٹیپ کر سکو۔ اس ٹیپ کو تم کل پورے شہر میں

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

فروخت کر سکتے ہو، تیار رہو۔
میں...؟"
"اب خاموش رہنا میں مناسب نہیں سمجھتا۔" عبدل نے خشک لہجے میں کہا پھر سولن کی طرف دیکھا، جو اس کے بہت قریب بیٹھی ہوئی تھی۔
"۷۲ویں شاہراہ کا سب وے اسٹیشن آج شب ٹھیک تین بج کر چھتیس منٹ پر تباہ ہو گیا۔ اس راستے سے اب چھ ماہ تک ٹرین نہیں گزر سکتی۔ اس واقعے میں کوئی بھی جان ضائع نہیں ہوئی۔ اس مشن کا واحد مقصد یہ ثابت کرنا تھا کہ ہم کیا کچھ کر سکتے ہیں۔ یہ ایک ابتدا ہے۔ ہم آزادی کے لیے لڑ رہے ہیں، ہم مساوات کے لیے برسرِ پیکار ہیں۔ ہم لاماز دیش کی آزادی کے لیے جنگ کر رہے ہیں۔ ہم نے ثابت کر دیا ہے... کہ ہمارے لیے تباہی پھیلانا کتنا آسان ہے۔ کل دوپہر میں ان مطالبات کی فہرست سناؤں گا، جو ہم پیش کریں گے ہیں اگر ان مطالبات کو تسلیم نہیں کیا گیا تو پھر ہم مزید بارہ تنصیبات تباہ کر دیں گے۔ ہمیں یاد رکھو! ہم ہیں لاماز دیش کے بچے بیٹے۔"
یہ کہتے ہی عبدل نے ریسیور رکھ دیا۔
ریڈیو پر پاپ میوزک کا پروگرام جاری تھا۔ اس وقت صرف موسیقی کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ چند سیکنڈ بعد موسیقی کا ریکارڈ ختم ہو گیا پھر خوبرو آواز، ہنگ ڈی جے نامی فنکار، پروڈیوسر اور پروگرام کنٹرولر کی آواز سنائی دی۔
"خواتین و حضرات! میں نے ابھی کسی پاگل بلی کی آواز ٹیپ کی ہے۔ جونہی میں ٹیپ کی آواز بہتر بنا لوں گا، اسے آپ کی سماعت کے لیے پیش کروں گا لیکن فی الحال یہ مشورہ گرہ سے باندھ لیں۔ ۷۲ویں شاہراہ کا راستہ اور سب وے استعمال نہ کریں۔ میں نے سنا ہے کہ وہاں کوئی دھماکا ہوا ہے۔"
عبدل نے ریڈیو بند کر دیا اور آنکھیں ملنے لگا۔ اسے اچانک ہی تھکن محسوس ہونے لگی تھی لیکن وہ بہت خوش بھی تھا۔ ایک سال کی منصوبہ بندی کے بعد ان کے منصوبے پر عمل شروع ہو چکا تھا۔ وہ مسکرا کر سولن کی طرف پلٹ گیا، جو محبوبانہ انداز میں ٹکر ٹکر اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

✱ انسپکٹر بادل، تھانے میں ایک میز پر پیر رکھے ہوئے چائے کے بھرے ہوئے کپ کو گھور رہا تھا۔ اس کی کوشش یہ تھی کہ میز پر رکھے ہوئے مواد پر توجہ مرتکز کر سکے۔ ویسے اسے اپنی شفٹ سے نفرت تھی۔ چند روز میں بہت کچھ ہو چکا تھا۔ آدم خوروں کے واقعات نے تو اس کا جینا حرام کر دیا تھا لیکن پھر اچانک ہی شاید رحمتِ خداوندی جوش میں آئی تھی کہ آدم خور یکے بعد دیگرے مرنے لگے تھے۔ آخری دو آدم خور اسپتال لائے گئے تو وہ بھوک سے نیم جاں تھے۔ ان کا معدہ کچھ بھی قبول نہیں کرتا تھا، حتیٰ کہ وہ پانی کا ایک گھونٹ بھی پیتے تھے تو وہ بھی اُلٹ دیا کرتے تھے... پھر کسی چلبلے ڈاکٹر نے انھیں کچا گوشت دیا تھا جس کو دیکھ کر وہ خوفزدہ ہو گئے اور انھیں اُلٹیاں شروع ہو گئی تھیں اور اس مرتبہ ان کے منہ سے صرف خون ہی نکلا تھا... خون کے قطعے سفید چادروں پر گرے تھے تو اسپتال میں خوفناک سی کھلبلی مچ گئی تھی۔ محض بیس گھنٹوں کے بعد ان آدم خوروں نے بھی دم توڑ دیا تھا اور پھر ملک کے کسی بھی حصے میں... آدم خوری کا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا تھا۔
وہ وردی میں رہنے کی بجائے سادہ کپڑوں کو ترجیح دیتا تھا۔ رات رات بھر چائے پی کر آنکھیں کھلی رکھنا اس کی ذمے داری تھی۔ اس کا فرض تھا کہ اپنے علاقے میں رونما ہونے والے ہر واقعے سے باخبر رہے لیکن اس بار اسے حالات و واقعات کا نصف فیصد بھی معلوم نہیں ہو سکا تھا۔
اس نے اسپیشل پولیس سرکلر اٹھا کر اسے ایک بار پھر پڑھا۔ یہ سرکلر گزشتہ شب ٹیلکس پر موصول ہوا تھا۔ سرکلر اس کاغذ اور ہدایت نامے سے مسلسل ٹاؤ دلا رہا تھا لیکن یہ سرکلر انٹیلی جنس کے ایک ذہین افسر کی طرف سے آیا تھا جس کا کوڈ سی۔ آئی۔ سی تھا۔ آئی کرمنل انٹیلی جنس اینڈ انویسٹی گیشن تھا۔
"فرام سی۔ آئی۔ آئی... ٹو آل پرائے شمالی فرودوس کرائم ریویو نیٹ ورک... اعلیٰ ترین ترجیح کے لیے... خفیہ... ایک شخص جس کی متعدد اور نامعلوم عرفیتیں ہیں اور جو جزیرۂ فرودوس میں چھ سات روز قبل آخری بار دیکھا گیا تھا، ایک بار پھر ملک میں داخل ہو سکتا ہے۔ اس کا خلیہ کسی کو نہیں معلوم لیکن صرف اتنا علم ہے کہ اس نے دانشوروں کو بلیک میل کرنے والے ڈاکٹر نوریان کا خاتمہ کیا تھا۔ اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ زبردست فائٹر ہے، مجرموں کو نشانہ بناتا ہے۔ وہ اس طرح کام کر کے گزر جاتا ہے، جو پولیس نہیں کر سکتی۔ پولیس والوں پر حملہ صرف اسی وقت کرتا ہے جب وہ اس کی راہ میں مزاحم ہوں۔ اس کے ہاتھ ہیرا اور جسم کا ہر حصہ تباہ کن ہتھیار ہے۔ عام طور سے تنہا کام کرتا ہے۔ اس کے خلاف کوئی وارنٹ نہیں۔ انگلیوں کے نشانات کبھی نہیں ملے۔ اگر کبھی ملے تو گلستان آباد پولیس کے سی۔ آئی۔ جی کے سامنے پیش کر دیا جائے... براہِ راست ٹکراؤ سے گریز کرنا بہتر ہوگا۔"
"وحشت تیرے کی۔" انسپکٹر بادل نے غرا کر کہا۔ "حلیہ ندارد... نام نامعلوم... اگر ملے تو...؟" یہ کہہ کر اس نے آئی جی کو ایک موٹی گالی دی اور سرکلر باسکٹ میں ڈال دیا۔ اس نے انگڑائی لے کر گھڑی دیکھی، تین بج کر انتالیس منٹ ہوئے تھے اور اسی لمحے... ٹیلی فون کی گھنٹی بج اٹھی۔
"انسپکٹر بادل بول رہا ہوں جناب!" اس نے روکھے لہجے میں کہا لیکن پھر اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ "کیا؟ سڑک بیٹھ گئی؟ ٹھیک ہے، سارجنٹ... سنو! ایمبولینس گاڑیاں اور بس اسکواڈ لے کر فوراً وہاں پہنچو، میں بھی آ رہا ہوں۔"
اس نے پھرتی سے ریوالور بیلٹ میں لگایا، جوتے پہنے اور تقریباً دوڑتا ہوا تھانے سے نکل گیا۔ اس کی ساری اکتاہٹ اور بیزاری ختم ہو چکی تھی۔ اب وہ کسی ہرن کی طرح دبکتا ہوا اپنی جیپ کی طرف بھاگ رہا تھا جو غسلی سے تھانے کے باہر کھڑی رہ گئی تھی۔ ابھی تک علم نہیں تھا کہ بتیسویں اسٹریٹ پر کیا ہوا ہے لیکن اسے وہاں جلد از جلد پہنچنا تھا۔ وہ اپنی جیپ میں کود کر بیٹھا۔ اس گاڑی پر عام نمبر پلیٹ لگی ہوئی تھی۔ اس کا رنگ بھی پولیس جیپ سے مختلف تھا۔ اس نے ایکسیلیٹر پر پیر رکھا اور پھر اس اجنبی شخص کے بارے میں دوبارہ سوچنے لگا، جس سے متعلق پیغام نہ صرف مبہم تھا بلکہ ان الفاظ میں بھی تھا کہ اس شخص کو کوئی نقصان نہ پہنچایا جائے۔
"پاگل ہے مردود۔" اس نے زیرِ لب کہا۔ "کیسا ہی لڑ رہا ہے پولیس میں شامل کیوں نہیں ہو جاتا۔ ویسے اگر میرے ہاتھ آ گیا تو پٹخے کے کان صرف مروڑوں گا... پٹخ... آیا خدائی فوجدار...!"
پھر اسے ٹیلی فون کال یاد آ گئی اور وہ یہ سوچنے لگا کہ اگر بہتر ویں شاہراہ کی سڑک بیٹھی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ سب وے کی چھت کو بھی نقصان پہنچا ہوگا لیکن سارجنٹ نے دھماکے کا بھی تو ذکر کیا تھا؟ ممکن ہے کسی گاڑی کا ٹائر پھٹا ہو اور اگر بم کا دھماکا ہوا ہے تو پھر...؟
انسپکٹر بادل کے پیٹ میں اینٹھن سی ہونے لگی۔ اس نے سائرن کا سوئچ آن کیا اور جیپ پوری رفتار سے خالی سڑک پر دوڑنے لگی۔

ٹائیگر کو اوشان کے لیے نئی قبا اور نیا میں خریدنے کے لیے ایک روز سینی ٹوریم سے نکلنا پڑا۔ شیلا کے خاتمے کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ وہ اس طرح تنہا باہر نکلا تھا ورنہ ہمیشہ اوشان اس کے ساتھ ہوتا تھا۔ سینی ٹوریم سے نکلتے ہوئے ٹائیگر کو خود اعتمادی کا پرانا احساس... ہونے لگا تھا۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ اس نے ہاتھ ہلائے، پیر جھٹکے اور گردن پر ہاتھ پھیرا... وہ پہلے کی طرح ٹھوس ہو چکا تھا، نکلی ہوئی کھال میں ایک بار پھر خشاب داخل ہو گیا تھا۔
ویسے اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ قبا اور میں خریدنے کا مقصد محض ایک پردہ ہے، وہ اسے آزمانے کے لیے باہر بھیجنے پر تین چار روز سے گفتگو کر رہے تھے تاکہ پھر واپس جا سکیں۔ اسے خود کو پیرفٹ ثابت کرنا تھا اور اس کے لیے اس نے اپنے طور پر ایک مشن بھی منتخب کر لیا تھا۔ یہ مشن بلیک گولڈ نامی گروپ کے خلاف تھا، جو بلیک پینتھر نامی تنظیم سے الگ ہو کر علیحدگی کی تحریک چلا رہا تھا۔ بلیک گولڈ دراصل لاماز تھے، جن کا کہنا تھا کہ وہ ایک الگ مملکت ہیں اور جزیرۂ فرودوس کی غلامی میں نہیں رہنا چاہتے۔ اس تنظیم کا ذکر اس نے پہلی بار بہرام کے کمرے میں اس وقت سنا تھا جب بہرام نے محض یہ بتانے کے لیے کہ جزیرۂ فرودوس میں ایک بار پھر علیحدگی پسند سرگرم ہو گئے ہیں، ایک ٹیپ شدہ بیان سنایا تھا۔ یہ بیان ایک لاماز کرنل کا تھا۔ اسے فائرنگ اسکواڈ کے حوالے کیا جا چکا تھا لیکن بقول بہرام، کرنل کی موت کے بعد لاماز علیحدگی پسند اور زیادہ سرگرم ہو گئے تھے... پھر بہرام نے یہ بھی بتایا تھا کہ کالجوں میں بھی لاماز طلبا تشدد پر اتر آئے ہیں۔ اس نے اپنے ایک ایجنٹ ڈاکٹر داؤد کی رپورٹ اسے دکھائی تھی، جس میں کہا گیا تھا کہ اس نے پچھلے چند سے میں طلبا کے ہنگامے دیکھے ہیں لیکن اگر اس مرتبہ ہنگامے ہوئے تو زبردست خون خرابہ ہوگا۔ اس رپورٹ میں لکھا تھا۔
"تدریسی شعبوں کی عمارتوں پر قبضہ، کھڑکیاں توڑنا، اپنے ہی ساتھیوں کا قتل، غیر تدریسی امور میں دلچسپی، سیاسی مطالبات کا پیش ہونا نہ صرف تعلیم کے لیے نقصان دہ ہے بلکہ ایک شدید بحران کی آمد کا پیش خیمہ بھی۔ گلستان آباد یونیورسٹی کے طلبا کا بنیادی رویہ بتدریج بدلتا ہوا منفی رنگ اختیار کر رہا ہے۔ ان میں لاماز طلبا زیادہ جارحیت پسند ہوتے جا رہے ہیں اور ان کا ساتھ وہ غیر ملکی طلبا بھی دے رہے ہیں، جو تماشوان سے تعلیم حاصل کرنے کے لیے آئے ہوئے ہیں۔ مجھے عام طلبا سے کوئی خوف نہیں۔ وہ ڈگری حاصل کرنے کے لیے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

محسوس ہوتا ہے۔ ابھی کل دو فردوسی طلبا کا قتل ہُوا ہے اور قتل کے لیے پستول نہیں بلکہ خنجر استعمال کیے گئے ہیں۔ فردوسی طلبا اور لامازیوں میں ٹھن چکی ہے۔ تائیواتی طلبا ملتی پر تیل چھڑک سکتے ہیں اگر فردوسی طالب علم بھی تشدد پر اُتر آئے تو پھر یونیورسٹی میدان جنگ ہی نہیں بلکہ قتل گاہ بھی بن سکتی ہے۔"

"حالات خراب ہیں سونٹ ہارٹ!" ٹائیگر یہ سوچے بغیر نہ رہ سکا کہ ان حالات میں اُنھیں جزیرۂ فردوس سے واپس جانا نہیں چاہیے۔

"ہاں... مگر یہ ہمارا دردِ سر نہیں۔ فوج ان پر قابو پا سکتی ہے۔ تم اُوشان کے لیے کپڑے لے آؤ... ہم چند روز بعد ہی روانہ ہو جائیں گے۔"

"ہاں، تاکہ میں اپنی کتاب مکمل کر سکوں۔" اُوشان نے اچانک ہی آنکھیں کھول کر کہا۔ وہ بہت دیر سے مراقبے کی حالت میں تھا۔

"اُوشان!" ٹائیگر بہت سنجیدہ تھا۔ "کیا فوج خون خرابے کے بغیر ان حالات پر قابو پا سکتی ہے؟"

"یہ تو فوج ہی جانے میرے چیتے... فوج میں بڑے بڑے دماغ موجود ہیں۔" اُوشان نے دیوار پر کسی غیر مرئی نقطے کو گھورتے ہوئے کہا۔

"کیا بلیک گولڈ نامی تنظیم کے سرکردہ لیڈروں کا نام پتا معلوم ہے، چیف...؟"

"نہیں!... اور ہمیں تجسس میں پڑنے کی بھی کیا ضرورت ہے۔ ہم جس مشن کے لیے یہاں آئے تھے وہ پورا ہو چکا ہے۔"

"لیکن ہر مشن کی کوکھ سے دوسرا مشن بھی جنم لے لیتا ہے... سونٹ ہارٹ!" ٹائیگر کے لہجے میں عجیب سا تاثر تھا۔

"اب تم وقت ضائع مت کرو۔ مجھے معلوم ہے کہ ماسٹر کا لباس خریدنے میں کتنی دیر لگ سکتی ہے۔" بہرام نے بھی سنجیدگی سے جواب دیا اور ٹائیگر اپنی جیب پر ہاتھ مارتا ہُوا کمرے سے نکل گیا۔ اُسے علم تھا کہ واپسی پر یہ جیب خالی ہوگی۔

اُس کے کمرے سے نکلتے ہی بہرام نے مسکرا کر اُوشان کو دیکھا جس نے ایک بار پھر آنکھیں بند کر لی تھیں۔ "تم نے درست کہا تھا ماسٹر! اب ٹائیگر خود ہی اس مشن کو اپنے ہاتھ میں لے لے گا لیکن اُسے اس طرح تنہا چھوڑ دینا کیا مناسب ہوگا؟"

"شیر کو جب تک جنگل میں تنہا نہیں چھوڑیں گے اُس وقت تک اس میں اعتماد نہیں پیدا ہوگا شہنشاہ!" اُوشان نے اپنے منحوس انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیا وہ فٹ ہے؟"

"سپر فٹ نہیں، اسّی فیصد فٹ ہے اور باقی بیس فی صد آتشیں اسلحہ فٹ کر دے گا لیکن میں جانتا ہوں کہ وہ ریوالور وغیرہ جیسی منحوس چیزیں کبھی استعمال نہیں کرے گا۔"

ٹائیگر نے کرائے کی کار میں شہر کے مرکزی علاقے کا رُخ کیا اور پھر اُسے پرنس مُنل نامی زیرِ زمین سڑک پر ڈال دیا۔ جلد ہی تازہ ہوا کی آمد بند ہو گئی اور وہ سرنگ میں داخل ہو گیا۔ وہ جانتا تھا کہ ایک نیا مشن اُس کے ہاتھ میں ہے اور اس کی تکمیل ہی اُسے بہرام اور اُوشان کی نظروں میں سپر فٹ ثابت کر سکتی ہے۔ اُسے اپنے فٹ ہونے کا ثبوت دینے میں زیادہ دلچسپی نہیں تھی۔ درحقیقت وہ یہ چاہتا تھا کہ واپسی سے قبل جزیرۂ فردوس اس دوسری آفت سے بھی محفوظ ہو جائے۔ ڈاکٹر شیلا نسلِ انسانی کے لیے خطرناک تھی تو... بلیک گولڈ ملک کے وجود کے لیے۔

زیرِ زمین سڑک سے نکل کر اُس نے گاڑی ۴۴ ویں شاہراہ پر ڈال دی اور اپنے پہلو پر ہاتھ رکھ لیا۔ یہاں ہائی اسٹینڈرڈ اعشاریہ ۲۲ آٹو میٹک موجود تھا، جس کی موجودگی محسوس کر کے وہ بُرا سا منہ بنا کر رہ گیا۔ وہ جانتا تھا کہ جب تک اُوشان اُسے اُتارنے کا حکم نہیں دے گا، اُس وقت تک وہ سپر فٹ بھی نہیں ہوگا۔ یہ بڑی عجیب بات تھی کہ اُوشان نے اُسے پہلے کبھی ریوالور رکھنے کا حکم نہیں دیا تھا۔ اس وقت بھی نہیں جب وہ شہزادے سے ٹائیگر بنایا جا رہا تھا۔

اُس نے ایک طویل سانس لے کر گاڑی ہوٹل علی شان کے سامنے روکی۔ جو فائیو اسٹار ہوٹلوں میں ممتاز ترین تھا۔ ایک ملازم بھاگتا ہُوا آیا۔

"گاڑی اندر پارک کر دو۔" ٹائیگر نے اُسے ہدایت کی اور ہوٹل کے اندر گھس گیا۔ چند لمحوں بعد وہ ایک آرام دہ کمرے میں لیٹا ہُوا تھا۔ اُسے یہ بات معلوم تھی کہ اس ہوٹل میں زیادہ تر دانشور اور اداکار قیام کرتے ہیں۔ اُس نے ٹی۔ وی سیٹ آن کیا۔ اس وقت خبریں آ رہی تھیں۔ اسکرین پر جو منظر نظر آ رہا تھا شاید وہ کسی میدانِ جنگ کا تھا۔ ٹائیگر دلچسپی سے ٹی۔ وی کی طرف دیکھنے لگا... پھر اُسے احساس ہُوا کہ وہ کسی میدانِ جنگ کی فلم نہیں دیکھ رہا ہے۔ یہ تو گلشن آباد کا دیکھا بھالا علاقہ لگ رہا تھا... اُسے گلشن آباد، گلستان آباد سے زیادہ پسند تھا اور اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ گلستان آباد کے اس جڑواں شہر میں صفائی کا معیار یورپی ممالک سے زیادہ بلند تھا۔ کیمرے

تاریک وادی

مصنف
ایم اے راحت

سرزمین افریقہ کے پراسرار گوشوں کی داستان ہے جہاں آج بھی تہذیب کے قدم نہیں پہنچے۔ اور علم کی روشنی نہیں پھیلی۔ اسی وجہ سے وہاں توہمات، جادو اور دیوی دیوتاؤں کی کہانیاں بکھری ہوئی ہیں۔ اور ہزاروں سال سے وہ لوگ اپنے عقائد کے سہارے زندگی بسر کر رہے ہیں۔

تاریک وادی بھی سرزمین افریقہ کے پراسرار گوشوں کی داستان ہے جس میں رونگٹے کھڑے کر دینے والے واقعات اور ہمالیہ کے دامن میں بکھری ہوئی لاماؤں کی داستان اس کہانی میں ایک خوبصورت اضافہ کرتی ہے۔

خوبصورت سرورق ◎ بہترین کتابت وطباعت

دو جلدوں میں مکمل

جلد اول : ۱۵۰/- روپے
جلد دوم : ۱۵۰/- "
مکمل سیٹ : ۳۰۰/- "

کتاب اپنے قریبی بک سٹال سے طلب فرمائیں یا ادارے کے نام منی آرڈر کی رسید بھیج کر کتاب آپ کو بذریعہ رجسٹرڈ پوسٹ گھر بیٹھے منگوا لیں۔

خط وکتابت کے لئے

مکتبہ القریش سرکلر روڈ، اُردو بازار، لاہور ۲

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

سے پہلے سڑک کے وسط میں ایک بڑا سا غار دکھایا پھر طبلہ اٹھانے والے کا لکن نظر آنے لگے اور اس کے بعد پس منظر سے اناؤنسر کی آواز گونجنے لگی۔

"۲۰ ویں شاہراہ پر اب صرف یہی کچھ بچا ہے۔ ایک انتہا پسند گروپ نے عمل اصلاح سب وے اسٹیشن کو بموں سے اڑا دیا ہے اگرچہ کوئی جانی نقصان نہیں ہوا... لیکن سب وے بہر حال ناقابل استعمال ہو کر رہ گئی ہے۔ خیال یہی ہے کہ دہشت گردی کی یہ کارروائی بلیک گولڈ نامی گروپ نے کی ہے۔ اس گروپ نے مزید بارہ مقامات پر ایسے ہی حملے کرنے کی دھمکی دی ہے اور اگر یہ انتہا پسند اس میں بھی کامیاب ہو گئے تو گلشن آباد اور گلستان آباد کا مواصلاتی نظام اور ذرائع نقل و حمل سب مفلوج ہو کر رہ جائیں گے۔ انتہا پسندوں نے دو کروڑ روپے کی ایسی کرنسی طلب کی ہے جس پر کوئی نشان نہ ہو۔ اس گروپ نے اپنا نام الیشوا بائی بتایا ہے اور ہمارے ماہر لسانیات نے کہا ہے کہ یہ قدیم لاماذی زبان کا لفظ ہے اور اس کے معنی بلیک گولڈ کے ہیں۔"

نیوز کاسٹر ابھی واقعے پر تبصرہ اور دیگر حکام کے تاثرات بیان کرنے لگا مگر ٹائیگر نے اٹھ کر ٹی وی آف کر دیا۔ اس کے چہرے پر سنجیدگی تھی آنکھوں میں غصہ تھا اور اسے اب بھرپور احساس ہو چکا تھا کہ بلیک گولڈ محض ایسا تخلیقاتی ہیرو نہیں جس کا نام لے کر محکمۂ اغوا عوام کو قابو میں رکھتے ہیں۔ اس گروپ نے اپنی کارروائی شروع کر دی تھی اور وہ یقیناً شہری نظام کو مفلوج کر کے شہروں پر قبضہ کرنا چاہتا تھا۔

وہ فوراً ایک نتیجے پر پہنچ گیا۔ اس مشن میں کسی قسم کی سراغ رسانی کی کوئی گنجائش نہیں تھی اور نہ ہی آہنی تحفظات کی پروا کرنے کی بلیک گولڈ کو تمیز نہیں کرنا ضروری تھا اور وہ جانتا تھا کہ اس کے لیے اسے بہرام سے کسی قسم کی اجازت لینے کی کوئی ضرورت نہیں۔

پھر وہ خود کو بیرفٹ بھی ثابت کرنا چاہتا تھا۔

اس نے اپنے جوتے پیروں میں ڈالے اور ہوٹل سے نکل گیا۔

اس نے گلشن آباد جانے والی ہائی وے پر گاڑی ڈال دی اور گاڑی والی ہوا سے باتیں کرنے لگی۔

☆☆

بہتر ویں شاہراہ پر واقعی قیامت خیز منظر تھا۔ افراتفری مچی ہوئی تھی۔ بڑے بڑے ٹرک ملبہ اٹھا رہے تھے لیکن کریننوں کے لیے ملبہ اٹھانا بہت مشکل ثابت ہو رہا تھا۔ آہنی شہتیر اور بڑے بڑے ستون راہ میں حائل تھے اور سب سے اہم مسئلہ یہ تھا کہ سب وے میں جانے والا راستہ ہی منہدم

باہر سناٹا تھا جبکہ اندر پراسرار ماحول۔ ٹیوب لائٹس روشن تھیں۔ غالباً فیوز خیر حال ہی میں خریدے گئے تھے۔ ٹیبل پر مکھیوں کی آواز سنائی دے رہی تھی اور زمین ہل رہی تھی۔ شاید پریس بھی نیچے ہی تھا۔

ایک لڑکی جو یقیناً لاماذی تھی، بڑے ہال میں جس پر نیوز رُوم لکھا ہوا تھا، کچھ ٹائپ کر رہی تھی۔ وہ جونہی اندر داخل ہوا، لڑکی نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔

"میں مسٹر شاذولین احمد سے ملنا چاہتا ہوں۔" ٹائیگر نے ایڈیٹر کا پورا نام لیا۔

"وہ پہلے کمرے میں ہیں۔" لڑکی نے اشارے سے کمرے کی نشاندہی کرتے ہوئے کہا، جو نیوز رُوم کے آخری حصے میں تھا۔

ٹائیگر مسکرا کر کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ دروازہ کھلا ہوا تھا لہٰذا اس نے اندر جانے کے لیے اجازت لینا ضروری نہیں سمجھی۔ کمرے میں ایک شخص ٹیلی پرنٹروں کی خبروں پر جھکا ہوا تھا۔

"مسٹر شاذولین احمد!" ٹائیگر کا لہجہ رعب دار تھا۔

"ہاں۔" شاذولین نے سر اٹھائے بغیر کہا۔ وہ پستہ قد کا تھا اور اس کا چشمہ چہرے سے مطابقت نہیں رکھتا تھا۔ سر پر سیاہ بال شاید تیل کی وجہ سے چپکے ہوئے تھے۔ ایک آستین جھول رہی تھی اور دوسری آستین بازو تک لپٹی ہوئی تھی۔ ٹوٹے پر پتلون کسی ہوئی تھی۔ اس نے ہاں کہنے کے بعد بال پوائنٹ میز پر رکھا اور پھر سر اٹھا کر دیکھا۔

"اوہ تم...!" اس نے طویل سانس لے کر کہا۔ "تم یا تو پولیس والے ہو... یا پھر فٹ بال کے کھلاڑی ہو۔" شاذولین نے ہاتھ نچاتے ہوئے اس کی طرف بغور دیکھا۔ "لیکن میں یہ اندازہ نہیں لگا سکا کہ تمہارا تعلق کس علاقے سے ہے۔ تم لاماذی نہیں کیونکہ تمہارا رنگ سنہرا نہیں ہے اور تم فردوسی بھی نہیں کیونکہ تم عام فردوسیوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ گورے ہو۔"

ٹائیگر مسکراتا ہوا ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ شاذولین کی میز اخباروں، رسالوں اور خبروں سے بھری ہوئی تھی۔

"مسٹر شاذولین!" ٹائیگر نے کہا۔ "میں نے تمہارے بارے میں جو کچھ سنا ہے وہ یقیناً سو فیصد درست ہوگا۔"

شاذولین اپنی کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس نے بال پوائنٹ اٹھا کر کان کھجایا اور بھدے لہجے میں بولا۔ "میرا خیال ہے کہ تم بلیک گولڈ کے ہیڈ کوارٹر میں ہو۔ اس گروپ نے داغی سنسنی پھیلا دی ہے۔" انھوں نے جمائی کا دروازہ کھول دیا ہے لیکن میری چھٹی حس کہہ رہی ہے کہ یہ محض آغاز ہے۔ تم نے بہتر ویں شاہراہ کا حشر دیکھا؟"

"ہاں۔" ٹائیگر اچانک ہی اس منہ پھٹ شخص کو پسند کرنے لگا۔ "میں دراصل انسانی رویوں پر تحقیق کر رہا ہوں اور..."

"نہیں۔" شاذولین احمد نے ایک ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "جھوٹ نہیں چلے گا۔ میں مسلمان ہونے سے پہلے بہت جھوٹ بولتا تھا مگر اب میں نے جھوٹ بولنا چھوڑ دیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ تم انسانی رویوں پر تحقیق کا چکر مت دو اور اپنی بات کرو۔"

"میں اُن کے بارے میں چند معلومات حاصل کرنے آیا ہوں۔" ٹائیگر نے اسے مزید چکر دینے کا ارادہ ترک کر دیا۔ ان کے اجلاس کہاں ہوتے ہیں؟ ان میں سے دو تین کے نام مل جائیں تو میرا کام آسان ہو جائے گا۔"

شاذولین کرسی سے اٹھ کر ٹہلنے لگا۔ ٹائپ رائٹر کی آواز اب بھی آ رہی تھی۔ وہ چند لمحوں تک سر جھکائے کمرے میں ٹہلتا رہا اور پھر دوبارہ کرسی میں دھنس گیا۔ اس کا چہرہ اداس تھا۔

"میں کیا بتاؤں لڑکے۔" اس نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "مجھے جو کچھ معلوم تھا، وہ میں آج صبح ہی السداد فسادات کے خصوصی عملے کو بتا چکا تھا۔ مجھے صرف ایک آدمی کا نام معلوم ہے۔ یہ لوگ دراصل کالی بدروحیں ہیں جو رات کو رقص کرتی ہیں۔ رات ہی اُن کے لیے رابطوں کا پیغام لے آتی ہے۔ کبھی کبھی یہ میرے دروازے پر پرچی بنائی نمبر پھینک جاتے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ جو شخص بھی یہ خبر پڑھتا ہے، وہ پڑھا لکھا آدمی ہے۔ میں ایسی خبروں کو اپنے اس نوٹ کے ساتھ شائع کر دیتا ہوں کہ یہ خبر میں کس طرح ملی لیکن نام...!" یہ کہتے ہوئے اس نے ایش ٹرے سے بھدا سا پائپ اٹھا کر اسے کریدنا شروع کر دیا۔ "مجھے صرف سولن کا نام معلوم ہے۔ وہ ایک عرصہ قبل کچھ دنوں کے لیے روشن نگر گئی تھی اور وہاں کے یونیورسٹی کیمپس میں چینی نژاد گروپ پر پھیلائی رہی تاہم دو ماہ سے اس کا کوئی پتا نہیں۔ دو ماہ ہو گئے، کسی نے بھی اسے دوبارہ نہیں دیکھا۔"

"کیا آپ کو کسی ایسے باربار لیستوران کا نام یاد ہے، جہاں وہ بیٹھک کرتے ہوں؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"نہیں۔" شاذولین احمد نے پائپ کو صاف کر کے اس میں تمباکو بھرا۔ "لیکن مجھے موجودہ صورت حال پر تشویش ہے۔ ایسے حالات پہلے کبھی رُونما نہیں ہوئے۔ یہ درست ہے کہ لوگ آزادی کے لیے بڑھ چڑھ کر مطالبات کرتے رہتے ہیں اور ہمیں پولیس کی طرح ہی یہ بھی علم ہوتا رہا ہے کہ ان مطالبات کی حمایت میں کب اور کہاں مظاہرہ ہوگا تاہم اس بار جو کچھ ہوا اس کی سن گن بھی نہیں مل سکی۔ مجھے ایسا لگ رہا ہے کہ انتہا پسندوں نے کوئی خفیہ کلب قائم کر لیا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ تم ایسے کلب کا کھوج لگانا چاہتے ہو لیکن تم اندھیری راہ کے مسافر ہو۔ تمہارے پاس آغاز کرنے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کے لیے کوئی پگڈنڈی بھی نہیں۔"

"دیکھوں گا۔" ٹائیگر نے سر ہلا کر کہا۔ اسے یقین تھا کہ بوڑھا اصولاً سچ بول رہا ہے ورنہ وہ اس پر اپنا کوئی حربہ استعمال کر کے سچ بولنے پر مجبور کر دیتا۔ اس وقت سوال یہ ہے کہ کیا وہ مطالبے کے مطابق رقم حاصل کر سکیں گے؟"

"بہت ممکن ہے۔" شاذولین نے جواب دیا اور دوبارہ اُٹھ گیا۔ اُس کی پیشانی فکر آلود ہو گئی۔ شاید وہ کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ "کل رات جو کچھ ہوا وہ عام لوگوں کی حرکت نہیں۔ یہ کمانڈو آپریشن سے کچھ زیادہ ہی تھا۔ کسی نے کسی کو سب وے میں داخل ہوتے اور واپس نکلتے ہوئے نہیں دیکھا۔ ٹکٹ فروخت کرنے والوں کو بھی شاید جان بوجھ کر مرنے نہیں دیا گیا تاکہ وہ اس کارروائی کی تشہیر کے لیے چلتا پھرتا ذریعہ ثابت ہوں۔ انہوں نے اُس وقت حملہ کیا جب ایک ٹرین جا چکی تھی اور دوسری ٹرین کی آمد میں کافی وقت تھا۔ اس پوری کارروائی میں مہارت نظر آتی ہے۔ زبردست منصوبہ بندی کی گئی ہے۔ میرا خیال ہے کہ میئر اور پولیس کمشنر رقم دینے پر آمادہ ہو جائیں گے کیونکہ بصورتِ دیگر انہیں بارہ سب وے اسٹیشنوں کی مدت پر دس کروڑ روپے سے زیادہ کی رقم خرچ کرنی ہوگی۔"

"درست۔" ٹائیگر بھی اسی نتیجے پر پہنچا تھا۔ "لیکن قتل کی واردات کے بارے میں کیا خیال ہے؟ میں نے سنا ہے کہ ان کے ہاتھوں کئی قتل بھی ہو چکے ہیں۔"

"ہاں... لیکن شاید ایک دو بار۔" شاذولین نے کرسی پر بیٹھ کر پائپ سلگایا کو لائٹر کا شعلہ دکھایا۔ ایک طویل کش لیا اور جب مطمئن ہو گیا تو اس نے کہا۔ "قتل کی وارداتیں ایک دو ہی ہوئی تھیں مگر دو افراد مارے گئے تھے۔ شاید تنظیمی اختلافات ہی اس واردات کا سبب بنے تھے۔ دونوں لاشیں ہڈسن اور انہیں نہر زرفشاں میں پھینک دیا گیا تھا۔ مقتولین کے ہاتھ کٹے ہوئے تھے، جو کبھی نہیں ملے۔ اس سے مقصد شاید یہ تھا کہ پولیس فنگر پرنٹس کی مدد سے مقتولین کی شناخت نہ کر سکے تاہم ایک لاش کی شناخت دانتوں کے ریکارڈ اور کسی حد تک چہرے کی وجہ سے ممکن ہو گئی۔"

"اس قتل سے یہ ثابت ہوا کہ یہ لوگ کسی سماجی کلب میں شامل نہیں۔" ٹائیگر نے مسکرا کر کہا۔

"ہاں... لیکن وہ جو کوئی بھی ہیں... محض شرافت نہیں کر رہے ہیں۔ ہمیں یقین کرنا ہوگا کہ وہ اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہنا سکتے ہیں۔" یہ کہتے ہوئے شاذولین نے گھڑی دیکھی اور پھر چونک پڑا۔ "کاش میں تم سے مزید چند باتیں کرنے کے لیے وقت نکال سکتا لڑکے... مجھے کافی جھوٹ بولنا ہے۔"

ٹائیگر فوراً کھڑا ہو گیا۔ اُسے اندازہ تھا کہ بوڑھے ایڈیٹر کے پاس مزید کچھ کہنے کے لیے نہیں۔

"سنو!" شاذولین پائپ رکھ کر بولا۔ "اگر تمہیں کوئی اہم بات معلوم ہو جائے تو مجھے ضرور بتا دینا تاکہ میں فرووس ٹائمز کو خبر کے معاملے میں پیٹ سکوں۔"

"ٹھیک ہے۔" میں بھی آپ کے دروازے پر کوئی لفافہ ڈال جایا کروں گا۔" ٹائیگر نے ہنس کر کہا۔ جس پر شاذولین قہقہہ مار کر ہنس پڑا۔

باہر کار کے گرد تقریباً دس لڑکے جمع تھے۔ ان میں سے چھوٹے کے اُس کی طرف لپکے۔ "کیا یہ ملبوس تمہارے لیے کام کر رہا ہے؟" ان میں سے ایک نے بڑی بدتمیزی سے پوچھا۔ "اور کیا تم معاوضہ ادا کر رہے ہو؟"

"ہاں۔" ٹائیگر نے سر ہلا کر جواب دیا۔

"تب پھر مجھے بھی رقم دو۔" میں نے بھی اس کا ہاتھ بٹایا ہے۔"

"اچھا۔" ٹائیگر نے ہاتھ بڑھا کر لڑکے کی گردن پکڑ لی۔ اس کے بعد اس کا ہاتھ تیزی سے لڑکے کی پنڈلی تک گیا اور اس نے گردن چھوڑ دی۔ پھر وہ لڑکے کو کسی بوری کی طرح ہلانے لگا حتیٰ کہ اُس کی جیب سے سکے گرنے لگے اور دوسرے لڑکے کو زمین پر جھک جھک کر یہ مال غنیمت سمیٹنے لگے... پھر جب ٹائیگر نے اس لڑکے کو زمین پر کھڑا کیا تو وہ رونے لگا۔ ٹائیگر نے مسکرا کر دس کا نوٹ اُس کی جیب میں ڈالا اور پھر کار میں بیٹھ کر چل دیا۔

وہ ایک بار پھر جنوب کی سمت میں گیا اور اُس نے اپنی کار تباہ شدہ سب وے سے کچھ دُور اس طرح پارک کی کہ اُسے تمام سرگرمیاں نظر آتی رہیں۔ سب وے کا اگلا حصہ ان سرگرمیوں کا مرکز تھا پھر اچانک ہی وہاں دو سیاہ لمبوترین کاریں آ کر رُکیں اور ان میں سے چار افراد اُترے۔ ان کے ہاتھوں میں ہلمٹ تھے۔ شاید یہ لوگ سرکاری معائنہ ٹیم کے رُکن تھے۔ ٹائیگر بھی کار سے اُتر کر سب وے کی طرف بڑھا مگر اس بار اُسے کسی کے سر سے ہلمٹ نہیں اُتارنا پڑا کیونکہ شاید کوئی مزدور کھانا کھانے کے لیے اپنا ہلمٹ اور ڈانگری ایک طرف رکھ گیا تھا۔ اُس نے ہلمٹ سر پر جمایا اور ان آدمیوں کے پیچھے لپک گیا۔ اب اُس کی کوشش یہ تھی کہ ان آدمیوں کے قریب رہ کر اندر گھسنے کی کوشش کرے۔ شاید اندر کوئی کلید، کوئی سُراغ... کوئی نشان مل جائے اور پھر وہ اسی نشان کو سہارا بنا کر آگے بڑھ سکے۔

▼ ▼

اُس نے سرکاری معائنہ ٹیم سے اپنا فاصلہ تقریباً سو فٹ رکھا۔ سب وے کے دروازے پر ایک پولیس والا پہرہ دے رہا تھا۔ اُس کے

انداز سے بے زاری واضح تھی۔ وہ چاروں اُس کے قریب سے گزر گئے اور جب ٹائیگر اس کے قریب پہنچا تو وہ بیزار سا آدمی چونک پڑا۔

"کہاں جا رہے ہو؟" اُس نے جھلائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"باس کے ساتھ نیچے۔" ٹائیگر نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔ "وہ فی الوقت ہاتھا پائی کرنے کے موڈ میں نہیں تھا۔ میں باس کے لیے پان لینے کی خاطر رُک گیا تھا اور وہ میرا انتظار کیے بغیر نیچے چلے گئے۔"

"یہ ممنوعہ علاقہ ہے۔" گارڈ نے پھر کہا۔

"اور ہم ہی نے اسے ممنوعہ علاقہ قرار دیا ہے بھائی۔" ٹائیگر نے نرمی سے کہا۔ "ہم اندر ہونے والی تباہی کا جائزہ لینے آئے ہیں۔ میرا نام محمد صدیق ہے اور میں پلاننگ ڈویژن کا سروئیر ہوں۔ مجھے باس کے ساتھ اندر کا سروے کرنا ہے اگر میں ان تک نہ پہنچا تو بڑا غضب ہو جائے گا۔"

"تم کس باس کی بات کر رہے ہو؟" گارڈ نے پیر پٹختے ہوئے کہا۔

"مجھ سے یہ کہا گیا تھا کہ سٹی کونسل میں حزبِ اختلاف کا قائد اور اس کے تین ساتھی اندر کا معائنہ کریں گے۔ میں تمہیں اندر جانے کی اجازت نہیں دے سکتا۔"

"تب پھر میں تمہارا ایجنسی نمبر نوٹ کر کے لے جاؤں گا تاکہ سرکاری فرائض کی ادائیگی میں رکاوٹ بننے پر تمہارے خلاف شکایت کر سکوں۔"

"سنو! میں بھی اپنا فرض ادا کر رہا ہوں۔ اپنا تماشائی کارڈ دکھا سکتا ہوں۔"

"ہرگز نہیں۔" ٹائیگر نے مصنوعی برہمی کا مظاہرہ کیا۔ "یہ میری توہین ہوگی۔ مجھے اندر جانے دو ورنہ میں واپس چلا جاؤں گا۔"

گارڈ یا پیچ فٹ دس انچ لمبا تھا۔ وہ چند لمحوں تک ٹائیگر کو گھورتا رہا اور پھر کندھے اچکا کر بولا۔ "جاؤ بھی اندر چلے جاؤ۔ وہاں مٹھائی بٹ رہی ہے۔"

"شکریہ!" ٹائیگر نے خشک لہجے میں کہا۔ "لیکن میرا مشورہ یہ ہے کہ تم آدمی کو پہچانا کرو، ورنہ کسی دن بڑی مشکل میں پڑ جاؤ گے۔" یہ کہہ کر وہ مرکزی گیٹ میں داخل ہو گیا، جہاں سے ملبہ صاف کیا جا چکا تھا۔ یہاں سے زیرِ زمین پلیٹ فارم کے صرف اُس حصے میں جانے کے لیے استعمال کیا جا سکتا تھا، جو پوری طرح تباہ نہیں ہوا تھا۔ ٹائیگر تیزی سے ایک طرف بڑھ گیا۔ وہ پتھروں، کنکریٹ، سریوں، ٹہنیوں کے جال اور مٹی کی آڑ میں ہو کر چلنے لگا۔ ملبہ صاف کرنے والے مزدور کھانے اور آرام کرنے کے لیے جا چکے تھے۔ وہ کوشش کر کے بالکل پچھلے حصے میں پہنچ گیا۔ یہاں واقعی ایسا لگ رہا تھا جیسے کسی دیوانے ہاتھی نے گھنے کے کھیت کو اُجاڑ دیا ہو۔

سٹی کونسل کا گروپ اس سے پچاس فٹ آگے کھڑا ہوا تھا۔ وہ کسی نشان کے ملنے کی اُمید میں ایک طرف چل دیا تب ہی اُسے وہ آواز سُنائی دی۔

"ارے! تم یہاں کیا کر رہے ہو؟"

ٹائیگر نے فوراً جیب سے اپنی چھوٹی سی نوٹ بک نکالی جو بیرول سے سادہ تھی اور شہتیروں کی طرف دیکھ کر کچھ لکھنے لگا پھر وہ جھک جھک کر کنکریٹ کے ٹکڑوں کا معائنہ بھی کرنے لگا۔

"بولتے کیوں نہیں، کون ہو تم؟" اُسے پھر للکارا گیا۔

"کیا مجھ سے کچھ کہا؟" ٹائیگر نے پلٹ کر پوچھا۔

"ہاں، تم ہی سے پوچھا ہے۔"

"میں محمد صدیق ہوں۔ پلاننگ ڈویژن کا سروئیر۔ چیف انجینئر نے مجھے ہدایت کی ہے کہ میں شہتیروں اور کنکریٹ کا معائنہ کروں تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ سب وے میں اس قدر تباہی ٹھیکیدار کی نااہلیت کی وجہ سے تو نہیں ہوئی۔"

ٹائیگر کو للکارنے والے کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں۔ اسے کسی نے یہ نہیں بتایا تھا کہ پلاننگ والے بھی کام کر رہے ہیں اور اگر بتایا تھا تو وہ بھول چکا تھا۔ یہ شخص انسپکٹر بادل تھا۔ وہ محض کندھے اُچکا کر رہ گیا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ ٹائیگر اپنا کام جاری رکھ سکتا ہے۔

کونسل کارکن واجا حق نواز پہلی بار کچھ کہہ رہا تھا۔ "حضرات! ہمیں بتایا گیا ہے کہ طرموں نے انتہائی طاقت ور بارود کی ٹکیاں ستونوں کے گرد لپیٹ کر یہ تباہی مچائی ہے۔ ماہرین کا خیال ہے کہ اس اسٹیشن کو راکھ اور مٹی کا ڈھیر بنانے میں سی۔ 4 پلاسٹک بموں کا ہاتھ ہے۔ ہر بم دو سو پونڈ کا تھا۔"

پولیس کمشنر ہاشم یہ سُن کر چڑ گیا۔ "مٹی کونسل والے ہمیشہ احمقانہ باتیں کرتے ہیں۔" اس نے کہا۔ "سی۔ 4 میٹریل ممنوعہ ہے اور اسے فوج یا سرحدی دستوں کے علاوہ اور کوئی استعمال نہیں کر سکتا۔ نہیں راجا صاحب! آپ کے ہوائی دھوکا کھا گئے۔ یہ سی۔ 4 نہیں ہو سکتا۔"

"نہیں!" راجا حق نواز نے ہاتھ ہلا کر کہا۔ "تم بہرحال یہ تسلیم نہیں کرو گے کہ کسی سی۔ 4 استعمال ہوا ہے کیونکہ اس طرح انتظامیہ پر یہ الزام لگ جائے گا کہ وہ کسی سی۔ 4 تخریب کاروں کے ہاتھ میں پہنچنے سے نہیں روک سکی۔ میرا دعویٰ ہے کہ کسی سی۔ 4 بلیک مارکیٹ میں مل سکتا ہے۔"

ہاشم نے سر جھٹک کر بلڈنگ کی طرف دیکھا۔ "ممکن ہے آپ درست کہتے ہوں راجا صاحب، ہر چیز بلیک مارکیٹ میں مل جاتی ہے۔ سیاسی وفاداریاں بھی..." اب پولیس کمشنر کا لہجہ واضح طور پر تلخ تھا۔

ٹائیگر اب اُن کے اور قریب پہنچ کر ساری گفتگو سُن رہا تھا۔ اُس نے نیچے پڑے ہوئے تاروں کا گچھا اُٹھا کر ہاتھ میں تولا اور پھر زمین پر پھینک کر ڈائری میں کچھ نوٹ کرنے لگا۔ اس کے بعد وہ واپسی

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کے لیے دروازے کی طرف بڑھنے لگا۔ اُس نے جو کچھ سُنا تھا' وہ اس کی پیش قدمی کے لیے بنیاد بن سکتا تھا۔ اُسے اچھی طرح علم تھا کہ فردوس کے ہر شہر میں اسلحہ کی بلیک مارکٹنگ ہوتی ہے اور گلشن آباد میں بھی ایسا کوئی اڈہ ضرور ہوگا۔

زینے پر چڑھتے ہوئے وہ تاروں کو دیکھنے کے لیے کبھی کبھی رک جاتا تاکہ دیکھنے والے اُسے پیشہ ور ہی سمجھیں۔ اس کے بعد جب وہ کشنر اور سٹی کونسل کے رُکن کی نظروں سے اوجھل ہو گیا تو وہ پھرتی مگر خاموشی سے اُوپر آگیا۔ اب یہاں پُرانا گارڈ نہیں تھا۔ اُس کی جگہ کسی دوسرے اور زیادہ قد آور پولیس والے نے لی تھی اور اردگرد کے علاقے میں خاردار تار بھی کھڑے کر دیے گئے تھے تاکہ کوئی غیر متعلقہ شخص اس ممنوعہ علاقے میں قدم نہ رکھ سکے۔ پولیس والے نے بہرحال اُسے دیکھ کر مسکراتے ہوئے ہاتھ ہلایا اور یوں ٹائیگر کو ایک بار پھر کسی مسئلے سے دوچار ہونا نہیں پڑا۔ کار میں بیٹھ کر وہ اگلے بلاک تک پہنچا' جہاں اُسے جلد ہی پبلک ٹیلی فون بوتھ مل گیا۔

وہ بوتھ میں گھس کر چند لمحوں تک سوچتا رہا۔ دراصل وہ یہ سوچ رہا تھا کہ آج کیا دن ہے؟ پھر جب دن یاد آگیا تو اُس نے فوراً مطلوبہ کوڈ کے مطابق نمبر ملا لیا۔

"تم کہاں ہو؟" دوسری طرف سے فوراً ہی بہرام کی آواز سُنائی دی۔

"میں وہیں ہوں' جہاں مجھے ہونا چاہیے تھا۔ ریلیک گولڈ کا قلع قمع کرنے کی خاطر...!"

"لیکن تم تو اُوشان کے لیے نئی قبائیں لینے گئے تھے۔" بہرام نے اُس کی بات کاٹ کر کہا۔

"کیا آپ نے مجھے واقعی اسی مقصد کے لیے تنہا باہر بھیجا تھا؟" سوئٹ ہارٹ؟" ٹائیگر نے چبھتا ہوا سوال کر پوچھا۔

"اچھا...!" بہرام ایک طویل سانس لے کر بولا۔ "کہاں تک پہنچے...؟"

"اندھیرے صحرا میں کسی جگنو کو تلاش کر رہا ہوں۔" ٹائیگر نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر کہا۔ "مجھے گلشن آباد میں کسی ایسے فون نمبر کی تلاش ہے' جس کے ذریعے میں اسلحے کی کالی منڈی تک پہنچ سکوں۔"

"خیریت...؟"

"اب تک تو خیریت ہی ہے۔" ٹائیگر نے اس بار سنجیدگی سے جواب دیا۔ "مجھے کنٹریکٹ نمبر درکار ہے' چیف!"

"ایک منٹ ہولڈ کرو۔" بہرام نے ریسیور میز پر رکھ دیا۔ ٹائیگر سوچنے لگا کہ اب بہرام اپنے اُس مینی کمپیوٹر پر انگلیاں چلا رہا ہوگا جو ہر سوال کو مائیکرو ویو کے ذریعے بڑے کمپیوٹر تک منتقل کر دیتا ہے اور اس کے بعد بڑا کمپیوٹر اپنا جواب اُگل دیتا ہے۔

چالیس سیکنڈ بعد ہی اُسے جواب مل گیا۔ "اس نمبر پر مارٹن نامی شخص ملے گا۔ تم اس سے بات کر سکتے ہو۔ گاڈ بلس یو۔" بہرام نے یہ جواب دے کر رابطہ منقطع کر دیا۔

★★

"ہیلو مارٹن!" ریسیور اُٹھائے جانے کی آواز سُنتے ہی ٹائیگر نے کہا۔ "مجھے چند چیزیں بیاں درکار ہیں۔"

"اچھا۔" مارٹن نامی شخص نے اُردو میں کہا۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ اُس نے ٹائیگر سے نہ تو نام پوچھا اور نہ ہی اس بات پر حیرت کا اظہار کیا کہ اُسے فون نمبر کس طرح مل گیا۔ "تم کیفے نشاط میں آ کر کرنل سے ملاقات کرو۔ اُس نے کہا کہ تم نے پچھلی مرتبہ گنج منڈی کی بیاز مارکیٹ سے اُن کو خریدے تھے۔"

"اوہ...!" ٹائیگر کا منہ بن گیا۔ کیا مائیکن نہیں کہہ سکتا دوست؟"

"ہرگز نہیں' ورنہ ٹماٹر کی طرح پچک جاؤ گے۔" مارٹن کا لہجہ بہت سنجیدہ تھا لہٰذا ٹائیگر نے اس کا شکریہ ادا کیا اور پھر کیفے نشاط کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔

کیفے نشاط باسٹھویں اور ساٹھویں شاہراہ کے اتصال پر واقع تھا۔ وہ اندر جا کر یخ بستہ جوس سے دل بہلانے لگا۔ اس دوران میں اُس نے اپنی آنکھیں اور کان کھلے رکھے۔ ایک عرصے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ ابھی تک ہاتھ پاؤں استعمال کرنے کی نوبت نہیں آئی تھی۔ کچھ دیر بعد جب کوئی غیر معمولی بات نظر نہ آئی تو اُس نے بیرے کو بلا کر پچاس کے نوٹ کی جھلک دکھائی۔

"میں کرنل سے ملنا چاہتا ہوں۔" اُس نے دھیرے سے کہا۔

"کس لیے؟" بیرے کا لہجہ بھی دھیما تھا۔

"بکواس!" ٹائیگر مسکرا دیا۔ "جاؤ اور اُس سے کہو کہ میں اُس سے ملنا چاہتا ہوں۔"

بیرا چوڑا قامت ہونے کے ساتھ ساتھ گٹھیلے جسم کا بھی مالک تھا۔ ایک لمحے تک اپنے چبڑے کو سہلاتا رہا اور پھر بولا۔ "ہم اُنھیں صرف کرنل نہیں کہتے لہٰذا تم بھی پروٹوکول کو مدِنظر رکھو۔ ان کا پورا نام کرنل منتظر ہے۔"

"لہٰذا مجھے مزید انتظار نہ کراؤ۔ جاؤ اور اُسے میرا پیغام دے دو۔" بیرے نے اُسے پھر گھور کر دیکھا مگر اُسے غصہ پینا پڑا اور وہ شاید دل ہی دل میں یہ کہتا ہوا چلا گیا کہ موقع ملا تو دیکھ لوں گا۔

موت کے سوداگر
کے خالق
اقلیم علیم کے قلم سے لکھی گئی

پہلی سلسلے وار طلسماتی کہانی جس نے مقبولیت کے نئے ریکارڈ قائم کئے۔

ناگ بھون

ایک پراسرار اور ایڈونچر کہانی جو روپ بدل کر انسانوں کو محسور کرنے والی زہریلی ناگنوں، جل منڈل، ناگ بھون اور ناگ پوجا جیسے ہولناک اسراروں سے پردہ اٹھاتی ہے۔

انتقام پر تلی ہوئی زہریلی ناگنوں جل کماری، ناگ رانی کے طلسماتی تصادم میں گھرنے کے بعد ایک نئی زندگی حاصل کرنے والے محمد سلطان خان کی لرزہ خیز کہانی جو اقلیم علیم نے اُسی کے الفاظ میں قلمبند کی ہے۔

قیمت
حصہ اول : 150/- روپے
حصہ دوم : 150/- روپے

جناب آپنے قریبی بک سٹال سے طلب فرمائیں یا ادارے کے نام منی آرڈر کا منی آرڈر آنے پر کتاب آپ کو بذریعہ رجسٹری ارسال کر دی جائے گی۔

خط و کتابت کے لئے
مکتبہ القریش سرکلر روڈ، اردو بازار، لاہور ۲

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ٹائیگر کو یقین تھا کہ اس کی ملاقات کرنل سے فوراً ہی نہیں ہوگی بلکہ پہلے اس کے حالی موالی آئیں گے اور یہی ہوا۔ دو افراد ایک طرف سے نکلے اور ٹائیگر کی میز پر اس کے دائیں بائیں والی کرسی پر بیٹھ گئے۔ دونوں قوی الجثہ تھے لیکن ان کے چہروں پر کسی زیرک زمین تنظیم کے ایجنٹوں جیسا اعتماد نہیں تھا۔ ان میں سے بائیں والا ایک لمحے کے لیے ٹائیگر کی طرف دیکھتا رہا اور پھر قدرے بلند آواز میں بولا "تم کس کی تلاش میں ہو؟"

کرنل کی "ٹائیگر نے ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر جواب دیا اور مونچھ زاد دھیرے بولو، میرے سر میں درد ہونے لگتا ہے میں کرنل سے ملنا چاہتا ہوں" اس نے ایک بار پھر وہی جملہ ادا کیا، جو مارٹن نے اسے بتایا تھا۔

"آؤ" وہ شخص کرسی سے اٹھ گیا۔ دوسرا وہیں بیٹھا رہا۔ ٹائیگر بے پروائی کے انداز میں ادھر ادھر دیکھتا ہوا چلتا رہا اور پھر اسے کاؤنٹر کے عقب میں واقع ایک کمرے میں لے جایا گیا۔ اس کمرے میں کوئی نہ تھا لیکن اس کی دیوار میں ایک اور دروازہ نظر آ رہا تھا۔ یہاں پہنچ کر اس کا گائیڈ غائب ہو گیا۔ ٹائیگر کا دل دھڑکا اور پھر اچانک رک گیا۔ اس کے دونوں ہاتھ برسے سعادت مندانہ انداز میں پھیلے ہوئے تھے۔ آپ یقیناً کسی غلط ارادے سے نہیں آئے جناب!" اس کا لہجہ اچانک ہی خدمتیانہ ہو گیا تھا۔

"درست" ٹائیگر نے سر ہلا کر کہا۔

"تب پھر اپنا ریوالور مجھے دے دیں۔ میں اس کی مکمل حفاظت کروں گا اور اگر ضروری ہوا تو آپ کی واپسی تک اس کی صفائی بھی کر دوں گا۔"

"بات معقول ہے" ٹائیگر نے جواب دے کر ریوالور نکالا۔ "سنو! یہ وہ ریوالور ہے جو میں نے ابھی تک استعمال نہیں کیا۔"

"بہت شاندار ہے جناب!" قمر وسی نے کہا۔ "اور کوئی چیز تو نہیں؟"

"نہیں"

اسی لمحے ایک اور شخص آیا اور اس نے حیرت انگیز پھرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ٹائیگر کے پورے جسم پر ہاتھ پھیر دیا۔ اس کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ کسی زمانے میں پولیس والا رہا ہے۔ اب دونوں اس کے دائیں بائیں تھے۔ انھوں نے دروازے پر دستک دی تو وہ فوراً کھل گیا۔ وہ ایک ہال میں داخل ہوئے اور پھر ہال [illegible] ایک انتہائی خوبصورت کمرے میں پہنچے جہاں پوشیدہ اسپیکروں سے ہلکی ہلکی موسیقی [illegible]

دبیز قالین بچھا ہوا تھا۔ دیوار پر تیندوں کے سر اور ہاتھی کے دانت نظر آ رہے تھے اور ایک کونے میں خوبصورت سی ڈیسک کے پیچھے ایک چھوٹا سا آدمی بیٹھا ہوا تھا، جس کا سر جسم کے تقابل میں بہت بڑا تھا۔ اس کی کالی اور چمک دار آنکھیں ٹائیگر کا جائزہ لینے لگیں۔

"نام...؟" اس کی باریک سی آواز نکلی اگر وہ سامنے نہ ہوتا تو ٹائیگر یہی سمجھتا کہ کوئی بچہ بول رہا ہے۔

"تصدق حسین" ٹائیگر کے ذہن میں یہ نام نہ جانے کہاں سے آ گیا تھا۔

"مجھ سے ملنے کا مشورہ کس نے دیا ہے؟" بچے جیسی آواز پھر سنائی دی۔

"کیا تم واقعی کرنل ہو؟" ٹائیگر نے بڑی سنجیدگی سے پوچھا تو چھوٹے آدمی کے چہرے پر غصہ لہریں مارنے لگا۔ وہ دیر تک ٹائیگر کو گھورتا رہا مگر پھر اس کے چہرے سے سختی اچانک غائب ہو گئی اور وہ سر ہلانے لگا۔

"مجھے مارٹن نے بھیجا ہے۔"

"اوہ! کرنل منتظر تھا۔ پلیز اپنا ڈرائیونگ لائسنس دکھاؤ۔"

"ناممکن" ٹائیگر کے پاس تصدق حسین کا ڈرائیونگ لائسنس موجود نہیں تھا۔ "میں اپنی ذاتی چیز کسی کو نہیں دکھاتا۔ اگر زبردستی دیکھنا چاہتے ہو تو پھر تین چار آدمیوں کو بلا لو کیونکہ یہ دو لونڈے لائسنس جیب سے نہیں نکال سکیں گے۔"

کرنل کی چمک دار آنکھیں ایک بار پھر اس کے چہرے پر جم گئیں اور ٹائیگر بھی جواباً اسے گھورنے لگا۔ یہ اعصابی کھیل تھا... چند لمحوں بعد ٹائیگر اس کھیل میں جیت گیا کیونکہ کرنل نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے ایک ٹیلی فون اندر لیس اٹھا لی تھی پھر وہ فون کھینچ کر نمبر ملانے لگا تھا۔

ٹائیگر دبیز صوفے پر بیٹھ کر پہلو بدلنے دیکھنے لگا۔

"ایم...!" کرنل نے آواز دھیمی رکھنے کی کوئی کوشش نہ کی۔ "مہمان کی شناخت کراؤ۔"

دو منٹ بعد اس نے ریسیور آہستہ سے رکھ دیا پھر اس کا بڑا سا سر ٹائیگر کی طرف گھوم گیا۔ "شاید تمہیں ہمارے طریقہ کار کا علم نہیں۔ بظاہر تم چیک آؤٹ ہو چکے ہو لیکن ہم کوئی خطرہ مول لینا نہیں چاہتے۔ ہم تمہاری آنکھوں پر پٹی باندھ کر گودام تک لے چلیں گے اور جب تمہارا کام ہو جائے گا تو اسی طرح تمہیں واپس لایا جائے گا۔ یہاں سے تم اپنی پسند کے متعلقہ ریستوران کے راستے کی [illegible]

"کوئی بات نہیں" ٹائیگر کھڑا ہو گیا۔ "مجھے ان لوگوں کی نفسیات کا اچھی طرح علم ہے، جو خود کو غیر محفوظ سمجھتے ہیں کرنل" اس پر چھوٹا آدمی صرف پہلو بدل کر رہ گیا۔

کار کا سفر مختصر تھا اور ٹائیگر نے جان بوجھ کر آنکھوں کی صلاحیت استعمال نہیں کی تھی۔ وہ تو پشت گاہ سے ٹیک لگا کر آرام کرنے لگا تھا جب کار رکی تو اسے ہاتھ سے پکڑ کر اتارا گیا اور پھر عمارت کے اندر اس کی آنکھوں سے کالی پٹی اتار دی گئی۔ اب وہ اسے ایک تہ خانے میں لے جا رہے تھے۔ نیچے اندھیرا تھا۔ تاہم چند طبیب لٹکا رہے تھے یہاں اسے وہ آدمی نظر آیا، جو شاید اس کاروبار کا منتظم تھا... وہ درمیانی قامت کا گنجا آدمی تھا، جس کے چہرے پر سنہری فریم کا چشمہ بہت بے ڈھنگا لگ رہا تھا۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ فریم بہت نازک تھا اور اس کے عدسے بہت موٹے تھے۔

"تشریف لائیے مسٹر تصدق حسین۔ مارٹن آپ کو کلیئر کر چکا ہے لیکن بہرحال اس نے یہ خدشہ ظاہر کیا ہے کہ آپ کسی قانونی سرگرمی میں بھی ملوث ہو سکتے ہیں۔"

ٹائیگر نے اسے بغور دیکھا اور اس فیصلے پر پہنچا کہ یہ شخص شاید صرف منتظم ہے... اصل مالک کرنل ہی ہو گا۔

"مارٹن بہت باتیں کرنے لگا ہے" ٹائیگر نے منہ بنا کر کہا۔

"ہم سیلزمین باتونی ہی ہوتے ہیں جناب" چشمے والے نے مسکرا کر جواب دیا۔ "آپ کو کیا چاہیے؟"

"سی 4، اچھی کوالٹی کا، جس میں ذرا سی بھی نمی نہ ہو۔"

"نہیں، کوئی شرط پیش نہیں کی جا سکتی۔ خاص طور سے کوالٹی کے بارے میں" سیلزمین نے سر ہلا کر کہا۔ "آج تک کسی نے کوالٹی خراب ہونے کی شکایت نہیں کی۔ میں نے پچھلے ہفتے ہی ڈیڑھ سو پونڈ سے زیادہ سی 4 دیا ہے اور خریدار نے اس کی شکایت نہیں کی کہ کوالٹی خراب تھی۔"

"سی 4 کی یہ کھیپ کس کو دی تھی؟"

"یہ میں نہیں بتا سکتا مگر اس سوال کا مقصد؟" سیلزمین نے چشمہ اتار کر صاف کرتے ہوئے پوچھا۔

"یہ کہ کسی مردود نے سی 4 ہی کی مدد سے میرے ایک آپریشن کو ناکام بنایا ہے اور میں ان مردودوں کو ہلاک کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے علم ہو جائے کہ تم نے سی 4 کس کو اور کس پتے پر دیا تھا تو میرا کام ہلکا ہو جائے گا۔"

"تم اس کاروبار کے اصول یقیناً زیادہ بہتر طور پر جانتے ہو گے تصدق حسین!"

ٹائیگر یہ نام سن کر منہ بنانے لگا۔ اب اسے پچھتاوا ہو رہا تھا کہ اس نے اپنا نام اللہ داد کیوں نہیں بتایا۔

"اگر مارٹن ہمیں یہ نہیں بتاتا کہ تم ایک ایسی بڑی پارٹی سے تعلق رکھتے ہو، جو ہماری مصنوعات باقاعدگی سے خریدتی رہتی ہے تو تمہارا یہی سوال تمہیں ہلاکت میں ڈال سکتا تھا۔ بہرحال میں تمہیں یہ نہیں بتا سکتا کہ سی 4 کہاں گیا۔"

ٹائیگر سوچنے لگا کہ کیا بہرام چارہ گر کے لیے مارٹن کے توسط ہی سے گولہ بارود خریدتا ہے۔

"مارٹن کے بارے میں زیادہ باتیں مت کرو" ٹائیگر نے بیباک لہجے میں کہا۔ "کیونکہ اس کی سب سے بڑی غلطی یہ ہے کہ اس نے تمہیں اس حقیقت سے آگاہ نہیں کیا کہ جب میں کوئی چیز طلب کرتا ہوں تو حاصل بھی کر لیتا ہوں۔ میں نے نام اور پتا طلب کیا ہے سیلز مین!"

"تم..." سیلز مین ہنس پڑا۔ "تم یہ بھول رہے ہو کہ تمہارے دائیں بائیں دو طاقت ور آدمی کھڑے ہوئے ہیں تصدق حسین! یہ ہمارے بہترین آدمی ہیں۔"

اس نے اتنا ہی کہا تھا کہ ان میں سے ایک اس کے قریب آ گیا۔ ٹائیگر نے اسے دیکھا۔ اس کے دائیں پہلو میں ابھار نمایاں تھا اور اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ بائیں ہاتھ سے گن استعمال کرتا ہے۔

"اگر تمہیں کچھ سامان خریدنا ہے تو بات کرو تصدق حسین۔" اس شخص نے خوشگوار لہجے میں کہا۔ اس کے لہجے ہی میں نہیں بلکہ آنکھوں میں بھی واضح دھمکی تھی۔ ویسے وہ دونوں ابھی تک مطمئن تھے۔ انھیں یقین تھا کہ یہ نوجوان یہاں کسی قسم کی کوئی گڑبڑ کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا لیکن اب ٹائیگر باتوں سے بیزار آ چکا تھا۔ اس نے پل بھر میں خود کو تیار کیا اور اسے یہ محسوس کر کے انتہائی مسرت ہوئی کہ ایک عرصے بعد آزمائش کے مرحلے پر اس کا جسم اور ذہن دونوں تیار ہیں۔ یہ اس کے ذہن و بدن کی پہلی آزمائش ثابت ہو سکتی تھی۔ اس نے دونوں ہاتھ اس طرح اٹھائے جیسے بے بسی کا اظہار کرنے والا ہو... مگر اسی لمحات اس نے الٹی چھلانگ لگائی۔ دایاں پیر تر چھا کیا، جو پوری شدت سے قریب ترین کھڑے ہوئے پہلوان کی بیلٹ پر پڑا۔ ٹائیگر کی ضرب لگتے ہی وہ شخص ڈکراتا ہوا دیوار سے جا کر ٹکرایا اور ٹائیگر کسی بھیڑ کی طرح زمین پر گھوم کر دوبارہ کھڑا ہو گیا۔ اس نے سیلز مین کو جیب میں ہاتھ ڈالتے ہوئے دیکھا لیکن اب شہزاد واقعی ٹائیگر بن چکا تھا۔ وہ کسی اسپرنگ کی طرح اچھل کر دوسرے پہلوان کا محافظ پر جا گرا۔ پہلوان کو ڈھال بنا کر وہ پشت کے بل گرا اور ساتھ ہی اس کے دونوں پیروں نے پہلوان

ندیم

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کو اس طرح اُچھالا کہ وہ کسی گیند کی طرح سیلز مین کے دائیں شانے پر جا کر لگا۔ سیلز مین کے حلق سے مضحکہ خیز چیخ نکلی۔ گیند کی طرح پھینکے والا پہلوان تو زمین پر گرتے ہی بے ہوش ہو گیا لیکن سیلز مین ریوالور نکالنے کی کوشش کرتا رہا۔ لہٰذا ٹائیگر کو اس کا بھی ہاتھ پکڑ لینا پڑا۔ اُس نے محض ہلکا سا جھٹکا دیا تو سیلز مین کا وہ شانہ اُتر گیا اور ۳۸ بور کا خوبصورت ریوالور ٹائیگر کے ہاتھ میں آ گیا۔

"اب جو بھی اپنے ہوش میں ہے وہ اُٹھنے کی کوشش نہ کرے۔" ٹائیگر نے ریوالور کو نال سے پکڑ رکھا تھا۔ دونوں پہلوان واقعی جاندار تھے۔ دونوں ہوش میں تھے لیکن ٹائیگر کی پھرتی اور قوت دیکھ کر اُن کے ہوش اُڑ چکے تھے لہٰذا دونوں منہ کے بل لیٹے رہے۔

"تمہارا کیا نام ہے؟" ٹائیگر نے سیلز مین سے پوچھا جو شانہ اُتر جانے کے باوجود بڑے حوصلے کا مظاہرہ کر رہا تھا۔

"براڈی۔"

"ٹھیک... اب ذرا ان دونوں کے ریوالور نکال کر مجھے دے دو۔ مجھے آج کل ایسے خوبصورت ریوالور جمع کرنے کا بہت شوق ہے۔ بچپن میں ٹاک ٹکٹ جمع کیا کرتا تھا۔"

براڈی نے بمشکل ایک ہاتھ سے یہ کام کیا اور جب ٹائیگر کو اس نے ریوالور دیئے تو اس کی آنکھیں غصے سے سلگ رہی تھیں۔ ٹائیگر نے محض چند انگلیوں کی مدد سے دونوں ریوالور خالی کر کے گولیاں جیب میں ڈالیں اور پھر دونوں ریوالور بڑی احتیاط سے محافظوں کی طرف اُچھال دیئے۔ اب وہ براڈی کی طرف متوجہ تھا۔ "ہاں براڈی! ذرا نام پتے تو بتاؤ۔"

"ہم اس قسم کا ریکارڈ نہیں رکھتے۔" براڈی اب بھی ہٹ دھرمی کا ثبوت دے رہا تھا۔

"اچھا۔" ٹائیگر نے براڈی کی گردن پر اپنی انگلی رکھ کر گردن سہلائی تو براڈی اس طرح چیخنے لگا جیسے کسی نے اُس کے نرخرے پر چاقو پھیر دیا ہو۔ دو طریقے ہیں براڈی! یہ انگلی تمہارے نرخرے پر تو کر لو نہ تک گھس جائے یا ایک گولی تمہارے منہ کے راستے اندر جا کر لمبے پیڑی سے بام نکل جائے۔ ویسے میں اتنا ظالم نہیں کہ گولی چلاؤں۔ میں تو انگشت شہادت سے کام لیتا ہوں۔ اب تم بولو، کون سا طریقہ پسند ہے؟"

"نن... نہیں..." براڈی پہلی مرتبہ خوفزدہ نظر آیا۔ اس کی آنکھوں میں اب غصے کی آگ نہیں، خوف کی نمی تھی۔

"تب پھر نام اور پتے بتا دو میرے دوست۔" ٹائیگر نے انگلی ہٹائی تو براڈی کو ایسا لگا جیسے اُس کا جسم دوبارہ سانس لینے لگا ہو۔

اُسے حیرت تھی کہ اس کی انگلی کا لمس ہی اتنا کربناک ہے تو پھر اس کی ضرب کتنی شدید ہوگی۔ وہ تیزی سے درازیں کھولنے اور بند کرنے لگا پھر ایک دراز سے ایک کاغذ نکالا۔ دونوں محافظ اگرچہ ہوش میں تھے لیکن ہاتھ پیر تڑپ رہے تھے۔ اُن کی حالت بہت خراب تھی۔ براڈی نے وہ کاغذ اُس کے ہاتھ میں دے دیا۔

"یہ کیا ہے؟" ٹائیگر نے غرا کر کہا۔ "کاغذ پر محض ہتھیاروں کے نام لکھے ہوئے ہیں۔ مذاق مت کرو براڈی، ورنہ برانڈی میں ڈبو دوں گا۔"

"نم... معاف کرنا۔ اوہ... غلطی میری نہیں... وہ میرا چشمہ... اُدھر پڑا ہے۔"

تب ہی ٹائیگر کو اندازہ ہوا کہ براڈی اندھوں کی طرح درازیں کیوں ٹٹول رہا ہے۔

"چشمہ اُٹھا کر لگاؤ اور پھر یاد رکھنا، میں دوسری غلطی برداشت نہیں کروں گا۔"

براڈی نے زمین پر جھک کر چشمہ اُٹھایا، ناک پر جمایا اور پھر درازیں کھنگالنے لگا۔ اس مرتبہ اس نے ایک فائل نکالی اور ایک کاغذ نکال کر پہلے بغور دیکھا، اس کے بعد مطمئن ہو کر ایک سطر پر انگلی رکھ دی۔ "ڈیل آٹو پینٹنگ کمپنی، مسٹر بلیک، ایک سو بتیس شاہراہ۔" اس نے بآواز بلند پڑھا۔

"ٹھیک ہے۔" ٹائیگر نے یہ سب کچھ ذہن نشین کر کے کہا... "اپنے قدموں پر کھڑے ہو جاؤ لڑکو!" اب اُس نے محافظوں کی طرف توجہ دی تھی۔ "کار کی چابی کس کے پاس ہے؟"

وہ دونوں بمشکل کھڑے ہوئے۔ اُن میں سے ایک کے قدم لڑکھڑا رہے تھے لیکن موت کا یہ حکم سُن کر کہ چلتے رہو، وہ چلتے رہے یہاں تک کہ بیرونی دروازے پر پہنچ گئے۔

"بس اب رُک جاؤ۔" ٹائیگر نے حکم دیا اور وہ اس طرح رُک گئے جیسے اُن کے پیر زمین نے پکڑ لیے ہوں۔

"براڈی! تم خوش قسمت ہو کہ تمہیں چشمے کا فریم چبھنے کے علاوہ اور کوئی نقصان نہیں ہوا۔" ٹائیگر نے نرم لہجے میں کہا۔ "میری ایک بات ذہن نشین کر لو اگر تم نے مارٹن کو یہ سب کچھ بتا کر اُسے میرے خلاف اکسایا تو میں ایک بار پھر اِدھر آؤں گا اور اس عمارت کو سی ۴ سے اُڑا دوں گا اور ہاں... کرنل یا آٹو پینٹنگ کمپنی کو بھی ان حالات سے خبردار کرنے کی کوشش مت کرنا۔ یہ مسئلہ صرف میرے اور مسٹر بلیک کے درمیان ہے لہٰذا میں بھی کرنل سے اس

بارے میں بات نہیں کروں گا۔ اس طرح کرنل تم کو نااہل سمجھ کر کسی اندھے کنویں کے حوالے نہیں کرے گا۔ ان دونوں لڑکوں کو دو دو ہزار روپے میری طرف سے دے دینا تاکہ یہ دُودھ دھو پی سکیں۔ ٹھیک ہے لڑکو کسی سے کچھ کہو گے تو نہیں؟"

"نہیں..." دونوں پہلوان بچوں کی طرح فوراً بول پڑے۔

"میں سمجھ گیا تصدق حسین صاحب۔" براڈی نے دھیرے سے کہا۔

"بتم میں گیا تصدق حسین۔" ٹائیگر مسکرانے لگا۔ "میرا نام سہراب تصدق حسین نہیں ہے۔"

"مجھے اندازہ تھا۔" براڈی نے اس بار بھی دھیرے سے کہا۔ "اگر پسند کریں تو ان میں سے کوئی ایک محافظ آپ کو ہوٹل تک لے جا سکتا ہے۔"

"گڈ۔" ٹائیگر نے حامی بھری۔ اس نے اس محافظ کو اشارہ کیا جس کی حالت قدرے بہتر تھی پھر بھی وہ راستے بھر ریوالور ہاتھ میں لیے بیٹھا رہا۔

ریستوران کے عقبی کمرے میں اُنھوں نے ٹائیگر کو اس کا ریوالور واپس کیا تو وہ مزید انتظار کیے بغیر وہاں سے نکل کھڑا ہوا۔ اس نے محافظوں اور براڈی کو صرف اس وجہ سے قتل نہیں... کیا تھا کہ ان کی تائید ملنے پر کرنل یقیناً ہوشیار ہو جاتا اور اپنے تمام گاہکوں کو خطرے سے خبردار کر دیتا۔

اس نے کار میں بیٹھتے ہی کسی گڑبڑ کا احساس کر لیا... لیکن یہ احساس اُسے بہت تاخیر سے ہوا۔ غالباً چھٹی حس ابھی پرانی رفتار سے کام نہیں کر رہی تھی کیونکہ عقبی سیٹ سے ایک سرد آہنی چیز اس کی گُدی پر آ لگی تھی۔

وہ طویل... سن سے کر رہ گیا۔ وہ جانتا تھا کہ ابھی اس میں یہ صلاحیت نہیں کہ عضلات کو پہلے کی طرح اکڑا اکرا اور سخت کر کے گولی کو ناکارہ بنا سکے۔

"سکون سے بیٹھو۔" کسی نے غرا کر کہا۔ "دونوں ہاتھ اسٹیئرنگ وہیل ہی پر رہیں۔"

وہ پہلو بھی نہیں بدل سکا۔ اُسے معاً شیلا یاد آ گئی کیونکہ یہ آواز بھی کسی عورت ہی کی تھی۔

"میں نے پہلی بار محسوس کیا ہے کہ فرد و س کتنا ترقی پسند ہو گیا ہے۔" اس نے پُرسکون لہجے میں کہا۔ "اب عورتیں بھی رہزنی کرنے لگیں..."

"میں نہیں لوٹنے کا ارادہ نہیں رکھتی۔" نسوانی آواز میں اس بار شوخی تھی۔ "میں تو صرف چند باتیں پوچھنا چاہتی ہوں۔ تم ابھی ہوٹل سے نکلے ہو۔ اس سے قبل تم ایک گھنٹے تک ہوٹل میں ہونے کے باوجود ہوٹل میں نہیں تھے۔"

"اگر تم رہزن نہیں تو پولیس والی ضرور ہو۔"

"ہرگز نہیں۔" لڑکی نے پھر تردید کی۔ "کرنل سے اس بارے میں بات بھی نہ کرنا۔ کیا تم اُن کے گودام تک گئے تھے؟"

"پتا نہیں کیسی باتیں کر رہی ہو۔" ٹائیگر نے اُسے ٹالنا چاہا۔

"اگر تم پولیس والی یا ہنٹر والی نہیں ہو تو پھر ریوالور جیب میں یا کہیں بھی رکھ لو تاکہ ہم سکون سے اور خوشگوار ماحول میں بات کر سکیں۔"

وہ ہولے سے ہنس پڑی اور اس کا یہ مترنم مگر مختصر قہقہہ اُسے بہت اچھا لگا۔

"نہیں فی الوقت ہم اسی طرح گپ شپ کریں گے اچھے آدمی! ہاں، تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔"

"کس سوال کا اچھی لڑکی؟"

"کیا تم اُن کے گودام سے ہو کر آ رہے ہو؟"

"سنو لڑکی! میں جانتا ہوں کہ تم گولی نہیں چلا سکتیں اگر تم نے مجھے گولی ماردی تو پھر میں تمہارے کسی سوال کا جواب نہیں دے سکوں گا۔ تمہارے لیے یہ گھاٹے کا سودا ہوگا۔ لہٰذا میں پلٹ کر تمہیں ایک نظر دیکھوں گا۔ بس سے انگلی ہٹا لو، میں پلٹ رہا ہوں۔"

ٹائیگر نے ایسا ہی کیا اور ساتھ ہی اس نے محسوس کیا کہ ریوالور کی نال گدی سے ہٹ گئی ہے۔ وہ چاہتا تو اس گفتگو کو اتنا طول نہ دیتا اور محض اپنی پھرتی کا مظاہرہ کر کے اس لڑکی کو بے بس کر دیتا لیکن وہ خود ماحول خوشگوار رکھنا چاہتا تھا تاکہ اس لڑکی سے کوئی کام کی بات معلوم ہو سکے اور سچی بات یہ تھی کہ اس کے ذہن میں ابھی تک شیلا کا تاثر موجود تھا۔

وہ واقعی حسین تھی، قاتل تھی۔ اس کی گہری کالی آنکھیں فراخ تھیں جن کی سفیدی میں بھی چمک تھی۔ پلکیں اتنی دراز تھیں کہ سیٹ پر نظر آ رہی تھیں۔ چہرے پر ملگجا سا میک اپ تھا۔ عارض دمک رہے تھے۔ ہونٹ سُرخ اور لپ اسٹک کے محتاج نہیں تھے۔ ناک ستواں تھی۔

"مطمئن ہو گئے؟" وہ ایک ادا سے ہونٹ دبا کر بولی۔

"ہاں! میں مرنے سے پہلے اُس ہستی کو دیکھنا چاہتا تھا جو مجھے قتل کرنے کے لیے ریوالور لائی ہے لیکن ریوالور کی ضرورت تو نہ تھی۔" یہ کہہ کر وہ مخصوص انداز میں مسکرایا تو لڑکی کا دل (جیل

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کر حلق میں آ رہا۔ اس کی مسکراہٹ اور قاتلانہ ہو گئی۔ لڑکی ٹکر ٹکر اسے دیکھتی رہ گئی۔ اس کا وہ ہاتھ گود میں گر گیا جس میں ریوالور دبا ہوا تھا۔

"ہاں پوچھو کیا پوچھ رہی تھیں؟"

"مم... میں... وہ...!" لڑکی گڑبڑا کر رہ گئی لیکن اس نے پل بھر میں ہی خود کو سنبھال لیا۔ "یہ پوچھ رہی تھی کہ کیا تم نے کرنل سے ملاقات کی ہیں نے ہوٹل میں بیرے سے تمہاری گفتگو سن لی تھی پھر دو دیہاتی وہاں آئے تھے۔ تم ان کے ساتھ عقبی کمرے میں چلے گئے تھے۔ میں صرف اتنا ہی جانتی ہوں۔" ٹائیگر کی مسکراہٹ کا اعجاز تھا کہ وہ کچھ پوچھنے کی بجائے خود ہی سب کچھ اگل گئی۔

"اگر تم پولیس سے تعلق نہیں رکھتیں تو پھر کرنل میں اتنی دلچسپی کیوں لے رہی ہو؟" ٹائیگر نے پوچھا۔ اس کا لہجہ نرم تھا۔ یہ صاف ظاہر تھا کہ ٹائیگر جو شیطا کے حسن سے بھی متاثر نہیں ہوا تھا۔ اس لڑکی سے متاثر ہو چکا تھا۔ وہ نیلی جینز اور سرخ بلاؤز پہنے ہوئی تھی اور بلاؤز ایسا ہی تھا جیسی شریف لڑکیاں پہنتی ہیں۔ گردن تک بند۔ اس کی عمر زیادہ سے زیادہ پچیس سال تھی۔

"میں کیا ہوں، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔" وہ اب پوری طرح سنبھل چکی تھی۔ "حقیقت تمہارے سامنے ہے۔ ریوالور میرے پاس ہے میں...!"

ٹائیگر پھر مسکرانے لگا۔

"میں...!" لڑکی کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ ایک بار پھر کپکپانے لگا۔ "میں تو کرنل اور اس کے غیر قانونی کاروبار کے خلاف شواہد جمع کرنے کے لیے نکلی ہوں۔ انداز اب ایسا تھا جیسے وہ اپنی صفائی پیش کر رہی ہو۔ "میں براہموٹ ٹیراغ رساں بھی ہو سکتی ہوں اور ایک قانون پسند شہری بھی۔ سمجھے تم۔ یہ کہ تم نے کرنل... سے ملاقات کی ہے اور میں اسی ملاقات کے بارے میں پوچھنا چاہتی ہوں۔"

ٹائیگر اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگا تو لڑکی اس کی آنکھوں کا سحر برداشت نہ کر سکی اور دوسری طرف دیکھنے لگی۔ اسی لمحے ٹائیگر نے اس کے ہاتھ سے بڑی نرمی سے ریوالور نکال لیا۔

"میرے خدا!" وہ اس طرح سسکی لے کر رہ گئی جیسے اسے اپنے نقصان کا بہت دیر بعد علم ہوا ہو۔ وہ رونے لگی اور ٹائیگر اگلی نشست سے اتر کر پچھلی نشست پر اس کے ساتھ ہی بیٹھ گیا۔ لڑکی کے کنول جیسے چہرے پر آنسو بہنے لگے۔ ٹائیگر اسے غور سے دیکھتا رہا۔ یہ حقیقت تھی کہ لڑکی میں مقناطیسی کشش تھی۔

"ارے... یہ رونا دھونا کیسا؟" ٹائیگر نے بڑی نرمی سے کہا۔ "سنو! مسماۃ شہزادے! میں ایک کیس کے سلسلے میں گلستان آباد سے یہاں آیا ہوں۔ یہ کرنل کا کارنامہ ہے لہٰذا تم جتنی دیر روتی رہو گی اس کا کرایہ بھی چڑھتا رہے گا۔"

"میرا خیال ہے کہ تم یہ ریوالور جیت گئے شہزاد۔" وہ طویل سانس لے کر بولی۔ "لیکن میں اس بات پر یقین نہیں کر سکتی کہ تمہارا تعلق پولیس سے ہے اور میں صرف اس وجہ سے رو پڑی تھی کہ تم نے بڑی آسانی سے میرا ریوالور اپنے قبضے میں لے لیا ہے۔ دیکھ لیے یقین کرو کہ میں گولی چلانے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی تھی۔ ریوالور خود دیکھ لو۔ یہ سیفٹی پر ہے۔"

"مگر لوگوں کو قتل کرنے کا یہ طریقہ تو نہیں ہے۔"

"میں قتل کب کرنا چاہتی تھی مگر تم کون ہو؟"

"میں...؟" ٹائیگر نے جیب سے پاکٹ سے پرس نکالا جس میں اوپر تلے کئی کارڈ رکھے ہوئے تھے۔ اس نے پرس کھول کر دکھایا تو سب سے اوپر والا کارڈ براہموٹ سراغ رساں کا تھا جو گلستان آباد میں جاری ہوا تھا۔

"اوہ...!" وہ ایک طویل سانس لے کر رہ گئی۔

"تم نے اپنا نام نہیں بتایا؟"

"فیروزہ...!" وہ خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ "اب میں چلتی ہوں۔ میں تمہیں بھی کرنل کی طرح غیر قانونی سرگرمیوں میں ملوث سمجھ کر ٹکرا بیٹھی ہوں۔"

"تم بہت خوبصورت ہو فیروزہ؟" ٹائیگر نے یہ بات اگرچہ دل سے کہی تھی مگر اس کے پس پشت ایک خاص مقصد تھا۔ فیروزہ سے کچھ اگلوانے کا مقصد...!

فیروزہ کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

"تم کرنل میں اتنی دلچسپی کیوں لے رہی ہو۔ کیا تمہارا تعلق ایف۔ بی۔ آئی یا سی۔ آئی۔ اے سے ہے؟"

فیروزہ کی بڑی بڑی آنکھیں ٹائیگر کے چہرے پر جم گئیں اگر کوئی دیکھ لیتا تو یہی کہتا کہ وہ اس کے چہرے کی آنکھوں سے بلائیں لے رہی ہے۔ "میں ایک وکیل کے لیے کام کرتی ہوں۔ اس کی معاون ہوں اور ہمیں علم ہے کہ کرنل غیر قانونی طور پر اسلحہ اسمگل اور فروخت کرتا ہے۔ چند آدمیوں نے ہمارے ایک کلائنٹ کو مشین گن سے بھون ڈالا ہے اگر ہمیں یہ ثبوت مل جائے کہ قاتلوں نے کرنل سے مشین گنیں حاصل کی تھیں تو نہ صرف مقتول کے قاتل کیفر کردار تک پہنچ سکیں گے بلکہ غیر قانونی اسلحے کی تجارت کا یہ پورا کاروبار بھی برائے راست زد میں آ جائے گا۔ پلیز شہزاد! مجھے صرف اتنا بتا دو کہ کیا تم گودام سے ہو آئے ہو؟"

"میں کچھ نہیں کہہ سکتا فیروزہ۔"

"میری بات سمجھنے کی کوشش کرو شہزاد... تم اگر تعاون کر سکتے ہو تو ہم اس شخص کو اس کے انجام تک پہنچانے میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔" وہ ایک طویل سانس لے کر بولی۔ "میں ہر قیمت پر اس شخص کو سلاخوں کے پیچھے دیکھنا چاہتی ہوں۔ ایسی موٹی سلاخوں کے پیچھے، جو کبھی نہ ٹوٹ سکیں۔"

"یقیناً۔" ٹائیگر نے مسکراتے ہوئے اپنا سر ہلایا۔ "اور اسی کوشش میں تم نے مجھ پر نظر رکھی۔ مجھے عقبی کمرے میں جاتے دیکھا پھر باہر آ کر یہ اندازہ لگایا کہ میں کس کار میں آیا ہوں۔ اس کے بعد تم میری کار میں چھپ گئیں تاکہ ریوالور کی نال کے زور پر مجھے قابو کر سکو اور اس طرح اپنے وکیل باس کی اعانت کا فرض ادا کر سکو۔"

وہ پہلی بار دلکش انداز میں مسکرائی اور اس کی خوبصورت آنکھیں ٹائیگر کے چہرے پر جم گئیں۔

"کیا میرے بیان میں کوئی خامی رہ گئی ہے؟" اس نے بڑی ادا کے ساتھ بالوں کو جھٹک کر پشت پر ڈالتے ہوئے پوچھا۔

"خامی...؟ خامیاں کہو فیروزہ ڈارلنگ... خامیاں...!" ٹائیگر مسکرا کر بولا۔

"چلو ٹھیک ہے، میں جھوٹ بول رہی تھی۔" فیروزہ نے پلکیں جھپکاتے ہوئے کہا۔ "لیکن میں اب بھی یہ جاننا چاہتی ہوں کہ کرنل کا گودام یا اسلحہ خانہ کہاں ہے؟ صرف اسٹریٹ نمبر ہی بتا دو پلیز!"

وہ مسکرائی۔ "ایک سمجھوتا کر لو شہزاد... ساتھ کام کرنے کا معاہدہ زیادہ برا نہیں ہوگا۔"

ٹائیگر نے اسے غور دیکھا اور پہلی بار اسے یہ احساس ہو گیا کہ اگر فیروزہ کی گلابی رنگت میں سیاہ پن شامل ہو جائے تو وہ اسے آنکھیں بند کر کے ردی سمجھ لے گا۔ ردی کا خیال آتے ہی اس کے دل میں گدگدی سی ہونے لگی۔ اسے یقین تھا کہ وہ اس وسیع و عریض دنیا کے کسی اور علاقے میں اپنا کام کر رہی ہوگی اور شاید اسے یہ بتایا بھی نہیں گیا ہوگا کہ ٹائیگر پر کیا گزر چکی ہے۔

اس نے سنجیدہ ہو کر ایک طویل سانس لی اور گہری نظروں سے فیروزہ کی طرف دیکھ کر بولا۔ "نہیں، میں تمہارے ساتھ فی الحال کام نہیں کر سکتا۔ میں ڈرپوک ہو کر سکتا ہوں لیکن تمہارے ساتھ کام نہیں کر سکتا کیونکہ میرے اور تمہارے کلائنٹ مختلف ہیں۔ کہو تو تمہیں تمہارے گھر تک چھوڑ آؤں؟"

وہ بل کھا کر رہ گئی۔ پل بھر کے لیے بجلی کی طرح چمکے لیکن پھر وہ فوراً ہی سنجیدہ ہو گئی۔ "میری کار سڑک پار ہی کھڑی ہے لہٰذا لفٹ کی پیش کش شکریے کے ساتھ مسترد کی جاتی ہے۔" اس کا انداز شاہانہ تھا۔ تاہم اتنا تو بتا دو کہ تم کہاں رہتے ہو؟"

"اگر نہ بتاؤں تو...؟" ٹائیگر عقبی نشست سے اتر کر اگلی سیٹ پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

"تب پھر میں رینٹ لے کار والوں سے تمہارے بارے میں پوچھوں گی کیونکہ مجھے یقین ہے کہ یہ کرائے کی کار ہے کہیں نہ کہیں سے تمہارا پتا نشان مل ہی جائے گا۔" وہ شگفتہ لہجے میں بولی۔

"ضرور... ممکن ہے کہ تم اسی طرح مجھ تک پہنچ جاؤ۔" ٹائیگر نے اگنیشن پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

وہ مایوسی سے اسے دیکھتی رہ گئی۔

"کچھ بھی نہیں بتاؤ گے؟" اس کے لہجے میں عجیب سا تاثر تھا۔

"نہیں۔" وہ مسکرا دیا۔ "تم بہت حسین، دلکش، پرکشش اور نوجوان پولیس والی ہو لہٰذا تمہیں میرے بارے میں معلومات حاصل کرنے میں کوئی دشواری نہیں ہوگی۔"

فیروزہ کار سے اتری اور اس نے یقیناً بڑے غصے سے دروازہ بند کیا کیونکہ دروازہ بند ہونے کی آواز بہت زوردار تھی۔ ٹائیگر نے زیر لب مسکراتے ہوئے کار آگے بڑھا دی۔

وہ اپنے ہوٹل پہنچا اور کمرے میں آ گیا۔ یہاں شہر کا مکمل نقشہ موجود تھا اور ایک سو تیسویں شاہراہ پر جھیل انشیں کے دائیں طرف ایک ایسا مقام نظر آ رہا تھا جو یقیناً بدنام ہوگا۔ اسے علم تھا کہ یہ علاقہ لاغاریوں اور زرد چہرہ تائیوانیوں کا اڈہ ہے۔ وہ کچھ دیر تک سوچتا رہا اور پھر اس نے کمرے ہی سے براہم کو فون کیا۔

"میں بلیک گولڈ کے خلاف کارروائی شروع کر رہا ہوں چیف۔" اس نے ٹھوس لہجے میں کہا۔

"تنہا؟" براہم کا لہجہ پرسکون تھا۔

"ہاں، تنہا... تم اور اوشان بھی بھلے تنہا ہی کسی مشن پر بھیجنا چاہتے تھے تاکہ یہ آزما سکو کہ میں ٹائیگر ہی ہوں یا گیدڑ... لہٰذا میں نے فیصلہ کیا کہ تم لوگوں کی خواہش پوری کر دوں۔" ٹائیگر کا لہجہ بہت سنجیدہ تھا۔ اس نے ان دونوں کے دل کا چور پکڑ لیا تھا۔

"ٹھیک ہے تنہا ہی کام کرو۔" براہم نے جواب دیا۔ "لیکن ضرورت پڑنے پر میرے بتائے ہوئے دو افراد سے ضرور رابطہ قائم کرنا۔" براہم نے اسے جو دو نام بتائے ان میں سے... یو تو رسمی ایرا کا ایک سراغ رساں تھا۔ جو پندرہ سال تک وہاں تعینات رہا تھا اور

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

یک چینی تاجر تھا۔ باقی کام تمہیں خود کرنا ہے۔" یہ کہہ کر بہرام نے ریسیور رکھ دیا۔

ٹائیگر سیٹی بجاتا ہوا نیچے اترا۔ اس نے اخباروں کا بنڈل خریدا اور کمرے میں واپس آکر پڑھنے لگا۔ وہ ہر اخبار میں ہر ایسی خبر پڑھ رہا تھا جس کا تعلق سب وے کی تباہی اور بلیک گولڈ کے اس اعلان سے متعلق تھی جو ریڈیو پر نشر ہوا تھا۔

ان خبروں میں کوئی نئی بات نہیں تھی۔ مزید تباہی کی دھمکی والے اعلان کے الفاظ اور ان کی نشست و ترتیب سو فیصد ایک جیسی تھی۔ اس نے ان خبروں کو قینچی سے کاٹ کر اپنے سوٹ کیس میں رکھ لیا۔

اب وہ ڈریل آٹو پینٹنگ کمپنی میں گھس کر چند لوگوں کو بیوقوف بنانے کا ارادہ رکھتا تھا۔

کچھ سوچ کر اس نے چینی تاجر لی وانگ کو فون کیا مگر وہ اپنی کمپنی میں نہیں تھا جبکہ بہرام نے جس سراغ رساں سے رابطہ قائم کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ اس کے بارے میں تھانے سے معلوم ہوا کہ وہ دس سال قبل ریٹائر ہو چکا ہے۔

◆

اگلی صبح چھ بجے بیدار ہو کر ٹائیگر نے اپنے چہرے پر ہلکا سا میک اپ کیا تاکہ وہ لاماز یوں کی بستی میں اجنبی نظر نہ آئے۔ اس نے یہ حرکت ایک سڑے بعد کی تھی اور ایسا کرتے ہوئے اسے بہت کوفت بھی ہو رہی تھی تاہم وہ یہ نہیں چاہتا تھا کہ پینٹنگ کمپنی میں کسی سفید رنگت والے فرد دی کو دیکھ کر وہ لوگ ہوشیار ہو جائیں۔ وہاں قبل از وقت مار دھاڑ ہو اور اصل لوگ ہاتھ سے نکل جائیں۔

ایک سو بتیسویں شاہراہ پر اسے دور ہی سے وہ بلند عمارت نظر آگئی جس پر ڈریل آٹو پینٹنگ کمپنی کا خوبصورت نیون سائن لگا ہوا تھا۔ وہ عمارت کے قریب پہنچا تو وہاں زیادہ رش نہیں تھا تاہم کمپنی اور اس کے گیراج کھلے ہوئے تھے۔ وہ گاڑی کمپاؤنڈ میں چھوڑ کر اس کمرے کی طرف بڑھ گیا جس پر دفتر لکھا ہوا تھا۔ وہاں ایک دبلی پتلی لاماز ی لڑکی ریسپشن پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کا منہ مسلسل چل رہا تھا۔ وہ یقیناً چیونگم کے کئی ٹکڑے چبا رہی تھی۔

"فرمایئے؟" اس نے منہ چلاتے ہوئے پوچھا۔

"مجھے ٹائر اور پینٹ کی ضرورت ہے خاتون۔"

"اچھا!" وہ مسکرا کر بولی۔ اس نے باہر کمپاؤنڈ میں کھڑی ہوئی چمکتی ہوئی کار کو دیکھا۔ "اچھے بچے جھوٹ نہیں بولتے۔ تمہاری کار کو نہ تو نئے ٹائروں کی ضرورت ہے اور نہ ہی نئے رنگ کی...

تمہاری گاڑی نئی چیونگم کی طرح نئی ہے۔"

"ہاں... لیکن مجھے اس کار کا رنگ پسند نہیں۔" ٹائیگر نے مسکرا کر وضاحت پیش کی۔

"اچھا! یہ بات ہے۔"

"ہاں۔ نئے پینٹ کا معاوضہ کیا ہوگا؟"

"چار کیٹیگری کے کلر ہوتے ہیں۔ اسی حساب سے چار مختلف قیمتیں ہوتی ہیں۔" یہ کہتے ہوئے لڑکی نے بڑی روانی کے ساتھ تفصیلات بیان کر دیں۔ جو شاید اسے رٹی ہوئی تھیں۔

قیمتیں تو زیادہ نہیں۔" ٹائیگر نے کہا۔ "لیکن پہلے میں فیکٹری کا جائزہ لینا چاہتا ہوں تاکہ یہ دیکھ سکوں کہ رنگ کرانے میں گاڑی کا تو کوئی نقصان نہیں ہوگا؟"

"ضرور۔" لڑکی بولی۔ اس کی عمر اٹھارہ سال ہوگی لیکن جسمانی ساخت سے وہ گیارہ بارہ سال کی لگ رہی تھی۔ "مگر یہاں اکسس کی اجازت نہیں۔ انشورنس کمپنی سے یہ معاہدہ ہے کہ کوئی غیر متعلقہ آدمی اندر داخل نہیں ہوگا۔" یہ کہتی ہوئی وہ مسکرا رہی تھی۔

"پھر بھی...!" ٹائیگر مسکراتا رہا۔ "میں اپنے بچے کو یتیم خانے میں داخل کرانے سے قبل یتیم خانے کا ماحول ضرور دیکھوں گا۔ فرض کرو کہ اندر حفاظتی اقدامات نہ ہوں اور نئی گاڑی پر ڈنٹ پڑ جائیں تو اس کا ذمے دار کون ہوگا؟ اگر مجھے ورکشاپ وغیرہ دیکھنے کی اجازت نہیں ملتی تو میں یہی سمجھوں گا کہ اندر گاڑیوں کی دیکھ بھال کا معقول انتظام نہیں ہے۔"

"اوہ...!" ایک امیر گاہک کو ہاتھ سے نکلتے ہوئے دیکھ کر لڑکی نے فوراً انٹر کام کا بٹن دبایا۔ "ذرا میرے پاس آنا۔" اس نے کسی سے کہا اور ابھی وہ ریسیور رکھ ہی رہی تھی کہ ایک باکسر نما شخص کمرے میں داخل ہوا۔

"لو... یہ آدمی محض پریشان کرنے کے لیے آیا ہے۔ اسے اٹھا کر باہر پھینک دو۔" لڑکی کا لہجہ اچانک ہی بدل گیا۔

لو کا سینہ فراخ تھا۔ بازو کی پھیلیاں آدھی آستین کی ٹی شرٹ میں صاف نظر آ رہی تھیں۔ وہ دو قدم آگے بڑھا اور پھر اس نے جیب سے چاقو نکال لیا۔ اس کے ہاتھ کی ہلکی سی جنبش سے پانچ انچ کا پھل باہر نکل آیا۔

"شرافت سے چلے جاؤ مسٹر!" لو نے غراتے ہوئے کہا۔

ٹائیگر نے اسے فوراً ہی تول لیا۔ اس کا قد چھ فٹ سے نکلتا ہوا تھا۔ اس کے انداز سے چاقو کے استعمال میں مہارت جھلک رہی تھی لیکن وہ دست بدست لڑائی سے یقیناً واقف نہیں تھا۔ ٹائیگر

مسکراتا رہا۔ اس نے دونوں شانوں کو قدرے سکیڑ لیا۔

"سنو لو!" اس کا لہجہ نرم تھا۔ "میں گاڑی پر پینٹ کرانے آیا ہوں۔ کسی ہنگامے کے لیے نہیں اور ان چاقوؤں سے تو میں ہمیشہ ہی دور رہا ہوں۔" یہ کہتے ہوئے وہ ایک قدم پیچھے ہٹا تو لو ایک قدم آگے بڑھ آیا۔ تاہم اس نے یہی ایک غلطی کی۔ قدم اٹھانے کے دوران اس کی توجہ ٹائیگر پر مرتکز ہو گئی اور چاقو والا ہاتھ چار پانچ انچ نیچے ہو گیا۔ اسی لمحے ٹائیگر کا ہاتھ کسی سانپ کی طرح آگے بڑھا اور اس نے چاقو والے ہاتھ کو دبوچ لیا۔ لو نے انتہائی بھیانک چیخ ماری۔ چاقو اس کے ہاتھ سے گر گیا۔ اسی لمحے ٹائیگر نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ لو کسی باکسر کی طرح پلٹا مگر اب اس کی آنکھوں میں ٹائیگر کے لیے حقارت نہیں بلکہ احترام تھا۔ ٹائیگر نے اپنی ٹانگ گھمائی۔ لو قلابازی کھا کر چند قدم دور ہو گیا اگر یہ ٹانگ اس کی پنڈلی پر پڑ جاتی تو وہ یقیناً ایک ٹانگ پر چلنے والا ہو جاتا۔ اب لو کے پاس جوابی حملے کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں تھا۔ اس نے دونوں ہاتھ چہرے کے سامنے رکھتے ہوئے انگلیاں کانٹوں کی طرح پھیر لیں اور ٹائیگر پر جھپٹ پڑا۔ یہ اس کی حماقت تھی۔ یہی حماقت کشیلا نے بھی کی تھی۔ وہ جونہی قریب آیا ٹائیگر نے الٹا ہاتھ اس کے سینے پر رسید کیا اور پھر یہ ہاتھ سے کندھے پر ضرب لگائی۔ کڑاک کی آواز کے ساتھ ہی لو بلبلاتا ہوا زمین پر گر گیا۔ اس کے کندھے کی ہڈی پنجہ لگی تھی۔ وہ کسی کٹے ہوئے بکرے کی طرح تڑپ رہا تھا... چیخ رہا تھا۔

لڑکی یہ منظر دیکھتے ہی کمرے سے بھاگنے کے لیے پر تولنے لگی مگر ٹائیگر نے اس کی گردن پکڑ لی۔ یہ گرفت بہت دوستانہ تھی ورنہ لڑکی کی نازک گردن ٹوٹ بھی سکتی تھی۔ وہ اسے کھینچ کر لو کے قریب لے آیا۔ "تم نے آواز بھی نکالی تو میں تمہاری گردن توڑ دوں گا... جہنم عالم...!"

لڑکی اتنی خوفزدہ تھی کہ اس کے حلق سے کوئی آواز نہ نکلی۔

پھر ٹائیگر نے جھک کر لو کی قمیص پھاڑ دی۔ چاقو اٹھایا اور انتہائی احتیاط کے ساتھ لو کے سینے پر پھیر دیا۔ باکسر کے سینے سے ناف تک چار انچ لمبی سرخ دھاری نمودار ہو گئی۔ اس نے دوسری مرتبہ اس دھاری سے نصف انچ دور اور دوسری دھاری بنائی۔ اس سے بھی خون رسنے لگا۔ پھر ٹائیگر نے چاقو وہیں ڈال کر مسکراتے ہوئے کہا۔ "میرے لیے چاقو کبھی نہ نکالنا لو...!"

مگر لو تو خوف سے بے ہوش ہو چکا تھا۔ اب ٹائیگر سہمی ہوئی لڑکی کی طرف پلٹا۔ جو بار بار ایک دروازے کی طرف دیکھ رہی تھی "ہاں جانم! یہ بتاؤ کہ یہ بند دروازہ کہاں لے جاتا ہے؟"

"باب... بیک شاپ میں۔"

"وہاں کون کون ہے؟"

"جو اور ایک بنا آدمی۔"

"چلو! ذرا وہاں کی بھی سیر کر آئیں۔ تم میرے آگے آگے چلو گی مگر وہیں جاؤ گی جہاں میں کہوں گا۔ اگر تم نے کسی کو بھی خطرے کا سگنل دیا تو اپنا مصنوعی حسن بھی کھو بیٹھو گی، سمجھ گئیں؟"

"ہاں... ہاں سمجھ گئی۔" وہ بوکھلا اٹھی۔ وہ جانتی تھی کہ اگر اس کے چہرے پر چاقو سے دو دھاریاں بھی پڑ گئیں تو وہ کہیں کی نہیں رہے گی۔ تاہم اس کی آنکھوں میں اب ٹائیگر کے لیے نفرت ہی نفرت تھی۔

لڑکی نے خود دروازہ کھولا۔ وہ اس کے پیچھے دروازے سے گزرا۔ وہاں دو آدمی ایک تباہ شدہ کیڈلاک کی مرمت کر رہے تھے۔ ایک ویلڈنگ میں مصروف تھا تو دوسرا ڈینٹ نکال رہا تھا۔ ان دونوں نے ٹائیگر اور لڑکی کی طرف دیکھا تک نہیں پھر لڑکی اسے دوسرے حصے میں لے آئی جہاں دفاتر اور میٹنگ ہال تھے۔ یہاں بھی کوئی شخص نظر نہیں آیا۔

"تم کیا تلاش کر رہے ہو؟" لڑکی ٹھٹک کر بولی۔ تاہم ٹائیگر نے اس کا یہ سوال نظر انداز کر کے آگے چلنے کا اشارہ کیا۔ اب وہ ایک ہال سے گزر کر کسی اور کمرے میں آ گئے تھے اور یہاں کی سجاوٹ سے صاف ظاہر تھا کہ یہ کسی عورت کا کمرا ہے۔ ڈبل بیڈ پر کئی تکیے رکھے ہوئے تھے۔ وہ ہال میں واپس آئے اور ابھی چند قدم ہی بڑھے تھے کہ لڑکی کسی ہرن کی طرح دوڑنے لگی۔ ساتھ ہی ساتھ وہ چلا رہی تھی "اسے گولی مار دو سولن... گولی مار دو۔"

اسی لمحے عقب سے دھماکا سنائی دیا مگر لڑکی کی آواز سنتے ہی ٹائیگر ایک طرف جھک چکا تھا۔ گولی ہوا کے جھونکے کی مانند اس کے بہت قریب سے گزر گئی۔ ابھی گولی کے دھماکے کی گونج ختم بھی نہیں ہوئی تھی کہ ٹائیگر نے زقند بھری۔ اس نے لڑکی کو دبوچ لیا اور ڈھال بنا لیا۔

اب اس کے پاس حملہ آور کو دیکھنے کے لیے ایک دو سیکنڈ تھے وہ ہال میں دو سو فٹ دور کھڑی ہوئی تھی۔ اس نے دونوں ہاتھوں میں پستول تھام رکھا تھا۔ وہ چینی یا تائیوانی تھی۔ لڑکی نے اسے سولن کہا تھا۔ غالباً یہ وہی لڑکی تھی، جس کا ذکر اخبار آزادی کے ایڈیٹر نے کیا تھا۔

"گولی چلاؤ سولن۔" لاماز ی لڑکی پھر چلائی۔ وہ بری طرح کسمسا

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

رہی تھی "میری نگرانی کرو"

ٹائیگر ایک لمحے تک سوچتا رہا۔ سولن واقعی دوسرے فائر کے لیے پر تول رہی تھی اور اس مصیبت کو ٹالنے کا آسان طریقہ یہی تھا کہ ٹائیگر بھی ریوالور نکال لے۔ اس نے پلک جھپکتے میں کولٹ کمانڈو نکال کر سولن کے پیروں کے قریب گولی ماری۔ سولن زیادہ دلیر ثابت نہ ہوئی اور اس کے ہاتھ میں کولٹ دیکھتے ہی چیخ مار کر ایک دروازے میں گھس گئی۔

ٹائیگر نے مسکرا کر لاماذی لڑکی کو ایک ہاتھ سے اٹھا کر کندھے پر ڈالا۔ وہ بری طرح چیخ رہی تھی اور ہاتھ پیر مار رہی تھی۔ وہ اسے اسی طرح لے کر ہال میں آگے بڑھا۔ یہاں اسے ایک اور دروازہ نظر آیا، جو بند نہیں تھا اور اس دروازے کے بعد زینہ تھا جو شاید بیرونی حصے میں لے جاتا تھا۔ ابھی وہ زینے پر قدم رکھ ہی رہا تھا کہ ایک لاماذی بھاگتا ہوا نیچے نمودار ہوا اور اس نے گولی چلا دی۔ اس کی گولی ٹائیگر کے سر کے اوپر سے گزر گئی۔ اب جوابی فائر کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں تھا۔ کولٹ کمانڈو پھر گرجا اور لاماذی کی کھوپڑی میں سوراخ ہو گیا۔ ٹائیگر کو بڑی کوفت ہوئی۔ وہ سوچنے لگا کہ اگر میں گولی چلانے کی بجائے اس شخص کو اپنے ہاتھ سے مارتا تو زیادہ مناسب ہوتا۔ لاماذی کی کھوپڑی ٹوٹتے اور بھیجا بکھرتے دیکھ کر لڑکی ہذیانی انداز میں چلانے لگی۔ ٹائیگر زینے اترتا رہا۔ لڑکی کسی کھلونے کی طرح اس کے کندھے پر لٹھ پھیر مارتی رہی۔ نیچے ایک اور دروازہ تھا۔ اس نے جھانک کر دیکھا، یہ لمبا چوڑا شاپ میں کھلتا تھا۔ یہاں کئی گاڑیاں کھڑی تھیں، جن کی باڈیاں ابھی نامکمل تھیں۔ ٹائیگر نے لڑکی کے کندھے پر ہلکا سا ہاتھ مار کر اسے فرش پر ڈال دیا۔ اب وہ دو تین گھنٹے تک ہوش میں نہیں آسکتی تھی پھر وہ باڈی ورکشاپ سے عام انداز میں نکل کر لمبا چوڑا میں پہنچا۔ ٹرک میں بیٹھا اور واپس چل دیا۔

وہاں جو کچھ بھی ہوا تھا، وہ اس امر کا مظہر تھا کہ ٹائیگر کے اندر موقع محل دیکھ کر کارروائی کرنے والے سراغ رساں نے تاحال جنم نہیں لیا ہے، وہ پرانا ٹائیگر ہی ہے، وہ ذرا سی بھی بات پر بھڑک کر خون ریزی شروع کر سکتا ہے۔ اس وقت اس کے ذہن میں یہ سوال بہرحال موجود تھا کہ یہ لوگ ورکشاپ دکھانے میں اتنی حیل و حجت کیوں کر رہے تھے؟ اسے نہ صرف ورکشاپ میں داخل ہونے سے روکا گیا بلکہ جب وہ اندر پہنچ گیا تو اسے قتل کرنے کی بھی کوششیں کی گئیں۔ وہ سوچنے لگا کہ اگر اس ہنگامے کی خبر اخبارات میں شائع نہ ہوئی تو پھر یقیناً یہی ورکشاپ بلیک گولڈ نامی تنظیم کا اڈہ ہوگا۔

▼▼

انسپکٹر باول کو اس قسم کی میٹنگوں سے سخت نفرت تھی لیکن میئر نے طلب کی تھی اور جس میں شرکت نہ کرنے کا مطلب اپنے خلاف کارروائی کو دعوت دینا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ میئر کی مخالفت دریا میں رہتے ہوئے مگرمچھ سے بیر کے مترادف ہے لہٰذا وہ اس میٹنگ میں موجود تھا اور ان چکنے چہروں کو گھور رہا تھا جو بظاہر عوام کے نمائندے تھے لیکن انسپکٹر باول کو علم تھا کہ یہ خاص مفادات اور خاص طبقات کی نمائندگی کرتے ہیں۔ ان میں جو پرانی نشستوں کے ووٹ سے کامیاب ہونے والے بھی تھے لیکن ان کے لباس سے صاف ظاہر تھا کہ وہ جیکپاٹ نشستوں کے قریب جانے سے بھی کتراتے ہیں۔ میئر ایک بڑی چرمی کرسی میں دھنسا ہوا تھا۔ اس کے دائیں طرف ایک فٹ پیچھے اس کا خصوصی نائب ریلی بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی سب سے بڑی خوبی اس کی نااہلی تھی۔ میئر کے دائیں طرف والی کرسی پر انسپکٹر کا باس پولیس کمشنر براجمان تھا۔ پولیس کمشنر ہاشم کی توند نکلی ہوئی تھی اور صاف ظاہر تھا کہ میئر پر اس کا کافی اثر ہے۔ اس کی زبان قینچی کی طرح چل رہی تھی "جناب میئر! میں ان بدبخت بلیک میلروں کی دھمکی پر ذرا بھی توجہ دینا وقت کا ضیاع سمجھتا ہوں۔ یہ کمبخت بلیک میلر ایں، ہم نے ذرا بھی کمزوری دکھائی تو یہ ہمارے سر پر چڑھ کر بیٹھ جائیں گے۔ میرے لڑکوں کو کام کرنے دیں، وہ انہیں روند ڈالیں گے۔"

"ہمارے شہر میں کتنے سب اسٹیشن ہیں جو ان کا ٹارگٹ بن سکتے ہیں؟" میئر نے متفکر آواز میں پوچھا۔

"چالیس!"

"کیا تم ان چالیس اسٹیشنوں پر دو ہفتے تک کڑا پہرا لگا سکتے ہو اور یہ بات ذہن میں رہے کہ یہ دو ہفتے بڑھ کر دو سال بھی ہو سکتے ہیں، ہاشم!"

"کیوں نہیں۔" چیف کمشنر نے فوراً کہا۔ "میرے پاس اتنی نفری ہے کہ سب اسٹیشنوں کی مسلسل نگرانی کرائی جا سکے۔"

مضحکہ خیز" ریلی نے اچانک قہقہہ دیا۔ "کیا آپ نے یہ سوچا کہ محض ایک سب اسٹیشن کی تعمیر نو پر کتنے بھاری اخراجات آئیں گے کمشنر... تین کروڑ روپے سے زیادہ خرچ ہوں گے اور یہ بھی ابتدائی تخمینہ ہے... اور اگر انھوں نے دوسری مرتبہ گرانڈ سینٹرل پر حملہ کر دیا تو کیا ہوگا؟ ایک ارب روپے سے زیادہ کا نقصان ہوگا۔ گرانڈ سینٹرل کی تعمیر پر نوے کروڑ روپے خرچ ہوئے تھے اور یہ سات سال پہلے کی بات ہے۔ میں آپ تمام حضرات کی توجہ میئر کی قائم کردہ اسپیشل کمیٹی کی اس سفارش کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں کہ بلیک گولڈ کو ان کے مطالبے کے پیش نظر رقم ادا کر دی جائے۔"

انسپکٹر باول مزید خاموش نہ رہ سکا اگرچہ اس نے بھی کمشنر کی حمایت نہیں کی تھی لیکن اس وقت وہ ایسا کرنے پر مجبور تھا۔

"جناب میئر!" اس کی بھاری آواز کمرے میں گونجی۔ "میں نے اپنی اکیس سالہ پیشہ ورانہ زندگی میں بلیک میلنگ کے کئی کیس نپٹائے ہیں اور مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ اگر بلیک میلر کو ایک بار رقم ادا کر دی جائے تو پھر اس کا منہ کھل جاتا ہے۔ وہ بار بار مطالبات کرتا ہے اور بلیک میل ہونے والے کے پاس کچھ نہ کچھ دیتے رہنے کے راستے رہ جاتے ہیں۔ پہلا یہ کہ وہ خودکشی کر لے اور دوسرا یہ کہ مطالبے کو ہر حال پورا کرتا رہے اور آخر میں کنگال ہو جائے۔ میرے نزدیک بلیک میل اور ہائی جیکنگ کے کیسوں سے نپٹنے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ بلیک میلروں اور ہائی جیکروں کے مطالبات دو ٹوک انداز میں مسترد کر دیے جائیں۔ ان کو ان کی کمیں گاہوں میں گھس کر مارا جائے یا پھر... کھلے میدان میں لا کر انھیں بھسم کر دیا جائے اگر آپ نے ان کا ایک مطالبہ تسلیم کر لیا تو پھر درجنوں چھوٹے بڑے گروپ آپ کو بلیک میل کرنا شروع کر دیں گے۔ یہ علاقہ عالمی دہشت گردی کا اڈہ بن جائے گا اور دہشت گردی لاطینی امریکہ سے منتقل ہو کر یہاں آ جائے گی۔"

"تمہارا تجزیہ محض امکانات اور قیاس پر مبنی ہے انسپکٹر باول!" ریلی نے منہ بنا کر کہا۔ "تم بھی اس طرح خوفزدہ نہیں کر سکتے۔"

"میں چاہتا ہوں کہ تمہاری مسخ شدہ لاش اٹھانے کی نوبت نہ آئے ریلی۔" انسپکٹر باول کا لہجہ بہت خشک تھا۔

"آرڈر... آرڈر!" میئر نے گھبرا کر ہاتھ مارا۔ "اس قسم کی باتیں مناسب نہیں۔ مجھے اسپیشل کمیٹی کی سفارشات کا علم ہے، جس نے تاوان کی ادائیگی کے لیے کہا ہے۔ میری تجویز یہ ہے کہ ہم ادائیگی کا اعلان کر دیں اور جب وہ رقم لینے کے لیے آئیں تو انھیں چوہے کی طرح دبوچ لیں۔ اس کے بعد ہم گرفتار ہونے والوں کو دوسرے دہشت گردوں کی گرفتاری کے لیے بطور چارا استعمال کریں گے۔"

"میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔" زبیر سلطان نے اپنی طرف توجہ مبذول کراتے ہوئے کہا۔ وہ اسٹریٹ اینڈ ٹریفک کنٹرول کا انچارج تھا۔ "کیا آپ حضرات میں سے کوئی بہتر ویں شاہراہ سے گزرا ہے؟"

لوگ خاموش رہے۔

"نہیں کوئی نہیں گزرا ہوگا کیونکہ وہاں سے گزرنا ممکن نہیں۔" زبیر سلطان نے سب کی طرف دیکھ کر کہا۔ "اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر انھوں نے مزید تین سب اسٹیشنوں کو نشانہ بنا ڈالا تو پھر شہر میں ٹریفک کا نظام پوری طرح مفلوج ہو جائے گا۔ میری تجویز یہ ہے کہ فی الحال ان رقم ادا کر کے مزید تباہی کو روکا جائے اور اس دوران ان کا قلع قمع کرنے پر غور کیا جائے۔ ان میں سے بعض تو رقم لینے کے لیے آئیں گے اور پکڑے جائیں گے۔"

اس بات پر ایک بار پھر کمرے میں موجود تمام افراد نے ایک ساتھ بولنا شروع کر دیا۔ کمرے میں بارہ افراد موجود تھے لہٰذا کان پڑی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی پھر آہستہ آہستہ شور بھنبھناہٹ میں بدل گیا۔ باول اس وقت جھیل انتیس کے کنارے اپنے کیبن کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ یہ کیبن اس نے تفریح سے نہیں بلکہ ایک کلب سے ملنے والی رقم سے خریدا تھا۔ اسے ایک پوکر کلب سے دو ہزار روپے ہفتہ ملتے تھے اور یہ رقم اسے خچرے کی مد میں ملتی تھی۔ اس کی بیوی اینا کو بھی یہ احساس نہیں تھا کہ اسے کہیں اور سے بھی آمدنی ہوتی ہے۔ اسے دو روزہ تعطیل ملنے کا بھی انتظار تھا تاکہ وہ کیبن میں جا کر مکمل آرام کر سکے۔ اس نے کرسی پر پہلو بدلتے ہوئے میئر کی طرف دیکھا۔ اسے یقین تھا کہ یہ اجلاس ایک گھنٹے میں ختم ہو جائے گا۔ پولیس کمشنر امور کو اپنے ہاتھ میں لے لے گا اور وہ خود آزاد ہو جائے گا۔ اجلاس میں اس کی موجودگی کی وجہ صرف یہ تھی کہ دھماکے اس کے تھانے کی حدود میں ہوئے تھے۔ تاہم کیس کی نوعیت ایسی تھی کہ تفتیش یقیناً اسپیشل سیل کے حوالے ہونی ہی تھی۔

تیس منٹ بعد میئر نے فیصلے کا اعلان کر دیا۔ "ہم یہی ظاہر کریں گے کہ بلیک میلروں کو رقم ادا کی جائے گی۔ اس کے بعد ایسے یقینی انتظامات کیے جائیں گے کہ رقم لینے والا واپس نہ جا سکے۔" یہ کہتے ہوئے میئر نے انسپکٹر باول کی طرف دیکھا اور پھر کمشنر کی طرف۔ "ہاشم! میں چاہتا ہوں کہ یہ مشن انسپکٹر باول کو سونپ دیا جائے۔ باول کو ایسے لوگوں سے نمٹنے کا وسیع تجربہ ہے۔"

انسپکٹر باول گنگ ہو کر رہ گیا۔ قہر درویش بجان درویش کے مصداق اسے بہرحال شکریہ ادا کرنا ہی پڑا۔

اس کے فوراً ہی بعد کمیٹیاں قائم کر دی گئیں جن کے اجلاس وقت ضائع کیے بغیر شروع ہو گئے۔ ایک کمیٹی کو رقم جمع کرنے کا کام دیا گیا اور کمیٹی نے جلد ہی یہ فیصلہ کر لیا کہ وہ رقم مطالبے کے مطابق چھوٹے نوٹوں میں جمع کرے گی اور یہ نوٹ تمام چالیس بینکوں سے حاصل کیے جائیں گے۔

ٹھیک ایک بج کر تیس منٹ پر وہ ایک بار پھر پولیس چیف کے دفتر میں جمع ہوئے کیونکہ "بلیک گولڈ" میں "نے کہا تھا کہ وہ ٹھیک دو بجے فون کرے گا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

بادل، پولیس چیف پاکستان، پولیس کمشنر ہاشم اور دیگر نصف درجن افراد اسی فون کا انتظار کر رہے تھے۔ اب سارا دارومدار اسی فون پر تھا۔ اگر وہ فون کرنے والے کو صرف تین منٹ کے لیے باتوں میں الجھا سکے تو یہ معلوم ہو سکے گا کہ فون کس جگہ اور کس نمبر سے کیا گیا ہے اور اس طرح اس شخص کی گرفتاری بہت آسان ثابت ہوگی۔

گھنٹی بجتے ہی وہ سب اچھل پڑے اور ٹیپ ریکارڈر آن کر دیا گیا۔ ہاشم نے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے فون کی طرف دیکھا۔ گلا صاف کیا اور پھر ریسیور اٹھا لیا۔

"ہیلو... میں پولیس کمشنر ہاشم بات کر رہا ہوں۔" اس کا لہجہ بھاری اور آواز کرخت تھی۔

"ظاہر ہے... اور کون ہو سکتا ہے بے بی۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"تم کون ہو؟" پولیس کمشنر کے چہرے پر ایک رنگ آکر گزر گیا۔

"میں؟" دوسری طرف سے بولنے والے نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ "محض یہ بتانے کے لیے کہ میں کون ہوں تمہیں جگہ جگہ ٹھوکریں کھانا پڑے گا کمشنر صاحب بہادر۔ میں بلیک گولڈ ہوں، لہٰذا احترام سے بات کرو۔ میں تمہیں ایک ایسا راز بتا سکتا ہوں جو تمہارے شہر کو پُرسکون رکھنے کا راز ہے۔ سمجھ رہے ہو؟"

"ہاں۔" پولیس کمشنر کے ماتھے پر پسینے کی بوندیں جھلملانے لگیں۔ "میں سمجھ رہا ہوں۔ ہم تمہارا مطالبہ پورا کرنے کے لیے تیار ہیں۔ رقم کہاں پہنچائی جائے؟"

"سنتے رہو۔" بلیک گولڈ نے کہا۔ "مجھے جب تمہاری آواز سننے کا شوق ہوگا تو میں خود تمہیں بولنے کا حق دوں گا... سمجھ گئے؟"

"ہاں۔" کمشنر نے انتہائی بے چارگی سے جواب دیا۔ اس نے اسکرین کی طرف دیکھا جو ایک کونے میں رکھا ہوا تھا۔ اس پر نظر آنے والی لکیریں اس امر کی مظہر تھیں کہ ٹیلی فون ٹریس کرنے کا عمل شروع ہو چکا ہے۔ باقی تمام لوگ بھی بلیک گولڈ کی آواز سن رہے تھے جو پولیس چیف کے ٹیلی فون ڈیسک اسپیکر سے نکل رہی تھی۔

"گڈ۔ کان کھول کر سنو کمشنر! ہم اپنے آس پاس کسی بھی پولیس کار کو دیکھنا پسند نہیں کریں گے۔ تم خود ایک... شیورلیٹ میں آؤ گے اور تمہارے ساتھ کوئی خوبصورت سی...

آواز آئی۔

"ٹھیک ہے۔ محتاط رہو۔" پولیس چیف غرایا۔ "اس نے بوبی ٹریپ کا ذکر کیا ہے؟"

▼▼

بوتھ پر بڑی احتیاط سے چھاپہ مار کر اس میں سے ایک سستا سا ٹیپ ریکارڈر نکالا گیا اور ہم اسکواڈ کے حوالے کر دیا گیا یہ انتہائی عام سا ٹیپ ریکارڈر تھا مگر اس کو ہاتھ لگانے والا کانپ رہا تھا۔ اس نے ٹیپ ریکارڈر کا کور کھول کر جھانکا مگر اندر کچھ نہیں تھا۔ اس نے بڑی احتیاط سے ریکارڈر کو ایک بم باسکٹ سے کور کیا اور پھر باسکٹ کی آہنی پلیٹ ٹیپ ریکارڈر کے نچلے حصے پر لگانے لگا تاکہ اگر بم پھٹے تو باسکٹ اس کی تباہی روک لے۔ پلیٹ معاً کسی چیز سے ٹکرائی۔

موقع پر ہی مرنے والے افسر کو اپنی موت کا سبب معلوم نہ ہو سکا۔ یہ بات دوسروں کو پتا چلی کہ نصف پاؤنڈ سی فور کا بم اس جگہ چھپایا گیا تھا جہاں بوتھ میں ٹیپ ریکارڈر رکھا گیا تھا اور جونہی افسر نے باسکٹ کی آہنی پلیٹ ٹیپ کے نیچے رکھنی چاہی وہ بم سے ٹکرائی اور بم پھٹ گیا۔ دس افسر زخمی ہوئے۔ ایک پٹرول کار میں آگ لگ گئی اور بلیک گولڈ کے خلاف پہلی گواہی... ٹیپ ضائع ہو گیا ہے۔

ٹیلی فون بوتھ سے صرف چند عمارتیں چھوڑ کر ایک دو منزلہ عمارت کی چھت سے عبدل یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں پر ایک چھوٹی سی مگر طاقت ور دوربین تھی۔ دھماکا ہوتے ہی وہ مسکرانے لگا اور پھر دوربین جیب میں ڈال کر اس عمارت سے اترنے لگا۔

ایک گھنٹے بعد اس ضمن کی تمام تفتیش مکمل ہو گئی اور صرف اتنا ہی علم ہوا کہ ٹیلی فون بوتھ ایک گودام کے قریب ہے یہ بھی کہ کسی نے بوتھ میں کسی کو داخل ہوتے یا نکلتے نہیں دیکھا پولیس کی درجنوں گاڑیاں ایک پرانی شیورلیٹ کی تلاش میں نکل گئیں اور آخر یہ گاڑی انھیں فیض آباد ہی کے ایک میدان میں کھڑی ہوئی مل گئی۔ گاڑی ہیڈ کوارٹر لائی گئی۔ کسی لاماری لیڈی پولیس افسر کو تیار کرنا مشکل ثابت نہ ہوا۔ یہ لیفٹیننٹ روشن تھی، کراٹے کی ماہر۔

رقم دو بھورے سوٹ کیسوں میں موجود تھی جنھیں انسپکٹر بادل نے عقبی سیٹ کے نیچے ٹھونس دیا، پھر ایک اور ٹیلی فون موصول ہوا جس میں ہدایت کی گئی کہ گاڑی ٹھیک تین بجے ہیڈ کوارٹر سے نکل جانی چاہیے۔ اٹھائیس سالہ لیفٹیننٹ روشن ٹھیک تین بجے گاڑی کمپاؤنڈ سے نکال کر لے گئی۔ ابھی اس نے فیض آباد کا پل پار ہی کیا تھا کہ اسے کھلے ہوئے والکی ٹاکی پر ہدایات ملنے لگیں۔

"لیفٹیننٹ روشن! چمن زار کے مغربی دروازے کی طرف جاؤ۔ وہاں سے بائیں طرف والے راستے پر پہنچ کر تمہیں دوسری ہدایت ملے گی۔ اوور اینڈ آل۔"

انسپکٹر بادل نے اپنے ہاتھ میں دبے ہوئے ریڈیو پر یہ پیغام سنا اور تھوک نگل کر رہ گیا۔ پھر اس نے اپنے والکی ٹاکی پر چالیس پٹرول یونٹوں کو ہدایت دی کہ وہ اپنی اپنی جگہ چوکس رہیں۔ یہ تمام یونٹ فیض آباد میں موجود تھے۔ انسپکٹر خود ایک پرائیویٹ کار میں تھا۔ اس نے عام سے کپڑے پہن رکھے تھے مزید ایک فرلانگ آگے جا کر اس نے یونٹوں کو نئی ہدایت دی۔ "چمن زار کے اور قریب ہو جاؤ لیکن اتنا فاصلہ رکھو کہ کسی کو تم پر شبہ نہ ہو۔"

اس نے اپنی گاڑی چمن زار پر ڈالنے سے قبل پی کیپ اتار کر سر کی ٹوپی پہن لی۔ قمیص کا کالر الگ کر کے نیچے ڈالا اور ناک میں ایک اسپرنگ پھنسا لیا۔ اب اس کی ناک اوپر کو اٹھ گئی جس کی وجہ سے اس کا چہرہ ہی بدل گیا تھا۔ اس نے اپنی گاڑی چمن زار کے مغربی دروازے سے چند گز دور کھڑی کی۔ چند ہی لمحوں بعد شیورلیٹ اس کے سامنے سے گزر گئی۔ اس نے... اور گرد و نواح کا بغور جائزہ لیا مگر اسے لیفٹیننٹ روشن کی کار کے تعاقب میں کوئی اور گاڑی نظر نہیں آئی۔ وہ اتنی دیر تک ہی وہاں رک سکتا تھا کہ شیورلیٹ نظروں میں رہے اور پھر جب شیورلیٹ بائیں طرف جانے لگی تو اس نے بھی اپنی گاڑی اسی سمت میں ڈال دی۔ اس نے دونوں گاڑیوں میں اتنا فاصلہ ضرور رکھا کہ وہ مشکوک نہ ہو جائے۔ شیورلیٹ اور بادل کے درمیان کئی اور گاڑیاں بھی چل رہی تھیں اس کے ذہن میں ایک بات بیٹھ چکی تھی... وہ یہ کہ بلیک میلر پکڑے جائیں گے۔ اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ شہر کے بہترین پیرولنگ یونٹ اس کی کمان میں تھے اور اسے یقین تھا کہ پروگرام کے مطابق دوسری گاڑیاں بھی اس کا تعاقب کر رہی ہوں گی۔ ان گاڑیوں کو واضح ہدایت تھی کہ وہ بادل کی کار سے ایک ایک میل دور رہیں۔ انسپکٹر کی گاڑی کی چھت پر آٹھ کا ہندسہ لکھا ہوا تھا اور وہ اپنی کار میں بیٹھے بیٹھے دو سو پٹرول کاروں سے رابطہ قائم کر سکتا تھا۔

کچھ دیر بعد اسے ایسا لگنے لگا جیسے شیورلیٹ قائد انیر پورٹ

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کی طرف جائے گی۔ جلد ہی شیورلیٹ چمن زار کے جنوبی حصے میں آگئی اور پھر وین ایکسپریس وے سے گزر کر انر فیلڈ کے قریب سے گزر گئی۔ اب شیورلیٹ ساٹھ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے دوڑ رہی تھی۔

انسپکٹر بادل کو پہلی مرتبہ خوف کا احساس اُس وقت ہوا جب اُس نے آبشار والا روڈ دیکھا۔ یہاں ایک گاؤں کی طرف جانے والے راستے کا نشان بنا ہوا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ محض چند منٹ میں شہر کی حدود سے نکل جائیں گے اور ان کا رُخ جزائر کی طرف ہو جائے گا۔ انسپکٹر بادل کو اس صورتِ حال کی توقع نہیں تھی اور اسی وجہ سے اس نے جزائر کے پٹرولنگ یونٹوں کو خبردار کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ وہ گرفتار کر سکتا تھا لیکن اُسے یہ حق حاصل نہیں تھا کہ جزائر کی حدود میں داخل ہو کر اپنے شہر کی پٹرولنگ کاروں کو مدد کے لیے طلب کر سکے۔

اُس نے بوکھلاہٹ کے باعث پولیس چیف سے رابطہ قائم کر کے اُسے نئی صورتحال سے مطلع کر دیا۔

"خدایا! چیف پھٹ پڑا۔ "میری بھتیجی جس کہہ رہی تھی کہ کوئی گڑبڑ ضرور ہو گی۔ لیفٹیننٹ روشن کو پیغام دو کہ وہ واپس چلی آئے... اسے فی الفور اپنے شہر کی حدود میں آنا ہے۔"

انسپکٹر بادل نے فوراً روشن سے رابطہ قائم کرنا چاہا مگر جب اُس کی چھ کوششیں ناکام رہیں تو اس کی پیشانی پر پسینہ جھلملانے لگا۔ اُس نے اس کی اطلاع ایک بار پھر پولیس چیف کو دی۔

"چیف! ممکن ہے کہ روشن سے اس کا ریڈیو چمن زار کے قریب کوڑے کے گھر میں پھنکوا دیا ہو۔ وزراہاں چیک کر لیں۔" بادل نے کہا۔

اس دوران میں وہ پولیس چیف کو اپنی پوزیشن سے مطلع کرتا رہا اور پھر اچانک ہی چیف کی آواز سنائی دی۔ "میں نے جزائر کی فورس سے درخواست کی ہے کہ وہ روشن کی کار کو روک لیں۔ وہیں روکے رہیں یا پھر اپنی حفاظت میں اُسے ہمارے شہر کی حدود تک پہنچا دیں۔ ساتھ ہی میں نے راستے میں آنے والے ہر گوٹھ اور گاؤں کی چوکیوں کو بھی یہی ہدایت دی ہے تاہم تم جانتے ہی ہو ان چوکیوں کی کیا حالت ہے۔ لہٰذا اب وارد عدارتم پر ہے بادل! روشن کے قریب پہنچو اور اُسے گاڑی واپس لانے کے لیے کہو۔"

"بہت بہتر جناب!" بادل نے ریڈیو رکھ کر ایکسیلیریٹر پر پورا بوجھ ڈال دیا۔ اب اُس کی کار اُڑ رہی تھی۔ اس نے جلد ہی روشن کی گاڑی کو جا لیا۔ اس نے دو مرتبہ گاڑی کو اوورٹیک کرنا چاہا مگر دونوں مرتبہ ناکام رہا۔ اس طرح دونوں گاڑیاں اسٹریم ویلی میں آگے پیچھے داخل ہو گئیں۔ اس نے ایک مرتبہ پھر گاڑی کو اوورٹیک کرنا چاہا مگر شیورلیٹ عین وقت پر روڈ کے وسط میں آگئی اور پھر ایک اور گاڑی اُن دونوں کے درمیان میں حائل ہو گئی۔ اس گاڑی کو ایک پستہ قد لامازی چلا رہا تھا اور اس کی نیت واضح تھی کہ وہ بادل کو شیورلیٹ تک پہنچنے سے روک رہا تھا۔

بادل نے اپنے ریوالور پر ہاتھ رکھا مگر اس کا وقت گزر چکا تھا۔ "میرے خدا! اگر روشن ہاتھ سے نکل گئی تو؟"

یہ سوچ ہی بہت تکلیف دہ تھی اور روشن کے ہاتھ سے نکلنے کا مطلب ریٹائرمنٹ اور فاضل آمدنی سے محروم ہونا تھا۔

انسپکٹر بادل نے دانت پیستے ہوئے اسٹیئرنگ وہیل کو مضبوطی سے پکڑا اور پھر تیز رفتاری سے پستہ قد لامازی کی گاڑی کی طرف کار دوڑانے لگا۔ اس نے لامازی کی گاڑی کو سائڈ سے ٹکر ماری جس کے باعث لامازی کا ہاتھ بہک گیا اور اس کی گاڑی دائیں طرف گھومتی چلی گئی۔ بادل کو اسی موقع کی تلاش تھی۔ وہ لامازی کی گاڑی سے آگے نکلتا چلا گیا۔ اب شیورلیٹ ایک چڑھائی پر تھی۔ اس نے اپنی رفتار اور تیز کر دی ساتھ ہی اُس نے اپنی گاڑی بائیں لین پر ڈال کر رفتار مزید بڑھانی شروع کر دی۔ لامازی کی گاڑی اب پھر پیچھے آرہی تھی۔ اس کا انداز تھا کہ لامازی جنونی انداز میں گاڑی چلا رہا ہے اور پھر لامازی نے وہی حربہ استعمال کیا جو بادل استعمال کر چکا تھا۔ بادل کی فورڈ کے بمپر سے لامازی کی کار ٹکرائی۔ فورڈ ایک دھکے سے آگے بڑھی اور اسی لمحے چڑھائی کے ساتھ ہی وہ خطرناک موڑ نظر آگیا جو دائیں طرف تھا۔ یہاں حدِ رفتار بیس میل تھی جبکہ فورڈ ساٹھ کی رفتار سے دوڑ رہی تھی۔ بادل نے اسٹیئرنگ کو زیادہ مضبوطی سے تھام کر گھمایا لیکن گاڑی موڑ پر پھسلنے لگی۔ وہ بدحواس ہو گیا۔ اُس نے گاڑی پر قابو پانے کی کوشش کی مگر ایک بار پھر لامازی نے عقب سے ٹکر ماری اور فورڈ ریلنگ سے جا ٹکرائی۔ بادل کو ایسا لگا جیسے فورڈ ہوا میں معلق ہو گئی ہو۔ گاڑی واقعی ہوا میں معلق تھی اور اب نیچے کھائی میں گر رہی تھی۔

"نہیں..." بادل بہت زور سے چیخا۔ گاڑی گرتے ہوئے کسی چیز سے ٹکرائی اور بادل کو پٹرول کی بو محسوس ہونے لگی اس نے نیچے دیکھا۔ گاڑی اب ایک سڑک پر گر رہی تھی۔ وہ مضبوطی سے بیٹھ گیا۔ اُس نے خود کو بچانے کے لیے تیار کر لیا پھر ایک زوردار آواز کے ساتھ گاڑی پچھلی سڑک پر گر گئی۔

بادل نے تیزی سے سیٹ بیلٹ کھولنے کی کوشش کی لیکن اس کا دایاں ہاتھ مفلوج ہو گیا تھا اور اب کار میں دھواں بھی بھرنے لگا تھا۔ اُس نے گھبرا کر اپنے ہاتھ کی طرف دیکھا کیونکہ وہ ٹوٹ... چکا تھا۔ اُس نے سر جھٹک کر بائیں ہاتھ کو استعمال کرنا چاہا۔ اسی لمحے اُسے شانے اور سینے میں شدید ترین درد محسوس ہونے لگا۔ اُس نے دانت پر دانت جما کر بائیں ہاتھ کو اتنا اٹھایا کہ وہ سیٹ بیلٹ تک آہی گیا۔ وہ اپنی کوشش میں کامیاب ہونے ہی والا تھا کہ مخالف سمت سے ایک انتہائی تیز رفتار کار نمودار ہوئی اور پلک جھپکتے ہی میں اس سے بقیہ فاصلے سے ٹکرا گئی۔ فورڈ اُچھلی۔ اس نے دو تین قلابازیاں کھائیں۔ اور پھر ایک طرف اُلٹ گئی۔

بادل اب بھی ہوش میں تھا لیکن اب اس کے دونوں ہاتھ مفلوج ہو چکے تھے۔ سر میں بھی شدید تکلیف ہو رہی تھی اور وہ سوچ رہا تھا کہ آخر وہ اب تک زندہ کیوں ہے؟

اسی لمحے پٹرول کی ٹنکی میں دھماکا ہوا اور فورڈ کسی چتا کی طرح جلنے لگی۔ بادل کے چہرے پر عجیب سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے زندہ رہنے کی جدوجہد ترک کر دی وہ کار سے باہر نہیں نکل سکتا تھا۔ وہ قہقہے لگانے لگا کہ اب کوئی بھی یہ الزام ثابت نہیں کر سکے گا کہ اُس نے رشوت لے کر جائداد بنائی تھی۔

◆

عبدل نے اپنی گاڑی ایک طرف روک کر نیچے دیکھا۔ فورڈ سے دھواں اٹھ رہا تھا۔ وہ مسکرا کر اپنی گاڑی میں بیٹھا اور گاڑی آگے بڑھا دی۔ اُسے یقین تھا کہ دولت سے بھری ہوئی شیورلیٹ پروگرام کے مطابق روک لی جائے گی۔ ایک دو فرلانگ دور پٹرول پمپ میں اُس نے شیورلیٹ کی جھلک دیکھی تو مطمئن ہو کر سر ہلانے لگا۔ اُس نے گاڑی پٹرول پمپ کے گیراج میں کھڑی کی۔ یہ گاڑی چند گھنٹے پہلے ہی چوری کی گئی تھی۔

عبدل نے اس لامذہب لڑکی کو دیکھا جو شیورلیٹ میں کسی خوفزدہ چوہے کی مانند بیٹھی ہوئی تھی۔ اس وقت فتح کے نشے سے عبدل بے قابو ہو رہا تھا۔ دولت کا ڈھیر اس کے قدموں میں ڈالا جانے والا تھا۔ اس نے لڑکی کے قریب جانے سے پہلے نائیلون کا ایک ماسک چہرے پر چڑھا لیا اور پھر آگے بڑھ کر شیورلیٹ کا دروازہ کھول دیا۔

"کسی خوش فہمی میں نہ رہنا میری چڑیا!" وہ غرا کر بولا۔ "اپنے ریوالور کو بھول جاؤ کیونکہ اس وقت تین طرف سے تم پر بندوقیں تنی ہوئی ہیں۔"

لیفٹیننٹ روشن ایک پل کے لیے ہچکچائی۔ اس نے گڑبڑ کا احساس اسی وقت کر لیا تھا جب پٹرول پمپ کے قریب راستہ بند ملا تھا اور اسے مجبوراً پٹرول پمپ میں داخل ہونا پڑا تھا اُسے ہاتھ ہلا کر پمپ میں جانے کا حکم دینے والے بھی ماسک پہنے ہوئے تھے۔ دونوں کے ہاتھوں میں اعشاریہ ۵ ایم ایم کے پمپ بند تھا اور اس میں داخل ہوتے ہی روشن کو احساس ہوا تھا کہ اب سڑک پر سے گزرنے والے پولیس یونٹ بھی اُس کی جھلک نہیں دیکھ سکیں گے۔ اُس کے پاس دائیں ٹانگ بھی نہیں رہا تھا وہ ہونٹ بھینچ کر رہ گئی غلطی خود اس کی اپنی تھی۔ اس نے خطرات کے احساس کے باوجود اس مشن پر آنے کے لیے خود کو پیش کیا تھا۔

روشن ایک طویل سانس لے کر گاڑی سے اُتر آئی۔

"شاندار!" عبدل نے اس کا بھرپور جائزہ لے کر کہا۔ "چھوٹا بھی اچھی ہے!"

روشن خاموش رہی۔

"تم نے پروگرام اور منصوبے کے مطابق ہم تک امانت پہنچا دی ہے نا لہ..." عبدل نے ہنستے ہوئے کہا۔ "کیا رقم پوری ہے؟"

"میں نے رقم گنی نہیں۔ جو دیا گیا وہی لائی ہوں۔" روشن نے بے حد خونی سے جواب دیا۔ "عقبی سیٹ کے نیچے ہے خود دیکھ لو۔"

"واہ... واہ!" عبدل چہک کر بولا اور گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔ عقبی سیٹ کے نیچے بھورے سوٹ کیس رکھے ہوئے تھے۔ اُس نے ایک سوٹ کیس گاڑی کے ٹرنک پر رکھ کر اسے کھولا۔ باقی تینوں بھی اس کے قریب آکر دولت کا نظارہ کرنے لگے۔ نوٹوں کے بنڈل دیکھ اُن کے ہونٹ بے اختیار سیٹی بجانے لگے۔

"دیکھو! عبدل نے جھوم کر کہا۔ "دیکھو۔ سونگھو۔ یہ اصلی نوٹوں کی مہک ہے!"

وہ زور زور سے باتیں کرنے لگے۔ اسی لمحے موقع غنیمت جان کر روشن ایک دروازے کی طرف کھسکنے لگی مگر اسی لمحے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کسی نے اُس کی کلائی دبوچ لی: "اے ہیں اب تم کہاں جاؤ گی۔ ابھی تو ہم نے تم سے باتیں بھی نہیں کیں۔" یہ عبدل تھا۔ اس نے ایک ایسی حرکت کی جس کے باعث روشن غصے سے کانپ کر رہ گئی۔ اس نے بے اختیار گھٹنا عبدل کے پیٹ پر دے مارا مگر عبدل نے پیٹ پچھا لیا۔ گھٹنا عبدل کی ران پر لگا۔

ساتھ ہی عبدل نے اس کے زوردار طمانچہ مارا۔ روشن نے طمانچہ مارنے والے ہاتھ کو دونوں ہاتھوں میں پکڑ کر زور سے کھینچا۔ عبدل کے منہ سے زوردار چیخ نکلی اور پھر روشن کی ٹھوکر اس کے پیٹ پر لگی۔ عبدل فرش پر گر پڑا۔

یہ صورت حال دیکھ کر دولفتاب پوش اُچھل کر اس کی طرف آئے اور انھوں نے اُسے دبوچ لیا۔ روشن کو پہلی بار احساس ہوا کہ نقاب کے نیچے چہرے ہیں۔ پھر وہ ان دونوں سے باقاعدہ بھڑ گئی۔ وہ آخری وقت تک مزاحمت کرتی رہی اور جب اُسے ہوش آیا تو اس نے خود کو فرش پر پایا۔ اُس کے ہاتھ پیر اس طرح بندھے ہوئے تھے جیسے وہ صلیب پر ہو۔ اس نے گھبرا کر اپنی آنکھیں بند کر لیں۔

❁

عبدل ڈیلی نے ریڈیو کھول دیا۔ اس وقت ریڈیو سے مغربی موسیقی نشر ہو رہی تھی۔ اُسے ایسا لگا جیسے پریڈ کے لیے مخصوص ڈرم بج رہا ہو۔ وہ خود بھی کافی عرصے تک ڈرم بجاتا رہا تھا۔ کار میں نوٹوں کے بنڈل بھرے ہوئے تھے اور وہ اُن کو چار حصوں میں تقسیم کر رہا تھا۔

"بس اب دلدر دور ہو جائیں گے۔" اس نے زیر لب کہا۔ وہ کچھ دنوں فوج میں رہا تھا جہاں لاپروائی ہونے کے باعث اُسے ترقی نہیں ملتی تھی۔ لہٰذا وہ فوج سے بھاگ کھڑا ہوا تھا پھر اس نے اپنے چار ساتھیوں کو لے کر سرکلر ریلوے میں لوگوں کی جیبیں کاٹنی شروع کر دیں۔ پہلی واردات میں انھیں بیس روپے ہاتھ لگے تھے۔ پندرہ سال کی عمر میں اس نے پہلی بار چاقو استعمال کیا تھا اور ایسے گروہ میں شامل ہو گیا تھا جو بڑے نپے ہاتھ مارنے میں بدنام مشہور تھا۔ یہی وہ زمانہ تھا جب تعلیم لازمی قرار دے دی گئی تھی اور انتظامیہ نے اُسے زبردستی ایک اسکول میں داخل کرا دیا تھا۔ یہاں ایک ٹیچر کو چاقو مارنے پر اُسے نوے دن کی سزا ہوئی تھی۔

عبدل نے گاڑی چلا دی۔ اُسے ماضی کی ایک ایک بات اچھی طرح یاد تھی۔ پہلی بار سزا ہونے کے بعد اس نے جرائم کی دنیا میں باقاعدہ قدم رکھ دیا تھا اور یہی وجہ تھی کہ رہائی کے بعد بھی پولیس والے اس پر نظر رکھنے لگے تھے۔ وہ لاوارثوں کے مخصوص علاقے میں رہنے لگا کیونکہ یہاں لاوارثوں کی گرفت پولیس سے کہیں زیادہ تھی۔ یہیں ایک سراغ رساں اس کے ہاتھوں قتل ہوا جب وہ ایک جوئے کے اڈے سے بھتہ لینے آیا تھا۔ ہوا یہ کہ سراغ رساں نے بھتے کی رقم میں اضافے کا مطالبہ کیا تو عبدل بھی وہاں موجود تھا۔ اس نے سراغ رساں کو دھمکی دی کہ وہ اس کے بارے میں سب کچھ اخبار والوں کو بتا دے گا۔ اس پر سرکاری جاسوس گھبرا گیا اور اس نے عبدل کی پٹائی شروع کر دی لیکن اب عبدل بھی ماہر چاقو باز بن چکا تھا۔ پہلے تو پٹتا رہا اور پھر اس نے پانچ انچ لمبا چاقو نکال لیا۔ سراغ رساں نے اپنے تن و توش کی مدد سے اس پر چھانے کی کوشش کی مگر یہی کوشش اُسے مہنگی پڑی۔ اس نے سراغ رساں کی ناک کاٹنا چاہی تاہم ہاتھ بہک گیا اور چاقو کے تیز پھل نے سراغ رساں کا نرخرہ اڈھیڑ دیا۔ شہ رگ کٹی تو وہ وہیں گر گیا۔ عبدل کو اس کی جیب سے چار سو روپے ملے۔ بعد ازاں مقام نے سراغ رساں کی لاش بمشکل حاصل کی کیونکہ پوری بستی کا موقف یہ تھا کہ یہ سرکاری افسر ایک لڑکی کو اغوا کرنے کے لیے یہاں آیا تھا۔ اس قتل کا کوئی چرچا نہ ہوا اور اعلیٰ پولیس افسروں نے محکمہ کو بدنامی سے بچانے کے لیے حادثاتی موت کا اعلان کیا۔

اس وقت عبدل کی عمر سولہ سال تھی۔ وہ بلیک پنتھرز کا رکن بن چکا تھا۔ اُس کے پاس نہ صرف ریوالور رہتا تھا بلکہ اُسے ٹھیک ٹھیک نشانہ بھی لگانا آ گیا تھا۔ اس نے بلیک پنتھرز کے کئی اجلاسوں میں بھی شرکت کی، دو تین مرتبہ رہزنی کی وارداتوں میں بھی حصہ لیا۔ ایک ایسے پولیس مقابلے میں بھی شریک ہوا جس کے دوران دو پولیس والے بھی مارے گئے۔ اس الزام میں پانچ پنتھرز کو گرفتار کیا گیا لیکن ثبوت نہ ملنے کی بنا پر وہ سب کے سب رہا کر دیے گئے۔

اٹھارہ سالہ عبدل ڈیلی نے پنتھرز سے تعلق ختم کر لیا۔ اصل بات یہ تھی کہ وہ انتہا پسند تھا اور پنتھرز میں انتہا پسندی کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ ویسے بھی اب پنتھرز نے عدم تشدد کی پالیسی اختیار کر لی تھی اور وہ سیاسی محاذ پر زیادہ سرگرم تھے جبکہ عبدل کو سیاست محض منافقت نظر آتی تھی۔ پھر ایک مختصر جنگ کے باعث اُسے بھی فوج میں بھرتی کر لیا گیا۔ یہاں عبدل نے دل جمعی کے ساتھ ہر قسم کے ہتھیاروں کا استعمال سیکھا۔ ہتھیاروں کے استعمال کا شوق اُسے ورثے میں ملا تھا لہٰذا جلد ہی اس نے چاند ماری کے میدانوں میں اپنی صلاحیتوں کا بہترین مظاہرہ کرنا شروع کر دیا اور اعلیٰ افسروں کی نظر میں آ گیا۔ بعض اوقات ہاتھ سے چلائے جانے والے ہتھیاروں کے درست استعمال میں اس کے ہم جماعتی تمام رنگروٹوں سے زیادہ ہوتے تھے۔ جب اس کے افسروں کو علم ہوا کہ وہ صرف ساتویں جماعت تک تعلیم حاصل کر سکا ہے تو وہ حیرت زدہ رہ گئے۔

ابتدائی اور بنیادی تربیت کے بعد اس نے دھماکہ خیز مواد کے استعمال کی تربیت حاصل کرنے کے لیے درخواست دی ان میں بارودی سرنگیں وغیرہ بھی شامل تھیں۔ اس کورس میں بھی اس نے امتیازی نمبر حاصل کیے۔

پھر جب اُسے یہ اندازہ ہو گیا کہ وہ مکمل تربیت حاصل کر چکا ہے تو اس نے جان بوجھ کر ایسی حرکتیں شروع کر دیں کہ اُسے فوج سے نکال دیا جائے۔ صرف دو ماہ میں اس پر بارہ الزامات لگ چکے تھے جن میں شراب نوشی، تاخیر سے کیمپ آنا، بات نہ ماننا افسروں سے الجھنے کے علاوہ یہ سنگین الزام بھی تھا کہ ڈیوٹی آف ٹرن ترقی نہ ملنے پر وہ فوج میں نفرت پھیلا رہا ہے۔ افسر اس سے بددل رہتے تھے کیونکہ انھیں اس میں ایک اچھا انسان نظر آتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اسے کڑی سزا نہ ملی۔ صرف ڈسچارج کر دیا گیا۔ عبدل چاہتا بھی یہی تھا۔ وہ ایک بار پھر اپنی بستی میں آ گیا اور اس نے اپنے منصوبے کے مطابق دھیمے سُروں میں اپنی خفیہ تنظیم کی بنیاد رکھی۔ آہستہ آہستہ اس کے ساتھ چند ہمدرد لقب زن آ ملے۔ انھوں نے سب سے پہلے اپنی رقم جمع کی کہ کاروبار... شروع کر سکیں تاکہ تمام غیر قانونی سرگرمیاں اسی کاروبار کی آڑ میں رہیں۔ اس وقت عبدل کی عمر اکیس سال ہو چکی تھی اور اس کے پاس اتنا سرمایہ تھا کہ اس نے ایک پرانی آٹومیٹک فرم خرید لی تھی۔ یہی وہ مرحلہ تھا جب عبدل ڈیلی کی سرگرمیاں اچانک بڑھ گئیں۔

بلیک گولڈ چار سال تک ایک خفیہ تنظیم رہی۔ ان چار سالوں میں بلیک گولڈ کے پاس سرمایہ بھی جمع ہو گیا، درجنوں رضاکار بھی بن گئے اور اس کے کارکن ہدف کو حاصل کرنے کی تربیت سے بھی بخوبی واقف ہو گئے۔ اگلی چار سرگرمیوں میں عبدلی کو منتظمات کے میدان میں ایک ممتاز مقام حاصل ہو گیا۔

دراصل وہ ہیروئن کا ہول سیلر بن چکا تھا۔ اہم بات یہ تھی کہ اس کے اڈے پر کبھی چھاپا نہیں پڑا تھا اور اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ وہ اپنے ضلع کے پولیس والوں کی خاص خدمت کرتا رہتا تھا۔ اس نے ہیروئن سے ہونے والی آمدنی کو دوسرے مقاصد کے لیے بھی استعمال کرنا شروع کر دیا۔

اب سرمایہ مسلسل آ رہا تھا تاہم اُسے اب بھی مزید رقم کی ہوس تھی، وہ کروڑپتی بننا چاہتا تھا لہٰذا عبدل نے ایک نئی منصوبہ بندی کی اور بلیک گولڈ کو سیاسی دہشت گردی کے لیے استعمال کرنا شروع کر دیا۔

وہ بالآخر سیاسی اقتدار حاصل کرنے کا ارادہ کر چکا تھا۔ سیاست کے لیے رقم کی ضرورت تھی اور رقم حاصل کرنے کے لیے دہشت گردی کے علاوہ اور کوئی آسان راستہ نہیں تھا۔ عبدل نے بالآخر اس راہ پر چلنے کا ارادہ کر لیا، اور اب رقم کی پہلی کھیپ اُس کے پاس موجود تھی۔ وہ اپنے دوسرے منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے کا عمل شروع کر سکتا تھا۔

عبدل نے اپنی گاڑی چلانے والے تائیوانی کی طرف دیکھا۔ یہ شخص پڑوسی ملک اور قبائلی علاقے میں معتبر اسمگلر تھا پھر تھا اور ہیروئن کی اسمگلنگ عبدل نے اسی سے سیکھی تھی یہ شخص قبائلی علاقے کے اُس سب سے بڑے اسمگلر کا خاص کارندہ تھا جو ہیروئن کی نئی فیکٹریاں چلاتا تھا۔ اب حال ہی میں اس شخص نے سولن کو اپنے مفادات کا نمائندہ بنا کر عبدل کے پاس بھیجا تھا۔ سولن کی مدد سے عبدل کو اسمگل شدہ ہیروئن ملتی تھی اور وہ نقد ادائیگی کرتا تھا۔ سولن اور اس کا گروہ عبدل کی تنظیم کی مدد بھی کرتے تھے۔

اس پودے کھیل میں عبدل کو اب ہیروئن سے زیادہ سولن سے دلچسپی محسوس ہونے لگی تھی اور سولن نے بھی خود کو غیر مشروط طور پر عبدل کے حوالے کر دیا تھا۔ عبدل کو علم تھا کہ سولن چھاپہ مار جنگ کی تربیت لے چکی ہے لیکن ابھی تک سولن نے اپنی ان صلاحیتوں کا کوئی مظاہرہ نہیں کیا تھا۔ ویسے ایک روز اُسے یہ معلوم کر کے بڑی حیرت ہوئی تھی کہ سولن قبائلی اسمگلر کی ذاتی فوج میں شامل تھی اور اس نے ایسی کئی سرحدی چوکیوں پر کامیاب حملے کیے تھے جو ہیروئن کی اسمگلنگ روکنے کے لیے قائم کی گئی تھیں۔ عبدل ان لوگوں سے ہر حال پورا پورا فائدہ اُٹھانا چاہتا تھا اور اس کے ذہن میں مستقبل کے لیے ایک خاص منصوبہ بھی موجود تھا جس میں ان تائیوانیوں کے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

سے کوئی گنجائش نہیں تھی۔

کار گلشن آباد میں داخل ہوئی تو عبدل سیدھا ہو کر بیٹھ گیا اُس نے اپنے بالوں پر ہاتھ پھیر کر طویل سانس لی۔

کچھ دیر بعد جب گاڑی ڈیلی پینگ شاپ میں داخل ہوئی اور عقب میں پھاٹک بند کر دیا گیا تو عبدل نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔ یہ کامیابی اور فتح کا قہقہہ تھا۔ "بھائیو اور بہنو!" اس نے نوٹوں کا ایک بنڈل ہاتھ میں لے کر لہراتے ہوئے کہا۔ "ہم جیت گئے ہیں۔ دو کروڑ روپے کی شرط ہم جیت گئے ہیں۔"

عبدل کو دیکھ کر نکل آنے والے یہ سُن کر خوشی سے ناچنے لگے۔ عبدل نے کہا۔

"آج شاندار ضیافت کا انتظام کیا جائے۔ جس میں خاص لڑکیاں بھی بلائی جائیں۔" عبدل ڈیلی نے جھوم کر کہا۔ اسی لمحے سولن دوڑتی ہوئی اور دیوانہ وار اپنی وارفتگی کا مظاہرہ کرنے لگی۔

"میں پوری رقم خود گنوں گی عبدل ڈارلنگ!" وہ کسی بلبل کی طرح چہک رہی تھی۔

"ضرور..." عبدل نے نوٹوں کے تمام بنڈل سب سے پہلے ایک بڑے تھیلے میں بھرے اور پھر تھیلا کندھے پر ڈال کر سولن کا ہاتھ تھامتا ہوا کمرے میں آگیا

اس نے تمام نوٹ بیڈ پر بچھا دیے اور کہا۔ "دیکھو... کتنے حسین نوٹ ہیں سولن؟"

"ہاں!" سولن نے قہقہہ لگا کر نوٹوں کو مٹھیوں میں بھرا اور اس پر نچھاور کرنے لگی۔ پھر معاً سنجیدہ ہو گئی۔

"خیریت سولن! اس وقت اس سنجیدگی کا کیا مطلب ہے؟" عبدل نے اُسے غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"کوئی گڑبڑ ہو رہی ہے عبدل!" وہ طویل سانس لے کر بولی۔ "آج یہاں ایک شخص آیا تھا۔ معاملے کے بعد وہ فرار ہو گیا۔ مقامی ہی تھا مگر رنگت زیادہ صاف تھی۔ وہ ایک آدمی کو قتل بھی کر گیا ہے۔"

"فکر مت کرو!" عبدل پر دو کروڑ روپے کا نشہ سوار تھا۔ "ہمارا راستہ کوئی نہیں روک سکتا۔"

"مگر میں پریشان ہوں ڈارلنگ!"

"سب کچھ بھول جاؤ ڈارلنگ!" عبدل نے آگے بڑھ کر کمرے کا دروازہ مقفل کر دیا۔

نصف شب ہوئی تو سولن نے اسے بیدار کر دیا۔

"کیا بات ہے؟" عبدل کا لہجہ مخمور تھا۔

"میں ایک خوشخبری سُنانا تو بھول ہی گئی عبدل!" سولن کا لہجہ محبوبانہ تھا۔

"وہ کیا؟" عبدل بھی چونک اُٹھا۔

"چانگ آج ہی یہاں پہنچا ہے۔ چانگ... پاؤلن چانگ، ہانگ کانگ میں رہنے والا میرا خاص آدمی۔"

عبدل اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ وہ ہتھیلی سے اپنی گردن سہلانے لگا۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ "کیا وہ مطلوبہ سامان بھی لے کر آیا ہے سولن؟" اس نے پوچھا۔

"کیوں نہیں۔ قبائلی علاقے سے ہوتا ہوا آیا ہے۔ اس وقت سو رہا ہے۔ اس نے مجھے اتنا بتایا ہے کہ اس کے کیریکٹر میں کوئی گڑبڑ نہیں ہوگی۔ اس کا کہنا ہے کہ وہ ٹو ٹو کیمیکلز بیں دیتے اُسے تمہارے کسٹمر افسروں کی حماقت پر بہت ہنسی آرہی تھی۔ انھوں نے اس کا سوٹ کیس کھولا تک نہیں۔"

"اس نے کیمیکلز کا کیا نام بتایا ہے؟"

"ایکس ۷ ہم ہم۔"

"شاندار۔ کیا ایکس ۷ ہم ہم وہی کام کر سکتا ہے جس کا اس نے ذکر کیا تھا سولن؟"

"اس بارے میں ہم کچھ نہیں کہہ سکتے کیونکہ ابھی تک ایکس ۷ ہم ہم کا کوئی بڑا تجربہ نہیں ہوا ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ وہ مطلوبہ نتائج ضرور دے گا۔"

"شاندار!" عبدل کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ "اب وہ بار بار بیس خراج ادا کریں گے بے بی سولن!"

وہ مسکرا کر اُسے دیکھنے لگی۔

"کچھ اور بھی سوچ رہی ہو کیا؟" عبدل نے آنکھ مار کر سولن سے پوچھا۔

"نہیں۔ صرف یہ چاہتی ہوں کہ جب ایکس ۷ ہم ہم کا استعمال کیا جائے تو ہم دونوں بہت دور ہوں۔"

"ٹھیک!" وہ قہقہہ مار کر ہنس پڑا۔ "میں جانتا ہوں کہ ایکس ۷ ہم ہم اعصابی گیس ہے۔"

"نہیں عبدل! وہ محض اعصابی گیس ہی نہیں ایک تیز اور شدید وائرس بھی ہے۔ انسانوں کے لیے انتہائی مہلک۔ یہ وائرس جلدی نہیں مرتا۔ اگر اس کا مناسب استعمال کیا جائے تو گلشن آباد

کی آدھی آبادی محض چوبیس گھنٹے میں مر سکتی ہے۔"

ڈیلی آٹو پینٹنگ سے نکل کر ٹائیگر نے گاڑی کا رُخ ہوٹل علی شان کی طرف کر دیا۔ اُسے ابھی اس تائیوانی تاجر سے بھی رابطہ قائم کرنا تھا جس کا ذکر بہرام نے کیا تھا۔ اس نے ڈائننگ ہال میں قبل از وقت پہنچ کر عیاشی کی لیکن یہ عیاشی سادے چاولوں تک محدود رہی۔ پھر اس نے کمرے میں پہنچ کر تمام اخبارات کا بھرپور مطالعہ کیا۔ فردوس ٹائمز نے بلیک گولڈ کے بارے میں ایک رائونڈ اپ اسٹوری شائع کی تھی جس میں ان دو افراد کا ذکر تھا جو پولیس کے ریکارڈ میں محفوظ تھے۔ تنظیم کی ہیئت کے بارے میں بہرحال محدود سے چند ہی معلومات تھیں۔ رائونڈ اپ میں جن دو افراد کے نام تھے وہ پہلے ہی جیل میں بند تھے۔ ٹائمز نے ڈیلی پینگ شاپ کا کوئی ذکر نہیں کیا تھا۔ رائونڈ اپ کے آخر میں ایسے چار گروپوں کے نام تھے جن کو ٹارگٹ پسند کہا جاتا تھا۔ ٹائیگر نے پہلے ان میں سے کسی کا نام نہیں سُنا تھا۔ وہ کچھ سوچتا رہا اور پھر اس نے تاریخ، دن دیکھ کر بہرام کے ٹیبر ملانے۔ پہلی ہی گھنٹی پر ریسیور اٹھا لیا گیا تاہم نصف سیکنڈ تک خاموشی طاری رہی، شاید کمپیوٹر بہرام کو تلاش کر رہا تھا۔

"تم کہاں ہو ٹائیگر؟" اس نے بہرام کی مضطرب آواز سُنی۔ وہ یقیناً اس کے بارے میں پریشان تھا۔

"میں بخیریت ہوں، اور آپ دونوں کی خیریت نیک مطلوب چاہتا ہوں۔ دیگر احوال یہ ہے کہ کیا آپ نے ٹائمز میں شائع ہونے والے گروپوں کے نام پڑھ لیے ہیں؟"

"گڈ۔ اس کا مطلب ہے کہ اب تم اندھیرے میں تیر چلانے کی پرانی حرکت ترک کر رہے ہو؟"

"نہیں سوئٹ ہارٹ!" ٹائیگر نے ہنس کر کہا۔ "اندھیرے میں تیر چلا چکا ہوں۔ مجھے ان گروپوں کے بارے میں معلومات درکار ہیں۔"

"ایک منٹ ہولڈ کرو۔"

ٹائیگر طویل سانس لے کر دیوار کو تکنے لگا۔ وہ جانتا تھا کہ بہرام اپنے کمپیوٹر سے بات کر رہا ہے۔ ٹھیک تیس سیکنڈ بعد اُسے بہرام کی آواز سنائی دی۔ "ان میں سے ایک گروپ بلیک ماسک ماضی میں سرگرم رہ چکا ہے ممکن ہے تم اسی گروپ کے ذریعے بلیک گولڈ تک پہنچ سکو۔"

"بلیک گولڈ کے بارے میں اور کوئی اطلاع؟"

"ہاں۔" بہرام کا لہجہ اب کاروباری سا تھا۔ "اس نام کا گروپ دیلوان گڑھ میں بھی سرگرم رہ چکا ہے۔ یہ چھ ماہ قبل کی بات ہے لیکن پھر اس کے لیڈر کو ہیروئن کا دھندا کرنے پر قید ہو گئی اور اس کے بعد وہاں کبھی بلیک گولڈ کا نام نہیں سُنا گیا۔"

"ممکن ہے دیلوان گڑھ والا گروپ اسی بلیک گولڈ کی کوئی شاخ ہو جو یہاں سرگرم ہے۔"

"بہت ممکن ہے۔" بہرام نے جواب دیا۔ "تم اب تک کیا کرتے رہے ہو؟"

"میں!" ٹائیگر نے مسکراتے رہتے دیوار کو آنکھ ماری اور پھر اب تک کے تمام واقعات بہرام کو سُنا دیے۔

"ٹائیگر!" بہرام کی آواز اچانک ہی ملائم ہو گئی۔ "بہت محتاط رہنا۔ انتہائی محتاط۔ میں جانتا ہوں کہ تمہیں محتاط رہنے کی ہدایت کرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی طوفان میں کسی کو دور سے پکارے لیکن میں؟"

"کیا میں اب بھی وہی مجبور و ناتواں آدمی ہوں جسے شیلا اٹھا کر لے گئی تھی چیف؟" ٹائیگر معاً سنجیدہ ہو گیا۔

"نہیں۔" بہرام نے فوراً جواب دیا۔ "میں یہ نہیں کہوں گا کہ تم ناتواں آدمی ہو... لیکن بقول اوشان تم میں پرانی توانائی پوری طرح واپس نہیں آئی ہے اور اگر تم پرانے ٹائیگر ہوتے تب بھی میں بلیک گولڈ کے مقابلے میں محتاط رہنے کی ہی ہدایت کرتا کیونکہ میری اطلاعات کے مطابق وہ لوگ انتہائی سفاک ہیں۔"

"ٹھیک ہے چیف! میں محتاط رہوں گا۔" ٹائیگر نے کہا۔ "اوشان کہاں ہے؟"

"یہیں جہاں میں ہوں۔"

"اور آپ کہاں ہیں؟"

"وہیں۔" بہرام نے جواب دیا اور پھر خود ہی رابطہ منقطع کر دیا۔

ٹائیگر نے ٹیلی فون کے ذریعے ہی بعض ضروری معلومات حاصل کیں اور پھر بلیک ماسک کا پتا حاصل کر لیا۔ نہا دھو کر اس نے کپڑے بدلے، ڈارٹ گن اپنی بیلٹ میں لگائی جس میں عام طور سے کوٹ کمانڈر لگا رہتا تھا۔ اسے ڈارٹ گن کوٹ کمانڈر کے مقابلے میں زیادہ پسند تھی کیونکہ اس سے مہلک گولیاں نہیں گہری نیند سُلا دینے والی ننھی سوئیاں نکلتی تھیں۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

اس موٹی کے چبھتے ہی اعضاء میں شدید درد اور بے چینی... محسوس ہوتی تھی اور سیکنڈوں میں ہی اس کا شکار گہری نیند سو جاتا تھا۔

بلیک ماسک کا ہیڈ کوارٹر شاہجہان اسٹریٹ کے قریب شاہراہ نمبر ۱۱۶ پر ہی مل گیا۔ پہلی نظر میں کوئی بھی اُسے ایک عام سا رہائشی ہوٹل کہہ سکتا تھا لیکن جونہی وہ دروازے کے قریب پہنچا اُسے کالے جادو اور مخصوص نشان اور علامت نظر آئی۔ دروازے پر ایک بڑا پوسٹر لگا ہوا تھا جس پر مختلف زبانوں میں ایک ہی جملہ لکھا ہوا تھا: "خوش آمدید برادر"

ٹائیگر نے مسکراتے ہوئے سر کو خم کیا اور اندر چلا آیا۔ اس نے خود کو ایک ایسے بڑے کمرے میں پایا جو کسی پرانے ڈرائنگ روم کی طرح سجا ہوا تھا۔ تاہم دیواروں پر کالے جادو سے متعلق تصویریں لگی ہوئی تھیں۔ ابھی وہ دیواروں کا جائزہ ہی لے رہا تھا کہ اُسے کسی نے پکارا۔

"کیا چاہتے ہو نوجوان؟"

وہ تین درمیانہ قد کے عمر نوجوان تھے۔ تینوں رنگ اور خدوخال سے لاماذی ہی نظر آ رہے تھے۔ اُن کا انداز ایسا تھا جیسے وہ اپنا دفاع کرنے کے لیے پوری طرح تیار ہیں۔

"تم کیا چاہتے ہو؟" ٹائیگر نے جواب میں سوال دے مارا۔ "اور تمہارا اندازِ استقبال جارحانہ کیوں ہے؟"

اُن میں سے ایک نوجوان بہت بے صبرا تھا۔ وہ سر جھکا کر کسی ارنے بھینسے کی طرح ٹائیگر کی طرف لپکا۔ ٹائیگر اپنی جگہ پر کھڑا رہا۔ باقی دونوں کو یقین ہو گیا کہ اُن کے ساتھی کے سر کی ٹکر سے اس نووارد کی پسلیاں چیخ جائیں گی لیکن پھر وہ حیرت سے آنکھیں ملنے لگے۔

جس وقت اُنھیں یہ یقین ہوا کہ اب سر سینے سے ٹکرانے والا ہے اُسی لمحے ٹائیگر ایک طرف ہٹا اور لاماذی بھینسا ڈکراتا ہوا زمین چاٹنے لگا۔ انھوں نے ٹائیگر کا ہاتھ اٹھتے اور پھر اپنے ساتھی کی گردن پر گرتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ لاماذی نوجوان گرنے سے قبل ہی بے ہوش ہو چکا تھا۔

وہ دونوں سہم کر رہ گئے۔

"سنو..." اُن میں سے ایک نے تھوک نگلتے ہوئے کہا۔ "بات خوفزدہ ہونے کی ہی تھی کیونکہ ان کے جس ساتھی نے ٹائیگر پر حملہ کیا تھا۔ وہ رفتار اور قوت کے اعتبار سے بے مثال تھا۔ ہم... تم سے لڑنا نہیں چاہتے۔ محض اپنا کام کر رہے ہیں۔ تم کیا چاہتے ہو؟"

"چند اطلاعات۔" ٹائیگر نے مسکرا کر کہا۔

"اطلاعات... کیسی اطلاعات۔ ہمارے پاس بہت سی اطلاعات ہوتی ہیں۔ ہمارا کاروبار یہی ہے۔"

"تم نے جو لباس پہن رکھا ہے کیا یہ کسی قسم کی وردی ہے؟" ٹائیگر نے اُن کی سیاہ پتلون اور سیاہ قمیص کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں، یہ ہماری یونی فارم ہے۔"

"کیا تم ہی بلیک ماسک کے گروپ ہو؟" ٹائیگر کے لیے یہ پہلے جیسی روانی اور بھونڈا پن واپس آ رہا تھا۔ وہ ٹیلا سے ملاقات سے قبل اسی قسم کے براہِ راست سوال پوچھا کرتا تھا۔

"بلیک ماسک ہم ہی ہیں۔ یہ لاماذیوں کے تشخص کی علامت ہے۔ ہم دس ہیں اور لاماذیوں کے مساوی حقوق کی خاطر جدوجہد کر رہے ہیں۔ ہمارا مقصد یہ ہے کہ سب انسان برابر کا درجہ حاصل کر لیں۔ اس لیے ہم پمفلٹ، پوسٹر اور بیانوں کے ذریعے اپنے موقف کی تبلیغ کر رہے ہیں اور..."

"اس کے علاوہ تم سب وے اسٹیشنوں کو تباہ کرنے کی بھی اپنے مطالبات منواتے ہو۔" ٹائیگر نے خوشگوار لہجے میں کہا

"نہیں۔ ہرگز نہیں۔" نوجوان کی آنکھیں نادیدہ سائے سے دوگنی ہو گئیں۔ "تم ہم پر یہ الزام نہیں لگا سکتے۔ کب... کیا تم پولیس سے تعلق رکھتے ہو... ہرگز نہیں۔ یہ کام ہم نے نہیں کیا۔ وہ کوئی اور ہو گا۔"

ٹائیگر نے گرے رہنے والے نوجوان کی طرف دیکھا، اور پھر کن انکھیوں سے اندازہ لگایا کہ ہوش میں آنے والے نوجوان کا دوسرا ساتھی اپنی جگہ سے غیر محسوس طریقے سے حرکت کر رہا ہے۔ وہ اُسے پانچ سیکنڈ دینے کو تیار ہو گیا۔ "کیا میں اس عمارت کا اندر سے جائزہ لے سکتا ہوں میرے دوست؟"

"نہیں، ہرگز نہیں۔ کیا تمہارے پاس تلاشی لینے کا وارنٹ موجود ہے؟"

اسی لمحے ٹائیگر ایک طرف ہٹ گیا اور کرسی عین اس جگہ آ کر گری جہاں وہ نصف سیکنڈ قبل کھڑا ہوا تھا۔ کرسی کے گرتے ہی ٹائیگر نے زقند بھری اور حیرت زدہ تیسرے لاماذی کے طمانچہ مار دیا۔ لاماذی نے ایک طرف چھلانگ لگا کر جیب میں ہاتھ ڈالا لیکن وہ مسلسل غلطی کر رہا تھا۔ ٹائیگر نے اپنی ٹانگ گھمائی اور لاماذی کا وہ ہاتھ لوٹ گیا جو جیب میں گیا تھا۔

لاماذی دوسرے ہاتھ سے ٹوٹی ہوئی کلائی پکڑ کر گرا اور کٹے ہوئے بکرے کی طرح تڑپنے اور ڈکرانے لگا۔

ٹائیگر اب اس نوجوان کی طرف پلٹا جو میز کے قریب کھڑا ہوا کانپ رہا تھا۔

"ہاں، تو مجھے کسی وارنٹ کی ضرورت ہے فرزند؟" ٹائیگر نے ابرو چھاتے ہوئے پوچھا۔

لاماذی کا سر بے اختیار دائیں بائیں نفی میں ہلنے لگا۔

"کیا میں اندر کا جائزہ لے سکتا ہوں؟"

"نفی... ضرور۔ کیوں نہیں۔" لاماذی کی حالت بہت خراب تھی۔ اس کے جوتوں کے قریب کی جگہ گیلی ہو گئی تھی اور وہ حواس باختہ ہو رہا تھا۔ "ہمارے پاس چھپانے کو کچھ بھی نہیں تھا..." اس کا لہجہ بھی اب نوحہ خانہ ہو گیا تھا۔ "یہ جھگڑا صرف اس وجہ سے ہوا کہ ہم... میرا مطلب ہے کہ یہ دونوں فرد دیسیوں کو اچھا نہیں سمجھتے تھے۔ ویسے آپ ہمیں یہ حق ضرور دیں گے کہ ہم اپنے لوگوں کے لیے جو بہتر سمجھیں وہ کریں۔ ہم پبلسٹی ایکسپرٹ ہیں اور لاماذی اقلیت کے کاز کا پروپیگنڈہ کرتے ہیں۔" یہ کہتے ہوئے وہ دو تین قدم آگے بڑھا اور ٹوٹی ہوئی کلائی والے نوجوان پر جھک گیا۔ "میں اسے اسپتال لے جانا چاہتا ہوں۔"

ٹائیگر نے منمنی ان منمنی کرتے ہوئے کہا۔ دروازے کو دھکا دیا مگر وہ مقفل تھا۔

"اس کمرے میں کیا ہے؟" اس نے پوچھا۔

"ایک ہال ہے جسے ہم نے کرائے پر اٹھا رکھا ہے..." لاماذی نے جواب دیا۔ "سنو..." اس کا لہجہ پھر بدل گیا۔ "میں یہ نہیں جانتا کہ تم کون ہو لیکن اتنی وضاحت کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ ہم انتہا پسند نہیں۔ ہم سب طالب علم ہیں۔ تعلقات عامہ میں مہارت رکھتے ہیں۔ ہم شور و غل مچا کر توجہ مبذول کرا سکتے ہیں لیکن ہم نے آج تک تشدد نہیں کیا۔ یہی وجہ ہے کہ پولیس کو ہم سے کبھی شکایت نہیں ہوئی۔"

"تمہارے عدم تشدد کے فلسفے کا بھرم ان دونوں کے جارحانہ حملے نے کھول دیا ہے۔" ٹائیگر نے دونوں زخمیوں کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"انھوں نے یہ حرکت محض جذبات میں آ کر کی ہے۔ ہمارے ایک ساتھی کو کچھ عرصہ قبل قتل کیا جا چکا ہے۔ بہرحال تم عمارت کی تلاشی لے سکتے ہو۔"

ٹائیگر کو یقین تھا کہ اُسے یہاں کچھ نہیں ملے گا۔ اُسے یہ لڑکے مخنتی، کاز کے لیے مخلص، ایماندار اور شریف نظر آئے تھے تاہم اس نے ہر دراز، ہر الماری کی تلاشی ضرور لی لیکن اُسے ایسا پرزہ یا پٹاخہ بھی نہیں ملا جس کی بنیاد پر بلیک ماسک کو دھماکوں میں ملوث کیا جا سکے۔ اُسے اخباروں کے لیے سینکڑوں تراشے نظر آئے جن میں لاماذیوں کے مظاہروں کی خبریں تھیں، ایک سائیکلو اسٹائل مشین ملی اور بلیک الماری میں ڈاک کے پرانے اور استعمال شدہ ٹکٹ۔

وہ سر ہلاتا ہوا نوجوان کی طرف پلٹا۔ اس نے جیب سے پانچ سو روپے کا نوٹ نکالا اور اس کی جیب میں ٹھونس دیا۔ "تم اسے کسی اچھے اسپتال لے جاؤ اور جب اسے ہوش آ جائے تو اس سے کہنا کہ جیب سے چاقو نکالنے کی کوشش دوبارہ کبھی نہ کرے بصورتِ دیگر مارا جائے گا۔" یہ کہہ کر وہ پلٹا اور دروازے سے نکل کر اپنی کار کی طرف بڑھ گیا۔ وہ ابھی تک اوبی کار... استعمال کر رہا تھا جو اس نے پہلی آتے ہی کرائے پر لی تھی اُسے یہ توقع بھی تھی کہ اگر وہ بلیک گولڈ کا پتا نہ چلا سکا تو کار بلیک گولڈ کی نظر میں آ جائے گی اور وہ لوگ خود ہی اس سے آ کر ٹکرا جائیں گے۔ اس نے جان بوجھ کر اپنے ارادوں کو مخفی نہیں رکھا تھا۔

اس نے اپنی اس گاڑی کو قدرے دھکے کے کھڑا کیا اور چند لمحوں بعد ہوٹل کی طرف واپس جانے لگا۔ اس نے گاڑی کی رفتار جان بوجھ کر کم رکھی تھی۔ اس کا پروگرام اپنے کمرے سے کچھ سامان لے کر ایک بار پھر ڈیلی پینگ کمپنی جانے کا تھا۔ تاہم اس وقت دن کے دو بجے تھے اور فی الوقت دن میں ڈیلی کمپنی جانا حکمتِ عملی کے منافی تھا۔

"حکمتِ عملی!" وہ زیرِ لب بڑبڑایا اور پھر مسکرانے لگا۔ شیلا کے واقعے نے شاید اس میں بنیادی تبدیلیاں پیدا کر دی تھیں ورنہ پہلے وہ حکمتِ عملی جیسے لفظ کو کبھی خاطر میں نہیں لاتا تھا۔

ہوٹل کے مرکزی دروازے پر خادم نے لپک کر دروازہ کھولا، دس روپے کے نوٹ سمیت کار کی چابی لی اور پھر ٹائیگر اس کی سمت دیکھے بغیر لفٹ کی سمت بڑھ گیا۔ اس کا کمرا ساتویں منزل پر تھا۔ لفٹ سے ساتویں منزل پر اُترتے ہی اس کی چھٹی حس اچانک بیدار ہو گئی اور اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ آدم خوروں کے واقعات کے بعد یہ پہلا موقع تھا

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

صاحب طرز ادیب قمر اجنالوی کی تاریخی کتب

پرتھال	۱۲۵/-	نئی دنیا	۲۰۰/-
پنڈارے	۱۰۰/-	لاڈو	۹۰/-
ولی عہد	۱۵۰/-	بغداد کی رات (اول دوئم)	۶۰۰/-
شمشیر	۱۵۰/-	دھرتی کا سفیر (اول دوئم)	۶۰۰/-
چاہ بابل	۴۰۰/-	مقدس مورتی (اول دوئم)	۴۰۰/-
سلطان	۴۰۰/-	جہان لوح وقلم	۱۷۵/-
جنگ مقدس	۱۵۰/-	غزالہ	۱۵۰/-
اور خان الغازی	۱۲۵/-		

مکتبہ القریش ○ اردو بازار لاہور۲

کو اُسے چھٹی حس کی موجودگی کا عملی احساس ہوا تھا۔

اس نے دروازے کے قریب پہنچ کر قفل کی طرف دیکھا دروازہ بند ضرور تھا مگر مقفل نہیں۔ وہ چوکنا ہوگیا۔ اس نے ایک طویل سانس لی اور پھر اس کی سانس خوشبو سے بھر گئی۔

اُس کے کمرے میں جو کوئی بھی تھا اس نے پرفیوم لگا رکھا تھا۔

وہ محتاط انداز میں دروازے کو دھکا دے کر چوکھٹ پر کھڑا ہوگیا اور پھر اچانک ہی وہ صوفے کے پیچھے سے کسی چیتے کی طرح طلوع ہوئی۔

"تم اپنے کمرے میں بہت کم وقت گزارتے ہو شہزادہ!" اس نے تبسم کی بجلیاں گراتے ہوئے کہا۔

"تم؟" ٹائیگر کے تنے ہوئے عضلات اچانک پُرسکون ہوگئے۔ "فی... فیروزہ!" اس نے جان بوجھ کر نام کے بیچ میں مکڑے کر ڈالے اور پھر مسکرانے لگا کیونکہ اُسے فیروزہ کے خوبصورت ہاتھ میں ایک خوبصورت اور چھوٹا سا پستول نظر آرہا تھا۔

"تم یقیناً باتھ روم میں چھپنا چاہتی تھیں مگر میری اچانک آمد کے باعث صوفے کے پیچھے بیٹھ گئیں۔ ویسے مجھے اس بات پر زیادہ خوشی نہیں ہوئی کہ سی آئی اے والے اب لڑکیوں سے بھی کام لینے لگے ہیں؟"

فیروزہ نے مسکرا کر پستول کی نال نیچی کرلی۔ "مجھے پستول کی کوئی ضرورت نہیں تھی شہزادہ۔ اس لیے کہ ہم دونوں دوست ہیں۔ ٹھیک ہے نا؟ کیا تمہارا تعلق فردوس سٹی سے ہے؟ بہرحال کہیں سے بھی ہو۔ میں تم سے بہت متاثر ہوئی ہوں۔" یہ کہتے رہتے اس نے پستول ایک چرمی بیگ میں ڈال لیا۔ وہ پوری آستین کے بلاؤز اور نیلی جینز میں ملبوس تھی۔ اس وقت اس کے بالوں کا اسٹائل پہلی ملاقات کے مقابلے میں بہت مختلف تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ بجلیاں گرانے کا مکمل سامان لے کر آئی ہو۔

وہ خاموشی سے اُسے دیکھتا رہا۔ اُسے روبی شدت سے یاد آرہی تھی۔

"سنو شہزادہ! مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔ میں صرف اتنا کہہ سکتی ہوں کہ تمہاری طرح ہی ایک پرائیویٹ سراغ رساں ہوں اور تمہیں کرنل کے بارے میں ایسی باتیں معلوم ہیں جو میں ہزار کوششوں کے باوجود معلوم نہیں کرسکی ہوں۔"

"اور تم نے مجھ سے یہ معلومات حاصل کرنے کے لیے

ہر حربہ استعمال کرنے کا تہیہ کر رکھا ہے فیروزہ!" ٹائیگر بدستور مسکراتا رہا۔ "خود کو میرے رحم وکرم پر چھوڑنے کے لیے بھی تیار ہو۔ کیوں؟"

"اوہ... تو میں اتنی پاگل نہیں ہوں لیکن سنو!" وہ ایک قدم آگے بڑھ کر بولی۔ "ہم ایک بڑا کارنامہ انجام دے سکتے ہیں۔ اگر بیک گولڈ اور ایسے ہی دوسرے گروپوں کو اسلحے کی فراہمی کے ایک بڑے ذریعے سے محروم کردیں تو یہ اس شہر اور ملک کے مفاد میں ہوگا۔"

"ہاں، میں اس ملک کے مفاد میں کچھ اور بھی کرنا چاہتا ہوں فیروزہ!" یہ کہہ کر اس نے پیروں کو معمولی حرکت دی اور پھر فیروزہ بھونچکی رہ گئی۔ شہزادہ نے پل بھر میں نہ صرف اس سے چرمی بیگ چھین لیا بلکہ اُسے اٹھا کر بیڈ پر بھی بٹھا دیا تھا۔ "تم... ذلیل..."

"ایک منٹ، گالی مکمل نہ کرو ورنہ تھپڑ پڑ جائے گا۔" ٹائیگر نے سنجیدگی سے کہا۔ "میں ریوالور بھی نکال سکتا ہوں اور میرے ریوالور میں گولیاں نہیں بے ہوش کردینے والی سوئیاں ہیں۔ سوٹ بے بی۔ بس خاموشی سے بیٹھی رہو۔"

"مم... میں سمجھی نہیں۔" فیروزہ کی آنکھوں میں خوف ہمسوین کر اتر آیا۔ "کیا تم مجھے بیک گولڈ کی ایجنٹ سمجھ رہے ہو؟"

"نہیں، مگر فی الحال تم پر اعتماد بھی نہیں کرسکتا۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ "میں محض اس وجہ سے کئی بار بچ گیا کہ میرے اساتذہ نے عورتوں پر اعتماد نہ کرنے کی نصیحت کر رکھی ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ حسین لڑکیاں خاص طور پر تادیدہ آکٹوپس کی طرح ہوتی ہیں لہٰذا ان کے قریب جانے سے قبل اُن کے پیر کاٹ پھینکا کرو۔ اب میں تم پر اعتماد کرنے کے لیے سب سے پہلے تمہارے بیگ کا تفصیلی جائزہ لوں گا۔"

فیروزہ سر ہلا کر رہ گئی۔

ٹائیگر نے چرمی بیگ کا تمام سامان میز کے اوپر اُلٹ دیا۔ بیگ سے پستول، ہیئر اسپرے، کنگھا، ایک چھوٹی سی کالی کتاب نکلی۔ اس کتاب کے صفحہ اوّل پر ہی شہزادہ کا نام اور ہوٹل کا کمرا نمبر لکھا ہوا تھا۔ ٹائیگر نے مطمئن انداز میں سر ہلاتے ہوئے کتاب واپس رکھ دی۔ پستول سے گولیاں نکال کر اپنی جیب میں ڈالیں اور پھر پستول سمیت ہر چیز بیگ میں واپس رکھ دی۔

"سس... سنو۔ پستول کی گولیاں تو میری ہیں۔" فیروزہ گھبرا کر بولی۔

"ہاں۔ میں نے ان پر اپنی ملکیت کا دعویٰ کب کیا؟" وہ ہنس کر بولا۔ "اب یونہی بیٹھی رہنا۔ حرکت نہ کرنا۔" ٹائیگر اس کے عقب میں آکر کھڑا ہوگیا اور اس نے فیروزہ کے بالوں میں انگلیاں پھیرنی شروع کردیں۔ وہ ایک پل کے لیے کانپ کر رہ گئی لیکن جب اُسے یہ احساس ہوا کہ وہ بالوں میں کچھ تلاش کر رہا ہے تو ایک طویل سانس لے کر ساکت ہوگئی۔ ٹائیگر کے ہاتھ پیشانی سے سر کے عقبی حصے تک پہنچ گئے اور معاً ہی اُس نے بالوں میں سے دو تار کھینچ لیے۔

"ہوں۔" وہ غرا کر بولا۔ "یہ نیا فیشن ہے فیروزہ؟"

تار فیروزہ کے بالوں سے نیچے بلاؤز تک چلے گئے تھے۔

مسنو! ٹائیگر نے دونوں تاروں کو بیچ میں سے توڑ کر کہا۔ "باتھ روم میں جاؤ اور جو کچھ بھی چھپا ہوا ہو وہ فوراً میرے حوالے کردو ورنہ میں خود..."

"نہیں۔" فیروزہ اُچھل کر کھڑی ہوگئی۔ پھر اس نے باتھ روم میں گھسنے میں دیر نہیں لگائی۔

دو منٹ بعد واپس آئی۔ اس کے ہاتھوں میں تاروں کے باقی ٹکڑے، تین انچ لمبا چاقو اور ایک بہت ہی چھوٹا سا ٹیپ ریکارڈر فون تھا۔ اس کا سائز بٹن سے زیادہ بڑا نہیں تھا۔

"یہ لو۔" وہ نظریں چرا کر بولی۔

"اور کچھ؟"

"نن... نہیں۔ خدا کی قسم نہیں۔" وہ گھبرا گئی اس کے لہجے میں جھوٹ کا عنصر تک نہ تھا۔

"اس کا مطلب یہ ہے کہ تم جہاں کہیں بھی رہو سی آئی اے والے تمہاری سرگرمیوں اور گفتگو تک سے باخبر رہ سکتے ہیں؟"

"کیا تمہارا تعلق سی آئی اے سے نہیں ہے؟" وہ اب بھی نظریں نیچی کیے ہوئے تھی۔

"جس روز میں سی آئی اے میں شامل ہوا، وہ دن میری زندگی کا آخری دن ہوگا فیروزہ۔ ویسے اس سامان کے برآمد ہونے سے یہ تو ثابت ہوگیا کہ تم "پرائیویٹ آئی" بہرحال نہیں ہو۔ پھر کون ہو؟"

"میں... میں ایک ایسی ہستی ہوں جو تمہاری مدد کرسکتی ہے بے وقوف۔" وہ تقریباً چلا اٹھی۔ "یقین کرو کہ میں تمہاری دشمن نہیں اور نہ ہی میرا تعلق ملک دشمنوں سے ہے۔" اس کی آنکھیں پھر بھر آئیں۔

"پھر؟" ٹائیگر نے تمام سامان الماری میں رکھتے ہوئے پوچھا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"شہزاد۔ دوستی کرلو۔ مجھے بھی ابھی تک اندازہ نہیں کہ تم کون ہو اور نہ ہی تم مجھ سے واقف ہو۔ اس کے باوجود ہم ایک دوسرے کی مدد کر سکتے ہیں۔ شاید میں تمہارے کام آسکوں۔ میری فرم ملک کے بڑے کمپیوٹر بینکوں سے منسلک ہے۔ ہم کوئی بھی بات صرف پانچ منٹ میں معلوم کر سکتے ہیں۔"

"کمپیوٹر؟" ٹائیگر کو بہرام کے کمپیوٹر یاد آگئے اور پھر ایک اچھوتا خیال اس کے ذہن میں ابھرا۔ بھلا میں بہرام کے کمپیوٹروں کا احسان کیوں لوں۔ اس نے دل ہی دل میں سوچا۔ "کیا تمہارے کمپیوٹروں میں مجرائم کا ریکارڈ بھی محفوظ رکھا جاتا ہے فیروزہ؟" اس نے پوچھا۔

"ہاں۔ کیوں نہیں۔" فیروزہ نے اپنے بے ترتیب بالوں کو درست کرتے ہوئے کہا۔ "میں نے تمہارے بارے میں بھی تصدیق دراصل کمپیوٹر سے ہی کرائی ہے۔"

"کیسی تصدیق؟" ٹائیگر کا دل یکبارگی زور سے دھڑک اٹھا۔ وہ اس نازک سی لڑکی کو ٹائیگر کا راز پا لینے کی سزا دینے کا تصور کرتے ہی افسوس اور دکھ محسوس کر رہا تھا۔

"یہی کہ تم جرائم پیشہ افراد کی فہرست میں شامل نہیں ہو۔ کار میں اس وقت ملاقات کے بعد میں نے نہ صرف تمہارا فنگر پرنٹ ذہن نشین کر لیا تھا بلکہ اپنے ریوالور پر تمہارے فنگر پرنٹ بھی لے گئی تھی۔ یاد ہے کہ تم نے میرے اس ہاتھ پر ہاتھ رکھا تھا جس میں ریوالور تھا۔ فنگر پرنٹس بھی یہ ثابت نہیں کر سکے کہ تم زیرِ زمین دنیا کے آدمی ہو۔"

"اوہ۔" ٹائیگر نے ایک طویل سانس لی اور مسکرانے لگا۔

"اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہارے کمپیوٹر میں میرا کوئی وجود نہیں۔"

"ہاں۔ لیکن تم بہرحال ایک وجود رکھتے ہو۔ اب بولو۔ تعاون کرو گے یا نہیں؟"

"ٹھیک ہے حسین جاسوس۔" ٹائیگر ایک لمحے کے لیے سنجیدہ ہو کر بولا۔ "اگر تم ایک شخص کے بارے میں معلومات فراہم کر سکو تو میں تمہیں گلشن آباد سے جانے سے قبل کرنل اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں سب کچھ بتا سکتا ہوں۔"

"تب پھر صبح میرے دفتر آجاؤ۔" فیروزہ کا چہرہ کنول کی طرح کھل اٹھا۔ اس نے پرس سے ایک کارڈ نکال کر اسے دیا۔ "میں اپنے کمپیوٹر کو تمہارا سوال فیڈ کر دوں گی۔ صبح کس وقت آؤ گے؟"

"نو بجے۔ ٹھیک ہے؟"

"بالکل ٹھیک۔ میں انتظار کروں گی شہزاد۔" وہ والہانہ لہجے میں بولی۔

"ویسے فیروزہ۔ تم بہت حسین ہو۔" ٹائیگر نے اقبال کرتے ہوئے کہا اور اس کے والہانہ لہجے کا اسی شدت سے جواب دیا۔ جب وہ واپسی کے لیے پلٹی تو اس کا چہرہ گلنار ہو رہا تھا۔ وہ آہستہ سے بولی۔ "مجھے خوشی ہے کہ تم نے مجھے بالکل بے بس کر کے بھی کوئی ناجائز فائدہ نہیں اٹھایا۔ تم بہت اچھے ہو دوست۔"

ٹائیگر اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ دروازہ بند ہوا تب بھی اس کا دل اچھل پھل رہا۔ اس پر عجیب سی کیفیت طاری رہی۔ اسے فیروزہ کی بڑی بڑی آنکھیں بہت دلکش لگی تھیں اور واقعتاً اس وقت اس کی بری حالت تھی۔

اس نے سر جھٹکا۔ کنول کا آسن بنا کر بیٹھا اور پھر اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ پہلی ہی سانس کھینچ کر اسے ایسا لگا جیسے پورا جسم پُرسکون ہو رہا ہو۔ دل کی بے ترتیب دھڑکنیں اپنا کھویا ہوا ربط واپس حاصل کر رہی ہوں اور تلوؤں کی جلن آہستہ آہستہ تلوؤں سے نکل رہی ہو۔

پھر جب اس نے آنکھیں کھولیں تو وہ پوری طرح پُرسکون تھا۔ ذہن سے رنگین دھندلکا چھٹ گیا تھا اور وہ سوچ رہا تھا ... کہ فیروزہ پر اندھا اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ وہ ملک دشمنوں کی ایجنٹ بھی ہو سکتی ہے۔ ویسے اگر وہ واقعی دشمنوں کے ساتھ نہیں تو وہ کرنل کو پیٹ میں سجا کر فیروزہ کے سامنے پیش کرنے پر تیار تھا لیکن اس سے قبل اسے یقین کر لینا تھا کہ ڈیلی آئل پینگ کے پس پشت واقعی کوئی حقیقی میٹر ڈیلی کام کر رہا ہے۔ اس نے فیروزہ پر نظر رکھنے کا فیصلہ کیا کیونکہ وہ ابھی تک اس پر مکمل اعتماد کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ وہ اتنی ہی خوب صورت تھی کہ وہ شیلا کے بعد دوسری مرتبہ زک اٹھا سکتا تھا لیکن اب وہ اس قسم کی کوئی زک اٹھانے سے ہر قیمت پر بچنا چاہتا تھا۔

پانچ بجے ٹی وی خبریں شروع ہوئیں اور ٹی وی سے ایک عام سی خبر نشر ہوئی۔ اس کے بعد دوسری خبریں ٹیلی کاسٹ ہوئیں اور پھر یہ بتایا گیا کہ انسپکٹر بادل نامی افسر کی کارکردگی سے پرجل کر راکھ ہو گئی ہے اس میں انسپکٹر کی لاش بھی ملی ہے۔ تاہم اس کے علاوہ کوئی انکشاف نہیں کیا گیا۔

اس نے تیزی سے چینل بدلا اور ہر ٹی وی کی

خبریں سننے لگا۔ یہاں اسے اصل واقعے کا علم ہوا۔

"پولیس نہ صرف دو کروڑ روپے کو ڈھونڈ چکی بلکہ یہ بھی معلوم نہ ہو سکا کہ بلیک میلر کون ہیں۔ بلیک گولڈ جو کوئی ہے پولیس گرد پولیس کی ناراضی پر اس وقت جشن منا رہا ہوگا۔ ہمیں قابلِ اعتبار ذرائع سے اطلاع ملی ہے کہ بلیک گولڈ کو رقم کی ادائیگی کا فیصلہ صرف ایک شخص میئر کا تھا اور حکمتِ عملی یہ تھی کہ رقم لینے کے لیے آنے والے کو دبوچ لیا جائے لیکن اس کوشش میں نہ صرف رقم ہاتھ سے گئی بلکہ ایک جہاندیدہ افسر بھی ہلاک ہو گیا۔ ہمارے بقول یہ شبہ کا کھٹکا ہے کہ بلیک گولڈ کے حوصلے اور بڑھیں گے۔"

ٹائیگر نے سوئچ آف کر دیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر وہ خود بلیک گولڈ کا رکن ہوتا تو کیا کرتا۔ یہی تجویز رکھتا کہ شہر پر ایک اور حملہ کیا جائے۔

اس نے ڈیلی کپینی جانے کا ارادہ ترک کر دیا۔ اس نے بہرام کو بھی فون نہیں کیا۔ اب وہ از خود سارے کام کرنا چاہتا تھا اور اس کے لیے اسے بہرحال فیروزہ کے دفتر جانے کی ضرورت تھی۔ ڈیلی کے خلاف کوئی کام کی بات اسے وہیں سے ملنے کی توقع تھی اور وہ کوئی ثبوت حاصل کیے بغیر کسی پر ہاتھ ڈالنا نہیں چاہتا تھا۔

اس نے بہرام کے چینی دوست تاجر لی وانگ کے اسٹور میں پھر فون کیا۔ اس بار کسی عورت نے فون اٹھایا تھا۔

"ہیلو... خانون! میں پروفیسر بہرام کا ایک اچھا دوست ہوں۔ جو یونیورسٹی آف میڈیسن کے رجسٹرار تھے۔"

"اوہ۔" عورت حیرت و مسرت سے چیخ اٹھی۔ "وہ کہاں ہے اس سے تو برسوں ہوئے ملاقات نہیں ہوئی؟"

"وہ آج کل بیرونِ ملک مقیم ہیں اور میں انہی کے کام سے فردوس آیا ہوں۔ انہوں نے مجھے ہدایت کی تھی کہ میں مسٹر لی وانگ سے ضرور ملاقات کروں۔"

"ایک منٹ ہولڈ کرو۔" عورت نے نرم لہجے میں کہا اور پھر تیس سیکنڈ کے بعد اس نے ایک اور ٹیلی فون نمبر دیا۔ "وانگ اس نمبر پر ملیں گے۔"

ٹائیگر نے نمبر ملایا۔ دوسری طرف سے ایک نرم اور شائستہ آواز سنائی دی۔ "فرمائیے؟"

"مسٹر وانگ۔" ٹائیگر نے ایک بار پھر بہرام کا حوالہ دیا۔

"اچھا۔" وانگ کا لہجہ بدل گیا۔ "کیا تم مجھے بہرام کا خلیہ بتا سکتے ہو۔ میں محتاط رہنا چاہتا ہوں۔"

یہ کوئی مسئلہ ہی نہیں تھا۔ اس نے چند جملوں میں بہرام کا نقشہ کھینچ کر رکھ دیا۔

"ٹھیک۔" وانگ قدرے توقف کے بعد بولا۔ "ویسے کیا تم یہ جانتے ہو کہ وہ یونیورسٹی میں رجسٹرار کب تک رہا؟"

"وہ کسی یونیورسٹی میں کبھی رجسٹرار نہیں رہے جناب۔"

"گڈ۔" وانگ کے لہجے میں نرمی واپس آگئی۔ "میں نے اتنی احتیاط اس لیے برتنی ضروری سمجھی کہ کچھ لوگ مجھے نقصان پہنچانا چاہتے ہیں۔"

"کیا تائیوانی یا چینی ہیں جناب؟"

"ہاں۔"

"اور کیا ان میں سولن نامی لڑکی بھی شامل ہے؟"

"اوہ۔" وانگ نے ایک طویل سانس لی۔ "تو تم بھی گناہ کی اس پوٹ سے واقف ہو لڑکے۔"

"جی ہاں۔ اس نے مجھے آج صبح گولی مارنے کی کوشش کی تھی مگر ناکام رہی۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تم اس کے دشمنوں میں سے ہو؟"

"جی ہاں۔ میں تائیوانی اور لامازی اتحاد کا قلع قمع کرنے کے لیے آیا ہوں۔ کل شاذولین سے بھی میری ملاقات ہو چکی ہے مسٹر وانگ!"

"وہ نیک اور شریف آدمی ہے۔" وانگ نے کسی بخل سے کام نہیں لیا۔ "سولن کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟"

"مجھے یقین ہے کہ وہ بلیک گولڈ میں شامل ہے یا اس کے ساتھ ہے۔ کیا آپ مجھے کوئی ایسا راستہ بتا سکتے ہیں جس پر چل کر میں بلیک گولڈ کا خاتمہ کر سکوں۔" ٹائیگر نے سوال تو کر لیا مگر ساتھ ہی یہ سوچے بغیر نہ رہ سکا کہ اس میں واقعی تب دیکھی آگئی ہے۔ وہ دوسروں سے رہنمائی حاصل کر رہا ہے۔

"تم مجھے کسی خالی مندر میں ایک گھنٹی کی صدا سنائے بازگشت لگ رہے ہو بیٹے۔" وانگ نے دھیرے سے کہا۔

"لیکن اس بدمست میں ہی وہ دینے والا تاجر؟"

"میں آپ سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔ آخر ملت میری کار تمہیں لینے پہنچ جائے گی۔" وانگ نے جواب دیا۔

"میں ہوٹل ملی شلن کے سامنے موجود رہوں گا۔" ٹائیگر نے فوراً کہا۔

"ٹھیک ساڑھے چھ بجے۔ کہ کہیں نہیں رہوں گا۔"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

پسنجر سیٹ کے ونڈ شیلڈ پر ایک کاغذ لگا ہوگا۔ نیلی مرسیڈیز ہوگی۔" یہ کہہ کر وانگ نے ریسیور رکھ دیا۔

"دھت تیرے کی۔ سب ہی پُراسرار بن رہے ہیں۔" ٹائیگر بڑبڑایا۔ "اسے اُمید تو نہیں تھی کہ وانگ کار آمد ثابت ہوگا۔ تاہم وہ کسی بھی پہلو کو نظر انداز کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اُسے کسی فردِ واحد کو نہیں پورے گروپ کو ختم کرنا تھا اور اس کے لیے سب کا بے نقاب ہونا ضروری تھا۔

ٹھیک چھ بج کر پچیس منٹ پر وہ ہوٹل سے نکل آیا اور ٹھیک چار منٹ بعد نیلی مرسیڈیز نظر آئی۔ ڈرائیور نے اُسے دیکھتے ہی گاڑی روکی، کود کر عقبی دروازہ کھولا اور ٹائیگر اس کی طرف دیکھے بغیر گاڑی میں بیٹھ گیا۔ تاہم اُسے اندازہ تھا کہ چینی ڈرائیور نے اُس کے بائیں پہلو میں کولٹ کمانڈر کا اُبھار محسوس کر لیا ہے۔ وہ تقریباً دو فرلانگ دور پہنچے تھے کہ ڈرائیور نے گاڑی روک دی اور پل بھر میں ایک اور آدمی سائے سے نکل کر گاڑی میں بیٹھ گیا۔ وہ بھی چینی تھا۔

"میں آپ کو سلام پیش کرتا ہوں پروفیسر بہرام کے دوست۔" اس شخص نے کہا۔ "نام نہ بتائیں تو بہتر ہی ہے کیونکہ آپ اپنا اصلی نام بہرحال ظاہر کرنا پسند نہیں کریں گے۔"

ٹائیگر نے نیم تاریکی میں اس پستہ قامت شخص کو بغور دیکھا۔ گاڑی ہیڈ لائٹس کی روشنی میں آ چکی تھی۔ وہ ساٹھ سال کی عمر کا تھا اور اُس کے کئی دانت سونے کے تھے۔

"میں تمہیں اپنے اس پُراسرار انداز کی وجہ ضرور بتاؤں گا۔" اُس نے کہا اور تب ہی ٹائیگر نے آواز پہچان لی۔ یہی وانگ تھا۔ "بعض تائیوانی غنڈوں نے مجھے قتل کرنے کا حلف اُٹھایا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میں اُن کے اس منصوبے کا مخالف ہوں کہ لامانی لینڈ، فردوس سے الگ ہو جائے اور ایک وجہ یہ بھی ہے کہ مجھے سازش کا پتا ہے۔ میں نے مقامی چینی باشندوں کو اس سازش میں شامل نہیں ہونے دیا ہے۔ اسی باعث لامانی تائیوانی گٹھ جوڑ میرے خلاف ہے۔"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ مقامی چینی باشندے ان تمام حرکتوں سے الگ تھلگ ہیں۔"

"سو فی صد۔" وانگ نے کہا۔ "سولن بہرحال چینی ہے لیکن اُس کی پرورش تائیوان میں ہوئی ہے۔ میں نے اپنے تمام ساتھیوں اور اُن لوگوں کو جو میرا کسی نہ کسی وجہ سے احترام کرتے ہیں ہمیشہ یہی ہدایت کی ہے کہ وہ بلیک گولڈ کے چکر میں نہ پڑیں کیونکہ یہ براہِ راست فیرمکی مفادات کے تحت ہے۔ میں نے اس سلسلے میں جب ان لوگوں کو بے نقاب کرنے کی کوشش کی تو وہ میری زندگی کے درپے ہو گئے لہٰذا میں زیرِ زمین چلا گیا۔ میں نے خفیہ طور پر تحریک چلائی کہ ہر چینی نژاد فردوسی اُس لڑکی کے بھیانک کھیل میں اُس سے ہرگز تعاون نہ کرے۔ اس لڑکی کے ہاتھ خون آلود بھی ہیں۔ وہ پہلے ہی دو افراد کو قتل کر چکی ہے اور وہ دونوں میرے قریبی دوست تھے۔"

"کیا آپ کو علم ہے کہ وہ کہاں سے آپریٹ کرتی ہے؟ اُس کا ہیڈ کوارٹر کہاں ہے؟"

"کاش مجھے علم ہوتا۔" وانگ نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "اس ضمن میں میں بہرحال تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ میں صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ اس کا اصل ہیڈ کوارٹر بیرونِ ملک سامراجی ملک کے ایوانِ صدر میں ہے۔ وہیں سے اُسے ہدایات ملتی ہیں۔ سولن یقیناً اُس ملک کی انٹیلی جنس میں کسی اعلیٰ عہدے پر فائز ہوگی۔"

"آپ نے کبھی دورانِ گفتگو اس کی زبان سے کسی کا نام یا کسی جگہ کا نام سنا؟"

"نہیں۔ وہ بہت محتاط عورت ہے فرزند۔" وانگ نے جواب دیا۔

"آپ نے ڈیلی نامی کسی شخص یا ڈیلی آٹو پینٹنگ کمپنی کا نام تو سنا ہوگا؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"نہیں۔ مجھے جو کچھ معلوم تھا وہ میں تمہیں بتا چکا ہوں اور اب میں ایک بار پھر زیرِ زمین چلا جاؤں گا۔"

ٹائیگر نے کار رُکنے کا احساس کیا اور کھڑکی سے دیکھا۔ گاڑی ایک بار پھر ہوٹل علی شان کے سامنے کھڑی تھی۔ دربان نے دروازہ کھولا تو ٹائیگر اُتر گیا۔

"بہت بہت شکریہ جناب۔" اُس نے پورے خلوص سے کہا۔ ٹائیگر نے کبھی کسی کا شکریہ ادا نہیں کیا تھا لیکن وہ اُس پستہ قد چینی کا احترام کرنے پر مجبور تھا۔ یہ غیر ملکی فردوس کا وفادار تھا اور صرف یہی ایک بات اُسے وانگ کا احترام کرنے پر مجبور کر رہی تھی۔ وہ اس وقت تک کھڑا رہا جب تک مرسیڈیز آنکھوں سے اوجھل نہیں ہو گئی۔

☆

وہ معمول کے مطابق علی الصباح بیدار ہوا۔ اُس نے معمول کے مطابق ورزشیں کیں، سائنس کی ورزش سب سے آخر میں کی اور نہانے کے لیے باتھ روم میں گھس گیا۔

ابھی وہ اپنے جوگر شوز پہن ہی رہا تھا کہ ٹی۔ وی نے اُسے روک کر ایک غیر معمولی اعلان کیا۔

یہ اعلان بگ ڈیڈی کے پروگرام کے دوران دراصل ریکارڈ کیا گیا تھا اور اس وقت ایک نیوز کاسٹر اسے پیش کر رہا تھا۔

"خواتین و حضرات! یہ پیغام بگ ڈیڈی نے اپنے اسٹوڈیو میں اس وقت ریکارڈ کیا جب وہ ایک پروگرام کی ریہرسل میں مصروف تھے۔ یہ اے۔ ایم ریڈیو اسٹیشن کی ویوز پر ریکارڈ ہُوا۔ یاد ہے نا؟ بگ ڈیڈی ہی نے بلیک گولڈ کے بارے میں پہلی خبر نشر کی تھی اور اسی نشریے میں سب سے اسٹیشن کی تباہی کا پہلی مرتبہ انکشاف کیا گیا تھا۔ تازہ ترین دھمکی بھی شہریوں کے لیے پہلی وارننگ کی طرح خطرناک ثابت ہو سکتی ہے۔ لیجیے۔۔۔!

بلیک گولڈ کے ایک گمنام ترجمان کا پیغام سُنیے۔"

یہ کہتے ہوئے نیوز کاسٹر نے ایک بٹن دبایا اور اُس کی زیرِ رکھا ہُوا چھوٹا سا ٹیپ ریکارڈر چلنے لگا۔

ٹائیگر بہت دلچسپی سے یہ سب کچھ سُن رہا تھا۔

"ہیلو! فردوسیو! گلشن آباد، فردوس اور گلستان آباد کے مکینو! سُن لو! یہ پیغام غور سے سُنو۔ تمہارے سیاہی اور سُراغ رساں ناکام ہو چکے ہیں۔ انھوں نے تمہیں مایوس کیا ہے۔ انھوں نے بلیک گولڈ کی بلیوں کو دو کروڑ روپے ادا کر دیے ہیں، دو کروڑ روپے۔۔۔ مگر یہ تو آغاز ہے۔ پہلی قسط ہے۔ اب ہمارا نشانہ ٹی وی اور ریڈیو کی تنصیبات ہوں گی۔ ہم پولیس کے متعلقہ مراکز کو بھی ہدف بنائیں گے تاکہ پولیس کا اعصابی نظام تباہ ہو جائے۔۔۔ اس کے بعد ہم ایک نئی قیامت برپا کریں گے۔۔۔ اور ہاں۔۔۔ اگر حکمرانِ امیر اور شہر کے حکمران صرف تین کروڑ روپے کی ادائیگی پر رضامند ہو جائیں تو۔۔۔ تو بات بن سکتی ہے۔ ہم حملے نہیں کریں گے اگر تین کروڑ روپے سے آگ سرد ہو سکتی ہے تو یہ سودا مہنگا نہیں یارو! تین کروڑ روپے تین سوٹ کیسوں میں رکھ کر سوٹ کیسوں کو ایک ہنڈا کار میں رکھ دینا یہ سامان لانے والا پولیس مین نہ ہو۔ ویسے پہلی قسط کی ادائیگی کا طریقہ ہمیں بہت پسند آیا۔ اگر میئر اسی طرح تعاون کرتا رہا تو گلشن آباد میں ایک گولی بھی نہیں چلے گی، کوئی بم نہیں پھٹے گا۔ میرا مشورہ اُسے ہے جس سے پہلے بات ہوئی تھی کہ وہ آج تین بجے کے لگ بھگ اپنے ٹیلی فون سے قریب رہے تاکہ مزید ہدایات دی جا سکیں۔"

نیوز کاسٹر نے فون کا ٹیپ بند کر کے بڑی سنجیدگی سے کیمرے کی طرف دیکھا۔ "خواتین و حضرات! بلیک گولڈ کی طرف سے یہ نئے مطالبات اور نئی دھمکیاں ہیں۔ خیال ہے کہ اس گروپ کا ہیڈ کوارٹر شہر ہی میں کہیں ہے۔ تاہم پولیس کو گروپ کی کمین گاہ اور کسی ایجنٹ کی گرفتاری کے امکان میں مکمل ناکامی ہوئی ہے۔۔۔ صورتِ حال یہ ہے کہ بلیک میلر بڑے آرام سے سرکاری خزانے سے مطالبوں کے مطابق رقم نکلوا رہے ہیں۔ گلشن آباد اُن کے لیے سونے کی چڑیا ثابت ہو رہا ہے۔"

ٹائیگر نے حقارت سے سر جھٹکتے ہوئے ٹیلی ویژن سیٹ آف کر دیا۔ تاہم اُسے اندازہ تھا کہ بلیک گولڈ کی نئی دھمکی پر اگر عمل ہو گیا تو کتنی زبردست تباہی مچے گی۔ ٹی۔ وی، ریڈیو اور پولیس وائرلیس کی تمام تنصیبات فلک بوس عمارتوں کے اُوپر تھیں اور ان کی تباہی کا مطلب ان عمارتوں کا انہدام تھا۔

اُس نے تیزی سے ٹائمز پر نظر دوڑائی مگر اخبار میں ڈیلی آٹو پینٹنگ کمپنی میں ہونے والے کسی ہنگامے یا کسی اجنبی کے گھس جانے کی کوئی خبر نہیں تھی۔ اب اُسے یقین ہونے لگا تھا کہ ڈیلی آٹو پینٹنگ کمپنی کا اُس گروپ سے ضرور کوئی تعلق ہے۔

☆

وہ مقررہ وقت سے پندرہ منٹ قبل ہی فیروزہ کے دفتر پہنچ گیا۔ یہ ایک بڑا کمپلیکس تھا اور یہاں کام شروع ہو چکا تھا۔ سولہویں منزل کے بورڈ سے اُسے منزل کی تلاش میں آسانی ہو گئی۔ اُس پر لکھا تھا: ڈائی گونسٹک سینٹر۔

ٹائیگر کو معالجہ چارہ گر کا سینی ٹوریم یاد آ گیا۔ وہاں بھی علاج معالجے کی آڑ میں دوسرے کام ہوتے تھے جو ٹائیگر کو بتائے جاتے تھے۔

ریسپشن کلرک فیروزہ سے زیادہ نہیں تو کم بھی نہیں تھی۔ اُس کے چہرے پر بھولپن تھا اور لبوں کی طرح آنکھیں بھی مسکرا رہی تھیں۔

"کیا میں آپ کی کوئی خدمت کر سکتی ہوں جناب؟" اُس نے عام سے لباس میں وجیہہ نوجوان کو دیکھ کر پوچھا۔ ویسے یہاں اُسے عام طور پر بزنس سوٹ میں ملبوس لوگ ہی نظر آتے تھے۔ اس سے پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کوئی اس طرح محض جینز، قمیص اور

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ہوٹنگ شوز میں یہاں گھس آیا ہو۔

"میں مس فیروزہ سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"مسٹر ور۔" لڑکی مسکراتی رہی۔ "آپ نے یقیناً ملاقات کا وقت لے رکھا ہوگا؟"

دو منٹ بعد ایک اور خوبصورت لڑکی نے اس کی رہنمائی ایک ایسے کمرے کی طرف کی جس پر پیتل کی تختی لگی ہوئی تھی اور فیروزہ کا نام لکھا ہوا تھا۔

کمرے کی سجاوٹ، فیروزہ کے حسن نظر کا پرتو تھی۔ میز کرسی کے بیٹھنے کی جگہ کے سوا ہر طرف پھول ہی پھول تھے۔ قالین دیوار کی رنگت کا تھا۔ لکڑی کے فرنیچر کے ساتھ ساتھ دیواریں بھی نفاست کا منہ بولتا ثبوت تھیں۔ ان پر آئل پینٹنگ لگی ہوئی تھیں۔ میز پر صرف ایک فائل فولڈر رکھا ہوا تھا۔

وہ اُسے دیکھتے ہی کھڑی ہوگئی۔ اس کا چہرہ گلنار ہوگیا اس نے سفید شلوار سوٹ پہن رکھا تھا اور سیاہ دوپٹہ شانوں سے ڈھلک رہا تھا۔

"ہیلو! اگر چاہو تو کوئل کی طرح آج بھی میرے بالوں کی تلاشی لے کر کوئی چیز برآمد کر سکتے ہو شہزاد!" اس نے مترنم قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

"نہیں!" ٹائیگر مسکرانے لگا۔ "میں فی الوقت تمہارے کمپیوٹروں کی کارکردگی دیکھنا چاہوں گا۔"

"تمہیں اپنا وعدہ یاد ہے۔"

"کیسا وعدہ؟"

"یہی کہ اپنی مطلوبہ معلومات حاصل کرنے کے بعد مجھے گودام کا پتا بتا دو گے۔"

"ضرور... لیکن آج نہیں۔"

"پھر کب؟ وہ پژمردہ سی ہوگئی۔

"دو تین دن بعد۔"

"اُف..." فیروزہ منہ بنا کر بولی۔ "خیر میں جانتی ہوں کہ اس پیشے میں ہر شخص مطلبی ہوتا ہے۔ تم اپنے شکار کا نام بتاؤ۔"

"شاید ڈیلی..." ٹائیگر اس کی خفگی پر ہنس پڑا۔ "وہ ڈیلی آٹو پینٹنگ کمپنی کا مالک بھی ہے۔ مجھے اس مردود کا پورا نام نہیں معلوم۔"

"ابھی دیکھ لیتے ہیں۔" فیروزہ نے اُسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے خود بھی کرسی سنبھال لی اور پھر یکے بعد دیگرے انٹر کام اور ٹیلی فون پر کسی کو ہدایات دے کر شہزاد کی طرف دیکھنے لگی۔ شہزاد اس وقت آئل پینٹنگز دیکھ رہا تھا۔ ایک ہی منٹ بعد ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ فیروزہ نے ریسیور اُٹھا کر کچھ سُنا اور پھر پنسل اُٹھا کر کچھ نوٹ کرنے لگی۔ اس کے بعد اُس نے ایک طویل سانس لے کر ریسیور رکھ دیا۔

"تمہارے مطلوبہ آدمی کا نام عبدل ڈیلی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ لامازی مسلمان ہے۔ اس کا نام کمپیوٹر کو فیڈ کر دیا گیا ہے اور کچھ ہی دیر بعد اس کے کرتوتوں کی فہرست تمہارے سامنے پیش کر دی جائے گی پرنس۔"

"پرنس..." ٹائیگر منہ کھولے رہ گیا۔

"ہاں نہ جانے تمہیں دیکھ کر ایسا کیوں محسوس ہوتا ہے جیسے کسی ریاست کا شہزادہ سامنے بیٹھا ہو۔"

"فیروزہ۔" ٹائیگر بے اختیار ہنس پڑا۔ "مجھے محض شہزاد ہی رہنے دو۔ ورنہ میرا اُستاد یہ سُن کر کہ کسی نے مجھے پرنس کہا ہے اتنی زبردست مشقیں کرائے گا کہ میری ہڈیاں تک چلا اُٹھیں گی۔"

"اُستاد..." فیروزہ نے حیرت سے پوچھا۔ "کیا تمہارا کوئی اُستاد بھی ہے؟"

"ہاں اور وہی میرا لامازی باپ بھی۔"

"کمال ہے۔ میرا خیال تھا کہ تم اُستادوں کے اُستاد ہو۔" فیروزہ ہنس پڑی۔ "مجھے اُس سے ملواؤ گے؟"

"اگر اُس نے ضروری سمجھا تو تم سے خود ہی مل لے گا۔ وہ ایسا ہی آدمی ہے۔ ویسے تم لوگ یہاں کیا کام کرتے ہو؟"

"مرض کی تشخیص۔"

"کیا عبدل بھی کوئی مریض ہے جس کا ریکارڈ کمپیوٹر میں محفوظ ہوگا؟"

"شاید وہ بذاتِ خود کوئی مرض ہے اور ہم ہر مرض کے بارے میں تمام تر اطلاعات محفوظ رکھنا پسند کرتے ہیں تاکہ اس کا علاج بھی کیا جا سکے۔"

"اور اس کام کے عوض تم سی۔ آئی۔ اے سے کتنی رقم لیتی ہو؟"

"افوہ..." فیروزہ نے مصنوعی برہمی سے کہا۔ "پھر وہی سی۔ آئی۔ اے۔۔۔" یہ کہہ کر اُس نے بات ٹالنے کے لیے انٹر کام کا بٹن دبایا۔ "پرنٹ لے کر آؤ۔" اس کا لہجہ اس مرتبہ سپاٹ تھا۔

چند لمحوں بعد ایک سانڈ ڈور کھلا اور دُبلی پتلی سی ایک لڑکی کمپیوٹر کے دو پرنٹ آؤٹ لے آئی۔ دونوں شیٹ ایک ایک فٹ لمبی تھیں۔ فیروزہ نے پہلی شیٹ دیکھی وہ مسکرائی اور پھر اس نے ٹیلی فون پر کسی کو ہدایات دے کر شہزاد کی طرف دیکھنے لگی۔ شہزاد

نے شیٹ شہزاد کی طرف بڑھا دی۔

"ڈیلی... عبدل... اے کے اے ڈیلی۔ جینز۔ عمر ۲۵ سال لامازی۔ قد ساڑھے چھ فٹ۔ وزن ۹۰ پاؤنڈ۔ لامازی لینڈ میں پیدا ہوا۔ والدیت نامعلوم۔ چھ سال کی عمر میں یتیم خانے میں داخل کیا گیا جہاں سے آٹھویں مرتبہ فرار ہوا۔ چالو باز۔ بلوغت کے زمانے میں پہلی بار مقدمہ چلا مگر بری ہوگیا۔"

"بس؟" ٹائیگر نے مایوسی سے سر ہلایا۔ "اور کچھ نہیں مل سکتا؟"

"نہیں، اتنے مایوس مت ہو۔" فیروزہ ہنس پڑی۔ "یہ پہلی قسط تھی۔ اب ماسٹر کمپیوٹر سے اُس کا فوجی ریکارڈ، ایف۔ بی۔ آئی اور سوشل سکیورٹی ریکارڈ کی اطلاعات معلوم کی جائیں گی۔"

ٹائیگر نہ چاہتے ہوئے بھی فیروزہ کو غور سے دیکھنے لگا۔ اسے اس لڑکی کی ہر حرکت سحر انگیز معصومیت لئے نظر آ رہی تھی۔ "فیروزہ۔" اُس نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "میں ابھی تک تمہیں نہیں سمجھ سکا۔"

فیروزہ کی دلکش آنکھیں کمپیوٹر پرنٹ آؤٹ سے ہٹ کر ٹائیگر کے چہرے کا طواف کرنے لگیں۔ اس وقت خود فیروزہ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا جواب دے۔ اُس نے ایک مرتبہ پھر نظریں پرنٹ آؤٹ پر جما دیں لیکن اب وہ پرنٹ آؤٹ کو نہیں پڑھ رہی تھی۔

"یہاں تمہارا کوئی دوست بھی ہے؟"

"دوست نہیں، منگیتر ہے۔" وہ شرما گئی۔ "اور اس سے دو سال ہوگئے ملاقات نہیں ہوئی۔ امریکہ میں ہے۔" یہ کہتے ہوئے اُس نے دوسرا پرنٹ آؤٹ بھی ٹائیگر کی طرف بڑھا دیا۔ یہ عبدل کے بچپن سے سن بلوغت تک کے جرائم کا ریکارڈ تھا لیکن چار سال قبل سے اب تک کا کوئی جُرم اس میں درج نہیں تھا اور اس سے یہی مطلب اخذ کیا جا سکتا تھا کہ عبدل جرائم سے کنارکش ہو چکا ہے۔

"گودام کا پتا اب تو بتا دو شہزاد۔" فیروزہ ایک طویل سانس لے کر بولی۔

"تھوڑا سا صبر کرو۔" ٹائیگر نے نرم لہجے میں کہا۔ اسی لمحے دُبلی پتلی لڑکی چند دوسرے کاغذات لے آئی تو ٹائیگر نے اس بار خود ہی اُس کے ہاتھ سے کاغذات لے لیے اور تیزی سے پڑھنے لگا۔

"عبدل ڈیلی۔ اے کے اے ڈیلی جینز۔ عمر ۲۵ سال۔ لامازی۔ فوج میں ترتیب حاصل کر چکا ہے۔ گولا بارود اور ہر قسم کے ہتھیاروں کا بھرپور تجربہ رکھتا ہے۔"

"اگر۔" ٹائیگر سر ہلانے لگا۔ "مگر ابھی تک میں تشنہ ہوں فیروزہ۔"

"پانی پی لو۔" وہ بڑی معصومیت سے بولی اور پھر خود ہی کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"یہ کام بھی بعد میں کروں گا۔ فی الحال تشنگی سے میری مراد یہ ہے کہ عبدل کے بارے میں منشیات کا پہلو کمپیوٹر بھی نظر انداز کر رہا ہے۔ کیا یہ شخص کبھی منشیات کے دھندے میں ملوث نہیں رہا؟"

"ہاں اس میں اس کا کوئی ذکر نہیں۔" فیروزہ سنجیدگی سے بولی۔ "اور اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس شعبے میں اُس کا ریکارڈ بے داغ ہے۔"

"تب اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ آسکریم بیچتا ہوگا۔" ٹائیگر نے اتنی سنجیدگی سے کہا کہ فیروزہ قہقہے لگانے لگی۔ اُس کے عارض سُرخ ہوگئے اور سفید موتی جیسے دانت نظر آنے لگے۔ ٹائیگر اُس کے قہقہوں سے محظوظ ہوتا ہوا یہی سوچ رہا تھا کہ جس شخص کا نام سولن کے ساتھ لیا جاتا ہو وہ منشیات کے کاروبار میں ضرور ملوث ہوگا کیونکہ یہ بات یقینی تھی کہ سولن کا تعلق اس ملک سے ہے جو بیرونِ ملک منشیات کے فروغ اور اسمگلنگ کو بھی زرِ مبادلہ کے حصول کا سب سے بڑا ذریعہ سمجھتا ہے۔ وہ ایک بار پھر وانگ سے رابطہ قائم کرنے پر غور کرنے لگا۔

"کیا پرنٹ آؤٹ میں ساتھ لے جا سکتا ہوں فیروزہ؟" اُس نے اُٹھنے کی تیاری کرتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں بشرطیکہ تمہیں یاد آگیا ہو کہ گودام کہاں ہے۔" فیروزہ نے سودا بازی کرتے ہوئے کہا۔

"ضرور۔ تین دن میں میری یادداشت یقیناً واپس آجائے گی۔ اگر اس وقت میں نے تمہیں کچھ بتا دیا تو کرنل ہوشیار ہو جائے گا۔"

فیروزہ اُٹھ کر کھڑکی سے جھانکنے لگی۔ اُس کے اُٹھنے اور چلنے کا انداز روبی سے مختلف نہ تھا۔ فرق صرف یہ تھا کہ فیروزہ کی آواز روبی کے مقابلے میں بہت نرم تھی۔ وہ سوچنے لگا کہ شاید روبی بھی عام زندگی میں اتنی ہی نرم گفتار ہو اور میرے سامنے جان بوجھ کر تیز لہجہ اپنا لیتی ہو۔

اچانک ہی فیروزہ اُس کی طرف پلٹی۔ "کیا تمہارا کلائنٹ عبدل میں بہت زیادہ دلچسپی لیتا ہے شہزاد؟"

"ظاہر ہے۔ ورنہ میں یہاں کیوں آتا؟"

"تب پھر تمہارے کلائنٹ کی دلچسپیاں بہت عجیب ہیں۔" فیروزہ نے دیوار سے ٹیک لگا کر کہا۔

"ہاں... اور یہ میری بدقسمتی ہے۔" ٹائیگر نے ہنس کر کہا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"کیا تمہیں اب بھی گودام کا مکمل وقوع یاد نہیں آیا؟" وہ محظوظ ہو کر اسی موضوع پر آ رہی تھی۔

"میرے ساتھ ڈنر پر چلو۔ شاید یاد آ جائے۔"

"ڈنر۔۔۔" فیروزہ کے چہرے پر ہلکی سی سُرخی دوڑ گئی۔ "ٹھیک ہے۔ میں تمہیں فون کر دوں گی۔ پھر ہم ڈنر پر چلیں گے۔"

"اوکے۔" ٹائیگر نے پرنٹ آؤٹ اٹھا کر کہا۔

"خدا حافظ شہزاد۔" اسے عقب سے فیروزہ کی آواز سنائی دی اور وہ پلٹنے پر مجبور ہو گیا۔

"یہ ہی ایک بات غور سے سنو گی فیروزہ؟"

"کیوں نہیں؟" وہ مسکراتی رہی۔ "اب تک غور ہی سے سنتی رہی ہوں۔"

"تب پھر ایک بات یاد رکھنا۔ تم ہیروئن اور بلاؤز میں اتنی حسین نہیں لگتیں جتنی اس لباس میں لگ رہی ہو۔"

"اوہ۔۔۔" فیروزہ نے طویل سانس لے کر کھڑکی سے سر ٹکا دیا اور آنکھیں بند کر لیں۔ ٹائیگر دبے قدموں کمرے سے نکل گیا۔

نیچے پہنچتے ہی اس نے فیلی فون بوتھ تلاش کیا اور وانگ کے نمبر ملائے۔

"مسٹر وانگ! میں ہیرام کا دوست بات کر رہا ہوں۔ چند سوالات مجھے پریشان کر رہے ہیں۔" اس کا لہجہ نرم اور ملتجانہ تھا۔

"پوچھو۔ اگر میرے پاس جواب ہوں تو میں کنجوس ثابت نہیں ہوں گا۔"

"کیا سولن نے کبھی اشارتاً یہ ذکر کیا تھا کہ وہ منشیات کے کھیل میں ملوث ہے؟"

"ہاں۔" وانگ نے جواب دیا۔ "وہ جب پہلی بار مجھے سازش میں شریک کرنے کے لیے آئی تھی تو اس نے کہا تھا کہ یہاں 'سفید شکر' کی بہت اچھی منڈی بن سکتی ہے۔ اس نے مجھے پیش کش کی تھی کہ میں منڈی میں اس کی فروخت کا سارا کام سنبھال لوں تاہم میں نے اس پیش کش کو ٹھکرا دیا تھا۔"

"اس پر اس نے دھمکیاں بھی دی ہوں گی؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"نہیں۔ دھمکیاں بعد میں ملیں۔ یہ بات بہرحال درست ہے کہ ہمارے بہت سے لوگ اس مکروہ کاروبار میں ملوث ہیں۔ وہ بارہ سے پندرہ سال کی لڑکیوں کو بھی ہیروئن فروخت کرنے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ میں نے ان بچیوں کو نقصان پہنچائے بغیر اس دھندے کو ختم کرنے کی کوشش کی مگر میں ناکام رہا پھر اس نے کسی عبدل نامی شخص کو اپنا ڈیلر مقرر کر دیا۔"

"میں نے کل رات عبدل ڈیلی کا ذکر کیا تھا۔ کیا یہ وہی ہو سکتا ہے مسٹر وانگ؟"

"یہ میں نہیں جانتا۔"

"کیا عبدل لامازی اور پستہ قد ہے؟"

"ہاں، میں نے اسے دیکھا تو نہیں لیکن اس کے بارے میں یہی کچھ سنا ہے۔ وہی لڑکیوں کو منشیات تقسیم کرنے کے لیے استعمال کر رہا ہے۔"

"تھینک یو۔۔۔" ٹائیگر ہنکارا بھر کر بولا۔ "اس حکمت عملی کی وجہ شاید یہ ہے کہ اٹھارہ سال سے کم عمر کے بچے منشیات کی اسمگلنگ میں کڑی سزاؤں سے مستثنیٰ ہیں۔"

"درست، انیس سال سے زیادہ عمر والوں کو عمر قید ہوتی ہے جبکہ ان بچوں کو پکڑ کر سال دو سال کے لیے اصلاح خانوں میں بھیج دیا جاتا ہے۔"

ٹائیگر نے مزید کچھ کہے بغیر ریسیور رکھ دیا۔ وہ عبدل کی گردن پکڑ کر اسے قتل کر سکتا تھا۔ اس کی تلاش زیادہ مشکل ثابت نہ ہوتی۔ وہ پکی یوم سے اڑ سکتا تھا۔ وہاں موجود لوگوں کو ہلاک کر سکتا تھا مگر یہ سب کچھ بے سود ہوتا۔ اسے منشیات کے تناور درخت اور دہشت گردی کے پودوں کو جڑوں سے اکھاڑنا تھا۔ اس نے وانگ سے ایک پتا حاصل کیا تھا تاہم وانگ نے اسے خبردار کر دیا تھا کہ اسمگلر اور منشیات فروش ایک دو ماہ بعد اپنے اڈے اور یکیں گاہیں بدل دیتے ہیں۔

وہ بوتھ سے نکل کر کار کی طرف لپکا۔ اس وقت نہ جانے کیوں وہ عجلت میں تھا۔ اسے یہ یقین ہو چکا تھا کہ عبدل یا تو بڑا ملزم ہے یا پھر بڑے ملزم کا دایاں ہاتھ۔

وانگ نے جو پتا دیا تھا وہاں تک پہنچنے میں اسے زیادہ دشواری نہیں ہوئی۔ یہ جنرل اینڈ میڈیکل اسٹور کا پتا تھا۔ اس نے ایک جھٹکے سے گاڑی روکی۔ کار سے اترا اور اس بڑے اسٹور کی طرف بڑھنے لگا۔

اس کی آنکھوں میں موت کا قہر جھلک رہا تھا۔

وہ موت کا پیغامبر تھا۔

وہ اسٹور میں داخل ہوا تو وہاں صرف ایک شخص موجود تھا۔ اس چھوٹے سے چینی کے بال لمبے تھے اور چہرے پر داغ تیس کی عمر میں سال سے زیادہ نہیں لگ رہی تھی۔

ٹائیگر کو دیکھتے ہی وہ اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے

لگا۔ اس نے کن انکھیوں سے اسٹور کے عقب میں جانے والی پتلی سی گلی تماشا داری کو دیکھا لیکن پھر فوراً ہی نگاہیں ہٹا لیں۔ ٹائیگر اس کے قریب پہنچا تو نوجوان دونوں ہاتھوں کو مسلنے لگا۔ وہ غالباً کوئی چیز چھپانا چاہتا تھا اور یہی اس کی اصل پریشانی تھی۔

"مم۔۔۔ میں آپ کی کیا مدد کر سکتا ہوں جناب؟" اس نے تھوک نگلتے ہوئے پوچھا۔

"ضرور کر سکتے ہو۔" ٹائیگر نے مسکرا کر کہا اور اس کی ناک پر ہلکے سے انگلی ماری۔ چینی نوجوان نے تڑپ کر اپنی ناک پکڑ لی۔ یہ ہلکی سی ضرب ٹائیگر کو اس دل خوش کن حقیقت سے روشناس کرا گئی کہ اس کے ہاتھ پھر سے ہتھیار بننے لگے ہیں۔ اس نے دایاں ہاتھ بڑھا کر نوجوان کی گردن پکڑ لی اور اسے کسی چوہے کی طرح اٹھا کر اسٹول پر بٹھا دیا۔

ٹائیگر نے ناک پر انگلی اس لیے نہیں ماری تھی کہ چینی درد سے تڑپنے لگے بلکہ اس کا مقصد ذہن کو شدید جھٹکا دینا تھا۔ ایسا جھٹکا جس کے باعث نوجوان کے اعصابی نظام میں کم از کم نصف گھنٹے تک بے حسی رہے۔ اس کے بعد نوجوان چوبیس گھنٹے تک اپنی بصارت کو محدود طور پر استعمال کر سکتا تھا۔ نوجوان کو اسٹول پر بٹھا کر وہ عقبی حصے کی طرف بڑھ گیا۔ راہداری میں پہنچ کر اسے باتوں کی گنگناہٹ سنائی دی۔ اس نے جیکٹ کے بٹن کھول لیے تاکہ بوقت ضرورت کولٹ کمانڈر کا استعمال بھی کر سکے۔

وہ مزید چند قدم آگے بڑھا تو اس نے خود کو ایک گودام نما جگہ میں پایا۔ اس کے مقابل لکڑی کا ایک دروازہ تھا۔ اس کے ساتھ والے کمرے سے باتوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ ٹائیگر نے دروازے پر ہاتھ رکھا تو دروازہ اندر سے مقفل محسوس ہوا لیکن اس کی ایک ہی فرنٹ کک نے دروازے کو درجنوں ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا۔ ساتھ ہی وہ بجلی کی طرح کود کر کمرے میں پہنچ گیا۔

میز پر جھکے ہوئے دونوں لامازی گھبرا گئے۔ ٹائیگر نے ایک ہی نظر میں اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ پلاسٹک کی چھوٹی چھوٹی تھیلیوں میں سفید پاؤڈر بھر رہے تھے۔ ان پیکٹوں کو سربمہر کرنے کے لیے لوہے کی ایک سلاخ میز پر تپ رہی تھی۔

ان دونوں نے ٹائیگر کے پہلو میں جھولتے ہوئے کولٹ کمانڈر کو دیکھ لیا۔ ان میں سے ایک کا ہاتھ میز کے نیچے رینگ گیا۔ تاہم اسی لمحے ٹائیگر نے اپنی دائیں ٹانگ استعمال کی۔ ایک طرف رکھی ہوئی چھوٹی میز ہوا میں اڑی اور لامازی کے اس ہاتھ کے شانے پر گری جو میز کے نیچے رینگ رہا تھا۔

کمرے میں خوفناک چیخ بلند ہوئی اور پھر تحلیل ہونے لگی۔

لامازی ٹھنڈ کے بل میز پر گر گیا۔ وہ بے ہوش ہو گیا تھا۔

"دونوں ہاتھ سر پر رکھے دو قدم آگے آؤ۔" ٹائیگر نے دوسرے لامازی کو حکم دیا۔

دوسرا لامازی ٹھنڈ کھائے ہوئے پتلے کی طرح کانپ رہا تھا۔

"سس۔۔۔ سنو۔۔۔" اس نے بمشکل کہا۔ "تم۔۔۔ کیا چاہتے ہو؟"

"تم نے زیادہ بک بک کی تو کولٹ کمانڈر کی ایک عدد گولی تمہاری ایک آنکھ میں گھس کر بھیجے کو پھاڑتی ہوئی دوسری طرف نکل جائے گی۔" ٹائیگر نے کولٹ کمانڈر پر ہاتھ درست رکھتے ہوئے انتہائی خوشگوار لہجے میں کہا۔

لامازی کانپتا ہوا دو قدم آگے آ گیا۔

"اب دیوار کی طرف منہ کر کے دونوں ہاتھ دیوار پر رکھ لو۔ ٹانگیں پھیلا لو اور چہرہ دیوار سے لگا دو۔" ٹائیگر نے دوسرا حکم دیا۔ وہ اس شخص کو بھی مار سکتا تھا لیکن فی الوقت محض اسے غیر مسلح کرنے کا تجربہ کر رہا تھا۔

اس کی جیب سے اعشاریہ ۳۸ نکلا جسے ٹائیگر نے کمرے کے دوسرے کونے میں پھینک دیا۔ پھر مزید تلاشی پر لامازی کے جوتے میں چھپی ہوئی چھوٹی سی پلاسٹک سرنج نکلی۔

ٹائیگر نے سرنج کو نکالا۔ سوئی کی نوک زمین پر گری اور پھر نوجوان کی طرف پلٹا۔ "سنو! اب یہ سوئی زمین کے جراثیم سے آلودہ ہو چکی ہے اور میں اسے تمہاری شریان میں چبھونے والا ہوں۔ اس کی نوک پر لگے ہوئے سینکڑوں جراثیم سوئی کے چبھتے ہی تمہاری شریان میں داخل ہو جائیں گے اور پھر پتا نہیں تم کتنے امراض کا شکار ہو جاؤ۔ ممکن ہے تمہارے جسم پر پھوڑے نکل آئیں یا تم پیٹ سے گر کر فوراً ہی مر جاؤ۔"

"نن۔۔۔ نہیں۔۔۔" لامازی تڑپ کر بولا۔ "سب کچھ لے جاؤ رقم اور ہیروئن بھی۔ یہ سب کچھ تمہارا ہے۔ لے جاؤ مگر میری جان بخش دو۔"

"یہ دھندا کون چلا رہا ہے؟" ٹائیگر اپنے اصل مقصد کی طرف آنے لگا۔

لامازی نے ایک بار دروازے کی طرف دیکھا اور پھر بولا۔ "یہ میں نہیں بتا سکتا۔"

"اچھا۔" ٹائیگر نے سوئی کی طرف دیکھ کر کہا۔ "بہت اچھا۔ بس اتنا ہی بتا دو کہ تم کتوں میں سب سے بڑا کتا کون ہے؟"

"اڑ۔۔۔ کو۔۔۔" لامازی گڑگڑانے لگا۔ اس کی خوف زدہ

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کا اُس وقت یقین ہُوا جب اُس نے عقب میں دھم کی آواز سُنی۔ وہ کسی اسپرنگ کی طرح اُچھل کر پلٹ پڑا۔

ایک چینی یا تائیوانی تلوار سونتے ہوئے اسے گھور رہا تھا۔ اُس نے سیاہ قمیص اور سیاہ جینز پہن رکھی تھی۔ کمر پہ سیاہ بیلٹ تھی جس کے کنارے سفید تھے اور وہ برہنہ پا تھا۔

ٹائیگر کے چہرے پہ عجیب سی مسکراہٹ کھیل گئی۔ وہ اُسے پہچان گیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ یہ شخص اپنے فن کا ماہر ہے لیکن وہ اس شخص کی کمزوری سے بھی واقف تھا۔

یہ سموری تھا اور ٹائیگر کو یہ بات اچھی طرح معلوم تھی کہ سموری فن کے ماہر صرف حملہ کرنا جانتے ہیں، دفاع کرنا نہیں۔ اس وقت بھی صورت حال تھی۔ سموری نے تلوار دونوں ہاتھوں میں اُفقی انداز میں پکڑ رکھی تھی۔

ٹائیگر کو سموری اور سناتو فن کے درمیان فرق بھی معلوم تھا۔ وہ تن کر کھڑا ہو گیا۔ اُس نے سموری کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔ ٹائیگر کے دونوں پیروں کے درمیان سات آٹھ انچ کا فاصلہ تھا۔ دونوں ہاتھ بالکل ڈھیلے ڈھالے انداز میں زانوؤں پر تھے۔ وہ بالکل چُپ تھا۔ اُس سے اُو شان کئی بار بتا چکا تھا کہ ایسے مرحلوں پر ذرا سی بھی آواز مخالف کو ارادوں سے خبردار کر دیتی ہے۔ ٹائیگر کے چہرے پر اب سنجیدگی تھی اور وہ سموری کے وار کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار تھا۔ سموری نے جونہی تلوار نوّے کے زاویے سے نیچے کی طرف گھمائی ٹائیگر بجلی کی طرح پیچھے کی طرف گرا اور ساتھ ہی اُس کی دائیں ٹانگ نوّے کے زاویے پر آسمان کی طرف اُٹھ گئی۔ یہاں اُس نے بے پناہ مہارت اور پھرتی کا مظاہرہ کیا تھا۔ تلوار کا دستہ اُس کے جوکنگ شوز پر لگا۔ ساتھ ہی ٹائیگر نے بائیں ٹانگ کو اس طرح موڑا کہ اُس کا بایاں گھٹنا سموری کے بائیں گھٹنے سے ٹکرایا۔ سموری اپنی جھونک میں کچھ آگے آگیا۔ ٹائیگر نے اس کے بائیں گھٹنے پر زور برقرار رکھتے ہوئے دائیں ٹانگ کو ہلکی سی جُنبش دی تلوا سیدھے آنے لگی پھر اس کا دایاں پیر سموری کے ان ہاتھوں پر لگا جن میں تلوار دبی ہوئی تھی۔ یہ بظاہر معمولی لیکن شدید وار تھا۔ سموری کا توازن بگڑ گیا۔ وہ دائیں طرف گرنے لگا اور اسی لمحے ٹائیگر کے بلند ہاتھوں نے تلوار دبوچ لی۔ اس نے پھرتی سے قلابازی کھائی۔ سموری کے ماتھے پر اُس کے دونوں پیر لگے اور سموری چت گر پڑا۔ اسی لمحے اُس کی اپنی تلوار اس کے اپنے نرخرے میں پیوست ہو گئی۔ خون کا فوّارہ بلند ہوا مگر ٹائیگر خون سے بچنے کے لیے پہلے ہی کئی قدم پیچھے ہٹ چکا تھا۔ اب اس کے قدم بہت تیزی سے زینے کی طرف اُٹھ رہے تھے۔ وہ بہت خوش تھا اور خوشی کی وجہ صرف یہ تھی کہ اُس نے اپنے جسم اور جسمی ردِعمل کی بھرپور آزمائش کر لی تھی۔ وہ پیر فٹ نہ سہی فٹ بلکہ سونی صد فٹ ضرور تھا۔

اُسے اُوپر تمام کمرے خالی ملے۔ کسی بھی جگہ سے کوئی اور ہتھیار نہیں ملا۔ وہ مایوسی سے سر جھٹکتا ہُوا عمارت سے نکلا اور کار میں بیٹھ گیا۔ اسی وقت اُسے پولیس کا سائرن سُنائی دیا۔ وہ بے اختیار مسکرا دیا۔ عمارت سے فرار ہونے والوں نے اُسے گرفتار کرانے کے لیے معقول انتظام کیا تھا۔ اُس نے کار سٹارٹ کی اور معتدل رفتار سے چلانے لگا۔

لیفٹیننٹ ثاقب نے آٹوپسی میں لاشیں دیکھیں تو غصّے یا خوف کی وجہ سے اُس کا چہرہ بگڑ گیا۔ اُسے زیادہ غصّہ اس بات پہ تھا کہ کوئی عینی شاہد نہیں پہنچا تھا جو قاتل کا حلیہ ہی بتا سکے۔ عمارت میں کرنسی معقول تعداد میں موجود تھی اور قتل و غارت گری کرنے والے دفتر کی تجوری کو ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا۔

"آخر وہ کون تھا؟ چور یا ڈاکو ہرگز نہیں ہو سکتا۔" لیفٹیننٹ ثاقب نے سیدھے ہاتھ کی ہتھیلی پر اُلٹے ہاتھ کا مکّا مارتے ہوئے کہا۔ پھر وہ غضبناک انداز میں اس اخبار والے کو دیکھنے لگا جو اندر جھانک رہا تھا۔ "پریس کو دُور رکھو۔" اُس نے نظر اُٹھا کر اپنے ماتحت سے کہا۔

"ارے اب بتا بھی دو لیفٹیننٹ۔ خبر تو مل گئی، تفصیلات بھی بتا دو۔"

"پلیز۔۔۔" لیفٹیننٹ ثاقب بڑی بے چارگی سے بولا۔

"میرا خیال ہے کہ کوئی سپر فورس جرائم پیشہ افراد کا قلع قمع کرنے کے لیے میدان میں آگئی ہے لیفٹیننٹ۔" رپورٹر بھی بہت ہٹ دھرم ثابت ہو رہا تھا۔

"بکواس۔" لیفٹیننٹ نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "اس وقت ہمیں شہادتیں جمع کرنے دو، میں بعد میں بات کروں گا۔"

"شہادتیں نہیں ملیں گی آفیسر۔" دوسرے صحافی نے ہال میں جھانکنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "کمر بتا رہا ہے یہی رپورٹ دے دو کہ کوئی سپر فورس آگئی ہے۔"

"ان سب کو عمارت سے باہر نکال دو۔" لیفٹیننٹ غصّے سے پیر پٹختے ہوئے بولا۔ "سب کو۔ پی۔ وی والوں کو بھی۔"

جرنلسٹ پارٹی ہلتی مسکراتی ہوئی پلٹ گئی اور لیفٹیننٹ ثاقب جس کے انسپکٹر بادل کی جگہ لی تھی یہی سوچتا رہا کہ کیا واقعی ایسی کوئی سپر فورس موجود ہے؟

"میرے خُدا! میرا علاقہ کس قسم کے چڑیا گھر میں تبدیل ہو رہا ہے۔" اُس نے کینٹی پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا جو سُلگ رہی تھی۔

☆

گلشن سینٹر میں سردی کا اثر ہو چکا تھا۔ جنوری کے اس موسم میں لوگ بمشکل کام کر پا رہے تھے۔ صرف ایک لفٹ چل رہی تھی اور ملازمین بار بار گھڑی کی طرف دیکھ رہے تھے تاکہ وقت پورا ہوتے ہی گھروں کا رُخ کریں۔ ایک سو دس منزلہ اس بلڈنگ کے گراؤنڈ فلور والے ڈیلی تھ خانے میں ایک گارڈ موجود تھا۔ عمارت کی دیکھ بھال کرنے والا عملہ آ رہا تھا۔ دو لازمی مخصوص اوور آل یونیفارم پہنے ہوئے اس کے قریب پہنچے۔ انھوں نے بڑی کاہلی سے گارڈ کو اپنے بیج دکھائے اور مُنہ بناتے ہوئے اندر داخل ہو گئے۔ دس منٹ کے وقفے سے مزید دو نوجوان آئے اور بیج ہلاتے ہوئے گارڈ کے سامنے سے گزر گئے۔ گارڈ کو ان چاروں پر کوئی شُبہ نہیں ہُوا کیونکہ اُس کے سامنے سے درجنوں عورتیں اور مرد گزرتے ہی رہتے تھے۔

اندر پہنچ کر چاروں لازمی اپنی اپنی طے شدہ سمتوں میں چل دیے۔ اُن کی چال ڈھال سے ایسا ہی لگ رہا تھا جیسے وہ ہزاروں کے اس مجموعی ماحول کا حصّہ ہیں۔

جینک سب لیول منفور پر اٹرکنڈیشنگ ڈکٹ ورک کے عقب میں بیٹھ گیا۔ یہ ذمہ داری زیادہ تر سُنسان رہتی تھی اور بھرپور تلاشی کی مہم کے باوجود اُس کا پکڑا جانا ناممکن نہیں تھا۔

صنوبر نے مردوں کے باتھ روم کے شیشے صاف کرنے میں کچھ وقت گزارا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ اُس نے اتنا خوب صورت باتھ روم دیکھا تھا۔ ہر چیز اُسے متاثر کر رہی تھی۔ اس دوران میں عملے کا ایک اور شخص اندر آیا مگر صنوبر کو شیشے صاف کرتے ہوئے دیکھ کر مطمئن انداز میں واپس چلا گیا۔ ایک گھنٹے بعد صنوبر تھک کر ایک ٹوائلٹ بوتھ میں گھس گیا اور اُس نے دروازہ بند کر لیا۔ اب وہ کموڈ پر بیٹھ کر انتظار کر سکتا تھا۔

رابرٹس بھی ایک محفوظ جگہ پر تھا۔ اُس نے سب لیول سکس کے اس چھوٹے سے کمرے کو منتخب کیا تھا جس کے باہر لکھا تھا: خطرہ۔ ہائی وولٹیج۔ داخلہ ممنوع ہے۔ اُسے اندر کا ماحول بالکل ویسا ہی لگا تھا جیسا عبدل نے بتایا تھا۔ بس اُسے تکلیف یہ تھی کہ دس مربع فٹ کے اس کمرے میں پوری جگہ مشینری نے گھیر رکھی تھی۔ یہاں ٹرانسفارمر بھی تھا اور تاروں کے گچھے بھی۔ دیوار کے بکس بھی ایک طرف نظر آ رہے تھے۔ اُس نے جیب سے ایک فہرست نکالی، اس پر نظر ڈالی جس کی اُسے ضرورت پڑنے والی تھی۔ وہ مسکراتا ہُوا دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔

ایک گھنٹے تک وہ سوچوں میں گُم رہا مگر پھر وہ چونک کر اپنے قریب والے بکس کی طرف دیکھنے لگا۔ اُس کا ہاتھ لاشعوری طور پر اپنی پیٹھ تک چلا گیا جہاں وردی کے نیچے دھماکا خیز مواد کی موٹی سی پٹّی بندھی ہوئی تھی۔ اُس نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔ اُسے یقین تھا کہ یہ سب کچھ اتنا آسان ہو گا جتنا کیک کھانا۔ اُس نے آنکھیں بند کریں اور سو گیا۔

عبدل ڈیلی بہرحال جونیئر کی یونیفارم میں بے چینی محسوس کر رہا تھا۔ اُس نے پیٹ پر ہاتھ پھیرا۔ اسی فورہارو کی پٹّی کا وزن ایک طرف کیا اور پھر سر پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

وہ چھ سال قبل دو ماہ تک یہاں کام کر چکا تھا اور اُسے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی تھی کہ عمارت کے اندر سیکورٹی کے ضابطے وہی ہیں جو چھ سال قبل تھے۔ وہ ایک اڈٹ کے ذریعے بالائی منزل پر گیا اور گارڈوں کو سلام کرتا ہُوا ایک طرف نکل گیا۔ اب وہ سب لیول پر جا رہا تھا۔ اُس کے ہاتھ میں ایک کلپ بورڈ تھا۔ ایسے کلپ بورڈ میٹی نینس سپروائزر استعمال کرتے تھے۔ اس کلپ بورڈ کو دیکھتے ہی عملہ فوراً اپنے کام میں مصروف ہو رہا تھا۔

عبدل کا دل دھڑک رہا تھا اور اُس کی خواہش تھی کہ وہ ہر کمرے میں جا کر دیواروں پر لکھ دے: "ایک گولڈ یہاں پہنچ چُکا ہے۔" ایک منٹ بعد اُس نے اپنی اس خواہش کو بچکانہ قرار دے کر خود ہی رد کر دیا۔

دیکھ بھال کرنے والے عملے کی شفٹ ایک بجے رات کو ختم ہوتی تھی اور جونیئرز کی روانگی کے بعد اصل کام شروع ہوتا تھا۔

تین گھنٹے بعد اُس نے ایک کمرے کے دروازے کی درز سے جھانک کر دیکھا۔ عملہ واپس جا رہا تھا اور بڑے دروازے پر موجود گارڈ اپنی چوکی بند کر رہا تھا۔

جونہی دروازہ بند ہُوا، عبدل کسی سانپ کی طرح رینگتا ہُوا ہال میں پہنچا اور پھر دوڑتا ہُوا اپنے لیول سکس تک پہنچ گیا۔ اس نے لفٹ اس وجہ سے استعمال نہیں کی کہ اس وقت لفٹ چلتے دیکھ کر کوئی بھی مشکوک ہو سکتا تھا۔

جینک اور صنوبر دونوں وہاں موجود تھے۔ انھوں نے اُسے دیکھ کر سر ہلائے اور پھر اس دروازے پر دستک دی جس پر خطرے کا نشان بنا ہُوا تھا۔

رابرٹس نے دروازہ کھول کر ہاتھ ہلایا۔ ہائی الرجی کیبل اور [illegible] کی طرف اشارہ کر کے مسکرانے لگا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

آنکھیں سرخ کی سوئی پر جمی ہوئی تھیں۔ "وعدہ کرو کہ جواب ملنے کے بعد تم سرخ..."

"وعدہ، جواب ملنے کے بعد میں نہیں چھوڑوں گا۔" ٹائیگر نے فوراً جواب دیا۔

"وہ... وہ لاما زی ہے۔" نوجوان نے جواب دیا۔ "میری اُس سے صرف ایک بار ملاقات ہوئی ہے لیونکو میں ایک دوسرے شخص کے توسط سے یہ کاروبار کرتا ہوں۔ اس لاما زی کا نام عبدل ہے۔ پستہ قد۔"

"ہاں، پانچ فٹ سے زیادہ نہیں ہوگا۔"

"گڈ! اب نہ ندی بھر آرام کرو فرزند۔" یہ کہہ کر ٹائیگر نے اپنا انگوٹھا آزمایا۔ جو لاما زی کی کنپٹی پر لگا مگر توقعات کے برخلاف لاما زی پھپکی کی طرح گر کر مرا نہیں بلکہ تڑپنے لگا۔ اُس نے لاما زی اور پھر انگوٹھے کو غور سے دیکھا۔ مطلب واضح تھا۔ انگوٹھے میں ابھی پرانی صلاحیت واپس نہیں آئی تھی۔ اُسے تڑپنے والے لاما زی پر ترس آنے لگا۔ اُس کا ہاتھ بلند ہوا اور پانچوں انگلیوں نے لاما زی کی کنپٹیوں کو دبوچ لیا۔ یہ بس دس سیکنڈ کی بات تھی اور لاما زی کش مکش حیات سے آزاد ہو چکا تھا۔ اُس نے دوسرے لاما زی کو دیکھا۔ وہ اب گہری گہری سانسیں لے رہا تھا۔ ٹائیگر نے جھک کر اُس کے نرخرے پر ہاتھ رکھا۔ ذرا سا زور لگایا اور پھر اُسے بھی پُرسکون کر دیا۔

پندرہ منٹ بعد وہ ہیروئن کو سنک میں بہا رہا تھا۔

پانچ منٹ بعد وہ اسٹور سے دو فرلانگ دُور ایک پبلک بوتھ میں تھا۔ اُس نے فون کیا اور پھر اپنی کار میں آکر بیٹھ گیا۔ کچھ ہی دیر بعد دو عام کاریں اسٹور کے سامنے آکر رکیں پھر ایک ایمبولینس آئی اور اس کے بعد پولیس کی دو گاڑیاں تیزی سے آکر رکیں۔

اس کے بعد ٹائیگر محض ایک طویل سانس لے کر رہ گیا۔

پہلا لاما زی مر چکا تھا۔ اسٹریچر پر سفید چادر کے نیچے اُس کی لاش تھی جبکہ دوسرا لاما زی زندہ تھا۔ وہ اُسے سہارا دے کر لا رہے تھے۔ یہ وہی لاما زی تھا جس کی کنپٹی پر اُس کا انگوٹھا ناکام ہوا تھا۔

"ٹھیک ہے۔ دیکھ لوں گا۔" اُس نے دائیں ہاتھ کی انگلیوں کو گھورتے ہوئے زیر لب کہا اور پھر مسکرانے لگا۔ پولیس کو بہرحال اب یہ کہنے کا حق حاصل ہو گیا تھا کہ اُس نے منشیات کے ایک اڈے کا کھلج قمع کر دیا ہے۔ ٹائیگر نے جان بوجھ کر ہیروئن کے بند پیکٹ میز پر ہی چھوڑ دیے تھے اور وہی ہیروئن ضائع کی تھی جو تھیلے میں بند تھی۔

مگر اب وہ وقت ضائع کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اُسے اس اڈے پر حملے کی خبر عبدل تک پہنچنے سے قبل ہی عبدل پر حملہ کرنا تھا۔ اُس نے گاڑی آگے بڑھائی اور پھر ایک ویرانے میں روک کر ڈکی کھولی۔ اس میں ایک دستی بم اور ایک گیس بم موجود تھا۔ اُس کے چہرے پر عجیب سی مسکراہٹ ناچنے لگی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ اُس کو ان چیزوں کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی لیکن وہ یہ تہیہ کر چکا تھا کہ آتشیں اسلحے کا استعمال صرف اور صرف آخری وقت میں کرے گا۔ اُس نے ڈکی بند کی اور عبدل کے اڈے کی طرف گاڑی دوڑانے لگا۔

دن دہاڑے چھاپہ مارنے کا یہ منصوبہ ٹائیگر کی اسی ہمت اور جرأت کا مظہر تھا جو شیلا سے ملاقات سے قبل اُس کا خاصہ تھی۔ اُس کے جبڑے تنے ہوئے تھے اور آنکھوں میں ایک مخصوص سا خوفناک چمک لہرا رہی تھی۔

ڈیلی آئل پینٹنگ کمپنی کے سامنے اُس نے گاڑی روکی اور پھر بڑی پھرتی سے بیک شاپ کے دروازے پر پہنچ گیا۔ اس وقت اگر اُوشان اُسے دوڑتے ہوئے دیکھ لیتا تو اُس کا سینہ خوشی سے پھٹ جاتا۔ یہ اُس ٹائیگر کی رفتار تھی جس کو اُس نے بنایا تھا۔ ٹائیگر نے اندر دیکھا۔ ایک شخص کسی کار کے ٹیڑھے مڈگارڈ کو سیدھا کرنے کے لیے ہتھوڑے برسا رہا تھا۔ اُس کے قریب ہی مزید تین لاما زی کھڑے تھے۔ جونہی انہوں نے ٹائیگر کو دیکھا وہ خونخوار انداز میں اُس کی طرف پلٹ پڑے۔

"دفعان ہو جاؤ۔ یہاں سیلز میں داخل نہیں ہو سکتے۔" اُن میں سے ایک نے کسی کتکھنے کتے کی طرح کہا۔ ٹائیگر اپنی جگہ سے نہیں ہلا تو وہ تقریباً غراتے ہوئے اُس کی طرف بڑھنے لگے۔

"کیا چاہتے ہو؟"

پہلا خونخوار لاما زی غرّاتا رہا۔ "دفعان ہو جاؤ ورنہ ہاتھ پیر توڑ دوں گا۔"

"ہاتھ پیر توڑنے سے قبل اپنا نام تو بتا دو۔" ٹائیگر نے مسکرا کر کہا اور پھر وہ تینوں اس پر جھپٹ پڑے۔ ٹائیگر یہی چاہتا تھا مگر فی الحال وہ کشت و خون سے پرہیز کر رہا تھا۔ لہٰذا اُس نے کولٹ کمانڈر نکال لیا جسے دیکھتے ہی ان سب کے قدم زمین میں جم گئے پھر وہ ایک ایک قدم پیچھے ہٹنے لگے۔

"اب تم تینوں منہ کے بل زمین پر لیٹ جاؤ۔" ٹائیگر نے کہا۔ کولٹ کمانڈر ہاتھ میں آتے ہی اُسے پورے جسم میں عجیب سی سنسنی کا احساس ہوا تھا۔

ان تینوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر تین مختلف سمتوں میں بھاگنے لگے۔ ٹائیگر نے ان میں سے ایک کو جیب میں ہاتھ ڈالتے ہوئے دیکھا۔ اُس نے قدم بھری اور اُس کی گہنی پوری قوت سے اُس شخص کے گُدّی پر پڑی۔ وہ شخص آہ بھی نہ بھر سکا کیونکہ گہنی نے اُس کے دانتوں کو حلق تک اُتار دیا تھا۔ ٹائیگر نے اُس شخص سے دُور ہوتے ہوئے دائرے کی شکل میں گھوم کر بیک کک لگائی اور دانتوں سے محروم شخص کا سینہ پھٹ گیا۔ اس سے قبل کہ ٹائیگر دوسرے کو بھی چھاپ لیتا، ایک ستون کی آڑ سے گولی چلی۔ اُس کے حساس کان کلک کی آواز سن چکے تھے لہٰذا وہ رفتار سے بھی زیادہ تیزی کا مظاہرہ کر کے پہلے زمین پر لیٹا اور جونہی گولی اُوپر سے گزری وہ عقبی چھلانگ لگا کر اُس شخص پر آگرا جس نے گولی چلائی تھی اور اب دوسری گولی چلانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اُس نے کولٹ کمانڈر کا دستہ اُس کی کھوپڑی پر رسید کیا یہ قیامت کی ضرب تھی۔ ہاتھ ٹائیگر کا اور دستہ کولٹ کا تھا۔ وہ شخص آخری سانس بھی نہ لے سکا۔ اُس کا مغز اِدھر اُدھر بکھر گیا۔

کار کی مرمت کرنے والے نے ہتھوڑا پھینک کر دروازے کی طرف دوڑ لگا دی۔ ٹائیگر نے اُسے کچھ نہ کہا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ یہ محض ڈینک تھا۔

اسی لمحے اُس نے اپنے عقب میں آہٹ سُنی تو فوراً کار کی اوٹ میں ہو گیا۔ تیسرا لاما زی زینے پر دونوں ہاتھوں میں ریوالور تھامے مورچہ بند تھا۔ اُس کا صرف سر نظر آ رہا تھا۔ ٹائیگر مسکرانے لگا۔ اُس کی مسکراہٹ بڑی خوفناک تھی۔ اُس نے کولٹ کمانڈر واپس ہولسٹر میں رکھا، مکینک کا چھوڑا ہوا ہتھوڑا اُٹھایا اور زینے کی طرف اُچھال دیا۔ اگرچہ اُس نے نشانہ نہیں لیا تھا مگر وہ جانتا تھا کہ ہتھوڑا کہاں گرے گا۔ ہتھوڑا اُس شخص کے کندھے پر لگا۔ ریوالور اُچھل کر زینے پر گرا اور وہ شخص زینے سے نیچے پینٹ کے ڈرم میں، وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔

پھر مطلع ہی ٹائیگر کی چیخ جس اُسے خبردار کرنے لگی۔

یہاں کوئی اور بھی موجود تھا۔

اُس نے طویل سانس لی... اُس کی حسیات پوری طرح بیدار ہو گئیں... کوئی اُس کے عقب میں موجود تھا۔ اُسے آنکھیں اپنے جسم میں پیوست ہوتی ہوئی محسوس ہوئیں۔

پھر اُس کی نظروں نے دیکھ لیا کہ وہ کون ہے...

وہ جو کوئی بھی تھا اُس کی گن نظر آ رہی تھی۔ فاصلہ بیس پچیس فٹ کا تھا اور گن کار ٹائیگر کی طرف ہی تھی۔ ٹائیگر نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ نظریں نال پر رکھیں اور جونہی گولی نکلی اُس نے دائیں طرف چھلانگ لگا دی۔ گولی اُس کے دائیں ہاتھ کے اُوپر سے گزر گئی اور وہ خود بڑے ڈرم کی آڑ میں ہو گیا۔

اُس نے فوراً ہی اندازہ لگا لیا کہ گن چلانے والا پیٹیوں کے درمیان کسی جگہ چھپا ہوا ہے۔ اُس نے سر ہلایا اور قریب پڑا ہوا ایک بھاری پلاس اُٹھا کر پیٹیوں کی طرف پھینک دیا۔ ہلکی سی چیخ بلند ہوئی، نال نیچی ہوئی۔ ٹائیگر کو یہی ایک لمحہ درکار تھا۔ وہ اُڑتا ہوا پیٹیوں تک پہنچا اور پھر اُس کی ٹانگ گن والے کے سر پر پڑی۔ ٹانگ مارتے ہی اُس نے جسم کو آگے کیا اور گن والے کے عقب میں پہنچ گیا۔ اُس نے دونوں ہاتھوں سے اُس کی گردن پکڑ لی اور اُس وقت تک نہ چھوڑی جب تک چٹاخ کی آواز سُنائی نہ دی۔ گن والا بوری کی طرح گر گیا۔

چٹاخ کی یہ آواز آخری آواز تھی۔ پھر خاموشی چھا گئی۔ ایسی خاموشی جو بہت پُراسرار تھی اور ٹائیگر کو علم تھا کہ یہ مصنوعی خاموشی ہے۔ اُس کی چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ ابھی زندہ پر کوئی اور بھی موجود ہے۔ ایک اور شخص آگے بڑی پیٹیوں کی آڑ میں ہی ہو سکتا ہے۔

وہ مسکرانے لگا۔ اُس کے سفید دانت اس وقت بہت بھیانک لگ رہے تھے۔ اُس کی آنکھوں سے آگ برس رہی تھی۔

اُس نے جان بوجھ کر وہی حرکت کی جو پہلے کئی بار کر چکا تھا۔ وہ دراتا ہوا آڑ سے نکلا اور ایک ستون کی آڑ میں ہو گیا۔ اسی لمحے تابڑ توڑ دو گولیاں اس کے قریب سے گزر گئیں۔ تیسری گولی ستون سے ٹکرا کر پھسل گئی۔ اُس نے اِدھر اُدھر دیکھا قریب ہی آگ بجھانے والا سلنڈر لگا ہوا تھا۔ اُس نے ہاتھ بڑھا کر اسے دیوار کی گرفت سے اس طرح چھین لیا جیسے کوئی گڑیا اُٹھا رہا ہو۔ کسے اندازہ تھا کہ گولی چلانے والا کہاں ہے... پھر سلنڈر کسی پتھر کی طرح اُڑتا ہوا تیس چالیس فٹ دُور کتے کی پیٹیوں کے اُوپر گرا اور ایک کربناک آواز ہال میں گونج کر ہمیشہ کے لیے ساکت ہو گئی۔ سلنڈر جس کی کھوپڑی پر گرا تھا اُس کا چہرہ تک ضرب سے مسخ ہو چکا تھا۔

تب ہی اُسے احساس ہوا کہ وہ یہاں کافی دیر لگا چکا ہے ممکن ہے کوئی ٹھہر کر پولیس کو اطلاع کر دے اور پھر اُس کا کام قدرے مشکل ہو جائے۔ اُس نے طویل سانس لی اور پھر ستون کی آڑ سے نکلا، تاہم وہ کسی بلی کی طرح چوکس تھا۔ اُس کی چھٹی حس زینے کی طرف مسلسل متوجہ کر رہی تھی مگر اُس نے جان بوجھ کر زینے کی طرف پشت کر لی... اور پھر اُسے اپنی چھٹی حس کی مکمل بیداری

ندیم
Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"میرا خیال ہے کہ شہر کے دو تین ریڈیو اور ٹی وی چینل اسی ڈائنامائٹ سے چلتے ہوں گے۔" اس نے کہا۔

"اور پولیس وائرلیس کمیونی کیشن کا انحصار بھی اسی پر ہے۔" صفدر نے کہا۔

"مکمل طور پر نہیں، کسی حد تک۔" عبدل نے جواب دیا۔ "چلو، کام شروع کردو۔"

چاروں نے وردی میں پوشیدہ سی فور کی پٹیاں اُتاریں اور دروازے پر رکھ دیں تاکہ رابرٹس خود انہیں رکھ سکے۔ عبدل رابرٹس کو ہدایت دیتا رہا کہ یہ پٹیاں کس طرح رکھنی ہیں۔ انھوں نے سات فیوز استعمال کیے جو پندرہ منٹ بعد پھٹنے والے تھے۔ عبدل نے آخری فیوز کا ڈائل سیٹ کرکے پسینہ پونچھا اور پھر واپسی کا اشارہ کیا۔ اب وہ سب فلور سے ایک راہداری میں آ گئے۔ اوور ٹائم کی دکان میں قصیدے پڑھتے ہوئے گارڈ کے سامنے سے گزرے اور پھر عمارت سے نکل گئے۔ اب ان کی رفتار قدرے تیز تھی۔ باہر فٹ پاتھ پر ایک کار ان کی منتظر تھی۔ کار میں بیٹھ کر انھوں نے دستانے اُتارے اور اس ریڈیو کی طرف دیکھنے لگے جو انھیں پولیس کے ہنگامات براڈ کاسٹ کرتا تھا۔

"صرف چار منٹ باقی ہیں۔" عبدل نے اپنی گھڑی کی طرف دیکھ کر کہا۔ کار کی رفتار اور تیز ہوگئی۔ وہ لاماز لیوں کے علاقے کی طرف ہی دوڑ رہی تھی۔ ریڈیو کھلا ہوا تھا اور اب موسیقی نشر ہو رہی تھی۔

عبدل خوف کا شکار تھا۔ اُسے ناکامی کا خدشہ اور مکمل فتح کی اُمید تھی۔

"تھرٹی سیکنڈ..." عبدل نے گھڑی دیکھ کر سرسراتے ہوئے لہجے میں کہا۔

کچھ ہی دیر بعد پولیس ریڈیو اچانک خاموش ہوگیا اور وہ قہقہے لگانے لگے۔ عبدل نے تیزی سے ریڈیو چینل بدلے مگر تینوں اسٹیشن خاموش تھے۔

گاڑی پل پار کرکے ہل پارک میں داخل ہوگئی۔ یہاں ایک جگہ گاڑی رُکی تو انھوں نے پھرتی سے وردی اُتاری۔ دوسرا لباس پہنا۔ وہ وردیاں گاڑی ہی میں چھوڑ کر اُتر گئے۔ رابرٹس نے ڈکی سے تیل کا پیپہ نکال کر گاڑی کے اندر انڈیل دیا اور صفدر نے ماچس جلا کر کار میں پھینک دی۔ محض چند سیکنڈ میں کار کے اندر آگ لپک چکی تھی اور سیٹیں جلنے لگی تھیں۔

ٹھیک تیس منٹ بعد وہ اپنے فلیٹ میں موجود تھے۔

سوئن کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ عبدل ... اپنے ساتھیوں کو بوسے دے کر سوئن کا ہاتھ تھامتا ہوا ایک کمرے میں چلا گیا۔

ٹائیگر کو بھی دوسری صبح ہی یہ علم ہو سکا کہ شہر کے آدھے سے زیادہ ریڈیو اور ٹی وی چینل مفلوج ہو چکے ہیں۔ یہ خبر بھی سُنی کہ پولیس ٹیلی کمیونی کیشن کا نظام بُری طرح متاثر ہوا ہے۔ تاہم ہگ ڈیڈی کا چینل کام کر رہا تھا اور اسی پر ہگ ڈیڈی نے بلیک گولڈ کا اگلا پیغام وصول کیا۔ جس میں کہا گیا تھا کہ رقم مقررہ وقت تک ادا کر دی جائے بصورتِ دیگر باقی تمام چینل بھی اسی طرح خاموش کر دیے جائیں گے۔

صبح کے اخبارات کی سُرخیاں بہت سنسنی خیز تھیں۔

"گمنام قوس ہیروئن کے تاجروں پر بجلی بن کر گری۔"

"نامعلوم افراد نے بدنام منشیات فروشوں کے اڈے میں گھس کر قیامت مچا ڈالی۔"

"زیرِ زمین کام کرنے والے گروہ نے ہیروئن کا کاروبار کرنے والوں کو خوفزدہ کر ڈالا۔"

صرف ایک اخبار ایسا تھا جس نے قدرے معروضی خبر شائع کی تھی۔ "صرف ایک نوجوان نے شہر کے بدمعاشوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ اگرچہ ابھی تک اس نوجوان کی شناخت نہیں ہو سکی ہے۔ تاہم یہ امر یقینی ہے کہ وہ تنہا ہی اڈے میں گھسا تھا اور پھر اُس نے وہاں پر موجود خوفناک غنڈوں کو جو ہر قسم کے جدید ہتھیاروں سے لیس ہونے کے علاوہ ہموری فن پر بھی مستعد اور کھتے تھے اس طرح مار ڈالا جیسے وہ نوآموز ہوں۔ ایسی شہادتیں ملی ہیں کہ غنڈوں نے بے دریغ گولیاں چلائیں جبکہ اس نامعلوم نوجوان نے صرف ہاتھوں اور ذہن سے کام لیا۔"

ہر اخبار نے ایک جیسی رائے ظاہر کی تھی۔ "وہ گروہ یا فرد واحد اس شہر پر احسان کر رہا ہے۔"

ہُوں..." اُوشان نے ہنکارا بھر کر کہا۔ "ٹائیگر کا نیا جنم اپنے آپ شہنشاہِ اعظم۔"

"ہاں۔" سہرام بھی بہت خوش تھا۔ "اس کی تمام صلاحیتیں واپس آ رہی ہیں۔"

"بندر بیچ۔" اُوشان نے چوکنول کے آسن میں بیٹھا ہوا تھا بڑی سنجیدگی سے کہا۔ "بندر بیچ شہنشاہ، وہ میرا بیٹا ہے۔ مجھے

خوشی ہے کہ اُس نے گولیوں کا سہارا نہیں لیا۔"

"کیا یہ عجیب بات نہیں لگتی ماسٹر؟"

"کیا؟" اُوشان نے آنکھیں کھول دیں۔

"یہی کہ وہ آتشیں اسلحے کا استعمال نہیں کر رہا ہے۔"

"ہاں، مگر وہ یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ اُسے ہتھیاروں پر اعتبار نہیں بلکہ اپنے ہاتھوں اور جسم پر اعتماد ہے۔ میں نے اس پوری مہم سے ایک اور نتیجہ بھی اخذ کیا ہے۔"

"وہ کیا ماسٹر؟"

"یہ کہ... ٹائیگر... میرا شہزادہ اب ذہن بھی استعمال کر رہا ہے۔"

"اور یہ بہت شاندار تبدیلی ہے ماسٹر۔"

"شاندار۔" اُوشان کی ننھی ننھی آنکھیں چمکنے لگیں۔ "کتابوں میں لکھا ہے کہ ایک روزہ ذہن بھی استعمال کرے گا تو سارے طوفان اُس کے قدموں میں ہوں گے اور وہ انھیں روندتا ہوا گزر جائے گا۔"

"لیکن سوال یہ ہے کہ وہ ہم سے رابطہ کیوں کاٹے ہوئے ہے؟"

"آنا پرست ہے وہ۔" اُوشان کے چہرے پر مسکراہٹ ناچنے لگی۔ "کسی کی رہنمائی کے بغیر خود کو سپر فٹ ثابت کرنا چاہتا ہے۔"

نجوں ٹائیگر نے بھی پڑھیں اور پھر تمام اخبارات کو ایک طرف رکھ کر وہ لفافہ کھولنے لگا جو اُسے کمرے کے اندر فرش پر دروازے کے قریب پڑا ہوا ملا تھا۔ اُسے یقین تھا کہ یہ پیغام یا تو فیروزہ کی طرف سے ہوگا یا پھر لی وانگ کی طرف سے۔ ان ہی دونوں کو یہ علم تھا کہ وہ کہاں مقیم ہے۔

پھر اُس کے چہرے پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ لفافے کے اندر سے نکلنے والے خوبصورت لیٹر ہیڈ پر ڈینگو سنز انویسٹیگیشن کے سنہرے حروف جھلملا رہے تھے۔

"یہاں ایک ایسا گروہ ہے جس پر تم یقیناً نظر رکھنا چاہو گے۔ یہ گروہ بھی کرنل سے ممنوعہ اور غیر قانونی اسلحہ خریدتا ہے۔ اس گروہ کا نام ینگ یانگ بلیک ہے۔ پتا درج ذیل ہے۔"

پیغام صرف اتنا ہی تھا اور پیغام بھیجنے والے کا نام ندارد۔ وہ سوچنے لگا پھر اُس نے لیٹر ہیڈ کو بڑی احتیاط سے چاک کرکے جلایا اور سنک میں بہا دیا۔

دو گھنٹے بعد وہ کالج آف کامرس کے کیمپس کے سامنے گاڑی پارک کر رہا تھا۔ پیغام میں اسی جگہ کا ذکر تھا۔ اُس نے پہلی ہی نظر میں بھانپ لیا کہ یہ مقام مختلف نسلوں کے لوگوں سے بھرا پڑا ہے۔ فٹ پاتھ پر متعدد لاماز، چینی، تائیوانی اور فروصی نظر آئے۔ قریب ہی وہ آٹھ منزلہ اپارٹمنٹ ہاؤس تھا جس کی نشاندہی خط میں کی گئی تھی۔ اس وقت دس بجے تھے اور اپارٹمنٹ ہاؤس میں لوگوں کا آنا جانا جاری تھا۔ ٹائیگر بھی چھوٹے چھوٹے قدم اُٹھاتا ہوا زینے کی طرف بڑھ گیا۔ تیسری منزل کے ایک اپارٹمنٹ پر ۱۶ نمبر لکھا ہوا تھا اور ٹائیگر کو یہیں دستک دینی تھی۔ اُس نے تین مرتبہ دستک دی لیکن جب جواب نہیں ملا تو وہ دروازے کو دھکا دے کر بے دھڑک اندر چلا آیا۔ وہ ایک چھوٹے سے ہال وے میں تھا اور اس راہداری نما راستے میں چار دروازے نظر آ رہے تھے۔ اس نے پہلے دروازے پر دستک دی لیکن اُسے کوئی جواب نہیں ملا اور پھر اچانک ہی اُس نے ایک ہلکی سی آواز سُنی۔ یہ یقیناً کسی کی ایسی چیخ تھی جس کو دبانے کے لیے مُنہ پر ہاتھ رکھ دیا گیا تھا۔ ٹائیگر چوکنا ہوگیا۔ اُس نے تمام حسیات جمع کیں اور پھر چوتھے دروازے کو گھورنے لگا۔

دبی دبی سی چیخ پھر بلند ہوئی اور اس کے ساتھ ہی ٹائیگر کی زوردار کِک دروازے پر پڑی۔ دروازہ کسی کھلونے کی طرح ٹوٹ کر قلابوں سمیت گر گیا۔

وہاں کا منظر بہت خوفناک تھا۔

دو تائیوانی ایک عورت پر جھکے ہوئے تھے جو ایک بینچ پر رسیوں سے بندھی ہوئی تھی۔ ایک شخص نے عورت کے مُنہ پر ہاتھ رکھا ہوا تھا۔ بلند قامت شخص کے ہاتھ میں جو چاقو تھا اُس کی دھار سے شارک کی کھال بھی اُتر سکتی تھی۔ اس نے چاقو کو یقیناً قریب ہی موجود اسپرٹ لیمپ پر گرم بھی کیا تھا اور اُس کا ارادہ لڑکی پر تشدد کرنے کا تھا۔

مگر اب وہ چونک کر... بلکہ خوفزدہ انداز میں دروازے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اُس نے چاقو تول کر ٹائیگر کی طرف پھینکا۔ ٹائیگر اپنی جگہ سے نہیں ہلا بلکہ اُس نے چاقو پر نظر جمائے رکھی اور پھر اُس کا دایاں ہاتھ بلند ہوا۔ چاقو کا دستہ اُس کے ہاتھ میں چپک گیا لیکن یہ صرف پلک جھپکنے کی بات تھی۔ چاقو نے واپسی کا سفر شروع کیا اور دراز قامت شخص کے سینے میں پیوست ہوگیا۔ چاقو کا مالک حیرت سے اپنے سینے کو دیکھتا رہا... جس سے اب خون کا فوارہ بلند ہو رہا تھا... یہ حیرت پل بھر میں خوف بن گئی۔ خوف نے موت کی شکل اختیار کر لی اور وہ چیخ مارنے کی کوشش میں ناکامی کے بعد گر کر ساکت ہوگیا۔

"تم کوئی حرکت نہیں کرو گے۔" ٹائیگر نے دوسرے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

شخص کو دیکھ کر کہا۔

دوسرا شخص بہر حال مفلوج ہو چکا تھا۔ وہ ساکت رہا حتیٰ کہ ٹائیگر اس کے بہت قریب پہنچ گیا۔ اس نے بیڈ کی طرف دیکھا اور پھر جھرجھری لے کر رہ گیا۔

وہ فیروزہ تھی۔ فیروزہ کی آنکھوں میں آنسو تھے جو اس کے سرخ گالوں پر بہہ رہے تھے۔

"شش... شہزاد... شکریہ..."

ٹائیگر نے تیزی سے اس کی بندشیں کھولیں اور ساتھ ہی ساتھ دوسرے شخص کو گھورتا رہا۔

وہ بیڈ سے اٹھ کر اپنی کلائیاں دبانے لگی۔

"اب تم بیڈ پر لیٹو۔" ٹائیگر نے مڑ کر دوسرے غنڈے سے کہا، غنڈہ خاموشی سے لیٹ گیا۔

"ذرا اس کو اچھی رسیوں سے باندھو فیروزہ۔" ٹائیگر نے کہا۔ فیروزہ جو اب سنبھل رہی تھی فوراً اپنے کام میں لگ گئی۔ اس دوران میں ٹائیگر نے چاقو سینے سے نکال کر اسپرٹ لیمپ پر پھر گرم کرنا شروع کر دیا۔ اس کی نظریں اب بھی غنڈے پر تھیں۔

"کیا یہ چاقو گرم ہونے کے بعد زیادہ تکلیف دیتا ہے؟" اس کا لہجہ اتنا خوفناک تھا کہ فیروزہ بھی لرز کر رہ گئی۔

"مم... " غنڈہ خوفزدہ ہونے کے باعث مزید کچھ نہ کہہ سکا۔

"ٹھیک ہے۔ میں بھی تجربہ کر کے دیکھتا ہوں۔" ٹائیگر نے کہا۔ اس نے چاقو کے پھل کو ایک بار اسپرٹ میں اچھی طرح ڈبو کر اسے اسپرٹ لیمپ کے شعلے پر رکھا اور جونہی چاقو کے پھل نے آگ پکڑی، اس نے غنڈے کی قمیص پھاڑ کر چاقو اس کے سینے پر رکھ دیا۔ کمرے میں گوشت کے جلنے کی بو غنڈے کی چیخ سے پہلے پھیل گئی تھی۔

"پلیز شہزاد۔" فیروزہ کانپنے لگی۔ "اس نے تجھے کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔"

"خاموش..." ٹائیگر نے اس طرح فیروزہ کو گھورا کہ وہ دوسری طرف دیکھنے پر مجبور ہو گئی۔

"کیا تم بلیک گولڈ کا حصہ ہو؟" ٹائیگر نے چاقو اٹھا کر غنڈے سے پوچھا۔

"نن... نہیں... ہم بلیک گولڈ نہیں ہیں۔" وہ کراہتا ہوا بولا۔ اس کی خوف اور دہشت کے باعث بری حالت تھی کیونکہ ٹائیگر ایک بار پھر چاقو اسپرٹ انڈیل رہا تھا۔

"تب پھر تم نے اس لڑکی کو اغوا کیوں کیا؟"

"مجھے کچھ پتا نہیں۔"

"اوہ۔" ٹائیگر نے بھیانک انداز میں ہنستے ہوئے چاقو ایک بار پھر اس کے جھلسے ہوئے سینے پر رکھ دیا اور ساتھ ہی دوسرے ہاتھ سے اس کا منہ بند کر دیا تاکہ وہ چیخ بھی نہ سکے۔ "بولو لڑکے... ورنہ پورے جسم کو اسی طرح داغ ڈالوں گا۔"

اس بار غنڈے نے اس طرح سر ہلایا جیسے وہ جواب دینا چاہتا ہو لہٰذا ٹائیگر نے اس کے منہ سے ہاتھ ہٹا لیا۔

"بولو۔" ٹائیگر نے اسے لمبی لمبی سانسیں لیتے ہوئے دیکھ کر کہا۔

"یہ... یہ مسلسل کھوج میں تھی کہ یہ معلوم کرے... کہ... ہم نے ڈائنامائیٹ کہاں سے حاصل کیا۔ اسی لیے ہمیں اس پر شبہ ہو گیا لل... لیکن ہمیں خود بھی حیرت ہے کہ اسے... یہ علم کیسے ہو گیا کہ ہمارے پاس ڈائنامائیٹ ہے۔"

"بلیک گولڈ کے بارے میں کیا جانتے ہو؟"

"میرا اس سے کوئی تعلق نہیں۔"

"تم سچ کہتے ہو۔" ٹائیگر نے تیسری مرتبہ چاقو اس کے سینے پر رکھا تو وہ بری طرح تڑپنے لگا اور فیروزہ نے دوسری طرف منہ پھیر لیا۔ آنسو غنڈے کے گالوں پر بہنے لگے۔

"بولو۔" ٹائیگر غرایا۔ "کیا تم بلیک گولڈ میں شامل ہو؟" ٹائیگر کے اس لہجے میں سلگتے ہوئے چاقو سے زیادہ کاٹ تھی۔

"ہاں... ہاں..." غنڈہ بری طرح تڑپ رہا تھا کیونکہ اب اس کے سینے پر گوشت بھی جلنے لگا تھا۔ "میں... میں ریکروٹ ہوں... رقم جمع کرنے... میں..." اور پھر وہ مزید کچھ نہ کہہ سکا۔ کیونکہ وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔

ٹائیگر نے اسے یہاں چھوڑنا مناسب نہیں سمجھا۔ وہ اس سے مزید معلومات حاصل کر سکتا تھا لہٰذا اس نے اسے اپنے کندھے پر ڈال لیا۔ فیروزہ اس کا مقصد سمجھ گئی۔ وہ اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگی۔

باہر پہنچ کر ٹائیگر نے لوگوں کی متجسس نظروں کی پروا کیے بغیر لاغازی کو اپنی گاڑی میں ڈالا اور فیروزہ بھی اگلی نشست پر بیٹھ گئی۔

"اسے میرے اپارٹمنٹ میں لے چلو۔" اس نے دھیمے لہجے میں کہا۔ "ہم اسے عقبی راستے سے اوپر لے جا سکتے ہیں۔"

"مگر میں اس سے دو باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

"ضرور... اور وہ دو باتیں تم اپنے ہوٹل کے ڈنر ہال میں بہر حال نہیں کر سکو گے۔"

لاتعداد پراسرار اور سنسنی خیز داستانوں کے خالق

ایم اے راحت کا

ایک اور ہیبت ناک پراسرار ایڈونچر ناول

طلسم زادی

روشنی کی دنیا سے دور پراسرار دنیا کی کہانی جہاں مافوق الفطرت زندگی کا دور دورہ تھا، دو دشمنوں کی عجیب داستان جنہوں نے جب ایک دوسرے کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا تو ایک ناقابل یقین کہانی نے جنم لیا۔

ایم اے راحت کا وہ شاہکار ناول جسے شروع کرنے کے بعد مکمل کیے بغیر رکنا ناممکن ہو۔

شائع ہو گیا ہے ہر اچھے بکسٹال سے طلب کریں۔

کتاب آپ کے قریبی بک سٹال سے طلب فرمائیں یا ادارے کے نام منی آرڈر بھیج کر کتاب آپ کو بک پوسٹ یا وی پی کے ذریعے گھر منگوا سکتے ہیں

دو حصوں میں حصہ اول 150/- حصہ دوم 150/-

خط و کتابت کے لئے

مکتبہ القریشی سرکلر روڈ، اردو بازار، لاہور ۲

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

بیس منٹ بعد وہ لامازی فیروزہ کے اپارٹمنٹ میں تھا۔ اگرچہ ٹائیگر نے اسے اب باندھا نہیں تھا مگر پیٹ کے بل لٹا دیا تھا۔ کلائیوں، پنڈلیوں اور گردن پر نائیلون کی رسّی کے اتنے ڈھیلے پھندے ڈال دیے گئے تھے کہ اگر وہ اچھل کود کرے تو یہ پھندے خود ہی تنگ ہوتے چلے جائیں۔

وہ اس وقت تک انتظار کرتا رہا جب تک قیدی کو ہوش نہیں آگیا۔ جونہی اُس نے لامازی کے پپوٹوں میں جنبش دیکھی اُس نے یخ پانی کا گلاس اس کے چہرے پر انڈیل دیا۔

"کیا مصیبت ہے؟" قیدی بہت زور سے اس طرح چلایا جیسے گہری نیند سے بیدار ہوتا اُسے سخت ناگوار گزرا ہے۔ پھر وہ معاً چونک پڑا۔

"ارے... میں کہاں ہوں؟ کیا ہو رہا ہے؟" وہ مختلف سوالات کرتا رہا مگر ٹائیگر کو پوری طرح علم تھا کہ وہ ہوش میں آنے کے بعد بن رہا ہے۔ قیدی کی آنکھیں ہی چغلی کھا رہی تھیں۔ جب قیدی کو یقین ہو گیا کہ سامنے بیٹھا ہوا شخص اس کے کسی بھی اعتراض کو خاطر میں نہیں لا رہا ہے تو اُس نے چپ سادھ لی مگر اب ٹائیگر گھٹنوں کے بل اُس کے قریب بیٹھ رہا تھا۔

"ہم اب کھل کر بات کریں گے پچھلی کے چہرے والے منحوس۔" ٹائیگر نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "میں سوال کروں گا... تم جواب دو گے اور اگر تم نے جواب نہیں دیا تو میں تمہارے چھپیروں کو ہوا کی فراہمی روک دوں گا۔" یہ کہتے ہوئے ٹائیگر نے گردن والی رسّی کو ہلکا سا جھٹکا دیا تو رسّی گردن کے گرد تنگ ہونے لگی اور قیدی حواس باختہ ہونے لگا لیکن پھر ٹائیگر نے رسّی دوبارہ ڈھیلی کر دی۔

"کچھ سمجھے؟" وہ نرم لہجے میں بولا۔ "اب اپنا نام بتاؤ۔"

"بلی چانگ۔"

"مگر شکل سے تو تم لامازی لگتے ہو؟"

"بہت سے لامازیوں کے ایسے ہی نام ہیں۔" بلی چانگ نے تھوک نگل کر جواب دیا۔

"تمہارے دوست نے مرنے سے قبل ہمیں بلیک گولڈ سے تمہارا تعلق بتا دیا تھا۔" ٹائیگر نے خالصتاً پولیس والوں کے انداز میں اندھیرے میں تیر پھینکا۔ "کیا عبدل سے تمہاری حال ہی میں ملاقات ہوئی تھی؟"

"کس سے؟" بلی چانگ نے حیرت کا مظاہرہ کیا اور پھر اس کی کراہ... نکل گئی کیونکہ فیروزہ نے جو قدرے دُور بیٹھی ہوئی تھی وہ رسّی کھینچی تھی جو قیدی کی کلائی کے ساتھ بندھی ہوئی تھی۔ اس کے ہاتھوں کی نسیں اُبھر آئیں اور وہ تڑپنے لگا۔

"عبدل ڈیلی سے؟" ٹائیگر نے جواب دیا ساتھ ہی فیروزہ کو اشارہ کیا کہ وہ رسّی ڈھیلی کر دے۔ ویسے اس وقت اُسے حیرت تھی کہ فیروزہ نے کس طرح بروقت رسّی کھینچی تھی اور کتنی قوت کا استعمال کیا تھا۔ وہ سمجھ گیا کہ یہ لڑکی طاقت کے استعمال میں پوری طرح تربیت یافتہ ہے۔ "بولو بلی چانگ، ورنہ یہ بلی تمہاری کلائی توڑ دے گی۔" ٹائیگر نے مسکرا کر کہا۔

"اُس سے... میری ملاقات دو تین روز سے نہیں ہوئی۔" قیدی اب پوری طرح خوفزدہ ہو چکا تھا۔

"تمہارا اس سے کیا تعلق ہے؟"

"تعلق؟" وہ تھوک نگل کر بولا۔ "اسے ہیروئن کی ضرورت ہوتی ہے اور اسے فراہمی کے لیے ہماری ضرورت ہوتی ہے۔ بعض اوقات لڑکی کے ساتھ بھی کام کرتا ہوں۔"

"کس لڑکی کے ساتھ؟"

"کسی بھی لڑکی کے ساتھ۔" بلی چانگ نے نظریں چراتے ہوئے جواب دیا مگر اُس کی کربناک چیخ کے ساتھ ہی دم توڑ گئی۔ ٹائیگر نے اس کے سر پر ٹھپ چپت لگائی تھی۔ "ٹھیک ہے... مارڈالو۔ دیکھتا ہوں کہ تم لائل سے کتنی معلومات حاصل کر سکتے ہو۔" وہ جذباتی انداز میں چلانے اور تڑپنے لگا۔ اس کی حالت بہت غیر

(اس بار ٹائیگر نے دونوں ہتھیلیاں اس کے کانوں پر ماریں مگر جان بوجھ کر ضرب کی شدت انتہائی کم رکھی۔ وہ اُسے قتل کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اس ضرب کی شدت بہرحال چانگ جیسے عام آدمی کے لیے زیادہ تھی۔ ہوا کے تھپیڑے اس کے کانوں میں گھسے پردوں سے ٹکرائے اور شاید ایک کان کا پردہ پھٹ گیا۔

"کمینے۔" وہ زور سے چلایا اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ ٹائیگر خاموشی سے اُسے دیکھتا رہا۔ اسے یقین تھا کہ بلی چانگ ابھی قوتِ سماعت سے فوری محروم نہیں ہوا ہے۔

"کیا تم سولن سے واقف ہو؟" ٹائیگر نے بلی چانگ کو دوبارہ قابو پانے کا موقع دے کر پوچھا۔

بلی چانگ کے چہرے پر نام سنتے ہی مُردنی چھا گئی اور ٹائیگر کو اس سوال کا جواب مل گیا۔

"بلیک گولڈ کا ہیڈ کوارٹر کہاں ہے بلی؟"

"تلاش کرنے کی کوشش کرو۔" قیدی اب شاید ہٹ دھرمی پر اُتر آیا تھا۔

ٹائیگر نے فوراً فیروزہ کو اشارہ کیا جس نے اپنے ہیروئن

ہی ہوئی رسّی کھینچی لی اور چانگ کی گردن کے گرد پھندا تنگ ہونے لگا۔ اس کا جسم تڑپنے لگا۔

"بولو چانگ... ورنہ گردن ٹوٹ جائے گی۔"

وہ خاموش رہا۔

"فیئر... وزہ..." ٹائیگر نے اُسے پھر اشارہ کیا۔ اس بار فیروزہ نے انگلیوں کو جھٹکا دیا اور پھندا اتنا تنگ ہو گیا کہ بلی چانگ بُری طرح کھانسنے لگا لیکن پھر اچانک ہی ٹائیگر نے اپنی رسّی سے جھٹکا دے کر پھندا ڈھیلا کر دیا۔ بلی چانگ سے نمٹنے کا یہ طریقہ نہیں تھا۔ اب رسّی صرف اتنی ہی کھنچی ہوئی تھی کہ بلی چانگ کا سر فرش پر ٹک سکے اور اسے سانس لینے میں دشواری پیش آتی رہے۔

پھر ٹائیگر نے کچن سے جا کر چاقو اُٹھایا۔ چانگ اپنی مشکل پوزیشن میں بڑا ہوا چاقو کو گھورتا رہا اور جب ٹائیگر اُس کے قریب پہنچا تو وہ کسمسانے لگا۔

"نہیں بلی چانگ۔" فیروزہ سفاک لہجے میں بولی۔ "کسمساؤ گے تو گردن ٹوٹ جائے گی۔ یہ پھندا ایسا ہی ہے۔"

اسی لمحے ٹائیگر نے بلی چانگ کے بالائی لب پر چاقو پھیر دیا۔ تو ہلکا سا کھنچا ہوا بالائی لب پر خون کی بوندیں اس طرح لرزنے لگیں جیسے پسینے کی بوندیں ہوں۔

"بلی چانگ۔" ٹائیگر کا لہجہ بہت عجیب تھا۔ شاید ٹائیگر نے اسے تھپڑ نہیں مارا ہوگا کہ کسی آدمی کو اس طرح ہلاک کرنے کے لیے پورے جسم پر اس قسم کے ایک ہزار گھاؤ لگانا ہوتے ہیں۔"

بلی چانگ کی کانی آنکھیں اُسے گھورنے لگیں۔ ان آنکھوں میں اب خوف نہیں، صرف نفرت تھی۔

"تم مجھے ہلاک نہیں کرو گے۔" اُس نے بھی عجیب لہجے میں جواب دیا۔

"اچھا۔" ٹائیگر مسکرانے لگا اور پھر اس نے تیزی سے بلی چانگ کے نرخرے پر چاقو پھیر دیا لیکن اس بار بھی وہی حکمتِ عملی اپنائی تھی۔ گلا نہیں صرف خراش ہی پڑی تھی لیکن موت کو اتنے نزدیک دیکھ کر بلی چانگ کا حوصلہ جواب دے گیا۔ وہ چیخ اُٹھا۔

"نن... نہیں۔ تم مجھے مار ڈالو گے... تم جلاد ہو... میں دوسروں کا فیصلہ دار نہیں سولن... وہ کمینی بھی ایسا مظاہرہ نہیں کرتی۔"

"ہیڈ کوارٹر کہاں ہے بلی چانگ؟" ٹائیگر اب اُس کی آنکھوں کے سامنے چاقو لہرا رہا تھا۔

"ایک سو بہتر ویں اسٹریٹ پر۔ ایک پرانے اپارٹمنٹ ہاؤس میں جو انھوں نے ایک سال قبل خریدا تھا۔ اُسے ایوانِ صیاد کہتے ہیں۔" بلی چانگ کی نظریں چاقو پر تھیں۔ زبان قینچی کی طرح چل رہی تھی اور وہ خود پسینہ پسینہ ہو رہا تھا۔

"تم ٹی۔ وی اور ریڈیو چینلوں کی تباہی کا سُن چکے ہو گے اب اُن کا کیا ارادہ ہے؟" ٹائیگر نے چاقو صرف ایک انچ دُور رکھ کر پوچھا۔

"مجھے اُن کے ارادوں کا کوئی علم نہیں۔" وہ فوراً بولا۔ "لیکن میں اتنا جانتا ہوں کہ انھوں نے دو، دو روز کے وقفے سے تین ٹارگٹ اُڑانے کا منصوبہ بنایا ہے... شاید تیسرے ٹارگٹ کا تعلق پانی سے تھا۔ عظیم تر منصوبہ آب رسانی سے..."

"پانی۔" ٹائیگر جانتا تھا کہ پانی کو کتنا بڑا اور مہلک ہتھیار بنایا جا سکتا ہے۔

"کیا وہ پائپ لائن تباہ کریں گے یا پانی میں زہر ملائیں گے؟" اُس کا لہجہ بہت خطرناک تھا۔ "بولو بلی چانگ۔ سوچ کر جواب دو۔ یہ بہت ضروری سوال ہے۔"

"میں کچھ نہیں جانتا۔" بلی چانگ ہونٹوں پر زبان پھیر کر بولا۔ "مجھے کچھ پتا نہیں لیکن سولن نے کسی ایسی چیز کا ذکر کیا تھا جو بیرونِ ملک سے جلد ہی یہاں پہنچنے والی ہے۔ اُس کا کہنا تھا کہ جب لوگوں کو اس چیز کی موجودگی کا احساس ہو گا تو وہ حیرت زدہ رہ جائیں گے... ایسے لوگ حیرت زدہ رہ جائیں گے جو زندہ بچیں گے۔"

"پھر یہ چیز زہریلا ایٹم سے بھی زیادہ خطرناک ثابت ہو سکے گی۔" فیروزہ پہلو بدل کر بولی۔ اُس کے چہرے پر نفرت اور خوف کے ملے جلے تاثرات تھے۔

"ہاں..." ٹائیگر اس طرح بولا جیسے شیر کچھار میں غرا رہا ہو۔ اُس نے بلی چانگ کی گردن کی رسّی الگ کی اور اس کے بعد باقی بندشیں بھی کاٹ دیں۔

"کوئی اور بات جو تم ہمیں بتانا چاہو بلی چانگ۔" اُس کا لہجہ اب کی بار انتہائی نرم تھا۔

"ہم..." چانگ نے اپنے اُوپر جھکے ہوئے ٹائیگر کو دیکھا اور کانپ کر رہ گیا۔ اُسے اب یقین آگیا تھا کہ یہ وہی شخص ہے جس نے ڈیلی آٹو پینٹنگ کمپنی میں خونریزی کی تھی اور تباہی مچا دی تھی۔ وہ ذہن پر زور دینے لگا۔ اُس کی خواہش تھی کہ ذہن میں موجود ہر بات اس شخص کو بتا دے۔

"بولو چانگ! تم کچھ سوچ رہے ہو۔" ٹائیگر نے دھیرے سے کہا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"اب میرے پاس تمہارے کام کی کوئی اور بات نہیں۔ میں صرف مشورہ دے سکتا ہوں اور وہ یہ کہ اسلحے کے اس گودام سے خبردار رہنا۔ وہ بظاہر بہت آسان ٹارگٹ لگتا ہے لیکن میں نے سنا ہے کہ وہ ایک فوجی قلعے کی طرح ہے۔ وہاں مشین گنیں فٹ ہیں۔ اندر فوجی ہیلی کاپٹر پر عمل کیا جاتا ہے۔ وہاں بے شمار ہتھیار ہیں جن کو استعمال کرنے والوں کی بھی کمی نہیں۔ وہاں موجود لوگوں کی اکثریت لامازی قبیلے ہی سے تعلق رکھتی ہے۔ میں آج تک اندر نہیں جھانک سکا۔ تم اس قلعے میں اندھا دھند گھسنے کی کوشش مت کرنا۔" بلی چانگ یہ کہہ کر پیشانی پر ہتھیلی پھیرنے لگا۔

"بلی چانگ!" ٹائیگر نے اس کے گریبان میں ہاتھ ڈال کر اسے کھینچا اور پیروں پر کھڑا کر دیا۔ "میری خواہش ہے کہ تم نے جو کچھ کہا ہے وہ سچ ثابت ہو لیکن اگر مجھے اس کے برعکس کچھ معلوم ہوا اور تم جھوٹے ثابت ہوئے تو پھر تمہیں پاتال میں بھی تلاش کر لوں گا۔ تمہاری زبان کاٹ پھینکوں گا اور تمہاری آنکھیں نکال دوں گا۔"

"میں نے جھوٹ نہیں بولا۔" بلی چانگ نے جھرجھرانے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

۲۷

نصف گھنٹے بعد ٹائیگر بلی چانگ کو تائیوانی بستی کے قریب چھوڑ دیا اور پھر خود ایک میل تک گاڑی چلانے کے بعد ایک جگہ رک گیا۔ وہ سوچ رہا تھا اور یہ سوچ کر ہی اسے مبہم میں عجیب سی سنسنی محسوس ہو رہی تھی کہ وہ اپنی عقل استعمال کر رہا ہے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ اس نے اندھا دھند کارروائیاں بھی کی تھیں اور عقل کا استعمال بھی۔ بلی چانگ کو چھوڑنے والی بات بھی اس کے بنیادی سفاکانہ کردار کے منافی تھی لیکن اس نے اسے چھوڑ دیا تھا۔

اب وہ کسی اندھا دھند کارروائی سے قبل قلعے کا اندر سے معائنہ کرنا چاہتا تھا۔

وہ سوچتا رہا اور پھر ایک نتیجے پر پہنچ گیا۔ اسے قطعی عملہ کرنے سے قبل ایک ہلکی پھلکی کارروائی کرنی تھی۔ اس نے گاڑی اسٹارٹ کی۔ اب اس کا رخ ایک سو بہتر ویں اسٹریٹ کی طرف تھا۔

اسی لمحے اس نے لاشعوری طور پر ریڈیو کھول دیا۔ خبریں نشر ہو رہی تھیں۔ بلیک گولڈ کے تازہ ترین مطالبے کا ذکر ہو رہا تھا۔

"پولیس سے مطالبہ کیا گیا ہے کہ وہ تین کروڑ روپے کی مالیت کے چھوٹے اور استعمال شدہ نوٹ بالائی شاہ جان اسٹریٹ پر ایک ہنڈا سوک کار میں لے کر آئے۔ پولیس نے ایسا ہی کیا شاہ جان اسٹریٹ پر کار کے ڈرائیور کو بذریعہ ریڈیو حکم ملا کہ چلتا رہے۔ ہنڈا کار پر ڈیڑھ سو پولیس والوں نے نظر رکھی۔ پولیس کی عام گاڑیاں اس کار کے متواتر چلتی رہیں۔ کار کالج آف کامرس کے سامنے سے گزری اور پھر پل عبور کر گئی۔ یہ گاڑی جب دریا کے قریب پہنچی تو ڈرائیور کو سپیریئر پیغام ملا کہ وہ جنرل آزادی غسال اسٹیڈیم کے پارکنگ میں پہنچے۔ وہاں کھڑکیوں کے شیشے گرا کر اپنی جان بچانے کے لیے فرار ہو جائے۔ ڈرائیور نے ایسا ہی کیا۔ اس سے قبل کہ پولیس کا ایک بھی یونٹ اس کار کے قریب پہنچتا ایک ہیلی کاپٹر فضا میں نمودار ہوا اور چشم زدن میں کار کے اوپر پہنچ گیا۔ اس ہیلی کاپٹر سے ایک لامازی کودا۔ اس نے ہنڈا کے پہیوں میں رسی باندھی اور محض تیس سیکنڈ بعد ہیلی کاپٹر ہنڈا کو اٹھا کر بلند ہو رہا تھا۔

پہلی پولیس کار کے رکنے تک ہیلی کاپٹر پستول کی رینج سے باہر ہو چکا تھا۔ اس کا رخ شمال کی طرف تھا۔

گلشن آباد کی پولیس اگرچہ بے بسی سے ہاتھ مل رہی تھی مگر ایک شخص ایسا بھی تھا جو غصے کے باوجود جزائر کی پولیس کو خبردار کر رہا تھا کہ بلیک گولڈ کا ہیلی کاپٹر ان کی حدود میں داخل ہونے والا ہے۔ یہ فٹ کانسٹیبل صرف اتنا ہی کر سکتا تھا۔ تاہم مواصلاتی نظام کے خراب ہونے کی وجہ سے یہ انتباہ مقررہ دفتر میں موصول نہیں ہوا اور جب تک آئی لینڈ پولیس کو اس صورت حال کا علم ہوتا، واردات کو بیس منٹ ہو چکے تھے اور ظاہر ہے کہ یہ بہت زیادہ تاخیر تھی۔

تاہم فضا میں معرکہ ابھی جاری تھا۔

گلشن آباد پولیس فورس کے ہیلی کاپٹروں نے مشکوک ہیلی کاپٹر دیکھتے ہی تعاقب شروع کر دیا۔ یہ ہیلی کاپٹر چھوٹے اور ہلکے تھے لہٰذا جلد ہی

بلیک گولڈ کے ہیلی کاپٹر کے قریب پہنچنے لگے تاہم بلیک گولڈ کی طرف سے یکے بعد دیگرے دو درجن گولیاں چلیں۔ ہیلی کاپٹر میں موجود ملزم میگنم رائفل استعمال کر رہے تھے۔ ایک گولی ایک پولیس ہیلی کاپٹر کے انجن میں لگی جس کو مجبوراً ہنگامی لینڈنگ کرنی پڑی۔ دوسرے ہیلی کاپٹر نے بھی گولیاں کھائیں لیکن اسے سنگین نقصان نہیں پہنچا۔ اسی ملے جلے ردعمل کو حکم ملا کر وہ ہیلی کاپٹر سے دور رہ کر اس پر کڑی نظر رکھے اور آئی لینڈ میں جس جگہ بھی اسے اترتا ہوا دیکھے آئی لینڈ پولیس کو خبردار کرے۔ تاہم بلیک گولڈ کے ہیلی کاپٹر نے نیچی پرواز کر کے ہلکہ گلیوں میں سے گزر کر پولیس ہیلی کاپٹر کو کامیابی سے غچہ دے دیا اور پھر ایک کھلے میدان میں اتر گیا۔ یہاں سے محض چند کلو دور جنگل تھا۔ چند ہی لمحوں بعد ہیلی کاپٹر جنگل میں کھپا جا چکا تھا۔ پولیس کے مطابق ملزم ہیلی کاپٹر سے اتر کر دو کاروں میں سوار ہوئے اور فرار ہو گئے۔ آئی لینڈ پولیس کو اگرچہ بہت دیر سے اطلاع ملی تھی لیکن وہ ملزموں کے فرار کے بعد ہی وہاں تک پہنچ سکی تھی۔"

ٹائیگر یہ سب کچھ سنتا رہا اور سر ہلاتا رہا۔ اسے پوری طرح اندازہ تھا کہ بلیک گولڈ کس منظم طریقے پہ کام کر رہا ہے۔ اس نے یہ سوچتے ہوئے ریڈیو بند کر دیا کہ اب کام شروع کرنے کا وقت آ گیا ہے۔ تاہم وہ مخالفوں کی فائر پاور اور لے آؤٹ کا اندازہ کیے بغیر مکمل دھاوا بولنا نہیں چاہتا تھا۔ اس بار اس کی حکمت عملی مختلف تھی۔

وہ شاہراہ شاہ جان کی ۹۶ ویں اسٹریٹ تک چلا آیا اور پھر چمن زار لب دریا کی طرف گھوم گیا۔ ایک سنسان جگہ پہ اس نے گاڑی روکی۔ سیٹ کے نیچے سے ہائی اسٹینڈرڈ اعشاریہ ۲۲ کا آٹومیٹک اور سائلنسر نکالا۔ فاضل میگزین لیا۔ ڈارٹ گن سیٹ کے نیچے ڈالی۔ آٹومیٹک پہلو کے ہولسٹر میں لگایا اور پھر کچھ سوچ کر سیٹ کے نیچے سے نئے طرز کا سفید فاسفورس بم بھی نکال کر جیب میں ڈال لیا۔

لیکن وہ اب بھی کوئی فیصلہ نہیں کر سکا تھا۔

چند لمحوں تک وہ سوچتا رہا اس کے بعد اس نے ڈارٹ گن دوبارہ اٹھا کر بیلٹ میں اڑس لی۔ اس کی یہ پرانی خواہش عود کر آئی تھی کہ بے گناہ نہ مریں تو بہتر ہے۔

اب وہ گاڑی پیدل ڈرائیو کر رہا تھا۔

ہلکے پھلکے حملے کے لیے اس کی تمام تیاریاں مکمل تھیں۔

ایک سو بہتر ویں اسٹریٹ کے جس اپارٹمنٹ کمپلیکس کی اسے تلاش تھی وہ بہت پرانا لگتا۔ چار منزلہ عمارت آثار قدیمہ میں شامل کی جا سکتی تھی۔ اس کی چند کھڑکیوں پر پردے نظر آ رہے تھے۔ عمارت پہ ویرانی کا راج تھا۔ نہ تو صحن میں بچے کھیل رہے تھے اور نہ ہی زینوں پر بڑوں کی گپ شپ ہو رہی تھی۔ عمارت میں داخل ہونے کے دروازے کے ساتھ ہی اوپر جانے کے لیے زینہ تھا۔ وہاں ٹائیگر کو ایک لامازی غنودگی کی حالت میں نظر آیا۔ وہ شاید وقت گزار رہا تھا تاہم ٹائیگر کو فوراً ہی احساس ہو گیا کہ اس نوجوان کی تمام حسیں بیدار ہیں۔ وہ سڑک پر نگاہ رکھے ہوئے ہے۔

ٹائیگر گاڑی عمارت کے سامنے سے گزارتا ہوا لے گیا۔ کچھ دور جا کر اس نے ایک موڑ پر گاڑی پارک کی اور پھر پیدل اس قلعے کی طرف چل دیا جس کا ذکر بلی چانگ نے کیا تھا۔

سڑک عبور کرتے ہوئے اسے اپنے جسم میں کسی کی آنکھیں چبھتی ہوئی محسوس ہوئیں۔ وہ سمجھ گیا کہ لامازی نوجوان اسے گھور رہا ہے۔ وہ چاہتا بھی یہی تھا۔ اس نے دوسری فٹ پاتھ پر پہنچ کر اسٹریٹ سائین کی طرف دیکھا اور سر ہلاتا ہوا چلنے لگا۔ اب اس کے ہاتھ میں ڈارٹ گن چھپی ہوئی تھی۔

"ٹھہرو!" عمارت کے دروازے پر پہنچ کر اس نے لامازی کو مخاطب کیا۔ "فرید اسٹریٹ کون سی ہے؟"

"میں انکوائری آفس نہیں ہوں۔ بھاگ جاؤ۔" لامازی نے جھنجلائے ہوئے انداز میں جواب دیا۔ مگر اس کی یہ جھنجلاہٹ زیادہ دیر باقی نہیں رہی کیونکہ ڈارٹ گن کی سوئی اس کے شانے میں چبھ چکی تھی۔ ٹائیگر نے اسے گرنے سے قبل ہی تھام لیا اور پھر زینے سے اوپر کھینچ کر لے گیا۔ وہاں اس نے لامازی گارڈ کو ایک طرف چھپا کر ادھر ادھر دیکھا۔ دروازے کے عقبی حصے میں ریت کی بوریوں سے باقاعدہ مورچہ بنایا گیا تھا۔ مورچے کی یہ دیوار تقریباً آٹھ فٹ بلند تھی۔ اس نے زینے کے دائیں طرف جھانک کر دیکھا۔ مزید دو لامازی ہال سے نکل رہے تھے۔

ٹائیگر ان کے چلے جانے کا انتظار کرتا رہا۔ فی الوقت وہ مار دھاڑ کے موڈ میں نہیں تھا۔ لامازیوں کے اوجھل ہوتے ہی اس نے زقند بھری اور دوسری منزل پر پہنچ گیا۔ یہاں ایک مکمل کلاس روم

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کا منظر پیش کر رہا تھا۔ یہاں بلیک بورڈ بھی تھا اور کرسیاں بھی۔ صرف اُستاد اور شاگرد غائب تھے۔ اُس نے واپس پلٹنے سے قبل کمرے کا دروازہ بند کیا اور ساتھ ہی قفل بھی دبا دیا۔

اب وہ عقبی کھڑکی سے جھانک رہا تھا۔ یہاں سے اُسے سو مربع فٹ کا صحن نظر آ رہا تھا جس کے چاروں طرف عمارت کی دیواریں تھیں۔ احاطے کے چاروں طرف دروازوں پر مشین گنوں سے لیس گارڈ کھڑے ہوئے تھے۔ احاطے کے وسط میں تین افراد مارٹر پریکٹس کر رہے تھے۔ اُن کی وردیاں سیاہ تھیں۔

ٹائیگر کو یہ معلوم کرنا تھا کہ بلیک گولڈ کے پاس پانی کو زہر بنانے کے لیے کیا کچھ ہے... وہ کس طرح استعمال ہوگا؟ بلی چالنگ کا جملہ بہت واضح تھا "دو دن کے وقفے سے..."

اسی لمحے اُسے اپنے عقب سے کسی کی آواز سنائی دی۔ اُس نے پلٹ کر نہیں دیکھا بلکہ دیواروں پر پیر مارتے ہوئے اُلٹی چھلانگ لگا دی۔ اُس نے آواز سُن کر فاصلے کا اندازہ لگا لیا تھا اور یہ اُلٹی زقند اُس کی اس صلاحیت کا پہلا امتحان تھی۔

وہ کامیاب رہا۔

آواز پیدا کرنے والے پر وہ پیٹھ کے بل گرا، فوراً سیدھا ہُوا اور اُس کی کہنی نے باقی کام مکمل کر لیا۔ وہ عقب میں موجود شخص کے نرخرے پر لگی تھی۔ اُس کی گردن ہی نہیں ٹوٹی تھی، نرخرہ بھی حلق میں غائب ہو گیا تھا۔

ٹائیگر نے ذرا سی بے احتیاطی کا مظاہرہ کیا تھا اور وہ یہ کہ اُس شخص کی آخری چیخ نکلنے دی تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اُس کے بائیں ہاتھ کی کہنی نے سو فیصد درست کام کیا تھا لیکن دائیں ہاتھ کی ہتھیلی بروقت شکار کا مُنہ نہیں دبا سکی تھی۔ وہ غصّے سے سر جھٹکنے لگا۔ ساتھ ہی وہ قریبی زینے کی طرف لپکا۔ اُسے کئی قدموں کی دھمک صاف سُنائی دے رہی تھی۔ اُس نے مزید پسپائی اختیار کی اور ایک کمرے میں گھس گیا۔

یہاں اُس سے پھر ایک غلطی ہوئی۔

جلد بازی میں وہ چٹخنی جس کی گھنٹی نہیں سُن سکا تھا اور کمرے میں اب اُسے کسی اور کی موجودگی کا بھی احساس ہو رہا تھا۔ اس نے دائیں طرف دیکھا۔

سولن اُس کے سامنے کھڑی مسکرا رہی تھی۔ اُس کے پیچھے کرسیوں پر دس سیاہ پوش بیٹھے ہوئے تھے۔ سولن کے قریب میز پر اُس کا خوبصورت پستول پڑا ہُوا تھا مگر سولن نے اس کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا بلکہ قہقہہ لگاتے ہوئے بلاؤز سے ایک اور خوبصورت پستول نکال کر اُس کا رُخ ٹائیگر کی طرف کر دیا۔

"بس کرو ٹائیگر۔" وہ خونخوار انداز میں بولی تھی اور ٹائیگر کو ایسا لگا تھا جیسے اُس کے سر پر کوئی بم پھٹ گیا ہو۔ سولن کو اُس کا راز معلوم تھا اس کا مطلب صرف یہ تھا کہ اُس کا نوگان سے رابطہ تھا۔ ٹائیگر کی کنپٹیاں سُلگنے لگیں۔ نوگان کا نام ہی اُسے نفرت انگیز تھا۔

یہ بات واضح تھی کہ سولن نے اُس کا نام لے کر اپنی موت کے پروانے پر دستخط کر دیے ہیں۔

"بس کرو۔ قتل و غارت گری کے تمہارے دن ختم ہو چکے۔" سولن نے پھر کہا۔

"نوگان کہاں ہے؟" ٹائیگر کے حلق سے عجیب انداز میں یہ جملہ نکلا تھا اور یہ جملہ خاصولن کے لیے کوڑا تھا۔ اُس کا چہرہ ایک لمحے کو سُست گیا مگر وہ غضب کی عورت تھی۔ اُس نے اعصاب پر قابو پا لیا۔

"عظیم نوگان۔" سولن نے دھیرے سے کہا۔

"نوگان عظیم ہے۔" تمام سیاہ پوش ایک ساتھ بولے۔

"عظیم نوگان دریائے زرد کے آس پاس اس ٹھکانے کے ہم نے ٹائیگر کے جسم کی بوٹیاں کر کے دریائے فردوس میں بہا دی ہیں ٹائیگر شہزاد۔" سولن نے مسکرا کر کہا۔ "وہ بہت عظیم ہے۔ اُس کی عظمت تسلیم کی جا چکی ہے۔"

"کیا سناتجو کے لوگوں نے اُسے ماسٹر تسلیم کر لیا ہے سولن؟"

"سناتجو۔" سولن کے لہجے میں حقارت تھی۔ "وہ چھوٹا سا گاؤں اگر اُسے تسلیم نہیں کرتا تو کیا ہُوا۔ ہم دُنیا پر حکمرانی کرنے والے اُسے اپنا ماسٹر تسلیم کرتے ہیں۔"

"کیا تمہیں علم ہے کہ اس جعلی ماسٹر کا پچھلی بار میں نے کیا حشر کیا تھا سولن؟" ٹائیگر کے لہجے میں تندی آ رہی تھی۔

"خاموش۔" سولن بہت زور سے گرجی۔ "عظیم نوگان کو جعلی کہنے پر میں تمہیں ابھی گولی مار سکتی تھی لیکن یہ عظیم نوگان کا حکم ہے کہ تمہیں گولی نہ ماری جائے۔ چھوٹے چھوٹے چاقوؤں سے اس وقت تک گودا جائے جب تک ہر سوراخ سے تمہاری رُوح نہ نکل جائے۔"

"وہ عظیم نہیں۔ رب العالمین عظیم ہے اور اس وقت عظیم اُوشان کا عظیم فرزند تمہارے سامنے ہے۔ اُس اُوشان کا فرزند تمہارے سامنے ہے جس کا نام سُن کر کالے جادو کالے دل اور کالے عمل والوں کی رُوح فنا ہو جاتی ہے... اُس عظیم

ہنر کا شاگرد تمہارے سامنے ہے جس نے نوگان کو بُری طرح پیٹا تھا۔ میں... میں سناتجو کا بیٹا ہوں... میں..."

ٹائیگر کا جسم تپنے لگا۔ زمیہ لوک زبان سے پھسل رہا تھا اور سیاہ پوش کانپ رہے تھے۔

سولن کے چہرے کی رنگت فق ہو چکی تھی۔

زمیہ کا تاثر شدید تھا اور اس سے قبل کہ وہ سب گھٹنوں کے بل جھک جاتے سولن نے جھرجھری سی لی۔

"بس کرو۔" اُس کا لہجہ خوفناک تھا "زبان بند کرو اور ریوالور ایک طرف ڈال دو۔"

ٹائیگر نے اجنبی اجنبی سے انداز میں ان سب کو دیکھا۔ سر ہلایا اور پھر ریوالور دُور ڈال دیا۔ وہ اس وقت ان سب کو مار سکتا تھا لیکن صرف اس شک کی وجہ سے اُس نے کوئی حرکت نہ کی کہ شاید اُن کے توسط سے نوگان سے آمنا سامنا ہو جائے۔

یہ اُس کی قوت شامہ کی غلطی تھی۔

یہاں نوگان نہیں تھا لیکن اُس کا نام سُنتے ہی اُسے نوگان کی بو آنے لگی تھی۔

پھر مشاق اُس کی تمام حسیں بیدار ہو گئیں۔ نوگان کی بدبُو ختم ہو گئی۔ سولن کے مسکراتے ہوئے چہرے پر اس کی نظریں جم گئیں۔ اُس کی آنکھوں نے سولن کی آنکھوں میں جھانکا اور پھر اچانک ہی ریوالور اُٹھا کر سولن کے کان سے محض ایک انچ دُور فائر کر دیا۔

"سولن۔" اُس کے لہجے میں بڑی کاٹ تھی "تمہاری آنکھیں تم سے غداری کر رہی ہیں۔ تمہارے پستول میں گولیاں نہیں... پستول پھینک دو۔"

اسی لمحے ایک شخص نے اُٹھ کر دروازے کی طرف لپکنے کی کوشش کی مگر ٹائیگر کسی عقاب کی طرح جھپٹا۔ اس شخص کی گردن اُس کی اُنگلیاں دبوچ چکی تھیں اور اب وہ شخص کسی بے بس پرندے کی طرح پھڑپھڑا رہا تھا پھر چٹاخ کی آواز کے ساتھ ہی اُس کی پھڑپھڑاہٹ بھی بند ہو گئی۔

سولن چیخی زبان میں چیخ رہی تھی۔

"انگریزی بولو گوریا۔" ٹائیگر نے مسکرا کر کہا "میں جانتا ہوں تم انگریزی بول سکتی ہو۔"

دوسرا آدمی دروازے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ٹائیگر نے اس بار ریوالور سے گولی چلا دی جو اُس شخص کے سینے میں لگی۔ اسی لمحے سولن نے بلاؤز سے چاقو نکال کر اُس کی طرف پھینک دیا۔ چاقو فضا ہی میں تھا کہ ریوالور کی گولی اُسے تباہ کر گئی لیکن اس اثنا میں سولن زقند بھر کر کمرے سے نکل گئی۔ ٹائیگر کو اب اس کی چیخیں سُنائی دے رہی تھیں۔ وہ ہال میں چیخ چیخ کر لوگوں کو بُلا رہی تھی۔

ٹائیگر نے دوسرے سیاہ پوشوں پر نظر رکھتے ہوئے ہال کی طرف چھلانگ لگائی۔ راستے میں تین افراد اس سے بھڑ گئے مگر اب ٹائیگر میں پرانی بجلیاں بھر چکی تھیں۔ اس نے دراز قد شخص کو فرنٹ کِک مار دی۔ دائیں طرف والے کے کندھے پر کہنی رسید کی اور تیسرے کے سر پر زوردار ہاتھ مارا۔ کھوپڑی خربوزے کی طرح پچک گئی، کندھا ٹوٹ گیا اور دراز قد کا پیٹ پھٹ گیا۔ اس سے آلائشیں نکل پڑیں، ہر ضرب ٹائیگر کی ضرب تھی۔ اور سولن کے شاگرد کی ضرب۔ عقب سے اچانک ہی چھوٹے ہتھیاروں کی تڑتڑاہٹ سُنائی دی مگر ٹائیگر کے آواز پیدا ہونے سے قبل ہی لاشوں کے چیتھڑے ہو چکا تھا۔ تمام گولیاں لاشوں میں پیوست ہو گئیں۔ اور ان مُردہ انسانوں نے اس طرح جھٹکے لیے جیسے وہ اب تک زندہ تھے۔

اب وہ تقریباً اُڑتا ہوا فرنٹ ڈور کی طرف جا رہا تھا۔ اس کے پرنیشن پر لگ رہے تھے مگر خودکار ہتھیاروں سے فائرنگ کرنے والوں کو حیرت تھی کہ ان کی گولیاں اس شخص کے جسم میں پیوست کیوں نہیں ہو جاتیں۔ اُنھیں یہ علم نہ تھا کہ اس شخص کی رفتار ہی گولیوں کا نشانہ خطا کر رہی ہے۔

تب ہی فرنٹ ڈور سے سب مشین گن کا قہقہہ سُنائی دیا اور ٹائیگر نے بروقت آواز سُن کر خود کو فرش پر اس طرح پھینکا کہ گیند کی شکل میں آگے بڑھنے لگا۔ پہلا برسٹ دائیں طرف سے گزرا، دوسرا سر کے اوپر سے اور دونوں برسٹ سنگی دیواروں میں پیوست ہو گئے۔ اسی لمحے یکے بعد دیگرے کئی سب مشین گنیں گرجنے لگیں۔ اس وقت وہ پہلی منزل کے زینے پر تھا۔ یہ مشین گنیں دوسری منزل کے زینے اور نیچے زیریں منزل کے پلیٹ فارم پر تھیں۔ اس نے نیچے والے کو نشانہ بنانے کا فیصلہ کیا۔ وہ بھی سیاہ پوش تھا۔ اس کے کندھے جھکے ہوئے تھے اور چہرے پر سیاہ کھال جیسی نقاب چڑھی ہوئی تھی۔ ٹائیگر اس سے دو فٹ کی بلندی پر تھا اور سیاہ پوش اب مشین گن کی نال کا رُخ اس کی طرف کر کے فائرنگ شروع کرنے ہی والا تھا۔ محض ایک سیکنڈ کی مہلت تھی۔ ٹائیگر کے حلق سے عجیب

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

اسلم راہی ایم اے کے ولولہ انگیز تاریخی ناول

سائبیریا کا طوفان	۱۵۰/-	سرابوں کے صحرا	۳۰۰/-
آتش و آہن	۱۵۰/-	رقصِ درویش	۳۰۰/-
ظلمات	۱۵۰/-	دشت کے بھیڑیئے	۲۵۰/-
سراج منیر (اول دوم)	۵۰۰/-	غرناطہ کا چوپان	۳۰۰/-
طارق بن زیاد	۲۵۰/-	شیر شاہ سوری	۲۵۰/-
مقدس دیوداسی	۱۷۵/-	سندھ کا سورما	۲۵۰/-
ابلیکا (سات جلدیں مکمل سیٹ)	۱۹۵۰/-		

مکتبہ القریش ۰ اردو بازار لاہور

سی آواز نکلی۔ وہ کسی عقاب کی طرح بلند ہوا اور سیکنڈ کے دسویں حصّے میں مشین گن ہردار پر گر پڑا۔ اس نے گرتے گرتے دیکھا اس طرح رکھا تھا کہ اس کے ہاتھ کے بوجھ سے مشین گن کی نال کا رُخ بدل جائے۔ اس کی حکمتِ عملی کامیاب رہی اور تمام گولیاں سیاہ پوش کے جسم میں پیوست ہوگئیں۔ سیاہ لبادے میں کئی چھید ہوگئے اور پھر سُرخ سُرخ خون نلکے فواروں کی شکل میں اُبلنے لگا۔ مگر ایسے ٹائیگر کے پاس اس منظر سے لطف اندوز ہونے کا وقت نہیں تھا۔ ایک اور سب مشین گن والا اس کے بہت قریب نمودار ہو چکا تھا۔ ٹائیگر نے جسم کو سکیڑا اور اس کی دونوں ٹانگیں فوارے کے سینے پر پڑیں۔ یہ مکمل ضرب تھی اور ٹائیگر ایسی ضرب کا نتیجہ دیکھنے میں کبھی وقت ضائع نہیں کرتا تھا۔ اس نے دو تین قلابازیاں کھا کر درجنوں گولیوں کو دھوکا دیا اور پھر فٹ پاتھ پر پہنچ گیا۔

تب ہی اس کے جسم نے عجیب سی لطافت محسوس کی۔ اس لطیف احساس کا ادراک اُسے اس وقت ہوا جب اس نے اگلی گلی میں ایک قرمزی عبا والے شیخی سے بوڑھے کو چھپاک سے گھستے ہوئے دیکھا۔ قہقہہ اس نے حلق ہی میں روک لیا۔ وہ فوراً سمجھ گیا تھا کہ اوشان چند لمحے قبل ہی یہاں موجود تھا۔ اس کو امتحان دیتے ہوئے دیکھ رہا تھا اور اسے یقین تھا کہ وہ اس امتحان میں بڑی حد تک کامیاب ہو چکا ہے۔

✵

کیا رہا اوشان؟ بہرام نے بڑی سے چینی سے پوچھا۔

"شاندار! اوشان کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ "میں بہت مطمئن ہوں میرے مالک۔"

"کیا اس نے گن بھی استعمال کی ماسٹر؟"

"نہیں۔"

"فیروزہ کہاں تھی؟"

"میں اور وہ خوبصورت سی بچی وہیں موجود تھے لیکن عمارت میں داخل نہیں ہوئے۔ مشین گنوں کی آواز سُن کر وہ بچی بہت خوفزدہ ہوگئی تھی اور اس کا اصرار تھا کہ ہم بھی اندر جا کر اس کی مدد کریں لیکن میں نے اُسے سنبھالے رکھا اور جب وہ باہر نکلا تو ہم واپس چلے آئے۔ اندر والوں میں سے کسی کو اتنی جرأت نہ ہوئی کہ اس کا تعاقب ہی کر لیتے۔"

"شاندار۔ میں تمہیں خراجِ تحسین پیش کرتا ہوں ماسٹر!

تم نے اُسے پھر ٹائیگر بنا دیا ہے! بہرام کے ہونٹوں پر بھرپور مسکراہٹ تھی۔

✵

ٹائیگر ابھی عمارت سے ایک فرلانگ دُور گیا تھا کہ اُسے دھماکے کی آواز سُنائی دی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔ عمارت سے دھوئیں کی موٹی سی لکیر بلند ہو رہی تھی۔ وہ ہنس پڑا۔ شاید فائرنگ کے دوران گولہ بارود کے ڈھیر میں بھی گولیاں گھس گئی تھیں۔ پھر دوسرا دھماکا ہوا۔ اس نے گاڑی واپس موڑی اور چند ہی لمحوں بعد وہ عمارت کے قریب کھڑا ہوا تھا۔ اندر چھوٹے چھوٹے دھماکے جاری تھے، آگ لگ چکی تھی۔ شعلے مسلسل بلند ہو رہے تھے اور کہیں دُور سے فائر بریگیڈ کے انجنوں کی چیخیں سُنائی دے رہی تھیں۔ وہ مطمئن انداز میں سیٹی بجاتا ہوا کار کی طرف پلٹ گیا۔

✵

انیارت پولیس کی ناکامی اور کسی اجنبی قوت کی کامیابیوں سے بھرے ہوئے تھے۔ پولیس مزید تین کروڑ روپے ضائع کر چکی تھی جبکہ کوئی اجنبی شخص جرائم پیشہ عناصر پر بجلی بن کر گر رہا تھا۔ شہر کے میئر نے اپنی پریس کانفرنس میں اس اجنبی شخص کو بلیک گولڈ سے زیادہ خطرناک قرار دیا تو اخبارات کے رپورٹرز اس پر ٹوٹ پڑے۔ انھوں نے میئر کو آڑے ہاتھوں لیا اور پریس کانفرنس چیخ پکار میں ختم ہوگئی۔

✵

ٹائیگر بہت مصروف تھا لیکن اس نے تمام تر مصروفیات کے باوجود اوشان کو فون کرنے کا وقت نکال ہی لیا۔

"نتیجہ کیا رہا ٹائیگر؟" اس کی آواز میں شوخی اور کامیابی کا نشہ تھا۔

"تمہیں ۳۲ نمبر دیے جا سکتے ہیں!" اوشان نے خشک لہجے میں جواب دیا۔ "تمہاری آخری قلابازیاں انتہائی بے تکی تھیں، کوئی بھی گولی تمہیں لگ سکتی تھی۔ تم اس وقت کسی سست و کاہل گینڈے کی طرح لڑھک رہے تھے۔ نہیں شہزاد... تم زندگی بھر کچھ نہیں سیکھ سکتے۔ تم نے تین قلابازیاں کھانے میں پورے تین سیکنڈ لگا دیے۔ اتنی دیر میں تو دُنیا تباہ ہو سکتی ہے۔"

ٹائیگر نے منہ بنا کر ریسیور رکھ دیا۔ وہ جانتا تھا کہ اوشان کبھی اس کی تعریف نہیں کرے گا۔

اُسے اب چند گھنٹے ورزش کرنی تھی۔ اس نے تہیہ کر لیا تھا کہ وہ سو فیصد فٹ ہو کر جائے گا تاکہ تین قلابازیوں میں تین سیکنڈ نہ لگیں۔

تیاریاں کرتے ہوئے وہ یہی سوچ رہا تھا کہ بلیک گولڈ نے جو تباہ کُن جیٹ درآمد کی ہے وہ یا تو ایٹم بم ہو سکتا ہے یا زہر۔ پھر اچانک وہ کنول کے آسن میں بیٹھ گیا۔ یہ اس کا اضطراری فعل تھا اور اس کی وجہ وہ خیال تھا جو ذہن میں کسی پنچھی کی طرح رینگ گیا تھا۔

"ممکن ہے بلیک گولڈ نے کوئی جراثیمی ہتھیار درآمد کیا ہو۔"

اضطراب بڑھ گیا... اس نے مشق ختم کی اور کمرے سے نکل گیا نیچے کاؤنٹر پر اس کے "کی بکس" میں ایک چھوٹا سا پرچا بھی رکھا ہوا تھا۔

"مجھے فون کرو۔" یہ تحریر لشوانی تھی۔ پرچے پر ٹیلی فون نمبر بھی لکھا ہوا تھا۔ وہ دوبارہ کمرے میں آیا اور اس نے نمبر ملائے۔ گھنٹی پوری بجی بھی نہ تھی کہ ریسیور اُٹھا لیا گیا۔

"میں تمہیں فون کر رہا ہوں ٹائیگر۔" نے مسکراتے ہوئے کہا۔

لگڈ عورت نے ایک طویل سانس لی اور ٹائیگر کا خیال درست ثابت ہوا کہ پیغام فیروزہ ہی نے اس کی غیر موجودگی میں چھوڑا ہوگا۔

"سنو! وہ بہت سنجیدہ تھی۔ "میں نے ڈھائی بجے ایک خصوصی ملاقات کا انتظام کیا ہے جس میں تم بھی شرکت کرو۔ مسٹر لی وانگ کے علاوہ پولیس لیفٹیننٹ اطہر بھی مدعو ہے۔ بعض اہم افراد بھی ہوں گے اور اس ملاقات کا تعلق تمہارے مبدل سے ہے۔"

"تم نے انھیں میرے بارے میں کیا بتایا ہے؟"

"وہی جو تم نے مجھے اپنے بارے میں بتایا تھا۔" اس نے ہنس کر جواب دیا۔

"میٹنگ کہاں ہوگی؟"

"میرے دفتر میں۔" فیروزہ نے کہا۔ "اور ہاں، اگر تمہاری یادداشت اچھی ہو تو یہ نمبر نوٹ کر لو۔ میرا پرائیویٹ نمبر ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ میں پہنچ جاؤں گا کیونکہ مجھے مسٹر وانگ سے چند ضروری باتیں کرنی ہیں۔"

ریسیور رکھتے ہوئے اُسے یہ بات بُری طرح کھٹک رہی تھی کہ فیروزہ وانگ سے واقف ہے۔ یہ منفی پہلو بہرحال نہیں تھا لیکن وہ مثبت پہلو کو بھی کسی خانے میں فٹ کرنے کے لیے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

سب چپ تھا۔

●●

"وہ ٹھیک ڈھائی بجے فیروزہ کے دفتر پہنچ گیا۔ وہاں تقریباً ایک درجن افراد تھے لیکن آپس میں تعارف کا کوئی تکلف نہیں برتا گیا تھا۔ ان میں میئر بھی تھا۔ فیروزہ ہی گلابی ساڑی میں ملبوس تھی۔ اس نے کھڑے ہو کر اجلاس کی کارروائی شروع کی۔

"حضرات!" اس کی آواز متین تھی۔ "ہم آج ایک انتہائی سنجیدہ مسئلے پر غور کے لیے یہاں جمع ہوئے ہیں۔ میں حرفِ آغاز کے طور پر یہی کہہ سکتی ہوں کہ معمول کی تحقیق و تفتیش کے دوران ہم نے ایک ایسی صورتِ حال کا پتا چلایا ہے جو براہِ راست بلیک گولڈ کی طرف نشاندہی کرتی ہے۔ لہٰذا اس طرح یہ مسئلہ پولیس کا بن گیا ہے یہی وجہ ہے کہ اس اجلاس میں پولیس کے نمائندے بھی موجود ہیں۔ میں مسٹر واکر سے درخواست کروں گی کہ وہ پس منظر بیان کریں۔"

پستہ قامت چینی اپنی کرسی سے کھڑا ہو گیا۔

"حضرات!" اس نے اپنے چہرے پر ہاتھ پھیر کر پسینہ پونچھا اور پھر اپنی چھوٹی چھوٹی مگر تیز آنکھوں سے سب کو باری باری دیکھا۔ "شہر کے چینی نژاد لوگوں کو دھمکیاں ملتی رہی ہیں۔ ہمارے دو آدمی قتل کیے جا چکے ہیں اور اب ہمارے لیے ایک نئی مصیبت درآمد کی گئی ہے۔ مجھے تسلیم ہے کہ اس صورتِ حال کی ذمے داری خود میرے لوگوں پر ہے جو برائی کا علم ہونے کے بعد خاموش تماشائی بنے رہے۔ ہمارے معاشرے میں یہ کینسر کئی ماہ قبل داخل ہوا تو ہم میں سے کئی نذرِ زمین ہو چکے ہیں لیکن یہ ہماری غلطی تھی۔ بلی دانگ کی نظریں اب ٹائیگر پر جمی ہوئی تھیں۔ "یہ بزدلی تھی حضرات... بہرحال، اب یہ اصولوں کی جنگ بن چکی ہے۔ یہ بقا کی لڑائی ہے۔ آج شہر کے چڑیا گھر میں تین شیر جو خصوصی پنجروں میں تھے ہلاک ہوئے اور ان کی موت کا سبب بھی جلد ہی معلوم ہو گیا۔ مُردہ شیروں کا پوسٹ مارٹم کرنے والے ماہر ڈاکٹر امجد آپ کو اس بارے میں خود تفصیلات بتائیں گے۔"

ڈاکٹر امجد گول چہرے والا ادھیڑ عمر شخص تھا اور اس کے چہرے پر پریشانی کے آثار بہت نمایاں تھے۔ اس کی پلکیں بار بار جھپک رہی تھیں۔ اس نے انگشت شہادت سے گال کھجایا اور پھر ہاتھ اٹھائے بغیر بولا۔ "آج ہم تین قیمتی شیروں سے محروم ہو گئے۔"

یہ کہہ کر اس نے دونوں ہاتھ میز پر رکھے اور پھر سینے پر باندھ لیے۔ وہ یقیناً پُرسکون رہنے یا خود کو پُرسکون ظاہر کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ "تینوں شیر ایک ہی باپ نسل سے تعلق رکھتے تھے۔ ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ان پر ایک انتہائی مہلک، خطرناک اور شدید قسم کا زہر وغیرہ کا استعمال کیا گیا تھا۔ یہ تجزیہ اتنا ناقابلِ یقین تھا کہ ہم نے چار دوسرے ماہرین سے بھی رائے لی اور ہم نے حالات کی سنگینی کے پیشِ نظر حکام کو اس تجزیے سے مطلع کر دیا۔ تجزیے کی تکنیکی تفصیلات میں جانے سے کوئی فائدہ نہیں۔" ڈاکٹر امجد کا اعتماد اب واپس آ رہا تھا لیکن اس کے چہرے پر سب خوف کی پرچھائیاں لہرا رہی تھیں۔ "میں صرف اتنا عرض کروں گا کہ وجۂ موت ایک ایسا سب مائیکرو اسکوپ وائرس ہے جس کا پتا لگانا تقریباً ناممکن ہے اس کی قوت کثیر الجہت ہے، ان تمام جہتوں سے مل کر یہ وائرس بنا ہے یا بنایا گیا ہے اور میں تسلیم کرتا ہوں کہ اس وائرس کے مرکبات کا ہمیں علم نہیں ہے، عناصرِ تخلیق کا اندازہ نہیں لیکن یہ وائرس انتہائی بلکہ تباہ کن حد تک مہلک ہے۔ ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ یہ ایسا وائرس ہے جو زندہ رہتا ہے اور زندہ سیلوں کے باہر بھی نمو پا سکتا ہے۔"

تمام افسر خاموش بیٹھے ہوئے تھے اور ٹائیگر کے جسم کا سارا خون اس کی کنپٹیوں پر ٹھوکریں مار رہا تھا۔ وہ بہت تیزی سے ایک نتیجے پر پہنچ رہا تھا۔

"میڈیکل سائنس کی تاریخ میں ایسے وائرس کا ذکر ہے اور یہ ایک مرتبہ ۲۵ سال قبل پیرو کے ایک پہاڑی علاقے میں پھیلا تھا۔ اس علاقے کی آبادی ایک سو تاسی نفوس پر مشتمل تھی..... جو وائرس پھیلنے کے محض دو گھنٹے کے اندر اندر موت کی آغوش میں جا سوئی۔ یہی نہیں... بلکہ وہ تفتیشی ٹیم جو ان اموات کا سراغ لگانے کے لیے وہاں بھیجی گئی، گاؤں میں پہنچتے ہی مر گئی۔ اس کے بعد حکومت اور عالمی ادارۂ صحت نے گاؤں کی طرف جانے والے تمام راستے بند کر دیے۔ اس علاقے کو ممنوعہ علاقہ قرار دے دیا۔ بعد ازاں گاؤں میں چند جانور بھیجے گئے جو فوراً مر گئے۔ لہٰذا گاؤں پر نپام بم برسا کر اسے جلا دیا گیا۔ گاؤں کو ایسے بموں سے تین مرتبہ جلایا گیا تب کہیں وائرس کے زندہ رہ جانے کا کوئی خدشہ باقی نہ رہا۔ مسلسل دو ہفتے تک گاؤں پر انتہائی طاقتور اینٹی وائرس ادویہ کا اسپرے کیا جاتا رہا۔ اس کے علاوہ گاؤں سے ملحقہ دو مربع میل کے علاقے میں بھی اسپرے کیا گیا۔"

میٹنگ میں موجود لوگ حیرت سے منہ کھولے ڈاکٹر امجد کے انکشافات سنتے رہے۔

"ان کوششوں کے نتیجے میں وہاں وائرس ختم ہو گیا تاہم ایک اور اطلاع کے مطابق چینی فوج نے کوریائی جنگ میں اس

وائرس کا استعمال کیا لیکن اس اطلاع کی کبھی تصدیق نہیں ہو سکی۔ ہماری اطلاعات کے مطابق اس وائرس کو ایس ۷۴۴ کہا جاتا ہے۔"

ٹائیگر سب کچھ ذہن نشین کر رہا تھا۔ ایکس ۷۴۴ کا نام خود اس کے لیے اجنبی تھا۔

"تینوں شیر ایکس ۷۴۴ کے ہی شکار ہوئے ہیں۔" ڈاکٹر امجد نے ماتھے سے پسینہ پونچھتے ہوئے کہا۔ "ہم نے ان کی لاشوں کو اسی جگہ جلا ڈالا ہے جہاں وہ مرے تھے۔ وہ پانی جو شیروں کے استعمال میں رہتا تھا بمپ کے ذریعے سیسے کی بوتلوں میں محفوظ کر کے مغربی فرلانگ کی انتہائی گہری کان میں لے جایا گیا ہے جہاں اسے مزید گہرائی میں دفن کیا جائے گا۔ چڑیا گھر کو ایک مہینے کے لیے ممنوعہ علاقہ قرار دے دیا گیا ہے۔ شیروں کے پنجروں میں ہر جگہ پر اس وقت تک آگ جلتی رہے گی جب تک یہ یقین نہ ہو جائے کہ وائرس بھی جل گیا ہے۔ میں صرف یہ اشارہ کرنا چاہتا ہوں کہ اگر یہ وائرس کسی غلط ہاتھ میں ہے تو پوری قوم موت کے دہانے پر کھڑی ہے۔ یہ پانی یا کسی اور ذریعے سے بھی پھیلایا جا سکتا ہے۔"

پولیس کمشنر کا چہرہ زرد ہو گیا۔ اس میں کھڑے ہونے کی بھی ہمت نہ رہی۔ "آج... آن کا دن ہے۔" اس نے تھوک نگلتے ہوئے کہا۔ "ہمارے شہر کے لیے انتہائی منحوس دن ہے حضرات! ہمیں بلیک گولڈ کی طرف سے ایک نجی اور انتہائی خفیہ پیغام بھی ملا ہے۔ کیا میں یقین رکھوں کہ یہاں ہونے والی کوئی بات باہر نہیں جائے گی۔" یہ کہہ کر پولیس کمشنر نے سب کو بغور دیکھا اور پھر مطمئن انداز میں سر ہلانے لگا۔ "اگر یہاں ہونے والی گفتگو کا ایک بھی لفظ اخبارات کے اڑتے تو پورے ملک میں افراتفری پھیل جائے گی اور بازاروں میں محض بھگدڑ سے سینکڑوں افراد مارے جائیں گے۔" یہ کہہ کر اس نے ایک طویل سانس لی اور پھر ایک ایک لفظ پر زور دیتا ہوا بولا۔ "بلیک گولڈ نامی اس گروپ نے ہمیں مطلع کیا ہے کہ شیروں کی اموات کا ذمے دار وہی ہے اور اگر ہم نے گروپ کے مطالبات پورے نہ کیے تو گلشن آباد پر ایکس ۷۴۴ کا استعمال کیا جائے گا اور ہم دو کروڑ افراد کو مرنے سے نہیں بچا سکیں گے۔ پیغام کے مطابق ایک بار وائرس کے استعمال کے بعد محض چند منٹوں میں پچاس لاکھ اموات ہوں گی۔ انھوں نے ہمیں جواب دینے کے لیے صرف ۲۴ گھنٹے کی مہلت دی ہے۔"

"کن کے مطالبات کیا ہیں؟" کسی نے پھنسی پھنسی آواز میں سوال کیا۔ ہر شخص پیشانی اور گردن سے پسینہ پونچھ رہا تھا۔

"وہ مطالبات غیر معمولی ہیں۔" پولیس کمشنر نے کہا۔

"میئر کا استعفیٰ، گورنر اور پولیس کمشنر کا استعفیٰ، گلشن آباد پر بلیک گولڈ کی حکمرانی کا تسلیم کیا جانا اور کل رات تک ایک ارب روپے کی ادائیگی۔"

کمرے میں شاید ایک منٹ تک مکمل خاموشی چھائی رہی۔ پھر میئر نے کچھ کہنا چاہا مگر اس کی زبان گنگ سی ہو گئی اور وہ ہاتھ ہلا کر رہ گیا۔ لیفٹیننٹ اطہر ہی نے اس خاموشی کو توڑا۔ اس نے ایک تجویز پیش کی کہ ایک ایمرجنسی ٹاسک فورس بلیک گولڈ کی تلاش کے لیے قائم کی جائے۔ فورس میں فوج، بحریہ، فضائیہ، انٹیلی جنس، اور ٹیکنیکل گروپ کے نمائندے شامل ہوں اور بلیک گولڈ سے متعلق معلومات رکھنے والوں سے کہا جائے کہ وہ لیفٹیننٹ اطہر سے رابطہ قائم کر کے یہ اطلاعات فراہم کریں۔"

ٹائیگر نے فوراً فیروزہ کی طرف دیکھا اور فیروزہ نے اس کا اشارہ سمجھ کر اس کے قریب آ گئی۔ دونوں سرگوشیوں میں باتیں کرنے لگے۔

"انھیں عدل کے بارے میں کچھ نہ بتانا فیروزہ....."

"کیوں؟" فیروزہ نے دھیرے سے پوچھا۔

"اس لیے کہ رات ہوتے ہی میں خود اس سے ملنے کے لیے جاؤں گا۔ اگر تمھیں آج رات تو نیئے تمک میری طرف سے کوئی اطلاع نہ ملے تو پھر پولیس کو سب کچھ بتا دینا۔"

"تم اکیلے نہیں جا سکتے شہزاد۔" وہ گھبرا گئی۔ اس کی خوبصورت آنکھوں میں خوف اُتر آیا۔

"سنو! صرف یہی ایک راستہ بچا رہ گیا ہے۔ میں اُسے اچانک جا لینا چاہتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ وائرس کی تقسیم سے قبل ہی اُن کو چھاپ لوں۔"

"کیا تمھیں یقین ہے کہ وائرس وہیں ہو گا؟"

"ہاں! اگر میں بلیک گولڈ کا سربراہ ہوتا تو وائرس کو وہیں رکھتا۔"

فیروزہ کی آنکھیں اُسے انتباہ کر رہی تھیں۔ اسی لمحے کسی نے ٹائیگر کے بازو پر ہاتھ رکھ دیا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔ اگر اس سے قبل فیروزہ ہی نے سوال کر ڈالا۔ "یس لیفٹیننٹ اطہر! کیا کچھ پوچھنا چاہتے ہیں ہم سے؟"

"میں بلیک گولڈ کے بارے میں سب کچھ جاننا چاہتا ہوں مس فیروزہ۔" اطہر نے نرم لہجے میں کہا۔

"میں پوری رپورٹ دے چکی ہوں، جس میں نام پتے سب شامل ہیں۔"

ٹائیگر نے لیفٹیننٹ کا بغور جائزہ لیا۔ وہ سنجیدہ اور کارگر آدمی

ندیم
Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

لگتا تھا۔ اس کے ہاتھوں میں ہمیشہ مہارت بھی تھی اور تجربے سے ظاہر تھا کہ وہ اپنے کام کی تحقیق نہیں لیتا۔

لیفٹیننٹ الطاف بھی ٹائیگر کا جائزہ لے رہا تھا۔ "آپ... مسٹر...؟"

"میں فردوس میں چند ماہ قبل آیا ہوں جناب!" ٹائیگر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"مسٹر حفیظ رجنگ!" فیروزہ نے فوراً تعارف کرایا۔ "یہ ونس... انٹیلی جنس میں ایم بی اے کر کے واپس آئے ہیں اور ہماری فرم میں بحیثیت مشیر تعینات ہیں۔"

"اوہ!" لیفٹیننٹ الطاف اس ڈگری کا نام سنتے ہی مرعوب ہو گیا۔ ملک میں شاید دو تین افراد ہی اس ڈگری کے حامل تھے۔

"میں ایک اور تھکے پر کام کر رہی ہوں لیفٹیننٹ!" فیروزہ نے بڑی کامیابی سے لیفٹیننٹ کی توجہ اپنی طرف مبذول کرائی تھی۔ "آج رات تک رپورٹ آؤٹ نکال لوں گی لیکن ضروری نہیں کہ مجھے کامیابی ہو اور اگر کامیابی ہوئی تو آپ کے ہاتھ میں بلیک گولڈ کے ہیڈ کوارٹر کا پورا پتا ہو گا۔"

"اوہ۔ شکریہ!" لیفٹیننٹ کا چہرہ کھل اٹھا۔

☆

نصف گھنٹے بعد ٹائیگر اور فیروزہ کے سوا سب چلے گئے۔ طے یہ ہوا تھا کہ حکمت عملی کا تعین کرنے کے لیے میٹر کے دفتر میں ایک اور اجلاس ہو گا جس کی صدارت گورنر خود کریں گے۔

"تم نے میٹر کی حالت دیکھی؟" فیروزہ نے اس کے لیے کافی بناتے ہوئے کہا۔ "بے چارے سے بولا بھی نہیں گیا۔ شاید بہت ہی زیادہ خوفزدہ ہو گیا ہے۔"

"ہاں۔ کسی ایسے فوجی کی طرح نظر آ رہا تھا جس کو پہلی بار محاذ پر بھیجا جا رہا ہو۔" ٹائیگر نے صوفے پر نیم دراز ہوتے ہوئے جواب دیا۔ وہ اب بھی یہی سوچ رہا تھا کہ فیروزہ کیا ہے اور اس کی فرم کا اصل کام کیا ہو سکتا ہے۔ ساتھ ہی اس کو یہ بے چینی بھی ہو رہی تھی کہ عبدل تک پہنچنے کے لیے راستہ کا سہارا کیوں لے۔ ابھی سے پہر سے قبل ہی کام شروع کر دے لیکن اس کا دماغ کہہ رہا تھا کہ اسے راستہ تک انتظار کرنا چاہیے اور آج کل وہ دماغ کی ہدایت پر زیادہ دھیان دے رہا تھا۔ اسے ایک اور سوال پریشان کر رہا تھا۔

"فیروزہ! یہ بتاؤ کہ غیر قانونی اسلحے کی خرید و فروخت کے معاملے کو تم نے بلیک گولڈ سے متعلق کیوں قرار دے دیا؟"

"اس لیے کہ بلیک گولڈ نے سی فور پلاسٹک ایکسپلوزو استعمال کیے تھے اور..."

"نہیں رانی... نہیں..." وہ کھڑا ہو گیا۔ "مجھے اس طرح مت بہلاؤ!"

"اگر کوئی اور بات ہے تو وہ میں تمہیں نہیں بتا سکوں گی... دوست!" فیروزہ نے بھی اسی لہجے میں جواب دیا۔ "کیونکہ وہ بات میرے اور میرے کلائنٹ کے درمیان راز ہو گی!"

"ٹھیک ہے!" وہ مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔ "میں نے جان بوجھ کر حملہ مکمل نہیں کیا۔ بس فیروزہ کے تاثرات دیکھتا رہا۔ وہ نہ تو اچھلی، نہ ہی اس کے ہاتھ کانپے۔ اس کی پلک تک نہیں جھپکی، ہونٹ بھی نہ ہلے۔ وہ یا تو ڈاکٹر بہرام کی ایجنٹ نہیں تھی یا پھر بہت زبردست اداکارہ تھی۔ وہ اسے دیکھتا رہا اور پھر اسے روبی یاد آ گئی۔ اس نے سر جھٹک کر دوسری طرف دیکھا۔

"کیوں۔ کیا کہا؟" فیروزہ متبسم قہقہہ لگا کر بولی۔

"کچھ نہیں۔ میں چلتا ہوں۔ ممکن ہے کہ اب پھر ملاقات نہ ہو!"

اس سے قبل کہ فیروزہ کچھ اور کہتی وہ کمرے سے نکل گیا۔

اس کے پاس اس کے علاوہ اور کوئی راستہ نہ تھا کہ وہ شام ڈھلتے ہی حملہ شروع کر دے۔ اس نے بہت سوچ سمجھ کر ایک حکمت عملی تیار کی تھی اور اس حکمت عملی کی کامیابی کا دارومدار اس کے سرفٹ ہونے پر تھا۔ اب تک کی کارروائی میں اس نے یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ بھائی طور پر وہ مکمل فٹ ہے لیکن بعض اوقات اس کی چھٹی حس وقت گزرنے کے بعد بیدار ہوتی تھی۔ ایسا ہی اس چوکور عمارت میں ہوا تھا جب وہ کچھ سوچے سمجھے بغیر ایک کمرے میں گھس گیا تھا اور وہاں سولن موجود تھی۔

اس نے بہت سوچ سمجھ کر دن، وقت اور تاریخ دیکھی۔ ٹیلیفون سیٹ اٹھایا۔ نمبر ملائے۔ دوسری طرف سے ریسیور فوراً اٹھا لیا گیا۔

"مجھے ایک ہیلی کاپٹر اور بعض ہتھیاروں کی ضرورت ہے۔ سوئٹ ہارٹ!" اس کا لہجہ بہت سنجیدہ تھا۔ "اور فوراً! کسی بھی وقت کار ہو گی!"

"نوعیت بتاؤ!" بہرام اگرچہ اس کی آواز سن کر خوش ہوا تھا لیکن یہ خوشی اس کے لہجے میں شامل نہیں تھی۔

"تفصیل... برائے مفاد عامہ!"

"ٹھیک ہے!" بہرام نے ایک طویل سانس لی اور اسے چند فون نمبر دے دیے۔

ان فون نمبروں پر کسی مسٹر ڈیسم کے نام سے بات کی جانی تھی۔ یہ نام جادوئی اثر رکھتا تھا۔ ہیلی اٹر کا پٹر لیٹنڈ نے اسے بغیر کسی سودے بازی کے مطلع کر دیا کہ اسے شام سات بجے چھ بجے منڈ ٹاؤن ائرپورٹ پر ہیلی کاپٹر مل جائے گا جبکہ ہاگون اینڈ ساگون نے ہتھیاروں کے نام سن کر اس سے صرف ہوٹل کا نام اور کمرا نمبر پوچھا تھا۔ یہاں بھی وسیم کے نام نے کام کیا تھا۔

صرف ایک گھنٹے کے بعد اس کے کمرے میں ایک سوٹ کیس پہنچا دیا گیا۔ اس میں ہتھیار بھرے ہوئے تھے۔ ہتھیاروں کے علاوہ ایک فلائٹ سوٹ بھی تھا جس میں کئی بڑی جیبیں تھیں۔ زندگی میں پہلی مرتبہ خود کو اس انداز میں تیار کرتے ہوئے اسے خفت بھی ہو رہی تھی لیکن وہ جانتا تھا کہ انسانوں کو موت کے چنگل سے نکالنے کے لیے اسے بہرحال اپنی انا کا خون کرنا ہو گا اور ممکن ہے اگلی بار اسے ان ہتھیاروں کی ضرورت نہ پڑے اس میں پرانی صلاحیتیں واپس آ جائیں۔

سوٹ کیس کھول کر اس نے سب سے پہلے فلائٹ سوٹ پہنا۔ یہ پتلے نائیلون کے کپڑے کا تھا۔ اوپر والی جیب میں اس نے ہائی اسٹینڈرڈ ڈاکشاریہ ۲۲ اور اس کا سائیلنسر رکھا۔ دوسری جیب میں ڈاکشاریہ ۲۵ کا کامپڈ اور اس کا میگزین رولپوش ہو گیا۔ پنڈلی جیبوں میں پرانے ایم ۳ پائن ایپل ٹائپ کے دستی بم گئے اور انہی کے ساتھ دو نئے مگر چھوٹے چھوٹے فاسفورس بم۔ سوٹ کیس کی تہہ میں ایک ایم ۱۶ رائفل تھی۔ اسے صبح ہونی ہتھیار کو ہاتھ لگاتے ہوئے کوفت ہو رہی تھی لیکن بہرحال بلیک مارکیٹ میں سب سے خطرناک ہتھیار یہی تھا۔ اسے یہ بات اچھی طرح معلوم تھی کہ امریکہ میں اوذی اسی امریکی سیکرٹ سروس والوں کا پسندیدہ ہتھیار ہے۔ اوذی میں بلیٹس پوائنٹ سے پچاس راؤنڈ پر مشتمل میگزین ڈالا جاتا تھا۔ اس کا تھری پوزیشن فائرنگ سلیکٹر گن کی خاص بات تھی۔ اوذی سے مکمل آٹومیٹک پوزیشن پر ایک منٹ میں پانچ سو گولیاں نکل سکتی تھیں جبکہ سیمی آٹومیٹک پوزیشن پر اوذی پستول بن جاتی تھی۔ ٹائیگر نے اوذی کی بیلٹ گردن میں ڈالی۔ اب سب مشین گن اس کے سینے تک لٹک رہی تھی اس نے مطمئن انداز میں گردن ہلاتے ہوئے تمیں کے ہٹن لگا لیے۔

ابھی وہ جوتے پہن رہا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی اور نیچے کے خلا سے ایک لفافہ کسی نے اندر سرکا دیا۔ وہ مسکرا دیا۔ لفافے میں نوٹ بھرے ہوئے تھے۔ بہرام نے اسے مطلوبہ رقم فراہم کر دی تھی۔ اس نے لفافے کس کر باندھے، لفافہ اٹھایا۔ اندر پچاس ہزار روپے تھے۔ اس نے پوری رقم دو حصوں میں تقسیم کی۔ ربر بینڈ سے باندھا، ۲۵ ہزار روپے دائیں جیب میں اور باقی بائیں جیب میں رکھ لیے۔ سوٹ کیس میں ابھی اور سامان تھا۔ اس میں ریڈیو سیٹ (واکی ٹاکی) بھی تھی جس کے بٹن دباتے ہی سرخ روشنی جلنے بجھنے لگتی۔ ٹارچ کے اگلے حصے پر حفاظتی دیوار نما پلیٹ تھی تاکہ روشنی ادھر ادھر نہ پھیلے۔ یہ ٹارچ اس نے پتلون کی بیلٹ سے باندھ لی۔

اس کا چہرہ اس وقت خوفناک ہو رہا تھا۔ خاصا بھاری گیبرڈین کا ورین کوٹ پہنتے ہوئے وہ یہی سوچ رہا تھا کہ اگر عمارت کے صدر دروازے سے حملہ کرتا تو کتنا لطف آتا لیکن اس خیال کو اس نے سر سے جھٹک دیا۔ وہ خود کو اس وقت سنا بخو کا شاگرد نہیں ایسا کمانڈو سمجھنے پر مجبور تھا جس کو سنا بخو کی بھی تربیت دی گئی ہو۔

اس نے آئینے میں دیکھا، وہ قدرے موٹا لگ رہا تھا مگر اتنا بھی نہیں کہ کسی کو شبہ ہو جائے۔

ٹھیک پونے چھ بجے اس نے کاؤنٹر پر فون کر کے ہدایت دی کہ اس کی گاڑی فرنٹ ڈور کے قریب کھڑی کر دی جائے۔

☆

"کیا خیال ہے ماسٹر؟" بہرام نے کمرے میں ٹہلتے ہوئے اچانک رک کر پوچھا۔

"وہی جو پہلے ظاہر کر چکا ہوں میرے مالک!" اوشان کا لہجہ ہمیشہ کی طرح دھیما تھا۔ فیروزہ ان کے ساتھ تھی اور بے چینی سے ہاتھ مل رہی تھی۔ "تم اتنی بے چین کیوں ہو میری بچی!" اس نے نرم لہجے میں پوچھا۔

"مم... ماسٹر... وہ اکیلا..." فیروزہ ہکلانے لگی۔

"ہاں، اکیلا!" سنا بخو کے ماسٹر نے اسی طرح فخریہ انداز میں کہا جیسے وہی کسی مشن کو اکیلا سر کرنے جا رہا ہو۔

"وہ لوگ بہت خونخوار اور مسلح ہیں ماسٹر!" بہرام نے اسے یاد دلایا۔

"اور وہ میرا بیٹا ہے شہنشاہ!" اوشان نے اپنے ہاتھ کی انگلی سے اپنی ہی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "ایسا بیٹا جس کو میں نے آتشیں ہتھیار استعمال کرنے کی بھی اجازت دے رکھی ہے۔ اسے اس سے زیادہ رعایت نہیں دی جا سکتی!"

"سنگ تو گان!!"

"آہ!" اوشان نے ایک طویل سانس لے کر آنکھیں بند کر لیں اور پھر سرگوشی کے سے انداز میں بولنے لگا۔ "تمہیں... مجھے جزیرہ فردوس کی ہواؤں میں اس کی بدبو محسوس نہیں ہو رہی ہے۔ وہ یہاں نہیں ہے۔ اس کے فرستادے... یہاں کام کر رہے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ شہزاد کی اس ضرب سے ابھی تک نہیں سنبھلا ہے۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

اور شہزاد سے دو دو ہاتھ کرنے کے لیے سامنے ہرگز نہیں آئے گا۔ وہ اگر یہاں ہوتا تو بات ہی کچھ اور ہوتی وہ لومڑ ہے۔ اپنے بھٹ میں جا گھسا ہے اور شہزاد پرندہ ہے۔ ہواؤں میں پرواز کر رہا ہے۔"

فیروزہ اسے عجیب انداز سے دیکھتی رہی۔ اس انداز میں احترام بھی تھا اور محبت بھی اور وہ جانتی تھی کہ اوشان اُسے بھی شہزاد کی مدد کے لیے جانے کی اجازت نہیں دے گا۔

مڈ ٹاؤن ہیلی پیڈ ائیرپورٹ کی طرح وسیع تھا۔ ٹھیک ساڑھے چھ بجے ٹائیگر وہاں پہنچا اور جگنگ کرتے انتظامی ہال میں داخل ہو گیا۔ اس نے اپنی شناخت کرائی "وسیم"۔

"تشریف لائیے جناب" ہوا باز نے ایک ہیلی کاپٹر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا جو صرف دو سو گز کے فاصلے پر کھڑا ہوا تھا۔ دونوں ہیلی کاپٹر میں سوار ہونے تک خاموش رہے اور جب اُنھوں نے سیٹ کس لی تو ٹائیگر نے دائیں جیب میں ہاتھ ڈال کر ۲۵ ہزار روپے کی گڈی ہوا باز کی طرف بڑھا دی۔

"یہ کیا ہے؟" ہوا باز حیرت زدہ رہ گیا۔ "ہم ایک گھنٹے کی فیس صرف پانچ ہزار روپے لیتے ہیں جناب... لیکن کیا آپ کسی غلط ارادے سے تو نہیں جا رہے ہیں۔ میں بال بچوں والا آدمی ہوں جناب۔ کسی جرم میں ملوث نہیں ہو سکتا۔"

"ایسی کوئی بات نہیں" ٹائیگر مسکرانے لگا۔ "کیا تم دوران جنگ فوج میں خدمات انجام دے چکے ہو؟"

"جی ہاں" ہوا باز کی آنکھوں میں اب بھی حیرت تھی۔

"گڈ۔ پھر یہی سمجھو کہ تم ایک اور ایسے ہی مشن پر ہو۔ دوست، لیکن ہمیں اس بار بہت خاموشی سے کام لینا ہے۔ ڈرٹیکل اسالٹ ہوگا۔ ممکن ہے کہ گولیاں بھی چلیں اور اگر ایسی کوئی بات ہوئی تو پولیس بھی خوش ہوگی؟"

"یعنی گولیاں چلیں گی اور... اور کوئی جرم سرزد نہیں ہوگا؟" ہوا باز نے ہتھوک نگلتے ہوئے پوچھا۔

"اگر تمھیں میری بات پر کوئی شک ہے تو مشن منسوخ کر سکتے ہو" ٹائیگر ناگوار لہجے میں بولا۔

"ایک منٹ، آپ کون ہیں، پولیس یا...؟"

"کچھ بھی نہیں۔ اگر تمھیں مجھ پر اعتماد نہیں تو ہم ہیلی کاپٹر سے ابھی اتر سکتے ہیں۔ مجھے ایک جگہ سے کچھ سامان اٹھانا ہے۔ غالباً وہ ایک کنٹینر ہوگا جس کے اندر موجود ہر گولڈ ڈاکو دشمن... بلیک گولڈ والے... پانی میں ملا کر سب کو ہلاک کرنا چاہیں گے۔"

"اوہ۔ جراثیمی جنگ؟"

"یکطرفہ۔ اگر میں وہ کنٹینر وہاں سے نکالنے میں کامیاب ہو گیا تو جنگ ہوگی ہی نہیں۔ لوگ سڑکوں میں مر جائیں گے۔ میں اس کنٹینر کو وہاں سے نکال کر پولیس کے حوالے کرنا چاہتا ہوں؟"

"آپ کون ہیں؟" پائلٹ اب سنجیدہ ہو گیا تھا۔

"وہی اجنبی جس کو اخبارات اجنبی طاقت قرار دے رہے ہیں!"

"اوہ" ہوا باز اچانک ہی اچھل پڑا۔ پھر اس نے زوردار قہقہہ لگایا اور کاؤنٹ ڈاؤن شروع کر دیا۔ "اب میں کھیل کو سمجھ گیا جناب کا مطلب یہ ہے کہ میں آپ کو اس جگہ اتار دوں جہاں آپ جانا چاہتے ہیں اور پھر وہاں سے آپ کو واپس بھی لے آؤں؟"

"شاندار" ٹائیگر نے اس کے کندھے تھپک کر کہا۔ اسی لمحے ہیلی کاپٹر فضا میں بلند ہو گیا۔

"یہ رقم" ہوا باز نے ڈوبتے ہوئے ہیلی کاپٹر کو سنبھالتے ہوئے پوچھا۔

"صرف تمھاری ہے۔ فلائٹ پے سمجھ لو۔ خطرناک اور جوکھم کے مشن پر جانے کا معاوضہ کہہ لو۔ واپسی پر میں تمھیں اتنی ہی رقم اور دوں گا جس سے تم ہیلی کاپٹر بیچ کر یہ اڑانے کے علاوہ ہیلی کاپٹر کو نقصان کی صورت میں اس کی مرمت کا معاوضہ بھی دے سکو گے باقی ساری رقم تمھاری ہوگی؟"

ہوا باز مسکرایا اور جب ٹائیگر نے اس کو ہدایت دی کہ وہ دریائے فردوس کے الفائی حصے کی طرف چلے تو اس نے فوراً رخ بدل لیا۔ اب وہ خالصتاً جنگی مشن کے انداز میں بلندی پر پرواز کر رہا تھا۔

اس دوران میں ٹائیگر نے رین کوٹ اتار دیا اور ہوا باز سب مشین گن دیکھ کر سر ہلانے لگا۔ وہ اب بہت توجہ سے ٹائیگر کی ہدایات سن رہا تھا۔ ہدایتیں زیادہ نہیں تھیں صرف یہ تھا کہ ہوا باز ٹائیگر کو کنارے گرا کر واپس چلا جائے گا اس کے ٹھیک ۴۵ منٹ بعد اسی جگہ واپس آئے گا اور صرف تین منٹ تک انتظار کرے گا اگر اس دوران ٹائیگر واپس نہیں آیا تو وہ پیچھے جا کر ٹارچ کے سگنل کا انتظار کرے گا۔ تیس سیکنڈ تک ٹارچ روشن رہنے کی صورت میں یہ پک اپ سگنل ہوگا۔

●●

ایک موسم بہتر ویں شاہراہ کی تلاش میں انھیں تھوڑے دشواری ہوئی مگر ہوا باز نے اُسے ایک چھوٹے سے کمرشیل کمپلیکس کی وجہ سے پہچان لیا۔ اب ہیلی کاپٹر ٹائیگر کے اشارے پر جو کور عمارت کی طرف بڑھ رہا تھا۔

"آپ نے یہیں سے سوار کیا تھا نا؟"

"ہاں" ٹائیگر مسکرا کر بولا۔

ہوا باز واقعی ماہر تھا۔ اس نے ہیلی کاپٹر مزید نیچے کیا اور جب چھت صرف دو فٹ نیچے رہ گئی تو ٹائیگر اس کے شانے پر تھپکی دے کر کود گیا۔ اسی لمحے ہیلی کاپٹر ترچھے انداز میں پرواز کرتا ہوا دور ہوتا چلا گیا۔

ٹائیگر نے ٹارچ اس طرح روشن کی کہ اس کی روشنی صرف آسمان سے ہی دیکھی جا سکے۔ اس کے بعد وہ چھت کی کنگر سے نیچے جھانکنے لگا۔ صحن میں گھپ اندھیرا تھا۔ وہاں سے بعض آوازیں آ رہی تھیں لیکن اُن کا کوئی مفہوم نہیں تھا۔

چھت پر کوئی مزاحمت نہیں ہوئی تو یہ یقین ہو گیا کہ بلیک گولڈ کا زیادہ تر دفاع پچھلی منزل پر ہے۔ یہ دفاع کا روایتی طریقہ تھا اور اس کی حکمتِ عملی یہ تھی کہ سامنے سے ہونے والے حملے کو روکا جائے۔

ایک بار تو ٹائیگر ماضی سے حملے کے لیے بے چین ہو گیا لیکن اس نے بمشکل اپنی اس خواہش پر قابو پا ہی لیا۔ وہ جانتا تھا کہ یہاں ذرا سی بھی غلطی اور بلیک گولڈ کو ذرا سی بھی مہلت عوام کے لیے موت کا پیغام کھول سکتی ہے۔ وہ اس وقت اپنی ٹریننگ اور ذہانت کو دماغ سے ہٹ کر کام کر رہا تھا اور ایسا کرتے ہوئے اس کی ذہنی تربیت کا ایک نیا باب شروع ہو چکا تھا۔

وہ تیزی سے چھت پر بنے ہوئے دروازے تک پہنچ کر اس کی طرف لپکا۔ اس کا ڈھکن بہت بھاری تھا لیکن ٹائیگر نے اسے صرف ایک ہاتھ سے اٹھا کر ایک طرف ڈال دیا۔ اس نے اس گٹر کا سوراخ میں جھانکا تو نیچے اُسے روشنی اور لوہے کا زینہ نظر آیا۔ یہ زینہ ایسا ہی تھا جیسے زینے پانی کی ٹنکی میں اترنے کے لیے لگائے جاتے ہیں۔ وہ خاموشی اور پھرتی سے نیچے اترا۔ اب وہ ایک ہال میں تھا اور ابھی اس نے ایک قدم ہی اٹھایا تھا کہ ہال میں ایک دروازہ کھلا، چودہ پندرہ سالہ لاماذی نوجوان نمودار ہوا لیکن ٹائیگر نے کسی بھی.... ہچکچاہٹ کے بغیر اس کی گردن پکڑ لی۔ لاماذی اس کی گرفت میں مچھلی کی طرح تڑپ رہا تھا تاہم ٹائیگر نے اُسے گردن سے پکڑ کر ہی اٹھایا اور دیوار کے ساتھ لگا دیا۔ پھر کچھ سوچ کر وہ اُسے اسی کمرے میں لے گیا جہاں سے لاماذی نمودار ہوا تھا۔ دروازہ بند کر کے اس نے لاماذی کو گھورا۔ "عبدل کا کمرہ کون سا ہے؟"

وہ لڑکا بہت خوفزدہ تھا اس میں بولنے کی بھی ہمت نہیں تھی لہٰذا وہ لفظی جواب سر ہلا کر رہ گیا۔

"منہ سے بولو، کمرا بتاؤ ورنہ میں تمھاری کھوپڑی اڑا دوں گا" ٹائیگر نے غرا کر کہا۔

"وہ... وہ دوسری منزل پر اس کمرے کے بالکل نیچے والا کمرا اس کا ہے۔ وہاں... گارڈ بھی ہے۔"

ٹائیگر نے اپنی تھیلی لڑکے کی گردن پر ماری تو وہ چھپکلی کی طرح گر گیا۔ یہ کاری ضرب تھی۔ لڑکے کی گردن ٹوٹ گئی تھی۔

وہ دروازہ کھول کر ہال میں پھر واپس آیا اور نیچے جانے والے زینے تک پہنچ گیا لیکن اسی وقت کسی نے عقب سے اُسے للکارا۔ ٹائیگر بجلی کی طرح پلٹا اور پھر اس نے اپنی خاص تند بھری اس کے دونوں ہاتھ آگے کی طرف اس طرح تھے جیسے وہ کسی سوئمنگ پول میں کود رہا ہو۔ یہ محض ایک سیلانڈی بات تھی۔ اس کے دونوں ہاتھ اس شخص کے چہرے پر لگے جو ریوالور نکالنے کے بعد سیفٹی ہٹا رہا تھا۔ ان ہاتھوں نے لاماذی کے چہرے کا بھرتہ بنا دیا۔ آنکھیں پھوٹ گئیں، دانت حلق میں اُتر گئے، ناک پچک گئی۔ رخساروں کی ہڈیاں پچک گئیں اور وہ ہلکی سی کراہ کے بعد الٹتا چلا گیا۔ ٹائیگر نے اُسے مرنے کے لیے وہیں چھوڑ دیا۔ حلق میں دانتوں کی رکاوٹ اور ناک پچکنے کے بعد اب وہ زیادہ دیر سانس نہیں لے سکتا تھا۔

وہ اب زینے اُتر رہا تھا۔ اس کی تمام حسیں کام کر رہی تھیں لیکن وہ فی الوقت کسی اور سے ٹکرانا نہیں چاہتا تھا اس کا پہلا مقصد عبدل اور وائرس کی تلاش تھی، پھر وہ ایکس ۷، ۴م لے کر خاموشی سے نکل جانا چاہتا تھا تاکہ موت کے اس زہر کو تباہ کیا جا سکے۔ اس کے بعد وہ اس قلعے نما عمارت پر سامنے سے حملہ کر کے باقی کام مکمل کر سکتا تھا۔

اس نے عبدل کو کبھی نہیں دیکھا تھا۔ تاہم اس کے ذہن میں وہ حلیہ موجود تھا جو پولیس ہمارے گوش گزار کرتی رہتی تھی۔

دوسری منزل پر پہنچ کر اس نے مطلوبہ کمرے کی طرف دیکھا۔ وہاں دو پہرے دار کھڑے تھے اور ان سے بزور راستہ ٹکرائے بغیر کمرے میں داخل ہونا ممکن نہیں تھا۔

وہ کچھ دیر تک انھیں گھورتا رہا اور پھر اس نے اپنے بوٹ کی ایڑی فرش پر ماری۔ وہ دونوں اس ہلکی سی آواز پر بھی چونک پڑے۔ انھوں نے ایک دوسرے کو بغور دیکھا۔ آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارے کیے اور پھر ان میں سے ایک زینے کی طرف آنے لگا۔ وہ اپنی موت کی طرف آ رہا تھا۔ موت اس کی منتظر تھی۔ وہ جونہی زینے کی دیوار کی آڑ میں آیا اس نے حیرت سے ٹائیگر کی طرف دیکھا اور اس

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کے بعد اس کے چہرے سے حیرت کے یہ تاثرات کبھی ختم نہ ہوئے۔ ٹائیگر نے ٹھنڈی تھپلی اس کی گردن پر ماری تھی اور پھر اسے فوراً ہی سنبھال لیا تھا ورنہ گرتی ہوئی لاش بھی آواز پیدا کر کے خطرے کا باعث بن جاتی۔

اس نے لاش نیچے پر ڈال دی اور دوبارہ اٹینشن ہو گیا۔

دوسرے محافظ نے پلٹ کر نیچے کی طرف دیکھا اور پھر ٹہلنے لگا۔ دو منٹ گزر گئے جب اس کا ساتھی واپس نہیں آیا تو وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑاتا دروازے کی طرف آنے لگا اور اس کا بھی وہی حشر ہوا جو پہلے کے نصیب میں تھا۔

ٹائیگر اپنے مخصوص گربہ پائی کے انداز میں چلتا ہوا کمرے کے دروازے تک پہنچا۔ دروازہ مقفل تھا مگر ٹائیگر کی انگلیوں نے دروازے کی چابی پر دباؤ ڈال کر اسے توڑ دیا۔ کلک کی آواز کے ساتھ ہی آٹومیٹک لاک ٹوٹ گیا۔

اندر ایک خوبصورت اور قیمتی بیڈ پر سولن لیٹی تھی۔ سولن نے اسے دیکھا اور بڑی پھرتی سے تکیہ دے مارا۔ ساتھ ہی اس کا ہاتھ تکیے کے نیچے رکھے ہوئے پستول کی طرف رینگ گیا لیکن اسے لبلبی دبانے کی مہلت نہیں ملی۔ ٹائیگر نے پوکٹ ہی سے چھلانگ لگائی اور سولن اب اس کی گرفت سے نکلنے کے لیے ہاتھ پیر مار رہی تھی۔ سولن کی یہ جدوجہد منٹ بھر سے زیادہ نہ ٹوٹ پائی۔ ٹائیگر نے اس کی گردن پر جو ہاتھ رکھا تھا۔ اس کی گرفت سولن کی جدوجہد کے باعث مضبوط تر ہوتی چلی گئی تھی۔

پھر سولن کی کہانی ختم ہو گئی۔

وہ مرنے کے بعد بھی حسین لگ رہی تھی۔ اس کی گردن ترچھی ہو گئی تھی۔

"آرام سے سوئی رہو بے بی۔" ٹائیگر نے اس کے اوپر چادر ڈال کر کہا اور اس دروازے کی طرف بڑھ گیا جو اس خوبصورت بیڈ روم سے کہیں اور کھلتا تھا۔

اس نے دروازے کو ایک انچ کھول کر اندر کے ماحول کا جائزہ لیا۔ یہ دروازہ ایک اور نشاط گاہ میں کھلتا تھا اور وہاں وہی شخص سات آٹھ لڑکیوں کے جھرمٹ میں بیٹھا ہوا تھا جس کی ٹائیگر کو تلاش تھی۔

ٹائیگر شانے اچکا کر کمرے میں داخل ہو گیا۔

"عبدل۔" اس کی آواز نرم تھی۔ "چلو، کھیل ختم ہو گیا۔"

عبدل نے چونک کر دیکھا، لڑکیاں بھی چونک پڑیں اور پھر عبدل نے حلق پھاڑ کر کہا۔ "مارو۔"

لڑکیاں بھوکی کتیوں کی طرح ٹائیگر کی طرف لپکیں۔ وہ ایک لمحے کو گھبرا سا گیا کیونکہ اسے اس قسم کے حملے کی توقع نہیں تھی لڑکیاں لمبے لمبے ناخنوں کا استعمال کرنے لگیں، وہ انھیں دھکیلنے لگا۔ وہ سب نشے میں تھیں اور یہ نشہ شراب کا نہیں ہیروئن کا تھا۔ اس سے قبل کہ وہ ان لڑکیوں کو بے دردی سے دھکیل کر عبدل کی طرف بڑھتا، عبدل کو کافی وقت مل گیا اور وہ بیڈ سے کود کر ایک جنسلی دروازے سے نکل گیا۔

اب لڑکیوں سے نرمی برتنے میں مزید نقصان کا احتمال تھا لہٰذا اس نے لڑکیوں کو پیٹنا اور آگے بڑھنا شروع کر دیا۔ محض چند سیکنڈ بعد وہ بیلجی دروازے میں پھنس کر اسے بند کر رہا تھا۔ وہ جلد از جلد عبدل کو قابو کرنا چاہتا تھا کیونکہ تاخیر عبدل کو وائرس کا جن آزاد کرنے میں مدد دے سکتی تھی۔

اسی لمحے دو گولیاں چلیں اور ٹائیگر کے دائیں بائیں سے گزر گئیں۔ اب دست بدست لڑائی سے نقصان ہو سکتا تھا اور عبدل کو فرار کی مہلت مل سکتی تھی۔ اس نے ہائی اسٹینڈرڈ نکال کر اس شخص کا نشانہ لیا جو نیچے کی اوٹ سے اس پر فائر کرنے والا تھا۔ گولی اس شخص کی کھوپڑی میں پیوست ہو گئی۔ وہ تڑپا اور ساکت ہو گیا۔

ٹائیگر نے چھلانگ لگائی۔ نیچے ایک ہال تھا اور اسی ہال میں ٹائیگر کو عبدل کی جھلک نظر آئی تھی۔ وہ زور زور سے چیخ رہا تھا۔ اسی لمحے کسی نے عبدل اور ٹائیگر کے درمیان آنے کی کوشش کی لیکن یہ اس کی بنیادی غلطی تھی۔ ٹائیگر نے ہائی اسٹینڈرڈ کا دستہ اس کی کھوپڑی پر مارا تو گویا بجھ گیا۔ وہ شخص ایک لمحے تک جھومتا رہا اور پھر لکڑی کے شہتیر کی طرح ڈھے گیا۔ ٹائیگر اس کے کرتب دیکھنے کے لیے بہرحال وہاں موجود نہیں تھا وہ عبدل کے پیچھے پیچھے زینے کی دو تین سیڑھیاں ایک قدم میں طے کر رہا تھا۔ وہ اسے گولی مار سکتا تھا لیکن پھر اسے وائرس کا پتا نہ لگتا لہٰذا وہ اسے زندہ پکڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔

زینے سے وہ پہلی منزل اور پھر تہ خانے میں گھسا۔ تہ خانے کے دروازے پر دو مسلح پہرے دار اس کے منتظر تھے۔ ٹائیگر نے فوراً خود کو نیچا یا ورنہ ان کی گنوں سے نکلے ہوئے انگارے اس کو جگہ جگہ سے چھید ڈالتے۔ اس سے قبل کہ وہ دوبارہ سیدھی دباتے ٹائیگر نے ان کے درمیان آ کر دونوں کے سر پکڑے اور ایک دوسرے سے بجا دیے۔ وہ کھڑے کھڑے ہی ساکت ہو گئے اور ٹائیگر ایک بار پھر عبدل کے پیچھے دوڑنے لگا۔ اس سے قبل کہ وہ تہ خانے کے اندر والے کمرے میں داخل ہوتا عبدل نے آہنی دروازہ بند کر دیا۔

ٹائیگر کے پاس اب صرف ایک راستہ تھا۔ وہ پلٹا، چند گز دور گیا اور پھر دوڑتا ہوا دروازے کی طرف آیا۔ یہ دوڑ نہیں طوفان تھا، آندھی تھی، پھر اس کا جسم بلند ہوا، دونوں ٹانگیں ایک ساتھ چلیں اور دونوں پیر بیک وقت دروازے کے وسطی حصے پر لگے۔ یہ سنائچ کی ضرب تھی جس سے پہاڑ بھی پناہ مانگتے تھے۔ لوہے کا دروازہ ڈانگوں سے ٹوٹ گیا اور ٹائیگر سیدھا تہ خانے میں پہنچ گیا۔ دو پہریوں پر ہی گرا تھا۔

اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ یہاں لوہے کے پائپوں کا جال تھا۔ مشینیں تھیں۔ یہ فرنس روم تھا۔

ایک گولی اس کے بائیں کندھے کے اوپر سے گزر گئی، وہ فوراً بھٹی کے ہیٹیوں کی آڑ میں ہو گیا۔

عبدل ایک واٹر ٹینک کی آڑ میں کھڑا ہوا تھا اور اس کے ہاتھ میں دو فٹ لمبی بوتل تھی۔ اس کا تطر تقریباً چھ انچ تھا اور یہ بوتل پوری طرح اسولیٹڈ تھی۔ اس نے بوتل تولیے میں پکڑی تھی مگر پھر بھی اس پر جمی ہوئی برف صاف نظر آ رہی تھی۔

"جہاں ہو وہیں کھڑے رہو بندر۔" عبدل نے للکار کر کہا۔ "تم نے ایک قدم بھی آگے بڑھایا تو میں اس بوتل کو توڑ دوں گا، پھر نہ میں بچوں گا نہ تم اور نہ ہی شہر کے مکین۔" یہ کہہ کر اس نے بوتل کو ایک ڈرم پر رکھا۔ اس کا انداز کسی فاتح کی طرح تھا۔

"اس بوتل میں اتنے وائرس ہیں کہ پورا شہر ختم ہو سکتا ہے اور یہ وائرس نقل مکانی بھی کر سکتے ہیں۔" عبدل کے لہجے میں غرور تھا۔ "آبادیوں کو ویرانہ بنانے کے لیے صرف اس بوتل کا منہ کھولنا کافی ہے اور پھر جن آزاد ہو جائے گا۔"

اس سے قبل کہ وہ کچھ اور کہتا ٹائیگر کا کولٹ گاڈر گرجا۔ اس آواز سے عبدل اچھل پڑا۔ بھاری گولی بلند ہوئی اور عبدل کے کندھے میں پیوست ہو گئی۔ حیرت سے اچھلنے والا عبدل اب گولی کی وجہ سے اچھلا تھا۔ وہ چارفٹ دور جا گرا اور اس کے گرنے سے قبل ہی ٹائیگر نے لپک کر بوتل اٹھا لی۔

بوتل بہت سرد تھی۔ اتنی سرد کہ اس سے بھاپ اٹھ رہی تھی۔

اس کے ساتھ ہی ایک تھرمامیٹر لگا ہوا تھا اور پارہ منفی پندرہ کے نشان پر تھا۔

عبدل بمشکل فرش سے اٹھا۔ "ٹھیک ہے۔" اسے باہر لے جانے کی کوشش کر کے دیکھ لو۔ وہ واقعی بڑی ہمت والا تھا ورنہ دو سو گرین سیسہ اتر جانے کے بعد وہ اپنے پیروں پر کھڑا ہو ہی نہیں سکتا تھا۔

"میرے آدمی تمہیں چھلنی کر دیں گے اور اس بوتل کو بھی گولی لگے گی اس طرح میرا کام تم خود پورا کر دو گے۔ ویسے بھی بوتل کا درجہ حرارت بیس درجے سے زیادہ ہوا تو یہ پھٹ جائے گی۔"

ٹائیگر نے ٹھنڈی دیکھی۔ اسے ہیلی کاپٹر سے اترے ہوئے سات منٹ ہو چکے تھے۔ سات منٹ باقی تھے۔

وہ اب بھی بوتل کا جائزہ لے رہا تھا کہ عبدل نے ایک والو کی طرف بڑھنا شروع کر دیا جس پر سرخ حروف میں اسٹیم لکھا ہوا تھا۔

وہ سمجھ گیا کہ عبدل سٹیم پائپ اس پر کھولنا چاہتا ہے تاکہ درجۂ حرارت فوراً بڑھے اور بوتل سیکنڈوں میں پھٹ جائے۔

اسے عبدل سے شدید ترین نفرت محسوس ہونے لگی۔

اس نے بوتل کو بھاری فولادی اسٹیل پائپ کی آڑ میں رکھا بیلٹ میں ہاتھ ڈال کر فاسفورس بم نکالا، پن نکالی اور بم عبدل کی طرف اچھال دیا۔

ستون کی آڑ میں ٹائیگر نے پٹاخے کی سی آواز سنی۔ فاسفورس بم عبدل کے قریب گرا اور فاسفورس پھٹنے لگا۔ اسے فوراً ہی سنائی دی اس نے ستون کی آڑ میں ہی رہتے ہوئے جھانکا۔ عبدل فرش پر پڑا ہوا تڑپ رہا تھا۔ اس کے ہاتھ حلق پر تھے جہاں گردن اور چہرے پر جا جا آبلے نمودار ہو رہے تھے پھر اس کا سینہ بھی ان چھالوں سے بھر گیا۔ فاسفورس کھال کو جلا کر اب گوشت جلا رہا تھا۔ چیخیں بلند ہو رہی تھیں۔ فاسفورس نے اس کے حلق کو بھی جلانا شروع کر دیا، شہ رگ پھٹی اور خون ابلنے لگا۔ خون واقعی ابل رہا تھا جسم میں جا جا سوراخ ہو گئے تھے اور ایسا لگ رہا تھا جیسے عبدل کے جسم میں خون ابالا جا رہا ہو۔ یہ موت کا رقص تھا۔ ٹائیگر نے زندگی میں پہلی بار خون کو پانی کی طرح ابلتے ہوئے دیکھا تھا۔

پھر عبدل ساکت ہو گیا۔

اس کی آخری چیخ بہت کربناک تھی۔

●●

ٹائیگر تیزی سے بوائلر روم سے نکلا۔ اب وہ ہاتھ کی جنگ لڑنا نہیں چاہتا تھا اور یہ بات طے تھی کہ وہ بوتل کو بچانے کی کوشش میں سامنے آنے والے ہر شخص کو ہلاک کر دے گا۔ وہ خود بھی ہیلی کاپٹر کے آنے تک زندہ رہنا چاہتا تھا تاکہ پائلٹ کو بوتل دے کر یہ بتا دے کہ اسے فوراً کسی ڈیپ فریزر میں رکھ دیا جائے۔

اسے پہلی بار اپنی زندگی قیمتی لگ رہی تھی۔

اسے چھت تک پہنچنے کے لیے قدم قدم پر لڑنا تھا اور اس کے لیے اس کے اعصاب، اس کے ہتھیار سب تیار تھے۔

اس نے بوتل کی طرف دیکھا۔ پارہ اب منفی تیرہ کے نشان

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

پڑھا۔

ٹائیگر نے دوڑ لگا دی۔

ہوٹر روم کے دروازے پر رک کر اس نے جھانکا۔ چار افراد وائلنیں اور سیتول لیے ہوئے باہر چھپے کھڑے تھے۔

ٹائیگر نے بوتل ایک طرف رکھ کر اوزی نکالا۔ اس میں میگزین لگایا۔ پوزیشن بدل کر اُسے خل آٹومیٹک کیا اور پھر باہر گولیاں برسنے لگیں۔ میگزین خالی کرکے اس نے دوسرا میگزین لگایا۔ پوزیشن سیمی آٹومیٹک کی اور باہر نکل آیا۔ چاروں لاشیں گولیوں سے چھلنی ہوگئی تھیں۔

اب بوتل اس کے کندھے پر تھی اور اس کے دوسرے ہاتھ میں اعشاریہ ۴۵ تھا۔ پہلا زینہ چڑھتے ہوئے اُسے کسی مزاحمت کا سامنا کرنا نہیں پڑا۔ تاہم فرسٹ فلور کے ہال کے سامنے اُسے کئی مسلح افراد منتظر ملے جو شاید اسی کے منتظر تھے۔ اس نے سوچنے میں وقت ضائع کیے بغیر ایک دستی بم نکال کر ان کی طرف اُچھال دیا۔ دھماکا ہوتے ہی ان سیاہ پوشوں کے جسم درجنوں ٹکڑوں میں تقسیم ہونے کے بعد اِدھر اُدھر اُچھل گئے۔ ۱۵۰ء ضاء کا قہقہہ دیکھنے کی بجائے وہ دوسری منزل کے زینے کی طرف دوڑ گیا۔ عقب سے صرف ایک گولی چلی اور وہ بھی زینے کی دیوار میں پیوست ہوگئی۔

ٹائیگر تیسری منزل پر پہنچا۔ یہاں اُسے دوڑتے ہوئے دو افراد سے مقابلہ کرنا پڑا جنہیں علم تھا کہ بوتل کو نشانہ بنانا ضروری ہے لہٰذا ٹائیگر نے بوتل ایک طرف رکھ کر اوزی کو فل آٹومیٹک بنا کر گولیاں برسا دیں۔ ان میں سے ایک شخص چوکھٹ پر پھسلتی ہو کر گرا جبکہ دوسرا ہال وے میں۔

ٹائیگر نے بوتل اٹھا کر چھت کی طرف دوڑ لگانے میں ذرا بھی دیر نہیں کی۔ وہ آہنی زینے پر چڑھا، بوتل کندھے پر تھی اور وہ کسی بندر کی طرح اوپر جا رہا تھا۔ پھر وہ چھت پر پہنچ گیا۔ اس نے نیچے شور سُنا تو بوتل کو ایک محفوظ جگہ رکھ کر دوسرا فاسفورس بم نکالنے لگا۔ زینے پر اب کئی افراد چڑھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ ٹائیگر نے فاسفورس بم ان کی طرف نیچے اُچھال دیا اور پھر کربناک چیخوں سے فضا گونج اُٹھی۔

اسی لمحے اُسے ہیلی کاپٹر کی آواز سُنائی دی۔ اس نے گھڑی دیکھی۔ پورے ۴ منٹ ہو چکے تھے۔

ہیلی کاپٹر پل بھر میں سر پر آ گیا۔

رسّی کی سیڑھی نیچے لٹکنے لگی۔

ٹائیگر کو ایک بار پھر نیچے سے شور سُنائی دیا تو اس نے باقی تمام دستی بم پنیں نکال کر پھینک دیے۔ عمارت دھماکوں سے لرزنے لگی اور ٹائیگر مسکرا کر... تھوکنے کے بعد... رسّی کاپٹر میں پہنچ گیا۔

□

وہ چار دہ گرسینی لوریم میں تھا اور اوشان اُسے بُری طرح لتاڑ رہا تھا۔ اُسے صرف یہ شکایت تھی کہ اس نے لوگوں کو قسطوں میں کیوں مارا؟ پوری عمارت کو ریموٹ بم سے کیوں نہیں اُڑا دیا؟

فیروزہ ایک کونے میں بیٹھی ہوئی انہیں حیرت سے دیکھ رہی تھی اور ڈاکٹر بہرام فون پر کہہ رہا تھا "جی ہاں جناب! بوتل ریسلی کا پیٹ پاٹلٹ پولیس کے حوالے کر چکا ہے۔ اسے ڈیپ فریزر میں رکھا گیا ہے۔ میری درخواست یہ ہے کہ بوتل کو کسی زیر زمین فولادی ٹینک میں اس وقت تک جلایا جائے جب تک فائرس کے فنا ہو جانے کا خدشہ نہ رہے۔ جی... جی ہاں... نہیں جناب! میں مجبور ہوں، نہیں جانا ہے۔ جی ہاں۔ ہم کل روانہ ہو رہے ہیں۔ یہاں یہ کیا کم ہے کہ یہاں ڈائی گو لو سٹک سینٹر میں مس فیروزہ ہماری نمائندگی کرتی رہیں گی...."

یہ کہہ کر اس نے ریسیور رکھ دیا۔

"ماسٹر۔ ٹائیگر کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"کچھ نہیں۔ یہ ناشکرا اور کاہل الوجود ہے۔"

"میری مراد اس کی صلاحیتوں سے متعلق تھی، ماسٹر!"

"اس میں کوئی صلاحیت نہیں ہے۔ یہ دماغ سے کام ہی نہیں لیتا۔ دماغ ہے ہی نہیں اس میں۔"

ٹائیگر بُرا سا منہ بنا کر رہ گیا اور فیروزہ قہقہے لگانے لگی۔

رومانی ناول

زیب	حمیدہ جبین	75/-
شاخ بریدہ	حمیدہ جبین	75/-
حنا اور پتھر	حمیدہ جبین	75/-
گیت یہ میرے	حمیدہ جبین	75/-

مکتبہ القریش اُردو بازار۔ لاہور 2

"ہم پھر اس فلک میں آ گئے جہاں لوگوں کا خون سفید ہو گیا ہے۔" اوشان نے ائرپورٹ پر اُترتے ہی کہا۔ اس کے چہرے پر بیزاری کے تاثرات تھے اور ٹائیگر بھی اثبات میں سر ہلا رہا تھا۔ ڈاکٹر بہرام کسی اور طیارے سے آنے والا تھا شاید پہلے ہی پہنچ چکا تھا۔

"سٹل فادر۔" ٹائیگر اچانک ہی گھبرا کر بولا۔ "وہ دیکھو۔"

"کیا دیکھوں میرے بچے؟ مجھے تو یہاں ہر طرف منافقت نظر آ رہی ہے۔"

"ایک مصیبت بھی نظر آ رہی ہے۔" ٹائیگر اوشان کے منحنی جسم کی آڑ لیتا ہوا بولا۔

"مصیبت سے نہیں ڈرتے میرے بچے۔" اوشان نے سنجیدگی سے کہا مگر اس وقت اُس کا دل زور زور سے اپنے ہونے کا ثبوت دینے کو بے چین تھا۔ وجہ صاف نظر آ رہی تھی۔

روبی اپنے مخصوص انداز میں تیزی سے قدم اُٹھاتی ہوئی ان کی طرف آ رہی تھی۔

"اس مصیبت سے مت ڈرا کرو میرے لال۔" اوشان نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "شاید یہ لڑکی تمہارا مقدر بن گئی ہے۔"

ٹائیگر نے ایک طویل سانس لی۔ وہ جانتا تھا کہ روبی سے بچ کر نکلنا ناممکن ہے۔ ویسے اس وقت اُسے ایک عجیب سا احساس بھی ہو رہا تھا۔ روبی کو دیکھ کر اُسے ایسا لگا تھا جیسے ساری تھکن دُور ہو گئی ہے۔

"کیا حال ہے فادر اوشان؟" روبی نے ان کے قریب آ کر کہا۔ وہ اس وقت بہت خوب صورت لگ رہی تھی۔ اگرچہ چہرہ ہر قسم کے جذبات سے عاری تھا مگر آنکھیں کسی انجانی اساس کے باعث چمک رہی تھیں۔

"میں تو ٹھیک ہوں لیکن اس رنگروٹ سے پوچھو... اس کا کیا حال ہے؟"

"میں جانتی ہوں۔ ایک کمزور عورت سے مار کھانے کے بعد کسی کی کیا حالت ہوتی ہے، مجھے سب پتا ہے۔" روبی نے برہم لہجے میں کہا۔

"گگ... کیا...؟" ٹائیگر بوکھلا گیا۔

"کیا تم سمجھتے ہو کہ کوئی بات مجھ سے چھپی ہوئی ہے؟"... روبی نے غرا کر کہا۔ "میں سب جانتی ہوں اور مجھے یہ بھی علم ہے کہ تم کتنے عرصے تک اس کی غلامی کرتے رہے ہو۔"

"روبی..."

"شٹ اپ۔"

"شٹ اپ فرزند۔" اوشان نے مسکرا کر کہا۔ "شٹ اپ روبی۔" وہ روبی کی طرف پلٹا اور پھر ہنسنے لگا۔ "کسی کی دُکھتی رگ پر ہاتھ مت رکھا کرو لڑکی۔"

"ہونہہ... دُکھتی رگ۔" وہ اپنے بالوں کو جھٹک کر بولی۔ "بڑے ٹائیگر بنتے تھے۔"

"مگر میں نے ہی اسے مارا تھا۔" ٹائیگر نے احتجاج کیا۔

روبی بُرا سا منہ بنا کر پلٹ گئی۔ دونوں اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگے۔ باہر ایک وین کھڑی ہوئی تھی اور اسی میں انہیں اپنے نئے ٹھکانے تک جانا تھا۔

روبی ان دونوں سے دو قدم آگے چل رہی تھی۔ اوشان کی ریشمی قبا ہلکی ہوا میں ہلکورے لے رہی تھی اور ٹائیگر روبی کو گھورتا ہوا چل رہا تھا... پھر اچانک ہی اس کی نظریں ایک پل کے لیے دائیں طرف گئیں۔ اس نے طویل سانس لے کر رفتار کم کر لی۔

ایک بوڑھا ایک اسٹیورڈ کو بریف کیس دے رہا تھا۔ ٹائیگر نے آنکھیں سکیڑ لیں۔ یہ عجیب سی بات تھی کہ اسٹیورڈ ایک مدقوق سے بوڑھے سے بریف کیس لے رہا تھا اور وہ بھی اس جگہ جہاں رن وے اور سڑک کے درمیان محض تین فٹ اُونچی دیوار تھی۔

"شش..." ٹائیگر نے ایک پولیس والے کو بُلایا۔

"کیا بات ہے؟" پولیس والا ناگوار لہجے میں بولا۔

"اسٹیورڈ کے بریف کیس کو فوراً قابو کرو، ورنہ کوئی مسئلہ کھڑا ہو جائے گا۔"

"کیا مطلب؟"

"جو کہہ رہا ہوں وہی کرو، ورنہ ترقی اور انعام سے محروم ہو جاؤ گے۔"

پولیس والے کے ذہن میں نہ جانے کیا بات آئی کہ وہ آگے بڑھا اور اسٹیورڈ کی طرف جھپٹ پڑا۔ اسٹیورڈ نے اُسے دیکھتے ہی چھلانگ لگا کر بھاگنے کی کوشش کی مگر اس کی بدقسمتی تھی کہ وہ ایک ستون سے ٹکرا گیا۔ پولیس والے کے لیے اتنی مہلت کافی تھی۔ وہ اسٹیورڈ پر چڑھ کر بیٹھ گیا۔ اسی لمحے دو اور پولیس والے وہاں پہنچ گئے۔ انہوں نے بریف کیس کھولا، وہ دستی بموں سے بھرا ہوا تھا۔

"میں نے بوڑھے پر نظر رکھی اور پھر جونہی اس نے اُسے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

بریف کیس دیا۔ میں مرکت میں آگیا۔ کانٹینٹل بڑے جوش سے کہہ رہا تھا اور ٹائیگر سر ہلاتا ہوا وین کی طرف جا رہا تھا۔

◆

"حاسد پنچل خور!" اوشان نے وین میں بیٹھ کر ٹائیگر کو گھورا۔ "دوسروں کے پھٹے میں پیر مت اڑایا کرو۔"

"وہ طیارہ اغوا کر لیتا فادر۔" ٹائیگر نے یہ اندازہ لگا لیا کہ اوشان سب کچھ دیکھ رہا تھا۔

"کر لیتا... تو پھر...؟"

"تو پھر میں طیارہ بازیاب کرانے کے لیے بھاگ دوڑ کرنی پڑتی اور فی الوقت میں یہاں کسی کام کے موڈ میں نہیں ہوں۔"

اُس کے اس اعلان پر روبی نے ڈرائیونگ سیٹ سے سر گھما کر اُسے دیکھا اور اس سے قبل کہ وہ کچھ کہتی... ٹائیگر نے ہاتھ کانوں پر رکھ لیے۔ وہ جانتا تھا کہ روبی اب چیخ چیخ کر اُسے بُرا بھلا کہے گی۔

◆

جمنازیم میں ٹائیگر کی بُری حالت تھی۔ پسینہ سر سے ایڑی تک بہہ رہا تھا، مگر اوشان کا حکم تھا کہ وہ کھڑی دیواروں پر اس طرح چلے جیسے اُن کی کنگر کے اوپر یا فرش پر چل رہا ہے۔ ایک سو اسّی کے زاویے سے چلنا تو شاید سرکس کے کسی ماہر ترین شخص نے بھی نہ سیکھا تھا یہ توازن برقرار رکھنے کی مشق تھی، لیکن ٹائیگر کو ایسا لگ رہا تھا جیسے اُس کا بھیجا پھٹ جائے گا۔

یہ مشق پورے ایک گھنٹے سے جاری تھی، ٹائیگر کئی بار گرا بھی تھا، مگر اوشان کے استغراق میں کوئی فرق نہیں آیا تھا... روبی جمنازیم کی بالائی لابی میں کھڑی قہقہے لگا رہی تھی۔ ٹائیگر جب بھی گرتا، اُس کے قہقہے شروع ہو جاتے اور اُن کی بازگشت دیر تک خالی ہال میں گونجتی رہتی۔

"بس...،" اوشان نے اچانک ہی اپنا استخوانی ہاتھ بلند کر کے کہا اور ٹائیگر دھپ سے زمین پر آ کر بیٹھ گیا۔

"کچھ سیکھا؟" اوشان نے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔

"اگر کچھ سیکھا تو شیلا جیسی لڑکی کو دیکھ کر پھر بھول جائے گا فادر۔" روبی نے اُوپر سے چلّا کر کہا۔

ٹائیگر نے اس طرح اُوپر دیکھا جیسے وہ ابھی روبی کو پکڑ کر پیٹنا شروع کر دے گا لیکن وہ جانتا تھا کہ ایسا کرنا ممکن نہیں۔ وہ بس دانت پیس کر رہ گیا۔

اسی لمحے ایک گھنٹی بجی اور وہ دونوں اُٹھ کر جمنازیم سے نکل گئے۔ اُن کا رُخ سینی ٹوریم کے عقبی حصّے کی طرف تھا۔ وہ کھلے میدان میں جا رہے تھے جہاں ساحل کے قریب ایک میز پر کئی ہتھیار رکھے ہوئے تھے۔

"شروع ہو جاؤ۔" اوشان نے ایک درخت سے ٹیک لگا کر بیٹھتے ہوئے کہا۔

ٹائیگر نے ایک طویل سانس لے کر اسالٹ رائفل اُٹھائی اور شروع ہو گیا۔ ہر گولی ہر قیمت پر دُور لگے ہوئے ٹارگٹ کے چھوٹے دائرے کے اندر لگنی تھی، ورنہ جتنی گولیاں ضائع ہوتیں اُسے اتنے ہی منٹ زیرِ آب گزارنے ہوتے۔

روبی یہاں نہیں آئی تھی۔ یہ علاقہ روبی کے لیے بھی ممنوع تھا۔ وہ جمنازیم میں ہی کھڑی تھی۔ اُس کے آبنوسی چہرے پر عجیب سا تبسّم تھا۔ اُس کی آنکھیں بند تھیں اور وہ صرف ٹائیگر کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ اُسے علم تھا کہ اگر شہزاد کوئی عام آدمی ہوتا تو شیلا کے جنگل سے ہرگز بچ کر نہ نکلتا۔ اُسے ٹائیگر پر فخر تھا اور وہ جانتی تھی کہ... ریفریشر کورس کی مزید کوئی ضرورت نہیں۔ ایک روز قبل وہ تنہائی میں اسی بات پر اوشان سے لڑی بھی تھی مگر اوشان نے صرف اتنا کہا تھا "نہیں میری بچّی... سنانجو کے ماسٹر کو ہر اعتبار سے مکمل ہونا چاہیے۔"

"کیا وہ مکمل نہیں؟" روبی نے بھنا کر پوچھا تھا۔

"نہیں، ابھی اسے ایٹم بم پھینکنے کی تربیت دینا بھی باقی ہے میری بچّی۔"

◆

"روبی!" ڈاکٹر بہرام نے انٹرکام پر کہا۔ "ٹائیگر کی فائل لے کر آؤ۔"

"کون سی فائل؟" وہ چونک پڑی۔

"نئی فائل جو تمہیں کل دی گئی تھی، مکمل ہو کر واپس آ چکی ہوگی۔"

روبی بُرا سا منہ بنا کر اُٹھی۔ یہ بہت لامحدود موقع تھا کہ ٹائیگر کی فائل بنائی گئی تھی۔ اُس نے کمپیوٹر رُوم میں ایک بٹن دبایا تو کمپیوٹر کا غذ اُگلنے لگا، یہی فائل تھی۔ روبی اُس پر جھک گئی کاغذ نکلتا رہا۔

سبجیکٹ: نامعلوم عرف ٹائیگر۔

معلوم پتا: چارہ گر سینی ٹوریم۔

حُلیہ: ۳۰ اگست دن کے بارہ بجے کی اطلاعات کے مطابق... قد چھ فٹ ساڑھے تین انچ، وزن [illegible]

آنکھوں اور بالوں کی رنگت سیاہ، جلد کی رنگت سُرخ ہونٹوں کا سائز سوا سات انچ، کمر ۳۱ انچ، پتلون کی لمبائی ۴۳ انچ، سینہ ۴۸ انچ، آستین کی لمبائی ۲۳ انچ، شانے ۴۶ انچ، گردن ۱۶ انچ، دستانے میڈیم سائز، دائیں شانے کے اُوپر گردن سے ایک انچ دُور دو تل رنگت بھوری، بائیں ٹانگ پر گھٹنے سے سوا انچ نیچے ایک زخم کا نشان، دائیں کولھے پر چوٹ کا نشان، بچپن میں گرنے کی وجہ سے، سبجیکٹ ایم ۱۶، ایم۔ ۱۴ رائفلوں، اعشاریہ ۳۵ پستول ایم ۶ اینڈ اے تھری لائٹ ٹین گن، ایم ۹، گرنیڈ لانچر ایم ۱۹۲۱۔ ۱۔ ۱۔ ۴۵ ایس ایم جی ہتھیاروں ۹ ایم ایم یوزی ایس ایم جی کے استعمال میں مہارت حاصل کر چکا ہے۔ ان ہتھیاروں کا استعمال اُس نے تین ماہ قبل شروع کیا ہے۔ کوالیفائنڈ شارپ شوٹر ہے۔ اے کے ۴۷ اچانیز اسالٹ رائفل، ایم تھری ۴۵ ایس ایم جی، ایم ۳۸ ایس ایم جی، ایم ۴۲ تار کمپیو رائفل، ایم ۵۱ اسکوڈا، ایس ایم جی ۶۰ اینڈ ۸۱ ایم ایم مارٹرز ۳ اعشاریہ ۵ اینڈ ۶ راکٹ لانچروں، ۱۰۶ ایم ایم ریکوائیز رائفل اور اعشاریہ ۳۸ ایم اینڈ پی ریوالور کے استعمال کی تربیت حاصل کر رہا ہے۔ دستی بموں، دھماکا خیز سامان، لوبی ٹریپ، بارودی سرنگوں اور ایسا ہی خطرناک سامان استعمال کرنے میں مہارت حاصل کر چکا ہے۔ سبجیکٹ جاتو زنی اور لوگو اسٹکس کے استعمال میں زیادہ خطرناک ثابت ہوتا ہے۔ سنانجو کے فن پر مہارت رکھتا ہے۔ تین ماہ قبل جو اس میں کمزوری پیدا ہو گئی تھی۔ وہ ۹۸ اعشاریہ ۳ فی صد ختم ہو چکی ہے۔ کراٹے، اکیڈو، کنگ فو، نینجا اور سنانجو کے فن میں اس کا مقابل صرف ایک شخص ہے۔ سبجیکٹ کو نئے حالات کے پیشِ نظر آتشیں اسلحہ استعمال کرنے کی خصوصی ہدایت دی گئی ہے۔"

روبی کی آنکھیں چمکتی رہیں۔ اُس نے کمپیوٹر سے شیٹ نکالی۔ اُسے ہونٹوں سے لگایا اور پھر تیزی سے بہرام کے کمرے کی طرف چل دی۔

بہرام نے شیٹ لے کر اُسے رُکنے کا اشارہ کیا، وہ دیر تک ریکارڈ پڑھتا رہا اور پھر اُس نے کاغذ اُسے واپس کرتے ہوئے کہا۔ "اسے ضائع کر دو... اور سنو... تم نے جو کچھ پڑھا ہے اُسے بھی ذہن سے مٹا دو۔"

"مگر...،" روبی کچھ کہنا چاہتی تھی۔

"کچھ نہیں روبی... کمپیوٹر کی یادداشت سے بھی یہ تمام باتیں مٹا دو، فائل ضائع کر دی جائے۔"

✱

روبی نے اُن کے کمرے میں جھانکا تو بے اختیار مسکرا اُٹھی۔ وہ کمپیوٹر کے ذہن سے ٹائیگر کے بارے میں ہر بات ضائع کر کے آئی تھی اور اُس کا ارادہ اوشان اور ٹائیگر دونوں کو پریشان کرنا تھا، مگر وہ دونوں خود ہی ایک دوسرے کو پریشان کر رہے تھے۔ اُن کا موضوع روبی ہی تھی۔ ٹائیگر روبی کی بُرائی اور اوشان تعریف کر رہا تھا۔ دونوں کے چہروں پر بلا کی سنجیدگی تھی لیکن اُن کی آنکھیں مسکرا رہی تھیں۔

"تم اُس سے شادی کر لو میرے بچّے۔"

"ہرگز نہیں ٹیل فادر۔"

"میں کہتا ہوں اُس سے شادی کر لو، مجھے ایک جانشین دو اور پھر چاہو تو طلاق دے دو۔"

"طلاق...،" روبی اچانک کمرے میں گھس گئی۔ "کیسے طلاق دلوا رہے ہیں فادر؟" اُس نے دونوں ہاتھ کمر پر رکھ کر خفگی انداز میں پوچھا۔

"اُسے، جس کی ابھی شادی نہیں ہوئی۔" ٹائیگر نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"اور وہ کون ہے؟"

"سامنے کھڑی ہے۔"

"کیا...؟" روبی بہت زور سے چلّائی، ٹائیگر نے فوراً تکیہ اُٹھا کر سر پر اس طرح لپیٹ لیا کہ دونوں کان ڈھک جائیں۔

"میری شادی کس سے کرائی جا رہی ہے؟"

وہ دونوں خاموش رہے۔ ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے اور پھر اچانک ہی اوشان نے کہا۔ "تو میں کہہ رہا تھا کہ جب ایسا دشمن سامنے ہو جس سے تم محبت کرتے ہو تو عظیم یانگ کی طرح مسکراؤ، تلوار کھینچو اور اپنے دل میں اُتارنے کی بجائے اُس کے قدموں میں رکھ دو۔ عظیم یانگ نے..."

روبی بظاہر پیر پٹختی ہوئی کمرے سے نکل گئی، مگر باہر آتے ہی اُس کا چہرہ مسکرانے لگا اور وہ گنگناتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئی۔

وہ جانتی تھی کہ اب دیر تک ٹائیگر کو عظیم یانگ کی داستانِ عشق سُننی پڑے گی اور ممکن ہے کہ اس کے بعد اوشان، یانگ شو کی عشقیہ غزلوں کے چند اشعار بھی سنانے پر مُصر ہو جائے۔

وہ آنکھیں بند کر کے لیٹ گئی۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

دس منٹ بعد سبز انٹر کام کی گھنٹی بجی تو اُس نے لپک کر ریسیور اُٹھالیا۔

"روبی...." بہرام کی سپاٹ آواز سنائی دی۔ "تم کل صبح زمبابوے جارہی ہو۔"

"مگر کیوں؟" وہ تڑپ اُٹھی۔ "دونوں اتنے دنوں بعد تو آئے ہیں اور...."

"روبی!" بہرام کا لہجہ سرد تھا۔ "ہمارے میں تمہیں ایک اہم کام کرنا ہے، ویسے بھی یہاں تمہاری موجودگی کے باعث ٹائیگر کا ذہن بٹا رہتا ہے۔"

روبی نے سسکی بمشکل ضبط کی۔ ریسیور رکھا اور سوٹ کیس سمیٹ کرنے کے لیے کھڑی ہوگئی۔ وہ جانتی تھی کہ غیر وابستہ سربراہ کانفرنس کے دوران ہمارے میں اُسے کسی مسلم ملک کے صدر کی حفاظت کا کام سونپا جائے گا۔

❦

روبی اگرچہ بہت بہادر لڑکی تھی لیکن اس بار نہ جانے کیوں اس کو ایسا لگ رہا تھا جیسے شہزاد سے دُور بھیج کر اُس سے متاعِ عزیز چھینی جارہی ہو۔ اُس نے اپنے ان جذبوں کا ٹائیگر پر کبھی اظہار نہیں کیا تھا جو اُس کی رگوں میں شہد بن کر دوڑ رہے تھے لیکن اُسے یہ بھی احساس تھا کہ خود ٹائیگر بھی اُس کو چاہتا ہے اور وہ محض اپنی اَنا کے باعث اس کا اظہار نہیں کرتا۔

وہ سوٹ کیس ٹھیک کرکے دیر تک بیڈ پر بیٹھی رہی۔ پھر اچانک ہی اُسے اپنا وہ ادھورا مشن یاد آگیا جسے چھوڑ کر اُسے زمبابوے کے دارالحکومت ہرارے جانا تھا۔ وہ سوچتی رہی اور تب ہی اُس نے فیصلہ کیا کہ اس مشن کے بارے میں ٹائیگر کو آگاہ کردے۔ اس طرح اُسے ٹائیگر سے الوداعی ملاقات کا بھی موقع مل جائے گا۔

❦

اوشان قامت میں کم و بیش چھ فٹ تھا اور ڈیڑھ فٹ چوڑے ایک ٹکڑے پر بیٹھا ہوا تھا۔ ٹائیگر جس دم کی مشق میں مصروف تھا، لہٰذا وہ خلافِ معمول ایک طرف خاموشی سے بیٹھ گئی۔ اُس کا یہ انداز اتنا غیر معمولی تھا کہ اوشان کو کنول کے آسن سے نکلنا پڑا اور ٹائیگر نے سانس چھوڑ کر اُس کی طرف حیرت سے دیکھا۔

"خیریت میری بچی؟" اوشان نے ملائم لہجے میں پوچھا۔ "چہرے پر بارہ کیوں بج رہے ہیں روبی؟" ٹائیگر مسکرا کر بولا۔

"کچھ نہیں۔" وہ طویل سانس لے کر بولی۔ "مجھے ایک ضروری کام سے بھیجا جارہا ہے اور میں صبح ہونے سے قبل ہی چلی جاؤں گی۔"

"یا اللہ... تیرا شکر ہے۔" ٹائیگر نے دونوں ہاتھ اُٹھا کر کہا۔ روبی کے چہرے پر عجیب سی مسکراہٹ دوڑ گئی۔ وہ جانتی تھی کہ ٹائیگر کے لفظوں اور لہجے میں بڑا تضاد ہے۔ اوشان سر ہلاتا ہوا اُن دونوں کو بڑے غور سے دیکھنے لگا۔

"میرا خیال ہے کہ ہمارے پاس چند گھنٹے باقی ہیں۔" اُس نے دونوں کی طرف دیکھ کر کہا۔ "اگر تم راضی ہو تو میں...."

"اوشان پلیز۔" ٹائیگر نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"نہیں فادر... میں ایسا سوچ کر بھی نہیں آئی۔ صرف اس نامکمل مشن کو سونپنے کے لیے آئی ہوں جسے چھوڑ کر مجھے جانا پڑ رہا ہے۔"

اوشان مایوسی سے سر ہلانے لگا اور پھر روبی نے ٹائیگر کی طرف دیکھے بغیر دھیمے لہجے میں اُنھیں منشیات کے کاروبار سے متعلق ایک گروہ کی سرگرمیاں بتائیں، وہ اس گروہ کا پتا چلانے میں ابھی کامیاب نہیں ہوسکی تھی لیکن اُسے چند لوگوں کے نام معلوم ضرور ہوچکے تھے۔

"مالیا...؟" ٹائیگر نے بڑی سنجیدگی کے ساتھ سوال کیا۔

"ہاں..." روبی نے پہلی بار نظر بھر کر اُسے دیکھا۔ "مجھے اب تک جو کچھ بھی معلوم ہوا ہے، اس کے مطابق چارلی دی ہارس اس گروہ کا نائب سرغنہ ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ وہ محض مُہرا ہے اور اصل سربراہ کوئی اور ہے۔ مجھے اس گروہ سے سفارت کاروں کے رابطے کا بھی شبہ ہے اور یہ رہی چارلی دی ہارس کی تصویر۔"

ٹائیگر نے تصویر کو محض ایک لمحے کے لیے دیکھا اور پھر وہ چہرہ اس طرح اُس کے ذہن میں منتقل ہوگیا، جیسے ذہن کیمرے کی طرح ہو۔ اُس نے مسکرا کر روبی کو دیکھا۔ "یہ پہلا موقع ہے کہ تم نے چیخ پکار کیے بغیر مجھ سے کوئی درخواست کی ہے روبی۔"

"کیسی درخواست؟"

"یہی کہ میں تمہارے ادھورے مشن کو نجی طور پر مکمل کردوں۔"

"میں نے ایسی کوئی درخواست نہیں کی۔" وہ پہلی بار چمک کر بولی۔

"پھر...؟" ٹائیگر ہنس کر بولا۔

"تم جانتے ہو کہ میں تم سے کبھی درخواست نہیں کرتی بلکہ حکم دیتی ہوں شہزاد۔"

ٹائیگر بُرا سا منہ بنا کر رہ گیا اور اوشان کی مخصوص قہقہ کمرے میں گونجنے لگی۔

پھر اچانک ہی روبی کا دل بھر آیا۔ وہ اُٹھ گئی۔ اُس نے اُن دونوں کی طرف دیکھے بغیر دروازے کی طرف قدم بڑھا دیے۔ اوشان نے لپک کر اُس کا ہاتھ تھام لیا۔

"اس طرح نہیں میری بچی۔" وہ سنجیدگی سے بولا اور پھر اُس نے ایڑیوں کے بل بلند ہوکر روبی کی پیشانی چُوم لی۔ "نادیدہ محافظوں اور قدیم بہادروں کی حفاظت میں دیا روبی۔"

"خدا حافظ۔" وہ بھرآئی ہوئی آواز میں بولی اور پھر تقریباً دوڑتی ہوئی چلی گئی۔ ٹائیگر کو ایسا لگا جیسے کسی نے اُس کے دل پر گھونسا مار دیا ہو۔ "اسے آج کیا ہوا تھا، اوشان؟"

"کچھ نہیں۔" ٹائیگر کی طرف دیکھے بغیر اوشان نے جواب دیا۔ "دل کے تار ٹوٹ رہے ہیں۔"

"کیا مطلب؟"

"جنریٹر نغمہ سن رہا ہوں میں۔"

ٹائیگر یہ سن کر اُچھل پڑا۔ "فادر... جنریٹر نغمہ؟ میں سمجھا نہیں... فادر پلیز۔"

"لیٹ جاؤ۔" اوشان کا لہجہ بہت عجیب تھا۔ "لیٹ جاؤ، پُرسکون رہو۔ کوئی نئی آزمائش آتی ہوئی نظر آرہی ہے میرے بچے۔"

"خدا حافظ روبی۔" ٹائیگر نے آنکھیں بند کرلیں۔ اُس کا دل نہ جانے کیوں ڈوب رہا تھا۔

✸

روبی ہونٹوں کو دانتوں سے تقریباً کاٹتی ہوئی تیزی سے گاڑی دوڑا رہی تھی۔ اُس نے ایسی کیفیت کبھی محسوس نہیں کی تھی۔ اُسے ایسا لگ رہا تھا جیسے کسی نادیدہ قوت نے اُسے اور ٹائیگر کو ہمیشہ کے لیے جُدا کردیا ہو۔ گاڑی کا رُخ انٹرنیشنل ایئرپورٹ کی طرف تھا۔ وہ پروفیسر ہاسکن کو بتا آئی تھی کہ اُسے امریکہ سے جانا پڑ گیا ہے۔ پروفیسر ہاسکن انسدادِ منشیات سیل کا انچارج تھا اور چارہ گر میں اُسے اہم مقام حاصل تھا مگر وہ بہرام کے اعتماد کا آدمی ہونے کے باوجود بھی ٹائیگر سے نہیں مل سکا۔ اُس کی اہمیت اتنی تھی کہ بہرام کی جزیرہ فردوس میں موجودگی کے دوران چارہ گر کے امور خود چلاتا رہا تھا اور اُس کی عدم موجودگی کے دوران منشیات کے اس دھندے کا انکشاف ہوا تھا۔ وہ روبی کو بہنی کہتا تھا اور اُس کی سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ وہ ٹائیگر اور اوشان سے مل سکے۔ پروفیسر ہاسکن نے اپنی ساری زندگی جرائم کے خلاف جدوجہد کے لیے وقف کر رکھی تھی، خود روبی کو یہ علم نہیں تھا کہ بہرام، پروفیسر ہاسکن کو کہاں سے نکال کر لایا ہے۔ اُسے ہاسکن میں بہرام کی شخصیت نظر آتی تھی لیکن بہرام کے برعکس ہاسکن بہت شوخ اور زندہ دل آدمی بھی تھا۔ روبی کو یہ بھی معلوم تھا کہ ہاسکن کی کئی کمپنیاں ہیں۔ انتظامیہ میں اُس کا اثر و رسوخ ہے اور وہ باعموم پہاڑی علاقے میں رہتا ہے۔ آج وہ چارہ گر کی ایک دوسری عمارت میں مقیم تھا، کیونکہ اُسے سینی نوریم آنے کی اجازت نہیں تھی۔ روبی اُس سے وہیں ملی تھی اور ہاسکن نے کہا تھا کہ کچھ لوگوں نے آج اُس کا تعاقب کیا تھا۔

روبی کی گاڑی سنسان سڑک پر تقریباً اُڑ رہی تھی۔ اُسے بہت کچھ یاد آرہا تھا، اپنا گھر، سینی نوریم، اوشان اور... اور شہزاد۔

پھر مبہم سا اُس کی چھٹی حس خطرے کی گھنٹی بجانے لگی۔ اس نے عقب نما میں دیکھا۔ ایک ٹرک اسٹریٹ لائٹ کی روشنی میں پل بھر کے لیے نظر آیا۔ روبی نے ہونٹ دبا کر ایکسیلیٹر پر دباؤ بڑھا دیا، مگر چھوٹی سی کار چھ وہیل والے طاقت ور ٹرک کا مقابلہ نہیں کرسکتی تھی۔ فاصلہ مسلسل کم ہوتا رہا۔ روبی نے پستول نکال لیا اور ہاتھ باہر نکال کر فائر جھونک دیا، مگر گولی ٹرک کی بادی سے ٹکرا کر پھسل گئی۔ روبی کی نظریں عقب نما پر تھیں، وہ غصے سے پھنکار اٹھی اور یہی اُس کی مہلک غلطی تھی۔

مبہم مقابل سمت سے ایک اور ٹرک دندناتا ہوا اُس کی کار کی سمت لپکا۔ روبی نے گھبرا کر اسٹیئرنگ گھمایا لیکن اُس سے غلطی ہوچکی تھی۔ مقابل سمت سے آنے والا ٹرک اُس کی ننھی سی کار سے ٹکرایا۔ ٹرک ایک طرف ہٹا اور پھر بائیں سمت میں چلا گیا۔ اسی لمحے روبی کی کار نے دو قلابازیاں کھائیں اور عقب سے آنے والا ٹرک اُس کی کار کو کچلتا ہوا چلا گیا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کار کسی کھلونے کی طرح پچک گئی۔

"شہزاد!" روبی نے جھومتے ہوئے کہا۔ اُس نے دروازہ کھولنا چاہا... مگر ناکام رہی۔ اُس کا ہاتھ ٹوٹ گیا تھا۔ دوسرے ہاتھ سے بھی خون بہہ رہا تھا، سر پر زخم تھے، کندھا جھول رہا تھا اور ٹانگیں پیچ تھیں۔

"میرے شہزاد!" اُس کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔ معاً اُسے ہوش کا احساس ہوا۔ اُس نے گھبرا کر دیکھا۔ گاڑی میں دھواں اُٹھ رہا تھا۔ وہ طویل سانس لے کر مسکرائی۔ اُس کی آنکھوں سے دو آنسو ٹپکے اور اُس نے کھلی کھڑکی سے گردن نکال کر کود دینے کی کوشش شروع کر دی۔

اُسے علم نہیں تھا کہ ایک شخص یہ سب کچھ دیکھ چکا ہے اور اب آگ بجھانے کا سلنڈر لیے دیوانہ وار لپک رہا ہے۔

✱

"اُس کی لاش کہاں ہے؟" ٹائیگر کی یہ للکار بڑی خوفناک تھی۔ خود بہرام بھی اس وقت ٹائیگر سے خوف زدہ تھا اور اوشان کے چہرے پر پسینے کے قطرے لرز رہے تھے۔ ٹائیگر جذبات کی بھٹی میں کھول رہا تھا مگر چیخ پکار سے بھاپ نکل رہی تھی جب کہ اوشان اندر ہی اندر اُبل رہا تھا اور یہ قطرے اُنھی جذبوں کے مظہر تھے۔

"ٹائیگر...!" بہرام نے اُسے سمجھانے کے لیے اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھنا چاہا، مگر ٹائیگر نے اُسے جھٹک دیا۔

"ہاتھ مت لگاؤ مجھے!" اُس کی آنکھیں سُرخ ہو رہی تھیں۔ تم نے اُسے یہاں سے اس لیے ہٹایا تھا کہ وہ میرے اور... اور اوشان کے قریب نہ رہ سکے۔ تم سفاک اور ظالم آدمی ہو بہرام... تم نے بہت ظلم کیا ہے... تم مجھ سے میری ہر چیز چھین لیتے ہو... پہلے غزالہ اور اب..."

ٹائیگر کا جسم جھٹکے لینے لگا۔ بہرام کی نظریں جھک گئیں۔ اُس نے پہلی بار ٹائیگر کی آنکھوں میں نمی دیکھی تھی اور سُرخ آنکھوں میں یہ نمی بہت خطرناک تھی۔

روبی کی موت سے خود اُس کا بھی بُرا حال تھا۔ وہ اُسے اپنا بایاں بازو سمجھتا تھا۔ وہ اس وقت خود کو تنہا پا رہا تھا... ٹائیگر کی نفرت کا نشانہ اور اوشان کی شکایتوں کا مرکز۔

سب سے پُراسرار بات یہ تھی کہ جلی ہوئی کار میں روبی کی لاش نہیں ملی تھی۔ حالات اور شواہد اس امر کی تصدیق کر رہے تھے کہ روبی اتنی جلی ہوگی کہ اب وہ زندہ نہیں ہو سکتی اور پولیس کا خیال تھا کہ دو ٹرکوں نے اُسے جان بُوجھ کر کچلا ہے۔ یہ دونوں ٹرک مسروقہ تھے اور جائے حادثے سے صرف ایک میل دُور کھڑے ہوئے مل گئے تھے۔

"اُس کی لاش کہاں ہے؟" ٹائیگر پھر چلّایا۔ اس بار اُس کا پورا جسم کانپ رہا تھا۔

"اُوشان!" بہرام نے ماسٹر کی طرف مدد طلب کرنے والے انداز میں دیکھا۔

"اس کی فکر مت کرو شہنشاہ!" اُوشان کے لہجے میں بلا کی کاٹ تھی اور یہ جملہ طنز کے زہر میں بُجھا ہوا تھا۔ "لونڈا ہے۔ ایک کھلونا ٹوٹ گیا تو کیا ہوا، دوسرا مل جائے گا۔ اپنی چارہ گری کی فکر کرو، تمھاری خُدائی فوجداری باقی رہے..."

بس یہی سب سے اہم بات ہے۔"

"ماسٹر... تم بھی...؟" بہرام نے شکستہ لہجے میں شکوہ کیا۔

"وہ... میرے لیے بھی تو بہت کچھ تھی۔"

اُوشان نے اُس کی بات نہ سُنی، ٹائیگر کا ہاتھ تھاما اور پھر ٹائیگر اُس کے ساتھ اس طرح چلتا چلا گیا، جیسے وہ کوئی بچہ ہو۔

کمرے میں اُوشان نے ٹائیگر کو بیڈ پر لٹا کر سر اپنی گود میں رکھ لیا اور پھر طوفان پھٹ پڑا۔ ٹائیگر کی آنکھوں سے آنسو اس طرح بہے جیسے دریا کا بند ٹوٹ گیا ہو۔ اُوشان کی دو اُنگلیاں اُس کی کنپٹیاں سہلاتی رہیں۔ وہ چاہتا تھا کہ ٹائیگر کے دل کی بھڑاس نکل جائے۔ دل پر بوجھ نہ رہے اور یہ صرف اس وقت ممکن تھا، جب وہ کھل کر روئے۔

"میرے بچے! وہ بہت پاکیزہ تھی۔" اُوشان جان بُوجھ کر روبی کا ہی ذکر کر رہا تھا۔ "وہ حُور تھی جنت کی حُور..."

ٹائیگر کے آنسوؤں سے اُوشان کا لبادہ بھیگ گیا، مگر اس رونے کا انتہائی عجیب اثر ہوا۔ ٹائیگر کی آنکھ لگ گئی۔ وہ سو گیا۔ کسی ایسے بچے کی طرح، جو کھلونا گم ہو جانے پر رو رو کر سو جاتا ہو۔

اُوشان نے بڑی احتیاط سے ٹائیگر کا سر تکیے پر رکھا اور خود کھڑکیوں کے پردے گرانے لگا۔

اب وہ ایک بکس کھینچ کر موم بتیاں نکال رہا تھا... پانچ موم بتیاں اُس نے نکالیں۔ کمرے کے چاروں کونوں میں ایک ایک موم بتی رکھی اور پانچویں موم بتی اپنے سامنے رکھ کر اسے جلانے لگا۔

وہ کچھ پڑھ رہا تھا... اُس کے ہونٹ ہل رہے تھے اور مونچھیں ہل رہی تھیں۔ وہ دوزانو بیٹھا ہوا تھا، پھر اچانک اُس نے ماچس اُٹھائی اور کونوں میں رکھی ہوئی موم بتیوں کو جلانے لگا۔ اُس کے ہاتھ کانپ رہے تھے، وہ ماسٹر تھا، دُنیا کا ظالم ترین جلاد... لیکن اُس کا دل رو رہا تھا۔ صرف ایک سوال کا جواب لینے کے لیے وہ یہ کٹھن عمل کر رہا تھا اور سوال یہ تھا کہ... کیا روبی مر گئی؟

■

بہرام کے لیے اُن کی درخواست غیر متوقع نہیں تھی۔ وہ روبی کا انتقام لینا چاہتے تھے۔ ٹائیگر کا چہرہ سُنتا ہوا تھا، لیکن اُوشان کی کیفیت اب بالکل مختلف تھی۔

"مگر ہمیں یہ بھی نہیں معلوم کہ وہ کون لوگ تھے؟" بہرام نے پہلو بدل کر کہا۔

"اُن کا پتا چلانا میرا کام ہے۔" ٹائیگر نے رُوکھے لہجے میں جواب دیا۔

"تم کہاں سے شروع کرو گے؟"

"جہاں سے دل چاہا اور اس کے لیے میں تمھاری مدد طلب نہیں کروں گا۔"

"ذاتی حیثیت میں؟"

"ہاں... صرف اور صرف شہزاد کی حیثیت میں۔ یہ میرا ذاتی معاملہ ہے۔"

"جانتے ہو کہ تخت و خون سے ملک بھر میں طوفان کھڑا ہو جائے گا ٹائیگر۔"

"جانتا ہوں... اور یہ بھی جانتا ہوں کہ مجھے بیک وقت تین محاذوں پر لڑنا ہوگا۔ روبی کے قاتلوں سے، پولیس سے اور تمھارے آدمیوں سے..."

"میرے آدمی تمھارا ساتھ دیں گے۔" بہرام نے شکستہ لہجے میں کہا۔ "وہ تمھارے آدمی ہیں... اور تم اُوشان...؟"

"یہاں یہ وہاں ہیں۔" اُوشان نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

"مگر یہ کہاں جائے گا؟"

"پتا نہیں، شاید اسے بھی علم نہیں۔"

"ٹھیک ہے ماسٹر!" بہرام اچانک ہی غیر جذباتی انداز میں بولا۔ "یہ جو چاہے کرے۔ میں معذرت نہیں کروں گا لیکن محض شبہے کی بنا پر کسی کو قتل کر دینا مناسب نہیں۔"

دونوں خاموش رہنے کمرے میں ناگوار سی خاموشی چھا گئی اور پھر دونوں پلٹ کر نکل آئے۔

۲۲

قُدرت شاید اُن پر مہربان تھی۔ روبی کے کمرے سے اُنھیں چند پتے ملے، جو ایک ڈائری میں درج تھے اور اُن میں چارلی وی ہارسن کا نام بھی تھا۔ یہ نام سُرخ روشنائی سے لکھا ہوا تھا... نام کے نیچے سیاہ اور بھری لکیریں تھیں۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ روبی اسی شخص کو مرکزی حیثیت دے رہی تھی اور یہی نام اُس نے اُن دونوں کے سامنے بھی لیا تھا۔

"میں اب جاتا ہوں اُوشان!" اُس نے اُوشان کو کمرے میں آتا ہوا دیکھ کر کہا۔ اس وقت ٹائیگر کے ایک ہاتھ میں روبی کی ڈائری اور دوسرے میں بلاؤز تھا۔

"ضرور... لیکن آؤ... پہلے کچھ باتیں کر لیں۔ مجھے ابھی ایک ٹیلی فون ملا تھا، بڑا عجیب سا نام تھا فون کرنے والے کا؟"

"آپ کا فون؟" ٹائیگر کو بھی حیرت ہوئی۔

"ہاں، وہ تم سے بھی بات کرنا چاہتا تھا لیکن میں نے بات کرنے سے انکار کر دیا۔"

"لیکن اُسے یہاں کا فون نمبر کس نے دیا؟"

"وہ یہیں کا ایک دانا آدمی ہے میرے بچے۔" اُوشان دو دن بعد مسکرایا تھا۔ "آؤ... باتیں کریں۔"

■

دُھند سڑکوں پر اب بھی چھائی ہوئی تھی۔ سان فرانسسکو کے پہاڑ، خلیج سان فرانسسکو کو جھک کر دیکھ رہے تھے اور اُن کی چوٹیاں دُھند میں چھپی ہوئی تھیں۔ ہوٹل سے مسافروں کی بڑی تعداد کاروں میں بیٹھ کر ائرپورٹ جا چکی تھی اور ایک مسافر ٹرالی بیگ اُٹھائے ہوٹل سے نکل کر سڑک کی سمت میں آ رہا تھا۔ یہ ٹائیگر تھا۔

اسی لمحے دُھند میں ایک ٹیکسی کی ہیڈ لائٹس چمکیں۔ ٹائیگر نے ہاتھ اُٹھایا اور ٹیکسی اُس کے قریب رُک گئی۔

ٹائیگر نے پچھلا دروازہ کھولا، بیگ رکھا اور خود اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ "انٹرنیشنل ائرپورٹ۔"

ٹیکسی تیزی سے چلنے لگی اور ٹائیگر سوچنے لگا۔ یہ سوچیں مستقبل کے متعلق نہ تھیں، کیونکہ یہ بات تو برسوں پہلے طے ہو گئی تھی کہ اُس کا کوئی مستقبل نہیں۔ وہ یہ سوچ رہا تھا کہ شاید شیلا کے جال سے بچ نکلنے کا واحد سبب یہ تھا کہ اُسے روبی

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کے قاتلوں سے انتقام لینے کا موقع مل سکے۔ وہ روبی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اُسے روبی کی موت سے جو دکھ ہوا تھا، وہ ناقابلِ بیان تھا۔ یہ عجیب سا درد تھا، اُو شان نے بھی اُس کے اس درد کو کم کرنے کی کوئی کوشش نہ کی تھی۔ طیارے میں سوار ہوتے ہوئے بھی اُس کی سوچوں کا محور روبی تھی۔

طیارہ دیو ہیکل پرندے کی طرح فرشتوں کے شہر لاس اینجلز کی طرف پرواز کر رہا تھا۔

☆

صبح ہونے میں ابھی مزید نصف گھنٹہ باقی تھا۔ لہٰذا لاس اینجلز کاؤنٹی کے لوبانگا علاقے کی کھائیوں میں تاریکی بھری ہوئی تھی۔ جولائی کا مہینہ ہونے کے باوجود کڑاکے کا جاڑا پڑ رہا تھا۔ ستارے مغرب کی طرف جا چکے تھے اور چاند غائب ہو چکا تھا۔ اگر زمین پر فوجی انداز میں بیٹھے کے بل لیٹے ہوئے شخص کے پاس وائلڈ فیلڈ ۴ ایکس اسکوپ نہیں ہوتا تو وہ ہدف پر بھی نظر رکھنے کے قابل نہیں رہتا۔

ٹائیگر دُوربین آنکھوں سے لگائے ایک اندرونی ڈھلان پر لیٹا ہوا تھا۔ اُس کی نظریں نیچے اس شخص پر تھیں جو اپنی کار میں بیٹھا ہوا تھا۔ کار جس جگہ کھڑی تھی۔ وہاں شاید حال ہی میں درخت کاٹے گئے تھے، لہٰذا وہ جگہ چھوٹا سا مربع نما میدان لگ رہی تھی۔

ٹائیگر، اُو شان سے رخصت ہوتے وقت یہ عہد کر چکا تھا کہ روبی کے عوض کم از کم ایک سو افراد کو ہلاک کرے گا اور وہ بھی اس طرح کہ اُن کی نظروں میں نہ آئے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اُس نے جدید آتشیں ہتھیار استعمال کرنے کو ترجیح دی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اس وقت بھی اعشاریہ ۳۰ میگنم کارابین اسکوپ سے منسلک تھی۔

اُس نے ایک بار پھر ہدف کا جائزہ لیا۔ سب کچھ اُس کی منشا کے مطابق تھا۔ وہ مطمئن انداز میں سر ہلانے لگا۔

وہ سناجو کی تربیت کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اس تربیت کی تکمیل پر اُس نے جو حلف اُٹھایا تھا۔ وہ بہت واضح تھا۔ "میں سناجو کے عظیم بہادروں کی رُوح کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ ان کا فن کسی ذاتی غرض کے لیے استعمال نہیں کروں گا۔"

اور آج وہ ذاتی غرض پوری کرنے کے لیے ہتھیار لیے ہوئے تھا۔ وجہ یہ تھی کہ اُو شان نے اُسے حلف کی پابندیوں سے آزاد کرنے سے انکار کر دیا تھا، اگر معاملہ خود اُس کا اپنا ہوتا تو اُسے سناجو کے فنِ مرگ کو کو استعمال کرنے کی کھلی چھوٹ ہوتی، کیونکہ اپنا دفاع کر کے وہ دراصل اس فن کا دفاع کرتا۔

وہ سر جھٹک کر ایک بار پھر کار اور کار نشین کی طرف دیکھنے لگا۔ اب کار نشین کے انداز سے اُکتاہٹ واضح تھی۔ وہ اپنی شوخ رنگ سُرخ فیراری جی ٹی کار سے نکل کر ٹیک لگائے ہوئے کھڑا ہوا تھا۔ شاید اُسے اردگرد کی خاموشی سے بھی خوف محسوس ہو رہا تھا اور غالباً پہاڑوں سے جڑی بوٹیوں کی جو بھاری خوشبو آ رہی تھی، وہ بھی اُس کے اعصاب پر اثر انداز ہو رہی تھی۔

یہ چارلی تھا... چارلی وی ہارمس۔ اُس کا تعلق بنیادی طور پر ہیمن ہٹن کے مشرقی اور گنجان آباد علاقے سے تھا لیکن گزشتہ بیس برس اُس نے لاس اینجلز ہی میں گزارے تھے۔

وہ سراپا مافیا تھا۔ اُسے نیویارک کی فرسٹ فیملی سے وابستگی حاصل تھی، پھر اُس نے ساحلی علاقے میں ٹھکانہ تلاش کر کے کتابوں کی ایک دُکان کھولی تھی، پھر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ بڑا آدمی بنتا چلا گیا تھا۔ اب طاقت اور دولت کے اعتبار سے ڈان پائیٹرو اسکارلی کے بعد اُسی کا نمبر تھا اور اسکارلی اُس کا باس تھا۔ چارلی کو تین ماہ قبل ہی جنوب میں وینٹورا کاؤنٹی، میکسیکو کی سرحد تک مافیا کی تنظیموں کا انچارج بنایا گیا تھا اور یہ وہ رُتبہ تھا، جس کے لیے وہ روزِ اوّل ہی سے ہاتھ پیر مار تا رہا تھا۔ اب اُسے وہی احترام ملتا تھا، جو اسکارلی کا حصّہ تھا۔

ان تمام کامیابیوں کے باوجود اپنے باس ڈان اسکارلی کی عزت اور احترام میں چارلی نے کوئی فرق نہیں آنے دیا اور یہی وجہ تھی کہ وہ اس وقت یہاں موجود تھا۔ دو ماہ قبل اسکارلی نے اس کو بیورلے ہلز کے مینشن میں طلب کر کے نئے آپریشن کا ذکر کیا تھا، جو وہ شروع کرنے والے تھے۔ یہ ہول سیلنگ کی بات تھی۔ ایک عرصے تک اسکارلی نے اپنے آدمیوں کو منشیات کی منڈی سے دُور رکھا تھا لیکن اب بھاری منافع کی اُمید تھی اور اسکارلی اس موقعے کو اس وجہ سے بھی گنوانے کے لیے تیار نہیں تھا کہ رسد کے لیے میکسیکو کی سرحد قریب ہی تھی۔

مافیا کے ڈان اسکارلی نے جب یہ تفصیلات بتائیں

تو اُس کا چہرہ خوشی سے تمتما رہا تھا۔

"بہت شاندار موقع ہے لڑکے۔" اُس نے کہا۔ "ہمارا کام صرف سامان ڈھول کرنا اور پھر اُسے ہول سیل میں فروخت کر دینا ہوگا۔ اس کے لیے رابطے پہلے ہی موجود ہیں۔ جادو سر چڑھ کر بولے گا چارلی۔ منڈی میں بھی مقابلے اور قاتلوں سے نمٹنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ کروڑوں ڈالر ملیں گے اور یہ رقم حاصل کرنے کے لیے ہمیں محض چند ہزار لگانا ہوں گے۔ پولیس کو چھوڑو، فیڈرل ایجنٹ بھی ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے... کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔"

"اچھا...!" چارلی نے مسکرا کر کہا۔

"اس کام کے لیے میں صرف تم پر اعتماد کر سکتا ہوں۔" اسکارلی نے کہا۔ "پورا آپریشن تم خود کرو گے۔ اس کنسٹرکشن کمپنی میں اب بھی تمہارا کنٹرول ہے لہٰذا وہاں تنخواہ لینے والے لڑکوں کو استعمال کرو۔"

اسی طرح وہ گزشتہ دو ماہ سے یہ کام کر رہا تھا اور اس دوران میں صرف ایک لڑکی نے ستایا تھا، جس کی کار دو لڑکوں نے کچل دی تھی۔

ویسے چارلی کو اس گیم میں زیادہ دلچسپی نہیں تھی۔ اس وقت خاص طور سے وہ کوفت محسوس کر رہا تھا۔ اس کی حیثیت محض نگہبانی کی تھی۔ اُس کا کام یہ تھا کہ کھیپ وصول کر کے سان فرنانڈو میں ویلی کاج جائے جہاں ہیروئن کی صفائی ہو اور پھر کھیپ لے کر ایک مقررہ جگہ پہنچ جائے، جہاں کوئی آ کر اُسے رقم دیتا تھا اور مال لے جاتا تھا۔ ساری رقم اسکارلی کو ملتی تھی اور اسے صرف چار فی صد بطور کمیشن۔

اُسے وہ تائیوانی بھی پسند نہیں تھا۔ اب تک اُن کی چار ملاقاتیں ہو چکی تھیں مگر اس شخص نے کبھی ہیلو تک نہیں کہا تھا۔

چارلی نے ایک اور سگریٹ سُلگائی۔ اُسے وہ لڑکی اچانک ہی یاد آ گئی تھی، جو اُس کا تعاقب کرتی رہتی تھی... وہ مسکرانے لگا۔ لڑکی بہت تیز تھی اور اگر دو ٹرک استعمال نہ کیے جاتے تو شاید وہ بچ نکلتی۔ ویسے اُسے حیرت تھی کہ لڑکی کی لاش کیوں نہیں ملی؟

پہاڑی ڈھلان پر ٹائیگر نے سگریٹ کے انگارے کو دیکھ کر سر ہلایا اور ہتھیار کو اسی لحاظ سے ایڈجسٹ کر لیا۔ وہ اس وقت روبی کے بارے میں سوچ رہا تھا اور اُس کے جسم میں آگ سی لگی ہوئی تھی۔ اُس کی اُنگلی لبلبی پر گئی مگر اُس نے ہاتھ کھینچ لیا۔ ابھی اس کا وقت نہیں آیا تھا۔

پھر اچانک ہی صبح ہو گئی۔ اونچی چوٹیوں پر ہلکی روشنی نمودار ہوئی اور ساتھ ہی نیچے کا منظر بھی نظر آنے لگا، پھر چند ہی لمحوں بعد ہیلی کاپٹر کی پھٹا پھٹ سنائی دی۔ ٹائیگر نے آسمان کی طرف دیکھا۔ پہاڑوں کی بلند چوٹیوں سے نیچے کھائیوں کے درمیان ایک چھوٹا سا ہیلی کاپٹر نظر آیا، جس پر سورج کی نرم و گلابی شعاعیں پڑ کر منعکس ہو رہی تھیں۔ اسی چمکاچوند کی وجہ سے ٹائیگر کو یہ اندازہ لگانے میں ناکامی ہوئی کہ ہیلی کاپٹر میں کتنے افراد سوار ہیں۔

یہ ایک نئی صورتِ حال تھی، جس کی ٹائیگر کو توقع نہیں تھی۔ وہ دوبارہ لیٹ گیا۔ اس کے لباس کی وجہ سے اُس کا دیکھا جانا ممکن نہیں تھا۔ یہ لباس درختوں کی رنگت کا تھا۔

ہیلی کاپٹر کئی سیکنڈ تک فضا میں ساکت رہا، پھر چارلی نے دوڑ کر کاکپٹ کا دروازہ کھولا اور ہیڈ لائٹس جلا کر سگنل دیا۔ تب ہی ہیلی کاپٹر لینڈ کر گیا۔ ڈھول اُڑی اور پَروں کی رفتار کم ہونے لگی۔

اسی دوران چارلی نے اپنی گاڑی کی عقبی سیٹ سے ایک بڑا اٹیچی کیس نکال کر ہڈ پر رکھ لیا، پھر ہیلی کاپٹر... کے پُرسکت ہو گئے تو اندر سے ایک پستہ قد گٹھیلے جسم والا شخص نمودار ہوا۔ یہی وہ تائیوانی تھا، جس سے چارلی کو نفرت تھی۔ خود تائیوانی کے چہرے پر بھی چارلی کے لیے حقارت تھی۔ اس کے باوجود وہ سر کو جنبش دیتا ہوا کار کی طرف آ رہا تھا۔ چارلی نے اُس کے قریب آتے ہی اٹیچی کیس کھول لیا۔ پستہ قد شخص نے کچھ کہے بغیر نوٹوں کے بنڈلوں کا جائزہ لیا اور پھر کچھ کہے بغیر ہیلی کاپٹر کی طرف پلٹ گیا۔ چارلی نفرت سے منہ بنا کر رہ گیا۔

ولیمز ۴ ایکس اسکوپ کی وائلڈ فیلڈ سے ٹائیگر یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ اُسے اٹیچی کیس کے اندر رکھے ہوئے نوٹوں کے بنڈل تک نظر آ گئے تھے۔ اُس کے چہرے پر حیرت چھا گئی۔ نت نئے انکشافات ہو رہے تھے، پھر وہ مسکرانے لگا۔ یہ مسکراہٹ بہت زہریلی تھی۔ اُس نے جسم کا زاویہ بدلا تاکہ میگنم اعشاریہ ۳۰ کا رُخ مرضی کے مطابق جس طرف چاہے ہو سکے۔ اسی لمحے چارلی نے اٹیچی کیس بند کیا اور ساتھ ہی کاپٹر کی طرف جانے لگا۔ دوسری طرف سے اب پستہ قد

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ٹائیوانی یا چینی واپس آ رہا تھا۔ اس بار دونوں کار اور ہیلی کاپٹر سے دُور، درمیان میں ملے، غالباً ٹائیوانی کو چاروں کے اس طرح آگے آنے کی توقع نہیں تھی۔ لہٰذا وہ کترا کر کار تک گیا۔ اُس نے دس کلو خالص ہیروئن کا تھیلا کار کے ہُڈ پر رکھا اور اپیچی کیس اُٹھالیا۔

تب ہی ٹائیگر کی اُنگلی لبلبی پر پہنچ گئی۔ اُنگلی نے محض لبلبی کو اشارہ دیا۔ گن نے ہلے بغیر... آواز نکالے بغیر موت اُگل دی۔ چارلی چیخا، تڑپا، اُچھلا۔ اُس نے بھی کوئی آواز نہیں سُنی تھی اور ۴۸ گرین کی نرم سرے والی گولی اُس کی دائیں آنکھ کے بائیں طرف صرف تین ملی میٹر اُوپر پیوست ہو گئی تھی۔ وہ کسی پاگل کتے کی طرح بھونکا اور ساتھ ہی زور سے اُچھلا، لیکن وہ اُچھلتے ہی مر گیا اور اُسے یہ علم بھی نہ ہو سکا کہ گولی اُس کے بھیجے سے گزر چکی ہے۔

اب ٹائیوانی ٹائیگر کی زد میں تھا۔ پستہ قد شخص کی حالت بھی غیر تھی۔ وہ اپنی جگہ جامد ہو کر رہ گیا تھا، پھر دو گولیاں اور چلیں۔ ایک سینے کی ہڈی میں گھس کر نکل گئی اور دوسری پیٹ میں لگی جس نے ریڑھ کی ہڈی کے ایک بڑے حصّے کو تن سے جُدا کر دیا۔ ٹائیگر نے پھرتی سے کام لیتے ہوئے گن کا رُخ ہیلی کاپٹر کی طرف کر دیا، جو فضا میں بلند ہونے کی کوشش کر رہا تھا۔ اُس نے ہیلی کاپٹر کو نشانہ نہیں بنایا بلکہ صرف سیریل نمبر پڑھ کر ذہن نشین کر لیے۔ یہ نمبر مستقبل میں کارروائی کے لیے کام آ سکتے تھے۔

ہیلی کاپٹر اب بلند ہو چکا تھا اور ٹائیگر کی تیز نظریں اِردگرد کا جائزہ لے رہی تھیں، پھر جب ہیلی کاپٹر چھوٹا ہو کر نظروں سے اوجھل ہو گیا تو اُس نے اپنا سامان جمع کیا اور پیروں کے نشانات مٹاتے، پھر چارلی کی کار کی طرف جانے کے لیے ڈھلان سے اُترنے لگا۔ اُس کی ہر حرکت سے سکون جھلک رہا تھا، چہرے پر فاتحانہ مُسکراہٹ تھی اور وہ سوچ رہا تھا کہ اگر سگریٹ پینے کی اجازت ہوتی تو وہ ایک سگریٹ سُلگا کر جشن مناتا۔

دونوں لاشیں اب اُس کے سامنے تھیں۔ اُس کے ہونٹ نفرت سے سُکڑ گئے۔

"روبی کے عوض دو... باقی رہے ۹۸" یہ کہتا ہوا، وہ خوب صورت کار کی طرف بڑھا۔ فیریری واقعی بہت شاندار گاڑی تھی۔ اُس نے گاڑی پر ہاتھ پھیرا اور کار کے دوسری طرف پہنچ گیا۔ اُس کا مقصد مقتولین کے قدموں کے نشانات میں اپنے نشان ملانا تھا، تاکہ پولیس والے کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکیں، پھر وہ ٹائیوانی پر جھک گیا۔ اُس نے جیبوں کی تلاشی لی، مگر ایسی کوئی بھی چیز نہ مل سکی جس سے اُس کی شناخت ہو سکے۔ کپڑوں تک پر لانڈری کے نشانات نہیں تھے۔ وہ کچھ دیر سوچتا رہا، اُسے چارہ گر سے نکلنے کے بعد گاڑی کی بھی ضرورت محسوس ہو سکتی تھی اور مشن کی تکمیل کے لیے رقم کی بھی۔ وہ شدید غصّے کی کیفیت میں سینی ٹوریم سے نکلا تھا۔ اُس نے نقدی یا چیک بُک تو کیا، کار بھی نہیں لی تھی۔ طیارے کا ٹکٹ بھی کریڈٹ کارڈ کی مدد سے حاصل کیا تھا۔ لہٰذا اُس نے اپیچی کیس اُٹھا کر کار میں رکھا لیکن ہیروئن وہیں چھوڑ دی۔ اُسے یقین تھا کہ لاشوں کے قریب ہیروئن دیکھ کر پولیس نہ صرف پریشان ہو گی بلکہ فوراً ہی حرکت میں بھی آ جائے گی۔

کار محض اشارے پر چلتی تھی۔ اُس نے اگنیشن میں چابی گھمائی تو صرف تھرتھراہٹ ہی سے احساس ہوا کہ انجن اسٹارٹ ہو گیا ہے۔ اُس کے آٹھوں سلنڈر کام کرنے لگے۔ ٹائیگر نے پہیّا بریک لگایا۔ کار سے نکل کر گرین جمپ سُوٹ اُتارا۔ تو نیچے سے عام کپڑے نکل آئے۔ اب وہ جینز اور قمیص میں تھا۔ اب اُسے یہاں سے نکلنا تھا۔ لہٰذا وہ گاڑی میں بیٹھ گیا۔ کار کسی معمول کی طرح ہاتھوں کے اشارے سمجھ رہی تھی۔ وہ ایک ایسے ذیلی راستے پر چل رہا تھا، جو یقیناً اسٹیٹ روڈ پر لے جاتی تھی۔

گاڑی اب بہت تیزی سے دوڑ رہی تھی اور ٹائیگر کے ذہن میں گزشتہ چند منٹ کے دوران سامنے آنے والے حقائق سے متعلق بے شمار سوالات کلبلا رہے تھے۔

پہلا سوال یہ تھا کہ منشیات کی اتنے بڑے پیمانے پر خرید و فروخت کب سے جاری ہے؟ اُسے اندازہ تھا کہ وہ جو ہیروئن چھوڑ آیا ہے، وہ خالص ہے اور اس کی مالیت لاکھوں سے بھرا ہُوا وہ اپیچی کیس ہے، جو اس وقت گاڑی میں رکھا ہُوا ہے۔ ٹائیوانی کا وجود بھی بہت پُراسرار تھا۔ اُس کی کوئی شناخت نہیں تھی۔ وہ ۹ ایم ایم کے نو گز پستول سے لیس تھا۔ اُس کے کپڑے بالکل نئے اور مختلف ریڈی میڈ فیکٹریوں کے تھے۔ اُس کی موجودگی یہی ظاہر کرتی تھی کہ وہ جاسُوسوں اور منشیات فروخت کرنے والوں کی کسی زنجیر کی کڑی ہے۔ سب سے اہم نقطہ ہیلی کاپٹر کا استعمال تھا۔ زمین سے فضا میں بلند ہونے والی ہر شین کو فلائٹ پلان دینا ہوتا ہے۔ سوال یہ تھا کہ کیا ٹائیوانی کو لے کر آنے والے اُس پرندے نے بھی فلائٹ پلان دیا تھا؟

وہ ان والوں کو ذہن کے ایک گوشے میں جمع کرتا رہا تاکہ اپنی منزل پر پہنچ کر اُن کا جواب حاصل کرنے کے لیے قدم اُٹھا سکے۔ اُس کی منزل کاٹکوما ڈنتین میں تھی۔

ٹائیگر نے بارسلوجانے والی فری وے پر گاڑی موڑنے سے قبل ایک جگہ روکی۔ یہ مقام ہوپ ویلی کے قریب چالسور بقزیں تھا۔ وہاں سے پبلک ٹیلی فون بوتھ میں گھس کر ٹوپانگا کینین کے شیرف کو ٹیلی فون کیا۔ شیرف ڈیوٹی پر نہیں تھا، لہٰذا اُس کے نائب سے بات ہوئی۔

"زبردست فائرنگ ہونی ہے آفیسر!" اُس نے آواز میں ذرا سی تبدیلی کر کے کہا۔ "ایسا لگتا تھا جیسے باقاعدہ جنگ ہو رہی ہے... یس... کیا؟... ہاں... آپ ہی کے علاقے میں..."

اس سے قبل کہ ڈپٹی شیرف کوئی جرح کرتا، اُس نے فون بند کر دیا تھا۔

●

اب وہ اُونچی نیچی سڑکوں پر سفر کر رہا تھا۔ فیریری پوری طرح ساتھ دے رہی تھی۔ وہ کاہکو کے پہاڑی علاقے میں داخل ہو چکا تھا۔ ویسے اب اُس گاڑی کے بارے میں بھی وہ سوچ رہا تھا کہ اس صحرائی اور پہاڑی علاقے میں گاڑی کا فوراً پتا چل سکتا تھا۔ مسلسل سفر، نامہ وار سڑک کے دھچکوں، آرام نہ کرنے کے باعث اُس کا جسم پھوڑے کی طرح دُکھنے لگا تھا، کوئی عام آدمی ہوتا تو اب تک بخار سے تپ چکا ہوتا۔ وہ دو راتوں سے دیا ہی نہیں تھا۔ اُس کے پورے جسم سے پسینہ نکل چکا تھا، پھر اچانک ہی اُس کے سامنے عقاب نما پہاڑی آ گئی۔ اوشان نے اُسے یہی نشانی بتائی تھی اور اُسے حیرت تھی کہ اوشان کو یہ نیا ٹھکانہ کب اور کیسے مل گیا؟

وہ عقاب نما پہاڑی کے دائیں طرف نیم قوس نما کچی سڑک پر پہنچ گیا۔ اب ٹائروں سے دھول اُڑ رہی تھی، پھر ایک میل دُور پہنچ کر اُسے کٹے ہوئے وہ درخت نظر آئے، جو کسی نامعلوم کی شکل میں تلے اُوپر رکھے ہوئے تھے۔ یہاں وہ راستہ ملنا مشکل نہ ہُوا جس کا ذکر اوشان نے کیا تھا۔ اُس نے اسی راستے پر گاڑی ڈال دی اور اچانک ہی گاڑی میں تاریکی پھیل گئی۔ وہ سُرنگ نما راستے پر تھا۔ یہاں چُھٹی بھی تھی اور ہُوا بھی۔ سُرنگ میں گاڑی کی آواز سے زلزلہ سا آ گیا تھا۔ اُس نے انٹرکولر ایشن بند کر دیا۔ گاڑی روکی اور پھر پشت گاہ سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر لیں۔ اُسے ایسا لگا جیسے برسوں تک برہنہ پا صحرا میں چلنے کے بعد ماں نے اُسے اپنی آغوش میں لے لیا ہو۔

تب ہی عقب سے ایک سایہ نمودار ہُوا۔ اُس کے ہاتھ میں لوکیلی چھڑی تھی... لیکن جونہی سائے نے طویل سانس لے کر ایک خاص مہک محسوس کی اُس نے چھڑی کی لوک فرش پر ٹکا دی اور چھڑی اس طرح سنگی فرش میں دھنس گئی جیسے فرش موم کا اور چھڑی لوہے کی ہو۔

اوشان کے چہرے پر پدرانہ شفقت دوڑ گئی۔ اُسے بہرحال ٹائیگر کو اس کار میں دیکھ کر حیرت ہُوئی تھی۔ اُس نے ٹائیگر کو بھانک کر دیکھا اور پھر اپنا استخوانی ہاتھ اُس کے شانے پر رکھ دیا۔ "تھک گئے میرے بچّے؟"

"اُس... ہاں..." ٹائیگر چونک پڑا اور دروازہ کھول کر اُتر گیا۔ اوشان نے ریڈ انڈین نیز والا خاص لباس پہن رکھا تھا۔ اُس کے سر پر پروں کا تاج نما ہیٹ تھا اور چہرے پر سُرخ رنگ کے تین نشان تھے۔

"یہ کیا حلیہ بنا رکھا ہے لٹل فادر؟" اُس نے حیرت سے پوچھا۔

"میں اس علاقے میں واپس آیا ہُوں، جہاں ایک ماسٹر نے لوگوں کو رنگ و نسل کے عفریت سے بچانے کے لیے وقت گزارا تھا میرے بچّے!" اوشان نے مُسکرا کر جواب دیا۔ "آؤ... تم چہرے سے بہت تھکے ہُوئے لگ رہے ہو، آؤ میں تمہیں زندگی دُوں۔"

باہر سے دیکھ کر کوئی بھی یہ اندازہ نہیں لگا سکتا تھا کہ یہاں ایک گھر ہو گا۔ یہ پہاڑی بھی سان فرنانڈو کی دوسری اُونچی نیچی پہاڑیوں کی طرح تھی لیکن پروفیسر ہاسکن نے انہی پہاڑیوں میں اپنا ہیڈ کوارٹر بنا رکھا تھا اور اس کا علم بہرام کے علاوہ کسی اور کو نہ تھا... یا اب اوشان یہاں آیا تھا، جو تھا شخص جس کو یہاں آ کر رہنے کی دعوت ملی تھی، وہ ٹائیگر تھا۔

نفیس مگر لوٹے ہوئے پروفیسر ہاسکن نے یونیورسٹی آف لاس اینجلس کیلی فورنیا میں لیکچرار کی زمانے ہی سے بہرام کے ساتھ کام کرنا شروع کر دیا تھا اور پھر پروفیسر کی حیثیت سے ریٹائرمنٹ

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

سے قبل اُس نے انسدادِ منشیات کا سیل سنبھالتے ہی اپنے طور پر یہ خیمہ گاہ تعمیر کرائی... تھی۔ تعمیر کرنے والے راج مزدور بہرام نے فراہم کیے تھے۔ اُنھوں نے جن کی زبان بہرام کی مادری زبان سے ملتی جلتی تھی، مقامی پتھر... اور مٹی ہی استعمال کی تھی۔ اور پہاڑوں کے اُوپر عمارت کا سقہ بھی اس طرح تعمیر کیا تھا کہ وہ دوسرے پہاڑوں کی اوٹ میں ہو کر چھپ گیا تھا۔ زیرِ زمین تعمیر بہرحال فنکاری کا نمونہ تھی۔ عمارت کے اندر ایک چھوٹی سی لیبارٹری بھی تھی، کیونکہ ہاسکن کو جیالوجی اور منرلز کا بہت شوق تھا۔ ایک کچن کے علاوہ چھوٹا سا تھیٹر، آرٹ گیلری اور بیڈ رُوم تھے۔ کمروں کی تعداد دس کے لگ بھگ تھی اور یہاں رہ کر ہاسکن اپنے مشن کی تکمیل کر تا رہا تھا۔

ٹائیگر در و دیوار کو دیکھتا ہوا اُوشان کے ساتھ اندر آیا، پھر ایک جگہ سے اُس نے بھاپ نکلتی ہوئی دیکھی تو اُسے اندازہ ہو گیا کہ اُوشان اُس کا استقبال کرنے کی تیاریاں مکمل کر چکا ہے۔ اُس نے اُوشان کے اشارے پر کپڑے اُتار دیے اور ایک دروازے کی چوکھٹ پر کھڑا ہو گیا۔ اُوشان اُس سے پہلے ہی اس دروازے سے گزر کر کچھ بڑبڑا رہا تھا۔ وہ جس زبان میں بڑبڑا رہا تھا، وہ نہ تو سنانجو کی زبان تھی اور نہ ہی جزیرہ فرودسس کی۔

شاید اُوشان قبائلی انڈینز کی زبان بول رہا ہے۔ ٹائیگر نے سوچا... پھر اچانک ہی اُوشان نے دونوں ہاتھ فضا میں بلند کر کے زور زور سے کچھ کہا: "ہا... ہا... اٹ... یا... شا... شو ٹوکا..."

اُس کے انداز سے بہرحال ایسا لگ رہا تھا، جیسے وہ دُعا کر رہا ہو۔ اس کے بعد اُس نے سر کی جنبش سے ٹائیگر کو قریب آنے کی ہدایت کی۔

کمرے کی تاریکی انگاروں کے اس ڈھیر کی وجہ سے کم ہو گئی تھی جو ایک بڑے برتن میں رکھے ہوئے تھے۔ ان انگاروں کے اُوپر ایک فولادی جالی تھی جس پر چند پتھر رکھے ہوئے تھے۔ ٹائیگر دوزانو ہو کر انگاروں کے بہت قریب بیٹھ گیا۔ تب ہی اُوشان نے بالٹی اُٹھا کر پتھروں پر پانی ڈالا۔ یہ بالٹی کھال کی بنی ہوئی تھی۔ پانی کے پڑتے ہی سن کی زوردار آواز پیدا ہوئی اور کمرے میں نیم گرم و لطیف بھاپ جمع ہو گئی۔ اس بھاپ میں اچانک ہی عجیب سی اجنبی مگر لطیف خوشبو بھی شامل ہو گئیں۔ ٹائیگر نے اُوشان کی طرف دیکھا وہ آہنی جالی کے نیچے اور پتھروں کے اُوپر جڑی بُوٹیاں اور پھول ڈال رہا تھا۔ ٹائیگر نے ایک طویل سانس لے کر ان خوشبوؤں کو سینے میں بھر لیا۔ اُسے ایسا لگا جیسے اُس کے دل کے اندر سے روشنی پھوٹ رہی ہو اور ذہن میں نور اُتر آیا ہو۔ اُس کی آنکھیں چمکنے لگیں، جسم سے درد نکلنے لگا۔ مسام کھلنے اور بند ہونے لگے، تھکن غائب ہونے لگی، ذہن نے جسم سے تھکن کو کھینچنا شروع کر دیا۔

اُوشان نے لکڑی کے مزید ٹکڑے انگاروں کے نیچے جلنے والی آگ میں ڈالے تو کمرا ایک اور نئی خوشبو سے بھر گیا۔ ٹائیگر کی سانس متوازن ہونے لگی، اُس میں ترتیب آنے لگی اور اُوشان نے بالٹی سے مزید پانی لے کر پتھروں پر انڈیل دیا۔ اب ٹائیگر کی آنکھوں سے بھی تھکن دُور ہونے لگی۔

ایک گھنٹہ گزر گیا اور ٹائیگر اب بغیر کسی دُکھ کے روبی ہی کے بارے میں سوچنے لگا۔

"چلو!" اُوشان نے فوراً ہی اُسے ہدایت دی: "باہر چلو... اس طرف..."

ٹائیگر نے ایک دوسرے دروازے کی طرف دیکھا۔ یہ دروازہ ایک چھوٹے سے میدان میں کھلتا تھا اور وہاں تالاب نظر آ رہا تھا۔ ٹائیگر نے بے چون و چرا تالاب میں چھلانگ لگا دی۔ اُس نے تالاب کے اندر زیرِ آب رہتے ہوئے کئی چکر لگائے تب ہی اُسے علم ہوا کہ یہ پانی دراصل زیرِ زمین سوتوں سے نکل کر جمع ہو رہا ہے۔

تالاب سے نکل کر اُس نے تولیے سے جسم رگڑا، کپڑے پہنے۔ اب وہ اُوشان سے یہ پوچھنا چاہتا تھا کہ اُس کو یہ کیسی گاہ کس طرح ملی، لیکن اسی لمحے وہ چونک پڑا۔ ایک بوڑھا شخص چوکھٹ پر کھڑا مسکرا رہا تھا۔

"کیا حال ہے نوجوان؟" اُس نے مسکرا کر پوچھا۔

ٹائیگر کو ایسا لگا جیسے بہرام مسکرا رہا ہو۔

"میرا نام ہاسکن ہے، پروفیسر ہاسکن۔"

"اوہ..." ٹائیگر نے ایک طویل سانس لی اور بے اختیار ہاتھ آگے بڑھا دیا۔ اُوشان نے جس شخص کے نیلی فون کا ذکر کیا تھا، یہ وہی تھا۔

اسی وقت اُوشان بھی اندر آ گیا۔

"یہ ہے میرا نالائق شاگرد، پروفیسر ہاسکن!" اُوشان نے اپنے مخصوص انداز میں ہنستے ہوئے کہا: "نالائق، اُجڈ اور ناشکرا..."

کمرے میں ہاسکن کا زوردار قہقہہ گونجا اور ساتھ ہی قرقہ کی مخصوص آواز بھی سنائی دی۔ ٹائیگر محض مسکرا کر رہ گیا۔ آج کل اُس سے قہقہے زور روٹھے ہوئے تھے۔

پھر وہ تقریباً ایک گھنٹے تک بڑے کمرے میں باتیں کرتے رہے۔ اس کمرے میں آرام دہ دیوان تھے اور فرش پر ہرن کی کھالیں بچھی ہوئی تھیں۔

شام کو رات کا کھانا کھانے سے قبل انھوں نے صحرا میں دُور تک چہل قدمی کی اور جب ستارے جنم لینے لگے تو وہ واپس آ گئے۔ اب وہ سنجیدہ تھے۔ ٹائیگر کو احساس تھا کہ ہاسکن روبی کی موت کے صدمے سے جان بُوجھ کر گریز کر رہا تھا۔

شاید یہ بھی دُکھی ہو، ٹائیگر نے سوچا۔

کھانے کے بعد سنجیدہ باتیں شروع ہو گئیں۔

"... ہیلی کاپٹر کو میں نے جانے دیا۔" ٹائیگر نے چارلی اور تانیوانی کے بارے میں بتا کر کہا: "ہیروئن بھی وہیں چھوڑ دی۔"

"اور رقم؟" ہاسکن نے پوچھا۔

"وہ... اپنی کیس میں موجود ہے۔" ٹائیگر نے میز پر رکھا ہوا اپنی کیس کھول کر کہا۔ انھوں نے رقم گنی... یہ دو لاکھ ڈالر تھے۔

"اس رقم کو غریبوں کے علاج پر خرچ کیا جا سکتا ہے۔" ہاسکن نے کہا: "ہمارے ادارے کے تحت تین اسپتال ایسے لوگوں کا علاج کر رہے ہیں، جو منشیات کے قیدی بن چکے ہیں۔ یہ رقم وہاں استعمال کی جا سکتی ہے۔"

"شاندار..." ٹائیگر نے جواب دیا۔

"میں سنانجو میں بھی ایک ایسا ہی اسپتال قائم کرنا چاہتا ہوں۔" اُوشان نے نوٹوں کے ڈھیر کی طرف دیکھ کر کہا۔

"وہ کیوں؟" ٹائیگر ہنس پڑا: "کیا وہاں کے لوگ بھی نشے کے عادی ہو گئے ہیں نیل فادر؟"

"نہیں!" اُوشان بہت ملول ہو کر بولا: "لیکن کون جانے میرے بعد وہ کن کن چیزوں کے عادی ہو جائیں۔"

"تمھارے بعد شہزاد تمھاری جگہ سنبھال لے گا ماسٹر۔" ہاسکن نے کہا۔ اُس کی آنکھوں میں اُوشان کے لیے احترام کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔ کیا تمھیں شہزاد کی صلاحیتوں پر شبہ ہے؟"

"یہ غیر ملکی ہے۔" اُوشان نے جواب دیا۔

"لیکن ان لوگوں سے کئی گنا بہتر ہیں جن کو آپ نے تربیت کے لیے نااہل قرار دیا تھا اور جن کا تعلق سر... نجو سے ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو آپ مجھے تربیت کے لیے کیوں منتخب کرتے نیل فادر؟ کیوں پروفیسر! میں ٹھیک کہہ رہا ہوں نا؟"

"دیکھو بھئی!" ہاسکن نے دونوں ہاتھ اُٹھا کر کہا: "یہ تم باپ بیٹے کا معاملہ ہے۔ میں تو ایک عام سا آدمی ہوں...."

تیسرا آدمی..."

"نہیں!" اُوشان نے اچانک ہی ہاسکن کا ہاتھ تھام لیا۔ "عظیم قبائلی اوسکان کا پڑپوتا عام آدمی نہیں ہو سکتا۔"

ٹائیگر کا سر گھوم کر رہ گیا۔ اُسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ ہاسکن انڈین ہے اور اُسے اس بات پر بھی حیرت تھی کہ اُوشان نے کسی تیسرے شخص کی تعریف خود کی تھی اور وہ بھی جذباتی انداز میں...

پھر موضوع بدل گیا۔

"دیکھو شہزاد!" ہاسکن نے کہا: "روبی کبھی نہیں مر سکتی یہ بات تم دل پر نقش کر لو کہ وہ زندہ رہے گی لیکن اب جبکہ تم نے اُس کا انتقام لینے کے لیے قدم اُٹھایا ہی ہے تو آگے بڑھتے رہو۔ چارلی مر گیا... لیکن ابھی سینکڑوں چارلی باقی ہیں۔ وہ قانونی جنگ سے ختم نہیں ہو سکتے اور جب تک وہ ختم نہیں ہوں گے، انسانیت منشیات کی لعنت کے بوجھ تلے سسکتی رہے گی۔"

"میں نے روبی کے عوض ایک سو افراد کو ہلاک کرنے کا عہد کیا ہے پروفیسر۔" ٹائیگر کا لہجہ انتہائی خطرناک تھا۔ "میں گنتی مکمل ہوئے بغیر بہرحال چین سے نہیں بیٹھوں گا، اگر اس دوران میں اس گروہ کا خاتمہ بھی ہو جائے تو مجھے خوشی ہو گی۔"

"تب پھر طے رہا کہ تم اس دھندے کو جڑ سے اُکھاڑ پھینکنے کے لیے روبی کے نام پر ہمارا ساتھ دو گے۔" پروفیسر ہاسکن نے اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ٹائیگر نے یہ بات بہت بُری طرح محسوس کی کہ ہاسکن اور اُوشان... دونوں اُس سے نگاہیں چُرا رہے ہیں۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے دونوں کوئی جھوٹ بولتے رہے ہیں۔

"ہاں..." اُس نے بھاری لہجے میں کہا: "اب سب سے پہلے مجھے اس فیریری کا کار نمبر بدلنا ہے، دوسری نمبر پلیٹ لگانی ہے، ورنہ کسی کی نظر پڑ گئی تو کار ہاتھ سے نکل جائے گی اور... یہ اس وقت مجھے گاڑی کی سب سے زیادہ

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ضرورت ہے۔"

"عیاش کاہل۔" او شان نے غصیلے لہجے میں کہا۔ "کار کے بغیر ایک قدم بھی نہیں چل سکتا۔ یہی فرق ہے، سنا نجو کے باشندے اور عیر ملکی میں۔"

پروفیسر ہاسکن بہت زیرک تھا، مار کر نہیں پڑا۔ اسے او شان کی ایک بات اچھی طرح یاد تھی۔ "عظیم ہاسکن! عظیم او سکان کے پڑ پوتے! شہزاد بہت اچھا لڑکا ہے، میرا بالکل سچا اور حقیقی جانشین، مجھے ایسے ہی بیٹے کی تمنا تھی۔ میں جانتا ہوں کہ وہ کس شدید کرب سے دوچار ہے اس کا ذکر میرا ذاتی دکھ ہے لیکن اگر مخلوقات کے اس گروہ کا قلع قمع کرنا ہے تو اس سے یہ راز چھپانے رکھو... کون سا راز... یہ تم بہت اچھی طرح جانتے ہو۔" میں نے عظیم پرہام سے بھی یہی درخواست کی، اگر اسے اس راز کا پتا چل گیا تو وہ خوشی سے دیوانہ ہو جائے گا۔ بس... جب وقت آئے گا تو اسے پتا چل جائے گا، خود بخود۔"

"ٹھیک ہے۔" ہاسکن نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "اب تم ان پر کہاں حملہ کرو گے ٹائیگر؟"

ٹائیگر چونک پڑا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ ہاسکن کو پرہام کے بہت سے راز معلوم تھے۔

"اب!" وہ جھرجھری لے کر مسکرانے لگا۔ "یہ بات بھی مجھے وہی بتائیں گے عظیم او سکان کے پروفیسر پڑ پوتے..."

کمرے میں او شان کی مخصوص قہقہہ گونجنے لگی اور اس بار ہاسکن واقعی یہ سمجھ کر اچھل گیا کہ اس کی بطخ اندر گھس آئی ہے۔

☆☆

پیٹر اسکارلی عرف پانیر پیٹو اسکارلی عرف پیٹر وہ اسکارلی... کے عالی شان محل پر چراغاں کا سامان تھا۔ ٹرینٹون نیو جرسی کے باشندے اب اس چراغاں سے مانوس ہو چکے تھے۔ اسکارلی ۶۵ سال قبل یہاں آیا تھا اور ہر سال یہی کام ہوتا رہا تھا۔ اس وقت مسلسل کاریں عمارت میں داخل ہو رہی تھیں، باہر سے ایسا ہی لگتا تھا، جیسے اندر کوئی اور تقریب ہو رہی ہے۔ یہ تقریبیں بھی اس عمارت کے باہر سے گزرنے والوں کے لیے معمول بن چکی تھیں لیکن آج یہاں کوئی تقریب نہیں تھی۔ خموشی کا ماحول چراغاں سے ظاہر تھا لیکن آنے والوں کے دل مُردہ تھے، وہ پریشان تھے۔

خبیث پولیس والے کھیپ سے گئے، ہمارے رابطے کا آدمی مارا گیا اور اب تم مجھے ایسی بات بتا رہے ہو جس کا مجھے پہلے سے علم ہے کہ... وہ خبیث قاتل رقم بھی لے گئے... چارلی میرا بیٹا... مر گیا۔ وہ اُس کی کار لے گئے۔"

اسکارلی نے انتہائی طیش کے عالم میں میز پر گھونسا مارا۔ اس کا چہرہ سُرخ تھا، آنکھیں چمکدار تھیں اور کوئی بھی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ اس کی عمر ستر سال ہے... اور کہنے کو تو یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ یہ وہی پانچ سالہ یتیم بھوکا اور بیمار بچہ ہے جو ۶۵ سال قبل یہاں آیا تھا۔ اس کی پور پور سے زندگی ٹپک رہی تھی، صرف سفید بالوں سے عمر کا اندازہ ہو رہا تھا... وہ ایک بار پھر اپنے سامنے بیٹھے ہوئے لوگوں پر برسنے لگا۔

"آج... تم کیسے دو تین لوگ ہو جن سے میرا واسطہ پڑا ہے؟ کتنے دانش مند ہو تم لوگ!" یہ کہہ کر وہ اپنی مادری زبان سلین میں گالیاں دینے لگا، پھر اس نے سامنے رکھے ہوئے یخ پانی کے گلاس سے دو گھونٹ لیے، ہونٹ ترکیے اور سر ہلانے لگا۔

"اسٹین۔" اس نے ایک فربہ اور طاقتور شخص کو نام سے پکارا۔ چالیس سالہ اسٹین کو اسٹین دی مین روڈیجیٹی کہا جاتا تھا۔ اس پر بھروسا ٹوٹ بہت بچ رہا تھا۔ "تم اپنے آدمی لے کر عارضی طور سے چارلی کی جگہ سنبھال لو، میں چاہتا ہوں کہ چارلی تک پہنچنے والا آدمی جلد از جلد اپنے گروہ سمیت خاک نشین ہو جائے... میں اس دعوے پر یقین نہیں کر سکتا کہ یہ حرکت کسی مخالف گروپ کی ہے۔ میری چھٹی حس کہتی ہے کہ یہ اناڑی لوگوں کا کام ہے۔ ہمیں ان اناڑیوں کو جلد از جلد پکڑنا اور ختم کرنا ہوگا۔ ان کو ایسا سبق سکھانا ہوگا کہ آئندہ کوئی ہم جو ہمارے آدمیوں پر کنکر بھی نہ پھینک سکے۔ کوئی اُن کا انجام فراموش نہ کر پائے۔"

"کیا یہ ممکن نہیں کہ کسی لالچی پولیس والے ہی نے رقم پر ہاتھ صاف کر دیا ہو؟" اسٹین نے پوچھا۔

"اپنا بھیجا استعمال کرو اسٹین۔" اسکارلی نے غصیلے لہجے میں کہا۔ "کوئی اناڑی یا احمق پیشہ ور ہی اس قسم کی حرکت کر سکتا ہے۔ اُن لوگوں کو تلاش کرنا پڑے گا اور میں کسی قسم کا بہانہ نہیں سنوں گا۔"

اسی لمحے ٹنگ ٹنگ کی آواز سنائی دی اور مافیا کے سربراہ نے اپنی میز پر رکھے ہوئے ٹیلی فون سیٹ کا ریسیور اُٹھا لیا۔ ریسیور اُٹھاتے ہی اس کا چہرہ نرم ہو گیا۔ تنے ہوئے عضلات ڈھیلے پڑ گئے۔

"یس سر۔" اُس نے انتہائی نرم لہجے میں کہا۔

دوسری طرف سے بالائی طبقے سے تعلق رکھنے والے کسی شخص کی آواز سنائی دی۔ وہ انتہائی نستعلیق انگریزی بول رہا تھا۔

"یس سر۔" اسکارلی نے سر ہلا کر کہا۔ "ہم اسی مشن پر ہیں۔ جی... جی ہاں... میں جانتا ہوں سر کہ آپ اتنے پریشان کیوں ہیں لیکن میں بھی اپنا ہیرا کھو چکا ہوں۔ ایسا آدمی کھو بیٹھا ہوں جو میرے بیٹے سے بھی زیادہ عزیز تھا... جی... ہرگز نہیں... میں کام میں جذبات کو حائل نہیں ہونے دوں گا، جناب... جی ہاں... میں نے اپنے ایک انتہائی قابل اور اہل آدمی کو فیلڈ کا چارج دیا ہے... یس سر... اوہ مجھے افسوس ہے اور میں معذرت خواہ ہوں جناب۔ جی... مسئلہ یہی ہے کہ اب جب کہ رابطے والا آدمی موجود نہیں... جی... کیا... اوہ... شاندار... یہ تو خوش خبری ہے جناب۔ شکریہ جناب عالی... بہت بہت شکریہ... میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میرے آدمی اُس کا سُراغ لگا لیں گے اور اڑتالیس گھنٹے کے اندر اندر نتیجہ آپ کے سامنے ہوگا۔ شکریہ جناب۔ شب بخیر۔"

اسکارلی نے ریسیور کریڈل پر رکھا اور گلاس مُنہ سے لگا لیا۔ وہ یخ پانی کے تین چار گھونٹ ایک ہی سانس میں اُتار گیا۔

"ہزلارڈ شپ کا فون تھا لڑکو۔" اس نے غیر ضروری طور پر کہا کیونکہ اُن سب کو علم تھا کہ اسکارلی صرف ہزلارڈ شپ ہی سے اس انداز میں گفتگو کر سکتا ہے۔

"پھر؟" اسٹین نے بے چینی سے پوچھا۔

"پھر یہ کہ وہ ہزلارڈ شپ رابطے کے لیے نئے آدمی کا انتظام کر رہے ہیں۔ ایک ہفتے بعد ہمارا کاروبار معمول کے مطابق پھر شروع ہو جائے گا، لیکن..." یہ کہہ کر وہ اسٹین کی طرف پلٹا۔ "ہزلارڈ شپ رقم چھیننے والے شخص یا افراد کا انجام جلد از جلد دیکھنے کے خواہاں ہیں۔ تم اپنا کام فوراً شروع کر دو۔"

اسٹین جونہی اُٹھا اُسی لمحے ٹنگ ٹنگ کی آواز پھر سنائی دی اور اسکارلی نے اُسے اشارے سے رُکنے کا کہہ کر ریسیور اُٹھا لیا۔

"میں معذرت خواہ ہوں اسکارلی مائی بوائے..."

دوسری طرف سے وہی نرم و شیریں آواز اور نستعلیق انگلش سُنائی دی۔ "مجھے ابھی مقامی کانسٹیبلری سے ایک اہم اطلاع ملی ہے۔ انھوں نے اپنے ہیڈ آفس کو اطلاع دی ہے کہ ایک سُرخ فریری کار تمہارے صحرائی سڑک پر نظر آئی ہے۔ شاید یہ اطلاع تمہارے کام آ سکے اور ہاں، تمہارا رابطہ اسی طرح قائم ہوگا، جس طرح میں نے کہا تھا۔ اس وقت سے چھ راتوں بعد..."

"ٹاٹا اسکارلی۔"

اسکارلی واقعی ہزلارڈ شپ سے متاثر ہوا تھا اور چارلی کا بھی یہی کہنا تھا کہ ہزلارڈ شپ مہ کاری حلقوں میں انتہائی اثر و رسوخ رکھتے ہیں۔

"ہزلارڈ شپ کی کال تھی۔" اس نے اسٹین سے کہا۔ "اُن کا کہنا ہے کہ ڈیلیوری ٹھیک چھ روز بعد ہوگی۔ انھوں نے یہ بھی سنا ہے کہ جس کسی نے بھی ہمارے خلاف اقدام کیا ہے، وہ چارلی کی کار میں صحرائی سڑک پر نظر آیا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس کام میں وان رچرڈزون اور اُس کے ونڈسیل سے بھی مدد لینی ہو گی۔ تم اپنے چند لڑکے کنسٹرکشن سائٹ پر بھیج کر اُسے کل جلد ہی لے آؤ۔"

جب اسکارلی کے تمام آدمی چلے گئے اور صرف ذاتی محافظ اور گھریلو ملازم باقی رہ گئے تو اسکارلی نے پانی کا گلاس بھرا کر اور بون کی بوتل نکال لی۔ گلاس بھرا اور اُسے بلند کر کے خاموشی سے چارلی کو خراجِ عقیدت پیش کیا۔ ابھی وہ چارلی کے بارے میں ہی سوچ رہا تھا کہ پیلے ٹیلی فون کی گھنٹی پھر بج اُٹھی۔ اسکارلی کو اس پر حیرت نہیں ہوئی۔ وہ جانتا تھا کہ ہزلارڈ شپ کسی ایک مسئلے پر اسی طرح مختلف قسطوں میں گفتگو کا عادی ہے اور اُسے یہ بھی یقین تھا کہ ہر آنے والی کال ہر مرتبہ کسی نہ کسی نئے نمبر سے ملائی جاتی ہے۔ بعض اوقات تو ایک بات مکمل کرنے کے لیے چار پانچ فون کالیں آتی تھیں۔ طویل سانس لے کر اسکارلی نے ریسیور اُٹھا لیا۔

"اسکارلی مائی بوائے۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "میں تمہیں بتا رہا تھا کہ اس منصوبے میں ہمارے شریکوں کی خواہش ہے کہ ہونے والے نقصان کا ازالہ تم کرو گے۔"

"کیا..." اضبط شدہ ہیروئن کی قیمت کی ادائیگی کے بارے میں اُس نے سوچا تک نہیں تھا۔ ہزلارڈ شپ نے یہ انکشاف کر کے اسکارلی کے لہجے میں تلخی گھول دی تھی۔ "آپ کیا بات کر رہے ہیں جناب؟ میں اور رقم ادا کروں؟ یہ کیسے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ممکن ہے؟ رقم میرے ہاتھ سے گئی اور میرا میرے جیسا آدمی مارا گیا... اور اب ایک معمولی شہر سے نقصان کا ازالہ کرنے کے لیے کہہ رہا ہے۔ ہرگز نہیں جناب! قطعی اور کبھی نہیں۔" اسکارلی کا چہرہ غصے سے سرخ ہوگیا۔

"تم سمجھے نہیں اسکارلی... مائی ڈارلنگ۔" ہزلارڈ شپ نے نرم لہجے میں کہا۔ "یہ مسئلہ ذرا زیادہ پیچیدہ ہے۔ مجھے یہ کہتے ہوئے صدمہ ہو رہا ہے کہ اگر اس پروجیکٹ کو جاری رکھنا ہے تو پھر یہ مطالبہ پورا کرنا ہی پڑے گا۔ اس مطالبے پر وہ لوگ نہ تو کوئی دلیل سننے کے لیے تیار ہیں اور نہ ہی مذاکرات کے لیے.... حقیقت تو یہ ہے کہ وہ مزید کسی کاروبار سے قبل رقم پر اصرار کر رہے ہیں۔ اب انھیں اس سے بھی دلچسپی نہیں کہ پروجیکٹ جاری رہے گا یا نہیں۔"

اسکارلی ہونٹ کاٹ کر رہ گیا۔ غصے سے اس کی کنپٹیاں سلگنے لگیں۔ "وہ عیاش ہیں۔ ذرا مجھے ان میں سے کسی ایک کا نام بتا دیں جناب! پھر میں دیکھوں گا کہ وہ ایک اہم خاندان کے سربراہ کو اس طرح کیسے دھمکیاں دیتے ہیں؟"

"ابھی نہیں۔" ہزلارڈ شپ نے پرسکون لہجے میں جواب دیا۔ "معاہدے کے مطابق میں تمھیں نہ تو کسی کا نام بتا سکتا ہوں اور نہ ہی بتاؤں گا۔"

"جہنم میں گیا معاہدہ۔" اسکارلی پھٹ پڑا۔ "میں ادائیگی نہیں کروں گا۔"

"تب پھر تم پول سیل بزنس سے محروم ہو جاؤ گے۔" یہ جملہ برف کی طرح سرد تھا۔ اسکارلی کو ایسا ہی لگا، جیسے کسی نے اس کی گرم اور دہکتی ہوئی کھوپڑی پر یخ پانی کی پوری بالٹی ڈال دی ہو۔ وہ خاموشی سے سوچتا رہا۔

"کیا تم لائن پر ہو اسکارلی؟"

"جی جی ہاں۔" اسکارلی نے نیم مردہ انداز میں کہا۔ "مجھے سوچنے کے لیے ایک منٹ تو دیں۔" اس کا ذہن تیزی سے کام کرنے لگا۔ وہ مختلف حکمتِ عملیوں کا وزن کر رہا تھا۔ تول کر دیکھ رہا تھا کہ زیادہ نقصان کس بات میں ہے۔ اسے یاد آگیا۔ چارلی ہمیشہ ہی سے اصرار کرتا رہا تھا کہ بقیہ کاریں تبدیل کی اشد ضرورت ہے۔ وہ اپنے ساتھ چند مسلح افراد لے جانا چاہتا تھا۔

"آہ... یور لارڈ شپ!" اسکارلی نے نرم لہجے میں اچانک ہی کہا۔ "یہی متوقع ہے کہ میں اپنے شاندار آدمی کی وہ بات مسترد کر دوں جو میں پہلے بھی کئی بار عرض کر چکا تھا۔ میرا اشارہ حفاظتی انتظامات کے بارے میں دلائل سے ہے۔ آپ کو یاد ہے کہ اسی سپلائر نے اصرار کیا تھا کہ چارلی کے ساتھ کوئی محافظ نہیں آئے گا۔ اُن کے اصرار کے باعث میں نے ہتھیار ڈال دیے اور اُن کی احمقانہ ضد کا نتیجہ اب سامنے ہے۔ اگر چارلی کے ساتھ دو تین آدمی اور ہوتے تو ہیروئن کی کھیپ ضائع نہ ہوتی۔ لہٰذا غلطی دوسری پارٹی کی ہے۔ بہرحال خیر سگالی کا اظہار کرنے کے لیے میں کل نقصان کا نصف ادا کر سکتا ہوں۔ اپنی ضد کا خمیازہ اُسے بھی بھگتنا چاہیے اور یہی انصاف ہے۔ ہمارے خاندان کا اصول بھی یہی ہے۔"

دوسری طرف چند سیکنڈ تک خاموشی چھائی رہی اور پھر آواز آئی۔ "ٹھیک ہے۔ میں یہ بات اپنے شریک ساتھیوں کے سامنے رکھوں گا۔ اگر ان کے سربراہ نے یہ تجویز منظور کر لی تو میں تمھیں مطلع کر دوں گا۔ ویسے گمان یہی ہے کہ وہ اس معقول تجویز کو رد نہیں کریں گے۔ شب بخیر اسکارلی۔" یہ کہتے ہی اُس نے ریسیور رکھ دیا اور اسکارلی نے بھی ریسیور رکھ دیا۔

●●

اس صبح سیکرٹری مرتبہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔

"یس... قائم مقام شیرف سارجنٹ پیٹرسن بات کر رہا ہوں۔"

اس مرتبہ بھی ڈیسک پر بیٹھے ہوئے نوجوان نے ریسیور اُٹھایا۔ "ہاں ہم جانتے ہیں۔" اُس نے دوسری طرف سے آنے والی آواز سن کر کہا۔ "ہم قتل کے ایک کیس کی ذلالت میں گردن گردن تک دھنسے ہوئے ہیں... اور چوبیس گھنٹوں سے سر کھپا رہے ہیں۔ ہاں... میں یہ بھی جانتا ہوں کہ میرے پاس پوسٹمارٹم کی رپورٹ بھی ہے۔ کیا...؟ جہنم میں جاؤ... ہاں بابا... میں جانتا ہوں کہ تمھاری ڈیڈ لائن کیا ہے لیکن اس وقت میں صرف اتنا بتا سکتا ہوں کہ مجھے ایسی دو لاشیں ملی ہیں جن میں بڑے بڑے سوراخ ہیں۔ سنو یار... ایک گھنٹے بعد میں خود ہی پریس ریلیز جاری کر دوں گا... باقی..." یہ کہتے ہوئے سارجنٹ پیٹرسن نے ریسیور رکھ دیا اور سامنے پڑی ہوئی رپورٹوں پر جھک گیا۔ وہ سیاہ فام تھا اور اس وقت اس کے ہونٹوں میں لمبی سی سفید سگریٹ دبی ہوئی تھی۔

پہلی رپورٹ پر نظر پڑتے ہی اُس نے سگریٹ ہاتھ میں لے لی اور بڑے فخر سے سر ہلاتا ہوا مسکرانے لگا۔ اس رپورٹ سے اُس کی یہ تصوری درست ثابت ہوتی تھی کہ یہ کام کسی ایک ہی شخص نے کیا ہے۔ اُسے یہ فکر نہ تھی کہ دوسرے اس تھیوری کو

کتنا احمقانہ سمجھتے ہیں۔ مجرم نے کوئی نشان تک نہیں چھوڑا تھا۔ لیکن یہ بات ہوئی صد درست تھی کہ وہ بہت دیر تک اُوپر ڈھلان پر بیٹھا رہا یا لیٹا رہا تھا۔ اُس نے اعشاریہ ۳۰۳ استعمال کیا تھا۔ ممکن ہے کہ اُس نے اعشاریہ ۳۰۳ کی آرکار بائین استعمال کی ہو۔

فنگر پرنٹس سے یہ ثابت ہو چکا تھا کہ پہلا مقتول جارس روڈلافو کیولا المعروف چارلی دی ہارس تھا۔ اس طرح لیبارٹری کی رپورٹ میں کئی باتوں کی وضاحت ہو گئی تھی جس کسی نے بھی قتل کیے تھے، وہ چارلی کی سُرخ فریری جی ٹی میں روانہ ہوا تھا، لیکن اُس نے جاتے ہوئے ہیروئن ساتھ نہیں لی تھی۔ لیبارٹری کی رپورٹ کے مطابق ہیروئن انتہائی خالص تھی۔ سڑکوں پر بکنے والی ہیروئن میں صرف پندرہ فی صد خالص حصہ شامل ہوتا ہے۔ جب کہ ہول سیلر اپنی ہیروئن میں سے ساٹھ فی صد خالص حصہ نکال کر اس کی جگہ شکر ڈال دیتے ہیں۔ ایک عرصے بعد یو ایس کو اتنی خالص ہیروئن ملنا شروع ہوئی تھی اور اس کا مطلب صرف یہ تھا کہ کوئی نیا ذریعہ ایسی ہیروئن فروخت کر کے دوسروں کا دھندا چوپٹ کرنا چاہتا ہے۔ ایک اخبار نے پہلے ہی یہ قیاس آرائی کی تھی کہ ایک دوسرا گروپ مافیا کے مقابلے پر آگیا ہے۔

پیٹرسن نے سر جھٹک کر دوسری رپورٹ اُٹھالی۔

مقتول تائیوانی قطعی پُراسرار تھا۔ اُس کے کپڑوں سے بھی اُس کی شناخت نہیں ہو رہی تھی۔ صرف یہ کہا جا سکتا تھا کہ وہ غیر ملکی ہے۔

وہ انھی سوچوں میں غلطاں تھا کہ معاً کسی کے کھنکارنے کی آواز سنائی دی۔ اُس نے سر اُٹھا کر دیکھا، دو آدمی دروازے پر کھڑے ہوئے تھے۔ ایک کے چہرے پر شناسائی اور دوستانہ مسکراہٹ تھی۔ یہ جارج ہارٹ تھا۔ ایف بی آئی کا ایک مقامی اسپیشل ایجنٹ، جب کہ دوسرا قطعی اجنبی نکلا۔ کیلی پیٹرسن کے سر اُٹھاتے ہی دونوں اندر آگئے۔

"ہارٹنگ کیلی۔" جارج ہارٹ نے پُرجوش لہجے میں کہا۔ "کسی خاص نقطے پر غور کر رہے ہو کیا؟"

"نہیں..." کیلی پیٹرسن نے ہنس کر جواب دیا۔ "بس ایک قتل ہے، دوسرا پُراسرار قتل۔ ایک مقتول شریف غنڈہ ہے اور دوسرا غیر ملکی... اور دس لاکھ ڈالر کی خالص ترین ہیروئن کا مسئلہ بھی درپیش ہے۔ ویسے اور کوئی خاص بات نہیں... بیٹھو... اور یہ کون...؟"

"میری ٹیلر۔" دوسرے نے خود ہی تعارف کرایا۔ "وفاقی خارجہ کے شعبۂ قومی سلامتی سے میرا تعلق ہے۔ کیا اس کمرے میں گفتگو کرنا مفید ہوگا؟"

کیلی پیٹرسن بے ساختہ طور پر زوردار قہقہہ مار کر ہنس پڑا۔ اُس کی یہ حرکت قطعی غیر شائستہ مگر غیر دانستہ تھی۔ اُس نے ہنستے ہنستے اپنے دفتر کے در و دیوار دیکھے اور پھر قطعی سنجیدگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولا۔ "آخری بار جب میں نے جھاڑو لگائی تھی تو پوری عمارت میں ریکارڈنگ یا گفتگو سننے کا کوئی خفیہ آلہ نہیں تھا اور یہ چیکنگ میں نے برسوں قبل نوکری ملنے پر کی تھی۔"

تب ہی اُسے احساس ہوا کہ وفاقی خارجہ کے آدمی کو یہ شوخی پسند نہیں آئی۔ کیونکہ میری ٹیلر معاً ہی سنجیدہ ہو گیا تھا۔

"مجھے بھی اس قسم کا کوئی خدشہ نہیں تھا سارجنٹ!" اُس نے کہا۔ "لیکن اب میں جو کچھ کہوں گا اُسے سنجیدگی سے لینا۔ میں یقین دلاتا ہوں حالات و واقعات کے پیشِ نظر میری درخواست عین معمول کے مطابق ہوگی۔"

"کیسے حالات اور واقعات مسٹر ٹیلر؟" کیلی پیٹرسن نے بھی سنجیدگی سے پوچھا۔

"میں مُردہ تائیوانی کی بات کر رہا ہوں اور میں تمھاری توجہ قومی سلامتی کے ایکٹ مجریہ ۱۹۲۱ء کی طرف بھی دلاتا۔ اپنا پسندیدہ فرض تصور کرتا ہوں جس کو قومی سلامتی کے ایکٹ مجریہ ۱۹۴۳ء کی روشنی میں پڑھا جاتا ہے۔"

"اوہ... میں سمجھ گیا ہوں کہ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں..." مسٹر ٹیلر۔" کیلی مسکرانے لگا۔ "اس قانون کے تحت مجھے یہ سہولت حاصل ہوگی کہ میں کسی عدالت میں گواہی دینے کا پابند نہیں رہوں گا یا میرے بیان سے کسی وفاقی عدالت میں زیرِ سماعت معاملے پر اثر نہیں پڑے گا... اور یہ کہ ہم جو باتیں کریں گے، وہ میں کسی دوسرے سے کسی حالت میں کہیں بھی اور کسی بھی وقت نہیں دُہراؤں گا۔"

"دُرست۔" ٹیلر نے جواب دیا اور پھر اپنا بریف کیس کھول کر اُس نے مقتول کی تصویر نکالی۔ "کیا یہی وہ نامعلوم تائیوانی ہے سارجنٹ پیٹرسن؟"

کیلی پیٹرسن نے تصویر دیکھ کر واپس بڑھا دی۔ "بالکل۔" اُس نے سر کو جنبش دے کر جواب دیا۔

"تب پھر اس کا نام کوانگ لو سوک ہے۔ یہ ایک مُلک کا سفارتی نمائندہ ہے اور اُس کی سفارت کا تعلق اقوامِ متحدہ

ندیم

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کے مشن سے ہے۔ مُلک کا نام تمہارے ذہن میں یقیناً آچکا ہو گا۔ ہماری اطلاعات کے مطابق اسے مغربی ساحلوں کے قریب بھی نہیں دیکھا جاتا تھا اور ہم کو یہ اطلاع تھی کہ یہ شخص مُلک چھوڑ کر جا چکا ہے' لیکن اس کے قتل کی اطلاع ہمارے لیے انتہائی حیرت انگیز ثابت ہوئی۔ سرکاری طور پر اُسے مونٹریال میں اپنے سفارت خانے میں ہونا تھا... اور اس کی یہاں واپسی میں ابھی کئی ہفتے باقی تھے۔ اب تم خود ہی اندازہ لگا لو کہ ہم کیسی سنگین صورتِ حال سے دوچار ہیں۔"

"مجھے افسوس ہے کہ میں اس سنگین صورتِ حال کا اندازہ نہیں لگا سکا۔" کیلی نے کہا نہ جانے کیوں اس شخص سے چڑ سی محسوس ہونے لگی تھی۔

"ہم انتہائی نازک بین الاقوامی مسئلے سے دوچار ہو سکتے ہیں سارجنٹ!" میری ٹیلر نے تلخ لہجے میں جواب دیا۔ "اور اس مسئلے کے نتائج بھی بہت خراب نکل سکتے ہیں۔" یہ کہہ کر اس نوجوان نے پولیس افسر کی طرف بغور دیکھا۔ "یہ بتانا میرا فرض ہے کہ اس مسئلے کی تفتیش اب ہم کریں گے۔ مجھے دفترِ خارجہ کی اعلیٰ ترین اتھارٹی کی طرف سے ہدایت ملی ہے کہ اس ضمن میں جمع ہونے والی تمام اطلاعات اور معلومات حاصل کر لوں... اور گواہ لوگوں کی شناخت سربستہ راز میں رکھنے کے لیے شریف آفس سے تعاون کی درخواست کروں تاکہ اخبارات اپنے طور پر قیاس آرائیاں نہ کر سکیں۔ ہمیں توقع ہے کہ اب تمہارا محکمہ اس کیس سے پوری طرح دستبردار ہو جائے گا تاکہ مناسب اتھارٹی اسے اپنے ہاتھ میں لے سکے۔"

"ہُوں..." پیٹرسن کی کنپٹیاں مُلنے لگیں۔

"امر واقعہ یہ ہے کہ ہم قاتل کی تلاش کا سارا کام خود ہی کریں گے۔ میں نے قاتلوں' اس لیے نہیں کہا کہ تمہاری تھیوری واردات کرنے والے کو واحد قرار دیتی ہے سارجنٹ! تمہارا مطلب یہی ہے نا کہ وہاں جرم کرنے والا صرف ایک تھا... ہمیں اُسے کم از کم وقت میں تلاش کرنا ہے وگرنہ بین الاقوامی نتائج کا حامل ردِ عمل شروع ہو جائے گا۔ ہمیں ہر حال' اس کی حکومت کو کسی پریشانی میں ہرگز ہرگز نہیں ڈالنا ہے سارجنٹ۔"

"تم منشیات کے کھیپی کو بچانا... میرا مطلب ہے اُسے بدنامی سے بچانا چاہتے ہو؟" کیلی پیٹرسن غصے سے پھٹ پڑا۔ "شاید تم یہ بھول رہے ہو کہ مرنے وقت وہ کیا کر رہا تھا؟ وہ دس کلو خالص ہیروئن ایک انتہائی بدنام مافیا مین کے حوالے کر رہا تھا اور اس بدنام آدمی کا تعلق اسکارلی کی مافیا فیملی سے ہے... پھر بھی ہم سے یہ فرمائش ہے کہ ہم زبان بند رکھیں۔ اس کا کیا مطلب ہوا جناب؟ یہی نا کہ... منشیات کا دھندا کرنے والوں کی حوصلہ افزائی ہو۔"

"شاید تم نرد دُرو غیر مُلکیوں کو پسند نہیں کرتے سارجنٹ۔" دفترِ خارجہ کا نمائندہ بے چینی سے پہلو بدل کر بولا۔

"سُنو..." کیلی پیٹرسن نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "مجھے کسی سے نفرت یا محبت نہیں۔ میں صرف جرائم پیشہ افراد اور اُن کے حامیوں سے نفرت کرتا ہوں... اور اُن لوگوں کا جانی دشمن ہوں جو نئی نسل کو منشیات کا زہریلا سکون زہر دے دے کر ختم کر رہے ہیں... اور اگر تمہیں ایسے لوگوں سے ہمدردی ہے تو مجھے تم سے کوئی محبت نہیں۔ ایک بات اور..." کیلی پیٹرسن کا چہرہ غصے سے سُرخ ہو چکا تھا۔ "یہ واردات لاس اینجلز کاؤنٹی شیرف ڈیپارٹمنٹ کی حدود میں ہوئی ہے۔ لہٰذا اگر مقتول سرکاری طور پر مُلک میں نہیں تھا تو پھر یہ دفاقی کیس نہیں بن سکتا۔ لہٰذا ہمارا محکمہ اپنے طور پر جس طرح چاہے گا، اس کیس سے نمٹے گا، جو ضروری سمجھے گا اشاعت کے لیے جاری کرے گا... اور ہاں... اگر قاتل میرے ہاتھ آگیا تو میں اُسے کوئی فالتو تمغہ ضرور دوں گا۔ کیونکہ اس نے دو زہریلے ناگوں کا سر کچل کر نئی نسل پر بڑا احسان کیا ہے۔"

"میں نیشنل سیکیورٹی..."

"سُنتے رہو مسٹر!" کیلی پیٹرسن نے مُٹھ پر ہاتھ مار کر کہا۔ "میں قومی سلامتی کے دلالوں کے جال میں آنے والا اناڑی پولیس مین نہیں ہوں جہاں تک میرا تعلق ہے' میں نے تمہاری کوئی بات نہیں سُنی' میں نے تم کو یہاں دیکھا بھی نہیں' میں نہیں جانتا کہ تم کون ہو؟ اب یہاں سے نکل جاؤ... گیٹ آؤٹ۔"

میری ٹیلر خفت کے مارے پسینہ پسینہ ہو گیا۔ وہ میز کا سہارا لے کر اُٹھا۔ اُس نے اپنا بریف کیس پکڑا اور پھر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ چوکھٹ پر پہنچ کر اُس نے پلٹ کر کیلی پیٹرسن کو پھر دیکھا' جو جارج ہارٹ سے کہہ رہا تھا۔ "ایک منٹ مسٹر دجارج... اس شخص کو جانے دو لوئیس تھیں اپنی رپورٹوں کی فوٹو کاپیاں دے دوں گا۔"

دفترِ خارجہ کے نمائندے کے جاتے ہی کمرے میں خاموشی چھا گئی۔ دونوں اپنی اپنی سوچوں میں گم ہو گئے لیکن پھر کیلی نے مُسکرا کر سر جھٹکتے ہوئے گھنٹی بجا کر ایک کلرک کو بلایا۔ اُسے رپورٹیں لانے کی ہدایت کی اور پھر سگریٹ سُلگاتا ہوا جارج کی طرف دیکھنے لگا۔

"کمال ہے یار!" جارج ہارٹ نے ایک طویل سانس لے کر گال کھجایا۔

"نہیں..." کیلی پیٹرسن اب مسکرا رہا تھا۔ "اس میں کمال کی کوئی بات نہیں بس... جذباتی پن غالب آگیا تھا۔ ویسے یہ میرا نفسیاتی مسئلہ ہے۔ منشیات کا کوئی بھی کیس آجائے' میرا دماغ اسی طرح خراب ہوتا ہے۔ میری نظروں کے سامنے کسی ایسے دل دہلا دینے والے لڑکے کی تصویر گھوم جاتی ہے' جو چرس یا ہیروئن کے لٹے میں دُھت فٹ پاتھ پر پڑا ہو۔ تم جانتے ہو جارج! ایسا لڑکا ہیروئن حاصل کرنے کے لیے کیا کچھ کر گزرتا ہو گا؟ میں جانتا ہوں... وہ اپنی بہن کا جسم بھی فروخت کر دیتا ہو گا۔ نہیں جارج! اس بار میں کورآپ کی اجازت نہیں دوں گا۔ اس بار مسئلہ کسی سینیٹر یا گورنر کے رشتے دار کا نہیں ایک غیر مُلکی کا ہے' جو مافیا سے زہر کی تجارت کر رہا تھا اور شیرف کی حیثیت میں' میں اس کیس کا انچارج ہوں۔ تم نے میری رپورٹ دیکھی ہو گی۔ کیا تم نے اس نکتے پر توجہ دی کہ قاتل ہیروئن چھوڑ گیا اور ہیروئن بھی کیسی؟ خالص ترین... اس نکتے پر غور کرو جارج یہ بہت اہم بات ہے۔"

جارج ہارٹ چند لمحوں تک اپنے ناخنوں کو گھورتا رہا اور اس کے بعد وہ اس طرح چونکا' جیسے گہری نیند سے بیدار ہوا ہو۔ "سب کو جہنم میں ڈالو کیلی! دفترِ خارجہ کو بھی... تم ہیروئن کے بارے میں تفتیش کرو۔ اس طرح ہم اس قتل کی تہ تک پہنچ جائیں گے۔"

✱

پیڈروک پارا ینڈ گرل ایک مصروف شاہراہ پر واقع تھا۔ اس کی عمارت کے سامنے خوب صورت لان تھا جس کے اردگرد پارکنگ کے لیے کئی ایکڑ جگہ مخصوص تھی۔ اس لان میں اسٹینڈ بنے ہوئے تھے اور اس جگہ کو سانتا اینا ایئر لیں ٹریک کہا جاتا تھا۔ اگرچہ یہاں ہر قسم کی لذت تھی' کام و دہن کی بھی... دن کے وقت یہاں گھڑ دوڑ ہوتی تھی اور رات کے وقت محفلیں سجا کرتی تھیں۔ اس کے سامنے والی عمارت میں پیڈروک بار اینڈ گرل تھا۔ اس کا نعل نما لکڑی کا بار قہقہوں سے گونجتا رہتا تھا۔ یہاں کے کھانے کی لذت دُور دُور تک مشہور تھی جب کہ جواری بک پوزیشن میں گھوڑوں پر شرطیں لگاتے رہتے تھے۔ برسوں سے یہ مقام چارلی کے غیر قانونی دھندوں کے لیے قانونی مرکز بنا ہوا تھا۔ بک آفس کے کمرے' آؤٹر ایریا کے عقب میں واقع تھے۔ یہاں ریس کے شوقین لوگوں کی آمد گیارہ بجے شروع ہو جاتی تھی' لیکن دوسرے لوگوں کی وجہ سے بار پہلے ہی بھر چکا ہوتا تھا... اور آج بار شکاریوں سے بھرا ہوا تھا۔ یہ دو ٹانگ والی مخلوق بھی خطرناک اور سفاک... اس مخلوق کی آنکھیں برف کی طرح سرد تھیں۔ یہ چنیدہ اور منتخب لوگ تھے۔ ایسے لوگ جن پر خاص طور پر نظر رہتی تھی۔

یہ لوگ مسلسل باتیں کر رہے تھے' چسکیاں لے رہے تھے لیکن اُن کا آہنگ بلند نہیں پست تھا۔ اُن کے درمیان دو روز سے مسلسل ایک ہی بحث چھڑی ہوئی تھی۔ چارلی کا جانشین کون ہو گا؟

اُنھیں اس نکتے میں زیادہ دلچسپی اس لیے تھی کہ چارلی کی تنظیم کے آدمی تھے۔ یہ دو روز سے افواہوں پر بحث کرتے رہے تھے اور ان کے بھٹکنے کی وجہ صرف یہ تھی کہ اس وقت اُن کا کوئی رہنما موجود نہ تھا۔ چارلی کی موت کے بعد ایسا لگا تھا' جیسے خود بخود چلنے والی مشین کا ہر پُرزہ بیکار ہو گیا ہو۔ وہ کل پُرزے ہی تو تھے بیکار و بار بند ہونے کے باعث بہت زیادہ مالی نقصان ہو رہا تھا۔ اُنھیں جلد از جلد لیڈر کی ضرورت تھی... وہ لیڈر کے منتظر تھے۔

اُن سے کچھ دُور نعل نما بار کے وسط میں ایک بظاہر طاقتور آدمی بیٹھا ہوا تھا۔ دُور سے دیکھنے میں وہ بہترین جسمانی کیفیت کا لگ رہا تھا' مگر یہ دُور سے دیکھنے کی غلطی تھی۔ قریب سے دیکھنے ہی یہ اندازہ ہو سکتا تھا کہ وہ انتہائی کمزور آدمی ہے۔ اُس کے جبڑوں کی ہڈیاں پتلی کھال سے نظر آرہی تھیں۔ بال قبل از وقت سفید ہو چکے تھے اور آنکھوں سے اُس کی باطنی شکست خوردگی صاف جھلک رہی تھی۔

"کیا حال ہے لوئی..." لنگڑے لوئی" بار ٹینڈر نے وہاں سے گزرتے ہوئے اُسے دیکھا۔

"آں... ہاں' ٹھیک ہوں۔" اُس کے لہجے میں بڑی بیزاری تھی۔ "میں خراجِ عقیدت پیش کرنے آیا تھا۔"

"اچھا..." بار ٹینڈر نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

"آں... ہاں" لوئی سر ہلانے لگا۔ "تم جانتے ہی ہو کہ میں مسٹر چارلس کو بہت پسند کرتا تھا۔ وہ انتہائی نفیس انسان تھے۔ میں اُن کا بڑا احترام کرتا ہوں۔"

"ارے سُنا تم نے؟" لوئی کے دائیں طرف بیٹھے ہوئے ریچھ نما شخص نے چلا کر کہا۔ "یہ چیف کا احترام کرتا ہے قسم

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ہے ہیڈ شمن چیف کا سلام تھا۔" یہ کہہ کر وہ بچھ گنا آدمی لوئی کی طرف پلٹا۔ "میری طرف سے بیئر پیو۔"

"آں... اچھا... ہاں۔" لوئی اداسی سے بولا۔ "بیئر... نہیں، دودھ... اچھا خیر... بیئر ہی ہوں گا۔ میں دراصل ٹریننگ پر ہوں، باکسنگ کے رنگ میں واپس آنے کے لیے ٹریننگ لے رہا ہوں۔"

"ضرور... تم ضرور کامیاب ہو جاؤ گے لوئی۔" وہ بچھ گنا آدمی نے ہمدردی کے ساتھ کہا۔ اس کا نام بیئر برولینی تھا۔ "تم اپنے مخالفوں کا بھرتا بنا دو گے لوئی۔" بیئر برولینی کے دل میں اچانک ہی یہ خواہش بیدار ہوئی کہ لوئی واقعی رنگ میں دوبارہ اتر سکے۔ بیئر برولینی اگرچہ چارلی کا خاص گرگا تھا، مگر اس کے دل میں ایسے لوگوں کے لیے نرم گوشہ نہ جانے کس طرح باقی رہ گیا تھا۔ شاید یہ نفسیاتی گرہ ہو، وہ بھی مسٹر امریکہ کے مقابلے میں شرکت کے باوجود ٹائیٹل سے محروم ہی رہا تھا۔ اس کی ہیئت بڑی عجیب تھی۔ اس کے سر پر گھنے بال تھے اگر دن نہ ہونے کے برابر تھی۔ شانے چوڑے تھے اور اس کی آواز میں بھی درندوں جیسی گھن گرج تھی۔

"ہیلو بیئر! کیا خیال ہے؟ چارلی دی مارس کی جگہ کون لے سکتا ہے؟" کسی نے عقب سے پوچھا۔

"چارلی دی مارس کی جگہ کوئی نہیں لے سکتا۔" بیئر نے چمک کر کہا۔ "مگر پھر بھی وہ حقیقت کی دنیا میں واپس آ گیا۔ چارلی کی جگہ بہرحال کسی نہ کسی کو آنا تھا۔ کون آ سکتا ہے؟" اس نے فوراً ہی سوال کرنے والے سے سوال کر ڈالا۔

"میں تو سینٹ دی کیپیوٹر پر بازی لگا رہا ہوں بیئر۔" دوسرے نے کہا۔ "اس کا ذہن آئی بی ایم کمپیوٹر سے زیادہ تیز ہے۔"

"فیلڈ مین! آگ تھوو۔" بیئر نے منہ بنا کر جواب دیا۔ "وہ تو اطالوی بھی نہیں ہے سسلی کا ہونا تو بہت دور کی بات رہی۔ کسی دوسرے کا نام لو۔ چلو، میں ہی بازی لگاتا ہوں۔ اس وقت جو شخص داخل ہوا ہے، وہ ہی نیا باس ہوگا۔"

اسی لمحے اسٹین کا نمبر دو بار میں داخل ہو رہا تھا... وہ نجانے کب سے بیک روم میں تھا، وہ چند سیکنڈ تک کھڑا رہا اور وہاں موجود غنڈوں کو دیکھتا رہا۔ اس کے سامنے آتے ہی لوگ سیٹیاں بجانے لگے۔ وہ نشے میں دھت تھے۔ کسی کو اپنے اوپر قابو نہیں تھا۔ تب ہی لمبی کے اس ماہر کی نظر ننگ لوئی اور اس کے سامنے رکھے ہوئے دودھ کے گلاس پر پڑی۔ اس نے تیزی سے قدم اٹھائے اور لوئی کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

"گلاس میں کیا ہے؟" اس کا لہجہ برا نہیں تھا۔

"آں... ہاں، دودھ ہے... صرف دودھ..." لوئی نے اس طرح جواب دیا، جیسے کسی نے اچانک ہی بیدار کر دیا ہو۔

"ٹھیک... ذرا اندر تو آؤ۔"

"مبارک ہو لوئی۔" کوئی پیچھے سے چلایا۔ "ہم سمجھ گئے تم نئے چیف بننے کے لیے جا رہے ہو۔"

"ان کی فکر مت کرو لوئی۔" بیئر نے اسے تسلی دی۔ "خاموشی سے جاؤ اور اپنی عقیدت کا مظاہرہ کرو۔"

"آہ... شکریہ بیئر۔" لوئی نے سر جھٹک کر کہا... اور اسٹین کے نمبر دو کے ساتھ چل دیا۔

"یہ کس کو اٹھا لائے؟" اسٹین نے ننگ لوئی کو دیکھتے ہی منہ بنا لیا۔ وہ اس وقت اسی کرسی پر بیٹھا ہوا تھا، جس پر چارلی دی مارس بیٹھتا تھا۔

"صرف یہی نشے میں نہیں تھا باس۔ اس کے علاوہ بیئر برولینی ہوش و حواس میں تھا لیکن شاید وہ پیغامبر بننا پسند نہیں کرتا۔"

"ٹھیک ہے۔" اسٹین نے اکتا کر جواب دیا... اور پھر لوئی کی طرف متوجہ ہو گیا۔ "تم ڈی فالکو کنسٹرکشن کمپنی کے بارے میں جانتے ہو؟"

"جی... جی ہاں... جی ہاں۔" لوئی نے نظر مل نہیں اٹھائیں۔

"کس طرح جانتے ہو؟"

"مسٹر چارلس کی وجہ سے۔" لوئی نے جواب دیا۔ "میں ان کا بہت احترام کرتا ہوں اور مجھے ان کے انتقال پر شدید صدمہ ہوا ہے۔ وہ بہت اچھے آدمی تھے۔ انہی کے کہنے پر میں وہاں جایا کرتا تھا، لفافے لے کر۔"

"ٹھیک ہے۔" اسٹین نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "... تمہیں اب پھر یہی کام کرنا ہوگا اور اس مرتبہ میرے لیے۔"

اسٹین نے ایک کاغذ پر کچھ لکھا۔ کاغذ لفافے میں رکھا اور لوئی کی طرف بڑھا کر کہا۔ "یہ لو، اس شخص کو دینا، جو ہیلی کاپٹر چلاتا ہے، کسی دوسرے کو نہیں سمجھے۔"

"آں... ہاں... جی ہاں۔"

"یہ لو..." اسٹین نے چند نوٹ بیئر پر پھینک کر کہا۔ "ٹیکسی میں جانا۔ بس اب جاؤ۔"

☆

لوئی لنگڑاتا ہوا نکلا۔ خاموشی سے ایک عقبی بلاک پر بیٹھ

میں داخل ہوا اور سکہ ڈال کر نمبر ملانے لگا۔

"ہیلو... کلب فائٹرز لمیٹڈ... مجھے افسوس ہے کہ آواز مترنم اور کسی دوشیزہ کی تھی۔ "کہ اس وقت دفتر میں کوئی نہیں ہے، یہ ریکارڈنگ ہے۔ لوان کی آواز سننے کے بعد اگر آپ بولیں گے تو آپ کا پیغام ریکارڈ ہو جائے گا۔ جونہی مسٹر ہیسن آئیں گے انہیں آپ کا پیغام مل جائے گا۔"

"کمال ہے۔" لوئی نے سوچا۔ "جب بھی فون کرتا ہوں کوئی نہیں ملتا۔ آج تک انھوں نے مجھے کسی فائٹ میں شریک نہیں کیا لیکن جب بھی میں نے انھیں مسٹر چارلس کے کسی پروگرام کے بارے میں بتایا، انھوں نے بونس ضرور بھیجا۔" یہ سوچتے ہوئے اس نے اپنا پیغام ریکارڈ کرا دیا۔

☆

پروفیسر ہاسکن کے کمرے میں ایک بلب جلا اور بجھ گیا۔ ہاسکن نے ذرا ریسیور اٹھایا اور غور سے سننے لگا۔ اسے اپنے شہری ٹھکانے سے پیغام مل رہا تھا اور شہری ٹھکانے کو ایک ایجنسی نے پیغام دیا تھا۔ یہ ایجنسی باکسنگ کے مقابلے کرانے کے لیے قائم کی گئی تھی لیکن آج تک کوئی مقابلہ نہیں ہوا تھا۔ یہ ہیسن کے نام سے کام کرتی تھی۔ اس سے چوبیس گھنٹے میں کسی بھی وقت کوئی بھی رابطہ قائم کر سکتا تھا۔ رابطہ قائم کرنے والے کو صرف ریکارڈ شدہ آواز سنائی دیتی تھی اور یہ آواز روبی کی تھی۔

یہ ایجنسی چارہ گر کا ایک حصہ تھی اور اس کے ذریعے ہاسکن منفیات فروشوں پر کڑی نگاہ رکھ سکتا تھا۔

دوسری طرف سے اس وقت ہاسکن کو لوئی کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ "مجھے زیادہ یاد نہیں رہا، وہ مجھے بھی بھلکڑ ہی سمجھتے ہیں۔ لہٰذا میرے سامنے باتیں کرنے سے گریز نہیں کرتے۔ ان کا کہنا ہے کہ چارلی دی مارس کی سرخ گاڑی صحرا میں دیکھی گئی ہے۔ لہٰذا انھوں نے دو ہیلی کاپٹر لگا دیے ہیں۔ میں وہیں بیٹھا رہا، پھر میں نے ایک ہیلی کاپٹر کے ریڈیو سے آنے والا پیغام سنا۔ ہوا باز کو بھی شاید کچھ نظر آ گیا تھا۔ اس کے بعد میں واپس آ گیا۔ شاید یہ آپ کے کام کی خبر ہو؟ میں جانتا ہوں کہ آپ مسٹر چارلس کے بہت اچھے دوست ہیں۔"

ہاسکن نے ریسیور رکھ دیا، دوسرے نمبر ملانے اور صرف اتنا کہا۔ "لوئی کے لیے بونس بھیج دو۔"

ٹائیگر کو یہ خبر لانگ بیچ پر ملی کہ سرخ کار دیکھ لی گئی ہے، وہ چند ضروری چیزیں لینے یہاں آیا تھا۔ دو ہیلی کاپٹروں کا سن کر اسے تشویش ہونے لگی لیکن وہ جانتا تھا کہ وہاں اوشان کی موجودگی میں توپ بردار ہیلی کاپٹر بھی ہاسکن کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے پھر بھی وہ واپس چل دیا۔ اس مرتبہ وہ اپنی نئی مزدا آر ایکس ۳ اسپورٹس میں تھا۔ اس کی رفتار بہت تیز تھی۔ وہ صرف یہ چاہتا تھا کہ اسے وہاں پہنچنے میں تاخیر نہ ہو جائے۔

☆

اس وقت وہ پروفیسر ہاسکن کی پہاڑی کمیں گاہ سے پانچ میل دور ایک تنگ درے کے قریب درختوں کے سائے میں بیٹھا ہوا تھا۔ یہ چھتنار درخت سرخ کار پر سایہ کیے ہوئے تھے، جو اس نے واپسی پر لیتے ہی ادھر کا رخ کیا تھا۔ وہ ایکشن کے لیے پوری طرح تیار تھا۔ کار واقعی ہر اعتبار سے مکمل تھی۔ اس میں ٹرانسمیٹر تک لگا ہوا تھا۔ اسی ٹرانسمیٹر کے باعث وہ دن بھر ہیلی کاپٹروں سے ہونے والی گفتگو سنتا رہا تھا۔ اس کو یہ خبر بھی تھی کہ ان ہیلی کاپٹروں کے علاوہ غنڈوں سے بھری ہوئی چھ کاریں بھی روانہ ہو چکی ہیں اور وہ سب کے سب پروفیسر کی کمیں گاہ کی تلاش میں ہیں۔ سرخ فیراری کی سیٹ پر ایک اور ٹرانسمیٹر پڑا ہوا تھا، جو پروفیسر ہاسکن نے دیا تھا۔ اس پر ہاسکن اس سے پل پل کی اطلاعات کے بارے میں گفتگو کر رہا تھا۔ جب کہ اسے ہاسکن کی آواز کے پس منظر میں کبھی کبھی اوشان کی آواز بھی سنائی دے جاتی تھی، جو اس حکمت عملی پر بجا طور سے برہم تھا۔

اس ٹرانسمیٹر کی خاص بات یہ بھی تھی کہ اس پر آواز بھی سنائی دیتی اور پیغام ٹائپ ہو کر اسکرین پر بھی جھلملاتا تھا۔ یوں یہ خدشہ نہیں تھا کہ کوئی اس کی گفتگو سن سکتا ہے۔

"ہیلو۔" اسکرین معاً جھلملانا شروع ہو گیا۔ "یہ وہی پھر نظر آیا ہے، جو کل نظر آیا تھا۔ اب کیا کیا جائے؟"

"کیا اسے ٹھکانہ نظر آ چکا ہے، کیا آپ اس کے نمبر نوٹ کر سکتے ہیں پروفیسر؟"

"کیوں نہیں، وہ بہرحال ٹھکانے کے اوپر سے تو گزر گیا ہے لیکن اسے نیچے جھاڑ جھنکاڑ اور ٹیلوں کے سوا کچھ اور نظر نہیں آئے گا۔ میں تمہیں باخبر رکھوں گا۔ اوور..."

"اینڈ آل۔" ٹائیگر نے عزا کر کہا اور ساتھ ہی پشت گاہ سے ٹیک لگا لی۔ وہ لانگ بیچ سے تقریباً اڑتا ہوا کمیں گاہ

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

پر پہنچ گیا تھا لیکن اُس کی جلد بازی کسی کام نہ آئی۔ ہیلی کاپٹر اس علاقے سے گزر رہے ضرور تھے مگر وہ پروفیسر کی کسی گاہ تلاش کرنے میں ناکام رہے تھے، پھر اُن تینوں نے نئی صورتِ حال پر تفصیلی بحث کی تھی۔ اُوشان کا خیال تھا کہ اُن کے اڈوں پر دھاوا بول دیا جائے۔ جب کہ پروفیسر اور ٹائیگر دونوں اس بات پر متفق تھے، جو صحرا میں آگیا... اُسے بچ کر نکلنے کا کوئی حق نہیں۔ ویسے ٹائیگر کو یقین تھا کہ اُوشان کی طرف سے اُس کی مخالفت محض اُسے چڑانے کے لیے ہے۔ تاہم اس بار وہ ایک لمحے کے لیے بھی نہیں چڑا۔ بس مسکراتا رہا۔ ہاسکن نے یہ تجویز رکھی کہ کار پر دوسرا رنگ کر دیا جائے تو نہ صرف اُوشان بلکہ ٹائیگر نے بھی اس کی مخالفت کی۔ یہ صاف ظاہر تھا کہ دونوں، گاڑی کو اب بطورِ چارا استعمال کرنے کا فیصلہ کر چکے تھے۔

اس کے بعد ٹائیگر کو ہاسکن نے بعض ضروری آلات، سامان اور شعوصی ٹرانسمیٹر دیا اور پھر وہ رات بھر گہری نیند سوئے۔ صبح ہونے پر ٹائیگر فیصلے کے مطابق اُس جگہ آگیا تاکہ حملہ آوروں پر ضرب لگا سکے۔

"ڈی ایف ایکس ون! کار کا ریڈیو... اچانک جاگ پڑا۔ "دس از ڈی ایف ایکس ٹو۔ اپنا ہیلی کاپٹر اُوپر لاؤ۔ میں اس پہاڑی کا ذرا قریب سے جائزہ لینا چاہتا ہوں، جہاں کل رات کار نظر آئی تھی۔"

جونہی ہیلی کاپٹر کے پائلٹ نے فریکوئنسی تبدیل کی، ٹائیگر چوکس ہو کر بیٹھ گیا۔

"گراؤنڈ ون اینڈ ٹو، دس از ائیر ون۔ پختہ سڑک کا رُخ کرو، ہائی وے سے ایک میل مشرق میں مڑ جاؤ اوور۔"

"پیغام وصول پایا، وان رینجر ٹو ون۔ میں بھی یہی کرتے والا تھا۔" ٹرانسمیٹر پر آواز آئی۔ "ویسے یہ خیال رکھنا کہ چاندی کی گاڑی میں ٹرانسمیٹر لگا ہوا تھا۔ لہٰذا ہمیں ریڈیو پر رابطہ نہیں رکھنا چاہیے اوور۔"

"تب پھر ہم اس مہم میں ایک دوسرے سے رابطہ کس طرح رکھیں گے اوور؟"

دوسری طرف ایک لمحے کے لیے خاموشی رہی لیکن پھر آواز سنائی دی۔ "ہاں، یہ مسئلہ بہرحال سنگین ہے۔ ویسے اس کا کوئی نہ کوئی حل نکالنا ہی پڑے گا۔ دعا کرو کہ وہ احمق بلکہ نرا احمق ہو۔ اُس نے ریڈیو نہیں کھولا ہو۔ اب میں سڑک پر آرہا ہوں اوور۔"

ٹائیگر نے فوراً اپنے ریڈیو پر پروفیسر سے بات کی۔ "وہ آرہے ہیں پروفیسر! شاید اس مرتبہ ٹکراؤ ہو ہی جائے۔ جونہی اُن پر آپ کی نظر پڑے مجھے اطلاع کر دیں۔ اُوشان کیا کر رہے ہیں؟"

"کنول کے آسن میں آنکھیں بند کیے ہوئے کسی خیال میں غرق ہیں۔" پروفیسر نے ہنس کر کہا، مگر پھر فوراً ہی سنجیدہ ہو گیا۔ "ہاں وہ نظر آگئے ہیں بیٹے۔ دو ہیلی کاپٹر... اور دو کاریں ہیں۔"

"تب پھر زحمت کس لیں پروفیسر، میں بھی آرہا ہوں۔" ٹائیگر نے ہنس کر کہا، مگر اُس کی یہ ہنسی اتنی خوفناک تھی کہ خود پروفیسر ہاسکن بھی کانپ کر رہ گیا۔

ٹائیگر نے کار تیزی سے ہائی وے پر ڈال دی۔ سڑک پر اِدھر اُدھر پڑی ہوئی بجری پہیوں کے نیچے بُری طرح چُرمرا رہی تھی۔ اُس نے رفتار مزید تیز کی اور گاڑی کسی سنسناتے ہوئے تیر کی طرح موڑ کی طرف بڑھنے لگی۔ بائیں طرف مڑتے ہی اُس کی نظر ایک ہیلی کاپٹر پر پڑی۔ یہ ہیلی کاپٹر کمین گاہ والے پہاڑ کی بجائے سڑک پر منڈلا رہا تھا۔ ٹائیگر نے رفتار مزید تیز کی۔ اب سوئی پچانوے پر تھرک رہی تھی اور گاڑی کا رُخ صحرا کی طرف تھا۔

●●

اُوپر لیری نوواک نے اچانک ہی نیچے ایک سُرخ دھبّہ متحرک دیکھا۔ یہ دھبّہ اسی علاقے کی طرف بڑھ رہا تھا جہاں اُن کی توجہ اور طاقت مرتکز تھی۔ اُس نے ہیلی کاپٹر کا زاویہ بدلا، تاکہ اس دھبّے کے بارے میں کوئی بات یقین سے کہہ سکے۔ پھر اُس کے چہرے پر ایک عجیب سی سفاکانہ مسکراہٹ دوڑ گئی۔ "ہیلو!" اُس نے چہک کر کہا۔ وہ اس وقت جولیو دی میوزیشن پیکولی سے مخاطب تھا، جس کے ہاتھ میں مشن کی قیادت تھی اور وہ نیچے کار میں موجود تھا۔ "سُنو، سُرخ کار ابھی نیچے موڑ سے گزری ہے۔ ایک سو میل فی گھنٹہ کی رفتار سے مشرق کی سمت میں جا رہی ہے۔"

"اوہ... لعنتی... کیا تمہیں یقین ہے؟" جولیو نے چلا کر پوچھا۔

"بالکل... میں نے ابھی بڑے غور سے نیچے بار بار دیکھا تھا اور وہ صرف اور صرف چارلی کی کار تھی۔"

"تب پھر ہم یہاں جھک مار رہے ہیں۔" جولیو نے غرا کر کہا۔

"ایسا ہی لگتا ہے میوزیشن۔" لیری نوواک بولا۔ "مگر اُس کی کار میں ریڈیو بھی تو ہے۔"

"بس دُعا کرو کہ اُسے اس کا استعمال نہ آتا ہو۔" یہ کہہ کر جولیو اطالوی میں کچھ بولا۔

"کیا کہا؟" لیری اطالوی نہیں سمجھتا تھا۔

"اپنے ساتھی کو دو، وہ سمجھا دے گا۔"

"یہ لو۔" لیری نوواک نے مُنہ بنا کر مائیک اپنے ساتھی کی طرف بڑھا دیا، جس کے چہرے پر سفاکی کی تہیں کچھ زیادہ ہی تھیں۔

"اس کو بتا دو کہ میں دوسرے ہیلی کاپٹر کو بارسٹو بھیج رہا ہوں۔ تاکہ وہ وہاں نظر رکھے اور اب میں صرف پوزیشن رپورٹ ہی بھیجوں گا۔"

ٹائیگر نے یہ سب کچھ سُن کر گاڑی کی رفتار قدرے کم کر دی۔ کیونکہ وہ یہ نہیں چاہتا تھا کہ تعاقب کرنے والے زیادہ پیچھے رہ جائیں۔ وہ اطالوی زبان بہت اچھی طرح سمجھ لیتا تھا اور یہی وجہ تھی کہ جولیو نے اطالوی میں گفتگو کی تھی تو لیری کے برعکس ٹائیگر کو مترجم کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی تھی۔

●

جولیو پیکولی کو یقین تھا کہ مشن ضرور کامیاب ہو گا۔ وہ پہلے ہی چشمِ تصور سے کرنسی نوٹوں کی وہ گڈیاں دیکھ رہا تھا جو انعام میں ملنے والی تھیں۔ اُسے زندہ پکڑنے کی صورت میں اُن گڈیوں کی تعداد دُگنی ہو سکتی تھی۔ اُس نے مائیک اُٹھا کر دوسری کاروں میں آنے والوں کو بھی ایک خاص ترتیب سے چلنے کا حکم دیا۔ اُس کی حکمتِ عملی یہ تھی کہ شکار کے فرار کا ہر راستہ مسدود ہو جائے۔ اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے اُس نے سڑک پر دُور تک دیکھا۔ اسی لمحے ریڈیو پر کسی کی چیخ سنائی دی۔ "وہ بریک مار رہا ہے، تمہاری طرف آرہا ہے۔" پیغام مسلی والوں کی خاص دیسی زبان میں تھا۔

ٹائیگر اس پیغام کے نشر ہونے سے قبل ہی مافیا کی وہ سیاہ بیوک کار دیکھ چکا تھا جو اسی کی سمت میں آرہی تھی۔ اُس نے فوراً بریک لگاتے ہوئے دوسرے ہاتھ سے کولٹ کی نڈر نکالا۔ اسی ہاتھ سے گاڑی ریورس گیئر میں ڈالی اور پھر ایک ہاتھ اسٹیئرنگ پر رکھ کر تین گولیاں جھونک دیں۔ اُس کی گاڑی بہت تیزی سے پیچھے جا رہی تھی اور وہ کوئی ذیلی سڑک تلاش کر رہا تھا، جس وقت جولیو اطالوی زبان میں چیخ چیخ کر ریڈیو پر کچھ کہہ رہا تھا، اُسی وقت ٹائیگر ایک ذیلی سڑک پر گاڑی لا رہا تھا۔

"ہم چوڑی سڑک پر ہیں۔ میں نے آتے ہوئے اُسے دیکھ لیا ہے، وہیں رہو گنر... ہم اُسے چوزے کی طرح پکڑ لیں گے۔" جولیو نے للکار کر کہا اور بیوک میں موجود تمام افراد نے ہتھیار نکال لیے۔

"اوہ... دیکھو۔" ایک شخص نے چلا کر سُرخ کار کی طرف متوجہ کیا۔ اُس کے لہجے میں ڈرائیور کے لیے تحسین کا عنصر موجود تھا۔

سڑک پر موجود ایک رکاوٹ کے قریب ٹائیگر نے اس بیدردی سے اسٹیئرنگ، ایکسیلیٹر اور کلچ استعمال کیا کہ گاڑی کے ٹائر چیخ اُٹھے۔ گاڑی بُری طرح دائیں طرف بنایا اور ایک ذیلی سڑک پر اُتر گئی۔ گنر رکاوٹ کے عقب میں حملے کے لیے تیار تھا، مگر اب شکار دُور ہو چکا تھا۔

وہ اُسے شکار سمجھ رہے تھے مگر شکار ہی اُنہیں شکار کرنے کے لیے پسندیدہ کھیل کھیل رہا تھا۔

اُس نے اب اسٹیئرنگ دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر رفتار بڑھا دی۔ دُھول اُڑی اور اُس کی کار کے عقب میں دبیز پردہ سا تن گیا۔

سیاہ بیوک، اور سُرخ فریری کے درمیان اب فاصلہ کافی بڑھ گیا تھا۔ جولیو نے مائیک پر غرا کر کہا۔ "کار نمبر چار اور چھ چلو۔ وہ ہمارے درمیان ایک کراس روڈ پر ہے۔ تین اور پانچ... ہائی وے کاٹ کرو، مشرق کی طرف... اس کم بخت کو ہر قیمت پر پکڑنا ہے۔"

جولیو دی میوزیشن اب غصّے کی شدت سے بے قابو ہو رہا تھا۔ اُسے یہ توقع نہ تھی کہ سُرخ کار والا اتنا شاطر ڈرائیور ہو سکتا ہے۔ اُس کے ہونٹ بھنچے ہوئے تھے۔

اُوپر سے لیری نوواک نے ایک بار پھر سُرخ دھبّہ دیکھا۔ اُس نے اپنے ساتھی کو کہنی ماری۔ "اپنے باس سے کہو کہ وہ اب مغرب کی سمت میں جا رہا ہے۔ کار نمبر چھ سے کہو کہ وہ مزید آگے آکر مغرب میں گھوم جائے تاکہ سُرخ کار کا راستہ بند ہو سکے۔"

یہ ہدایات جاری ہوتے ہی تمام گاڑیاں ایک ہی جگہ جمع ہونے لگیں۔ ہوا یا لیری کو ایسا لگ رہا تھا، جیسے شطرنج کی بازی جمی ہوئی ہو اور دُشمن کے کمزور پہلو کے سامنے تمام مہرے جما دیے گئے ہوں۔

اس وقت دوسری کاروں سے کافی دُور ایک کریو

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ویگن اور سرخ فریری ایک ہی سڑک پر مخالف سمتوں سے تیزی سے ایک دوسرے کی طرف بڑھ رہی تھیں۔ ہوا باز نے دونوں کی رفتار کا اندازہ لگا کر سانس روک لی۔ دونوں گاڑیاں کسی بھی لمحے ٹکرا سکتی تھیں۔

ٹائیگر نے ویگن کو آتے ہوئے دیکھ کر ہلکا سا قہقہہ لگایا اور ساتھ ہی اس کا ہاتھ برابر والی نشست پر رکھے ہوئے کینوس کے بیگ کی طرف بڑھ گیا۔ اس کو جو چیز وہاں سے لینی تھی۔ اس کو دیکھنے کی بجائے محض انگلیوں سے محسوس کر کے اس نے اٹھایا۔ ایک ہی پل میں بم اس کے دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ میں آگیا۔ اس نے چند سیکنڈ کا خمار گنتی کے ذریعے کیا اور پھر سیدھے ہاتھ کی کھلی کھڑکی سے بم باہر اچھال دیا۔ بم کی پن اس نے پھینکنے کے ساتھ ہی نکال لی تھی اور بم پھینکنے کے فوراً بعد اس نے اپنی گاڑی تیزی سے گھمائی، ہائی وے کی طرف بڑھا اور پھر عقب میں خوفناک دھماکے کی آواز سن کر سر ہلانے لگا۔

بم ویگن کے اندر جا کر بیٹھا تھا۔ گاڑی اچھلی، اس کی چھت اڑی، دھواں اٹھا اور پھر پل بھر میں ویگن آگ کا متحرک گولہ بن گئی۔ یہ گولہ چند لمحوں تک سڑک پر دوڑتا رہا اور پھر ایک طرف الٹ گیا۔

گوشت، ہڈیاں اور فولاد آپس میں مل گیا۔ کوئی بھی زندہ نہیں بچا۔

ٹائیگر محض چالیس سیکنڈ میں ہائی وے پر پہنچ گیا۔ وہاں پہنچ کر اس نے بریک لگائے اور مشرق کی سمت میں گاڑی موڑ کر چھوڑ لینے کے لیے چل دیا۔ اسے اس کھیل میں بڑا مزا آرہا تھا۔ اس کا نطف ریڈیو پر آنے والی آواز میں سن سن کر دوبالا ہو رہا تھا۔ غصیلی آواز میں نئی ہدایات دی جا رہی تھیں۔ اس نے مسکرا کر گاڑی کی رفتار بڑھا دی۔ اب اس کی آنکھیں ایک اور سڑک کی تلاش میں تھیں۔ یہ وہ سڑک تھی جس پر وہ خاص طور پر پہنچنا چاہتا تھا۔

"وہ پھر مڑ رہا ہے۔ اس کا رخ پہاڑیوں والی سڑک کی طرف ہے۔ شاید کہیں گاہ بھی وہیں ہے۔"

"کون سی سڑک؟" جولیو نے غرا کر پوچھا۔ وہ اس وقت کسی زخمی درندے کی طرح لگ رہا تھا۔

"تم سے دو میل آگے والی سڑک، وہاں سے کوئی اور سڑک نہیں نکلتی۔ وہ خود جال میں پھنس رہا ہے۔ دوسرا راستہ وہ ہے جس پر تم ہو۔ وہ خود کو بند گلی میں پائے گا۔"

جولیو دی ہیوزلیشن نے سکون کی سانس لی۔ ویگن میں موجود آدمیوں کی موت کے بعد وہ گھبرا گیا تھا، مگر اب اسے اندھیرے میں روشن کرن نظر آرہی تھی۔ اس وقت وہ یہی سوچ رہا تھا کہ سرخ کار والے نے ایسا کون سا بم استعمال کیا، جس کی وجہ سے ویگن کسی کھلونے کی طرح تباہ ہو گئی۔

"تمام کاریں ہائی وے پر پہنچ جائیں۔" اس نے لہجہ بمشکل پرسکون رکھا۔

"میں پہاڑیوں کے اوپر ہوں۔" جولیو کی ہیوک کار ریڈیو پر بولنے لگا۔ "یہاں مندوقوں جیسی گھاٹیاں ہیں اور وہ انھی گھاٹیوں والے روڈ پر ہے۔"

جولیو خوش ہو گیا۔ ان گھاٹیوں کی صرف ایک جگہ ناکہ بندی کرنے سے سرخ کار والا پکڑا جا سکتا تھا۔

پھر ایک اور پیغام آیا۔ "اوہ... ایسا لگتا ہے جیسے وہ کوئی اور راستہ اختیار کرنے والا ہے۔ وہ رک گیا۔ ارے، اب مڑ رہا ہے۔ شاید اسے احساس ہو گیا ہے کہ آگے راستہ نہیں ملے گا۔"

"تیز چلاؤ خبیث۔" جولیو نے اپنے ڈرائیور کو گالی دی۔ "اور تیز چلاؤ۔ اسے ہر قیمت پر زندہ پکڑنا ہے۔"

ابھی ہیوک ہائی وے پر پہنچی ہی تھی کہ ایک اور اطلاع ملی۔

"شاید وہ مایوس ہو گیا ہے۔ گھاٹی میں جا رہا ہے۔"

"ٹھیک..." جولیو اچھل پڑا۔ "تم بیل کا پٹر اتار کر وہاں کا راستہ بند کر دو۔ ہم بھی آرہے ہیں۔ اب وہ بچ کر نہیں نکل سکتا۔"

اب ہیوک کے پیچھے چار کاریں اچھلتی ہوئی دوڑ رہی تھیں۔ سب کو یقین تھا کہ کامیابی محض چند منٹ کی بات ہے۔ چارلی کی کار والا۔ اب فرار ہو ہی نہیں سکتا۔ کھردری زمین پر گاڑیاں چلیں تو انجن شور مچانے لگے۔ تین میل دور انھیں ہیلی کاپٹر نظر آگیا۔ ایک کار گھاٹی میں داخلے کا راستہ بند کرنے کے لیے وہیں چھوڑ دی گئی۔ جب کہ دوسری گاڑیاں ہیوک کے ساتھ ہی رکیں۔

جولیو اب اپنی گاڑی کے ساتھ کھڑا ہوا تھا۔ اس کے آدمی جنگ کے لیے پوری طرح تیار تھے لیکن سوال یہ تھا کہ وہ کس سے لڑیں۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔ ہر طرف مکمل خاموشی تھی۔ پہاڑوں کی طرح سنگین خاموشی... انھیں تب ہی چارلی کی سرخ کار تو نظر آرہی تھی لیکن اس گاڑی کو چلانے والا اس طرح لاپتا تھا، جیسے اسے پہاڑ نگل گئے یا آسمان نے اچک لیا۔

"یوہ... بشش... سوں..."

وہ یہ آواز سن کر اچھل پڑے۔ یہ کسی ٹائر کے پنکچر ہونے کی خاص آواز تھی۔ وہ ایک ساتھ پلٹے۔ ان کی آنکھیں پھٹی رہ گئیں۔ عقبی کار کے تین ٹائر پنکچر ہو چکے تھے۔

وہ تیر چلا رہا تھا۔

ابھی وہ سنبھلے بھی نہ تھے کہ محافظوں کے جسم تیروں سے چھدنے لگے۔ وہ وہیں مرنے لگے، جہاں کھڑے ہوئے تھے۔ ایک محافظ ہی نے زوردار چیخ ماری۔ کیونکہ اس کے حلق میں ایک فولادی مگر چھوٹا سا تیر گھس رہا تھا۔

"بکھر کر پوزیشن سنبھال لو۔" جولیو نے چلا کر حکم دیا۔

"پھیل جاؤ۔"

پانچ افراد نے جو کر یو ویگن کے قریب کھڑے ہوئے تھے، اس حکم پر عمل کرنے میں قدرے سستی کا مظاہرہ کیا اور انھی کو اندازہ بھی ہوا کہ وہ جو کھیل کھیلنے رہے ہیں، اس کے ضابطے مختلف ہیں۔ فاسفورس بم ان پر گرے اور ان کی چیخیں... پہاڑوں کو بھی لرزانے لگیں۔ ان سفید فاموں سے اب کہیں نجات نہیں مل رہی تھی۔ ان کی بارش سی ہو رہی تھی۔ لوگ گر کر تڑپ رہے تھے، چیخ رہے تھے اور ایسا لگ رہا تھا، جیسے یہاں سینکڑوں بھوت رو رہے ہوں۔

اور پڑوہ موجود تھا۔ کینوس کے بیگ سے ہرے ہرے انڈے نکال کر نیچے پھینک رہا تھا اور جب یہ انڈے ختم ہو گئے تو وہ سر جھکتا ہوا ایک تو دے پر بیٹھ گیا۔ اب اس کے ہاتھ میں میگنم ۴۴ تھا۔ پہلی گولی اس شخص کے حصے میں آئی، جس نے میدان سے بھاگ کر ایک پتھر کی اوٹ میں پناہ لینی چاہی تھی۔ وہ منہ کے بل زمین پر گرا لیکن یہ اس کی قسمت تھی کہ وہ گرنے سے قبل ہی مر چکا تھا۔ دوسری گولی اس شخص کو لگی، جو فاسفورس بم کا شکار ہو کر تڑپ رہا تھا۔ اب گولیاں تواتر سے برس رہی تھیں۔ پانچ گولیاں چلانے کے بعد ٹائیگر نے میگنم کی پوزیشن بدلی۔ اسے اسپیشل مین راؤنڈ بکس پر لگایا اور گولیاں برسانے لگا۔ اب نیچے کسی کی نقل و حرکت نظر نہیں آرہی تھی۔ اس نے کاربائن چیک کی اور پھر نیچے اترنے لگا۔ کاروں کی طرف جاتے ہوئے اس نے ہر شکاری کو بغور دیکھا۔ شکار کرنے والا ہر شخص شکار ہو چکا تھا... وہ آگے بڑھتا رہا۔

تب ہی اس کی چھٹی حس نے خبردار کیا کہ کوئی ذی حس آس پاس موجود ہے۔ وہ پلٹا اور پھر مسکرانے لگا۔ ایک شخص پتھروں میں سے نکل رہا تھا۔ یہ جولیو تھا۔ اس کی حالت عجیب تھی۔

"ہالٹ...!"

"بس کرو... بس کرو... مجھے گولی مت مارنا... میں سہل رہا ہوں۔"

"کیا تم شکاریوں کے سربراہ ہو؟"

"ملں... ہاں... میرا نام جولیو ہے... جولیو...." وہ بری طرح خوف زدہ تھا۔ "تم نے میں چوہوں کی طرح پکڑ لیا۔" یہ کہہ کر اس نے اپنا ہاتھ آگے کیا۔ اس ہاتھ پر گہرا زخم تھا اور اس سے جلے ہوئے گوشت کی بو آرہی تھی۔ "یہ اب بھی جل رہا ہے۔"

ٹائیگر نے جولیو کے ہاتھ پر باندھ دیے اور پھر اس کے زخموں کو دیکھا۔ اس نے سلگتے ہوئے زخم سے جلتے ہوئے کیمیکل کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے نکال کر پھینکتے ہوئے سوچا۔ یہ شخص واقعی بہت جی دار ہے۔ ٹکڑے نکالتے ہوئے جولیو کو اگرچہ بہت تکلیف ہوئی، مگر اس کے چہرے سے وہ تکلیف ظاہر نہیں ہوئی۔

۲۴

گھاٹی کے باہر بیری نووک نے جونہی گن فائر کی آواز سنی۔ وہ فوراً چوکس ہو گیا۔ وہ پیشہ ور ہوا باز تھا۔ لہٰذا اسے سب سے پہلے اپنے ہیلی کاپٹر کی فکر لاحق ہوئی۔ اس نے ٹیک آف کے لیے ایور دیا۔ جونہی ہیلی کاپٹر ذرا سا بلند ہوا

ہولناک اور پراسرار ماحول میں جنم لینے والی ایک حقیقت جو کہانی بن گئی
ایک آشفتہ حال کی داستان عبرت جسے قانون نے مجرم بنا دیا
رقص ابلیس
انوار صدیقی
قیمت 150/-
اردو بازار لاہور

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

اُس کا ساتھی غوں کر کے ہیلی کاپٹر سے گر گیا۔ لیری نے اُس کا حلق پھٹتے ہوئے دیکھ لیا تھا اور پھر اُسے ایک انتہائی سرد آواز سنائی دی تھی "کیا حال ہے؟" اُس کے ساتھی کی نشست پر اب ایک کمزور سا چینی بوڑھا بیٹھا ہوا تھا۔

"اوہ... خبیث..."

"اس پرندے کو مت اُڑاؤ۔" اُوشان نے ہُوا باز کو حکم دیا۔ ساتھ ہی اُس نے اپنی انگشت شہادت لیری نوواک کی شہ رگ پر رکھ دی... اور لیری اس انگلی کو خون آلود دیکھ کر کانپ اُٹھا۔ وہ ذہین تھا۔ لہٰذا اُس نے یہ اندازہ لگانے میں ذرا بھی دیر نہیں لگائی۔ یہ انگلی اُس کے ساتھی کے خون سے آلودہ ہے۔ اُس نے فوراً ہی حکم پر عمل کیا اور ہیلی کاپٹر کے پروں کی رفتار کم ہونے لگی۔

"اُتر دو میرے بچے۔" اُوشان کا لہجہ نرم تھا۔ لیری نوواک کے پاس اس حکم کو بجا لانے کے سوا کوئی اور راستہ نہیں تھا۔ وہ اس کمزور بوڑھے پر حملہ کرنے کی حماقت نہیں کر سکتا تھا کیونکہ یہ بات بہت واضح تھی کہ بوڑھا موت کا پیغام ہے۔ اُس کی اُنگلی اور غنڈے کا کٹا ہوا گلا یہی ثابت کر رہا تھا۔

وہ ہیلی کاپٹر سے اتر گیا۔ اُوشان اُس کے آگے آگے اس طرح چلنے لگا، جیسے چرواہا ہو۔ جسے اپنے گلے سے حملے کا کوئی خوف نہیں ہوتا۔

پھر جب اُوشان نے اسے اس جگہ لایا، جہاں ٹائیگر، جولیو کے زخم سے کیمیکل کے ٹکڑے چاقو کی مدد سے نکال رہا تھا تو لیری کا رواں رواں کانپ اُٹھا۔

وہاں ان لوگوں کی سوختہ لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ جن کو لیری بہت طاقت ور سمجھتا تھا۔

"آؤ... آؤ بھئی۔" ٹائیگر نے سر اُٹھائے بغیر کہا۔ "دیکھو جولیو تمہارا ہُوا باز بھی چلا آ رہا ہے۔"

جولیو نے پہلی بار اُوشان کو دیکھا اور پھر ہُوا باز کو گھورنے لگا۔ اُس کے چہرے پر اب درشت تاثرات اُبھرنے لگے تھے۔

"میں نووارد وں کو ایسی پیش کش کرتا نہیں، جو وہ مسترد نہیں کر سکتے۔" ٹائیگر کا مخاطب ہُوا باز تھا۔

"اس مردود کی کسی پیش کش پر توجہ مت دینا لیری۔" جولیو نے فوراً ہی ٹائیگر کی بات کاٹ دی۔

"کیوں! اپنے ساتھ لیری کی گردن کے بھی درپے ہو جولیو۔"

ہُوا باز کے اعصاب پر بھی اُنگلی کا خوف طاری تھا۔

"شاندار... ہم دونوں اچھے ماحول میں مذاکرات کر سکتے ہیں۔ تم سمجھ دار آدمی ہو لیری۔" ٹائیگر نے مسکرا کر کہا۔

"میں تمہیں دو راستے بتاتا ہوں۔ تم مجھے اپنی آنکھوں سے مافیا والوں کے بھائی نہیں لگتے، کیونکہ تمہاری ان کچی آنکھوں میں نرمی نظر آ رہی ہے میرا خیال ہے کہ تم محض ریوڑ کی بھیڑ ہو، بھیڑیا نہیں ہو۔"

ہُوا باز اثبات میں سر ہلانے لگا۔

"لہٰذا تمہارے پاس کھونے کے لیے زیادہ کچھ نہیں۔ اب پہلا راستہ یہ ہے کہ ان کے ساتھ شامل رہو اور دوسرا راستہ یہ ہے کہ میرے ساتھ کام کرو۔"

لیری کے لاشوں پر ایک نظر ڈالی۔ جولیو کی طرف دیکھا اور پھر ٹائیگر کی طرف ہاتھ بڑھا کر بولا۔ "مجھے لیری نوواک کہتے ہیں میں بہترین ہُوا باز ہوں مسٹر! تمہارے ساتھ کام کر کے مجھے دلی مسرت ہوگی۔"

"نہیں..." ٹائیگر نے مسکرا کر اُس کا ہاتھ تھام لیا۔ لیری کو ایسا لگا، جیسے کسی نرم و نازک شخص نے اُس کا ہاتھ تھاما ہو۔

"میں تمہیں پہلے اُن خطرات سے آگاہ کرنا چاہتا ہوں، جو میرے ساتھ کام کرنے میں تمہیں درپیش آئیں گے۔ اس کے بعد ہی تم کوئی فیصلہ کرنا لیری۔ میرے ساتھ کام کرتے ہوئے تم کو اُن لوگوں سے بھی پالا پڑے گا جن کے تم اب تک ساتھی رہے ہو۔ یہ تمہارے خون کے پیاسے ہو جائیں گے، تمہیں دیکھتے ہی گولی مار دینے کا حکم جاری ہو جائے گا، پھر پولیس کی طرف سے بھی تمہارے لیے مسائل کھڑے ہو سکتے ہیں۔"

"اسے چھوڑو۔" لیری نے سر جھٹک کر حقارت سے کہا۔ "میں ایک نیک کام میں مغرور اور مجرم بھی بننا پسند کروں گا اور مجھے یقین ہے کہ تم کسی نیک کام میں مصروف ہو۔ تمہارا نام کیا ہے مسٹر؟"

"نام بعد میں... پہلے کام..." ٹائیگر یہ کہہ کر جولیو کی طرف پلٹا، جو اس وقت انتہائی خشمگیں انداز میں لیری کو گھور رہا تھا۔

"ہاں جولیو۔" ٹائیگر نے بدستور مسکراتے ہوئے کہا۔ "آؤ... ذرا سوال و جواب کا کھیل تو کھیلیں... میں سوال کروں گا اور تم جواب دو گے۔"

ٹائیگر کی مسکراہٹ دیکھ کر جولیو کو کسی شارک کا کھلا ہوا منہ یاد آ گیا۔

"میں کچھ نہیں بتاؤں گا۔" وہ ہٹ دھرمی پر اُتر آیا۔ اسی لمحے اُوشان کا انگوٹھا اُس کی طرف بڑھا، مگر ٹائیگر نے فوراً اُوشان کو روک دیا۔ "نہیں اُوشان۔" اُس کا لہجہ بہت نرم تھا۔ "یہ شخص اتنی نرمی کا مستحق نہیں، اسے مجھ پر چھوڑ دو۔ ہاں جولیو، میں سوال کروں یا...؟"

"جہنم میں جاؤ۔" جولیو نے ابھی اتنا ہی کہا تھا کہ ٹائیگر کا ہاتھ اُس کے بائیں کان پر آ کر لگا۔ اس ضرب کی شدت سے جولیو دائیں پہلو کے بل اس طرح گرا کہ اُس کا زخمی بازو نیچے دب گیا اور پہلی مرتبہ بہادر جولیو کے حلق سے کربناک چیخ نکلی، جو سنگلاخ پہاڑوں سے سر ٹکرانے لگی۔

"یہ پہلا سبق تھا جولیو... اب ذرا یہ بتا دو کہ ہیروئن کے اس آپریشن میں کون کون ملوث ہے؟"

جولیو بہت تکلیف میں تھا۔ اُس کی زبان تک میں درد ہو رہا تھا، وہ مُنہ چلانے لگا اور پھر معاً ہی اُس نے ٹائیگر کی طرف مُنہ کر کے تھوک دیا۔ ٹائیگر ایک طرف ہٹا تو تھوک نیچے گر گیا، مگر اب ٹائیگر کے چہرے سے مسکراہٹ غائب ہو چکی تھی۔ وہ آگے بڑھا اور اُس نے جولیو کا وہ بازو پکڑ لیا، جس میں زخم تھے۔ اُس کا انگوٹھا زخم کے اُوپر تھا۔

جولیو ضبط کرنے کے باوجود کسی بکرے کی طرح ڈکرانے لگا۔ اُس کی رنگت سفید پڑ گئی، وہ کانپنے لگا اور پھر بے ہوش ہو گیا۔

اُس کی آنکھ لکڑی جلنے سے پیدا ہونے والی خوشبو کے باعث کھلی تو بوڑھا، نوجوان سے کچھ کہہ رہا تھا۔ اُس نے آنکھیں اُٹھائیں۔

"اسے میرے حوالے کر دو میرے بچے۔ انگوٹھا گردن پر رکھوں گا تو خود بخود اُگل دے گا۔"

"نہیں ٹیل فادر... یہ اتنی نرمی کا مستحق نہیں ہے۔" اُسے ٹائیگر کی آواز سنائی دی تو وہ جھرجھری لے کر رہ گیا۔

"یہ ہوش میں آ رہا ہے ٹیل فادر۔"

"ہوش میں... ہوش میں آتے ہوئے تو اسے پچیس سیکنڈ گزر چکے ہیں میرے بچے۔"

جولیو ٹھہر کر اُٹھ بیٹھا۔

اُس نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ قیامت ڈھا دینے والا نوجوان اُس سے چند قدم دور کھڑا ہوا تھا۔ لیری بھی اُس کے ساتھ تھا، جب کہ ایک طرف بوڑھے کا سفید لبادہ نظر آ رہا تھا۔

اُس کے ہاتھوں میں چند چھوٹی چھوٹی جھاڑیاں اور لکڑیاں تھیں، جنھیں وہ الاؤ میں جھونک رہا تھا۔

اُنھوں نے اُس کی طرف کوئی توجہ نہیں دی۔ لیری، ٹائیگر سے گفتگو کرتا رہا۔

"تم بالکل ٹھیک کہتے ہو شہزادے۔" اُس کی آواز دھیمی تھی۔ "مجھے علم نہیں تھا کہ یہ لوگ میرے ذریعے ہیلی کاپٹر میں ہیروئن اسمگل کراتے ہیں۔ آج بھی مجھ سے یہ کہا گیا تھا کہ ایک دشمن کو تلاش کرنا ہے، جس نے چارلی کی کار چوری کر لی ہے لیکن جب مجھے علم ہُوا کہ یہ لوگ ہیروئن کی کاروبار کو بچانے کے لیے تمہیں ہلاک کرنا چاہتے ہیں تو میں پورا کھیل سمجھ گیا۔ اب میں ان لوگوں کو ہلاک کرنے کے لیے تمہارا ساتھ دوں گا۔ ہیلی کاپٹر موجود ہے تم نے مجھے معاوضہ دینے کی جو پیش کش کی ہے۔ وہ کافی ہے، مجھے خوشی ہوگی کہ میں معاف ستھری رقم لے کر گھر جاؤں گا۔"

"مگر یہ رقم میں ان ہی لوگوں سے چھینا کروں گا۔"

"وہ تمہارے ہاتھوں میں آ کر ہلاک ہو جایا کرے گی۔" لیری نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر کہا۔

جولیو ذرا ذرا سے کراہنے لگا اور وہ لوگ اس کی طرف دیکھنے لگے۔

جولیو کو اس درد کے باوجود اس بات کی خوشی تھی کہ اس کو اس سفاک نوجوان کے نام کا علم ہو گیا ہے اور وہ اگر زندہ رہا تو اسکارلی تک یہ نام پہنچا کر انعام ضرور حاصل کرے گا۔

"آخا! تم بیدار ہو گئے پرنس؟" ٹائیگر نے مسکرا کر پوچھا۔ "چلو تمہارا امتحان پھر سے شروع ہو جائے۔"

"میں..." جولیو نے کچھ کہنا چاہا، مگر ٹائیگر نے ہاتھ کے اشارے سے اسے چپ رہنے کے لیے کہا۔ "یہ بتاؤ کہ چارلی دی ہارس کے لیے ہیروئن کی فراہمی کا معاہدہ کس نے کیا تھا؟ سپلائر کون تھا اور یہ کہ وہ..."

"کچھ نہیں!" جولیو نے چلا کر کہا لیکن پھر معاً ہی اس کی نظر بوڑھے پر پڑی جو آگ کے الاؤ میں مسلسل لکڑی کے ٹکڑے ڈالے چلا جا رہا تھا اور لکڑیاں جل جل کر انگاروں میں بدل رہی تھیں۔

"کیا یہ بوڑھا اس الاؤ پر کھانا پکائے گا؟" وہ پوچھے بغیر نہیں رہ سکا۔

"ارے نہیں۔" ٹائیگر مسکرا کر لیری کی طرف دیکھنے لگا اور پھر وہیں اوشان کی مخصوص تمتماتی بھی گونجنے لگی۔

"تم لوگ ہنس کیوں رہے ہو اور اس الاؤ کا کیا مقصد ہے؟" جولیو کے بدن میں خوف کی ایک انجانی سی لہر دوڑ گئی۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"میرا خیال ہے کہ تم نے قدیم رسم و رواج سے متعلق فلمیں نہیں دیکھیں جولیو دی میورٹیشن۔" ٹائیگر نرم لہجے میں بولا۔ "یہ شخص عام بوڑھا نہیں بلکہ دنیا کے ہر نوجوان سے زیادہ طاقت ور اور ذہین ہے۔ اس وقت یہ ایک قدیم طریقے پر عمل کر رہا ہے۔ لکڑیاں اس لیے جلا رہا ہے کہ سرخ سرخ انگاروں کا ایک ڈھیر بن جائے اور پھر یہ ان انگاروں کو یکے بعد دیگرے تمہارے پیٹ پر رکھتا چلا جائے یوں پورے پیٹ پر چھوٹے بڑے درجنوں سوراخ ہو جائیں لیکن میں اس کو اس مشغلے سے روک سکتا ہوں تاہم شرط یہ ہے کہ تم میرے سوالوں کا جواب دیتے رہو۔ اب یہ بتاؤ کہ اس کاروبار میں کون کون ملوث ہے؟"

"جہنم میں جاؤ۔"

ٹائیگر نے مسکراتے ہوئے جولیو کے بال پکڑ کے انھیں کھینچا اور اس کا چہرہ ان انگاروں پر جھکا دیا تاکہ وہ ان کی تپش محسوس کر سکے۔ اس وقت اوشان کے چہرے پر بڑی آسودگی تھی اور وہ اپنے پنجے ہاتھوں سے انگاروں کو اس طرح مکس کر رہا اور چھیڑ رہا تھا جیسے وہ ہاتھ کی انگلیاں نہ ہوں لوہے کی سلاخیں ہوں۔

"یہ شخص جیسے تم بوڑھا سمجھ رہے ہو، جواب حاصل کرنے کے بہت آسان اور کم تکلیف دہ طریقے بھی جانتا ہے لیکن میری بات پر کم سے زیادہ نرمی نہ کی جائے اس نے یہ تجویز منظور کر لی ہے کہ تمہاری دونوں رانوں کے درمیان، انگارے رکھے جائیں پھر ان پر خشک گھاس ڈالی جائے اور گھاس میں جلم لینے والے ننھے ننھے شعلوں کو طول دینے کے لیے لکڑیوں کا برادہ ڈالا جائے۔۔۔ اس وقت تک تمہاری رانوں کے نیچے الاؤ روشن رہے جب تک تمہاری رانیں اچھی طرح جھلس نہ جائیں اور حرارت تمہاری ہڈیوں تک کو نہ گلا دے۔"

جولیو۔۔۔ مافیا کے سب سے سخت جان گرگے کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور اس کی زبان قینچی کی طرح چل نکلی۔ اس نے انھیں وہ سب کچھ بتا دیا جو اسے معلوم تھا۔

"شاباش!" اوشان نے سر ہلاتے ہوئے اس کی طرف دیکھا اس کا انداز ایسا تھا جیسے کوئی مشفق آدمی، بچے کو امتحان پاس کرنے پر تھپکی دے رہا ہو۔

"اور یہ ہز لارڈ شپ کون ہے جولیو؟" ٹائیگر کے چہرے پر اب مسکراہٹ نہیں تھی۔

"اس کا مجھے علم نہیں۔ میں اپنی مُردہ ماں کی قبر کی قسم کھا سکتا ہوں کہ میں اسے نہیں جانتا۔" جولیو فوراً بولا۔ اسے خوف تھا کہ کہیں جواب میں تاخیر سے یہ لوگ برہم نہ ہو جائیں۔ "میں صرف اندازاً کہہ سکتا ہوں کہ وہ کوئی سفارت کار ہوگا کیونکہ اسکارلی بار بار یہی کہتا ہے کہ اس کے خلاف کوئی قانون استعمال نہیں ہو سکتا۔ اسے استثنیٰ حاصل ہے۔"

"اس کہانی میں تم کہاں فٹ ہوتے ہو؟"

"میں نے چارلی کی موت کے بعد عارضی طور سے اس کی جگہ سنبھالی ہے۔"

ٹائیگر نے اپنی انگلی اس کی پیشانی پر آنکھوں کے درمیان رکھ دی اور جولیو اس طرح اچھل پڑا جیسے انگلی ہڈی توڑ کر گھس جائے گی۔

"لیٹے رہو جولیو۔" ٹائیگر کا لہجہ بہت جوڈیشل تھا۔ "تم جھوٹ بول رہے ہو۔ ہم سب جانتے ہو کہ چارلی کی جگہ آسٹین وی ین نے حاصل کی ہے۔ وہ اس وقت بھی پیڈروک کے بیک آفس میں بیٹھا ہوا ہے۔ میں آخری بار پوچھ رہا ہوں کہ تمہارا کیا کردار ہے؟"

جولیو نے خشک ہونٹوں کو زبان پھیر کر تر کیا۔ اس کی عجیب حالت تھی۔ انگلی کا دباؤ واقعی حیرت انگیز تھا۔ اس انگلی پر اوشان کی چھوٹی چھوٹی آنکھیں بھی جمی ہوئی تھیں۔

ایک ایسی عورت کی کہانی
جو مردوں کے معاشرے میں
ملکہ بن کر جینا چاہتی تھی

ناگرانی

دو جلدوں میں
جلد اول =/145
جلد دوئم =/145

مکتبہ القریش سرکلر روڈ اردو بازار لاہور
فون 7668958

"اسکارلی نے۔۔۔ مجھے اس کمرے کا چارج دیا تھا۔۔۔ جو۔۔۔ جو تم۔۔۔ سے نمٹنے کے لیے نکلا تھا۔" جولیو کا پورا بدن پسینہ سے بھیگ گیا۔ "میرے خدا۔۔۔ تم تو اکیلے ہوتے ہوئے بھی پوری فوج ثابت ہوئے۔"

کمرا نما گھاٹی میں اوشان کی مخصوص نقنے گونجنے لگی اور جولیو بھی مارے خوشی کے ہنسنے لگا۔ اس کی آنکھوں میں مسرت سے آنسو آ گئے کیونکہ انگلی پیشانی سے ہٹ گئی تھی۔

"نہیں جولیو۔" ٹائیگر نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "اگر میں فوج ہوتا تو تم لوگوں کو صرف ایک گھنٹے میں پاتال کی سیر کرا دیتا۔"

نقرہ کی مخصوص آواز آنا بند ہو گئی۔ ایسا لگا جیسے کسی نے بطخ کی گردن مروڑ دی ہو۔ اوشان کو ٹائیگر کے اس جملے پر نہ جانے کیوں غصہ آ گیا تھا۔ اس کی چمکیلی آنکھیں ٹائیگر پر جمی ہوئی تھیں۔

"تم اسکارلی کے لیے میرا ایک پیغام لے کر جاؤ گے جولیو۔" ٹائیگر نے اسے اٹھا کر کھڑا کرتے ہوئے کہا۔ "اس سے کہنا کہ میں آ رہا ہوں۔ وہ منشیات کے دھندے کو جاری رکھے میں اس کے آڑے نہیں آؤں گا۔ تب میں اسے سیدھا کاسہ کا کر ماروں گا سمجھ گئے جولیو؟"

"بالکل۔۔۔ سو فیصد۔۔۔ سمجھ گیا۔" جولیو کو تو یہ سن کر ہی خوشی ہو رہی تھی کہ وہ چھوڑا جا رہا ہے۔ اس کا چہرہ پہلے سُتا ہوا تھا مگر اب اس پر زندگی کی رونق واپس آ چکی تھی۔

"ٹھیک ہے جولیو! اب یہاں سے نکلو۔"

"مگر اس کا کیا ہوگا؟" اوشان نے لاشوں کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

ٹائیگر نے لاشوں پر ایک سرسری سی نظر ڈالی اور پھر آہستہ سے بولا۔ "مُردے، مُردوں کو دفن کر لینے دو اوشان۔ یہ مرنے والوں کا حق ہے۔"

جولیو مارے خوشی کے پھولا نہیں سما رہا تھا۔ اسے نئی زندگی ملی تھی۔

ہیلی کاپٹر میں اوشان اور جولیو بھی بیٹھ گئے جب کہ ٹائیگر سُرخ کار کی طرف بڑھ گیا۔ چند ہی لمحوں میں لیری نے ہیلی کاپٹر فضا میں بلند کر لیا اور وہ گھاٹی کے اوپر سے پرواز کرتا ہوا میدانی علاقے میں پہنچ گیا۔ اوشان کے اشارے پر لیری نے اس کی بلندی کم کی۔ اب کاپٹر صرف آٹھ فٹ کی بلندی پر ٹھہرا ہوا تھا۔

"اس لڑکے کا پیغام اپنے آقا کو ضرور پہنچا دینا۔" اوشان

لاتعداد ایڈونچر کہانیوں کے خالق
ایم اے راحت کی
ایک اور ایڈونچر کہانی



○ ایک ایسی کہانی جس کو مکمل کیے بغیر رُکنا ناممکن ہے۔
○ چار حصوں میں شائع ہو گئی ہے۔
○ کتابیں پیپر بیک پر خوبصورت سرورق کے ساتھ شائع کی گئی ہیں۔

قیمت فی حصہ: ۷۰/۰۰ روپے
مکمل سیٹ: ۲۸۰/۰۰ روپے

مکتبہ القریش
اردو بازار لاہور ۲

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

نے جولیو کو یاد دلایا اور ساتھ ہی دروازہ کھول دیا۔ "یہاں سے سڑک صرف ایک میل دور ہے۔"

ابھی جولیو سمجھ بھی نہ پایا تھا کہ اوشان نے اسے دھکا دیا اور جولیو ہیلی کاپٹر سے گر گیا۔

ہیلی کاپٹر اوشان کی رہنمائی میں ایک دوری ہمت میں روانہ ہو گیا۔ اسی ہمت میں مسٹر نج کار بھی دوڑ رہی تھی۔

اسکارلی غصے کی وجہ سے لال بھبوکا ہو رہا تھا۔

"یہ کیسے ممکن ہے جولیو؟" اس نے ہیرسٹنے ہوئے کہا۔ "وہ ایک بار پھر زخم لگا گیا۔ تم وہاں سے کیسے نکل آئے؟ تم نے چھتیس جوانوں ضائع کر دیے۔ ایک ہیلی کاپٹر ہوا باز سمیت ہاتھ سے گیا اور تم... تم واپس آنے کے لیے زندہ بچ گئے؟"

جولیو دی میوزیشن پسینے پسینے ہو رہا تھا۔ خوف سے اس کی حالت ابتر تھی۔ اسے ایسا خوف ٹائیگر کی موجودگی میں بھی محسوس نہیں ہوا تھا۔

اسکارلی کی ہیرس کے سامنے کھڑے ہوئے جولیو کے دائیں بائیں ٹوٹی اور فروٹی کھڑے ہوئے تھے۔ یہ دونوں اسٹین کے خاص آدمی تھے۔ اگرچہ جولیو کو فوری طور پر کوئی خطرہ نہیں تھا لیکن یہ بات اسے اچھی طرح معلوم تھی کہ اس پر بے اعتمادی کے کالے اور منحوس بادل چھائے ہوئے ہیں۔ وہ لاشعوری طور پر ماتھے سے پسینہ صاف کیے جا رہا تھا۔

"لولو... لولو جولیو۔ تم کیسے بچ نکلے؟" اسکارلی نے ایک بار پھر ٹھنڈے پانی کا گھونٹ لینے کے بعد کہا۔

"اس نے... اس نے مجھے پیغام دینے کے لیے... میرا مطلب ہے کہ آپ تک پیغام پہنچانے کے لیے زندہ رکھا۔" جولیو مشکل سے بولا۔

"میرے خدا!" گھاٹی میں برستی ہوئی موت کا منظر یاد آتے ہی اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ "شاید اس نے جان بوجھ کر مجھے گولی نہیں ماری۔ وہ سیدھا اسی طرف آیا جہاں میں موجود تھا۔"

"تم نے اس پر حملہ نہیں کیا جولیو؟" اسکارلی اسے گھور رہا تھا۔

"میں حملہ کرنے کے قابل ہی نہیں رہا تھا باس۔" جولیو کو بم پھٹنے سے ہونے والی تکلیف بھی یاد آ گئی۔ "وہ بم ایسا تھا جیسے جہنم کی آگ ہو۔ میرا بازو زخمی ہوا اور اس زخم میں ایسی غضب کی جلن ہونے لگی کہ بس۔ خدا کی پناہ۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے آگ پورے بدن میں پھیل جائے گی باس۔ میرا پیتاب بھی نکل گیا تھا یہ اعتراف کرتے ہوئے مجھے ندامت نہیں کہ میں کسی بچے کی طرح رو رہا تھا۔ میری بوری توانائی اس بم نے سلب کر لی تھی۔"

"پھر؟" اسکارلی نے بڑی حقارت سے اسے دیکھا۔ گلاس اٹھا کر ایک گھونٹ لیا۔ "ذرا وہ پیغام تو سنا دو جو اس نے بھیجا ہے۔"

"اس نے کہا۔" اسکارلی نے گلاس زور سے میز پر رکھا اور ٹوٹی فروٹی اس کا اشارہ پا کر چلے گئے۔ جولیو نے سکون کی سانس لی کیونکہ ان کی موجودگی میں وہ ہی سمجھ رہا تھا کہ قضا سر پر منڈلا رہی ہے، لیکن بہرحال اسٹین ایک طرف بیٹھا ہوا تھا۔

"اسٹین تم نے سنا۔" اسکارلی اب اچانک ہی سنجیدہ ہو گیا تھا اور پھر جولیو کی طرف متوجہ ہوا۔ "اس چوزے کا کیا نام ہے؟"

"شہ... زاد۔" جولیو درست تلفظ پر قادر نہ تھا۔

"شہ... زاد۔ یہ کیا نام ہوا۔ کیا مقامی ہے؟" اسکارلی کی پیشانی پر سلوٹیں پڑ گئیں۔

"پتا نہیں چیف۔ نام سے تو ایسا نہیں لگتا ہے۔" اسٹین نے پہلی بار نقرہ دیا۔

"خیر... جو بھی نام ہو اس کا۔ اس نے دھمکی دی ہے کہ وہ مجھے مارنے کے لیے آئے گا۔ پوہ۔ اسے تو میرا نام بھی نہیں معلوم ہو گا۔ اس نے اپنی پالتو بلی پیغام دے کر بھیجی ہے اسٹین۔ ہمیں پالتو بلی اور اس کے مالک شہ زاد کی کوئی ضرورت نہیں اسٹین۔ تم بلی کو برف خانے میں رکھ دو۔ اس کے انجام کا فیصلہ ہم شہ زاد و شہناز کو پکڑنے کے بعد کریں گے۔ انہیں سبق سکھائیں گے کہ ہمارے خاندان کے خلاف کوئی بھی کارروائی کس قسم کے انجام کو دعوت دیتی ہے اسٹین۔"

تب ہی جولیو کو احساس ہوا کہ اسے بہت ہی قلیل مدت کے لیے معافی ملی ہے۔

"نن... نہیں۔" وہ گڑگڑانے لگا۔ "نہیں عظیم اسکارلی میری بات سمجھ۔ میرے پاس اور کوئی راستہ نہیں تھا۔"

"میں صرف یہ سمجھ سکا ہوں کہ تم نے تقریباً پوری نفری ختم کرا دی ہے جولیو دی میوزیشن۔" اسکارلی کا لہجہ بہت تلخ تھا۔ "اب مجھے دوسرے علاقوں سے لڑکے طلب کرنے ہوں گے۔"

جولیو ایک بار پھر رونے لگا۔ موٹے موٹے آنسو آنکھوں سے ٹپکنے لگے۔

"مجھے... ایک اور... موقع دو۔" وہ ہچکیاں لے رہا تھا۔

اسکارلی دی اولڈ ڈون نے اپنے ہاتھوں سے اشارہ کیا۔ اسٹین حکم سمجھتا تھا۔ اس نے ہولسٹر سے اعشاریہ ۳۸ ریوالور نکال کر سائیلنسر لگایا اور دبے قدموں بدقسمت جولیو کے عقب میں پہنچ گیا۔

جولیو اس وقت بھی اسکارلی سے زندگی کی بھیک مانگ رہا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ اسکارلی خاندان کا سرپرست ہے، سب کا باپ ہے...

تب ہی گولی اس کے کان میں اتر گئی اور وہ گر پڑا۔ وہ گرا ...اور مر گیا۔

"کوڑے کو ٹھکانے لگا دو اسٹین۔" اسکارلی نے پانی کا گلاس اٹھا کر حکم دیا۔

"بہت بہتر جناب۔" اسٹین نے بریٹا ہولسٹر میں رکھتے ہوئے دھیمے لہجے میں جواب دیا۔ "اب اس اجنبی نام والے کا مسئلہ ہے جناب۔ اس کی تلاش میں قدرے مشکل ہو گی کیونکہ ہم نے جولیو سے اس کا حلیہ بھی نہیں پوچھا۔ میرا خیال ہے کہ شہ زاد نامی کوئی شخص ٹیلی فون ڈائریکٹری میں بھی نہیں ملے گا۔"

"میں جانتا ہوں۔" اسکارلی نے جواب دیا۔ "لیکن ہمارے پاس دوسرے راستے بھی ہیں۔ تم ان راستوں کا استعمال کرو اور ہاں اگلی پک اپ کے لیے سب تیاریاں مکمل ہیں نا؟"

"جی ہاں! ام... مگر۔" اسٹین ہکلا کر رہ گیا۔

"کوئی مسئلہ اسٹین؟"

"ہوا باز۔ لیری نووا ک۔ اسی کو اس کھیپ کے لیے فلائنگ کرنی تھی۔ وہ بتاتا ہے کہ ہم یہ کام کہاں کریں گے۔ وہ اسے بتا دے گا۔"

"یہ اور بھی اچھا ہو گا اسٹین۔" اسکارلی پہلی بار مسکرایا۔ "اور وہاں یقیناً اس مسٹر اسمارٹ سے ملاقات ہو گی... اس طرح ایک ہی مہم کے دوران دو کام ہو جائیں گے اسٹین۔"

"درست۔" اسٹین نے ٹوٹی فروٹی کو اشارے سے بلا کر اشارے ہی سے لاش اٹھانے کا حکم دیتے ہوئے کہا۔ "صرف ایک اور مسئلہ ہے عظیم اسکارلی۔ ہمارے ساتھ کھیپ لانے کے لیے صرف تین افراد ہوں گے... اور وہ چھتیس افراد کو ٹھکانے لگا چکا ہے۔"

"سان ڈائیگو والے لڑکے آج رات ہی یہاں پہنچ جائیں گے اسٹین۔ تم فکر مت کرو۔ انہیں چالاکی سے استعمال کرنا۔"

• •

چیف ڈپٹی شیرف پال ہیرس پریس بریفنگ میں مارجٹ کیلی پیٹرسن کے بیان کے بعد سوالوں کا بہت محتاط جواب دے رہا تھا لیکن اچانک ہی ایک رپورٹر نے وہ سوال کر ہی ڈالا جس کا اسے خدشہ تھا۔ "کیا مافیا کے دو گروپوں کے درمیان مکمل جنگ شروع ہو چکی ہے پال؟"

"ہمیں اس کا کوئی علم نہیں۔" پال ہیرس نے ایک بار پھر محتاط رہنے کی کوشش کی۔

"تب پھر باربسٹو کے قریب مرنے والے چھتیس غنڈوں کی لاشیں کس خانے میں فٹ کرو گے؟"

یہ سوال بہت خطرناک تھا۔ پال ایک بار تو گھبرا گیا لیکن اس نے فوراً ہی سنبھالا لے لیا۔ "اچھا! یہ اطلاع ہمارے لیے نئی ہے۔ ویسے یہ واقعہ سان برنانڈینو کاؤنٹی میں پیش آیا ہے لہٰذا اس کا زیر بحث کیس سے کوئی تعلق نہیں۔"

"میری اطلاع کے مطابق یہ مرنے والے تمام لوگ اسکارلی کے آدمی تھے لہٰذا اس واقعے کا زیر بحث کیس سے تعلق ثابت ہو جاتا ہے۔ چارلی بھی اسی کا آدمی تھا نا؟" رپورٹر نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"میرا خیال ہے کہ ہم سب کو یہ احساس ہو گا کہ مسٹر اسکارلی ایک باوقار بزنس مین ہیں۔" یہ کہتے ہوئے پال ہیرس کو خود سے کراہیت محسوس ہو رہی تھی۔ "جب تک ہمیں اس کے خلاف کوئی ٹھوس ثبوت نہ مل جائے اس وقت تک میں کسی افواہ پر ردعمل ظاہر نہیں کروں گا۔"

رپورٹر کھلکھلا کر ہنس پڑے۔

"اگر تمہاری دی ہوئی اطلاع درست ہے۔" پال ہیرس بھی زیر لب مسکرا رہا تھا۔ "تو پھر ہم اس پر محتاط اور سنجیدہ غور کریں گے اور جب تک تو رنگل نہیں ہو جائے گا ہم پریس کو کچھ نہیں بتائیں گے اور..."

اس سے قبل کہ وہ کچھ اور کہتا، ایک سپاہی نے اسے ایک پرچا لا کر دیا۔ اس نے پرچا پڑھا اور مٹھی میں دبا لیا۔ "میں معذرت خواہ ہوں حضرات! ایک انتہائی اہم نوعیت کا کام درپیش ہے۔ بہت بہت شکریہ۔"

"کیا اس پیغام کا تعلق گینگ وار سے ہے چیف؟" ایک رپورٹر نے پیچھے سے آواز لگائی۔

دفتر میں پہنچ کر پال ہیرس نے کیلی پیٹرسن کو بلا لیا اور جب کیلی نے بھی وہ پیغام پڑھ لیا تو اس نے حیرت سے سیٹی بجانی شروع کر دی۔

"دونوں کیسوں کا باہمی تعلق ہے لیکن فاسفورس بم... ایسے بم تو صرف فوج استعمال کرتی ہے۔ میں تو یہ جاننا چاہتا ہوں کہ صرف ایک آدمی نے ان بموں کی مدد سے ۳۶ غنڈوں کو کس طرح ہلاک کر ڈالا اور وہ بھی اس طرح کہ اسے خراش تک نہیں آئی۔"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

اسی لمحے دو نوجوان کمرے میں داخل ہوئے۔ یہ جارج ہارٹ اور شان تھامپس تھے۔ شان تھامپس کیلی کو آنکھ مار کر مسکرانے لگا۔

"آہا!" وہ ہنس کر بولا۔ "اگر میں یہاں صرف دس منٹ کھڑا بھی رہوں تو شاندار خبر نکل سکتی ہے۔" اس نے جارج ہارٹ سے کہا۔

"سنو!" پال ہیریس غرایا مگر کیلی نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا۔

"نہیں پال! شان اپنا آدمی نہ سہی مگر قابل اعتماد ضرور ہے۔ جب تک ہم اوکے نہیں کریں گے یہ کوئی خبر اخبار کو نہیں دے گا۔ یہی اس سے ہمارا معاہدہ ہے۔ سناؤ جارج! کیا تم بھی اسی نتیجے پر پہنچے ہو جو ہم نے اخذ کیا ہے؟"

"تقریباً۔" شان نے فوراً جواب دیا۔ "لیکن اگر نتیجہ درست ہے تو پھر تمھاری یہ مفروضہ دھڑام سے گر جائے گی کہ صرف ایک آدمی اس جھگڑے میں دوسرا فریق ہے۔"

جارج ہارٹ اثبات میں سر ہلانے لگا۔

"وہ کیسے؟" کیلی کو ان میں مفروضہ پر سو فیصد یقین تھا۔

"ہمیں اس قتل عام کی پوری خبر سان برنانڈینو سے مل چکی ہے کیلی۔" جارج نے جواب دیا۔ "مشی لین ایڈلز میں ٹائروں کے نشانات ملے ہیں لہٰذا یہ کہا جا سکتا ہے کہ مسز کارا سی نراسرا گنس نے استعمال کی ہوگی۔۔۔ لیکن وہاں چار افراد کی لاشوں سے تیر بھی نکلے ہیں۔"

"تیر؟" دونوں پولیس والے اچھل پڑے۔

"ہاں!" شان نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "ایک گاڑی کے ٹائر بھی تیروں سے پھاڑے گئے تھے جب کہ گولیاں سامنے سے چلائی تھیں۔ لہٰذا یہ کہنا اب غلط ہوگا کہ وہاں صرف ایک آدمی تھا۔"

"باپ رے۔" کیلی پیٹرسن نے اپنے خالی پیٹ پر ہاتھ پھیر کر کہا۔ "پہلے فاسفورس بم۔۔۔ اور اب تیر۔۔۔ لیکن۔۔۔ وہاں تو دُور دُور تک ریڈ انڈین نہیں رہتے جارج؟"

"تیروں کا تعلق صرف ریڈ انڈینز سے نہیں۔ ویسے ہمارے اخبار کے ایک ماہر عرب کا کہنا ہے کہ ان تیروں کی ساخت ملی جلی ہے۔ ان کا اگلا حصہ ریڈ انڈین ہے تو پچھلا حصہ مشرق بعید کا اس کا کہنا ہے کہ ایسے تیر ریڈ انڈین نے دو صدی قبل اس وقت استعمال کیے تھے جب ان پر مظالم کی انتہا ہو گئی تھی اور ان کی مدد کے لیے مشرق بعید سے کوئی بہادر آیا تھا۔"

پھر کمرے میں خاموشی چھا گئی لیکن شان زیادہ دیر چپ نہیں بیٹھ سکا۔

"سنو!" اس نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "میں مداخلت کر اور سیدھی بات کروں گا۔ میں یہ تسلیم نہیں کر سکتا کہ کوئی بوڑھا ریڈ انڈین، فاسفورس بم استعمال کرنے والے کے ساتھ ہو۔ یہ بات ہضم نہیں ہوتی کیا تم لوگ یقین کر لو گے کہ یہ سب کچھ محض یونہی ہو رہا ہے۔ اس کی کوئی وجہ نہیں۔ اس قتل عام کا کوئی جواز ضرور ہوگا پولیس والو!" شان بہت سنجیدہ تھا۔

"ہاں! کوئی بات ضرور ہوگی۔ ذرا غور کرو۔۔۔ چارلی سے شروع کرو۔ حال ہی میں کوئی ایسا واقعہ رونما ہوا تھا جس میں چارلی ملوث رہا ہو؟"

"ہاں!" کیلی پیٹرسن نے کہا۔ اس نے ایک فائل نکالی۔ "کچھ دنوں قبل چارلی نے ایک کار کو دو ٹرکوں سے روندا تھا۔ اس میں ایک سیاہ فام لڑکی روبی سوار تھی۔"

"لڑکی کا کیا ہوا؟"

"کچھ پتا نہیں چلا۔" کیلی پیٹرسن نے جواب دیا۔

"کیا مطلب؟" جارج ہارٹ اچھل پڑا۔

"جلی ہوئی کار میں نہ تو لڑکی ملی اور نہ ہی آس پاس اس کی لاش۔"

"اوہو!" شان نے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "تمھارا کیا خیال ہے کوئی اسے یا اس کی لاش کو کار سے نکال کر لے گیا تھا؟"

"لڑکی کا پس منظر؟"

"کچھ نہیں معلوم۔ صرف اتنا پتا ہے کہ وہ ایک سینی ٹوریم میں انتظامی معاون تھی۔ کار سے ملا ہوا ایک کارڈ یہی بتاتا ہے اور سینی ٹوریم والوں کا کہنا ہے کہ وہ حادثے والے دن ہی سے وہاں سے غائب ہے۔"

"کچھ بھی ہو کیلی۔" شان اٹھ کھڑا ہوا۔ "یقین کرو۔۔۔ آخر میں یہی لڑکی فساد کی جڑ نکلے گی۔ ممکن ہے چارلی کے آدمیوں نے اس کی لاش بھی غائب کر دی ہو اور کوئی اس کا انتقام لے رہا ہو۔"

وہ پھر چپ ہو گئے۔ سب اسی نکتے پر غور کر رہے تھے۔

5

اوشان مسلسل ٹائیگر کو برا بھلا کہہ رہا تھا۔ وجہ صرف یہ تھی کہ ٹائیگر نے صبح کی ورزش آج نہیں کی تھی۔ پروفیسر ہاسکن انھیں دلچسپی سے دیکھے جا رہا تھا جب کہ ٹائیگر، اوشان اور ہاسکن کی مشترکہ ایجاد "تیروں" کی تیاری میں لگا ہوا تھا۔ اسے یہ ہتھیار باقی تمام ہتھیاروں سے زیادہ پسند آیا تھا۔ اس نے اس پر اپنے طور پر بھی تبدیلی کی تھی اور اس کے لیے پروفیسر کی لیبارٹری بہت کام آئی تھی۔

نصف گھنٹے بعد بہرحال کام کی بات شروع ہو سکی۔ اس وقت تک لیری بھی وہاں آ گیا تھا۔ اس دوران ٹائیگر ایک ہرن پر ڈارٹ گن سے نئی قسم کی ڈارٹ مار کر اسے گرتا ہوا دیکھ چکا تھا۔ اب نصف گھنٹے بعد وہ ہرن ہوش میں آ رہا تھا اور ٹائیگر کے چہرے پر خوشی کھیل رہی تھی۔ اس کا تجربہ کامیاب رہا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اب اگر کوئی بے گناہ راہ میں مزاحم ہوا تو اسے قتل کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ ڈارٹ پر لگا ہوا نیورو مہلک زہر دراصل اوشان ہی نے جڑی بوٹیوں سے کشید کیا تھا۔ ڈارٹ خود ہاسکن نے تیار کی تھیں۔ وہ تقریباً دو انچ لمبی تھیں۔

"میں چاہتا ہوں کہ ان لوگوں کو ایک خوفناک حیرت سے دوچار کر دوں۔" ٹائیگر نے یہ جملہ ان تینوں کی طرف دیکھتے ہوئے ادا کیا تھا۔

اوشان نے اس کی جانب دیکھنے کی ضرورت محسوس نہ کی کیونکہ اس وقت اچانک ہی ٹیلی ویژن پر ایک اور پیرا شروع ہو گیا تھا۔

"خدا تمھیں سلامت رکھے عظیم ہاسکن۔" اوشان نے معاً ہی بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"کیوں، کیا ہوا ماسٹر؟" ہاسکن نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"اس ویرانے میں تم نے ٹیلی ویژن کا انتظام کر کے واقعی مجھے خرید لیا ہے عظیم پروفیسر! کیے تم بڑے پوتے۔"

ٹائیگر ہنس پڑا۔ لیری منہ کھولے حیرت سے دیکھتا رہ گیا۔ وہ جانتا تھا کہ ہاسکن کی اس کیبن گاہ میں کسی چیز کی کمی نہیں۔ اگر ہے تو صرف کمپیوٹر اور۔۔۔ اور روبی کی۔

روبی کا خیال آتے ہی اس کا چہرہ مست گیا۔ دل کی دھڑکنیں عجیب سی ہونے لگیں۔ اس نے گھبرا کر کئی لمبی سانسیں لیں اور لیسری پی کوشش میں اس کی کیفیت معمول پر آ گئی۔

"خبریں سننا پسند کرو گے میرے بچے؟" اوشان نے اس کی کیفیت کا اندازہ اسی پل کر لیا۔ "شاید خبروں میں تمھارے کام کی کوئی بات ہو۔"

اوشان کو خبریں سننا سب سے زیادہ ناپسند تھا لیکن اس وقت ٹائیگر کی توجہ کسی دوسرے موضوع کی طرف کرنے کا اور کوئی طریقہ بھی نہ تھا۔

اور پھر لیری کو وہ بار بار شدید حیرت اس وقت ہوئی جب خبروں میں واقعی کام کی بات مل گئی۔

"ناظرین! گاڈ فادر کا دور گزر چکا ہے۔ لوگوں کی اکثریت بہرحال یہی کہتی ہے لیکن گزشتہ چند ہفتوں کے دوران اس انجلز میں بعض ایسے واقعات ہوئے ہیں جن کے باعث پوری قوم چوکنا ہو گئی ہے۔ تازہ ترین خبروں کے لیے راجر فلپس۔"

اسکرین پر ایک نوجوان کی تصویر ابھری۔ اس کے نیچے راجر فلپس ہی لکھا ہوا تھا۔

"اگرچہ گینگ وار اور سینٹ ویلنٹائن ڈے کے قتل عام کی باتیں تاریخ کا حصہ ہیں اور لوگوں کو یقین ہے کہ ان کا اعادہ نہیں ہوگا لیکن ٹامی گنوں، بموں اور تشدد سے ہونے والی تازہ ترین وارداتیں جنوبی کیلی فورنیا میں واپس آ چکی ہیں اور یہ وارداتیں اس پولیس بلڈنگ کے دائرہ کار میں آنے والے دو سو میل کے علاقے میں ہو رہی ہیں جس کی سیڑھیوں پر اس وقت میں کھڑا ہوں۔ اب تک ۳۸ افراد ہلاک ہو چکے ہیں اور ان میں سے بعض کی موت انتہائی خوفناک ثابت ہوئی ہے۔" یہ کہتے ہوئے اس نے نیلے انڈے جیسی کوئی چیز دکھائی۔ "۲۵ افراد اس خوفناک بم سے ہلاک ہوئے جسے بالعموم سفید فاسفورس کہا جاتا ہے اور جو صرف فوج کے زیر استعمال ہوتا ہے جب کہ دوسرے افراد گولیوں اور تیروں سے مارے گئے۔ اگرچہ مرنے والوں کی شہرت بھی اچھی نہیں ہے تاہم منظم جرائم پیشہ گروہ یعنی مافیا سے تاحال ان کا تعلق ثابت نہیں ہو سکا ہے۔ ابھی تک اس بارے میں ڈسٹرکٹ اٹارنی اور نہ ہی شیرف ڈیپارٹمنٹ نے کوئی رپورٹ جاری کی ہے۔ یہ بھی علم نہیں کہ قتل عام کے ذمہ دار کون لوگ ہیں۔ سب سے پہلی موت مافیا کے ایک جانے پہچانے بڑے نام چارلی دی ہارکس کی تھی۔ اس قتل کے بعد یہ قیاس آرائی ہونے لگی کہ یہ گروہی لڑائی ہے۔ اس صورت حال کی روشنی میں وفاق سے اعانت طلب کرنے پر بڑی سنجیدگی سے غور ہو رہا ہے۔ راجر فلپس کالکسن ٹی وی لاس انجلز۔"

پھر دوسرا اناؤنسر نمودار ہوا۔ اس کا چہرہ سنجیدہ تھا۔

"لاس انجلز میں ہونے والے دھماکے دارالحکومت میں بھی سنے گئے ہیں اور یہاں ہم آپ کو وڈیو ٹیپ کے ذریعے جرائم و تشدد پر سینیٹ کی مستقل سب کمیٹی کے چیئرمین سینیٹر مارٹن کا بیان سنوا رہے ہیں۔"

پھر اچانک ہی نیویارک نیٹ ورک سے واشنگٹن ڈی سی کی نئی سینیٹ بلڈنگ کی سیڑھیاں نظر آئیں جن پر ایک نفیس و متین

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

آدمی کھڑا ہوا تھا یہی سینیٹر مارٹن تھا۔ اس کے چہرے پر تشویش کے سائے تھے اور لہجہ بہت نستعلیق تھا۔

"میرے بھائیو!" اس کی آواز بہت نرم تھی۔ لوگ کہتے تھے کہ اس آواز اور لہجے کا مالک، ملک کا آئندہ صدر ہوگا۔ "میری کمیٹی کو اس انجلز کے واقعات کی سنگینی کا بخوبی احساس ہے۔" سینیٹر نے کیمرے کی طرف منہ کر کے کہا۔ "ہمیں خدشہ ہے کہ جنوبی کیلی فورنیا کا یہ علاقہ گروہی جنگ کی لپیٹ میں نہ آجائے، لہٰذا ہم نے حالات کی سنگینی کا قطعی اندازہ لگانے کے لیے تفتیش کرنے والوں کو وہاں بھیجنے کا فیصلہ کیا ہے۔ یہ ٹیم یہ اندازہ بھی لگائے گی کہ وہاں وفاقی قوانین کی خلاف ورزی ہوئی ہے یا نہیں۔ اگر ایسی کوئی بات نظر آئی تو پھر میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میری کمیٹی آپ کی سڑکوں پر قیام امن کے لیے ہر ممکن کوشش کرے گی مجرموں کے نزدیک دوسروں کے حقوق کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی لیکن ہم ان حقوق کے ضامن ہیں۔ یہ کمیٹی امن کی بحالی اور تشدد کے خاتمے کی کوششوں میں مقامی انتظامیہ کی ہر ممکن حوصلہ افزائی کرے گی۔"

اسی کے ساتھ اسکرین پر زمیریں مسی سپی کا نقشہ نمودار ہوا، اور پھر نیوز کاسٹر کی آواز سنائی دی۔ "سینیٹر مارٹن نے یہ بھی کہا ہے کہ وہ اس صورت حال پر ذاتی توجہ دیں گے۔"

اوشان نے منہ بناتے ہوئے ریموٹ کنٹرول سے ٹی وی بند کر دیا۔ اس کے چہرے پر اچانک ہی عجیب سے تاثرات ابھرنے لگے۔ اس نے ٹائیگر کو ایسی نظروں سے دیکھا جس میں فکر کا انداز شامل تھا اور پھیکا مسکرانے لگا۔

"جاؤ آج کی ورزش معاف کی۔" اس نے اس طرح کہا جیسے کوئی شہنشاہ سرد مہر بادشاہ کسی درباری کو خلعت فاخرہ عطا کر رہا ہو۔

صحراؤں میں تاریکی کسی سیاہ چادر کی طرح ہی اتری تھی اور پھر اس کے فوراً بعد اس سیاہ چادر کے اوپر... آسمان میں ننھے ننھے روشن تلمے جھلملانے لگے تھے۔ یہ منظر لاس انجلز کے شہروں میں چراغاں کے مناظر سے کہیں زیادہ لطیف اور سکون بخش تھا اور یہی وجہ تھی کہ لیری اور ٹائیگر گیراج کے باہر کھڑے ہوئے اس منظر میں کھوئے ہوئے تھے۔

اچانک ہی لیری نوواک نے دھیمے لہجے میں پوچھا۔ "سنو شہزاد! تم ان پر قیامت بن کر ٹوٹے ہو... کیا یہ کسی قسم کی انتقامی کارروائی ہے؟ میرا مطلب یہ ہے کہ تم ان کے پیچھے کیوں پڑ گئے ہو؟"

"ہوں..." ٹائیگر کے چہرے پر افسردہ سی مسکراہٹ ابھری۔ اس نے خنک اور صاف ہوا میں ایک طویل سانس لی اور پھر بولا۔ "ہاں۔ پہلے پہل یہ انتقامی کارروائی ہی تھی میری۔" اس نے ایک اور طویل سانس لی اور جب خارج کی تو اس کی نظروں کے سامنے روبی کا چہرہ تھا۔ "خاصتاً انتقامی کارروائی لیکن پھر میں نے اس کا مشن پورا کرنے کا عزم بھی کر لیا جس کا میں انتقام لے رہا تھا۔"

"کوئی لڑکی تھی؟"

"ہاں!" ٹائیگر نے جواب دیا۔

"یہ زخم مجھے بھی لگ چکا ہے دوست۔" لیری نے ملول لہجے میں کہا۔ اس کا نام نوکو موری ایچو تھا۔ ریڈ انڈین اور میری بیوی تھی۔ زچگی کے دوران ہلاک ہو گئی۔"

"مگر وہ میری بیوی نہیں تھی۔" ٹائیگر، لیری کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ "ہم دونوں کے درمیان کبھی رومانٹک جملوں کا تبادلہ بھی نہیں ہوا۔ وہ شاید چارلی وی ہارس کے دھندے سے باخبر ہو گئی تھی لہٰذا اسے..."

"گم ذات، خبیث چارلی۔" لیری کی آواز غصے کی وجہ سے کانپ رہی تھی۔ اس نے مزید اور کچھ نہیں پوچھا۔

"چلو... اندر چلو لیری۔" ٹائیگر نے کہا۔ "ہمیں اگلے آپریشن کی تیاریاں کرنی ہیں۔"

گرمی بہت تھی۔ گھپ اندھیرا تھا۔ ابھی تک چاند بھی نقاب ابر سے باہر نہیں نکلا تھا۔ ان حالات میں چوچو لوگوانی نے اپنے آدمی سٹی آف کامرس کے چار بالکوں کے اطراف لگا دیے تھے۔ اب ان کے پاس انتظار کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں تھا۔ اس کے آدمی اس جگہ کے قریب بھی نہیں جا سکتے تھے جہاں اسٹین دی مین اور اس کے دو ساتھی گاڑی میں بیٹھے ہوئے تھے۔

چوچو مضطرب تھا۔ اس نے اسٹین کو واکی ٹاکی پر اطلاع دے دی تھی کہ ہر آدمی نے پوزیشن سنبھال لی ہے۔ وہ سان ڈائیگو سے آئے تھے، اسٹین سے اب تک رابطہ ٹیلی فون اور واکی ٹاکی پر ہی تھا اور خود اسٹین ان کی پوزیشنیں دیکھنے کے لیے ایک بار بھی اس طرف نہیں آیا تھا۔ چوچو کو ایسے حالات پسند نہ تھے لیکن معاوضہ اتنا تھا کہ ان حالات پر اعتراض کی کوئی وجہ نہیں تھی۔

اس نے کار کی نشست پر بیٹھ کر ایک سیاہ اطالوی سگار سلگا لیا۔

وہ ابھی یہی سوچ رہا تھا [illegible]

وقت اور توانائی ضائع کرنے کے مترادف ہیں۔ اسے یقین تھا کہ شاہ زاد یا شہزاد نامی شخص کوئی سپر مین نہیں اور نہ ہی وہ بوڑھا کوئی مافوق الفطرت شخص ہے جس کا ذکر اسکارلی نے جولیو سے سنا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ ان دونوں کو وہ تنہا سنبھال سکتا ہے لہٰذا لوگوں کو جمع کرنے کا فیصلہ جس کسی نے بھی کیا تھا وہ چوچو کے نزدیک احمق تھا۔ تاہم چوچو اپنے اس خیال کا اظہار بآواز بلند نہیں کر سکتا تھا کیونکہ یہ فیصلہ اسکارلی کا تھا۔

ٹوٹی فروٹی، اسٹین کی کالی کیڈلاک کی اگلی سیٹ پر بیٹھے کہہ رہے تھے دونوں کی نظریں پارکنگ میں آنے والے دو مختلف راستوں پر تھیں۔ اسٹین عقبی سیٹ پر پشت گاہ سے ٹیک لگائے ہوئے آرام کر رہا تھا۔ اس کے چہرے پر اطمینان تھا۔ چوچو لوگوانی کی یہ رپورٹ اسے مل چکی تھی کہ اس کے آدمیوں نے مقررہ مقام کے چاروں طرف پوزیشن سنبھال لی ہے اس نے گھڑی دیکھی۔ تمام انتظامات پندرہ منٹ قبل ہی مکمل کر لیے گئے تھے۔ اسے یقین تھا کہ اس مرتبہ شہزاد کو پکڑنے میں کوئی دشواری نہیں ہوگی۔

چوچو لوگوانی نے ہیلی کاپٹر کے پنکھوں کی ہلکی سی آواز... پھر اور پھر پرندہ ایک تاریک مقام پر اتر گیا۔ اس کی روشنیاں سکیورٹی کے مطلوبہ اقدامات کے منافی تھیں۔ چوچو کو آس پاس کوئی اور گاڑی نظر نہیں آئی۔ وہ مطمئن انداز میں سر ہلانے لگا۔ اب اسے یقین تھا کہ شہزاد یہاں کا رخ نہیں کرے گا۔ ہیلی کاپٹر کے پنکھے رکے اور پھر اچانک ہی اس طرح چکا چوند ہو گئی جیسے ٹائیڈروجن بم پھٹ گیا ہو۔

"کیا مصیبت ہے؟" چوچو چکرا گیا۔ "یہاں والے کتنے غیر محتاط ہیں؟"

ہیلی کاپٹر دوبارہ پرواز کے لیے اٹھ گیا۔

"اتنی جلدی...!" چوچو لوگوانی نے سوچا، لیکن پھر ہیلی کاپٹر واپس آیا اور گودام کے صحن میں قدرے نیچے ہو گیا۔ اب روشنی مدھم ہونے لگی تھی اور ہیلی کاپٹر دوسری مرتبہ واپس جا رہا تھا۔ چوچو کو تجسس سا محسوس ہونے لگا، تاہم اس نے باس مین سے ہدایت اور حکم ملے بغیر کوئی قدم نہ اٹھانے کا فیصلہ کیا... اور اس کا یہی فیصلہ اس کی زندگی کا ضامن بن گیا۔

مافیا کے ہیلی کاپٹر کے اترتے ہی ٹائیگر نے گودام کی چھت پر بنے ہوئے شیڈ سے سر باہر نکالا۔ لیری اسے سرشام [illegible]

لہلہی دبا دی۔ یہ چمکا چوند پیدا کرنے کے لیے استعمال ہونے والی لائٹ گن تھی۔ اس نے تیزی سے دوسرا گولا گن میں لگایا اور اسے بھی فائر کر دیا۔ وہ خاص طور سے بنے ہوئے اسموک فلٹر گوگلز پہنے ہوئے تھا۔

اس روشنی میں اسٹین اپنے دو آدمیوں سمیت حیرت زدہ کھڑا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ ایک تائیوانی بھی نظر آرہا تھا۔ اسٹین کو خوف بھی محسوس ہوا لیکن تائیوانی کی بصیرت میں صورت حال کو اچھی طرح سمجھ گیا۔ اس نے ہیروئن سے بھرا ہوا تھیلا اسٹین کی طرف پھینکا۔ اسی لمحے اسٹین کو "پوپ" کی آواز سنائی دی اور پھر روشنی کا طوفان آگیا۔

"کیا مصیبت ہے؟" اسٹین گھبرا گیا۔ اس نے آنکھوں کو چکا چوند سے بچانے کے لیے لاشعوری طور پر ہاتھ آنکھوں کے سامنے کر لیا، پھر اس کے دوسرے ہاتھ کو جس میں بریف کیس تھا جھٹکا سا لگا اور اس نے دیکھے بغیر اندازہ لگا لیا کہ تائیوانی نے اس کے ہاتھ سے بریف کیس جھپٹ لیا ہے۔ اس کے فوراً بعد اس نے تائیوانی کی ہلکی سی چیخ سنی۔

ٹائیگر نے اعشاریہ ۲۲ ملی اسٹینڈرڈ کے استعمال میں ذرا بھی تساہل نہ برتا۔ گولی چلی اور فرار ہونے والے تائیوانی کے بائیں ہاتھ میں، مگر ین سے پیوست ہو گیا۔ اس کے ہاتھ سے بریف کیس نکلا اور دور جا گرا۔ گولی کا دھماکا کسی کو سنائی نہ دیا کیونکہ سائیلنسر استعمال کیا جا رہا تھا۔ تائیوانی نے بھاگتے ہوئے ہیلی کاپٹر کی طرف چھلانگ لگائی اور اسی لمحے دوسری گولی ہاتھی کولھے میں پیوست ہو گئی اور اس کے بعد ہیلی کاپٹر پرواز کر گیا۔

اسٹین نے اپنے اس ہاتھ سے جس میں پہلے بریف کیس تھا، گن نکالی۔ وہ دوسرے ہاتھ کا جائزہ بنانے دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

اب تینوں مافیائی حیرت کے سحر سے نکل آئے تھے اور تب ہی اس نے ٹوٹی کو گرتے ہوئے دیکھا۔

"بھائی... میرا بھائی۔" فروٹی روتے ہوئے چلانے لگا اور اپنے باس کو چھوڑ کر ٹوٹی پر جھک گیا۔

"فروٹی... پکڑ لو... اس خبیث کو پکڑ لو... یہ رونے کا وقت نہیں۔" اسٹین نے چلا کر کہا۔ اس سے قبل کہ... وہ حملہ آور کی سمت کا اندازہ کرتے، ٹوٹی منہ کے بل گرا۔ اسٹین نے اپنی کیڈلاک کی طرف دوڑ لگا دی۔ وہ مدد طلب کرنے کے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

اسلم راہی ایم اے کے ولولہ انگیز تاریخی ناول

اندھیروں کے ساربان	۲۰۰/-	سنہری غول	۱۵۰/-
تاریک رزم گاہ	۲۵۰/-	صلیب و صرم	۱۵۰/-
صقلیہ کا مجاہد	۱۵۰/-	نیشاپور کا شاہین	۱۵۰/-
عقاب	۱۵۰/-	بابل کا بت شکن	۱۵۰/-
صحرا کی آگ	۱۵۰/-	طلسم کدہ	۱۷۵/-
قتیبہ بن مسلم	۱۵۰/-	آتش فشاں	۱۵۰/-
موت کے مسافر	۱۷۵/-	آخری حصار	۲۰۰/-
یثرب کا ابلیس	۱۵۰/-	بنت نیل	۱۵۰/-

مکتبہ القریش اردو بازار لاہور

علاوہ کار کی پناہ میں بھی جانا چاہتا تھا لیکن ٹائیگر نے اس کے سر سے کھیلنے کو نشانہ بنایا اور اسٹین اچھل کر رہ گیا۔

ٹائیگر نے ایک مرتبہ پھر فرونٹی کی طرف توجہ دی جو اپنے مُردہ بھائی پر جھکا ہوا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ فرونٹی کیا کر رہا ہے؟ لہٰذا اس نے فرونٹی کے سر کا نشانہ لے کر اسے بھائی کی موت کے غم سے بے نیاز کر دیا۔

اس کو علم تھا کہ ان میں کوئی بھی رحم کا مستحق نہیں۔

اس نے ہائی اسٹینڈرڈ ہولسٹر میں ڈالا اور گودام کی چھت سے کود گیا۔ اس کے دونوں ہاتھ بلند تھے۔ پیر ملے ہوئے تھے اور وہ کسی ماہر تیراک طرح چھلانگ لگا رہا تھا، پھر وہ پیروں کے بل اس طرح زمین پر پہنچا جیسے اس نے پیراشوٹ استعمال کیا ہو۔ نیچے پہنچتے ہی ٹائیگر نے ہائی اسٹینڈرڈ میں میگزین لگایا اور اسٹین کی طرف بڑھ گیا، جو کار کے قریب ساکت پڑا ہوا تھا۔ اس کے دماغ میں تاریکی اتر رہی تھی... اندھیرا... اور گہرا اندھیرا چھا رہا تھا، روشنی کے گولوں کے باوجود ہر طرف تاریکی تھی۔ وہ اس تاریکی سے نجات پانے کے لیے سر جھٹک رہا تھا۔ اور تب ہی اس نے ایک نوجوان کو دیکھا۔ وہ سیاہ پتلون اور ٹائی نیک میں تھا۔ وہ کسی خواب کی طرح نظروں کے سامنے آگیا تھا۔

اسٹین نے لاشعوری طور پر ہاتھ اٹھا کر اسے اپنے قریب آنے سے روکنے کی کوشش کی۔

آنے والے نے جھک کر ہیروئن کا تھیلا اٹھایا۔

اسٹین نیم بے ہوشی کے عالم میں یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ پھر اسے اچانک ہی ہیلی کاپٹر کی پھڑپھڑاہٹ سنائی دی

"کیا تانیوانی واپس آرہا ہے؟" اس نے سوچا... لیکن یہ لیری کا ہیلی کاپٹر تھا۔ ٹائیگر نے لیری کو دیکھ کر ہاتھ ہلایا... تو ہیلی کاپٹر نیچے اتر آیا۔

اسٹین نے ہیروئن کا تھیلا اور رقم کا بریف کیس... ہیلی کاپٹر میں جاتے ہوئے دیکھا۔

وہ سوچنے لگا کہ شاید یہ مجھے بھی لاش سمجھ چکے ہیں، وہ

مطمئن ہو گیا، مگر اس کا یہ اطمینان بلبلہ ثابت ہوا... کیونکہ بریف کیس اور تھیلا ہیلی کاپٹر میں ڈالنے کے بعد وہی نوجوان اب اس کی طرف آرہا تھا۔ اس کے قدم آہستہ آہستہ اٹھ رہے تھے۔ وہ اسٹین کے قریب آیا۔ اس کا ایک پیر اٹھا۔ وہ فل بوٹ پہنے ہوئے تھا۔ اسٹین کو جوتے کا تلا بھی صاف نظر آرہا تھا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے اس جوتے کو نیچے آنے سے روکنا چاہا مگر ناکام رہا۔ جوتا اس کی گردن پر آکر جم گیا۔

"شاندار..." ٹائیگر ہیلی کاپٹر میں بیٹھ کر گوگلز اتارتے ہوئے بولا۔ "سب کچھ ہو گیا لیری! اب میں اسکارلی کو ذرا زیادہ قریب سے دیکھنا چاہوں گا۔ کیا خیال ہے؟"

"میں تم سے پوری طرح متفق ہوں میرے آقا۔" لیری نے جھک کر کہا۔

●

چوچو لوگوانی بہت خوش تھا کیونکہ اسے اسکارلی کی طرف سے ذاتی طور پر ملاقات کے لیے طلب کیا گیا تھا۔ وہ اسٹین سے نفرت کرتے لگا تھا کیونکہ ابھی تک اس نے چوچو اور اس کے آدمیوں سے بالمشافہ ملاقات بھی کرنا گوارا نہ کیا تھا۔ تاہم اب صورت حال مختلف تھی۔ اسکارلی خود اس سے ملنا چاہتا تھا۔

چوچو جب دلدل سے ہیلی کاپٹر کی طرف روانہ ہوا تو ابھی تاریکی تھی۔ حالات قابو میں تھے۔ اسے یقین تھا کہ اسٹین نے ہیروئن کی رقم دے دی ہوگی۔ اب اسے اسکارلی کو رپورٹ پیش کرنی تھی کہ رات کو اس کے آدمی کہاں کہاں تعینات کیے گئے تھے۔ وہ اسکارلی سے اسٹین کی شکایت کرنے کا بھی تہیہ کر چکا تھا۔ چوچو لوگوانی بہت خوش تھا۔ اتنا خوش کہ وہ اس چھوٹی سی جیپ کو بھی نہ دیکھ سکا، جو مسلسل اس کا تعاقب کر رہی تھی۔

چوچو کی اسپورٹس کار ویسٹ وڈ ڈرائیو نامی تنگ سڑک پر پہنچی اور یہاں چوچو کو جلد ہی اندازہ ہو گیا کہ جیپ اس کو ٹکر مارنا چاہتی ہے۔ بات ہی کچھ ایسی تھی۔ جیپ اس کی اسپورٹس کے بالکل پیچھے اور تقریباً مڈگارڈ سے چپکی ہوئی چل رہی تھی۔

"کم ذاتو!" چوچو نے موٹی سی گالی دی۔ اسی لمحے ایک زرد نما سے اس کی کار ٹکراتے ٹکراتے بچی، جو سامنے سے آرہی تھی۔ چوچو نے جھٹکے سے کار روک لی۔ چوچو کو یقین تھا کہ ڈرائیو شرابی ہے۔ لہٰذا اس نے بھی گاڑی روکی اور اس سے سبق سکھانے کے لیے اتر گیا۔

اس نے جونہی جیپ میں جھانکا، اسے ایسا لگا جیسے کسی نے اس کے حلق پر چھری پھیر دی ہو۔ ایک نوجوان نے اس کی گردن پر ہاتھ رکھ کر اسے بوری کی طرح اندر گھسیٹ لیا تھا۔ پھر یہ بوری دوبارہ سڑک پر گری۔ اس مرتبہ بے حس و حرکت تھی اور جیپ آگے بڑھ گئی۔

زرد مزدا میں اوشان بیٹھا ہوا مسکرا رہا تھا۔ لیری بھی خوش تھا۔

"کمال ہے ماسٹر!" اس نے اوشان سے کہا۔ "تمہارا بیٹا کمال کا آدمی ہے۔ کیا یہ غنڈہ زندہ ہوگا؟"

"نہیں..." اوشان نے دھیرے سے کہا۔ اس کی گردن کی تمام ہڈیاں کسی ٹوٹے ہوئے شیشے کی طرح ہوں گی۔ میرے بیٹے..."

یلو رنگ چوچو کی گاڑی میں تیزی سے اسکارلی کے اس محل کی طرف جا رہا تھا جس کی نشاندہی پچھلی شب لیری نے ہیلی کاپٹر سے کی تھی۔ وہ چوڑی شاہراہ سے ایک تنگ سڑک پر مڑا اور اس وقت تک گاڑی تیزی سے دوڑاتا رہا، جب تک اسے یقین نہیں ہو گیا کہ اب ویسٹ وڈ کے علاقے سے کوئی اسے نہیں دیکھ سکتا۔ پھر اس نے گاڑی روکی اور چوچو کی ڈولی سے اس کا سامان نکال کر دریا میں پھینکنے لگا۔

پھر اسے ایک چھوٹا سا پرس نظر آیا۔ اس میں ایک پرائیویٹ ٹکٹ تھا جس پر چوچو کی شناخت درج تھی۔

"ممبر اینجلز سکیورٹی سروس سان ڈائیگو"

اسی نام پر ڈرائیونگ لائسنس بھی تھا۔ اس نے اعشاریہ ۲۲ ہولسٹر میں اور کولٹ کمانڈر پتلون کی بیلٹ میں جیکٹ کے نیچے اڑس لیا۔ چوچو کے شناختی کارڈ اور جیب سے نکلا ہوا ایک کرنسی نوٹ ساتھ لے کر وہ ایک بار پھر روانہ ہو گیا۔ اس کا رخ ویسٹ وڈ کی طرف تھا۔ اسے اچھی طرح علم تھا کہ اسکارلی چوچو کو مقررہ وقت پر شرف باریابی بخشنا چاہتا ہے۔

پھر معاً ہی وہ عظیم الشان قلعہ نما محل سامنے آگیا اور تب ہی ٹائیگر کو احساس ہوا کہ حرام کی کمائی کیسے کیسے کرشمے دکھا سکتی ہے۔ یہ محل حیثیت، دولت اور قوت کی عکاسی کر رہا تھا۔ سکیورٹی کے انتظامات دلمنٹ ہاؤس کی ٹکر کے تھے اور کوئی بھی انارکی یا یم پختہ پیشہ ور شخص ان انتظامات کو ناکام نہیں بنا سکتا تھا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

للاوخ

قمر اجنالوی قیمت:=/200

بڑے پھاٹک پر پہنچ کر ٹائیگر نے گاڑی روکی اور انجن بند کر دیا۔

"تم کون ہو؟" ایک خوفناک گارڈ نے پوچھا۔

"چوچو لوگوانی۔" ٹائیگر نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔ "اسکارلی مجھ سے ملنا چاہتے ہیں۔ میں انھی کے حکم پر حاضر ہوا ہوں بڑے بھائی۔"

"شناخت کراؤ۔"

"یہ لو۔" ٹائیگر نے پرس کھول کر چوچو کا سروس کارڈ اُسے دکھاتے ہوئے کہا۔

"اور کچھ...؟" گارڈ اس کارڈ سے زیادہ متاثر نہیں ہوا تھا۔

"تم حد سے بڑھ رہے ہو۔" ٹائیگر نے مصنوعی غصّے کا مظاہرہ کیا۔

"یہ غصّہ تشدد میں بھی بدل سکتا ہے۔" گارڈ غرا کر بولا۔

"تو پھر یہ لو۔" ٹائیگر نے چوچو کے کرنسی نوٹوں کا ایک بنڈل گارڈ کے چہرے کے سامنے لہرایا۔ اس طرح جیسے اُسے لالچ دے رہا ہو۔

گارڈ اچانک ہی کسی پالتو کتے کی طرح مسکین نظر آنے لگا۔

"یس مسٹر لوگوانی۔" وہ اٹینشن پوزیشن میں کھڑا ہو گیا۔ "ازراہِ کرم اس طرف تشریف لائیے جنابِ عالی۔"

وہ پالواسکی تھا۔ وہ برسوں سے اسکارلی کی ملازمت میں تھا۔ اُسے کچھ دیر قبل ہی اطلاع ملی تھی کہ ایک کریو چیف آ رہا ہے اور یہ کہ اُس کے پاس مخصوص نشان ہوگا۔ پالواسکی کو علم تھا کہ پانچ ڈالر کا نوٹ دکھانے والا کریو چیف ہوتا ہے مگر یہ شخص تو دس ڈالر کا نوٹ دکھا رہا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ یہ سینہ کریو چیف ہے اور اس کا آپریشنل ایریا دس علاقوں پر مشتمل ہے۔

ظاہر ہے کہ وہ بہت زیادہ مرعوب ہو گیا تھا۔

اور ٹائیگر بھی یہی سوچ رہا تھا کہ اس قلعے کے دروازے کتنی آسانی سے کھل گئے۔

وہ پالواسکی کے ساتھ ایک لمبے ہال میں داخل ہوا... جو بہت اچھی طرح سجا ہوا اور روشن تھا۔

ٹائیگر سوچ رہا تھا کہ اُسے اس سنہری موقعے سے مکمل اور بھرپور فائدہ اُٹھانا چاہیے۔

اُسے مختلف پھول بھلیوں سے گزار کر پالواسکی نے سر خم کیا۔ ایک اور راستے کی طرف اشارہ کیا اور واپس چلا گیا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ ٹائیگر کو اب بغیر کسی رہنمائی کے آگے جانا ہے۔ وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا ہوا ایک لابی میں داخل ہوا۔ یہاں ایک کمرے پر مسلح گارڈ موجود تھا۔

"تشریف لائیے جناب۔" گارڈ نے ایک قدم آگے بڑھ کر اُس کا خیر مقدم کیا اور اُس کی جیب تھپ تھپانے لگا۔

"یہ زیادتی ہے بھئی۔" ٹائیگر نے شکوہ کیا۔

"میں معذرت خواہ ہوں جناب۔" گارڈ واقعی شرمندہ تھا۔ "مگر یہ یہاں کا معمول ہے۔ کیا آپ ہمیشہ دو ہتھیار ساتھ رکھتے ہیں جنابِ عالی؟"

"ہاں... کیا تمہارے حوالے کر دوں؟"

"نہیں جناب۔" گارڈ گھبرا کر ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔ "ہم صرف یہ معلوم کرنے کے پابند ہیں کہ کس کے پاس کتنے ہتھیار ہیں۔" یہ کہہ کر اُس نے دروازے پر دستک دی اور پھر ایک طرف ہٹ گیا۔ "آپ اندر تشریف لے جا سکتے ہیں جناب۔"

وہ ایک اسٹڈی میں داخل ہوا۔

اسکارلی اپنی شاندار ڈیسک کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا۔ اُس نے اسٹڈی میں داخل ہونے والے اجنبی کو بغور دیکھا۔ گلاس سے ٹھنڈے پانی کا ایک گھونٹ لیا اور فوراً ہی سائز کے چہرے سے متاثر ہو گیا۔ اُس نے اپنے اس آدمی کا ذکر تو سنا تھا مگر اس سے کبھی ملاقات نہیں کی تھی۔ اُسے دیکھتے ہی اسکارلی کے ذہن میں صرف یہی بات آئی کہ یہ پیدائشی فائٹر ہے۔ وہ سوچنے لگا کہ لاس اینجلز کی تنظیم اس جیسا آدمی کیوں تیار نہیں کر سکی؟

"لوگوانی..؟" اُس نے گلاس رکھ کر پوچھا۔

"یس سر۔" ٹائیگر ایک خاص مقصد کے تحت اپنے اس کردار کو جاری رکھنا چاہتا تھا۔ "آپ سے شرفِ ملاقات حاصل کرنے کے لیے اعلیٰ ترین اعزاز ہے۔ ڈان انجیلو آپ کا بے حد احترام رکھتا ہے اور اُس کی طرح ہم سب بھی...."

"شاندار۔" اسکارلی نے گلاس پھر اُٹھا لیا۔ ایک اور گھونٹ لے کر حلق تر کیا۔ "مجھے یقین ہے کہ انجیلو اور اُس کا خاندان خوش و خرم اور خوشحال ہوگا۔"

"جی ہاں جنابِ عالی!"

"بیٹھو... اب ہم کاروباری باتیں کریں گے۔" اسکارلی نے گلاس ایک طرف کر کے کہا۔ ٹائیگر نے اُس کے بالمقابل پڑی ہوئی کرسی سنبھال لی۔ ٹائیگر کو صرف یہی علم تھا کہ انجیلو، سان ڈانیگو کا ڈان ہے۔ لہٰذا اُس نے اسی واحد پتّے کو استعمال بھی کر لیا تھا اور اب اُس کے پاس کہنے کو کچھ نہ تھا۔ لہٰذا خاموش رہا۔ اس خاموشی کو اسکارلی احترام سمجھ رہا تھا۔

"ہاں، اب بتاؤ وہاں کیا ہوا؟" اسکارلی نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "میں نے اپنے بہترین آدمی اس علاقے کو کور کرنے کے لیے بھیجے تھے۔ تم جیسے بہترین فائٹر بھی وہاں موجود تھے۔ وہاں کیا ہوا لوگوانی؟" اسکارلی نے دونوں ہاتھ اس طرح پھیلا کر کہا جیسے بے بسی کا اظہار کر رہا ہو۔

"مسٹر اسٹین نے ہمیں اپنے سے کم از کم دو بلاک دُور رکھا تھا جناب!" ٹائیگر نے اُسے بتایا۔ "وہ اپنے دو ساتھیوں کے ہمراہ اُس مقام پر چلے گئے، جہاں ملاقات ہونی تھی۔ اس طرح ہمیں نہ صرف اندھیرے میں رکھا گیا بلکہ ہمیں یہ اجازت بھی نہیں دی گئی کہ از خود کوئی فیصلہ کر سکیں۔ لہٰذا جب ہم نے گولیاں چلنے کی آوازیں سنیں تو ہمارے پاس کوئی اور راستہ نہیں تھا۔"

"درست۔" اسکارلی نے کہا۔ یہ تقریباً وہی کہانی تھی، جو دیگر ذرائع سے اُس تک پہنچی تھی۔ "وہ ابھی تک یہ نہیں بتا سکا ہے کہ اُس نے یہ غلط حکمتِ عملی کیوں اختیار کی تھی؟"

اسکارلی کے اس ایک جملے سے واضح ہو گیا کہ اسٹین زندہ ہے اور ٹائیگر کو اس بات پر شدید حیرت ہوئی کہ اُس کے جوتے کا دباؤ کیسے اکارت گیا؟

"میرے لڑکے اب بھی یہاں موجود ہیں جناب!" ٹائیگر نے فوراً کہا۔ "اب آپ انہیں کیا خدمت سونپنا چاہتے ہیں؟"

اسکارلی ایک لمحے تک سوچتا رہا۔ "ہمیں ہر قیمت پر اُس شخص کو تلاش کرنا ہے جس نے یہ ہنگامہ برپا کر رکھا ہے۔ جب تک وہ آزاد رہے گا، کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ کیا کچھ کرتا رہے۔ مجھے تمہاری یہاں ضرورت ہے۔ کچھ اور لڑکے بلاؤ اور اس کام میں مصروف ہو جاؤ۔ تمہیں یقیناً علم ہوگا کہ ہم کل رات بڑی کھیپ سے محروم ہو گئے ہیں۔ ساتھ ہی رقم بھی ہاتھ سے گئی۔ ہم یہ سب کچھ واپس حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ میری یہ خواہش ہے کہ اُس شخص کو زندہ گرفتار کیا جائے تاکہ اُس سے حقیقت سمجھ سکیں۔"

"جو حکم۔" ٹائیگر نے خاص لہجے میں کہا۔ "آپ ہم پر مکمل بھروسا کر سکتے ہیں ڈان اسکارلی۔"

"گڈ لوائے۔" اسکارلی کا چہرہ خوشی سے سُرخ ہو گیا۔ اُس نے گلاس اُٹھا کر ایک گھونٹ لیا۔ "مجھے یقین ہے کہ ہم ایک ساتھ کام کر سکیں گے۔ تم نے کچھ کھایا؟"

"نہیں جناب! آپ کا حکم ملتے ہی میں سیدھا ادھر ہی چلا آیا تھا۔"

"تب پھر ہاؤس کیپنگ کچن میں چلے جاؤ۔" اسکارلی نے مسکرا کر کہا۔ "وہاں کک سے کہنا کہ ناشتا کرنا ہے۔ ہاؤس منیجر بھی وہیں ہے۔ تم دونوں ایک دوسرے سے اچھی طرح متعارف ہو جاؤ تو بہتر ہے۔ آگے چل کر تم دونوں کا باہمی تعاون اُس خبیث لڑکے کے خلاف مؤثر ثابت ہو سکتا ہے۔"

"یس سر۔" ٹائیگر گالی سن کر مسکرایا۔ وہ اُٹھا۔ اُس نے اسکارلی سے ہاتھ ملایا اور اسٹڈی سے نکل گیا۔

▼▼

ٹائیگر کافی پی رہا تھا۔ اُس نے بغیر شکر کے کافی پی تھی اور اُس کے اردگرد اسکارلی کے امورِ خانہ سے متعلق ملازمین تھے۔ شیپ بوریکا، ہاؤس منیجر، ٹائیگر سے تعاون کرنے کے لیے بے چین تھا۔ وہ اُسے بتا رہا تھا کہ پورے علاقے کو سیل کرنے کے لیے کتنے افراد کی ضرورت ہوگی۔ وہ اتنے زیادہ تعاون پر آمادہ تھا کہ اُس نے یہ بھی بتا دیا کہ اس محل میں کتنے لوگ موجود ہیں۔ ابھی وہ یہی باتیں کر رہے تھے کہ دو پیشہ ور غنڈے کچن ہال میں داخل ہوئے۔ انھوں نے اپنے لیے ناشتا لیا اور آپس میں باتیں کرنے لگے۔

"مجھے یقین ہے اینگی! اُس کی تلاش ایسی ہی ہے، جیسے کسی گودام میں سوئی تلاش کی جائے۔" اُن میں سے ایک نے انڈا لیتے ہوئے کہا۔

"ہاں... اور یہ بھی کہ جس گودام میں سوئی تلاش کرنی ہے، وہاں سات کروڑ تنکے بھی ہیں۔"

"کیا مطلب؟"

"ارے سمجھے نہیں؟" انڈے والے نے ہنس کر کہا۔ "لاس اینجلز کی آبادی سات کروڑ ہی تو ہے۔"

"اوہ..." دوسرا بے اختیار ہنس پڑا۔

"سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ ہمیں اُس شخص کا

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

طلیہ بھی نہیں معلوم ...“

”ہاں یہ مسئلہ ذرا پیچیدہ ہے۔“ ایک غنڈے نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ”تم نے یہ باتیں کر کے مجھے واقعی اور زیادہ اُلجھا دیا ہے، ویسے ہمیں جلدی کرنی چاہیے، ورنہ وہ کوئی اور لمبا ہاتھ مار سکتا ہے۔“

”ضرور جلدی کرو اور جولیو کے پاس پہنچ جاؤ۔ تم نے دیکھا ... اُس نے جو کچھ کیا اُس کا کیا صلہ ملا؟ اسٹین دی مین کی حالت تم دیکھ ہی چکے ہو، اگر وہ ذرا زیادہ زور سے پیر رکھتا تو اُس کی گردن ٹوٹ چکی ہوتی۔ اُس کے کان میں سوراخ ہو گیا ہے اور اب چلنے کے لیے اُسے چھڑی استعمال کرنی پڑ رہی ہے۔“

”کاش! ہمیں علم ہوتا کہ اُس کا طلیہ کیا ہے۔“ دوسرے نے کہا اور ساتھ ہی ٹائیگر کی طرف دیکھا۔ ”تمہارا کیا خیال ہے دوست؟“

”میں کیا کہہ سکتا ہوں۔“ ٹائیگر نے مسکراتے ہوئے کندھے اُچکائے۔ ”ان حالات میں صرف یہی کہہ سکتا ہوں کہ وہ کوئی بھی ہو سکتا ہے ... میں یا تم ... ہم میں سے کوئی بھی وہ ہو سکتا ہے۔“

”ہاں لیکن یہاں بہرحال داخل نہیں ہو سکتا۔“ اینگی نے قہقہہ لگا کر کہا۔ ”ویسے تم کون ہو؟“

”تم اس کا چہرہ پہچان لو۔“ شیپ لوریکا نے تقدیر یا چوچو لوگوانی آف سان ڈائیگو... اور تم لوگوں کے لیے مسٹر لوگوانی۔“

دونوں معاً ہی سنجیدہ ہو گئے۔ انھوں نے اُٹھ کر ہاتھ ملائے اور پھر گفتگو سان ڈائیگو کے واقعات اور وہاں کی تنظیم پر ٹک کر رہ گئی۔

پھر اچانک ہی باہر سے کسی کی آواز سنائی دی۔ کوئی آ رہا تھا۔ ٹائیگر کے اعصاب معاً ہی جاگ اُٹھے۔ چھٹی حس گھنٹیاں بجانے لگی اور وہ دروازے کی طرف دیکھنے لگا۔

پھر دروازہ دھڑ سے کھلا۔

ایک شخص جس کے گال سے کان تک پٹیاں بندھی ہوئی تھیں اندر آیا۔ اس کے ایک گھٹنے پر پٹیوں کے علاوہ کچھ اور نہیں تھا اور ہاتھ میں چھڑی تھی۔

وہ شاید ڈاکٹروں کی ہدایت کے برخلاف بستر سے نکلا تھا۔ اُس کی آنکھیں کمرے میں موجود لوگوں پر گڑی ہوئی تھیں اور پھر وہ آنکھیں ٹائیگر پر جم گئیں۔

اُس کا چہرہ اچانک سُرخ ہو گیا۔

★★

”تم ...“ اس کی کھرکھراتی آواز کچن ہال میں گونجی تو وہ سب حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگے۔

ٹائیگر پُرسکون تھا اور یہ سکون کسی طوفان کا پیش خیمہ تھا وہ جانتا تھا کہ اسٹین، چوچو لوگوانی کو پہچانتا ہے اور صرف یہی سن کر یہاں آیا ہے کہ چوچو موجود ہے۔ شاید وہ اتنا ذہین تھا کہ اس نے گڑبڑ کا احساس کر لیا تھا۔

”مار ... و ...“ اسٹین نے بمشکل زبان سے ٹائیگر کی طرف اشارہ کیا۔ ”وہ ... ش ... من ...“

کرائے کے ٹٹو اسٹین کو حیرت سے دیکھتے رہے، وہ یہ بھی دیکھ رہے تھے کہ اسٹین نے کس کی طرف اشارہ کیا ہے ... پھر آہستہ آہستہ اسٹین کی بات ان کی سمجھ میں آنے لگی اور ان کے ہاتھ تیزی سے ہولسٹروں کی طرف رینگنے لگے۔

مگر ٹائیگر بھی کاہل نہیں تھا۔ وہ اسی وقت چوکس ہو گیا تھا جب اسکالی نے بتایا تھا کہ اسٹین زندہ ہے ... پھر وہ تو بولتے ہوئے لمحوں کے لحاظ سے اپنی حکمت عملی بناتا تھا اُسے وہیں سے کام شروع کرنا تھا جہاں اس نے گزشتہ رات چھوڑا تھا۔

وہ پھرکی کی طرح گھوما اور اس کی وہی لات اسٹین کے سینے پر پڑی جس کے پیرتے گزشتہ شب اسٹین کو زندہ چھوڑ دیا تھا۔ اسٹین کے حلق سے ایک کریہہ چیخ نکلی۔ ضرب بھرپور تھی لہٰذا پسلیاں ٹوٹ کر دل میں گھس گئیں۔ وہ اُچھل کر دیوار سے ٹکرایا تو سر خرابوزے کی طرح پھوٹ گیا... وہ ایک دیوار کے سہارے کھڑا رہا اور پھر آہستہ آہستہ گر گیا لیکن ٹائیگر کے پاس یہ سب دیکھنے کے لیے وقت نہیں تھا کیونکہ فائرنگ شروع ہو چکی تھی۔ شیپ لوریکا کی پہلی گولی اس کے دائیں طرف سے گزری اور اس محافظ کے پیوست ہو گئی جو غلطی سے فائرلائن میں آ گیا تھا۔ اسی لمحے ٹائیگر نے دونوں ہاتھوں سے بھاری بریک فاسٹ ٹیبل اٹھائی اور شیپ لوریکا پر دے ماری۔ میز کا ایک کونا شیپ لوریکا کے سر پر اور باقی حصہ چہرے اور سینے پر لگا۔ اس کی کرب ناک چیخ ہال میں گونجی۔ اب ٹائیگر کو ان گولیوں سے بچنا تھا جو اس پر تاک کر چلائی جا رہی تھیں۔ وہ بلی کی طرح کودنے لگا۔ پھر وہ ہوا ہی طلوعی یادرچین اس پر جھپٹی۔ اس کے ہاتھ میں کھلا ہوا چاقو تھا۔ ٹائیگر ایک طرف ہو گیا۔ یادرچین اس کے سامنے آئی اور اسی لمحے تین غنڈوں کی چلائی ہوئی گولیاں یادرچین کے پیوست ہو گئیں۔ ٹائیگر اپنی جگہ سے اُڑا۔ اس کے دونوں ہاتھ برین گن والے کی گردن کے گرد حمائل ہو گئے اور وہ [illegible]

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کے ساتھ ٹوٹی تھی۔ پھر اس کا سر پختہ فرش پر اتنی زور سے لگا تھا کہ بھیجا پھٹ گیا اور ہر طرف گودا بکھر گیا۔ دوسرا غنڈہ عین اس وقت اپنی ریڑھ کی ہڈی پر ضرب محسوس کر رہا تھا جب برین گن والا گرنے کے قریب تھا پھر ریڑھ کی ہڈی ٹوٹی اور وہ بھی ڈھیر ہو گیا۔ ٹائیگر کو اب یہاں سے نکلنا تھا۔ اس کا یہ حصہ پورا ہو گیا تھا کہ وہ اسکالی کے پاس آئے گا اور ساتھیوں کو ہلاک کر دے گا۔ اس نے دروازے کا رُخ کیا۔ اچانک ہی بہت سے قدموں کی دھمک اور شور کی ... آوازیں آنے لگیں۔ دوسرے محافظ بھی ہوشیار ہو گئے تھے ... ٹائیگر کے چہرے پر سفاکانہ مسکراہٹ دوڑ گئی۔ وہ جانتا تھا کہ پیشہ ور قاتل سب سے پہلے فرار کے تمام راستے مسدود کریں گے۔ اس نے لپک کر عقبی دروازہ کھولا اور پھر اس کے دونوں ہاتھ پھیل گئے۔

ایک دیوزاد دونالی بندوق لیے ہوئے اُسے گھور رہا تھا۔

”ہیلو بے بی۔“ ٹائیگر نے مسکرا کر کہا۔ اسی لمحے اس کا دایاں گھٹنا اٹھا۔ دیوزاد نے بچنے کی کوشش کی اور پھر ٹائیگر کے دونوں ہاتھ اس کی کھوپڑی پر جم گئے۔ اب وہ کھوپڑی کو کسی فٹ بال کی طرح دبا رہا تھا۔ دیوزاد کسی میسنے کی طرح ڈکرا رہا تھا ... اس سے قبل کہ اس کی پسلیاں بند ہوتیں اس کا سر پچک گیا اور ٹائیگر کے دونوں ہاتھ خون اور غلاظت سے لتھڑ گئے۔ اس نے ہاتھوں کو لاش کی قمیص سے صاف کیا اور ایک طرف دوڑ گیا۔

اسی لمحے ایک کار سے اس پر دو فائر ہوئے مگر اپنی چھٹی حس کے باعث اس نے پہلے ہی چھلانگ لگا کر پوزیشن لے لی تھی ... دونوں گولیاں اس کے سر پر سے گزر گئیں۔ پھر ان دونوں نے بوکھلا کر اسے تلاش کرنے کے لیے سر باہر نکالا۔ ٹائیگر نے ان کی طرف چھلانگ لگا دی۔ وہ دونوں حیرت سے منہ کھولے ایک شخص کو آڑتا ہوا دیکھ رہے تھے۔ ان کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ انھوں نے گھبرا کر ریوالور سیدھے کرنے چاہے مگر آڑتا ہوا وہ آدمی ان کے سروں پر پہنچ چکا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ آگے بڑھے۔ ان کی انگلیاں بالکل سیدھی تھیں اور پھر یہ انگلیاں ان دونوں غنڈوں کے حلق پر ایک ساتھ گھسیں۔ انھیں ایسا لگا جیسے کسی نے ان کے حلق پر کند چھری پھیر دی ہو۔ دونوں کے ہاتھ بے اختیار اپنے اپنے حلق کی طرف گئے لیکن وہ اتنا لمبا سفر طے کر ہی نہ سکے۔ ہاتھ جھول گئے اور دونوں ایک طرف ڈھیر ہو گئے۔ ان انگلیوں نے حلق میں سوراخ کر دیے تھے اور سانس کا راستہ بند کر دیا تھا۔

ٹائیگر اب بہت تیزی سے بیرونی حصے کی طرف جا رہا تھا، وہ سوئمنگ پول تک پہنچ گیا۔ وہاں ایک درخت کی آڑ سے تیندوا ایک آدمی، اس کی طرف جھپٹا۔ ٹائیگر نے رفتار کم نہ کی۔ دونوں تیزی سے ایک دوسرے کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے تیندوے نما آدمی اپنے دونوں ہاتھوں میں ٹائیگر کو دبوچ کر پیس ڈالے گا۔ دور سے دیکھنے والے کو یہی نظر آتا۔

ان کا درمیانی فاصلہ کم ہونے لگا۔

تیندوے کے چہرے پر سفاکانہ مسکراہٹ ناچنے لگی۔

ٹائیگر کی آنکھیں چمکنے لگیں۔

فاصلہ اور کم ہوا اور پھر اس کے انتہائی قریب پہنچ کر ٹائیگر نے پیروں کو تدریجاً مختلف انداز میں جنبش دی۔ تیندوا یہ سمجھا کہ وہ کترا کر نکلنا چاہتا ہے لہٰذا اس نے دونوں ہاتھ پھیلا لیے لیکن اسی لمحے ٹائیگر کی کہنی اس کے پھیلے ہوئے دائیں ہاتھ سے ٹکرا گئی اور ٹائیگر آگے نکلتا چلا گیا۔

تیندوا حیرت زدہ رہ گیا۔ اس نے گھبرا کر دائیں ہاتھ کو گھورا۔ وہ کہنی سے جھکا ہوا تھا۔ تیندوے کی خوفناک چیخ نکلی اور پھر ٹائیگر کی طرف لپکا۔ اس ٹائیگر کی طرف جو خود بھی پلٹ رہا تھا۔ اس بار ٹائیگر کے دونوں ہاتھ پھیلے ہوئے تھے۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی اور دانت چمک رہے تھے۔ تیندوے نے اُچھل کر فلائنگ کک ماری چاہی مگر کک کا ضروری عمل مکمل نہ ہو سکا کیونکہ اس کی دونوں ٹانگیں فضا میں ہی تھیں کہ ٹائیگر بھی اُچھلا۔ اس نے دونوں ہیر پکڑ کر تیندوے کی طاقت اسی کے خلاف استعمال کی۔ اُسے کسی لٹھ کی طرح گھمایا اور پھر ایک درخت کی طرف پھینک دیا۔ وہ یہ دیکھنے کے لیے نہیں رُکا کہ تیندوے نما شخص کا پورا جسم درخت سے ٹکرایا اور پھر درخت بھی اسی کے ساتھ گر گیا۔

ٹائیگر سوئمنگ پول کے شیڈ میں آ کر اطراف کا جائزہ لینے لگا۔ اب اُسے مختلف مقامات پر رائفل بردار نظر آ رہے تھے۔ انھوں نے بیرونی حصے کی طرف جانے والے ہر راستے کو بند کر دیا تھا۔ اُن کے ہاتھوں میں والکی ٹاکی بھی تھے اور وہ سب پوری طرح چوکس تھے۔

ٹائیگر سوچتا رہا۔ وہ جانتا تھا کہ اگر ان میں سے کسی نے بھی اُسے دیکھ لیا تو درجنوں گولیاں اسی کی طرف آئیں گی۔ وہ مسکرانے لگا۔ ایک عرصہ بعد وہ جسم میں عجیب سی سنسنی محسوس کر رہا تھا۔

وہ شیڈ ہی میں کنول کا آسن جما کر بیٹھ گیا۔ اس نے سانس کی ایک خاص مشق کی۔ اس کا چہرہ آہستہ آہستہ انار کی طرح سُرخ ہونے لگا اور جب اس کے گال بھی جلنے لگے تو اس نے آنکھیں کھول دیں۔

پھر اچانک ہی وہ شیڈ سے نکل آیا۔ اس نے بیرونی دروازے کی طرف چھلانگ لگا دی اور ساتھ ہی قلابازی کھاتا ہوا دور تک نکل

گرا۔ ان گنت گولیاں اس کے قریب سے گزریں مگر کوئی بھی اسے نہ چھو سکی۔ وہ اسی انداز میں دوڑتا رہا۔ گولیوں کو جل دیتا رہا... اور پھر کسی نے بوکھلا کر دستی بم پھینک مارا۔

ٹائیگر کو علم تھا کہ دستی بم خطرناک چیز ہے۔ اس نے ایک اونچی چھلانگ لگائی۔ قریب والی عمارت کی پہلی منزل کی کگر اس کے ہاتھ میں آگئی اور بم اس سے بارہ فٹ نیچے پھٹ گیا۔ اب اس کے پاس مہلت تھی۔ اس نے دونوں ہتھیار نکالے اور فائرنگ شروع کردی۔ نیچے والے جو اسے ابھی تک نہتا سمجھ رہے تھے پٹاپٹ گرنے لگے۔ میگزین خالی کرتے ہی ٹائیگر نے اس عمارت کی چھت کا رُخ کیا۔ یہ دو منزلہ انیکسی تھی اور اس کے دوسری طرف بنگل تھا۔ اس سے قبل کہ وہ لوگ عمارت پر دھاوا بولتے، وہ دوسری طرف کود گیا۔ اس کے دونوں پیر ایک ساتھ زمین پر لگے اور وہ لڑکھڑائے بغیر جنگل میں روپوش ہوگیا۔

اُسے عقب میں کتوں اور خونخواروں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ وہ مسکرانے لگا۔ سیٹی بجا رہا تھا۔ اس کے قدم اب تیزی سے اُٹھ رہے تھے۔ اُسے یقین تھا کہ بنگل کے اُس پار سڑک ہے۔

اسکرین پر کاکروچ مارنے والے اسپرے کا اشتہار نظر آرہا تھا۔ کمرے میں کاکروچ بھرے ہوئے تھے اور ایک شخص جس نے نقاب پہنی ہوئی تھی اسپرے کر رہا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے کاکروچ گرنے لگے۔ کچھ اُلٹ گئے اور ان کی چلتی ہوئی ٹانگیں پندرہ ساعت متحرک رہنے کے بعد ساکت ہوگئیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے ان کی درجنوں لاشیں کمرے میں نظر آرہی تھیں۔

اشتہار ختم ہوگیا اور اس کی جگہ ایک ساکت فوٹو نے لے لی۔ یہ ایسے شخص کی تصویر تھی جو کانفرنس ٹیبل پر تھا اور جس کو بھی فیوں نے گھیر رکھا تھا۔ کیمرے نے اپنی پوزیشن بدلی اور سی بی ایس نیوز... نیویارک کے نیوز کاسٹر کی تصویر نظر آنے لگی۔

"سینیٹر مارٹن نے آج غیر معمولی اقدام کے طور پر تیاتم اور تشدد سے متعلق خصوصی سب کمیٹی کا اجلاس طلب کیا۔ اجلاس کے بعد انباری نمائندوں کو کمیٹی روم میں آنے کی اجازت دی گئی جہاں سینیٹر نے ایک پالیسی بیان دیا۔"

کیمرے کا زاویہ بدلا اور ایک نوجوان نیوز کاسٹر بیان سنانے لگا۔

"آج سہ پہر اوشام کے سنگین واقعات کے بعد ہماری کمیٹی نے لاس اینجلز کے اس کیس کو اپنی براہِ راست نگرانی میں لینے کا فیصلہ کیا ہے۔ کمیٹی کل صبح ہی کیلیفورنیا روانہ ہوگی جہاں ہم گزشتہ ایک

لاڈو

قمر اجنالوی قیمت:=/90

ماہ کے واقعات کی تفصیلی چھان بین کریں گے۔ ہمیں اس امر پر شدید تشویش ہے کہ تشدد کو اس طرح جاری رہنے کا موقع مل رہا ہے۔"

کیمرا ایک بار پھر پریس نیوز روم کے نیوز کاسٹر پر مرتکز ہوگیا۔ سینیٹر مارٹن نے یہ بھی کہا کہ ہم یہ تاثر نہیں دینا چاہتے کہ ہمیں وہاں کی مقامی انتظامیہ کی اہلیت پر کوئی شبہ ہے۔ ہم صرف یہ کہہ رہے ہیں کہ وفاقی مداخلت کا یہ ہی مناسب وقت ہے۔ خیال ہے کہ سینیٹر کو یہ فیصلہ آج علی الصباح سماعت کیلی فورنیا کے چیف ایگزیکٹو آفیسر اسکارلی کی رہائش گاہ پر ہنگامہ ہوا۔ ہجوم گروہ کے حملے کے بعد کرنا پڑا۔ ہم اس ضمن میں براہِ راست ٹیلی کاسٹ کا انتظام کر رہے ہیں۔"

دوسری طرف لاس اینجلز کا چینل تفصیلی خبر ٹیلی کاسٹ کر رہا تھا۔

"پولیس ایک نامزد سرمایہ کار پیٹر اسکارلی کے گھر میں ہونے والے ہنگامے کی تفتیش کر رہی ہے۔ اگرچہ مسٹر اسکارلی نے اپنے محل میں اس فائرنگ کی تردید کی ہے لیکن پولیس ایک لمبے دراز قد نوجوان کے بارے میں پوچھ گچھ کر رہی ہے جس نے اطلاعات کے مطابق فائرنگ بھی کی۔ تاہم سب سے عجیب بات یہ ہے کہ جہاں بعض افراد گولیوں سے ہلاک ہوئے وہیں چند کے سر بھی پھٹے ہوئے تھے۔ تین چار افراد پر ڈھ کی ہڈیاں ٹوٹنے سے مارے گئے۔ ابھی تک یہ علم نہیں ہوسکا کہ گزشتہ ایک ماہ سے جاری ان جھگڑوں کی وجہ کیا ہے اور یہ بھی اندازہ نہیں کہ آخر کون اتنی بے رحمی سے قتل کر رہا ہے۔"

"ایسا لگتا ہے جیسے تم نے اس مرتبہ کچھ زیادتی کردی۔" پروفیسر ہاسکن نے ٹی وی اسکرین کی طرف دیکھتے ہوئے ٹائیگر سے کہا۔

"زیادتی؟" اوشان نے حیرت سے ہاسکن کی طرف دیکھا اور پھر ہاسکن کو ایسا لگا جیسے اس کی پالتو بطخ کمرے میں گھس آئی ہو لیکن اس بار اس نے گھبرا کر صوفے کے نیچے جھانکنے کی ضرورت محسوس نہ کی کیونکہ وہ جانتا تھا کہ یہ اوشان کی ہنسی ہے۔ "اے یو کسی سے کیا زیادتی کرسکتا ہے۔ ناشکرا... سفید خون والا۔ وہ کوئی اور بہادر ہوگا۔ عظیم پردادا کے عظیم پڑپوتے؟"

یری نہ پھاڑے، اوشان کو دیکھتا رہا۔

"نہیں ماسٹر۔" ہاسکن نے مسکرا کر کہا۔ "کسی کے کارنامے کو اتنا ہ کے پیش کرنا میرا سب نہیں:"

"یہ بھی میرے کسی کارنامے کو خاطر میں نہیں لاتا؟" اوشان نے ہ نچا کر کہا۔ "عظیم بانگ نے ایک بار..."

"اوشان پلیز۔" ٹائیگر بڑی بے چارگی سے بولا۔ "مجھے یہ تمام ہانیاں ازبر ہوچکی ہیں لیکن پروفیسر کے صبر کا امتحان نہ لو، اور پھر کی بار ایک ہی کہانی سن کر خودکشی کرلے گا۔"

پروفیسر ہاسکن کا بلند آہنگ قہقہہ کمرے میں گونج اٹھا۔ اُسے علم تھا کہ عظیم بانگ کون ہے، وہ منایخوئی کنی نسلوں سے واقف تھا اور یہ علم اس کے خاندان میں سینہ بہ سینہ منتقل ہوا تھا۔

"عظیم پردادا کے عظیم پڑپوتے؟" اوشان نے معاً ہی سنجیدگی سے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ کشت و خون کی ساری ذمے داری انھی لوگوں پر عائد ہوتی ہے جو مارے گئے ہیں۔ یہ لڑکا تو وہاں کے حالات کا جائزہ لینے گیا ہوگا لیکن وہ اسے پکڑنے کی احمقانہ کوشش کر بیٹھے ہوں گے۔"

"ہاں یہ تو اچھا خاصا کچن میں بیٹھا کافی پی رہا تھا۔" ٹائیگر نے بچوں جیسے لہجے میں کہا۔

"کافی؟" اوشان نے غصیلے لہجے میں اس کی طرف دیکھا۔

"یس مائی فادر۔" ٹائیگر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کافی!؟" اس بار اوشان کے نتھنے پھولنے پچکنے لگے تھے۔

"زہر!!"

"نہیں مائی فادر، اس میں چینی اور دودھ نہیں تھا۔"

"آہ... کافی۔" اوشان کا غصہ اسی لمحے فرو ہوگیا۔ "گرم، خوشبودار، بغیر چینی اور دودھ کی کافی۔ سنو عظیم دادا کے عظیم پوت۔ ایک بار عظیم چوشانگ نے..."

ٹائیگر نے ایسا منہ بنایا جیسے کڑوا کسیلا خوشاندہ پینا پڑ رہا ہو لیکن وہ مجبور تھا کیونکہ ہاسکن اور لیری بہت غور سے سن رہے تھے کہ عظیم ترین چوشانگ نے کافی بنانی کس طرح سیکھی۔

ابھی عظیم ترین چوشانگ نے کافی کا مسالہ ورالاؤ سے اتارا ہی تھا کہ پروفیسر ہاسکن کے سرخ ٹیلی فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ ہاسکن اچھل پڑا۔ اس نے دوسری گھنٹی بجنے سے قبل ہی ریسیور اُٹھا لیا۔

"یس۔ ہاسکن اسپیکنگ۔" اس کا لہجہ بہت نرم تھا اور چہرہ بھی نرم ہوگیا۔ "مگر جناب وہ میرے مہمان ہیں۔" اس نے دھیرے سے کہا۔ دوسری جانب نہ جانے کون تھا اور اس نے کیا کہا تھا کہ وہ ہنس پڑا۔

اس نے ٹائیگر اور اوشان کو باری باری دیکھا اور پھر اوشان کی طرف ریسیور بڑھا دیا۔

"یہ کیا؟" اوشان نے ریسیور اس طرح پکڑ لیا جیسے کوئی مردہ چوہے کو دم سے پکڑ کر اٹھاتا ہے۔

"ریسیور۔"

"مگر اس کا کیا کروں عظیم ہاسکن؟"

"اس پر بات کرو ماسٹر۔"

"کس سے... بات تو انسانوں سے کی جاتی ہے۔ یہ تو سرخ رنگ کی بے جان لمبوتری اور بے ڈول چیز ہے؟"

اس سے قبل کہ یہ بحث آگے بڑھتی ٹائیگر نے لپک کر ریسیور تھام لیا۔

"ٹائیگر۔" دوسری طرف سے بہرام کی خشک آواز آئی۔

"فرمائیے۔" ٹائیگر کا لہجہ بھی اسی طرح کا تھا۔

"فی الحال اب تم چند روز کے لیے کوئی کارروائی نہیں کرو گے؟"

"میں اس مشن میں کسی کے حکم کا پابند نہیں ہوں سوئٹ ہارٹ۔" ٹائیگر نے تند لہجے میں جواب دیا۔ "یہ سب کچھ ذاتی ہے، خالصتاً ذاتی۔"

"نہیں۔" بہرام کا لہجہ اچانک نرم ہوگیا۔ "سنو! ہماری ذات کوئی معنی نہیں رکھتی۔ تم سرکاری مشن پر ہو اور یہ مت بھولو کہ روبی کے جس مشن کو تم آگے بڑھا رہے ہو وہ اسے سرکاری طور پر سونپا گیا تھا۔ مافیا کے خلاف یہ سب کچھ خالصتاً سرکاری ہے... سرکاری ہنگر آئین سے ماورا..."

"میں..."

"کچھ نہیں۔" بہرام نے اس کی بات کاٹ دی۔ "ٹیلی فون ماسٹر کو دو۔"

ٹائیگر نے ریسیور اوشان کی طرف بڑھا دیا۔ اس نے اس بار کوئی بحث نہ کی لیکن یہ صاف ظاہر تھا کہ وہ ٹیلی فون پر گفتگو کرنے میں کتنا کرب محسوس کر رہا ہے۔ وہ دیر تک سنتا رہا۔ اس نے کوئی لفظ ادا نہیں کیا۔ بس اس کا سر ہلتا رہا اور پھر اس نے کچھ کہے بغیر ریسیور رکھ دیا۔

"وہ ٹھیک ہی کہتا ہے میرے بچے۔" اوشان نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ اس نے جان بوجھ کر بہرام کا نام نہیں لیا تھا۔ "وفاقی مداخلت کے بعد تمہیں چند روز تک خاموش رہنا ہوگا۔"

"مگر اوشان..."

"سنتے رہو۔" اوشان نے اپنا ایک ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "تم نے ان سب کو کاری ضرب لگائی ہے۔ لاس اینجلز کی تنظیم منقوح ہو کر رہ گئی ہے۔ وہاں پائیں باغ، باغ اور سوئمنگ پول کے اردگرد لاشیں ہی لاشیں

ندیم

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

سنہری غول

اسلم راہی ایم اے قیمت -/150

"میں سب سے پہلے اسٹیک اور مارٹینی منگوانا چاہوں گا" کیلی امیر اسامنہ دو گے؟" ڈان نے ہنستے ہوئے کہا۔

"کیوں نہیں۔ بھوک تو مجھے بھی لگ رہی ہے"

"سینیٹر کل دوپہر سے قبل یہاں نہیں آئے گا" ڈان نے اسے بتایا "کیٹی پہلی ساعت اگلے ہفتے سے قبل کر ہی نہیں سکتی اس دوران میں ہم ایک دوسرے سے زیادہ بہتر طور پر واقف ہو جائیں گے میری کوشش یہ ہوگی کہ میں تمہاری تفتیش میں ٹانگ نہ اڑاؤں" ٹھیک ہے؟"

"سو فیصد" کیلی قہقہہ مار کر بولا۔

سوک سینیٹر کے قریب کئی ریستوراں اور دکانیں تھیں۔ ان سب کی تعمیر ہسپانوی انداز کی تھی۔ ٹاؤن کے درمیان ریستوران کیفے ٹوس بھی تھا اور کیلی اس جگہ واشنگٹن سے آنے والے ڈان گرگس کو لے کر آیا تھا۔ ریستوران کی اندرونی سجاوٹ بھی بیرونی ڈیکوریشن کی طرح تھی یہاں میکسیکو کے تماش کھانے ملتے تھے۔

"ہیلو..." ایک خوبصورت ویٹرس کیلی کو دیکھتے ہی ان کی طرف دوڑی چلی آئی۔ ڈان گرگس یہ محسوس کر کے سر ہلانے لگا کہ کیلی یہاں باقاعدگی سے آتا ہے۔ اس سے قبل کہ وہ کرسیوں پر بیٹھتے ویٹرس ان کے قریب آ گئی۔ انھوں نے مل کر میاں بیوی تو ویٹرس میکسیکو کی خاص زبان میں کچھ کہہ کر مسکرانے لگی۔ پندرہ لمحے بعد وہ آرڈر نوٹ کر کے لے گئی تو ڈان گرگس نے ہنس کر کہا۔ "کمال ہے یار وہ تو اس طرح دوڑی چلی آئی جیسے شہد کی طرف مکھی آتی ہے"

"اگر ایسا ہے تو شہد صرف تم ہو" کیلی نے ہنستے ہوئے کہا۔

"اچھا بتاؤ کہ کیا تمہارا محکمہ اس موقف پر اب بھی قائم ہے کہ ساری کی ساری واردا تیں صرف دو افراد کی ٹیم نے انجام دی ہیں" کیلی؟"

"ہاں۔ کم از کم میرا اور لیفٹیننٹ کا یہی خیال ہے اور اگر ہم درست ہیں تو پھر تو شخصی تشبیہ استعمال کر رہا ہے وہ ڈان کے استعمال پر سو فیصد سے زیادہ عبور رکھتا ہے اور تازہ ترین واقعے کے بعد میں یہ بھی سوچ رہا ہوں کہ وہ ہپناٹزم اور کرتب فن کا بھی ماہر ہو سکتا ہے۔ اسکارلی کے محل میں ملنے والی بعض لاشوں نے یہی کہانی سنائی ہے ایک خاص بات یہ ہے کہ وہ کبھی ایک ہی ہتھیار استعمال نہیں کرتا۔ کوئی کوٹ کمانڈر کا شکار ہوا۔ کوئی زہریلے تیر کا اور کسی کو فاسفورس بم نے جلا دیا یا پھر کسی کی ریڑھ کی ہڈی یا گردن ٹوٹ گئی۔ ویسے وہ جو کوئی بھی ہے مافیا کو اس طرح کاٹ رہا ہے جیسے کوئی مکھن پر تیز دھار چھری رکھ دے"

"ہنیبل" ڈان گرگس نے پُرسائنسی بنا کر کہا۔ "واشنگٹن میں ہم ایسی تنظیم کے لیے "منظم مجرمانہ سرگرمیوں" کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں تاکہ تم نے جس تنظیم کا نام لیا ہے۔ اس کے کارکنوں کی دل شکنی نہ ہو۔ ویسے تمہارے پسندیدہ قصاب نے شہر کے مختلف حصوں میں جگہ جگہ کوئی چھوڑی ہے۔ ہم پر واشنگٹن میں ہر قسم کا دباؤ پڑ رہا ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہی وفاقی پولیس کے لیے مناسب وقت ہے"

"میں اس موضوع پر تم سے متفق نہیں ہوں" کیلی نے جواب دیا۔ اسی اثنا میں کھانا آ گیا تو وہ ویٹرس کو دیکھ کر مسکرانے لگے۔ چند لمحوں بعد ویٹرس لچکتی ہوئی چلی گئی۔

"شاید تمہیں وفاقی پولیس والی اصطلاح پسند نہیں آئی کیلی؟" ڈان کھانے پر جھک کر بولا۔ "پھر میں اس کے لیے فیڈرل ٹاسک فورس کی اصطلاح استعمال کر سکتا ہوں"

"یہ قابل قبول ہے" کیلی نے ہنس کر جواب دیا اور پھر دونوں خاموشی سے کھانا کھانے لگے۔

کھانے کے بعد کیلی نے ٹیکن استعمال کرتے ہوئے کہا۔ "سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ ہمیں اس اجنبی کے بارے میں کچھ بھی نہیں معلوم جو مافیا... معاف کرنا منظم مجرموں کے گروہ کو ختم کر رہا ہے"

"وہ بہر حال تنہا نہیں ہو سکتا" ڈان نے اٹھتے ہوئے کہا۔ کیلی بھی پاں رکھ کر اٹھ گیا۔ دونوں دروازے کی طرف بڑھنے لگے جس سے پہلے بار پڑ رہا تھا "وہ تنہا نہیں ہو سکتا۔ آپریشن کے لیے اس نے کوئی نہ کوئی اڈہ ضرور بنا رکھا ہوگا۔ اس کے مخبر بھی کام کر رہے ہوں گے اور مجھے تو یہ بھی شک ہے کہ وہ اس وقت بھی کہیں اس پاس موجود ہوگا"

ڈان گرگس نے آخری بات محض مذاق میں کہی تھی لیکن اسے یہ علم کبھی نہ ہو سکا کہ اس نے کتنی درست بات کہی تھی۔ ان کی باتیں سن کر سفید بالوں والا ایک شخص سر ہلا رہا تھا۔ اس نے کافی کی ایک اور پیالی لی اور ان دونوں کو ریستوران سے نکلتے ہوئے دیکھتا رہا۔ یہ پروفیسر ہاسکن تھا۔

"اس کا مطلب یہ ہے کہ شیرف کے آفس میں ایک غیر جانبدار انسر موجود ہے" ٹائیگر نے یہ سب کچھ سن کر کہا۔

"کیا وہ بھی ریڈ انڈین ہے عظیم ہاسکن؟" اوشان نے سیدھے سبھاؤ پن کا مظاہرہ کیا۔

"نہیں"

"کمال ہے۔ شہزاد کا دوست یا تو کوئی ریڈ انڈین ہو سکتا ہے یا پھر سانجو کا باشندہ۔ اس کے علاوہ دنیا بھر میں کوئی بھی اس کا دوست نہیں ہو سکتا"

"ویسے واشنگٹن سے آنے والے سراغ رساں ڈان گرگس کی شخصیت بھی دلچسپ لگ رہی ہے" پروفیسر ٹائیگر نے اوشان کی بات ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکال دی۔ "اس کا مطلب ہے وفاقی مداخلت شروع ہو گئی ہے اور مہرام کی ہدایت ہے کہ ہم وفاقی ایجنٹوں سے ٹکر مول نہ لیں۔ ان سے بچ کر چلیں۔ میں چاہتا ہوں کہ وفاقی مداخلت میں اضافے سے قبل ہی یہ کھیل ختم ہو جائے۔ اس لیے ہمیں اپنی سرگرمیوں میں اضافہ کرنا ہوگا"

اوشان نے سر اٹھا کر دیکھا۔ اس وقت وہ بے شمار رسالوں سے لفظ کاٹ کاٹ کر ایک کاغذ پر چپکا رہا تھا۔ اس کے چہرے پر عجیب سی مسکراہٹ تھی۔

"مگر اس میں خطرہ بھی ہو سکتا ہے" ٹائیگر نے پروفیسر ہاسکن نے جواب دیا۔

"خطرہ ہر جگہ ہے پروفیسر" ٹائیگر بولا۔ "اور اوشان نے خطرہ سے نمٹنے کے لیے ہی تجھے تخلیق کیا ہے"

اوشان نے چونک کر سر اٹھایا اور پھر آتی ہی تیزی سے جھکا لیا۔ وہ جانتا تھا کہ اس وقت ٹائیگر جذباتی ہو رہا ہے اور ایسے وقت میں اس کا شکریہ ادا کر کے اس ایک جملے کا لطف ضائع کرنا نہیں چاہتا تھا۔

"یہ لو" اس نے موضوع بدلتے ہوئے کہا۔ "یہ تیار ہو گیا۔ تمہاری نئی حکمت عملی؟"

ہاسکن نے کاغذ کا وہ ورق ہاتھ میں لے لیا جس پر اوشان ایک گھنٹے سے کچھ چپکائے جا رہا تھا۔

"میری انگریزی اچھی نہیں۔ اگر یہ پیغام سانجو کی زبان میں ہوتا تو زیادہ زور دار لگتا۔ لیکن میری بدقسمتی یہ ہے کہ وہ لوگ انسانوں کی زبان سمجھتے ہی نہیں"

ٹائیگر بھی کاغذ پر جھک گیا۔ جہاں اوشان نے مختلف رسالوں سے حروف تہجی لے کر اس طرح چپکائے تھے کہ وہ ایک جملے بن گئے تھے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"تمہاری ہیروئن تمہیں فروخت کی جاسکتی ہے۔ قیمت ڈھائی لاکھ ڈالر سے کم نہیں ہوگی۔ میں صرف سب سے ڈیڑھ آدمی سے سودا کروں گا۔ صرف اسکارلی سے۔ بصورت دیگر سودا نہیں ہوگا اور خیال رکھو تم پر کوئی نگاہ رکھی جارہی ہے۔ تمہیں ابلد کی دوسری ہدایات بھی مل جائیں گی۔"

ہاسکن توصیفی انداز میں سر خم کرکے رہ گیا اور ٹائیگر کے چہرے پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ "ویسے مجھے یہ افسوس ہے کہ ہیروئن واپس کرنی ہوگی قادر۔"

"میں صرف ڈھائی لاکھ ڈالر چاہتا ہوں۔" اوشان نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"کس لیے؟"

"منشیات کے مریضوں کا اسپتال بنوانے کے لیے۔" اوشان نے پہلی بار سانحے کی ضروریات کا ذکر نہیں کیا تھا۔

ہاسکن ایک طویل سانس لے کر رہ گیا۔ اُن کے پاس اب تک پانچ لاکھ ڈالر جمع ہو چکے تھے اور اتنی رقم میں ایک انتہائی جدید اسپتال ضرور بن سکتا تھا۔

"اگر وہ رضامند نہ ہوئے تو؟" ہاسکن نے اوشان سے پوچھا۔

"ٹائیگر انہیں مجبور کردے گا۔" اوشان کا لہجہ بے حد سرد تھا۔ اتنا خوفناک کہ خود ہاسکن بھی پھریری لے کر رہ گیا۔

(۱۱)

دو روز بعد اسکارلی میز پر مکے مار رہا تھا اور اسی میز پر ٹائیگر کا وہ پیغام بھی رکھا تھا جو اُسے آج ہی ملا تھا۔ کاغذ پر چپکے ہوئے تروتازہ اسکارلی کو بہت خوفناک لگ رہے تھے۔

اس کی اتنی ہمت کہ وہ میرے ہی مال کو میرے ہاتھ فروخت کرنے کی پیشکش کرے۔ تم لوگ اب تک کیا کرتے رہے ہو۔ تم سے وہ ایک آدمی بھی نہیں پکڑا جاسکا۔ تم نے ہمارے خاندان کی ناک کٹوادی ہے۔"

اس نے گلاس اُٹھا کر ایک گھونٹ پانی پیا اور پھر بے چینی سے ہاتھ ہلا ہلا کر ٹہلنے لگا۔ "تمہیں میں تم لوگوں کو بھی مورد الزام نہیں ٹھہراتا وہ تو اس دفتر میں بھی گھس کر آگیا تھا۔ مجھے کتنا اچھا لگا تھا وہ۔ میں اس کا چہرہ کبھی نہیں بھلا سکوں گا۔ خیر چھوڑو۔ اب بتاؤ کہ ہم کیا کریں؟"

اس کے لیے ایک استعجابیہ کھیتی تک پیل دی جانے جناب" نیلسن نے جسے عام طور پر مگ بسٹ کہا جاتا تھا تجویز پیش کی۔ وہ لاس ویگاس کی تنظیم کا سربراہ تھا۔ اُسے قیادت ورثے میں ملی تھی۔

"ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے۔" اسکارلی نے دونوں ہاتھ پھیلا کر کہا "لیکن سب سے پہلے ...."

اسی لمحے فون کی گھنٹی بجی اور اسکارلی نے لپک کر ریسیور اٹھا لیا۔

"اسکارلی۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"ہاں۔ بولو۔" اسکارلی نے کہا۔ ساتھ ہی اس نے سر کے اشارے سے اپنے آدمیوں کو بتایا کہ اسے بس فون کا انتظار تھا۔

"کیا تم اپنا مال واپس لینا چاہتے ہو۔ کیا میں تمہیں یہ بتاؤں کہ طریقۂ کاروبار کیا ہوگا؟"

"لیکن مجھے کس طرح یقین آئے کہ میں اسی شخص سے بات کررہا ہوں، شہ زاد؟"

"میں تمہیں تمہاری عادتیں بتا دیتا ہوں۔ تم اپنی میز پر ہر وقت یخ بستہ پانی کا گلاس رکھتے ہو۔ تمہاری کرسی کے عقب والی دیوار پر پکاسو کی ایک پینٹنگ لگی ہوئی ہے اور تمہاری اطالوی یادیں روزانہ ...."

"بس بس سمجھ گیا۔ تم نے اُسے قتل کرکے مجھے بہت بڑی زک پہنچائی ہے۔ اس جیسی باورچن اب کبھی نہیں مل سکے گی۔"

"نہیں۔ اس کا قتل میں نے نہیں کیا۔ وہ تمہارے اپنے آدمیوں کے ہاتھوں غلط فہمی میں ماری گئی۔" اس کے بعد اسکارلی نے جو قہقہہ سنا وہ بہت خوفناک تھا۔ اب تمہیں یقین آگیا کہ میں وہی ہوں جو تمہارے محل کے اندر ہی نہیں تم تک بھی پہنچ گیا تھا۔"

"ہاں۔" اسکارلی صرف اتنا ہی کہہ سکا۔

"تب پھر سنو۔" ٹائیگر نے کہا۔ "ونسٹار کنٹری کلب۔ روز نو بجے رات ساڑھے گیارہ بجے۔ تنہا آنا۔ رقم ساتھ ہو تاکہ میں مال فروخت کرسکوں۔"

اسکارلی نے ہونٹ اتنے زور سے بھینچے کہ اُن کی رنگت سفید ہوگئی۔

"اس کی کیا ضمانت ہے کہ تم مجھے قتل نہیں کروگے؟" اس نے ٹائیگر سے پوچھا۔

"تمہیں؟" اسے پھر وہی قہقہہ سنائی دیا۔ اس بار مذاق کی سی آواز بھی آرہی تھی۔ اسکارلی کو یقین ہوگیا کہ اُسے کسی ایسی جگہ سے فون کیا جارہا ہے جہاں بطخیں موجود ہیں۔ "اگر تمہیں قتل کرنا مقصود ہوتا تو میں تمہیں تمہارے محل والے کمرے ہی میں قتل کردیتا اسکارلی۔ تمہیں گارڈ سے یقیناً یہ اطلاع مل چکی ہوگی کہ میرے پاس دو ریوالور تھے۔"

"ٹھیک ہے۔ یہ بات اسکارلی کے دل کو لگی تھی۔ میں ساڑھے گیارہ بجے وہاں پہنچ جاؤں گا۔"

اسی کے ساتھ لائن ڈیڈ ہوگئی۔

جب اسکارلی نے اس گفتگو کی تفصیلات بتائیں تو نیلسن بڑے جوش سے اپنے ہاتھ ملنے لگا۔

"اس بار ہم اُسے بچ کر نہیں جانے دیں گے باس۔" اس نے بڑے یقین کے ساتھ کہا۔ "میں اس علاقے سے بہت اچھی طرح واقف ہوں۔ وہاں اپنے آدمی پھیلا دوں گا۔ جھاڑیوں میں بھی ہمارے آدمی چھپے ہوئے ہوں گے اور ...."

(۱۲)

ونسٹار ایسٹریٹ ہیوسٹن ہائی وے پر ختم ہوکر روز کورین جاتی تھی۔ پھر وہ کورین اسٹریٹ کنٹری کلب کی مشرقی سرحد کی طرف گھومتی تھی۔ اس سڑک پر کئی بلند و بالا مکانات تھے۔ جن کی اکثریت کی تعمیر میں سُرخ پتھر استعمال کیے گئے تھے۔ کنٹری کلب کے گرد خوبصورت اور تراشی گئی سبز جھاڑیوں کی باڑھ تھی جس نے کلب کی ملکیت والے علاقے کو باقی شہر سے الگ کررکھا تھا۔ یہاں والکوس ڈویژن کے پولیس یونٹ گشت کیا کرتے تھے۔ اس جگہ روشنی کا بھی معقول انتظام تھا۔ ٹائیگر کو علم تھا کہ اسکارلی شب خون مارنے کی کوشش کرے گا لہٰذا وہ بھی انتظامات کے ساتھ ہی آیا تھا۔ وہ ہاسکن کی پرانی فورڈ میں آیا تھا جس کے عقب میں ہاتھا پائی کا سامان بھرا ہوا تھا۔ ابھی وہ باڑھ سے دور ہی تھا کہ اس نے گاڑی روک دی۔ اس کی آنکھیں باڑھ کا جائزہ لینے لگیں۔ فی الوقت ٹہلنے کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ اس کی نظریں باڑھ میں بنی وہ جگہ تلاش کررہی تھیں جو اگر چہ خالی تھیں لیکن ان کی کھڑکیوں کے شیشے ٹوٹے ہوئے تھے۔ وہ مسکرانے لگا۔ اس کے لیے یہ لوسیکہ غنڈوں کی طرف سے شب خون کا انتظام تھا اور وہ جانتا تھا کہ سگریٹ کے انگارے کا نظر آنا بھی اس بات کا ثبوت ہے کہ مخالف ناڈی اور غیر ضروری طور پر اعتماد کا مالک ہے۔

اس نے اپنی گاڑی میں کنٹری کلب کے تین چکر لگائے اور اس دوران میں ہر اس آدمی کی پوزیشن کا اندازہ لگا لیا جو شب خون مارنے کے لیے وہاں بٹھایا گیا تھا۔ ایک جگہ تو اس نے رُک کر کار میں بیٹھے ہوئے ایک آدمی سے ایونیو مارٹن کا بھی راستہ پوچھ لیا جو سگار سے شغل کررہا تھا۔ پھر جب سگار والے نے راستہ بتا دیا تو اس نے ہنس کر کہا۔ "تم پولیس والوں کے بھی جیٹس ہیں، کار میں بیٹھے بیٹھے سگار پی رہے ہو اور ہم ... ہم تو ہر وقت کام کرتے رہتے ہیں آفیسر۔"

پولیس والا سپاہی نہیں مافیا کا آدمی تھا لیکن جب ٹائیگر نے اُسے پولیس والا کہا تو اُسے یقین ہوگیا کہ مخالف بھی اُسے پولیس والا ہی سمجھے گا۔

وقت قریب آرہا تھا۔ ٹائیگر نے گاڑی درختوں کے ایک جھنڈ میں کھڑی کی۔ ہائی اسٹینڈرڈ پر سائلنسر لگایا۔ ایک فاسفورس بم لیا اور پھر کریپ سول کے جوتوں پر چلتا ہوا تاریک اپارٹمنٹ بلڈنگ کی گلی سے روز مور کی طرف آگیا۔ اس نے صنوبر کے ایک درخت کے قریب پوزیشن سنبھال لی۔ یہاں سے اس نے سڑک کا جائزہ لیا۔ وہ ایک بار پھر دشمن کی پوزیشن ذہن نشین کررہا تھا۔ ساتھ ہی اس نے لائحہ عمل بھی تیار کرلیا۔ اُسے اطمینان تھا کہ دشمنوں میں سے کوئی بھی اپنی جگہ سے نہیں ہلا ہے۔ اس کے بالکل سامنے وہ شخص تھا جس نے سگریٹ لوشی کی بد پرہیزی کی تھی۔ اس نے تمباکو نوشی کرنے والے ہی سے آغاز کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ وہ دبے قدموں اس کی طرف بڑھنے لگا مگر اسی لمحے کسی دوسرے کی آواز سن کر ٹھٹک گیا۔

"گولی مت چلانا یار۔ نیلسن نے حکم دیا ہے کہ اسے زندہ پکڑا جائے۔ اس کے جسم کو جتنے ٹکڑوں میں چاہو بدل سکتے ہو لیکن اس کی روح جسم سے نہ نکلنے پائے ورنہ ہمارے جسم روح سے محروم ہو جائیں گے۔"

ٹائیگر کو اس کی یہ بات بہت اچھی لگی لہٰذا اس نے سب سے پہلے یہ جملہ ادا کرنے والے ہی کو تلاش کیا۔ وہ کار کی عقبی نشست پر بیٹھا ہوا تھا۔ کوٹ کا کالر ہلکا سا کھانسا تو گولی روح اور جسم کی بات کرنے والے کے سر میں گھستی چلی گئی۔ اس کے بعد اس نے سگریٹ پینے والے کو نشانہ بنایا۔ اس بار ہلکی سی چیخ بھی بلند ہوئی۔

"اسے یہ کیا ہو رہا ہے؟" کسی نے گھبرا کر کہا۔

"وہ ہمیں نہیں دیکھ رہا ہے۔ ہمیں گولیاں مار رہا ہے۔" کسی نے گھگھیاتے ہوئے کہا۔ لہجہ روہانسا سا تھا۔ اسی وقت قدرے دور ایک گاڑی کی ہیڈ لائٹس روشن ہوئیں۔ ٹائیگر نے بڑی احتیاط سے کار کی ٹنکی کا نشانہ لے کر تین گولیاں چلائیں۔

"اسے کیا مصیبت ہے۔ کوئی کار پر گولیاں چلا رہا ہے۔ پکڑو۔"

"ادھر۔" ٹائیگر نے للکار کر کہا۔ "وہ اسی طرف آرہا ہے۔" اس نے جان بوجھ کر کہا اور یہ دیکھ کر ہی کہا کہ ایک اور کار اسٹارٹ ہو کر اس کی طرف آرہی ہے۔ پیچھے ہوئے غنڈوں نے کار کو دشمن کی کار سمجھ کر اس پر فائرنگ شروع کردی۔ کار کے اندر بیٹھے ہوئے لوگوں نے بھی باہر والوں کو دشمن سمجھ کر جواباً فائرنگ کی۔ ٹائیگر کو کافی وقت مل گیا تھا لہٰذا اس نے ولیپونی گرنیڈ نکال کر سڑک کے اس پار کار کے نیچے لڑھکا دیا۔ بم زوردار دھماکا چونداور "ہوف" کی آواز کے ساتھ پھٹا پھر کار کے اندر موجود لوگ ڈکرانے لگے۔ وہ کار سے نکلنے کے لیے ایک دوسرے سے دھینگا مشتی کرنے لگے لیکن یہی ان کی مہلک غلطی تھی۔ وہ ایک ایک کرکے باہر موجود ٹائیگر کے کولٹ کمانڈر کا شکار ہوگئے۔ مافیا کے بیشتر درجلاد اس صورتِ حال سے پوری طرح بوکھلا چکے تھے۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

انھوں نے اندھا دھند فائرنگ شروع کر دی اور یوں ان میں آپس ہی میں ٹھن گئی۔ اندھیرے اور ٹائیگر نے انھیں اندھا بنا دیا تھا۔ اسی دوران میں تیسری طرف سے بھی گولیاں چلنے لگیں۔ ٹائیگر اس طرف لپک گیا۔ اس نے کوٹ میں میگزین بھر کر وہیں خالی کر دیا اور مطمئن انداز میں واپس پلٹ دیا۔ پیچھے مقابلہ اب بھی جاری تھا۔

جب وہ گاڑی میں بیٹھا تو پیٹرول کار رطل کے سائرن کی آواز آنے لگی تھی۔ وہ صرف یہ سوچ رہا تھا کہ اسکارلی کو وعدہ خلافی اور شب خون مارنے کی کیا سزا دی جائے؟

وہ سوچ کر پکا تھا کہ اسکارلی بھاری قیمت ادا کرے گا۔

"مجھے علم ہے کہ صلاح و مشورے کا یہ طریقہ آپ تمام حضرات کے لیے الجھن کا باعث بنا ہوگا۔" اسکارلی کی ڈیسک پر رکھے ہوئے اسپیکر سے آواز آئی۔ یہ وہی آواز تھی۔ ہنرلارڈ شپ کی آواز... "لیکن مرتبہ یہی طریقہ ہمارے مفاد میں بھی ہے۔ مجھے توقع ہے کہ ہمارے غیر ملکی دوستوں کا قیام خوشگوار اور آرام دہ ہوگا۔ اب ہم رسمی باتوں کو چھوڑ کر اصل مقصد کی طرف آتے ہیں۔"

اسکارلی نے پنسل اٹھالی اور اس کی نوک دیکھنے لگا۔ دوسرے لوگ بھی پہلو بدلنے لگے۔ ان سب کے چہرے سنجیدہ تھے اور آنکھیں بجھی ہوئی تھیں۔

"مسٹر اسکارلی۔" ہنرلارڈ شپ کی آواز نرم مگر سرد تھی۔ "یہ انتہائی حیرت کی بات ہے کہ تم اپنے تمام تر وسائل استعمال کرنے کے باوجود ایک شخص کو قابو نہیں کر سکے۔ ویسے کیا تم اب بھی اپنی اس رائے پر قائم ہو کہ یہ کام صرف ایک شخص کا ہے؟"

"جی ہاں۔" اسکارلی نے قدرے بھرائی آواز میں کہا۔ "وہ ایک ہی فرد ہے لیکن پوری فوج کے برابر۔ کاش وہ ہمارے ساتھ ہوتا۔"

"اور تمھاری یہ خواہش یقیناً وہ کبھی پوری نہیں ہونے دے گا اسکارلی۔" ہنرلارڈ شپ کا لہجہ چبھتا ہوا سا تھا۔

"درست۔" ٹائیوانی تھیپی چولائی نے بھی ترش لہجے میں کہا۔ "ہم اپنے ایک آدمی سے محروم ہو چکے ہیں جس کی موت کے باعث وفاقی مداخلت ہو گئی۔ پھر ہمارا ایک آدمی زخمی ہو گیا۔ میں اس پروجیکٹ کو ختم کرنے کی رائے دوں گا۔"

"ایک منٹ۔" اسکارلی نے گھبرا کر کہا۔ "پروجیکٹ ختم کرنے کا فیصلہ اتنا آسان نہیں مسٹر چولائی۔"

"لیکن اسکارلی۔" ہنرلارڈ شپ کا لہجہ بھی تلخ ہو گیا۔ "جب تک تم لوگ اس ایک آدمی کو ختم نہیں کر دو گے اس وقت تک میرے لیے یہ ممکن نہیں کہ کاروبار جاری رکھ سکوں۔ جہاں تک میرا تعلق ہے میں ہمیشہ تعاون کرتا رہا ہوں لیکن جہاں تک میدانِ عمل کا تعلق ہے وہاں تمھیں کام دکھانا ہوگا۔ اس میٹنگ کا مقصد صرف یہ ہے کہ ہم اس شخص کو پکڑنے کا کوئی نیا منصوبہ تیار کریں۔" ہنرلارڈ شپ نے یہ کہہ کر ایک طویل سانس لی اور پھر کہا۔ "حضرات! اگر یہ آپ کے آپریشن نے ہمارے منافع بخش اڈے میں شگاف ڈال دیے ہیں لیکن ہم محاذ پر قائم ہیں۔ آپ لوگ پریشان نہ ہوں۔ ہم آپ کو تحفظ سے بچانے کے لیے مارسیلز والی پروسیسنگ فیکٹری سے برابر امداد سامان فراہم کر سکتے ہیں۔"

"بات تحفظ سے بچنے کی نہیں۔" چولائی نے ترش لہجے میں کہا۔ "میں سب سے پہلے آپریشن سکیورٹی کے بارے میں مطمئن ہونا چاہوں گا کیونکہ اگر ہمارے بارے میں کوئی بھی بات... طشت از بام ہو گئی تو عالمی سطح پر الجھنیں پیدا ہوں گی اور میرے ملک کی شہرت خراب ہو جائے گی اور جب تک وہ شخص زندہ ہے مجھے یقین ہے کہ ہمارا کوئی بھی آپریشن محفوظ نہیں۔"

اسکارلی کھڑا ہو گیا۔

"سوال یہ ہے کہ ہم سے کہاں غلطی ہوئی؟" اس نے کہا۔ "اسے احساس تھا کہ اس وقت نہ صرف تمام لوگ اس کی طرف متوجہ تھے بلکہ ہنرلارڈ شپ بھی اس کی آواز سن رہا ہوگا۔ "ایک شخص اتنے بڑے شہر اور اتنی زیادہ آبادی میں آرام و سکون سے پوشیدہ رہتا ہے لیکن ہمیں یہ بھی علم ہے کہ وہ صحرا کو پسند کرتا ہے۔ صحرا میں رہنے والوں کی وضع قطع بالکل مختلف ہوتی ہے جبکہ ہر سعادمی شہری وضع قطع کے لوگ ہیں۔ میری تجویز یہ ہے کہ اس بار اس کے خلاف جو کارروائی کی جائے اس میں ہر شخص کا حلیہ صحرا نشینوں کی طرح ہونا چاہیے تاکہ ہمارے لوگ اس کی نظر میں نہ آسکیں اور ہمارے لوگوں کو اسے تلاش کرنے میں وقت اور مہلت بھی مل سکے۔ اس سلسلے میں آپ کی منظوری ضروری ہے مائی لارڈ۔"

"منظوری دی جاتی ہے۔" ہنرلارڈ شپ کی آواز آئی۔

"میں انھیں آمد و رفت کے لیے صحرا میں استعمال ہونے والی گاڑیاں بھی فراہم کر دوں گا۔" اسکارلی نے پُرجوش آواز میں کہا۔ "گرو کو وہاں صحرا میں کام کرنے والوں کے حلیے میں لے جایا جائے گا۔ یہ تاثر دیا جائے گا کہ یہ لوگ صحرا میں کام کرنے کے لیے داخل ہوئے ہیں۔"

"کیا تم نے اس منصوبے کی جزئیات کا بھی جائزہ لے لیا ہے؟" چولائی نے پوچھا۔

"ہاں۔" اسکارلی نے سینہ تان کر جواب دیا۔ "ہم ایک ہفتے کے اندر اندر اس مسئلے کو بڑی آسانی سے نمٹا دیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔ مگر اس دوران شپ ایمنٹ روک دی جائے کیونکہ اس کی سکیورٹی کا مسئلہ باقی رہے گا۔" چولائی نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"سکیورٹی۔" اسکارلی نے منہ بنا کر کہا۔ "مجھے زیادہ خطرہ سینیٹر مارٹن کی طرف سے ہے۔ وہ ہمارے پروگرام ناکام بنا سکتا ہے۔"

"منٹو۔" چند لمحوں تک کی مکمل خاموشی کے بعد ہنرلارڈ شپ کی آواز سنائی دی۔ "میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ ہمیں اس قسم کے چھوٹے موٹے مسائل سے فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں ہے ہم نچلی سطح تک محفوظ ہیں۔ میں یقین دلاتا ہوں کہ سینیٹر ایسی کسی تفتیش کے جھگڑے میں ملوث نہیں ہوگا جس میں ہم ملوث ہوں گے میرا خیال تو یہ ہے کہ وہ اپنی ساری توجہ مسٹر شہزاد پر مرتکز رکھے گا۔"

◻

پروفیسر باسکن لاس اینجلز کے [illegible] دورے سے واپس آیا تو ٹائیگر [illegible] گاہ کے لان سے نکل رہا تھا۔

"ابھی واپس آئے ہیں پروفیسر۔ سوئمنگ نہ کی تو اوشان رات تک بھیجا لکھا جائے گا۔" اس نے مسکرا کر کہا اور باسکن بھی قہقہہ لگا کر اندر چلا گیا۔ ٹائیگر نے قریب ہی بنے ہوئے مصنوعی تالاب میں چھلانگ لگائی جس کو پہاڑوں کے خفیہ سوتوں سے پانی فراہم ہوتا تھا اور نتیجتاً اوشان یہ پانی دنیا کی تمام خباثتوں سے پاک تھا... ٹائیگر نے تالاب کے اندر بیس چکر لگائے اور پھر زیرِ آب بیٹھ گیا۔ چند ہی لمحوں میں اپنا ذہن روشن ہوتا محسوس ہوا اور اس کا ذہن میں پل بھر کے لیے وہ شبیہہ نمودار ہوئی جسے وہ دیکھنے کے لیے وہ روزانہ تالاب کا رُخ کرتا تھا۔ یہ روبی کی شبیہہ تھی۔ مسکراتی کھلکھلاتی روبی کی... اور پھر تصویر اس طرح غائب ہو گئی جیسے سلیٹ سے چاک کا نشان مٹا دیا جاتا ہے۔ اس نے مشق ختم کی اور اوپر آگیا۔ اس وقت اس کا چہرہ سنجیدہ اور تین تھا۔ بالوں سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ وہ اندر گیا۔ تولیہ لے کر جسم خشک کیا، کپڑے پہنے اور باہر کے کمرے میں چلا آیا۔ جہاں اوشان اور باسکن موجود تھے۔

"تمھیں معلوم ہے کہ سینیٹر مارٹن رہوڈز میں اسکالر رہ چکا ہے۔" اس نے پُرجوش لہجے میں ٹائیگر سے پوچھا۔

"[illegible] ٹائیگر نے منہ بنا کر کہا۔ "ہم سیاست [illegible]

"دیکھا۔ میں نے کہا تھا نا کہ یہ نرا جاہل اور جاہل ہے عظیم پردادا کے عظیم پوتے۔" اوشان بھڑک اٹھا۔ "عظیم شی یانگ نے کہا تھا کہ اَن پڑھ اور جاہل لوگ..."

"کسی ماسٹر کے شاگرد نہیں ہوتے اور اگر انھیں کوئی شاگرد مل جائے تو وہ ماسٹر نہیں ہوتا۔" ٹائیگر نے شوخ لہجے میں جواب دیا جس پر باسکن کا بلند آہنگ قہقہہ ہال میں گونج اٹھا لیکن اس قہقہے کے باوجود لفظ "ناشکرا" ہضم نہ کر سکا۔

"بہرحال۔" باسکن نے سنجیدہ ہوتے ہوئے کہا۔ "مارٹن نے چھ سال لندن میں گزارے ہیں۔ وہ وکیل سے زیادہ ماہر قانون ہے۔ اس نے اسکاٹ لینڈ یارڈ اور امریکی پولیس کے طور طریقوں، ضابطہ کار اور طریقہ کار پر ایک تقابلی مقالہ بھی لکھا تھا۔ میرا خیال ہے کہ وہی ہمارا سب سے بڑا مدمقابل ہے۔ دو روز قبل لاس اینجلز آکر بیورلے ولشائر ہوٹل میں مقیم ہے۔ اس نے آج صبح ایک پریس کانفرنس سے خطاب بھی کیا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ اس کے آدمیوں نے اتنی شہادتیں اور اطلاعات جمع کر لی ہیں کہ وسط ہفتہ تک کیٹی سماعت شروع کر سکتی ہے۔"

"اس کا علم تو ٹی وی سے ہی ہو گیا تھا پروفیسر۔ لیں اس کا ٹھرا نمبر نہیں معلوم۔"

"سوٹ نمبر گیارہ سو تین۔ کھڑکیاں سنچری سٹی پلازہ کی طرف کھلتی ہیں۔ اس کا تعلق بنیادی طور پر کن کنٹک سے ہے۔"

"اور اداکاری بھی کر تا ہے؟" اوشان نے دلچسپی لیتے ہوئے دریافت کیا۔

سیاست میں۔" باسکن نے مسکرا کر کہا۔ "اس نے نستعلیق لہجے اور زبان پر نہ جانے کہاں عبور حاصل کیا ہے۔ بالکل ایسا لگتا ہے جیسے کسی قدیم شاہی خاندان سے تعلق رکھتا ہو۔ ویسے میرا اپنا خیال یہ ہے کہ اس قسم کا ذہین بلکہ فطین شخص ہمارے لیے زیادہ بڑا خطرہ ہوتا ہے۔"

"نہیں۔" اوشان نے سنجیدگی سے تقدیہ دیا۔ "وہ وارنٹ لے کر ہمارے خلاف لڑے گا جبکہ اسکارلی بغیر وارنٹ کے ہم پر گولیوں کی بوچھاڑ کر دینا چاہے گا۔ ایک زمانے میں عظیم لی یانگ پر بھی ایسے ہی دشمن نے بغیر کسی قانونی جواز کے حملہ کیا تھا تو..." اوشان کی نظر معاً ہی ٹائیگر پر پڑی اور وہ سُنا ہو کر رہ گیا کیونکہ ٹائیگر کے چہرے پر ایسے تاثرات تھے جیسے اس کے پیٹ میں شدید درد ہو رہا ہو۔ "ناشکرا کہیں کا!" اوشان نے زیرِ لب بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

"ہاں! ایک اور اہم بات معلوم ہوئی ہے۔" باسکن نے اُن کی

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

بھی ہے سنگروہ ہتی بن گئی ہے۔ اس نے کئی مظاہروں اور امن کے لیے جلوسوں میں حصّہ لیا ہے۔ دونوں میں گزشتہ دو سال سے بات چیت بند تھی اور اب وہ لڑکی کسی ہپی کمیون میں رہتی ہے۔"

ٹائیگر نے مسکرا کر کہا۔ "اس کا مطلب ہے کہ وہ بالغ ہو چکی ہے۔ اچھا یہ تو بتائیں کہ سینیٹر کے آدمی آپ کے آگے پیچھے تو نہیں تھے پروفیسر؟"

"نہیں، ویسے زیادہ دُور بھی نہ تھے۔ اگر سینیٹر کا تجزیہ میں عام حالات میں کرتا تو صرف اس نتیجے پر پہنچتا کہ وہ یہ سب کچھ محض سیاسی طاقت حاصل کرنے کے لیے کر رہا ہے۔ تاہم اب حالات بالکل مختلف ہیں لہٰذا تجزیہ بھی مختلف ہی ہوگا۔" ہاسکن یہ کہہ کر خاموش ہو گیا اور اوشان اپنی چھدری داڑھی میں انگلیاں پھیرنے لگا۔ وہ سب ایک ہی نتیجے پر پہنچ رہے تھے۔

۲۲

وہ صحرائی جیپوں میں صحرا میں داخل ہوئے۔ ان کے ساتھ فور وہیل ڈرائیو ٹرک، وین اور ویگنیں بھی تھیں۔ وہ اگرچہ صحرا نشینوں کے بھیس میں تھے لیکن پھر بھی ان سے باہمی مختلف نظر آ رہے تھے اور یہ بات ان کے چہروں سے عیاں تھی کہ وہ ان کپڑوں کے عادی نہیں۔ ان کے چہروں پر صحرائی باشندوں جیسی چمک نہیں تھی۔ اُن کی رنگت تانبے کی طرح نہیں تھی، وہ سُرخ و سفید تھے اور اُن کی آنکھوں سے صحرائی معصومیت کے بجائے شہروں کی شیطانیت جھلک رہی تھی۔ اسی لیے وہ صحرا میں کام کرنے والے مزدوروں سے بالکل الگ تھلگ نظر آ رہے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ ٹائیگر، ہاسکن اور اوشان کی نظروں سے چھپے نہ رہ سکے اور یہ مثلث ایک بار پھر کاری ضرب لگانے کی منصوبہ بندی کرنے لگا۔ پروفیسر ہاسکن علی الصباح اُن لوگوں کی ٹوہ میں اپنی کمیں گاہ سے قدرے دور آباد بستی "بھوت نگر" کے واحد جنرل اسٹور میں چلا آیا اور اندر داخل ہوتے ہی اُسے اندازہ ہو گیا کہ تین افراد اسی گروہ سے تعلق رکھتے ہیں جو ہر قیمت پر ٹائیگر کو پکڑنا چاہتا ہے۔ یہ لوگ بڑی بے چینی سے اِدھر اُدھر دیکھ رہے تھے اور ان کا مقصد یقیناً ٹائیگر یا اس کے کسی آدمی کی تلاش تھی۔ اُن کی باتوں سے بھی ظاہر تھا کہ وہ کسی ریڈ انڈین کی بھی تلاش میں ہیں لیکن انھیں یہ علم نہ تھا کہ وہ ریڈ انڈین ان سے چند قدم دور ہی بیٹھا ہوا چاول خرید رہا ہے۔

ٹائیگر کے اعتراضات کے باوجود اوشان ہی کی چلی۔ اس نے ہاسکن سے تفصیلات سُننے کے بعد دو ٹوک انداز میں کہا تھا کہ اب مرحلہ کار سے نجات حاصل کرنے کا وقت آ گیا ہے۔ ٹائیگر اتنی ابھی کار سے ہاتھ دھونا نہیں چاہتا تھا لیکن اوشان کا یہی کہنا تھا کہ فضول قسم کی مہم جوئی ان غیر سرکاری سرگرمیوں میں مناسب نہیں۔ وہ کم وقت جن کی نسل کا مجھے ابھی تک کوئی علم نہیں، مرحلہ کار دیکھ کر اس اڈے تک پہنچ جائیں گے اور میں یہ نہیں چاہتا کہ عظیم پردوا کے عظیم ٹرانسپورٹ کی اس عمارت کو نقصان پہنچے۔

"میں بھی آپ سے متفق ہوں ماسٹر۔" ہاسکن نے فوراً کہا۔

"میں گاڑی صحرا میں کہیں دور لے جا کر چھوڑ آؤں گا۔"

"پیدل؟" ٹائیگر نے حیرت سے بوڑھے کو دیکھا۔ "میرا مطلب ہے پیدل واپس آئیں گے؟"

"ہاں کیوں نہیں۔ میں اس صحرا میں پیدل چلنے کا معقول تجربہ رکھتا ہوں ٹائیگر۔" ہاسکن نے مسکرا کر جواب دیا۔ "میں یہ چاہتا ہوں کہ دشمن کو یہ کار کسی دوسری جگہ ملے اور وہ ہماری کمیں گاہ کے بارے زیادہ اُلجھن کا شکار ہو جائے۔ مجھے ایسی کئی جگہیں معلوم ہیں جو اس مقصد کے لیے سود مند ثابت ہو سکتی ہیں۔"

"تب پھر میں کار کے اندر ان کے لیے ایک تحفہ بھی رکھنا چاہوں گا۔" ٹائیگر نے کہا۔

"مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" ہاسکن نے جواب دیا۔ "ماسٹر کی کیا رائے ہے؟"

"اگر اس تحفے سے نکلنے والی آواز کمزور ہوئی تو مجھے یقیناً اعتراض ہو گا۔"

"ٹھیک ہے۔" ہاسکن نے قہقہہ لگا کر کہا۔ "آواز اتنی زور دار ہونی چاہیے کہ میں کار سے دور ہونے کے باوجود سن لوں اور مجھے یہ علم بھی ہو سکے کہ وہ کار کو کس طرف لے گئے ہیں۔ کیا تم نصف گھنٹے کے اندر اندر اپنا تحفہ کمار کا نصب کر سکتے ہو؟"

"کیوں نہیں!"

تین گھنٹے بعد اور تیرہ میل دُور ہاسکن صحرا میں پیدل چلنے کے تجربے کی پہلی ناکامی سے دوچار ہوا۔ یہ محض لاعلمی کی بات تھی وہ کار چھوڑ کر کمیں گاہ کی طرف ایک ایسے راستے سے روانہ ہوا جو ایک جال تک لے گیا۔

ہاسکن نے سُرخ کار میں بڑی مہارت کا مظاہرہ کیا تھا۔ اس نے تعاقب کرنے والوں کو بڑی کامیابی سے چکمہ دے کر کار ایک ناکارہ کان کے قریب چھوڑ دی تھی۔ وہ کار چھوڑ کر تقریباً ڈیڑھ میل پیدل پہنچا تھا کہ گاڑی مافیا والوں کو نظر آ گئی اور جونہی انھوں نے اس کا اسٹارٹ کیا ہاسکن کو اس کے دھماکے کی وجہ سے اس کا اندازہ ہو گیا۔ وہ ریت اور دھوئیں کا ایک غبار نما منظر آیا اور زمین بھی پل بھر کے لیے اس طرح لرزی جیسے زلزلہ آ گیا ہو۔ ٹائیگر نے واقعی کوئی طاقتور بم رکھا تھا۔ کار کے اندر موجود دو اور دیگر دکھڑے چھ افراد اس بم کی نذر ہو چکے تھے۔ پروفیسر کو بھی اس کا یقین تھا اور یہی وجہ تھی کہ وہ مسکرا رہا تھا۔

اس نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور تیزی سے ان پہاڑیوں کی طرف جانے لگا جن کی گھاٹیوں سے گزر کر اپنے اڈے تک پہنچ سکتا تھا۔ لیکن ابھی وہ پوری گھاٹی میں داخل ہی ہوا تھا کہ اچانک تین مسلح غنڈے اس کی راہ میں حائل ہو گئے۔ ان کا تعلق اسی گروپ سے تھا جو سکارلی کے منصوبے کے مطابق یہاں پہنچا تھا۔ انھوں نے ہاسکن کو فوراً دبوچ لیا۔ وہ اُسے تقریباً گھسیٹتے ہوئے اس جگہ لے گئے جہاں نیلسن نے اپنی کمانڈ پوسٹ بنا رکھی تھی۔

نیلسن نے قیدی کو گھور کر دیکھا۔ "تم کون ہو؟"

ہاسکن نے اردگرد کھڑے ہوئے مسلح افراد کا جائزہ لیا اور پھر چہرے پر صحرائی لومڑی جیسی معصومیت سجا لی۔ "کیوں۔ تم سے کیا مطلب میرے بھائی؟"

لیکن ہاسکن نیلسن کو غلط سمجھا تھا۔ اس کے جوابی سوال کا جواب اُسے ہاتھ کے تھپڑ سے ملا۔

"باس کو جواب دو!" ایک اور شخص نے عقب سے کمر پر دو مکے مار کر کہا۔

پروفیسر ہاسکن غصّے سے تلملا کر رہ گیا لیکن وہ جانتا تھا کہ غصّہ حالات کو مزید خراب کر دے گا۔ وہ پے در پے چیرگیوں سے بھی بچنا چاہتا تھا۔

"ایک بار اور پوچھوں گا بوڑھے۔" دائیں طرف کھڑے ہوئے خونخوار آدمی نے کہا۔ "تم کون ہو اور ہمارے کیمپ کے اردگرد کیوں منڈلا رہے تھے؟"

"میں..." ہاسکن نے سر جھٹکتے ہوئے کہا۔ "میں اردگرد منڈلا نہیں رہا تھا مسٹر۔ میں ہائی وے تک جانے کے لیے ہمیشہ یہی راستہ اختیار کرتا ہوں۔ یہ میرا معمول ہے!"

"اور تم ہائی وے کیوں جاتے ہو یا کہاں سے ہائی وے تک جاتے ہو؟" نیلسن نے پوچھا۔

"اس سے تمھیں کوئی دلچسپی نہیں ہونی چاہیے۔"

"میں اپنی دلچسپیاں پیدا کر لیتا ہوں۔" نیلسن نے غرا کر پروفیسر ہاسکن کی تیسیں کا اگلا حصّہ پکڑ کر اُسے اپنی طرف کھینچ لیا۔ "تمھارے سوالوں کا سیدھی طرح جواب دو۔ ورنہ تمھیں صحرا سے نکال دیں گے۔"

"نہیں۔" پروفیسر نے دانت پیستے ہوئے کہا۔ "میں ان صحراؤں سے محبت کرتا ہوں۔ میں نے اپنی زندگی کے پچاس سال یہاں گزار دیے ہیں۔ یہاں میرا اپنا گھر ہے۔ میں ان پہاڑیوں اور صحرا کی ریت سے محبت کرتا ہوں۔ تم مجھے یہاں سے نہیں نکال سکتے۔"

ایک اور تھپڑ کی وجہ سے پروفیسر کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"بوڑھے، میرے سوالوں کا ٹھیک ٹھیک جواب دو ورنہ زندہ درگور کر دوں گا۔" مگر اس سے قبل کہ پروفیسر کچھ کہتا نیلسن اور اس کے دونوں غنڈے اس پر ٹوٹ پڑے۔ ہاسکن بلند ہی بے ہوش ہو گیا۔

★★

ساڑھے تین بجے تک ہاسکن واپس نہ آیا تو ٹائیگر بے چینی محسوس کرنے لگا۔ اوشان کے چہرے پر بھی سنجیدگی تھی۔ اُسے سب سے زیادہ پریشانی یہ تھی کہ صحرا کسی کے دوست نہیں ہوتے۔ وہ صحرا کی بے وفائی اچھی طرح جانتا تھا۔ ٹائیگر کو یہ خدشہ تھا کہ کہیں ہاسکن کا ٹکراؤ سکارلی کے آدمیوں سے نہ ہو گیا ہو۔ یہ بات زیادہ قرینِ قیاس تھی کیونکہ وہ لوگ پہلے اس کی تلاش میں تھے۔

پون گھنٹے بعد اس نے ہاسکن کی تلاش میں نکلنے کا فیصلہ کیا۔ اس نے چمپت خاں کی پتلون پہنی، فل بوٹ پہنے اور ہاسکن کے کیرج سے جیپ نکال کر چل دیا۔ جیکٹ کے نیچے اعشاریہ ۵ بم جھول رہا تھا۔

دو گھنٹے بعد جب اس کے خدشات درست ثابت ہوئے تو وہ مزید سامان لینے کے لیے کیمں گاہ میں واپس چلا آیا۔ اس نے ایک گھاٹی میں اُن کا کیمپ دیکھ لیا تھا اور وہیں اُسے پتا چل گیا تھا کہ ہاسکن قیدی ہے۔ اس نے کوئی فوری کارروائی کرنے سے اس لیے گریز کیا کہ اُسے دیکھتے ہی مافیا والے یہ یقین کر لیں گے کہ پروفیسر اس کا ساتھی ہے اور وہ اُسے فوراً ہی مار ڈالیں گے۔ تاخیر میں ایک خدشہ یہ تھا کہ وہ پروفیسر ہاسکن پر تشدد کر کے اس سے اوشان اور خود ٹائیگر کے بارے میں بہت کچھ اگلوا لیں گے۔ وہ صرف توقع کر سکتا تھا کہ ہاسکن اتنا کم ہمت ثابت نہ ہو کہ مافیا کے مخصوص انداز تشدد کے سامنے ہار مان جائے۔

وہ زیرِ زمین کیمراتی میں جیپ سے اُترا تو اوشان وہاں اس کا منتظر تھا۔ اس نے ٹائیگر کے چہرے کو ایک نظر دیکھا اور سب کچھ سمجھ گیا۔ "ٹھیک ہے شہزاد، تم یہیں ٹھہرو۔ میں ہاسکن کو واپس لینے جا رہا ہوں۔"

"نہیں۔" ٹائیگر کا لہجہ دو ٹوک تھا۔ "میں خود جاؤں گا اوشان۔ میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ میری غیر موجودگی میں اس کیمں گاہ پر حملہ ہو تو وہ ناکام ہو جائے۔ ہمارے آئندہ کے مشنوں میں یہ کیمں گاہ بہت

ندیم
Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کام آئے گی۔"

"ٹھیک ہے لیکن تم وہاں دست بدست لڑائی سے گریز کرو گے۔"

"وہ کیوں؟" ٹائیگر نے حیرت سے اوشان کی طرف دیکھا۔

"اس لیے کہ تم سو فیصد فٹ نہیں ہو اگر تم سو فیصد فٹ ہوتے تو گھاٹی سے ہی کیمپ پر حملہ کر چکے ہوتے تمہاری واپسی ہی اس بات کا ثبوت ہے کہ تم فٹ نہیں ہو۔"

ٹائیگر یہ سن کر شدید غصے کے انداز میں اوشان کو دیکھنے لگا۔

اوشان کو اس بات کا اندازہ تھا کہ ٹائیگر دو بدو جنگ میں اگر فوری طور پر ملوث ہو گیا تو پروفیسر ہاسکن کی زندگی خطرے میں پڑ جائے گی۔ لہٰذا اس نے ٹائیگر کو سختی سے ہدایت کی تھی کہ شب خون کا انداز اختیار کرے۔ اس سے اس کا واحد مقصد یہ تھا کہ مافیا والوں کو حالات کا علم اس وقت ہو جب ٹائیگر ہاسکن کو لے کر وہاں سے نکل کھڑا ہو۔

دوسری طرف ٹائیگر بھی اب عجلت میں تھا۔ اُسے یہ بات اچھی طرح معلوم تھی کہ مافیا تشدد کے کون سے بھیانک طریقے اختیار کرتی ہے... بعض اوقات تو شکار کی کھال تک کھینچ لی جاتی ہے اور بعض اوقات جسم سے گوشت ٹکڑے ٹکڑے کر کے اُتار لیا جاتا ہے۔ وہ ہاسکن جیسے نرم خو اور مہربان شخص کو اس قسم کے تشدد کا شکار نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔ اُسے یہ بات معلوم تھی کہ ہاسکن نے ہیرام کی مخالفت کے باوجود انھیں اپنا اڈا استعمال کرنے کی اجازت دی ہے۔ اُسے ہر قیمت پر طوری کی کارروائی کرنی تھی۔ مسئلہ صرف یہ تھا کہ اوشان کی واضح ہدایت پر کس انداز میں عمل کیا جائے؟ وہ اس ہدایت کا احترام کرنے پر مجبور تھا کیونکہ یہ ہدایت سنجیدہ اوشان نے دی تھی لہٰذا یہ ماسٹر آف مناٹو کی ہدایت تھی۔

تب ہی اس کے اندر کا چھپا ہوا چھاپہ مار بیدار ہو گیا۔

اُس نے تاریکی میں کام کرنے کا فیصلہ کیا۔ وہ تیزی سے ہاسکن کی لیبارٹری میں گیا۔ وہاں سے اُس نے دو جنوں اقسام کی ڈارٹس، خاصل ٹیسٹر اور پستول لیا پھر اپنے کمرے میں آ کر اس نے ہلکے کپڑے اُتارے اور رات کے مشن کے لیے مخصوص سیاہ لباس پہن لیا۔ اُسے احساس تھا کہ وہ جن لوگوں کے خلاف جا رہا ہے، وہ بھی اسی قسم کا لباس پہنتے ہیں۔ اُس نے اعشاریہ ۹ ایم کی بیجانے بالی اسٹینڈرڈ لیا، پستول اور کاربائین میں سائلنسر لگائے اور جب تیار ہو کر ہال میں آیا تو وہاں اوشان کھانا تیار کر کے لا رہا تھا۔ ٹائیگر کے چہرے پر عجیب سی مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"لو، ہاسکن نے مجھے اجازت دے رکھی ہے کہ جب چاہوں، بطخ کھا لوں۔ یہ بابلی بطخ کھا شوبہ اور چاول۔"

ٹائیگر کو واقعی بہت زور کی بھوک لگ رہی تھی لیکن وہ جانتا تھا کہ اُسے کم سے کم کھانا چاہیے۔ اس نے اطمینان سے کھانا کھایا... اور پھر اوشان کی طرف دیکھے بغیر باہر نکل گیا۔

اب زیریں گھاٹیوں میں تاریکی پنجے گاڑنے لگی تھی اور وہ ایک بلند ٹیلے پر کھڑا ہوا اطراف کا جائزہ لے رہا تھا۔ اُس کی آنکھیں اندھیرے میں مافیا کے کیمپ میں سنتریوں کو تلاش کر رہی تھیں۔ اب تک اُسے صرف چند سنتری نظر آئے تھے اور ان کے درمیان کافی فاصلہ تھا۔ وہ مطمئن انداز میں سر ہلانے لگا پھر ایک بڑے پتھر سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا... اُسے مناسب وقت کا انتظار تھا۔ اُس نے آنکھیں بند کر لیں۔ وہ جسم و ذہن کو حملے کے لیے تیار کر رہا تھا۔

پھر وہ بیدار ہو گیا۔ اُس کے اندرونی الارم نے اُسے نصف شب کا احساس دلا دیا تھا۔ وہ بیدار ہوتے ہی اونچائی کی طرف بڑھ گیا... ایک گھنٹے بعد اُس کی بصارت شب پہلی مرتبہ پوری طرح کام کر رہی تھی۔ اُس نے جلد ہی اُن چھ محافظوں کو دیکھ لیا جو اب اپنی پوزیشن میں قدرے تبدیلی کے ساتھ کھڑے ہوئے تھے۔ اُس نے کیمپ پر ایک بھرپور نظر ڈالی اور پھر کیمپ کی طرف بڑھنے لگا۔ اُس کا انداز کسی ایسے شیر کی طرح تھا جو شکار کو دیکھ کر اُس کی گردن بھنبھوڑنے کے لیے تیار ہو۔

اب اُس کا اور دو سنتریوں کا فاصلہ محض ایک میٹر تھا۔ وہ گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔ اُسے یقین تھا کہ تاریکی میں چھپے ہوئے سنتری اُسے خود ہی حملے کی دعوت دیں گے۔

اور یہی ہوا۔

ایک سنتری نے سگریٹ سلگائی۔ شعلہ نظر آیا اور پھر جب شعلہ بجھ گیا تو انگارہ دعوتِ مرگ دینے لگا۔

بے زبان اعشاریہ ۲۲... ایک بار کھانسا، دوسری مرتبہ کھنکارا اور تیسری مرتبہ کراہا... پھر گوشت میں گولی لگنے کی آواز اُس نے سُنی۔ اُس کی سماعت بھی پوری طرح کام کر رہی تھی۔ سنتری کی راہ سنائی دی اور ایک سنتری راہ سے ہٹ گیا... پھر اچانک ہی اُسے اپنے بائیں طرف ہلکی سی آواز سُنائی دی۔ "ارے... کیا ہوا؟"

ٹائیگر بُرا سا منہ بنا کر رہ گیا۔ اُسے علم تھا کہ آواز کے ٹوٹنے پر گولی کی آواز سُنائی دیتی ہے اور اعشاریہ ۲۲ کی یہی بے وفائی اُسے پسند نہ تھی۔ اعشاریہ ۲۲ کو تو خاموش رکھا جا سکتا تھا مگر خود گولی خبر دیتی تھی۔ اسی باعث وہ کاربائین کے استعمال میں محتاط تھا لیکن اس کا استعمال پروفیسر کو بحفاظت نکالنے کے لیے ناگزیر تھا۔ اُس نے ایک پل بھی ضائع نہ کیا اور پلٹ کر بائیں طرف گولی جھونک دی۔ گولی صرف آواز کے نشانے پر چلائی گئی تھی مگر کارگر ثابت ہوئی اور کسی جسم کے گرنے کی آواز سُنائی دی۔

دو محتاط انداز میں [illegible] اُس کے کان ہلکی سی آواز بھی سُننے کے لیے تیار تھے۔ وہ سنتری کی کراہ پر دوسروں کا ردِعمل جاننے کا خواہش مند تھا مگر نہ تو کوئی ردِعمل نظر آیا اور نہ ہی کوئی آواز۔

اب اُس نے کاربائین کندھے سے لٹکا کر سائلنسر لگا ہوا... پستول نکال لیا اور دوسرے ہاتھ میں پلاسٹک ڈارٹ پستول لے لیا پھر لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا کیمپ اور اپنے درمیان حائل مختصر سا میدان عبور کر گیا۔

اچانک ہی اُسے اپنے جسم میں عجیب سی سنسنی محسوس ہونے لگی۔ آتشی اسلحہ پھینک کر ہاتھوں سے کام لینے کی خواہش پریشان کرنے لگی مگر اس نے خود پر بہ مشکل قابو پایا۔ ذرا سی بھی بے احتیاطی ہاسکن کا کام تمام کر سکتی تھی۔

اُس نے ایک طویل سانس لی اور خیمے کی طرف بڑھنے لگا۔

سینئر بروفیسر نائٹ گارڈ کا انچارج تھا۔ اس وقت وہ الاؤ کے گرد بیٹھا ہوا کافی پی رہا تھا کہ اچانک اُسے ایسا لگا جیسے اُس کی آنکھیں ساتھ چھوڑ رہی ہوں۔ یہ احساس ہوتے ہی ایک پل بعد اُسے یقین ہو گیا کہ اُسے کچھ نظر نہیں آ رہا ہے۔ اُس نے ہاتھ ہلانے کی بھی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ وہ نصف گھنٹے تک اسی طرح بیٹھا رہا پھر اُسے اپنے سامنے اچانک ہی ایک آدمی نظر آیا۔

"کون ہے؟" اُس نے پوچھا۔

"تم کون ہو؟" آنے والے نے سوال کیا۔

"میں بروفیسر ہوں... مگر تم کون ہو؟"

ٹائیگر کو اچانک ہی یاد آ گیا کہ پلمبی لوئی نامی مخبر نے ہاسکن کو کئی مرتبہ بروفیسر کے بارے میں بتایا تھا کہ وہ بہت نیک خاتون ہے۔ لہٰذا اُس نے بروفیسر کو ہلاک کرنے کا ارادہ ترک کر کے ڈارٹ گن چلا دی... یہ ڈارٹ ایم ۹۹ اور پینٹوتھول کا انجکشن تھی۔ جوں ہی بروفیسر کے جسم میں لگی، وہ گرا اور اُس کی آنکھیں بند ہو گئیں۔ اب وہ چار گھنٹے تک گہری نیند سو سکتا تھا۔

ٹائیگر کسی روح کی طرح خاموشی سے آگے بڑھ گیا۔

آگے جا کر اس نے مزید دو دفعہ خاموش ہائی اسٹینڈرڈ استعمال کی اور مزید دو سنتری کسی قسم کا احتجاج کیے بغیر موت کی وادی میں چلے گئے۔ اس نے اُن کی لاشیں کھینچ کر ایک طرف چھپا دیں۔

اب وہ اس ٹینٹ کی طرف جا رہا تھا جہاں اُس نے پروفیسر ہاسکن کو قید دیکھا تھا لیکن اس وقت ہاسکن وہاں نہیں تھا۔ لہٰذا اُس نے نیلسن کے کیمپ کا رُخ کیا۔ اُس کی چھٹی حس نے یہی کہا تھا کہ نیلسن، ہاسکن سے پوچھ گچھ کر رہا ہو گا اور یہ سچ ثابت ہوا۔

اُس نے خیمے کے عقبی حصے میں آ کر چاقو نکالا اور چادر کو اس جگہ

سے کاٹا کہ اندر کا منظر نظر آ سکے۔ کپڑا پھٹنے کی آواز، غنڈوں کی چیخ پکار میں کسی کو سنائی نہ دے سکی۔

ہاسکن پر نظر پڑتے ہی اُس کا خون تیزی سے سر کی طرف بڑھا اور اُس کی کنپٹیاں سُلگنے لگیں۔

ہاسکن لہولہان ہو رہا تھا۔ اُسے ایک کرسی پر بٹھا کر رسیوں سے جکڑ دیا گیا تھا۔ اُس کے سامنے چار وحشی کھڑے ہوئے تھے۔ اُن میں سے ایک ویلڈنگ ٹارچ لیے ہوئے شعلے کو دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔

گرنے والا پہلا شخص یہی تھا۔ ٹائیگر نے اب کسی قسم کی حکمت عملی سے گریز کیا تھا، بس لمبی لمبی دہائی تھی۔ وہ اُس وقت تک ڈارٹ گن کی لمبی دہائی دیتا رہا تھا جب تک وہ خالی نہیں ہو گئی تھی۔

وہ چاروں اوپر تلے گر گئے۔ ٹائیگر نے فوراً اندر چھلانگ لگا دی۔ ہاسکن نے اُسے دیکھا تو مسکرانے لگا۔ یہ مسکراہٹ ایک بے بس بہادر کی تھی۔ ٹائیگر نے اُس کی رسیاں کاٹ دیں۔ دونوں نے ایک دوسرے سے کچھ نہیں کہا۔ دونوں کو علم تھا کہ مشن کتنا خطرناک ہے۔

ہاسکن اپنی کلائیاں ملنے لگا تاکہ دورانِ خون بحال ہو جائے... ہندشوں کی وجہ سے اُس کے ہاتھ سُن ہو رہے تھے۔ ٹائیگر نے ڈارٹ گن پھر لوڈ کی، خیمے میں چاروں طرف دیکھا پھر ہاسکن کا ایک بریف کیس رکھا ہوا نظر آیا۔ اس میں کاغذ اور قلم بھی تھا۔ ٹائیگر کو اُس وقت اسی کی ضرورت تھی، وہ تیزی سے لکھنے لگا۔

"یہ جنگ میرے اور اسکارلی کے درمیان ہے۔
اگر آئندہ کبھی اس بورڈ سے جیسے بے گناہ اور غیر متعلق شخص پر حملہ کیا گیا تو تم میں سے ہر ایک مارا جائے گا...
اسکارلی سے کہنا کہ میں صرف اُسی سے سودا کروں گا لیکن اگر اُس نے مزید غنڈے بھیجے تو وہ سب کے سب ضائع ہو جائیں گے۔"

یہ پیغام میز پر رکھ کر وہ اس راستے سے واپس نکلا جس راستے سے آیا تھا۔ ہاسکن کو تشدد کی وجہ سے چلنے میں دشواری ہو رہی تھی مگر وہ بڑی ہمت سے چل رہا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ وہ اپنے درد کی شکایت کر کے ٹائیگر پر بوجھ بننا نہیں چاہتا تھا۔

باہر آ کر وہ بروفیسر پر جھکا اور اُس نے ایک اور پیغام لکھ کر بروفیسر کے سینے پر رکھ دیا۔ پرچا اُڑ سکتا تھا لہٰذا اُس نے ایک بڑا پتھر بھی سینے پر رکھ دیا۔

"تم صرف اس وجہ سے زندہ ہو کہ تم نے لوئی سے ہر موقعے پر ہمدردی ظاہر کی ہے۔ اگر تم ذہین ہو گے تو سورج طلوع ہوتے ہی اس علاقے سے سینکڑوں میل

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

دُور، اپنچ جاؤ گے۔"

ٹائیگر، پستول وغیرہ ہولسٹر میں ڈال کر ہاسکن کے ساتھ اُترائی پر تھا کہ اچانک ایک ہیولہ نمودار ہُوا۔ "کون ہے، رُک جاؤ۔"

ہاسکن رُک گیا۔ اُس نے آہستہ آہستہ دونوں ہاتھ سر پر رکھ لیے۔ چوکس سنتری اُن کے سامنے آگیا اور پھر اُس نے ریوالور نکال کر ہاسکن کے سینے پر رکھ دیا۔

ٹائیگر اُن سے بہت قریب ایک تودے کی آڑ میں تھا۔

"بُدھو ہے..." سنتری دانت پیس کر بولا۔ "ہم نے تو تم کو باندھ کر ڈالا ہُوا تھا، وہاں چار آدمی تھے۔ تم وہاں سے کیسے نکل آئے؟" یہ کہہ کر اُس نے ہاسکن کو پلٹنے کا اشارہ کیا مگر اُسی لمحے خود اُس پر قیامت ٹوٹ پڑی... ٹائیگر کا دایاں ہاتھ اچانک ہی تودے کی آڑ سے نکلا تھا اور اُس کی پانچوں اُنگلیوں نے ایک ساتھ سنتری کے حلق پر زوردار ضرب لگائی تھی۔ ہاسکن بھی صرف چیخ کی آواز ہی سُن سکا تھا اور پھر اُس نے سنتری کو گرتے ہُوئے دیکھا تھا۔

"سنا نجو عظیم ہے۔" ہاسکن نے بھرائی ہُوئی آواز میں کہا۔

"اُو شان عظیم تر ہے۔" ٹائیگر نے پُرجوش مگر دھیمے لہجے میں کہا۔ "چلیں، پروفیسر اسفر جاری ہے۔"

وہ خاموشی سے اُترے اور ایک فرلانگ دُور مٹی کے تودے کی آڑ میں چھپی ہُوئی جیپ میں بیٹھ گئے۔ ٹائیگر مطمئن تھا۔ اُس کا مشن کامیاب رہا تھا مگر اُس کی چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ مشن ابھی مکمل نہیں ہُوا۔

جیپ کی نیویگیشن سسٹم میں اس شخص کا تفصیلی ذکر تھا جس نے قیامت مچا رکھی تھی۔

"گزشتہ شب کے چھاپے میں سات افراد ہلاک ہُوئے جبکہ حملہ آور صاف بچ نکلا۔ اس نئی صورت حال کے بعد لاس اینجلز کاؤنٹی شیرف آفس نے ملزم کی گرفتاری کے لیے آل پوائنٹ بلیٹن جاری کیا ہے۔ اس پر قتل، اقدامِ قتل، بمباری اور کیمیکل ہتھیار استعمال کرنے کا الزام ہے۔ اس اعلان میں الزم کے نام اور حلیے کا کوئی ذکر نہیں، صرف ایک ڈرامے نے اُس کا نام شہ زادہ بتایا ہے۔ یہ نام مشرقی بادشاہوں کے بیٹوں کے لیے مخصوص تھا۔ آج صبح سینیٹر مارٹن کی کمیٹی کے ترجمان نے اعلان کیا ہے کہ منظم جرائم پیشہ افراد کے گروہ کے اندر موجود ایک مخبر نے اس شخص کا حلیہ بھی بتایا ہے جس کی بنیاد پر تصویر بنالی گئی ہے اور ملزم کی تلاش جاری ہے۔"

ٹائیگر نے ریموٹ سے ٹی۔ وی بند کر کے ایک بار پھر اُس گجراتی سیال کو گھورا جو دُکان نے چند خاص صحرائی جڑی بُوٹیوں سے اُس کے ناشتے کے لیے تیار کیا تھا۔ اگرچہ اُسے اشتہا نہ تھی لیکن اُس جوس کو دیکھ کر، اُس کے مُنہ میں پانی بھر آیا تھا۔ یہ پُوچھنے کی ضرورت ہی نہیں تھی کہ جوس کن جڑی بُوٹیوں کا ہے۔ ایسی باتیں وہ پوچھتا ہی نہیں تھا۔ اس وقت اُسے یہ فکر تھی کہ اُس کا نام، تلفظ کی معمولی سی تبدیلی سے پولیس تک پہنچ گیا ہے اور جب ٹی۔ وی پر بہرام نے یہ نام سُنا ہوگا تو اُس کی کیا حالت ہوگی۔ دوسری اہم بات یہ تھی کہ اُس کا حلیہ بھی نشر ہو چکا تھا۔ اس طرح اب پولیس اور مجرم دونوں ہی سے اُسے ہوشیار رہنے کی ضرورت تھی... وہ چہرہ بدل سکتا تھا لیکن اس کے لیے اُسے سینی ٹوریم تک جانا پڑتا... اور فی الوقت وہ ایسا کرنا نہیں چاہتا تھا۔

"فی الوقت، ناممکن۔" کیلی پیٹرسن نے کافی کا کپ تقریباً چٹخنے ہُوئے کہا۔ "اتنا بڑا صحرا ہے اور ہم اس پر ایک ہی وقت میں نظر نہیں رکھ سکتے... پھر لاس اینجلز کا پُورا علاقہ اور ایک شخص کی تلاش... اُن خفیہ سیاست دانوں نے ہمیں مطلع کیے بغیر اُس کا حلیہ جاری کر دیا ہے اور وہ یقیناً ہوشیار ہو گیا ہوگا۔"

"صبر... صبر..." گرگس نے اُسے ٹھنڈا کرنے کی کوشش کرتے ہُوئے کہا۔ "میں تمھیں پہلے ہی بتا چکا ہُوں کہ سینیٹر کو سُرخیوں میں آنے کا بہت شوق ہے... ویسے اُس نے تمھیں بھی اس صورتِ حال سے مطلع تو کر دیا ہے، نا؟"

"وہ کیسے؟" کیلی پیٹرسن نے جھلا کر کہا۔

"ٹی۔ وی کی خبروں کے ذریعے۔" گرگس کے چہرے پر مُسکراہٹ تھی۔

"ہُونہہ..." کیلی اب بھی غصّے سے بَل کھا رہا تھا۔ "اب ہوگا یہ کہ ہمیں ہزاروں ٹیلی فون اور ٹیلی گرام ملیں گے کہ اس حلیے کے شخص کو فلاں مقام پر دیکھا گیا ہے۔ وہ بیک وقت لاکھوں افراد کو، ہزاروں مقامات پر نظر آئے گا... اور مجھے یقین ہے کہ یہ شہ زادہ اُس وقت کسی حلیا بدلے میں سُکون سے بیٹھا ہُوا ریوڈی جنیرو یا رجنتائن جا رہا ہوگا۔"

"ویسے میں اس مشن میں تمھارے ساتھ رہنا چاہتا ہُوں..." تھامپس بولا۔ "مجھے یقین ہے کہ وہ ملک سے بھاگے گا نہیں۔ وہ بھاگنے والوں میں سے نہیں ہے۔"

"نہیں، تھامپس!" کیلی نے بُرا سا مُنہ بنا کر کہا۔ "میں تمھیں ساتھ لے جانے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا۔ اگر تم میرے ساتھ ہُوئے اور تمھیں خراش بھی آگئی تو صحافیوں کی انجمن میری کھال کھینچ لے گی۔"

"لیکن تم مجھے آپریشن ایریا سے نکال بھی سکتے ہو۔" تھامپس نے آنکھیں نکال کر کہا۔

"ٹھیک ہے۔ یہ بات مانتا ہُوں۔"

"دھت تیرے کی۔" تھامپس کو اُس کی سرد مہری پر تاؤ آگیا۔ "تم کیسے دوست ہو، سُنو کیلی! اگر میں نے اسکوپ مار دیا تو مجھے صحافتی میدان میں سب سے بڑا ایوارڈ مل سکتا ہے۔ بس تم تعاون کرو اور پھر..."

"نہیں! تم میرے ساتھ نہیں چل سکتے۔" کیلی پیٹرسن نے نرمی سے جواب دیا۔ "میں تمھیں صرف اتنا بتا سکتا ہُوں کہ آپریشن ایریا، بارسٹو سے شمال مشرق میں کیکو سلسلۂ کوہ تک ہے۔ اگر تم اس علاقے میں موجود رہو اور وہاں کے حالات دیکھ سکو تو... تو بھلا میں کس طرح روک سکوں گا؟"

"تھینک یُو..." تھامپس خوشی سے چلّا کر اُٹھا اور اپنا ٹیپ ریکارڈر لے کر بھاگتا چلا گیا۔

سان برنانڈینو کاؤنٹی شیرف ڈیپارٹمنٹ کی جیپ میں موجود کیلی پیٹرسن نے اپنے دوست رپورٹر تھامپس کو انڈیپنڈنٹ گاڑی میں دیکھ کر حسرت بھرے انداز میں ایک طویل سانس لی اور سر جھٹکنے لگا۔

تھامپس اپنی شان دار گاڑی میں پولیس فری کوئنسی ریسیور ریڈیو کی وجہ سے تمام حالات سے باخبر تھا۔ اُسے علم تھا کہ کھلی جیپ میں کیلی کی کیا حالت ہوگی۔ کیلی کی اس جیپ میں بیٹھنے کی واحد وجہ یہ تھی کہ جیپ ہی موبائل کمانڈ پوسٹ تھی۔ کیلی کے ذہن میں سینیٹر مارٹن کی بریفنگ تازہ تھی۔

"ہمیں یہ بھی ذہن میں رکھنا ہوگا کہ جرائم پیشہ منظم گروہ بھی اس شخص کی تلاش میں گھوڑا دوڑی کر رہے ہوں گے اور میں یہ ہرگز نہیں چاہوں گا کہ اُن سے پولیس کا تصادم ہو جائے۔ پُوری قوم کی نظریں صرف ایک شخص پر ہوں گی، اس لیے تمھیں ان گروہوں سے ٹکر لینے سے گریز کرنا ہوگا۔ میں اُن گروہوں سے نمٹنے کے دوسرے اقدامات کر رہا ہُوں۔ تم لوگ شہ زادہ کو پکڑو، تمھارا کام صرف یہی ہے اور یہ ہدایت آف دی ریکارڈ ہے کہ اگر وہ سامنے نہ آئے تو شوٹ ٹو کِل والا اُصول اپنایا جائے۔ یہ شخص ہر ایک کے لیے خطرناک ہے۔"

کیلی کے مُنہ کا ذائقہ بدل گیا۔

ایک شخص کو قتل کرنے کی واضح ہدایت تھی جبکہ مجرم بھیڑیوں سے گریز کرنے کا حکم۔ اُسے ان دونوں احکام میں واضح طور پر شدید ترین تضاد نظر آ رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر مطلوبہ شخص قتلِ عام سے گریز کر کے چیدہ چیدہ افراد کو انفرادی طور پر ہلاک کرتا تو ہیرو بن چکا ہوتا۔ اُسے اس بات پر بھی حیرت تھی کہ سینیٹر مارٹن نے یہ ہدایت نہیں کی کہ ہیروئن کے کاروبار کے نئے سرچشموں کو تلاش کیا جائے۔ حقیقت تو یہ تھی کہ سینیٹر نے اُس کا ذکر تک نہیں کیا تھا۔

جیپ ایک جھٹکے سے آگے بڑھ گئی۔ اب وہ ایک لمبی وادی میں تھی۔

کیلی نے جیپ میں کھڑے ہو کر دُوربین سے ہائی وے کی طرف دیکھا... پیشانی سے پسینہ پونچھا اور دوربین آنکھوں سے لگا لی۔ منظر معاً ہی کھنچ کر قریب آگیا۔ اُسے اب بخوبی پہاڑ نظر آ رہے تھے۔

"کیا سوچ رہے ہو، آفیسر؟" ڈرائیور نے پُوچھا۔

"یہی کہ وہ رات کو ضرور مل جائے گا۔" کیلی نے مُسکراتے ہُوئے جواب دیا۔

"بہت یقین سے کہہ رہے ہو؟"

"ہاں... اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اتنے خراب اور شدید موسم میں کوئی بھی عقل مند شخص اپنی کمیں گاہ سے نہیں نکلے گا۔ مجھے یقین ہے کہ وہ بہت ذہین آدمی ہے۔"

ٹائیگر تین روز سے مسلسل خاموش تھا۔ اُس نے کوئی کارروائی نہیں کی تھی۔ اُسے صرف اتنا اندازہ تھا کہ سینیٹر مارٹن نے اُسے عفریت بنا کر پیش کیا ہے۔ جب کہ سالے انتخابات میں سے جلاد صفت قرار دے رہے تھے اور یہ ذکر کہیں نہیں تھا کہ مرنے والا ہر شخص پولیس کو قتل، ڈکیتی، اسمگلنگ اور ایسے ہی دوسرے جرائم میں مطلوب تھا۔

وہ سوچنے لگا کہ کسی طرح صحرا میں موجود پولیس اور غنڈوں کو آپس میں اُلجھا دیا جائے۔ اس طرح کئی غنڈے کام آجائیں گے۔ اُس نے باہر دیکھا۔ رات تاریک تھی، چاند بھی نہیں تھا۔ یہ ماحول باہر نکلنے کے لیے بہت مناسب تھا۔

اس رات ساڑھے دس بجے اُس نے نیلا لباس پہنا اور کسی کو بتائے بغیر کیمپ گاہ سے نکل گیا۔ اُسے یہ علم نہیں تھا کہ وہ اُو شان کی جاگتی آنکھوں کے سامنے سے گزر رہا ہے۔

اُسے مافیا کے اڈے تک پہنچنے کے لیے تین میل کا فاصلہ طے کرنا تھا۔ اُس کے قدم تیزی سے اُٹھ رہے تھے اور ایسا لگ رہا تھا جیسے ریت اور نرم زمین کا اُس کے پیروں پر کوئی اثر نہ ہو رہا ہو۔ ہائی اسٹینڈرڈ اُس کے دائیں پہلو میں جھول رہا تھا۔ ڈارٹ گن بھی ساتھ تھی۔

گرد پیمائی کے انداز میں وہ اُن کے قریب اور اتنا قریب پہنچ گیا کہ اُن کی آوازیں بھی اُسے سُنائی دینے لگیں۔ وہ وہیں ایک چٹان سے چھپکلی کی طرح چپک کر لیٹ گیا اور اُن کی باتیں سُننے لگا۔ اُس نے کئی نام سُنے۔ وہ ایک دوسرے کو نام لے کر ہی پکار رہے تھے پھر وہ اپنی جگہ سے ہٹ کر ایک طرف چل دیا۔ اب وہ ایک گروپ کی طرف جا رہا تھا۔

ایک شخص جسے کسی نے کرینی کہہ کر مخاطب کیا تھا، گن سنبھالے قدرے ہٹ کر کھڑا تھا۔ ٹائیگر کا رُخ اُسی کی طرف تھا۔ کرینی نے اُسے دیکھ لیا مگر اندھیرے کی وجہ سے چہرہ نہیں دیکھ سکا۔ ویسے کرینی کو اطمینان تھا کہ یہ اپنا ہی آدمی ہے۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"ہیلو کرینی!" ٹائیگر نے اُس کے قریب جاکر سرگوشی کی۔ "میں نے اس طرف کوئی آواز سُنی ہے۔"

"کہاں...؟" کرینی چونکس ہوگیا۔

"اُدھر..." ٹائیگر نے جواب دیا۔ "وہ سروں کو بھی ساتھ لے آؤ... میں اُدھر ہی جارہا ہوں۔"

کرینی نے مشعل دبا اور پھر پل بھر میں ہی چھ افراد کی مسلح پارٹی ٹائیگر کے پیچھے پیچھے چلنے لگی۔ وہ کچھ دور تک اُن کی رہنمائی کرتا رہا... اور پھر چپکے سے کھسک گیا۔

"ہینی... گیمپ..." اُس نے تاریکی سے مزید دو نام لیے۔

"ہاں، کیا ہے؟" گروپ لیڈر نے پوچھا۔

"کوئی بھی اپنی جگہ سے حرکت نہ کرے۔ میرا خیال ہے کہ اُس پاس کوئی موجود ہے۔ اوہ... وہ رہا... مجھے نظر آرہا ہے۔" ٹائیگر نے سرسراتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"کہاں...؟" اس مرتبہ پوچھنے والے کے لہجے میں بے یقینی تھی اور شک بھی۔ "مجھے تو کوئی نظر نہیں آرہا۔"

"سامنے دیکھو احمق!" ٹائیگر نے اس بار سخت لہجے میں کہا۔ "دیکھ کر آگے بڑھو۔ وہ صرف چند قدم کے فاصلے پر ہے۔"

"اوہ... کیا شے زادہ ہے یہ؟"

اُسی لمحے ٹائیگر نے جگہ بدل لی۔ اعشاریہ ۲۲ سے سائلنسر الگ کیا اور معاً ہی یکے بعد دیگرے تین فائر کر دیے۔ اس کے ساتھ ہی وہ فائر لائن سے ہٹ گیا۔ جس جگہ وہ پہلے تھا، وہاں چھ گولیاں آکر لگیں... کام شروع ہوچکا تھا۔

"اُدھر گیا۔" گیمپ نے چلا کر کہا۔ اندھا دھند گولیاں چلنے لگیں... گولیوں کا رُخ دوسرے کیمپ کی طرف تھا۔ لہٰذا وہاں سے بھی جوابی فائرنگ شروع ہوگئی... پھر جنگ میں مزید کئی گیس شامل ہوگئیں۔ ٹائیگر نے مطمئن انداز میں سر ہلا کر وہاں سے واپسی کا ارادہ کیا لیکن اُسی لمحے ایک اسپاٹ لائٹ غیر متوقع طور پر روشن ہوگئی۔ وہ اُس کے دائرے ہی میں کھڑا ہوا تھا۔ اُس نے اُسی پل چھلانگ لگا دی اور اسپاٹ لائٹ سے نکل گیا۔ اگر وہ اس فوری ردِعمل کا مظاہرہ نہ کرتا تو وہ رجمنٹی گولیاں اُسے چھلنی کرکے رکھ دیتیں۔

وہ ایک طرف دوڑنے لگا۔

پھر اچانک بائیں طرف سے بھی اسپاٹ لائٹ کی روشنی نظر آئی اور کوئی مہنگا فون پر چلانے لگا۔

"اٹینشن... پولیس... ہتھیار پھینک دو۔ تم لوگ ایک دوسرے ہی کو بھون رہے ہو۔ ہتھیار پھینک دیے جائیں۔ اگر کسی نے مزاحمت کی... تو ہلاک ثابت ہوگی۔ خود کو قانون کے حوالے کر دو۔ تم لوگوں کا محاصرہ کرلیا گیا ہے۔ فرار کے تمام راستے بند ہیں۔"

ٹائیگر نے حویل سائنس لے کر واپسی کا فیصلہ کرلیا۔ کیونکہ اب پولیس آچکی تھی اور وہ پولیس پر فائر نہیں کرسکتا تھا۔ اُس نے پولیس پارٹی اور اپنے درمیان فاصلہ رکھنے کے لیے سمت بدل لی۔ وہ دوڑنے لگا مگر اُسی کی سماعت کی حس بتا رہی تھی کہ چند افراد اُس کے تعاقب میں ہیں۔ وہ جانتا تھا کہ پولیس والے بھی باغیا ہی کی طرح اُس کے خون کے پیاسے ہیں لیکن وہ یہ نہیں چاہتا تھا کہ کوئی پولیس والا اُس کے ہاتھوں مارا جائے۔ صرف اسی خیال سے اُس نے اعشاریہ ۲۲ ہولسٹر میں واپس رکھ لیا تھا۔

خوں ہی اُسے اندازہ ہُوا کہ قدموں کی دھمک اب کم ہوگئی ہے... اُس نے اپنی رفتار کم کردی اور ایک گھاٹی میں داخل ہوگیا۔ یہی اُس کی خطرناک غلطی ثابت ہُوئی۔

وہ آگے بڑھا اور یہ دیکھے بغیر بڑھتا چلا گیا کہ آگے کیا ہے... آگے راستہ بند تھا۔ گھاٹی دراصل ایک صندوق نُما کھائی تھی جس کے آگے راستہ نہیں تھا۔

اُسی لمحے اُس نے گھاٹی میں قدموں کی آواز سُنی۔ تعاقب کرنے والے بھی اب داخل ہوچکے تھے۔ اُس نے اِدھر اُدھر دیکھا مگر اُسے کوئی راہ نظر نہ آئی۔ صرف ایک راستہ یہ تھا کہ وہ اوپر پہنچے اور اُوپر پہنچنے کے لیے چھ سات سوفٹ اُونچی سنگی چٹان پر چڑھنا تھا۔

اُس نے یہی فیصلہ کیا۔ پہلے ساٹھ ستر فٹ بہت آسان ثابت ہُوئے۔ اُس نے وہاں پہنچ کر نیچے جھانکا۔ تعاقب کرنے والے بھی اب اُس جگہ پہنچ گئے تھے، جہاں سے اُس نے چڑھنا شروع کیا تھا۔

اُس نے ایک طویل سانس لی اور اُفقی چڑھائی پر چڑھنے لگا۔ اب اُس کی اُنگلیاں، کوہ پیماؤں کے سُوؤں کی طرح پتھروں میں پیوست ہورہی تھیں، پیر بھی اسی طرح کام کررہے تھے... مگر یہ بات واضح تھی کہ وہ زیادہ دیر تک اس طرح اُوپر نہیں چڑھ سکے گا۔ اُس کو اچانک ہی خواہش محسوس ہُوئی کہ وہ کسی پرندے کی طرح پرواز کرتا ہُوا اُوپر پہنچ جائے لیکن ایسا اُس لیے ممکن نہیں تھا کہ وہ آگے کو نکلی ہُوئی نوکیلی پہاڑیوں کے حملوں سے نہیں بچ سکتا تھا۔ وہ سوفٹ اُوپر پہنچ کر، اُس کے ناخن متاثر ہونے لگے... اور اُسی لمحے نیچے سے کسی نے اُس پر فائر کیا۔

وہ چپک گیا۔ اُس نے نظریں اُٹھا کر اُوپر دیکھا۔ ابھی کم از کم تین چار سوفٹ اُوپر چڑھنا تھا۔ وہ سوچنے لگا، کاش یہ سپاٹ دیوار ہوتی۔

پھر دوسرا فائر ہُوا۔ اُس کی آنکھیں سُلگنے لگیں۔ اُس نے ایک ہاتھ سے توازن برقرار رکھتے ہُوئے دوسرا ہاتھ ایک پتھر کی طرف بڑھایا۔ لیکن پھر یہ سوچ کر پتھر نیچے پھینکنے سے رہ گیا کہ کہیں نیچے پولیس والے

نہ ہوں۔

اب خون اُس کے کانوں پر ضرب لگا رہا تھا۔ شاید یہ کشش ثقل کے برخلاف جدوجہد کرنے کا نتیجہ تھا۔ وہ تمام تر توانائی ہاتھوں میں منتقل کرتا رہا اور اُوپر سرکتا رہا۔

اُسے اندازہ تھا کہ نیچے جمع ہونے والوں کی تعداد بڑھ گئی ہے لیکن اُسے یہ احساس نہیں ہوسکا تھا کہ وہ لوگ کون ہیں۔ تاہم چند لمحے بعد جب میگافون سے نکلنے والی آواز پہاڑیوں سے ٹکرائی تو تب ہی اُسے معلوم ہوسکا کہ وہاں کون کون لوگ موجود ہیں۔

"پولیس... اپنے اپنے ہتھیار پھینک دو۔"

اُسی لمحے ٹائیگر کا ہاتھ کسی چکنی اور ٹھنڈی مگر لجلجی سی چیز سے ٹکرایا... اُس نے اُسی پل اندازہ لگا لیا کہ یہ انتہائی زہریلا اور خطرناک سانپ ہے۔ ٹائیگر نے بڑی احتیاط سے سانپ اُٹھایا اور اس سے قبل کہ وہ اُس پر حملہ آور ہوتا، اپنی اُنگلیاں کھول دیں۔ سانپ پٹ سے نیچے گرا۔ ایک لمحے کے لیے اُسے نیچے والوں کی چیخیں سُنائی دیں پھر ایک فائر ہُوا۔ غالباً کسی نے سانپ کو گولی مار دی تھی۔

ٹائیگر اب بہت سست رفتاری سے اُوپر چڑھ رہا تھا کیونکہ اُسے اپنی مٹھیاں بے حس سی محسوس ہورہی تھیں۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر مزید اضافہ ہُوا تو وہ کہیں کا نہ رہے گا۔ وہ اس درد کی وجہ بھی سوچ رہا تھا۔ غالباً اُس پر کسی وقت غیر متوازن دباؤ پڑا تھا جس کے باعث درد شروع ہوگیا تھا۔ تب ہی اُسے یاد آیا، ہاتھ میں سانپ کی موجودگی کا احساس ہوتے ہی اُس نے ہلکا سا جھٹکا محسوس کیا تھا، شاید اُسی وقت کمر میں درد شروع ہُوا ہو۔

معاً ہی ایک عجیب سا خوف ٹائیگر کو ستانے لگا۔

اگر وہ باؤسے شیلا والا زخم ہرا ہوگیا تو کیا ہوگا؟

اُس کے بالائی لب پر پسینے کی بُوندیں جھلملانے لگیں۔ وہ اس وقت کو کوسنے لگا جب اُس نے پولیس والوں کو نہ مارنے اور دبے پاؤں نکل جانے کا فیصلہ کیا تھا۔

اُس نے ایک ہاتھ سے مگر پکڑ کر دوسرا ہاتھ اُٹھایا تاکہ کسی پتھر کو پکڑ کر اور اُوپر جا سکے مگر اُس کا وہ ہاتھ ہوا میں لہرا کر رہ گیا۔ خوشی کی ایک لہر اُس کے جسم میں تراوٹ کر گئی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ گھاٹی کے اُوپر پہنچ چکا ہے۔ کامیابی کو اتنے قریب پاکر، اُس کے پورے جسم سے پسینے کی بُوندیں پھوٹنے لگیں لیکن اُس نے شکست تسلیم نہ کی اور آخری کوشش کی۔ ایک جھٹکے سے اُس کا نصف دھڑ گھاٹی کے کنارے پہنچ گیا جبکہ اُس کی دونوں ٹانگیں خلا میں جھولتی رہیں۔ اب اُس کی ٹانگوں میں اتنی جان بھی نہیں تھی کہ وہ خود کو اُوپر کرسکے۔ ٹائیگر دیر تک یونہی پیٹ کے بل لیٹا رہا پھر اُس نے لمبی لمبی سانسیں لیں، جھولتی ہُوئی ٹانگوں میں توانائی واپس آنے لگی تھی لہٰذا اُس نے اُنھیں کھینچا اور پھر لیٹ گیا۔ اُس کا جوڑ جوڑ درد کررہا تھا۔ اُس کی جگہ اگر کوئی اور ہوتا تو شاید حرکتِ قلب بند ہونے سے انتقال کرچکا ہوتا۔

پھر وہ ٹانگیں پسار کر بیٹھ گیا اور اُس نے دونوں پنڈلیوں... اور رانوں کو ہاتھوں سے تھپکنا شروع کردیا۔ ساتھ ہی اُس کی آنکھیں کسی ایسے راستے کو تلاش کررہی تھیں جس کی مدد سے وہ یہاں سے نکل سکے۔ وہ اب بھی پولیس سے ٹکراؤ نہیں لینا چاہتا تھا اور صرف اسی ٹکراؤ سے بچنے کے لیے اُس نے اتنی اُونچی کھائی پر چڑھنے کو ترجیح دی تھی۔

تب ہی اُسے قدموں کی آہٹ سُنائی دی۔

یہ چاپ نہ تو اوشان کے پیروں کی تھی اور نہ ہی ہاسکن کی۔ ٹائیگر نے فوراً ہی سر اُٹھا کر نہیں دیکھا۔ اُسے سب سے پہلے فُل بُوٹ نظر آئے جن کے اندر خاکی پتلون کے پائنچے اڑسے ہُوئے تھے۔

ٹائیگر کا دماغ گھوم گیا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ مافیا کا کوئی گُرگا اتنی خاموشی سے اُس کی شہ رگ تک پہنچ سکتا ہے۔ اُس نے غرا کر ہولسٹر کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

"نہیں، شہزاد احمد!" ایک خوش گوار آواز سُنائی دی۔ "اگر مجھے مارنا ہی ہے تو پستول مت نکالو، تمھارا صرف ایک چوپ ہی کافی ہوگا۔ میں مافیا والوں میں سے نہیں ہُوں۔"

"تم کون ہو؟" ٹائیگر نے اس بار نرم لہجے میں پُوچھا۔ اُس نے سر اُٹھا کر دیکھا۔ اُس کے سامنے آتش چہرے والا ایک نوجوان کھڑا تھا... یہ بہرحال مافیا کا چہرہ نہیں تھا۔ نوجوان کے ہاتھ میں ریوالور تھا جس کی نال کا رُخ زمین کی طرف تھا۔

"تمھیں تلاش کرنا بہت مشکل ثابت ہُوا، دوست!" نوجوان نے کہا۔ "تم پر درجنوں قتل کے الزامات ہیں... میں سارجنٹ کیملی پیٹرسن ہُوں۔"

"اوہ..." ٹائیگر کا ہاتھ ہولسٹر سے ہٹ گیا۔ "اس کا مطلب یہ ہے کہ مافیا اور قانون، دونوں کے انڈے آپس میں ملتے ہیں۔ مجھے پہلے بھی یہی شک تھا۔"

"شاید تم ٹھیک کہتے ہو۔" کیملی پیٹرسن حیرت انگیز طور پر بے تکلفی کا مظاہرہ کرتا ہُوا، اُس کے برابر بیٹھ گیا۔ "میری ایک بات مان لو۔"

"کیا...؟" ٹائیگر کو نہ جانے کیوں یہ لڑکا اچھا لگ رہا تھا۔

"یہی کہ آہستہ بولو۔ میں نہیں چاہتا کہ دوسروں کو ہماری یہاں موجودگی کا علم ہوجائے۔"

"میں سمجھا نہیں۔"

"سنو شہزاد!" کیملی پیٹرسن نے سنجیدگی سے کہا۔ "ہم دونوں یہاں

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

تنہا ہیں۔ میرا قریب ترین یونٹ بھی کم از کم نصف میل دور ہوگا جبکہ نیچے کھائی میں مافیا کے غنڈے اور جلاد موجود ہیں۔ میں اپنے لوگوں سے رابطہ بھی قائم نہیں کر سکتا کیونکہ میرے پاس وائی ٹاکی نہیں ہے۔"

ٹائیگر نے اس شخص کو بغور دیکھا، وہ کھلے دل کا ایمان دار نوجوان لگ رہا تھا، اس کی آنکھوں سے ذہانت ٹپک رہی تھی اور وہ ٹائیگر سے عمر میں چھوٹا تھا۔

"میں جانتا ہوں کہ تم نے مجھے تلاش کر کے یہ ثابت کر دیا ہے کہ اگر تمہارے لوگوں میں سے کوئی مجھے پکڑ سکتا ہے تو وہ صرف تم ہو... لیکن فرض کرو کہ تم نے مجھے پکڑ لیا ہے... اب کیا ہوگا؟"

"اس قسم کی باتیں مت کرو، شہزاد!" کیلی پیٹرسن ہنسے لگا۔ "فی الوقت جنگ بندی پر رضامند ہو جاؤ۔ ہم دونوں کے پاس ہتھیار ہیں، میرا ریوالور زیادہ شور مچاتا ہے اور میں جانتا ہوں کہ تم اس وقت کسی قسم کا شور ہرگز پسند نہیں کرو گے... پھر میں خطرہ لگا سکتا ہوں کہ تم مجھ پر گولی بھی نہیں چلاؤ گے۔"

"وہ کیوں؟"

"اس لیے کہ میں پولیس والا ہوں اور ابھی تک میری نظر سے ایسی کوئی خبر نہیں گزری کہ چارلی وی پارس کے قتل کے بعد ہونے والے قتل عام میں کوئی پولیس والا بھی قتل ہوا ہو۔"

"ہوں..." ٹائیگر مسکرا کر رہ گیا۔

مجھے اس بات کا کوئی شوق نہیں کہ اس انجلز کے مجرموں پر برق بن کر گرنے والے کو پکڑ کر انتخابات میں شہرت حاصل کروں یا ترقی حاصل کروں۔ میں صرف اتنا بتا دینا چاہتا ہوں کہ اس وقت ہم چاروں طرف سے مافیا میں گھرے ہوئے ہیں یا پھر ڈیزرٹ فورس کے رضاکار ہیں۔ میں ان کے درمیان سے صحیح سلامت نکلنا چاہتا ہوں۔ کیا تم مجھ سے تعاون کرو گے؟"

"اوہ..." معاً ہی ٹائیگر مسکرانے لگا۔ اسے ہاسکن کی یہ بات یاد آگئی کہ شیرف کے آفس میں کم از کم ایک غیر جانب دار شخص موجود ہے۔ "تو یہ تم ہو؟" اس نے مسکرا کر کیلی پیٹرسن سے پوچھا۔

"کون...؟" کیلی نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

"جس کی عظیم ہاسکن نے تعریف کی تھی۔" اچانک ہی ایک ہتھوڑی اوٹ سے اوشان نمودار ہوا۔ اس کے ہاتھ میں ایک نوکیلا نیزہ تھا جس کی انی رات ہونے کے باوجود چمک رہی تھی۔

"باپ رے..." کیلی پیٹرسن اپنے پیٹ پر ہاتھ پھیر کر بولا۔

"میں تمہیں اس وقت ہی گرا سکتا تھا، جب تم ٹائیگر کے انتظار میں یہاں بیٹھے ہوئے تھے اور یہ اوپر چڑھ رہا تھا لیکن اچھا ہی ہوا کہ تم کو کوئی نقصان نہیں پہنچا میرے بچے!" اوشان نے کیلی سے کہا۔

"اس کو مارنا قطعی غیر ضروری ہوتا، لٹل فادر!" ٹائیگر نے ہنس کر کہا۔

"بکو مت۔" اوشان نے بڑے غصے سے اس کی طرف دیکھا۔ "تم نے اوپر چڑھتے ہوئے یہ بھی نہیں دیکھا کہ تین چار چھپکلیاں تمہارے پیروں سے کچل کر مر گئی ہیں۔"

"ایک ناگ بھی تھا، فادر!"

"نہیں، تم جھوٹ بولتے ہو۔ وہ ناگن تھی۔" اوشان نے پیر پٹخ کر کہا۔

"تمہیں ناگ اور ناگن میں کوئی فرق نہیں محسوس ہوا، ہوں؟"

"کک... کیا مطلب؟" کیلی پیٹرسن، ان دونوں کو اس قسم کی گفتگو کرتے دیکھ کر بوکھلا گیا۔

"مطلب یہی کہ تم بہت اچھے آدمی ہو۔" اوشان کا لہجہ اچانک ہی نرم ہوگیا۔ "مجھے بھی تمہارے پیروں کی آہٹ بمشکل سنائی دی تھی۔ کیا یہ کیس شروع ہونے سے تمہارے پاس ہے، کیلی؟"

"جی ہاں..." کیلی پیٹرسن کو یہ بوڑھا نہ جانے کیوں کسی قدیم کہانی کا کاسب سے بڑا کردار لگ رہا تھا۔

"کیا تمہیں یہ تعجب نہیں ہوا کہ شہزاد، ہیروئن کیوں چھوڑ گیا تھا؟"

"تعجب...؟" کیلی پیٹرسن مسکرانے لگا۔ "میں نے اسی نکتے کو سب سے زیادہ اہمیت دی تھی اور میں..." کیلی نے اتنا کہہ کر سختی سے ہونٹ بند کر لیے۔ اسے معاً ہی یہ احساس ہوا تھا کہ وہ ایسے لوگوں سے بے تکلفانہ انداز میں باتیں کر رہا ہے جو بہرحال دشمن اور قانون شکن ہیں۔

"میں سمجھ گیا۔" ٹائیگر نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "تم ایک اچھے انسان ہی نہیں، دیانت دار پولیس والے بھی ہو۔"

کیلی پیٹرسن نے ایک طویل سانس لی اور پھر دھیرے سے بولا۔

"بہرحال اب میں تم دونوں کے رحم و کرم پر ہوں۔ تمہارے پاس زہریلا نیزہ ہے اور شہزاد کے پاس ریوالور ہیں۔ تم دو ہو، میں ایک ہوں۔"

"ہم صرف ہاتھ استعمال کرنے کو ترجیح دیتے ہیں، میرے بچے... لیکن باقی باتیں ہم یہاں نہیں کہیں اور چل کر کریں گے... اور میں اس دوران میں تمہارے تحفظ کی مکمل ضمانت فراہم کروں گا۔"

کیلی پیٹرسن سر ہلا کر رہ گیا۔

* * *

ایک گھنٹے بعد ٹائیگر، کیلی پیٹرسن اور دوسرے لوگ، ہاسکن کے ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہوئے تھے۔ کیلی پیٹرسن کو یہاں تک آنکھوں پر رومال باندھ کر لایا گیا تھا لیکن جوں ہی اس کی پٹی کھولی گئی تھی، وہ مسکرانے لگا تھا اور ہاسکن سمجھ گیا تھا کہ یہ لڑکا صحرائی علاقوں سے اچھی طرح واقف ہے۔

"یہاں کا موسم خاصا اچھا ہے جناب!" اس نے سگریٹ سلگاتے ہوئے پروفیسر ہاسکن سے کہا۔ "میں یہاں بڑی حد تک دباؤ کے تحت لایا گیا ہوں، اگر مجھے یہاں لانے کا مقصد محض قتل ہے تو مجھے پہاڑ ہی پر ختم کیا جا سکتا تھا۔"

"سارجنٹ! اگر تم اس فضول مغالطہ فہمی کو ذہن سے نکال پھینکو کہ پولیس کے علاوہ ہر شخص قانون شکن ہے تو ہمارے درمیان بہت اچھی طرح گفتگو ہو سکتی ہے۔" ہاسکن نے مسکرا کر جواب دیا۔ "ویسے ہم تو بھی کرتے رہے ہیں، اس کا جواز موجود ہے۔"

"پروفیسر ہاسکن کسی کام میں براہ راست ملوث نہیں رہے، کیلی!" ٹائیگر نے فوراً کہا۔ "یہ صرف معلومات فراہم کرتے رہے ہیں یا پھر انھوں نے ہمیں رہنے کے لیے جگہ دی ہے۔"

"میں عملاً ان کی تمام تر سرگرمیوں میں شریک رہا ہوں، سارجنٹ!" ہاسکن نے اس بار سنجیدگی سے کہا۔

"ہاں، بالکل درست..." اوشان نے سر ہلاتے ہوئے لقمہ دیا۔

"وہ سرخ کار بھی تو عظیم پردادا کے عظیم پیپھے نے ٹھکانے لگائی تھی؟"

"ہاں..." ہاسکن متعجب نگاہ کر ٹائیگر کی طرف دیکھنے لگا۔

"ٹھیک ہے۔ جب آپ تینوں بے ضرر اور مخلص ہونے کا مظاہرہ کر چکیں تو مجھے یہ بتا دیجیے گا کہ مجھے یہاں لانے کا کیا مقصد ہے؟"

کیلی پیٹرسن کی اس بات پر وہ چاروں ہنس پڑے پھر کیلی خود بھی ہنسنے لگا۔ اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ بہت ہی اچھے لوگوں کے درمیان موجود ہو۔

"ٹھیک ہے، دوست!" ٹائیگر نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے بٹھاتے ہوئے کہا اور پھر خود بھی اس کے ساتھ ہی بیٹھ گیا۔ "تم نے وہاں کہا تھا کہ ہیروئن تمہارے اعصاب پر سوار رہتی ہے۔ تمہارا مقصد یہ تھا کہ تمہارے نزدیک ہیروئن ملزم، میرے ملنے سے زیادہ اہم تھا۔"

"ہاں..." کیلی پیٹرسن نے دونوں ہاتھ گود میں رکھ کر کہا۔ "سنو... تم اپنا ایک بہت بڑا سراغ تو چھوڑ گئے تھے سنگر! ایسی کوئی تصویر نہیں تھی کہ تمہیں اس میں فٹ کیا جا سکتا۔ میں اس بات پر حیران تھا کہ اتنی خالص ہیروئن وہاں کون چھوڑ گیا! ابھی میں اسی موضوع پر سر کھپا رہا تھا کہ اچانک قتل و غارت گری شروع ہوگئی اور پھر یہ ہدایت ملی کہ ہیروئن کی بجائے تمہیں تلاش کیا جائے۔"

"ہوں..." ہاسکن ہنکارا لے کر رہ گیا۔

"اب جبکہ ہم اپنے کارڈ تو شو کر رہے ہیں، مجھے چند سوال بھی کرنے دو۔" کیلی نے ٹائیگر کی طرف دیکھ کر کہا۔ "کیا تمہیں علم ہے کہ تم نے جس تائیوانی کو گولی مار کر ہلاک کیا تھا، وہ ایک بڑے ملک کا سفارت کار تھا؟ کیا تمہیں اس کا علم تھا اور کیا تمہیں ہیروئن کی تقسیم کے رستے کا علم تھا؟"

"نہیں..." ٹائیگر نے ایک طویل سانس لے کر جواب دیا۔ "تینوں سوالوں کا جواب نفی میں ہے۔ ایک سوال میں بھی کروں گا۔ کیا تم مافیا میں کسی ہزلارڈ شپ سے واقف ہو؟"

"نہیں، یہ بالکل نئی صورتحال سامنے آئی ہے۔ کیا تم اس کے بارے میں کچھ تفصیلات بتا سکتے ہو؟" کیلی پیٹرسن پہلو بدل کر بولا۔

ٹائیگر اسے بغور دیکھتا رہا اور پھر بولا۔ "ممکن ہے... لیکن پہلے یہ بتاؤ کہ کیا تمہیں ہیروئن کی اس دوسری کھیپ کا علم ہے جو میں اڑا لے گیا تھا؟"

"اوہ... نہیں۔" کیلی اچھل پڑا۔ "انھوں نے بھی ایسی کوئی رپورٹ نہیں لکھوائی۔ ہمیں سٹی آف کامرس میں گن فائر اور دشمنیاں نظر آنے کی اطلاع ضرور ملی تھی۔ تاہم جب ہمارے یونٹ وہاں پہنچے تو انھیں کچھ بھی نہیں ملا۔ کیا وہ تم ہی تھے؟"

"ہاں..."

"یہ ہر جگہ ہوتا ہے، میرے بچے!" اوشان نے کیلی پیٹرسن کی طرف دیکھ کر بہت دیر بعد کہا۔ "میں تمہاری اس بات سے پوری طرح متفق ہوں کہ ٹائیگر سے زیادہ خطرناک چیز ہیروئن ہے۔ لہٰذا مجھ بوڑھے کی تجویز یہ ہے کہ ہیروئن کی رسد کے سرچشمے اور اس کو تحفظ فراہم کرنے والوں کو تلاش کر کے، اس پورے دھندے کا خاتمہ کر دو۔ اس طرح تم اپنی قوم پر احسان کرو گے۔"

اوشان کا لہجہ اتنا عجیب تھا کہ یہ چند الفاظ ہی کیلی پیٹرسن کے دل میں اتر گئے۔ اس نے دیئے پتلے مدقوق بوڑھے کو بڑے احترام سے دیکھا۔ "میں ہیروئن کو ایٹم بم سے زیادہ خطرناک سمجھتا ہوں، محترم! اور اس کے خاتمے کے لیے میں اپنی زندگی بھی ختم کر سکتا ہوں۔"

"آؤ... تب پھر مل کر کام کریں۔" ٹائیگر نے سنجیدگی سے کہا... پھر وہ نصف گھنٹے تک اسے تفصیلات بتاتا رہا۔ اس نے چند واقعات چھوڑ کر باقی تمام باتیں اسے بتا دیں۔ جب وہ خاموش ہوا تو ڈرائنگ روم میں مکمل خاموشی چھا گئی۔

"اب ہزلارڈ شپ کی طرف آؤ۔" ہاسکن نے کہا۔

"ایک عرصے سے سینیٹر مارٹن پر مجھے شبہ ہے۔" ٹائیگر نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔

"کسی پر شبہ کرنا بڑی بات ہے۔" اوشان نے برا سا منہ بنا کر نصیحت کی۔ اس کا لہجہ ایسا تھا کہ کیلی پیٹرسن بے اختیار ہنس پڑا۔ اس

ندیم
Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

نے بمشکل اپنی ہنسی پر قابو پایا۔ اس دوران میں اوشان اس طرح بیٹھا رہا جیسے اُس نے کوئی انتہائی اہم بات کی ہو اور کیلی اُس کا مذاق اُڑا رہا ہو۔

"نہیں..." ہاسکن نے نفی میں سر ہلا دیا۔ "پہلے میں بھی یہی سمجھتا تھا کہ سینیٹر مارٹن صرف موقع پرست سیاست دان ہے اور وہائٹ ہاؤس تک پہنچنا چاہتا ہے لیکن پھر جب میں نے یہ دیکھا کہ وہ شہزاد کی گرفتاری بلکہ قتل میں زیادہ دلچسپی لے رہا ہے تو مجھے اندازہ ہوا کہ وہ ایک پکا ہوا آدمی ہے۔"

"اس اسلسلے میں صرف ایک تبصرہ آپ لوگوں کی توجہ کے لیے پیش کرنا چاہتا ہوں۔" کیلی پیٹرسن نے دھیرے سے کہا۔ "ڈان گرگس، سینیٹر مارٹن کا چیف الیکشن سٹیجر ہے۔ میری اس سے معقول دوستی ہے اور اُس کا کہنا ہے کہ سینیٹر مارٹن تازہ برف کی طرح صاف ستھرا آدمی ہے۔"

"تازہ برف..." ہاسکن مسکرانے لگا۔ "مجھے یاد ہے کہ تیس اور چالیس کی دہائی میں سیرونن کو تازہ برف ہی کہا جاتا تھا، لٹل کے۔"

"مگر اس پر شبہے کی کوئی معقول وجہ تو ہونی چاہیے۔" کیلی پیٹرسن کسی معقول جواز کے بغیر سینیٹر پر الزام قبول کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔

"اُس کی آواز اور اُس کا لہجہ..." ہاسکن نے بڑے تحمل سے جواب دیا۔ اس وقت اوشان، کنول کا اُس جملے آنکھیں بند کیے ہوئے اس طرح بیٹھا تھا جیسے اُسے دنیا و مافیہا کی کوئی خبر نہ ہو۔ "ٹائیگر ان کی باتیں بغور سن رہا تھا۔" میری اطلاعات کے مطابق یہ شخص سینیٹر مارٹن انتہائی نستعلیق انگریزی بولتا ہے اور گفتگو کا یہی انداز ہزلاڈ شپ کا بھی ہے۔"

"یہ نکتہ بہرحال اہم ہے۔" کیلی پیٹرسن نے سر ہلا کر کہا۔ "اور کوئی خاص بات؟"

"دوسری اہم بات یہ کہ میرے خاص ذرائع کی اطلاع کے مطابق اسکارلی کا یہ دعویٰ ہے کہ اُسے امریکہ کے اندر کوئی ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ کیونکہ اُسے ایک اہم ترین شخص کی پشت پناہی حاصل ہے اور ہمارے اندازے کے مطابق یہ اہم شخص سینیٹر ہی ہو سکتا ہے۔"

"درست..." ٹائیگر نے بہت دیر بعد نفی میں سر ہلا دیا۔ "میں نے سیرونن کی دوبارہ فروخت کے لیے اُسے ایک نوٹس بھیجا تھا۔ اب میں دوسرا نوٹس بھیج رہا ہوں اور اس مرتبہ یہ واضح کر دوں گا کہ اب صرف اسکارلی، ہزلاڈ شپ اور غیر ملکی نمائندے سے ہی سے سودا کروں گا۔ میں جانتا ہوں کہ یہ عجیب سی بات ہوئی لیکن یقین کرو کہ صرف اسی طرح سیرونن کی تجارت کا یہ دھندا ختم ہو سکتا ہے۔"

"ٹھیک ہے، منشیات کے عفریت کا سر کچلنے کے لیے میں بھی آخری حد تک جانے کو تیار ہوں۔" کیلی پیٹرسن نے بڑے عزم سے کہا۔ "ممکن ہے اس طرح میں وہ سب کچھ حاصل کر لوں جو میں نے پولیس میں حاصل کیا ہے لیکن ایک بڑی برائی کا خاتمہ کرنے کے لیے نقصان اُٹھانے میں کوئی حرج نہیں۔ تم مجھے اپنا منصوبہ بتاؤ اور یہ بھی کہ تمہیں میری کس قسم کی مدد درکار ہوگی؟"

"سب سے پہلی ضرورت وقت ہے۔" ٹائیگر مسکرا کر بولا۔ "میں جانتا ہوں کہ تم مجھے گرفتار کرنے کے لیے آئے تھے لیکن فی الوقت اپنے اس ارادے پر عمل ملتوی کر دو اور دوسری ضرورت کچھ سامان ہے۔"

★★

ہزلاڈ شپ سے پہلی ملاقات ہونی تو اسکارلی واقعی بہت متاثر ہوا۔ یہ ملاقات دوسرے نوٹس کی وجہ سے ہی ہو سکی تھی۔ اس وقت اسکارلی ٹائیگر کا نوٹس لیے ہوئے ہزلاڈ شپ کی اسٹنڈی میں موجود تھا اور وہاں ایک اور شخص بھی بیٹھا ہوا تھا، یہ تن لی تھا۔ ایک غیر ملکی سفارت خانے کا ثقافتی اتاشی۔

"یہ آخری موقع ہے۔" اُس نے پہلو بدل کر کہا۔ "اس احمق نے یہ پیغام بھیجا ہے کہ ہم اپنی ہی ہیروئن خریدنے کے لیے دو لاکھ ڈالر لے کر آئیں۔ ٹھیک ہے، ہم اُس سے ضرور ملیں گے۔"

"لیکن اس طرح ہم خود کو خطرے میں بھی ڈال سکتے ہیں۔"... تن لی نے ایک طلائی ہولڈر میں سگریٹ لگاتے ہوئے اعتراض کیا۔

"درست..." ہزلاڈ شپ نے کہا۔ "تم اس نوٹس کو اگر جال سمجھ رہے ہو تو اُس سے خود کیوں نہیں نمٹ لیتے؟ اُس کو غچہ دے کر سارا جال تباہ کر دو۔"

"سنیے... اُس نے ہمیں یہ پیش کش بھی کی ہے کہ وہ ہمارا ٹیلی کاپٹر اور غمدار ہوا باز بھی ہمیں واپس کر دے گا۔ اس کی شرط یہی ہے کہ ہم تینوں مقررہ جگہ پہنچیں۔"

"یہ انتہائی احمقانہ بات ہے۔" تن لی نے غرا کر کہا۔ "لیکن یہ بتاؤ کہ تم خود کیا کرنا چاہتے ہو؟"

"میں نے اس مرتبہ ایسا منصوبہ تیار کیا ہے جس کی ناکامی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس نے اس صحرا کی نشاندہی کی ہے جہاں وہ ملاقات کا متمنی ہے۔ وہ ٹیلی کاپٹر میں آئے گا لیکن اُس کی واپسی، پیدل یا کار میں ہوگی اور اس کی شرط یہ ہے کہ ہم اُسے واپسی پر روکنے یا مارنے کی کوشش نہ کریں۔ ہم اُسے نہیں ماریں گے، مارنے والے اسی افراد ہوں گے جن کو میں مقررہ مقام کے اردگرد ملاقات سے بہت پہلے پوزیشن لینے کا حکم دوں گا پھر ہم اُس کے سامنے جائیں گے، اُس سے سودا کریں گے اور پھر اُسے قتل کر دیا جائے گا۔"

"مگر وہ ہمیں پہچان لے گا۔" تن لی نے کہا۔

"ہاں..." اسکارلی نے بمشکل اپنا قہقہہ ضبط کیا۔ "لیکن جب وہ قتل ہو چکے گا تو پھر بھلا کس کو ہمارا حلیہ اور نقشہ بتلائے گا، محترم مہمان؟"

چند لمحوں تک اسٹنڈی میں مکمل خاموشی چھائی رہی۔ شاید تن لی اپنے احمقانہ اعتراض پر شرمندہ تھا۔ جبکہ ہزلاڈ شپ کے چہرے پر ظمانیت بھری مسکراہٹ تھی۔

"لیکن اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ ہمیشہ کی طرح اس بار بھی تمہارے آدمی ناکام نہیں ہوں گے؟" تن لی نے اپنی خفت دور کرنے کے لیے اس مرتبہ بڑا فضول سوال اُٹھایا تھا۔

"اس بار کامیابی یقینی ہے۔" اسکارلی نے انتہائی اعتماد کے ساتھ جواب دیا۔ "اس مرتبہ ہمیں علم ہے کہ ہمیں کیا کرنا ہے۔"

ہزلاڈ شپ نے مسکرا کر دونوں کو دیکھا۔ "تم درست کہتے ہو۔" مخاطب اسکارلی تھا۔ "مسلسل چار روز کی جدوجہد کے باوجود وہ، پولیس کو نہیں ملا بلکہ تمہارے آدمی ہی گرفتار ہو گئے۔ چار روزہ آپریشن کے بعد پولیس نے بھی ہاتھ کھینچ لیا ہے۔ لہٰذا اب صحراؤں میں ہمیں روکنے ٹوکنے والا کوئی نہیں ہوگا۔ بس تمہیں یہ خیال رکھنا ہے کہ میری اور مسٹر تن لی کی پوزیشن بہت نازک ہے۔ ذرا سی بھی غلطی ہم دونوں کو انتہائی خطرناک موڑ پر لا کھڑا کرے گی۔ اب تم یہ بتاؤ کہ کئی مرتبہ کی ناکامی کے بعد اس بار کیا حکمت عملی اختیار کرو گے؟"

اسکارلی کو غصہ تو بہت آیا لیکن بہرحال وہ مافیا میں ہزلاڈ شپ کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ اُس نے جیب سے ایک نقشہ نکال کر میز پر پھیلاتے ہوئے سُرخ دائرے پر اُنگلی رکھ دی۔

"اُس نے اس جگہ ملاقات کی تجویز رکھی ہے۔" اسکارلی کے لہجے میں غصے کا شائبہ تک نہ تھا۔ "آپ دونوں دیکھ سکتے ہیں کہ اس علاقے میں چاروں طرف پہاڑ اور پہاڑیاں ہیں۔ اس طرح درجنوں افراد کو اُن میں چھپایا جا سکتا ہے۔ اسی مقام پر ایک پرانی اور متروکہ کان بھی ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ بیٹھ چکی ہے۔ اگر میرے آدمی آج صبح سے قبل یہاں پہنچ جائیں تو پھر ہمیں اس طرف سے بھی کوئی خطرہ نہیں رہے گا۔ ہم دو کاروں میں یہاں پہنچیں گے۔" اسکارلی کی اُنگلی بدستور دائرے پر تھی۔ "ہمارے جوان پہلے ہی مورچے سنبھال چکے ہوں گے اور....."

"اور پھر ہم کراس فائر میں پھنس کر مارے جائیں گے۔" تن لی نے تند لہجے میں اعتراض کیا۔

"ہرگز نہیں۔" اسکارلی نے بہت مشکل سے غصہ ضبط کیا۔ "ہم میں سے کوئی فائر نہیں کرے گا پھر جب وہ ہاتھوں میں رقم کے بریف کیس

جاسوسی ڈائجسٹ کا
مقبول ترین پُراسرار سلسلہ
نیلامی
نامور کہانیوں کے خالق
انوار صدیقی کا ایک اور
پُراسرار ایڈونچرناول
نیلی دیو کا خوفناک تصادم
خوبصورت سرورق / دیدہ زیب
کتابت و طباعت
قیمت ۱۵۰/-
مکتبۃ القریش
اردو بازار لاہور

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

لے کر بیٹھ گیا تو ظاہر ہے کہ اُس کے ہاتھوں میں متوجہ نہیں ہوں گے... لہٰذا ہم اُسے کچھ دُور تک جانے کی اجازت ضرور دیں گے اور پھر جب وہ ہم سے قدرے دُور پہنچ جائے گا تو ہمارے نام آدمی اُس پر ٹوٹ پڑیں گے۔"

تن لی اور ہزلارڈ شپ دونوں خاموشی سے سنتے رہے۔

"ٹھیک..." ہزلارڈ شپ نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ "یہ منصوبہ کارآمد ثابت ہو سکتا ہے لیکن میں اس پر عمل درآمد کی اجازت صرف اس شرط پر دوں گا کہ پہلے تمہارے آدمی ریہرسل کریں اور اسی جگہ ریہرسل کی جائے جہاں یہ سب کچھ ہونا ہے۔ جب انہیں یہ علم ہو جائے گا کہ انہیں کیا کرنا ہے، کس کو کس جگہ پوزیشن لینی ہے، میں مطمئن ہو جاؤں گا... بولو تم کیا کہتے ہو، اسکارلی؟"

"ریہرسل..." اسکارلی فاتحانہ لہجے میں بولا۔ "ریہرسل تو ہم آج ہی شروع کر دیں گے جناب! اور پھر رات کو ہم اُسے پکڑ کر مار ڈالیں گے۔"

○ ○

"ہر ایک اپنی اپنی جگہ پر موجود ہے۔ ہم نے ہر چیز کا جائزہ لے لیا ہے۔ بوبی ٹریپ تک کا خیال رکھا گیا ہے۔ شاید اس بار وہ واقعی اپنی تجویز پر عمل کرنے والا ہے، کیوں اسکارلی؟"

"میں اُس وقت خوش ہوں گا جب اُس مردود کا سر کاغذ کے تھیلے میں میرے سامنے ہوگا۔" اسکارلی نے دانت پیس کر جواب دیا۔ وہ یہ گفتگو وائرلیس پر کر رہا تھا۔ اُسے 'سب ٹھیک ہے' کا پیغام گھاٹی میں موجود مافیا والوں کے انچارج سے ملا تھا۔ "ویسے میں تمہارے کام سے بہت خوش ہوں۔ بس مزید بیس منٹ کی بات ہے، اس کے بعد ہم سب مل کر... زندگی کا بہترین شکار کھیلیں گے۔"

وقت کسی کچھوے کی طرح آہستہ آہستہ گزر رہا تھا اور اسکارلی اپنی کار میں مقررہ جگہ پر بیٹھا ہوا گھڑی کی سوئیوں کو تک رہا تھا۔ مقررہ وقت سے صرف دو منٹ قبل اسکارلی کے ڈرائیور نے خاموش انجن کو بیدار کیا، بریک پیڈل سے پیر ہٹایا... ان سے اگلی کار کا ڈرائیور بھی یہی کر رہا تھا اور اس کار میں مسلح افراد بیٹھے ہوئے تھے۔

دونوں کاریں آگے بڑھیں اور اُس کھلے حصے میں پہنچ گئیں جہاں پیغام کے مطابق انھیں ہونا تھا۔

اب تک سب کچھ اسکارلی کی ہدایات کے مطابق ہو رہا تھا۔ کسی نے بھی احکامات کی ذرا سی خلاف ورزی نہیں کی تھی، حتیٰ کہ سگریٹ تک بھی نہیں سلگائی گئی تھی۔ کیونکہ خطرہ تھا کہ اس طرح دشمن کو عمل پوزیشن کا علم ہو جائے گا۔

پانچ منٹ گزر گئے۔

کوئی ہیلی کاپٹر نمودار نہیں ہوا۔

مزید پانچ منٹ گزر گئے۔

اب مافیا کے منتظر غنڈوں میں بے چینی پھیلنے لگی۔ وہ اپنی اپنی جگہ پر پہلو بدلنے لگے۔ خود اسکارلی کو بھی پسینہ آنے لگا۔ اس کی نظریں مسلسل دائیں بائیں کا جائزہ لے رہی تھیں اور اُسے ایک عجیب سے خوف کا احساس ہو رہا تھا۔

پھر اچانک ہی وہ اُچھل پڑا۔

"حضرات..." یہ آواز اُسی کی تھی جو اُس کے عمل میں گھس کر لمحے چرکا لگا گیا تھا اور اس وقت یہ آواز ڈھلانوں پر پھسلتی ہوئی ہر طرف پھیل رہی تھی۔

"حضرات... اٹینشن پلیز..."

اسکارلی کو اپنے معدے میں اینٹھن سی محسوس ہونے لگی۔

"میرے پروگرام میں قدرے تبدیلی ہو گئی ہے۔" ٹائیگر نے پھر کہا۔

اس بار اسکارلی کو یقین ہو گیا کہ یہ آواز کہیں اُوپر سے آ رہی ہے۔

"میرے پروگرام میں قدرے تبدیلی آ گئی ہے اور میں آپ لوگوں کی آمد سے قبل ہی یہاں پہنچ گیا ہوں۔ ٹھیک پانچ منٹ بعد، آپ لوگوں کو آپ کا ہیلی کاپٹر نظر آئے گا۔ میرا خصوصی معاون، آپ کا مطلوبہ سامان ایک رسّے کی مدد سے نیچے بھیجے گا تاکہ آپ اس سامان کا معائنہ کر کے مطمئن ہو سکیں۔ اگر آپ لوگوں کو اطمینان ہو جائے تو پھر آپ مجھے آواز کی سمت میں سگنل دے کر اسی سمت میں اپنا ایک آدمی بھیجیں گے، بشرطیکہ اس کے پاس رقم ہو۔ وہ دو سو قدم چلے گا۔ پھر سے دو سو قدم، اُسے یہ ہدایت کر دی جائے کہ میں اُس کے قدم گن رہا ہوں گا۔ گنتی میں ایک قدم کی بھی کمی بیشی جہنم کے دروازے کھول سکتی ہے۔ دو سو قدم پورے کر کے وہ رقم زمین پر رکھے گا اور واپس چلا جائے گا۔ اُس کے کار تک پہنچنے کے بعد ہیلی کاپٹر زمین پر اُتر جائے گا۔ میرا آدمی رقم اُٹھائے گا اور پھر پہلے سے طے شدہ پروگرام کے مطابق ہم اپنی اپنی راہ لیں گے۔"

اسکارلی طویل سانس لے کر رہ گیا۔

"اب میں اسکارلی، نستعلیق انگریزی بولنے والے ہزلارڈ شپ اور اُن کے تیسرے ساتھی سے درخواست کروں گا کہ وہ کار سے نیچے تشریف لے آئیں۔" ٹائیگر کے لہجے میں واضح طور پر تمسخر تھا۔

ان تینوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر تینوں کار سے نیچے اُتر آئے۔

"مجھے یقین ہے کہ تم نے فول پروف انتظامات کر رکھے ہوں گے، اسکارلی!" ہزلارڈ شپ نے کار سے اُترتے ہوئے سر گوشی کی۔

تینوں ساتھ ساتھ کھڑے ہو گئے۔ تن لی کے چہرے پر تناؤ کے آثار واضح تھے۔

"اب ہم ذرا سا انتظار کریں گے جنٹلمین!" ٹائیگر کی آواز ایک بار پھر وادی میں گونج اُٹھی۔

کچھ ہی دیر بعد اُنھوں نے ہیلی کاپٹر کی آواز سُنی اور پھر چند لمحوں کے بعد ہیلی کاپٹر بھی اُنھیں نظر آنے لگا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ، اُن کے سروں پر معلق ہو گیا۔

"کیا آپ لوگوں کو پروگرام میں اس تبدیلی پر کوئی اعتراض ہے؟" ٹائیگر کی آواز ایک بار پھر اُن کی سماعتوں سے ٹکرائی۔ تینوں کو یہ آواز زہر لگ رہی تھی۔

"اب بولو۔" تن لی نے مُنہ بنا کر اسکارلی سے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ یہ مردود، سورج طلوع ہونے اور میرے لڑکوں کی آمد سے قبل ہی یہاں آ کر بیٹھ گیا ہوگا۔ اُس نے یقیناً کان پر قبضہ کیا ہوا ہے۔" اسکارلی نے نیم مُردہ لہجے میں کہا۔

"تب پھر تمہارے بے نقص منصوبے کا کیا ہوگا، اسکارلی...؟" ہزلارڈ شپ نے زہر خند انداز میں پوچھا۔

"آپ فکر نہ کریں۔" اسکارلی نے درشت لہجے میں جواب دیا۔ "وہ یہاں سے بچ کر نہیں نکل سکتا لیکن یہ بتائیں کہ آپ لوگوں کو اس کے پروگرام میں اس تبدیلی پر کوئی اعتراض تو نہیں؟"

ان دونوں نے بڑی ہچکچاہٹ کے ساتھ نفی میں سر ہلایا۔ وہ اعتراض کرنے والی پوزیشن میں نہیں تھے۔ ان سے جواب پا کر اسکارلی نے اس سمت میں ہاتھ ہلا دیا جہاں سے آواز آ رہی تھی۔ اس کے ساتھ ہی ہیلی کاپٹر نیچے آنے لگا... اور پھر ان کے سروں کے اُوپر ساٹھ فٹ کی بلندی پر معلق ہو گیا۔ ہوا کے تیز و تند تھپیڑے اُن کے کپڑوں سے اُلجھ گئے۔ ریت اُڑنے لگی اور پھر معلق ہیلی کاپٹر سے ایک تھیلا نیچے گرایا گیا۔ نائلون کی رسّی سے بندھا ہوا تھیلا کینوس کا تھا۔ اپنے سر پر تھیلے کے آتے ہی اسکارلی نے اُسے دونوں ہاتھوں سے پکڑ لیا... اور پھر بڑی بے صبری سے اُسے کھولنے لگا۔

"وہی ہے۔" اُس نے مطمئن ہو کر دوسروں کو بتایا لیکن تن لی اور ہزلارڈ شپ نے اس کی تصدیق پر توجہ نہ دی بلکہ تن لی نے جیب سے ایک پیکٹ نکالا اور ہزلارڈ شپ کے ساتھ مل کر تھیلے میں موجود ہیروئن سے پیکٹ والی ہیروئن کا موازنہ کر کے ہی مطمئن ہوا۔

"ٹھیک ہے۔" تن لی اور ہزلارڈ شپ نے ایک ساتھ کہا۔

"ٹونی..." اسکارلی نے اپنے مُنہ پر ہاتھ رکھ کر آواز دی۔ "اِدھر آؤ۔ یہ اُوپر لے جاؤ۔" اُس نے ایک بریف کیس ٹونی کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

ٹونی اس مشن سے خوف زدہ تھا لیکن حُکم حاکم کے مصداق بہرحال اُسی کو جانا تھا۔ وہ بریف کیس لے کر آگے بڑھ گیا۔ وہ چھوٹے چھوٹے قدم رکھ رہا تھا۔ اُسے ہدایت یاد تھی اور آج پہلی مرتبہ اُسے احساس ہوا تھا کہ دو سو تک کی گنتی کتنی اہم ہوتی ہے۔

پورے دو سو قدم گن لینے کے بعد وہ جہاں تھا، وہیں رُک گیا۔ اُس نے بریف کیس زمین پر رکھ دیا۔

"بریف کیس کھولو۔" اُسے آواز سُنائی دی اور اُسی لمحے اُسے یقین ہو گیا کہ یہ آواز کسی الیکٹرانک آلے سے آ رہی ہے۔ ٹونی نے کانپتی ہوئی انگلیوں سے بریف کیس کھولا، رقم دکھائی اور بریف کیس واپس زمین پر رکھ دیا۔ اُس کی واپسی بہت تیزی سے ہوئی۔ اُس نے پلٹ کر بھی نہیں دیکھا کہ کہیں پتھر کا نہ ہو جائے۔

"گڈ... ہر کام منصوبے کے مطابق ہو رہا ہے۔" اسکارلی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

لیکن پھر ہر کام منصوبے کے برخلاف ہونے لگا۔ ہیلی کاپٹر نیچے اُترنے کی بجائے اُوپر جانے لگا۔ اسکارلی اُچھل پڑا۔ اُس نے موٹی سی گالی دے کر اعشاریہ ۳۵۷ نکال لیا اور ہیلی کاپٹر پر فائرنگ شروع کر دی۔ اُسی کے ساتھ ہمراہیوں سے بھی فائرنگ شروع ہو گئی۔ تب ہی ہیلی کاپٹر کی کھڑکی سے کوئی بند چمکتی ہوئی گول سی چیز نیچے پھینکی گئی۔

ہزلارڈ شپ کا مُنہ حیرت اور دہشت سے کھل گیا۔ اُس نے اس بدنما چیز کو گرتے ہوئے دیکھا۔ "میرے خُدا! یہ کیا ہے؟"

یہ کیا ہے، کا جواب بہت آسان تھا۔ اس چیز میں ٹائٹروگلیسرین تھا جس کے ساتھ ایچ ای ڈی ٹو نیٹر لگا ہوا تھا اور یہی وجہ تھی کہ دھماکا بہت شدید تھا۔ دھماکا ہوتے ہی لوگ فضا میں بلند ہوئے اور پہاڑیوں سے ٹکرانے لگے۔ دوسرے گرتے ہوئے پتھروں کی زد میں آ گئے۔ بم کے ٹکڑے چاقوؤں کی طرح جسموں میں ترازو ہونے لگے اور اُنھوں نے ایسے لوگوں کو شکار کیا جو فائرنگ کرنے کے لیے کھلے میدان میں نکل آئے تھے۔

ہیلی کاپٹر نیچے کے میدانِ حشر سے بے نیاز واپس جا رہا تھا۔ چند لمحوں بعد وہ پھر پلٹا۔ اب پسنجر سیٹ پر بیٹھے ہوئے ٹائیگر کے ہاتھ میں ایم ۱۶ رائفل تھی۔ اُس نے بلاسٹ ایریا کے اُوپر پہنچ کر فائرنگ شروع کر دی۔ لیزی ہیلی کاپٹر چلاتے ہوئے مُسکرا رہا تھا۔ اس فائرنگ کا مقصد یہ تھا کہ پروفیسر ہاسکن کو کوریل سکے جو بریف کیس لینے کے لیے باہر نکلا تھا۔

ہاسکن نے پہلے ٹیپ ریکارڈر، ایپلی فائر اور اسپیکر اُٹھایا... پھر بریف کیس لیا اور کان کی طرف دوڑ گیا۔ وہ کان ہی میں بیٹھا ہوا ٹائیگر کی آواز والا ٹیپ چلا رہا تھا۔

"ٹھیک ہے۔" ٹائیگر نے کہا۔ "پروفیسر کو بھی لے لو۔"

ہیلی کاپٹر نے غوطہ سا لگایا۔ نائلون کی سیڑھی نیچے گئی اور ہاسکن

ندیم

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

لہٰذا اچھنبا سا ہیلی کاپٹر میں پہنچ گیا۔ ہیلی کاپٹر اب ترچھے انداز میں بلند ہو رہا تھا اور نیچے سائرن بجاتی ہوئی درجنوں کاریں مقتل میں داخل ہو رہی تھیں۔ وہاں اسکاٹ لی کی سربریدہ لاش، بڑبڑاتی انداز میں روتا ہوا تاثراتی سفارت کار اور بے ہوش سینیٹر مارٹن ملا۔ سینیٹر مارٹن کے ہاتھ میں ہیروئن کا تھیلا دبا ہوا تھا۔

▽

"کیا ہوا لیری؟" ٹائیگر نے مسکراتے ہوئے لیری کے چہرے پہ اچانک ہی موت کی سی پژمردگی دیکھ کر پوچھا۔

"کچھ نہیں، بہت دیر پہلے گولی لگی تھی۔ اب درد بڑھ رہا ہے۔" لیری نے مسکرانے کی بھرپور کوشش کی۔

"میرے خدا..." ٹائیگر اچھل پڑا۔ "تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا؟ کہاں لگی ہے؟"

"پہلو میں۔" لیری نے کہا اور اس سے قبل کہ وہ کچھ اور کہتا اسے زوردار ہچکی آئی... اور اس کی آنکھیں پتھرا گئیں۔

ہیلی کاپٹر بے قابو ہونے لگا۔ ٹائیگر نے لپک کر اسے ایک طرف کیا اور کنٹرول سنبھال لیا۔

"پروفیسر..." اس کی آواز پتھر کی طرح سنگین تھی۔ "یہ بہت اچھا آدمی تھا۔"

"ہاں، میں تم سے متفق ہوں۔" ہاسکن کی آنکھیں بھی بھیگ گئیں۔

▽▽

اس رات ٹی۔ وی پر سینیٹر مارٹن کی گرفتاری کی خبر سن کر بھی وہ خوش نہیں ہوئے کیونکہ لیری کی موت نے ان کی تمام خوشیوں پر پانی پھیر دیا تھا۔ ٹائیگر کا موڈ کچھ زیادہ ہی خراب تھا لیکن اسے اس بات کی خوشی تھی کہ مافیا کا پورا گروہ یا تو پکڑا گیا یا مارا گیا۔ گرگس نے سینیٹر کے اسٹاف سے استعفیٰ دے دیا تھا اور ٹن لی کو ناپسندیدہ شخصیت قرار دے کر ملک سے نکل جانے کا حکم ملا تھا۔

ٹائیگر نے خبریں سن کر ٹی۔ وی آف کر دیا۔

"کیا تم اس نیک پرندے کی موت پر افسردہ ہو میرے بچے؟" اوشان نے نرم لہجے میں پوچھا۔

"ہاں... لیکن مجھے یہ اطمینان ضرور ہے، لٹل فادر! کہ میں نے ڈوبی کا بدلہ لے لیا ہے۔"

"ڈوبی کا بدلہ..." اوشان کچھ کہتے کہتے اچانک ہی رک گیا اور اس کی یہ کیفیت ٹائیگر محسوس نہیں کر سکا۔

"رقم کا کیا ہوگا، ماسٹر؟" پروفیسر ہاسکن نے موضوع بدلنے کے لیے پوچھا۔

"رقم..." ٹائیگر نے صوفے کی پشت گاہ سے ٹیک لگائی۔ "پہلے سے طے شدہ پروگرام کے مطابق منشیات زدہ لوگوں کی بحالی کے لیے ادارے کی تعمیر پر لگائی جائے گی، پروفیسر!"

"کاش..." اوشان نے بڑی حسرت سے کہا۔ "سنا ہے جیل میں بھی منشیات زدہ لوگ ہوتے اور وہاں بھی ایسا اسپتال بن جاتا۔"

"ماسٹر..." ہاسکن نے بڑی حیرت سے اس کی طرف دیکھا اور پھر کھلکھلا کر ہنس پڑا۔

"کیلی ہیٹرسن کا کیا ہوگا، پروفیسر؟" ٹائیگر کو اچانک ہی... وہ نیک طینت ڈپٹی شیرف یاد آگیا۔

"ایسے اچھے لوگوں کی فکر نہ کرو، دوست! وہ پولیس ہی میں رہے گا لیکن اب اس پر چارہ گر کا سایہ رہے گا۔"

"کیا مطلب؟"

"میں نے چیف سے بات کر لی ہے۔ اس کیس کے بارے میں ہر چھوٹی بڑی بات اُن کے علم میں ہے اور اس کیس سے انھیں کم از کم دو آدمی ایسے ملے ہیں جو ہماری فیلڈ فورس میں شامل ہو سکتے ہیں، ایک کیلی اور دوسرا گرگس۔"

"اوہ، لیری بھی اچھا آدمی ثابت ہوتا، اوشان!"

"یقیناً... لیکن وہ تو پرندہ تھا، میرے بچے! اڑ گیا، یوں سمجھو کہ چند لمحوں کے لیے تمھارے گھر کے درخت پر آ کر بیٹھا اور پھر چلا گیا۔"

ٹائیگر نے آنکھیں موندیں۔ اس کے سر میں عجیب سا درد جاگنے لگا... میٹھا میٹھا درد... اور پھر یہ درد بڑھتا گیا۔ اسے یوں لگا جیسے اس کی کنپٹیاں پھول رہی ہوں۔ اس کا حلق خشک ہونے لگا... ٹیسیں شدت اختیار کرنے لگیں۔

"شہزاد..." اوشان نے اس کی حالت فوراً بھانپ لی۔

"لٹل فادر... میرا سر..." ٹائیگر تقریباً چیخ پڑا اور اوشان کے دونوں ہاتھ بہت تیزی سے اس کے سر کی طرف بڑھ گئے۔

"فادر میرا سر...!" ٹائیگر تقریباً چیخ پڑا
اور اوشان کے دونوں ہاتھ تیزی سے اس
کے سر کی طرف بڑھ گئے۔

"شہزاد...!" اوشان نے سرسراتی ہوئی آواز میں اسے پکارا۔

ٹائیگر کو ایسا لگا جیسے کوئی کنوئیں میں سے اسے پکار رہا ہے۔ یہ آواز عجیب سی تھی لیکن اب وہ کسی سے بات کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ اسے سونے دیا جائے... وہ اس خوفناک درد سے بچنے کے لیے سونا چاہتا تھا۔

"شہزاد...!"

ٹائیگر نے اس بار بھی جواب نہیں دیا تھا۔ اسے بولنے اور آنکھیں کھولنے کی کوئی خواہش نہ تھی۔ وہ اس آواز کو نظر انداز کر رہا تھا اور اسے پروا بھی نہ تھی کہ اسے کون آواز دے رہا ہے۔ اسے یقین تھا کہ آواز دینے والا تھک ہار کر چلا جائے گا اور پھر اس کی نیند میں خلل نہیں ہوگا۔

"تم سو نہیں سکتے ٹائیگر!" اس مرتبہ پکارنے والے کا لہجہ درشت تھا۔ "میں تمھیں ہرگز نہیں سونے دوں گا۔"

"مجھے سونے دو۔" ٹائیگر یہی کہنا چاہتا تھا مگر لفظ ادا نہ ہوئے۔

"میرا سر پھٹ رہا ہے، اگر میں نہ سویا تو پھر کچھ بھی باقی نہیں رہے گا۔"

"ہاں تمھیں شدید درد ہو رہا ہے شہزاد! لہٰذا ایک بار پھر زخم ہو گیا اور یہ درد اس بات کا ثبوت ہے کہ تم زندہ ہو۔ اپنے جسم کو اس درد سے لڑنے کے لیے تیار کرو۔ قوتِ ارادی استعمال کرو، اپنے جسم سے کہو کہ وہ درد کے خلاف جنگ کرے شہزاد!"

اب وہ اوشان کی آواز پہچان گیا تھا مگر اس کے دل میں اس وقت صرف یہی خواہش تھی کہ اوشان بھی چلا جائے اور اسے سونے دے۔ اسے اپنی کنپٹیوں پر اوشان کی انگلیوں کا لمس بھی محسوس نہیں ہو رہا تھا۔

"میں نہیں لڑوں گا۔" ٹائیگر نے مشکل کہا۔ "میں صرف سونا چاہتا ہوں۔ میں تھک چکا ہوں۔ میں بوڑھا ہو رہا ہوں۔"

"ماسٹر کبھی بوڑھے نہیں ہوتے میرے بچے!" اوشان کی انگلیاں اب ٹائیگر کی گردن کے عقبی حصے پر تھیں۔ "یہ درد ختم ہو سکتا ہے بشرطیکہ تم خود اسے ختم کرنا چاہو۔ درد ختم ہونے پر تم خود کو زیادہ جوان محسوس کرو گے۔ شہزاد! اپنے بائیں ہاتھ کی انگلیوں کو مٹھی بنا لو۔"

ٹائیگر نے یہ سوچا کہ اگر اس نے اس ہدایت پر عمل کیا تو شاید اوشان چلا جائے لہٰذا اس نے ایسا ہی کیا۔

"شاباش!" اوشان کا لہجہ اس بار پُرمسرت تھا۔ "اب بائیں ہاتھ کی انگلیوں کو بھی اسی طرح گھونسے کی شکل دے دو۔"

دایاں ہاتھ، بایاں ہاتھ... یہ سب کچھ اس وقت اسے احمقانہ لگ رہا تھا لیکن پھر بھی اس نے اوشان کی ہدایت پر عمل کیا۔

"اب اپنے بند ہاتھوں کی انگلیوں کو تیزی سے کھولو اور بند کرو میرے بچے... ایسا کرنے میں تکلیف تو ہوگی لیکن میں بھی تمھارے ساتھ اسی طرح کروں گا۔ اپنی انگلیاں تیزی سے کھولو اور بند کرو۔"

"میں صرف خاموشی چاہتا ہوں۔" ٹائیگر نے بہت دھیمی آواز میں کہا لیکن نہ چاہتے ہوئے بھی انگلیاں کھولنے اور بند کرنے لگا۔

"شہزاد..." اوشان کی مسرت بھری آواز سن

جاسوسی ڈائجسٹ کا
مقبول ترین پُراسرار سلسلہ



موت کے سوداگر کے خالق
اقلیم علیم کے پُراسرار قلم
سے لکھی گئی ایک سلسلہ وار طلسماتی کہانی
جس نے مقبولیت کے نئے ریکارڈ قائم
کیے۔ کتابی شکل میں شائع ہو گئی ہے

قیمت
جلد اول ۱۵۰/۰۰ جلد دوم ۱۵۰/۰۰
مکتبۃ القریش
اردو بازار لاہور ۱

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کر ہاسکن بھی سر ہلانے لگا۔ وہ اس طریقۂ علاج سے بخوبی واقف تھا جس میں مریض کی توجہ مرض سے ہٹا کر علاج کیا جاتا ہے۔ "دیکھا میرے بچے... تم میں زندہ رہنے کی خواہش موجود ہے لہٰذا تم زندہ رہ سکتے ہو۔ تم زندہ رہنا چاہتے ہو نا؟"

"میں صرف سونا چاہتا ہوں ڈیئر فادر..." ٹائیگر کا لہجہ ایسا ہی تھا جیسے اس نے بہت زیادہ پی لی ہو۔

"اب ذرا اپنے معدے پر توجہ دو شہزادے..." اوشان نے اس کی بات نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ "بالکل اسی طرح معدے پر توجہ مرکوز کرو جس طرح میں نے برسوں قبل تمہیں تربیت دی تھی۔ صاف اور اچھا خون معدے میں بھیجو۔ ہاں... شاباش تم صاف اور اچھا خون اپنی رگوں سے معدے کی طرف جاتا ہوا محسوس کر رہے ہو... شاباش... اس طرح درد غائب ہو جائے گا۔"

ٹائیگر نے ایسا ہی کیا۔ اس نے اپنی ساری توجہ معدے پر مرتکز کر دی۔ اسے برسوں پہلی تربیت آج بھی یاد تھی لیکن اس وقت اس نے معدے پر توجہ اس لیے مرکوز کی تھی کہ اگر ایسا نہ کیا تو اوشان اسے سونے نہیں دے گا۔

"شاباش شہزادے... اور زیادہ قوت استعمال کرو۔ اچھا اور صاف خون معدے کی طرف جانا چاہیے تاکہ تمہارے معدے کی صفائی ہو سکے۔"

ہاسکن جانتا تھا کہ اگر ٹائیگر دوران خون معدے کی طرف کرنے میں کامیاب ہو گیا تو پٹھیوں پر خون کا دباؤ کم ہو جائے گا اور درد ختم ہو جائے گا۔

ٹائیگر نے محسوس کیا کہ خون اس کے جسم کے وسطی حصے کی طرف دوڑ رہا ہے۔ اسے گرمی لگنے لگی۔ اس کے ہاتھوں کی انگلیاں اب بھی کھل رہی تھیں اور بند ہو رہی تھیں۔

"کیا خون معدے میں جاتا ہوا محسوس کر رہے ہو میرے بچے؟" اوشان کی اپنی انگلیاں اب ٹائیگر کے معدے پر تھیں لیکن ٹائیگر کو ان کا احساس نہ تھا۔

"ہاں... ہاں..." ٹائیگر نے کہا۔

"شاندار۔" اوشان نے کہا اور پھر اسی لمحے ٹائیگر نے اپنے پیٹ پر زوردار ضرب محسوس کی۔ اس کا معدہ الٹ گیا۔ اس کو بے اختیار الٹی ہو گئی۔ وہ تڑپنے لگا لیکن ایک ہی لمحے بعد اس کی آنکھیں کھل گئیں۔ سر میں درد کا شائبہ تک نہ تھا اور ہاسکن آنکھیں پھاڑے کبھی استاد اور کبھی شاگرد کو دیکھ رہا تھا۔

اب صرف پیٹ پر اس جگہ درد باقی تھا جہاں اوشان نے ضرب لگائی تھی۔

ٹائیگر نے منہ صاف کرتے ہوئے ایک طویل سانس لی۔ اس کو غصہ آنے لگا تھا۔ "تم نے اتنی زور سے کیوں مارا؟ مجھے سخت درد محسوس ہو رہا ہے۔" اس نے غصیلے لہجے میں پوچھا۔

"ہاں میں بھی یہی چاہتا تھا کہ تم جیسا تاشکرا تکلیف میں مبتلا ہو۔" اوشان نے ہاتھ نچاتے ہوئے کہا۔ "میں نہیں چاہتا تھا کہ تمہارا سر درد سے پھٹ جائے اور تم خاموشی سے مر جاؤ لہٰذا میں نے تمہارے معدے پر مارا۔ اگر تم نے پھر کبھی سر درد کی شکایت کی تو میں زیادہ زور سے ضرب لگاؤں گا۔"

ہاسکن صرف مسکرا رہا۔ وہ یہی سوچ رہا تھا کہ یہ دونوں کتنی زبردست قوت کے مالک ہیں۔

ٹائیگر نے منہ ہی منہ میں کچھ کہا اور پھر باہر نکل گیا۔

◻

"یس سر..." گرگس نے خفیہ ٹیلی فون سیٹ کا ریسیور اٹھا کر کچھ سننے کے بعد کہا۔ "ایف بی آئی کو کچھ شک ہے۔ اس کی تلاش میں آل آؤٹ مہم جاری ہوا ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ وہ اسے کبھی تلاش نہیں کر سکیں گے۔ بہتر جناب... جی... جی ہاں تھینک یو سر۔" یہ کہہ کر اس نے ریسیور رکھ دیا۔ وہ اب محکمۂ انصاف میں خدمات انجام دے رہا تھا لیکن اسے یہ بھی احساس تھا کہ آئین سے ماورا کوئی قوت یا تنظیم اس کی سرپرست بن چکی ہے اور اسے یقین تھا کہ کیلی پیٹرسن بھی اب اس تنظیم کے لیے کام کر رہا ہے۔ اس کے سامنے ایف بی آئی کا وہ بلیٹن پڑا ہوا تھا جس میں ٹائیگر کی تلاش کا حکم تھا لیکن اس سے یہ بھی واضح ہو رہا تھا کہ ایف بی آئی والے ٹائیگر کی اصل شناخت نہیں کر سکے ہیں۔ خود گرگس کو بھی علم نہ تھا کہ وہ کون ہے کہاں ہے اور اس وقت کیا کر رہا ہے؟ ویسے گرگس کی خواہش تھی کہ مافیا کو تباہ کرنے کے کارنامے کے بعد وہ منظرِ عام پر آتا اور اسے ملک کا سب سے بڑا اعزاز دیا جاتا لیکن ساتھ ہی اسے یہ بھی احساس تھا کہ ایسے شخص کے منظرِ عام پر آنے کے بعد اس کی افادیت ختم ہو جاتی ہے۔ گرگس کو ابھی تک علم نہیں تھا کہ خفیہ ٹیلی فون پر جو خاص طور سے اس کے کمرے میں نصب کیا گیا تھا، کون بات کرتا ہے لیکن وہ ہاسکن سے بہرحال واقف تھا اور یہ بھی جانتا تھا کہ کیلی پیٹرسن براہِ راست ہاسکن کو رپورٹ دیتا ہے۔ گرگس کو شک تھا... کہ کیلی پیٹرسن ٹائیگر کی اصل شناخت جانتا ہے۔

گرگس نے ایک طویل سانس لی، قلم اٹھایا اور آل آؤٹ بلیٹن لکھنے لگا۔

"اطلاعات کے مطابق مافیا کے خلاف کامیاب آپریشن کرنے والا نوجوان امریکہ سے جا چکا ہے۔ محکمۂ انصاف کے شعبۂ سراغ رسانی کو ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ اس کی تلاش میں توانائی اور سرمایہ ضائع نہ کرے۔ ڈان گرگس! انچارج انویسٹیگیشن سیل محکمۂ انصاف برائے وزیرِ انصاف۔"

◻

"تم نے ذاتی انتقام لینے کے لیے اپنی حدود سے تجاوز کیا ہے ٹائیگر۔" بہرام اپنی میز سے دور کھڑا ہوا تھا۔ اس نے ایک پرانا تھری پیس پہن رکھا تھا اور اس کی نظریں دیوار پر مرتکز تھیں۔

"میں نے بہرحال انتقام لے لیا اور میرے اس انتقام کی وجہ سے یہ ملک منشیات کے ایک سب سے بڑے گروپ سے پاک ہو گیا۔" ٹائیگر کا لہجہ درشت تھا۔

"تم نے کس چیز کا انتقام لیا میرے بچے؟" اوشان جو بہت دیر سے خاموش بیٹھا تھا معاً ہی بول پڑا۔

"روبی... کا..." ٹائیگر کی زبان روبی کا نام لیتے ہوئے لڑکھڑا رہی تھی۔

اوشان کی مخصوص قہقہہ کمرے میں گونج اٹھی۔ ٹائیگر اچھل پڑا اور بہرام بھی منہ پھیر کر مسکرانے لگا۔ اسی لمحے دھڑلے سے دروازہ کھلا اور اس مرتبہ ایک بار پھر ٹائیگر کو ایسا لگا جیسے کمرے میں موجود ہر چیز تاج راجی ہو۔

روبی اس کے سامنے کھڑی ہوئی تھی۔

"روبی..." ٹائیگر کی جان نکلتی تھی کہ اسے لپکنے اور پیار کرنے کے جذبے پر کس مشکل سے قابو پانا پڑا ہے۔

"شہزادہ..." وہ مسکرا رہی تھی۔ اس کے سر پر اب بھی پٹیاں بندھی ہوئی تھیں اور چہرے سے پلاسٹک سرجری صاف ظاہر تھی۔ وہ ایک بیساکھی کے سہارے کھڑی ہوئی تھی۔

"تم... تم زندہ ہو روبی؟"

"میں مری کب تھی؟" روبی نے ایک قدم آگے بڑھانے کے لیے بیساکھی کو حرکت دی۔

"تم واقعی زندہ ہو؟" ٹائیگر کی آنکھوں میں ہلکی سی نمی پیدا ہونے لگی۔

"ہاں۔ میں زندہ ہوں اور تم مجھے دیکھ رہے ہو۔" روبی نے ایک اور قدم اٹھایا۔

"دھوکا... ٹائیگر جو اس وقت انسانی کیفیت میں تھا سب کچھ بھول گیا پھر اچانک ہی اس کے چہرے پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ وہ روبی کی طرف بڑھا۔ اس نے اسے چھو کر دیکھا۔ اس دوران میں روبی کی خوبصورت آنکھیں اسی پر جمی رہیں۔ وہ ایک قدم پیچھے ہٹا اور پھر شکوے بھرے انداز میں اوشان سے بولا۔ "تم نے بھی مجھ سے دھوکے میں رکھا فادر۔"

"نہیں میرے بچے۔" اوشان نے مسکرا کر جواب دیا۔ "میں نے تم سے کبھی یہ نہیں کہا تھا کہ روبی مر چکی ہے۔ یاد کرو میں نے کبھی ایسی کوئی بات کہی تھی؟"

"تم... مگر..."

"روبی حادثے میں شدید زخمی ہو گئی تھی۔" بہرام نے پلٹ کر کہا۔ "ہمیں پہلی اطلاع یہی ملی تھی مگر پھر ہاسکن کی طرف سے پیغام ملا کہ اس نے روبی کو کار سے نکال کر ایک اسپتال میں پہنچا دیا ہے پھر تم یہاں سے چلے گئے اور روبی یہاں داخل کر لی گئی۔ اب یہ تمہارے سامنے ہے۔ اس کی دونوں ٹانگیں ٹوٹ گئی تھیں، چہرہ مسخ ہو گیا تھا لیکن ہم نے اس پر بھرپور توجہ دی اور تمہارے کہ روبی نے کل ہی بستر چھوڑا ہے۔ بس اب اسے آرام کی ضرورت ہے۔ چند دنوں بعد یہ..."

"ایک بار پھر تمہارا منہ نوچنے کے لیے تیار ہو جائے گی۔" اوشان نے ہنس کر کہا۔ وہ سب ہنسنے لگے مگر ٹائیگر خاموش رہا۔ اس کا چہرہ سرخ ہوتا چلا گیا۔ اب اسے یہ احساس ہو رہا تھا کہ اس نے کرب کے جو دن گزارے ہیں وہ ضائع گئے۔ اس نے سب کو باری باری گھورا۔

"تم سب دھوکے باز ہو۔" یہ کہہ کر وہ پلٹا اور کمرے سے نکلتا چلا گیا۔

"بالکل۔" اوشان اور روبی نے دھیرے سے کہا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

"میری بچی۔" اوشان نے روبی کے ہاتھ تھام لیے۔

"میں کتنی کمزور ہو گئی ہوں۔ اس پر چیخ بھی نہ سکی۔"

"فکر مت کرو۔ اب جلد ہی تم ایک بار پھر اس پر چیخا کرو گی اور وہ ہمیشہ کی طرح کانوں میں انگلیاں دیا کرے گا لیکن میرا مسئلہ..."

"کیا مسئلہ ماسٹر؟" بہرام نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

"ایک جانشین درکار ہے میرے آقا۔" اوشان نے روبی کی طرف دیکھ کر کہا اور روبی کو ہنسی آ گئی۔ وہ جانتی تھی کہ اوشان کیا کہہ رہا ہے اور اسے یہ بھی علم تھا کہ اس کی خواہش شاید پوری نہ ہو۔ اس حادثے نے بہرحال اسے یہ خوشگوار یقین دلا دیا تھا

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کہ ٹائیگر اسے کس حد تک چاہتا ہے۔

"جی جناب! مافیا کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے والا صرف وہی تھا۔" ڈاکٹر بہرام نے بڑے احترام سے جواب دیا۔

"مگر مجھے اتنی خون ریزی پسند نہیں آئی۔" دوسری طرف صدر مملکت تھے۔

"میں کیا کہہ سکتا ہوں جناب... مگر میری رائے میں یہ خونریزی ضروری تھی۔ اگر ان میں سے کوئی بھی زندہ بچ جاتا تو بہت جلد نیا گروہ قائم ہو جاتا۔ اب کسی نئے گروہ کے قیام میں کافی وقت لگ جائے گا۔"

"کیا اس سے ملاقات ممکن ہے؟"

"وہ اپنی مرضی کا مالک ہے جناب۔ ملاقاتوں کی حد تک... میں کوشش کروں گا اور وہ آپ سے ملاقات کے لیے تیار ہو جائے۔" بہرام نے بالواسطہ طور پر انکار کر دیا۔

"میں اگر ملک کا صدر نہ ہوں تو صدر مملکت اس پر تملہ کر دے۔"

"میں نے اس حقیقت سے کبھی انکار نہیں کیا صدر محترم اور وہ بھی اس حقیقت سے واقف ہے۔"

"ٹھیک ہے... ٹھیک ہے۔" صدر کا لہجہ خفت آمیز تھا۔ "مجھے امید ہے کہ آئندہ بھی وہ ملک کے مفادات کا... اسی طرح خیال رکھے گا اور ہاں ایک بات بتاؤ! اس نے اسلحے کا استعمال کیوں شروع کر دیا؟"

"یہ ہماری نئی حکمت عملی ہے جناب۔" بہرام نے مؤدبانہ کہا۔ "فن شناسی کو اسلحہ دونوں پر مکمل مہارت حاصل کر کے وہ مزید موثر ہو گیا ہے جناب۔"

"ٹھیک ہے ڈاکٹر! اسے میری طرف سے مبارکباد دے دینا۔"

"شکریہ صدر محترم!"

ٹائیگر اب نیا دور دورے شغل کر رہا تھا۔ وہ جمنازیم میں تھا کہ اسے کوچی کے فرش پر ٹھک ٹھک کی آواز سنائی دی۔ وہ سمجھ گیا کہ یہ کس کی آواز ہے مگر اس نے پلٹ کر نہیں دیکھا۔

"شہزاد!" اسے عقب سے روبی کی آواز سنائی دی۔

"مجھے تم سے نفرت ہے۔" ٹائیگر نے پلٹے بغیر جواب دیا۔

"ہو گی... ایک بات تو بتاؤ۔" روبی نے سنی ان سنی کرتے ہوئے کہا۔

"میرے پاس بتانے کے لیے کچھ بھی نہیں ہے۔" ٹائیگر دانت پیس کر بولا اور لوہے کا وہ سریا ڈھیر ہو گیا جس پر وہ دیر سے زور آزمائی کر رہا تھا۔

"بکواس مت کرو روبی چلائی۔ "میں ہتھاں، گنوار، احمق، الو۔"

"کک... کیا...؟" ٹائیگر اچانک ہی خوفزدہ ہو گیا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا، روبی سینہ تانے کھڑی تھی اور بیساکھی اس کے ہاتھ میں اس طرح تھی جیسے وہ اسی سے ٹائیگر کی پٹائی کرنے والی ہو۔

"تم...!" روبی نے بیساکھی سے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"روبی پلیز!" ٹائیگر نے دونوں ہاتھ کانوں پر رکھ لیے۔ "چلاؤ مت، میرے کانوں کے پردے پھٹ جائیں گے۔"

"تب پھر میری بات غور سے سنو!"

"بولو۔" وہ بڑی بے چارگی سے بولا۔

"تم نے گاؤدی ہو۔"

"ٹھیک ہے، مان لیا۔"

"مان لیا نہیں، کہو میں گاؤدی ہوں۔"

"روبی! اپنے ہوش میں ہو یا نہیں؟" ٹائیگر سٹپٹا کر بولا اور روبی کے ہاتھ سے بیساکھی گر گئی۔

روبی ایک لمحے تک اپنی جگہ پر کھڑی کانپتی رہی۔ اس کے ہونٹ کپکپاتے رہے اور پھر معاً اس کی آنکھوں میں آنسو امڈ آئے تھے۔

"اجڈ، دہقان، لٹھ اور پھر اچانک وہ قہقہہ مار کر ہنس پڑی۔ نہ جانے کیوں ٹائیگر کو ایسا لگا جیسے روبی اسے عقل دلانا ہی چاہتی تھی اور اب اپنی کامیابی پر ہنس رہی ہے۔

اوشان مراقبے کی کیفیت میں بیٹھا ہوا تھا مگر اس کی نظریں آسمان پر مرکوز تھیں، جہاں ایک طیارہ مسلسل چکر کاٹ رہا تھا۔ اوشان کو علم نہیں تھا کہ یہ کیسا طیارہ ہے مگر وہ یہ ضرور جانتا تھا کہ اس میں شہزاد موجود ہے اور خود طیارہ چلا رہا ہے۔ اس نے جب یہ سنا کہ شہزاد طیارہ اڑانا سیکھے گا تو اس نے اس کی شدید مخالفت کی تھی اور کہا تھا کہ انسان کو اڑنے کے لیے کسی مشین کا محتاج نہیں ہونا چاہیے بلکہ اپنی قوت ارادی کے بل پر پرواز کرنا چاہیے۔ لیکن نہ جانے ٹائیگر پر بھی کیا مصلحت سوار ہوئی تھی کہ وہ فلائنگ سیکھنے کے درپے ہو گیا تھا۔ اس کے انسٹرکٹر نے دوسرے ہی روز اوشان کی موجودگی میں بہرام سے کہا تھا کہ اس کے شاگرد میں ہوا باز بننے کی تمام صلاحیتیں موجود ہیں اور اس وقت ٹائیگر ایک الف ۸ ایگل

صاحب طرز ادیب قمر اجنالوی کی تاریخی کتب

پرتھال	۱۲۵/-	نئی دنیا	۲۰۰/-
پنڈارے	۱۰۰/-	لاڈو	۹۰/-
ولی عہد	۱۵۰/-	بغداد کی رات (اول دوئم)	۶۰۰/-
شمشیر	۱۵۰/-	دھرتی کا سفر (اول دوئم)	۶۰۰/-
چاہ بابل	۴۰۰/-	مقدس مورتی (اول دوئم)	۴۰۰/-
سلطان	۴۰۰/-	جہان لوح وقلم	۱۷۵/-
جنگ مقدس	۱۵۰/-	غزالہ	۱۵۰/-
اور خان الغازی	۱۲۵/-		

مکتبہ القریش ○ اردو بازار لاہور ۲

جنگی طیارہ اڑا رہا تھا۔

اچھلتی کودتی اور دوڑتی ہوئی جیپ کے پیچھے گرد و غبار کا طوفان سا نظر آ رہا تھا۔ یہ جیپ صحرا میں دوڑ رہی تھی اور جیپ میں سوار مسافر بمشکل توازن برقرار رکھ رہے تھے۔ انھوں نے جیپ کے اندر لگے ہوئے سریے مضبوطی سے تھام رکھے تھے۔

جیپ کے ڈرائیور کی عمر ابھی بیس بائیس سال ہی تھی۔ اس کے چہرے کی رنگت آبنوسی تھی اور وہ اپنی ڈرائیونگ سے خود ہی لطف اندوز ہو رہا تھا۔ اس کے سفید دانت نکلے پڑ رہے تھے اور وہ بار بار ایسی انگریزی میں کچھ کہہ رہا تھا جس میں ہسپانوی زبان کی ملاوٹ زیادہ تھی۔

"پیرس... می... ڈاکٹر ڈاؤسن!" اس نے ایک بار پھر دانت نکال کر کہا۔ "یہ جگہ اس مقام سے بہت قریب ہے جس کا آپ معائنہ کرنا چاہتے ہیں۔" یہ کہتے ہوئے اس نے اسٹیئرنگ سے ایک ہاتھ ہٹایا اور ایک سمت میں اشارہ کیا۔ وہ جس سمت میں اشارہ کر رہا تھا وہاں اکہری ہوئی پہاڑیاں تھیں جن پر سرخے کا نام و نشان تک نہ تھا۔ اسٹیئرنگ سے اس نے جونہی ہاتھ ہٹایا جیپ خطرناک حد تک بے قابو ہونے لگی اور ڈرائیور ہلکی سے احتیاط چیخنے لگی۔ اسے ایسا لگتا تھا جیسے جیپ کسی بھی لمحے الٹ جائے گی۔

مارٹا ایزن کے لیے یہ صحرا اگرچہ نئے نہیں تھے، وہ صحرائے سینا میں بھی گھوم پھر چکی تھی مگر اس نے اتنی وحشیانہ ڈرائیونگ پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ مصری سرحد کے قریب اسرائیلی ایجنٹ مارٹا کئی ایسے اہم مشن مکمل کر چکی تھی جن میں بارودی سرنگوں کا بھی خطرہ درپیش رہتا تھا۔ فلسطینی چھاپہ ماروں کا دھڑکا لگا رہتا تھا اور یا جاسوسوں کے اس صحرا میں اس کو نہ تو فلسطینی حریت پسندوں کا خطرہ تھا اور نہ ہی بارودی سرنگوں کا... لیکن وہ پھر بھی خوفزدہ تھی کیونکہ ڈرائیور کی ڈرائیونگ اسے سب سے زیادہ خطرناک لگ رہی تھی۔

مارٹا نے سر جھٹک کر ہونٹ بھینچ لیے۔ وہ اب مزید خوف کا اظہار کرنے سے بھی ڈر رہی تھی۔

"میرا لاس کیورنز... ڈاکٹر...!" ڈرائیور کہتا رہا۔ اس کی توجہ اس نام نہاد سڑک پر نہیں تھی جس پر وہ جیپ دوڑا رہا تھا۔ "احتیاطی تجزیہ آپ کے لیے بہت اہم ہے نا؟"

"ریڈ ڈو... روڈ پر توجہ رکھو۔" ڈاکٹر پیٹر ڈاؤسن نے چیخ کر کہا۔ "میں اسپتال کے بستر پر جا کر باجا مور میں پانی کے نمونوں کی تلاش نہیں کر سکتا۔"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"ارے نہیں"۔ رچرڈ نے دانت نکال کر ڈاکٹر ڈاؤسن کی طرف دیکھا اور جیپ ایک بار پھر بہت زور سے اُچھلی۔ مارٹا کا سر چھت سے ٹکرایا تو وہ کراہنے لگی۔ "لو سنیتو ماچو ڈاکٹر"۔ اس نے یقین دلایا "میں بڑی توجہ سے گاڑی چلا رہا ہوں"۔

مارٹا کا سر اس بار جیپ کی دیوار سے ٹکرایا تو وہ چیخنے لگی اس کے ساتھ ہی جیپ ایک تودے سے ٹکرائی جو نام نہاد سڑک کے وسط میں اُبھرا ہوا تھا۔ جیپ اُچھلی اور اُسی لمحے رچرڈ کے دونوں ہاتھ اسٹیئرنگ سے ہٹ گئے۔ اب جیپ خود سر، بے راہ رَو اور بگڑی ہوئی ماڈل گرل کی طرح خود ہی اپنے راستے پر دوڑ رہی تھی۔ اس سے قبل کہ رچرڈ واسٹیئرنگ پر قابو پاتا جیپ تیزی سے ایک طرف لپکی۔ ایک اُونچی جگہ پر چڑھی اور قبل اس کے کہ رچرڈ بریک لگاتا وہ دونوں جیپ سے کُود گئے۔ انھوں نے زمین پر گرتے گرتے جیپ کا ایک ٹائر پھٹتے اور پھر جیپ کو بمشکل رُکتے ہوئے دیکھا۔ گرد و غبار کے بگولے نے انھیں چھپا لیا۔

چند لمحے بعد رچرڈ وان کے قریب کھڑا ہوا تھا۔ "کمال ہے، بڑی ضدی جیپ ہے"۔ اس نے معذرت خواہانہ انداز میں ہنستے ہوئے کہا۔

"رچرڈ وہیئر"۔ ڈاؤسن نے گرج کر کہا۔ "اگر ہم کسی بستی سے سینکڑوں میل دُور نہ ہوتے تو میں تمھیں اسی وقت ملازمت سے برطرف کر کے پیدل واپس جانے پر مجبور کر دیتا"۔

"مگر... مگر آپ کس بات پر ناراض ہو رہے ہیں، ڈاکٹر ڈاؤسن؟" رچرڈ نے کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں کہا۔ "ہم زندہ تو ہیں نا؟ زخمی بھی نہیں ہوئے اور اس جگہ سے زیادہ دُور بھی نہیں جہاں آپ کو کچھ کام کرنا ہے۔ اس اعتبار سے تو ہم بہت خوش قسمت ہیں... ہیں نا؟"

ڈاؤسن اور مارٹا نے اپنے آپ کو ٹٹول کر دیکھا اور پھر سکون کی سانس لی۔ وہ ریت پر گرنے کی وجہ سے زخمی نہیں ہوئے تھے... ڈاؤسن نے مغرب کی طرف دیکھا اور پھر بڑے ڈرامائی انداز میں ہاتھ اُٹھا کر کہا۔ "ہم پختہ سڑک سے اب بھی تیس کلو میٹر دُور ہیں اور پھر اس سڑک سے ہاؤزکا فاصلہ ایک سو بیس کلو میٹر ہے۔ کابوسان تو کا اس کا فاصلہ اس سے نصف ہے۔ ہماری جیپ ایک تودے پر کسی بطخ کی طرح بیٹھی ہوئی ہے۔ اس کا ایک پہیہ پنکچر ہو گیا ہے، ممکن ہے کہ انجن بھی متاثر ہوا ہو۔ میری پیٹھ اگنے کی وجہ سے دُکھ رہی ہے اور تم کہتے ہو کہ میں پریشان کیوں ہوں"۔

رچرڈ واتنے طویل لیکچر پر بغلیں جھانکنے لگا۔ اس نے کچھ کہنا چاہا مگر ڈاکٹر ڈاؤسن کی خشمگیں نظروں کی تاب نہ لا کر منہ پھیر لیا۔

"یس... میں ٹائر ابھی دیکھ لیتا ہوں ڈاکٹر... اور انجن کے بارے میں مجھے یقین ہے کہ زیادہ متاثر نہیں ہوا ہوگا اگر تھوڑا سا گرم بھی گیا ہے تب بھی کام چل جائے گا"۔ یہ کہہ کر اس نے ہنسنے کی کوشش کی مگر ڈاکٹر ڈاؤسن کی گھرکی سنتے ہی جیپ کی طرف لپک گیا۔

"میں بھی اس کا ہاتھ بٹانا چاہتی ہوں"۔ مارٹا نے مسکرا کر کہا۔ وہ آہنی اعصاب کی مالک تھی لہٰذا اس نے جلد ہی خود پر قابو پا لیا تھا مگر جیپ کے قریب پہنچ کر اس نے ہاتھ بٹانے کی بجائے جیپ سے تھرماس نکالا اور پھر ایک کمبل جیپ سے ذرا ہٹ کر بچھا دیا۔ تھرماس دیکھ کر ڈاؤسن کی پیاس جاگ گئی۔ ایک ایک گلاس پینے کے بعد دونوں مسکرا رہے تھے اور مارٹا اپنے بھورے بالوں پر ہاتھ پھیر رہی تھی۔ اس کی سبز آنکھیں بھی مسکرا رہی تھیں۔

"ٹائر بدلنے کے بعد ہم غاروں میں چلیں گے ڈاکٹر"۔

"ہاں، کچھ پیدل چلنا پڑے گا"۔ ڈاؤسن نے پسینہ پونچھتے ہوئے جواب دیا۔ وہ اپنی چیف ریسرچ اسسٹنٹ کو بغور دیکھ رہا تھا جو اس مشن میں کسی بھی مرد سے زیادہ مفید ثابت ہوئی تھی۔ تیز مشروب کے دو گلاس پینے کے بعد مارٹا اب دلچسپ نظروں سے رچرڈ کو دیکھ رہی تھی جو اپنے ہاتھوں سے گریس اور مٹی صاف کر رہا تھا۔ ڈاؤسن بھی ہنس ہنس کر باتیں کر رہا تھا۔ اُسے یقین تھا کہ لنچ کے بعد وہ اپنے مشن پر پھر روانہ ہو سکیں گے۔ ڈاکٹر ڈاؤسن کے لیے یہ انتہائی اہم مشن تھا۔ اسی باعث وہ پوری ٹیم لے کر باجا کیلی فورینا کے علاقے میں آیا تھا۔ یہاں پانی کی تلاش اگر کامیاب ہو جاتی تو پھر علاقے میں متعدد بھی قائم ہو سکیں گی اور روزگار کے مواقع بھی فراہم ہو سکیں گے۔ فی الوقت کابوسان سے... یا باجا کیلی فورینا صحرا تک ریت ہی ریت تھی۔ پانی کا نام و نشان تک نہ تھا۔ پانی کی تلاش زندگی اور موت کا مسئلہ تھا لیکن یونیورسٹی آف ایریزونا کے ڈاکٹر ڈاؤسن کو یقین تھا کہ وہ پانی کی دریافت میں بہت قریب پہنچ گیا ہے۔

اب جیپ پھدک رہی تھی لیکن رچرڈ اس بار بھی مسلسل باتیں کر رہا تھا۔ اس کی نظریں سڑک سے زیادہ اِدھر اُدھر تھیں۔ کچھ دیر بعد وہ ایک تنگ گھاٹی نما علاقے میں داخل ہی ہوئے تھے کہ اگلا ٹائر پھٹ گیا اور جیپ تیز رفتاری کے باعث خطرناک انداز میں ڈولنے لگی۔ تاہم رچرڈ نے اُسے اُلٹنے نہیں دیا اور پھرتی سے کام لے کر اُسے روک لیا۔

انجن کے غرانے کی آواز اچانک گم ہو جانے کے باعث وہ گویا

کی آواز نہیں سُن سکے تھے۔

زخمی گاڑی کے اردگرد دیر تک ریت اور دُھول اُڑتی رہی۔ اس بار صورتِ حال بہت خطرناک ہو گئی تھی کیونکہ اب ان کے پاس فاضل وہیل بھی نہیں تھا۔ وہ اس وقت بھی پختہ سڑک سے میلوں دُور تھے جہاں کبھی کبھار ہی پانچ سو گز پیدل چلنے والے کی بھی موت واقع ہو جاتی ہے۔ اب ان کے پاس صرف ایک ہی راستہ تھا، وہ یہ کہ سر ہاتھ پر رکھ کر دھرے کسی امدادی مہم کا انتظار کریں۔

مارٹا جیپ سے اُتر کر متاثرہ وہیل کا معائنہ کرنے لگی۔

"ارے...!" وہ اُچھل پڑی۔ "ایسا لگتا ہے کہ کسی نے پہیے کو نشانہ بنا کر گولی ماری ہے۔ یہ دیکھو، اس کا لہجہ خوفزدہ تھا۔ ٹائر میں گولی کا واضح نشان موجود ہے"۔

تب ہی اُن کے عقب میں چند افراد نہ جانے کہاں سے نمودار ہوئے اگر کوئی انھیں دیکھ لیتا تو یہی کہتا کہ وہ زمین پھاڑ کر نکلے ہیں۔ یہ لوگ صحرائی ریت کی رنگت کی یونیفارم پہنے تھے، جدید لیدر جیکٹ پہنے ہوئے تھے۔ ان کے بال دراز تھے اور چہروں کے گرد پھیلے ہوئے تھے۔ ان کے سنجیدہ چہروں پر مونچھیں بھی نظر آ رہی تھیں۔ وہ سب خاموش تھے۔ ڈاکو اور رچرڈ انھیں دیکھ کر کانپنے لگا۔ مارٹا اور ڈاؤسن کی حالت بھی انھیں دیکھ کر زیادہ مختلف نہیں تھی۔

ڈاؤسن نے تھوک نگلا اور مشکل کہا۔ "آپ حضرات کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ ہم کوئی امیر آدمی نہیں، سائنسدان ہیں اور... اور گورنر کی دعوت پر آپ لوگوں کے لیے... پپ... پانی تلاش کرنے کے لیے آئے ہیں اگر آپ حضرات ہمیں جانے دیں تو آپ ہی کا فائدہ ہوگا"۔

"ہم جانتے ہیں کہ تم کون ہو"۔ یہ جملہ سلیس انگریزی میں ادا کیا گیا تھا اور ڈاؤسن کو ایک بار پھر پلٹ کر دیکھنا پڑا تھا کیونکہ یہ آواز اُس کے عقب سے آئی تھی۔ اپنے ہاتھوں کو سروں پر رکھ لو۔ اپنی جگہ سے حرکت بھی نہ کرنا"۔

ریسرچ سائنٹسٹ کو مجبوراً ایسا ہی کرنا پڑا۔ حکم عدولی مفید نتائج سے عاری صورتِ حال تھی لیکن اس دوران میں اُس نے حکم دینے والے کا بغور جائزہ ضرور لے لیا تھا۔ اسے حیرت تھی کہ اس قسم کا آدمی ایسے مستحکم لہجے میں کس طرح بات کر سکتا ہے۔ وہ ایک بے حد سانولا شخص تھا لیکن اس کے بال درازتھے اور چہرے کے گرد پھیلے ہوئے تھے۔ ان کے سنجیدہ چہروں پر مونچھیں بھی نظر آ رہی تھیں۔ وہ سب خاموش تھے۔ ڈاکو اور رچرڈ انھیں دیکھ کر کانپنے لگا۔ مارٹا اور ڈاؤسن کی حالت بھی انھیں دیکھ کر زیادہ مختلف نہیں تھی۔

ڈاؤسن نے تھوک نگلا اور مشکل کہا۔ "آپ حضرات کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ ہم کوئی امیر آدمی نہیں، سائنسدان ہیں اور... اور گورنر کی دعوت پر آپ لوگوں کے لیے... پپ... پانی تلاش کرنے کے لیے آئے ہیں اگر آپ حضرات ہمیں جانے دیں تو آپ ہی کا فائدہ ہوگا"۔

"ہم جانتے ہیں کہ تم کون ہو"۔ یہ جملہ سلیس انگریزی میں ادا کیا گیا تھا اور ڈاؤسن کو ایک بار پھر پلٹ کر دیکھنا پڑا تھا کیونکہ یہ آواز اُس کے عقب سے آئی تھی۔ اپنے ہاتھوں کو سروں پر رکھ لو۔ اپنی جگہ سے حرکت بھی نہ کرنا"۔

ریسرچ سائنٹسٹ کو مجبوراً ایسا ہی کرنا پڑا۔ حکم عدولی مفید نتائج سے عاری صورتِ حال تھی لیکن اس دوران میں اُس نے حکم دینے والے کا بغور جائزہ ضرور لے لیا تھا۔ اسے حیرت تھی کہ اس قسم کا آدمی ایسے مستحکم لہجے میں کس طرح بات کر سکتا ہے۔ وہ ایک بے حد سانولا شخص تھا لیکن اس کے ہاتھ میں روسی ساختہ اے کے ۴۷ اسالٹ رائفل موجود تھی۔ اس کے بالوں کی رنگت سیاہ کالی تھی اور چہرہ ہسپانوی اور انگریز نسلوں کے ملاپ کا مظہر تھا۔ اس کے چہرے پر سفاکی تھی لیکن آنکھیں زندگی کی چمک کھا رہی تھیں۔

"اعلیٰ حضرت... کپتان صاحب..." رچرڈ ہکلانے لگا۔

ریحانہ پبلی کیشنز
قیمت: ۱۵۰/۰۰ روپے

"تمھیں دیوتاؤں کا واسطہ... میری جان بخشی کر دو۔ میں ایک فقیر اسی باپ کا بیٹا اور لکڑہارے دیوا کا پوتا ہوں۔ میرے عوض تمھیں کوئی رقم نہیں دے گا۔ میرے پاس نہ تو رقم ہے اور نہ ہی میں سیاست میں دلچسپی لیتا ہوں، میری جان بخشی کر دو عظیم کپتان"۔

"کم ذات... دو ٹکے منافق"۔ ڈاکوؤں کے لیڈر نے رچرڈ کے اُلٹا ہاتھ رسید کیا۔ "میں تجھے زندہ کیوں چھوڑوں گا؟ اس بار اس نے زوردار گھونسا مارا، رچرڈ گھٹنوں کے بل گر کر جان بخشی کی بھیک مانگنے لگا۔

"تم امریکی ہو"۔ ڈاؤسن نے پکڑے جانے کے صدمے سے سنبھلتے ہوئے کہا۔

"میں امریکی تھا بندر"۔ ڈاکوؤں کے سرغنہ نے دانت پیستے ہوئے کہا۔ "تم جیسے کمینوں نے مجھے میرے ملک سے نکلنے پر مجبور کیا۔ میری طرف دیکھو، میں تم جیسوں سے بہتر انگریزی بول سکتا ہوں لیکن تم نے مجھ سے میرا ملک چوری کر لیا۔ اب وقت آ گیا ہے کہ تم لوگ اپنے اس جرم کا جرمانہ ادا کرو۔ اب حکم دینے والے ہم ہوں گے... ہم حکمرانی کریں گے، ساری طاقت عوام کے لیے ہے"۔

دراز قد شخص یہ کہہ کر ڈاؤسن کے قریب سے گزر کر جیپ کی طرف جانے لگا۔ کئی لٹیرے مارٹا کو دیکھ دیکھ کر ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگے۔ تاہم باقی تمام افراد کی نظریں کلائیڈ ایڈم پر مرکوز تھیں وہی اُس لٹیرے کا نام تھا۔

رچرڈ کو نظر انداز کیے جانے کے بعد ایک بار پھر اپنا کھیل شروع کرنے کا فیصلہ کیا۔

ڈاکٹر ڈاؤسن نے کن انکھیوں سے نوجوان ڈرامہ کو غیر محسوس طور پر ٹیلے کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھا۔ شاید وہ ٹیلے کے دوسری طرف جھاڑیوں میں پناہ لینا چاہتا تھا۔ ڈاؤسن نے یہ سوچا کہ شاید رچرڈ کے فرار سے اُنھیں بھی بچنے میں مدد مل سکے۔ اُس نے اپنا کھیل شروع کر دیا جس کا مقصد رچرڈ کو فرار میں مدد دینے کے لیے تمام توجہ

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

اپنی طرف بمدول کرانا تھا۔

"تمہاری انگریزی واقعی بہت شستہ اور سلیس ہے نوجوان!" ڈاؤسن نے کلائیڈ ایڈم سے کہا۔ "لیکن تمہارے تمام الزامات بے بنیاد اور لغو ہیں۔ اس وقت تک رچرڈ ٹیلے کے قریب پہنچ چکا تھا "تم جو کوئی بھی ہو اگر امریکہ ہی میں رہتے تو زیادہ بہتر تھا میرا خیال ہے کہ تم ایک اچھے سیاست دان ضرور بن جاتے۔"

پل بھر کی اس جرأت کا جواب کلائیڈ کے تھپڑ کی شکل میں ملا۔

"میں کلائیڈ ایڈم ہوں اور تم آگے چل کر میرے بارے میں بہت کچھ سنو گے!"

تھپڑ کھانے کے باوجود ڈاؤسن نے رچرڈ کو موقع دینے کی جدوجہد ترک نہ کی۔

"اس تھپڑ کے باوجود میں اپنے نظریے سے منحرف نہیں ہوا کلائیڈ ایڈم!" ڈاؤسن نے کہا۔ "تم ڈاکو کی بجائے سیاست دان ہوتے تو بہتر تھا۔ ڈاکو نما کی سربراہی تمہیں زیب نہیں دیتی، دیکھو! تم نے ایک بے ضرر سے ریسرچ سائنسدان کو یرغمال بنایا ہے۔ اس کی اسسٹنٹ بھی تمہارے لیے سود مند ثابت نہیں ہوگی۔ ہمارے پاس نہ تو اسلحہ ہے اور نہ ہی رقم... ہمارے خوش کوئی بھی تاوان ادا کرنے پر تیار نہیں ہوگا۔"

رچرڈ واقعی یقیناً جھاڑ بھلسیں جا چکا تھا۔

کلائیڈ چند لمحوں تک اپنے قیدی کو گھورتا رہا اور پھر اس کے جوشِ خفاظت آمیز مسکراہٹ پیدا کرنے کے لیے پھیل گئے۔

"تمہارا تاوان تو بہرحال ملے گا بوڑھے گدھ!" اس نے تھوک کر بالو کی پشت سے منہ پونچھنے کے بعد کہا۔ "آج کے دور میں تاوان کی وصولی کرنا کسی بھی ڈاکو کے لیے مشکل نہیں ہوتی۔ ویسے میں اس گروہ کا سربراہ نہیں ہوں، صرف سیکنڈ ان کمان ہوں۔ ہم البیرن ڈی بارنیکا کی فوج ہیں اور ہم جہد و جہد آزادی۔۔۔!"

"آہا۔۔۔ ہو۔۔۔!" کلائیڈ کا زمیہ اس کے ساتھیوں کے وحشیانہ اور پرجوش نعروں کی گونج میں دب گیا۔ اسی ٹیلے کے عقب سے ایک اور مگر کربناک آواز سنائی دی۔ ہر ایک ٹیلے کی طرف پلٹ گیا جہاں دو وحشی رچرڈ کو کسی بکری کی طرح کھینچتے ہوئے لا رہے تھے۔ رچرڈ کی حالت غیر تھی۔ وہ بری طرح کانپ رہا تھا۔

"رحم۔۔۔ رحم۔۔۔ مجھ پر رحم کرو میرے بچے!" وہ لڑکھڑاتے ہوئے چیخ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں سے موٹے موٹے آنسو گر رہے تھے۔

"میں نے اسے فرار ہوتے ہوئے پکڑا تھا۔ اس نے مجھے اس چاقو سے زخمی کر دیا چاقو ایک ڈاکو نے چاقو دکھانے کے بعد اپنا زخم بھی دکھایا۔

"غدار۔۔۔ کم ذات خبیث۔۔۔!" کلائیڈ ایڈم کا چہرہ غصے سے کالا ہو گیا۔ "میں تجھ پر ضرور رحم کروں گا۔ تو نے البیرن کی فوج کی قید سے فرار ہونے کی کوشش کی اور تو نے آزادی کے ایک مجاہد کو زخمی بھی کر دیا۔ اس جرم کی سزا بہت عبرتناک ہے۔" یہ کہہ کر وہ اپنے ساتھیوں کی طرف پلٹا۔ اس کے چہرے پر اب درندگی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے درندگی آنکھوں سے اتر کر چہرے پر آ گئی ہو۔ "تو لوگو! یہ ہم وطن غدار یہ سمجھتا ہے کہ چاقو بہت اچھی چیز ہے۔ لہٰذا اس نے چاقو ہی سے ہمارے ایک ساتھی کو زخمی کیا ہے۔ کیا تم لوگ چاقو مہارت سے استعمال کر سکتے ہو؟" یہ کہہ کر اس نے ہیبناکی میں چلاّ کر کچھ کہا۔ رچرڈ کا چہرہ اس طرح سُرت گیا جیسے کسی نے اسے سزائے موت سنا دی ہو۔ ساتھ ہی کلائیڈ ایڈم نے رچرڈ کے بال پکڑ کر بہت زور سے جھٹکا دیا۔ "غدار۔۔۔ غیر ملکیوں کے ساتھ کام کرتا ہے!"

"خدا جانتا ہے کہ میں کوئی نقصان پہنچانا نہیں چاہتا تھا میں۔۔۔ تو تو خود۔۔۔" ہکلا کر فرار ہو رہا تھا۔ رچرڈ باقاعدہ رونے لگا۔ مگر کلائیڈ نے اس کے منہ پر تھوک دیا۔

"دیکھا دوستو! اسے چاقو بہت پسند ہے۔" کلائیڈ ایڈم نے ایک بار پھر للکار کر کہا۔ "لیکن اسے پتا نہیں کہ دوسرے بھی چاقو استعمال کرنا جانتے ہیں۔ کیوں کیا خیال ہے؟"

نیم دائرے کی شکل میں کھڑے ہوئے ڈاکوؤں کے چہروں پر سفاکانہ مسکراہٹ دوڑ گئی۔ انھوں نے اپنے اپنے چاقو نکال لیے۔ چاقوؤں کے پھل چمکنے لگے۔ ایسا لگنے لگا جیسے یہ بیک وقت ہنس بھی قہقہے لگا رہے ہوں۔ "میں اسے تمہارے رحم و کرم پر چھوڑتا ہوں دوستو! جس طرح چاہو، چاقو زنی سکھاؤ۔"

مارٹا اور ڈاؤسن کے چہروں کی رنگت فق ہو گئی۔ وہ ان درندوں کے ہاتھوں میں چاقو دیکھ کر ہی بہت کچھ سمجھ گئے تھے۔

سب سے پہلے ہکے بکے کھڑے ہوئے اور رچرڈ کے کپڑے کٹ کر تن سے الگ ہونے لگے۔ اس کے بعد وہ اس کی کھال اتارنے لگے۔ رچرڈ بری طرح تڑپ رہا تھا مگر چار ڈاکوؤں نے اسے دبوچ لیا تھا۔

مارٹا نے یہ تو سنا تھا کہ اسرائیلی موساد نے کسی فلسطینی حریت پسند کی کھال اتار دی ہے مگر اس نے کھال اترتی ہوئی کبھی نہیں دیکھی تھی۔

تب ہی کلائیڈ ایڈم کی آواز انھیں سنائی دی۔ انھوں نے آنکھیں نہیں کھولیں بس سنتے رہے۔

"میں تم غیر ملکیوں سے نفرت کرتا ہوں۔۔۔ کیونکہ تم ہمارے ملک

سے زیادہ نفرت ہے جو تمہارے ساتھ تعاون کرتے ہیں۔"

تب ہی ڈاؤسن غصے سے چیخنے لگا۔ اس کے حق سے عجیب سی غراہٹ نکلی اور وہ رچرڈ کو بچانے کے لیے اس کی طرف جھپٹا لیکن فوراً ہی کسی نے اس کی ٹانگ پر ٹانگ ماری اور وہ منہ کے بل گرا۔ کلائیڈ ایڈم نے رائفل کا بٹ اس کی ران پر مارا پھر وہ ڈاکو جو چاقو زنی میں مصروف نہ تھے ڈاؤسن پر پل پڑے تاہم انھوں نے صرف بیروں سے کام لیا۔ وہ ڈاؤسن کو روندتے رہے تھے۔ اس کے اوپر چڑھ کر کود رہے تھے کئی افراد کی اس بربریت کے باعث ڈاؤسن بہت جلد ہی بے ہوش ہو گیا۔

مارٹا نے ہاتھوں میں منہ چھپا لیا۔ وہ متلی ہونے لگی۔ اس نے ایسا ظلم پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ تشدد کے اسرائیلی طریقوں کے بارے میں صرف سنتی ہی آئی تھی پھر جب اس نے چہرے سے ہاتھ ہٹائے تو ڈاکو رچرڈ کو ادھیڑ رہے تھے۔ رچرڈ کی آواز بیٹھ چکی تھی لہٰذا اب صرف اس کا منہ کھلتا ہوا تھا آواز نہیں نکل رہی تھی۔

پھر مارٹا نے الٹی کر دی۔

اس نے رچرڈ کو ساکت ہوتے دیکھا۔

رچرڈ کے بے ہوش ہوتے ہی ڈاکوؤں کے ہاتھ اور تیز کی سے چلنے لگے۔ اب رچرڈ کے بازو، پیر، گھٹنے، ہاتھ، انگلیاں، گویا غرض کہ ہر عضو جسم سے الگ کیا جا رہا تھا پھر اچانک ہی ایک ڈاکو نے رچرڈ کے حلق پر وار کیا اور سر تن سے جدا ہو گیا۔ اسی کے ساتھ فتح کے نعرے لگنے لگے۔ ان میں سے ایک نے رچرڈ کا سر بالوں سے پکڑ کر اٹھایا اور جیب میں رکھ لیا۔ اس وقت کئی ڈاکو سر بریدہ لاش کے گرد قہقہے لگا رہے تھے۔

پھر ڈاکوؤں نے اپنے ہاتھوں سے خون صاف کیا اور اس کے بعد جیپ میں رکھی ہوئی بوتلوں پر پل پڑے۔ کچھ دیر بعد کلائیڈ ایڈم، مارٹا کی طرف بڑھا۔ اس کی شیطانی آنکھوں میں شیطانی چمک تھی۔ وہ اس کے قریب آ کھڑا ہوا۔ "اس قسم کی ذرا سی بھی ورزش سے مجھے تم جیسی لڑکیوں کی طلب محسوس ہونے لگتی ہے۔ تم بہت خوبصورت ہو!"

مارٹا کو علم تھا کہ اگر وہ حوصلہ ہار بیٹھی تو یہ ڈاکو اپنی ہر خواہش پوری کر لیں گے۔ ماحول اور صورتحال اعصاب شکن تھی مگر اس نے خود پر بڑی کوشش سے قابو رکھا۔

"تم نے مجھے ہاتھ بھی لگایا تو یہ خود تمہارے حق میں بہتر نہیں ہو گا کلائیڈ ایڈم! اس کا نتیجہ تمہیں بھگتنا پڑے گا۔ اس میں کوئی کمزوری نہیں تھی تمہارے لیے بہتر یہی ہے کہ مجھے آزاد چھوڑ دو اگر تم نے ایسا نہ کیا تو ایک انتہائی بھیانک عالمی صورتِ حال پیدا ہو جائے گی۔"

ایڈم نے زوردار قہقہہ لگا کر اس کا ہاتھ پکڑنے کی کوشش کی مگر وہ ایک طرف ہٹ گئی۔ "شاید اب تم یہ نہ بھولی کہ امریکی وزیر خارجہ یہاں آ کر مجھے دھمکی دے گا کہ لڑکی کو چھوڑ دو، ورنہ امریکی فوج یہاں اتار دی جائے گی یا وہ تمہاری بحفاظت واپسی کے لیے مجھے بطور معاوضہ پیش کرنا منظور کر لے گا۔" یہ کہتے ہوئے ایڈم نے پھر زوردار قہقہہ لگایا۔ اس کے ساتھی بھی ہونٹوں پر زبان پھیر کر مسکرانے لگے۔

"تم ہی غلطی کر رہے ہو ایڈم! مارٹا بہت سنجیدہ تھی۔ "میں امریکی نہیں اسرائیلی شہری ہوں۔ تم نے یقیناً موساد کی انتقامی کارروائیوں کے بارے میں سنا ہو گا۔ میں اسی موساد کا ذکر کر رہی ہوں، جو اسرائیلی شہری انٹیلی جنس کو ارجنٹائن سے اغوا کر لے گئی تھی۔ امریکی حکومت اپنے شہریوں کو بچانے کے لیے کچھ نہیں کرتی لیکن اسرائیلی حکومت جنگ کی حد تک جانے کو تیار ہو جاتی ہے اگر مجھے نقصان پہنچائے بغیر فوراً رہا نہیں کیا گیا تو موساد کے ایجنٹ یہاں بھی پہنچ جائیں گے اور تمہارے بہت سے لوگ مارے جائیں گے کلائیڈ ایڈم!"

ایڈم ایک لمحے کے لیے چکرا کر رہ گیا۔ اسے حیرت تھی کہ البیرن کے مخبروں نے اسرائیلی کا ذکر کیوں نہیں کیا۔ اطلاع صرف یہی ملی تھی کہ ایک امریکی سائنس دان اپنی نائب کے ساتھ یہاں سے گزرے گا۔ وہ سوچنے لگا کہ کیا اس لڑکی کو بچانے کے لیے اس کے وطن والے واقعی خون خرابہ کر سکتے ہیں؟ پھر وہ سر جھٹک کر رہ گیا۔ جہنم میں جاؤ! اس نے غرا کر کہا۔ "تمہارے بارے میں فیصلہ عظیم البیرن ہی کریں گے۔" اس نے ایک بار پھر کچھ سوچا اور پھر دو انگلیاں منہ میں ڈال کر سیٹی بجائی۔ اچانک ہی ایک نوجوان کئی گھوڑے لے کر نمودار ہوا۔ ایک ڈاکو نے بڑھ کر بے ہوش ڈاؤسن کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی اور اسے ایک گھوڑے پر لاد دیا جبکہ دوسرے ڈاکو نے مارٹا کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی۔ اسے کئی ہاتھوں نے گھوڑے پر سوار کرایا۔ رچرڈ کی لاش وہیں چھوڑ دی گئی اور یہ قافلہ ایک سمت میں بڑھ گیا۔

5

صبح کے سورج کی نرم روشنی سبز چشموں پر گر کر چھن رہی تھی۔ یہ چشمے ملی جلی خوشگوار قسم کے مخلوم سے تھے۔ ہوا اور روشنی کے اس ملاپ سے اندھیرے اجالے کا سماں پیدا ہو رہا تھا پھر ادھر ادھر شوخ رنگ کے طیور بھی چہچہا رہے تھے۔ یہاں سحر کا سا سماں تھا۔ اس خوبصورت و دلکش ماحول میں جوڑے ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر چہل قدمی کر رہے تھے۔ بعض نوجوان اشنانوں پر کھڑے پی رہے تھے۔ ہر

ندیم

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

طرف قہقہوں کا راج تھا لیکن ہر ایک کو معلوم تھا کہ مقابلہ شروع ہوتے ہی ہر طرف خاموشی چھا جائے گی، نامزدگیوں کا اعلان ہوگا، ڈریز نکالے جائیں گے اور پھر مقابلے شروع ہو جائیں گے۔

کچھ دیر بعد دو ایسے افراد آگے بڑھے جنھوں نے قدیم دربار والی ایسی وردی پہن رکھی تھی جو نقیبوں کے لیے مخصوص ہوتی تھی۔ انھوں نے لمبے پہلوؤں میں جھولتے ہوئے چھوٹے چھوٹے تقارے بجائے۔ اسی کے ساتھ ارل مارشل اپنے عملے کے ساتھ گراؤنڈ میں داخل ہوگیا۔ عملے نے شاہی دربار کی چمک دار اور شوخ رنگ وردیاں پہن رکھی تھیں۔

"مائی لارڈز اینڈ لیڈیز... اٹینشن پلیز۔ پرنس ڈریگون کی خواہش ہے کہ آپ حضرات و خواتین اگراؤنڈ پر وسینڈ کسٹ کے آخری کونے پر تشریف رکھیں۔ وہ حضرات اور نامس جو مقابلے میں حصہ لینا چاہتے ہیں، میرے پیچھے میں کشریف لے جائیں۔ شاہی پویلین کے دائیں طرف..."

اسی کے ساتھ نقارچیوں نے پھر تقارے بجائے یہ ٹورنامنٹ کے آغاز کا اعلان تھا۔ لوگوں میں جوش و خروش کی لہر سی دوڑ گئی مگر مقابلے میں شریک ایک نامس قطعی خوش نہیں تھا۔

"کیا تم دونوں کو یقین ہے کہ یہ ضروری ہوگا؟" اس نے ان دو افراد سے پوچھا جو اسے زرہ بکتر وغیرہ پہننے میں مدد دے رہے تھے۔

"میرا مطلب ہے کہ یہ بھاری زرہ بکتر... میں اس کے بغیر بھی لڑ سکتا ہوں۔"

"چپ رہو ناشکرے۔" زرد رو بوڑھے نے چمک کر کہا۔ "یہ شہنشاہِ اعظم کی خواہش ہے کہ تم جنگی لباس میں مقابلہ کرو۔"

"سویٹ ہارٹ۔" نائٹ نے مزید کچھ کہنا چاہا مگر اس کی ایک نرم گرم اور پھر اُسے کلائی سے کہنیوں تک فولادی کلائی بھی پہننی پڑی۔

اوشان کو یہ سب کچھ بہت اچھا لگ رہا تھا۔ وہ پل بھر کے لیے سانجو کے سالانہ میلے میں واپس چلا گیا تھا۔ اسی لمحے کیلی فورنیا کی گھڑیوں نے گیارہ بجنے کا اعلان کیا، ساتھ ہی ایک مشہور نغمے کا ریکارڈ بجنے لگا۔ سان ڈائیگو بالبوا پارک میں نغمے کو دُور دُور تک سُنا گیا۔

اس وقت اوشان، ٹائیگر کو سینہ بند پہنا کر فارغ ہوا تھا۔ اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔

"تم ونسٹن ٹی ورتھ سوئم ہو؟" بہرام نے ٹائیگر کو بتایا۔

"اور اس نام پر پورا اُترنے کے لیے تمھیں اس فولادی لباس کے اندر بھی احمقانہ حرکتیں جاری رکھنی پڑیں گی، ورنہ کوئی بھی

اے حمید
کے ایڈونچرس قلم سے
گنگا کے
پجاری ناگ
دو جلدوں میں
جلد اول =/150
جلد دوم =/200
مکتبہ القریش سرکلر روڈ اردو بازار لاہور
فون 7668958

سمجھے گا کہ تم عظیم لوشائی اوّل ہو۔"

"لوشائی اوّل؟" بہرام، اوشان کو الجھی نظروں سے دیکھنے لگا۔

"اوشان کی مراد سانجو کے پانچویں ماسٹر سے ہے۔ چیف ٹائیگر نے بڑا سا منہ بنا کر کہا۔

"ہاں تو اوشان کی نظریں اب بھی ٹائیگر پر گڑی ہوئی تھیں۔ اگر یہ عقل مند بھی ہوتا تو میں اسے لوشائی اوّل ہی سمجھتا۔"

"میں لوشائی سے زیادہ عظیم ہوں ٹیل فادر!" ٹائیگر نے ہنستے ہوئے اُسے چھیڑا۔ "وہ طیارہ نہیں اُڑا سکتا تھا، میں طیارہ بھی چلا لیتا ہوں۔"

"وہ خود اُڑتا تھا۔" اوشان نے غرا کر جواب دیا۔

"اب تم اُڑ رہے ہو ٹیل فادر!"

"خاموش... صف ادب...!" اوشان نے غصے سے اُس کی طرف دیکھ کر کہا۔

"میں صرف ایک شرط پر لڑوں گا۔" ٹائیگر نے اس بار بڑی سنجیدگی سے کہا۔

"کیسی شرط؟" بہرام نے چونک کر پوچھا۔

"یہی کہ اگر ہار گیا تو تم لوگ ہنسو گے نہیں۔"

"عظیم لوشائی کبھی نہیں ہارا۔ تم اگر ہار گئے تو میں ہنسے بغیر تمھارا سر قلم کر دوں گا میرے بچے۔" اوشان کا لہجہ بہت ٹھوس تھا۔ "تم سانجو کے کسی بھی شہزادے سے بہتر ہو... سوائے میرے۔"

"ڈھال اُٹھاؤ۔" بہرام نے دھیرے سے کہا۔ ٹائیگر نے اس طرح منہ بنایا جیسے کوئی کسیلی چیز نگلنی پڑ رہی ہو پھر اُس نے ڈھال اُٹھائی اور آگے بڑھ گیا۔

"ماسٹر! ہم نے اسے آتشیں اسلحے کی تربیت دے کر اسے عفریت تو نہیں بنا دیا؟" بہرام کے اچانک اوشان سے پوچھا۔

"سانجو نے کسی عفریت کو جنم نہیں دیا اور نہ ہی تربیت دی ہے۔" اوشان کا لہجہ بہت نرم تھا۔ "یہ لڑکا صرف اور صرف رحمت کا فرستادہ ہے۔"

"کیا تو گمان عفریت نہیں بنا ماسٹر؟" بہرام نے دُکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا۔

"نہیں وہ پاگل کتا ہے... محض پاگل کتا...!" اس مرتبہ اوشان کے لہجے میں حقارت تھی اور اس کا چہرہ بھی سُرخ ہو گیا تھا۔

ⓜ

اُنھیں انتظار کرتے ہوئے ڈیڑھ گھنٹہ ہو گیا۔ اس دوران میں چار مقابلے گور کھے اور پھر وہ اعلان ہوا جس کا اوشان اور بہرام کو انتظار تھا۔

"اگلا مقابلہ ارل مارشل نے ڈرامائی انداز میں اعلان کیا۔ "سر ہیوز آف ہاؤس مزاری دی وہائٹ نائٹ۔" اس نے اپنے بائیں طرف کھڑے ہوئے آہن پوش کی طرف اشارہ کیا اور انھیں چیلنج کرنے والے... دی بلیک نائٹ سر ونسٹن آف جیول...!" اشارہ دائیں طرف آہن پوش ٹائیگر کی طرف تھا... "کے درمیان ہوگا، کیا آپ حضرات تیار ہیں...؟"

ارل مارشل نے دونوں سے پوچھا۔ دونوں نے گردن ہلا کر جواب دیا۔ سیلوٹ دی پرنس۔" ارل مارشل نے ہدایت کی۔

دونوں نائٹس نے شاہی پویلین کی طرف رُخ کر کے تلواریں اور ڈھالیں اُٹھائیں۔ یہ سلامی کا قدیم انداز تھا۔

"دربار کو سلام کرو۔"

اس مرتبہ دونوں ہجوم کی طرف پلٹے۔ سلامی دیتے وقت ٹائیگر کا رُخ اوشان کی طرف تھا اور اوشان نے یہ محسوس کرتے ہوئے بڑے باوقار انداز میں سر خم کر کے جواب دیا۔ ایک دوسرے کو سلام کرو۔"

دونوں نے تلواریں سینے پر رکھ کر سلامی دی۔

"مقابلہ شروع ہوتا ہے۔" ارل مارشل نے اعلان کیا اور ہر شخص اپنی جگہ خاموش ہو گیا۔

مقابلے میں استعمال کی جانے والی تلواروں پر دبیز موم کی کئی تہیں چڑھی ہوئی تھیں۔ تلواروں کا وزن بھی قدیم زمانے کی تلواروں کے برابر رکھا گیا تھا۔

سر ہیوز کا پہلا وار ٹائیگر نے ڈھال پر روکا لیکن سر ہیوز نے ایک جھٹکے سے تلوار کھینچی تو اسے دھکا سا لگا۔ وہ اس کے لیے تیار نہیں تھا لہٰذا ڈگمگا گیا۔ ڈگمگاتے ہوئے ہی اس نے دوسرا وار ناکام بنایا اور پھر وہ تیوں گھٹنے زمین پر ٹیک کر جوابی وار کیا۔ سر ہیوز ڈگمگا کر کئی فٹ دُور جا گرا۔

"عظیم لوشائی!" اوشان بڑبڑا کر رہ گیا۔ اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔

"کیا معجزہ ہے؟" ٹائیگر نے سوچا کسی کا بہروپ بدلنے کا بھلا یہ بھی کوئی طریقہ ہے؟

یہ لڑائی جاری رہی۔ سر ہیوز یقیناً بہت مشاق اور ماہر شمشیر زن تھا اور اس کا اندازہ ٹائیگر کو بھی ہو چکا تھا۔ ویسے اب تک وہ بھی کھیل ہی رہا تھا۔ وہ اس تنگ دائرے میں لڑتے رہے جو لوگوں کے کھڑے ہونے سے بن گیا تھا۔

پھر اچانک ہی ٹائیگر اُکتاہٹ کا شکار ہو گیا۔ اس نے سر ہیوز کو گھور کر دیکھا۔ اس نے تلوار سیدھی کی اور تابڑ توڑ حملے کرنے لگا۔ اس کی پھرتی قابلِ دید تھی۔ لوگوں کی سانسیں تک رُک گئیں۔ سر ہیوز آہنی سرپوش کے باوجود گھبرا گیا۔ اس کا توازن بگڑ گیا۔ لڑکھڑا کر گرا اور پھر ٹائیگر نے تلوار کو اُلٹی طرف سے پکڑ کر دستے کی ضرب لگا کر سر ہیوز کا سرپوش توڑ پھوڑ کر رکھ دیا۔

"ہیلز آف دی ونڈ تھم۔" ارل مارشل نے اعلان کیا تالیاں بجیں اور اس قدر بجیں کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دی۔

دوسرا راؤنڈ محض تیس سیکنڈ جاری رہا اور اکتیسویں سیکنڈ میں سر ہیوز کا سرپوش سر سے گر کر دُور جا گرا اور ٹائیگر نے تلوار کی نوک سر ہیوز کی کھوپڑی پر رکھ کر ہٹالی۔

ⓜ

"میں اس بہروپ سے تنگ آ جاؤں گا۔" ٹائیگر نے اپنے کمرے میں پہنچ کر کہا۔ "اب یہ وقت آ گیا ہے جب مجھے بہروپ بھرنا پڑے گا۔"

ٹائیگر ونسٹن ٹی ورتھ سوئم کے نام سے ایک ہفتہ قبل ٹوپاز، باجا کیلی فورنیا آیا تھا۔ اسے اغوا ہونے کی خواہش تھی مگر ابھی تک پوری نہیں ہوئی تھی۔ شاید بہرام نے حالات کا تجزیہ کرنے میں غلطی کی تھی۔

چارہ گر کے سینی ٹوریم میں دو ہفتہ قبل ہی یہ اطلاعات آئی تھیں کہ باجا کیلی فورنیا میں اغوا کی ایسی پُراسرار وارداتیں ہوئی ہیں جن سے قومی سلامتی کو خطرہ لاحق ہے اگرچہ اغوا ہونے والا ہر شخص اہم تو نہیں تھا لیکن ایک ایسے سائنسدان کو بھی اغوا کیا جا چکا تھا جو پانی کی تلاش میں گیا تھا لیکن دراصل وہ ایٹمی ری ایکٹر کے لیے جگہ تلاش کرنے نکلا تھا۔ ساتھ ہی اُسے یورینیم کی تلاش کا مشن بھی سونپا گیا تھا۔ باقی اغوا ہونے والے تمام افراد اہم تھے۔

بہرام کو صدر مملکت نے خود آگہی اس واقعے کی اطلاع دی تھی اور

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

درخواست کی تھی کہ وہ اس معاملے کو اپنے ہاتھ میں لے لے۔ ٹائیگر اور روبی نے اس کی یہ کہہ کر مخالفت کی تھی کہ وہ ایف آئی اے اور پولیس کا کام نہیں کر سکتے۔ تاہم یہ مخالفت کارگر ثابت نہ ہو سکی پھر جب ٹائیگر نے یہ سنا کہ روبی اس مشن کی مخالف ہے تو وہ مشن پر جانے کے لیے تیار ہو گیا۔ روبی تلملا کر رہ گئی لیکن اس سے قبل کہ وہ اس کے کان کھاتی، وہ ایف۔ ۱۔ پر ٹیسٹ فلائیٹ کے لیے نکل بھاگا تھا پھر اچانک ہی ایک روز بہرام کو فوراً روانگی کے جنون نے آگھیرا۔

"مگر آنی جلدی کیوں؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"اس لیے کہ فردوس کے سفیر متعین واشنگٹن کی اہلیہ بیگم صولت حبیب کو اغوا کر لیا گیا ہے۔" بہرام نے غرا کر جواب دیا۔

بیگم صولت حبیب کا اغوا بہرام کے نزدیک کوئی معمولی بات نہ تھی۔ وہ نہ صرف فردوسی سفیر کی اہلیہ تھیں بلکہ ایک اہم فردوسی ایٹمی سائنسدان کی بہن بھی تھیں اور کوئی بھی جنونی طاقت خاص طور سے فردوسی ایٹمی پروگرام کے مخالفین انھیں یرغمال بنا کر کئی مطالبہ پیش کر سکتے تھے۔ بیگم صولت حبیب سماجی حلقوں میں بہت معروف تھیں اور کئی برس قبل "چارہ گر" کی تنظیم میں لاشعوری طور پر بہرام کی سیاسی اور مالی مدد کر چکی تھیں۔ ویسے اب کئی سال سے بہرام اور اُن کے درمیان کوئی رابطہ نہیں تھا۔ بہرام کو اب یہ اطلاع ملی تھی کہ بیگم صولت کا بجرا "حسن نظر" پوٹھا ایریسا کے پانیوں میں ایک جگہ لنگر انداز ملا ہے یہ مقام لاپاز سے شمال جنوب میں تھا۔ بجرے کا عملہ اور باقی سب ہی لاپتا تھے۔

اس موضوع پر بہرام اور ٹائیگر کے درمیان تفصیلی گفتگو ہو چکی تھی۔ بہرام کے کمپیوٹر نے اطلاع دی تھی کہ بیگم صولت حبیب بیت اغوا کیا جانے والا ہر فرد بہت امیر ہے۔ اُسے لیک یکو یا اپنے وطن میں بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ اسی اطلاع کے مطابق اغوا کرنے والوں نے ابھی تک کسی قسم کے تاوان کا مطالبہ بھی نہیں کیا تھا لہٰذا یہ بھی نہیں کہا جا سکتا تھا کہ انھیں رقم کے لالچ میں اغوا کیا گیا ہے۔ ایک اور اہم بات یہ تھی کہ ان میں سے کسی کی لاش بھی نہیں ملی تھی اور اس کا مطلب یہ تھا کہ ان تمام افراد کو کسی خاص مقصد سے زندہ رکھا گیا ہے۔ بہرام اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ اغوا کی ان تمام وارداتوں کے پس پشت سیاسی مقاصد کارفرما ہیں۔ وہ اس نکتے میں بہرحال مبتلا تھا کہ اگر کوئی زیر زمین سیاسی تحریک موجود ہے تو ان علاقوں سے گوریلا آپریشن کی اطلاعات کیوں نہیں آئیں؟ صحرا کا نقشہ اس امر کا غماز تھا کہ ان علاقوں میں کسی انقلابی

الف لیلہ ڈائجسٹ کا مقبول سلسلہ
انسان اور شیطان
مصنف محمد فراز
امیر علی خان کی خوفناک آپ بیتی
مکتبہ القریش سرکلر روڈ اردو بازار لاہور
فون 7668958

گروپ کے پہنچنے کی کوئی جگہ بھی نہیں۔

بہرام نے کمپیوٹر سے ایک تفصیل رپورٹ طلب کی تھی جس میں محض چند اتفاقات تھے۔

۱۹۷۳ء میں کرسمس کے موقع پر گوڈا جاوا میں ستمبر لیگ کے ایک کمیونسٹ لیڈر کو پولیس نے گولی مار کر ہلاک کر دیا تھا اور پھر اس لیڈر کے حامیوں نے اپنی سرگرمیاں جاری رکھی تھیں۔ انھوں نے اپنے ساتھیوں کی رہائی کے لیے لیتھ بیاست داؤں کو اغوا کیا تھا وہ اپنے قیدی ساتھیوں کو سیاسی قیدی کہتے تھے۔ فروری ۱۹۷۴ء میں ایک امریکی سیاح اُس کی بیوی اور بچوں کو مازاتان کے قریب جنگل میں گولی مار کر ہلاک کر دیا گیا ہے۔ چند ہفتوں بعد ایک اور گروپ کو اسی علاقے میں لوٹا گیا تھا۔ ان افراد نے لاپاز پہنچ کر بتایا تھا کہ لوٹ مار کرنے والے خود کو ستمبر لیگ کا رکن ظاہر کر رہے تھے۔ اغوا کی ایسی وارداتیں اب باجا میں بھی ہو رہی تھیں تاہم ابھی تک نہ تو کسی غیر ملکی کا قتل ہوا تھا اور نہ ہی کوئی مطالبہ سامنے آیا تھا۔ بہرام کا خیال تھا کہ کوئی گروپ بہت بھاری رقم کا مطالبہ کرنے کے لیے یرغمالیوں کو جمع کر رہا ہے۔ اس نے اس گروپ تک پہنچنے اور بیگم صولت سمیت تمام افراد کی بازیابی کے لیے ٹائیگر کو ایک امیر زادے کے روپ میں باجا جانے کا فیصلہ کیا تھا کہ اگر کوئی گروپ امیروں کو اغوا کر رہا ہے تو ٹائیگر بھی اغوا کر لیا جائے۔ ٹائیگر کی لاپاز آمد سے قبل ہی کئی معروف اخبارات اور میگزینوں میں ایسے فیچر شائع کرا دیے گئے تھے کہ ایک بگڑا ہوا امیر زادہ ونسٹن لی ورتھ ایڈونچر کے لیے لاپاز آ رہا ہے۔

ٹائیگر نے یہاں پہنچ کر کھیلوں کے کئی مقابلوں میں حصہ لیا اور پھر بہرام کو مزید کسی اخبار میں خود فیچر شائع کرانا نہیں پڑا کیونکہ اب ٹائیگر از خود اخبارات کی توجہ کا مرکز بن چکا تھا۔ اس نے ماؤنٹ لاگونا سے کلائیڈر کے ذریعے صحرا میں اترنے والا الٹو رفامنٹ جیت کر بہرحال تہلکہ مچا دیا تھا۔ شطرنج اور بوٹنگ میں بھی اس نے کامیابیاں حاصل کی تھیں پھر اس کی نئی شاندار لفیس سُرخ کار بھی توجہ کی مرکز بنی ہوئی تھی۔ اس تمام تر شہرت کے باوجود اُسے ابھی تک اغوا نہیں کیا گیا تھا اور یہ صورت حال ٹائیگر کو سخت ناپسند تھی۔

ٹائیگر لاس ایرووز ہوٹل کے ورانڈے میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی نظریں خلیج کے سُرخ افق میں ڈوبنے والے سُورج پر تھیں اگرچہ وہ ابھی تک اغوا نہیں ہوا تھا لیکن لاپاز میں اسے بہرحال کوئی بوریت بھی نہیں ہوئی تھی۔ یہاں کے لوگوں سے اس کی دوستی ہو چکی تھی اور دوستوں کی اس فہرست میں اس حسینہ کا نام سب سے اُوپر تھا جو اس وقت اس کے دائیں ہاتھ والی کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی۔ ڈونا ایلینا مارٹز، لاپاز کے ایک اہم صنعت کار کی دوسری بیٹی تھی۔ مرد ایک بار اس کی طرف دیکھ کر دوسری مرتبہ ضرور دیکھنا چاہتے تھے۔ اس کا حسن قیامت خیز تھا۔ اس کا دراز قد، متناسب جسم، ستواں ناک، بھرے بھرے ہونٹ اور کالی چمکتی آنکھیں لوگوں کو ٹھنڈی آہیں بھرنے پر مجبور کر دیتی تھیں۔ اس کے دانت موتیوں کی طرح سفید اور چمکدار تھے۔ ایک دانت تھوڑا سا اجڑا ہوا تھا لیکن جب وہ مسکراتی تھی تو اسی دانت کی وجہ سے بجلیاں گرا دیتی تھی اور وہ اس وقت بھی ٹائیگر کی طرف دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔

"تم اسے لی کر تو دیکھو۔" اس نے میکسیکو کے مشہور عالم مشروب پینا کولا سوڈا کے گلاس کی طرف اشارہ کر کے ٹائیگر سے کہا۔

"سوری ڈارلنگ۔" ٹائیگر نے بھی مسکرا کر جواب دیا۔ "اگر پاپا کو علم ہو گیا کہ میں شراب پیتے لگا ہوں تو وہ میری کھال اتار دیں گے۔" پھر وہ اپنے سامنے بیٹھی ہوئی دوسری لڑکی کی طرف دیکھ کر بولا۔ "کیا آپ کو بھی یہ ڈرنک بہت پسند ہے سنیوریتا آرڈونیز...؟"

لوزا آرڈونیز، ڈونا ایلینا کی پرائیویٹ سیکرٹری سے زیادہ اس کا سایہ تھی۔ وہ اگر ڈونا سے زیادہ خوبصورت نہیں تو کم بھی نہ تھی۔

"اوہ... ہاں۔" لوزا نے زیر لب مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "میں پہلے ہی بہت پی چکی ہوں۔" یہ کہتے ہوئے وہ ایک بار پھر کان آبی پرندوں کو دیکھنے لگی جو فراخ سمندر کے سینے پر ہیڑ چڑھا رہے تھے۔

انھیں خلیج میں اپنے چھوٹے سے جزیرے میں واپسی سے قبل ٹائیگر کے ساتھ مچھلی کھانی تھی۔ اسی لمحے ویٹر بھی آ گیا اور ٹائیگر نے اُسے مقامی زبان میں آرڈر دیا۔

"ایکسکیوزمی... میں ابھی آئی۔" لوزا نے اُٹھتے ہوئے کہا اور پھر چھوٹے چھوٹے قدم اُٹھاتی ہوئی ہوٹل کے اندر لیڈیز روم کی طرف چلی گئی۔

"تمہاری سیکرٹری میں حسن ظرافت بالکل نہیں ڈونا۔" ٹائیگر نے حسینہ کی طرف جھک کر کہا۔

ڈونا کا سرخ و سفید گورا چٹا چہرہ اس میں حسن ظرافت تو نہیں لیکن احساس مکمیت ضرور ہے۔ ونسٹن۔" اُس کا چہرہ گلابی ہو رہا تھا۔ "پرائیویٹ سیکرٹری کا بھی کردار ہوتا ہے نا۔ لیکن وہ میری سیکرٹری ہی نہیں بلکہ بہترین دوست بھی ہے۔ ہم نے ایک ساتھ تعلیم حاصل کی ہے۔ میں اُس سے بہن جیسی محبت کرتی ہوں۔ عام زندگی میں وہ بہت بذلہ سنج اور خوش مزاج ہے۔"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ یہاں بیچارہ کو مجھ پر یہ ظاہر کر رہی ہے کہ میں تم سے مناسب فاصلے پر رہوں۔" ٹائیگر نے ہنستے ہوئے کہا۔ اس پر ڈونا کا چہرہ حیا سے لال ہو گیا اور آنکھوں میں عجیب سی چمک پیدا ہو گئی۔

"تم... تم..." وہ ایک لمحے تک ہچکچاتی رہی اور پھر شاید غرور حسن غالب آ گیا۔ "آج تم نے کتنی مچھلیاں پکڑ لیں؟" اس نے فوراً ہی بات بدل دی۔

"تین روسٹر فش، دو روک باس اور ایک چھوٹی سی ٹونیل... شاید سیر ختم ہونے کے باعث مچھلیاں سرد ہواؤں کی وجہ سے نقل مکانی کر گئی ہیں۔"

"پھر بھی... اتنی مچھلیاں پکڑ لینا بھی بڑی بات ہے ونسٹن۔" ڈونا نے اپنا ایک ہاتھ ٹائیگر کے ہاتھ کے قریب رکھ کر کہا۔ "لیکن یہ بتاؤ کہ رات کو چھوٹی کشتی میں مچھلیاں پکڑنے کی بجائے کسی پُرسکون جگہ کھانا کھانا پسند کرو گے؟"

"آہ ڈونا۔" ٹائیگر نے ہاتھوں کا فاصلہ ختم کر دیا۔ "جب سے میں نے ٹیپ پان کا ذکر سنا ہے، کسی بھی جگہ کھانے کی خواہش ختم ہو گئی۔ کھانے کا اصل مزا تبھی ہے کہ جو خود پکڑو، اُسی کو کھاؤ۔"

"اوہ... لو... لوزا آ رہی ہے۔" ٹائیگر نے ہاتھ ہٹا لیا۔

وہ دیر تک کھاتے رہے۔ اس دوران میں سُورج سُرخ گولے کی طرح خلیج کے پہاڑوں پر پھیلتا رہا پھر وہ پانی کو چھو کر ڈوبنے لگا تو ٹائیگر نے ہیلو، میلٹن پر چہل قدمی کرتے ہیں۔"

"شاندار۔" ڈونا بھی فوراً اٹھ گئی اور ظاہر ہے کہ اس کا سایہ بھی ساتھ ہی اٹھ گیا۔

وہ سستی زینہ اتر کر سڑک پر پہنچے۔ انھوں نے منتظر ٹیکسی ڈرائیوروں کے جھگڑے کو پیچھے چھوڑا اور سنسان راستے کو کراس کر کے سڑک کے دوسری طرف آ گئے۔ لوزا آگے چل رہی تھی جبکہ ٹائیگر اور ڈونا ساتھ ساتھ تھے۔ ڈونا نے اس بار ہمت کر کے ٹائیگر کا ہاتھ تھام رکھا تھا۔ وہ چہل قدمی کے انداز میں چلتے رہے۔ اُن کے آس پاس درختوں پر

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

سرزمین نیپال کا سچا واقعہ
درندہ
یعقوب جمیل کے ہوشربا قلم سے
دو جلدوں میں
مکمل سیٹ =/300 روپے
مکتبہ القریش سرکلر روڈ اردو بازار لاہور
فون 7668968

پرندے بسیرا کرنے کے لیے آ رہے تھے اور اُن کی چہ چہاتی پُرشور موسیقی سے بھی جلی بھنگ رہی تھی پھر کھیلتے ہوئے بچوں کے قہقہے زندگی کی طرح زندہ بھنگ رہے تھے۔ وہ جلد ہی اُس جگہ پہنچ گئے جہاں امریکی ملاح جم کشتیاں کرائے پر دیا کرتا تھا۔ ٹھٹ پٹھ میں ایک جگہ کھڑی ہوئی اُن کشتیوں کے بادبان عجیب سا سحر انگیز منظر پیش کر رہے تھے۔ ہلکی ہوائیں ان بادبانوں کو جھومنے پر مجبور کر رہی تھیں۔ ٹوڈونا پر اس رومانٹک ماحول کا زیادہ اثر ہوا اور اُس نے ٹائیگر کی کمر میں ہاتھ ڈال دیا۔

"سردی لگ رہی ہے؟" ٹائیگر نے سرگوشی کی۔

"ہاں... لیکن اب واپس ہلوہ ٹیپ پان تک پہنچنے کے لیے دو فرلانگ پیدل چلنا ہوگا۔" وہ جھرجھری لے کر بولی۔

وہ مین روڈ سے گزر کر شاہراہ صدر پر پہنچے اور پھر کھجوروں کی جھنڈ والے ٹیپ پان کی طرف بڑھ گئے جہاں صرف سمندری غذا پیش کی جاتی تھی۔

اس لمحے سورج غروب ہو گیا۔

ابھی وہ ایک دو رہے پر پہنچے ہی تھے کہ انہیں دھینگا مشتی کی آوازیں سنائی دیں۔ یہ آوازیں اندھیری گلی میں سے آ رہی تھیں۔ ٹائیگر چوکنا ہو گیا۔ اس نے ان آوازوں کو غور سے سنا اور فوراً ہی اندازہ لگا لیا کہ کئی افراد ایک شخص کو بُری طرح پیٹ رہے ہیں۔ اُس نے گھونسے، تھپڑ اور پھر ایک چیخ کی آواز سنی۔

"بچاؤ" کوئی بُری طرح چلایا تھا۔

"دوسری طرف جاؤ" ٹائیگر نے ڈونا کو سڑک کے پار دیکھتے ہوئے کہا۔

"بچاؤ... بچاؤ...!" آواز پھر آئی۔ اس آواز میں بڑا کرب تھا اور پھر اچانک ہی گولی چلی۔

ٹائیگر کا ہاتھ ہیلٹ پر گیا مگر وہاں کولٹ کا ہینڈ موجود نہیں تھا اُس نے سر جھٹکا اور تیزی سے اندھیری گلی میں دوڑ گیا۔

"ونسٹن" ڈونا پیچھے سے چلائی "تم واپس آ جاؤ، وہ کئی ہوں گے۔"

"بچاؤ" پٹنے والا پھر چلایا۔

ٹائیگر گلی کے عین درمیان پہنچ گیا، جہاں تشدد جاری تھا۔ اُس نے مدد و جہد کرنے والے ایک سایے کو چاقو نکالتے ہوئے دیکھا یہ چاقو اس شخص پر وار لگا رہا تھا جس کو کئی افراد نے پکڑ رکھا تھا ایک اور غنڈہ چند قدم ہٹ کر پستول لیے ہوئے کھڑا ہوا تھا۔ یہ گروپ فٹ پاتھ پر غنڈہ گردی کر رہا تھا۔ ٹائیگر نے بلند آواز لگائی اور اس کی کہنی چاقو والے غنڈے کے شانے پر لگی۔ غنڈہ کسی مکوڑے کی طرح ڈگرا کر زمین پر آ رہا لیکن وہ گرنے سے قبل اپنے شکار کے پیٹ پر چاقو کا گھاؤ لگا چکا تھا۔ ٹائیگر نے بیک کک کا بروقت استعمال کیا، ورنہ عقب میں چھپنے والا غنڈہ چاقو کا پورا بلکہ اُس کی پشت میں اُتار دیتا۔ اس کی لگ غنڈے کی ران پر لگی۔ تڑاخ کی آواز سنائی دی اور غنڈہ آواز لگائے بغیر گر گیا۔ اسی لمحے دو افراد نے دائیں بائیں سے اس پر حملہ کر دیا۔ ٹائیگر نے چھلانگ لگا کر خود کو بچایا۔ اُس کے دونوں ہاتھ برق رفتاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے آگے بڑھے کسی سانپ کی طرح پھنکتی انگلیوں نے ایک غنڈے کے چہرے کو لوچا اور بائیں ہاتھ کی انگلیاں دوسرے غنڈے کی گردن پر گئیں۔ پہلے غنڈے نے انتہائی کربناک چیخ ماری۔ اُس کے دونوں ہاتھ چہرے پر گئے اور خون سے لت پت ہو گئے۔ اُس کے گالوں کا گوشت آدھا کٹ گیا تھا۔ ہونٹ غائب تھے اور خون زخموں سے ابل ابل بہہ رہا تھا۔ اسی غنڈے نے غضب ناک ہو کر دونوں ہاتھوں سے ٹائیگر کی گردن پکڑنے کی کوشش کی مگر اُسے حسرت ہی رہی۔ ٹائیگر کا گھٹنا اُس کے پیٹ پر لگا۔ اُس کے حلق میں پھنسی ہوئی چیخ مشکل نکلی اور چیخ مکمل ہونے سے قبل ہی وہ گر گیا۔ دوسرا غنڈہ جس کی گردن ٹائیگر کے بائیں ہاتھ کی انگلیوں میں تھی اب کسی پرندے کی طرح پھڑپھڑا رہا تھا۔ پھر یہ پھڑپھڑاہٹ بھی بند ہو گئی اور ٹائیگر نے اُسے کسی مُردہ چھپکلی کی طرح اس غنڈے پر دے مارا جو پستول سے اُسے نشانہ بنانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اسی کے ساتھ ٹائیگر نے ان دو غنڈوں پر حملہ کر دیا، جو اپنے شکار کو کار کی طرف کھینچ رہے تھے۔ اُس کی لک کک، ایک غنڈے کے گھٹنے پر لگی جبکہ دایاں ہاتھ دوسرے غنڈے کے کنپٹی پر۔ اگلے غنڈے کا چاقو سڑک پر جا گرا اور وہ آہ کی زوردار چیخ مار کر

زخمی شکار اب آزاد تھا۔ وہ مُنہ کے بل گر کے پاس پڑا ہوا تھا اور پستول والا اپنا پستول پھینک کر بھاگا چلا جا رہا تھا۔

ٹائیگر زخمی شخص پر جھک گیا۔ اُس نے نبض محسوس کی اور فوراً سمجھ گیا کہ یہ شخص مرنے والا ہے۔ اُس نے بڑی احتیاط سے اُسے سیدھا کیا اور پھر دیکھا کہ گولی اُس شخص کے پیٹ کے نیچے لگی ہے۔

"وہ کون تھے؟" ٹائیگر نے سرسراتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"ڈاکو" زخمی نے مشکل کہا۔ "البیرن کے آدمی... تھے... وہ..."

"البیرن... کون؟"

"وہ... وہ ڈاکو... ہے... لٹیرا ہے..." لب ہلے مگر زخمی اب بلک بلک کر بول رہا تھا۔

"میں جانتا ہوں کہ وہ خطرناک آدمی ہے۔" ٹائیگر نے زخمی کو تسلی دی۔ "لیکن یہ بتاؤ کہ البیرن کون ہے؟ اس کا اصلی نام کیا ہے؟" اس نے تم پر ہاتھ رکھوں کر لیا۔ ٹائیگر جلد از جلد تمام باتوں کا جواب حاصل کرنا چاہتا تھا کیونکہ اسے احساس تھا کہ یہ شخص چند لمحوں کا ہی مہمان ہے۔

"مجھے... معلوم... اس لیے کہ... میں... امیر آدمی ہوں... ہوں... اور گورنر... کا... قریبی... دوست... وہ مجھے ہی... اغوا... کرانا چاہتا... تھا۔"

ٹائیگر نے اپنے عقب میں ڈونا اور لونا کے قدموں کی قدموں کی آہٹ سنی مگر اُس نے پلٹ کر نہیں دیکھا۔ لونا کی ساری توجہ زخمی پر تھی، جس کے پیٹ کے گھاؤ میں اب بچوا کے بلبلے بن کر پھوٹ رہے تھے۔ اس کے پاس زیادہ معلومات فراہم کرنے کے لیے اب وقت نہیں تھا۔

"سنو!" زخمی نے بڑی کوشش کر کے ٹائیگر کا ہاتھ تھام لیا۔ "تم... نے... ان کے دو... غنڈوں کو... ہلاک کر کے... اپنے لیے... خطرہ مول... لے لیا ہے۔ ہوشیار رہنا... البیرن کے آدمی... اب... چھوڑیں گے... ہم... مگن ہو... تو... لالچ... سے... چلے جاؤ... میں... ہیں..." زخمی کے ہاتھ کی گرفت اچانک ہی نرم پڑ گئی اور پھر اس کا ہاتھ ٹائیگر کے ہاتھ سے نکل کر گر گیا۔

"میرے خدا!" ڈونا لاش دیکھ کر خوف زدہ ہو گئی۔ "کیا... کیا ہوا ونسٹن... تم تو ٹھیک ہو نا؟" وہ بری طرح گھبرائی ہوئی تھی۔

"میں ٹھیک ہوں ڈونا لیکن کیا تم اس شخص سے واقف ہو؟" ٹائیگر اب بھی گھٹنوں کے بل بیٹھا ہوا تھا۔

"یہ..." ڈونا نے لاش کو بغور دیکھا اور پھر چونک اٹھی۔ "لونا! یہ... یہ ایگنیلو بلنگ تو نہیں؟" اُس نے پوچھا۔

"آں... ہاں..." لونا نے جھک کر چہرہ دیکھنے کے بعد ایک طویل سانس لے کر جواب دیا۔

"بلی بلنگ؟" ٹائیگر نے دونوں کی طرف دیکھ کر پوچھا۔ "کون ہے؟ کیا یہیں رہتا ہے؟"

"تم تو بالکل پولیس والوں کی طرح پوچھ گچھ کر رہے ہو ونسٹن۔" ڈونا اس کے قریب آ گئی۔ "بلی بلنگ یہاں کا بہت امیر آدمی ہے۔ تاجر ہے۔ قریب ہی رہتا ہے۔ ہمارے گورنر اور بلی بلنگ کے درمیان بہت قریبی تعلقات ہیں۔ مگر اس پر حملہ کس نے کیا؟" ڈونا کا چہرہ ستا ہوا تھا۔

"اس نے مرنے سے پہلے بتایا ہے کہ وہ اُسے اغوا کر کے لائے تھے۔" ٹائیگر کا لہجہ بالکل سپاٹ تھا۔ "اس نے کسی البیرن کا نام لیا ہے۔ کیا تم نے یہ نام سنا ہے ڈونا... لونا؟"

"البیرن..." ڈونا اُچھل پڑی۔ "ارے یہ تو بہت بدنام آدمی کا ٹائٹل ہے۔ سنا ہے کہ کچھ دنوں قبل ہی اس علاقے میں آیا ہے لیکن اس نے مختصر سی مدت میں ایسی بہت سی حرکتیں کی ہیں جو لاپاز میں پسند نہیں کی گئیں۔ چلو... اس واقعے کے بارے میں پولیس کو مطلع کر دیں۔"

"مقتول کا یہی کہنا ہے کہ اب البیرن کے آدمی مجھے بھی نہیں چھوڑیں گے۔" ٹائیگر مزید معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا۔

ڈونا کی آنکھوں میں تشویش کے سائے لرزنے لگے۔ "ہاں؟" اس نے لرزاں لہجے میں جواب دیا۔ "البیرن کی مخالفت کرنے یا مخالفین کی مدد کرنے والے کو بھی خطرہ لاحق ہو جاتا ہے ونسٹن۔ اگر اسے تمہارا نام معلوم ہو گیا اور یہ بھی علم ہو گیا کہ تم کتنے امیر آدمی ہو تو وہ سب سے بڑی رقم کے لالچ میں تمہیں بھی اغوا کرنے کی کوشش کرے گا۔"

ٹائیگر طویل سانس لے کر کھڑا ہو گیا۔ اسے اغوا ہونے کا ہی انتظار تھا۔

۵

مارٹا کی آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی تھی اور وہ گھوڑے پر اس طرح سوار تھی کہ اس کے دونوں ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے۔ خود لٹیرے بھی تھکے ہوئے تھے لہٰذا جب انہیں ہائی وے پر پہنچ کر اپنی پرانی جیپ وین نظر آئی تو خوش ہو گئے۔ انھوں نے کئی گھنٹے میرا کا سفر طے کر لیا تھا۔ راستے میں ڈاؤسن کو ہوش آ گیا تھا۔ سب ہی نے اس کی کراہیں سن لی تھیں مگر کسی نے بھی اس پر توجہ نہیں دی تھی لیکن جب مارٹا نے پہنچ کر ڈاؤسن کو گھوڑے اور گھوڑے پر سیدھا بٹھانے کی ہمت کی تھی تو وہ لوگ نہ چاہتے ہوئے بھی ایسا کرنے پر مجبور ہو گئے تھے لیکن انھوں نے خبردار کر دیا تھا کہ ڈاؤسن گفتگو نہیں کرے گا۔ انھوں نے ڈاؤسن کو پانی کا ایک گھونٹ پلا کر سفر دوبارہ جاری رکھا تھا۔

کچھ دیر بعد ہی [illegible] اچھا گیا تھا اور پھر وہ ہائی وے پر پہنچ گئے۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

تھے جہاں وین ان کی منتظر تھی۔

ڈاؤسن کو مارٹا کے ساتھ ہی وین میں سوار کرا دیا گیا۔ گاڑی کے چلنے کے ساتھ ہی ڈاؤسن نے مارٹا سے سوالوں کی بوچھار کر دی۔ "کیا ہُوا؟ یہ لوگ ہمیں کہاں لے جا رہے ہیں؟"

"اوہ... ڈاکٹر...!" گاڑی چل رہی تھی اور گاڑی کا فرش آہنی تھا لہٰذا مارٹا کا نرم و نازک جسم سخت تکلیف سے دوچار تھا۔ تھیں بے ہوشی کی حالت میں چھوڑنے کے بعد انھوں نے رچرڈ کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے۔ یقین کرو... یہ لوگ بربریت کی حدود سے بھی آگے بڑھ گئے تھے۔ پھر اچانک ہی گھوڑے لانے گئے اور ہمیں ان پر سوار کرا دیا گیا۔ میری آنکھوں پر پٹی باندھ دی گئی تھی لہٰذا تمھاری طرح مجھے بھی علم نہیں کہ ہم کس راستے سے گزر کر آئے ہیں۔ ان کے لیڈر ایڈم نے کسی البیرن ڈسی بارنیکا کا نام لیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ البیرن ہی ان ڈاکوؤں کا سرغنہ ہوگا۔"

"لیکن انھوں نے ہمیں کیوں اغوا کیا مارٹا؟" یہ سوال غرّہاد کے انداز میں کیا گیا تھا۔

"پتا نہیں۔ ایڈم نے بھی اس بارے میں کوئی ذکر نہیں کیا لیکن شاید وہ تمھیں ہی اغوا کرنے کے لیے اُدھر آئے تھے۔ میں تو محض بونس میں ان کے ہاتھ لگ گئی۔ اوہ... ایسا لگتا ہے جیسے ہم پہاڑی علاقے میں لے جائے جا رہے ہیں۔" مارٹا نے موضوع بدل دیا۔ "شکر ڈاکٹر! اگر ان کے چنگل سے نجات حاصل کرنی ہے تو تمھیں خود کو سنبھالنا ہوگا۔ اگر تم فربہ رہے تو کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔"

"لیکن ہمیں تو یہ بھی نہیں معلوم کہ ہم کہاں ہیں۔ اس صورتِ حال میں فرار کا منصوبہ کیسے بنائیں گے؟" ڈاکٹر ڈاؤسن واقعی ہمت ہار چکا تھا۔

مارٹا کچھ دیر تک سوچتی رہی اور پھر نرم لہجے میں بولی۔ "ایڈم نے تم سے یہی کہا تھا نا کہ اب وہ حکمرانی کرے گا۔ کیا ہمارا اغوا سیاسی مقاصد کے لیے نہیں ہو سکتا ڈاکٹر؟" مارٹا نے ابھی اتنا ہی کہا تھا کہ گاڑی نے کئی بعد دیگرے کئی موڑ کاٹے اور وہ فرش پر لڑھکنے لگے۔ انھوں نے بمشکل گاڑی کی دیواروں کو پکڑ کر خود کو زخمی ہونے سے بچایا اور پھر گاڑی جب نسبتاً سیدھے سپاٹ راستے پر دوڑنے لگی تو مارٹا فرش پر بیٹھ گئی۔

"میرا خیال ہے کہ یہ لوگ انقلابی ہیں اور سیاسی مقاصد کے لیے اغوا کر رہے ہیں۔ ایسے لوگوں کو کسی خطرے کی پروا نہیں ہوتی لیکن جب میں نے ایڈم کو یہ بتایا کہ میں امریکی نہیں اسرائیلی ہوں تو وہ مجھے چھوڑ کر پیچھے ہٹ گیا۔ ویسے یہ اسرائیل کے نام سے بھی زیادہ متاثر نہیں ہوا تھا۔"

"حالانکہ وہ اس نام سے کیسے متاثر ہوتا؟" ڈاکٹر ڈاؤسن نے منہ بنا کر کہا۔ "اسرائیل یہاں سے آٹھ ہزار میل دُور ہے اور ضروری نہیں کہ ہر کوئی تمھاری بلیک میلنگ کا شکار ہو جائے۔ دُنیا میں اسرائیل سے بھی زیادہ بڑے غنڈے موجود ہیں۔"

مارٹا کے چہرے پر تلخ مسکراہٹ دوڑ گئی۔ وہ یہ بھی جانتی تھی مگر اسے یہ بھی علم تھا کہ ڈاکٹر ڈاؤسن اسرائیل کے بارے میں حقیقت بیان کر رہا ہے۔ "میرا خیال ہے کہ ایڈم پڑھا لکھا آدمی ہے۔"

گاڑی ایک مرتبہ پھر اُچھلی اور اس بار مارٹا کا سر چھت سے ٹکرا گیا۔ اس نے آہ بھر کر دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔ وہ دیر تک ایسے ہی بیٹھی رہی۔ یہی حالت ڈاؤسن کی تھی۔ اس کا کندھا دیوار سے لگا تھا۔ پھر اچانک گاڑی رُک گئی۔

"اُترو۔" ایڈم نے غصّے دروازہ کھول کر درشت لہجے میں کہا اور پھر اپنے ساتھیوں کی طرف پلٹا۔ "دو دو آدمی ان کی نگرانی کریں گے۔ لے چلو انھیں۔"

قیدیوں کو پیدل چلتے ہوئے عجیب سی بُو محسوس ہو رہی تھی۔ راستہ ناہموار اور اُونچا نیچا تھا۔ انھیں پیدل چلنے میں دُشواری ہو رہی تھی۔ پھر انھیں ہوا میں نمی اور قدرے خنکی کا احساس ہونے لگا۔ کچھ دُور لے جا کر انھیں رُکنے کا حکم دیا گیا اور پھر ان کی وہ بندشیں کھول دی گئیں جو گاڑی میں ڈالتے وقت پہلے ہی ڈھیلی کر دی گئی تھیں۔ آنکھوں کی پٹیاں ہٹائی گئیں۔

"اوہ، ہم ایک سرنگ میں ہیں۔" ڈاؤسن نے لمبی سانس لے کر کہا۔ وہ کسی بچّے کی طرح آنکھیں پٹپٹا رہا تھا۔

"خوش آمدید۔" کسی نے مضحکہ خیز انداز میں ان سے کہا۔ "ہمارا شاندار ہوٹل آج زیادہ پُررونق نظر آ رہا ہے۔ شاید یہ تم لوگوں کی آمد کا طفیل ہے۔ یہاں کسی قسم کا تکلف نہ کرنا۔ کوئی بھی کوٹھری پسند کر لو۔"

"مذاق مت کرو۔" ڈاؤسن نے تلملا کر کہا۔ "تم کون ہو؟"

"میں کارل گستاف ہوں۔" مخاطب نے جرمن زبان میں اپنا تعارف کرایا۔ "لفٹ ہنسا کا ملازم ہوں اور اب تمھاری طرح قیدی ہوں۔ تم یقیناً فصیلے امریکی ہو۔ امریکیوں کو ہی اس طرح غصّہ آتا ہے۔"

"پلیز..." مارٹا نے فوراً مداخلت کی۔ "ہم انتہائی خوف زدہ کرنے والے تجربات سے گزر کر یہاں تک پہنچے ہیں۔ مجھے اُمید ہے کہ اگر تم جرمن ہو، تب بھی اس کا خیال رکھو گے۔"

میں اپنی اس خوش مزاجی پر معذرت خواہ ہوں، مادام! کارل گستاف نے فوراً اندازہ لگا لیا کہ لڑکی اسرائیلی ہے۔ "ویسے یہاں موجود ہر قیدی ایسے ہی تجربات سے گزر کر آیا ہے۔ ہم میں سے بعض یہاں کئی ہفتوں سے قیدیوں اور صرف خوش مزاجی ہی ہمیں موت سے بچا سکتی ہے۔ گھٹ گھٹ کر مرنا کم از کم مجھے تو پسند نہیں۔" یہ کہہ کر وہ اپنے سیل سے نکلا اور اُن کے قریب پہنچ گیا۔ دونوں سیلوں کے درمیان فاصلہ بمشکل تین فٹ تھا۔ اس نے مارٹا اور ڈاؤسن کے ہاتھ تھامے اور انھیں ایک بڑے غار نما ہال میں لے گیا جہاں کئی دوسرے قیدی بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ یہاں کوٹھریاں نہیں بلکہ درختوں کے تنوں کی بنائی ہوئی گول بچیں تھیں۔

"آپ سے ملیے۔" اس نے ایک باوقار خاتون کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "یہ بیگم صولت حبیب ہیں۔"

مارٹا چونک پڑی۔ وہ جانتی تھی کہ ایسے نام کی کوئی بھی عورت اس کے لیے خطرناک ثابت ہو سکتی ہے لیکن اُسے اس عورت کے چہرے پر کسی قسم کی... مکاری نظر نہیں آئی۔ اس عورت کا چہرہ اگرچہ چڑچڑا تھا لیکن باوقار تھا۔

"اور یہ ڈون رابرٹو آف میکسیکو ہیں۔" کارل گستاف نے ایک صاف ستھرے آدمی کی طرف اشارہ کیا جس نے قید کے باوجود اپنے کپڑوں پر شکنیں نہیں پڑنے دی تھیں۔ رابرٹو نے مسکرا کر ڈاؤسن کا ہاتھ تھام لیا۔

"میں ڈاکٹر ڈاؤسن ہوں۔" ڈاؤسن اس خوش گوار ماحول میں قدرے مطمئن ہو گیا تھا۔ "اور یہ میری اسسٹنٹ ہے، مارٹا ایزن... ہم باجیں پانی تلاش کرنے والی مہم میں شامل ہیں۔"

"چچ چچ چچ..." بیگم صولت حبیب نے اُٹھ کر اپنا ہاتھ مارٹا کے کندھے پر رکھ دیا۔ "تم یقیناً تھکی ہوئی اور خوف زدہ ہو گی۔ بیٹھو، میں تم دونوں کے لیے پانی کا بندوبست کرتی ہوں۔ ڈاؤسن! اگرچہ یہ رسمی جملوں کا موقع نہیں لیکن تم سے مل کر بڑی خوشی ہوئی۔" یہ کہہ کر وہ باوقار عورت، پانی کے برتن کی طرف بڑھ گئی جو ایک طرف رکھا ہوا تھا۔

"یہ پانی ابھی بدذائقہ لگے گا۔" اس نے دو بدنما مگ اُن کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "لیکن آہستہ آہستہ تم لوگ بھی اس پانی کے عادی ہو جاؤ گے۔"

دونوں نے مگ ہاتھوں میں لے لیے۔

"ہاں، اب اپنی کہانی سناؤ۔" بیگم صولت حبیب نے ایک طرف بیٹھ کر کہا۔

مارٹا اور ڈاؤسن نے اپنے پکڑے جانے کی پوری کہانی سنا دی۔

"اوہ..." بیگم حبیب، رابرٹو اور کارل گستاف نے پوری کہانی سن کر ایک ساتھ طویل سانس لی۔

"اور ایڈم نے تمھاری آبزرویٹری کی بھی کوشش کی تھی؟"

"ہاں... لیکن اسرائیل کا نام سن کر ہٹ گیا تھا۔" مارٹا نے مسکرا کر جواب دیا۔

"تم نے قطعی کی۔" کارل گستاف ہنس کر بولا۔ "اسرائیلی عورتیں تو ہر جائز اور ناجائز طریقے سے اپنا مطلب نکال لیتی ہیں۔ تم اُلسس کی حوصلہ افزائی کرتیں اور پھر موقع ملتے ہی فرار ہو جاتیں۔"

"ہیں..." مارٹا دانت پیس کر رہ گئی لیکن وہ اس الزام کی تردید نہیں کر سکتی تھی کہ اسرائیلی عورتیں کس قماش کی ہوتی ہیں۔

"اُنھوں نے بحری قزاقوں کی طرح میری کشتی پر حملہ کر دیا تھا۔" بیگم حبیب نے اپنی کہانی سناتے ہوئے کہا۔ "میرے ملّاحوں نے جان لڑا دی تھی لیکن وہ مجھے اغوا ہونے سے نہیں بچا سکے۔"

"فلسطینی چھاپہ مار بھی ان سے زیادہ سفّاک نہیں ہو سکتے..." مارٹا نے دھیرے سے کہا۔

"فلسطینی حریّت پسند..." بیگم صولت حبیب کا چہرہ تمتمانے لگا۔ "سنو، لڑکی! فلسطینی حریّت پسند سفّاک ہوتے ہی نہیں۔ صابرہ اور شتیلا میں سفّاکی کا مظاہرہ کس نے کیا تھا؟ تمھارے لوگوں نے اور..."

"کیا تم نے بھی فوجی تربیت حاصل کی ہے مارٹا؟" رابرٹو نے پوچھا۔

"ہاں..." مارٹا نے جواب دیا۔ "مادرِ وطن کے دفاع کے لیے

ازکا، اقابلہ، سونا گھاٹ کا پجاری

اور غلام روحیں

کے بعد انوار صدیقی کا ایک

اور شہکار ناول

برہمچاری

قیمت =/150 روپے

مکتبہ القریش سرکلر روڈ اردو بازار لاہور

فون 7668958

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

یہ فرعونی تھا۔"

"مادرِ وطن..." بیگم حبیب کا لہجہ درشت تھا۔ "نہیں، وہ تمہارا وطن نہیں، وہ فلسطینیوں کا وطن ہے جس پر تمہارے لوگوں نے قبضہ کر رکھا ہے۔"

مارٹا اور بیگم حبیب ایک دوسرے کو گھورنے لگیں۔ فضا میں کشیدگی پیدا ہوگئی۔ عورتوں نے سانس تک روک لی۔

دونوں عورتیں ایک دوسرے کو گھورتی رہیں پھر بالآخر مارٹا کی ہی نظریں جھک گئیں۔ صہایرہ اور شتیلا میں فلسطینی عورتوں اور بچوں کا جو قتلِ عام اسرائیلیوں نے کیا تھا، اس کے بارے میں وہ جبر تھی اور کبھی کبھی یہی سوچتی تھی کہ یہ سب کچھ اگر نہ ہوتا تو بہتر تھا۔

"تم سچی بات کو جھوٹ نہیں کہہ سکتیں، اچھی لڑکی۔" ڈاکٹر ڈوسن نے اس کشیدہ خاموشی کو توڑا۔ "فلسطینی بہرحال اپنے حق کے لیے جدوجہد کر رہے ہیں۔ اس جدوجہد میں اگر ہم کے دھماکے سے کوئی اسرائیلی فوجی ہلاک ہوتا ہے تو اُسے فلسطینیوں کی سفاکی نہیں کہا جا سکتا۔ کیوں ٹھیک ہے نا؟"

"ہیں..." مارٹا نے کچھ کہنا چاہا لیکن پھر سر جھکا کر زمین کو گھورنے لگی۔

"چھوڑو... ہمیں یہاں ایسے کشیدہ ماحول میں نہیں رہنا چاہیے۔" بیگم حبیب نے فراخ دلی سے ہاتھ بڑھا کر مارٹا کو گلے لگا لیا۔ "ہم بہنوں کے نہیں، صہیونیوں کے خلاف ہیں، مارٹا ڈیئر!"

پھر ماحول از خود خوشگوار ہو گیا۔

"یہ البیرن ڈی بارنیکا کیا چیز ہے؟" ڈاؤسن نے جو پوری بحث اٹھکنوں کی طرح منہ کھولے سنتا رہا تھا، پہلی بار موضوع بدلنے کی کوشش کی۔

"یہ عرف ٹائٹل یا فرضی نام ہے۔" ڈاکٹر بیگم حبیب نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "اور اس کا مطلب ہے 'گھاٹی کا بادشاہ'۔ لیکن اس کا اصلی نام کلیمینٹ سینڈوال ہے۔ نیارٹ میں کبھی دوسرے درجے کا اچکا ہوا کرتا تھا۔ اس علاقے میں صرف چند ماہ قبل آیا ہے لیکن اس نے بہرحال اپنا گروپ منظم کر لیا ہے۔"

"اس کے اعتقاد نام سے کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جانا۔" ڈون رابرٹسن نے قہقہہ لگا کر مشورہ دیا۔ "البیرن خطرناک آدمی ہے، انتہائی خطرناک۔"

"تم دونوں..." اچانک ہی سیل کے باہر ایک محافظ نے نمودار ہو کر کہا۔ اس کے ہاتھ میں ایک لالٹین تھی اور وہ دوسرے ہاتھ سے مارٹا اور ڈاؤسن کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔ "اعلیٰ حضرت البیرن تم سے ملاقات کے خواہاں ہیں۔"

دونوں گھبرا گئے لیکن مارٹا کے مقابلے میں ڈاؤسن زیادہ ہراساں تھا۔ دونوں کو کان سے نکال کر ایک شاہ شدہ قفس میں لایا گیا... راستے میں انھیں نیچی چھتوں والے کئی کمرے نظر آئے تھے... چلتے سے انھیں ایک کمرا نما ہال میں داخل ہونے کا حکم ملا۔ غالباً یہ جگہ کبھی گودام رہی ہوگی۔ اس کی چھت پر ایک گنبد بھی بنا ہوا تھا لیکن گنبد کی چھت کھلی ہوئی تھی، لہٰذا انھیں یہاں سے ستارے صاف نظر آ رہے تھے۔ کمرے کے وسط سے ذرا ہٹ کر ایک سل خوردہ میز پر پیٹرومیکس لالٹین اور دوسری میز پر ایک گیس لیمپ رکھا ہوا تھا۔ یہاں دیوار کے ساتھ ساتھ اس گروہ کے دوسرے لوگ کھڑے ہوئے تھے۔ مارٹا اور ڈاؤسن کی نظریں فوراً ہی اس شخص پر جم گئیں جو میز کے پیچھے شاہانہ انداز میں بیٹھا ہوا تھا۔

کلیمنٹ سینڈوال البیرن ڈی بارنیکا انتہائی بدشکل آدمی تھا۔ اس کا سر جسم کے مقابلے میں غیر متوازن اور بڑا تھا... آنکھوں میں شکرے جیسی چمک تھی، ناک چپکی ہوئی اور گالوں کی ہڈیاں ابھری ہوئی تھیں۔ اس کے چہرے پر مونچھیں انتہائی نامناسب لگ رہی تھیں۔ دانت آڑے ترچھے اور چھوٹے بڑے تھے، پتلے پتلے ہونٹ اور چھوٹا سا منہ سفاکی کا پتا دے رہے تھے، قریب ہی ایک کوبڑ انظر آ رہا تھا۔ شانے چوڑے اور بازو موٹے موٹے تھے، توند نکلی ہوئی تھی، ٹانگیں چھوٹی چھوٹی تھیں، اس کے منہ میں ادھ جلا سگار دبا ہوا تھا۔

"آہ... یہ ہیں میرے نئے شکار۔" اس نے ہسپانوی زبان میں تیزی سے کہا۔ "ایڈم کہاں ہے؟"

"حاضر ہے میرے آقا!" ایڈم نہ جانے کہاں سے اچانک ہی اس کے سامنے آ گیا۔ "آپ نے مجھے یاد کیا میرے مالک؟"

"یہ تم کیا اٹھا لائے؟" البیرن نے مارٹا اور ڈاؤسن کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "تم نے تو کہا تھا کہ امریکہ سے ایک اہم سائنس دان آ رہا ہے اور تم اسے اٹھا لائے جو شکل ہی سے احمق لگ رہا ہے۔"

"یہی پروفیسر پیٹر ڈاؤسن ہے، عظیم البیرن!" ایڈم نے دھیمے لہجے میں جواب دیا۔

اس گفتگو کو سن کر ڈاؤسن کے چہرے کی رنگت بجھنے اور خوف سے فق ہو گئی۔ اس کے ہاتھ کانپنے لگے۔

"میں یونیورسٹی آف اریزونا کا پروفیسر ڈاؤسن ہوں۔" اس نے لکنت کھاتی ہوئی آواز میں کہا۔ "تم لوگوں نے مجھے کیوں اغوا کیا ہے؟"

"خاموش..." البیرن کا چہرہ غصے سے اور زیادہ بگڑ گیا۔ "تم صرف اسی وقت کچھ بولو گے جب تم سے کہا جائے۔"

"تم غصے کی حالت میں بہت دلکش لگتے ہو البیرن!" مارٹا نے سلیس ہسپانوی میں کہا۔ اس کے لہجے میں طنز واضح تھا۔ "ایک شخص کو پہلے پیٹو اور پھر اس پر رعب جماؤ، یہ اچھا طریقہ ہے البیرن!"

"یہ... یہ عورت کون ہے؟" البیرن نے غصیلے انداز میں دونوں ہاتھ میز پر رکھ کر ایڈم سے پوچھا۔

"میں تمہارے لیے ایسا مسئلہ ہوں جسے تمہارا نائب گھوڑے پر بٹھا کر یہاں لے آیا ہے۔" مارٹا بھی پیچھے رہ جانے والی نہیں تھی "اپنی زبان بند رکھو عورت!" البیرن دہاڑا۔ "یہ کون ہے ایڈم؟"

"مارٹا ایزن اعلیٰ حضرت... اور یہ..."

"اور میں اسرائیلی شہری ہوں۔" مارٹا نے تُرپ کا پتہ استعمال کیا۔ "اور اگر تم لوگوں نے مجھے فوراً رہا نہ کیا تو یقین کرو کہ تمہارے لیے سنگین مسائل اٹھ کھڑے ہوں گے۔"

اتنا کافی تھا۔ البیرن بجلی کی طرح اپنی کرسی سے اٹھا۔ مارٹا کی طرف بڑھا اور اس نے مارٹا کے بال پکڑ کر اُسے جھنجھوڑ ڈالا۔ ساتھ ہی اس کا بایاں ہاتھ مارٹا کے چہرے پر پڑا۔ وہ گھٹنوں کے بل گری اور اس کے ہونٹوں سے خون بہنے لگا۔ البیرن واپس کرسی پر بیٹھ گیا۔

"شاید تم نہیں جانتیں کہ اس وقت کس سے مخاطب تھیں؟" البیرن کا لہجہ بہت خونخوار تھا۔ اس دوران میں مارٹا بمشکل اٹھ کر کھڑی ہوئی۔ "میں باجا کیلی فوریا کا حکمران بننے والا ہوں پھر میرے آدمی جو کہیں گے، وہی قانون ہوگا لہٰذا تمھیں مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے وہی انداز اختیار کرنا پڑے گا جو حکمرانوں کے سامنے اختیار کیا جاتا ہے۔ تم مجھے یور ایکسیلنسی کہو گی اور صرف اس وقت بولو گی جب تم سے بولنے کے لیے کہا جائے گا، سمجھ گئیں... بولو!"

اس نے دوبارہ اٹھنا چاہا تھا مگر اسی لمحے ڈاؤسن اور مارٹا دونوں نے بیس یور ایکسیلنسی کہہ دیا اور یور ایکسیلنسی کے ہونٹ مسکرانے کے انداز میں پھیل گئے۔

"ٹھیک...!" اس نے کرسی پر بیٹھ کر کہا۔ "تم دونوں جلد طور طریقے سیکھ جاؤ گے۔ ہاں تم نے پوچھا تھا کہ تمھیں قید کیوں ہوا یا گیا ہے۔ اس کا جواب بہت آسان ہے۔ تم ہی لوگ مجھے یہ زمین حکمرانی کے لیے دو گے یا دلاؤ گے۔ میں انقلابیوں کی طرح یرغمالی جمع کر رہا ہوں لیکن میرا مقصد احمقانہ نہیں۔ میں اقتدار چاہتا ہوں اور جب میرے پاس یرغمالیوں کی تعداد بہت زیادہ ہو جائے گی تو تمہارے لوگ تمھیں آزاد کرانے کے لیے مجھے یہ زمین دینے پر مجبور ہو جائیں گے۔ میں مناسب وقت پر اپنے مطالبات کا اعلان کروں گا۔ پھر تمہاری حکومت میکسیکو پر دباؤ ڈالے گی کہ باجا کیلی فورنیا میرے حوالے کر دیا جائے۔ میں اپنا ملک حاصل کر کے امریکہ کے یرغمالی واپس کر دوں گا۔"

البیرن مارے جوش کے میز پر گھٹنے مارنے لگا۔ سوچا، ذرا سوچو! اس نے دونوں ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "البیرن ڈی بارنیکا باجا اِل سے ڈی کیلی فورنیا کا صدر مملکت بن جائے گا۔ واہ... ہم تمہاری قدر کرتے ہیں، تمھیں اپنا معتمد حاصل کرنے کے لیے زندہ اور صحت مند رکھا جائے گا اور جب تم لوگ یہاں سے جاؤ گے تو تحفے بھی دیے جائیں گے۔ دیکھا، میں کتنا فیاض حکمران ثابت ہوں گا۔"

مارٹا اور ڈاؤسن کو یہ اندازہ لگانے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی کہ البیرن پاگل ہے۔ ہٹلر سے بھی گیا گزرا ہے لیکن اس بار مارٹا نے بھی سچی بات کہنے کی حماقت نہیں کی۔ انھوں نے... کلیمینٹ سینڈوال کے سوالوں کا جواب بڑے احترام سے دیا لیکن آخر میں مارٹا پھر ایک سوال کر بیٹھی۔

"آپ کا منصوبہ بہت شاندار ہے یور ایکسیلنسی۔" اس نے کہا۔ "کیا میں پوچھ سکتی ہوں کہ آپ کو ہم سے کوئی عناد تو نہیں؟"

"ہرگز نہیں۔" البیرن نے بڑے خلوص سے جواب دیا۔ "میں تم لوگوں سے نفرت نہیں محبت کرتا ہوں کیونکہ تم لوگ ہی مجھے حکمرانی دلاؤ گے اگر تمھیں یہاں اپنے قیام کے دوران کسی بھی چیز کی ضرورت محسوس ہو تو بلا تکلف کہہ دینا۔"

اس کے موڈ کی یہ تبدیلی بھی پاگل پن کی مظہر تھی۔ مارٹا نے

ہولناک اور پراسرار ماحول میں جنم لینے والی ایک حقیقت جو کہانی بن گئی
ایک آشفتہ حال کی داستانِ عبرت جسے قانون نے مجرم بنا دیا
رقصِ ابلیس
انوار صدیقی
قیمت -/150
ناشر کے لیے اگزیشن
اردو بازار لاہور

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

اسی موڈ سے فائدہ اٹھانا چاہا۔

"یور ایکسیلنسی...!" اس نے تمام تر کراہیت کے باوجود پورے احترام سے کہا۔ "مجھے ان مسائل کا احساس ہے، جن کا آپ کو سامنا ہوگا۔ میری اپنی قوم نے آزادی حاصل کرنے کے لیے دو جنگیں لڑی ہیں لیکن ہماری قوم ابھی کم عمر ہے لہٰذا ہم اعتماد سے جذباتی۔ بنا اس لیے یہ مناسب ہوگا کہ مجھے رہا کر کے کوئی اور یرغمال تلاش کر لیا جائے۔"

"پھر وہی بات۔ والیرین کا موڈ پھر خراب ہو گیا۔ نہیں! ہرگز نہیں! اب تمہیں اس وقت تک نہیں چھوڑوں گا جب تک تمہاری قوم ہم سے کیے پر دباؤ نہ ڈالے کہ والیرین کو اقتدار سونپ دیا جائے۔ بس بہت ہو گیا۔ لے جاؤ ان دونوں کو۔"

ٹائیگر اپنے ہوٹل کے لان میں بیٹھا ہوا ڈاکٹر ڈاؤسن اور اس کی اسسٹنٹ کے اغوا کی خبریں پڑھ رہا تھا۔ آج اخبار میں پی ٹنگ کے قتل کی خبر تھی۔ گزشتہ شب پولیس نے صرف اس وجہ سے ٹائیگر کو چھوڑ دیا تھا کہ ڈونا نے اس کی صفائی پیش کر دی تھی ورنہ پولیس والے تو قتل کے الزام میں اسی کو پکڑنے پر بضد تھے۔

تھانے سے واپسی پر راستے میں ڈونا، لورا اور ٹائیگر کی گفتگو پی ٹنگ کے بارے ہی میں تھی۔

"لنگ نے والیرین کا نام لیا تھا کہ وہی اس گروہ کا سرغنہ ہے۔" ڈونا؟" ٹائیگر نے کریدنے کی کوشش کی تھی۔

"ہاں... ہاں۔" ڈونا نے جواب دیا تھا۔ "لیکن کسی کو بھی علم نہیں کہ وہ کہاں ملتا ہے۔"

"لوگ کہتے ہیں کہ اس گروہ کی کمیں گاہ پہاڑوں میں ہے۔" لورا نے لقمہ دیا تھا۔ "ٹرنفو کے آس پاس۔"

"وہاں تو کچھ بھی نہیں ہوتا۔" ڈونا نے کہا۔

"ٹرنفو کہاں ہے؟" ٹائیگر نے فوراً ڈونا کی بات کاٹ دی۔

"ٹرنفو؟" ڈونا نے پُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "اب تو وہ بھوت نگر ہے۔ ایک زمانے میں وہاں بہت بڑی کان ہوا کرتی تھی اور وہاں سے سونا نکالا جاتا تھا لیکن اب وہاں کی آبادی زیادہ سے زیادہ تین سو نفوس پر مشتمل ہے۔ نہ تو وہاں نوکری ملتی ہے اور نہ ہی رات کو تفریح کا موقع... بس ایک بھٹی ہے، جہاں دھات پگھلائی جاتی ہے۔"

"اچھا۔" ٹائیگر نے اور زیادہ دلچسپی کا اظہار کیا۔ "شاید تمہیں نہیں معلوم کہ امریکہ میں بے کار کانوں سے بھی دولت بنالی جاتی ہے۔ میں ٹرنفو ضرور جاؤں گا۔ ممکن ہے کہ وہیں کوئی کاروبار کرنے لگوں۔ یہاں سے کتنی دور ہے؟"

"پچاس کلومیٹر جنوب میں۔" لورا نے فوراً جواب دیا۔ "لیکن وہاں تو ڈاکو ہوں گے۔"

"ہم دن کی روشنی میں جائیں گے۔" ٹائیگر نے دونوں لڑکیوں کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔ "میں میکسیکو میں سرمایہ کاری کرنا چاہتا ہوں۔ ممکن ہے کہ ہم ٹرنفو کو ایک بار پھر شاندار صنعتی مرکز بنا سکیں۔"

"تم مذاق کر رہے ہو۔" ڈونا سنجیدگی سے بولی لیکن ٹائیگر بضد رہا۔ کچھ دیر بعد لڑکیاں اس کے سامنے ہار گئیں اور پھر طے پایا کہ اگلے روز تینوں ٹرنفو جائیں گے۔

ٹائیگر نے اخبار ایک طرف ڈال کر سڑک کے پار دیکھا۔ ایک آدمی فٹ پاتھ پر گزر رہا تھا پھر اچانک ہی ٹائیگر کو غیر معمولی بات محسوس ہوئی۔ سامنے والی عمارت سے ایک بوری لائی جا رہی تھی اور بوری اٹھانے والے بڑی احتیاط سے چل رہے تھے۔ ٹائیگر نے غور سے دیکھا اور پھر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اسے یقین تھا کہ بوری سے جھانکنے والی چیز انسانی انگلی ہے۔

وہ ہوٹل سے نکلتا چلا گیا۔

"ٹھہرو۔" اس نے بوری برداروں کو للکارا۔ اسی لمحے اسے عقب سے چند افراد کی آوازیں سنائی دیں۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔ چار غنڈے چاقو گھماتے اس کی طرف بڑھ رہے تھے۔ اس نے ایک طویل سانس لی۔ "ایک اور معرکہ..." اس نے سوچا اور رخ موڑ لیا۔

اس نے پیروں کے درمیان فاصلہ رکھا۔ دونوں ہاتھ پہلوؤں سے لگا لیے۔ وہ تیار ہو گیا۔

چار غنڈے تنے ہوئے انداز میں اس کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ان کے چاقو سبھی کی نرم روشنی میں چمک رہے تھے۔ ان کی آنکھیں بھی چمک رہی تھیں۔

ان کے چہروں پر سفاکانہ مسکراہٹ تھی۔

ان میں سے ایک کی نظریں ٹائیگر پر گڑی ہوئی تھیں۔ ٹائیگر نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اس کا اصل مقابل اسی شخص سے ہے۔

اس کی چھٹی حس خطرے کی گھنٹیاں بجا رہی تھی۔

ٹائیگر نے ایک لمبی زقند بھری اور ان چاروں افراد کے عقب میں پہنچ گیا۔ ابھی وہ چاروں پلٹے ہی تھے کہ ٹائیگر نے انھیں ہاتھوں اور ٹانگوں پر روک لیا۔ لیکن تو جلد ہی ڈھیر ہو گئے لیکن چوتھا حسب توقع سخت جان ثابت ہوا۔ اس نے ٹائیگر کی ٹکر کسی چوٹک کی طرح پکڑ لی اور اس پر زور آزمائی کرنے

لگا۔ ٹائیگر نے عضلات کی عام جنبش سے اس گرفت کو توڑنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ تب ہی اس نے گوہوں کو ایک خاص انداز سے حرکت دی۔ اس بار جونک تڑپ کر دور جا گری۔ ٹائیگر دلچسپ نظروں سے اس شخص کو اٹھتا ہوا دیکھتا رہا۔ ایک عرصے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ کسی جی دار سے ٹائیگر کا واسطہ پڑا تھا۔ اب اس شخص نے قریب پڑی ہوئی دو لکڑیاں اٹھا لیں اور انھیں ہاتھوں میں اس تیزی سے حرکت دے رہا تھا کہ لکڑیاں نظر نہیں آ رہی تھیں تاہم ان کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ ٹائیگر کو علم تھا کہ یہ شخص کیا کرنا چاہتا ہے... پھر اسی سوچ کے ساتھ ایک لکڑی تیر کی طرح اس کے سر کی طرف آئی۔ ٹائیگر کو علم تھا کہ اس لکڑی کی ضرب کسی شیر کی کھوپڑی بھی توڑ سکتی ہے۔

مگر وہ اپنی جگہ کھڑا رہا۔

پھر عین وقت پر اس نے اپنا سیدھا ہاتھ بلند کیا، اس کے پٹھے سخت کیے اور لکڑی فولاد نما اس ہاتھ سے ٹکرا کر دو ٹکڑے ہو گئی۔ یہ منظر دیکھ کر حملہ آور کے چہرے کے نقوش حیرت کی وجہ سے بگڑ گئے مگر اس نے غفلت نہ برتی اور دوسری لکڑی بھی دے ماری۔ اس حملے کا بھی وہی حشر ہوا۔ تاہم اس بار لکڑی کے دو نہیں تین ٹکڑے ہوئے تھے۔

اب ٹائیگر اور حملہ آور آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھڑے تھے۔

ٹائیگر نے اپنی جگہ سے اب بھی کوئی حرکت نہیں کی۔ دراصل وہ اس جی دار شخص کو مارنا نہیں چاہتا تھا۔

وہ کئی چند لمحوں تک ساکت کھڑا رہا... پھر اس نے کنگ فو کی تربیت دینے والوں کے انداز میں سر خم کیا اور پلٹ کر اندھیرے میں گم ہو گیا۔

ٹائیگر نے بھی سر خم کیا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ یہ شخص اب کبھی جرائم کے اندھیرے میں واپس نہیں جائے گا۔ اس نے آنکھوں ہی آنکھوں میں جان بخشی کی درخواست کی تھی۔ ٹائیگر نے جواب میں تائب ہونے کی شرط رکھی تھی اور وہ اس شرط کو قبول کر کے واپس چلا گیا تھا۔

• • ٹائیگر کی خوبصورت تیز رفتار اور شاندار جی ٹی، لاپاز کے جنوبی علاقے میں پائی دے پر پھسلتی ہوئی لگ رہی تھی۔ دونوں لڑکیاں آتشی شاندار کار میں سفر کرتی ہوئی بہت خوش تھیں اور ان کی یہ خوشی ان کے چہروں سے عیاں تھی۔ راستے میں ٹائیگر کی نظر ٹریکٹر کو اور فورس





Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

نیس پر پڑی تو وہ مسکرا اُٹھا۔ وہاں چار، ایف ۱۰۸۴ طیارے کھڑے ہوئے تھے۔ ایک طرف فی۔ ۲۸۰ ٹرینر کھڑا تھا۔ اُسے یاد تھا کہ فی۔ ۲۸۰ ٹرینر پر اُس نے کتنے کرتب دکھائے تھے اور اُس کا انسٹرکٹر حد تک خوف زدہ ہو گیا تھا۔

انٹرویس کی حد ختم ہونے کے ساتھ ہی پہاڑی علاقہ شروع ہو گیا اور کڑی دھوپ میں پہاڑوں پر درخت اس طرح نظر آنے لگے جیسے کسی نے زمین پر دال بکھیر دی ہو۔

اگلی چڑھائی پر پہنچ کر کنیس نظر آنے لگے گا۔" ڈونا ایلینا نے ٹائیگر کو بتایا۔ "وہاں کے چرچ پر حال ہی میں رنگ و روغن کیا گیا ہے اور اوپر سے وہ کسی ہیرے کی طرح چمکتا ہوا نظر آتا ہے۔ تمہیں وہاں کی بھٹیاں اور باقی بچے ہوئے مکان بھی نظر آئیں گے۔ اوپر سے منظر بہت اچھا لگتا ہے بالکل کسی فلم کی طرح۔"

اوپر سے وادی نیچے کا منظر بہت خوبصورت لگ رہا تھا۔ تنگ سڑک پر ایک طرف گاڑی کھڑی کرنے کی گنجائش تھی۔ ٹائیگر نے گاڑی پارک کی اور انجن بند کر کے اُتر آیا۔ اُس نے کھائی کے کنارے پر جا کر نیچے کا منظر دیکھا... ایک عمارت میں کچھ بچے کھیلتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔

"یہ اسکول ہے۔" ڈونا نے اُسے بتایا۔ "لیکن اب یہاں پڑھنے والے بچوں کی تعداد نہ ہونے کے برابر ہے۔ زیادہ تر بچے ان بھٹیوں پر کام کرتے ہیں جن کی چمنیوں سے اس وقت بھی دھواں اُٹھ رہا ہے۔ ویسے یہاں کوئی ہوٹل نہیں ہیں کھانے کے لیے سان اسٹیفانو جانا پڑے گا۔ وائسٹن!"

"تمہیں اس جگہ کے بارے میں بہت زیادہ معلومات ہیں...؟" ٹائیگر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہاں... اور ہونی بھی چاہئیں۔" ڈونا نے مسکرا کر ہی جواب دیا۔ "میرے خاندان کے پاس اس علاقے کی بہت سی زمین تھی... ایک چھوٹی سی کان اور ایک بڑا سا مکان بھی تھا... پھر حکومت نے کانیں نیشنلائز کر لیں۔ اس کے بعد ہمیں بتایا گیا کہ ہماری زمینیں اب حکومت کی زمینیں ہو گئی ہیں لہٰذا ہم یہاں سے چلے گئے۔" ڈونا کے چہرے پر اچانک ہی سنجیدگی کی تہیں چڑھ گئیں۔ شاید زمینوں سے محرومی کے احساس کے باعث وہ دکھی ہو گئی تھی۔

"چلو نیچے چلتے ہیں۔" ٹائیگر نے اس کے شانوں پر تھپکی دیتے ہوئے کہا۔

گاڑی نصف دائرہ بنا ڈھلان سے گزرنے لگی تو ٹائیگر نے اس کی رفتار کم کر دی۔ انھوں نے بکھری کیوں کے شیشے گرا لیے اور پھر جب وہ چرچ کے قریب سے گزرے تو عام سیاحوں کی طرح اس کا جائزہ لینے لگے پھر انھوں نے ان چاروں بلاکوں کا رخ کیا جو ٹرانفو کی واحد مرکزی سڑک پر واقع تھے۔ یہاں یہی واحد پختہ سڑک تھی۔ اسی جگہ کاروبار بھی نظر آ رہا تھا۔ یہاں باسکوں کی دُکانیں تھیں۔ کچھ آگے دو ویران عمارتیں نظر آ رہی تھیں۔ قدرے ہٹ کر ایک نجی عمارت تھی جو یقیناً کسی زمانے میں بہت شان دار رہی ہو گی... اُن کی گاڑی آہستہ آہستہ چلتی رہی... وہ بائی وے کمیشن آفس، بار، پرشاپ اور بلارڈ ہاں کے قریب سے گزرے۔

یہاں کی کسی دُکان میں ضروریاتِ زندگی کی ہر چیز نہیں ملتی۔ لہٰذا لوگوں کو ضرورتوں کی دُکانوں میں جانا پڑتا ہے۔" ڈونا نے بتایا۔ تاہم ٹائیگر اب یہاں کے حالات کا بغور جائزہ لینے میں مصروف تھا۔ اُس نے دیکھا کہ ہر دُکان اور دفتر کے سامنے ایک ایک سخت جان اور کرخت شخص موجود ہے۔ ان میں سے بعض افراد یقیناً مسلح بھی تھے۔ ٹائیگر نے یو ٹرن لیا اور گاڑی باسکٹ شاپ کی طرف واپس چل دی۔

دُکان کے سامنے ایک چھوٹا سا لڑکا کھڑا ہوا تھا۔ جونہی وہ کار سے اُترے، لڑکا آگے بڑھا اور اُس کی نظریں لونا پر جم گئیں۔ وہ مسکراتے ہوئے آگے بڑھنے لگے۔ لڑکے کی آنکھیں بھی لونا کے ساتھ ساتھ سفر کرنے لگیں۔

"کیا حال ہے، نتھے؟" ٹائیگر نے مسکرا کر ہسپانوی میں لڑکے سے پوچھا۔

"باسکٹیں بہت اچھی ہیں، سینیور۔" لڑکے نے منمناتے ہوئے کہا وہ شرمیلا اور دبلا پتلا تھا۔ "کیا آپ باسکٹیں خریدیں گے جناب؟"

"کیوں نہیں... لیکن پہلے دیکھ تو لیں۔" ٹائیگر لڑکے کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ "تمہارا کیا نام ہے؟"

"جوزریوز۔" لڑکے نے شرما کر جواب دیا۔ "یہ میری ماں کی دُکان ہے، وہ باسکٹیں بناتی ہے۔"

دُکان کے باہر بھی باسکٹیں ٹنگی ہوئی تھیں۔ وہ انھیں دیکھتے ہوئے دُکان کے اندر گئے جہاں بیدوں کو ملا کر کاؤنٹر کی شکل دی گئی تھی۔ یہاں تین عورتیں درختوں کی شاخوں سے باسکٹیں تیار کر رہی تھیں۔ لڑکا اب بھی لونا کو ٹکر ٹکر دیکھے جا رہا تھا۔

"آہ... وائسٹن! دیکھو، کتنی خوبصورت باسکٹیں ہیں۔" ڈونا بچوں کی طرح خوش ہو رہی تھی۔ "ایک زمانے میں یہ فن بالکل ختم ہو گیا تھا لیکن پھر ٹریننگ سینٹر کے قیام کی وجہ سے اس کو نئی زندگی ملی۔"

"اگر چاہو تو ساری باسکٹیں اُٹھا لو۔" ٹائیگر ہنس کر بولا۔

"شکریہ..." ڈونا کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ وہ کام کرنے والی عورتوں کی وجہ سے ہسپانوی ہی میں گفتگو کر رہے تھے تاکہ وہ بھی سمجھ پائیں۔ ان عورتوں نے سیاحوں کو دیکھ کر اپنا کام روک دیا تھا۔ لونا، ٹائیگر اور ڈونا سے الگ ہو کر دوسرے کونے میں ٹنگی ہوئی اشیا دیکھ رہی تھی۔

"سینیور..." ٹائیگر نے ریوز کی سرگوشی سنی اور پلٹ کر دیکھا۔ "آپ

چاہیں تو تمام باسکٹیں خرید لیں۔ اس طرح ہماری حالت بھی بہتر ہو جائے گی۔ آج کل یہاں سیاح نہیں آتے کیونکہ ان لوگوں نے..."

ان لوگوں کا ذکر کرتے ہوئے ریوز کے چہرے کی رنگت فق ہو گئی تھی۔ ٹائیگر فوراً سمجھ گیا کہ ریوز، اُن لوگوں سے خوف زدہ ہے جو دُکانوں کے باہر گھومتے ہوئے نظر آئے تھے۔ اُس نے ایک خاص بات اور نوٹ کی تھی، وہ یہ کہ مقامی باشندے نظریں جھکائے چلتے ہیں اور یہ صاف ظاہر تھا کہ وہ خوف کی زندگی گزار رہے ہیں۔ اُس نے دیکھا کہ غنڈے اِدھر اُدھر گھوم رہے ہیں اور اُنھوں نے اپنے ہتھیار بھی چھپانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اُسے یقین تھا کہ اُس نے اغوا ہونے سے قبل ہی غنڈوں کی کمین گاہ کا پتا چلا لیا ہے۔ یہاں کے حالات سے ظاہر تھا کہ البیرن نے اس شہر پر قبضہ کر رکھا ہے۔

ٹائیگر، ریوز سے ہٹ کر دُور چلا گیا اور پھر ایک ملبے تلے لگے غنڈے نے دُکان میں داخل ہو کر، اچانک ہی ٹائیگر کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"خوش آمدید، سینیور!" اُس کا لہجہ بہرحال دوستانہ نہیں تھا...

ٹائیگر نے ہاتھ چھڑانے کی کوشش نہیں کی۔ "یہ لڑکا تم سے کیا کہہ رہا تھا، سینیور؟"

"کیا...؟" ٹائیگر نے اس طرح کہا جیسے وہ ہسپانوی زبان نہیں سمجھتا۔ "میں سمجھا نہیں، سینیور!"

"یہ لڑکا تم سے کیا کہہ رہا تھا؟" اُس شخص نے اس بار انگریزی میں پوچھا۔

"اچھا... وہ لڑکا..." ٹائیگر نے کسی خوف زدہ سیاح کی طرح مسکراتے ہوئے کہا۔ "باسکٹوں کی تعریف کر رہا تھا۔ ویسے باسکٹیں واقعی خوبصورت ہیں۔ کہہ رہا تھا کہ اُس کی ماں بھی باسکٹیں بناتی ہے۔ ہیلو! ڈارلنگ!" ٹائیگر، ڈونا کی طرف پلٹا۔ "جو چاہو، خرید لو۔"

"تھینک یو۔" ڈونا باسکٹیں پسند کرنے لگی۔

"کیا سیاح سے تم نے یہی باتیں کی تھیں؟" غنڈے نے ریوز کی گردن پکڑ کر غراتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں، سینیور!" ریوز نے کمزور سی آواز میں جواب دیا۔ "اور کچھ بھی نہیں کہا۔"

"ٹھیک ہے، بعد میں دیکھوں گا۔" یہ کہہ کر غنڈہ سینہ تانے باہر چلا گیا، جہاں ایک کرسی پر بیٹھ کر اُس نے پشت گاہ سے سر ٹکا لیا۔

"تمہاری ماں کون سی ہے؟" ٹائیگر نے غنڈے کے جانے کے بعد ریوز سے پوچھا۔

"وہ..." لڑکے نے اُنگلی سے ایک عورت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"سینورا..." ٹائیگر نے خوف زدہ چہرے والی اس عورت کو مخاطب کیا۔ "میں تمہارے بیٹے کو کچھ دیر کے لیے گائیڈ بنانا چاہتا ہوں۔ میں اسے انعام بھی دوں گا۔"

"کیوں نہیں، سینیور!" عورت کا چہرہ کھل اُٹھا۔ "سنو، ریوز... صاحب کے ساتھ جاؤ۔ کوئی شرارت مت کرنا... اور ہاں، تمھیں تین بجے اسکول بھی جانا ہے۔"

"ٹھیک ہے، ماما!" ریوز کی آنکھیں انعام یا گائیڈ بننے کے خیال سے چمک رہی تھیں۔ ٹائیگر نے ریوز کا ہاتھ تھام لیا اور باہر نکل آیا، جہاں ڈونا اور لونا خریدا ہوا سامان ڈکی میں رکھنے کی منتظر تھیں۔ ٹائیگر نے ڈکی کھول دی اور پھر ریوز کو اگلی نشست پر بیٹھنے کا اشارہ کر کے، خود ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ کار میں بیٹھ کر اُس نے ریوز سے پوچھا۔

"آپ کیا دیکھنا پسند کریں گے، سینیور؟"

"جو کچھ بھی ہے، وہ سب دیکھنا چاہوں گا۔" ٹائیگر نے پُرشفقت لہجے میں کہا۔ "میری دوست کا کہنا ہے، ریوز! کہ کبھی یہ شہر بہت بڑا تھا۔"

ریوز کو شاید شہر کی پوری تاریخ یاد تھی لہٰذا وہ فراٹے سے سنانے لگا۔

"کیا ہم کھنڈرات دیکھ سکتے ہیں؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"کھنڈرات..." ریوز نے کن انکھیوں سے اُس غنڈے کی طرف دیکھا جو کرسی پر سر پیچھے سے اٹکی کو گھور رہا تھا۔ ریوز فی میں زور زور سے سر ہلانے لگا۔ ٹائیگر یہ سوچنے لگا کہ لڑکا مسلح غنڈے کو یہ تاثر دے رہا ہے کہ وہ کسی چیز سے انکار کر رہا ہے۔

"نہیں، سینیور! حکومت نے کھنڈرات میں جانے پر پابندی عائد کر دی ہے، وہاں بہت سے گارڈ پہرہ دیتے ہیں۔"

"گارڈ...؟ ایسے ہی ہوں گے، جیسے یہ شخص ہے۔" ٹائیگر نے دھیمے لہجے میں پوچھا۔

ریوز کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے لیکن آنکھوں سے ٹپکے نہیں۔

"پلیز، سینیور! میں پہلے ہی بہت کچھ کہہ چکا ہوں۔ مم... مجھے اجنبیوں سے ایسی باتیں نہیں کرنی چاہئیں۔"

"اچھا..." ٹائیگر نے جیب میں ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا۔ "اگر یہاں کوئی قابلِ دید جگہ نہیں ہے تو پھر وقت ضائع کرنے سے کیا فائدہ..." اُس نے ریوز کو پانچ پیسو کا سکہ دے کر شفقت سے اُس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ "تم جاؤ۔" اُس کی آواز بلند تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ غنڈہ بھی سن لے... "ہم اب سان اسٹیفانو جائیں گے۔"

دونوں لڑکیاں سامان رکھ کر، اسی وقت گاڑی میں بیٹھی تھیں اور ریوز کے اُترتے ہی گاڑی چل دی تھی۔ لڑکیوں نے بھی ریوز کی باتیں سن لی تھیں۔

ندیم

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"ونسٹن..." ڈونا نے پُرتشویش انداز میں کہا تھا۔ "لڑکا جھوٹ بول رہا تھا۔ کانوں کے کھنڈات اگرچہ بند ہیں لیکن وہاں جانے پر کوئی پابندی نہیں۔ پتا نہیں یہاں کیا ہو رہا ہے؟ ہر شخص خوف زدہ نظر آتا ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ ہم نے البیرن کو تلاش کر لیا ہے، ڈونا!"

• •

وہ سی فوڈ ریستوران کے پُرسکون اور انتہائی رومانٹک ماحول میں مچھلی کھا رہے تھے۔ دونوں لڑکیاں مسلسل باتیں کر رہی تھیں۔ ٹرنفو سے واپسی سے اب تک انھوں نے ٹائیگر کے اس دعوے پر کوئی تبصرہ نہیں کیا تھا کہ البیرن، ٹرنفو میں مقیم ہے لیکن اب ڈونا ایک بار پھر وہاں کے حالات پر تشویش کا اظہار کر رہی تھی۔

"ونسٹن..." ڈونا نے محبت بھرے لہجے میں کہا۔ "یہ اچھی بات نہیں کہ تم اتنی زیادہ توجہ حاصل کر رہے ہو۔ اگر ٹرنفو کو البیرن، واقعی ہیڈ کوارٹر کے طور پر استعمال کر رہا ہے تو اُسے یہ بھی علم ہو جائے گا کہ تم وہاں گئے تھے۔ وہ تمھیں بڑی آسانی سے تلاش کر لیں گے... کیونکہ اخبارات نے تمھاری تصویریں بھی شائع کر دی ہیں۔ مجھے یہی فکر کھائے جا رہی ہے کہ تمھیں کوئی نقصان نہ پہنچ جائے۔"

"یہ پھلی تو واقعی بہت لذیذ ہے۔" ٹائیگر نے ایک قتلہ دکھا مُنہ میں رکھ کر کہا مگر ڈونا کو سنجیدہ دیکھ کر اس نے موضوع سے گریز کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ "اخبارات مجھے محض پتنگے بوائے ہی سمجھتے ہیں۔ یہاں کے سرکاری حلقوں میں میرا کوئی اثر و رسوخ نہیں۔ لہٰذا میں البیرن کے کام کا آدمی نہیں ہو سکتا۔"

"لیکن اگر اُسے علم ہو گیا کہ تم نے بیڈ کوارٹر کا پتا چلا لیا ہے تو وہ تمھیں ہرگز نہیں چھوڑے گا۔" ڈونا نے احتجاج کرنے والے انداز میں کہا۔

"ارے، چھوڑو۔ اُسے یقیناً اس سے زیادہ اہم کام کرنے ہوتے ہیں۔ ویسے جہاں تک توجہ حاصل کرنے کا تعلق ہے، تو لوزا زیادہ خوش قسمت ہے۔"

"وہ کیسے...؟" لوزا نے حیرت سے اُس کی طرف دیکھا۔

"دیکھو بھئی، ٹرنفو والا لڑکا... سارے وقت تمھی کو دیکھتا رہا تھا۔ مجھے تو ایسا لگا تھا جیسے وہ صدیوں سے تمھیں چاہتا اور جانتا ہے۔ اگر وہ ذرا بھی بڑا ہوتا تو میں خفیہ محبت کا شک کرتا۔"

"تم بہت شریر ہو۔" لوزا کا چہرہ حیا سے سرخ ہو گیا۔

"نہیں، اصل بات یہ ہے کہ تم واقعی بہت دلکش ہو اور شاید وہ اسی وجہ سے تمھیں گھورتا رہا تھا۔ کیا پہلے بھی تم اس دکان پر گئی تھیں؟"

"نہیں..." لوزا پلیٹ ایک طرف ہٹا کر بولی۔ "میں تمھارے ساتھ ہی پہلی مرتبہ ٹرنفو گئی تھی۔"

"ویسے ونسٹن ٹھیک ہی کہہ رہا ہے، لوزا!" ڈونا بھی اُسے چھیڑنے لگی۔ "تم پر اُس کی نظریں گڑی رہیں۔ تم نے یقیناً ایک لڑکے کا دل جیت لیا ہے۔"

"کم عمر لڑکے عموماً عمر دار عورتوں کی طرف کھنچتے ہیں۔" لوزا جھینپ کر بولی۔ "کیا تم لڑکین میں ایسے نہیں تھے، ونسٹن؟"

"ہاں، بالکل تھا۔" ٹائیگر نے قہقہہ لگا کر کہا۔ "چھٹی کلاس میں مس نوید میری ٹیچر تھیں اور میں انھیں دُنیا کی حسین ترین خاتون سمجھتا تھا۔"

ڈونا اور لوزا کھلکھلا کر ہنسنے لگیں۔

"دیکھا، تم نے۔" لوزا اب کھل کر گفتگو کر رہی تھی۔ "مرد خواہ بارہ سالہ ہو یا ساٹھ سالہ... سارے مرد ایک جیسے ہوتے ہیں۔"

کھانے کے بعد انھوں نے چائے طلب کی مگر ٹائیگر نے شکر اور دودھ نہیں لیا۔

"ہوٹل لاپیرلا میں رقص کے لیے چلو گے، ونسٹن؟" ڈونا کا موڈ بہت خوش گوار تھا۔

"کیوں نہیں، چلو۔" ٹائیگر نے فوراً بل کی رقم ٹیبل پر رکھ کر کہا... "انتظار کس بات کا ہے۔"

• •

رقص کے بعد ڈونا، ٹائیگر کے سامنے بھی جا رہی تھی لیکن ٹائیگر نے اُس سے جان چھڑا لی۔ اُس نے لوزا کے شان دار مکان کے سامنے انھیں چھوڑا کیونکہ ڈونا، صبح کی فلائٹ سے لوزا کے ساتھ ہانگ کانگ جانے کے لیے ائرپورٹ کے قریب ہی رہنا چاہتی تھی۔

وہ انھیں چھوڑ کر ایک ہوٹل میں گھس گیا۔ اُس نے سادی کافی طلب کی اور کرسی سے ٹیک لگا کر آرام کرنے لگا۔ اب وہ جلد از جلد اغوا ہونا چاہتا تھا۔

ایک شخص ہوٹل میں داخل ہوا اور ٹائیگر کی میز سے دُور ایک نوجوان کی میز پر اس کے ساتھ ہی بیٹھ گیا۔ یہ وہی شخص تھا جو لوزا کے مکان سے اُس کے تعاقب میں لگا تھا۔ وہ دونوں سرگوشیوں میں باتیں کرنے لگے۔ اُن کی نظریں ٹائیگر پر مرتکز تھیں پھر اُن میں سے ایک اُٹھ کر باہر چلا گیا۔

ٹائیگر نے کافی ختم کی اور نوجوان کی طرف دیکھنے لگا۔ اُس کے اُٹھتے ہی نوجوان بھی اُٹھ گیا۔ ٹائیگر باہر نکل کر فٹ پاتھ پر چلنے لگا۔

"سینور..." عقب سے آواز آئی۔ "کیا ٹیکسی چاہیے؟"

"شکریہ... نہیں، پیدل جانے کا موڈ ہے۔" اُس نے خوش گوار

لہجے میں جواب دیا۔

"بات تو سنو۔" ٹیکسی ڈرائیور ٹیکسی سے اُتر کر اُسی کی طرف آ رہا تھا۔ "چلو، تھوڑی سی باتیں ہی کر لو۔"

پھر اچانک ہی عقب سے دو آدمیوں نے ٹائیگر پر حملہ کر دیا... اُنھوں نے اُس کے بازو دبوچ لیے مگر عین ایک چھٹکے سے دو رجاگھے تاہم اُنھوں نے جلد ہی سنبھالا لے لیا اور اس مرتبہ تینوں باہم پرآ رہے۔ ٹائیگر زیادہ ورزش نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اُس نے ہلکے ہلکے ہاتھ مارے اور پھر تینوں کو اپنی ٹانگیں اور ہاتھ دبوچنے کی اجازت دے دی۔ وہ اُسے پکڑ کر بیٹھ گئے۔ تاہم اُن کے چہروں سے خوف جھلک رہا تھا اور اسی خوف کے باعث وہ اُسے گھونسے مارنے لگے۔ ٹائیگر نے اپنی سانس پر توجہ دی، آنکھیں بند کر لیں اور ذہن میں اندھیرا کر لیا۔ یہ ایسا ہی تھا جیسے کسی پُرنور کمرے کی تمام بتیاں اچانک ہی گل کر دی جائیں۔ اُس کے اعصاب پُرسکون ہونے لگے۔ اُسے ضربوں کا احساس نہ رہا اور وہ یہی سوچتا ہوا سو گیا کہ بہرام کی خواہش پوری ہو رہی ہے۔

• •

"باہر نکلو۔ ایڈم، گاڑی کی ڈکی کھول کر دو ہڈا گرفتیدی..." جس کا نام ونسٹن بتایا گیا تھا، بے حس و حرکت پڑا رہا۔

دراصل ٹائیگر اس وقت گہری نیند میں تھا۔ اگر اُس کے قریب بم بھی پھٹ جاتا تو اُسے ہوش نہ آتا۔ اُس نے سونے سے قبل بیدار ہونے کے لیے ذہن کو ایک مخصوص مدت بھی بتا دی تھی۔

"شاید یہ بے ہوش ہے، سینور ایڈم!" ایک شخص نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"اچھا۔" ایڈم نے لپک کر ٹائیگر کو نیچے کھینچ لیا لیکن نیچے گرنے سے جو چوٹ لگی، ٹائیگر کو اس کا بھی احساس نہ ہوا۔

"دو آدمی اسے اُٹھا کر لے چلیں۔" ایڈم نے حکم دیا۔ جس پر دو ڈاکوؤں نے بڑھ کر ٹائیگر کو اُٹھا لیا۔ اُنھیں نہ جانے کیوں ایسا لگا جیسے قیدی کے بدن سے آنے والی مہک نے اُن کی رُوح تک کو سُن کر دیا ہو۔

وہ اُسے اُٹھا کر بیک یارڈ کے دروازے سے گزرے۔ وہ اُسے ٹرنفو کی پہاڑی والی سرنگ میں لے جا رہے تھے۔ اسی جگہ دوسرے قیدی بھی رکھے گئے تھے۔

اُنھوں نے اُسے اندر لے جا کر فرش پر ڈال دیا اور پھر ٹائیگر کا ہیلمٹ الارم اُس وقت بجا، جب وہ اُس کے جوتے اور موزے اُتار کر ہاتھ پیر کھول رہے تھے۔ اُنھوں نے حکم کے مطابق ٹائیگر کی جیکٹ کھینچ کر پھاڑ دی اور پھر چلے گئے۔ جاتے ہوئے بھی وہ اُسی میں اُسی خوشبو کا ذکر کر رہے تھے جو اُنھوں نے قیدی کے جسم سے پھوٹتی ہوئی محسوس کی تھی۔

"ارے، میں کہاں ہوں؟" ٹائیگر نے بیدار ہوتے ہی پہلے بوائے کا انداز برقرار رکھا۔ وہ آنکھیں کھولے بغیر دوسرے قیدیوں کی موجودگی محسوس کر سکتا تھا۔ پھر اُس نے دھیرے دھیرے آنکھیں کھول دیں۔ اپنے نیم برہنہ جسم کو دیکھا۔ "کمال ہے، کیا یہاں لوگوں کو ننگا رہنا پڑتا ہے؟"

"خاموش..." ایک محافظ نے اندر آتے ہی دہاڑ کر کہا۔ "تم میرے ساتھ چلو۔ عظیم المرتبت اعلیٰ حضرت البیرن، تم سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔"

ٹائیگر یہ ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ وہ بہت نقاہت محسوس کر رہا ہے۔ لہٰذا وہ دیوار کا سہارا لے کر کھڑا ہو گیا۔ "میں نے سُنا ہے کہ اعلیٰ حضرت البیرن ایک آنکھ سے کانے ہیں؟"

"تم..." گارڈ دانت پیستا ہوا، اُس کی طرف بڑھا مگر ٹائیگر نے فوراً ہی دونوں ہاتھ اُٹھا لیے۔ "ارے نہیں۔ بس میں تو یونہی مذاق کر رہا تھا، جناب!"

"چلو..." گارڈ پلٹ کر دروازے کی طرف بڑھا۔ "میرے پیچھے آؤ۔"

ٹائیگر چھوٹے چھوٹے قدم اُٹھاتا ہوا، گارڈ کے پیچھے پیچھے چل دیا۔ وہ اغوا تو ہو گیا تھا مگر اب اُسے کیا کرنا تھا، یہ بات بہرام نے نہیں بتائی تھی۔ وہ سر جھٹک کر رہ گیا۔ اس نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ بیگم حبیب کو یہاں سے لے جائے گا اور یہ کہانی بھی ختم ہو جائے گی۔ اُسے البیرن کا قتل زیادہ خطرناک نہیں لگا تھا۔ لہٰذا وہ سنا نجو کا فن ان لوگوں پر آزمانے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا لیکن اس نے ابھی تک حکمت عملی بھی مرتب نہیں کی تھی۔

سُرنگ سے بھٹی تک کے فاصلے میں اُس نے فوراً ہی اندازہ لگا لیا کہ وہ ٹرنفو میں پھر واپس آ گیا ہے۔

وہ اب کرائمنا گنبد والے ہال میں تھا اور اُس کے سامنے میز پر البیرن بیٹھا ہوا تھا۔ وہ یہ سوچ کر دل ہی دل میں مسکرانے لگا کہ یہ احمق سا شخص ڈاکوؤں کے تو نے کا سربراہ ہے۔

"سنو..." اُس نے جان بوجھ کر بے خوفی کا مظاہرہ کیا۔ "یہ سب کیا ہے؟ ایک ٹیکسی والے نے مجھے آواز دے کر روکا اور پھر کئی آدمی مجھ پر ٹوٹ پڑے۔ بھلا یہ بھی کوئی شرافت ہے۔ تم کون ہو؟ تم نے مجھے کیوں اغوا کیا ہے؟ میں بہت اہم آدمی ہوں۔ بہتر یہی ہے کہ مجھے جانے دو۔"

"ہاں! ہم جانتے ہیں کہ تم کتنے اہم آدمی ہو، سینور!" البیرن نے مکروہ انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔ "امریکی اخبار کے ایڈیٹر سینور رابرٹ نے میرے آدمی چانگو کو تمھارے بارے میں بہت سی اہم باتیں بتائی ہیں۔" یہ کہتے ہوئے البیرن میز پر جھک گیا۔ اُس کی آنکھیں نفرت سے سُلگ رہی تھیں۔ "تم نے میرے تین آدمیوں کا خون بھی کیا ہے، سینور

ندیم

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ونسٹن، تم اپنے اس جرم کی پاداش میں یہاں قیام کے دوران میری خصوصی توجہ کے مستحق رہو گے۔" یہ کہہ کر وہ اچانک اچھلا اور اُس کا دہشت ناک مگر سنجیدہ چہرہ چبوترے پر پڑا۔ قریب تھا کہ ٹائیگر بھی اُس کی گردن دبوچ کر دو ٹکڑے کر دیتا لیکن اُس نے خود پر قابو رکھا۔ لاپاز آنے سے قبل وہ اعصاب اور خواہشات پر کنٹرول کا جو درس اُوشان سے لے رہا تھا، اُس نے اُسی کو پیشِ نظر رکھا۔ اُوشان نے کہا تھا کہ اب تمہارے دماغ میں صبر و تحمل ڈالنا ہے۔

"اسے لے جاؤ۔" البیرن دہاڑا تھا۔

••

"تمہارا ایک جبڑا دوسرے جبڑے سے زیادہ پھولا ہوا ہے..." کارل گستاف نے شوخ لہجے میں کہا۔ تاہم اُس کے انداز میں طنز نہ تھا۔

"ہاں..." ٹائیگر نے مسکرا کر جواب دیا۔ "اور تم نے تیسری مرتبہ یہ غلیظ رُومال پانی میں بھگو کر اس غیر متوازن جبڑے پر رکھا ہے لیکن مجھے کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ ویسے یہ تو بتاؤ کہ اُس احمق نے ہمیں اغوا کیوں کیا ہے؟"

"وہ انتہائی زیرک سیاست داں ہے ونسٹن!" بیگم حبیب نے مسکرا کر جواب دیا۔ "وہ ہم لوگوں کو یرغمال بنا کر حکومت کو بلیک میل کرے گا تاکہ باجا کیلی فورنیا میں اُس کی حکمرانی تسلیم کر لی جائے... وہ ہٹلر بننا چاہتا ہے... اوہ اسوری، کارل!" بیگم حبیب کو فوراً ہی احساس ہو گیا کہ اُن کے درمیان ایک جرمن بھی ہے۔

"کوئی بات نہیں۔ ہٹلر سے میرے دادا پڑ دادا کا یارانہ ہو تو ہو، میرا نہیں تھا، مسز حبیب!" کارل نے قہقہہ لگا کر جواب دیا۔ "اور تم فکر مت کرو، پلے بوائے، تم بالکل بھلے چنگے ہو کر قید سے لطف اُٹھانے لگو گے۔"

"کیا تم واقعی امریکن ہو ونسٹن؟" بیگم حبیب نے اُس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔ "تمہارے چہرے میں مجھے مشرق نظر آ رہا ہے۔"

"ممکن ہے۔ میری دادی ہندوستانی تھیں۔" ٹائیگر نے فوراً سنبھل کر جواب دیا۔ "میں نے حال ہی میں کلایوجہانسن سے وچ نامی بوٹ خریدی ہے اور اُسی کی آزمائش کے لیے لاپاز تک آیا تھا۔" اُس نے بڑی کامیابی سے گفتگو کا موضوع بدل دیا تھا۔

"شان دار... وچ تو بہت شان دار بوٹ ہے ونسٹن!" بیگم حبیب نے پُرجوش لہجے میں کہا۔

"ہاں، ویسے آپ لوگ یہاں کب سے قید ہیں؟ ان کے ہاتھ کس طرح آ گئے؟"

لگے ایک گھنٹے کے دوران وہ اُن کی کہانیاں سنتا رہا۔ اُس نے خاص طور سے ایڈم کے ذکر میں دلچسپی لی۔ حالاں کہ اُس نے ابھی تک اس شخص کو نہیں دیکھا تھا جو اُس کو اغوا کرنے کے منصوبے کا خالق تھا۔ تاہم اُن لوگوں کی آپ بیتیاں سُن کر وہ سمجھ گیا تھا کہ ایڈم ایک ظالم، اذیت پسند اور بے شمار خواہشات رکھنے والا شخص ہو گا۔

"ڈاکوؤں کی اکثریت دن کے وقت نہیں ہوتی ہے۔" مارتا نے بتایا۔ "البیرن کو سب سے زیادہ ڈر اُن طیاروں سے ہے... جو اکثر و بیشتر اس علاقے پر پرواز کرتے رہتے ہیں۔"

"وہ ۴ ایف۔ ۱۸ ایف۔ ۱ اور ایک ہیلی کاپٹر سے ڈرتا ہے۔" ٹائیگر مسکرا کر بولا۔

"ڈاکو رات کو اپنے مشن پر نکل جاتے ہیں۔" مارتا نے دھیرے سے کہا۔ وہ اس نوجوان سے جلد ہی مانوس ہو گئی تھی۔ "ایڈم تو وقت کے وقت ادھر ہوتا ہی نہیں۔"

پیٹر ڈاؤسن اب تک خاموش تھا لیکن اُس نے بھی گفتگو میں حصہ لینے کا فیصلہ کیا۔ "عام طور سے ایک لڑکا اس طرف آتا ہے۔ ہمارے لیے چیز، ڈبل روٹی وغیرہ وہی لاتا ہے لیکن چوری پچھلے اتوار اُسے ہم سے ہمدردی ہو گئی ہے۔"

گفتگو دوسرے موضوعات پر چلی گئی اور پھر رات ہونے لگی... رات کا کھانا کھانے کے ایک گھنٹے بعد اچانک ہی ایک محافظ چیختا ہوا اندر آیا۔ "ایسٹن... ٹو ڈور اکسیر نو... پروٹو... پروٹو..."

"کیا بک رہا ہے یہ؟" ڈاؤسن نے خوف زدہ ہو کر پوچھا۔

"صرف یہ کہہ رہا ہے کہ ہر قیدی باہر چلے۔" ٹائیگر نے ڈاؤسن کے ہاتھ پر تھپکی دے کر بتایا۔

انھیں بھٹی کے ہال میں پھر لایا گیا۔ یہاں البیرن کے کیمپ کی ہر لالٹین موجود تھی اور وہ خود اپنی خاص جگہ بیٹھا ہوا تھا۔ جب تمام لوگ جمع ہو گئے اور یرغمالی بھی پہنچ گئے تو البیرن نے دونوں ہاتھ اُٹھا کر لوگوں کو متوجہ کیا۔

"بھائیو! آج کی رات بہت اہم رات ہے۔" اُس نے بارعب انداز میں کہا۔ "کچھ دیر بعد ہی میں اور دس چنیدہ افراد لاپاز کے لیے روانہ ہو جائیں گے۔"

البیرن کے آدمی زور و شور سے تالیاں بجانے لگے۔

"ہم اپنے کاز کے لیے فنڈ جمع کرنے جا رہے ہیں۔ یہ فنڈ ہم بینکوں سے حاصل کریں گے۔ ایسے بینکوں سے جن میں ہمارے کھاتے موجود نہیں۔"

ڈاکو قہقہے لگانے لگے۔ ہال سیٹیوں کی آواز سے گونجنے لگا۔

"میرے بھائیو!" البیرن نے کسی مقرر کے انداز کی نقل کرنی چاہی، مگر خود ہی مضحکہ خیز نظر آنے لگا۔ "تم سب کو یہاں جمع کرنے کا مقصد صرف اپنی روانگی کا فرمان سُنانا ہی نہیں تھا۔" البیرن اپنا رُعب جمانے کے لیے احمقانہ اصطلاحات استعمال کر رہا تھا۔ "میں سمجھتا ہوں کہ اب اپنے مطالبات پیش کرنے کا درست وقت آ چکا ہے اور جب میں اس وقت کو مطالبات پیش کرنے کے لیے درست سمجھتا ہوں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ میں درست ہوں... کسی کو کوئی اعتراض ہے؟"

"ہرگز نہیں، البیرن!" سب ڈاکوؤں نے ایک زبان ہو کر جواب دیا۔

"دیکھو..." البیرن نے قیدیوں کی طرف دیکھ کر غراتے ہوئے کہا۔ "کیا اس قسم کی جمہوریت کی کہیں مثال ملے گی؟"

"ہرگز نہیں۔" کارل گستاف دانت پیس کر دل ہی دل میں بڑبڑایا۔ "باجا کیلی فورنیا کا جمہوری نظام، امریکی اور برطانوی جمہوریت کو بھی شکست دے دے گا۔" البیرن نے سر اُٹھا کر کہا اور ڈاکو کچھ نہ سمجھتے ہوئے بھی زور زور سے تالیاں پیٹنے لگے۔

"سُنو..." اُس نے ایک بار پھر دونوں ہاتھ اُٹھا کر کہا۔ "آج رات، میں ڈسپلن پر بھی زور دینا چاہتا ہوں۔" البیرن کا چہرہ باطنی غصے کی وجہ سے سُرخ ہونے لگا۔ "تم میں سے بعض یہ بھول گئے ہیں کہ میری فوج میں اُن کا کیا مقام ہے۔ لہٰذا ایک اچھے باپ کی حیثیت سے رُخصت ہونے سے قبل میں اپنے اُن بچوں کو تھوڑی سی سزا بھی دینا چاہوں گا جو گمراہ ہو گئے ہیں۔ اُن گمراہوں کو پیش کیا جائے۔"

دو محافظوں کو کھینچ کر ہال کے وسط میں لایا گیا۔ اُن کی آنکھیں خوف سے پھٹی ہوئی تھیں۔ اُن کو یہاں لانے سے قبل شاید بُری طرح پیٹا بھی گیا تھا۔ کیونکہ اُن کے جسموں پر جگہ جگہ تشدد کے نشانات موجود تھے۔ ایڈم نے آگے بڑھ کر اُن کے قریب پُشت پر جگہ سنبھال لی... وہ اُن کے پیچھے ہاتھ باندھ کر اس طرح ٹہلنے لگا جیسے کوئی چرواہا، ریوڑ کی نگرانی کر رہا ہو۔

"تم جانتے ہو کہ تم سے کیا خطا ہوئی ہے؟" البیرن نے اپنے "گمراہ" ڈاکوؤں کی طرف دیکھ کر کہا، مگر جواب کا انتظار کیے بغیر اُن پر فردِ جرم عائد کرنے لگا۔ "تم نے ٹرنفو کی ایک دُکان سے سامان چوری کیا ہے۔ غریبوں کا سامان چوری کرنا، پہاڑیوں کے اَن پڑھ چوروں کا کام ہے۔ اگر تم ایسے ہی عام چور بننا چاہتے تھے تو تمھیں اپنے آبائی شہر ہی میں رہنا چاہیے تھا۔ وہاں بہت سے غریب ہیں، اُن کے ہاں چوریاں کرتے رہتے لیکن میں تمھیں انسان سے عظیم انسان بنانے کے لیے یہاں لایا تھا۔ تاہم تم دونوں نے میری ناک کٹوا دی... کیا تم اپنے اس جرم پر شرمسار نہیں ہو؟"

"ہمارے آقا! ہمیں معاف کر دیں۔" دونوں مجرم گڑگڑانے لگے۔

"ہاں، تم میرے لیے بچوں کی طرح ہو۔" البیرن نے اس بار ایک ہاتھ اُٹھا کر کہا تھا۔ "کیا تمھیں معاف کر کے برادری میں پھر شامل کر دیا جائے؟"

"ہم تم کے خواستگار ہیں عظیم سردار!" اُنھوں نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ اُن کی آنکھیں اپنے سردار پر مرتکز تھیں۔

"سینور ایکیڈ..." البیرن نے اچانک پلٹ کر آواز دی۔ "یہاں آؤ، سینور ایکیڈ!"

اُس کے اس حکم پر ایک تندرست و توانا جسامت والا، ایک کھاتا پیتا شخص نمودار ہوا۔ اُس کا چہرہ جس پر یقیناً مسکراہٹ رہتی ہو گی، اس وقت خوف سے سُتا ہوا تھا۔ یہ ٹرنفو کا میئر تھا۔

"سینور ایکیڈ!" البیرن نے بڑے شاہانہ انداز سے کہا۔ "ان دونوں کا فیصلہ میں تم پر چھوڑتا ہوں۔ ان دونوں نے تمھارے اور میرے قانون کی خلاف ورزی کی ہے۔ بولو، تم کیا کہتے ہو؟"

ٹرنفو کا میئر اس غیر متوقع پیش کش پر گڑبڑا کر رہ گیا۔ اُس کے پاس اس پیش کش کا کوئی جواب نہیں تھا۔ اُس نے بمشکل تھوک نگلا، اُس کے ہونٹ ہلے اور وہ ترحم آمیز انداز میں البیرن کی طرف دیکھنے لگا۔

"خیر، اب تم بولو۔" البیرن نے ایک بار پھر کسی مداری کے انداز میں مجرموں کو دیکھا۔ "بولو، میئر کو کیا جواب دو گے؟"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

دونوں مجرم میئر ایکنڈ کی خوشامدیں کرنے لگے۔ انھوں نے وعدہ کیا کہ وہ میئر کی اُن چھ بوتلوں کی قیمت ادا کر دیں گے جو انھوں نے ٹرنٹو کی ایک دکان سے چوری کی تھیں۔ وہ میئر کے سامنے گڑگڑاتے رہے اور موت کو نہ دیکھ سکے جو ایڈم کی شکل میں اُن کے عقب پر موجود تھی۔ ایڈم نے البیرن کی آنکھ کا اشارہ ملتے ہی اعشاریہ ۴۵ نکالا اور اُس نے پستہ قامت مجرم کے سر کا نشانہ لے کر گولی چلا دی۔

مجرم کی کھوپڑی سے خون اور بھیجے کے ٹکڑے اُچھل اُچھل کر گرنے لگے۔ خون سے مجرم کے ساتھی اور میئر کے کپڑے بھی آلودہ ہو گئے۔ وہ آگے کو جھکا اور اور پھر منہ کے بل گر پڑا۔ دوسرا مجرم اب زیادہ زور زور سے رحم کی بھیک مانگ رہا تھا۔ اُس کی پتلون بھیگ گئی تھی، اُس کے دونوں ہاتھ دعائیہ انداز میں اُٹھے ہوئے تھے لیکن آج اُس کی کسی دعا کے مقبول ہونے کی ساعت نہیں آئی تھی۔ ایڈم اُس کے پیچھے کھڑا ہوا تھا۔

"مانیلو..." البیرن نے سجدے کی حالت میں گرے ہوئے مجرم سے کہا۔ "ہم پہلی چوری ہی سے ایک دوسرے کے ساتھی ہیں۔ ہم نے ایک ساتھ چوڑیوں کی چوری کا کاروبار شروع کیا تھا لیکن میرے برعکس تم عظمت کی بلندیوں کی اہمیت کا احساس نہ کر سکے۔ تم محض چند روپے میرے بچپن کے ساتھی۔"

اُس نے ایڈم کو اشارہ کیا اور دوسری گولی نے مانیلو کی کھوپڑی میں بھی سوراخ کر دیا۔

"سینور ایکنڈ!" البیرن نے میئر کی طرف دیکھ کر کہا۔ "جب ہم نے ٹرنٹو میں پہلی بار قدم رکھا تھا تو ہم نے وعدہ کیا تھا کہ جب تک تمھارے لوگوں کی طرف سے ہمیں پریشان نہیں کیا جائے گا... ہم تمھارے لوگوں کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ تم نے مجرموں کو دی جانے والی سزا خود دیکھ لی۔ اب جاؤ اور اپنے لوگوں کو بتا دو کہ چوروں کو ہم نے کیا سزا دی ہے۔ البیرن اپنے وعدے سے کبھی منحرف نہیں ہوتا۔"

البیرن کا چہرہ اس وقت تمتما رہا تھا۔

ایکنڈ دروازے کی طرف جانے لگا لیکن البیرن کی آواز نے اس کے بڑھتے ہوئے قدم روک لیے۔ "ٹھہرو، میئر ایکنڈ!" البیرن نے کہا۔ "آج رات میں ایک اور سبق سکھانا چاہتا ہوں۔ تم بھی دیکھتے جاؤ تاکہ مجھے سکو کہ البیرن کیسا لیڈر ہے۔ یہاں ایک ایسا شخص بھی ہے جس نے مجھے نقصان پہنچایا ہے۔ تمھارے شہر میں نہیں، کہیں اور... اور اُس کی اس حرکت سے میرے مشن کو نقصان پہنچنے کا خدشہ ہے۔ قیدی دلسٹن کو پیش کیا جائے۔"

مضبوط ہاتھوں نے ٹائیگر کو دبوچ لیا اور اُسے کمرے کے وسط کی طرف کھینچنے لگے۔ اُنھوں نے تیزی سے ٹائیگر کے دونوں ہاتھ آگے کی طرف باندھ دیے اور قمیص نوچ کر پھینک دی۔ ٹائیگر مزاحمت کر سکتا تھا۔ بھڑوں کے اس چھتے کی اُس کے لیے کوئی اہمیت نہیں تھی لیکن فی الوقت وہ یہاں سے نکلنا نہیں چاہتا تھا... وہ اُسے کھینچتے ہوئے ایک سنگی دیوار کی طرف لے جا رہے تھے جہاں فرش سے آٹھ فٹ اُوپر لوہے کے کڑے لٹکے ہوئے تھے۔ محافظوں نے ان کڑوں میں رسّی ڈالی اور پھر اُس رسّی سے ٹائیگر کے ہاتھ دوبارہ باندھ دیے۔ وہ رسّی کس کر تیزی سے پیچھے ہٹ گئے۔

"یہ شخص..." البیرن نے کسی اسٹیج آرٹسٹ کی طرح ٹائیگر کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "یہاں لائے جانے سے قبل تین اچھے آدمیوں کو قتل کر چکا ہے۔ وہ تینوں میرے آدمی تھے... سنو!" اُس نے ٹائیگر کی طرف دیکھا۔ "میں نے کل رات اسی وقت تم سے کہا تھا کہ تم میری خصوصی توجہ کے مستحق رہو گے۔ اب میں اس توجہ سے تمھیں متعارف کرانا چاہتا ہوں... شروع ہو جاؤ!"

البیرن کے دائیں طرف کھڑے ہوئے لوگوں میں سے ایک شخص آگے بڑھا۔ اُس کے ہاتھ میں خار دار تاروں والا ایک ہنٹر تھا۔ وہ اتنی آہستگی سے قدم اُٹھا رہا تھا کہ اُس کے قدموں کی آہٹ بھی سنائی نہیں دے رہی تھی۔ وہ ٹائیگر سے چند قدم دُور رُک گیا۔ اُس کی آنکھیں کبوتر کی طرح سُرخ ہو رہی تھیں۔ چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔ دایاں گال کسی اضطراری ردِعمل کے باعث پھڑپھڑا رہا تھا۔ دائیں ہاتھ کی پانچوں انگلیاں ہنٹر پر سختی سے جمی ہوئی تھیں۔ اُس نے دانت بھینچ کر کڑاکا نکالا تو لوگوں کے دل سینے کے پنجروں میں دھڑک اُٹھے۔

"بیس کوڑے کافی ہوں گے۔" البیرن کی آواز گونجی۔ اُس آواز میں نہ تو غصہ تھا اور نہ ہی حقارت بلکہ اس کا انداز ایسا تھا جیسے وہ اس حقیقت کا اظہار کر رہا ہو کہ دُنیا گول ہے۔

ہنٹر بردار نے دانت بھینچ کر ایک بار پھر ہنٹر گھمایا۔ ہنٹر کی آواز پھر گونجی اور اس بار کوڑا غالباً پوری قوت سے ٹائیگر کی برہنہ پشت سے جا ٹکرایا۔ ہنٹر والے نے اپنا ہاتھ فوراً ہی واپس کھینچا... ٹائیگر کی پیٹھ پر ایک سُرخ لکیر نمودار ہوئی جو سُرخ تر ہوتی چلی گئی اور اُس سُرخ لکیر کے دونوں طرف اس طرح کے نشانات بن گئے جیسے کن کھجورے کے پیر ہوں۔

لوگ کانپ کر رہ گئے۔

ہنٹر کی لکیر کے گرد کانٹوں کے نشانات میں بھی جلد ہی خون بھر گیا۔

ٹائیگر نے سسکی تک نہ لی۔ اُس نے صرف سانس روک لی اور جسم کو بے حس کرنے کی مشق پر عمل کرنے لگا۔

اُسے اس وقت صرف اُدشان یاد آ رہا تھا۔

"ٹل فادر..." اُس نے دل ہی دل میں اپنے اتالیق کو یاد کیا۔ "میرے لیے ہمت اور حوصلے کی دُعا کرنا فادر!"

ٹائیگر ان بندشوں کو توڑ سکتا تھا لیکن اُسے ایک عام انسان کی حیثیت میں البیرن کا مقابلہ کرنے کی خواہش تھی۔ وہ سنانجو کے فن حرب کو فی الحال استعمال کرنا نہیں چاہتا تھا۔

اچانک ہی اُسے بہت دُور سے اُدشان کی آواز سُنائی دی۔

"ذہن کو قابو میں رکھنے کی کوشش کرو میرے بچے! اگر ذہن کو غلام کر لیا تو پھر جسم کو بھی آہن بنا سکتے ہو۔"

یہ ہدایت غالباً سالوں قبل کی گئی تھی لیکن آج نہ جانے لاشعور کے کس گوشے سے ذہن کے سوتوں میں شامل ہو کر جسم کو توانائی بخش رہی تھی۔

ٹائیگر کا جسم لوہے کی طرح سخت ہونے لگا۔

"میں ناقابلِ تسخیر ہوں۔" اُس نے دل ہی دل میں اپنے آپ سے کہا۔ "میں عظیم اُدشان کا عظیم سپوت ہوں... یہ چند لفظ... یہ چند کوڑے مجھ کو تسخیر نہ کر سکیں گے۔"

وہ صرف یہ چاہتا تھا کہ کوڑوں کے زخموں سے خون بہنا بند ہو جائے۔

کوڑے مسلسل برس رہے تھے۔

دس... گیارہ... بارہ...

کوڑا ٹوٹ گیا۔

کوڑا مارنے والے کو رُکنا پڑا۔ اُس نے خوف زدہ نظروں سے البیرن کی طرف دیکھا۔

"کیوں... کیا بات ہے؟" البیرن نے دہاڑ کر پوچھا۔

"یہ... یہ..." کوڑا مارنے والا بری طرح ہکلانے لگا۔

"کیا بے ہوش ہو گیا؟"

"نن... نہیں... میرے آقا!"

"کیا مر گیا؟"

"نن... نہیں..."

"پھر کیا بات ہے؟" البیرن کا چہرہ غصے کی وجہ سے تمتمانے لگا تھا۔

"یہ... اس کی... رُوح... عارضی طور پر جسم سے نکل گئی ہے میرے آقا! یہ اوتار ہے... اوتار۔"

"بکواس..." البیرن پوری قوت سے دہاڑا۔ "ہمارے لیے جادوگروں اور دیوتاؤں کی کوئی اہمیت نہیں، سب دھوکا اور فریب ہوتا ہے۔ اگر یہ مرا نہیں اور بے ہوش بھی نہیں ہے، تب پھر اسے سزا دینے کا عمل جاری رکھا جا سکتا ہے، سمجھ گئے؟"

"میں معذرت خواہ ہوں میرے مالک! مگر بعض باتیں ایسی ہیں جن کا علم ہمیں نہیں ہوتا۔ اس وقت یہ شخص یہاں موجود نہیں ہے۔"

"ہوں..." البیرن نے ہنکارا بھرا۔ وہ چاہتا تھا کہ ٹائیگر کو پورے کوڑے لگیں لیکن کوڑے مارنے والے کی باتیں سن سن کر وہ بھی خوف زدہ ہو گیا تھا۔ اُس نے دوسری طرف منہ پھیر لیا۔ "اسے کھول دو۔" اُس نے بے بسی سے دانت پیستے ہوئے کہا۔

••

"کیا یہ مر چکا ہے؟" خوف زدہ مارٹا نے کارل گستاف سے ٹائیگر کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"کچھ نہیں کہہ سکتا۔" ٹائیگر کی حالت پر خود کارل گستاف کو بھی حیرت تھی۔ "نہ تو دل دھڑک رہا ہے، نہ ہی نبض محسوس ہو رہی ہے لیکن جسم ایک گھنٹہ گزر جانے کے باوجود گرم ہے۔ میں کچھ بھی نہیں کہہ سکتا۔"

••

"کیا یہ زندہ ہے، سینوریتا؟"

ٹائیگر کی سماعت اب بیدار ہو رہی تھی اور اُس نے یہی پہلا جملہ سنا تھا۔ اُس نے ذہن کو بیدار کرنے کی جدوجہد شروع کر دی اور سماعت پر زور دینے لگا۔

"ہاں!" یہ مارٹا کی آواز تھی۔ "لیکن نیم مُردہ ہے۔ ویسے تم اس کے بارے میں اتنی دلچسپی کیوں لے رہے ہو؟" مارٹا نے سرگوشی کے انداز میں نوجوان ڈاکو سے پوچھا۔

"پلیز... سینوریتا!" ڈاکو نے دھیمی آواز میں کہا۔ "میں نے زندگی میں..... بہت سی بُری چیزیں دیکھی ہیں لیکن کسی انسان کو کوڑے لگتے ہوئے نہیں دیکھا۔ مجھے اس تشدد پر سخت افسوس ہے۔"

"کوئی بات نہیں۔" ٹائیگر اچانک ہی بیدار ہو گیا۔ اُس کے جسم کی ساری توانائی معاً ہی رگِ وپے میں دوڑ گئی تھی... اُسے پیٹھ میں کاٹ دار چبھن محسوس ہو رہی تھی مگر وہ ایسی تکلیف برداشت کر سکتا تھا۔ اُس نے دونوں کہنیوں کے بل اُٹھ کر دیکھنے کی کوشش کی۔

"میرے... یہ زندہ ہے۔" نوجوان ڈاکو نے پُرمسرت لہجے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

میں کہا۔ "میں... میں چیکو ہوں۔ میرا دوسرا کوئی نام نہیں۔ میں یہی دیکھنے آیا تھا کہ آپ کی طبیعت بہتر ہوئی یا نہیں، سینور!"

"شکریہ، چیکو!" ٹائیگر نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر کہا۔ "میں کتنی دیر بے ہوش رہا؟" یہ سوال اُس نے اڑتا سے کیا تھا۔

"ایک دن اور دو راتوں تک۔ تین بار نیم بے ہوشی کی کیفیت میں واپس آئے لیکن پھر بے ہوش ہو گئے۔ البیرن کو گئے ہوئے دو دن ہو چکے ہیں۔ شاید حالات زیادہ بہتر نہیں ہیں۔"

"کوئی گڑبڑ؟" ٹائیگر دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھنے میں کامیاب ہو گیا اور اُس نے بدنما جگ کی طرف ہاتھ بڑھا دیا۔ اُسے اُس وقت بہت پیاس لگ رہی تھی۔ "تم لوگوں پر کیا گزری؟"

"کچھ نہیں... ہمیں بالکل تنہا چھوڑ دیا گیا تھا... اور اگر یہ نہیں ہوتا تو..." اُس نے چیکو کی طرف دیکھ کر جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"میں نے کچھ بھی نہیں کیا۔" نوجوان نے انکسار سے کام لیا۔ "میں جو ریوز اور رات کو اُس کے آنے جانے سے بھی اچھی طرح واقف ہوں اور میں نے کسی سے بھی اس کا ذکر نہیں کیا ہے۔"

"ایسا لگتا ہے جیسے تم یہاں کے لوگوں میں دل سے شامل نہیں ہو، چیکو!" ٹائیگر نے مسکراتے ہوئے تبصرہ کیا۔

"پہلے میرا خیال تھا کہ ان لوگوں کے ساتھ کام کرنا بہت سنسنی خیز اور دلچسپ ثابت ہوگا۔" چیکو نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔ "لیکن اب میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ کام درست بھی ہے یا نہیں۔"

ٹائیگر لڑکے کو دیکھ کر پُرشفقت انداز میں مسکراتا رہا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس نیک سرشت لڑکے کو ڈاکوؤں کے خلاف کس طرح استعمال کیا جا سکتا ہے۔ وہ اسے اثاثہ بنا کر رکھنا چاہتا تھا۔

اس گفتگو میں مارٹا بھی حصہ لیتی رہی اور ٹائیگر کو اُن دنوں کی تفصیلات بتاتی رہی جو ٹائیگر نے بے ہوشی کی کیفیت میں گزارے تھے۔

"جب سے البیرن گیا ہے، ہمیں کھانے کو کچھ نہیں دیا گیا۔" مارٹا نے بتایا۔ "مجھے جو ریوز نے بہرحال اپنی سی کوشش کی اور ہر رات ہمیں تھوڑی بہت غذائی اشیاء پہنچاتا رہا۔ اگر ایڈم کے بس میں ہوتا تو وہ ہمیں زندہ درگور کر دیتا۔"

"جو ریوز..." ٹائیگر نے ذہن پر زور دیا۔ "چھوٹا سا لڑکا تو نہیں، جو اپنی عمر سے بڑا لگتا ہے۔"

"ہاں... بالکل وہی۔" مارٹا نے فوراً جواب دیا۔ "جب اُس نے سُنا کہ تم یہاں ہو تو وہ فوراً ہی آ گیا اور تمہاری حالت دیکھ کر رونے لگا۔ وہ تمہیں بار بار پرنس کہہ رہا تھا۔ اُس نے مجھے بتایا کہ تم نے اُسے بغیر کام لیے بہت سے پیسے دیے تھے۔ وہ اُن لوگوں کو بُرا بھلا کہہ رہا تھا جنھوں نے تم پر تشدد کیا ہے۔"

"ایسا لگتا ہے جیسے ٹرلفو میں میرے حمایتیوں کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے۔"

"درست، جناب!" چیکو نے دھیمے لہجے میں کہا اور فرش کو کھرچنے لگا۔

"اب میرے دو حمایتی کیا رائے دیتے ہیں؟" ٹائیگر نے چیکو کا حوصلہ بڑھاتے ہوئے کہا۔

"آپ جلد از جلد صحت مند ہو جائیں، جناب!" چیکو نے دُعائیہ انداز میں ہاتھ اُٹھا کر کہا۔ "چاقو بہت بُرا آدمی ہے لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ آپ جلد از جلد طاقت ور ہو جائیں۔"

"ان کی حالت غیر متوقع طور پر بہت تیزی سے بہتر ہو رہی ہے، چیکو!" مارٹا نے کہا۔ "کوڑوں کے زخم حیرت انگیز طور پر بھر چکے ہیں۔ اب صرف گلابی لکیریں باقی ہیں۔ اتنی تیزی سے زخم بھرتے ہوئے نہ دیکھا، نہ سُنا۔ اب جبکہ انھیں ہوش آ گیا ہے تو ہمیں توقع رکھنی چاہیے کہ جسم میں طاقت بھی جلد واپس آ جائے گی۔"

"تم اس وقت مشرق کی روایتی بیوی کی طرح اظہارِ اُمید کر رہی ہو، مارٹا!" ٹائیگر نے ہنس کر اُسے چھیڑا۔

"اب مجھے چلے جانا چاہیے، سینور!" چیکو نے اچانک ہی کہا۔ "لل... لیکن یہ بتائیں کہ کیا کارلوس اور دوسرے لوگ ٹھیک کہہ رہے ہیں؟"

"میں سمجھا نہیں، وہ کیا کہہ رہے تھے؟" ٹائیگر نے سنجیدگی کے ساتھ پوچھا۔

"یہی کہ... آپ... آپ اوتار ہیں، جس پر کوڑوں کا اثر نہیں ہوتا۔"

"نہیں، چیکو!" ٹائیگر نے اُس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "اگر میں اوتار ہوتا تو یہاں کس طرح پھنس جاتا؟ ان کے جنگل میں کس طرح آ جاتا؟ میرا مشورہ مانو، چیکو! یہاں مت آیا کرو۔ کسی سے ایسی کوئی بات مت کہو جس سے تم دُشواری میں مبتلا ہو جاؤ یا کسی کو تم پر شُبہ ہو جائے۔"

"میں محتاط رہوں گا، سینور!" چیکو نے اُسے یقین دلایا... "میں چلا۔ وہ سب یقیناً سو رہے ہوں گے لیکن اگر اُن میں سے کوئی بھی بیدار ہو گیا تو میرے لیے واقعی مسئلہ بن جائے گا۔"

• •

اُسی شام، ٹائیگر پوری طرح خام میں واپس آ گیا۔ شام ڈھلتے

ہی جب وہ باقی قیدیوں کے پاس پہنچا تو وہ اُسے دیکھ کر اُچھل پڑے۔

"جھوٹ... جھوٹ..." کارل گستاف نے مصنوعی خوف کا مظاہرہ کرنا چاہا۔

"کمال ہے۔" بیگم صولت بھی حیرت زدہ رہ گئیں۔ "یسکن اللہ کا شکر ہے کہ تم میں بہت طاقت تھی۔"

ابھی وہ لوگ آپس میں باتیں کر رہے تھے کہ اچانک کلائیڈ ایڈم اندر داخل ہوا۔

"میں نے سُنا ہے کہ تم اپنے پیروں پر چلنے کے قابل ہو گئے ہو، ہیکورتھ؟" اس نے تلخ انداز میں پوچھا۔ "میرے تو تم پرست ساتھی تمھیں اوتار سمجھ رہے ہیں۔ بعض کا کہنا ہے کہ تم جادوگر ہو۔" ایڈم کی آنکھوں سے کینہ جھلک رہا تھا۔

"اور تم کیا کہتے ہو، میرے مسخرے دوست؟" ٹائیگر نے خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا۔

"زبان سنبھال کر بات کرو۔" ایڈم کے چہرے پر کئی رنگ آ کر گزر گئے۔

"خیر چھوڑو۔ یہ بتاؤ کہ اس قید خانے میں کھانے کا انتظام کب کیا جائے گا؟"

"میں تمھیں خبردار کر دوں، بھول کہ اپنی زبان کو قابو میں رکھو ورنہ تمھیں کوڑوں کی سزا پھر مل سکتی ہے۔ البیرن نے تم لوگوں کے بارے میں صرف اتنی ہدایت کی ہے کہ تم لوگوں کو زندہ رکھا جائے۔ اس نے یہ نہیں کہا کہ تم کو مہذب بنا دیا جائے۔ تمھیں کھانا اُسی وقت ملے گا جب میری مرضی ہو گی۔"

ٹائیگر نے ایڈم کو کریدنے کا فیصلہ کیا۔ اس نے ایڈم کو اس حد تک ستانے کا ارادہ کر لیا جب تک اُسے ایڈم کی کسی فیصلہ کن کمزوری کا علم نہ ہو جائے۔ "تم یہاں کے انتہائی اہم آدمی ہو، چانگو!" ٹائیگر نے کہا۔

"مجھے چانگو مت کہو۔" ایڈم غرایا۔ "ہسپانوی زبان میں چانگو مسخرہ خنزیر نام سمجھا جاتا ہے۔"

"چلو... پھر تمھیں بندر کہہ دیتا ہوں۔"

"زبان کھینچ لوں گا۔" ایڈم غصّے سے بڑبڑانے لگا... لیکن پھر اچانک ہی نرم پڑ گیا۔ "ہاں، تم ٹھیک کہتے ہو۔ یہاں میرا برا مقام ہے۔ میرا یہ مقام مزید بڑھے گا۔"

"نہیں..." ٹائیگر نے مایوسی سے گردن ہلائی۔ "تمھیں ترقی کرنے کا یہاں کوئی موقع نہیں ملے گا۔" وہ اُس کی دُکھتی رگ پر ہاتھ رکھ رہا تھا۔ "تم جیسا ذہین آدمی نمبر دو ہے... اور یہ کتنے افسوس کی بات ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"میرا خیال ہے کہ تم بہت ذہین بھی ہو۔ اگر اس صحرا نے تمھارے مغز کو پگھلا کر نہیں رکھ دیا ہے تو پھر تم یہ سمجھنے میں دشواری محسوس نہیں کرو گے کہ میکسیکو کی حکومت تمھیں اس طرح تباہ کر دے گی جیسے کوئی مچھر کو مسل ڈالے۔ البیرن محض جبلی آدمی ہے۔ تمھیں ذرا سی عقل استعمال کرنی چاہیے۔ اگر حکومت نے تمھیں بغاوت کے الزام میں پھانسی نہیں دی تو پھر بھی تمھیں ماریاز کے جنگلات میں بھیج دیا جائے گا اور تم بخوبی سمجھتے ہو کہ وہاں تمھاری زندگی کتنی مختصر ثابت ہو گی۔ اُن جنگلات میں رہنے والے آدمی کی اوسط عمر تین سال رہ جاتی ہے لڑکے!"

ایڈم نے دانت پیس کر ٹائیگر پر مکّا دے مارا جو ٹائیگر کی گدی پر لگا لیکن ٹائیگر اس ضرب سے قبل ہی اُسے برداشت کرنے کے لیے تیار ہو چکا تھا۔ لہٰذا اُسے ضرب کی شدت محسوس ہی نہیں ہوئی۔

"یہ لڑکا کہنے کی سزا ہے۔" ایڈم غرایا۔ اُس کے دونوں ہاتھ کولہوں پر جمے ہوئے تھے۔ آنکھیں غصّے کی وجہ سے اُبل رہی تھیں، چہرہ غصّے کی وجہ سے دھواں دھواں ہو رہا تھا اور مُنہ سے جھاگ نکل رہے تھے۔ "یہ مجھے 'لڑکا' کہنے کی سزا ہے۔" اُس نے دونوں مُٹھیاں بھینچ کر کہا۔ "پھر کبھی لڑکا کہا تو میں البیرن کی بھی پروا نہیں کروں گا اور تمھیں جان سے مار دوں گا۔ میں یہاں کا بہت بڑا آدمی ہوں۔ ہاں، میں بہت بڑا آدمی ہوں۔"

"درست..." ٹائیگر نے محض ایڈم کی انا کی تسکین کے لیے اپنی گدی سہلاتے ہوئے جواب دیا۔ "لیکن سوال یہ ہے کہ البیرن کی موجودگی میں تم سب سے بڑے کیسے بن سکتے ہو؟"

"میں جانتا ہوں کہ البیرن پاگل ہے۔" ایڈم طیش کی وجہ سے البیرن کے لیے اپنی نفرت پر قابو نہ رکھ سکا۔ "لیکن میں پاگل ایڈم ہوں، کوئی مسخرہ نہیں۔ میں اپنے ان نسلی بھائیوں سے زیادہ بہتر ہوں جو تمھارے مُلک میں آزادی اور جمہوریت کے نام پر جال میں پھنسے ہوئے ہیں۔ میں آزاد ہوں، حقیقی معنوں میں آزاد... میں اس علاقے کا سب سے طاقت ور آدمی ہوں، سب سے زیادہ طاقتور..."

ٹائیگر اُس کی حوصلہ افزائی کے لیے سر ہلانے لگا۔

"میری طرف دیکھو، گورے!" ایڈم اب بھی بپھرا ہوا تھا۔ وہ ٹائیگر کی گوری چمڑی سے دھوکا کھا گیا تھا اور اُسے ابھی تک اپنی سمجھ رہا تھا۔ "میں سازشوں کو اچھی طرح سمجھتا ہوں۔ مجھے علم ہے کہ

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

روزگار کے نام پر ہماری عورتوں سے پیشہ کرایا جاتا ہے۔ میں اپنے علم کی بدولت معاشرے کی تمام مکروہ یوں سے اچھی طرح واقف ہوں۔ میں اپنے علاقے اور اپنے لوگوں کا نیا بادشاہ ہوں۔ البیرن کچھ حاصل نہیں کر سکے گا۔ میں اس سے زیادہ ذہین ہوں... میں دماغ استعمال کر سکتا ہوں۔ میں سیاست سے بھی واقف ہوں، سمجھے تم؟"

"بالکل... میں سمجھ گیا۔" ٹائیگر نے زیر لب مسکرا کر جواب دیا۔ وہ جانتا تھا کہ ایڈم اس کے جال میں پھنس رہا ہے۔ "تم سب سے زیادہ طاقت ور اور ذہین آدمی ہو، ایڈم! لیکن تم اس اژدھے کے چنگل میں کس طرح پھنس گئے؟"

"میں نے اپنی نسل کی توہین پر طیش میں آکر ایک سفید فام کو قتل کر دیا تھا۔" ایڈم کھسیانا جلا گیا۔ "پھر جب مجھے ہوش آیا تو میں گرفتاری سے بچنے کے لیے بھاگ نکلا اور یوں البیرن کے ہاتھوں میں آگیا۔ اس نے مجھے آزادی کے لیے اپنا منصوبہ بتایا۔ میں اسی وقت سمجھ گیا کہ نیا ملک چلانے کے لیے ایڈم کو نمبر ایک بننا پڑے گا۔"

"تمہاری تقریر بہت اچھی ہے، ایڈم! لیکن مجھے ایسا لگتا ہے جیسے تم بھی اپنے دوسرے ساتھیوں کی طرح باتونی ہی ہو، عمل نہیں کر سکتے۔"

ٹائیگر نے ایک بار پھر جان بوجھ کر ایڈم کو مشتعل کرنا چاہا تھا۔ ایڈم اُسے واقعی قتل کر دیتا لیکن البیرن کے واضح احکام اُسے یاد تھے اور وہ جانتا تھا کہ ابھی تک البیرن ہی نمبر ایک ہے۔ لہٰذا اس نے ٹائیگر پر دوسری بار ہاتھ نہیں اُٹھایا۔ اسے علم تھا کہ البیرن کے احکام کی خلاف ورزی کرنے والے کی سزا کیا ہوتی ہے۔ اس نے غرا کر ٹائیگر کی طرف دیکھا اور پھر نفرت سے تھوک کر واپس چل دیا۔ اس کی ناک سے نکلنے والی غصیلی آواز، اس کی باطنی کیفیت کا پتا دے رہی تھی۔

ایڈم کے جاتے ہی باقی لوگ بھی ٹائیگر کے قریب چلے آئے۔ ان میں حالات حاضرہ پر بحث شروع ہو گئی اور پھر وہ اس متفقہ فیصلے پر پہنچے کہ یرغمالیوں کی رہائی یقینی بنانے کے لیے ان میں سے کسی ایک کو فرار ہونا پڑے گا۔ ٹائیگر نے اس تجویز پر یہ کہتے ہوئے خاص طور سے زور دیا کہ میکسیکو کی حکومت کو البیرن کی کمیں گاہ سے مطلع کرنے کے لیے کسی کا فرار ضروری ہے۔

وہ سب اس تجویز پر متفق تھے اور جب سب ہی نے اس پر رضامندی کا اظہار کر دیا تو ٹائیگر نے ہی یہ تجویز رکھی کہ وہ خود قید سے نکل کر حکومت سے رابطہ قائم کرے گا۔

"جانا مجھے ہی چاہیے۔" اس نے سرگوشی کی۔ اس پر اعتراضات کی بوچھار ہو گئی۔ "سنیے..." ٹائیگر نے دونوں ہاتھ اُٹھا کر کہا۔ "آپ لوگوں کو اچھی طرح علم ہے کہ پٹائی کے باوجود اب بھی میں سب سے زیادہ بہتر حالت میں ہوں۔"

"ہاں..." رابرٹو نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "اور میرے اندازے کے مطابق تمہیں مقامی بولی پر بھی عبور حاصل ہے۔"

"لیکن جب انہیں تمہارے فرار کا علم ہو گا تو وہ تمام راستوں کی ناکہ بندی کر دیں گے۔ تم ان سے بچ کر کس طرح نکلو گے...؟" پیٹر ڈاؤسن نے اعتراض کیا۔

"بہت آسانی سے۔" مارٹا مسکرا کر بولی۔ "اس کو ہسپانوی زبان پر عبور حاصل ہے، بڑی حد تک مقامی نقوش کا حامل بھی ہے اور اگر یہ مقامی لباس پہن لے تو کوئی بھی نہیں کہہ سکتا کہ یہ مقامی باشندہ نہیں ہے۔"

"درست..." ٹائیگر نے مسکرا کر تائید کی۔ "اسی باعث میں نے خود کو پیش کیا ہے۔ سان انتینو میں ایک ڈاک خانہ ہے... اور سڑک سے صرف سات کلومیٹر دور ہے۔ میں وہاں سے لاپاز تیلی گرام بھیجوں گا۔ اس طرح سارا مسئلہ حل ہو جائے گا۔ ٹھیک ہے؟"

بعض لوگوں کو اب بھی اس تجویز پر اعتراض تھا۔

"اب آپ لوگ رضامند ہوں یا نہ ہوں، میں بہرحال جاؤں گا۔" ٹائیگر کو اچانک ہی اس جمہوری انداز سے کوفت ہونے لگی۔ "میری تمام تر کوششوں کا مقصد یہاں کے قیدیوں کی رہائی اور ڈکیتیوں کا خاتمہ ہو گا۔ اگرچہ رات بہت بیت چکی ہے لیکن ہمیں اپنی آنکھیں کھلی رکھنی ہیں تاکہ کام کی کوئی بات بھی ہماری بصارت اور سماعت سے کترا کر نہ نکل جائے۔"

• •

دوسرے تمام لوگ چلے گئے اور صرف بیگم سولت حبیب ٹائیگر کے پاس رہ گئیں۔ "کیا فرار کے لیے اتنے لمبے چوڑے منصوبے پر بحث کرنے کی واقعی کوئی ضرورت تھی؟" ان کا لہجہ عتیب سا تھا۔

"میں سمجھا نہیں، بیگم صاحبہ!" ٹائیگر نے حیرت سے ان کی طرف دیکھا۔

"میں یہ کہنا چاہتی تھی کہ کیا تمہیں فرار کے لیے واقعی کسی منصوبہ بندی کی ضرورت ہے؟"

"بیگم صاحبہ!" ٹائیگر بے اختیار طور پر مسکرا دیا۔ "اگر آپ راز کو راز رکھنے کا وعدہ کریں تو میں آپ کو ایک پیغام پہنچانا

چاہتا ہوں۔"

"پیغام... میرے لیے؟"

"جی ہاں۔" ٹائیگر سنجیدہ ہو گیا۔

"بولو۔ اگر تم حکومت کے جاسوس ہو تو پھر میں کسی سے ایک لفظ بھی نہیں کہوں گی۔"

"نہیں، میں جاسوس یا سراغ رساں نہیں ہوں۔" وہ ہلکا سا قہقہہ لگا کر بولا۔ "میری کوئی سرکاری حیثیت نہیں۔ میں تو آپ کے ایک دیرینہ دوست کا مختصر سا پیغام لے کر آیا ہوں۔"

"دیرینہ دوست" بیگم سولت حبیب کا چہرہ کھل اُٹھا۔ "سناؤ! دیر کیوں لگا رہے ہو؟"

"ڈاکٹر بہرام نے پیغام بھیجا ہے کہ آپ اُمید کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں۔"

"ڈاکٹر... بہرام..." بیگم حبیب چونک اُٹھیں۔ ان کا چہرہ دمکنے لگا اور آنکھیں چمک اٹھیں۔ "میرے خدا! اس بے ایمان سے تو بیس سال سے ملاقات نہیں ہوئی۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ تم بہرام کے ساتھی ہو اور واقعی ہمیں بچا لے جانے کے لیے آئے ہو؟"

"جی ہاں... لیکن اس کا علم کسی اور کو نہ ہونے پائے ورنہ مسائل جنم لے سکتے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ میرے فرار کے بعد ایڈم دوسروں پر تشدد ضرور کرے گا اور دوسروں کو اگر میرے بارے میں کچھ بھی معلوم ہو گیا تو وہ زبان کھولنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ بہتر یہی ہے کہ آپ کو کم سے کم اور دوسروں کو کچھ بھی معلوم نہ ہو۔"

"لیکن ہم اندر رہ کر تمہاری مدد کس طرح کر سکیں گے...؟" بیگم سولت نے پوچھا۔

"فکر نہ کریں، صرف انتظار کرتی رہیں۔"

• •

ڈاکوؤں کے مرکزی کیمپ میں جشن منایا جا رہا تھا۔ ایڈم کو متوقع کامیابی کا اتنا یقین تھا کہ اس نے جوش مسرت میں قیدیوں کا راشن بھی بڑھا دیا۔ انہیں صاف پانی بھی اتنا فراہم کیا کہ دونوں عورتوں نے ایک ہفتے بعد پہلی مرتبہ منہ ہاتھ دھویا۔ سب سے بڑی تبدیلی یہ رونما ہوئی کہ قیدیوں کو ان کی یہاں آمد کے بعد پہلی مرتبہ ناشتہ فراہم کیا گیا۔

مزید تین روز گزر گئے۔ اس دوران میں ٹائیگر پوری طرح خادم میں واپس آگیا۔ تاہم فرار کا کوئی موقع ہاتھ نہیں آیا۔ ہر طرف غیر معمولی طور پر حفاظتی اقدامات کیے گئے تھے۔ ہر وقت پہرہ لگا رہتا تھا... ڈاکوؤں کی شکاری جماعتیں شکار کرنے کے لیے صحرا میں بھی جاتی رہیں۔ جیکو نے انہیں بتایا کہ ایک ٹولی نے لورتیو گالی اور سان انگیلنکو میں بینک لوٹے ہیں۔ یہ ٹولی کشتی کے ذریعے دریا پار کر کے واپس آرہی ہے۔ ایڈم نے البیرن کی پروا کیے بغیر، اس ٹولی کے اعزاز میں جشن کا اہتمام کیا جس سے ڈاکو بھی خوش ہو گئے اور ان کی نظروں میں ایڈم کی عزت بڑھ گئی۔ ان کے اپنے حوصلے بھی بڑھنے لگے۔ کیمپ کا ماحول حیرت انگیز طور پر بدل گیا۔ اگرچہ قیدیوں کو بدستور پہرے میں رکھا گیا لیکن ان کے لیے کھانے پینے کا سامان باقاعدگی سے فراہم کیا جاتا رہا۔ اب ڈاکو ان قیدیوں کے پاس آتے تھے تو ان کے چہروں پر کرختگی کی بجائے مسکراہٹ ہوتی تھی۔ انہی حالات میں جیکو ایک بڑی خبر لے کر آیا۔ اس نے بتایا کہ البیرن نے اپنے مطالبات کے بارے میں حکومت کو الٹی میٹم دے دیا ہے اور جواب کے لیے صرف دو روز کی مہلت دی ہے۔ وہ ان کے لیے لاپاز کا ایک اخبار بھی چھپا کر لایا جس میں یہی خبر شائع کی گئی تھی کہ البیرن نے الٹی میٹم دے دیا ہے۔ اخبار میں یرغمالیوں کا بھی ذکر تھا اور البیرن کا یہ بیان بھی کہ یرغمالیوں کو اس وقت کسی نامعلوم مقام سے رہا کر دیا جائے گا، جب مطالبات پورے ہو جائیں گے۔ البیرن کے بیان کے مطابق یرغمالی اس وقت سیرامدرا کے علاقے میں تھے اور یہی غلط بیانی تھی۔ اس نے حکام کو گمراہ کرنے کی جان بوجھ کر کوشش کی تھی اور اسی کے باعث فوجی دستے سیرامدرا میں کارروائی کرنے لگے۔ فضائیہ نے بھی اسی علاقے کے پہاڑوں میں ڈاکوؤں کی تلاش شروع کر دی۔ پوری خبر میں باجا کیلی فورنیا کا کوئی ذکر نہیں تھا۔ صرف یہ بتایا گیا تھا کہ بعض افراد کو باجا کیلی فورنیا کے علاقے سے اغوا کیا گیا تھا۔

ایڈم کو اب واقعی وہ احترام ملنے لگا تھا جو ڈاکوؤں کے کسی مقبول لیڈر کے لیے مخصوص ہو سکتا تھا۔ ایڈم نے کامیاب بینک ڈکیتیوں کی خوشی میں جشن منانے کا اعلان کیا۔ ٹرنفو کے ایک قصاب سے گائے خریدی گئی جس کو سالم بھوننے کا کام شروع ہو گیا۔ بعض معصوم شکل ڈاکوؤں کو لاپاز سے شراب خرید کر لانے کے لیے بھیجا گیا۔ جشن کے اعلان کے ساتھ ہی ٹرنفو کی دکانوں میں موجود ساری بیئر خرید لی گئی۔ ساتھ ہی گانوں کی آوازیں بھی کیمپ سے ابھرنے لگیں اور قیدیوں کے غار تک گٹار کی آوازیں بھی آنے لگیں۔

"کمال ہے، مجھے تو اس ماحول پر یقین ہی نہیں آرہا..." پیٹر ڈاؤسن نے گٹار کی آواز سن کر کہا۔ "مجھے یقین ہے کہ یہ پاگل آدمی ہمیں بھی اسی طرح سالم بھون دے گا، جس طرح گائے بھونی جا رہی ہے۔" پیٹر کا لہجہ ہذیانی تھا۔ اس کی آنکھوں میں خوف

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کی پرچھائیاں تھیں۔

"اتنے پریشان نہ ہو، پیٹر! کارل گستاف نے خوف زدہ پیٹر کو تسلی دینے کی کوشش کی۔ "تم پڑھے لکھے آدمی ہو۔ کالج میں پڑھاتے ہو۔ لہٰذا تمھیں دوسروں کو حوصلہ دینا چاہیے... ان لوگوں کی پالیسی یہ ہے کہ ہمیں اعصابی جنگ میں شکست دے دیں اور ہماری حکمت عملی یہ ہونی چاہیے کہ ہم شکست نہ کھا سکیں۔"

"یہ باتیں تم بڑی آسانی سے کر سکتے ہو۔" پیٹر ڈاؤسن نے تلخ لہجے میں کہا۔ "تمھاری پشت پر ایک بڑی اٹرلائن ہے جبکہ میں محض ایک یونیورسٹی کا استاد ہوں۔ یونیورسٹی والے میرے انجام پر محض ہاتھ مل سکتے ہیں لیکن میری رہائی کے لیے کوئی ٹھوس اقدام نہیں کر سکتے... میرے خدا! میں اس جہنم میں ہلاک ہو جاؤں گا اور وہاں کوئی بھی یہ نہیں کہے گا کہ پیٹر کی لاش ہی واپس حاصل کر لی جائے۔" پیٹر ڈاؤسن نے بڑی مایوسی سے سر جھٹکتے ہوئے کندھے جھکا لیے اور دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔

مارٹا پر بھی قید کا اثر ہو چکا تھا لیکن اس میں ابھی ہمت باقی تھی۔ لہٰذا جب وہ بولی تو اس کا لہجہ مجبوری و عزم کے متضاد تاثرات کا آئینہ دار تھا۔ "تم اس وقت انتہائی بزدل نظر آ رہے ہو، پیٹر!" اس نے پیٹر کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ "میں تم سے زیادہ کمزور ہوں لیکن مجھ میں ابھی حوصلہ باقی ہے۔ خطرے کو سامنے دیکھ کر رونا دھونا کوئی عقل مندی نہیں۔" وہ یہ کہتی ہوئی ٹائیگر اور رابرٹو کے پاس پہنچ گئی۔ جو چیکو سے گفتگو میں مصروف تھے۔

"ڈاکٹر پیٹر ڈاؤسن کے اعصاب جواب دے چکے ہیں۔" اس نے ان دونوں کو مطلع کیا۔ اس کا لہجہ غیر جذباتی اور چہرہ سپاٹ تھا۔

"یہ برا ہوا۔" ٹائیگر ایک طویل سانس لے کر بولا۔ "مجھے اپنے اعتماد کے آدمیوں کی ضرورت تھی۔ بہرحال چیکو نے جو کچھ بتایا ہے، اس کی روشنی میں، میں یہی کہہ سکتا ہوں کہ آج کی رات بہت اہم ہوگی۔"

اس کے بعد گفتگو کا موضوع بدلا اور وہ ٹائیگر کے فرار کے منصوبے پر گفتگو کرنے لگے۔ ان کے درمیان اس بارے میں سنجیدہ گفتگو ہونے لگی کہ دوسرے ساتھیوں کا کردار کیا ہو سکتا ہے۔ چیکو پر اگرچہ ابھی تک ٹائیگر کو مکمل اعتماد نہیں تھا لیکن چیکو کی رائے بھی یہی تھی کہ فرار ہی نجات کا راستہ ہے۔ اس نے اس سلسلے میں اپنے ذہن پر بھی کئی تجاویز رکھیں، ساتھ ہی ایک اہم ترین اطلاع یہ دی کہ سان انتینو کی طرف ایک انتہائی ٹیڑا راستہ بھی جاتا ہے

"یہ راستہ بہت کم لوگوں کو معلوم ہے سینور!" چیکو نے کہا۔ "استعمال میں بھی کم رہا ہے۔ اس پر گاڑیاں چل سکتی ہیں لیکن اس راستے سے سفر کرنے والے زیادہ تر لوگ پیدل آتے جاتے ہیں۔ اس سڑک کی لمبائی بارہ کلومیٹر ہے۔"

جلد ہی ڈاکٹر پیٹر ڈاؤسن کے سوا تمام لوگ اُن کے اردگرد جمع ہو گئے اور بڑے جوش و خروش سے فرار کے منصوبے پر بحث کرنے لگے۔

••

گائے بھن کر تیار ہو چکی تھی۔ تاہم ابھی کھانا شروع نہیں ہوا تھا بلکہ شراب پانی کی طرح بہہ رہی تھی۔ ایڈم نے قیدیوں سے بھی ناانصافی نہیں کی بلکہ یہ کہتے ہوئے دو بوتلیں پیش کیں کہ وہ بھی جشن میں حصہ لینے کے حق دار ہیں۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "تم میں سے بعض افراد جشن میں کلیدی کردار ادا کریں گے۔"

ڈاکو گائے کے بھنے ہوئے پاؤں پر ٹوٹ پڑے۔ انھوں نے حلق تک گوشت ٹھونس لیا لیکن اتنا کھانے کے باوجود... وہ مدہوش نہ ہوئے۔ ان کے قہقہوں میں بہت جوش تھا۔ ان کے بھیجے گھن گرج سے بھرپور تھے۔ نشے کے باعث وہ مسلسل ہنس رہے تھے... پھر اچانک ہی کسی نے چلا کر مطالبہ کیا: "لڑکیاں لاؤ!"

"اوہ!..." ایک بلند قامت شخص نے دہاڑ کر کہا۔ اس کا نام گریٹو تھا۔ "تم نے وعدہ کیا تھا کہ ہماری ہر خواہش پوری کی جائے گی... لڑکیاں کہاں ہیں؟"

"لڑکیاں مل جائیں گی۔" ایڈم نے بچے کی طرح قلقاری ماری۔ "میں ایسی لڑکی فراہم کروں گا کہ تم پچھلی لڑکیوں کو بھول جاؤ گے۔ آؤ... میرے ساتھ آؤ۔"

ڈاکو نشے میں دھت، لڑکھڑاتے اور گرتے پڑتے ہوئے ایڈم کے ساتھ چلنے لگے۔ ان کا رُخ قیدیوں کے غار کی طرف تھا۔ غار کے دہانے پر وہ رُکنے کی کوشش میں ایک دوسرے کے اوپر گر پڑے۔ ——— "لائن لگاؤ۔" ایڈم نے حکم دیا اور تمام ڈاکو بڑے نظم و ضبط کے ساتھ ایڈم کے پیچھے کھڑے ہو گئے۔

"وہ رہی۔" ایڈم نے مارٹا کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "اب ہم اسے نئی لذتوں سے روشناس کرائیں گے۔"

مارٹا نے یہ سنا اور سہم کر رہ گئی۔ اب اس کی سمجھ میں ایڈم کی بات آئی کہ جشن میں بعض لوگ اہم کردار ادا کریں گے۔

ٹائیگر اور کارل گستاف، ایڈم اور ڈاکوؤں کی راہ میں آہنی دیوار بن کر کھڑے ہو گئے۔ "پاگل ہو گئے ہو، کیا؟" کارل گستاف نے کہا... اس کا لہجہ انتہائی درشت تھا۔ ٹائیگر بھی اس کے ساتھ تھا... لیکن

اس کی حکمت عملی دوسری تھی۔ "اس لڑکی کو کوئی بھی نقصان پہنچا تو الیسن ہمیں فنا کر دے گا۔"

"ہلتے سے ہٹ جاؤ۔" ایڈم نے موٹی سی گالی دے کر کہا... اس کے تیور بڑے خطرناک تھے۔ "لڑکی کو بھلا کیا نقصان پہنچے گا؟ ہماری تعداد بھی زیادہ نہیں۔ ویسے بھی اگر ہم مقامی لڑکیوں سے اُکتا نہ جاتے تو غیر ملکی مال پر ہاتھ صاف نہیں کرتے... اب تو بہرحال مجبوری ہے۔"

ایڈم کی نشے کے باعث بُری حالت تھی۔ آنکھیں سُرخ تھیں، جن میں کسی قسم کا کوئی تاثر نہ تھا۔ پتلے سیاہ ہو رہے تھے۔ کئی ڈاکو، لڑکی کے سلسلے پر اس بحث میں زیادہ دلچسپی لیتے ہوئے اُن کے قریب آ گئے تھے۔

"تم چاہو یا نہ چاہو۔" ایڈم نے بہراتے ہوئے کہا۔ "ہم لڑکی کو لے جا کر رہیں گے۔"

ٹائیگر کو اب جلدی تھی، لہٰذا اس نے زبانی جنگ ترک کر دینے کا فیصلہ کرتے ہوئے ایڈم کے پیٹ میں مُکا مارا... یہ عام سی ضرب تھی لیکن اس عام ضرب ہی کے باعث ایڈم ایک دم بھک سے اڑ گیا۔ ایک زوردار گھونسے نے ایڈم کے سر کو دائیں طرف کر دیا لیکن گھونسے کی شدت اتنی ہی رکھی تھی کہ ایک عام آدمی کا گھونسا لگتے۔ ایڈم کی پٹائی کرتے ہوئے ٹائیگر کے چہرے پر عجیب سی مسکراہٹ تھی، جس سے صاف ظاہر تھا کہ وہ تادیبی کارروائی کو سنجیدگی سے نہیں لے رہا ہے۔ ایڈم میں چند گھونسے کھانے کے بعد سکت باقی نہیں رہی تھی۔ وہ صرف درد کا احساس کر رہا تھا۔ اس نے دیوار سے ٹیک لگا لی۔ شراب کی بوتل اب بھی اس کے ہاتھ میں تھی لیکن وہ دوسرے لوگوں کی توقعات کے برعکس ٹائیگر کو نقصان پہنچانے کے لیے موقعے کی تلاش میں تھا۔ ٹائیگر اُسے بے ہوش سمجھنے کی غلطی کر بیٹھا۔ اس نے پلٹ کر دوسروں کی طرف دیکھا اور یہی اس کی وہ بنیادی غلطی تھی، جو ٹائیگر سے نہیں شہزور سے سرزد ہو چکی تھی۔ لڑکھڑاتے ایڈم نے ناقابلِ یقین پھرتی سے کام لیتے ہوئے بوتل ٹائیگر کے سر پر دے ماری... بوتل ٹوٹ کر کرچی کرچی ہو گئی۔ شراب ٹائیگر کے سر سے بہنے لگی لیکن سناٹجو کی تربیت کے باعث یہ مہلک وار کارگر ثابت نہ ہوا... تاہم وہ ایک لمحے کے لیے اپنی جگہ ساکت ضرور ہو گیا تھا اور اسی ایک لمحے سے ایڈم نے بھرپور فائدہ اٹھایا۔

اس نے ٹائیگر کے سر پر دوسرے ڈاکو سے بوتل لے کر دوسرا وار کیا۔ اس مرتبہ ٹائیگر کو ایسا لگا جیسے اس نے کئی بوتلیں پی لی ہوں۔ وہ گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں

"یہ کیا ہوا؟" اس نے سوچا۔ وہ سوچتا رہا۔ اس نے ایڈم کی آواز بھی نہ سنی۔

"اس شخص کو باندھ ڈالو۔ لڑکی کو بھی لے آؤ۔"

▼ ▼

چیکو بڑی پھرتی سے بے ہوش ٹائیگر کی بندشیں کھول رہا تھا۔ اور ٹائیگر صرف یہ سوچ رہا تھا کہ اس نے عام آدمی کا سوانگ بھرنے کی کوشش میں اپنی ان صلاحیتوں کو فراموش کر دیا تھا... جو اُسے خطرات سے آگاہ کرتی تھیں۔

"چیکو...!" اس نے آنکھیں کھول کر اردگرد دیکھا۔ "مارٹا کہاں ہے؟"

"وہ... وہ..." چیکو کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ "وہ بے ہوش ہے سینور! ٹھیک ہو جائے گی... لیکن انھوں نے اس لڑکی کے ساتھ بہت بُرا سلوک کیا ہے۔ انھوں نے مجھے بھی اس گندے کھیل میں شریک ہونے کی دعوت دی تھی لیکن میں نے انکار کر دیا۔ وہ مجھ پر بہت ہنسے۔ انھوں نے مجھے زنخا قرار دیا... مگر میں... میں ایسا گندا کھیل نہیں کھیل سکتا تھا۔"

"میں آج رات یہاں سے نکل جاؤں گا، چیکو!" ٹائیگر اب اس کھیل سے عاجز آ چکا تھا۔ اسے اپنے آپ سے بھی کراہیت محسوس ہو رہی تھی۔ "دوسرے لوگ کہاں ہیں؟"

"بیشتر لوگ سو رہے ہیں، جناب!" چیکو نے آنسو پونچھتے ہوئے جواب دیا۔ "چانگو اور اس کے بعض ساتھی بھٹی میں اب بھی شراب پی رہے ہیں۔"

"تب پھر یہی مناسب وقت ہے۔" ٹائیگر نے بیلٹ کھولتے ہوئے کہا۔ اس نے بیلٹ کے نیچے سے ایک پتلا سا پیانو وائر نکالا۔ "مجھے بہت مضبوط اور سخت لکڑی کے دو ٹکڑے درکار ہوں گے چیکو، اتنے لمبے۔" اس نے انگوٹھے سے اشارہ کر کے چیکو کو لمبائی بتائی۔

"مل جائیں گے۔"

"تب پھر چلو آؤ۔" اس نے اُٹھتے ہوئے کہا۔ پھر جب چیکو چلا گیا تو وہ اُٹھ کر مارٹا کے پاس گیا۔ وہ فرش پر لیٹی ہوئی تھی۔ اس کے چہرے پر کرب و اذیت کے آثار نمایاں تھے۔ ٹائیگر نے جھک کر اسے دیکھا تو اس نے آنکھیں کھول دیں۔ ان آنکھوں میں وحشت کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔

"وہ... وہ بہیمانہ تھے، وہ..." مارٹا بلک بلک کر رونے لگی۔ "ایڈم... درندہ ہے... اسے مار ڈالو۔ وعدہ کرو کہ تم اس سے میرا بدلہ ضرور لو گے۔"

"فکر نہ کرو، مارٹا!" ٹائیگر کو حیرت تھی کہ وہ اس لڑکی کو بچا کیوں

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

نہیں سکا۔ میں ان سے نمٹ لوں گا۔ فی الوقت میں جا رہا ہوں۔ جاؤں نا؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"ہاں..." مارٹا کی آنکھیں خشک تھیں لیکن ٹائیگر جانتا تھا کہ کثرتِ گریہ نے اُس کے آنسوؤں کے سوتے خشک کر دیے ہیں۔

چیکو جلد ہی واپس آگیا۔ ٹائیگر نے لکڑیوں کی مدد سے اپنے لیے ایک عجیب سا ہتھیار تیار کیا اور پھر دوسروں سے درخواست کرنے لگا کہ مارٹا کا خاص خیال رکھا جائے پھر جب وہ چلا تو چیکو بھی اُس کے ساتھ تھا۔

"یہاں میرے علاوہ صرف ایک اور گارڈ ہے۔" چیکو نے بتایا۔ اُن سے کچھ پیچھے کارل گستاف بھی آرہا تھا۔ تینوں غار کے کونے پر پہنچ کر رک گئے۔

ٹائیگر نے گربہ پائی کے انداز میں غار سے مرکزی سُرنگ میں قدم رکھا۔ اُس کے دونوں ہاتھ پیٹ پر تھے اور اُن ہاتھوں میں پیانو کے وائر سے بنایا جانے والا پھندا تھا۔ جونہی گارڈ اُسے دیکھ کر غرایا۔ ٹائیگر کے دونوں ہاتھ حرکت میں آئے اور پھانسی کا وہ پھندا گارڈ کی گردن میں پڑا پھر کستا چلا گیا۔ گارڈ کے دماغ کو آکسیجن کی فراہمی بند ہو گئی اور وہ ہاتھ پیر مارتا ہوا چند ہی لمحوں میں زمین پر آرہا۔ اس کے پھیپھڑے ہوا نہ ملنے کے سبب پھٹ گئے اور گردن تار کی کاٹ کے باعث کٹ گئی۔

اس صحرا کے نمکین خار پہاڑی علاقے سے مناسب کپڑوں کے بغیر گزرنا ممکن نہیں تھا۔ لہٰذا ٹائیگر نے مُردہ گارڈ کے کپڑے پہننے کی کوشش کی اور کھینچ تان کر کے کپڑے پہن ہی لیے... ویسے روایتی ہیٹ کے علاوہ اور کوئی بھی چیز اُس کے بدن پر فٹ نہ تھی۔ گارڈ غیر مسلح تھا لہٰذا اُس کے پاس ایک کلہاڑی موجود تھی۔ جیبوں کی تلاشی لینے پر ٹائیگر کو شدید حیرت کا سامنا کرنا پڑا کیونکہ اُس کی جیب سے نکلنے والا چاقو وہی تھا جو لاپرلا میں حملے کے بعد اُس سے چھینا گیا تھا۔

"مجھے باندھ دو۔" چیکو نے عقب میں آکر سرگوشی کی اور ٹائیگر اُس کا مقصد سمجھ گیا۔ لہٰذا اُس نے چیکو کو باندھ کر ڈالنے میں کسی بھی قسم کی رو رعایت نہ کی۔ اس کام سے فارغ ہو کر، ٹائیگر، کارل گستاف کے ساتھ مخالف سمت میں روانہ ہو گیا۔

جلد ہی انھیں سُرنگ سے صحرا میں جانے والا راستہ بھی مل گیا۔ یہاں ایک سیڑھی لگی ہوئی تھی۔ ٹائیگر سیدھا سیڑھی کی طرف بڑھ گیا لیکن اسی لمحے کارل گستاف نے اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اُسے روک لیا۔

"تم نے اب تک نہایت عمدہ کارکردگی کا مظاہرہ کیا ہے... مجھے یقین ہے کہ ہم جلد ہی رہا ہو جائیں گے۔ مجھے یہ بھی یقین ہے کہ اگر ہمارا البتہ چند روز کے لیے منقطع بھی رہا تب بھی تم بالکل اسی آسانی سے لاپاز پہنچ جاؤ گے جس آسانی کے ساتھ تم نے خود کو لکھ پتی پلے بوائے تسلیم کرا لیا تھا۔"

"تسلیم کرا لیا تھا؟" ٹائیگر حیرت سے اُس کی طرف دیکھنے لگا۔

"ہاں..." کارل گستاف اُس کا شانہ تھپکنے لگا۔

"مگر میں تو..."

"شش..." کارل گستاف نے ہلکا سا مگر متحمانہ قہقہہ لگایا۔ "تم نے جس خانہ ساز ہتھیار سے گارڈ کو ہلاک کیا اور جس طرح ایڈم کی پٹائی کی، اس کے بعد یہ امر کسی بھی شک و شبہے سے بالاتر ہے کہ تم پلے بوائے نہیں ہو۔ میں یہ ہرگز نہیں پوچھوں گا کہ تم کس تنظیم سے تعلق رکھتے ہو اور مجھے اس سے کوئی دلچسپی بھی نہیں۔ ویسے میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ تم، مارٹا کی اسرائیلی تنظیم موساد..."

ٹائیگر نے اُس کا جملہ مکمل ہونے سے پہلے ہی مُنہ بنا کر تھوک دیا۔

"ٹھیک ہے تمھارا تعلق موساد سے نہیں ہو سکتا ورنہ اتنے نفرت بھرے انداز میں ہرگز نہ تھوکتے۔ ویسے مجھے بھی اسرائیلیوں سے نفرت ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں کسی دوسری سیکرٹ سروس کا ایجنٹ ہوں۔"

"ان باتوں کو چھوڑو۔" ٹائیگر نے بڑی سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ "تم لوگ کسی بھی کارروائی کے لیے خود کو تیار رکھنا پسند نہیں جانتا کہ امداد کب اور کس شکل میں آئے گی تاہم تمھیں ہر صورت میں اپنا کردار ادا کرنے کے لیے تیار رہنا ہوگا۔" یہ کہہ کر وہ سیڑھی پر چڑھ گیا اور کارل گستاف دیر تک سیڑھی کے نیچے اُسے چڑھتے دیکھتا رہا۔

سُرنگ کے اُوپر، صحرا میں پہنچ کر ٹائیگر سُرنگ کے دہانے کے قریب بیٹھ گیا۔ وہ اُس وقت تک وہاں بیٹھا رہا، جب تک اُس کی آنکھیں صحرائی اندھیرے کی عادی نہیں ہو گئیں اور کانوں نے چاروں کی طرف سے آنے والی آوازوں کی شناخت نہ کر لی۔

یہاں ٹھنڈ تھی اور ٹائیگر ہلکے کپڑوں کی وجہ سے سرد ہوا میں جسم میں اترتی ہوئی محسوس کر رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ سورج نکلنے کے بعد یہاں گرمی شروع ہو جائے گی اور اُس کی توانائیاں سلب کرے گی۔

کچھ دیر بعد وہ چھوٹے چھوٹے قدم اُٹھاتا ہوا چلنے لگا۔ ایک گھنٹے تک پیدل سفر کرنے کے بعد وہ اُس سڑک پر پہنچ گیا... جو سان انتینو جاتی تھی۔ اُس نے جان بُوجھ کر غلط راستہ اختیار کیا۔ اب وہ ستاروں کی مدد کے بغیر چل رہا تھا اور اُس کا رُخ بھٹی کی طرف تھا۔

تب ہی ایک آواز سُن کر اُس کی چھٹی حس بیدار ہو گئی۔ وہ ٹھٹک گیا اور اُس نے اپنے کان آواز پر لگا دیے۔

پھر اچانک ہی اندھیرے میں آہستہ آہستہ ایک سر اُٹھنے لگا۔ ٹائیگر کے اعصاب بیدار ہو گئے۔ اُسے توقع ہوئی کہ گولیاں اچانک ہی برسنے لگیں گی۔ وہ تعاقب کرنے والے شخص کا انتظار کرنے لگا۔

سر نے اب انسانی ہیولے کی شکل اختیار کر لی تھی... اور یہ ہیولہ یقیناً ٹائیگر کے قریب ہوتا جا رہا تھا۔

ٹائیگر نے کلہاڑی نما متھنین نکال لی۔ یہ بہت چھوٹی سی کلہاڑی تھی لیکن اس کی مار تیس تیس گز تک ممکن تھی۔

"سینور..." یہ جوز ریوز کی آواز تھی جسے سُن کر ٹائیگر بے اختیار مسکرانے لگا تھا۔ اُس نے چند قدم آگے بڑھ کر ایک ہاتھ ریوز کے کندھے پر اور دوسرا اُس کے مُنہ پر رکھ دیا تاکہ لڑکا جوش میں آکر کوئی آواز نہ نکال بیٹھے۔ "اسے... تم میرا تعاقب کیوں کر رہے تھے ریوز؟" اُس نے لڑکے کے کان پر مُنہ رکھ کر پوچھا۔

"میں، آپ کو راستہ بتانے کے لیے نکل آیا تھا، سینور... دوسرے لوگوں نے مجھے خبردار کیا تھا کہ آپ وہاں سے فرار ہو گئے ہیں۔"

"گھر واپس چلے جاؤ بیٹے!" ٹائیگر نے اُس کی پیٹھ تھپتھپاتے ہوئے کہا۔ "میں جو کام کر رہا ہوں، اُس میں کسی کم عمر لڑکے کا کوئی کردار نہیں۔"

"میں کم عمر نہیں ہوں سینور!" ریوز نے ایڑیوں کے بل کھڑے ہو کر سینہ نکالتے ہوئے کہا۔ "میری عمر گیارہ برس ہے اور آپ ایک مرتبہ بطور گائیڈ میری خدمات حاصل کر چکے ہیں۔ میں آپ کو بتا سکتا ہوں کہ آپ غلط راستے پر جا رہے ہیں۔ کیونکہ یہ راستہ بھٹی کی طرف واپس جاتا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" ٹائیگر جز بز ہوتے ہوئے بولا۔ "مجھے درست راستہ بتا کر گھر چلے جاؤ۔"

تیس منٹ بعد ریوز، ٹائیگر کی رہنمائی کرتا ہوا اُسے ٹرانفو سے دوسرے جا رہا تھا۔ یہ راستہ اونچا نیچا تھا۔ ایک بار راستہ سمجھ کر ٹائیگر نے ریوز کا شکریہ ادا کیا اُس سے پھر کہا کہ وہ واپس گھر چلا جائے لیکن لڑکا بہت ضدی واقع ہوا تھا۔ جونہی ٹائیگر دس قدم آگے گیا، وہ ایک بار پھر اُن کے پیچھے ہو لیا۔ وہ بیس منٹ بعد ایک دوسری پگڈنڈی پر چلتا ہوا ٹائیگر کے سامنے پہنچ گیا کیونکہ ٹائیگر اس مرتبہ بھی غلط راستے پر پہنچ گیا تھا۔ ٹائیگر کو اس بار یہ اندازہ ہوا، اگرچہ پہلی بار اُس نے جان بُوجھ کر غلط راستہ اختیار کیا تھا مگر اب وہ صحیح راستے کی شناخت میں مسلسل ناکام ہو رہا ہے۔ لہٰذا رات بھر بھٹکنے سے زیادہ بہتر یہ ہے کہ وہ ریوز کو اپنے ساتھ ہی رکھے۔

"یہ راستہ ہمیں تین چار گھنٹے میں سان انتینو تک پہنچا دے گا، سینور!" ریوز نے بڑے یقین کے ساتھ اُسے مطلع کیا۔

○○

گارڈ کی لاش کیا ملی، بھٹی میں قیامت مچ گئی۔ ایڈم نے بندھے ہوئے چیکو کو ہوش میں لانے کے لیے اُس کے چہرے پر تابڑ توڑ تھپڑ مارنے شروع کر دیے۔ اُس نے چیکو کے مُنہ سے رومال نکالنے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی۔ فوراً ہی قیدیوں کی گنتی کی گئی، تب ہی علم ہوا کہ ہیکو رتھ نامی قیدی لاپتا ہے۔ مدہوش ڈاکوؤں پر پانی کی بالٹیاں ڈال ڈال کر انھیں جگایا گیا۔ ان پر مشتمل چار کھوجی جماعتیں، ٹائیگر کی تلاش میں بھیجی گئیں۔ دو پارٹیوں نے مرکزی شاہراہ کا رُخ کیا اور مخالف سمتوں میں۔ اس توقع پر روانہ ہو گئیں کہ قیدی نے لاپاز یا سان انتینو کا رُخ کیا ہوگا۔ تیسری پارٹی براہِ راست سان انتینو کی طرف بھیجی گئی تاکہ شہر کے اندر قیدی کی تلاش شروع کی جا سکے۔ ایڈم نے چوتھی پارٹی جو پانچ افراد پر مشتمل تھی، پرانی سڑک کی طرف روانہ کر دی۔

"اس کم ذات کو ہر قیمت پر تلاش کرنا ہے۔" یہ اُس کا قطعی حکم تھا۔ "اُسے حکام تک نہیں پہنچنے دینا، خواہ اُسے روکنے کے لیے قتل ہی کیوں نہ کرنا پڑ جائے۔ خیال رہے کہ وہ کسی سے کوئی بات نہ کر سکے۔"

— —

سان انتینو میں داخل ہونے کے لیے ریوز جب ٹائیگر کو لے کر آخری ٹیلے سے اُترا تو اس وقت صبح کاذب کا وقت تھا۔ یہ سفر تھکا دینے والا ضرور تھا لیکن اس سفر کے دوران کوئی قابلِ ذکر بات رُونما نہیں ہوئی تھی۔ بھاگتی دوڑتی زہریلے سانپ بھی نہ تھے لہٰذا ریوز نے بھی کسی قسم کا کوئی خطرہ یا خوف محسوس نہیں کیا۔ وہ گاؤں میں داخل ہوئے تو انھیں آدمی نظر نہ آئی۔ تاہم آبادی کی علامت چند کتے ضرور ملے جو اتنے نحیف تھے کہ اُن کی ہڈیاں تک نظر آسکتی تھیں۔

"جوز ویلی گراف آفس کہاں ہے؟" ٹائیگر نے اپنے نتھنے رہنما سے پوچھا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"یہیں، قریب ہی۔" جوزریوز کے لہجے میں تھکن کے آثار نہیں تھے۔ "ہم اس راستے سے اوپر پہاڑی پر جائیں گے۔ وہیں ٹیلی گراف آفس ہے۔"

"تمہیں وہیں جانا ہے، جوز! لیکن بڑی احتیاط سے کام لینا ہوگا۔ جب ہم اوپر پہنچ جائیں تو پھر تم میرے پیچھے پیچھے رہنا۔"

"بہت بہتر جناب!" جوزریوز بہت سمجھ دار لڑکا تھا۔ اوپر پہنچتے ہی وہ ٹائیگر سے ایک قدم پیچھے ہوگیا۔ اب وہ کن انکھیوں سے ادھر ادھر کا جائزہ لے رہا تھا۔ ٹائیگر بھی ماحول سے بے نیاز نہ تھا۔ اس نے ٹیلی گراف آفس کے دروازے پر کھڑے ہوئے دو افراد کو کھڑے ہوئے دیکھا۔

"جوز! میرا ایک کام کردو گے؟" ٹائیگر کا لہجہ مشفقانہ تھا۔

"یہ سڑک پار کرکے جاؤ... لیکن ٹیلی گراف آفس کے قریب مت جانا۔ سڑک پار کرکے فٹ پاتھ پر چلتے ہوئے یہ دیکھنا کہ ان دو کے علاوہ یہاں مزید ایسے کتنے آدمی ہیں جن کا تعلق البیرن کے گروپ سے ہوسکتا ہے۔ تم یہ کام بہت پھرتی سے کرو گے اور سو کی گنتی پوری ہونے تک میرے پاس واپس پہنچ جاؤ گے۔ ٹھیک ہے نا؟" ٹائیگر نے ریوز سے کہا۔ اس سے قبل کہ وہ جملہ مکمل کرتا، ریوز سڑک پار کرگیا۔ ٹائیگر سر ہلاتا ہوا چوک پر پہنچ گیا۔ اس کے دونوں ہاتھ کوٹ کی جیبوں میں تھے۔ وہ اس طرح سر ہلاتا ہوا چل رہا تھا کہ ہر طرف نظر رکھ سکے۔

"اے، لڑکے! تم یہاں کیا کر رہے ہو؟" اچانک ہی کسی نے ریوز کو للکارا۔ للکارنے والا وہی شخص تھا جسے ٹائیگر نے ٹیلی گراف آفس کے دروازے پر کھڑے ہوئے دیکھا تھا۔ ریوز نے کوئی پروا نہ کی اور ایک طرف گھوم کر ٹائیگر کی نظروں سے اوجھل ہوگیا۔ ان دونوں افراد نے غالباً پہلے ریوز کا تعاقب کرنے کا ارادہ کیا لیکن پھر اسے نظر انداز کرکے باتوں میں مشغول ہوگئے۔ ان کی ذمے داری ٹیلی گراف آفس پر نظر رکھنے کی تھی۔

وقت گزرتا گیا۔

ریوز ابھی تک واپس نہیں آیا تھا لہٰذا ٹائیگر کی بے چینی بڑھنے لگی لیکن کچھ ہی دیر بعد اس نے اپنے عقب میں ہلکے قدموں کی آہٹ سنی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا، جوزریوز تنہا واپس آرہا تھا۔

"میں نے پورا علاقہ دیکھ لیا ہے، سینور!" ریوز نے پرجوش لہجے میں کہا۔ "مزید تین افراد موجود ہیں اور سڑک پر گھوم رہے ہیں۔ غالباً انہیں آپ ہی کی تلاش ہے۔ ان کے پاس رائفلیں بھی موجود ہیں۔"

"کیا تم پر ان کی نظر پڑی تھی؟"

"ہاں، انھوں نے مجھے دیکھا بھی تھا مگر میں نے یہ بہانہ بنایا کہ میری ماں بچے کو جنم دینے والی ہے اور میں دائی کی تلاش میں نکلا ہوں۔"

"شاباش دا..." ٹائیگر بے اختیار ہنس پڑا۔ "اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم ٹیلی گراف آفس بھی نہیں جاسکتے۔ کوئی اور راستہ ہے، ریوز؟"

"اگر ان کے پاس آدمیوں کی کمی نہیں تو انھوں نے وہاں بھی پہرہ لگا رکھا ہوگا۔ خیر، چلو... دیکھ لیتے ہیں۔" ٹائیگر نے ہلکے پھلکے انداز میں کہا۔

صبح دس بجے کے بعد دریہ صحرا سے ۸۰ سے تجاوز کرچکا تھا۔ وہ بھوکے تھے۔ ٹائیگر پر تو اس بھوک کا کوئی اثر نہیں ہوسکتا تھا لیکن ریوز کی حالت خراب تھی۔ گرمی کی شدت کے باعث وہ اور زیادہ پریشان تھا۔ ان کے پاس پانی کی جو چھوٹی سی چھاگل تھی... وہ ناکافی ہوکر کب کی خالی ہوچکی تھی۔ ریوز کی وجہ سے ٹائیگر کو بار بار رکنا پڑ رہا تھا۔ ریوز کو سانس لینے اور پسینہ پونچھنے کے لیے بار بار رکنے کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔

ساڑھے دس بجے ٹائیگر کی چھٹی حس نے تعاقب سے خبردار کرنے والی گھنٹی بجادی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔ وہ جس راستے سے آئے تھے، اس پر دھول اڑ رہی تھی۔ صاف ظاہر تھا کہ کچھ لوگ ان کے تعاقب میں ہیں۔ اس نے لڑکے سے کچھ نہیں کہا۔ صرف رفتار تیز کرنے کی ہدایت کردی۔ اب وہ تیزی سے ڈھلان کی طرف جارہے تھے۔

ندی کی خشک گزرگاہ سے گزرتے ہوئے ٹائیگر نے نوٹ کیا کہ ارد گرد چھوٹے بڑے بہت سے ٹیلے ہیں۔ وہ جوں جوں بائیں حصے میں پہنچتے رہے، ٹائیگر کے ذہن میں ایک نیا منصوبہ جنم لیتا رہا۔ "ایک منٹ، رکو۔" ٹائیگر نے اچانک ہی ریوز سے کہا۔ دونوں ٹھہر گئے۔ "جوز! لوگ ہمارا تعاقب کر رہے ہیں۔ اگر ہم ان پر گھات لگا کر حملہ کریں تو مجھے ان سے نہ صرف ہتھیار مل سکتے ہیں بلکہ پانی اور کھانے کا سامان بھی مل سکتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ انھیں یہیں روکنے کی کوشش کی جائے۔"

"وہ اندازاً کتنے ہوں گے، سینور؟" جوزریوز نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے پوچھا۔

"اتنی دور سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

"ان پر حملہ کرنے میں کوئی خطرہ تو نہیں ہوگا؟" جوزریوز نے

قدرے ہچکچاتے ہوئے کہا۔

"یقیناً خطرہ تو ہوگا۔" ٹائیگر نے مسکرا کر کہا۔ اس جملے میں نہ جانے کیا تاثیر تھی کہ ریوز کا چہرہ کھل اٹھا اور سینہ جوش کی وجہ سے پھولنے پچکنے لگا۔

"ٹھیک ہے لیکن ہم انھیں یقیناً شکست دے دیں گے نا؟"

"دیکھیں گے۔" ٹائیگر مسکرا کر بولا۔ "لیکن تم کسی جگہ چھپے رہو گے۔ اگر میرا منصوبہ کامیاب رہا تو پھر ہم خطرے سے دور نکل جائیں گے اور شاید تم ان لوگوں کی نظر میں آنے بغیر گھر بھی پہنچ سکو گے۔ انھیں خبر بھی نہیں ہوگی کہ تم نے صحرا میں میری رہنمائی کی ہے۔"

جوز سر ہلانے لگا۔

ٹائیگر ایک ٹیلے کی آڑ میں ہوگیا۔ اسے تعاقب کرنے والوں کے قریب آنے کا انتظار تھا۔

☆☆☆

ایڈم کی ہدایت کے مطابق پانچ افراد ایک ہی صف میں پیش قدمی کر رہے تھے۔ صحرا کا کوئی حصہ ان کی نظروں سے اوجھل نہیں تھا۔ وہ مسلح تھے اور اگر وہ وردی میں ہوتے تو یقیناً مسلح افواج کے آدمی لگتے۔ وہ سوتی قمیصوں اور لیوئز میں ملبوس تھے۔ ان کا سربراہ ایک سفاک چہرے والا شخص تھا۔ جون ولڈنر کے چہرے کی رنگت تانبے جیسی تھی، چہرے کے نقوش بیٹھے ہوئے اور قدرے پھیلے تھے لیکن رخساروں کی ہڈیاں ابھری ہوئی تھیں، آنکھیں تمیس کے ٹیلوں کی طرح مگر روشن تھیں۔ ان میں سرخی بھی تھی اور یہ آنکھیں صحرا میں قدموں کے نشانات پر مرتکز تھیں۔ اسے یقین تھا کہ قیدی کو پکڑنا کوئی مشکل ثابت نہیں ہوگا۔ اسے یہ یقین بھی تھا کہ قیدی زیادہ عقل مند نہیں ہے۔ تاہم ولڈنر کو قیدی کے قدموں کے نشانات کے ساتھ ساتھ کسی دوسرے کے قدموں کے نشانات پر حیرت تھی۔ اس کی تجربہ کار نظریں بتا رہی تھیں کہ یہ نشانات کسی عورت یا کسی بچے کے ہیں... لیکن سوال یہ تھا کہ دوسرا کون ہے اور البیرن سے غداری کیوں کر رہا ہے۔ اسے علم تھا کہ ٹرنفو کی بھٹی میں وہ تمام لوگ موجود تھے جو البیرن کے ساتھ شامل تھے۔ لہٰذا مفرور کے ساتھ ساتھ چلنے والا یا چلنے والی کا تعلق گروپ سے نہیں ہوسکتا۔ اسے یقین تھا کہ مفرور کا ساتھ دینے والا بھی پکڑا جائے گا۔

اسے ان دو افراد پر رشک آرہا تھا جو ٹیلی گراف آفس میں ڈیوٹی پر تھے۔ ان دونوں نے یہ کہہ کر اپنی جان چھڑالی تھی کہ وہ صرف ٹیلی گراف آفس میں قیدی پر نظر رکھنے کے پابند ہیں اور یہ کہ قیدی یہاں نہیں آیا۔ ولڈنر کو ایسے لوگ پسند نہیں تھے جو کام کو صرف مصیبت سمجھتے ہیں اور اپنے طور پر کوئی اقدام نہیں کیا کرتے۔

اس وقت ولڈنر پسینے میں شرابور ہو رہا تھا۔ پسینہ پانی بن کر اس کے چہرے سے گردن اور گردن سے کمر تک بہہ رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ قیدی کو وہ دیکھتے ہی مار ڈالے گا تاکہ زیادہ بھاگ دوڑ نہ کرنی پڑے پھر اچانک ہی اسے اپنی بے بسی پر بھی غصہ آنے لگا۔ اسے ان ٹولیوں سے نفرت محسوس ہو رہی تھی جو دوسرے اور بسا اوقات خنک علاقوں میں قیدی کو تلاش کر رہی تھیں وہ جانتا تھا کہ اتنی گرمی کسی بھی ٹولی کو برداشت نہیں کرنی پڑ رہی ہوگی۔

"ہونہہ..." ولڈنر نے غصے اور نفرت سے بھنچے ہوئے کہا۔ "ہم یہاں مر رہے ہیں اور وہ کم بخت عیش کر رہے ہوں گے۔"

غصے کی اسی کیفیت کے باعث ولڈنر، اس تنہا نوجوان کو نہ دیکھ سکا جو ایک ٹیلے کی آڑ سے کسی عقاب کی طرح اس ٹولی کی طرف جھپٹ رہا تھا اور نہ ہی وہ اس نوجوان کو اپنی ٹولی سے محض دس گز دور ایک تودے کی آڑ میں ہوتے ہوئے دیکھ سکا۔

پھر اچانک ہی ولڈنر کو کسی قسم کی گڑبڑ کا احساس ہونے لگا اس نے گھوڑے کی رگام کھینچ لی۔ اس کے چونکنے کی وجہ صرف یہ تھی کہ قدموں کے نشانات اچانک ہی ختم ہوگئے تھے۔ یہ جگہ جہاں قدموں کے نشان آکر ختم ہوئے تھے ریت کا ایک چھوٹا سا ٹیلا تھا۔ اب ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ جن کا تعاقب کر رہے تھے وہ دونوں آسمان میں غائب ہوگئے ہوں یا زمین نے انھیں نگل لیا ہے۔ چاروں طرف ایسی کوئی علامت نہیں تھی کہ وہ کس طرف گئے ہوں گے۔ ولڈنر دانت پیسنے لگا۔ اس کی نظریں بے چینی سے اطراف کا جائزہ لے رہی تھیں اور آنکھوں میں سرخی اور بڑھ گئی تھی۔ اس نے اپنے آدمیوں کو سڑک پر ایک طرف کھڑے ہونے کا اشارہ کیا اور پھر بائیسکل سے سر ہلانے لگا۔ آس پاس اور دور دور تک مفرور قیدی اور اس کے ساتھی کا کوئی نشان نظر نہیں آرہا تھا۔ اس نے اپنے ساتھیوں کو چاروں سمتوں میں دوڑا دیا لیکن اس کا بھی کوئی فائدہ نہیں ہوا اور وہ ایک بار پھر جمع ہوکر نئے اقدام پر بحث کرنے لگے۔

ابھی وہ کسی نتیجے پر پہنچے بھی نہیں تھے کہ اچانک ہی ایک بہت بڑا پتھر فضا میں بلند ہوتا اور نیچے آتا ہوا نظر آیا۔ ایسا لگا جیسے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کوئی دیو بہت بلندی سے نیچے اتر رہا ہو۔ خوف، دہشت اور حیرت سے ان کی شکلیں بگڑ گئیں۔ "یہ پتھر یقیناً کسی مشین کی مدد سے پھینکا گیا ہے۔" وہ سب یہی سوچ رہے تھے مگر ان میں سے کسی کو بھی علم نہیں تھا کہ ان کا واسطہ دُنیا کی سب سے خطرناک اور ظالم مشین سے پڑا ہے۔ پتھر ان کے بہت قریب ایک چھوٹے تودے پر گرا۔ یہ تودا کسی دیوار کی طرح منہدم ہونے لگا۔ چاروں طرف مٹی، ریت، کنکر اور چھوٹے بڑے پتھر اُڑنے لگے۔ وہ کمر زدہ کھڑے رہے۔ انھیں اپنی موت کا یقین ہو گیا۔ کیونکہ تودے کے گرنے کے باعث جو پتھر فضا میں بلند ہوئے تھے وہ اب نیچے انھی پر گرنے والے تھے۔ پتھر ہوا ابھی یہی۔ ان کے پیروں، سروں اور جسموں پر سنگ باری ہونے لگی۔ انھوں نے اس طوفان سے فرار ہونے کی کوشش کی لیکن انھیں ناکامی ہو چکی تھی۔ موت ان کی طرف بڑھ چکی تھی۔ اب وہ فرار کا ارادہ کر رہے تھے کہ ایک اور بڑا سا پتھر اس طرح فضا میں بلند ہوا جیسے وہ کسی منجنیق کی مدد سے پھینکا گیا ہو۔ اس بار ولڈرنز کی حالت دیکھنے کے قابل تھی۔ اس کی آنکھیں پھٹ گئی تھیں۔ کیونکہ اس نے پتھر اچھالنے والی مشین کو دیکھ لیا تھا۔ یہ ایک نوجوان تھا جس نے پتھر دونوں ہاتھوں میں اُٹھا کر اُچھالا تھا۔ پتھر انھیں اپنی حالت پر افسوس اور ماتم کرنے کی بھی فرصت نہیں ملی کیونکہ پتھر ٹھیک اسی جگہ گرا جہاں وہ کھڑے ہوئے تھے۔

ولڈرنز نے ایڈم کو ایک موٹی سی گالی دی اور پھر اپنے ساتھیوں کے ساتھ ہی کچل کر مر گیا۔

▼ ▼

"میرے پاس کوئی ہتھیار نہیں اور یہ بھی سب انتہائی گھٹیا ہتھیار ہیں۔" ٹائیگر نے لاشوں سے ہتھیار الگ کر کے ان کا معائنہ کیا۔ ہتھیار گھٹیا نہیں بلکہ بہت جدید تھے لیکن سنگ باری نے انھیں ناقابلِ استعمال بنا دیا تھا۔

"آپ کو ہتھیار کی ضرورت نہیں سیفور!" جونر ریوز نے اس کے ہاتھ چومتے ہوئے کہا۔ "یہ... پتھر آپ ہی نے اُٹھایا تھا!"

"نہیں! میرے استاد نے پھینکا تھا۔" ٹائیگر نے مسکرا کر کہا۔

"آپ کا اُستاد بھی ہے؟"

"ہاں۔" ٹائیگر اس بار لڑکے کی حالت پر ہنس پڑا۔

ریوز نے لاشوں کے قریب پڑا ہوا مشکیزہ اُٹھا کر منہ سے لگا لیا۔ یہ معجزہ ہی تھا کہ یہ مشکیزہ بچ گیا اور نہ وہاں تو کسی کا سر سلامت تھا اور نہ ہی کوئی گھوڑا۔

▼ ▼

مشکیزے کا پانی ریوز کی غلطی کے باعث ضائع ہو گیا تو ٹائیگر کو لڑکے کی سلامتی کے بارے میں تشویش لاحق ہو گئی۔ یہاں بہت گرمی ہے ریوز۔ درجۂ حرارت نوّے سے زیادہ ہو گا۔ اس گرمی میں پانی نہ ملا تو تمھارے لیے بہت مسئلہ پیدا ہو جائے گا۔ کیا ایسی کوئی جگہ نہیں جہاں تم گرمی کم ہونے تک پناہ لے سکو؟"

"نہیں!" جونر ریوز نے مایوسی سے سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔ "لیکن یہاں سے کچھ دُور... پتا نہیں وہاں جانا محفوظ ہو گا یا نہیں۔ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ وہ بوڑھا شخص مقامی ہے جبکہ بعض کہتے ہیں کہ وہ غیر مقامی شخص ہے۔"

ٹائیگر نے سر ہلا دیا۔ "تم کس کی بات کر رہے ہو...؟" اس نے پوچھا۔

"ایک بوڑھے کی۔ اس کا نام گونالز ہے۔ وہ ایک غار میں رہتا ہے اور کبھی باہر نظر نہیں آیا۔ کوئی اس سے ملنے کے لیے بھی نہیں جاتا۔ میں نے اس کا غار دیکھا ہے مگر یہ یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ راستہ یہاں سے کہاں کھلے گا یا نہیں۔"

"کوشش تو کر کے دیکھو۔" ٹائیگر بولا۔ "ممکن ہے کہ ہم غار تک پہنچ جائیں۔ میں تمھیں ڈرانا نہیں چاہتا ریوز... لیکن یہ حقیقت ہے کہ اگر تمھیں پانی اور کھانا مزید کچھ دیر تک نہ ملا تو تمھاری حالت خراب ہو جائے گی۔ جہاں تک میرا تعلق ہے میں مزید ایک دو روز تک بھوکا پیاسا رہ سکتا ہوں۔"

"میں جانتا ہوں سیفور۔" جونر ریوز کی آنکھوں میں خوف کے سائے تھے۔ "میں تھوڑا سا خوفزدہ ضرور ہوں لیکن ہم غار تک پہنچنے کی کوشش ضرور کریں گے۔"

اسی روز دوپہر کو ایک بجے کے قریب جونر ریوز کی حالت انتہائی ابتر ہوئی۔ وہ اُلٹیاں کرنے لگا لیکن چونکہ معدہ خالی تھا لہٰذا اندر سے کچھ نہ نکلا اور وہ پھر اس کی آنکھوں کے سامنے کالے کالے دھبے ناچنے لگے۔ ایسا لگتا جیسے وہ اندھیروں میں ڈوب رہا ہے وہ لہرا تا ہوا گرنے لگا مگر ٹائیگر نے جو اس سے چند قدم دُور تھا لپک کر اسے پکڑ لیا۔ ٹائیگر نے اس کو اپنے بازوؤں میں بھر کر اُٹھانے کی کوشش کی لیکن وہ شدید ترین نقاہت محسوس کرنے لگا۔ اسے ایسا لگا جیسے کسی نے رگوں سے خون نچوڑ لیا ہو۔ اس کے ہاتھ کانپنے لگے۔ اس نے سنبھلنے کی کوشش میں ریوز کو چھوڑ دیا اور خود گھٹنوں کے بل بیٹھ کر لمبی لمبی سانسیں لینے لگا۔ اسے پہلی بار یہ احساس ہوا تھا کہ صحرا کی دھوپ، پیاس اور مسموم ہواؤں نے اس کو کس بُری طرح متاثر کیا ہے۔ وہ سنا نجو کی ایک خاص مشق کرنے لگا۔ یہ مشق جسم کو فوری انحطاط سے بچانے کے لیے تھی۔ چند ہی لمحوں میں اس کے سر کے چکر بند ہو گئے لیکن جسم میں ناخوشگوار سی سنسناہٹ برقرار رہی۔ اس نے پہلے کبھی یہ کیفیت محسوس نہیں کی تھی۔ اس نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری۔ اسے پیاس محسوس ہو رہی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ سنا نجو کا فن اسے زندہ تو رکھ سکتا ہے لیکن پیاس کے اس جان لیوا احساس کو ختم نہیں کر سکتا جس کے باعث اُسے رگ رگ سے دم نکلتا ہوا لگ رہا تھا۔ اس وقت دُنیا کے اس سب سے طاقتور انسان کو ریوز جیسا لڑکا اُٹھانے میں دشواری محسوس ہو رہی تھی۔ ریوز بے ہوش ہو چکا تھا۔ اس نے ریوز کی دل کی دھڑکنیں محسوس کیں اور جب اسے یہ یقین ہو گیا کہ ریوز زندہ رہے گا تو وہ 15 کلو کے بیگ کو پانی کی تلاش میں آگے بڑھ گیا۔ ٹائیگر دیر تک چلتا رہا۔ اس کے حلق میں کانٹے پڑ رہے تھے اور اب اس کی ٹانگیں کانپ رہی تھیں۔ اگر ٹائیگر کی جگہ کوئی اور آدمی ہوتا تو یقیناً اب تک گر چکا ہوتا۔

اچانک ہی ٹائیگر نے اپنی پنڈلی میں تیز کسک محسوس کی۔ اس نے جھک کر دیکھا۔ مٹیالی رنگت کا ایک خوفناک بچھو پنڈلی پر ڈنک مار رہا تھا۔ ٹائیگر کو عجیب سے خوف نے گھیر لیا۔ اس نے دو اُنگلیاں بچھو پر رکھیں اور اسے پنڈلی سے کھینچ کر سسک کر پھینک دیا۔ اسے یقین تھا کہ بچھو زہریلا ہے۔ اُسے یہ بھی یاد تھا کہ وہ کسی بھی زہر سے نہیں مر سکتا لیکن محض ایک خوف کی وجہ سے اس نے تشہیر شہادت کا فن اس حصے پر رکھا جہاں بچھو نے کاٹا تھا اور فن گوشت میں پیوست ہوتا چلا گیا۔ وہ زہر کا اثر زائل کرنے کے لیے قدیم طریقۂ علاج پر عمل کر رہا تھا۔

چند ہی منٹ بعد وہ ہانپنے لگا۔ اسے نیند آنے لگی اور پھر وہ لیٹتا چلا گیا۔ اسے صرف یہ احساس رہا کہ کوئی بکری اس کے قریب کھڑی ہے۔

▼ ▼

اچھی وہ عجیب سی بو اس کے نتھنوں میں گھس رہی تھی۔

"میں... میں..." کوئی بکری چلا رہی تھی۔ ٹائیگر کو ہوش میں آتے ہوئے پہلا خیال یہ آیا کہ کوئی بکری اس کا منہ چوم رہی ہے۔ اُسے بکریوں کی جو اداس کی آوازیں ابھی سنائی دے رہی تھیں۔ ساتھ ہی اسے یہ احساس بھی ہو رہا تھا کہ وہ مر چکے نہیں۔ اس نے آنکھیں کھولیں تو اسے کسی غار کی کھردری اور بدنما دیواریں نظر آئیں۔ وہ گھاس کے بستر پر لیٹا ہوا تھا۔ ماحول کا جائزہ لیتے ہوئے اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس کے تن پر دھجی تک نہیں تھی لیکن شرمندگی کا یہ احساس اسے صرف ٹھنڈ لگنے پر ہو سکتا تھا۔ اس کے منہ میں

بالی ہوئی ہڈی تھی۔ اس کا معدہ احتجاج کرنے لگا۔ اس وقت وہ کوئی بھی چیز کھا سکتا تھا۔ شاید اس کے میزبان کو بھی اس کی اشتہا کا اندازہ تھا۔ ایک سفید بالوں والا شخص اچانک ہی نمودار ہوا۔

"کیا حال ہے میرے بچے؟" اُس نے بڑی شفقت سے پوچھا۔ اور تب ہی ٹائیگر کو گونشان یاد آ گیا! "تم بیدار ہو گئے ہو۔ خدا کا شکر ہے لیکن تمھارا بچہ ابھی تک سو رہا ہے۔"

"میرا بچہ؟" ٹائیگر سر جھٹکنے لگا پھر جب اسے ریوز کا خیال آیا

ایک نوجوان کی عجیب داستان
جو اپنی یادداشت کھو بیٹھا تھا
گمگشتہ
یعقوب جمیل کے قلم سے
خوبصورت سرورق، بہترین طباعت و کتابت
قیمت =/100 روپے
مکتبہ القریش
سرکلر روڈ، اردو بازار لاہور
7668958

کنگا کے پجاری ناگ
سائز ۲۰ × ۳۰ قیمت ۳۵۰/۰۰ روپے

ندیم

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

جاسوسی ڈائجسٹ کا
مقبول ترین پُراسرار سلسلہ

نیلی حویلی

نامور کہانیوں کے خالق
انوار صدیقی کا ایک اور
پُراسرار ایڈونچر ناول
نیکی و بدی کا خوفناک تصادم

خوبصورت سرورق، دیدہ زیب
کتابت و طباعت
قیمت ۱۵۰/۰۰
مکتبہ القریش
اردو بازار لاہور ۲

تو وہ مسکرانے لگا۔ بوڑھے نے دونوں کو باپ بیٹا سمجھا ہوگا۔

"میں اس مدد پر آپ کا شکر گزار ہوں محترم۔"

نہ جانے کیوں اس کا دل اس بوڑھے کا احترام کرنے پر مجبور کر رہا تھا۔ اُس نے اُٹھنے کی کوشش کی مگر بوڑھے نے اس کے سینے پر ہاتھ رکھ دیا۔

"نہیں آرام کرو۔ میں تمہارے لیے پانی لے کر آتا ہوں۔" بوڑھے نے ایک مٹکی سے پانی نکالا۔ اس میں ایک چلمچی سا ظروف ڈالا اور ٹائیگر کی طرف بڑھا دیا۔

"اسے پی جاؤ میرے بچے۔ یہ صحرا میں سب سے بہتر پانی مالک کے مترادف ہے۔" اُس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔

"کیا اس میں شکر کے ذرات ہیں محترم؟" ٹائیگر اس اقامت و مہمان نوازی کے باوجود زہر کھانے کا خطرہ مول نہیں لینا چاہتا تھا۔

"شکر؟" بوڑھا ہنسا۔ "نہیں۔ یہ سب سے بہتر پانی ہے۔ زہر کھانا اور کھلانا پسند نہیں کرتا۔ پی لو۔ آہستہ آہستہ۔ چھوٹے چھوٹے گھونٹ لے کر۔ پھر میں پوچھوں گا کہ تم کس عظیم اُستاد کے عظیم شاگرد ہو۔"

"میں..." ٹائیگر اُچھل پڑا۔

"میں نے تمہارے اُستاد کی عظمت کا اندازہ اس پھٹکی کی مدت سے لگایا ہے جو تمہیں ڈسی تھی لیکن پھر بھی وہ مر گیا اور تم زندہ ہے اور... ہاں... میرا نام انتینو گونالز ہے۔"

اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ اسی غار میں پہنچ گئے تھے جس کا ذکر ریوز نے کیا تھا۔ بوڑھے کے مشفقانہ رویے کے باوجود ٹائیگر نے اپنی شناخت خفیہ رکھنے کا فیصلہ کیا۔ "میرا نام مارکو ہے۔ آپ نے ہمیں کس طرح بچایا؟"

"میری بکریوں نے تمہیں صحرا میں بے ہوش پایا تھا میرے بچے!" گونالز نے جواب دیا۔ "میں اُن کے مسلسل ممیانے پر جب وہاں پہنچا تو تم دونوں ایک دوسرے سے دُور پڑے ہوئے تھے۔ ویسے تم لوگوں نے پانی لیے بغیر صحرا میں نکل کر بڑی حماقت کی تھی۔"

"ہم راستہ بھول گئے تھے محترم گونالز۔" ٹائیگر نے جواب دیا... "سان انتینو سے نکلے تو واپسی کا راستہ کھو بیٹھے۔"

"تم سان انتینو سے تو تعلق نہیں رکھتے؟" گونالز کی آنکھوں میں شکوک اُبھر آئے۔

"ہمارا تعلق لازتو سے ہے۔ ہم لڑکے کو کاباسان لوکاس دکھانے کے لیے یہاں لایا تھا۔" ٹائیگر نے قدرے متاحت کی اور مزید وضاحت پیش کرنے سے بچ گیا کیونکہ اسی وقت ریوز نے کراہنا شروع کر دیا تھا۔ گونالز تیزی سے ریوز پر جھک گیا۔ اس نے ایک کپڑا قریب ہی رکھے ہوئے محلول کے برتن میں بھگو کر اس کے سر پر رکھ دیا۔

"کوئی بات نہیں بچے، تم خیریت سے ہو۔ تمہارے والد بھی یہاں موجود ہیں۔" گونالز کا لہجہ بہت نرم تھا۔

ٹائیگر بستر سے اُتر کر ریوز کی طرف بڑھا تو اُسے کمزوری کا احساس ہوا۔ ریوز ایک گیلے بستر پر لیٹا ہوا تھا۔ اس کے تن پر بھی کپڑے نہیں تھے اور بوڑھا اُس پر جس محلول کا استعمال کر رہا تھا وہ اس کے بدن پر چمک رہا تھا۔

"تم بیدار ہو چکے ہو میرے بچے۔" بوڑھے نے آہستہ سے کہا۔ "آنکھیں کھولو۔ تمہارا باپ بھی تمہارے سامنے ہے۔"

جونہی ریوز کی آنکھوں کے پپوٹے متحرک ہوئے۔ اس نے آنکھیں ایک دم کھول دیں۔ اُس کے چہرے پر باپ کا ذکر سن کر واضح طور سے حیرت کے تاثرات تھے۔ اس نے ٹائیگر کی طرف دیکھا اور پھر اُس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"پاپا...!" اُس کی آواز غار میں بہت ہی نحیف لگ رہی تھی۔

"پاپا...!" ریوز نے اپنے خشک ہونٹ زبان پھیر کر تر کرتے ہوئے عجیب سے لہجے میں کہا۔ ایسا لگا جیسے وہ اس لفظ کی غیر یقینی سے لطف اندوز ہو رہا ہے۔ "کیا ہوا... ہم کہاں ہیں؟" اس نے پوچھا۔

"یہ انتینو گونالز کا گھر ہے میرے بچے۔" انتینو نے مسکرا کر جواب دیا۔ "پورے پاجامیں بکریوں کا اس سے بڑا ہمدرد کوئی اور نہیں اور انتینو میں ہی ہوں۔ تم کچھ دیر قبل تک بیمار تھے لیکن اب تمہاری طبیعت ٹھیک ہے۔"

"یہاں کس قسم کی کوچیلی ہوتی ہے؟" جو ریوز نے بچوں کے مخصوص انداز میں پوچھا۔

"ایک دوائی بوٹی ہے۔" انتینو بولا۔ "یہ دوا میں نے چڑیل سے بنانی سیکھی تھی۔ میں اگرچہ بھوت پریت پر یقین نہیں رکھتا لیکن مجھے یہ اعتراف کرنے میں کوئی عار نہیں۔ اس جادوگرنی نے مجھے جو دوا بنانی سکھائی ہے، وہ کارگر ہے۔ میں نے تم پر وہی دوا استعمال کی ہے۔"

انتینو، ریوز سے اسی قسم کی ہلکی پھلکی باتیں کرنے لگا اور اس دوران میں ٹائیگر اپنے کپڑے پہنتا رہا۔ اس کے بعد اس نے خود ہی مشکیزے سے پانی لے کر پیا پھر کوچیلی کے قریب بیٹھ کر یہ سننے

لگا کہ اس نے انھیں کس طرح غار تک پہنچایا۔ اس وقت سورج غروب ہونے لگا تھا۔ کچھ دیر بعد جب ہر طرف اندھیرا ہو گیا تو انتینو نے بکری کے گوشت کے نیم برشت پارچے اُن کے سامنے رکھ دیے۔ ان پارچوں کو دیکھ کر ہی ٹائیگر نے اندازہ لگا لیا کہ یہ اوشان کے خاص فارمولے کے مطابق ہی تیار کیے گئے ہیں۔ اسے یقین ہو گیا کہ بوڑھا انتینو بھی سانبوکے عظیم زرین عاشق کی طرح زندگی گزارنے کے لیے چند لگے بندھے اصولوں پر عمل کرتا ہے۔

□□

اگلی صبح ٹائیگر لکڑیوں کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ اسے درحقیقت ایک ایسے ہتھیار کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی جس کو وہ فاصلے والے ٹارگٹ پر بھی استعمال کر سکے۔ ایک گھنٹے کی تلاش کامیاب ہوئی۔ اُسے ایسی صاف اور پتلی لکڑی مل گئی، جو ایک انچ موٹی تھی۔ اس نے اپنی انگلیوں کی مدد سے اسے توڑا اور پھر جب غار میں واپس آیا تو اُسے اندر الاؤ کے گرد انتینو اور جو ریوز بیٹھے ہوئے ملے۔ وہ خوشبودار جھاڑیاں بنا رہے تھے۔

ناشتے کے بعد ٹائیگر نے اپنے ہتھیار کی تیاری شروع کر دی۔ اس نے چاقو کی مدد سے پتلی لکڑی کو چاروں طرف سے مزید ہموار کیا۔ ساتھ ساتھ وہ لکڑی کا بغور معائنہ بھی کرتا رہا۔ اس کے ہونٹ بھنچے رہے، جب وہ لکڑی سے مطمئن ہو گیا تو اس نے اسے پانی میں ڈال دیا۔ لکڑی نے خوب اچھی طرح پانی جذب کر لیا تو ٹائیگر نے اسے خشک ہونے کے لیے باہر رکھ دیا۔

"پاپا...!" ریوز نے مسکراتے ہوئے ہی نہیں بلکہ بڑے فخر سے اسے پکارا۔ "کیا بنا رہے ہیں؟"

"کمان۔" ٹائیگر نے مسکرا کر جواب دیا۔ "اور جب تم جب ہم یہاں سے جائیں گے تو ہمیں کسی نہ کسی ہتھیار کی ضرورت بھی پڑے گی۔ کسی ایسے ہتھیار کی جو دُور تک مار کر سکے۔"

"کیا میں آپ کی مدد کر سکتا ہوں؟"

"ضرور... اگر مجھے ایسے پتھر مل جائیں جن کو مرضی کے مطابق تراشا جا سکے تو بہت اچھا ہوگا۔"

"یہ تو کوئی مسئلہ ہی نہیں۔ ایسے کتنے پتھر درکار ہوں گے؟" ریوز نے پُرجوش لہجے میں پوچھا۔

"جتنے زیادہ مل جائیں اتنا ہی بہتر ہوگا۔" ٹائیگر واضح طور پر ریوز کی محبت سے متاثر تھا۔

"بس ابھی آیا... پلک جھپکتے میں..." ریوز یہ کہہ کر کسی چھلاوے کی طرح غائب ہو گیا۔ وہ بہت تیزی سے پہاڑوں

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کی طرف جا رہا تھا۔ اُس کا چہرہ خوشی سے تمتما رہا تھا اور ہونٹ اس طرح ہل رہے تھے جیسے وہ بار بار پاپا... پاپا کہہ رہا ہو۔

ٹائیگر کو ریوز کی اتنی جلد واپسی کی توقع نہیں تھی۔ اُس نے جب لڑکے کو جھولی میں پتھر بھر کر لاتے ہوئے دیکھا تو اُس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ اُسے اچھی طرح اندازہ تھا کہ اس قسم کی پتھر تی صرف وہی دکھا سکتا ہے جس کی چند باتی وابستگی ہی کام میں شامل ہو جائے۔

دو گھنٹے بعد ٹائیگر درختوں کی ٹہنیاں کاٹ کاٹ کر تیر بنا رہا تھا جبکہ ریوز ایک اور ٹہنی پر صحرا میں نکلا ہوا تھا۔ انتینو بھی اس وقت غار میں نہ تھا۔ ٹائیگر اس وقت تک کام کرتا رہا جب تک وہ دونوں واپس نہیں آ گئے۔

اگلے روز ٹائیگر تیر بناتا رہا۔ تیر سازی کے لیے وہ اُدوشان کی بتائی ہوئی ترکیب استعمال کر رہا تھا۔ غار کے ایک حصے میں ایسی لکڑیوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا جن کو وہ تیر بنانے کے لیے استعمال کر سکتا تھا۔

سہ پہر کے وقت اچانک ہی انتینو غار میں داخل ہوا تو مگر یاں اُس کے ساتھ نہیں تھیں۔

"جلدی کرو... اندر چلے جاؤ... جلدی... عقبی حصے سے باہر مت نکلنا۔ عقبی حصے میں ایک شگاف موجود ہے۔ اُس کے ذریعے دوسرے غار میں چلے جاؤ اور اس وقت تک وہیں رہو جب تک رات کو میں واپس نہ آ جاؤں۔ جلدی کرو... ڈاکو آ رہے ہیں۔"

ٹائیگر ڈاکوؤں کا یہیں مقابلہ کرنا چاہتا تھا مگر ریوز اور خود بوڑھے انتینو کی وجہ سے وہ پہلو تہی کر گیا۔ اُس نے تمام لکڑیاں بازوؤں میں بھر لیں۔ پتھر ریوز کی جھولی میں ڈالے اور پھر انتینو کے بتائے ہوئے غار کی طرف چل دیا۔ تاہم اس نے تیر جان بوجھ کر وہیں چھوڑ دیے تھے۔ اُسے بہرحال یہ یقین تھا کہ میکسیکو کے ڈاکو سانچو کے فن کے مہلک ہونے کا اندازہ نہیں لگا سکیں گے۔

غار کی ایک دیوار میں ٹائیگر کو چھوٹا سا شگاف نظر آیا۔ ریوز کہنیوں اور گھٹنوں کے بل اُس شگاف سے بآسانی گزر گیا... لیکن اُسے یقین تھا کہ ٹائیگر اس شگاف سے نہیں گزر سکے گا۔ تاہم اُس نے جب ٹائیگر کو کسی ربڑ کی طرح سکڑتا اور سمٹتا ہوا دیکھا تو اُس کی حالت غیر ہو گئی۔ ٹائیگر کسی گیند کی طرح نرم تھا اور ریوز کے برعکس مزید آسانی سے شگاف سے گزر گیا۔ ریوز کو صرف ایسا لگا جیسے ٹائیگر کے جسم میں ہڈیاں نہیں۔

ایک پراسرار مورتی کے حصول کے لئے ہونے والے خوفناک معرکے کا احوال
خبیث
انوار صدیقی کے پراسرار قلم سے
5 حصوں میں، مکمل سیٹ =/200 روپے
مکتبہ القریش سرکلر روڈ اردو بازار لاہور
فون 7668958

وہ جس غار میں پہنچے وہ نہ صرف قدرے روشن بلکہ بڑا بھی تھا۔ اس کی چھت بھی اونچی تھی۔

دونوں باقی وقت وہیں رہے۔ تیر بناتے رہے۔ انہیں کئی بار ڈاکوؤں کے شور شرابے کی آوازیں سنائی دیں لیکن کسی نے ان کے غار کا رُخ نہیں کیا۔ اس کے بعد جب مسلسل خاموشی چھائی رہی تو وہ سمجھ گئے کہ ڈاکو مایوس ہو کر واپس جا چکے ہیں۔ شاید انتینو نے انہیں کوئی جھوٹی سچی کہانی سنا کر مطمئن کر دیا تھا۔

بوڑھا انتینو بکریوں سمیت واپس چلا گیا اور پھر غروب آفتاب سے ایک گھنٹے قبل واپس آیا۔ وہ انہیں صحرا اور پہاڑوں میں ڈاکوؤں کی سرگرمیوں کے بارے میں بتاتا رہا۔ اس نے انہیں بتایا کہ ڈاکو ٹائیگر کی تلاش میں کتے پر نشان ہیں۔ انتینو نے بہرحال یہ تاثر نہیں دیا کہ اُسے یہ علم ہے کہ ڈاکو اس کے مہمان کی تلاش میں ہی آئے تھے۔ اس نے ڈاکوؤں کو یقین دلا دیا تھا کہ کوئی اجنبی یہاں آس پاس نظر نہیں آیا۔ ٹائیگر کو احساس تھا کہ انتینو ڈاکوؤں کی وجہ سے خوفزدہ ہے۔

تیر سازی انتہائی مشکل فن ہے۔ اگرچہ ٹائیگر کے نرم ہاتھ اس کٹھن کام سے متاثر نہیں ہوئے لیکن ریوز کے ہاتھ بہرحال چھلد ہی دُکھ گئے تھے۔ اگلے روز انتینو بکریاں چرا کر واپس آیا تو جس تیر بن سکے تھے، انتینو نے بکریاں باڑے میں لے جانے کے لیے ریوز کے حوالے کیں اور خود ٹائیگر کے پاس چلا آیا۔

"تمہیں اپنے بیٹے پر فخر ہونا چاہیے۔" انتینو نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اس کی نظریں ریوز پر ہی ہوئی تھیں، جو بکریوں کو ہنکا کر باڑے میں لے جا رہا تھا۔ کچھ ہی دیر بعد وہ باڑے کا دروازہ بند کر کے دوڑتا ہوا اُن دونوں کی طرف آنے لگا۔

بیٹے کا لفظ ٹائیگر کے لیے بڑا اجنبی مگر سنسنی خیز تھا۔ اُسے

اس لفظ اور رشتے کی شیرینی کا احساس تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اُدوشان کو یہ رشتہ کتنا اچھا اور پیارا لگتا ہے۔ وہ انتینو کو صرف یہی جواب دے سکا کہ ریوز بہت ہی اچھا لڑکا ہے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کی صلاحیتیں نکھر کر سامنے آئیں گی۔

"لیکن یہ کتنے افسوس کی بات ہے کہ ریوز تمہارا حقیقی بیٹا نہیں مینور۔" چالاک انتینو کی آنکھیں ٹائیگر کے دل میں اُتر رہی تھیں۔

"آپ کیا کہنا چاہتے ہیں بزرگ؟" ٹائیگر نے مسکرا کر پوچھا۔

"یہی کہ ریوز کا تعلق ٹرفنو سے ہے۔ وہ جس شخص کا بیٹا ہے اُسے میں برسوں سے جانتا ہوں اور تم وہی شخص ہو جس کی تلاش میں ڈاکو یہاں آئے تھے۔"

"تب پھر آپ نے یقیناً مخبری کے عوض خاصی معقول رقم لی ہوگی محترم انتینو...!" ٹائیگر نے اس بار بڑی سنجیدگی سے کہا۔ اُسے افسوس ہو رہا تھا کہ اُس نے اس شخص کو سمجھنے میں غلطی کی۔ وہ خود اپنے آپ سے خفا ہو رہا تھا۔

"میں اُن سے نفرت کرتا ہوں۔" انتینو کے چہرے کی جھریاں اچانک ہی اور زیادہ نمایاں ہو گئیں۔ اس کی آنکھوں میں نمی کی ہلکی سی چادر اُتر آئی۔ گال کانپنے لگے۔ جب میں لڑکا تھا تو انہوں نے میرے خاندان کو موت کے گھاٹ اُتار دیا تھا۔ مجھے کسی کام کے قابل نہیں چھوڑا تھا لہٰذا میں بچ نکلا۔ تنہا نوجوان! میں نے ان سے کوئی سودا نہیں کیا۔ تم یہاں بالکل محفوظ ہو۔ مجھے اس یتیم لڑکے سے بھی بہت محبت ہے۔ میں اس کی خاطر بھی تمہیں ہر قسم کا تحفظ فراہم کروں گا۔"

"شکریہ محترم بزرگ۔" ٹائیگر کو اب بھی اپنے اُوپر غصہ آ رہا تھا نہ جانے وہ لوگوں کا کردار پڑھنے کی صلاحیت کا درست استعمال کیوں نہیں کر سکا تھا۔ "شکریہ...!" وہ شکریہ ادا کرتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ یہ شخص ڈاکوؤں سے کتنی زیادہ نفرت کرتا ہوگا۔

"میں جانتا ہوں کہ صحرا اور پہاڑوں کے چرواہے کتنے عظیم ہوتے ہیں۔"

"ایک بات بتاؤ، تمہارا اُستاد کون ہے؟" انتینو اچانک ہی سوال کر بیٹھا۔

"عظیم اُدوشان!" ٹائیگر نے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "سانچو کا آقا... شمشیر سانچو کا مالک... تمام علاجیتوں کا وارث دُنیا کا طاقتور اور انسان۔ عظیم اُدوشان میرا اُستاد ہے۔"

"اُدوشان!" انتینو کچھ سمجھنے کے انداز میں سر ہلانے لگا اور اُدوشان کا نام لیتے ہوئے اُس نے سینے پر ہاتھ رکھ لیا۔

"تم نے جو تیر بنائے ہیں، ان کا استعمال کہاں کرو گے؟" کچھ دیر بعد انتینو نے پوچھا۔

"ٹرفنو کی کان میں پانچ مزید قیدی موجود ہیں بزرگ انتینو! میں انہیں وہاں کرانا چاہتا ہوں۔"

"یہ پاگل پن ہوگا۔" انتینو کا چہرہ خوف سے سُت گیا۔ "ڈاکو بہت بے رحم اور بہت اچھی طرح مسلح ہیں۔"

"تب پھر میں کل صبح ہی ان پر حملہ کر دوں گا۔" ٹائیگر نے بڑے عزم کے ساتھ کہا۔ "میں کم از کم اس علاقے سے ان کی توجہ ہٹانا چاہتا ہوں تاکہ وہ تمہیں پریشان نہ کر سکیں۔"

"میں جانتا ہوں کہ تم اپنے فیصلے خود کرنے کے عادی ہو، میرے بچے... لہٰذا میں تمہیں صرف دُعا ہی دے سکتا ہوں، خدا تمہیں سُرخرو کرے۔"

عنبر مرلی ہاتھوں نے مشرقی اُفق پر کالے بادلوں کی چھانٹی کر دی تھی تاہم طلوع آفتاب میں اب بھی دو گھنٹے باقی تھے اور سوائے جھینگروں کی جھائیں جھائیں کے کوئی اور آواز سُنائی نہیں دے رہی تھی۔

صحرا کے اکّے دُکّے درختوں یا صحرائی جھاڑیوں پر بہت زیادہ اوس گری ہوئی تھی اور ہر طرف عجیب سی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔

اس پُرسکون ماحول میں ٹائیگر اپنا راستہ منتخب کر رہا تھا۔

وہ کیمپ کے قریب تھا، جہاں اب باہر بھی پہرہ نظر آ رہا تھا۔ غالباً ٹائیگر کے فرار کے بعد محافظوں کو زیادہ چوکس کر دیا گیا تھا۔ ان محافظوں کو جُل دے کر آگے جانا کسی عام آدمی کے لیے یقیناً ناممکن ثابت ہوتا۔

ایسا ہی ایک محافظ بالکل سامنے ایک ٹیلے پر بیٹھا ہوا نظر آیا۔ وہ اونگھ رہا تھا۔

پھر ٹائیگر اچانک ہی اُس کے بہت قریب نمودار ہوا۔ اُس نے تیزی سے ٹیلے تک کا سفر کیا اور محافظ کے سامنے سے گزر گیا۔ محافظ کو صرف ایسا لگا جیسے کوئی سایہ نظر آیا ہو۔ اُس نے چونک کر اِدھر اُدھر دیکھا لیکن جب کوئی نظر نہیں آیا تو پھر اُونگھنے لگا۔

ٹائیگر نے اسی طرح مزید دو محافظوں کو دھوکا دیا اور پھر اس محافظ کے پاس پہنچا جس کو وہ ناکارہ کرنا ضروری سمجھتا تھا۔ اُس نے جو کس محافظ کو نہتا کرنا ضروری نہیں سمجھا...

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

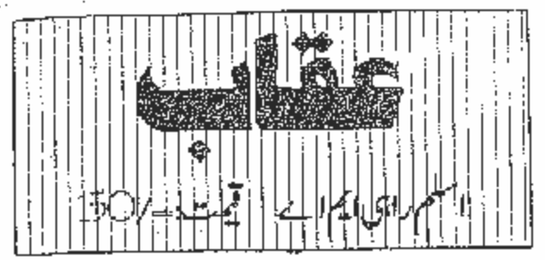
یہ سن کر اسی نے اس کے پیر سے خشک پتے نکل گئے۔ جن کی آواز سن کر محافظ چل پڑا لہٰذا ٹائیگر کا دایاں ہاتھ اٹھا اور محافظ کی گردن پر لگا۔ محافظ نے یقیناً چیخنے کی کوشش کی ہوگی لیکن اس کی چیخ کہیں بھی نہیں سنی گئی۔ وہ ٹوٹی ہوئی گردن کے راستے حلق اور پھر لوک زبان تک نہیں پہنچ سکی تھی اور گردن اس طرح ٹوٹی تھی جیسے کسی نے خشک لکڑی کے دو ٹکڑے کر دیے ہوں۔ ٹائیگر نے لاش سے اس کا ہتھیار پرانا ۹۴ اپریل لے کر جیب میں ڈال لیا۔

اُسے احساس تھا یہ پستول کتنا پرانا ہے لیکن پھر بھی وہ اُسے ساتھ رکھنا چاہتا تھا۔ اب اُس کے قدم معبدی کی طرف اُٹھ رہے تھے۔

اُس کے راستے میں ایک پرانی سنگی دیوار حائل ہوگئی، جس پر خاردار تار لگے ہوئے تھے۔ ٹائیگر کے لیے بہرحال یہ کوئی مسئلہ نہ تھا۔ وہ ایک ہی زقند بھر کر دیوار کے اوپر اس طرح پہنچ گیا کہ اس کے دونوں پیر کانٹوں پر تھے اور کانٹے ٹوٹ گئے تھے اس نے خود کو امریتی فوجیوں کے قبرستان میں پایا۔ وہ پیچھے کود کر قبروں کے درمیان چلنے لگا۔ کچھ دور پہنچ کر وہ ایک جگہ رک گیا۔ یہاں سے اُسے ڈاکوؤں کا کیمپ واضح طور پر دکھائی دے رہا تھا۔ اس کی آنکھوں نے ہر چیز ذہن میں منتقل کر دی اور دماغ نے ہر چیز محفوظ کر لی۔ اب وہ تیر کمان نکال کر کارروائی کے لیے تیار تھا۔ اُسے مزید خاموشی اختیار رکھنے کی ضرورت نہیں تھی پھر بھی کچھ دیر بعد ایک چوکس محافظ کیمپ سے نکل ہوا نظر آیا۔ ٹائیگر نے محافظ کی رفتار کا اندازہ لگا کر تیر کمان میں چڑھایا۔ کمان کھینچی اور تیر چھوڑ دیا۔ تیر کسی بے ضرر چیز کی طرح پرواز کرتا ہوا ہدف تک پہنچا۔ محافظ کی گردن میں پیوست ہوا اور دوسری طرف تک نکل گیا۔ یہ کاری اور مؤثر وار تھا۔ محافظ نے آواز تک نہیں نکالی اور خاموشی سے موت قبول کر لی۔ تاہم اس کے تڑپتے ہوئے جسم نے گرتے کے بعد دھول ضرور اڑائی اور اس کے پیر پٹخنے کی ہلکی سی آواز بھی پیدا ہوئی۔

پھر کیمپ کی طرف سے کسی نے محافظ کو آواز دی۔ مقتول جواب دینے کے قابل نہیں رہا تھا لہٰذا جب آواز دینے والے کو جواب نہ ملا تو وہ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا باہر آیا اور لاش کی طرف بڑھنے لگا۔

دوسرا تیر کمان سے نکلا۔ اس تیر پر دوسرے محافظ کی نظر پڑ گئی۔ وہ حیرت سے اسے دیکھتا رہا۔ وہ اتنا حیرت زدہ تھا



کہ اُسے نشانے سے ہٹنے، بھاگنے، گرنے یا بچ نکلنے کا بھی خیال نہیں آیا اور اگر ایسا کوئی خیال آیا تو اس وقت تک تیر کمان سے نکل کر اس کے حلقوم میں پیوست ہو چکا تھا۔ اس کے ہاتھ سے پہلے رائفل گری پھر وہ خود گرا۔ زمین پر گرتے ہی اس نے چیخنا چاہا لیکن چیخ کی بجائے اس کے منہ سے خون نکلنے لگا۔ خون کے بوجھ سے صحرا کی پیاسی ریت پر گرنے لگے اور خشک ریت خون چوسنے لگی۔

ٹائیگر تیزی سے کیمپ کی طرف بڑھ گیا۔ اب یہاں باہر کسی محافظ کا وجود نہیں تھا لیکن اچانک ہی ٹائیگر کو خطرے کی بو محسوس ہونے لگی۔ اس کی آنکھوں نے کوئی سراغ نہ دیا لیکن اسے ایسا لگا جیسے چند گز دور دیوار کی آڑ میں کوئی شخص دونوں ہاتھ اٹھائے اس پر حملے کے لیے تیار ہو۔

وہ تیار ہو گیا۔ ہر قسم کے حملے کے لیے اس کے اعضاء اور عصاب تیار ہو گئے۔ اس نے ایک طرف ہو کر دیوار کی پچھلی طرف دیکھا اور پھر اس کا خون کھولنے لگا۔

ایک لڑکے کو زندہ مصلوب کر دیا گیا تھا۔

اس کو دیوار کے ساتھ کھڑا کر کے پیروں اور ہاتھوں میں میخیں ٹھونک دی گئی تھیں۔ اس کی وہ آنکھیں زمین تک ٹک رہی تھیں، جو رات کے آوارہ کتوں سے بچ سکی تھیں۔

ٹائیگر ہونٹ چبانے لگا۔

مصلوب لڑکا چیکو تھا۔ وہی چیکو جس نے ٹائیگر کے فرار میں اس کی مدد کی تھی۔ شاید ایڈم کو علم ہو گیا تھا کہ فرار میں چیکو کا کردار کیا رہا اور اس نے البیرن کے انداز میں غداروں کو سزا دی تھی۔

ٹائیگر اب کسی قسم کی نرمی برتنے کا ہر ارادہ ترک کر چکا تھا۔

پیڈرو کو رات کے اندھیرے میں دیکھنے کی اپنی صلاحیت پر بڑا گھمنڈ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اُسے کیمپ کے اندرونی محافظوں کا انچارج مقرر کیا جاتا تھا۔ وہ ساری رات جاگتا رہتا۔ کیمپ کے روشن حصوں میں محو خواب محافظوں کو جگاتا رہتا یا پھر کیمپ

سے باہر گھپ اندھیرے میں آ کر کھڑا ہو جاتا۔ روشنی سے اندھیرے میں آنے کے باوجود اس کی بصارت پر کوئی اثر نہ پڑتا۔ اسے اس کی صلاحیت نے کبھی مایوس نہیں کیا تھا۔ ڈیوٹی تبدیل ہونے میں ابھی ایک گھنٹہ باقی تھا لہٰذا پیڈرو محض اس ارادے سے تاریکی میں نکل آیا تھا کہ ان محافظوں کو رنگے ہاتھوں پکڑے جو اندھیرے کا فائدہ اٹھا کر سو جاتے ہیں۔

اس کی آنکھیں ایک جگہ سے دوسری جگہ کا سفر کرتی رہیں۔ زیادہ تر تو سنتری کھڑے ہوئے تھے یا ٹہل رہے تھے لیکن صرف ایک سنتری پارٹیلا بیٹھا ہوا اونگھ رہا تھا۔ پیڈرو نے اُسے ڈیوٹی کے بعد سزا دینے کا فیصلہ کیا۔ رات کی تاریکی میں دور تک دیکھنے کی ماہر آنکھیں سفر کرتی رہیں۔

"یہ کیا ہے؟" پیڈرو زیر لب بڑبڑایا۔ کوئی چیز حرکت کر رہی ہے۔ اس نے آنکھیں جھپکائیں اور زیادہ غور سے دیکھنے لگا۔ وہی چیز دوبارہ حرکت کرتی ہوئی نظر آئی۔ ممکن ہے کوئی پرندہ ہو لیکن اگر یہ پرندہ ہے تو پھر چیخ کیوں نہیں رہا؟ اس کے پر کیوں نظر نہیں آ رہے؟

پھر جب کوئی آواز بھی سنائی نہیں دی اور نہ ہی کسی طرف سے خطرے کا انتباہ موصول ہوا تو پیڈرو قدرے پریشان ہو گیا۔ وہ لوگوں کو خبردار کرنے کے لیے محافظوں کے ٹھکانے کی طرف پلٹا۔

وہ پلٹا اور اس نے دوڑنے کی کوشش کی ... لیکن پھر اُسے ایسا لگا جیسے آہنی شکنجے نے اُسے اپنی گرفت میں لے لیا ہو۔

یہ آہنی ہاتھ تھے، جو پیڈرو کے سینے پر اس طرح جم گئے تھے جیسے کسی عفریت نے سینے کو جکڑ رکھا ہو پھر پیڈرو کو ایسا لگا جیسے کسی نے گرم گرم آہنی سلاخیں سینے میں گھسیڑ دی ہوں مگر اُسے پتا نہیں تھا کہ یہ سلاخیں نہیں۔ نہ ہی انھیں گرم کیا گیا ہے۔ یہ گوشت کی انگلیاں ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ انگلیاں سانچو کے ماسٹر اوشان کے روحانی بیٹے کی ہیں۔

البیرن اور اس کے ساتھی ٹائیگر کے نزدیک پہنچے عام سے مجرم تھے لیکن چیکو کو قتل کر کے انھوں نے ٹائیگر کی ذاتی دشمنی بھی مول لے لی تھی اور ٹائیگر اس نقصان کے عوض انھیں بھرپور نقصان پہنچانے کا ارادہ کر چکا تھا۔

ٹائیگر پیڈرو سے نمٹنے کے دو منٹ بعد ہی محو خواب بیگم صولت اور رملا کے قریب کھڑا ہوا تھا۔ مارتا کے چہرے اور بدن کے کھردرے پن کے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ہموار ہوتے جانے کو

اب قدرے بہتر حالت میں دیکھ کر ٹائیگر کو خوشی ہوئی تھی، وہ کچھ دیر تک بیگم صولت کو دیکھتا رہا، جو سوتی حالت میں بھی بہت پُروقار لگ رہی تھیں۔

پھر وہ ان دونوں کو خاموشی سے بیدار کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ پہلے مارتا ہی بیدار ہوئی۔ ٹائیگر کو دیکھ کر اس کی آنکھیں چمک پڑیں۔

"تم..." لہجے میں حیرت بھی تھی اور خوشی بھی۔

"ہاں، کیسی ہو تم؟"

"میں... میں ٹھیک ہوں۔ یہ سوچ کر کہ ٹائیگر کو سب کچھ معلوم ہے، اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔

"سفر کر سکتی ہو؟"

"ہاں۔" وہ سر ہلا کر بولی۔ اسی دوران بیگم صولت کی آنکھ بھی کھل گئی اور وہ ٹائیگر کو دیکھ کر اُچھل کر بیٹھ گئیں۔

"تم... تم یہاں کیا کر رہے ہو؟ مگدھ سے بھاگتے ہیں کہ وہ تمھارے خون کے پیاسے ہو رہے ہیں۔ میرا خیال تھا کہ تم اب تک لاپاتا ہو چکے ہو گے۔"

"ہاں..." لیکن انھوں نے یہ دیکھ کر اپنا ارادہ بدل دیا کہ پورے صحرا میں ایڈم کے آدمی پھیلے ہوئے ہیں لہٰذا انھوں نے کسی سے مدد طلب کرنے کی بجائے خود ہی تم لوگوں کو ان کے چنگل سے نکالنے کا فیصلہ کیا اور راستے ہی سے واپس آ گیا۔ میں راستے میں جن لوگوں سے نمٹتا چلا آیا ہوں۔ ان کے جوتے بھی ساتھ لایا ہوں، اگر جب تم لوگوں کے فٹ نہیں آئیں گے مگر صحرا میں چلتے میں ضرور مدد دیں گے۔"

"میرے خدا! تم ہر وقت مذاق کرتے رہتے ہو۔" مارتا نے زیر لب مسکرا کر کہا۔

"اور مجھے خوشی ہے کہ تم تیزی سے صحت یاب ہو رہی ہو۔" ٹائیگر نے بھی ہنس کر کہا۔

"دوسرے لوگوں کا کیا ہوگا؟" بیگم صولت نے پوچھا۔

"فی الوقت انھیں نکال کر لے جانے کا موقع نہیں، چلو، اٹھو۔" یہ کہہ کر اس نے محافظوں کے جوتے انھیں پہنائے اور بے دھڑک باہر لے آیا۔ غار کے دہانے پر دو محافظ موجود تھے مگر دونوں کی گردنیں ٹوٹی ہوئی تھیں اور ان کے جوتے غائب تھے۔

بیس منٹ بعد وہ ٹڑنغو کے عقب والی کھائی پر پہنچ چکے تھے اور ٹائیگر انھیں شمال کی طرف لے جا رہا تھا۔ پہلے تو ٹائیگر نے قدموں کے نشانات کی پروا نہ کی لیکن پھر اس نے دونوں عورتوں

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کو مشورہ دیا کہ وہ اپنے نشانات مٹاتی چلیں اور اس کے لیے اس نے انھیں ایک خاص انداز سے چلنے کا طریقہ بتایا۔ کچھ دیر بعد وہ مخالف سمت میں جا رہا تھا۔ دونوں عورتیں اس کے ساتھ تھیں۔ ٹائیگر انھیں انتینو کے ٹھکانے کی طرف لے جا رہا تھا۔

طلوعِ آفتاب کے وقت بھی وہ انتینو کے ٹھکانے سے کئی میل دُور تھے کہ انھیں اچانک ڈاکوؤں کی ایک ٹولی نظر آئی، جو یقیناً انھی کی تلاش میں تھی۔ ٹائیگر نے دونوں عورتوں کو ایک ٹیلے کی اوٹ میں بٹھا دیا اور خود مستعد ہو کر بیٹھ گیا لیکن ڈاکوؤں کی ٹولی بہت تیزی سے سیدھی نکلتی چلی گئی۔ کچھ دیر بعد اُن تینوں کا سفر پھر شروع ہو گیا۔

"یہ لوگ کون ہیں؟" ٹائیگر کے اعصاب کسی بھی جھڑپ کے لیے تیار ہو گئے۔ انتینو کے غار کے دہانے پر اُسے کئی مسلح افراد بیٹھے ہوئے نظر آئے تھے۔ وہ آرام سے ٹیک لگائے ہوئے قہوہ یا چائے پی رہے تھے۔

"انھیں میں لایا ہوں۔" ریوز نے بڑے فخر سے سر اٹھا کر کہا۔ "ڈاکوؤں سے لڑنے کی تمھاری خواہش نے مجھے ان لوگوں سے مدد حاصل کرنے پر مجبور کر دیا۔"

"مگر ان کا تعلق کہاں سے ہے؟"

"ٹرنفو سے۔" ریوز نے جواب دیا۔ "میں جانتا ہوں کہ تمھیں یہ بات پسند نہیں آئی لیکن مجھے بھی تو کچھ کرنا ہی تھا لہٰذا میں تمھارے جانے کے بعد قصبے چلا گیا۔ میں نے ان لوگوں سے بات کی، جو ڈاکوؤں سے نفرت کرتے ہیں۔ یہ لوگ ڈاکوؤں کے خلاف کچھ کرنا چاہتے تھے مگر ان کا لیڈر کوئی نہیں تھا۔ بس تم دیکھتے رہو، لڑائی شروع ہونے کے بعد اور بھی بہت سے لوگ آ ملیں گے۔"

ٹائیگر نے ایک طویل سانس لے کر "اپنی فوج" کو دیکھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر یہ لوگ اپنے طور پر ہی کوئی قدم اٹھا لیتے تو ٹرنفو پر ڈاکوؤں کا قبضہ نہیں ہوتا۔

آنے والوں کے پاس مختلف ہتھیار تھے۔ ان میں ہرن کا شکار کرنے والی رائفل سے عام رائفل اور کلہاڑیاں بھی شامل تھیں۔ تقریباً تمام افراد کے پاس پیٹی میں لگنے والے خنجر تھے۔ بعض کے پہلوؤں میں پستول بھی لٹک رہے تھے۔

وہ سوچنے لگا کہ یہاں سانجو کے فن کا استعمال ضروری نہیں۔ ان لوگوں کو اس طرح استعمال کیا جا سکتا ہے کہ ڈاکو کھلے میدان میں آ جائیں اور پھر ان کا صفایا کر دیا جائے۔

"تم لوگ کیا چاہتے ہو؟" اس نے خاموش بیٹھے ہوئے مسلح افراد سے پوچھا۔

"ہم قصبے کو ڈاکوؤں سے پاک کرنے کے لیے کیا کر سکتے ہیں جناب!" مسلح افراد کے ترجمان نے اُلٹا سوال کر دیا۔

"ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم السیرن کے آدمیوں کو دفاع کرنے پر مجبور کر دیں۔" ٹائیگر انھیں اپنا منصوبہ بتانے لگا۔ "کیا تُم لوگ ایسا کر سکو گے؟"

"جتنا چاہو مل جائے گا۔" ترجمان نما شخص نے ہاتھ پر ہاتھ مار کر جواب دیا۔

"ان پرانی بندوقوں کے لیے بارُود کہاں سے ملے گا؟" ٹائیگر نے اُن کے کندھوں پر جھولتی ہوئی بندوقوں کی طرف اشارہ کر کے دریافت کیا۔

"دو گھنٹے کی مسافت کے بعد ہم ان بندوقوں کے لیے کئی تھیلے گولیاں اور بارُود حاصل کر سکیں گے جناب!"

"گڈ!" ٹائیگر مسکرانے لگا۔ "تمھارا کیا نام ہے؟"

"لوئیس!"

"ٹھیک ہے لوئیس! اب تم میرے ماتحت ہو۔ سب سے پہلے ہمیں ڈاکوؤں پر ایک اور حملہ کرنا ہے تاکہ وہ سنبھل کر بیٹھ سکیں۔ اس کے بعد ہم اس پر غور کریں گے کہ انھیں کس طرح سزا دی جا سکتی ہے۔ ہم رات کے کھانے کے بعد روانہ ہو جائیں گے، لوئیس!"

"یس سر!" لوئیس کسی معاون کمانڈر کی طرح ہی چوکس نظر آ رہا تھا۔

ریچرڈ تھک کر چُور ہو چکا تھا۔ ۱۳۰ کلو وزنی اُس شخص پر صحرا کی دھوپ پوری طرح اثر انداز تھی۔ وہ دوسرے ڈاکوؤں کے مقابلے میں زیادہ موٹا تھا لہٰذا اُسے فربہ ہی کہا جاتا تھا۔

ریچرڈ کو یقین تھا کہ اگر غیر ملکی اور دو عورتوں کی تلاش کے اس مشن پر فرشتے بھی آتے تو وہ بھی تھک کر چُور ہو چکے ہوتے۔ بات صرف یہ نہ تھی کہ غیر ملکی، دو عورتوں سمیت فرار ہو گیا۔ اصل بات یہ تھی کہ اس نے ہیڈ رِد سمیت کئی محافظوں کو ہلاک بھی کر ڈالا اور اسی سبب اُس کی تلاش ضروری قرار دی گئی تھی تاکہ اُسے سزا دی جا سکے۔

ریچرڈ دوسری سوچ کر کانپ اٹھا تھا کہ اس نہتے شخص نے کتنی صفائی سے اس کے ساتھیوں کی گردنیں توڑیں اور کس مہارت سے پہلے دو کا صفایا کر ڈالا۔

لہٰذا اُسے اس وقت سب سے زیادہ فکر گرمی اور تھکن کے باعث تھی۔ تاہم وہ دیکھ رہا تھا کہ سُورج غروب ہونے والا ہے جس کے بعد سُورج کی چمک ختم ہو جائے گی اور وہ سُورج پوری طرح غروب ہونے تک اردگرد پر آسانی سے نظر رکھ سکے گا۔ اچانک ہی اُسے ایڈم پر ترس آ گیا۔ ایڈم نے جب محافظوں کی لاشیں دیکھی تھیں تو اس کے چہرے کی رنگت فق ہو گئی تھی حالانکہ ایڈم خود کو دُنیا کا سب سے بہادر آدمی سمجھتا تھا۔

ہلکی سی چمک نے ٹائیگر کو اشارہ دیا کہ اس کی فوج پوزیشن لے چکی ہے۔ اس وقت اس کی نظریں ایک موٹے ڈاکو پر مرتکز تھیں جو بھٹی سے دُور جا رہا تھا۔ اس شخص کو غالباً یہی فکر تھی کہ محافظ جاگ رہے ہیں یا نہیں؟ پھر اچانک ٹائیگر کھڑا ہو گیا۔ وہ اپنی پشت پر سُورج کی موجودگی سے فائدہ اُٹھا رہا تھا۔ اس نے کمان کھینچی اور پھر پوری کھینچ کر چھوڑ دی۔ تیر ایک سنتری کی طرف سفر کر رہا تھا جو دفعتاً کسی چیز سے ٹکرایا تھا۔ سنتری نے ایک عجیب سی چیز اپنی طرف آتی ہوئی دیکھی تو وہ گھبرا گیا لیکن اس بات کا علم اُسے کبھی نہیں ہو سکا کہ اُس کے پیٹ میں لگنے والی چیز تیر تھی۔ وہ زور سے چیخا اور پھر زمین پر گر گیا۔ وہ بُری طرح تڑپ رہا تھا۔ خون اُبل اُبل کر ریت کو سُرخ کرنے لگا۔ یہ چیخ ڈاکوؤں کے کیمپ میں افراتفری کا باعث بن گئی۔ کسی کو بھی یہ احساس نہیں ہو سکا کہ ان پر کس طرف سے حملہ ہوا ہے۔ اس افراتفری کے باوجود ڈاکوؤں نے ایک ہدایت پر سختی سے عمل کیا اور وہ یہ کہ غیر ضروری طور پر فائر نہ کیا جائے۔ مسئلہ صرف یہ تھا کہ یہ کون طے کرے گا کہ ضروری فائر کیا ہوتا ہے؟

ٹائیگر کے دوسرے تیر نے اس ڈاکو کو چھید ڈالا جو اپنے گرے ہوئے ساتھی کی مدد کے لیے آگے بڑھا تھا۔ دوسرا ڈاکو منہ کے بل بھٹی کے قریب ہی گرا۔ ڈاکوؤں کو اب بھی یہ اندازہ نہیں تھا کہ حملہ آور کہاں ہے لہٰذا ٹائیگر کو مزید ایک تیر چلانے کا وقت مل گیا۔

گریٹو بھٹی کے دائیں میں دو آدمیوں کے ساتھ کھڑا ہوا تھا۔ اس کی نظریں بے چینی سے اردگرد کا جائزہ لے رہی تھیں۔ تب ہی اُسے ایسا لگا جیسے اس کی آنکھوں نے سُورج کے سامنے کسی سائے کو دیکھا ہے۔ اس کی رائفل سے ایک شعلہ نکلا، شعلہ طالع ہو گیا۔ جیسی ایک تیز سنسناتا ہوا آیا اور اس کے ایک ساتھی کے گلے میں پیوست ہو گیا۔

"اوہ سر!" گریٹو نے ٹائیگر کی پوزیشن کا اچھی طرح اندازہ لگا کر ہدایت کی اور پھر رائفلیں ٹائیگر کی پوزیشن پر فائر کرنے لگیں۔ گریٹو کی مدد کے لیے مزید ڈاکو آ گئے۔ اُن میں سے بعض احمقانہ حد تک پُراعتماد تھے لہٰذا وہ کھلے میدان میں کھڑے ہو کر فائرنگ کرنے لگے۔

یہ ان کی مہلک غلطی تھی۔

ایک تیر اڑتا ہوا آیا اور گریٹو سے محض چند قدم دُور ایک اور غیر ضروری طور پر پُراعتماد ڈاکو کے سینے میں پیوست ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی گریٹو کے دائیں طرف کھڑے ہوئے ڈاکو کا سر پھٹ گیا اور بھیجہ باہر نکل پڑا۔ گریٹو صرف یہ دیکھ سکا تھا کہ جس سمت سے تیر آ رہے تھے اُسی سمت میں سے انڈے کے برابر ایک پتھر آیا اور اس کے ساتھی کا بھیجہ نکل گیا پھر تو قیامت آ گئی۔ تیروں اور پتھروں نے جی داروں کو مُردار اور مُرداروں کو لاشوں میں تبدیل کر دیا۔ گریٹو خوف اور حیرت کے باعث مفلوج سا ہو گیا۔ وہ صرف یہ سوچ رہا تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟

بھٹی کے اُوپر سے فائرنگ شروع ہوئی تو ٹائیگر اپنی پہلی پوزیشن سے ہٹ کر دوسری پوزیشن پر آ چکا تھا۔ وہ تیسری پوزیشن پر پہنچا اور درختوں کے درمیان تھا۔ اس نے ایک تیر نکال کر کمان میں چڑھایا اور پھر بھٹی پر کھڑے ہوئے ایک بندوقچی کی طرف روانہ کر دیا۔ تیر کی نوک پہلے اس شخص کی کھوپڑی کو توڑ کر گھسی اور پھر آر پار ہو گئی۔ بندوقچی کو اگلی احتیاج کیے بغیر ہی موت ہو گئی۔

ڈاکو اب اس قبرستان کی طرف فائرنگ کر رہے تھے جس کی دیوار کے پیچھے ٹائیگر کی فوج نے پوزیشن سنبھال رکھی تھی۔ ٹائیگر نے بڑی پھرتی سے مزید چار تیروں کو اپنے سفر پر روانہ کیا۔ اس کا مقصد فائرنگ کرنے والے ڈاکوؤں کی توجہ قبرستان کی دیوار سے ہٹانا تھا۔ وہ اس میں کامیاب رہا اور جونہی رائفلوں نے اس کی سمت میں آگ اُگلنی شروع کی۔ وہ ایک طرف ہٹ گیا۔ ریوز کے آدمی بھی ذہین ثابت ہوئے۔ انھوں نے ڈاکوؤں پر عقب سے فوراً فائرنگ شروع کر دی۔

اے کے ۴۷، اسالٹ رائفلوں اور پرانی جی آئی ایم کاربائین کے شور و غل میں کسی نے اعشاریہ ۲۲ کی آوازیں نہیں سنیں... اور ڈاکوؤں کو اس وقت ہوش آیا، جب ان کے کئی آدمی قبرستان کی طرف سے ہونے والی فائرنگ میں مارے گئے۔ اس صورتِ حال کا احساس ہوتے ہی ڈاکوؤں میں افراتفری پھیل گئی۔ وہ گھبرا کر اندھا دُھند فائرنگ کرنے لگے۔ انھوں نے عمارتوں پر بھی گولیاں چلانی شروع

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کر دیں۔

ٹائیگر عجیب سے انداز میں مسکرا کر ایک بار پھر اپنی جگہ سے ہٹا۔ اب وہ ٹیلے سے اتر کر حملہ کرنے کے لیے نئی پوزیشن پر جا رہا تھا۔

یہاں کئی بہادر ڈاکوؤں نے بہادری کا مظاہرہ کرتے ہوئے کھلے میدان میں آنے کی حماقت کی اور ٹائیگر نے فوراً ہی اُن کا صفایا کر دیا۔ اس کے پاس چھ تیر باقی بچے تھے، جن میں سے پانچ کارگر ثابت ہوئے جب کہ چھٹا تیر نہ جانے کیوں کمان سے نکلنے کے بعد ہی ٹوٹ گیا۔

ڈاکوؤں نے اب چیخنا چلانا شروع کر دیا تھا اور قبرستان کی سمت سے اُن پر گولیوں کی بارش ہو رہی تھی۔ بعض لوگوں نے دیوار کے عقب سے اُن پر فلیتوں کی مدد سے پتھراؤ بھی شروع کر دیا تھا۔

ٹائیگر کے حامی اگرچہ تعداد میں کم تھے اور ڈاکو بھی اپنے کیمپ کے اندر تھے لیکن ٹرنفو کے ان بہادروں نے اپنے اوپر قابو رکھا تھا اور بہت ٹھنڈے دماغ سے کارروائی کر رہے تھے۔

ٹائیگر نے خطِ جنگ کے متوازی چلنا شروع کر دیا۔ اُس کی نظریں اب لکڑی کے اُس پرانے پلیٹ فارم پر تھیں، جو سرنگ میں داخلے کا راستہ تھا۔ اُسے ابھی طرح احساس تھا کہ ریوز کے ساتھی بھی بھٹی کے قریب آنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اب اندھیرا ہونے لگا تھا اور ریوز کے ساتھی اس سے پورا پورا فائدہ اُٹھانا چاہتے تھے۔ ٹائیگر نے خالی کمان سر سے اُوپر اُٹھا کر سگنل دیا اور جب اُس کی طرف کوئی گولی نہیں آئی تو مطمئن ہو گیا۔ اُسے صرف یہ خدشہ تھا کہ وہ اپنے ہی لوگوں کی کسی بھٹکی ہوئی گولی کا شکار نہ ہو جائے لہٰذا اُس نے اپنا رُخ دوسری طرف کر لیا۔ اچانک ہی ایک ڈاکو شور مچاتا ہوا اُس کے سامنے آ گیا۔ اُس کی آنکھوں میں خون اُترا ہوا تھا۔ ٹائیگر نے مسکرا کر کمان سے اُس کی کنپٹی پر ضرب لگائی۔ ڈاکو کا سارا غصہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔ وہ خود بھی آنکھیں بند کر کے زمین پر بیٹھا اور پھر لیٹ گیا۔ اسی لمحے ایک اور ڈاکو کتے کی طرح غراتا ہوا اُس پر جھپٹا۔ ٹائیگر نے اُسے کہنی سے روکا اور اُس کے منہ پر کمان دے ماری۔ ڈاکو کا چہرہ اچانک ہی مسخ ہو گیا۔ دانت حلق میں اُتر گئے، ناک پچک گئی اور چہرے پر جگہ جگہ خون کی بوندیں نمودار ہو گئیں۔

ٹائیگر اب کسی طرف دیکھے بغیر لکڑی کے پلیٹ فارم کی طرف بڑھ گیا اور اُس پر چڑھنا چلا گیا۔ لکڑی کے تختے جو زینے کی شکل میں بنے ہوئے تھے، اُس کے بوجھ سے چرمرا کر احتجاج کر رہے تھے۔ اُس کا رُخ کان کے مرکزی دروازے کی طرف تھا۔

"رُک جاؤ" گریٹو نے دُور ہی سے اُسے للکارا مگر ٹائیگر کان کے دروازے کی ناکہ بندی کیے ہوئے تھا۔ اُسے احساس تھا کہ یہ اجنبی جو سب کو جُل دے کر یہاں سے فرار ہو گیا تھا، کتنا خطرناک ہے لہٰذا اُس کے ہاتھ میں اعشاریہ ۴۵ رائفل اور ٹائیگر کی مسکراتی ہوئی آنکھیں اُس پر مرتکز تھیں۔

کرائے اور ویگر مشترکی مارشل آرٹ کے ماہرین بعض اوقات سحر کر دیتے ہیں۔ اُن کا بنیادی فلسفہ دشمن کی غلطی سے فائدہ اُٹھانا ہوتا ہے۔ وہ مسلح دشمن کو نہتے ہونے کے باوجود زیر کر لیتے ہیں۔ گریٹو مسلح تھا مگر اُس کے سامنے اُس دور کا سب سے بڑا ماسٹر تھا۔ ٹائیگر نے گریٹو کی للکار سنتے ہی خود کو تیار کر لیا۔

"تم کیا چاہتے ہو؟" اُس نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔ "تم نرے گاؤدی اور احمق ہو۔ کیا تمھیں علم نہیں کہ میں تمھارا ساتھی ہوں؟"

ٹائیگر کی یہ بات سُن کر گریٹو ایک لمحے کے لیے حیرت زدہ ہو گیا۔ اُسے حیرت تھی کہ اجنبی نے اُس پر حملہ کرنے کی بجائے اُس سے نرم لہجے میں اس طرح بات کی ہے جیسے وہ اُسے فہمائش کر رہا ہو۔ حیرت زدہ ہونے کے باعث وہ ایک لمحے کے غافل بھی ہو گیا۔ ٹائیگر نے کمان ایک طرف پھینک کر اپنے دونوں ہاتھ گریٹو کی طرف بڑھائے۔ ایک ہاتھ نے دائیں ہاتھ والا پستول چھینا، اسی ہاتھ نے پستول والے ہاتھ کی پانچوں انگلیاں توڑیں اور دوسرے ہاتھ سے دوسرے ہاتھ کی انگلیوں کو توڑ ڈالا۔ گریٹو کو اُس وقت نقصان کا پتا چلا جب اُس کے دونوں ہاتھوں میں ایک ساتھ تکلیف شروع ہو گئی۔ گریٹو بہت زور سے دھاڑا۔ اُس نے سر گھما کر ٹائیگر کے پیٹ پر مارا مگر اُسے ایسا لگا جیسے سر کنکریٹ کی دیوار سے ٹکرایا ہو۔ اُس نے سر کو ہاتھوں میں تھامنے کی کوشش کی مگر اُس کے ساتھ ہی اُس کی ٹوٹی ہوئی انگلیوں میں ناقابلِ برداشت درد ہونے لگا۔ وہ گر پڑا۔ اُس کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے... پھر اُسے کچھ یاد نہیں رہا۔ اُسی لمحے کسی نے ٹائیگر کو عقب سے پکڑ لیا۔ گرفت بہت مضبوط تھی اور ٹائیگر کو ایسا لگ رہا تھا جیسے کسی سخت پائے نے اُسے پکڑ رکھا ہو۔ وہ مسکرانے لگا۔ بہت دنوں بعد کسی طاقت ور جسم سے واسطہ پڑا تھا۔ ٹائیگر نے آنکھیں بند کر لیں اس نے سانس روک لی اور پھر اُس کی دونوں کہنیاں حملہ آور کے شکنجے سے آزاد ہونے لگیں۔ حملہ آور نے انھیں اپنی ہی گرفت میں رکھنا چاہا مگر وہ ناکام رہا۔ ٹائیگر کی دونوں کہنیاں بجلی کی سی تیزی سے آزاد ہوئیں، ساتھ ہی وہ یک لخت حملہ آور کے سینے پر پڑیں اور اُس کے سینے کی ہڈیوں کا پنجر کسی کمزور لکڑی کی طرح ٹوٹ کر گرنے لگا۔ پہلے پسلیاں گریں اور پھر گوشت کے لوتھڑے زمین پر گرنے لگے۔ حملہ آور حیرت سے اپنے سینے کی طرف دیکھتا رہا جب اُسے احساس ہوا کہ وہ زندگی سے محروم ہو رہا ہے تو اُس کے حلق سے ایک کربناک چیخ نکلی، وہ گرنے سے قبل ہی مر گیا۔

رچرڈو دور ہی سے یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ غصے کی وجہ سے وہ کانپنے لگا اور پھر غضبناک انداز میں ٹائیگر کی طرف جھپٹا۔ اُس کی آنکھیں غصے کی وجہ سے سُرخ ہو رہی تھیں، اُس نے ٹائیگر کا منہ نوچنا چاہا مگر ٹائیگر نے جھکائی دے کر دایاں ہاتھ بڑھایا اور اس ہاتھ کی پہلی اور دوسری انگلی کے سوا تمام انگلیاں بند تھیں۔ یہ دونوں انگلیاں رچرڈو کی آنکھ کے قریب نرم نرم گوشت میں پیوست ہونے لگیں... پیوست ہوتی چلی گئیں اور پھر رچرڈو کی دونوں آنکھیں اس طرح حلقوں سے نکل گئیں، جیسے کوئی چُنی چیز ہاتھ سے پھسل جائے۔ رچرڈو نے خوفناک انداز میں چیخ ماری، وہ پیٹھ کے بل گرا۔ اُس کے دونوں ہاتھ چہرے پر اُن خالی سوراخوں پر تھے جہاں پہلے آنکھیں تھیں اور اب خون بہہ رہا تھا۔ ٹائیگر نے بایاں ہاتھ جھٹک کر اُس کے گلے پر رکھ دیا۔ رچرڈو کو صرف دو تین سیکنڈ تک تکلیف کا احساس ہوا، ایسا لگا جیسے گلے اور گردن کا ریشہ ریشہ جُدا ہو رہا ہو۔

اُس کی شہ رگ ٹائیگر کی انگلیوں میں تھی اور پھر اس طرح ٹوٹ گئی تھی، جیسے کسی نے ڈوری توڑ کر پھینک دی ہو۔ ٹائیگر نے بڑی احتیاط سے کام لیا تھا لہٰذا اس کی صرف دو انگلیاں ہی لہولہان ہو پائیں۔ رچرڈو ساکت ہو گیا۔ ٹائیگر نے اُس کی بیلٹ میں لگا ہوا اعشاریہ ۴۵ اور اُس کے چار بھرے ہوئے کلپ نکال کر ہاتھ میں لیے اور لاش کو پھلانگ کر آگے بڑھ گیا۔

مرکزی سُرنگ کے دہانے پر پہنچ کر اُس نے دھواں دیکھا۔ وہ باقی تمام لوگوں کو دھکیلنے کا عزم لے کر آیا تھا۔ ابھی وہ محض چند قدم آگے بڑھا تھا کہ ایک طرف سے حیرت زدہ، خوفزدہ اور مشتعل محافظوں نے اُس پر دھاوا بولنے کی کوشش کی مگر اب ٹائیگر اپنے ہاتھوں کو مزید زحمت دینا نہیں چاہتا تھا لہٰذا رچرڈو کا پستول کام آیا۔ وہ گولیاں نکلیں اور پھر دونوں محافظوں کے سینوں سے خون اُچھلنے لگا۔ وہ یکے بعد دیگرے اُوپر تلے گر گئے، خون زمین پر بہنے لگا۔ یہ وہی محافظ تھے، جو قیدیوں کے غار کی نگرانی پر معمور تھے۔

کھیل ختم ہو رہا ہے۔ ٹائیگر نے غار کے باہر جھانک کر کہا۔ چلو

سب نکلو... جلدی کرو... ہری اَپ!"

ٹائیگر کا لہجہ ایسا تھا کہ باقی تینوں قیدی مزید کچھ کہے بغیر نکل آئے۔ وہ مرکزی سُرنگ کی طرف دوڑے مگر ابھی پلیٹ فارم کے قریب ہی تھے کہ ایک طرف سے گولیوں کی بوچھار شروع ہو گئی لیکن فائرنگ اُن کے خلاف نہیں بلکہ اُن لوگوں کے خلاف تھی، جو اُن کی راہ میں مزاحم ہونا چاہتے تھے۔ ڈاکوؤں میں سے کئی اس بوچھار میں مارے گئے۔ کئی کے جسموں سے خون کے فوارے بلند ہونے لگے اور بعض جو اس فائرنگ سے بچ نکلے تھے، ایک طرف بھاگ نکلے۔ ٹائیگر قیدیوں کو لے کر پلیٹ فارم تک پہنچا۔ ریوز کے آدمی اُن افراد سے نمٹنے لگے، جو اب تجمع کر کے ٹائیگر کے ساتھیوں کو روکنے کی کوشش کر رہے تھے پھر دیکھتے ہی دیکھتے جھڑپیں، انفرادی لڑائی میں بدل گئیں۔ اس لڑائی کے دوران ریوز کے ساتھی ٹیلے تک راستہ بنانے کی کوشش کرتے رہے۔ ٹائیگر تینوں قیدیوں کو لے کر شمال کی طرف نکل گیا اور ریوز کے آدمی دوسری طرف نکل گئے۔ ریوز کے آدمیوں کو آگے بڑھنے میں کافی دشواری ہوئی لیکن ٹائیگر کی راہ میں کوئی حائل نہیں ہوا لہٰذا وہ خوش و خرم قیدیوں کو لے کر جلد ہی مقررہ جگہ پہنچ کر باقی لوگوں کا انتظار کرنے لگا۔ ریوز کی فوج جب وہاں پہنچی تو ہر شخص خوشی سے پاگل ہو رہا تھا۔ انھوں نے اُن گنت ڈاکو مار ڈالے تھے جبکہ اُن کے اپنے صرف دو ساتھی کام آئے تھے۔ کچھ دیر بعد وہ سب ایک ساتھ اتینو کی چراگاہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

GG

اگلی صبح تک وہ خوشی سے رقص کرتے رہے۔ علی الصباح ٹرنفو سے مزید کچھ افراد آ کر اُن میں شامل ہو گئے لیکن پھر انھوں نے ڈاکوؤں کی کمیں گاہوں کی مکمل تباہی کے لیے انتظامات شروع کر دیے۔ بارود وغیرہ جمع کرنے کے ساتھ ساتھ روایتی ہتھیار بنانے کے لیے لکڑی بھی جمع ہونے لگی۔

ریوز کو ٹائیگر نے مالِ غنیمت میں ملنے والا ایک خوبصورت چاقو یہ کہہ کر تحفے میں دیا کہ اُس نے بڑوں کا کہنا مانتے ہوئے حملے کے دوران نہیں رہ کر سب کو خوش کر دیا ہے۔ تحفہ ملنے پر ریوز کی حالت دیدنی تھی۔

وہ سب خوش تھے لیکن اُن کی یہ خوشیاں عارضی ثابت ہوئیں کیونکہ جو لوگ جنگی سامان لینے کے لیے گئے تھے وہ دوپہر کو پریشان کُن خبریں لے کر آئے۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"ایڈم انتقامی کارروائی کی تیاری کر رہا ہے۔" ان میں سے ایک نے گھبرا کر بتایا۔ "وہ اپنے لوگوں کی ہلاکت اور قیدیوں کی رہائی کے بعد بہت برہم ہے۔ اس نے قسم کھائی ہے کہ وہ بدلہ لیے بغیر نہیں رہے گا۔"

"جب سے اس نے سنا ہے کہ ٹرنفو کے لوگ بھی حملے میں شامل تھے تو اس کی حالت خراب ہو گئی۔ اس کے منہ سے جھاگ نکلنے لگے۔ اس نے دھمکی دی ہے کہ اگر قیدیوں کے روز کے اندر اندر واپس نہیں پہنچائے گئے تو وہ چھوٹے چھوٹے دیہات پر حملہ کرے گا۔ ٹرنفو کے دس بچوں اور دس عورتوں کو سزائے موت دے گا اور پھر سفر کرنے والے دن غروب آفتاب کے وقت یومیہ بیس افراد کو قتل کیا جائے گا۔"

یہ سن کر لوگ غصے سے تلملا اٹھے۔ وہ لمحے اشتعال دلانے کہ ایڈم کی کس کمزوری پر فی الفور حملے کی منصوبہ بندی کرنے لگے۔ ہما ہنگر نے نرمی اور محبت سے کام لیتے ہوئے انہیں قائل کرنا چاہا کہ دن کے وقت حملہ سود مند نہیں ہو گا۔

"ہمارے پاس تین دن کا وقت ہے اور ان دنوں میں ہم ایڈم کے گروہ کے خلاف مؤثر ترین تیاری کر سکتے ہیں۔ وہ ستوا اس نے کہا۔ "ہم ٹرنفو پر حملہ روکنے کے لیے موثر کارروائی کر سکتے ہیں۔"

زیادہ تر لوگ ہنگر کی صلاحیتوں اور قیادت کے معترف تھے وہ اسے سرگرم عمل اور برسرِ پیکار دیکھنے لگے تھے۔ لیکن انہوں نے اس تجویز پر اعتراض نہیں کیا تاہم روفو اور جوزیز برنال گرم دماغ رکھتے تھے انہیں ٹھنڈا کرنا بہرحال مشکل ثابت ہوا۔

یہ چھوٹی سی فوج سولہ افراد پر مشتمل تھی۔ انہوں نے کھانا کھایا اور اپنے اپنے ذمے کیے گئے کام پورے کرنے کے لیے نکل کھڑے ہوئے۔ دو افراد نگرانی کے لیے پوزیشن پر چلے گئے۔ یہ دونوں روفو اور برنال تھے۔ اپنی پوزیشن پر بیٹھ کر وہ تبصرہ کرنے لگے۔ وہ حالات پر تبادلہ خیال کرنے لگے۔ انہیں یہ فکر تھی کہ نہیں ٹرنفو میں ان کے اہل خانہ ایڈم کے ہاتھوں ہلاک نہ ہو جائیں۔ وہ محنت کرتے رہے اور پھر کچھ دیر بعد انہیں احساس ہوا کہ وہ غداری کی طرف بڑھ رہے ہیں۔

"آخر ہم ایسا کیوں نہیں کر سکتے؟" جوزیز برنال نے تفصیل سے بحث میں کہا۔ "مسئلہ ان اجنبی کے بچوں کا نہیں، ہمارے بچوں کا ہے۔ اگر ہم اسے اور قیدیوں کو پکڑ کر واپس لے جائیں تو پھر ٹرنفو کے کسی بھی خاندان کو کوئی خطرہ نہیں رہے گا۔ سب محفوظ رہیں گے۔ بولو کیا خیال ہے تمہارا؟"

"تم نے اسے وہاں لڑتے ہوئے تو دیکھ لیا تھا نا؟" روفو نے پوچھا۔ "تم دیکھ چکے ہو کہ وہ تنہا بہت سے لوگوں پر بھاری ہے۔ کیا ہم اس پر قابو پا سکیں گے۔ بات خطرناک ہو گی جوزیز۔"

"نہیں، ہم اس پر قابو پا لیں گے۔" جوزیز نے بڑے یقین کے ساتھ جواب دیا۔ "آخر وہ سوتا بھی ہو گا۔ باقی رہے اس کے ساتھی اُن کا تو ذکر ہی کیا، ایک بڈھا ہے اور ایک عورت، ایک لڑکی اور ایک پروفیسر... ان میں سے صرف اجنبی ہی مسئلہ کھڑا کر سکتا ہے لیکن ہم اس سے نمٹ سکتے ہیں۔"

"لیکن مجھے کوئی طریقہ تو سمجھاؤ۔" روفو نے بیوقوف بن کر پوچھا۔

"بہت آسان طریقہ ہے۔ سب سے پہلے ہم اسے غافل دیکھ کر دبوچ لیں گے، اس طرح وہ قابو آ جائے گا۔ اس کے بعد دوسرے قیدیوں کو باندھ کر ڈال دیں گے پھر ایڈم کو اطلاع کی جائے گی اور... اور جوزیز سرگوشیوں میں حکمت عملی سمجھانے لگا۔

اگلے روز کیمپ میں ڈائنامائٹ کی تین پیٹیاں اور بیس کلو سیاہ بارود لایا گیا۔ بم بنانے کے لیے ٹین کے ٹکڑوں... نوکدار کیلوں اور لوہے کے ٹکڑوں کا ڈھیر بھی ایک طرف لگا دیا گیا۔ بے جوڑ پائپ کے ٹکڑے بھی آ گئے۔ زور و شور سے تیاریاں شروع ہو گئیں اور وقت گزرتا رہا۔ اس رات ٹائیگر مطمئن انداز میں سونے کے لیے اپنے غار میں پہنچا تو اس کے برابر والا بستر خالی تھا۔ اس پر ریوز سوتا تھا۔ وہ اسے مسلسل پاپا کہنے لگا تھا۔ ٹائیگر یہ سوچ کر لیٹ گیا کہ لڑکا ہے کہیں کھیل رہا ہو گا۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں اور عادت کے مطابق اسے فوراً نیند آ گئی۔

جوزیز برنال اور روفو کو چوکیداری کے لیے پہلی شفٹ ملی تھی۔ جونہی وہ مقررہ جگہ پر جمع ہوئے، دونوں میں ایک بار پھر کھسر پھسر شروع ہو گئی۔ دونوں کو یقین تھا کہ وہ ایک انتہائی مقدس مقصد کی خاطر سازش کر رہے ہیں اور یہ کہ وہ سازشی نہیں بلکہ مجاہد ہیں۔

"ہم خاموشی سے ہی کیوں نہ نکل جائیں۔" روفو نے جوزیز سے پوچھا۔

"لیکن اس طرح ہم پکڑے جائیں گے۔ اس طریقے سے مسئلہ حل نہیں ہو گا۔ اب ہمیں یہ ثابت کرنا ہو گا کہ ہم ایڈم کے ساتھی ہیں اور اس کے لیے ہمیں اجنبی کو قتل کرنا پڑے گا۔"

"لیکن خطرہ تو بہرحال رہے گا۔" روفو پریشان تھا۔

"کیسا خطرہ؟" جوزیز نے تیکھا ہو کر پوچھا۔ "سوئے ہوئے شخص کو ہلاک کرنا کون سا مشکل کام ہے۔ ہم اسے چاقو سے ذبح کر دیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔" روفو نے ہتھیار ڈال دیے۔ "لیکن ہم اسے کہاں ذبح کریں گے؟"

"ہم اسے ذبح نہیں کریں گے۔" جوزیز نے اسے سمجھایا۔ "ہم اسے ذبح کرتے ہوئے دکھائیں گے۔ ہم اس کے گلے پر چاقو رکھ کر اس کی شہ رگ کاٹنے کا ڈرامہ کریں گے۔ اس کے بعد ہم اسے ایک طرف لے جائیں گے۔ وہاں ہم اسے ایک بکرا دیں گے جسے ہم پہلے ہی ذبح کر چکے ہوں گے۔ ہم اجنبی کے کپڑے اس بکرے کو پہنا دیں گے۔ اس کے بعد ہم اس کی لاش کو ٹھکانے لگا دیں گے۔ ایڈم سمجھے گا کہ اجنبی مارا گیا ہے۔ اس طرح ہم اس کے انتقام سے بچ جائیں گے۔"

"لیکن اس طرح ہم اجنبی کے ساتھیوں کے ہاتھوں مارے جائیں گے۔" روفو نے اعتراض کیا۔

"ہم ان کے ساتھ بھی یہی کریں گے۔" جوزیز نے جواب دیا۔ "ہم ان کے گلے کاٹ کر ان کی لاشیں بھی ٹھکانے لگا دیں گے۔ ایڈم سمجھے گا کہ اجنبی اور اس کے ساتھی مارے گئے۔ ہم بچ جائیں گے۔"

"لیکن ایڈم کو کیسے پتا چلے گا کہ اجنبی مارا گیا ہے؟" روفو نے پوچھا۔

"ہم اس کے کپڑے اور اس کا چاقو اس کے ساتھیوں کو دکھائیں گے۔ ایڈم کو پتا چل جائے گا۔"

"ٹھیک ہے۔" روفو نے ہتھیار ڈال دیے۔ "لیکن ہم اسے ذبح کرتے ہوئے دکھائیں گے کیسے؟"

"ہم اس کے گلے پر چاقو رکھ کر اس کی شہ رگ کاٹنے کا ڈرامہ کریں گے۔ اس کے بعد ہم اسے ایک طرف لے جائیں گے۔ وہاں ہم اسے ایک بکرا دیں گے جسے ہم پہلے ہی ذبح کر چکے ہوں گے۔ ہم اجنبی کے کپڑے اس بکرے کو پہنا دیں گے۔ اس کے بعد ہم اس کی لاش کو ٹھکانے لگا دیں گے۔ ایڈم سمجھے گا کہ اجنبی مارا گیا ہے۔ اس طرح ہم اس کے انتقام سے بچ جائیں گے۔"

کام کرنے کے بعد تھک ہار کر سو رہا ہے۔ سب لاشوں کی طرح پڑے ہیں۔ رہا اجنبی... اُسے میں خود سونے کے لیے جاتا ہوا دیکھ چکا ہوں۔"

"تب پھر آج رات ہی یہ کام کر ڈالو، مزید انتظار کرنے کی کیا ضرورت ہے۔"

"میں کہہ چکا ہوں کہ...!" روفو نے کچھ کہنا چاہا... مگر اسی لمحے قریب ہی پتھروں اور کنکروں پر کسی کے چلنے کی آواز سنائی دی۔ دونوں چونک اٹھے۔

"کیا... یہ کیا تھا؟" روفو اچھل پڑا۔

"میرا خیال ہے کہ پہاڑی میں کوئی چل رہا ہے۔" جوزیز بھی چونک اٹھا۔

"بہت ہوشیار اور چالاک تھا لیکن اسے ان دونوں سے کوئی خطرہ نہیں تھا لہٰذا وہ بے دھڑک ان کے قریب آ گیا۔

"تم یہاں کیا کر رہے ہو؟" جوزیز اسے دیکھ کر دہاڑا۔

"کک... کچھ نہیں... سینور...!" ریوز اس کے طرزِ تخاطب پر بوکھلا اٹھا۔

"تم ہماری باتیں سنی ہیں؟ کیا سنا تم نے؟" روفو بھی دانت پیس کر بولا۔

"میں نے تو کچھ بھی نہیں سنا سینور، ریوز اب خوفزدہ ہو چکا تھا۔ اس کی آنکھوں میں نمی اتر آئی تھی۔

"میرے خدا... روفو... تم نے اسے پہچانا... یہ ریوز ہے... اجنبی کا خاص مخبر... یہ اس کے لیے کام کرتا ہے، یہ تو ہمارا بھانڈا پھوڑ کر سب کچھ تباہ کر دے گا۔ بولو اب کیا کریں؟"

"نن... نہیں... میں... میں کچھ نہیں کہوں گا قسم لے لو، جو ایک بھی بات بتاؤں۔" ریوز گڑگڑانے لگا۔ روفو نے بازو اس کے گلے پر رکھ دیا۔ "تو تم نے کچھ نہیں سنا... آں... پھر کچھ نہ بتانے کی قسم کیوں کھا رہے ہو مردود؟"

روفو ریوز کو گھورتا رہا۔

"اب کیا کریں؟" اس نے قہر آلود نظروں سے اس پر چھرا

"مار ڈالو۔" جوزیز نے سرد لہجے میں جواب دیا۔ "اب پہلے اسے ہلاک کرو پھر اجنبی کو مارنے کے لیے چلیں گے۔"

ریوز نے دوسروں کو خبردار کرنے کے لیے چیخنا چاہا مگر روفو نے اپنا بھاری ہم کم ہاتھ اس کے منہ پر رکھ کر چیخ دبا دی۔ ریوز اس کی گرفت سے آزاد ہونے کے لیے تڑپنے لگا۔ اس نے روفو کو دانتوں سے کاٹنے کی کوشش کی۔ ساتھ ہی جیب میں ہاتھ ڈال کر وہ چاقو تلاش کرنے لگا۔ جونہی اس نے چاقو نکالتے ہوئے بھی روفو اور جوزیز کو شک نہیں ہونے دیا۔ جوزیز کو اسی وقت علم ہوا جب چاقو کا پھل اس کی ران میں اتر چکا تھا۔ اس نے گھبرا کر ریوز کو چھوڑ دیا اور اس سے قبل کہ روفو یا جوزیز اسے وہ پارہ پکڑنے کی کوشش کرتے، وہ بھاگتا چلا گیا۔ وہ چیختا بھی جا رہا تھا۔ "پاپا... پاپا... وہ آپ کو قتل کرنے کی سازش کر رہے ہیں۔"

اس کی چیخیں سن کر کیمپ بہت جلد جاگ اٹھا۔ لوگوں نے اس پر سوالوں کی بوچھاڑ کر دی۔ ٹائیگر بھی باہر آ گیا۔ اس کے ہاتھ میں اعشاریہ ۴۵ تھا۔ مگر اس کی آمد سے قبل ہی لوگ غداروں کو پکڑنے کے لیے لپک چکے تھے۔

جوزیز زخمی تھا لہٰذا زیادہ دور نہ بھاگ سکا۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا روفو کے پیچھے دوڑنے اور اس کا ساتھ دینے کی کوشش کرتا رہا۔ تاہم جب وہ بے دم ہو گیا تو روفو نے اور چلانے لگا۔ اسے معاً ہی پکڑ سا آ گیا، جیسے زمین گھوم رہی ہو۔ وہ گر پڑا اور بے بسی سے روفو کے قدموں کی دھمک دور ہونے کی آواز سنتا رہا۔ پھر وہ طاقت ور افراد نے زخمی بھیڑیے کو کسی بچے کی طرح دبوچ لیا۔ کئی افراد جوزیز کی طرف دیکھے بغیر آگے نکل گئے۔ وہ روفو کے تعاقب میں تھے۔ انہوں نے روفو کو جلد ہی جا لیا۔ اسے باندھ کر جوزیز تک لایا گیا اور پھر دونوں غداروں کو کھینچ کر لاؤڈ سپیکر پہنچا دیا گیا۔ اب لاؤڈ سپیکر میں مزید لکڑیاں ڈالی جا رہی تھیں۔

ریوز بے حوش کے عالم میں دوسروں کو بتا رہا تھا کہ اس نے کیا سازش پکڑی ہے۔ لوگ جوزیز اور روفو پر لعن طعن کرنے لگے۔ باقی لوگ انہیں خشمگیں نظروں سے گھور رہے تھے۔

"اس کی بات نہ سنو۔" روفو نے گڑگڑاتے ہوئے کہا۔ "یہ ابھی بچہ ہے۔ ذرا سوچو کہ اس اجنبی کی وجہ سے ہمارے اپنے بچوں کی زندگی خطرے میں پڑ جائے گی۔"

"میری ماں، بھائی اور بہنیں ٹرنفو ہی میں ہیں۔" ریوز اچانک ہی بلبلا اٹھا۔ اس کی نظریں جوزیز اور روفو پر تھیں۔ "اگر ڈاکو ہے اور میرا خاندان مارا گیا تو پھر میرے زندہ رہنے کا کوئی جواز نہیں رہے گا۔ اگر مجھے مرنا ہی ہے تو پھر میں پاپا کے شانہ بشانہ لڑتا ہوا مروں گا۔ غداری نہیں کروں گا اور غداروں کی موت نہیں مروں گا۔" یہ کہتے ہوئے اس نے جوزیز اور روفو کے منہ پر تھوک دیا۔

"لڑکا ٹھیک کہتا ہے۔" لوئیس نے چلا کر کہا۔ "وہ اب تک

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ہمارے ناموں سے بھی واقف ہو گئے ہوں گے اور اگر ہم ٹرنفو واپس چلے بھی گئے تب بھی ان کے تہوار اور انتقام سے نہیں بچ سکیں گے۔ کیں کو ان سے لڑتے ہوئے مرنا پسند کروں گا۔"

"بالکل ٹھیک!" بہت سے لوگ ایک ساتھ بولے "لوئیس ٹھیک کہتا ہے۔"

"یہ دونوں غدار اور احمق ہیں۔" کسی نے کہا۔

"اور ان کی سزا یہ ہے کہ ان کے گلے کاٹ کر انھیں گدھوں کی خوراک بننے کے لیے چھوڑ دیا جائے۔" ریوز نے چلا کر کہا۔ وہ واضح طور پر غصے سے بے قابو ہو رہا تھا۔ غصے کی شدت کے باعث اس کی آنکھوں میں آنسو بھی تھے۔

"میری سنو!" ایک شخص نے جوزیز اور روفو کو گھورتے ہوئے کہا۔ "ان دونوں کو گولی مار دو۔"

اس کی اس تجویز پر تقریباً تمام لوگ متفق ہو گئے۔ ثبات میں سر ہلانے کے علاوہ "ہاں اور ابھی" کے نعرے بھی لگنے لگے مگر صرف ایک شخص نے اس تجویز کی مخالفت کی۔ یہ شخص بہت دیر سے خاموش کھڑا ہوا تھا اور یہ ٹائیگر تھا۔

"بس بہت ہو گیا۔" اس نے نرم لہجے میں کہا۔ تمام لوگ اس کی طرف پلٹ کر دیکھنے لگے۔ انھیں حیرت تھی کہ ٹائیگر اس تجویز کی مخالفت کر رہا ہے۔ "یہ لوگ اب ہمارے لیے کام کر سکتے ہیں۔" ٹائیگر نے انھیں سمجھاتے ہوئے کہا۔ "ان سے کل کام لیا جائے۔ اس طرح ہمارے لوگوں کو آسانی ہو گی۔"

ٹائیگر کی اس تجویز پر خاصی بحث ہوئی اور لوگوں کو اس پر متفق ہونے میں پورا ایک گھنٹہ لگ گیا۔

☆☆☆

اگلے روز سورج ڈھلنے کے نصف گھنٹے بعد ان کی چھوٹی سی فوج روانگی کے لیے تیار تھی۔ خانہ سازبموں کی بڑی تعداد ان کے پاس تھی۔ ان بموں میں کیلوں، شیشے کے ٹکڑوں اور کنکروں کی بھاری تعداد بھر دی گئی تھی۔ ہر بم کے ساتھ فیوز بھی منسلک تھا۔ سات آدمی ایک بھاری مشین گن اٹھائے ہوئے تھے۔ ان کا سفر آہستہ اور خاموش تھا۔ ان کی کوشش یہ تھی کہ ان کا آمنا سامنا ایڈم کی کسی پٹرول ٹیم سے نہ ہو جائے۔ سب سے زیادہ ضروری یہ تھا کہ وہ دبے پیروں ایڈم کی کمیں گاہ تک پہنچیں اور اچانک حملے کی حکمت عملی کا فائدہ اٹھائیں۔

انھوں نے جب مورچے سنبھالنے شروع کیے تو صبح کاذب کا وقت تھا۔ صحرائی چرند پرند نغمے الاپنے لگے تھے جب کہ ڈاکوؤں نے بیدار ہونے کے لیے کروٹیں لینی شروع کر دی تھیں۔ ریوز کی فوج نے حملے کی تیاریاں شروع کیں تو ایڈم کے آدمی مارچ کرتے ہوئے ٹرنفو کی طرف جا رہے تھے۔ ایڈم نے دو دو افراد پر مشتمل ٹیمیں بنا کر انھیں ہدایت دی کہ وہ فائرنگ والے کے لیے شکار منتخب کریں۔

ریوز کے آدمی اس صورت حال سے قدرے پریشان تھے۔ ان کے عزیزوں اور رشتے داروں کو ایڈم کے لوگ پکڑ پکڑ کر جمع کر رہے تھے پھر پانچ افراد کو ٹرنفو کے مرکزی چوک میں باندھا جانے لگا۔ ایڈم ان دوسرے دیہاتیوں کی طرف پلٹا، جو بیس افراد کے انتخاب کے بعد خود کو محفوظ سمجھتے ہوئے باہر آ گئے تھے۔

"تین دن گزر چکے ہیں۔" ایڈم نے قہر آلود لہجے میں کہا۔ "لیکن تم میں سے کسی نے بھی اجنبی اور قیدیوں کے بارے میں ہمیں کوئی اطلاع فراہم نہیں کی اور نہ ہی ان لوگوں کو ہمارے حوالے کیا گیا جو اجنبی کی مدد کر رہے ہیں۔ تمھیں اپنی ان غلطیوں کی بھاری قیمت ادا کرنی ہو گی۔ شاید اس سزا سے تمھیں اندازہ ہو جائے کہ ہم کتنے سنجیدہ ہیں۔ اب اپنے دوستوں کو مرتا ہوا دیکھو اور سوچو کہ اگر اب بھی خاموش رہے تو ہم کس حد تک جا سکتے ہیں۔" یہ کہہ کر وہ اپنے آدمیوں کی طرف پلٹا اور پانچ بندھے ہوئے قیدیوں کے سامنے فائرنگ اسکواڈ ترتیب دیا جانے لگا۔

ٹائیگر کے ساتھیوں نے سانس تک روک لی۔ ان کی نظریں ان دس افراد پر تھیں، جو فائرنگ اسکواڈ میں شامل تھے۔

"تیار۔" ایڈم نے دہاڑ کر اپنے آدمیوں کو حکم دیا۔

ہجوم میں سے جھنجھناہٹ کی آواز بلند ہونے لگی۔ لوگ اپنے سپاہیوں کی سلامتی اور کسی معجزے کے لیے دعائیں کر رہے تھے، وہ لوگ بھی دعائیں کر رہے تھے، جن کے ہاتھوں میں رائفلیں تھیں اور جو ایڈم کے آدمیوں پر نظریں رکھے ہوئے پوزیشن لیے ہوئے تھے۔

"بندوقیں بھرو۔" ایڈم نے پھر حکم دیا۔ اس بار قیدیوں کے رشتے داروں کی آنکھوں میں آنسو آنے لگے۔

"نن... نہیں...!" ایک بوڑھی عورت بہت زور سے چلائی۔ اس کے دونوں بیٹے موت کے قیدیوں میں شامل تھے۔

"خاموش رہ بڑھیا۔" ایک ڈاکو نے اس عورت کو دھکا دے کر گرا دیا۔

"نشانہ لو۔" ایڈم نے ہاتھ اٹھا کر شاہانہ انداز میں حکم دیا۔ "نوجوانو..."

فائرنگ اسکواڈ میں شامل ڈاکوؤں کو جیسے کانوں کا بھی وقت

نہیں مل سکا۔ "رک جاؤ" کہنے والا نہ جانے کون تھا لیکن جو کوئی بھی تھا، اس کے حکم پر ان کے پانچ بندوقوں کے گھوڑوں سے ہٹ گئے پھر ٹائیگر کے ساتھیوں کی رائفلیں ایک ساتھ گرجیں، گولیاں ایک ساتھ نکلیں، ایک ساتھ چلیں اور ایک ساتھ ان دس افراد کے جسموں میں پیوست ہو گئیں، جو جلاد کا کردار ادا کرنے والے تھے۔

ٹرنفو میں افراتفری پھیل گئی۔ دیہاتیوں نے فوراً ہی ادھر ادھر بھاگ کر دیواروں اور ٹیلوں کے پیچھے پناہ حاصل کر لی اور پھر گلیوں میں راستہ بند کرنے کے لیے بم گرنے لگے تاکہ ڈاکو بچ نہ ہو سکیں اور جوابی حملے کی کارروائی شروع نہ ہو جائے۔

ٹائیگر نے ایک شخص کو تیزی سے ان لوگوں کی طرف جاتے ہوئے دیکھا جو بندھے ہوئے تھے، وہ چونک اٹھا مگر پھر مطمئن ہو گیا کیونکہ وہ شخص ٹرنفو کا میئر تھا اور وہ قیدیوں کو کھول رہا تھا۔

اب جوابی فائرنگ شروع ہو چکی تھی لہٰذا ریوز کے آدمیوں نے پوزیشن بدل لی۔ انھوں نے بھی کمین کی طرف فائرنگ شروع کر دی، جہاں باقی ڈاکو پوزیشن سنبھالنے کی کوششیں کر رہے تھے۔ ایڈم اپنا پستول لہراتا ہوا بھٹی میں داخل ہوا اور پھر ایک عمارت سے دوسری عمارت تک بھاگ دوڑ کرنے لگا۔

حملہ آوروں کو بھون دو۔ وہ دہاڑ رہا تھا۔

ہٹلر کی تباہ حال اولاد کارل گستاف نے اپنی پیٹی میں اڈسے ہوئے بم نکال نکال کر ایڈم کی طرف اچھالنے شروع کر دیے۔ اس کی اس جنونی حرکت سے یہ فائدہ ہوا کہ ڈاکو ایک بار پھر منتشر ہو گئے۔ وہ فائرنگ کرتے ہوئے اپنے بیس کیمپ کی طرف پسپا ہونے لگے۔ ساتھ ہی قبرستان کی طرف سے بھی فائرنگ شروع ہو گئی لہٰذا وہ کراس فائر میں پھنسنے لگے۔ ٹائیگر نے ریوز کے ساتھیوں کو فی الفور شہر کے قلب تک چلے آنے کا حکم دیا۔ ریوز کی فوج تیزی سے فائرنگ کرتی ہوئی پیچھے ہٹی اور قبرستان کی طرف آنے لگی۔ اس دوران میں ٹائیگر اور کارل گستاف ایک ساتھ ہو گئے۔ ٹائیگر نے اشاروں سے اور اسلحہ ہلا ہلا کر سگنل دیے۔ فوج دو حصوں میں تقسیم ہو گئی۔ ایک حصے نے ڈاکوؤں کو الجھائے رکھا اور دوسرا حصہ خشک نہر کی طرف بڑھ گیا۔

"کمال ہے۔" کارل گستاف چلایا۔ "یہاں تو مشرقی محاذ سے زیادہ لطف آ رہا ہے۔" یہ کہتے ہی اس نے گولی چلائی اور وہ ڈاکو چیخ کر گر پڑا، جو نہر میں مزاحمت کے ارادے سے داخل ہو رہا تھا۔

"اچھا... تو تم نے جنگ میں حصہ لیا تھا؟" ٹائیگر حیرت سے بولا۔ "مگر ایک بار تم نے کہا تھا کہ ان دنوں تم بہت کم عمر تھے، ماں کے سامنے تو یہی کہتے رہے تھے۔"

"ارے کیں ایس ایس میں شامل تھا... وافن ایس ایس میں... اور ماں کو جھوٹ اسرائیلی ہے لہٰذا میں نے اس کے سامنے اس کا ذکر کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ اسرائیلی پاگل ہوتے ہیں۔ ممکن تھا کہ وہ مجھے قتل کرانے کے لیے ڈاکوؤں سے ہی مل جاتی۔ یہودی قومی چونکہ قصاب ہوتے ہیں لہٰذا انھیں علم ہی نہیں کہ مہذب معاشروں میں قصاب اور قومی الگ الگ ہوتا ہے۔"

ڈاکوؤں نے اچانک ہی دباؤ بڑھانا شروع کر دیا۔ اب چھ مقامی آدمی اور دو غیر ملکی ان کے اس دباؤ کو برداشت کر رہے تھے لیکن جب دباؤ بہت بڑھنے لگا تو ٹائیگر نے انھیں پوزیشن بدلنے کا اشارہ کیا۔ اسے خود حیرت تھی کہ وہ ریوز کی فوج ہی پر انحصار کیوں کر رہا ہے، خود کارروائی کیوں نہیں کرتا لیکن وہ مطمئن تھا کہ ان ڈاکوؤں کے مقابلے میں سناتجو کے فن کا استعمال زیادتی ہو گی۔

ایڈم نے اب آٹومیٹک ہتھیاروں کا استعمال بھی شروع کر دیا تھا۔ ریوز کی فوج اس کے لیے بہرحال تیار نہیں تھی لہٰذا دو افراد فوراً ہی مارے گئے۔ ریوز کے باقی آدمی پسپائی پر مجبور ہو گئے۔ کارل گستاف اب ٹائیگر سے الگ ہو کر اسی ٹولی کی قیادت کر رہا تھا۔ اسے کے ۴ کی آواز فضا میں گونجی تو یہ ٹولی ایک خطرناک موڑ سے پسپا ہو رہی تھی۔ اس ٹولی کی کوشش یہ تھی کہ وہ خشک نہر میں پھنس کر نہ رہ جائے۔

ڈاکو اس کامیابی پر خوشی سے دیوانے ہو گئے۔ وہ نعرے لگاتے ہوئے آگے بڑھے لیکن جونہی وہ خطرناک موڑ سے گزرے ان میں افراتفری پھیل گئی۔ پیچھے ہٹنے کی کوشش میں وہ ایک دوسرے سے الجھ گئے۔ ان کے سامنے ایک عجیب سی چیز تھی، جو ہاتھ گاڑی پر رکھی ہوئی تھی۔ اس کی تین بڑی نالیاں تھیں، جو توپوں سے مشابہت رکھتی تھیں۔ ان توپوں اور ڈاکوؤں کے درمیان محض ساٹھ گز کا فاصلہ تھا۔ ان توپوں کے پیچھے وہی اجنبی کھڑا تھا، جس کے فرار کی وجہ سے یہ قیامت آئی تھی۔ ابھی وہ پسپائی کے لیے پلٹے ہی تھے کہ اس اجنبی کے ہاتھ حرکت میں آئے اور تینوں توپیں گرجنے لگیں۔ ان پر کیلوں، پتھروں اور شیشے کے ٹکڑوں کی بارش ہو گئی۔ ساتھ ہی بارود بھی پھٹنے لگا۔ ڈاکو خاک و خون میں غلطاں ہونے لگے۔ ہڈیوں اور گوشت کے لوتھڑے فضا میں اڑنے لگے۔ اعضاء کٹ کٹ کر خوفناک رقص کرنے لگے۔ پیچھے آنے والے ڈاکوؤں کی معقول تعداد بہرحال بچ گئی، جو افراتفری میں پسپا ہوتی چلی گئی اور

ندیم

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

پھر وہ اُس جگہ پہنچ گئے، جہاں ٹائیگر انہیں دیکھنا چاہتا تھا۔ ٹائیگر نے اشارہ کیا اور ڈائنامائٹ کے فلیتوں کو آگ دکھا دی گئی۔ محض ایک ہی منٹ بعد لگاتار چار پانچ خوفناک دھماکے ہوئے۔ ٹیلے، پتھر اور مٹی اُڑنے لگی، ڈاکوؤں پر ٹہنیوں، پتھروں اور مٹی کی بارش ہونے لگی۔ اُن میں سے بیشتر زندہ دفن ہو گئے۔

ریوز کی فوج رقص کرتی ہوئی خشک نہر کی سمت میں پھیل گئی۔ اُن میں سے بیشتر اگرچہ زخمی تھے مگر انہیں اس شاندار فتح کے باعث زخموں کی کوئی فکر نہ تھی۔ وہ ٹائیگر کی ہدایت کے مطابق مقررہ راستے پر چلنے لگے۔ اُن کے چہروں سے خوشی ظاہر تھی۔ وہ ہنس رہے تھے اور انہیں یہ فکر نہ تھی کہ مزید ڈاکو کہیں آس پاس موجود ہو سکتے ہیں۔

کہانی کے اُوپر پہنچ کر وہ درختوں کے جھنڈ کی طرف بڑھ رہے تھے کہ اچانک ہی ٹائیگر کو احساس ہوا کہ ایڈم نے انہیں گھیر سلسلہ کے لیے آدمی بھیج دیے ہیں۔ اس نے ابھی لوگوں کو ہوشیار کرنا چاہا ہی تھا کہ درختوں میں سے اچانک فائرنگ شروع ہو گئی۔ ایک آدمی تو فوراً ہی چیخ مار کر گر پڑا۔ اُس کے سینے سے خون کا فوارا بلند ہو رہا تھا۔ دوسرے لوگوں نے آٹومیٹک ہتھیاروں کی آواز سنتے ہی منتشر اور بکھرنا شروع کر دیا۔ اُسی وقت ٹائیگر نے یہ بھی دیکھا کہ ہدایت کے برخلاف ریوز بھی لشکر کے ساتھ ہے۔

ریوز ایک پتھر کی اوٹ سے نکل کر فائرنگ کی سمت میں ہی دوڑ رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک دستی بم تھا جس سے دھواں نکل رہا تھا جونہی وہ حملہ آوروں سے چند فٹ دور رہ گیا تو اُس نے بم اُچھال دیا۔ بم ابھی فضا میں ہی تھا کہ ایک حملہ آور نے ریوز کی طرف آٹومیٹک سے فائر شروع کر دیا۔ برسٹ ریوز کے سینے پر لگا اور ریوز .. دو فٹ اُچھل کر دُور جا گرا۔ بم پھٹا تو درخت جڑوں سمیت اُکھڑ گئے۔ حملہ آوروں میں کچھوں پتھروں اور شیشے کے ٹکڑوں کی وجہ سے افراتفری مچ گئی۔ کیلیں تیروں کی طرح کسی کی آنکھ میں گھسیں اور کسی کے پیٹ میں۔

ٹائیگر لپک کر ریوز تک پہنچا جس کے سینے میں تین سوراخوں سے تازہ اور سرخ لہو نکل رہا تھا۔ اُس نے بڑی احتیاط سے ریوز کو اپنی گود میں بھرا اور اُسے واپس لے کر آیا۔ ریوز کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں اُن میں چمک تو تھی لیکن درد بھی تھا۔ اُس نے بولنا چاہا مگر چند الفاظ ہی نکل سکے "وہ تھے... مجھے... آنا ہی تھا... میں بھی جنگ میں حصہ لینا... چاہتا تھا"

بدلو مت" ٹائیگر نے سخت لہجے میں اُس سے کہا "آرام سے لیٹے رہو ہم تمہاری مرہم پٹی کا انتظام کرتے ہیں"

"بہت درد ہو رہا ہے" ریوز کا چہرہ بگڑنے لگا "مجھے... مجھے... سردی لگ رہی ہے... تم... تم... میرے... والد ہو... تا... حقیقی... والد...!"

ٹائیگر نے لڑکے کے چہرے کی طرف بغور دیکھا۔ لڑکے کی آنکھوں میں اب موت کے سائے داخل ہونے لگے تھے۔

"تم... تم... میرے... پاپا... ہو... تا...؟" ریوز کی حالت اب بگڑنے لگی تھی۔

"ہاں...!" ٹائیگر نے اُس کا ٹھنڈا ہاتھ تھام لیا "میں تمہارا پاپا ہوں دوست... سچا پاپا"

"آہ، مجھے کتنا سکون مل رہا ہے" ریوز کا لہجہ غیر معمولی طور پر مضبوط ہو گیا۔ چہرے پر سُرخی دوڑ گئی اور سوکھے ہوئے ہونٹوں پر مسکراہٹ... "میں... کتنا خوش قسمت ہوں"

"جب تم ٹھیک ہو جاؤ گے تو ہم کہیں دُور گھومنے چلیں گے" ٹائیگر نے اس کا ہاتھ سہلاتے ہوئے کہا۔ اُسے بڑا عجیب سا لگ رہا تھا "تم آرام کرو میرے بیٹے"

ریوز، ٹائیگر کے مُنہ سے اپنے لیے "میرے بیٹے" کے الفاظ نہیں سُن سکا کیونکہ اُس کی آنکھیں پتھرا چکی تھیں اور مسکراہٹ چہرے پر جم کر رہ گئی تھی۔ ٹائیگر نے اُس کے چہرے پر ہاتھ پھیر کر اُس کی آنکھیں بند کیں اور پھر لاش کو اپنی باہوں میں بھر کر اُٹھا لیا۔ اب وہ عجیب سے انداز میں چل رہا تھا۔ اُس کی آنکھوں میں بار بار نمی آ رہی تھی۔ اب باقی تمام لوگ سر جھکائے ہوئے اُس کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔ اُن سب کو یہی لگ رہا تھا کہ ایک دل گرفتہ باپ اپنے بیٹے کی لاش گود میں بھرے اُسے دفن کرنے کے لیے جا رہا ہے۔

اُنھوں نے ریوز کو انتیلو کے غار میں بطور امانت دفن کر دیا۔ ہر شخص ریوز کی اچانک موت پر اُداس تھا۔ انہیں ٹائیگر کے وہ جملے یاد تھے جو اُس نے ریوز کی قبر پر کہے تھے۔

"میں واپس جا رہا ہوں۔ اب مجھے ایڈم سے ذاتی دشمنی ہو گئی ہے۔ اُس نے ایسے لڑکے کو قتل کیا ہے جو میرے لیے چھوٹے بھائی اور بیٹے کی طرح تھا۔ یہ قطعی ذاتی مسئلہ ہے۔ میں اس کا انتقام لوں گا اور انتقام لینے کے لیے مجھے کسی مدد کی ضرورت نہیں"

ٹائیگر اس وقت ریوز کی قبر سے کچھ دُور ٹیک لگائے ہوئے بیٹھا تھا تب ہی اُسے عقب میں ہلکے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ اُس نے پلٹ کر دیکھا آنے والا جوزیر تھا۔ "سینور..." اُس نے گھٹنوں کے بل بیٹھ کر کہا

ایک پراسرار ایڈونچر ناول
طلسم زادی ایم۔ اے راحت
روشنی کی دنیا سے دور پراسرار دنیا کی کہانی، جہاں مافوق الفطرت زندگی کا دور دورہ تھا۔ دو دشمنوں کی عجیب داستان، جنہوں نے جب ایک دوسرے کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا، تو ایک ناقابل یقین کہانی نے جنم لیا۔
جلد اول قیمت =/150 روپے جلد دوئم قیمت =/150 روپے
مکتبہ القریش سرکلر روڈ
اردو بازار لاہور 7668958

سحر و اسرار کی روئگٹے کھڑی کر دینے والی داستان
خبیث
ایک پراسرار مورتی کے حصول کے لئے ہونے والے خوفناک معرکے کا احوال
انوار صدیقی کی ایک نئی اور چونکا دینے والی کہانی
قدم قدم ایک منظر حیرت اثار، لمحہ لمحہ رنگ بدلتے اطوار
گناہ کی داسیوں کی مستیاں، حرص و ہوس کے پجاریوں کے چمتکار
پانچ حصوں میں مکمل سیٹ قیمت =/200 روپے
ناشر: مکتبہ القریش
سرکلر روڈ اردو بازار لاہور نمبر 2
7668958

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کہو، میں تمہارے ساتھ چلوں گا۔" جوزیز زہر کو دینے لگا۔ "اس طرح میں غداری کا داغ بھی مٹانا چاہتا ہوں۔"

"سنو جوزیز!" ٹائیگر نے کچھ کہنا چاہا۔

"جوزیز درست کہہ رہا ہے سینور۔" دائیں طرف سے نوئیس کی آواز آئی اور ٹائیگر ایک طویل سانس لے کر رہ گیا۔

"تم...!" اس نے مسکرا کر کہا۔

"ہاں سینور... یہ میں ہوں... ہم سب تمہارا ساتھ دینا چاہتے ہیں۔ ہمیں ریوز پر فخر ہے، وہ میکسیکو کے بہادر لی حیثیت سے کام آیا۔" ٹائیگر نے ان دونوں کو غور سے دیکھا۔ وہ ان کے دل میں جھانک رہا تھا اور جب وہ مطمئن ہو گیا تو مسکرا کر بولا۔ "ٹھیک ہے، ایسا لگتا ہے جیسے میرے پاس اس تجویز کو قبول کرنے کے سوا اور کوئی راستہ نہیں... لیکن نوئیس... سنو! تم میرے سیکنڈ ان کمان ہو، تمہیں دوسروں کی حفاظت کرنے کے لیے یہاں رہنا ہوگا۔ ہم نصف شب کے بعد یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔"

☆

"یہ کیا ہے؟" البیرن کسی زخمی شیر کی طرح دہاڑا۔ اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔ وہ پندرہ منٹ پہلے ہی گئے تھے اور اب واپس آیا تو یہ کیا دیکھ رہا ہوں؟"

البیرن بہت کامیاب و کامران واپس آیا تھا۔ بیک کی تینوں کمپنیاں کامیاب رہی تھیں۔ وہ اپنے ساتھ تیس نئے آدمی بھی لے کر آیا تھا اور اسے میکسیکو کی حکومت نے یہ یقین دہانی بھی کرائی تھی کہ وہ اس سے یرغمالیوں کی رہائی کے لیے مذاکرات کرے گی۔

ان تمام کامیابیوں کے بعد اب وہ شکست کے زخم چاٹ رہا تھا۔ جیٹی کے ہال میں وہ ایڈم کے ساتھ اکیلا تھا اور ایڈم نے اسے تمام حالات بتا چکا تھا۔

"صرف تیرہ افراد باقی ہیں؟" وہ پیر پٹخ رہا تھا۔ "میں تمہیں ۴۳ افراد کا نگراں بنا کر گیا تھا۔ اب صرف تیرہ باقی رہ گئے ہیں؟ قیدی فرار ہو گئے ہیں، بچے ہوئے تیرہ افراد میں سے پانچ سے زیادہ زخمی ہیں۔ تم... تم نااہل ثابت ہوئے ہو۔ اس کی سزا یہی ہے کہ تمہیں گولی مار دی جاتی... نہیں... تمہاری کھال اتار دی جاتی، تمہیں ذبح کر دیا جاتا۔"

"ل... لیکن اعلیٰ حضرت البیرن!! اس میں صرف میری غلطی تو نہیں... ذرا یہ تو دیکھیں۔" ایڈم نے کئی تیر اس کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

"تو؟ ٹھیک ہے... مگر تم کیا کہنا چاہتے ہو؟" البیرن نے خفگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

"یہی کہ ایسے تیر ہمارے علاقوں میں نہیں بنتے۔ یہ غیر ملکی انداز کے تیر ہیں۔ مجھے شبہ ہے کہ ہمارے دشمنوں میں کوئی غیر ملکی بھی شامل ہے۔"

"ہیک اور تھ؟" البیرن نے اس کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"اس کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"وہ یقیناً عام آدمی نہیں اعلیٰ حضرت!" ایڈم نے کہا۔ "وہ وہ نہیں جو نظر آتا ہے۔ میں تو یہ بھی کہنا چاہتا ہوں کہ وہ جان بوجھ کر ہمارے علاقے میں آیا تھا۔ وہ انتہائی جدید خطوط پر تربیت یافتہ ہو سکتا ہے اعلیٰ حضرت... لڑائی کے ہر فن میں طاق ہے، ہم نے یہاں امیروں اور نرم و نازک لوگوں کو قید رکھنے کی تیاریاں کی تھیں مگر کسی ایسے شخص کو قید رکھنے کی منصوبہ بندی نہیں کی تھی، جو فن حرب میں ماہر ہو۔ وہ پلے بوائے نہیں ہو سکتا کیونکہ کوئی بھی پلے بوائے مزاحمتی گروہ تشکیل نہیں دے سکتا اور نہ ہی اتنی تباہی پھیلا سکتا ہے۔"

"ہوں۔" البیرن غرا کر رہ گیا۔

"آپ ۴۳ افراد یہاں چھوڑ گئے تھے، ہمارے پاس جدید ترین اسلحہ بھی تھا اور گولہ بارود بھی لیکن وہ صرف پندرہ بیس تھے انہوں نے بیک ورتھ کے فرار کے تین دن کے اندر اندر حملہ کر دیا۔ کیا کوئی پلے بوائے ایسا کر سکتا ہے؟"

البیرن نے مٹھیاں بھینچ لیا۔ وہ انتہائی غصیلے انداز میں پیر پٹخ رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر بیک ورتھ غیر ملکی ایجنٹ ہے تو وہ ڈاکوؤں میں اتنی دلچسپی کیوں لے رہا ہے؟ تمہیں بیک ورتھ کے بارے میں مزید کچھ معلوم ہے ایڈم؟" اس نے پوچھا۔

"نہیں، میں اس کے بارے میں صرف اندازے ہی لگا سکتا ہوں اعلیٰ حضرت البیرن۔"

"ٹھیک ہے۔" البیرن نے طویل سانس لے کر جواب دیا۔ "ٹھیک ہے... اگر وہ اتنی تربیت سے مملو کر سکتا ہے تو پھر بہترین طریقہ یہ ہے کہ اس کا پیچھا کیا جائے، آدمی ہمارے پاس ہیں اور وہ اتنی دور نہیں گیا ہوگا کہ ہماری پہنچ ہی سے نکل جائے۔ ہم تمام علاقے چھان ماریں گے، آدمیوں کو تیار رہنے کا حکم دو۔"

ایڈم نے بہت دیر بعد سکون کی سانس لی، ورنہ وہ تو یہ ہی سوچ بیٹھا تھا کہ آج البیرن اس کی کھال کھنچوا دے گا۔

"بہت بہتر اعلیٰ حضرت...!" اس نے خوشی اور نفرت کو چھپاتے ہوئے کہا۔

بھٹی کے قریب ایک پہاڑی میں مورچے بنائے ہوئے ٹائیگر اور اس کی اسٹرائک فورس نے البیرن اور اس کے نئے آدمیوں کی واپسی بھی دیکھ لی تھی۔ مزید پندرہ ڈاکوؤں کی آمد سے حالات نیا رخ اختیار کر گئے تھے۔

صبح ہوئی اور پھر سورج طلوع ہو گیا۔ ٹائیگر نے فی الفور اندازہ لگایا کہ حالات کس کے حق میں ہیں۔ گزشتہ روز کے اس چھاپے میں جب قیدیوں کو پھانسی سے بچایا گیا تھا، ان کے ہاتھ مال غنیمت میں نئے ہتھیار تو لگے تھے لیکن مسئلہ گولیوں اور میگزین کا تھا۔

ایڈم بھی نئی صف بندی کر رہا تھا۔

ٹائیگر کا ذہن بھی تیزی سے کام کر رہا تھا۔ اس نے کارل گستاف سے ملاقات کی جس نے حملے میں ساتھ دینے کا اصرار کیا۔ دوسرے لوگ بھی مسلح ہو گئے۔ پہاڑی سے نیچے ہونے والی سرگرمیاں دیکھ کر ٹائیگر نے انہیں منصوبے میں تبدیلی سے مطلع کیا۔

"ہم دو طرفہ حملہ کریں گے۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "نیچے کے حالات سے صاف ظاہر ہے کہ البیرن اپنے آدمی لے کر یوریے علاقے کی تلاشی لینا چاہتا ہے گا۔ وہ یقیناً انتیتو کے غاروں کی طرف بھی جائیں گے اور میں یہ نہیں چاہتا کہ وہ وہاں قدم بھی رکھیں۔ تم ڈاؤسن اور چار بہترین آدمی لے جاؤ کارل... داوی کے دوسری طرف نکلو اور لاپانڈی طرف چلتے رہو۔ دوسرا گروپ میں لے جاؤں گا اور ہلکے پھلکے حملے کروں گا تاکہ ان کی توجہ بٹ جائے۔ میری کوشش ہوگی کہ انہیں اس وقت تک الجھائے رکھوں، جب تک تم سڑک کے اس پار نہ پہنچ جاؤ۔ اس کے بعد تم اپنے طور پر فیصلہ کرو گے۔ اس کے بعد ہم بھی یہاں سے نکل کر اسی راستے پر چلیں گے تاہم ہماری کوشش یہ ہوگی کہ تمہارے متوازی چلیں اور ہمارے درمیان نصف گھنٹے کا فاصلہ رہے... اگر یہ حکمت عملی کامیاب رہی تو ان کی نفری کا بڑا حصہ ہمارے پیچھے لگ جائے گا اور اس طرح تمہیں اتنی مہلت مل جائے گی کہ تم میکسیکو کے مقام سے مل کر یہاں ان کا مکمل خاتمہ کرا سکو۔"

"مگر اس طرح تمہارے پاس صرف چھ آدمی رہ جائیں گے تم اس فوج کے خلاف کس طرح قدم جمائے رکھو گے؟" کارل نے اعتراض کیا۔

"ہمارے پاس تین ملے کے بم اور تقریباً بارہ سو راؤنڈ... ہم دور مار اسلحوں کا بہترین استعمال کرنے کی کوشش کریں گے پھر ان چند بموں کا استعمال انہیں اس شبہے میں ڈال دے گا کہ امریکی فوجیں اتر آئی ہیں۔"

"ٹھیک...!" کارل گستاف نے سر ہلا کر کہا۔

"لیکن یاد رکھو کہ تمہیں راستے میں ان سے ٹکرانے سے گریز کرنا ہے۔ یہاں حالات کتنے ہی خراب کیوں نہ ہوں، تم لبھی پر انگلی نہیں رکھو گے۔ تمہیں لوگوں کو لے کر بہر حال لاپاز پہنچنا ہے۔" ٹائیگر کا بھیجہ بہت ٹھوس اور میدان جنگ میں معروف کمانڈر سے مختلف نہیں تھا۔

"کمال ہے، تم پلے بوائے بہر حال نہیں ہو دوست!" کارل گستاف نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر کہا۔

"وہ تو میں ہوں۔" ٹائیگر بھی ہنس پڑا۔ "لیکن کبھی کبھی مجھے احساس ہوتا ہے کہ میں پلے بوائے کے علاوہ بھی کچھ اور ہوں۔"

کچھ دیر بعد کارل گستاف اپنے آدمیوں کو لے کر خاموشی سے نکل گیا۔ ٹائیگر کے پاس صرف چھ آدمی رہ گئے جن کو البیرن کی تازہ فوج سے مقابلہ کرنا تھا لیکن شاید کسی کو بھی یہ علم نہ تھا کہ ٹائیگر کو ان چھ افراد کی بھی ضرورت نہیں، وہ تو اپنی ذات میں تنہا دنیا کی تہذیب سے مہلک فوج ہے۔

☆

البیرن ایک لمحے کے لیے کانپ کر رہ گیا کیونکہ ایک گولی اس کے سر کے اوپر محض ایک انچ کے فاصلے سے گزری تھی۔ اس گولی نے اس شخص کو شکار کیا، جس سے وہ باتیں کر رہا تھا۔ اس کے فوراً بعد بڑے بور کی گن کا دھماکا سنائی دیا۔ اسی کے ساتھ البیرن

دیوتاؤں کے شہر نیپال میں بسنے والے
ایک درندے کی پراسرار داستان
درندہ
یعقوب جمیل کے ہوشربا قلم سے جس کا
قارئین کو برسوں سے انتظار تھا
مکتبہ القریش سرکلر روڈ اردو بازار لاہور
فون 7668958

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

سنے پہنچنے کے لیے ایک طرف چھلانگ لگادی۔ وہ زمین پر گرا اور لوٹنا چلا گیا۔ اس کی آنکھیں حملہ آور کو تلاش کر رہی تھیں۔

مہیب ماحول موت کے فقہوں سے گونج اٹھا۔ آتشیں ہتھیاروں کی آوازیں گونجنے لگیں۔

"نجمت..." البیرن ان آوازوں کو بہت اچھی طرح پہچانتا تھا۔ یہ اس کے آدمیوں سے چھینے گئے ہتھیار میرے کی خلاف استعمال ہو رہے تھے۔

اس نے فائرنگ کی آواز کی تلاش کی کوشش میں گھاس [illegible] کا نام نہیں جانتا تھا۔ اس نے بندوقچیوں کی پسپائی کا کام سنبھال لیا تھا۔ اس نے [illegible] پر فائرنگ ہو رہی تھی۔ وہ اس طرف [illegible] اس طرف ڈاکو مائنات بھی پیچھے لگے... وہ ڈاکوؤں سے [illegible] آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ [illegible] سمجھ گیا تھا کہ اس پر دونوں طرف سے حملہ شروع ہو گیا ہے۔

البیرن نے اپنے ساتھ چند افراد کو لے کر وہ ڈھلان کی طرف دوڑ لگادی۔ اس کا رخ امریکی قبرستان کی طرف تھا۔ اس نے بہت زور سے جنگی نعرہ بلند کیا جسے سن کر اس کے آدمیوں میں جوش و خروش پیدا ہو گیا۔ وہ بڑھ بڑھ کر حملے کرنے لگے۔

البیرن نے اچھل کر دوڑتے ہوئے اپنے چند آدمی جمع کیے اور مسلسل ایسے نعرے لگاتا رہا جن کو سنتے ہی اس کے باقی غنڈوں کے حوصلے بلند ہو جایا کرتے تھے۔ ان نعروں کا واقعی اثر ہوا اور اس کے آدمی بڑھ بڑھ کر حملے کرنے لگے۔ وہ مخالف لشکر کے چند لوگوں کو زخمی کرنے میں کامیاب بھی ہو گئے۔

اب پیچھے ہٹنے لگے تھے۔ یہ بھرپور حملہ لگ رہا تھا، لیکن اب ڈاکوؤں کی قیادت بھی البیرن کے پاس تھی اور اسے یقین تھا کہ وہ ناکام نہیں ہو گا۔ اس نے ایک بار پھر حربی نعرہ بلند کیا اور اس کے آدمی آگے بڑھنے لگے۔

اوپر سے ہونے والی فائرنگ کی شدت کم ہونے لگی۔ صرف ستر گز کا فاصلہ اور طے کرنا تھا۔ اس نے ایڈم کے ساتھیوں کی طرف دیکھا جو ایک سمت سے آ رہے تھے۔ البیرن کو بلندی پر بھاگتے ہوئے لوگ نظر آئے۔ اس کا دل خوش ہو گیا۔ اس کے آدمی اب تقریباً قبرستان کی دیوار کے قریب پہنچ چکے تھے۔ ان میں سے بعض تو دیوار پر چڑھنے بھی لگے تھے لیکن یہ جانے کیا ہوا کہ دیوار ریم کی طرح پھٹی اور اڑنے لگی۔ پتھر اور مٹی اس کے آدمیوں پر گرنے لگی۔ وہ حواس باختہ ہو گیا۔

"چلو..." وہ غرایا۔ "واپس آؤ۔" اس نے چلا کر اپنے ساتھیوں کو حکم دیا۔

☆

"صف بندی کرو۔" ٹائیگر نے ہاتھ اٹھا کر حکم دیا۔ انھیں اس حد تک کامیابی ہو چکی تھی کہ وہ ڈاکوؤں کو تڑ نفوسے تین میل دور تک کھینچ کر لے آئے تھے۔ انھوں نے ایک خاص سمت میں سفر جاری رکھا تھا اور پھر جنوب کی طرف پلٹ گئے تھے۔ اسی سمت میں انتینو کے غار واقع تھے۔ اب صرف پانچ سو گز دور وہ سڑک تھی جو لاپاز جاتی تھی۔

ڈاکوؤں کے ایک بڑے گروپ نے براہ راست تعاقب کی حکمت عملی کچھ دیر قبل ترک کی تھی۔ ٹائیگر نے اس گروپ کو کیمپ کی طرف واپس جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ تاہم اس کے پاس اتنا وقت اور اتنی نفری نہیں تھی کہ وہ حکمت عملی میں اس تبدیلی کی وجہ کا اندازہ لگا سکتا۔

جب وہ سڑک کی طرف جانے کے لیے پہاڑی راستے سے اترنے لگے تو تب ہی انھیں اندازہ ہوا کہ البیرن نے حکمت عملی میں کیوں تبدیلی کی ہے؟

پختہ سڑک پر دو میل دور چند گاڑیاں کھڑی ہوئی تھیں اور سورج کی روشنی میں ٹائیگر واضح طور پر دیکھ سکتا تھا کہ ان گاڑیوں میں سوار کئی افراد کے پاس دوربینیں بھی ہیں۔ مطلب صاف ظاہر تھا۔ البیرن کسی اور راستے سے پہلے ہی سڑک تک پہنچ کر ان کا راستہ بند کر چکا تھا۔ ٹائیگر نے اپنی فورس کو بریفنگ کے لیے جمع کر لیا۔

"جب تک ہم سنگلاخ علاقوں میں رہیں گے، اس وقت تک یہ لوگ ہمیں نہیں پکڑ سکتے کیونکہ اس کے لیے ضروری ہو گا کہ وہ گاڑیاں چھوڑ کر پیدل آئیں اور اگر یہ پیدل آئیں گے تو ان کے کئی افراد مارے جائیں گے۔ اب صورت حال یہ ہے کہ ہمیں بہرصورت آگے جانا ہے۔ ہماری حکمت عملی یہ ہو گی کہ ہم چلتے رہیں اور اگر حملہ ہو تو آگے بڑھنے کے ساتھ ساتھ جواب بھی دیتے رہیں۔"

وہ آگے بڑھتے رہے لیکن پھر برسائی خشک قدرتی نالوں نے ان کا راستہ روک لیا۔ ابھی تک البیرن اور اس کے آدمیوں کی گاڑیاں ان سے دور تھیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ٹائیگر جس راستے پر سفر کر رہا تھا، اس پر براہ راست حملہ کرنا ممکن نہ تھا۔

دو افراد ایک جگہ رک کر آسمان کا جائزہ لینے لگے۔

ٹائیگر کے باقی ساتھی بھی رک کے تو انھیں بھی آسمان سے گڑگڑاہٹ کی آواز سنائی دینے لگی۔ ٹائیگر کی نظریں بھی آسمان کی طرف اٹھ گئیں۔ اسے بہت بلندی پر ایک طیارہ نظر آیا۔ اس نے فوراً پہچان لیا۔ یہ ایف ۸، ایف ٹائپ تھا۔ مطلب یہ تھا کہ میکسیکو کی ائر فورس بھی میدان میں نکل آئی ہے لیکن بہتر حالت میں اور پوری تیاریوں کے ساتھ نہیں۔ ٹائیگر کے حساس کانوں نے اندازہ لگا لیا کہ طیارے کے انجن کی آواز اچھی نہیں۔ اس میں کوئی خرابی ضرور ہے اور پھر اسے یقین ہو گیا جب طیارہ چکر لگانے لگا۔ ہوا باز یقیناً لینڈنگ کے لیے مناسب جگہ کی تلاش میں تھا۔

طیارے کے انجن ایک لمحے کے لیے بند ہوئے اور پھر دوبارہ چلنے لگے۔ طیارہ اب کراس ونڈ پر دو سے سڑک کی طرف آ رہا تھا۔ ٹائیگر کو یقین ہو گیا کہ پائلٹ سڑک پر ہی طیارہ اتارنے کا ارادہ کر چکا ہے۔

دیکھتے ہی دیکھتے طیارہ پختہ سڑک پر اتر گیا اور جلد ہی ایک جگہ رک گیا۔ ٹائیگر کا خیال تھا کہ البیرن طیارے تک پہنچنے کی کوشش نہیں کرے گا لہٰذا اس نے اپنے لوگوں کو ہدایت کی کہ وہ تیزی سے طیارے تک پہنچنے کی کوشش کریں۔ محض سرسری نظر سے ہی اسے احساس ہو گیا کہ البیرن ان کی نقل و حرکت دیکھ چکا ہے۔ اس نے ان کی حکمت عملی کا بالکل ٹھیک اندازہ لگایا تھا لہٰذا گاڑیاں آہستہ آہستہ چلنے لگیں جبکہ پیدل چلنے والے بعض افراد اور فورڈ وہیل گاڑیاں ان سے الگ ہو کر اس طرف آنے لگیں جس طرف وہ چل رہے تھے۔ ٹائیگر کے لوگوں کی قمیصیں پسینے سے کالی ہو رہی تھیں، آنکھیں چمک رہی تھیں اور چہرے پسینے سے تر ہو رہے تھے تاہم ٹائیگر بار بار انھیں مزید تیز چلنے کی تلقین کر رہا تھا۔

ابھی تک طرفین میں سے کسی نے بھی گولی نہیں چلائی تھی۔ ان کے درمیان محض چند سو گز کا فاصلہ رہ گیا تھا اور طیارہ ان کے درمیان کھڑا تھا... پھر اچانک ہی سامنے سے آنے والے پلٹ گئے اور عقب سے ایک ٹولی تیزی سے ان کے پیچھے لپکی۔ ٹائیگر کے لیے یہ بہترین موقع تھا۔ اس نے فوراً ایک ٹیلے کی طرف اشارہ کیا۔ اس کے تمام ساتھی اسی ٹیلے کی آڑ میں سمٹ گئے۔ ٹائیگر نے اے کے ۴۷ بردار دو افراد کو ہدایت کی کہ وہ یہاں مورچے سنبھال لیں اور باقی افراد کو لے کر طیارے کی طرف لپک گیا۔

بغداد کی رات

قمر اجنالوی

الف لیلیٰ کی ایک ہزار راتوں سے زیادہ حسین و رنگین رات، دجلہ اور نیل کے دامنوں میں لپٹی ہوئی رات جسے بے شمار کتابوں کے حوالوں سے آراستہ کیا گیا ہے

1200 صفحات — قیمت 600/-

بک کارنر شیش محل روڈ، لاہور

"ہیلو! میں تمھارا دوست ہوں۔" اس نے پائلٹ کے خوفزدہ چہرے کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔ ہوا باز کی حالت خراب تھی۔ وہ انجن ٹھیک کرنے کی کوشش میں پسینے پسینے ہو رہا تھا۔

"شکریہ سینور!" انجن سے سر اٹھا کر ہوا باز نے کہا۔ اس کے ہاتھ میں ایک اسکرو ڈرائیور تھا۔

"کیا یہ ہمارا فیول لائن ہے؟" ٹائیگر نے ایک ٹیوب لائن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

"اوہ!" ہوا باز اسے غور سے دیکھ کر بولا۔ "میرا خیال ہے کہ آپ بھی ہوا باز ہیں سینور!"

"بالکل..." ٹائیگر نے ہنس کر کہا اور پھر اعشاریہ ۵ مم نکال کر بولا۔ "اور اس وقت مجھے طیارے کی سخت ضرورت ہے۔ ٹھیک ہے نا؟"

"تمھارا دماغ خراب ہے شاید۔" ہوا باز کا لہجہ اچانک بدل گیا۔ "کیا تمھیں علم نہیں کہ یہ میکسیکو کی فضائیہ کا فوجی طیارہ ہے۔ طیارہ اغوا کرنے کے جرم میں بچ نہیں سکو گے۔"

"میں جو کچھ کر رہا ہوں، اس کی وضاحت کے لیے میرے پاس وقت نہیں ہے۔ ادھر ہمارے دشمن ڈاکوؤں کی پوری فورس موجود ہے اور میں اسے ختم کرنا چاہتا ہوں۔ ان کی گنیں گاہیں تباہ کرنے کے لیے طیارے کی ضرورت ہے۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کیا یہ مسلح ہیں؟" ٹائیگر نے ایک جانب اشارہ کر کے پوچھا۔

"ہاں۔" ہوا باز نے بے چارگی سے کہا۔

"اوہ خبیث کتیں... ذرا جلدی... وہ بھائی ڈاکو کسی بھی وقت ادھر دھاوا بول سکتے ہیں۔" ٹائیگر کا جملہ ابھی پورا بھی نہیں ہوا تھا کہ ایک طرف سے سب مشین گن کی آواز سنائی دی۔ یہ ٹائیگر کے آدمی ہی تھے۔ ٹائیگر نے ہوا باز کی مزاحمت دیکھ کر اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا لہٰذا دو افراد نے ہوا باز کو دبوچ کر طیارے سے باہر بھیج لیا اور ٹائیگر کاک پٹ میں بیٹھ گیا۔ الیکٹرک اسٹارٹنگ ڈیوائس کی غیر موجودگی میں اس نے ہینڈ گن اسٹارٹر استعمال کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس نے اپنے ایک آدمی کو برائس شاٹ گن شیل دیا اور اسے ہدایت کی کہ فائرنگ چیمبر میں کس طرح بلینک شیل ڈالا جائے۔ ساتھ ہی خبردار بھی کیا کہ وہ طیارے کے دیو قامت پنکھوں سے دور رہے۔

"مگنیٹو سوئچ آن... تھمبس اپ..."

ٹائیگر نے اسٹارٹنگ ڈیوائس کو چھیڑا۔ ہلکی اور دبی دبی سی آواز نکلی مگر انجن میں زندگی کے آثار نمودار نہ ہوئے۔ فیول لائن کو پہلے بھرنا ضروری تھا۔

ترب بچکا ہٹ کے ساتھ انجن زور سے کھانسا پھر خاموش ہو گیا۔ ٹائیگر نے دوسری کوشش کی اس بار انجن میں نظم تھرتھاہٹ پیدا ہوئی۔ ٹائیگر نے مزید پٹرول کھولا۔ طیارے کی دم، اس کی اور پروں میں نظم لہٹ کا احساس ہوا۔ ایک بریک لاک کر کے اس نے مزید پٹرول دیا۔ اب میگ چیک کا وقت نہیں تھا۔ اسی لمحے ٹرمی کے ساتھ تھروٹل کھولا اور پاور استقبال کی دم اٹھنے لگی۔ اس کی نظریں الرا ہیڈ پر مرتکز ہو گئیں جو سونا سے اوپر ہو رہی تھی۔ اب وہ اسٹک پیچھے لے جانے لگا۔ طیارہ آگے بڑھا، اوپر اٹھایا اور پھر بلند ہونے لگا۔

وہ عمودی پوزیشن میں طیارہ چلانے لگا۔ اس کے سامنے افق تک کوئی بادل نہ تھا۔ وہ چند لمحے تک آسمان کو تکتا رہا اور پھر زمین کی طرف دیکھنے لگا۔

نیچے اس کے ساتھی اے کے سے فائرنگ شروع کر چکے تھے۔

ٹائیگر نے طیارے کی دم تقریباً مکمل طور پر نیچے کی طرف کر دی۔ اب وہ ڈاکوؤں کے اوپر پرواز کر رہا تھا۔ اس نے ہیلی پر انگلی رکھ دی اور پھر وہ شست سے مطمئن ہوا۔ اس نے ہیلی دبا دی۔ [illegible]

کھیں اور پھر نیچے سے گرد و غبار کا ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا جس کے باعث نیچے کا منظر آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔

طیارہ تیزی سے ڈاکوؤں کے اوپر سے گزرتا چلا گیا۔

ٹائیگر نے آگے جا کر طیارے کو پھر واپس گھمایا اور پھر افقی پرواز کرنے لگا۔ ایک ہی لمحے بعد طیارہ عمودی پرواز کرتا ہوا ڈاکوؤں کی گاڑی کے اوپر پہنچ گیا۔ تین انچ لمبی اور نصف انچ موٹی گولیوں کی بارش گاڑی پر ہونے لگی۔ گاڑی سے شعلے بلند ہونے اور نیچے ڈاکوؤں کے اعضا کٹ کٹ کر رقص کرنے لگے۔ خون، تیل اور پیٹرول صحرا کی خشک ریت میں جذب ہونے لگا۔

زندہ بچ جانے والے ڈاکو گاڑی سے کود کود کر پناہ کی تلاش میں بھاگنے لگے۔ وہ پرواز کرتی ہوئی موت سے بے حد خوفزدہ تھے۔

موت ان کے اوپر پرواز کرتی رہی اور انھیں کہیں پناہ نہیں ملی۔ گولیاں ان کے جسموں میں پیوست ہوتی رہیں۔ ان کے اردگرد نارنجی رنگ کے شعلے رقص کرنے لگے اور... ڈنے لگی اور وہ گر گر کر مرنے لگے۔

جو لوگ گاڑی میں نہیں تھے اور بچ نکلے تھے، انھیں ٹائیگر کے ساتھیوں نے آڑے ہاتھوں لیا۔

"ٹھیک...!" ٹائیگر نے نیچے دیکھتے ہوئے کہا اور پھر طیارہ بلند ہوتا چلا گیا۔ اب وہ لینڈنگ کے لیے تیاری کر رہا تھا۔

سڑک پر پہنچ کر اوگن کے ساتھ ہی اس نے ایک سمت سے دو جیپیں آتی ہوئی دیکھیں۔ وہ ان کا مقصد سمجھ گیا۔ اب واپسی کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ جیپ کا رخ اسی کی طرف تھا اور اس پر نصب راکٹ لانچر صاف نظر آ رہا تھا۔ لانچر کا رخ اسی کی طرف تھا اور یہ بات بہت واضح تھی کہ ٹارگٹ وہی ہے۔

ٹائیگر نے آرمنگ بٹن دبایا اور دوسرے ہاتھ سے گیئر دبایا۔ طیارہ اب بھاری ہو گیا تھا اور ٹائیگر تنظر سے نمٹنے کے لیے مسلسل اقدامات کر رہا تھا۔

جیپ پر سوار عملہ لیٹ گیا اور گنر نے ٹارگٹ لینا شروع کر دیا۔ ٹائیگر کا انگوٹھا ٹرگر بٹن پر پہنچ گیا اور یہ تو اسی چھ انچ کے چار راکٹ پروں کے نیچے سے نکل کر جیپ کی طرف تیر گئے۔ ٹائیگر کو طیارہ سنبھالنے کی زبردست کوشش کرنی پڑی کیونکہ دن دے پر دوڑتے ہوئے طیارے سے راکٹ برسانا خود طیارے کے لیے غیر معمولی بات تھی۔ اس نے بڑی مہارت کے ساتھ طیارے کو جیپ میں گھسنے سے بچا لیا تھا۔ جیپ

اب نارنجی شعلوں اور سیاہ دھوئیں میں ملفوف تھی۔ ٹائیگر نے فوراً ہی طیارہ بلند کر لیا اور جیپ کے اوپر سے گزرتا ہوا مزید بلندی حاصل کرنے لگا۔ اس پر اس وقت عجیب سی کیفیت طاری تھی۔ کسی نے بھی اسے رن وے پر دوڑتے ہوئے راکٹ فائر... کرتے اور طیارے کو اس طرح بلند کرنے کی تربیت نہیں دی تھی۔ اس نے طیارے کو فضا میں کئی بار گھمایا، قلابازیاں کھائیں اور ایک بار پھر لینڈنگ کے لیے سڑک کے اوپر پہنچ گیا۔

دم نے جونہی سڑک کو چھوا، ٹائیگر کو ایسا لگا جیسے دنیا چھپ گئی ہو۔

□□

"مم... میں نے زندگی میں پہلے کبھی... ایسی فلائنگ نہیں دیکھی جناب!" ہوا باز نے کہتے ہوئے کہا۔ اس وقت ٹائیگر الف ۸ ایف اے کے کاک پٹ سے اتر کر اسی سمت میں آ رہا تھا جہاں ٹائیگر کے لوگوں نے ہوا باز کو قابو میں کر رکھا تھا۔ ٹائیگر اس کی بات سن کر مسکرانے لگا۔

"کیا تمھیں یقین آئے گا کہ میں نے تیسری مرتبہ یہ طیارہ اڑایا ہے لیفٹیننٹ؟" اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

"میرے خدا... ساری زندگی میری خواہش رہی کہ کسی جنگی مشن پر جاؤں... لیکن یہ خواہش کبھی پوری نہیں ہوئی۔" لیفٹیننٹ نے بڑی حسرت سے کہا۔ "ویسے آپ نے کمال کر دیا۔"

"بچے ہوئے ڈاکوؤں کی تلاش میں کسی کو بھیج دو۔" ٹائیگر نے اپنے ساتھیوں کو ہدایت کی اور پھر فلائٹ لیفٹیننٹ کی طرف پلٹا۔ اس کا لہجہ بہت نرم تھا۔ "دوست! اب تمام حالات کو حقائق کے تناظر میں دیکھو۔ ذرا سوچو کہ جب تم واپس جا کر یہ کہو گے کہ تم نے تن تنہا ڈاکوؤں کے خلاف کارروائی کی اور انھیں برباد کر دیا تو تمھیں کتنی جلد ترقی ملے گی۔ ممکن ہے کہ تمھیں براہِ راست کرنل ہی بنا دیا جائے۔"

لیفٹیننٹ کا چہرہ خوشی سے تمتما نے لگا، تاہم فوراً ہی اس کے چہرے پر مردنی چھا گئی۔ "لل... لیکن ان یرغمالیوں کا کیا ہو گا، جو اس کی قید میں ہیں؟"

"وہ بہت جلد رہا کرا لیے جائیں گے اور میں تمھیں یقین دلاتا ہوں کہ ان میں کسی کو خراش بھی نہیں آئے گی۔ تم نے میکسیکو کے دشمن پر جو مجاہدانہ حملہ کیا، اس کی وجہ سے تمام یرغمالی بچ بھی جائیں گے۔"

"میرے خدا... آپ... کون ہیں؟ اس پلوسے کھیل میں آپ کا کیا کردار ہے جناب؟"

"میرا نام ہوا نشن ٹی ہیک ورتھ ہے۔" اس نے اپنا تعارف کرایا اور پھر فوراً ہی یہ ملے پایا کہ ہوا باز یہ بیان دے گا کہ ابھی ان بعض یرغمالیوں کو منتقل کر رہا تھا کہ میں نے اس پر حملہ کر دیا اور انھی یرغمالیوں سے علم ہوا کہ باقی یرغمالی کہاں ہیں۔

"ٹھیک ہے ٹھیک... ممکن ہے کہ بات بن جائے میں اپنی رپورٹ میں اسی کو بنیاد بناؤں گا۔" ہوا باز کی آنکھوں میں پھر چمک عود کر آئی۔

"میں تمھیں یہ بھی بتا دوں گا کہ یرغمالی کہاں چھپے ہوئے ہیں تمھیں بہت سے اعزازات ملیں گے لیفٹیننٹ!" ٹائیگر نے پھر کہا۔

"مسٹر ہیک ورتھ!" ہوا باز نے گال کھجاتے ہوئے پُرتشویش لہجے میں کہا۔ "لیکن ہیں فساد کی جڑ البیرت اور اس کا ساتھی ایڈم تو ملا ہی نہیں۔"

"کیوں؟ کیا وہ لاشوں میں شامل نہیں؟" ٹائیگر نے اپنے ایک آدمی سے پوچھا۔

"نہیں جناب!" ٹرالر کے ایک آدمی نے کہا۔ وہ واضح طور پر مایوس نظر آ رہا تھا۔

"تب پھر یہ مسئلہ ابھی پوری طرح ختم نہیں ہوا۔" ٹائیگر نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "لیکن فی الحال اتنا ہی کافی ہے کہ تم نے ڈاکوؤں سے تن تنہا مقابلہ کیا، کیوں ٹھیک ہے، لیفٹیننٹ!"

تاریخی ناول

دنیا کے نامور فاتحین	قمر تسکین	100/-
شیر مصر	قمر تسکین	100/-
شمشیر اسلام	قمر تسکین	100/-
ترک مرد میدان	قمر تسکین	100/-

کتبہ القریش اُردو بازار۔ لاہور 2

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"جیسا آپ مناسب سمجھیں مسٹر ہیک ورتھ"
ہوا باز بہت متاثر نظر آ رہا تھا۔ "میں وہی کروں گا، جو آپ کہیں گے۔ میں طیارہ لے کر اپنے اڈے پر واپس جانا اور وہاں پوری رپورٹ پیش کرنا چاہتا ہوں۔"

ہوا بازی کے بعد ٹرننگ والوں کو اس بات پر رضامند کرنے میں بہت دشواری ہوئی کہ وہ اس پورے کھیل میں ٹائیگر کا نام نہیں آنے دیں گے، صرف یہ کہیں گے کہ انھوں نے ڈاکوؤں کو گھیر کر کھلے علاقے میں آنے پر مجبور کیا۔

کچھ دیر بعد وہ لوگ بھی واپس آ گئے، جو کاروں کو تلاش کی کمان میں گئے تھے۔ اس نے بہترین صحت والے چند افراد کو منتخب کر کے انھیں کے غاروں کی طرف بھیجا تاکہ وہ باقی یرغمالیوں کو لے آئیں۔ اس نے انھیں بھی سمجھا دیا کہ کہانی میں اس کا نام نہ آنے پائے۔ اس نے ڈاکوؤں کی باقیات کا صفایا کرنے کا کام میکسیکو کی فوج پر چھوڑ دینے کا فیصلہ کیا۔

دو دن اور دو راتوں کی مسلسل اور کڑی پوچھ گچھ کے بعد ٹائیگر کی کہانی تسلیم کر لی گئی۔ اسے رہا کر دیا گیا کیونکہ ٹرننگ کے کسی بھی شخص نے یہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا کہ ٹائیگر نے اس مشن میں کسی بھی حیثیت میں حصہ لیا تھا پھر جب اس کی شاندار کشتی وہاں پہنچی تو یہ بات ثابت ہو گئی کہ وہ ونسٹن لی ہیک ورتھ ہی ہے۔ وہ کشتی پر پہنچا تو وہاں بہرام اور اوشان موجود تھے۔ اوشان حسب معمول بھی کئی ستارہ ہا تھا اور اسے اس بات پر شدید غصہ آ رہا تھا کہ ٹائیگر نے حملے کے لیے طیارہ کیوں استعمال کیا۔

"اگر تو وہ ہاتھوں میں پتھر لے کر اڑتے اور پتھراؤ کے ذریعے دشمن کا خاتمہ کرتے تو میں یقیناً شاباشی دیتا اچھی لڑائی... تم طیاروں میں پرواز کر کے سانجو کے فن کی توہین کر رہے ہو۔"

"میں..." ٹائیگر نے مسکرا کر اپنے سینے پر انگلی رکھتے ہوئے کہا۔ "سانجو کے فن کی توہین کر رہا ہوں لٹل فادر؟"

"ہاں... بالکل... قطعی..." اوشان غرایا۔ "تم نے سانجو کے فن کی نہیں میری بھی توہین کی ہے۔"

"وہ کیسے؟"

"طیارہ استعمال کر کے... مشینوں پر اعتبار کرنا سانجو کی توہین ہے۔"

"تب پھر آپ سفر کے لیے طیارہ کیوں استعمال کرتے ہیں فادر...؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"صرف سفر کرنے کے لیے اور دور دراز پرواز پوری طرح تیار رہتا ہوں۔ شمن و غادے جائے تو میں طیارہ چھوڑ کر اس سے بہتر پرواز کر سکتا ہوں نا شکرے!"

امریکی اخبارات نے یرغمالیوں کی بازیابی کے بارے میں شہ سرخیاں شائع کیں۔ ان شہ سرخیوں میں ایلین کا نام نمایاں تھا۔ ایلین کو واقعی عالمی شہرت مل چکی تھی مگر جس قسم کی شہرت وہ چاہتا تھا، وہ نہیں ملی۔ اسے کسی بھی اخبار نے صدر نہیں لکھا تھا۔ اس کے بارے میں ہر اخبار نے یہی لکھا تھا کہ جنوبی ڈاکو ابھی تک فرار ہے، طرم کی گرفتاری کے لیے کوششیں جاری ہیں۔

دوسرے لوگوں کی طرح ٹائیگر سے بھی پوچھ گچھ کی گئی اور جب اسے چھوڑ دیا گیا تو اس نے ایلینا سے ملنے کے لیے اسے فون کیا۔ ایلینا اس کی آواز سن کر کھل اٹھی۔

ٹائیگر نے ایلینا سے ملنے کے لیے تیاریاں شروع کر دیں۔ ونسٹن ہیک ورتھ کے لیے سلے ہوئے شاندار سوٹوں میں سے ایک بہترین سوٹ نکال کر پہنا۔ اخبارات یہ خبر پہلے ہی شائع کر چکے تھے کہ "کشتی ونسٹن ہیک ورتھ" لاپاز سے روانہ ہونے والی ہے۔

لاس کینڈلز کی عالی شہرت تھی۔ یہ خاموش اور سادگی سے سجا ہوا ڈائننگ روم، فرنیچر سے بھرے ہوئے ڈائننگ ہالوں کے قطعی برعکس انتہائی پُرسکون تھا۔ یہاں بیٹھ کر خلوت کا لطیف احساس ہوتا تھا اور حقیقتاً ایسا لگتا تھا جیسے کھانا کھانے والے اپنے گھر میں کھانا کھا رہے ہوں۔

ٹائیگر اور ایلینا چار افراد کی چھوٹی سی خوبصورت میز پر بیٹھے ہوئے اسی پُرسکون ماحول میں باتیں کر رہے تھے۔ لوزا کو دیکھ کر ٹائیگر بار بار افسردہ ہو رہا تھا کیونکہ اسے ریوز یاد آ رہا تھا۔ اسے یاد تھا کہ وہ ریوز کا نام لے کر کس طرح لوزا کو چھیڑتا رہا تھا۔ ویسے ابھی تک ٹائیگر یہ نہیں سمجھ سکا تھا کہ ریوز بار بار لوزا کو کیوں دیکھ رہا تھا۔

کھانے کے بعد وہ سیڑھیاں اتر کر سڑک پر آئے۔ سڑک پار ڈانس ہال تھا، جہاں لاس کینڈلز میں کھانا کھانے والے ڈنر کے بعد لطف اندوز ہونے کے لیے آتے تھے۔

سورج ڈھلنے کے بعد جو خنکی پیدا ہوئی تھی، وہ اب بڑھ گئی تھی ان کا پروگرام صبح تک رقص گاہ میں رہنے کا تھا لیکن ابھی انھیں وہاں

ایک ہی گھنٹہ ہوا تھا کہ لوزا نے اچانک ہی شدید دردِ سر کی شکایت کی۔ وہ گھر جانے کے لیے اصرار کرنے لگی۔ ٹائیگر نے بل ادا کیا اور وہ ایک بار پھر باہر آ گئے۔ ٹائیگر دروازے سے باہر ہی قدم رکھا تھا کہ ایک گولی سنسناتی ہوئی آئی اور ٹائیگر کے کان کے قریب سے گزرتی ہوئی دروازے کی چوکھٹ میں پیوست ہو گئی۔ ٹائیگر نے ایلینا کو ایک طرف دھکا دیا، ساتھ ہی خود بھی آڑ لینے کے لیے ایک طرف لپک گیا۔ اس نے بک دیوار کی آڑ لے کر سڑک کی طرف دیکھا۔ اسے لوزا کے بارے میں تشویش تھی کہ اس نے کور لیا یا نہیں؟

لیکن لوزا تو اس کے بہت قریب تھی۔ وہ سڑک پر لیٹی نہیں بلکہ کھڑی ہوئی تھی۔ اس کا ہاتھ پرس سے نکل رہا تھا اور اس ہاتھ میں ایک بھدا، خوفناک اور مہلک اعشاریہ ۳۸ نظر آ رہا تھا۔ اس کی نال کا رخ آہستہ آہستہ ٹائیگر کی طرف ہو رہا تھا۔

ٹائیگر سر جھٹک کر رہ گیا۔ لوزا کو ریوز بار بار گھور کر کیوں دیکھ رہا تھا، یہ مسئلہ اب حل ہوا تھا۔

لوزا کا چہرہ بگڑنے لگا۔ آنکھوں میں نفرت جنم لینے لگی۔ ہونٹ بھنچ گئے، جبڑے تننے لگے اور اسی لمحے ٹائیگر کو ایسا لگا، جیسے اس نے اس قسم کا بدنما چہرہ پہلی بار ہی دیکھا تھا۔ لوزا کے خوش اگر میک اپ سے صاف ہوتے تو واضح طور پر ایلین سے ملتے جلتے "گندے، عجیب..." لوزا چلائی۔ "تم نے میرے اور میرے بھائی کے تمام منصوبے ناکام بنا دیے۔ ہم نے کتنی محنت سے اس کی پلاننگ کی تھی۔"

سڑک کے پار سے اب فائرنگ نہیں ہو رہی تھی۔

"میں مار دیا ہوں... ایلین ڈی باربنکا کی حقیقی بہن..." اس شخص کی بہن جس کو تم نے اپنے نزدیک تباہ کر ڈالا ہے، جس کو تم نے تاریک کمروں میں پیچھے پر مجبور کر دیا ہے۔ تمہارا جرم بہت سنگین ہے اس کی سزا صرف موت ہے، تمہیں مرنا ہوگا۔"

یہ کہتی ہوئی وہ اس کے اور قریب آئی تاکہ ایک ہی گولی میں کام پورا ہو جائے۔ وہ دو قدم آگے بڑھی تو دروازے سے نکلنے والی روشنی اس پر گرنے لگی۔ اب وہ بہت واضح طور سے نظر آ رہی تھی۔ اسی لمحے گلی میں دو گولیاں چلیں اور سناٹا کی ہوئی ماریا لوزا کے سینے میں پیوست ہو گئیں۔

لوزا بلبلی بھی نہ دبا سکی۔

لوزا کو لگنے والی گولیاں بڑے کلیبر کی تھیں، جو اس کے نرم گوشت میں بڑے بڑے سوراخ ڈال گئیں۔ یہ گولیاں اتنے فاصلے سے چلی تھیں کہ لوزا فوراً ہی نہیں گر سکی۔ وہ چند لمحوں تک بالکل ساکت کھڑی رہی پھر اس کے منہ سے کربناک چیخ نکلی اور اس وقت تک چیختی رہی جب تک منہ خون سے نہیں بھر گیا اور پھر خون منہ سے گرنے لگا۔ وہ گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی اور اس کے بعد پھٹتی تڑپتی ہوئی پشت کے بل گر گئی۔

اب ہر طرف چیخ پکار مچی ہوئی تھی۔ عورتیں خوف و دہشت کے مارے زور زور سے رو رہی تھیں اور کہیں دور پولیس سائرن بج رہا تھا۔ ٹائیگر نے صرف یہ نہیں کیا کہ اپنا ٹیک اور سفارتی اور پھر ماریا کا گرا ہوا پستول اٹھا کر اس اندھیری گلی کی طرف گولیاں چلانے لگا جہاں سے مسلسل فائرنگ ہو رہی تھی، چند ہی لمحوں بعد اس نے دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز سنی، یہ آواز مسلسل دور ہو رہی تھی۔ اب کسی دوسری پیٹرول کار کے سائرن کی آواز بھی سنائی دینے لگی تھی۔

ٹائیگر جونہی اس اندھیری گلی میں داخل ہوا، اس پر تابڑ توڑ



تاریخی ناول

ابلیس مصر	الماس ایم۔اے	100/-
حسن بن صباح	الماس ایم۔اے	125/-
راجکماری	الماس ایم۔اے	150/-
نور الدین زنگی	الماس ایم۔اے	250/-
سلطان عادل	الماس ایم۔اے	150/-

مکتبہ القریش اردو بازار۔ لاہور 2

ندیم

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

تین گولیاں چلائی گئیں لیکن وہ انتہائی پھرتی سے کام لے کر ان تینوں گولیوں سے بچ گیا۔ گولیوں سے بچنے کا یہ طریقہ سانبجو کے فن کا ایک لازمی حصہ تھا اور اس میں انسانی جسم کی حرکت روشنی کی رفتار سے بھی تیز ہوتی تھی۔ ٹائیگر نے گولیوں سے بچتے ہوئے خود بھی ایک گولی جھونک دی۔ اسے بہرحال اعشاریہ ۴۵ کے چھوٹے میگزین کی گنجائش کا خیال تھا پھر خاموشی چھا گئی۔ اس نے سماعت پر زور دیا۔ دو افراد کے بھاگنے کی آواز اسے صاف سنائی دے رہی تھی پھر وہ بھی ان کے پیچھے لپک گیا۔ گلی پار کر کے جا کر ایک کشادہ سڑک پر نکل رہی تھی لیکن سڑک اس کی نظروں سے اوجھل تھی۔ اس نے اپنی عام رفتار سے دوڑنا شروع کر دیا۔ وہ یہاں اپنی صلاحیتوں کا مظاہرہ کر کے تماشا بننا نہیں چاہتا تھا۔ گلی سے سڑک کی طرف مڑتے ہوئے اس کی نظر فرار کی کوشش کرنے والے ایک دراز قد سے پڑی۔ وہ اسے فوراً پہچان گیا یہ ایڈم تھا۔ ٹائیگر کی رفتار تیز ہونے لگی۔

ایڈم نے بھی اسے دیکھ کر مزید تیزی سے بھاگنا شروع کر دیا۔ وہ خوفزدہ تھا۔

اچانک ہی ایڈم نے پلٹ کر دو گولیاں چلائیں اور یہ دونوں گولیاں اس گاڑی کے ونڈ اسکرین کو چکنا چور کر گئیں جس کے قریب سے ٹائیگر گزر رہا تھا۔ ایڈم دیوانہ وار دوڑتا ہوا سڑک پار کر کے ٹائر اینہ بیٹری شاپ میں گھس گیا۔ ٹائیگر نے مزید انتظار کرنا مناسب نہیں سمجھا اور وہ بھی سڑک کی چار دیواری پھلانگ کر اندر گھس گیا۔

اسی لمحے اسے کتے کے غرانے کی آواز کے ساتھ ہی ایک گولی کے چلنے کی آواز سنائی دی۔ کتا خاموش ہو گیا۔ ٹائیگر کی سماعت اسے یہ پیغام دے رہی تھی کہ عمارت کے اندر ایڈم ہی نہیں اس کا دوسرا ساتھی بھی موجود ہے۔

وہ سن میں آیا اور اسی وقت ٹائروں کا ایک ڈھیر کچھ دور گرتا ہوا نظر آیا۔ ایڈم اور اس کے ساتھی نے غالباً اسی ڈھیر پر جڑھ کر دوسری طرف کودنے کی کوشش کی تھی۔

ٹائیگر نے دونوں ہاتھ فضا میں بلند کیے۔ جسم کو کسی کمان کی طرح جھکایا اور پھر ایک لمبی زقند بھری۔ وہ چار دیواری کے اوپر سے تیرتا ہوا دوسری طرف سڑک پر آ گیا۔ ایڈم اور اس کا ساتھی بری طرح بھاگ رہے تھے۔ تب ہی ٹائیگر کو احساس ہوا کہ ان دونوں کی منزل کیا ہے۔ وہ ماریا یا لوزا کے گھر جا رہے تھے، وہی ان کی کمین گاہ تھی۔

اس نے ان دونوں سے پہلے لوزا کے گھر پہنچنے کا فیصلہ کیا اور پھر اس کے پیر تیزی سے اٹھنے لگے۔ ایک ہی سیکنڈ بعد وہ اتنی تیزی سے دوڑ رہا تھا کہ اگر کوئی دیکھنے والا ہوتا تو اسے ٹائیگر کے پیر زمین سے چند انچ اوپر ہی نظر آتے۔ اس کے بالائی لب پر پسینے کی بوندیں نمودار ہونے لگی تھیں اور چہرے پر طمانیت بخش مسکراہٹ تھی۔ وہ جانتا تھا کہ سانبجو کے فن کا استعمال اب وہ بہت بہتر طریقے سے کر رہا ہے۔

***

وہ دونوں بڑے اعتماد سے گیٹ کھول کر پائیں باغ میں داخل ہوئے۔ اب ان کے چہروں پر خوف نہیں بلکہ بے چینی تھی اور وہ بڑے حوصلے سے عمارت کی طرف قدم اٹھا رہے تھے۔ ٹائیگر نے انہیں آگے آنے دیا اور پھر جونہی وہ پورچ کے قریب پہنچے، ٹائیگر نمودار ہو گیا۔

"بس بہت دور نکل آئے، اب مزید آگے مت بڑھنا۔" اس کا لہجہ بہت خوفناک تھا۔

دونوں ڈاکوؤں نے فوراً ہی اپنی پستیوں پر ہاتھ ڈال دیا۔

... ایڈم زیادہ برق رفتار نکلا لیکن ابھی وہ ریوالور سیدھا کر ہی رہا تھا کہ ٹائیگر نے اس کی طرف گولیاں چلا دیں۔ ٹائیگر کی چلائی ہوئی گولیاں ایڈم کے سینے میں بائیں طرف ذرا نیچے لگیں اگرچہ لائٹ ہاؤس ۹ ایم ایم کرشن کار توس کی شدت اتنی زیادہ نہیں تھی کہ ایڈم جھٹکے کی وجہ سے گر جاتا لیکن پھر بھی ایسا لگا جیسے اچانک ہی وہ ہر چیز سے لاتعلق ہو گیا ہو۔ اس کے سینے پر تین سوراخ بنے۔ ان میں سے خون پھوٹا اور پھر یہ سوراخ بڑے ہوتے چلے گئے۔ گرچہ سینے کی ضرب کا دماغ تک پیغام نہیں پہنچا تھا لیکن ایڈم مرنے سے پہلے ہی مر چکا تھا۔ گرنے سے قبل وہ آخری سانس لے چکا تھا۔

... پھر دوسرے ڈاکو کا بھاری اعشاریہ ۴۵ زور سے گرجا۔ یہ کوئی عام ڈاکو نہیں بلکہ خود البیرن تھا۔ اس کی چلائی ہوئی گولی نشانے سے ہٹ کر ٹائیگر کے عقب میں دیوار پر لگی۔ پلاستر اڑنے لگا۔ البیرن نے گولی خطا جاتے ہوئے دیکھی تو اس نے غصے سے بلبلاتے ہوئے مزید گولیاں جھونک دیں لیکن اب ٹائیگر اس کے سامنے نہیں تھا۔ وہ پیر پٹخنے لگا۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو گئیں۔

"کہاں ہے؟" وہ زور سے گرجا۔

"یہاں ہوں۔" ٹائیگر نے عقب سے للکارا اور البیرن نے آواز کی سمت میں فائر جھونک دیا پھر پلٹ کر دیکھا۔ ٹائیگر اب وہاں بھی نہیں تھا۔

"سامنے آؤ ولی۔" البیرن نے پیر پٹختے ہوئے پھر کہا۔



"میں سامنے ہی ہوں۔" ٹائیگر اچانک ہی ایک ستون کی اوٹ سے نکل کر اس کے سامنے آ گیا۔

"میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔" البیرن نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

"مار ڈالو۔" ٹائیگر نے مسکراتے ہوئے اسے للکارا۔ البیرن دفعتاً ذبح ہو گیا تھا۔ اس نے ایک گولی اس یقین کے ساتھ چلائی کہ یہ ٹائیگر کے ضرور لگے گی۔ گولی اسی جگہ گئی مگر ٹائیگر کے نہیں لگی۔ وجہ صرف یہ تھی کہ ٹائیگر اس جگہ سے ہٹ گیا تھا۔

... پھر اچانک ہی البیرن کو احساس ہوا کہ اب اس کے پاس کوئی گولی نہیں بچی۔ وہ اچھلا۔ اس نے ریوالور ٹائیگر کی طرف اچھالا اور عمارت کے اندر دوڑتا ہوا چلا گیا۔

ٹائیگر ہنس پڑا۔ اس کی یہ ہنسی بہت خوفناک تھی اور اس میں وہ درد بھی شامل تھا، جو کوڑوں کے لگنے سے اسے محسوس ہوا تھا۔ اس نے البیرن کو لپک کر پکڑنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ چوہے بلی والا کھیل کھیلنا چاہتا تھا۔ اس نے جھک کر ایڈم کا غیر معمولی ریوالور اٹھایا اور عمارت کی سمت میں بڑھ گیا۔ اس نے اندر قدم رکھا تو کسی طرف سے حملہ نہیں ہوا۔ وہ اندر چلا گیا۔ وہ اس بھاری صوفے کے پیچھے ایک لمحے کے لیے رکا جس نے ہال دے کو ڈرائنگ روم سے الگ کر رکھا تھا۔ وہ کچھ سننے کی کوشش کر رہا تھا۔

تب ہی اسے مکان کے عقبی حصے میں البیرن کے داخل ہونے کی آواز آئی۔ البیرن غالباً مسلسل دوڑا اور ذہنی و جسمانی دباؤ کے باعث ہانپ رہا تھا۔ اس نے جونہی ٹائیگر کو دیکھا اس کے حلق سے عجیب سی چیخ نکلی اور وہ سیدھا ایک دیوار کی طرف دوڑ گیا۔ وہاں ایک شیلف پر بھاری ریوالور رکھا ہوا تھا، جو اس نے اٹھایا اور ٹائیگر کی طرف رخ کر کے اس کی نبلی دبا تا چلا گیا۔ ٹائیگر نے خود کو بچاتے ہوئے گولی چلائی، جو البیرن کے ہاتھ میں موجود ریوالور کی نال میں گھس گئی۔ البیرن نے ریوالور اسی لمحے پھینک دیا اور خود ایک تاریک گلیارے میں دوڑ گیا۔ ٹائیگر سر جھٹک کر اسی گلیارے کی سمت میں بڑھ گیا۔ اس وقت اسے یہ بھی احساس نہیں تھا کہ یہ گھر البیرن کا دیکھا بھالا ہے اور یہ کہ اسے یقیناً ہر وہ جگہ معلوم ہو گی، جہاں ہتھیار رکھے ہوئے ہوں گے۔ اس وقت ٹائیگر کو صرف چیکو اور ریوزکی موسٹ یاد تھی۔

وہ گلیارے میں داخل ہوا ہی تھا کہ اندھیرے میں لگاتار دو شعلے چمکے۔ اس نے فوراً ہی دائیں طرف چھلانگ لگا دی اور شعلے اس کے کندھے کے اوپر سے گزرتے چلے گئے۔ ٹائیگر نے یہ اندازہ لگانے میں کوئی غلطی نہیں کی کہ البیرن کسی زینے پر کھڑا ہے کیونکہ گولیاں قدرے بلندی سے آئی تھیں۔

چند لمحوں کے انتظار کے بعد جب مزید گولی نہیں چلی تو ٹائیگر اندازے ہی سے زینے کی طرف بڑھ گیا۔ وہاں واقعی زینہ موجود تھا۔ اس نے کچھ سوچے سمجھے بغیر زینے پر قدم رکھ دیا۔ اسے اوپر سے کھٹر پٹر کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے البیرن گھر کی تلاشی لے رہا ہے۔ ٹائیگر ایک ہی قدم میں تین تین سیڑھیاں چڑھتا ہوا اوپر پہنچا۔ اوپر پہنچتے ہی اس نے ایک قلابازی لگائی تاکہ اگر البیرن تاک میں بیٹھا ہو تو اس کا نشانہ خطا ہو جائے۔ اسی قلابازی میں وہ ایک دروازے تک پہنچا۔ اس کی بھرپور ٹھوکر دروازے پر لگی اور دروازہ قبلوں سمیت اکھڑ گیا۔

یہ بیڈ روم تھا۔

تاریکی کے باوجود کسی طرف سے بھی کوئی گولی نہیں آئی۔ البیرن اس کمرے میں نہیں تھا۔

اب اسے ایک ایسی عمارت میں چوہے بلی کا کھیل کھیلنا تھا جس کے بارے میں اسے کچھ معلوم نہیں تھا۔ وہ ہر کمرے میں جھانک کر دیکھنے پر مجبور تھا۔

وہ سب سے پہلے دروازے پر رکا۔ اس نے ڈور ناب کو گھمایا۔ دروازہ کسی کوشش کے بغیر کھل گیا۔ اس نے سانس روک لی۔ اسے اچانک ہی البیرن کی مخصوص بو آنے لگی۔ وہ پھرتی سے اندر گھسا اور اس نے ایک ہاتھ سے دروازہ بند کرتے ہوئے دیوار سے ٹیک لگا لی۔ اسی وقت تین گولیاں بائیں اور ٹائیگر کے دائیں بائیں، کمان اور ماتھے کے قریب پیوست ہو گئیں اگر وہ ایک انچ بھی ادھر ادھر ہوتا تو گولیاں کنپٹی اور شانے پر لگتیں۔ اس نے اسی وقت یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ یہ گولیاں کمرے کے اندر

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

سے نہیں باہر سے آئی ہیں اور یہ کہ دروازہ بند ہونے سے پہلے چلائی گئی ہیں۔

وہ مسکرانے لگا۔

اس نے دروازہ کھولا اور ایک طرف ہو گیا مگر اس بار کوئی گولی نہیں چلی۔ وہ چوکھٹ سے آگے بڑھنے کی بجائے دائیں طرف سرک گیا۔ ابھی وہ آگے بڑھنے کا سوچ ہی رہا تھا کہ اس کی چھٹی حس نے اسے فرش پر لیٹنے پر مجبور کر دیا۔ اس کی چھٹی حس نے بروقت انتباہ کر دیا تھا، ورنہ گولی اس کی کھوپڑی ہی میں لگتی۔ گولی کے چلتے ہی وہ اٹھا اور دندناتا ہوا ایک اور کمرے میں گھس گیا۔ یہ پل بھر کا معاملہ تھا پھر یہ چھٹی حس ہی تھی جس نے ٹائیگر کو پلٹنے پر مجبور کیا۔ خونخوار البیرن بھی کمرے میں داخل ہو رہا تھا۔ اس نے وقت ضائع کیے بغیر فائر کر دیا لیکن اگر وہ یہ سمجھ رہا تھا کہ گولی ٹائیگر کے لگی ہے تو یہ اس کی غلطی تھی۔ گولی اس جگہ ضرور لگی جہاں ٹائیگر ایک لمحہ قبل کھڑا ہوا تھا مگر اب ٹائیگر اس جگہ نہیں تھا۔ البیرن نے گولیاں برسانی شروع کر دیں حتیٰ کہ اس کا ریوالور خالی ہو گیا اور ٹائیگر محفوظ رہا۔ البیرن نے گھبرا کر جیب میں ہاتھ ڈالا۔ وہ میگزین نکالنا چاہتا تھا۔ ٹائیگر نے اپنا ریوالور سنبھالا اور خالی کر دیا۔ گولیوں کا رخ البیرن کی بجائے ایک پیمانوں کی طرف تھا۔ تمام گولیاں اسی میں لگیں اور ایسی موسیقی نے جنم لیا جو صرف اور صرف موت ہی کا نغمہ تھا۔

البیرن گھبرا کر کمرے سے نکل گیا۔ اب وہ سمجھ گیا تھا کہ اجنبی بلیک وارنٹ چوہے بلی کا کھیل کھیل رہا ہے۔

ٹائیگر بڑے اطمینان سے باہر آیا۔ سامنے والا دروازہ مقفل تھا۔ ٹائیگر نے ڈور ناب پر ہاتھ رکھ کر اسے اکھاڑ پھینکا۔ اس نے صرف یہ احتیاط برتی کہ وہ فائرنگ لائن میں نہ ہو۔ اس بار گولی چلنے کی بجائے قدموں کی آواز سنائی دی۔ البیرن فرار ہو رہا تھا۔ ٹائیگر تیزی سے کمرے میں داخل ہوا۔ اس کمرے سے کسی اور کمرے میں بھی جانے کا راستہ تھا۔ البیرن غالباً عجلت میں تھا، ورنہ وہ اس راستے کا دروازہ مقفل کرتا تو بھولتا۔ دروازہ آہستہ آہستہ کھل رہا تھا۔ ٹائیگر اس دروازے سے گزر کر دوسری طرف پہنچا۔ اسی لمحے البیرن نے کہیں سے فائرنگ شروع کر دی مگر تمام گولیاں ضائع گئیں۔ ٹائیگر کو ان گولیوں سے بچنے کی کوشش بھی نہیں کرنی پڑی۔

البیرن کا ریوالور پھر خالی ہو گیا۔ اس نے جیب میں ہاتھ ڈالا لیکن پھر اس کے منہ سے مغلظات کا طوفان نکلنے لگا۔ جیب خالی تھی۔

ٹائیگر تیزی سے اس کی طرف لپکا۔ وہ یہی چاہتا تھا کہ البیرن کے پاس ایک بھی گولی نہ رہے۔ اب وہ اسے مزید موقع دینا نہیں چاہتا تھا۔ وہ اس کے قریب پہنچا تو ایک قہقہہ اس کے حلق سے نکل پڑا۔ البیرن ایک کلہاڑی دیوار سے اتار رہا تھا۔

البیرن نے اندھا دھند کلہاڑی گھمانی شروع کر دی... مگر اس کا کوئی وار کارگر نہ ہوا حتیٰ کہ وہ ہانپنے لگا۔

اور پھر ٹائیگر نے مسکرانے کی کوئی کوشش نہ کی۔ اس کا چہرہ سنجیدہ ہو گیا۔ وہ آگے قدم بڑھانے لگا۔ اسے کلہاڑی کی بھی فکر نہ رہی۔

"دور رہو" البیرن نے گھبرا کر کہا مگر اب ٹائیگر مزید دور رہنا نہیں چاہتا تھا۔ اس کا دایاں ہاتھ بلند ہوا اور کلہاڑی والا ہاتھ اس ہاتھ میں آ گیا۔ چٹاخ کی آواز کے ساتھ ہی البیرن کی خوفناک چیخ کمرے کی فضا میں گونجی۔ اس کی کلائی ٹوٹ چکی تھی۔ دوسرا ہاتھ بلند ہوا اور البیرن کے سینے پر پڑا۔ البیرن کے پھیپھڑوں سے ہوا نکل گئی۔ کئی پسلیاں ٹوٹ گئی تھیں۔ ٹائیگر نے البیرن کو دھکا دے کر گرایا۔ کلہاڑی اٹھائی۔ اسے پھل کی طرف سے پکڑا اور اس کا ڈنڈا البیرن کے منہ میں ٹھونس دیا۔

البیرن کے تمام دانت ٹوٹ گئے۔ زبان کچل گئی اور سانس اور غذا کی نالی میں گوشت و خون بھر گیا۔

پھر البیرن اچانک ہی تڑپا۔ وہ اٹھ ہو گیا اور اس نے الٹی کر دی۔ فرش پر خون ہی خون ہو گیا۔ البیرن نے خالی خالی نظروں سے ٹائیگر کی طرف دیکھا جو ایک طرف کھڑا ہوا تھا۔ اس نے کچھ کہنے کی کوشش کی... مگر ناکام رہا لہٰذا اس نے آخری ہچکی لی اور آنکھیں بند کر لیں۔

ٹائیگر چند لمحوں تک یونہی کھڑا رہا۔ اسے حیرت تھی کہ اتنا سخت جان شخص اتنی آسانی سے کیسے مر گیا لیکن شاید اسے اندازہ نہیں تھا کہ ٹوٹی ہوئی پسلیوں میں سے ایک البیرن کے دل میں گھس گئی تھی۔

ٹائیگر نے ایک طویل سانس لی اور پھر پُرسکون ہوتا چلا گیا۔ وہ جانتا تھا کہ اس نے ریوز اور جیکو کا انتقام لے لیا ہے۔

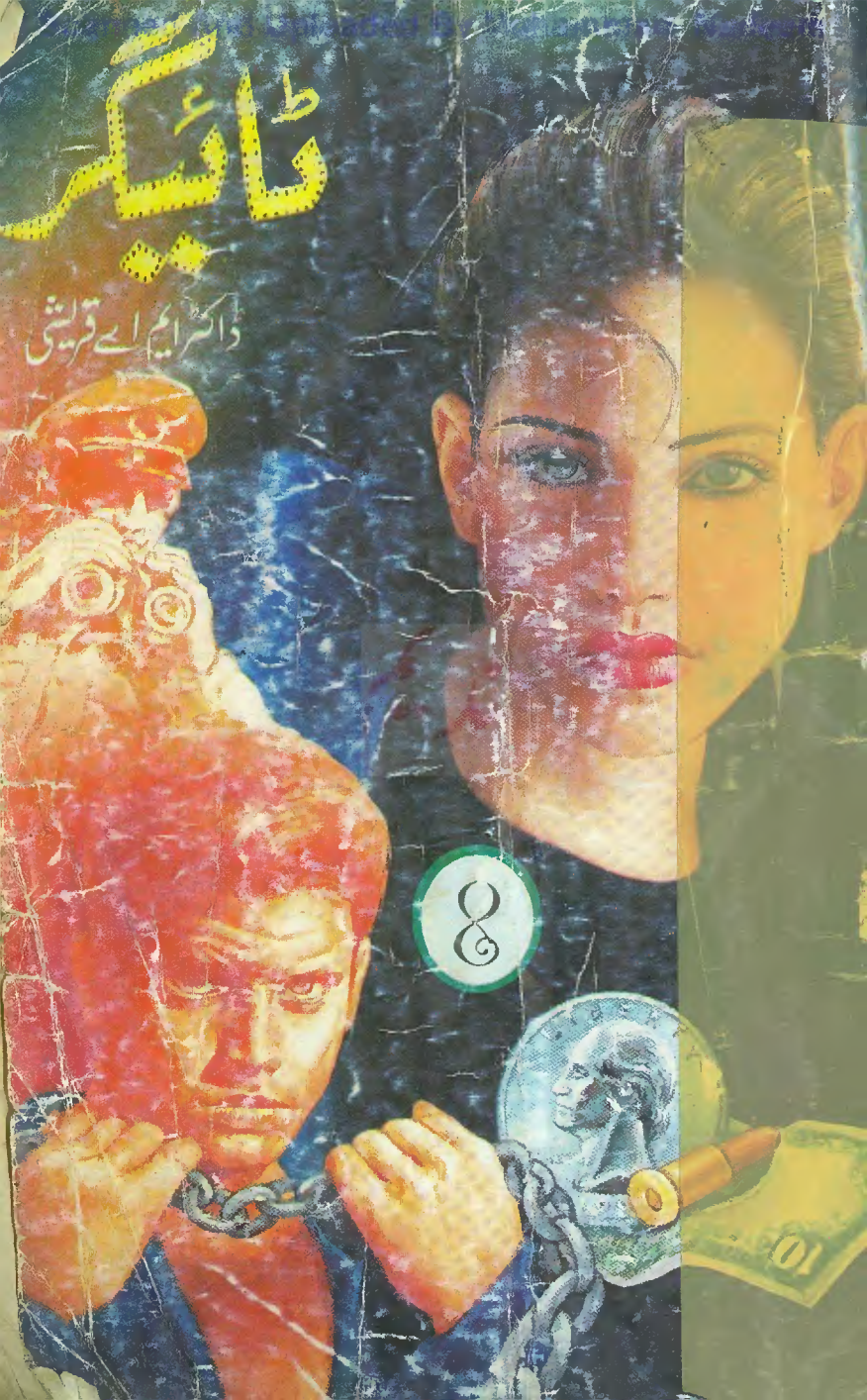
اس کے بعد

ٹائیگر کے آٹھویں حصے کا مطالعہ کریں۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ٹائیگر

ڈاکٹر ایم اے قریشی



nned And Uploaded By Muhammad Nade

ندیم

ونسٹن چرچل کا نام بھی ختم ہو گیا اور اُس کشتی کا بھی جو اِس نام سے منسوب تھی اب کشتی اپنے اصل نام موکائرُ سے یا میکیلی فورنیا کے ساحلوں سے سان ڈائیگو کی طرف رواں دواں تھی۔ ٹائیگر عرشے کے اگلے حصے میں تنہا بیٹھا ہُوا تھا جبکہ اُدھر شان قدرے دُور کنول کا آسن بنائے ہوئے نیلے سمندر کے وسیع و فراخ سینے کو گھورے جا رہا تھا۔ اُسے یقین تھا کہ

ٹائیگر اِس وقت کس جذباتی کیفیت سے گزر رہا ہے جب ٹائیگر دیر تک کچھ نہ بولا تو اُدھر شان نے کنول کے آسن سے نکل کر اُس کی طرف پلٹ کر دیکھا "کیا سوچ رہے ہو میرے بچے؟"

"یہی کہ آج وہ لوگ رُلنفوز میں ریوز کو سپردِ خاک کر رہے ہوں گے" ٹائیگر نے دھیرے سے کہا۔

"اور تمہیں یہ دُکھ ہے کہ تم تدفین میں شریک نہیں ہو سکے؟"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

اُدوشان نے بڑی شفقت سے کہا۔ اُس کا لہجہ سوالیہ نہیں تھا۔ بس ایسا تھا جیسے کوئی حقیقت بیان کر رہا ہو۔

"وہ...!" ٹائیگر بڑے اُداس انداز میں مُسکرا کر بولا۔ "انتہائی تیز اور ذہین لڑکا تھا بائل فادر... میرا خیال ہے کہ اُس میں ہم سب سے زیادہ ہمت اور جُرأت تھی۔"

"ضرور ہوگی۔" اُدوشان نے اس بار بڑی بے پروائی سے جواب دیا۔ "لیکن اب وہ مُرچکا ہے اور ہم اُسے زندہ نہیں کر سکتے ہمیں ایک بات یاد رکھنی چاہیے میرے بچے... وہ یہ کہ زندہ لوگوں کے مسائل بہت زیادہ ہیں اگر ہم مُردہ لوگوں کی یادیں وقت ضائع کرتے رہے تو زندوں کے مسائل حل نہیں ہو سکیں گے۔"

"درست..." ٹائیگر نے بھی اُسی لہجے میں کہا۔ "لیکن ریوز جیسے بچوں ہی کی وجہ سے ہم نے ڈاکٹر بہرام کا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ تاکہ ان بچوں کو ایک بہتر مستقبل دے سکیں۔ ایسا مستقبل جس میں وہ زندہ رہ سکیں۔ ہماری تمام تر کوششوں کے باوجود بھی لوگ اس مستقبل کو مخدوش بنانے کے درپے ہیں اور ایسے لوگوں کو نہ صرف سرکاری بلکہ عدالتی تحفظ بھی حاصل ہوتا ہے۔ یہ گندگی ختم کرنے کے لیے قتل کرنا نہیں لیکن میری خواہش ہے کہ یہ جن کے لیے قتل کرتا ہُوں وہ تو زندہ رہیں۔"

"تمہارا کیا خیال ہے، تم نے بچے کو مایوس کیا؟"

"ہاں۔"

"نہیں، بچے نے خود قربانی دی تاکہ دوسرے بچوں کو ڈاکوؤں سے بچانے کا تمہارا مشن کامیاب رہے۔" اُدوشان نے اُسے سمجھانے والے انداز میں کہا۔ "تمہارا مشن کامیاب رہا۔ اب کم از کم کئی سال تک باجا کیلی فورنیا کے لوگ اس قسم کے ڈاکوؤں سے محفوظ رہیں گے۔"

"خدا کرے پوری دُنیا ڈاکوؤں سے محفوظ رہے تاکہ مجھے آرام کا موقع مل سکے۔" ٹائیگر نے ایک لمبی سانس لے کر کہا اور پھر آنکھیں بند کر کے وہیں لیٹ گیا۔

✣

ایک بُلند قطعہ اراضی پر شاندار پارلیمنٹ بلڈنگ کے خوبصورت پینٹ ہاؤس میں اس عمارت کا مالک بیٹھا ہُوا تھا۔ وہ صرف اسی عمارت کا ہی نہیں بلکہ دیگر سات ایسی ہی عالیشان بلڈنگوں کا بھی مالک تھا پُراعتماد اور نفیس و قیمتی کپڑوں میں ملبوس اس شخص کو فریڈرک کلیکو کہا جاتا تھا۔ اُس کے چہرے پر اعتماد کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہ عمارتوں کے علاوہ دو بہت منفعت بخش کاروباری اداروں کا بھی مالک تھا۔ صرف ۲۸ برس کی عمر میں بہت کم لوگ اتنی کامیابیاں حاصل کرتے ہیں۔ وہ صرف کنٹریکٹر ہیڑ، پراپرٹی ڈویلپر اور ریستوراں کا مالک تھا بلکہ اُس نے ایک انتہائی فائدہ بخش کیبل ٹیلی ویژن سٹیشن بھی قائم کر رکھا تھا۔ اُسے کیوانزدی امریکن لیگ اور نیشنل چیمپئن آف کامرس کی رُکنیت بھی حاصل تھی لیکن اس کے دوسرے کاروبار کے پہلو بڑے تاریک بلکہ خفیہ تھے۔ اس دوسرے کاروبار میں وہ چیف ایگزیکٹو تھا۔ لاکوسانوسٹرا کے نارتھ ویسٹ ریجن کا نگران و سینوزدی مافیا ڈان بھی تھا۔

اس وقت ڈون فریڈرک کلیکو کے ہاتھ میں کاغذوں کا ایک پلندہ تھا جس پر زیادہ تر اخبارات کے تراشے چسپکے ہوئے تھے۔

وہ ایک جدید کاک ٹیل میز پر بیٹھا ہُوا بڑی بے صبری سے ایک شخص کا انتظار کر رہا تھا جس نے دعویٰ کیا تھا کہ اُس کے پاس بعض اہم اطلاعات برائے فروخت موجود ہیں۔ ایسی اطلاعات جو اس وقت کے سب سے خطرناک شخص کو کلیکو کے قدموں میں ڈال دیں گی۔ ڈون کلیکو ایک عرصے سے یہ چاہتا تھا کہ یہ خطرناک ترین شخص جس نے یکہ و تنہا مافیا کے پورے گروہ کا خاتمہ کیا تھا، اُس کے اسٹاف میں شامل ہو جائے۔ وہ اس شخص کے بارے میں زیادہ کچھ نہیں جانتا تھا لیکن اُسے یہ بات اچھی طرح معلوم تھی کہ مافیا کے گروہ کا صفایا پولیس نے نہیں بلکہ ایک ایسی شخصیت نے کیا جس میں ایک میکسیکن یا جاپانی، دوسرا ریٹا ڈین اور تیسرا ایک مشرقی نوجوان شامل تھا اور اس نوجوان کا نام شہزاد تھا۔

کلیکو نے ایک بار اُس نوجوان کو لاکوسانوسٹرا کے کاروبار میں شامل کرنے کے لیے بڑا جامع منصوبہ بنایا تھا تاکہ موقع ملتے ہی اُس شخص کو ختم کیا جا سکے جو حالی مافیا کے لیے دردِ سر بن چُکا ہے لیکن اُس کے اس منصوبے پر عمل درآمد ہی نہ ہو سکا۔

اب وہ یہ سوچ رہا تھا کہ اُسے جس کا انتظار ہے، وہ شخص شہزاد کے بارے میں ایسی کون سی باتیں جانتا ہے جو اُسے نہیں معلوم۔ اخبارات کے یہ تراشے اسے اسی شخص کے ذریعے ملے تھے اور اُن میں تازہ ترین تراشہ باجا کیلی فورنیا سے متعلق تھا۔ خبر میں لکھا تھا کہ ٹرانٹو کے شہریوں نے ڈاکوؤں کے ایک ایسے گروہ کا صفایا کر ڈالا جو سیاسی اقتدار کی بھوک میں مبتلا ہو گیا تھا۔ ان تراشوں کے ساتھ ایک پرچا منسلک تھا جس کی دو سطریں ٹائپ کی گئی تھیں۔ وہ ڈسٹن بیک ورتھ نامی ایک شخص نے ڈاکوؤں کا صفایا کرنے میں کلیدی کردار ادا کیا ہے اور یہ شخص وہی ہے جس نے مافیا کے گروہ کا قلع قمع اس طرح کیا تھا کہ اس کا سراپولیس کے سر گیا تھا۔ یہی شہزاد ہے، مزید اطلاعات بعد میں...!"

کلیکو کے کارپوریٹ کمپیوٹر نے بھی سُود مند اطلاعات فراہم

کی تھیں۔ اُس نے پینٹ ہاؤس کا ایک کمرا صرف اسی مقصد کے لیے مخصوص کر رکھا تھا کہ کمپیوٹر کو شہزاد کے بارے میں ہر آنے والی اطلاع فیڈ کی جاتی رہے۔ اس کمپیوٹر میں ہر ایسی واردات کی اطلاع موجود تھی جس میں شہزاد نامی شخص کے ملوث ہونے کا امکان ہو اور پھر کمپیوٹر ہی یہ تجزیہ کرتا تھا کہ اس میں شہزاد ملوث ہے یا نہیں؛

کلیکو جانتا تھا کہ شہزاد کا طریقۂ واردات بہت ستمگر، انتہائی ظالمانہ اور قطعی فیصلہ کُن ہوتا ہے۔ وہ کبھی کسی پولیس والے کو نقصان نہیں پہنچاتا، کسی راہگیر کو قتل نہیں کرتا اور اُس کی حکمت عملی سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ جدید ترین اطلاعات کے مطابق عمل کرتا ہے۔ درحقیقت اُسے پیشگی اطلاعات مل جاتی ہیں۔ بعض اوقات ایسا لگتا ہے جیسے وہ خود کمپیوٹر ہو۔

کلیکو کو صرف یہ معلوم کرنا تھا کہ شہزاد کا اگلا نشانہ کون ہوگا؛ اس کی ٹکر اب کس جگہ پڑے گی۔ صرف یہی معلوم ہو جائے تو کلیکو کو یقین تھا کہ وہ شہزاد کو پکڑے گا اور جب ایک بار وہ پکڑا جائے گا تو پھر سارے مسئلے خود بخود حل ہو جائیں گے۔

★★

مشرقی ہیڈ نور کے مرکز سے باہر یونیورسٹی ایونیو پر.... چیری کریک شاپنگ سینٹر کے قریب ایک کھلے سبزہ زار پر خوبصورت بس سٹاپ میں درختوں کے جھنڈوں کے درمیان ایک نفیس خوبصورت، سادا مگر شاندار عمارت کھڑی ہوئی تھی اگرچہ اس عمارت کو بنے ہوئے ابھی صرف تین سال ہوئے تھے لیکن اُس کے طرزِ تعمیر کی وجہ سے یہ انتہائی پُرانی عمارت لگتی تھی۔ اس عمارت میں ستون بھی تھے، محرابیں بھی اور گنبد بھی... بظاہر یہ سرکاری عمارت لگتی تھی لیکن اس میں سرکاری کام نہیں ہوتے تھے۔ یہ ایک چرچ تھا۔

"کلیسائے یوم نجات" کی یہ عمارت سب سے جُدا تھی۔ یہاں ہر بُدھ کی شب 'ایمان والے' جمع ہوتے تھے اور نئے مذہب کے بارے میں ہدایات حاصل کرتے تھے۔ جمعے کو غروبِ آفتاب سے ہفتے کو غروبِ آفتاب تک وہ یہاں سبت کے لیے بھی جمع ہوتے تھے اور اس شخص کی تقریر بڑے احترام سے سُنتے تھے جس نے خود کو "پیغمبر" قرار دیا تھا۔ اس جعلی پیغمبر کا نام وِنونا لیوی تھا۔ جس سے تعلق رکھنے والے اس شخص کی عمر ۲۹ برس تھی لیکن وہ خود کو ۱۶ برس کا کہتا تھا اور اُس کا کہنا تھا کہ وہی مسیح موعود ہے۔

وہ لوگ بھی جو ابھی تک اس کی آرمی آف ناظری میں شامل نہیں ہوئے تھے، اُس کا احترام کرتے تھے۔ وہ اس چرچ کے تحت چلنے والے مختلف کفالت خانوں کے مکانات میں رہتے تھے۔ اُن کے لیے اس کی تقریریں بہت دلچسپ ہوتی تھیں۔ بہت سے لوگ ایسے تھے جو ایک دو بار ہی چرچ آئے تھے اور پھر کبھی واپس نہیں گئے۔

قدامت پرستوں کے لیے بہرحال "کلیسائے یوم نجات" کی تعلیمات انتہا پسندانہ تھیں۔ کلیسائے یوم نجات کی تعلیمات یہ تھیں کہ عوام پر حکومت کا کوئی اختیار نہیں۔ عوام روایتوں کو ترک کرنے کے لیے آزاد ہیں۔ روایت سے باغی نوجوانوں کے لیے ان تعلیمات میں بڑی کشش تھی لہٰذا وہ وِنونا لیوی کی طرف کھنچے چلے آتے تھے۔ حتمی کو یقین تھا کہ عوام میں اس انتہا پسندانہ مذہب کے لیے جوش و خروش پیدا ہو گیا ہے اور نوجوان خاص طور سے پُرجوش ہیں۔

لوگ دیکھتے تھے کہ نوجوان جوق در جوق کلیسائے نجات کے سفید دروازوں سے گزر کر عمارت میں داخل ہو رہے ہیں۔ ان نوجوانوں میں وقت کی پابندی سب سے اہم عنصر تھا۔

"جلدی کرو ڈیریل!" موسم خزاں کے سکوت میں کلیسا کے صدر دروازے پر ایک لڑکی نے کسی کو پکارا۔

"بس آ رہا ہُوں شیری۔" ڈیریل نے تقریباً دوڑتے ہوئے کہا۔ "راستے میں سائیکل خراب ہو گئی لہٰذا مجھے دو میل سے پیدل آنا پڑا۔ خیر فکر نہ کرو، ہم وقت پر ہی پہنچے ہیں۔"

✣

اُن سب کا لباس ایک جیسا تھا۔ وہ درحقیقت ایک گمشدہ اشتہار کا ٹے آؤٹ نظر آ رہے تھے۔ یہاں شوخ رنگ ممنوع تھے لہٰذا ایسے رنگوں کے لباس پہننے پر پابندی تھی۔ ہر کسی کے بال لمبے مگر گندے ہوتے تھے۔ اسی باعث پیچھے سے شیری اور ڈیریل میں کوئی فرق نہیں محسوس ہوتا تھا۔ ڈیریل کی عمر اُنیس سال تھی۔ وہ کیمونٹی کالج آف ڈینور میں اوسط درجے کا طالب علم تھا۔ شیری ون طرف شیری سے اس کی ملاقات کلیسا میں ہی ہوئی تھی اور دونوں کو پہلی ہی ملاقات میں احساس ہو گیا تھا کہ ان میں بہت سی باتیں مشترک ہیں۔ شیری کالج میں پڑھتی تھی اور ذہنی طور سے پریشان رہتی تھی۔ اُسے گاندی یا وِنونا لیوی کی تقریروں میں سکون ملتا تھا۔ ان تقریروں سے اسے یہ پیغام ملا تھا کہ زندگی گزارنے کا ایک بہتر طریقہ موجود ہے پھر جب ڈیریل اس کی زندگی میں آیا تو وہ بھی کلیسا میں شامل ہو گئی اور دونوں ایک ساتھ رہنے لگے۔

اُنھوں نے مجمعے کے اندرونی دروازے پر پہنچ کر ایک بڑے ڈبے میں سے ٹوپیاں نکال کر پہن لیں۔ عبادت گاہ میں داخل ہونے سے قبل یہ ٹوپیاں پہننی ضروری تھیں۔ یہ اونی ٹوپیاں مجبوری تھیں اور مسلسل استعمال سے گندی ہو چُکی تھیں ان کا سائز ایک جیسا تھا لہٰذا یہ کسی کے کانوں تک آتی تھیں اور کسی کی کنپٹیوں تک... پہلی نظر میں یہ ٹوپیاں پُرانے فیشن

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کی نائٹ کیپ ہی لگتی تھیں۔

ڈاریل اور شیری دونوں تیزی سے چلتے ہوئے ہال میں داخل ہوئے جہاں اجتماعی عبادت کی جاتی تھی۔ انھیں ہتھی صف میں نشست مل گئی یہ نشستیں آرام دہ تھیں اور نرم و لطیف گدے پر بیٹھتے ہی ڈاریل کے چہرے پر طمانیت بخش مسکراہٹ دوڑ گئی۔

اس بات کا علم کلیسا کے اندرونی حلقے سے تعلق رکھنے والے محض چند افراد کو تھا کہ ڈاریل اور دوسرے معتقدوں کو اتنے سکون اور طمانیت کا احساس کیوں ہوتا ہے۔ ہر سیٹ کے نیچے ایک چھوٹا سا ویبریٹر یونٹ لگا ہوا تھا جو آنی خفیف حرکت کرتا تھا کہ بیٹھنے والوں کو اس کا احساس ہی نہیں ہوتا تھا اور یہی خفیف سی حرکت تھکے اعصاب کو راحت اور فرحت فراہم کرتی تھی۔

اس نظام کو مزید بہتر بنانے کے لیے اسپیکر سے موسیقی کے ساتھ ٹھنڈی سوئک لہریں نکلتی تھیں۔ علاوہ ازیں ہال میں روشنی کا انتظام بھی لاشعوری نفسیات کو پیش نظر رکھ کر کیا گیا تھا۔ ہال کا مجموعی ماحول ایسا تھا کہ لوگ اس میں کھو کر رہ جاتے تھے، اس طرح دینولیوی کو لوگوں کے موڈ پر کنٹرول رکھنے میں آسانی ہوتی تھی۔ وہ جب چاہتا لوگوں میں جوش پیدا کر دیتا اور ہال نعروں سے گونجنے لگتا، وہ جب چاہتا لوگوں کی آنکھوں میں آنسو آجاتے اور جب چاہتا لوگ خوشی سے تالیاں پیٹنے لگتے۔ وہ جھوٹی ماحول، اخوت اور برادری کا مکتا تھا۔ اس کی اپیل پر لوگ چندے کے ڈبے نوٹوں سے بھر دیتے تھے۔ صاف ظاہر تھا کہ وہ اس کے اشارے پر جان تک دینے کے لیے آمادہ ہیں۔

دینولیوی کے خطبے کے آخری حصے میں تمام روشنیاں بجھ جاتیں اور ایک نقرئی سنہری دائرہ فضا میں گھومتا رہتا۔ یہ دائرہ سفید قبا میں ملبوس دینولیوی کے گرد منڈلاتا رہتا اور پھر جب دینولیوی ڈرامائی انداز میں دونوں ہاتھ سر سے بلند کرتا تو ایک اور دائرہ اس کو گھیرے میں لے لیتا

"اوم...!" وہ نعرہ لگاتا اور تین سو سے زیادہ افراد "اوم" کہہ کر نعرے کا جواب دیتے پھر دینولیوی بے معنی الفاظ ادا کرنے لگتا "اوہم... مانی... پدمی... ہم... بنا... وا... نا... کالی..."

اُس وقت تک ہر شخص پوری طرح جوش میں آجاتا۔ یہ دعائیہ الفاظ ہال میں گونجنے لگتے۔

"امن... محبت... اور فرض..." دینولیوی کی آواز ہال میں گونجتی "میرے پیارو... میرے بچو... امن محبت اور فرض" اس کی آواز نرم اور لہجہ برطانوی ہوتا۔ "اگرچہ میری رنگت کالی اور تم گورے ہو لیکن ہم اس فرق کے باوجود بھائی بھائی ہیں، بھائی بہن ہیں، ہم ایک ہی باپ کی اولادیں، ہمیں سب سے پہلے محبت سیکھنی چاہیے محبت... ایسی محبت جو لامحدود ہو، جو پابند نہ ہو اور جو کھلے عام ہو۔ ایسی محبت جس پر اس رنگ آور معاشرے کی دنی قدغن نہ رہے۔ یہ کہہ کر وہ ایک طویل سانس لیتا اور پھر کہتا "وہی تمھارے نانا کی پہلا درس ہے وہ سرا سبق یہ ہے کہ خدا کی مخلوق کے درمیان امن قائم کرو۔ ہم عدم تشدد کے قائل ہیں۔ ہم فطرت کے ساتھ امن سے رہنا چاہتے ہیں۔ ہم قتل و غارت گری کے قائل نہیں، ہم انسانوں کا گوشت کھانا نہیں چاہتے۔ محبت اور امن کے بغیر ہم جانور رہ جائیں گے۔ اٹھو کھڑے ہو کر اپنے پڑوسیوں سے محبت کی علامتوں کا تبادلہ کرو گلے ملو اور پیار کرو۔"

آرگن میوزک کا چھنا کا ہوا اور ساز ہال میں گونجنے لگا۔

☆☆☆☆

اس موسیقی کی بہت ہی ہلکی آواز عمارت کے زیر زمین حصے کی سماعت میں سنی جا رہی تھی۔ یہاں تقریباً سکوت تھا۔ بس کبھی کبھی ہلکی سی سیٹی کی سنائی دیتی تھی مدھم رنگ کے روشن گولے روشنی کا سبب بن رہے تھے۔ گروہ صداقت کے رکن بھورے بادلوں میں ادھر اُدھر آجا رہے تھے۔ ان لوگوں کا انتخاب کلیسا کے اندرونی حلقے سے کیا گیا تھا۔ ان کے قد بڑھل کی آواز بھی پیدا نہیں ہو رہی تھی، صرف چرمی جوتوں کی چرچر کبھی کبھی بلند ہوتی۔

گروہ صداقت کا ایک رکن دوسرے میر کے قریب پہنچا، جو ایک مقفل آہنی دروازے کے سامنے کھڑا ہوا تھا۔ یہاں دینولیوی کے درس محبت کے بھلے سنائی دے رہے تھے۔

"برادر لوئیس دوسرے شخص نے کہا۔ اس کا لہجہ بہت نرم اور نہایت مہربان تھا لیکن اس کے پیچھے کی تہ میں خنجر واضح تھا۔

"ہمیں اس سے بہر صورت محبت کرنی چاہیے، جو ہماری صفوں میں گھس آیا ہے۔ دونوں کو محبت سے تسخیر کیا جاتا ہے۔ نفرت سے نہیں برادر لوئیس، یہی نانذی کی تعلیمات بھی ہیں" یہ کہہ کر وہ عجیب سے انداز میں ہنسا۔

"برادر بنجمن...!" لوئیس نے غرا کر کہا "میں بہت سنجیدہ ہوں اسے باہر نکالو برادر تھامس اس کا انتظار کر رہے ہیں۔"

کوٹھری کے اندر شاڈ ڈیوس نے دھڑکتے دل کے ساتھ یہ باتیں سنیں۔ اُسے اندازہ نہیں تھا کہ وہ یہاں کب سے ہے۔ شاید تین روز ہو گئے۔ نہیں، زیادہ دن ہو گئے۔ اُسے اب اپنے آپ سے بھی نفرت ہونے لگی تھی سوہ اپنی ہی گندگی میں لتھڑا ہوا تھا۔ اُسے متلی ہونے لگی تھی سانس اندھیرے کے باوجود اُسے اندازہ تھا کہ وہ اپنی ہی قے، اپنے ہی خون اور پسینے میں گندا ہو رہا ہے۔ اُسے عجیب سی بدبو کا احساس ہو رہا تھا۔ وہ کوٹھری کے اندر کی نمی اور سردی کے باعث مسلسل کانپتا رہا تھا۔ اُسے یہ بات اچھی طرح معلوم تھی کہ وہ نمونیا کا شکار ہونے والا ہے۔ تو تب مزاحمت ختم ہو چکی تھی بخار سے دماغ بھنک رہا تھا لیکن اس صورت حال کے باوجود وہ پسپائی پر مجبور ہو جاتا کہ انھیں اس کے بارے میں پہلے ہی کس قدر معلومات ہیں کیا لوگ اس کی گمشدگی کا نوٹس لیں گے؟ کیا اسے آزاد کرانے کے لیے کسی کو بھیجا جائے گا؟ وہ سوال تھے جن کا کوئی جواب نہیں تھا۔ اُس سے ایسے سوال کیے جاتے تھے، جن کا سر پیر ہی نہ تھا۔ بے معنی پوچھ گچھ ہوتی تھی۔ وہ یہ سوچ کر خوف سے کانپنے لگا کہ اب پھر اس سے ایسے ہی سوالات کیے جائیں گے۔

دروازہ کھلتے ہی اُس کی گہری پیلی آنکھوں میں روشنی چبھنے لگی۔

"برادر..." اُسے بنجمن کی نرم و ملائم آواز سنائی دی تاریکی کے باعث وہ اُسے نظر نہیں آرہا تھا۔ "برادر تھامس سے گفتگو کا ایک اور دور ہو جائے۔ ممکن ہے اب تک تم نے روشنی دیکھ لی ہو۔ آہ... روشنی... تم جانتے ہو کہ مزاحمت کا کوئی فائدہ نہیں۔"

زنجیریں کھول دی گئیں اور شاڈ ڈیوس نقاہت کے باعث فرش پر گر پڑا۔ صیادوں نے اُسے پکڑا اور تقریباً کھینچتے ہوئے راہداری میں لے آئے۔ یہاں اُسے صدر بن میں محفوظ مانع خوراک دی گئی جسے وہ برسوں کے بھوکے کی طرح پی گیا۔ اُن کی حکمت عملی واضح تھی۔ وہ اس میں توانائی واپس لانا چاہتے تھے تاکہ وہ سوالوں کا جواب دے سکے۔ وہ واقعی توانائی محسوس کرتا ہوا کھڑا ہو گیا۔

"شاندار" لوئیس نے مسکرا کر کہا "اب تم اذیت گاہ تک اپنے پیروں پر چلتے ہوئے واپس نہیں آؤ گے۔ ہاں... اگر تمھیں کھیں قرار دے دیا گیا تو تم مسکراتے ہوئے واپس آؤ گے۔"

"کھیں!" بنجمن نے چونک کر کہا "تم نے محسوس کیا کہ اس سے کتنی بدبو آرہی ہے برادر لوئیس۔ کیوں نہ اس کو باتھ کے نیچے کھڑا کر کے صاف ستھرا کر دیں، یہ تو ایک ہفتہ قبل مری ہوئی بکری کی طرح لگ رہا ہے۔"

"یہ اس کا اپنا مسئلہ ہے، چلو چلیں۔"

اوپر مجمعہ کے ہال میں دینولیوی اپنے پیروکاروں کو عدم تشدد، محبت، امن اور پیار سے رہنے کا درس دے رہا تھا جب کہ اُس کے خاص آدمی شاڈ ڈیوس کو ایک ایسے چیمبر میں لے جا رہے تھے، جو زمانہ قدیم کا کوئی عقوبت خانہ لگ رہا تھا۔ یہاں اذیت رسانی کے تمام پرانے اور جدید اوزار، ہتھیار، سامان موجود تھے۔ ان میں ناخن کھینچنے والی چمٹیاں بھی تھیں اور کھال کھینچنے والا سامان بھی... زنجیریں بھی تھیں اور کوڑے بھی... ایک طرف بھٹی سلگ رہی تھی تو دوسری طرف الیکٹرک وائر نظر آرہے تھے۔ اس سارے سامان سے ذرا ہٹ کر ایک شخص کھڑا ہوا تھا۔ شاڈ ڈیوس نے اُس کی طرف دیکھا، وہ برادر تھامس تھا۔

سیاہ قبا میں ملبوس برادر تھامس کے دونوں ہاتھ فولاد پر تھے۔ یہ ہاتھ قبا کی بڑی بڑی آستینوں میں چھپے ہوئے تھے۔ اس کے پتلے پتلے ہونٹوں سے سفاکی ہویدا تھی۔ "اس بازیک کا استعمال کیا جائے؟" اس نے سفاکانہ انداز میں مسکراتے ہوئے اپنے آدمیوں سے کہا۔

شاڈ کو فوراً ہی لکڑی کے پلیٹ فارم پر ڈال کر باندھ دیا گیا۔ اس کی کلائیاں اور گھٹنے آہنی زنجیروں سے جکڑ دیے گئے۔

"میں اس کھیل سے تنگ آچکا ہوں" شاڈ نے تھامس کو مسکراتے ہوئے کہا۔ "یہ اتنا آسان تو علم ہے کہ تم پولیس کے لیے کام کرتے ہو لیکن سوال یہ ہے کہ کس پولیس کے لیے؟ وفاقی پولیس کے لیے... مقامی پولیس کے لیے یا ریاستی پولیس کے لیے..." تھامس مزید دو قدم آگے بڑھ گیا۔ اب اُس کی نظریں شاڈ کے خوف سے زرد چہرے پر تھیں۔ شاڈ کی بُری حالت تھی، خوف کے باعث اُس کا جسم پسینے پسینے ہو رہا تھا۔ اُس نے آج پہلی مرتبہ برادر تھامس کو اتنے قریب سے دیکھا تھا۔

تھامس کی آنکھیں دھوئیں جیسے رنگ کی تھیں۔ پیشانی پر سلوٹوں کا ایک جال سا تھا، جو آنکھوں پر زور دینے سے صاف طور سے دکھائی دے رہا تھا۔ بھویں بہت گھنی اور غیر فطری دکھائی دے رہی تھیں۔

نئے افق کا مقبول سلسلہ

سرفروش

نامور مصنف اظہر کلیم

کے ایڈونچرس قلم سے

دو حصوں میں مکمل سیٹ =/100

مکتبہ القریش سرکلر روڈ اردو بازار لاہور

فون 7668958

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

شاڈی اُس چہرے کو زندگی بھر بُھلا نہ سکتا تھا۔

تھامس نے اپنی ایک اُنگلی اُٹھا کر شاڈی کے سامنے نچائی۔

"اب تم بولو گے؟" اُس کا لہجہ بہت خوفناک تھا۔

شاڈی کی طرف اُٹھی ہوئی اُنگلی کا رُخ گروہ صداقت کے اُن ممبروں کی طرف ہو گیا جو اِس عقوبت خانے کے کارندے تھے۔ شاڈی کی بندشیں اور تنگ ہونے لگیں۔ شاڈی بہت سخت اذیت سے گزر رہا تھا۔ اُس کی چیخیں نکلنے لگیں۔

"بولو برادر شاڈی۔" تھامس کی سرسراتی ہوئی آواز عقوبت خانے میں گونجی۔ "بس اتنا بتا دو کہ تم کس کے لیے کام کر رہے ہو اور یہاں کس مشن پر آئے تھے؟"



دینولیوی نے لوگوں کے ذہنوں پر کنٹرول کر رکھا تھا۔ موسیقی کی لے پر معتقدین کے جسم لہریں کھا رہے تھے۔ مسلسل چیخنے کے باعث اُن کی آوازیں بیٹھنے لگی تھیں۔ اُنھیں علم تھا کہ اس عبادت کے بعد اُنھیں وہ لذیذ کھانا ملے گا جس کو کھا کر اُن کے تمام جذبے بیدار ہو جائیں گے۔ اُنھیں یہ علم نہیں تھا کہ اس کھانے کی تیاری میں خاص قسم کے کیمیکل استعمال کیے جاتے ہیں۔

"عبادت گزاروں" کے اس ہجوم میں کہیں کہیں چند گنجے بھی نظر آ رہے تھے۔ اُن کے گنجے سر چمک رہے تھے۔ سان کا مقام دوسرے معتقدین سے قدرے بُلند تھا۔ اُنھوں نے اپنے رہنما دینولیوی کی طرح سر منڈا رکھے تھے۔ اُن کے سر ہی نہیں پورے جسم کے بال اُتار دیے گئے تھے۔ جسم منڈانا دراصل دینولیوی سے محبت کا ایک ثبوت تھا۔ اس وقت دینولیوی ایسے ہی لوگوں کو بڑی محبت سے دیکھ رہا تھا۔

ڈاریل اور شیری بھی دوسروں کی طرح ہی مست تھے۔ تاہم ڈاریل کا ذہن ہر بات نوٹ کر رہا تھا۔ وہ جب بھی یہاں آتا اُسے ایسا لگتا جیسے وہ بہت کچھ حاصل کر رہا ہے۔ اُس کے نزدیک دینولیوی واقعی بہت عظیم ہستی تھی۔ اُس کی چھوٹی چھوٹی کالی آنکھوں میں کوئی خاص چمک تھی۔ اُس کے اُبھرے ہوئے نقوش مگرمچھ جیسی ناک، موٹے ہونٹوں اور تقریباً کالی جلد میں دلکشی چھپی ہوئی تھی جو کسی ماورائی طاقت کا سبب نظر آتی تھی۔

ڈاریل کے ذہن اور جسم میں ایک نیا جوش سمانے لگا۔ اُس نے مُٹھ کھولا اور چلّانے لگا۔ "امن محبت، اُخوت، کلیسائے یوم نجات زندہ باد۔ عظیم دینولیوی پائندہ باد..... ہم سب کے خدا... ہمیں امن دے، ہمیں محبت دے، ہم پر رحم کر

×

شاڈی کی کئی ہڈیاں ٹوٹ چکی تھیں اور اب وہ اذیت سے نجات کے بعد سسکیاں لیتا ہوا تسلیم کر رہا تھا کہ وہ پولیس والا ہے ڈینور پولیس انٹیلی جنس کا رُکن ہے۔

"تم یہاں کس مشن پر آئے تھے؟" برادر تھامس نے پوچھا۔

"کئی ہفتوں سے یہ شکایتیں مل رہی تھیں کہ بچے گھروں سے بھاگ رہے ہیں۔ ویسے بھی... گوشتہ... کئی ماہ سے گھروں سے فراری شرح بڑھ... گئی تھی اور... اور... والدین یہ جاننا چاہتے تھے کہ... کہ... ان کے بچوں پر... کلیسائے یوم نجات... نے کس قسم کا... دباؤ ڈالا ہے... اور وہ... کلیسا والے بچوں... کو کس طرح اپنا مطیع بنا لیتے... ہیں۔ بعض ایسے بچوں... نے جو کلیسا سے فرار ہو کر... گھروں کو واپس پہنچے... اپنے گھر والوں کو بتایا کہ... کلیسا میں منشیات کا استعمال... کرایا جاتا ہے اور... اور... منشیات کے استعمال... کے ذریعے... ذہن کو... دینولیوی... اپنا غلام... بنا لیتا ہے۔"

تھامس غور سے سُن رہا تھا۔

"ایسے بچوں کے... گھر... والوں نے... دوسروں کو... اور اُنھوں نے پولیس کو اس... صورتِ حال سے... مطلع کیا تو... حکام نے... مجھے اس... مشن کے لیے... منتخب کیا... کیونکہ... یہاں کے لوگ... مجھے پہچانتے نہیں... تھے... ہیں... میں... نے یہاں... کے حالات... کا اچھی طرح... جائزہ لیا... اور... جب میں نے سب کچھ دیکھ لیا... تو... تو میں نے نکلنا چاہا... مگر... مجھے... پکڑ لیا... گیا۔ تم... تم لوگوں کو میرے بارے میں کس طرح علم ہوا؟"

"یہ مسئلہ اتنا اہم نہیں ہے۔" تھامس نے مُسکرا کر جواب دیا۔ "اتنی سی بات کے لیے ذہن کو مت تھکاؤ۔ اب میں تمھیں جنوبی سمندروں کی ایک دوست سے ملاتا ہوں۔" یہ کہہ کر اُس نے ایک موٹا چمڑی دستانہ کے دائیں ہاتھ پر چڑھایا۔ اُس پر واٹر پروف لپیٹا اور پھر مُسکراتا ہوا عقوبت خانے کے ایک کونے کی طرف بڑھ گیا۔ جہاں ایک بڑا... فش ٹینک رکھا ہوا تھا۔ اس ٹینک میں سے پانی کے بلبلوں کے علاوہ دوسری عجیب سی آوازیں بھی آ رہی تھیں۔ ساحلِ سمندری ماحول پیدا کرنے کے لیے مختلف چیزیں رکھی گئی تھیں جن میں پتھر اور سیپیاں بھی شامل تھیں اور ان چیزوں کے درمیان شوخ رنگ اور خوبصورت سمندری مخلوق بیٹھی ہوئی تھی۔ اُس کی شکل مچھلی تھی۔ اُس کے سانس لینے سے بُلبلے بن رہے تھے۔ تھامس نے دستانے والا ہاتھ ڈال کر ایک مچھلی کو اُٹھا لیا۔

"یہ جعفر افیانی کون ہے اور اسے جعفر افیانی کون کا نام قدیم زمانے کے جادوگروں نے دیا تھا برادر شاڈی۔" تھامس نے ہاتھ ٹینک سے نکال کر کہا۔ اُس کے چہرے پر عجیب سی اور مکروہ مُسکراہٹ تھی تو اس مخلوق

کے دانت نوکیلے اور تیز ہوتے ہیں۔ یہ دانت مُنہ کے اندر خولوں سے نکلتے ہیں اور جس چیز میں پیوست ہوتے ہیں، اُس میں اپنا مُہلک زہر منتقل کر دیتے ہیں۔ اُس کا زہر بہت سریع الاثر ہوتا ہے لیکن بہرحال انسان کے ختم ہونے میں کچھ وقت ضرور لگتا ہے۔ اب تک جعفر افیانی کون کے ڈسنے سے دس افراد ہلاک ہو چکے ہیں... تمھارا نمبر گیارھواں ہو گا۔"

تھامس نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر سمندری مخلوق کا مُنہ شاڈی کے سینے پر رکھ کر دبا دیا۔

شاڈی کی ایک کربناک چیخ عقوبت خانے میں سر پھوڑنے لگی۔

تھامس نے دوسری بار سمندری مخلوق کا مُنہ اُس کے سینے پر رکھ کر زور لگایا۔ شاڈی کی ایک اور چیخ نکلی، اس بار بھی جعفر افیانی کون کے تیز دانت اُس کے سینے میں پیوست ہوئے تھے۔ شاڈی کی دوسری چیخ ایک مسلسل چیخ میں بدل گئی۔

"کیا ہمیشہ ایسا ہی ہوتا ہے برادر؟" لوئیس نے اپنے باس سے دریافت کیا۔

"ہمیشہ!" تھامس نے جواب دیا۔

"میرا مطلب ہے کہ کیا اس کا شکار اسی طرح چیختا رہتا ہے۔ کیا جنھیں دیر تک جاری رہتی ہیں؟"

"ہاں... بعض اوقات ڈسا ہوا آدمی کئی روز تک یونہی چیختا اور تڑپتا رہتا ہے۔ خیر اب اس فضول بحث میں مت پڑو، ہمیں دوسرے کام بھی کرنے ہیں۔ عبادت اُن کی محبت اب ختم ہونے والی ہی ہو گی۔"

ایک خوبصورت، گہرے نیلے رنگ کی فورڈ ۱۲۸۵ اسٹریٹ سے پار کر اسٹریٹ پر آئی۔ دریائے سائز کا ایک خیمہ عقبی حصے میں رکھا ہوا تھا۔ فورڈ کی چھت پر ایک کشتی بندھی ہوئی تھی۔ ڈرائیور تنہا تھا اور اس نے روایتی ماہی گیروں جیسا لباس پہن رکھا تھا۔ فورڈ میں بیٹھا واحد شخص اس دور کا سب سے بڑا فاسٹر شہزادہ ٹائیگر تھا۔

ان دنوں امریکہ میں سب سے عام اور اہم خبر یہ تھی کہ ایک شخص... صرف ایک شخص... جرائم کے خلاف سرگرم عمل ہے۔ لوگوں میں اس کا نام بھی معلوم تھا۔ جاپانیوں کے بعد شہزادوں کا نام بعض اجتادات نے لیا تھا لیکن کسی کو یہ علم نہیں تھا کہ یہ شہزادوں کون ہے۔ اس کی شکل و صورت کیسی ہے اور کس طرح اور کہاں رہتا ہے۔ باجا کیل فورنیا اور خلیجوں کی رہائی کی خبریں بھی امریکی اجتادات میں شائع ہو چکی تھیں اور بعض اجتادات نے یہ اشارے دیے تھے کہ ڈاکوؤں کا قلع قمع کرنے والا شخص بھی یہی ہے۔ ان اجتادات نے دعویٰ کیا تھا کہ فسٹ بینک و نیو

سوم نامی کوئی شخص کسی امریکی شہر یا قصبے میں زندہ نہیں۔

ٹائیگر کی شیلا کے واقعے کے بعد اپنے جسم پر مکمل قابو رکھا تھا لہٰذا اُس نے اپنا وزن ۲۵۰ پونڈ سے اُوپر نہیں ہونے دیا تھا۔ وزن نہ بڑھنے کے باوجود وہ گردن اور کلائیوں سے پہلوان لگتا تھا۔ ایسا پہلوان جو چوکس، مستعد اور پھرتیلا ہو۔ وہ بجلی کی طرح حرکت کرتا تھا، بجلی کی طرح گر سکتا تھا۔

اس وقت نہ تو وہ کسی مشن پر تھا اور نہ ہی اُوشان اُس کے ساتھ تھا۔ اُوشان سانجو کے کسی گزرے ہوئے ماسٹر کی برسی کے باعث کمرے میں بند ہو کر اُس کی یاد میں عبادت کر رہا تھا اور اُس نے ٹائیگر کو خبردار کر دیا تھا کہ نو نکا ماسٹر جی لی شواونگ پی بہت عظیم ماسٹر تھا لہٰذا عبادت بھی کئی روز تک جاری رہے گی اور یہ کہ اگر ٹائیگر نے کمرے میں جھانک کر بھی دیکھا تو ماسٹر جی لی شواونگ پی کی روح زخمی ہو جائے گی۔ ٹائیگر روح کو زخمی نہیں کرنا چاہتا تھا لہٰذا اُس نے چھٹی کے پورے دن خالصتاً تفریح میں گزارنے کا پروگرام بنایا۔ ایلن حسبِ معمول ایشیا کے کسی ملک میں تھی۔ ٹائیگر ڈینور چلا آیا۔ اُسے علم ہوا تھا کہ چیری کریک ریزوارٹر تفریح کے لیے بہترین جگہ ثابت ہو سکتا ہے۔

ٹائیگر کی نظر دریا سے تفریحی مرکز کے موڑ پر پڑی تو اُس نے گاڑی پارکر اسٹریٹ پر ڈال دی۔ اُس کی آمد کا کسی نے بھی نوٹس نہیں لیا۔ وہ بھی ان درجنوں عام لوگوں کی طرح جو تفریح کے لیے آئے ہوئے تھے اس کے کپڑے بھی عام سے لوگوں کی طرح تھے۔ اُس کے چہرے پر بھی لاابالی پن برس رہا تھا۔

سینٹر کے مشرقی دروازے پر اُس نے داخلہ فیس ادا کی۔ علاقے کا نقشہ لیا اور تفریحی علاقے میں داخل ہو گیا۔ درختوں کے جُھنڈ میں اُسے کیبن الاٹ کیا گیا تھا۔ یہاں مشروبِ رنگ باتھ روم اور شاور تھے۔ ٹائیگر نے خیمہ نکال کر اپنے کیبن کے قریب لگایا، چھوٹا سا جنریٹر نصب کیا اور پھر گہرے نیلے پانیوں میں جانے سے قبل ایک ٹیلی فون بوتھ کی طرف بڑھ گیا۔

"گڈ مارننگ!" رُوبی کی خوشگوار آواز سُن کر وہ مُسکرانے لگا۔ اُسے علم تھا کہ دوسری طرف رُوبی نہیں بلکہ اُس کی آواز کا ٹیپ بج رہا ہے۔

"مسٹر اسٹونر تشریف نہیں رکھتے لیکن ایک گھنٹے کے اندر اندر وہ آ جائیں گے اگر آپ اپنا نام اور رابطے کے لیے فون نمبر بتا دیں تو آپ کو بعد میں فون کیا جا سکتا ہے۔ ٹون کی آواز سُننے کے بعد نام اور نمبر بتا دیں، شکریہ....."

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

پر فون کیا تھا، وہ بہرام سے رابطے کے لیے ایک خاص نمبر تھا۔ بعض اوقات اُسے انھی نمبروں سے ضروری اطلاعات بھی ملتی تھیں۔ اب اُسے اطمینان تھا کہ بہرام شام تک اُسے ضرور فون کرے گا۔

وہ دھنک رنگ آسمان کی طرف دیکھنے لگا۔

چینی کریک کا پانی سراب کی طرح تھا۔ اس سراب کی وجہ سورج اور بے بادل آسمان تھا۔

فشنگ سیزن تقریباً ختم ہو رہا تھا لیکن ٹراؤٹ مچھلیاں بہرحال شکار ہونے کے لیے دستیاب تھیں۔

ٹائیگر نے لائین ڈالی اور فوراً ہی اُسے لائین کے بھاری ہونے کا احساس ہو گیا۔ اُسے علم تھا کہ کوئی بھوکی مچھلی کانٹے میں پھنس گئی ہے۔ اُس نے ڈور کھینچی، مچھلی چیخ رہی تھی۔ وہ مسکرانے لگا۔ اُس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ اُس نے مچھلی کو بڑے پیار سے کانٹے سے نکالا اور واپس سمندر میں ڈال دیا۔

وہ دیر تک یہی کھیل کھیلتا رہا حتیٰ کہ اُکتا گیا۔ اُسے یقین تھا کہ اُس نے کسی بھی مچھلی کا دل نہیں دکھایا ہے۔ اُس نے آخری کوشش کی۔ اس بار جو ٹراؤٹ ہاتھ آئی، وہ خاصی موٹی تھی۔ اُس نے اُسے پانی میں واپس نہیں ڈالا کیونکہ یہ بہرحال اس کی ضرورت تھی۔

ٹائیگر نے واپسی کا ارادہ کیا تو سورج ڈینور شہر پر غروب ہو رہا تھا جبکہ ساؤتھ ویسٹ ہیون پیک دُور نظر آ رہی تھی۔ اُس نے مچھلی میں واپس آ کر مچھلی ہی طرح کاٹ کر خوب دھویا، ہر ایسی چیز نکال دی، جو وہ نہیں کھا سکتا تھا پھر مچھلی کے ایک جیسے قتلے کر کے انھیں ریفریجریٹر میں محفوظ کر دیا۔ نہا دھو کر وہ پاس چھوٹی سی دکان پر گیا جو بزنس آفس سے منسلک تھی۔ اُس کے ذہن میں چند اشیاء کے نام محفوظ تھے اور وہ تازہ اخبار بھی پڑھنا چاہتا تھا۔

اسٹور پر ڈینور پوسٹ کی ہیڈ لائن نے اُس کے بڑھتے ہوئے قدم روک لیے۔ اُس نے اخبار کے گرد بغل میں دبا دیا۔ اسٹور میں جا کر ضروری اشیا خرید لیں۔ مقامی آشاروں، نالوں اور جھرنوں کے بارے میں گفتگو کی اور پھر واپس چلا آیا۔ اُس نے خیمے میں داخل ہونے سے پہلے کرسی پر منہ کر اخبار کھول لیا۔

"ڈینور! چیف آف پولیس آرتھر جی ڈل نے اعلان کیا ہے کہ گزشتہ پانچ سال سے ڈینور پولیس میں فرائض انجام دینے والے سارجنٹ شاؤ ڈیوس انتقال کر گئے۔ چیف آف پولیس کے مطابق سارجنٹ ڈیوس کو فرائض انجام دیتے ہوئے

اظہار کرتے ہوئے کہا کہ اس قتل سے ہر پولیس والے کا دل بھر آیا ہے۔ پریس کانفرنس کے دوران جب پولیس کے سربراہ سے پوچھا گیا کہ قتل کے وقت مقتول پولیس افسر کس کیس پر کام کر رہا تھا تو انھوں نے اس سوال کا جواب دینے سے انکار کر دیا۔ واضح رہے کہ جنوری ۷۵، سے اب تک فرائض دیتے ہوئے تین قابل پولیس افسر قتل ہو چکے ہیں۔"

ٹائیگر تیزی سے باقی خبر بھی پڑھ گیا جس کے مطابق سارجنٹ شاؤ ڈیوس باقی دو افسروں کی طرح پہلے لاپتا ہوا اور پھر اُس کی لاش جنوبی ڈینور کی ایک ایسی کھائی میں ملی، جو جھاڑیوں اور خودرو پودوں سے بھری ہوئی ہے۔ ابتدائی تجزیاتی رپورٹ کے مطابق اس کی موت دو روز قبل ہو گئی تھی۔ اُسے زہر دیا گیا تھا۔ خبر میں کہیں بھی یہ ذکر نہیں تھا کہ مقتول پولیس افسر کس کیس پر کام کر رہا تھا نہ ہی رپورٹر نے اس بارے میں کوئی قیاس آرائی کی تھی تاہم سرسری طور پر صرف یہ ذکر کیا گیا تھا کہ گزشتہ ڈیڑھ سال سے ڈیوس خفیہ محکمہ کا رکن تھا۔

"پولیس افسر کا قتل، زہر دے کر مارا گیا اور میں صرف دس میل دُور تھا۔" ٹائیگر نے ایک طویل سانس لی۔ فرائض کے دوران پولیس والے کی موت پر وہ عموماً افسردہ ہو جایا کرتا تھا اور اس وقت بھی اُس کی یہی کیفیت تھی۔ "دھت تیرے کی۔" اُس نے اُمدد میں جھلا کر کہا۔ "یہ ہے تعطیلات کا آغاز۔"

اُسی لمحے اُس کی فوڈیں سے بپ بپ کی آواز آنے لگی۔ وہ پک کر گھاڑی میں گھس گیا۔

"کیا یہ کے آر ۲۴۸۵ جے ہے؟" کسی عورت کی اُکتائی ہوئی آواز سنائی دی۔

"یس... ایٹ از...!" ٹائیگر نے موبائل ٹیلی فون کا ہینڈ سیٹ اُٹھا کر کہا۔

"ریئل کال فار یو... گو ہیڈ... پارٹی...!"

بہت دُور سے مائیکروویو اور یو ایچ ایف کے ذریعے اُسے ایک مانوس آواز سنائی دی۔ "ہیکا ہو...!" پارٹی نے قدیم کوریائی زبان میں کہا۔ ٹائیگر کو حیرت ہی ہوئی کیونکہ اُدشان کبھی اُس سے اس طرح بذریعہ اسکی نظام بات نہیں کرتا تھا۔ "تو تھری زیرو زیرو فور البلا نائین سکس تھری سیون فور ون سیون۔"

"آپ کی آواز کتنی خوبصورت ہے لٹل فادر۔" ٹائیگر نے ہنس کر کہا اور ریسیور رکھ دیا کال ختم ہو چکی تھی۔ بہرام کا پیغام اُدشان نے دے دیا تھا اور غالباً بہرام نے اس سے یہی کہا ہو گا کہ وہ ماؤنٹ پیس پر

منہ رکھ کر گنتی گن دے اور یہ گنتی اُس نے لکھ کر دی ہو گی۔

ٹائیگر کرسی پر نیم دراز ہو کر جھولنے لگا۔ اب وہ سکون سے مچھلی کے قتلے تل کر کھا سکتا تھا۔ اس کے بعد اُسے فون کرنا تھا جس کا نمبر اُدشان نے ٹائیگر کو دیا تھا اور یہ بات اُسے اچھی طرح معلوم تھی کہ اس نمبر پر بہرام موجود ہو گا۔

✣

رات گیارہ بجے جب تازہ ٹراؤٹ کا ذائقہ ابھی موجود تھا ٹائیگر نے ریفریجریٹر کے باہر والے بوتھ سے ٹیلی فون کیا۔ اُس نے پہلے ٹائم دیکھا۔ "تو تھری زیرو زیرو فور؟"

"گیارہ بج کر چار سیکنڈ!" فوراً ہی جونہی چار سیکنڈ پر پہنچی اُس نے موصولہ کوڈ کا دوسرا سیٹ ڈائل پر گھمایا۔ پہلی ہی گھنٹی بجی تھی کہ ریسیور اُٹھا لیا گیا۔

"ہیلو... دبڑاک لگا دو۔" یہ بہرام ہی کی آواز تھی۔ ٹائیگر نے جیب سے ایک بریزنکال کر ٹیلی فون کے ریسیور پر تار کے ساتھ لگا دی۔ اب یہ کال کہیں بھی نہیں سُنی جا سکتی تھی۔

"یس سویٹ ہارٹ... کیا آپ کو کوئی ایسی عورت نظر آئی جس کے چہرے پر اَن گنت بھورے تل...؟"

"میری بات سنو!" بہرام کا لہجہ بہت سپاٹ تھا اور اس کا مطلب صرف یہ تھا کہ وہ مُسکراہٹ دبانے کی کوشش کر رہا ہے۔ "تم جہاں ہو، وہاں سے قریب ایک قتل کا انکشاف ہوا ہے۔ مرنے والا پولیس افسر ایک گروپ کے بارے میں تفتیش کر رہا تھا جس کا نام کلیسائے یوم نجات ہے، اس سے قبل دو افسر اسی تفتیش کے دوران مارے جا چکے ہیں۔"

"میں جانتا ہوں۔" ٹائیگر نے کہا۔

"کس بارے میں، قتل کی وجہ معلوم ہے؟"

"نہیں، قتل کی خبر پڑھ چکا ہوں۔"

"سنو! اس گروپ کے بارے میں پروفیسر ہاسکن نے مجھے اپنی کمین گاہ سے مطلع کیا تھا۔ اُن دونوں تم جانتے ہو کہ کیسی تو زنیا میں تھے۔ ہاسکن کے مطابق بچوں کے لاپتا ہونے کی شکایتیں بڑھ رہی تھیں۔ مقتول افسر اسی بارے میں تفتیش کر رہا تھا۔ ہماری اطلاعات کے مطابق نہ صرف مقامی بلکہ دوسرے شہروں کے نوجوان بھی فرار ہو کر کلیسائے نجات میں پناہ حاصل کر رہے ہیں۔ اس نام نہاد مذہبی گروہ کے پیشوا کا نام ونیوسی ہے، نیچی کاہ بننے والا ہے۔ اس چرچ کی انتظامیہ گھر سے فرار ہونے والے بچوں کو پناہ دینے کی آڑ میں وفاقی اور ریاستی ذرائع سے فنڈ حاصل کر رہی ہے۔ ان بچوں میں سے کئی ایسے ہیں، جو واقعتاً اپنے گھروں کو واپس جانا نہیں چاہتے، اسی باعث کئی مقدمات میں فیصلے والدین کے خلاف ہوئے ہیں اور بچوں کو وینوسی کی تحویل میں دے دیا گیا ہے۔"

"گڈ... لیکن پولیس والے کی موت کا ان واقعات سے کیا تعلق؟"

"میں اسی موضوع پر آ رہا ہوں۔" بہرام نے درشت لہجے میں کہا۔ "گزشتہ تین سال کے دوران کلیسائے یوم نجات نے پوری قوم پر اثر کیا ہے۔ ہر اُس شہر میں جہاں اُس کے ذیلی ادارے یا کلیسا موجود ہیں وہاں بھی بھگوڑے بچوں کا کاروبار ہو رہا ہے۔ یہ کاروبار بہت منفعت بخش ہے، صرف ڈینور کے چرچ کو ڈھائی لاکھ ڈالر ماہانہ کی آمدنی ہے، ایک سوڈالر فی بچہ کی شرح سے اور یہ رقم عوام سے حاصل کی جاتی ہے، اسی طرح دوسرے شہروں کے کلیسا بھی گھر سے بھاگے ہوئے بچوں کو اپنی تحویل میں لیتے ہیں، انھیں سماجی بہبود کے ادارے سے مدد ملتی ہے پھر جب والدین ان بچوں کو جن کی عمریں سولہ سترہ سال تک ہیں، حاصل کرنے کے لیے عدالت سے رجوع کرتے ہیں تو بچے عدالت میں بیان دیتے ہیں کہ وہ اپنی خوشی سے کلیسا کی پناہ میں ہیں۔ عدالت ظاہر ہے کہ یہی فیصلہ دیتی ہے کہ بچے کلیسا کی تحویل میں رہیں گے۔ والدین سے رابطہ بھی قائم نہ کریں پھر کلیسا والے بھی پابندی لگاتے ہیں کہ والدین اپنے بچوں سے مل بھی نہیں سکتے۔ یہ صورتحال دراصل قومی وبا بن رہی ہے، وبا کہہ لو یا سکینڈل..."

"آپ بہت جذباتی ہو رہے ہیں چیف..." ٹائیگر بھی سنجیدہ ہو گیا۔

"ہمارے کمپیوٹر کے مطابق یہ ایک کاروبار ہے سماجی پروگرام نہیں۔ اس کا سارا فائدہ کلیسائے یوم نجات کو حاصل ہوتا ہے۔ کیلی فورنین کے ذریعے ہمیں اس اینجلز کانو نی ضیرف آفس کے کمپیوٹر نے، جو اطلاعات فراہم کی ہیں، اُن کے مطابق ہر کلیسا، چرچ وینوسی کے کلیسا میں جاتا ہے، وہ باقاعدگی سے عبادت میں شرکت کرتا ہے اور اس کے ساتھ کوئی مالع بھی ہوتا ہے۔"

"ٹھیک لیکن سوال یہ ہے کہ کلیسا والے کم عمر نسل کی ہیٹریں جمع کر کے کیا کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں؟" ٹائیگر نے سر کھجاتے ہوئے پوچھا۔

"ہمیں اس کا علم نہیں۔ کمپیوٹر سے مدد حاصل کی جا رہی ہے تاکہ ہمیں کسی واضح مقصد کا علم ہو سکے۔ مسٹر شاؤ ڈیوس کلاہے وہ بچوں کے فرار کی تحقیقات کر رہا تھا، اُس کی ڈیوٹی چرچ ہی پر تھی، وہ جس طرح ہلاک ہوا ہے اُسے ہم ناممکن ہی کہہ سکتے ہیں۔"

"بھلا زہر دینا ناممکن کیسے ہو سکتا ہے؟"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"اُسے سیل فش کے ذریعے ہلاک کیا گیا ہے۔ ایسی سیل فش نہیں جو کھائی جاتی ہے بلکہ ایسی مچھلی جس کو زہر کے انجکشن لگا کر زہریلا بنا دیا جاتا ہے۔ ایسی مچھلیوں کا نام جعفر افیانی کون ہے اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ ایسی مچھلیاں کولمبیا کو لیٹاڈو میں نہیں ہوتیں، جنوبی پیسفک میں ملتی ہیں۔ وینولیوی کا تعلق بھی سے ہے، جعفر افیانی کون بھی وہیں ملتی ہے۔ مسئلہ بہت واضح ہے۔"

"مجھے اس کیس میں اس لیے زیادہ دلچسپی ہے کہ اس کی تفتیش کے دوران ایک فرض شناس پولیس افسر ہلاک ہو چکا ہے۔"

"ٹھیک ہے، تم اُن پر نظر رکھو اور..." بہرام نہ جانے کیا کچھ کہتا رہا اور ٹائیگر نے ریسیور رکھ دیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ بچوں کو بتاہ دینے کی آسیبیں واقعی کوئی گھناؤنا کاروبار ہو رہا ہے تو پھر پوپ بھی کسی احترام یا رعایت کا مستحق نہیں ہو سکتا۔ اُسے افسوس صرف اس بات پر تھا کہ اُس کی تعطیلات کا آغاز اچھے طریقے سے نہیں ہوا۔

☆

"آؤ مورس، ہم اس ہفتے کے واقعات پر ہی گفتگو کر رہے ہیں۔" وینولیوی نے اپنے پرائیویٹ آفس کا دروازہ کھلتے ہوئے دیکھ کر کہا۔

ایک ویٹر شخص کمرے میں داخل ہوا جس کو دیکھ کر فوراً ہی اسٹیم انجن کا خیال ذہن میں آجاتا تھا۔ مورس وہائٹ کے دانتوں میں دبا ہوا سگار بھی غیر معمولی طور پر لمبا تھا۔ لوگ اُسے ۱۹۷۰ء میں بنے ہوئے سٹیم انجن کا بوائلر بھی کہتے تھے۔ وہ دوسروں کے برعکس فل ویسٹرن سوٹ میں تھا جبکہ دوسرے لوگ کلیسا کی مخصوص عبائیں اور قبائیں پہنے ہوئے تھے۔ وہ وینولیوی سے آتا ہے تکلف تھا کہ اُس کی ڈیسک پر بھی بیٹھ جاتا تھا، لوگوں کو اس کی یہ حرکت کھٹکتی تھی مگر وینولیوی نے اس کا کبھی بُرا نہیں مانا تھا۔ کلیسا میں اُس کی حیثیت بہت اہم تھی ویسے اسے کلیسا کا نائم برائے تعلقات عامہ کہا جاتا تھا۔

"ویل" مورس وہائٹ نے سگار چباتے ہوئے کہا۔ "پولیس والے کی لاش ملنا بہت غلط بات ہے" اُس کا لہجہ فہمائشی تھا۔

"ٹائی نے اس بارے میں رپورٹ پیش کر دی ہے۔" وینولیوی بولا۔ "اس کا اشارہ ایک دراز قد سیاہ فام نوجوان کی طرف تھا، جو ڈیسک کے قریب دیوار سے ٹیک لگائے ہوئے کھڑا تھا۔ ٹائی کی چندیا صاف اور چمک دار تھی، وہ روس پر دیتوں کی طرح قدیم طرز کی قبا پہنے ہوئے تھا۔ "اُس کے گروہ صداقت نے لاش کو جھاڑیوں میں چھپا دیا تھا لیکن گدھوں سے قبل کتوں نے اُسے تلاش کر لیا اور وہ اُسے کھینچ کر باہر لے گئے۔"

"یہ حماقت تھی وینو۔" مورس وہائٹ نے ترخ کر جواب دیا۔ "اگر پولیس کو ذرا سا بھی شبہ ہو جاتا کہ پولیس والا یہاں آیا تھا تو جانتے ہو کہ ہمیں کن مشکلات سے دوچار ہونا پڑتا۔"

"صبر میرے دوست... صبر..." وینولیوی نے ہنس کر کہا۔ "ہم اس ہفتے کی کمائی کا اندازہ لگا رہے ہیں۔"

"جو میرے خیال میں بہت زیادہ ہوگی لیکن اتنی آمدنی کے باوجود میرے شبے کو ضرورت کے مطابق رقم نہیں ملتی وینو۔" مورس نے مُنہ بنا کر کہا۔

"اس بارے میں کسی قسم کی فکر مت کرو میرے دوست۔" وینولیوی کا لہجہ اب بھی خوشگوار تھا۔ "رقم بہت ہے اور ویسے بھی یہ ہماری حتمی کارروائی ہوگی۔ ہاں یہ تو بتاؤ کہ اصلاح کا پروگرام کیسا جا رہا ہے؟"

"شاندار!" مورس نے کاروباری لہجے میں جواب دیا۔ "ہمارے شاک ٹریپس شیڈول کے مطابق روانگی کے لیے تیار ہوں گے۔"

"واہ!" وینو کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ "میں سیکورٹی کو صرف ایک غلطی کی اجازت دے سکتا ہوں اس سے زیادہ کا تحمل نہیں ہو سکتا۔ میں یہ یقین بنانا ہے کہ وہ سب اپنے اپنے ہدف کو پورا کریں، کوئی شاذ و خطا نہ ہو۔"

"وینو کی اصلاح کے سلسلے میں ڈاکٹر پروفیسر نے جو پروگرام وضع کیا ہے۔ وہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے مثالی ہے۔" ٹائی نے وینولیوی کا مطلب سمجھتے ہوئے احتجاج کیا۔ "ڈاکٹر لیمی کوف اس کے ساتھ ہے اور ہم نے اب تک صرف دو فیصد ایجکشن کا مشاہدہ کیا ہے۔ ابھی چند دن باقی ہیں اور میں پورے یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ ان چند روز بعد ہم سو فیصد نتائج حاصل کر لیں گے۔"

"گڈ..." وینولیوی کا لہجہ سخت تھا۔ "میں اس پولیس مین کے اندرونی حلقے میں داخل ہو جانے پر ابھی تک ناخوش ہوں ٹائی! وہ تو گروہ صداقت میں بھی شامل ہو گیا تھا۔ تم نے دعویٰ کیا تھا کہ گروہ صداقت کا ہر فرد اصلاح کے عمل سے سو فیصد گزر چکا ہے، ذرا سوچو! ایک پولیس والا ہمارے حلقے میں گھس گیا، وہ لڑکیوں کے علاوہ کلیسا کے خصوصی پروگراموں کو بھی دیکھتا رہا۔" وینولیوی کی آواز بلند ہوتی چلی گئی۔ "آخر اتنی کمزوریوں کے ساتھ ہم اس قوم کے ۶۳ اعلیٰ ترین افراد کو کس طرح قتل کر سکتے ہیں ٹائی... بولو...؟"

"مم... میں..." ٹائی نے کچھ کہنا چاہا مگر وینولیوی نے ہاتھ اُٹھا کر اُسے خاموش رہنے کا حکم دیا۔

"دوستو!" وینو کا لہجہ اچانک ہی نرم ہو گیا۔ "ہم بہت عرصے سے ایک ساتھ ہیں اگر ہم آخری مرحلے میں بے پروا ہو گئے تو پھر ناکام ہی ہوں گے اگر ایک مقامی پولیس..." یہاں داخل ہو سکتا ہے تو پھر وفاقی ایجنٹ کیا کر گزریں گے۔ کیا تمہیں یقین ہے کہ اب کلیسا میں ہمارے اندرونی حلقے میں کوئی بھی وفاقی ایجنٹ نہیں... گروہ صداقت کا ہر آدمی دل و جان سے ہمارے ساتھ ہے۔ کیا ہمارے تمام حاضر اور فعال ہمارے ہیں؟ ہر فرد کا ٹارگٹ مختلف ہے دوستو! خواتین عبادت ایمپلوئیز پولیٹیشن مختلف ہے، اُن میں سے بیشتر کی حفاظت کے انتظامات سرکاری نہیں ہوتے۔ ہمارا واسطہ ایسے سیاستدانوں سے نہیں، جو لوگوں میں گھل مل جاتے ہیں۔ ہمارا تعلق ذرائع ابلاغ، صنعت و حرفت اور تعلیم کے بڑے لوگوں سے ہے۔ نہیں ٹائی! ہم اس آخری مرحلے پر کسی ناکامی کے متحمل نہیں ہو سکتے۔"

"آپ فکر نہ کریں۔" ٹائی نے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ "آپ یہ بھی تو سوچیں کہ اعصابی دباؤ کے آخری ٹیسٹ میں وہ پکڑا ہی گیا۔"

"یہ اعصابی دباؤ کے آخری ٹیسٹ کو قطعی پیمانہ بہرحال نہیں سمجھتا۔" وینولیوی نے کہا۔ "تمہارا کیا خیال ہے کہ یہاں مزید کوئی ایجنٹ نہیں۔ تمہارے سیکورٹی کے اقدامات اس وقت ناکام ہو جاتے ہیں، جب کوئی اس مسئلہ پیش ہوتا ہے۔ میں کسی بحران سے قبل ہی نتائج چاہتا ہوں۔ بحران کے بعد نتائج کا کوئی فائدہ نہیں۔ ممکن ہے کہ میری سولہ سال لگتی ہو لیکن یاد رکھو کہ میں انتیس سال سے ہوں۔ میں بڑے بڑوں میں رہ چکا ہوں۔ کالج سے تعلیم یافتہ ہوں، پیشہ ور اور ناپختہ افراد تیار کرنے کی مجھ میں اہلیت ہے لہٰذا مجھے بے وقوف بنانے کی کوشش نہ کیا کرو۔"

"ارے... وین... وہ ہیرج...!"

مورس وہائٹ اپنی جگہ سے چلا اور ٹائی کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔ اُس نے سگار ہونٹوں سے نکال کر ہاتھ میں لے لیا۔ اب وہ ہر لفظ سگار کے اشارے سے زور دے رہا تھا۔ "وہ ہیرج ٹائی... وہ ہیرج!" اُس کا لہجہ بہت سنگین تھا اور ذرا توجہ دو، وہ تمہیں اُس وقت سے جانتا ہوں جب تم اٹین کالج میں محض ہیری ہین روڈ تھے۔ میں نے ہی بھرتی کیا تھا اس کے بعد سے اب تک تم میری ہی مخلوق ہو، تم نے ہی تمہیں بنایا ہے۔" مورس کا لہجہ بہت سنگین تھا اور چہرے پر ناگواری کے تاثرات تھے۔ "وین نے جو کچھ کہا وہ سو فیصد درست تھا۔ ابھی اس کے درست ہونے سے واقف ہو اگر منصوبے میں کوئی کمی رہ گئی تو ماسکو میں ہمارے دوست خفا ہو جائیں گے۔ انھوں نے ہمارے لیے بہت محنت کی ہے۔ ان لوگوں کو تربیت دینے میں خاصی محنت اور رقم خرچ ہوئی ہے۔ ان محنتوں کی جگہ لیں گے۔ ان عہدوں پر فائز ہوں گے جو متعلقہ ایجنسیوں میں ہیں گے کسی کو ٹیلی ویژن نیٹ ورک کا سربراہ بنانے کے لیے ٹیلی ویژن تک لانا آسان نہیں ہوتا۔ کسی بڑے صنعتی ادارے کی لیڈر شپ ہی نہیں مل جاتی اپنے آدمی کو صدر کے عہدے پر لے جانا بچوں کا کھیل نہیں ٹائی۔ شاک ٹریپس نے اپنا کام مکمل کر لیا تو ہمارے ماسکو والے دوست داخلی اقتدار پر قبضہ کرنے میں کسی مشکل سے دوچار نہیں ہوں گے لیکن اس پروگرام کی کامیابی کے لیے ضروری ہے کہ سیکورٹی میں کوئی جھول نہ ہو اور اُس کی ذمے داری صرف اور صرف تم پر ہے گنجے دوست...!"

"مورس سو فیصد ٹھیک کہہ رہا ہے ٹائی۔" وینولیوی نے بُرا کے لیے دیا۔ "یہ دو روز میں ہم ٹور پر روانہ ہو رہے ہیں اسی کے ساتھ قافلہ بہت سے اوباش چلیں گے، پورے ٹک میں پھیل جائیں گے، اُن کی اور اُن کی شناخت صیغہ راز میں رکھی جائے گی۔ اپنی اپنی پوزیشن پر کسی طرح مسکرائے صرف اس کو ڈی ضرورت ہوگی جسے سُن کر وہ متحرک ہو پورے عمل کی کامیابی کا دارومدار تم پر ہے میرے وہ پر نظر رکھنے کی ضرورت نہیں اگر تم نہیں کر سکتے تو..." مورس نے سگار چباتے ہوئے کہا۔ "ٹائیگر نے دیکھ لیا ہے۔ ایک اچھی لمبی راکھ سگار سے گری۔" تو پھر بندوبست کروں گا۔"

"جناب... خدا آپ پر اپنی رحمتیں اور علم تھا کہ وہ کس نازک صورت حال سے دوچار ہونے والا ہے۔ ایسا ہی جیسے ازخود مُوں، کہ اب کوئی بھی غیر متعلقہ شخص ہمارے ٹھکانے سے کیا کوئی شخص وینو سے لگا گیں یقین دلاتا ہوں کہ اس وقت ہو سکتا ہے؟ اس کے لیے اب ہیں، جو پوری طرح وفادار ہیں۔" ہاتی نہیں رہی تھی کہ لیو۔ یقین

وینولیوی مسکرا دیا اور اُس نے کمرے توڑنے کے لیے انٹرکام کی طرف مُنہ کر کے جُھ۔ مجبوری ہو جانے والی ہاس پر اپنا وزن تولا نا۔" ہوں کے گروپ میں شامل ہو گیا تھا لوگ مسکرا دیے۔ شبناں جیملا نے بھی کبھی

ایک ہی لمحے بعد کمرے میں چرفٹ چاک کے باعث نظروں کو خیرہ کر رہا تھا وزنی شخص داخل ہوا۔ یہ اک لینڈرز رائیڈر کا ساتھ تصویریں بنانا شروع کر دیں اور آج کل وینولیوی کا محافظ تھا۔ اُسے خصوصی طور پر لے تو وہ بھی ایک طرف گھومنے افراد کی کمان سونپی گئی تھی، جو کلیسا کے اہم افراد کی ہوئے دو آدمی جی سے بات سے پتھروں کے ڈھیر پر دو ڈور لڑھک کر اُنھیں کچل رہا

"ایک منٹ کلیون۔" وینولیوی نے ہنس کر کہا۔ "حفاظ دعویٰ ہے کہ وہ سیاح گفت گو میرے اعصاب پر اثر کر رہی ہے۔ اس کے باعث میں بنا چکا ہے۔"

بھول گیا کہ اپنے بہترین دوست کے کمان ایلنٹنے کے علاوہ اٹھ میں برادر جی بھوی ایسے دوسرے کام ہیں جن پر توجہ کی ضرورت ہے۔ کیا کسی کو بھی کا تعلق گروہ صداقت نہیں کہ آج کون سا دن ہے؟"

تمام افراد خالی خالی نظروں سے لیوی کو دیکھتے رہے۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"آج جسمانی اصلاح کا دن ہے۔" دنیولیوی کی آنکھوں میں عجیب سی چمک پیدا ہوگئی۔

"کس کی اصلاح؟" مورس نے پوچھا۔

"حوروں کے گروہ کی۔" دنیولیوی کا لہجہ بہت خوشگوار تھا۔ "مورس بھی وہیں ہے دوست! ہمارے پاس دو ایسی حوریں ہیں جو کلیسا نے یوم نجات کے دوران بہت اور شعلہ رنگ بالوں والی ہے، ابھی سترہ برس کی ہوتی ہے۔"

"ٹھیک کہتی فیلپر ہے، پندرہ سالہ... آہ! مورس میرے دوست!" کچھ کہتا رہا اور ٹائیسس کی پیشانی پر شکنیں داخ ہوگئیں۔ وہ اپنے سامنے موجود پناہ دینے کی آرڈر میں سے خوش نہیں تھا۔

بھی کسی احترام بار جایئے میری سو جوں کی ضرورت نہیں رہی؟" مورس نے اس بات پر تھا کہ اس کی

خوش نہیں ہو مورس؟" ٹائیسس نے ہنس کر پوچھا۔

"آؤ مورس، ہم اس پینے خاطر ان سرگرمیوں سے گزرنے کا تہیہ کر رکھا دنیولیوی نے اپنے پرانے دوست کا فخر مورس، ہم جسمانی اصلاح کرتے ہوئے بھی کا نہ

ایک دیو ہیکل شخص کہے اتنے جان لیوا احکام کے بعد تفریح کی ضرورت تو انجی کا خیال ذہن میں آجاتا تھا۔

سگنڈ بھی غیر معمولی طور پر بدلا تھا۔ کلیس چہکار رہا تھا۔

انجی کا بوائمز بھی بکتے تھے۔ وہ دن آنے کا وقت آگیا ہے۔" دنیولیوی نے میں تھا جبکہ دوسرے لوگ کلیسا نے لوگوں کے معائنے کا وقت...!"

ہوئے تھے۔ وہ دنیولیوی سے

پر بھی بیٹھ جاتا تھا، لوگوں کو اکٹھا کیا نے یوم نجات' میں عام عبادت نہیں ہوتی نے اس کا کبھی برا نہیں مانا تھا۔" کے سوا تمام لوگوں کے لیے بند تھا پھر بھی تھی ویسے اسے کلیسا کا ناظم برا، کا ہجوم لگا ہوا تھا۔ ٹائیگر عام سی پتلون اور

"وین، مورس وہ نظر آرہا تھا۔ اس کی گردن میں قینچے کے ساتھ والے کی لاش ملنا بہت غلا جس سے ۱۳۵۔ ایم ایم کا لینس منسلک تھا۔ اس

ٹائی نے اس بار۔ ایسا نہیں لگ رہا تھا کہ وہ ہر طرف کی تصویریں بولا۔ اس کا اشارہ ایک ملنے ہر اس شخص کی تصویر بنا ڈالی تھی، جو کلیسا میں ڈیسک کے قریب دیو۔ اخل ہو رہا تھا۔ کلیسا کے خادم بھی باہم کھڑے ہونے مذہبی چند یا صاف اور چمکد۔ رینگوں فروخت کر رہے تھے۔ ہر ایک کا نعرہ مختلف تھا۔ قبا پہنے ہوئے تھا کے نام پر دو۔" چرچ جیکٹ میں ملبوس ایک نوجوان نے چھپا لیا تھا لیکن گدیہ۔" اگر تم دولت پر سواری کرو گے تو تمہیں جنت میں جاتے کھینچ کر باہر لے۔ نہیں ملے گا۔"

"یہ حماقت۔" تم نے اس مبلغ کی بات سنی مسٹر؟" ایک خوبصورت مگر ہی ہوئی سی سولہ سالہ لڑکی نے ٹائیگر سے پوچھا۔ اس لڑکی کی آنکھیں نیلی تھیں وہ اچانک ہی ٹائیگر کے سامنے آگئی تھی اور اس کے ہاتھ میں ایک پمفلٹ تھا۔ "کل رات کو آکر یوم نجات کے پیغمبر کا خطبہ ضرور سننا۔"

"شکریہ! مگر میں...!"

"جہنم میں جاؤ۔" لڑکی اس کے انکار پر بپھر گئی۔

"ٹھیک ہے جیسی تمہاری مرضی۔" ٹائیگر ہنس کر بولا۔ دیسے حیرت تھی کہ لڑکی کتنی جلد مشتعل ہوگئی تھی۔

"ہر ایسا شخص جہنم میں جائے گا، جو یوم نجات کے داعی کی نہیں سنے گا۔"

"اس داعی کا نام کیا ہے حسینہ؟" ٹائیگر نے بڑے نرم لہجے میں پوچھا۔

لڑکی کا ردِ عمل قطعی برعکس تھا۔ اس نے دونوں ہاتھ کمر پر رکھ لیے اور ٹائیگر کو گھورنے لگی۔

"کیا تمہیں تمہارے والدین نے مسکرانا نہیں سکھایا لڑکی۔" ٹائیگر نے پوچھا۔

"مجھے اپنے ماں باپ سے نفرت ہے۔" لڑکی اچانک ہی سے چلا پڑی۔ اس کی آنکھوں میں دھندلی سی آئی۔ "وہ شیطان چیلے ہیں۔ بے گناہ اور کمزور جانوروں کا گوشت کھا کھا کر اتنے حسین زہریلے ہو گئے ہیں۔ شراب اور تمباکو کا زہر ان کی رگوں میں سرایت کر گیا ہے۔ وہ اپنے سالسوں اور نفسوں کے زہر سے فضاؤں کو مسموم کر رہے ہیں۔ وہ سب کے سب جہنم کی آگ میں جلیں گے۔"

"ارے... رے... سنو...!" ٹائیگر نے لڑکی کے بازو پر رکھنے کے لیے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا۔ اتنے غصے میں مت آؤ۔" جس طرح بپھری تھی، وہ حیرت انگیز تھا۔ ان تمام گالیوں کے لڑکی کی آنکھیں خالی خالی رہیں، جسم اس طرح کانپ رہا تھا جیسے غیر مرئی قوت نے اسے اپنا مطیع بنا رکھا ہو لیکن ٹائیگر کی آنکھ کا لمس محسوس ہوتے ہی وہ پُرسکون سی ہوگئی۔ آنکھوں میں واپس آنے لگی، جسم معمول کے مطابق ہونے لگا اور چہرے کے ہونے نقوش بحال ہونے لگے۔

"غصہ مت کرو جان من! میں نے تو صرف داعی کا نام تھا۔" ٹائیگر مسکراتا ہوا بولا۔

"اصل حضرت دنیولیوی، روشنی اور محبت کا علمبردار میں آخرت کی آمد کا نقارچی، دنیولیوی ہی ہمارا پیغمبر ہے اور ہمارا باپ ہے، وہ ہمارے لیے محبتوں کی سوغات ہم اس سے اور وہ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم کل انسانیت

پیار کرتے ہیں، کیا تم مجھ سے محبت کرنا چاہتے ہو؟ ہم ایک دوسرے سے پیار کر سکتے ہیں۔"

ٹائیگر کو پہلی بار ایسا لگا جیسے اُسے قے ہو جائے گی۔

وہ ایسا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ اُسے شدید قسم کا غصہ محسوس ہونے لگا۔ آخر وہ کن درندوں کی بھینٹ چڑھ چکی ہے اور قانون کیا کر رہا ہے۔ اُس نے بہرحال اس غصے پر دو تین طویل سانسیں لے کر قابو پا لیا۔ وہ سوچنے لگا کہ کیا قانون نے اس غیر قانونی حرکت کی اجازت آزادیٔ مذہب کے نام نہاد آئین کے تحت دی ہے؟ اُس نے اپنے لہجے کو ٹھیک کرنے کے انداز میں ترچھا کیا اور اس کا بٹن دبا دیا کیمرے سے کلک کی آواز بھی پیدا نہیں ہوئی۔ اسی لمحے ایک طاقت ور نوجوان جو سفید ٹیونک میں ملبوس تھا، اُن کے قریب آیا۔ "کیا کوئی مسئلہ درپیش ہے میری جین؟"

"اوہ... یس... نہیں۔" میری جین عجیب سے انداز میں اُسے دیکھتی ہوئی بولی۔ "اس وقت میں محبت سے سرشار ہوں۔ اس جاہل کو محبت کی قوت سے باخبر کر رہی تھی۔ یہ بتا رہی تھی کہ عظیم دنیولیوی نے ہمیں کس طرح محبت کرنے کا درس دیا ہے۔"

نوجوان کی سرد آنکھیں ٹائیگر پر مرتکز ہوگئیں، جو اس وقت محض سیاح نظر آرہا تھا۔ اُس کے چہرے پر معصومانہ تاثرات تھے جبکہ نوجوان کا چہرہ اُس کے باطنی غصے کا مظہر تھا پھر اُس نے سر ہلاتے ہوئے لہجے میں کہا۔ "تم کسی دوسرے شخص کو تلاش کر لو میری جین!"

"ضرور جی... اور تم... تم بھی ہمارے ساتھ مل کر محبت کرنا۔ یا پھر جہنم میں چلے جانا۔" یہ جملہ اُس نے ٹائیگر سے کہا تھا اور فوراً ہی چلی گئی تھی۔ اُس کے چلے جانے کے بعد جی نامی لڑکا ٹائیگر کی طرف پلٹا۔

"اب تم بھی چلتے پھرتے نظر آؤ... لیکن ذرا یہ تو بتاؤ کہ تم کون ہو؟ مجھے تمہارے جسم سے پولیس والوں کی مخصوص بدبو آرہی ہے۔ تم یقیناً ہماری مذہبی سرگرمیوں میں ٹانگ اڑانے کے لیے یہاں آئے ہو، خدا تمہیں اس جرم کی سزا ضرور دے گا۔"

"ہوش میں رہو۔" ٹائیگر نے غرا کر اس طرح کہا کہ جی کے چہرے پر خوف کی پرچھائیاں لرزنے لگیں۔ "میں صرف اور صرف سیاح ہوں۔ کسی قسم کی گڑبڑ کا متحمل نہیں ہو سکتا لیکن اگر کسی نے میرے ساتھ گڑبڑ کرنے کی کوشش کی تو میں بھی کمزور نہیں ہوں۔"

جی کی آنکھیں حیرت کے باعث نارمل سائز سے دُگنی ہوگئیں۔ اُس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ کوئی یہاں اس قسم کی عملی دھمکی بھی دے سکتا ہے۔ اُسے بتایا گیا تھا کہ دنیولیوی کے سوا کوئی بھی طاقت ور نہیں۔ اُس نے اپنے سامنے کھڑے ہوئے سیاح کو پہلی مرتبہ بغور دیکھا۔ اُس سیاح کے چہرے پر خفگی اور برہمی تھی، خوف کا نام و نشان تک نہیں تھا۔

"سس... سوری جناب! جی ہکلانے لگا۔ "میں غلط فہمی کا شکار ہو گیا تھا۔ آپ دیکھ ہی رہے ہیں کہ ارد گرد کیسے اوباش لوگ منڈلا رہے ہیں۔ ان میں سے بہت سے ایسے ہیں، جو صرف حوروں کو دیکھنے کے لیے یہاں آتے ہیں۔"

"حوریں؟" ٹائیگر چکرا کر رہ گیا۔

"جی ہاں، ہم ان لڑکیوں کو جو اپنی زندگیاں کلیسا کے لیے وقف کر چکی ہیں، ننوں کی بجائے حوریں کہتے ہیں۔ بہت سے اوباش لوگ ان حوروں سے چھیڑ چھاڑ کے لیے یہاں جمع ہو جاتے ہیں اور ہمیں اُن پر نظر رکھنی ہوتی ہے۔" اُس نے یہ کہہ کر اس طرح مسکرانے کی کوشش کی جیسے بالکل بے بس ہو۔

"جب یہ اُن پر جا کر نظر رکھو، مجھ پر نظر رکھنے کی ضرورت نہیں میں کسی حور کو ورغلانے کے لیے نہیں آیا ہوں۔" ٹائیگر نے روکھے انداز میں کہا۔

"درست... بالکل ٹھیک جناب... خدا آپ پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔" آخری جملہ بالکل رسمی تھا ایسا ہی جیسے از خود اور عادت کی وجہ سے لوگ زبان سے پھسل گیا ہو۔ جی، ٹائیگر سے دُور جانے کے باوجود سوچ رہا تھا کہ کیا کوئی شخص دنیولیوی سے بھی زیادہ طاقت ور اور سحر انگیز ہو سکتا ہے؟ اس کے لیے اب اس اصول میں زیادہ کشش باقی نہیں رہی تھی کہ کیوں نہ یقین کر لو۔ وہ جہنم میں چلے جائیں گے۔

ٹائیگر خزاں کے باعث بھوری ہو جانے والی گھاس پر اِدھر اُدھر گھومتا رہا۔ وہ سیاحوں کے گروپ میں شامل ہو گیا تھا کبھی اوپر دیکھتا، جہاں اب روشنیاں جھلملانے لگی تھیں اور کبھی اس طرف کی بلندی کی طرف جو روشنی کے باعث نظروں کو خیرہ کر رہی تھی۔ اس نے درختوں کی طرح گنبد کی تصویریں بنانا شروع کر دیں اور جب دوسرے سیاح آگے بڑھ گئے تو وہ بھی ایک طرف گھومنے لگا۔ اُسے احساس تھا کہ دُور کھڑے ہوئے دو آدمی جی سے بات کرتے ہوئے اسی کی طرف دیکھ رہے ہیں۔

"یہ کون تھا برادر جی؟"

"میں یقین سے نہیں کہہ سکتا مگر اُس کا دعویٰ ہے کہ وہ سیاح ہے۔" جی نے جواب دیا۔ "بہت سی تصویریں بنا چکا ہے۔"

"سیاح تصویریں بنانے کے لیے ہی آتے ہیں برادر جی۔" بھوری قبا میں ملفوف دوسرے شخص نے کہا۔ ان دونوں کا تعلق گروہ صداقت

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

سے تھا تو تم اس کے پاس کیوں گئے تھے؟"

"میری مین کچھ بہک رہی تھی۔" جمی نے جواب دیا۔ "پتا نہیں کبھی کبھی ایسا لگتا ہے جیسے میری مین نشے میں رہتی ہے۔"

"ہوں! تمھیں اس بات کو زیادہ محسوس نہیں کرنا چاہیے اگر وہ بہک رہی ہے تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے! اس کی راتیں ایسی ہی گزرتی ہیں۔"

"برادر ڈیمن!" جمی نے احتجاج کرنے والے انداز میں ہاتھ اٹھایا۔

"وہ زور سے بول رہی تھی۔ محبت کے نشے کو وہ درختوں کے جھنڈ تک سے سن رہا تھا۔ لہٰذا پر آمادہ تھی۔ وہ شخص اس کی باتوں میں نہ صرف ضرورت سے زیادہ دلچسپی لے رہا تھا بلکہ ایسا لگ رہا تھا جیسے اس نے میری مین کی تصویر ہی اتار لی ہے۔"

"ہوں..." گروہ صداقت کے دونوں کارندے اچھل پڑے تھے۔ "اس نے میری مین کی تصویر بنا ڈالی اور تم نے ہمیں فوراً مطلع نہیں کیا جمی...؟ کیا تم نے یہ نہیں سوچا کہ اس کے کیمرے سے ٹیپ بھی منسلک ہو سکتا ہے؟ ڈیمی واقعتاً چیخ پڑنے کے قریب تھا۔

"سوری سے کیا فرق پڑتا ہے؟" جمی نے حیرت سے اس کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"تم سے کام نہ لڑکے!" ڈیمن نے غرا کر کہا۔ "میری مین پر وین کی حاوی ہے۔ وہ اتنی مدہوش رہتی ہے کہ اسے اپنے آپ کی بھی فکر نہیں رہتی۔" جمی کی آنکھیں حیرت سے پھٹی رہ گئیں۔ "ہاں جمی! وہ نشہ کرتی ہے تم نے درست اندازہ لگایا تھا اسی باعث اس پر زیادہ کوئی نگاہ رکھنے کی ضرورت ہے۔ تم اصلاحی پروگرام میں کلاسوں کے درمیان یہ اچھی طرح سمجھ چکے ہو کہ ہماری تحریریں صرف کلاس کی خاطر یہ کام کرتی ہیں یہ گناہ نہیں... لیکن کوئی بھی پولیس والا اگر یہ بات میری مین سے اگلوا کر ٹیپ کر لے گیا تو پھر نام نہاد قانون حرکت میں آ جائے گا۔ جمی! ہوش سے کام لیا کرو، ورنہ نہ صرف ہم بلکہ اعلیٰ حضرت بھی مشکل میں پڑ جائیں گے۔ ہمیں علم ہے کہ پرانی اخلاقیات ختم ہو چکی ہیں نئے اخلاق اور معیار نے جنم لیا ہے لیکن پولیس والوں کو اس تبدیلی کا ابھی تک احساس نہیں ہو سکا ہے۔ محبت لافانی ہے۔ خواہ یہ محبت کسی بھی انداز میں اور کسی کو بھی دی جائے لیکن بہرحال محبت کسی پولیس والے کو نہیں دی جا سکتی۔"

"یقیناً! تم نے درست کہا برادر ڈیمن لیکن اگر وہ واقعی پولیس والا ہے تو پھر مجھے کیا کرنا چاہیے؟" جمی نے پوچھا۔

"تم آئندہ ان باتوں کا خیال رکھنا جمی... اور اب اس سیاح اور اس کے کیمرے کا مسئلہ ہمارے لیے چھوڑ دو۔" ڈیمن نے جواب دیا، جس پر جمی سکون کی سانس لے کر سر ہلانے لگا۔

٭

ٹائیگر عام سے انداز میں چلتا ہوا معبد سے دور ہو تا گیا۔ اس کا رُخ یونیورسٹی ایونیو کی طرف تھا جہاں کریک کے پار فائنل کنگ گراؤنڈ کے قریب کمرشل بلڈنگز کھڑی تھیں اور کلیسا کے اردگرد کے منظر سے بالکل برعکس جدید ترین طرزِ تعمیر کا نمونہ پیش کر رہی تھیں۔ ٹائیگر کو اپنی کمپنی گاڑی تک پہنچنے کے لیے تقریباً ڈیڑھ فرلانگ کا فاصلہ طے کرنا تھا جہاں وہ کریک کے پل پر ابھی وہ چند قدم ہی چلا تھا کہ اسے سامنے سے دو افراد اس طرح آتے ہوئے نظر آئے کہ فٹ پاتھ کی چوڑائی ان دونوں سے بھر گئی تھی۔ ان کے ہاتھ جما کی لمبی اور پھولی ہوئی آستینوں میں چھپے ہوئے تھے۔ بھوری قمیضوں سے صاف ظاہر تھا کہ وہ کلیسا کی ممتاز حیثیت کے رکن ہیں۔ ان کے انداز سے صاف ظاہر تھا کہ وہ ٹائیگر کو راستہ دینے کے لیے ایک طرف نہیں ہٹیں گے۔ ٹائیگر اپنے مخصوص انداز میں قدم آگے بڑھاتا رہا لیکن اسے یہ احساس ضرور ہو گیا کہ کلیسا والے اس میں کسی نہ کسی سبب دلچسپی ضرور لے رہے ہیں۔

پل کے آخری سرے پر ان تینوں کا آمنا سامنا ہو گیا اور اچانک ہی ایک بھوری آستین میں سے کوٹ کی نال جھانکنے لگی اور دوسرے شخص نے اپنا ہاتھ بڑھا کر ٹائیگر کا کیمرا پکڑ لیا۔ اسی لمحے ایک آڑ میں سے تیسری قبا نمودار ہوئی اور اس نے ٹائیگر کی گردن کے گرد ہاتھ ڈال کر اسے عقب سے دبوچ لیا پھر چاروں بیری کریک کے پشتے میں چھپ گئے۔

امن، محبت اور عدم تشدد کے اصول بالائے طاق رکھ دیے گئے اور ان کی جگہ محض ہنڈہ گردی نے لے لی۔

"ہٹ بے!" ٹائیگر کو غصہ آ گیا تو نوکِ زبان سے اردو کے لفظ پھسل گئے۔

"آخ... آہ...!" ایک بھوری قبا کے منہ سے کربناک سسکی نکلی۔ بات واضح تھی، ٹائیگر کا ہاتھ اس کی ران کے اوپر لگا تھا۔ یہ قبا اچانک ہی ایک طرف گری اور تڑپنے لگی مگر گردن میں پڑا ہوا بازو اب بھی اپنی جگہ پر تھا اور بازو والا ساری توانائی خرچ کر دینے کے درپے تھا۔ ٹائیگر نے صرف کہنی ہلائی، جو بازو والے کے پیٹ میں لگی۔ آہ کی زوردار آواز کے ساتھ ہی دھپ کی آواز بھی سنائی دی اور بازو ہٹ گیا۔

"برادر ڈیمن!... فلپ!... پکڑو... بچنے نہ جائے۔" کسی نے چلا کر کہا۔ یہ وہی قبا تھی جو ران پر ضرب کھانے کے بعد زمین پر لوٹ رہا تھا۔ اس نے یقیناً اٹھنے کی کئی کوششیں کی تھیں لیکن وہ اپنی اس کوشش میں کولٹ بردار اور ٹائیگر کے درمیان آ گیا تھا۔ اسی لیے گولی چلی۔ بھوری قبا کے اندر گھسی اور وہ بے حرکت ہو گیا۔ ٹائیگر نے ڈیمن کو پکڑنے کی کوشش ضرور کی تھی مگر اسی لمحے دو افراد اس پر ٹوٹ پڑے تھے۔

"فلپ... ٹیپ...!" ڈیمن نے چلا کر کہا۔ "سامنے سے ہٹ جاؤ میں سے گولی مارنا چاہتا ہوں۔"

اس سے قبل کہ وہ اس کے حکم پر عمل کرتے، یعنی کہ بازو تین جگہ سے ٹوٹ گیا، ناک پچک گئی پھر ٹائیگر نے اسے ایک ہاتھ سے اٹھا کر ڈیمن کی طرف پھینک دیا۔ یعنی ہراساں ڈیمن پر پڑے اختراع سے گرا اور ڈیمن بھی زمین بوس ہو گیا۔ دونوں نے ایک ساتھ اٹھنے کی کوشش کی۔ یعنی اپنا ٹوٹا ہوا بازو دوسرے ہاتھ میں پکڑ کر کھڑا ہو گیا اور جھومنے لگا۔ اس کے کراہنے کی آواز بہت کربناک تھی۔ اس کی ناک سے خون بہہ رہا تھا۔ گرنے کی وجہ سے ڈیمن کا کوٹ بھی کہیں دور جا گرا تھا اور اس وقت ڈیمن کی کوشش جلد از جلد کوٹ تلاش کرنے کی تھی۔ وہ ایک طرف پکا اور گرے ہوئے کوٹ کو اٹھانے کے لیے جھک گیا مگر اسی لمحے اس نے بھی بار محسوس کیا کہ انسان فٹ بال کس طرح بنتا ہے۔ زوردار ٹھوکر اس کی پشت پر لگی اور ڈیمن کسی قسم کا احتجاج کیے بغیر ساکت ہو گیا پھر وہ کسی پھسلی کی طرح پیٹ سے گر گیا۔ وہ لات لگتے ہی بے ہوش ہو گیا تھا۔

بقیہ تعداد دو بلا تبادلہ برادر فلپ ابھی باقی تھا اور وہ واقعی کن کھجورے کی طرح ٹائیگر کی پیٹھ سے چپک گیا تھا۔ اس کی کوشش یہ تھی کہ وہ تیز دھار چاقو سے ٹائیگر کی گردن کاٹ پھینکے۔ چاقو کا پھل اسٹریٹ لیمپ کی روشنی میں چمک رہا تھا اور اسے دیکھتے ہی ٹائیگر کو یقین ہو گیا تھا کہ اس پھل سے گینڈے کی گردن بھی کاٹی جا سکتی ہے۔ ٹائیگر نے محض چند لمحے بہت کر قلابازی کھائی۔ وہ اس طرح پیٹھ کے بل گرا اور برادر فلپ نے کٹن کا کام دیا۔ فلپ کے منہ سے ایسی آواز نکلی جیسے کسی بڑی گاڑی کا ٹیوب پنکچر ہو گیا ہو۔ وہ بے حس و حرکت پڑا رہا۔ ٹائیگر پر اس کی گرفت کمزور ہو گئی۔ ٹائیگر نے بیلٹ کر فلپ کو دیکھا۔ اس کے چہرے پر کرب کے آثار تھے۔ چاقو کئی گز دور پڑا ہوا تھا اور دونوں ہاتھ پسلیوں پر تھے۔ ٹائیگر نے پسلیوں پر ہاتھ رکھا۔ پھر پسلی ٹوٹ چکی تھی لیکن ریڑھ کی ہڈی اپنی جگہ سلامت تھی وہ یقیناً سانس لے رہا تھا۔ ٹائیگر ایک لمحے تک سوچتا رہا لیکن پھر اٹھ گیا وہ چاہتا تھا کہ برادر فلپ اس مقدر ماری کو زندگی بھر یاد رکھے۔

اس نے چاروں طرف دیکھا۔ دشمن یا تو بے ہوش تھے یا مر چکے تھے۔ سوال صرف یہ تھا کہ انھوں نے اسے قتل کرنے کی کوشش کیوں کی تھی؟ تب ہی اسے شاہ ڈریس یاد آ گیا۔ شاید اس کی موت کا تعلق بھی اس صورتِ حال سے ہو۔ وہ سوچنے لگا کہ کیا بات صرف بچوں کو ورغلانے کی ہے؟ اس کا ذہن تیزی سے کام کرنے لگا۔ اس نے بہت کچھ سوچا پھر جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک سکہ نکالا۔ اس سکے پر چیتے کی تصویر بنی ہوئی تھی۔ یہ سکہ اس نے بے ہوش یا مردہ لوگوں کے قریب ڈالا اور پھر ہاتھ جھاڑتا ہوا ایک طرف چلنے لگا۔

چیتے کے لیے درجنوں سکے پروفیسر ہاسکن نے بنا کر اسے دیے تھے اور یہ درخواست کی تھی کہ جب بھی وہ کوئی قتل کرے تو سکہ لاش پر ضرور رکھ دے تاکہ چار گروہ کا ریکارڈ مکمل رہے۔ ہاسکن کا کہنا تھا کہ ٹائیگر کے شکاروں کی تعداد کا حساب رکھنا ضروری ہے اور اس کے لیے ضروری ہے کہ ٹائیگر سکے ڈالتا رہے تاکہ اخبارات میں لاشوں کے ساتھ اگر سکے نہ ذکر آئے تو چار گروہ کے تمام کمپیوٹر لاشوں کی تعداد ٹائیگر کے کھاتے میں جمع کر سکیں۔

یہ پہلا موقع تھا کہ ٹائیگر نے سکہ استعمال کیا ہو۔ اسے بہرام کی منظوری ہی حاصل تھی۔ اوشان نے پہلے اس پر اعتراض کیا تھا... اور تجویز رکھی تھی کہ سکے پر اس کا نام جلی حروف میں لکھا جانے لیکن جب اسے یہ معلوم ہوا تھا کہ ہاسکن نے دوسری تجویز رکھی ہے تو وہ مطمئن ہو گیا تھا۔ وہ ٹھیک ہے عظیم پڑ داد کا عظیم پڑپوتے... اگر تم سکے پر میری تصویر دینا چاہتے ہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔"

وینولیوی کے کیس میں ٹائیگر اپنے خوش ہونے کا اعلان کر چکا تھا۔ اس نے پشتے کی طرف ایک بار پھر دیکھا اور پھر ایک طویل سانس لے کر رہ گیا۔ ایک روشن جماکا نظر نہ خیرہ کر گیا تھا۔ وہ جگنو کی طرح لپک گیا۔

★★

میری لوکاس کی خبر کی تلاش میں کلیسا نے یوم نجات تک پہنچا تھا لیکن اس نے پل کے قریب ایک انتہائی عجیب منظر دیکھا تو اپنی جگہ ساکت ہو گیا۔

قبا پوش تین افراد چیری کریک کے پل پر ایک آدمی کو دبوچ رہے تھے۔

"غنڈے...!" نفرت سے میری کا چہرہ بگڑ گیا۔ اس نے اس بے بس آدمی کی مدد کے لیے قدم اٹھایا ہی تھا کہ اس کا خون تک رگوں میں جم گیا۔ اس بے بس آدمی کے منہ سے انتہائی خوفناک للکار نکلی تھی اور پھر غنڈوں کے جسم اچھلنے لگے تھے۔ میری نے فوراً کیمرا نکال لیا اور تصویریں بنانے کے لیے بھاگ دوڑ کرنے لگا۔ کلیسا کے خلاف ایک بہترین ثبوت اس کے سامنے تھا لیکن ابھی وہ کیمرے کا لینس سیٹ ہی کر رہا تھا کہ پورا کھیل ختم ہو گیا۔ اس اجنبی ڈریگن کے باعث میری بوکھلا گیا! اس نے تین قبا پوش غنڈوں کو بے حرکت

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

پڑے ہوئے جسموں کے قریب جاتے ہوئے دیکھا اور جیسے ہی اُس شخص نے جیب سے کوئی چیز نکال کر لاشوں کے قریب ڈالی، ٹیری کی فلیش گن سے جھماکا ہُوا اور تصویر بن گئی۔

اس نے فلم ریوائنڈ کرنے کے لیے کیمرا اُٹھایا ہی تھا کہ وہ نرم بھُربھُری مٹی پر دُور جا گرا۔ کیمرا نہ جانے کس طرف گیا۔ اُس نے گھبرا کر اُٹھنے کی کوشش کی۔

"پڑے رہو۔" ایک ایسی آواز سُنائی دی، جو کسی غیر ملکی کی تھی اور ایسا لگتا تھا جیسے آواز دُور کہیں جنگلوں سے آئی ہو۔

"بچیں بھی مت جھکانا، ورنہ زندگی سے نفرت کرنے لگو گے۔"

ٹیری کانپ کر رہ گیا۔ "م... میں رپورٹر ہُوں۔ میں یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔" وہ غنودگی کر رہے تھے، ہنستے اور اکیلے آدمی پر حملہ کر رہے تھے۔ "میں تمہارے ساتھ ہُوں۔"

"مگر اس فلیش کیمرے کی موجودگی میں تم میرے دوست نہیں ہو سکتے۔" سرگوشی اس بار نرم تھی۔ اس میں ظالمانہ کاٹ شامل نہ تھی۔

"غصہ تھوک دو بھائی۔ میں ٹین ریلیو کا کیمرہ لوگ اس ہُوں، کلیسا میں گڑبڑ کی ٹپ ملنے پر اس طرف آیا تھا۔ میں کلیسا والوں کو بے نقاب کرنا چاہتا تھا لیکن یہاں آتے ہی پُل پر یہ ڈراما دیکھنے لگا۔ تو کیا سٹ، تم اُن کی قید سے فرار ہوئے ہو یا کوئی اور بات ہے؟"

"بھول جاؤ کہ تم رپورٹر ہو اور خبر کی تلاش میں یہاں آئے ہو لیکن سوال یہ ہے کہ تم کلیسا کی بجائے پُل پر خبر تلاش کیوں کر رہے تھے؟ میرا کہا مانو تو تم نے جو ڈراما دیکھا ہے، اُسے بھول جاؤ اور کلیسا کے اندر جا کر دیکھو کہ وہاں کیا ہو رہا ہے۔"

"تم کو میری خبر ہو دوست!" ٹائیگر کے نرم لہجے سے ٹیری کا حوصلہ بڑھا۔ "کلیسا والوں نے اُن کے چاروں غنڈے کام آ گئے اور تمہیں ایک خراش تک نہیں آئی۔"

"یہ بھی بھول جاؤ کہ مجھے خراش نہیں آئی۔" ٹائیگر بہت سنجیدہ تھا۔ "اُٹھو۔"

ٹیری اس طرح کھڑا ہو گیا جیسے ذرا سی دیر غالم بالا کی سیر کرا دے گی۔ اس کی آنکھیں اب اندھیرے میں دیکھنے کی عادی ہو چکی تھیں، لہٰذا اس کی نظر فوراً ہی پھٹتے ہوئے پڑ گئی۔ "ارے یہ کیا... یہ تو ٹائیگر کو اُن نے..."

"میں نہیں آخری وار تم نے کیا ہے۔ تم بہت کچھ دیکھ چکے ہو۔ اب پیچھے جاؤ دوست..."

ٹیری نے ہنسی روکنے کی بڑی کوشش کر ڈالی۔ "میں بالکل محفوظ ہُوں۔ دوست! میں پروفیسر ڈاسکن کو اپنے سکّے ڈھالتا ہُوا دیکھ چکا ہُوں اور میں جانتا ہُوں کہ تم کون ہو؟"

"کیا تمہیں اتنا باخبر ہونے کی سزا معلوم ہے؟"

"ہاں! لیکن تم مجھے سزا نہیں دے سکو گے۔" ٹیری نے ہنستے ہوئے کہا۔

"کیوں؟"

"اس لیے کہ میں پروفیسر ہاسکن کا بھتیجا اور نائب ہُوں۔" ٹیری کا لہجہ شوخ تھا۔

"ہُوں۔" ٹائیگر ہنکارا بھر کر رہ گیا۔

"کافی ہو گئے؟" "میری قریب آ گیا۔"

"ضرور... بشرطیکہ کافی میں دُودھ اور چینی نہ ہو۔"

"شرط منظور۔ چلو۔" ٹیری نے کیمرا اُٹھاتے ہوئے کہا، جو اپنی کے قریب پڑا ہُوا تھا۔

☆☆☆

"تمہاری رگوں میں یہ ٹین خون دوڑ رہا ہے نا؟" ٹائیگر نے ایک چُسکی لے کر پوچھا۔

"ہاں۔ خالص۔" ٹیری کا لہجہ بہت پُرغرور تھا۔

"اچھا، ذرا کیمرا تو دکھاؤ۔" ٹائیگر نے ٹیری کے ریڈ انڈین نقوش کو بغور دیکھ کر کہا۔

"لو... لے لو۔" ٹیری نے قدرے ہچکچا کر کیمرا اس کی طرف بڑھا دیا۔ "مگر کیا کرو گے؟"

ٹائیگر نے کیمرا کھولا، فلم کا رول نکالا اور اس سے قبل کہ ٹیری احتجاج کرتا، فلم رول کھول دیا۔ "ہاں، تو تم یہ کہہ رہے تھے کہ کلیسا کے اندر کی خبر نکالنے کے لیے آئے تھے۔ تمہیں یہ علم کیسے ہُوا کہ کلیسا والے گڑبڑ کر رہے ہیں؟"

"بس..." ٹیری نے انتہائی بے چارگی سے اب ناکارہ رول کی طرف دیکھ کر کہا۔ "لوگ پیس دیتے ہیں اُن کے نام ظاہر کرنا صحافتی ضابطہ اخلاق کے منافی ہے۔ میرے ایسے ہی ایک مذاق چاپ ذریعے نے اطلاع دی کہ شاؤ ڈیوس مرنے سے قبل کلیسا میں روپ بدل کر کام کر رہا تھا۔ مجھے یقین ہے کہ تمہیں بھی اس بارے میں علم ہو گا، کیوں؟"

"ٹھیک۔ آگے بڑھو۔" ٹائیگر نے اثبات میں سر کو جنبش دے کر کہا۔

"ویسے بھی مزید دو پولیس افسر پہلے ہی مر چکے ہیں۔ سرکاری طور پر انھیں گمشدہ قرار دیا جا رہا ہے لیکن درحقیقت وہ بھی مارے جا چکے ہوں گے۔ یہ تینوں ایک ہی کام کر رہے تھے یعنی کلیسا کے اندر کی تحقیقات۔"

"یہی نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"تحقیقات کیوں ہو رہی تھی؟"

"گھروں سے بچوں کا فرار... مجھے یقین ہی نہیں بلکہ میرے پاس ثبوت بھی ہے کہ بچوں کو پناہ دینے والے مقامی اداروں اور یہی کے اس جنونی گروہ کے درمیان باقاعدہ رابطہ ہے۔"

ٹائیگر کو اگرچہ اس کا اندازہ تھا لیکن اُس نے چہرے پر حیرت کے تاثرات پیدا کرتے ہوئے کہا۔ "تو پھر؟ اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟"

"سُنو، رپورٹر میں ہُوں۔" ٹیری نے مُسکرا کر کہا۔ "سوالات کرنا میرا پیشہ ہے تمہارا نہیں۔ بنیادی طور سے جھگوڑے بچوں کو پناہ دینے میں کوئی خرابی نہیں لیکن جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے، اس دھندے میں ٹیکس سے حاصل ہونے والی رقوم کا بھی بڑا حصّہ لگتا ہے۔ اس پروگرام کو انفورسمنٹ اسٹینس ایڈمنسٹریشن کا تعاون حاصل ہے۔ اس کا مقصد بچوں کو مسائل سے دُور رکھنا ہے تاکہ وہ جرائم پیشہ عناصر کا شکار نہ ہو سکیں لیکن یہاں جو کام ہو رہا ہے، وہ بہت مختلف ہے۔ میری اطلاعات کے مطابق کلیسا اور دوسرے بعض مذہبی گروہ اس پروگرام پر خرچ کرنے کی بجائے دونوں ہاتھوں سے کما رہے ہیں، وہ علاقوں سے یہ احکام بھی حاصل کر لیتے ہیں کہ ان کی پناہ میں آنے والے ہتھوں کو والدین اپنے بچوں سے ملنے، دیکھنے اور بات کرنے سے گریز کریں گے۔ یہی کے گروپ کی صورتِ حال یہ ہے کہ اس کی تحویل میں آنے والے بچے پر کبھی کسی کی دوبارہ نظر نہیں پڑتی تاہم جو چند بچے فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے، اُن کے بیانات غیر یقینی ہیں۔ اُن میں برین واشنگ، منشیات اور جنسی تشدد کی شکایت کی گئی ہے، پھر گروہ صداقت، ہے وہی جس کے اراکین کو تم نے زمین چاٹنی ہے۔ اُس کی ذمے داری یہ ہے کہ یہ ننھے پرندے اپنا ذہن بدل لیں... ماں باپ کو یاد نہ کریں، نکل بھاگنے والے بچوں کے لیے ایک گروپ ڈی پروگرامنگ، کا نظام بھی شروع کرتا ہے۔ ایسے بچے جو کلیسا کی زندگی کو قبول کر لیتے ہیں، انھیں دوسرے مقامات پر بھیج مانگنے اور منشیات کو خریدو فروخت کے لیے منتقل کر دیا جاتا ہے۔ ڈرگ ہو بعض بچوں کو یہاں لایا جاتا ہے۔ بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ بچوں کی منتقلی کے باوجود ریکارڈ میں اُن کی موجودگی کلیسا ہی میں ظاہر کی جاتی ہے اور یہی سرکاری امداد وصول کرتا رہتا ہے۔"

"تمہارا الزام صرف یہ ہے کہ کلیسا والے غنڈہ ٹیکس وصول کر رہے ہیں۔"

"ہاں! لیکن میں ایک اور زاویے سے بھی کام کر رہا ہُوں۔ پولیس والوں کی موت اور دو لڑکیوں کے لاپتا ہونے کے بعد مجھے اس زاویے کو بھی پیشِ نظر رکھنا پڑ رہا ہے۔" ٹیری نے بڑی سنجیدگی سے جواب دیا۔

"لڑکیاں؟ کون ہیں وہ؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"ینا اور بیٹسی اینڈرز..." ٹیری نے جواب دیا۔ "اُن کے سابق نام پیٹریشیا اور الزبتھ اینڈرز ہیں۔ ینا کی عمر سولہ سال اور بیٹسی کی عمر چودہ سال ہے۔ دونوں اچھے اور کھاتے پیتے خاندان سے تعلق رکھتی ہیں۔ اُن کے باپ کا ہارڈ ویئر اسٹور ہے۔ قاسمی آملی ہے، ماں کا تعلق بھی اچھے خاندان سے ہے۔ ماں باپ دونوں نے بچیوں کی گمشدگی پر ایک ہنگامہ کھڑا کیا ہُوا ہے۔ بعض نے یہ تجویز بھی کی تھی کہ وہ مجھ سے رابطہ قائم کریں لیکن ابھی تک وہ لوگ مجھ سے نہیں ملے۔"

"لیکن دونوں لڑکیاں گھر سے کیوں گئیں؟"

"میرا خیال ہے کہ ان میں ہی کلیسا کی بدروح سرایت کر گئی تھی۔ وہ یُنائی کلاس کے سلسلے میں یہاں آتی رہی تھیں۔ وہ مذہب دورِ حاضر کے مضمون کی طالبہ تھی۔ میں نے اس سبسٹرائین سے بات کی جو انھیں یہاں لائی تھی۔ وہ ایک حد تک بہت تعاون کرتی رہی۔ اُس کا کہنا تھا کہ دونوں بچیاں گھر کے ماحول سے عاجز آ گئی ہیں لیکن جہاں تک میری تفتیش کا تعلق ہے، اینڈرز خاندان میں کوئی بڑی ناچاقی نہیں تھی۔ ویسے اب تم بھی منظر پر آ گئے ہو تو مجھے یقین ہے کہ ہم اس سلسلے میں مزید پیش رفت کر سکیں گے۔"

ٹائیگر نے کافی ختم کر کے ہونٹوں کو مزید کافی کے لیے اشارہ کیا۔ "اب ہم موجودہ صورتِ حال کی بات کریں گے۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔ "تم رپورٹر ہو اور میں تمہیں یہ نہیں بتا سکتا کہ میں یہاں کیا کر رہا ہُوں۔ بہرحال میں تمہارے کام میں دلچسپی ضرور لوں گا۔ ویسے ابھی تک ہم معاملے کی تہ میں نہیں پہنچ سکے ہیں جب تک کوئی ٹھوس بات سامنے نہیں آئے گی، مسئلہ حل نہیں ہو گا۔ ہمیں کام جاری رکھنا چاہیے۔ میں چاہتا ہُوں کہ تم مجھے بھی کام کرنے کا موقع دو اور اس کے لیے ضروری ہے کہ میرا نام تمہاری کسی خبر میں نہیں آنے چاہئیں میں آنے سے میرے لیے مشکلات پیدا ہو جائیں گی۔"

"لیکن... لیکن تم تو خود خبر ہو میرے بھائی۔" ٹیری نے دونوں ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔ "میں تمہارے بارے میں مزید باتیں کرنا چاہتا ہُوں۔"

"مجھے بھول جاؤ۔" ٹائیگر نے مُسکرا کر کہا۔

"لیکن مجھے کم از کم یہ تو بتا دو کہ تم نے انھیں کیوں ہلاک کیا؟" ٹیری نے پوچھا۔

"میں... کیوں قتل کرتا ہُوں؟" ٹائیگر کا چہرہ اچانک ہی نرم ہو گیا۔ "لوگوں کو قتل کر کے مجھے کوئی خوشی نہیں ہوتی ٹیری! میں بھی مجبوری کے تحت قتل کرتا ہُوں۔"

"کیا وہی مجبوری ہے، جو مجھے دیت نام میں درپیش تھی؟"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"میرے دوست...!"

"یہ میں نہیں کہہ سکتا۔ مجھے یقین نہیں کہ ویت نام میں تمہارے ٹیک کا ملوث ہونا منصفانہ تھا۔" ٹائیگر کا لہجہ عجیب سا تھا۔

"ہاں، یہ متنازعہ مسئلہ ہے۔" ٹیری ایک طویل سانس لے کر بولا۔ "ویت نام میں مجھے اجنبی لوگوں کو قتل کرنا پڑا تھا۔ بعض اوقات سیاست دانوں کی خواہش کے تحت اور کبھی خود اپنی جان بچانے کے لیے۔ میں نہ تو سیاست دان کی خواہش کے تحت قتل کرتا ہوں اور نہ ہی اپنی جان بچانے کے لیے..." ٹائیگر نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "صرف ان لوگوں کو ہلاک کرنا چاہتا ہوں، جو انسانیت کے لیے خطرہ ہوں۔"

"تم شکل و صورت سے اتنے سخت نظر نہیں آتے جتنے اندر سے ہو...!"

"زندہ رہنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ آدمی اندر سے بھی سخت ہو۔" ٹیری نے ایک طویل سانس لے کر جواب دیا۔

"ٹھیک... یہ بتاؤ یہاں سے کہاں چلیں؟"

"پھر چلو سوجاؤ۔" ٹائیگر نے ہنس کر کہا۔ "مجھے اس چکر میں قوت کے لوگوں کے نام پتے بتا دو۔ میں ایک کھیل کھیلنا اور اس کا نتیجہ دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"مجھے یقین ہے کہ کلیسا کے بدلے میں میری خبر کو عالمی ایوارڈ ضرور مل جائے گا دوست!"

"بشرطیکہ تمہیں خبر لکھنے کی مہلت مل سکی۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ "ہوشیار رہنا میری، یہ لوگ مجھے اچھے نہیں لگتے۔"

"ہاں، اور گول کی آواز سے بھی خبردار رہوں؟"

"درست!" ٹائیگر کا لہجہ بڑا عجیب تھا۔ "مجھے یقین ہے کہ تم گول چلنے کی آواز واضح اور صاف طور پر سن سکتے ہو۔"

وینولیوی نے بائیں پیر کی کھڑاؤں کا تسمہ کھینچ کر اسے مارا اور دائیں پیر والی کھڑاؤں کے قریب ہی ڈال کر ایک طویل سانس لی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے کھڑاؤں اتار کر اس کے جسم کے ریشے ریشے سے تھکن نکل رہی ہو۔ اس کے پیر دکھ رہے تھے، اگر طن میں درد ہو رہا تھا۔ پیٹ میں اس طرح جلن ہو رہی تھی جیسے کوئی آتش فشاں پھٹنے والا ہے۔ اسے کلیسا میں صرف سبزی پر گزارا کرنا پڑتا تھا۔

وہ تین سال سے ایسی ہی زندگی گزار رہا تھا اور اگر کلیسا کے قیام کے دن کو بھی شامل کر لیتا تو اسے پانچ سال ہو چکے تھے۔

شروع شروع میں یہ سب کچھ اسے بہت عجیب لگتا تھا مگر جب دولت حصے میں آنے لگی تو سب کچھ بہت اچھا لگنے لگا۔ اب تو کامریڈ کرنکو نے یہ بھی وعدہ کیا تھا کہ منصوبے کی کامیاب تکمیل پر بھاری بونس دیا جائے گا۔

"اس کے بعد کیا ہوگا؟" وینولیوی اس وقت بھی یہی سوچ رہا تھا۔ "ممکن ہے کہ جاپان جانا پڑے، وہاں کے لوگ انتہائی ضعیف الاعتقاد ہیں، بہت جلد تسلیم کریں گے۔ دولت، شراب اور شباب کا خیال آتے ہی وہ اپنی انگلیاں چٹخانے لگا۔ ساتھی قوت اس کی گود میں بیٹھی ہوئی تھی۔

اسی لمحے دروازہ کھلا اور مورے وہائٹ اندر داخل ہوا۔ اگر دستک ہوئی ہے تو اس نے کیا۔ اس کے لہجے میں کسی قسم کا کوئی تاثر نہ تھا۔

"ہم ایک دلدل میں پھنس رہے ہیں دین۔" ٹائی بھی اس کے پیچھے پیچھے کمرے میں داخل ہوا۔

"اب کیا ہوا؟" وینولیوی نے برا سا منہ بنا کر پوچھا۔ اسے یہ مداخلت گراں گزری تھی۔

"باس! کیا تم چیتے کی شبیہ والے سکے کا مطلب سمجھتے ہو؟"

"...دکھاؤ... مجھے دکھاؤ۔" وینولیوی نے ہاتھ بڑھا کر سکہ تقریباً چھین لیا۔ اس کے چہرے کی رنگت انتہائی تیزی سے بدلی اور ایسا لگا جیسے سارا خون کسی نے نچوڑ لیا ہو۔ اس کی آنکھیں بے جان لگنے لگیں۔ اسے بچپن میں سنی ہوئی تمام کہانیاں یاد آگئیں۔

"کیا تم اس سکے کا مطلب سمجھتے ہو دین؟" مورے نے پوچھا۔

"میں نے بچپن میں کہانیاں سنی تھیں۔ کبھی کبھار جب بھی کسی کو شکار کرتا تھا تو اس کے بچے ہوئے گوشت پر چیتے کا نشان بنا کر چلا جاتا تھا۔"

"ہمارا واسطہ کسی آدم خور عفریت سے نہیں، انسان سے ہے۔" مورے نے کہا۔ "میں نے ایک ریڈ انڈین دوست کا کہنا ہے کہ یہ شبیہ اس طاقت کی علامت ہے، جو رسول قبیل ریڈ انڈین قبائل کو بچانے کے لیے مشرقی بعید سے آئی تھی۔ اس طاقت کے تیر دل پر یہی شبیہ بنی ہوئی تھی اور پھر وہ وقت بھی آگیا جب لوگ کسی لاش پر ٹائیگر کی شبیہ دیکھ کر ہی سمجھ لیا کرتے تھے کہ مرنے والا جرائم پیشہ ہی نہیں ظالم بھی تھا۔ جب قبائل پر ظلم ختم ہو گیا تو یہ طاقت واپس چلی گئی۔ اس زمانے میں اسے رخصت کرنے وقت لوگوں نے زندہ چیتوں کا جوڑا دیا تھا۔"

"اوہ!" وینولیوی گھبرا اٹھا۔

"میرا خیال ہے کہ تم نے یہ باتیں پہلے کبھی نہیں سنیں۔ یہ بھی سن لو

کہ یہ سکہ ہمیں ایک گارڈ کی لاش کے قریب ملا ہے۔ مطلب بہت واضح ہے۔ روڈ ہائی صدی قبل ریڈ انڈین قبائل کو بچانے والی طاقت کا کوئی وارث یہاں موجود ہے اور تم اپنے پیر ڈیسک پر رکھے ہوئے بلی کو پیار کر رہے ہو۔"

"تمہیں اس کا علم تھا؟" وینولیوی نے ٹائی سے پوچھا۔

"نہیں، مجھے فوراً علم نہیں ہو سکا۔" ٹائی نے جواب دیا۔ "ہم نے علاقے کو چیک کرنے کے لیے حسب معمول صبح کا انتظار کیا۔ ڈین اور اس کے ساتھیوں کو ایک شخص مشتبہ حالت میں چوک کے قریب نظر آیا۔ انھوں نے اسے پل کے قریب گھیر کر شب خون مارنا چاہا مگر اس کوشش میں ہمارا ایک ساتھی ہلاک ہو گیا جبکہ باقی ہسپتال میں ہیں۔ ابھی تک ہمیں صرف یہی علم ہو سکا ہے۔"

"ضروری نہیں کہ اس ایک شخص کے اس فعل کے پس پشت کوئی خاص وجہ بھی ہو۔" سنو ٹائی! اگر وہ شخص ہمارے سر پر پہنچ چکا ہے تو پھر ہمیں اپنا شیڈول ایڈوانس کرنا پڑے گا۔ یہ سب کچھ ٹرکوں پر لادنا پڑے گا۔ ہماری ذمے داری یہ ہے کہ ماسکو والوں کے منصوبے میں کوئی خلل نہ ہو۔ اگر ہم ایک مقامی پولیس والے کو چرچ سے باہر نکر کے تو پھر اس قوت سے کس طرح نمٹیں گے جس کا ذکر کیں نے کیا ہے؟" مورے وہائٹ واضح طور پر بہت پریشان تھا۔

"گھبراؤ نہیں مورے، تم بہت جلد گھبرا جاتے ہو۔" وینولیوی نے کہا۔ "شیڈول کے مطابق ہی عمل کرنا پڑے گا۔" یہ کہہ کر وہ ٹائی کی طرف پلٹا۔ "کیا اس قوت کے مقابلے میں تمہارے آدمی قابل اعتماد ثابت ہو سکیں گے یا کیا وہ اس سے مقابلہ کر سکیں گے ٹائی؟"

"کیوں نہیں۔" ٹائی نے بڑے وثوق سے جواب دیا۔ "میں خان خول تین دھماکیاں کرانے کا عادی نہیں ہوں۔ ہمارے پاس کلیسا کے پیچھے پر نظر رکھنے کے لیے ذرائع اور وسائل موجود ہیں۔ کیمونیکیشن کی مانیٹرنگ نظام بھی ہے۔ آٹو پک اپ حساس سسٹم بھی ہے۔ گروہ صداقت کے پاس افرادی قوت کی بھی کمی نہیں... اگر کسی طرف سے بھی کوئی اجنبی کلیسا میں داخل ہوا تو ہمیں فوراً پتا چل جائے گا۔ ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا باس!"

"میری اطلاعات کے مطابق وہ شخص جو گروہ صداقت کے لوگوں سے لڑا تھا، مافیا کے ایک پورے خاندان کا صفایا کر چکا ہے۔ اس کی صرف ایک ہی واردات کا علم ہے لیکن یقین کر کہ وہ اس سے کہیں زیادہ خطرناک گروہوں کا قلع قمع کر چکا ہوگا۔"

"وہ سب عام سے مجرم تھے مورے، ہم تو سیاسی لوگ ہیں۔ عالمی سطح کا ایک حصہ ہیں، جس کا مقصد پوری دنیا میں ایک ہی حکومت کا قیام ہے۔ اس ٹیک کے لاکھوں باشندے ہمارے موقف اور نظریے کی حمایت کریں گے۔ ہم کسی پاگل یا شاطر آدمی سے کیسے ہار مان سکتے ہیں؟" ٹائی نے بڑے فخر سے کہا۔

"یہ شبیہیں ان لوگوں کے سامنے مناسب رہیں گی، جو کلیسا کے اندر وفی حلقے سے تعلق نہیں رکھتے ٹائی!" مورے وہائٹ نے غرا کر کہا۔ "کیا یہ تمہاری تمام تر ناکامیوں کے باوجود تم سے متاثر ہو سکتا ہوں۔" مورے کے لہجے میں حقارت تھی۔ "اگر وہ تمہارے سامنے آگیا تو تم یہ لاف گزاف بھول کر ہاتھ جوڑنے لگو گے۔"

"ہم مستقبل کی غالب طاقت کے نام میں بھلا وہ ہمارا کیا بگاڑ سکتا ہے، مورے وہائٹ؟"

"وہ تمہارا بھیجہ صاف کر سکتا ہے احمق آدمی!" مورے وہائٹ دانت پیس کر بولا۔

"بس... خاموش!" وینولیوی بہت زور سے چلا کر اٹھ گیا۔ بلی اس کی گود سے گری اور میاؤں میاؤں کرتی ہوئی ایک طرف بھاگ گئی۔ اس نے ایک میز کے نیچے جا کر ہی سانس لی۔ "میری بات سنو احمقو!" وینولیوی جلالی کیفیت میں تھا۔ "ہم آپس میں لڑنے کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ میں ذاتی جھگڑے برداشت نہیں کر سکتا اور نہ ہی کسی ایک شخص کے لیے مقامہ دعووں پر کان دھروں گا۔ خاص طور سے ایسے شخص کی جس کی وجہ سے تنظیم میں پہلے ہی باہر کے لوگ گھس آئے ہیں اور... اور میں اب تم دونوں کی طرف سے مزید کوئی حماقت برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔ ہم شیڈول کے مطابق عمل کر رہے ہیں۔ ٹائیگر کے سکے والا یہ اجنبی جب بھی مقابل آیا تو ہم اس کا مقابلہ کریں گے یا ضرورت پڑنے پر از خود نمٹنے کے لیے کارروائی کریں گے۔ تم دونوں ایسے خوفزدہ اور سہمے ہوئے بچوں کی طرح لگ رہے ہو، جو سمندر میں شارک دیکھے بغیر اس سے ڈر رہے ہوں۔ میرے کام نہ آؤ اور ذہن استعمال کرو۔"

"تم بہت زبان چلاتے ہو وینولیوی!" مورے وہائٹ کا بھرا سر تھا۔ کیا یہ بھول گئے کہ آپریشن انچارج میں ہوں۔"

"تب پھر ایک موروثی کی طرح اس آپریشن کی سربراہی کو محدود۔" وینولیوی نے فوراً جواب دیا۔ "بچوں کی طرح مت ڈرو۔ ابھی ہمیں یہ ثبوت بھی نہیں ملا کہ اسی شخص نے مافیا کا ایک گروہ ختم کیا ہے اور تم ہو کہ جنگ شروع ہونے سے پہلے ہی موت کے پیچھے بھاگنا چاہتے ہو۔"

"چار آدمیوں نے اس پر حملہ کیا اور وہ ان سب کو زمین پر لٹا کر چلا گیا دین۔" مورے نے جواب دیا۔ "یہ سکہ اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ کون ہے؟"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"تب پھر سکون سے کام لو... اگر وہ آیا تو پکڑا جائے گا۔" ڈینولیکی نے فیصلہ کن اور دو ٹوک انداز میں کہا۔

●

ہاروی اینڈرز کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ ایک بچے کی چبھتی ہوئی نظروں سے بے نیاز اس نے حالات کا جائزہ لیا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ کلیسا میں عبادت کے دوران خاص ماحول کس طرح پیدا کیا جاتا ہے۔ بڑے بڑے آرک جنریٹرز، انرکنڈیشنروں کے ڈکٹس سے منسلک تھے اور ان کو دیوار کے پیچھے پیروں کے ذریعے چلایا جاتا تھا۔ اسے پہلے ہی یقین تھا کہ یہ سب کچھ دھوکا ہے اور اب تو اسے یقین کامل ہو گیا تھا۔ اسے اندازہ تھا کہ یہ گروہ ان بچوں کو ورغلا لیتا ہے، جو خدمت کے دن لانے ہوتے ہیں یا پھر جو عوعت کے زمانے کی فطری بغاوت میں آگے نکل جاتے ہیں، ہاروی کے لیے یہ بات بھی بہت دلچسپی کا باعث تھی کہ وہ کلیسا کے خالی کمرے میں بار بار جا رہے تھے۔ گروہ صداقت کے علمبردار اگرچہ بظاہر ادھر ادھر گھومتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ ہاروی کو ان لوگوں کے فرائض کا علم نہیں تھا لیکن یہ اسے بہت پُراسرار اور انتہائی ناپسندیدہ لگے تھے۔ ان کی چبھتی ہوئی نظریں بھی اسے اچھی نہیں لگی تھیں۔ ان نظروں میں بے شمار سوالات پنہاں تھے۔ وہ یقین کر چکا تھا کہ یہ کلیسا نے بلیس ہے۔ اس کا نقشہ ملو یہ لکھ پڑھ رہا تھا۔ یہ سوچ کر اس کی کنپٹیاں سلگنے لگی تھیں کہ اس کی دونوں بیٹیاں اسی کلیسا میں اور وہ عہد کر چکا تھا کہ انھیں ضرور باز یاب کرائے گا۔

وہ بہت احتیاط سے ادھر ادھر کا جائزہ لیتا رہا اور پھر خاموشی سے نکل گیا۔

باہم ایک راہداری نظر آئی جس کی دیوار پر ایک بہت بڑی تصویر آویزاں تھی۔ یہاں کی دیواریں کسی ایسے مسالے سے بنائی گئی تھیں، جو سرد تھا۔ یہی وجہ تھی کہ یہاں ٹھنڈی زیادہ تھی۔ ہاروی اینڈرز چلتا رہا۔ اسے یہ علم نہ ہو سکا کہ کولڈ گاس ٹنی۔ اس پر نظر رکھے ہوئے ہے اور اس کا ہر قدم ٹیلی وژن کیمرا ریکارڈ کر رہا ہے۔

کئی نظریں ان قدموں پر تھیں، جو آب کلیسا کے زیریں حصے کی طرف بڑھ رہے تھے جب یہ یقین ہو گیا کہ یہ قدم حد سے بڑھ رہے ہیں تو گروہ صداقت کے دو کارندوں کو سگنل دیا گیا۔ وہ بہت پھرتیلے اہل اور طاقت ور ثابت ہوئے۔

"مجھے چھوڑ دو کم ذاتو! اپنے شانے پر ایک بھوری عبا والے کا ہاتھ محسوس کرتے ہی ہاروی چلّا اٹھا۔

"تم نے مقدس مجد میں اپنی حدود سے تجاوز کیا ہے برادر! ہم تمھیں کلیسائے تیتم کے حوالے کر دیں گے۔ وہی تمھارے بارے میں کوئی فیصلہ کرے گا۔" اسے دبوچنے والے نے نرم لہجے میں فرو جسم عائد کی۔

"میرا نام ہاروی اینڈرز ہے اور میں واقعی بلا اجازت یہاں گھوم پھر رہا ہوں اور اس وقت تک کونوں کھدروں میں جھانکتا رہوں گا، جب تک میری نگاہیں مجھے واپس نہیں مل جاتیں، چلو مجھے اپنے مہتمم کے پاس لے چلو، اسی سے بات کروں گا تو ہاروی کا چہرہ غصے اور جذبات سے دہک رہا تھا۔ وہ ان پُراسرار مسکراہٹوں کو نہیں دیکھ سکا، جو حیاداروں کے چہروں پر یہ سُن کر پیدا ہوئی تھیں وہ اسے ہانپ کراتے ہوئے نائی کے دفتر میں لے گئے۔ جہاں سم تجوا کر مجسم 'داعی نبوت' کے حضور میں لے گئے۔ وہ اسے پھر کھینچنے لگے اور انھوں نے اسے وہیں لے جا کر پیش کرنے کا فیصلہ کیا تاکہ ٹائی کے اس حکم کی عدولی نہ ہو جائے کہ پکڑے جانے والا ہر شخص فوراً میرے سامنے پیش کیا جائے۔

ہاروی اس وقت بھی احتجاج کر رہا تھا جب اسے کھینچ کھانچ کر ڈینولیوی کی موجودگی میں نائی کے سامنے پیش کیا گیا۔ ڈینولیوی نے ہاروی کے غصے بھرے جملے سُن لیے تھے۔ اس کی بھویں سکڑ گئیں جن کے باعث گنجی چندیا اور بھوؤں کے درمیان فاصلہ کم ہو گیا۔

"یہ کون ہے؟" اس نے غصیلے لہجے میں پوچھا۔

"ہاروی اینڈرز! تم کون ہو؟" اسے یہاں کھینچ کر لانے والے ایک محافظ نے تعظیم بجاتے ہوئے کہا۔

"تکریم و تعظیم پیش کرو کافر، دوسرے محافظ نے اس کی گردن ناپتے ہوئے کہا۔ تم پیغمبر کے حضور میں ہو۔"

اینڈرز نے اپنے سامنے موجود دبلی پتلی شخصیت کو بغور دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں حقارت کے علاوہ اور کوئی تاثر نہیں تھا۔ تم یک پاگل ہو جنون کے سوا کچھ اور نہیں ہو۔" اس شخص سے ملنا چاہتا ہوں جو یہاں کا انچارج ہے۔ میں اس گندی جگہ سے اپنی بیٹیوں کو نکال لے جانے کے لیے آیا ہوں۔"

"میں یہاں کا انچارج ہوں مسٹر اینڈرز! اور مجھے یقین ہے کہ تم اپنی لڑکیوں کو لے جانے میں کامیاب نہیں ہو سکو گے۔ شاید تمھیں علم ہو کہ دو روز قبل ہمیں ایک عدالتی حکم ملا تھا، جس میں ہدایت کی گئی تھی کہ ہم ہاف ویے ویژنز، انھیں حاصل کریں۔ ہاف ویے ویژ گھروں سے بھاگے ہوئے بچوں کو پناہ دیتا ہے۔ اب دونوں ہماری تحویل میں ہیں۔ قرآن سے نہ تو مل سکتے ہو اور نہ ہی بات چیت کر سکتے ہو۔ ان کو یہاں سے لے جانے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

"جہنم میں گیا عدالتی حکم!" ہاروی اینڈرز نے غصے سے پیر پٹختے ہوئے کہا۔ مجھے یقین ہے کہ اس کلیسا میں کوئی غلط کام ہو رہا ہے اور

میں اپنی بچیوں کو یہاں نہیں چھوڑ سکتا۔"

سُنو نتھنے مُنے سے آدمی۔" ڈینولیوی کی آواز اونچی ہونے لگی اور آنکھوں سے کینہ چھلکنے لگا۔ "وہ اب تمھاری منحوس شکل دیکھنا بھی نہیں چاہتیں۔ انھیں تم سے نفرت اور تمھارے چنگل سے نکلنے پر خوشی ہے۔ وہ جس آزادی کی متلاشی تھیں، وہ اب انھیں حاصل ہو گئی ہے، اب وہ بلا شرکت غیرے جاری ہیں۔ تم لوگوں پر مزید حکومت نہیں کر سکتے ہاروی اینڈرز! اس قوم میں غلامی نہیں رہے گی۔ تمھاری بیٹیاں انحطاط پذیر اخلاقیات سے بالاتر ہو چکی ہیں۔ وہ اس نام نہاد ضابطۂ اخلاق کی پابند نہیں رہیں، جو لوگوں کو آستین کا سانپ بناتا ہے، نفرت اور خوف سکھاتا ہے، جو بے جان جانوروں کا گوشت کھانے پر کوئی قدغن نہیں لگاتا، جس میں شراب کے استعمال پر کوئی پابندی نہیں، جہاں تمباکو نوشی جائز ہے۔ لڑکیاں اب ہماری ہیں، روحانی اور قانونی ہر لحاظ سے۔ اب وہ تمھاری کبھی نہ ہوں گی، نکل جاؤ، درندوں کی قسم جیسی نسل کچھ نہیں سمجھ سکتی۔ اب تمھاری کوئی بیٹی نہیں ہے۔ یہ سمجھ لو کہ تمھاری کوئی بیٹی تھی ہی نہیں۔"

ہاروی اینڈرز کا غصہ، خوف اور صدمے میں تبدیل ہو گیا اور یہ خوف وہ مرا تھقانہ جملوں میں نوک زبان سے پھسلنے لگا۔ سُنو گدھے، چڑیل کے بچے! میں کسی نہ کسی طرح اپنی بیٹیوں کو یہاں سے نکال کر لے جاؤں گا۔ انھیں اپنی ان حرکتوں کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ انھیں میرے سامنے تو لاؤ پھر دیکھو کہ وہ خود کیا کہتی ہیں۔ تم نے ان سے کیا سلوک کیا ہے؟ کیا تم نے انھیں نشے کی لت میں مبتلا کر رکھا ہے خبیث انسان!"

ڈینولیوی نے ظالمانہ انداز میں اشارہ کیا تو محافظ ہاروی کو گھسیٹتے ہوئے دروازے کی طرف لے جانے لگے۔

"مسٹر اینڈرز!" لیوی نے جنبی سے انداز میں کہا۔ "میں نے تم سے شریفانہ سلوک کرنے کی کوشش کی۔ میں نے چاہا تھا کہ تم بھی روشنی دیکھ سکو لیکن تم روشنی دیکھنے سے انکار کر رہے ہو۔ تم نے نہ صرف بدنصیبی کی بلکہ ایک گمراہ باپ بھی بن گئے۔ میں اندازہ ہو گا کہ تمھارا یہ کردار کس قدر فضول تھا اب میں اپنے معتقدین سے کہوں گا کہ وہ تمھیں زیادہ تفصیل سے سمجھائیں۔ خدا حافظ ہاروی اینڈرز!"

ہاروی نے غصے بھری ایک اور چیخ ماری لیکن پھر وہ سوچ کر ٹھنڈا ہو گیا کہ کوئی بھی اس الزام پر یقین نہیں کرے گا کہ کلیسا کے خادموں نے اس پر تشدد کیا ہے۔ اسی لمحے اسے کمرے سے باہر کھینچ لیا گیا۔ کمرے کا دروازہ دھماکے سے بند ہوا اور ڈینولیوی ہاروی کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

ٹائیگر کو کلیسا کے قریب ایک درخت کے ساتھ کسی کا بے سُدھ جسم نظر آیا۔ یہ ہاروی اینڈرز تھا۔ اس کے سُوٹ پر درجنوں شکنیں پڑی ہوئی تھیں، ایک طرف کی سلائی اُدھڑی ہوئی تھی، ہونٹ سُوجے ہوئے اور بے رنگ تھے۔ سفید قمیص پر خون کی چھینٹیں نظر آ رہی تھیں، جن کی رنگت اب براؤن ہو چکی تھی۔ ہاروی کو یقیناً بُری طرح پیٹا گیا تھا۔ اس تشدد کے باوجود اپنی بیٹیوں کو واپس لے جانے کے لیے اس کا عزم کم نہیں ہوا تھا۔

"تم... تم کون ہو کیا...؟" انھوں نے کسی اور کو پوچھ دیا ہے... ل... لیکن... صرف ایک کو...!" ہاروی اینڈرز نے بمشکل کہا لیکن اس کی آنکھوں میں نفرت بہت واضح تھی۔

"میرا تعلق کلیسا سے نہیں ہے دوست! کیا انھوں نے تمھیں پیٹا ہے؟"

ہاروی نے یہ فکر بھی نہ کی کہ سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھا ہوا شخص اجنبی ہے۔ وہ اپنی پوری کہانی سُنا گیا۔ جب اس کی کہانی ختم ہو گئی تو ٹائیگر نے ایک کاغذ پر چند جملے لکھ کر اس کے حوالے کیے۔

"اس نمبر پر ٹیری لوکاس سے بات کرنا دوست!" اس نے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔ "وہ تمھاری بات بہت غور سے سُنے گا۔" ٹائیگر نے اس کی مزید کوئی وضاحت نہ لی اور ہاروی کو وہیں کھڑا چھوڑ کر آگے بڑھ گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ یہ کیس پیچیدہ ہوتا جا رہا ہے۔

☆

پہلے ہیل اینڈرز کو ہی ہر قسم کی زندگی بہت اچھی لگی۔ اسے کلیسائے یوم نجات میں آنے کے بعد شروع شروع میں کسی کے بے اسے پہلے ہاف ویے ویژنز میں پناہ لینے کا مشورہ دیا گیا۔ پہلے پہل تو مینا کو اس میں پُراسراریت نظر آئی اور پھر جب وہ اکتانے لگی تو اسے اس کی بہن کے ساتھ کلیسا میں منتقل کر دیا گیا۔

ہاف ویے ویژنز میں آنے والے بچے، ڈینولیوی کے پیغام اخوت اور امن کا ذکر کرتے رہتے تھے اور یہ پیغام مینا کو بہت پسند تھا۔ بظاہر ان کی زندگی کا مقصد اس کے سوا کچھ اور نہیں تھا۔ انھوں نے مینا اور بیٹسی سے بڑے پیار کے ساتھ پوچھا کہ وہ گھر سے فرار ہونا کیوں چاہتی ہیں؟ انھوں نے ان سے خانگی حالات کے بارے میں پوچھا اور جب لڑکیوں نے انھیں یہ بتایا کہ انھیں اپنے گھر سے کوئی شکایت نہیں تو انھیں یقین نہیں آیا۔ لڑکیوں کا کہنا تھا کہ وہ محض ایڈونچر کی شوقین ہیں۔

"ہاں ہم محض تفریح کے لیے کلیسا میں رہنا چاہتے ہیں۔" بیٹسی نے مینا کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہا تھا۔ "یہ جگہ بہت صاف ستھری

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ہے۔ یہاں آنس کریم حتیٰ کہ طلب کرنے پر بیئر تک مل جاتی ہے۔"

اس کے باوجود وہ چھ چھ کرنے والوں کا یہی اصرار رہا کہ ان کے خاندانی حالات کشیدہ ہیں لہٰذا انہیں مطمئن کرنے کے لیے لڑکیوں نے اپنے طور پر چند واقعات گھڑ لیے۔ اس سلسلے میں بیٹسی زیادہ اختراع پسند ثابت ہوئی۔ اُس نے لمبی چوڑی باتیں کیں۔ کلیسا کے رضاکاروں کے چلے جانے کے بعد بھی وہ ہنس ہنس کر اپنے گھر کے بارے میں تخلیقت کرتی رہی اور پھر خواب دیکھنے لگی۔ "ہم جب تک چاہیں گی کلیسا میں رہیں گی، جہاں چاہیں گی سو سکیں گی۔"

ٹینا نے اُس کا ذکر اس وقت ایوین گیلوم سے کیا، جب وہ شام کے وقت دورے پر آئی تو اُس کی حیرت کی انتہا نہ رہی کیونکہ اُسے ایک الگ کمرے میں طلب کر کے دو گھنٹے تک تفصیلی پوچھ گچھ کیا گیا۔

"تم ایک نئی دُنیا میں داخل ہو رہی ہو۔ بس یوں سمجھ لو کہ تم نے نیا جنم لیا ہے۔ اس نئی زندگی میں تمہیں اپنے معاشرے اور والدین کی منافقتوں سے دُور رہنا ہوگا۔ اُن کی زندگیوں میں شامل دھوکے اور فریب کے زہر نے انہیں تباہ کر رکھا ہے۔ اگر یہ زہر تمہارے اندر بھی برقرار رہا تو تمہاری زندگی بھی تباہ ہو جائے گی۔ ماضی، مستقبل خلنے میں کوئی کردار ادا نہیں کر سکتا۔ شرم و حیا سب عملی مسائل ہیں۔ جب تم نے محبت کو زندگی کا بنیادی اصول تسلیم کر لیا ہے تو تمہیں بیٹسی کے عمل کو اسی کے تناظر میں دیکھنا پڑے گا۔

——— تمہیں یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ ان کا عمل معصومانہ اور محبت پر مبنی ہے۔ خوشی اور مسرت کے لیے ہے وہ اپنی محبتوں میں ایک دوسرے کو شریک کر رہے ہیں۔ محبت، فاتح عالم ہے۔ محبت قربانی ہے اور عبادت ہے۔ تمہیں تخلیے میں دو گھنٹے تک غور و فکر کرنا ہوگا تاکہ تمہارا ذہن کھل جائے۔" ٹینا

یہیں سے ٹینا نے یہ سوچنا شروع کر دیا کہ کلیسا منتقل ہونا مناسب نہیں ہوگا۔ وہ حوروں کے گروہ میں بھی شامل ہونے سے پریشان ہو گئی۔

اگلی صبح جب بیٹسی واپس آئی تو ٹینا نے اُس سے گزری ہوئی شب کے بارے میں پوچھا۔

"اے کچھ بھی تو نہیں ہوا۔" بیٹسی نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "ہم ایک ساتھ نہائے ایک ساتھ کھانے پیے لیکن بس اتنا ہی ہوا۔ اس کے علاوہ کوئی بھی قابلِ ذکر بات نہیں ہوئی۔"

یہ واقعات کلیسا میں منتقل سے قبل کے تھے اور کلیسا میں عادت بہت مختلف تھے۔ یہاں اُن کی رہائش زیرِ زمین کوارٹروں میں تھی۔ ٹینا خشک ہونے لگی کیونکہ اُن کے کمروں پر تعینات افراد پہرہ دیتے ہوئے نظر آتے تھے۔ اُن کی آمد کے موقع پر دوسرے لوگوں کو کمرے میں ہی رہنے کا حکم دیا گیا تھا۔

اُنہیں کینڈی اور لیفٹ کی دوسری تقریب سے قبل کلیسا میں لایا گیا تھا۔ اُن کے ساتھ مزید چھ افراد تھے۔ اُن میں ٹینا کا سن بھی شامل تھا۔ انہیں بہت عجلت میں جنس کے اعتبار سے الگ الگ کیا گیا۔ لڑکیاں ایک طرف، بھیجی گئیں اور لڑکے دوسری طرف۔

"کمال ہے۔" بیٹسی نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "ہمیں پھر سے ملنے کا موقع بھی نہیں دیا گیا۔"

"منہ بند رکھو لڑکی۔" ایک عمر دار لڑکی نے جو سفید قبا میں ملبوس تھی، خشک لہجے میں کہا۔ "تم عورتوں کے کوارٹروں کے سوا کہیں گفتگو نہیں کر سکتی اور صرف عبادت کے دوران کچھ کہو گی۔"

اندر، ٹینا کو ایسا لگا جیسے وہ بالی وُڈ کے اسٹیج پر آ گئی ہو۔ یہاں دیواروں پر خوبصورت تصاویر تھیں، ریشمی پردے سرسرا رہے تھے۔ بڑے اور آرام دہ دیوان تھے، جن پر خوبصورت تکیے سجے ہوئے تھے۔ قریب ہی ایک انتہائی خوبصورت سونگ پول تھا۔

ٹینا کی آنکھیں بھی حیرت سے پھٹی رہ گئیں۔ اُس نے صبر کر بیٹسی کا بازو تھام لیا۔

اُسی لمحے گانگ کی بجی سی آواز سُنائی دی۔

ٹینا کو یہ اندازہ لگا کر شدید ترین صدمہ ہوا کہ محبت کا کلیسا دراصل کیا ہے، وہ خود کو بیمار اور مفلوج محسوس کرنے لگی۔ اسے ایک بار پھر گھر کی یاد آنے لگی، اہلِ خانہ کی محبت اور چارلی وائی کا سکون یاد آ گیا۔ اُسے یہاں لیسی کے علاوہ کسی سے ہمدردی محسوس نہیں ہوئی کیونکہ صرف لیسی ہی اس کلیسا میں مزاحمت کی علامت تھی۔

اور لیسی مسلسل غش کی کیفیت میں تھی۔ چوبیس گھنٹے گزر جانے کے باوجود اس پر ہذیان طاری تھا۔ کبھی وہ رحم کے لیے چیختی اور کبھی اس طرح ہاتھ ملتی جیسے کسی کو دھکا دے رہی ہو۔ اُسے تیز بخار تھا اور اُس کا بستر پسینے سے بھیگا ہوا تھا۔ اُس کی حالت دیکھ کر ٹینا کو پہلے غصہ آیا پھر ہمدردی محسوس ہوئی اور اُس کے بعد خوف نے اُسے بھی مضمحل کر ڈالا۔ لیسی ہر گزرتے ہوئے گھنٹے کے ساتھ پیلی پڑنے لگی۔ جلد کی رنگت میلی ہوتی چلی گئی۔ اُس کے رخساروں پر بخار کی وجہ سے جنم لینے والی تمتماہٹ ہی زندگی کا واحد ثبوت باقی رہ گئی تھی۔ ٹینا غصے اور خوف سے پسینہ پسینہ ہو رہی تھی جبکہ بیٹسی خشک

کی شکار تھی۔

"کیا ہوا ٹینا؟" اس نے بہن سے پوچھا۔ اُنھوں نے اس لڑکی کے ساتھ کیا کیا ہے؟"

"پورے گروہ نے اس کے ساتھ ظلم کیا ہے احمق!" ٹینا تلملا کر بولی۔ "اگر ہم نے یہاں سے فرار کا راستہ تلاش نہ کیا تو پھر ہمارا حشر بھی یہی ہوگا۔"

بیٹسی خوف سے پیلی پڑ گئی، وہ رونے لگی۔ "ایسی باتیں مت کرو ٹینا! یہ تو بہت مقدس مقام ہے، یہاں کا آقا ہمیں محبت کرنا سکھاتا ہے، ایک دوسرے کو تکلیف پہنچانا نہیں۔ تم خود سن چکی ہو کہ اُس نے کیا وعدہ کیا ہے۔ یہی کہ جنت ملے گی اور محبت تقسیم ہوگی۔"

پھر اچانک ہی بیٹسی کے ذہن میں ایک نئے خیال نے جنم لیا۔ "ممکن ہے، اس لڑکی کے ساتھ لوگوں سے مزاحمت کی ہو، اُس نے خالص محبت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا ہو، اُسے لڑنا نہیں چاہیے تھا ٹینا! ہمیں ہر چیز قبول کر لینی چاہیے۔"

بیٹسی کے رونے سے ٹینا پُرسکون ہو گئی۔ فرار کے لیے اُس کی خواہش میں اضافہ ہو گیا۔ "یہ میرا خیال ہے کہ یہ لوگ صرف جسمانی محبت پر ایمان رکھتے ہیں۔ بیٹسی! ان کا روحانی محبت سے کوئی تعلق نہیں۔ ہم ایک فاش غلطی کر چکی ہیں۔ ڈارلنگ! ٹینا کی آنکھوں میں پھر آنسو آ گئے۔ "ہمیں ہر حال میں یہاں سے نکلنا ہوگا۔ ہمیں صرف گھر ہی میں تحفظ حاصل ہو سکتا ہے۔"

"شاید تم ٹھیک کہتی ہو۔" بیٹسی نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ وہ کن انکھیوں سے لیسی کی طرف بھی دیکھ رہی تھی۔ یعنی اب سب کیس لینے کی بجائے گراہ رہی تھی۔ "لیکن ہمیں کسی کو بھی ساتھ لینا ہوگا۔ ٹینا وہ بہت صاف ستھرا لڑکا ہے اور مجھے یقین ہے کہ اُس کا اس ہولناک حال سے کوئی تعلق نہیں۔ کم از کم اس حرکت میں وہ ہرگز ملوث نہیں ہوگا۔"

"اتنے یقین سے مت کہو بیٹسی، ممکن ہے وہ بھی ان لوگوں میں شامل ہو جو لیسی پر زیادتی کے مرتکب ہوئے ہیں۔" ٹینا نے دھیمے لہجے میں فہمائش کی۔

بیٹسی اچانک ہی ہنس پڑی۔ لیسی کی آمد کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ بیٹسی کو ہنسی آئی تھی۔ "نہیں۔ ہرگز نہیں ٹینا!" وہ ہنستی رہی۔ "میں جانتی ہوں کہ وہ ایسا کر ہی نہیں سکتا۔"

ٹینا کو اپنی فکر اب کرنے لگی تھی اور اپنی بہن پر غصہ آ گیا۔ "ہمیں فرار ہونا پڑے گا، اس وقت پہرہ ہے، ہم یہاں سے نکل نہیں سکتیں لیکن ہمیں یہاں لانے والی خادمہ ہیلن نے بتایا تھا کہ آج رات ہم عبادت کے لیے اُوپر لے جائی جائیں گی۔ ہال اور راہداریوں سے گزریں گی اور یہی مناسب وقت ہوگا فرار کے لیے۔"

چرچ کریک کے ساحل پر ایک پکنک ٹیبل کے قریب چُھپ کی چُسکیاں لیتے ہوئے ٹائیگر شام کے متوقع واقعات پر غور کر رہا تھا۔

اُس نے یہ تہیہ کر لیا تھا کہ ٹینا اور بیٹسی کو بچانے کے لیے وہ چرچ میں داخل ہوگا۔ اس کے سوا اور کوئی راستہ بھی نہیں تھا۔ اُسے یقین تھا کہ ٹیری لوکاس اپنے طور پر اثر و رسوخ استعمال کر کے ایندرتہ کے خلاف عدالتی حکم امتناعی واپس لے جانے پر مجبور کر دے گا لیکن یہ صرف اُسی صورت میں ممکن تھا کہ جب لڑکیاں بچتے گھر پہنچ جائیں۔

ٹائیگر کو علم تھا کہ لڑکیوں کو بچانا اگرچہ ضروری ہے مگر اصل کام یہی، وہ تو کلیسا نے یوم نجات کے جشن میں پھنسنے والی درجنوں لڑکیوں میں سے دو تھیں۔ اصل مشن تو دراصل کلیسا کے پس پُشت اصل مقاصد کو ناکام بنانا تھا۔ ٹائیگر کو ابھی طرح علم تھا کہ کلیسا کس قسم کی تباہی پھیلا رہا ہے۔ کلیسا اُن فلسفوں سے بھی بدترین تھا جو فحش اور عُریاں فلمیں بناتے ہیں۔ وہ کلیسا کے ماحول کو گزشتہ شب دیکھ چکا تھا اور اب وہ معبد میں ہونے والی عبادت میں شامل ہو کر مزید حقائق جاننا چاہتا تھا۔ اُس نے معتقدین کی مخصوص سفید قبا اور نیلا گوگا حاصل کر لیا تھا جسے پہن کر وہ نہ صرف کلیسا کے اندر داخل ہو سکتا تھا بلکہ کلیسا کے دفاتر میں بھی گھس سکتا تھا۔

گاڑی میں سامان ڈال کر وہ ڈاؤن ٹاؤن ڈنور کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہ بروقت پہنچ گیا۔ اُس نے کیمرہ ہی میں کپڑے تبدیل کیے اور اُن لوگوں کے ہجوم میں شامل ہو گیا جو وینو لیوس کے کلیسا کے بدی کی طرف جا رہا تھا۔ کلیسا میں داخل ہوتے ہوئے اُسے اپنے اردگرد موجود لوگوں کا جائزہ لینے کا بھی موقع مل گیا۔ وہ ماحول اور سجاوٹ کی تعریف کیے بغیر نہیں رہ سکا۔ ہال کے اندر ماحول اور روشنیاں اچانک ہی بدل گئیں اور بدعتی شام کا درس شروع ہو گیا۔

★★

ٹائیگر نے اپنا ذہن آزاد چھوڑ رکھا تھا اور یہی اُس کی بنیادی غلطی تھی۔ اُسے اچانک ہی ایسا لگا جیسے ذہن ماحول کے تابع ہو رہا ہے اور وہ اپنے آپ میں نہیں رہ سکے گا۔ وہ گھبرا کر لمبی لمبی سانسیں لینے لگا۔ وہ جانتا تھا کہ دوسرا دن پڑھا جا رہا ہے۔ لیسن اُسے ہر قیمت پر اس کمرے سے بھاگنا تھا، جو مناظر اور مقرر نے لوگوں پر طاری کر رکھا تھا۔ اُس نے آنکھیں بند کر لیں۔ بار سر جھٹکا تو ایسا لگا جیسے ذہن پر

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

دُور نہ چھٹ رہی ہو۔ اعصاب بجھا ہو رہے ہوں۔

سامنے موجود گہری رنگت والا شخص بڑی شان سے تقریر کر رہا تھا۔ یہ بات صاف ظاہر تھی کہ اُن نے لوگوں کو گرویدہ بنایا ہے۔ اُس کی تقریر، دلوگ اور جلوں کے اعتبار سے سنسنی خیز تھی۔

نشستوں کے پہلے ہفتہ وار بہر پڑنے کام شروع کر دیا اور لوگ جھومنے لگے۔ ہال کی فضا میں ملیف سی ایشی خوشبو پھیلنے لگی۔ ٹائیگر ہونٹ بھینچ کر آنکھیں پٹپٹانے لگا۔ اُسے اندازہ ہو گیا کہ لوگوں کو کس طرح متاثر کیا جا رہا ہے۔

"دُنیا میں صرف محبت ہی ایک رشتہ ہے۔" دینولیوی کی آواز ہال میں گونجی۔ اُس کے دونوں ہاتھ پھیلے ہوئے تھے۔ "صرف محبت... محبت کے سامنے سرنگوں ہو جانا، اس بزرگ کے خدا بھی یہی چاہتا ہے کہ ہم ایک دوسرے سے محبت کریں، ایک دوسرے کو پیار کریں۔"

"...اور تم...!" دینولیوی کے دونوں ہاتھ اب سر سے بلند ہو چکے تھے۔ "ابھی تک بھائی بہن قرار نہیں دیے گئے ہو، اس سے قبل کہ تم محبت کے تقاضوں کی تکمیل کرو، تمھارے لیے لازم ہے کہ تم اپنے ذہنوں کو بدی سے پاک کرو، اپنے جسموں کو گندگی سے آلودہ نہ ہونے دو، ایمان کے مطابق عمل کرو تاکہ تمھاری روحیں بھی پاک ہو جائیں پھر تم کو ایماندار قرار دے کر مذہب محبت میں داخل کر لیا جائے گا۔ اس وقت تک ہمارے مذہب کے اصولوں کا مطالعہ کرو۔ ہمارے معتقدین سے محبت اور ایمان کی خوبصورتی کے بارے میں گفتگو کرو۔ بدھ کے درس میں شرکت کرتے رہو۔"

دینولیوی یہ کہہ کر ڈرامائی انداز میں ایک لمحے کے لیے خاموش ہوا مگر پھر فوراً ہی اُس کی ہراتی ہوئی آواز سُنائی دینے لگی: "اپنے سر تم کر لو اپنے دلوں کو ٹٹولو اور اپنی جیبوں میں ہاتھ ڈال لو۔ جب چندے کی مٹی دیوی تمھارے قریب آئے تو کسی بخل سے کام نہ لو۔ اس چندے ہی سے ہم دانش و محبت کی تبلیغ کرتے ہیں۔"

تقریر کے خاتمے پر جنم لینے والی افراتفری سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے ٹائیگر معتقدین کے اس گروہ میں شامل ہو گیا جو ایک طرف جا رہا تھا۔ اس گروہ کے ساتھ وہ اُس عظیم الشان عمارت کے ایک حصے میں پہنچا جب اس گروہ کا قائد ایک دوسری راہداری میں داخل ہوا تو ٹائیگر نے اپنی رفتار اور قدم کر لی اور سب سے پیچھے آنے والوں کے ساتھ ہو لیا۔ وہ ایک ہال میں چلے گئے تو ٹائیگر دوسری طرف نکل گیا۔ اب اُس کے آگے قنات میں صرف ایک شخص تھا۔ اسی لمحے اُس شخص نے پلٹ کر دیکھا اور ٹائیگر حیرت زدہ رہ گیا۔

وہ ایک لڑکی تھی۔ اُس کے نوجوان ہونٹوں پر ہنسی سی تھی۔ بڑی نیلی آنکھوں میں خوف تھا۔

"اوہ...!" مینا اینڈرز صرف اتنا ہی کہہ سکی۔

ٹائیگر نے لڑکی کو غور سے دیکھا۔ اُس کے بال شہد رنگ تھے، آنکھیں چمکدار تھیں، ناک ستواں اور چھوٹی سی تھی۔ ٹائیگر نے اُس لڑکی کی تصویر ہاروی اینڈرز کے پرس میں دیکھی تھی۔

"تمھاری بہن کہاں ہے؟" ٹائیگر نے سرگوشی میں پوچھا۔ اُسے یقین تھا کہ یہی اینڈرز کی بیٹی ہے۔

"وہ... ہم... میرا مطلب ہے کہ...!" مینا بُری طرح گھبرا گئی تھی۔

اس گھبراہٹ اور چہرے پر خوف سے ٹائیگر نے فوراً اندازہ لگا لیا کہ یہاں کیا ہو رہا ہے۔ صاف ظاہر تھا کہ لڑکی فرار کا ارادہ رکھتی ہے اسی باعث وہ دبے قدموں اس طرف آئی تھی۔

"گھبراؤ نہیں مینا۔" اُس نے مسکرا کر اُس کا حوصلہ بڑھانے کی کوشش کی۔ "تمھارے والد ہی نے مجھے یہاں بھیجا ہے۔ میں کلیسا سے تعلق نہیں رکھتا۔"

"ڈیڈی...!" مینا کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ "مسٹر پلیز میری مدد کرو۔ یہاں بہت خوفناک باتیں ہوتی ہیں۔"

"میں جانتا ہوں۔" ٹائیگر نے اُسے تسلی دی۔ "بیٹی کہاں ہے؟ ہمیں فوراً نکلنا ہوگا ورنہ بہت دیر ہو جائے گی۔"

"پتا نہیں وہ کہاں ہوگی، ایک منٹ پہلے تک ہم ایک ساتھ تھیں لیکن پھر کردں میں خیمہ مائیکروفون نصب ہوں گے اور ہیلن کون ہے؟"

"وہ... وہ عورتوں کے لیے جیلر ہے۔" مینا اپنی پیشانی مسل رہی تھی۔ "وہ حرم کی انچارج ہے۔ اُس نے ہمیں عبادت کے دوران بھی ایک ساتھ نہیں بیٹھنے دیا۔ پلیز! بیٹسی کو تلاش کرو۔"

"وقت بالکل نہیں ہے۔ کیا اس راہداری کا کوئی بغلی دروازہ بھی ہے مینا؟"

"پتا نہیں، میرا خیال ہے کہ ہمیں مبعد کے راستے ہی باہر نکلنا پڑے گا۔"

"ٹھیک ہے، ہم ایسا ہی کریں گے۔" ٹائیگر نے فیصلہ کن لہجے میں جواب دیا۔

"م... مگر... بیٹسی...!"

"اس کے بارے میں بعد میں فیصلہ کر لوں گا۔" مینا! اہم بات یہ ہے کہ تمھاری گمشدگی کا علم ہونے سے قبل ہی یہاں سے نکل جائے۔" ٹائیگر بہت سنجیدہ تھا۔ اُس نے مینا کا ہاتھ تھام لیا اور مبعد کی طرف واپس چل دیا۔ بھوری قبا والے دو افراد اُن کے قریب سے گزرے جن کو دیکھ کر مینا خوف سے سفید پڑ گئی۔ ہال میں وردی پوش ملازم صفائی کر رہے تھے۔ اُن میں سے کسی نے بھی اُن کی طرف نہیں دیکھا۔ وہ چلتے رہے اور دروازے سے نکل کر ایک غلام گردش میں پہنچے ہی تھے کہ ایک آواز نے اُن کے قدم روک لیے۔

"جلد جا رہے ہو برادر، بہن!" اُن کی راہ روکنے والا ایک قوی نوجوان تھا، جس نے بھوری قبا پہن رکھی تھی۔

"ہاں، سسٹر ایس کا سر چکرا رہا تھا۔ میں نے سوچا کہ تازہ ہوا کی ضرورت ہوگی۔ ذرا سے آرام کے بعد ہم پھر واپس آ جائیں گے۔"

"تم انتہائی مہربان نوجوان ہو لیکن شاید دونوں ہی یہاں نئے نئے آئے ہو۔ میں نے تمھیں پہلے کبھی نہیں دیکھا۔" قوی نوجوان نے کہا۔

"ہمارا تعلق ایک دوسرے کلیسا سے ہے، زائر کی حیثیت سے یہاں آئے تھے۔"

غالباً ٹائیگر نے کوئی غلطی کر ڈالی تھی کیونکہ اُس نوجوان کا رویہ اچانک بدل گیا۔ آنکھوں میں شکوک کی پرچھائیاں لرزنے لگیں اور لہجہ سخت ہو گیا۔ "یہ کمال ہے، کوئی بھی اپنے کلیسا کو چھوڑ کر نہیں آ سکتا برادر...!"

ٹائیگر نے فوراً ہی دائیں پہلو پر ہاتھ رکھا۔ مزید گفتگو کی گنجائش ہی نہیں تھی۔ پہلو سے گیس کمپریسر کی سیٹی نکلی اور ایک ڈارٹ تیر کی طرح پہلو سے سفر کرتی ہوئی منزل پر پہنچ گئی۔ ایم ۹۹ محلول میں بجھی ہوئی ڈارٹ برادر کے سینے میں لگی اور وہ انھیں حیرت سے دیکھتا ہوا جھوم کر گر گیا۔

"گک... کیا تم نے اُسے قتل کر دیا؟" مینا گھبرا کر پوچھنے لگی۔

"نہیں، صرف سُلایا ہے۔" ٹائیگر نے بے ہوش شخص کو اُٹھا کر ایک الماری میں بند کیا اور پھر مینا کا ہاتھ تھام کر چل دیا۔ "چلتی رہو، گھبرانا نہیں۔" اُس نے کہا۔

عمارت سے نکل کر کیمپ کی طرف جاتے ہوئے ٹائیگر نے مینا کو اپنی ڈارٹ، ایوا کے بارے میں بتایا۔ یہ سی او ۲ ڈارٹ پستول کی طرح ہوتی ہے۔ کیپ کیو رسیٹم کے تحت اعشاریہ ۲۲ کلیبر کا گیس آپریٹڈ ہتھیار ڈارٹ فائر کرتا ہے۔ میں نے اس وقت جو ڈارٹ استعمال کی وہ محض بے ہوش کرنے کے لیے تھی جبکہ دوسری ڈارٹ ہلاک کرنے کے لیے ہوتی ہے۔"

مینا اس قصے میں زیادہ دلچسپی نہیں لے رہی تھی لیکن جب اُس نے ٹائیگر کی کیمپ دیکھی اور جب اُس کی عقبی سیٹ پر بیٹھ گئی تو اُس کا چہرہ فرطِ مسرت سے کھل اُٹھا۔

:::

نصف گھنٹے بعد وہ کلیسا کے چوک میں پھر واپس آ گیا تھا۔ ہاروی اینڈرز کے گھر پر مینا کا پہنچنا انتہائی مذبذبانی ماحول کا باعث بن گیا تھا۔ ہاروی نے اُسے گلے لگا کر اتنی زور زور سے بھینچا تھا کہ مینا کی چیخیں نکل گئی تھیں۔ وہاں سے روانہ ہوتے وقت ٹائیگر نے یہ وعدہ کیا تھا کہ وہ بیٹسی کو نکالنے کی بھی ہر ممکن کوشش کرے گا۔ یونیورسٹی ایونیو کی طرف آتے ہوئے راستے بھر وہ نئی فتے داری کے بارے میں غور کرتا رہا تھا۔ اس کی وجہ سے اُسے اپنے منصوبے میں بڑی تبدیلی کرنی پڑی تھی۔ اُسے خاموشی سے چرچ میں داخل ہو کر بیٹسی کو یہاں نکالنا تھا۔ یہ کام فوراً کرنے کی ضرورت تھی۔ اُسے یقین تھا کہ بے ہوش محافظ نے ہوش میں آ کر سب کو چوکنا کر دیا ہوگا اور اب کلیسا میں سخت اقدامات کیے گئے ہوں گے۔ ان اقدامات کے سبب اُس کا کام مشکل ثابت ہو سکتا تھا اور اُسے نئے مشن کی تکمیل کے لیے خصوصی اوزاروں کی ضرورت پڑ سکتی تھی۔

وہ ایک نمائش میں داخل ہو گیا۔ یہاں تفریحی ساز و سامان رکھا ہوا تھا۔ ٹائیگر کے لیے ماروِک کا اسٹال دلچسپی کا باعث تھا۔ یہاں ہوگن وغیرہ رکھی ہوئی تھیں۔ پمپ کا صدر ہوگن کی افادیت کا عملی مظاہرہ کرنے پر آمادہ ہو گیا۔ یہ ہوگن تھی۔ اُس نے پیانو وائر کے ٹکڑے جن کے سروں پر شوخ تاریکی نقطے ناگولیاں تھیں گن میں ڈالے، ایک درجن ڈارٹ گن میں پہنچ گئیں۔ گن کی رینج ٹھیک دو سو فٹ تھی۔

کامیاب مظاہرے کے بعد جس کو دیکھنے والوں میں حسین لڑکیاں بھی شامل تھیں، ٹائیگر گیمن کے صدر کو ایک طرف لے گیا، جو کامیاب مظاہرے پر بہت خوش تھا۔ وہ بہت خوشی سے ٹائیگر کے سوالوں کا جواب دے رہا تھا۔

"یہ فائیو اینڈ ہاف فٹ ہنٹر ماڈل ہے جناب!" اُس نے کہا۔ "ہم سکس اینڈ ہاف فٹ گیمنم ماڈل بھی بناتے ہیں اور اس سے چھوٹے بھی...!"

"سینٹر میں ری کوئل اسپرنگ ہوتی ہیں کیا یہ ٹوٹ جاتی ہیں؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"نہیں... لیکن اگر آپ اس کو اٹاک کے چھڑی کے طور پر استعمال

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کریں تو وہ رد ہو جائیں گی جناب۔" کھنی کے صدر نے مسکرا کر جواب دیا۔ "ڈارٹ ۴۸ کلیبر کی ہے جبکہ اشاریہ ۳۱ کلیبر کے ٹیوب میں سفر کرتی ہے۔ اس کی شدت ۴۵ کلیبر کی گولی کی سی ہو جاتی ہے۔ اسی لیے ہر قسم کے کھیل میں استعمال کی جا سکتی ہے۔"

"کسی بڑے ہرن کو مارنے کے لیے بھی استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟"

"اس کے لیے زہر آلود ڈارٹ استعمال کرنی ہوگی جناب!" کھنی کے صدر نے کہا۔

ٹائیگر نے گن خرید لی۔ اسے ہرن نہیں مارنا تھا مگر اس نے زہریلی ڈارٹ بھی خرید لیں۔

○

کھیسلا کے چوک میں پہنچ کر اسے درختوں کے جھنڈ میں بھوری قبا والا ایک شخص نظر آیا جس کے ہاتھ میں اشاریہ ۳۰ کلیبر کا بانس تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ بیٹا کی گنجائش کا علم ہو چکا ہے اور اب تلاش ہو رہی ہے کھیسلا کے دروازوں پر پہرے داروں کی نفری بھی بڑھا دی گئی تھی۔ ہر شخص چوکنا نظر آ رہا تھا۔ ٹائیگر مسکراتا ہوا اطمینان میں داخل ہو گیا۔ اس نے ایک طرف پوزیشن لے کر بلوگن نکالی۔ اس کی نال فٹ کی اور نشانہ سے لگایا۔ اسی لمحے ایک گھاگ ڈر درختوں میں بھاگتا ہوا اس کی طرف بڑھا۔ ٹائیگر منتظر رہا اور جونہی وہ رینج میں آیا، ٹائیگر نے نال میں پھونک مار دی۔ ڈارٹ گولی کی طرح نکلی اور جوش کا رڈ کے سینے میں لگی۔ اس کے منہ سے "اوہ" کی آواز نکلی۔ اوہ کی یہ آواز آ۔۔۔ م۔۔۔ ہی۔۔۔ میں بدل اور پھر آ آ آ۔۔۔ کی آواز دھیمی ہوتی چلی گئی۔ زہر سریع الاثر تھا اور اپنا کام شروع کر چکا تھا۔ گاڈ دو سرے لمحے گر کر بے حرکت ہو گیا۔ گارڈ کی جسمانی کیفیت دیکھ کر ٹائیگر نے اندازہ لگا لیا تھا کہ اس کی موت صرف بیس سیکنڈ میں واقع ہو جائے گی۔ ٹیٹنا کی گفت گو سننے کے بعد اسے یہ سکون تھا کہ یہاں مرنے والا ہر شخص قاتل، ظالم اور انسانیت دشمن ہوگا۔ اسے یقین تھا کہ اس گروہ میں کوئی معصوم یا بے گناہ نہیں۔ اس کی نظریں بے ہوش شخص پر مرتکز رہیں اور جونہی گارڈ کے جسم نے زور دار جھٹکا لیا، وہ اس کی طرف دوڑ گیا۔

چند ہی لمحوں میں بھوری قبا ٹائیگر کے جسم پر تھی۔ گارڈ کی لاش درختوں کے جھنڈ میں چھپ گئی تھی اور ٹائیگر رومن سینٹل بین کردینولیوں کے حرم کی طرف بڑھ رہا تھا۔

بھوری قبا کھیسلا نے یوم نجات میں داخلے کا غیر متنازعہ پاسپورٹ تھی۔ ٹائیگر کا چہرہ قبا کے ستر تک ہونے کے باعث چھپا ہوا تھا لہٰذا وہ تمام حفاظتی چوکیوں سے گزرتا چلا گیا پھر وہ عمارت کے اندر لفٹ کے مقام تک پہنچ گیا۔

دونوں بالائی منزلیں متحرک تھیں۔ نچلی بھی ایسے تھے کہ جب تک ان میں ابھی کی چابیاں نہیں لگائی جاتیں، وہ کسی دباؤ میں آ کر نہیں کھلتے تھے۔ صرف ایک لفٹ کا بٹن کام کر رہا تھا۔ اسی طرح ٹائیگر کے پاس راستے محدود تھے۔ وہ لفٹ میں سوار ہوا اور بٹن دبایا تو لفٹ اوپر جانے کی بجائے نیچے جانے لگی۔ اب ٹائیگر کے پاس اپنی پوزیشن کا جائزہ لینے کے لیے کچھ وقت تھا۔ اس نے اندازہ لگایا کہ بالائی منزلوں پر دفاتر ہوں گے اور شاید کوئی روم بھی ہوں۔ ٹینا نے یہی بتایا تھا کہ یہاں باقاعدہ کاموں میں ہمانداری ہوتا تھا۔ ٹائیگر کو کسی طرح اس جگہ تک پہنچنا تھا۔ ٹینا کے مطابق نیچے عورتوں کی رہائش تھی، لڑکوں کے کمرے تھے، ڈائننگ ہال تھا اور کھیل کود کے لیے کمرے تھے۔ ٹائیگر کو بیٹی تک پہنچنے سے قبل چابیوں کی ضرورت تھی تاکہ وہ متحرک لفٹوں کو کھول کر اوپر پہنچ جائے۔

وہ چابیاں حاصل کرنے کی تیاری کر کے آیا تھا۔

پائیں باغ کے نیچے شاہ اشاریہ ۴۵ آٹومیٹک ایک سائلنسر اور ابو اڈوارٹ گن تھی۔ بچو قابلوگن کے ٹکڑے کر کے اس نے درخت کے نیچے چھپا دیے تھے تاکہ اسے نقل و حرکت میں دشواری نہ ہو۔ اس کی ویڑھی ہڈی کے ساتھ نفیس سی کلاشنکوف تھی۔ اسے بھی حسب معمول بیلٹ میں تھے۔

اسے سب سے پہلی مشکل کا سامنا لفٹ کے رکتے ہی کرنا پڑا گیا۔ دروازہ کھلا تو اسے سامنے ہی ایک ڈیسک نظر آئی، جس کی میز پر ایک "برادر" مذہبی کارٹون دیکھ رہا تھا۔ اس نے کتاب سے نظریں ہٹا کر لفٹ کی طرف دیکھا، ہاتھ اٹھا کر سلام کیا اور کہا۔ "من تو شما سے بے برادر کس لیے آئے ہو؟"

"پوس سے ملنے ہے برادر۔" ٹائیگر نے اسی کے لہجے میں جواب دیا۔

"وہ نیچے ہے، اس کا حکم ہے کہ ڈسٹرب نہ کیا جائے شاید اسپیشل کلینزر کے سلسلے میں کچھ ہو رہا ہے۔"

"کیا وہ پھر عورتوں کے پیچھے ہے؟" ٹائیگر نے بے یونہی کہہ دیا۔

"برادر تھامس، تم کیسے بے وقوف بنانا چاہتے ہو۔ نہیں مسئلہ اس گروپ کا ہے، جو جلد ہی جا رہا ہے۔ تم جانتے ہی ہو، سپاہی برائے ایوکویس!"

"ارے ہاں لیکن مجھے علم نہیں تھا کہ وہ جلد ہی روانہ کیے جا رہے ہیں۔" ٹائیگر نے مسکرا کر کہا۔

"میں نے بھی حال ہی میں سنا تھا۔" یہ کہہ کر گارڈ نے اپنی گھڑی دیکھی اور پھر ٹائیگر کی طرف دیکھ کر بولا۔ "ارے تمہارا نام کیا ہے؟"

"برادر لوئس!"

"اوہ، تو تمہارا تعلق معبد کے مراعات یافتوں سے ہے؟"

"درست!" ٹائیگر نے اثبات میں سر کو جنبش دی۔

"میرا نام جون ہے برادر! ایک دو منٹ بعد ہی میری ڈیوٹی بدلنے والی ہے۔ کیا خیال ہے، ڈائننگ ہال میں چائے پی جائے تم دیں برادر تھامس کا انتظار کر سکتے ہو؟"

چند ہی لمحے بعد قریب ہی سے سیٹیوں کی آواز سنائی دی۔ جون مسکرانے لگا۔ "یہ دوسری ڈیوٹی والا آ گیا۔ آؤ چلیں۔"

ڈائننگ ہال سے خنک کیفے ٹیریا خاصا بھاری میں ٹائیگر اور جون نے چائے سے بھرے ہوئے بھاری مگ لیے۔ چائے کا ذائقہ انتہائی اجنبی اور بے مزا سا تھا لہٰذا ٹائیگر ذائقہ محسوس کیے بغیر چھوٹے چھوٹے گھونٹ حلق سے اتارنے لگا جبکہ جون نے بہت جلد پورا مگ پی ڈالا اور دوسرا مگ لینے کے لیے اٹھ گیا۔ وہ مگ لے کر دوبارہ واپس آیا تو اس کے چہرے پر عجیب سا سکون تھا اور اس وقت تک خود ٹائیگر کو علم ہو گیا تھا کہ چائے میں نشہ ملایا گیا ہے۔ دوسرے گارڈ بھی ڈیوٹی سے فارغ ہو کر وہاں جمع ہونے لگے۔

"ہاں!" جون نے ہاتھ اٹھا کر دوسروں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "کافروں کو اس وقت معلوم ہوگا جب ہماری فوج ان کو گردن سے پکڑے گی۔"

"نہاں قابو میں رکھو برادر جون۔" کسی دوسرے نے جون کو خبردار کیا۔

"تم ٹھیک کہتے ہو برادر جون۔ مگر وہ صداقت کے بہت سے راکین کو علم ہی نہیں کہ فوجی حقیقت کیا کریں گے؟"

"نچلی منزلوں میں کام کرنے والے تمام افراد کو اس کا علم ہے۔" جون کہتا رہا۔ "اس نے یہ بھی نہیں سوچا کہ برادر لوئس کا تعلق بالائی محافظوں سے ہے۔ میں نے کل ہی تربیت یافتہ تین فوجیوں سے ملاقات کی تھی۔ وہ روانہ ہو چکے ہیں اور جلد ہی دنیا بھر کو ان کے بارے میں علم ہو جائے گا۔"

"انہیں تو آج روانہ ہونا تھا۔" ایک تیسرے برادر نے کہا۔ "لیکن شاید کوئی بات ہو گئی ہے۔ اب وہ لوگ کل روانہ ہوں گے پھر کافر کانپ اٹھیں گے۔ ہماری طاقت دیکھ کر ان کی حالت ابتر ہو جائے گی اور جب مسیح اقتدار سنبھالے گا تو یہ سب کے سب محفوظ ہاتھوں میں ہوں گے۔"

"جہاں تک محفوظ ہاتھوں کا تعلق ہے۔۔۔" برادر لوئس نے قہقہہ لگایا۔ اس کے ہاتھوں میں چابیوں کا گچھا تھا۔ "مجھے ایک ناخوشگوار کام کے لیے چند محفوظ ہاتھوں کی ضرورت ہے۔ کوئی رضاکارانہ طور پر میرا ساتھ

لاتعداد ایڈونچر کہانیوں کے خالق

ایم اے راحت کی

ایک اور ایڈونچر کہانی



○ ایک ایسی کہانی جس کو مکمل کئے بغیر رکنا ناممکن ہے۔

○ چار حصوں میں شائع ہو گئی ہے۔

○ کتابیں بیسٹ بریک پر خوبصورت سرورق کے ساتھ شائع کی گئی ہیں۔

قیمت فی حصہ: ۷۰/۰۰ روپے

مکمل سیٹ: ۲۸۰/۰۰ روپے

مکتبہ القریش

اردو بازار لاہور ۲

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

دے گا۔"

"اوہ یس!" برادرجون کا ہوش وخروش اچانک ہی ختم ہوگیا۔ "کیا سسٹر لینی کا مسئلہ ہے؟"

"ہاں۔" ایلوس نے افسردگی سے چابیاں ہلائیں۔ "بے چاری اپنے جوش کے باعث ہوش میں نہ رہ سکی۔"

"احمقانہ باتیں مت کرو برادر جمن! میری مدد کے لیے کون ساتھ چلے گا؟"

"کیا اسی طریقہ کار پر عمل کیا جائے گا، جو پاسبیوں کے معاملے میں اختیار کیا گیا تھا؟"

"ہاں، اسی انداز میں لاش ٹھکانے لگائی جائے گی۔" برادر ایلوس نے جواب دیا۔

تقریباً تمام لوگ خاموش رہے لہٰذا ایلوس کی نظریں ٹائیگر پر جم گئیں جس نے نفی میں سر نہیں ہلایا تھا۔

"تم... برادر!" ایلوس نے پوچھا۔

"ضرور... کیوں نہیں؟" ٹائیگر نے فوراً جواب دیا۔ "میں ہر خدمت کے لیے حاضر ہوں برادر ایلوس!"

ماسر راہداری میں، ڈائننگ ہال کے کارنر پر جب ٹائیگر کو یقین ہوگیا کہ کسی بھی جگہ کیمرے کی خفیہ آنکھ ان پر مرتکز نہیں، اس نے ایوا نکالا، ایک ڈیڈ برادر ایلوس کے جسم میں پیوست ہوگئی اور زہر ایلوس کے اعصابی نظام تک پہنچ گیا۔ زہر اتنا سریع الاثر ثابت ہوا کہ ایلوس جیسا گینڈا نما آدمی بھی چیخ مارے بغیر گر پڑا۔ ٹائیگر نے ایلوس کی ایک ٹانگ پکڑ کر اُسے کھینچا اور ایک کمرے میں لے گیا۔ یہاں ایک بڑی الماری کھلی ہوئی تھی۔ ایلوس کو الماری میں ڈالنے سے قبل ٹائیگر نے اُس سے چابیوں کا گچھا لیا اور پھر باہر نکل آیا۔ اس گچھے سے اس نے ایک چابی تلاش کی اور کمرے کو باہر سے مقفل کر دیا۔ اب وہ لفٹ کی جانب بڑھ رہا تھا۔ چابیاں اس کے پاس تھیں۔

☆☆☆

"میں تمہاری بات سمجھ رہا ہوں نیلز۔" ٹائی نے لی۔ وی مانیٹر کی طرف دیکھ کر کہا۔ "مجھے بھی یہ شخص اجنبی لگ رہا ہے۔ اس کے چلنے کا انداز بھی اجنبی سا اور غیر مانوس ہے۔ تم کہتے ہو کہ اس پر تمہاری نظر مسجد کے باہر راہداری میں پڑی تھی۔"

"یس سر۔" یہ ایک گروپ کے ساتھ تھا پھر یہ الگ ہوگیا۔ پہلے تو ادھر اُدھر گھومتا رہا اور پھر اس نے زیر استعمال لفٹ کا بٹن دبایا۔ میرا خیال ہے کہ مجھے اسی وقت آپ کو اطلاع کر دینی چاہیے تھی۔"

"تمہیں کم از کم کسی کو اس کے پیچھے لگا دینا چاہیے تھا۔" ٹائی نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ اس کا تعلق بھی پولیس سے ہی ہوگا، تمہارا کیا خیال ہے برادر تھامس!"

برادر تھامس اسکرین پر نظر آنے والے شخص کے قدم دیکھ کر ہی متاثر ہو رہا تھا۔ اس کے چہرے پر سختی تھی اور جب وہ بولا تو اس کے لہجے کی سنگینی بھی بہت واضح تھی۔ "اس کو یہ چابیاں کہاں سے ملیں؟ یہ کہنا بہت آسان ہے کہ یہ اسی منزل کی طرف آ رہا ہے، اسے روکنا بہت ضروری ہے۔"

"ہاں... لیکن پہلے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ اس کے ارادے کیا ہیں اس طرح ہمیں وہ باتیں بھی معلوم ہو جائیں گی، جو تم ٹارچر چیمبر میں اس سے نہیں اگلوا سکتے۔"

"کیوں نہیں لیکن ہمارے پاس اس کھیل کے لیے کافی وقت ہے اس وقت ہمیں یہ منصوبہ بندی کرنی ہے کہ اسے کس طرح پکڑا جائے۔ فکر مت کرو۔ ہمارے طریقہ کار کی کوئی بھی مزاحمت نہیں کر سکتا۔"

برادر تھامس مسکرانے لگا۔ یہ مسکراہٹ کمزور مگر بہت عجیب تھی اس میں درجنوں معنی پنہاں تھے جن کا مطلب صرف تھامس ہی کو معلوم تھا۔

✠

"ہمارا مہمان اب اپنے منصوبے پر عمل درآمد کے لیے پر تول رہا ہے۔" تھامس نے صبح ایک بج کر ستائیس منٹ پر ٹائی کو اطلاع دی۔ "گڈ! ہوپ ان اسکواڈ کو چوکس کر دو تاکہ اس کی منزل کا پتا چلتے ہی اُسے روکا جا سکے۔"

"وہ عورتوں کے کوارٹروں کی طرف جا رہا ہے۔"

"اوہ! ایک لڑکی بارہ گھنٹے قبل فرار ہو چکی ہے۔ کیا یہ شخص اس فرار کا بھی ذمے دار ہے؟ ممکن ہے کہ یہ اسی لڑکی کی بہن کو نکالنے کا ارادہ رکھتا ہو۔ بہرحال یہ کوئی بھی ہو، یہ گروہ صداقت کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔"

"عورتوں کے کمروں میں حالات پُرسکون ہیں۔" ٹائی و تھامس نے بڑی حیرت سے مطلع کیا۔ "مانیٹر سیون! وہ لفٹ سے نکل کر متوقع مقام کی طرف بڑھ رہا ہے۔"

"گڈ! اب پھر یہ یقیناً مقامی پولیس کا آدمی ہے۔ ہمارے آدمیوں کے لیے کوئی مسئلہ جم نہیں لے گا۔ اسکواڈ کو چوکس کر دو اگر وہ اینڈرز کی بیٹی کو لے جانا چاہے تو مداخلت نہ کرنا۔ میرا خیال ہے کہ یہ سارا ہنگامہ اسی لڑکی کے باعث ہو رہا ہے۔ وہ چلی گئی تو کوئی مسئلہ باقی نہیں رہے گا۔"

زیر زمین راہداری میں ٹائیگر بڑی احتیاط سے چل رہا تھا۔ یہاں کی دیواروں پر نمی تھی اور پانی رسنے کی وجہ سے کئی جگہ دھبے نظر آتے تھے۔ اسے کلیسا میں داخل ہوئے کئی گھنٹے ہو چکے تھے اور اب وہ لے آؤٹ کے متعلق بہت اچھی طرح اندازہ لگا چکا تھا۔ اسے اپنی سمت کے درست ہونے کا بھی یقین تھا۔ اس کے قدم عورتوں کے رہائشی حصے کی طرف اُٹھ رہے تھے۔ وہ اصل مشن پر توجہ دینے سے قبل بیٹی کو اس کے گھر تک پہنچانے کا تہیہ کر چکا تھا۔ ایوا اس کے ہاتھ میں تھا اور وہ کنٹرول ڈیک کی طرف بڑھ رہا تھا۔

"کون ہے؟ تم جانتے ہو کہ یہ علاقہ... ممنوع... ہے... ہے...!"

"اس نے گارڈ کو کس چیز سے ٹوش کیا؟" ٹائی، گارڈ کو گرتے ہوئے دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا۔

"یقین سے کوئی بات نہیں کہہ سکتا۔" تھامس نے جواب دیا۔ "روشنی بہت کم ہے، اس لیے واضح طور پر کچھ نظر نہیں آیا۔ ممکن ہے بے ہوش کر دینے والی گن استعمال کی ہو۔"

"کوئی بات نہیں نام میں درست کہہ رہا تھا، وہ بیٹس اینڈرز کے کمرے کی طرف جا رہا ہے۔" ٹائی کا لہجہ فاتحانہ تھا۔ "یہاں سے اُسے مزید کوئی مسئلہ درپیش نہیں ہونا چاہیے۔" اس نے ہدایت کی۔

●

اپنے داخل ہونے پر عورتوں نے... میں قرآنی کے خیال سے ٹائیگر نے ایوا میں عزیز مہلک بے ہوش کر دینے والی ڈارٹس لوڈ کر لی تھیں تاکہ اگر ہنگامے کے دوران خواتین درمیان میں آ جائیں تو وہ انہیں ہلاک کرنے پر مجبور نہ ہو۔

اس نے چابی نکالی، قفل آواز کیے بغیر کھل گیا اور پھر اسے فوراً ہی ڈارٹ استعمال کرنی پڑ گئی۔ جرم کی نگراں سین اُسے دیکھ کر فون کی طرف ہاتھ بڑھا رہی تھی لیکن ڈارٹ اُس کے ہاتھ میں پیوست ہوئی اور وہ ایک طرف ڈھے گئی۔

ٹائیگر نیم بیدار لڑکیوں میں بیٹس کو تلاش کرنے لگا۔ عورتیں دبے دبے لہجے میں احتجاج کرنے لگیں۔

تب ہی اس کی نظر ایک لڑکی پر پڑی، اس کی شکل مینا سے بہت ملتی جلتی تھی، وہ سو رہی تھی۔ "بیٹس... الزبتھ!" اس نے بیٹس کو جھنجوڑ ڈالا۔ "اٹھو! میں تمہیں یہاں سے نکالنے کے لیے آیا ہوں۔"

"اوہ!" بیٹس اچانک ہی بیدار ہوگئی۔ "اوہ... آہ... میں... میں بہت... خوفزدہ ہوں، میری مدد کرو۔"

"چلو، میں تمہیں تمہارے گھر چھوڑ دوں گا۔"

"پلیز... پلیز... مجھے یہاں سے لے چلو۔" بیٹس کی آواز میں نیند کا اثر تھا۔ غالباً وہ اسی باعث ٹائیگر کے جملوں کا مفہوم بھی نہیں سمجھ سکی تھی۔ وہ اس سے لپٹ گئی۔ لہٰذا ٹائیگر نے اُسے اٹھا لیا۔ وہ اُسے لے کر زنان خانے سے نکلا۔ اس نے دروازہ پھر مقفل کیا اور بیٹس کو کھڑا کر دیا۔ وہ اتنی بیدار ہو چکی تھی کہ اپنے قدموں پر خود چل سکتی تھی۔

◘

"میں اسکواڈ کو واپس بلا لیتا ہوں۔" اسکواڈ والے اسی راہداری میں ہیں جس میں وہ دونوں داخل ہونے والے ہیں۔" تھامس نے ٹائی سے کہا۔

"نہیں۔" ٹائی کا لہجہ تحکمانہ تھا۔ "کوئی احمق بھی پیرے دار نہ دیکھ کر کسی گڑبڑ کا اندازہ لگا سکتا ہے۔ وہاں دو آدمی ضرور رکھو پھر دیکھو کیا ہوتا ہے۔"

✠

ٹائیگر اور بیٹس کی آزادی صرف بیس فٹ دور تھی لیکن ابھی وہ آخری غلام گردش میں داخل ہی ہوئے تھے کہ بھوری قبا والے دو افراد اُن کی راہ میں مزاحم ہوگئے۔ "تم کہاں جا رہے ہو برادر؟" ان میں سے ایک نے پوچھا۔ "کیا تمہیں علم نہیں کہ اپنے ساتھ پرائیویٹ عورت رکھنا ممنوع ہے۔" گارڈ اُس سے زیادہ کچھ اور نہیں کہہ سکا۔ ایوا دو بار کھانسا اور دونوں گارڈ زمین پر لیٹ گئے۔

بیٹس اگرچہ گنگ تھی مگر اس نے آخری دو لگانے میں ٹائیگر کا پورا پورا ساتھ دیا۔ وہ غلام گردش کے آخری حصے میں پہنچے... اور انہوں نے ایک ساتھ دروازے کے کنڈے پر ہاتھ رکھا۔ ٹائیگر نے مسکرا کر ہاتھ ہٹا لیا۔ بیٹس دروازہ کھول کر باہر نکلی، اس کے پیچھے ٹائیگر تھا۔ دونوں تیزی سے احاطے سے نکلے۔ باسر پبلک بوتھ سے فون کر کے ٹائیگر نے ٹیری لوکاس کو بلایا اور جب ٹیری آ گیا تو اس نے بیٹس کو اس کے حوالے کیا۔ ان دونوں کے جانے کے بعد اس نے یوجا ٹوگن دوبارہ اسمبلی کی اور کلیسا کی طرف واپس چل دیا۔ اسے یقین تھا کہ لاشوں اور بے ہوش جسموں نے پوری کہانی سنا دی ہو گی اور یہ کہ مرکزی دروازے سے اُن کے نکلنے کا منظر بھی ٹیلی وژن اسکرین پر دیکھا جا چکا ہوگا۔ اس اعتبار سے مشن کا اگلا حصہ یقیناً مشکل ثابت ہوگا۔

اس کا خیال درست تھا۔ کلیسا سے ایک سو گز پہلے جھاڑیوں میں دو سائے نظر آ رہے تھے۔ دونوں کے ہاتھ میں پستول تھے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

لیکن اس سے قبل کہ دونوں میں سے کوئی بھی ہاتھ پستول کا استعمال کرتا، پیانو وائر کا زہریلا حصہ دونوں کے جسم میں پیوست ہُوا اور دونوں کے بعد دیگرے ڈھیر ہو گئے۔

مرکزی دروازے پر مزید تین گارڈ منتظر تھے۔ تینوں نے ایک ساتھ حملہ کیا۔ ٹائیگر نے بوگن کی ناں ایک گارڈ کی کھوپڑی پر مارتے ہوئے دُونوں ٹانگیں ایک ساتھ گھمائیں اور دُور جا کھڑا ہُوا۔ بوگن کی ناں کا شکار بننے والے کی کھوپڑی پھٹ گئی تھی باقی دو جسم کے نچلے حصّوں کو دونوں ہاتھوں سے تھامے ہوئے تڑپ تڑپ کر دم توڑ رہے تھے۔ یہ سب کچھ صرف ایک سیکنڈ میں ہُوا تھا۔ اب دروازے پر مزید کوئی مزاحمت نہیں ہونی تھی، وہ دوڑتا ہُوا لفٹ ہال کی طرف چلا گیا۔ اُس نے ٹی۔ وی کیمروں کی تلاش میں اِدھر اُدھر نظریں دوڑائیں، ایک دیوار پر آنکھ نظر آرہی تھی ٹائیگر نے جیب سے ایک ہیرے ٹیوب نکالی اور اُسے کیمرے کی آنکھ کے قریب لے جا کر دبا دیا۔ ٹیوب سے کال پاش نکلی اور لینس پر جا گئی پھر لفٹ میں پہنچتے ہی اس نے ٹاپ فلور کا بٹن دبا دیا۔

ہال میں پہنچ کر اُس نے وینو لیوی کا دفتر تلاش کیا، دروازہ مقفل تھا لیکن اُس کی لات بہت زور سے تالے پر پڑی جو ٹوٹ گیا۔ دفتر خالی تھا۔ اُس نے دروازہ بند کر کے تلاشی لینی شروع کر دی لیکن اس سے قبل وہ دیواروں میں نصب کیمرے کے لینس سیاہ کرنا نہیں بھولا تھا۔ وینو لیوی کی میز سے کوئی کام کی چیز نہیں ملی لیکن مسیح کی بڑی تصویر کے پیچھے اُسے ایک سیف مل گیا۔ یہ سیف نمبروں سے کھلتا تھا۔ اُس نے ایک خاص کوڈ کے مطابق نمبر گھمانے شروع کر دیے۔ تیسری کوشش کے بعد کھٹ کی آواز سنائی دی۔ اُس نے کوششیں جاری رکھیں اور کھٹ کی تیسری آواز سن کر وہ مطمئن انداز میں سر ہلانے لگا۔ پھر اُس نے ڈائل گھمایا، پاور سپلائی پر آیا اور اس بار کھٹ کی دو آوازیں پیدا ہوئیں۔ اُس نے ہینڈل گھمایا تو سیف کھل گیا۔

●

"وہ کسی اسٹرین پر نظر نہیں آرہا ہے۔ اب وہ وینو لیوی کے کمرے میں ہی ہو سکتا ہے۔"

"کیا یہ وہی شخص ہے، جو بیٹی کو یہاں سے لے گیا تھا؟" ٹائی نے تھامس سے پوچھا۔

"سوفی صد!" تھامس نے جواب دیا۔

"ایک مقامی سپاہی اور وینو لیوی کے دفتر میں؟"

"شاید بھگوڑے بچوں کے بارے میں معلومات جمع کرنے کے لیے آیا ہے۔"

"تب پھر اسے اپنا کھیل کھیلنے دو۔ وہ سیف تو کھولنے سے رہا، ہم اسے کسی بھی وقت پکڑ سکتے ہیں۔"

"چوہے بلی کا کھیل کھیلنا چاہتے ہو؟"

"مجھے اپنا گیم ہی پسند ہے۔"

دونوں ہنس پڑے اور دونوں انتظار کرنے پر متفق ہو گئے۔

*

سیف کے اندر انتہائی چونکا دینے والی معلومات کا خزانہ بھرا ہُوا تھا۔ شاک ٹروپ انفارمیشن آپریشن آرڈر، دو فائلوں نے ٹائیگر کے بدترین خدشوں کی تصدیق کر دی۔ ایک فائل جہاد بنجات سے متعلق تھی اور اس میں درجنوں نام پتے درج تھے۔ غالباً یہ اُن لوگوں کے نام تھے، جنھیں قتل کیا جانا تھا، اُن میں تجارت پیشہ افراد سے لے کر سیاست دانوں تک کے ۴۳ نام تھے۔

ٹائیگر تھوک نگل کر رہ گیا۔ واشنگٹن ڈی سی کے نیچے وزیر خارجہ جی سی، چیف آف جوائنٹ اسٹاف کے چیئرمین براؤن، ڈائریکٹر ایف بی آئی، سی آئی اے اور دوسرے افسروں کے نام لکھے ہوئے تھے۔ آپریشن آرڈر والے فائل میں ہر قتل کے بارے میں ہدایات درج تھیں پھر ایک ایسی دستاویز ملی جس سے یہ ثابت ہو گیا... کہ لیوی کے اس ڈرامے کا اصل ہدایت کار کون ہے۔

لیوی کا کلیسا، امریکی قیادت کو ختم کرنے سے ایک روسی منصوبے کے لیے نقاب کا کام کر رہا تھا۔ رہنماؤں کو قتل کر کے اُن کی جگہ اپنے آدمی مقرر کیے جانے تھے اور یہ آدمی بھی بہت اہم تھے، ہر جگہ نمبر دو پوزیشن کے مالک تھے۔

وہ سوچنے لگا کہ ایف بی آئی اور ڈان کروس کو اس کی اطلاع دے کر ملٹری انٹیلی جنس کو بھی شامل کر لیا جائے لیکن وہ جانتا تھا کہ ان اداروں کو فوراً قائل کرنا اور راز کو راز رکھنا ناممکن ہو گا۔ اسے یقین تھا کہ ہم اس مشن کو اپنے طور پر مکمل کر لیں، اداروں کو زحمت نہ دے ڈان کروس اُس کی ہر بات پر عمل کر سکتا تھا لیکن سوال یہ تھا کہ محکمۂ انصاف کا ایک افسر عالمی جاسوسی اور سیاسی قتل کے عالمی منصوبے کے سلسلے میں کیا کر سکتا ہے؟ وقت کا تقاضا مختلف تھا۔ لیوی کے منصوبے کو شروع ہی میں ناکام بنانے کے لیے ضروری تھا کہ ہر طرف سے اُس پر حملہ ہو۔ وہ تنہا کچھ نہیں کر سکتا تھا کیونکہ قاتل مختلف مقامات پر روانہ ہو چکے تھے۔

اُس نے تیزی سے دستاویزات کی تصویریں بنانی شروع کر دیں پھر انھیں فائلوں میں واپس ڈال کر سیف میں رکھا اور اُسے بند کر دیا۔ تصویریں اُس کی جگہ پر لگا دی پھر اُس نے کمرے کا دروازہ کھول کر باہر راہداری میں جھانکا اور باہر نکل آیا۔

اُسی لمحے کلیون نے اُس پر چھلانگ لگا دی، کلیون بہت وزنی تھا۔ وہ ٹائیگر پر کسی بوری کی طرح گرا اور ٹائیگر کو کھینچتا ہُوا کمرے میں واپس لے گیا۔

اُسی لمحے مزید پانچ افراد اپنی قبائیں اُتار کر کمرے میں داخل ہو رہے تھے۔

ٹائی کا جال کامیاب رہا تھا۔

✣

ٹائیگر نے فوراً ہی فیصلہ کر لیا کہ وہ انسانوں کی طرح لڑے گا۔ اُسے ہاتھ، کہنیاں، پیر اور گھٹنے استعمال کرنے تھے۔ اسی ارادے سے اُس نے کہنی کو حرکت دی اور پھر ایک خوفناک چیخ کمرے میں گونج گئی۔

کلیون ہونی ٹائیگر سے ٹکرایا، ٹائیگر کی کہنی ایک خاص انداز سے اس کے پیٹ میں لگی اور اُس کے بعد بلند ہونے والی چیخ سے ٹائیگر نے اندازہ لگایا کہ کہنی اپنے ٹارگٹ پر لگی ہے پھر اُس کا ایک ہاتھ کلیون کے چہرے پر لگا، چہرے سے خون ٹپکنے نہیں بلکہ بہنے لگا لیکن ان دو سنگین نوعیت کی ضربوں کے باوجود کلیون حیرت انگیز طور پر ٹائیگر سے لپٹا رہا۔ اُس کی کوشش یہ تھی کہ وہ اپنے مخالف کو اُٹھا کر فرش پر پٹخ دے تاہم اُس کا مدِمقابل بھی عام انسان نہیں تھا۔ اس مرتبہ اس نے سانجو کے فن کو ملحوظ رکھنے کا ارادہ ترک کر کے دائیں ہاتھ کا پنجہ استعمال کیا۔ پانچوں اُنگلیاں کلیون کے چہرے پر پیوست ہو گئیں اور ٹائیگر اُنگلیوں کے چہرے پر چبھتے ہی گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔ اس دوران دوسرے لوگ اس جنگ میں شامل ہونے کی کوشش کر چکے تھے۔ ٹائیگر کے ناخنوں نے کلیون کے چہرے کا بھرتا بنا ڈالا۔ گوشت نچ نچ کر اُس کے ناخنوں میں بھر گیا اور کلیون کسی ذبح شدہ بکرے کی طرح ڈکرانے لگا۔ اس نے ٹائیگر کی کمر چھوڑ دی اور اسی لمحے ٹائیگر اُچھل کر ایک طرف ہو گیا اور نہ تین افراد کے زوردار گھونسے اُس کی کھوپڑی بجا دیتے۔ ایک شخص اُس کی طرف پکا سگار ٹائیگر کی ٹھوکر نے اُسے قلابازی کھانے اور دُور جا گرنے پر مجبور کر دیا۔ جگہ کم تھی اور وہ لوگ فائرنگ بھی شروع کر سکتے تھے لہٰذا ٹائیگر نے کلہاڑی نکال لی پھر کمرے میں قیامت مچ گئی۔ چھوٹی سی کلہاڑی کا رقصِ مرگ شروع ہو گیا۔ ایک گارڈ کے سینے کی پسلیاں کٹیں پھر اُس کا ہاتھ کٹا اور دُور جا گرا۔ اُس کی چیخ انتہائی کریہہ اور خوفناک تھی۔ وہ بے آب مچھلی کی طرح تڑپ رہا تھا۔

اب محافظوں کے تیور خطرناک ہو چکے تھے۔ اُن میں ایک کے پاس بیک بیک تھا۔ کلیون نے تہمت کر کے ایک بار پھر ٹائیگر کو کمر سے پکڑا، اس کا مقصد واضح تھا کہ ٹائیگر کو وہ دبوچے رہے اور بیک بیک والا اپنا کام کر جائے لیکن ٹائیگر نے اُلٹی قلابازی کھائی، کلیون کسی بوری کی طرح دُور جا گرا اور کلہاڑی کسی تیر کی طرح سنسناتی ہوئی بیک بیک والے کے پیٹ پر لگی۔ یہاں ٹائیگر سے ایک خطرناک غلطی ہوئی۔ وہ ایک بار پھر یہ بھول گیا کہ وہ کون ہے۔ اُس نے چھٹی حس کی گھنٹی پر توجہ نہ دی، نہ ہی اُس کے اعصاب نے اُسے خبردار کیا۔ اُسے دُشمن کی بُو بھی محسوس نہ ہوئی۔ وہ اس ایک پل کی بھول کے باعث محض شہزادین گیا۔ اُس نے دروازے سے نظریں ہٹائیں۔ یہی لمحہ خطرناک تھا۔ دو افراد تقریباً اُڑتے ہوئے دروازے سے آئے اور اُس پر پورے وزن کے ساتھ گر گئے۔ ٹائیگر یہاں بھی بچ سکتا تھا اگر وہ اپنا سر قابو میں رکھتا تو وہ فرش سے ہرگز نہ ٹکراتا لیکن ان دو پہلوانوں کے بوجھ کے جھٹکے سے اُس کا سر فرش سے ٹکرایا اور پھر اندھیرے ذہن میں چھا گئے۔ بے ہوش ٹائیگر کو جلدی ہوش بھی آسکتا تھا لیکن ایک محافظ بیک بیک اُٹھا کر اُس کے سر پر مارتا چلا گیا۔

ایک بے بس نوجوان کی حیرت انگیز داستان
جسے اپنی موت کا وقت معلوم ہو گیا تھا
مظلوم
یعقوب جمیل کے ہوشربا قلم سے
جس کا قارئین کو برسوں سے انتظار تھا
مکتبہ القریش سرکلر روڈ اردو بازار لاہور
فون 7668958

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"وہ یہاں ہے" ٹائی" کلیون نے کراہتے ہوئے کہا۔ چار آدمی ٹائیگر کے بیروں ہاتھوں اور سینے پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ٹائی اور تھامس نے اشارہ کیا تو بے ہوش ٹائیگر کو زنجیریں پہنا کر دیوار سے باندھ دیا گیا، جس پر تھامس کے کہنے پر اسے ٹارچر سیل میں منتقل کر دیا گیا۔ اس کا سر اب بھی ڈھلکا ہوا تھا اور سر سے خون بہہ رہا تھا۔ نتائج خون کے شیلاوا نے واقعی میں ضائع ہوا تھا۔ ٹائیگر کو ایسا لگا جیسے وہ اوشان کو اپنے سامنے دیکھ رہا ہو۔ اس نے دل ہی دل میں خود کو برا بھلا کہا اور پھر اسے ہوش آنے لگا۔ اس کے سر میں شدید ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔ اس نے اس بارے میں سوچنا شروع کر دیا اور جب ٹیسیں مزید شدید ہوئیں تو اسے ہوش آنے لگا۔ اس کے کانوں میں فی الوقت سائیں سائیں، کی آوازیں آ رہی تھیں، لیکن اس نے سماعت پر زور دیا۔ سارا توانائی سماعت کی بحالی پر مرتکز کر دی اور پھر اس کا دل خوشی سے بھر گیا۔ اسے آوازیں... انسانوں کی آوازیں سنائی دینے لگی تھیں۔

وہ ان کی گفتگو سننے کے لیے بے ہوش ہی بنا رہا۔

"اس کی حالت بہت خراب ہے" اس نے کسی کو کہتے ہوئے سنا۔ بالکل ٹھنڈا ہو رہا ہے۔ سر پر چوٹ ہیں کس نے لگائی ہیں؟"

"ہمارے ہی ایک لڑکے نے برادر تھامس" کلیون نے جو خود بھی خونم خون ہو رہا تھا جواب دیا۔ "اس نے چارلی کے ٹکڑے کر ڈالے۔ مائیک کا پیٹ پھاڑ دیا اور پال کو ہلاک کر دیا۔ ہمیں فطری اور پرتشدد آگیا تھا"

"ٹھیک ہے۔ میں اس جواز کو تسلیم کر لیتا ہوں" تھامس نے جواب دیا "لیکن اب اسے زنجیروں سے آزاد کر کے کپڑے اتار دو اور صبح تک یہیں پڑا رہنے دو"

"کیا آپ اس پر کام کریں گے برادر تھامس؟"

"کلیون، تمہارا کام صرف اور صرف مومنوں کی قیادت کرنا ہے۔ یہاں ہم کیا کرتے ہیں اس کا تم سے کوئی سروکار نہیں" تھامس نے زہریلے انداز میں جواب دیا اسا چانک ہی غصہ آگیا تھا۔

"مگر میرے لڑکے اس سے انتقام لینا چاہیں گے برادر تھامس" کلیون بھی اڑ گیا۔

"ان سے کہہ دینا کہ انتقام لے لیا جائے گا" تھامس کا لہجہ اس بار خشک تھا "اب چلے جاؤ"

کلیون پیر پٹختا ہوا ٹارچر سیل سے نکلا اور دینولیوی سے تھامس کی شکایت کرنے کے لیے تیسری منزل کی طرف چل دیا۔ وہ بہت غصے میں تھا۔

"کیا تمہیں اب بھی یقین ہے کہ یہ ڈینور پولیس کا آدمی ہے ٹائی؟ تم نے دیکھا... اس نے بالائی منزل پر لڑکوں سے کس طرح مقابلہ کیا۔ میرا خیال ہے کہ یہ فیڈرل آدمی ہے یا پھر وہی شخص"

"وہی کون؟"

"جس نے مافیا کے خلاف کامیابی حاصل کی تھی" تھامس نے پرتشویش انداز میں جواب دیا۔

"نہیں" ٹائی نے ٹائیگر کے ساکت جسم کو بغور دیکھتے ہوئے جواب دیا "اس کے بہنیاروں کو دیکھو۔ چاقو اور اعشاریہ ۵ سم۔ یہ بہت اچھی طرح لڑ سکتا ہے اس میں کوئی شک نہیں لیکن یہ یقیناً مقامی پولیس کا آدمی ہی ہے۔ یہ محض لڑکیوں کو نکالنے کے لیے آیا تھا اس کے بعد اس میں تجسس نے جنم لیا پھر اس کے باس نے اسے یہاں واپس بھیج کر راز لینے کا حکم دیا"

"عدالتی فیصلوں کے مطابق مقامی انتظامیہ بچوں کے سلسلے میں کلیسا میں کوئی مداخلت نہیں کر سکتی۔ ٹائی" تھامس نے اسے یاد دلایا۔

"تم مقامی پولیس والوں کو اچھی طرح نہیں جانتے تھامس" ٹائی نے مسکرا کر جواب دیا "پولیس کو عدالتوں کے احکام پسند نہیں۔ یہ لوگ خود کو عدالتوں سے بالاتر اور ہیرو سمجھتے ہیں۔ بہرحال یہ تمہارا اپنا دردِ سر ہے"

"کل دیکھیں گے۔ ابھی بہت وقت ہے" تھامس نے ہنس کر کہا۔ اس کی آنکھیں کہیں دور دیکھ رہی تھیں اور ذہن اس لڑکے پر مرتکز تھا جو اس کے کمرے میں چند گھنٹے قبل ہی لایا گیا تھا۔

"ہاں۔ اس کے بارے میں تفتیش ضرور کر لینا میرا دردِ تھامس" ٹائی نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"فکر مت کرو"

ٹائیگر کے جسم میں شدید درد ہو رہا تھا۔ سر میں بھی پھوڑے

جیسی دکھن تھی اور وہ اس تکلیف پر محض اوشان کے بتائے ہوئے طریقوں پر عمل کر کے قابو پا رہا تھا۔ بصورتِ دیگر کوئی بھی قوی ہیکل آدمی اس تکلیف کے باعث زور زور سے چلا رہا ہوتا۔ اس نے ایک طویل سانس لی اور اسے ایسا لگا جیسے جسم کے اندر سے کھٹاک کی آواز پیدا ہوئی ہے۔ وہ اس آواز پر غور کرنے لگا۔ کیا کوئی ہڈی ٹوٹی ہے؟ اس نے سوچا۔

"نہیں" یہ لفظ آہستہ سے نکلا تھا "ہرگز نہیں"

اس کے چہرے پر خشک خون کے باوجود عزم کے سائے نے جنم لیا "بالکل نہیں" اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ اس نے ایک اور طویل سانس لی۔ اس بار کوئی آواز نہیں آئی اور وہ فوراً ہی سو گیا۔ وہ جانتا تھا کہ اس وقت نیند اس کے لیے کتنی ضروری ہے۔

اگلی بار وہ بیدار ہوا تو اسے آوازیں سنائی دیں۔ صبح ہو چکی تھی۔

اس نے بغور سننے کی کوشش کی۔

سیل کے باہر کوئی کسی پر عمل تنویم کر رہا تھا۔ وہ سوچنے لگا۔ اسے یقین تھا کہ بولنے والا شخص عمل تنویم کا ماہر ہے۔ وہ اس کی آواز سن رہا تھا۔

"سو جاؤ... سو جاؤ... گہری نیند... بہت میٹھی نیند... سو جاؤ... تم... میری آواز کے سوا اور کوئی آواز نہیں سنو گے... سو جاؤ... صرف میری آواز سنتے رہو۔ ہاں... سو جاؤ... گہری نیند... گہری نیند"

ٹائیگر نے اٹھنے کی کوشش کی اور اس دیوار کے سہارے کھڑا ہو گیا جہاں روشن دان نما ایک چھوٹی سی کھڑکی تھی۔ اس نے کھڑکی کی درز سے جھانک کر دیکھا۔ وہاں ایک کمرے میں کئی لڑکے اور لڑکیاں نظر آئیں۔ وہ ایک پلیٹ فارم کے سامنے کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ پلیٹ فارم پر دبلا پتلا ایک شخص کھڑا ہوا تھا۔ اس کی پیشانی چوڑی تھی۔ بال یقیناً جھڑ رہے تھے اور وہ بہت سنجیدہ تھا۔

ٹائیگر یہ منظر دیکھ کر اس احساس ہی سے گھبرا گیا کہ کیا ہو رہا ہے۔ یہ لوگ یقیناً شاک ٹروپس کا حصہ تھے۔ وہ سمجھ گیا کہ یہاں دینولیوی کے لیے کام کرنے والوں کی برین واشنگ کی جاتی ہے تاکہ یہ نوجوان پُرعزم قاتل بن سکیں۔ کوئی چون چرا نہ کر پائے۔

ہر کرسی کے سامنے ایک چھوٹا سا پردہ جیکٹر اسکرین تھا۔ ہر اسکرین پر مختلف تصویریں تھیں اور ان تصویروں میں سے بہت سی تصویریں ٹائیگر خود پہچانتا تھا۔

یہ ملک کے ممتاز ترین افراد کی تصویریں تھیں۔ عظیم سیاست دانوں کی تصاویر بھی اسے نظر آ رہی تھیں۔ ان میں تاجر بھی تھے اور مذاہب ابلاغ کے کرتا دھرتا بھی۔

"اپنی آنکھیں کھولو" عمل تنویم کرنے والے کی آواز پھر سنائی دی۔ ٹائیگر نے اس شخص کو پہلی مرتبہ غور سے دیکھا اور فوراً ہی پہچان گیا۔ یہ رجحاناتی سائنس کا ماہر ڈاکٹر جوزف تھا... ڈاکٹر جوزف لیمنکوف کے بارے میں وہ ایک فیجیر صرف اس وجہ سے پڑھ سکا تھا کہ اوشان نے اسے نوکیلی داڑھی والے "اُس بڈھے" کے بارے میں تفصیلات حاصل کرنے کا حکم دیا تھا جس کی تصویر رسالے پر چھپی تھی۔ اُس کے بارے میں جب ٹائیگر نے یہ پڑھ کر سنایا کہ یہ شخص عمل تنویم کا سب سے بڑا ماہر ہے تو اوشان نے برا سا منہ بنا کر کہا تھا "مردود کہیں کا۔ خود تو ہر وقت سوتا رہتا ہے۔ اس کا دل بھی سو رہا ہے ٹائیگر۔ ذرا غور سے دیکھو"

"مجھے اس کا دل نظر نہیں آ رہا فادر" ٹائیگر نے جواب دیا تھا۔

"آنکھیں دیکھو"

"آنکھوں میں دل نہیں ہوتا مائل فادر"

"پھر کہاں ہوتا ہے؟"

"سینے کے پنجرے میں" ٹائیگر کے اس جواب پر اوشان نے زوردار قہقہہ لگایا تھا اور جب اس کی مخصوص قے ختم ہوئی تھی تو اس نے کہا تھا "دل آنکھوں میں نظر آتا ہے میرے بچے... آنکھیں دیکھو... صاف نظر آ رہا ہے کہ اس کا دل نہ صرف محوِ خواب بلکہ سیاہ بھی ہے۔ مجھے اس کے دل پر کینے اور خباثت کے بڑے بڑے داغ نظر آ رہے ہیں"

اور اس وقت ٹائیگر کو یقین ہو گیا تھا کہ اوشان نے دل کے داغوں کی بات درست کہی تھی کیونکہ ڈاکٹر جوزف لیمنکوف کہہ رہا تھا۔

"اپنے سامنے والے اسکرین پر موجود چہرے کو بغور دیکھو، دیکھو... بغور سے دیکھو۔ اسے پہچان لو۔ یہ وہ چہرہ ہے جس سے تم زندگی بھر نفرت کرتے رہے ہو۔ کرتے رہو گے۔ اس چہرے والا شخص تمہارا دشمن ہے۔ جانی دشمن۔ اس سے نفرت کرو... نفرت کرو... نفرت کرو... تمہیں علم ہے کہ

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

تمہیں کیا کرنا ہے۔ جب یہ چہرے والا شخص دُنیا میں نہیں رہے گا تو تمہیں سکون میسّر آئے گا۔ اس کی موجودگی میں تمہیں قرار نہیں آسکتا۔ تم مضطرب اور پریشان رہو گے۔ عظیم ونیولیوی کا حکم ہے کہ اپنے اس دشمن کو ختم کر دو۔۔۔ قتل کر دو۔۔۔ ہلاک کر ڈالو اپنے اس خبیث دشمن کو جس سے تم نفرت کرتے ہو۔ گناہ گاروں اور بے عقیدہ لوگوں کو قتل کرنا تم پر واجب ہے۔ سامنے والے چہرے کا مالک بے عقیدہ ہے۔ گناہ گار ہے۔ کافر ہے۔ پاک کر دو اپنی دُنیا کو اس ملعون کے وجود سے۔"

یہ عمل جاری رہا۔ قتل کی یہ ترغیب مختلف انداز اور جملوں میں دی جاتی رہی۔

ٹائیگر کو یقین ہو گیا کہ یہ معصوم لڑکے اور لڑکیاں اس حکم پر بے چون وچرا اور نتائج سے بے پروا ہو کر عمل کر گزریں گے۔

اب اسے اس بُرائی کو ختم کرنے کے لیے کسی ہتھیار کی ضرورت تھی۔ وہ جانتا تھا کہ اتنے قتل وہ محض ہاتھوں سے نہیں کر سکتا۔

کلاس ختم ہونے والی تھی اور اب ٹائیگر حتمی ہدایات سُن رہا تھا۔

"جب تمہاری آنکھ کھُلے گی تو تم ہدایات کے اس سیشن کو بھول جاؤ گے۔ تمہیں صرف قابلِ نفرت چہرہ یاد رہے گا اور تم اسے ختم کرنے کے لیے تیار ہو گے۔ تمہیں وہ مقدّس جملہ یاد رہے گا جو تمہیں اس مقدّس مخلوق پر بھیج رہا ہے۔ اس جملے کو ذہن پر نقش کر لو۔ جاؤ اور مسیح کے حکم پر عمل کرو۔ وہی ہے جو ظلم ختم کرے گا اور انصاف کو رواج دے گا۔ تمہیں یہی الفاظ یاد رکھنے ہیں اور جب دوبارہ تم ان جملوں کو سنو گے تو قابلِ نفرت شخص کو قتل کرنے کے لیے روانہ ہو جاؤ گے اور اب جب میں تین تک گنتی گن چکوں گا تو تم تر و تازہ حالت میں بیدار ہو گے لیکن تمہیں یہ یاد نہیں رہے گا کہ تم کو اس کلیسا میں بُلا کر ہدایت دی گئی تھی۔ ایک۔۔۔ تم گہری اور میٹھی نیند سے بیدار ہو رہے ہو۔۔۔ دو۔۔۔ تم تقریباً بیدار ہو چکے ہو۔۔۔ تین۔۔۔ جاگ جاؤ۔"

جوزف لینکوف نے تالی بجائی اور تمام لڑکے اور لڑکیاں اچانک ہی بیدار ہو گئے۔

"شاندار۔" لینکوف کا چہرہ اچانک ہی نرم اور مہربان نظر آنے لگا۔ "یہ تھا آج کا سبق۔ اپنی روحوں کو پاک رکھنے کا طریقہ۔ اب تم سب آرام کرو گے۔ مشن پر جانے سے قبل کلیسا میں جو چاہو کرو۔ ویسے آج شب تم سب اس شہر کے لیے روانہ ہو جاؤ گے جہاں تمہیں اپنا مقدّس کام انجام دینا ہے۔ جاؤ، خدا تمہارے ساتھ ہے۔"

تمام شاگرد خاموشی سے کمرے سے نکل گئے اور ٹائیگر بھی سیل کے فرش پر بیٹھ گیا۔ اسے اچانک ہی مایوسی نے آگھیرا۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ وقت بہت کم ہے اور وہ تنہا۔ قاتل دستے مختلف مقامات کے لیے روانہ کیے جا رہے ہیں اور وہ قیدی ہے۔ بے یار و مددگار۔

ٹائیگر مسلسل سوچتا رہا اور پھر دو گھنٹے کے لیے سو گیا۔ اسے جو سمجھ کر نا تھا اس کے لیے توانائی ضروری تھی۔ اب تک وہ صرف قوتِ ارادی کے بَل پر زندہ تھا۔ جس کو طویل سالوں کی اس ورزش نے جلا بخشی تھی جو اس نے اوشان سے سیکھی تھیں۔ وہ الیوا اور تیر کیمپر میں بھٹک آیا تھا۔ کیرالڑائی میں تباہ ہو چکا تھا۔ اس طرح اس کے پاس یہ ثابت کرنے کے لیے کوئی دستاویز نہیں تھی کہ کلیسا والوں کے اصل ارادے کیا ہیں۔ اگر کیرا نہ لوٹتا تو شاید وہ بُری طرح پھنس جاتا لیکن کیرا لوٹنے سے قبل بھی ضائع ہو گئی اور کلیسا کے حکام کو یہ علم نہیں ہو سکا کہ قلم میں کیا تھا ورنہ وہ اس کے اصل ارادے بھانپ جاتے۔ اس نے ایک طویل سانس لے کر آنکھیں بند کر لیں۔ وہ مایوسی کو ذہن سے جھٹک دینا چاہتا تھا۔

تاریکی چھا چکی تھی۔

دو محافظ سیل کے دروازے پر آئے اور انھوں نے جھٹکے سے دروازہ کھول دیا۔ انھوں نے ٹائیگر کو کھینچ کر باہر نکالا۔ ٹارچر سیل کے اس حصّے میں مزید تین افراد کھڑے ہوئے تھے۔ ٹائیگر نے مسلسل ورزش کر کے سر سے درد کا بوجھ ہٹا دیا تھا۔ لہٰذا اس نے ان تینوں کو جلد ہی پہچان لیا۔ سیاہ لبادے والا برادر تھامس تھا، درمیانی قامت والا سیاہ فام ٹائی اور سفید ٹوگا میں ملبوس ونیولیوی تھا۔ اس کی ٹوگا کا بارڈر سنہری تھا۔

ٹائی ہی نے زبان کھولی۔

"اس شخص سے مزید تفتیش بے سود ہو گی۔ یہ پولیس کا جاسوس ہے اور اسے بڑی آسانی سے پکڑ لیا گیا تھا لیکن یہ بات ظاہر ہے کہ اب تک پولیس نے اس سے زیادہ تیز اور شاطر شخص کا استعمال نہیں کیا تھا۔ اس نے تین افراد کو قتل کیا، سلیپ ڈارٹ استعمال کیں، تین افراد پر۔ اس کی سزا صرف موت ہو سکتی ہے۔

وقت کم ہے اور ہم اس کی لاش کا انکشاف ہونے سے قبل دُور نکل چکے ہوں گے پھر جب لاش ملے گی تو ہمیں کوئی مسئلہ درپیش نہیں ہو گا۔"

"میں یقین سے یہ بات نہیں کہہ سکتا ٹائی۔" ونیولیوی نے جواب دیا۔ "ہمیں اس کے لباس سے ایسی کوئی چیز نہیں ملی جو اسے پولیس والا ثابت کر سکے۔ اس کی قوت اور قوتِ بحالی ناقابلِ یقین ہے۔ یہ سر کی ضربات کے باوجود زندہ اور ہوش میں ہے۔ تمہارا کیا نام ہے۔ ٹائیگر۔۔۔ چیتا۔۔۔ سکے ڈالنے والا شہزاد؟"

"ارے نہیں۔" ٹائی نے بڑی حقارت سے ٹائیگر کی طرف دیکھا۔ "یہ تو کسی چوہے کی طرح ہمارے جال میں پھنس گیا تھا دین۔ اگر سکے والا ٹائیگر ڈینوریس ہے تو پھر یہ شخص ٹائیگر نہیں ہو سکتا۔"

"تم اتنے ہی اعتماد سے کہہ رہے ہو ٹائی؟" ونیولیوی نے پوچھا۔

"۔۔۔ تب پھر کام شروع کیا جانا چاہیے۔ تھامس، بگوری آف انڈیا کو بُلا کر لاؤ۔۔۔ اور تم دونوں۔۔۔ اس خبیث کو ٹکٹکی پر لے جاؤ۔"

ٹائیگر کو ٹکٹکی پر باندھ دیا گیا۔ اس کے جسم پر اب صرف نیکر اور بنیان تھی۔ اس دوران ٹائیگر خاموشی سے تھامس کو اِدھر سے اُدھر آتے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ فش ٹینک پر پہنچ کر تھامس نے دستانے پہنے۔ آستینیں چڑھائیں اور پھر نیم گرم پانی میں ہاتھ ڈال کر چار انچ لمبی، رنگین، چمکیلی مچھلی نکال لی۔ مچھلی کا دھڑ تھامس کی ہتھیلی میں بند تھا اور اس کا مُنہ ٹائیگر کے سینے کی طرف۔ وہ مچھلی لیے ہوئے اس کے قریب آ گیا۔

"محض چند مرتبہ ڈسے گی اور پھر اس شخص کی داستانِ حیات کا آخری ورق پلٹ جائے گا۔ تم اس کی لاش کس طرح ٹھکانے لگاؤ گے؟" تھامس نے پوچھا۔

"پہلے کی طرح۔" ٹائی نے جواب دیا۔ "اس بار بہرحال کوئی غلطی نہیں کی جائے گی۔"

"ٹھیک ہے۔ میں تمہارے دعوے پر یقین کیے لیتا ہوں۔" یہ کہتے ہوئے تھامس نے مچھلی کا مُنہ ٹائیگر کے سینے کی طرف جھکانا شروع کر دیا۔

"ٹھہرو۔" اسی وقت ونیولیوی کی آواز سنائی دی۔ "مچھلی سے لوگوں کو زہر دے کر ہلاک کرنا میری ہی اختراع تھی تھامس، اور اب میرا خیال ہے کہ مجھے خود بھی اس کامیاب تجربے میں حصّہ لینا چاہیے۔ میں کم از کم اس شخص کو اپنے ہاتھ سے ہلاک کرنے میں خوشی محسوس کروں گا۔"

"یہ مچھلی پانی کے باہر بہت خطرناک ہو جاتی ہے دین۔" تھامس نے مسکرا کر جواب دیا۔

ونیولیوی کے چہرے پر کھلونے سے لڑکوں جیسی مسکراہٹ ناچنے لگی۔ وہ واقعی سولہ سال کا لڑکا نظر آنے لگا۔ اس کی آواز بھی بدل گئی۔ "اسی لیے میں نے گلوری آف انڈیا کا انتخاب کیا تھا تھامس۔ اگر میں نہیں بتاتا تو تمہیں علم بھی نہیں ہوتا کہ یہ مچھلی کتنی خطرناک ہے۔ ویسے مچھلی کو استعمال کرنا میرا حق بنتا ہے۔"

"تب پھر دستانے پہن لو دین۔ یہ انتہائی خطرناک اور احمق شیطان ہے۔ آقا کے ہاتھ کو بھی نہیں پہچانتی۔"

لیڈر تیاریاں کرنے لگا اور ٹائی تھامس سے باتیں۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم وہ زہر استعمال کیوں نہیں کرتے جو ہم نے اپنے شاک ٹروپس کے لیے تیار کیا ہے۔ وہ تو انتہائی سریع الاثر زہر ہے۔"

"میں لوگوں کو تڑپ تڑپ کر مرتا ہوا دیکھنا پسند کرتا ہوں ٹائی۔" تھامس نے مکروہ انداز میں مسکرا کر جواب دیا۔

"تم انتہائی سنگ دل اور سفاک انسان ہو۔" ٹائی کا چہرہ نفرت سے بگڑ کر رہ گیا۔

"اس خراجِ تحسین کا شکریہ۔"

ان دونوں میں یقیناً مزید جملوں کا تبادلہ ہوتا لیکن اسی وقت ونیولیوی تیار ہو گیا۔ "چلو۔۔۔ میں تیار ہوں۔"

●

ٹائیگر کو، جس نے اب اپنے ذہن و جسم کو تابع بنانے کے لیے ذہنی ورزش شروع کر دی تھی، کھینچ کر بڑے کمرے میں لایا گیا۔ لوگ اسی مسئلے سے دوچار تھے کہ ٹائیگر کو قتل کرنے کا اعزاز کسے حاصل ہو گا اور ٹائیگر سوچ رہا تھا کہ اگر خون میں شامل زہر سے بچنے کی اس کی کوشش ناکام ہو گئی تو کیا ہو گا۔ اسے ایک لمحے کو تو ایسا لگا جیسے اس کا کیریئر ہی نہیں زندگی بھی ختم ہو رہی ہے۔ یہ لوگ شیلا جیسی شیرنی سے زیادہ خطرناک اور سفاک لگ رہے تھے۔ اسے اندازہ تھا کہ اس کے جسم پر کپڑے نہیں، صرف زرہ جامے ہیں لیکن اسے یہ بھی علم تھا کہ زرہ جامے کی پتلی سی بیلٹ بھی موجود ہے جو کسی بھی

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

وقت کام آسکتی ہے۔

وہ موت سے خوف زدہ نہیں تھا لیکن اسے یہ خوف ضرور تھا کہ اگر وہ مر گیا تو سازش کا سارا سچ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اندھیرے غار میں گم ہو جائے گا۔ اسے یقین تھا کہ اس کی موت کے بعد بھی اس کو تاہی پر ادشان اسے معاف نہیں کرے گا۔

وہ سوچنے لگا اور پھر روبی کا چہرہ اس کی نظروں کے سامنے گھومنے لگا۔

پھر معاً ہی اس نے سر جھٹک کر تمام توجہ اپنے ذہن اور جسم پر دینی شروع کر دی۔ ادشان نے اسے خون میں ملے ہوئے زہر سے بچنے کی ترکیبیں بتائی تھیں اور اب ان پر عمل کرنے کا وقت آچکا تھا۔ ادشان نے اسے بتایا تھا کہ راسپوتین بھی اس فن کا ماہر تھا اور کئی مرتبہ زہر خورانی کے باوجود زندہ بچ گیا تھا۔ اسے تھامس کا جملہ یاد تھا۔ وہ لوگوں کو تڑپ تڑپ کر مرتا ہوا دیکھنا پسند کرتا ہے اور اس کا مطلب صرف یہ تھا کہ مچھلی کا زہر سر لیا اثر نہیں آہستہ آہستہ ہلاک کرتا ہے اور صرف یہی نکتہ ایسا تھا جو اس وقت ٹائیگر کو بہت اچھا لگ رہا تھا۔

ڈ

ونیولیوی نے مچھلی دستانے میں لے کر ٹائیگر کے سینے کے قریب کر دی۔ پہلے تو کچھ بھی محسوس نہیں ہوا لیکن پھر گروہ کے لیڈر نے اپنے شکار کو بے حال اور پسینہ پسینہ دیکھ کر خوشی سے سر ہلایا۔ مچھلی نے دوسری مرتبہ ٹائیگر کے سینے پر دانت مارے اور اس مرتبہ ٹائیگر کے سینے کا اتار چڑھاؤ تیز ہو گیا۔ ونیولیوی کا چہرہ کسی شوخ بچے کی طرح تمتمانے لگا۔ اس کی آنکھیں چمکنے لگیں اور جب ٹائیگر نے پہلی چیخ ماری تو وہ خوشی سے قہقہے لگانے لگا۔

لیکن شاید اسے یہ اندازہ نہیں تھا کہ یہ چیخ دور کی نہیں قوتِ مزاحمت کے اعلیٰ ترین استعمال کی ہے۔

"اسے پھینکے دو۔" اس نے مچھلی فش ٹینک میں پھینکتے ہوئے کہا۔ "اسی طرح ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر جائے گا۔"

●

زہر جسم میں داخل ہونے دو منٹ ہو چکے تھے۔ جو مچھلی استعمال کی گئی تھی اس کے بارے میں ونیولیوی کو یہ علم تھا کہ اس قسم کی صرف چھ مچھلیاں دُنیا میں دستیاب ہیں اور ایک جوڑا ونیولیوی کے پاس تھا۔

ٹائیگر نے اب اپنی توجہ مقدمے پر مرتکز کر دی تھی۔ اس کی آنکھیں بند تھیں اور وہ زہر کو آگے بڑھنے سے روکنے کے لیے زندگی کا سب سے مشکل عمل کر رہا تھا۔ اس کے بالائی لب، پیشانی، گردن اور سینے پر پسینہ پانی بن کر بہہ رہا تھا۔ اسے ایسا لگنے لگا جیسے سینے کے نظم سے زہر نے آگے بڑھنا چھوڑ دیا ہے، یہ ایک انتہائی شاندار کامیابی تھی۔ اس نے خاص انداز میں سانس لینی شروع کر دی۔ اب اسے میٹھی گھاس کی مہک بھی محسوس ہو رہی تھی۔ اس مہک کے باعث وہ درد دبانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اس نے جان بوجھ کر کئی چیخیں ماری تھیں تاکہ شکاری یہی سمجھیں کہ وہ قریب المرگ ہے۔ اس نے دل کی دھڑکنوں اور سانس کی رفتار کو ایک خاص تناسب دے رکھا تھا تاکہ اس کا ہنگامی دفاعی نظام از خود زہر کو بے اثر بنا سکے۔

"دیکھو... یہ کانپ رہا ہے۔" ونیولیوی کی آواز سنائی دی۔

"ہاں! اب زیادہ دیر نہیں لگے گی۔ یہ موت کے قرب کی کپکپاہٹ ہے۔" تھامس نے کہا۔ "لیکن مجھے حیرت ہے کہ اس مچھلی کے زہر نے اس پر اتنی تیزی سے اثر کیا ہے۔"

"اب اس کو یہاں سے لے جاؤ۔ ہمیں اور بھی کام نمٹانے ہیں۔" ونیولیوی نے حکم دیا۔

"جو آپ کا حکم ہو آقا۔"

طنز بھرے جملے استعمال نہ کرو تھامس۔ یہ جملے صرف معتقدین کے سامنے استعمال کرنے کے لیے ہیں۔" ونیولیوی نے مُنہ بنا کر جواب دیا۔

ایک گھنٹے بعد براور تھامس اور اس کے مددگار "لاش" کو تابے جیسی رنگت والی ایک وین میں رکھ کر ڈینور کے جنوب میں جا رہے تھے۔ انھوں نے وہاں ایک نالہ تلاش کیا جس کے چاروں طرف جھاڑیاں تھیں پھر انھوں نے لاش اس نالے میں ڈال دی۔ وہ بہت خوش تھے کیونکہ ان کے نزدیک سب سے بڑا اور دوسرا دور ہو چکا تھا۔

ڈ

سہ پہر کی دھوپ بھی نرم ہو چکی تھی اور اس کی دم توڑتی ہوئی کرنیں درختوں کے جھنڈ اور پتوں کے جھنڈوں کے درمیان سے واپس جا رہی تھیں تاہم ابھی ان میں اتنی تمازت تھی کہ وہ

ایک جگہ لیٹے ہوئے شخص کے جسم کو گرم رکھ سکیں۔ اس کے چہرے پر مکھیاں بھنبھنا رہی تھیں۔ ان میں سے ایک مکھی زیادہ بہادر تھی۔ جس نے نتھنے کے اندر تک کے سفر کا خطرہ مول لے لیا، لیکن اس کی اس مہم جوئی کا فوری ردِعمل ہوا اور ایک زوردار چھینک کے باعث یہ مکھی نتھنے سے نکل کر نہ جانے کہاں گم ہو گئی۔ ایک دوسری چھینک کے بعد ٹائیگر پوری طرح بیدار ہو گیا۔

اس نے ایک طویل سانس لی اور ارد گرد کا جائزہ لیے بغیر کنول کے آسن میں بیٹھ گیا۔ اس کی ساری توجہ اپنے دل پر تھی۔ وہ دل کی دھڑکنیں فوری طور پر معمول پر لانے کے لیے کوشاں ہو گیا اور پھر اس کو محسوس ہوا کہ دل میں پہلے جیسا آہنگ بیدار ہو گیا ہے۔ اس نے ایک اور طویل سانس لی اور اس بار اسے اپنی تمام حسیں بیدار ہوتی ہوئی محسوس ہوئیں۔

وہ راہِ مرگ سے راہِ حیات پر واپس آیا تھا اور اس وقت اس کا رُواں رُواں ادشان کا شکریہ ادا کر رہا تھا۔

معاً اسے سینے کے زخم کا خیال آیا۔ اس نے گردن جھکا کر دیکھا۔ سینے پر دو ننھے ننھے نشان تھے جن کے ارد گرد سوجن تھی اور ابھی تک کوئی رقیق مادہ وہاں موجود تھا۔

زہر۔ ٹائیگر نے سوچا۔ وہ زہر جو زخم نے واپس اگل دیا ہے۔ اس نے بڑی احتیاط سے زخم کے ارد گرد کا خشک حصہ ایک پتہ اٹھا کر صاف کیا اور پھر یہ دیکھ کر سر ہلانے لگا کہ پتہ جو چند لمحے تک سرسبز تھا اچانک ہی سوکھنے لگا ہے۔

وہ سانپ کے فن کو کام میں لا کر درد اور تکلیف ہی دُور کرنے میں کامیاب نہیں ہوا تھا بلکہ اس نے زہر کو بھی شکست دے دی تھی۔

اسے ادشان کا سبق یاد آنے لگا۔ ادشان نے ایک بار کہا تھا کہ انسانی نفسیات کے تین جذبے اسے قتل کر سکتے ہیں۔ خون، احساسِ جرم اور نفرت۔ میں تمہیں ان تینوں منفی جذبوں سے پاک کر رہا ہوں۔ یہ درندشیں انھی کے خلاف ہیں۔ ان میں سب سے طاقت ور احساس... احساسِ جرم ہے جو نفسیاتی طور پر ختم کر سکتا ہے۔

ٹائیگر سینے پر ہاتھ پھیرتا ہوا تیسرے میں توانائی کی واپسی کے لیے درندشیں کرنے لگا۔ یہ جسمانی نہیں بلکہ روحانی درندشیں تھیں اور صرف سانس کے ذریعے کی جاتی تھیں۔ اس کی آنکھیں بند تھیں لیکن ان بند آنکھوں میں کئی رنگ جنم لے رہے تھے۔

پھر وہ ایک جھٹکے سے اُٹھ کھڑا ہوا... اس کی آنکھیں اب بھی بند تھیں اور دونوں ہاتھ ناف سے اوپر۔ اب وہ سانس اس طرح لے رہا تھا کہ سینے کا زیر و بم بھی نمایاں نہ تھا۔

اسی لمحے سر میں شدید ترین ٹیسیں اُٹھنے لگیں لیکن اس نے انھیں برداشت کیا اور آنکھیں بند رکھیں۔ اسے احساس تھا کہ اس پر بے ہوشی طاری ہو رہی ہے لیکن اس نے جدوجہد جاری رکھی۔ سانس کی رفتار تیز نہیں ہونے دی، اور قدم اُٹھانے لگا۔ اس وقت وہ محض اندازے یا حس سے کام لے رہا تھا۔ اس کے قدم آگے بڑھ رہے تھے۔ آنکھیں اب بھی بند تھیں۔

چند قدم دُور اسے احساس ہوا کہ آگے راستا اس طرح بند ہے کہ وہ ہاتھ پیروں پر چل کر ہی جھنڈ سے نکل سکتا ہے۔ اس نے ایسا ہی کیا اور تقریباً دس گز تک وہ اسی طرح چلتا رہا۔ جونہی بند آنکھوں سے رنگ ختم ہوئے اور صرف سیاہی باقی رہ گئی تو اس نے آنکھیں کھول دیں۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

اب اسے چکر نہیں آرہے تھے۔ سینے میں بھاری پن، بہر حال موجود تھا۔ ٹائیگر نے مہکی فضا میں پرواز کرنے والی ہواؤں کو چھونے والی ہوائیں اپنے پھیپھڑوں میں جذب کرنی شروع کر دیں۔ وہ اس بار لمبی لمبی سانسیں لے رہا تھا۔

ٹھیک پندرہ منٹ بعد وہ ڈینور جانے والی سڑک پر چل رہا تھا۔ برہنہ پا، بے تمیز ٹائیگر کے چہرے پر اب بلا کا سکون تھا۔ اس کے قدموں میں لڑکھڑاہٹ بھی نہیں تھی اور نہ ہی سینے پر بھاری پن کا احساس تھا۔

ایک پک اپ ڈرائیور نے نیم برہنہ نوجوان کو دیکھ کر گاڑی روک لی۔

"کیا ہوا دوست؟" اس نے مسکرا کر پوچھا۔

"ڈاکوؤں نے صرف زیرِ جامہ ہی چھوڑا ہے۔" ٹائیگر بھی خوش دلی سے بولا۔ "ڈینور تک چھوڑ دو گے؟"

"کیوں نہیں۔ آؤ۔"

ڈ

ڈینور کے مضافات میں پبلک بوتھ نظر آگیا۔ ٹائیگر نے قریب ہی کے ریستوران کے وہیٹر سے سکہ اُدھار لے کر لین ریویو کے دفتر فون کیا۔

"ٹیری لوکاس بول رہا ہوں۔" دوسری طرف سے صدی رپورٹر کی آواز سنائی دی۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"اور میں پُل کے نیچے ملنے والا شخص ہوں ٹیری۔"

"اوہو... کہاں ہو، کوئی خاص خبر سے ہے ہونا؟" ٹیری لوکاس کا لہجہ بہت پُرجوش تھا۔

"ہاں، اور خبر بھی بہت گرم ہے۔" ٹائیگر مسکرانے لگا۔ "لیکن فی الوقت مجھے سواری کی ضرورت ہے۔ میں نہا دھو کر پورے کپڑے پہننا چاہتا ہوں اور اس کے بعد وینولیوی کے کلیسا پر حملہ۔"

"ایک منٹ ہولڈ کرو۔" ٹیری لوکاس نے یہ کہہ کر ریسیور میز پر رکھ دیا۔ دوسری طرف سے آنے والی آوازوں سے ٹائیگر کو اندازہ ہوا کہ ٹیری کسی اور جگہ فون کر رہا ہے پھر ایک منٹ ختم ہونے سے قبل ہی ٹیری نے ریسیور اُٹھا لیا۔

"ہاں بھئی! ٹیکسی بھیج رہا ہوں۔ بتا بتاؤ۔ ٹیکسی پرائیویٹ ہے۔"

ٹائیگر نے اسے ریستوران کا پتا بتا دیا۔

"کہاں جانا ہوگا؟" ٹیری جرح کرنے کے موڈ میں تھا۔

"یہ فیصلہ گاڑی آجانے کے بعد ہی کروں گا۔" ٹائیگر نے مختصر سا جواب دے کر ریسیور رکھ دیا۔

۞

نصف گھنٹے بعد ٹائیگر ایک کار کی اگلی نشست پر بیٹھا ہوا تھا جس کا ڈرائیور ٹیری لوکاس ہی تھا۔ ٹائیگر نے اُسے مختصر واقعات بتائے۔ گاڑی ڈینور کی طرف جا رہی تھی۔

"اس کا مطلب یہ ہے کہ انھوں نے تمھیں قتل کرنے کی کوشش کی تھی دوست۔" ٹیری لوکاس کا چہرہ تمتمانے لگا۔ "کس طرح؟"

"تم یقین نہیں کرو گے۔" ٹائیگر نے مسکرا کر جواب دیا۔

"وہ شیل فش کے زہر سے ہلاک کرنا چاہتے تھے اور زہر مچھلی کے دانتوں کے ذریعے جسم میں داخل کیا گیا تھا۔ تم یکھہ سکتے ہو کہ وہ مچھلی سے ڈسوا کر قتل کرنا چاہتے تھے۔"

"کمال ہے۔" ٹیری نے حیرت کا اظہار کیا لیکن یہ نہیں کہا کہ اسے اس کہانی پر یقین نہیں۔ "اب تم کلیسا پر حملہ کرو گے؟"

"ہاں! اسی قسم کا پروگرام ذہن میں ہے۔ میں کامیابی کے بعد صرف اس شرط پر پوری خبر تمھیں فراہم کروں گا کہ اس میں کہیں بھی میرا ذکر نہیں آئے گا۔ میری تجویز یہ ہے کہ اگر تم کسی فیڈرل ایجنٹ سے واقف ہو تو انھیں ٹپ دے دو تاکہ جب آتش بازی کا مظاہرہ شروع ہو تو وہ آس پاس ہی موجود ہوں۔ انھیں بتا دینا کہ لیوی کے کمرے میں بعض اہم دستاویزات ہیں جن کو دیکھ کر یہ اندازہ ہو جائے گا کہ لیوی کتنا مکروہ آدمی ہے۔"

گاڑی اب اس حصے میں پہنچ چکی تھی جہاں ٹائیگر کی پک اپ پارک تھی۔ وہ وہیں اتر گیا۔

بیس منٹ بعد وہ چیری کریک کے کیمپ میں موجود تھا، وہ بہرام کو فون کر چکا تھا۔ بہرام نے اسے مشورہ دیا تھا کہ وہ اوشان کو ساتھ لے لے مگر ٹائیگر نے اسے مشورہ دیا تھا کہ وہ اوشان کو اس کی عبادت میں منہمک رہنے دے۔ اسے علم تھا کہ اوشان کے والد کی برسی کے دن آرہے ہیں اور وہ عموماً ان دنوں میں کمرے میں بند ہو کر اپنے والد کی روح سے اپنے بارے میں باتیں کرتا رہتا تھا۔

صرف چالیس منٹ بعد ایک ہیلی کاپٹر سے اسے مطلوبہ سامان مل گیا۔

اس میں ایم ۷۹ گرنیڈ لانچر، ڈیلوپی سے بھرا ہوا ایک تھیلا، فریگمینٹیشن گرنیڈ اور الوا شامل تھا۔ الوا میں چوڈارٹ تھیں وہ کسی ریچھ کو بھی ہلاک کرنے کے لیے کافی تھیں۔ ٹائیگر اب منصوبہ بندی کرنے لگا۔ اس نے ایک کاغذ پر کلیسا کا نقشہ اور وہاں تک پہنچنے کا راستہ بنایا اور اس پر دیر تک غور کرتا رہا۔ اسے علم تھا کہ مشن کا یہ مرحلہ سب سے مشکل ثابت ہوگا۔ اسے سب سے پہلے عورتوں کے کوارٹروں تک پہنچ کر ان کے فرار کی راہ نکالنی تھی اور پھر کلیسا کو منہدم کر دینا تھا۔

●

برادر تھامس... تھامس ڈبلیو جونسٹن سوئم اپنی ڈیسک پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے سامنے کاغذوں کے پلندے رکھے ہوئے تھے اور وہ ان کاغذوں کا کام نصف شب سے قبل ختم کرنا چاہتا تھا لیکن اسے اس میں کامیابی نہیں ہوئی کیونکہ خطرے کی گھنٹیاں اچانک ہی بجنے لگیں اور وہ ان کی آواز سُن کر اچھل پڑا۔ اس نے انٹرکام کی طرف دیکھا لیکن وہ خاموش تھا جب کہ اُسے توقع تھی کہ اسے گھنٹیاں بجنے کے ساتھ ہی اُن کی وجہ بتائی جائے گی۔

اس کی وجہ انٹرکام پر نہیں بتائی گئی بلکہ ٹی این ٹی کے ایک زوردار دھماکے کی آواز سن کر تھامس کو بہت کچھ معلوم ہو گیا۔ یہ دھماکہ کان پھاڑ دینے والا تھا۔ چند ہی لمحوں بعد اس کے دروازے پر کسی نے زور سے ٹھوکر ماری اور مقفل دروازہ قفلوں سمیت اُکھڑ کر کمرے کے اندر آگرا۔ تھامس

ہمارے اپنے گلی کوچوں میں ہونے والا تماشائے آہن و سنگ
ہمارے آپ کے گرد بکھرے ہوئے کرداروں کی داستانِ ہزار رنگ

محمود احمد مودی کے ایڈونچرس قلم سے

سرکش

12 حصّوں میں شائع ہو گیا ہے

قیمت
فی حصّہ ۵۰/- روپے | مکمل سیٹ ۶۰۰/- روپے

ناشر
مکتبہ القریش، سرکلر روڈ، اُردو بازار، لاہور
فون: ۷۶۶۸۹۵۸

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

گھبرا کر اُٹھا۔ اس نے دروازے کی طرف دیکھا اور پھر کانپنے لگا۔ ٹوٹے ہوئے دروازے کی چوکھٹ پر وہی شخص کھڑا ہوا تھا جس کو وہ آج صبح ہی مارکر بینک آئے تھے۔ اس شخص نے تھامس کو زیادہ مہلت نہ دی۔ شاید اس کے پاس وقت کم تھا لہٰذا اس نے بڑے موسبرگ ایم ۱۵۰۔ اے پی کی لمبلی دبائی اور چار عنبر کی سینتیس گولیاں برادر تھامس "جلاد اعظم" کے جسم کو چھلنی کر گئیں۔ جسم میں ۳۷ سوراخ ہونے تھے اور ہر سوراخ خون اگل رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے تھامس کے خون کو قید سے نکلنے کی بہت خواہش تھی۔

ٹائیگر نے تھامس کی تلاشی لی اور ایک عجیب سے اسے مطلوبہ چیز، چابیوں کا گچھا مل گیا۔ تھامس کے خون سے ٹائیگر کے جوتے بھی لتھڑ گئے تھے۔ ٹائیگر واپس چل دیا۔ زرد قالین پر جوتے خون کے نشان چھوڑنے لگے اور پھر یہ نشان ہلکے ہوتے چلے گئے۔

۵

ٹائیگر کو علم تھا کہ بہت سی لڑکیاں کلیسا چھوڑنے پر تیار نہیں ہوں گی تاہم اسے اتنا اندازہ ضرور تھا کہ جب لڑکیاں راہ داری میں گھس کر ادھر اُدھر بھاگیں گی تو اسے اس افراتفری میں اپنا مقصد حاصل ہو جائے گا۔

خطرے کی گھنٹیاں مسلسل بج رہی تھیں اور قبا پوش افراد اِدھر اُدھر بھاگ رہے تھے۔ بہ صورتِ حال ٹائیگر کے منصوبے کے عین مطابق تھی۔

ٹیری لوکاس سے رخصت ہو کر ٹائیگر اپنے کیمپ میں پہنچا تھا جہاں اسے اسکی کھیپ ملی تھی کچھ مہتیار پک اپ میں مخروطی لباس چھپا کر وہ گاڑی کے ذریعہ بیری کریک شاپنگ سینٹر کے مغرب میں پہنچا تھا۔ یہ جگہ کلیسا سے نصف میل دُور تھی۔ یہاں وہ اس وقت تک بیٹھا رہا تھا جب تک ہر طرف تاریکی نہیں چھا گئی۔

اس نے انتہائی خطرناک مہموں کو بہت آسانی سے سر کر لیا تھا لیکن اس بار اسے ایک عجیب سی سنسنی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ یہی سوچ کر لطف لے رہا تھا کہ کلیسا اگر تے ہوئے کتنا اچھا لگے گا۔ اس میں اس کی خود غرضی بھی شامل تھی۔ وہ اس عمارت کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینا چاہتا تھا جہاں اسے زنجیروں میں باندھا گیا تھا۔ اگرچہ اس کے سر میں اب کسی قسم کی دُکھن نہ تھی لیکن اسے احساس تھا کہ اس کے سر پر کس طرح ضربیں لگائی گئی تھیں۔ وہ جانتا تھا کہ اگر وہ اپنے عضلات اور ہڈیوں کو مضبوط نہیں کر لیتا تو سر پاش پاش ہو سکتا تھا۔

تاریکی چھانے کے بعد اس نے کپڑے تبدیل کر کے براؤن قبا پہنی تھی۔ ایم ۷۹ ایک کندھے پر لٹکا لیا تھا اور ایک بیگ میں ضروری سامان اس قبا کی بڑی جیبوں میں چھپ گیا تھا۔

اس نے گاڑی کلیسا کے قریب چھوڑ کر کلیسا کی طرف براہ راست جانے کی بجائے دوسرا راستہ اختیار کیا تھا۔ ایک چار دیواری کو دو کر وہ ڈینور کاؤنٹی کلب میں گھستا تھا اور پھر یونیورسٹی ایونیو پر نکل آیا تھا جو چیری کریک سانوتھ کو کاٹتی تھی۔ یہاں سے وہ بڑے اطمینان سے چلتا ہوا کلیسا کے عقب میں پہنچا تھا اور کسی سے ٹکرائے بغیر احاطے میں داخل ہو گیا تھا جنگ کلیسا کے اس چھوٹے سے خفیہ دروازہ پر شروع ہوئی تھی۔ جس پر پہرہ تھا اور جس سے اندر جایا جا سکتا تھا۔ یہاں دو محافظ تھے انھوں نے اس کی طرف لپکنے، جھپٹنے اور اسے دبوچنے کی کوشش کی تھی لیکن سونک سائیلنسر سے لیس اعشاریہ ۴۵ اسٹار نے گروہِ صداقت کے اراکین کو خاموشی سے موت کے سفر پر روانہ کر دیا تھا۔ اس طرح اسے وینولیوی کے خفیہ دفاتر کی طرف جانے کا صاف راستہ مل گیا تھا۔

بالائی منزلوں پر اسے کسی قسم کی مزاحمت کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ اگرچہ ہر طرف کشیدہ صورتِ حال تھی لیکن بالائی منزلوں پر کسی قسم کے خصوصی سفاظتی انتظامات نظر نہیں آئے تاہم نچلی راہداری پر پستول سے مسلح محافظ ضرور تھے۔ کلیسا کے اندر وہ جوں جوں بڑھتا رہا اسے یہ شواہد نظر آتے رہے کہ یہاں سے عجلت میں روانگی کے انتظامات کیے گئے ہیں۔ بہت سا سامان پیک کیا ہوا ایک طرف پڑا ہوا تھا۔ اس سے ظاہر تھا کہ مشن کتنی عجلت میں مکمل کرنے کے ارادے ہیں۔ لفٹ کے قریب ایک اور مسلح محافظ بیٹھا ہوا تھا۔ ٹائیگر نے مسکراتے ہوئے اس کی گردن پکڑی اور ہلکا سا جھٹکا دیا۔ گردن ٹوٹنے کی آواز زیادہ زور دار نہیں تھی لہٰذا ٹائیگر نے گردن چھوڑ کر اِدھر اُدھر بھی نہیں دیکھا اور لفٹ کی طرف بڑھ گیا۔ لفٹ آئی اور جب دروازہ کھل گیا تو اس نے لاش لفٹ میں اپنے ساتھ ہی رکھ لی۔ تھامس کی چابیاں لفٹ کو نیچے لے جانے والے سگنل متحرک کرنے میں کارآمد ثابت ہوئیں۔

اب تک اتنی مشکلات سامنے نہیں آئی تھیں جتنی مشکلات کا اس نے اندازہ لگایا تھا لیکن جب لفٹ کی اور دروازہ کھلا

تو اس نے یہ اندازہ بھی لگا لیا کہ آسان مراحل ختم ہو چکے ہیں۔

خطرے کی گھنٹیاں زور زور سے بجنے لگی تھیں۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ بغلی دروازے پر پڑی ہوئی لاشیں دیکھ لی گئی ہیں۔ مسلح افراد جن میں سے بیشتر ایم ۱۶ رائفلوں سے مسلح تھے، دھڑا دھڑ ہال سے نکل کر لفٹ کی طرف آ رہے تھے۔ ٹائیگر نے پل بھر میں صورتِ حال کا جائزہ لگا لیا اور ایم ۷۹ نکال کر لفٹ کا دروازہ بند کرتے ہوئے ایک طرف چھلانگ لگا دی۔

لفٹ کے ڈبل میٹل ڈور نے وہ تمام گولیاں خود سہہ لیں جو لفٹ کے اندر برسائی گئی تھیں۔ ٹائیگر نے ایک اور بٹن دبا دیا۔ اس مرتبہ لفٹ کا دروازہ جس جگہ کھلا وہاں اس نے فائر کھول دیا۔ اب یہاں کئی لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ گوشت اور خون کے لوتھڑوں سے دیواریں اور چھت لتھڑی ہوئی تھی۔ غیر قانونی اسلحے سے لیس یہ افراد بہر حال معصوم نہ تھے اور ان پر آگ برساتے ہوئے ٹائیگر کو کسی قسم کا کوئی قلق محسوس نہیں ہوا تھا۔ وہ اب تھامس کے دفتر کی طرف بڑھ رہا تھا۔

دو راہ داریوں کے اتصال پر اسے ایک بار پھر مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ پلک جھپکتے میں اس نے ایم ۷۹ کا استعمال کیا اور ساتھ ہی پرانے فیشن کے ایک ایم تھری فریگ سے پن نکال کر اسے اُچھال دیا۔ بم اُچھالتے وقت اس نے مُنہ کھول لیا تھا تاکہ دھماکے کا اثر اس کے کانوں پر نہ ہو۔ بم کے گھومتے ہی خوفناک دھماکہ ہوا اور درجنوں افراد ادھر اُدھر مرتے ہوئے گر پڑے۔ سامنے ہی تھامس کا دروازہ تھا۔ ٹائیگر اپنی جگہ سے اُچھلا اور عمودی انداز میں اس کے دونوں پیر موٹی آہن پوش لکڑی کے دروازے پر لگے۔ یہ ضرب اتنی شدید تھی کہ دروازہ قبالوں سمیت اکھڑ گیا۔ ساتھ ہی اس نے موسبرگ نکال کر لمبلی دبا دی۔

کلیسا میں مزید اندر زیادہ انتشار نہ تھا۔ وہ ایک کارنر پر گھوما اور جلد ہی عورتوں کے رہائشی حصے میں پہنچ گیا۔ یہاں تین مسلح افراد کھڑے ہوئے تھے۔ ان میں ایک لڑکی بھی تھی اور تینوں کے چہروں کی رنگت دھماکہ سن کر فق ہو رہی تھی۔

"حملہ ہو چکا ہے۔" ٹائیگر نے 'براوران' سے کہا۔ "تمہیں ہر مسلح بھائی کی بالائی منزلوں پر ضرورت ہے۔ تم دونوں جاؤ، میں یہاں رہ کر حوروں کی حفاظت کروں گا۔"

"لیکن ہمیں جو حکم ملا ہے۔"

"جہنم میں گئے تمہیں ملنے والے احکام۔ تمہیں علم نہیں کہ حملہ آور وہی ہے جس نے مافیا کو ختم کیا تھا۔"

"شٹ۔" دوسرے برادر نے زور سے کہا مگر وہ بھی پہلے کی طرح راہ داری کی طرف دوڑ چکا تھا۔ ان کے نظروں سے اوجھل ہوتے ہی خاموش عورت نے نوبر ٹائیگر کو دیکھا اور پھر فوراً ہی پہچان لیا کہ یہ وہی ہے جو ایک لڑکی کو نکال کر لے جا چکا ہے۔ اس سے قبل کہ وہ اپنا پستول سیدھا کرتی ٹائیگر نے کھڑکی مہتیلی اس کے سر پر ماری اور وہ بغیر کسی تردد کے گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی۔ اس کا پستول گرا اور وہ خود بھی فرش پر لیٹ گئی۔ اس کی کھوپڑی کھل چکی تھی اور سب کچھ باہر نکل آیا تھا۔ ٹائیگر کو لمحہ بھر کے لیے افسوس ہوا کیونکہ وہ واقعی بہت خوب صورت عورت تھی۔ اس نے سر جھٹکے ہوئے ڈبل ڈور کا مقفل انگلیوں کے استعمال سے کھولا اور جونہی دروازہ کھلا درجنوں لڑکیاں اس کے سامنے چیخنے چلانے لگیں۔ ان کی آنکھیں خوف سے پھٹی ہوئی تھیں۔ "چلو۔ نکلو۔" ٹائیگر نے دروازے کی طرف اشارہ کر کے حکم دیا۔ "ہم پر حملہ ہو چکا ہے، باہر نکلو۔ اپنی اپنی زندگی بچاؤ۔"

یہ نفساتی دارتھا جو خالی نہ گیا اور عورتیں ایک دوسرے پر گرتی پڑتی کھلے دروازے کی طرف بھاگنے لگیں۔ ان کے شور سے کان پڑی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ ان میں سے بعض تو واقعی اس جنت نما جہنم سے نجات حاصل کرنا چاہتی تھیں اور بعض محض زندگی بچانے کے لیے کوشاں تھیں۔ حالانکہ انھیں یہاں کی آسائشیں بہت پسند تھیں۔

اس افراتفری کے عالم میں ٹائیگر وہاں صرف ایک لمحہ کے لیے رُکا اور ایک لفٹ کی طرف بڑھ گیا۔

ایک بار پھر برادر تھامس کی چابیوں کا گچھا کام میں آیا۔ اس نے ٹاپ فلور کا بٹن دبایا اور وینولیوی کے دفتر کے سامنے اُتر گیا۔ دروازہ بالکل سامنے تھا۔ ہلکی سی ٹھوکر سے کھل گیا مگر اسی تھے دو افراد عقب سے اس پر ٹوٹ پڑے۔ ٹائیگر نے کہنی استعمال کی۔ کہنی ایک شخص کی ہنسلی کی ہڈی پر لگی اور وہ بہت خوفناک آواز نکال کر گر پڑا۔ دوسرے کا ہلہتھ ٹائیگر کے ہاتھ میں آ گیا۔ اس نے اپنے ہاتھ کو ہلکا سا جھٹکا دیا تو حملہ آور کا ہاتھ اس طرح ٹوٹا کہ کھال جڑی رہی۔ ہاتھ جھولنے لگا اور

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

حملہ آور ڈکرانے لگا۔ ساتھ ہی ٹائیگر نے دوسرے ہاتھ کی انگلیاں لیسلیوں میں مار دیں پھر دوسرے حملہ آور میں کچھ بھی باقی نہ رہا۔ اب ٹائیگر نے ایک بار پھر موسبرگ گن نکال لی کیونکہ مزید چار افراد حملہ آور ہو رہے تھے۔ ان میں سے ایک اس کی طرف جھپٹا تو ٹائیگر کی ٹھوکر اس کے سینے پر پڑی اور وہ بہت زور سے دیوار کے ساتھ جا ٹکرایا۔ وہ شاید دیوار پر لگنے کے بعد گرنے سے قبل ہی دم توڑ گیا تھا۔ دوسری لات ایک ایسے شخص کی ٹھوڑی پر پڑی جو جھکا ہوا آیا تھا۔ وہ شخص الٹ گیا۔ شاید ٹھوڑی کی ہڈی کرچی کرچی ہو گئی تھی۔ باقی دو افراد موسبرگ کا نشانہ ہوئے اور ٹائیگر دہلیزی کے کمرے میں داخل ہو گیا۔ اندر دہلیزی نظر نہیں آیا۔ ٹائیگر اس کی ڈیسک کی طرف بڑھ گیا۔

ٹائیگر نے ان کاغذات کی تلاش میں لیزی کی میز کو الٹ پلٹ دیا جو وہ پہلے دیکھ چکا تھا۔ یہ بات واضح ہو چکی تھی کہ اس گروہ کے سرغنہ اور اہم ترین افراد فرار ہو چکے تھے صرف نچلی سطح یا زیادہ سے زیادہ دوسرے درجے کے لیڈر موجود تھے۔ وہ تمام قاتل بھی یقیناً جا چکے تھے جن کو اہم ترین مشن کے لیے باقاعدہ تربیت دی گئی تھی۔ ٹائیگر کو بہرحال ایسی معلومات اور ثبوت کی ضرورت تھی۔ جن کی مدد سے لیزی کے گرد جال تنگ ہو جائے اور اقتدار پر قبضہ نیز لوگوں کو قتل کرنے کا منصوبہ ناکام ہو جائے۔ وہ فائلوں میں الجھا رہا۔

●

کلیسا کے قریب ٹیری لوکاس انتہائی اضطراری کیفیت میں واقعتاً ایک ٹانگ پر کھڑا ہوا تھا۔ فائرنگ شروع ہونے کے صرف دو منٹ بعد پولیس کی پیلی سفید اور نیلی گاڑی بھی نظر آ گئی تھی۔ ٹیری لوکاس کے جوش کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ اسے یقین تھا کہ وہ صحافت کی تاریخ کی ایک بہت بڑی خبر بنا رہا ہے۔ اسے سپاہیوں نے اترتے ہی ایک طرف کر دیا اور چند منٹوں کے اندر اندر پورا علاقہ نیلی اور سفید رنگ کی گاڑیوں سے بھر گیا۔ ان کی نیلی روشنیاں جل بجھ رہی تھیں۔ سادہ لباس والوں کی پلے ماؤتھ اور شیورلیٹ کاریں بھی آنے لگیں۔ اسے ایک طرف محدود کر دیا گیا تھا اور اب اس کا دماغ سگنے لگا تھا۔

"کہاں گئی آزادیٔ صحافت۔" اس نے دانت پیستے ہوئے مگر زیر لب کہا۔

"اور پیچھے جاؤ۔" پولیس ڈویژن کے نوجوان کمانڈر نے جو عہدے کے اعتبار سے لیفٹیننٹ تھا ٹیری کو دیکھ کر حکم دیا۔ اسے ان جوانوں سے بھی دور ہونے کا حکم دیا جا رہا تھا، جنھوں نے کلیسا کا محاصرہ کر رکھا تھا۔

"تم فکر مت کرو۔" لیفٹیننٹ نے اسے اداس دیکھ کر تسلی دی۔ "ہم اجتماعی بریفنگ کی اطلاع تمہیں ضرور دیں گے۔"

سینئر پولیس افسروں کو اطمینان تھا کہ لیفٹیننٹ کی بات ٹیری کی سمجھ میں آ جائے گی لہٰذا وہ دوسرے اہم کاموں میں لگ گئے۔ پین ریلویز کا ریلوے ٹریفک سے تعلق تھا مگر موقع ڈھونڈتا رہا۔ تب ہی اسے خیال آیا کہ اس کی کار میں ایسا چشمہ موجود ہے جس میں اندھیرے میں دیکھنے کے قابل بنانے والے شیشے لگے ہوئے ہیں، وہ نہال ہو گیا اور کار کی سیٹ پر بیٹھ کر اس نے چشمہ لگا لیا۔

کلیسا میں اب بھر گولیاں چلیں اور اندر ان کے چلنے سے چمک بھی پیدا ہوئی مگر آوازیں ہلکی تھیں۔ ٹیری نے ایک لمحے تک ہی ان پر غور کیا اور رویت نام کی جنگ میں حصہ لینے کے باعث حاصل ہونے والے تجربے کی روشنی میں اس نتیجے پر پہنچا کہ یہ ایم ۱۶ کے اعشاریہ ۲۲۳ والے راؤنڈ ہیں۔ اسی لمحے کسی نے باہر کی طرف برسٹ مارا اور ایسے دو راہ گیر سڑک پر گر گئے جو نہ جانے کس طرح پولیس کے محاصرے میں آ کر ادھر ادھر گھوم رہے تھے۔ ٹیری کو یقین تھا کہ یہ برسٹ ٹائیگر نہیں مار سکتا کیونکہ وہ اس کے بارے میں جو کچھ سن چکا تھا۔ اس سے صرف یہ نتیجہ ہی اخذ کیا جا سکتا تھا کہ وہ پولیس یا راہ گیروں کی طرف پہلے اور اسی لمحے کلیسا کے اندر سے دھماکے کی آواز سنائی دی۔ اب درختوں میں بھی گولیاں چل رہی تھیں۔

"اسے تو اندھا دھند فائرنگ کہتے ہیں دوست۔" ٹیری نے ایک جانے پہچانے پولیس والے کو دیکھ کر کہا جو عام لباس میں تھا۔ "یہاں آخر کیا ہو رہا ہے؟"

"ہمیں بھی کچھ نہیں معلوم۔" آفیسر نے جواب دیا۔ "صرف اس اطلاع پر بھاگے چلے آئے کہ کلیسا میں فائرنگ ہو رہی ہے۔"

"ممکن ہے کہ اندر ٹھنا ہوا ہی کوئی آدمی ان سے بھر گیا ہو؟"

"نو کمنٹ۔" پولیس والا بھی شاطر تھا۔

"کم آن لو۔ میں ٹیری لوکاس ہوں۔ مجھے پہچانتے ہو نا؟"

"ہاں۔" لونائی پولیس افسر نے مسکرا کر جواب دیا۔ "لیکن میں نو کمنٹ کہہ چکا ہوں۔ ویسے ہمیں جیسے ہی کوئی مصدقہ خبر

ملے گی ہم تمہیں بھی بتا دیں گے۔"

ٹیری ایک ٹہنکارا بھر کر گاڑی سے اتر گیا اور ایک طرف چل دیا۔ اس کی کوشش یہ تھی کہ وہ کسی طرح کلیسا کے بہت قریب پہنچ جائے۔ اسے یقین تھا کہ کھیل شروع ہو چکا ہے اندر دنیا کا خطرناک ترین انسان موجود ہے اور ٹیری یہ مقابلہ دیکھنے کے لیے ہمیشہ کی طرح اکھاڑے کے قریب تر والی سیٹ حاصل کرنا چاہتا تھا۔

ٹائیگر کو مطلوبہ دستاویزات کا ایک حصہ مل ہی گیا۔ ان کاغذات میں منصوبے کی ایک کاربن کاپی اور قاتلوں کی ایک فوٹو فائل تھی۔ ان میں سے کئی کو وہ پہچانتا تھا۔ اس نے سیل کی کھڑکی سے کلاس میں جھانکا تھا تو ان میں سے کئی چہرے اسے صاف نظر آئے تھے۔ فائل پر ہر شخص کے روپے کے بارے میں تفصیلات درج تھیں۔ عمل تنویم کے اثر اور ردعمل کا بھی ذکر تھا لیکن اس فائل میں یہ نشان دہی نہیں کی گئی تھی کہ کس کو کس مشن پر اور کہاں بھیجا گیا ہے۔

کاغذات کی تلاش کے دوران اسے دو مرتبہ دروازے کی طرف پلٹ کر فائرنگ بھی کرنی پڑی تاکہ کمرے میں داخل ہونے کی کوشش کرنے والے زیادہ آگے نہ آ جائیں۔

اسے یقین تھا کہ پولیس کلیسا کے باہر پہنچ چکی ہوگی۔ تمام سڑکوں کی ناکہ بندی کی جا چکی ہوگی، ٹریفک کا رخ دوسری طرف کر دیا گیا ہوگا۔ بندوقچی پولیشن سنبھال چکے ہوں گے۔ اس کے پاس اب زیادہ وقت بھی نہیں تھا۔ لہٰذا اس نے اس کمرے کی باقی تلاشی لینے کا کام پولیس اور ٹیری لوکاس کی ذہانت پر چھوڑ دیا۔

وہ کمرے سے نکلا تو تین راہداریاں محافظوں نے بند کر رکھی تھیں لیکن ٹائیگر نے دو فاسفورس بم نکال کر دائیں بائیں والی راہداریوں میں اچھال دیے۔ راستہ اس طرح صاف ہو گیا جیسے وہاں کبھی کوئی تھا ہی نہیں لیکن اگر کوئی راہداری کے فرش پر دیکھتا تو اسے ایسے کئی جسم نظر آ سکتے تھے جن کے زخموں سے خون ابل رہا تھا۔

لفٹ اوپر جانے لگی تو اس نے ایک بھوری قمیص والے کو گولی ماری جس نے لفٹ کی طرف رائفل کا رخ کیا تھا۔ ابھی لفٹ سیکنڈ اور گراؤنڈ فلور کے درمیان ہی تھی کہ کسی نے ذہانت سے کام لیتے ہوئے لفٹ بند کر دی۔

ٹائیگر چند لمحے تک خاموشی سے باہر کی آوازیں سنتا رہا اور جب اسے یقین ہو گیا کہ کلیسا والوں کو اب اس کی طرف سے کوئی خوف نہیں تو اس نے اٹیچی کا وہ حصہ کھولا جو ایمرجنسی میں زندگی بچانے کے لیے خاص طور سے بنایا جاتا ہے۔ وہ ایک ہی کوشش میں اٹک کی چھت پر پہنچ گیا اور پھر دیوار سے کسی چھپکلی کی طرح چپک کر اوپر جانے لگا۔ یہ مشق اسے اوشان نے کرائی تھی۔ شروع شروع میں اسے چکنی سپاٹ اور پھسلواں سطح پر چھپکلی کی طرح افقی انداز میں چلنا بہت مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن لگتا تھا تاہم یہ اوشان تھا۔ جس نے بہت سی ناممکن باتوں کو ممکن بنا دیا تھا۔ ٹائیگر اب افقی اور عمودی چٹانوں کو بھی سر کر لیتا تھا۔ وہ جلد ہی دوسری منزل پر پہنچ گیا۔

وہاں دو افراد موجود تھے جو اسے دیکھ کر ہونق سے ہو گئے مگر ٹائیگر نے ان سے کوئی رعایت نہیں کی۔ وہ جانتا تھا کہ یہاں مرنے والے ہر شخص کی زندگی کتنی خطرناک ثابت ہو گی۔ اس نے ان دونوں کو ایک ایک گولی ماری اور وہ گر کر تڑپنے لگے۔ اس نے پلٹ کر بھی نہیں دیکھا اور لمحے لمحے دگ بھرتا ہوا زینے پر پہنچ گیا۔ اب وہ سیڑھی سے اتر نہیں بلکہ سیڑھی پر اڑ رہا تھا۔ نیچے ہر طرف انتشار اور افراتفری کی کیفیت تھی۔

"پولیس آ چکی ہے۔" باہر سے میگا فون پر خبردار کیا گیا۔ "تمام لوگ منظم انداز میں قطار بنا کر ہاتھ اٹھا اٹھا کر باہر نکل آئیں۔ فائرنگ بند کر دی جائے۔"

اسی لمحے کلیسا کے لوگوں نے پلٹ کر ٹائیگر کی طرف اس طرح دیکھا جیسے وہ رہنمائی طلب کر رہے ہوں۔ اس نے بے معنی انداز میں ہاتھ لہرایا اور ایک بغلی راستے کی طرف لپک گیا۔ وہاں ایم ۱۶ سے اسے ڈرانے والے گارڈ کے سر میں ٹائیگر کی گولی لگی اور ٹائیگر بغلی راستے سے باہر نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔

باہر پہنچ کر ٹائیگر نے فیاٹ اتاری اور قریب ہی چھپائے ہوئے کپڑے پہن لیے۔ اس نے تمام ہتھیار ماسوائے ایم ۷۹ کے ایک بنڈل میں رکھے اور انھیں نائیلون کی ڈوری سے باندھ دیا۔ اب اسے ایک اور اہم مشن مکمل کرنا تھا۔ وہ تیزی سے درختوں کے درمیان چلنے لگا۔ یونیورسٹی ایونیو کی طرف والا گراؤنڈ اس نے محوں میں پار کر لیا اور ڈنور کلب کے قریب سے گزر گیا۔ پولیس یہاں سے ایک بلاک دور موجود تھی لیکن

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

مزید قریب نہیں آ سکتی تھی کیونکہ راہ میں چار دیواری اور خار دار تار حائل تھے۔

آخری اور گھنے جھنڈ سے کچھ ہی پہلے ٹائیگر نے ایم ۹، لوڈ کیا اور ایک بالائی کھڑکی کی طرف فائر کر دیا۔ چاندی جیسا دھواں اٹھا اور پھر نارنجی شعلہ نظر آیا۔ اس نے بڑی تیزی سے مزید تین فائر کیے۔ تینوں کا رُخ کلیسا کی طرف تھا کلیسا میں جگہ جگہ خوفناک آگ بھڑک اٹھی۔ اسے زیریں منزل پر رنگ برنگے گاؤن نظر آ رہے تھے اور اس کا مطلب یہ تھا کہ لڑکیاں بھاگ بھاگ کر گراؤنڈ فلور تک پہنچ چکی ہیں اور یہ بھی کہ وہ بچ نکلی ہیں۔ اسے یقین تھا کہ اگر اندر مزید کوئی لڑکی ہوگی تو وہ بھی آگ دیکھ کر بھاگ نکلے گی۔

کلیسا میں آتش زنی کے باعث پولیس والے بھی گھبرا گئے اور اس افراتفری سے فائدہ اٹھا کر ٹائیگر نے سڑک پار کی اور چار دیواری کود کر گولف کورس میں گھس گیا۔ اب وہ تیزی سے فرسٹ ایونیو کی طرف اپنی کیمپر لینے کے لیے جا رہا تھا اس کے عقب میں چیخ پکار کی آواز آ رہی تھی۔ غالباً کچھ لوگ یا پولیس والے اس کے تعاقب میں لگ گئے تھے مگر وہ تو چھلاوہ تھا۔ اس نے فوراً راستہ بدل دیا اور اندھیرے میں کام کرنے والی سرچ لائٹس اس کو گھیرنے میں ناکام ہو گئیں۔ وہ جانتا تھا کہ پولیس اُسے پکڑنے کے لیے سب کچھ کر گزرے گی۔

●

"تم زہر کے بارے میں شینا نوفی سے بات کرو۔" اوشان نے ٹائیگر کی پوری کہانی سننے کے بعد بڑی محبت سے کہا۔ اس نے مچھلی کے کاٹے کے نشانات بغور دیکھے تھے اور پھر ٹائیگر کے احتجاج کے باوجود ان پر جھک کر انھیں چوسنے لگا تھا۔ اوشان نے بہت دیر بعد اس کے سینے سے سر اٹھا کر ایک کاغذ پر تھوکا تھا اور پھر وہ دیر تک کاغذ پر نظریں جمائے بیٹھا رہا تھا۔ اس کے بعد اس کے چہرے پر عجیب سی مسکراہٹ نے جنم لیا تھا۔ "نہیں میرے بچے۔ تم نے انھیں شکست دے دی ہے۔ جسم میں زہر کا ایک ذرہ بھی باقی نہیں۔"

"مگر یہ مچھلی کیسی تھی لٹل فادر؟" ٹائیگر نے نقصیں ٹھیک کرتے ہوئے پوچھا تھا۔

"میں اعتراف کرتا ہوں کہ میں بھی ایسی کسی مچھلی سے واقف نہیں۔" اوشان نے بڑی سنجیدگی سے جواب دیا بہرام کو ٹائیگر کی رپورٹ کمپیوٹر کے ذریعے مل چکی تھی۔

"شینا نوفی سے بات کرو۔" اوشان نے چند لمحوں تک سوچنے کے بعد کہا۔

"شینا نوفی؟ یہ کون ہے؟" ٹائیگر نے بڑی حیرت کے ساتھ پوچھا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ اوشان نے خود کچھ بتانے سے انکار کر دیا تھا۔

"میرا ہم وطن تو نہیں لیکن خانوادۂ سناجو کا ایک معتقد ضرور ہے۔" اوشان کی آنکھیں مسکرا رہی تھیں۔

"کہاں ملے گا؟" ٹائیگر پہلو بدلنے لگا۔

"یہاں۔۔۔ کوئی کوڑا گھر ہے؟" اوشان نے پوچھا۔

"ایسا کوڑا گھر جہاں عجیب و غریب چیزیں سنبھال کر رکھتے ہیں۔"

"آپ کی مراد میوزیم سے ہے؟"

"ممکن ہے۔" اوشان سنجیدگی سے سر ہلانے لگا۔ "اور اس کوڑے گھر کے قریب بہت سے جاہل پڑھتے بھی ہیں۔"

"گویا ایسا میوزیم جو یونیورسٹی میں قائم ہے۔"

"تم کلیسا والوں کا خاتمہ کرنے کے لیے نکلنے سے قبل برادر شینا نوفی سے بہرحال مل لینا۔ یہ میرا حکم ہے میں تمھارے ساتھ ضرور چلتا اگر تم جانتے ہو کہ مجھے اس سے زیادہ اہم کام کرنا ہے۔"

"وہ کیا فادر؟"

"عظیم والد صاحب کی یاد میں تین روز تک شمع روشن رکھنی ہے۔" اوشان کا لہجہ بالکل ایسا تھا جیسے وہ چھوٹا سا بچہ ہو۔ ٹائیگر مسکرانے لگا اور پھر اُٹھ گیا۔ اسے علم تھا کہ شینا نوفی کہاں ملے گا۔

●

شینا نوفی، یونیورسٹی کے شعبۂ قدرتی تاریخ و حیوانات کے میوزیم کا چیئرمین تھا۔ اوشان کی طرح نحیف و نزار، مگر چہرے سے شوخ لگنے والا یہ شخص بہت نفیس ثابت ہوا جب اسے یہ علم ہو گیا کہ یہی شخص شینا نوفی ہے تو وہ والیس آکر اپنے کمرے میں بند ہو گیا۔ اسے ٹیلی ویژن پر خبریں سُننی تھیں۔

حسب توقع وینیولیوی کا ایک انٹرنیشنل کانسٹرکٹ ہو رہا تھا۔ "مجھے کلیسا پر حملے کی خبر سے بہت سخت صدمہ ہوا ہے۔" اس کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔ اس کی دستے داری دائیں بازو کے انتہا پسند دں پر ہے۔ مجھے یہ پتا نہیں کہ کلیسا سے اتنے بہت سے ہتھیار کس طرح برآمد ہوئے۔ لیکن ہے برادر تھامس اس کا ذمے دار ہے۔"

پوری خبر میں ان سگوں کا کوئی ذکر نہیں تھا جو ٹائیگر نے جان بوجھ کر کلیسا کے صحن میں پھینکے تھے۔ ہر سگ کے پیٹ کی شکل بنی ہوئی تھی۔

ٹائیگر نے یہ اندازہ لگانے میں کوئی غلطی نہ کی کہ وینیولیوی بہت زیادہ خوف زدہ ہے۔ اگرچہ پولیس کی تفتیش جاری تھی لیکن کلیسا کے تمام سرکردہ افراد زمرد گرفتار نہیں ہوئے تھے بلکہ ریاست کی حدود سے بھی نکل چکے تھے۔

خبر کے آخر میں کہا گیا تھا کہ وینیولیوی نے شکاگو میں جو پروگرام شروع کرنے کا ارادہ کیا تھا وہ اس پر قائم ہے اور کلیسا کی تباہی سے اس پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

ٹائیگر کو یہ اندازہ تھا کہ تربیت یافتہ قاتلوں کی تعداد ساٹھ ہے اور وہ متحرک ہونے کے لیے اشارے کے منتظر ہیں۔ ٹائیگر نے فی الفور فلاڈلفیا اور گرین ویلی کے لیے نشست محفوظ کرانے کی کوشش شروع کر دی۔ اس وقت بہرام کو فون کرتے ہوئے وہ بہت کچھ سوچ رہا تھا۔

●

شینا نوفی بہرحال ایک بوڑھے کوریائی کے بالکل برعکس تھا۔ نہ تو اس کی آنکھیں دُھندلائی ہوئی تھیں اور نہ ہی ان میں پانی بھرا ہوا تھا۔ چہرے پر عمر کے آثار ضرور تھے مگر وہ چاق و چوبند مستعد اور ذہین بھی نظر آ رہا تھا۔

اس نے ٹائیگر سے مصافحہ کیا تو ٹائیگر یہ سوچے بغیر نہیں رہ سکا کہ اتنی گرم جوشی کا حامل شخص منافق ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اس نے اوشان کا نام سُنا تو سر جھکا دیا اور جب اس نے سر اٹھایا تو اس کی چھوٹی چھوٹی آنکھیں چمک رہی تھیں اور جب اس نے یہ سُنا کہ سیل فش کو بطور قاتل بھی استعمال کیا جا سکتا ہے تو وہ بہ تن گوش ہو گیا۔ اس نے ٹائیگر کو سیل فش کے بارے میں بہت کچھ بتایا۔ اس کے سوالوں کے جواب بڑی خندہ پیشانی سے دیے اور ٹائیگر کے آخری سوال کے جواب میں کہا جو لکس کے زہر کی سنتھیٹک کا جہاں تک تعلق ہے۔۔۔ میں اس کی کوشش سے باخبر نہیں ہوں نوجوان۔ میرے علم میں ایسی کوئی بھی معیاری تجربہ گاہ نہیں جہاں ایسا عمل کیا گیا ہو۔" یہ کہتے ہوئے شینا نوفی نے سر جھکا تو کالے بالوں کی ایک لٹ اس کی پیشانی پر آ گری۔ "میں اس کے کسی بھی قسم کے استعمال سے ناواقف ہوں۔ ویسے یہ یقیناً تیز، طاقت ور اور بہتر مواد ثابت ہوا ہوگا۔ زہر کے سلسلے میں صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ اس سے جو موت واقع ہوتی ہوگی اور یہ فوری ہلاکت کی بجائے بتدریج موت کا باعث بنتا ہوگا۔ میری ذاتی رائے میں اس کے زہر کا کوئی تریاق نہیں۔"

"آپ انتہائی مایوس کن تصویر پیش کر رہے ہیں محترم۔" ٹائیگر نے مسکرا کر تبصرہ کیا۔ "یہ بتائیں کہ کیا فجی کا کوئی باشندہ اس زہر سے بچ سکتا ہے؟ کیا اسے اس کا علم ہوگا کہ مچھلی زہریلی ہے؟"

"میرا خیال ہے کہ اسے صرف یہ علم ہی زہر سے بچا سکتا ہے کہ مچھلی کو ڈسنے نہ دیا جائے۔ لیکن کیا تمھارا اشارہ فجی کے اس باشندے کی طرف ہے جو گزشتہ دو روز سے خبروں میں شامل ہے؟"

"آں۔ نہیں۔" ٹائیگر بات ٹال گیا۔ "آپ نے میرے اصل سوال کا جواب نہیں دیا۔"

"یقیناً۔ میں جواب ضرور دوں گا۔ جنوبی بحرالکاہل کے جزائر کا رہنے والا کوئی بھی شخص اس حقیقت سے واقف ہے کہ مچھلی زہریلی ہے۔ یہ علم اسے یا تو تجربہ سے ملا ہے یا پھر سینہ بہ سینہ۔ اس کے زہر کی نوعیت اور شدت بھی مختلف ہو سکتی ہے۔ بعض مچھلیاں ایسی ہیں جن کے کاٹے سے صرف سوزش ہوتی ہے۔ کیا تمھیں علم ہے کہ ان کا زہر کس طرح لیا جاتا ہے؟"

"جی ہاں! لیکن اس مچھلی میں زہر کی پیداوار کا نظام کیسا ہے؟" ٹائیگر نے اس بار یہ نہیں بتایا کہ وہ بھی مچھلی کا شکار بن چکا ہے۔

"ان مچھلیوں کے سروں میں گلینڈز ہوتے ہیں۔ انھی سے زہر ٹپکتا اور جبڑے کے قریب ایک تھیلی میں جمع ہوتا رہتا ہے۔ جب مچھلی کسی چیز کو کاٹتی ہے تو یہ زہر اس میں منتقل ہو جاتا ہے۔ غالباً تم ایسا کوئی منظر دیکھ بھی چکے ہو۔۔۔" شینا نوفی بھی تجربہ کار آدمی تھا لہٰذا وہ ٹائیگر کے بالواسطہ جواب کا مقصد بھی سمجھ گیا۔ "اس زہر سے کاغذ بھی متاثر ہو سکتا ہے، جسم کی تو بات ہی الگ ہے۔ اگر کپڑے گیلے ہوں تو زہر زیادہ تیزی سے اثر کرتا ہے۔ اگر اس زہریلے مادے کو سنتھیٹک بنایا جا سکے تو یہ ڈارٹ میں بھی استعمال ہو سکتا ہے۔ اس سے تیر کو زہر میں بجھایا جا سکتا ہے یا کسی گولی کو زہر آلود کیا جا سکتا ہے۔ اس طرح کی گولی تیر یا ڈارٹ کا بہت ہی خوفناک اور مہلک ترین اثر ہوگا۔" یہ کہہ کر شینا نوفی بچوں کی طرح مسکرایا اور ٹائیگر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا۔ "اگر تمھارا کوئی پُراسرار فیجین دوست اس زہریلے مادے کو حاصل کر چکا ہے تو اس سے دہشت گردی کا بازار بھی گرم ہو سکتا ہے۔ ایسی دہشت گردی

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

جو نہماری قوم کو افراتفری کا شکار بنا سکتی ہے۔"

"میں امریکی نہیں ہوں۔" ٹائیگر نے سپاٹ لہجے میں شینافوکی کو مطلع کیا۔

"لیکن تم امریکیوں کے مفاد میں سوچتے ضرور ہو۔" شینافوکی بھی فوراً بولا۔

"میں صرف انسانوں کا مفاد پیش نظر رکھتا ہوں۔ آپ یہ بتائیں کہ اگر یہ زہریلا مواد بڑی مقدار میں کسی کے پاس ہو تو اس کی روک تھام کے لیے کیا کیا جا سکتا ہے؟"

"کچھ نہیں۔" شینافوکی نے دوٹوک انداز میں جواب دیا۔ "میرا ہر آنا ہی خطرناک ہے جتنا کسی طیارے کی پرواز کے دوران کاک پٹ میں رکھا ہوا بم۔ جب تک لوگوں کو علم ہو کہ فلاں فلاں کیمیائی مادے کی کتنی مقدار کیا اثر رکھتی ہے اس وقت تک بہت دیر ہو چکی ہوگی۔ جب تک اس زہر کے مالک کو نہ پکڑا جائے اس وقت تک کچھ نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن اس کی پھر بھی ضمانت نہیں کہ اس نے زہر لوگوں میں تقسیم کر دیا ہو۔"

ٹائیگر کو اس کا مطمئن بنائے بغیر نہ رہ سکا۔ شینافوکی کے تجزیے نے اس کے خدشات کو اور بڑھا دیا تھا۔ زہر ڈیونیلیوی کے پاس یقیناً نہیں تھا۔ اس نے زہر قاتلوں میں تقسیم کر کے انہیں بھیج دیا تھا اور یہ ٹائیگر کے لیے ممکن نہ تھا کہ وہ ہر جگہ جا کر فرداً فرداً قاتلوں سے زہر چھینتا۔

"رات کا کھانا تم میرے ساتھ کھاؤ۔" شینافوکی نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے دعوت دی۔ "وہاں ہم زیادہ بے تکلفی سے گفتگو کر سکتے ہیں۔"

●

شینافوکی کے گھر کا ماحول واقعی بہت نفیس تھا اور کھانے پر تو ٹائیگر کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ میز پر صرف پھلوں کی یا ابلے ہوئے چاول۔ شکر، چکنائی یا بقول اوشان زہر کی کوئی قسم میز پر نہ تھی۔ کھانے سے قبل جوس پیش کیا گیا جو اوشان کے بنائے ہوئے جوس کی طرح بے مزا تھا۔

"تمہیں اوشان کے ساتھ بھی یہی کھانا پڑتا ہوگا نا؟" شینافوکی نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"جی ہاں۔" ٹائیگر بڑے حسرت بھرے انداز میں بولا۔ "اور ایک مرتبہ اس مقررہ غذا سے ہٹ کر کھانے کی سزا بھی بھگت چکا ہوں۔"

شینافوکی ہنسنے لگا اور دونوں اوشان کے بارے میں گفتگو کرنے لگے۔ شینافوکی نے یہ نہیں پوچھا کہ اوشان اس کے ساتھ کیوں نہیں آیا۔ صرف اتنا کہا کہ وہ سناجو کے آقا سے گیارہ سال قبل سناجو ہی میں ملا تھا۔

"اوہ! تو پھر انہیں یہ علم کیسے ہوا کہ آپ یہاں ہیں؟"

"یہ علیم اوشان کی روحانی صلاحیت ہے نوجوان۔ وہ یہ جانتا ہے کہ اس کے دوست کہاں کہاں ہیں۔" شینافوکی کا لہجہ بہت نرم تھا پھر نصف گھنٹے بعد وسیع ڈرائنگ روم میں ایک خوب صورت خاتون داخل ہوئیں۔ یہ شمیون تھیں شینافوکی کی بیوی۔

"اس سے ملو شمی۔ یہ اپنا ہی بچہ ہے۔" شینافوکی نے تعارف کرایا۔ اس جملے میں نہ جانے کیا تاثر تھا کہ شمی نے جھک کر ٹائیگر کو پیار کیا۔ اس کا کوٹ اٹھا کر سلیقے سے ایک طرف رکھا، وہیں قریب ہی بیٹھ گئیں۔ ٹائیگر کو بالکل ایسا لگا جیسے کوئی ماں دور بیٹھی ہوئی بیٹے کی بلائیں لے رہی ہو۔ ان کی ہلکی پھلکی گفتگو جاری رہی۔ حتیٰ کہ مچھریں شروع ہو گئیں۔

"دس از ڈیلورن ہے ورڈ ان شکاگو۔ تمام تر احتجاج، اعتراضات اور خانہ انوں کی شکایتوں کے باوجود اس ملک کے سب سے متنازعہ مذہبی لیڈر ڈیونیلیوی نے اعلان کیا ہے کہ وہ شکاگو میں کل رات عظیم اشاۃ الثانیہ کا پروگرام شروع کرے گا۔ لیوی پر گزشتہ دو دور کے دوران ان گنت الزامات لگائے گئے ہیں اور اس سے قبل بدھ کی شب کلیسا میں خوفناک لڑائی ہوئی تھی جس کے نتیجے میں ڈیوڈ کا کلیسا تباہ ہو گیا تھا۔ اس لڑائی کے بارے میں حکام نے کسی قسم کی تفصیل فراہم نہیں کی ہے۔ تاہم اب حکام خود ساختہ پیغمبر مسیح... سے بات چیت کرنے پر اصرار کر رہے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ وہ کلیسا اور گروہ کے اعلیٰ عہدے داروں سے بھی پوچھ گچھ کریں گے۔ گھر سے بھاگے ہوئے بچوں اور کلیسا کے تعلق سے بھی نئے تنازعات نے جنم لیا ہے۔ ان الزامات کا جواب ڈیونیلیوی نے کیا دیا۔ ورلڈ نیوز آف شکاگو کی ایک رپورٹ پیش کی جا رہی ہے۔"

نیوز ریڈر کے چہرے کی جگہ ایک فلم نے لے لی، اس میں کسی ہوٹل کی تنگ راہ داری نظر آ رہی تھی جس میں رپورٹروں اور سنبر قبا پوش محافظوں کا ہجوم لگا ہوا تھا۔ اس ہجوم کے درمیان ایک پستہ قد گنجا سیاہ فام شخص نظر آ رہا تھا جس کی عمر سولہ سال ہی لگ رہی تھی۔ اسکرین پر ایک رپورٹر کو سوال

کرتے ہوئے دکھایا جانے لگا اور پھر اس کا جواب دینے کے لیے اس گنجے شخص نے اپنا ہاتھ اٹھایا۔

تمام لوگ خاموش ہو گئے۔ وہ ہمہ تن گوش تھے۔ ڈیونیلیوی جواب دے رہا تھا۔ "ہم مذہبی استدلال کی کثرت سے دوچار ہیں۔ ڈیوڈین پولیس ہی نہیں بلکہ انتہا پسند مذہبی گروہ بھی ہمارے دشمن بلکہ خون کے پیاسے بن چکے ہیں۔ ایسے والدین جنہوں نے اپنے بچوں کے بارے میں پولیس کو شکایتیں پیش کی ہیں خود نادم ہیں۔ انہوں نے کبھی اپنے بچوں کی گھروں میں رہتے ہوئے بھی رہنمائی نہ کی لہٰذا یہ بچے جو مسجد قبل کے چراغ ہیں ہمارے پاس آئے اور ہم نے مذہب و انسانیت کے تقاضوں کے پیش نظر ان کی مدد کی۔ اب یہ بچے سرکاری ملازمین کی زیر سرپرستی ہیں۔ اس موضوع پر پریس بوٹ دعا بیانات کی گنجائش ہی نہیں کلیسا پر خدا نہ حملے کے دوران جو لوگ گئے انہیں واپس آ جانا چاہیے۔ آپ لوگ جو حالات معلوم کرنے کے لیے مضطرب ہیں حکام سے ہی پوچھیں کہ وہ کلیسا پر مجرمانہ حملے کی تفصیلات بتائیں۔ یہ بتائیں کہ کلیسا پر گستاپو ٹائپ حملے کی کیا ضرورت تھی؟ کہا جاتا ہے کہ ایک پراسرار شخصیت کلیسا پر حملے میں ملوث تھی۔ آپ کی کیا رائے ہے اعلیٰ حضرت؟"

اس بارے میں جواب دینے کا حق میرے سیکورٹی چیف کو ہے۔" ڈیونیلیوی نے جواب دیا۔

"یہ بھی ایک اہم مسئلہ ہے اعلیٰ حضرت! ایک تقدس مآب شخصیت کو سیکورٹی فورس کی کیا ضرورت ہے؟ کیا یہ فورس مسلح بھی ہوتی ہے؟"

"دنیا احمقوں اور جنونیوں سے بھری ہوئی ہے اور اس حقیقت سے اخبار والوں سے زیادہ اور کون باخبر ہوگا۔" ڈیونیلیوی نے مسکرا کر کہا۔ "جہاں تک حفاظتی اقدامات کا تعلق ہے تو ان کی وجہ میرے سیکورٹی چیف ٹائی ٹیکر موسوت پوچھیں شکریہ خواتین و حضرات! مجھے بعض نہایت اہم کام نمٹانے ہیں، اور پھر یہ وقت میری عبادت کا ہے۔"

اسکرین پر ڈیونیلیوی کی شکل مدھم ہو گئی اور پھر اس کی جگہ ٹی وی کمنٹیٹر کے چہرے نے لے لی۔

"ڈیونیلیوی کے ناظم اطلاعات مورے وہائٹ نے اعلان کیا ہے کہ اگر جنونیوں نے دوبارہ حملہ نہ کیا تو جہاد نجات کا آغاز پروگرام کے مطابق کل رات آٹھ بجے کنونشن ہال میں ہوگا۔ اس سلسلے میں ڈیونیلیوی کے ہاتھ مضبوط کرنے کی جو اپیل کی گئی ہے اس پر قومی پیمانے پر معقول ایوانجلسٹ، شیلر کولمر ریلیجیس سلوشن آف نیشنل ریلیجس کونسل کے بھی دستخط ہیں۔ انہوں نے کلیسا پر حملے کی بھی مذمت کی ہے۔ سرکاری حلقے بھی ڈیونیلیوی کی حمایت کر رہے ہیں۔ حمایت کرنے والوں میں ماہر اقتصاد کار اور زرعی ماہرین بھی آگے آگے ہیں۔"

"ہوں۔" شینافوکی نے ایک لمبی سانس لے کر کہا۔ "یہ وہ فیصلہ ہے حال نہیں جس میں تم دلچسپی لے رہے ہو۔ ولیے نقل بھی اصل کے برابر ہے۔"

"یقیناً۔" ٹائیگر اٹھ گیا۔ مسز شینافوکی نے فوراً کوٹ اٹھا کر دیا۔ "میں اوشان تک آپ کا سلام پہنچا دوں گا۔ اب مجھے اجازت دیجیے۔ شکریہ آنٹی۔" وہ معاً ہی مسز شینافوکی کی طرف پلٹ گیا۔ "بہت بہت شکریہ۔"

●

فلی ایئر پورٹ کے قریب اپنے موٹل روم میں ٹائیگر نے تیزی سے سامان پیک کیا۔ اس دوران وہ ڈیونیلیوی کے بارے ہی میں غور کرتا رہا۔ اسے احساس تھا کہ کل رات کا پروگرام قتل عام کے آپریشن کے لیے کس قدر اہمیت رکھتا ہے۔ اس پروگرام کے بغیر قاتل متحرک نہیں ہو سکتے۔ کوئی بھی عام سا واعظ جملہ انہیں قتل و غارت گری کا کام شروع کرنے کا سگنل دے سکتا تھا۔ ڈاکٹر ٹیمکو نے جو طریقہ اختیار کیا تھا وہ بہت سود مند ثابت ہو سکتا تھا لیکن بقول اوشان یہ مکمل طریقہ نہ تھا۔ ٹائیگر نے فی الحال اسے شکاگو کے لیے اپنی نشست کنفرم کرائی۔ اس کے بعد وہ ٹھنڈے پانی سے نہایا اور سو گیا۔ کل اسے جہاد نجات کے اجتماع میں شرکت کرنی تھی۔

اسے ہر قیمت پر قاتلوں کو قتل کرنے سے اور ممکنہ مقتولوں کو قتل ہونے سے روکنا تھا ورنہ ملک پر ملک کا اقتدار اعلیٰ باقی نہیں رہ سکتا تھا۔

□

"نجات کا پیغام سنو۔ دیکھو۔ سنو، مسیح کا پیغمبر
... صرف ایک رات... سب کے لیے باعث نجات
قیامت قریب ہے... توبہ کرو یا مرجاؤ۔
لاکھوں ایمان داروں کا روحانی پیشوا، سچے
مسیح کا پیغمبر۔ جہاد شکاگو۔"

یہ اعلانات شکاگو کنونشن سینٹر کے چاروں طرف انتہائی خوب صورتی سے لگائے گئے تھے۔ ہر طرف جیز نظر آ رہے تھے۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

اور کلیسائے نجات کے معتقدین میں پمفلٹوں کی تقسیم بھی جاری تھی۔ راہ گیروں سے چندہ بھی وصول کیا جارہا تھا۔ ٹائیگر کی ٹیکسی کثیر المنزلہ عمارت کے قریب رکی تو وہ کرایہ ادا کر کے اُتر گیا۔ راستے میں سب سے پہلے مانگنے والوں کا ہجوم ملا جن کے درمیان سے وہ گزرتا ہوا مرکزی دروازے پر پہنچا۔ بہرام نے جو سامان بھیجا تھا اس میں پریس کارڈ بھی شامل تھا جس کو دکھا کر وہ ہال میں داخل ہو گیا۔ وہ جو کچھ کرنے کا ارادہ رکھتا تھا اس کے لیے وقت بہت کم تھا۔

وینولیوی کے لیے مخصوص جگہ کا جائزہ لینے سے اسے فزیکل پلان کا اندازہ بھی ہو گیا۔ سینئر اسٹاف کے کارکنوں نے جو وردیاں پہن رکھی تھیں اُن کی رنگت اور تراش خراش اس نے ذہن نشین کر لی۔ دوپہر کی خبروں سے اسے علم ہوا تھا کہ وینولیوی نے پولیس اور کنونشن سینٹر کی انتظامیہ سے مزید حفاظتی انتظامات کے لیے درخواست کی تھی اور اسے یقین دلایا گیا تھا کہ اس کے لیے ہر ممکن انتظامات کیے جائیں گے۔ ٹائیگر کے لیے ضروری تھا کہ وہ اس شام جب واپس آئے تو اس کو پہچانا نہ جا سکے۔ پولیس والے کی وردی ہی اس کا بہترین طریقہ تھی۔ جو اسے کرائے پر مل گئی تھی۔ وہاں سے روانگی سے قبل اس نے اسٹیج، پریس سیکشن اور روشنیوں کے انتظامات کا تفصیلی جائزہ لینا ضروری سمجھا۔ اگرچہ معتقدین، عبادت گزاروں اور محض تفریح کے لیے آنے والوں میں تربیت یافتہ قاتلوں کی تلاش بہت مشکل کام تھا لیکن اسے ہر حال میں یہ کام کرنا تھا۔ وہ وینولیوی کو بآسانی قتل کر سکتا تھا لیکن تمام قاتلوں کو پکڑنے سے قبل اس کا قتل منصوبے پر عمل درآمد نہیں روک سکتا تھا۔ اسے یقین تھا کہ وینولیوی اپنے خطبے کے دوران وہ فقرہ کہے گا جو قاتلوں کو متحرک کر دے گا اور ٹائیگر کو صرف اتنی ہی بات معلوم تھی۔ قاتلوں کی گرفتاری کا اصل دارومدار اس بات پر تھا کہ میری لوکاس ڈینور میں کیا کر رہا ہے۔

ٹائیگر کنونشن سینٹر سے نکل کر دوبارہ جگر رُکا۔ پہلے.. رفیٹل ریجنسی پر اور پھر لوینفارم رفیٹل آؤٹ فٹ پر، اس کے بعد وہ اپنے موٹل میں کار سے واپس پہنچا۔ وہاں کمرے میں پہنچ کر اس نے میری لوکاس کے نمبر ملائے۔ "مسٹر لوکاس تک یہ پیغام پہنچا دیں کہ مسٹر ایرواسمتھ لائن پر ہیں۔"

چند ہی لمحوں بعد میری کی آواز اسے سنائی دے رہی تھی۔ "تم کہاں ہو؟ کیا ہو رہا ہے؟" اس کے لہجے میں جھنجلاہٹ اور پریشانی تھی۔

"یہی پوچھنے کے لیے میں نے بھی فون کیا تھا۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ "کیا کلر اسکواڈ کی تلاش میں پولیس نے تعاون کیا؟"

"میری ایک لمحہ تک خاموش رہا پھر بولا۔ "ہاں، یہاں کے حالات سازگار ہیں۔ کئی محکمے تعاون کر رہے ہیں لیکن مجھ سے بار بار یہی پوچھا جا رہا ہے کہ مجھے اطلاعات فراہم کرنے والا کون ہے۔ انھیں کلیسا کے باغی سے تمھارے سستے بھی مل گئے ہیں لیکن انھوں نے سستوں کا ذکر نہ کرنے کے لیے پریس سے تعاون کی درخواست کی ہے۔ ان کی کوشش ہے کہ وینولیوی کے بارے میں انھیں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل ہو سکیں۔"

"ان فضولیات کا وقت نہیں رہا میری۔" ٹائیگر نے سخت لہجے میں کہا۔ "یہ امر یقینی ہونا چاہیے کہ پولیس کے دوسرے محکمے بھی قاتلوں کی تلاش شروع کر دیں۔ ان کے پاس تصویریں ہیں۔ ان تصویروں کی کاپیاں ایسے ہر شہر میں پولیس کے پاس پہنچنی چاہئیں جہاں وینو کے کلیسا کام کر رہے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔ کم از کم دو اخبارات تو ایسے ہر شہر میں پہنچتے ہیں۔ تصویروں کی کاپیاں پولیس کے پاس بھی ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ ہم کیا کر رہے ہیں؟"

"فکر مت کرو۔ میں اپنے انداز سے کام کرنا پسند کرتا ہوں۔"

"کیا ایم لیوی کے ساتھ ہو؟"

"نہیں، لیکن جہاد نجات نامی ڈرامے کے آغاز پر وہیں ہوں گا۔ اس کے بعد میں تمھیں فون کروں گا۔ یہ وعدہ رہا۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔

"میں کھانا کھانے کے بعد اپنے ڈیسک پر ہی رہوں گا۔" میری لوکاس نے اسے مطلع کیا۔

●

"ہاتھ میں ہاتھ دیے... ہم چلیں گے
ہاتھ میں ہاتھ دیے۔ دریا کی طرف۔"

دو ہزار آوازیں کنونشن ہال میں گونج پیدا کر رہی تھیں۔ رات کے کھانے کو تیس منٹ ہو چکے تھے اور ہال میں کلیسائے نجات کا مخصوص دعائیہ گیت شروع ہو چکا تھا۔

اگرچہ لوگوں کی تعداد زیادہ نہیں تھی لیکن پھر بھی ٹائیگر کا کام بہت مشکل تھا۔ اسے ان دو ہزار افراد میں سے صرف ایک شخص کو تلاش کرنا تھا۔ 1999 افراد بے گناہ تھے جب کہ صرف ایک شخص قاتل تھا مگر کون؟

آپ نے بہت سے سفرنامے پڑھے ہوں گے۔۔۔۔۔۔۔۔
مگر ایسی لرزہ خیز کہانی آپ پہلی بار پڑھیں گے۔
جسے اردو کے صاحبِ طرز ادیب اور الفاظ کے جادوگر
قمر اجنالوی نے اپنے مخصوص انداز میں تحریر کیا۔۔۔۔۔۔

دھرتی کا سفر

انسانی تاریخ و آثار کے پس منظر میں ایک ہولناک سرگزشت

قیمت: حصہ اوّل/-300 حصہ دوم/-300

ناشر: مکتبہ القریش اُردو بازار۔ لاہور 2

گارڈ کی یونیفارم میں ٹائیگر اسٹیج سے ایک طرف آیا۔ اس کی نظریں محافظوں کے مخصوص انداز میں دائیں بائیں دیکھ رہی تھیں۔ وہ ان دو ہزار افراد کے چہرے دیکھ رہا تھا۔ وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ ایسا کوئی بھی شخص جو روایتی لباس میں ملبوس ہو اور غیر معین حلیہ ہو، وہ مشکوک قرار دیا جا سکتا ہے لیکن ایسے لوگ بھی بہت سے تھے۔

دعائیہ گیت نصف گھنٹے تک جاری رہا پھر تین لڑکوں نے جن میں سے دو اینگلو اور ایک افرو امریکن تھا لوگوں کو خبردار کیا کہ اگر انارکسٹ قوتوں کا خاتمہ نہ کیا گیا تو دنیا تباہ ہو جائے گی۔ انھوں نے اپنی تقریروں میں شکایت کی کہ ملک میں مذہب کے نظام پر استحصال کیا جا رہا ہے۔

پھر اچانک ہی سُرخ بلوں والی ایک لڑکی نے وینولیوی کی آمد کا اعلان کیا۔

"سنو... دیکھو... مسیح کے پیغمبر کلیسائے یوم نجات سے تعلق رکھنے والے ایماندروں کے مجاہدی باپ... اعلیٰ حضرت تشریف لائے ہیں۔"

آمین آمین کے نعرے گونجنے لگے پھر تالیاں بجنے لگیں۔ لوگ خوشی سے چلانے لگے۔ روشنیاں مدھم ہونے لگیں اور جونہی اسٹیج پر سنہری اسپاٹ لائٹ میں وینولیوی کا گنجا سر اور برف جیسا سفید ٹوپ گا نظر آیا، ہر طرف خاموشی چھا گئی۔

وینولیوی نے دونوں ہاتھ اُٹھا کر لوگوں کو دُعا دی۔ اب ہال میں صرف لوگوں کی بھاری بھاری سانسوں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ صرف چند لوگ ایسے تھے جن پر "اعلیٰ حضرت" کی آمد کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ ان میں نوجوان، ادھیڑ عمر والے ایسے لوگ شامل تھے جنھوں نے اسپورٹس شرٹس اور ٹائی وغیرہ پہن رکھی تھی۔ ایوننگ ڈریس میں ملبوس چند عورتیں بھی ان میں شامل تھیں۔

ٹائیگر نے اپنی تلاش کا دائرہ ان لوگوں تک محدود کر دیا۔

"پیاری بہنو اور بھائیو!" وینولیوی کی آواز ہر طرف سے آنے لگی۔ سینٹر میں مائیکروفونوں کا نظام واقعی بہت شاندار تھا۔

"یہ وعدہ کیا گیا تھا کہ آج کی رات تمھیں ایک پیغام دیا جائے گا۔ یہ وعدہ وفا کرنے کے لیے میں یہاں موجود ہوں۔ یہ ایسا پیغام ہے جو دُنیا کو بدل ڈالے گا۔ یہ نجات کا سادہ سا اور خوب صورت پیغام ہی نہیں بلکہ وہ پیغام ہے جس کا پچھلے ہوئے مظلوم اور غریب عوام کو صدیوں سے انتظار تھا۔ میں مسیح کے آنے کا

Scanned And Uploaded By Muhammad Waleem

اعلان کرتا ہوں"

ہال میں ایسا شور مچا کہ کان پڑی آواز سنائی نہ دے رہی تھی۔ لوگ چیخنے اور نعرے لگانے لگے۔ اور بعض ایسے لوگوں کے جذبوں پر سنسنی اور بے زاری سی پیدا ہونے لگی جن پر ٹائیگر نے شک کیا تھا۔ صرف تین افراد اب بھی بے پروا تھے۔ لہٰذا ٹائیگر نے ان کا دائرہ ان تین افراد تک ہی محدود کر دیا۔ ان تین میں دس سالہ ایک نوجوان تھا جس نے سونیٹر تیلون، بھیدمتیس پہن رکھی تھی۔ اس کے گلے میں ٹائی جھول رہی تھی۔ ایک لڑکی بھی تھی جس کی عمر بیس سال سے زیادہ نہ تھی۔ جب کہ باقی تیسرا سالہ ایک ایسا شخص تھا جس کی پانی بھری آنکھیں سرخ دیکھ رہی تھیں۔

یہ تینوں ٹائیگر کو اداس اداس سے، کھوئے کھوئے سے اور عمل تنویم کے تحت لگے۔ وہ روبوٹ کی طرح لگ رہے تھے۔

"وہ بدقماشوں کا خاتمہ کرنے اور ایمان والوں کو آزادی دلانے کے لیے آرہا ہے۔" دینولیسوی کی آواز اور اونچی ہوگئی۔

اب ٹائیگر کو کوئی شبہ نہ رہا۔ پانی بھری آنکھوں والا شخص یہ جملہ سنتے ہی اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ اس نے ایک عورت جانا شروع کر دیا۔ اس کے قدم مکینکی انداز میں اٹھ رہے تھے۔ ٹائیگر بھی اس کی طرف جانے کے لیے اپنی جگہ سے ہٹ گیا۔ دونوں کا آمنا سامنا ایک دروازے پر ہوا۔ پانی بھری آنکھوں والے نوجوان کا چہرہ سپاٹ اور زرد تھا۔ اس نے ٹائیگر کی طرف دیکھا تک نہیں بلکہ آگے بڑھ گیا۔ ٹائیگر اس کے پیچھے پیچھے تھا۔

نوجوان اب سینٹر سے نکل کر ایک چھوٹی سی کار کی طرف جا رہا تھا۔ اس نے کار کا دروازہ کھولا۔ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا۔ اسی دوران ٹائیگر نے بھی اپنی کار سنبھال لی جو نوجوان کی کار سے محض دس گز دور کھڑی ہوئی تھی۔ وہ اس نوجوان کو پہچان چکا تھا کیونکہ اس نے قاتلوں کی تصویریں اور ان کے نام دینولیسوی کے کمرے سے ملنے والی فہرست میں دیکھ لیے تھے۔ یہ لیری رے تھا۔ اس کا نام جاننے کے لیے ٹائیگر کو وہ تصویریں ذہن میں تازہ کرنی پڑی تھیں جو اس نے دینولیسوی کے ریکارڈ میں دیکھی تھیں۔ اس حقیقت میں کوئی شبہ نہ تھا کہ یہ معصوم سا چہرہ دراصل ایسے قاتل کا چہرہ ہے جسے عمل تنویم کے ذریعے قاتل بنایا جا رہا ہے۔

ٹائیگر کی گاڑی اب لیری رے کی کار کے پیچھے تھی۔ قاتل اور مقتول کے درمیان ہر گزرتے ہوئے لمحے، فاصلہ کم ہوتا جا رہا تھا اور صرف ٹائیگر ہی اہم شخصیات کے قتلِ عام کا آغاز روک سکتا تھا۔

تب ہی ٹائیگر کو یہ احساس ہوا کہ عمل تنویم کے ذریعے معمول کو کوئی کام کرنے پر اکسایا تو جا سکتا ہے لیکن اسے عقل نہیں دی جا سکتی۔ وہ لیری رے کو ایسا راستہ اختیار کرتے ہوئے دیکھ رہا تھا جو اس کے شکار تک سیدھا جاتا تھا اور رے کسی قسم کی احتیاطی تدابیر بھی اختیار نہیں کر رہا تھا۔ اس کی منزل شکاگو کے باہر مضافات میں ڈیر فیلڈ کے قریب تھی۔ ڈیر فیلڈ کے نواح میں پہنچ کر لیری رے نے اپنی گاڑی روکی، بتیاں گل کیں اور کار سے اتر گیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا کیس تھا جس کو بونٹ پر رکھ کر اس نے کھولا تو ٹائیگر کو اپنی گاڑی سے، کیس میں لکڑی کے تین ٹکڑے رکھے ہوئے نظر آ گئے۔ لیری رے کے ہاتھ اب تیزی سے کام کر رہے تھے۔ اس نے ان تینوں ٹکڑوں کو جوڑا تو وہ بلو پائپ بن گئے۔ اس نے ٹیوب میں لمبا اور پتلا ٹکڑا ڈالا جس کے نیچے کاٹن بال لگی ہوئی تھی۔ ایسے ہی دو ٹکڑے اس کے ہاتھ میں بھی تھے۔ لیری رے نے بلو پائپ بہت احتیاط سے پکڑا اور پھر سامنے والے مکانوں کی قطار میں تیسرے مکان کی طرف چل دیا۔ اس کے قدم ایک خاص رفتار سے اٹھ رہے تھے۔ ٹائیگر بھی کار سے اتر کر اس کے پیچھے چلنے لگا۔ اس نے اتنی احتیاط پیش نظر رکھی تھی کہ قدموں کی آہٹ پیدا نہ ہو سکے۔ اس کے بائیں ہاتھ میں ایلومائٹی جبکہ دائیں ہاتھ میں ۴۵ کا بٹ دبا ہوا تھا جس کی نال پر سائلنسر کا پیچ تھا۔

آہستہ آہستہ دونوں کے درمیان فاصلہ کم ہونے لگا۔ دونوں آگے پیچھے ایک گیٹ اور پھر لیٹر بکس کے قریب سے گزرے۔ ایک طرف ستون پر لکھا تھا "ہیسٹن"۔

"والٹر ہیسٹن" ٹائیگر نے ذہن پر زور دیا اور اس نے یہ اندازہ لگانے میں کوئی غلطی نہ کی کہ یہ مکان ملک کی سب سے بڑی مزدور انجمن کے نائب صدر والٹر کا ہے۔ جس کے بارے میں یہ افواہیں گشت کر رہی ہیں کہ وہ پندرہ روز میں انجمن کی قیادت سنبھالنے والا ہے۔ سوال یہ تھا کہ کیا والٹر کے علاوہ وجود صدر بھی قاتلوں کا ہدف ہے؟

ایک لمبا دار ڈرائیو، سڑک سے والٹر ہیسٹن کے مکان کے اندر جا رہی تھی۔ لیری رے اسی ڈرائیو پر چل رہا تھا۔ ٹائیگر بھی اسی راستے پر تھا لیکن پھر وہ حیرت سے واقعی گنگ سا ہو گیا۔

والٹر کے دروازے پر چوکیدار ہونے لگا۔ یہ چوکیدار لیری رے ہی پھینک رہا تھا۔ اس وقت اس کے اور دروازے کے درمیان پچاس فٹ کا فاصلہ تھا۔ لیری رے نے پھیراؤ کرنے سے قبل خود کو اچانک ایک جھاڑی میں چھپا لیا تھا۔

ایک پتھر کھڑکی کے شیشے پر لگا اور شیشہ زوردار چھناکے کے ساتھ ٹوٹ گیا۔ اس کے ساتھ ہی لیری رے گالیاں دینے لگا۔

ٹائیگر سر ہلانے لگا۔ لیری رے سے سرزد ہونے والی یہ حماقت دراصل ایک نفسیاتی حربہ تھی۔ والٹر ہیسٹن کسی لڑکے کی ایسی شرارتوں پر پولیس کو طلب نہیں کر سکتا تھا۔ اس میں اس کی سبکی ہوتی۔ وہ اس قسم کی اشتعال انگیزی سے خود ہی نمٹ سکتا تھا... اور غالباً یہی حکمت عملی بھی تھی کہ والٹر ہیسٹن خود سامنے آجائے۔

اسی لمحے مکان کا ایک دروازہ کھلا اور دھان ہو جاؤ ٹے ایک گرجدار آواز سنائی دی جو یقیناً والٹر ہیسٹن کی تھی۔ آواز میں رعب بھی تھا اور وقار بھی۔ اس نے رنگدار جیکٹ پہن رکھی تھی۔ فلالین کی ٹراؤزر اور سلیپر میں وہ دروازے پر کھڑا ہوا تھا۔ روشنی اسی پر پڑ رہی تھی۔

لیری رے نے اسی لمحے اپنا بلو پائپ اٹھا کر نشانہ لیا لیکن وہ پھونک نہیں مار سکا کیونکہ ایسا کرنے سے بے ہوش کر دینے والی ڈارٹ تیزی سے نکلی تھی اور لیری رے کے جسم میں کسی جگہ پیوست ہو گئی تھی۔ ساتھ ہی اعشاریہ ۴۵ بھی حرکت میں آیا تھا۔

ڈارٹ، لیری رے کے کندھے میں پیوست ہوئی تھی۔ جس سے زوردار جھٹکا لگا تھا اور لیری کے جسم میں اینٹھن پیدا ہونے لگی تھی، پھر ۴۵ کی گولی اس کی پسلی میں گھس کر گھومتی ہوئی اور پھیپھڑوں تک پہنچ کر رک گئی تھی تاہم اس کے اس تباہ کن سفر کے دوران پھیپھڑے تباہ ہو گئے تھے اور ایسا ہی ہوا تھا جیسے کسی نے کھیت میں ہل چلا دیا ہو۔ گولی کا سفر محض ایک سیکنڈ کے ایک لاکھویں حصے کے لیے رکا تھا۔ اس کے بعد وہ جگہ بنا کر دل میں گھس گئی تھی۔

لیری رے دھم سے گرا تو والٹر ہیسٹن چلا اٹھا "کیا ہو رہا ہے؟"

"مسٹر ہیسٹن!" ٹائیگر نے انتہائی سخت لہجے میں کہا۔

نامور مصنف ایم۔ الیاس۔ کے شہکار
قلم سے ایک اچھوتی کہانی
ذلیل
خوبصورت سرورق عمدہ پرنٹنگ کتابت
قیمت =\150 روپے

"اندر واپس جا کر لائٹ آف کر دیں۔ تین کچھ دیر بعد آپ کو تفصیلات بتا دوں گا۔"

۞

نصف گھنٹے بعد والٹر ہیسٹن اپنے شاندار ڈرائنگ روم کے صوفے پر بیٹھا ہوا تھا۔ بار سر جھکے رہا تھا۔

"ناقابل یقین۔" اس نے کہا پھر ایک سگار سلگا کر ڈبا ٹائیگر کی طرف اچھال دیا جو ٹائیگر نے واپس میز پر رکھ دیا۔

"ناقابل یقین... حیرت انگیز۔" والٹر نے سگار کا کش لے کر کہا۔ "تم کہتے ہو کہ روسی اس سازش کے پس پشت ہیں۔ دینولیسوی اور اس کے ساتھی ان قاتلوں کے لیے پردہ ہیں جو ساٹھ سے زیادہ اہم افراد کا خاتمہ کرنے کے مشن پر ہیں۔ کمال ہے۔ لیکن اس کی اطلاع ٹی وی والوں کو دینی ہوگی تاکہ..."

"نہیں۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ "یہ ممکن نہیں۔ اس طرح قاتل ہوشیار ہو جائیں گے اور دینولیسوی بھی پوری طرح بے نقاب نہیں ہو سکے گا۔"

"کمال ہے۔" والٹر پھر سر جھکنے لگا۔

"جی ہاں! اب آپ نے اپنے ممکنہ قاتل کی لاش دیکھ لی ہے، اور میں جانتا ہوں کہ مزید قاتلوں کی منظم انداز میں تلاش بہت مشکل ثابت ہوگی جو مختلف شہروں میں پھیلے ہوئے ہیں فی الحال میرے منصوبے پر عمل کریں بصورت دیگر قاتلوں کو الرٹ کر کے ختم کرنا مشکل ثابت ہوگا۔ کیا آپ مجھ سے تعاون کریں گے؟"

والٹر ہیسٹن نے بھرا ہوا گلاس اٹھا کر منہ سے لگا لیا۔ اسے حیرت تھی کہ سامنے بیٹھا ہوا نوجوان ذہنی توازن کو نہیں کھو رہا ہے اور نہ مے نوشی۔ وہ نکور سے نوجوان کو دیکھتا رہا جو اسے اس

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

وقت بہت ہی اچھا لگ رہا تھا۔

"تمہارا تعلق کس ایجنسی سے ہے؟"

"سوری... یہ راز ہے۔" ٹائیگر نے ہنس کر جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔" والٹر نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "جو چاہو کرو لیکن لاش کا کیا ہوگا؟"

"لیبر پالیٹکس میں اتنے بڑے منصب پر موجود ہونے والا شخص لاش کا کچھ نہ کچھ ضرور کر سکتا ہے۔" ٹائیگر نے چبھتے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

والٹر جینسن بہت دیر بعد ہنسا۔ "ٹھیک ہے نوجوان! ٹھیک۔ مشن گن جیسی چھبیلی بہت سی ہیں۔"

●

"سمجھ گئے ٹیری۔" ٹائیگر ٹیری لوکاس سے فون پر بات کر رہا تھا۔ "شکاگو کے اخبارات میں یہی خبر ہونی چاہیے کہ ممتاز ترین مزدور رہنما والٹر جینسن اچانک شدید علیل ہو گئے تھے اور انھیں صدر آف مرسی اسپتال میں داخل کرا دیا گیا تھا۔ نصف شب کے بعد ڈاکٹروں نے ان کی موت کا اعلان کر دیا۔"

"تمہارا دماغ خراب ہے۔ یہ جھوٹ فوراً طشت از بام ہو جائے گا۔" ٹیری لوکاس نے جھلا کر کہا۔

"نہیں، والٹر تعاون کر رہا ہے۔ وہ اس وقت تک کسی کے سامنے نہیں آئے گا جب تک ہم اسے سگنل نہ دیں۔ سب کچھ طے ہے۔ تم اپنا کام کرو۔ جب یہ خبر ٹیلی پرنٹروں پر آئے گی تو دوسرے شہروں کی پولیس بھی تعاون کرنے پر آمادہ ہو جائے گی اور ہاں۔ قاتلوں کی تلاش میں کوئی کامیابی ہوئی؟"

"ہاں! دو کو ویسٹ کوسٹ پر اور ایک کو ڈی سی میں پکڑا گیا ہے۔ خوش قسمتی نے ساتھ دیا تو دو روز میں مزید قاتل پکڑے جائیں گے۔ اب تمہارا کیا پروگرام ہے؟"

"میں نجات کی راہ پر چلے گزشتہ رہوں گا۔ دوست۔" ٹائیگر نے مسکرا کر جواب دیا۔ "وینولیوی کے اتنے قریب رہوں گا کہ اس کی سانس کی آواز بھی سنتا رہوں۔"

[5]

"ملک کے ممتاز مزدور رہنما والٹر جینسن پُراسرار طور پر ہلاک ہو گئے۔ سرکاری طور پر تفتیش شروع ہو گئی۔"

اخبارات کی سرخیاں یہی تھیں۔

"ایسی مزید سرخیاں روزانہ دیکھنے کو ملیں گی۔" مورے وہائٹ نے قہقہہ لگا کر کہا اور اخباروں کا بنڈل ایک طرف ڈال دیا۔ "حالات ہمارے حق میں ہیں۔"

"یقیناً کامریڈ۔" ٹاٹی بھی خوش تھا۔ "آج رات دوسرا ہلاف پورا ہو جائے گا۔ کوریٹا کیسر ایک عرصے سے تکلیف دہ ثابت ہو رہی تھی۔ اس بار تم اس کا قصہ تمام کر دیں گے۔ ذرا سا انتظار کرو۔ نیویارک پہنچنے کے بعد والٹر اسمتھ اور سری کرونک کا فیصلہ بھی نمٹ جائے گا۔ یہ دونوں ایک عرصے سے ہمارے خلاف خبریں ٹیلی کاسٹ کرتے رہے ہیں۔"

"تم پیسے ہوئے ہو۔"

"غلط کامریڈ وہائٹ۔ میں اُڑ رہا ہوں۔ آج کی رات کے اجتماع میں ہی مجھے اُڑوں گا۔ تم فکر مت کرو۔ میں لیبر کی کامیابی کا تابندہ مینار ہا ہوں۔"

"مگر لیبر ہے کہاں؟"

"کامریڈ لینکون نے ایسے تمام لڑکوں اور لڑکیوں میں عمل سے ذریعے ایسا نظام بنا دیا ہے کہ وہ کام مکمل کر کے خود کشی کر لیں۔ اس طرح قاتل ہی زندہ نہیں رہے گا اور ہمارے خلاف کوئی کچھ نہیں اُگل سکے گا۔"

"زیادہ جوش میں نہ آؤ ٹاٹی۔" وینولیوی نے اپنے وسیع و عریض بیڈ میں لیٹے لیٹے حکم دیا۔ اس وقت وہ اپنے خط کا مطالعہ کر رہا تھا جو انڈیانا پولس اور انڈینر کے سامنے دینا تھا۔ "اب تم کچھ نہیں پیو گے۔"

"ضرور! نہیں پیوں گا۔" ٹاٹی نے جھوم کر جواب دیا۔

"یہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ ہم نے کولمبین انجمل کی اسے مقبول بنایا اور لاکھوں ڈالر کا منافع حاصل کیا لیکن اب ہمارا ہی ایک ساتھی اس کا عادی ہو گیا ہے۔" مورے وہائٹ نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"تمہارا دماغ تو خراب نہیں۔ کم ذات۔" ٹاٹی برہم ہو گیا۔ اس کے تیور خطرناک تھے۔

"بس۔" وینولیوی نے چلا کر حکم دیا۔ "اگر تم دونوں مشن کی تکمیل کے بعد ایک دوسرے کے گلے بھی کاٹ ڈالو گے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہو گا لیکن اس مرحلے پر میں یہ جھگڑے برداشت نہیں کر سکتا۔ سمجھ گئے۔" وینولیوی واقعتاً غصے سے کانپ رہا تھا۔ وہ دونوں سر ہلاتے ہوئے اُٹھ گئے۔ مورے وہائٹ کی آنکھوں میں اب بھی غصے کی چمک تھی۔ دونوں ساتھ ہی باہر نکلے اور لفٹ کے قریب پہنچ کر وہائٹ، ٹاٹی کی طرف دیکھ کر بولا۔ "کیا تمہیں علم ہے کہ سوویت یونین میں منشیات کے استعمال کی

سزا ہے کامریڈ ٹاٹی؟" اس کا لہجہ زہریلا تھا۔

ٹاٹی اسے ٹکر ٹکر دیکھتا رہا۔ اس نے کوئی جواب نہ دیا۔

"منشیات استعمال کرنے والوں کو وہ ختم کر دیتے ہیں، اور میں اس سزا کو یاد رکھتا... اگر میں تمہاری جگہ ہوتا۔"

[6]

"وہ بدتمیزوں کا خاتمہ کرنے اور ایماندار لوگوں کو آزاد کرانے کے لیے آ رہا ہے۔"

یہ جملہ وینولیوی کے خطبے میں پھر آیا۔ ٹائیگر اس وقت بھی گزشتہ شب کے تجربے سے فائدہ اُٹھا رہا تھا۔ اس نے گارڈ کی یونیفارم پہن رکھی تھی۔ اس کی نظروں کئی افراد پر ٹھہریں، پھر اس کی آنکھیں صرف ایک لڑکی پر مرتکز ہو گئیں۔ ایک سیاہ فام لڑکی عقبی قطار سے اُٹھی اور قریبی دروازے کی طرف جانے لگی۔ عام حالات میں یہ لڑکی بہت خوب صورت لگتی لیکن اس وقت وہ جھجکتی ہوئی تھی۔ اس کا جسم ذرے ذرے جھکا ہوا تھا اور وہ مشینی انداز میں چل رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں بھی روبوٹ جیسی چمک تھی۔

لڑکی نے باہر نکل کر ٹیکسی روکی اور عقبی نشست پر اس طرح دھنس گئی جیسے بہت تھکی ہوئی ہو۔ ٹائیگر نے بھی دوسری ٹیکسی روک لی۔ وہ تیسی سیکنڈ تک اپنے ڈرائیور کو دوسری ٹیکسی کا تعاقب کرنے پر آمادہ کرتا رہا لیکن پھر اسے سو سو کے تین نوٹ دینے ہی پڑے۔ ڈرائیور نے بڑی پھرتی سے گاڑی آگے بڑھا دی اور جلد ہی لڑکی والی ٹیکسی انھیں نظر آ گئی۔ "اب ٹھیک سے تعاقب کرنا ورنہ نوٹ واپس لے لوں گا۔" ٹائیگر نے غرا کر کہا۔

کوریٹا کیسر اپنے شوہر کے کام کو آگے بڑھانے کے لیے انڈیانا پولس آئی تھی۔ اس کا خاوند ریلوے ورکرز ہارمن کیسر اپنی موت سے قبل شہری حقوق کی تحریک کا ممتاز ترین لیڈر تھا۔ ہارمن کیسر کے مخالفین کا کہنا تھا کہ وہ جب بھی کہیں جاتا ہے فضا خون اور تشدد کی بو سے خراب ہو جاتی ہے لیکن یہ بات اس دور کی تھی جب ہر طرف تشدد ہی کا راج تھا۔ اب حالات مختلف تھے۔ مارٹن لوتھر کنگ کی عدم تشدد کی تحریک کا اثر ہونے لگا تھا۔ لہٰذا کوریٹا کیسر کو بھی ہر جگہ تکریم کی نظر سے دیکھا جانے لگا تھا۔ وہ شہری حقوق کی جنگ کی مجاہدہ تھی... اس کا رنگ کالا تھا۔

کوریٹا کیسر کے پروگرام کے مطابق اسے اگلی شام سوک سینٹر کے باہر ایک عظیم الشان ریلی سے خطاب کرنا تھا۔ وہ بہت

شیوسینا چالیس قسطوں میں
دہشت گرد
چاہ بابل
دیوتاؤں کے شہر بابل کی کہانی
جسے مصنف نے 35 سال کی ریسرچ کے بعد قلمبند کیا۔
360 صفحات
قیمت -/400
ناشر: مکتبہ القریش
اردو بازار لاہور

خوش تھی اور اسے یقین تھا کہ اس ریلی کی پریس کوریج بھی بہت شاندار ہو گی۔

"حالات بہت بہتر ہو گئے ہیں ہارمن۔" اس نے خالی کمرے کی دیواروں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

اسی لمحے دروازے پر دستک ہوئی تو وہ چونک اُٹھی۔ اس نے اُٹھ کر دروازہ کھولا تو ایک سیاہ فام لڑکی نظر آئی۔ اس لڑکی کی آنکھوں میں عجیب سی چمک اور چہرے پر اجنبی سا تاثر تھا۔ ہاتھ اس طرح اُٹھا ہوا تھا جیسے وہ دوبارہ دستک دینا چاہتی ہو مگر اچانک ہی وہ لڑکھڑائی۔ اس کا سر زور سے ہلا اور پھر وہ ایک طرف گر گئی۔ اس کے بائیں پہلو سے خون اُبل رہا تھا۔

کوریٹا چیخنے ہی والی تھی کہ ایک نوجوان جس کے چہرے پر طمانیت

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

تھی، پستول لیے ہوئے نمودار ہوا۔

"میرے خدا!" کورٹیا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ "تشدد پھر شروع ہو گیا!"

●

ٹائیگر نے ونیولیوی کے مُرید فاش... یافتہ کا تعاقب بلنگ ڈیل تک کیا تھا۔ انتہائی ہوشیاری سے کام لیتے ہوئے وہ اس طرح اس کے قریب رہا تھا کہ دونوں ایک ہی لفٹ میں پہنچے تھے۔ اس نے لڑکی کو فلور تھری دباتے ہوئے بھی دیکھ لیا تھا۔ لہٰذا وہ ایک فلور نیچے ہی اتر گیا اور جونہی لفٹ اوپر جانے لگی وہ اس طرح سیڑھیوں پر چڑھنے لگا جیسے اڑ رہا ہو۔ اس نے لفٹ کو شکست دے دی اور جب وہ بالائی منزل کے ایک ستون کی آڑ لے رہا تھا تو تب ہی لفٹ وہاں پہنچی تھی۔ لفٹ کا دروازہ کھلا اور لڑکی سیدھی ایک کمرے کے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ لڑکی نے دروازے پر دستک دینے کے لیے ہاتھ بلند کیا تو وہ اس کے قریب والے ستون تک پہنچ گیا۔

اسی لمحے دروازہ کھلا اور ایک دراز قامت ضعیف عورت آئی جسے دیکھتے ہی لڑکی کا دوسرا ہاتھ بھی بلند ہوا۔ اس ہاتھ میں زہریلی سوئی تھی۔

اب ٹائیگر کے پاس لپکنے اور لڑکی کو دبوچ کر بے بس کر دینے کا وقت نہیں تھا۔ اس نے لمحۂ ضائع کیے بغیر ۹ م نکال کر گولی چلا دی۔ بند راہداری میں سائیلنسر کے باوجود ہلکا سا دھماکہ ہوا اور لڑکی ایک طرف گر گئی۔ ٹائیگر تیزی سے لاش تک پہنچ گیا۔ اس نے جھک کر لڑکی کے ہاتھ میں دبی ہوئی لمبی سی سوئی اٹھا لی اور پھر اٹھتے ہوئے اس کی نظریں ضعیف خاتون کی نظروں سے ملیں۔ وہ عورت زیرِ لب کچھ کہہ رہی تھی۔

"مسٹر کیسر... کورٹیا کیسر..." ٹائیگر نے سپاٹ لہجے میں عورت کو مخاطب کیا۔ "یہ لڑکی آپ کو قتل کرنے کے لیے بھیجی گئی تھی۔"

"میں...؟"

"اندر چلیں۔" ٹائیگر نے لڑکی کی لاش کمرے میں گھسیٹتے ہوئے کہا۔ "مجھے آپ سے چند انتہائی ضروری باتیں کرنی ہیں۔"

۞

"شہری حقوق کی ممتاز علمبردار خاتون ہوٹل کے کمرے میں مُردہ پائی گئیں۔"

"کلیولینڈ۔ ٹائر کمپنی کے مالک بائیڈور ڈگی پراسرار موت۔"

"اسٹیل کمپنی کے چیئرمین کی لاش کمرے سے برآمد۔"

"حکام نے آج انکشاف کیا ہے کہ پرنسٹن یونیورسٹی کے ماہرِ تعلیم ڈاکٹر ٹومیز کو ایک ایسے زہر سے قتل کیا گیا جس کے بارے میں فوراً کوئی تجزیہ کرنا ممکن نہ تھا۔ اے ٹی وی لیگ کے ہر دل عزیز صدر نے انتہائی کرب کے عالم برداشت کیے لیکن تڑپ تڑپ کر جان دے دی۔"

۞

"شاندار۔" نیری لوکاس نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "اب تک سب کچھ منصوبے کے مطابق ہو رہا ہے لیکن ہم آخر کب تک ان اموات کی حقیقت چھپانے میں کامیاب رہیں گے۔" وہ ٹیلی فون پر ٹائیگر ہی سے گفتگو کر رہا تھا۔ ٹائیگر اس وقت فلاڈلفیا میں تھا۔

"اس وقت تک، جب تک تم کامیابی سے اپنا کردار ادا کرتے رہو گے میری۔" ٹائیگر نے چہک کر جواب دیا۔ "ایک کے بدلے ایک کے فارمولے پر عمل کرتے ہوئے ہمیں چھ بچتے لگیں گے لیکن مجھے شک ہے کہ اس سے قبل ہی کوئی خبر لیک ہو جائے گی۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو۔ پولیس ہم سے بہت زیادہ تعاون کر رہی ہے لیکن بعض افسر یہ پوچھتے رہتے ہیں کہ قاتلوں کو کون ہلا رہا ہے اور اب اس بارے میں مجھ پر ان کا دباؤ بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ اب بھلا میں انھیں کیا بتاؤں؟"

"فی دی والوں کی طرح بار بار یہی کہتے رہو کہ انکشافات کے لیے انتظار فرمائیں۔" ٹائیگر نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر جواب دیا۔ "میں ہی کہہ کر انھیں ٹالنے کی کوشش کرتا رہتا ہوں، لیکن تم بھی ذرا ان باتوں کا احساس کرو۔"

"کر رہا ہوں دوست۔" ٹائیگر نے کہا۔ "لیکن ہیں یہ ڈراما ابھی مزید چند روز تک چلانا ہوگا۔ پولیس کی کارکردگی کیا رہی؟"

"انھوں نے ڈسٹرکٹ بلیک سینڈ را میں مزید سات افراد کو پکڑا ہے۔ تم نے جو تصویریں فراہم کی تھیں ان کی وجہ سے پولیس کو بڑی مدد مل رہی ہے۔ تم اپنا کام بے فکر ہو کر جاری رکھو، میں ایک اور ضروری کام نمٹانے جا رہا ہوں۔"

●

"قومی دارالحکومت سے ایک حیرت انگیز خبر موصول ہوئی ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے محکمۂ انصاف دور قدیم کی روایت پر عمل کر رہا ہے اور اس نے کئی افراد کو وارنٹ یا چالان کے بغیر گرفتار کر رکھا ہے۔ یہ اقدام سپریم کورٹ کی حالیہ رولنگ کے منافی ہے۔ دارالحکومت کے حکام نے اشارہ دیا ہے کہ ایسی

گرفتاریوں کا قتل کی حالیہ وارداتوں سے بہت قریبی تعلق ہے۔"

"فکر مت کرو دونیولیوی۔" مورے وہاٹ نے لیوی کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔ "اس کا کبھی نہ کبھی تو انکشاف ہونا ہی تھا۔" ونیولیوی بڑی بے چینی سے بالٹی مور ہوٹل کے کمرے میں بڑی بے چینی سے ٹہل رہا تھا۔

"نیویارک بہت بڑا شہر ہے مورے۔ کیا اس کیس میں کسی کی طرح ہمارا نام آیا ہے؟" ونیولیوی نے پوچھا۔

"ہرگز نہیں۔ گرفتار ہونے والے پانچ افراد نے خودکشی کر لی ہے اور یہ ہمارے حق میں بہت بہتر ہوا۔ اب مجھے احساس ہوا کہ لینکوف کا آئیڈیا کتنا شاندار ہے۔ اگر باقی بھی خاموش رہیں یا سب کچھ بھولے رہیں تو پھر ہمیں کبھی کوئی پریشانی نہیں ہوگی پھر خواہ کچھ بھی ہو ہمارے منصوبے پر عمل جاری رہے گا۔ ویسے بھی ہمارے منصوبے کا آخری مرحلہ شروع ہو گیا ہے اور سب کچھ بہت جلد ہی حاصل کر لیں گے۔ اب صرف مغربی ساحلی علاقوں کا مشن باقی رہ گیا ہے۔ وہاں کے دورے میں سات منٹ حل ہو جائے گا اور پھر ہم رقم آپس میں تقسیم کر لیں گے۔ کسی دُور دراز علاقے میں رہ کر عیش کریں گے اور جونہی منصوبہ طشت از بام ہوگا ہم ماسکو میں ہوں گے۔"

"لیکن یہ بھی تو سوچو کہ جو شخص ہمارے پیچھے پڑا ہوا ہے اس نے پولیس کو ہمارا ریکارڈ فراہم کیا ہے۔ حالات زیادہ خراب نہ ہو جائیں مورے، میرے دوست۔" ونیولیو خوفزدہ تھا۔

"تم اس دوران تفریح کرتے رہے ہو عظیم لیڈر۔" مورے کا لہجہ انتہائی سخت تھا اور آنکھیں غالباً غصے سے سلگ رہی تھیں۔ "اب وقت آ گیا ہے کہ تم اچھے کامریڈ کی طرح احکام پر عمل کرو۔ ہمیں ہر قیمت پر منصوبہ مکمل کرنا ہے اور تم وہی کرو گے جس کا حکم ملا ہے۔ ہمیں اب کوئی بھی نہیں روک سکتا۔"

۞

"وہ بدقماشوں کو ختم کرنے اور ایمانداروں کو نجات دلانے کے لیے آ رہا ہے۔"

راک فیلر سینٹر میں جمع ہونے والے لوگ خوشی سے رقص کرنے لگے۔ اس دوران ٹائیگر نے ایسے نوافراد کو تلاش کیا جن کی حرکتیں مشینی انداز جیسی تھیں۔ وہ روبوٹ ہی لگ رہے تھے۔ وہ ایک لمحے کے لیے بوکھلا گیا کیونکہ وہ نو کے نو

بغداد کی رات

قمر اجنالوی

الف لیلیٰ کی ایک ہزار راتوں سے زیادہ حسین و رنگین رات، دجلہ اور نیل کے دامنوں میں لپٹی ہوئی رات، جسے بے ثما کتابوں کے حوالوں سے آراستہ کیا گیا ہے

1200 سے زائد صفحات | قیمت -/600

ناشر: مکتبہ القریش
اردو بازار لاہور

باہر کی طرف جا رہے تھے تاہم اسے یہ دیکھ کر عجیب سی طمانیت ہوئی کہ نیویارک پولیس کے اہلکار بھی جن کے ہاتھوں میں تصویریں تھیں ان لوگوں پر نظر رکھے ہوئے تھے۔ یہ پولیس افسر بھی اب ایک خاص انداز اور ترتیب سے باہر نکل رہے تھے پھر اچانک ہی سات افراد کو پولیس والوں نے دبوچ لیا۔ صرف دو نکل کر بھاگ سکے۔ یہ دونوں ایک ساتھ فرار ہوئے تھے اور ٹائیگر ان کے پیچھے تھا۔

●

ٹائیگر کو ڈیلٹا ایئر لائنز میں سیٹ بیلٹ باندھتے ہوئے عجیب سی تھکن کا احساس ہوا۔ وہ اب تک ونیولیوی کے تیئیس افراد کو اپنے ہاتھوں سے قتل کر چکا تھا... ادھر ہڈسن کا کہنا تھا کہ پولیس، ایف بی آئی اور محکمۂ انصاف کی اس خصوصی برانچ نے جس کا سربراہ ڈان گرگس تھا، ان کے سوا تمام قاتلوں کو پکڑ لیا تھا۔ اب ٹائیگر کو اُمید تھی کہ وہ باقی تین کو بھی میامی میں قتل کر سکے گا۔

۞

لیکن اورنج باؤل ہال میں جہاں ونیولیوی نے اپنا "خطبہ" دیا تھا تین افراد نہیں تھے۔ ٹائیگر نے ونیولیوی کے ایک خاص جلسے پر ایک بن مانس نما، بھدا، آنکھوں والے ایک شخص کو ہال سے نکلتے ہوئے دیکھا جس کی چال مکینکی لگ رہی تھی۔ وہ چوپدڑی

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

سی کار میں بیٹھ کر فلوریڈا فارم زدکرنو کے ایک ممتاز ترین رہنما کی رہائش گاہ کی طرف جا رہا تھا۔

لیکن اس زیرِ تربیت قاتل نے کسی کو قتل کرنے کی بجائے ڈیڈ کاؤنٹی جیل میں خود کو پایا۔ اسے وہ پولیس والے پکڑ کر لائے تھے جو ناکہ بندی کر کے کاروں کی تلاشی لے رہے تھے۔ ان کے پاس ونیولیوی کے ان معتقدوں کی تصویریں تھیں جنھیں قاتل بنا دیا گیا تھا۔ اس کی گرفتاری دیکھ کر ٹائیگر نے اپنا ارادہ بدل دیا کیونکہ اسے یقین تھا کہ یہ شخص بھی کچھ بتانے کی بجائے جلد ہی خودکشی کرلے گا... لہٰذا اس نے باقی دو قاتلوں کی طرف توجہ کی اور دوسرے ہی روز ونیولیوی کے اجتماع میں اسے ایک اور قاتل مل گیا۔ یہ پال کولمز تھا جو ایک ممتاز صنعت کار کے گھر میں گھس کر اسے قتل کرنے کے ارادے سے ہال سے نکلا تھا لیکن ٹائیگر نے صنعت کار کے پائیں باغ میں ہی اسے جا لیا تھا۔ پال کولمز نے ذرا سی مزاحمت کی تھی اور پھر اپنی گردن تڑوا بیٹھا تھا۔

ٹائیگر اس کے خود آبد اُلملانا روانہ ہو گیا کیونکہ ونیولیوی بھی اگلے روز وہاں خطبہ دینے والا تھا۔

●

نیو آرلینز، ہوسٹن، سان انتونیو اور مغرب کے تمام لیونٹس قاتلوں سے پاک ہو چکے تھے۔ اب صرف اُلملانا باقی تھا۔ یہاں آخری ایکٹ ہونے والا تھا۔ یہ بات ٹائیگر کو اچھی طرح معلوم تھی۔ وہ معتقدین کے اجتماع میں شامل تھا اور اس کی آنکھیں لوگوں پر مرکز تھیں۔ اسے سپاٹ چہرے والے اور مکینکی انداز میں چلنے والے کسی شخص کی تلاش تھی اور وہ ونیولیوی کے اسی خاص حلقے کا منتظر تھا۔

"وہ بدقماشوں کو سزا دینے اور ایمانداروں کو نجات دلانے کی خاطر آ رہا ہے۔"

اسی لمحے دو افراد ایک ساتھ اُٹھے۔ ان میں ایک بہت خوب صورت لڑکی تھی جب کہ دوسرا تیس چوبیس سالہ ایک لڑکا تھا۔ دونوں مختلف دروازوں سے نکلے اور پھر یک جا ہو گئے۔ انھیں علم نہیں تھا کہ موت کا ہرکارہ ان کے تعاقب میں ہے۔

ان کی ٹیکسی نے انھیں میرٹ ہوٹل کے سامنے اُتار دیا۔ جب تک ٹائیگر وہاں پہنچا لڑکا کانیزی سے ایک طرف چلا گیا اور جب ٹائیگر وہاں پہنچا تو اسے صرف لڑکی ہی نظر آئی جو کافی شاپ میں بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کی نظریں لفٹ پر جمی ہوئی تھیں۔ (لڑکا غائب تھا۔

ٹائیگر نے اپنے جسم میں اینٹھن سی محسوس کی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ اسے گھبراہٹ محسوس ہو رہی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے پورے جسم میں آگ سی لگی ہوئی ہو۔ وہ بے سوچے سمجھے لڑکی کی طرف بڑھ گیا۔ اسے دیکھتے ہی لڑکی کی آنکھوں میں شناسائی کی چمک نمودار ہونے لگی، لیکن یہ چمک ٹائیگر کے لیے نہیں تھی۔ ٹائیگر کے عقب میں اسی لمحے لفٹ آ کر رُکی تھی جس سے لوگ اُتر رہے تھے۔ ٹائیگر نے پلٹ کر دیکھا اور پھر سکون کی سانس لی۔ اس نے ممکنہ مقتول کو زندہ دیکھ لیا تھا۔ وہ عام سوٹ میں تھا لیکن اس کی چال سے صاف ظاہر تھا کہ وہ فوجی ہے۔ فوجی ہی نہیں... کوئی بڑا افسر ہے۔

وہ لڑکی کی طرف ہی آ رہا تھا۔

ٹائیگر کو نہ جانے کیوں پسینہ سا آنے لگا۔

"مائی ڈیئر کیسی" بریگیڈیئر جنرل کیون کیرون نے لڑکی کے قریب پہنچ کر جھکتے ہوئے بڑی محبت سے کہا۔ "وہ انٹرنل سکیورٹی آف یو ایس اے کا جوائنٹ کمانڈر تھا۔ میں بہت مصروف تھا اور میری ایک ولڈ بھی ابھی نکالی گئی ہے لیکن تم ہلاڈو اُدریں نہ آؤں، یہ ناممکن ہے۔" یہ کہتے ہوئے جنرل نے لڑکی کیسی رچرڈ کو اس طرح دیکھا تھا جیسے پریمیکا معائنہ کر رہا ہو۔

کیسی رچرڈ نے محجوبانہ انداز میں مسکراتے ہوئے پرس کھولا اور مچھلی کے زہر کی ایسی شیشی نکال لی جو محض جھٹکے سے ٹوٹ سکتی تھی۔ اسی لمحے ایک ویٹر نے کافی کا کپ جنرل کے سامنے رکھ دیا جو کرسی پر بیٹھ چکا تھا۔ کربناک موت جنرل کی منتظر تھی مگر ٹائیگر کو موت کے فرشتے کا رُخ بدلنا تھا۔ اس نے الوا نکال لیا۔ ہلکی سی آواز پیدا ہوئی اور ڈارٹ کیسی کی ران میں پیوست ہو گئی۔ ٹائیگر الوا جیب میں رکھ کر ہوٹل سکیورٹی کی طرف بڑھ گیا۔

"تمھیں جس لڑکی کی تلاش ہے وہ کیسی رچرڈ ہے اور اس وقت ہوٹل میں ہے۔ کافی شاپ کے اندر جنرل کے ساتھ موجود ہے۔ اس وقت اس کی حالت خراب ہے۔"

ٹائیگر جانتا تھا کہ ہوٹل سکیورٹی کا یہ آدمی دراصل ایف آئی اے سے تعلق رکھتا ہے۔

●

ٹائیگر کو یقین تھا کہ کیسی رچرڈ کا ساتھی ابھی ہوٹل ہی میں ہو گا۔ اس نے بالکونی پر پہنچ کر نیچے جھانکا لیکن جب بہت تک اس کا کوئی سراغ نہیں ملا تو وہ نیچے اُتر آیا۔ اس نے عقبی دروازے

کا رُخ کیا۔ وہاں گیٹ مین سے ذرا سی جرح کے بعد اسے علم ہو گیا کہ مطلوبہ حلیے والا ایک نوجوان سامنے والے شوروم سے ایک کار لے کر گیا ہے۔ ٹائیگر نے رینٹ اے کار والوں سے بات کی۔ فرینک نامی نوجوان نے فورڈ فیرلین کار پورے دن کے لیے کرائے پر لی تھی۔

ٹائیگر کی تھکن بڑھنے لگی۔ اسے یقین ہو رہا تھا کہ اس کا اعصابی نظام بُری طرح متاثر ہو رہا ہے۔

اسے یہی سوچ کر پسینہ آنے لگا کہ کیا اس کی قوتِ مزاحمت دم توڑ رہی ہے۔

لیکن اس وقت سب سے اہم سوال یہ تھا کہ قاتل کہاں گیا؟ اس کا شکار کون ہو گا؟ وہ اسے کس طرح تلاش کرے؟ اسے زندگی میں دوسری مرتبہ بے بسی کا احساس ہونے لگا۔ پہلی بار شیلا کے معاملے میں اس نے خود کو بے بس محسوس کیا تھا۔

وہ فورڈ کار کی تلاش میں پیچ ٹری سینٹر کے اردگرد چکر لگانے لگا۔ ساتھ ہی اس نے ٹیری لوکاس سے فون پر بھی بات کی جس نے کار اور قاتل کے بارے میں فوراً ہی پولیس کو مطلع کر دیا۔ ٹائیگر صرف اتنا ہی کر سکا۔ اسے یقین تھا کہ پیٹرول کاریں فورڈ اور قاتل کو جلد تلاش کر لیں گی۔ شاید یہ پہلا موقع تھا کہ اس نے اپنا شکار خود پولیس کے حوالے کیا ہو۔

لیکن ابھی ونیولیوی اور اس کے کمیسار ہرائے مرگ باقی تھے۔ ٹائیگر ان سے نمٹ سکتا تھا۔

ٹیری لوکاس نے اسے بتایا تھا کہ سرکاری وکیلوں کا کہنا ہے کہ جب تک گرفتار ہونے والوں میں سے کوئی ایک سرکاری گواہ نہ بن جائے مقدمہ چلانا ممکن نہیں ہو گا۔ جب تک ونیولیوی اور اس کے ساتھیوں کے خلاف یہ مقدمہ قائم نہ ہو کہ وہ صدرِ مملکت سمیت سات بااثر لیڈروں کے قتل کی سازش میں براہِ راست ملوث ہیں ان کے خلاف کوئی کارروائی ممکن نہیں۔ انھیں گرفتار بھی نہیں کیا جا سکتا۔

اب ٹائیگر کو ہر قیمت پر کچھ کرنا تھا۔ اعصاب ساتھ دیں یا نہ دیں، اسے کچھ نہ کچھ کرنا ہی تھا۔

اس نے کار ریڈیو کھولا۔ دس بجے کی خبریں آ رہی تھیں۔

"ونیولیوی نے اُلملانا میں اپنے اجتماعات کی کامیابی پر مسرت کا اظہار کیا ہے۔ انھوں نے دعویٰ کیا ہے کہ ان اجتماعات میں دس ہزار افراد نے شرکت کی۔"



"بہت جلد،" ونیولیوی کی آواز ریڈیو پر سنائی دے رہی تھی۔ "بہت جلد اور کسی بھی دن مسیح کی آمد ہونے والی ہے۔ مسیح کو اس پر دکھ ہے کہ لوگوں نے کس طرح کرۂ ارض پر ظلم کا بازار گرم کر رکھا ہے۔ تمام لوگ تیار ہو جائیں۔ وہ آ رہا ہے۔"

"مقامی خبروں میں ایک اہم خبر یہ ہے کہ اُلملانا کے ایک سیاح فرینک کی کار دوسری کار سے ٹکرا گئی جس کے باعث سیاح ہلاک ہو گیا۔" نیوز ریڈر اب دوسری خبریں سنا رہا تھا۔

ٹائیگر سر ہلانے لگا۔

اب اسے لیونی کی سکیورٹی میں گھس کر لیونی تک پہنچنا اور اس شخص کو بھی ختم کرنا تھا۔

●

ادھر ونیولیوی بہت مطمئن تھا۔ اس کے جوتے اُترے ہوئے تھے۔ ٹانگیں ایک میز پر ٹکی ہوئی تھیں جب کہ حوروں میں سے دو اس کی مالش کر رہی تھیں۔ اس کے دائیں ہاتھ میں سوان کا شیخ گلاس موجود تھا۔ ونیولیوی اپنی کامیابیوں پر بہت مسرور تھا اور اس خوشی پر راہداری سے آنے والی آوازیں بھی اثر انداز نہیں ہو رہی تھیں۔

"کیا بات ہے؟" اس نے کسی کی درشت آواز سنی۔ "تم مجھے روکو گے۔ اخبار کے رپورٹر کو؟"

"اعلیٰ حضرت آرام فرما رہے ہیں جناب۔" ٹاٹی کی آواز سنائی دی۔ "آپ بات سمجھنے کی کوشش کریں۔"

"بات سمجھنے کی کوشش کروں؟" رپورٹر نے اس بار چیخ کر کہا تھا۔ "میں سمجھ رہا ہوں۔ تم مجھے خبر حاصل کرنے سے روکنا

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

چاہتے ہو، یہ ناممکن ہے۔"

پھر در دروازہ دھڑسے کھُل گیا۔

چوکھٹ پر ایک خوب صورت نوجوان کھڑا ہوا نظر آیا۔ اس کے ایک ہاتھ میں کیمرا تھا۔ تمام نظریں اسی پر مرکوز ہوگئیں یہ واقعی ریلوے رٹر تھا۔

ٹائیگر یہی چاہتا تھا کہ لوگ اسٹیون کی طرف متوجہ ہو جائیں جس سے اس کی ملاقات ہوٹل کے باہر ہوئی تھی اور جو نشے میں دُھت تھا۔ اسٹیون کو شیشے میں اتارنا مشکل ثابت نہ ہوا۔

جس وقت اسٹیون یہ بیانگار کر رہا تھا اس وقت ٹائیگر ایک دوسری لفٹ سے نیچے تہ خانے میں جا رہا تھا۔ یہاں درجنوں چمنیوں کے سوراخ تھے اور ٹائیگر ایک ایسے سوراخ کو پہلے منتخب کر چکا تھا۔ وہ اسی میں گھس کر اوپر جانے لگا۔ اس کی حالت ابتر تھی لیکن کسی کی نظر میں آئے بغیر دینولیوی تک پہنچنے کا یہی طریقہ تھا۔

ابھی وہ دوسری منزل کے پاس تھا کہ اسے پیٹ میں درد محسوس ہونے لگا۔ وہ دانت پیس کر رہ گیا لیکن اس نے جدوجہد جاری رکھی۔ وہ چھپکلی کی طرح چمنی کے اندر دیوار پر چپکا ہوا اوپر اٹھ رہا تھا۔ اس نے یہ خطرناک سفر جاری رکھا اور اس کے لیے اسے اپنی تمام ذہنی اور جسمانی طاقت کا استعمال کرنا پڑ رہا تھا۔

پھر معاً بھی اس کے سر میں تاریکی چھانے لگی۔ وہ تیزی سے سانسیں لینے لگا۔ آہستہ آہستہ تاریکی کی جگہ روشنی کے جھماکوں نے لے لی... اور پھر وہ ایک نئی توانائی محسوس کرنے لگا۔

وہ ساتویں منزل تک پہنچ گیا۔ اس نے جھانک کر دیکھا۔ ایک کمرے سے روشنی چھن چھن کر چمنی میں آ رہی تھی۔

5

ایوانے چار تن موت اگلی، کمرے میں موجود چاروں گارڈ ادھر ادھر گر گئے اور اسٹیون بھی گھبرا کر کمرے سے نکل بھاگا۔ کلیون ٹیٹ اور ٹاٹی نے چمنی کی طرف رُخ کر کے فائر کرنا چاہا مگر اسی لمحے ایک ڈارٹ کلیون کے سینے میں پیوست ہوگئی۔ کلیون گرا تو اس کے چہرے پر ناقابلِ یقین تاثرات تھے۔ پھر ٹائیگر چمنی سے اس طرح کود اکہ ٹاٹی پر گرا۔ اس نے فوراً ہی ٹاٹی کو گھونسوں اور لاتوں پر رکھ لیا۔ ٹاٹی کی پسلی کی ہڈی ٹوٹی، ناک چپٹی ہوگئی اور پھر دونوں ٹانگیں ٹوٹ گئیں۔ وہ ہاتھ بھی ٹوٹ گئے جو ریوالور نکالنے کی کوشش کر رہے تھے۔

لڑکیاں چیخیں مارتی ہوئی کمرے سے نکل بھاگیں۔

دینولیوی ایک جگہ ساکت کھڑا ہوا موت کا یہ رقص دیکھتا رہا۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟" مورے وہائٹ دہاڑتا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔ ٹائیگر پر نظر پڑتے ہی وہ اُچھل پڑا۔ "تم... تم یہاں کیسے خدا... تم... تم تو... مر چکے تھے۔"

وہ مزید کچھ نہ کہہ سکا کیونکہ ٹائیگر خوفناک انداز میں اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر انتہائی عجیب تاثرات تھے۔ اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں اور سموں ورد ہو رہا تھا۔ مورے وہائٹ نے پیچھے ہٹنا شروع کر دیا۔ اس کے ہونٹ اس طرح پھڑپھڑا رہے تھے جیسے وہ احتجاج کر رہا ہو یا التجا کر رہا ہو، پھر اچانک ہی وہ ایک سائیڈ ٹیبل سے ٹکرا کر اس طرح گرا کہ اس کا سر دیوار کے ساتھ بڑے سے فش ٹینک کے شیشے سے ٹکرا گیا۔

ٹینک میں موجود مچھلیاں خاص طور پر منگوائی گئی تھیں۔ ٹینک مورے وہائٹ کے بوجھ سے ٹوٹ گیا۔ اپنے اوپر پانی کے گرتے ہی مورے وہائٹ دہشت زدہ زبان میں زور سے چلایا۔

وہ مورے وہائٹ یا الیون کو کتنی کتنی گھنٹوں تک یوں ہی چیختا رہا۔ اسے کسی نے گولی مار کر سکون نہیں بخشا۔ ٹائیگر بھی اتنی رعایت دینے کو تیار نہ تھا۔ ٹائیگر نے دینولیوی ... کی طرف دیکھا جو گھٹنوں کے بل بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ فریاد کرنے والے انداز میں پھیلے ہوئے تھے۔

"نہیں... مجھے مت مارو۔ میں... میں معافی مانگتا ہوں۔ مجھے معاف کر دو... میری جان بخش دو..."

"میں تمہیں قتل نہیں کروں گا۔" ٹائیگر نے بڑی نفرت سے جواب دیا۔ "میں تمہیں لوگوں کی نظروں میں شہید بنانا نہیں چاہتا۔ میں چاہتا ہوں کہ تمہیں موت جیسی آسان سزا نہ ملے۔"

اس نے نائیلون کی ڈوری سے دینولیوی کو باندھ دیا۔ اور اسی کے بیڈ پر پھینک دیا۔ وہ چاہتا تھا کہ پولیس کی آمد تک دینولیوی فرار نہ ہو سکے۔ اس نے تمام فائلیں اور انتہائی اہم کاغذات بھی لیوی کے قریب ہی جمع کر دیے تاکہ پولیس کو ثبوت حاصل کرنے میں دشواری نہ ہو۔

●

فریڈ یکو کلیکو نے اخبار غصے سے ایک طرف پھینک دیا۔

سرگوشیوں میں اس شخص نے جو اطلاعات فراہم کی تھیں وہ بے سود ثابت ہوئیں۔ یہ ثابت نہیں ہو سکا کہ دُنیا کے خطرناک ترین نوجوان کے ساتھیوں میں ایک بوڑھا اور ایک رنڈا انڈین ہے اور نہ ہی وہ نوجوان ہاتھ لگ سکا۔ دینولیوی کے گروہ اور منصوبے کی تباہی نے فریڈ یکو کلیکو کے اپنے منصوبے کو بھی خاک میں ملا دیا تھا۔ وہ غصے ہی کی کیفیت میں گھوم رہا تھا کہ ایک جاپانی کمرے میں داخل ہوا۔

"تم سوسائٹی آف ننجا سے تعلق رکھتے ہو؟" کلیکو نے پوچھا۔

"جی ہاں۔" جاپانی نے جواب دیا۔

"تمہیں تلاش کرنا بہت مشکل ثابت ہوا۔" کلیکو اس طرح بولا جیسے اس میں سارا قصور جاپانی کا ہو۔ "ویسے تمہاری بہت تعریف سنی گئی ہے۔ کیا مسئلہ حل کرنے میں کامیابی ہوگی؟"

"ماسٹر نے ایک شرط رکھی ہے۔" جاپانی بولا۔ "اور وہ یہ کہ معاوضہ ہر قیمت پر بڑھا دیا جائے۔"

"مگر کیوں؟ میں نے صرف یہ کہا ہے کہ ایک شخص کو تلاش کر کے ہلاک کر دو۔ صرف ایک شخص کو۔"

"جی ہاں! لیکن اس شخص کا تعلق خاندانِ سنانجو سے ہے جناب۔" یہ کہتے ہوئے جاپانی نے تعظیماً سر بھی خم کیا تھا۔

●

"میں قسم کھاتا ہوں کہ شیل فش کو کبھی بے ضرر نہیں سمجھوں گا۔" ٹائیگر نے اپنے سامنے رکھی ہوئی پلیٹ کی طرف دیکھ کر کہا جس میں بھنی ہوئی مچھلی رکھی ہوئی تھی۔ وہ جس کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے اس کی کھڑکیوں سے سمندر صاف نظر آ رہا تھا۔ ہرہم دائیں طرف صوفے پر براجمان اور شان ٹائیگر کے سامنے فرش پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی نظریں ٹائیگر کے سُتے ہوئے چہرے پر تھیں۔

ٹائیگر کے پیچھے... صوفے کے ساتھ... وہی روبی کھڑی ہوئی تھی جو ٹائیگر کی زندگی میں اہم ترین مقام رکھتی تھی۔ اس کا چہرہ بگڑا ہوا تھا اور وہ اس بات پر ناراض تھی کہ ٹائیگر نے اس کیس میں ہیڈ کوارٹر سے رابطہ تقریباً مسلسل منقطع رکھا۔

"تم ناکارہ ہو گئے ہو۔" اوشان نے سر ہلاتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"کیا ہو گیا ہوں؟" ٹائیگر نے بات ٹالنے کے لیے اُلٹا سوال کیا۔

"تم ناکارہ ہو چکے ہو... ناشکرے۔" اوشان کا لہجہ واضح طور پر سخت تھا۔

ایک پراسرار مورتی کے حصول کے لئے ہونے والے خوفناک معرکے کا احوال

خبیث

انوار صدیقی کے پراسرار قلم سے

5 حصوں میں، مکمل سیٹ =/200 روپے

مکتبہ القریش سرکلر روڈ اردو بازار لاہور

فون 7668958

"میں سمجھا نہیں لٹل فادر۔"

"تم ارتکاز کی صلاحیت کھو چکے ہو۔"

"نہیں۔" ٹائیگر کو کھلا گیا۔ اس الزام کا مطلب یہ تھا کہ ٹائیگر کو انتہائی کمٹھن ورزشیں کرنی ہوں گی۔

"ثابت کرو کہ تم ارتکاز کی صلاحیت کے حامل ہو۔" اوشان نے غرا کر کہا۔

"میں۔" ٹائیگر نے سر جھکا لیا۔

"تم ارتکاز کی صلاحیت کھو بیٹھے ہو۔ تمہیں ان مخروں نے کئی بار گھیرا اور تم بلیک جیک کے سر پر لگنے سے ان کے سندر میں بے ہوش ہو گئے۔ تم کسی لاش کی طرح جھاڑیوں میں پڑے رہے۔ تم ارتکاز کی قوت کھو بیٹھے ہو۔"

"اس کی وجہ اوشان؟" ہرہم نے پوچھا۔

"وجہ؟" اوشان کھڑا ہو گیا۔ اس کے نتھنے پھڑپھڑا رہے تھے۔ چہرہ تنا ہوا تھا۔

"یہ اسلحہ۔" اوشان نے آگے بڑھ کر ٹائیگر کے ہولسٹر سے ریوالور نکالا، گھٹنے پر مارا اور دو ٹکڑے کر کے کھڑکی سے باہر اُچھال دیا۔ "اور یہ..." ڈارٹ گن بھی توڑ کر ایک طرف پھینک دی۔ "اور یہ..." خنجر پر ہاتھ لگا وہ بھی دو ٹکڑے ہو گیا۔ "اور یہ بھی۔" پہلو میں لگی ہوئی کلہاڑی ایک طرف گر گئی۔

ٹائیگر خاموش رہا۔ روبی اسے گھورتی رہی ہرہم ساکت تھا۔

"ان نامعقول ہتھیاروں نے اسے کاہل بنا ڈالا ہے۔" اوشان کی آواز کمرے میں گونج رہی تھی۔ "یہ ان پر انحصار کرنے لگا ہے لہٰذا بگڑ جاتا ہے۔ چوروں کی طرح گھروں میں گھستا ہے۔ جاسوسوں کے طریقے اختیار کرنے لگا ہے اور یہ سب

Scanned And Uploaded By Muhammad Waleem

کچھ سنا نجو کی توہین ہے۔"

"فادر..."

"چُپ رہو نا شکرے۔" ادشان نے دونوں ہاتھ فضا میں بلند کرکے کہا۔ "میں حکم دیتا ہوں کہ تم آئندہ ان ہتھیاروں کو ہاتھ بھی نہیں لگاؤ گے۔ تم خود دُنیا کے سب سے مہلک ہتھیار ہو۔ خود کو استعمال کرنا پھر سیکھو۔ کاہلی سے کام مت لو۔ تم دُنیا کے سب سے مہلک ہتھیار ہو۔"

"میں دُنیا کا سب سے مہلک ہتھیار ہوں۔" ٹائیگر کی سرسراتی ہوئی آواز کمرے میں گونجی۔

"ہاں! تم دُنیا کے سب سے مہلک ہتھیار ہو۔" ادشان نے پھر کہا۔ اس بار اس کا لہجہ عجیب سا تھا۔ ٹائیگر کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔ ادشان نے اس کی گردن پر ہاتھ رکھا اور پھر یہ ہاتھ پورے جسم کو ٹٹولنے لگا۔

وہ ٹائیگر کے جسم کی مرتعش کر رہا تھا۔ اس کی کنپٹیوں کو سہلا رہا تھا جن میں کل رہی سے ٹیسیں اُٹھ رہی تھیں۔ وہ صوفے پر نیم دراز ہو گیا اور پھر سو گیا۔

ڈ

"ڈیوٹیلوی کا کیا ہوگا؟" روبی نے بہرام سے پوچھا۔ ٹائیگر اس وقت سینی ٹوریم کے باغ میں ٹہل رہا تھا جبکہ بہرام اور روبی باغ میں بیٹھے گفتگو کر رہے تھے۔

"اسے عمر قید ہوگی۔ پورا کیس حکام کے حوالے کر دیا گیا ہے۔" بہرام نے جواب دیا اور پھر اُٹھ گیا۔

"مجھے سیل فش کا زہر نکالنا چاہتا ہوں۔" ٹائیگر، روبی کے قریب آکر بولا۔

"کیوں؟" روبی سنجیدہ لہجے میں پوچھنے لگی۔

"تاکہ تمہیں دے سکوں۔"

"تم خود کسی پاگل کتے سے کم نہیں ہو۔ کاٹ لو یہی کافی ہے۔" روبی غرانے لگی۔

"زہر حاصل کرنے کے بارے میں، میں سنجیدہ ہوں روبی۔" ٹائیگر نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"عقل سے کام لو دیوانی۔" روبی پہلو بدل کر بولی۔ "ڈیوٹیلوی روسی جاسوس کی حیثیت سے جیل میں ہے۔ ممکن ہے کہ اسے الیکٹرک چیئر ہی نصیب ہو۔ بچوں کو استعمال کرنے کا دھندا تم نے ختم کر دیا ہے لہٰذا اب کوئی چیز باقی نہیں رہی زہر نکالنے کی تکنیک بھی۔"

"تم یہاں کب تک ہو؟" ٹائیگر نے اچانک ہی پوچھا۔

"دس روز کی چھٹی پر آئی ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔"

"کیا ٹھیک ہے؟" روبی اُسے غور سے دیکھنے لگی۔

"یہی کہ ان دس دنوں میں، میں وہاں سے چھٹی سے لوں گا۔"

"کیا؟" روبی بہت زور سے چلائی اور ٹائیگر نے گھبرا کر دونوں ہاتھ کانوں پر رکھ لیے۔

"ر... روبی۔" وہ احتجاج کرنے والے انداز میں بولا۔

"تم وہاں سے قدم بھی باہر نہیں نکالو گے، سمجھے۔"

"سمجھ گیا۔" ٹائیگر بڑی بے بسی سے بولا۔ اسی لمحے انہیں گلاب کے کنج سے قہ... قہ... کی مخصوص آواز سنائی دی۔ ادشان ہنس رہا تھا، پھر اچانک ہی سامنے آگیا۔

"تم دونوں کبھی تیار نہیں ہو گے۔" ادشان نے دونوں ہاتھ ہلاتے ہوئے کہا۔ "کاش تم تیار ہو جاتے تو سنا نجو کا وار خالی نہ جاتا۔"

"لٹل فادر۔" ٹائیگر نے کچھ کہنا چاہا مگر روبی پیر پٹختی ہوئی رہائشی عمارت کی طرف واپس جا چکی تھی۔

"میرے بچے!" ادشان نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "آؤ۔ اپنی روح کو پاک کر لو۔"

ٹائیگر کسی بچے کی طرح ادشان کے ساتھ چلنے لگا۔ وہ اسے ایک ٹیلے کی طرف لے جا رہا تھا۔ ٹائیگر کو یہاں قوتِ قلب بڑھانے کے لیے ورزش کرنی تھی۔

اسے یقین تھا کہ وہ اب شاید زندگی بھر آتشی سنجیدہ کو ہاتھ نہیں لگا سکے گا۔

بہرام بہت بے چینی کے عالم میں کمرے کے اندر ایک دیوار سے دوسری دیوار تک ٹہل رہا تھا۔ اس کے چہرے پر معمول سے بھی زیادہ زردی پھیلی ہوئی تھی اور ہونٹوں پر پپڑیاں جمی ہوئی تھیں۔ اُس کے ہاتھ میں ساتھ کیسٹ ٹرکی اُگلی ہوئی زرد شیٹ تھی، جس پر بعض چند سطریں لکھی ہوئی تھیں۔ وہ کمرے کے وسط میں ایک بار رُکا، اُس نے زرد شیٹ پر نظر ڈالی اور پھر بے قراری سے ٹہلنے لگا۔

وہ بہت پریشان تھا۔ بات پریشانی ہی کی تھی۔ جیرمی فوجی نے ایک بار پھر کسی نئے اور خطرناک مسئلے سے دوچار تھا اور اس کی مبہم سی نشاندہی اس پیغام میں کی گئی تھی، جو کیپٹو ٹرنے محض دس منٹ قبل اُگلا تھا۔ پیغام بھیجنے والی روبی تھی۔

بہرام نے سبز رنگ کے فون کی طرف دیکھا، جو اُس کی میز کے نیچے پڑا ہوا تھا۔ وہ تیزی سے فون کی طرف بڑھ گیا۔ اُسے جزیرہ فردوس کا براہِ راست ڈائلنگ کوڈ زبانی یاد تھا۔ اس کی اُنگلیاں تیزی سے ڈائل گھمانے لگیں۔

●

شریف خان کو یقین تھا کہ زندگی میں کچھ بھی مُفت میں نہیں ملتا۔ ہر چیز کی قیمت ہوتی ہے۔ بعض چیزوں کی قیمت اُن کی اصل قدر سے بھی دُگنی ادا کرنی ہوتی ہے اور بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں جن کی دُگنی قیمت تو ادا کر دی جاتی ہے لیکن وہ ہاتھ نہیں لگتیں۔

یہ شریف خان کا بیناری فلسفہ تھا۔

لیکن اگر وہ اپنے اس فلسفے پر پوری یقین رکھتا اور اپنی بدنصیبوں پر رونا گانا شروع نہ کرتا تو شاید اُسے اعشاریہ ۳۸ کے اسپیشل پولیس کو بہت قریب سے نہیں دیکھنا پڑتا، جو ایک پولیس والے کے ہاتھ میں تھا اور پولیس والا بھی اس سے کسی غیر قانونی کام کی فرمائش نہ کرتا۔

"ارے نہیں، یہ تو گیم ہے۔" شریف کہتا، پھر اُسے نال سے نارنجی چمک نکلتی ہوئی دکھائی دیتی اور اُس کے پاس یقین کرنے کی بھی مہلت نہ ہوتی کہ اُسے گولی ماری گئی ہے۔

شریف خان کے پاس قطعی مہلت نہ تھی۔ اس کے لیے ہر چیز ہر بات میں تاخیر ہو چکی تھی اور اس کا آغاز سردیوں کی ایک صبح ہوا تھا اور اس صبح شریف کو ایسا لگا تھا جیسے وہ مُفت میں کچھ حاصل کر رہا ہے۔

یہ بات اُن لفافوں سے معلوم ہوئی تھی، جو صبح کی ڈاک میں آئے تھے۔ وہ عام طور سے تیس بجلی کے بل سب سے سنجیدہ دیکھتا تھا لیکن اُس صبح اُس نے اس کے برعکس کیا۔ پیٹرول بل کا کریڈٹ کارڈ ایک سو فردوسی ڈالر کو چھو رہا تھا۔ بات یہ تھی کہ وہ اپنی بیوی مریم کو دوسرا جوڑا اُس کے میکے لے گیا تھا اور مریم کا میکہ اُس کے گھر سے پچاس میل دُور تھا۔ شریف کی ساس جزائر سرنگلہ میں اور وہ خود چمن زار میں رہتا تھا۔ وہ کچھ دیر تک بل کو گھورتا رہا اور پھر سوچنے لگا کہ شاید بل دیکھ کر ہی مریم اپنے میکے آنا جانا چھوڑ دے۔

ڈاک میں کچھ دوسرے بل بھی آئے تھے۔ گھر میں ہیٹنگ کا بل بھی بہت زیادہ تھا۔ سردیوں میں بجلی کا خرچ بڑھنا ایک فطری بات تھی۔ گھر کے کرائے کا بل، میڈیکل انشورنس کے پریمیم کی یاد دہانی کا خط بھی ڈاک میں آیا تھا۔ اس نے تمام بلوں کی رقم ایک جگہ جمع کیں اور پھر گھبرا گیا۔ قابلِ ادائیگی رقم اس کی آمدنی سے پچیس ڈالر زیادہ تھی۔ گھبراہٹ کی وجہ یہ تھی کہ اگر اترل ریونیو کیپسوٹنے یہ پچھلی کردی کہ وہ آمدنی سے زیادہ اخراجات کرتا ہے تو پوچھ گچھ شروع ہو جائے گی۔

وہ ٹیکسی کا مالک اور اس کا ڈرائیور تھا۔ قانونی آمدنی اور ٹپ کا حساب کتاب رکھنا تھا لیکن غیر قانونی کام کے لیے ملنے والے پیسے اس نے کبھی انکم ٹیکس کے گوشواروں میں شامل نہیں کیے۔ بعض اوقات وہ سارا... دن یہی کام کرتا تھا۔ سارٹ پورٹ کے انٹرنیشنل ٹرمینل پر وہ نہ صرف مسافر تُپ لیتا بلکہ اسے کسٹم بھی ملتا اگر مریم کی نوکری نہیں چھٹتی تو شاید وہ یہ کام کبھی نہ کرتا۔

ایک ایسی عورت کی کہانی
جو مردوں کے معاشرے میں
ملکہ بن کر جینا چاہتی تھی

ناگ رانی

دو جلدوں میں
جلد اول =/145
جلد دوئم =/145

مکتبہ القریش سرکلر روڈ اردو بازار لاہور
فون 7668958

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

وہ لوگوں کو اس طرح دیکھنے لگا جیسے اس کی سابق حالت کو کینسر ہو گیا ہے۔ اس کی جائز آمدنی واقعی اتنی نہیں تھی کہ وہ گزارا کر سکے لیکن اپنی خواہشات پوری کرنے کے لئے بے چین سیاح اس کی بڑے نوٹوں سے مدد کرتے رہتے تھے اور یوں اس کی سابق حالت ابتر نہیں ہوئی تھی۔ اس نے انشا چارج بل سب سے آخر میں کھولنے کے لیے ایک طرف رکھ دیا تھا وہ اسے نو بلوس سیکورٹی کہا کرتا تھا اس کے قسمت وہ اپنے اکاؤنٹ میں موجود رقم سے زیادہ کا چیک کاٹ سکتا تھا اور بینک یہ رقم اوور ڈرافٹ لون کے طور پر دیتا تھا اس نے اپنے کئی چیک کاٹ ڈالے تھے اور پھر جب ہی کیشیئر کی آنکھ بچا کر وہ چیک کیش ہونے بغیر واپس آنے لگے تھے۔

اس نے انشا چارج بل نکالا اور پھر اس کی نظر اس رقم پر پڑی جو اسے ادا کرنا تھا۔ تیرہ سو ڈالر... لیکن پھر وہ اچھل پڑا اکاؤنٹ کے بیلنس میں منفی ۱۴ سو ڈالر کی بجائے صرف ۱۴ سو ڈالر لکھے ہوئے تھے اور الفاظ کے آگے جمع کا نشان بنا ہوا تھا۔

"اوہ..." کچھ دیر تک وہ خوشی سے بھونچکا رہا تاہم پھر پژمردہ ہو گیا۔ اسے یقین تھا کہ بینک والے اپنی اس غلطی کو خود ہی پکڑ لیں گے۔ اس نے پہلے یہ سوچا کہ بینک نامی کے لیے خود ہی بینک کو اس غلطی سے مطلع کر دے لیکن پھر اس نے اسے نظر انداز کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس وہ جب وہ بینک کے سامنے سے گزرا تو اس کے دل میں یہ شدید خواہش پیدا ہوئی کہ کاش بینک والے اپنی اس غلطی کو کبھی نہ پکڑیں۔ ایک عجیب سی خواہش کے تحت وہ بینک میں داخل ہو گیا۔

اس نے انشا چارج کریڈٹ کارڈ کاؤنٹر پر جیش کیا اور بیلنس پوچھا پھر اسے بتایا گیا کہ اس کے اکاؤنٹ میں ۱۴۸۵ ڈالر موجود ہیں، وہ دل ہی دل میں حساب لگانے لگا کہ وہ سیکورٹی کی گنجائش رکھتے ہوئے تین ہزار ڈالر سے بھی زیادہ کا چیک کیش کرا سکتا ہے۔

بینک سے نکلتے ہوئے شریف پسینہ پسینہ ہو رہا تھا۔ وہ اسی بینک کی ایک دوسری برانچ میں گیا۔ وہاں اس نے اکاؤنٹ نمبر دے کر بیلنس پوچھا، وہاں سے بھی اسے یہی خوشخبری ملی۔

بینک نے غلطی کی تھی۔ لیکن یہ غلطی پکڑی جانے لیکن شریف کے نزدیک یہ اس کی غلطی نہیں بینک کی غلطی تھی جس کا بینک ہی کو خمیازہ بھگتنا چاہیے تھا۔ وہ جیل جانے کو تیار بھی نہیں تھا لہٰذا اس نے قرضے چکانے، مریم کو اچھے سے ہوٹل میں رات کا کھانا کھلایا۔ ابھی اس کے پاس تین ہزار کا اوور ڈرافٹ باقی تھا لہٰذا اس نے پورا مہینہ سیٹی بجاتے ہوئے گزارا۔

اگلے مہینے اسے نیا بینک اسٹیٹمنٹ ملا۔ شریف کو اس بار اپنی آنکھوں پر یقین نہیں کیا۔ اس بار بھی بیلنس میں تین ہزار ڈالر موجود تھے اور وہ ساڑھے چار ہزار ڈالر نکال سکتا تھا۔

اس نے چار ہزار ڈالر کا چیک لکھا۔ کیشیئر کی کھڑکی پر کھڑا ہوا وہ کیشیئر نے اس کی شناخت کی تصدیق کی لیکن نہ جانے کیوں وہ چیک مینیجر کے پاس چلی گئی۔ شریف کا دل دھک سے رہ گیا لیکن جب کیشیئر مسکراتی ہوئی واپس آئی تو وہ بھی مسکرانے لگا۔

"کون سے نوٹ لیں گے جناب؟"

"جو بھی مل جائیں۔" شریف نے اس بار دانستہ ہنستے ہوئے کہا۔

"دس... بیس... پچاس یا سو کے...؟" وہ بھی شاید اسے چھیڑنے پر تلی ہوئی تھی۔

"سو کے... تیار اٹھانوے سو نئے نوٹ بہت ہی اچھے لگتے تھے ان کی خوشبو بھی بہت ہی اچھی ہوتی ہے۔" شریف نے خود کو پرسکون رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ وہ ایسا ظاہر کر رہا تھا جیسے چار ہزار ڈالر اس کے لیے کوئی وقعت ہی نہیں رکھتے۔

بینک سے نکل کر اس نے اپنے لیے تین نئے سوٹ خریدے باقی تمام قرضے چکائے، ایک پلاٹینی واچ اور ڈیک لیا پھر کچھ سوچ کر اس نے وہ ویڈیو گیم لیا جس کو بچے بہت شوق سے کھیلتے تھے۔

●

"شریف... تم اتنے پیسے کہاں سے کما رہے ہو؟" ایک روز مریم نے پوچھ ہی لیا۔

شریف یہ سوچنے لگا کہ مریم کتنی بدصورت عورت ہے۔

"میں نے تم سے کچھ پوچھا تھا؟" مریم اس بار زور سے چیخی تھی۔

"تمہیں اس سے کوئی سروکار نہیں مریم... آم کھاؤ پیڑ گننے سے کیا فائدہ...؟" شریف نے جواب دیا۔

مریم نے کمر تک ویٹرن سیٹ کی طرف پلٹ گئی۔ بہت اچھا ٹی وی ہے شریف لیکن کیا تم کوئی غیر قانونی کام کر رہے ہو؟"

"تم میں تھوڑی بہت عقل بہرحال باقی ہے۔" شریف نے ہنس کر جواب دیا۔

"خیر...!" مریم نے ٹیک پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا "بری تو بھی خواہش ہے کہ تم دن دگنی رات چوگنی ترقی کرتے رہو۔"

●

اگلے ماہ شریف نے نئی کار خریدی اور اس سے اگلے مہینے پرانی ٹیکسی فروخت کر کے نئی ٹیکسی خریدی اسے ترقی کرنے کی خواہش تھی

لہٰذا اس نے اگلے دو ماہ میں مزید دو ٹیکسیاں خرید کر ڈرائیوروں کو ملازم رکھ لیا۔ مزید ایک دو ماہ بعد وہ چمن زار سٹاپ گلستان جیسے ہپٹے علاقے میں منتقل ہو گیا لیکن ایسا کرنے سے قبل اس نے ٹیکسیاں فروخت کر دی تھیں کیونکہ ڈرائیور اسے بہت تنگ کرنے لگے تھے۔

ایک روز مریم بھی رقم اور بچے لے کر طلاق پر آمادہ ہو گئی۔ اب شاہراہ گلستان کے شاندار اپارٹمنٹ میں شریف تنہا رہنے لگا۔ اور دیڈیو گیم اس طرح خریدنے لگا جیسے لوگ سگریٹ خریدتے ہوں۔ اسے اب یہی یقین تھا کہ بینک کمپیوٹر مسلسل غلطیاں کر رہا ہے اسے یہ فکر نہیں تھی کہ غلطی کس طرح ہو رہی ہے، کس کی رقم اس کے کھاتے میں ہر مہینے منتقل کی جا رہی ہے، اس سال کے آخر تک وہ ہر مہینے ملنے والی اس رقم کو اپنا حق سمجھنے لگا یہ بات بھی اس کے لیے اہم نہیں رہی کہ وہ جتنی رقم خرچ کر دیتا اس سے کئی رقم اس کے اکاؤنٹ میں جمع ہو جاتی ہے۔

لیکن پھر اچانک ہی رقم میں کمی ہونے لگی۔ وہ بینک کو اتفاقیہ فون کرتے کرتے رہ گیا۔ اگلے ماہ رقم اور کم ہو گئی اور تب ہی اسے پہلا فون موصول ہوا۔

دوسری طرف سے کسی عورت کی نرم و لطیف آواز سنائی دے رہی تھی شریف دل پکڑ کر رہ گیا۔

"ہمیں افسوس ہے کہ آپ کے فنڈ میں کمی ہو گئی ہے کیا آپ اس موضوع پر تبادلہ خیال کے لیے ہم سے ملنا پسند کریں گے جناب؟" عورت بہت احترام سے بات کر رہی تھی۔

"میرے فنڈ میں کمی نہیں ہوئی، سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہے مسئلہ کیا ہے؟" شریف نے جواب دیا۔

"کچھ بھی نہیں، ہم آپ سے ملاقات کے خواہاں ہیں۔ کیا آپ مزید رقم حاصل کرنا پسند کریں گے جناب؟"

"نہیں۔" شریف خان کا دل بیٹھنے لگا خوف نے اس کے اعصابی نظام پر چھاپہ مارا تھا۔

"شریف! آواز اب بھی لوچ دار تھی "منافقت سے کام مت لو۔ مجھے منافق ذرا بھی پسند نہیں۔ ہم سے ملو ہم تمہیں مزید رقم فراہم کریں گے۔"

"مگر تم کون ہو؟"

"شریف خان! تمہیں علم ہے کہ اب تک تم کتنی رقم حاصل کر چکے ہو؟" لوچ دار لہجے کی جگہ درشت آواز سنائی دی، آواز بہرحال اسی عورت کی تھی۔

"نن... نہیں۔"

"دس لاکھ سینتیس ہزار قریب دس ڈالر۔" عورت نے فوراً جواب دیا۔

"جب... باپ رے۔" شریف خان بڑبڑانے لگا۔

"ہاں شریف!" آواز میں ایک بار پھر کھنک پیدا ہو گئی "دس لاکھ سینتیس ہزار ڈالر۔"

"نہیں سچ بھی نہیں ہو سکتا کہ...!" شریف ہانپنے لگا لیکن بہرحال اب اسے سچ کا وقت آ گیا تھا عورت نے جو پتا بتایا تھا، وہ محض ایک دفتر نکلا۔ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ کمرے میں محض ایک کرسی تھی جس کا رخ دیوار کی طرف تھا اور دیوار پر کوئی تصویر تک نہیں تھی۔ یہ کمرا جیل کی کوٹھڑی ہی لگ رہا تھا۔

"بیٹھو شریف۔" وہی لوچ دار آواز سنائی دی مگر آواز والی نظر نہیں آئی وہ گھبرا کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

"لاؤڈ اسپیکر کی تلاش فضول ہے۔" عورت اس بار ہنسی۔ جی ہاں، "تم نے اب تک بہت اچھی زندگی گزاری ہے۔ کیوں... کیا خیال ہے؟"

"ہاں۔" شریف نے اعتراف کیا۔ اس کے ہاتھ بیچ رہے تھے اور وہ ڈر رہا تھا کہ کہیں یہ عورت دس لاکھ سینتیس ہزار ڈالر واپس نہ مانگ لے۔

"زندگی کا اچھا دور کبھی ختم نہیں ہونا چاہیے شریف خان!" عورت کا لہجہ اس مرتبہ بہت سنجیدہ تھا۔

"مگر مجھے یقین ہے کہ رقم اتنی نہیں تھی جتنی تم کہہ رہی ہو۔" شریف نے بڑی ہمت سے کام لیتے ہوئے کہا "صرف ۱۴ ہزار ڈالر ہوں گے لیکن بہرحال میں نے یہ رقم استعمال کی ہے اور میں اس کا اعتراف کرتا ہوں پھر پرم کرو۔"

"ہم دوست بن سکتے ہیں۔ بولو شریف، تم میرے کس کام آ سکتے ہو؟"

"کوئی بھی کام لے لو۔" وہ اب واقعی گڑگڑانے لگا تھا۔

"شکریہ۔" عورت ہنس پڑی "لیکن میری خواہش تھی کہ تم مزید مزاحمت کرتے۔"

"میں مزاحمت ضرور کرتا لیکن میں جیل جانے سے ڈرتا ہوں۔" شریف نے اعتراف کیا۔

"کرسی کے نیچے ٹٹولو۔" عورت نے حکم دیا۔

"ہاتھوں سے؟" وہ بوکھلا گیا۔

"ہاں۔" عورت نے کہا "اتنے مت گھبراؤ۔"

شریف نے بہت تیزی سے کرسی کے نیچے ہاتھ ڈال کر ٹٹولا۔ وہ اتنی عجلت میں تھا کہ ایک پھانس بھی انگوٹھے میں چبھ گئی۔ کرسی پر ٹیپ

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

سے کوئی چیز چلی ہوئی تھی۔ اُس نے تیزی سے ٹیپ کھینچا، جس کے باعث تصویر کا ایک کونا تھوڑا سا پھٹ بھی گیا۔

تصویر ایک بہت خوبصورت مگر قدرے کالی لڑکی کی تھی، اُس کا چہرہ کھلا ہوا تھا اور آنکھیں بڑی بڑی تھیں۔

"یہ رُدبی ہے۔" عورت کی آواز سنائی دی۔ "چوبیس سال اس کی عمر ہے۔ گلستان آباد کے انٹرنیشنل کمپیوٹر ایڈوانسمینٹ سینٹر میں کام کرتی ہے۔ تم لوگ اسے کمپیوٹر سینٹر کہتے ہو۔"

"ہم... میں نے آج تک کسی کو قتل نہیں کیا۔" شریف خان یہ سوچ کر ہی کانپنے لگا کہ اُسے اس عورت کو ہلاک کرنے کا کام سونپا جائے گا۔

"پلیز شرفو! غلط اندازے مت لگایا کرو۔" عورت کے لہجے میں اکتاہٹ نمایاں تھی۔

"تب پھر میں کچھ بھی کر سکتا ہوں۔" شریف خان نے سکون کی ایک طویل سانس لی۔

"گڈ... لڑکی خوبصورت ہے نا؟"

"ہاں۔" شریف خان بھی لڑکی کے حُسن سے متاثر تھا۔ اُسے اس کے چہرے میں عجیب سی کشش محسوس ہو رہی تھی۔

"اب غور سے سنو، تم کمپیوٹر سینٹر جاؤ گے اور اُس لڑکی کو پھیر دو گے۔"

"پھیر دوں گا؟" شریف خان اُچھل پڑا۔

"ہاں، اُسے نوچو گے۔"

"گال ہے، بیکیا کھیل ہے؟" شریف خان نے گال کھجائے۔

"تمہیں اس کام کے لیے مجبور نہیں کیا جائے گا۔"

"میں تم سے تعاون کرنے پر تیار ہوں لہٰذا مجبور ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

"میں بھی یہی سوچ رہی تھی۔ دس لاکھ سینتیس ہزار ڈالر کم نہیں ہوتے۔"

"مجھے اس کام کا معاوضہ کتنا ملے گا؟"

"اب تک جو حاصل کر چکے ہو، وہ مفلسی اور پیشگی ادائیگی سمجھ لو۔" عورت نے جواب دیا۔ "میرے پاس وقت نہیں، بولو کیا ارادہ ہے، کام کرو گے یا پولیس کو طلب کروں؟"

"صرف چھیڑنا ہے؟"

"ہاں، نوچ کھسوٹ کرنی ہوگی۔"

"کوئی خاص ہدایت؟"

"نہیں۔" عورت نے جواب دیا۔ شریف نے فوٹو جیب میں رکھا اور کمرے سے نکل گیا۔

اُسے یہ کام اچھا نہیں لگا تھا، اُسے یہ اعتماد بھی نہیں تھا کہ وہ

اے حمید
کے ایڈونچرس قلم سے
گنگا کے
پجاری ناگ
دو جلدوں میں
جلد اول =/150
جلد دوم =/200
مکتبہ القریش سرکلر روڈ اردو بازار لاہور
فون 7668958

کمپیوٹر سینٹر جا سکتا ہے اور وہاں لڑکی کو نوچ سکتا ہے۔ اُس نے سوچا کہ لڑکی کو ڈرنک کی دعوت دے، دھیمی دھیمی روشنی میں دونوں کھانا کھائیں اور پھر وہ کسی بہانے دست درازی شروع کر دے۔

مسئلہ یہ تھا کہ وہ کمپیوٹر سینٹر کس بہانے سے جائے پھر اُس نے عقل کا استعمال کیا اور ایک گاہک کی حیثیت سے اُس لڑکی کے کمرے تک پہنچ گیا۔

وہ لڑکی واقعی بہت خوبصورت تھی اگر رنگت ذرا بھی صاف ہوتی تو شاید اس میں اتنی دلکشی بھی نہ ہوتی۔

وہ تعاون پر آمادہ تھی۔

"آپ کو نیو میگا فریم، منی بائی ٹی ورک انفارمیشن ریاضی کمپیوٹر بھی لینا ہو تو میری خدمات حاضر ہیں۔" لڑکی کا لہجہ بہت تمیز بھرا تھا اور زبان شستہ تھی۔

"جی، کیا فرمایا؟" وہ شریف خان کی درخواست پر تقریباً اُچھل سی پڑی۔ "میں اجنبیوں کے ساتھ گھومنے پھرنے نہیں جا سکتی مسٹر خان۔"

"میری درخواست ہے کہ آپ مجھے رات کے کھانے پر شرف میزبانی بخشیں۔" شریف خان پگھلا جا رہا تھا۔

"نہیں۔" لڑکی کا جواب دو ٹوک تھا۔

"تب پھر مجھے دست درازی کی اجازت دیجیے۔"

"میں بھی نہیں۔ اس کی خوبصورت اور بڑی بڑی آنکھیں شدید ترین حیرت کے باعث نارمل سائز سے دُگنی ہو گئیں۔

"میں محض دست درازی کے عوض ایک ہزار ڈالر دوں گا۔" شریف گھگیانے لگا۔

"دفع ہو جاؤ۔" وہ اچانک ہی کسی شیرنی کی طرح غرائی۔ "ورنہ فوراً چلے جاؤ یہاں سے۔"

"پپ... پانچ ہزار ڈالر...!"

"میں پولیس کو بُلا لوں گی۔" لڑکی نے خوفناک لہجے میں دھمکی دی تو شریف خان نے آنکھیں بند کر لیں۔ اُس کے دونوں ہاتھ تیزی سے آگے بڑھے، لڑکی بہت زور سے چلائی اور پھر شریف خان نے دوڑ لگا دی۔

ہال بھر میں ہر طرف شور مچنے لگا۔ شریف کا کوٹ کسی نوکیلی چیز سے اُلجھ کر پھٹا اور پھٹتا ہی چلا گیا کیونکہ اُس نے رُکنے اور کوٹ کو نکالنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اُس کی ٹانگیں اس چابک دستی سے چلیں کہ تماشائی اُٹھنے لگے کیونکہ یہ ٹانگیں اب تیزی سے چلنے یا بھاگ دوڑ میں ساتھ دینے کے قابل نہیں رہی تھیں۔ اُسے ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ خواب دیکھ رہا ہو۔

وہ عمارت سے نکلا اور ابھی مصروف ترین شاہراہ پر پہنچا ہی تھا کہ کسی نے اُس کی گردن دبوچ لی۔ اُسے دبوچنے والا ایک سُراغ رساں تھا، جو اُسے کسی بچے کی طرح گھسیٹتا ہوا سینٹر میں... واپس لایا۔

وہاں لڑکی بھی موجود تھی اور اس کے چہرے پر برہمی کے تمام تاثرات بھی موجود تھے۔

"کیا یہی وہ شخص ہے؟" سُراغ رساں نے لڑکی سے پوچھا ساتھ ہی شریف خان کے بال پکڑ کر اُس کا چہرہ لڑکی کے سامنے کر دیا۔ شریف خان نے چھت کی طرف دیکھنے کی کوشش کی، فرش کی طرف دیکھنا چاہا، وہ صرف یہ جاننا چاہتا تھا کہ لڑکی سے آنکھیں نہ ملنے پائیں۔

"کیا اسی شخص نے دست درازی کی کوشش کی تھی؟" پولیس والے نے دوسری مرتبہ پوچھا۔

شریف خان کا دل چاہ رہا تھا کہ زمین پھٹ جائے تاکہ وہ اس میں سما سکے یا آسمان اُسے اُچک لے۔ وہ اپنی بے عزتی پر یقیناً موت کو ترجیح دیتا۔ اُسے اس عورت پر غصہ آنے لگا جس نے چہرہ چھپانے کی ہدایت کی تھی اور وہ سوچ رہا تھا کہ اگر اُسے کہیں ڈاکا ڈالنے کا حکم ملتا تو زیادہ آسان ثابت ہوتا۔

وہ جانتا تھا کہ لوگ اُسے بڑی حقارت سے دیکھ رہے ہیں۔ اُس نے ہال کمرے بھی دیکھے۔ ان کمروں کی آنکھیں شریف پر ہی مرتکز تھیں اور اُسے ایسا لگ رہا تھا جیسے یہ آنکھیں بھی اس پر ہنس رہی ہوں۔

"اسے یہاں سے لے جاؤ۔" لڑکی نے پیر پٹختے ہوئے کہا۔

پولیس والے نے لڑکی سے جرح شروع کر دی اور ایسے سوالات کیے جن کے باعث وہ شرم سے پانی پانی ہو گئی حتیٰ کہ اُسے یہ کہنا پڑ گیا کہ وہ اس شخص کے خلاف کسی قسم کی شکایت درج کرانا نہیں چاہتی دراصل لڑکی صرف یہی چاہتی تھی کہ عدالت میں اُس سے اس قسم کے سوالات نہ کیے جائیں۔

"چلو۔" پولیس والے نے شریف خان کو دھکا دیتے ہوئے کہا۔

"اگر یہ لڑکی شکایت درج کرا دیتی تو تم مارے جاتے۔"

پولیس والا شریف خان کے ساتھ سڑک تک آیا اور پھر اُس نے رُک کر پوچھا۔ "تم نے کیا کیا تھا؟"

شریف خان نے اُسے بتا دیا۔

"ویسے تم مجھے بہت شریف اور معصوم آدمی لگتے ہو۔" پولیس افسر نے کہا۔

"شکریہ۔ اب کیا بتاؤں۔" شریف سر جھکا کر زمین کو گھورنے لگا۔ "کیا تمہیں دلاسا دینے کے لیے کسی نے کہا تھا دوست؟"

"ارے نہیں۔" شریف خان نے فوراً جواب دیا۔ "بھلا ایسے چھچھورے کام کے لیے کون کہہ سکتا ہے؟"

پولیس والے نے کندھے اُچکا کر جیب سے اپنا کارڈ نکالا اور شریف کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ "تمہیں اگر کبھی بھی کوئی بھی مسئلہ درپیش ہو تو مجھے صرف فون کر دینا۔"

کارڈ پر پولیس افسر کا نام لیفٹیننٹ جان تیرو درج تھا۔

"شکریہ لیفٹیننٹ۔" شریف خان کو ایسا لگا جیسے اس موقع پرست دُنیا میں اُسے ایک سچا دوست مل گیا ہے۔ دونوں نے گرم جوشی سے ہاتھ ملائے اور شریف خان نے گھر واپس آ کر بڑی احتیاط سے کارڈ اپنی دانت کے ایک چھوٹے سے خوبصورت بکس میں رکھ دیا۔

جلد ہی اُسے بینک کی پینلٹی شیٹ موصول ہو گئی۔ اس بار اُسے ایک نئے پتے پر آنے کی ہدایت بھی کی گئی۔

یہ بھی ایک خال کمرا تھا۔ اس بار بھی اُسے اسی لڑکی سے دست درازی کی ہدایت ملی۔ فرق صرف یہ تھا کہ اس مرتبہ کپڑے نوچنے کے لیے کہا گیا تھا۔

تاریک کمرے میں ہوا نما سگار پیتے ہوئے شریف خان نئی حکمت عملی بنا تا رہا۔ وہ کمپیوٹر سینٹر میں جا کر ایسا کر سکتا تھا۔ یا کسی وقت لڑکی کا تعاقب کر کے ہر عام ایسی حرکت کی جا سکتی تھی اُسے صرف یہ خدشہ تھا کہ اس بار بھی نہ پکڑا جائے۔

پھر اچانک ہی اُس کے ذہن میں ایک نئے سوال نے جنم لیا۔ اگلی بار اُسے کیا حکم ملے گا؟

شریف نے پنسل نکال کر حساب کتاب کیا اور یہ دیکھ کر وہ

Scanned And Uploaded By Muhammad Naeem

حیرت زدہ رہ گیا کہ اس کے یومیہ اخراجات دو ہزار ڈالر سے بھی زیادہ ہیں۔ اس کا مُنہ خشک ہو کر رہ گیا۔ "یس... بہت ہو گیا۔ اب مجھے اخراجات کم کرنے ہوں گے۔ میں باقی رقم لے کر کہیں دُور چلا جاؤں گا۔"

اُس نے بینک اسٹیٹمنٹ پڑھا اور پھر سات لاکھ ڈالر کا چیک کاٹ ڈالا۔ بینک میں جب اُس نے کاؤنٹر پر چیک رکھا تو کیشیئر نے اُسے بغور دیکھا پھر اُس نے مینیجر سے رابطہ قائم کیا۔ جہاں سے ایک زوردار قہقہہ سنائی دیا۔

"جناب! آپ کے کاؤنٹ میں اوور ڈرافٹ کے باعث پندرہ سو ڈالر موجود ہیں، اگر آپ کا بیلنس صفر ہے۔" کیشیئر نے مسکرا کر اُسے مطلع کیا اور اس مسکراہٹ میں طنز و حقارت کے تمام تیر موجود تھے۔

●

اگلی صبح شریف خان کمپیوٹر سینٹر کے باہر موجود تھا۔ جونہی وہی لڑکی باہر نکلی، کپڑا پھٹنے کی زوردار آواز پیدا ہوئی اور پھر شریف خان بھاگ نکلا۔ بلاوزکی آستین کا ایک ٹکڑا اب بھی اُس کے ہاتھ میں تھا اور لڑکی ہسٹریائی انداز میں چیخ رہی تھی۔ لوگ اُس کے پیچھے لپکے مگر وہ ایک سڑک پار کر کے گلیوں میں گم ہو گیا۔

چند روز بعد اُسے بذریعہ ڈاک بینک کا ایک اور گوشوارہ ملا۔ ساتھ ہی یہ حکم بھی ملا کہ وہ درج شدہ پتے پر پہنچے۔

"اسی لڑکی کی پٹائی کرو گے خنزیر۔" مترنم آواز نے اُسے حکم دیا۔

اس بار وہ پریشان ہو گیا اور اُس نے ماتھی دانت کی صندوقچی سے لیفٹیننٹ جان شیر کا کارڈ نکال کر اُسے فون کر ڈالا۔

"ٹھیک ہے تم مجھ سے دریائے فردوس کے مغربی مرکز پر ملو۔ اس جگہ جہاں کشتیاں لنگر انداز ہوتی ہیں۔" لیفٹیننٹ جان شیر نے ایک طویل سانس لے کر جواب دیا۔ شریف نے اُسے ایک ہی سانس میں سب کچھ بتا دیا تھا۔

لنگر گاہ ویران تھی، ہر طرف اندھیرا تھا۔ صورتِ حال خود شریف خان نے اپنے حق میں کبھی۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اُسے حکم دینے والی آنکھیں پولیس، فوج سے میل جول دیکھ لیں۔ وہ اب بچنا اور فرار ہونا چاہتا تھا۔ اُسے کمپیوٹر ٹرانسپاؤنڈر سے لگن تھی اور لڑکی بھی کمپیوٹر سینٹر میں کام کرتی تھی۔

"میں واقعی پریشان ہُوں۔" شریف خان نے جان شیر کو بتایا اور پھر بینک کمپیوٹر ٹرانسفر سے اب تک کی تمام تفصیلات بتا دیں۔ "ایسا لگ رہا ہے جیسے مجھے استعمال کیا جا رہا ہے۔ لیفٹیننٹ کسی خاص مقصد کے لیے۔ میرے اکاؤنٹ میں لاکھوں ڈالر ہیں لیکن میں پچاس ہزار ڈالر سے زیادہ کا چیک لے کر جب بھی بینک گیا تو چیک واپس کر دیا گیا۔ تاہم میں کریڈٹ کارڈ سے کچھ بھی خرید سکتا ہُوں۔"

"اب کتنی رقم اکاؤنٹ میں جمع ہے؟"

"سات آٹھ لاکھ۔" شریف خان نے جواب دیا۔

"واہ... اتنی رقم...!" لیفٹیننٹ جان شیر ایک طویل سانس لے کر بولا۔ اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔ "تم نے محض ایک لڑکی کو چھیڑنے کے عوض اتنی رقم جمع کر لی۔"

"کیا مطلب؟"

"میں اس سے کہیں زیادہ ڈالر کاموں میں مصروف ہوتا ہُوں اور مجھے اس کا عشرِ عشیر بھی نہیں ملتا۔ میں تو اتنی رقم کے لیے صدر مملکت کو بھی چھیڑ سکتا ہُوں۔"

"اب مسئلہ یہ ہے کہ یہ سلسلہ کہاں ختم ہو گا؟" شریف اُس کی باتوں سے اُکتا کر بولا۔

"تم اس کی فکر کیوں کرتے ہو؟"

"کیا مطلب لیفٹیننٹ، تم کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"یہی کہ لڑکی کی پٹائی کر دو۔"

"اوہ..." شریف نے گردن جھٹک دی۔ اُس کے اندر تک نہیں کی آواز آئی تھی۔ وہ یہ کام کرنا ہی نہیں چاہتا تھا۔ اُسے یہ بات بھی طرح معلوم تھی کہ اگر وہ اس دلدل میں مزید دھنسا تو پھر کبھی نہیں نکل سکے گا۔ اس وقت وہ عیش و آرام کو جہنم کی فضا سے کم نہیں سمجھ رہا تھا۔ اب وہ سکون کے حوض مریم کی زبان درازی بھی برداشت کرنے کے لیے تیار تھا۔

"نہیں جان شیر! میں اب مزید کسی کے ہاتھوں کا کھلونا نہیں بنوں گا۔" اُس نے بڑے عزم کے ساتھ کہا۔ "میں پہلے ہی کافی آگے

کائنات
ایم اے راحت
دو حصے
قیمت: ۹۰/۰۰ روپے

بڑھ چکا ہُوں۔ اب مزید ایک قدم بھی نہیں اُٹھاؤں گا۔ اس انکار کی اگر کوئی قیمت ہے تو میں وہ بھی ادا کرنے کے لیے تیار ہُوں۔"

"واقعی؟" لیفٹیننٹ نے بڑی سنجیدگی سے پوچھا۔

"ہاں۔" شریف خان نے سینہ پھُلا کر جواب دیا۔

"تب پھر اب تک کی پوری کہانی دوبارہ سُناؤ۔ کیا تم دولت سے بھی محروم ہونے کے لیے تیار ہو؟"

"بالکل۔ میں جہنم میں رہنا نہیں چاہتا۔"

"سُنو... حماقت نہ کرو۔ اس لڑکی کے دو تین ہاتھ مار کر رقم لو اور عیش کرو۔"

"سر! نہیں، یہ غیر قانونی کام ہے اور میں مزید غیر قانونی کام نہیں کر سکتا لیفٹیننٹ... ایک کیا دس لاکھ ڈالر کے عوض بھی نہیں۔"

"اچھا۔" لیفٹیننٹ نے مُنہ بنا کر جیب میں ہاتھ ڈالا۔ "یہ رہا کا اسپیشل نکالا۔" اس کی ناک شریف خان کے چہرے پر رکھی اور لبلبی دبا دی۔

"بے چارہ۔" لیفٹیننٹ جان شیر نے سر جھٹکتے ہوئے زیرِ لب کہا۔

●

صحرا نے زرد کے علاقے علی آباد میں رہنے والے ایک لیفٹیننٹ کرنل نے بس کا تعلق علی آباد نیوکلیئر میزائل یونیورسٹی سے تھا۔ وہ نئی مرسیڈیز بینز کاریں خریدیں اور ذاتی اکاؤنٹ سے قیمت ادا کی۔ اس کی سالانہ تنخواہ اور ایک کار کی قیمت سے بھی نصف تھی لیکن اس کے اکاؤنٹ میں نہ جانے کہاں سے اتنی بڑی رقم آ گئی تھی۔ بہرحال اس وقت وہ اس اُلجھن میں گرفتار ہونا نہیں چاہتا تھا کیونکہ اُسے اُن چوبیس میزائلوں پر ڈیوٹی دینی تھی جن کا رُخ دُشمن ملک ہیرت بینہ کی طرف تھا اور ان میزائلوں میں ٹی این ٹی کی لاکھوں ٹن قوت موجود تھی۔

●

چاؤپل پر وہ موجود تھا اور سنگلاخ پہاڑوں کے اس قبائلی علاقے کی سردی سے بے نیاز اطراف کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس نے ہلکی سی کالی قمیص اور پتلون پہن رکھی تھی۔

دریائے چاؤپل اور پہاڑوں کے اس دیس میں آنے سے قبل ہم نے اس سے کہا تھا کہ فردوس کے پڑوسی مسلم ملک میں غیر ملکی فوجوں کی موجودگی اگرچہ ہمارا مسئلہ نہیں لیکن اگر وہاں فردوس کے خلاف کوئی سازباز ہو رہی ہے تو یہ ہمارا دردِ سر ہے۔

ٹائیگر کو سردی کی پروا نہ تھی۔ گزشتہ تین ماہ کی کڑاکے دار سخت سردیوں نے اُسے سردی کے احساسات سے بے نیاز کر دیا تھا۔ وہ پورا کا پورا بدل چکا تھا۔ اسلحہ اُس سے چھین لیا گیا تھا۔ اُس کے چہرے میں تبدیلیاں کر دی گئی تھیں اور وہ تین ایسے مرکز کر چکا تھا جن میں اُس نے ہاتھ پیر اور جسم استعمال کیا تھا۔ تین ماہ سے اُس نے گولی نہیں چلائی تھی، ٹارگٹ گن استعمال نہیں کی تھی اور اب اُسے ایسا لگ رہا تھا کہ اُس نے کچھ عرصہ قبل خواب میں ہی آتشیں اسلحہ استعمال کیا تھا۔

وہ جن لوگوں کی نگرانی کر رہا تھا غالباً وہ بھی اپنے کپڑوں کی وجہ سے سردی محسوس نہیں کر رہے تھے۔ بھاری اُونی بلوسات نے انھیں چھپا رکھا تھا۔ وہ ایک الاؤ کے گرد بیٹھے ہونے ہاتھ تاپ رہے تھے۔ اُن کا لہجہ اگرچہ اجنبی تھا مگر وہ فردوسی ملی جلی عامی زبان میں باتیں کر رہے تھے۔

اُس پاس محافظ بھی تھے۔ انھیں سردی لگ رہی تھی، کیونکہ انھوں نے رائفلیں ایک طرف رکھ کر اپنے ہاتھ سینوں پر باندھ رکھے تھے انھیں یہ احساس نہیں تھا کہ وہ اپنے عضلات کو اکڑا کر سردی سے نیچ رہے ہیں۔

سردی واقعی بہت زیادہ تھی۔ درجۂ حرارت نقطۂ انجماد سے تین درجے نیچے تھا۔ مستزید یہ کہ برفانی ہوائیں بھی چل رہی تھیں اور ٹائیگر نے سانس کی رفتار سُست رکھی تھی۔ اُسے یہی بتایا گیا تھا کہ سانس کی اس خاص ورزش سے جسم کا درجۂ حرارت بڑھا کر بیرونی جسم پھیلی ہوئی سردی سے لڑا جا سکتا ہے۔ وہ بالکل ساکت کھڑا ہُوا تھا۔ اتنا ساکت کہ محافظوں نے بھی اُسے دیکھا تھا مگر اُسے کوئی بُرا پتھر سمجھ کر نظر انداز کر دیا تھا۔

نیم برف فرش کے گرد موجود تمام لوگ سردی سے بچنے کے لیے کوشاں تھے۔ اس کے لیے انھوں نے سوچنے سمجھنے کی کوشش ترک کر دی تھی اور ان کے ذہن پر سردی غالب تھی جبکہ ٹائیگر نے اپنے ذہن کو آزاد چھوڑ دیا تھا۔ اس وقت تک جھاڑیوں کی جڑوں میں پیدا ہونے والی وہ سرسراہٹ بھی سُنائی دے رہی تھی، جو عام کان نہیں سُن سکتے تھے۔ اس کو بُھنے ہوئے اس گوشت کی مہک بھی محسوس ہو رہی تھی جو ابھی نیمبے میں موجود لوگوں نے کھایا تھا۔ وہ ہلکی سی آواز بھی، جو سنسناہٹ دے رہی تھی، جو ایک گھڑ کے پیروں کے پھٹنے سے پیدا ہو رہی تھی۔ وہ لُو بھی محسوس کر رہا تھا۔ یہ لُو غیر ملکی سگریٹوں کی تھی، جو وہ لوگ پی رہے تھے۔

"اب ہم فرنچ میں بات کریں گے۔" اُسے اچانک ہی اُونچی آواز سُنائی دی۔ یہ اُس گروہ کے قائد کی آواز تھی، جو یہاں پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا۔ "ہم سامراج کے خلاف اپنی زندگیاں وقف کر چکے ہیں۔" قائد نے کہا۔ "جس طرح یہاں ہم سامراجی عزائم کو ناکام بنانے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کے لیے وجود میں، اسی طرح فردوس میں بھی کوششیں جاری ہیں ہمارے پاس بیماروں کو گولیوں اور بموں کی کمی نہیں لیکن اس ملک کے پڑوسی ملک کا صدر ہماری راہ میں مزاحم ہے۔ وہ اپنے لوگوں کو جمہوریت کی نشیلی گولیاں دے رہا ہے اور اس نے باغیوں کو پناہ دے رکھی ہے لیکن ہم اسے بتادیں گے کہ ہم کتنے طاقت ور ہیں۔"

واڈکا کے نشے میں دھت لوگ تالیاں بجانے لگے۔ ان میں سے کچھ لوگوں نے وہ نعرے بھی لگائے جو مسلمانوں کا طرۂ امتیاز ہوتے ہیں۔ ٹائیگر یہ نعرے سُن کر کانپ اٹھا۔ ایک مگر دہ مقصد کے لیے ان نعروں کو استعمال کیا جارہا تھا۔

"ہاں، مسلمان بھائی بھی ہمارے ساتھ ہیں۔" گروہ کے قائد نے کہا۔

"تم لوگ کوڑے کے ڈھیر پر پڑے ہونے باسی روٹی کے ٹکڑے ہو۔" ان لوگوں کو اچانک ہی تاریکی میں سے کسی کی آواز سنائی دی۔ انھوں نے اچھل کر ادھر ادھر دیکھا... مگر انھیں کوئی نظر نہ آیا۔

"تم یہاں اندھیروں میں سازشیں کررہے ہو۔ پڑوسی ملک میں بموں کے دھماکے کرا رہے ہو، جن میں بے گناہ لوگ ہلاک ہورہے ہیں مگر اب تم بچ نہیں سکو گے۔"

"یہ کون کہہ رہا ہے؟" میجر جنرل اسٹینوف کو غصہ آگیا۔

"میں کہہ رہا ہوں۔" گھپ اندھیرا پھر بولا۔ "آج کی رات تم لوگ بھوٹ کی فصل کاشت کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکو گے مجھے فی الوقت یہ اختیار نہیں کہ تم سے بموں کے دھماکوں اور اموات کا حساب لوں لیکن میں تمھیں اس سازش پر عمل کرنے سے روکنے کے لیے آیا ہوں، جو تم یہاں تیار کر کے آئے ہو۔"

"اسے گولی مارو۔" میجر جنرل اسٹینوف نے چلا کر کہا۔

"کسے؟" درجنوں کلاشنکوف سیدھی ہوگئیں۔

"اندھیرے کو۔" میجر جنرل نے جھلا کر کہا اور پھر سینکڑوں گولیاں اندھیرے میں قے ہوگئیں۔

گولیاں چلنے کی آوازیں بہت خوفناک تھیں اور جب یہ آوازیں بند ہوئیں تو ہر طرف مزید خوفناک خاموشی چھا گئی۔

"بھاگ گیا۔" میجر جنرل نے اپنے لوگوں کو سراسیمہ دیکھ کر ہنستے ہوئے کہا۔ حواس کی وجہ سے پریشان تھے کہ اتنی گولیاں چلنے کے بعد اندھیرے میں سے کسی کی چیخ سنائی نہیں دی۔ "کوئی بزدل جیلے کے پیچھے چھپ کر بکواس کررہا تھا۔"

"کس جیلے کے پیچھے کامریڈ جنرل؟" ایک کرنل نے پوچھا کیونکہ اس پاس کوئی جیلہ نہیں تھا۔

بات سمجھ گئی ہوگئی۔ جنرل ایک بار پھر ڈیوٹیاں تقسیم کرنے لگا۔

"کامریڈ لیفٹیننٹ! تمھارے آدمی تیار ہیں؟"

"یس کامریڈ جنرل! انھیں ڈائنامائٹ دے دیا گیا ہے۔"

"کیا سب مقامی ہیں؟"

"سو فیصد۔ ہم اپنے آدمی ایسے مشن پر نہیں بھیجتے۔ انھیں ہدایت کردی گئی ہے کہ کسی بارود کی بازار میں دھماکا ہونا چاہیے۔"

"تمھارے دلوں پر بم رکھ دیے جائیں گے تو تمھیں بموں کی شدت کا احساس ہوگا۔" اندھیرے میں سے پھر آواز آئی۔

"کون ہے؟ سامنے آؤ بزدل...!" میجر جنرل اس بار بہت زور سے چلایا۔

"ذرا سامنے تو آؤ بزدل فوجیوں نے اپنی رائفلیں سیدھی کرلیں۔

اس بار جواب نہیں ملا۔

"شاید کوئی سامراجی ایجنٹ آس پاس موجود ہے۔ بہت سہما ہوا لگتا ہے۔" میجر جنرل اسٹینوف نے اس بار نرم لہجے میں اپنے ساتھیوں کو بتایا۔ اس کی کوشش تھی کہ اس کے لہجے سے خوف ظاہر نہ ہو۔

"ہم بہت طاقت ور ہیں، ہمارے پاس ہر قسم کی قوت ہے۔"

"نہیں۔" اس بار آواز دوسری طرف سے آئی تھی۔ "تم لوگ اسی طرف پٹ گئے، تم اتنے طاقت ور نہیں کہ مجھے شکست دے سکو۔"

اسی لمحے بہت سے لوگ پہلو بدل کر رہ گئے کیونکہ آواز والا اچانک ہی سامنے آگیا تھا۔ وہ نوجوان تھا اور اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ وہ صرف سیاہ قمیص اور پتلون میں تھا۔

"یہ سراب ہے۔" میجر جنرل نے پیر پٹخ کر کہا۔ "محض فریبِ نظر ہے۔"

"نہیں۔" وہ بجلی کی طرح چمکا تھا اور پھر میجر جنرل کے عقب میں پہنچ کر اس نے ایک کرنل کی گردن اس طرح پکڑی تھی کہ سیم اس کے بے حال بدن کی قمیص پر خون کے قطرے ٹپکنے لگے۔ "دیکھو، محسوس کرو۔ میں حقیقت ہوں۔" اس نے کہا اور پھر اندھیرے میں چھلانگ لگا گیا۔

"دیکھا... گیا... قریب نظر تھا۔" میجر جنرل نے ہنس کر کہا لیکن اسی لمحے کیوب فائر کی طرف کوئی گیند نما چیز آکر گری۔ نوجوان فوجی ادھر ادھر پھر دیکھنے لگے۔ انھیں کسی چیز کے پھٹنے کی آواز سنائی دی تھی۔ اب وہ گیند کی طرف دیکھ رہے تھے جس سے بہنے والا خون انھیں الاؤ کی وجہ سے صاف نظر آرہا تھا۔ انھیں یقین تھا کہ آواز پھٹنے کی نہیں کٹنے کی تھی اور ان کے سامنے اس کرنل کی گردن پڑی تھی جسے جینئس نوجوان اپنے ساتھ ہی اندھیرے میں لے گیا تھا۔ انھوں نے پٹ کر میجر جنرل کی طرف دیکھنا چاہا، مگر اب وہ بھی اپنی جگہ پر موجود نہیں تھا۔ ایسا لگ رہا تھا،

جیسے اسے تاریکی نے ہڑپ کرلیا ہے۔

●

میجر جنرل اسٹینوف اپنے ہماری کوٹ میں بُری طرح پھنس رہا تھا۔ کوٹ اس کے لیے اب بوری ہی ثابت ہو رہا تھا، ایسی بوری جس میں وہ خود اپنی غلطی سے بند ہوگیا تھا۔

الاؤ اور کیمپ سے چند گز دور جاکر ٹائیگر نے اس بوری کو زمین پر پٹخ دیا۔

"گڈ ایوننگ!" ٹائیگر نے مسکرا کر کہا۔ "میں ایک اہم پیغام لے کر آیا ہوں کامریڈ جنرل!"

"نہیں امریکیوں سے کوئی عداوت نہیں۔" میجر جنرل نے ٹائیگر کی نئی شکل دیکھتے ہی کہا۔ "جنیوا مذاکرات جاری ہیں اور ان بالواسطہ مذاکرات میں مسئلے کا کوئی حل...."

"شش...!" ٹائیگر نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ "جھوٹ نہیں بولا کرتے۔ میں جھوٹوں کو کوٹ ہی نہیں ان کی کھال سے بھی محروم کردیا کرتا ہوں۔" یہ کہتے ہوئے اس نے کوٹ کھینچ لیا۔ اس کوشش میں جنرل کا ایک بازو بھی مڑ گیا۔ "اب تم ایک بات اچھی طرح سمجھ لو۔ فردوسی (ایران صدیوں) وجہ مختصر بہت اچھا ہے۔"

"پھر...؟" جنرل کوٹ اُترنے کے بعد کانپنے لگا تھا۔

"اچھے آدمیوں کو قتل کرنا بُری بات ہے، سمجھ گئے؟" ٹائیگر نے کہا اور جنرل کی قمیص بھی اُتارنے لگا۔

"یہ... یہ کیا کررہے ہو... کک... کیا کررہے ہو؟" جنرل بُری طرح کانپنے لگا کیونکہ ٹھنڈی سرد ہوا چیونٹی کی طرح اس کے جسم میں رینگنے لگی تھی۔

"یہ لو!" ٹائیگر نے قمیص جنرل کے شانے پر ڈال کر کوٹ بھی اوپر ڈال دیا اور اب غور سے چند باتیں سنو۔ تم خدائی فوجدار نہیں ہو۔ تم بہت چھوٹے چھوٹے لوگ ہو اور ہزار سال سے تم پستہ قامت ہو لیکن تم وہ کام کرنا چاہتے ہو جو صرف اللہ کرسکتا ہے لیکن تم ہر بار ٹھوکر کھا کر منہ کے بل گر پڑتے ہو۔ مجھے دیکھو... میں بھی بہت چھوٹا آدمی ہوں لیکن تمھارے کسی بھی حفاظتی گولیاں یا برف کی سردی مجھے نہیں مار سکی اس کی کیا وجہ ہے؟"

"م... نہیں...!" جنرل اگر چہ اوور کوٹ اپنے گرد لپیٹ چکا تھا مگر اب بھی کانپ رہا تھا۔

"تم نے پرانی کہانیاں تو سنی ہوں گی؟"

"ہاں... کچھ... دو تین...!" جنرل نے اس کے دانت بجنے سے مشکل جواب دیا۔

"کیا تم نے سانجو کا نام سنا ہے؟"

"نہیں، شاید یہ کوئی نیا ہتھیار بنایا ہے۔"

"نہیں سانجو امریکہ سے بھی پرانا اور کہیں زیادہ طاقت ور ہے۔" ٹائیگر نے سینے پر ہاتھ رکھ کر جواب دیا۔

"تو... تو کیا سانجو، شاہ کا آدمی ہے؟"

"اب شاید تمھارے جسم میں حرارت واپس آرہی ہے لیکن سانجو نے شہنشاہوں کا آدمی نہیں ہے۔ وہ ان سے شہنشاہوں سے بھی صدیوں پرانا ہے۔"

"اوہ قدیم سانجو... بہت کے ہرکارے لیکن میں نے سنا ہے کہ ہر سانجو مر چکا ہے۔"

"سانجو کبھی نہیں مرتا، جب تک انسان زندہ ہے سانجو زندہ رہے گا۔"

"مگر سانجو کہاں ہے؟"

"سانجو یہ ہے۔" ٹائیگر نے ایک بار پھر سینے پر ہاتھ رکھ کر جواب دیا۔

"تم... تم سانجو ہو؟"

"میرا جواب تم سُن چکے ہو۔"

"قدیم داستانوں میں ایسے سانجو سورماؤں کا ذکر ہے جو قدیم زمانے کے بادشاہوں کو قاتلوں سے بچایا کرتے تھے۔ کیا تم بھی سانجو ہو؟" جنرل کی آواز گھٹ سی رہی تھی۔

ٹائیگر نے اس بار جواب دینے کی بجائے جنرل کو ایک ہاتھ سے اٹھا لیا۔ وہ بھی دیکھ رہا تھا کہ شدید ترین سردی بھی اس کے اعصاب کو متاثر نہیں کرسکی ہے۔

"ل... لیکن سانجو تو مشرقی تھا اور تم...!" وہ واقعی پیر مار رہا تھا۔

"مغربی کہہ کر مجھے گالی مت دینا جنرل۔" ٹائیگر غرایا۔ "تم اتنے ہی بے وقوف ہو کہ تمھاری آنکھیں سچ نہیں دیکھ سکتیں۔ کیا تم نے یہ نہیں دیکھا کہ سردی سے مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ کیا تم نے میرے ہاتھوں سے ایک سرقلم ہوتے ہوئے نہیں دیکھا اور کیا تم یہ نہیں دیکھ رہے ہو کہ میں صرف ایک ہاتھ سے تمھیں اٹھائے ہوئے ہوں۔"

"تم سانجو ہو؟" جنرل اب بے بس ہو کر ہاتھ پیر ڈال چکا تھا۔

"تم واقعی احمق ہو۔" ٹائیگر کا دل چاہا تھا کہ وہ جنرل کی گردن توڑ کر اپنی راہ لے لیکن پھر اسے اس جنرل سے نفرت تھا جس کو فردوسی صدر کے قتل کے منصوبے کا چارج دیا جاتا پھر اسے جلد از جلد یہاں سے نکلنا بھی تھا۔

"سانجو کی واپسی۔" جنرل کی حالت غیر ہو رہی تھی۔ "کیا شاہ بھی واپس آجائے گا؟"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"یہ میرا درد سر نہیں۔ ویسے بھی بگوڑے شاہوں کو سنانجو پسند نہیں کرتا۔ تم یقین کر دیانہ کرو لیکن میں صرف ایک بات بتانے آیا تھا اور وہ یہ کہ تم فردوسی صدر پر حملے اور اُسے قتل کرنے کے منصوبے پر عمل نہیں ہونے دو گے۔ فردوسی صدر سے کم از کم چار سو میل دُور رہو گے اور تم میں پھر واپس آجاؤں گا۔"

"میں منصوبے پر عمل نہیں ہونے دوں گا۔" جنرل نے اُسے یقین دلایا۔

"گڈ۔" ٹائیگر نے جنرل کا وزن دوسرے ہاتھ پر منتقل کر لیا۔ "اب جب بھی تم دہشت گردی کے لیے کوئی گروپ بھیجو گے تو اُسے سنانجو کی وارننگ سے بھی مطلع کر دو گے کہ فردوسی صدر پر کوئی حملہ نہیں ہو گا اگر میں نے کبھی یہ سنا کہ فردوسی صدر سے چار میل پر بھی کوئی دھماکا ہوا ہے تو سنانجو واپس آکر سروں کو درختوں پر پُرانے زمانے کی طرح ٹانگ دے گا۔"

"کیا؟" جنرل نے نیم مُردہ آواز میں پوچھا۔

"یا پھر سر بیروں کی طرح ہر طرف بکھر جائیں گے۔"

"میں سمجھا نہیں۔"

"سروں کی فصل کاٹی جائے گی۔ کیا تم نے پُرانی کہاوت نہیں سُنی؟"

"میں نے صرف یہ کہانی سنی تھی کہ سنانجو نے دشمن کی فوج پر حملہ کیا تو دشمن کی فوج کے سر تربوزوں کی طرح زمین پر بکھرے ہوئے تھے۔"

"درست... مگر تمام سر بچھے ہوئے تھے۔ پچھے ہوئے تربوزوں کی طرح...!" ٹائیگر نے تھپکی دے کر جنرل کو اُچھالا۔ اُس کے دو نوکر بیرے اُس کے ہاتھ میں آگئے۔ اُس نے ایک لمحے تک اُسے الٹا کیے رکھا اس طرح کہ جنرل کا سر زمین سے لگ رہا تھا اور پھر اُسے چھوڑ دیا۔

●

جنرل استیفوف کیمپ میں مزید ہدایات لے کر واپس آیا۔ اُس رات تمام جوان الاؤ کے گرد بیٹھے... یا لیٹے ہوئے اُس نوجوان کے بارے میں باتیں کرتے رہے، جسے شدید سردی میں بھی گرم کپڑوں کی ضرورت نہ تھی۔ وہ اندھیرے سے آنے والی آواز پر بھی گفتگو کرتے رہے اور ساتھ ہی ساتھ اُن پر مرے ہوئے کرنل کے سر کا بھی خوف سوار رہا، جو ابھی تک اُن سے چند گز دُور آنکھیں کھولے ہوئے اُنہی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

موت... محض موت... بڑی آسان سی بات تھی لیکن اندھیرے میں سر قلم ہو جانا عام سی نہیں، انتہائی لرزہ خیز بات تھی۔ اُنہیں تربیت ہی اس بات کی دی گئی تھی کہ موت سے نہ ڈرو لیکن ایسی موت انہیں قطعی پسند نہ تھی کہ کوئی اُنہیں بڑھائے اور گردن کٹ کر دُور جا گرے۔

صبح ہوئی تو جنرل نے بڑے رحم لہجے میں اُنہیں بریفنگ کے لیے طلب کیا اور جب خطاب کیا تو اُس کی آواز بھی نرم تھی اور الفاظ بھی شیریں۔ اُس نے کہا کہ رات کو آنے والا صدیوں پُرانا ہے اور جب وہ کسی فوج کے خلاف ہوتا ہے تو فوجیوں کے سر تربوزوں کی طرح زمین پر بکھر جاتے ہیں۔

"ایک تربوز تو ہم رات کو دیکھ چکے ہیں۔" ایک افسر نے کہا۔ "وہ رات بھر کرنل کے سر کے خوف سے جاگتا رہا تھا۔"

"میں نے اپنے دادا سے سُنا تھا کہ اس طرح کی سزا دینے والا شخص مشرق میں رہتا تھا۔ مگر رات کو آنے والا تو مغربی تھا۔"

"نہیں، وہ مغربی نہیں، شاید اُس کے چہرے پر چابک سرخی کی گئی ہے۔" وہ سنانجو تھا۔ اُس نے خبردار کیا ہے کہ ہم فردوسی صدر کے خلاف کوئی کارروائی نہ کریں۔ تمھاری کیا رائے ہے، بگیا ہم خاموش ہی رہیں، منصوبے پر عمل نہ کریں؟ اگر ہم نے ایسا کیا تو وہ ہم سے انتقام لینے کے لیے نہیں آئے گا؟" جنرل نے یہ کہہ کر تمام چہروں کو بغور دیکھا۔ خاموش جوان اور افسر اس کی سر ہلا کر تائید کر رہے تھے۔

تبھی سُورج پوری طرح طلوع ہو گیا اور اسی لمحے انہیں عقب سے آواز سُنائی دی: "گڈ مارننگ!"

انہوں نے پلٹ کر دیکھا۔ آنے والا نوجوان تھا۔ اُس کا انداز وہی تھا جو صبح رات کے بیسویں نے اختیار کر رکھا تھا۔ وہ مسکرا رہا تھا۔ آدھی آستین کی قمیص اور پتلون میں وہ بہت اچھا لگ رہا تھا۔

اس وقت تو جنہیں کی حالت ایسی تھی کہ اگر ان کا کوئی بھی ساتھی پیش کر دیتا تو وہ سب کے سب بھاگ کھڑے ہوتے۔

"تم لوگ میرے محافظین کر مجھے وارالحکومت سابل لے جاؤ گے اور وہاں سے فردوس جانے والے طیارے میں سوار کراؤ گے۔"

●

شام کو وہ ٹیرن کے کمرے میں تھا اور غسل خانے میں نہاتا ہوا وہی دشمن سیٹی کی شکل میں بجا رہا تھا، جو گزشتہ شب اُس نے کیمپ فائر میں سُنی تھی۔

وہ تولیے سے سر پونچھتا ہوا کمرے میں آیا تو سوٹ کے بڑے کمرے سے معنی سی آواز آئی: "او، کیا رہا؟"

"سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہو گیا نیل فادر!" ٹائیگر نے اپنے کمرے ہی سے جواب دیا۔

"اوش... ش... خ...!" ٹائیگر نے اُوشان کے طویل سانس لینے کی آواز سُنی۔ "یہ نہیں، تم نے میری ہدایت پر عمل نہیں کیا ہو گا۔"

ٹائیگر اپنے کمرے سے اُوشان کے کمرے میں داخل ہوا۔ تولیہ اب اُس کے جسم پر بندھا ہوا تھا۔ اُوشان صبح کی مخصوص ویل قمیص

ملبوف فرش پر خاص انداز میں بیٹھا ہوا تھا۔ اُس کے دونوں ہاتھ رانوں پر تھے مگر ٹانگ کہاں ہیں؟ اس کا اندازہ ٹائیگر کے علاوہ اور کسی کو نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ اُوشان کے پورے جسم پر قباحتی طرف سر نظر آرہا تھا یا... پتلی پتلی نوکدار مونچھیں، اُس کے سفید بال اگرچہ ہنوز تھے مگر شانوں تک لٹک رہے تھے۔ بالوں میں عجیب سی لچک تھی۔ حاضی نوکیل تھی اور جب وہ بات کرتا تھا تو داڑھی ہلتی تھی۔

"میں نے تمہیں بتا دیا تھا کہ کیا کرنا ہے اور تم نے مجھے یقین دلایا تھا کہ تم سب کچھ سمجھ گئے ہو۔"

"بالکل۔" ٹائیگر نے سر ہلا کر جواب دیا۔ "آپ نے بہت واضح طور پر بتا دیا تھا مگر یہ بھی بتا دیا تھا کہ وہ ملک ایران ہے جب کہ وہ ایران نہیں اور وہاں کا بادشاہ ہتھوڑا ہے، ایران کے بادشاہ کی طرح۔"

"میں نے یہ باتیں تمہیں بتانا ضروری نہیں سمجھی تھیں۔" اُوشان نے بڑی بے نیازی سے کہا۔ "میں چاہتا تھا کہ تم خود ہی سیکھو۔ میں تم جیسے کوزہ گر کو کب تک بڑھاتا۔ ہوں گا کیا میں نے تمہیں یہ نہیں بتایا تھا کہ وہاں کے لوگ بھی سنانجو کو جانتے ہیں۔"

"بالکل جانتے ہیں۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ "سنانجو اور پُرانے شاہوں کی داستان لوگوں کو اب بھی یاد ہے۔"

"اب بھی سے کیا مُراد ہے؟" اُوشان اچانک ہی مشتعل ہو گیا۔ "کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ لوگ عظیم کارنامے بھول جائیں، جنہ... سبھی یاد ہے؟"

"درست... بالکل درست!" ٹائیگر نے زور زور سے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"بالکل غلط... قطعی غلط... آہ... میں نے اپنی زندگی کے بیس گنت قیمتی سال ایک جنبی کی تربیت میں ضائع کر دیے اور وہ احمق کہہ رہا ہے کہ لوگوں کو اب بھی یاد ہے۔ حیرت کا اظہار کر رہا ہے۔ کیا اس وقت بھی حیرت کا اظہار کرتے ہو، جب مُنہ قمیص نہیں کھاتی تم پر اثر نہیں کرتی اور دُنیا کی رفتار تمہاری نظروں کے سامنے سست ہو جاتی ہے۔"

"نہیں نیل فادر!" ٹائیگر نے بڑے خلوص سے جواب دیا۔ مگر اس وقت اس کی آنکھیں کسی شرارت کے باعث چمک رہی تھیں۔

"تب پھر تہذیب یافتہ اقوام میں عظیم ترین سنانجو کا احترام دیکھ کر احمر سے زرد کیوں ہونے ہو۔ ایرانی اپنے سورماؤں کو یاد رکھتے ہیں جبکہ امریکہ جانے والا فردوسی نانکسرا اور احسان فراموش ہو جاتا ہے؟"

"آپ نے مجھے جو کچھ سکھایا ہے، اس پر میں آپ کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔" ٹائیگر نے ہنس کر کہا۔

"تم فردوسیوں میں سب سے خراب فردوسی ہو۔"

"میں نے کب کہا تھا کہ آپ سب سے خراب فردوسی کو تربیت دینے کے لیے منتخب کریں؟"

اُوشان بہت تیزی سے بولنے لگا۔ اُس نے دُنیا کی ہر قوم کے بارے میں تفصیل سے بیکچر دیا اور آخر میں کہا: "اگر میں کسی فردوسی فقیر کو بھی منتخب کر لیتا تو وہ احسان فراموش نہیں ہوتا لیکن تم نے...!"

"نیل فادر!" ٹائیگر اُوشان کے سامنے بیٹھ گیا۔ اُوشان نے اپنی قباحتیں، ہتے ہوئے پہلو بدلا اور دوسری طرف منہ پھیر لیا۔ "میں ایران سنانجو کا اس لیے احترام کرتا ہوں کہ میں اس کا ایک حصہ ہوں لیکن دُنیا کے باقی لوگ پیشہ ور قاتلوں کا اتنا احترام نہیں کرتے۔ جہاں تک ان لوگوں کا تعلق ہے، جن سے نمٹنے کے لیے میں گیا تھا، وہ لوگ سنانجو کو یاد کرتے ہیں اور ان کا کہنا ہے کہ اگر شاہ غلط پالیسیاں اختیار نہ کرتا تو سنانجو کے سو سال سے ضرور بچا لیتے۔"

اُوشان ایک لمحے کے لیے خاموش رہا اور پھر اُس نے چہرہ ٹائیگر کی طرف گھما لیا۔ شاید یہ پہلا موقع تھا کہ اُوشان نے کسی دلیل پر اس قسم کے مثبت ردِ عمل کا اظہار کیا تھا۔

"تم نے کیا کہا تھا، زمین پر پڑے ہوئے تربوزوں کی طرح سر یا بیروں کی طرح بکھرے ہوئے سر؟" اُوشان نے پوچھا۔

"تربوز!"

"نہیں تم تربوز کہنا بھول گئے تھے۔" اُوشان کا ہاتھ قباحتے باہر آیا اور ایک استخوانی انگلی چھت کی طرف اشارہ کرنے لگی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ کسی اہم نکتے پر زور دے رہا ہے۔ "اگر تم اُس جنرل کی بات غور سے سنتے تو تمہیں تربوز یاد رہتے۔ تم یہ یاد رکھتے کہ سر تربوز کی طرح ہوتے ہیں بیروں کی طرح نہیں لیکن... نہیں تمہیں پھر سکھا رہا ہوں کہ سر بیر کی طرح نہیں تربوز کی طرح ہوتے ہیں۔"

"مجھے یہ بات نہیں معلوم۔ میں تو آپ سے سیکھتا ہوں نیل فادر!" ٹائیگر اس وقت ضبط کی کے موڈ میں تھا۔

"اور مجھے یہ بات معلوم ہے۔" ٹائیگر کے اعترافِ شکست پر اُوشان کا چہرہ کھل اُٹھا۔ "میں تمہیں پابند کرتا ہوں کہ مستقبل میں تم میری ہر بات غور سے سنو گے۔"

"میں پابند ہونے کا اعلان کرتا ہوں۔" ٹائیگر نے ایک طویل سانس لے کر جواب دیا۔

●

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

فردوسی مشن کے ساتھ ساتھ اُوشان بھی ٹائیگر کے لیے مسئلہ تھا۔ بہت دنوں تک وہ کبھی مشن پر ٹائیگر کے ساتھ نہیں گیا تھا لیکن اس بار اُس نے خود حکم دیا تھا کہ وہ فردوسی جائے گا تاکہ ٹائیگر کو ایکشن میں دیکھ سکے۔ ٹائیگر جب کہیں سے گھوم پھر کر واپس آیا تو ہوٹل کی ڈیسک پر اُس کے لیے ایک۔ پیغام موجود تھا۔ آنٹی کیٹی کا فون آیا تھا۔ ٹائیگر سر ہلانے لگا۔ آنٹی کیٹی کے ان کا مطلب یہ تھا کہ اب اسے ایک خاص نمبر پر فون کرنا ہوگا۔

ٹائیگر نے پبلک بوتھ سے یہ نمبر ملانے تو ایک جزیرہ خانگی اسپتال کی عمارت میں جس پر سینی ٹوریم کا بورڈ لگا ہوا تھا۔ ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے لگی۔

"تم کہاں ہو؟" بہرام کی رُوکھی پھیکی آواز سنائی دی۔ "ایوان صدر اے بہت پریشان ہیں۔ ہم نے اُن سے آیندہ ایک ماہ کے لیے تحفظ فراہم کرنے کا وعدہ کیا ہے۔ اس کے بعد سے تم لاپتا ہو۔"

"انھیں ناقابلِ یقین حد تک مکمل اور قطعی تحفظ حاصل ہے سوٹ ہارٹ۔" ٹائیگر نے شوخ لہجے میں جواب دیا۔

"سُنو!" بہرام اس مہم سی یقین دہانی پر مطمئن نہیں ہو سکتا تھا۔ "بدنامی کے خوف کے باوجود ایوان صدر کے چاروں طرف ایک نئی چار دیواری بنا دی گئی ہے تاکہ جنونیوں کے حملوں سے ایوان صدر کی اصل عمارت محفوظ رہ سکے۔ تم نہیں جانتے کہ اس قسم کی چار دیواری کی تعمیر عالمی سطح پر ایوان صدر کے حفاظتی انتظامات پر عدم اعتماد کا اظہار ہے۔ سب ہی کو علم ہے کہ کئی گروپ صدر کی جان لینے کے لیے تشکیل دیے جا چکے ہیں۔ ان گروپوں کو اس قسم کے حفاظتی اقدامات کر کے بھی نہیں روکا جا سکتا۔ تم نے یقین دلایا تھا کہ صدر کو مکمل تحفظ فراہم کرو گے مگر تم غائب ہو گئے۔ تم کہاں ہو؟"

"گھر میں۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ اس کا لہجہ اب بھی خوش تھا۔ "حفاظتی اقدامات کیے جا چکے ہیں۔"

"بہترین قسم کے اقدامات کیے جا چکے ہیں۔"

"لیکن صدر سے تم نے ملاقات نہیں کی۔ وہ اسی وقت مطمئن ہوں گے جب تم اُن کے آس پاس موجود ہو گے۔ انھیں کسی قسم کے حفاظتی انتظامات نظر نہیں آتے۔"

"اگر صدر محترم کی بصارت کمزور ہے تو اس میں میرا کوئی قصور نہیں اگر انھیں کچھ نظر نہیں آتا تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں نے کوئی انتظام کیا ہی نہیں۔"

"پلیز... میرے ساتھ اُوشان کے لہجے میں بات مت کرو۔"

بہرام جلا گیا تو وہیں ایک خطرناک صورت حال کا سامنا ہے۔ صدر کو قتل کرنا مخالفین کی سب سے بڑی ترجیح ہے۔"

"آپ اس سلسلے میں متفکر نہ ہوں۔" ٹائیگر نے اس بار بھی بہرام کی بات کی۔ "میں صدر کی زندگی کی ضمانت دیتا ہوں۔ بشرطیکہ اللہ میاں نے عزرائیل کو حکم نہ دیا ہو۔"

بہرام چونکا کان سے ہٹا کر اُسے گھورنے لگا۔ بصر معاشی اُسے خیال آیا کہ اس خفیہ ایجنٹ کو کھلا رکھنا دانش مندی نہیں لہٰذا اُس نے ریسیور رکھ دیا۔ اُسے یقین تھا کہ ٹائیگر نے انتہائی مؤثر حفاظتی تدابیر اختیار کر لی ہوں گی کیونکہ جب ٹائیگر یہ کہتا تھا کہ تم فکر نہ کرو تو اس کا مطلب یہی ہوتا تھا کہ وہ خود اپنی کارکردگی سے مطمئن ہے لہٰذا جب وہ خود مطمئن ہے تو بہرام کو فکر کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

آج کل بہرام کو چارہ گر کی خفیہ توعیت کے بارے میں تشویش لاحق ہونے لگی تھی۔

'چارہ گر' کے سربراہ کی حیثیت سے اس کی فکریں بہت زیادہ تھیں۔ وہ بوڑھا بھی ہونے لگا تھا۔ اُس کے اعصاب اتنے مضبوط نہیں رہے تھے جتنے ابتدائی دنوں میں تھے۔ کبھی کبھی تو اُسے ایسا بھی لگتا تھا جیسے وہ نسیان کے مرض کا بھی شکار ہو رہا ہے۔ لیکن سب سے سنگین بات یہ تھی کہ اس کا جذبہ اور دوسروں پر اس کا اعتماد بھی متاثر ہو رہا تھا۔ شاید وہ مایوس ہو رہا تھا۔

'چارہ گر' کے قیام کے وقت اُسے یقین تھا کہ آئین سے ماورا یہ ایجنسی جلد ہی جرائم سے پاک معاشرے کے قیام میں کامیاب ہو جائے گی لیکن وہ ابھی تک یہ مقصد حاصل نہیں کر سکا تھا۔ اب اُسے اندازہ ہو رہا تھا کہ جرائم ختم کرنے میں 'چارہ گر' کامیاب نہیں ہو سکا۔ ہاں یہ اُسے تسلی کا باعث ضرور تھا کہ 'چارہ گر' نے انسانیت کے خلاف کئی مکروہ منصوبوں کو ناکام بنا ڈالا تھا۔

"ٹھیک ہے۔" اسے ٹائیگر کا آخری جملہ یاد آیا کہ آپ اس سلسلے میں متفکر نہ ہوں۔ "ٹھیک ہے وہ دوبار بار سر جھٹک رہا تھا، جیسے تفکرات دُور کرنا چاہتا ہو۔ "اُس نے کہا ہے تو ٹھیک ہی کہا ہوگا میں انھیں بھی بتا دیتا ہوں۔"

اُس نے کھڑکی سے باہر جھانکا۔ آسمان پر بادل منڈلا رہے تھے اور کشتیاں ہوا کے تیز جھکڑوں کے باعث لنگر پانیوں میں ڈول رہی تھیں۔ بہرام کا مقبرہ نہ جانے کیوں خشک ہونے لگا تھا۔ اُس نے اپنے ہاتھوں کو غور سے دیکھا، اُن پر جھریاں نمایاں تھیں۔

"اُوشان ہی تو بوڑھا ہے۔" اُس نے اپنے آپ کو تسلی دی۔ "خود ٹائیگر کی عمر بھی بڑھ رہی ہے مگر اس پر عمر کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔ روزی

ں نوجوان نظر آتا ہے۔"

اُس نے ایک طویل سانس لی، دراز کھینچی، اُس میں سے ایک رخ ٹیلی فون سیٹ نکالا اور نمبر ملانے لگا۔ دوسری طرف سے بولنے والے کو وہ فوراً پہچان گیا۔ یہ آواز فردوسیوں کو تقریباً روزانہ ٹیلی ویژن پر سنائی دیتی تھی۔

"جناب! حالات پر قابو پا لیا گیا ہے اور اب ہر چیز اطمینان بخش طور پر کام کر رہی ہے۔" اُس نے اپنے مخصوص انداز میں فردوسی صدر کو مطلع کیا۔

"مگر وہ مجھے نظر تو نہیں آیا۔" صدر مملکت کے لہجے میں بے یقینی تھی۔

"آپ کو متفکر ہونے کی ضرورت نہیں۔" بہرام نے ٹائیگر کا جملہ دہرایا۔ "آپ نے ایوان صدر کے سامنے کنکریٹ کی جو دیوار بنوائی ہے اس کی وجہ سے اب وہ بنا بھی دیں تو کوئی نقصان نہیں ہوگا۔"

"مگر مجھے یہ بتایا تھا کہ میری حفاظت کے لیے وہ ایوان صدر میں موجود رہے گا۔"

"وہ اپنے طور پر کام کرتا ہے جناب۔"

"کیا وہ غیر ملکی انسان ہے؟" صدر کا لہجہ اچانک ہی تلخ ہو گیا۔ وہ بہت زیادہ خوفزدہ تھے۔

"مجھے علم نہیں۔" بہرام نے بھی درشت لہجے میں جواب دیا۔ لیکن لوگوں کی آنکھوں سے ان کے منصوبوں کا اندازہ لگا لیتا ہے۔"

"وہ بوڑھا اُس کا اُستاد ہے؟" صدر مملکت نے اس بار نرم لہجے میں پوچھا تھا۔ صدر سن چکے تھے کہ ناقابلِ تسخیر نوجوان کا اُستاد اسی سالہ بوڑھا ہے اور اپنے شاگرد سے کہیں زیادہ خطرناک اور طاقت ور ہے۔ صدر کو بہرحال ان دونوں کے نام معلوم نہیں تھے۔

"جی ہاں... اور وہ اپنے شاگرد سے کہیں زیادہ پُرتشدد ہے۔" بہرام نے جواب دیا۔

"اس کی عمر اسّی برس سے زیادہ ہے نا؟"

"جی ہاں۔" بہرام اب اُکتانے لگا تھا۔

"اور تمھیں یقین ہے کہ ہم محفوظ ہیں؟" صدر کے لہجے میں اس بار تشویش تھی۔

"جی ہاں۔ آپ ان لوگوں سے پوری طرح محفوظ ہیں، جنھوں نے ہم مل کر ایوان صدر کو تباہ کرنے کا منصوبہ بنایا تھا۔"

"گڈ... ویری گڈ... مگر کیا بوڑھے اُستاد کو بھی یقین ہے کہ میں محفوظ ہوں؟"

"مجھے اس کا علم نہیں کہ وہ اس کیس میں کوئی کردار ادا بھی کر رہا ہے یا نہیں۔"

"اچھا یہ تو بتاؤ ڈاکٹر بہرام کہ کیا بوڑھا اُستاد ورزشیں کرتا ہے، ورزشیں تو تم بھی کرتا ہوں۔"

"وہ جسمانی ورزشیں نہیں کرتا جناب۔" بہرام کو اب جمائیاں آنے لگیں۔

"کمال ہے، وہ خود کو راز بھی تو رکھتے ہیں۔ یہ کتنی مشکل بات ہے۔ کہ شہرت سے بچا جائے۔ صدر کو شہرت کا مرض تھا۔ یہ ڈیوٹی دی، پر ہر ہفتے تقریر کرنا اُن کا معمول تھا۔

"جی ہاں، اُن کے بارے میں صرف مجھے اور آپ کو معلوم ہے جناب!" بہرام نے گال کھجاتے ہوئے جواب دیا۔ "آپ خود سوچیں کہ اگر آپ کی اہلیہ جنس کو علم ہو جائے کہ وہ افراد پر مشتمل کوئی خفیہ تنظیم سرگرم ہے تو پھر ان کا ردِعمل کیا ہوگا؟"

صدر مملکت بہت زور سے ہنسے۔ اور ذرا سوچیے کہ اخبارات کیسی قیامت ڈھائیں گے۔" یہ کہہ کر صدر نے سلام دعا کے بغیر ریسیور رکھ دیا، شاید اُن کی بیوی کمرے میں آ گئی تھی۔ بہرام نے بھی ریسیور رکھ کر ٹیلی فون میز کے دراز میں ٹھونس دیا اور دوبارہ سمندر کے فراخ سینے کی طرف دیکھنے لگا۔

کوئی بھی نہیں بدلا... اُوشان اور ٹائیگر تو الگ رہے صدر مملکت کے بچپنے میں بھی کمی واقع نہیں ہوئی لیکن میں بوڑھا ہو رہا ہوں۔ بہرام نے ایک طویل سانس لی اور اُداسی سے سر ہلانے لگا۔

●

شفاعت احمد اُس وقت تک منتظر رہا جب تک آخری اداکارہ بھی اپنے بوڑھے ایجنٹ کے ساتھ پارٹی سے نہیں چلی گئی۔ وہ بہت اُکتا چکا تھا کیونکہ فطری لباس میں، رقص دیکھ دیکھ کر اُس کی طبیعت متلانے سی لگی تھی۔

وہ کمپیوٹر کا ماہر تھا اور اُس نے جوانوں، نوجوانوں، بوڑھوں اور بچوں سب ہی کے لیے مختلف کھیل ایجاد کیے تھے۔

لیکن اب وہ خود اُکتا چکا تھا۔ اپنے جینئس ہونے سے اُسے کوفت ہونے لگی تھی۔ وہ مکمل جینئس تھا۔ اُس نے بارہ برس کی عمر میں ریاضی میں ڈاکٹریٹ کر لی تھی، وہ انگریزی میں بھی پی ایچ ڈی کرنا چاہتا تھا لیکن بے روزگاری کا عالم دیکھ کر اُس نے یہ ارادہ ترک کر دیا اور اُسے راتوں رات لکھ پتی بننے کی آرزو نے بے بس کر دیا لہٰذا اُس نے جینئس ڈیکیتی کا ایک کامیاب منصوبہ بنایا۔ ڈیکیتی اُس کے لیے بہت سنسنی خیز ثابت ہوئی۔ وہ پورے بیس منٹ تک اُس سے لطف اندوز ہوتا رہا لیکن جب اُسے یہ احساس ہوا کہ پولیس اُسے پکڑ ہی نہیں سکتی، تو وہ اُکتا گیا۔ اُس کی عمر اب ۲۲ سال

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

تھی۔ اُس کے پاس اتنا سرمایا تھا کہ وہ نوٹ گن ہی نہیں سکتا تھا۔ سات بڑے بڑے مکانات اُس کی ملکیت تھے۔ مالی باڑہ کا سائل بنگلہ بہت بڑا تھا اور اس وقت وہ اُسی وسیع و عریض سائل بنگلے کے وسیع و عریض ڈرائنگ روم میں بیٹھا ہوا میز پر انگلیاں بجا رہا تھا ایک ایکٹ اُس کے سامنے بیٹھا ہوا اپنی کلائنٹ اداکارہ کی تعریفیں کر رہا تھا اور اداکارہ اپنی بڑی بڑی آنکھوں سے شفاعت ہی کو فخر سے دیکھے جا رہی تھی بات صرف اتنی سی تھی کہ اداکارہ اس فلم میں شامل تھی جو وہ بنانے والا تھا۔

اداکارہ ایجنٹ کے اشارے پر ایسی حرکتیں کرنے لگی جو شریف لوگوں کی لغت میں بے حیائی کہلاتی ہیں لہٰذا شفاعت اُکتانے لگا آخر اُس نے کہا: اگر تم دونوں بیس سیکنڈ کے اندر اندر اس مکان سے نہیں نکل گئے تو فلم بنانے کا ارادہ ترک کر دوں گا۔"

دونوں کے چلے جانے کے بعد وہ سوچنے لگا۔

اُس نے ایک موبائل سائس لے کر ایک بڑے بٹن اسکرین ٹی۔ وی کی طرف دیکھا اور ٹیویارک سٹی کا ایک فیچر ڈائل کرنے لگا۔

"رُوبی سے ملاؤ" اسکرین پر کمپیوٹر سینٹر کے آپریٹر کو دیکھ کر وہ بولا۔ اُسے اس آپریٹر کی آواز اچھی نہیں لگتی تھی اور بہت دنوں سے اُس کی خواہش تھی کہ وہ آواز بدلنے کا بھی کوئی کمپیوٹر بنا ڈالے۔

"وہ ابھی نہیں آئیں۔"

"تب اُس سے کہنا کہ مجھے فون کرے۔"

"کس نمبر پر جناب؟"

"یہ اُسے اچھی طرح معلوم ہے۔" یہ کہہ کر اُس نے بٹن دبا دیا اور پھر کمپیوٹر میموری بٹن دبا کر کرسی کی پشت گاہ سے ٹیک لگا لی۔

اب اُس کے سامنے رکیلی کے بارے میں ایک پوری فلم چل رہی تھی۔ شریف خان کی دست درازی سے پولیس افسر کے ہاتھوں سابق ٹیکسی ڈرائیور کے قتل تک کا ہر منظر اُس کے سامنے چل رہا تھا۔ وہ ہر منظر سے لطف اندوز ہو رہا تھا اور اُسے اس کمپیوٹر گیمز کے مسلسل پوائنٹ مل رہے تھے۔ اُس نے شریف خان کی لاش گرتی ہوئی دیکھی اور سر ہلانے لگا۔ بغیر حل شدہ جرم کا کوئی پوائنٹ نہیں ملتا۔

جان شیر سے شفاعت بہت اچھی طرح واقف تھا۔ دولت جان شیر کی کمزوری تھی لیکن شفاعت کو جان شیر پر رہ رہ کر غصہ آتا تھا کیونکہ اُس نے شریف کو ہلاک کرنے کے ٹوٹل میں سے دس ہزار پوائنٹ کم کرا دیے تھے۔

جان شیر کو اُس نے پہلی مرتبہ اس وقت استعمال کیا، جب اُس کے بنائے ہوئے بینک کمپیوٹر کی فعلی ایک کیشیئر نے پکڑ لی اگر اس فعلی کا انکشاف ہو جاتا تو کمپیوٹر سینٹر کی ساکھ خاک میں مل جاتی جان شیر نے ایک چلتی ہوئی کار سے کیشیئر کو بینک کے سامنے ہی گولی مار کر ہلاک کیا تھا۔ اس کے بعد جب ایک پولیس افسر نے کمپیوٹر سینٹر کے بارے میں دلچسپی لینی شروع کی تو جان شیر نے اُسے بھی راستے سے ہٹا دیا۔

مسئلہ صرف یہ تھا کہ ہر کیل کا خاتمہ قتل پر ہوتا تھا اور کمپیوٹر نومی اسکور میں سو سے دس ہزار پوائنٹ منفی کر دیتا تھا۔ کمپیوٹر کے نزدیک قتل .. مسئلے کا حل نہیں تھا۔

اسکرین پر آؤٹ آف فوکس پستول کی گرپ نظر آئی ... جان شیر کی جیب میں کوڈ بکس نظر آ رہا تھا۔ یہ ایک سیل کمپیوٹر تھا جو فلم سٹل میں بدل کر مفید سیارے کے ذریعے منتقل کرتا رہتا تھا۔ شفاعت نے کنٹرول سٹک کی طرف دیکھا۔ لیور پر سُرخ رنگ کا ایک بٹن تھا جو اُس نے دبا دیا۔

اسکرین پر ایک مختصر سی پیغام نظر آنے لگا۔

"یو آر ریڈی ٹو بلاسٹ۔"

"یہ کیا ہے؟" ایک بچے کی آواز سنائی دی۔

"یہ میرا پستول ہے اور یہ اسپیشل کوڈ بکس ہے۔" جان شیر کی آواز سنائی دی۔ اُس لمحے اسکرین پر روشنی نظر آنے لگی۔ اچانک ہی بچہ بھی نظر آنے لگا۔ وہ کسی اسکول کے صحن میں کھڑا ہوا تھا۔

شفاعت نے تیزی سے سوچا اور وہ بٹن دبا دیا، جو جان شیر سے سوتی رابطے کا ذریعہ بن جاتا تھا۔

"تمہارے اردگرد کتنے بچے ہیں جان شیر؟" اس نے پوچھا۔

"دس... کوڈ بکس۔" جان شیر اُس کی آواز کو ہمیشہ کوڈ بکس کہتا تھا۔

"کیا تم کسی الگ تھلگ جگہ پر جا سکتے ہو؟"

"بچوں کو پتا ہی نہیں کہ کیا ہو رہا ہے؟" جان شیر نے جواب دیا۔

"کسی ایسی جگہ پہنچو، جہاں بچے بھی نہ ہوں۔" شفاعت نے جان شیر سے کہا۔

"سڑک پار اور زیادہ لوگ موجود ہیں۔"

"کتنے ہیں؟" شفاعت نے پوچھا۔

"جیس۔" جان شیر کے اس جواب کے ساتھ ہی برابر والے اسکرین پر نیلی روشنی جلنے بجھنے لگی۔ اسکرین پر رُوبی کا چہرہ نمودار ہونے لگا تھا۔ اب شفاعت کو تیزی سے کسی فیصلے پر پہنچنے کی ضرورت تھی اُس نے لیور کا سُرخ بٹن دبا دیا۔

●

نیویارک سٹی کے ایک اسکول کے احاطے میں پولیس والے جان شیر کی جیب میں رکھا ہوا بم زور سے پھٹا، جس کے باعث پولیس والے کا جسم گوشت کے ڈھیر میں بدل گیا۔ ساتھ ہی اُس کے قریب کھڑے ہوئے سات بچوں کے جسم بھی چیتھڑوں میں تبدیل ہو گئے۔

●

"گیم اوور...!" کمپیوٹر نے ستر ہزار پوائنٹ کاٹ کر رزلٹ بتا دیا۔

"گڈ مارننگ!" شفاعت نے رُوبی کے چہرے کو دیکھ کر کہا

"اوہ... یہ تم ہو...؟" رُوبی نے بڑے غصے سے کہا اور ساتھ ہی کاغذ پر کچھ لکھ کر ایک ساتھی کی طرف بڑھا دیا۔ رُوبی کی پیٹ میں لگے ہوئے کیمروں نے یہ تحریر بھی چرا لی "وہی ہے" رُوبی نے لکھا تھا۔ رُوبی کے ساتھی نے پرچا پڑھا اور کمپیوٹر سینٹر کو اشارے سے بلا لیا۔

"کل کا دن کتنا بُرا تھا۔ لوگ تمہیں کتنا چھیڑ رہے تھے۔" شفاعت نے مُسکرا کر کہا۔

"تم انتہائی نحیف آدمی ہو۔"

"خیر، رُوبی۔" شفاعت نے بڑی سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ "تمہارا کیا خیال ہے میں کیا کرنا چاہتا ہوں؟"

"تم گندے اور غلیظ چوہے ہو۔ میں کچھ اور نہیں جانتی۔" رُوبی کا پارہ چڑھنے لگا تھا۔

"میں چاہتا ہوں کہ تم میرے لیے کچھ کام کرو۔" شفاعت نے نرم لہجے میں کہا۔

مینجر نے رُوبی کو ایک پرچا دیا، جس پر لکھا تھا: "اسے باتوں میں لگائے رکھو۔"

"ٹھیک ہے۔" رُوبی پُرسکون ہونے لگی تھی۔ "شاید تم مجھ سے کوئی غلط کام لینا چاہتے ہو۔"

"یہ تمہاری سمجھ کا پھیر ہے رُوبی۔" شفاعت نے جواب دیا۔ "میں تم سے ایسا کام لینا چاہتا ہوں، جو عام حالات میں تم کبھی نہیں کرو گی۔ بہت خوفناک کام ہے۔"

"میں خوفناک کام نہیں کرتی۔ یہ میری فطرت بھی نہیں۔" رُوبی نے کہا۔ وہ اُسے باتوں میں لگا رہی تھی اور اس کا علم شفاعت کو بھی تھا۔

"تمہارے نزدیک خوفناک کام کیا ہو سکتا ہے رُوبی؟"

"بہت سی باتیں بھی خوفناک ہوتی ہیں۔" رُوبی نے کہا۔

اسی کے ساتھ شفاعت نے بٹن "ٹے" دبا دیا۔ اسکرین پر ایک نام ابھرا جس کے ساتھ لکھا تھا: "فہرست میں قریب ترین عزیز۔"

"میں چاہتا ہوں کہ تم اپنی آنٹی کو قتل کر دو... تمہارے ساتھ رہتی ہے نا؟"

رُوبی بہت زور سے ہنسی۔ "ارے، یہ تو بہت آسان کام ہے، کوئی مشکل کام بتاؤ۔"

"کیا مطلب؟" شفاعت ایک لمحے کے لیے گڑبڑا کر رہ گیا۔

"آنٹی ایمیز سے تمہاری ملاقات کبھی نہیں ہوئی؟"

"نہیں۔ کیا تم اسے قتل کرنے پر تیار ہو؟"

"ہرگز نہیں۔ میں ایسے کام نہیں کرتی۔ میرا مشورہ مانو اور فوراً دماغی امراض کے کسی ماہر سے ملاقات کرو۔ ممکن ہے کہ علاج سے تمہارا مرض دُور ہو جائے۔"

"سنو۔ میں چاہتا ہوں کہ تم اپنی آنٹی کو قتل کر دو۔ نائن اسکوائر میں فائر بریگیڈ کے آفس پر پتھر اؤ کرو۔ نہایت چوکس رہو تو کو تماشا بناؤ۔ خاتون اوّل کے بال نوچ لو۔ وزیر اعظم کی پنڈلی پر ٹھوکر مارو۔ اداکار علی کے گلے سر پر پیٹ لگاؤ اور اس نئی بیوی کا میک اپ صاف کر دو۔"

"شاندار... شاندار...!" رُوبی بری طرح قہقہے لگا رہی تھی اور اسکرین پر شفاعت کے پوائنٹ تیزی سے کم ہو رہے تھے۔ مطلب واضح تھا۔ وہ شفاعت کی باتوں کا کوئی اثر نہیں لے رہی تھی۔ محض لطف اندوز ہو رہی تھی۔

اسی لمحے ایک چپراسی نے رُوبی کو ایک اور کاغذ دیا، جس پر لکھا تھا: "پتا چل گیا۔"

شفاعت کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ مینجر کسی سے سرگوشی میں گفتگو کر رہا تھا اور یہ بتا رہا تھا کہ نمبر کا پتا کس طرح معلوم ہوا۔ شفاعت نے جیب سے سستی مسوں کی، وہ اس کیفیت کو عروج پر لے جانا چاہتا تھا۔

"رُوبی! تم اتنی خوش کیوں ہو؟"

"تمہارا پتا چلا لیا گیا ہے احمق، اس لیے میں اتنی خوش ہوں۔"

"کیا تمہارے آفس مینجر نے میرے نمبر بتانے تھے؟"

"وہ ضرور بتاتا لیکن اس وقت تمہاری جان مصروف ہو گی کیونکہ تم مجھ سے باتیں کر رہے ہو۔" رُوبی نے جواب دیا۔

"تب اپنے مینجر سے کہو کہ میرے نمبر بتائے۔" شفاعت نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

رُوبی نے مینجر کو اشارے سے بُلا کر اس کے کان میں کچھ کہا۔ اس سے قبل وہ ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھنا نہیں بھولی تھی۔ مینجر سر ہلاتا

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ہُوا ایک قہقہہ فون کی طرف بڑھ گیا۔ وہ نمبر ملا رہا تھا۔

کنکشن ملتے ہی شفاعت کے اسکرین پر روشنی چلنے بجھنے لگی اُس نے ایک بار مُنہ دبایا اور پھر میسنجر کا مُنہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ وہ ٹیلی فون پری گرگیا۔ ہال میں موجود ہر شخص کانوں پر ہاتھ رکھ کر میزوں کے نیچے چُھپ گیا۔

کمپیوٹر کا ہائی ریزولیشن سگنل کام کر چکا تھا شفاعت کو تین سو پوائنٹ کا باؤنس ملا اُس کی آنکھیں خوشی سے چمکنے لگیں دُوبی نے ریسیور جمع کر سب سے پہلے میسنجر کو دیکھا اور پھر بہت زور سے چلّانے لگی۔ وہ شفاعت کو بھی بُرا بھلا کہہ رہی تھی۔ شفاعت نے رابطہ منقطع کر دیا "چڑیل۔۔۔"

وہ اگر چاہتا تو دُوبی کو ملازمت سے برخواست کرا سکتا تھا۔ وہ بااختیار تھا کمپیوٹر سینٹر اُس کی ملکیت تھی لیکن یہ بات بہت کم لوگوں کو معلوم تھی۔

اُس نے کمپیوٹر کی ایک غلطی کی نشاندہی کی تھی جس پر باقاعدہ تفتیش شروع ہو گئی اور شفاعت کو جان نثیر کی خدمات حاصل کرنا پڑ گئیں۔ اُس نے دُوبی کو سزا دینے کا منصوبہ بنایا۔ ہر ممکن کوشش کر ڈالی لیکن وہ نہ تو زچ ہوئی اور نہ ہی شفاعت کو کامیابی نصیب ہوئی۔

فردوسی حکومت سے شفاعت کو نفرت تھی اور شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ حکومت نے ایک بڑے کمپیوٹر کی تنصیب کا ٹھیکہ اس کی بجائے ایک دوسری کمپنی کو دے دیا تھا۔ اس وقت تو شفاعت کو واضح طور پر شکست ہو گئی تھی لیکن اُس نے اس شکست کو ریکارڈ ضرور کر لیا تھا تاکہ وقت پڑنے پر وہ حساب بے باق کر سکے۔

وہ ہیڈ ڈم میں ٹہلنے لگا۔ اب وہ بہت کچھ سوچ رہا تھا بہت دیر بعد جب وہ سوچتے سوچتے تھک گیا تو لیٹ گیا اور لیٹتے ہی ایک نیا کیس اُس کے ذہن میں جنم لینے لگا۔

"سب سے بڑا کیس" وہ اُچھل کر بیٹھ گیا "ایٹمی جنگ کا کیس، ایٹمی جنگ۔۔۔ دُنیا کے خاتمے کا کیس۔"

یہ خیال ایک زوردار دھماکے کے ساتھ ذہن میں اُبھرا اور چڑچڑ کرتا چلا گیا۔

وہ پھر لیٹ گیا لیکن اب نیند اُس کی آنکھوں سے کوسوں دُور تھی۔ اُسے اندازہ تھا کہ ایٹمی جنگ ہوئی تو وہ خود بھی نہیں بچے گا۔

"میں بھی مر جاؤں گا" اُس نے بآوازِ بلند سوچا "موت تو ایک نہ ایک دن آنی ہی ہے۔ کسی مرض کے ہاتھوں سسک سسک کر مرنے سے بہتر ہے کہ ایٹمی موت مر جائے۔ فوری اور بے ضرر موت۔"

وہ اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ اُس نے سگریٹ سُلگائی۔ وہ بہت بے چین تھا۔ اُسے اپنے وقار کے مطابق ایک کیس کھیلنے کا موقع مل رہا تھا۔

"ٹارگٹ!" اس نے کمرے کی نیم تاریکی میں گھورتے ہوئے خود سے سوال کیا "فردوس اور عبرت لینڈ؟" وہ اب مُسکرا رہا تھا لیکن اُسے احساس تھا کہ ایٹمی جنگ کے کیس کا آغاز کرنے کے لیے صرف دو ہی جگہ فردوس اور عبرت لینڈ میں سے کوئی ایک جنگ کا آغاز کرے۔

اُس نے سگریٹ بُجھا کر آنکھیں بند کر لیں۔ اُسے یقین تھا کہ ایٹمی جنگ میں دُوبی بھی ماری جائے گی۔

●

ٹائیگر کو بہرام مشن علی ٹائیل فون کے ذریعے پیغامات دے کر سونپتا تھا لہٰذا جب ٹائیگر کو اپنے ہوٹل کے کاؤنٹر پر یہ پیغام ملا کہ آئی ٹی علیل ہیں تو اُسے بڑی حیرت ہوئی کیونکہ اس پیغام کا مطلب یہ تھا کہ وہ جہاں ہے وہیں ٹھہرا رہے اور یہ کہ بہرام اُس سے ملنے کے لیے روانہ ہو چکا ہے۔ یہ غیر معمولی بات تھی۔

بہرام جب گلستان پینٹ ہاؤس پہنچا تو شام ہو چکی تھی۔ فضا میں ہلکی خنکی تھی اور اوشان و ٹائیگر کے درمیان بھی قدرے کشیدہ فضا تھی۔ بہرام کو علم تھا کہ وہ دونوں اُسے اس کشیدگی کی وجہ ہرگز نہیں بتائیں گے کیونکہ اُن کے نزدیک ان کے تعلقات، ان کا قطعی ذاتی معاملہ تھے ویسے ذرا دیر بعد بہرام کو اختلاف کی وجہ معلوم ہو گئی۔ تنازعہ تربوز پر تھا۔ اوشان نے تربوز لانے کے لیے کہا تھا جبکہ ٹائیگر تربوز لانا بھول گیا تھا۔ بہرام جانتا تھا کہ اوشان تربوز نہیں کھاتا لیکن بہرحال سناٹو کے ماسٹر کا حکم پورا نہیں کیا گیا تھا اور یہی بات ان دونوں میں ایک طویل بحث کے لیے کافی تھی۔

بہرام نے تربوز کے مسئلے پر کسی قسم کی بحث میں حصّہ نہیں لیا اور اپنا بریف کیس کھولا۔ بریف کیس کے اُوپر نیچے اور دائیں بائیں ایک خاص دھات کی پرت چڑھی ہوئی تھی۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ ایکسرے کے ذریعے بریف کیس کے اندر موجود دستاویزات کی نقول تیار نہ کی جا سکیں۔ بریف کیس ہی میں ایک چھوٹا سا ٹیپ ریکارڈر بھی تھا۔ اُس نے ٹی بورڈ پر ایک کوڈ دیا۔

"آپ کی انگلیاں انتہائی پُروقار سختی ہیں شہنشاہِ اعظم" اوشان نے انگلیوں کو بغور دیکھتے ہوئے تبصرہ کیا۔

"یہ انگلیاں بُوڑھی ہو رہی ہیں ماسٹر!"

"فرمانبرداری مندی کی مظہر ہوتی ہے میرے آقا" اوشان نے جواب دیا "مہذب معاشرے میں بُوڑھوں کو بہت احترام سے دیکھا جاتا ہے۔"

بہرام نے ثبات میں سر ہلا کر ٹائیگر کی طرف دیکھا، جو ٹی شرٹ ٹیلون جوگنگ شوز میں ملبوس بالوں کی لٹیں ماتھے پر گرائے بیٹھا تھا۔ اس نے موزے نہیں پہنے ہوئے تھے۔ ٹائیگر کی نظریں بہرام کی انگلیوں ہی پر تھیں۔ بہرام نے کئی بار ٹائیگر کو اس قسم کا طاقتور کمپیوٹر دینے کی پیش کش کی تھی جس کے ذریعے ٹائیگر چار گھنٹے کے اندر کمپیوٹر سے رابطہ قائم کر سکتا تھا اور ہزاروں میل دُور سے بھی کوئی بھی معلومات حاصل کر سکتا تھا لیکن ٹائیگر نے ہر بار اس کی پیش کش مسترد کر دی تھی لیکن جب بہرام کا اصرار بڑھ گیا تھا تو ٹائیگر نے ایک ساحلی مقام پر کمپیوٹر لینے پر رضامندی ظاہر کر دی تھی۔ بہرام نے دریا کے کنارے اُسے بریف کیس دیا، تو ٹائیگر نے شکریہ ادا کرتے ہوئے اُسے اُچھال دیا۔ بریف کیس تقریباً ایک فرلانگ دُور دریا میں جا گرا اور پل بھر میں ڈوب گیا۔

"یہ۔۔۔ کیا کیا؟" بہرام کو غصہ آنے لگا تھا۔

"پتا نہیں" ٹائیگر نے جواب دیا تھا۔

"کیا پتا نہیں، تمہیں پتا نہیں؟"

"ہاں" ٹائیگر نے مختصر سا جواب دے کر خاموشی اختیار کر لی تھی لہٰذا اس کے بعد بہرام نے ٹائیگر کو کسی بھی قسم کی تکنیکی اور فنی معلومات فراہم کرنا بند کر دی تھیں۔

اس وقت بہرام بریف کیس بند کر کے ٹائیگر کو دیکھ رہا تھا اور ٹائیگر چھت کو گھور رہا تھا۔

"ہمیں صرف ایک خاص، مہان کا علم ہُوا ہے لیکن اس کے سرپرست کا کوئی علم نہیں۔"

"تب پھر کس کا علم ہے؟" ٹائیگر نے رُوکھے لہجے میں پوچھا۔

"وقت دماغ کے لیے کوئی بھی خطرہ انتہائی خطرناک خطرہ ہوتا ہے" اوشان نے تفہیم دیا۔ وہ بہرام کی کسی بھی بات کا مطلب بیان کیا کرتا تھا۔ اس کا فلسفہ تھا کہ اگر دُنیا بھر میں امن قائم ہو جائے تو کسی کو بھی ایٹمی سناٹو کی ضرورت محسوس نہ ہو۔ جب کوئی ایٹمی سناٹو کی ضرورت حاصل نہیں کرے گا تو پھر مہتا بھی نہیں ملے گا اور یوں سناٹو کے لوگ بھوکوں مر جائیں گے۔

"ہمیں ایٹمی بربادی کا سامنا کرنا پڑے گا" بہرام نے کہا۔ اس کا لہجہ عام سا تھا۔ کچھ ایسا جیسے وہ کسی معمولی سے حادثے کی بات کر رہا تھا۔

"ایٹمی بربادی کے خطرے سے گزشتہ چالیس سال سے ڈرایا جا رہا ہے لہٰذا یہ کوئی نئی بات نہیں" ٹائیگر نے ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر ایک سگار اُٹھا لیا۔

"لیکن ممکن ہے کہ یہ بات اب حقیقت میں بدل جائے" بہرام نے ٹھوس لہجے میں کہا۔ "بظاہر ایسا لگتا ہے کہ کوئی عدم استحکام پیدا کرنے کے لیے کوشاں ہے لیکن ہمیں یہ علم نہیں کہ وہ کون ہے اور کس طرح کر رہا ہے؟"

"آپ کو یہ علم کیسے ہُوا کہ کوئی عدم استحکام پیدا کرنا چاہتا ہے؟" ٹائیگر بہت تذبذب سے کام لے رہا تھا۔

"کمپیوٹر کے ایسے اشاروں سے جو ہمارے آلات نے پکڑے ہیں۔ فردوس اور عبرت لینڈ میں کوئی شخص اپنے لوگوں کے قریب آنے کی کوششیں کر رہا ہے، جو ایٹمی سائنس داں ہیں یا جن کا تعلق ایٹمی تنصیبات سے ہے۔"

"یہ انتہائی خطرناک صورتِ حال ہے" اوشان نے بہت زور زور سے سر ہلاتے ہوئے تبصرہ کیا۔

"تب پھر آپ مجھ سے کیا کام لینا چاہتے ہیں؟" ٹائیگر کا لہجہ بھی رُوکھا پھیکا تھا۔

"یہ بتانا چاہو کہ وہ کون ہے اور کیا کرنا چاہتا ہے؟" بہرام نے جواب دیا۔

"یہ کام سرکاری ایجنسیاں بھی کر سکتی ہیں" ٹائیگر کسی ناراض بچے کی طرح بات کر رہا تھا۔

"ٹائیگر!" بہرام نے ایکا یک ہی سخت لہجے میں کہا "پوری دُنیا تباہ ہو جائے گی۔"

"اوہ!" اوشان نے ایک لمبی سانس لی۔ آنکھیں بند کیں اور پھر قدیم پروہتوں کے انداز میں دونوں ہاتھ سر سے بلند کر کے بولا "ہم ایک ساتھ مریں گے، عظیم شہنشاہ۔"

"ماسٹر نے اندازہ لگایا ہے کہ دُنیا میں کوئی بھی شخص زندہ نہیں بچے گا" بہرام نے کہا "جہاں تک دوسری ایجنسیوں کا تعلق ہے وہ ناکام ہو چکی ہیں۔ انھوں نے جن لوگوں کو تفتیش کے لیے بھیجا تھا، وہ سارے گنگ یا پاگل ہو گئے۔ میرے نزدیک کوئی عفریت معرضِ عمل سے۔ بہت ممکن ہے کہ ایٹمی جنگ کے لیے گنتی شروع ہو گئی ہو۔"

"ٹھیک ہے، ایٹمی گنتی شروع ہوتی ہے۔ جب گنتی ختم ہو جائے اور کوئی شخص ہنگ شروع کرنے والا بٹن دبانے والا ہو تو مجھے بتا دینا۔"

"تباہی، بربادی اور سلطنتِ شاہو کی تباہی" اوشان آنکھیں بند کیے ہوئے تھا۔

ماسٹر سب کچھ سمجھتا ہے" بہرام مسلسل اوشان کی تعریف کر رہا تھا تاکہ اوشان کے ذریعے ٹائیگر کو سنبھال سکے۔

"بالکل درست!" ٹائیگر نے بھی اس کی تائید کی اور رسالے میں کھو گیا۔

لیکن اسی لمحے، رسالہ اُڑتا ہُوا آتش دان میں جا گرا۔ اس بار اوشان نے ٹائیگر کو مخاطب کیا تھا۔ وہ قدرتے سے اپنی مادری زبان بول رہا تھا، جس کا ایک لفظ بھی بہرام کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

"احمق، شہنشاہوں کی نافرمانی کو نظر انداز کر دیا تم ابھی تک یہ نہیں سیکھ سکے کہ بادشاہوں کی ناراضی خطرناک ہوتی ہے۔ ان پر یہ کبھی ظاہر

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

نے کہا تھا وہ کہ ان کی بات احمقانہ ہے یہ ظاہر کرو کہ وہ بہت اہم بات کر رہے ہیں سمجھ گئے؟"

"سمجھ گیا۔" ٹائیگر نے ہنستے ہوئے اُدشان کی بات کا جواب اسی زبان میں دیا، جو بقول اُدشان دُنیا کی سب سے قدیم زبان تھی۔ "میں پہلے ہی سمجھ گیا تھا کہ چیف بہت پریشان ہے لیکن مجھے اس پریشانی کی کوئی پروا نہیں۔ فہم و زیرکی سنتے ہو کہ دُنیا کے کسی نہ کسی علاقے میں جنگ ہو ہی رہی ہے۔ اب تو یہ روز کا معمول بن گیا ہے۔ ٹِل فادر!"

"تب بھی یہی ظاہر کرو کہ شہنشاہ نے یہ معمولی بات کہی ہے تم جانتے ہو کہ یہ کابل الوجود اور جبلی انسان شہنشاہ ہے۔"

"نہیں بہرام شہنشاہ نہیں اگر تم اس کے لیے جرأت پر کام کرتے ہو تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ شہنشاہ ہو گیا۔ وہ خود بھی کسی سے معاوضہ لیتا ہوگا۔ وہ شاید اس فلک کے صدر کے لیے کام کر رہا ہے۔ میں اس کے سامنے جھوٹ تو بول نہیں سکتا۔"

"شہنشاہ کے سامنے جھوٹ نہ بولنے والے جھوٹ کے مر جاتے ہیں حق لڑکے۔" اُدشان نے قہقہہ آلود لہجے میں کہا۔ "شہنشاہ کے سامنے جھوٹ نہ بولنے والے کا گلا اندر ہی فاقہ کشی میں سُوکھ جاتا ہے۔"

"سنا ہے تو میں گزشتہ تین صدیوں سے کسی نے بھی ایک وقت کا فاقہ نہیں کیا ہوگا۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ "اور نہ ہی آئندہ تین صدیوں میں کوئی فاقہ کرے گا۔"

"سنا تو اس وجہ سے جھوٹا نہیں رہا کہ وہاں پر ایسے حاشروں نے بار بار جنم لیا، جو پورے گاؤں کا خیال رکھتے تھے۔" اُدشان اپنی مادری زبان میں بولنے لگا۔ "سنا تو ایسی سلطنت نہیں جو محض دو جانوروں سے سال پہلے وجود میں آئی ہو۔"

"ٹِل فادر! میں سنا تو دیکھ چکا ہوں، وہاں مٹی کے پتلے اور گول گول جھونپڑیاں ہیں مٹی کے ان گھروں سے جو چیز باہر نکلی ہے، وہ پیشہ ور قاتلوں کی ہے۔ ان بلاد و امصار شہیں کا کابل الوجود ادارہ ہے۔ اگر ان میں سے کوئی ایک بھی چست و چالاک ہوتا تو تم مجھے تربیت کے لیے منتخب نہیں کرتے۔"

"تمہاری زبان بھی بدتمیز ہے اور یادداشت اتنی کمزور ہے کہ تم تربوز لانے کا وعدہ بھی فراموش کر دیتے ہو۔"

"تربوز یا ٹائیگر دانت پیس کر بولا۔ "آخر کب تک تربوزوں کا قصہ چلتا رہے گا؟"

"جب تک تم تربوز لانے کا وعدہ پورا نہ کرو گے۔" اُدشان نے خونخوار انداز میں ٹائیگر کو دیکھ کر کہا اور پھر بہرام کی طرف دیکھ کر بولا۔ "اب اسے صورتِ حال کی نزاکت کا بخوبی احساس ہو گیا ہے۔"

"مجھے یقین ہے کہ تم کو حالات کی سنگینی کا احساس ہو چکا ہوگا۔" بہرام نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ دُنیا کے ان دو خطرناک ترین افراد کے درمیان لاحاصل بحث کا خاتمہ ہو گیا ہے تو ہمیں پتا نہیں کہ کیا کریں۔ صرف تم ہی اُنہیں کنٹرول ہو۔"

"ٹھیک ہے۔" ٹائیگر ایک طویل سانس لے کر بولا۔ "میں حالات کی نزاکت کا احساس کرنے کی کوشش کروں گا۔ مذرا ایک بار پھر تفصیلات بتاؤ۔"

بہرام نے فردوس اور صبرت لینڈ کے دفاعی نظام کی تفصیلات اتنے آسان انداز میں بتائیں کہ ہر بار ہات ٹائیگر کے ذہن نشین ہو گئیں۔ دونوں ایٹمی قوتوں کے ایٹمی میزائل داغے جانے کے لیے تیار ملیں اور اگر ایسا بھی میزائل پھینک جائے تو ایٹمی جنگ چھڑ سکتی ہے۔ ایٹمی جنگ میں کسی کی بھی فتح ممکن نہیں ہوگی۔ دُنیا تباہ ہو جائے گی۔ دونوں طاقتیں ایک طرف تو ایٹمی ہتھیار بنا رہی ہیں اور دوسری طرف کوشاں ہیں کہ یہ ہتھیار کبھی استعمال نہ ہوں لیکن اب کسی کی کوشش یہ ہے کہ ایٹمی ہتھیار استعمال کیے جائیں۔ سمجھ گئے؟"

"سمجھ گیا۔ اب ذرا اس کسی کی وضاحت بھی کر دو، جو یہ حرکت کرنا چاہتا ہے۔"

"میں کسی کا نام لینے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔ ویسے گلستان آباد میں ایک کمپیوٹر بنٹل ہاؤس ہے، جو اس دھندے میں ملوث ہے اور...."

"کمپیوٹر سیٹ کی تفصیلات پر ٹائیگر کی آنکھیں بند تھیں۔

"میں نے کہا نا کہ گلستان آباد میں واقع ہے۔" بہرام نے جواب دیا لیکن پھر تیزی سے اس کے بارے میں بتانے بھی لگا اور پھر اس نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ "اس وقت دُنیا ایک ایسی خوش چھت کی طرح ہے جو کسی بھی وقت گر سکتی ہے۔ ٹائیگر!"

"مجھے یہ چھت مضبوط بنانی ہے۔"

"ہاں۔" بہرام نے جواب دیا۔ "اس چھت کو مضبوط کر دینا ہے، جو چھت کے ستون گرانا چاہتی ہے۔"

"ناممکن۔ یہ کام کسی نہیں اتنی کمپنی کا ہے۔" ٹائیگر نے بے باک سے ہیولا انداز اختیار کر لیا۔

"فکر نہ کریں شہنشاہِ اعظم۔ یہ محض چھٹے چھاڑ کر رہا ہے۔" اُدشان نے فوراً مداخلت کی۔ "تیسرا کی کمپنی کی خدمات حاصل نہ کریں۔ ٹائیگر آپ کے کہنے کے مطابق عمل کرے گا۔"

"ہو۔" ٹائیگر!" بہرام نے زچ ہو کر پوچھا۔ "تمہاری کیا رائے ہے؟"

"میں کیا کہہ سکتا ہوں۔" ٹائیگر نے یہ کہہ کر رسالہ اٹھایا۔ بہرام مطمئن ہو گیا۔ اس نے واپس جانے سے قبل ایوانِ صدر کے لیے خفیہ انتظامات

سے بھی کر دیا۔ ٹائیگر نے اُکتا کر جواب دیا کہ عملہ آور کے ذہن میں جتنے بھی منصوبے ہیں، ان سب کا توڑ اس کے پاس موجود ہے۔ "میں نے ان حالات کو ہی بدل ڈالا ہے، جو صدر پر حملے کے لیے پیدا کیے گئے تھے۔ میں نے عملہ آور دل کا ذہن بھی بدل ڈالا۔"

بہرام کے چہرے پر مایوسی چھا گئی۔

"اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیں شہنشاہِ اعظم۔" اُدشان نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "اس نے یقیناً کوئی ایسا کام کیا ہے، جس کے باعث یہ صدر کی زندگی کی ضمانت دے سکتا ہے۔ شاید یہ ممکنہ قاتلوں سے ملاقات بھی کر آیا ہے۔"

"کیا تم نے ان سے اس بات پر قائل کر لیا ہے کہ وہ غیر اخلاقی کام کر رہے ہیں۔" بہرام نے پوچھا۔

"نہیں۔" ٹائیگر اُٹھ کر بولا۔ "لیکن انہیں بھی اپنی زندگی اتنی ہی پیاری ہے جتنی صدر فلکت کو اپنی زندگی عزیز ہے۔"

"میں سمجھا نہیں ٹائیگر!"

"میں ان سے کہہ آیا ہوں کہ اگر صدر پر حملہ ہوا تو ان میں سے کوئی بھی زندہ نہیں بچے گا۔"

"شہنشاہِ اعظم...." ٹائیگر اپنی نااہلیت کے باوجود صدر کی زندگی کو بڑی کامیابی سے تحفظ فراہم کر رہا ہے۔"

"ٹھیک ہے اگر ماسٹر کا بھی یہی کہنا ہے تو میں یقین کیے لیتا ہوں۔" بہرام نے سر ہلا کر کہا۔

"شہنشاہ کی خواہش کے مطابق صدر کی زندگی کی ضمانت سنابو کا ماسٹر دے رہا ہے۔" اُدشان نے مسکرا کر بڑے فخر سے ہاتھ ملنا کیا۔ "لیکن اگر شہنشاہ کی خواہش برعکس ہوگی تو صدر کو تاج و تخت سے محروم کر کے شہنشاہی تاج پوشی کی جا سکتی ہے۔"

"شکریہ ماسٹر! ابھی اس کا وقت نہیں آیا۔" بہرام نے گھما کر کہا کیونکہ اُسے یقین تھا کہ اگر بات ختم نہ ہوئی تو اُدشان صدر کو تاج و تخت سے محروم کرنے کے لیے دلائل دینے لگے گا۔

●

"میں بھی گلستان آباد چلوں گا۔" شہد کی سب سے بڑے موٹل کے کمرے میں اُدشان نے کہا۔

"مگر کیوں؟" ٹائیگر نے ساتھ لے جانا نہیں چاہتا تھا۔

"اس لیے کہ مجھے وہاں چند ضروری کام نمٹانے ہیں۔" اُدشان نے اس طرح کہا جیسے اسے واقعی گلستان آباد میں چند ضروری کام نمٹانے ہوں۔

"میرا خیال ہے کہ سنابو کے علاوہ نہیں اور آپ کو کوئی کام نہیں ہوگا۔" ٹائیگر نے اقرار کیا۔

"تمہیں علم نہیں کہ گلستان آباد میں میرا کام کتنا اہم ہے۔" اُدشان نے فیصلہ کن لہجے میں کہا اور پھر ٹائیگر کی ہزار مخالفت کے باوجود وہ گلستان آباد چلا ہی آیا۔

وہ گلستان سٹی کے سب سے بڑے موٹل میں تھے۔ اُدشان کے ہاتھ میں ایک فٹ لمبا اور فوانچ چوڑا بنٹل تھا، جس کو اُس نے سینے سے لگا رکھا تھا۔ ٹائیگر کو یقین تھا کہ اُدشان بنٹل کے بارے میں سوالات کی توقع کر رہا ہے لہٰذا اُس نے خاموشی اختیار کر لی۔ لیکن جب اُس نے دیکھا کہ اُدشان کی بے چینی بڑھ رہی ہے۔ رہے تو نہ پر چپ ہی بیٹھا تھا۔ کیا اس بنٹل میں کوئی کتاب ہے ٹِل فادر؟"

"یہ خاصا نجی معاملہ ہے۔" اُدشان نے اکتا کر جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔ میں آپ کے نجی امور میں دخل نہیں دوں گا۔" ٹائیگر نے جواب دیا لیکن اُسے یقین تھا کہ اب اُدشان کی بے چینی اور بڑھ جائے گی۔ ہُوا بھی یہی۔

"ہاں یہ کتاب ہے۔" اُدشان نے چند لمحوں کے بعد کہا لیکن اب ٹائیگر کتاب کی نوعیت کے بارے میں سوال کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اُسے علم تھا کہ اُدشان اپنا دیوان چھپوانے کی دو کوششیں کر چکا ہے اور ہر مرتبہ پبلشر نے معذرت کے ساتھ مسودہ واپس بھیج دیا تھا۔ اس بار وہ گلستان سٹی میں قسمت آزمانے آیا تھا۔

اُدشان کی شاعری کو دُنیا کے صرف دو آدمی ہی سمجھ سکتے تھے۔ ان میں سے ایک ٹائیگر تھا اور دوسرا خود اُدشان۔ شاعری کی زبان قدیم تھی اور مروّج اصولوں کے برعکس اس میں جانوروں کے حسن کے قصیدے تھے۔

اُدشان کو غصہ آنے لگا کیونکہ ٹائیگر نے ایک بار بھی نہیں اس کے نئے مجموعہ کلام کے بارے میں پوچھا نہیں تھا۔ "میں تمہیں یہ کتاب دیکھنے کے لیے بھی نہیں دوں گا۔"

"معذرت واپس آنے پر خود ہی پڑھ لوں گا۔" ٹائیگر نے چوٹ کی۔

"مجھے غصہ مت دلاؤ۔"

"غصے میں مت آؤ ٹِل فادر!"

"معذرت اس مرتبہ واپس نہیں آنے گا۔" اُدشان نے بڑے یقین سے کہا۔

"خود واپس آئے گا۔" ٹائیگر نے بھی بڑے یقین سے کہا۔ "اور جب واپس آئے گا تو میں ضرور پڑھوں گا۔"

"میں تمہیں ایک مصرعہ بھی پڑھنے کی اجازت نہیں دوں گا کیونکہ تم ایک اچھے نقاد ثابت نہیں ہو گے۔"

"ٹھیک ہے۔ میں نہیں پڑھوں گا۔"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"چلو، میں تمہارا دل توڑنا نہیں چاہتا۔ کتاب شائع ہونے کے بعد ایک اعزازی کاپی تمہیں بھی دے دوں گا۔"

●

ٹائیگر کو آفس میں کامیابی کا پیغام ملا کہ بتی مشین میں ہوگی اس کا خیال رکھنا۔

"واہ" ٹائیگر نے ایک طویل سانس لے کر دشان کی طرف دیکھا۔ "وہ بھی یہاں موجود ہے۔"

"آہ!" دشان نے کنول کے آنسو سے نکلے بغیر کہا۔ "تب پھر تم اس سے شادی کر لو۔"

"مجھے علم ہے کہ اس سے اجنبیت کا مظاہرہ کروں۔" ٹائیگر نے کہا

"اجنبی، ہاں اس وقت تک اجنبی بنے رہو جب تک شادی نہیں ہو جاتی ہے۔ یہی مشرق کا ہندی اصول ہے۔"

●

ٹائیگر ہوٹل سے نکلا تو اس کے اعصاب پر دشان کا مجوزہ کام ہی سوار تھا۔ اسے یہ خوف تھا کہ کہیں دشان اسے پوری کتاب پڑھنے پر مجبور ہی نہ کر ڈالے اور اگر ایسا ہوا تو کیا ہوگا؟ یہ سوال ہی اتنا جان لیوا تھا کہ ٹائیگر کو پسینے آ رہے تھے۔ اسے روبی سے اتنا خوف محسوس نہیں ہوتا تھا جتنا دشان کی کتاب سے... اور روبی سے خوف کہاں؟ وہ تو اس دل کی بات دل میں رکھنے کے لیے خوفزدہ ہونے کا تاثر دیتا تھا۔

دشان کی مصنوعی خفگی سے قطع نظر اسے ہمیشہ ہی سے یقین تھا کہ دشان اس کو اپنا متبنّٰی جانشین سمجھتا ہے لیکن اس کے لیے کٹھن مرحلہ وہ ہوتا تھا۔ جب دشان اس کی آزمائش پر بضد ہو جاتا تھا۔ اس وقت ٹائیگر کو ایسا لگتا تھا جیسے وہ پرائمری کلاس کا ایسا طالب علم ہے، جس سے سیکنڈری کلاسوں کے سوالات پوچھے جا رہے ہوں۔

"ایسا کیوں ہوتا ہے؟" ٹائیگر نے راستے میں آ جانے والے فائیو اسٹار ڈرنٹ سے پوچھا اور جب ٹرینڈ ڈرنٹ خاموش رہا تو اسے ہلکا سا غصہ آیا جیسے وہ کلاس میں کسی سوال کا جواب نہ دے سکا ہو۔ اسی غصے کی حالت میں وہ پیک گیا۔

"میرے خدا!" ایک عورت نے یہ منظر دیکھا۔ تو چلا اٹھی۔ اس نوجوان نے فائیو اسٹار ڈرنٹ کو ہاتھ مار کر پھینکا دیا۔"

"تم چوٹ لگتی ہو۔" ٹائیگر نے اس کی سرگوشی سن لی تھی۔

"کیا کہتے ہو؟" عورت نوخیز تھی۔

"سوری۔" ٹائیگر عورت کو سمجھا بجھا کر مسکرانے لگا۔ بس پر عورت کے حوصلے بڑھ گئے۔ وہ ٹائیگر کو برا بھلا کہنے لگی۔ بعض اس بالکل نئے فائیو اسٹار ڈرنٹ کو برباد کرنے پر سوری کہنا ہی چاہیے۔"

"نہیں، میں نے آپ کو خوفزدہ دیکھ کر سوری کہا تھا خاتون۔"

ٹائیگر نے سنجیدگی سے کہا۔

"اوہ، کوئی بات نہیں۔" عورت اس کے سنجیدہ لہجے پر ایک بار پھر خوفزدہ ہو گئی۔

"تب پھر میں اپنا معافی نامہ واپس لیتا ہوں۔" ٹائیگر نے بڑی بے نیازی سے جواب دیا۔

"جہنم میں جاؤ۔" اس بار عورت کو غصہ آ گیا۔

"وہیں جا رہا ہوں۔" ٹائیگر نے مسکرا کر کہا اور پھر آگے بڑھ گیا۔ اس کا رخ کمپیوٹر سینٹر کی طرف تھا۔

●

روبی نے اس سے بالکل دیسا ہی رویہ اختیار کیا، جو وہ دوسرے لوگوں کے ساتھ روا رکھتی تھی۔ کیا آپ کمپیوٹر کے نئے ماڈل میں دلچسپی رکھتے ہیں جناب؟"

وہ انگوری رنگ کی ساڑی میں ملبوس تھی۔

"کیا نیا ماڈل پرانے ماڈل سے بہتر ہے؟" ٹائیگر نے زیر لب مسکراتے ہوئے پوچھا۔ اس وقت روبی کی آنکھیں اندرونی مسرت سے چمک رہی تھیں۔

"نیا ماڈل آپ کی ہر ضرورت پوری کر سکتا ہے جناب۔" روبی کا لہجہ نرم اور کہنہ تھا۔ کہ سب لوگ گفتگو کی نوعیت کا اندازہ لگا سکیں اور کسی کو شک بھی نہ ہو۔ ٹائیگر اس کے لہجے میں جاہت محسوس کر کے دوسری طرف دیکھنے لگا۔ "میں ایک کمپیوٹر بیچنے کے لیے آیا ہوں... اور بس..." اس نے کہا۔

"مگر کیا آپ کسی خاص مقصد کے لیے کمپیوٹر خریدنا چاہتے ہیں؟" روبی نے پوچھا۔

"آں... ہاں..." ٹائیگر نے سنجیدگی سے کہا۔ "ذرا سوچنے دو ہاں مجھے تیسری عالمی جنگ شروع کرنے کے لیے کمپیوٹر درکار ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ میرا کمپیوٹر سرکاری پیغامات ٹیپ کرے میں ہیکروں کے کمپیوٹر خراب کر کے ساری رقم اپنے اکاؤنٹس کے اکاؤنٹس منتقل کرنا چاہتا ہوں۔ ایسا کمپیوٹر چاہیے جس کے سکنلز پر اسی میرا اس اپنے نشانوں پر روانہ ہو جائیں۔"

"بس..." روبی نے مسکرا کر پوچھا۔ اس کے دانت موتیوں کی طرح چمک رہے تھے۔

"ہاں اور کمپیوٹر ایسا بھی ہو جس سے میں کوئی کھیل بھی کھیل سکوں۔"

"ٹھیک ہے آؤ۔" روبی نے ساڑی کا پلو ٹھیک کرتے ہوئے کہا۔ وہ اٹھ گئی اور اسے ایک کونے میں لے گئی۔ جہاں پروگرامنگ ایریا تھی۔ وہ بڑی سنجیدگی سے اسے بتا رہی تھی کہ کمپیوٹر کس طرح کام کرتے ہیں۔

وہ بتا رہی تھی کہ یس اور نو کے بٹن کس طرح اور کس قسم کا کام کرتے ہیں۔

"میں تو تیسری عالمی جنگ شروع کرانے کے لیے کمپیوٹر لینے آیا ہوں۔" ٹائیگر نے ایک بار پھر کہا۔ "مجھے کمپیوٹر لیکچر سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

اس سے قبل کہ روبی کچھ کہتی کسی نے اسے آواز دی۔ "آپ کا فون ہے مس روبی۔"

روبی نے قریبی ڈیسک پر رکھے ہوئے ٹیلی فون سیٹ کا ریسیور اٹھایا اور پھر فضائی اس کے چہرے پر غصے کے تاثرات ابھر آئے۔ اس لمحے ٹائیگر نے محسوس کیا کہ بہت سے لوگ ہوئے تمام ٹی وی مانیٹرز ایک ساتھ حرکت میں آئے اور روبی پر فوکس ہو گئے۔ اس نے روبی کی طرف بغور دیکھا۔ وہ پسینہ پسینہ ہو رہی تھی۔

بند کرو یہ بکواس۔" روبی نے چلا کر کہا۔ ٹائیگر کو اچانک ہی ایسا لگا جیسے ٹیلی فون ریسیور سے انتہائی طاقتور لہریں نکل رہی ہوں... اگر روبی اس سے قبل ریسیور رکھ نہ دیتی تو اس کی سماعت ضرور متاثر ہوتی ان لہروں کو بہرحال روبی محسوس نہ کر سکی۔

"میرا خیال ہے کہ کسی نامعقول آدمی کا فون تھا۔" ٹائیگر نے روبی کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"ہاں، کسی ایسے مردود کا فون تھا۔ جو مجھے مہینوں سے تنگ کر رہا ہے۔" روبی نے جواب دیا۔

"کون ہے؟" ٹائیگر نے پوچھا۔ اس کا لہجہ عجیب سا تھا۔

"پتا نہیں۔"

"کیمرے کون چلاتا ہے؟" ٹائیگر نے چھت میں لگے ہوئے کیمروں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

"کیمرے آٹومیٹک ہیں۔"

"مگر نہیں، کیمرے آٹومیٹک نہیں کوئی انہیں اپنی مرضی سے کنٹرول کرتا ہے۔"

"یہ ہمارے آلات ہیں اور ہمیں اچھی طرح علم ہے کہ کیمرے کس طرح چلتے ہیں۔ میں بتاتی ہوں کہ کمپیوٹر کس طرح انہیں چلاتا ہے؟"

"یہ کیمرے کسی نے فوکس کیے ہوئے ہیں اور اس وقت بھی ان کی نظریں تم پر ہی ہیں۔"

"ناممکن۔" روبی نے اس بار نخوت بھرے لہجے میں مگر سرگوشی کے سے انداز میں کہا۔ اس نے کیمروں کی طرف دیکھا۔

"یہ سینسر یقیناً کسی خاص مقصد کے لیے استعمال ہو رہے۔" روبی، ٹائیگر سر سراتے ہوئے لہجے میں بولا۔ "یہ کیمرے تم اس مانیٹر کے کنٹرول کو تلاش کر سکتی ہو؟"

"پچھلے ہفتے ہم نے ایسی کوشش کی تھی۔ ہمارے آفس منیجر نے ریسیور اٹھا کر مہر لگا دیا تھا کہ اسے زبردستی آواز سنائی دی اور اس کے کان کا پردہ پھٹ گیا۔ میں گھبرا کر وہ گئی میں نے پولیس سے شکایت کی تو جواب ملا کہ ٹیلی فون سننے سے اگر کسی کے کان کا پردہ پھٹتا ہے تو یہ کسی کا جرم نہیں بنتا اور نہ ہی پولیس کیس بنتا ہے۔ مجھے بھی تنگ کیا جا رہا ہے۔ کبھی کوئی فون کر کے بتاتا ہے اور کبھی..." روبی نے ایک طویل سانس لے کر غبار دھوا پھوڑ دیا۔

"کیا تمہیں ذرا سا بھی اندازہ نہیں کہ وہ کون ہے؟" ٹائیگر نے سنتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"نہیں۔" روبی بولی۔

"تب پھر تم نے یہاں جھک ماری ہے۔"

"شہزادہ۔" روبی تڑاخ کر بولی۔ اگر وہ کمپیوٹر سینٹر میں نہ ہوتے تو وہ یقیناً چلا اٹھتی اور ٹائیگر کے بھی کان کے پردے پھٹ جاتے۔

"چلو، فضہ تو ک دو۔" ٹائیگر نے مسکرا کر کہا۔ "ہم دونوں اس کی تلاش کرنے کے مشن پر ہیں۔" اس کا لہجہ بہت دھیما تھا۔ اس لمحے ایک ٹائپسٹ نے ان کی طرف دیکھا تو روبی فوراً نارمل ہو کر بولی۔

"اب میں آپ کو یہ دکھاؤں گی کہ ایٹمی جنگ کس طرح شروع ہو سکتی ہے۔" اس کا لہجہ قطعی پیشہ ورانہ تھا۔ "آیئے، میرے ساتھ تشریف لائیں جناب!"

روبی اسے کمپیوٹر سینٹر کے ایک مقفل کمرے میں لے گئی، جہاں ایک بڑے کمپیوٹر اسکرین کے ساتھ کی بورڈ پر ایک اداس سا پتھر مردہ اور اونگھتا ہوا نوجوان بیٹھا ہوا تھا۔ وہ مردہ گوشت کی طرح ساکت نظر آ رہا تھا لیکن اس کی انگلیاں بہرحال مسلسل حرکت کر رہی تھیں۔

"ذرا ہٹو۔" روبی نے مردہ گوشت سے کہا۔ وہ ہٹا مگر اس کی انگلیاں کی بورڈ پر رہیں پھر جب اس نے انگلیاں ہٹائیں تب بھی ان کی پوزیشن ایسی ہی رہی جیسے وہ کی بورڈ پر ہوں۔

"تم بچ کے لیے جا سکتے ہو۔" روبی نے اسے بتایا۔

"بچ!" نوجوان نے اس طرح جھرجھری لی جیسے ابھی بیدار ہوا ہو۔ "نہیں، پہلے میں دو تین سگریٹ پیوں گا۔"

"بالکل ٹھیک، باہر جاؤ اور تین چار سگریٹ پی ڈالو۔" روبی نے مسکرا کر کہا۔ "ہر چلا گیا تو روبی نے بتایا کہ یہ ایسا کمپیوٹر لیکچرٹ ہے کہ وہ کسی بھی دوسرے کمپیوٹر نیٹ ورک میں داخلت پر مہارت رکھتا ہے۔

"یہی شخص ملکہ دفاع کے کمپیوٹرز میں بھی مداخلت کا کامیاب تجربہ کر چکا ہے۔" روبی نے دھیرے سے کہا۔

"یہ نمبر دیکھیں جناب!" اس بار روبی کا لہجہ عام سا تھا۔ ان کو

Scanned And Uploaded By Muhammad Waleem

دبا کر ہم اپنی مرضی کے مطابق کام لے سکتے ہیں۔ پہلا بٹن آپ کو بتاتا ہے کہ یہ مٹھی سے تعلق رکھتا ہے۔ دوسرے کا تعلق ائر فورس سے ہے تیسرا ائر کمانڈ سے متعلق ہے اور چوتھے کا تعلق میزائلوں کے اڈے سے ہے۔ پانچویں بٹن کو دبانے سے آپ کو بھرت لینڈ کی فوجی سرگرمیوں کا علم ہوگا اور چھٹے کو دبانے سے یہ معلوم ہوگا کہ عمومی صورتِ حال کیا ہے، ہم کہاں ہیں، گلستان میں اور ساتواں یہ بتائے گا کہ گلستان کا کیا انجام ہوا!"

ٹائیگر اگرچہ کچھ نہیں سمجھ سکا تھا لیکن وہ نمبروں کو دیکھتا رہا۔ اس وقت نمبر پانچ اور سات زیرو پر تھے۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ بھرت لینڈ کی فوجی سرگرمیاں نہ ہونے کے برابر ہیں اور اس کا مطلب یہ تھا کہ گلستان ابھی تک آباد ہے۔

"اس کمپیوٹر سے سینئر کو کیا فائدہ ہوگا؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"ابھی تک ہم ہر نوعیت کے کنٹرول حاصل نہیں کر سکے ہیں۔" رُوبی کا لہجہ کسی اچھی میزائل آفیسر کی طرح معذرت خواہانہ تھا۔ "ہم جو کچھ بھی کر رہے ہیں اس کی نوعیت محض ریسرچ کی ہے۔ ہم یہ اندازہ لگا رہے ہیں کمپیوٹر کو کس حد تک اور کہاں تک استعمال کیا جا سکتا ہے لیکن دانش نے ... اسی نوجوان کا نام ہے جو ابھی گیا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ اگر وہ چاہے ... تو ائر فورس کمپیوٹر کو ایسے سگنلز بھیج سکتا ہے کہ فضائیہ اپنے میزائل داغنے پر مجبور ہو جائے۔"

"کیا ڈینڈی کو اس کا علم ہے؟" ٹائیگر نے سرگوشی کی اور رُوبی نے اثبات میں سر ہلا دیا تو ٹائیگر کو اطمینان ہوا کہ اس صورتِ حال سے بہرام غافل نہیں۔ "تب بھر ہمیں یہ دعا کرنی چاہیے کہ وہ پاگل نہ ہو جائے۔" ٹائیگر کی مراد دانش مند سے تھی۔ اسی لمحے اسکرین پر بے شمار میزائل نکلتے نظر آنے لگے۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟" ٹائیگر نے تیزی سے رُوبی کی طرف دیکھ کر پوچھا۔ پانچواں بٹن از خود دب کر نو کے قریب آ گیا تھا۔

"میرے خدا!" رُوبی گھبرا گئی۔ اس کے چہرے کی رنگت فق ہو گئی۔ اور ہاتھ کانپنے لگے۔

"کیا ہوا؟" ٹائیگر بھی پریشان تھا۔

"اس سے ... اس سے ... یہ ظاہر ہوتا ہے کہ بھرت لینڈ نے ہم پر میزائلوں سے ... ایٹمی میزائلوں سے حملہ کر دیا ہے۔"

ساتواں نمبر، گلستان کا انجام ... کود کر زیرو سے اوپر پہنچ گیا۔

"یہ کیا ہوا؟" ٹائیگر نے دونوں ہاتھ پہلوؤں پر رکھ کر پوچھا۔

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم ابھی ابھی ایٹمی حملے میں تباہ ہوئے ہیں۔"

"کمال ہے، مجھے تو تباہی کا احساس تک نہیں ہوا۔" ٹائیگر نے برجستہ جواب دیا۔

"تب کمپیوٹر نے یقیناً کوئی غلطی کی ہے کیونکہ ساتویں نمبر کی نویں بٹن پر موجودگی کا مطلب صرف یہ ہے کہ گلستان پوری طرح تباہ ہو چکا ہے۔"

"وقت تیرے کی!" ٹائیگر نے سکون کی سانس لی جو عارضی انتباہی احمق مشین نے رُوبی ... مس رُوبی امُسے اچانک ہی احساس ہوا کہ وہ رُوبی کے لیے اجنبی ہے اور اسے مس رُوبی کہنا چاہیے۔

اسکرین پر تیسرے اور چوتھے بٹن کی پوزیشن بھی تبدیل ہونے لگی۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ فضائیہ کو اس جھوٹی تباہی کی اطلاع مل چکی ہے اور وہ چیکنگ کر رہی ہے۔"

تیسرا بٹن زیرو پر واپس آ گیا۔

"اور اس کا مطلب یہ ہوا کہ چیکنگ مکمل ہو چکی ہے اور فضائیہ مطمئن ہے۔" ٹائیگر نے خود ہی کہا۔ "فکر کی کوئی بات نہیں، کیوں مس رُوبی!" مس رُوبی کہتے ہوئے وہ خود کو اتھل پتھل محسوس کر رہا تھا۔

"ہاں لیکن چوتھے بٹن پر نظر رکھو۔"

چوتھا بٹن نو پر آ رہا تھا۔

"اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ قدوس میں میزائلوں کی کسی بیٹری کو یقین ہو گیا ہے کہ ہم سب تباہ ہو چکے ہیں۔" رُوبی سر سراتے ہوئے لہجے میں بولی۔ "اور یہ بیٹری بھرت لینڈ پر حملہ کر رہی ہے۔" اس کا لہجہ بھرانے لگا۔ اس نے اسکرین سے نظریں ہٹائیں۔ "شہزاد ... تیسری عالمی جنگ شروع ہونے والی ہے۔"

"میرے خدا!" ٹائیگر کی پیشانی عرق آلود ہو گئی۔ اس کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ وہ زندگی میں شاید دوسری تیسری مرتبہ خوف کا انڈا پکڑ رہا تھا۔

"تیسری عالمی جنگ۔" یہ تین الفاظ اس کے خشک حلق سے نکلے تھے۔

●

رُوبی نے اس کا جملہ نہیں سنا۔ وہ تو اپنے ان خوابوں کو منتشر ہوتے ہوئے دیکھ رہی تھی جو اس نے اپنے اور ٹائیگر کے بارے میں دیکھے تھے۔ چشمِ تصور سے وہ لاکھوں افراد کی لاشیں دیکھ رہی تھی۔ اور شہر کی لاش بھی ان میں شامل تھی۔ بہرام ایک طرف پڑا ہوا تھا اور وہ خود ٹائیگر کی آغوش میں مُردہ پڑی ہوئی تھی۔ اس نے جھرجھری لی اور ٹائیگر کا بازو تھام لیا۔

●

لیفٹیننٹ کرنل نسیم صبح آٹھ بجے سے میزائل بنکر میں ڈیوٹی پر تھا۔ اس کی نئی مریڈیز بیٹری ہیڈ کوارٹرز کے سامنے کھڑی ہوئی تھی جبکہ دوسری اس نے کہیں اور کھڑی کی تھی۔

ایک وطن پرست اور کفن بردوش نوجوان کی داستانِ خون رنگ جو محبِ وطن ہونے کے باوجود دہشت گرد کہلاتا رہا۔ وقت کی راستیں تھامنے والے ہاتھ لہولہان ہوتے رہے۔ معاشرے کے اُجلے لوگوں کی کہانی جن کے من کالے ہیں۔

دہشت گرد

سلیم فاروقی

چار حصوں میں شائع ہو گیا ہے

قیمت

مکمل سیٹ -/۱۸۰ روپے

مکتبہ القریش، سرکلر روڈ، اردو بازار، لاہور ۲
پوسٹ کوڈ ۵۴۰۰۰

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

تقریباً دوپہر کے وقت اُسے حکم ملا تھا کہ وہ بھرت لینڈ کے شہر بھائی کا مشرقی حصّہ تباہ کر ڈالے ساتھ ہی یہ بھی احکام تھے کہ بھائی کے مغربی شہر کو بھی تاراج کر دیا جائے۔ وہ یہ کام محض ایک چابی گھما کر کر سکتا تھا۔ وہ ایک چابی گھماتا اور پھر اُس کا انجینئر آفیسر ایک اور چابی گھماتا۔ اس کے بعد وہ حتمی منظوری کا انتظار کرتے۔ یہ منظوری ملنے کے بعد اسے صرف ایک بٹن دبانا تھا۔

"الرٹ کی اچھی آزمائش تھی" آفیسر کرنل نسیم نے اپنے آفیسر سے کہا

"نہیں جناب! یہ آزمائش نہیں، گلستان تباہ ہو چکا ہے، پوری طرح تباہ ہو چکا ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ صورتِ حال اتنی سنجیدہ اور سنگین نہیں" کرنل نسیم نے عام سے لہجے میں کہا۔

"سر!" آفیسر گھبرا کر اور حیرت سے اُس کی طرف دیکھنے لگا۔

"ہمیں ابھی تک یہ اطلاع نہیں ملی کہ جنگ شروع ہو چکی ہے" کرنل نسیم نے فہمائشی لہجے میں کہا۔

"سیز فائر سگنل ہے سر!" آفیسر نے پھر اصرار کیا "ہمیں چابی اندر ڈالنی چاہیے۔"

"جلد بازی کی ضرورت نہیں۔"

"صورتِ حال فوری جواب کی متقاضی ہے سر!" آفیسر نے پھر کہا "ہمیں ہر چیز کو ختم کر دینا چاہیے۔"

"میں جانتا ہوں کیونکہ گائیڈ بک آفیسر میں ہوں" کرنل نسیم نے اس بار دوٹوک کہا تھا۔

"تب پھر آپ کو کس بات کا انتظار ہے؟" آفیسر نے بھی درشت لہجے میں پوچھا۔

"مجھے انتظار نہیں" آفیسر کے تیور دیکھ کر کرنل نرم پڑ گیا "میں مناسب جواب یقینی بنانا چاہتا ہوں تاکہ دشمن کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچے۔ گلستان کی تباہی یقیناً عظیم المیہ ہے لیکن کیا یہ دشمن کا اعلانِ جنگ ہے؟ میرا خیال ہے کہ ہمیں دشمن کی اس حرکت کا جواب اس کی بردوازیں بند کر کے دینا چاہیے۔ اس کو . . . الگ تھلگ کر دینا مناسب ہوگا۔ زیادہ مناسب ہوگا کہ ہم ورلڈ کپ ٹورنامنٹ کا بھی بائیکاٹ کر دیں۔ جہاں تک ایک شہر کی تباہی کا تعلق ہے تو بہت سے ملکوں میں کئی کئی شہر تباہ ہو چکے ہیں۔ ہمیں جلد بازی سے کام نہیں لینا چاہیے۔ سیاسی حکومت موجود ہے، وہ ایک سخت ترین احتجاجی مراسلہ بھیج سکتی ہے۔"

"صورتِ حال ناقابلِ برداشت ہے جناب!" آفیسر نے غرا کر جواب دیا "میری چابی میرے پاس ہے۔ آپ کے پاس بھی چابی موجود ہے لیکن میری چابی اس وقت تک نہیں گھوم سکتی، جب تک آپ چابی ڈال کر نہ گھمائیں۔"

"میں اپنے فرائض کی نوعیت بہت اچھی طرح سمجھتا ہوں کرنل نسیم نے کہا۔

"آپ کا فرض چابی گھمانا ہے جناب!"

"میں جانتا ہوں۔"

"تب پھر؟"

"پھر میں یہی کروں گا اور اس وجہ سے کروں گا کہ یہ میری مرضی ہے" نسیم نے کہا اور مجھے میں پڑی ہوئی سونے کی زنجیر میں جھولتی ہوئی چابی نکال کر بیٹری کے نقص میں ڈال دی۔ ساتھ ہی اس نے سبز اسکرین کی طرف دیکھا۔ میزائل بنکر اب پُرہجوم نظر آ رہا تھا۔ گلستان تباہ ہو چکا تھا، بہرام نگر اور علی آباد شعلوں میں گھرے ہوئے تھے اور اسکرین پر مسلسل سُرخ سگنل نظر آ رہے تھے۔

تب ہی اسکرین پر ایک نیا پیغام نمودار ہوا۔

"اگر کرنل نسیم نے اپنی چابی فوراً نہیں گھمائی تو اس میزائل بیٹری کو باغی قرار دے دیا جائے گا۔"

کرنل نسیم کانپ کر رہ گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر فردوس نے یہ جنگ جیت لی تو اسے کورٹ مارشل کا سامنا ہوگا۔

کرنل نسیم بھاگ کر اپنی نئی مریسڈیز میں بیٹھنا اور دور نکل جانا چاہتا تھا۔ اس نے ابھی دل بھر کر نہ تو گاڑی چلائی تھی اور نہ ہی اپنی نئی مالی رہائش گاہ میں ایک بھی دن گزارا تھا۔

اچانک ایک بار پھر اسکرین پر جھلاہٹ لگا۔ ایگزیکٹو آفیسر نے اپنے پستول پر ہاتھ رکھ کر کرنل نسیم کو گھورا تو کرنل نے گھبرا کر چابی گھما دی۔

میزائل بیٹری نے کام شروع کر دیا کیونکہ آفیسر نے اپنی چابی گھمانے میں ایک پل کی بھی تاخیر نہ کی تھی۔ نسیم کے چہرے پر پُراسرار سی مسکراہٹ تھی۔ اس کا عملہ اپنی اپنی پوزیشن سے اسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"آپ نے بہت تاخیر کر دی جناب!" آفیسر اب بھی غصّے میں تھا۔

"میں جلد بازی سے کام لینے کا عادی نہیں ہوں" آفیسر کرنل نسیم نے کہہ دوسرے لہجے میں جواب دیا۔

"بس سر!" آفیسر نے بڑے احترام سے جواب دیا لیکن وہ یہ فیصلہ کر چکا تھا کہ اس صورتِ حال کے ختم ہونے کے بعد کرنل نسیم کو نفسیاتی علاج کے شعبے میں بھیجنے کی سفارش کرے گا تاکہ کرنل کی قوتِ فیصلہ بہتر بنائی جا سکے۔

اس کا عملہ اب بھی اسے گھور رہا تھا۔

"تو تباہی صرف گلستان میں ہوئی ہے؟" کرنل نسیم نے قدرے مضطرب

لہجے میں پوچھا۔

"بہرام نگر اور علی آباد میں بھی" آفیسر نے جواب دیا۔

"یہ چھوٹے شہر ہیں، ان کی بات نہ کرو" نسیم نے جواب دیا۔ ساتھ ہی اسے ولاری یاد آ گئی۔ ولاری جرمن نژاد تھی اور اس سے بہت بزت کرتی تھی۔ نسیم کو یہ سب کچھ اچھا نہیں لگ رہا تھا کیونکہ اس کے بینک اکاؤنٹ میں رقم لاکھوں تک پہنچ گئی تھی اور وہ ریٹائرمنٹ لے کر عیش کرنا چاہتا تھا۔ اُسے یاد تھا کہ جب پہلی مرتبہ اُسے یہ احساس ہوا کہ ذاتی کھاتے میں رقم جمع نہ کرانے کے باوجود جمع شدہ رقم بڑھتی جا رہی ہے تو اُس نے بینک کی توجہ اس غلطی کی طرف مبذول کرائی تھی لیکن بینک والوں نے اپنی غلطی تسلیم نہ کی اس طرح یہ عمل مسلسل اضافہ ہوتا گیا اور گھر والوں کو بھی یقین ہو گیا کہ وہ جلد ہی لکھ پتی بن جائیں گے ان ہی دنوں اس کی ملاقات ولاری سے ہوئی، جو کمپنیوں اور سرمایہ کے وقت کار میں ساحل کی سیر کی شوقین تھی۔ ولاری حسین تھی اور نسیم کے پاس اب رقم کی کمی نہ تھی وہ بے دریغ خرچ کرتا گیا۔ وہ اپنی بیوی روتھ ہما کو بھی بھول گیا، جو اس وقت اس کے نکاح میں آئی تھی جب وہ انرجر سسٹم میں کمیشن حاصل کرنے جا رہا تھا۔

ایک مہینہ ختم ہوا تو وہ اپنے ذاتی اکاؤنٹ میں موجود تقریباً ساری رقم ولاری پر خرچ کر چکا تھا لیکن اسے یقین تھا کہ پہلی تاریخ کے بعد جب اُسے بینک سے گوشوارے ملے گا تو اس میں معقول رقم کی موجودگی ظاہر کی گئی ہوگی، ہوا بھی یہی۔

دو ماہ بعد جب بہت ہزار ڈالر ہو گئی تو نسیم نے دفاعیہ سے مستعفی ہونے کا ارادہ ظاہر کیا لیکن یہ ولاری ہی تھی جس نے اُسے اس ارادے پر عمل سے باز رکھا۔

پھر جب نسیم کرنل بنا تو ولاری ہی تھی جس نے رات بھر جشن منایا اور پہلی بار نسیم کو ہیروئن کے نشے کا علم ہوا۔ اس کو جلد ہی میزائل بیٹری کا کمانڈنگ آفیسر بنا دیا گیا اور چابی اُس کے حوالے کر دی گئی۔

اب اگر اُسے یہ یقین نہیں ہوتا کہ ریٹائرمنٹ کے بعد اُس کی پنشن کی رقم انتہائی معقول ہوگی تو وہ چابی ہرگز نہ گھماتا۔

اسکرین پر اچانک سی آخری حکم جھلملانے لگا۔

"فائر . . . کنٹرم پنشن . . . گو . . . گو آہیڈ!"

جنگ شروع ہو چکی تھی۔

نسیم کو اب کوڈ بٹن دبانا تھا تاکہ میزائل داغے جا سکیں۔ تین مختلف کوڈ اس کے سامنے تھے۔ وہ پہلے بٹن پر ہی ہچکچانے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اب جب کہ جنگ شروع ہو گئی ہے تو فردوس کا بڑا حصّہ تباہ ہو جائے گا۔

اُس نے پہلا بٹن دبایا، دوسرا دبایا اور تیسرے بٹن پر اس کے ہاتھ کانپنے لگے۔ ایسا لگا جیسے اُسے تپ چڑھ جائے گی۔ اُس کی ہتھیلیاں سے آگ نکلنے لگی۔ اس نے پہلے کبھی انگلیوں میں پسینے کا احساس نہیں کیا تھا لیکن اس وقت انگلیوں سے بوندیں ٹپک رہی تھیں۔ اس نے گھبرا کر تینوں سے ہاتھ صاف کیے۔

اس ذرا سی تاخیر کے باعث پہلے دونوں کوڈ بٹن اپنی جگہ پر واپس آ گئے۔ اُسے اب پھر تینوں بٹن دبانے تھے۔ اُس نے پہلے دو بٹن دبانے تو اُسے مُنہ کا ذائقہ عجیب سا لگا۔ وہ زندگی اور ولاری کے بارے میں سوچنے لگا۔ وہ سوچنے لگا کہ میزائل کے داغے جانے کے بعد زندگی کی کیا قدر و قیمت باقی رہے گی، تب ہی اُسے ولاری کا محسن یاد آ گیا۔ چشمِ تصور سے وہ اُسے مسکراتا ہوا دیکھ رہا تھا۔

تیسرے بٹن پر اس کے جسم میں کپکپاہٹ پیدا ہونے لگی اور انگلیاں مفلوج سی ہو گئیں۔

بٹن اب بھی نہیں دبا تھا

آفیسر نے لپک کر کرنل نسیم کو گرنے سے بچایا اور پھر اُسے فوراً اسپتال لے جانے کا حکم دیا۔ کرنل نسیم کی پلکیں تک نہیں جھپک رہی تھیں اُسے سکتہ ہو گیا تھا۔

مجھے خدشہ ہے کہ کرنل اس کیفیت سے کبھی نجات حاصل نہیں کر سکیں گے۔" فوجی اسپتال کے ماہر نفسیات نے روکشن کمار اور کرنل کے جوان بچوں کو بتایا۔ "ان کی اس کیفیت کا سبب واصل یہ ہے کہ وہ فوجی تھا فوں کے مطابق حکم پر عمل کرنا چاہتے تھے لیکن ان کا دل اس عمل آوری کی راہ میں مزاحم ہو رہا تھا۔ اس کشمکش کا اثر دماغ پر پڑا اور وہ مفلوج سا ہو گیا۔"

●

اُدھر انرجائزر ہیڈ کوارٹرز کے آفیسر کرنل کے مفلوج ہونے اور تیسرا بٹن نہ دبنے کے باعث بہت خوش تھے کیونکہ صرف اسی وجہ سے تیسری عالمی جنگ شروع نہیں ہوئی تھی لیکن انھیں یہ پریشانی بھی تھی کہ میزائلوں کے نظام میں ایسی کیا خرابی پیدا ہوئی جس کے باعث نہ صرف یونٹ کو غلط اطلاعات فراہم کی گئیں بلکہ غلط احکام بھی جاری ہو گئے نہ صرف گلستان ابھی تک آباد تھا بلکہ بہرام نگر اور علی آباد کی رونقیں بھی برقرار تھیں۔ بھرت لینڈ والوں نے کوئی حملہ نہیں کیا تھا۔ یہ محض خوش قسمتی تھی کہ میزائل بیٹری کا تیسرا بٹن نہیں دب سکا تھا۔

چیف آف انٹرا سٹاف نے گائڈ انجینئر کے حکم پر اس سنگین غلطی کی تحقیقات کے لیے ایک کمیشن مقرر کر دیا۔

●

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

اپنے کمپیوٹر روم میں بیٹھے ہوئے شفاعت نے کرنل نسیم کے سلسلے میں اپنی کارروائی کے حوالے سے ہزار اور ایک راتیں جنگ کے قریب لانے کے بعد پندرہ ہزار اپوائنٹ حاصل کیے تھے۔ تاہم اسے دکھ تھا کہ اس بات پر فقط آدھا تھا کہ ابھی جنگ شروع نہیں ہوئی لیکن اس نے اس ناکامی کے باوجود پوائنٹس کم نہیں کیے۔ اسے یہ اطمینان تھا کہ اگلی مرتبہ وہ بھرت لینڈ کو میزائل فائر کرنے پر مجبور کر دے گا اور پھر تیسری عالمی جنگ شروع ہو جائے گی۔ اس نے فیصلہ کیا کہ جنگ رات کے وقت شروع ہونی چاہیے تاکہ وہ آتش بازی کا نظارہ بھی کر سکے۔

اس نے ایٹمی جنگ کے کھیل کا خاتمہ کرتے ہوئے اسکرین صاف کر دی جسے کمپیوٹر نے اسے بتایا کہ اس کی کال آئی ہوئی ہے۔

یہ کال کمپیوٹر سینٹر کے ایک انتہائی حساس کیمرے سے کی تھی۔ اسکرین پر روبی کے ساتھ ایک نوجوان نظر آیا جو روبی سے کسی کمپیوٹر کے بارے میں باتیں کر رہا تھا۔ اس کی باتوں سے کمپیوٹر نے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ شفاعت کی ٹوہ میں ہے۔

ممکن ہے روبی بھی اس کی شریک کار ہو۔ اس نے سوچا اور پھر مسکرانے لگا۔ بہت مزا آئے گا۔ میں روبی کے ذریعے اس تک پہنچوں گا اور.....

دنیا کے دن گنے جا چکے تھے اور اسے ان پندرہ دنوں میں کئی اہم کام بھی کرنے تھے وہ مسکرا اٹھا۔

"کیا بات ہے آج کل تمہاری بھوک اڑی ہوئی ہے شہزادی۔" روبی نے اس کے سامنے نیم برشت پائی کا ٹکڑا توڑ کر پلیٹ رکھتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں۔" ٹائیگر کچھ سوچ رہا تھا۔ "ایک بار پھر بتاؤ کہ تم اس شخص کے فون نمبر کو ٹریس کیوں نہیں کر سکیں؟"

"میں نے بتایا نا۔" روبی گلابی رنگ کے شلوار کرتے میں ملبوس تھی۔ "پہلے ہیکنگ سے وہ نمبر نکالنے اور اس کے کان کا پردہ پھٹ گیا۔ ہم نے اس کے بعد ٹیلی فون آپس سے رابطہ قائم کیا۔ جہاں سے ہمیں بتایا گیا کہ انھوں نے ایسا کوئی نمبر الاٹ نہیں کیا ہے لیکن تم اس سلسلے میں اتنے مضطرب کیوں ہو؟"

حیرت کی بات یہ تھی کہ دونوں کے درمیان نصف گھنٹے سے تبخ کلامی نہیں ہوئی تھی۔

"یہ بھی علم نہیں کہ تمہارا فون ٹریس کرنے والے کیمروں کو کون کنٹرول کرتا ہے؟"

"تم خود بھی دیکھ چکے ہو شاید یہ محض اتفاق تھا کہ اس وقت میں فوکس میں تھی۔"

"ہوں۔" ٹائیگر نے ہنکارا بھر کر ایک بار پھر روبی کے ڈارلنگ روم کا جائزہ لیا۔ بہرام نے انتہائی شاندار اپارٹمنٹ روبی کو لے کر دیا تھا۔ روبی جہاں بھی جاتی تھی تین تصویریں اس کے ساتھ ہوتی تھیں۔ یہاں بھی اس کی ماں، باپ اور بھائی کی تصویریں نظر آ رہی تھیں۔ ایک کتاب کے نیچے اشاریہ ۲۵ بھی نظر آ رہا تھا۔

"کمال ہے تھیں بھی اس کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔" ٹائیگر نے اشاریہ ۲۵ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔ والی حفاظت کے لیے لیکن میں نے سنا ہے کہ قم نے اب ان چیزوں کو ہاتھ لگانا بھی چھوڑ دیا ہے۔" روبی کھل کھلا کر ہنس پڑی۔ "اسے علم تھا کہ اوشان نے کیا پابندی لگائی ہے۔"

"ہاں... لیکن کھڑکی سے جھانکنے والے صرف چار ہی ہیں۔" ٹائیگر کا لہجہ عجیب سا تھا۔

اسی لمحے کھڑکی بہت زوردار آواز کے ساتھ کھلی اور یکے بعد دیگرے چار افراد کمرے میں کود آئے۔ ایک روبی کی طرف بڑھ گیا جبکہ باقی تین نے ٹائیگر کی طرف چھلانگ لگا دی۔ ان تینوں کے بال بہت سلیقے سے بنے ہوئے تھے پگڑیوں پر ایک بھی شکن نہ تھی۔ ان کے ہونٹوں پر پینٹ کیا گیا تھا کہ وہ چبا نہ سکیں۔ ایک کے کان میں ہیئرنگ کی زنجیر لٹک رہی تھی دوسرے کی کمر پر زنجیر بیلٹ کی طرح بندھی ہوئی تھی جبکہ تیسرا دھیان انداز میں کلائی ہلا رہا تھا۔

ٹائیگر کو ان کے جسموں سے اٹھنے والی مہک محسوس کر کے یہ اندازہ ہوا تھا کہ وہ جراثیم سے آلودہ ہیں اور وہ ہر قیمت پر جراثیم سے بچنا چاہتا تھا لہٰذا اس نے قریب ہی کاؤچ کی بیڈ شیٹ کھینچی ہوا اور ان کی طرف اچھال دی۔ بیڈ شیٹ ان پر اس طرح گری کہ وہ اس میں الجھ گئے۔ تب ہی ٹائیگر نے لپک کر بیڈ شیٹ کے دونوں کونے پکڑ لیے اور انھیں باندھنے لگا۔

ان میں سے دو دم گھٹنے کے باعث فوراً مر گئے جبکہ تیسرے نے بیلی کوشش میں بتا دیا کہ اسے کس نے کیا حکم دیا تھا۔ ٹائیگر نے چادر کھول دی لیکن اسے دیر ہو چکی تھی کیونکہ چہروں سے اٹھنے والے گیس نے چادر غارت کر دی تھی۔

تین مر چکے تھے۔

"یہ کیا کیا؟" روبی چادر دیکھ کر چلائی۔

"سوری!" ٹائیگر کو بھی بیڈ شیٹ کے خراب ہونے کا بہت افسوس تھا۔

"کیسے؟" روبی غرا کر تیسرے شخص پر جھپٹ پڑی۔ "رنگ لگا کر آنے کی کیا ضرورت تھی؟"

اس شخص نے موقع غنیمت جانا، شاید وہ روبی کو ڈھال بنا کر

فرار ہونا چاہتا تھا۔ اس نے روبی کو دبوچنا چاہا لیکن روبی کا زوردار ہاتھ اس کی گردن پر پڑا۔ وہ ڈگمگانے لگا۔ اسی اثنا میں روبی نے اس کا ایک ہاتھ پکڑ کر کھینچا۔ ایک جھٹکے سے اس شخص کو کہنی سے اٹھایا اور چیخ کر اس کے چہرے پر ٹھوکریں مارنے لگی۔

"کیا کر رہی ہو؟" ٹائیگر نے حیرت سے پوچھا۔

"اس غیبت کو بھی ختم کر رہی ہوں۔ میری چادر خراب کر دی ہے مردودوں نے۔"

"لیکن اس طرح تمہارے سینڈل بھی خراب ہو جائیں گے۔"

"تب پھر میری مدد کرو۔" روبی چلائی کیونکہ وہ شخص اب اس کا پیر پکڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"سینے پر مارو۔ رنگ نہیں اترے گا۔"

"وہاں زنجیر ہے۔"

"تب پھر رانوں پر مارو۔"

"وہاں بھی اس نے کچھ پہن رکھا ہے آہنی چیز ہے۔"

"تب پھر گردن توڑ دو لیکن جلدی کرو۔ مجھے جانا بھی ہے۔"

روبی نے ایسا ہی کیا۔ وہ کہنی کے بل اس شخص پر اس طرح گری کہ کہنی گردن پر لگی اور وہ شخص ایک جھٹکا لے کر ساکت ہو گیا۔

"اب بولو۔" وہ کسی بشرنی کی طرح خونخوار ہو رہی تھی۔ "تم نے یونیفارم چرا کر... میں کیوں لیٹا تھا؟"

"صرف چادری سامنے نظر آئی تھی۔"

"لیکن یہ سب سے قیمتی چادر تھی پورے سوڈالرز کی تھی۔" وہ ہنسی۔ "کچھ تو میں نے خود خریدی تھی۔"

"کوئی بات نہیں۔ تو ڈیڈی دوسری چادر دلوا دیں گے۔" ٹائیگر نے شرمندہ کرتے ہوئے کہا۔ "اچھا۔ میں چلتا ہوں۔"

"اور یہ لاشیں۔" روبی اچھل کر بولی۔ "ان کا میں کیا کروں گی میں نمائندے چھوڑے ہوئے جسموں کی ذمے داری ہرگز قبول نہیں کروں گی۔"

"لیکن یہ تو سوچو کہ میں نے تمہاری زندگی بچائی ہے۔"

"تم نے...!" روبی قہقہہ مار کر ہنس پڑی۔ "ان کو تو میں ہی مار سکتی تھی۔" یہ کہتے ہوئے وہ ڈریسنگ روم میں چلی گئی اور جلد ہی کپڑے بدل کر نکلی۔ اب اس نے اشاریہ ۲۵ بھی لباس میں چھپا لیا تھا۔

"فی الحال لاشیں یہیں چھوڑو۔ یہ جلد ہی نہیں پڑیں گی یہاں اس حصے پر تاک جھانک کے لیے جانا ہے۔ جو تمہارے نمائندے مرنے سے خالی بتایا تھا۔" ٹائیگر نے کہا۔

لیکن جب وہ وہاں پہنچے تو روبی کا منہ بگڑ گیا۔

"یہی جگہ ہے۔ مرنے والا جھوٹ نہیں بھول سکتا۔" ٹائیگر نے کہا۔

ساتھ ہی وہ ادھر ادھر بھی دیکھ رہا تھا۔ دن کے دو بجے تھے اور کار پارکنگ میں بھی کوئی نہیں تھا۔ اس وقت اس گندی سڑک پر بچے اور لفنگے بھی نظر نہیں آ رہے تھے۔ ان کے عقب میں جنک کی ایک چھوٹی برانچ تھی اور گھر کے نیچوں کے سوا کسی، دیدی آواز بھی نہیں آ رہی تھی جو بچے کو ڈھونڈنے میں خوراک تلاش کر رہے تھے۔

"اس نے کہا تھا کہ رابطے کا آدمی ہر وقت موجود رہتا ہے۔"

"اس نے جھوٹ بولا تھا۔" روبی چیخ کر بولی۔ "اس کے آدمی نے ہمیں شکست دے دی ہے۔"

"تم اسے آدمی کیسے کہہ سکتی ہو۔ اس نے تو نمبر بتایا تھا ۲۴۲ اور ضروری نہیں کہ ۲۴۲ مرد ہی ہو۔"

"یہ تو وقت دیکھ کر بتا سکوں گی کہ وہ مرد ہے یا عورت۔" روبی دانت پیس رہی تھی۔ اسے یہ بھی خوف تھا کہ اپارٹمنٹ میں لاشوں کا بھانڈا نہ پھوٹ جائے۔ وہ مزید کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن فوراً ٹھٹک کر رک گئی۔ وہ دیکھو۔ موجود ہے۔ اس کا اشارہ جنک کی سمت میں تھا۔

"کہاں؟" ٹائیگر کو کچھ بھی نظر نہیں آ سکا تھا۔

"ادھر۔" اس بار وہ بلڈنگ کے سامنے نصب آٹومیٹک کار ڈسپنسر کی طرف اشارہ کر رہی تھی۔

"وہ تو مشین ہے۔" ٹائیگر بولا۔

"اس پر ۲۴۲ نمبر دبا۔" روبی نے سر سراتے ہوئے بچوں کی طرح کہا جیسے ٹائیگر محض گاڈی ہو۔

ٹائیگر نے ۲۴۲ کے نمبر دبائے تو مشین کا اسکرین روشن ہو گیا۔ چند لمحوں تک روشنیاں جھلملاتی رہیں اور پھر ایک پیغام نمودار ہوا۔ "مشین کی کامیابی پر مبارک باد قبول کرو اور اپنی کارکردگی سے مطلع کرو۔"

"بولو۔" روبی نے اشارہ کیا۔

"تم نے عورت اور مرد کو قتل کر دیا ہے۔" ٹائیگر نے مشین کے پاس منہ لے جا کر کہا اور یہی الفاظ انگریزی میں ادا کرنے لگے پھر جواب بھی آ گیا۔ "واقعی؟"

"ہاں۔" ٹائیگر مسکرا رہا تھا۔ "مرد بہت سکون سے مر گیا جب کہ عورت نے بہت واویلا مچایا۔ بہت شور کر رہی تھی وہ...."

روبی نے منہ بنا لیا تھا۔ تم نے کار اور فری وقت میں ترک کر دیا وہ بہرحال اپنی اس توہین پر مشتعل تھی۔

"وہ کس وجہ سے مری تھی؟" اسکرین پر پھر سوال ابھرا۔

"بہت بھی اہم۔" ٹائیگر نے روبی کی طرف دیکھ کر جواب دیا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"تم جھوٹ بول رہے ہو۔" مشین نے کہا۔

"تمہیں کیسے پتا چلا؟" ٹائیگر نے ہنس کر پوچھا تھا۔

"اس لیے کہ تم مجھے نظر آ رہے ہو، وہ عورت بھی تمہارے ساتھ کھڑی ہوئی ہے۔ اس سے کہو کہ ریوالور پرے پھینک دے ورنہ گولی چلا دوں گا۔"

"میرا خیال ہے کہ اب وہ آرام کرے۔" ٹائیگر نے مشین کو مشورہ دیا۔

"تم کون ہو۔ ابھی تک یہ پتا نہیں لگا سکا کہ تم کون ہو؟"

"تم یہ پتا لگا ہی نہیں سکتیں مس مشین۔"

اسی لمحے مشین کا کیش پوشن از خود کھلا اور سو سو ڈالر کے نوٹوں کی ایک اچھی خاصی گڈی نمودار ہوئی۔

"یہ کس سلسلے میں دے رہی ہو؟" ٹائیگر نے ہنس کر پوچھا

"نہیں... تم کون ہو؟"

ٹائیگر نے گڈی واپس پوشن میں رکھ کر اسے زور سے بند کر دیا

"تم کیا چاہتے ہو؟" لفظ اسکرین پر ابھرے۔

"تمہاری تباہی۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ "میں تمہیں قتل کرنے کے لیے آ رہا ہوں۔"

اسکرین پر دو جنوں اور مختلف رنگوں کی لکیریں ناچنے لگیں۔ ایسا لگا جیسے مشین کا دل خوشی سے دھڑک رہا ہو۔ اس کے بعد بڑے بڑے حروف نمودار ہوئے۔ "مبارک ہو، تم جو کوئی بھی ہو تم نے پچاس ہزار پوائنٹس حاصل کیے ہیں۔" اس کے ساتھ ہی مشین کا اسکرین تاریک ہو گیا۔

"بھاگ گیا۔" روبی دانت پیس رہی تھی لیکن اس کی آنکھیں شاید کامیابی کے باعث تک رہی تھیں۔

"لگتا ہے کہ ہم اسے تلاش کریں روبی۔" ٹائیگر سنجیدہ تھا۔

"کاش، میں اسے تو گولی مارنا چاہتی ہوں۔"

"اس کے لیے ضروری ہے کہ اسے تلاش کیا جائے۔ کیا تمہیں اندازہ ہے کہ سامنے والے بینک کا کمپیوٹر سسٹم کون استعمال کر رہا ہے؟"

"نہیں۔"

"کیوں نہیں، شاید تمہیں اس قسم کی معلومات حاصل کرنے کے لیے کمپیوٹر سسٹم میں رکھوایا گیا ہے۔"

"بینک کا بیڈ آفس شاہراہ تجارت پر ہے۔ اس کی اطلاعات کا ذخیرہ ایسے آہنی دروازوں کے پیچھے بھیجا ہوا ہے جن کو بارہ بجے تک نہیں کھولا جا سکتا اور نہ ہی کوئی اور کمپیوٹر ان کے مکمل کوڈ معلوم کر سکتا ہے۔"

"اندازہ تو لگایا جا سکتا ہے نا؟"

"کوشش کر کے دیکھ لو۔ دیوار کارڈ بھی ہیں اور یہ تریسٹھ بھی۔" روبی منہ بنا کر بولی۔

پراسرار اور خوفناک کہانیاں جنہیں
پڑھتے ہوئے آپ چونک اٹھیں گے
انوار صدیقی کے پراسرار قلم سے

آسیب زدہ — قیمت =/110
دستک — قیمت =/100

مکتبہ القریش سرکلر روڈ اردو بازار لاہور
فون 7668958

"مجھے چیلنج کر رہی ہو؟" ٹائیگر نے غرا کر پوچھا تھا۔ "ابھی یہ کام بھی کر سکتا ہوں، ساتھ چلو گی؟"

"ابھی۔" روبی ایک قدم پیچھے ہٹ کر بولی۔ وہ جانتی تھی کہ اس نے فعلی کی ہے۔ ٹائیگر کو مشتعل کر دیا ہے۔

"ہاں... اور تم ساتھ چلو گی تاکہ کمپیوٹروں کا نظام تمہیں سکھا دوں۔ مجھے تباہ کرنے کے لیے کیا ہے یہ سیکھ لیا اس بات کی ضمانت ہے کہ اس طرح ہم اصل شکل تک پہنچ جائیں گے؟"

"ضمانت نہیں، قوی امکان ضرور ہے۔"

"تب چلو۔"

محافظوں کو ہٹا دیا گیا۔ چند لمحوں کو لوگوں کو ایک بگٹٹ رقص میں زیادہ دشواری نہیں ہوئی۔ ان لوگوں کی نشاندہی بھی جلد ہی ہو گئی۔ ان کے پاس سیکرٹ کمپیوٹر فائلوں کی چابیاں اور کوڈ تھے۔ ٹائیگر نے انہیں بتایا کہ صرف یہ کہا تھا کہ اسے ان لوگوں کا تعاون درکار ہے۔ یہ لوگ بینک کے دفاتر کے قریب ہی اپنے خالیشان ہیڈ دفتر میں موجود تھے۔ ان پر اس نے جس مزاحمت کی تو ٹائیگر نے ان کے ہیڈ کو گرسر کے بل چوبیسویں منزل سے نیچے پھینکا کر چند لمحے دیے تھے اور وہ سب کے سب تعاون پر آمادہ ہو گئے تھے۔ ان میں سے کوئی بھی نائب صدر کے عہدے سے کم کا نہ تھا۔

"سنو!" اس نے سب کو بتا کے کہا۔ "تم یہ نہیں چاہو گے کہ لوگ یہ جان جائیں کہ یہ بینک کے حملے میں آئے کہ اس کے کمپیوٹر محفوظ نہیں ہیں۔ میں بھی یہ نہیں چاہتا کہ مجھے زیادہ انتظار کرنا پڑے۔ سمجھ گئے؟"

"جی ہاں۔" سب نے ایک ساتھ جواب دیا۔ وہ اس شخص کا طنز دیکھ چکے تھے جس نے ریوالور نکالا تھا۔ ریوالور کی نال اس

نشانے میں محسن جنی تھی اور گاڑی سے باہر نکلی تھی۔

پھر وہ سب کے سب شب خوابی کے لباس میں بینک پہنچے تھے اور انہوں نے محافظوں کو حکم دیا تھا کہ وہ کمپیوٹر چیمبر کھول دیں۔

"کوئی گڑبڑ تو نہیں...؟" ایک گارڈ نے پوچھا۔

"نہیں، ہم بھی پہرہ دینے کے لیے آئے ہیں۔" ٹائیگر نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

انٹیلی جنس کے ذرائع نے بتایا تھا کہ ہیرت لینڈ میں میزائلوں کے پانچ بڑے یونٹ قائم ہیں جن کی نظریں فردوس پر ہی ہیں تاہم یہ اطلاع اس حد تک غلط تھی کہ اگر اس کا علم فردوسیوں کو ہو جاتا تو پوری انٹیلی جنس توڑ دی جاتی۔ اصل صورت حال یہ ہے کہ ہیرت لینڈ میں میزائلوں کے بیس اہم یونٹ کام کر رہے تھے۔ ان میں انتہائی مہلک اور تباہ کن ایٹمی میزائلوں کی ٹیڑیاں بھی شامل تھیں۔ ہر بیٹری کئی فردوس کو تباہ کر دینے کے لیے کافی تھی۔ اس طرح فردوس کے خلاف جو ایٹمی قوت لگائی گئی تھی، وہ اس خوبصورت جزیرہ نما ملک کو ۲۷۹ مرتبہ تباہ کر سکتی تھی۔

ان تمام فوجی تیاریوں کو چھپائے رکھنے کے لیے ان کا ڈھونگ رچانا ضروری تھا چنانچہ سرکاری پالیسی کے تحت ملک کے بڑے بڑے شہروں میں امن مارچ ہوا کرتے تھے۔ جن کی قیادت وزیروں کے ذمے تھی اور حکومت ایٹمی ہتھیاروں کی تیاری پر پابندی لگانے کے لیے اقوام متحدہ پر زور دیتی رہتی تھی۔

میزائلوں کے اڈوں اور ایٹمی ری ایکٹروں کے آس پاس کسی عام شہری یا باشندے کو کھڑے ہونے کی اجازت بھی نہیں ملتی تھی اور ان اڈوں کا علم صرف معدودے چند افراد کو ہی تھا۔

ہر میزائل بیٹری میں آتی سد رکھی جاتی تھی کہ اگر ضرورت پڑے تو رونٹ چھ ماہ تک مزید کسی رسد کے کام کرتا رہے۔ یہاں اسکول بھی تھے اور اسپتال بھی... ہر یونٹ دراصل چھوٹے سے شہر کی طرح تھا اور ہر یونٹ کی تیاردت ایک مکمل فیلڈ مارشل کے ذمے تھی عام فوجیوں کو غیر ملکی سامان استعمال کرنے کی اجازت نہ تھی اگر کبھی کسی سپاہی سے غیر ملکی کپڑے استعمال کر لیے تو اس کا مطلب کورٹ مارشل ہوتا تھا جبکہ افسروں کے گھروں میں درآمد شدہ سامان کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا تھا۔ ان کے گھروں میں نہ صرف وڈیو دستیاب تھے بلکہ فردوس ٹی وی سے ٹیلی کاسٹ ہونے والے ہر تازہ ترین ڈرامے کے مکمل کیسٹ بھی مل سکتے تھے۔

ان میں وڈیو کے اسی جنون کی وجہ سے شفاعت اسکسن نتیجے پر پہنچا تھا کہ وہ بھرتی میزائل کمان میں اثر و رسوخ پیدا کر کے جنگ عظیم سوئم شروع کرا سکتا تھا۔ وہ یہ فیصلہ پہلے ہی کر چکا تھا کہ جب بھی وہ دیکھے گا کہ اب کیا تو جنگ شروع کرا دے گا۔

مارشل اسٹوکا کو بہ خبط تھا کہ عورتیں اکثر بھرتی ہیں اور یہ بھی کہ وہ شطرنج کا سب سے بڑا کھلاڑی ہے۔ زندگی اس کے نزدیک محض ایک دلچسپ کھیل تھی لہٰذا جب وہ فیلڈ مارشل بنا تو اس نے اسے بھی زندگی کے کھیل میں اپنی ایک اور کامیابی قرار دیا تھا۔ اس نے اپنے یونٹ میں شطرنج کے سب سے مشہور کھلاڑی پر ریم داس کا مقابلہ کیا تھا اور اسے شکست دے دی تھی۔ اس کے بعد سے وہ خود کو شطرنج کے ورلڈ چیمپئن کے ہم پلہ ہی قرار دیتا تھا۔

فیلڈ مارشل اسٹوکا کو ہر مہینے ایک اسکور شیٹ ملتی تھی۔ ایسی اسکور شیٹ اعلیٰ ترین عہدوں پر فائز تمام بھرتیوں کو فراہم کی جاتی تھی تاکہ وہ اپنی اپنی کامیابیوں کے اوسط سے باخبر رہ سکیں۔ مارشل اسٹوکا کا ہمیشہ ہی دوسرا نمبر رہتا تھا۔ شطرنج میں اس کا دوسرا نمبر تھا خوش قسمتی میں وہ دوسرے نمبر پر رہتا تھا اور جہاں تک میزائل ٹیگ کا تعلق تھا تو وہاں بھی اس کا نمبر دوسرا ہی تھا اور پہلا نمبر... وہ کسی کھلاڑی اے ایس، کا تھا جس سے اسٹوکا کی کوئی واقفیت نہ تھی۔

اسٹوکا کو یقین تھا کہ یا تو اے ایس، دھوکے باز ہے یا پھر اس کا کوئی وجود ہی نہیں۔ 'اے ایس' کے نام پر جتنے پوائنٹ ہوتے تھے وہ اسٹوکا کے نزدیک ناقابل یقین تھے اور اس کا دل کہتا تھا کہ اتنے پوائنٹ کوئی حاصل نہیں کر سکتا۔ اس نے اپنے اس شک کا اظہار لوگوں سے بار بار کیا تھا کہ انٹیلی جنس تک اس کی بات پہنچ جائے۔

فیلڈ مارشل اسٹوکا سر! آپ اس صورت حال سے کیا نتیجہ اخذ کر رہے ہیں؟" ایک روز انٹیلی جنس کے ایک افسر نے اس سے پوچھ ہی لیا۔ اس افسر کو وہ کئی بار اپنی پریشانیوں میں شریک کر چکا تھا۔

"یہی کہ دنیا میں سب سے بڑا خطرہ یہ ہے کہ کمزور نظر آ جائے۔" اسٹوکا نے غیر ملکی سگار سلگانے کے بعد کہا۔ "اگرچہ یہ اسکور شیٹ محض ڈیڈ یو گیم کے مقابلوں کی ہے لیکن اس میں ہم دوسرے نمبر پر ہیں۔ میزائل ٹیگ میں دوسرا نمبر حاصل کرنا اچھی بات نہیں اور اس حقیقت کے پیش نظر زیادہ خطرناک ہے کہ پہلا نمبر ایک فرد واحد کا ہے۔"

"مگر یہ تو محض ایک کھیل ہے سر۔"

"ہاں، تمہاری طرح میں بھی جانتا ہوں کہ یہ ایک کھیل سے زیادہ نہیں لیکن ذرا سوچو، لوگ کیا کہتے ہوں گے۔"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

• بے وقوفوں کی باتوں پر کوئی توجہ نہیں دیتا لوگوں کو بکنے دیں آپ یہی تو دیکھیں گے کہ فردوسی کرکٹ ٹیم سے مسلسل ہارنے کے بعد دُنیا بھر کے لوگوں نے ہمارے بارے میں کیا کہا لیکن اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ ہم کوئی ایٹمی جنگ ہار گئے ہوں۔

• میں چاہتا ہوں کہ اس اے ایس کے بارے میں مجھے تفصیلات کا علم ہو سکے۔"

ج

ایک روز بعد ہی فیلڈ مارشل اسنوکا کی خواہش پوری ہو گئی۔ اے ایس کا وجود ہیوٹ نہیں تھا لیکن یہ بھی حقیقت تھی کہ کوئی بھی اس کو تلاش نہیں کر سکتا تھا۔ اے ایس نے یہ کُلی پیش کش کر رکھی تھی کہ جو اس ایٹک گیم میں جو بھی اُسے ہرا دے گا اُسے پچاس ہزار امریکی ڈالر کا انعام ملے گا۔

فیلڈ مارشل اسنوکا نے فوراً ہی اُسے چیلنج کر دیا اور اس کے بعد ایک ماہ تک اُسے کوئی جواب نہ ملا لیکن ایک روز اطلاع ملی کہ اے ایس اس سے مقابلہ کرے گا۔

مقابلہ مصنوعی تیاروں کے ذریعے شروع ہُوا جن کے پیغامات زیورچ کے ایک اسٹیشن میں دیکھے گئے۔

اسنوکا نے اپنی ڈسٹرائر ٹنگ پاور اور پھر پور توجہ کے ذریعے پہلا گیم جیت لیا لیکن اے ایس نے دوسرا گیم اس طرح جیتا جیسے اس کا مقابلہ کسی بچے سے ہو رہا ہو۔

تیسرے گیم کے بعد اسنوکا کو اچانک ہی احساس ہُوا کہ وہ دو لاکھ بیس ہزار پوائنٹس کھو چکا ہے۔ اس کا وقت اور فائر پاور کم ہو رہی تھی لہٰذا اس نے وہی کیا جو آخری حل میں بقا کے لیے ضروری تھا۔ اس نے وہ فردوسی کمپیوٹر استعمال کیے جو بھرتی میزائلوں کو گائیڈ کرتے تھے اس نے ان کا فیڈ بیک استعمال کیا اور گیم جیت لیا۔

لیکن اُسے یہ علم نہیں تھا کہ سرحد پار اے ایس یا شفاعت نامی شخص اپنے نام پر پانچ ہزار پوائنٹس کا اندراج کر رہا ہے۔

اُنھوں نے مزید سات گیم کھیلے۔ اس دوران میں اُنھوں نے کبھی ایک دوسرے کو چیلنج کیا اور کبھی نو ایتیات پر اُتر آئے۔ ایک بار وہ کسی شراب کے ذائقے پر اُلجھ پڑے۔ اُسی لمحے فیلڈ مارشل اسنوکا کو دارالحکومت سے پیغام ملا کہ تیسری عالمی جنگ شروع ہو چکی ہے۔

اسنوکا نے حکم دیکھا تو اُسے ایسا لگا جیسے اس کا معدہ جل اُٹھا ہو۔ اُس نے اسکرین پر دیکھا، وہاں اس کا فردوسی دوست دوستانہ سوال کر رہا تھا۔

اسنوکا نے حکم کی تصدیق کے لیے دارالحکومت فون کیا لیکن وہاں سے اُسے کوئی جواب نہ ملا۔ گنتی بھی نہیں بجی اور وہ یہ سوچ کر ہی ہراساں ہو گیا کہ دارالحکومت تباہ ہو چکا ہے۔

• گڈ بائی فرینڈ!" اس نے اے ایس کو جواب بھیجا، وہ یہ جان ہی نہیں سکتا تھا کہ شفاعت اس وقت بھرتی حملہ ٹالنے کے لیے کتنی جدوجہد کر رہا ہے۔ اس نے اس کھیل کو اسنوکا کے کمپیوٹر تک رسائی کے لیے استعمال کیا تھا تاکہ فائرنگ آرڈر جاری ہو سکیں۔ وہ چاہتا تھا کہ میزائل کمان جنگ کے احکام کی منسوخی سے قبل، ابتدائی انتظامات کرے، لیکن اب اُسے احساس ہُوا تھا کہ بھرتی آلات اس کے سگنلز ریسیو نہیں کر رہے ہیں۔ اُسے صرف اسنوکا کا آخری پیغام ملا تھا . . . .

گڈ بائی فرینڈ!"

شفاعت نے اندازے کی غلطی کی تھی۔ دُنیا کی تباہی کا عمل شروع ہو چکا تھا اور یہ عمل اُس کے پروگرام کے برخلاف جلد شروع ہو گیا تھا۔

• لوجی... قصہ ختم...!" شفاعت نے کہا۔

• کس کا قصہ ختم ہُوا؟" ہمان شب نے ایک ادا سے اپنی دراز پلکوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے پوچھا۔

• بس دیکھتی رہو، شفاعت کے چہرے پر عجیب سی مسکراہٹ تھی

• کیا دیکھوں گی جانم!" سونگ سوٹ میں ملبوس لڑکی نے بڑی دلنواز مسکراہٹ کی فرمائش کرتے ہوئے پوچھا۔

• تمہیں کھیاں پسند ہیں؟"

• ہاں لیکن چبانے کے لیے، کھانے کے لیے نہیں"

• گڈ! تمہیں جلد ہی آسمان پر کھیوں کی بہت سی شکلیں نظر آئیں گی، مختلف رنگوں کی . . . رنگ برنگے بادل بھی ہوں گے!"

• ہُوں" کالے بالوں والی حسینہ نے سگریٹ کا کش لے کر ہنکارا بھرا۔ شفاعت کے پاس ساحلوں کی بہتیرین کوئین آئی تھی، صرف لڑکیاں ہی اُسے استعمال کرتی تھیں جبکہ خود اُسے اس سے نفرت تھی "تم بھی ایک کش لے کر دیکھو!"

• اب ایک کش لینے کا بھی وقت نہیں بچا ہو گا" شفاعت نے یہ سوچ کر جواب دیا کہ وہ قریب ہی واقع بحری اڈے کو آتشیں گولے میں بدلتا ہُوا دیکھ سکے گا۔

اُدھر فیلڈ مارشل اسنوکا کے میزائل اسٹیشن میں جنگ عظیم شروع ہوتے والی تھی۔ تمام مُلکوں کے بعد دیگرے دب بے تھے، جن کے باعث دوسرے تمام اسٹیشن بھی الرٹ ہو رہے تھے پھر میزائلوں کی پہلی اور دوسری کھیپ تیار ہو گئی۔ لانچروں کو موت کے پیغامبر اُگلنے کے لیے تیار کر دیا گیا۔ اسنوکا نے ہر شخص کو داڑھی کا ایک ایک بیگ دیا۔ پیشانی سے پسینہ پونچھا، ہونٹ منہ سے لگا کر آخری قطرہ تک حلق میں انڈیل لیا اور پھر شراب سے تر ہونٹ صاف کیے بغیر فائرنگ کی طرف بڑھ گیا۔ اُس کا دایاں ہاتھ جس کی تیسری انگلی بٹن دبانے والی تھی بُری طرح کانپ رہا تھا۔

آخری دُعا کرنے کے لیے جو سطریں اُسے یاد تھیں وہ اُنھیں زیرِ لب پڑھنے لگا۔

اُس کی تیسری اُنگلی میں شدید درد ہو رہا تھا لیکن اُس نے آنکھیں بند کر کے فائر بٹن دبا ہی دیا۔

اُسے یقین تھا کہ تباہی یقینی ہے اور پھر دوسری طرف سے بھی جوابی تباہی نازل ہو گی۔

تب ہی ایک سارجنٹ نے کہا۔ "اکٹوں کے چلنے سے زمین میں ارتعاش پیدا ہوتا ہے نا؟"

• ہاں" لیفٹیننٹ نے جواب دیا۔

• لیکن میں نے میزوں تک کسی قسم کا ارتعاش محسوس نہیں کیا۔ ہم نے جب بحرِ ہند میں جمر باقی طور پر میزائل داغے تھے تو زمین کس طرح ہلی تھی، اس بار ایسا نہیں ہُوا"

• چُپ رہو" ایک آفیسر نے سارجنٹ کے تھپڑ مار کر کہا۔ کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ ہمارا میزائل سسٹم ناکام ہو گیا ہے؟"

• نن . . . نہیں . . . میں تو یہ کہنا چاہتا تھا کہ فردوسیوں نے کوئی سازش نہ کی ہو" سارجنٹ نے گھبرا کر جواب دیا۔ بھرتی فوج اپنی ہنرکاری کی ذمے داری فردوسی سازش پر ڈالتی تھی اور یہی پارلیمنٹ میں جواب دہی سے بچنے کا میاری طریقہ تھا۔

"ہاں، یہ ممکن ہے" لیفٹیننٹ نے فوراً کہا۔

"میزائل نہیں چلے" فیلڈ مارشل اسنوکا نے گرج کر کہا... اور پھر ہاٹ لائن کی طرف بڑھ گیا۔ اس بار دارالحکومت سے فون کا جواب مل گیا۔

• تم کیا کر رہے ہو؟" دارالحکومت میں موجود چیف آف اسٹاف نے جھلا کر کہا۔ "کیا کہتے ہو، نہ تو ہم پر کوئی حملہ ہُوا ہے اور نہ ہی ہم نے میزائل چلانے کا حکم دیا ہے، کیا کوئی میزائل فائر ہو چکا ہے؟"

اسنوکا کا پورا جسم پسینے سے تر ہو گیا۔ اُس نے اشارہ کیا تو

وہ فوجی بھاگتے ہوئے زیرِ زمین اڈے سے اُوپر زمین پر آ گئے۔ اُنھوں نے سوراخوں میں جھانک کر دیکھا اور پھر وہ ہنستے ہوئے واپس آ گئے۔ ان کی گردنیں مسلسل نفی میں ہل رہی تھیں۔

"نہیں جناب" فیلڈ مارشل نے ایک طویل سانس لے کر جواب دیا پھر اُسے یہ اطلاع ملی کہ باقی اہم مراکز سے بھی کوئی میزائل نہیں چل سکا۔ یہ اطلاع بہت خطرناک تھی، اتنی خطرناک کہ فوجی قیادت گھنٹوں کے بل بیٹھ گئی۔ میزائل نہ چلنے کا مطلب یہی تھا کہ بھرتی میزائل نیٹ ورک کام نہیں کر رہا۔

دارالحکومت والوں کو اب اہم ترین فیصلے کرنے تھے۔ ان کے پاس ایک راستہ یہ تھا کہ وہ ناکارہ نظام کو بھیجنے سے لگا رہنے دیں اور یہی تاثر دیتے رہیں کہ ان کا ایٹمی پروگرام ناقابلِ تسخیر ہے اور یہ بھی کہ بھرتی لیڈ کا میزائل سسٹم بہت مؤثر ثابت ہو گا۔ دوسرا راستہ اس نظام کو درست کرنے کا تھا۔ ایک رائے یہ تھی کہ اگر وہ اس نظام کو درست نہیں کرتے تو فردوسیوں کو نقص کا علم ہو جائے گا اور اس طرح فردوسیوں کو ان کی کمزوری کا پتا چل جائے گا۔

اس بحران میں اُنھیں ایسے لوگوں کی ضرورت تھی، جو دُنیا بھر کی ٹیکنالوجی چوری کر کے فروخت کرتے ہیں اور شرمایہ تھی کہ یہ لوگ فردوسیوں کے دشمن بھی ہوں چنانچہ اسی شب تین سو سے زیادہ اسرائیلی ماہرین بھرتی لیڈ پہنچ چکے تھے۔ انھوں نے یہ ضمانت دی تھی کہ نہ صرف ناکارہ نظام درست کر دیا جائے گا جبکہ وہ میزائل لانچروں کے لیے بنکروں کی تعمیر نو بھی کریں گے۔ ایٹمی خال آؤٹ کو اتنا مؤثر کر دیں گے کہ اگر بھرتی لیڈ فردوس پر میزائل گرائے تو فردوس میں دو سو سال تک بود و باش ممکن نہ ہو سکے۔

اُنھوں نے تیزی سے کام کیا اور اس سے قبل کہ فردوسیوں کو بھرتی لیڈ کی اس کمزوری کا علم ہوتا، اُنھوں نے یہ کام مکمل کر دیا۔

ج

شفاعت نے جب بحری اڈے سے کوئی شعلہ بھی نکلتے ہوئے نہیں دیکھا تو اُسے بڑی حیرت ہوئی۔ اُسے آسمان پر ستاروں کے علاوہ کوئی دوسری روشنی بھی نظر نہیں آئی تو وہ اُسے احساس ہُوا کہ کوئی گڑبڑ ہو گئی ہے۔ اس نے کمپیوٹر پر چیک کیا تو اُسے علم ہُوا کہ سارا عمل ٹھیک ٹھاک ہُوا تھا لیکن بھرتی لیڈ کے اڈوں میں آپریشن کنٹرول کے آلات کی مناسب دیکھ بھال نہ ہونے کے باعث وہ زنگ آلود ہو چکے تھے اور مارشل اسنوکا نے جو فائر بٹن دبایا تھا وہ ناکارہ تھا۔

• دھت تیرے کی" شفاعت نے بڑے عجیب انداز میں کہا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"اب کیا ہُوا؟" مہمان شب مارسیا نے اُسے بغور دیکھ کر پوچھا۔

"دُنیا تباہ نہیں ہوگی۔"

"اوہ...!" مارسیا بھی اس طرح بولی جیسے اُسے شدید دکھ ہُوا ہے۔

"کیوں؟ تمہیں اتنا ملال کیوں ہُوا؟"

"اس لیے کہ میں دھماکے سُننا اور لاشیں دیکھنا چاہتی تھی۔" مارسیا نے عجیب سے لہجے میں جواب دیا۔

"وہ کیوں؟"

"کیونکہ دُنیا میں اب اکتاہٹ کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔" وہ بال جھٹک کر بولی۔

"لیکن تم بھی تو مر جاتیں۔"

"اچھا نا شاد! دیکھنے کی یہ بہت کم قیمت ہوتی۔"

"شاندار!" مارسیا پہلی بار شناعت کو بہت اچھی لگی۔ "کیا تم دو افراد کے خوفناک قتل کا نظارہ پسند کرو گی ڈارلنگ؟" اُس نے چاہت بھرے لہجے میں کہا۔

"اوہ، کیوں نہیں۔" مارسیا کی آنکھیں چمکنے لگیں۔

"گڈ!" شناعت اپنی چاہت کا اظہار کرنے لگا۔

ڈ

دُبئی شاہراہِ تجارت کے جینک ہیڈ آفس کے تہ خانے میں کمپیوٹر والٹس کے اندر دوم تہہ حیرت سے چیخ اُٹھی۔ اس کی پہلی چیخ مسرت بھری تھی کیونکہ وہ جینک والٹس کے اندر کامیابی سے پہنچ گئے تھے لیکن دوسری چیخ میں غصہ، حیرت اور خوف بھی شامل تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جینک کا ریکارڈ اس کے سامنے سے غائب ہو رہا تھا۔

وہ نئی مشین کے کمانڈ کا ذریعہ تلاش کرنے کی جدوجہد کرنے لگی لیکن اس کی نظریں یہ بھی دیکھ رہی تھیں کہ ریکارڈ تحلیل ہو رہا ہے۔ جینک کمپیوٹر کی میموری غائب ہو رہی تھی۔

یہ منظر اتنا وحشت ناک تھا کہ جینک کے وہ نائب صدر کو دل کا دورہ پڑ گیا۔ باقی افراد نے دُبئی کو دھکا دے کر کرسی بورڈ تک پہنچنے کی کوشش کی تاکہ ریکارڈ کا کچھ حصہ تو بچ سکے۔

"تم لوگوں کے پاس ریکارڈ کا متبادل ریکارڈ تو ہوگا؟" دُبئی نے چیخ کر پوچھا۔

"یہ متبادل ریکارڈ ہی تحلیل ہو رہا ہے۔" ایک افسر نے اپنے سر کے بال نوچتے ہوئے کہا۔ اس کی حالت غیر ہو رہی تھی۔

"میرے خدا! اب ہمیں کاغذات پر ہی بھروسا کرنا ہوگا۔" دوسرا افسر نے اس طرح کہا جیسے اُس کے پیٹ میں شدید ترین درد ہو رہا تھا۔

وہ سب کے سب ٹائیگر اور دُبئی کو گھورنے لگے۔ دُبئی اب بڑے ٹیلی ویژن مانیٹر کے سامنے بیٹھی ہوئی اسکرین کو گھورنے جا رہی تھی جس پر اعداد و شمار اس طرح تیزی سے گزرتے ہوئے محو ہو رہے تھے، جیسے کسی نے ویڈیو فلم کو فاسٹ فارورڈ پر لگا دیا ہو۔

اور پھر اچانک ہی ایسا لگا جیسے فلم رُک گئی ہو۔ اسکرین پر اپنے اعداد و شمار اور ناموں کی بجائے ایک واضح پیغام نظر آ رہا تھا۔

"سارا ریکارڈ صاف کر دیا گیا ہے۔ شب بخیر مالی۔" چند لمحے بعد اسکرین تاریک ہو گئی۔

"میرا خیال ہے کہ اس میں غلطی ہماری ہی ہے۔" دُبئی نے ان افسروں کی طرف دیکھا جو ہانپ رہے تھے۔ اُن کی آنکھیں نادم سانپ سے ڈسی ہو گئی تھیں۔

"اچھا!" ٹائیگر نے حیرت کا اظہار کیا اور پھر کہا۔ "کیا ہمیں... معذرت پیش کرنا چاہیے؟"

تمام جینک افسر ایک ساتھ سگریٹ نکال نکال کر سُلگانے لگے۔

"ہم تباہ ہو چکے ہیں۔" اُن میں سے ایک نے سگریٹ کے پے در پے کش لے کر کہا۔ "ہزاروں افراد ملازمت سے محروم ہو جائیں گے، ہزاروں دیوالیہ قرار پائیں گے۔ کیا ہو گیا۔ میرے خدا۔ تم...!"

وہ ٹائیگر کو گھورنے لگا۔

"میں معافی مانگ چکا ہوں، تم اس کے سوا اور کیا چاہتے ہو؟" ٹائیگر نے غرا کر جواب دیا اور دروازے کی طرف پلٹ گیا۔

ڈ

پہاڑی علاقے میں واقع ارکمان ہیڈ کوارٹرز میں سلامتی سے متعلق ایک رپورٹ کا آخری پیراگراف تحریر کیا جا رہا تھا۔

"ایٹمی جنگ سے بچنا ممکن نہیں کیونکہ کوئی شخص یا کوئی چیز فردوسی اور بھرتی دونوں ہی کے میزائل کنٹرول سسٹم میں کامیابی سے مداخلت کر رہی ہے ایسا لگتا ہے کہ کوئی شخص یا کوئی چیز ان دونوں ملکوں کے جنگی ایٹمی نظام سے کھیل رہی ہے۔"

صدر مملکت نے کابینہ میں ہونے والی بحث خاموشی سے سُنی اور پھر کوئی تبصرہ کیے بغیر اپنے کو ڈلیس ٹیلی فون سیٹ اُٹھایا۔ اُن کی انگلیاں گود میں رکھے ہوئے اُس سیٹ پر تیزی سے نمبر دبا رہی تھیں۔

"ڈاکٹر بہرام!" صدر کا لہجہ بھرایا ہوا تھا۔ "ایٹم بم کے اس بحران پر تم نے کیا پیش رفت کی ہے؟"

"کام جاری ہے جناب!" بہرام نے اپنے ہاتھوں کے ناخن بغور دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ بائیں ہاتھ کی انگلیاں قدرے سُوج رہی تھیں اور ان میں درد ہونے سے بھی تکلیف کا کوئی احساس نہیں ہو رہا تھا۔ اس وقت دیسے بھی وہ بہت پریشان تھا کیونکہ چند منٹ قبل "اُسے" فشن ٹرک کے ایک پیشہ نے فون کر کے یہ سوال کیا تھا کہ کیا واقعی چارہ گر آسی سینتی ٹریم کسی خصیہ جلاد کو تربیت دینے کے لیے استعفا دیا جا رہا ہے۔ بہرام نے خود پر بمشکل قابو پا کر ہنستے ہوئے جواب دیا تھا کہ چارہ گر تنہا پاگل بھی کر رہتے ہیں اور شاید کسی پاگل ہی نے تمہیں اس قسم کی خود ساختہ اطلاع فراہم کی ہے۔

"وہ لگتا تو پاگل ہی ہے۔" پیشہ نے کہا تھا۔ "اس کا کہنا ہے کہ ۱۱ صدیوں سے لوگوں کو قتل کر رہا ہے اور یہ کہ گزشتہ چند برسوں سے وہ ایک فردوسی کو اسی قسم کی تربیت دیتا رہا ہے۔ کیا وہ بھی چارہ گر ہیں زیر علاج رہا ہے جناب؟"

"مکن ہے کیا وہ خود کو نپولین کہتا ہے۔"

"نہیں، صرف ماہر جلاد اور قاتل کہتا ہے۔"

"ہمارے پاس ایسے نو افراد آئے تھے جو خود کو نپولین کہنے والے چودہ مریضوں کا بھی علاج کیا گیا ہے۔ کیا تم اس سے میری بات کرا سکتے ہو؟"

"نہیں، وہ اپنی کتاب کا مسودہ چھوڑ کر جا چکا ہے۔ ویسے پورا مسودہ انتہائی سنسنی خیز ہے۔"

"کیا خیال ہے، ایسی کتاب چھاپو گے؟"

"فی الحال کچھ نہیں کہہ سکتا۔" پیشہ نے قطعی جواب دینے سے گریز کیا۔

"میں مسودہ دیکھنا چاہتا ہوں دوست۔" بہرام نے پوری گفتگو میں پہلی بار تشنج کا اظہار کیا۔ "ویسے تمہیں باخبر تو ہونا چاہیے کہ آئین کی دفعہ ۳۰۱ کے تحت کسی فلاحی ادارے کے بارے میں سکینڈل کی اشاعت کی کیا سزا ہے؟"

"جی ہاں!" پیشہ نے جواب دیا۔ "اسی دفعہ ۳۰۱ کے چیش نمبر ۲ کے تحت یہ کوئی جرم ہے۔"

جاسوسی ڈائجسٹ کا
مقبول ترین پُراسرار سلسلہ



"موت کے سوداگر" کے خالق
اقلیم علیم کے پُراسرار قلم
سے لکھی گئی ایک سلسلہ وار طلسماتی کہانی
جس نے مقبولیت کے نئے ریکارڈ قائم
کیے۔ کتابی شکل میں شائع ہو گئی ہے۔

قیمت
جلد اوّل ۱۵۰/۰۰ جلد دوم ۱۵۰/۰۰
مکتبۂ القریش
اردو بازار لاہور ۱

پرتھال
قمر اجنالوی قیمت:-/125

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

اسی وقت بہرام کا بایاں ہاتھ سُن ہو گیا تھا۔ اُسے ایک کی بجائے دو دو پریشانیاں لاحق تھیں۔ پہلی یہ کہ دُنیا اپنی گرد میں کسی بھی وقت دفن ہو سکتی تھی اور تباہی روکنے کے لیے وہ ٹائیگر سے فوراً رابطہ قائم کرنا چاہتا تھا لیکن اسے مسلسل ناکامی ہو رہی تھی اور اب دوسری پریشانی یہ تھی کہ وہ اُوشان سے کس طرح فی الفور رابطہ قائم کرے۔

اُوشان نے پچھلے دنوں ہی جب ٹائیگر کو فون کیا تھا، ایک تنظیم بنانے کا اُسے بہت پُرجوش انداز میں بتایا تھا۔ تنظیم کا نعرہ تھا "ناقابلِ تسخیر دوں کو گرفتار کیا جائے"۔

بہرام نے کھڑکی سے جھانکا۔ اس وقت لہلہاتے باغوں اور دُور پہاڑ سے سر ٹکرانے والے سمندر کو دیکھ کر بھی اس کا دل خوش نہیں ہوا۔ وہ جانتا تھا کہ اگر جلد ہی کچھ نہ کیا گیا تو یہ سارا حسن جل جائے گا اور شاید صدیوں تک یہ کرۂ ارض پر ایک تنکا بھی نہیں اُگے گا۔

اس نے ایک آہ بھری۔ وہ بہت مایوس تھا۔ اس نے زندگی جہم خیالوں کو سُونگھنے کی بجائے انہیں محفوظ رکھنے کی کوشش کی تھی، تاکہ دوسرے ان پھولوں کی مہک سے لطف اندوز ہو سکیں لیکن اب ایسا لگ رہا تھا جیسے مرجھا پھول مسل دیا جائے گا، سر باغ اُجڑ جائے گا اور پھر کبھی پھول پیدا نہیں ہوں گے۔

وہ اپنے بائیں ہاتھ کی انگلیاں دائیں ہاتھ سے دبانے لگا۔ اُسے ایک گولی کھانی تھی تاکہ بے حسی کی یہ کیفیت ختم ہو جائے لیکن وہ جانتا تھا کہ اس کا جسم آہستہ آہستہ مر رہا ہے اور شاید دُنیا بھی موت کی گھاٹی کے دہانے پر کھڑی ہوئی ہے۔

اُس نے گولی کھانے کے بعد ایک بار پھر ٹائیگر یا اُوشان سے رابطے کی کوششیں شروع کر دیں لیکن اُسے ناکامی ہوئی۔ اس کے پاس گلستان آباد کے ایک ہوٹل کا نمبر تھا اور اس نمبر کو درجنوں بار ملانے کے باوجود دوسری طرف سے ریسیور نہیں اُٹھایا گیا تھا۔

"تم کہاں ہو اُوشان؟ تم کہاں ہو ٹائیگر؟" وہ بڑی بے بسی کے ساتھ بولا اور پھر ایسا لگا جیسے اُس نے دُعا مانگی ہو اور وہ قبول ہو گئی ہو۔

ٹیلی فون کی گھنٹی بہت زور سے بجنے لگی۔

"چیف! دوسری طرف ٹائیگر تھا جس کی آواز سُن کر بہرام کھل اُٹھا تھا۔ ابھی تک میں چیف اور پیٹ کا فرق نہیں سمجھ سکا ہوں۔"

"کیسا فرق؟" بہرام نے مصنوعی غصے کا اظہار کرنا ضروری سمجھا۔ "اور تم ہو کہاں؟"

"ہولڈ اَپ ہولڈ اَپ، ٹائم آؤٹ، می فرسٹ۔" ٹائیگر نے چلا کر کہا۔ "ٹھیک ہے۔ بولو، میں سن رہا ہوں۔"

"کل رات ہم... ہم میں وہ لڑکی بھی شامل ہے جس کو تم نے پہلے ہی تعینات کر رکھا ہے۔ کل رات ہم یہ پتا چلانے کے قریب تھے کہ کمپیوٹروں میں کون سا گیم اڑا رہا ہے لیکن عین وقت پر اس نے رابطہ توڑ دیا۔ اس کا آخری پیغام سکرین پر نظر آ رہا تھا۔ شب بخیر مالی! اس کا مطلب کیا ہوا؟"

"مالی، گھس خور ہیں ہے۔"

"ممکن ہے لیکن اس جملے کا مطلب کیا ہوا؟"

"کیا تم یہ سوچ رہے ہو کہ وہ شخص مالی میں رہتا ہے؟" بہرام نے دریافت کیا۔

"یہ ممکنات میں سے ہے لیکن میں قطعی طور پر کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

"یہ بتاؤ کہ یہ واقعہ کس وقت ہوا۔ بالکل صحیح وقت چاہیے۔" بہرام نے سنجیدگی سے ہدایت کی کیونکہ لہجے میں ذرا بھی نرمی ٹائیگر کو اوٹ پٹانگ باتیں کرنے پر مجبور کر سکتی تھی۔

"پہلے کے پانچ بج کر بارہ منٹ پر۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ "کیا اس سے تم کچھ کر سکتے ہو؟"

"میں کوشش کروں گا۔"

"گڈ!" ٹائیگر نے گلستان آباد کا ایک نمبر دیتے ہوئے... "شب بخیر مالی کا عقدہ حل ہونا ضروری ہے۔ چیف! اس کا پیچھا کرو۔"

"ہاں لیکن یہ بتاؤ کہ اوشان کہاں ہے؟"

"ممکن ہے کہ ہوٹل واپس پہنچ چکا ہو یا پھر سینٹرل پارک میں گھوم رہا ہو۔ کیوں؟ اس کی کیا ضرورت پڑ گئی؟"

"اس لیے... اس لیے کہ... اس لیے... خیر چھوڑو... لیکن نہیں تم بھی سن لو۔ وہ اپنی خود نوشت سوانح شائع کرا رہا ہے۔"

"ہیں! ہے چھپ گئی تو تم بھی پڑھ لینا۔" ٹائیگر نے یہ کہہ کر ریسیور رکھ دیا۔

●

رنجم دراں، ظلمت ایوان سانجو، حافظ سانجو اور بہادری کا پیکر اُوشان اپنے ان القابات کو زیرِ لب دُہراتا ہوا کمرہ بکنگ ہاؤس کے دروازے پر پہنچا۔ اس نے اس پر زور دیا اور پھر اسے ایک اور جھٹکا لگا۔ حافظ دانش و دل، وہ پیرو وہ فقیر میں داخل ہو گیا پھر کس نے غالباً یہ کہا کہ اسے سینئر ایڈیٹر سے ملوایا جائے۔ اس نے اس چھوٹے سے کمرے کو نظر بھر کر بھی نہیں دیکھا تھا جس کی کرسیوں پر بھی مسودے رکھے ہوئے تھے۔ اس کمرے سے ملحقہ کمرے میں جانے کی بات تو ایک بھی ایڈیٹر کی جگہ نہ تھی۔ اُوشان کو سینہ بہ سینہ منتقل ہونے والی یہ بات یاد آئی کہ سانجو کے پہلے ماسٹر کے زمانے میں کسی چھوٹے اور اگر سزا ملتی تھی تو اسے کسی چھوٹے کمرے میں منتقل کر دیا جاتا تھا اور اس سزا کو اتنا توہین آمیز سمجھا جاتا تھا کہ بعض افسوں نے کمرے میں منتقل ہونے کی بجائے خود کشی کو ترجیح دی تھی۔

"مسٹر اُوشان!" ایک خوبصورت عورت نے مسکرا کر کہا۔ "یہی سینئر ایڈیٹر کا آفس ہے۔"

"یہ!" اُوشان نے بہت آہستہ آہستہ گردن گھما کر پہلی بار پورے کمرے کا جائزہ لیا۔ "اگر سینئر ایڈیٹر کا کمرہ ایسا ہے تو پھر غلام کہاں کام کرتے ہیں؟"

"اسے ہم غلام نہیں کہتے۔" عورت نے کھنک دار قہقہہ لگاتے ہوئے اُسے بتایا۔ ساتھ ہی اس نے دوسرے ایڈیٹروں کو بھی بتایا تاکہ وہ بھی اس بوڑھے اور دلچسپ شخص کی باتوں سے لطف اندوز ہوں۔

ان میں سے ہر شخص جانتا تھا کہ بوڑھا بہت ہی دلچسپ آدمی ہے۔ ہر ایک کی رائے میں قتاب بھی بہت دلچسپ تھی۔ عورت نے تو قتاب کے بارے میں کئی تازہ ترین بھی پیش کر ڈالی تھیں۔

ایک عورت نے، جو سب سے بھی زیادہ ترین سرخ پاؤڈر تھوپے ہوئے تھی، قتاب کا ذکر چھڑتے ہی کہا تھا۔ "کتاب کا فرق باب پڑھتے ہوئے اس وقت آبدیدہ ہو گئی۔ جب وہ اس پر اگراف پر پہنچی جس میں دنیا کے احسان فراموش ہونے اور پھر مجسم فردوسی کے ناشکرے پن کا اظہار کیا گیا تھا۔

اُوشان سر ہلاتا رہا۔ وہ جانتا تھا کہ اب اس ناشکرے کو احساس ہو جانے کا کرب بھی مسلسل کا پتلا ہے۔

پستہ قد خوبصورت سی ایڈیٹر بار بار بھی کے جا رہی تھی کہ اسے کتاب بہت اچھی لگی ہے۔

"میری ایک تجویز ہے۔" وہ بڑے جوش سے بولی۔ "میرا خیال ہے کہ کتاب کے مرکزی کردار ماسٹر کو پاگل قاتل بنا کر قتل عام کے لیے آزاد چھوڑ دیا جائے تو زیادہ سنسنی پیدا ہو سکے گی۔"

"نہیں!" اُوشان نے دھیمے لہجے میں جواب دیا اور پھر تفصیل سے بتایا کہ قتاب اور دیگر عظیم ماسٹروں کی کامیابی کی سب سے بڑی وجہ یہی تھی کہ وہ پاگل نہیں تھے۔

"اوہ۔" ایڈیٹر نے دونوں ہاتھ میز پر رکھ کر اُوشان کی طرف جھکتے ہوئے لیے سانس بھرا۔ "کتاب میں بھی ماسٹروں کا ذکر ہے سب ہی بہت نیک اور اچھے ہیں لیکن دو تین ماسٹروں کو بدکردار بھی دکھانا چاہیے۔"

"کیوں؟" اُوشان نے پوچھا۔

"اس لیے کہ کتاب میں کیسا نیت ختم کرنے کے لیے ایسا کرنا ضروری ہے۔ میرا خیال ہے کہ تمام کرداروں کو ختم کر کے پوری کتاب میں ایک ہی ماسٹر پر مکھوا لیے ماسٹر پر جو پاگل بھی ہو۔

مسودے پر سُرخ پنسل پھیر گئی۔

"ایسا ماسٹر ہونا چاہیے جس کے پیچھے فوج بھی لگی ہو اور میرا خیال ہے کہ واقعات کا تمام بھی ایک ہی رکھو۔ برطانیہ بہتر رہے گا اور ہاں، ماسٹر کو نازی قاتل بنا دو۔"

"لیکن برطانیہ سانجو نہیں ہے۔"

"ہاں لیکن ہم کتاب میں یہی لکھیں گے کہ سانجو برطانیہ کا ایک دُور دراز خاموش سا جو خواب گاؤں ہے۔"

"کیا تمہیں مسودے میں فردوسی نوجوان کے احسان فراموش ہونے پر بھی کوئی اعتراض ہے؟"

"نہیں ہرگز نہیں۔" عورت نے مُسکرا کر جواب دیا۔ "اور ہاں، ہمارے خالص سیکشن کے انچارج کو بھی بعض اقتباسات میں اُس کا کہنا ہے کہ صرف ایک شخص پورے گاؤں کا بہت نہیں پال سکتا۔"

"تم فردوسی نوجوان کے ناشکرے پن والے حصے پر تو کوئی اعتراض نہیں کر دی؟" اُوشان نے پھر پوچھا۔

"قطعی نہیں۔ وہ حصہ تو مسودے کی جان ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" اُوشان مطمئن ہو گیا۔

"اب کتاب کے نام کی طرف آؤ۔ یہ نام تاریخ سانجو میں دلچسپی نہیں اور نہ ہی لوگوں کی توجہ کتاب کی طرف مبذول کرا سکتا ہے۔ کوئی ایسا نام ہونا چاہیے جس میں موت کا لفظ بھی آئے۔"

"نہیں، ہم قاتل نہیں بنائیں گے۔" اُوشان نے جواب دیا۔

"لیکن یہ تو سوچیں کہ پھر کتاب فروخت نہیں ہو گی۔"

"اچھا، جیسی تمہاری مرضی۔" اُوشان نے دونوں ہاتھ میز پر رکھ کر سر ہلا دیا۔

"تب پھر کوئی نام تجویز کریں۔ آپ مصنف ہیں اور یہ آپ کا حق ہے۔" ایڈیٹر مُسکرا رہی تھی۔

"اگر نام میں سانجو شامل نہیں ہو گا تو پھر میری جاسوسی... کوئی بھی نام رکھ لو۔"

"نام..." ایڈیٹر پیر پہن کو گھورنے لگی۔ اس نے اپنا سر اور پر کاں لہرایا۔ اس کے بعد وہ اُچھل پڑی۔ "آ گیا... آ گیا۔"

"کون آ گیا؟" اُوشان کہہ کر دروازے کی طرف دیکھنے لگا۔ اسے شک ہوا تھا کہ کہیں ٹائیگر نہ آ گیا ہو۔

"نام۔" ایڈیٹر ہنس کر بولی۔ "ہاں، کتاب کا نام... سوئی کی آنکھ کیسا رہے گا؟"

"کیا اس نام کی کتاب پہلے سے موجود ہے؟"

"ہاں، ایک کتاب کا اس سے ملتا جلتا نام تھا اور وہ کتاب ہاتھوں

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ہاتھ فروخت ہو گئی تھی، ہم نے اس کتاب کو ری پرنٹ کیا تھا۔"

ایڈیٹر نے اُوشان کو یہ نہیں بتایا کہ اس کتاب کے تمام حقوق اصل پبلشر کے نام محفوظ تھے جب کہ اس کے ادارے نے محض نقل کی تھی۔

"میں اشاعتی حکمت عملی سے بہت اچھی طرح واقف ہوں مسٹر اُوشان! وہ کہتی رہی "یہ مسودہ بہت شاندار ہے اور اگر اس میں چند بنیادی تبدیلیاں کر دی جائیں تو یہ کتاب سب سے زیادہ فروخت کا اعزاز حاصل کرے گی۔"

"لیکن تم فروسی نوجوان کے ناشکرے پن کو تو تبدیل کرنا نہیں چاہتیں؟" اُوشان نے پھر تصدیق چاہی۔

"ہرگز نہیں اگر اُس کا ناشکرا پن کہانی سے نہ ٹکرایا تو ہم اس حصے کو ہرگز نہیں چھیڑیں گے۔"

"اُف...!" اُوشان نے چونک کر ایڈیٹر کی طرف دیکھا۔

"دیکھیں! کسی ایسی کتاب میں جس کا ماحول برطانوی ہو اُس میں کوئی مشرقی کس طرح کھپ سکتا ہے۔"

"کیا کبھی برطانوی ماحول کے ناولوں کی اشاعت سے منافع ہوا ہے؟"

"اُں... نہیں۔" ایڈیٹر بولی۔ "لیکن دوسرے ناولوں کو فائدہ ضرور ہوا ہے۔"

"تب پھر تم برطانوی کتابیں کیوں چھاپتی ہو، ایسی کتابیں کیوں نہیں چھاپتیں، جن کا ماحول تمہارا اپنا ہو۔"

اس کا مطلب یہ ہو گا کہ ہم جنوبی رجحان کو ٹھوک کر دیں۔" ایڈیٹر سر ہلا کر بولی۔ اُس کی سُرخ چنبیلی مسودے پر رکھی ہوئی تھی۔

اُوشان نے اپنی استخوانی انگلی آگے بڑھائی اور مسودہ اپنی طرف کھینچ لیا۔ اُس کے انداز میں بڑا وقار تھا۔ چہرے پر مجال نظر آ رہا تھا۔

"ایوان سانجو کبھی برائے فروخت نہیں رہا، عورت!" اُس کا لہجہ بھی شاہانہ تھا۔ ساتھ ہی اُس کی انگلیاں سُرخ شناخت صاف کرنے لگیں، وہ ان جملوں کو بھی صاف کر رہا تھا، جو عورت نے سُرخ چنبیلی سے مسودے پر لکھے تھے۔

"ایک منٹ مسٹر اُوشان! ہم آپ کے اصل مسودے کے مطابق بھی کام کر سکتے ہیں۔"

"لیکن" اُوشان اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس نے مسودے پر اپنے مؤقف میں آخری حد تک لچک پیدا کر لی تھی۔ اتنی لچک مشکل تھی کہ مسودہ واپس دے دیں قدیم کو یاد نہیں تھیں۔ اس نے مسودے کو بڑی احتیاط سے بغل میں دبایا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ ایک لڑکی جو سینئر ایڈیٹر بننا چاہتی تھی اُس کے ساتھ ساتھ تھی۔ اُس نے بھی

رومانی ناول

دل کا آنگن	سلمیٰ رعنا	75/-
کالے کنول	سلمیٰ رعنا	75/-
اور دیا جلتا رہا	سلمیٰ رعنا	100/-
موج گرداب	سلمیٰ رعنا	100/-

مکتبہ القریش اُردو بازار - لاہور 2

فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ یہ ادارہ چھوڑ دے گی کیونکہ اسے مسودے میں ایسی تبدیلیاں کرنے میں ایسی دلچسپی نہیں تھی۔

ہوٹل میں اُوشان کے لیے مارسیا کا ایک خط موجود تھا۔ اُس نے لکھا تھا کہ وہ بخیر و عافیت پہنچ گئی ہے اور دو تین ہفتوں میں واپس آ جائے گی۔

اُوشان نے خط بنا کر خط جیب میں رکھ لیا اور اپنے کمرے میں پہنچ کر اپنے صندوقوں میں سے ایک صندوق کھول کر چاولوں کا بنا ہوا کاغذ، ایک پرانا قلم اور دوات نکال لی پھر دکانوں کے آسن میں فرش پر بیٹھ گیا۔ فرق یہ تھا کہ دونوں ہاتھ گود میں نہیں تھے بلکہ ایک ہاتھ میں کاغذ تھا پنسلہ تھا اور دوسرے میں قلم جبکہ دونوں پیروں سے زمانہ ہٹ کر رکھی ہوئی تھی۔

اس مرتبہ وہ کسی کے لیے ایک سیریس لکھوں گا۔ اُوشان نے سوچا۔ "اگر کسی ویزرڈ نے کسی احمق ترین نجومی ماسٹر پر سیریل بیش کر سکتا ہے تو پھر سانجو پر تو برسوں تک سیریل ٹی کاسٹ ہو سکتی ہے۔ کیا پروڈیوسر نے میرا نام سُنا ہو گا؟ لگتا ہے کہ وہ مجھے اچھی طرح جانتے ہوں۔"

"وہ آ رہے ہیں۔" شفاعت نے ہانپتے لہجے میں کہا تو مارسیا جھوم اُٹھی۔ وہ ٹرانسپیرنٹ لباس میں تھی۔

"گڈ! میں انہیں مرتا ہوا دیکھنا چاہتی ہوں۔"

"مزہ دیکھو گی۔" شفاعت نے اُسے یقین دلایا۔ وہ واقعی اس عورت کو پسند کرنے لگا تھا۔

"... اور پھر پوری دُنیا کو مرتا ہوا دیکھوں گی نا؟" وہ بچوں کی طرح خوش ہو رہی تھی۔

"یقیناً۔" شفاعت نے بڑی محبت سے جواب دیا۔ دونوں کے

جذبوں، خواہشوں اور رجحانات میں بڑی مماثلت تھی اور شاید شفاعت کو پہلی مرتبہ ایسی عورت ملی تھی جو اسی کی طرح اذیت پسند اور خود اذیت پسندی کی آخری منزل پر تھی۔

وہ لوگوں کو قتل ہوتا دیکھنا پسند کرتی تھی۔

ایک شام جب وہ دونوں اکٹھے تھے تو مارسیا نے کہا تھا کہ وہ آؤٹ ڈور میں جھولنا چاہتی ہے۔

"کیسے جھولیں؟"

"تم بھی پہنو گے میرا لباس۔" وہ مسکرا کر بولی تھی اور پھر دونوں ہاتھ میں ہاتھ ڈالے ایک مصروف ترین چوک پر نکل آئے تھے۔ جہاں مارسیا نے شفاعت کو لٹکنے کے لیے کہا تھا۔

"نہیں کس کا انتظار ہے؟" شفاعت نے چند منٹ کے بعد دریافت کیا۔

"شکار کا۔" وہ مسکرا کر بولی تھی اور وہ چند منٹ بعد وہ کھل اُٹھی تھی "وہ آ رہا ہے۔"

شفاعت نے اُس کے اشارے پر دیکھا تھا، ایک نوجوان جینز پہنے ہوئے جھومتا ہوا آ رہا تھا۔ اُس کی عمر بیس اکیس سال سے زیادہ نہیں تھی۔ وہ صرف بنیان پہنے ہوئے تھا۔ اس کے دونوں کانوں میں جدید فیشن کے مطابق زنجیریں لرز رہی تھیں۔ آنکھیں نیم وا تھیں۔ وہ پیتے ہوئے تھا۔

"اسے سو ڈالر کا نوٹ تو دینا۔" مارسیا نے عجیب سی فرمائش کی تھی۔

شفاعت کے لیے روپے پیسے کی کوئی اہمیت نہیں تھی لہٰذا جونہی وہ نوجوان قریب آیا، شفاعت نے اُسے آواز دے کر بُلا لیا۔

"یہ لو...!"

سو ڈالر کا نوٹ دیکھ کر نوجوان مسکرایا اور پھر محض شکریہ ادا کر کے آگے بڑھ گیا۔

"اب؟" شفاعت نے پوچھا۔

"دیکھتے رہو، میں ابھی آئی۔" مارسیا نے کہا اور تیزی سے ایک پولیس والے کی طرف بڑھ گئی، جو قدرے دور کھڑا ہوا تھا۔ شفاعت نے مارسیا کو پولیس والے سے گفتگو کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ بار بار تیزی سے جانے والے نوجوان کی طرف اشارہ کر رہی تھی اور چند ہی لمحے بعد پولیس والا اپنا ریوالور نکال کر نوجوان کے پیچھے لپک رہا تھا جبکہ مارسیا بھاگ کر شفاعت کی طرف آ رہی تھی۔

"آؤ چلیں۔" مارسیا نے کھل کھلا کر ہنس کر کہا تھا۔ دونوں کار کی طرف بڑھ گئے تھے اور اسی لمحے انہیں عقب سے فائر کی آواز سنائی دی تھی۔ انہوں نے پلٹ کر دیکھا تھا، نوجوان اپنے ہی خون میں لت پت دُور سڑک کے کنارے تڑپ رہا تھا۔

"تم نے کیا کیا مارسیا؟" شفاعت خوشی سے جھوم کر بولا۔

"کچھ بھی نہیں۔" مارسیا کا چہرہ خوشی سے چمک رہا تھا۔ "میں نے پولیس والے کو بتایا تھا کہ ہمیں اس نوجوان نے لوٹ لیا ہے، اس نے ہمیں قتل کرنے کی دھمکی دے کر رقم چھیننا چاہی۔" یہ کہہ کر مارسیا بہت زور سے ہنسی تھی۔ اس کی ہنسی میں سفاکی محسوس کر کے شفاعت کو اس پر ڈھیروں پیار آیا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ نوجوان نے گرفتار ہونے سے بچنے کی کوشش کی ہو گی۔" مارسیا نے خیال ظاہر کیا۔ اُس کی آنکھیں چمک رہی تھیں اور وہ بار بار ہونٹوں پر زبان پھیر رہی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ کسی لذت کو محسوس کر رہی ہو۔

"بہت شاندار کھیل تھا۔" شفاعت نے کار اڈے کے قریب لے جاتے ہوئے کہا۔

"شکریہ! کیا ایک ٹیم اور نہیں ہو سکتا ڈارلنگ؟" غالباً وہ اب بھی ملطمن نہیں ہوئی تھی۔

"نہیں، اب کچھ پیتے ہیں کل کچھ کھیلیں گے۔"

○

اس کا نام حاتم تھا اور وہ اسلحہ فروخت کیا کرتا تھا لیکن ہر ایرے غیرے کو ہتھیار نہیں مل سکتے تھے۔ شاہراہ حشت یا۔ نان پر اُس کی چھوٹی سی دُکان تھی اور اس شاہراہ کے اردگرد بہت سے چھوٹے چھوٹے مخروطی صورت گھر بنے ہوئے تھے جن کے آگے چھوٹے چھوٹے باغ تھے۔ یہ علاقہ ایسا تھا جہاں کوئی بھی حاتم کے گھر آنے جانے والوں کی ٹوہ میں نہیں لگا رہتا تھا۔

حاتم تے ایک معمولی پستول خریدنے کا بھی خاص طریقہ کار تھا ایسے خریدار کو پہلے حاتم کی طرف سے چائے پینے کی دعوت ملتی تھی، اس دعوت میں حاتم خریدار کا پس منظر معلوم کرتا تھا اور اس کے بعد بھی خریدار کی ایسی انکوائری ہوتی تھی جیسے خریدار پستول خریدنے کی بجائے ملٹری انٹیلی جنس میں ملازمت حاصل کرنے کا خواہاں ہو۔ اس پیچیدہ طریقہ کار کا مقصد صرف یہ تھا کہ خریدار، حاتم کے بارے میں کچھ نہ کر سکے۔ جب خریدار قابل اعتماد ثابت ہو جاتا تھا تو پھر اُسے دن اور وقت بتا دیا جاتا تھا اور وقت کی پابندی سکنڈوں کے حساب سے کرنے کی ہدایت ملتی تھی۔ مقررہ وقت پر دُکان کا دروازہ صرف پندرہ سیکنڈ کے لیے کھلتا تھا اگر خریدار کو مزید ایک سیکنڈ کی تاخیر ہو جاتی تھی تو یہ دروازہ اس پر ہمیشہ کے لیے بند ہو جایا کرتا تھا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ایک بار چند لقب زنوں نے دکان میں نقب لگانے کی کوشش کی تھی لیکن ان کی لاشیں ایک ماہ بعد ایک کوٹھے سے ملی تھیں۔ ان لاشوں میں کیڑے پڑ چکے تھے۔ ان لاشوں کا تفصیلی معائنہ کیا گیا تو فورنسک ایکسپرٹ کو ان کی کھوپڑیوں میں ایسے سوراخ نظر آئے تھے جیسے چیونٹیاں ننھی ننھی مٹی نکالتی ہیں۔

"واجا!" ماہر نے اپنے اسسٹنٹ سے کہا تھا۔ "کیا یہ واقعی چیونٹیوں کے گھر ہیں؟"

راجا نے مدرسہ اخبار کھوپڑیوں کا بغور جائزہ لیا تھا۔ پھر سر ہلا کر کہا۔ "یقیناً کوئی چیونٹی کھوپڑی میں داخل ہو کر کسی نہ کسی طرح استخوں سے باہر نکلی ہوگی۔"

فورنسک ایکسپرٹ کو جواب بھی یقین نہیں آرہا تھا۔ کیا ایسا ہو سکتا کہ ان کھوپڑیوں پر کچھ ڈال کر یہ شکلیں بنا دی گئی ہوں؟

"مجھے تو یقین نہیں۔"

"کوئی اور توجیہ کی جا سکتی ہے؟"

"نہیں۔"

"پھر بھی اسے کی تلاش تو کرو۔" ایکسپرٹ نے کہا اور دونوں ماہر پھر جھک گئے۔ انھوں نے پولیس نوٹ پہن رکھے تھے اور ان کے چہروں پر یہ نوٹ پہننے کے لیے ماسک تھے۔ انھیں کھوپڑیوں میں ایسے کوئی ذرہ نہیں ملا لیکن چار قسم کی موجودگی بہرحال ثابت ہوئی۔

پوسٹ مارٹم کے کسی آلے سے کھوپڑیوں میں ان گنت سوراخ کیے گئے تھے۔ مقتولین کی شناخت عرف ان کے دانتوں کی وجہ سے ہوئی۔ وہ عام سے لٹیرے ثابت ہوئے لہٰذا انھیں دفن کر دیا گیا۔ پولیس نے کیس فائل کر دیا۔

یہ لاشیں بہرحال زندہ مجرموں کے لیے واضح پیغام تھیں کہ وہ حاتم کی اس چیونٹی سی دکان میں داخل ہونے کی کبھی کوشش نہ کریں۔ چور کسی قسم کا ہو، ڈھکی چھپی نگاہ انہیں سے۔

لیکن ایک روز اسمبلی کا ایک رکن اپنے دوست کے ساتھ دکان پر پہنچا۔ اس نے دروازے کا بیل بٹن دبایا تو دروازہ کھل گیا اور رکن اسمبلی کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔

"یہ بہت خوش قسمتی ہے۔" احمد نے مسکرا کر کہا۔

"شاید۔" حاتم نے جواب دیا۔ وہ بہت دنوں قبل حاتم سے ایک انٹرویو لے چکا تھا۔ انھوں نے اندر آکر دروازہ بند کیا تو فوراً ہی عقب سے دروازہ منتقل ہونے کی آواز آئی۔ یہ مرد والے کمرے میں داخل ہوئے۔ رکن اسمبلی نے کھوجنا چاہا مگر ناکام رہا۔ احمد زور دے کر یہ سمجھا رہا تھا۔

شہباز

مصنف اظہر کلیم

دو حصوں میں

مکمل سیٹ =/100 روپے

مکتبہ القریش

سرکلر روڈ اردو بازار لاہور

فون 7668958

کمرے کے وسط میں ایک چھوٹی ٹانگوں والی میز رکھی ہوئی تھی اور اس کے گرد بیٹھنے کے لیے تین کشن موجود تھے۔ رکن اسمبلی نے احمد کو ایک کشن پر بیٹھتے ہوئے دیکھ کر خود بھی تقلید کی۔ کمرے میں مکمل خاموشی تھی اور چھت میں پوشیدہ کسی ذریعے سے ہلکی ہلکی نرم روشنی چھلک رہی تھی جس کے باعث کمرے میں گھپ اندھیرا نہیں تھا۔ چند لمحوں بعد رکن اسمبلی کے حواس بحال ہونے لگے۔ اس نے احمد کی طرف دیکھا وہ اطمینان سے بیٹھا تھا۔ اس نے احمد کی نقل میں سر ہلا کر کسی اندازے سے اندازہ لگایا۔

[illegible] کی حالت فیز ہونے لگی تو تب ہی ایک [illegible] کمرے میں داخل ہو کر میز کے قریب آکر ٹھہر گیا۔ وہ رکن اسمبلی کی شرارت بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"ہاں تو تم یہ سمجھے ہو کہ کسی کو قتل کرنے کے اہل ہو؟" اچانک شخص نے دھیمے لہجے میں رکن اسمبلی سے پوچھا۔

"جی ہاں۔ بے شک۔ میں چاہتا تھا کہ رکن اسمبلی نے بڑی کوشش کرکے پہلے میں وقار پیدا کیا۔ اور جب مجھے پہلے کی دعوت ملی تو اسے اپنی خوش قسمتی سمجھنے لگا۔"

"کیا تم قاتل بننے کے اہل ہو؟" حاتم نے ایک بار پھر سوال کیا۔ احمد نے اشارہ کیا۔ حاتم کو مشورہ دیا کہ وہ ہاں کہہ دے مگر سیاست داں کو عرف عام سکی اور مضبوط اعصاب رکھتا تھا کہ وہ اسے ڈرائنگ روم میں بٹھا سکے۔ احمد نے بار بار مختصر سے اشارے کر رہا تھا۔

"ہاں... ہاں..." احمد کی حالت دیکھ کر اسمبلی کے رکن نے بھی وہی سر ہلا دیا۔ اس کے ساتھ ہی حاتم نے دو مرتبہ تالی بجائی اور تالی کی آواز ابھی کمرے میں گونج ہی رہی تھی کہ ایک سیاہ پوش عورت چائے کی ٹرے لے کر نمودار ہوئی۔ اس نے خاموشی سے چائے بنا کر پیالیوں کے سامنے رکھی اور جب ایک قدم پیچھے ہٹ گئی تو حاتم نے اپنا [illegible]

حسن بن صباح

★ شہنشاہ حشیش اور ابلیس وقت

جو چھتیس (36) سال تک قلعہ الموت میں ایک نظر فریب جنت ارضی بنا کر بیٹھا رہا اور مسلمانوں کے بڑے بڑے جید علماء کرام اور محدثین، مفسرین، مفکرین اور ارکان سلطنت کے خون سے ہولی کھیلتا رہا۔۔۔۔۔ مسلمان والیانِ ریاست اس کا کچھ نہ بگاڑ سکے۔۔۔۔۔

اسی ساحر اور مُرتد کی رنگین اور خوفناک داستان

الماس ایم۔اے کے سحر انگیز قلم سے۔۔۔۔۔

ناشر: مکتبہ القریش اُردو بازار۔لاہور2 قیمت -/125 روپے

برصغیر کا سپوت ---- آزادی کا متوالا

مسلمانانِ ہند کا رکھوالا۔۔۔۔۔

شہید سلطان ٹیپو

جس کی دہشت سے انگریز سوتے سے جاگ پڑتے تھے

اور انگریز بچے سلطان ٹیپو کا نام سُن کر چُپ ہو جاتے تھے۔

★ ایک بہادر

★ ایک مجاہد

★ ایک شہید

ایک ناول --------ایک تاریخ

الماس ایم۔اے کے ایمان افروز قلم سے --------- قیمت -/200 روپے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ہی اسمبلی کے رُکن کی طرف دیکھا "کیا تم اس عورت کو قتل کر سکتے ہو؟"

"نہیں، میری اس سے کوئی دشمنی نہیں۔"

"لیکن اگر میں یہ کہوں کہ اس عورت نے تمہارا جانے میں زہر ملا دیا ہے تو۔۔۔؟"

"اُف۔۔۔ کیا واقعی؟" اسمبلی کے رُکن کے پسینے چھوٹ گئے۔

"نہیں!" حاتم نے بڑی نفاست سے اُس کی طرف دیکھا "میں اپنی بیوی کو قتل کرانا چاہتا ہوں اور نہ ہی مہمان کے سامنے اس کا خاندانی دشمنی ہے۔ میں اسلحہ ساز ہوں لیکن میرے بنائے ہوئے ہتھیار قتل کرنے کے لیے استعمال ہوتے ہیں، کھلونوں کو سجانے کے لیے نہیں۔"

"یہ قتل ہو سکتا ہے جناب!" اُسے سفارش کرنی ہی پڑی "اس کا جرم۔۔۔ آپ کو بھی اغوا کیا ہے۔"

رُکن اسمبلی نے سر ہلا کر اُسے سفارش کرنے والے کو دیکھا اور کھڑا ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی احمد بھی کھڑا ہو گیا لیکن سیاست داں کو کھڑا ہونے میں رُکن کو دشواری ہوئی۔ اُسے ایسے لگا جیسے ٹانگوں میں دوران خون رک گیا ہو۔

حاتم نے کمرے میں داخل ہوتے ہی محسوس کر لیا تھا جہاں ایک بڑے کمرے میں مدھم سی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ یہ روشنی ان موم بتیوں کی تھی جو ایک کونے میں جلی ہوئی تھیں۔

"ہاں تو تم میں کسی کو قتل کرنے کی صلاحیت موجود ہے۔" حاتم نے ۔۔۔ پوچھا۔

"ہاں کیوں نہیں۔" رُکن اسمبلی کو اچانک ہی یاد آ گیا کہ اس نے بچپن میں کئی چھپکلیاں ماری تھیں۔

"گڈ!" حاتم نے ایک بار پھر تالی بجائی اور اس مرتبہ اس کی بیوی ایک اسمال بور سنگل شاٹ رائفل لے کر نمودار ہوئی۔

"تم کسے قتل کرنا چاہو گے؟" حاتم نے پوچھا۔

"آپ کی بیوی کو تو قتل نہیں کر سکتا۔"

"درست! عورت کو اس قسم کے قیمتی ہتھیار سے قتل کرنا مناسب بھی نہیں۔" حاتم نے جواب دے کر رائفل اس کی طرف بڑھا دی۔ وہ واقعی خوبصورت رائفل تھی۔ اس کا تو دل بھی غضب کا تھا۔

"بہت خوبصورت رائفل ہے۔" رُکن اسمبلی نے فوراً تبصرہ کیا۔

"گڈ! تم اچھے ذوق کے مالک ہو۔" حاتم کے چہرے پر صرف پل بھر کے لیے مسکراہٹ نے جنم لیا تھا۔ اس نے تالی بجائی تو عورت تازہ ٹوٹے ہوئے پتوں کی ٹرے لے آئی۔ ان سبز پتوں پر چار گولیاں رکھی ہوئی تھیں۔

"اوہ!" رُکن اسمبلی نے ایک گولی کو معنا نہ کہ کہا مایوسی سے سر ہلایا "ان پر چاندی تو ہے ہی نہیں۔"

"چاندی بہت نرم ہوتی ہے جسے بھی انتہائی نرم ہوتا ہے جبکہ تانبا ان سے بہتر ہے لیکن اتنی شاندار رائفل کے لیے صرف اور صرف پلاٹینم کی گولیاں ہی مناسب ہوتی ہیں جناب! کیا تم ان کے متحمل ہو سکتے ہو؟"

"کیوں نہیں، کیوں نہیں۔" سیاست داں سینہ پھلا کر بڑے فخر سے بولا اور رائفل کی طرف دیکھ کر تیزی سے بولا "لیکن رائفل نہ تو منقش ہے اور نہ ہی اسکوپ چاندی کا کام ہوا ہے۔"

"سنو!" حاتم غرا کر بولا "یہ رائفل ہے، تمہارے گھر کا کپ نہیں۔"

رُکن اسمبلی نے سر ہلا کر جیب میں ہاتھ ڈالا اور ایک خوبصورت سا جوڑا نکال کر حاتم کی طرف بڑھا دیا جس نے جوڑا اپنی بڑی سی پگڈی پر ہتھیلی پر رکھا کر لیا۔ اس کی تسلی پر اب تین بیرے دمک رہے تھے۔ اصلی اور شاندار بیرے۔ خریدار کو علم تھا کہ حاتم نقد رقم نہیں لیتا۔ یہ دین بیروں میں کرتا ہے۔

"روبی بہت شاندار ہے جناب!" رُکن اسمبلی نے حاتم کی طرف دیکھ کر کہا۔

"ہاں، بہت زیادہ بھی تو ہے۔"

"یہ آپ کا انکسار ہے۔"

"نہیں، یہاں کی نہیں۔ فضا کی بات کر رہا ہوں، وہ بھی ہر دل سے زیادہ قیمتی ہے۔۔۔ اور پھر پلاٹینم کی گولیاں۔۔۔ تم رائفل کی آزمائش تو کر لو۔"

"ضرور!" رُکن اسمبلی نے مسکرا کر کہا، جس پر حاتم نے تالی بجائی تو ایک طرف سے دیوار ہٹ گئی۔ نارنگٹ پر ایک شخص بندھا ہوا تھا۔

"نن۔۔۔ نہیں۔۔۔!" رُکن اسمبلی بوکھلا اٹھا "میں کسی بندھے ہوئے شخص کو نہیں مار سکتا۔"

"کوئی بات نہیں۔" حاتم نے جواب دیتے ہوئے ایک ہاتھ سے رائفل لی دوسرے ہاتھ سے گولی ڈال دی اور پھر فائر کر دیا اگرچہ رائفل میں سائلنسر نہیں تھا لیکن پھر بھی اس کی آواز کسی سرگوشی سے زیادہ بلند نہ تھی۔ بندھے ہوئے شخص کی ایک ڈوری ٹوٹ گئی۔ وہ شخص گرا اور بنا شیں کھلیں، آزاد ہونے والا شخص بہت دور سے چلایا۔ اس کے ساتھ ہی حاتم نے رائفل واپس کر دی "تم بھی آزماؤ۔"

"شکریہ!" رُکن اسمبلی نے رائفل لے کر گولی چلا دی۔ اس نے نارنگٹ کے دائرے کو نشانہ بنایا تھا مگر گولی آزاد ہونے والے شخص کے لگی۔ سیاستدان بری طرح کراہنے لگا مگر ساتھ ہی اُسے حاتم کے قہقہے بھی سنائی دے رہے تھے۔ حاتم نے رائفل لے کر ڈوری اور آزاد ہونے والے شخص کی ٹانگ پر نشانہ لے کر گولی چلا دی۔ زخمی اب بُری طرح تڑپ رہا تھا اور حاتم کے قہقہے کمرے میں گونج رہے تھے۔ اُس نے رائفل پھر لوڈ کی اور پڑھے لکھے آدمی کا نشانہ لے کر بس بربادی۔ زخمی کا تڑپنا ختم ہو گیا۔ رُکن اسمبلی کو اس کی آنکھوں میں خوف نظر آ رہا تھا۔

"یہ مہنگی گولیاں نہیں تھیں۔ یہ۔۔۔ یہ اذیت پسندی ہے۔" اُس نے اپنے دوست سے کہا۔

"تم نے بھی رائفل طلب کی تھی؟" حاتم نے ہنس کر کہا۔ کمرے میں زخمی کی کراہیں اور چیخیں اب بھی گونج رہی تھیں۔

یہ سلسلہ پندرہ منٹ تک چلتا رہا پھر حاتم نے گولیوں کا ایک اور ڈبا منگوا لیا۔

"اب سنو!" اس نے زخمی کے سر پر گولی مار کر کہا۔ گولی اُچٹ کر ایک طرف چلی گئی لیکن سر سے خون ضرور بہنے لگا۔ اس زخم سے زخمی بے ہوش بھی ہو گیا۔ ان گولیوں کے استعمال کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ پہلے سر کو نشانہ بناؤ پھر ٹخنے کی ہڈی کو پھر بائیں کان کی لَو کو، اس کے بعد دائیں کان کے نچلے حصے کو، اس کے بعد جسم کے ہر حصے کو نشانہ بناتے ہوئے گھٹنوں تک پہنچ جاؤ۔" اس نے دونوں گھٹنوں پر گولیاں ماریں۔ "اس کی طرف دیکھا اور رائفل اس کی طرف بڑھا دی۔ "اب اس کا قصہ تمام کر دو۔"

سیاست داں کے ہاتھوں میں اتنا پسینہ آ رہا تھا کہ رائفل پھسل کر گرنے لگی پھر اس نے بھی اس کی لَو کی اور زخمی کے سینے پر رکھ کر لبلبی دبا دی۔ گولی دل میں گھس گئی۔ اُسے اس صورت حال پر بہت ملال تھا مگر حاتم کے قہقہے اس کی ہمت بڑھاتے رہے تھے۔

حاتم نے اُسے یہ نہیں بتایا تھا کہ اسے رائفل فروخت کرنے کی کتنی جلدی تھی۔ وہ جلد از جلد گنجان نگر پہنچنا چاہتا تھا، جہاں ایک انتہائی دلچسپ ٹارگٹ کا انتظام کیا گیا تھا اور یہ انتظام کرنے والے نے کہا تھا "یہ ٹارگٹ بہت بڑا چیلنج ثابت ہو گا حاتم۔"

"میرے لیے کوئی چیز چیلنج نہیں ہو گی جناب!" حاتم نے شفاعت کو بتایا تھا "میں ہر چیلنج سے لطف لیتا ہوں۔"

"تب پھر میں بھی لطف لوں گا۔" شفاعت نے جواب دیا۔

□

وہ نفیس و لطیف، پُرتعیش اور آسان ترین زندگی گزارنے کے عادی ہو چکے تھے۔ ان کی تعطیلات اور مصروفیات سب ہی عید کی طرح پُررونق ہوا کرتی تھیں۔ سب سے اہم بات یہ تھی کہ وہ یہ پوچھے بغیر ہر چیز خرید لیا کرتے تھے کہ اس کی قیمت کیا ہو گی۔

لیکن پھر ایک روز اچانک ہی وہ سب مفلس ہو گئے۔

چیک آؤٹ کاؤنٹر پر پارس، علیم، کمانڈو اور احتشام کو جب یہ خط ملا کہ اگر انھیں رقم کی مزید ضرورت ہے تو وہ دروشن آباد میں ملاقات کریں۔ اس ملاقات کے لیے وقت اور جگہ کا تعین بھی کر دیا گیا تھا۔ خط ملتے ہی وہ فوراً تیار ہو گئے۔ اندھے کو دو آنکھیں ہی تو درکار ہوتی ہیں۔

دریا کے سامنے ایک سنگی عمارت اُن کی منزل تھی۔ وہ اس عمارت کو دیکھ کر بہت زیادہ متاثر ہوئے اور اس وقت خاص طور سے متاثر نظر آنے لگے جب ایک خوبصورت اور سانولی رنگتوں والی دوشیزہ نے دروازے پر حسین تبسم کے ساتھ اُن کا استقبال کیا وہ انھیں اس طرح ڈرائنگ روم تک لے کر آئی کہ اگر کوئی دُور سے دیکھ لیتا تو اُسے ایسا ہی لگتا کہ تینوں عمل تنویم کے زیر اثر ہیں۔ لڑکی جب انھیں کمرے میں بھیج کر جانے لگی تو پارس ہی نے تہمت کر کے پوچھ لیا "مس! اب ہمیں کیا کرنا ہے؟"

"تھیس۔۔۔؟" وہ ایک ادا سے اپنی دراز شدہ رنگ رُلیفس جھٹک کر پلٹی "تھیس یہ پوچھنے کہ منے والے خط میں کیا لکھا ہوا تھا؟"

تینوں لڑکی کے جاتے ہی خط پر جھک گئے۔ اُن کی متفقہ رائے یہ تھی کہ بعض کام ایسے ہیں جو وہ بھاری معاوضے پر بھی کرنے کے لیے آمادہ نہیں ہوں گے۔ ان کے نزدیک اخلاق و انسانیت کے بعض اصول ناقابل تنسیخ تھے۔

پھر وہ کھڑکی سے دریا کی طرف دیکھنے لگے اور دیکھتے رہ گئے۔ دل دریا میں رنگیلیاں اٹکھیلیاں کر رہی تھیں پھر احتشام تو جھرجھری لے کر دوسری طرف دیکھنے لگا "نہیں دوستو! میں بھاری معاوضے کے عوض بھی کوئی غلط کام نہیں کروں گا۔"

"میں بھی نہیں۔" کمانڈو گائز پارس نے فوراً کہا۔

"مثال کے طور پر؟" علیم دونوں کی طرف دیکھ کر بولا۔

"میں اپنی ماں کو ڈنڈے مار مار کر ہلاک نہیں کر سکتا۔" پارس نے کہا "خواہ کچھ بھی ہو جائے، میں یہ گناہ نہیں کر سکتا۔ مجھے یہ بھی پروا نہیں کہ اس کام کا کتنا معاوضہ ملے گا۔"

"درست!" احتشام نے تائید کی "اگر کسی کی ماں صحت مند ہو تو ایسا کرنا انتہائی بددیانتی ہو گی لیکن میری ماں کا معاملہ قطعی مختلف ہے، وہ لب گور ہے۔ میرا مطلب یہ ہے کہ بعض حالات میں موت ہی زندگی سے بہتر ہے۔"

"لیکن ڈنڈوں سے ماں کو قتل کرنا۔۔۔ نہیں یہ ظلم ہو گا۔" پارس نے زور زور سے سر ہلاتے ہوئے اعتراض کیا۔

"چھوٹے ڈنڈے سے مارنا تو ظلم ہی ہو گا۔" دوست و احتشام

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

نے جواب دیا: "بڑے اور مضبوط ڈنڈے کا استعمال مناسب ہوگا تاکہ ایک ہی وار میں موت واقع ہو جائے۔"

"میں تو سب کچھ گزر دوں گا۔" علیم نے زہر دار لہجے میں اُن سے کہا۔ وہ پستہ قد شخص تھا اور گزشتہ تیرہ ماہ سے اس کے بینک اکاؤنٹ میں نہ جانے کہاں سے رقم جمع ہو رہی تھی۔ اس کے پاس اتنی رقم ہو گئی تھی کہ اس نے اپنی بدصورت بیوی اور دو پیاری پیاری بچیوں سے بھی قطع تعلق کر لیا تھا۔ "میں نہ صرف اپنی بیگم تمہاری ماں کو بھی قتل کر سکتا ہوں۔ میں اپنی بیوی کے پاس واپس جانا نہیں چاہتا اور اگر میرے اکاؤنٹ میں رقم نہ رہی تو پھر مجھے اپنی بیوی کے پاس واپس جانا ہوگا۔"

"ناممکن!" پارس مضبوط لہجے میں بولا۔ "مجھے یقین ہے کہ تم دونوں صرف اور صرف دولت کی خاطر ہی بعض چیزیں پسند نہیں کرو گے۔"

احتشام نے دولت آنے کے بعد داڑھی چھوڑ دی تھی اور اس وقت وہ کچھ سوچتا ہوا داڑھی کھجا رہا تھا۔ "میں صرف دولت کے لالچ میں کوئی قتل نہیں کر سکتا۔"

"اور کیا کسی کی قبر کھود کر لاش کی بے حرمتی نہیں کر سکتا؟" اس بار علیم نے بھی سوچ سمجھ کر اپنے لیے سب سے زیادہ ناپسندیدہ کام کا انکشاف کیا۔

"وہ کیوں؟" احتشام نے پوچھا۔

"اس لیے کہ میری بیوی کسی لاش ہی کی طرح ہے اور قبر کھود کر لاش نکالنے کا مطلب یہی ہوگا کہ میں اس کو پسند کر رہا ہوں۔"

"خیر! تم اپنی بیوی کو ہم سے زیادہ بہتر طور پر جانتے ہو۔" احتشام نے جواب دیا۔ "ویسے بعض لوگ مرنے کے بعد بھی اچھے لگتے ہیں اور ان کا کفن بھی قیمتی ہوتا ہے۔"

اسی لمحے دی خوبصورت لڑکی جو انہیں یہاں چھوڑ گئی تھی ایک بلڈ پیر بالکونی میں نمودار ہوئی۔

"آپ لوگ کیا پینا پسند کریں گے؟" اس نے ایک ادائے دلربائی سے اپنی سُرخ زُلفیں جھٹک کر کندھوں پر ڈالتے ہوئے پوچھا۔

انھوں نے گڑبڑا کر اور نظریں نیچے کیے بغیر اپنے اپنے پسندیدہ مشروبات کے نام بتا دیے اور وہ مسکرا کر چلی گئی۔

"میں اپنی ماں کو بڑے ڈنڈے سے ہلاک کرنے میں کوئی دشواری محسوس نہیں کروں گا۔" پارس نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"اور بعض فش فلیس بھی متعدیت کی حامل ہوتی ہیں۔" احتشام نے اس دروازے سے نظریں نہیں ہٹائیں جس سے سُرخ زُلفوں والی حسینہ گئی تھی۔

علیم کی حالت ان سب سے زیادہ ناگفتہ بہ تھی۔ وہ ان کی کوئی بات نہیں سن رہا تھا، صرف سوچے جا رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کفن کی چوری اور لاش کی بے حرمتی کرنے میں بھی یقیناً لطف آئے گا۔ اُسے یاد آگیا کہ بعض عورتیں مرنے کے بعد بھی زندہ اور پیاری لگتی ہیں۔

"مجھے قبر کھود کر لاش کھینچنے سے کوئی خوف محسوس نہیں ہوتا۔" اُس نے دونوں کی طرف دیکھے بغیر کہا۔ "میں کسی فوبیا کا شکار نہیں ہوں۔"

اُن کے لیے مشروبات تو نہیں آئے لیکن خاکی پتلون اور خاکی شرٹ میں ملبوس ایک شخص، شفاعت ضرور نمودار ہوا۔ اس نے بھاری اُونی موزے پہن رکھے تھے جو ٹوتوں کے تسمے کھلے ہوئے تھے۔ وہ ان تینوں کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک کلپ بورڈ تھا، جس میں ایک کاغذ لگا ہوا تھا اور کاغذ پر چند الفاظ لکیروں کی شکل میں نظر آ رہے تھے۔

"تم!" اس نے پارس کی طرف دیکھ کر کہا۔ "میں چاہتا ہوں کہ تم اپنی ماں کی پٹائی کرو۔"

"بڑے، موٹے اور مضبوط ڈنڈے سے؟" پارس نے فوراً ہی پوچھا۔

"نہیں، نازک چھڑی سے اور آہستہ آہستہ۔" شفاعت نے جواب دے کر ردِ عمل کا انتظار کیے بغیر احتشام کی طرف دیکھا۔ "اور تم ایک فش فلم میں مرکزی کردار ادا کرو گے، جس میں پہاڑی بکرے بھی شامل ہوں گے۔ اس بار اُس نے احتشام کے تبصرے کا بھی انتظار نہ کیا اور علیم کی طرف پلٹ پڑا۔ "اور تم... تم تین پہنتے پرانی ایک سرکہ یہ لاش کو قبر سے نکال کر...!"

شفاعت نے کلپ بورڈ نیچے کر کے پہلی مرتبہ ان تینوں کو باری باری دیکھا۔ "اب میں تمہیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ گزشتہ ایک سال کے دوران میں نے تمہیں چھ لاکھ ڈالر سے زیادہ رقم دی ہے۔ تکنیکی اعتبار سے تم نے یہ رقم بینک سے بذریعہ فراڈ حاصل کی ہے۔ اب تم وہی کرو گے، جو میں کہوں گا ورنہ تمہیں نہ صرف دولت سے محروم ہونا پڑے گا بلکہ تمہیں پولیس کے حوالے بھی کر دیا جائے گا۔ تمہارے پاس فیصلے کے لیے پورے ساٹھ سیکنڈ ہیں۔"

یہ کہہ کر شفاعت واپس چلا گیا۔

"بولو! کیا خیال ہے؟" پارس نے دھیرے سے کہا۔

"مم... میں کیا کہوں؟" احتشام گڑبڑا کر بولا۔ "تم اپنی کہو، کیا کرو گے؟"

"میں شاید اپنی ماں سے محبت نہیں کرتا۔" پارس نے جواب

دیا۔ "میری ماں نے کبھی مجھے پیٹ بھر کر کھانا نہیں دیا۔ کیا کوئی ایسی ماں سے محبت کر سکتا ہے، جو کھانا بھی پیٹ بھر کر نہ کھلائے؟"

"اور... اور میں اپنی آنکھیں بند رکھوں گا، سانس تک روک لوں گا۔" تین بچتے پرانی سر بریدہ لاش کے تصور ہی سے علیم کو متلی ہو رہی تھی۔ "ویسے بھی اندھیرے میں لاش نظر نہیں آئے گی۔"

شفاعت ٹھیک ایک منٹ بعد واپس آیا۔ وہ ان کے سامنے دونوں ہاتھ کمر پر رکھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کا انداز ایسا تھا جیسے پوچھ رہا ہو: "کہو، کیا فیصلہ کیا؟"

"ہم... ہم تیار ہیں۔" پارس نے تھوک نگلتے ہوئے جواب دیا۔

"تینوں؟" شفاعت کا لہجہ سپاٹ تھا۔

"ہاں، ہم تینوں آپ کے حکم کے مطابق عمل کریں گے۔" پارس اپنے دونوں ساتھیوں کی بھی ترجمانی کر رہا تھا۔

"گڈ۔" شفاعت نے مسکرائے بغیر تبصرہ کیا۔ "فی کس دس ہزار پوائنٹ! دیے نہیں کچھ کرنے کی ضرورت نہیں۔"

"کیا مطلب؟" وہ تینوں ایک ساتھ چیخ پڑے۔

"تمہیں ایسے ناپسندیدہ کام کرنے کے لیے مجبور نہیں کیا جائے گا، میں تو تم لوگوں کا امتحان لے رہا تھا۔"

"اوہ!" پارس نے ایک طویل سانس لیا۔ اُسے ایسا لگا تھا جیسے سر سے پہاڑ ہٹ گیا ہو۔

"میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ تم تینوں ایک آدمی کو قتل کر دو۔"

"کس کو؟" احتشام نے پوچھا۔

"کیا یہ وضاحت کرنی ضروری ہے؟"

"نہیں۔" علیم نے فوراً جواب دیا۔ "وضاحت کی ضرورت نہیں۔"

"ہرگز نہیں۔ حکم، حکم ہوتا ہے۔" پارس نے بھی علیم کی تائید کی۔

"میں نے تو ایسے ہی پوچھ لیا تھا۔" احتشام نے صفائی پیش کی۔

ان تینوں کو خوشی تھی کہ ان سے کوئی منحوس کام کرنے کے لیے نہیں کہا گیا ہے۔ یہ زیادہ اہم بات نہ تھی کہ وہ کس کو قتل کرنے والے تھے۔

●

کار کی رفتار بہت تیز تھی اور ٹیپر پیچر والی سوئی سُرخ رینج کے نشان کو چھو رہی تھی۔ سڑک کے دونوں طرف پہاڑ تھے اور ان کے درمیان سڑک کسی سانپ کی طرح بل کھاتی ہوئی دوڑ رہی تھی۔ ہر موڑ خطرناک تھا اور ہر گھاٹی موت کے مُنہ کی طرح نظر آ رہی تھی۔

ٹائیگر نے انجن بند کر کے نیوٹرل گیئر میں گاڑی ڈال دی۔

"یہ... یہ کیا حرکت ہے؟" رُوبی نے بوکھلا کر پوچھا۔

"وہاں پہنچنے کی کوشش کر رہا ہوں اگر پیدل چلنا نہیں چاہتیں تو خاموش بیٹھی رہو۔"

ڈھلان پر کار نے رفتار پکڑی۔ ہر چیز تیزی اور بہت تیزی سے پیچھے کی طرف جانے لگی اور ایک بار گاڑی اُلٹتے اُلٹتے بچی۔

"رفتار بہت تیز ہے۔" رُوبی نے چلّا کر کہا کیونکہ گھاٹی سے کسی گولی کی طرح گزرنے والی گاڑی کے اندر عجیب و غریب آوازیں پیدا ہو رہی تھیں۔

"تم نے کیسے اندازہ لگایا؟" ٹائیگر نے بڑے اطمینان سے پوچھا اس کے دونوں ہاتھ اسٹیئرنگ پر جمے تھے۔

"اس طرح کہ گاڑی کئی بار اُلٹنے سے بچی ہے۔" رُوبی نے دانت پیس کر جواب دیا۔ اُس کے کانوں میں ٹائروں کے چرچرانے، چیخنے اور ہوا کی زوردار آوازیں آ رہی تھیں۔

"اگر تم بائیں طرف نیم دراز ہو جاؤ تو گاڑی نہیں اُلٹے گی۔" ٹائیگر نے مسکرا کر جواب دیا۔

وہ بھی ضدی تھی اور اس کا نام رُوبی تھا۔ شاید دُنیا کی بھی واحد شخصیت تھی، جو ٹائیگر سے جارحانہ انداز میں بات کر سکتی تھی۔ اُس نے بائیں طرف ہونے کی بجائے بیچ میں بیٹھنا پسند کیا اور اسی لمحے ٹائیگر نے بائیں طرف کا ایک خطرناک موڑ کاٹا۔ ایک لمحے کے لیے گاڑی بائیں طرف کے دو پہیوں پر اٹھی۔ ٹائیگر نے فوراً ہی ایک

ابلیکا
اسلم راہی
جس میں حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک دنیا کی تاریخ پیش کی گئی ہے
سات جلدوں میں مکمل سیٹ 1950/- روپے
ناشر: مکتبہ القریش
اردو بازار لاہور

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ہاتھ سے رُوبی کو اپنی طرف کھینچا اور اسی لمحے گاڑی چاروں پہیوں پر دوڑنے لگی۔

"اس بار تم دونوں آنکھیں بند کر کے کرتب دکھاؤں گا۔" ٹائیگر نے بڑی سنجیدگی سے اعلان کیا۔

"شہزاد..." رُوبی کے چہرے کی رنگت فق ہونے لگی۔ "پلیز! میری خاطر گاڑی کی رفتار کم کر دو۔"

"اوہ..." ٹائیگر اس طرح چونکا جیسے گہری نیند سے بیدار ہوا ہو۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک لہرانے لگی۔ "ٹھیک ہے۔ اب مجھے یہ فکر نہیں کہ تم دُنیا کو مکمل تباہی سے بچانے کے لیے وہاں بروقت پہنچ سکیں گے یا نہیں۔" اس کا پیر بریک کھود رہا تھا۔

"کیا مطلب؟" رُوبی ایک لمحے کے جذباتی پن سے نکل چکی تھی۔

"میں سمجھی نہیں۔"

"کچھ نہیں۔"

"تم انٹی تباہی کے بارے میں کچھ کہہ رہے تھے۔"

"میں اس کارنامے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔"

"نہیں، تم اس کارنامے کے بارے میں نہیں، کسی اور مسئلے پر فکرمند ہو۔"

"اچھا... مگر مجھے تو یاد نہیں۔"

"مگر نہیں، تم مجھے ٹال رہے ہو۔" رُوبی نے اب پشت گاہ سے ٹیک لگا کر دونوں ہاتھ گود میں رکھ لیے تھے کیونکہ گاڑی اب بڑی شرافت سے چل رہی تھی۔ "تم نے گلستان سے چلتے وقت بھی مجھے کچھ نہیں بتایا تھا اور اب بھی بتانا نہیں چاہتے۔ پتا نہیں کہ تم دمشق آباد میں کہاں جانا چاہتے ہو؟"

"سنو! تم جانتی ہو کہ سرکاری طور پر میں فون کمپنی کے لیے کام کرتا ہوں۔ بھلا مجھے کیا پتا کہ انٹی تباہی کا کیا قصہ ہے۔ میرے آفس نے جو حکم دیا ہے اس پر عمل کر رہا ہوں۔"

"مجھے مت اُلّو بناؤ۔" رُوبی اب چلّانے کے قریب تھی۔ "چلو میں بھی اسی لہجے میں بات کرتی ہوں۔ یہ بتاؤ کہ گلستان کی ٹیلی فون کمپنی تمہیں گلشن آباد کے شہر دمشق آباد کیوں بھیج رہی ہے؟"

"گلستان کی کمپنی یہ کام نہیں کرا رہی ہے۔"

"تو پھر..." رُوبی بھی اب اس بے معنی گفتگو سے لطف لینے لگی تھی۔ "مت بھولو کہ مجھے معلوم ہے کہ انٹی ٹیلی فون کمپنی کی آپریٹنگ ہے۔"

"پھر تمہارے ٹیلی فون سسٹم کا ایک حصہ ہے اگر تمہارا ٹیلی فون خراب ہو جائے تو تم کس سے شکایت کرتی ہو اور اگر تمہاری ٹیلی فون لائن ٹوٹ کر پڑوس کے سوئمنگ پول میں گر جائے تو تم کس سے شکایت کرتی ہو۔ یہ ایک الگ نظام ہے لیکن میں ایک اور کمپنی کا حصہ ہوں، جس کا نام ایلیگزینڈر گراہم ڈنک ٹیلی فون کمپنی ہے اور جس کا نام انسدادِ فش کالز ہے۔"

رُوبی نے بمشکل ہنسی ضبط کی کیونکہ ٹائیگر نے یہ سب کچھ اتنی سنجیدگی سے کہا تھا کہ اگر رُوبی کی جگہ کوئی اور عورت ہوتی تو اس پر یقین کر لیتی۔

"مجھے اب بھی یقین نہیں کہ تم ٹیلی فون کمپنی کے لیے کام کرتے ہو۔" وہ مسکرا کر بولی۔

"اور مجھے بھی یقین نہیں کہ تم محض ایسے شخص سے انتقام لینا چاہتی ہو جو ٹیلی فون پر تمہیں تنگ کرتا ہے۔"

"میں تم سے مکمل کر بات کرنا چاہتی ہوں۔"

"کس نے روکا ہے۔" ٹائیگر نے دونوں ہاتھ اسٹیئرنگ سے ہٹا کر گردن کے پیچھے رکھ لیے اور نیم دراز سا ہونے لگا۔ رُوبی نے بوکھلا کر اس کے دونوں ہاتھ پکڑے اور کھینچ کر انھیں اسٹیئرنگ پر رکھ دیا۔

"ٹھیک ہے۔ اب نہیں بولوں گی، تم گاڑی چلاؤ۔" وہ زچ ہو کر بولی۔

"شکریہ!" ٹائیگر مسکرانے لگا۔

●

دمشق آباد ایسا شہر تھا جسے دیکھ کر ٹائیگر کو مایوسی ہی ہوئی۔ وہ اُسے پرانا شہر ہی لگ رہا تھا۔ عمارتیں بھی عام سی تھیں۔ اُسے ایسا ہی لگا جیسے وہ مشرقی شہر کی بجائے کسی یورپی یا مغربی شہر میں ہے۔ انھیں جس مکان کی تلاش تھی، وہ کسی کہیں نگاہ سے کم نہ تھا۔ دریا کے ساحل پر ایک سو پچاس فٹ کی بلندی پر واقع یہ مکان پشتہ نما ایک سنگی دیوار میں چھپا ہوا تھا۔ اس سنگی دیوار میں لوہے کے مضبوط دروازے بہرحال نظر آ رہے تھے۔ ہر لکڑی دروازے پر چھوٹی سی کال بیل کا بٹن لگا ہوا تھا۔ نیم پلیٹ تھی مگر اس پر کسی کا نام نہیں تھا، صرف اسٹریٹ نمبر لکھا ہوا تھا۔

ٹائیگر نے گھنٹی بجانے کے لیے ہاتھ اٹھایا مگر رُوبی نے اس کا بٹن ہاتھ پکڑ لیا۔

"میرا خیال ہے کہ ہمیں اعلان کر کے اندر جانے کی ضرورت نہیں۔" وہ دھیمے لہجے میں بولی۔

"کیا بات ہوئی بھلا... بزدل سمجھ رہی ہو مجھے۔" ٹائیگر نے بُرا سا منہ بنا کر دلسے انداز میں کہا اور دوسرے ہاتھ سے بزور دبا دیا مگر اس نے کوئی ردِعمل ظاہر نہ ہوتا دیکھ کر اس نے بٹن دوبارہ دبا دیا۔

اس مرتبہ گیٹ کے ساتھ لگے ہوئے ایک خفیہ لاؤڈ اسپیکر سے

کی بجائے سوال نکلا۔ "کون ہے؟"

"اس مکان کے مالک کا نام کیا ہے؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"مسٹر شفاعت... مگر یہ کون پوچھ رہا ہے؟"

"میں ٹائیگر نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔

"تم کون ہو، کیوں آئے ہو؟"

"میں... میں ہوں اور مسٹر شفاعت کو قتل کرنے کے لیے آیا ہوں۔"

"جاگ جاؤ، دربان پولیس کو بلایا جائے گا۔" بار بار ہو عجب سا مذاق کا احساس رُوبی کو بھی ہو گیا تھا۔

"نہیں، ایسا مت کرنا، میں انھیں قتل کرنے کے لیے بہت غصہ سے آیا ہوں۔"

"ٹھیک ہے، میں پولیس کو اطلاع دے رہا ہوں۔" لاؤڈ اسپیکر نے جواب دیا اور پھر خاموش ہو گیا۔

"بہت شاندار۔" رُوبی نے زہرخند لہجے میں تبصرہ کیا۔ "ہم ابھی تک سڑک پر ہی ہیں اور اب پولیس بھی آنے والی ہے۔" وہ اتنے غصے میں تھی کہ اس نے گیٹ کو زور سے ٹھوکر بھی مار دی۔

"فکر مت کرو۔" ٹائیگر نے اسے تسلی دی اور ساتھ ہی بائیں ہاتھ کی پانچوں انگلیوں میں گیٹ کا ہینڈل پکڑ لیا۔ اُسے جیسے ہی گرم گرم لوہے کی موجودگی کا احساس ہوا۔ اسے خود احساس نہیں تھا کہ وہ کیا کر رہا ہے کیونکہ اس نے یہ فن بہت پہلے سیکھا تھا اور آدم خور... شیلافن برگ کے واقعے کے بعد اس کو بھلا بیٹھا تھا تاہم اسے علم تھا کہ اس پورے عمل کا نتیجہ کیا نکلے گا۔

اس نے قفل کے اوپر والی آہنی پلیٹ پر دوسرے ہاتھ سے ضرب لگائی۔ اسٹیل پلیٹ ٹوٹ کر گر گئی۔ ساتھ ہی قفل کا میکنزم بھی اس کے قدموں میں آ گرا۔ اس نے دائیں پیر سے گیٹ کو دھکا دیا تو وہ کھلتا چلا گیا۔

رُوبی کچھ نہ بولی لیکن وہ خود جانتی تھی کہ اس وقت وہ کتنی خوش ہے۔ اس نے ایک عرصے بعد ٹائیگر کو ایکشن میں دیکھا تھا۔

□

اندر پارس نے ملائکہ فون ایک طرف رکھتے ہوئے علیم اور احتشام کی طرف دیکھا۔ "میرا خیال ہے کہ اب وہ اندر آ رہا ہوگا۔ کیا سب کو بلا دے کہ کیا کرنا ہے؟"

علیم اور احتشام سر ہلانے لگے۔ وہ کاؤچ کے پیچھے مشین گنیں لیے ہوئے بیٹھے تھے، جن کا رُخ مرکزی دروازے کی طرف تھا۔ پارس کے ہاتھ میں اشاریہ سہم کا میگم تھا۔ وہ ان ہتھیاروں سے ناواقف تھے اور اپنے ہی ہاتھوں میں موجود ان ہتھیاروں سے انھیں خود خوف محسوس ہو رہا تھا۔

"ٹھیک ہے پھر ہم انھیں باسانی قتل کر سکیں گے اور یہاں سے نکل جائیں گے۔"

□

تین سو میل دُور بیٹھے ہوئے شفاعت نے یہ منظر اپنی آنکھوں سے ٹی وی اسکرین پر دیکھا۔ روشن آباد والی اس کی رہائش گاہ کے ڈرائنگ روم میں تین افراد ہتھیار سنبھالے بیٹھے تھے اور خود اس کے ساتھ حاتم بیٹھا ہوا تھا۔

"میں ابھی تک یہ نہیں سمجھ پایا۔" حاتم نے اسکرین کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "میرا خیال تھا کہ آپ نے مجھے اس لیے بُلایا ہے کہ..."

"تمہیں بھی موقع ملے گا حاتم۔" شفاعت نے مسکرا کر جواب دیا۔

"تمہیں یہ تین افراد کس لیے مسنج کیے گئے ہیں؟"

"تمہیں موقع مزید ملے گا۔" شفاعت نے ذرا رُک کر جواب دیا اور ساتھ ہی اس نے ہاتھ اُٹھایا اور ریموٹ جو ایک کونے میں کھڑی ہوئی ٹیک پر اس کا منتظر تھا، اٹھا لیا۔ وہ اب تک اورنج ٹی کے تین کپ پی چکا تھا۔ خالی کپ بھرنے کے بعد وہ خاموشی سے کونے میں جا کر کھڑی ہو گئی۔ اس کی آنکھیں اب بھی اسکرین پر جمی ہوئی تھیں۔

□

رُوبی فرنٹ ڈور کی طرف بڑھنے لگی۔ اس کا ہاتھ ڈور ناب کو گھمانے کے لیے اُٹھا تھا۔

"کیا واقعی اس طرح سے اندر جاؤ گی؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"کیوں نہیں، تم اپنی موجودگی کا اعلان کر چکے ہو۔ اب پچھتانے کے لیے کچھ بھی نہیں رہا۔" رُوبی نے خوبصورت اور چھوٹا سا ریوالور نکال لیا۔ "ہمیں اچانک دیکھ کر انھیں حیرت تو نہیں ہوگی، وہ تو پہلے سے مستعد ہوں گے۔"

"ہاں... لیکن اس دروازے کی چوکھٹ پر پہنچتے ہی تمہیں ضرور حیرت ہوگی۔" ٹائیگر نے سخت لہجے میں کہا تو اس دروازے کو جان بوجھ کر لو، اتنا ہی کافی ہے۔"

"لیکن ہے کہ وہ یہ سوچ رہے ہوں کہ پولیس والی دھمکی کے بعد ہم جا چکے ہیں۔"

"ہرگز نہیں، وہ ہمارے منتظر ہیں۔"

"میں کا صیغہ کیوں استعمال کر رہے ہو؟ میرا خیال ہے کہ اندر ایک ہی آدمی ہوگا۔ لاؤڈ اسپیکر پر ایک ہی کی آواز سنائی دی تھی۔"

"وہ تین ہیں تبھی پڑیا۔" ٹائیگر کا عجیب سا لہجہ اپنی سماعت

"تمہیں کیسے معلوم ہوا؟"

"میں ان کی آوازیں سن سکتا ہوں۔"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"تم ..." روبی نے مشکوک انداز میں اس کی طرف دیکھا۔ مگر اس کا شک ابھی مکمل یقین میں نہیں بدلا تھا۔

"میری تربیت کبھی مکمل نہیں ہوگی۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ "وہ تین میں سے ایک کو یا تو دھوکے سے یا پھر وہ خوف کی وجہ سے تیزی سے سانسیں لے رہے ہیں۔"

روبی نے ٹائیگر کی طرف دیکھا اور پہلی بار اسے احساس ہوا کہ شفاف برگ کے ہاتھوں زخمی ہونے سے پہلے والا ٹائیگر اس کے سامنے کھڑا ہوا ہے۔ ٹائیگر کا چہرہ سُرخ ہو رہا تھا۔

"اور باقی دو؟" وہ سرسراتے ہوئے لہجے میں پوچھ رہی تھی۔

"ان کی سانسیں معمول کے مطابق ہیں۔ لیکن وہ بہرحال کبھی کبھی لمبی لمبی اور کبھی چھوٹی چھوٹی سانسیں لے رہے ہیں۔ اس سے ان کے اضطراب کی نشاندہی ہوتی ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ مسلح ہیں اور انہیں مسلح رہنے کی عادت نہیں۔"

"ٹائیگر!" روبی نے سرگوشی کی۔ "واپس مبارک ہو۔"

"شکریہ!" ٹائیگر نے مسکرا کر زخم پر ہاتھ رکھتے ہوئے جواب دیا اور ایک طرف لیٹی ہتھے کی طرف بڑھ گیا اور جب اس نے اپنے عقب میں نرم قدموں کی آواز سنی تو وہ مسکرانے لگا۔

عمارت کے اگلے ہی حصے میں پہنچ کر وہ رُک گیا۔ "ہم دوسری منزل پر چلیں گے۔"

"مگر!" ٹائیگر نے فوراً ہی روبی کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا... اور سرگوشی میں بولا۔ "اب ہم سرگوشیوں میں بات کریں گے۔"

"مگر تم نے تو کہا تھا کہ پچھلے حصے سے داخل ہوں گے؟"

"وہ تو ان کو سُننے کے لیے کہا تھا۔" ننھی چڑیا نے سرگوشی میں جواب دیا۔

"مگر کیوں؟"

"اس لیے کہ انہوں نے ہر طرف مائیکروفون اور کیمرے نصب کر رکھے ہیں اور میں یہ نہیں چاہتا کہ انہیں قبل از وقت ہمارے اقدامات کا علم ہو سکے۔"

"کیا تم خوفزدہ ہو؟" روبی اُسے بغور دیکھ رہی تھی۔

"ہاں! لیکن پٹنے کے لیے نہیں۔"

"ٹھیک ہے۔" روبی کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ وہ عجیب سی خوشی محسوس کر رہی تھی۔ اُسے ایسا لگا تھا جیسے اس کی رگوں میں شہد سا دوڑ گیا ہو۔ "چلو! میں تمہارے ساتھ سارا دن ہوں گی۔"

دوسری منزل کی کھڑکی کھلی ہوئی تھی لہٰذا ٹائیگر نے پہلے روبی کو کھڑکی کے راستے اندر جانے کا اشارہ کیا۔ وہ کسی بلی کی طرح کھڑکی پر چڑھی اور اندر کود گئی۔ ٹائیگر فوراً ہی اس کے پیچھے کود گیا۔ یہ کھڑکی کسی بند کمرے کی تھی۔ اس کمرے کی دیواریں، فرش، بیڈ کی چادریں اور پردے سب ہی شوخ سُرخ رنگ کے تھے۔

"لو! ایسا لگتا ہے جیسے اس کمرے کو ہیرج ہو گیا ہے۔" ٹائیگر نے بڑا سا مگر بنا کر تبصرہ کیا۔

"مگر اگر مجھے پسند آیا۔" روبی اُسے چڑانے کے لیے بولی۔ "تو میں سُرخ رنگ کا آتشدان لگوانے سے متعلق اُسے بھی پسند نہیں کیا تھا۔"

"یقیناً! اس کمرے میں اگر کسی بکرے کو لاکر ذبح بھی کر دو تو کہیں خون کا قطرہ تک نظر نہیں آئے گا۔ میں تمہیں یہاں ذبح کر دوں تو کیسی رہے گی؟"

"شکریہ! میں تمہارے ساتھ ماری ماری پھرنے کی بجائے ذبح ہی کو ترجیح دوں گی۔" روبی نے خشک لہجے میں جواب دیا تو ٹائیگر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ یہ دروازہ ایک بالکونی میں کھلتا تھا جس سے ڈرائنگ روم صاف نظر آ رہا تھا۔

ٹائیگر نے روبی کو خاموش رہنے کا اشارہ کرتے ہوئے بالکونی میں ٹہلنا اور نیچے دیکھنے لگا۔ روبی بھی نیچے ہی دیکھ رہی تھی جہاں ڈرائنگ روم کے صوفوں اور کرسیوں کے پیچھے تین مسلح افراد پوزیشن لیے ہوئے بیٹھے تھے۔ ان کا رُخ شیشے کے سلائیڈنگ ڈور زکی طرف تھا جو باہر کھلتا تھا اور جہاں سے سامل نظر آ رہا تھا۔

روبی نے کچھ کہنا چاہا مگر حالات کی نزاکت کا احساس کر کے خاموش رہ گئی۔ ٹائیگر کو ریلنگ کی طرف جاتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ اُس کے چہرے پر مسرت کے تمام جذبے تھے کیونکہ ٹائیگر کے بیروں کا انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ فرش پر نہیں، مسلسل فضا میں اُڑ رہے ہیں۔ ٹائیگر ریلنگ تک گیا اور وہاں سے اس نے پندرہ فٹ نیچے ڈرائنگ روم میں چھلانگ لگا دی۔ وہ ایک صوفے پر پیروں کے بل ہی گرا۔ وہاں سے اس نے الٹی زقند بھری اور وہ مسلح افراد کے درمیان پہنچ گیا۔ ابھی وہ حیرت سے اُسے دیکھ ہی رہے تھے کہ آسمان سے گرنے والے اس شخص نے ان سے گنیں چھین لیں۔

کرسی کے پیچھے موجود شخص نے آوازیں سُن لیں۔ اس نے اپنی میگنم فائر کرنے کے لیے بلند کی لیکن اس سے قبل کہ وہ مزید کچھ اور کرتا۔ ٹائیگر نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "میگنم چھین لی۔ اب وہ تین خطرناک ہتھیار سنبھالے ہوئے ان کے سامنے کھڑا ہوا تھا۔ تاہم وہ ہاتھوں میں تین ہتھیار بہت عجیب لگ رہے تھے۔

"کیا ہوا؟" بالکونی سے روبی نے چلا کر پوچھا۔

"کچھ بھی نہیں سب ٹھیک ہے۔" ٹائیگر نے جواب دیا اور پھر ان تینوں کی طرف دیکھ کر بولا۔ "اگر آپ حضرات صرف ایک منٹ کے لیے بیٹھیں تو میں یہ تینوں ہتھیار چیک کر لوں۔"

وہ تینوں سر ہلانے لگے اور ٹائیگر تینوں ہتھیار ایک کونے میں چیک کر کے ہاتھ جھاڑنے لگا۔ "ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ ہتھیار کو نے میں ڈالنے کا مطلب یہ نہیں کہ تم میں سے کوئی بھی پک کر انہیں اٹھانے کی کوشش کرے۔ اگر کسی نے بھی یہ کوشش کی تو وہ کونے تک پہنچنے سے قبل ہی اس دُنیا سے رخصت ہو جائے گا۔"

اسی لمحے روبی تقریباً دوڑتی ہوئی زینے سے اتر آئی۔ اس کے ہاتھ میں پستول تھا۔ اُسے خدشہ تھا کہ کہیں وہ تینوں موقع پا کر ہتھیار حاصل نہ کر لیں۔

"کوئی اپنی جگہ سے حرکت نہ کرے۔" روبی نے غرا کر کہا۔

"یہ حرکت کرنا نہیں چاہتے مس روبی۔" ٹائیگر نے عجیب سے خوفناک لہجے میں جواب دیا۔ "اپنا پستول چھپا لو۔" یہ کہہ کر وہ ان تینوں کی طرف پلٹا۔ "نام بتاؤ۔"

"تم کون ہو؟" کرسی کے پیچھے چھپے ہوئے شخص نے پوچھا۔

"میں؟" ٹائیگر نے وہ کرسی ہی کھینچ کر وہ ٹکڑے کر دی۔ "اگلا سوال۔" وہ غرایا۔

"پپ... پارس!"

"ہوں۔" ٹائیگر ہنکارا سا کر باقی دو کی طرف دیکھنے لگا جو اب کانپنے لگے تھے۔

"حلیم!"

"احتشام!" تیسرے نے مشکل کہا۔

"کیا ان میں سے کسی کی آواز اس شخص سے ملتی جلتی ہے، جو تمہیں فون کر کے تنگ کرتا تھا؟" روبی نے پوچھا۔ اس کی نظریں مسلسل ان تینوں پر جمی ہوئی تھیں۔

"میں نے ان کی کپکپاتی ہوئی آواز ہی سُنی ہے شہزاد... ذرا زیادہ گفتگو کرو۔"

"تم کون ہو؟" پارس اب بھی اس طرح بیٹھا ہوا تھا جیسے اس کے گلے کرسی رکھی ہوئی ہو۔

"بکو مت، کوئی کہانی سناؤ۔"

"کہانی؟ کیسی کہانی؟"

"کوئی بھی... اسکول کے زمانے میں کوئی کہانی یاد تو کی ہوگی۔"

"نن... نہیں یاد رہی۔"

"گڈ! میرے سنی بھائی ہو۔ مجھے بھی یاد نہیں۔" ٹائیگر نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔ پھر اس نے روبی کی طرف دیکھ کر پوچھا اور جواب نفی میں ملنے پر احتشام کی طرف گھورنے لگا، جو اپنی داڑھی پر بار بار ہاتھ پھیر رہا تھا۔

"نام بتاؤ۔ میں بھول جاتا ہوں۔"

"احتشام۔"

"گھر کا پتا؟"

"۱۰۸۰، مرشد آباد نمبر ۳۔" احتشام نے فوراً جواب دیا۔

"علامہ اقبال کی کوئی نظم سناؤ۔"

"نن... نظم...!" احتشام گھبرا گیا۔ "مجھے تو یاد نہیں۔"

"بکو مت..." روبی، ٹائیگر نے روبی کی طرف دیکھا جو نفی میں سر ہلا رہی تھی۔

"اچھا... اب تم ہی بچے ہو۔" ٹائیگر حلیم کی طرف پلٹ گیا۔ "شاید تمہیں کوئی نظم یاد ہو۔"

حلیم کو جب پتا چلا کہ دعا کے دو پورے شعر یاد تھے، وہ فوراً ہی شروع ہو گیا۔

"ہیں؟" روبی نے ٹائیگر کے سوال سے قبل ہی جواب دے دیا۔

"اب تم تینوں یہ بتاؤ گے کہ شقاوت کون ہے؟" ٹائیگر کا لہجہ اور انداز اچانک ہی بدل گیا۔

"اس سے ہماری صرف ایک بار ملاقات ہوئی ہے۔ ہم اس سے اچھی طرح واقف بھی نہیں۔" پارس کے اس جواب پر ٹائیگر نے احتشام اور حلیم کی طرف دیکھا جو پارس کی تائید میں سر ہلا رہے تھے۔

"تب پھر تم ہمیں ٹارگٹ کرنے کی کوشش میں یہاں کیوں بیٹھے ہوئے تھے؟"

"اس لیے کہ میں اپنی ماں کو ہڈیاں مار مار ہلاک کرنا پسند نہیں کرسکتا مسٹر!"

"اور... اور... میں کسی لاش کی بے حرمتی نہیں کرسکتا۔" حلیم نے بھی وجہ بتانے میں سستی کا مظاہرہ نہ کیا۔

"مجھے فش فلیوں میں کام کرنا پسند نہیں۔" احتشام نے بڑی نفرت سے کہا۔ اس نے بھی وجہ بتا دی تھی۔

اس وجوہ کا تفصیلی پس منظر معلوم کرنے میں ٹائیگر کو ایک منٹ لگ گیا۔ اسی طرح اندازہ ہو گیا کہ وہ اسے صرف قتل کرنا چاہتے تھے اور یہ بھی کہ وہ اس کو جانتے تک نہیں۔

"شقاوت کو میرے قتل کی خبر کس طرح دینی تھی؟" اس نے اس بار نرم لہجے میں پوچھا۔ اسے خوشی تھی کہ ان تینوں کو قتل کرنے کا کوئی ٹھوس جواز اس کے پاس نہ تھا۔

"اس بارے میں ہمیں کوئی ہدایت نہیں ملی تھی۔" پارس نے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

دھیمے بلکہ کمزور لہجے میں جواب دیا۔

"اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کمرے میں بھی مائیکروفون اور کمرے دیکھ چھپے ہوئے ہیں" رُدبی" ٹائیگر نے بڑے اطمینان سے اِدھر اُدھر دیکھ کر اپنی رائے کا اظہار کیا۔ "شاید وہ یہ منظر دیکھ رہا ہو" پھر وہ پارس، علیم اور احتشام کی طرف پلٹا۔ "اب تم تینوں جا سکتے ہو"

"کیا مطلب؟" پارس اُچھل پڑا۔

"کیا تم ہمیں پولیس کے حوالے نہیں کرو گے؟" احتشام کی آنکھیں مارے حیرت کے پھٹی رہ گئی تھیں۔

"نہیں، تم لوگ جا سکتے ہو" ٹائیگر نے جواب دیا۔ اُس نے علیم کی طرف دیکھا جس کی آنکھوں میں بے چینی سی تھی۔

"میں کچھ کہنا چاہتا ہوں" علیم نے گردن سہلاتے ہوئے کہا۔

"بولو" ٹائیگر کا لہجہ نرم تھا۔

"شفاعت نامی اُس شخص کو میں نے یہ کہتے ہوئے سنا تھا کہ قاضی گڑھ میں اس کا مکان ہے اور یہ کہ وہاں اس سے ملنے کے لیے کچھ لوگ آنے والے ہیں"

"شکریہ دوست!" ٹائیگر نے اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "تم نے بہت کام کی بات بتائی ہے بہت شکریہ"

⊙

"تیار ہو جاؤ تم" شفاعت نے اسکرین سے نظریں ہٹائے بغیر کہا۔ "میں نے کہا تھا نا کہ تمہیں بھی موقع ضرور ملے گا۔ وہ جلد ہی یہاں پہنچنے والا ہوگا"

"میں ہر وقت تیار رہتا ہوں مسٹر شفاعت" حاتم نے سینہ پھلا کر جواب دیا۔

"یہی تمہارے حق میں بہتر بھی ہے" شفاعت نے اس بار مُسکرانے کی زحمت بھی نہ کی تھی۔ حاتم چلا گیا اور مارسیا کمرے میں چلی آئی۔ وہ انگیٹھوں جیسی ڈانگری میں تھی "کیا وہ فرار ہو گیا؟" اس نے پوچھا

"ہاں" شفاعت نے دونوں ہاتھ سینے پر رکھ لیے۔

"آخر وہ ہے کون؟"

"سرکاری جاسوس! یہ میری اپنی رائے ہے اور ممکن ہے کہ غلط نکلے" شفاعت نے سر کھجاتے ہوئے جواب دیا۔

"تب پھر اس کا فرار ہونا انتہائی خطرناک ثابت ہو سکتا ہے" مارسیا بھی سرکاری جاسوسوں کی اہمیت سے اچھی طرح واقف تھی۔

"نہیں، مجھے اس کے فرار کا پہلے ہی یقین تھا۔ اب وہ یہاں آئے گا اور حاتم اس کھیل کو ختم کر دے گا"

"اگر حاتم بھی ناکام ہو گیا تو؟"

"حاتم کبھی ناکام نہیں ہوا مارسیا ڈارلنگ!"

"لیکن فرض کرو... اگر حاتم بھی ناکام ہو گیا تو کیا ہوگا؟"

"تو کچھ بھی نہیں ہوگا شفاعت نے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے جواب دیا۔ "دُنیا کو ویسے بھی تباہ ہونا ہے"

"آہ تباہی...!" مارسیا ایک سسکی لے کر بولی۔ "میں تباہی کا مزید انتظار نہیں کر سکتی شفاعت، جلدی کرو"

⊙

"میں نے پتا چلا لیا ہے کہ وہ کون ہے؟"

"کون ہے وہ؟" بہرام نے پوچھا۔ اُس کے کمپیوٹروں نے شفاعت کی اس رہائش گاہ کا پتا تلاش کیا تھا، جہاں علیم، احتشام، پارس سے ٹائیگر کی مڈبھیڑ ہو گئی تھی۔

"شفاعت!" ٹائیگر نے بتایا۔

"شفاعت!" بہرام نے نام دُہرایا "وہ کیا ہے؟"

"وہ شفاعت ہے اس کے علاوہ مجھے اور کچھ معلوم نہیں" وہ نے کہا "لیکن ہمیں یہ معلوم ہے کہ اب وہ کہاں ہوگا"

"ہمیں" بہرام نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں... ہمیں... تمہارا مسلط کردہ عذاب رُدبی بھی میرے ساتھ

"اچھا" بہرام بہت دنوں بعد بے ساختہ طور پر مُسکرایا تھا "کیا اسے واپس بُلا لوں؟"

"وہ شفاعت کو اس کی آواز سے پہچان سکتی ہے جبکہ میرے پاس شفاعت کو پہچاننے کا کوئی طریقہ نہیں" ٹائیگر نے براہ راست کوئی جواب نہیں دیا۔

"لیکن تمہیں اُس کا نام تو معلوم ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اگر وہ تمہارے سامنے آگیا تو تم اسے پہچان لوگے میرا خیال ہے کہ رُدبی کو یہاں واپس بھیج دینا ہی دوسرے بھی اہم کام کرنے میں"

"ٹھیک ہے بھیج دوں گا" ٹائیگر نے فیصلے انداز میں کہا۔

"خیر جیسی تمہاری مرضی" بہرام آج بہت خوش ہو رہا تھا جیسا کہ شفاعت کا یہ ٹھکانہ معلوم ہے؟"

"میں نے سُنا ہے کہ قاضی گڑھ میں بھی اُس کا مکان ہے۔ اب کمپیوٹروں کو استعمال کریں تاکہ مجھے درست معلوم ہو سکے"

"کوشش کرتا ہوں" بہرام نے یہ کہتے ہوئے کمپیوٹروں سے بٹن دبانے شروع کر دیے۔ "کیا تمہیں علم ہے کہ مجھے شفاعت کے دوسرے گھر کا پتا کس طرح معلوم ہوا تھا؟"

"نہیں"

"جاننا چاہتے ہو؟" بہرام کی نظریں اپنے ٹیبل ٹاپ پر

"کیا ضرورت ہے؟"

"سنو!" بہرام کو اس کے اس جواب پر واقعی غصہ آگیا "قاضی گڑھ کا پتا مل گیا ہے، ممکن ہے اُسی کا ہو"

"میں اس پتے پر قسمت آزمائی کروں گا" ٹائیگر نے بڑی متانت سے جواب دیا۔ وہ جانتا تھا کہ بہرام اس وقت غصے میں ہے۔

"مجھے بہرام نے پتا لکھوایا جس کو ٹائیگر نے لکھنے کی بجائے ذہن میں محفوظ کر لیا "شفاعت کا پس منظر بہت دلچسپ ہے کیا تم اُس سے واقف ہونا پسند کرو گے؟"

"نہیں"

"میں سمجھا نہیں" بہرام اس دو ٹوک بیان پر ششدر رہ گیا۔

"ٹھیک ہے"

"کیا ٹھیک ہے؟" بہرام اب پہلو بدلنے لگا تھا

"سنو! تم نے پوچھا تھا کہ کیا میں شفاعت کے پس منظر میں دلچسپی لیتا ہوں۔ میں نے جواب دیا نہیں، کیا یہ اتنی ہی پیچیدہ بات ہے کہ تمہاری سمجھ میں نہ آسکے؟"

"نہیں، میں سمجھ گیا" بہرام نے اس بار دھیمے لہجے میں جواب دیا۔ "لیکن یاد رکھو کہ شفاعت گو شتہ دنوں میں جنگ علیم سوئم کو بہت قریب لا چکا تھا۔ اس کے خلاف انتہائی اقدامات کی ضرورت ہے"

"کیا تم اُس کو اپنی ہتھی میں دیکھنا پسند کرو گے؟"

"میں یہ چاہتا ہوں کہ وہ دوبارہ ایسی حرکت نہ کر سکے"

"ٹھیک ہے میں سمجھ گیا، خدا حافظ"

⊙

"ٹھیک ہے میں جا رہی ہوں" رُدبی پیر پٹخ کر بولی۔ وہ غصے میں ٹائیگر کو بہت اچھی لگ رہی تھی۔

"نہیں تم نہیں جاؤ گی، اس مسئلے کو میں خود حل کروں گا"

"فکر نہ کرو میں جاؤں گی، یہ میرا فیصلہ ہے"

"میں کہہ چکا ہوں کہ تم نہیں جاؤ گی"

"اگر میں پھر بھی جاؤں تو تم کیا کر لوگے؟" وہ چیخ پڑی "کیا مار ڈالو گے مجھے؟"

"تمہارا قتل مشکل ثابت نہیں ہوگا" ٹائیگر نے دونوں ہتھیلیوں پر کہنیوں کو جواب دیا "لیکن اتنی زور سے مت چیخو، کان کے پردے پھٹ جائیں گے، ویسے جا کر دیکھو"

"اگر میں جاؤں تو...؟" رُدبی معافی دینے پر آمادہ ہو گئی تھی۔ اُوشان نے اُسے ایک بار بتایا تھا کہ اس کی چیخ و پکار ٹائیگر کے دماغ میں گھس کر ہر خلیے تک اُتر جاتی ہے جس کا منفی اثر بھی ہو سکتا ہے۔

"تب پھر تم میرے ساتھ چلو گی" ٹائیگر نے رُدبی کو بغور دیکھتے ہوئے کانوں سے ہاتھ ہٹا لیے۔ اُس نے ایسا صرف یہ یقین کر لینے کے بعد ہی کیا تھا کہ رُدبی اب چیخے گی نہیں۔

"اور تم گاڑی احتیاط سے چلاؤ گے"

"وعدہ" ٹائیگر نے بڑے خلوص سے جواب دیا لیکن وہ فیصلہ کر چکا تھا کہ رُدبی کو اس ہٹ دھرمی کی سزا ضرور دے گا۔ وہ اس سشن کے خاتمے پر گھر کے راستے میں کہیں چھوڑ دے گا تاکہ وہ ٹیکسی کی تلاش میں زچ ہو جائے۔

⊙

حاتم قاضی گڑھ والے مکان میں تنہا تھا۔ یہ مکان سمندر کے قریب تھا اور اُس کے دونوں طرف ساحلی شاہراہ اعظم پھیلی ہوئی تھی۔ ڈرائیو وے سے قبل ایک بلند و بالا آہنی گیٹ تھا... اور ڈرائیو وے کے خاتمے پر مکان میں داخلے کا دروازہ تھا، جو گیٹ ہی کی طرح مضبوط اور ناقابل تسخیر تھا۔

حاتم کو یہاں چھوڑتے وقت مارسیا نے مرکزی گیٹ کھلا چھوڑ دینے کی تجویز رکھی تھی، جو شفاعت نے یہ کہہ کر مسترد کر دی تھی کہ گیٹ مقفل ہو یا کھلا ہوا، دروازے اُسے نہیں روک سکتے۔ ویسے بھی اگر دروازہ کھلا ہوا ملا تو وہ یہی سمجھے گا کہ اس کے لیے کوئی جال بچھایا گیا ہے۔ "تمہارا کیا خیال ہے حاتم؟"

"درست، تم ٹھیک کہتے ہو" حاتم نے جواب دیا تھا۔ اُس نے بالائی منزل کے بیڈ روم کو ہیڈ کوارٹر بنایا تھا۔ یہاں کی کھڑکیوں سے اُسے پوری عمارت اور اردگرد کا علاقہ نظر آرہا تھا جب کہ وہ خود باہر سے نہیں دیکھا جا سکتا تھا۔

"فرض کرو کہ وہ سمندر کی طرف سے آئے؟" مارسیا نے اپنے خدشے کا اظہار کیا تھا۔ اس وقت اُس کی زُلفیں جوڑے کی شکل میں گُندھی ہوئی تھیں۔

"حاتم کے پاس ٹی۔ وی مانیٹر موجود ہے، اس پر سمندر سے آنے والے راستوں پر نظر رکھی جا سکتی ہے" شفاعت نے ٹی۔ وی کی طرف اشارہ کر کے جواب دیا جس کے اسکرین پر اس وقت بھی سمندر کا پھیلا علاقہ نظر آرہا تھا۔

"میں پوری طرح مطمئن ہوں" شفاعت نے حاتم نے اُسے تسلی دی۔ وہ تھری پیس سوٹ پہنے ہوئے تھا جس کی جیکٹ کے تمام بٹن بند تھے۔ "ویسے تم لوگوں نے قتل شادی دیکھنے کے لیے موجود رہنے کو ترجیح کیوں نہیں دی؟"

"ہم جہاں جا رہے ہیں، وہاں بھی ٹی۔ وی مانیٹر پر یہاں کے

تم مناظر دیکھ سکتے ہیں۔ مجھے کی۔ وی پر تماشا دیکھنے میں زیادہ مزہ آتا ہے۔ حاتم طے شقاوت نے منہ بنا کر جواب دیا۔

"بری گڈ! اب پھر تم میرے لیے بھی ویڈیو بنا لینا۔" حاتم نے زبان ہونٹوں پر پھیر کر درخواست کی۔

"تمہیں ٹرین بہتا ہوا دیکھ کر خوشی ہوتی ہے نا؟" شقاوت نے پوچھا لیکن حاتم نے اس سوال کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کو شقاوت ناہی یہ شخص نرا احمق نظر آتا تھا۔ اسے یقین تھا کہ شقاوت کو نہ تو یہ علم ہے کہ خون کسے کہتے ہیں اور نہ ہی اس کا اندازہ کہ موت کیا ہوتی ہے' کس طرح آتی ہے۔ اُسے یہ بھی علم نہیں کہ گولی جب دل میں اُترتی ہے تو مقتول کیا محسوس کرتا ہے۔

اُن کی گاڑی نظروں سے اوجھل ہونے کے بعد اُس نے ایک طویل سانس لی اور آنے والے لمحوں کی لذت ابھی سے محسوس کرنے لگا۔ اُسے خوشی تھی کہ وہ تنہا ہے اور وہ سوچ رہا تھا کہ گولیاں کہاں کہاں مارے گا۔ اُسے بتایا گیا تھا کہ مرد زیادہ اہم ہے لہٰذا اُس نے فیصلہ کیا کہ پہلے مرد ہی کو قتل کرے گا۔

حاتم رُدبی کی فوری موت میں دلچسپی نہیں رکھتا تھا۔ ویسے بھی وہ موت برائے موت کے فلسفے کا قائل نہیں تھا۔ اس کے نزدیک قتل برائے لذت کا اصول بہت اہمیت رکھتا تھا۔

شام کے سائے پھیل ہو گئے تو حاتم نے ایک خوبصورت منہ وقتی سے ٹیلی اسکوپ نکال کر اپنی رائفل پر چڑھایا اور ٹیلی اسکوپ کو ممکنہ حد تک سو فیصد درست فائرنگ پوزیشن پر سیٹ کر لیا۔ اس ٹیلی اسکوپ کی خوبی یہی تھی کہ اس کی مدد سے نیم تاریکی میں بھی دیکھا جا سکتا تھا اور نیم تاریکی کا وہ منظر اس ٹیلی اسکوپ میں ایسا ہی لگتا تھا جیسے دوپہر کا منظر دیکھا جا رہا ہو۔

وہ رائفل کو گود میں رکھ کر انتظار کرنے لگا۔ سہایت اچھی طرح یاد تھی: "پہلے مرد کو قتل کرنا ہے۔"

ⓓ

بہرام نے اس رپورٹ کی طرف دیکھا جو اُس کے کمپیوٹر نے ابھی ابھی شقاوت کے بارے میں اُگلی تھی۔

"ذہین' انتہائی ذہین لیکن ذہنی اعتبار سے گمراہ و غیر مستحکم۔" کمپیوٹر نے اُس جائداد کی بھی تفصیل بتائی تھی۔ جو شقاوت کی تھی اور اُن کمپنیوں کے نام بھی بتا دیے تھے۔ جن میں شقاوت نے سرمایہ کاری کی تھی۔

رپورٹ کے آخری پیراگراف میں ایک مختصر سا اضافہ موجود تھا۔

"ایک برطانوی کمپیوٹر میں اتنی سنگین خرابی پیدا ہو گئی کہ فروری حکومت اتحاد سے علیحدگی اور بھرت لینڈ سے معاہدۂ دوستی کرنے کے لیے اعلان نامے کا مسودہ تک تیار کر بیٹھی تھی۔ اس بھیانک غلطی کا بروقت پتا چل گیا۔ ورنہ حالات ابتر ہو سکتے تھے۔ عام خیال یہ ہے کہ اس غلطی کی وجہ فیصد قصے داری شقاوت پر عائد ہوتی ہے' جس نے برطانوی حکومت کے کمپیوٹر میں کسی نہ کسی طرح اور کسی نہ کسی قسم کی مداخلت کی تھی۔"

"ہوں!" بہرام بڑبڑایا۔ کرسی چند یا پر ہلنے لگا۔

"ایک ذہین گمراہ اور ذہنی طور پر غیر مستحکم شخص کھیل ہی کھیل میں تیسری جنگ عظیم کا خطرناک ترین کھیل بھی شروع کرنے والا ہے۔" وہ دُہرا رہا تھا کہ ٹائیگر یہ کھیل شروع ہونے سے قبل ہی اپنا کام مکمل کرے۔ ورنہ... اس ورنہ کے بعد بہرام کچھ سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

ⓓ

ٹائیگر نے بہرام کی ہدایت کے مطابق رُدبی سے مچھلی حاصل کرنے کے لیے پٹرول لینے کے بہانے گاڑی پمپ پر روکی۔ "مجھے ذرا باتھ روم تک جانا ہے رُدبی۔"

"میں بھی چلوں گی۔" حسب توقع رُدبی کا جواب دو ٹوک تھا... دونوں ایک ساتھ گاڑی سے اُترے۔ رُدبی لیڈیز روم میں چلی گئی اور ٹائیگر جینٹس روم میں۔ ایک ہی لمحے بعد وہ واپس نکلا۔ تیزی سے گاڑی میں گھسا لیکن بھی اُس نے گاڑی سیکنڈ گیئر ہی میں ڈالی تھی کہ رُدبی نے عقب سے اُس کی گردن دبوچ لی۔

"مُنہ بند تلاؤ!" رُدبی کا لہجہ انتہائی خونخوار تھا۔ "اگر تم نے آئندہ ایسی کوشش کی تو میں تمہارا اگلا مزدور گھونٹ دوں گی سمجھے؟"

لہٰذا اب وہ شقاوت کے قاتلی گروہ والے مینشن کے مقفل صدر دروازے پر ٹھہرے ہوئے تھے۔ ٹائیگر نے قفل کو ہتھیلی میں رکھ کر تولا۔ پھر اس کو انگلیوں سے جکڑ لیا۔ اب وہ کلائی کو جھٹکا دینا ہی چاہ رہا تھا ایک ہلکے سے "اُس" نے کلائی کو جھٹکا دیا اور قفل کھٹ کی ہلکی سی آواز کے ساتھ ٹوٹ گیا پھر گیٹ کھلنے میں چوں چرا تک نہ کی۔

"میرا خیال ہے کہ تم باہر ہی رہو۔" اُس نے رُدبی کو بڑی سنجیدگی سے مشورہ دیا۔

"کیوں؟" رُدبی اب بھی برہم تھی۔

"اس لیے کہ اندر بہت سے خطرات ہو سکتے ہیں۔"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"تم رُدبی سے مخاطب ہو مسٹر۔ وہ چڑ کر بولی۔ "میں عام عورت نہیں ہوں۔ کیا تم مجھ سے واقف نہیں ہو؟"

"ایک منٹ۔" ٹائیگر گھبرا گیا کیونکہ رُدبی اب چلانے کے لیے اسٹارٹ نے چکی تھی۔ "یہ خصوصیت' میرے ساتھ مزدوری لیکن چیز' تمہارا بنا۔"

"میرے پاس ریوالور موجود ہے۔" وہ بڑا سا منہ بنا کر بولی۔

"اسی لیے کہہ رہا ہوں کہ بار بنا اگر تم نے غلطی سے گولی چلا دی اور گولی مجھے لگ گئی تو پھر تم تنہا رہ جاؤ گی۔"

"میں تمہیں غلطی سے کبھی گولی نہیں ماروں گی شہزاد صاحب!" رُدبی کا لہجہ خمار آلود سا ہو گیا۔ "جب بھی ماروں گی جان بوجھ کر ماروں گی۔" یہ کہتی ہوئی رُدبی ٹائیگر کے پیچھے لپک گئی جو سنگی راستے تک لے جانے والی جنہ سیڑھیوں کی طرف بڑھ چکا تھا۔

●

"شاندار!" حاتم کے چہرے پر عجیب سی مسکراہٹ دوڑ گئی۔ دونوں اب سیڑھیوں پر پہنچ چکے تھے۔ اس نے رائفل کندھے سے لگا کر سیدھی کی۔ ٹیلی اسکوپ ذہنی لگے کو روشنی میں بدل ڈالا۔ اُسے وہ دونوں عاقب نظر آ رہے تھے۔

"شاندار!" وہ اس بار واقعی نکوس کر مسکرایا تھا۔ "پہلے مرد..." پہلوں میں ران تے اوپر لگنے والی ایک ہی گولی اُسے مفلوج کر دے گی پھر میں عورت کو ایک ہی گولی مار کر ختم کر دوں گا۔ اس کے بعد مرد کو ہلاک کروں گا۔ وہ فیصد کر چکا تھا۔

ⓓ

"اوپر پہنچ دیکھنا، بالائی منزل کی کمرے کی میں کوئی موجود ہے۔" ٹائیگر نے رُدبی کو خبردار کیا۔ اس کا لہجہ نرم ہی رہا تھا۔

رُدبی نے لاشعوری طور پر سر اُٹھانے کی کوشش کی لیکن ٹائیگر نے عین وقت پر کلائی پکڑ کر اسے کھینچ لیا۔

"میں نے کہا تھا کہ اوپر مت دیکھنا۔" وہ غرا کر بولا۔

"مجھے اوپر والی کھڑکی میں کوئی نظر نہیں آیا۔" رُدبی نے اس کے لہجے کو نظر انداز کر کے جواب دیا۔

"تم دیکھ بھی نہیں سکتیں۔ عام سے انداز میں چلتی رہو۔" ٹائیگر نے خشک لہجے میں ہدایت کی اور کلائی چھوڑ دی۔ ابھی وہ چند ہی قدم چلے تھے کہ اچانک ٹائیگر نے رُک کر رُدبی کا بازو پکڑ لیا۔

"کیا ہوا؟" رُدبی جھنجلا اٹھی۔

"شش!" ٹائیگر کو اپنے جسم میں برقی لہریں فوراً محسوس ہونے لگی تھیں۔ اسے پوری طرح یہ اندازہ نہ ہوا تھا کہ دباؤ کیا ہے لیکن ایسا لگ رہا تھا جیسے اُس کی ران کے بالائی حصے پر کوئی دائرہ مرتکز ہے۔

کسی نے رائفل یا پستول ہم پر تان رکھا ہے۔" وہ سرسراتے ہوئے لہجے میں بولا۔

"لیکن تمہاری چیٹی جس ابھی حاسرہ دشمن کے مقابلے کی نہیں ہوئی ہے۔" رُدبی نے زہر خند انداز میں تبصرہ کیا تھا۔

"بکو مت' دیکھتی رہو' انتظار کرو' انتظار کرو... یہ...!" اس نے اچانک ہی رُدبی کو ایک طرف دھکا دیا۔ اسی لمحے گولی چلنے کی آواز سنائی دی۔ رُدبی زمین پر گر پڑی اور بھیڑ جیسوں کے انداز میں سیدھی کود کر ایک طرف کو ہوئی ایک بڑے پتھر کی اوٹ میں چلی گئی۔

ٹائیگر نے وہ قلابازیاں کھائی تھیں۔ اُسے آخری وقت احساس ہوا تھا کہ کوئی اُس کی ران کا نشانہ لے کر فائر کرنے والا ہے اور یہ احساس ہوتے ہی اُس نے رُدبی کو دھکا دے کر خود قلابازی کھائی تھی۔ وہ سنگی راستے پر بہت زور سے گرا تھا۔

"شہزاد!" پتھر کی آڑ سے رُدبی چلائی۔ اُس نے اُٹھنے کی کوشش کی مگر اُسے اسی وقت ٹائیگر کی آواز سنائی دی۔

"وہیں رہو اگر غنیمت سمجھتی ہو جانے تب بھی وہاں سے نہ نکلنا۔"

ⓓ

حاتم نے آواز سنی تھی۔ نامزد سنگی راہ پر پڑا ہوا تھا۔ وہ ساکت تھا۔ اس کی دائیں ران عجیب بے ہنگم انداز میں جسم کے نیچے بچھی ہوئی تھی۔ حاتم کو یقین تھا کہ اس کا نشانہ خطا نہیں گیا لیکن اُسے عورت کی فکر تھی۔ جو پتھر کی آڑ میں موجود تھی اور اس وقت حاتم اُسے نہیں دیکھ سکتا تھا۔

وہ چند لمحوں تک انتظار کرتا رہا۔ رائفل بدستور فائرنگ پوزیشن میں موجود رہی اگرچہ وہ اپنے پروگرام میں کسی قسم کی تبدیلی پسند نہیں کرتا تھا لیکن اس وقت تبدیلی مجبوری بن گئی تھی۔ اب اُس نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ پہلے مرد کا قصہ تمام کر کے ہی عورت سے نمٹے گا۔

اس نے ٹائیگر کی طرف دیکھا۔

"اس بار بائیں ران' جو صاف نظر آ رہی ہے۔" حاتم نے فیصلہ کیا۔

ⓓ

ٹائیگر کو دوسری گولی چلنے سے قبل ہی اس کا احساس ہو گیا اور اُس نے سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں گولی کی سمت اور نشانے کا بھی اندازہ لگا لیا۔ اس نے فوراً جسم کو زوردار جھٹکا دیا۔ گولی اسی وقت اُس کی بائیں ران کے نیچے پتھر میں پیوست ہو گئی اور وہ اس طرح گولی پر گرا جیسے بائیں ران بھی زخمی ہو گئی ہو۔

"نہیں!" رُدبی تڑپ اٹھی۔ ٹائیگر تڑپ رہا تھا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

حاتم نے ایک لمحے کے لیے سوچا کہ اس بدلاس شخص کے کانوں کی نویں اُڑا دی جائیں لیکن پھر اُس نے یہ ارادہ ترک کر دیا۔ اُسے نہ جانے کیوں اس بار اس کھیل میں لُطف نہیں آ رہا تھا۔ اصل وجہ عورت تھی، جو اب بھی پتھر کی آڑ میں تھی اور جس نے مرد کے گولی لگنے پر زور سے نہیں کہا تھا، شاید وہ رو رہی تھی۔

دل میں گولی مار دوں اور پھر عورت کو پکڑ کر زندہ رکھ دوں؟ حاتم نے سوچا۔ ممکن ہے عورت کے قتل سے زیادہ لُطف آئے۔

اُس نے رائفل سے ٹائیگر کے سینے کا نشانہ لے کر لبلبی دبا دی۔ اُس کے چہرے پر اس وقت بڑی سنجیدگی تھی۔

●

رُوبی نے دوسری منزل کی کھڑکی سے گولی کا شعلہ نکلتا دیکھا اور پھر آواز سُنی۔ وہ تیزی سے مڑ کر ٹائیگر کی طرف دیکھنے لگی۔ ٹائیگر بہت زور سے اُچھلا، دو تین بار تڑپا اور پھر ساکت ہو گیا۔ اُس کے ہاتھ پیر پھیلے ہوئے تھے۔

رُوبی کو یوں لگا جیسے کسی نے تیز دھار خنجر سے اُس کے دل میں درجنوں سوراخ کر دیے ہوں۔ وہ اپنی جگہ ساکت تھی۔ اُس کی آنکھیں خشک تھیں، پلکیں تک نہیں جھپک رہی تھیں۔

حاتم کو بھاگ دوڑ پسند نہ تھی لیکن اُس کی گولی پتھر سے گزر کر عورت تک نہیں پہنچ سکتی تھی لہٰذا اُسے مکان سے نکلنا پڑا۔ اُس نے پہلے لاش کی طرف دیکھا تو اُسے بہت مایوسی ہوئی۔ رائفل اور دل میں تین گولیاں پیوست ہونے سے اُس کی بھوک نہیں مٹی تھی۔ اُسے یہ سب کچھ بے لُطف اور بے مزہ لگ رہا تھا۔ وہ اپنے آپ سے بھی مطمئن اور خوش نہ تھا۔

وہ چھوٹے چھوٹے قدم اُٹھاتا ہوا گزرگاہ تک آیا۔ اُس نے اس حصے کے پیش نظر رائفل تان رکھی تھی کہ کہیں عورت مسلح نہ ہو۔

لاش کے قریب سے گزرنے سے قبل وہ گزرگاہ سے ہٹ کر لان پر آیا اور پتھر کی طرف بڑھ گیا۔ پتھر سے چند قدم پہلے ہی رُک کر اُس نے کچھ سننے کی کوشش کی۔ پھر مسکرانے لگا۔ اُسے عورت کے سانس لینے کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔ اُس نے ایک چھوٹا سا پتھر اُٹھا کر پتھر کی طرف اُچھال دیا اور پتھر کے گرنے سے قبل ہی بڑے پتھر کے دائیں طرف ہو گیا۔

یہاں سے اُسے رُوبی کی پشت نظر آ رہی تھی۔ رُوبی نے پتھر کے گرنے ہی اُس طرف دیکھا تھا۔ اُس کے ہاتھ میں ریوالور تھا۔ وہ حاتم کو نہیں دیکھ سکتی تھی اور حاتم کی حکمت عملی یہی تھی۔ ابھی رُوبی کے دل سے بوجھ نہیں ہٹا تھا۔ وہ انتقام کی آگ میں سُلگ رہی تھی اور اس کا ذہن مفلوج ہو چکا تھا لہٰذا وہ آہٹ بھی نہ سُن سکی اور حاتم نے اُس کے عقب میں آ کر بڑے سکون سے اُس کا ریوالور اچک لیا۔

"تم...؟" رُوبی پلٹ کر چلائی۔ وہ خوفزدہ نہیں صرف حیران ہوئی تھی "تم کون ہو؟ تم کون ہو ابلیس؟"

"میں...!" حاتم مُسکرا رہا تھا۔ "میں ابلیس ہی ہوں۔ اُس نے سوچا کہ شاید یہ عورت مزاحمت کر سکے اور کھیل کا صحیح لُطف آ سکے لیکن میں تمہیں زندگی بچانے کا ایک موقع ضرور دے سکتا ہوں۔ تم بھاگ سکتی ہو۔"

"تاکہ تم میری پیٹھ میں گولی مار سکو۔" رُوبی نے بھرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"نہیں، تمہیں اُس وقت تک گولی نہیں ماروں گا جب تک تم پچیس گز دُور تک پہنچ جاؤ گی۔ پچیس گز دُور پہنچ کر تم فائر سے بچ بھی سکتی ہو۔"

"نہیں۔" رُوبی موقع کی تلاش میں تھی اور وہ موقع صرف اسی وقت مل سکتا تھا جب وہ اس شخص کے قریب رہتی۔

"تب پھر میں تمہیں یہیں گولی مار دوں گا۔"

رُوبی اپنے ریوالور کی طرف دیکھنے لگی۔ حاتم نے چند گز دُور پھینک دیا تھا۔

"نہیں۔ تم اُس تک نہیں پہنچ سکتیں۔" یہ کہتے ہوئے وہ تقریباً پانچ فٹ دُور ہٹ گیا۔ اُس کو رُوبی کے دُکھ کا اندازہ تھا اور وہ جانتا تھا کہ ایسی عورتیں ایسے حالات میں زیرِ ہو جاتی ہیں۔

اُسی لمحے رُوبی کو ایک بے نام سے خوف کا احساس ہونے لگا۔

"بھاگ کر بچ نکلنے کی کوشش میں کامیابی کا امکان ہے۔ اچھی لڑکی۔" حاتم نے پھر پیش کش کی۔ "لیکن اگر تم نے ریوالور کی طرف ایک بھی قدم اُٹھایا تو پھر زندگی کا کوئی امکان باقی نہیں رہے گا۔ چلو بھاگو!"

اور پھر لان پر ایک اور آواز سُنائی دی۔ یہ آواز حاتم کے عقب سے آئی تھی۔

"زیادہ تیز مت دوڑنا رُوبی! ہیرے میں موچ بھی آ سکتی ہے۔"

حاتم نے کسی لٹو کی طرح گھوم کر عقب میں دیکھا اور اُچھل پڑا۔ کچھ ایسے جیسے سانپ نے اُسے ڈس لیا ہو۔

مرنے والا نوجوان اُس کے سامنے کھڑا ہوا مُسکرا رہا تھا۔ اُس کے جسم میں ایک بھی چھید نہیں تھا۔ اگر کپڑوں کے اُوپر خون کا قطرہ تک دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

دونوں کے درمیان پندرہ فٹ کی دُوری تھی۔

حاتم کا مُنہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

"تم... تم کون ہو؟" حاتم نے پوچھا۔ اُسے اب اندازہ ہوا تھا کہ کھیل میں لُطف محسوس نہ ہونے کی کیا وجہ ہے۔

"میں ایسا شخص ہوں، جس کے زخم چند لمحوں میں بھر جاتے ہیں اور دل میں گُھسی ہوئی گولی بھی۔ اپنا اثر کھو بیٹھتی ہے۔ کیوں رُوبی! اس کی آواز سُنی؟ کیا یہ اُسی کی آواز ہے؟"

رُوبی ہکّی بکّی ٹائیگر کو گھور گھور کر دیکھے جا رہی تھی۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ ہنسے، گائے، رقص کرے اور اس بدصورت قاتل شخص کے مُنہ پر تھوکنے کے بعد جُوتوں کی بارش کر دے۔

"کیا یہ اسی کی آواز ہے رُوبی؟" ٹائیگر نے پھر پوچھا۔

"نہیں۔" رُوبی ایک طویل سانس لے کر بولی۔ اُس نے محسوس کر لیا تھا کہ اسے آنا جذباتی نہیں ہونا چاہیے۔ وہ یہ سوچ کر ہی خفگی اور ندامت محسوس کر رہی تھی کہ اُس نے حاتم کو دیکھنے کے باوجود ٹائیگر کی موت کا یقین کر لیا تھا۔

"اچھا۔" ٹائیگر حاتم کی طرف پلٹ گیا۔ "شجاعت کہاں ہے؟"

اس وقت تک حاتم بھی سنبھالا لے چکا تھا۔ اُسے یقین تھا کہ اس کی تینوں گولیاں اصابت میں اور یہ نوجوان اس دوران میں اداکاری کرتا رہا لیکن اُسے یہ بھی یقین تھا کہ پندرہ فٹ کے اس فاصلے سے نشانہ خطا نہیں ہو گا۔

اب اُسے یہ یقین بھی ہو چکا تھا کہ مرد کو قتل کرنے میں بہت لُطف آئے گا۔

"میں تم سے کچھ پوچھ رہا ہوں تھری پیس۔" ٹائیگر نے حاتم کے بے شکن سُوٹ کو دیکھ کر کہا۔ وہ آگے بڑھا تو حاتم مُسکرانے لگا اور اُس نے رائفل کندھے سے لگائی۔ وہ یہ بھی بھول گیا کہ عورت اس کے عقب میں موجود ہے۔

رُوبی تیزی سے اپنے ریوالور کی طرف بڑھی۔

پہلے دایاں کندھا۔" اُس نے حاتم کی آواز سُنی۔ رُوبی نے پلک کر ریوالور اُٹھایا اور پلٹ کر دیکھا۔ ٹائیگر نے دائیں کندھے کو جسم کی آڑ میں لے کر بایاں کندھا حاتم کے سامنے کر دیا تھا۔

"کیا...؟" یہ کیا؟" حاتم بوکھلا گیا کیونکہ گولی چلنے کے باوجود نوجوان اپنی جگہ نہ صرف موجود تھا بلکہ اس کا دایاں کندھا بھی بالکل سلامت تھا۔

رُوبی مُسکرا کر رو دی۔ وہ جانتی تھی کہ اس کا اصلی ٹائیگر اپنے اصلی رُوپ میں واپس آ چکا ہے۔

حاتم کو غصہ آنے لگا۔ اُس کی آنکھیں بلّی کی طرح سُرخ ہو گئیں۔ اُس نے ایک بار پھر لبلبی دبائی۔ ٹائیگر کا بائیاں کندھا کسی اسپرنگ کی طرح نیچے گیا اور واپس اصلی حالت میں آ گیا۔

دوسری گولی بھی ضائع ہو گئی۔

ٹائیگر مزید دو قدم آگے بڑھ آیا تھا۔ اب دونوں کے درمیان صرف آٹھ قدم حائل تھے۔

تیسری گولی چلی اور ٹائیگر نے فاصلہ مزید کم کر دیا۔

اُسی لمحے رُوبی کو اس خدشے نے آگھیرا کہ کہیں ٹائیگر کے کوئی گولی لگ ہی نہ جائے۔ اندازے کی ذرا سی غلطی گولی کو کامیاب کر سکتی تھی لہٰذا اُس نے ریوالور سیدھا کر لیا۔

"نہیں۔" ٹائیگر چیخا لیکن اُسے دیر ہو چکی تھی۔ گولی حاتم کی کھوپڑی میں گھس گئی۔ سر پھٹا اور حاتم مُنہ کے بل گھاس پر گر گیا۔ اُس کے سر کے دونوں طرف خون بہنے لگا۔ رائفل جسم کے نیچے دب گئی۔

"یہ تم نے کیا کیا؟" ٹائیگر جھلا کر بولا۔

"اگر اس کی کوئی گولی لگ ہی جاتی تو پھر کہتے کہ تم نے گولی کیوں نہیں چلائی۔" رُوبی نے بھی بپھر کر جواب دیا۔

"بکواس مت کرو۔"

"میں جانتا مار دوں گی۔"

"تمہیں ساتھ لانا ہی غلطی تھی۔" رُوبی نہ جانے کیوں اب خفت سی محسوس کر رہی تھی۔ "میں اندر جا رہی ہوں۔"

"شجاعت اندر نہیں ملے گی۔" ٹائیگر بڑا سا مُنہ بنا کر بولا۔

"تمہیں یہ علم کیسے ہو گیا؟"

"اس لیے کہ مکان خالی ہے۔"

"اور یہ علم کیسے ہوا کہ مکان خالی ہے؟" رُوبی نے پوچھا۔

"اس لیے کہ اگر اندر شجاعت یا کوئی اور ہوتا تو اب تک ہم پر اُوپر سے گولیوں کی بارش کر چکا ہوتا۔"

پھر یہی ہوا۔ اندر جا کر دیکھوں گی۔" رُوبی کو ضد سی ہو گئی۔

مکان واقعی خالی ملا۔ صرف بی۔ وی مانیٹر سے جن پر ساحلوں کا منظر نظر آ رہا تھا۔

"مجھے یقین ہے کہ وہ بدذات ہمیں اپنے اسکرین پر دیکھ رہا ہو گا۔" رُوبی نے ٹائیگر نے چڑ کر کہا تاکہ شجاعت جہاں کہیں بھی ہے، سُن لے۔

"ممکن ہے۔" رُوبی کندھے اُچکا کر بولی۔

"اور اس کا نام... شجاعت ہے۔" ٹائیگر بھر چلایا۔ "میرا خیال ہے کہ لی۔ وی کا بڑا افسر ہو گا۔ ہمیں دیکھ رہا ہے۔ اُسے علم ہے کہ اس کا پالتو کُتا باہر مرا پڑا ہے۔"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"ممکن ہے۔" روبی نے پھر اسی انداز میں جواب دیا۔

"دیکھو ٹائیگر نے صحیح سمت کی طرف اشارہ کیا تھا وہاں... اور وہاں... یہ سب سی۔ وی کیمرے ہیں۔"

پھر انھیں دیواروں میں ہی ایک کیمرا لگا ہوا مل گیا اور اس کے لینس کے بالکل سامنے کھڑے ہو کر ٹائیگر نے بڑی بیچارگی سے کہا۔ "شفاعت! اگر تم میری آواز سن رہے ہو تو یہ ذہن نشین کر لو کہ یہ آخری موقع ہے۔ تم ٹیلی فون کمپنی کو زیادہ دیر تک دھوکا نہیں دے سکتے۔ میں تم سے نمٹنے کے لیے آ رہا ہوں۔" یہ کہہ کر اس نے لینس پر ہاتھ رکھا اور کیمرا توڑ کر پھینک دیا۔

□

"اگر تم میری آواز سن رہے ہو۔"

شفاعت نے وہ آخری منظر بھی دیکھا تھا۔ اس کی نظریں ٹائیگر کے ہاتھ پر تھیں، جو لینس کی طرف بڑھ رہا تھا اور پھر اسکرین تاریک ہو گیا تھا۔

ابھی چند لمحے قبل تک شفاعت بہت لطف لے رہا تھا مگر آخری جملوں نے اور اپنی موٹی طاقت ور کمانی دیکھ کر اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔ اس کے لیے یہ سب کچھ چند لمحوں قبل تک محض کھیل تھا۔ اس کے اسکرین پر ٹائیگر کی کالی آنکھیں نمودار ہوئی تھیں تو اسے ایسا لگا تھا جیسے وہ اس کے دل میں جھانک رہا ہو۔

اسے ٹائیگر کی آنکھوں میں جو ہتھ ہی نظر آیا تھا، ایسا جہنم جس میں شفاعت خود کو سلگتا ہوا دیکھ رہا تھا۔

اس کے قریب ایک اور اسکرین لگا ہوا تھا۔ جونہی پہلا اسکرین تاریک ہوا، دوسرے اسکرین کی گھنٹی بج اٹھی۔ اس کے بعد اسکرین روشن ہو گیا۔ اس پر چند کارٹون نظر آئے۔ اس کے بعد آڑی ترچھی لکیریں نمودار ہونے لگیں اور پھر ان لکیروں سے عمری پیس سوٹ میں ملبوس ایک لاش کی واضح ڈراؤنگ نمودار ہو گئی۔

یہ لاش حاتم کے سوا اور کسی کی نہیں تھی۔

اسکرین نے ایک پیغام بھی روشن کر دیا۔

"مڈنائٹ شہزاد کی قیمت اب پانچ سو ہزار پوائنٹ ہے۔ آخری دفاعی مورچہ بھی ختم ہو چکا ہے۔ صرف دو راستے بچا تی ہیں۔"

"پہلا۔ ہتھیار ڈال کر زندگی بچا لو۔

"دوسرا۔ اکیلے لڑتے رہو، کامیابی کے امکانات ۱۰ فیصد۔"

"چپ رہو۔" شفاعت پہلی بار غصے سے چیخا تھا۔ "تم سے کس نے پوچھا تھا؟"

"حالات اچھے نہیں ہیں نا شفاعت۔" مارسیا نے عقب سے پوچھا۔ وہ فرانس کے ساحلوں پر شہرت پانے والے لباس میں تھی۔

"ہاں، لیکن کمپیوٹر کو کیا ہوا ہے؟ اسے کیسے معلوم کہ حالات میرے کنٹرول میں نہیں رہے؟" شفاعت نے غصیلے لہجے میں جواب دیا اور پھر غور سے مارسیا کے لباس کو دیکھا۔ "مارسیا! مجھے پتلون پسند ہیں۔ پتلون پہنا کرو، ممکن ہو تو بلو جینز پہن لو۔"

"جیسی تمھاری مرضی ڈارلنگ!" وہ مسکرا کر بولی لیکن شفاعت کی فرمائش پوری کرنے کے لیے فوراً ہی نہیں چلی گئی۔ "اب تمھارے کیا ارادے ہیں ڈارلنگ؟" وہ تجسس کے باعث بار بار سوال کر رہی تھی۔

"تم آج بہت جرح کر رہی ہو۔" شفاعت منہ بنا کر بولا۔ "میرا خیال ہے کہ اب وہ مائنڈ گیم شروع کر دو۔"

"میں جرح نہیں کر رہی ہوں، مجھے صرف اور صرف تمھاری ذات میں دلچسپی ہے۔" مارسیا نے مسکرا کر جواب دیا۔ "تم وہ یگانہ ہیں داحد مرد ہو جس میں مجھے کشش نظر آئی ہے۔ میں یہ جاننا چاہتی ہوں کہ تم کیا سوچ رہے ہو اور کیوں پریشان ہو؟" یہ کہہ کر وہ دوبارہ مسکرائی اور شفاعت کمپیوٹر کی طرف پلٹ گیا۔ مارسیا چند لمحوں تک اس کو گھورتے ہوئے دیکھتی رہی اور پھر شفاعت کی فرمائش پوری کرنے کے لیے چل دی۔

"بہت ہی ذہین ہے۔" شفاعت بار بار زیر لب کہہ رہا تھا۔ اس نے مارسیا کے قدموں کی آواز بھی نہیں سنی تھی۔ وہ کمپیوٹر کی بورڈ پر جھک کر بہت تیزی سے ایک پروگرام بنا رہا تھا۔ اس کی انگلیاں ماہر کمپیوٹر آپریٹروں سے بھی زیادہ تیزی سے چل رہی تھیں۔

وہ یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ شہزاد نامی اس شخص کو اس کی دونوں رہائش گاہوں کا علم کس طرح ہوا۔

وہ دیر تک کمپیوٹر سے سوالات کرتا رہا اور اسے ایسے جواب ملتے رہے، جن سے اس کی تسلی نہیں ہوئی تھی۔ وہ مطمئن ہونا چاہتا تھا کہ کمپیوٹر یہ معلومات حاصل کرنے میں اس کی مدد کرے لیکن ایسا نہ ہو سکا پھر اچانک ہی اس نے مشتبہ ذہن سے ہٹ کر اپنے ذہن کو استعمال کیا۔ اس نے کمپیوٹر سے پوچھا۔ "یوٹیلٹی بلز کے بارے میں کیا رائے ہے؟"

کمپیوٹر سوال سمجھ نہ سکا لہٰذا اسکرین پر سوالیہ نشان روشن ہو گیا۔

"کوئی ایسا بجلی صارف تلاش کرو، جس کا بجلی کا بل غیر معمولی طور پر زیادہ ہو۔"

"انتظار کرو میں الیکٹرک کمپنی کا ریکارڈ چیک کرتا ہوں۔" کمپیوٹر نے جواب دیا۔

شفاعت نے کرسی کی پشت گاہ سے ٹیک لگا لی مگر اس کی نظریں مسلسل اسکرین پر رہیں۔ وہ جواب کا انتظار کرنے لگا۔

نصف منٹ بعد ہی جواب مل گیا، لیکن یہ جواب ایسا تھا۔ کہ

شفاعت بال نوچنے پر مجبور ہو گیا۔

اسکرین پر اسی کے لہجے کا پیار دشن ہو گیا تھا۔

"اچھا، وہ دانت پیس کر بولا۔ "قاضی گڑھ میں بجلی سب سے زیادہ خرچ کون کرتا ہے، نبی صارف؟"

اس بار پھر چند لمحوں کے انتظار کے بعد شفاعت کا اپنا پیارا اسکرین پر نمودار ہوا تھا۔

"اوہ!" شفاعت کے ذہن میں اچانک ہی روشنی کا جھماکا سا ہوا۔ "شہزاد نے غالباً بجلی کے بل چیک کر کے ہی میرے پتے حاصل کیے ہیں۔"

شفاعت کو اندازہ تھا کہ ٹائیگر کسی ایسی ایجنسی کے لیے کام کر رہا ہے جس نے اس کی سرگرمیوں کو گزشتہ چند ماہ کے دوران بری طرح متاثر کیا ہے۔

وہ سوچنے لگا کہ اس ایجنسی کا پتا کس طرح چلایا جائے اگر یہ ایجنسی اس تک پہنچ سکتی ہے تو وہ بھی ایجنسی تک پہنچ سکتا ہے۔

وہ بہت تیزی سے کی بورڈ پر جھک گیا۔ وہ ایک سوال فیڈ کر رہا تھا۔

"یہ پتا چلاؤ کہ میرے علاوہ اور کس نے بلوں کے بارے میں چیکنگ کی ہے؟"

چند منٹ بعد کمپیوٹر نے گلستان آباد کی ایک چھوٹی سی کمپیوٹر لیبارٹری کا پتا بتا دیا۔

"اب یہ پتا چلاؤ کہ کیا بلوں کے بارے میں جواب اس چھوٹی سی لیبارٹری سے کسی اور کو فراہم کیا گیا ہے؟ اس کے لیے تمھیں اس چھوٹی سی لیبارٹری کے کمپیوٹر تک رسائی حاصل کرنی ہوگی۔" شفاعت کو اب اپنی کامیابی کا یقین ہو چکا تھا۔ وہ جواب کا انتظار کرنے لگا۔ اسی دوران مارسیا کمرے میں داخل ہوئی مگر وہ اسے نہیں دیکھ سکا۔ اس کی نظریں تو اسکرین پر گڑی ہوئی تھیں پھر سنہری کمپیوٹر اسکرین پر جھماکا سا ہوا۔

"پرتنگ سپلائی کارپوریشن آف گلشن نے کمپیوٹر سے سوال کیا تھا جس نے بلوں کے بارے میں اسے مطلوبہ معلومات فراہم کر دیں۔"

شفاعت فاتحانہ انداز میں مسکرانے لگا۔ اسے یقین ہو گیا کہ وہ صحیح راستے پر چل پڑا ہے لیکن سوال یہ تھا کہ پرتنگ سپلائی کارپوریشن کو بجلی کے بلوں میں دلچسپی کیوں تھی؟ اسے یقین ہونے لگا کہ کارپوریشن بھی ڈھال کے طور پر کام کر رہی ہے۔

"کارپوریشن کے کمپیوٹر ٹیپ کر کے وجہ بتاؤ کہ اس نے بجلی کے بلوں کے بارے میں معلومات کیوں حاصل کی تھیں؟" شفاعت نے سوال فیڈ کیا۔

چند دو گھنٹے تگ و دو کے بعد کارپوریشن سے یہ معلومات آدم نگر کی ایک آٹو پارٹس کمپنی نے، اس سے قاضی گڑھ کی ایک فوڈ سپلائی کمپنی نے، اس سے گلشن کے ایک ہوٹل نے پوچھا تھا جو ۲۳۔ ویں اسٹریٹ پر تھا۔

"مزید تلاش جاری رکھو۔" شفاعت اب ہانپ رہا تھا۔

"مزید معلومات حاصل کرنا ممکن نہیں۔ ہوٹل سے یہ سوال گلشن ہی کے ایک مقام چمن زار سے پوچھا گیا تھا۔"

شفاعت، مانیٹر کو گھورنے لگا۔ مارسیا بھی ایک کونے میں بیٹھی ہوئی اسے تکتی رہی پھر اچانک ہی اس نے شفاعت کا قہقہہ سنا۔ وہ کی بورڈ پر جھک کر تیزی سے سوال فیڈ کر رہا تھا۔

"چمن زار میں سب سے زیادہ بجلی استعمال کرنے والے صارف کا نام و پتا حاصل کرو۔"

اس بار صرف پندرہ سیکنڈ بعد ہی جواب مل گیا۔ "ڈاکٹر بہرام۔"

"ڈاکٹر بہرام سے متعلق معلومات حاصل کرو۔" شفاعت کی آنکھیں چمکنے لگیں تھیں۔

ایک منٹ بعد اسکرین روشن ہو گیا۔

"ڈاکٹر بہرام چارہ گر سینی ٹوریم، چمن زار۔ گلشن... بوڑھے اور ذہنی مریضوں کا علاج کیا جاتا ہے۔"

"کیا اس سینی ٹوریم کی بجلی کا خرچہ دوسرے سینی ٹوریم کے مقابلے میں زیادہ ہے؟" شفاعت کی انگلیاں تیزی سے سوال پوچھ رہی تھیں۔

چند لمحوں بعد جواب مل گیا۔ "نہیں۔"

"کیا وہاں ہیوی کمپیوٹر آپریشن ہوتا ہے؟"

"یس۔" کمپیوٹر نے جواب دیا۔ شفاعت نے مسکرا کر کمپیوٹر آف کر دیا۔ اسے اطمینان ہو گیا تھا کہ وہ ٹائیگر کی ایجنسی تک پہنچ گیا ہے۔ اسے یقین تھا کہ اس کی رہائش گاہ کا سراغ ڈاکٹر بہرام کے بھاری کمپیوٹر ہی لگا سکتے ہیں۔

وہ حالات پر غور کرتا رہا، صرف یہی سوچ رہا تھا کہ بجلی کا بل کم کیوں ہے اور پھر وہ اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ فردوس میں ڈاکٹر بہرام کو یقیناً کوئی خصوصی حیثیت حاصل ہے۔

"اور وہ میرے لیے انتہائی خطرناک ثابت ہو سکتا ہے...۔" شفاعت زیر لب مسکرایا۔

□

بہرام چارہ گر سینی ٹوریم کے اپنے تاریک دفتر سے نکل کر گھر

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

جانے کی تیاری کر رہا تھا کہ اچانک ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ اسے فوراً ہی ٹائیگر یاد آگیا۔

"اسی کا فون ہوگا۔" اس نے سوچا۔ اس نے ریسیور اُٹھا لیا۔ مگر دوسری طرف ٹائیگر بہرحال نہیں تھا۔

"ڈاکٹر بہرام؟"

"یس!" بہرام کی تمام حسیں بیدار ہو گئیں

"میں شعاعت ہوں۔ غالباً تمہیں میری ہی تلاش ہے۔" دوسری طرف سے ہلکی سی ہنسی کے بعد پوچھا گیا۔

●

بہرام نے چھوٹی پہاڑیوں سے ٹکرانے والے پانی کو بغور دیکھا۔ یہ پہاڑی سینی ٹوریم کے لان کے ختم ہوتے ہی شروع ہو جاتی تھی۔ اسے وہ چھوٹی سی گھڑی بھی نظر آ رہی تھی جہاں ایک لائچ موجود تھی۔ یہ وہی گودی تھی جہاں برسوں قبل چاہ گرل کی بنیاد رکھنے کے لیے سرگوش اور بہرام نے اپنی کشتی باندھی تھی۔ سرگوش مر چکا تھا۔ اسے چاہ گرل سے بہت سی اُمیدیں وابستہ تھیں۔

وہ سب مر کھپ گئے، جو چاہ گرل کے باقی تھے، کیں بھی قبر میں پیر لٹکائے ہوئے بیٹھا ہوں لیکن مسٹر ٹائیگر کا ہے۔ فردوس کو زندہ رکھنے کے لیے ٹائیگر کا زندہ رہنا ضروری ہے لیکن شعاعت نے ایک ایسی شرط رکھی تھی، جس کا پورا ہونا فردوس کی زندگی کے لیے ضروری تھا اور اگر یہ شرط پوری کر دی جاتی تو پھر ٹائیگر کی موت لازمی تھی۔

اُس نے ٹیپ چلا دیا۔ شعاعت کی آواز اُسے صاف سُنائی دے رہی تھی۔

"تمہیں یاد ہوگا کہ ایک بار فردوسی ایٹمی میزائل فائر ہونے ہی والے تھے۔ ایک مرتبہ ہی صورت حال بھرت لینڈ میں بھی پیدا ہو گئی تھی۔ یقین کرو کہ ان دونوں کوششوں کا ذمے دار میں ہوں اگر تم نے میرا طریقہ پورا نہ کیا تو میں اس مرتبہ فائر کرانے کی کوشش نہیں کروں گا۔"

"تمہاری شرط کیا ہے؟" یہ بہرام کی اپنی آواز تھی۔

"شہزاد کو قتل کر دو، ورنہ...!"

"ورنہ کیا...؟"

"ورنہ میں فردوسی یا بھرت... یا دونوں میزائل ایٹمی بموں کے کیسوٹروں کو بمبور کر دوں گا کہ وہ ایٹمی میزائل فائر کر دیں۔"

"ایسی کسی بھی جنگ میں تم بھی تو مارے جاؤ گے۔" بہرام کا لہجہ عجیب سا تھا۔

"آں... ہاں..." شعاعت نے زوردار قہقہہ لگا کر جواب دیا تھا۔ یہ قہقہہ کسی دیوانے کا ہی ہو سکتا تھا۔ "لیکن ضروری نہیں کہ مجھے بھی موت آ جائے۔ ویسے میں مروں یا جیئوں، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ جیتوں گا میں، کیونکہ جنگ کا خالق میں ہی ہوں گا۔ مجھے جنگ شروع کرنے کے عوض پچاس لاکھ پوائنٹ ملیں گے۔ فیصلہ کرو بہرام! شہزاد یا دُنیا، دونوں میں سے کسی ایک کو منتخب کر لو۔"

"مجھے سوچنے کے لیے مہلت چاہیے۔" بہرام کا حلق خشک ہو کر ٹوٹنے لگا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ سینی ٹوریم کے کمپیوٹروں کو اتنا وقت مل جائے کہ وہ ٹیلی فون کال کو ٹریس کر سکیں۔

"میں تمہیں کل پھر فون کروں گا۔ اور ہاں، تمہارے کمپیوٹر اس کال کو ٹریس نہیں کر سکیں گے۔"

"کیوں نہیں کر سکتے؟" بہرام اُسے اُلجھائے رکھنا چاہتا تھا۔

"انہیں اتنا وقت ہی نہیں ملے گا۔ ابھی وہ صرف یہ پتا چلا رہے ہیں کہ میں دریائے سانڈھو کے مغرب میں کہیں ہوں اور یہ بالکل درست ہے۔ خدا حافظ۔"

اس کال کو ایک گھنٹہ ہو چکا تھا اور بہرام اب بھی یہ فیصلہ نہیں کر پایا تھا کہ وہ کس کو ترجیح دے۔

ٹائیگر کو... یا فردوس کو؟

دُنیا کی بقا کو... یا ٹائیگر کو؟

وہ بہت دیر تک سوچتا رہا۔ حتیٰ کہ صدمے کے احساس سے اُس کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔ وہ اس وقت سرگوش کو بہت یاد کر رہا تھا، جو ایسے وقت اُسے درست مشورہ دیتا۔ اُس نے ان دوستوں کے رویے میں سوچا، جو اُسے صحیح راہ دکھا سکتے تھے مگر اُسے کوئی قابلِ اعتماد شخص نظر نہیں آیا لیکن پھر اچانک ہی اُس کے ذہن میں جھماکا سا ہوا۔ اس کا ہاتھ ٹیلی فون کی طرف بڑھ گیا۔ وہ اُوشان کو فون کر رہا تھا۔

▣

ملاریہ شعاعت کو رات کا کھانا کھلانے کی بہت کوششیں کرتی رہی لیکن اُس کی ایک نہ چلی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ شعاعت بہت مصروف تھا۔

جنگِ عظیم سوئم... پانچ کروڑ پوائنٹس۔

شہزاد... پانچ لاکھ پوائنٹس۔

روبی... پچاس ہزار پوائنٹس۔

اور اب بہرام! یہ شخص کتنے پوائنٹس کا ہوگا؟ وہ ٹیلی ویژن مانیٹر، ذیلم بورڈ کی طرف پٹا اور اسکرین پر پوائنٹس کا ٹوٹل دیکھنے لگا۔

سے یقین تھا کہ بہرام فوج کر شاہی میں کسی انتہائی اہمیت کی پوزیشن کا مالک ہے۔ وہ بہت دیر تک سوچتا رہا اور پھر اُس نے بہرام کی قیمت دو ہزار پوائنٹس ہی لگائی۔ وہ فی الوقت بہرام کو اس سے زیادہ قیمتی نہیں دے سکتا تھا۔

ویسے اُس نے فیصلہ کیا تھا کہ بہرام کے بارے میں کوئی واضح اطلاع ملنے کے بعد اُس کی قیمت میں اضافہ بھی کیا جا سکتا ہے۔

▣

اپنے ہوٹل کے کمرے کے وسط میں اُوشان فرش پر آلتی پالتی مارے ہوئے بیٹھا تھا۔ اُس کے سامنے چوکی نما ڈائننگ ٹیبل تھی۔ اس پر ایک لمبا سا پرنٹ والا قلم تھا۔ دوات بھی قدیم وضع کی تھی اور اس کے چاروں طرف سلجھے اور بکھرے ہوئے کاغذوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔

اُس نے بہرام کو دیکھ لیا تھا... بہرام بھی خاموشی سے ایک طرف بیٹھ گیا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اس وقت دُنیا کا سب سے طاقت ور ترین انسان انتہائی مصروف ہے۔ اُوشان ٹائپ کیے ہوئے مسودے پر لکیریں کھینچ کھینچ کر کٹی ہوئی سطروں پر قلم سے لکھتا جا رہا تھا۔ اُس کے ہونٹ سختی سے بھنچے ہوئے تھے۔ قلم انتہائی تیزی سے چل رہا تھا جیسے بجلی چمک رہی ہو پھر اچانک ہی اُس نے طویل سانس لے کر قلم دوات میں کھڑا کر دیا۔ سر کو اُٹھایا، بہرام کی طرف دیکھا اور مسکرانے لگا۔

"میں بنک ستائیس پیش کرتا ہوں عظیم شہنشاہ! میں نے آپ کو تحریف لاتے ہوئے نہیں دیکھا ورنہ قلم اسی وقت پھینک دیتا۔ فرمائیے میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

بہرام مسکرا اُٹھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اُوشان اس کی آمد سے کسی وقت باخبر ہو گیا ہوگا جب اُس نے ہوٹل کی راہداری میں پہلا قدم لکھا ہوگا۔ وہ قدموں کی آہٹ ہی سے اندازہ لگا لیتا تھا کہ آنے والا کون ہے۔ اس کی نیت کیا ہے۔

"کیا تم لکھ رہے ہو ماسٹر؟" بہرام نے مسکرا کر پوچھا۔

"ہاں۔" اُوشان نے بڑے فخر سے سر اُٹھا کر کہا۔ "میری اس کوشش پر یقیناً شہنشاہِ معظم کو بھی خوشی ہوگی۔" یہ کہہ کر اُس نے مشتِ شہادت کا لمبا سا ناخن کاغذ پر پھیرا۔ "میں ناول لکھ رہا ہوں۔"

"ناول، کیوں؟" بہرام اُچھل پڑا۔

"اس لیے کہ دُنیا کو سکون اور خوبصورتی کی ضرورت ہے۔"

"کیا اس ناول کا مرکزی کردار اُوشان ہی ہے؟" بہرام نے گھبرا کر پوچھا۔

اُوشان ہنسنے لگا۔ بلیغ کی آواز چند لمحوں تک کمرے میں گونجتی رہی اور پھر والے کمرے میں مصروف جوڑا گھبرا کر اپنے ہیڈ کے نیچے بلیغ تلاش کرنے لگا۔

"نہیں شہنشاہ!" اُوشان نے سر ہلا کر جواب دیا۔ "میں جانتا ہوں کہ آپ راز، راز رکھنے کے کتنے شوقین ہیں، اس ناول کا تعلق ہم میں سے کسی سے نہیں ہے۔"

"تب پھر کس سے تعلق ہے؟" بہرام نے سکون کی سانس لے کر دریافت کیا۔

"اس کا مرکزی کردار ایک بوڑھا مشرقی جنگجو ہے، عظیم جنگجوؤں کی صف کا آخری شخص ہے وہ، ایک ممنی کردار ایک فردوسی نوجوان کا ہے، جو احسان فراموش اور ناشکرا ہے ناسپاسی اس کی عادت ہے۔"

"بیشتر کا کہنا ہے کہ مسودے میں یہ تبدیلیاں کرنے کے بعد میں سپر اسٹار بن جاؤں گا اور میری کتاب بیسٹ سیلر ہو جائے گی۔ سکول کی آنکھ کا مصنف اُوشان دُنیا کے ان معدودے چند مصنفین کی فہرست میں شامل ہو جائے گا، جو آمر ہیں۔ بھلے مشرقی جنگجو کو ایک نازی جاسوس میں بدل دینا ہے۔ فردوسی نوجوان کا قصہ ہی تمام ہو جائے گا اور چاہ گرل کی جگہ نازی جاسوسوں کی تنظیم لے لے گی۔ میرے ساتھ ایک ایسی عورت ہوگی، جو دُنیا کو تباہی سے بچائے گی۔ ناول کی اشاعت کے بعد ہی میں کروڑپتی ہو جاؤں گا۔"

"تم اب بھی امیر ہو ماسٹر۔"

"آپ جتنا ہی سے مہربان رہے ہیں ممالک... لیکن سانچو کی ایک قدیم کہاوت ہے کہ مہربانی اور محبت روح کو تو گرما سکتی ہے لیکن خالی پیٹ نہیں بھر سکتی۔"

بہرام ایک طویل سانس لے کر رہ گیا۔ اس نے اس موضوع پر گفتگو کا حاصل بھی کیونکہ سمجھ گیا تھا کہ اس پوری گفتگو کا مقصد صرف یہ ہے کہ اُوشان کے اس معاوضے میں اضافہ کر دیا جائے، جو ہر ماہ سونے کی شکل میں بذریعہ آبدوز سانچو بھیجا جاتا ہے۔ ویسے بہرام کو اطمینان تھا کہ اُوشان کی اس کتاب کا مسودہ بھی اُن مسودوں سے زیادہ بہتر نہ ہوگا، جو لکھے گئے اور پھاڑے گئے۔ وہ یہ بھی سوچ رہا تھا کہ اگر تیسری جنگِ عظیم شروع ہو گئی تو پھر کتاب کی اشاعت کا سوال ہی پیدا نہ ہوگا اور اگر کتاب شائع بھی ہو گئی تو اُسے پڑھنے والا کوئی نہیں ہوگا۔

"ٹھیک ہے ماسٹر! لیکن اس وقت میں ایک انتہائی اہم موضوع پر گفتگو کرنے کے لیے آیا ہوں۔"

"فرمائیے شہنشاہ! یہ حقیر آدمی آپ کے ارشادات کا منتظر

ہے۔" اُدوشان نے کہا۔ "لیکن کیا آپ کی بات میرے ناول ہی کی طرح اہمیت رکھتی ہے؟"

"ہاں۔"

"تب پھر حکم دیں، تعمیل کی جائے گی۔"

"مجھے خوشی ہے کہ تم میری بات مانتے ہو ماسٹر۔" بہرام نے بڑے تحمل سے کہا۔ اُسے علم تھا کہ اُدوشان کئی بار ٹائیگر سے کہہ چکا ہے کہ وہ شہنشاہوں کے سامنے مصنوعی احترام اور تکریم کا مظاہرہ ضرور کیا کرے۔

اُدھر اُدوشان سوچ رہا تھا کہ بہرام کو کیا پریشانی ہے۔ اُسے اندازہ تھا کہ بہرام کی آنکھوں میں افسردگی ہے اور چہرے پر پریشانی۔ اُسے بہرام کو منانے کی بھی جلدی تھی تاکہ وہ مشورے میں ترمیمات جلد از جلد مکمل کر سکے۔

"آپ بہت پریشان ہیں شہنشاہِ اعظم! آپ کی رُوح پر کسی قسم کا بوجھ ہے؟"

"ہاں۔" بہرام نے اپنی کنپٹیاں دباتے ہوئے جواب دیا۔ "تمہیں وہ دن یاد ہے جب تم خدمات انجام دینے کے لیے پہلی مرتبہ ہمارے پاس لائے گئے تھے؟" بہرام نے عجیب سے لہجے میں پوچھا۔

"کیوں نہیں، مجھے سب کچھ یاد ہے۔" اُدوشان نے جواب دیا۔ "اگرچہ آپ نے معاہدہ بہت کم کر رکھا تھا لیکن آپ نے معاہدے کی ادائیگی میں اس دن سے آج تک ایک روز کی بھی تاخیر نہ کی۔"

"تمہارا اصل کام یہ تھا کہ ٹائیگر کو چارہ گر کی قوت کے طور پر تربیت دو، اُسے ناقابلِ تسخیر بنا دو۔"

"نہیں، مجھ سے کہا گیا تھا کہ اُسے ناقابلِ تسخیر جنگجو بنا دوں عظیم سرگوش نے کہا تھا کہ دُنیا کو سکون دینے کے لیے اُسے موت کا کھیل سکھاؤں۔"

"ہاں۔" بہرام اُس کی تائید میں سر ہلانے لگا۔ "تم نے معاہدے کو نہ صرف پورا کیا بلکہ وہ کام بھی کیا جس کی تم سے توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔ تم نے اُسے مکمل جنگجو بنا دیا۔ وہ بار بار اپنی صلاحیتوں سے محروم ہوا اور تم نے ہر بار اُسے اصلی بلکہ ان سے بہتر صلاحیتوں سے لیس کر ڈالا۔ یہ بات معاہدے میں شامل نہیں تھی۔"

"وہ ناسپاس اور فرودی ہے۔" اُدوشان نے سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔ "لیکن میں نے اس کی ان دونوں کمزوریوں کو دُور کرنے کے لیے ہر وہ کام کیا، جو میرے بس میں تھا۔"

"تمہارے اور ہمارے درمیان ہونے والے معاہدے کا ایک اور حصہ بھی تھا ماسٹر۔" بہرام کی آواز اچانک ہی بھرا گئی تھی۔

"وہ کیا؟" اُدوشان کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

"یہ... یہ کہ... جب بھی ایسا کوئی دن آیا جب... ہم ٹائیگر کو استعمال کرنے... کے قابل نہ رہ سکے... تو تم... تم... اسے ہٹا دو گے۔"

اُدوشان ساکت بیٹھا رہا لیکن اُس کے چہرے پر رخساروں کی ہڈیوں کے اُوپر والی کھال لرز رہی تھی۔ بہرام خاموش ہو گیا۔ اُس نے اپنا مقصد بتا دیا تھا کہ کیے میں پورے ایک منٹ تک خطرناک اور سنگین خاموشی چھا گئی۔

"میں سُن رہا ہوں۔" اُدوشان اس طرح بولا جیسے وہ گہری نیند میں ہو۔

"وہ... وقت... آ گیا ہے ماسٹر... ٹائیگر کو... ہر قیمت پر... ختم کر دینا ہو گا۔"

"اس کی وجہ؟" اُدوشان نے آہستگی سے پوچھا۔

"یہ بہت پیچیدہ مسئلہ ہے ماسٹر!" بہرام نے نظریں جُھکا لیں۔ "لیکن اگر وہ زندہ رہا تو دُنیا عالمی جنگ کا شکار ہو کر مجسم ہو جائے گی۔"

"اوہ! ہونہہ!" اُدوشان نے ٹائیگر کی موت کے لیے اس جواز کو انگلی کے اشارے اور حقارت بھرے انداز میں مسترد کر دیا۔ "کروڑوں افراد مارے جائیں گے۔" بہرام نے اتباعی انداز میں کہا۔

"فکر مت کریں شہنشاہ۔" اُدوشان نے ایک مُٹھ بھری لے کر کہا۔ "میں اور شہزاد آپ کو گزند پہنچنے نہیں دیں گے۔"

"مسئلہ میرا نہیں پوری دُنیا بلکہ انسانیت کی بقا کا ہے ماسٹر۔" بہرام پہلو بدل کر بولا۔ "پوری دُنیا ایٹمی جنگ کی آگ میں پلٹ کر فنا ہو جائے گی۔ اس کو بچانے کے لیے ٹائیگر کو ہلاک کرنا ضروری ہے۔"

"اور کیا مجھے اُسے قتل کرنا ہو گا؟"

"ہاں، تم معاہدے کے تحت ایسا کرنے کے پابند بھی ہو ماسٹر۔" بہرام نے نظریں چُراتے ہوئے جواب دیا۔

"اور ایسا کرنا اس لیے ضروری ہے کہ چند لاکھ افراد کی جانیں بچائی جا سکیں؟"

"ہاں۔"

"کیا آپ ان چند لاکھ افراد کے بارے میں کچھ جانتے ہیں شہنشاہ؟" اُدوشان کا لہجہ عجیب سا تھا بلکہ ریڑھ کی ہڈی میں سرد لہر دوڑا دینے والا تھا۔ اُس کی آنکھیں مزید چھوٹی ہو گئی تھیں.... اور پیشانی پر سیدھی دماغ کی طرف جانے والی رگ پھڑکنے لگی تھی۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"نہیں..." بہرام تھوک نگل کر رہ گیا۔

"نہیں آپ ان کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔" اُدوشان نے ایک اٹھلا کر کہا اور پھر گود میں رکھا۔ اُس کی آنکھیں سامنے والی دیوار پر جمی ہوئی تھیں۔ "لیکن میں سب کچھ جانتا ہوں۔ ان میں سے بیشتر بوڑھے اور اب کمزور ہیں۔ ان میں سے بہت سے تیروں ہی سے نہیں دل کے بھی بُرے ہیں۔ وہ خلوتوں میں ستھرے ہوتے ہیں، نالی کے کیڑے ہیں... گندی نالی کے کیڑے۔ ان کی اکثریت ذہین نہیں۔ وہ کینے، رجعت کی بنی ہوئی سے بنے ہوئے ہیں۔ میرا سوال یہ ہے کہ ان لوگوں کے لیے، جو کوڑے گھروں میں غذا تلاش کرنے والے بچے کے اور بیمار کتوں سے بھی بدتر، ان شہزاد کو کیوں قربان کیا جائے؟ وہ عظیم ترین نہیں لیکن عظیم ضرور ہے بلکہ جن لوگوں کو بچانے کے لیے اسے قربان کرنے کی تجویز ہے۔ وہ کم تر نہیں بلکہ کم ترین ہیں۔"

"اُدوشان میں جانتا ہوں کہ تمہارے احساسات..."

"آپ میرے احساسات کو نہیں سمجھ سکتے۔" اُدوشان نے غصیلے انداز میں دونوں ہاتھ اُٹھا کر جواب دیا۔ "اس کا پہلو غصے سے ست گیا تھا۔ میں نے شہزاد کو اُس وقت پایا تھا، جب وہ کچھ نہیں تھا اور اب جب میں نے اُسے کچھ بنا دیا ہے تو مجھ سے کہا جا رہا ہے کہ کھلونا توڑ دو۔ میں نے شہنشاہوں کی بے وفائی کے قصے مزدور سُنے تھے لیکن یہ کبھی نہیں سُنا تھا کہ شہنشاہ اپنے ہی بازو کو اپنے ہی ہاتھ سے توڑنے کا مشورہ دیتا ہے۔"

"مسئلہ یہ ہے کہ دُنیا کو تباہی کا سامنا کرنا ہے۔" بہرام نے گھبرا کر کہا۔ وہ جانتا تھا کہ اُدوشان کیا کہہ رہا ہے۔ اُس نے اُدوشان کو کبھی اس کیفیت میں نہیں دیکھا تھا۔

"وہ کون ہے؟" اُدوشان کھڑا ہو گیا۔ گود میں رکھے ہوئے کاغذ ایک طرف بکھر گئے۔ "وہ کون ہے جس نے دھمکی دی ہے؟ کوئی ایک آدمی ہے؟ میں اور شہزاد اُسے جہنم کی آگ میں دھکیل سکتے ہیں۔ اُس کی نسل ختم کر دیں گے۔ اُس کے بچوں کو ہلاک دیں گے۔ اُس کے دوستوں کو بھی سفرِ آخر پر روانہ کر دیں گے۔"

"ماسٹر آف سناٹجو!" بہرام تن کر بیٹھ گیا۔ "میں صرف یہ کہہ رہا ہوں کہ معاہدے کا پاس کیا جائے۔"

اُدوشان نے حیرت سے اُس کی طرف دیکھا اور پھر بیٹھ گیا۔

"کیا صرف یہی ایک راستہ ہے؟" اُس نے پوچھا۔ "کیا کوئی دوسرا راستہ نہیں؟"

"اگر ہوتا تو میں دوسرا راستہ ہی اختیار کرتا ماسٹر۔" بہرام کی آواز بھرانے لگی۔ "میں جانتا ہوں کہ سناٹجو کے ماسٹروں نے معاہدوں کو ہمیشہ مقدس قرار دیا ہے۔ معاہدہ یہ تھا کہ میری درخواست پر ٹائیگر کو ختم کر دو گے اور اب میں یہ درخواست کر رہا ہوں ماسٹر۔"

"اب چلے جاؤ۔" اُدوشان کا لہجہ انتہائی بیانک ہو گیا تھا۔ بہرام کانپ اُٹھا اور فوراً ہی اُٹھ کر دروازے تک پہنچ گیا۔ جو کچھ پیش آ چکا تھا، اُس کے بعد اُدوشان نے کیا فیصلہ کیا ہو گا؟

"معاہدے کی تمام شقیں ہمارے خون میں شامل ہیں۔" اُدوشان کا لہجہ کھردرا اور سرد تھا۔

"کیا تم میری درخواست پر غور کرو گے؟" بہرام کی آنکھوں میں پانی بھرنے لگا۔

اُدوشان نے ایک بار پھر سر کو جنبش دی اور پھر سر جھکا لیا۔ بہرام نے قدم دروازے سے باہر رکھا اور پھر بڑی احتیاط سے دروازہ بند کر کے باہر ہی بیٹھ گیا۔

"احمق!" اُدوشان زیرِ لب بڑبڑایا۔ "کیا شہزاد کسی مشین کا ایسا پُرزہ ہے جسے ناکارہ ہوتے پر زکال پھینکا جائے؟"

اُس نے ٹائیگر کو لپکتا، جھپٹتا اور گرجتا ہوا شرارہ بنا دیا تھا۔ اس سے کہا گیا تھا کہ وہ شہزاد کو فنِ حرب سکھا دے۔ اُس نے اُسے فنِ حرب ہی نہیں فنِ بقا و فنا دونوں سکھا دیے تھے۔ اُس نے وہ کام کر ڈالا تھا جو کسی اور کے بس میں نہیں تھا۔ اُسے علم تھا کہ عبارت کے متن میں اُس کے اور ٹائیگر کے درمیان محض چند گُز کا فاصلہ ہے۔ شہزاد اب خود ماسٹر آف سناٹجو تھا اور اُدوشان کی موت کے بعد اسی کو سناٹجو کی سربراہی سنبھالنی تھی۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ نوگان زندہ رہے اور شہزاد مر جائے۔" اُدوشان کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ اُس کے دونوں ہاتھ قبا کے اندر سینے پر بندھے ہوئے تھے۔

تب ہی اُسے قدیم پیش گوئی یاد آئی تھی۔

"سناٹجو کا ماسٹر ایک ایسا شخص بنے گا
جو غیر ملکی ہو گا، جو مر چکا ہو گا مگر مر کر واپس آئے گا، جو تمام ماسٹروں سے عظیم ہو گا، جو تباہی کا دیوتا ہو گا۔"

اُدوشان بُڑبُڑا رہا تھا۔ اس پیش گوئی کی موجودگی میں بہرام نے اُس سے کہا تھا کہ وہ عظیم ترین ماسٹر کو قتل کر دے اور وہ بھی چند لاکھ انسانوں کو بچانے کے لیے۔ لیکن سوال معاہدے کے تقدس کا تھا۔ معاہدے کی تہیں، اصول پر بنی سناٹجو کی عمارت کھڑی ہوئی تھی۔ ماسٹر کا وہ ہاتھوں ناقابلِ تردید ہتھیار تھا۔ مرنے والے ماسٹروں کے دشمن... نے آنے والوں نے پورے کیے تھے۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"کیا میں ہزار سال تاریخ کا وہ پہلا ماسٹر مین بن سکتا ہوں جو وعدہ خلافی کرے گا؟"

اُوشان بیٹھ گیا۔ اُس کا سر جھک گیا۔ دونوں ہاتھوں کی انگلیاں کنپٹیوں پر پہنچ گئیں۔

وقت گزرتا رہا۔ کمرے میں تاریکی اور پھر گھپ اندھیرا چھا گیا لیکن اُوشان اسی طرح بیٹھا رہا۔ کمرے میں صرف سانس کی آواز سنی جا سکتی تھی اُوشان زور زور سے سانس لے رہا تھا۔

ڈ

"مگر اس ہوٹل میں کمرا لینے کی آخر ضرورت ہی کیا ہے؟" زوبی جھلائی ہوئی تھی۔

"سمجھ لو کہ مجھے ایک ٹیلی فون کال کا انتظار ہے۔" ٹائیگر نے ... دیا۔ اُس کا لہجہ عام سا تھا۔ "ویسے اگر تم میرے ساتھ نہ رہنا چاہو تو بیشک پرواز سے واپس چلی جاؤ۔ بھلا مجھے تمہاری کیا ضرورت ہے۔"

ٹائیگر کے ان جملوں اور لہجے سے مشتعل ہو کر زوبی نے اس کے ساتھ ہی ٹھہرنے کا فیصلہ کیا اگر ٹائیگر اُس سے رکنے پر اصرار کرتا تو وہ واپس نہیں رکتی۔

"تمہیں کس کے فون کا انتظار ہے؟" زوبی نے کمرے میں گھس کر ناک سکیڑتے ہوئے پوچھا۔ اُسے امونیا کی بو آ رہی تھی۔

"تمہارے انکل کے فون کا۔" ٹائیگر نے بیڈ پر لیٹ کر ٹانگیں ہلاتے ہوئے جواب دیا۔ "وہی بتائے گا کہ شعاعت اس وقت کہاں ہو سکتا ہے۔"

"تمہاں جگہ میں ہوتی تو اسے خود تلاش کرتی۔ ان کی انگلی پکڑ کر چلنا کب چھوڑو گے؟" زوبی نے تیز لہجے میں کہا۔

"تب پھر جاؤ اُسے تلاش کرو۔ مل جائے تو مجھے فون کر دینا۔" ٹائیگر کا لہجہ خوش تھا۔

"میں جانتی ہوں کہ میرے بغیر تم کوئی احمقانہ حرکت کرو گے اور خود کو نقصان پہنچا لو گے۔" زوبی تڑخ کر بولی۔

"مجھے نقصان پہنچنے سے تمہیں کیا نقصان ہو گا؟" ٹائیگر منہ بنا کر بولا۔

"بکواس مت کرو۔" زوبی اس بار چلائی تھی لہٰذا ٹائیگر نے اپنے ہاتھوں کی دونوں ہتھیلیاں کانوں پر رکھ لیں تاکہ چیخ کسی تیز دھار چاقو کی طرح اس کی سماعت کو نہ کاٹ ڈالے۔

"سنو... سنو۔" ٹائیگر نے غرا کر کہا۔ "تو چاہو کر و مگر چیخو نہیں۔"

ڈ

آتش فشاں کے قریب ... نے کے عمل میں جس کا نام آسا گر تھا اور ذرہ جیسی اور اتنی ہی ... سے بچا۔ فٹ کی بلندی پر شعاعت موجود تھا۔ اُس ... یہ عمارت ... ے اُس پانچ پچاس ایکڑ اراضی تین سال قبل خریدی تھی۔ یہاں اُس نے جو رہائشی عمارت بنائی تھی۔ وہ دراصل ایک پہاڑ کو کھوکھلا کر کے بنی تھی۔ عمارت اور بیرونی دُنیا کے درمیان پندرہ فٹ موٹی پہاڑی دیوار حائل تھی، یہیں اُس نے لیبارٹری قائم کر لی تھی۔

اس وقت بھی وہ اسی قسم کے ایک کمپیوٹر کے سامنے بیٹھا ہوا تھا جیسے کمپیوٹر اس کی ہر اقامت گاہ میں موجود ہوتے تھے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اب جب وہ ڈاکٹر بہرام کو دوبارہ فون کرے گا تو اُسے کیا جواب ملے گا۔ ڈاکٹر بہرام کو پہلا فون کرنے کے بعد اُس نے بھرتی طلبی کمپیوٹرز میں ٹیپنگ شروع کر دی تھی۔ سیٹلائٹ ٹرانسمیشن کا بہترین استعمال کر کے اُس نے بھرتی نظام کا جائزہ لیا تھا اور سابل میں موجود غیر ملکی افواج کی بالکل درست تعداد کا اندازہ لگا کر خود ہی حیرت زدہ رہ گیا تھا پھر اُس نے فردوس کے بھرتی سفارت خانے میں بھرتی جاسوسوں کی فائل تک رسائی حاصل کی اور کمپیوٹر کے اسکرین پر درجنوں نام اُبھرنے لگے۔ وہ اتنے بہت سے نام دیکھ کر آ گیا اور سوچنے لگا کہ بھرتی سفارت خانے میں ایسا کون سے جو جاسوسی نہیں کرتا۔ اُس نے کمپیوٹر کا بٹن دبایا تو اسکرین پر روشن ہونے والے تمام نام بجھ گئے پھر صرف تین نام روشن ہوئے۔ سفیر اُس کا ڈرائیور اور باورچی۔

مگر ابھی اُس کے ذہن میں زوبی کا نام گونجا۔ اُس نے زوبی کا نام تازہ ترین پیشہ ایجنسی کا نام اور عہدہ کمپیوٹر میں فیڈ کر کے اس کا تعلق معلوم کرنا چاہا۔ اسے صرف ایک جواب ملا سیکرٹ ایجنٹ ہے۔

"کس کی؟" یہ سوال از خود ہی فیڈ ہوا تھا۔

"ایجنسی نامعلوم۔"

شعاعت حیرت زدہ رہ گیا تھا وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ بظاہر بھولی بھالی نظر آنے والی یہ لڑکی سیکرٹ ایجنٹ بھی ہو سکتی ہے اور وہ بھی کسی ایسی ایجنسی کی جس کا ریکارڈ کمپیوٹر کے پاس بھی نہیں۔

"شاید یہی وجہ ہے کہ وہ شہزاد کے ساتھ ساتھ رہتی ہے۔" وہ زیر لب بڑبڑانے لگا۔ اسی وقت مارسیا کمرے میں داخل ہوئی۔ وہ اس کے لیے کھانا لے کر آئی تھی۔ اُس نے ایک ڈھیلا ڈھالا گاؤن پہن رکھا تھا۔ اس وقت اسے مارسیا بہت اچھی لگ رہی تھی۔ اُس نے معنی خیز انداز میں مارسیا کی طرف دیکھا جس نے جواب میں ایک دلکش مسکراہٹ اُچھالتے ہوئے اسکرین کی طرف اشارہ کیا۔

"یہ لسٹ کن لوگوں کی ہے ڈارلنگ؟" مارسیا نے ٹرے اس کے سامنے رکھ دی۔ وہ پلیٹوں میں صرف بھنا ہوا گوشت تھا۔

"تمہیں اس میں کوئی دلچسپی محسوس نہ ہو گی۔" شعاعت نے ہنس کر جواب دیا۔

برہمچاری

انوار صدیقی

ایک ایسے شخص کی کہانی ہے جو پراسرار علوم کے بھول میں تارک الدنیا تو نہیں ہوا لیکن اتنا طاقت ور ہو گیا کہ خود کو سب سے زیادہ قدآور اور حرفِ آخر سمجھنے لگا۔

انسان جب غرور اور تکبر کے نشے میں سرشار ہو تو پھر دوسری قوتوں سے ٹکرانا بھی اپنا پیدائشی حق سمجھنے لگتا ہے۔ بڑائی کا دعویٰ کرنے والے فرعون ہر دور میں پیدا ہوتے رہے ہیں لیکن رحمانی قوتوں کے سامنے ان کی فرعونیت پانی کے بلبلے سے زیادہ ناپائیدار ثابت ہوئی ہے۔

انکا۔ اقابلہ۔ سوناگھاٹ کا پجاری۔ غلام روحیں۔ امربیل اور خبیث کے بعد انوار صدیقی کا ایک اور پراسرار ناول، نیکی اور بدی کا خوفناک تصادم

خوبصورت سرورق

بہترین طباعت

قیمت

۱۵۰/- روپے

کتاب اپنے قریبی جنرل اسٹال سے طلب فرمائیں یا ادارے کے نام کی قیمت کا منی آرڈر ارسال فرمائیں کتاب آپ کو سو فیصد رجسٹرڈ کر کے ارسال کر دی جائے گی۔

خط و کتابت کے لئے

مکتبہ القریش سرکلر روڈ، اُردو بازار، لاہور ۲

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"نہیں، ہر وہ چیز جس میں تم دلچسپی لیتے ہو، میرے لیے ازحد دلچسپی کا باعث ہوتی ہے جانم۔"

"یہ تین نام اُن افراد کے ہیں، جو بھرتی سفارت خانے میں ہوتے ہوئے بھی بھرتی ایجنسی جنس کے آدمی نہیں۔"

"صرف تین!" ماریسا قہقہہ لگا کر بولی۔ اُس کے سفید دانت سچے موتیوں کی طرح چمک رہے تھے۔ اس کی نظریں دوسرے اسکرین پر مرتکز تھیں جس پر صرف رُدبی کا نام روشن تھا۔ "کیا یہ اسی عورت کا نام ہے جو تمہارے پیچھے پڑی ہوئی ہے؟"

"ہاں۔" شفاعت نے جواب دیا۔ اُس کی آنکھوں میں بُھوت بڑھنے لگی تھی۔

"کیا یہ بہت خطرناک عورت ہے شفاعت ڈارلنگ؟"

"ہاں، لیکن فکر کی کوئی بات نہیں، اب میں ان تمام لوگوں سے نمٹ حاصل کر لوں گا۔"

"اور ہم بھی رُدبی کے ساتھ ہی ختم ہو جائیں گے، کیوں شفاعت؟" ماریسا کی آنکھیں غیر انسانی انداز میں چمکنے لگیں۔

"ہاں، ایسا ہی ہوگا۔" شفاعت نے جواب دیا۔ اُس کے چہرے پر لامتناہی بھری مُسکراہٹ تھی۔

"تم بہت شاندار آدمی ہو شفاعت۔"

"ہاں، شاید... مگر اب زندگی میں کوئی کشش باقی نہیں رہی۔ میں تمام کھیل کھیل چکا ہوں۔ کوئی بھی مجھے چیلنج دینے کی صلاحیت کا حامل نہیں۔"

"درست۔" ماریسا نے ایک ادا سے مُسکرا کر اُس کی تائید کی۔ "تم کہو تو میں تمہارا پسندیدہ لباس پہن لوں؟"

"اوہ... ہاں... ضرور۔"

ج

سورج ڈھلنے اور ستارے چمکنے کے بعد ہی بہرام کے کمرے میں ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔

"میں شفاعت بول رہا ہوں ڈاکٹر بہرام، کیا تم کسی نتیجے پر پہنچ گئے ہو؟"

"ہاں، میں تمہارا مطالبہ منظور کرتا ہوں۔" بہرام نے ٹوٹے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔ پسینہ اچانک ہی اُس کے تمام مساموں سے پھوٹنے لگا تھا اور نتیجہ پسینہ بہنے کی وجہ سے سرسراہٹ سی محسوس ہو رہی تھی۔

"ہیں... اتنی آسانی سے...!" شفاعت واقعتاً ششدر رہ گیا۔ "یعنی... تم نے کوئی سودے بازی نہیں کی، مذاکرات بھی نہ کیے؟"

"کیا سودے بازی کی کوئی گنجائش تم نے چھوڑی تھی؟" بہرام نے درشت لہجے میں پوچھا۔

"نہیں۔" شفاعت فاتحانہ انداز میں مُسکرانے لگا۔ "مجھے خوشی ہے کہ تم نے اس حقیقت کو محسوس بھی کر لیا کہ سودے بازی کی کوئی گنجائش نہیں، نوکر شاہی سے تعلق رکھنے والے اچھے لوگوں میں یہی ایک خصوصیت ہوتی ہے۔ تم لوگ حالات کے مطابق خود کو ڈھال لیتے ہو۔"

بہرام خاموش رہا۔ اس کمرے میں خاموشی دھوئیں کی طرح پھیل رہی تھی۔

"میری چند شرائط اور بھی ہیں۔" شفاعت اب نئی شرائط بھی منوانا چاہتا تھا۔

"وہ بھی بیان کر دو۔"

"اس کی موت میں اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتا ہوں تاکہ مجھے یقین ہو جائے کہ تم لوگ کوئی ڈراما نہیں کر رہے ہو۔"

"تم کیا چاہتے ہو؟"

"آسا نگر کا نام سنا ہے؟" شفاعت نے پوچھا۔

"نہیں، کہاں ہے؟"

"روشن نگر کے شمال میں ایک سو چالیس کلومیٹر دُور کوہ اکرے دامن میں۔" شفاعت نے کہا اور پھر بہرام کو بتانے لگا کہ وہ شہزاد کی موت کس جگہ دیکھنا چاہتا ہے۔ "کل ٹھیک دوپہر کے وقت ڈاکٹر بہرام اُس نے دن کا تعین بھی کر دیا۔

"ٹھیک ہے۔" بہرام نے مشکل سے ضبط کی۔ اس وقت وہ بل کھا کر ہنسنا چاہتا تھا کیونکہ اُسے شفاعت سے ایک فضلی کی توقع تھی اور یہ توقع غلط ثابت نہیں ہوئی تھی۔

"تم اُسے کس طرح قتل کرو گے؟" شفاعت بھی مُسکرا کر پوچھ رہا تھا۔

"ہاتھوں سے۔" بہرام نے جواب دیا۔

"میرا خیال ہے کہ تم اپنے ہاتھوں سے اُسے قتل نہیں کر سکو گے وہ بہت پُھرتیلا اور طاقت ور ہے، میں اُسے ایکشن میں دیکھ چکا ہوں۔"

"میں اُسے مار سکتا ہوں شفاعت۔" بہرام نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے، لیکن تمہارے اس دعوے پر مجھے اُسی وقت یقین آئے گا جب میں اُسے تمہارے ہاتھوں مرتا ہوا دیکھ لوں گا۔"

"تم کل ٹھیک دوپہر کے وقت میرے دعوے پر یقین کر لو گے شفاعت۔" بہرام نے ایک طویل سانس لے کر اُسے یقین دلایا۔

"مگر میں تمہیں کس طرح پہچانوں گا؟"

"میں بہت بُوڑھا ہوں اور میں اُس وقت ایک قدیم مشینی زرہ بکتر میں ہوں گا۔"

"اوہ، کیا تم چینی ہو؟"

"نہیں، میں کوریا سے تعلق رکھتا ہوں۔"

"پھر تمہارا نام بہرام کیوں ہے؟"

"میرا نام بہرام ہی ہے۔" اُس نے مزید گفتگو لاحاصل سمجھی اور ریسیور رکھ دیا۔

وہ مُسکرا رہا تھا۔ اُس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ اُسے احساس تھا کہ ٹائیگر مر جائے گا، لیکن اُسے یقین تھا کہ شفاعت بھی مارا جائے گا اور اس طرح دُنیا تباہی سے بچ جائے گی۔

ج

گھنٹی بجتے ہی ٹائیگر نے ریسیور اُٹھا لیا۔

"کیا یہ علم ہو گیا کہ وہ کہاں ہے؟" اُس نے بہرام کی آواز سنے بغیر سوال داغ دیا۔

"مجھے یہ علم ہو گیا ہے کہ وہ کہاں ملے گا۔" بہرام نے سُست انداز میں جواب دیا۔

"ٹھیک ہے، بتاؤ۔"

"آسا نگر، روشن نگر کے شمال میں ایک سو چالیس کلومیٹر دُور... کیا تم تنہا ہو ٹائیگر؟"

"تقریباً۔" ٹائیگر نے برابر والے کمرے کی دیوار کی طرف دیکھا۔ دیوار کے اُس پار رُدبی تھی، جو مشترکہ دروازہ کھول کر ٹائیگر کے کمرے میں آنے کے لیے کوشاں تھی۔ وہ بھی بہرام سے اس کی گفتگو سُننے کے لیے بے چین تھی۔

"دروازہ کھولو۔" وہ... وہ... دھڑ دھڑانے لگی تو ٹائیگر نے لپک کر دروازے پر دے مارا۔ رُدبی ایک لمحے کے لیے خاموش ہو گئی۔

"کیا وہ تمہارے ساتھ ہے؟"

"نہیں۔"

"میں اسے کہتا ہوں کہ اس کو واپس بھیج دو۔"

"بھیج دوں گا۔"

"تم کسی کو ساتھ لے کر وہاں نہیں جاؤ گے۔"

"فکر مت کرو چیف! ہاں بتاؤ وہ کب اور کہاں ملے گا؟"

ٹائیگر کے اس سوال پر بہرام نے اُسے وہ مقامات بتا دیے، جن کا ذکر شفاعت نے کیا تھا اور یہ بھی بتا دیا کہ وہ کس جگہ ملے گا۔ شفاعت نے اُس سے یہی کہا تھا کہ ایک کھلے میدان میں وہ موت کا منظر دیکھنا چاہتا ہے۔

"ٹھیک دوپہر کے وقت۔" بہرام نے کہا۔ "اوشان بھی تمہیں وہیں ملے گا۔"

"ایک منٹ۔" ٹائیگر نے زور سے کہا۔ "ابھی تم نے حکم دیا تھا کہ میں کسی کو ساتھ لے کر وہاں نہیں جاؤں گا۔"

"اوشان کا شمار کسی میں نہیں ہوتا ٹائیگر! وہ ایک خاص آدمی ہے۔"

"اچھا، یہ میرے لیے انکشاف ہے۔" ٹائیگر مُسکرا کر بولا۔

"ہاں۔" بہرام کی طویل سانس ٹائیگر کو صاف سنائی دی تھی۔ "میں چاہتا ہوں کہ تم دونوں وہاں موجود ہو۔"

رُدبی ایک بار پھر پیٹا نے اپنے خالی کان میں انگلی ڈال لی تھی۔ نتیجتاً ٹائیگر نے اپنے خالی کان میں انگلی ڈال لی تھی۔

"ٹھیک ہے، میں وہاں اوشان کو تلاش کروں گا اگر وہ وہاں مل گیا تو ہم ایک ساتھ کام کریں گے، اور اگر نہیں ملا تو پھر میں تنہا ہی یہ قضیہ نمٹا دوں گا۔"

"ٹھیک دوپہر کے وقت، اوشان وہاں موجود ہوگا۔" بہرام نے جواب دیا۔ ساتھ ہی ریسیور رکھ دیا۔ آخری جملے سے ٹائیگر کو احساس ہوا کہ بہرام کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔ وہ سوچنے لگا... بہرام آخر اُداس اور دل گیر کیوں ہے؟

●

بہرام چند منٹ تک تاریک کمرے میں یونہی بیٹھا رہا۔ ریسیور اب بھی اُس کے ہاتھ میں تھا۔ اس نے کچھ سوچ کر ریسیور واپس رکھا۔ وہ خود کو انتہائی کمزور اور بُوڑھا محسوس کر رہا تھا۔ وہ اُٹھ گیا۔ اُس کے قدم متقل الماری کی طرف اُٹھ رہے تھے۔ اس نے الماری کھولی اور ایک ریوالور نکال لیا۔

اگلے پندرہ گھنٹے اُس کی زندگی کے المناک ترین ثابت ہونے والے تھے۔

وہ چھوٹے چھوٹے قدم اُٹھاتا ہوا باہر نکل گیا۔ فرنٹ گیٹ پر گارڈ نے اُسے دیکھ کر مُسکرایا۔ "گھر جا رہے ہیں جناب؟"

"نہیں۔" بہرام نے جواب دیا۔ تھا کہ وہ گھر کی بجائے دُنیا کو بچانے جا رہا ہے لیکن وہ خاموش رہا۔ وہ پیدل ہی ایک طرف چل دیا۔

ج

"یہ کیا حرکت تھی؟" رُدبی اپنے ہاتھوں کو جھٹک کر بولی۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اپنے لمبے لمبے ناخنوں سے ٹائیگر کا منہ ہی نوچ

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

لے، جو دروازہ کھول کر اب مسکرا رہا تھا۔ "ان سے تمہاری کیا بات ہوئی ہے؟"

"موسم کے بارے میں تفصیلی تبادلۂ خیال ہوا۔" ٹائیگر نے بڑی سنجیدگی سے جواب دیا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ موسم بہت عاشقانہ ہے۔"

"اس وقت تم انتہائی پھوہڑے اداکار لگ رہے ہو۔" روبی منہ بنا کر بولی اور پھر اس نے ٹائیگر کے بال پکڑ لیے۔ "بولو، تم دونوں نے کیا طے کیا ہے؟"

"کچھ بھی نہیں۔" اس نے مسکرا کر جواب دیا اور روبی کی گردن تک اس کا دایاں ہاتھ بڑی خاموشی سے پہنچ گیا۔ بہرام نے کہا تھا کہ روبی ساتھ نہیں جائے گی۔ گردن پر اٹھا ہوا ہاتھ حلق تک آیا۔ روبی حیرت سے اسے دیکھتی رہی اور پھر جونہی ٹائیگر نے اس کے حلق کے دائیں طرف ایک رگ پر انگلی رکھی، وہ سب کچھ سمجھ گئی، لیکن اس سے قبل کہ وہ کچھ کر سکتی، انگلی کا دباؤ بڑھا۔ روبی کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔ ٹائیگر نے اسے بڑی احتیاط سے بیڈ پر لٹا کر کنپٹی پر انگلی پھیری۔

"گہری نیند سوئی رہو روبی! ممکن ہے تم سے جلد ہی پھر ملاقات ہو سکے۔" یہ کہتے ہوئے وہ عجیب سی کیفیت محسوس کر رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ کسی خطرناک ترین مشن پر جا رہا ہے۔

●

وہ آسانگر جانے والی سڑک پر ہی تھا کہ اچانک اس کے ذہن میں جھماکا سا ہوا۔ یہ کیفیت اتنی شدید تھی کہ اس نے گاڑی کو فوراً بریک لگا کر ایک طرف کیا اور روک لیا۔ وہ بہت کچھ سوچنے پر مجبور ہو چکا تھا۔

بہرام نے اس سے کہا تھا کہ اوشان بھی وہاں موجود ہوگا۔ ٹائیگر کو احساس تھا کہ بہرام نے جھوٹ بولا ہے لیکن سوال یہ تھا کہ بہرام نے جھوٹ کیوں بولا؟ یہ سوال بہت دیر سے اس کے دماغ میں چکر لگا رہا تھا اور اب اچانک ہی اس کا ذہن روشن ہو گیا تھا۔ اسے جواب مل گیا تھا۔

"میں مرنے والا ہوں۔" اس کے ذہن میں دھماکے ہونے لگے۔ اسے اچانک ہی وہ معاہدہ یاد آ گیا، جو اوشان اور بہرام کے درمیان ہوا تھا۔

"سونا سانجو پیتا رہے گا لیکن شرط صرف یہ ہے کہ جب بھی ضرورت محسوس ہو تی، اوشان، بہرام کی درخواست پر ٹائیگر کو ہلاک کرنے کا پابند ہوگا۔"

"مگر کیوں؟" ٹائیگر نے دونوں ہاتھ اسٹیئرنگ سے ہٹا کر کنپٹیوں پر رکھ لیے۔ میں نے ایسی کوئی حرکت نہیں کی جس سے چارہ گر کو کوئی خطرہ لاحق ہوا ہو۔ ایسا کیوں ہو رہا ہے؟ بہرام کی پراسرار آواز اسے یاد آئی تو اسے یقین ہو گیا کہ وہ اس کے قتل کا حکم دے چکا ہے۔ ذہن کے کسی خفیہ ترین گوشے سے یہ یقین بار بار ابھر رہا تھا کہ اوشان، بہرام کے حکم پر عمل کرے گا۔

اس کی سانس گرم ہونے لگی۔ اس کے نتھنوں سے گرم گرم سانسیں نکلنے لگیں۔ اس نے اپنے ہاتھوں کو دیکھا۔ مٹھیاں اتنی سختی سے بھنچی ہوئی تھیں کہ ارد گرد کا گوشت سفید ہو گیا تھا۔

وہ خوفزدہ تھا۔

اسے یاد تھا کہ صرف فیلاق برگ کے کیس میں اسے خوف کا احساس ہوا تھا لیکن وہ خوف اس خوف کے مقابلے میں کچھ بھی تھا۔ یہ عجیب سا خوف تھا۔ اس کی وجہ سے اس کا حلق خشک نہیں ہوا تھا، آنکھوں میں نمی نہیں آئی تھی۔ بس دل غم سے پھٹ رہا تھا۔ یہ غم خالص اور خوفزدہ کرنے والا تھا۔

ٹائیگر کا اپنا کوئی خاندان نہیں تھا، اگر تھا تو اسے اس کی خبر نہیں تھی۔ اسے اپنے والدین کے چہرے تک یاد نہ تھے۔ اسے جوانی میں باپ کی شفقت ملی تھی۔ اس نے اوشان کو ہی باپ سمجھ لیا تھا جس نے اسے سکھایا تھا کہ انسان کس طرح کیا جائے، حکم کس طرح مانا جائے، یقین کیا ہوتا ہے، بیعت کسے کہتے ہیں۔

لیکن اب اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے اعتماد، فرمانبرداری، یقین اور بیعت بادش کے ایک پھینکے سے زیادہ اہم نہیں ہے۔

"ٹھیک ہے۔" اس نے دونوں ہاتھوں سے اسٹیئرنگ وہیل کو دبوچ لیا۔ "ٹھیک ہے، اسے کوشش کرنے دو۔"

وہ اوشان کا بہترین شاگرد تھا۔ اس کے پاس وہی فن تھا جو اوشان استعمال کرتا تھا۔ وہ بوڑھے استاد سے لڑنے کا اہل تھا۔ یہ بات ٹائیگر کے علم میں تھی کہ اوشان ماسٹروں کا ماسٹر ہے لیکن وہ یہ بھی جانتا تھا کہ اس کی زندگی کے آدھ عشرے گزر چکے ہیں۔

"اگر میں حملے میں پہل کروں تو جیت سکتا ہوں۔" ٹائیگر بار بار بڑے دکھ کے ساتھ یہی سوچے جا رہا تھا۔

لیکن پھر اچانک ہی اس کا دل بھر آیا۔ اس نے دونوں ہاتھ منہ میں چہرہ چھپا لیا۔ یہ میں۔۔۔ اپنے باپ پر کس طرح ہاتھ اٹھا سکتا ہوں؟

اس نے سر اٹھایا تو چہرہ پسینے یا آنسوؤں سے دھلا ہوا تھا۔

"میں کسی کے حکم کی تعمیل میں بھی اوشان پر ہاتھ نہیں اٹھا سکتا۔ تب پھر کیا کروں؟"

"بھاگ نکلو، زندگی سے محبت کرنے والے انسان نے طے

کی گھڑیوں سے فریاد کی۔

یہ تجویز کسی راکٹ کی طرح ذہن میں کوندی۔ وہ کار کے ایکسیلیٹر پر دباؤ بڑھا کر بہت دور نکل سکتا تھا۔ سات سمندر پار جا سکتا تھا اور پھر کسی دور افتادہ پہاڑی علاقے کے کسی غار میں باقی زندگی گزار سکتا تھا۔ وہ فرار اور پوشیدہ رہنے کا یہ کھیل اس وقت تک کھیل سکتا تھا جب تک کہیں جا کے ماں نہ مل سکے۔

"نہیں۔" راکٹ کی طرح کوندنے والے اس خیال کو ٹائیگر نے سختی سے رد کر دیا۔ اسے اوشان نے زندگی بچانے کے لیے فرار کی تربیت ہی نہیں دی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ ماسٹر راہ فرار اختیار نہیں کرتا۔ کوئی متبادل راستہ نہ تھا۔

اوشان حکم پر عمل کرتے ہوئے اسے قتل کرنے والا تھا۔

"کوئی بات نہیں۔" وہ معاہی پُرسکون ہوتا چلا گیا۔ "میری زندگی اوشان ہی کی عطا کردہ ہے۔ ویسے بھی عام زندگی برسوں قبل ختم ہو چکی ہے۔"

یہ سکون حیرت انگیز تھا۔ خود ٹائیگر کے لیے بھی۔ اس نے لمبا سانس پھیپھڑوں میں بھر کر گہری گہری سانسیں لیں۔ انجن اسٹارٹ کیا، جو نہ جانے کس وقت بند ہو گیا تھا، گیئر بدلا اور ایکسیلیٹر پر پیر رکھ دیا۔

اس کی گاڑی قتل گاہ کی سمت میں تیزی سے دوڑ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی مگر آنکھیں بجھی ہوئی تھیں۔

●

بن بادل کی اس تاریک شب، صبح صادق سے کچھ ہی پہلے قبل ڈاکٹر بہرام نے اپنی دوربین اٹھا کر آنکھوں سے لگائی۔ آسمانگر کے باہر کا علاقہ پہاڑ اور سطح مرتفع کی مانند تھا، تاہم اسے کہیں کہیں جھاڑیوں کے سائے اور گھاس نظر آ رہی تھی۔ بہرام کو علم تھا کہ شفاعت کہیں آس پاس ہی لڑائی دیکھنے کے لیے موجود ہوگا۔ اس نے ارد گرد کا جائزہ لیا تو اس کی دوربین ایک پہاڑی تودے کو کھینچ کر قریب لے آئی۔ وہ سوچنے لگا کہ صرف یہی مقام میدان میں دیکھنے کے لیے بہترین پوائنٹ ثابت ہو سکتا ہے۔

بہرام نے دوربین ہٹا کر چشمہ اتارا اور اسی تودے کی طرف چلا گیا۔ یہ اس کا فرض تھا کہ شفاعت اتنا محفوظ رہے، جتنا وہ بنانا چاہتا ہے۔

وہ تودے کے گرد گھوما اور اسی لمحے صبح کی پہلی روشن کرن دیکھی کو چھونے لگی۔

"میں اگر کوشش کروں تو اس تودے کے اوپر پہنچ سکتا ہوں۔" بہرام سوچ رہا تھا۔ "لیکن نہیں، میں اتنی تیزی سے اوپر نہیں پہنچ سکوں گا کہ ٹائیگر کو بچانے کا وقت مل جائے۔"

وہ اپنی جگہ واپس جا کر پستول کے شیل چیک کرنے لگا۔ یہ شاٹ گن شیل کے برابر تھے اور انھیں گوریلا جنگ میں استعمال کیا جاتا تھا۔ یہ ایک ہی شیل اگر شفاعت کے ارد گرد گر جائے تو اتنے ٹکڑے اڑیں گے کہ شفاعت سامنے آنے پر مجبور ہو جائے گا۔ میں صرف اتنا ہی چاہتا ہوں کہ وہ سامنے آ جائے۔"

اس نے سامان اٹھا کر واپسی کے لیے قدم بڑھا دیے۔ سامنے ہی ایک قوی ہیکل پہاڑی کے غار میں اس نے اپنی کمین گاہ بنائی تھی۔ وہ کیمرہ اور چادر ساتھ لایا تھا جو اس نے بڑی نفاست سے غار میں بچھا رکھی تھی۔ وہ پستول اور شیل تکیے کے نیچے رکھ کر لیٹ گیا۔ آنے والے سنگین وقت کا مقابلہ کرنے کے لیے اسے تو اتنائی کی ضرورت تھی اور اس کا بوڑھا جسم چند گھنٹے آرام کیے بغیر اعصاب شکن لمحات کے لیے تیار نہیں ہو سکتا تھا۔

وہ ایک گھنٹے تک کروٹیں بدلتا رہا اور پھر اٹھ بیٹھا کیونکہ نیند اڑ چکی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیا آج کے بعد میں کبھی ایک لمحے کے لیے بھی سکون کی نیند سو سکوں گا؟ میں ٹائیگر کے ساتھ جو کچھ کر رہا ہوں، وہ دراصل میری اپنی ذات کے خلاف ہے اور میں احساس جرم کے باعث زندگی کی آخری سانس تک سکون کی نیند نہیں سو سکتا۔

اسے سب کچھ یاد آنے لگا۔ سرگوشی یاد آیا، ایسے دوسرے لوگ یاد آئے جو شہر لوکو ٹائیگر بنانے کے مشن میں شریک تھے۔ ٹائیگر کو اس طرح ختم کرنا ان سب کے خوابوں کو شیشے کی طرح توڑ دینے کے مترادف تھا۔

ٹائیگر بھی تو انسان ہے، اسے بھی زندہ رہنے کا حق ہے۔" بہرام کے حلق میں پھندے سے پڑنے لگے۔ "نہیں۔" اس نے خود پر جبر کیا۔ "جب اس نے ٹائیگر بننے میں ہم سے تعاون کیا تو اسی دن اس کی اپنی ذات فنا ہو گئی تھی، وہ صرف اور صرف جنگجو ہے۔ ایسا جنگجو جو ان گنت قتل کر چکا ہے۔ ملک اور انسانیت کی خاطر بے تحاشا جرائم کر چکا ہے۔ دنیا کی بقا کے لیے اس کی قربانی زیادہ مہنگا سودا نہیں ہے۔"

صبح سے پہلے کی مدھم مدھم روشنی پھیلنے لگی۔ بہرام اب بھی بیدار تھا اور اوشان کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ کیا اوشان بھی میری ہی طرح سوچ رہا ہوگا؟ ہاں، یقیناً... اوشان کو اپنے وعدے اور معاہدے کا پاس ہے۔ وہ اپنا فرض ادا کرے گا اور پھر ٹوٹا ہوا دل لے کر سانجو واپس چلا جائے گا لیکن میری طرح وہ بھی نیند کے خوبصورت اور انمول تحفے سے محروم رہے گا۔ راتوں کو بھی ٹائیگر اسے یاد

Scanned And Uploaded By Muhammad Waheem

آئے گا۔

بہرام ایک طویل سانس لے کر چہرے پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

فرض احتمانہ نظریہ اور تضحیک ہے۔" وہ سوچ رہا تھا۔ اس نے پہلے کبھی یہ سوچا تک نہ تھا کہ ٹائیگر کو فرض کی خاطر قتل کرانے کی نوبت بھی آسکتی ہے۔

"ایک نیا سوال نئی الجھن بن کر اچانک ہی بہرام کو پریشان کرنے لگا۔ اگر ٹائیگر کو قربان کر کے امن کے قیام میں کامیابی حاصل بھی ہو جائے تب بھی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ دنیا میں مستقل امن قائم ہو سکے گا۔ جلد ہی جنونیوں کا کوئی نیا گروہ پیدا ہو جائے گا۔"

وہ غار خاکبین کے دہانے سے باہر دیکھنے لگا۔ اب وہ سوچ رہا تھا کہ اوشان کہاں ہوگا، کیا کر رہا ہوگا۔

۲۲

بہرام کی نظروں میں آنے ہیز اوشان نے میدان جنگ کے قریب رات گزاری تھی۔ وہ سوگ کی مخصوص قبا میں تھا، جس کی رنگت سیاہ تھی۔ اس نے نلکی اور کھردری زمین پر گھٹنے ٹیک کر ایک سجدہ شکر ادا کیا تھا اگرچہ سجدوں کی زیادہ تر تھی لیکن اسے اس کا احساس تک نہ ہوا تھا۔ اس کی نظریں آسمان پر مرکز تھیں اور وہ دل کی گہرائیوں سے کسی رہنما علامت کے نمودار ہونے کی دعائیں کر رہا تھا۔ وہ دعا کر رہا تھا کہ بیٹے کے قتل ناحق کی جنت عطا کی جائے۔

"میری مدد کر خدایا!" اس کے لب ہل رہے تھے مگر آواز نہیں نکل رہی تھی۔

وہ انتظار کر رہا تھا۔

اس نے ٹائیگر کے بارے میں سوچا اور پھر اسے وہ پیشن گوئی بھی یاد آگئی، جس نے اسے ٹائیگر سے قریب کر دیا تھا اور جس کی وجہ سے اس نے ٹائیگر کی تربیت کا فرض بھی سنبھالا تھا۔ یہ پیشن گوئی سناتو کی قدیم و مقدم کتابوں میں درج تھی کہ سناتو کا ایک ماسٹر ایک مُردہ ٹائیگر کو زندگی دے گا۔ یہ ٹائیگر انسانی جیسی میں ہوگا۔ اس کی رُوح پاک صاف ہوگی اور اس پر گوشت چڑھا ہوا ہوگا۔

"خدایا میری مدد کر۔" اوشان کا دل تڑپ رہا تھا۔ اس مرتبہ دعا سرگوشی میں کی گئی تھی۔ شمع بجھ کر بجھ گئی لہٰذا اوشان نے دوسری شمع روشن کی۔ وہ ماضی جاتا ہوا سوچ رہا تھا کہ میں نے بہرام سے جو وعدہ کیا ہے اس کا وفا ہونا بس ضروری ہے، لیکن وہ یہ بھی جانتا تھا کہ ایسا ہو نہیں سکے گا۔ اس نے اوشان کو کیا حکم دیا ہے۔ بہرام جیسے لوگوں کو سناتو کی قدیم کتابوں اور پیشن گوئیوں جیسی باتوں پر یقین ہی نہیں ہوتا۔ وہ صرف یہی سمجھتے ہیں کہ سناتو کا وعدہ اُس ہوتا ہے۔

جرمن شیپرڈ

پروفیسر محمد اشرف قیمت:-/90

"میری مدد کر میرے خدا...!" اوشان نے تیسری بار فریاد شمع پھر بجھ گئی۔

اوشان نے اسے پھر روشن نہ کیا۔ وہ گھپ اندھیرے میں تنہا بیٹھا رہا۔ وہ خاموش تھا۔ اس کا سر جھک گیا تھا اور اس کی آنکھوں سے برسوں بعد آنسو ٹپک رہے تھے۔

۲۲

مارسیا ایک دوربین کی مدد سے کھلے پہاڑ کے اندر سے بام کا منظر دیکھ رہی تھی۔

کتنا شاندار دن طلوع ہوا ہے۔" وہ شوخ انداز میں ہنس کر بولی۔ "دنیا کی تباہی دیکھنے کے لیے کتنا سہانا منظر موجود ہے۔"

"ہاں۔" شفاعت نے اپنے ریشمی بال ایک طرف سے ٹھیک کرتے ہوئے سر ہلا دیا۔

لیکن میں یہ نہیں سمجھ پا رہی کہ تم سب کچھ کر کے مجھے بتاؤ گے۔"

کیا مطلب؟"

میں چاہتی ہوں کہ تم جو کچھ بھی کرو، وہ میں دیکھتی رہوں۔"

ٹھیک ہے اب وہ کھیل بھی شروع ہونے والا ہے۔" اٹھو۔" شفاعت نے مسکرا کر انگڑائی لی اور خود بھی اٹھ گیا۔ اس کا رُخ دیوار میں نصب کمپیوٹر کنسولز کی طرف تھا۔ اس نے وہاں پہنچ کر سوئچ آن کیا، جس کے باعث اسکرین دو حصوں میں منقسم ہو گئی۔

بائیں طرف یہ نمبروں ہے۔" شفاعت نے یہ کہہ کر اپنا بٹن دبا دیا۔ اور اب اسکرین پر ریڈی روشن ہو گیا۔ یہ بھرت لینڈ کے میزائل ہیں۔" اسکرین پر دیو قامت میزائل بیڑی نظر آرہی تھی۔

میں ان کے نیٹ ورک میں مداخلت شروع کر چکا ہوں اور اب نیو...!"

اس نے تیزی سے کئی اور بٹن دبا دیے۔ اسکرین کے دوسرے حصے پر بھی ریڈی جھلملانے لگا۔

یہ فردوسی نظام ہے۔" وہ مسکرا کر بولا۔ "دونوں ملکوں کے میزائل سسٹم کارروائی کے لیے تیار ہیں۔"

تم انھیں کس طرح فائر کرو گے؟" مارسیا نے پوچھا۔

بھرتی میزائلوں کو فائر کرنے کے لیے میں کی بورڈ پر ٹائپ کروں گا۔ فن فائر... اور کوڈ نمبر ساتھ ہی ٹائپ کروں گا بس اتنا ہی کرنا ہے۔ اس کے بعد فردوسی میزائلوں کو فائر کرنے کے لیے فائر ٹو اور کوڈ نمبر ٹائپ کرنا ہوگا۔ سب کچھ پہلے ہی پروگرامڈ ہے اور چلنے کے لیے تیار ہے۔"

تمھیں یہ معلوم کیسے ہوا کہ میزائل کہاں گرے؟" مارسیا بڑی دلچسپی سے سب کچھ سن رہی تھی۔

مجھے اس کے لیے کچھ کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ دونوں ملکوں نے اپنے اپنے میزائل ایک دوسرے کے بڑے بڑے شہروں پر لگا رکھے ہیں۔ بس میزائل چلنے کی دیر ہے۔ وہ اپنے اپنے ٹارگٹ پر ہی گریں گے۔ میں انھیں گائیڈ نہیں کروں گا۔"

بہت مشکل کام ہے۔" مارسیا نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

تم نہیں سمجھ سکتیں۔" شفاعت نے کہا۔ "تمھیں سمجھ ہی نہیں آئے گی۔ میں اگر میں چاہوں تو بھرت لینڈ... یا فردوس کی طرف فائر ہونے والے میزائلوں کا رُخ تبدیل کر کے انھیں جنوبی افریقہ یا مشرق وسطیٰ میں بھی گرا سکتا ہوں۔ مجھے صرف طول البلد اور عرض البلد کی فیڈنگ کرنا ہوگی۔"

تم بہت ذہین ہو۔ انتہائی ذہین۔" ناقابل یقین شفاعت ڈارلنگ۔" مارسیا جھوم اٹھی۔

تم درست کہتی ہو۔" شفاعت کا چہرہ کھل اٹھا۔

تم بھی یہ کہہ رہے تھے کہ میزائل داغنے کے لیے تمھیں کوڈ نمبر فیڈ کرنا ہوگا۔ وہ کیا ہے؟" مارسیا اٹھلا کر بولی۔

وہ میرے ذہن میں محفوظ ہے۔ جب بھی ضرورت ہوگی مجھے یاد آجائے گا۔"

اور متعلقہ تفصیلات؟"

وہ...۔" شفاعت نے کمپیوٹر کنسولز کی طرف اشارہ کیا۔ جہاں کاغذوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ "وہ ان میں کہیں محفوظ ہیں۔ میں نے سب کچھ لکھ کر محفوظ کر لیا ہے۔ دیسے ہمیں اُن کی... ضرورت محسوس نہیں ہوگی۔"

ظاہر ہے کہ تم ہر چیز ذہن نشین کر لیتے ہو۔" مارسیا نے مسکرا کر جواب دیا۔ وہ اُٹھی کاغذات کے قریب کہنی ٹکانے ہوئے کھڑی تھی۔ اس کی کہنی اچانک ہلی اور کاغذات نیچے گر پڑے۔

اوہ...۔" شفاعت کے چہرے پر ناگوار سا تاثر ابھر آیا۔

سوری۔" وہ شفاعت کی طرف پیٹھ کر کے کاغذ اٹھانے لگی۔ اس کی انگلیاں اور نظریں تیزی سے کام کر رہی تھیں جونہی اسے مطلوبہ کاغذ نظر آیا۔ اس کی انگلیوں نے چھوٹی سے اس کو کئی تہوں میں موڑا اور یہ کاغذ... اس کے بلاؤز میں چھپ گیا۔ اس کاغذ پر کئی شہروں کے نام اور بعض نمبر لکھے ہوئے تھے۔

سوری شفاعت۔" اس نے پھر کہا اور کاغذوں کا پلندا دیوار اٹھا کر رکھ دیا، جہاں سے وہ گرا تھا۔

شفاعت نے زیادہ توجہ نہ دی۔ وہ کمپیوٹر اسکرین کی طرف متوجہ تھا۔ اس کی انگلیاں کی بورڈ پر تھیں۔ وہ متفکر رہیں۔ حتیٰ کہ اسکرین کو منقسم کرنے والی لکیر کے دونوں طرف 'ریڈی' کے الفاظ جھلملانے لگے۔

زوردار دھماکے کے لیے تمام تیاریاں مکمل ہو چکی ہیں مارسیا۔" وہ پُرجوش لہجے میں بولا۔

شاندار۔" مارسیا بھی جوش سے چلائی۔

لیکن چلو... پہلے باہر کی تفریح کریں۔"

کیوں نہیں، لیکن باہر نکلنے سے قبل میں ہلکا سا... سیک آپ ضرور کروں گی ڈارلنگ۔"

ضرور۔" شفاعت مسکرانے لگا۔ اور اس مرتبہ غار والی لڑکی جیسا نہیں پہنا۔"

جیسا تمھارا حکم ڈارلنگ۔" مارسیا کھل کھلا کر ہنس پڑی تھی۔

مارسیا نے جب بالائی زینے والے اس دروازے کے بند ہونے کی آواز سنی، جو باہر کی طرف کھلتا تھا... تو اس نے بلاؤز میں سے کاغذ نکالا۔ اسے کھولا اور کمپیوٹر کے سامنے بیٹھ گئی۔ اس کی انگلیاں اب تیزی سے کام کر رہی تھیں نظریں کاغذ پر جمی ہوئی تھیں۔ فردوس کے تمام میزائلوں کو ٹارگٹ کرنے کا کام شروع کر دیا تھا اور وہ ان کی منزلیں بھرت لینڈ کی بجائے فردوس کے ہی شہروں کو مقرر کر رہی تھی۔

اس نے بھرتی میزائلوں کی منزلیں تبدیل نہ کیں۔ وہ بھی سب کے سب فردوس پر ہی گرنے والے تھے۔

۲۲

بہرام تیار تھا۔ اس نے ایک بڑے پتھر کی اوٹ میں پوزیشن سنبھال رکھی تھی۔ دوربین آنکھوں سے لگی ہوئی تھی اور آنکھیں میدان کا جائزہ لے رہی تھیں۔ یہ دیبی میدان تھا

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

جہاں جنگ شروع ہونے والی تھی۔

دوپہر کے وقت ایک شخص تنومند ہوا۔ یہ شخص کسی فوجی کی طرح اردگرد کا جائزہ لے رہا تھا۔ بہرام نے خود کو زمین سے چپکا کر دیکھا۔ وہ شخص اب ایک فولڈنگ لان چیئر پر بیٹھا ہوا تھا۔

"یہی شفاعت ہے۔" بہرام نے سوچا، پھر وہ کسی فوجی کی طرح زمین پر رینگتا ہوا پہاڑی کے عقب کی طرف بڑھ گیا۔ پہاڑی کی جڑوں میں پہنچنے کے ساتھ ہی اس نے جیب پر ہاتھ مارا۔ پستول کی موجودگی محسوس کر کے اس نے سکون کی سانس لی۔

"آج ٹائیگر مر جائے گا، اوشان سنا بجو واپسی کی تیاریاں شروع کر دے گا... اور میں سیدھی فوریم میں واپس جا کر زندہ نہیں نکلوں گا۔ لیکن اس پستول کی وجہ سے شفاعت کو بھی چارہ گر کے خاتمے کا علم نہیں ہو سکے گا۔ دنیا زندہ رہے گی لیکن ٹائیگر کے بغیر دنیا زندہ رہ کر بھی پُرامن نہیں رہے گی۔" بہرام یہی سوچ رہا تھا۔

●

ٹائیگر میدان میں پہنچا تو سورج نصف النہار پر تھا۔ وہ ایک خاص انداز میں اُس پستہ قد شخص کی طرف بڑھ رہا تھا جو اپنے مخصوص سفید لبادے میں دونوں ہاتھ سینے پر باندھے ہوئے کھڑا ہوا تھا۔

اوشان نے اُسے دیکھ کر تعظیماً سر خم کیا، لیکن ٹائیگر اس طرح کھڑا رہا، جیسے وہ پتھروں کا ڈھیر سر پر اُٹھانے ہزاروں میل کا فاصلہ طے کر کے آیا ہو۔ اُس کے کندھے جھکے ہوئے تھے، آنکھیں سُرخ ہو رہی تھیں اور پیشانی پر گھنڈیاں پڑی ہوئی تھیں۔

"مجھے پتا نہیں تھا کہ کبھی یہ مرحلہ بھی آئے گا۔" ٹائیگر کا لہجہ سرد تھا۔

"کیسا مرحلہ؟" اوشان نے پوچھا، لیکن اُس کے چہرے پر کسی قسم کا کوئی تاثر نہیں اُبھرا۔

"مجھ سے لفظوں کا کھیل مت کھیلو بٹل فادر..." ٹائیگر نے فوراً ہی زبان روک لی۔ وہ اس وقت اوشان کو بٹل فادر کہنے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا، لیکن پھر اُس کا مُنہ دوبارہ کھلا۔ "بٹل فادر!" اُس نے کہا اور تھوک دیا۔

اوشان کی پلکیں تیزی سے دو تین مرتبہ جھپکیں، لیکن اُس نے اب بھی کچھ نہیں کہا۔

"تم مجھے قتل کرنے کے لیے آئے ہو نا؟" ٹائیگر نے قدرے بزرم خائف کرنے والے انداز میں پوچھا۔

"مجھ کو یہی حکم ملا ہے۔" اوشان نے غیر جذباتی لہجے میں جواب دیا۔ وہ اس وقت کسی بُت کی طرح کھڑا ہوا تھا۔ بے حسی معاہدہ بھی ہوا تھا۔

"اوہ... معاہدہ..." ٹائیگر کے لہجے میں اس بار تلخی نہیں تھی، لیکن چہرے پر حقارت آمیز تاثرات ضرور تھے۔ "معاہدہ اور معاہدے کے تحت سنا بجو کے لیے دولت... سونا... مجھے یقین ہے کہ تمہیں پیشگی رقم ادا کر دی گئی ہے۔ اگر تم نے اس سلسلے میں ذرا سی بھی تساہل سے کام لیا تو تمہیں تمہارے اجداد کبھی معاف نہیں کریں گے۔ کیوں یہی بات ہے نا، سنا بجو کا سب سے بڑا اصول اور دیوتا دولت ہی تو ہے!"

"تمہارا لہجہ اور تمہارے الفاظ ظالمانہ ہیں۔" اوشان نے نرم لہجے میں جواب دیا۔

ٹائیگر عجیب سے انداز میں قہقہہ مار کر ہنس پڑا۔ دوپہر کی فضا اور ماحول اس قہقہے سے گونج اُٹھا۔ "ٹھیک ہے اوشان... ٹھیک ہے۔ میں ظالم ہوں، مجھے قتل کرتے وقت یہی سوچتے رہنا کہ میں کتنا ظالم ہوں۔"

"ممکن ہے کہ میں تمہیں قتل کرنے میں کامیاب نہ ہو سکوں۔"

"نہیں تم ضرور کامیاب ہو گے، لیکن میں تمہیں یہ کامیابی آسانی سے حاصل کرنے نہیں دوں گا۔ وہ اس طرح کہ میں مقابلہ ہی نہیں کروں گا۔"

"کیا تم کسی بھیڑ کی مانند ساکت کھڑے رہو گے؟" اوشان نے اس بات پر بڑی حیرت سے سوال کیا تھا۔

"میں چاہتا ہوں کہ تم مجھے اسی جگہ قتل کر دو، جہاں میں کھڑا ہوں۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ "اب تم مجھ بھیڑ کو بھیڑ بکری۔"

"میں تمہیں مقابلہ کرنے کی اجازت دے رہا ہوں۔"

"سوری اوشان۔" ٹائیگر کا لہجہ واقعی بے رحمانہ تھا۔ "مرنا مجھے ہے لہٰذا میں مقابلہ کرنا ضروری نہیں سمجھتا۔"

"یہ کسی جنگجو کا طریقہ نہیں۔"

"جنگجو تم ہو اوشان... یاد ہے؟" ٹائیگر کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے۔ "تم عظیم جنگجو تھے میں ایک بچے کی حیثیت سے تمہیں الوداعی تحفہ ضرور دوں گا۔ وہ یہ ہو گا کہ تم مجھے قتل کرتے وقت جنگجو نہیں بلکہ قصاب ہو گے اور یہی احساس تمہیں

ساری قبر میں بھی تنگ اور پریشان کرتا رہے گا۔"

یہ کہہ کر اُس نے اچانک اپنی قمیص کی کالر پکڑ کر اُسے جھٹکا دیا۔ قمیص نیچے تک پھٹ گئی۔ اُس نے سر بلند کیا۔ اب اُس کا حلق نمایاں ہو گیا تھا۔

"میں تیار ہوں اوشان۔" اُس نے سرسراتے ہوئے لہجے میں کہا۔ اُس کی بھیگی ہوئی آنکھیں بُوڑھے اوشان پر مرتکز تھیں۔ "اپنا کام مکمل کر لو۔ معاہدے کی تکمیل ہو جائے گی... اور سنا بجو ہُو کا نہیں مرے گا۔"

"اگر تمہیں علم تھا کہ میں تمہیں قتل کرنے کے لیے آ رہا ہوں تو تم گھات لگا کر بیٹھ جاتے اور میرے یہاں آتے ہی مجھے قتل کر دیتے۔" اوشان نے کہا۔

"میں نے ایسا کرنا پسند نہیں کیا۔"

"تم مجھ سے مقابلہ کیوں نہیں کرتے؟"

"میری مرضی۔"

"احمقانہ جواب ہے۔" اوشان نے برہمی سے جواب دیا۔ "میری مرضی کا مطلب کیا ہے؟"

"بس... میری مرضی۔"

"شاید اس لیے مقابلہ نہیں کرنا چاہتے کہ کہیں مجھے کوئی زخم نہ لگ جائے۔" اُس کا لہجہ اس بار تقریباً رندھا ہوا تھا۔

"نہیں۔" ٹائیگر نے آنکھیں چراتے ہوئے جواب دیا۔

"نہیں... یہی بات ہے۔ تمہیں یہاں میری آمد کا مقصد معلوم تھا۔ لہٰذا اگر تمہیں یہ خیال نہ ہوتا کہ میں زخمی ہو جاؤں گا تو تم گھات لگا کر حملہ کر دیتے۔"

ٹائیگر خاموش رہا۔

"میرے بیٹے۔" اوشان کی آنکھوں میں اچانک ہی بہت سے آنسو اُمڈ آئے۔ "تمہیں علم ہے کہ دوسرا کوئی اور راستہ نہیں۔"

"مجھے تم سے محبت ہے... بٹل فادر۔" ٹائیگر اب اپنے ہونٹ کاٹ رہا تھا۔

"ہاں میں جانتا ہوں۔" اوشان نے سرگوشی میں کہا، لیکن یہ سرگوشی اتنی بلند ضرور تھی کہ ٹائیگر سُن سکے۔ "اسی محبت کے تعلق سے تمہیں مجھ سے مقابلہ کرنا ہو گا، تاکہ تماش بینوں کو کسی قسم کی مایوسی نہ ہو۔"

"بہت بہتر۔" ٹائیگر جھرجھری لے کر اس طرح بولا، جیسے گہری نیند سے بیدار ہوا ہو۔ اُس نے سر خم کیا اور ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔

۲۲

وہ بحث میں پڑ گئے تھے اور شفاعت کا پارہ چڑھنے لگا تھا۔

"بکواس بند کرو اور لڑو۔" اُس نے دل ہی دل میں انہیں حکم دیا۔ اُس نے لان چیئر ایک طرف پھینک دی اور تودے کے کنارے پر بیٹھ گیا۔ اُس کی دونوں ٹانگیں خلا میں جھول رہی تھیں۔

اُسے رہ رہ کر یہ احساس ہو رہا تھا کہ بُوڑھا شعبدہ باز ڈاکٹر بہرام لگتا ہی نہیں، لیکن وہ شہزاد کو پہچان گیا تھا کیونکہ وہ اُسے اپنے اسکرین پر دیکھ چکا تھا۔

پھر اچانک ہی اُس نے بُوڑھے اور ٹائیگر دونوں کو سرخم کر کے ایک ایک قدم پیچھے ہٹتے دیکھا۔ وہ سوچنے لگا کہ کیا شہزاد کو علم ہے کہ اُس کے ساتھ کیا ہونے والا ہے؟

پہلا حملہ بُوڑھے نے کیا اور شفاعت کا مُنہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ اُسے بُوڑھے کی طرف سے اتنی پھرتی کی توقع قطعی نہیں تھی۔ بُوڑھا کسی بجلی کی طرح کوندا اور فضا میں بلند ہوا تھا۔ وہ ایک مُکے کے لیے معلق ہوا اور شہزاد بُری طرح گرا تھا کہ ضرب تھوڑے کی گردن بھی توڑ سکتی تھی مگر شہزاد نے داؤ اتنی ہی پھرتی سے ضائع کر دیا۔ وہ بھی کوندے کی طرح چمکا تھا اور ایک طرف ہٹ گیا تھا۔ ایک لمحے کے لیے شفاعت کو ایسا لگا تھا، جیسے دھندلے میں بدل گیا ہو۔ ایسے دھندلے میں جو روشنی کی رفتار سے بھی زیادہ تیز ہو۔ پھر اچانک ہی وہ بھی فضا میں بلند ہوا تھا۔ اُس کی دونوں ٹانگیں مُڑی ہوئی تھیں لیکن جونہی وہ نیچے آیا تھا، دونوں ٹانگیں آگے آ کر ایک ہو گئی تھیں۔ دونوں ٹانگیں بُوڑھے کے پیٹ پر لگی تھیں اور شفاعت خوف زدہ ہو گیا تھا کیونکہ اُس نے بُوڑھے کے مُنہ سے خون اُچھلتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔

"ڈاکٹر بہرام!" شفاعت نے سرگوشی کی بہ نام لاشعوری طور پر اُس کی نوک زبان سے پھسلا تھا۔ وہ یہ نہیں چاہتا تھا کہ بہرام مار جائے، لیکن اُس وقت صورتِ حال یہی تھی۔ پل بھر کے لیے ایسا لگا تھا، جیسے بہرام مار جائے گا۔ وہ دھکا کھاتے اور جھولنے لگا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا، جیسے وہ گر جائے گا لیکن آخری لمحے میں گرنے کی بجائے، وہ اُوپر کی طرف اُچھلا۔ اُس کے دونوں ہاتھ سینے کے آگے بلیڈ کی طرح ہل رہے تھے۔ شفاعت نے شہزاد کو بچانے کی کوشش میں سر ایک طرف ہٹاتے ہوئے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

دیکھا، لیکن بُوڑھے کے دونوں ہاتھ دوبارہ سانپ کے پھن کی طرح پھنکے اور اس بار شہزاد کا حلق ان ہاتھوں میں آگیا۔ وہ زور لگا رہا تھا۔ شفاعت کو ایسا لگا جیسے شہزاد چیخنے والا ہے، لیکن چیخ فوراً ہی گھٹ گئی۔ شہزاد گھٹنوں کے بل گر گیا۔ اسی بُوڑھے کا دایاں ہاتھ بلند ہوا۔ اس ہاتھ میں شہزاد کا خون آلود خنجر تھا۔

"شاندار۔" شفاعت فاتحانہ نعرہ لگا کر اُچھل پڑا۔ "میں جیت گیا۔" اُس کی حالت دیدنی تھی۔

جب بُوڑھے مشرقی نے پیروں کو ہلاتے ہوئے خون آلود چیز پھینکی تو شفاعت کو کوئی پریشانی نہیں ہوئی۔ جب بُوڑھا خود بھی گر گیا، تب بھی شفاعت کو دُکھ نہ ہوا۔ دھوپ میں گرتے ہوئے بُوڑھے کے منہ سے خون نکلتا ہوا دیکھ کر بھی وہ حیران نہ ہوا۔

"شاندار۔ ڈاکٹر ہرام واقعی فائٹر ہے۔" شفاعت خوشی سے تالیاں بجا رہا تھا۔

"اُس کا نام ہرام نہیں۔" اس بار شفاعت کو اُچھل کر پلٹنا پڑا۔ کیونکہ یہ نرم آواز اُس کے عقب سے آئی تھی۔

تودے کے سامنے والے حصے پر اُسے درمیانی قامت کا ایک ادھیڑ عمر شخص نظر آیا۔ اُس کی آنکھوں پر سنہری فریم کا چشمہ بہت اچھا لگ رہا تھا۔ وہ تھری پیس سوٹ میں ملبوس تھا اور اس کے دائیں ہاتھ میں ایکسٹرک ڈسل کی جسامت کے برابر ایک پستول چمک رہا تھا۔

"تم نے کیا کہا؟" شفاعت حیرت سے چلّا اُٹھا۔

"اُس کا نام ہرام نہیں... ہرام میں ہوں۔"

"اوہ...۔" شفاعت مسکرانے لگا، لیکن اُس کی آنکھوں سے اُلجھن صاف مترشح تھی۔ پھر جب اُس نے پستول کی خوفناک نال اپنے سینے کی طرف دیکھی تو یہ مسکراہٹ ختم ہوگئی۔ یہ شخص مذاق نہیں کر رہا، شفاعت کو لرزنے لگا۔ اُسے سنہری فریم کے عدسوں کے پیچھے آنکھوں میں جو چمک نظر آئی تھی۔ وہ بھی بہت خوفناک تھی۔

"تم کیا چاہتے ہو؟" شفاعت نے تھوک نگل کر پوچھا۔

"میں..." ہرام نے ایک لمحے کے لیے لاشوں کی طرف دیکھا، اُس کی آنکھوں میں اب چمک کی جگہ آگ نے لے لی تھی۔ "میں صرف پاگل پن کا خاتمہ چاہتا ہوں۔"

"میری بات سنو۔"

"اب تمہیں میری بات سننی ہوگی۔" ہرام اس طرح غرّایا، گویا خود اُسے بھی حیرت ہونے لگی۔ "میں جانتا ہوں کہ تم بہت ذہین ہو لیکن میں اس حقیقت سے بھی واقف ہوں کہ فرزانگی تمہاری زندگی میں شامل نہیں۔ تم سب اس امر پر یقین رکھتے ہیں کہ دُنیا کو بچا کر رکھنا آسان کام نہیں، لیکن تم دُنیا کو تباہ کرنا بہت آسان سمجھتے ہو۔ تم اتنے دیوانے ہو کہ دُنیا کو تباہ کرنے کے لیے خود بھی مرنا پسند کرتے ہو۔ تباہی کا یہ مشن تمہارے لیے کمیل سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتا جب کہ ہم میں سے بعض دُنیا کی سلامتی کے لیے مرجانا بھی پسند کرتے ہیں۔" یہ کہتے ہوئے اُس نے دونوں بے جان جسموں کی طرف ایک بار پھر دیکھا اور اس مرتبہ اُس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

"اگر تم ہرام ہو تو... یہ دونوں کون ہیں؟" شفاعت نے پوچھا۔

"یہ میرے لیے کام کرتے تھے۔ بس دو فاحشیں بہت ہو گئیں۔" ہرام نے لبلبی پر انگلی رکھ لی، لیکن اس سے قبل کہ وہ لبلبی دبا دیتا، ایک مضبوط ہاتھ نے اس کے حلق کے گرد گھیرا ڈال دیا اور اس کی کنپٹی پر ایک ریوالور کی نال جم گئی۔

"ابھی نہیں۔ پستول پھینک دو۔" یہ حکم کسی عورت نے دیا تھا۔

ہرام عورت کو قابو کر سکتا تھا لیکن اُسے یہ خدشہ تھا کہ کہیں شفاعت کے مزید ساتھی موجود نہ ہوں اور پھر وہ مل کر اُس پر قابو پالیں اس طرح دُنیا کی تباہی کا پروگرام یقیناً مکمل ہو جاتا۔

اُسے انتظار کرنا تھا، تاکہ وہ اس پروگرام کو ناکام بنانے کے لیے ایک اور موقع حاصل کر سکے۔ اُس نے مہلت حاصل کرنے کے لیے پستول ڈال دیا۔

"تم کمال کی عورت ہو مارسیا۔" شفاعت اب پھر فاتحانہ انداز میں ہنس رہا تھا۔

مارسیا نے ہرام کی گردن چھوڑ دی۔

"ارے... میں نے تم سے غار والی لڑکی کے لباس کی فرمائش کی تھی جانم۔" شفاعت نے جھوم کر کہا۔

ہرام نے پلٹ کر دیکھا۔ وہ خوب صورت عورت تھی۔ سیاہ پتلون اور سفید بلاؤز میں اس کا بدن کھلا ہوا تھا۔

"شفاعت! اب تم مجھے معمولی عورت سمجھنا چھوڑ دو۔" مارسیا نے بڑی سنجیدگی سے جواب دیا۔

ہرام ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔ جب کہ مارسیا کے اس جملے پر شفاعت حیرت زدہ رہ گیا۔ اُس نے جھک کر ہرام کا پستول اُٹھانے کی کوشش کی لیکن بھرتی ساختہ اعشاریہ ۳۸ ایک بار زور سے گرجا۔ ہرام کے پستول کے قریب پتھریلی زمین سے گولی ٹکرائی اور اُچٹ کر دور جا گری۔ گولی لگنے سے ان گنت کنکریاں بھی اُڑیں۔

"پستول وہیں پڑا رہنے دو شفاعت۔" مارسیا نے درشت لہجے میں کہا۔ اس بار اُس کے ریوالور کا رُخ... شفاعت کے سینے کی طرف تھا۔ "مجھے میزائلوں کے وہ کوڈ درکار ہیں، جن سے میزائلوں کو متحرک کیا جا سکتا ہے۔"

ہرام نے مارسیا کی آنکھوں کی طرف ایک پل کے لیے دیکھا تھا، اُسے ایسا لگا تھا، جیسے یہ کالی کالی آنکھیں کسی آدم خور شارک کی ہوں۔

"یہ... یہ کیا ہے؟ کیا تم ہرام کی ساتھی ہو؟" شفاعت کے چہرے پر ہوائیاں سی اُڑ رہی تھیں۔

"نہیں..." مارسیا بہت زور سے قہقہہ لگا کر ہنس پڑی۔ "میں فردوس کے ساتھ نہیں، بھرت لینڈ کی خادم ہوں۔"

"تم... تم بھرت لینڈ کی جاسوسہ ہو؟" شفاعت نے اس بار حیرت سے پوچھا۔

"ملن اگر میں بھرت لینڈ کی جاسوس نہ ہوتی تو تم جیسے... غبیث آدمی کے ساتھ ایک روز بھی نہ رہتی... اور ملن... میں تمہیں وقت کی اہمیت کا احساس دلانا چاہتی ہوں۔ گن میرے ــــــ ہاتھ میں ہے۔ اُس کا رُخ تمہاری طرف ہے لہٰذا کوڈ نمبر فوراً بتا دو۔"

"لیکن میزائل تو بھرت لینڈ کو بھی تباہ کر دیں گے"... شفاعت نے اُسے خبردار کیا۔

"نہیں اب ایسا نہیں ہوگا۔ فردوسی میزائلوں کا رُخ فردوس کے اپنے شہروں کی طرف ہی کر دیا گیا ہے۔"

"پھر خود ہی سوچو۔ تم بھی ماری جاؤ گی۔" شفاعت نے اُسے ڈرانے کے لیے کہا۔

"ملن... لیکن پھر بھرت لینڈ کی دُنیا بھر پر حکومت ہو گی۔" مارسیا کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ "اس کے لیے میری جان چلی جائے، مجھے کوئی پروا نہیں۔ یہ بہت معمولی قیمت ہوگی۔"

"تب پھر یہ قیمت ابھی ادا کر دو۔"

یہ روبی کی آواز تھی، جسے سن کر وہ تینوں اُچھل پڑے۔ اس بار بھی انھیں عورت ہی نظر آئی تھی۔ اس عورت نے تیزی سے پوزیشن لی۔ اُس کے دونوں ہاتھ پستول پر تھے۔ ... اور اس سے قبل کہ مارسیا کچھ کرتی تین گولیاں سنسناتی ہوئی مارسیا کے سینے میں پیوست ہوگئیں۔

بھرتی عورت کا چہرہ جو ایک لمحہ پہلے انتہائی... خوب صورت لگ رہا تھا۔ اچانک ہی بگڑ کر مسخ ہوگیا۔ اُس کے سینے سے خون کا فوارہ بلند ہوا۔ اُس کی ٹانگیں کانپنے لگیں اور وہ آہستہ آہستہ گرنے لگی۔ اسی لمحے شفاعت نے ایک پتھر اُٹھا کر روبی کی طرف پھینک دیا۔ پتھر روبی کے ہاتھ پر لگا اور اُس کا پستول اُچھل کر گھاٹی میں جا گرا۔ روبی ہاتھ پکڑ کر تڑپنے لگی۔

ہرام نے پہلے روبی اور پھر شفاعت کو دیکھا، ہرام کا پستول اب شفاعت کے ہاتھ میں تھا۔

"ان عورتوں کو طبی امداد کی ضرورت ہے شفاعت۔"

"وہ انھیں جنت یا جہنم میں مل جائے گی۔" شفاعت کا لہجہ بہت زہریلا تھا۔

"تم پاگل ہو۔"

"نہیں، پاگل نہیں، صرف اُکتایا ہوا آدمی ہوں۔" شفاعت مسکرا رہا تھا۔ "تم دُردست، میں تمہیں قتل نہیں کروں گا۔ میں اور تم... ہم دونوں اُس وقت تک زندہ رہیں گے، جب تک آسمان پر ایٹمی دُھواں نظر نہ آجائے، مجھے یقین ہے کہ تم بھی ایسے منظر کو پسند کرو گے۔ تم نے قرمزی شعلے دیکھے ہیں؟"

"تمہیں ایسا منظر دیکھنے کا موقع نہیں ملے گا شفاعت۔" ہرام دانت پیس کر بولا۔ وہ بغیر محسوس طور پر مارسیا کی طرف کھسک رہا تھا، جس کا ریوالور اُس کی لاش کے قریب ہی پڑا تھا۔

"وہ کیوں؟"

"اس لیے کہ تمہارے ہاتھ میں موجود پستول میں گولیاں نہیں لہٰذا تم مجھے وہ کچھ کرنے سے نہیں روک سکو گے جو میں کرنا چاہتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے، ابھی آزمائے دیتا ہوں۔" شفاعت نے پستول کا رُخ زمین کی طرف کر کے کہا۔ اس کے لبلبی دبانے سے قبل ہی ہرام نے زقند بھر کے مارسیا کے پیچھے پناہ لی۔ ایک زوردار دھماکا ہوا۔ ہر طرف خوفناک شیل کے دھوئیں کے ٹکڑے اُڑنے لگے۔ ایسا لگا، جیسے سنگریزوں کی بارش ہو

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

گئی ہو خود بہرام بھی نہ بچ سکا۔ ایک ٹکڑا اُس کی ران میں گھس گیا۔ لیکن روبی چونکہ ہوش پڑی تھی محفوظ طور پر محو نظر رہی۔

ایک بڑا ٹکڑا زمین پر ٹکرا کر اُچھلا اور ہیبن شفاعت کے ذہن میں گھس گیا۔ شفاعت آگے کی طرف جھولا، پھر گرا۔ اُس کا چہرہ ایک پتھر سے ٹکرایا۔ اس کے بعد وہ ساکت ہو گیا۔

بہرام جو حیرت زدہ ہونے کے ساتھ ساتھ خوف زدہ بھی تھا۔ ران کے زخم کا معائنہ کر کے کھڑا ہو گیا۔ وہ زیادہ کاری زخمی نہ تھا۔ اُس نے شفاعت سے پہلے روبی کی طرف دیکھا۔ وہ کراہ رہی تھی جب کہ شفاعت کا سر کھلا ہوا تھا آنکھیں سوراخوں سے باہر نکل آئی تھیں۔ دانت بکھرے ہوئے پڑے تھے۔ بال سُرخ ہو رہے تھے۔ بہرام کانپ رہا تھا۔

اس وقت ہمت نہ ہارنا" اُس نے اپنے آپ سے کہا۔ اُسے روبی کا خیال آیا لیکن اُسے علم تھا، روبی سے زیادہ اہمیت شفاعت کے کمپیوٹروں کو حاصل ہے۔ اُسے یہ کمپیوٹر تباہ کرنے تھے، وہ پروگرام منقطع کرنا تھا جس کا نتیجہ ایٹمی جنگ تھی۔

"سب سے پہلے یہی کام کرنا ہو گا۔" وہ بڑبڑانے لگا۔ "اوشان اور ٹائیگر کی قربانی دینے کے بعد یہ کام اور زیادہ ضروری ہو گیا ہے تاکہ یہ قربانیاں رائیگاں نہ جائیں۔"

اُس نے ایک طویل سانس لے کر میدان کی طرف دیکھا تو اُچھل پڑا۔

دونوں لاشیں غائب تھیں۔

کون لے گیا؟ وہ بوکھلا اُٹھا۔ اُس کی نظریں چاروں طرف کا جائزہ لینے لگیں۔ اُسے ایسا لگا، جیسے اضطراب اُس کے جسم میں تند و تیز سیلابی پانی کی طرح ٹکریں مار رہا ہو۔ اُن کی لاشیں کھو دینا بھی ایسا ہی ہے، جیسے انھیں کھو دیا ہو۔"

وہ شرمندہ تھا، اُس کا دل بھر آیا۔

اُن کی لاشیں بھی غائب ہو گئیں۔" وہ گھٹنوں کے بل جھک گیا اور پھر زمین پر لیٹ کر بچوں کی طرح رونے لگا۔

وہ ٹائیگر... شہزاد... کے لیے رو رہا تھا، جس کو اُس نے اتنی آسانی سے قتل کرا دیا تھا۔ وہ اوشان کے لیے رو رہا تھا جس کو اُس نے بلیک میل کر کے اپنے ہی بیٹے کو قتل کرنے کے لیے بھیج دیا تھا۔

خود اپنے لیے رو رہا تھا۔

وہ روتا رہا۔ سسکیاں لیتا رہا اور اُسے قدموں کی چاپ بھی سنائی نہ دی۔

وہ تو کیا... کوئی اور بھی اُن قدموں کی چاپ کبھی نہیں سن سکا تھا۔

"کاش تمھارے پاس کیمرا ہوتا نیل فادر۔" اُس نے ٹائیگر کی چہکار سُنی وہ تڑپ اُٹھا اور پھر آنکھیں ملنے لگا۔

اوشان لطیفے کی طرح قہقہے کرتا ہوا ہنس رہا تھا۔

بہرام رونے لگا۔

"یہ وہم ہے۔" اُس نے بلک کر کہا۔ "کیا... کیا... تم زندہ ہو؟"

"جی ہاں شہنشاہِ معظم۔" اوشان نے سر خم کر کے جواب دیا۔ اُس کے نوزائیدہ چہرے پر جوانی کی شوخی تھی۔

"اوہ... اچھا..." بہرام نے بڑی تیزی سے اپنی آنکھیں صاف کر ڈالیں۔ "ان میں کچھ پڑ گیا تھا۔"

"ہم..." اوشان نے کچھ کہنا چاہا مگر بہرام نے اُس کی بات کاٹ دی۔

"میں نے تمھیں لڑتے ہوئے دیکھا تھا۔" اُس نے اوشان کے خون آلود ہاتھوں کی طرف دیکھ کر کہا۔

"اوہ... اوشان نے دونوں ہاتھ لبادے میں چھپا لیے۔ "میں عجلت کے باعث اپنے ہاتھوں سے مزعی کا خون صاف نہیں کر سکا شہنشاہِ معظم۔"

بہرام نے ٹائیگر سے کچھ کہنا چاہا تھا لیکن اُس کا منہ کھلا رہ گیا کیونکہ ٹائیگر وہاں موجود نہیں تھا۔ وہ تو پیچ مار کر روبی تک پہنچ چکا تھا اور اُس سے کچھ کہہ رہا تھا۔

"تم یہاں کیوں آئی تھیں؟" وہ اُسے ڈانٹ رہا تھا۔

"بکومت۔" روبی نے مشکل کہا۔ "میری کلائی ٹوٹ گئی ہے۔"

"کیا ہوا میرے بچے؟" اوشان نے بھی روبی کے قریب آ کر ٹائیگر سے پوچھا۔ "کون سی کلائی ٹوٹی ہے میری بچی؟"

"دائیں۔" روبی مشکل مسکرائی۔ اُس کی نظریں ٹائیگر پر جمی ہوئی تھیں۔

"کہاں سے ٹوٹی ہے؟" اوشان نے کلائی پکڑ کر اُس پر دوسرا ہاتھ پھیرا اور ہاتھ پھیرنے کے دوران انگوٹھے سے کلائی کو دباتا بھی رہا۔

"یہاں سے۔" روبی نے انگلی رکھی مگر اُچھل پڑی۔ ٹوٹی ہوئی ہڈی ہل گئی تھی اور اب اوشان ہاتھ پر مالش کر رہا

تھا۔ روبی نے آنکھیں بند کر لیں۔ اُسے ایسا لگا، جیسے درد کھینچ کھینچ کر نکل رہا ہو۔

"جھوٹ نہیں بولتے میری بچی۔" اوشان نے مصنوعی خفگی کا مظاہرہ کیا۔ "یہ کلائی بالکل ٹھیک ہے۔"

"کیا دُنیا تباہ ہونے سے بچ گئی ہے؟" روبی نے اچانک ہی بہرام کی طرف دیکھ کر تلخ لہجے میں سوال کیا۔

"ہاں۔" ٹائیگر نے بہرام سے پہلے جواب دیا۔ "مگر تم یہاں تک کیسے پہنچ گئیں؟"

"ہوٹل کے کلرک کو رشوت دینی پڑی تھی۔" روبی اب اُٹھ کر بیٹھ چکی تھی۔ اُس نے لاشوں کی طرف دیکھا بھی نہیں۔ اُس نے تمھارا فون سُنا اور مجھے بتا دیا کہ تم کہاں جا رہے ہو۔ مجھے تمھاری بات پر یقین نہیں آیا کیونکہ تم بڑے درجے کے جھوٹے ہو۔"

▼▼

ٹائیگر اور اوشان، روبی کو ایک کیبن میں چھوڑ کر بہرام کے ساتھ ساتھ شفاعت کے زیرِ زمین قلعے میں یہ دیکھنے کے لیے داخل ہوئے کہ وہاں مزید کوئی اور مہم جُو تو موجود نہیں۔ اندر رہا ہوا اپارٹمنٹ خالی تھا۔ بہرام تو صینی انداز میں کمپیوٹر دیکھ کر سر ہلانے لگا۔ اُسے یہ کمپیوٹر بہت اچھے لگے تھے۔

"میرے خدا!" اُس نے پروگرامنگ کا سلسلہ منقطع کرتے ہوئے کہا۔ "ان میں تو سارے دفاعی راز موجود ہیں۔" ساتھ ہی اُس نے کی بورڈ پر اُنگلیاں ماریں اور پھر فون اُٹھا لیا۔

"کیا فوج کی مدد طلب کر رہے ہو چیف؟" ٹائیگر نے مسکرا کر پوچھا۔

"نہیں۔" بہرام نے اُس سے نظریں چُرا کر جواب دیا۔ "چارہ گر سے رابطہ کر رہا ہوں۔ میں نے انھیں اس طرح سیٹ کر دیا ہے کہ ان کی تمام اطلاعات ہمارے کمپیوٹر میں منتقل ہو جائیں گی۔"

"کیا تمھیں ہماری ضرورت ہے؟"

"نہیں۔ میں یہ کام تنہا ہی کرنوں گا۔ تم جانتے ہو۔" بہرام نے شرمندہ شرمندہ سے لہجے میں جواب دیا۔

"ٹھیک... ٹائیگر دروازے کی طرف پلٹ گیا، لیکن پھر رُک کر پوچھنے لگا۔ "سوئیٹ ہارٹ! تمھاری آنکھیں میں کچھ دیر قبل آنسو کیوں تھے؟"

"بکومت... میں بتا چکا ہوں، کہ آنکھ میں مٹی پڑ گئی تھی۔" بہرام جھینپ سا گیا۔

●

"کیا آپ مجھے واقعی مار ڈالتے نیل فادر؟" روبی کو لینے کے لیے کیبن کی طرف جاتے ہوئے ٹائیگر نے اوشان سے پوچھا تھا۔

"کیا بلّے اپنے انڈے توڑ دیتی ہے؟"

"سمجھا نہیں۔" ٹائیگر حیرت سے اُس کی طرف دیکھتا رہ گیا۔

"کیا سمندری موج چاند کو تباہ کرنے کی کوشش کر سکتی ہے؟"

"ہیں...؟"

"تم ناقابلِ اصلاح ہو۔" اوشان کو غصہ آنے لگا۔ "کبھی کچھ نہیں سمجھ سکتے۔"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ مجھے واقعی مار ڈالتے۔"

"بکواس بند کرو نا شکرے... اور ذہن استعمال کرو۔"

"اچھا... میرا خیال ہے کہ آپ مجھے نہیں مارتے کیونکہ آپ کو مجھ سے محبت ہے۔"

اوشان منہ کھلا کر رہ گیا۔

چاہ بابل

دیو تاؤں کے شہر بابل کی کہانی

جسے مصنف نے 35 سال کی ریسرچ کے بعد قلمبند کیا۔

400 صفحات | قیمت -/400

اردو بازار لاہور

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"کیا آپ کو مجھ سے واقعی محبت ہے لٹل فادر؟" اوشان آسمان کی طرف دیکھنے لگا۔

"بولیں۔ کیا آپ مجھ سے محبت کرتے ہیں؟"

"یاک... یاک... یاک...." اوشان چلاّ اُٹھا: "تم دُنیا میں سب سے زیادہ بولنے والے جانور ہو۔ بھلا تم سے کون محبت کر سکتا ہے؟"

ٹائیگر ہنس پڑا اور اوشان منہ بنا کر چلتا رہا۔

بہرام نے روبی کو پھر غائب کر دیا۔ ٹائیگر نے طیارے میں سفر کرنے والی تمام عورتوں کا جائزہ لے کر اوشان سے سرگوشی میں کہا جس نے طیارے میں سوار ہوتے ہی مقدس اور قدیم رسموں کو یاد کرنے کے لیے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ ہندوؤں کے بارے میں اوشان کا اپنا فلسفہ تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ ہر پرندے پر سواری کی جا سکتی ہے لیکن کسی ایسے پرندے پر سواری کرنا نری حماقت ہے جو مشین سے چلتا ہو۔ یہی وجہ تھی کہ جب بھی فضائی سفر کا مرحلہ درپیش ہوتا، اوشان کے منہ کا ذائقہ تلخ ہو جاتا تھا۔

بہرام نے روبی کو پھر غائب کر دیا۔ ٹائیگر نے دوبارہ سرگوشی کی۔

"تو پھر؟" اوشان نے کاٹ کھانے والے انداز میں پوچھا۔

"تو پھر... پھر کچھ نہیں۔" ٹائیگر گُھما کر ایئر ہوسٹس کی طرف دیکھنے لگا جو ٹائیگر کی ان نظروں کی تاب نہ لاتے ہوئے لڑکھڑاتی ڈگمگاتی اور اس کے ہاتھ میں موجود کافی کے دونوں کپ ایک گنجے کی چندیا سے ٹکرا کر چندیا پر بہنے لگے۔ گنجا بہت بدمذاق ثابت ہوا۔ اس نے ایک منہ گالی کر ڈالا۔ ائیر ہوسٹس سوری سوری کہتے ہوئے رونے لگی مگر گنجے کے غصے میں برابر اضافہ ہوتا رہا پھر ٹائیگر کو بھی غصہ آ گیا۔

"بس اب پیٹ دو۔" ٹائیگر نے گنجے کو للکارا۔

"تم... تم سے کیا مطلب؟" گنجا حلق پھاڑ کر دہاڑا۔ "تم کون ہو، خود کو کیا سمجھتے ہو؟"

"میں خدائی فوجدار ہوں۔" ٹائیگر کھڑا ہو گیا۔ اس نے عام لڑاکا عورتوں کی طرح دونوں ہاتھ بھی ہلائے تھے۔ "میں تمہارا سُرمہ بنا کر ائیر ہوسٹس کی آنکھوں میں لگاؤں گا۔"

"بکواس بند کرو۔" گنجا اس بُری طرح چیخا کہ اُس کو کھانسی آ گئی۔ اس وقت کیفیت یہ تھی کہ کافی کے بھورے بھورے

لازوال
کہانیوں کے خالق
انوار صدیقی
کے
شاہکار ناول

خبیث (۵ حصے) ۲۰۰/-
برہمچاری ۱۵۰/-
درخشاں (۲ حصے) ۹۰/-
رقصِ ابلیس ۱۵۰/-
آسیب زدہ ۱۱۰/-
دستک ۱۰۰/-

مکتبہ القریش
اُردو بازار لاہور۲

قطرے اس کی سُرخ چندیا پر چمک رہے تھے۔ باقی کافی ائیر ہوسٹس کے اٹ وہائٹ سوٹ پر نکسیر بنا گئی تھی۔

"ایک بک بند کرو گنجے۔" ٹائیگر نے للکارا۔ اچھو قوتِ سماعت آگئی۔ گنجا جھلانگ لگا کر اس کی طرف لپکا تھا لیکن اس سے قبل کہ وہ ٹائیگر کی سیٹ تک پہنچتا دو نوجوانوں نے اسے دبوچ لیا۔ ایک نے اس کی گنجی چندیا پر چپت لگائی اور دوسرے نے چندیا پر گھونسوں کی بارش کر دی۔

ٹائیگر ہاتھ مل کر رہ گیا۔ نوجوانوں نے اسے اس کے بچپن کے شوق سے محروم کر دیا تھا۔ خود ٹائیگر دوسرے گنجے کے سر پر چپتیں لگانے کے لیے بے چین تھا لیکن اب کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ "باسی" چندیا پر چپت لگاتے ہیں لطف محسوس نہیں کر سکتا تھا۔

دونوں نوجوان گنجے سے تفریح لیتے رہے حتیٰ کہ ائیر ہوسٹس نے درمیان میں پڑ کر معاملہ رفع دفع کر دیا۔ گنجا سمجھ گیا تھا کہ اگر اس نے مزید فساد دکھائی تو اس کا حلیہ مزید بگڑ جائے گا لہٰذا وہ خاموشی سے اپنی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ ٹائیگر بھی اپنی نشست پر گر گیا۔

"مجھے افسوس ہے شہزاد۔" اوشان نے ایک شریر مسکراہٹ کے ساتھ اس سے کہا۔

"کیوں، کس بات کا افسوس ہے؟"

"تمہارے ہاتھوں کی کھجلی نہیں مٹ سکی۔" اوشان نے اس طرح کہا جیسے وہ کسی المیے کا اعلان کر رہا ہو۔

"ہوں۔" ٹائیگر منہ کا ذائقہ بگڑ کر رہ گیا۔ اسے ہمیشہ اس بات سے کوفت ہوتی تھی کہ اوشان دل کا حال پڑھ لیا کرتا تھا۔ وہ دیر تک خاموش بیٹھا رہا اور پھر اچانک ہی اس نے تیسری مرتبہ سرگوشی کی۔ "بہرام نے روبی کو پھر غائب کر دیا ہے لٹل فادر۔"

"اچھا!" اوشان اونگھ رہا تھا۔

"پتا نہیں وہ اس کو ہم سے دُور کیوں رکھنا چاہتا ہے۔"

"تاکہ سناتنجو کو جانشین نہ مل جائے۔" اوشان نے جواب دیا۔ "عظیم بہرام یہ نہیں چاہتا کہ جانشین ملنے کے بعد سناتنجو خود مختار ہو جائے۔"

۞

مقامی باشندے اسے ڈیول مانٹین کو ابلیس کہا کرتے تھے لیکن سفید فام باشندوں کے لیے وہ آشنا تھا نہ ہی اس کا وجود ان کے علم میں تھا کیونکہ سفید فام حکمران

کی فرانسیسی اور ہالینڈ کی سرحد پر واقع آتش فشاں کا یہ تو، پیرا ڈائز پیک سے بھی زیادہ بلند نہ تھا تاہم مقامی باشندے کو ڈیول مانٹین کے بارے میں پُراسرار روایات و حکایات سینہ بہ سینہ منتقل ہوتی تھیں۔ علاقے کے بزرگ اس سے وابستہ کہانیاں سناتے رہتے تھے اور عموماً یہی ذکر کرتے تھے کہ اس پہاڑ سے موت کا ورثہ وابستہ ہے۔

یہی پہاڑ تھا جس پر کریب انڈینیز حملہ آور قبائلیوں کے خلاف جنگ کرتے رہے تھے اور جہاں انھوں نے بھوک مٹانے کے لیے انسانی گوشت کھایا تھا۔ یہ انسانی گوشت اپنوں کا نہیں غیروں کا تھا۔

کولمبس کی آمد سے قبل کریب انڈینیز مُردہ آتش فشاں کے اردگرد آباد ہو چکے تھے اور یہیں ان کے قبرستان بننے لگے تھے۔ اس کے بعد جزیرے پر قبضہ کرنے کے لیے تو پوں اور بندوقوں سے مسلح ہسپانیوں نے دھاوا بول دیا تھا۔ ان کی کوشش تھی کہ انڈینیز کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جائے لہٰذا کریب انڈینیز نے کوہِ ابلیس پر اپنا تاریخی اجتماع کیا اور سورماؤں نے اجنبی حملہ آوروں کے دانت کھٹے کرنے کے لیے کمر ہمت کس لیں۔ انھوں نے سب سے پہلے اپنی عورتوں اور بچوں کو قتل کیا تاکہ عورتوں کی بے حرمتی نہ ہو اور بچے غلام نہ بنا لیے جائیں۔ بوڑھے، کمزور دل اور غیر مسلح لوگ پہاڑوں میں چھپ گئے جہاں سے انھوں نے اپنی نسل کو ختم ہوتے ہوئے دیکھا۔ رات کو وہ چوہوں کی طرح پہاڑوں سے اترے، انھوں نے میدانِ جنگ سے اپنے لوگوں کے لاشے اٹھا کر ان لاشوں کو کوہِ ابلیس میں دفن کر دیا۔

وہ ایک عرصے تک پہاڑوں میں رہے۔ انھوں نے ہسپانوی فاتحین کی واپسی اور انگریزوں کی آمد بھی دیکھی، پھر ولندیزی بھی آئے۔ پرتگالیوں کی آمد ہوئی اور فرانسیسیوں کا کنٹرول ہونے لگا۔ وہ دیکھتے رہے حتیٰ کہ دو سو سال میں بہتر نے سو لہ نئے رنگ بدلے۔ چینی کی پیداوار شروع ہوئی اور غلاموں کی تجارت نے فروغ حاصل کیا۔ ان برسوں میں جزیرے کا رنگ بھی بدل گیا۔ وہاں سفید رنگ کی جگہ کالے رنگ نے لے لی۔

جزیرے نے بتدریج ایک ایسی نئی شکل اختیار کر لی جس میں ولندیزیوں اور فرانسیسیوں کا مشترکہ کنٹرول تھا۔ عیسائیت اس اراضی میں شامل تھے، پھر پہاڑوں میں رہنے والے چند قبائل بھیس بدل کر ساحل تک پہنچے جہاں غلام عورتوں کا نیلام

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ہوتا تھا۔ انھوں نے ایسی عورتیں خریدیں اور پھر واپس آ گئے۔

ان کی نئی نسل نے جنم لیا۔ وہ مضبوط اور زرخیز تھی۔

پھر جب جزیرے سے دور نسلی کا خاتمہ ہو گیا تو وہ سب پہاڑوں سے اتر آئے۔ انھوں نے جزیرے کی مقامی آبادی میں شادیاں کیں۔ مقامی آبادی ار، افریقی اور یورپی نسلوں کا مشترکہ پربون چکی تھی۔ لوگ مضبوط اور طاقت ور تھے۔

اس مخلوط نسل میں جب انڈینیز کا خون بھی شامل ہو گیا تو ایک اور نسل نے جنم لیا جو پہلی نسل سے کہیں زیادہ بہتر تھی۔ لوگ امن و آشتی کے ساتھ رہنے لگے۔ کریب انڈینیز کی اصل نسل ختم ہوتی چلی گئی لیکن اس کے وارثوں نے ڈیول ماؤنٹین کو کبھی فراموش نہیں کیا۔

انھارویں صدی کے آخری نصف میں ہالینڈ کا ایک کلاتھ مرچنٹ سینٹ مارٹن آیا۔ اس کی کشتی میں لکڑیاں، بڑھئی اور نقاشی کا ریگر تھے۔ وہ پہاڑ پر دسویں صدی کی طرز تعمیر کا ایک ایسا محل بنوانا چاہتا تھا جو بہت شاندار ہو اور فرانس و ہالینڈ کی سرحد کے بیچ میں واقع ہو۔ اس نے پہاڑ اس لیے منتخب کیا۔ کہ اس کے آتش فشاں کے لب اب بھی چار فٹ بلند تھے جس کے باعث قدرتی طور پر قلعہ بندی سی ہو گئی تھی۔ اس نے اس کی بھی پروا نہ کی کہ فرانسیسی جزیرے کے آدھے حصے پر ملکیت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اسے ہالینڈ کا شہری ہونے پر فخر تھا اور اسے یقین تھا کہ وہ جہاں چاہے قلعہ بنا سکتا ہے۔ اس نے محض خیر سگالی کے طور پر فرانسیسیوں کو ایک ہزار گلاڈرز کا تحفہ پیش کیا لیکن بعد میں اسے احساس ہوا کہ یہ رشوت دینا غیر ضروری تھی کیونکہ پہاڑ سے کسی کو دلچسپی نہ تھی۔ یورپی اس کے قلعے میں آنا جاتے تھے لیکن انھیں رہنمائی کے لیے گائیڈ نہیں ملتا تھا۔ جزیرے کا کوئی باورچی وہاں جا کر کھانا پکانے کے لیے تیار نہ ہوتا تھا صفائی کے لیے کوئی خادمہ اچھے معاوضے کی پیش کش بھی قبول نہیں کرتی تھی۔

جزیرے کے شہری ڈیول ماؤنٹین پر جوتے سمیت آ کر اس کی توہین نہیں کر سکتے تھے۔

بڑے شوق سے محل بنانے والا متمول تاجر جلد ہی پریشان ہو گیا اور پھر ہالینڈ واپس چلا گیا۔ اس کا قلعہ جو پہلے ہی ویران تھا اب خالی ہو گیا۔ اس کی دیکھ بھال کرنے والا بھی کوئی نہیں تھا۔ ایک سو سال تک قلعہ یوں ہی ویران رہا لیکن پھر اچانک ہی ایسا لگا جیسے قلعہ زندہ ہو گیا ہو۔ اس پر ہیلی کوپٹر منڈلاتے ہوئے دیکھ کر مقامی باشندے آپس میں کانا پھوسی کرنے لگے۔

پھر انھیں گدھوں کی اس قطار کو دیکھ کر بھی حیرت ہوئی جو ایک شخص کی قیادت میں اوپر محل کی طرف جا رہی تھی وہ اس عظیم الجثہ بھٹی کو کھینچ رہے تھے جو حمل کو گرم رکھنے کے لیے استعمال کی جاتی تھی پھر چھوٹے سے جولیانا ائرپورٹ پر اترنے والے چھوٹے طیارے دیکھ کر بھی ان میں ہلچل سی مچ گئی۔ ان طیاروں سے درجنوں خوب صورت عورتیں اترتی تھیں اور... ہیلی کاپٹروں کے ذریعے ڈیول ماؤنٹین لے جائی جاتی تھیں۔

وہ قلعہ کو تجسس بھری نظروں سے دیکھتے رہتے تھے۔

ان میں یہ بحث بھی چھڑ جاتی تھی کہ نیا مالک کون ہے؟ ایسی جگہ آخر کون رہے گا؟ ان میں سے بیشتر کو علم تھا کہ محل کے در و دیوار بوسیدہ ہو چکے ہیں اور اس میں موت و افسردگی کی بو رچی بسی رہتی ہے۔

"صرف ایک یورپی ہے، وہ ڈچ مین کی طرح آیا ہے۔"

کسی نے بہت تحقیق کے بعد اس سوال کا جواب دیا تھا۔

پھر بعض لوگوں نے اسے دیکھ بھی لیا تھا۔ وہ پستہ قامت اور خاموش خادم کے ساتھ گاؤں سے گزرا تھا۔ خادم اس کے اشارے سمجھتا تھا اور ہاتھوں کے اشارے سے گفتگو کرتا تھا۔

عورتوں کا کہنا تھا کہ محل کا نیا مالک بہت دلچسپ شخص ہے۔ اس کے بال پیلے اور آنکھیں نیلی ہیں۔ وہ بلی کی طرح چلتا ہے۔

ان تعریفوں کے باوجود اس شخص کی شخصیت میں بڑا اسرار پنہاں تھا۔ کسی نے اسے مسکراتے ہوئے نہیں دیکھا۔ جب کبھی بھی وہ دکان میں داخل ہوتا اس کے قدموں کی آہٹ تک نہ ہوتی۔ جانوروں کو اس سے نفرت تھی۔ اگر وہ کسی بھیڑ بکری یا گدھے کے قریب سے بھی گزرتا ان میں افراتفری سی پھیل جاتی۔ اگرچہ وہ کئی زبانوں پر عبور رکھتا تھا لیکن اس نے کبھی ایک دو جملوں سے زیادہ بات نہ کی تھی۔ اس کا کوئی دوست نہ تھا۔ حتیٰ کہ جزیرے پر رہنے والے یورپی بھی اس سے واقف نہ تھے۔

وہ اسے ڈچ مین کہتے تھے۔

ہر ایک اس سے خوف زدہ تھا۔ لوگ ڈیول ماؤنٹین جانے سے کترانے لگے تھے۔

۞

ڈچ مین انتظار کر رہا تھا۔

ایک محرابی کھڑکی کے کنارے گہری سل پر وہ کسی ایسی

بلی کی طرح بیٹھا ہوا تھا جو شکار کی تاک میں ہو اور کسی بھی پل اچھلنے کے لیے تیار ہو۔ وہ مشرقی طرز کے گاؤن میں تھا۔ اس کے پیر ننگے تھے۔ چاندنی کے باعث اس کے سنہرے بال چمک رہے تھے اور چہرہ پر جزیرے کی ٹھنڈی ہوا تھپیڑے مار رہی تھی۔

اس کے نیچے، جزیرے کے ولندیزی حصے میں سو بائنر ہاربر ٹرانسپورٹیشن کارپوریشن پھیلی ہوئی تھی۔ ہزاروں ٹن کارگو کنٹینروں میں بند ان بڑے جہازوں کا منتظر تھا جو سینٹ مارٹن ہاربر میں داخل ہونے والے تھے۔ ہاربر سے دور، قلعے کے دوسری طرف جزیرے کا فرانسیسی حصہ تھا۔ یہ علاقہ ایک ڈھلان کھاڑی پر مشتمل تھا جہاں سے ساحل اور سمندر کی کھاڑیاں صاف نظر آتی تھیں۔

فرانسیسی علاقہ بہت خوب صورت تھا لیکن کھڑکی پر بیٹھی ہوئی طرح بیٹھا ہوا نوجوان ہاربر کے نظارے کا عادی ہو چکا تھا۔

یہ اس کا اپنا ہاربر تھا۔

وہ مسکرانے لگا۔ اس نے کبھی کام کے اوقات میں ہاربر کا دورہ بھی نہ کیا تھا لیکن روزانہ سینکڑوں افراد شپنگ ایجنٹ اور ملاح، کام کرنے کے لیے وہاں پہنچتے تھے اور اس شخص کے لیے دولت کماتے تھے جس کو انھوں نے دیکھا تک نہ تھا اور جس کے بارے میں صرف افواہیں سنی تھیں۔

ڈچ کیپٹل فلپس برگ اور فرانسیسی علاقے کے دارالحکومت میری گوٹ میں روزانہ دوسرے لوگ کام کاج کی نگرانی کرتے، اپنا یومیہ منافع حاصل کرتے، وکیلوں کو ادائیگی کرتے رشوتیں دیتے، اپنے گھر والوں کے لیے شاندار عمارتیں بنوانے کے انتظامات کرتے اور ہر ماہ پانچ ہزار امریکی ڈالروں سے بھرا ہوا ایک لفافہ میری گوٹ کے پوسٹ آفس میں سیفٹی ڈپازٹ بکس میں چھوڑ آتے۔ کمپنی کے اعلیٰ حکام کی ماہانہ آمدنی پانچ ہزار ڈالر سے زیادہ تھی۔ یہ اندازہ بہر حال ڈچ مین کا تھا۔ پانچ ہزار ڈالر دینے کی شرط یہی تھی کہ کسی بھی حالت میں ہاربر ٹرانسپورٹ کارپوریشن کے امور میں غیر ضروری دلچسپی نہ لی جائے۔

لوگوں کو اس شرط پر حیرت نہ تھی کیونکہ ان کی اکثریت ڈچ مین کو پاگل سمجھتی تھی۔ وہ جانتے تھے کہ اسے صرف فرانسیسی لوا لفظوں سے دلچسپی ہے جو بذریعہ طیارہ یہاں آتی اور جاتی ہیں۔ وہ اپنے قلعے میں محدود رہتا ہے۔ وہ اپنے بہرے اور گونگے ملازم کے علاوہ کسی سے بھی نہیں ملتا۔ لوگ سمجھتے تھے

ایک بے بس نوجوان کی حیرت انگیز داستان
جسے اپنی موت کا وقت معلوم ہو گیا تھا

مظلوم

یعقوب جمیل کے ہوشربا قلم سے
جس کا قارئین کو برسوں سے انتظار تھا

مکتبہ القریش سرکلر روڈ اردو بازار لاہور
فون 7668958

کہ ڈچ مین گوشت نہیں کھاتا۔ اس نے قلعے میں بجلی کا کنکشن بھی نہیں لیا ہے۔ ان کا اندازہ تھا کہ وہ جو بھٹی لے کر آیا ہے اس سے بھی پورا قلعہ گرم نہیں رہ سکتا۔ ممکن ہے اس نے وہ حصہ گرم رکھنے کے لیے یہ بھٹی منگوائی ہو جہاں مہمان عورتیں رہتی تھیں۔

ڈچ مین انتظار کرتا رہا۔

جھٹ پٹا آہستہ آہستہ رات میں بدل گیا۔ ہاربر کی روشنیاں جل اٹھیں جن کے باعث شپ یارڈ کمپاؤنڈ کے باہر ایک ہی صف میں دور تک کھڑے مورے نارنیل کے درخت چمکنے لگے۔ یہ چمک سمندر کے سینے کو بھی روشن کرنے لگی۔

گرم ہوائیں اب زیادہ تیز ہو گئی تھیں۔ ان میں سمندر کی خوشبو آ رہی تھی۔

اس نے آنکھیں بند کر لیں اور سوچنے لگا۔

"مجھے یہ نام کس نے دیا ہے؟" وہ سوچ رہا تھا: "جرمی پارسل" یہ اس کا اپنا نام تھا اور پھر اسے اپنا بچپن یاد آنے لگا۔

نئی زندگی کا آغاز گندم کی بالیوں سے ہوا تھا "ماسٹر" کو اگرچہ یقین تھا کہ بعض ناقابل یقین واقعات انتہائی معمولی واقعات کی کوکھ سے جنم لیتے ہیں لیکن اسے یہ علم نہیں تھا کہ جرمی کی غیر معمولی صلاحیتوں کے اظہار کا آغاز ایک کھلیان سے ہوا۔

یہ اس زمانے کی بات ہے جب جرمی سات آٹھ سال کا

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

تھا۔ وہ کچہری میں اپنے گھوڑے پر سوار تھا اور پہاڑی علاقے کی اس جھونپڑی کے قریب ہی تھا جس میں اس کا خاندان رہتا تھا۔ گھر کا پالتو سؤر قریب ہی کھلیان میں لوٹ پوٹ رہا تھا۔ جرمی کو اس کے ساتھ کھیلنے میں بڑا مزا آتا تھا اور روزانہ جب وہ کھلیان سے گندا ہو کر نکلتا تو اس کا باپ اس کی گردن پکڑ لیا کرتا۔

"تم نے اپنے کپڑے پھر خراب کر لیے۔" باپ نے خونخوار انداز میں کہا تھا۔

"نہیں پاپا، میں تو کھلیان کی صفائی کر رہا تھا۔" جرمی نے جواب دیا تھا۔

"اگر تم نے سؤر کو زیادہ تنگ کیا تو میں کسی روز تمہاری پٹائی کروں گا۔" باپ نے بوتل سے منہ لگا کر ایک بڑا سا گھونٹ لے کر جرمی کو انتباہ کیا تھا۔

جرمی کو اس کی یہ بات اچھی نہیں لگی تھی۔ باپ تو چلا گیا لیکن جرمی نفرت بھری نظروں سے سؤر کو دیکھتا رہا۔ اس کے دل میں نفرت کا طوفان جنم لے رہا تھا۔ اچانک ہی اس کی نظر سؤر کے لیے رکھی ہوئی گندم پر پڑی جو وہ بڑے شوق سے کھاتا تھا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے ایک عجیب سی تصویر ناچنے لگی۔ اس نے ساری گندم کھانے سے سؤر کا پیٹ پھٹتے ہوئے دیکھا۔ وہ ہنسنے لگا۔ اس کی یہ ہنسی عام سی نہیں بلکہ ہذیانی اور خوفناک تھی۔

اسی لمحے سؤر اس کے قریب آ گیا۔ وہ بھوکا تھا۔

جرمی نے گندم کی دو بالیاں اس کے ٹب میں ڈال دیں۔ سؤر نے ٹب فوراً صاف کر دیا۔ جرمی نے مزید کئی بالیاں ٹب میں ڈالیں۔ ٹھاؤ۔ اس وقت تک کھاتے رہو جب تک تمہارا پیٹ نہ پھٹ جائے۔" سؤر کھاتا رہا۔ جرمی ہاتھ بڑھا کر ٹب میں بالیاں ڈالتا رہا۔

پھر اچانک ہی سؤر کے حلق سے دردناک آوازیں نکلنے لگیں۔ وہ جرمی کے پیروں کو سونگھنے لگا۔ اس نے کراہنا شروع کر دیا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کے پچھلے دونوں پیر بے جان ہو گئے۔ وہ پچھلے پیروں کے بل بیٹھ گیا لیکن پھر اگلے پیروں میں بھی کپکپاہٹ شروع ہو گئی۔ وہ تڑپنے لگا اور دیکھتے ہی دیکھتے مر گیا۔

جرمی کو سؤر کی مردہ اور کھلی ہوئی آنکھوں سے بہت ڈر لگا تو وہ چیخ اٹھا۔

گھر کے اندر جرمی کے باپ نے چیخ سنی تو وہ گہری نیند سے بیدار ہو گیا۔

"خبیث اس بار پھر سؤر کو تنگ کر رہا ہے۔" وہ جھنجھلا کر اٹھ کھڑا ہوا۔

ادھر جرمی کو اب یہ خوف سوار ہو گیا تھا کہ اس کا باپ اس کی پٹائی ضرور کرے گا۔

باپ پیر پٹختا ہوا باہر آیا تو سؤر کی لاش دیکھ کر اس کا پارہ چڑھ گیا۔ اس نے گالیاں بکتے ہوئے سؤر کو اٹھانے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ وہ بہت غصے میں تھا۔

"میرا خیال ہے کہ میں پہلے تم ہی سے نمٹ لوں۔" وہ مڑ کر جرمی کی طرف پلٹا۔ اس کا خیال تھا کہ جرمی بھاگ جائے گا۔ لیکن وہ کھڑا رہا۔ اس کے ذہن میں اس وقت صرف سؤر کی وہ تصویر تھی جو اس نے سؤر کی آخری ہچکی کے وقت محفوظ کی تھی۔ وہ موت دیکھ چکا تھا، موت تخلیق کر چکا تھا۔

اُس کو اپنے بازو پر، باپ کی گرفت کا بھی زیادہ احساس نہ ہوا۔ باپ نے اسے جھٹکا دیا پھر اس کے چہرے پر تھپڑ مارا، جس کے باعث اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ باپ نے دوسرا تھپڑ بھی مارا۔

"نہیں۔" "مت مارو۔" جرمی نے چلا کر کہا لیکن باپ کا ہاتھ نہیں رکا۔

"نہیں۔" اس بار جرمی کے لہجے میں عجیب سا تحکمانہ انداز تھا۔ اُس نے آنسو بھری نیلی آنکھیں باپ کے چہرے پر گاڑ دیں۔ ان آنکھوں کے سامنے اب رنگ اور روشنی ناچ رہی تھی۔ آنکھیں باپ کے بالوں پر جم گئیں۔ "تمہارے بدن میں آگ لگی ہوئی ہے پاپا۔"

باپ کے بالوں سے واقعی ننھے ننھے شعلے نکل رہے تھے۔ اس نے زوردار چیخ ماری۔ وہ دونوں ہاتھوں سے سر پیٹنے لگا لیکن آگ بڑھتی چلی گئی۔ شعلے اب فلالین کی قمیص کو چاٹنے لگے تھے۔

جرمی کو یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ بغیر ماچس جلائے آگ بھی لگ سکتی ہے۔ وہ اپنے باپ کو بچانا چاہتا تھا۔ بھاگ جانا چاہتا تھا لیکن یہ تصویر نظروں میں جنم لینے لگی تھی اور وقت ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

چیخیں سُن کر اس کی ماں بھی گھر سے نکل آئی۔ وہ ایک چیخ مار کر اپنے شوہر کی طرف لپکنے لگی۔

"واپس چلی جاؤ۔" جرمی نے چلا کر ماں کو خبردار کیا لیکن

اس کی نظریں ماں کے اسکرٹ پر جم گئیں۔ ایک اور تصویر ابھری، یہ ماں کے اسکرٹ کے جلنے کی تصویر تھی اور اسی لمحے اسکرٹ نے بھی آگ پکڑ لی۔

باپ نے آگے بڑھ کر بیوی کے اسکرٹ کی آگ بجھانی چاہی لیکن دیکھتے ہی دیکھتے جرمی کے ماں باپ دونوں آگ میں بُری طرح لپٹ گئے۔

پھر دونوں گر گئے۔ ان کی چیخیں آسمان سے باتیں کر رہی تھیں اور جرمی سوچ رہا تھا کہ یہ سب کچھ اس کے سامنے ہو رہا ہے۔

●

"کوئی بھی نہیں کہہ سکتا کہ دونوں کس طرح جل کر مرے۔" لوئس نامی ایک بوڑھے نے سماجی بہبود کے دفتر سے آنے والی عورت کو بتایا۔ یہ ملاقات جرمی کے ماں باپ کی موت کے ایک ہفتے بعد ہوئی تھی۔ وہ بے سہارا جرمی کو ڈوڈ درسٹی لے جانے کے لیے آئی تھی جہاں اس کے مطابق ایک بڑی سی صاف ستھری عمارت میں ایسے ہی بچے رہتے تھے جن کا کوئی عزیز نہیں ہوتا تھا۔ لوئس اور اس کی بیوی جرمی کو اپنے ساتھ ہی رکھنا چاہتے تھے لیکن عورت نے یہ کہتے ہوئے انکار کر دیا تھا کہ وہ لوگ اتنے غریب ہیں کہ خود اپنے بچوں کو ٹھیک سے نہیں کھلا سکتے۔

جرمی عورت کے ساتھ پلیٹ فارم پر کھڑا ہوا تھا اور لوئس عورت سے باتیں کر رہا تھا۔ جرمی کو پلیٹ فارم پر آتی ہوئی ٹرین بہت اچھی لگی۔ عورت نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ پاپا لوئس نے جرمی کی پیٹھ پر تھپکی دی اور پھر اسے اٹھا کر ٹرین میں سوار کرا دیا۔ یہ لوئس اور جرمی کی آخری ملاقات ثابت ہوئی کیونکہ ڈوڈ درسٹی جانے والی اس ٹرین میں جرمی کو ایک دوسرا حادثہ پیش آیا جس کے بعد جرمی معمولی حالات سے نکل کر غیر معمولی حالات میں داخل ہوا اور اس کی رہنمائی کے فرائض "تاریکیوں کے شہنشاہ" نے خود سنبھال لیے۔

ٹرین میں پیشاب کرنے کے بہانے جرمی عورت کے قریب سے اٹھا۔ باتھ روم دو بوگیوں کے بعد تھا اور وہاں تک پہنچنے کے لیے اُسے سلیپر کیبن سے گزرنا تھا۔ ایک جگہ اُسے اپنی ہی عمر کا ایک لڑکا نظر آیا جو کئی کھلونے لیے ہوئے فرش پر بیٹھا تھا۔ جرمی نے اس سے بچ کر نکلنے کی کوشش کی لیکن محض اتفاقاً اس کا پیر ایک کھلونے پر پڑ گیا۔

نئے افق کا مقبول سلسلہ

سرفروش

نامور مصنف اظہر کلیم

کے ایڈونچرس قلم سے

دو حصوں میں مکمل سیٹ =/100

مکتبہ القریش سرکلر روڈ اردو بازار لاہور

فون 7668958

لڑکے کو غصہ آ گیا۔ وہ جرمی سے زیادہ طاقت ور تھا لہٰذا جرمی نے اس کے طمانچے کا جواب نہیں دیا۔ وہ لڑکے کو کھلونے جمع کرتے ہوئے دیکھتا رہا۔ لڑکا اسے جو ہلاک رہا تھا۔

ٹرین میں رونمائیاں اچانک ہی زیادہ ہو گئیں۔

لڑکے نے عجیب سی آواز نکالی اور کھلونے پھینک دیے۔

"نہیں۔" جرمی دل کی گہرائیوں سے چلایا لیکن اسی لمحے لڑکا چاروں ہاتھ پیروں کے بل فضا میں بلند ہوا اور بہت زور سے نیچے گرا۔ جرمی خوفزدہ ہو کر بھاگنے لگا۔

سلیپر کار کے کھانچے پر وہ اس شخص سے ٹکرا گیا جو ایک کیبن سے نکل رہا تھا۔

"لڑکے کی موت کا گواہ۔" جرمی بوکھلا اٹھا۔ لڑکے کے چوبا بن جانے کا شاہد۔" اس کی حالت غیر ہو رہی تھی۔ اس نے گھبرا کر ادھر اُدھر دیکھا، آس پاس صرف اس ایک شخص کے اور کوئی نہ تھا۔ اس نے بلیو بزنس سوٹ پہن رکھا تھا۔ اس نے اس آدمی کو دھکا دیا اور دوسری بوگی میں گھس کر دوڑنے لگا۔ باتھ روم میں گھس کر اس نے ٹھنڈے پانی کے چھپاکے مارے تاہم اس کے ذہن اور اس کی آنکھوں میں وہ چہرہ ناچتا رہا۔ بزنس سوٹ والے شخص کا چہرہ اس نے صرف ایک نظر دیکھا تھا اور اسے ایسا لگا تھا جیسے وہ کسی لاش کا بے تاثر چہرہ دیکھ رہا ہے۔ اس چہرے کو دیکھ کر اس وقت تو اس کو خوف کا احساس نہیں ہوا تھا لیکن اب وہ کانپ رہا تھا۔

پھر جب وہ باتھ روم سے نکلا تو وہی شخص باہر اس کا منتظر تھا۔ جرمی ایک لمحے کے لیے خوفزدہ ہو گیا۔ اجنبی نے اس سے کچھ نہیں کہا تو وہ مطمئن ہو کر اپنی سیٹ پر واپس پہنچ

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

گیا تاہم جب اس نے اجنبی کو بھی آتے ہوئے دیکھا تو اس کا دل دھک دھک کرنے لگا۔ اجنبی نے اس کی طرف دیکھا تک نہیں بلکہ اس کے سامنے والی نشست پر بیٹھ گیا۔ اس نے اخبار کھول لیا۔ جرمی نے عورت کی طرف دیکھا وہ سو رہی تھی۔

ایک گھنٹہ گزر گیا۔

باہر برف کھلے میدانوں میں گرگران کا بھورا رنگ سفید بنا رہی تھی۔ بوگی میں مکمل سناٹا تھا صرف ٹرین کی ایسی آواز آ رہی تھی جو خاموشی کا حصہ بن گئی تھی۔

برف!

جرمی چیخ و پکار کی آوازیں سن کر اچانک ہی بیدار ہو گیا۔ برفانی طوفان میدانوں سے گزر کر ٹرین کے اندر بھی گھس آیا تھا۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟" عورت بھی بیدار ہو گئی لیکن پھر برفانی طوفان انہی جھکڑوں سے واپس چلا گیا جن سے اندر آیا تھا اور بوگی میں نمی کا نام و نشان تک نہ رہا۔ عورت نے ادھر ادھر دیکھا۔ جرمی کا ہاتھ تھپتھپایا اور پھر سو گئی۔

"کمال ہے۔ کوئی چیز پھیلی تک نہیں ہوئی۔" کسی نے عقب سے چلا کر حیرت کا اظہار کیا۔ ہر شخص اس عجیب و غریب واقعے پر بحث کرنے لگا لیکن جرمی پریشان ہو گیا۔ وہ آنسو بمشکل ضبط کر رہا تھا کیونکہ اسے اس بات پر ندامت تھی کہ اس نے برف باری کا خواب ہی کیوں دیکھا۔ اسے احساس ہونے لگا تھا کہ وہ منحوس ہے۔ وہ جو بھی منفی خواہش کرتا ہے وہ پوری ہو جاتی ہے۔

اسے اچانک ہی ایک عجیب سے خون کا احساس ہوا۔ وہ جانتا تھا کہ نوگ منحوس افراد کو زندہ جلا دیا کرتے تھے۔ اس نے ایسی بہت سی کہانیاں سنی تھیں۔

اس کے دل میں بے اختیار فرار اور پہاڑوں میں چھپ کر زندہ رہنے کی خواہش پلنے لگی۔ اسے یقین تھا کہ اگر وہ ایک بار پہاڑوں میں پہنچ گیا تو کوئی بھی اسے تلاش نہیں کر سکے گا۔

اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ اس بار اسے سہم جانا پڑا۔

وہی اجنبی اسے گھور رہا تھا۔ جرمی سمجھ گیا کہ یہ شخص اس سے واقف ہو گیا ہے۔ وہ اس کی اصلیت جان گیا ہے۔

پھر بجلی سی چمکی۔ جرمی کو احساس تک نہ ہوا کہ کیا ہو رہا ہے۔ اس شخص نے بڑی پھرتی سے جرمی کے منہ پر ہاتھ رکھا اسے اٹھایا اور اپنے سلیپر کیبن تک پہنچ کر جرمی کو اندر پھینک دیا۔ اس سے قبل کہ جرمی اٹھتا اس اجنبی نے اسے ہلکا سا دھکا دیا جس کے باعث جرمی دیوار سے جا لگا۔ دھکا شدید نہ تھا لیکن جرمی کو ایسا لگا تھا جیسے اس کی ہڈیاں تک چُور مرا گئی ہوں۔

"اگر تم نے اونچی آواز کی تو میں تمہیں قتل کر دوں گا۔" اجنبی نے غرا کر کہا تھا۔ وہ سسکیاں لیتے ہوئے جرمی کے گرد گھوم رہا تھا، پھر وہ اس طرح رُک گیا جیسے کسی نتیجے پر پہنچ گیا ہو۔ "تم انتہائی غیر معمولی بچے ہو۔" اس کا لہجہ نرم تھا۔ اس نے یہ جملہ رُک رُک کر اس طرح ادا کیا تھا جیسے وہ لہجے پر قدرت نہ رکھتا ہو۔ "تم اس ٹرین میں کہاں جا رہے تھے؟" اس نے پوچھا۔

"ڈوورسٹی۔"

"وہ عورت تمہاری ماں ہے؟"

"نہیں... میرے... والدین مر چکے ہیں۔" وہ سسکیاں لینے لگا۔ "انھیں... میں نے... مار ڈالا۔"

اجنبی کی آنکھیں اور چھوٹی ہو گئیں۔

"گڈ۔" اس نے سرگوشی میں کہا۔ "کیا کسی کو یہ اندازہ ہے کہ تم کیا کچھ کر سکتے ہو؟"

جرمی سسکی لے کر رہ گیا۔

"برفانی طوفان۔ لڑکا تو ہوا بن گیا۔ ایسی صلاحیتوں کا علم کسی اور کو ہے؟"

جرمی نے سر ہلا دیا۔

"تم جانتے ہی ہو کہ اگر کسی کو تمہاری ان صلاحیتوں کا علم ہو گیا تو وہ تمہیں مار ڈالیں گے۔"

جرمی کانپ اٹھا۔ "میں... میں... آئندہ ایسا نہیں کروں گا۔"

"نہیں۔" اجنبی نے پہلی بار مسکرا کر اس کی طرف دیکھا تھا۔ "میری طرح تم بھی بہت اچھی طرح جانتے ہو کہ تم اپنی صلاحیتوں پر کنٹرول نہیں کر سکتے۔ جب تم نے برفانی طوفان ٹرین میں بلایا تو اس وقت تم گہری نیند سو رہے تھے۔ روؤ مت، تمہاری ان صلاحیتوں کا سود مند استعمال کیا جا سکتا ہے۔ صرف رہنمائی کی ضرورت ہے۔"

"لیکن ڈوورسٹی میں تو وہ لوگ مجھے جیل میں ڈال دیں گے۔" جرمی نے بڑی بے بسی سے کہا تھا۔

اجنبی دوسری مرتبہ مسکرانے لگا۔ "لیکن تم وہاں پہنچو گے ہی نہیں۔ مجھ سے تمہاری ملاقات نے تمہارے مقدر کو بدل ڈالا ہے۔ تم بہت امیر ہو جاؤ گے۔ تمہیں دنیا میں موجود ہر چیز مل

موت کے سوداگر
کے خالق
اقلیم علیم کے قلم سے لکھی گئی

پہلی سلسلے وار طلسماتی کہانی جس نے مقبولیت کے نئے ریکارڈ قائم کئے۔

ناگ بھون

ایک پراسرار اور ایڈونچر کہانی جو روپ بدل کر انسانوں کو محصور کرنے والی چمکیلی ناگنوں، جل منڈل، ناگ بھون اور ناگ پوجا جیسے ہولناک اسراروں سے پردہ اٹھاتی ہے۔

انتقام پر تلی ہوئی زہریلی ناگنوں جل کماری، ناگ رانی کے طلسماتی تصادم میں گھرنے کے بعد ایک نئی زندگی حاصل کرنے والے محمد سلطان خان کی لرزہ خیز کہانی جو اقلیم علیم نے اپنے الفاظ میں قلمبند کی ہے۔

قیمت
حصہ اول: 150/ روپے
حصہ دوم: 150/ روپے

کتاب اپنے قریبی بک سٹال سے طلب فرمائیں یا ادارے کے نام کی قیمت کا منی آرڈر ارسال فرمائیں۔ کتاب آپ کو بذریعہ رجسٹری کمال گھر پہنچ جائے گی۔

خط و کتابت کے لئے
مکتبہ القریش سرکلر روڈ، اردو بازار، لاہور۲

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

جا ئے گی۔ تمہاری ہر خواہش پوری ہوا کرے گی۔ تم ایسی زندگی گزارو گے تو نہ صرف تو کبھی ہو گی بلکہ ناقابل شکست بھی۔ تم میری مدد کرو گے۔ میں تمہاری رہنمائی کروں گا۔"

"تم کون ہو؟" جری کو احساس بھی نہ تھا کہ اجنبی کیا کہتا رہا ہے۔

"میں ماسٹر ہوں۔" اجنبی نے جواب دے کر کھڑکی کا شیشہ توڑا، جری کو گود میں لیا اور پھر باہر چھلانگ لگا دی۔

قلعے کی کھڑکیوں سے سمندر نظر آ رہا تھا۔ اس وقت وہ ناریل کے درختوں کے قدم چھونے کی جستجو میں تھا اور ڈچ مین کھڑکیوں سے کھڑکی کی سل پر اسی انداز میں بیٹھا ہوا تھا۔ اگر باہر سے کوئی دیکھ لیتا تو اسے یہی احساس ہوتا کہ وہ آرام کر رہا ہے لیکن ڈچ مین نے ایک پل بھی آرام نہیں کیا تھا۔ وہ انتظار کی کیفیت سے گزر رہا تھا۔

تب ہی دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔ پرانا دروازہ ہلکی سی آواز کے ساتھ کھلا اور سیاہ بالوں والا ایک شخص جس نے ڈاکو جری پہن رکھی تھی اندر داخل ہوا۔ اس کے ہاتھ میں سرخ رنگ کا ایک بکس تھا۔

"کیا ہے؟" ڈچ مین نے پوچھا۔ خادم کی آنکھیں اس کے ہونٹوں پر جمی رہی تھیں۔ وہ مالک کے ہونٹوں کی حرکت سے اس کے احکام کا اندازہ لگا لیا کرتا تھا۔ اس نے سر خم کرتے ہوئے بکس پیش کیا اور پھر اشاروں سے ایسا پیغام دیا جس کے باعث ڈچ مین کا پورا جسم کانپ اٹھا۔

"نہیں۔ یہ جھوٹ ہو گا۔" ڈچ مین نے دھیرے سے کہا لیکن اس وقت خادم انگلیوں کی مدد سے فضا میں دو تصویریں بنا رہا تھا۔ ڈچ مین اس کی انگلیوں اور اشاروں کو بغور دیکھتا رہا۔

"ایک نوجوان۔" وہ اسی نتیجے پر پہنچا تھا۔ "دوسرا بوڑھا... مشرقی...؟"

خادم نے سر خم کیا۔ قلم اٹھایا اور چاول سے بنے ہوئے کاغذ پر لکھنے لگا۔

"وہ آ گئے ہیں۔" خادم نے بمشکل اور بڑے حروف میں یہ لکھا تھا۔ اس نے کاغذ مالک کو پیش کیا۔ سرد و مرتبہ تیزی سے سر کیا اور کمرے سے نکل گیا۔

باہر اب پورے چاند کی چاندنی چھٹک رہی تھی اور اندر ڈچ مین بکس کو گھور رہا تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ انگلیوں کی کپکپاہٹ ختم ہو جائے۔ جب انگلیوں کی یہ تھرتھراہٹ دور ہو گئی تو اس نے بکس اوپر اچھالا۔ دایاں ہاتھ بلند کیا۔ بکس نیچے آیا اور جونہی انگلیوں کی زد میں آیا انگلیاں ہلیں کافی حرکت میں آئی اور بکس فضا ہی میں کرچی کرچی ہو گیا۔ اس میں سے ایک لفافہ نکل کر فرش پر گرا اور ڈچ مین نے اسے اٹھا لیا۔

آخر مل ہی گیا۔" اس نے لفافے کو سینے سے لگا کر کہا۔

وہ اٹھا۔ پہلے اسے اپنے سینے کے گرد زنجیروں کی بندش کا سا احساس ہو رہا تھا لیکن اب سینہ آزاد لگ رہا تھا۔ وہ دروازے تک گیا جہاں چوکھٹ سے باہر خادم منتظر تھا۔ یہ لفافہ ان... دو میں سے بوڑھے کے پاس پہنچا دو۔ اس کا نام اوشان ہے۔"

خادم نے سر جھکا دیا۔ رات میں سے گزرتا ہوا ڈچ مین ایک اور کمرے میں داخل ہوا۔ یہاں اس نے ایک پوشیدہ بیل کو ہلایا تو ایک خفیہ کمرے کا دروازہ نمودار ہو گیا۔ یہاں دو خوب صورت طلائی مجرابوں کے بیچ ایک چھوٹا سا چوکور بکس رکھا ہوا تھا۔ محرابیں ایسی تھیں جیسی معبدوں میں ہوتی ہیں۔

ڈچ مین بکس کے سامنے دوزانو ہو کر بیٹھ گیا۔

"تاریکی کے مالک۔" اس نے دعائیہ انداز میں سر جھکا لیا۔ "ان دونوں کو میرے پاس بھیجنے پر میرا نذرانہ شکر قبول کر۔ ان کی آمد قبل از وقت سہی لیکن میں وعدہ کرتا ہوں کہ تو مایوس نہیں ہو گا۔ میری خواہش میرا حکم ہے۔ میں کسی خون کے بغیر موت کو گلے لگانے کے لیے تیار ہوں۔ تیرا انتقام لیا جائے گا میرے مالک۔"

انتظار کی گھڑیاں ختم ہو چکی تھیں۔

●

ٹائیگر مکر کو مضبوط بنانے کی ورزش کر رہا تھا۔ ورزش عام سی تھی۔ اسے ایک کھاڑی سے ۴ فٹ نیچے پیٹ کے بل سمندر میں کودنا تھا۔ ٹائیگر ایسا چوکر کا پانی اس جگہ اتھلا تھا۔

"نہیں... نہیں۔" اوشان نے اچھل کر چلا کر کہا۔ اس کے دبلے پتلے بازو مسلسل ہل رہے تھے۔ وہ اس وقت ۱۹۲۰ء کے ایک شوخ رنگ باتھنگ سوٹ میں تھا۔ "فوراً واپس آ جاؤ۔"

ٹائیگر منہ بنا کر مچھلیوں نما پانی میں چلتا ہوا واپس آنے لگا۔ اس کے پیٹ کا رنگ اودا ہو رہا تھا۔

اوشان دونوں ہاتھ سینے پر باندھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے دونوں پیر ایٹ ایز انداز میں پھیلے ہوئے تھے اور اس کی کھڑکی کے چند بال تیز ہوا کے باعث مسلسل لہرا رہے تھے۔

"انتہائی باعث شرم۔" وہ چلانے لگا۔ "تمہارا پورا جسم بھیگ رہا ہے۔ باعث شرم۔ تم باعث ننگ بھی ہو۔"

"میں...؟" ٹائیگر نے کچھ کہنا چاہا۔

"تم کسی پتھر کی طرح پانی میں داخل ہوئے ہو احمق۔" اوشان بہت غصے میں تھا۔

"یہ بات میرے پیٹ سے کہیں ٹل فادر۔ میرا پیٹ کسی پھیلے ہوئے ٹماٹر کی طرح لگ رہا ہے جس کو توپ سے داغا گیا ہو۔ پانی صرف ایک فٹ گہرا ہے۔"

"یہ گہرائی ضرورت سے نو انچ زیادہ ہے۔" اوشان نے برا سا منہ بنا کر کہا۔ اس وقت اس کی آنکھیں رخساروں کی ہڈیوں کے اوپر دو چمکدار بٹنوں کی طرح نظر آ رہی تھیں۔

"فلائنگ وال کی ورزش ہلکے پھلکے انداز میں اس طرح کرنی چاہیے جیسے کوئی آبی پرندہ پانی پر بیٹھتا ہو۔ اس قسم کی خوفناک غلطی میرے کاؤل سانجو جیسے بچے کر لیتا ہے لیکن سانجو کی تعلیمات تمہارے جیسے غیر ملکیوں کے لیے زیادہ سہل نہیں۔"

"ٹل فادر۔ میں سانجو کی تعلیمات پر ہی عمل پیرا ہوں۔" ٹائیگر نے تلخ انداز میں جواب دیا۔ "لیکن میں آبی پرندہ نہیں بن سکتا۔ جب میں ایک سو میل فی گھنٹہ کی رفتار سے پانی پر گرتا ہوں تو پیٹ میں اینٹھن سی محسوس ہونے لگتی ہے۔ ویسے بھی... ٹائیگر کا لہجہ اچانک ہی خوشامدانہ ہو گیا۔ "ہم بھتیجوں پر نرمی نا؟"

"اگر تم کو آرام کی اتنی ہی ضرورت ہے تو پھر تم کچھ نہیں کر سکتے۔ تمہیں چھیلا کے پاس ہی رہنا چاہیے تھا۔"

"چھیلا؟" ٹائیگر حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"ہاں۔ وہی آدم خور شیرنی جس نے تمہیں بیل کی طرح دوڑ رکھا تھا۔" اوشان کا اشارہ شمالاً فن برگ کی طرف تھا۔

"میں...؟" ٹائیگر جھینپ سا گیا لیکن اس نے فوراً ہی پینترا بدل لیا۔ "ویسے اگر مہم کو ہمیں بھیجنی ہی دینی تھی تو سانجو جانے کی اجازت دیتا۔"

"چھیلا ایک نیم ملکی ہے اور کیا توقع کی جا سکتی ہے۔ میرا خیال ہے کہ تم آقا نے یہی اندازہ لگایا ہو گا کہ تم سانجو جا فمہ کے اہل نہیں ہو۔ اس نے تمہیں تعلیمات کے لیے نہیں سزا کے لیے ایسے دور افتادہ اور ویران مقام پر بھیجا ہے۔"

"سینٹ مارٹن دنیا کے حسین ترین ساحلوں میں سے ایک ہے۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ "کم از کم سانجو کے پتھریلے تپتے ہوئے اور ویران ساحل سے زیادہ اچھا ہے۔"

"تم!" اوشان قہر آلود لہجے میں بولا۔ "تمہیں سانجو کی توہین کرنے کی اجازت کس نے دی؟"

"آخری مرتبہ جب ہم وہاں گئے تھے تو وہاں کے احمق لوگوں نے مجھے قتل کرنے کی کوشش کی تھی۔ کیا آپ کو یہ یاد نہیں رہا ٹل فادر...؟"

"ہاں، غالباً انہوں نے تمہیں فلائنگ وال کی توہین کرتے ہوئے دیکھ لیا ہو گا۔" اوشان نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔

"انہوں نے آپ کے لیے بھی تالین نہیں بھجا دیے تھے۔" ٹائیگر نے کہا۔ "ان میں سے بیشتر اس حقیقت کے باوجود نوگان کے ساتھ تھے کہ آپ انہیں سونا بھیجتے ہیں۔ وہ خود کو ماسٹر آف سانجو کہلواتا تھا۔"

"یہ ماضی کی بات ہے۔" اوشان نے ٹالنے والے انداز میں کہا۔ "اب سانجو دم بہار میں بہت خوب صورت ہوتا ہے۔ آؤ میں تمہیں فلائنگ وال کا مظاہرہ دکھاؤں۔"

اوشان نے ساحل تک کا فاصلہ محض چند قدموں میں طے کیا اور پھر پانی پر چلنے لگا۔ اس کے پیروں کے صرف تلوے بھیگ رہے تھے اور ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ پتھر کی دیوار پر چل رہا ہو۔ اس کے چلنے کا انداز بھی عام سا تھا۔ دونوں ہاتھ ہلکورے میں جھول رہے تھے اور ٹائیگر محبت بھرے انداز میں اسے دیکھ رہا تھا۔ اسے اس بوڑھے شخص سے دلی محبت تھی جس نے اسے عام انسپکٹر سے ٹائیگر بنا ڈالا تھا۔ ٹائیگر کے نزدیک اوشان ہی سانجو تھا جس میں سانجو کی تمام عظمتیں یکجا ہو گئی تھیں۔

وہ فلائنگ وال سیکھنا چاہتا تھا۔

پھر اس نے اوشان کو کھاڑی پر چڑھتے ہوئے دیکھا۔ اوشان پچاس فٹ کی بلندی پر پہنچا۔ اس وقت وہ کسی پرندے کی طرح لگ رہا تھا پھر یہ پرندہ کھاڑی سے اڑ کر نیچے آنے لگا۔ ٹائیگر کی نظریں اس پر جم گئیں۔ اوشان بڑے پُروقار انداز میں پیروں کے بل پانی پر اترا اور دوڑنے لگا۔ پھر جب وہ واپس آیا تو اس کے تلوے ہی بھیگے تھے۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

پورے جسم پر پانی کا ایک قطرہ تک نہ تھا۔

"شاندار!" ٹائیگر نے مسکرا کر خراجِ تحسین پیش کیا۔

"یہ وزن کا تناسب اور توازن برقرار رکھنے کا مسئلہ ہے میرے بچے۔" ادشان نے اپنی تعریف سے خوش ہو کر جواب دیا۔ "اب میں چائے پینے کے لیے واپس جانا چاہتا ہوں۔" یہ کہتے ہوئے ادشان نے باتھ گنگ سوٹ پر ایک ریشمی لبادہ ڈال لیا جس کی پشت پر سنہرا نجمی مخصوص تلوار بنی ہوئی تھی۔

"ٹھیک ہے آپ چائے پئیں۔ میں دو مرتبہ فلانگ وال کی مشق کروں گا۔"

"دو مرتبہ... نہیں... تم دس مرتبہ اس کی مشق کرو گے۔" ادشان نے بڑی سنجیدگی سے اُسے حکم دیا۔

"دس مرتبہ۔" ٹائیگر بوکھلا گیا۔ "یقین کریں ٹل فادر! آپ کے سوا کوئی بھی ایک ہی وقت میں دس مرتبہ ایسی ورزش نہیں کر سکتا اور اگر کوشش کرے گا تو اپاہج ہو جائے گا۔"

"پھر بھی کوشش ضرور کرو۔ اگر اس کوشش میں تم راہیٔ ملکِ عدم ہوئے تو پھر تم سے جنت میں ملاقات کروں گا۔ اور ہاں! فوسی موڑ کاٹتے ہوئے سانس لینا نہ بھولنا۔"

"دس مرتبہ۔" ٹائیگر پیٹ پر ہاتھ پھیرنے لگا اور ادشان اس ولا کی طرف بڑھ گیا جو بہرام نے اُن کے لیے بک کرایا تھا۔

یہ عجیب بات کا حیرت انگیز بات تھی کہ بہرام نے نہ صرف انہیں تفریح کرنے کی اجازت دی تھی بلکہ خود ہی اینٹ مارٹن جانے کی تجویز رکھی تھی۔ عام حالات میں اُس نے کبھی ان کے لیے پورا ولا بک نہیں کرایا تھا۔ ہوٹل کے دو کمرے ہی کافی ہوتے تھے لیکن اس بار بہرام کے دریائے سخاوت نے جو جوش مارا تھا اس کا نتیجہ ایسے انتہائی نفیس ولا کی بکنگ میں نکلا تھا جس کا اپنا نجی ساحل تھا اور جس میں خادم بھی تھے۔ یہ بالکل ایسا ہی تھا جیسے بہرام اچانک ہزار پا بڑی رغبت سے کھانے لگے۔

ٹائیگر نے کھڑکی پر پہنچ کر بہرام کے بارے میں اپنی ان سوچوں کو ذہن سے جھٹک دیا۔ اب وہ مزید اوپر چڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اُس کی انگلیوں کی پوریں اسے سنگی دیوار کی طرف کھینچ رہی تھیں جب کہ پیر بڑی تیک رفتاری سے اُسے اوپر چڑھا رہے تھے۔ اوپر پہنچ کر اس نے ادشان کی شاندار ڈرائیو کے علاوہ ہر خیال کو ذہن سے کھرچ کر پھینک دیا۔ اس کے ساتھ ہی اُس نے ڈائیو لگا دی۔ اس کا جسم کسی بہترین ایتھلیٹ کے جسم سے بھی بہتر تھا۔ جسم کی رہنمائی کے خودکار نظام نے ڈائیو کے وقت ہی کام کرنا شروع کر دیا تھا۔ اس کے بازو کسی پرندے کے پَروں کی طرح ہل رہے تھے۔ وہ فضائی بھنور بھی محسوس کر رہا تھا۔ ہوا کے تھپیڑوں سے اُسے کوئی پریشانی نہ تھی۔ وہ اب بہت تیزی سے نیچے سمندر کے سینے کی طرف گر رہا تھا۔

تب ہی پانی نے بڑی نرمی سے اُسے چھوا لیکن اسی لمحے اس نے اینجل فش کے ایک گروہ کو ایک زیرِ آب چٹان کے اندر گھومتے ہوئے دیکھا۔ یہاں نوکیلے پتھر تھے اور ان پر اتنی بلندی سے گرنے والے کسی بھی جسم کا قیمہ بن سکتا تھا۔ ٹائیگر نے آخری لمحے میں ان نوکیلے پتھروں سے بچنے کے لیے جسم کو ہلکا سا جھٹکا دیا تو وہ کسی تیز رفتار کشتی کی طرح ساحل کی طرف پھسل گیا۔

"شاندار!" ٹائیگر نے فاتحانہ انداز میں نعرہ لگایا۔

"ابھی نو مرتبہ اور۔" ولا کے اندر سے زوردار للکار سنائی دی۔

●

ٹائیگر غسلِ آفتابی لے رہا تھا۔ اُس کی آنکھیں بند تھیں۔ دوپہر کے سورج کی تمازت اس کے عضلات اور اعصاب کو بڑی راحت بخش رہی تھی۔ اگرچہ وہ دس مرتبہ کی جانے والی اس ورزش نے اس کو تھکا دیا تھا لیکن اس نے مزید چار مرتبہ یہ ورزش کی تھی اور اب چودہ بار مسلسل کامیابی کے بعد وہ گہری نیند سونا چاہتا تھا۔

اسے نہ جانے کیوں ماضی یاد آ رہا تھا۔ ابھی وہ سرگوشی ادشان اور بہرام کی مشکل پر غور ہی کر رہا تھا کہ اُسے بند آنکھوں کے سامنے کوئی سایہ محسوس ہوا۔ اس نے آنکھیں کھول دیں، اور پھر لیٹا ہی رہا۔ اس کے سامنے بکنی ٹاپ میں ملبوس ایک لڑکی کھڑی ہوئی تھی۔

"تم یہاں دھوپ سے جل کر مر جاؤ گے۔" لڑکی مسکراتی ہوئی ٹائیگر ہی سے مخاطب تھی۔

"کیا؟"

"یہ..." لڑکی نے جھک کر اس کے بازو پر انگلی رکھی، دبائی اور ہٹالی۔ اس نے جس جگہ انگلی رکھ کر ہٹائی تھی وہاں گلابی دھبہ نمودار ہو گیا تھا۔ "سورج بہت ظالم ہے۔ تمہاری کھال جلا رہا ہے۔ تم اندر چلے جاؤ ورنہ سن برن بہت شدید

ہو جائے گا۔"

ٹائیگر نے پہلی مرتبہ لڑکی کو بغور دیکھا۔ وہ بہت خوبصورت تھی۔ اس کے بال گیلے تھے جن سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ اس کی آنکھیں سبز تھیں اور لمبی لمبی پلکوں کے نیچے چمک رہی تھیں۔

"تم تجربہ کار سیاح لگ رہی ہو۔" ٹائیگر نے مسکرائے بغیر تبصرہ کیا۔

"نہیں، میں یہیں رہتی ہوں۔ میرا نام فیبین ڈی لا سوبائر ہے۔" لڑکی نے اپنا ہاتھ بڑھاتے ہوئے تعارف کرایا۔

"شہزاد۔" ٹائیگر نے سر ہلا دیا۔

"امریکی ہو۔ نام سے تو نہیں لگتے۔"

"ہاں!" ٹائیگر نے دو معنی جواب دیا۔

"میں فرانسیسی ہوں لیکن یہاں جزیرے میں ہم سب کا تعلق سینٹ مارٹن سے ہے۔ خوش آمدید۔" لڑکی نے اس کے ہاتھ کو دوستانہ انداز میں جھٹکا دیا۔ وہ ہاتھ کھینچ رہی تھی لیکن ٹائیگر فوراً گھڑا ہو گیا۔

"میں امریکی ہوں اور تم فرنچ۔ ہم میں بہت سی باتیں مشترک ہوں گی۔ ایک دوسرے سے ملنے جلنے میں کوئی ہرج تو نہیں۔"

لڑکی نے ٹائیگر کو بغور دیکھا۔ اُس کی آنکھوں میں چمک اور تیز ہو گئی۔ وہ ٹائیگر کی کلائیوں سے بہت زیادہ متاثر نظر آ رہی تھی۔ "کیوں نہیں۔" وہ دلنواز انداز میں مسکرانے لگی۔ "آج رات میرے گھر آ جاؤ، تفصیل سے باتیں کریں گے۔"

"آج رات؟ ٹھیک ہے۔"

اسی لمحے برتنوں کے گرنے کی آوازوں کے باعث ٹائیگر ولا کے کچن کی طرف متوجہ ہو گیا۔ وہاں سے ایک سیاہ فام موٹی عورت ایک فرائی پان کو لکڑی کے چمچے سے بجاتی ہوئی چلی آ رہی تھی۔

"تم؟" وہ ان دونوں کو گھور کر بولی۔ "میرا خیال تھا کہ تم اندر جا چکے ہو گے۔ تمہیں پانچ گھنٹے ہو چکے ہیں۔ اس طرح تو تم چنوں کی طرح بھن جاؤ گی۔"

"ہیلو سیڈونی۔" فیبین ڈی لا سوبائر سیاہ فام عورت کو دیکھ کر مسکرانے لگی۔

"فیبی۔" سیڈونی نے ٹائیگر کے بازو پر ہاتھ مار کر کہا۔ "تم اس اچھی لڑکی سے کیا راز و نیاز کر رہے ہو۔ میرا خیال ہے کہ اسے ورغلا کر امریکہ بھگا لے جانے کی کوشش میں ہو۔" یہ کہہ کر اس نے فیبین کے دو زوردار بوسے لے لیے۔

"شہزاد سے میری ملاقات ابھی ہوئی ہے۔ مجھے تو یہ بہت نفیس مرد لگا ہے سیڈونی۔"

سیڈونی نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر ٹائیگر کو آنکھ ماری۔ "ہاں! سفید فاموں میں بہرحال یہ اچھا شخص نظر آ رہا ہے۔" یہ کہتے ہوئے اس نے مچھلی ٹائیگر کی پشت پر مارا۔

"ارے۔" ٹائیگر نے سیڈونی کے بازو پر نوچ کر احتجاج کیا۔ "تم میرے پیچھے کیوں پڑ گئی ہو؟"

"اس لیے کہ تم اچھے گورے پر واپنچے ہو۔" سیڈونی نے بڑی محبت سے کہا۔ "چلو کھانا تیار ہے۔" وہ فیبین کی طرف پلٹی اور اس نے نہ جانے کیا کہا۔ ٹائیگر کے کان ہوہی ہی ڈالو وادی ٹی نانو ماہی ہے سن سکے۔ اس جملے کا مطلب نہیں نکل سکا۔

"ہے ہی ہاکے ہی ہوڈائی ہوہی نو۔" فیبین نے قہقہہ لگا کر جواب دیا۔

"میں سمجھا نہیں معزز خواتین۔" ٹائیگر بڑی بے چارگی سے بولا۔

"سیڈونی کا کہنا ہے کہ تم بھورے چاولوں کے سوا کچھ اور نہیں کھاتے شہزاد۔" فیبین نے مسکرا کر کہا۔

"نہیں۔" ٹائیگر نے فوراً تردید کی۔ "میں بطخ کھاتا ہوں اور مچھلی بھی اور۔"

"ابلی ہوئی بطخ اور مچھلی۔" سیڈونی منہ بنا کر بولی۔ "ان جنوبیوں کو ہمیشہ یہ خیال رہتا ہے کہ وہ جو کچھ کھا رہے ہیں اس میں وٹامنز برقرار رہیں خواہ کھانا کتنا ہی بدذائقہ کیوں نہ ہو۔"

"اور میں نے سیڈونی کو بتا دیا ہے کہ میں بھورے چاول پکانے کی ماہر ہوں۔" فیبین نے مسکرا کر ٹائیگر کا ہاتھ تھام لیا۔ "میں نجی مچھلی بھی پکاتی ہوں۔"

"تم بھی؟"

"ہاں! آج رات کے کھانے پر دیکھ لینا۔ میرا ڈرائیور سات بجے تمہیں لینے کے لیے آ جائے گا۔ تم تب تک جا ہو اسے انتظار کرا سکتے ہو۔" فیبین کی آنکھوں میں ہی نہیں ملکہ لہجے میں بھی شہد اُمڈ آیا تھا۔

"میں سات بجے تیار ملوں گا۔" ٹائیگر نے اُسے یقین دلایا۔ جس پر وہ کھل اٹھی۔ اس نے دونوں کو الوداع کہا اور واپس چلی گئی۔ ٹائیگر چند لمحوں تک اس کی چال دیکھتا رہا۔ وہ جس

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

لڑکی چل رہی تھی اس سے صاف ظاہر تھا کہ ٹینس اور شہسواری اس کا شوق ہے۔

"اب تم بھی اندر جاؤ۔" سیڈونی نے ٹائیگر سے کہا۔ شرافی بوڑھا اپنے کمرے میں ٹی وی دیکھ رہا ہے اور ٹنچ سنا رہا ہے۔"

وہ اسے کچن میں لکڑی کی بڑی سی میز پر لے گئی۔ اس کے سامنے بھورے چاولوں کا پیالہ اور گرین ٹی رکھ کر اس نے اپنے لیے کالی چائے انڈین اور ٹائیگر کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھ گئی۔

"اچھا ہے۔" ٹائیگر نے چاولوں کا ذائقہ محسوس کر کے تعریف کی۔ "تم لڑکی سے کس زبان میں بات کر رہی تھیں سیڈونی؟"

"مقامی زبان پاپیامنٹو میں۔"

"اوہ! میرا اندازہ تھا کہ یہاں کی مقامی زبان بھی انگریزی ہی ہوگی۔"

"ہم سب انگریزی بول لیتے ہیں۔ یہاں فرانسیسی اور ولندیزی بھی بولی جاتی ہے۔ بعض لوگ ہسپانوی زبان بھی جانتے ہیں۔ ان تمام زبانوں سے مل کر پاپیامنٹو نے جنم لیا ہے۔ بہت آسان زبان ہے لیکن انگریز اسے نہیں سمجھ سکتے۔"

"لڑکی سفید فام ہے؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"بہت مختلف ہے۔ زندگی بھر یہاں رہی ہے۔ اس کے والد بہت اچھے آدمی تھے۔" سیڈونی نے بڑی افسردگی سے سر ہلا کر جواب دیا۔ "اب تو مر چکے ہیں۔"

"کیا حال ہی میں انتقال ہوا ہے؟"

"دو سال ہو گئے۔" سیڈونی نے گلاس کو گھورتے ہوئے جواب دیا۔ "میں نے کئی سال تک موسیو سوبانز کا کام کیا۔ جنگ کے دوران وہ مجھے اپنے ساتھ پیرس لے گئے تھے۔" سیڈونی عجیب انداز میں مسکرا رہی تھی۔ "موسیو اور سیڈونی۔ ہم تحریک مزاحمت میں شامل تھے۔"

"شاید تم نے وہیں شراب پینا شروع کی ہوگی۔" ٹائیگر نے ہنس کر کہا۔ وہ جانتا تھا کہ سیڈونی بلانوش ہے۔

"ہاں۔" سیڈونی اٹھ کر کچن ٹھیک کرنے لگی۔ "بہرحال فیبی بہت اچھی لڑکی ہے۔ ہر وقت مسکرانا اس کی عادت ہے اگرچہ وہ مفلس ہو چکی ہے لیکن اس کا مسکرانا برقرار ہے۔

اوہ! اس کا باپ بہت زیادہ... بہت ہی زیادہ امیر آدمی تھا لیکن پھر اچانک ہی اسے نہ جانے کیا ہوا کہ اس نے اپنی وصیت تبدیل کر دی۔ اس نے ہر چیز شپ یارڈز تک ڈوگمین کے نام کر دی حالانکہ وہ ڈوچ مین سے واقف بھی نہیں تھا۔"

"ڈوچ مین کون ہے؟"

"وہ بہت برا آدمی ہے۔" سیڈونی کی آنکھیں سکڑ گئیں۔ "کوہ ابلیس کے پرانے قلعے میں رہتا ہے۔ وہ بھی پاگل ہے۔ موسیو سوبانز بھی مرنے سے پہلے پاگل ہو گئے تھے۔"

"اچھا۔" ٹائیگر ہنس پڑا۔ "شاید اسی وجہ سے موسیو سوبانز کو ڈوچ مین پسند آ گیا تھا۔"

"فیبی سے اس موضوع پر کوئی بات نہ کرنا۔" سیڈونی نے سنجیدگی سے کہا۔ "اگر تم نے اس قسم کا تذکرہ چھیڑا تو وہ دلگیر ہو جائے گی کیونکہ وہ جانتی ہے کہ اس کی دولت پر وہ قبضہ کر بیٹھا ہے۔ وہ دو سال سے عدالتوں کے چکر لگا رہی ہے۔ بہت پریشان رہتی ہے بے چاری فیبی۔"

"لیکن وہ اتنی مفلس نہیں ہو سکتی جتنی تم سمجھتی ہو۔ اس نے ڈرائیور کو ملازم رکھا ہوا ہے۔"

"تم پریری کی بات کر رہے ہو۔ اس کا حادثہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ وہ صرف ایک سکے کے عوض کچھ بھی کر سکتا ہے۔ تم اس سے بھی محتاط رہو بات نہ کرنا۔ وہ بہت بڑبولا اور ہلکے پیٹ کا مالک ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" ٹائیگر نے مسکرا کر کہا۔ "یہ عورت کسی ایسی مشرقی خالہ یا پھوپی کی طرح نظر آ رہی تھی جو یتیم و یسیر بچے کو راہ راست پر رکھنے کے لیے کوشاں ہو۔"

"میرے بچے۔ تم سیڈونی کی باتوں کا برا نہ ماننے کے بجائے ان پر عمل کرو گے تو اس جزیرے میں کبھی کسی مسئلے سے دوچار نہ ہو گے۔" سیڈونی نے بڑی شفقت سے کہا اور ٹائیگر کا گال نوچ کر چلی گئی۔

▣

قدموں کی دھمک اس طرح آ رہی تھی جیسے شرمن ٹینک پیش قدمی کر رہے ہوں۔ اوشان کی پیشانی پر یہ آوازیں سن کر بل پڑ گئے کیونکہ وہ اس وقت ایک انتہائی خوب صورت ڈراما دیکھ رہا تھا۔

"دفع ہو جاؤ۔" وہ چلایا۔ "میری موجودگی میں اس قسم کی آوازیں پیدا مت کرو۔ ورنہ...."

کھڑکی سے دو پریشان آنکھیں نظر آئیں۔ ان آنکھوں کے اوپر پیشانی تھی اور اس پر ایک بہت پرانا ہیٹ۔

"آہ! شہنشاہ عالی مقام۔" اوشان نے فوراً ہی سر خم کر دیا۔ "میرا دل آپ کو دیکھ کر مسرت سے بے قابو ہو رہا ہے۔"

اوشان نے کن انکھیوں سے ٹی وی اسکرین کی طرف دیکھا۔ اس کا دل اب بھی ڈرامے میں تھا۔

"کیا میں اندر آ سکتا ہوں ماسٹر؟" بہرام نے مشکوک انداز میں چاروں طرف دیکھنے کے بعد پوچھا۔

"میں آپ کا خادم ہوں مالک۔" اوشان نے مسکرا کر کہا، لیکن اندر ہی اندر وہ کھول رہا تھا کیونکہ بہرام کے چہرے پر ہر جگہ یہ لکھا ہوا تھا کہ وہ ڈرامے سے زیادہ اہم موضوع پر تبادلۂ خیال کے لیے آیا ہے۔

"تشریف لائیے شہنشاہ معظم۔" اوشان نے بیٹا مکس کی خالی اسکرین دیکھ کر کہا۔ بہرام کھڑکی کے راستے ہی اندر آنا چاہتا تھا۔ اس نے کھڑکی کی سل پکڑی اور اوپر چڑھنے کی کوشش کرنے لگا۔ اوشان نے ہاتھ بڑھا کر اس کی کلائی تھام لی، پھر پل بھر میں بہرام ٹی وی کے قریب صوفے پر بیٹھا ہوا تھا۔

"میں ایک منٹ میں حاضر ہوا۔" اوشان ٹی وی اور وی سی آر ٹرالی دروازے کی طرف کھینچتا ہوا بولا۔ "میں شہزاد کو آپ کے سامنے پیش ہونے کی ہدایت کرنے جا رہا ہوں۔"

"نہیں۔" بہرام فوراً کھڑا ہو گیا۔ وہ بہت بے چین نظر آ رہا تھا۔ "ٹائیگر کچن میں خادمہ سے گفتگو کر رہا ہے۔ اسی باعث میں کھڑکی کے راستے آنے پر مجبور ہوا ہوں۔ مجھے صرف تم سے بات کرنی ہے ماسٹر۔"

"کیا ٹائیگر کو قتل کرنا ہے شہنشاہ؟"

"اوشان... پلیز۔" بہرام کو سب کچھ یاد آ گیا اور اس کا سنولایا ہوا چہرہ زرد ہو گیا۔

"تب پھر آپ مجھے کوئی پرائیویٹ مشن سونپنا چاہتے ہیں۔ غالباً کسی دوسری حکومت کا کوئی کام کرانا ہے۔" اوشان رازدارانہ انداز میں بولا۔ اس وقت اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔

"نہیں، ہم اس وقت حکومت امریکہ کے لیے کام کر رہے ہیں ماسٹر۔" بہرام نے صوفے پر تقریباً گرتے ہوئے جواب دیا۔ "حکومتیں راتوں رات آتی جاتی رہتی ہیں شہنشاہ معظم۔"

اوشان نے کہا۔ "لیکن جنگجو اور پیشہ ور قاتل صدیوں تک زندہ رہتے ہیں۔ میں آپ کی ہر خواہش پوری کرنے کے لیے تیار ہوں۔"

"گڈ! مجھے یہی یقین یہاں لایا ہے۔" بہرام نے سکون کی سانس لے کر کہا۔

"اوہ!" اوشان اچانک ٹی وی کی طرف دیکھنے لگا۔ کچھ ایسا لگتا تھا کہ جیسے کہہ رہا ہو کہ حکم دے کر جاؤ۔ مجھے ٹی وی دیکھنا ہے۔

"میں چند الفاظ میں سب کچھ کہہ دینا چاہتا ہوں ماسٹر۔" بہرام نے اضطراری انداز میں ہیٹ ہاتھ میں گھماتے ہوئے کہا۔ "میں نہیں چاہتا کہ ٹائیگر کمرے میں آ جائے۔"

"آپ حکم کریں۔" اوشان نے اس طرح منہ بنایا جیسے جمائی روک رہا ہو۔

"تمہیں یقیناً حیرت ہوگی کہ تعطیلات کے لیے تمہیں سینٹ مارٹن کیوں بھیجا گیا ہے؟"

"ہرگز نہیں۔" اوشان نے ہاتھ اٹھا کر جواب دیا۔ "اگر آپ نے مجھ بوڑھے کو تعطیلات سانجو میں گزارنے کی اجازت دینے کی بجائے یہاں بھیج دیا تو اس میں حیرت کی کیا بات ہے، آقا کا حکم، حکم ہوتا ہے۔"

"میں تمہیں سانجو بھیجنے کا ارادہ رکھتا تھا لیکن اچانک ہی بعض غیر معمولی واقعات ظہور پذیر ہو گئے۔" بہرام نے جیب سے ایک بڑا لفافہ نکالتے ہوئے کہا جس میں ایک درجن سے زیادہ تصویریں تھیں۔ وہ تصویریں چھانٹنے لگا اور پھر اس نے ایک تصویر اوشان کی طرف بڑھا دی۔ یہ تصویر کسی ایسے جہاز کی تھی جس میں ایک بڑی سی کرین نظر آ رہی تھی اور کرین تین ایک تکونی صندوق لٹکا ہوا تھا۔ "امریکہ کے ایک جہاز نے یہ صندوق قریبی سمندر سے نکالا ہے۔"

"شاندار۔" اوشان ہیلو بدل کر بولا۔ "کیا آپ نے میٹا مکس پر کبھی دن کے وقت ٹی وی ڈراما دیکھا ہے جناب۔"

"اوشان۔"

لیکن بہرام دیر کر چکا تھا۔ اوشان کی انگلی وی سی آر کنکشن کو چھو چکی تھی اور ٹی وی کے اسکرین پر تصویریں نظر آنے لگی تھیں۔ اوشان کے چہرے پر طمانیت بھری مسکراہٹ دوڑنے لگی تھی۔

"اوشان۔" بہرام نے سر جھٹک کر اسے پکارا۔ "اس صندوق میں ایک سو لاشیں بند تھیں۔"

"چہ چہ چہ۔" اوشان نے افسوس کا اظہار کیا۔

"کسی نے انھیں قتل کیا تھا۔"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"ہر کسی کو دُنیا سے جانا ہے۔ یہ دُنیا فانی ہے۔"

"اور قاتل ٹائیگر ہو سکتا ہے۔"

"ممکن ہے کہ لاشوں نے اُسے اُس وقت پریشان کیا ہو جب لاشیں زندہ ہوں۔" اوشان نے جواب دیا۔

"اوشان، پلیز، یہ تصویریں دیکھو۔" بہرام نے تصویریں اس کی گود میں رکھ دیں۔

اوشان نے ایک طویل سانس لے کر پہلے سر گھمایا اور پھر اس کی آنکھیں تصویروں پر جم گئیں۔ اسی کے ساتھ اس کا ہاتھ ہیٹا مکس کے آف بٹن پر پہنچ گیا۔ "شاندار۔" اس نے کہا۔

"مجھے یقین ہے کہ تم اسکائل پہچانتے ہو گے۔"

"یہ حملے تقریباً مکمل تھے۔ میرا مطلب ہے کہ حملے کسی ماہر نے کیے ہوں گے لیکن حملہ آور بہرحال ابھی خام ہے۔ ویسے عام نظر والا ماہر اس کو خام نہیں کہہ سکتا۔ میں آپ کو مبارکباد پیش کرتا ہوں شہنشاہ اعظم۔"

"کیسی مبارکباد؟"

"میرے شاگرد کے کارنامے کو تصویروں میں محفوظ کرنے کے اتنے شاندار کام پر۔" اوشان نے سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔ "کیا آپ اسے کوئی تحفہ دینے کا ارادہ رکھتے ہیں جناب؟"

"نہیں۔" بہرام نے کھنکار کر گلا صاف کیا۔ "یہ بات میرے ذہن میں نہیں۔"

"افوہ۔" اوشان نے پیشانی پر ہاتھ مار کر کہا۔ "آپ انتہائی ذہین ہیں۔ میں آپ کا شکر گزار ہوں۔ میں اسے بڑے فخر سے اپنے صندوق میں رکھوں گا۔ لوگوں کو دکھاؤں گا۔ وہ میرے لیے آپ کا نادر ترین تحفہ ہو گا۔"

"کیسا تحفہ؟"

"وہ تحفہ جو آپ مجھے شاگرد کو شاندار تربیت دینے پر عطا کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔"

"اوشان! تم اب بھی نہیں سمجھے۔ میں نے ٹائیگر کو ایسا کوئی مشن نہیں سونپا تھا۔ میں نے اُسے اس جزیرے میں کبھی بھیجا بھی نہیں تھا ماسٹر۔" بہرام اب زچ ہونے لگا تھا۔

"تو پھر؟ میں نے اُسے جو تربیت دی ہے اس کے پیش نظر وہ یہاں اور وہاں ہر جگہ اس قسم کے قتل کر سکتا ہے۔"

"میں بھی یہی کہہ رہا تھا۔" بہرام نے جواب دیا۔ اس کے چہرے کی رنگت اڑی اڑی سی تھی۔ "میری بات تحمل سے سنو ماسٹر۔ میرے پاس زیادہ وقت نہیں۔ میں ایک بات کی وضاحت کرنا چاہتا ہوں اور اگر ٹائیگر نے اُن افراد کو کسی مشن میں قتل نہیں کیا تو پھر اس نے اپنے طور پر یہ کام کیا ہے۔ تم جانتے ہو کہ میں اس قسم کی کسی کارروائی کی اجازت نہیں دے سکتا اور ایسی صورتِ حال ہمارے معاہدے کے خلاف بھی ہے۔"

اوشان کا چہرہ معاً سنجیدہ اور پتھر کی طرح ہو گیا۔

"ممکن ہے وہ پریکٹس کر رہا ہو۔"

"نہیں، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اگر وہ اس قسم کے قتل کر رہا ہے تو اسے روکا جانا ضروری ہے۔"

"پھر وہی بات۔" اوشان کھڑا ہو گیا۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ شفاعت والا معاملہ ختم ہوتے ہی بہرام اس قسم کی دوسری درخواست فوراً پیش کر دے گا۔ "اب آپ مجھے معاہدہ پھر یاد دلائیں گے۔"

بہرام سر ہلانے لگا۔ "یہ کام خاموشی سے ہونا چاہیے۔ کوئی گواہ بھی نہ ہو۔ اس لیے میں نے اس دلاکا انتخاب کیا ہے۔"

اوشان نے ہاتھ اُٹھا دیا۔

بہرام خاموشی سے بوڑھے ماسٹر کے قریب کھڑا ہو گیا۔ جس کا سر جھکا ہوا تھا اور پشت خمیدہ تھی۔

"مجھے یقین تھا کہ شفاعت والے مشن میں تم اسے بچا لو گے ماسٹر۔" بہرام کا لہجہ کھوکھلا سا تھا۔ "لیکن اس بار... جرم ٹائیگر کا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس بار سب کچھ ختم ہو جائے گا۔ تم مجھے مشن کی تکمیل کی رپورٹ دو گے۔ اس کے بعد تمہیں سناجو واپس بھیج دیا جائے گا۔"

بہرام نے اُسے یہ نہیں بتایا کہ ٹائیگر کی موت کا مطلب چارہ گر کا خاتمہ اور خود بہرام کی اپنی زندگی کا خاتمہ تھا۔ وہ فیصلہ کر چکا تھا کہ چارہ گر کے تہ خانے میں وہ خودکشی کرے گا۔

وہ ہیٹ اُٹھا کر دروازے کی طرف بڑھنے لگا اور اسی لمحے ٹائیگر کمرے میں داخل ہوا۔

"ارے چیف... آپ... یہاں کیا کر رہے ہیں؟"

"میں بھی میں بھی... چھٹی لے کر جزیرہ سبا میں مقیم ہوں۔" بہرام نے بوکھلا کر جواب دیا اور تیزی سے آگے بڑھ گیا۔

"بات تو سنیں۔ آپ دونوں مجھے پادری اور گورکن کی طرح کیوں لگ رہے ہیں۔ کیا مسئلہ ہے؟"

"خدا حافظ۔" بہرام نے صرف اتنا ہی کہا اور کمرے سے نکل گیا لیکن پھر تیزی سے پلٹا۔ "میں یہ تو بھول ہی گیا۔" اس

نے ایک لفافہ نکال کر اوشان کے قریب ڈال دیا۔ "یہ تمہارے دروازے پر ملا تھا۔ مجھے ڈر تھا کہ ہوا اسے اُڑا کر نہ لے جائے لہٰذا میں اسے اُٹھا کر لے آیا۔" بہرام نے مزید کچھ نہیں کہا اور اس مرتبہ واقعی چلا گیا۔

"اسے کیا ہوا ہے نسل فادر؟" ٹائیگر نے پوچھا۔ وہ ہنس رہا تھا۔ "پہلے اس نے میرے قتل کا حکم دیا پھر روتا رہا۔ اس کے بعد شفاعت کا خاتمہ ہوا پھر ہمیں اس نے یہاں بھیج دیا اور اب پھر پریشان لگ رہا ہے۔ مجھے یقین نہیں آتا کہ بہرام کبھی چھٹی لے کر تفریح بھی کر سکتا ہے۔"

اوشان سن نہیں رہا تھا۔ اس کی سانس تیز چل رہی تھی اور انگلیاں لفافے کی طرف سرک رہی تھیں۔

"کیا ہوا، آپ بھی پریشان لگ رہے ہیں نسل فادر...؟" ٹائیگر نے دونوں ہاتھ کمر پر رکھ لیے۔

اوشان نے لفافہ اس طرح پکڑا جیسے اس کے اُڑ جانے کا خطرہ ہو۔ اس نے لفافے کو اُٹھا کر روشنی کی طرف کیا۔ اس پر انگریزی اور کوریائی زبان میں اس کا ہی نام لکھا ہوا تھا۔ اوشان نے تیزی سے اور قدرے اضطراری انداز میں لفافہ پھاڑا۔ اس میں سے چاول کے بنے ہوئے پرانے کاغذ کا ٹکڑا برآمد ہوا۔

پھر اچانک ہی اوشان نے وہ حرکت کی جس سے ٹائیگر بھی خوفزدہ ہو گیا۔ اوشان اچھلا، ٹائیگر کی طرف لپکا۔ اس نے ٹائیگر کے گرد تین چکر لگائے اور پھر اسے بانہوں میں بھر لیا۔

"کک... کیا ہوا فادر؟" ٹائیگر نے گھبرا کر خوف زدہ لہجے میں پوچھا۔ "آپ ٹھیک ہیں نا؟"

اوشان نے کوئی جواب نہیں دیا۔ بس اُسے یوں ہی تھامے کھڑا رہا۔

"فادر! میں... میں ایسی حرکت کا عادی نہیں ہوں۔" ٹائیگر مسلسل چلا رہا تھا۔ مگر نہیں۔ اس حرکت کا تعلق اس لفافے سے ہو گا۔ کیا سناجو سے کوئی خط آیا ہے؟"

وہ اوشان کی گرفت ہی میں تھا مگر اس نے سر گھما کر خط کی طرف دیکھا جس پر کوریائی زبان میں کچھ لکھا ہوا تھا۔

"اس میں کیا لکھا ہے فادر؟" اس بار ٹائیگر کا لہجہ بہت ہی نرم تھا۔

"اس میں۔" اوشان الگ ہو گیا۔ "اس میں لکھا ہے... میں پھر زندہ ہو گیا ہوں۔"

"بہت اچھی خبر ہے، مگر زندہ کون ہوا ہے؟" ٹائیگر نے مسکرا کر پوچھا۔ اس کے اوسان اب بحال ہونے لگے تھے۔

"چھوڑو... تم فکر مت کرو۔" اوشان نے خط اپنی آستین میں چھپا لیا۔

"ٹھیک ہے لیکن مجھے خوشی ہے کہ آپ کو بھی کوئی خط لکھتا ہے۔ میں سوچ رہا تھا کہ اندھیرا ہونے سے قبل جزیرے کی سیر کیوں نہ کر لی جائے۔"

"تم مزید دس مرتبہ فلائنگ وال والی ورزش کرو گے۔" اوشان کا لہجہ بہت عجیب تھا۔

"کیا؟" ٹائیگر گھبرا گیا۔ "پچھلی مرتبہ کر چکا ہوں۔"

"تمہاری غوطہ زنی کا انداز میرے لیے باعث شرم ہے۔" اوشان نے درشت لہجے میں جواب دیا۔ "میں دیکھ رہا تھا کہ تم ناڑیلوں کے سے انداز میں غوطہ لگا رہے تھے۔"

"میں...؟"

"دس مرتبہ۔" اوشان نے ہاتھ اُٹھا کر بات کاٹ دی۔ "بس جاؤ۔"

"فادر..."

"دس مرتبہ۔" اوشان نے خونخوار انداز میں کہا تو ٹائیگر کو کمرے سے نکلنا ہی پڑا۔ اوشان اس کے جاتے ہی مسکرانے لگا۔ وہ اب بہرام کا حکم بھول چکا تھا۔

کمرے میں چھ عورتیں تھیں۔ ان میں سے دو سنہرے بالوں والی تھیں۔ تین کے بال آتشیں تھے، جب کہ ایک کالے بالوں والی تھی۔ تمام عورتیں پہلی سالگرہ والے لباس میں تھیں۔ اور کمرے کی دھیمی نرم روشنی میں ایک طرف کھڑی ہوئی تھیں ڈچ مین کمرے میں داخل ہوا تو ان میں سے کسی نے بھی آگے بڑھ کر اس کا خیر مقدم نہیں کیا۔ اس نے بڑے ظالمانہ انداز میں ایک عورت کا بازو پکڑ کر اسے اپنی طرف کھینچا اور بازو پر ایجکشن کا نشان تلاش کرنے لگا۔ اسے ایسی عورتیں پسند نہیں تھیں جو نشہ کرتی ہوں۔ وہ جانتا تھا کہ نشہ ذہن کو کھوکھلا کر دیتا ہے۔ ایسی عورتوں کا استعمال سوائے ایک مقصد کے لیے کسی اور مقصد کا نہیں ہو سکتا تھا۔ اس کے بازو پر دو ننھے ننھے سُرخ نشان نظر آئے تو اس نے عورت کو... بیدردی سے فرش پر دھکیل دیا۔ ڈچ مین نے دوسری عورت کو اس کے بالوں سے پکڑ کر روشنی میں کھینچا۔ وہ اس کے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

سر کو پیچھے کی طرف جھکا رہا تھا تاکہ اُس کی آنکھوں میں دیکھ سکے۔ اُس نے اُس کی پلکیں اور پپوٹے دیکھے اور جب اُسے یقین ہو گیا کہ یہ عورت منشیات کا استعمال نہیں کرتی تو اُس نے اُسے نرمی سے فرش پر لٹا دیا۔ اسی طرح اُس نے باقی چاروں کا معائنہ کیا۔ یہاں آنے والی ہر لڑکی یا عورت انگریزی سے نابلد ہوتی تھی۔ ڈوچ مین کا اصول یہ تھا کہ قلعے میں انگریزی جاننے یا بولنے والا کوئی بھی نہیں ہونا چاہیے۔

کالے بالوں والی ڈوچ عورت نے اُسے تھکا مارا تھا... جب وہ کمرے سے نکلا تو اُس کی حالت غیر ہو رہی تھی۔ وہ ایک چھوٹے سے صحن میں آیا جس میں ایک طرف بعض ڈمیاں رکھی ہوئی تھیں۔ انسانی جسم کی یہ نقلیں گھاس پھونس سے بنائی گئی تھیں۔ کھلے صحن میں اُس نے کئی مشکل ورزشیں کیں۔ ایسی ورزشیں وہ بچپن ہی سے کرتا چلا آیا تھا۔ اب اُس کی عمر چوبیس سال تھی۔

ڈوچ مین سر کے بل صرف تین اُنگلیوں پر کھڑا ہوا۔ اُس نے دو مزید فلانگ سمر سالٹ لگائے اور تیسری سمر سالٹ میں وہ گھاس پھونس کے مجسموں تک پہنچ گیا۔ زمین پر واپس آتے ہوئے اُس نے ایک ڈمی کی گردن پر ضرب لگائی اور گردن کٹ کر ایک طرف گر گئی، ساتھ ہی اُس کی کہنی نے دوسری ڈمی پر ضرب لگائی تو ڈمی کا بازو ٹوٹ کر گر گیا۔ یہ بازو لکڑی کا بنا ہوا تھا۔ لہٰذا اُس کے ٹوٹنے سے آواز بھی پیدا ہوئی، پھر اُس نے دوسرے مجسموں پر دھاوا بول دیا۔ وہ ان پر اسی طرح تشدد کر رہا تھا جس طرح قلعے میں آنے والی عورتوں پر کرنا اُس کی عادت تھی۔

صحن میں ہر طرف لکڑی کے ٹکڑے اور گھاس پھیل گئی تھی۔ ڈوچ مین اب انتہائی مشتعل تھا۔ اُس کے عضلات تیار تھے۔ اور ذہن سُلگ رہا تھا۔ یہ وہی کیفیت تھی جس پر وہ کبھی کنٹرول نہیں کر سکا تھا۔ یہ کیفیت اُسے تباہی پر اُکساتی تھی۔

ماسٹر نے بھی جرمی کی اس دیوانی کیفیت کو کنٹرول کرنے کی کوشش نہیں کی تھی، جس کا نتیجہ تباہی یا کسی کی موت کی شکل میں نکلتا تھا۔ تاہم ماسٹر نے اس دیوانگی کو ایک خاص راہ پر ڈال دیا تھا اور یہ اُس کی وفاداری اور غلامی کی راہ تھی۔ اُس نے جرمی کے جسم کو بھی اُس کے ذہن کی طرح مُہلک بنا ڈالا تھا۔ اُسے توقع تھی۔ جرمی کے جسم و ذہن کی یہی ہم آہنگی اُسے دُنیا پر حکمرانی قائم کرنے میں مدد دے گی۔

اس ماسٹر کا نام نوگان تھا۔ وہی نوگان، جس کو اُوشان جیسے عظیم ماسٹر کا بھتیجا ہونے کا اعزاز حاصل تھا لیکن، جو اُوشان اور ٹائیگر کو اپنی برتری کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ سمجھتا تھا۔ بیوزیم میں ٹائیگر کے ہاتھوں واضح شکست کے بعد وہ بمشکل کُود کر بھاگا تھا اور اس کے بعد اُس نے اپنے مُنہ بولے بیٹے جرمی کو آخری جنگ کے لیے تیار کیا تھا، تاکہ اگر جرمی اُن دونوں کو تباہ کرتے ہُوئے خود بھی مارا جائے تب بھی وہ زندہ رہے۔ وہ نہ جانے کیوں ٹائیگر کا خود مقابلہ کرنے کی جُرأت محسوس نہیں کر رہا تھا یا پھر یہ زندہ رہنے کے لیے اُس کی خاص حکمت عملی تھی۔

لیکن اُس نے اپنے بیٹے کو ٹائیگر اوشان کے خلاف مشتعل کرنے کے لیے بھی دھوکے بازی کی تھی۔ اُس نے جرمی کو جو آخری خط لکھا تھا، اُس کے بعد وہ رُوپوش ہو گیا تھا اور اُس نے خط میں یہی ظاہر کیا تھا کہ اُوشان سے مقابلے کے دوران وہ زخمی ہو گیا ہے اور اس مُہلک زخم سے جانبر ہونا ممکن نہیں، لہٰذا جرمی اپنے باپ کا انتقام منوا دے۔

اُس نے وصیت کی تھی کہ جرمی ۲۵ سال کا ہونے کے بعد انتقام لے اور پھر خود ماسٹر بن جانے۔ اس کے بعد میں زندہ ہو جاؤں گا اور تمہارے پاس آجاؤں گا۔ اُوشان کا خُون اپنے چہرے پر مل لینا اور اس خُون کو ہَوا میں خشک ہونے دینا۔ جب خُون جم جائے تو اسے کھرچ کھرچ کر آگ میں ڈالنا۔ اس طرح میں ایک نیا جنم لے سکوں گا۔" نوگان نے لکھا تھا۔

اس دُنیا میں صرف دو آدمی میرا مقابلہ کر سکتے ہیں۔" جرمی نے صحن کی خاموشی میں للکارا۔ "اگرچہ میں قبل از وقت اُن کا مقابلہ کر رہا ہُوں لیکن وہ اس ہفتے کے اختتام تک مارے جائیں گے۔ وہ طاقت ور ضرور ہیں لیکن اُن کے پاس میرے جیسا تباہ کن ذہن نہیں ہے۔"

اُس نے انتہائی اشتعال کی کیفیت میں ایک تختہ اُٹھا کر اُچھال دیا۔ تختہ فضا میں تیرتا ہُوا صحن کی دیوار کے پار قلعے کی دیواروں سے بھی گزرتا ہُوا دُور جا گرا۔

اُوشان، قلعے کی سنگی دیواروں میں جرمی کی للکار گُونج رہی تھی۔ "شہزاد... تم اپنے انجام تک پہنچنے کے لیے بہت سی حدود میں داخل ہو چکے ہو۔" اُس نے قلعے میں گھومنے والے ایک کتے کی طرف دیکھا۔ کتے نے کربناک چیخ ماری۔ اُس کا جسم جگہ جگہ سے پھٹ گیا اور وہ دیکھتے ہی دیکھتے زمین پر گر کر مر گیا۔ اُس کی زبان بھی نظر آ رہی تھی اور اس میں جگہ جگہ سوراخوں سے خُون بہہ رہا تھا۔

لاتعداد پراسرار اور سنسنی خیز داستانوں کے خالق

ایم اے راحت کا

ایک اور ہیبت ناک پراسرار ایڈونچر ناول

طلسم زادی

روشنی کی دنیا سے دُور پراسرار دنیا کی کہانی جہاں مافوق الفطرت زندگی کا دَور دورہ تھا، دو دشمنوں کی عجیب داستان جنہوں نے جب ایک دوسرے کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا تو ایک ناقابلِ یقین کہانی نے جنم لیا۔

ایم اے راحت کا وہ شاہکار ناول جسے شروع کرنے کے بعد مکمل کیے بغیر رکنا ناممکن ہو۔

شائع ہو گیا ہے ہر اچھے بکسٹال سے طلب کریں۔

دو ہفتوں میں مکمل جلد اول 150/- جلد دوم 150/-

جناب آپ کی قریبی بک سٹال سے طلب فرمائیں یا ادارے کے نام قیمت کا منی آرڈر ارسال فرمائیے جناب آپ کو بذریعہ رجسٹری ایک اعلیٰ درجہ کا ناول ملے گا۔

خط و کتابت کے لئے

مکتبہ القریش سرکلر روڈ، اُردو بازار، لاہور۲

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

جرمی نے کتے کی طرف سے توجہ ہٹانے کے لیے دوسری طرف دیکھا۔ یہ کتا کالے بالوں والی لڑکی کا تھا۔ یہ لڑکی جرمی کو بھی پسند تھی، لیکن وہ اپنی پسندیدہ نسل کے کتے کو ہلاک ہونے سے نہیں بچا سکا تھا۔ اُسے اس پر بڑا دُکھ ہوا۔ ایسا ہی دُکھ اُسے اپنے ماں باپ کی موت پہ محسوس ہوا تھا۔

اُس کی آنکھیں جلنے لگیں۔ اُن کے سامنے کئی رنگ ناچنے لگے اور اسی ملبے سیاہ زُلفوں والی لڑکی دیوانہ وار باہر نکلی۔ اُس کی زُلفیں بکھری ہُوئی تھیں۔ اُس نے چیخ مار کر کتے کو گود میں بھر لیا اور رونے لگی۔

جرمی نے سر جھٹکنے کی کوشش کی، لیکن ناکام رہا۔ یہ کمان سے نکل چکا تھا۔ اُسے لڑکی پر غصہ آ چکا تھا۔ اُس نے ہر ممکن کوشش کی کہ وہ لڑکی کی طرف نہ دیکھے، لیکن نظر پڑ چکی تھی۔

لڑکی بہت زور سے کربناک انداز میں چیخنے لگی۔ اُس نے اپنا سفید گاؤن پھاڑ پھاڑ کر دھجیاں بنا دیا۔ اُس کے پورے جسم پر آبلے پڑنے لگے۔ وہ اپنی آنکھیں نوچ رہی تھی۔ اُس کی چیخیں ہر طرف گونجنے اور دیواروں سے سر ٹکرانے لگیں۔ اُس نے اُٹھنے کی کوشش کی لیکن اُس کے گھٹنے ٹوٹ گئے۔ وہ بہت زور سے گری اور تڑپنے لگی۔

اُسی لمحے دروازہ کھلا اور ڈریکان نامی ایک کتے کے ساتھ نمودار ہُوا۔ یہ سفید اور بھورے بالوں والا خوب صورت کتا تھا۔

"نہیں!" ڈچ مین جرمی بہت زور سے چلّایا۔ وہ بہت پریشان تھا۔ وہ یہ نہیں چاہتا تھا کہ اُس کے قریب آنے والا ہر شخص مر جائے۔ اُس نے بمشکل دوسری طرف سر گھما کر دیوار سے لگا دیا۔ اب اس کی پُشت خادم کی طرف تھی۔

"سباؤ!" اُس نے خادم کو پھر خبردار کیا، جو بھاگ کر صحن میں آیا۔ اُس نے لڑکی کو اُٹھا کر قلعے کے اندر دوڑ لگا دی۔

ڈچ مین پلٹ کر دیکھنا نہیں چاہتا تھا۔ اُسے خطرہ تھا کہ کہیں اُس کی نظروں کے پڑنے سے ہر چیز تباہ نہ ہو جائے۔ لہٰذا اُس نے ایک لمبی زقند لگائی، قلعے کی دیوار پر پہنچا... اور ڈیول مانٹین پر اُتر کر سمندر میں کُود گیا۔

وہ کئی میل تک تیرتا چلا گیا۔ حتیٰ کہ اُس کا ذہن پُرسکون ہونے لگا اور جسم تھکتا چلا گیا۔

گہرے پانیوں سے نکل کر اُس نے خود کو ہلکا پھلکا... محسوس کیا۔ اُس نے بادلوں میں چھپے ہُوئے سُورج کو دیکھا، جو غروب ہونے والا تھا۔ یہ منظر بہت اچھا لگ رہا تھا۔ اُسے سمندری نمک کی خوشبو بھی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ سمندر میں تیرتے ہُوئے خودکشی کا فیصلہ کر چکا تھا، لیکن انتقام لیے بغیر خودکشی حرام تھی۔ وہ پہلے انتقام لینا چاہتا

وہ قلعے میں واپس پہنچا تو خادم اس کا منتظر تھا۔ اُس کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا۔ اُس نے ڈچ مین کے لیے غسل کا انتظام کیا اور سامنے چاول اور چاقو کے برتن رکھ دیے۔ کھانا کھانے کے بعد ڈچ مین نے خادم کو سپاٹ انداز میں دیکھا۔

"شکریہ شینز!" اُس نے پہلی مرتبہ خادم کا نام لیا تھا لیکن خادم کا چہرہ اپنا نام لیے جانے کے بعد بھی بے تاثر رہا۔ تاہم ڈچ مین نے پل بھر کے لیے اس کی آنکھوں میں چمک ضرور دیکھی۔ اس کے بعد ڈچ مین نے زبان سے کچھ نہ کہا۔ اشاروں کی زبان میں فیسنز کو ہدایات دینے لگا کہ اُسے شب بیداری کس قسم کی تیاریاں کرنی ہیں۔ وہ اپنے قلعے میں مزید کوئی حادثہ دیکھنا نہیں چاہتا تھا۔ ڈریاں اُس کی قوت کی آزمائش کے لیے ناکافی تھیں اور اب اُسے زندہ شکاروں پر قوت کا مظاہرہ کرنا تھا۔

خادم شینز سر ہلا کر چلا گیا۔

"میری قوت اب دہشت ناک بنتی جا رہی ہے۔" ڈچ مین سوچ رہا تھا۔ "جلد ہی نوجوان شہزادا اور بُوڑھے اوشان سے آمنا سامنا ہوگا۔ وہ وقت بہت قریب آ رہا ہے... بہت قریب۔"

پریری ڈرائیور ٹائیگر کو لے جانے کے لیے سُرخ رنگ کی ڈاٹسن کار لے کر آیا تھا، جس کے مڈگارڈ مُڑے تُڑے تھے، ڈکی کا قفل ناکارہ ہو گیا تھا، جس کے باعث ہر جھٹکے سے ڈکی کھلتی اور بند ہو جاتی تھی۔ دونوں ہیڈ لائٹس بھی ٹوٹی ہُوئی تھیں۔

"کیا اس گاڑی میں سفر غیر محفوظ نہیں ہوگا دوست؟"... ٹائیگر نے گاڑی دیکھتے ہی پوچھا۔

"کیوں نہیں جناب۔" پریری کے سفید دانت چمکنے لگے۔ "یہ سڑکوں پر چلنے والی تمام گاڑیوں سے زیادہ محفوظ گاڑی ہے، تشریف رکھیے۔"

گاڑی کا گیئر خوفناک آواز کے ساتھ تبدیل ہُوا تو ٹائیگر سر ہلانے لگا۔ نہ جانے یہ اظہارِ اطمینان تھا یا اظہارِ تشویش۔

گاڑی یقیناً چل رہی تھی۔ ایک چڑھائی پر اُس کا انجن اس طرح ملمٹنے لگا، جیسے سانس کا مریض سو زینے چڑھ چکا ہو۔

"جب بھی پریری کسی حادثے سے دوچار ہوتا ہے تو فوراً ہی فرار ہو جاتا ہے جناب۔" پریری بڑے فخریہ انداز سے

اپنے کارنامے سُنا رہا تھا۔

"مگر یہ تو جیقولی بات ہُوئی نا۔" ٹائیگر نے اعتراض کیا۔

"اس جزیرے میں یہ زیادہ بڑا جرم نہیں ہے۔" پریری نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔ یہ ریوالور سے کسی کو ہلاک کرنا غیر قانونی ہے، جب کہ کار سے مار کر بھاگ جانا قانونی ہے۔ ویسے یہ آپ کی خوش قسمتی ہے کہ میں آپ کو اپنی اس شاندار گاڑی میں لے جا رہا ہُوں جناب۔"

ٹائیگر مسکرا کر رہ گیا۔ اس وقت وہ دائیں طرف نیچے دیکھ رہا تھا جہاں اُسے ایک ایسا صنعتی کمپلیکس نظر آ رہا تھا، جس کے چاروں طرف برقی تاروں کی باڑھ لگی ہُوئی تھی اور ان تاروں میں یقیناً برقی رَو دوڑ رہی تھی۔ کیونکہ باڑھ پر جگہ جگہ فرانسیسی، انگریزی اور ڈچ زبان میں اسی نوعیت کا انتباہ لکھا ہُوا تھا۔ ایک اُونچے پول پر دو دی دی کیمرے بھی نظر آ رہے تھے اور پورا علاقہ روشنی میں نہایا ہُوا تھا۔

"یہ کیا ہے؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"سوبائنز شپ یارڈ۔"

"سوبائنز... فیبی کے والد کا نام ہی تھا نا؟"

"بالکل دُرست... لیکن اب تو صرف نام باقی رہ گیا ہے... سوبائنز کو مرے ہُوئے عرصہ ہو گیا۔ اُس کی ساری جائداد اب ڈچ مین کے پاس ہے۔ ہر چیز ڈچ مین ہی کی ہے۔" پریری نے ڈچ مین کا نام بڑے راز دارانہ انداز میں لیا تھا۔ وہ خوف زدہ بھی لگ رہا تھا۔

"ڈچ مین!" ٹائیگر نے پریری کو گھور کر دیکھا۔ "یہاں ہر شخص اُسی کا ذکر کرتا ہے، جیسے وہ کوئی بدرُوح ہو۔ کون ہے یہ شخص؟"

"اُس سے کوئی بھی واقف نہیں جناب۔" پریری نے جواب دیا۔ اُس کا لہجہ ایسا تھا جیسے کوئی قدیم داستان گو کہانی کا سنسنی خیز حصہ سُنا رہا ہو۔ "اُسے کسی نے نہیں دیکھا۔ وہ کہیں بھی نہیں آتا جاتا۔ بعض لوگ تو یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ خود شیطان ہے... اوہ... دیکھو... وہ دیکھو۔" پریری نے پوری قوت سے بریک لگاتے ہُوئے گاڑی گھاٹی کے کنارے پر روک دی۔

"کیا ہے؟" ٹائیگر ہیبت ناک قلعے کی طرف دیکھ رہا تھا جو یہاں سے کچھ دُور ایک پہاڑ پر کسی عفریت کی مانند نظر آ رہا تھا۔

"وہی وہ قلعہ ہے، جہاں ڈچ مین رہتا ہے۔" پریری نے سرگوشی کی۔ "اس پہاڑ کا نام کوہِ ابلیس ہے۔"

"قلعہ... ممکن ہے کہ وہ بُوڑھا..."

"بُوڑھا نہیں۔" پریری نے پُرزور انداز میں اُس کی بات کاٹ دی۔ "وہ لڑکا ہے۔ اُس کی عمر زیادہ سے زیادہ پچیس سال ہوگی۔ اتنی کم عمری میں وہ کسی شیطان سے کم نہیں ہے۔"

ٹائیگر کو اب ڈچ مین میں دلچسپی محسوس ہونے لگی تھی۔

"سیڈونی کہہ رہی تھی کہ سوبائنز نے اپنی تمام جائداد اُسی کے نام کر دی تھی۔"

"ہاں... اور شپ یارڈ بھی۔" پریری نے اثبات میں زور زور سے سر ہلاتے ہُوئے جواب دیا۔ "سوبائنز کی ملاقات ڈچ مین سے ہُوئی تو وہ پاگل سا ہو گیا۔ سُنا ہے کہ ڈچ مین کو دیکھ لینے والے ہر شخص کی یہی حالت ہوتی ہے۔"

"یہ ناقابلِ یقین بات ہے پریری... غیر انسانی..."

"لیکن سو فی صد دُرست ہے۔" پریری نے زور دے کر کہا۔

"ڈچ مین موسیو سوبائنز کے ڈرائیور کے طور پر کام کرنے کے لیے آیا تھا۔ ایک روز اُس کا بُوڑھے سوبائنز سے آمنا سامنا ہو گیا اور پھر... پھر بُوڑھا کسی پرندے کی طرح کھاڑی سے کُود گیا تھا۔"

"کس کھاڑی سے؟"

"اسی کھاڑی سے۔" پریری کے اس جواب پر ٹائیگر نے اُس سڑک کو بغور دیکھا، جس پر وہ سفر کر رہے تھے۔

"جہاں تک اس کھاڑی کا تعلق ہے پریری یس..."

"میرے کزن نے یہ واقعہ اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔" پریری ہیبتناک انداز میں بولا۔ "سوبائنز نے چلانگ لگانے سے قبل ہی وصیت میں تبدیلی کی تھی۔ اُس نے لکھا تھا کہ میں ایک پرندہ ہُوں اور اپنی تمام جائداد ڈچ مین کے نام کر رہا ہُوں۔ پھر جب ڈچ مین نے یہاں کا کام سنبھالا تو اُس نے برقی رَو والے تاروں کی باڑھ لگا دی اور کیمرے نصب کر دیے۔"

اُسی لمحے گاڑی کا اگلا دھیل پھسل کر ایک گڑھے میں پھنس گیا۔ گاڑی فوراً ہی رُک گئی، لیکن پریری نے فوراً ہی گیئر بدلا۔ گاڑی خوفناک انداز سے ہلنے لگی، پھر زوردار جھٹکا لگا اور گاڑی سڑک پر دوڑنے لگی۔ پریری واقعی اپنے کام کا ماہر تھا۔ وہ اب ایک پتلی سی سڑک پر سفر کر رہے تھے۔

"ذرا دیکھ کر بھائی! تمہاری ہیڈ لائٹس غائب ہیں۔ اگر سامنے سے کوئی گاڑی آ گئی تو کیا ہوگا؟"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"آپ فکر نہ کریں مسٹر سازاد۔" پریری نے اُس کے نام کی مٹی پلید کرتے ہُوئے جواب دیا۔ "اگر کوئی گاڑی سامنے آ بھی گئی تو ہم اُس کو رگیدتے ہُوئے چلے جائیں گے۔ ہماری گاڑی کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔"

ٹائیگر کو پہلی مرتبہ اس خوف کا احساس ہُوا کہ کہیں وہ اس احمق ڈرائیور کی وجہ سے فضول کی موت نہ مر جائے۔

گاڑی اب چڑھائی پر چڑھ رہی تھی۔ اچانک ہی ٹائیگر کو چھوٹی سی پہاڑی کی طرف جانے والا ایک اور روڈ نظر آیا، جو نسبتاً بڑا اور چوڑا تھا۔

"اُس راستے سے کیوں نہیں چلتے پریری؟ وہ سڑک چوڑی بھی ہے اور ہموار بھی۔" ٹائیگر نے پریری سے کہا۔

"نا... نہیں... کوئی راستہ نہیں۔" پریری نے زور زور سے سر ہلاتے ہُوئے جواب دیا۔

"کیا یہ سڑک اُس سڑک کو نہیں کاٹتی؟"

"کاٹتی ہے۔" پریری نے جواب دیا۔ اسی لمحے گاڑی کسی گڑھے میں جا کر پھر نکل آئی اور پریری کی طرح ٹائیگر کا سر بھی چھت سے ٹکرا گیا۔

"تب پھر ہم دوسری سڑک استعمال کیوں نہیں کرتے؟"

"اس لیے کہ وہ سڑک کوہِ ابلیس کی طرف لے جاتی ہے مسٹر۔" پریری نے جواب دیا۔

"اوہ... تم بھی کیسے لوگ ہو؟ ایک اچھی سڑک موجود ہے اور تم اس کا استعمال اس لیے نہیں کرتے کہ وہ قلعے یا... کوہِ ابلیس تک لے جاتی ہے۔"

"یس۔" پریری نے مُنہ پھُلا کر جواب دیا اور پھر ہونٹ سختی سے بھینچ لیے۔ ٹائیگر بھی خاموش ہو گیا۔ وہ انسانی نفسیات سے واقف تھا اور اُسے اندازہ ہو گیا تھا کہ پریری اس موضوع پر مزید کوئی بات نہیں کرے گا۔ وہ پشت گاہ سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ گاڑی اب چڑھائی پر ہی تھی کہ اُسے کیڑے مکوڑوں کے بھنبھنانے کی سی آواز سنائی دی۔ "یہ کس کی آواز ہے پریری؟"

"موٹر سائیکل... ڈرٹ بائیک۔" پریری نے مُنہ بنا کر جواب دیا۔

"مگر مجھے روشنی نظر نہیں آ رہی۔"

"کسی عورت کے ساتھ موٹر سائیکل پر آنے والے کے لیے روشنی ضروری بھی نہیں ہوتی جناب!... وہ تو نہیں سے محبت کرتے ہیں۔"

ٹائیگر اس جواب پر سرد سُننے لگا اور پھر آواز اُونچی ہوتی چلی گئی۔ آواز گاڑی کے بہت قریب آئی اور پھر گزر گئی۔

"کمال ہے، کچھ بھی نظر نہیں آیا۔" پریری اُچھل پڑا۔ ٹائیگر کے جسم میں عجیب سی سنسنی جنم لینے لگی تھی۔ اُس کی چھٹی حس... گھنٹیاں بجانے لگی اور اُس نے گھُپ اندھیرے میں نظریں گاڑ دیں۔ وہ کنپٹیوں پر زور دے رہا تھا۔ اُس کی پلکیں بھی ساکت ہو گئی تھیں۔

گاڑی کے کچھ آگے اُسے ڈرٹ بائیک نظر آئی، جس کی رفتار اب کم ہونے لگی تھی، پھر بائیک ایک طرف ہو کر رُک گئی۔ ڈرائیور کالے لباس میں تھا، جس کے باعث پریری کو نظر نہیں آیا تھا۔ اُس نے اندھیرے میں مورچہ سنبھال لیا تھا اُس کا سیاہ چہرہ گاڑی کی طرف پلٹا، ایک ہاتھ بلند ہُوا... اور اُس میں کالا پستول نظر آنے لگا۔

"نیچے جُھک جاؤ۔" ٹائیگر نے پریری کا سر پکڑ کر اُسے نیچے جُھکا دیا اور خود بھی نیچے ہو گیا۔ اسی لمحے دو گولیاں ونڈ اسکرین کے اُوپر سے گزر گئیں۔ گولی چلاتے ہی حملہ آور اپنی سائیکل سمیت فرار ہو گیا۔

"کمال ہے۔" پریری نے پسینہ پونچھتے ہُوئے ٹائیگر کی طرف دیکھا۔ "آپ کو بہت تیز رفتار نکلے باس۔"

"کیا یہاں تمہارا کوئی دشمن بھی ہے؟" ٹائیگر نے مُسکرا کر پریری سے پوچھا۔

"پتا نہیں۔" پریری بھی مسکرانے لگا۔ "ویسے..."

★★

فیبین کا شاندار رینچ ہاؤس سینٹ مارٹن کی بیورے بلنزیں بلیوکونیٹ کے قریب تھا۔ اس علاقے کے تمام بنگلے اُن رؤسا کی ملکیت تھے، جو چند ہفتوں کی تعطیلات گزارنے کے لیے یہاں آیا کرتے تھے۔ تاہم چند خاندان مستقل طور پر آباد تھے۔ اُن میں سینٹ مارٹن بینک آف کامرس کا بانی پولس بھی شامل تھا۔ اس کے علاوہ رم کنگ بھی یہیں رہتا تھا، جس کی شراب کشید کرنے کی بھٹیاں ساحلوں پر پھیلی ہُوئی تھیں۔ ایک ایسٹ انڈین مرچنٹ پرنس نے بوٹیک کھول رکھی تھی۔ ایک جاپانی برآمد کنندہ تھا۔ ایک فوت سالار امریکی بھی یہاں مستقلاً آباد تھا، جو لکھ پتی ہونے کے ساتھ ساتھ [illegible] کا بھی عاشق تھا۔ اُس کے بارے میں کہا

جاتا تھا کہ اُس نے زندگی میں صرف ایک کام کیا اور اس کے بعد عیش کیے۔ وہ ایک کام اُسے نسل در نسل کے لیے لکھ پتی بنا گیا۔ اُس نے کوئین سے بھرا ہُوا جہاز اسمگل کیا تھا۔ اُن میں سے کوئی بھی فیبین کے لیے باعث دلچسپی نہ تھا۔

فیبین کے والد ہُنری سوبانز نے یہ مکان اپنی بیوی کی فرمائش پر اس وقت بنوایا تھا، جب بیوی شپ بارڈ کے قریب والے پُرانے مکان میں رہتے رہتے اُکتا گئی تھی۔ نیا رینچ ہاؤس پُرانے سنگی میشن کے برعکس جدید اور تین ایکڑ پر پھیلا ہُوا تھا۔ فیبین نے یہیں جنم لیا تھا اور اسی جگہ پلی بڑھی۔ اُسے والد کے نقوش کے علاوہ مزاج بھی ورثے میں ملا تھا۔ وہ اپنے والد کے ملازموں اور خاص طور سے ملاحوں میں گھُل مل جاتی تھی۔

پھر وہ دور بھی آیا، جب سیاح یہاں آنے لگے اور فیبین کی ماں پارٹیوں میں شرکت کرنے لگی۔ تاہم فیبین کو مقامی آبادی سے محبت تھی۔ وہ سیاحوں کو پسند نہیں کرتی تھی۔

اُس کی ماں کی خواہشات بہت زیادہ تھیں، لہٰذا وہ پیرس بھاگ گئی۔ ہُنری کو اس سے بہت زیادہ صدمہ ہُوا۔ اُس نے اب زیادہ تر وقت دفتر میں گزارنا شروع کر دیا۔ اُس نے ساری توجہ جائداد اور سرمایہ بنانے پر مرکوز کر دی۔ اُس کی عبارت کا اندازہ رینچ ہاؤس کے فرنیچر سے ہونے لگا۔ اُس کی خواہش تھی کہ فیبی احساس محرومی کا شکار نہ ہو جائے۔

پھر یہی قیمتی فرنیچر فیبین کے کام آیا۔ باپ کی موت کے بعد، وہ فرنیچر ہی فروخت کرکے... گزارا کرتی تھی۔

فیبین اس وقت کانوں سے قیمتی بالیاں اُتار رہی تھی۔ اُس کے پاس اب صرف یہی سرمایہ بچا تھا۔ اُسے یقین تھا کہ اگر اُس کا باپ دیکھ رہا ہو گا تو وہ بے چین ہو گا۔ نہ جانے ایسی کیا بات ہوئی تھی کہ ہُنری نے اپنی اکلوتی اولاد کو ہر چیز سے محروم کرکے سب کچھ ڈچ مین کے نام کر دیا تھا۔

فیبی نے اپنا تکیہ حاصل کرنے کے لیے ڈچ مین کے خلاف مقدمہ کیا تھا، لیکن ڈچ مین کو عدالتی توسّل کو ن پہنچائے، فیبی نے خود بھی کوشش کرکے دیکھ لی تھی، لیکن ہر مرتبہ ڈچ مین کا مکروہ گونگا بہرا خادم اُسے بھگا دیا کرتا تھا۔

اچانک ہی گھنٹی بج اُٹھی اور فیبی نہال ہو گئی۔ وہ دوڑتی ہُوئی فرنٹ دُور تک گئی۔ ایک زمانہ وہ تھا، جب گھنٹی بجنے پر نوکر دوڑا کرتے تھے اور اب... اب وہ خود یہ کام کرنے پر مجبور تھی۔ تاہم اس وقت اُسے یہ بہت اچھا لگ رہا تھا۔ اُسے یقین تھا کہ آنے والا کون ہو گا۔

"اوہ... تم... خوش آمدید۔" فیبی نے والہانہ انداز میں ٹائیگر کا ہاتھ تھام لیا۔ "آؤ... اندر چلو۔"

اندر گھُستے ہی ٹائیگر کے چہرے پر حیرت کے آثار نمودار ہو گئے۔ وسیع و عریض ڈرائنگ رُوم میں فرنیچر کے نام پر صرف دو کشن پڑے ہُوئے تھے۔

فیبی ہنس دی۔ اب وہ لوگوں کی حیرت پر نادم نہیں ہوتی تھی۔ ایسے تاثرات دیکھنا معمول بن گیا تھا۔ "سوری شہزاد۔ میں تمہیں صوفے پر نہیں بٹھا سکتی۔"

"مجھے صرف یہ حیرت ہے کہ تمہیں میری پسند کا علم کیوں کر ہُوا۔" ٹائیگر نے مُسکرا کر جواب دیا۔ "میں بھی اسی طرح رہتا ہُوں اور اسی طرح رہنا پسند کرتا ہُوں۔"

فیبی کی آنکھوں میں ستارے جھلملانے لگے۔ "مجھے خوشی ہے کہ تم یہاں تک آ گئے شہزاد... لیکن ایک بات بتا دُوں... تم نے میرا دل رکھنے کے لیے خالی کمروں کو پسند کرنے والی بات کہی ہے، لیکن میں کیا کروں؟... مجھے خالی کمرے اُجاڑ لوگوں کی طرح نظر آتے ہیں۔ میں کمروں میں... آرائش کی بہت شوقین تھی۔"

"سوری فیبی! کیا میں اس سلسلے میں تمہاری کوئی مدد کر سکتا ہُوں؟"

"نہیں۔" وہ ہنس پڑی۔ "مسئلہ عدالت میں ہے۔ تم میری مالی حالت پر متفکر مت ہو۔ ہمارے پاس وقت کم ہے اور جو وقت ہے۔ اس سے لُطف اندوز ہونا ہی دانش مندی ہو گی۔ آؤ۔" فیبی نے ہاتھ بڑھایا۔ "میں تمہیں کچھ دکھانا چاہتی ہُوں۔"

وہ اُسے باہر لے آئی، جہاں گرم ہوائیں چل رہی تھیں۔ چاند کھجور اور ناریل کے پیڑوں کی چلمن سے جھانک رہا تھا۔

"بہت خوب صورت منظر ہے۔" ٹائیگر نے فیبی کے دل کی بات کہہ ڈالی۔

"آگے چلو... اور زیادہ خوب صورتی نظر آئے گی۔"

وہ رینچ ہاؤس کے عقب سے گزر کر ایک خوب صورت باغ میں پہنچے اور پھر مزید آگے بڑھ گئے۔ حتیٰ کہ بانی کی آوازیں آنے لگیں۔

"یہ جگہ پورے جزیرے کے حسن کا نچوڑ ہے شہزاد۔" فیبی

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

نے جذبات سے بوجھل لہجے میں کہا۔ "آواز سنو۔" اُس نے اپنے پیر سے ایک پتھر کو چھیڑا، جو پھسل کر سمندر میں گرا اور اُس سے جو آواز پیدا ہوئی، وہ واقعی ایسی تھی، جیسے کسی نے کرکرا چھیڑ دیا ہو۔ "ذرا محتاط ہو کر بیٹھنا۔" فیبی نے شہزاد کو بیٹھتا دیکھ کر خبردار کیا۔ "پیر پھسل نہ جائے۔" وہ خود بھی اُس کے قریب بیٹھ گئی۔

اسی لمحے ٹائیگر کی چیخ جیسی شور مچانے لگی۔ فیبی کچھ کہنا چاہتی تھی، لیکن ٹائیگر نے اُس کے لبوں پر انگلی رکھ دی۔

"کیا آس پاس سے موٹر سائیکلیں بھی گزرتی ہیں؟" اُس نے سرگوشی میں پوچھا۔

"ہاں، لیکن میرے ہائیں باغ سے نہیں۔" فیبی نے مسکرا کر جواب دیا۔

آواز اب بلند اور قریب ہونے لگی تھی۔ "یہاں آتے ہوئے کسی نے پریری کی گاڑی پر گولیاں چلائی تھیں فیبی! کوئی ڈرٹ بائیک پر تھا۔"

اب واقعی موٹر سائیکل کی آواز آنے لگی تھی۔

"درختوں کے جھنڈ میں چلی جاؤ۔" ٹائیگر نے اشارے سے کہا۔ وہ حملے کے لیے تیار رہنا چاہتا تھا۔

"مگر تم کیا کرو گے؟ تم بھی چلو۔" فیبی گھبرا گئی۔

"میں حملہ آور کو قریب سے دیکھنا چاہتا ہوں، جاؤ۔" ٹائیگر نے اُسے دھکا دے کر کہا اور خود آواز کی سمت میں بڑھ گیا۔

اب موٹر سائیکل اُسے صاف نظر آ رہی تھی۔ سوار کسی طوفان کی طرح اُسی کی سمت میں آ رہا تھا۔ موٹر سائیکل قریب آئی تو اُس کی ہیڈ لائٹ کی روشنی ٹائیگر کے چہرے پر مرتکز ہو گئی۔ عام آنکھوں کو یہ روشنی عارضی طور سے اندھا بنا سکتی تھی، لیکن وہ ٹائیگر کی آنکھیں تھیں! اُس نے ایک ہاتھ اُٹھا دیا۔

"دفع ہو جاؤ یہاں سے۔ یہ نجی ملکیت ہے شاہراہِ عام نہیں۔" وہ چلایا، لیکن جب اُسے یقین ہو گیا کہ موٹر سائیکل سوار رُکنے کا ارادہ نہیں رکھتا تو وہ ایک طرف ہو گیا۔ تب ہی اُس نے سوچا کہ ممکن ہے، کار پر فائرنگ کا مقصد پریری کو ہلاک کرنا نہ ہو... تب پھر...؟

موٹر سائیکل نہ صرف بڑی تیزی سے قریب سے گزری بلکہ اُسی جھنڈ میں گھس گئی، جہاں فیبی کو ٹائیگر نے چھپا رکھا تھا۔ فیبی کی چیخ سن کر وہ تیزی سے پلٹا۔ اُس نے ہیڈ لائٹ کی چکاچوند کے بعد اب آنکھوں کو اندھیرے میں دیکھنے کے قابل بنانے کے لیے آنکھیں مضبوطی سے بند کیں، پھر آنکھیں

سسپنس ڈائجسٹ کا
مقبول ترین
سلسلہ

درخشاں

ایک عشق گزیدہ نواب زادے کی
ہنگامہ خیز سرگزشت۔
تین دوستوں کا قصہ جن کے عزم و استقلال
سے طوفان شکست کھا گئے تھے۔

لازوال کہانیوں کے خالق
انوار صدیقی
کے پُراسرار قلم سے
دو جلدوں میں
حصہ اوّل ۴۵/۰۰ حصہ دوم ۴۵/۰۰
ناشر: مکتبۂ القریش
اردو بازار لاہور ۲

کھولیں تو اُسے موٹر سائیکل سوار کے ہاتھ میں پستول نظر آیا جس کا رُخ اندھا دُھند ادھر اُدھر گرتی پڑتی بھاگنے والی فیبی کی طرف تھا۔ ٹائیگر نے پھرتی سے جھک کر پتھر اُٹھایا۔ اُسے ہاتھ میں تولا اور اُچھال دیا۔

پتھر کرکٹ کی گیند سے زیادہ وزنی نہیں تھا، لیکن اُسے جس قوت سے اُچھالا گیا تھا، وہی قوت اس وقت بھی اُس میں موجود تھی، جب وہ پستول بردار کی دائیں کلائی پر گرا تھا۔ پتھر نے پستول کو کئی ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا۔ اس دوران میں ٹائیگر کو فیبی تک پہنچنے اور اُسے پکڑ کر ایک طرف کر دینے کی مہلت مل گئی تھی۔

موٹر سائیکل ایک مرتبہ پھر پوری رفتار سے اُن کی طرف جھپٹی۔ سوار بہت چالاک تھا۔ وہ اُنھیں پریشان کرنے کے لیے اُن کے گرد چھوٹے بڑے چکر لگانے لگا۔ ٹائیگر کو اُس کے اتنے قریب آنے کا انتظار تھا... کہ وہ ہاتھ بڑھا کر ڈرائیور کو پکڑ سکے، لیکن جب وہ اور قریب آیا اور ٹائیگر نے اُس کے وحشت زدہ چہرے کو دیکھا تو اسی وقت اُس نے جیب سے کوئی چیز نکالی۔ ٹائیگر ابھی کچھ کرنا ہی چاہتا تھا کہ اچانک ڈرائیور نے وہ چیز فیبی کی طرف اُچھال دی۔ تب ہی ٹائیگر کو اندازہ ہوا کہ اُس نے خاردار اور شاید زہریلی کانٹوں والی زنجیر پھینکی ہے۔ زنجیر فیبی کے چہرے سے اینچوں دُور گزرتی ہوئی ایک طرف گر گئی۔ ٹائیگر موٹر سائیکل کی طرف لپکا، لیکن سوار موٹر سائیکل بھگا کر لے گیا۔

"بھاگ گیا۔" فیبی لمبے لمبے سانس لے کر بولی۔ اُس کے چہرے پر وحشت تھی۔

"شاید نہیں۔" ٹائیگر کے حساس کان انجن کی ہوئی آواز سن رہے تھے۔ صاف ظاہر تھا کہ موٹر سائیکل کچھ دُور جا کر واپس پلٹ رہی ہے۔ "تم اس جھاڑی میں جا کر چھپ جاؤ، تمھارا کوئی پیچھا نہ کرے۔"

"ٹھیک ہے۔" وہ گاڑی کے کنارے والی جھاڑی کی طرف دوڑ گئی، لیکن وہاں پہنچتے ہی اُس کا پیر رپٹ گیا۔ اُسے ایسا لگا جیسے زمین پیروں تلے سے نکل گئی ہو۔ وہ نیچے گہرائی میں گر رہی تھی۔ اُس نے گھبرا کر ہاتھ مارے، کسی سہارے کے لیے۔ اُس کے ہاتھ میں کسی پرانے درخت کی جڑ آ گئی، جسے اُس نے دبوچ لیا۔

"شہزاد... میں گر رہی ہوں۔" وہ موت کے خوف سے بے حال ہو کر چلائی۔

اور اب موٹر سائیکل پھر واپس آ رہی تھی۔

"اوہ... ایک منٹ فیبی... خود کو سنبھالے رکھو، میں آ رہا ہوں۔" ٹائیگر چلایا۔ وہ تیزی سے جھاڑیوں کی طرف بڑھ گیا، وہ پھرتی سے اُتر رہا تھا، جہاں فیبی جھول رہی تھی۔ وہ پل بھر میں اس جگہ پہنچ گیا، مگر اب موٹر سائیکل سوار بھی کھائی کے دہانے پر پہنچ چکا تھا اور اُس کے جوتوں کے نیچے آنے والے پتھر پھسل پھسل کر ٹائیگر کے اُوپر گر رہے تھے۔

"فیبی!" ٹائیگر نے دھیرے سے کہا۔ "میں تمھیں اُوپر اُچھالوں گا، وہ اُوپر موجود ہے۔ لہٰذا جیسے ہی تم اُوپر گرو تو اندھا دُھند بھاگنے کی کوشش کرنا۔" اُس نے فیبی کے گھٹنے پکڑنے کے لیے اپنے دونوں پیر کھائی کی دیوار پر جما دیے۔ اب صرف اُسے پیروں کی مدد سے اپنا توازن برقرار رکھنا تھا اور یہ انتہائی خطرناک صورتِ حال تھی۔ اُس نے دونوں ہاتھ مضبوطی سے فیبی کے گھٹنوں پر جما کر لڑکی کو اس انداز سے اُچھالا کہ وہ اُوپر موجود شخص کے قدموں سے دُور گرے۔

وہ فیبی کو اُچھالنے کے بعد کھائی میں گرتے گرتے بچا... لیکن جب اُس نے اُوپر سے فیبی کے گرنے اور پھر اُس کے بھاگنے کی آواز سنی تو وہ مطمئن ہو گیا۔

اُسے احساس ہوا کہ حملہ آور اب بھی اپنی جگہ موجود ہے گویا اب فیبی نہیں، خود ٹائیگر اُس کا ہدف تھا۔

"کوئی ضروری بات کرنی ہے لڑکے؟" ٹائیگر اُس وقت خود کو انتہائی احمق سمجھ رہا تھا۔

موٹر سائیکل سوار نے جیب سے زنجیر نکالی جو خطرناک انداز میں ٹائیگر کے سر پر لہرانے لگی۔

"ٹھیک ہے، اگر تم یہی چاہتے ہو تو تمھاری مرضی۔" ٹائیگر اب اپنے خاص موڈ میں آ گیا تھا۔ "لیکن بعد میں یہ شکایت مت کرنا کہ میں نے تمھیں خبردار نہیں کیا تھا۔"

موٹر سائیکل سوار کے چہرے پر خوفناک مسکراہٹ دوڑ گئی۔ اُس نے زنجیر کو مزید ڈھیل دی... اور پھر اچانک ہی اُسے ایسا لگا، جیسے زنجیر کہیں پھنس گئی ہے۔ اُس نے زور لگایا اور لگاتا رہا۔

ٹائیگر نے جھولتی ہوئی زنجیر کو پکڑ کر جسم کو زوردار جھٹکا دیا۔ وہ سرکس کے کسی ماہر شعبدہ باز کی طرح... یا کسی بندر کی مانند [illegible] اُوپر پہنچ گیا۔ وہ موٹر سائیکل سوار سے کچھ ہی

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

دُور رہا تھا، جو اسے دیکھ کر حیرت سے گنگ ہو گیا تھا۔

مَیں نے کہا تھا نا کہ بات کر لو، لیکن تم نہ مانے۔" ٹائیگر نے اُس کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ اُس کے دونوں ہاتھ پیچھے بندھے ہوئے تھے اور چہرے پر مُسکراہٹ تھی۔

موٹر سائیکل سوار گھبرا کر ایک طرف بھاگا، مگر وہ یہ بھول گیا کہ کھائی اس طرف بھی ہے۔

"ٹھہرو!" ٹائیگر نے اُسے آواز دی، مگر یہ انتباہ بعد از وقت ثابت ہُوا۔ موٹر سائیکل سوار کسی گیند کی طرح کھائی میں گر چُکا تھا۔ بہت نیچے طوفانی موجیں اُس کی منتظر تھیں۔

"تم... تم ٹھیک ہو نا؟" نیبی دوڑتی ہوئی اُس کے پاس چلی آئی۔

"ہاں۔"

"شہزادہ!" وہ اچانک پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ "تم... کیا وہ مجھے قتل کرنے کے لیے آیا تھا؟"

"ہاں... نہیں یا مجھے سونیٹ ہارٹ... بہرحال اب چلا گیا ہے۔ لہٰذا آنسو ضائع مت کرو۔"

●

"الرلو ڈوری!" سوبانز شپ یارڈ کی ہلکی ہلکی روشنی میں کاؤنٹر پہ نام پڑھا جا سکتا تھا۔ ڈوچ مین نے کپاؤنڈ میں داخل ہو کر لائٹ آف کر دی تھی۔ یہاں بالکل خاموشی تھی۔ ...اور ہلکے ہلکے خراٹے بھی اسی خاموشی کا حصہ لگ رہے تھے۔ یہ خراٹے وہ شخص لے رہا تھا جسے ڈوچ مین کا خادم ٹینیز... یہاں لایا تھا۔ یہاں جب اچانک ہی ایک بستہ قد سیاہ بالوں والا شخص شراب کی پیٹیوں کی آڑ سے نکل کر اُس کی طرف آیا اور اُس نے اپنا کارڈ پیش کیا تو ڈوچ مین کو حیرت ہی ہوئی۔

وہ لارڈن شپنگ لائن میں کام کرتا تھا۔ کارڈ پر یہ ہی درج تھا۔

"کیا تم اب بھی لارڈن کے لیے کام کرتے ہو؟" ڈوچ مین نے انگریزی میں پوچھا۔ کیونکہ لارڈن انگلش کمپنی تھی۔

"اسکاسی!" اس شخص نے دونوں ہاتھ ہلا کر جواب دیا۔ لہٰذا ڈوچ مین نے اطالوی میں یہی سوال دریافت کیا

"کیا تم اس جہاز پر کام کرتے ہو؟" اُس نے نصف میل دُور لنگر انداز ایک مگزری شپ کی روشنیوں کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔

"سی... سی!" اُس شخص کے چہرے پر مُسکراہٹ دوڑ گئی

نابت نہ ہو سکے، پھر جب تفتیشی عملہ آیا تو وہ رپورٹ کر گیا کہ سوبانز کا کنٹینر کوئی غائب نہیں ہے۔

ڈوچ مین کو فکر اُس وقت ہوئی، جب اُس نے کنٹینر ملنے والے علاقے پر امریکی فوجی ہیلی کاپٹروں کو پرواز کرتے ہوئے دیکھا۔ یہ ہیلی کاپٹر کچھ دیر تک وہاں رہے اور پھر کسی قسم کی کارروائی کیے بغیر واپس چلے گئے۔ ان ہیلی کاپٹروں کے جانے کے بعد امریکی جہاز بھی واپس چلا گیا۔ ڈوچ مین نے اگلے روز اور پھر مسلسل ایک ہفتے تک کے اخبارات دیکھے، لیکن اُسے ان میں لاشوں کے بارے میں کوئی خبر نہیں ملی۔ اُسے یقین ہو گیا کہ کسی نے یہ خبر دبا دی ہے اور اب نظر رکھے ہوئے ہے۔

"تم جہاز پر کیا کام کرتے ہو؟" ڈوچ مین نے ڈوری... سے پوچھا۔

"مَیں انتہائی اہم آدمی ہُوں سینور!" ڈوری نے دونوں ہاتھ پھیلا کر جواب دیا۔ "میرے بغیر جہاز روانہ نہیں ہو سکتا۔"

"وضاحت کرو... لیکن مختصراً۔"

"مَیں شپ کچن کا سربراہ ہُوں سینور۔ وہاں ساس بنانا میرا ہی کام ہے۔ اگر میں نہیں گیا تو نو سو بارہ مسافر آٹھ دن تک سلاد، ساس اور ایسی ہی لذیذ چیزوں سے محروم رہیں گے۔ مَیں یقین دلاتا ہُوں سینور... کہ لوگوں نے غلطی سے مجھے پکڑ لیا ہے۔"

غلطی ہُوئی تھی مگر زیادہ بڑی نہیں۔ ڈوچ مین نے دل ہی دل میں کہا۔ لارڈن شپنگ لائن کچن میں کام کرنے والے کسی شخص کی پُراسرار گمشدگی کی زیادہ چھان بین نہیں کرے گی، لیکن پھر بھی چھان بین کا خطرہ بہرحال موجود تھا۔

"مَیں معذرت خواہ ہُوں سینور!" ڈوچ مین نے اُسے چھوڑ دینے کا فیصلہ کیا۔ "شپ یارڈ حال ہی میں غنڈہ گردی کا شکار ہوتا رہا ہے جس میں یقیناً ہمارے اپنے آدمی بھی ملوث ہوں گے۔ اس صورتِ حال سے نمٹنے کے لیے ہم مشتبہ افراد کو پوچھ گچھ کے لیے یہاں لاتے ہیں تاکہ پولیس شپ یارڈ کے معاملے میں... مداخلت نہ کر سکے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ بھی اس صورتِ حال کا احساس کریں گے۔"

"کیا یہ آپ کے آدمی ہیں سینور!" ڈوری نے شرابی سُرخ ملاحوں اور کارکنوں کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"میرا خیال ہے کہ آپ ابھی تک نہیں سمجھ سکے سینور!" ڈوچ مین کی آنکھیں برف کی طرح سرد تھیں۔

"سی... سی... کیوں نہیں... بالکل سمجھ گیا۔" ڈوری نے پُرجوش لہجے میں جواب دیا۔ ساتھ ہی اُس نے کئی مرتبہ اثبات میں سر بھی ہلایا۔

"آپ اس واقعے کا باہر کسی سے ذکر نہیں کریں گے۔"

"ہرگز نہیں کروں گا۔" ڈوری نے یقین دلایا۔

"اور اگر آپ نے کسی سے اس واقعے کا ذکر کیا تو پھر کبھی سینٹ مارٹن کی بندرگاہ پر قدم نہیں رکھ سکیں گے"...

ڈوچ مین نے دھمکی دی۔

"آپ کو مجھ سے کبھی کوئی شکایت نہیں ہو گی!" ڈوری بار بار یقین دلا رہا تھا۔

"جاؤ!" ڈوچ مین نے زوردار لہجے میں کہا۔ ساتھ ہی آنکھیں اطالوی سے ہٹا کر سمندر کی تاریکی پر مرتکز کر دیں اگر وہ بروقت چہرہ نہ گھما لیتا تو ڈوری جل کر راکھ ہو جاتا، لیکن چہرہ سمندر کی طرف کر لینے سے ڈوری سمندر کے سینے پر چنگاریاں سی نمودار ہُوئیں... اور سمندر کے سینے پر گر گئیں۔ ڈوچ مین نے سکون کی سانس لی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ وہ اپنی پُراسرار صلاحیت پر خبردی طور... سے قابو پانے میں کامیاب ہُوا تھا...

ڈوری نے سمندر پر آگ اُڑتی ہُوئی دیکھی تو وہ خوفزدہ ہو گیا۔ اُس نے زوردار چیخ ماری اور بھاگنے لگا۔ اُسے نہ جانے کیوں یہ ایسا لگا تھا، جیسے یہ آگ اُسے جلا دے گی۔

"ٹھہرو!" ڈوچ مین نے اُسے آواز دی۔ "تاروں کی باڑ میں برقی رَو دوڑ رہی ہے۔ مَیں تمہیں دوسرے راستے سے بھجوا دُوں گا۔" اُس کے اس انتباہ کے باوجود ڈوری... بھاگتا رہا۔ اُس نے چھلانگ مار کر تاروں کی باڑ عبور کرنے کی کوشش کی، مگر ناکام رہا۔ اُس کا ایک پیر تاروں میں پھنس گیا۔ اتنا ہی کافی تھا۔ اُس کا جسم بہت زور سے تڑپا، اچھلا مگر آزاد نہیں ہو سکا۔ اس کے بالوں سے چنگاریاں نکلنے لگیں اور ہونٹوں سے دُھواں نکلنے لگا۔ ڈوچ مین نے لپک کر ٹھوکر ماری تو ڈوری کا جسم تاروں سے دُور گرنے میں دو تین کارکنوں کے قریب جا گرا۔ شرابی خوف زدہ ہو کر چیخنے چلانے لگے تھے۔

یہ سب کچھ کنٹرول سے باہر ہو چکا تھا۔ اس چیخ و پکار کی وجہ سے لوگ بھی جمع ہو سکتے تھے۔ لہٰذا اس پر قابو پانے کی ضرورت تھی، لیکن سب سے پہلے اس شور کی وجہ کو ہٹانے کی ضرورت تھی۔ ڈوری کا جسم اب بھی اُچھل رہا تھا۔ ڈوچ مین

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

نے ایک ہاتھ سے وٹوری کو اُٹھایا اور سمندر کی طرف اُچھال دیا۔ جسم پانی پر گرا تو ڈچ مین زیادہ دُور مچانے والے ایک کارکن کی طرف پلٹا۔ اُس نے اُس کے تھپڑ مارا اور وہ شخص کسی چھپکلی کی طرح مگر کر مر گیا۔ اب ڈچ مین کسی دوسری بیچ کو تلاش کر رہا تھا۔ دوسری بیچ ایک بُوڑھے سیاہ فام کے حلق سے نکل رہی تھی، جو آفس کمپلیکس کی طرف دوڑا جا رہا تھا۔ ڈچ مین نے لپک کر اُس کے سر پر ٹھوکر ماری۔ سر میں بڑا سا سوراخ ہو گیا اور دونوں کنپٹیاں پھٹ گئیں...

اسی طرح اُس نے صرف ایک ایک ضرب سے باقی افراد کو ہلاک کیا۔ اُس نے لوگوں کو چُن چُن کر اور تلاش کر کے مارا۔ وہ سیمنٹ کی بوریوں، کنٹینروں اور ڈرموں کے پیچھے چھپے ہُوئے تھے...

جب مکمل خاموشی چھا گئی تو ڈچ مین نے لاشوں کی گنتی کی۔ ٹیور مچانے والوں کی تعداد دس نکلی۔ جو اب ہمیشہ کے لیے خاموش ہو چکے تھے۔ سمندر کی نم ہواؤں میں موت کی بُو رچی ہُوئی تھی۔ ڈچ مین نے ایک ریفریجریٹر کنٹینر کھولا، جو گوشت وغیرہ محفوظ رکھنے کے لیے مخصوص تھا۔ اُس نے تمام لاشیں اُس میں ڈال دیں۔ پھر لاشوں کی جیبوں سے گرا ہُوا سامان اُٹھا کر ایک جگہ چھپا دیا۔ اُس کو بعد میں بھٹی میں جلا کر ضائع کیا جا سکتا تھا۔ اُس نے مطمئن انداز میں کنٹینر بند کر کے اُس کا ڈائل سیٹ کیا۔ اب وہ مزید پھرتی سے کام کر رہا تھا۔ سمندر پُرسکون انداز میں ساحل سے سرگوشیاں کر رہا تھا۔ جب کہ ٹینیز کی موٹر اپنے ہولناک کارگو کو سہہ کر رہی تھی۔ ڈچ مین کو یقین تھا کہ یہ کنٹینر بہت جلد سمندر کی نذر کر دیا جائے گا اور اس میں شہزاد اور اُوشان کی لاشیں بھی موجود ہوں گی۔

پھر اچانک ہی کپاؤنڈ کے باہر سے بھاری قدموں کی آواز سُنائی دی۔ ڈچ مین کنٹینر سے چیک کر کھڑا ہو گیا۔ تب ہی اُسے آنے والے کا ہیولا نظر آیا۔ ایسا لگ رہا تھا، جیسے ہیولے نے بوجھ اُٹھا رکھا ہو۔ گیٹ پر پہنچ کر ہیولے نے جیب سے کوئی چمک دار چیز نکالی اور گیٹ فوراً کھل گیا۔ آنے والا ٹینیز تھا۔

اُس نے سیاہ لباس والے کسی شخص کی لاش اُٹھا رکھی تھی، جس سے اب بھی پانی ٹپک رہا تھا۔ ٹینیز نے لاش ڈچ کے قدموں میں ڈال کر اشاروں سے بتایا کہ لاش اُسے

گنگا کے پجاری ناگ

اے حمید ○ قیمت ۳۵۰/۰۰ روپے

فرنچ لڑکی کے گھر کے نیچے والی کھائی میں تیرتی ہُوئی ملی ہے۔"

ڈچ مین نے اُسے تھپڑ مار دیا۔ "یہ تمہاری ناکامی کا انعام ہے ٹینیز!"

خادم کا چہرہ بے تاثر رہا۔

"کیا شہزاد بھی مر گیا ہے؟" ڈچ مین نے ایک لمحے کے بعد پوچھا۔

خادم نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"اب فوراً دونوں کو ہلاک کرنا ضروری ہے۔" ڈچ مین سوچ رہا تھا۔ "نوجوان کو پہلے قتل کرنا بہتر ہوتا، لیکن یہ جُوا کامیاب ثابت نہیں ہو سکا۔" ڈچ مین سے زیادہ بہتر طور پر کوئی اور نوجوان کے مُہلک ہونے کا اندازہ نہیں لگا سکتا تھا۔ تایکیوں کے دیو ہیکل تانے اُسے خبردار کیا تھا کہ بعض حالات میں نوجوان، بُوڑھے اُوشان سے زیادہ خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ ڈچ مین اب پچھتا رہا تھا کہ اُس نے نوجوان کو ہلاک کرنے کے لیے اِس لاش کو کیوں بھیجا تھا؟ اُسے یہ کام خود کرنا تھا۔

"ٹھیک ہے، ایسا ہی ہو گا۔" اُس نے دھیمے لہجے میں کہا اور پھر خادم کو اشارہ کیا جس پر ٹینیز نے لاش اُس کے قدموں سے اُٹھا کر اُس کنٹینر میں ڈال دی جس کا درجۂ حرارت اب منفی دس ہو چکا تھا۔ اُس نے دروازہ بند کیا، پھر ڈچ مین کے ساتھ ساتھ گیٹ کی طرف بڑھ گیا۔ وہاں پہنچ کر اُس نے جیب سے دھات کی ایک کارڈ نما پلیٹ نکال کر قفل میں ڈالی تو دروازہ کھل گیا۔ دونوں گیٹ سے نکلے تو ٹینیز ہی نے گیٹ بند کیا۔ ٹینیز نے دو سوئچ دبا دیے۔ کپاؤنڈ روشنی میں نہا گیا اور وہ دونوں اندھیرے میں چلے آئے۔

"کیا لڑکی کو بھی نقصان پہنچایا ہے؟" ڈچ مین نے اشاروں میں سوال کیا۔ خادم نے نفی میں سر ہلایا تو ڈچ مین گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ چند لمحوں بعد اُس نے بڑے مہیب لہجے میں کہا۔

"اُسے نقصان پہنچانا چاہیے۔"

خادم اُس کے ہونٹوں کی حرکت سے سمجھ گیا۔

ٹائیگر کے ولا کی پورچ لائٹس کھلی ہوئی تھیں۔ قریب ہی فرنٹ ڈور کو کھلا دیکھ کر ٹائیگر نے دو مرتبہ آنکھیں جھپکائیں... وہاں بہت سے لوگ جمع تھے، البتہ لگ رہا تھا جیسے کوئی تقریب جاری ہو۔ تاہم قہقہوں کی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔

اُسے دروازے میں ایک سیاہ فام شخص نظر آیا، جو چلنے کی بجائے لڑھک رہا تھا۔ وہ دو سوفوں پر آ کر گرا، تو وہ بھی اِدھر اُدھر گر گئے۔ ایک ہی لمحے بعد وہ سب اُٹھ کر بھاگے اور پورچ میں آ کر دوبارہ لیٹ گئے۔ کچھ ایسا لگا تھا، جیسے وہ سب کے سب کسی آفت کے شکار ہو چکے ہوں۔

"کیا ہو رہا ہے؟" ٹائیگر لاشوں کے اُوپر سے پھلانگتا ہُوا اندر کی جانب جانے لگا۔ وہاں اُوشان دونوں ہاتھ سینے پر باندھے ہُوئے انتہائی برہمی سے کھڑا ہُوا تھا۔ اُس کی سُنہری آستینوں میں ہاتھ چھپے ہُوئے تھے۔ لہٰذا صرف ٹائیگر ہی یہ کہہ سکتا تھا کہ اُوشان کے ہاتھ اُس کے سینے پر موجود ہیں۔

"تم کہاں تھے؟" اُوشان نے قہر آلود لہجے میں پوچھا۔ "اس کُوڑے کو یہاں سے ہٹاؤ!" یہ حکم دیتے ہُوئے اُس کا دایاں ہاتھ ہی لبادے سے باہر نکلا تھا، تاکہ لاشوں کی طرف اشارہ کر سکے۔ اشارہ مکمل ہونے کے بعد ہاتھ پھر واپس چلا گیا۔

"کُوڑا؟" ٹائیگر نے راہ میں آ جانے والے ایک ہاتھ کو ٹھوکر مارتے ہُوئے کہا۔ "آپ نے گاؤں کی نصف آبادی کو جہنم رسید کر ڈالا ہے نیل فادر... صرف اس لیے کہ خادم آ کر اس کُوڑے کو صاف کر ڈالے گا، لیکن میں بھی غیر مصروف نہیں تھا۔ میرا سامنا بھی قاتل سے ہُوا تھا۔"

"مگر مجھ پر جو گزری وہ تم سے یقیناً زیادہ بھیانک تھی۔" اُوشان نے فیصلے کُن لہجے میں جواب دیا۔ "مجھے دو مرتبہ وڈیو دیکھتے ہُوئے دستک کیا گیا۔ پہلی مرتبہ شہنشاہ ہیرام کمڑکی کے راستے کمرے میں کُودا اور پھر یہ خبیث ہی ٹاہُو ہی کرتے ہُوئے گھس آئے۔ ایسا لگتا تھا، جیسے بندروں پر مشتمل پاکا دورہ پڑ گیا ہو۔ ہم تعطیلات پر ہیں یا کسی پاگل گھر میں... کے گئے ہیں... یہ ناقابلِ برداشت ہے شہزاد... دو مرتبہ ڈسٹرب کیا گیا ہے مجھے۔ اس سے اچھی تو جیل ہوتی ہو گی۔"

"ایک منٹ فادر! اتنا غصہ نہ کریں۔ غصہ انسانی اعصاب کو اس طرح کھا جاتا ہے جیسے لوہے کو زنگ۔" ٹائیگر نے مسکراتے ہُوئے اُوشان کا غصہ ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔

"غصہ نہ کروں... پُرسکون رہوں!" اُوشان پیر پٹخ رہا تھا۔ "مجھ بُوڑھے پر اتنا ظلم ہو رہا ہے اور تم کہتے ہو کہ خاموش رہوں۔ میرا اثاثہ لُٹ گیا شہزاد... میں برباد ہو گیا..."

"ہُوا کیا ہے فادر؟" ٹائیگر اب واقعی بھونچکا ہو چکا تھا۔

"ابھی دکھاتا ہُوں۔" اُوشان نے جلے بھنے انداز میں جواب دیا اور ہَوا کی طرح چلتا ہُوا کمرے میں گھس گیا۔ واپسی پر اُس نے ٹرالی اُس کے ساتھ تھی اور ٹی وی اسکرین پر بڑا سا سوراخ نظر آ رہا تھا۔ "یہ ہُوا..." اور اس کا ذکر تے دار خبیث اتنا کم ظرف تھا کہ شان سے مرا بھی نہیں۔ ہر طرف تڑپ تڑپ کر بھاگتا رہا، پھر گرا تو ایڑیاں رگڑنے لگا۔ اس طرح چیخ رہا تھا، جیسے زخمی کتا ہو۔ آہ... میں اپنا پسندیدہ ادبیرا نہیں دیکھ سکا!"

"آپ نے اس ادبیرا کی فلم ہزاروں مرتبہ دیکھی ہے، ہِسٹل فادر!"

"بکواس مت کرو جاہل!" اُوشان بپھر گیا۔ "کیا مونالیزا کی مسکراہٹ کئی بار دیکھنے کے بعد اُس کی مسکراہٹ تباہ کر دینا جائز ہو گا؟"

"ہرگز نہیں۔" ٹائیگر نے اُسے ٹھنڈا کرنے کے لیے نرم لہجے میں جواب دیا۔ "لیکن آپ فکر نہ کریں۔ صبح ہوتے ہی میں شہر جا کر آپ کے لیے دوسرا ٹی وی سیٹ لے آؤں گا۔"

"صبح...؟" اُوشان کے حلق سے عجیب سی آواز نکلی۔ "صبح... اور رات کو نیں کیا کروں گا؟" یہ کہہ کر اُس نے ٹوٹے ہُوئے... ٹی وی سیٹ کی طرف دیکھا۔ "کیا یہ اب ناکارہ ہو چکا ہے؟"

"جی ہاں... لیکن اگر آپ اس کو کافی ٹیبل بنا کر رکھنا چاہیں تو کام دے سکتا ہے۔"

"آہ... وہ خُوب صورت صندوقچی بے کار ہو گئی... جو سینکڑوں خُوب صورت کہانیوں کو جنم دیتی تھی۔" یہ کہہ کر اُوشان نے ٹی وی سیٹ فضا میں اُچھال دیا، جو کمرے کی ایک دیوار سے جا ٹکرایا۔

"فادر...!" ٹائیگر اُچھل پڑا۔ "صبر... فادر پلیز... میں نے کہا... پُرسکون رہیں۔"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"میں پُرسکون ہوں۔" اُوشان نے دھیرے سے کہا اور لاشوں کے اُوپر سے گزرتا ہُوا ایک الگ پڑی ہُوئی لاش پر جُھک گیا۔ اُس نے لاش اُٹھا کر ایک ایسی کھڑکی پر دے ماری جس میں بڑا سا... تقریباً قدِ آدم شیشہ لگا ہُوا تھا۔ شیشہ زوردار چھناکے سے ٹوٹ گیا۔

"مایوس کن... حقیر درندہ..." اُس نے کہا، ساتھ ہی ایک اور لاش کو ٹھوکر مار کی جو اُچھل کر کھڑکی میں جا گری۔ اُس نے ایک اور لاش کو اُٹھا کر اُچھالا تو لاش واپس نہیں آئی، بلکہ پنکھے میں پھنس گئی۔

"ٹھیک ہے فادر... اب میں اس کُوڑے کی صفائی کر دُوں۔" ٹائیگر نے کہا اور پھر تیزی سے کام میں مصروف ہو گیا، لیکن اتنی ہی تیزی سے اُوشان نے بھی ایک اور لاش کو ٹھوکر مار کر کمرے سے باہر پھینک دیا۔

"میں یہ کام کر رہا ہُوں فادر... آپ زحمت نہ کریں۔"

"اس پُرتشدد دُنیا میں بُوڑھے لوگوں کو کبھی سکون نہیں ملے گا۔" اُوشان نے ایک ٹھنڈی آہ بھر کر کہا۔

ایک گھنٹے بعد ٹائیگر ہیشتر لاشیں سمندر بُرد کرنے کے بعد واپس آیا تو اُس نے اپنا سر پیٹ لیا۔ وہ پنکھے میں لٹکی ہُوئی لاش کو بھُول گیا تھا۔

"اس کو بھی لے جاؤ۔"

"سوری... میں جلد بازی کے باعث اسے بھُول گیا تھا۔" ٹائیگر نے کہا اور لاش کی ٹانگیں پکڑ کر کھینچنے لگا۔ "یہ لوگ یہاں کیوں آئے تھے؟"

"پتا نہیں، لیکن انھوں نے ٹی دی تباہ کر ڈالا۔" اُوشان نے بے نیازی سے جواب دیا۔

"کیا یہ آپ کو لُوٹنے کا ارادہ رکھتے تھے فادر؟"

"لُوٹنے کا؟" اُوشان نے پلکیں جھپکاتے ہُوئے کہا اور پھر نفی میں سر ہلانے لگا۔ "نہیں، شاید۔ مجھے قتل کرنے کے لیے آئے تھے۔"

"مگر کیوں؟"

"بھلا مجھے کیسے معلوم ہو سکتا ہے؟" اُوشان نے مُنہ بنا کر جواب دیا۔ "سفید فاموں کے شیطانی دماغ میں کیا ہوتا ہے؟... مجھے کبھی علم نہیں ہُوا۔"

"مگر یہ سب سیاہ فام ہیں۔" ٹائیگر نے اعتراض کیا۔

"تقریباً۔" اُوشان نے اندازے کی غلطی کا اعتراف نہیں کیا۔ "تقریباً سیاہ فام ہیں۔"

"انھوں نے کیا کیا؟"

"یہ اندر آئے۔ ان کے ہاتھوں میں چاقو اور پستول تھے بڑے عجیب انداز میں شور مچا رہے تھے۔ لیکن پھر یہ سب عدم آباد کو سدھارے... صرف وہ شخص دیر تک زندہ رہا جس نے ٹی وی توڑا تھا... اور ہاں... اُس کی باقیات میرے بیڈ رُوم میں موجود ہیں۔"

"اوہ..." ٹائیگر کے مُنہ کا ذائقہ بدل گیا۔ "چلیں، اُس کی باقیات کو بھی ٹھکانے لگا دُوں۔"

اندر کمرے میں پہنچ کر اُسے واقعی دھچکا سا لگا تھا۔ لاش کا کوئی عضو سلامت نہیں تھا۔ "کیا آپ اُسے صرف قتل کرنے پر اکتفا نہیں کر سکتے تھے؟"

"اسی نے میرا ٹی وی توڑا تھا لڑکے۔" اُوشان کو پھر غصہ آنے لگا۔ اور اس وقت اسکرین پر مسز و مسٹر شیم..."

"میں سمجھ گیا۔ اس جُرم کی سزا کہیں زیادہ ہونی چاہیے تھی۔" ٹائیگر نے گوشت کے لوتھڑے اور ہڈیاں جمع کرنے کی بجائے، وہ قالین ہی لپیٹ کر اُٹھایا جس پر یہ سامان بکھرا ہُوا تھا۔ ڈرائنگ رُوم میں آ کر اس نے جھولتی ہُوئی لاش کو پنکھے سے کھینچ کر اُتارا اور کندھے پر ڈال لیا۔ "ویسے ابھی تک اس حملے کی وجہ سمجھ میں نہیں آ سکی ہے۔ ہم یہاں بالکل اجنبی ہیں۔ اس کے باوجود ہم پر تین حملے ہو چکے ہیں۔"

"تم پر بھی حملہ ہُوا تھا؟" اُوشان نے سرسری سے انداز میں پوچھا۔

"دو مرتبہ۔" ٹائیگر نے کن انکھیوں سے اُسے دیکھ کر جواب دیا۔ اُوشان کا یہ سرسری سا انداز ہی انتہائی اہمیت کا حامل تھا۔ "مجھے یقین ہے کہ آپ کو اس کی وجہ معلوم ہے نئل فادر۔"

"مجھ بُوڑھے کو اس کے سوا کچھ اور نہیں معلوم کہ ٹی وی سیٹ تباہ ہو گیا ہے۔" اُوشان نے ٹالنے والے انداز میں کہا اور پھر اس کی نظریں لاش پر جم گئیں۔ "اس پاگل کتے کو یہاں سے لے جاؤ۔"

ٹائیگر نے ان نظروں کا تعاقب کیا۔ لاش کے قریب ہی کوئی چیز پڑی ہُوئی تھی۔

"اوہ... یہ یقیناً اس کی ہی جیب سے گری ہو گی۔" ٹائیگر نے کہا اور جُھک کر اُسے اُٹھا لیا۔ یہ پلاسٹک کارڈ تھا اور اس کا سائز کریڈٹ کارڈ سے زیادہ نہیں تھا۔ کارڈ پر نشان

نام کی کوئی چیز نظر نہیں آئی۔ تاہم اس کی پوری لمبائی پر ایک چوڑی دھاتی پٹی لگی ہُوئی تھی۔

"یہ کیا چیز ہو سکتی ہے؟" اُس نے اُوشان سے رائے لی لیکن اُوشان نے حیرت انگیز طور پر کارڈ اُس کے ہاتھ سے اُچک لیا۔

"پہلے کُوڑے کو صاف کرو۔ اس کے بعد ہم اس غیر مہذب جزیرے کے معمے حل کرنے کی کوشش کریں گے۔" یہ کہتے ہُوئے اُس نے کارڈ دُور ایک میز پر پھینک دیا۔ ٹائیگر لاشیں لے جانے پر مجبور تھا۔

سمندر کی طرف قالین اور لاشیں لے جاتے ہُوئے وہ سوچ رہا تھا کہ آج کی رات سے کوئی نہ کوئی اسرار ضرور وابستہ ہے۔

"لیکن کیا؟" اُس نے قالین سمندر کی نذر کرتے ہُوئے سوچا اور رات ہی کیوں؟ دن بھی پُراسرار گزرا تھا۔ ہر ہر کی آمد بھی پُراسرار تھی۔ اُس کا یہ کہنا بھی پُراسرار تھا کہ وہ بھی... تعطیلات گزارنے کے لیے آیا ہے۔ اس کے بعد حملے ہُوئے۔ ٹائیگر کو یقین ہو گیا کہ یہاں کوئی نہ کوئی گڑبڑ ضرور ہے۔ کچھ کچھ بھی ہو رہا ہے، ہر ہر اس سے واقف ہے۔ خود اُس کی اور اُوشان کی یہاں موجودگی کا کوئی نہ کوئی سبب ضرور ہو گا۔

معاً اُسے احساس ہُوا کہ اس خوب صورت جزیرے پر کوئی خطرناک آسیب مسلط ہے۔ یہ بڑا عجیب سا احساس تھا۔ تب ہی اُسے دُور عقب سے آواز سُنائی دی۔ اُس نے پلٹ کر دیکھا مگر دُور دُور تک اُسے کوئی نظر نہ آیا۔ اُس کی نظریں تاریک اُفق سے اندھیرے آسمان تک کا جائزہ لینے لگیں۔ چاند غائب تھا۔

آواز پھر سُنائی دی۔ اس بار قریب سے آئی تھی۔ اب آواز واضح ہونے لگی تھی۔ کوئی آ رہا تھا۔

ٹائیگر بغور سُننے لگا۔

قدموں کی یہ آواز مغرب سے... اسی سمت سے آ رہی تھی جس سمت سے وہ اس طرف آیا تھا۔ وہ اپنی سوچوں کو مجتمع کرنے لگا۔ مغرب میں فیبی کا گھر اور کوہ البیس بھی تھا۔ وہ سڑک بھی تھی جس پر ہر ہر کے ساتھ اُس نے سفر کیا تھا۔ اور جدید سکیورٹی سسٹم والا شپ یارڈ بھی اسی سمت میں واقع تھا۔

شپ یارڈ... اب اُسے اچانک ہی یاد آیا کہ فیبی کے گھر سے واپسی پر اُس نے شپ یارڈ میں تاریکی دیکھی تھی۔ شپ یارڈ میں اس وقت دن کا سا سماں تھا۔ جب وہ ہر ہر کے ساتھ کار میں سفر کر رہا تھا۔

قدموں کی آواز اور قریب آ گئی۔ ٹائیگر کو جلد ہی احساس ہو گیا کہ آنے والا جو کوئی بھی ہے... دوڑتا ہُوا آ رہا ہے۔ اُسے بے قابو سانس کی آواز بھی سُنائی دینے لگی تھی۔ اُس نے لاش ایک طرف ڈال دی اور خود اُس سے ایک سوفٹ دُور چھپ گیا تاکہ اُس کی تربیت یافتہ آنکھیں اس اندھیرے میں آنے والے کو دیکھ سکیں۔

آنے والا ہیولا تیزی سے نمودار ہُوا اور لاش سے ٹکرا کر گر گیا۔ ہیولے نے لاش کو ٹٹولا اور پھر فضا میں کسی عورت کی انتہائی کربناک چیخ گونج اُٹھی۔

"فیبی!" یہ نام از خود ٹائیگر کے ذہن میں گونجا اور وہ اُس کی طرف لپکا۔ وہ دیوانوں کی طرح جنگل میں بھاگنے لگی۔ لیکن ٹائیگر نے پل بھر میں ہی اُسے جا لیا۔

"نہیں، نہیں..." وہ اس سے گتھم گتھا ہو گئی۔

"فیبی... ہوش میں آؤ... میں ہُوں... شہزاد!"

"شہزاد!" وہ اس طرح چونک گئی، جیسے نیند سے بیدار ہُوئی ہو... اور پھر پھُوٹ پھُوٹ کر رونے لگی۔ وہ بُری طرح کانپ بھی رہی تھی۔ وہ... وہ مجھے مارنے کے لیے آیا تھا۔" وہ ہسٹریائی انداز میں چلاتے ہُوئے بولا۔ "گھر میں... جب تم... چلے گئے... تو... وہ آ گیا۔ اُس نے... میرے نرخرے پر... ہاتھ رکھ دیے... وہ... مجھے قتل کرنا چاہتا تھا۔"

"ایک منٹ رُکو۔ میں تمھیں اندر لے چلتا ہُوں۔ وہاں تم سب کچھ بتا دینا۔ یہاں تمھیں ٹھنڈ لگ رہی ہو گی۔"

فیبی میں اتنی سکت بھی نہ رہی تھی کہ وہ چند گز دُور... ٹائیگر کے وِلا تک پہنچ سکتی۔ لہٰذا ٹائیگر نے اُسے گود میں اُٹھا لیا تھا۔

"تم یہاں ذرا آرام کرو۔ میں تمھارے لیے گرم گرم چائے لاتا ہُوں۔" ٹائیگر نے اُسے بغور دیکھتے ہُوئے کہا۔ فیبی کی گردن پر اُنگلیوں کے نشانات بہت واضح تھے۔

ابھی وہ چائے لایا ہی تھا کہ اُوشان کمرے میں داخل ہُوا۔ اُس کے ہاتھوں میں صاف تولیے کا ایک ڈھیر اور دوسرے ہاتھ میں نیلا لبادہ تھا۔

"یہ نئی افراتفری کون ہے؟" اُس نے کوریائی زبان میں

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ٹائیگر نے پوچھا۔

"وہی عورت... جس سے میں ملنے کے لیے گیا تھا۔ میری اور آپ کی طرح اس پر بھی حملہ ہوا ہے۔" لیٹل فادر!" ٹائیگر نے جان بوجھ کر مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ فیبی اس گفتگو سے کوئی غلط مطلب اخذ نہ کر بیٹھے۔

اُوشان چلا گیا اور فیبی چائے پینے کے بعد، اپنے حواس میں آگئی۔

"شکریہ!" اُس نے کہا، لیکن پھر کمرے کی حالت دیکھ کر اُس کے اوسان خطا ہو گئے۔ "گ... گ... کیا وہ یہاں بھی آیا تھا؟"

اُس کے بعض ساتھی آئے تھے۔" ٹائیگر نے ہنس کر جواب دیا۔" لیکن وہ زیادہ بڑا مسئلہ ثابت نہ ہوئے۔" پھر جونہی اُس نے فیبی کی پھٹی ہوئی نظریں دیوار کے قریب گرے ہوئے ٹی وی پر مرتکز دیکھیں تو فوراً بول اُٹھا۔" یہ اُن کا کام نہیں فیبی! یہ تو اُوشان کا کارنامہ ہے۔ وہ اس طرح کی ڈیکوریشن بہت پسند کرتا ہے۔"

اُوشان پھر کمرے میں داخل ہوا۔ فیبی سمجھ گئی کہ اُوشان کون ہے، لیکن اُسے یقین نہیں آرہا تھا کہ اتنا نحیف شخص ٹی وی اُٹھا کر بھی پھینک سکتا ہے۔

"بتاؤ لڑکی... کیا ہوا تھا؟" اُوشان نے پوچھا اور سوال کے اس انداز سے ٹائیگر چونک اُٹھا۔ اوشان غیر ضروری دلچسپی کبھی نہیں لیتا تھا۔

"سوری۔" فیبی کی آنکھوں میں پھر آنسو آگئے۔" مجھے افسوس ہے کہ میری وجہ سے آپ لوگوں کو بھی تکلیف اُٹھانی پڑی ہے۔ میں نے آپ کو بھی ڈسٹرب کر لیا ہے۔"

"یہ بھی ممکن ہے کہ ہم تم سے زیادہ اور تم سے پہلے اس میں ملوث ہوں۔" اُوشان نے جواب دیا۔" اور ہاں آنسو بہانے بغیر جو کچھ بتا سکتی ہو ہمیں بتا دو۔"

"شہزاد کے چلے آنے کے بعد، وہ گھر میں داخل ہوا تھا۔" فیبی پہلو بدل کر بولی۔" اُس وقت میں سو رہی تھی۔ اُس نے میرا گلا گھونٹنے کی کوشش کی۔ میرے بیڈ کے قریب موم بتی کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔ میں نے موم بتی ہی اُٹھا کر اُس کی آنکھوں میں گھسیڑ دی۔ وہ اُچھلا تو میں اُس کی گرفت سے آزاد ہو گئی۔ وہ بہت خوفناک لمحے تھے۔" فیبی سسکیاں لینے لگی۔ اُس نے دونوں ہاتھ آنکھوں پر اس طرح رکھ لیے جیسے وہی خوفناک منظر دوبارہ دیکھ رہی ہو۔

"پھر کیا ہوا؟" ٹائیگر نے ملائم لہجے میں پوچھا۔

"پھر... پھر میں گھر سے نکل کر ساحل کی طرف بھاگنے لگی اور وہ میرا تعاقب کرنے لگا۔ وہ مجھ سے بہت قریب آگیا مگر چاند بادلوں کی اوٹ میں نہ چھپ گیا ہوتا تو وہ مجھے پکڑ ہی لیتا۔ چاند کے چھپتے ہی ہر طرف گھپ اندھیرا ہو گیا۔ میں ایک طرف لڑھک گئی اور پھر میں نے محسوس کیا کہ وہ ایک جھگڑ رُک گیا ہے۔ شاید اندھیرے کے باعث وہ یہ اندازہ نہیں کر سکا تھا کہ میں کہاں ہوں۔ لہٰذا میں ایک بڑے پتھر کے نیچے چھپ گئی۔ اس وقت وہ میری سن گن لینے کی کوشش میں آہستہ آہستہ چل رہا تھا، پھر معاً ہی مجھے قریب چند پتھر پڑے ہوئے نظر آئے۔ میں نے اُنہیں اُٹھا کر درختوں کی طرف پھینک دیا۔ میری کوشش تھی کہ وہ گمراہ ہو کر درختوں کی طرف چلا جائے۔ اور میں اس کوشش میں کامیاب بھی ہو گئی۔"

"پھر تم اِدھر چلی آئیں؟"

"نہیں، براہِ راست نہیں۔ مجھے خوف تھا کہ کہیں وہ میرے قدموں کی آہٹ نہ سُن لے۔ لہٰذا میں زمین پر رینگتی ہوئی سمندر تک گئی۔ دلدل اور زیادہ اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ میں پانی میں اُتر گئی اور پھر دُور تک نکل گئی، لیکن مجھے وہاں... شارکوں کا خوف دامن گیر تھا۔ تاہم میں اس کے مقابلے میں شارکوں کے ہاتھوں موت کو ترجیح دے رہی تھی۔ میں ایک کلومیٹر دور جا نکلی۔ مجھے یقین تھا کہ اب میں اُس کی پہنچ سے دُور نکل چکی ہوں۔ اس کے بعد میں دوڑنے لگی۔"

"سوال یہ ہے کہ وہ ہے کون؟ کیا وہ کوئی بھی ہے۔ تمہیں قتل کرنا کیوں چاہتا ہے؟" ٹائیگر نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔

"اوہ... میں یہ تو بتانا بھول ہی گئی کہ وہ کون ہے۔ میں اُسے پہچانتی ہوں۔ وہ ڈچ مین کا خادم ہے۔"

ٹائیگر اور اُوشان نے معنی خیز انداز میں ایک دوسرے کو دیکھا۔

"اب تم آرام کرو لڑکی!" اُوشان نے سرہلا کر مشورہ دیا۔ "اس موضوع پر ہم کل کسی وقت گفتگو کر سکتے ہیں۔"

"شکریہ۔" فیبی کو واقعی آرام کی ضرورت تھی۔

"آؤ... میں تمہیں کمرے تک چھوڑ آؤں۔" ٹائیگر نے ہاتھ بڑھا کر کہا۔ وہ اُسے گیسٹ رُوم تک چھوڑ کر واپس آیا تو اُوشان ٹوٹی ہوئی کھڑکی کے سامنے کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا بیٹھا تھا۔

ہمارے اپنے گلی کوچوں میں ہونے والا تماشائے آہن و سنگ
ہمارے آپ کے گرد بکھرے ہوئے کرداروں کی داستانِ ہزار رنگ

محمود احمد مودی کے ایڈونچرس قلم سے

سرکش

12 حصّوں میں شائع ہو گیا ہے

قیمت
فی حصّہ ۵۰/- روپے | مکمل سیٹ ۶۰۰/- روپے

ناشر
مکتبہ القریش، سرکلر روڈ، اُردو بازار، لاہور
فون: ۷۶۶۸۹۵۸

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"میں جلد ہی واپس آجاؤں گا۔" ٹائیگر دروازے کی طرف جاتا ہوا بولا۔ "مجھے ایک لاش ٹھکانے لگانی ہے جو اس چکر میں ساحل پر ہی چھوڑ آیا ہوں۔"

"میں بھی چل رہا ہوں۔" اوشان نے کھڑے ہو کر اپنی قبا درست کی اور ٹائیگر کے جواب کا انتظار کیے بغیر پورچ میں پہنچ گیا۔

ساحل کے قریب وہ لاش اب بھی پڑی ہوئی تھی۔ ٹائیگر نے اس کی بغلوں میں ہاتھ دے کر اسے اٹھا لیا۔ "میں اسے اوپر سے نیچے پھینک رہا ہوں۔" ٹائیگر نے کچھ دور ٹیلے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "وہاں پانی زیادہ گہرا ہے۔"

"ایک منٹ صبر کرو اور پہلے اس کا ہاتھ توڑ دو۔"

"کیا؟" ٹائیگر نے لاش چھوڑ دی۔ "یہ زیادتی نہیں ہوگی بٹل فادر! یہ تو پہلے ہی مر چکا ہے اب۔۔۔"

"فضول کی بحث مت کرو۔ کیا اس کا ہاتھ توڑنا تمہارے لیے مشکل ہے؟" اوشان نے ہمدردی سے کہا۔ "اسے جواب تو نہ بلا لیکن لاش کا بازو توڑنے کی آواز سن کر اس کا غصہ بہ حال فرو ہو گیا تھا۔

"آہ۔۔۔ یہ ہوئی بات۔" اوشان نے کہا اور ٹوٹے ہوئے بازو کا معائنہ کرنے لگا۔ "کیا تم اس سے بہتر مظاہرہ نہیں کر سکتے؟"

"اس کے لیے ہمیں مردہ گھر جا کر لاشوں پر پریکٹس کرنی ہوگی۔" ٹائیگر نے برا سا منہ بنا کر جواب دیا۔

"دوسرا ہاتھ بھی توڑ دو۔"

"بٹل۔۔۔ فادر۔۔۔"

"بکو مت۔۔۔ جیسا کہتا ہوں ویسے ہی کرو۔"

"اچھا۔" ٹائیگر نے مردہ لہجے میں کہا اور لاش کا دوسرا ہاتھ بھی پکڑ لیا۔ "یہ بھوت بن کر ساری زندگی مجھے ستائے گا۔" دوسرا بازو کہنی کے تین انچ اوپر سے ٹوٹ گیا۔

"ہوں۔" اوشان نے ہنکارا بھر کر دوسرے بازو کا معائنہ کیا۔ "ہوں۔۔۔ مجھے یہی توقع تھی۔" وہ ہنکارے بھر بھر کر کہتا رہا اور پھر اس نے سر ہلا کر حکم دیا۔ "اب اس لاش کو ٹھکانے لگا دو۔"

"لیکن پہلے مجھے یہ تو بتا دیں کہ آپ نے لاش پر تشدد کیوں کرایا ہے؟"

"میں مغذرت خواہ ہوں شہزاد۔۔۔ لیکن یہ تلخ حقیقت اس بوڑھے کے دل میں خفتہ نہیں رہ سکتی کہ تمہاری کھوپڑی میں جیسے کوئی کوڑا بھرا ہوا ہے۔ کوئی احمق بھی بتا سکتا ہے کہ میں نے اس مردود کے دونوں بازو کیوں توڑے ہیں؟"

"احمق اس کا اندازہ نہیں کر سکتے۔"

"میں نے یہ دیکھنے کے لیے تمہیں حکم دیا تھا کہ تمہاری کھوپڑی میں کنپٹیاں مڑتی ہیں یا نہیں۔"

"کیا؟" ٹائیگر ایک لمحے کے لیے سناٹے میں رہ گیا۔ "کیا؟"

اوشان پُروقار انداز میں ولا کی طرف پلٹ گیا۔

"فادر۔" ٹائیگر نے انتہائی نرم لہجے میں اسے آواز دی۔

"بل۔۔۔ تمہاری کنپٹی ہمیشہ مڑ جاتی ہے۔" اوشان بہت خوش تھا۔ آج رات وہ سکون کی نیند سو سکتا تھا۔ اس کے پاس وہ ثبوت موجود تھا جس کی اس کو ضرورت تھی۔ اب بہرام اس کے نزدیک محض ایسا احمق شخص تھا جو یہ سوچتا تھا کہ ٹائیگر نے ان لوگوں کو قتل کیا ہے جن کی لاشوں کی تصویر امریکی جہاز نے فراہم کی ہے۔ اب اوشان، ٹائیگر کی بے گناہی ثابت کر سکتا تھا۔ بہرام کو ثبوت دیا جا سکتا تھا کہ ٹائیگر کے ہاتھوں ٹوٹنے والے بازو اور دوسری لاشوں کے ٹوٹے ہوئے اعضا میں کتنا بڑا فرق ہے جس شخص نے کنٹینر بکس میں بھری ہوئی لاشوں کو ان کی زندگی میں قتل کیا تھا۔ اس کی کہنی حملے کے وقت مڑتی یا دھری نہیں ہوتی تھی اور اسی باعث ٹوٹے ہوئے جوڑ مختلف انداز کے تھے اگر شخص نے یقیناً کبھی چھوٹی موٹی غلطیاں نہیں کی تھیں لیکن وہ ایک بہت بڑی غلطی کر چکا تھا۔

اس کی سب سے بڑی غلطی اوشان کو خط بھیجنا تھا۔

اپنے کمرے میں پہنچ کر اوشان نے رنگین چٹائی بچھائی اور سونے کے لیے لیٹ گیا۔ اسے آرام کی ضرورت تھی تاکہ کل مقابلے کے وقت وہ پوری طرح چوکس ہو۔

★★

مسز ہنک کیب نے کیبلا کے سیکنڈ کلاس ڈیک پر علی الصباح ٹہلتے ہوئے اپنے شوہر کو ٹہوکا دیا جو ذرا سے فاصلے پر نصف بیل دور ہو چکا تھا اور وہاں کھجور کے درخت جھوم جھوم کر انھیں الوداع کہہ رہے تھے۔ نہ جانے مسز کیب کو کیا نفسیاتی مسئلہ درپیش تھا کہ جب بھی جہاز بندرگاہ چھوڑتا تھا تو وہ رونے لگتی تھیں۔

"ارے۔۔۔ رے۔۔۔ رونے کی کیا بات ہے، مسز کیب نے کہا، لیکن تسلی دیتے ہوئے بھی وہ بڑے فخریہ انداز میں مسکرا رہے تھے۔ "رونا ہی ہے تو دوسرا اپنی ٹون زیادہ بھی تو اچھا ہے۔"

"دوسرا؟" ایملی ہنک کیب کا چہرہ گلنار ہو گیا۔ "ابھی تو پہلا ہی ختم نہیں ہوا!" پچیس سالہ شادی کے بعد بھی وہ کسی نئی نویلی دلہن کی طرح شرمائی تھیں۔ دونوں ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے عرشے پر کھڑے رہے۔ ان کا نیا ٹی وی اور اسٹار لینر نیچے محفوظ تھا۔

جہاز کے قریب کوئی چیز ایک لمحے کے لیے پانیوں میں نظر آئی اور چھپ گئی۔

"یہ کیا تھا؟" ایملی نے پوچھا۔

"شاید کوئی تنہا یا ٹیلی فون کا ٹوٹا ہوا بوئل ہے۔" ہنک کیب نے جواب دیا۔ "لیکن یہاں ٹیلی فون پول نہیں ہو سکتا۔ یہاں مجھے ٹیلی فون کے کھمبے نظر ہی نہیں آئے۔"

"لیکن۔" ایملی کو عجیب سا خوف محسوس ہونے لگا۔ "مجھے تو درخت کا تنا بھی نظر نہیں آیا۔"

"تب پھر کوئی چیز جہاز سے گری ہوگی۔"

وہ چیز دوبارہ سطح آب پر نمودار ہوئی اور ڈوبتے ہوئے سورج کی روشنی میں چمکنے لگی۔

"ہنک۔۔۔ ہنک۔" ایملی کی چیخ نکل گئی۔ ان کی انگلیوں نے شوہر کے کوٹ کو جکڑ لیا۔ وہ بہت خوف زدہ تھیں۔ ہنک کیب نے اس چیز کی طرف دیکھا اور بیوی کو تسلی دینے لگے۔

مسز کیب نے آنکھیں کھول کر سمندر کی طرف پھر دیکھا، لیکن اسی لمحے اسی چیز نے بھی آنکھیں کھول کر انھیں دیکھا۔۔۔ اس کے دانت چمک رہے تھے۔ کھوپڑی ٹوٹی ہوئی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ یہ انسانی کھوپڑی اپنا جسم فجر میں چھوڑ کر ادھر چلی آئی ہے۔ اس سے خون اس طرح نکل کر پانی میں بہہ رہا تھا۔ جیسے کوئی سُرخ رنگ ہو، پھر جسم بھی نظر آگیا۔

ایملی ہنک کیب کی لرزہ خیز چیخ سے عرشہ ہل سا گیا۔ وہ کانپنے لگیں اور پھر گرتی چلی گئیں۔

جہاز کے سیاحتی پروگرام کے انچارج نے سنکرا ان دونوں کی طرف دیکھا، لیکن مسز ایملی ہنک کیب کی حالت دیکھ کر وہ سنجیدہ ہو گیا۔ اس نے واکی ٹاکی پر مدد طلب کی۔ عملے کے کئی افراد دوڑتے ہوئے آئے تو ایملی کی چیخیں اس وقت بھی بلند ہو رہی تھیں۔

ڈاکٹر آیا تو بے ہوش عورت اس وقت بھی چیخ رہی تھی۔ ڈاکٹر نے نبض دیکھی۔

"اپنے کیبن میں لے چلیں۔" اس نے ہنک سے کہا۔ جہاز کا عملہ سمندر میں کود رہا تھا۔

اپنے کیبن میں ہنک، بیوی کو دلاسا دے رہا تھا۔ جبکہ ڈاکٹر میتھو کیبل اس لاش کو دیکھ رہا تھا جو سمندر سے نکال کر اسٹریچر پر لائی جا رہی تھی۔ ڈاکٹر نے ایسی لاش پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ اسے یقین تھا کہ کیپٹن نے ریڈیو پر جزیرہ کی پولیس کو اس کی اطلاع دے دی ہوگی۔

ڈاکٹر کیبل نے وہسکی کے دو گلاس معدے میں انڈیل کر لاش کا معائنہ کیا۔ پورا جسم جھلسا ہوا تھا۔

"تھرڈ ڈگری برنس۔" اس نے نوٹ کیا۔ "جہاں خون کی شدت۔۔۔ اور کٹی ہوئی ٹانگ۔۔۔ ٹانگ ابھی کچھ دیر پہلے جسم سے الگ ہوئی تھی۔ ہڈیاں ٹوٹی ہوئی تھیں۔" ڈاکٹر کو یاد آگیا کہ ان پانیوں میں شارک بھی ہوتی ہیں۔

اس نے لاش کے سینے پر اسٹیتھیسکوپ رکھ کر کچھ سننا چاہا اور فیصلہ کیا کہ وہ اس آدمی کو اگلی بندرگاہ پر ہی تبدیل کرے گا۔

"ایک منٹ۔" اس نے اپنے آپ سے کہا۔

"خاموشی۔"

"اوہ۔۔۔ نو۔۔۔ یہ ناممکن ہے۔"

"کال دی کیپٹن۔" اس نے حکم دیا۔ "اسے فوراً یہاں آنے کے لیے کہو۔"

ڈاکٹر کو یقین نہیں آرہا تھا، لیکن جس بات پر اسے یقین نہیں آرہا تھا۔ وہی حقیقت تھی۔ اس نے ٹانگ کا خون بند کرنے کی کوشش کی اور تیزی سے ایک آئی وی کے ذریعے پلازما دینے لگا۔

"مگر میں ہی کیوں؟" وہ کام کرتے ہوئے سوچ رہا تھا۔ اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ اس نے گزشتہ دس برس سے کوئی۔۔۔ آپریشن نہیں کیا تھا۔ "سوری۔" اس نے لاش سے کہا جس کا سینہ اب اوپر نیچے ہونے لگا تھا۔ "تم نے بہت دکھ سہا ہے۔"

اچانک ہی ایک عجیب سی بات ہوئی۔ جلے ہوئے آدمی نے اپنی جھلسی ہوئی آنکھ کھولی۔ اس نے ڈاکٹر کو بہت غور سے دیکھا اور پھر بے ہوش ہو گیا۔

"یہ شخص مجھے دیکھ چکا ہے۔" ڈاکٹر سوچ رہا تھا۔ "سمجھ چکا ہے کہ میں کون ہوں۔" ڈاکٹر اس پر جھکا رہا اور پھر باآواز بلند بولا۔ "پہلے کبھی میں بہت ماہر سمجھا جاتا تھا مسٹر۔" یہ کہتے ہی [illegible] پلٹ گیا۔ وہ تیزی سے ٹوائلٹ میں گھسا

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem



اے حمید کے ایڈونچر قلم سے

شیوسینا کے دہشت گرد

چار جلدوں میں مکمل سیٹ =/700 روپے

ناشر: مکتبہ القریش

اردو بازار لاہور

"سیڈونی پلیز... تم خود ہی فیبی سے تفصیلات معلوم کرو۔"

"ممکن ہے تمہارے خوف سے جھوٹ بولے۔"

"سیڈونی... تم..."

"اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ بھی تشدد پسند ہو۔" اس بار سیڈونی شاطرانہ انداز میں مسکرائی تھی۔

"سیڈونی۔" سامنے والے کمرے سے فیبی کی آواز سنائی دی تو موٹی خادمہ بھاگ کر اس کمرے میں چلی گئی۔ "کیا ہوا فیبی؟ یہ سب کیا ہے؟ مجھے بتاؤ لڑکی... میں ہر ایک کو ٹھیک کر دوں گی۔"

"وہ... وہ ڈرچ مین کا نوکر تھا۔" فیبی کی آنکھوں میں آنسو پھر چھلک آئے۔ "ٹائیگر بھی کمرے میں آ چکا تھا اور سیڈونی دو انگلیوں سے نقابیں مصاف اور آلام نور رکھنے والا نشان بنا رہی تھی۔

"میں اس قصے سے تنگ آ چکا ہوں۔" ٹائیگر نے کہا۔ "آخر ہر شخص ڈرچ مین سے اتنا خوف زدہ کیوں ہے؟"

"اس کا مذاق مت اڑاؤ۔" سیڈونی نے خبردار کیا۔ "وہ ہر ایک کی بات سنتا ہے۔ وہ شیطان ہے شیطان۔"

"میں اس سے بڑا شیطان ہوں۔" ٹائیگر مٹھ بنا کر بولا۔ "آج قلعے میں جا کر اس کے خادم کو اٹھا لاؤں گا اور پولیس کے حوالے کر دوں گا۔ اگر... ڈرچ مین نے مداخلت کی تو اس سے بھی نمٹ لوں گا۔"

"اتنے تیز لہجے میں بات مت کرو شہزاد۔" اوشان دونوں ہاتھ سینے پر باندھے ہوئے اچانک نمودار ہوا۔ اس وقت وہ گہرے نیلے بروکیڈ کے لبادے میں تھا۔

"ہاں، یہ جانتے ہیں۔" سیڈونی نے اوشان کی طرف دیکھ کر کہا اور پھر ٹائیگر کی طرف پلٹ گئی۔ "یہ لڑکا تولیہ باندھ کر گھر میں گھومتا ہے؟"

"بری بات ہے۔" اوشان نے اس کی تائید کی۔ "اور ہاں، مادام سیڈونی! میں گھر کی اس حالت پر معذرت خواہ ہوں۔ یہ سارا کیا دھرا اسی لڑکے کا ہے۔ کل رات چند غنڈوں نے حملہ کر دیا تھا اور ان میں سے ایک نے میرا ٹی وی بھی توڑ دیا۔"

"کتنے افسوس کی بات ہے، لیکن آپ فکر نہ کریں... مسٹر اوشان! میں کچھ ہی دیر میں سارے گھر کی صفائی کرا دوں گی۔ زیادہ دیر نہیں لگے گی۔"

"کیا آپ میرے ٹی وی کی بھی مرمت کر سکتی ہیں مادام؟"

"اس کی بھی فکر نہ کریں لیکن کیا آپ فیبی پر ظلم کرنے والے کو سبق سکھا دیں گے؟"

"کیوں نہیں اور وہ اس کی زندگی کا آخری سبق ہوگا..." اوشان نے سرد لہجے میں جواب دیا۔ اسی لمحے دروازے پر زوردار دستک ہوئی تو سیڈونی مٹھ بنا کر دروازے کی طرف چلی گئی۔

"آج کوئی خاص بات ہونے والی ہے۔" ٹائیگر نے اوشان کی طرف دیکھ کر کہا جو اپنے لبادے کو درست کر رہا تھا۔ "لیکن کیا آپ مجھے بھی کچھ نہیں بتائیں گے؟"

"ضروری نہیں کہ ہر بات تمہیں بھی معلوم ہو۔"

اسی لمحے سیڈونی کی سرگوشی سنائی دی۔ موٹی

اور اس نے سب کچھ اگل دیا۔

کیپٹن دستک دیے بغیر اندر آ گیا تھا۔ چالیس سالہ ناخدا بہت وجیہہ تھا۔ اس کی خواہش رہتی تھی کہ لاش سے چھٹکارا حاصل کر کے جہاز کا سفر جاری رکھا جائے۔

"کیا ہوا؟" اس نے ڈاکٹر کیسل سے پوچھا۔

"یہ شخص زندہ ہے۔" ڈاکٹر نے منہ پونچھتے ہوئے جواب دیا۔

"میرے خدا!" کیپٹن اس طرح کراہا جیسے اس کے پیٹ میں کسی نے گھونسا مار دیا ہو۔

"اسے یہاں سے ہٹانا مناسب نہیں ہوگا۔ اس وقت تک ہلانا جلانا ممکن نہیں جب تک... میں... اس کا آپریشن نہ کر دوں۔ شارک نے اس پر حملے کیے ہیں پھر یہ جھلسا ہوا بھی ہے۔ ذرا اس کی ران اور ہتھیلیاں دیکھو۔ اس نے یقیناً کسی ایسی بارِ پر چڑھنے کی کوشش کی ہوگی جس میں برقی رو گزرتی ہے۔ اسکن گرافٹنگ کے علاوہ اسے خون کی بھی ضرورت ہے۔"

"اگر تم آپریشن کرو گے تو زیادہ دیر نہیں لگے گی؟" کیپٹن نے منہ بنا کر کہا۔ "میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔"

"آپریشن چند گھنٹوں میں ہو سکتا ہے بشرطیکہ جزیرے سے چند سرجنوں اور نرسوں کی خدمات حاصل کی جا سکیں۔"

"کیا تم مجھے ہنسانا چاہتے ہو کیسل؟"

"کم از کم تین یا چار نرسوں کی ضرورت ہوگی۔" ڈاکٹر کہتا رہا۔ "اس کے علاوہ چھ پنٹ پلازما چاہیے۔ اس کے بعد یہ اس قابل ہو سکے گا کہ اسے جہاز سے اسپتال لے جایا جائے۔"

کیپٹن ظالمانہ انداز میں مسکرانے لگا۔ "کتنے گھنٹے لگیں گے؟" اس نے پوچھا۔

"پتا نہیں، لیکن اگر یہ مر نہیں گیا تو تین چار گھنٹے لگ جائیں گے۔ سنو کیپٹن! جو کچھ کرنا ہے فوری کر لو، ورنہ یہ مر جائے گا۔"

"تین چار گھنٹے؟" کیپٹن بڑبڑانے لگا۔ "لیکن اس طرح مسافر جیمکانا پوری طرح سیر نہیں کر سکیں گے۔"

"کیپٹن پلیز... فیصلہ کرنا تمہارا کام ہے، لیکن اب چلے جاؤ۔ مجھے کام شروع کرنا ہے۔"

کیپٹن ناگوار انداز میں پلٹ گیا۔

"اوہ مجھے جزیرے سے مدد درکار ہے کیپٹن!"

اس وقت ایملی اپنے کیبن میں اچھل کر بیٹھ گئی۔ "لیٹی ڈارلنگ... میں نے ڈاکٹر..."

"ہم اس آدمی سے واقف ہیں ہنک۔" ایملی نے ہذیانی انداز میں کہا۔

"کس آدمی سے... اوہ... اس کی بات کر رہی ہو؟"

"وہ آنکھیں... وہ دانت..." ایملی پھر چلانے لگی۔

"پلیز... ڈیئر..."

"وہ جہاز کا باورچی ہے ہنک۔"

باورچی؟ ہنک ذہن پر زور دینے لگا۔

ڈنوری نیم بے ہوشی کی کیفیت سے نکل رہا تھا۔ جہاز کی سیاہ دیوار... بھلا جہاز کہاں سے آ گیا؟ عورت کیوں چیخ رہی تھی؟ ہر طرف چہرے تھے۔

سفید مگرمچھ چیخنے لگا۔ "وہ مجھے بچانا چاہتے ہیں... ہاں ڈنوری کی غیر موجودگی میں کسی کو اچھا سلا دنہیں ملے گا۔ جہاز پر ساس تک نہیں ہوگی۔"

اس نے ایک لمحے کے لیے آنکھیں کھولیں اور پھر بند کر لیں۔ اسے سفید کپڑوں والا ایک شخص جھکا ہوا نظر آیا تھا۔ اس کے دماغ میں کالے اور سرخ دھبے ناچنے لگے، پھر اچانک ہی ایک اور چہرہ نظر آنے لگا۔ سرد اور ظالم چہرہ... نیلی آنکھیں... ایسا چہرہ جس کو ڈنوری کبھی فراموش نہیں کر سکتا تھا۔

اتوار کی صبح ٹائیگر کی آنکھ ایک زوردار چیخ سن کر کھلی۔ اسے جوتوں کی دھمک بھی سنائی دی، پھر گلاسوں کی آواز آئی۔ وہ تولیہ لپیٹ کر اٹھا اور کچن کی طرف بڑھ گیا مگر بیڈ روم کے باہر ہی سیڈونی نے اس کی راہ روک لی۔ "تم لوگوں نے کیا تماشا مچا رکھا ہے؟ یہاں کی کوئی چیز سلامت نہیں۔"

"کل رات کچھ مہمان آئے تھے سیڈونی۔" ٹائیگر نے مسکرا کر جواب دیا۔

"اور فیبی کو تم یہاں کیوں اٹھا لائے ہو؟"

اس بے کو اسے خطرہ تھا۔ ٹائیگر نے ۲۲۵ پونڈ وزنی سیڈونی کے تیور بھانپ لیے تھے۔ وہ فیبی کی ہمدرد تھی۔

اس کے جسم اور گردن پر زخم بندوں کے نشانات ہیں۔ یہ حرکت تمہاری تھی؟" سیڈونی غالباً محو خواب فیبی کا بغور جائزہ لے کر ہی آئی تھی۔ "تم...."

"بھلا یہ تشدد میں کیوں کروں گا؟" ٹائیگر نے جھلا کر کہا۔ "تم بھی ان بھوکے اوریاگل..."

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

عورت کی سرگوشی بھی ہوئی تھی۔ "میں تمہیں ہوڈ الر نہیں دے سکتی۔ تم نے پہلے جو رقم لی تھی وہ تو واپس کی نہیں۔"

"سیڈونی بے بی!" یہ پربیری کی آواز تھی۔ "سنڈ گارمی کا ہے، اب پھر بیٹھ گئی ہے اگر مجھے رقم نہیں ملی تو میرا کاروبار تباہ ہو جائے گا۔"

"اب تمہیں ایماندار آدمی کی طرح کام کرنا چاہیے۔"

"کون ہے؟" اُوشان نے اُونچی آواز میں پوچھا۔

"پربیری ہی ہے۔" سیڈونی کی آواز سنائی دی۔ "اب تم جاؤ پربیری۔"

اُوشان اور ٹائیگر دونوں پربیری سے ملنے کے لیے کمرے سے نکل کر ڈرائنگ رُوم میں چلے آئے۔ انہیں دیکھ کر پربیری خوشامدانہ انداز میں مسکرانے لگا۔ "مسٹر شہزاد! میں فیبی سے بات کرنے آیا ہوں، کیا وہ اندر ہیں؟"

"تم مجھے ایک بار پھر لوٹنے آئے ہو۔" سیڈونی نے غرا کر کہا۔

"میں انہیں جزیرے بھر میں تلاش کر کے یہاں آیا ہوں۔ جناب۔" پربیری نے سیڈونی کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ "اور... انہیں ایک بُری خبر دینی ہے۔"

"فیبی یہاں موجود ہے مگر آرام کر رہی ہے۔ تم اُس کے لیے اگر کوئی پیغام دینا چاہتے ہو تو مجھے دے دو۔"

"بات یہ ہے کہ...." پربیری کچھ پریشان سا ہو گیا۔ "دراصل آج میں اُن کے گھر کی طرف سے گزرا تھا۔ اس کی حالت ناگفتنی ہے۔ بس لوگوں سمجھ لیں کہ وہاں کوئی چیز سلامت نہیں۔ کھڑکیاں ٹوٹی ہوئی ہیں۔ ہر دروازے پر مٹی پی ہوئی ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے کسی پاگل یا جنونی نے طیش میں آکر پورے گھر کو توڑ دینے کی کوشش کی ہے۔"

"یہ حرکت یقیناً اُسی خادم کی ہو گی۔" ٹائیگر نے مُنہ بنا کر تبصرہ کیا۔

"کک... کیا مطلب؟" پربیری کی آنکھیں مارے خوف کے نارمل سائز سے بڑی ہو گئیں۔ "آپ کا اشارہ ڈچ بیبی کے خادم کی طرف ہے؟"

"چپ رہ..." بڑبڑائے... "سیڈونی خوف سے چلائی۔ پربیری کانپ کر رہ گیا۔ اُس کی نظریں اُسی ٹیبے صوفے کے قریب والی میز پر پڑی تھیں۔ وہ بڑی چکچاہٹ کے ساتھ میز کی طرف گیا۔ اور وہ پلاسٹک کارڈ اُٹھا لیا۔ جو ایک لاش کی جیب سے گرا تھا۔

"کک... کیا... یہ آپ کا ہے؟"

"تم سے مطلب؟ سیڈونی غرّا کر بولی۔

"یہ کوئی خاص چیز نہیں ہے۔" اُوشان نے جواب دیا۔

"ہمیں تو یہ بھی علم نہیں یہ کیا چیز ہے؟" ٹائیگر نے کہا۔

"یہ... یہ گیٹ اوپنر ہے جناب۔" پربیری نے سرگوشی میں جواب دیا۔

"فضول باتیں مت کرو۔" اُوشان نے پربیری سے کہا اور دروازے کی طرف اشارہ کر کے نرم لہجے میں بولا۔ "پھر کبھی ضرور آنا... لیکن اطلاع دے کر۔"

"ہاں... لیکن اب اگلے سال ہی آنا۔" سیڈونی مسلسل پربیری کو گھورے جا رہی تھی۔

"تم کس گیٹ کی بات کر رہے ہو؟" ٹائیگر نے پربیری کی راہ روک لی۔ وہ اس شخص کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔ پربیری نے بوڑھے شخص کی طرف دیکھا، جس کی آنکھیں اس وقت غصّے سے چمک رہی تھیں۔ اُس کے چہرے پر بھی غصّہ تھا۔

"ارے... کوئی خاص بات نہیں ہے شہزاد۔" پربیری نے ٹائیگر کو ٹالنے کی کوشش کی۔

"یہ کس گیٹ کا اوپنر ہے پربیری؟" ٹائیگر نے غرّا کر پوچھا۔

اُس کے لہجے میں نہ جانے کیا بات تھی کہ پربیری کانپ اُٹھا۔ "شپ یارڈ کے گیٹ کا۔" صحیح بات اُس کی نوک زباں سے پھسل گئی۔ "ایسا ہی کارڈ میرے کزن کے پاس اُس وقت تھا، جب وہ شپ یارڈ میں کام کرتا تھا... وہ اس کارڈ کو گیٹ میں بنے ہوئے خانے میں فٹ کر دیتا تھا اور گیٹ میں دوڑنے والی برقی رَو ختم ہو جاتی تھی۔ اس طرح گیٹ کھل جایا کرتا تھا۔ کارڈ نکال لینے سے گیٹ از خود بند ہو جاتا تھا اور برقی رَو دوبارہ دوڑنے لگتی تھی۔"

"کیا تمہارا کزن اب بھی وہاں کام کرتا ہے؟" ٹائیگر نے اُوشان کے چہرے پر برہمی کی فکر کیے بغیر جرح جاری رکھی۔

"نہیں! اب وہاں زیادہ عرصے تک کوئی بھی کام نہیں کرتا۔ ڈچ مین کا یہی طریقہ ہے کہ وہ کسی کو زیادہ دنوں تک وہاں ملازم نہیں رکھتا۔"

ٹائیگر نے کارڈ لے کر اُلٹ پلٹ کر دیکھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ شپ یارڈ ہی میں کوئی اسرار پنہاں ہے اور اس [illegible]

"اب تم چلے جاؤ۔" اُوشان نے دانت پیستے ہوئے پربیری کو حکم دیا۔

"ضرور... ضرور..." پربیری نے سر ہلا کر کہا۔ "لیکن ایک مسئلہ درپیش ہے مسٹر شہزاد... میری کار...."

"دفع ہو جاؤ۔" سیڈونی اس بار نہ صرف چلائی تھی بلکہ پربیری کا کندھا پکڑ کر بُری طرح جھنجوڑ بھی دیا تھا۔ "سیاحوں کو لوٹنے کی عادت چھوڑ دو... ورنہ تمہاری ہڈی پسلی ایک کر دوں گی پربیری!" یہ کہہ کر اُس نے ڈرائیور کو دھکا دیا تو وہ کمرے سے نکل کر پورچ میں جا گرا۔ اُس نے اُٹھ کر بڑی نفرت سے ڈرائنگ رُوم کی طرف دیکھا اور پھر چلا گیا۔

"کیا مسئلہ تھا سیڈونی؟" ٹائیگر نے کارڈ جیب میں... ڈالتے ہوئے پوچھا۔

"کچھ بھی نہیں۔" سیڈونی اپنے مخصوص انداز میں ہنس کر بولی۔ "پربیری کو قرض لینے اور نے کر واپس نہ کرنے کی عادت ہے۔ اب کسی کو بھی اس پر اعتماد نہیں۔ بلینڈا کوئی بھی قرضہ نہیں دیتا۔ میں نے اُسے دھکا اسی وجہ سے دیا کہ تم اُسے رقم نہ دے دو۔"

"اوہ...." ٹائیگر کو اس بات پر حیرت تھی کہ بعض لوگوں کے لیے کاغذوں کے چند ٹکڑے کتنے اہم ہوتے ہیں۔ روپے پیسے کی ٹائیگر کو کبھی فکر نہیں ہوئی تھی۔ اُس نے سر ہلاتے ہوئے جیب میں ہاتھ ڈال کر نوٹوں کا بنڈل نکالا اور پچاس پچاس کے دو نوٹ نکال کر سیڈونی کو دیے۔ "اگر اب کبھی اُس سے ملاقات ہو تو یہ نوٹ اُسے دے دینا اور یہ سو... تمہارے لیے۔"

"شہزاد...." سیڈونی نے کچھ کہنا چاہا، مگر ٹائیگر نے اُوشان کو پلٹ کر دیکھا... وہ غائب تھا۔

"اسے کہاں کیا؟"

اُوشان غائب تھا۔ گھر میں بھی نہیں تھا۔ اُس نے صوفے کے قریب والی میز پر دیکھا۔ کارڈ غائب تھا۔ ٹائیگر کو یقین ہو گیا کہ اُوشان کہاں گیا ہو گا۔

"فیبی کا خیال رکھنا سیڈونی۔" ٹائیگر نے سخت لہجے میں ہدایت کی اور خود بھی گھر سے نکل کھڑا ہوا۔ پھر اُس کی رفتار تیز ہونے لگی۔ وہ ایک دلدل کے قریب سے گزرا، جس میں... بانس کھڑے ہوئے تھے اور چند ہی منٹ میں شپ یارڈ تک پہنچ گیا۔ شپ یارڈ کے گرد باڑ سے وہ برقی رَو [illegible]



رہا تھا۔ وہ واپس پلٹا، اُس نے دلدل سے ایک لمبا بانس نکالا۔ بانس کی مدد سے باڑ کے دوسری طرف کُود گیا۔

"اُوشان!" اُس نے پکارا۔

"میں یہاں ہوں۔" یہ آواز شپ یارڈ کے اندر سے آئی تھی۔ اُوشان بعض تباہ شدہ ٹرکوں کے قریب کھڑا ہوا تھا۔ اُس کے دونوں ہاتھ لبادے کے اندر تھے اور وہ کہہ رہا تھا۔ "گھر واپس جاؤ شہزاد... یہ تمہارا مسئلہ نہیں۔"

"میں صرف یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ یہاں کیا ہو رہا ہے؟" ٹائیگر نے گمبھیر لہجے میں کہا۔ "جب سے ان نام نہاد تعطیلات کا آغاز ہوا ہے، مجھ پر حملے ہو چکے ہیں، مجھے ایک لاش کے بارے تو ٹوٹنے کا حکم ملا ہے، فیبی کو جان سے مارنے کی کوشش کی گئی ہے، گھر میں گھس کر لوگوں نے توڑ پھوڑ کی ہے اور اب آپ شپ یارڈ میں کھڑے ہوئے مجھ سے توقع کر رہے ہیں کہ میں واپس چلا جاؤں گا۔"

"تب پھر ٹھہرو، لیکن یاد رکھو کہ جب وقت آئے گا اور جو صورت حال پیدا ہو گی۔ اُس کا مقابلہ کرنا صرف اور صرف میرا حق ہو گا۔"

"دیکھا جائے گا۔"

"دیکھو۔" اُوشان نے ایک کنٹینر کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ٹائیگر نے کنٹینر میں جھانکا تو اُوشان نے ہاتھ واپس لبادے میں کھینچ لیا اور خاموشی سے ٹائیگر کو دیکھتا رہا۔

اندر نو لاشیں اُلٹی سیدھی پڑی ہوئی تھیں۔ اُن کی آنکھوں، مُنہ اور جسم کے دوسرے حصّوں پر برف جم چکی تھی... اندر سے مذبح خانہ جیسی بُو آ رہی تھی۔ ریفریجریٹر اب بھی چل رہا تھا۔

"یہ لوگ ٹھنڈ کی وجہ سے مرے ہیں؟"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

اور قریب جا کر زخموں کو دیکھو۔" اوشان کا لہجہ بہت خشک تھا۔

ٹائیگر کنٹینر میں گھس گیا۔ "اوہ... ناممکن...." ٹائیگر کے بالوں پر برف جمنے لگی۔ "یہ لوگ دست بدست جنگ میں مارے گئے ہیں۔"

"کراٹے اس طرح قتل نہیں کرتا۔" اوشان نے جواب دیا اور خود بھی کنٹینر میں چلا آیا۔ "دست بدست لڑائی کا مطلب اٹی دانا، بانڈو اور ٹائی چی جوان ہو سکتا ہے، لیکن ان لوگوں پر ان میں سے کوئی بھی طریقہ اختیار نہیں کیا گیا۔"

"قاتل بھی ہم ہی میں سے کوئی ہو سکتا ہے۔" ٹائیگر نے سرسراتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"لیکن میں بہرحال نہیں ہو سکتا۔" اوشان نے منہ بنا کر جواب دیا۔ "کیا تم قتل کرنے کے اس انداز کو مکمل تیکنیک کہہ سکتے ہو؟ ویسے انداز میں سناٹجو کی جھلک ضرور موجود ہے۔"

"کیا آپ کا شک مجھ پر ہے؟"

"شہنشاہ اعظم کو تم پر شک ہے۔" اوشان نے جواب دیا۔ "اس طرح کی لاشوں کا بھرا ہوا ایک اور کیسر سھندر میں ملا ہے جس کے بعد مجھے پھر حکم ملا کہ تمہیں قتل کر دیا جائے، لیکن میں نے فیصلہ کیا کہ پہلے انداز قتل دیکھوں۔"

"بہرام نے کیا حکم دیا تھا؟"

"یہی کہ تمہیں قتل کر دیا جائے۔" اوشان نے اس طرح ہاتھ ہلایا، جیسے مکھی اڑا رہا ہو۔ "تم جانتے ہو، معاہدہ معاہدہ ہوتا ہے۔"

"لیکن میں نے کسی کو قتل نہیں کیا۔" ٹائیگر کا خون کھولنے لگا تھا۔ انتہا ہو گئی تھی۔ ایک ماہ میں قتل کیے جانے کا حکم دو مرتبہ دیا جا چکا تھا۔ "میں پہلے کبھی اس علاقے میں آیا ہی نہیں۔"

"ممنانے کا یہ انداز اچھا نہیں ہے۔" اوشان نے غرا کر کہا اور گود کر کنٹینر سے زمین پر پہنچ گیا۔ اب اس کی قبا ہلکی ہوا کے باعث سرسرا رہی تھی۔ "میں جانتا ہوں کہ تم نے قتل نہیں کیے۔ یہ کسی مرنے والی کہنی کا کارنامہ نہیں۔ فن سناٹجو پر مکمل مہارت رکھنے والے کسی شخص نے ان لوگوں کو قتل کیا ہے۔ کوئی نااہل شخص اتنی مہارت حاصل نہیں کر سکتا... باہر نکلو۔"

ٹائیگر باہر آیا تو اوشان نے ایک انگلی سے کنٹینر کے دروازے کو دھکا دے کر اسے بند کر دیا۔

"میری مہارت کا اندازہ اس وقت لگانا، جب میں بہرام کو قتل کروں گا۔" ٹائیگر غرا کر بولا۔

"احمقانہ باتیں مت کرو۔" اوشان نے سرد لہجے میں جواب دیا۔ "اس ٹرک میں تمہاری بے گناہی کی شہادتیں بھری ہوئی ہیں۔ میں یہی دیکھنے کے لیے پہلے یہاں آیا تھا۔"

"پہلے...؟"

"ہاں... پہلے... میں قاتل سے نمٹنے سے قبل مقتولین کو دیکھنا چاہتا تھا۔"

"لیکن مجھے یقین ہے کہ دنیا میں اگر فن سناٹجو کوئی... استعمال کرتا ہے تو وہ ہم صرف دو ہیں۔"

"تم اس منحوس کو بھول رہے ہو۔"

"کس کو... اوہ...." ٹائیگر اس طرح چونک پڑا، جیسے اسے کسی پتھورے ڈنک مار دیا ہو۔ "نوگان؟"

"تم اسے مردہ تصور کر چکے تھے۔"

"ہاں..."

"لیکن وہ مفقود الخبر تھا۔ یہ دیکھو۔" اوشان نے لبادے کی جیب سے کاغذ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

"میں پھر زندہ ہو گیا ہوں۔" ٹائیگر پڑھنے لگا۔

"وہ ڈینوسار کے مجسمے سے غائب ہو گیا تھا۔ یاد ہے؟"

اوشان نے دھیمے لہجے میں کہا۔ اس کی نظریں قلعے کی طرف تھیں۔ "لیکن مجھے یقین ہے کہ قلعے میں وہ موجود نہیں ہے، مجھے اس کی بدبو نہیں آ رہی ہے۔"

"تب... پھر... پھر کون ہو سکتا ہے؟"

"اس کا کوئی شاگرد... مکمل شاگرد۔" اوشان کا لہجہ انتہائی پراسرار تھا۔

رومانی ناول

زیب	حمیدہ جبین	75/-
شاخ بریدہ	حمیدہ جبین	75/-
حنا اور پتھر	حمیدہ جبین	75/-
گیت یہ میرے	حمیدہ جبین	75/-

مکتبہ القریش اردو بازار - لاہور 2

ڈوج مین کے قلعے کے نیچے ایک سائبان نما پتھر پر بیٹھے ہوئے پریری نے آنکھوں سے دوربین ہٹا کر سر ہلایا۔ وہ ٹائیگر اور اوشان کو کنٹینر سے نکلتے ہوئے دیکھ چکا تھا۔ اسے پہلے ہی احساس ہو گیا تھا کہ بوڑھے سیاح کو کار ڈی کی اہمیت کا اندازہ ہے۔ پریری کو اسی وقت کسی گڑبڑ کا احساس ہو گیا تھا، جب نوجوان نے کہا تھا کہ فیبی آرام کر رہی ہے۔ شک تو اسے اسی وقت ہی ہوا تھا۔ جب اس نے فیبی کے گھر کا حال دیکھا تھا، پھر خود اس کی کار پر فائرنگ کی گئی تھی۔ اب اسے یقین تھا کہ ڈوج مین اور ان دونوں کے درمیان کوئی دشمنی ضرور ہے۔

وہ سوچنے لگا کہ ان لوگوں سے متعلق کسی بھی اطلاع کے عوض ڈوج مین انتہائی معقول معاوضہ دے گا۔ شاید اتنی رقم مل جائے گی کہ کار ٹھیک ہو سکے، لیکن معاوضہ حاصل کرنے کے لیے اطلاع دینا ضروری تھا۔

پریری پتھر سے اتر کر گاؤں کی طرف جانے والی پگڈنڈی پر آ گیا۔ اسے بھی کوہ ابیس اور ڈوج مین سے ڈر لگتا تھا اور ڈوج مین کا سامنا کرنے کا تصور ہی اتنا خطرناک تھا کہ اسے پیاس لگنے لگی تھی۔

وہ گاؤں کی سمت قدم اٹھاتا رہا اور انعام کا لالچ اسے گدگداتا رہا۔ "ممکن ہے کہ ڈوج مین سو ڈالر سے زیادہ ہی دے دے۔"

وہ گاؤں میں داخل ہوا تو اسے صرف یہی فکر کھائے جا رہی تھی کہ ڈوج مین جس کسی پر بھی نظر ڈالتا ہے، وہ پاگل ہو جاتا ہے۔

"نہیں، میں پاگل ہونا نہیں چاہتا۔" پریری نے فیصلہ کن انداز میں اپنے آپ سے کہا، لیکن پھر نوٹ ایک بار پھر نظروں میں ناچنے لگے۔

اچانک ہی اس کی نظر ایک جیپ پر پڑی۔ اس کے ٹیشن میں چابیاں لگی ہوئی تھیں اور جیپ کا رخ کوہ ابیس کی طرف جانے والی صاف ستھری چکنی سڑک کی طرف تھا۔

جیپ خالی تھی۔

"انعام...." پریری کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ وہ جیپ میں بیٹھ گیا۔ اس نے جیپ اسٹارٹ کی اور گاڑی بڑی وفاداری سے آگے بڑھ گئی۔

●●

اس کا مطلب یہ ہے کہ ڈوج مین، نوگان کا شاگرد ہے اور اس مرتبہ نوگان نے خود سامنے آنے کی بجائے اسے بھیجا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اس بار ہمیں للکارنے میں نوگان نے اتنی تاخیر کیوں کر دی؟"

"ہمیں؟" اوشان نے غصیلے انداز میں اعتراض کیا...

"نوگان کے خط کے ذریعے ڈوج مین نے ہم سے رابطہ قائم نہیں کیا۔"

"پھر کس سے کیا ہے؟"

"صرف مجھ سے۔" اوشان نے قطعی انداز میں جواب دیا۔

"میرا خیال ہے کہ ہم نے ایک دوسرے سے بھی معاہدہ کیا ہوا ہے ٹیل فادر۔"

"کیسا معاہدہ؟"

"یہی کہ ہم ساتھ ساتھ رہیں گے۔"

"دوسری بات یہ کہ ٹرک میں جو لاشیں پڑی ہیں، وہ ظاہر کرتی ہیں کہ قاتل ایک ایسا نوجوان ہے، جس کو خود پر کنٹرول نہیں ہے۔" اوشان نے ٹائیگر کی بات نظر انداز کر دی۔ "مجھے اس بات پر حیرت ہے کہ ڈوج مین مجھے للکارنے کے باوجود میرا مقابلہ کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔"

"وہ زیادہ بڑا خطرہ ثابت نہیں ہو سکتا۔"

"تیسری بات یہ ہے کہ ڈوج مین انتہائی شاندار صلاحیتوں کا حامل ہے۔ نوگان سے آخری مقابلہ یاد کرو، اس نے یقیناً اس لڑکے کو سناٹجو کے انداز میں تربیت دی ہے۔ شاندار... بہت شاندار..."

"آپ اس کا ذکر اس طرح کر رہے ہیں، جیسے ڈوج مین کو اپنا شاگرد نہ بنانے پر آپ کو پچھتاوا ہو۔" ٹائیگر سرخ ہو گیا۔

"نہیں... ویسے کسی بھی اچھی چیز کی بربادی کا خیال ہی بہت تکلیف دہ ہوتا ہے۔ ڈوج مین یقیناً سرکوں پر آوارہ گردی کرنے والوں میں سے منتخب نہیں کیا گیا ہو گا۔"

وہ یہ باتیں کرتے ہوئے کیاؤنڈ کے گیٹ تک پہنچ چکے تھے۔ اوشان نے ٹائیگر کو کار روک دی۔

"کمال ہے، اس عمر میں اتنی صلاحیتیں ہیں۔" اور وہ مسلسل ڈوج مین کی تعریف کر رہا تھا۔

"ڈوج مین کی ماں یقیناً فوجی بوٹ پہنتی ہو گی۔" ٹائیگر نے دانت پیس کر کہا اور کار گیٹ کے خانے میں فٹ کر دیا۔ ساتھ ہی گیٹ کو زوردار ٹھوکر ماری۔ بجلی کے شاٹ نے اسے بیس فٹ دور اچھال دیا۔ وہ بمشکل اٹھ کر بیٹھا۔ اس کا جسم سنسنا رہا

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

تھا اور کانوں میں عجیب و غریب آوازیں پیدا ہو رہی تھیں' وہ اُٹھا اور ایک بار پھر باڑھ کی طرف بڑھا۔ اس مرتبہ اُس نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا تھا، لیکن باڑھ سے لگایا نہیں، ایک انچ دُور رکھا۔ اُس کی کلائیوں کا رواں کھڑا ہو گیا۔ باڑھ سے ہلکی ہلکی آواز نکلنے لگی۔

"برقی رَو اب بھی موجود ہے۔" ٹائیگر نے کہا۔ اُس نے کارڈ نکالا اور پھر ڈالا لیکن برقی رَو دوڑتی رہی۔ "کوئی خرابی ہو گئی ہے فادر۔"

اسی لمحے ایک اور آواز سنائی دی۔ یہ بھی بجلی کی آواز تھی۔ دونوں نے پلٹ کر بروقت دیکھا۔ باڑھ کے ایک کونے سے دھاری پٹ ہٹتی ہوئی نظر آئی پھر سوراخ میں سیاہ چھرّی کیوب نظر آئی' جس سے ریفریجریشن موٹر منسلک تھی اور اس کے بعد بکس سے ایونٹ لمبا اژدہا جھانکنے لگا۔

"آپ کا ڈوج مین واقعی شہزادہ ہے۔" ٹائیگر نے مسکرا کر کہا۔ اچانک ہی بکس سے چار خطرناک سفید کوبرا سانپ نکلے... اور ان دونوں کی طرف لپکنے لگے۔

"کارڈ دینا۔" اُوشان نے دھیمے لہجے میں کہا۔ اُس نے کارڈ لے کر اُسے چٹکی میں دبایا اور سانپوں کی طرف کر دیا۔ ایک سانپ راستے ہی میں رُک گیا۔ اُس کی دُم ہلتی رہی، جب کہ باقی تینوں نے اپنے ہی ساتھی پر حملہ کر دیا۔

"چلو... اب یہاں سے نکل چلو۔" اُوشان نے سر ہلا کر کہا۔

"مسئلہ یہ ہے کہ ہر مشکل کام میرے ہی حصّے میں آتا ہے۔" ٹائیگر نے شکایت آمیز لہجے میں کہا۔ ساتھ ہی اِدھر اُدھر دیکھا۔ وہ جس بانس کے سہارے کھوہ لگا کر اِدھر آیا تھا۔ وہ بانس دوسری طرف... پڑا ہوا تھا۔ اُس پاس لکڑوں کے علاوہ ایسی کوئی چیز نہیں تھی' جس کو ہلایا جا سکے۔ اچانک ہی ٹائیگر کے ذہن میں جھماکا سا ہوا اور وہ زگ زیگ انداز میں لکڑوں کی طرف دوڑنے لگا۔ لوفٹ لیے اژدہے نے بھی اُس کی نقل و حرکت محسوس کر لی اور وہ بھی ٹائیگر کے پیچھے لپک گیا۔ اب ٹائیگر کو احساس تھا کہ اُسے بجلی کی سی تیزی سے کام کرنا ہوگا۔ اژدہا اُسے اتنا وقت نہیں دے گا کہ وہ کسی ٹک کو دھکیل کر باڑھ تک لا سکے۔ ٹرک کو تیزی سے باڑھ تک لانا ہوگا۔ بصورتِ دیگر اژدہا اُس کی رانوں سے لپٹ کر اُسے پیس دے گا۔

دوسری طرف اُوشان بھی بجلی کی طرح اِدھر اُدھر دوڑ رہا تھا کیونکہ باقی دو کوبرے اُس کے پیچھے پڑ گئے تھے۔ اُن کی گول گول آنکھیں سحر زدہ کر دینے والے انداز میں چمک رہی تھیں۔

ٹرک کو ہاتھوں سے ہلانے کا اب وقت نہیں تھا۔ لہٰذا ٹائیگر کا دماغ بہت تیزی سے کام کرنے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ جب اِن لکڑوں کو یہاں لا کر ڈالا گیا تھا۔ تو کون سی چیز استعمال کی گئی ہوگی۔

"اوہ... میں بھی کتنا احمق ہوں!" اُسے اپنے آپ پر غصّہ آنے لگا۔ "کرین۔" اُس کے ذہن میں جھماکا ہوا۔ اُس نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ کرین واقعی کچھ ہی دُور کھڑی ہوئی تھی۔ وہ پل بھر میں کرین تک پہنچ کر اندر گھس گیا۔ اُس نے تھروٹل استعمال کیا اور عظیم الجثہ مشین ایک ایک انچ آگے کھسکنے لگی۔ وہ سامنے اُوشان کو دیکھ رہا تھا جس کو اب سفید سانپوں نے گھیر لیا تھا۔ اُوشان کی پُشت پر باڑھ تھی، جس میں برقی رَو دوڑ رہی تھی۔ ٹائیگر نے اسی دوران کرین کے کنٹرول سسٹم کا بھی جائزہ لیا۔ دائیں ہاتھ پر کرین کی نقل و حرکت کا نظام تھا۔ اُس نے لیور دبائے تو بھاری کرین کا ٹاور نیچے اُوپر ہونے لگا۔ اُس نے قینچی کی رفتار بڑھا دی اور زیادہ تیزی سے باڑھ کی سمت میں بڑھنے لگا تھا۔

لیکن پھر اچانک ہی باڑھ اور اُس کی نظروں کے سامنے کوئی چیز حائل ہو گئی۔ اژدہا ڈنڈا سکرین پر پہنچ گیا تھا۔ اُس کا خوفناک مُنہ ٹائیگر ہی کو تلاش کر رہا تھا۔

ٹائیگر نے اژدہے کو ہلاک کرنے کی خواہش پر بمشکل قابو پایا کیونکہ اُسے احساس تھا کہ اس لڑائی کے نتیجے میں تاخیر ہو جائے گی اور اُوشان کو جلد از جلد باڑھ کے قریب سے کرین کے ذریعے اُٹھانے کی ضرورت تھی۔ اُوشان سانپوں سے ابھی تک محض اپنی پھرتی کے باعث بچ رہا تھا۔ ایک لمحہ پر تھا کہ ٹائیگر کو کچھ نظر نہ آنے کے باعث کرین باڑھ سے ٹکرا جائے اور پھر الیکٹرک چارج کے باعث خود دھماکا ہو گا، اُس سے کرین ہی نہیں خود ٹائیگر بھی تباہ ہو جائے گا۔

"جب مجھے رُکنا ہو تو آواز دینا۔" اُس نے چلا کر کہا اور اسپیڈ بڑھا دی۔ اب وہ ٹاور کو اُوپر اُٹھا رہا تھا۔ اُس کی زنجیر بُری طرح ہل رہی تھی۔ اگرچہ وہ دیکھ نہیں پا رہا تھا لیکن اُسے یقین تھا کہ کرین کا ہُک اُوشان کے سر کے اُوپر کہیں معلق ہوگا۔

"اور قریب۔" ٹائیگر نے چلا کر پوچھا لیکن اُسے کوئی جواب نہ ملا۔ مشین آگے بڑھتی رہی... اور پھر اژدہے نے کیبن میں گھس کر ٹائیگر کی ٹانگوں کو جکڑ لیا۔

"ہلٹ۔" ٹائیگر نے اُوشان کی آواز سنی اور پوری قوت سے تھروٹل بند کر دیا۔ اس وقت اژدہا مزید دار آواز نکالتا ہوا اُس کی ٹانگوں سے رانوں تک کا حصّہ جکڑ چکا تھا۔ اُس کی خوفناک آنکھیں چمک رہی تھیں۔

اُوشان فضا میں بلند ہُوا، کرین کے ہُک تک پہنچا اور اسی لمحے سانپوں نے اس جگہ حملہ کر دیا، جہاں چند لمحے قبل اُوشان موجود تھا، لیکن سانپوں کو اندازے کی غلطی ہو گئی۔ اُوشان اُنھیں جان بوجھ کر باڑھ کے بہت قریب لے گیا تھا۔ لہٰذا اُن کے پھن تاروں پر لگے اور اُن کے جسم ربن کی طرح لہرانے لگے اُن کی آنکھیں دُودھ کی طرح سفید ہونے لگیں اور سفید جسم پل بھر میں کالے ہو گئے لیکن وہ تاروں سے الگ نہ ہوئے۔

"اسے باڑھ کے اُوپر لے جاؤ۔" اُوشان نے حکم دیا... باڑھ چالیس فٹ بلند تھی۔ "اُوپر۔"

ٹائیگر کا پورا جسم پسینے سے گیلا ہو چکا تھا۔ اُس نے اژدہے پر مُٹھیاں بھینچ کر ضربیں لگائیں، لیکن ہر ضرب کے بعد اژدہے کی گرفت اور سخت ہونے لگی۔ ٹائیگر کے پیروں میں خُنکی اور سُستی سی پیدا ہونے لگی۔ وہاں خون کی گردش بند ہونے لگی تھی۔ "اگر اژدہے کا سر ہاتھ آ جائے۔" ٹائیگر سوچ رہا تھا، لیکن دُشمن کا سر اُس کی ران کے نیچے دبا ہوا تھا۔

"شہزادہ..."

"دوسری... طرف... کُود جاؤ۔" اُس نے اُوشان سے کہا ساتھ ہی سوچ کر کہ اژدہے سے بعد میں نمٹے گا۔ کرین ٹاور کو اور اُونچا کر کے اُس کا رُخ باڑھ کی طرف کر دیا۔ اُوشان ہُک پر موجود تھا۔ ٹائیگر نے ٹاور کو دوسری طرف کر کے اُس کی بلندی کم کی تو اُوشان اُس سے کُود گیا۔ اب اُوشان باڑھ کے دوسری طرف محفوظ تھا۔

اسی لمحے ٹائیگر نے بھی کیبن سے چھلانگ لگا دی۔ اژدہا بھی اُس کے ساتھ ہی گرا تھا۔

"یہی وقت ہے۔" ٹائیگر کو اژدہے کا سر نظر آیا تو اُس نے اپنے آپ سے کہا۔ اُس نے فوراً اژدہے کا سر پکڑ کر دونوں ہاتھوں سے اُسے زمین پر رگڑنا شروع کر دیا۔ وہ رانوں میں شدید تکلیف کے باوجود پوری قوت استعمال کر رہا تھا۔ رگڑ کے بعد رانوں پر اژدہے کی گرفت اب کم ہونے لگی تھی۔ اژدہے کا مُنہ مسلسل اور طاقت ور رگڑوں کے باعث پھٹنے

لگا تھا۔ چوتھی یا پانچویں رگڑ پر ٹائیگر کا جسم آزاد ہو گیا اور ٹائیگر اُچھل کر کرین کے قریب پہنچ گیا۔

اژدہا اب سر پٹخ رہا تھا، پھر اُس کے سُرمگیں جسم میں کپکپاہٹ پیدا ہونے لگی۔ اُس نے ایک زوردار پھنکار ماری... اور پھر ساکت ہو گیا۔

ٹائیگر کرین کے ٹاور پر چڑھ چکا تھا۔ اُس کی دائیں ٹانگ میں سخت درد ہو رہا تھا، لیکن اُسے بہرحال ٹاور سے دوسری طرف کُودنا تھا۔ اُس نے ہُک پر پہنچ کر زخمی ٹانگ پیٹ سے لگائی اور ٹرپل سمرسالٹ کے انداز میں دوسری طرف کُود گیا۔

دوسری طرف زمین پر گرنے کے بعد وہ اسی جگہ ساکت پڑا رہا۔ جہاں گرا تھا، پھر اچانک ہی اُسے گوشت کے جلنے کی بُو آئی تو اُس نے سر گھما کر باڑھ کی طرف دیکھا تینوں سانپوں کا گوشت جل کر جھڑ چکا تھا اور اب اُن کے ڈھانچے وہاں نظر آ رہے تھے۔

"تم انتہائی سُست اور کاہل ہو گئے ہو ٹائیگر۔" اُوشان کی آواز سنائی دی۔ "تم کو نہ جانے کیا ہو گیا ہے۔ اصل خطرہ مجھے تھا... سانپوں نے تمھیں نہیں، مجھے گھیرا تھا۔ اور تمھیں صرف یہ کام کرنا تھا کہ اس اٹھائیگاڑی کی سونڈ مجھ تک نیچے کر دیتے، لیکن تم نے یہ کام انتہائی بھونڈے پن سے کیا، پھر خود ہی اس طرف آنے میں تاخیر کر دی۔ ایسا لگ رہا تھا، جیسے موت سے تم نہیں ہم نبرد آزما تھے۔"

اُوشان بہت غصّے میں تھا۔

"مجھے ایک منٹ آرام کرنے دیں فادر۔" ٹائیگر نے جھلا کر جواب دیا۔ اُس کی دائیں ٹانگ میں شدید درد ہو رہا تھا۔ اُس نے پیر کی اُنگلیاں ہلا کر دیکھیں۔ ٹانگ پر دونوں ہاتھ رکھ کر دباؤ کی اور لمبے لمبے سانس لینے لگا۔

"میں تو یہی سوچ کر کانپ جاتا ہوں کہ اگر ان میں سے کوئی ایک بھی سانپ تمھارے پیچھے لپک جاتا تو تمھارا کیا حشر ہوتا۔" اُوشان ہاتھ ہلا ہلا کر اب بھی غصّے کا اظہار کر رہا تھا۔ "تم ناکارہ ہوتے جا رہے ہو شہزادہ، لیکن یہ تمھاری غلطی نہیں، شاید تمھاری تربیت بہت دیر بعد شروع ہوئی تھی اور شاید تم میں قدرتی طور پر صلاحیتوں کا فقدان ہے۔"

"تب پھر مجھ پر لعنت بھیجو اُوشان۔" ٹائیگر کو بھی غصّہ آنے لگا۔

"تمھارے مقابلے میں اُس کا شاگرد ڈوج مین بھی تو ہے۔" اُوشان نے ایک ہاتھ نچا کر کہا۔ "کیسا شاندار نوجوان، طاقت ور

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

اور ذہین شاگرد ہے وہ۔"

"اُس نے ابھی آپ کو قتل کرنے کی کوشش کی تھی۔" ٹائیگر نے تلخ لہجے میں یاد دلایا۔

"اور اگر میں پُھرتیلے پن کا مظاہرہ نہیں کرتا تو وہ کامیاب بھی ہو جاتا۔"

"میرے لائق کوئی خدمت؟"

"خدمت؟" اُوشان کا لہجہ کٹیلا تھا۔ "اگر تمہاری جگہ وہ میرا شاگرد ہوتا تو نرم نرم زمین پر لیٹ کر آرام کرنے کی بجائے مجھ سے پوچھتا کہ آپ کو چوٹ تو نہیں آئی۔ وہ میری وجہ سے پریشان ہوتا اور وہ..."

"آپ کو قتل کرنے کی پھر کوشش کرتا۔" ٹائیگر نے لپک کر جُملہ مکمل کیا۔ "بس اب چلیں۔" وہ بمشکل کھڑا ہُوا اور تقریباً لنگڑاتا ہُوا اُوشان کے قریب پہنچ گیا۔

وہ کم صلاحیتوں والے نااہل شاگردوں کی طرح احسان فراموش نہیں ہے۔"

"سُنو اُوشان۔" ٹائیگر دانت پیس کر بولا۔ وہ اپنے اُستاد کا نام شدید ترین طیش کے عالم ہی میں لیتا تھا۔ "اگر میں اس قاتل جنونی اور پاگل کے مقابلے میں کم تر ہُوں تو پھر تم مجھے چھوڑ کر اُسی سے جوڑی بنا لو۔"

"واقعی؟" اُوشان کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ "کیا تم خلوصِ دل سے یہ پیش کش کر رہے ہو شہزاد؟"

"یقیناً۔" ٹائیگر کا لہجہ کمزور تھا۔ "اگر آپ یہی چاہتے ہیں تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔"

اُوشان کچھ سوچ کر فاتحانہ انداز میں مُسکرانے لگا۔ "بات صرف یہ تھی کہ وہ یہ نہیں چاہتا تھا کہ ٹائیگر اُس کی وجہ سے اُس کے پیچھے لگا رہے۔ اُس کی خواہش تھی کہ اُس کا مسئلہ بولا بیٹا... ڈچ مین سے دُور رہے اور یہ اسی وقت ممکن تھا جب وہ ٹائیگر کو فلیش دلا کر دُور رہنے پر مجبور کر دے۔

"تب پھر میں اُس سے بات کروں گا۔" اُوشان نے کوہِ ابلیس پر تنہا جانے کی عکسِ عملی کی کامیابی کا اندازہ لگا کر کہا۔ "مجھے یقین ہے کہ تم ڈچ مین سے میرے تعلق پر بُرا نہیں مانو گے۔"

ٹائیگر ہاتھ ہلا کر رہ گیا۔

"بہت خُوب۔" اُوشان واضح طور پر مطمئن ہو گیا تھا کہ اب ٹائیگر اُس کے ساتھ نہیں جائے گا۔ وہ ایک طرف جانے لگا۔

"بُل فادر۔" ٹائیگر نے عقب سے اُسے آواز دی۔

"کیوں؟ کیا ہُوا... جل گئے؟"

"میں نے کچھ دیر قبل ایک اژدہے سے مقابلہ کیا تھا۔" ٹائیگر نے پُرامید نظروں سے اُوشان کی طرف دیکھ کر کہا۔

سناجُو کے کسی ماسٹر کے لیے اژدہے سے مقابلہ کرنا کوئی بات نہیں ہے۔ اژدہا، صرف اژدہا ہوتا ہے۔ سناجُو کا ماہر نہیں۔" یہ کہہ کر اُوشان قلعے کی طرف بڑھ گیا۔ پہاڑ پر چڑھتے ہُوئے وہ صرف اُچھل رہا تھا۔ اُس کا لبادہ ہَوا میں ہِل رہا تھا۔ "میں تمہیں یاد رکھوں گا شہزاد۔" اُس نے پلٹ کر اپنے شاگرد کو یقین دلایا۔

ٹائیگر وہیں بیٹھ گیا۔ اُس کی نظریں اُوشان پر تھیں... حتیٰ کہ اُوشان چھوٹا ہونے لگا، پھر لبادے کا صرف دھبا باقی رہ گیا۔

اُوشان کو اندازہ تھا کہ ٹائیگر نے کس بے جگری سے اژدہے کے ساتھ مقابلہ کیا تھا۔ اژدہے کی گرفت کے باعث اُس کے جسم کی کیا حالت ہو رہی ہو گی۔ اُسے یہ بھی احساس تھا کہ اُس نے ٹائیگر کی تعریف میں ایک بھی لفظ نہ کہہ کر زیادتی کی ہے لیکن وہ یہ زیادتی کرنے پر مجبور تھا۔

اور ٹائیگر سوچ رہا تھا کہ اگر حملے کے وقت کہنی سیدھی رکھنے والا ڈچ مین اُوشان کو اتنا ہی پسند ہے تو وہ بھی مجبور ہے، لیکن پھر اچانک ہی اُسے احساس ہُوا کہ اُوشان ڈچ مین کو کتنا ہی پسند کرے، ڈچ مین نوگان کا شاگرد ہے اور وہ اُوشان کو ہلاک کرنے کے مشن پر آیا ہے۔ اُوشان کی زندگی خطرے میں ہے اور میں یہاں بیٹھا ہُوا، اُوشان کو جال میں پھنستا ہُوا دیکھ رہا ہُوں۔

"نہیں۔" اُس نے ایک طویل سانس لی اور اُٹھ کھڑا ہُوا۔ اُس کے قدم اُسی پگڈنڈی پر اُٹھنے لگے جس سے اُوشان اُوپر پہاڑ پر گیا تھا۔ "اُوشان کو میری ضرورت ہے۔"

پریری نے کمرے میں پڑی ہُوئی واحد کُرسی پر بیٹھ کر اس کی قیمتی لکڑی پر بڑے پیار سے ہاتھ پھیرا اور پھر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا تھا۔

قلعے کے اندر گھُپ اندھیرے کے باعث پہلے تو اُسے حیرت ہُوئی تھی، پھر جب وہ مختلف کمروں سے گزرا تھا تو اُسے مزید حیرت ہُوئی تھی کیونکہ تمام کمرے خالی اور ٹھنڈے تھے۔

اب پریری کو بے چینی محسوس ہونے لگی تھی۔

اس کمرے سے کچھ دُور شیشے کے ایک کمرے میں ڈچ مین نے دُوربین ایک طرف رکھی جس سے وہ دیر تک شپ یارڈ کا جائزہ لیتا رہا تھا اور پھر انعام دینے کے لیے کمرے میں چلا آیا۔ جہاں پریری موجود تھا۔

"تم نے ٹھیک کہا تھا۔" ڈچ مین کا لہجہ بہت نرم تھا۔ "میں نے تصدیق کر لی ہے۔ وہ واقعی دو تھے۔ ابھی تک میں یہ اندازہ نہیں لگا سکا ہُوں کہ اُن کے وہاں گھُسنے کی کیا وجہ تھی؟" یہ کہتے ہُوئے اُس نے پریری کے چہرے پر کوئی تاثر دیکھنے کے لیے اُسے بغور دیکھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیا اُوشان اور شہزاد کے علاوہ کسی اور کو بھی کنٹینر میں موجود لاشوں کا علم ہو گیا ہے؟ اور کیا یہ شخص کچھ چھُپا رہا ہے، لیکن پریری کا چہرہ دیکھ کر اُسے یقین ہو گیا کہ یہ سیاہ فام ڈرائیور مزید کچھ نہیں جانتا، لیکن اسے زندہ چھوڑنا بھی غلط بات تھی۔ وہ پریری کو یہ نہیں بتا سکتا تھا کہ اس وقت اُوشان تن تنہا کوہِ ابلیس پر چڑھ رہا ہے۔ وہ یہ انکشاف بھی نہیں کر سکتا تھا کہ اُوشان اور شہزاد نے شپ یارڈ میں چار سانپوں اور ایک اژدہے کو ہلاک کر ڈالا ہے۔ اب اُسے یقین ہو گیا تھا کہ عظیم نوگان نے اُن دونوں کی قوت کا غلط اندازہ لگایا تھا۔ ڈچ مین کے لیے سب سے مثبت پہلو یہ تھا کہ شہزاد اور اُوشان اب الگ الگ ہو گئے تھے اور اکیلے اُوشان کو ہلاک کرنا زیادہ آسان تھا۔

ڈچ مین نے وہ بوتل اُٹھائی، جس پر پریری نے ٹائیگر اور اُوشان کے دِلا کا پتا لکھ کر اُسے دیا تھا۔ "تو وہ دونوں یہاں رہتے ہیں؟"

پریری نے جواب دینے کی کوشش کی، لیکن صرف مُنہ چلا کر رہ گیا۔ اُسے ایسا لگا تھا، جیسے کسی نے اُس کے حلق میں روئی... ٹھونس دی ہو۔ وہ اثبات میں سر ہلانے لگا۔ اُس کی آنکھیں اُبلی پڑ رہی تھیں اور اُسے اس جگہ سے مہلک خوف محسوس ہو رہا تھا۔ یہاں ہر طرف شدید ٹھنڈ اور گمبھیر خاموشی تھی۔ یہ جگہ اُسے مقبرے کی یاد دلا رہی تھی، جس میں پریری اور اس کے ساتھی چوری چھپے داخل ہو کر چندے کی رقم چوری کیا کرتے تھے۔ ہر چیز ٹھنڈی تھی۔ ہر چیز ساکت تھی اور ہر چیز خاموش تھی... ڈچ مین بھی ٹھنڈا، ساکت اور خاموش تھا۔ وہ اُسے کسی بھُوت کی طرح لگ رہا تھا۔ کسی لاش کی طرح...

ڈچ مین ایک دروازے کی طرف بڑھا تو پریری نے نظریں اُٹھانے کی کوشش نہ کی۔ وہ جب سے یہاں آیا تھا، اُس کی آنکھیں جُھکی رہی تھیں۔ اُس نے ایک بار کن انکھیوں سے ڈچ مین کی چال دیکھی تھی اور خوف زدہ ہو گیا تھا۔ ڈچ مین بلّی کی طرح چل رہا تھا، نہ تو اُس کے قدموں کی آواز پیدا ہوتی تھی اور نہ ہی سفید کپڑوں کی سرسراہٹ سُنائی دی تھی۔ دروازے پر پہنچ کر ڈچ مین نے کسی کو اشارہ کیا تو پیل بھر میں ہی زیتونی رنگ والا ایک خادم چاندی کی ٹرے لے کر نمُودار ہُوا جس میں ایک بوتل اور گلاس رکھا ہُوا تھا۔

"شیری مسٹر پریری؟" ڈچ مین نے پوچھا۔ "میں آپ کا ساتھ نہیں دے سکوں گا، لیکن مجھے بتایا گیا ہے کہ یہ انتہائی اعلیٰ درجے کی شراب ہے۔"

"نہ... نن... ن..." یہ ٹُوٹے ہُوئے لفظ پہلی بار پریری کی نوکِ زبان سے پھسلے تھے۔

"بہت خُوب، لیکن میرا خیال تھا کہ شیری سے آپ کے جسم کو حرارت ملے گی، باہر تو بہت زیادہ سردی ہے۔"

پریری خوف زدہ ہو گیا، کیونکہ جب وہ اندر آیا تھا تو اس وقت باہر نہ صرف گرمی تھی بلکہ کوبھی چل رہی تھی۔

"کیا آپ کو ٹھنڈ محسوس نہیں ہو رہی ہے مسٹر پریری...؟" ڈچ مین نے پوچھا۔ اس مرحلے پر ڈرائیور پریری کو یقین ہو گیا کہ ڈچ مین، فلپی کے باپ سے زیادہ پاگل ہے، لیکن اسی لمحے اُسے ٹھنڈ کا بھی احساس ہُوا۔

"آپ تو کانپ رہے ہیں مسٹر پریری! کیا آپ کے لیے... سوئیٹر کا اُنتظام کراؤں؟"

پریری بے بسی سے سر ہلانے لگا۔ وہ اُٹھا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اتنی سردی میں وہ قلعے سے باہر کیسے نکلے گا۔

"ایک منٹ... اپنا انعام لیتے جائیں مسٹر پریری!" ڈچ مین نے نرم لہجے میں اُسے روکا۔ اُس نے جیکٹ کی جیب میں ہاتھ ڈال کر سو سو ڈالر کے دو نوٹ نکالے۔ جنھیں پریری نے بصد مسرت قبول کر لیا، لیکن فوراً ہی پیچ مار کر نوٹ پھینک دیے۔ اُسے ایسا لگا تھا، جیسے کسی نے اُس کے ہاتھ میں برف کی سِل رکھ دی ہو۔ وہ بھاگ کھڑا ہُوا اور ڈچ مین سر ہلاتا رہ گیا۔

پریری اب دیوانہ وار بھاگ رہا تھا۔ تاریک گلیاروں میں گزرتے ہُوئے اُسے ایسا لگ رہا تھا، جیسے وہ بادلوں کو سانس کے ذریعے سینے میں اُتار رہا ہے۔ ہر طرف برف گر رہی تھی۔

"کاش میں نے جیب چوری نہ کی ہوتی۔" وہ اب پچھتا

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

رہا تھا۔ اُسے یہاں آنے پر پچھتاوا تھا۔ خوف کے باعث اُس کی حالت غیر ہو رہی تھی اور اُسے یقین تھا کہ وہ بھی لیبی کے والد کی طرح پاگل ہو کر مرے گا۔ اُس نے فیصلہ کیا کہ وہ اس جگہ سے نکل کر اپنے کمرے میں بند ہو جائے گا تاکہ خود کشی نہ کر سکے۔

پھر اُسے کوئی دروازہ کھلنے کی آواز سُنائی دی۔ اُسے قلعہ کا بیرونی دروازہ یاد آ گیا، جو فولاد اور لکڑی کے دو دیو قامت پٹوں پر مشتمل تھا۔

اُس نے دروازہ کھلا ہُوا پایا، لیکن باہر پہنچ کر اُس کی حالت اور غیر ہو گئی۔ برفانی طوفان کے باعث ہر طرف قیامت مچی ہُوئی تھی۔ کھجور کے درخت دُہرے ہو رہے تھے۔ اُن کے پتے ایک دوسرے سے لپٹے ہُوئے تھے۔ اُن کا رُخ قلعے کی طرف تھا۔

"اوہ... میرے خُدا... نہیں..." اُس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور پلکیں تو اُسے ایسا لگا، جیسے گالوں پر جم گئے ہوں۔ وہ طوفانی ہَوا سے بچنے کے لیے جُھک جُھک کر چلنے لگا۔ اس وقت اُسے صرف یہ احساس ہو رہا تھا کہ یہ ہوائیں قلعے سے نکل نکل کر پھیل رہی ہیں۔

تب ہی اُسے جیپ نظر آ گئی، مگر جیپ کے قریب کوئی اور بھی آ رہا تھا۔

"پریری!" کسی نے آواز دی اور یہ آواز اُسے بہت اچھی لگی تھی۔

"مَیں... مَیں یہاں ہُوں!" اُس نے آنے والے کی رہنمائی کے لیے کہا۔ ساتھ ہی آگے بھاگنے کی کوشش کی، لیکن اُس کی ٹانگیں جواب دے گئیں اور وہ پیٹ کے بَل گر پڑا۔

"اوہ... مَیں کتنا تھک چُکا ہُوں!" پریری نے بڑی بے بسی سے سوچا۔ اُس نے اُٹھنے کی کوشش کی، لیکن اُسے ہاتھوں میں شدید تکلیف کا احساس ہُوا۔ اُس نے ہاتھوں کو غور سے دیکھا تو اُسے جگہ جگہ کی کھال گلی ہُوئی یا اُدھڑی ہُوئی نظر آئی۔ زخموں پر ہر جگہ خون جم گیا تھا۔

"مَیں یہاں ہُوں!" اُس نے بڑی کوشش کے بعد اُونچی آواز میں کہا۔ اُسے تلاش کرنے والا اِدھر اُدھر بھاگ دوڑ کر رہا تھا اور پریری کو نہ جانے کیوں یقین تھا کہ وہ اُسے تلاش کر کے ہی دَم لے گا۔

تیز ہَوا کے باعث پریری نے آنکھیں بند کر لیں۔ اُسے ایسا لگ رہا تھا، جیسے وہ اب کبھی آنکھیں نہیں کھول سکے گا

"پریری!" ٹائیگر ایک طرف سے آیا اور گرے ہُوئے ڈرائیور پر جُھک گیا۔ وہ اُس کی نبض محسوس کرنا چاہتا تھا۔ اُسے ڈرائیور کی گردن میں نبض کی حرکت محسوس نہیں ہُوئی۔ لہٰذا اُس نے جسم کو اُلٹ دیا۔ پریری کا پورا جسم پسینے سے تر بتر تھا۔ صاف ظاہر تھا کہ وہ بہت دُور سے اتنی سخت گرمی میں بھاگتا ہُوا آیا تھا اور ممکن ہے اسی باعث اُس کا دل بیٹھ گیا ہو۔

ٹائیگر نے پریری کا ایک ہاتھ اُٹھا کر دیکھا وہ خوفناک خون تھا۔ کھال جگہ جگہ سے اُدھڑی ہُوئی تھی۔

"اس پر کسی نے تشدد کیا ہے!" اس حالت میں اُسے دیکھ کر ٹائیگر صرف یہی سوچ سکتا تھا، پھر جب اُس نے ناخن دیکھے تو حیرت کی انتہا نہیں رہی، ناخن نیلے ہو رہے تھے۔

"نیلے ناخن؟" اُس نے لاش کا ایک بار پھر تفصیلی معائنہ کیا۔ وہ خشک اور بھیگی ہُوئی کھال دیکھ کر غیر یقینی انداز میں سر ہلانے لگا۔ اس کی آنکھوں کے گرد سوجن تھی۔

ٹائیگر کو اندازہ تھا کہ اس وقت درجۂ حرارت نوّے درجے سے بھی زیادہ ہے۔ اتنی گرمی کے باعث گھاس تک مُرجھائی ہُوئی تھی، لیکن لاش بتا رہی تھی کہ پریری ٹھنڈ لگنے سے ہلاک ہُوا ہے۔

●

قلعے کے اندر ڈوچ مین نے تعظیماً سر جُھکا کر اُٹھایا تو مہمان نے بھی سر خم کر کے اُسے تعظیم دی۔

"آپ کی آمد میرے لیے بہت بڑا اعزاز ہے جنابِ عالی! مَیں ساری زندگی آپ ہی کا انتظار کرتا رہا ہُوں۔" ڈوچ مین نے مؤدبانہ انداز میں کہا۔

"لیکن تم سے ملاقات کر کے مَیں انتہائی دُکھی ہو رہا ہُوں۔" مہمان عظیم اُوشان نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔ "تم نے جو کام کیا ہے، وہ پُرفن ہے، اچھا ہے... اسی باعث مجھے اس ملاقات سے مسرت حاصل نہیں ہو رہی ہے۔"

"کیوں؟"

"اس کا جواب تمھیں اچھی طرح معلوم ہے۔ مَیں تمھیں قتل کرنے کے لیے آیا ہُوں۔"

"اور میری تربیت کا بنیادی مقصد ہی آپ کو ہلاک کرنا ہے۔" ڈوچ مین نے جواب دیا۔ "مجھے اسی کام کے لیے تربیت دی گئی ہے۔"

"وہ کہاں ہے؟"

"مَیں سچ بتا کر اُس سے غداری نہیں کروں گا... اور جھوٹ بول کر آپ کی برہمی مول نہیں لے سکتا۔ وہ عظیم ہے، نادیکوں کا دیوتا ہے، عظیم تر ہے، وہ مر نہیں سکتا۔"

اُوشان نے ڈوچ مین کو دیکھ کر افسردگی سے سر ہلایا تو ڈوچ مین بھی اُسی انداز میں سر ہلانے لگا، پھر میزبان نے مہمان کو ایک خُوب صورت سجے ہُوئے ایسے کمرے میں بٹھایا، جس کی ہر کھڑکی وسیع و عریض بالکونی کا دروازہ تھی اور بالکونیوں کے آگے ہر رنگ و قسم کے پھول کھلے ہُوئے تھے۔

"اس قلعے میں صرف یہی کمرا آرام دہ ہے جنابِ عالی!" ڈوچ مین نے نہایت عاجزی سے کہا۔ "میری درخواست ہے کہ کام شروع کرنے سے قبل ہم کچھ باتیں کریں۔ گزشتہ کئی برسوں سے میرے ذہن میں ایسے بہت سے سوالوں نے جنم لیا، جن کا... جواب صرف آپ ہی دے سکتے ہیں۔" ڈوچ مین کی آنکھیں متجسّس لیکن عاجزانہ انداز میں جُھکی ہُوئی تھیں۔

"جو چاہو پوچھو، لیکن مَیں تمھیں چند منٹوں میں ستیائی اور راستی کی راہ نہیں بتا سکوں گا۔ تم ایک عرصے سے جھوٹ، فریب اور نادیکوں کی گود میں تربیت حاصل کرتے رہے ہو۔ کیا اُس نے تمھیں یہ بتایا تھا کہ میرے شاگرد نے ڈیوساریہ کے میوزیم میں اُس کا کیا حشر کیا تھا؟"

"جی ہاں! اُسی واقعے کے بعد اُنھوں نے مجھے گود لیا تھا۔"

"کیا تم جانتے ہو کہ وہ نابدان کا کیڑا اور جھوٹا ہے؟"

"نہیں!" ڈوچ مین غصّے سے کھڑا ہو گیا۔ "عظیم نوگان کیڑا اور جھوٹا نہیں ہے۔ اُس نے مجھے تباہی سے بچایا ہے۔"

"... تاکہ تمھیں مکر و فریب اور دغا بازی کی اس تاریک سُرنگ میں ڈال دے، جہاں سے فرار ممکن نہیں۔ نہیں... اُس نے تمھیں ایک زیادہ بڑی تباہی سے دوچار کر دیا ہے۔"

"بس... بہت ہو گیا!" ڈوچ مین نے دہاڑ کر کہا۔ اُس نے لیمپ کی طرف دیکھا تو لیمپ کی چینی تڑاخ سے ٹوٹ کر گر گئی۔ اُوشان یہ دیکھ کر محض سر ہلانے لگا۔

"تم نے تنہا آ کر عقل مندی کا ثبوت دیا ہے۔" ڈوچ مین کا لہجہ اب بدل گیا تھا۔

"اس تماشے کا تعلق مجھ سے اور تم سے ہے۔ اس میں میرے بیٹے کا کوئی کردار نہیں ہے۔"

"جس طرح شہزاد تمھارا بیٹا ہے۔ اسی طرح نوگان... عظیم نوگان میرا باپ ہے!" ڈوچ مین کا چہرہ غصّے سے سیاہ ہو گیا تھا۔ "... اور تم نے میرے عظیم باپ کو حکمرانی سے محروم کر رکھا ہے۔ مَیں تمھارا لہو اپنے چہرے پر ملوں گا تو وہ زندہ ہو جائے گا اور اپنی محفوظ آرام گاہ سے نکل... آئے گا۔"

"اُس کا بدبُودار جسم کسی قبر میں نہیں، اُس نے اپنی موت کے بارے میں تم سے جھوٹ بولا ہے۔ وہ زندہ ہے، مگر میرے بیٹے کے خوف سے کہیں چھپا ہُوا ہے۔ سنو لڑکے! وہ گناہ کی ایک قوت ہے، جس کا مقصد صرف اور صرف ذاتی مقاصد کا حصُول ہے۔"

"تم..." ڈوچ مین نے کچھ کہنا چاہا، لیکن اُسی لمحے دروازے پر نہ صرف زوردار دستک ہُوئی بلکہ خادم قمیز دَر آتا ہُوا کمرے میں بھی چلا آیا۔ وہ دہشت انداز میں اشارے کر رہا تھا۔

"کیا ہے؟" ڈوچ مین نے غرّا کر کہا۔ "کیا وہ بھی آ رہا ہے؟" خادم نے مشرقی بالکونی کی سمت میں اشارہ کیا۔ اُوشان نے بھی اُچک کر دیکھا۔ نیچے پگڈنڈی پر ٹائیگر نظر آ رہا تھا اور وہ کوہ ابیس پر ہی آ رہا تھا۔

"نہیں... تم واپس جاؤ گے شہزاد!" اُوشان نے سنگین لہجے میں ٹائیگر کو حُکم دیا۔ ٹائیگر نے صرف ایک بار سر اُٹھا کر دیکھا، لیکن اُس کے قدم نہیں رُکے۔ اُس نے اُوشان کے حُکم کو نظر انداز کر دیا تھا۔

"وہ تمھاری مدد کے لیے آ رہا ہے!" ڈوچ مین نے اضطراری انداز میں اُوشان سے کہا۔

"دفعان ہو جاؤ!" اُوشان گرجا۔ "مجھے تمھاری مدد کی ضرورت نہیں ہے۔ میرا تمھارا ناتا ختم ہو چُکا ہے فرد وسی پیریے!"

ٹائیگر نے اب بھی کسی ردِعمل کا اظہار نہیں کیا۔

"گیٹ مت کھولنا!" اُوشان ڈوچ مین کی طرف پلٹا۔ "اس کو واپس بھگا دو۔ اس معاملے میں اُس کا کوئی کردار نہیں ہے۔"

"شہزاد میرا بیٹا ہے!" ڈوچ مین کا لہجہ بھرایا ہُوا تھا۔ "تم نے یقیناً اُس کو خود سے دُور رکھنے کے لیے قطع تعلق کی بات کی ہے تاکہ وہ محفوظ رہ سکے، لیکن وہ تمھاری خاطر جان دینے کے لیے تیار ہے اور جان دے بھی دے گا۔"

ڈوچ مین کے اشارے پر قلعے کا دروازہ کھول دیا گیا۔ بھاری دروازے کھلے تو ٹائیگر کی نظر ان خوبصورت عورتوں پر پڑی، جو دو رویہ قطار میں کھڑی ہُوئی تھیں۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ایک وطن پرست اور کفن بردوش نوجوان کی داستانِ خونیں رنگ
جو محبِّ وطن ہونے کے باوجود دہشت گرد کہلاتا تھا۔
وقت کی راستیں تھامنے والے، اس کے ہاتھ لہولہان ہوگئے تھے۔
معاشرے کے اُجلے لوگوں کی کہانی جن کے من کالے ہیں۔

دہشت گرد

سلیم فاروقی

چار حصّوں میں شائع ہوگیا ہے

قیمت ——

مکمل سیٹ -/۱۸۰ روپے

مکتبہ الفرلیش، سرکلر روڈ، اردو بازار، لاہور ۲
پوسٹ کوڈ ۵۴۰۰۰

"ہیلو... ہیلو!" ٹائیگر نے مسکرا کر اُن سے کہا تو عورتیں اُسے دیکھتی رہ گئیں۔ انھیں ایسا لگا تھا، جیسے اُن کے سپنوں کا شہزادہ دھم سے قلعے میں اُتر آیا ہے۔

شینیز نے لپک کر ٹائیگر کا خیر مقدم کیا اور اشاروں سے ایک چکر دار زینے کی طرف رہنمائی کی۔ یہ زینہ اُسی کمرے کی طرف آتا تھا، جس میں ڈوچ مین اور اُوشان موجود تھے۔

ڈوچ مین کھڑا ہوا تھا۔ اُس کی نظریں جن میں نرمی در حیرت تھی، ٹائیگر پر جمی ہوئی تھیں۔

"میرا نام شہزاد ہے۔"

"مجھے جرمی کہتے ہیں۔" ڈوچ مین نے اُسی انداز میں جواب دیا، لیکن دونوں میں سے کسی نے بھی ہاتھ ملانے کے لیے نہیں بڑھایا۔

"تم یہاں کیوں آئے ہو؟" اُوشان نے بے چینی سے پوچھا۔

جواب میں ٹائیگر ایک لمحے تک بغور اُوشان کو دیکھتا رہا اور پھر دھیمے لہجے میں بولا۔

"یہ سوچ کر آگیا کہ شاید آپ کو میری ضرورت محسوس ہو۔"

"ہم ابھی باتیں ہی کر رہے تھے۔" ڈوچ مین نے خوش گوار لہجے میں ٹائیگر کو مطلع کیا۔ "چائے پیو گے؟ مجھے علم ہے کہ تم شراب کو ہاتھ بھی نہیں لگاتے۔"

ٹائیگر نفی میں سر ہلا ہی رہا تھا کہ اُوشان نے چائے کی طلب کا اظہار کیا۔ "ہاں، اس وقت چائے کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔"

"بہت بہتر۔" ڈوچ مین نے شینیز کو اشارہ کیا جو چوکھٹ پر ہی کھڑا ہوا تھا۔ اشارہ پاتے ہی خادم غائب ہوگیا۔ چند لمحوں بعد، وہ ایک طلائی طشت میں تین نفیس کپ لے کر حاضر ہوا۔ طشت میں رکھی ہوئی چائے دانی بھی سونے کی تھی۔

ٹائیگر بیٹھ گیا۔

"چائے دانی سنا نجو سے لائے تھے۔" اُوشان نے ظروف کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"یہ ظروف مجھے میرے عظیم والد نے تحفے میں دیے تھے۔" ڈوچ مین نے کہا۔ "لیکن پھر فوراً ہی اضافہ کیا۔" اور یہ مجھے یہیں ملے تھے۔"

"کیا تم نوگان کی بات کر رہے ہو؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"ہاں... لیکن تم عظیم نوگان کے ذکر پر حیرت زدہ لگ رہے ہو۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ صرف تم ہی کو سنا نجو کا وارثہ مل سکتا ہے؟"

"ہاں، مجھے یہی علم ہے۔" ٹائیگر نے دو ٹوک انداز میں جواب دیا۔ "مجھے اور بھی بہت سی باتوں کا علم ہے۔ لیکن مجھے اس بات پر حیرت نہیں ہے جس کا تم نے انکشاف کیا ہے، حیرت اس بات پر ہے کہ تم نے نوگان کو باپ کہا ہے۔ اُس شخص میں مجھے پدرانہ جذبے کبھی نظر نہیں آئے۔ وہ اس قسم کی صلاحیت سے محروم ہے۔"

ڈوچ مین نے کپ میں چائے اُنڈیل کر پہلے اُوشان اور پھر ٹائیگر کو دی۔ "ممکن ہے، تم درست کہتے ہو۔ وہ بہت سخت انسان تھے۔"

اُوشان اور ٹائیگر نے معنی خیز انداز میں ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

"لیکن انھوں نے مجھ کو قید اور پوچھ گچھ سے بچایا تھا۔ شاید تم اندازہ لگا چکے ہو گے کہ میں عام سا جنگجو نہیں ہوں۔"

"ہاں، نوگان بندروں جیسا ہے اور تم بندر کی اولاد ہو۔" ٹائیگر نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔

جرمی نے اپنے کپ سے ایک گھونٹ لیا اور جونہی اُس نے نظریں جھکائیں اُوشان نے اپنا بھرا ہوا کپ اُس کی طرف بڑھا دیا۔ ڈوچ مین نے بڑی کاہلی سے اپنے چہرے کے بالکل سامنے وہ کپ تھام لیا اور یہ احتیاط پیشِ نظر رکھی کہ اُس کا ایک بھی قطرہ گرنے نہ پائے۔

"میں کہہ رہا تھا کہ میں عام جنگجو نہیں ہوں اور نہ ہی بندر ہوں۔ تم مجھے اپنی کسی اچانک حرکت سے شکست نہیں دے سکتے اُوشان۔" اُس نے کپ واپس بڑھا دیا۔

"میں اپنے رویے پر بے حد معذرت خواہ ہوں۔" اُوشان کا لہجہ انتہائی پُرسکون تھا۔

"بہت درست... اگر مجھے یقین نہ ہوتا کہ تم کپ پکڑ لو گے تو میں بھی یہی حرکت کرتا۔"

"تم دونوں کی میٹھی میٹھی باتوں سے مجھے وحشت ہو رہی ہے۔" ٹائیگر جھلا کر بولا۔

"تمھاری عمر کتنی ہے میرے بچے؟" اُوشان نے ڈوچ مین سے پوچھا اور اس طرزِ کلام پر ٹائیگر ہیلو بدل کر رہ گیا۔

"چوبیس سال... مجھے ۲۵ ویں سال تک تم سے نہیں اُلجھنا تھا۔ لیکن حالات..." وہ ایک طویل سانس لے کر رہ گیا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"کیا تم تیار نہیں ہو؟" اُوشان نے پوچھا۔

"میں تیار ہُوں۔" ڈوچ مین نے کپ ٹرے میں رکھ دیا۔ "عظیم نوگان کی خواہش کے مطابق تم میرے پاس کھنچے چلے آئے ہو اور میں اس کا انتظام کُوں گا۔"

"تم بھُول رہے ہو کہ ہم دو ہیں۔" ٹائیگر نے اُسے خبردار کیا۔

"ہاں، لیکن تم کسی گنتی میں نہیں آتے۔" ڈوچ مین نے مُسکرا کر جواب دیا۔ "اگرچہ یہ مقابلہ قبل از وقت ہو رہا ہے، میری عمر ایک سال کم ہے اور اُوشان کئی عشرے گزار چُکا ہے۔ لہٰذا اُوشان کا وجود ہے، جب کہ تمہارا وجود... ہی نہیں۔"

ٹائیگر کھڑا ہو گیا۔

"ٹھہرو... ٹھہرو۔" اُوشان نے دونوں ہاتھ اُٹھا کر کہا۔ "ذاتی توہین کرنے کے لیے ہمارے پاس وقت اور ضائع کرنے کے لیے توانائی نہیں ہے۔ ہم میں سے کسی کو بھی میٹھی موت مرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہاں، میں تمہارے بارے میں کچھ جاننا چاہتا ہُوں جرمی!"

جرمی اُسے اپنا پس منظر بتانے لگا اور ٹائیگر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔ وہ خود بھی جرمی کی کہانی سُنتا ہُوا سوچ رہا تھا کہ اس شخص کی زندگی انتہائی غیر معمولی ہے اور ساتھ ہی اُوشان کی طرح وہ بھی اس نتیجے پر پہنچ رہا تھا کہ جرمی کی عمر ۲۴ سال سے بھی کم ہے۔ عمر کے سلسلے میں اُسے یا تو گمراہ کیا گیا ہے یا پھر اُسے خود عمر یاد نہیں ہے۔ نوگان نے تربیت کے دوران میں اُس پر جو سختیاں کی تھیں، وہ سُن سُن کر ٹائیگر کے رونگٹے کھڑے ہو رہے تھے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اُوشان نے اُس پر کوئی بھی سختی نہیں کی۔

"عظیم نوگان نے مجھے تعلیم کے لیے سوئیٹزر لینڈ بھیجا۔" ڈوچ مین کہہ رہا تھا۔ "میں نے مختلف زبانیں سیکھنے میں غیر معمولی صلاحیت کا مظاہرہ کیا۔ ان دنوں میں سوچتا تھا کہ گریجویشن کے بعد ٹرانسلیٹر ہو جاؤں گا۔ کاش، ایسا ہی ہوتا!" ایک لمحے کے لیے ڈوچ مین کی آنکھیں بجھ سی گئیں۔ وہ خاموش ہو گیا۔

"پھر؟" اُوشان نے خاموشی توڑی تو ڈوچ مین کی آنکھوں میں وہی مخصوص چمک پھر نمودار ہو گئی۔

"یہ میرا مقدر نہ تھا۔ اسکول میں جلد ہی میری غیر فطری اور مافوق الفطرت صلاحیتوں کا علم ہو گیا۔"

"چمنی ابھی پھٹی تھی۔" اُوشان نے دھیرے سے کہا۔

"ہاں، ایسی ہی صلاحیتوں کا علم لوگوں کو ہُوا تو..."

"پریری کے ساتھ کیا ہُوا تھا جرمی؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"وہ اتنی شدید گرمی میں ٹھٹھر کر مرا ہے۔"

"بعض اوقات... میرے لیے یہ ممکن نہیں ہوتا کہ میں اس صلاحیت کے اظہار پر کنٹرول کر سکوں۔" ڈوچ مین نے معذرت خواہانہ انداز میں اُوشان سے کہا۔ "اگرچہ تم سے دُشمنی ہے اور مجھے تمہاری جان لینی ہے لیکن میں اپنی اس صلاحیت کو تمہارے خلاف استعمال نہیں کروں گا۔"

"یہ تو پریری سے پوچھا جائے کہ اُس پر کس نے صلاحیت کا استعمال کیا تھا۔"

ڈوچ مین کے یہ جملہ بھی درگزر کر دیا۔ "توجب اسکول والوں کو اس کا علم ہُوا تو انھوں نے مجھے ایک ایسے کمرے میں قید کر دیا جس میں کوئی روشندان تک نہ تھا۔ ڈاکٹروں اور... سائنس دانوں کی ایک جماعت پوچھ گچھ اور تفتیش کے لیے آئی۔ اُنھوں نے مجھے پل بھر بھی سکون نہ لینے دیا۔ میرے پورے جسم میں سُوئیاں چبھوئی گئیں اور پھر مجھ پر مختلف دوائیں آزمائی جاتی رہیں۔"

"بہت بدبخت لوگ تھے وہ۔" ٹائیگر نے مُسکرا کر کہا...

"انھوں نے تمہیں سکون سے قتل کرنے کے لیے کھلی چھوٹ بھی نہ دی۔"

ڈوچ مین کے چہرے کا رنگ بدل گیا، لیکن اُس نے جواب دینے کی بجائے اپنی کہانی جاری رکھی۔ "چھ ماہ کی اس قید کے بعد ایک روز مجھے کڑی نگرانی میں نہلانے کے لیے باہر لایا گیا تو میں فرار ہو گیا۔ میں نے ایک پوسٹ آفس سے عظیم نوگان کو لندن میں صورت حال سے آگاہ کیا۔ وہ دو روز بعد خود چلے آئے اور انھوں نے وہ عمارت ہی تباہ کر دی، جس میں مجھ پر تشدد کیا گیا تھا۔ اب وہاں کسی اسکول کا نام و نشان تک نہیں ہے۔ پھر وہ مجھے یہاں لے آئے۔ اُنھوں نے مجھے تربیت دی۔ اس کے بعد وہ کہیں چلے گئے اور مجھے ہدایت کر گئے کہ میں تمہارا انتظار کروں۔ اُنھیں تم سے سخت نفرت تھی۔"

"کمال ہے۔" اُوشان نے کپ ٹب میں رکھ کر حیرت کا اظہار کیا۔ "مجھے علم ہی نہیں تھا کہ نوگان نے کسی کو گود بھی لیا ہے۔ اُسے ایسا کرنے کی ضرورت بھی نہیں تھی کیونکہ وہ کسی سے کبھی مخلص نہیں ہوتا۔"

"میں یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ وہ مجھے اپنا جانشین بنانے

کے لیے تربیت دے رہے تھے۔ شاید تمہیں علم ہو کہ انھیں ہمیشہ زندہ رہنے کا یقین تھا، لیکن وہ میری صلاحیتوں کو استعمال کرنا چاہتے تھے۔ اسی لیے انھوں نے دوسرے فنون میں بھی میری تربیت کی لیکن..."

"مجھے یقین ہے کہ وہ تمہیں استعمال کرنے کے بعد گھوڑے کی ٹھوکر میں پھینک دے گا جرمی!" ٹائیگر نے کہا۔

"خبیث!" ڈوچ مین نے دانت پیس کر دائیں ہاتھ کو فضا میں لہرایا۔ ہاتھ گھوس بناتا ہُوا ٹائیگر کی اُس ٹانگ پر لگا جس پر اُوڈ ہے نے زور آزمائی کی تھی تو ٹائیگر ایک آہ بھر کر دُہرا ہو گیا۔ اُسے ایسا لگا، جیسے سینکڑوں چاقو پیوست ہو گئے ہوں۔

"تم...." اُوشان نے حقارت سے ڈوچ مین کو دیکھ کر کہا اور ٹائیگر کی طرف لپک گیا: "تم نے وعدہ کیا تھا کہ اپنی ایسی... صلاحیتوں کا مظاہرہ نہیں کرو گے۔"

"میں نے تم سے وعدہ کیا تھا، اس غیر تربیت یافتہ لڑکے سے نہیں۔"

"مذاکرات ختم۔" اُوشان نے ٹائیگر کا سر گود میں رکھتے ہُوئے کہا۔

"میں ٹھیک ہُوں فادر۔" ٹائیگر نے سر جھٹکتے ہُوئے کہا۔ "میرے بغیر اس سے مت لڑنا۔"

"مجھے تمہارے بغیر ہی لڑنا ہو گا۔" اُوشان نے کان میں سرگوشی کی۔ "اسی باعث میں تمہیں شب یارڈ میں چھوڑ آیا تھا۔ تم اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ میں نے تمہارے جسم ہی کو تربیت دی ہے لیکن اس کا دماغ تم سے زیادہ طاقت ور ہے۔ اُس نے وعدہ کیا تھا کہ اپنی دماغی صلاحیتوں کو استعمال نہیں کرے گا لیکن یہ نوگان کا شاگرد ہے، وعدہ فراموشی اُس کی گھٹی میں پڑی ہے۔ ہم اُسے یہ موقع نہیں دے سکتے کہ یہ ہم دونوں کو ایک ہی وقت میں قتل کر ڈالے، اگر یہ مجھے ہلاک کرنے میں کامیاب ہو جائے تو پھر تم اس سے لڑنے کے لیے آزاد ہو گے۔ اس سے قبل نہیں۔"

"میں تمہیں قتل ہونے نہیں دُوں گا۔" ٹائیگر نے کراہ کر کہا۔

"میں نے تمہیں ابھی تربیت دی ہے میرے بچے! میرا حکم تمہیں ماننا پڑے گا۔"

ڈوچ مین نے شیونیز کو اشارہ کیا، جس نے ٹائیگر کو اُٹھنے میں مدد دی اور ایک راہداری میں لے گیا۔ ٹائیگر اس وقت تک لنگڑاتا رہا، جب تک کسی نے پلٹ کر نہ دیکھا۔ اُوشان بھی خاموشی سے اُسی کی طرف دیکھ رہا تھا اور جب ٹائیگر نظروں سے اوجھل ہو گیا تو اُوشان ڈوچ مین کی طرف پلٹا۔

"کیا نوگان نے تمہیں کبھی بیٹا کہہ کر پکارا تھا جرمی؟" اُس نے خاموش کھڑے ہُوئے خطرناک ترین انسان سے پوچھا۔

"تمہیں یہ سوال کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔" ڈوچ مین کا چہرہ ایک لمحے کے لیے سُست سا گیا۔

"جب میں یہ کہتا ہُوں کہ شہزاد میرا بیٹا ہے اور مجھے اُس سے محبت ہے تو کیا تمہارے دل میں اُسے ہلاک کرنے کی خواہش پیدا ہوتی ہے؟"

"شہزاد کچھ بھی نہیں، میرے مقابلے میں وہ صفر ہے۔"

"اس کے باوجود تمہیں کوئی بیٹا کہہ کر نہیں پکارتا۔" اُوشان کی آنکھوں میں ہمدردی کے جذبات پیدا ہو گئے۔ "بیٹا اُسے کہتے ہیں جس پر فخر ہو۔ تم یقیناً بہت طاقت ور ہو اور یہ صلاحیت ہو، لیکن تمہیں کوئی بیٹا نہیں کہتا، تمہارا کوئی نہیں لہٰذا بے باپ کے بیٹے... محبت سے محروم آدمی... تمہیں جینے کا کوئی حق... نہیں ہے۔"

ڈوچ مین ساکت کھڑا رہا۔ اُس کی سانسیں بھاری ہونے لگیں۔ وہ کوشش کر رہا تھا کہ اُس کا چہرہ بے تاثر رہے۔ اُس نے چاروں کونوں کی طرف اشارہ کیا۔ اس طرح، جیسے حکم دے رہا ہو اور پھر ان کونوں سے گہری دُھند نمودار ہو کر کمرے کے فرش پر پھیلنے لگی۔ گیس کے مرغولے بل کھاتے ہُوئے سانپوں کی طرح دیواروں پر چڑھنے لگے۔

"زہریلی گیس!" ڈوچ مین نے سراسیمہ ہُوئی آواز میں کہا۔

"نوگان نے تمہیں جھوٹ اور دھوکے بازی کا فن پوری طرح سکھایا ہے جرمی!" اُوشان کی قہر آلود آواز کمرے میں گونجی۔ "تم اپنے وعدے پر قائم رہنے کی صلاحیت سے عاری ہو!"

"میں تمہیں قتل کرنے کے وعدے پر قائم ہُوں۔" ڈوچ مین نے کہا۔ "کمرے سے نکلو اور مقابلہ کر دو پھر کسی بُزدل کی طرح یہاں گھُٹ گھُٹ کر مر جاؤ۔" یہ کہہ کر اُس نے کھڑکی کھولی، بالکونی میں گیا اور پھر لان میں کُود گیا۔

"یہ نظر کا دھوکا ہے!" اُوشان نے بڑی خود اعتمادی سے کہا۔ کمرا چاروں طرف سے سُکڑ رہا تھا۔ اُسے جسم میں عجیب سی سرسراہٹ کا احساس بھی ہونے لگا تھا۔ وہ بھی بالکونی میں آ کر اُس کی ریلنگ پر بیٹھا۔ ڈوچ مین کے اعلان کردہ زہریلی گیس کے اثرات اس کا جسم اب بھی محسوس کر رہا تھا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"گڈ۔ اُس نے اپنی خواہش اور صلاحیت کا اظہار کر دیا ہے۔ اب میں اُس سے بہتر طور پر مقابلہ کر سکوں گا۔"

پھر اچانک ہی وہ دل گہرائیوں سے ٹائیگر کو دعائیں دینے لگا۔

"آرام سے رہو میرے بچے! ممکن ہے کہ تم کو بھی جلد ہی اس سے مقابلہ کرنا پڑے۔"

اوشان نے رینگ پر کھڑے کھڑے لمبی لمبی سانسیں لیں۔ زہریلی گیس کے اثرات پھیپھڑوں سے خارج کیے۔ معدے کو دبا دبا کر گیس نکالی اور اپنے دل کی دھڑکنوں کی رفتار کم کر لی۔

ڈوج مین نیچے اُس کا منتظر تھا۔ اُس کی آنکھیں تجسس اور خوف سے چمک رہی تھیں۔ وہ عظیم ماسٹر سے مقابلہ کرنے کے لیے بے چین تھا۔ اُسے احساس تھا کہ خاتمہ قریب ہے۔ ایسی زندگی کا خاتمہ، جس کی خواہش جرمی کو کبھی نہیں ہوئی تھی۔

"میں تمہارا مقدر ہوں اوشان۔" ڈوج مین نے کہا۔ "آؤ ...عظیم نوگان کی رُوح سے لڑو۔"

اوشان نے رینگ سے چھلانگ لگا دی۔

ڈوٹوری جہاز کے گودام نما کمرے میں لوہے کے پلنگ پر پڑا ہوا تھا۔ گودام کی بہت عجلت میں صفائی کی گئی تھی اور پلنگ کے قریب وہ آکسیجن سلنڈر تھا، جو حریمے سے آنے والے دو ولندیزی ڈاکٹر اپنے ساتھ لائے تھے۔ ڈاکٹر میتھوز کیسل نے نرسوں کو ہدایت کی کہ وہ ڈوٹوری کے دل سے لگے ہوئے اس مانیٹر پر نظر رکھیں، جو اُس نے خود ہی بنا ڈالا تھا۔ دوسری طرف جہاز کا عملہ ایک اسپیڈ بوٹ کی مرمت کر کے اُسے بطور ایمبولینس استعمال کرنے کی تیاری کر رہا تھا۔

ڈاکٹر کی حالت خراب تھی۔ تھکن سے اُس کا جسم ہی نہیں اعصاب بھی چُور ہو چکے تھے۔ اُس نے زندگی میں پہلے کبھی ایسے مریض کا علاج نہیں کیا تھا، جو صدمہ سے ہلکان ہو۔ جس کے جسم پر بھرپور ڈگری برنس ہوں۔ ٹانگ کٹی ہوئی ہو اور انفیکشن بھی شروع ہو چکا ہو۔

ولندیزی ڈاکٹر مسلسل پیٹھ تھپک تھپک کر اُس کی کامیابی پر اُسے مبارک باد دے رہے تھے۔ جب کہ میتھوز صرف یہ سوچ رہا تھا کہ اگر اُسے دوران جنگ تربیت نہ ملتی تو وہ ڈوٹوری کا علاج نہیں کر سکتا تھا۔

میتھوز کی خواہش تھی کہ وہ آئندہ چند ماہ میں ریٹائرمنٹ لے کر آرام کرے۔ وہ سمندروں اور جہازوں سے اُکتا چکا تھا۔ اُسے زمین پر رہنے کی خواہش عموماً راتوں کو بھی ستاتی تھی۔ وہ باغوں، پہاڑوں اور میدانوں کے خواب دیکھا کرتا تھا۔

اُس نے سمندروں کی عطا کردہ تھکن اور برسوں کی... اُکتاہٹ کے باوجود زخمی اور جھلسے ہوئے اس شخص کا علاج کیا تھا اور کامیابی کے ایک عجیب سے نشے سے وہ سرشار ہو رہا تھا۔

ڈوٹوری موت کے چنگل سے نکل آیا تھا۔

ڈاکٹر نے سرجیکل گاؤن اتارا، جو پسینے سے تر ہو رہا تھا اور عرشے پر چلا آیا، جہاں کیپٹن سُوجا ہوا منہ لیے اُسی کا منتظر تھا۔

"ہمارا کام مکمل ہو گیا ہے کیپٹن۔" ڈاکٹر میتھوز نے کہا۔ "ہم اگلے بیس منٹ میں اُسے اسپیڈ بوٹ پر سوار کرا دیں گے۔"

"پورے نو گھنٹے ہو گئے۔" کیپٹن نے غرا کر اعتراض کیا۔ "تمہیں کیا خبر کہ بحری سفر میں نو گھنٹے کا وقفہ پورے شیڈول کو ہی بُری طرح تباہ کر دیتا ہے۔ اب مسافروں کو چیکا پر قدم رکھنا بھی نصیب نہیں ہو گا اور ہم چھ ہفتوں تک صرف رات کے وقت ہی سفر کریں گے۔ اس قسم کی تاخیر کا کوئی جواز پیش نہیں کیا جا سکتا۔"

"اس قسم کی تاخیر سے ایک انسان کی جان بچا لی گئی ہے... کیپٹن!" ڈاکٹر نے جواب دیا۔

"ہونہہ... وہ اسپتال جا کر مر جائے گا۔" کیپٹن نے جھلا کر کہا اور آگے چلا گیا۔

ڈاکٹر نے زیر لب اُسے دو تین گالیاں دے دیں، لیکن اُس کی آواز کیپٹن نے سُن لی اور وہ اچانک رُک گیا۔ "کیا کہا تم نے؟"

"صرف یہی کہ میں ڈاکٹر ہوں اور تم ایسے ملاح ہو، جو احمق اور ظالم ہونے کے علاوہ پاگل بھی۔" ڈاکٹر بُری طرح دوسری بار بولا۔ "تمہیں کسی انسانی جان کے مقابلے میں اپنے شیڈول کو زیادہ اہم قرار دینے کا کوئی حق نہیں ہے۔"

"میں تمہاری گستاخی کو یاد رکھوں گا اور اب تمہیں کسی بھی جہاز پر کام کرنے نہیں دوں گا۔" کیپٹن بہت زور سے دہاڑا۔ اُس کی انا کو ناقابل تلافی ٹھیس لگی تھی۔

"شاندار۔" ڈاکٹر قہقہہ مار کر بولا۔ "سنو، میں سرجن ہوں، کامیاب سرجن اور میں بھی تمہارے ساتھ کام کرنے میں اپنی ہتک محسوس کرتا ہوں۔"

"تب پھر میں تم کو اسی جگہ جہاز چھوڑنے کا حکم دیتا ہوں۔" کیپٹن چیخ کر بولا۔

"شکریہ! مجھے یقین ہے کہ تم نے اپنی زندگی میں اس سے زیادہ شاندار فیصلہ کبھی نہیں کیا ہو گا۔ ویسے تمہیں یہ سُن کر مایوسی ہو گی کہ ڈوٹوری اب اسپتال میں پہنچ کر بھی زندہ رہے گا۔ میں اُس کے ساتھ ہوں گا۔ اُس کی دیکھ بھال کروں گا۔ ہاں، جب تم ڈوٹوری کی طرح زخمی اور جھلسے ہوئے ہو... تو مجھے ضرور یاد کر لینا۔" یہ کہہ کر ڈاکٹر اپنے کیبن کی طرف چلا گیا، جہاں اُس کا سُوٹ کیس رکھا ہوا تھا۔ اُسے یقین تھا کہ جہاز کے باہر ایک نئی اور زیادہ بہتر زندگی اُس کی منتظر ہو گی۔

کیپٹن نے حقارت سے تھوک دیا۔ اُس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو چکا تھا۔ اسی لمحے اسے مترنم قہقہوں کی آواز سنائی دی۔ اُس نے پلٹ کر دیکھا۔ دو نوعمر لڑکیاں عرشے سے اُسی کی طرف آ رہی تھیں۔ کیپٹن کے چہرے پر اچانک ہی کھلنڈرا پن نظر آنے لگا اور جب لڑکیاں اُس کے قریب سے گزر گئیں تو وہ بھی ریڈیو کنٹرول رُوم کی طرف بڑھ گیا۔

آپریٹر، سینڈوچ کھا رہا تھا۔

"سینٹ روزا اسپتال کو پیغام دو کہ ہم زخمی کو روانہ کر رہے ہیں۔" کیپٹن نے اتنے زور سے چلا کر کہا کہ آپریٹر کے ہاتھ سے سینڈوچ گر گیا۔ "اور اس پیغام کے بعد روانگی کی تیاری کا حکم جاری کر دو۔"

"گک... کیا ڈوٹوری زندہ ہے جناب؟" آپریٹر خوش ہو کر بولا۔

"ہاں... پیغام بھیج دو۔"

"یس... یس سر۔" آپریٹر نے فوراً کہا اور کیپٹن کے جاتے ہی سینٹ روزا اسپتال سے رابطہ قائم کیا۔ سینٹ روز کے آپریٹر نے پیغام سُن کر خوشی کا اظہار کیا۔

"ہمارے ڈاکٹروں کو بھی واپس بھیج رہے ہو نا؟"

"ہاں... کیوں نہیں۔" جہاز کا آپریٹر مزید کچھ کہنا چاہتا تھا کہ اچانک اُس کے ہیڈ فون میں عجیب سی خرخراہٹ پیدا ہوئی اور پھر وہ اپنا نام سُن کر نشست سے گرتے گرتے بچا۔

"گوسپی بتالیو۔" کسی نے ٹرانسمیشن میں واضح طور پر دخل دیا تھا اور دخل دینے والا ٹرانسمیشن زیادہ طاقت ور تھا۔ بولنے والے کی آواز پُر رعب تھی۔

"یے... یس... یس... سر..." آپریٹر گوسپی بتالیو کی حالت غیر ہو گئی۔

"میں ایک خفیہ لائن سے مخاطب ہوں۔ اس پر کوئی بھی ہماری گفتگو نہیں سُن سکتا۔ کیا تمہیں میری آواز سُنائی دے رہی ہے گوسپی بتالیو؟"

"آئی... ریڈ... یو..."

*

ٹائیگر کو یہ سب کچھ خواب سا لگ رہا تھا۔ عورتیں اُس کی مالش کر رہی تھیں۔ وہ اُسے چھیڑ رہی تھیں۔ اُس کے بارے میں تبصرے کیے جا رہے تھے۔ وہ ایک سنگی کوٹھری میں تھا، جس میں صرف ایک کھڑکی تھی۔ اُسے بہت دیر قبل جب یہاں لایا گیا تھا تو وہ شدتِ درد سے چلا رہا تھا۔

"درد۔" اُس نے ہوش میں آ کر سوچا۔ اب درد نہیں تھا۔ لیکن یہ سوچ کر ہی کانپ گیا کہ جب ڈوج مین نے اپنے ہاتھ سے قوس بناتے ہوئے اُس کی ٹانگ کی طرف اشارہ کیا تھا تو کتنا شدید درد محسوس ہوا تھا۔

اُس نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔

ایک سیاہ زُلفوں والی حسینہ اُس کے سامنے بیٹھی ہوئی تھی، جب کہ سُنہری زُلفوں والی دوسری لڑکی اپنی مرضی کے مطابق حرکتیں کر رہی تھی، لیکن ابھی ٹائیگر پوری طرح ہوش میں آیا بھی نہیں تھا کہ ایک ہلکی سی آواز پیدا ہوئی۔ کچھ ایسی جیسے کسی نے گن سے ڈارٹ پھینکی ہو، آواز پیدا ہونے کے فوراً بعد سامنے بیٹھی ہوئی حسینہ اپنا سینہ پکڑ کر دُہری ہو گئی۔ دوسری بار آواز اُبھری تو سُنہری زُلفوں والی نے اپنا دل پکڑ لیا اور وہ بھی گر گئی۔

ٹائیگر نے بے یقینی کی کیفیت میں سر جھٹک کر کوٹھری کی چھوٹی سی کھڑکی کی طرف دیکھا۔ کھڑکی میں سلاخیں لگی ہوئی تھیں اور پھر وہ اُچھل پڑا۔ وہاں سیڈونی نظر آ رہی تھی۔ ڈارٹ پھینکنے والی قدیم طرز کی پھُکنی اُس کے ہونٹوں میں دبی ہوئی تھی۔

"سیڈونی۔" وہ حیرت سے چیخ اُٹھا۔

"اُٹھو بے وقوف! بُوڑھے کو تمہاری ضرورت ہے۔ یہاں سے نکلو۔" سیڈونی نے کہا اور تیزی سے لوہے کا ایک پائپ سلاخوں کے بیچ میں سے گزار کر کوٹھری تک ڈالا۔ "میں اس پائپ کو بائیں طرف دباؤں گی۔ تم دائیں طرف زور لگانا۔ اس طرح سلاخیں ٹوٹ جائیں گی۔ سمجھ گئے؟"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"اوشان!" ٹائیگر نے سر پر چھائی ہوئی دھند کو جھٹکنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ پائپ کوٹھری میں گر گیا۔

"پائپ اٹھاؤ لڑکے!" سیڈونی بڑی بے چینی سے بولی وہ غصے میں بھی تھی۔ "میں یہ پائپ لانے کے لیے جب تک واپس گئی تھی اب تمہیں میری مدد کرنی ہے تاکہ میں تم کو یہاں سے نکال سکوں۔ اگر تم نے بزدلی دکھائی تو میں تمہیں بھی ڈارٹ مار کر ہلاک کر دوں گی۔ ڈارٹ زہریلی ہے۔ یقین نہ آئے تو ان طوائفوں کو دیکھ لو، یہ مر چکی ہوں گی۔"

"پائپ کی ضرورت نہیں سیڈونی!" ٹائیگر کے تن بدن میں نئی توانائی سی عود کر آئی۔ سیڈونی واقعی اس کے لیے بہت کچھ کر چکی تھی اور وہ ابھی اتنا کمزور نہیں ہوا تھا کہ سلاخیں نہ اکھاڑ سکے۔ اس نے کھڑکی تک پہنچ کر سلاخوں پر دونوں ہاتھ رکھے اور پھر زوردار جھٹکا دیا۔ سلاخیں تیلیوں کی طرح ٹوٹ کر اس کے ہاتھ میں آگئیں۔

"زیادہ بری کارکردگی نہیں ہے۔" سیڈونی نے مسکراتے ہوئے سر ہلایا۔ اس دوران میں ٹائیگر کھڑکی سے کود کر دوسری طرف سیڈونی تک پہنچ گیا۔ "پرسیری کہاں ہے؟ تمہاری دی ہوئی رقم اب بھی میرے پاس موجود ہے، کیا وہ بھی یہاں آیا تھا؟"

"ہاں۔" ٹائیگر نے اداسی سے سر ہلا کر جواب دیا۔ "اور وہ مر چکا ہے۔"

"اوہ...." سیڈونی کا منہ لٹک گیا۔ "اسے کوہِ ابلیس پر قدم بھی رکھنا نہیں چاہیے تھا۔" وہ واقعی طور پر اداس ہو گئی تھی۔ "چلو۔" اس نے دھیرے سے کہا۔

"تم یہاں تک کس طرح پہنچیں؟" ٹائیگر کو واقعی... سیڈونی کے کوہِ ابلیس آنے پر حیرت تھی۔

"میں فیبی کو تمہارے دلائیں محفوظ نہیں رکھ سکتی تھی۔" سیڈونی نے جواب دیا۔ "وہ اسے اغوا یا ہلاک کرنے کے درپے تھے۔ لہٰذا میں نے فیبی کو دھاں سے ہٹا دیا۔ وہ لوگ کئی مرتبہ دلائیں پر حملہ آور ہوئے، لیکن ہم وہاں موجود ہی نہیں تھیں۔"

"تمہیں ہماری یہاں موجودگی کا علم کیسے ہوا؟"

"مجھے؟" سیڈونی فاخرانہ انداز میں مسکرانے لگی۔ "شاید تمہیں علم نہیں کہ میں تحریکِ مزاحمت کی کارکن رہ چکی ہوں۔ میں نے فوراً اندازہ لگا لیا تھا کہ تم دونوں عام سیاح نہیں ہو۔ دُرج مین کے خلاف ہو اور شاید اسی سے

سرزمین نیپال کا سچا واقعہ
درندہ
یعقوب جمیل کے ہوشربا قلم سے
دو جلدوں میں
مکمل سیٹ =/300 روپے
مکتبہ القریش سرکلر روڈ اردو بازار لاہور
فون 7668958

ٹھنے کے لیے یہاں آئے بھی ہو۔" سیڈونی نے سوال کا براہ راست جواب نہیں دیا۔

"فیبی کہاں ہے؟"

"میں نے اسے قریبی غاروں میں...."

ایک زوردار نسوانی چیخ نے فضا کو ہلا کر رکھ دیا۔

"یہ... یہ... فیبی کی چیخ ہے۔" سیڈونی گھبرا گئی۔

چیخ دوسری مرتبہ بلند ہوئی۔

"جلدی بتاؤ وہ کہاں ہے؟ میں تم سے پہلے اس تک پہنچ سکتا ہوں سیڈونی۔"

"ادھر۔" سیڈونی نے آتش فشاں کے ایک دہانے کی طرف اشارہ کیا جس کے ساتھ ہی ایک درخت بھی تھا۔ ٹائیگر نے لمحے بھر بھی توقف نہ کیا اور ایک بڑے دہانے کی طرف لپک گیا۔ اسے یقین تھا کہ باقی تمام چھوٹے دہانے اس بڑے دہانے سے ملے ہوئے ہوں گے۔

"فیبی۔" اس نے اوپر سے آواز دی۔

"شہزاد!" اسے نیچے سے آواز سنائی دی۔ جس میں خوف بھی تھا، درد بھی اور التجا بھی۔ ساتھ ہی اسے ناقابلِ فہم آوازیں بھی سنائی دیں۔ ٹائیگر نے آنکھوں کو تاریکی کے لیے تیار کرتے ہوئے دہانے میں اترنا شروع کر دیا۔

نیچے پہنچتے ہی اسے خینیز نظر آگیا۔

"غار کے دہانے تک بھاگ جاؤ۔" ٹائیگر نے فیبی کو ہدایت کی۔

غار کے گھپ اندھیرے میں خادم خینیز خاموشی سے ٹائیگر کی طرف پلٹا۔ اس نے اپنے منہ میں ہاتھ ڈالا اور ایک چاقو نکال لیا۔ اب چاقو اس کے ہاتھ میں تھا۔ ہاتھ سر سے بلند تھا اور ٹائیگر کو چاقو کی چمک نظر آرہی تھی۔ خینیز کے حلق سے عجیب سی غراہٹ نکلی ساتھ ہی اس نے ٹائیگر پر حملہ کر دیا۔

ٹائیگر نے جھکائی دے کر وار خالی کر دیا اور مزید اندر ایک زیادہ تاریک چینل میں چلا گیا۔ وہ خادم کو فیبی سے زیادہ سے زیادہ دُور لے جانا چاہتا تھا۔ یہاں ہوا میں خنکی اور تکمل خاموشی تھی۔ اسے قلعہ یاد آگیا۔ فرق صرف یہ تھا کہ یہاں سنگین ترین تاریکی تھی۔ اتنا اندھیرا تھا کہ خینیز کے چاقو کی چمک بھی مفقود ہو گئی تھی۔ ٹائیگر کی ان آنکھوں نے بھی مجبوری ظاہر کر دی تھی جو گھپ اندھیرے میں دیکھنے کی عادی تھیں۔

ٹائیگر نے اندازہ لگانے کے لیے ہاتھ اٹھایا تو وہ چھت سے جا ٹکرایا۔ چھت میں جگہ جگہ نوک دار پتھر بھالوں کی طرح لٹک رہے تھے۔ ٹائیگر نے دیواریں تلاش کیں۔ وہ فرار کی کسی راہ کا اندازہ بھی کر لینا چاہتا تھا۔

اچانک ہی اس کی چھٹی حس نے اسے ایک طرف اچھلنے پر مجبور کر دیا۔ صرف پل بھر کا فرق تھا، اگر نہ چاقو ٹائیگر کے حلقوم میں پیوست ہو چکا ہوتا۔ ٹائیگر لاشعوری طور پر مزید چند قدم پیچھے ہٹ گیا۔ حملہ پھر ہوا اور اس بار بھی خینیز کے سانس کی آواز سن کر ٹائیگر نے خود کو بچایا تھا۔ وہ آواز سے دُور ہٹ گیا تھا اور اس طرح خادم کا یہ وار بھی ضائع ہو گیا۔

اسے چاقو کی ہلکی سی چمک دکھائی دی تو اس نے بیک لگ استعمال کی۔ پیر گوشت سے ٹکرایا تھا۔ خادم کی ہلکی سی دہشتناک آواز گونجی تھی اور پھر چاقو ایک پتھر سے ٹکرا گیا تھا... پتھر اور چاقو کے ٹکراؤ سے چنگاریوں نے جنم لیا۔ انہی چنگاریوں نے ٹائیگر کی رہنمائی کی۔ اس نے لپک کر خینیز کو دونوں ہاتھوں میں دبوچ کر اوپر اٹھا لیا اور چھت سے ٹکرا دیا۔ لوک دار پتھر خینیز کے جسم میں لوک دار تیز دھار سلاخوں کی طرح پیوست ہو گئے تو غوں کا لوا نیچے کی طرف گرا جس کے باعث ٹائیگر بھیگ گیا۔ اس نے خود کو ایک طرف ہٹا کر اوپر کی طرف دیکھا۔ خینیز اس طرح چپکا ہوا تھا جیسے مقناطیس نے لوہا پکڑ رکھا ہو۔

خادم کے حلق سے اجنبی سی آواز نکلی۔ اس کے ہاتھ پیر پل بھر کے لیے تڑپے اور پھر وہ ساکت ہو گیا۔

"فیبی! میں نے اسے مار ڈالا ہے۔ کچھ بولو تاکہ میں آواز کے سہارے تم تک پہنچ سکوں۔ تم کہاں ہو؟"

"میں یہاں ہوں۔" وہ بہت دُور سے بولی تھی اور اس کی آواز نہ جانے کتنے راستوں سے ہوتی ہوئی ٹائیگر تک پہنچی تھی۔ ٹائیگر کو اب یہ اندازہ لگانا تھا کہ اس تک فیبی کی آواز پہنچی ہے یا صرف بازگشت۔

"بولتی رہو۔"

"میں یہاں ہوں شہزاد!" یہ آواز بیک وقت ایک درجن مقامات سے آئی تھی۔ "یہاں ہوں، یہاں، ہوں یہاں ہوں۔"

بازگشت سراب کی طرح ہوتی ہے۔ اس کا اوشان کے شاگرد کو بہت اچھی طرح علم تھا۔

"اس طرح میں یہ اندازہ لگا ہی نہیں سکتا کہ فیبی کہاں ہے؟" ٹائیگر نے اپنے آپ سے کہا۔ وہ ایک لمحے تک سوچتا رہا اور پھر اچانک ہی اس کے ذہن میں جھماکا سا ہوا۔

"فیبی! دو پتھر اٹھاؤ۔" اس نے جھلا کر کہا۔ "جتنے بڑے پتھر ہوں گے اتنا ہی بہتر ہوگا۔ انہیں اس غار کے دہانے تک لاؤ، جہاں تم موجود ہو... سمجھ گئیں؟"

"ٹھیک ہے... ٹھیک ہے۔" بازگشت کا کھیل پھر شروع ہو گیا۔ ہر دیوار نعرہ زن تھی۔

"اب پتھروں کو زور زور سے ایک دوسرے پر رگڑو۔ اگر ہاتھ میں لے کر ایسا نہ کر سکو تو ایک پتھر زمین پر رکھ کر دوسرے کو ہاتھ سے اس پر مارو۔ ایک بار نہیں کئی بار۔"

جب اس کی بازگشت بھی دم توڑ گئی تو اس نے اپنی سماعت کی صلاحیت بھی کم کر دی۔ اب وہ اندھیرے غاروں کی اجنبی آوازیں بھی سن سکتا تھا۔ اس کے عقب میں کسی جگہ چونے کا پانی ٹپک رہا تھا۔ ہر قطرے کی آواز الگ الگ تھی۔ کہیں کوئی چمگادڑ پھڑپھڑا رہی تھی۔ یہ پھڑپھڑاہٹ بھی رات کی طرح نرم تھی۔ اوشان نے ایک بار اسے بتایا تھا کہ خاموشی کسی چیز کا نام نہیں ہے، دُنیا میں کہیں خاموشی نہیں ہوتی۔ خاموشی کی اصطلاح ہی... غلط ہے۔

اس نے سماعت کی صلاحیت میں اضافہ کیا تو اسے ایسا لگا جیسے غار میں ہواؤں کے غول گھوم رہے ہوں اور یہ کہ وہ غار میں نہیں کسی صحرا میں ہے۔ وہ آگے بڑھا تو اسے قدموں کی آہٹ کی دھمک محسوس ہوئی۔ وہ اپنے دل کی دھڑکن تک سن رہا تھا۔ خون کی گردش کی آواز بھی اسے سنائی دے رہی تھی۔ اس نے فوراً ہی سماعت کو معمول کے مطابق بنا لیا۔ اگر نہ خدشہ تھا کہ کسی پتھر کے لڑھکنے کی آواز سے بھی دھماکے کا احساس ہو۔

تب ہی اسے سامنے، دُور دائیں طرف پتھروں کے آپس میں رگڑ، بر جلنے سے پیدا ہونے والی چنگاریاں نظر آئیں۔

اس نے فیبی کو تلاش کر لیا تھا۔

وہ آہستہ آہستہ چنگاریوں کی طرف بڑھتا رہا، حتیٰ کہ فیبی

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

تک پہنچ گیا۔

"شہزاد!" وہ اُسے دیکھ کر بلک پڑی۔

"چلو، باہر چلو۔" وہ اُس کا ہاتھ پکڑ کر غار کے دہانے کی طرف لے جانے لگا۔ اب وہ بہت عجلت میں تھا۔

غار کے باہر اُس نے نیبی کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ "یہاں ٹھہر کر میرا یاسیڈونی کا انتظار کرنا۔"

"تم کہاں جا رہے ہو؟"

"ایک ناممکن مشن کی تکمیل کرنے کے لیے میرا جانا ضروری ہے۔" ٹائیگر کا لہجہ بہت گمبھیر تھا۔

●

گوسپی بتالیو کو اپنے اعصاب پر قابو پانا بہت مشکل لگ رہا تھا۔

"میں آپ کی آواز سن رہا ہوں جناب!" اُس نے دونوں ہاتھ ہیڈ فون پر رکھ کر کہا۔ اُسے یقین تھا کہ یہ رُوم پولیس آفس سے کال آئی ہے اور اُس کی بیوی نے شکایت کر دی ہے کہ وہ دوسری شادی کر کے بھاگا ہے۔

"کیا آپ کا تعلق حکومت سے ہے جناب؟" اُس نے اپنے خدشے کا ثبوت حاصل کرنے کے لیے پوچھا۔

"یہی سمجھ لو۔"

بتالیو کی رُوح فنا ہو گئی۔ مطلب واضح تھا۔ دونوں بیویوں نے شکایت کر دی تھی اور اب اُس کی گرفتاری کی... تیاریاں کی جا رہی تھیں۔

"مجھے چند سوالوں کے جواب درکار ہیں گوسپی بتالیو!"

پوچھیے۔" گوسپی نے نیم مُردہ لہجے میں جواب دیا۔ اُسے علم تھا کہ اُس سے کس قسم کی پوچھ گچھ ہونے والی ہے۔

"تمھارے جہاز پر ایک زخمی البرٹو ڈوٹوری...."

"نہیں...." گوسپی بتالیو کو یقین ہی نہیں آ رہا تھا... کہ ڈوٹوری جیسا بہترین دوست بھی مخبری کر سکتا ہے۔ اُس نے اسی لمحے فیصلہ کیا کہ ڈوٹوری کو قتل کر دے گا، دغا باز۔

"کیا وہ زندہ ہے؟"

"ہاں، وہ زندہ ہے، مگر میں اُسے جان سے مار ڈالوں گا۔" بتالیو اپنے آپ میں نہیں تھا۔

"میں سمجھا نہیں۔"

گوسپی بتالیو نے بمشکل اپنی کیفیت پر قابو پایا۔ اُس نے پسینہ پونچھتے ہوئے کہا۔ "سوری سینور... کوئی بات نہیں...

آپ کیا چاہتے ہیں؟"

"مجھے بہت ضروری بات کرنی ہے۔"

"ٹھیک ہے، میں بندرگاہ پر پہنچ کر...."

"نہیں، لائن پر ہی بات مناسب ہو گی۔ میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ ڈوٹوری کس طرح زخمی ہوا؟"

"کیا؟" گوسپی بتالیو کو اپنی سماعت پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ بولنے والے نے دوبارہ یہی بات کہی تو گوسپی بتالیو مطمئن انداز میں سر ہلانے لگا۔ اُس کی جان میں جان آ گئی۔

"کیا آپ میری دوسری شادی کی تفتیش نہیں کر رہے ہیں؟" وہ انتہائی بھونڈے پن سے پوچھ بیٹھا۔

"نہیں، فی الوقت ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ صرف یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ ڈوٹوری کس طرح زخمی ہوا؟"

"ایک شارک نے اُس کی ٹانگ کاٹ لی تھی جناب!" گوسپی نے جھوم کر کہا۔

"لیکن شارک کے حملے سے قبل وہ ایکٹرک شاک سے جھلس بھی چکا تھا۔ گوسپی بتالیو... تم ہی نے کسی کو یہ پیغام دیا تھا نا؟"

"ہاں۔" گوسپی کو پھر پسینہ آنے لگا۔ "آپ کون ہیں؟"

"میری شناخت کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ اگر تم نے مجھے تفصیلات بتا دیں تو تمھیں انعام ملے گا، لیکن اگر تم نے ذرا سی بھی جرح کی تو میں دوسری بیوی کے بارے میں حکام کو مطلع کر دوں گا۔"

جہاز کے آپریٹر کا سر چکرانے لگا۔ "مجھے کچھ پتا نہیں۔"

"معلوم کرو۔"

"مم... مگر کس سے؟"

"ڈوٹوری سے، وہ اب بھی جہاز پر ہی ہے، مگر جلدی کرو، ورنہ ...."

"ٹھیک... ٹھیک... ابھی آیا۔"

"میں لائن پر ہی ہوں۔" دوسری طرف سے جواب ملا... "تمھارا انتظار کروں گا۔ جلدی واپس آنا۔"

"بس چند منٹ میں آیا۔" گوسپی بتالیو نے ہیڈ سیٹ کانوں سے ہٹا کر ایک طرف ڈالا اور دروازے کو دھکا دے کر کھول کر بھاگا چلا گیا۔ اُسے اپنی عزت اور زندگی بچانے کا مشن درپیش تھا۔ اُسے یقین تھا کہ حکم دینے والا کوئی بڑا آدمی ہے، اتنا بڑا کہ اُسے زندگی بھر کے لیے قید بھی کرا سکتا ہے۔

"ڈوٹوری!" گوسپی زخمی... جا کر اس طرح چلایا، جیسے جہاز میں آگ لگنے کی اط... ہو۔ "البرٹو! میرے دوست! آج کا دن ہم دونو... گی میں فیصلہ کن اہمیت کا حامل ہے، مجھ سے بات کرو۔"

"مسٹر...!" ایک نرس نے... اُس کا منہ بند کرنا چاہا تو اُس نے اُسے بھی جھڑک دیا۔ گوسپی... آواز سن کر ڈوٹوری کے پوٹے بھی ہلنے لگے اور اگلے ہی ... نے آنکھیں کھول دیں۔

"ہلو!" گوسپی بتالیو فر... اطالوی میں شروع ہو گیا۔ "مجھے اتنا بتا دو کہ تم کس... لے تھے؟ یہ بات ایک انتہائی اہم شخصیت نے مجھ... وم کی ہے اور...."

دونرسوں نے اس مرتبہ... دونوں ہاتھ پکڑ لیے۔

"گر... ر... یمپ... ہ..." کے حلق سے عجیب سی آواز نکلی تھی۔

"بلو میرے بھائی... تمھا... ہت ضروری ہے۔ خدا نے تمھیں نئی زندگی عطا کی ہے... ت۔"

"نن... نہیں... میں مر چکا...."

"نہیں تم زندہ ہو۔"

"اس کی گردن پکڑ لو... اس مردود کو بے ہوشی کا انجکشن دیتی ہوں تاکہ یہ مزید گ... کے۔" ایک نرس نے اپنی ساتھی سے کہا۔

"جلدی کرو۔" ڈوٹوری بولا... "کس نے جلایا ہے؟"

"وہ... ی کی پانی بھری آنکھ... نے لگیں اور پھر آنکھوں کے ڈیلے... شاک... بجلی... ک شاک۔" وہ بمشکل بول رہا تھا۔

"نہیں... لیکن تمھیں... کا تھا؟ کس جگہ...

تم؟" گوسپی کو تشویش ہونے لگی۔

"... ہی آنکھیں پھیر...

"تمھیں ماں کی قسم میرے... جاؤ... بولو۔" گوسپی اب باقاعدہ گھگیا رہا تھا۔

"بس... بہت ہو گیا... چلو۔" دونوں نرسوں نے اُس کی کرسی پکڑ کر اُسے دروازے کی طرف کھینچنا شروع کر دیا۔

"بولو... ڈوٹوری... اشارہ ہی کر دو۔" گوسپی بتالیو کا لہجہ بھرانے لگا تھا۔

"شپ... یارڈ... ایک آدمی... وہاں... تھا... سنہرے بال... نیلی... سرد... آنکھوں... والا...."

گوسپی بتالیو کو نرسوں نے آخری بار جھٹکا دیا تو وہ کمرے کے باہر گر پڑا اور ڈوٹوری کے کمرے کا دروازہ بند ہو گیا۔

ریڈیو آپریٹر گرتا پڑتا ہوا ریڈیو رُوم میں پہنچا اور اُس نے ایک طویل سانس لیتے ہوئے اسٹرفون کانوں پر لگایا۔

"کیا تم اُس سے بات کر آئے گوسپی بتالیو؟" دوسری طرف سے فوراً ہی پوچھ لیا گیا۔

"جی ہاں جناب!" گوسپی کی سانس پھول رہی تھی۔ اُس کا کہنا ہے کہ وہ سو بائنر شپ یارڈ میں الیکٹرک شاک کا شکار ہوا تھا۔"

"اوہ...." دوسری طرف سے صرف اسی ردِعمل کا اظہار کیا گیا تھا۔

"میں اس جزیرے میں برسوں سے آتا جاتا ہوں جناب! ...اور مجھے یہاں کی کہانیوں کا علم بھی ہے اور... اور...."

"بولو... میں سن رہا ہوں۔"

"اور جناب!" گوسپی کچھ کہتے ہوئے ڈر رہا تھا، لیکن اُسے اس خوف کے مقابلے میں قید اور قید کے مقابلے میں اس اجنبی آواز سے زیادہ خوف محسوس ہو رہا تھا۔ لہٰذا اُس کی زبان پھسلتی چلی جا رہی تھی۔ "ڈوٹوری کا کہنا ہے کہ اُس کی ملاقات وہاں سنہرے بال والے ایک ایسے شخص سے ہوئی تھی، جس کی آنکھیں برف کی طرح سرد اور نیلی ہیں۔"

دوسری طرف سے ایک لمحے تک کوئی آواز سنائی نہیں دی، لیکن پھر جرح کرنے والے نے پوچھا۔ "ڈوچ مین؟"

"جی... ای... ای... گو... بتالیو پسینے میں نہا گیا۔ "گگ... کیا آپ اُس سے واقف ہیں جناب؟"

"ہاں... میں نے حفاظت سے نکلنے کی آگاہ ہوں۔ لہجہ سرد ہی رہا۔ "بہت بہت شکریہ گوسپی بتالیو!"

ریڈیو آپریٹر کے کانوں نے ہانکا سا دھماکا سنا اور پھر لائن کٹ گئی۔ گوسپی بتالیو اس طرح کانپنے لگا، جیسے اُس پر برف کی سل ڈال دی گئی ہو۔

●

دس میل دُور اسی جزیرے میں بہرام نے اسٹرفون کانوں سے ہٹا کر اپنے ریڈیو سیٹ کا سوئچ آف کیا اور ڈائری میں گوسپی بتالیو کا نام لکھ کر اُس کے آگے دس ڈالر انعام لکھ دیا۔ گوسپی کی اطلاعات اتنی ہی قیمتی تھیں۔ اُس نے گھڑی دیکھی۔ پانچ بج کر اٹھارہ منٹ تینتالیس سیکنڈ ہوئے تھے۔ بہرام کو وقت کی

دلبستگی کا بہت خیال رہتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ ہمیشہ کوارٹز گھڑی پہنتا تھا۔ اُس نے ایک طویل سانس لی اور دائیں ہاتھ پر نصب سوٹ کیس کی جسامت کے برابر کمپیوٹر میں گوسپی کی فراہم کردہ اطلاعات فیڈ کر دیں۔

اب اُسے یقین ہو چکا تھا کہ ٹائیگر بے گناہ ہے۔ ویسے اُسے یہ احساس شروع ہی سے تھا کہ کنٹینر میں ملنے والی لاشیں ٹائیگر کی وفاداری نہیں ہے لیکن وہ لفظ شُبہ کا کیا کرتا؟ اُسے بس شُبہ ہی تھا اور اسی شُبہ کو بنیاد بنا کر اُس نے اُوشان کو ٹائیگر کا استظام کرنے کی ہدایت کر دی تھی۔

اُس کا ضمیر خود بھی اُسے ملامت کر رہا تھا، لیکن اُسے یہ تسلی ضرور تھی کہ اُوشان نے جلد بازی سے کام نہیں لیا اور اُس کے حکم کو نظر انداز کر دیا۔

پہلے اُس کا خیال تھا کہ حقائق ٹائیگر کے خلاف ہیں، لیکن اب حقائق ٹائیگر کے حق میں جا رہے تھے۔ بوبائر شپ یارڈ کے بارے میں مزید تفتیش سے اور زیادہ انکشافات ہوئے تھے۔ پہلی بات یہ معلوم ہوئی تھی کہ وکٹینز جوامریکی بحری جہاز نے تلاش کیا تھا، اسی شپ یارڈ سے چلا تھا۔ دوسری یہ کہ شپ یارڈ سے متعلق ہر شخص وکیل، دلال ایجنٹ سب ہی امیر کبیر تھے۔ تاہم اُس کا مالک جرمی پارسل صرف پانچ ہزار ڈالر یا کرتا تھا اور انوکھی بات یہ تھی کہ شپ یارڈ کے کسی بھی عدالتی کاغذ یا دستاویز پر اُس کے دستخط نہیں ہوتے تھے۔ اُسے مقامی آبادی ڈچ مین کہتی تھی۔ جرمی پارسل کا پس منظر کسی کو معلوم نہیں تھا۔ تاہم ہرام کی معلومات کے مطابق وہ ایک ایسے اسکول میں زیرِ تعلیم رہ چکا تھا جو چند برس قبل دھماکوں کے باعث تباہ ہو چکا تھا۔ اس اسکول کے متبادل ریکارڈ کے مطابق جرمی پارسل الگ تھلگ ذات کا حامل تھا۔ ایک اور اہم بات یہ معلوم ہوئی تھی کہ آج ہی صبح گاؤں کے تھانے میں مزید چند افراد کی گمشدگی کی رپورٹ درج ہوئی تھی۔ یہ سب لوگ شرابی تھے۔ ہرام جانتا تھا کہ ٹائیگر نوگوں کو اغوا کر کے ہلاک نہیں کرتا۔

کمپیوٹر دو فٹ لمبا کاغذ اُگل چکا تھا۔

پانچ بج کر اکیس منٹ چار سیکنڈ پر ہرام کے ایک سوال کے جواب میں کمپیوٹر نے مزید دو سطور ٹائپ کیں۔

"دو نوری گھنٹے پیش آنے والے حادثے کا تعلق سوبائر شپ یارڈ ہی سے ہے۔ تمام افراد وہیں سے لاپتا ہوئے ہیں۔ جرمی پارسل کی شخصیت پُراسرار ہے۔"

ابلیکا
اسلم راہی
جس میں حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک دنیا کی تاریخ پیش کی گئی ہے
سات جلدوں میں مکمل سیٹ۔/1950 روپے
ناشر: مکتبہ القریشی
اردو بازار لاہور

ہرام نے کاغذ پھاڑ کر ایک ٹیوب میں ڈالا اور ٹیوب جلا کر راکھ کر دیا، پھر اُس نے ایک ٹوٹ کیس میں کمپیوٹر اور دوسرے میں ریڈیو رکھ کر لباس کی شکنیں درست کیں۔ اب ٹائیگر کو بچانے کی کوشش کرنے جا رہا تھا۔

●

ٹائیگر کا ولا کھنڈرات کا منظر پیش کر رہا تھا۔ خیس جو آگ سے کی جانے والی فائرنگ کے باعث کمرے تقریباً منہدم ہو چکے تھے۔ دیواروں میں سینکڑوں سوراخ تھے۔ آگ کے باعث ہر چیز جل چکی تھی۔ عمارت کی حالت سے صاف ظاہر تھا کہ کوئی شخص ٹائیگر یا اُوشان یا دونوں کی جان کے درپے ہے۔

ہرام نے اندر جا کر تیزی سے مزید معائنہ کیا۔ اُوشان کے تمام صندوق محفوظ تھے۔ بیڈ روم کی الماری کے قریب ایک سیاہ ٹی شرٹ نفاست سے تہ کی ہوئی رکھی تھی۔ بیڈ کے قریب کسی عورت کا نائٹ گاؤن پڑا ہوا تھا۔ نخون کے کپڑے جوتوں کے علاوہ اور کوئی نشان نظر نہیں آ رہا تھا۔ ہرام کا یہ اندازہ لگانے میں غلطی نہیں تھی کہ نخون کے یہ دستے ایک رات پڑاتے ہیں۔

"اگر دونوں زندہ ہیں تو پھر وہیں ہوں گے۔" ہرام نے اپنے آپ سے کہا۔ اُسے یقین تھا کہ زندہ بچ جانے کی صورت میں دونوں کہاں جا سکتے ہیں۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

اُس کی گاڑی بڑی تیزی سے ہجولیانا ائرپورٹ کی طرف بڑھ رہی تھی جہاں اُسے کوئی ہیلی کاپٹر ملنے کا یقین تھا۔

"مجھے ایک ہیلی کاپٹر درکار ہے۔" اُس نے گراؤنڈ کرو چیف کے کمرے میں گھستے ہی کہا۔ اُس کا لہجہ بہت غرور لیا تھا۔

"یہ ممنوعہ علاقہ ہے سر۔" چیف نے غرا کر کہا۔ "تم یہاں کس طرح آ گئے؟"

"یہ لو۔" ہرام نے جیب سے سی آئی اے کا شناختی کارڈ نکال کر اُس کی میز پر ڈال دیا۔ "ہیلی کاپٹر واپس کر دیا جائے گا یا اُس کی قیمت ادا کر دی جائے گی۔"

کارڈ دیکھ کر چیف اُچھل پڑا۔ اُس نے ہینڈ سیٹ پر کسی سے تیز لہجے میں بات کی اور اُسی لمحے ایک ہیلی کاپٹر قریبی ہینگر سے نکل کر گراؤنڈ پر نظر آنے لگا۔

"مجھے ہوابازی کی ضرورت نہیں ہے۔"

"آپ... آپ ہیلی کاپٹر... اُڑا سکتے ہیں؟"

"میرا خیر یہ سات ہزار گھنٹے کا ہے۔ میں نصف گھنٹے میں ہیلی کاپٹر واپس لے آؤں گا۔ کارڈ اپنے پاس رکھ لو۔"

"ٹھیک ہے اگر آپ کو ایمرجنسی درپیش ہے تو پھر میں آپ سے تعاون کروں گا لیکن ہیلی کاپٹر بروقت واپس نہ آیا تو آپ کی تلاش شروع کرا دی جائے گی۔"

جونہی ہیلی کاپٹر فضا میں بلند ہوا، ہرام نے شمال مغرب کی طرف دیکھا۔ اُس سمت میں ایک زوردار دھماکے کے بعد شعلے اُٹھے تھے اور ہرام کو یقین ہو گیا تھا کہ وہ دونوں کہاں ہیں۔

●

اُوشان کی مخصوص نیلی قمیص بچولوں کے گچھے کے قریب رکھی ہوئی تھی۔ اُس کو اس طرح نفاست سے رکھا گیا تھا کہ اس پر ایک بھی شکن نہ پڑے، جب کہ ڈچ مین نے اپنی سفید جیکٹ اُتار کر ایک طرف اُچھال دی تھی۔ لمبا درختوں پر رینگ رہی ہوئی تھی۔ آج کے بعد اُسے اس جیکٹ کی تو کیا کسی بھی چیز کی ضرورت محسوس نہیں ہونی تھی۔

وہ بہت کچھ سوچ رہا تھا۔

"یہی ہونا ہے، جو ہونا چاہیے تھا۔" اُس کے ذہن میں یہی ایک بات تھی۔ اُس کی حقیقی زندگی پچیسویں برس کے بعد شروع ہوئی تھی، لیکن سوال یہی تھا کہ وہ پچیسواں سال دیکھ بھی سکے گا یا نہیں؟ لیکن اُسے یہ اعتماد اور یقین ضرور تھا کہ آج کے بعد اُسے کسی وحشیانہ خواہش کا احساس نہیں ہوگا۔

...اور اس کی وحشت کو سمندر نگل لے گا۔

"اُوشان کی موت کے بعد مجھے بھی بڑی آسانی سے موت آ جائے گی۔" اُس کی چھٹی حس بار بار یہی بتا رہی تھی۔

دونوں کی ملاقات کو ایک گھنٹہ گزر چکا تھا اور لان پر وہ بہت دیر سے ایک دوسرے کے سامنے تھے۔ اگرچہ ان کے جسم مسلسل حرکت میں تھے، لیکن ابھی تک دونوں میں سے کسی نے بھی حملے میں پہل نہیں کی تھی۔ شاید دونوں ہی کو ایک دوسرے کے مُہلک ہونے کا یقین تھا۔ اُنھیں احساس تھا کہ صرف ایک ہی ضرب مقابلے کا فیصلہ کر دے گی۔

یہ جنگ بہت اعصاب شکن تھی۔

ڈچ مین کا جسم پسینے میں تر ہو چکا تھا۔

وہ اس اعصاب شکن ماحول کا سکوت توڑنے اور کھیل ختم کرنے کے لیے بے چین تھا۔

وہ فضا میں بلند ہوا۔ کچھ ایسا ہی لگا تھا، جیسے اُس نے ہوا دان کی ہو۔ معلق ہو کر اُس نے تین شاندار اور قابلِ نظارہ قلابازیاں لگائیں جن کے باعث اُس کی نیچے آنے کی رفتار تین گنی ہو گئی۔ وہ اتنی تیزی سے نیچے آیا کہ اُس کے اردگرد ہواؤں کا شور بھی سُنائی دینے لگا، پھر وہ اُوشان سے صرف ایک دو انچ دُور پیروں کے بل گرا۔ اُس کا ہاتھ کسی خوفناک سانپ کے پھن کے انداز میں اُٹھا ہوا تھا، وہ بُوڑھے اُوشان کا دل نکال لینے کے ارادے سے نیچے آیا تھا... مگر اُسے پھر مایوسی ہوئی۔

اُوشان اُس سے کئی فٹ دُور کھڑا مسکرا رہا تھا۔

"شاندار!" اُوشان نے مسکرا کر تالی بجائی۔ "تمھاری قلابازیاں قابلِ دید تھیں، لیکن تم نے قلابازیاں لگانے میں ضرورت سے زیادہ توانائی استعمال کی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اُوپر اُٹھتے ہوئے تم نے پیروں کی پوزیشن غلط رکھی تھی۔ اگر تم پیروں کو ملا کر نہ رکھتے تو تمھاری لینڈنگ اور زیادہ بے نقص ہوتی۔"

ڈچ مین تلملا کر رہ گیا۔ اُس کا ارتکاز ٹوٹ گیا تھا۔

"اُوشان!" اُس نے خوفناک لہجے میں کہا۔ "ہم یہاں ایک دوسرے کی جان لینے کے ارادے سے آئے ہیں۔ تربیت کے لیے نہیں۔"

"مجھے افسوس ہے کہ میں دشمن کو بھی تربیت دینے پر مجبور ہو جاتا ہوں۔"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"میں تمہیں مار ڈالوں گا۔"

"شاید۔" اُوشان نے کندھے ہلا کر جواب دیا۔ "لیکن مجھے مار دینے کے بعد تم کیا کرو گے جرمی؟"

"اس میں تمہیں کوئی دلچسپی نہیں ہونی چاہیے۔" ڈوچ مین نے شعلہ بار انداز میں کہا۔

"ایک عجیب بات یہ ہے کہ تمہیں مجھ سے نفرت نہیں ہے حالانکہ کسی کو قتل کرنے کے لیے اُس سے نفرت کرنا پہلا مرحلہ ہوتا ہے جرمی۔" اُوشان نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اُس کی آنکھیں بھی مسکرا رہی تھیں۔

"تم نوگان کے دشمن ہو۔" ڈوچ مین نے جواب دیا۔

"اس بار تم نے نوگان کے ساتھ عظیم نہیں لگایا؟" اُوشان نے غیر معمولی لہجے میں ایک انتہائی اہم حقیقت کی طرف توجہ دلا دی۔

"وہ عظیم ہے۔" ڈوچ مین سنبھل کر بولا۔

"وہ نابدان کا کیڑا ہے۔ تم مجھے قتل کرنے کے بعد کیا کرو گے میرے بچے؟" اُوشان اُس سے کھیل رہا تھا۔

"مجھے بیثامت کہو۔"

"میری موت کے بعد تم کیا کرو گے جرمی پارسل۔" اُوشان نے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔ اُس کا انداز اور لہجہ ہر پل بدل رہا تھا۔

پھر ایسا لگا، جیسے اُوشان اپنی کوشش میں کامیاب ہو گیا ہو۔

"میں... میں... مر جاؤں گا... سمندر میں ڈوب جاؤں گا... اور اس لیے، متھد کر بناک زندگی کا خاتمہ کر لوں گا... مجھے سکون مل جائے گا۔" ڈوچ مین کی آنکھوں سے پانی ٹپکنے لگا تھا۔

"تم مر جاؤ گے؟"

"ہاں... یہی میری خواہش ہے۔"

"لیکن تم ابھی بچے ہو۔ تمہیں زندہ رہنا چاہیے۔"

"میں مرطان ہوں۔ میں... میں نے اپنے والدین کو زندہ جلا کر مار ڈالا تھا۔"

"گزری ہوئی باتوں پر ملول مت ہو، جو کچھ ہو گیا۔ وہ بدلا نہیں جا سکتا، لیکن تم اپنے آپ کو بدل سکتے ہو۔ ضروری نہیں کہ تمہاری صلاحیتوں کا تخریبی استعمال ہی ہو۔"

"میں شیطانی صلاحیتوں کو کنٹرول نہیں کر سکتا۔"....

ڈوچ مین نے جواب دیا۔ "ہر گزرتے ہوئے سال ان کی شدت میں اضافہ ہوتا گیا ہے اور مجھے خوف ہے کہ جلد ہی میں ہر لمحے پر کھیلنے والے بچوں کو بھی قتل کرنے لگوں گا۔ مجھے زندہ نہیں رہنا چاہیے۔ میں بدی کی علامت ہوں، انسان نہیں شیطان ہوں۔ مجھے زندہ رہنے کا حق نہیں ہے۔"

"تب پھر تم مجھے کیوں قتل کرنا چاہتے ہو؟" اُوشان واقعی حیرت سے دوچار تھا۔

"میں نے نوگان سے اس کا وعدہ کیا ہے۔" خوفناک اور مہلک نظریں جھکتی چلی گئیں۔

رات کرۂ ارض پر گرتے اور بچھنے لگی تھی۔ قلعے کی... درختوں کے اردگرد ننھوں کی سی آوازیں اُبھرنے لگی تھیں۔ اور اُوشان بہت آہستہ آہستہ ڈوچ مین کی طرف بڑھ رہا تھا۔

"آف... مجھے قتل کر دو۔" وہ دونوں ہاتھ سینے پر باندھ کر نوجوان جرمی پارسل کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

"نہیں۔" ڈوچ مین اُچھل پڑا۔ "تم... ایک روایت ہو، عجیب المثل، قدیم کہانی ہو، عظیم ہو۔ ماسٹر تو کسی بے بس بلی کی طرح نہیں مرنا چاہیے۔" وہ دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔

"میں سمجھ گیا۔" اُوشان مسکرانے لگا۔ "تم مجھے قتل کرنا ہی نہیں چاہتے۔ تمہاری خواہش صرف یہ ہے کہ میں تمہیں قتل کر دوں۔"

"جھوٹ... یہ جھوٹ ہے... میں عظیم نوگان سے وعدہ کر چکا ہوں۔"

"تم سراپا بدی نہیں ہو جرمی پارسل!"

"دور ہو جاؤ... اور...."

پھر دونوں ہی اپنی اپنی جگہ پر ساکت ہو گئے۔ اُن کی نظریں ایک ہیولے پر جم گئیں۔ ہیولا بھی انہیں دیکھ کر رُک گیا۔

وہ ٹائیگر کو اور ٹائیگر انہیں دیکھ رہا تھا۔

"اب میں تمہیں لڑنے پر مجبور کروں گا اُوشان۔"... ڈوچ مین نے سرسراتے ہوئے انداز میں کہا۔

فضا میں کڑک کی آواز پیدا ہوئی۔ درختوں کے لطیف نغمے ڈوب گئے اور پھر خاموشی چھا گئی۔

ڈوچ مین نے آہستہ آہستہ دونوں ہاتھ اٹھائے، پھر بایاں ہاتھ نیچے گرا لیا۔ اب وہ اپنے سیدھے ہاتھ کے شانے

پر دیکھ رہا تھا۔ روشنی کی ایک گیند شانے سے نکلی، بازو، کہنی اور کلائی سے گزری۔ انگلیوں تک پہنچی اور پھر انگلیوں سے نکل کر تیزی سے ٹائیگر کے پیٹ کی طرف چلی گئی۔

اس کا سفر گولی کی رفتار سے بھی زیادہ تیز تھا۔

ٹائیگر اُچھلا۔ اُس نے دونوں ہاتھ پیٹ پر رکھے اور درد کی وجہ سے دُہرا ہو گیا۔

"بالٹ۔" اُوشان گرج دار آواز میں دہاڑا۔

ٹائیگر نے فوراً مدعے پر توجہ دی۔ اپنے تمام عضلات کو سمیٹا اور پھر ایک طویل ترین سانس لے کر سیدھا ہو گیا۔ اُس نے ڈوچ مین کے اس حملے کو ناکام بنا دیا تھا۔ عمل تنفس اور ارتکاز فیصلہ کن ثابت ہوا تھا۔

"جرمی پارسل! اب تم مجھے اچانک حملہ کر کے نہیں گرا سکتے۔ میں اُوشان کا شاگرد ہوں اور نیکی میری رگوں میں توانائی پیدا کرتی ہے۔" ٹائیگر کا لہجہ بہت عجیب تھا۔ دراصل غاروں میں شیطانیت سے مقابلے کے بعد اُس کی تمام خفیہ حسیں... اور صلاحیتیں بیدار ہو گئی تھیں۔

ڈوچ مین نے دونوں ہاتھوں سے ٹائیگر کے پیروں کی طرف اشارہ کیا تو زوردار ہوائیں چلنے لگیں۔ ساتھ ہی اُس نے ایک زیادہ طاقت ور طوفان اُوشان کی طرف بھیجا۔ اُوشان نے لڑکھڑا کر دیوار سے ٹیک لگا لی۔ طوفان اتنا شدید تھا کہ اُوشان کو دیوار سے ایک انچ آگے بڑھنے میں بھی ناکامی ہو رہی تھی۔

ڈوچ مین لیک کر ٹائیگر کے قریب پہنچ گیا۔ اُس نے فرنٹ لک استعمال کی لیکن ٹائیگر دائیں طرف قلابھر کر اس حملے سے بچ گیا۔ تاہم ڈوچ مین کی لگ زمین پر جس جگہ پر پڑی۔ وہاں چھوٹا سا گڑھا بن گیا۔ گڑھا بننے سے جو مٹی اُڑی، وہ ڈوچ مین کے پیدا کردہ طوفان میں شامل ہو گئی۔

ٹائیگر دوسرے حملے سے کچھ ہچکچی جس کے باعث ہی بچا تھا، کیونکہ غار میں ہونے والی لڑائی کے بعد اُسے یقین ہو گیا تھا کہ آنکھوں پر اعتبار کرنا مہلک ہو سکتا ہے۔

آندھی اور گرد و غبار سے ایک شعلہ سا لپکتا ہوا نظر آیا اور ٹائیگر نے بلا سوچے سمجھے اسی کی طرف چھلانگ لگا دی۔ اُس کی دو اُنگلیاں حملے کے لیے تیار تھیں، دونوں اُنگلیوں نے ہدف کو پا لیا۔ گرد و غبار میں سے ایک چیخ سُنائی دی اور پھر ڈوچ مین کی اُنگلیاں بھی ٹائیگر کے چہرے کے قریب سے گزر گئیں۔ ان سے زیادہ نقصان نہیں ہوا۔ تاہم جلد پر چار لکیریں نمودار ہو گئیں، جن میں فوراً ہی خون بھر گیا۔

مٹی، ریت اور اُڑتے ہوئے پتوں کے باعث اب سانس لینا بھی دشوار ہو رہی تھی۔ دو درخت جڑ سے اُکھڑ چکے تھے اور اُن کے تنے بے وزنی کی کیفیت میں تیر رہے تھے۔

ٹائیگر نے دوسرا حملہ کیا، جو ناکام رہا اور جوابی حملے کے دوران ایک پیر کا نلا اُس کی ران پر لگا۔ ضرب اگرچہ پیر کے تلے کی تھی، لیکن اتنی شدید ثابت ہوئی کہ ٹائیگر کئی فٹ اُچھل کر دُور جا گرا۔ زمین پر گر کر وہ لوٹتا چلا گیا۔ اُسے یقین تھا کہ ڈوچ مین نے اُس کے گرنے کی آواز سن لی ہو گی اور اُسی لمحے ڈوچ مین کا ہیولا نظر آیا تو وہ حیرت زدہ ہو گیا۔

"آخر اس شخص کی رفتار کیا ہے؟" اُس نے سوچا اور تیزی سے حملہ کرنے کے لیے پوزیشن لے لی۔ جونہی ڈوچ مین قریب آیا۔ ٹائیگر نے اسنیک تھرسٹ استعمال کرتے ہوئے اُس کی گردن پر حملہ کر دیا۔

اُس کا داؤ لگا مگر گردن پر نہیں، کندھے پر۔ ٹائیگر کی مٹھی میں ہڈی آئی۔ اُس نے ہاتھ کو جھٹکا دیا تو ہڈی کندھے سے الگ ہو کر گر گئی لیکن جوابی حملہ بھی فوراً ہی ہوا۔ ٹائیگر کی پسلیاں کڑکڑا کر رہ گئیں۔ دو تین حملوں کے باعث ٹائیگر لڑکھڑا گیا، اگر وہ ایسا نہ کرتا تو ڈوچ مین کی اُنگلیاں اُس کے دل میں اُتر گئی ہوتیں۔

قریب ہی ایک ہیولا نظر آیا تو ٹائیگر نے منکی بلو... استعمال کرنا چاہا، تاہم اُس نے آخری لمحے میں اپنے [illegible] کوشش میں اُس کی بے پناہ توانائی ضائع ہونی تھی۔

"[illegible] اُوشان تھا۔ ٹائیگر نے اپنے حملے کو روک کر [illegible] دل [illegible]

"اُوشان!"

خاموشی۔ اُوشان طوفان میں اُڑتا ہوا سانگ رہا تھا۔

"اُوشان!" اُس نے فریاد کرنے والے انداز میں کہا۔ کیونکہ اُسے یقین تھا کہ وہ ذہن پر چھائی ہوئی تاریکی کے سبب بے ہوش ہو جائے گا، پھر معاً ہی دو ہاتھ ٹائیگر کی کنپٹیوں پر لگے۔

"اُوشان! تاریکی اور بڑھ گئی، جسم کانپنے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

بدلنے والی ضرب آخری ثابت ہو سکتی تھی۔

ٹائیگر کے مُنہ میں مٹی گھس گئی۔

پھر اچانک ہی اُسے اپنی ہی آواز سُنائی دی۔

"میں عظیم تر اُوشان کا شاگرد ہُوں، میں تباہ کُن ہُوں... سخت کا پیامی ہُوں، دُنیا میرے قدموں میں ڈھیر ہے، میں شب آخر کا وہ ٹائیگر ہُوں جسے ماسٹر آف سنا نجُو نے تربیت دی ہے۔ میں ایوان سنا نجُو کا ولی عہد ہُوں، اور... اور... مجھے ابھی نوگان کو بھی قتل کرنا ہے!"

وہ اپنے پیروں پر کھڑا ہو گیا۔

وہ بہت آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگا۔

تب ہی ڈوج مین ایک مرتبہ پھر گرد و غبار سے نمودار ہُوا۔ اُس کے شانے سے خُون بہہ رہا تھا اور اُس کے چہرے پر شدید کرب کے آثار تھے۔

وہ ٹائیگر کو قتل کرنے کے لیے آ رہا تھا۔

آہستہ سے... نزاکت سے... ٹائیگر اُچھلا اور پھر بے تیزی اور قہر سامانی کے ساتھ ہاتھوں کی اُنگلیوں کو خنجر بناتے ہُوئے کسی عقاب کی طرح جھپٹا۔

حملہ ہوتے ہی ڈوج مین کی آنکھوں سے خوف جھانکنے لگا۔ ٹائیگر کی دھن اُنگلیاں اُس کے چہرے پر جمیں اور پھر اس طرح چہرے کو کھُرچ گئیں، جیسے کسی نے کھیت میں ہَل چلا دیا ہو۔

جونہی ٹائیگر نے یہ عمل مکمل کر کے دونوں ہاتھ واپس کھینچے، اُس کے دل میں ڈوج مین کے لیے ہمدردی کے جذبات بیدار ہو گئے۔

ڈوج مین ڈگمگانے لگا، لیکن گرنے سے قبل ہی طوفان میں غائب ہو گیا۔ گرد و غبار سے ایک کربناک آواز سُنائی دی اور دم توڑ گئی۔

جلد ہی طوفانی ہواؤں کی آوازیں بھی دم توڑنے لگیں۔ اُڑنے والے تنکے کہیں گر گئے، پتے بھی بیٹھنے لگے اور اچانک ہی ہر طرف چاندنی پھیل گئی۔

دُور کہیں ایک مینڈک ٹرّایا... تو پھر کورس شروع ہو گیا۔

"اُوشان!" ٹائیگر نے آواز دی۔

بُوڑھا اُوشان ایک ٹُوٹے درخت کے قریب کھڑا ہُوا تھا۔ اُس نے بڑے پُروقار انداز میں کوہِ ابلیس کے کھنڈر نما ہیکل کی طرف اشارہ کیا۔ وہاں بڑے سے پتھر کے قریب جرمی یا رسل... ڈوج مین... نوگان کے سب سے زیادہ باصلاحیت شاگرد کا ٹوٹا پھُوٹا جسم پڑا ہُوا تھا۔ وہ دونوں مزید کچھ کہے بغیر اُس کی طرف بڑھ گئے۔

اس سے قبل کہ وہ ڈوج مین تک پہنچتے ایک زوردار دھماکے نے اُن کے قدم روک لیے۔ زمین اس طرح ہلی، جیسے زلزلہ آ گیا ہو اور پھر دوسرے دھماکے کے ساتھ ہی قلعے پر شعلوں کی دیواریں ناچنے لگیں۔ کھڑکیوں تک سے شعلے نکلنے لگے اور فوراً ہی عورتوں کی چیخ و پکار بھی سُنائی دینے لگی۔

ایک اور دھماکا ہُوا۔ اس بار قلعے کی بنیادیں تک ہل کر رہ گئیں۔

اُوشان نے ٹائیگر کا بازُو بڑی مضبوطی سے پکڑ لیا۔

"سُنو، وہ اُسے ڈوج مین کی طرف کھینچ کر لے جا رہا تھا۔

ڈوج مین رو رہا تھا۔ اُس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ نوگان کا قلعہ اُس کی اپنی آنکھوں کے سامنے جل رہا تھا۔

"میں ناکام رہا نوگان!" وہ سسکیاں لے کر کہہ رہا تھا۔ "میں ناکام رہا... میں تمھارا انتقام نہیں لے سکا!" اور پھر اس کی گردن ایک طرف ڈھلک گئی۔

اس کے زخموں سے نکلنے والا خون بھُربھُرے پتھروں پر گر رہا تھا۔ ٹائیگر کی آخری ضرب نے اس کے چہرے کو گوشت کے لوتھڑوں میں بدل دیا تھا۔ اس کی آنکھیں بھی خونم خون تھیں۔ جو لی پر اب مسلسل بھڑک رہی تھی جس کے باعث ارد گرد روشنی پھیل رہی تھی۔

"یہ کتنا کم عمر ہے؟" اوشان نے سرگوشی کی۔ پھر اُس نے اپنی قبا اُٹھا کر اس سے ٹائیگر کے زخم صاف کیے۔ "چلو! اب تمھیں مرہم پٹی کی ضرورت ہے!"

وہ ایک قدم ہی آگے بڑھے تھے کہ انھیں شعلوں کی لرزتی ہوئی روشنی میں بہت سی عورتیں نظر آئیں۔ وہ ایک قطار میں انھی کی طرف بڑھ رہی تھیں۔ قطار اور قریب آئی تو انھیں ایک طویل الجثہ عورت نظر آئی جو عورتوں کی قیادت کرتی ہوئی چیخ چیخ کر کچھ کہہ رہی تھی۔

"چلتی رہو، ورنہ جل مرو گی۔ چلو، چلتی رہو!" اور پھر سیدونی کا مخصوص قہقہہ پہاڑوں کو لرزانے لگا۔

اوشان بڑے تجسس سے اس انوکھی پریڈ کو دیکھ رہا تھا۔ تمام عورتیں مختلف عمروں کی تھیں۔ بعض نے تن پوشی کے لیے چادریں یا تولیہ باندھ رکھی تھیں اور چند محض پتھروں میں تھیں۔

ان میں ایک سر بلند کیے ہوئے تھی۔ اس نے ہاتھ میں ڈنڈا

لے رکھا تھا اور قدرے بہتر لباس میں تھی۔

"سامنے والی عورت..." اوشان نے اشارہ کر کے کہا۔

"وہ تو..."

"وہی ہے۔" ٹائیگر نے مُسکرا کر جواب دیا۔ اُس کی نظریں بھی سیدونی پر تھیں جس نے وہی پائپ پکڑ رکھا تھا جس کے ذریعے وہ کھڑکی کی سلاخیں توڑنے آئی تھی۔

"ہیلو شہزادہ... مسٹر اوشان؟" وہ ان کے قریب آ کر بولی۔ "دیکھیں، میں کیا لائی ہُوں۔" پھر وہ اچانک ہی پلٹی۔ "لڑکیو! آ جاتی رہو۔ اب تم آزاد ہو!"

اس کے حکم کے باوجود لڑکیاں ان دونوں کے قریب رُک گئیں۔

"یہ کون ہیں مادام؟" اوشان نے سیدونی سے پوچھا۔

"ڈوج مین کی عورتیں۔" سیدونی نے جواب دیا اور پھر اِدھر اُدھر کچھ دیکھا۔ وہ کسی کو تلاش کر رہی تھی۔ آخر اُسے وہ کتا مل ہی گیا جو قلعے میں بھاگا بھاگا پھر رہا تھا۔ اُس نے کتے کو کان سے پکڑ کر کھینچ لیا۔ "یہ سب گناہ کی پوٹ ہیں مسٹر اوشان لیکن میں بھٹی تباہ کر کے ان کو نکال لائی ہُوں۔" سیدونی کا چہرہ پُرغرور تھا۔

"بھٹی؟" ٹائیگر نے شعلوں میں گھرے ہوئے قلعے کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"میں پریسی کی چوری کی ہوئی جیپ میں رکھا ہُوا پیڑول کا کنستر نکال کر تہ خانے میں لے گئی جہاں پیڑول سمیت کنستر کو بھٹی میں ڈال دیا اور پھر بوم!"

"بوم..." اوشان سر ہلانے لگا۔

"ہاں، دھماکا!" ٹائیگر نے مُسکرا کر وضاحت کی۔

"شاید آپ کو یاد ہو کہ میں تحریکِ مزاحمت کی کارکن تھی!" سیدونی نے کہا۔ اس وقت تک باقی عورتیں بھی ان کے قریب آ چکی تھیں۔ بھٹی میں فیبی چیختی چلّاتی ہوئی نکلی۔ اس کا دھواں دھواں چہرہ کھِلا پڑ رہا تھا۔ آنکھیں چمک رہی تھیں۔ وہ ٹائیگر سے لپٹ گئی اور ٹائیگر کی ٹوٹی ہوئی پسلیاں بہت شدید درد کی شکایت کرنے لگیں۔

ایک عورت نے قریب آ کر سیدونی سے کتا لے لیا اور کتا عورت کے قدموں میں لوٹنے لگا۔

"اینڈرینا! یہ گواہی دے گی کہ ڈوج مین ہیالونوازم استعمال کرتا تھا!"

"ہیالونوازم!" اینڈرینا نامی عورت نے اپنے کتے کو چمکارتے ہوئے تصحیح کی۔

"ہاں، ہیالونوازم!" سیدونی نے سر ہلا کر پُرجوش لہجے میں کہا۔ "اُس نے بہت سے لوگوں کو نقصان پہنچایا۔ اینڈرینا! اُس نے عورت کا ہاتھ تھام کر اسے پکارا!" تم نے یہ بھی بتانا تھا نا! اُس نے شب یار ڈیں بہت سے لوگوں کو قتل کیا ہے۔ اگر جولیس نے تفتیش کی تو..."

"ضرور ضرور اور انھیں وہاں مزید لاشیں ملیں گی۔ اب فیبی تمھیں اپنے والد کے اغوا کے واپس لینے میں کوئی دشواری نہیں ہو گی۔" ٹائیگر نے کہا۔

فیبی بہت خوش تھی لیکن پھر معاً ہی وہ خوفزدہ ہو گئی۔ "اگر انھوں نے ڈوج مین کو جیل میں رکھا... تو وہ وہاں سے فرار ہو جانے کا شہزادہ!"

"نہیں۔ اب اسے کہیں رکھنے کی ضرورت نہیں!" ٹائیگر نے اسے تسلی دی۔ "وہ دیکھو!" اس نے بڑے پتھر کی طرف اشارہ کیا۔ مگر وہاں کوئی نہیں تھا۔

صرف خون کے دھبے تھے۔

وہ کسی زخمی درندے کی طرح رینگ رہا تھا۔ اس کے زخموں سے خون اب بھی بہے جا رہا تھا۔ کوہِ ابلیس کی چڑھائی سے اُترتے ہوئے درختوں، تیز اور نوکیلے پتھروں کی وجہ سے اسے ان گنت زخم بھی لگے تھے اور سب سے سنگین بات یہ ہوئی کہ وہ اپنی خطۂ سماعت سے محروم ہو چکا تھا۔

جیسے جیسے کر کے وہ پہاڑ سے اُترا اور پھر سمندر کی طرف رینگنے لگا۔ اتنا خون بہہ جانے کے باوجود وہ مسلسل آگے بڑھ رہا تھا اور یہ انتہائی غیر معمولی بات تھی۔

ساحل پر گھُٹنوں گھُٹنوں پانی میں ڈولتی ہوئی کشتی دیکھ کر اُس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔

۲۲

"ان لوگوں کو تھانے لے جاؤ!" اُوشان نے سیدونی کو ہدایت کی۔ "لیکن پولیس سے ہم دونوں کا کوئی ذکر مت کرنا!"

"میں سمجھ گئی۔" سیدونی کھِل اُٹھی۔ "میں تو پہلے ہی سمجھ گئی تھی کہ آپ دونوں سیاح نہیں ہیں۔" پھر اس نے لڑکیوں کو للکارا۔ "چلو! زندگی اسی چرواہے کی چھڑی کی طرح ہل رہا تھا۔

ڈوج مین نے کشتی کھولی، رسّہ لپیٹ کر کشتی میں پھینکا اور پھر کشتی میں سوار ہو گیا۔ اُس نے اپنے سلامت ہاتھ سے آؤٹ بورڈ موٹر کا تھروٹل کھینچا تو موٹر دو تین بار کھانس کر اسٹارٹ ہو گئی۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

جرمی پارسل کی آنکھیں اب اور زیادہ چمکنے لگی تھیں۔

"ہُوں"۔ ٹائیگر نے اپنی لوٹی ہوئی پسلیوں کو چھوتے ہوئے ہنکارا بھرا۔ وہ اس حالت میں پہاڑ سے نیچے نہیں اُتر سکتا تھا۔ وگرنہ لوٹی ہوئی پسلیوں کا مرثیہ بھی بن سکتا تھا۔ اب ڈچ مین کو پکڑنے کا صرف ایک ہی طریقہ تھا لیکن اس طریقے پر عمل کے لیے ضروری تھا کہ وہ سوفیصد صحیح اندازے سے اس پر عمل کرے۔

"کیا مصیبت ہے"۔ ٹائیگر منہ بنا کر بولا۔ وہ اس طریقے پر پہلے ایک ساتھ دو درجن مرتبہ عمل کر چکا تھا اور اس بار بھی غلطی کا کوئی امکان نہیں تھا۔ اُس نے ایک طویل سانس لی، چند قدم پیچھے گیا اور پھر لانگ دال کے لیے دوڑنے لگا۔

اُس کے ہاتھ پنڈلوں کے بازوؤں کی طرح پھیل گئے۔ دونوں ٹانگیں کسی ہائپر ٹریک کی طرح پھیلیں اور پھر وہ کھائی سے جُدا ہو کر فضا میں معلق ہو گیا۔ وہ کسی پُروقار پرندے کی مانند نیچے اُتر رہا تھا۔ ایک ہی پل میں وہ ڈچ مین کی کشتی کے اُوپر سے گزر رہا تھا۔ اُس نے فوراً ایک جانب رہاؤ ڈالا تاکہ کشتی کے بالکل قریب اُتر سکے۔

پھر وہ کسی آبی پرندے کی طرح سطحِ آب پر اُتر گیا۔

اُسے اس طرح اُترتے دیکھ کر ڈچ مین کی آنکھیں نارمل سائز سے دوگنی ہو گئیں۔

وہ اپنی آنکھوں پر یقین نہیں کرنا چاہتا تھا۔

ٹائیگر نے جونہی تیزی سے آگے جانے والی کشتی کو دونوں ہاتھوں سے پکڑا کشتی نے زوردار جھٹکے لیے۔

بات واضح اور بہت واضح تھی۔ موٹر اور بازوؤں کی طاقت کے درمیان مقابلہ ہو رہا تھا اور موٹر کی مزاحمت مسلسل کم ہوتی جا رہی تھی۔

ڈچ مین نے ٹائیگر کے ہاتھوں کو پیروں سے کچلنا شروع کر دیا۔

"یہ بے ایمانی ہے"۔ ٹائیگر نے غصّے سے کہا۔ "اس شخص کے ساتھ تمہیں ایسا سلوک زیب نہیں دیتا جو یہ سوچ چکا ہو کہ اُس نے تمہیں مار ڈالا ہے"۔

"واپس چلے جاؤ"۔ ڈچ مین نے کہا۔

"سوری جرمی"۔ ٹائیگر نے آخری کوشش کی تو موٹر ناکارہ ہو گئی۔ ٹائیگر کے ہاتھوں کی طاقت جیت گئی۔ "ایک بہت ہی مظلوم لڑکی تمہارے زندہ رہنے سے خوفزدہ ہے، ویسے ایک درجن لاشیں بھی کنٹینر میں تم سے انتقام لینے کے لیے بے چین ہیں"۔

ڈچ مین نے اس بار ٹائیگر کے سر پر ضرب لگائی اور جنوبی ٹائیگر نے اس ضرب سے بچنے کے لیے غوطہ لگایا۔ ڈچ مین نے موٹر سٹارٹ کی اور اس بار پوری رفتار سے چلانے لگا۔

لیکن اس کا مقابلہ عظیم اُوشان کے عظیم شاگرد سے تھا۔ وہ سنا نجو کے ولی عہد سے ٹکرایا تھا... اور یہ اس کی فاش غلطی تھی۔ ایسی غلطی جس کا خمیازہ صرف موت ہی ہو سکتی تھی۔

ٹائیگر نے تیزی سے ہاتھ پیر مارے۔ بریسٹ اسٹروک کے ذریعے وہ ایک ہی منٹ میں دوبارہ کشتی تک پہنچ گیا۔ اُس نے اس مرتبہ غوطہ لگا کر آؤٹ بورڈ کے گھومتے ہوئے پروپیلر کو ہاتھوں سے پکڑ کر اسے کھینچ لیا اور اسی لمحے موٹر بند ہو گئی۔

"ایسا لگتا ہے کہ تم میں زندہ رہنے کی خواہش پھر بیدار ہو گئی ہے جرمی پارسل"۔ ٹائیگر نے پروپیلر کشتی میں پھینک کر کہا۔

ڈچ مین ایک لمحے تک نفرت سے اسے گھورتا رہا لیکن پھر اچانک ہی اس کی نظریں سمندر کے فراخ سینے کو گھورنے لگیں وہ کچھ دُور دیکھ رہا تھا اور اُس کے چہرے پر خوف بہت واضح تھا۔ اس نے تیزی سے اپنا ہاتھ ٹائیگر کی طرف بڑھایا۔ انداز محسانہ نہیں تھا۔

"یہ کیا؟ اتنی دوستی تو ہم میں نہیں ہے"۔ ٹائیگر نے ہنس کر کہا۔

وہ پانی میں نہایا ہُوا تھا اور اُس کے بالوں سے اب بھی پانی بہہ رہا تھا جبکہ گردن کا نچلا حصّہ پانی میں اب بھی ڈوبا ہُوا تھا۔ اُس کے دونوں ہاتھ کشتی کی لگر پر تھے۔

"اُوپر آؤ۔ جلدی کرو"۔ ڈچ مین کے لہجے میں اضطراب تھا۔

جونہی ٹائیگر کشتی میں پہنچا [illegible] ایک شارک [illegible] ہوئی گزر گئی۔

"شکریہ، تم نے ایک پوائنٹ حاصل کر لیا"۔ [illegible] ڈچ مین کے کاندھے پر تھپکی دے کر کہا۔

ڈچ مین اسے گھورتا رہا۔

"نکوشت کرو۔ اب میرے علاوہ کسی اور سے۔ [illegible] خطرہ نہیں"۔ ٹائیگر نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ وہ مُسکرایا بھی تھا لیکن ڈچ مین کے چہرے پر سنجیدگی برقرار رہی۔ اُس کی آنکھیں اس طرح جل رہی تھیں جیسے وہ بخار کی انتہائی کیفیت میں ہو۔

"تم نے مجھے شارک سے بچایا جرمی۔ اس پر میں تمہارا شکریہ ادا کر چکا ہُوں لیکن اس کی وجہ بھی ضرور پوچھوں گا"۔ اس مرتبہ ٹائیگر کا لہجہ بھی سنجیدہ تھا۔

"میں نے تمہیں ذلّت کی موت سے بچایا ہے"۔ ڈچ مین نے

ایک پراسرار ایڈونچر ناول

طلسم زادی ایم۔ اے راحت

روشنی کی دنیا سے دور پراسرار دنیا کی کہانی، جہاں مافوق الفطرت زندگی کا دور دورہ تھا۔ دو دشمنوں کی عجیب داستان، جنہوں نے جب ایک دوسرے کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا، تو ایک ناقابل یقین کہانی نے جنم لیا

جلد اول قیمت =/150 روپے جلد دوئم قیمت =/150 روپے

مکتبہ القریش سرکلر روڈ اردو بازار لاہور 7668958

سحر و اسرار کی رونگٹے کھڑی کر دینے والی داستان

خبیث

ایک پراسرار مورتی کے حصول کے لئے ہونے والے خوفناک معرکے کا احوال

انوار صدیقی کی ایک نئی اور چونکا دینے والی کہانی

قدم قدم ایک منظر حیرت اثار، لمحہ لمحہ رنگ بدلتے اطوار

گناہ کی داسیوں کی مستیاں، حرص و ہوس کے پجاریوں کے چمتکار

پانچ حصوں میں مکمل سیٹ قیمت =/200 روپے

ناشر: مکتبہ القریش

سرکلر روڈ اردو بازار لاہور نمبر 2

7668958

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

نرم لہجے میں جواب دیا: "شاندار جنگجو کا انجام شارک کے ہاتھوں نہیں ہونا چاہیے۔"

"شارک کے ہاتھ نہیں ہوتے جرمی پارسل۔ ویسے تم نے یہاں نہ مر کر اپنی قوت ظاہر کر دی ہے۔ شاید یہاں بھی تم آسانی سے نہیں مرو گے۔"

"ممکن ہے کہ پہلے میں تمہیں قتل کر دوں۔" ڈچ مین نے کہا۔

اس کے ایک شانے سے خون اب بھی بہہ رہا تھا۔ اس کا وہ ہاتھ بھی کانپ رہا تھا جس سے اس نے ٹائیگر کو کشتی میں گھسیٹا تھا۔

"کیا تمہیں تکلیف محسوس ہو رہی ہے؟"

ڈچ مین محض سر جھٹک کر رہ گیا۔

"سنو، اُوشان مجھے کبھی اس کہانی کا انجام نہیں سنانے گا۔ میں بھی یہ نہیں چاہتا کہ یہ کہانی ختم ہو۔ اگر تم پولیس اسٹیشن چلے چلو تو مسئلہ حل ہو سکتا ہے۔ جیل میں تمہارے زخموں کا علاج ہو جائے گا اور اس کے بعد تم جیل توڑ کر فرار ہو سکو گے۔ اس کے عوض میں تم سے صرف یہ وعدہ لوں گا کہ تم اُوشان، فیبی اور میری راہ میں کبھی نہیں آؤ گے۔ سیڈونی کو بھی کچھ نہیں کہو گے جس نے تمہارے قلعے کو تباہ کر ڈالا ہے۔"

"سیڈونی... قلعہ...؟" ڈچ مین نے حیرت سے اُس کی طرف دیکھا۔ "قلعہ تو عظیم نوگان کے قہر کی وجہ سے تباہ ہوا ہے۔"

"نہیں، یہ خام خیالی ہے۔ سیڈونی نے تمہاری زیر زمین بھٹی میں پیڑول کا پورا کنستر پھینک کر قلعہ تباہ کیا ہے۔ نوگان کا اس میں کوئی دخل نہیں۔ بولو، وعدہ رہا۔"

"میں پہلے بھی وعدہ توڑ چکا ہوں شہزاد۔"

"میں اس کے باوجود تم پر دوبارہ اعتماد کر سکتا ہوں۔" ٹائیگر نے بڑی خوشدلی سے کہا۔

"تم..." ڈچ مین کی آنکھیں عجیب سے انداز میں چمکنے لگیں۔ "تم بھی بوڑھے اُوشان کی طرح بے وقوف ہو۔"

"ہم سے بھی زیادہ بے وقوف لوگ دُنیا میں موجود ہیں جرمی۔ نوگان ہی کو لو۔ کہیں چھپ کر یہ انتظار کر رہا ہے کہ تم ہمیں ہلاک کر کے اسے سانجو پر حملہ آور کا موقع فراہم کر دو۔ اچھا سنو... اس مختصر سی دوستانہ گفتگو کے ناتے سے یہی بتا دو کہ نوگان کہاں ہے؟"

"وہ مر چکا ہے۔"

"نہیں وہ زندہ ہے۔" ٹائیگر نے زور دے کر کہا۔ "اس نے تم سے جھوٹ بولا ہے۔"

"اُس نے کہا تھا کہ جب میں اُوشان کا بدلہ اپنے چہرے پر نہ لوں گا تو وہ اپنی قبر سے زندہ ہو کر نکل آئے گا۔"

"اس کی قبر کہاں ہے؟"

ڈچ مین نے ٹائیگر کے کان میں کچھ کہا تو ٹائیگر مسکرا کر رہ گیا۔

"وہ انتہائی احمق آدمی ہے جرمی۔"

دونوں چند لمحوں تک ایک دوسرے کو گھورتے رہے اور پھر ڈچ مین نے ایک طویل سانس لی۔ وہ کسی فیصلے پر پہنچ گیا تھا۔

"میں نے نوگان سے تم دونوں کے قتل کا وعدہ کیا ہے۔"

یہ کہہ کر وہ ٹائیگر کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

"تمہارا وعدہ احمقانہ تھا۔"

ڈچ مین نے اچانک ہی کہنی اور گھٹنے سے ٹائیگر پر حملہ کیا۔ کہنی ٹوٹی ہوئی پسلیوں اور گھٹنا متاثرہ ٹانگ پر لگا۔ ٹائیگر چند قدم پیچھے تک لڑکھڑاتا ہوا چلا گیا اور اس صورتِ حال سے کشتی اس بُری طرح لڑکھڑائی کہ اُس میں پانی بھرنے لگا لیکن جونہی ٹائیگر نے پھر متوازن کشتی سیدھی ہو گئی۔ ٹائیگر اُچھلا جھکا۔ اُس کے دونوں ہاتھ خونخوار پنجوں کے انداز میں آگے بڑھے اور ان پنجوں نے ڈچ مین کے پیٹ پر حملہ کیا۔

"آ... آ..." ڈچ مین چلّا اُٹھا لیکن سخت ترین کرب کے باوجود اُس نے ٹائیگر پر جوابی حملہ کیا۔ تاہم ٹائیگر کسی چھلاوے کی طرح اُس کی پہنچ سے دُور ہو گیا۔ اس اُچھل کُود سے کشتی ایک بار پھر تنکے کی طرح ڈولنے لگی۔ ڈچ مین اپنا پیٹ پکڑ کر کشتی کی گگو کے قریب دُہرا ہو گیا۔ وہ گرنے لگا... اور اگلے ہی لمحے اُس نے سمندر میں چھلانگ لگا دی۔

"اوہ..." ٹائیگر لپک کر کشتی کی گگو تک گیا۔ اُس نے اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیا۔ "اُوپر آؤ۔ جلدی کرو۔ شارک واپس آ رہی ہے جرمی۔ جلدی کرو۔"

"نہیں، شکریہ میرے دوست۔" جرمی پارسل نے کشتی سے دُور ہوتے ہوئے کہا۔

"پاگل ہو گئے ہو کیا؟" ٹائیگر نے جھلا کر کہا۔ "مرنا ہی ہے تو کشتی میں آ جاؤ۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں ایک ہی ضرب میں مار دوں گا۔ شارک کے ہاتھوں مرنا ذلت کی بات ہے دوست۔"

"اب کوئی فکر نہیں رہی۔" ڈچ مین کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔ "مجھ پر ایک احسان کرو گے۔"

"بولو۔" ٹائیگر بھی نہ جانے کیوں جذباتی سا ہو رہا تھا۔

"اپنے معزز و مکرم والد کو میرا سلام کہنا۔"

"والد، مگر میں تو یتیم ہوں۔ جرمی کشتی میں واپس آ جاؤ۔" ٹائیگر

کا لہجہ ایسا ہی تھا جیسے وہ اُس کی خوشامد کر رہا ہو۔

"میں تمہارے مہاوی والد کی بات کر رہا ہوں۔ سانجو کے آقا کومیرا سلام کہنا۔ اُس نے تمہیں واقعی بہت ہی زبردست تربیت دی ہے۔ اُس نے جسم کے ساتھ ساتھ تمہارے دل کو بھی نیکی اور بھلائی کی تربیت دی ہے۔ اُسے تم پر فخر کرنے کا پورا پورا حق ہے اور... تم بہت خوش قسمت ہو۔"

جرمی پارسل اب لہروں کے ساتھ ساتھ کشتی سے دُور ہوتا جا رہا تھا۔

دور، شارک نے شکار کی بُو محسوس کی تو سمندر میں تلاطم سا آ گیا۔ شارک حیرت انگیز طور پر تیزی سے ڈچ مین کی طرف بڑھ رہی تھی اور ٹائیگر کشتی میں پہلو بدل رہا تھا۔

"جرمی!" اس نے چلّا کر آواز دی۔

"الوداع دوست۔" اُسے ڈچ مین کی آواز سُنائی دی۔ "ممکن ہے اگلی ملاقات اچھے ماحول میں ہو۔"

کشتی تنکے کی طرح لرزنے لگی۔ جرمی پارسل پر شارک حملہ کر چکی تھی اور ایسا لگ رہا تھا جیسے زیرِ آب زلزلہ آ گیا ہو۔

ٹائیگر کی نظریں اُس جگہ جم گئیں جہاں چند لمحے قبل جرمی پارسل کو اُس نے دیکھا تھا۔

سمیرا اچانک ہی وہاں سُرخی پھیلنے لگی۔

کچھ دیر بعد پانی پُرسکون ہو گیا لیکن سُرخی دُور دُور تک جانے لگی۔ جرمی پارسل کا خون پانی میں مل گیا تھا۔

ٹائیگر کشتی میں تنہا کھڑا ہوا تھا۔ اُس کے گھٹنوں گھٹنوں تک پانی تھا۔ اُوپر دُور... کھاڑی پر اُسے اُوشان نظر آ رہا تھا۔ اُسے یقین تھا کہ اُوشان کے دونوں ہاتھ اس وقت قبا کے اندر ہیں اور وہ ناخوش ہے۔

ٹائیگر خود کو بالکل تنہا، اُداس اور دل گیر محسوس کر رہا تھا۔

اچانک ہی اُسے سیٹی کی پتلی آواز سُنائی دی۔ ایک لمحے تک ٹائیگر کو دُور دُور تک سیٹی بجانے والا کوئی پرندہ نظر نہیں آیا لیکن پھر دوسرے ہی لمحے سیٹی کا پیڑ ایک لمحے کے لیے کھاڑی پر ڈولتا رہا اور پھر ایک طرف روانہ ہو گیا اور پھر فوراً ہی ایک پہاڑ پر اُتر گیا۔

سمیرا کے انجن بند کرنے کا انداز بھی عجیب سا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے اُس نے انجن بند نہیں کیا بلکہ تیونی ماری ہے۔ پنکھوں کے رُکتے ہی اُوشان نمودار ہوا اور سر خم کر کے کھڑا ہو گیا۔

ٹائیگر اور سمیرام اُتر گئے۔

"وہ کہاں ہے؟" سمیرام نے پوچھا۔

روشنی کا ہالہ پہاڑی درّوں، غاروں، درختوں اور چوٹیوں کے اُوپر سے گزرتا ہوا اندھیرے سمندر کے سینے پر آیا اور اس کے بعد اُس نے ٹائیگر کو گھیر لیا۔

ہیلی کاپٹر نے اُس کے سر پر پہنچ کر رسّی نیچے پھینکی۔ ٹائیگر نے رسّی پکڑی اور اُوپر چڑھ گیا۔

اُوپر ایک زرد چہرہ اُس کا منتظر تھا۔

"کیا یہ دیکھنے آئے ہیں کہ شہزاد اب بھی زندہ ہے؟" ٹائیگر نے تلخ لہجے میں پوچھا۔

سمیرام نے اسے جھینپ کر دیکھا اور پھر اسکرین کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"آپ نے بھی جزیرے میں تعطیلات گزار کر کافی آرام کر لیا ہو گا چیف؟"

"ایرینیشنل سیکورٹی کا مسئلہ تھا۔" سمیرام نے مختصر جواب پر ہی اکتفا کرنا مناسب سمجھا۔

"قومی سلامتی۔" ٹائیگر اچانک ہی بھڑک اُٹھا۔ "مگر اب مجھے ہر وقت اپنی سلامتی کی فکر رہے گی۔ آپ نے دو مرتبہ میرے استاد کو میرے قتل کا حکم دیا ہے... دونوں مرتبہ مجھ سے ناانصافی ہوئی ہے لیکن ایک بات یاد رکھیں... اُوشان بہت بڑا آدمی ہے۔ وہ مجھے کبھی قتل نہیں کرے گا کیونکہ اسے علم ہے کہ میں کبھی جرم نہیں کر سکتا اگر آپ یہی چاہتے ہیں کہ مجھے قتل کر دیا جائے تو یہ کام خود آپ کو کرنا ہو گا اور میں بھی ہاتھ پیر باندھ کر نہیں بیٹھا رہوں گا۔"

"تُروع میں مہم شہادتیں تمہارے خلاف تھیں۔"

"لیکن آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ وہ قتل کسی اور نے کیے تھے۔"

"میں جانتا ہوں۔ جرمی پارسل اُس کا نام تھا۔"

"لک... یعنی آپ اُس سے واقف ہیں؟"

"ہاں، مجھے خوشی ہے کہ حقائق جلد ہی سامنے آ گئے۔" سمیرام نے جواب دیا۔ ہیلی کاپٹر ایک لمحے کے لیے کھاڑی پر ڈولتا رہا اور پھر ایک طرف روانہ ہو گیا اور پھر فوراً ہی ایک پہاڑ پر اُتر گیا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"کون؟"

"جرمی پارسل۔"

"اوہ، آپ کو قدرے تاخیر ہوگئی چیف۔" ٹائیگر نے مسکرا کر جواب دیا۔ "اب تک ایک درجن سے زائد شارکیں اس میں سے اپنا اپنا حصہ نوچ چکی ہوں گی۔"

"اوہو۔" بہرام ہاتھ مل کر رہ گیا۔

"اُس کے خلاف بہت واضح شہادتیں موجود ہیں۔ لاشوں سے بھرا ہوا ایک اور کنٹینر آپ کو شپ یارڈ میں مل جائے گا۔ ویسے کئی عورتیں اس وقت قافلے کی شکل میں اس کے خلاف گواہی دینے کے لیے تھانے کی طرف مارچ کر رہی ہیں۔"

"درست... ان کے کارواں کو میں نے بھی گزرتے ہوئے دیکھا تھا۔" اُوشان نے سر ہلا کر کہا۔

بہرام قدرے بوکھلا اُٹھا۔ "لیکن... کیا پولیس کو اس کیس میں تمھارے بھی کردار کا علم ہو جائے گا؟"

"دھیرج... سویٹ ہارٹ۔" ٹائیگر نے اسے پچکارتے ہوئے کہا۔ "کسی کو ہماری یہاں موجودگی تک کا علم نہیں۔"

"مگر... سیڈونی..." تو جانتی ہے۔"

اُوشان اور ٹائیگر خاموش رہے۔ آخر بہرام ہی کو فیصلہ کرنا پڑا۔ "ہمارے لیے ہماری موجودگی کے گواہوں کی موجودگی خطرناک ہوگی۔"

"یس۔" ٹائیگر بھاری گریڈ کے سربراہ کا مفہوم سمجھ کر فوراً بولا۔ اُس کا لہجہ بھی فیصلہ کُن تھا۔ "سیڈونی ہمارے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں کہے گی۔"

"تم یہ دعویٰ یقین کے ساتھ نہیں کر سکتے ٹائیگر اور ہاں... مجھے سوہائر کی بیٹی فیبی پر بھی نظر رکھنی ہوگی۔"

"ہرگز نہیں۔ اس لیے کہ میں اور اوشان محض عام سے سیاح ہیں۔ اُسے زندگی میں پہلی مرتبہ اس کے جائز حقوق ملنے والے ہیں لہٰذا میں اُسے بھی قتل کرنے کی مخالفت کروں گا۔"

"وہ سیڈونی کے ساتھ تمھارے ولا سے نکلی تھی اور اسے تمھارا نام بھی معلوم ہے۔"

"پھر بھی اُس کے قتل کے لیے یہ کوئی ٹھوس جواز نہیں۔" ٹائیگر نے سخت لہجے میں جواب دیا۔

"سوری ٹائیگر! میں ان دونوں کے خاتمے کا حکم دینے پر مجبور ہوں۔"

"جہنم میں گئے تمھارے..."

"شش۔" اُوشان نے ٹائیگر کا غصہ ٹھنڈا کرنے کے لیے اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ "خاموش رہو۔"

بہرام اس قطعے کو دیکھ رہا تھا جس سے اب بھی دھوئیں کے مرغولے اٹھتے ہوئے بلند ہو رہے تھے۔ "میں فائر بریگیڈ کے لیے ہیلی کاپٹر سے کال کر رہا ہوں۔ اس دوران میں تم دونوں ولا جا کر اپنا سامان جمع کر دو تمھیں صبح ہوتے ہی یہاں سے روانہ ہونا ہے۔ امریکن کاؤنسلر پر تمھیں تمھارے ٹکٹ مل جائیں گے۔"

وہ دونوں پلٹ گئے اور بہرام بھی ہیلی کاپٹر تک پہنچ کر رُک گیا۔ "اپنے ولا کی حالت پر حیرت زدہ مت ہونا۔ سب کچھ تباہ ہو چکا ہے اور کسی نے ٹی وی بھی دیوار پر دے مارا ہے۔"

"کس نے؟" ٹائیگر نے مسکرا کر اُوشان کی طرف دیکھا جس نے جواب میں اُسے گھورا اور تلخ لہجے میں پوچھا۔ "ہماری باقی چھٹیوں کا کیا ہوگا؟"

"چھٹیاں ختم ہو چکی ہیں۔" بہرام نے اُس کی بات سُن لی تھی۔ لہٰذا خود ہی جواب بھی دیا۔ "سالانہ تعطیلات کے لیے اب تمھیں اگلے سال تک انتظار کرنا ہوگا... اور ہاں... روانگی سے قبل ان دونوں عورتوں کا مسئلہ ضرور حل کر دینا۔"

ہیلی کاپٹر کا انجن بیدار ہوا۔ اس کے پنکھے تیزی سے گردش کرنے لگے اور پھر ہیلی کاپٹر تیز ہو کر اسی انداز میں اُوپر اُٹھتا چلا گیا۔

"بہرام کے سینے میں کسی اونٹ کا دل ہے نٹل فادر۔"

اوشان نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا بلکہ سمندر کی طرف دیکھتا رہا جس پر ہالہ سویرے کی سیاہ چادر پڑی ہوئی تھی۔

"میں اپنے اجنبی نوجوان ڈوچ مین کا سوگ مناؤں گا۔" اُس نے سپاٹ لہجے میں کہا اور ڈوچ مین کا خیال آتے ہی ٹائیگر کو اُداسی محسوس ہونے لگی اسے ڈوچ مین کی آخری خواہش بھی یاد آ گئی۔

"اُف، کیسی عجیب موت تھی نٹل فادر۔" اُس نے سرسراتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"ہاں، اگر نوگان اسے تباہ نہ کرتا تو وہ تمھارا بہترین ساتھی ثابت ہو سکتا تھا میرے بچے۔"

"فادر۔" ٹائیگر نے اُوشان کے کمر کے گرد ہاتھ ڈال کر اُس کے سینے پر سر رکھ دیا۔ "ہم نوگان کو بدلہ لیں گے۔ ایک اچھے اور نیک طینت بچے کو خراب اور برباد کرنے کا انتقام لیں گے۔"

"میرے بچے۔" اُوشان کو ہول سی ہونے لگی۔ اسے ٹائیگر کے تیور ٹھیک نہیں لگ رہے تھے۔

"ہاں۔" ٹائیگر اُسے چھوڑ کر بھائی کی لگژری پر کھڑا ہو گیا۔ "نوگان!

تمھارا ہوں۔" اُس کا لہجہ بلند اور گرجدار تھا۔ "میں زندہ ہو چکا ہوں نوگان۔ شب تاریک میں جگنوؤں پر راج کرنے والا خیر پیدا ہو چکا ہے نوگان... تباہی کا دیوتا انگڑائی لے رہا ہے... نوگان... اور تمھیں سنائے موت سنا رہا ہے... میری آواز سنو نوگان... آؤ سے مقابلہ کرو۔ میرا وعدہ ہے کہ یہ آخری مقابلہ ثابت ہوگا۔ اپنی سیاہ سے باہر آؤ۔ اپنی پناہ گاہ کا آرام چھوڑ کر موت کے سامنے آؤ۔ ...عظیم اُوشان کا بیٹا تمھیں للکار رہا ہے... اور اگر تم خود سامنے نہیں آؤ گے تو میں تمھیں ڈھونڈ نکالوں گا۔ اس کے بعد حملے میں بھی تمھیں قتل کروں گا اور قتل کرنے میں بھی۔"

اچانک ہی سمندر میں موجیں بلند ہونے لگیں۔ اُوشان نے سر اُٹھا کر ٹائیگر کی طرف دیکھا۔ اُس کے شاگرد کی پیدائش فوق ہوئی تھیں لیکن وہ اس صدی کی سب سے بڑی بُرائی کو للکار رہا تھا۔

"تم پر خدا کی رحمتیں نازل ہوں اُوشان کے بیٹے۔" اُس نے دل ہی دل میں ٹائیگر کو دُعا دی۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ نوگان کی تلاش کا وہ عہد آ چکا ہے جس سے وہ بچنے کی ہر ممکن کوششیں کر چکا ہے لیکن ٹائیگر کو طوفان اور قیامت سے لڑتے ہوئے دیکھ کر وہ پوری طرح مطمئن تھا۔ ٹائیگر اب نوگان سے کئی ہاتھ آگے نکل چکا تھا اور عظیم اُوشان کی خواہش بھی صرف یہی تھی کہ سنانجو کے ماسٹر کا ہاتھ سنانجو کے خدا تک نہ پہنچے... سنانجو کے نئے ماسٹر کے ہاتھوں وہ مارا جائے۔ اُسے یقین تھا کہ اب نوگان کی کہانی کا آخری باب رقم کیا جانے گا۔

*

اُوشان کے ساتوں صندوق تباہ شدہ ولا کے سامنے رکھے ہوئے تھے۔ ٹائیگر اندر تھا۔ اُس نے جینز اور قمیص پہن کر باقی دو جوڑے چوغے سے بیگ میں ڈالے اور پہلے ہوئے موزے پہننے لگا۔

"تم نے مجھے نیائی وی خرید کر دینے کا وعدہ کیا تھا۔" اوشان اچانک ہی چہکتا ہوا اس کے کمرے میں داخل ہوا۔

"ہاں، لیکن وقت ہی نہیں ملا نٹل فادر۔" ٹائیگر نے تسمے باندھتے ہوئے جواب دیا۔

"اگر تم نے وعدہ پورا کر دیا ہوتا تو میں اس وقت ٹی وی دیکھ رہا ہوتا۔" اُوشان نے حسرت بھرے انداز میں کہا۔

"تنیسی پانچ منٹ میں آ جائے گی فادر۔"

"پانچ منٹ۔" اُوشان نے فیصلے انداز میں سر ہلایا۔ "تم تو اس طرح کہہ رہے ہو جیسے پانچ منٹ کی کوئی حقیقت ہی نہیں۔ پوری کی پوری بادشاہتیں انھی صرف پانچ منٹوں میں ختم ہو گئیں۔ پہاڑ ذرّے ذرّے ہو گئے اور انھی صرف پانچ منٹوں میں سینکڑوں بچے پیدا ہو گئے۔"

"پانچ منٹ فادر... صرف..."

"تم احمق ہو۔" اُوشان نے عزا کر کہا۔

"بالکل، کیوں نہیں ہے۔ پکا احمق ہے۔" سیڈونی نے چہکتے ہوئے کہا۔ وہ اسی وقت اندر آئی تھی۔ "اب ذرا یہی دیکھیں مسٹر اوشان۔"

سیڈونی نے ردی کی ٹوکری میں سے نئے موزوں کا ایک جوڑا نکال کر ٹائیگر کے چہرے کے سامنے لہرایا۔ "نئے موزے اس طرح پھینک کر پرانے موزے پہنے ہوئے ہے؟"

"اسے پھینک دو سیڈونی۔ مجھے نئے موزے اچھے نہیں لگتے۔ ویسے بھی اب ہم جانے والے ہیں۔"

"اتنی جلدی؟" سیڈونی کا منہ لٹک گیا۔

"ہاں، بزنس کی وجہ سے جانا ہی پڑے گا۔ میں نے تمھیں فون کیا مگر تم ملی ہی نہیں۔"

"اوہ! ان کمبختوں نے رات بھر مجھے تھانے میں روکے رکھا۔ کھانے کو صرف مونگ پھلیاں اور پینے کو رم کے سوا کچھ بھی نہ دیا۔ لیکن ان میں سے ایک بہت شریف نکلا۔ میرے آگے پیچھے گھومتا اور مذاق اڑاتا رہا۔"

"مبارک ہو۔" ٹائیگر نے خوشدلی سے کہا۔

"وہ مذاق بھی ہے لڑکے۔" سیڈونی جھوٹی موٹی کی طرح لجا کر بولی۔

"گڈ۔ ویسے تم نے ہمارے بارے میں..."

"میں نے کچھ بھی نہیں بتایا۔" سیڈونی بہت ذہین تھی۔ "میں سمجھ گئی تھی کہ تم لوگ اپنے آپ کو خفیہ رکھنا چاہتے ہو۔ میں نے پولیس کو بتایا کہ سارا کام میں نے ہی کیا۔ کشتی میں ڈوچ مین سے میری لڑائی ہوئی اور میں نے اسے مار کر سمندر میں پھینک دیا۔"

"دوسری لڑکیوں نے تو کچھ کہا ہی ہوگا؟" ٹائیگر اسے ٹٹول رہا تھا۔

"اوہ نہیں۔ وہ مجھ سے بہت ڈرتی ہیں۔ میں نے ہر ایک سے کہہ دیا تھا کہ اُس نے تمھارے بارے میں ایک لفظ بھی کہا تو میں تمھارے نکلتے ہی اس کا کچومر بنا کر سمندر میں پھینک دوں گی۔"

"فیبی کا کیا حال ہے؟"

"اُس سے خود کیوں نہیں پوچھ لیتے۔" سیڈونی نے آنکھ مار کر کہا اور اسی لمحے فیبی اس طرح اندر آ گئی جیسے سیڈونی کے اشارے کی منتظر ہو۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"ہیلو!" اُس نے دھیرے سے کہا اور پھر ٹائیگر کی طرف دیکھ کر مسکرانے لگی۔ "میں صرف یہ بتانا چاہتی ہوں کہ اب زندگی کا ڈھچر بالکل بدل جائے گا۔ پولیس نے شب یار نامی تنظیم کی گرفتاریاں شروع کر دی ہیں اور میرے وکیل کا کہنا ہے کہ مجھے میرا حق واپس مل جائے گا۔"

"شاندار۔ تم شب یار کو فروخت کر دو گی۔" ٹائیگر نے ہنس کر پوچھا۔

"نہیں۔ شب یار کو میں خود چلاؤں گی۔ اگر میرے والد زندہ ہوتے تو وہ بھی یہی کرتے۔" وہ اُس کے قریب آ گئی۔ اُس نے ٹائیگر کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر دھیرے سے کہا۔ "اگر تم اپنا وعدہ کرو تو شب یار ڈ کے انتظام میں میری مدد کر سکتے ہو۔"

"تھینک یو فیبی۔" ٹائیگر نے مسکرا کر اسے تسلی دی۔ "لیکن میں دفتر کے کام کی وجہ سے یہاں نہیں رہ سکوں گا۔ شب یار ڈ کا بوجھ تمھیں تنہا اُٹھانا ہوگا۔"

"شہزاد۔" وہ اُس کی آنکھوں میں جھانک رہی تھی۔ "تم کیا کام کرتے ہو؟"

"ہوں... ہوں..." اُوشان نے اس گفتگو سے بیزار ہونے کا ہنکارا بھرا۔ "ٹیکسی آ رہی ہے لڑکے۔"

باہر ایک کسی سیاہ لمبی سی کار آ کر رُکی اور اُس کے ہارن بجنے لگے۔

"شہزاد سیلز مین ہے فیبی۔" سیڈونی نے جواب دیا۔

"لیکن کل رات غار میں... اور پھر..."

"ارے، یہ سیلز مین بڑے بہادر ہوتے ہیں۔" سیڈونی نے قہقہہ لگا کر کہا۔ "ہر جگہ نظر آتے ہیں اور بے جگرے بھی ہوتے ہیں۔"

فیبی نے کھڑکی سے جھانک کر دیکھا۔ ٹیکسی ڈرائیور اوشان کا سامان لاد رہا تھا۔

"کیا تم بھی جا رہے ہو شہزاد؟" فیبی بہت اُداس تھی۔

دونوں ایک لمحے تک ایک دوسرے کو دیکھتے رہے اور پھر اُداسی سے فیبی نے سر جھٹک کر چہرہ دوسری طرف کر لیا۔

"میں تمھیں آخری سانس تک یاد رکھوں گی۔" فیبی کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔

"میں بھی۔" ٹائیگر کو کہنا ہی پڑا۔

"فکر مت کرو فیبی بے بی۔" سیڈونی نے لڑکی کو کسی چڑیا کی طرح سینے سے لگایا۔ "شہزاد واپس آئے گا۔ کیوں شہزاد؟ تم کبھی تو یہاں کا چکر لگاؤ گے؟"

"ہاں، کیوں نہیں۔" ٹائیگر نے فوراً جواب دیا لیکن اُسے خود علم تھا کہ وہ ٹیکسی میں بیٹھتے ہی فیبی کو بھول جائے گا۔ فیبی اُس کے لیے سمندر پر بننے والے اُس نشان کی مانند تھی جو ہل بھر میں فنا ہو جاتا ہے۔

"نہیں۔ مجھے طفل تسلیاں مت دو۔" فیبی مسکرا کر بولی۔ اُس کی آنکھوں میں نمی بہر حال تھی۔ "تم واپس نہیں آؤ گے اور مجھے یہاں ایک نئی زندگی شروع کرنی ہوگی۔ تم بھی جہاں کہیں ہو گے وہاں ایک نیا آغاز کرو گے۔ ہم جُدا جُدا رہیں گے ہمارے خواب بھی جُدا ہوں گے لیکن میں تم سے محبت کرتی رہوں گی۔"

"شہزاد اینکسی۔" اُوشان نے باہر سے للکارا۔

"گڈ۔ سیڈونی کی کہانی ختم۔ اب یہاں نہ تو کوئی ڈچ مین ہو گا اور نہ کوئی شہزاد آئے گا۔"

"پتا نہیں لیکن میرے ساتھ سمندر تک چلو۔ ہم آخری بار ایک ساتھ سمندر کا نظارہ تو کر لیں۔"

"مگر ٹیکسی؟"

"تم نے ڈرائیور کو پچاس سینٹ دینے ہیں، وہ تمھارا پانچ گھنٹے تک انتظار کر سکتا ہے۔" سیڈونی نے تڑخ کر جواب دیا۔ وہ واضح طور پر اُوشان اور ٹائیگر کی واپسی سے بہت اُداس نظر آ رہی تھی۔

ڈرائیور جیکوئس اپنی سیٹ پر بیٹھ کر نوجوان کا انتظار کر رہا تھا۔ جبکہ اُوشان عقبی نشست پر بیٹھ چکا تھا۔ ٹائیگر نے باہر نکل کر اُسے سوڈالر دیے۔ "تھوڑی دیر کو۔ میں ابھی آتا ہوں۔"

"اب کیا بھول گئے؟" اُوشان نے بے مزے پن سے کہا۔ "اگر جہاز چلا گیا تو شہنشاہ عظم کا قہر نازل ہوگا۔ اس وقت مجھ کسی قسم کی مدد کی توقع مت رکھنا۔"

"سیڈونی، ہیں اور فیبی ایک منٹ کے لیے ساحل تک جا رہے ہیں فادر۔ بس ابھی واپس آیا۔"

آگے دونوں عورتیں ساتھ ساتھ سمندر کی طرف جا رہی تھیں۔ عقب سے فیبی کے وجود کا احساس ہی ٹائیگر کے لیے فرحت بخش تھا، وہ کسی شوخ و شنگ پرچم کی طرح لگ رہی تھی۔

اچانک ہی فیبی نے ہلکی سی چیخ ماری اور سیڈونی نے اُسے فوراً ہی تھام لیا۔ وہ گرنے والی ہی تھی۔ اُس نے دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا لیا۔

"کیا ہوا؟" ٹائیگر ایک جست کر اُن کی طرف آیا لیکن پھر ساحل پر اُسے جو کچھ نظر آیا اس کے باعث وہ بھی رُک گیا۔

اتھلے پانیوں میں ایک شارک مُردہ حالت میں پڑی ہوئی تھی۔ اس کی آنتیں تک باہر نکلی ہوئی تھیں۔ صرف پچاس فٹ دُور ایک اور مُردہ شارک پڑی ہوئی تھی اور اس کا بڑا سا جبڑا

دھوپ میں چمک رہا تھا۔ اس شارک کا پیٹ بھی پھٹا ہوا تھا۔

"اُدھر دیکھو۔" سیڈونی نے چلا کر کہا۔ جنوبی سمت مسیں بھوری اور سبز چیز چمک رہی تھی۔ "وہاں بھی دو پڑی ہوئی ہیں۔"

پانی ان دیو قامت شارکوں کو ساحل تک لے آیا تھا۔

"خدایا۔" ٹائیگر تھرتھری لے کر بولا۔ "یہ کام وہ سمرگر نہیں کر سکتا۔" اُس نے یہ بات سرگوشی میں کی تھی لیکن اُوشان نے اُس کا جملہ سُن لیا تھا۔

"کیوں نہیں کر سکتا؟" اُوشان کی آنکھوں میں عجیب سی چمک پیدا ہو گئی تھی۔

"وہ بُری طرح زخمی تھا... اور... ان دیو قامت شارکوں کے مقابلے میں..."

"تم دونوں کیا باتیں کر رہے ہو؟" سیڈونی تڑخ کر بولی۔

"سیڈ... ونی... وہ زندہ ہے۔" فیبی اچانک ہی بلک بلک کر رونے لگی۔ "ڈچ مین زندہ ہے..." وہ بُری طرح کانپ رہی تھی۔ خوف نے اس کو مفلوج سا کر ڈالا تھا۔

"فیبی... فیبی..." ٹائیگر نے اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر دلاسا دیا۔ "وہ زندہ نہیں ہے۔" اُس کا لہجہ عجیب سا تھا۔ "وہ واپس نہیں آئے گا۔ میں تمھیں یقین دلاتا ہوں کہ اب وہ تمھیں پریشان نہیں کرے گا۔"

"نہیں... نہیں... وہ آئے گا... آئے گا..." فیبی پر دورہ سا پڑ گیا تھا۔

"الگ ہٹو۔" سیڈونی نے ٹائیگر کو ایک طرف دھکا دے کر کہا اور پھر فیبی کے چہرے پر تھپڑ مارنے لگی۔ "ہوش میں آؤ۔ لڑکی ہوش میں آؤ۔" فیبی کئی تھپڑ کھانے کے بعد قدرے سنبھل گئی لیکن اس کی آنکھوں سے اب بھی آنسو بہہ رہے تھے۔

"سنو، میری بات سنو میری بچی۔" سیڈونی کہہ رہی تھی۔ "میں بہت عرصے سے سیکھ رہی ہوں۔ جبریات کی گود میں پل بڑھ کر اس عمر تک پہنچی ہوں۔ میں نے مصائب کا چہرہ ایک بار نہیں کئی مرتبہ دیکھا ہے۔ تم ایک بار مصیبت اور دشواریوں کا چہرہ دیکھتی ہو... پھر وہ غائب ہو جاتا ہے تو سمجھتی ہو کہ مصیبت اب کبھی نازل نہیں ہو گی... لیکن یہی غلطی ہوتی ہے میری بچی! مصیبتیں تو گھات لگا کر انتظار کرتی رہتی ہیں... مناسب وقت کا انتظار۔ کیوں مسٹر اُوشان کہا میں نے غلط کہا؟"

"درست۔" اُوشان نے مسکرا کر جواب دیا۔

"ہاں، میں نے درست کہا۔ مصیبتیں بار بار حملہ آور ہوتی ہیں لیکن وہ سمندری لہروں کی مانند ہوتی ہیں۔ آتی ہیں اور فنا ہو جاتی ہیں۔ ان کے نقش تک مٹ جاتے ہیں۔ مگرمچھ میں پھر واپس آیا... تو وہ پھر ختم ہو جائے گا۔ آخری کامیابی اس کے مقدر میں نہیں... کامیابی تمھارا مقدر ہے... تمھارا... فیبی کا۔"

"سیڈونی۔" فیبی نے آنسو پونچھتے ہوئے سر جھکا لیا۔ "تم... درست کہتی ہو۔ میں... بہت بزدل ہوں۔ بہت زیادہ بزدل۔"

"نہیں تم ابھی بچی ہو۔ بہادر بچی۔ تجربات تمھیں بہت کچھ سکھا دیں گے۔"

سیڈونی نے دائیں ہاتھ میں فیبی کی کلائی اور دوسرے ہاتھ سے اوشان کا ہاتھ پکڑا... پھر گھر کی طرف چل دی۔

ٹیکسی میں جیکوائس بیٹھا ہوا اونگھ رہا تھا لیکن اُس کے ہاتھ میں سو ڈالر کا نوٹ ابھی تک موجود تھا۔

"آپ لوگ یہاں آتے جاتے رہا کریں۔" اُس نے دانت نکوس کر کہا۔

اُوشان عقبی نشست پر بیٹھ گیا اور ٹائیگر دونوں عورتوں کے طرف دیکھتا ہوا اگلی نشست پر۔ اب دونوں عورتوں کے ہاتھوں میں رومال تھے۔ جیکوائس نے بڑی مہارت سے گاڑی اُٹھائی اور رفتار فوراً ہی اسی میل تک پہنچ گئی۔

فیبی نے ایک سسکی لے کر سیڈونی کے فراخ سینے پر سر رکھ دیا۔ وہ بچوں کی طرح ہچکیاں لے رہی تھی۔

"اُسے مر جانا چاہیے تھا۔" ٹائیگر نے دھیرے سے کہا۔

"آخر تم کب سیکھو گے؟" اُوشان نے ایک طویل سانس لے کر جواب دیا۔ "مچھلی صرف مچھلی ہوتی ہے۔ اسے سناجو کا فن نہیں آتا۔"

"وہ بہت زخمی تھا۔"

"وہ بہت بہادر تھا۔"

دونوں چند منٹ تک خاموش رہے۔ ٹائیگر کے ذہن میں ایک ہی سوال پل رہا تھا۔ کیا اُس سے دوبارہ آمنا سامنا ہوگا؟

"اگر ہوا... تو وہ ہمیں قتل کرنے کی کوشش کرے گا؟"

"ہاں، بیشک۔" ٹائیگر نے دانت پیس کر کہا۔

"میرے بچے۔" اُوشان نے کھڑکی سے نظریں ہٹا کر ٹائیگر کو بغور دیکھا۔ "کشتی پر تم اُسے ہلاک کر سکتے تھے۔ تم نے ایسا کیوں نہیں کیا؟"

"آپ نے اُسے ہلاک کیوں نہیں کیا؟ لڑائی تو آپ کی اور اُس کی تھی؟"

"سوال کے جواب میں سوال کرنا مناسب نہیں۔ تم نے کشتی میں اُسے قتل کیوں نہیں کیا؟ یہ میرا سوال تھا میرے بچے۔"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"پتا نہیں۔" ٹائیگر نے اپنے ہاتھوں کی طرف دیکھ کر جواب دیا۔ "میں اُسے پسند نہیں کرتا تھا... بلکہ اُس سے جلتا تھا لیکن اس کے باوجود اُسے قتل کرنا مجھے اچھا نہیں لگ رہا تھا۔"

"تم جانتے ہو کہ اگر مستقبل میں ڈچ مین نے ایک پرندہ بھی ہلاک کیا تو اس کا الزام تم پر رکھا جائے گا۔ تم اس جرم کے ذمے دار قرار دیے جاؤ گے کیونکہ تم نے اسے زندہ چھوڑ دیا ہے؟"

"ہاں، میں جانتا ہوں۔"

"اور پھر اس بات پر بھی رحم ہوگا کہ تم نے سیڈونی اور فیبی کو قتل نہیں کیا؟"

"اوہ، میں انھیں قتل کرنا تو بھول ہی گیا تھا۔" ٹائیگر نے زیرِ لب مسکرا کر جواب دیا۔

ٹیکسی جولیانہ ائرپورٹ میں داخل ہوگئی جہاں ہر طرف سیاحوں کا ہجوم لگا ہوا تھا۔ لاؤنج میں اگرچہ پنکھے لگے ہوئے تھے لیکن ان سے نکلنے والی ہوا نہ جانے کہاں جا رہی تھی۔ گرمی بہت تھی اور اسی باعث سیاح نفیس لباس میں تھے۔

ٹائیگر نے ٹکٹ لیے۔ وہ دونوں ڈیپارچر گیٹ سے گزرے۔ باہر رَن وے پر بس قدرے کم تھا لیکن جہاز کی الومنیم کی سیڑھی تپ رہی تھی۔ اُوشان نے پیچھے آنے والوں کی طرف دیکھ کر ہاتھ ہلایا اور سیڑھی چڑھتے ہی بولا: "مجھے معلوم ہے کہ تم نے ڈچ مین کو قتل کیوں نہیں کیا؟"

"کیوں نہیں کیا؟"

"تمھیں یاد ہے... میں نے جرمی پارسل نامی ڈچ مین سے کہا تھا کہ میں تمھیں حق اور باطل، جھوٹ اور سچ، غلط اور صحیح کا فرق سکھانا چاہتا ہوں۔"

"ہیں!" ٹائیگر بال کھینچنے لگا۔ "کیا آپ نے یہی کہا تھا؟"

"ہاں۔" بالکل بے مسکرا ہٹ اُوشان کے چہرے سے غائب ہوگئی۔ "کیا تم اپنے دانشمند، بابصیرت اور صاحبِ فراست معلم کی باتیں بھی بھلا نہیں رکھ سکتے؟"

"ویسے میں نے جو کچھ کیا، ٹھیک کیا۔" ٹائیگر نے سر ہلا کر کہا۔ "پرانا شہزاد کبھی کبھار واپس آ ہی جاتا ہے۔"

"تم نرے جاہل ہو۔"

"آپ میری جہالت پر رحم کھا کر ہی اصل فادر، ٹائیگر نے مسکرا کر اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

"ہاتھ ہٹاؤ۔ احسان فراموش۔" اُوشان اتنی زور سے چلایا کہ لوگوں میں سرگوشیاں شروع ہوگئیں۔ "آخر تمھیں کیا حق ہے کہ میری تربیت کا سہرا اپنے سر باندھ لو؟ اس کا لہو بہت کمبخت دار ہے۔ تم نے میرے احسان بھی بھلا دیے۔"

"ارے یہ سب ایسے ہی ہوتے ہیں۔" سیڑھی پر اُن کے ساتھ ساتھ آنے والی سفید بالوں والی ایک عورت نے بھی ترش خو کہا۔ "میرا بیٹا ڈاکٹر ہے۔ میں نے نوکریاں کر کے اُس کی فیس ادا کی لیکن اب اُس کے پاس اپنی ماں کو خط لکھنے کے لیے پانچ منٹ بھی نہیں۔" یہ کہہ کر اُس نے پہلے اُوشان اور پھر ٹائیگر کو دیکھا۔ "ہُنہ۔ سب ایسے ہی نکلتے ہیں۔"

اُوشان کا چہرہ دمک اُٹھا۔ "آپ بخوبی سمجھتی ہیں مادام۔"

"بالکل۔ سو فیصد۔" عورت نے آسمان کی طرف دیکھ کر سرد آہ بھری۔ "میرے بیٹے نے تو جنم لیتے ہی مجھے دُکھ دینے شروع کر دیے تھے۔"

"ارے اب اندر بھی چلو۔" کسی نے ان کے عقب میں چلا کر کہا۔ سفید بالوں والی عورت نے گھور کر اسے خاموش کر دیا۔

"آپ بہت شاندار خاتون ہیں۔" اُوشان نے عورت کی تعریف کی تو وہ جیسے سرشار ہوگئی۔ "کیا دورانِ پرواز آپ میرے ساتھ بیٹھ کر باتیں کرنا پسند کریں گی۔ مجھے یقین ہے کہ میرا بیٹا باتھ روم میں سمز کرنے پر کوئی احتجاج نہیں کرے گا۔"

"احتجاج کیسے کر سکتا ہے۔" عورت نے مسکرا کر جواب دیا اور ٹائیگر کے قریب سے گزر گئی۔

طیارے کے اندر ماحول بہتر تھا لیکن بہت بہتر نہیں تھا۔ اُوشان سفید بالوں والی عورت کے ساتھ بیٹھا ہوا گپ شپ کر رہا تھا ان کا موضوع نوجوان نسل کی بے راہ روی ہی تھا جبکہ ٹائیگر جہاز کے عقبی حصے میں سب سے الگ تھلگ بیٹھا ہوا اونگھنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن درحقیقت وہ پوری طرح سے بیدار تھا اور اس کی سوچوں کا مرکز صرف اور صرف نوگان کی ذات تھی۔ وہ اس کھیل سے تنگ آ چکا تھا۔ اور اس بار اُس نے تہیہ کر لیا تھا کہ وہ نوگان کو صفحۂ ہستی سے مٹا کر ہی چین سے بیٹھے گا۔ اس بار نوگان نے ایک انتہائی اہم شخصیت کو استعمال کیا تھا اور اگر ٹائیگر گوسائنجو کے فنون پر عبور حاصل نہ ہوتا تو نوگان کامیاب ہو ہی گیا تھا۔

"اگر؟" وہ کچھ سوچ کر مسکرانے لگا۔ اُسے خوشی تھی کہ ڈچ مین کی ناکامی کے بعد نوگان کو یہ علم ہو گیا ہوگا کہ اُوشان کا شاگرد اب طوفان پیدا کرنے والوں اور آگ لگا دینے والوں کا بھی کامیابی سے مقابلہ کر سکتا ہے اور یہ شاگرد کی نہیں، اُستاد کی فتح تھی جس پر شاگرد جتنا بھی ناز کرتا کم تھا۔

ٹائیگر کو نوگان سے ہونے والا ہر مقابلہ اچھی طرح یاد تھا۔ آخری مقابلے میں جو ہنگامہ خیز منظر میں ہوا تھا، ٹائیگر بآسانی نوگان کو قتل کر سکتا تھا لیکن وہاں اُس کی غیر ضروری خود پرستی غالب آ گئی اور وہ لڑکی پر بھروسا کر کے نوگان کو ذہنی سہارے سے باندھ کر اوشان کو لینے کے لیے چلا گیا۔ ظاہر ہے لڑکی مری ہوئی ملی اور نوگان غائب۔

اس واقعے کے بعد ٹائیگر کے دل سے نوگان کا رہا سہا خوف بھی دُور ہو گیا۔ بلکہ وہ اس کو کم ظرف ہی نہیں کمزور بھی سمجھنے لگا۔ اُس کے نزدیک اس طرح کی لڑکی کو بے وقوف بنا کر راہِ فرار اختیار کرنا کمینگی، ذلالت اور بزدلی کی انتہا تھی۔

اب ایک بار پھر اُسے یقین تھا کہ نوگان سے آخری مقابلہ ہونے والا ہے لیکن کوالیس پر نوگان کی بجائے اس کا شاگرد موجود تھا اور جرمی پارسل کی ہر ضرب ٹائیگر کو ابھی تک یاد تھی۔ اُسے اچھی طرح یاد تھا کہ ڈچ مین کی ٹانگ کی ضرب کے بعد اُسے ایسا لگا تھا جیسے کسی نے اُس کی ٹانگ میں کچوکے لگا کر ان میں مرچیں بھر دی ہوں۔ وہ صرف اور صرف عملِ تنفس اور ارتکاز کے باعث ہی اُسے جھیل سکا تھا۔ اگر نہ ڈچ مین کی ناکامیابی یقینی ہو گئی تھی۔

ڈچ مین کے بارے میں سوچتے ہوئے ٹائیگر کو نہ صرف علالل تھا کر کشتی میں ہونے والا مقابلہ ناکام رہا۔ جرمی پارسل نے سمندر میں چھلانگ لگا دی تھی اور اُسے آتا زخمی ہونے کے باوجود یہ یقین رہا ہوگا کہ وہ ٹائیگر کے مقابلے میں شارکوں کو زیادہ آسانی سے ہلاک کر سکتا ہے۔

ٹائیگر کے چہرے پر ایک افسردہ سی مسکراہٹ دوڑ گئی۔

جرمی پارسل نے شارکوں سے مقابلے کو ترجیح دے کر دراصل اُسے ہی نہیں اُوشان کو بھی خراجِ تحسین پیش کیا تھا اور ٹائیگر کے سامنے اپنی کمزوری کا اعتراف کر لیا تھا۔

ٹائیگر نے پشت گاہ سے ٹیک لگا کر آنکھیں نیم وا کر لیں۔ خوبصورت ائرہوسٹس اِدھر سے اُدھر جا رہی تھی۔ زیادہ تر لوگ سو رہے تھے۔ اُوشان اور عورت میں گھمسان جاری تھی۔ ایک جوڑا جو ابھی ہنی مون منانے کے لیے سفر پر تھا، جہاز میں رازونیاز بھی کر رہا تھا۔ اس جوڑے کو دیکھ کر ٹائیگر نہ جانے کیوں خوش سا ہو گیا۔ لڑکی اور لڑکا دونوں کم عمر تھے۔ ان کی عمریں بیس سے بائیس برس کے درمیان ہوں گی۔ اُن کے چہروں پر زندگی کی تمام تر مسرتوں کے رنگ موجود تھے۔ اُن کے ہر انداز سے والہانہ پن جھلک رہا تھا... وہ ایک دوسرے سے شدید ترین محبت کرتے تھے... یہ بات بہت واضح تھی۔

تب ہی ٹائیگر کو روبی یاد آ گئی۔ اُس نے آنکھیں موند لیں۔

"روبی۔" اُس کا دل بار بار یہی نام لے رہا تھا۔

ٹائیگر کی آنکھ شور و غل سے ہی کھلی۔ اُس نے چونک کر دیکھا اور پھر نہ جانے کیوں اُسے ایسا لگا جیسے کاک پٹ کی بیرونی دیوار سے بُک جگ کھڑا ہونے والا شخص کُل انسانیت کا دُشمن ہے۔ وہ جیکٹ پتلون اور سفید کرائے بلیٹ میں ملبوس تھا لیکن اُس نے نجانے کیا سوچ کر ہیلمٹ نہیں پہنا تھا۔ جس کے باعث سر سے شانوں تک کا حصہ چھپا ہوا تھا۔ صرف عقابی آنکھیں نظر آ رہی تھیں۔ اُس کے انداز سے صاف ظاہر تھا کہ وہ کوئی قطعی فیصلہ کر کے آیا ہے... اُس کے ہاتھ میں کرائے اور نیما کی توہین کے لیے ایک خطرناک مکمل آٹومیٹک گن بھی موجود تھی۔

لوگ خوفزدہ تھے۔ شاید سب نے اپنی سانسیں تک روک رکھی تھیں۔ ان سب کو خوف کے نوکیلے پنجوں نے دبوچ رکھا تھا۔

ٹائیگر نے اُوشان کی طرف دیکھا۔ اگرچہ عورت بھی بے حد خوفزدہ تھی لیکن اوشان اُسے بار بار تسلی دے رہا تھا۔ "ارے، ہم تو پہلے ہی اس فیصلے پر پہنچ چکے ہیں کہ آج کل کے سب ہی لڑکے ایسے ہوتے ہیں۔ آپ فکر نہ کریں مادام... قطعی فکر نہ کریں۔"

"خاموش۔" سیاہ نجابُڈ کے اندر ہونٹ ہلے تو آواز بھی سُنائی دی۔ یہ کسی یورپی باشندے کی آواز تھی۔ "میں نے یہ جہاز ہائی جیک کر لیا ہے۔"

"مبارک ہو میرے بچے۔" اُوشان نے بآوازِ بلند کہا۔

"خاموش رہو بوڑھے۔" ہائی جیکر نے چیخ کر کہا۔ "یہ زندگی اور موت کا کھیل ہے۔ میں موت کو گلے لگانے کے لیے تیار ہوں لیکن یاد رکھو کہ اگر میرے حکم پر عمل نہیں کیا گیا تو یہ طیارہ کسی پتنگے کی طرح پھٹ کر ریزہ ریزہ ہو جائے گا۔"

"کیا حکم ہے میرے آقا؟" اُوشان کی حرکتوں سے صرف یہ لگ رہا تھا کہ وہ ہائی جیکر کو مشتعل کرنا چاہتا ہے۔

"گولی مار دوں گا۔" ہائی جیکر بُری طرح دہاڑا۔ "پائلٹ کو بُلاؤ۔ میں اُس سے بات کرنا چاہتا ہوں۔" اُس نے شاید رنگ زدلوں والی ائرہوسٹس سے کہا۔

ہنی مون منانے کے لیے سفر کرنے والا جوڑا بالکل ساکن بیٹھا ہوا تھا۔ لڑکی نے لڑکے کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا۔ کچھ اس طرح جیسے، ساتھ جینے، ساتھ مرنے کا عہد نبھانا چاہتی ہو۔

ٹائیگر ہائی جیکر کی سیٹ پر کھڑا ہو گیا۔ اس کے لیے صرف تین افراد کی زندگی قیمتی لگ رہی تھی۔ اُوشان کی اور اس نوعمر جوڑے کی اور وہ ان تینوں کو بچانے کے لیے مجبور اُٹھا تھا۔

"فرمایئے۔" ہوا باز نے کاک پٹ سے نکل کر ہائی جیکر سے پوچھا۔ تجربہ کار ہوا باز کے بال سفید تھے اور چہرے پر نرم سی مسکراہٹ تھی۔ بے حد بے خوفی کے باوجود عمر کے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

بات بہت واضح تھی۔ "آپ کیا چاہتے ہیں جناب؟"

"فیصلے کا رُخ اسرائیل کی طرف کیا جائے۔"

"بہت بہتر لیکن اس کام تک پہنچنے کے لیے ہمارے پاس چوبیس گھنٹے ہیں۔"

"کواس مت کرو... کو ایک ایک کرکے گولی مار دوں گا۔"

گن کا رُخ اب بھی مسافروں کی طرف تھا اور یہ صاف ظاہر تھا کہ اگر اُس نے بیلبی ہادی تو دس بارہ مسافر پہلے ہی حملے میں ہلاک یا زخمی ہو جائیں گے۔

ٹائیگر نے پورے طیارے کا جائزہ لیا۔ وہ ہائی جیکر کے کسی کمزور ساتھی کی تلاش میں تھا لیکن بظاہر اُسے ایسا کوئی شخص نظر نہیں آیا جس کے چہرے پر خوف زدہ جس کی آنکھوں سے ہائی جیکر کے لیے ہمدردی ظاہر آتی ہو۔ یہ ایک انتہائی حوصلہ افزا منظر تھا۔ دوسری اچھی اور مثبت بات یہ تھی کہ کاک پٹ میں کنٹرول کو ان اطلاعات سنبھالنے کی بجائے مسافروں کو یرغمال بنانے کا فیصلہ کیا تھا۔

"میں نے وعدہ کیا تھا کہ... پیڑول صرف لاہور تک کا ہے۔"

"تب... واپس چلو... اور ائرپورٹ والوں سے کہہ دو کہ ایک گھنٹے کے اندر اندر طیارہ... عمر میں پیڑول ڈال دیں۔ ورنہ ایک گھنٹے بعد ہر منٹ ایک لاش لے جائیں۔" ہائی جیکر کا لہجہ بہت تیز تھا اور یہ بات بھی اس کے خلاف جاتی تھی۔

"بہت بہتر جناب۔ آپ کے کچھ مطالبات تو ہوں گے... وہ بھی بیان کر دیں تاکہ میں کنٹرول کو ان کی اطلاع دے دوں۔ ممکن ہے کہ لاہر یکا اُڑنے سے قبل ہی آپ کے تمام مطالبات تسلیم کر لیے جائیں۔" ہوا باز واقعی ہوشیار تھا۔

"ہاں..." ہائی جیکر نے سر ہلا دیا۔ "میرا تعلق بلیک ڈوم سے ہے۔" اُس نے سینہ پھلا کر کہا۔ "شامی حکومت نے ہمارے چھ سو ساتھیوں کو مشق سے گرفتار کرکے پھانسی کی سزا دی ہے۔ میرا پہلا مطالبہ یہ ہے کہ ان تمام افراد کو رہا کرکے واہگہ کے راستے گولان کی سرحد پر لے جا کر اسرائیلی فوج کے حوالے کیا جائے۔"

"دوسرا مطالبہ؟"

"امریہ اور مکہ کو گواہ ٹھہرا قرار دیا جائے اور اس کا انتظام ایک ایسی عام کمیٹی کے سپرد کیا جائے جس میں یہودی بھی شامل ہوں۔"

"تیسرا مطالبہ؟"

"مجھے لاہر یکا ائرپورٹ سے تل ابیب جانے کے لیے ایک تیز رفتار طیارہ فراہم کیا جائے جس میں یرغمال کے طور پر ایک وزیر بھی ہو۔ اُسے تل ابیب میں رہا کر دیا جائے گا۔ بشرطیکہ وعدہ کی حکومتیں مجھے بلیک ڈوم تک کے لیے تین بلین ڈالر ادا کریں۔"

ٹائیگر اس دوران میں غیر محسوس طور پر چلتا ہوا طیارے کے وسط میں پہنچ چکا تھا۔

"میں کنٹرول کو ان اطلاعات سے مطلع کرتا ہوں جناب۔" ہوا باز نے پُرسکون لہجے میں کہا۔ "آپ فکر نہ کریں۔ کیا میں مسافروں سے خطاب کر سکتا ہوں؟"

"کیا کہو گے؟" ہائی جیکر متذبذب ہو کر بولا۔

"یہی کہ وہ پُرسکون رہیں۔"

"ٹھیک ہے لیکن کاک پٹ میں جا کر سراؤنڈ سسٹم پر بات کرو۔"

"شکریہ جناب۔" ہوا باز نے تمام مسافروں پر ایک سرسری سی نظر ڈالی۔ اُس کی نظریں پل بھر کے لیے ٹائیگر پر پڑیں تو ان میں ہلکا سا چمکا ہوتا تھی لیکن وہ فوراً ہی پلٹ گیا۔

عقبی حصے اور بزنس کلاس کے مسافروں کو اس گفتگو کا کوئی علم نہیں تھا اور نہ ہی انہیں اندازہ تھا کہ صورت حال کس حد تک سنگین ہے۔ تاہم ان کی تمام حسیں چیخ چیخ کر خطرہ خطرہ پکار رہی تھیں۔

"خواتین و حضرات!" معاً ہی سراؤنڈ سسٹم پر کیپٹن کی آواز گونجنے لگی۔ اوشان نے مطمئن انداز میں سر ہلایا۔ اُس نے ابھی تک ٹائیگر کو پلٹ کر نہیں دیکھا تھا۔ "کیپٹن جونز آپ سے مخاطب ہے۔ آپ سے درخواست ہے کہ آپ پُرسکون رہیں۔ یہ طیارہ ہائی جیک کر لیا گیا ہے لیکن خطرے کی کوئی بات نہیں اب ہماری منزل لاہر یکا ہے۔ موسم نے ساتھ دیا تو ہم دو گھنٹے میں وہاں پہنچ جائیں گے اور پھر وہاں ہائی جیکر سے مطالبات پر مذاکرات ہوں گے۔ میں ان مطالبات کی تفصیل متعلقہ اداروں کو بھیج رہا ہوں۔"

اسی لمحے کسی بے صبرے شخص نے پیک کر ہائی جیکر سے گن چھیننا چاہی وہ شخص اگرچہ بہت پھرتیلا تھا لیکن اُس کی تمام تر جھپٹ کسی مسافر کی مانگ راہ میں آجانے کے باعث اکارت گئی۔ ہائی جیکر نے ایک زوردار چیخ ماری اور لمبی ہادی۔ گولیاں یہ قسمت بہادر کے جسم میں پیوست ہونے لگیں۔ دو ہر گولی پر اُچھلنے لگا اور ساتھ ہی اس کے جسم کے دیوانوں سوراخوں سے خون اُبلنے لگا۔

یہی وہ لمحہ تھا جس پر ٹائیگر گرفت کر سکتا تھا۔

وہ فضا میں بلند ہوا۔ اس کے دونوں ہاتھ کسی ہیرا کی طرح آگے کی سمت میں تھے اور وہ بہت تیزی سے نشستوں کے اُوپر سے ہوتا ہوا ہائی جیکر کی طرف جا رہا تھا۔ ہائی جیکر نے یہ منظر دیکھا تو اُس نے گن کا رُخ ٹائیگر کی طرف کر دیا لیکن اسی لمحے ٹائیگر اس پر جا پڑا اور اس نے نال ایک کھڑکی کی طرف کر دی۔ تمام گولیاں طیارے کے شیشے پر پڑیں۔ شیشہ چکنا چور ہو گیا اور ہوا اچھر اندر اندر شمس آئی۔ ہوا کا دباؤ اتنا زیادہ تھا کہ جہاری ٹوٹ کیس بھی گرنے اور اڑنے لگے۔ ہائی جیکر نے گن... کا رُخ ٹائیگر کی طرف پھیر کر ناچاہا مگر گن بھی ہوا کی زد میں آگئی اور کسی تنکے کی طرح اُس کے ہاتھ سے نکل کر کھڑکی سے باہر چلی گئی۔

ہائی جیکر نہتا ہو چکا تھا اور ٹائیگر نے اُس کی دونوں کلائیاں پکڑ لی تھیں۔

"خو... خو..." ہائی جیکر بہت طیش میں تھا۔ اُس نے پوری قوت سے گھٹنا ٹائیگر کے پیٹ پر مارا۔ ٹائیگر نے پیٹ کے عضلات نو سعت کر لیے لیکن وہ متوقعہ چیلوں کو نہ بچا سکا۔ ٹوٹی ہوئی پسلیوں پر اگرچہ موٹی مزید مسج تھی لیکن پھر بھی ضرب اس میں شدید ترین تکلیف ہوئی اور ٹائیگر کراہ کر جھک گیا۔

ہائی جیکر کا زوردار قہقہہ بلند ہوا۔ وہ ٹائیگر کے بال پکڑنے کے لیے جھکا مگر اسی لمحے ٹائیگر کسی بھلی کی طرح کوندا۔ اس کے دونوں ہیر قلابازی کھاتے ہوئے ہائی جیکر کے سینے پر لگے اور جونہی ہائی جیکر سینہ کچھ کو جھکا ٹائیگر نے اُس کے بال پکڑ کر کھڑکی کی طرف کھینچنا شروع کر دیا۔

اُسے بے حد وقت کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ کیونکہ ہوا کا دباؤ ایسا ہی تھا جیسے چالیس پچاس من کا وزن بڑھا جا رہا ہو۔ ٹائیگر نے چھپیڑوں میں سانس بھری۔ ہائی جیکر کو دھکا دیا۔ وہ صرف ایک انچ تک آگے گیا۔ ہوا اُسے پیچھے کی طرف دھکیل رہی تھی اور وہ خود بھی کھڑکی کے سامنے سے ہٹنے کے لیے ہاتھ پیر مار رہا تھا۔ اُسے یقین تھا کہ اگر اس کی ایک بھی انگلی کھڑکی سے باہر نکل گئی تو وہ آخری سانس تک اپنی جگہ سے نہیں ہل سکے گا۔ ہائی جیکر کی آنکھیں مارے خوف کے پھٹی ہوئی تھیں اور وہ عجزانی زبان میں کچھ کہہ رہا تھا۔

اُوشان نے ایک رسالہ اُٹھا کر اس کی ورق گردانی شروع کرنا چاہی مگر ہوا کی وجہ سے رسالہ اس کے ہاتھ سے نکل کر عورت کے مُنہ پر جا لگا۔ عورت بہت نروس سے چلائی تو اوشان سر ہلانے لگا۔

تمام مسافر اپنے اُڑتے ہوئے سامان سے بے نیاز نشستوں کے نیچے بیٹھے یا لیٹے ہوئے ہائی جیکر کا حشر دیکھ رہے تھے جبکہ نوعمر جوڑے کے چہرے پر بہت ہی جذباتی مسکراہٹ تھی۔

"کیا... شمی... نجو... ٹائیگر نے اچانک ہی زوردار نعرہ لگایا اور زور سے دھکا دیا۔ وہ خود بھی ایک طرف لڑھک گیا لیکن ہائی جیکر اس طرح کھڑکی کے قریب گیا جیسے سلوموشن میں کوئی فلم چل رہی ہو۔ ٹائیگر نے سطح آب پر اُڑنے کے سے انداز میں دونوں ہیر لٹائے اور کھڑکی کی زد میں آئے بغیر ہائی جیکر کے زیریں حصے پر ضرب لگائی۔ یہ ضرب بہت مؤثر تھی۔ سلوموشن کا عمل ختم ہو گیا۔ ہائی جیکر لڑکھڑایا۔ اس نے ہاتھ پیر مارنے کی کوشش کی مگر ہوا کے دباؤ کے باعث اس کی انگلی تک نہ ہلی اور پھر اس کا سر اس طرح کھڑکی سے باہر چلا گیا جیسے کسی نے اُسے کھینچ لیا ہو۔

"شاباش!" مسافر چلانے لگے۔ وہ ہنس رہے تھے، رو رہے تھے ناچ رہے تھے اور بعض گا بھی رہے تھے۔

ہائی جیکر کا پورا جسم اب طیارے کے اندر تھا... جبکہ سر باہر اور اُس کے بال ہوا میں تنکوں کی طرح ہل رہے تھے۔ اس کی پلکیں تک نہیں جھپک رہی تھیں۔ چہرہ پتھر کی طرح لگ رہا تھا۔ ہوا کے بھرپور تھپیڑے اس کے چہرے میں سوراخ کرنے لگے تھے۔ کھال پھٹنے لگی تھی، ناک مُڑنے لگی تھی، ادکان کٹنے لگے تھے۔

اُوشان نے بالکل درست اندازہ لگایا تھا کہ ہائی جیکر کو موت بہت آہستہ آہستہ اور بہت کرب سے نصیب ہو گی۔ پہلے اُس کی آنکھیں اندر دھنس کر کھوپڑی میں چھپ جائیں گی۔ پھر ہڈیوں کے دباؤ سے کھوپڑی پھٹے گی اور اس کے بعد... اس کے بعد وہ سڑ جائے گا۔

نوعمر جوڑا ٹائیگر کے ہاتھ چوم رہا تھا۔ لوگ ٹائیگر کو شاباش دے رہے تھے۔ کچھ قدم بوسی بھی کر رہے تھے اور بعض منچلوں نے اُس پر بوسوں کی بارش کر دی تھی۔

"سب ایسے ہی نائیگر ہے ہیں!" اُوشان نے غرا کر کہا۔

"کیا مطلب؟" عورت چھپر بند لیہ رسالہ بھول چکی تھی۔

"سب نائیگر ہے ہیں!" اب یہی منظور دیکھ لو۔ کوئی یہ نہیں سوچتا کہ اس معمولی سے کارنامے کا سہرا کس کے سر ہے۔ آخر اُسے تربیت کس نے دی؟ تربیت دینے والے کو تو کوئی پوچھتا ہی نہیں۔ ایسا ہی ہے جیسے جسم کی بجائے سائے کا شکریہ ادا کیا جائے۔"

عورت عجیب سی نظروں سے اُوشان کو دیکھتی رہ گئی۔

ڈبے میں نے ایک طویل سانس لی۔ شارک اس کے دائیں طرف سے کترا کر گزر گئی تھی۔ اُس نے سر کو جھکا اور زیر آب تیرتا رہا۔ اُس کو شدید ترین تکلیف ہو رہی تھی۔ زخموں میں پانی لگ لگ کر درد اور بڑھتا جا رہا تھا۔ اُس کو صرف یہ یاد تھا کہ وہ ناکام رہا ہے... دُنیا کے دو بہت ہی نیک انسانوں کو قتل کرنے میں ناکامی کے باوجود اُسے پچھتاوا نہیں تھا۔ پہلا راؤنڈ ہار جانے کے باوجود اُس نے تو ہمت نہیں ہاری تھا اور وہ اُس وقت کشتی سے کود نا چاہتا جب اُسے وجیہ اور شوخ نوجوان کے ہاتھوں اپنی موت کا یقین ہو گیا تھا۔ اُسے اندازہ تھا کہ سمندر میں خون آشام شارکیں موجود ہیں اور اُس کا صرف ایک ہاتھ سلامت ہے لیکن پھر بھی اسے اعتماد تھا کہ کشتی کے مقابلے میں سمندر کے اندر زندہ رہنے کا کافی امکان ہے۔

جب پہلی شارک نے حملہ کیا تھا تو اُس نے صرف ایک ہی ہاتھ سے اس کا مقابلہ کیا تھا اور پھر اُس کے دونوں پیروں نے بھرپور اعانت فراہم کی تھی لہٰذا شارک کا پیٹ پھٹ گیا تھا۔ چند انچ چھٹی ہوئی کھال ہی کام مکمل کرنے کے لیے کافی تھی۔ وہ اس شگاف میں ہاتھ ڈال کر شارک کی مخالف سمت میں تیرتا ہوا چلا گیا تھا اور شارک کا پیٹ لٹھے کی طرح پھٹتا چلا گیا تھا پھر دوسری، پھر تیسری اور پھر چوتھی شارک بھی اسی طرح انجام کو پہنچی تھی۔ اس کے بعد چھوٹی شارکوں نے راہ فرار اختیار کر لی تھی۔

وہ نہ جانے کب تک تیرتا رہا تھا۔ اُسے دن اور رات کا فرق بھی معلوم نہیں ہو سکا تھا۔ لہٰذا جب وہ تھک کر چُور ہو گیا تو اس نے ساحل کی طرف جانا شروع کر دیا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

مچھر سُبری بحر بیکراں پر بیٹھے ہوئے اسے یہ اندازہ نہ تھا کہ وہ کہاں ہے۔ چند گھنٹے آرام کے بعد اُس نے اُٹھ کر اِدھر اُدھر کا جائزہ لیا۔ یہاں چند بھوری پہاڑیاں نظر آ رہی تھیں۔ وہ اُڑتا گاتا ہوا انھی کی طرف بڑھ گیا۔

وہ زندہ رہنا چاہتا تھا۔ ٹائیگر سے مقابلے کے بعد اس میں زندہ رہنے کی خواہش نے سر اُٹھایا تھا اور سمندر میں شارکوں کے مقابلے کے بعد یہ خواہش تن آور درخت کی طرح بڑھ گئی تھی۔

وہ ایک پگڈنڈی پر پہنچا۔ یہاں سورج غروب ہو رہا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ کم از کم رات بھر اور پھر دن بھر سمندر میں ہی رہا ہے۔

"کون ہو تم؟" اچانک ہی عقب سے ایک آواز سُنائی دی۔ یہ آواز سے زیادہ للکار تھی۔

"میں... زخمی مسافر ہوں۔" جرمی پارسل نے نرم لہجے میں کہا۔ "جہاز سے گر گیا تھا۔ پتا نہیں کس طرح زخمی ہوا۔ شاید میرے دشمنوں نے مجھے زخمی کر کے یہ سوچ کر سمندر برد کر دیا تھا کہ مر چکا ہوں۔ میری مدد کرو... مجھے پیاس لگ رہی ہے۔"

"اوہ۔" پکارنے والا سامنے آ گیا۔ وہ چیتے کی کھال کا لباس پہنے ہوئے تھا۔ اُس کا باقی جسم ننگا تھا۔ "تم تو واقعی بہت زخمی ہو۔ جہاز سے کس طرح گرے تھے؟"

"مجھے کچھ بھی یاد نہیں۔ دوست! لیکن صرف یہ بتا سکتا ہوں کہ کل رات یہ واقعہ ہوا تھا۔"

وہ بستی ماہی گیروں کی تھی۔ چند خاندان ہی یہاں آباد تھے۔ سو سے کم نفوس کی یہ آبادی اجتماعی رہن سہن کی علامت تھی۔ سب ساتھ شکار کرنے اور ساتھ کھاتے تھے۔ ان میں شادیاں بھی آپس ہی میں ہوتی تھیں۔ سامنے پہاڑوں پر اسی نسل کے قبائل آباد تھے لیکن وہ بستی والوں کے مقابلے میں بہت زیادہ شرمیلے تھے۔ انتقام ان کی گھٹی میں پڑا ہوا تھا اور انھوں نے ایسے لوگوں کو جو شرافت کی زندگی گزارنا چاہتے تھے قبیلے سے نکال دیا تھا اور یہی دھتکارے ہوئے لوگ اس بستی میں آباد تھے۔

ماہی گیروں نے جرمی پارسل کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اُس کے زخموں پر کافی ناگوار چیز ملی اور پینے کو سُوپ دیا۔ جرمی نے شاید ایسا سُوپ سات آٹھ برس بعد پایا تھا۔ ابھی اُس نے آدھا پیالہ ہی ختم کیا تھا کہ اُسے نیند آ گئی۔ گہری نیند...

*

وقت زخموں کو مندمل کر دیتا ہے۔ حادثے قصۂ پارینہ بن جاتے ہیں۔ دلوں کے گھاؤ تک وقت گزرنے کے ساتھ بھرتے رہتے ہیں۔ نیا ماحول چند ہفتوں بعد ہی مانوس لگنے لگتا ہے۔ اجنبی اپنے ہو جاتے ہیں اور غیر دشمن نہیں رہتے۔ اُس نے ایک کڑے مقابلے کے بعد اپنی نئی زندگی کا آغاز کیا اور پھر ماہی گیروں کی بستی کو چھوڑ کر پہاڑوں پر چلا گیا...

شاید دُشت شرافت راس نہیں آئی تھی۔ غالباً وہ مسلم مرتفع پر رہنے سے گریز کرتا تھا۔ وہ چوٹیوں کا دیوانہ تھا۔ اسے وحشت پسند تھی۔ وہ مکرانی کا للاؤ تھا۔ وہ صرف اور صرف مکرانی چاہتا تھا۔ ایک خاص مقصد کے لیے۔ اپنی آخری خواہش پوری کرنے کے لیے۔ اُس کو اُن دونوں کے چہرے یاد تھے۔ اُن کی ہنسی یاد تھی۔ اُن کی باتیں یاد تھیں۔ اُن کے نقوش اُس کے دل پر اس طرح نقش ہو چکے تھے جیسے کسی نے پتھر میں چہرے اُبھار دیے ہوں۔

★★

زرد چہروں کے رُوبرو موجود پتھر بہت سرد تھا۔ اُس کی چار آنکھیں تھیں۔ سینے پر آہنی زرہ بکتر تھی۔ سر بھی آہنی خود تھا اور قریب ہی ایک نہر بہہ رہی تھی۔ جو نہر سے نہاں بنتے ہوئے چاندی کا راستہ نظر آ رہی تھی۔ لیکن کوئی بھی اس نہر سے پانی نہیں پیا کرتا تھا۔

یہ پتھر بہت پُرانا تھا۔

جنگجو قبائل کے جنم اور شاہی خاندانوں کی پیدائش سے قبل بھی یہ پتھر موجود تھا۔

اُس کا وجود ایرک ٹولیٹک اور ساماقبیلوں کے جنم سے پہلے بھی موجود تھا۔ یہ اکیٹال قبیلے سے پہلے کا پتھر تھا اور اس قدیم ترین قبیلے نے اسے پناہ ذاتی دیوتا قرار دیا تھا۔

اُس کا قد کسی بادشاہ کے قد سے بھی اُونچا تھا۔ لوگوں میں یہ روایت زبان زدِ عام تھی کہ اُس کے پیٹ کے اندر زادیوں کو خود دیوتا دیوتاؤں نے تراشا ہے اور ان لوگوں نے اس کی پوجا کی جو مگرمچھ کے مُنہ سے نکلے تھے اور جو بھی اس روایت کو نہیں مانتا تھا اُسے اکیٹال قبیلے میں جگہ نہیں ملتی تھی۔ ایسے کسی بھی شخص کو نہ تو دیوتا کے محل میں داخلے کی اجازت تھی اور نہ ہی پتھر کے قریب پھٹکنے کی۔ ان کا کہنا تھا کہ اگر کسی بے عقیدہ اور بے دین شخص کی انگلی بھی پتھر سے لگ گئی تو دیوتا ناراض ہو جائیں گے۔

لوگ اس پتھر کو ایکیٹک کہتے تھے۔

لیکن اُس کا اصلی نام کیا ہے؟ اس کا علم مہنت بی کو تھا۔

زرد رُو افراد کی آمد کے ابتدائی برسوں میں اکیٹال کے جنگجو شہنشاہ نے ایکیٹک کے پانچ پجاریوں کو چُن چُن کر ہلاک کر دیا تھا۔ یہ پجاری محل میں طلب کیا جو ۴۲ قدم اُونچا تھا۔ اس محل سے ایکیٹک کو شمالی ہواؤں اور شمالی روشنیوں سے بچایا جاتا تھا۔

"حال ہی میں آنے والے زرد رو افراد کے بارے میں آپ حضرت کی کیا رائے ہے؟" شاہ اکیٹال نے پوچھا۔

"میکم کا کہنا ہے کہ وہ دیوتا ہیں۔" مہنت نے جواب دیا۔

"میکم کا کہنا ہے کہ جب وہ فاقہ توڑنے کے بعد سانس لیتا ہے تو

بھی سانس لینے لگتے ہیں۔" شہنشاہ نے کہا۔

"میکم ایسا بادشاہ ہے جو دیوتاؤں کے راستے پر چلتا ہے۔" مہنت نے تصحیح کرتے ہوئے کہا۔ "کہا جاتا ہے کہ میکم کے ایزک اپنے دیوتاؤں کی زیادہ پوجا صرف اسی لیے کرتے ہیں کہ ان کا بادشاہ بھی مہنت ہے۔"

"زندگی کا مقصد یہ نہیں کہ انسان تا زندگی پرو ہت بن کر رہے۔" شاہ نے جواب دیا۔ "میرا عقیدہ یہ ہے کہ بارش کرانے کے لیے کسی بچے کا کنویں میں پھینکنا ضروری نہیں۔ میرا یہ بھی یقین ہے کہ اگر مور قوتوں کو کنوؤں میں ڈالا جائے تب بھی بچے جنم لیتے رہیں گے۔ استقرارِ حمل کے بعد ان جوڑوں کو کنوؤں میں پھینکنا قطعی ضروری نہیں۔ میں جانتا ہوں کہ میری فتوحات سے تمہارا مذہب خطرے میں ہے۔ وجہ یہ ہے کہ میری فوج اُونچے مقامات پر موجود چوٹیوں سے لڑتی ہے جبکہ میرے دشمن نشیبی علاقوں میں رہتے ہیں۔"

"کیا آپ یہ نہیں چاہتے کہ آپ کو ایکیٹک کا اصلی نام معلوم ہو جائے تاکہ آپ بھی اسی طرح ایکیٹک سے گفتگو کر سکیں جس طرح ہم اس سے کرتے ہیں؟"

"مگر کس لیے؟" اکیٹال کے شاہ نے مسکرا کر پوچھا۔ "کسی بے جان چیز کا کوئی نہ کوئی نام ضرور ہے۔ بلکہ اسی طرح جیسے ہم جھوٹوں کو ہوا کا جھونکا کہتے ہیں۔ میں نے تمھیں اس لیے نہیں بُلایا کہ برسوں بعد تمھاری تقلید کا اعلان کروں۔ حالات وہی رہنے دو، جیسے چلتے چلے آئے ہیں۔ تم لوگوں کو دیوتا فراہم کرتے رہو۔ میں لوگوں کو تم سے چھیننے کی کوشش نہیں کروں گا میں صرف یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ ان لوگوں کے بارے میں کیا خیال ہے جن کا رنگ بادلوں جیسا ہوتا ہے؟"

"ایکیٹک کو اپنے پانی کے لیے اُن کے دیلوں کی ضرورت ہے۔" پروہت نے کہا۔

"میکم کا کہنا ہے کہ دراز قامت والے شخص کو چار پیروں والی پیلی سزا دے دی جائے۔" دوسرے نے پیغام پہنچانے والے انداز میں کہا۔

"میکم کا یہ بھی کہنا ہے کہ ان سفید فام افراد کے دل ایکیٹک کے نذر کیے جانے چاہئیں۔"

"کیا میکم نے یہ کہا ہے کہ ایزکوں کو ان سفید فاموں کے دل، موت کی سلاخوں کے ساتھ دیے جائیں یا..." اُس کی یہ خواہش ہے کہ اکیٹال اُن کے دل نکالیں؟" شاہ اکیٹال نے پوچھا۔

"میکم کا کہنا ہے کہ یہ انتہائی شاندار قربانی ہو گی اور ایکیٹک کے حضور یہ قربانی پیش کرتے ہوئے ہمیں خوش ہونا چاہیے۔" ایک پروہت نے کراہ کر کہا۔

"تب پھر تعلیم میکم کو ہی ان کے دل نکالنے چاہئیں۔" شاہ نے ہنس کر کہا۔ "وہ ان دونوں کو کوکو کی ٹولی میں سانپ دیوتا کے حضور پیش کر سکتا ہے۔"

اُس کا کہنا ہے کہ ایزکوں کے یہ قربانی خود پیش کرنے کا فیصلہ کر کے اکیٹال کی عزت بخشی ہے۔ اس طرح اس نے ایکیٹک کو خراج پیش کیا ہے تاکہ ہمارا دیوتا شرح اور تازہ لہو سے سیراب ہو سکے۔"

"تب پھر میں بھی اسی فاضلی سے اس پیش کش کا جواب دوں گا۔" شاہ اکیٹال نے کھڑے ہو کر دونوں ہاتھ سر سے بلند کیے۔ اس کا انداز واقعتاً شاہانہ تھا۔ "میں ایک عظیم ایزک قبیلے کے عظیم شاہ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ میں شہنشاہ اکیٹال فاتح ایما، اکوپال اور زیرویک جو ایکیٹک کو ضیافتوں سے محظوظ رکھتا ہے۔ میکم سے کہنا ہوں کہ میرے پرکھوں کی تمنا ہو تم ہو... ہم تمھاری فیاضی اور دوستی کے جذبوں کی قدر کرتے ہیں اور جواب میں ایزک اور ان کے عظیم شاہ کو تحفہ پیش کرتے ہیں۔"

شاہ اکیٹال کی ایک مختصر سی تقریر کے دوران پجاری مقدس نشان سینے پر بناتے رہے۔ وہ ہر اسرار سے واقف تھے۔

پانچ سو سال بعد ایک ایسی سرزمین میں جہاں لوگ پڑھے لکھے ہوں گے کوئی اسرار باقی نہ رہے گا۔ آثارِ قدیمہ کے ماہر مُردہ ثقافتوں سے گفتگو اور ان کا مطالعہ کرنے کی کوشش کریں گے۔ اُن کی خواہش ہو گی کہ نشانوں سے بھری ہوئی لکھی کے مطالعے کی بجائے وہ صرف نصف گھنٹے کے لیے ماضی میں واپس چلے جائیں اور تفصیلی رپورٹ حاصل کر لیں لیکن گرد و کسی اوسط درجے کے اکیٹال سے بات کرنے میں کامیاب ہو گئے تب بھی انھیں یہی پتا چلے گا کہ کھنڈروں پر بنے ہوئے تمام نشانات اُس کے لیے بھی معنی خیز ہیں۔ وہ اتنا ہی بتا سکے گا کہ بادشاہ بہت شاندار زندگی گزارتا تھا، لوگ انتہائی مہذب تھے۔ پروہت اور مذہبی پیشوا ایکیٹک کی خدمت میں رہتے تھے اور ایکیٹک کا اصلی نام ان پروہتوں کے سوا کسی کو نہیں معلوم تھا۔ یہی لوگ ایکیٹک سے باتیں بھی کرتے تھے۔

پانچ سو سال بعد صرف ایکیٹک ہی باقی رہے گا۔ ایزک فنا ہو جائیں گے۔ مایا اور انکا قبائل کا وجود تک نہ رہے گا۔ اکیٹال کا نام تک مٹ جائے گا۔ ایما، اکوپال اور زیرویک نامی مفتوح اقوام اپنا بیج تک کھو بیٹھیں گی۔

سب کچھ بھلا دیا جائے گا لیکن ان پانچ سو برس بعد بھی ایکیٹک سلامت رہے گا... وہ ایک ایسی سرزمین میں ہو گا جسے امریکہ کہا جائے گا۔ جنون اور قربانی، دہشت اور خوف کی اس سے وابستہ کہانیاں رقم ہوتی رہیں گی۔

خون سے دی جانے والی ایسی قربانیوں کا آغاز اس روز ہی ہو گیا تھا جب شاہ اکیٹال نے سپاہ نوی حملہ آوروں سے مڈبھیڑ سے گریز کیا تھا۔ اس کا یقین تھا کہ آنے والے دیوتا نہیں بلکہ دوسری رنگت کے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

انسان ہیں۔

پروہت سوچتے رہے اور اپنے سینوں پر مقدس نشانات بناتے رہے۔ بادشاہ کی تقریر جاری رہی۔

"میں اپنی قوم کی طرف سے عظیم ایزکوں اور عظیم میکسم کو تحفہ دیتا ہوں۔ میں آہنی خود اور آہنی زرہ بکتر میں ملبوس آنے والی نسل کے دلوں پر ایزکوں کا حق تسلیم کرتا ہوں۔"

"مگر یہ انتہائی نیا نشانہ پیش کش ہے۔" ایک پروہت نے اعتراض کیا۔ "اس کے بعد اکیٹیال ہمیشہ ایزکوں کے سامنے شرمندہ رہیں گے۔ ایکیٹیک خود بھی کولڈرکوٹلوں سے حسد کی آگ میں جلتا رہے گا۔"

"بس اب کوئی اعتراض پیش نہ کیا جائے۔" شاہ نے اسے خاموش کر دیا۔

بات صرف یہ تھی کہ اس پیش کش سے ایکیٹیک ناراض نہ ہو جائے چنانچہ اسے خوش کرنے کے لیے ایک چھوٹی سی قربانی لازمی ہو گئی تھی۔ ایک نوخیز لڑکی کو جس نے عفوان شباب میں دو قدم ہی رکھے تھے۔ اس قربانی کے لیے منتخب کیا گیا۔ اس کا تعلق بہت اچھے خاندان سے تھا۔ وہ نازدوں کی پلی ہوئی تھی۔

لڑکی کو نیلے رنگ کا شاہی لباس پہنانے سے قبل اُسے۔ خوشبوؤں سے غسل دیا گیا۔ اُس کے چہرے پر رنگوں سے خوبصورت بیلیں بوٹیاں بنائی گئیں اور پھر اُسے دیوتا کے قریب اس پتھر پر لٹا دیا گیا جس کے نیچے دیوتا کے پینے کے لیے پانی جمع ہوا کرتا تھا۔

اُس کے گھر والے قہقہے لگا رہے تھے لیکن غم اور یاس کے خونخوار درندے نے اُن کے دلوں کو مجروح کر رکھا تھا۔

ایک پروہت نے لڑکی کی ایک پنڈلی پکڑلی دوسرے نے دوسری' باقی دو نے اس کی کلائیاں پکڑ لیں۔ چاروں بہت طاقتور تھے۔ ان کا قوی ہونا ضروری بھی تھا کیونکہ نہ ہنسی خوشی قربانی کے لیے پیش ہونے والا شخص بھی آخری وقت میں بچنے کے لیے انتہائی غیر معمولی طاقت کا مظاہرہ کرتا تھا۔

لڑکی بہت خوبصورت تھی اور مہاپروہت کو اب ملال ہو رہا تھا کہ اُس نے قربانی سے قبل لڑکی کو پاک کرنے کے لیے اپنے بستان میں کیوں نہیں رکھا۔ اُس کے دانت موتیوں کی طرح چمک رہے تھے۔ آنکھیں بیدار اور کالی تھیں۔ مہاپروہت نے لڑکی کے اہل خاندان کی طرف دیکھا۔ وہ مسکرا رہے تھے۔

پروہت نے بڑی نفاست سے لڑکی کے گاؤن کا ایک پرت الگ کیا۔ وہ اتنی نرمی سے کام لے رہا تھا کہ لڑکی کی پل بھر کو یہ سمجھی کہ اسے چھوڑ دیا جائے گا۔

لیکن پھر اچانک ہی جڑاؤ خنجر چمکا' سینے میں پیوست ہوا' اور پھر دہشت نے بڑی پھرتی سے لڑکی کا دل باہر کھینچ لیا۔

دل بھی بہت خوبصورت تھا اور پروہت کے ہاتھ میں آجانے کے باوجود دھڑک رہا تھا۔

لڑکی کی دلخراش چیخ سن کر لوگ جھوم اُٹھے۔ اُنھیں یقین تھا کہ اس چیخ کو دیوتا ٹیکیٹک نے بھی سُنا ہوگا اور اس کی بھوک بڑھ گئی ہوگی۔

پروہت نے دھڑکتے ہوئے دل کو بلند کیا تاکہ ہر شخص اسے دیکھ سکے... لڑکی کی ماں مزید برداشت نہ کر سکی۔ وہ چیخی اور گھٹنوں کے بل گر گئی۔ بستگی بال مٹھیوں اور تالیوں سے گونجنے لگا۔ اس کے قبل کہ دل کا دھڑکنا بند ہوتا پروہت نے اسے کنویں میں ڈال دیا اس کے بعد باقی چار پروہتوں نے لڑکی کے جسم سے قیمتی قبا الگ کر کے جسم کو بھی دل کے پاس بھیج دیا۔

بادشاہ یہ سب کچھ مسکرا مسکرا کر دیکھ رہا تھا لیکن اُس کا دل رو رہا تھا۔ جب وہ بچہ تھا تب ہی اس کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ دیوتا کو گوشت خون اور دل کی ضرورت نہیں۔ یہ ضرورت ان لوگوں کی ہے جو مذہب کے ماہر بنتے ہیں۔

اس نے اپنی بستی کی طرف دیکھا۔ وہ جس سرزمین پر راج کرتا تھا اس کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک پہنچنے میں بیس روز لگ جاتے تھے۔ یہ بڑی سلطنت تھی لیکن ظلم اور قربانی کی تقریبات دیکھ کر اسے یقین آجاتا تھا کہ ایک دن سب کچھ تباہ ہو جائے گا۔ اس کے لوگ جو کچھ بولتے ہیں' وہ بولی بھی تباہ ہو جائے گی لیکن اُس کی دلی خواہش یہی تھی کہ فنا کا یہ کھیل کسی دوسری قوم کے ساتھ کھیلا جائے۔

تمکین پانیوں سے آنے والے لوگوں کے بارے میں وہ بہت کچھ جانتا تھا۔ اسے ان کی خواہشات کا بھی اچھی طرح اندازہ تھا۔ وہ محض سیلی دھات اور غلام ہی نہیں مانگتے تھے' اُن کی خواہشات اُس کے اپنے جاسوسوں کے مطابق بہت زیادہ تھیں۔ وہ بھی دیوتا کی پوجا کیا کرتے تھے۔

شاہ نے اپنے جاسوسوں کے ذریعے ان پیلے اور زرد چہرے والوں سے یہ معلوم کرایا کہ کیا وہ اپنے دیوتاؤں میں ایک اور دیوتا ایکیٹیک کو بھی شامل کر سکتے ہیں لیکن جب اسے اس سوال کا جواب ملا تو اُسے یقین ہو گیا کہ اکٹیٹائی ایزک اور مایا سب فنا ہو جائیں گے۔ ان کا جواب یہ تھا۔

"میرے سامنے کسی اور دیوتا کی پرستش نہیں کی جانی چاہیے۔"

یہ ان اجنبیوں کے سردار یا بادشاہ یا دیوتا کا جواب تھا۔

اجنبیوں کا سردار یا بادشاہ یا دیوتا' سونا چاندی' جواہرات

برہمچاری

انوار صدیقی

ایک ایسے شخص کی کہانی ہے جو پراسرار علوم کے حصول میں تارک الدنیا تو نہیں ہوا لیکن اتنا طاقت ور ہو گیا کہ خود کو سب سے زیادہ قد آور اور حرفِ آخر سمجھنے لگا۔

انسان جب غرور اور تکبر کے نشے میں سرشار ہو تو پھر دوسری قوتوں سے ٹکرانا بھی اپنا پیدائشی حق سمجھنے لگتا ہے۔ بڑائی کا دعویٰ کرنے والے فرعون ہر دور میں پیدا ہوتے رہے ہیں لیکن رحمانی قوتوں کے سامنے ان کی فرعونیت پانی کے بلبلے سے زیادہ ناپائیدار ثابت ہوئی ہے۔

انکا۔ اقابلہ۔ سوناگھاٹ کا پجاری، غلام روحیں۔ امریبل اور خبیث کے بعد انوار صدیقی کا ایک اور پراسرار ناول، نیکی اور بدی کا خوفناک تصادم

خوبصورت سرورق

بہترین طباعت

قیمت

۱۵۰/- روپے

کتاب اپنے قریبی بک سٹال سے طلب فرمائیں یا اندراج کے نام کی قیمت کا منی آرڈر آنے پر روانہ کر دیا جائے گا۔

کتاب آپ کو بذریعہ رجسٹری آسان قسطوں پر بھی بھیجی جائے گی۔

خط و کتابت کے لئے

مکتبہ القریش سرکلر روڈ، اردو بازار، لاہور ۲

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

عقاب

اسلم راہی ایم اے قیمت -/۵۰ روپے

یا خون نہیں مانگتا تھا۔ اسے شاہ اکیشالی کے آدمیوں... عوام کے دماغوں کی ضرورت تھی۔ اُسے ان کے مغز درکار تھے۔ وہ ایکٹیک کی طرح بے وقوف نہیں تھا جو پُروں والی قبا کے چڑھاوے سے ہی خوش ہو جایا کرتا تھا۔

شاہ نے اس بات کا ذکر اپنے ہمنتوں اور پروہتوں سے اس وجہ سے نہیں کیا کہ وہ بھی احمق تھے اور اُسے خدشہ تھا کہ وہ جذبات میں آکر کوئی ایسا احمقانہ اقدام اُٹھا بیٹھیں گے جس سے تباہی اور زیادہ جلد آئے گی۔ نووارد بہت ذہین تھا۔ اُس کے خلاف کوئی پرانا اور فرسودہ ہتھکنڈہ مؤثر ثابت نہیں ہو سکتا تھا۔

قرائی کی اس شام، شاہ نے اعلان کیا کہ کئی روز تک تخلیے میں رہ کر عبادت کرے گا لیکن یہ اعلان محض لوگوں کے لیے تھا۔ اُس نے غلاموں جیسا لباس زیب تن کیا، اپنے وفادار اور معتمد جنگجو کو ساتھ لیا، پوٹلی میں پیلی دھات کے ڈھیلے بھرے اور چل کھڑا ہوا۔ جنگجو کے لیے سب سے بڑا مسئلہ یہ ثابت ہوا کہ وہ شاہ کے ساتھ ایسا سلوک کس طرح کرے جس سے شاہ غلام نظر آئے۔

وہ راتوں کو پیدل چلتے تھے اور دن چڑھتے ہی کہیں پڑ کر سو جایا کرتے تھے۔ بتیس روز تک وہ اسی طرح سفر کرتے رہے اور میکم کے شہر سے بھی گزر گئے۔ پھر ایک صبح انھوں نے خود فروش کر دینے والا ایک منظر دیکھا۔

ایک غیر معمولی دراز قد شخص، جس کے چہرے پر بھی بال تھے اور جس کے سینے اور سر پر چمکدار دھات کا زیور نظر آ رہا تھا، ان کے قریب سے گزرا۔ اس کی چال نالیں تھیں "دو آگے دو پیچھے"... اسے دیکھتے ہی جنگجو شاہ کے سامنے ڈھال بن گیا لیکن اس مرتبہ شاہ نے اُسے آخری بار خبردار کیا کہ وہ اسے غلام ہی سمجھے... اور یہ بھی کہ اب وہ اسے خبردار نہیں کرے گا۔

دونوں اپنی کمین گاہ سے جونہی نکلے، اس دراز قامت شخص نے اپنا تیر ان کی طرف تان لیا۔ یہ عجیب تیر تھا۔ اس میں نوکیلی انی کی جگہ ایک سوراخ نظر آ رہا تھا، پھر اچانک ہی شاہ کو ایک اور سر نظر آیا... پھر شاہ کو اندازہ ہوا کہ وہ شخص اتنا طویل القامت کیوں لگ رہا ہے اور یہ کہ اس کی چار ٹانگیں کیوں نظر آ رہی ہیں۔

وہ ایک جانور پر سوار تھا۔

شاہ کو یہ بات اچھی طرح معلوم تھی کہ جنوب والوں نے جانوروں کو باربرداری کے لیے سُدھا رکھا ہے لیکن اسے یہ علم نہیں تھا کہ کوئی جانور کو انسانوں کو لانے لے جانے کے لیے بھی سُدھا سکتا ہے۔ پھر شاہ کو یہ بھی اندازہ ہوا کہ دھات کا زیور دراز قامت شخص کے جسم کا حصہ نہیں۔ اسے بعد میں یقین بھی ہو گیا۔ کیونکہ جب اُسے ایک بڑے نیزے میں لہرایا گیا تو وہاں بہت سے لوگوں کے سروں کے بال بھی نظر آ رہے تھے۔ وہاں جانوروں پر لوگ سوار نہیں تھے۔ ساحلی علاقوں کی ایک ملکہ اُونچی کرسی پر بیٹھی ہوئی نظر آئی۔ اُس کے قریب ہی ایک شخص بیٹھا ہوا تھا، عورت ہونے کو بان بول رہی تھی اور وہ جنگجو سے مخاطب تھی۔ ہدایات کے مطابق جنگجو نے خود کو اکیشالی ہی ظاہر کیا اور پھر وہ خاموش ہو گیا۔

عورت نے نیزے کی زبان میں سوال کیے۔ جواب ملنے کے بعد اُس نے ساتھ بیٹھے ہوئے شخص کو کسی اور زبان میں کچھ بتایا، شاہ اُس کا ایک ایک لفظ بغور سن رہا تھا کیونکہ اسے یقین تھا کہ آگے چل کر اسی زبان سے وہ اپنے لوگوں کو پہچان سکتا ہے۔

جنگجو نے عورت کو بتایا کہ اُس نے اس غلام کو میکم کے شہر سے فرار ہوتے ہوئے پکڑا ہے۔

عورت ایک بار پھر ساتھ بیٹھے ہوئے شخص کو کچھ کہنے لگی۔ وہ میکم کا صحیح تلفظ ادا کر رہی تھی جبکہ مرد اسے صرف مکم کہہ رہا تھا۔

جنگجو نے عورت کو بتایا کہ یہ غلام بہت حقیر ہے اس کی وجہ اُس نے میکم اور ایزکوں کی عزت کو قرار دیا۔ اس کے بعد عورت نے اپنی زبان میں کچھ کہا۔ اس کے ساتھ بیٹھا ہوا مرد کچھ بولا پھر ماحول کشیدہ ہو گیا۔

عورت نے اس بار تلخ لہجے میں جنگجو کے بیان پر اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ ایزک غریب لوگ نہیں، میکم کے کمرے سونے سے سجے ہوئے ہیں۔

"نہیں۔ ان کے پاس سونا نہیں۔" جنگجو نے جواب دیا۔ "صرف غلام ہیں کمزور اور ناتواں غلام۔"

یہ سنتے ہی شاہ اکیشالی نے پوٹلی میں بندھا ہوا سونا نیچے پھینک دیا۔ سونے کے جھلملاتے ہوئے ڈھیلے گرے تو افراتفری سی مچ گئی۔ شاہ اکیشالی کا منصوبہ بھی یہی تھا۔ کئی زرد چہرہ لوگوں نے تو ڈھیلے اُٹھا اُٹھا کر مٹھیوں میں بھی رکھ لیے۔ یہ منظر دیکھ کر شاہ اکیشالی نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔ "اوہ، عظیم ملکہ! یہ لوگ سُنہری ریت سے اتنی محبت کیوں کرتے ہیں؟"

عورت کے چہرے پر کئی رنگ آ کر گزر گئے۔

"کیا تم نے یہ سونا میکم کے علاقے سے چوری کیا ہے؟" اُس نے تھرتھراتی ہوئی آواز میں کہا۔ سونا دیکھ کر اُس کی آنکھیں بھی چمکنے لگی تھیں

"ہاں۔ یہ سونے سے بھرے ہوئے کمروں میں سے ایک کمرے کا معمولی حصہ ہے عظیم ملکہ۔"

عورت نے تیزی سے اجنبی زبان میں اپنے ساتھی سے کچھ کہا تو وہ شخص اُٹھ کر رقص کرنے لگا، پھر اُس نے فاصلہ طے کر کے جنگجو کے دو تھیلے بھر دیے۔ "اس جھوٹے سکار اور فریبی کو موت کے گھاٹ اُتار دو۔" اُس نے حکم دیا۔

یوں غلام بادشاہ پر ان لوگوں کا اعتماد ہو گیا، پھر غلام بادشاہ کے شوہر اور اُس کنبے پر اُس شخص نے، جس کا نام بعد میں کورٹیز معلوم ہوا، میکم کے شہر کا مشکل ترین محاصرہ شروع کر دیا۔

محاصرہ مہینوں تک جاری رہا۔ اس دوران شاہ، جس کو ابھی تک وہ لوگ غلام ہی سمجھتے تھے، کبھی کبھی چھوٹی موٹی معلومات اُگل آتا تھا۔

وہ جتنی معلومات فراہم کرتا تھا، ان سے کہیں زیادہ سیکھتا بھی تھا۔ شاہ نے سیکھنے کے عمل میں اُسے کلف بھی آ رہا تھا اور سکون بھی محسوس ہو رہا تھا۔ اس نے نئے دیوتا کے ایک پجاری سے ان کی زبان سیکھی۔ اُسے علم ہوا کہ کھوپری سے نکلنے والی آواز سے کوئی ہلاک نہیں ہوتا، بلکہ کھوپری کے سوراخ سے کوئی چیز بہت تیزی کے ساتھ نکلتی ہے اور جسم میں پیوست ہو جانے پر موت کا باعث بنتی ہے۔ اُسے یہ بھی پتا چل گیا کہ اس کھوپری کو بندوق کہتے ہیں۔ بعد میں اسے یہ بھی معلوم ہوا کہ بڑی بندوق کو توپ کہتے ہیں جس میں سے گولی نہیں گولا نکلتا ہے۔ ایک شب اُس نے گھوڑ سواری کی کوشش کی اور اس کوشش کے دوران مرتے مرتے بچا۔

اُسے سب سے اہم بات یہ معلوم ہوئی کہ یہ لوگ دیوتاؤں پر انسان کو قربان نہیں کیا کرتے تاہم اُسے وہاں ایک عنصر مزدور نظر آیا تھا۔ میکم کا شہر سُرنگوں ہو گیا۔

وہ لوگ خود کو یورپی کہتے تھے۔ اُن کے طور طریقے قبائلی طریقوں سے بہتر تھے، وہ انھیں پسند کرنے لگا تھا لیکن وہ یہ نہیں چاہتا تھا کہ میکم کے لوگوں کی طرح اس کے لوگ بھی خانہ بربار ہو جائیں۔ وہ اپنے لوگوں کو بچانا چاہتا تھا۔

پھر اچانک ہی ایک روز یورپی مالکوں کے ایک مقامی مخبر نے شاہ اکیشالی کو وہاں دیکھ کر فوراً پہچان لیا۔ وہ گرتا پڑتا ہوا کورٹیز کی عورت کے پاس گیا۔

"وہ غلام نہیں ہے ملکہ۔" مخبر نے کہا۔ "وہ ایشیائیوں کا بادشاہ ہے۔"

تبھی شاہ کی طلبی ہوئی۔

"تم نے غلام کا بہروپ کیوں بھرا؟" عورت نے بڑی حیرت سے پوچھا۔ "اگر تم اپنی اصلیت ظاہر کر دیتے تو تمھیں اسی انداز میں خوش آمدید کہا جاتا۔"

"کیا تم نے یہ بات کورٹیز کو بتا دی ہے کہ میں بادشاہ ہوں؟" شاہ اکیشالی گھبرا کر بولا۔

"میں یہ بات سورج طلوع ہونے سے قبل اُسے بتا دوں گی۔" عورت کا جواب دو ٹوک تھا اور شاہ اکیشالی اپنی شناخت برقرار پوچھنے کا تہیہ کر چکا تھا لہٰذا اُس نے قریب پڑا ہوا ایک تیز دھار چاقو اُٹھا کر عورت کی گردن کاٹ دی۔

جب اُس نے خون آلود ہاتھ دھو لیے۔ اور ہاتھ خشک ہو گئے تو وہ کورٹیز کے پاس گیا۔ اس نے لالچی کورٹیز کو بتایا کہ میکم کے شمال میں ایسے بھی علاقے ہیں جہاں خالص سونا ملتا ہے، جہاں دیواریں تک سونے کی ہیں اور راستوں پر بھی سونا بچھا ہوا ہے۔

"تم نے مجھے یہ بات پہلے کیوں نہیں بتائی؟"

"اوہ۔ عظیم آقا۔ تمھاری عورت نے مجھ سے ایسے کمروں کے بارے میں پوچھا تھا جہاں سونا بھرا ہوا ہے۔ ایسے کمرے صرف میکم کے شہر میں تھے لہٰذا میں نے اس کا جواب دے دیا۔ میکم کے شمال میں سونا بچھی کرگرس میں نہیں رکھا جاتا لوگ سونے کی اینٹوں سے گھر تعمیر کرتے ہیں۔"

کورٹیز کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ اُس نے تئیں ہم کی تیاری کا حکم دیا، اس ہنگامے میں مترجم عورت کی موت پر کسی نے توجہ نہ دی۔ شاہ اس عورت کو اب تک ملکہ اور کورٹیز کی عورت سمجھتا رہا تھا۔

وہ چودہ روز تک شمال میں سفر کرتے رہے اور پندرھویں شب پہاڑوں کے درمیان شاہ ان کے درمیان سے نکل گیا۔

راہبر کی عدم موجودگی کے باعث کورٹیز جو حملہ بار بار پسپا کیا لیکن صبیلوں بعد بھی لوگ کورٹیز کی نامکمل مہم کو مکمل کرنے کی کوشش میں ان راستوں کی خاک چھانتے رہے، انھیں اُن سات شہروں کی تلاش تھی جہاں عمدہ سونے کی بنی ہیں... لیکن وہ برسوں تک یہ راز نہ پا سکے کہ یہ ساتوں شہر ایک ایسے بادشاہ کے خیال انگشافات تھے جو لالچی ہسپانویوں کو اپنے علاقے سے دُور رکھنا چاہتا تھا۔

بادشاہ ایک گھوڑا، بندوق، بارود، گولیاں اور بہت سی کتابیں لے کر فرار ہوا تھا اور ٹھیک ایک ماہ بعد اکیشال سے بڑے شہر میں نمودار ہوا تھا۔

لیکن وہاں کے حالات بالکل ہی بدل چکے تھے۔

شاہ اکیشالی پورے چار موسموں تک غائب رہا تھا لہٰذا ہر ہوس نے اُس کی جگہ ایک نیا بادشاہ مقرر کر دیا تھا۔ اب جو اُنھوں نے شاہ کو دیکھا تو بوکھلا اُٹھے اور اسی بوکھلاہٹ میں انھوں نے یہ اعلان کر دیا کہ ایک میان میں دو تلواریں نہیں رہ سکتیں... لہٰذا ایک بادشاہ کو مرنا ہوگا۔

اس اعلان کے عوض نظر نئے بادشاہ نے جو پرانے بادشاہ کا بیٹا ہی تھا اپنے جنگجوؤں کو جمع کیا اور اپنے باپ کی قربانی کے لیے تیاریاں کرنے لگا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

جونہی پہلا جنگجو اشاہ اکیٹیال کے قریب پہنچا... شاہ نے بندوق استعمال کی اور جنگجو کو مار ڈالا۔ یہ صورت حال دیکھ کر باقی تمام لوگوں نے فیصلہ کیا کہ مرنے سے بادشاہ کو ہی قربان کر دیا جائے تاہم پرانے بادشاہ نے انھیں اس حرکت سے باز رکھا۔ وہ گدی، تاج و تخت کے لالچ میں واپس نہیں آیا تھا۔ وہ صرف چاہتا تھا کہ پچاس عورتیں، دس نوجوان لڑکے اور دس نوجوان لڑکیاں لے کر یہاں سے نکل جائے تاکہ اگر بہت سی بندوقوں والے یہاں حملہ کریں، تو اس کی قوم کا بیج ہی تباہ نہ ہو جائے مگر پرتھوں نے اُس کی اس تجویز کی شدت سے مخالفت کی، ان کا کہنا تھا کہ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ دو بادشاہ بیک وقت زندہ رہیں اور اگر ایسا ہوا تو اکیٹیک دیوتا ناراض ہو جائے گا۔

"اگر تم نے میری بات نہ مانی تو یہ شہر نہیں رہے گا، یہ نسل ختم ہو جائے گی، یہ زبان اپنا وجود کھو بیٹھے گی اور یہ آسمان باقی نہیں رہے گا۔" پرانے بادشاہ نے بڑے بذلہ سنجی انداز میں کہا۔

"تمھیں یہ خبر کس نے دی؟" ایک پروہت نے طنزیہ لہجے میں پرانے بادشاہ سے پوچھا۔

"اکیٹیک دیوتا نے۔"

بادشاہ کے اس جواب پر پروہتوں اور بھنتوں میں تشویش کی لہر دوڑ گئی کیونکہ اکیٹیک سے گفتگو پر صرف ان کی اجارہ داری تھی، وہ گھبرا گئے اور انھوں نے حکم دیا کہ ہر خاندان دیوتا کے حضور قربانی پیش کرے تاکہ وہ دیوتا سے بات کر سکیں۔

ہر خاندان نے باری باری قربانی پیش کی، چنانچہ قربانی کے لیے مخصوص پتھر خون سے آشنا ہو گیا، ہر گزرتے دن کے ساتھ یہ قدم رکھنا بھی ممکن نہیں رہا۔ لوگ اس کے اوپر سے پھسل پھسل کر گرنے لگے۔ خون کیچڑ کی شکل اختیار کر گیا۔ پتھر کے نیچے کنواں خون سے بھر گیا حتیٰ کہ خون کنویں سے نکل کر بھی بہنے لگا ہر طرف خون کی بساند پھیل گئی۔

پروہتوں کو پرانے بادشاہ کے مندی پن کا اندازہ تھا اور انھوں نے اس کے ہاتھ میں جادو کی وہ چھڑی بھی دیکھ لی تھی جس سے موت ٹلتی تھی لہٰذا انھوں نے اعلان کیا کہ دیوتا پرانے بادشاہ سے راضی ہے لہٰذا وہ بھی پرانے بادشاہ سے راضی ہیں اور اس کی تجویز قبول کرتے ہیں، شرط صرف یہ کہ پرانے بادشاہ کے ساتھ جانے والا ہر فرد دیوتا اکیٹیک کا پجاری اور پروہت ہو گا۔ اور اگر جھگڑے کے بارے میں پرانے بادشاہ کی پیش گوئی درست نکلی تو ہر فرد اکیٹیک کا تحفظ کرنے کا پابند ہو گا۔

اس شرط سے ایک نئی تاریخ نے جنم لیا۔

بادشاہ نے اپنے نئے خاندان کو ساتھ لیا اور ایسی ایک وادی کی طرف روانہ ہو گیا جو اس نے صحرا نوردی کے دوران منتخب کی تھی۔

وادی میں ایک ایسی نئی نسل نے جنم لیا جس کو پرانے بادشاہ نے خود تعلیم دی، خود تربیت دی۔ ان میں ہر ایک لکھنا پڑھنا جانتا تھا، جب یہ نئی نسل تیار ہو گئی تو پرانے بادشاہ نے اسے گروپوں میں تقسیم کر کے زرد رُو لوگوں کی تلاش میں روانہ کیا، اس کی حکمت عملی جنگ کی نہیں بلکہ نسلوں کے امتزاج کی تھی، وہ چاہتا تھا کہ اس حکمت عملی سے جو مخلوط نسل جنم لے اس کو بھی سکھایا جائے کہ وہ اکیٹیال ہے۔ اس نے اپنا یہ راز پا لیا تھا کہ اکیٹیال صرف رنگت بدل کر ہی اپنا وجود برقرار رکھ سکتا ہے۔

نئی نسل کے دل و دماغ سے اکیٹیک کا احترام پوری طرح نہیں نکال سکا۔ شروع شروع میں اس نے اکیٹیک کو بے جان پتھر قربان دینے کی کوشش کی لیکن جب اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوا تو اس نے اکیٹیک کا ذکر کرنا ہی چھوڑ دیا۔

پھر ایک روز اس کے ساتھ اکیٹیال سے آنے والی آخری عورت بھی مر گئی تو وہ خود کو تنہا تنہا سا محسوس کرنے لگا۔ اس نے عورت کو دفنانے کے انداز میں سپرد خاک کیا اور وادی میں تنہا گھومنے لگا۔ وادی اب خالی ہو چکی تھی۔ مٹی کی وہ تختیاں جن پر اس نے نئی نسل کو تعلیم دینے کے لیے یورپی زبان کے حروف نقش کیے تھے۔ سالوں بے کار پڑی رہیں... عورت کی موت کے چند روز بعد وہ اکیٹیال شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہ بہت بوڑھا ہو چکا تھا لیکن اپنا شہر دیکھنے کی خواہش نے اسے قوت و توانائی عطا کر دی... وہ چلتا رہا... چلتا رہا... اور پھر منزل پر پہنچ گیا۔

شہر میں داخل ہونے سے قبل ہی اس نے اندازہ لگا لیا کہ سلطنت کا خاتمہ ہو چکا ہے۔ راستوں پر گھاس اُگی ہوئی تھی اور محلوں عمارتوں کی چھتوں تک پیلو دے نظر آ رہے تھے۔

وہ اس توقع پر شہر میں داخل ہو گیا کہ شاید نیچے کچھ لوگ کہیں چھپے ہوئے ہوں لیکن اسے ہر طرف ویرانی ہوئی، وہاں تو کتے بھی نہیں تھے... اسے ایک عجیب سا احساس ہوا... شہر میں یا اس کے باہر تباہی و بربادی کے آثار بھی تھے... حالانکہ کسی شہر کے محاصرے اور اس میں لڑائی کے دوران آتشزنی اور ہلاکتوں کے بعد ایسے آثار برسوں تک رہتے ہیں۔

لیکن اُسے اندازہ تھا کہ ہسپانوی یہاں آئے تھے اور اس احساس کی وجہ یہ تھی کہ سارا سونا غائب تھا۔ عام حالات میں ایسی ہر چیز ٹوٹی ہوئی ہوتی جس سے سونا نکالا گیا تھا لیکن اس نے اندازہ لگایا کہ سونا نکالنے اور لے جانے کے لیے کوئی توڑ پھوڑ نہیں ہوئی۔ ہر چیز منصوبہ بندی اقتباط کے ساتھ سونا الگ کیا گیا تھا۔ ایک لمحے کے لیے اسے بڑی مسرت ہوئی کہ اس کے بعد آنے والے بادشاہ نے موقع کی نزاکت کا احساس کرتے ہوئے پوری قوم کو بچا لیا ہے، وہ حملے سے قبل ہی پوری قوم کو یہاں سے نکال لے گیا ہے لیکن دوسرے ہی لمحے، معبد میں داخل ہوتے ہی وہ کانپنے اور رونے لگا۔

وہاں سفید ہڈیاں اور ڈھانچے پڑے ہوئے تھے۔ ایک کھوپڑی بھی نظر آئی تھی جس سے ایک چھوٹا سا درخت نکلا ہوا تھا۔

وہ سمجھ گیا کہ یہاں کیا ہوا ہے۔

ہسپانویوں کی آمد کی خبر پا کر تمام لوگ یہاں جمع ہوئے ہوں گے اور جب ہسپانویوں نے شہر پر قبضہ کر لیا ہو گا تو انھوں نے اکیٹیک کو خوش اور راضی کرنے کے لیے ایک دوسرے کو یہیں قربان کر دیا ہو گا۔ اس نے اوپر چڑھ کر مزید کھوپڑیاں دیکھیں... اور پھر روتا ہوا نیچے اُتر آیا۔

اس نے منقش پتھر کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر برہمی اور حقارت تھی۔ "اکیٹیک۔" اس کا لہجہ تلخ تھا۔ تم احمق بھی نہیں ہو، احمق تو انسان ہوتے ہیں اور تم انسان بھی نہیں ہو۔ تم صرف پتھر ہو۔ ایسا پتھر جسے انسانوں نے خصوصی اہمیت دی تھی، تم ایسا کنکر ہو جو ہل چلانے کے دوران ہل کے راستے میں آ جاتا ہے۔ تم پتھر ہو۔ احمق پتھر۔"

وہ ہڈیاں ایک طرف سرکا کر بیٹھ گیا۔ اسے حیرت تھی کہ قوی الجثہ انسانوں کی ہڈیاں کتنی ہلکی اور کتنی بے قدر لگ رہی ہیں۔

وہ وہیں لیٹ گیا۔ وہیں لیٹا رہا۔ اس نے باہر نکلنے کا ارادہ ترک کر دیا۔

چوتھے روز اسے سینے میں دل کے قریب تیز چبھن سی محسوس ہوئی۔ وہ بڑی نقاہت کے عالم میں ہاتھ دل تک لے گیا۔ یہ دیکھنے کے لیے کہ وہاں سے خون تو نہیں نکل رہا ہے... لیکن وہاں سے خون نہیں نکل رہا تھا۔ اس نے مسکرا کر آنکھیں بند کر لیں اسے خوشی تھی کہ وہ فطری موت کی گود میں جا رہا ہے۔

وہ گہری نیند سو گیا... اس اطمینان کے ساتھ کہ اس نے اپنے مشن کی کامیابی سے تکمیل کی ہے۔ اکیٹیال کہیں نہ کہیں زندہ رہیں گے۔

صدیاں گزر گئیں۔ وہاں پڑی ہوئی ہڈیاں خاک بن گئیں۔ وہ اصل کی طرف لوٹ گئیں۔

پھر جب بھاری کرین نے معبد سے دیوتا کے مجسمے کو اکھاڑا تو کسی نے بھی مزاحمت نہیں کی۔ کرین لانے والوں نے اکیٹیک کے مجسمے کو ایسی گاڑی پر رکھا جس کو چار گھوڑے کھینچ رہے تھے، وہ اسے پہاڑوں کے اُس پار لے گئے جہاں ایزکوں جیسے چہروں اور ہسپانویوں جیسے ناموں والوں نے اکیٹیک کو نیلام کیا۔ سب سے زیادہ بولی دینے والے نے اکیٹیک کو خرید لیا۔

اکیٹیال یوں کے دیوتا کو جہاز میں سوار کر کے نیویارک کے سینٹرل پارک ویسٹ میں واقع ایک بڑے میوزیم میں لایا گیا جہاں اسے قلعی سے ایزکوں کے آرٹ کے نمونے کے طور پر ایزکٹ گیلری میں رکھ دیا گیا۔ ایک روز ایک جرمن تاجر نے اس مجسمے کو دیکھ کر یہ تجویز پیش کی کہ اس مجسمے کے بیس ایک الگ کرا دینا چاہیے لہٰذا ڈیوٹریٹ کے ایرصنعتکار نے میوزیم کا ٹرسٹی بننے کے عوض بھاری عطیہ دیا تاکہ مجسمے کے بیس کو الگ کرا دیا جائے لیکن ماہر آثار قدیمہ نے اس پر یہ اعتراض کر ڈالا کہ مجسمہ قبل از این ک دور کے آرٹ کا معمولی سا نمونہ ہے لہٰذا اس کے بیس الگ کرنے کی ضرورت نہیں۔ اگلے ہی روز اس ماہر کو نوکری سے یہ کہہ کر جواب دے دیا گیا کہ اس کا طرز عمل غیر پیشہ ورانہ ہے۔

ایک جاپانی ماہر تعمیرات نے مجسمے کے بیس کرنے کی تجویز اس طرح کی کہ شمال کی ہوا اور روشنی مجسمے پر نہ پڑے، اس ماہر نے باہر موجود ایک فوارے کے باوجود کرنے میں بھی فوارہ لگوا دیا۔

غالباً نئے ٹرسٹی اور ماہر تعمیر کو علم تھا کہ وہ کیا کر رہے ہیں یہاں آنے والوں کی تعداد اچانک ہی بڑھ گئی۔

ایک روز ایک انتہا پسند عرب اور انتہا پسند یہودی کرنل مجسمے کو دیکھنے کے لیے آئے، جب وہ واپس گئے تو ان کے چہروں پر ایک دوسرے کے لیے نفرت نہیں تھی اور وہ مجسمے کے سامنے گلے مل کر ایک دوسرے سے رخصت ہوتے تھے۔

اس مجسمے کو روزانہ دیکھنے کے لیے آنے والوں میں کاؤنٹ دیوئے لوجینر ڈی گوماوانی ٹیسٹر نامی ہستی بھی شامل تھی۔

اکتوبر کی ایک شام، مجسمے کے محافظ نے دیکھا کہ کسی نے اس کے پیٹ سے ہتھوڑے پر لکھا ہے۔ وہ قریب گیا تو اسے "جو نے ۱۷۶۲" صاف لکھا ہوا نظر آیا۔

اگلے ہی روز ضلعی کانگریس مین کی لاش اس کے واشنگٹن آفس میں ملی، وہ خون میں لت پت تھا اور اس کے سینے سے کسی نے دل چوری کر لیا تھا۔

☆

مائیکر کو اپنی سماعت پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ اس نے بہرام سے کہہ دیا تھا کہ وہ نوگان کی موت تک کسی اور مشن پر نہیں جائے گا بہرام نے اس کی درخواست قبول بھی کر لی تھی لیکن اس وقت بہرام ہی ٹیلی فون پر اسے فوراً چارہ گر سینٹر لوریم آنے کی ہدایت کر رہا تھا۔

اس نے بہرام کی آواز پہچاننے سے انکار کر دیا۔

"میں... بہرام بات کر رہا ہوں۔"

"آواز نہیں آ رہی ہے۔" "مائیکر نے منہ بناتے ہوئے کہا۔ "یہاں موجوں کی آواز بہت زیادہ ہے، اسی شور کے باعث آواز صاف سنائی نہیں دے رہی ہے۔" یہ کہتے ہوئے مائیکر کی نظریں سمندر و قیانوس کی پُرسکون لہروں پر بھی ہوئی تھیں۔ وہ اس وقت جنوبی کیرولینا کے پُرسکون ساحل والے ساحل نما گرمیڈ پر تھا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

موٹل کے کمرے میں بھی خاموشی تھی صرف کاغذ پر قلم چلنے کی ہلکی ہلکی آواز دے رہی تھی۔ اوشان فرش پر آلتی پالتی مارے بڑی تیزی سے کچھ لکھ رہا تھا۔ اس کی مونچھ کے بال ہل رہے تھے اور سر ساکت تھا۔ وہ بار بار اوپر، نیچے کی سطروں کو پڑھ کر نئی سطریں لکھ رہا تھا۔ اس وقت اس کی مونچھیں اور دایاں ہاتھ ہی ہل رہا تھا۔ جب کہ سبز کی روایتی سبزی قبا بھی ساکت تھی۔

"تمہیں فوراً یہاں آنا ہے۔ ہر پیز الٹ پلٹ رہی ہے۔" بہرام نے پھر کہا۔

"کیا آپ کو ڈاکٹر بہرام سے بات کرنی ہے؟" ٹائیگر نے ایک بار پھر تجاہل سے کام لیا۔

"یہ اوپن لائن ہے ٹائیگر لیکن۔" ٹائیگر نے ہلکی سی جھنجھاہٹ کی آواز سنی اور پھر کسی نے لائن کاٹ دی۔ اس نے بھی ریسیور رکھ دیا۔

"میں چند لمحوں میں واپس آجاؤں گا۔ لٹل خاور۔" ٹائیگر نے مسکراتے ہوئے اوشان سے کہا۔ جس پر اوشان نے بڑی نخوت کے ساتھ سر گھما کر ٹائیگر کو گھورا۔ "کیا تمہیں یاد ہے کہ جب میں نے تمہیں دریافت کیا تھا تو تم موٹے، کاہل اور مٹی میں پڑے ہوئے تھے۔" اس کا لہجہ تلخ اور بلند تھا۔

"نہیں۔ جب آپ نے مجھے دریافت کیا تو میں بے ہوشی کی کیفیت سے نکل رہا تھا لٹل خاور۔" ٹائیگر نے خوش دلی سے جواب دیا۔ "میں نہ تو موٹا تھا اور نہ ہی کاہل۔"

"ہنہ۔" اوشان نے حقارت سے سر جھٹکا اور پھر اس کا قلم تیزی سے کاغذ پر چلنے لگا۔ وہ کوریائی زبان میں لکھ رہا تھا۔ ہر لفظ واضح طور پر جھلے رہا تھا۔

"عظیم اوشان نے گندے سے ایک پتھر کو نکالا، اسے تراشا، صاف کیا... اس پتھر کی ٹانگیں تک نہیں تھیں اور اگر تھیں تو ان میں جان نہیں تھی... ماسٹر آف سناجو نے ان بے جان ٹانگوں میں جان ڈالی، اس کی آنکھیں بے نور تھیں، ماسٹر آف سناجو نے ان آنکھوں میں نور ڈالا، سر میں گودا تھا، ذہن نہیں شمشیر سناجو کے مالک اور جانشین نے اس سر میں ذہانت کا رس انڈیلا اور۔"

"میرا خیال ہے کہ تاریخ سناجو میں آپ میرے کردار پر پہلے ہی تفصیلی روشنی ڈال چکے ہیں۔" ٹائیگر نے جو دور ہی سے اسکرپٹ پڑھ چکا تھا بنس کر تبصرہ کیا۔

"اب میں اس پر نظر ثانی کر رہا ہوں۔" اوشان نے روکھے لہجے میں جواب دیا۔

"ویسے میں سناجو کو دیکھ چکا ہوں لٹل خاور۔ آپ کی تاریخ سناجو سے کم از کم میں گواہ نہیں ہو سکتا۔"

"تم متعصب اور ناشکرے ہو۔" ماسٹر نے چلا کر کہا اور پھر کاغذ پر جھک گیا۔

اس بے جان لوتھڑے کو ماسٹر آف سناجو نے دیکھا تو اسے رحم آگیا۔ اس نے کروک کر کہا... اٹھو... میں تمہاری تکمیل کروں گا۔ تم کو جسم و ذہن کے استعمال کا طریقہ سکھاؤں گا۔ تم صاف ہوا اپنے جسم میں بھر سکو گے۔ تمہارے اندر بھی روح حلول کر دوں گا کہ تم ہر سفید فام یا سیاہ فام سے برتر ہو جاؤ گے... ماسٹر نے اس پر دم کیا... لیکن افسوس! اس نے اس کو حیات تو دی اور وہ ناکارہ ہی رہا، ناشکرا رہا۔ احسان فراموش ہو گیا۔"

"بس۔" ٹائیگر نے دونوں ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "مجھے ایک مزدوری کام سے جانا ہے، ذیادہ دیر نہیں لگے گی۔"

♆

ناگزیہ پر گرمی کی چادر تنی ہوئی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے ہر طرف تند و جل رہے ہیں۔ کاروں کے شیشے چڑھے ہوئے تھے، ائر کنڈیشن چل رہے تھے اور جو لوگ پیدل تھے، ان کی حالت غیر ہو رہی تھی۔

ٹائیگر اس گرمی میں تیزی سے قدم اٹھائے جا رہا تھا۔ اس نے سامنے ہی ایک ریستوران دیکھا تو اس میں گھس گیا۔

"پینے ملے گی۔" اس نے کلرک کو نوٹ دیتے ہوئے پوچھا۔

"کمال ہے۔ اتنی گرمی میں چلنے کے باوجود تمہیں پسینہ نہیں آیا۔" کلرک نے حیرت سے کہا۔

"گرمی۔ نہیں۔ زیادہ گرمی تو نہیں ہے۔" ٹائیگر نے مسکرا کر کلرک کو جواب دیا۔

"کیا۔" کلرک کی حالت دیدنی تھی۔ "باہر کا درجۂ حرارت ایک سو پانچ سے تجاوز کر چکا ہے۔"

"اوہ۔ میں معذرت خواہ ہوں۔ واقعی اتنی گرمی میں پسینہ آنا چاہیے۔ میں بھول گیا تھا۔" ٹائیگر نے بات ٹالنی چاہی۔ "اسے علم تھا کہ پسینہ آنا جسم کو ٹھنڈا رکھنے کا صرف ایک طریقہ ہے لیکن یہ طریقہ مناسب نہیں۔ جسم کو شدید گرمی میں ٹھنڈا اور شدید سردی میں گرم رکھنے کا سب سے بہتر طریقہ عمل تنفس تھا جس پر اوشان کی طرح وہ بھی عمل کرتا تھا۔ سانس کے پورے عمل کو باضابطہ اور باقاعدہ بنانے سے گرمی اور سردی حاصل ہوتی ہے کیونکہ لوگوں کو عمل تنفس پر قدرت حاصل نہیں ہوتی اس لیے وہ سردیوں میں گرم کپڑے پہنتے ہیں اور گرمیوں میں ائر کنڈیشن استعمال کرتے ہیں۔

"کمال ہے۔" کلرک نے سر ہلا کر کہا۔ "آج تو جانوروں تک کو

پسینہ آرہا ہے۔"

"ہاں۔ جانوروں کو پسینہ آرہا ہے۔" ٹائیگر نے سر ہلا کر کہا... ریزگاری کا ڈھیر جیب میں ڈالا اور ٹیلی فون بوتھ میں گھس گیا۔ اس نے ایریا کوڈ ڈائل کیا اور پھر نمبر فیڈ کر دیا۔ اسے علم تھا کہ اگر بہرام نے ریسیور نہ اٹھایا تب بھی اس کا پیغام ریکارڈ کر لیا جائے گا۔

"آئی ایم سوری سر۔" اسے ٹیپ کی مانوس سی سرسراہٹ کے بعد ریکارڈ شدہ آواز سنائی دی۔ "آپ نے جو نمبر ملایا ہے وہ اس وقت کام نہیں کر رہا ہے۔ اگر آپ کو کسی قسم کی اعانت کی ضرورت ہے تو ازراہ کرم انتظار فرمائیں، آپریٹر آپ سے رابطہ کرے گا۔"

ٹائیگر نے لائن منقطع کر کے وہی نمبر پھر ملایا، اس مرتبہ بھی وہی آواز سنائی دی لیکن اس بار ٹائیگر نے لائن نہیں کاٹی چند ہی لمحے بعد آپریٹر کی آواز سنائی دی۔

"فرمائیے جناب۔"

ٹائیگر نے اپنی مشکل بتا دی۔ "مجھے نمبر نہیں مل رہا ہے۔"

"آپ اس وقت کہاں ہیں؟"

"چیلی کوئی۔ اوسویں۔" ٹائیگر نے صاف جھوٹ بولا۔ "لیکن نمبر کام کیوں نہیں کر رہا؟"

"اس لیے کہ یہ نمبر کبھی کام نہیں کرتا اور آپ چیلی کوئی میں نہیں ہیں۔"

"شکریہ۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔

"لیکن ہمارے پاس اس نمبر سے متعلق چند معلومات ہیں۔" آپریٹر نے فوراً کہا۔ اس نے ٹائیگر کو رابطے کے لیے ایک دوسرا نمبر دیا اور بات ٹائیگر کو پُر اسرار لگی کیونکہ اگر یہ انتظامات بہرام ہی کے تھے تو بھی وہ کسی بھی قیمت پر آپریٹر کو متبادل نمبر نہیں دے سکتا تھا۔ ٹائیگر نے یہ اندازہ لگانے میں کوئی غلطی نہ کی کہ آپریٹر کا مقصد مدد کرنا نہیں بلکہ یہ معلوم کرنا تھا کہ ٹائیگر کہاں ہے۔ اس نے رابطہ منقطع کرنے کے بعد ریسیور رکھ دیا۔

باہر... ایک پولیس کار کھڑی ہوئی تھی اور ریستوران کے سامنے دو قوی ہیکل پولیس والے اپنے سرکاری پستولوں کے دستوں پر ہاتھ رکھے ہوئے ٹہل رہے تھے۔ ٹائیگر کے پلٹتے ہی کلرک نیچے چھپ گیا اور جونہی ٹائیگر بوتھ سے باہر آیا تو ایک پولیس والے نے اسے آواز دے لی۔ "کیا تم بوتھ سے ٹیلی فون کر رہے تھے؟" اس نے پوچھا۔ اسی کے ساتھ دوسرا پولیس والا ٹائیگر کے دائیں طرف آگیا تاکہ ان کا شکار کبھی دست و پستولوں کی زد میں رہے۔

"نہیں۔" ٹائیگر نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔

"تب پھر بوتھ میں کون تھا؟"

"مجھ کو۔۔۔"

"یہی تھا۔" کلرک سر نکال کر چلایا۔ "یہی ہے۔ اسے پسینہ نہیں آتا، یہ غیر انسانی مخلوق ہے۔"

"میں تم سے بات کرنا چاہتا ہوں۔" پولیس افسر نے کہا۔

"بات تو ہو ہی رہی ہے۔"

"یہاں نہیں۔ ہیڈ کوارٹرز میں۔"

"کیا میں زیر حراست ہوں؟" ٹائیگر کا لہجہ سنگین تھا۔

"نہیں۔ ہرگز نہیں۔ لوگ تم سے بات کرنا چاہتے ہیں۔" پولیس افسر نے اس بار نرم لہجے میں کہا۔

"یہ انسان نہیں ہے۔" کلرک پھر چلایا۔ "اسے پسینہ نہیں آتا۔"

"شٹ اپ لیک۔" پولیس افسر نے ڈانٹ دیا۔

"مجھے پسینہ آتا ہے۔" ٹائیگر نے برہمی سے جواب دیا۔ "یہ شخص محض بہتان لگا رہا ہے۔"

* جب وہ پولیس ہیڈ کوارٹرز میں ائر کنڈیشن کے باعث ہاتھ مل رہے تھے تو ٹائیگر کو پسینہ آرہا تھا۔

سی آئی اے اور ایف بی آئی کی زیادتیوں کے خلاف شکایات کی تحقیقات کرنے والی کانگریس کی آبزرویشن سب کمیٹی سے وابستہ دو وکیل وہاں موجود تھے، وہ ٹائیگر سے گفتگو کرنا چاہتے تھے۔ انھوں نے قیمتی سوٹ پہن رکھے تھے لیکن بالوں میں کنگھا نہیں کیا تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ اس پر کوئی الزام نہیں لیکن کیونکہ اس نے بوتھ سے ایک ایسے نمبر پر فون کیا تھا جس میں انھیں دلچسپی تھی لہٰذا وہ اس سے بعض سوالات کرنا چاہتے تھے۔ یہ نمبر انھیں ایف بی آئی کے ایک واچ آفیسر پر ملا تھا اور اس کی ادائیگی کیوں کی گئی تھی؟ اس کے بارے میں انھیں کوئی بھی کچھ بھی نہیں بتا سکا تھا۔

"شاید تم ہماری مدد کر سکو۔" ایک وکیل نے اس سے کہا۔ "تمہیں یہ نمبر کس نے دیا تھا؟"

"کمال ہے۔ تم لوگ ایک بل کی ادائیگی پر اتنا ہنگامہ کر رہے ہو۔"

"محض ایک بل کا معاملہ نہیں دوست۔ ایف بی آئی اور سی آئی اے نے بعض انتہائی پُر اسرار ادائیگیاں کی ہیں۔ ہم ان بے قاعدگیوں کی تحقیقات کر رہے ہیں۔ مسئلہ ایک ایسے کمپیوٹر کا بھی ہے جس کا کوئی علم نہیں کہ کہاں گیا۔"

"اس لیٹ منٹ میں تم بہت اہم شخصیت بن گئے ہو۔" دوسرے وکیل نے کہا۔

"ہمیں صرف اتنا بتا دو کہ تم نے وہ نمبر کیوں ملایا تھا اور تمہیں وہ نمبر کس نے دیا تھا؟"

ٹائیگر نے ایک طویل سانس لی اور پسینہ بند ہو گیا۔ اسے معاہی

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

خیال آیا تھا کہ وہ اوشان سے جلد واپسی کا وعدہ کر کے نکلا تھا۔

"ہم تمہارے ساتھ رعایت بھی کر سکتے ہیں۔ شرط یہی ہے کہ تمہیں سب کچھ بتا دو۔"

"کیسی رعایت؟"

"سنو۔ اور غور سے سنو۔" وکیل نے ڈرامائی انداز اختیار کرتے ہوئے کہا۔ "تم نے ایک ایسا فون نمبر ڈائل کیا جس کے بارے میں ایف۔ بی۔ آئی والوں کو موجود ہے اور یہ علم کسی کو بھی نہیں کہ یہ نمبر کہاں لگا ہوا ہے اور کس کے نام پر ہے۔ ہم گزشتہ تین ماہ سے اسی نمبر کی نگرانی کر رہے تھے اور تین ماہ بعد جس پہلے شخص نے یہ نمبر ڈائل کیا وہ ... تم تھے۔ ہمیں یہ بھی علم ہے کہ کارٹیریس کا ایک رُکن کمپیوٹر ٹیپ ورک اور انٹیلی جنس سے متعلق ان رقوم کی تفتیش کر رہا تھا جو خفیہ بجٹ میں چھپی ہوئی ہیں لیکن... اب اس رُکن کارٹیریس کو بھی قتل کیا جا چکا ہے، اس کا دل چوری کیا گیا ہے لہٰذا یہ نمبر جو تم ملا رہے تھے اب محض ایک فون نمبر نہیں رہا۔ اس سے قتل بھی وابستہ ہو گیا ہے۔"

"ناقابلِ یقین۔" ٹائیگر نے کندھے اُچکا کر جواب دیا۔

"ان حالات میں ہم تمہیں ایک گواہ کی حیثیت سے زیرِ حراست بھی رکھ سکتے ہیں۔"

"جو چاہو کرو۔" ٹائیگر نے جواب دیا ساتھ ہی اپنا وہ نام اور پتا بھی بتا دیا جو گرفتاری کی صورت میں اسے بتانا چاہیے تھا۔

بہرام نے اسے یہ نام اور پتا دیا تھا۔ ساتھ ہی یہ بھی یقین دلایا تھا کہ یہ نام و پتا جب روایتی طریقۂ کار کے مطابق ایف آئی اے کو دیا جائے گا تو سابقہ ریکارڈ کی چھان بین کرنے والے کو اس نام و پتے سے متعلق ایک اور نمبر ملے گا اور جونہی اس نمبر سے رابطہ قائم کیا جائے گا، چارجر کے کمپیوٹر ایک اور سرکاری ایجنسی کو یہ حکم جاری کریں گے کہ ٹائیگر کو فوراً رہا کرایا جائے اس پورے عمل میں صرف دو گھنٹے لگیں گے۔

ٹائیگر نے انھیں یہ نہیں بتایا کہ فون نمبر کس کا تھا لہٰذا اسے ایسے سیل میں بند کر دیا گیا جو چھوٹا سا تھا اور جس کی صرف تین دیواریں تھیں۔ چوتھی دیوار آہنی سلاخوں کی تھی اسے توڑنا عام آدمی کے بس کی بات نہ تھی لیکن انھیں یہ اندازہ نہ تھا سنا نجو کا نام ہی فولاد کو پگھلا دیتا ہے۔

ٹائیگر کو سیل کے فرش پر بیٹھتے ہی وہ کال کوٹھری یاد آ گئی جس میں اسے ایک دہائی قبل رکھا گیا تھا۔

وہاں وہ پھانسی کا منتظر تھا کہ اچانک ایک زرد رُو بوڑھا جو کسی مہذب کارکھوالا ہی لگتا تھا پھانسی گھاٹ میں داخل ہوا، اس نے شہزاد کو ایک گولی دی۔ "نگل لو۔" اس نے کہا تھا اور پھر اسے ایکٹوک چیئر پر لے جایا گیا تھا۔ اسے ہوش آیا تو اس کے بازو قدرے جلے ہوئے تھے لیکن وہ زندہ تھا۔ اس کے گرد جو لوگ کھڑے تھے انھیں یقین تھا کہ... بلکہ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ انسپکٹر شہزاد نے کسی کو قتل نہیں کیا۔ درحقیقت سچی وہ لوگ تھے جنھوں نے اسے قتل کے الزام میں موت کی سزا دلوائی تھی۔

ان میں سے ایک بہرام... اور دوسرا سرگوش تھا۔

انھوں نے اسے اپنانے کی کوشش کی تھی اور شہزاد نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ پہلا موقع ملتے ہی فرار ہونے کی کوشش کرے گا۔ اسی حکمتِ عملی کے تحت اس نے چارہ گر کی طرف سے ملنے والا پہلا مشن مکمل کیا لیکن پھر اوشان نے اس کی تربیت شروع کر دی اور یوں وہ چارہ گر کی دلدل میں دھنستا چلا گیا۔

اب بھی وہ چارہ گر سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا تھا لیکن بات اوشان کی تھی۔ وہ اوشان کو نہیں چھوڑ سکتا تھا، پھر اسے بہرام سے بھی اُنسیت سی ہو گئی تھی۔

اب وہ ایک کوٹھری میں منتظر تھا کہ چارہ گر کا عصابی مرکز 'کمپیوٹر' اسے اس کی رہائی کے ایسے احکام کب جاری ہوتے ہیں جن کے ذریعے کا کسی کو بھی علم نہیں ہو سکے گا۔

ایک گھنٹہ گزر گیا۔ دو گھنٹے... تین اور پھر چار گھنٹے گزر گئے سنک میں پانی ٹپکتا رہا اور ایک مکھی آڑتے ترچھے اور اونچے نیچے انداز میں 'پرواز' کرتی رہی... رہائی کا کوئی حکم نہیں آیا۔

"بس۔ اب بہت ہو گیا۔" ٹائیگر نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔ وہ اکتا چکا تھا اور چار گھنٹے کی یہ اکتاہٹ جلد ہی چڑچڑے پن میں بدلنے والی تھی۔

اس نے بائیں ہاتھ کی دو اُنگلیاں چوکور قفل پر رکھ دیں اسے بہت آہستگی سے کام لینا تھا، یہی آہستگی کامیابی یا قفل کھولنے کی کلید ثابت ہو سکتی تھی... اس کی اُنگلیاں اکڑی نہیں، لیکن اگر اس وقت کوئی اس کی کلائی دیکھ لیتا تو اسے احساس ہو جاتا کہ کلائی زور لگا رہی ہے، ہلکی سی آواز پیدا ہوئی اور... تالا ٹوٹ گیا۔

ٹائیگر نے دروازہ کھول لیا۔

"اے بھائی!" پڑوس والے سیل سے کسی نے پکارا۔ "میرا قفل بھی کھول دو۔" درخواست کرنے والا شراب کے نشے میں دُھت تھا اور شراب اسے یقیناً ملنے کے کسی کارندے ہی نے فراہم کی تھی۔

ٹائیگر نے اس کی درخواست پوری کر دی لیکن کرنی کیں شرابی نے جب یہ دیکھا کہ اسے سیل سے نکلنے کے لیے تین چار قدم چلنا پڑے گا تو اس نے فرار کا ارادہ کچھ دیر کے لیے ملتوی کر دیا۔

"شکریہ بھائی!" اس نے مسکرا کر کہا اور آنکھیں بند کر لیں۔

اس اثنا میں ایک گارڈ نے اندر جھانک کر دیکھا تو اس کے

اوسان خطا ہو گئے۔ ایک قیدی فرار ہونے کے لیے سیل سے نکل چکا تھا اس نے گھبرا کر راہداری کا آہنی دروازہ بند کرنا چاہا لیکن قیدی دروازے تک پہنچ چکا تھا، گارڈ کو صرف ایسا لگا جیسے آہنی دروازے کو کسی قوت نے پہلے بند ہونے سے روکا اور پھر واپس دھکا دیا۔ دروازہ گارڈ کے شانے پر لگا تو وہ کوئی احتجاج کیے بغیر بے ہوش ہو گیا۔

ٹائیگر طویل راہداری سے گزر کر ایک اور دروازے تک پہنچا جو پولیس اسٹیشن میں کھلتا تھا اور وہاں ایک افسر بیٹھا ہوا تھا جو ٹائیگر کو دیکھ کر گھبرا گیا۔

"مجھے کوٹھری پسند نہیں آئی دوست۔" ٹائیگر نے نرم لہجے میں اسے بتایا۔ "وہاں مکھیاں بھی تھیں اور بدبو بھی۔ سنک بھی ٹپک رہا تھا۔"

اس سے قبل کہ حیرت زدہ افسر اپنا پستول نکالتا، ٹائیگر ایک دوسری راہداری میں چلا گیا۔

"باہر جانے کا راستہ کون سا ہے جناب؟" اس نے وہاں موجود افسر سے پوچھا، اور پھر شکریہ ادا کرتا ہوا عمارت سے نکل گیا۔ اسی لمحے کسی نے قیدی کے فرار کا شور مچا دیا۔

ناگز ہیڈ ایسی بستی نہ تھی جہاں لوگ بہت سے ہوں اور ان میں حلیہ بدل کر فرار ہونا آسان ہو لہٰذا ٹائیگر نے ہوٹل واپسی کے لیے مکانوں کی پچھلی گلیاں منتخب کیں۔ وہ سر پر ہیٹ کے سرخ رنگ سوچ کی آنکھوں کے سامنے سے گزرتا ہوا ہوٹل پہنچ گیا۔

"اوشان۔ ہمیں فرار ہونا ہے۔" اس نے کمرے میں گھستے ہی اوشان سے کہا۔

"مگر کس سے فرار ہونا پڑے گا؟" اوشان نے قدرے حیرت سے ٹائیگر کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"مقامی پولیس سے۔ سینی ٹوریم واپس جانا ہو گا۔"

"یعنی ہم پولیس سے فرار ہو کر سینی ٹوریم جائیں... لیکن کیا پولیس عظیم شہنشاہ کے ماتحت نہیں؟"

"نہیں۔ اس سلسلے میں بعض پے چیدگیاں باقی ہیں۔"

"تب پھر وہ کس کا شہنشاہ ہے؟"

"ہماری تنظیم کا۔"

"کیا تنظیم کا پولیس پر کوئی اثر نہیں؟"

"فی الوقت نہیں... اور میرا خیال ہے کہ بہرام بھی اس وقت کی مشکل سے دوچار ہے۔"

"آہ۔ اس وقت مجھے سمرقند کا ایک مکھیرا یاد آ رہا ہے۔" اوشان نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "وہ اپنی کمزوریوں سے اتنا خوف زدہ تھا کہ اس نے اپنے جگو کو بھی اعتماد میں نہیں لیا حالانکہ جگو سنا نجو کا ماسٹر تھا لہٰذا جب حالات خراب ہونے تو جگو، جو سنکرن کا محافظ بھی تھا اس کی مدد نہیں کر سکا۔ یہی حال شہنشاہ بہرام عالی نسب کا بھی ہے۔ ان حالات میں ہم ان کی کیا مدد کر سکتے ہیں۔ ہم سے جو کچھ ہو سکتا تھا ہم کر چکے ہیں۔"

"وہ شدید مشکلات سے دوچار ہے۔" ٹائیگر نے سنجیدہ لہجے میں اوشان کو خبردار کیا۔

"لیکن اس نے تمہیں اعتماد میں کیوں نہیں لیا؟" اوشان نے اونچے لہجے میں پوچھا۔ "جب اس نے تمہیں اپنے اعتماد میں نہیں لیا تو اس کو مشکلات سے نکالنا ہماری ذمہ داری بھی نہیں۔ تم اس بے وقوف شہنشاہ کے لیے سب کچھ کر چکے ہو، اب تمہیں اپنی صلاحیتوں کا مظاہرہ اس علاقے میں کرنا چاہیے جس کا تم پر حق ہے، سنا نجو ہمارا منتظر ہے۔"

"بعض باتیں ایسی ہیں جن کی میں وضاحت نہیں کر سکتا بس اتنا سمجھ لو۔" ٹائیگر نے نرم لہجے میں کہا۔

"اس کا مطلب یہ ہے کہ تم میں وضاحت کرنے کی اہلیت نہیں اور اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم نااہل ہو۔"

ٹائیگر نے اوشان کے صندوقوں کی طرف دیکھ کر سر جھٹکا اور بڑی بے بسی سے بولا۔ "ہمارے پاس اتنا وقت نہیں کہ یہ سامان بھی ساتھ لے چلیں، سامان بعد میں منگوا لیا جائے گا۔"

"میں اپنا خواہ کسی ایسے شہنشاہ کی خاطر نہیں گنوا سکتا جس نے الجھانِ سنا جو پر اعتماد نہیں کیا ہو۔" اوشان نے دوٹوک انداز میں جواب دیا۔

"تب پھر مجھے تنہا ہی جانا پڑے گا۔"

"آہ۔ تم ایک شریف اور بوڑھے انسان کو اس کی زندگی کے اس جھٹ پٹے میں تنہا چھوڑ جاؤ گے۔"

"شریف۔ بوڑھا۔ جھٹ پٹا۔ نہیں... اوشان تم اس صدی کے سب سے سفاک جلاد ہو۔"

"میں ایماندارانہ خراج کے عوض ایماندارانہ اور مناسب خدمات فراہم کرتا ہوں۔"

"خدا حافظ۔" ٹائیگر نے پلٹ کر کہا اور اوشان بھی دوسری طرف پلٹ گیا۔

✣

ٹائیگر کو پہلی ہی نظر میں اندازہ ہو گیا کہ پورے علاقے کی ناکہ بندی کر دی گئی ہے۔ لہٰذا اس نے غیر ضروری خون خرابے سے بچنے کے لیے گزرنے والے ایک ٹریکٹر کو استعمال کیا۔ وہ ٹریکٹر چلتے ہوئے ٹرالر میں رکھے ہوئے ڈی فروسٹ ریفریجریٹر میں بیٹھ گیا، اسے ایسا ہی لگا تھا جیسے وہ کسی اندھیرے اور سرد غار میں گھس آیا ہے۔ اسے یقین تھا کہ پولیس اب اس کی گرد بھی

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

نہیں پا سکے گی اور وہ پولیس کی آنکھوں کے سامنے سے گزر جائے گا۔ نارتھ کیرولینا پہنچ جانے کے بعد اسے مشکلات کے خاتمے کا یقین تھا۔

ٹریفک ٹرالر کو کھینچتا رہا۔ اندر بھرا ہوا سامان ٹکرانے کی آوازیں ٹائیگر کو سنائی دیتی رہیں اور وہ سوچتا رہا کہ کیا چار گرنانی تنظیم کسی خطرناک مرحلے سے دوچار ہے؟ اسے اتنا تو یقین تھا کہ چار گرسی کمپنی میں ہے وگرنہ جیل سے اس کی رہائی بہرام کے لیے کوئی مسئلہ ہی ثابت نہ ہوتی اسے یہ بھی احساس تھا کہ بہرام نے اوپن لائن پر اسے فون کر کے انتہائی غیر معمولی کام کیا تھا۔

پھر وہ سوچنے لگا کہ شاید تنظیم کے خاتمے میں بھی کوئی بہتری ہو۔

اچانک ہی ٹرک رُک گیا۔ اسے دو ڈرائیوروں کی آوازیں سنائی دیں جو کھانے کے بارے میں باتیں کر رہے تھے۔ اس نے ریئر بکمرسیٹ کا دروازہ کھولا اور ٹرالے سے اندھیرے میں اُتر گیا۔ وہ کسی بڑے شہر کے مضافات میں تھا۔

وہ پیدل چلنے لگا۔ جلد ہی اسے بھنے ہوئے گوشت کی مہک محسوس ہونے لگی۔ غالباً وہ کسی ایسے مقام پر تھا جہاں آس پاس ہی کوئی بڑی ضیافت ہو رہی تھی۔ تب ہی ایک ٹیکسی بھی نمودار ہوئی ٹیکسی پر لکھا تھا "ریلیگ۔ نارتھ کیرولینا"۔

ٹائیگر نے ہاتھ دے کر ٹیکسی روکی اور بیس منٹ میں چھوٹے سے ریلیگ درھام ائیرپورٹ پر پہنچ گیا۔ ایک گھنٹے بعد وہ نیویارک سٹی جانے والی پرواز پر تھا۔ نیویارک ائیرپورٹ سے اُس نے کرائے کی کار لی۔ صبح تین بجے تک وہ اے نیویارک میں چار گرسینی ٹوریم کی بلند و بالا دیواروں کے قریب پہنچ چکا تھا۔

علی الصباح کی تاریکی میں بہرام کے دفتر کی کھڑکی دور سے ایک زرد چوکور نظر آ رہی تھی۔ لائٹس کھلی ہوئی تھیں کسی محافظ نے اسے گیٹ پر نہیں روکا، مرکزی عمارت تک جانے والے راستے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ وہ تاریک زینے سے ایک ماہداری میں پہنچا اور پھر ایک بڑے لکڑی کے دروازے تک پہنچ گیا۔

یہ دروازہ بھی مقفل نہ تھا، وہ دروازے سے گزر کر ایسے کمرے میں پہنچا جہاں سیکرٹریوں کی ڈیسکیں رکھی ہوئی تھیں اور پھر بہرام کے کمرے سے آنے والی پاٹ دار آواز سُن کر ٹھٹک گیا۔

"میں مشکلات کے اس طوفان میں آپ سے مکمل بھروسا اور غیر متزلزل وابستگی کا اعلان کرنے آیا ہوں شہنشاہِ اعظم"۔

یہ آواز صرف اور صرف اوشان کی تھی۔

"میں آپ کی ذہانت، فراست اور جرأت کا معترف ہوں" اوشان کہہ رہا تھا۔ ٹائیگر کے چہرے پر کھسیانی سی مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"میں وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کی خاطر خون کی ندیاں بہا دوں گا" اوشان کا لہجہ بہت اونچا تھا۔

"تم اتنی جلدی یہاں کیسے آ پہنچے گنے لش خادر" ٹائیگر نے کمرے میں گھستے ہی کہا۔ اس کا لہجہ چبھتا ہوا تھا۔

اوشان نے خون کی ندیاں بہانے کا اعلان کرتے ہوئے اپنا دایاں ہاتھ سر سے بلند کر لیا تھا جس کے بسے ناخن چمک رہے تھے۔ ٹائیگر کی آواز سُن کر وہ ہاتھ گرانا بھول گیا۔

بہرام اپنی ڈیسک کے پیچھے مخصوص انداز میں بیٹھا ہوا تھا، اس نے آج شاید دوسرا تہہ شیو کیا تھا۔

صبح کے تین بجے تھے۔ اس شخص کو تنہائی کا سامنا تھا مگر وہ اس طرح مطمئن بیٹھا ہوا تھا جیسے کافی کی دعوت میں آیا ہو۔ کپڑوں پر ایک بھی سلوٹ نہیں تھی۔

"اہمیت اس بات کی نہیں کہ میں یہاں کس طرح پہنچ گیا" اوشان نے پُروقار انداز میں جواب دیا اور زبان کوریائی ہی استعمال کی تاکہ بہرام سمجھ سکے "میں یہاں صرف اس لیے آیا ہوں کہ اس احمق شہنشاہ اور اس کی تباہی سے تم کو دُور لے جا سکوں"۔

"صندوقوں کا کیا ہوا؟"

"مجھے صندوقوں سے زیادہ تمہاری فکر تھی۔ میں نے دس سال تک تمہارے اندر سرمایہ کاری کی ہے اور میں اس سرمائے کو یونہی ضائع نہیں ہونے دوں گا"۔

"مجھے کوریائی زبان نہیں آتی ماسٹر" بہرام نے لقمہ دیا۔ "ہم یہاں ایک انتہائی اہم سلسلے میں جمع ہوئے ہیں۔

"شہزادہ بھی نہیں سمجھتا شہنشاہِ عالی مقام" اوشان نے تعظیماً سر خم کرتے ہوئے کہا۔ "بہر حال۔ ہم یہ جاننے کے لیے بے چین ہیں کہ آپ کی خدمت کس طرح کر سکتے ہیں"۔

"ٹائیگر۔ ایک بُری خبر یہ ہے کہ ہم نہ صرف مشکلات سے دوچار ہیں بلکہ مجھے"۔

"پورے نظام کا بڑا حصہ وقتی طور سے بند کرنا پڑے گا" ٹائیگر نے بات اُچک لی۔

"شہنشاہ کو بولنے دو" اوشان نے انتباہی انداز میں ٹائیگر کو گھور کر کہا۔

"ہاں۔ چار گر کے پورے نظام کا بڑا حصہ بند کرنا پڑے گا" بہرام سر ہلا رہا تھا۔

"دیکھا۔ شہنشاہ کچھ اور کہنا چاہتے تھے اور تم بیچ میں لقمہ دے

رہے تھے۔ یہ بدتمیزی ہی نہیں، جہالت بھی ہے"۔

"ہم حملہ مفلوج اور بے عمل ہو کر رہ گئے ہیں" بہرام کہتا رہا۔ "ہم ایف بی آئی اور سی آئی اے کے ان لوگوں سے تو بچ سکتے تھے جو کسی نہ کسی طرح ہماری پیروی کر رہے تھے لیکن کانگریس کے ڈرکن کے قتل کے بعد انھوں نے تفصیل پھان بین کر لی شروع کر دی ہے۔ انھیں بعض سراغ بھی مل گئے ہیں۔ انھیں نے تمہیں اسی وجہ سے ڈائرکٹ اوپن لائن پر فون کیا کہ تمہیں یہ اشارہ مل جائے کہ خفیہ لائن بھی محفوظ نہیں"۔

"میں سمجھ گیا تھا"۔

"لیکن یہ تمہاری خوش قسمتی ہے کہ تم ان کے ہاتھ نہیں آئے" بہرام نے سکون کی سانس لیتے ہوئے کہا۔

"اوہ۔ تو کیا کوئی تمہارے ہاتھوں مارا گیا؟"

"یقیناً مارا گیا ہوگا" اوشان نے سر ہلاتے ہوئے لقمہ دیا۔

"نہیں" ٹائیگر نے پُرزور لہجے میں جواب دیا۔

"گڈ!" اوشان کے چہرے پر پڑی ہوئی چند سلوٹیں معدوم ہو گئیں۔

"ہرگز نہیں" اوشان نے سگار ختم کرتے ہوئے کہا۔ "یہ ٹوکارلان سگار سے کوسوں دُور رہتا ہے۔ کسی بندر کی طرح پُرامن رہنا اس کی عادت ہے۔ بس صرف آپ کے اشاروں پر لوگوں کو ہلاک کرتا ہے۔ شہنشاہِ عالی مقام"۔

"مجھے یقین ہے کہ موجودہ صورتِ حال میں کسی کو قتل کرنے سے بات نہیں بنے گی۔ اگر کوئی مارا بھی گیا تب بھی ہم پر آنے والا بادل کم نہیں ہوگا۔ یہ پتا چلانا پڑے گا کہ کانگریس کے ڈرکن کو کس نے قتل کیا، اس قتل کا مقصد کیا ہے؟ اس کے بعد یہ بات دُنیا کے سامنے لانی ہوگی، اسی طرح ہمارے معاملے میں تفتیشی عملہ مطمئن ہو سکے گا"۔ ڈاکٹر بہرام بہت سنجیدہ تھا اور اس کی آنکھوں سے اس کے اندر کی تشویش کا بخوبی اظہار بھی ہو رہا تھا۔

"کیا کام شروع کرنے کے لیے کوئی نقطہ موجود ہے چیف؟" ٹائیگر نے پوچھا۔ اب وہ سنجیدہ تھا۔

"نہیں۔ کانگریس مین کے سینے سے اس کا دل بھی چوری کر لیا گیا ہے۔ قاتل کی بہت تلاش کی گئی، لیکن ناکام رہے"۔

"دل ہاتھ سے نکالا گیا تھا؟" ٹائیگر کے اس سوال پر اوشان کی آنکھوں میں ایسی چمک پیدا ہوئی جیسے اُسے ٹائیگر کی طرف سے ایسی سوال توقع تھی۔

"نہیں" بہرام نے جواب دیا۔ "ہمارا خیال ہے کہ اس مقصد کے لیے ٹائیز دھماکہ خیز استعمال کیا گیا ہے"۔

"اور دل کا کہیں بھی سراغ نہیں ملا؟"

"نہیں"۔

"تب پھر یہ عشق و مشک کا چکر ہوگا۔ کسی نے دل چوری کرنے والی اصطلاح کو بہت سنجیدگی سے لیا ہے" ٹائیگر کے چہرے پر کھلنڈرا پن پھر ابھرنے لگا۔

"نہیں ٹائیگر" بہرام نے جھنجلا کر جواب دیا۔ "وہ کسی معاشقے میں ملوث نہیں تھا۔ اس کی شادی برسوں قبل ہوئی تھی اور دونوں میاں بیوی بہت خوشگوار ازدواجی زندگی گزار رہے تھے"۔

"وہ بہتے ہوئے پانی کی طرح صاف شخص تھا" اوشان نے اس طرح کہا جیسے وہ مقتول سے برسوں سے واقف ہو۔

"ہاں۔ اس کی بیوی اس سے بہت محبت کرتی تھی" بہرام نے کہا۔

"آہ۔ میری بیوی بھی ایسی ہی تھی" اوشان نے عجیب سے لہجے میں انکشاف کیا۔ "لیکن ایک روز وہ ایک سمندری چٹان سے پھسل کر گری اور ڈوب کر مر گئی۔ میں نے صبر کیا اور میں صبر کی نعمتوں سے اب فیض یاب ہو رہا ہوں"۔

"بہر حال... کانگریس مین صاف ستھرا آدمی تھا۔ اس کی دشمنیاں تھیں تو صرف سیاسی۔ اس کی بخوبی حفاظت کی جاتی تھی۔ واردات والی شب محکمۂ انصاف کی طرف سے تعینات کیے جانے والا گارڈ اس کے کمرے کے دروازے پر رات بھر پہرہ دیتا رہا لیکن پانچ بجے جب اس نے کمرے میں جھانک کر دیکھا تو کانگریس مین اپنی ڈیسک پر اوندھا لیٹا ہوا تھا اس کی قمیص کے بٹن کھلے ہوئے تھے اور دل غائب تھا۔ دل کی شریانوں اور والوز کو بھی سخت نقصان پہنچا، بے تحاشا خون بہا تھا"۔

"اناڑی" اوشان نے بڑی نفرت سے کہا۔ "اناڑی پن اور بے پروائی کی بدترین مثال"۔

"... لہٰذا ہمیں بہت محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ ایف بی آئی اور سی آئی اے والے بھی ہماری ہی طرح ملزم کو پکڑنے کے لیے بے چین ہیں لیکن مسئلہ صرف یہ ہے کہ وہ ہم پر شبہ کر رہے ہیں، انھیں اس کام میں ہماری جیسی کسی خفیہ تنظیم کے ملوث ہونے کا شبہ ہے اور اگر انھیں یہ احساس بھی ہو گیا کہ تم تنظیم کے ساتھ ہو تو وہ تمہیں اٹھا لیں گے"۔

"میں بہت محتاط رہوں گا" ٹائیگر نے اسے یقین دلایا۔

"کچھ دنوں کے لیے ہمارا مکمل بند رہے گا" بہرام نے کہا۔ "کمپیوٹرز کو کلین کر دیا گیا ہے، عملے میں شامل بہت سے لوگوں کو چھٹی دے دی گئی ہے، چند ہی روز میں تنظیم کا کوئی نشان تک باقی نہیں رہے گا لیکن کام جاری رہنا چاہیے اور کام کے جاری رہنے کا انحصار تم پر ہے ٹائیگر"۔

"بہت بہتر" ٹائیگر کو بہرام کی سنجیدگی کا پوری طرح سے احساس

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ہو رہا تھا۔

"بہت بہتر سے بھی زیادہ۔" اوشان نے سر ہلا کر کہا۔ "ہم اس راکٹ کو تلاش کر کے اس کا خاتمہ کر دیں گے۔"

"نہیں۔ اس کا خاتمہ یا تباہی پروگرام میں شامل نہیں۔" بہرام نے کھنکار کر کہا۔ "اس کو پکڑ کر سرِعام سزا دینا ضروری ہے۔ اس بار تھلڈا کا کام خفیہ قتل نہیں بلکہ سزا دلانا ہوگا۔"

"شہنشاہ بہت عظیم ذہین اور صاحبِ بصارت ہیں۔" اوشان نے جھوم کر کہا۔ "ان کی عقل ہم جنگجو اور جلادوں کی عقل کے مقابلے میں بہت زیادہ ہے۔ ہم ذرّہ ہیں... وہ کائنات ہے۔"

... اور باہر... جزیرے میں سمندروں سے آنے والی خنک ہوا میں ٹہلتے ہوئے اوشان، ٹائیگر سے کچھ اور ہی کہہ رہا تھا۔

"مجھے یقین تھا کہ بہرام پاگل اور جعلی ہے... آج رات اس نے اس کا ثبوت بھی دے دیا ہے۔"

اور پھر اوشان کو ایسا راز یاد آ گیا جس نے پاگل ہونے کے بعد دربار سے "خلق جنگجوؤں" کو اصطبل صاف کرنے کے کام پر لگا دیا تھا۔

وہ "اصطبل صاف کرانا چاہتا تھا لیکن یہ نہ جانے کیا چاہتا ہے؟" اس نے کہا۔

"چیف کی خواہش ہے کہ اس کہیں کے ملازم یا ملزموں کو عدالت سے سزا ملنی چاہیے۔" ٹائیگر نے وضاحت کی۔

"آہ۔ انصاف کے بند کمروں میں تقریر کرنے والے کی نوکری کرنے سے بہتر ہے کہ اس صدی کا عظیم جنگجو اصطبل ہی صاف کرے۔" اوشان نے دولوہا، ہاتھ نچا کر کہا۔

"نہیں۔ بہرام وکیل نہیں بنے گا۔ اس کی خواہش یہ ہے کہ ہم ملزم کو تلاش کریں اور مقدمہ چلانے والے کو اس کے بارے میں اطلاعات فراہم کر دیں۔"

"یعنی ہم پولیس والوں، مخبروں اور سراغ رسانوں کا کردار ادا کریں گے؟" "تعزیتاً۔"

"اب میں سمجھا۔" اوشان نے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ "ہم کسی ایسے شخص یا ایسی چیز کی تلاش کریں گے جس کے بارے میں ہمیں علم ہی نہیں کہ وہ کون ہے کیا چیز ہے؟ مجھے صرف اتنا علم ہے کہ اگر ہم اپنی اس کوشش میں کامیاب نہیں ہوئے تو پھر شہنشاہ بہرام کو نقصان ہو گا۔"

"تم فکر مت کرو، مجھے علم ہے کہ مجھے کیا کرنا ہے۔"

"فکر؟؟" اوشان نے برہم ہو کر اس کی طرف دیکھا۔ "تم لوگوں کو کسی چیز کی فکر ہی نہیں۔"

رامونا ہاروی ڈیلفن دو صدیوں کے پورے ہونے کے سلسلے میں تقریبات کا پروگرام دیکھ رہی تھی کہ اچانک ایک پیلا پرنیل مندوقچی پر آ کر گرا جسے کولمبس سرکل مونومنٹ پر ٹیڈ کہا جاتا تھا۔ رامونا ہاروی ڈیلفن نے سر اٹھا کر اوپر دیکھا۔

وہ بہت موٹی سنگ خوبصورت عورت تھی۔ جب ہنستی تھی تو چہرے پر گوشت کی موٹی موٹی سلوٹیں پڑ جاتی تھیں۔ وہ زیادہ تر ہنستی رہتی تھی کیونکہ اسے اپنے ہنسنے پر لوگوں کو حیرت زدہ دیکھنے سے بہت خوشی محسوس ہوتی تھی۔

"تم لوگ کیا کرتے پھرتے رہتے ہو؟" اس نے ہنس کر کہا وہ ان میں سے ایک کو پہچانتی تھی، وہ ایک عینی لڑکا تھا جس نے نہ جانے کس طرح ایک پبلشنگ کمپنی کا کنٹرول حاصل کر لیا تھا۔ اس سے اس کی ملاقات کسی جگہ یا کسی پارٹی میں ہوئی تھی۔ اس ایک کے سوا باقی تمام لوگ اس کے لئے اجنبی تھے۔ رامونا کو حیرت تھی کہ اس کے بلڈنے فتح الیونیو والی اس رہائشی گاہ کے مرکزی دروازے سے ان لوگوں کو اس کی اجازت لیے بغیر کیسے آنے دیا۔ اسے علم نہ تھا کہ نیویارک کی سڑکوں پر آج کل بہت زیادہ گڑبڑ رہتی ہے اور یہی وجہ تھی کہ لوگوں نے اپنے اپارٹمنٹس کی سیڑھیوں پر اجنبیوں کا داخلہ ممنوع قرار دے رکھا تھا۔

"کولمبس سرکل پر ٹیڈ کے لئے ہم نے پہلے ہی انڈینرز کے ایک گروپ کی خدمات حاصل کر لی ہیں لڑکو۔" رامونا نے ان کے انڈینرز مجلے کو بند دیکھ کر کہا۔ "ویسے تم لوگ یہ جانتے ہی ہو گے اس میلے میں صرف اطالوی اور امریکی شرکت کریں گے۔"

ان لوگوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ پروں سے بنی ہوئی ان کی پیلی قبائیں ان کے گھٹنوں تک جھول رہی تھیں، یہ سنے برہنہ تھے۔ وہ اُسے دیکھے جا رہے تھے۔

"میں نے کہا نا کہ ہم نے سوہاک ڈانسر لڑکا ایک بہترین گروپ منتخب کر لیا ہے۔" رامونا پھر بولی۔ "وہ امریکیوں کی طرح کے نہیں اٹلی کا تعلق جنوبی امریکہ سے زیادہ ہے۔ تم ایوک ہو؟"

"نہیں ایزک نہیں۔" دور کھڑے ہوئے شخص نے پہلی مرتبہ منہ کھولا۔ اس کے ہاتھ میں کسی رنگین پتھر کا ایک ٹکڑا نظر آ رہا تھا۔ باقی چاروں دائیں بائیں ننگی مجسموں کی طرح استادہ تھے۔

"خیر۔ ہم مایا زکو بھی استعمال نہیں کر سکتے۔" رامونا نے ہنس کر کہا۔

"ہم مایا نہیں ہیں۔"

"تم کچھ ہو، انڈینرز نہیں لگتے۔" مسز رامونا ہاروی ڈیلفن کو اب دل پر جبر کر کے مسکرانا پڑ رہا تھا۔ وہ گلے کی نبچر میں پڑے ہوئے ہیرے

سے اضطرابی انداز میں کھیلنے لگی تھی۔

"ہماری رگوں میں اندین خون دوڑ رہا ہے۔" پتھر والے شخص نے پتھریلے لہجے میں انکشاف کیا۔

"شاندار۔" رامونا نے کہا۔ "میرا یقین یہی ہے کہ امریکہ کی عظمت میں مختلف النسل اقوام کا کردار بہت زیادہ ہے، لیکن... تم پُرامت ماننا... ایکا قبائل کو میں اس فہرست میں شامل نہیں کرتی جو امریکہ کی خدمت کے ممنون ہے۔"

"ہم ایکا بھی نہیں۔ ایکٹیٹالی ہیں۔"

"اوہ۔ میں نے پہلے یہ نام نہیں سُنا۔" رامونا کو واقعتاً ایکٹیٹالی کا نام سُن کر حیرت ہوئی تھی۔

"تم ہم سے اس لیے ناواقف ہو کہ تم نے ہمیں ہماری رنگ دار کھالوں میں بھی زندہ رہنے نہیں دیا۔ اسی باعث ہم نے تمہاری رنگت تمہاری آنکھیں اور تمہارے بالوں کو اپنا لیا۔ ہم اس نئے رنگ، نئے نقش و نگار اور نئی بولی کے باوجود دل سے ایکٹیٹالی ہیں۔ ہم نے صرف اور صرف زندہ رہنے کی خواہش کی تھی لیکن تم لوگوں نے ہمیں زندہ بھی رہنے کی اجازت نہیں دی۔ چنانچہ ہم نے رنگ بدلا۔ لیکن اب تم نے ہمارے اجداد کے مقدس ترین پتھر کی بے حُرمتی کی ہے۔ یہ پتھر ہمیں اپنی آبروؤں، امنگوں، خواہشوں اور زندگیوں سے بھی زیادہ عزیز ہے۔ یہ پتھر ہمارے دلوں کو زندگی کا رس فراہم کرتا ہے۔ ہمارے وجود کے لیے سب سے بڑا ثبوت ہے۔ یہ اتنا مقدس ہے کہ ہم تمہیں اس کا نام بھی نہیں بتا سکتے۔ صرف ایکٹیٹالی کہہ سکتے ہیں۔"

"اگر مجھ سے کوئی غلطی ہو گئی ہے تو میں معذرت خواہ ہوں۔" رامونا بے چین سی ہو کر بولی۔ اسے اب گھبراہٹ بھی محسوس ہو رہی تھی۔ "میں یقین دلاتی ہوں کہ اس غلطی کا ازالہ کرنے کی کوشش کروں گی۔"

"ضرور۔" پتھر والے شخص نے کہا۔

دو افراد نے لپک کر رامونا کی موٹی موٹی کلائیاں پکڑ لیں تو وہ مچلنے لگی۔

"چھوڑ دو۔ جسمانی تشدد مت کرو۔ سنو۔" مگر جب مزید دو مضبوط افراد نے اس کی پنڈلیاں جکڑیں تو وہ کچھ اور سمجھنے لگی۔ "سنو۔ میری بات سنو۔ میں تیار ہوں۔ مگر یہاں نہیں۔ کہیے میں۔"

رامونا کی اس جسٹیکشن پر گرفت اور مضبوط ہو گئی۔ پھر ان چاروں افراد نے ایک جھٹکے سے رامونا کو اٹھا کر ایک ڈیسک پر لٹا دیا۔ اب وہ مچل رہی تھی لیکن چاروں افراد کی طاقتور گرفت کے باعث ساکت تھی۔

پتھر والے شخص نے جس کے ہاتھ میں رنگین نوکیلا پتھر تھا، کچھ پڑھنا شروع کر دیا۔ وہ اس زبان سے ناواقف تھی۔ رامونا نے پنڈلیاں چھڑانے کے لیے لاتیں مارنے کی کوشش کی مگر وہ اپنی قوت کے باوجود بس پھڑپھڑا کر رہ گئی۔

اُسے خوف کی بُو محسوس ہونے لگی اور اچانک ہی ایسی کھراند کا احساس ہُوا جیسے بچے نے پیشاب کر دیا ہو۔

اُس نے خوف زدہ نظروں سے ایک شخص کو دیکھا، اُس کی آنکھیں رامونا کے پہلے شوہر کی طرح چھوٹی چھوٹی سی تھیں۔ اس شخص کی پیلی پیشانی پر پسینے کی بُوندیں جھلملا رہی تھیں۔ پھر اچانک ہی وہ تڑپ کر رہ گئی۔

اس نے پیروڈیٹ کے طور پر استعمال کے لیے اہرام مصر کا جو جھوٹا سا ماڈل خرید لیا تھا وہ اُس کے ایک پہلو میں بہت زور سے چبھا۔ اگر وہ اپنی جگہ سے حرکت کر سکتی تو اس درد سے بچ سکتی تھی لیکن اُسے تو ایسے تنگ کر دیا تھا جیسے آکٹوپس نے اُسے جکڑ رکھا ہو۔

تب ہی رامونا کو احساس ہونے لگا کہ اُس نے کمرے اور ہال میں لگے ہوئے کیلنڈروں کی گرد نہیں جھاڑی ہے۔

اُس کی کلائیوں کو پکڑنے والے افراد اب اُس کی گردن اور پنڈلیاں دبوچنے والے پیٹ پکڑ چکے تھے۔ پانچویں شخص نے جس کا چہرہ بھیانک اور آنکھیں سب کچھ پتھر کی طرح تھا اُس کا بلاؤز ایک جھٹکے سے پھاڑ دیا۔ ایک نے ہاتھ بڑھا کر ہار کھینچ لیا۔

"سنو۔" رامونا نے آخری بار کچھ کہنا چاہا لیکن سنگی چہرے والے شخص نے ہاتھ بلند کیا، نوکیلا پتھر اب اُس کے ہاتھ میں چمک رہا تھا... اور اُس کے سینے کی طرف آ رہا تھا۔

پتھر کسی چاقو کی طرح رامونا کے پیٹ میں ترازو ہو گیا۔ وہ بہت زور سے چیخی۔

اور چلاؤ۔" سنگی چہرے والے نے پہلی بار مسکرا کر کہا۔ وہ جانتا تھا کہ یہ چیخیں عظیم دیوتا کی خوشنودی کا باعث ہوں گی۔

رامونا سب کچھ بھول گئی۔ اپنے آپ کو بھی فراموش کر گئی۔ سنگی چہرے والے نے رامونا کی طرف دیکھا تو اسے یقین ہو گیا کہ یہ عورت اب مزید نہیں جیے گی اُس کے موٹے چہرے پر موم جیسا پسینہ تھا۔ چہرے پر کسی قسم کے تاثرات بھی نہیں تھے۔ وہ کچھ بڑبڑانے لگا۔ اُس نے سر جھکایا اور پھر رامونا کے سینے پر جھک گیا۔

وہ اُس کا دل نکال رہا تھا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

اُس کے ہاتھ تیزی سے چلنے لگے۔ اُس نے دل کو خرابوں سے الگ کیا اور پھر شگاف میں ہاتھ ڈال کر ابھی ٹٹول ہی رہا تھا کہ دل خود بخود اُس کے ہاتھ سے ٹکرایا۔ اُس نے ہاتھ ڈالا... اور دل پکڑا... اور کھینچ لیا۔

ان دو افراد نے اپنی اپنی ہتھیلیوں میں ہاتھ ڈال کر پیالے نکالے۔ دل ایک پیالے میں رکھا گیا اور پیالے کے اندر پہنچتے ہی دل بے حرکت ہو گیا۔ دوسرا پیالہ، اس پیالے کے اُوپر رکھا گیا تو دونوں پیالے ازخود آپس میں مل کر بند ہو گئے۔

ایک شخص نے لاش کو اس طرح رکھا کہ خالی سینے کا رُخ ڈیسک کی طرف ہو... اور جس شخص نے دل نکالا تھا اس نے ایک ٹائپ شدہ کاغذ اُمونا کے خون پر ڈال دیا۔

ٹائیگر، اُوشان کے ساتھ جب واشنگٹن سے باہر ڈلاس ائرپورٹ میں داخل ہوا، تو تب ہی اُسے اس قتل کا علم ہوا۔ وہ کانگریس مین کے قتل کی تفتیش کے سلسلے میں اُسی جگہ سے ہو کر آئے تھے جہاں کانگریس مین کی لاش ملی تھی۔ اُس مقام کو ٹائیگر نے جائے واردات قرار دیا تھا۔

"کیسی واردات؟" اُوشان نے پوچھا تھا۔ بہرام نے ڈھیلی اور رُہزنی کی تو کوئی بات نہیں کی تھی۔ برائیل ہے کہ وہ ہماری ٹوہ میں ہیں۔ اُن سے بچنے کے لیے ہمیں اُلٹے سیدھے کام سونپ رہے ہیں۔"

"اُس کی مراد قتل سے تھی۔ قتل مجرمانہ واردات ہی ہوتا ہے ایل فادر۔"

"اوہ۔ تو کیا اس قتل کے قاتل کو معاوضہ نہیں ملا ہوگا؟" اُوشان نے بڑی حیرت سے پوچھا۔

"قتل، جُرم ہوتا ہے..."

"تب پھر ہر قتل کا سربراہ مُجرم ہُوا۔" اُوشان نے سر ہلا کر کہا۔ "یہ ناممکن ہے۔ شہنشاہ مُجرم ہو ہی نہیں سکتے۔ وہ تو قانون بناتے ہیں اور جو قانون کی خلاف ورزی کرتے ہیں وہ شاہ کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں اور شاہ کے حکم کی خلاف ورزی کرنے والا ہی مُجرم ہوتا ہے۔"

"کسی کو قتل کرنا اس فلک میں جُرم ہے۔" ٹائیگر نے اُسے سمجھایا۔

"ناممکن۔ اس طرح تو ہم بھی مُجرم قرار پائیں گے۔" اُوشان نے فلسفیانہ انداز میں کہا۔ "ہم مُجرم نہیں۔ مُجرم وہ ہوتا ہے جو ہمارے جیسے مخلوق اصولوں پر عمل نہ کرے۔"

"ایل فادر۔ یہ بہت پیچیدہ مسئلہ ہے۔" ٹائیگر نے اُسے سمجھانے والے انداز میں کہا۔ "بہت ہی پیچیدہ مسئلہ ہے۔ یقین کرو کہ..." "تم مجھے سمجھانے چلے ہو!" اُوشان کے قدم رُک گئے

لاڈو

قمر اجنالوی قیمت:-/90

تھے کیوں کہ اب وہ طیارے کی آخری سیڑھی پر تھے۔ ٹائیگر نے ائرہوسٹس کو اپنے ٹکٹ دیے اور جب اُوشان اپنی نشست پر بیٹھ گیا تھا تو اُوشان نے اپنے برابر بیٹھے ہوئے ایک ہیکارے کہا کہ امریکہ میں زندگی انتہائی غیر محفوظ ہے لیکن اگر امریکی اپنی ہی غیر محفوظ زندگی سے مطمئن ہیں تو بھلا میں کیوں اعتراض کروں۔

یہ طیارے میں دورانِ سفر کا قصہ تھا اب ائرپورٹ پر ٹائیگر کو کسی کی جیب میں رکھے ہوئے ریڈیو سے نیوز ریڈر کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ یہ اُسی نومیت کے دُوسرے قتل کی خبر تھی۔ اُسی سہ پہر واشنگٹن اسٹار نے بھی صفحۂ آخر پر اسی قسم کی چھوٹی سی خبر شائع کی تھی۔

"نیویارک (اے پی) ایک امیر خاتون کو اُس کے فیشن ایبل گھر میں بے رحمی سے قتل کر دیا گیا۔ قتل کا طریقہ وہی ہے جو پہلے کانگریس مین کے سلسلے میں استعمال کیا جا چکا ہے۔ اور جس کی ایک کیوبی پیلی تفتیش کر رہی ہے۔ ۵۱ سالہ خاتون مسز رامونا پانچ ڈیلین کی لاش سب سے پہلے اُن کے ملازم نے دیکھی۔ لاش کا سینہ خالی تھا۔ قاتل دل نکال کر لے گیا تھا۔"

ٹائیگر نے خبر پڑھ کر اخبار، اخبار کی قیمت سمیت اسٹال والے کو واپس کر دیا۔

"ہُوں۔" اُوشان نے ہنکارا بھر کر کہا۔ "مجھے کسی کی تلاش کے لیے تمہارے شاندار منصوبے کا انتظار ہے۔"

"میں نے اپنا ارادہ بدل دیا ہے۔" ٹائیگر نے قدرے خفیف ہو کر کہا۔

"تم نے اگر کوئی ارادہ کیا ہوتا تو اُسے بدلتے۔ ارادہ ہی نہیں کیا تو ارادہ کس طرح بدل سکتے ہو۔ فنا وہ ہوتا ہے جو ہوتا ہے ہو نہیں ہوتا، فنا نہیں ہو سکتا۔ اور جو نہیں ہو سکتا وہ..."

"ہم نیویارک جائیں گے۔" ٹائیگر نے اُس کی بات کاٹ دی۔ کیوں کہ اُسے علم تھا کہ وجود، فنا اور بقا کا یہ فلسفہ ایک گھنٹہ لے سکتا ہے۔

"نیویارک۔" اُوشان مسکرا اُٹھا۔ "مجھے نیویارک اس لیے

پسند ہے کہ وہاں بعض ریستوراں ایسے ہیں جو میرے مذہبی نہیں۔ اگرچہ میرے معیار کے مطابق کوریائی ریستوران بھی اچھے نہیں لیکن وہ دُوسروں کے مقابلے میں زیادہ بہتر ہیں۔"

نیویارک کے لیے شٹل فلائٹ نے صرف ایک گھنٹہ لیا جبکہ ائرپورٹ سے ٹھنڈ ایونیو پہنچانے کے لیے ٹیکسی نے دو گھنٹے لگا دیے۔

راستے میں اُوشان نے صرف یہ احتجاج کیا کہ وہ اب تک مختصر سے وقت میں چار شہروں سے ہو کر آئے ہیں مگر اُس نے ٹاکو ماہی دیکھ ہی لیا جائے اُس نے ٹاکو ماہ واشنگٹن کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اس پر ٹائیگر نے کہا کہ وہ واپس جا کر اپنے صندوق دیکھ سکتا ہے لیکن اُوشان نے یہ کہہ کر بات ختم کر دی تھی کہ ٹائیگر جو کچھ دیکھنے جا رہا ہے وہ یقیناً زیادہ دلچسپی کا باعث ہوگا۔

"ممکن ہے تمہیں اطمینان صاف کرتے ہوئے دیکھ کر مجھے خوشی ہو۔" اُوشان نے کہا۔

ایلین مینشن کے سامنے ایک وردی والا پہرہ دے رہا تھا ٹائیگر بڑے پُراعتماد انداز میں اُس کے قریب سے گزر گیا لیکن اُوشان کو اس کی یہ ادا ایک آنکھ نہ بھائی لہٰذا وہ پولیس والے کے پاس رُک گیا۔

"تم یہاں اکیلے کیوں کھڑے ہو بھائی!" اُس نے پُرشفقت لہجے میں پولیس والے سے پوچھا۔

"اس لیے کہ کل رات یہاں قتل ہو گیا تھا!"

"اچھا۔" اُوشان نے ایسا مُنہ بنایا جیسے قتل کی اطلاع سے اُسے دلی صدمہ ہُوا ہے۔ "لیکن سوال یہ ہے کہ جب مقتول زندہ تھا تو اس وقت اُسے بچانے کے لیے پہرہ کیوں نہیں تھا؟"

تاہم اُس نے جواب کا انتظار نہیں کیا۔ اور آگے بڑھ گیا کیونکہ ٹائیگر کی سکنگ پر دروازہ کھل چکا تھا۔ لیکن سفید جیکٹ اور کالی پتلون میں ملبوس ایک دیوہیکل شخص ٹائیگر کو اندر داخل ہونے کی اجازت دینے سے صاف انکار کر رہا تھا۔

"دو لونے کا استعمال کرنا ہی عافیت ہے۔" اُوشان نے کوریائی زبان میں کہا۔ "باقی منزل کی کھڑکیاں کھلی ہیں، اُس سے نہیں گئے بند دروازے سے سر ٹکرا رہے ہیں۔ ہُنہہ۔"

"خاندان والے ملاقاتیوں کا خیر مقدم کرنے سے معذرت خواہ ہیں جناب۔" سفید جیکٹ اور کالی پتلون والے نے کہا۔

"میں ملاقاتی نہیں ہوں۔" ٹائیگر بٹلر کو ایک طرف کر کے اندر چلا گیا۔ بٹلر اُس کے پیچھے لپکا تو اُوشان بھی اندر داخل ہو گیا۔

"قتل کس جگہ ہُوا تھا؟" ٹائیگر نے بٹلر سے پُوچھا۔

"یہاں سے تشریف لے جائیں جناب۔" اس مرتبہ بٹلر کا لہجہ شائستہ نہ تھا۔

"بس ایک منٹ ہمیں بھی جانے کی جلدی ہے۔"

"مسز ڈیلین کو اپنی ملک کے قتل پر سخت صدمہ ہُوا ہے اُن کی حالت بہتر نہیں آپ چلے جائیں۔"

اُسی لمحے ایک نوجوان عورت نمودار ہوئی۔ اُس کی نیلی آنکھیں جن میں بھورا پن بھی تھا کسی اور جگہ دیکھ رہی تھیں۔ وہ ڈانٹ شارٹس اور اسی رنگ کے بلاؤز میں تھی۔ بائیں ہاتھ میں ٹینس کا ایک ریکٹ بھی جھول رہا تھا۔ اُس کے بالوں کی رنگت ریت جیسی پیلی تھی جبکہ جلد اسن باتھ یا دُھوپ میں مسلسل رہنے کے باعث سنہری ہو رہی تھی۔

"ناقابلِ یقین۔ یقین ہی نہیں آتا۔"

"مجھے آپ کی والدہ کے بارے میں سُن کر دلی صدمہ ہُوا ہے۔ کیا وہ آپ کی ماں تھیں!" ٹائیگر نے دھیرے سے پُوچھا۔

"کون؟ وہ ایک بہت بڑے کیلنڈر کے سامنے کھڑی ہو کر اس طرح بولی جیسے چونک پڑی ہو۔ یہ کیلنڈر شیشے کی طرح لگ رہا تھا۔

"میں اس ایسے کا ذکر کر رہا ہوں۔ اس خاتون کا جو قتل ہو گئی ہے۔"

"اوہ... مدر... ہاں وہ مر گئی ہیں۔ ناقابلِ یقین۔" لڑکی نے پھر کہا۔

"میں آپ کی مدد کرنے کے لیے آیا ہوں۔"

"ناقابلِ یقین۔" لڑکی زیرِ لب بولی۔ "سکس فوٹ، سکس ٹو، سکس ٹو۔ اور... اور چار مرتبہ میں نے ڈبل فالٹ کیا آج تک کبھی مجھ سے ایک بار بھی ڈبل فالٹ نہیں ہُوا تھا۔"

"فینس..." ٹائیگر کو ہنسی ضبط کرنی دُشوار ہو رہی تھی۔ "کیا آپ ٹینس میں شکست پر دل برداشتہ ہیں!"

"شکست۔! ارے... یہ تو بدترین قتلِ عام تھا میں بولی ڈیلین ہوں۔ تمہاری کیا مدد کر سکتی ہوں!"

"میں آپ کی والدہ کے قتل کے سلسلے میں آیا ہوں تاکہ آپ کی مدد کر سکوں۔"

"جو ہونا تھا وہ ہو گیا۔ وہ اب مُردہ خانے میں ہیں اور تدفین کے انتظامات بھی ہو رہے ہیں سکس فوٹ، سکس ٹو، سکس ٹو... اور میں نے چار مرتبہ ڈبل فالٹ کیا۔ کیا تم یقین کر سکتے ہو کہ میں نے ڈبل فالٹ کر سکتی ہوں؟"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"مس ڈیفلن" ٹائیگر نے نرم لہجے میں کہا۔ "آپ کی والدہ کو قتل کیا گیا ہے اور مجھے یقین ہے کہ اس سلسلے میں پولیس کچھ بھی نہیں کرسکے گی لیکن میں آپ کی مدد کرسکتا ہوں۔"

"کس طرح۔ کس سلسلے میں؟" بوبی نے پوچھا۔ اُس کا چہرہ بہت خوبصورت تھا، کچھ ایسا جیسا لوتھ پیسٹ کی کمپنیاں اشتہاروں کے لیے استعمال کرتی ہیں۔

کتنی خوبصورت ہے! ٹائیگر سوچ رہا تھا۔

سفید فام ہے شاید، اُدشان اُسے بغور دیکھ رہا تھا۔

"آپ کی والدہ کے المیے کے سلسلے میں۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔

"میری والدہ کے مسائل ختم ہوچکے ہیں اور اب مجھے اپنے مسائل کا فکر ہے۔ مجھے تنہا چھوڑ دو تو بہتر ہے۔ چار مرتبہ ڈبل فالٹ ہوا۔ خدایا کیا ہوگیا تھا مجھے۔" یہ کہہ کر وہ دُوسری طرف پلٹی مگر اُسی لمحے اُدشان بول پڑا۔ "میں تمھیں یہ سکھا سکتا ہوں کہ دو بار غلطی سے کس طرح بچا جائے۔"

"ڈبل فالٹ" بوبی نے اصطلاح کے استعمال پر مُنہ بناتے ہوئے تصحیح کی۔

"ہاں۔ وہی۔" اُدشان نے سر ہلا کر کہا۔

"تمھیں تو یہ بھی نہیں معلوم کہ ٹینس میں دو بار غلطی کے لیے ڈبل فالٹ کی اصطلاح موجود ہے۔"

"میں نے تم سے یہ نہیں کہا کہ کھیل باتوں میں کس طرح درست کیا جاسکتا ہے۔ میں تو کھیل کی باتیں نہیں کھیل سکھا سکتا ہوں۔ جسمانی مہارت کا ہر کھیل ایک جیسا ہوتا ہے۔"

"ٹینس سب سے جُدا اور سب سے دلکش کھیل ہے۔" بوبی نے کہا۔

"ٹینس ہر کھیل کی طرح کا کھیل ہے۔ اس میں بھی فاتح وہی ہوتا ہے جو اپنی جہالت کو شکست کا سبب نہیں بننے دیتا۔"

"شٹو۔ میں بائیس پروفیشنل انسٹرکٹروں کو نمٹا چکی ہوں اور مجھے کسی بلغ نما نام نہاد انسٹرکٹر کی ضرورت نہیں۔"

"یہ آلہ کسی چیز کو مارتا ہے نا؟" اُدشان نے اُس کے حقارت آمیز لہجے کو نظر انداز کرتے ہوئے ریکٹ کی طرف اشارہ کیا۔

"بلیئر۔ ان دونوں کو باہر نکال دو۔" بوبی اب طیش میں آچکی تھی۔

اُدشان کی لمبی اُنگلیاں آگے بڑھیں اور اُنھوں نے بوبی سے اس کا ریکٹ اُچک لیا۔ بوبی لاشعوری طور پر ہاتھ ہلاتی ہی رہ گئی۔ ساتھ ہی اُدشان نے کلائی کی محض جُنبش سے ریکٹ فانوس پر مارا، جس سے دو جنوبی چھوٹے چھوٹے موتی گرنے لگے اور پھر اُدشان کا ریکٹ والا ہاتھ ہلنے لگا۔ کوئی بھی موتی زمین پر نہیں گرا، ہر موتی ریکٹ سے ٹکرایا اور ہال کے آخری حصّے میں ایک کونے میں پڑی ہوئی کرسی کی گدی پر پہنچ گیا۔ وہاں اُن کا ایک چھوٹا سا ڈھیر سا لگ گیا۔

"تم نے بیروں کو حرکت نہیں دی؟" بوبی نے اعتراض کیا۔

"میں آپ صمد کے لیے یہاں آیا ہوں۔..." ٹائیگر نے اُکتا کر کہا مگر جواب میں اُسے ڈانٹ ڈپٹ سُننا پڑی۔

"تمھیں جو تربیت ملی ہے، اُس کی بنیاد ہی غلط ہے۔..." اُدشان نے ریکٹ ہلاتے ہوئے کہا۔ "اس کھیل میں پیروں کو حرکت دینے کی ضرورت نہیں کیونکہ ریکٹ، ہٹ کرتا ہے، پیر ہٹ نہیں کرتے خیر... میں تمھیں سب کچھ سکھاؤں گا لیکن پہلے تمھیں میری مدد کرنی ہوگی۔"

"بولو۔" بوبی بڑے جوش سے بولی۔

"میرا شاگرد جو کہتا ہے اس پر عمل کرو۔" اُدشان نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔

"یہ کیا چاہتا ہے۔" بوبی نے ٹائیگر کی طرف دیکھے بغیر اُدشان سے پوچھا۔

"اس کی وضاحت میں نہیں کرسکتا۔ شاید خود اسے بھی نہیں معلوم کہ یہ کیا چاہتا ہے۔"

"تب تم ہی کچھ بولو۔" بوبی نے ناک بھوں چڑھاتے ہوئے ٹائیگر کی طرف دیکھ کر کہا۔

"میں سب سے پہلے مسز ڈیفلن کی اسٹڈی دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"چلو۔" وہ بڑی نخوت سے بولی۔ وہ تینوں اسٹڈی تک آئے جہاں مسز ڈیفلن کا قتل ہوا تھا۔ بوبی ایک کرسی پر ڈھیر ہوگئی جبکہ اُدشان ٹائیگر کو بغور دیکھتا رہا۔ بوبی اُکتاہٹ کا مظاہرہ کرنے کے لیے اُنگلیوں سے میز بجا رہی تھی۔

"یہی وہ جگہ ہے جہاں آپ کی والدہ کا قتل ہوا؟" ٹائیگر نے اِدھر اُدھر دیکھ کر پوچھا۔

"آں۔ ہاں۔" بوبی نے جھلّی کے کر جواب دیا۔ "پولیس والے کہہ گئے تھے کہ فی الحال اس جگہ کی کوئی چیز نہ چھیڑی جائے۔"

ٹائیگر بڑی احتیاط سے جائزہ لینے لگا۔ فرش اور ڈیسک پر خون خشک ہوکر جم چکا تھا۔ ایک جگہ اُسے خون میں چُپی ہوئی کوئی چیز نظر آئی۔ اُس نے اُسے دیکھا۔ یہ اہرام نما پیپر ویٹ تھا۔ اس کا تکونا حصّہ ڈیسک پر جما ہوا تھا۔ کچھ اس طرح جیسے کسی وزنی چیز سے پیپر ویٹ کو دبایا گیا ہو۔ اُسے ڈیسک کے پیچھے دوات میں ایک پنسلا پر بھی نظر آیا۔ ٹائیگر نے اُسے اُٹھا کر دیکھا۔ یہ نوکیلا نہیں تھا۔

"مسز ڈیفلن کے قتل سے پہلے یہ پر یہاں موجود تھا؟" ٹائیگر نے بوبی سے پوچھا۔

"پتا نہیں۔" بوبی نے جواب دیا۔ "یہ میری نہیں میری والدہ کی اسٹڈی تھی اور میں نے آج سے پہلے کبھی یہاں قدم تک نہیں رکھا تھا۔" یہ کہتے ہوئے اُس نے اپنے ہاتھ سے اس طرح اشارہ کیا جیسے ریکٹ سے گیند کو مار رہی ہو۔ اُس کی نظریں دوبارہ پر تھیں۔

"ابھی نہیں۔ بعد میں۔" اُدشان نے اُسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ "میں پولیس سے بات کرنے کے علاوہ لاش بھی دیکھنا چاہتا ہوں۔" ٹائیگر نے نئی فرمائش کر ڈالی۔

"چلو۔" بوبی ایک طویل سانس لے کر کھڑی ہوگئی۔ اُدشان نے اُسے بہت بُری طرح گالو کرلیا تھا۔ ٹینس شاید اُس کی سب سے بڑی کمزوری تھی اور ڈبل فالٹ کرنے کے بعد وہ بہت تکنیک سیکھنے کے لیے ہر فرمائش پوری کرنے کو تیار تھی۔

☆☆☆

سٹی ہال کے مُردہ خانے میں ایک لیفٹیننٹ نے مقتولہ کی دیگر چیزیں اور اُس کے دو دستوں سے ملاقات کی۔ مُردہ خانہ بھی بڑے ہال سے بڑا تھا۔ اور اُس کی سفید دیواروں میں اسٹین لیس اسٹیل کے بڑے بڑے ریک نصب تھے۔

"شنیے۔" لیفٹیننٹ نے جس کے دانتوں میں بجھا ہوا سگار دبا تھا بوبی سے کہا۔ "میں آپ لوگوں کی خاطر ضابطوں کو نظر انداز کر رہا ہوں لیکن اس کے عوض آپ کو بھی مجھ سے تعاون کرنا کرنا ہوگا۔ میرا خیال ہے کہ آپ اس صدمے سے سنبھل چکی ہوں گی! کیا میں آپ سے چند سوالات کرسکتا ہوں؟"

بوبی نے لاشعوری طور پر ٹائیگر کی طرف دیکھا جس نے مقصد سمجھ کر اثبات میں گردن ہلادی۔

"ہمیں یقین ہے کہ یہ قتل کسی ذاتی پرخاش کا شاخسانہ نہیں مس ڈیفلن، لیکن کیا آپ کو کسی ایسے شخص کے بارے میں علم ہے جس کو مسز ڈیفلن... مقتولہ... آپ کی والدہ سے مخاصمت ہو... یا جو انھیں قتل کرنے کی حد تک آگے جاسکتا ہو؟"

"اُن کو جاننے والا ہر شخص اُن کا مداح نہیں تھا۔" بوبی نے جواب دیا۔ "جب کہ دوسروں کے لیے وہ دوست مورت تھیں، سرد مزاج نہیں۔"

"کیا آپ کی والدہ کسی خاص نوعیت کی سرگرمیوں میں بھی شامل تھیں مس بوبی ڈیفلن؟"

"ہاں۔ چھ سات سے زیادہ۔ وہ ہر کمیٹی میں شامل ہو جاتی تھیں میرا خیال ہے کہ وہ اُس کانگریس مین سے بھی زیادہ کمیٹیوں کی رُکن تھیں۔"

"اس ضمن میں ہمیں یہ پتا چلا ہے کہ دونوں مقتول میوزیم کی آثارِ قدیمہ و یادگار کمیٹی کے رُکن تھے۔ کیا آپ کے نزدیک یہ اتفاق معنی خیز نہیں!"

"نہیں۔" بوبی نے جواب دیا، اُدشان کی طرف دیکھا اور اُدشان کو چھیڑ بعد میں، کا اشارہ کرنا پڑا۔

"شکریہ مس ڈیفلن! کیا آپ لاش دیکھنے کی ہمت پیدا کرسکیں گی۔ ویسے ہم کل پوسٹ مارٹم کریں گے۔"

"میں نے سُنا ہے کہ ان کا دل چوری کرلیا گیا ہے۔ لیفٹیننٹ!" بوبی نے اس طرح کہا جیسے وہ کسی عام سے حادثے کی بات کر رہی ہو۔ "لہٰذا پوسٹ مارٹم کی ضرورت ہی کیا ہے! غالباً دل نکالے جانے کے باعث ہی ان کی موت واقع ہوگئی تھی۔"

"جی ہاں۔ لیکن قتل کی واردات کے پیشِ نظر پوسٹ مارٹم ضروری ہوگا۔" لیفٹیننٹ نے اسٹین لیس اسٹیل کا ایک چوکور ریک آگے کھینچا، تو انھیں پہلے ایک سفید چادر نظر آئی جس پر خون کے کتھئی دھبّے بھی کہیں کہیں نظر آرہے تھے۔

"خود کو تیار کرلیں۔" لیفٹیننٹ نے ڈرامائی انداز میں کہتے ہوئے چادر کھینچ لی۔

مسز ڈیفلن کا چہرہ برف طرح جما ہوا اور موم سا لگ رہا تھا۔ مُنہ کھلا ہوا تھا، لیکن وہ جھرّیاں، جو اُن کی زندگی میں کبھی نظر نہیں آئی تھیں اب بہت نمایاں تھیں۔ گوشت ڈھلک

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

چکا تھا۔ سینے کی جگہ ایک خالی اور بڑا سا سوراخ تھا جس کے اندر اندھیرا نظر آ رہا تھا۔

"ہمارے خیال میں دل نکالنے کے لیے کُند چاقو اور فورسیپ کا استعمال ہُوا ہے۔ یہی رپورٹ مقتول کانگریس مین کے بارے میں بھی آئی ہے۔ اس کے بعد ایف بی آئی نے مسلسل تفتیش کی۔ اُنھوں نے ماہرینِ قلب اور سرجنوں تک کو طلب کر لیا۔"

"فورسیپ کیا ہوتا ہے؟" اُوشان نے پُوچھا۔

"ایسی کوئی چیز جس سے کچھ پکڑا جا سکے۔ چمٹی سمجھ لیں۔" لیفٹیننٹ نے جواب دیا جس پر اُوشان نے اُوپر نیچے تین مرتبہ سر کو جنبش دی اور پھر ساکت ہو گیا، لیکن بولا ضرورتہ نہیں۔ یہ غلط ہے۔" اُس کی نظریں دل کی خالی جگہ پر جمی ہوئی تھیں۔ "یہ زخم چمٹی کا نہیں، کسی تیز دھار چاقو یا پتھر کا ہے۔"

"کک... کیا..." لیفٹیننٹ گڑبڑا کر بولا۔ "آپ کو کیا معلوم؟"

"اس لیے کہ میری آنکھیں یہی دیکھ رہی ہیں۔ تم بھی دیکھو، تمھیں کوئی لمبا زخم نظر نہیں آئے گا۔ لمبے زخم اس وقت لگتے ہیں جب جسم کو مُنھ کے سے عالم میں چیرا جائے۔ نہیں... جسم پر افقی شکل کے چھوٹے چھوٹے زخم ہیں۔ رگوں کی بھی یہی کیفیت ہے۔ اور یہ نشانات صرف سنگی چاقو ہی سے لگ سکتے ہیں۔ تم نے کبھی ایسا چاقو بنایا تو ہو گا؟"

لیفٹیننٹ نے نفی میں گردن ہلائی۔

"سنگی چاقو؟" اُوشان نے بڑے پُروقار انداز میں ہاتھ بلند کر کے کہا۔ "نوکیلے ٹکڑے سے چپکا چپکا کر بنایا جاتا ہے۔ اس طرح ایسا ہتھیار کُند بھی ہوتا ہے اور نوکدار بھی۔ جب ایک مرتبہ یہ پتھریلا چاقو جسم میں داخل ہو جاتا ہے تو کسی ہل کی طرح کام کرتا ہے۔ دیکھو۔ غور سے دیکھو..."

"آں" لیفٹیننٹ مسز ڈیلفن کے خالی سینے پر جُھک گیا مگر اُس کی گردن ہلنے سے وہ راکھ سینے سے خول میں گر گئی جو بڑی دیر سے سنگار کے مُنھ پر جمی ہوئی تھی۔

"سوری" وہ ایک لمحہ کے لیے پریشان سا ہو گیا۔ "ممکن ہے آپ ہماری ایک اور سلسلے میں مدد کر سکیں۔" اُس نے سیدھے ہو کر اپنی قمیص کی جیب سے کاغذ نکالتے ہوئے کہا۔ "یہ کسی دستاویز کی فوٹو کاپی تھی۔ آٹھ انچ چوڑی مگر چوبیس انچ لمبی۔ اُس نے جب اُس کا عکس کھولا تو اس پر آٹھ جگہ تحریر نظر آئی۔

"یہ کیا ہے؟" اُس نے کاغذ اُوشان کو دیتے ہوئے پُوچھا۔

"اس کی اصل ہمیں لاش کے سر کے قریب سے ملی تھی۔" اُوشان نے بڑے غور سے کاغذ کا معائنہ کیا۔ اُس کے کونے دیکھے اور پھر کاغذ پر ہاتھ پھیرنے کے بعد بولا۔ "یہ کسی دستاویز کی ایسی نقل ہے جو امریکی نقل مشین نے تیار کی ہے۔"

"جی۔ جی ہاں۔ یہ تو ہم جانتے ہیں کہ یہ فوٹو کاپی ہے لیکن... اس پر لکھا ہُوا کیا ہے؟"

"اس پر بارہ مختلف زبانوں میں لکھا ہوا ہے۔" اُوشان نے جواب دیا۔ "اور ان میں سے ایک زبان میں نہیں سمجھ سکا۔ چینی سمجھ لیتا ہوں، فرانسیسی اور عربی مجھے آتی ہیں، ہر ہو اور اُردو سی زبان بھی آتی ہے اور یہ... انسانیت کی حقیقی زبان... کو یا نی ہے، میری مادری زبان اُردو ہے تو مجھے عشق ہے پھر سنسکرت اور آرمیک بھی میں جانتا ہوں، سواہلی اور سپانوی بھی سیکھ چکا ہوں لیکن... سب سے اُوپر جس زبان میں لکھا ہے وہ مجھے نہیں آتی۔"

"ہمارا خیال ہے کہ یہ کسی مذہبی نوعیت کا متن ہے اور یہ خط بھی کسی رسم کا حصّہ ہے۔" لیفٹیننٹ نے کہا۔ "ٹائیگر نے کاغذ دیکھا تو اُوشان نے اُس کی رائے بھی پُوچھی۔ "تم نے کیا اندازہ لگایا؟"

"کیا یہ بھی ماہر ہیں؟"

"نہیں یہ ابھی سیکھ رہا ہے۔" اُوشان نے بڑے فخر سے جواب دیا۔

"میں اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہہ سکتا کہ ہر زبان میں ایک ہی چیز بار بار لکھی گئی ہے۔" ٹائیگر نے اپنی رائے دی۔

اُوشان سر ہلانے لگا۔

"لیکن یہ نشان کیسا ہے؟" ٹائیگر نے اجنبی زبان کے نیچے بنے ہوئے ایک مربع نما نشان کی طرف اشارہ کر کے پُوچھا۔

"اس کاغذ پر دُوسری زبانوں کے نیچے بھی ایکٹیک لکھا ہُوا ہے۔ لہٰذا یہ علامت ایکٹیک کے نام کی ہو سکتی ہے۔" اُوشان نے فوراً جواب دیا۔

"ایکٹیک کیا ہوتا ہے؟" ٹائیگر نے پُوچھا۔

"جوائے ۲۱۷ کیا ہوتا ہے؟" اُوشان نے اُلٹا سوال کر ڈالا وہ بڑے غور سے کاغذ دیکھ رہا تھا۔

"پتا نہیں۔ مگر جوائے ۲۱۷ کا ایکٹیک سے کیا تعلق؟"

"صرف یہ کہ اس کاغذ پر جوائے ۲۱۷ بھی لکھا ہوا ہے۔"

"آخر اس کا مطلب کیا ہے؟"

.....

آپ نے بہت سے سفرنامے پڑھے ہوں گے۔۔۔۔۔۔۔۔

مگر ایسی لرزہ خیز کہانی آپ پہلی بار پڑھیں گے۔

جسے اردو کے صاحبِ طرز ادیب اور الفاظ کے جادوگر

قمر اجنالوی نے اپنے مخصوص انداز میں تحریر کیا۔۔۔۔۔

دھرتی کا سفر

انسانی تاریخ و آثار کے پس منظر میں ایک ہولناک سرگزشت

قیمت: حصہ اوّل/-300 حصہ دوم-/300

ناشر: مکتبہ القریش اُردو بازار-لاہور2

نئی دنیا

★ ------ ایک اخباری رپورٹر کی حیرت انگیز اور سنسنی خیز کہانی جسے ظہور میں آنے والے واقعات کی خبر پیشگی مل جاتی تھی۔

★ ------ کائنات کے اسرار و عجائبات کا وہ نقشہ جسے آدمی سمجھ نہیں سکتا۔ ایک مرا ہوا آدمی جو شہاب کو پیشگی اخبار فراہم کرتا رہا کون تھا۔۔۔۔۔ ★ ------ ایک سنسنی خیز ناول جسے صاحبِ طرز ادیب قمر اجنالوی نے تحریر کیا۔

-----بہترین طباعت قیمت: -/200 روپے

ناشر: مکتبہ القریش اُردو بازار-لاہور2

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

لیفٹیننٹ نے پریشان ہو کر پوچھا۔ "ہم ابھی تک اس عقدہ کو حل نہیں کر سکے ہیں۔"

اوشان نے ہاتھ اُٹھا کر اپنی بھی لاعلمی کا اعلان کیا۔ وہ باہر نکل آئے۔ نیویارک کی سڑکوں پر ٹریفک جام ہو رہا تھا اور ہر طرف ہارن بج رہے تھے۔ اس فضا میں اوشان ٹائیگر سے کہہ رہا تھا۔

"اگرچہ تحریریں کسی مذہب کی اصطلاحیں تحریر کی گئی ہیں لیکن یہ واضح ہے کہ لکھنے والے نے کسی جوائے ۲۰۱۷ کو کسی ایکٹیک کی بے حرمتی کے الزام میں سزا دینے کا مطالبہ کیا ہے اور ساتھ ہی دھمکی بھی دی ہے کہ اگر جوائے ۲۰۱۷ کو سزا نہ دی گئی تو ایکٹیک کے غلام ایکٹیک کا دین قائم کرنے کے لیے خون بہاتے رہیں گے۔"

"میں اب بھی نہیں سمجھا۔" ٹائیگر نے کہا۔

"اس کا یہ کہ جوائے ۲۰۱۷ اُن کے حوالے کرنا ہوگا ورنہ یا پھر وہ مر جائے گا۔" اوشان نے جواب دیا۔

"بھلا اس کی کس کو فکر ہوگی۔" بوبی نے پوچھا۔

"مجھے۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔

"یہ روشن چہرہ، حسین اور دلکش نوجوان عورت بہت معقول باتیں کرتی ہے۔" اوشان نے بوبی کی طرف دیکھ کر کہا۔

"اگر تمہیں اس مسئلے پر تشویش ہے تو پھر جوائے ۲۰۱۷ کو خود ہی تلاش کر لو۔" بوبی اپنی تعریف سے پھول کر کپا ہو گئی تھی۔

"یہ دیکھو کیسی دانشمندی کی باتیں کر رہی ہے۔"

"اچھا۔" ٹائیگر بھی مسکرانے لگا۔ "مجھے علم ہے کہ جوائے ۲۰۱۷ کی تلاش کس طرح ممکن ہے۔ کیا تم نے کبھی نیویارک سٹی سب وے میں سفر کیا ہے؟"

"نہیں۔" اوشان نے جواب دیا۔ حقیقت یہ تھی کہ وہ سب وے میں سفر کرنا بھی نہیں چاہتا تھا۔

✣

انٹوان پیڈسٹر جیکسن، ادبر گئے سب وے میں سفر کرنے والوں کو مفت سکھانے کے مشن پر تھا۔ اس وقت اُس کی نظریں ایک ایسی بوڑھی عورت پر تھیں جو خاصا بھاری بیگ لیے سات بجے کے بعد ڈی ٹرین کے عقبی حصے میں سفر کر رہی تھی۔ جیکسن فوزاکی شوگر بے بی ڈیلرز کے ساتھ اُس حصے میں گھس گیا۔

"تمہیں علم ہے کہ تم اس وقت کہاں ہو؟" جیکسن نے عورت سے پوچھا۔ بوڑھی عورت کا چہرہ برسوں کی محنت مشقت کا مظہر تھا۔ اُس کے چہرے پر جھرّیوں کے باوجود معصومیت تھی۔

اُس نے شاپنگ بیگ اپنے گھٹنوں میں مضبوطی سے دبا لیا۔

"مجھے انگریزی نہیں آتی۔" عورت نے جواب دیا۔

"یہ نیویارک سب وے ہے۔" شوگر بے بی۔ ڈیلرز کہیں۔۔۔ نیویارک کا لفظ ٹھیک سے ادا نہیں کر پاتا تھا۔

"اور اس وقت تمہیں یہاں نہیں ہونا چاہیے تھا۔"

"میں انگریزی ٹھیک سے نہیں سمجھ سکتی۔"

"شاپنگ بیگ میں کیا ہے؟"

"پرانے کپڑے جن کو میں دھو کر کے روزی کماتی ہوں۔"

"تمہارے پاس رقم ہے؟"

"سنو! میں بہت غریب عورت ہوں، میرے پاس رات کے کھانے کے لیے بھی صرف چند سکے ہیں۔"

یہ سُن کر جیکسن کو غصہ آگیا اور اُس نے عورت کے چہرے پر زور سے تھپڑ مارا۔ "مجھے جھوٹ پسند نہیں۔ کیا تمہیں کسی نے نہیں بتایا کہ سب وے میں جھوٹ نہیں بولتے۔"

"شرمناک جھوٹ۔" ولیمز نے بھی عورت کو تھپڑ مارا تو وہ اپنا سر پکڑ کر چلانے لگی۔

"اور چلاؤ۔" جیکسن نے گزشتہ ہفتے میں کرائے کا جو چوپ سیکھا تھا اُسے آزمانے ہوئے کہا پھر ایک گھونسا بھی مارا۔ عورت کے کان سے خون بہہ نکلا۔ ولیمز نے عورت کو بالوں سے پکڑ کر اُٹھاتے ہی اُس کا سر کھڑکی سے دے مارا۔ عورت بے ہوش ہو کر گر گئی تو جیکسن اُس کی تلاشی لینے لگا۔

مکمل تلاشی کے باوجود صرف سوا ڈالر نکلے تو ولیمز نے غصے میں آکر بے ہوش عورت کے لات رسید کر دی۔

وہ اگلے اسٹاپ پر اُتر گئے۔ یہاں کا علاقہ غنڈوں سے پاک تھا لہٰذا انھیں توقع تھی کہ دکانوں میں زیادہ حفاظتی انتظامات نہیں ہوں گے اور مختلف چیزیں نمائش کے لیے کھلے عام رکھی ہوں گی۔ اُن کی توقعات پوری ہوئیں اور جب وہ واپس پلٹے تو اُن کے پاس نہ صرف بوڑھی عورت کے سوا ڈالر تھے بلکہ کوک کی تین بوتلیں، چار پیکٹ چاکلیٹ، آٹھ کینڈی بار، ایک تھری ایس میگزین اور ایک صابن بھی تھا۔ اُنھوں نے ایک اسپرے پینٹ بھی چوری کیا تھا۔

اسپرے پینٹ چوری کرنے کی ایک خاص وجہ تھی۔ ولیمز اپنے گروپ میں آرٹسٹ کی حیثیت رکھتا تھا۔ وہ جگہ جگہ اپنا نام اسپرے کرنے کا شوقین تھا۔ اور اسے خوشنما کاروں اور گھروں پر اسپرے کر کے بدنما بنانے میں بڑا لطف آتا تھا۔ آج وہ کسی سب وے ٹرین پر پینٹنگ کی مشق کرنا چاہتا تھا۔ پوری ٹرین پر اسپرے کر کے اپنا نام لکھنا اُس کی پرانی خواہش تھی۔

وہ دونوں ٹرین یارڈ میں پہنچے تو یہ فیصلہ جیکسن نے ولیمز پر چھوڑ دیا کہ وہ کون سی ٹرین کو پینٹ کرے گا۔ وہاں ٹرینیں تھیں مگر اُسے ایسی ٹرین کی تلاش تھی جو چیکو، رام ون، ڈبلو ڈبلو اور جوائے ۲۰۱۷ کے نام سے آزاد ہو۔

پھر شوگر بے بی ولیمز نے ٹرین منتخب کر ہی لی۔ اُس نے اسپرے کین نکالا اور ابھی اُس کا رُخ ٹرین کی طرف ہی کیا تھا کہ اچانک دو بوگیوں کے درمیان میں سے ایک چہرہ نظر آیا جسے دیکھتے ہی دونوں بھاگنے لگے۔ بھاگتے ہوئے جیکسن نے پلٹ کر دیکھا تو وہ رُک گیا۔ "اکیلا ہے۔" اُس نے بڑے جوش سے ولیمز کو بتایا تو ولیمز کے بھاگتے قدم بھی رُک گئے۔ دونوں نے اس شخص کا بغور جائزہ لیا۔ وہ زیادہ جسیم بھی نہیں تھا۔

"ہیلو۔" ٹائیگر نے مسکرا کر اُنھیں پکارا۔

"تم کون ہو؟" جیکسن نے لہجے کو بارعب بنانے کی کوشش کی تھی۔

"میں کسی کی تلاش میں ہوں دوست۔" ٹائیگر نے بوگیوں کے درمیان سے نکلتے ہوئے کہا۔ دونوں میں سے کسی نے بھی یہ محسوس نہیں کیا کہ بوگیوں کے درمیان سے نکلتے اور پلیٹ فارم پر چڑھتے ہوئے اس شخص نے کوئی سہارا استعمال نہیں کیا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ تم کسی ایسے شخص کی تلاش میں ہو جو تمہاری اچھی طرح ٹھکائی کر سکے۔" ولیمز اس شخص کو خالی ہاتھ دیکھ کر اور بھی شیر ہو گیا۔

"تم مسکرا بھی رہے ہو۔ شاید اپنے دانت تمہیں زیادہ پسند نہیں۔" جیکسن نے لقمہ دیا۔

"میرے پاس ایسی باتوں کے لیے وقت نہیں، میں بہت ضروری کام سے یہاں آیا ہوں۔"

وہ دونوں ہنستے ہوئے اس طرح مٹک مٹک چل دیے کہ ایک سامنے سے حملہ کرے تو دوسرا عقب سے۔

ٹائیگر خاموش کھڑا رہا۔ ولیمز نے کرائے چوپ آزمانے کی کوشش کی۔ ہاتھ بڑی مہارت سے ٹائیگر کے سر پر گرا تھا اور ولیمز کو ایسا لگا تھا جیسے اُس نے آج واقعی پینٹ توڑ ڈالی ہے۔ وہ سوچنے لگا کہ دوستوں کو بتائے گا کہ ایک ہی وار میں کام تمام کر ڈالا لیکن اس کی یہ سوچیں معاً

شعلے کا سوداگر

مصنف طارق اسمٰعیل ساگر

خوبصورت سرورق

دیدہ زیب پرنٹنگ و طباعت

قیمت =/150 روپے

مکتبہ القریش

سرکلر روڈ اردو بازار لاہور

فون 7668958

ہی فنا ہو گئیں۔ اُسے اپنی رائفل کلائی میں جہاں لیوا درد کا احساس ہوا۔ کلائی پر کھال بھی تھی اور گوشت بھی لیکن اُس کی اُنگلیاں ایسی ہو رہی تھیں جیسے فن پر فالج گر پڑا ہو۔ ولیمز نے اسپرے پینٹ پھینک دیا۔

اس کی یہ حالت دیکھ کر جیکسن بھاگ نکلا، وہ یارڈ سے باہر نکل کر دُور چلا جانا چاہتا تھا۔ اُس نے چار سیڑھیاں چڑھیں۔ اُس کے پیچھے کوئی تھا۔ پانچویں سیڑھی پر اُس کے کولہے جواب دے گئے۔ وہ بہت دور سے گرا اور زمین پر پھسلتا ہوا جانے لگا۔ اب وہ خدا کو یاد کر رہا تھا مدد کے لیے پکار رہا تھا۔ یقین دلا رہا تھا کہ آئندہ کوئی بُرا کام نہیں کرے گا۔

"جوائے ۲۰۱۷ کون ہے؟" ٹائیگر نے اُس سے پوچھا۔ جواب اس طرح کانپ رہا تھا جیسے اُسے سردی سے بخار چڑھ رہا ہو۔

"چوپ۔۔۔ پتا نہیں۔۔۔ سسس۔۔۔ سُنو۔۔۔ میں۔۔۔ تمہارا دوست ہوں۔۔۔ میں۔"

"ایک بار پھر یہی کہو۔" ٹائیگر نے کہا۔ اس بار جیکسن کو اپنی مگر مچھ میں خوفناک قسم کی چبھن محسوس ہوئی۔ اُس نے گھبرا کر ٹائیگر کی طرف دیکھا مگر اُس کے ہاتھ میں کچھ نہیں تھا۔

"پھر یہ چبھن کیسی تھی؟" جیکسن سوچنے لگا۔

"بولو۔ جوائے ۲۰۱۷ کون ہے؟"

"میں نہیں جانتا۔۔۔ میں۔۔۔ صرف چیکو اور رما ڈی ۸۵ سے واقف ہوں۔ یہ دونوں ہنٹو پوائنٹ شہر کے لوگ ہیں۔"

"کبھی جوائے ۲۰۱۷ کے بارے میں سنا ہے؟"

"نن۔۔۔ نہیں۔۔۔ کبھی نہیں۔"

"تب پھر تم اسے جانتے۔۔۔ ہے۔"

"نہیں۔۔۔ نہیں۔۔۔ ہے شوگر بے بی۔" جیکسن نے گھبرا کر ولیمز

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کی طرف دیکھا۔ جو درد سے بھرے ہوئے اپنے بازو کو سیدھا رکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ کیونکہ اُسے چند لمحوں ہی میں تجربہ ہو گیا تھا کہ بازو اُوپر نیچے کرنے سے درد بے تحاشا بڑھ جاتا ہے۔ "تم ہی بتاؤ ولیمز! "وہ کچھ نہیں ہے؟" ولیمز نے ہاتھ سیدھا رکھنے کی کوشش جاری رکھی۔

"اس کا تعلق کہاں سے ہے؟"

"کہیں سے بھی نہیں۔ وہ کچھ بھی نہیں ہے؟" ولیمز نے پھر وہی جواب دیا

"جھوٹ بول رہے ہو؟"

"نہیں۔ وہ اتنا بڑا آدمی نہیں؟" ولیمز لاشعوری طور پر کچھ اُگل گیا۔

"کہیں سے تو ہو گا؟"

"میں نے کہہ دیا نا۔ کہیں سے بھی نہیں؟" ولیمز نے قدرے درشت لہجے میں جواب دیا لیکن اگلے لمحے اسے درد کی ایک شدید ترین لہر نے دبوچ لیا۔ ٹائیگر نے اُس کے بازو پر محض انگلی رکھی تھی۔ اور پھر ہٹالی تھی۔ ولیمز چیخ پڑا اور اُسے اچانک ہی یاد آ گیا کہ کسی نے کہا تھا کہ جوائے ۱۷۲ کا تعلق اسٹو وسینٹ اسکول سے ہے۔

"ٹھیک ہے۔ ہم تینوں وہیں چلیں گے؟" ٹائیگر نے مسکرا کر ان کی طرف دیکھا۔

"نن... نہیں... یاد آ گیا؟" ولیمز نے فوراً بیان بدل دیا "اس کا تعلق برونکس ہائی اسکول آف سائنسز سے ہے۔ میں نے ایک جوائے ۱۷۲ کو وہیں دیکھا تھا؟"

"کیا تمہیں یقین ہے کہ اس کا تعلق اسٹو وسینٹ اسکول سے نہیں؟"

"بالکل۔ سو فیصد یقین ہے؟" ولیمز نے جواب دیا۔

"اور یہ بھی یقین ہے کہ اس کا تعلق برونکس ہائی اسکول آف سائنسز سے ہے؟"

"ہاں۔ سو فیصد یقین ہے؟"

"تھینک یو؟" ٹائیگر نے اسپرے کین اُٹھاتے ہوئے کہا۔ اُنھوں نے سکون کی سانس لی۔ مگر اگلے ہی لمحے ٹائیگر نے اُنھیں قمیصیں اُتارنے کا حکم دے دیا اور پھر جب قمیصیں اُتر گئیں تو اُس نے اُن کے سینوں پر اسپرے کر ڈالا اب وہ اپنے سینوں کو گھور رہے تھے جن پر ٹائیگر صاف لکھا ہوا تھا۔

"ہیں خود بھی اچھا آرٹسٹ ہوں دوستو؟" ٹائیگر نے مسکرا کر کہا اور سیٹی بجاتا ہوا برونکس ہائی اسکول کی تلاش میں آگے بڑھ گیا۔

اسکول کی عمارت تلاش کرنے میں زیادہ دشواری نہیں ہوئی۔ وہ سب وے یارڈ کے قریب ہی تھی لیکن وہاں کی کسی دیوار پر جوائے ۱۷۲ نہیں لکھا ہوا تھا۔ اتنے بڑے شہر اور اتنے بہت سے لٹکاروں کی موجودگی میں اُس کی تلاش ایسی ہی تھی، جیسے کسی طوفان کے دوران سکھنی کو تلاش کر لیا جائے۔ وہ کچھ دیر سوچتا رہا اور پھر اچانک ہی فیصلہ کر کے سفید اسپرے پینٹ کا ایک کین خرید ڈالا۔ اُس نے ایک ٹیکسی ڈرائیور کو ہارلیم تک چلنے کے لیے بمشکل رضامند کیا۔ اُس کے لیے اُس نے پہلے بیس ڈالر کے تین نوٹ دیے تھے اور پھر ڈرائیور کی گردن پر ہلکی سی تھپکی ماری تھی۔

"بس یہیں اُتار دو؟" ٹائیگر نے ایک خالی پلاٹ دیکھ کر ڈرائیور سے کہا، ڈرائیور نے سر ہلانے کی کوشش کی مگر اُس کی گردن نے ساتھ نہ دیا۔ گردن میں شدید درد ہو رہا تھا۔

ٹائیگر ایک خاموش اور ویران اسٹریٹ پر اُتر گیا۔ یہاں راہوں کو ہونے والے جرائم کا سبب سناٹا تھا۔ ہم کبھی کبھی کوئی جوڑا گزر رہا تھا، کانوں سے شرگرے ہوئے تھے اور اُن پر ڈالا دی مرچیں لگانے کے بعد موٹے موٹے تالے ڈالے گئے تھے۔ روزی کاغذوں کی وجہ سے فٹ پاتھیں کوڑے کا ڈھیر لگ رہی تھیں۔ ایک دیوار کے قریب سونا سا جو ہاؤ ڈو رہا تھا اور ٹائیگر کو اسی دیوار کی تلاش تھی کم روشنی کے باوجود اس دیوار پر بنے ہوئے چہرے اُسے نظر آ رہے تھے۔ یہ وہ دیوار تھی جس پر کھمنا منع تھا اور ٹائیگر کو اس پر اسپرے کرتے ہوئے دکھ ہو رہا تھا۔ اُس نے پوری دیوار پر اسپرے کرنے میں محض چند منٹ لیے، پھر جب اُس نے چند قدم پیچھے ہٹ کر دیوار کا جائزہ لیا تو اُسے خوشی بھی ہوئی اور حیرت بھی۔ اُس نے جوائے ۱۷۲ بہت سلیقے سے لکھا تھا۔ وہ پروگرام کے مطابق دیوار سے دُور ہٹ کر اندھیرے میں چھپ گیا۔ اب اُسے رَدِ عمل کا انتظار تھا۔

دیوار پر کچھ لکھنے کی ممانعت کی خلاف ورزی کا نوٹس سب سے پہلے ایک نوجوان نے لیا جس کے گلے میں چابی پڑی ہوئی تھی وہ اس طرح اچھلا جیسے دیوار پر تحریر دیکھ کر اُسے سخت صدمہ ہوا ہو۔ وہ کسی تیر کی طرح دوڑتا ہوا چلا گیا۔

کچھ دیر بعد اسٹریٹ لائٹ بجھ گئیں۔ صبح کی ہلکی ہلکی روشنی پھیلنے لگی اور کچھ دیر بعد وہی نوجوان مزید تین ساتھیوں کو لے کر واپس آیا۔ سورج طلوع ہونے تک دیوار کے سامنے ایک جمِ غفیر جمع ہو چکا تھا۔ نوجوان، بوڑھے، اور بچے سب ہی چہ میگوئیاں کر رہے تھے کہ اس دیوار کی حرمت کو کس نے ٹھیس پہنچائی ہے۔

کچھ ہی دیر بعد ٹائیگر اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا۔

دو قوی ہیکل آدمی ایک نوجوان کے ہاتھ دبوچے ہوئے ہجوم کی طرف کھینچ کر لا رہے تھے۔ اُس کی آنکھیں خوف اور دہشت سے پھٹی ہوئی تھیں اور قمیص دھجیوں میں بدل چکی تھی۔

"یہی ہے؟" کسی نے چلا کر کہا "یہی جوائے ۱۷۲ ہے؟"

"زندہ جلا دو؟" کوئی دہاڑا۔

"ٹکڑے ٹکڑے کر دو اس کے؟" ایک بچے نے اُچھل کر کہا۔

بہت مشتعل تھے۔ اُنھیں یقین تھا کہ دیوار کو جوائے ۱۷۲ ہی نے گندہ کیا ہے۔

ٹائیگر خاموشی سے آگے بڑھا اور ہجوم میں شامل ہو گیا۔ اس کے قدم جوائے ۱۷۲ کی طرف اُٹھ رہے تھے جس کو زدوکوب کیا جا رہا تھا۔

لوگوں نے ایک اجنبی کو دیکھا تو وہ اکر پیر پل پڑے۔ پھر اُچھل اُچھل کر گرسنے لگے۔ جن ہاتھوں میں چاقو نظر آئے تھے دوسرے ہی لمحے نیچے جھک گئے۔ لوگوں کی چیخوں سے ماحول گونج اُٹھا۔ مشتعل لوگ دو منٹ بعد ہی ٹائیگر سے دُور ہو گئے اور ٹائیگر کو پسپا کرتے ہی جوائے ۱۷۲ اور اُسے چھپنے والے دونوں پہلوان وہاں پہنچ گیا۔

پہلوانوں نے مزاحمت کی کوشش کی لیکن جلد ہی وہ بھی زخمی ہو گئے اور ٹائیگر نے نوجوان کو کندھے پر ڈال کر ایک طرف دوڑ لگا دی۔

اگلی سڑک پر پولیس کھڑی ہوئی تھی تاکہ مشتعل ہجوم اپنے علاقے سے نکل کر دوسرے علاقے میں ہنگامہ شروع کر دے۔ ٹائیگر نے پولیس سے کترا کر ایک گلی کا رُخ کیا۔

"شکریہ برادر؟" نوجوان جوائے ۱۷۲ نے جب یہ یقین کر لیا کہ وہ مشتعل لوگوں سے دُور نکل چکا ہے تو سکون کی سانس لی۔ "اب میں کہیں بھی جا سکتا ہوں؟"

"تم کہیں نہیں جاؤ گے؟" ٹائیگر نے مسکرا کر اُسے کندھے سے اُتار کر کھڑا کر دیا۔ وہ اس وقت ایک سنسان گلی میں تھے۔ ٹائیگر نے اندازہ لگانے میں کوئی غلطی نہ کی کہ اس لمبے کی عمر بارہ سال سے زیادہ نہیں۔

"کیا تم ہی نے دیوار پر اپنا نام لکھا تھا؟"

"ہرگز نہیں۔ میں قسم کھا سکتا ہوں؟"

"کیا تمہارا نام جوائے ۱۷۲ نہیں؟"

"ہاں! لیکن میں نے دیوار خراب نہیں کی؟"

"میں جانتا ہوں یہ کام میں نے کیا تھا؟"

نئے افق کا مقبول سلسلہ

سرفروش

نامور مصنف اظہر کلیم

کے ایڈونچرس قلم سے

دو حصوں میں مکمل سیٹ =/100

مکتبہ القریش سرکلر روڈ اردو بازار لاہور

فون 7668958

"کیوں؟" لڑکا اُچھل پڑا۔

"تاکہ تم سے ملاقات ہو سکے۔ مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے؟"

"بھلا میں تمہاری مدد کیوں کروں گا؟" لڑکے نے منطقی بات کی تھی۔

"اس لیے کہ میں تمہیں دو سو ڈالر دوں گا اور اگر تم نے پھر بھی حامی نہ بھری تو میں تمہارے کانوں کے پردے پھاڑ دوں گا۔" ٹائیگر نے نرم لہجے میں جواب دیا۔

"نوٹ کہاں ہیں؟" لڑکے کی آنکھیں چمکنے لگیں اور پھر نوٹ دیکھ کر دل بھی چمکنے لگی "بب... بولو... بولو...؟"

"مجھے کچھ دیوانوں کی تلاش ہے؟"

"کیسے دیوانے؟"

"ایسے جو تم سے ناراض ہیں کیونکہ تم نے کسی چیز پر اپنا نام لکھا ہے۔ وہ تمہارے دشمن ہیں؟"

"اسی گروپ کی طرح میرے دشمن ہیں جس سے تم نے مجھے بچایا ہے؟" لڑکے نے پوچھا۔

"نہیں۔ دیوانوں کا گروپ تمہارے لوگوں سے بھی زیادہ خراب اور ظالم ہے؟"

"تم... تم مجھے ان کے حوالے تو نہیں کرو گے؟"

"نہیں؟"

"کیوں؟" لڑکا بہت محتاط تھا۔

"اس لیے کہ وہ تمہیں مار ڈالیں گے؟" ٹائیگر نے جواب دیا۔

"گولی مار دیں گے؟"

"نہیں۔ سینہ چیر کر دل نکال لیں گے؟"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"اوہو... لڑکا اچھل پڑا۔ "یہ وہی لوگ تو نہیں جنہوں نے سیاستدان اور عورت کو ہلاک کیا ہے؟"

ٹائیگر اثبات میں سر ہلانے لگا۔

"ہو... ہو..." لڑکے نے خوف زدہ سے انداز میں کہا۔

"میں یہ پوچھنا چاہتا تھا کہ تم نے کون کون سی چیزیں مسخ کی ہیں؟"

"میں نے کوئی چیز مسخ نہیں کی، بہتر بنائی ہے۔" جولیٹ ۱۷۲ نے دوٹوک انداز میں کہا۔

"خیر! یہی بتا دو کہ تم نے کیا کیا بہتر بنایا؟"

"اسکول کے باتھ روم۔"

"اور؟" ٹائیگر نے سر ہلا کر پوچھا۔

"ٹرین کی دو لوگیاں۔"

"بات نہیں بنی۔" ٹائیگر نے کہا۔

"ایک پُل۔"

"کون سا؟"

"ٹری ماؤنٹ یونیورسٹی کے قریب۔ وہاں تو پینٹ کرتے ہوئے بہت لطف آیا تھا۔"

"کسی چرچ یا مذہبی مقام پر بھی تم نے اپنے فن کے جوہر دکھائے؟"

"نا... نہیں۔"

"کسی پینٹنگ پر طبع آزمائی تو کی ہوگی؟"

"نہیں! میں کسی دوسرے کے کام پر اپنا کام نہیں کرتا۔" لڑکے نے جواب دیا۔ "میں صرف پتھروں وغیرہ پر اپنا فن ظاہر کرتا ہوں۔"

"پتھروں پر؟ کہاں کہاں؟"

"ایک بار سینٹرل پارک میں اسپرے کیا، پھر پراسپیکٹ پارک کی دیواروں پر فن پارے بنائے۔ ایک مرتبہ سینٹرل پارک کے قریب والے میوزیم میں کام دکھایا۔"

"کس چیز پر؟"

"ایک بڑا سا پتھر تھا۔ بڑا اور چکور۔ اس پر چند دائرے بنے ہوئے تھے اور پتھر پر پرندوں کے نقوش بھی تھے۔"

"شکریہ جولیٹ ۱۷۲۔" ٹائیگر نے ایک طویل سانس لے کر اس کے کندھے تھپتھپائے۔ وہ اصل تک پہنچ گیا تھا۔

❀

ٹائیگر کو میوزیم آف نیچرل ہسٹری کی تلاش میں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ یہ سنٹرل پارک کے ساتھ واقع تھا۔ اسے عمارت کے علاوہ جو نمایاں چیز نظر آئی وہ گھڑ سوار ٹیڈی روزویلٹ کا مجسمہ تھا۔ دو انڈینز اس کے دائیں بائیں کھڑے ہوئے تھے۔

"مجسمے کی فہرست چاہیے۔" ٹائیگر نے میوزیم کی مقررہ فیس ادا کرتے ہوئے بروشر طلب کیا۔

"ہمارے پاس بہت سے مجسمے ہیں جناب... لیکن فہرست اس وقت دستیاب نہیں۔" دوپہر کی نیند کے متوالے کلرک نے اونگھتے ہوئے کہا۔

"مجھے ایک خاص مجسمے کی زیارت کا شوق یہاں کھینچ کر لایا ہے مسٹر۔" ٹائیگر نے درشت لہجے میں کہا۔ "اس پر نقوش بھی بنے ہوئے ہیں۔"

"آہ!" کلرک نے جماہی لی۔ اس کی طرف آنکھیں پھاڑ کر دیکھا اور پھر سر ہلانے لگا۔ "منقش مجسمہ۔ اگر آپ کی مراد جنوبی امریکہ سے آنے والے مجسمے سے ہے تو وہ گراؤنڈ فلور پر ہی دائیں طرف مل جائے گا۔"

"شکریہ۔" ٹائیگر دائیں طرف مڑ گیا۔ وہ ایک ساکت سنگی ریچھ، ایک مصنوعی جنگل، دو بیلوں اور ایک قدیم ڈھانچے کے قریب سے گزرا۔ اُسے تہذیب کے وہ آثار بھی نظر آئے جو زمانہ کے باعث فنا ہو چکے تھے... اُسے نہ جانے کیوں اوشان کا ایک مقولہ یاد آگیا۔ "تلوار لوگوں کو تباہ نہیں کرتی، صرف پُرآسائش زندگی ہی کسی قوم کے لیے تباہی لاتی ہے۔ تلوار لوگوں کو ہلاک تو کر سکتی ہے، تبدیلی نہیں کر سکتی۔"

اوشان نے کبھی جنوبی امریکہ کی گم شدہ تہذیبوں کے بارے میں کوئی رائے ظاہر نہیں کی تھی۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ اوشان کا کوئی پیش رو ان علاقوں میں نہیں گیا تھا لہٰذا اسی باعث اوشان کے لیے ان تہذیبوں کا وجود یا عدم وجود برابر تھا۔ ایک مرتبہ ٹائیگر نے اوشان سے جنوبی امریکہ کی پرانی تہذیبوں کے بارے میں بات کی تھی تو اس نے صاف کہہ دیا تھا کہ اس علاقے کی تہذیب ابھی دریافت ہی نہیں ہو سکی ہے۔ اگر تمہیں کچھ معلوم ہو جائے تو مجھے ضرور بتا دینا۔

ڈپلے بال کے آخری حصے میں ایک ایسے کمرے کے سامنے دو محافظ کھڑے ہوئے تھے جس پر کوئی تختی نہیں لگی ہوئی تھی۔ ٹائیگر تمام کمروں میں جھانک چکا تھا اور اب صرف یہی ایک کمرہ رہ گیا تھا لیکن اس پر غیر معمولی پہرہ تھا۔

"مجھے ایک خاص مجسمے کی تلاش ہے جس پر حال ہی میں کسی نے اسپرے کیا تھا۔" اس نے ایک گارڈ سے کہا۔

"تم اندر نہیں جا سکتے۔" گارڈ نے جواب دیا۔

"گویا مجسمہ اسی کمرے میں موجود ہے؟"

"میں نے یہ نہیں کہا لیکن اس کمرے میں جانے کے لیے خصوصی اجازت نامے کی ضرورت ہوتی ہے جو صرف نادر اشیا کا شعبہ ہی جاری کر سکتا ہے۔"

"اور یہ شعبہ کہاں ہے؟"

"آج بند ہے۔ وہاں صرف ایک اسسٹنٹ ہوگا۔"

"شعبہ کہاں واقع ہے؟"

"وہاں جانے کی ضرورت نہیں مسٹر۔ وہ تمہیں اجازت نامہ نہیں دیں گے۔" گارڈ نے ہنس کر کہا۔ "ہر ایرے غیرے کو اجازت نہیں مل جاتی، خصوصی اہمیت کے حامل لوگوں کو ہی اجازت دی جاتی ہے، تمہیں وہاں جا کر مایوسی ہوگی لہٰذا زحمت ہی نہ کرو۔"

"میں زحمت کرنا چاہتا ہوں۔" ٹائیگر نے کہا اور تلاشی کرتا ہوا اُس شعبے تک پہنچ گیا۔

اسسٹنٹ ایک چھوٹے سے کمرے میں تھی جس میں میز رکھنے کی وجہ سے چلنا پھرنا بھی مشکل تھا۔ وہ ایک دستاویز پر جھکی ہوئی تھی۔ ٹائیگر کی آہٹ پا کر اس نے سر اٹھایا۔ وہ واضح طور پر اکتاہٹ محسوس ہو رہی تھی۔

"وہ موجود نہیں ہیں اور میں بہت معروف ہوں۔" لڑکی نے کہا۔

"میں مقفل کمرے میں موجود مجسمہ دیکھنا چاہتا ہوں۔" ٹائیگر نے فوراً اپنا مدعا بیان کر دیا۔

"میں نے یہی کہا ہے، وہ موجود نہیں اور میں بہت معروف ہوں۔" لڑکی بہت بُری طرح اکتائی ہوئی تھی۔

"پتا نہیں تم کس کی عدم موجودگی کا ذکر کر رہی ہو۔ میں تو مجسمہ دیکھنے میں دلچسپی رکھتا ہوں۔"

"مجسمہ دیکھنے کے خواہش مندوں کو پہلے ڈائریکٹر جیرالڈ گم سے ملنا ہوتا ہے اور وہ اس وقت موجود نہیں ہیں۔"

"میں ان کے ذریعے نہیں، تمہارے ذریعے مجسمہ دیکھنا چاہتا ہوں۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔

"وہ کل آئیں گے۔"

"اور میں آج مجسمہ دیکھنے کے لیے آیا ہوں۔"

"تمہیں اس میں اتنی دلچسپی کیوں ہے۔ ابھی تک تو یہ بھی طے نہیں کیا جا سکا کہ اسے کس ثقافت کی کٹیگری میں رکھا جائے۔" لڑکی اسے سمجھانے لگی۔

"پلیز۔" ٹائیگر اس کی میز پر دونوں ہاتھ رکھ کر جھکا۔ اس نے لڑکی کی آنکھوں میں دیکھا اور مسکرانے لگا۔

لڑکی حیا سے سُرخ ہو گئی۔

"ٹھیک ہے۔" لڑکی نے نظریں جھکا کر کہا۔ "میں... تمہارے ساتھ چلتی ہوں لیکن یہ ضابطے کے مطابق نہیں۔" وہ ٹائیگر کا جواب سُنے بغیر کھڑی ہو گئی۔

لڑکی کا نام ولاری گارنر تھا۔ وہ اوہیو اسٹیٹ سے ایم اے کر چکی تھی اور اب کولمبیا سے پی۔ ایچ۔ ڈی کی تیاریاں کر رہی تھی۔ ولاری کو زندگی میں ایک اچھے مرد کے سوا ہر آسائش حاصل تھی۔

ولاری نے یہ باتیں ٹائیگر کو سادہ مگر پُرکشش انگریزی میں چلتے چلتے ہوئے خود بتائیں۔

"نیویارک میں اب مُردہ کوئی مخلوق نظر آتی ہی نہیں۔" وہ ایک طویل سانس لے کر بولی۔ "میں صرف یہ چاہتی ہوں کہ ایک طاقت ور مگر شریف شخص مل جائے جس کو میری ضرورتوں کا احساس ہو، ضرورت پڑنے پر میرے ساتھ ہو اور جب میں اکتا جاؤں تو چلا جائے۔ بولو! کیا یہ خواہش بے جا ہے؟"

"بالکل نہیں۔" اس وقت ٹائیگر کو اپنا اُلو سیدھا کرنا تھا۔ لہٰذا وہ ولاری کی ہاں میں ہاں ملانے پر مجبور تھا۔

ولاری گارنر کے اشارے پر دونوں محافظوں نے راستہ چھوڑ دیا اور ٹائیگر، لڑکی کے ساتھ کمرے میں داخل ہو گیا۔

"یہ مجسمہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا لیکن ڈائریکٹر جیرالڈ کے نزدیک اس کی بڑی اہمیت ہے۔" ولاری نے کہا۔

لڑکی جس چیز کو فضول قرار دے رہی تھی وہ قدیم ٹائیگر کے برابر ہی تھی۔ پہلی نظر میں مجسمہ ٹائیگر کو بھدا سا لگا۔ وہ گلابی سنگ مرمر کے پائدان پر رکھا ہوا تھا اور اس پر اس طرح رخنیاں پڑ رہی تھیں کہ صبح صادق کا گمان ہو رہا تھا۔ قریب ہی ایک چھوٹا سا فوارہ بھی نظر آ رہا تھا۔

ٹائیگر نے غور سے دیکھا تو اسے مجسمے پر پرندوں، سانپوں اور چہروں کے نقوش بھی نظر آ گئے۔

پھر اسے وہ چیز بھی نظر آ گئی جس کی اسے تلاش تھی۔

ایک دائرے سے سانپ کے مُنہ تک انتہائی انداز میں جولیٹ ۱۷۲ لکھا ہوا تھا۔ پتھر اس قسم کا تھا جیسا مسز ڈیلغن کی لاش کے نیچے سے برآمد ہوا تھا۔

ٹائیگر نے جولیٹ ۱۷۲ کی طرف اشارہ کیا۔ "یہ کیا ہے؟"

"یہ..." ولاری ہنس پڑی۔ "ارے تم جیرالڈ کو اس وقت دیکھتے جب اس نے مجسمے پر یہ لکھا ہوا دیکھا۔ وہ ایک گھنٹے تک

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

سکتے کھڑا رہا اور پھر اپنے کمرے میں جا کر نصف گھنٹے تک کسی سے فون پر بات کرتا رہا۔ اس کے بعد تو وہ مسلسل فون کرتا رہا۔ اس نے سمندر پار بھی فون کیے۔ اس روز کا ٹیلی فون بل ایک ہزار ڈالر سے بھی زیادہ تھا۔

"تمھیں کیسے معلوم ہوا؟"

"اس لیے کہ بجٹ کی دیکھ بھال میرے ذمے ہے۔" ولاری نے جواب دیا۔ "میں تو ڈر گئی تھی کہ ٹرسٹی بل نامنظور کر کے ہماری تنخواہوں سے کاٹنے کا حکم دے دے گا لیکن اس نے کوئی اعتراض نہ کیا۔ ٹرسٹیوں نے نہ صرف بل منظور کر لیا بلکہ کمرے کے لیے دو محافظوں کی بھی منظوری دے دی۔ اس مجسمے کے لیے دو دو محافظوں کو تنخواہ دی جا رہی ہے۔"

"مجسمے کے بارے میں تم بہت زیادہ بُری رائے رکھتی ہو۔" ٹائیگر نے مسکرا کر کہا۔

"ہاں! اس کی وجہ یہ ہے کہ میری رائے میں یہ مجسمہ ایک ہزار سال سے زیادہ پُرانا نہیں۔ تم نے مکہ کے باہر ایزک اور انکا تہذیب کے نمونے دیکھے ہوں گے۔ ان کے مقابلے میں یہ انتہائی بھدا ہے۔"

"تم درست کہتی ہو۔" وہ اسے دیکھ کر مسکرایا۔ کمرے کا ماحول ولاری پر بہت زیادہ اثر کر رہا تھا۔

"ہاں!" وہ والہانہ انداز میں مسکرائی۔ "اس مجسمے کو دیکھنے کے لیے لوگوں کی بڑی تعداد اوپری دُنیا سے آتی ہے۔ یہ انتہائی غیر معمولی بات ہے۔"

"تم لوگوں نے جو اے ۴۲ کی یہ تحریر صاف کیوں نہیں کی؟"

"میں نے جیمز سے کہا تھا لیکن اس نے میری تجویز پر غور تک نہیں کیا۔"

"کیا تم آج اس سے رابطہ کر سکو گی؟"

"وہ چھٹی والے دن نہیں آتا۔ ویلٹ چیسٹر میں اس کی اراضی ہے، وہیں پورا دن گزارے گا۔"

"اس سے یہ کہہ دو کہ کوئی مجسمے کی شکل بگاڑ رہا ہے۔"

"ارے نہیں۔ وہ جھوٹ پکڑ کر مجھے نوکری سے نکال دے گا۔" ولاری نے جواب دیا۔

"اچھا! مگر تم جھوٹ کیوں بولو گی۔" یہ کہہ کر ٹائیگر نے دو انگلیوں کو آنکڑوں کی طرح موڑ کر مجسمے کے چہرے پر رکھیں اور انھیں نیچے تک لے گیا۔ پتھر اس طرح اُدھڑ گیا جیسے موم ہو اور جہاں تک انگلیاں گئی تھیں وہاں تک ایک سفید لکیر بن گئی۔

"اوہ!" ولاری سٹپٹا کر بولی۔ "یہ کیا کیا؟ اب تو یہاں قیامت آ جائے گی۔"

"اب تم ڈائریکٹر جیمز کو فون کر دو۔"

"ٹھیک ہے، لیکن تم اب چلے جاؤ۔ تمھیں غالباً علم نہیں کہ تم نے کیا کر ڈالا ہے؟"

"میں جانتا ہوں۔" ٹائیگر مسکرا رہا تھا۔

"سنو، اگر تم یہاں ٹھہرے رہے تو ممکن ہے کہ کوئی قتل بھی ہو جائے۔"

"تم فون کر دو۔"

"چلے جاؤ۔" ولاری بہت خوف زدہ تھی۔

"نہیں۔" ٹائیگر اب بھی مسکرا رہا تھا۔

"میں نہیں چاہتی کہ وہ تمھیں مار ڈالیں۔"

"میں نہیں جاؤں گا۔" ٹائیگر نے اپنے ہاتھوں کو ایک خاص انداز میں جنبش دی تو دوسرے ہی لمحے ولاری فون تو کیا خود کشی کرنے پر بھی آمادہ ہو گئی۔ وہ دیوار کی طرف بڑھ گئی جہاں ایک سبز کیبنٹ میں ٹیلی فون سیٹ رکھا ہوا تھا۔

"شاید تمھیں یہ نہیں معلوم کہ اس ٹیلی فون کا بل پورے میوزیم کے ٹیلی فونوں سے زیادہ ہوتا ہے۔" ولاری نے یہ کہتے ہوئے سیٹ باہر نکالا۔ "مجسمے کو دیکھنے کے لیے آنے والے یہاں سے نہ جانے کہاں کہاں مفت میں کالیں کرتے ہیں اور بل ہمیں دینا پڑتا ہے۔"

ولاری نے فون ملایا اور جوں ہی اس نے مجسمے کو پہنچنے والے نقصان کے بارے میں کہا گلے ہی لمحے اُس کا چہرہ پیلا پڑ گیا۔ وہ صرف یہ کہتی رہی۔ "مسٹر جیمز... پلیز... چیخیں نہیں۔"

"وہ آ رہا ہے۔" ولاری نے فون رکھ کر کہا۔ اس کا چہرا سُنا ہوا تھا۔ وہ بہت خوف زدہ تھی۔

جیمز کا انتظار کرتے ہوئے اس نے اٹھارہ مرتبہ پانی پیا، ۳۱ سگریٹ پیے۔ دو مرتبہ باتھ روم تک گئی اور ہر بار پانچ منٹ بعد یہ کہتی رہی۔ "میرے خدا! ہم نے یہ کیا کر ڈالا؟"

ڈاکٹر جیمز ایک گھنٹے میں وہاں پہنچ گیا۔ اس نے کمرے میں گھستے ہی مجسمے کا جائزہ لیا۔

"اوہ... نو..." اس کے مُنہ سے عجیب سی آواز نکلی۔ سفید لکیر بہت واضح تھی۔ اس کی گہری بھوری آنکھیں اُبلنے لگیں۔ وہ کانپنے لگا اور پھر سر جھٹکنے لگا۔

"نہیں۔" اس بار اس کا لہجہ مستحکم تھا۔ جیمز کی کپکپاہٹ بھی

ختم ہو گئی تھی۔ وہ گھٹنوں کے بل جھکا۔ اس نے تین بار سر کو خم کیا اور پھر ولاری کی طرف پلٹا۔ "تم نے یہ نقصان عظیم کب دریافت کیا، ولاری؟"

"جب میں نے یہ نقصان عظیم پہنچایا۔" ٹائیگر نے مسکرا کر جواب دیا۔

"یہ... یہ... کام تم نے کیا؟" جیمز چونک پڑا۔ "مگر کیوں؟ آخر کیوں؟"

"بس ایسے ہی۔"

"کیسے... کیسے... کیسے؟" جیمز مٹھیاں بھینچ کر چلایا۔

"ایسے۔" ٹائیگر نے ایک بار پھر دونوں انگلیوں کو آنکڑوں کی طرح بنا کر مجسمے پر ایک اور لکیر بنا دی اور اب مجسمے پر "ایکس" کی شکل بن گئی۔ "ایسے۔" ٹائیگر نے مسکرا کر کہا۔ "زیادہ مشکل نہیں ہے، بس انگلیوں کو ایک خاص انداز سے اور خاص قوت سے استعمال کرنا ہوتا ہے۔ ویسے اس کے لیے سائنس کی مشق بھی ضروری ہے۔" یہ کہتے ہوئے اس نے جلتے ۲، ۱ کے اوپر ہاتھ رکھا۔ "یہ دیکھو۔" اور پھر مجسمے پر ٹائیگر نے اپنا نام "شہزاد" بھی لکھ دیا۔ "میں یہ کام بائیں ہاتھ سے بھی کر سکتا ہوں۔"

"اوہ... ہو... ارے... نہیں۔" ولاری نے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپا لیا۔

جیمز نے آہستگی سے سر ہلایا پھر اس نے اُلٹے قدموں کمرے سے نکل کر باہر سے دروازہ بند کر دیا۔ ٹائیگر کو ہلکی سی سرسراہٹ کی آواز سنائی دی۔ اس نے چھت کی طرف دیکھا۔ لوہے کی ایک چادر چھت سے فرش تک آ رہی تھی۔ یہ کسی شٹر کی طرح تھی۔ کمرا اب ہر طرف سے بند ہو چکا تھا۔

"یہ... یہ کیا ہوا؟" ولاری خوف کی شدت سے چلا اٹھی۔ پھر وہ فون کی طرف لپک گئی۔ "میں پولیس کو اطلاع کر رہی ہوں۔ یہ کمرا اب ایسا قلعہ بن گیا ہے جس سے نکلنا ناممکن ہے۔ تمھارے پاگل پن کے بعد اب جیمز بھی پاگل ہو گیا ہے، وہ ہمیں یہاں سڑنے کے لیے چھوڑ دے گا۔"

ٹائیگر خاموش رہا۔

"اوہ! لائن بھی ڈیڈ ہے۔" ولاری نے رسیور پٹخ دیا۔ "ہم پھنس چکے ہیں۔"

"ہر شخص پھنس چکا ہے۔" ٹائیگر کی نوک زبان سے اوشان کا ایک جملہ پھسل گیا۔ "ہر ایک کے لیے جال کا سائز مختلف ہوتا ہے۔ کوئی اتنے بڑے جال میں پھنسا ہوا ہوتا ہے کہ اسے پھنسنے کا احساس ہی نہیں ہوتا۔"

"مجھے فلسفے کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں یہاں سے نکلنا چاہتی ہوں۔" ٹائیگر کے قرب کا نشہ اب ہرن ہو چکا تھا اور وہ بُری طرح کانپ رہی تھی۔

"تم یہاں سے نکل سکو گی لیکن تمھیں تمھارا خوف یہاں مستقلاً پھنسا سکتا ہے، ولاری۔"

"میرے خدا! تم بھی جیمز اور اس کے ساتھیوں کی طرح یقیناً کوئی مذہبی جنونی ہو۔" وہ سر پکڑ کر مجسمے کے پائدان پر بیٹھ گئی۔ ٹائیگر بھی اس کے قریب ہی بیٹھ گیا۔

"سنو ولاری! تم یہ یقین احساس نہیں کرتیں کہ تم ساری زندگی ایک جال میں پھنسی رہی ہو، ہر کسی کا یہی حال ہے۔"

"یکومت۔"

"یہ دیواریں عاصی جال ہیں ولاری۔" ٹائیگر پر نہ جانے کیوں فلسفے کا بھوت سوار ہو گیا تھا۔

"میں یہاں سے نکلنا چاہتی ہوں اور تم ہو کہ اُلٹی سیدھی باتیں کیے جا رہے ہو۔" وہ ہراساں ہو کر بولی۔

"میں تمھیں بڑے سے بڑے جال اور قید خانے سے نکال کر لے جا سکتا ہوں لیکن تم اپنی جہالت کے جس جال میں پھنسی ہوئی ہو اس سے نکالنا میرے بس میں نہیں ہے۔" ٹائیگر کو خود بھی حیرت تھی کہ وہ اوشان کے مخصوص انداز میں کس طرح بولے جا رہا ہے۔

"مجھے یہاں سے نکالو۔"

"اپنا کام مکمل کرنے کے بعد نکال لے چلوں گا۔"

"کیا مطلب؟" وہ چونک پڑی۔

"سنو۔ میں کسی جال میں نہیں پھنسا۔ بلکہ میں نے جیمز اور اس کے دوستوں کو اپنے جال میں پھنسا لیا ہے۔"

"لک... کیا... ہمارے ساتھ وہ بھی پھنس گیا ہے؟" ولاری حیرت زدہ ہو کر بولی۔

"ہاں۔" ٹائیگر کا موڈ انتہائی عجیب تھا۔ "میں نے وہ جال بچھایا تھا اس میں وہ پھنس گیا ہے۔"

"کیسا جال؟"

"اس بے قدر و قیمت پتھر سے عقیدت کا جال۔"

"احمق!" ولاری رونے لگی۔ اسے دُنیا بھر سے نمٹنا تھا کہ اس کا واسطہ ہمیشہ مذہبی جنونیوں سے ہی پڑا ہے... "میرے خدا... یہ میرے ساتھ کیوں ہوتا ہے۔" وہ چلا اٹھی۔

"تمھارے ساتھ ہی کیوں نہ ہو؟" ٹائیگر نے کہا اور پھر جب

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

اس نے اپنے ہاتھوں سے اسے تسلیاں دینے کی کوشش کی تو وہ یک لخت ہسٹریک ہو گئی۔

"میں کسی مذہبی جنونی کو لپسند نہیں کرتی۔" اس نے چیخ کر کہا۔

وقت گزرتا رہا اور اچانک ہی ولاری کو جمائیاں آنے لگیں۔

"ٹائم کیا ہوا ہے؟" ولاری نے پوچھا۔

"بہت دیر ہو گئی۔ ہم تقریباً پانچ گھنٹوں سے یہاں ہیں۔ نہیں پانچ گھنٹے اور تینتالیس منٹ۔ اس وقت آٹھ بج کر بتیس منٹ اور چودہ سیکنڈ ہوئے ہیں۔"

"تمہارے پاس گھڑی تو نہیں ہے؟" ولاری جل کر بولی۔

"میں خود دنیا کی سب سے بہترین اور سب سے درست گھڑی ہوں۔" ٹائیگر نے مسکرا کر جواب دیا۔

"ٹہنہہ۔" ولاری جھٹکے کے سامنے نیم دراز ہو کر اونگھنے لگی۔ ٹھیک ایک گھنٹے بعد شٹر ہلکی سی سرسراہٹ کے ساتھ اٹھ گیا۔ ولاری چونک کر بیدار ہو گئی۔ اس نے ٹائیگر کی طرف دیکھا۔ وہ مسکرا رہا تھا۔

"مسٹر جیمز... اوہ... تھینک گاڈ۔" ولاری اچھل کر کھڑی ہو گئی لیکن پھر سہم گئی۔

ڈائریکٹر جیمز صرف زرد منگوٹ میں اُن کے سامنے کھڑا ہوا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک سنگی چاقو تھا۔ اس کے پیچھے مزید چھ افراد تھے جن میں سے دو فوراً ہی ولاری کی طرف جھپٹ پڑے۔ انھوں نے ولاری کو فرش پر گرا کر اسے دبوچ لیا۔ باقی چار ٹائیگر کی طرف جھپٹے۔ دو نے اس کے بیر اور باقی دو نے اس کی کلائیاں پکڑ لیں۔

"حضرات!" ٹائیگر نے مزاحمت نہ کی بلکہ انھیں خود کو اٹھانے دیا۔ "وہ اسے ایکیٹک کے جھٹکے تک لائے اور پھر جیمز چاقو سر سے بلند کیے ہوئے اس کی طرف بڑھنے لگا۔ وہ کسی اجنبی زبان میں کچھ گا رہا تھا۔ آواز ایسی تھی جیسے پتھر سے پتھر ٹکرا رہا ہو۔

پھر اچانک ہی جیمز انگریزی بولنے لگا: "تمہارا دل نکالنا بھی اس جرم کی کم از کم سزا نہیں۔ تم نے عظیم دیوتا کو مسخ کرنے کی کوشش کی ہے۔"

"میں نے مجسمے کو مزید خوب صورت بنانے کی کوشش کی ہے۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔

"مسٹر جیمز... پلیز... مجھے بچاؤ۔" ولاری چلائی تو دونوں آدمیوں نے اس کے منہ میں اپنے لبادے کے کونے ٹھونس دیے۔

"اگر تم ہمیں سچ سچ سب کچھ بتا دو تو تمہیں زیادہ تکلیف سے بچایا جا سکتا ہے۔"

"مجھے درد اور تکلیف میں لطف آتا ہے۔" ٹائیگر نے کہا۔

اس کے دائیں ہاتھ کی کلائی دبوچنے والا شخص بہت زیادہ طاقت استعمال کر رہا تھا اور ٹائیگر کو احساس تھا کہ یہ شخص جلد ہی اپنی ساری توانائی کھو بیٹھے گا۔ بائیں طرف والے کی سانس اتھل پتھل ہونے ہی لگی تھی جب کہ پیروں کو دبوچنے والے افراد کے پیٹ ٹائیگر کی ٹھوکر لگ کے لیے بہترین ہدف پیش کر رہے تھے۔

لیکن وہ اتنی جلد یہ کھیل ختم کرنے پر تیار نہ تھا۔

"اگر تم نے ہمیں مطلوبہ اطلاعات فراہم نہ کیں تو لڑکی کو قتل کر دیا جائے گا۔" جیمز نے خونخوار لہجے میں کہا۔

"تب پھر اسے ہار ہی ڈالو۔ اپنے جسم پر ضربیں برداشت کرنے سے بہتر یہ ہے کہ لڑکی ہی مر جائے۔"

"ہم اسے بہت خوفناک انداز میں ہلاک کریں گے۔"

"جو ہونا ہے، وہ تو ہو کر رہے گا۔" ٹائیگر کے انداز میں فلسفیانہ پن واپس آ گیا۔ ساتھ ہی اس نے کن انکھیوں سے ولاری کی طرف دیکھا جو خود کو چھڑانے کے لیے مسلسل جدوجہد کر رہی تھی۔ اس کا چہرہ خون اور نتھنے کی وجہ سے بگڑ گیا تھا۔

"سنو۔" ٹائیگر نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "لڑکی کو چھوڑ دو، میں تمہیں سب کچھ بتا دوں گا۔"

"تم نے یہ حرکت اور دوسری حرکتیں کیوں کیں؟" جیمز نے برہم لہجے میں پوچھا۔

"تم نے مجھ سے پہلے یہ حرکت کرنے والے جوائے ۱۷۲ کو کیوں نہیں پکڑا؟" ٹائیگر نے الٹا سوال کر ڈالا۔

"ہم جانتے ہیں کہ اُسے کہاں دبوچا جا سکتا ہے۔" جیمز نے جواب دیا۔ "اس نے جس روز یہ حرکت کی تھی اسی روز ہمیں اس کے اڈے کا علم ہو گیا تھا لیکن نقصانات کا ازالہ کرنا اور تقدس کو پہنچنے والی ٹھیس کا خمیازہ بھگتنا امریکیوں کی ذمے داری ہے، عظیم دیوتا تک کے پجاری کا یہ منصب نہیں کہ وہ ناپاک خون سے اپنے ہاتھوں کو آلودہ کرے۔ یہ کام ظالم قوم کا ہے کہ وہ ملزم کو ہمارے سامنے پیش کرے تاکہ ہمارے ہاتھوں کے ذریعے قربانی ہو سکے تمہارے ہاتھوں سے نہیں۔"

"اوہ! تم نے پہلے یہ کیوں نہیں بتایا تھا؟" ٹائیگر نے مسرت بھرے لہجے میں کہا۔ "تمہارے ہاتھوں کے ذریعے ہاتھوں سے نہیں۔ اب بوہر بات سمیٹ کی طرح واضح ہو کر سامنے آ گئی ہے۔ اب بحث کا کوئی فائدہ ہی نہیں بلکہ کوئی جواز ہی نہیں۔ اُف میں... نے یہ اندازہ پہلے کیوں نہیں لگا لیا... میں تو یہی سوچتا رہا کہ یہ محض

عام سا انتقام ہے۔"

"ہم نے رسم قربانی کی تجدید کر دی ہے اور اب قربانی کی یہ رسم اُس وقت تک جاری رہے گی جب تک امریکہ مناسب رویہ اختیار نہ کر لے۔" جیمز نے سر ہلا کر پُرزور لہجے میں کہا۔

"کیا تم یہ چاہتے ہو کہ ٹارنی جنرل، جوائے ۱۷۲ کو پیٹھ کر گرائے، اسے بے بس کر دے اور وزیر خارجہ، جوائے ۱۷۲ کا دل اسی طرح سینے سے کھینچ نکالے جس طرح کانگریس مین اور مسز ڈیلفن کے دل نکالے گئے ہیں۔" ٹائیگر ان دونوں افراد کے قتل کے بارے میں کریدنا چاہ رہا تھا۔

"وہ دونوں میوزیم کے اندر رکھی ہوئی یادگار اشیا کے نگراں تھے۔" جیمز اس کے جال میں پھنس گیا۔ "دونوں نے اس کمرے پر بے جا فضولوں کی تعیناتی کی میری درخواست رد کر دی تھی۔ اسی باعث ایکیٹک کی توہین ہوئی، اس کا جسم پامال ہوا... یہاں دونوں کی خطا تھی۔"

"تم دیوتا کے تقدس کی پامالی کا انتقام کس طرح لینا چاہتے ہو۔ میرا مطلب ہے کس کے ذریعے؟ ایف بی آئی، سی آئی اے یا جرسی سٹی پولیس کے توسط سے؟"

"تمہارے ملک میں بہت سے خفیہ ادارے موجود ہیں۔" جیمز نے جواب دیا۔ "وہ یہ کام کر سکتے ہیں اور ہم جانتے ہیں کہ ان اداروں میں ہمارا مطالبہ پورا کرنے کی صلاحیت موجود ہے، لیکن اس سے قبل تمہاری حکومت کو یہ احساس ہونا چاہیے کہ اس نے تقدس کی پامالی کی اجازت دے کر کتنی سنگین غلطی کی ہے اور پھر حکومت کا فرض ہے کہ وہ اس سنگین غلطی کی تلافی کرے۔ تمہاری حکومت کسی شخص کے قتل پر فوراً حرکت میں آ جاتی ہے لیکن اس نے عظیم ایکیٹک کی بے حرمتی کے واقعے پر ایک لفظ تک نہ کہا۔"

ٹائیگر نے محسوس کیا کہ سنگی چاقو پر جیمز کی گرفت بہت عجیب انداز کی ہے۔ انگوٹھے کے ناخن کا پچھلا حصہ چاقو کے دستے پر سختی سے تھا اور دوسری انگلیوں کے ہتھیلی والے حصے تک چلا گیا تھا۔ مشرق سے مغرب تک ٹائیگر نے کسی کو بھی اس انداز میں چاقو پکڑے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ دراصل اس نے انگوٹھے کو دباؤ کے لیے استعمال کرنے کا منظر پہلی بار دیکھا تھا۔ تاہم اُسے اس گرپ کی افادیت کا بھی بخوبی اندازہ تھا۔ اس سے ضرب یقیناً سو فیصد زیادہ شدت اختیار کر لیتی ہو گی۔

تب ہی ٹائیگر نے جیمز کے پیٹ میں عضلات کو سکڑتے ہوئے دیکھا اور وہ سمجھ گیا کہ وہ جسم کا سارا زور سنگی چاقو والے ہاتھ میں منتقل کر رہا ہے۔ اسے احساس تھا کہ جیمز اس کے دل کے بجائے پہلے سینے کی ہڈی پر حملہ کرنا چاہتا ہے۔

"بولو۔" جیمز کا جسم کسی اسپرنگ کی طرح اکڑ گیا۔ "تمہیں کس نے بھیجا تھا؟"

"علی بابا اور اس کے چالیس چوروں نے۔"

"ولاری کے جسم کی بوٹی بوٹی الگ کر دی جائے گی۔" جیمز نے خطرناک انداز میں خبردار کیا۔

"کیا تم اپنی اسسٹنٹ کا یہ حشر کر سکتے ہو جیمز؟" ٹائیگر نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"میں اپنے ایکیٹک کے لیے سب کچھ کر گزروں گا۔"

"تم اسے ایکیٹک کیوں کہتے ہو؟" ٹائیگر اسے الجھانے لگا۔ "ایکیٹک کے معنی کیا ہیں؟"

"یہ مجسمے کا اصلی نام نہیں۔" جیمز بھپر کر باتوں میں الجھ گیا۔ "لیکن یہ اس کا وہ نام ہے جو لوگوں کو کہنے کی اجازت ہے۔" پھر اچانک ہی وہ چونکا اور ٹائیگر کو گھورنے لگا۔ "ہم ولاری کا قیمہ بنا دیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہو گا لیکن پہلے اس کی زبان بند کر دو ورنہ یہ چیخ چیخ کر میرے سر میں درد کر ڈالے گی۔"

سنگی چاقو بلند ہوا اور تیزی سے نیچے آنے لگا۔ اس کی رفتار اور انداز گرفت بہت ہی شاندار تھا لیکن جیمز کے جسم کے عضلات اس رفتار کا ساتھ نہیں دے رہے تھے۔ یہی حال بازو کی مچھلیوں کا تھا۔

اور پھر عظیم ایکیٹک کے وجود کے بعد کی تاریخ میں پہلی مرتبہ ایسا ہوا کہ چاقو شکار کے بجائے پتھر پر لگا۔

ٹائیگر کے دونوں پیر بجلی کی طرح حرکت میں آ گئے۔ اس نے پیروں کو اپنی طرف کھینچا۔ دونوں پجاری آگے کھنچے اور پھر جب پیر ان کے سینوں پر پڑے تو وہ دیوار سے جا ٹکرائے... ان کے مُنہ سے خون بہنے لگا۔ ایسا لگا جیسے ان کے اندر کی ہر چیز پھٹ گئی ہے اور خون نے شریانوں کے بجائے مُنہ کا راستہ اختیار کر لیا ہے۔ ان کے مُنہ سے سُرخ لوتھڑے بھی نکلے۔ یہ غالباً پھیپھڑوں کے ٹکڑے تھے۔ ساتھ ہی ٹائیگر کے بازو بھی ہلے تھے اور اس کے ہاتھ دبوچے ہوئے دونوں افراد فضا میں تیرتے ہوئے اُس کے اوپر سے گزرے۔ اسی لمحے ٹائیگر ایک طرف ہو گیا اور ایک وفادار ایکسٹالی کا چاقو، دیوتا سے ہی ٹکرا گیا۔

ٹائیگر نے ان دونوں افراد کی کھوپڑیاں پکڑیں جو ولاری کو دبوچے ہوئے تھے۔ اس نے انگوٹھے اور چھوٹی انگلی کو ملایا اور دوسرے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ہاتھ کی پوزیشن بھی یہی تھی اور پھر اس نے ان دونوں کی کنپٹیوں پر دباؤ ڈالا۔ وہ دونوں دباؤ کے اس عمل کی تکمیل سے قبل ہی، چھپکلیوں کی طرح پٹ سے گر کر مر گئے۔ ان کی آنکھیں کمرے میں کسی ایک جگہ ایک خاص نقطے کو ایک خاص انداز میں دیکھ رہی تھیں۔

ٹائیگر کے بازو دبوچنے والے افراد اب بھی فرش پر گرا گھسنے کی کوششیں کر رہے تھے۔ ٹائیگر نے ان میں سے ایک کی گردن پر پیر رکھتے ہوئے دوسرے پر دوسری ٹانگ ماری اور وہ دونوں بھی ساکت ہو گئے۔ گردن ٹوٹنے سے کمرے میں ایسی آواز پیدا ہوئی تھی جیسے چھوٹا سا غبارہ پھٹ گیا ہو۔ ٹانگ کی ضرب دوسرے کی پیشانی پر پڑی تھی اور اس کا سر پھٹ کر تربوز کی طرح ہو گیا تھا۔ ٹائیگر کو اندازہ تھا کہ اس شخص کے مرنے کی وجہ یہ ضرب نہیں بلکہ اصل سبب یہ ہے کہ پیشانی کی ٹوٹنے والی ہڈی کے دو جنوں حصّے مغز کے اندر دور تک دھنس گئے ہیں۔

ٹائیگر نے دونوں انگوٹھے ایک پجاری کی قبا پر صاف کیے اور پھر اس کی ٹوپی کو دیکھنے لگا جو پروں سے بنی ہوئی تھی اور اُسے اُن پروں کی بُنائی بھی اجنبی سی لگ رہی تھی۔

دلاری نے اپنے مُنہ سے قبا کا ٹکڑا نکال کر تھوک دیا...

"خبیث... مردود۔"

ٹائیگر نے جیمز کی طرف دیکھا، وہ ایک مجسّمے سے ٹیک لگائے اس طرح پڑا ہُوا تھا جیسے ہارٹ اٹیک کی کیفیت میں ہو۔ اُس کا ایک گال مجسّمے پر بہتے ہُوئے پرنالے پر تھا۔

"اب ہم سوال و جواب کر سکتے ہیں، دوست!" ٹائیگر نے مُسکرا کر اُس سے کہا۔

"ہم... ہیں... منحوس آدمی ہیں۔" جیمز کی حالت واقعی قابلِ رحم تھی۔ "میں نے اپنے ہاتھ سے ایکٹیک کی بے حرمتی کر ڈالی۔"

"ہم اب آغاز کریں گے۔" ٹائیگر نے کہا۔ "اس پتھر کو تم ایکٹیک کہتے ہو؟"

"یہ پتھر میرے اجداد اور اُن کے اجداد کے اجداد کی زندگی کا محور رہا ہے۔" جیمز نے جواب دیا۔ "یہ پتھر ہی میرے لوگوں کی شناخت ہے۔ میرے لوگ ہر رنگ و نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس فرق کی وجہ تم لوگوں کا ظلم ہے۔ تم نے ہمارے رنگ کو مٹانا چاہا تو ہم نے اپنی بقا کے لیے دوسرے رنگ بھی لے لیے لیکن... رنگوں کے اس فرق کے باوجود ہماری رُوحوں میں کوئی تبدیلی نہیں آئی... ان رُوحوں کو اس عظیم دیوتا سے لقا کا رس حاصل ہوتا ہے۔ یہ دیوتا لافانی ہے۔"

"تم اس پتھر کی بات کر رہے ہو؟"

"میں اپنی قوم کی بات کر رہا ہُوں۔ یہ پتھر بہت مقدّس ہے، بہت ہی مقدّس۔"

"چلو، میں فرض کیے لیتا ہُوں کہ یہ پتھر بہت مقدّس ہے۔ تم لوگ ایکٹیالی ہو اور اس پتھر کی پُوجا کرتے ہو، ٹھیک؟... یہی بات ہے نا؟"

"پُوجا... تم تو ایسے کہہ رہے ہو جیسے ہم صرف شمعیں جلاتے ہیں اور عورتوں سے دُور رہتے ہیں۔ تمھیں پُوجا کا حقیقی مفہوم اس وقت تک معلوم نہیں ہوگا جب تک تمھاری اپنی زندگی قُربان نہ ہو جائے۔"

"چلو، ٹھیک ہے... ٹھیک ہے۔ ہاں، یہ معلوم ہے کہ تم نے کانگریس مین کو قتل کیا ہے۔ یہی حال تم نے مسز ڈیلفن کا کیا لیکن میرا سوال یہ ہے کہ میں نے تم لوگوں کا ذکر پہلے کبھی کیوں نہیں سُنا؟"

"ہماری بقا اسی میں تھی کہ تم لوگ ہمارے وجود سے بے خبر رہو۔" جیمز نے اُداس لہجے میں جواب دیا۔

"تم رنگوں اور رنگتوں کی بات کر رہے تھے۔ میں ابھی تک تمھارے اس فلسفے کو ہضم نہیں کر پایا ہُوں۔"

"بات یہ ہے کہ تم نے کبھی ہماری کھالیں رکھنے کی اجازت نہیں دی۔ اگر میری رنگت بھی براؤن ہوتی اور رُخساروں کی ہڈیاں اُبھری ہُوئی ہوتیں تو میں اس میوزیم کا ڈائریکٹر نہیں بن سکتا تھا۔ ڈی سیین اور ڈی پالو لا۔ فرانس اور اسپین کی مسلّح افواج میں نہ ہوتے اور..."

"کیا وہ دونوں بھی ایکٹیالی ہیں؟" ٹائیگر نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں..." جیمز نے جواب دیا اور پھر لاشوں کو دیکھ کر افسردگی سے سر ہلانے لگا۔ "یہ میرے ساتھ آئے تھے۔"

"لیکن میرا خیال ہے کہ یہ اب جنرل نہیں لاشیں ہیں۔" ٹائیگر نے فوراً کہا اور خود بھی ساکت جسموں کو گھورنے لگا۔

"کیا ہمیں تمھارے معاشرے میں اس مجسّمے کی پُوجا کی اجازت مل سکتی تھی، مسٹر؟ نہیں، میں جانتا ہُوں کہ بُتوں کی پرستش کی اجازت نہیں دی جاتی۔"

"شاید تم وٹیکن یا دیوارِ گریہ کبھی نہیں گئے؟"

"وہ... وہ سب علامتیں ہیں۔ لوگ اُن کی پُوجا نہیں کرتے... لیکن ہم اس مجسّمے کی پُوجا کرتے ہیں، اسے اصل جانتے ہیں۔ ہمیں ہمارے طریقوں کے مطابق اس کی پُوجا کی اجازت کبھی نہیں ملتی۔"

"کیا تم لوگوں کی تعداد بہت زیادہ ہے؟"

"ہاں، ہم کافی تعداد میں ہیں لیکن ہم سے ایک غلطی ہو گئی۔"

"وہ کیا؟"

"ہم یہ پتا نہیں چلا سکے کہ تم کون ہو۔"

"میں تمھارا دوست اور جلاّد ہُوں۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔

"وہ لوگ تمھیں تلاش کر کے تباہ کر دیں گے، وہ تمھاری ٹانگیں چیر ڈالیں گے اور تم فنا ہو جاؤ گے۔ ہم ایکٹیالی ایسی کئی آزمائشوں سے گزر کر سُرخرو ہُوئے ہیں۔ ہم بہت طاقت وَر ہیں۔ ہماری تعداد بہت زیادہ ہے اور ہمیں کوئی بھی پہچان نہیں سکتا۔"

"تم بھی پہچانے نہیں گئے تھے۔" ٹائیگر نے کہا اور ساتھ ہی دیکھا کہ جیمز کے دانتوں کی بیخوں سے خُون رسنے لگا ہے۔

"ہم زندہ رہیں گے۔ پانچ صدیوں سے ہم بقا کے لیے جنگ میں مصروف ہیں۔" یہ کہہ کر جیمز نے مسکرانے کی کوشش کی لیکن اُس کے مُنہ میں بھرا ہُوا خُون بہنے لگا۔ وہ بیٹھنے لگا۔ سنگی چاقو اُس کے پیٹ سے نکل کر فرش پر گر پڑا اور وہ اس پر اپنا وزن رکھ کر لیٹ گیا۔

جیمز۔ جو بڑی مہارت سے دوسروں کے دل نکال لیا کرتا تھا۔ آج اپنا دل نکالنے کی کوشش میں ناکام رہا۔ چاقو دل سے ہٹ کر سینے میں کسی اور جگہ پیوست ہو گیا۔

"سنو..." ٹائیگر نے عجیب سے لہجے میں کہا۔ "تمھارے لیے ایک بُرا انکشاف ہے، وہ یہ کہ میرا تعلق ایک ہزار سال قدیم خانوادے سے ہے۔ جس زمانے میں تمھیں پتھروں کے استعمال کا سلیقہ بھی نہیں آتا تھا، میرا خاندان خانوادۂ سنابجو، پتھروں کو زیرِ کر رہا تھا۔

"تت... تم نے بھی بقا کے لیے دوسروں کی کھال پہن رکھی ہے؟" جیمز نے سرگوشی کی۔ اُس کے پیٹ اور سینے سے اب خُون بہنے لگا تھا۔

"نہیں..."

"اوہ..." جیمز اچانک ہی چلّایا۔ "ہم برباد ہو جائیں گے۔"

"یقیناً اب یہ بتاؤ کہ تمھارا ہیڈ کوارٹر کہاں ہے؟"

"آہ..." جیمز اچانک ہی مُسکرانے بھی لگا۔ اُس کا خُون سے بھرا ہُوا مُنہ بہت خوفناک لگ رہا تھا۔ "ہم برباد نہیں ہوں گے۔ ہیڈ کوارٹر کے بارے میں تمھیں علم نہیں، یہ بتانے کا شکریہ۔"

وہ ہچکی لے کر ساکت ہو گیا۔

"تم نے میری بوٹی بوٹی کرنے کی اجازت دے دی تھی۔" دلاری اچانک ہی سینہ تان کر ٹائیگر کے سامنے آ گئی۔

"میں نے صرف تمھارا مُنہ بند کرنے کے لیے کہا تھا۔" ٹائیگر مُنہ بنا کر بولا۔

"شش..." وہ عجیب سے انداز میں بولی۔ "سارے مرد ظالم ہوتے ہیں۔"

"اب زیادہ مت بولو۔ ہمیں یہاں سے نکلنا ہے۔"

"ہاں، میں پولیس کو اطلاع کر دیتی ہُوں۔"

"نہیں..." ٹائیگر نے اُس کا ہاتھ پکڑ کر دروازے کی طرف کھینچا۔ باہر نکل کر ایک دیوار پر پینٹنگ کے نیچے اُسے وہ سُوئچ نظر آ گیا جو آہنی شٹر کو گرانے کے کام آتا تھا۔ ٹائیگر نے شٹر گرا دیا پھر باہر کا دروازہ بھی بند کر دیا۔ جبکہ دوسرے دروازے پر اُس نے ایک بورڈ لٹکا دیا جس پر لکھا تھا: مرمّت کے لیے بند ہے۔ "یہ بورڈ اُسے سامنے والے دروازے سے ہٹانا پڑا تھا۔

ٹائیگر نے دلاری کو کہیں اور جانے کی اجازت نہیں دی بلکہ وہ اُسے اپنے ہوٹل ہی میں لے آیا۔

اوشان، کمرے کے وسط میں بیٹھا ہُوا تھا جبکہ یوبی ڈیلفن... فور ہینڈ اسٹروک کی پریکٹس کر رہی تھی۔ وہ تصوراتی گیند کا استعمال کرنے پر مجبور تھی۔

"کیا تم بھی ٹینس سیکھنے کے لیے آئی ہو؟" یوبی نے اُسے دیکھتے ہی پُوچھا۔

"کیا پوری دُنیا ہی پاگل ہو گئی ہے؟" دلاری حیرت سے چلّائی۔

"بحث مت کرو۔" ٹائیگر نے یہ دیکھ کر کہ دونوں لڑکیوں میں لڑائی شروع ہونے والی ہے، دلاری کو ڈانٹ پلا دی۔

"واقعی، یہ اسٹول بہت ہی شان دار ہے۔ گیند کو ہاتھ سے نہیں، ریکٹ سے ضرب لگتی ہے۔" یوبی نے کہا۔

دلاری اب واقعتاً رونے لگی تھی لیکن اُس نے آواز نہیں نکالی کیونکہ میوزیم سے ہوٹل آتے ہُوئے جب اُس نے چیخنے کی کوشش کی تھی تو ٹائیگر نے اس کے حلق کی کسی رگ کو اس طرح چھیڑا تھا کہ وہ ہوٹل کے زینے تک کچھ بھی نہ بول سکی تھی... پھر کمرے کے باہر ٹائیگر نے اُس کے گلے پر ہاتھ پھیر کر قوّتِ گویائی بحال کر دی تھی۔

ٹائیگر دھیمے لہجے میں اوشان سے باتیں کرنے لگا۔ اُس نے اُسے سنگی چاقو پر گرفت کے نئے انداز کے بارے میں تفصیل سے بتایا اور پھر یہ بھی بتایا کہ جب اُس نے یہ سوال پوچھا تھا کہ ہیڈ کوارٹر کہاں ہے تو مرنے والا مرنے سے قبل، مارے خوشی کے بے حال ہو گیا تھا۔

اوشان کچھ دیر سوچتا رہا پھر اُس نے برہمی سے کہا۔ "اس جنونی بہرام نے ہمیں تباہی کے دہانے پر لا کھڑا کیا ہے۔"

"تب پھر کیا ہمیں کہیں بھاگ جانا چاہیے؟" ٹائیگر نے مصنوعی سنجیدگی کا مظاہرہ کیا۔

"بھاگنے کا وقت گزر چکا ہے۔ اب حملے کا وقت آیا ہے لیکن ہم حملہ نہیں کر سکتے۔ وہ اس لیے ہنسا تھا کہ اس کا کوئی ہیڈ کوارٹر نہیں ہے۔ اس بار ہمارا مقابلہ بدترین دُشمن سے ہے۔ نامعلوم، گمنام... اور

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

بے شکل دُشمن ہے۔"

"اگر ہم ان سے واقف نہیں تو وہ بھی ہمیں نہیں جانتے۔" بلیل قادر! "ٹائیگر اس بار سنجیدہ تھا۔

"شاید..." اُوشان نے دونوں ہاتھ گود میں رکھ لیے۔"... کئی صدیوں قبل ایک ماسٹر گزرا تھا اور وہ کئی برسوں تک غائب رہا... اُس کی کہانیاں یہ کہتی تھیں کہ وہ کسی نئی دُنیا میں گیا ہے لیکن کسی نے اس پر یقین نہیں کیا۔"

"کیوں...؟"

"اس کے لیے مجھے اپنی یادداشت ٹٹولنی ہوگی۔" اُوشان نے جواب دیا اور اس طرح دائیں بائیں دیکھنے لگا جیسے کسی کو تلاش کر رہا ہو۔

"کیا اب میں کچھ کہہ سکتی ہوں؟" ڈاری نے دبے دبے انداز میں پوچھا۔

"نہیں..." ٹائیگر کے جواب پر ڈاری پھر رونے لگی... ٹائیگر نے کھڑکی سے سینٹرل پارک کی روشنیوں کو دیکھا۔ اس کا منصوبہ 'جیمز' کی موت کے سوا ہر حملے میں کامیاب رہا تھا لیکن جیمز کی موت کے باعث وہ اس کڑی سے محروم ہوگیا تھا جو آخری سرے تک لے جاسکتی تھی۔

وہ سوچ رہا تھا۔

اُوشان نے اُسے ہمیشہ ہی خبردار کیا تھا کہ وہ اتنا نہ سوچا کرے ورنہ اُس کی جسمانی صلاحیتوں اور چھٹی حس پر اثر پڑے گا... اور اُس وقت بھی یہی ہوا۔

سوچوں میں گم ہونے کے باعث وہ اس دوعین کو نہیں دیکھ سکا جو ہوٹل کی کھڑکی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اُس نے دوعین والے شخص کو سر اُٹھاتے اور رائفل کی لبلبی دباتے ہوئے بھی نہیں دیکھا۔

"میرا نشانہ خطا نہیں ہوسکتا۔" رائفل والے نے بیٹھتے ہوئے کہا۔ وہ ٹائیگر کی کھڑکی کے بالمقابل عمارت کے کمرے میں تھا۔

"کمرے میں جانے تک اپنی خوشی پر قابو رکھو۔ ہمیں اُس کے دل کی ضرورت ہے۔" دوسرے آدمی نے خشک لہجے میں ڈانٹ دیا۔

"جیمز بھی اس کو چھوڑنے والوں میں سے نہیں لیکن نہ جانے کیوں وہ اندر رہ گیا اور یہ باہر آگیا۔"

"انتظار کرو۔" دوسرے شخص کا لہجہ اب بھی رُوکھا تھا۔

✠

میوزم آف نیچرل ہسٹری میں تاریخی شکست کی تمام تفصیلات ایک کمپیوٹر کمپنی کے برانچ آفس میں پیرس ریوسینٹ جرمین کے سینئر نائب صدر کو بتائی جارہی تھیں۔

موسیو جین لوئس راسپال ڈی جون' نائب صدر برائے کارپوریٹ ڈویلپمنٹ آف انٹرنیشنل ڈاٹا اینڈ ریسرچ کا سر سلسل ہل رہا تھا۔ خاندان کی جرمن شاخ کے انکل کارل کا چہرہ سپاٹ تھا۔ جین لوئس کے چہرے پر سنتاس تھی جو اُسے اُس کی گورنس اور ماں نے سکھائی تھی ماں کی ماں کا کہنا تھا کہ کسی بھی خاندان میں شامل ہُوا جاسکتا ہے... لیکن متانت اور بُردباری کسی خاص خاندان کی میراث نہیں۔

وہ اُن دو افراد کا تذکرہ سُن رہا تھا۔ جنھیں بہت طاقت وَر قرار دیا جارہا تھا۔ رپورٹ کے مطابق دونوں امریکی تھے لیکن اُن میں ایک مشرقی تھا۔ یہ سنتے ہُوئے اُس کا ذہن اسی طرح کام کر رہا تھا جیسے وہ کسی خاص موضوع پر ریسرچ کر رہا ہو۔

کبھی کبھی وہ ریوسینٹ جرمین سے باہر دیکھ لیتا جہاں کتابوں کی دُکانوں اور ریستورانوں کی دورویہ قطاریں نظر آرہی تھیں۔

انکل کارل ایک کُرسی پر نیم دراز، اس سُرخ کیک کی طرح لگ رہے تھے جس کی کریم بے ڈھنگے پن سے اُتاری گئی ہو۔ جین لوئس کو نہ جانے کیوں اس وقت چہل قدمی کی خواہش محسوس ہو رہی تھی۔ وہ اُس جگہ جانا چاہتا تھا جہاں نپولین کو سپردِ خاک کیا گیا تھا... انکل کارل کو بھی وہ جگہ بہت پسند تھی۔ اُن دونوں کی دلچسپیوں میں یہ ہم آہنگی بہت حیرت انگیز تھی کیونکہ انکل کارل ایک پکا جرمن نازی تھا۔ وہ جنگی جرائم کے مقدمے سے بمشکل بچا تھا۔ اُس کو بچانے میں اُس کے کزن جیوفری کے کردار کی بڑی اہمیت تھی۔ وہ اُن دنوں فیلڈ مارشل منٹگمری کا لیفٹیننٹ جنرل تھا اور جبکہ انکل کارل امریکن یونٹ آف او۔ ایس۔ ایس میں شامل تھا۔

جین لوئس ڈی جون' اُن دنوں نوعمر لڑکا تھا۔ اُس نے نوعمر لڑکے کی آنکھوں سے پیرس پر جرمنوں کا قبضہ دیکھا اور اگرچہ انکل مائیکل کی تحریک مزاحمت میں انتہائی مطلوب شخصیت تھی لیکن تسلط کے دوران لوئس کی فیملی صرف اسی وجہ سے پُرامن اور محفوظ رہی کہ جرمن جنرل اسٹاف میں سے کسی نے اس خاندان کو نہ چھیڑنے جانے کا حکم دیا تھا۔

اس وقت اُسے اپنی ماں کی باتیں یاد آرہی تھیں۔ لہٰذا جب انکل کارل نے اُسے براہِ راست مخاطب کیا تو وہ چونک اُٹھا۔

"اب سارا انحصار تم پر ہے، جین لوئس راسپال ڈی جون..." انکل کارل نے کہا۔

"میں سمجھا نہیں ڈیئر انکل، مجھ پر کس چیز کا انحصار ہے؟" جین لوئس نے پہلو بدل کر پوچھا۔

"ہماری اُمیدوں، تمناؤں کا... ہمارے مقدر اور مستقبل کا... ہماری عزت و آبرو کا... اور... اور... ہماری بقا کا۔"

"اوہ۔ ہاں، ویری گڈ!" جین لوئس نے ہُنکارا بھر کر کہا۔ "کیا آپ کافی پینا پسند کریں گے، انکل کارل؟"

"کیا تم تمام باتیں سُن رہے ہو؟"

"ہاں... کیوں نہیں، کیوں نہیں۔" جین لوئس نے ایک لمبی سانس لے کر کہا۔ "بہت المناک واقعات ہورہے ہیں۔ دُنیا اتنی ظالم بھی ہوسکتی ہے؟"

"جیمز و لنگھم بھی جاچکا ہے، ہمیشہ کے لیے۔"

"وہی پیلا مدقوق سا آدمی جو میوزیم میں کام کیا کرتا تھا؟" جین لوئس نے چونک کر پوچھا۔

"وہ انتہائی محترم و مقدس پجاری تھا۔"

"کس کا؟" جین لوئس کے لہجے میں واضح طور پر تجسس تھا۔ اور اُس کا یہ سوال سُن کر انکل کارل کا چہرہ سُرخ ہوگیا تھا۔ ایسا لگا تھا جیسے کسی نے اُس کے پورے بدن سے خون نچوڑ لیا ہو۔ پھر اچانک ہی انکل کارل کا چہرہ غصے سے سُرخ ہونے لگا۔ اُس نے انگارہ آنکھیں صدی کی ایک نادر میز پر زور سے گھُمائے مارا۔ جین لوئس سٹپٹا کر رہ گیا۔ انکل کارل مشتعل ہوچکا تھا۔

"کیا تمھیں یہ علم نہیں کہ تم کون ہو؟ تمھارا خاندان کون ہے...؟ تمھاری جڑیں کہاں ہیں؟ تم۔ جاہل۔ ناشکرے..."

"مجھے اپنے پڑدادا کے دادا کے چچازاد، اُن کے دادا کے چچا اور چچا کے دادا کے بارے میں کچھ علم تو ہے۔ میرا خیال ہے کہ آپ کا اشارہ اسی طرف ہے... لیکن بغیر غصہ کریں، آپ کی طبیعت خراب ہو جائے گی۔"

"جین لوئس! مجھے ایک سوال کا جواب دو لیکن سچ بولنا... بالکل اور سو فیصد سچ۔"

"یس، انکل کارل!"

"جب تم چلنا سیکھ رہے تھے اور میں تمھیں تمھارے اجداد کے بارے میں کہانیاں سُنایا کرتا تھا تو کیا اُس وقت تمھارا ذہن کہیں اور ہوا کرتا تھا؟"

"آپ جانتے ہی ہیں کہ بچوں کی فطرت کیا ہوتی ہے، انکل کارل!" جین لوئس نے ٹالنا چاہا۔

"میں سچ سُننا چاہتا ہوں۔"

"نہیں، انکل!" جین لوئس سچ بول رہا تھا۔ "میں آپ کے ساتھ چہل قدمی اور تفریح کے لیے صرف اس لیے جایا کرتا تھا کہ آپ کے جرمن ہونے کی وجہ سے دُکان دار مجھے بہت لذیذ پیسٹریاں کھلایا کرتے تھے اور جب آپ کچھ سُناتے تھے تو میں چاکلیٹ کے مزے سے لُطف اندوز ہو رہا ہوتا تھا۔"

"وہ دستاویزات کیا ہُوئیں، جو میں نے تمھیں دی تھیں؟"

"کاغذ کی کمی کے باعث ایک روز میں نے اُن پر تصویریں بنا ڈالی تھیں، انکل کارل!"

"اوہ..." انکل کی آنکھیں چھوٹی ہونے لگیں۔ "اور ہماری اُس متاعِ حریر کا نام بھی بھُول گئے جس سے ہم سب وابستہ ہیں؟"

"نہیں، اُس کا نام ایکٹیک ہے، انکل!"

"اصل نام بتاؤ۔ تمھیں وہ نام بہت پہلے بتادیا گیا تھا۔" انکل کارل بار بار پہلو بدل رہا تھا۔

"سوری، انکل! میں بھُول گیا۔"

"آہ..." کارل جوناں بلی بیگنٹ' صدر نشیں بادرین الیکٹرونک کمپنی نے ایک سرد آہ بھری۔ "تو تم یہی سمجھتے ہو کہ میں ایک فرانسیسی بھتیجے کا جرمن چچا ہوں۔ اور... اور... موسم کے اس حسین دن میں، میں تم سے نیویارک میں ہونے والی اہانت پر گفتگو کر رہا ہوں:"

"آپ بہت تھکے ہوئے ہیں، انکل!"

"نہیں..."

"ٹھیک ہے۔" جین لوئس نے پتلون کی کریز کا خیال رکھتے ہُوئے ایک ٹانگ پر دوسری ٹانگ رکھی اور کہنی کو کُرسی کے ہتھے پر ٹکا کر ہتھیلی پر ٹھوڑی رکھ دی۔

"نہ تم فرانسیسی ہو اور نہ میں جرمن ہُوں۔" کارل جوناں نے انتہائی سرد لہجے میں کہا۔ اس کا لہجہ اتنا سرد تھا کہ جین لوئس کو باہر پھیلی ہُوئی دھوپ دیکھ کر خُنکی محسوس ہونے لگی۔ "میں نے کہا، تم فریج نہیں ہو۔"

"میں سُن رہا ہُوں۔" جین لوئس نے کہا۔

"تم ایکٹیبالی ہو۔"

"کیا میری رگوں میں اس نسل کا بھی خون شامل ہے؟"

"تم پورے کے پورے ایکٹیبالی ہو۔" کارل نے بغیر لہجے میں جواب دیا۔ "باقی جو کچھ ہے وہ ایک نقاب سے زیادہ کچھ نہیں۔ اور اگر یہ نقاب نہ اوڑھی جاتی تو تم پیدا بھی نہیں ہوسکتے تھے۔"

"میرے والد ڈی جون تھے۔ لہٰذا میں بھی ڈی جون ہُوں۔" جین لوئس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"ڈی جون کی یہ نقاب تمھارے والد ہی نے تمھیں پہنائی ہے، جین لوئس! جبکہ تمھاری ماں نے تمھیں تمھارا خون دیا، میں نے علم دیا لیکن تم نے میرے دیے ہُوئے علم کو فراموش کر ڈالا۔ اب بقا کی جو جنگ درپیش ہے، میں بُوڑھا ہونے کے باعث اُس کی قیادت نہیں کرسکتا اور تم... جین لوئس... تم یہ جنگ لڑنے کے لیے آمادہ نظر نہیں آرہے ہو۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

لہٰذا... آج کے دن... اس وقت ہماری ہزاروں سالہ قدیم تاریخ اور
رہے کی موت واقع ہو رہی ہے، موسیو ڈی جون! خدا تم کو خوش رکھے،
تمہاری عمر دراز کرے۔ اب میں چلتا ہوں۔"

"ایک منٹ، انکل کامل!"

"کس لیے، موسیو ڈی جون؟"

"میری بات سننے کے لیے... چلیں، میں آپ کے ساتھ چلتا
ہوں۔ اگر میں نے کیپٹن میں آپ کی باتیں خود سے نہیں سنی ہوتیں تو اب
اس غلطی کا ازالہ کر دوں گا... آپ میری بات کو نہ سننے کی غلطی نہ کریں۔
میں یہ تو نہیں کہتا کہ اپنے قبیلے کی جنگ کی کمان سنبھال لوں گا
لیکن میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ ہزاروں سالہ قدیم تاریخ سنے بغیر اُسے
مرنے دیا جائے۔"

جب وہ بچہ تھا تو اُس نے ڈکنٹیالیوں کے آخری بادشاہ کی
کہانی بڑی دلچسپی سے سنی تھی لیکن اُس پر کوئی توجہ نہیں دی تھی...
اُس وقت تو اُسے پُرجسس کہانیوں میں صرف لطف آتا تھا۔ وہ انکل
کامل کا یہ بیان سننا نہیں چاہتا تھا کہ آخری بادشاہ نے کیوں قربانی
دی تھی۔

اب وہ، ریوسینٹ جرمن کی فٹ پاتھ پر ساتھ ساتھ چل رہے
تھے۔ وہ ریستورانوں، سینما گھروں اور کافی شاپس کے سامنے سے گزرتے
ریوڈی باک پر وہ دائیں طرف چلنے لگے۔ انھوں نے پونٹ رائل
برج کے راستے دریائے سین عبور کیا اور اب آخری بادشاہ کی کہانی
سنتے ہوئے جین لوئس کو احساس ہو رہا تھا کہ وہ بادشاہ کنفیوژن تھا۔
اُس نے ایک سماجی طوفان کے نتائج کا بخوبی اور پیشگی اندازہ لگا کر
بہت درست فیصلے کیے۔

انکل کامل مسلسل بول رہا تھا۔ ایک مقدس پتھر پر بنے ہوئے
نقوش کے بارے میں بتا رہا تھا۔ اُس کا کہنا تھا کہ آخری لفظ... جب
پروہتوں، ہنستوں اور پجاریوں نے میکسیکو کی اُن پہاڑیوں میں
آخری بار قربانی پیش کی تو ہر نقش کے معنی سامنے آ گئے تھے۔

"سوال یہ ہے کہ ہم نے حال ہی میں قربانیاں کیوں پیش
نہیں کیں، انکل کامل؟" جین لوئس نے پوچھا۔ "ہمارے اجداد کے
دور میں تو ہر مہینے قربانی کی رسم ادا کی جاتی تھی... اور اب ہم صرف
انتقام کی خاطر یہ رسم ادا کرتے ہیں۔"

"یہ رسم جاری رکھنا دانشمندی کا تقاضا نہیں تھا۔" انکل کامل
نے سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔ "پھر ایکٹیٹیالی کے آخری شہر کی قربانی
کو ٹکٹل، بھرپور اور حتمی قربانی کے طور پر قبول کر لیا گیا تھا۔ اگر تم نے گزشتہ
برس وہاں جا کر بت کو بغور دیکھا ہوتا تو تمہیں بہت کچھ نظر آ جاتا۔
تمہیں دریاؤں، زمین اور آسمان کے معنی معلوم ہو جاتے۔ تمہیں
ہر وہ چیز نظر آ جاتی جس کا تم نے صرف تذکرہ سنا ہے، وہ جگہ ہماری اور
صرف ہماری تاریخ ہے، جین لوئس۔ تم نہیں جانتے کہ نازیوں میں
شامل ہونے سے میرا ضمیر کتنا ملامت کرتا تھا... لیکن میں نے جو کچھ کیا
اپنے قبیلے کے لیے کیا۔ اگر ہٹلر جیت جاتا تو میں قبیلے کو بچا لیتا... اسی
طرح برطانوی، امریکی اور روسی فوج میں ہمارے لوگ شامل تھے۔
اُن کا مقصد بھی قبیلے کی خدمت کرنا تھا۔ ہم ایک دوسرے سے مکمل
رابطے کے ساتھ کام کرتے ہیں... اور پھر ایک روز مقدس ایکٹیک
کی بے حرمتی کا واقعہ رونما ہوا۔

"... اور اس ایک لڑکے کی موت سے اس بے حرمتی کا انتقام
نہیں لیا جا سکتا تھا؟"

"نہیں... ایکٹیک کا پہلا مطالبہ یہ ہے کہ حکومت امریکہ اس
بے حرمتی کی ذمہ داری قبول کرے۔ بھلا ایک نیگرو کی زندگی کی کیا
قیمت ہے؟"

"آپ بھول رہے ہیں، انکل کامل! ہماری اصل رنگت براؤن
ہے۔" جین لوئس نے اُسے یاد دلایا۔

"کیا تم خاندان اور قبیلے کے مسائل سے نمٹنے کے لیے اپنا کردار
ادا کرنے کو تیار ہو؟" انکل کامل نے پوچھا۔

"میں آپ کو کچھ دکھانا چاہتا ہوں۔" جین لوئس نے کہا۔ اُس
کا جواب اب بھی براہِ راست نہیں تھا۔ "کیا آپ کو اندازہ ہے کہ میں
نے کمپیوٹر میں کیریئر نامے کا فیصلہ کیوں کیا تھا؟"

"نہیں..." بوڑھے کامل نے جواب دیا۔ وہ اب تھک چکا
تھا اور جین لوئس کے قدموں سے قدم ملا کر چلنا اُس کے لیے دشوار
ثابت ہو رہا تھا۔

"صرف اس لیے کہ کمپیوٹر مجھے آرام و راحت فراہم کرتے ہیں...
کمپیوٹرز میں کوئی مداخلت نہیں ہوتی، کوئی ملاوٹ نہیں کی جاتی۔ میں
آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ میرے لیے خالص چیز کیا ہوتی ہے۔"

پل کے اُس پار، لوری نامی ایک عظیم الشان قلعہ تھا جس کا
صحن بھی میدانوں کی طرح وسیع تھا۔ اُس کو دو سو سال قبل میوزیم میں
بدل دیا گیا تھا۔ یہاں جاپانی اور امریکی سیاح گھوم رہے تھے۔

"اس میوزیم میں موجود اشیاء کا تجزیہ کرنے کے لیے نہیں بلکہ
صرف اُن کی فہرست بنانے کے لیے ایک ہفتہ لگتا ہے، انکل کامل!"

"لیکن ہمارے پاس وقت نہیں ہے۔"

"اوہ..." جین لوئس ہنس پڑا۔ "ہمیں ایک ہفتے کی ضرورت
نہیں پڑے گی۔" یہ کہتے ہوئے اُس نے اس طرح اپنے دائیں ہاتھ کو

جاسوسی ڈائجسٹ کا مقبول ترین سلسلہ

سنگتراش

اوہام پرستی کے نت نئے رنگ میں رنگے ہوئے جبرین قبیلے کی طلسماتی داستان

آتش کدے کا مقدس پروہت مانینی پراسرار اور ماورائی طاقتیں اس کی غلام تھیں۔

جس سے جبرین کا سردار جوبا بھی خائف رہتا تھا۔

ایک سنگتراش کی محبت کا دلگداز فسانہ جس کی محبت کی روح پروہت کے قبضے میں تھی۔

اقلیم علیم کے پراسرار قلم سے

خوبصورت سرورق، دیدہ زیب کتابت و سرورق

دو جلدوں میں مکمل

جلد اول : ۱۵۰/-

جلد دوم : ۱۵۰/-

کتاب اپنے قریبی بک سٹال سے طلب فرمائیں یا آدارے کے نام منی آرڈر کا مبلغ بذریعہ رجسٹری ارسال کر دیا جائے گا۔

کتاب آپ کو مندرجہ ذیل پتے سے ارسال کر دیا جائے گا۔

خط و کتابت کے لئے

مکتبہ القریش سرکلر روڈ، اردو بازار، لاہور ۲

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

محراب کی شکل میں گھما یا جیسے پورے میوزیم کا احاطہ کر رہا ہو۔ "میں نے زاد طبعلی میں بہت سا وقت یہاں گزارا ہے۔ اس میوزیم میں ہر فلک سے تعلق رکھنے والے فنکاروں کے فن پارے محفوظ ہیں۔"

"اچھا۔ اچھا۔" انکل کامل کو بیانِ مبالغہ آمیز سے کام لینے والا تھا کیونکہ بات کہیں سے کہیں جا نکلی تھی۔

"یہاں مجھے کبھی سکون محسوس نہیں ہوا۔" جین لوئس زندہ طبعلی میں یہاں اپنے قیام کا ذکر کر رہا تھا۔ "بالکل اسی طرح جیسے فرانس میں رہتے ہوئے بھی مجھے یہ احساس رہتا ہے کہ یہ میرا گھر نہیں لیکن جب میں کیپٹوٹرلوں کے ساتھ ہوتا ہوں تو گھر سے دوری کا یہ احساس مٹ جاتا ہے۔"

"تم کیا کہنا چاہتے ہو؟" انکل کامل نے بے صبرے پن سے پوچھا۔

"صاف ہی کہہ دیں یورپی نہیں ہوں۔"

"تب پھر تم یقیناً قبیلے کی مدد کرو گے۔" انکل کامل کی آنکھیں چمکنے لگیں۔

"مدد... ہاں۔" جین لوئس عجیب سے لہجے میں بولا۔ "لیکن میں سنگی چاقو لے کر کسی پر حملہ نہیں کروں گا۔"

"میں۔" انکل کامل جھٹ پڑا۔ "میں یہاں کی کمیٹی برائے بہبودی ایکٹیلیوں کے قیام کا مقصد لے کر نہیں آیا ہوں... میں صرف اور صرف جنگ کے دوران مدد حاصل کرنے کے لیے پیرس آیا ہوں، جین لوئس!"

"حال پر کیا کیفیت ہے، انکل کامل؟"

"تباہی... تباہ کن حالات ہیں۔"

"تب پھر اصلاحِ احوال کے لیے ہمیں مل بیٹھ کر بات کرنی چاہیے آئیے، انکل!"

"تم نے جس چاقو کا ذکر کیا ہے، وہ بہت مقدس ہوتا ہے۔" انکل کامل نے چاقو سے متعلق جین لوئس کے لہجے پر اعتراض کیا۔

"لیکن فتح، پتھروں سے زیادہ قیمتی اور مقدس ہوتی ہے، ڈیئر انکل کامل!" یہ کہہ کر اُس نے یورپی باشندے کی آنکھوں سے آخری مرتبہ قلعے کے سنگی ڈھانچے کو دیکھا۔ وہ فیصلہ کر چکا تھا کہ وہ یورپی نہیں ہے اور نہ ہی فرانس سے اس کا کوئی تعلق ہے۔

انکل کامل کی گفتگو سن کر وہ اس نتیجے پر پہنچ چکا تھا کہ اُس کے قبیلے یا خاندان سے کیا غلطی ہوئی ہے۔ ایکٹیلیوں نے صدیوں اور نسلوں تک روپوش رہنے کی حکمتِ عملی اپنائی تھی۔ لہٰذا جب عمل کا وقت آیا تو خاندان میں کوئی بھی اس قابل نہ تھا کہ عمل کر سکتا۔

جین لوئس نے ٹیکسی روکی اور انکل کامل کے ساتھ... عقبی نشست پر بیٹھ گیا۔

"ایونیو ڈی ری ٹیول۔" اُس نے ڈرائیور سے کہا۔ وہاں اس کا نفیس سا مگر چھوٹا سا اپارٹمنٹ تھا جس میں وہ اپنی داشتہ کے ساتھ مقیم تھا۔

اپارٹمنٹ کی چھتیں بہت خوبصورت تھیں۔ شمالی افریقہ سے تعلق رکھنے والا نوجوان خادم، چاندی کے تاروں سے بنی ہوئی قندیل میں ملبوس تھا۔ اُس نے اُنھیں چائے پیش کی اور چائے کا پہلا گھونٹ لینے سے قبل انکل کامل نے تین پیسٹریاں حلق سے اُتار لیں۔ اس دوران میں جین لوئس اپنے خوبصورت رائٹنگ پیڈ پر کچھ لکھتا رہا تھا۔ اُس نے کئی فارمولے لکھے... پھر اُس نے اپنے دفتر فون کر کے کچھ بات کی اور اس کے بعد ایک اسسٹنٹ کو کئی فارمولے لکھوائے۔ پندرہ منٹ بعد اُسے جواب مل گیا۔

"اوہ..." اُس کے چہرے کی رنگت بدل گئی۔ اُس نے کاغذوں کو پھاڑ کر پُرزے پُرزے کر ڈالا اور اُچھال دیا۔ خادم نے پُرزے اُٹھانے کی کوشش کی تو جین لوئس نے ٹھوکر مار کر اُسے کمرے سے نکال دیا۔

وہ بے چینی سے ٹہلنے لگا۔ وہ انکل کامل سے گفتگو بھی کرتا جا رہا تھا۔

"انکل کامل، مسئلہ یہ ہے کہ قبیلہ حکمرانی کی صلاحیتوں سے محروم ہو چکا ہے۔"

"میں..."

"سُنتے رہیے۔" انکل کامل کو خبردار کیا تھا۔ "ہم اتنے طویل عرصے تک چھپے رہے ہیں کہ عمل کی صلاحیت ہی ہم میں نہیں رہی۔ ہمیں مطالبہ منوانا تو کیا... مطالبہ کرنے کا طریقہ بھی نہیں معلوم۔ آغاز سے انجام تک تباہی ہی تباہی ہے۔"

جین لوئس نے کھڑکی تک جا کر دھوپ میں نہائی ہوئی سڑک کو دیکھا۔

"تب پھر کیا کریں؟"

"نیا آغاز۔" جین لوئس کا لہجہ بہت ہی عجیب تھا۔ "آج کے بعد ایکٹیلیوں کا پہلا مقصد قوت حاصل کرنا ہوگا۔ جب لوگ ہمیں طاقت ور تسلیم کر لیں گے تو ہمارے مطالبات بھی پورے ہوتے رہیں گے۔"

"مگر امریکی حکومت سے ہم نے جو مطالبہ کر رکھا ہے، اُس کا کیا ہوگا؟" انکل کامل کا نقطہ سرد ہو چکا تھا۔

"وہ نری حماقت تھی۔ مطالبے کا متن مبہم ہی نہیں بلکہ بارہ مختلف زبانوں میں تھا لیکن ان زبانوں میں انگریزی کو شامل نہ کر کے سب سے بڑی حماقت کی گئی تھی۔ اب اسے بھول جائیں۔ ہم خود مناسب

وقت آنے پر اس مسئلے سے نمٹ لیں گے۔ فی الوقت ہمارے لیے سب سے خطرناک مسئلہ وہ دو افراد ہیں جن میں سے ایک مشرقی علاقوں سے تعلق رکھتا ہے اور دوسرا شاید امریکی نوجوان ہے۔"

جین لوئس کھڑکی کے شیشے کو انگلیوں سے بجانے لگا۔

"یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ اُن دونوں سے ٹکراؤ ہو گیا۔" انکل کامل نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔

"نہیں، یہ ہماری حماقت تھی۔ وہ ہماری تلاش میں آئے تھے اور ہم احمقوں کی طرح اُن پر جھپٹ پڑے، اُن کے جال میں پھنس گئے۔ اب اگر ہم اُن پر حملہ کریں گے تو تباہ ہو جائیں گے۔ غلطی ہماری تھی۔ ایکٹیک کی بے حرمتی کے بعد شاید ہم نے کسی انتہائی حساس شخص کو قربان کیا یا کسی ایسے حساس ادارے کی دشمنی مول لی جو قاتلوں کو ملازم رکھتا ہے۔ ایسے قاتل محض تفریح کے لیے میوزیم میں نہیں جاتے۔ ہم نے یقیناً اُن کے وجود کے لیے خطرہ پیدا کیا ہے اور اب جس کے وجود کو خطرہ لاحق ہے، وہ یہی چاہتا ہے کہ ہم، اُن دونوں پر حملہ کریں تاکہ جوابی کارروائی میں ہم فنا ہو جائیں۔"

"تب پھر ہم حملہ نہیں کریں گے۔"

"نہیں، حملہ ضرور کیا جائے گا لیکن اپنی سہولت اور اپنے منصوبے کے مطابق۔" جین لوئس نے بڑے مضبوط لہجے میں کہا۔ "ہم ان قاتلوں کو اسی طرح استعمال کریں گے جس طرح وہ ہمیں استعمال کرنے کا منصوبہ بنائیں گے... پھر ہم اُس خفیہ تنظیم تک پہنچ جائیں گے جس کے لیے وہ دونوں کام کر رہے ہیں۔ وہاں تک پہنچنے کے بعد اُس تنظیم یا ادارے پر قبضہ کرنا آسان ثابت ہوگا۔ یوں اس تنظیم یا ادارے کی قوت 'قبیلے' کی طاقت بن جائے گی جس کے بعد ایکٹیلیوں کو مزید چھپے رہنا نہیں پڑے گا۔"

جین لوئس ایک لمحے تک خاموش رہا۔ اُسے انکل کامل کے ردِ عمل کا انتظار تھا لیکن اُسے انکل کامل کی آواز تک سُنائی نہیں دی۔ لہٰذا اُسے پلٹ کر دیکھنا پڑا۔ انکل کامل اپنی کرسی سے اُتر کر گھٹنوں کے بل اس طرح زمین پر گرا ہوا تھا کہ اُس کے دونوں ہاتھ سامنے پھیلے ہوئے تھے۔ وہ عبادت کے انداز میں جھکا ہوا تھا۔

"یہ کیا انکل کامل؟" جین لوئس نے حیرت سے پوچھا۔

"تم بادشاہ ہو، بادشاہ۔" کامل نے سر اُٹھا کر جین لوئس کی طرف دیکھا۔ "میرے پاس آؤ۔"

جین لوئس بوڑھے کامل کے قریب گیا تو بوڑھے نے اُٹھ کر اُس کے کان میں سرگوشی کی۔

"یہ کیا ہے؟"

"اب تم بھی ماننے والوں کی صفوں میں شامل ہو گئے ہو۔" کامل نے پُرجوش لہجے میں کہا۔ "میں نے جو نام لیا ہے وہ ایکٹیک کا حقیقی نام ہے اور اس کا صرف ان لوگوں کو علم ہے جو اس سے بہت قریب ہیں۔ اگر کسی بھی ایسے شخص نے یہ نام لیا جو عظیم ایکٹیک کا مقرب خاص نہیں تو پھر آسمان پر خوفناک بادل چھا جائیں گے، سورج بجھ جائے گا اور بادل زمین پر گرنے لگیں گے لیکن اب... تم ایکٹیک کا حقیقی نام لے سکتے ہو۔"

جین لوئس نے مسکرانے کی کوشش نہ کی۔ اُس نے بُت کا اصلی نام زور سے دہرایا۔ آواز بلند اور اُس کی توقعات کے مطابق نہ تو سورج گُل ہوا اور نہ ہی آسمان سے بادل زمین پر گرے۔

"اب تم شہنشاہ ہو۔" انکل کامل جوشِ مسرت سے تپ لرزہ کے مریض کی طرح کانپ رہا تھا۔ "میں تیس سال سے تمھارا منتظر تھا۔ کیونکہ تم خون کا خون ہو، روح کی روح ہو۔ تم اس عظیم ایکٹیلی شہنشاہ کی روح ہو جو صدیوں پہلے گزرا تھا۔ اب تمھیں قبیلے کی فتح تک رہنمائی کرنی ہے۔"

جین لوئس کو خود بھی اس بات پر حیرت ہوئی کہ اُسے انکل کامل کی باتوں پر ہنسی نہیں آ رہی ہے۔

"ہم ایسا ہی کریں گے، انکل کامل!" اُس نے پُرعزم لہجے میں کہا۔ "فتح تک ہماری جنگ جاری رہے گی۔"

"اور ہم ایکٹیک کی بے حرمتی کا انتقام لیں گے۔" انکل کامل نے مٹھیاں بھینچ کر کہا۔

"ہاں، جب ہماری حکمتِ عملی کامیاب ہو جائے گی تو ایکٹیک کو ہزاروں دل مل جائیں گے۔ اُسے پہلے کبھی کسی نے اتنے بہت سے دل نذر نہیں کیے ہوں گے، انکل کامل!"

"اس بات سے سونے سے قبل، لیٹنے کے بعد، اس نے ایکٹیک کا اصلی نام ایک بار پھر لیا اور جب بادل اپنی جگہ پر دوڑتے رہے تو وہ سمجھ گیا، بہت کچھ سمجھ گیا۔ یہ بھی سمجھ گیا کہ وہ ایکٹیک کا پجاری ہو یا نہ ہو لیکن ایکٹیلیوں کو ایک ایسا بادشاہ مل گیا ہے جو اُنھیں فتح تک لے جائے گا۔"

ج

جین لوئس اور انکل کامل کو نیویارک کے فنفتھ ایونیو ہوٹل میں پہنچ کر سب سے پہلے کئی لڑکوں کا سامنا کرنا پڑا۔ جو ان کا سامان لینے کے لیے بہت بے... وہاں جمع تھے۔ اس ہوٹل میں اُنھیں چیک اِن کرانے کی کوئی ضرورت... ں تھی۔ وہاں اُن کے لیے صدارتی سوئٹ خالی کیا جا چکا تھا۔ اُنھیں دیکھتے ہی ہوٹل کا منیجر مسکرایا اور اُس نے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

انکل کامل کو ایک خاص انداز میں آنکھ ماری۔ انکل کامل نے سکون کی ایک لمبی سانس لی۔ وہ مطمئن ہو گیا تھا۔

مجھے یہ احساس نہیں تھا کہ ہماری برادری کی پہنچ اتنی دور تک بھی ہو سکتی ہے۔" خاصوں کے چلے جانے کے بعد پانچ کمروں والے سوئٹ کے ڈرائنگ روم میں بیٹھتے ہوئے جین لوئس نے کہا۔ وہ واقعی حیرت زدہ اور خوش تھا۔

"ہم ہر جگہ ہیں۔" انکل کامل نے سر جھٹک کر کہا پھر جین لوئس سے مخاطب ہو کر گرم جوشی میں میری باتوں پر توجہ دیتے رہتے تو تمہیں اس وقت حیرت کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔" انکل کامل کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا تھا۔

"لیکن اب تو میں پھر تمہیں توجہ دے رہا ہوں۔" جین لوئس نے بھی مسکرا کر جواب دیا۔

"ہاں، جین لوئس! میں بہت خوش ہوں، شکریہ بچا لائے ہوں۔"

دونوں کچھ دیر تک انتقام، ایکٹیک اور برادری کے علاوہ قبیلے کی نشاۃ الثانیہ پر گفتگو کرتے رہے۔ اس کے بعد انکل کامل نے جین لوئس کے کہنے پر قبیلے کے بڑوں کو فون کرنے شروع کر دیے۔ جین لوئس کا کہنا تھا کہ وہ فوراً قبیلے والوں سے بات کرنا چاہتا ہے تاکہ ماضی کے مقابلے میں بہتر منصوبہ بندی کی جا سکے۔ ذرائع اور وسائل کا تجزیہ کیا جا سکے۔

"میں دو گھنٹے بعد ان لوگوں سے خود بات کرنے کے لیے تیار ہوں گا۔" انکل کامل!" جین لوئس کے انداز میں شاہانہ تمکنت اچانک ہی پیدا ہو گئی تھی۔

ایک بیڈ روم میں جا کر اس نے مگرمچھ کی کھال سے بنے ہوئے بریف کیس میں سے کاغذات نکال کر پھیلا لیے۔ بیٹھنے سے قبل اس نے اپنے سوٹ کی جیکٹ اتار کر بڑی احتیاط سے اپنے قیمتی کف لنکس الگ کیے اور آستینیں بڑی نفاست سے کہنی کے اوپر تک چڑھا لیں پھر اس نے کالر اسی نفاست سے کھول کر ٹائی اتاری اور اُسے جیکٹ کے ساتھ ہی ہینگر میں لٹکا دیا۔

اُس نے وُوڈ ڈیسک کی خوبصورت ڈیسک لائٹ جلائی۔ دو موٹے سُرخ اور کالے مارکنگ پین نکال لیے۔ سُرخ مارکر ممکنہ تمام کی تفصیلیں لکھنے کے لیے تھا اور سیاہ اُن نکات کو کاٹنے کے لیے جن پر عمل ممکن نہ تھا یا وہ عمل کرنا نہیں چاہتا تھا۔

پھر وہ کاغذوں پر جھک گیا۔ کچھ دیر بعد جب اُس نے سر اُٹھا کر کھڑکی سے باہر آسمان کی طرف دیکھا تو سورج غروب ہو چکا تھا۔ وہ بہت دیر تک کام کرتا رہا تھا۔ دسمبر کی ٹھنڈی مُردہ شام کافی حد تک بھر گئی تھی۔ صرف ایک شیٹ جین لوئس کے سامنے خاصت سے لکھی ہوئی تھی اور اُس پر صرف ایک لفظ لکھا ہوا تھا۔ "انفنٹریٹ"۔

وہ ڈائننگ روم میں واپس آیا، تو وہاں ایک درجن افراد کی موجودگی کے باوجود سنگین خاموشی تھی۔ ان میں بیشتر افراد ادھیڑ عُمر تھے۔ سب کے چہروں سے ظاہر تھا کہ وہ بہترین زندگی گزارتے ہیں۔ اُن کے لباس، اُن کی دولت کی عکاسی کر رہے تھے۔

وہ سب اُسے دیکھتے ہی ہڑبڑا کر اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اُنھوں نے سر خم کر کے اُسے تعظیم دی۔ اُنھوں نے دائیں ہاتھ سینوں پر رکھ لیے۔

انکل کامل بھی بالکل اُن ہی کے انداز میں کھڑا ہوا تھا۔ "جنٹلمین! ہمارا محترم و محتشم دانا و زیرک، صاحب بصیرت و فراست شہنشاہ جین لوئس ڈی جون۔"

وہ سب کے سب گھٹنوں کے بل جھک گئے۔

جین لوئس نے سوالیہ انداز میں انکل کامل کی طرف دیکھا... لیکن وہ یہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا کہ خود انکل کامل بھی گھٹنوں کے بل جھکا ہوا تھا۔

"ایکٹیک کے نام کو کبھی نہیں مٹایا جا سکتا۔" یہ الفاظ از خود ہی جین لوئس کی نوک زبان سے پھسل رہے تھے۔ "عظیم ایکٹیک نام۔ ناپاک اور گناہگاروں کی پہنچ سے بہت دور ہے لیکن جن لوگوں نے ایکٹیک کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی، اُن کی قربانی لازم ہے... اوہ ہم۔ ایکٹیلی... یہ قربانی فراہم کریں گے۔ میں عہد کرتا ہوں... تم سب کی طرف سے حلف اُٹھاتا ہوں کہ ہم قربانی کے تقاضے پورے کریں گے۔ ایکٹیک کے خلوم کے سامنے جھکنے والو! اپنے سر اُٹھاؤ... اُٹھو... اُٹھو۔"

نہ جانے ان الفاظ میں کیا اثر تھا کہ اُن سب کے سر ایک ساتھ اُٹھے، وہ سیدھے کھڑے ہو گئے۔ اُن کے چہرے اُن کے جذبات کی حدت سے دمک رہے تھے۔

جین لوئس نے چند لمحوں بعد شاہانہ انداز میں اُنھیں صوفوں پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"ہمارا پہلا مقصد اُن دونوں خطرناک افراد کے قریب ہونا ہے۔ میری مُراد اس مشرقی بُوڑھے اور امریکی نوجوان سے ہے پھر ہم اُن کے ذریعے اُن کی تنظیم کے خلاف کام شروع کریں گے۔ اس تنظیم کی طاقت پر قبضہ کر لیں گے لیکن سوال یہ ہے کہ ہم اس تنظیم میں کس طرح داخل ہوں اور کس طرح اُن دونوں کے قریب پہنچیں؟"

اُس نے اس توقع کو پیش نظر اُن سب کے چہروں کو بغور دیکھا کہ وہ سب پریشان ہوں گے لیکن یہ توقع غلط تھی، وہ مُسکرا رہے تھے۔

"ہم اُن دونوں تک پہنچ سکتے ہیں۔" انکل کامل نے اُن کی ترجمانی کی۔ "ہمارے پاس ایسے ذرائع موجود ہیں۔"

انکل کامل مُسکرا رہا تھا۔

"ایک نہیں، دو طریقے ہیں، شہنشاہِ اعظم!"

●

ٹائیگر نے بڑے صندوق کو نوم، الاسکا میں قائم ایک آئل کمپنی کے نام بُک کرا دیا۔ اُسے یقین تھا کہ صندوق کے وہاں پہنچتے پہنچتے موسم میں سرما شروع ہو جائے گا۔ صندوق گودام میں رکھ دیا جائے گا اور پھر موسم گرما ہی میں کسی کو صندوق سے نکلنے والی بُو کا احساس ہو گا... لہٰذا اُس کی شکایت پر صندوق کھولا جائے گا تو محکمۂ انصاف کے اس افسر کی لاش برآمد ہو گی جس نے ٹائیگر کو تقریباً حراست میں لیا تھا۔ یہی اُس کی غلطی تھی کہ اُس نے ٹائیگر کو تقریباً حراست میں لیا تھا... تنظیم کے سوا کسی اور ادارے یا اُس کے فرد کو یہ اجازت نہ تھی کہ وہ ٹائیگر کی اصلیت تک پہنچ کر بھی زندہ رہے۔

"ریٹرن ایڈریس، سر؟" ریلوے اسٹیشن کے کلرک نے پوچھا۔

"ڈنی ورلڈ، فلوریڈا۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔

"اوہ... میری زندگی بھر یہی خواہش رہی کہ میں ڈنی ورلڈ کی سیر کر سکوں۔" کلرک نے کاغذات میں خانہ پُری کرتے ہوئے کہا۔ "کیا کام کرتے ہیں آپ وہاں؟"

"میں مائیکی ماؤس میوزیم کا صدر ہوں۔" ٹائیگر نے جواب دیا...

"میرے لوگ ہڑتال پر جانے کی منصوبہ بندی کر رہے ہیں کیونکہ حالات بالکل مناسب نہیں۔"

"اوہ..." کلرک نے مایوسی سے سر ہلایا لیکن بہرحال اُس نے ولیم ہیڈ ٹگٹن سوئم، اسسٹنٹ ڈائریکٹر نادون ڈسٹرکٹ نیویارک کو تصدیقاً پرزوم بھیجنے میں کسی قسم کی کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کی۔

ہیڈ ٹگٹن کی غلطی بھی بہت عجیب سی تھی۔ وہ چار سو ڈالر کی قیمت والے سوٹ میں ٹائیگر کے ہوٹل میں داخل ہوا تھا اور ٹائیگر کے سوئٹ تک پہنچ گیا تھا۔ اُس کے ہاتھ میں ایک ایسی الیکٹرونک کی تھی جس سے ہر تالا کھولا جا سکتا تھا۔ اُسے ایسے وقت آنے پر خود بھی افسوس تھا کیونکہ وہ زہر چاٹتے ہوئے بھی اُن کی نیند میں مخل ہو سکتا تھا۔

ایک بیڈ روم میں اُودھم چوکڑی مچا ہوا سور ہا تھا۔

"ٹائیگر کو خدشہ تھا کہ میوزیم والے واقعے کے بعد اگر اُس نے دونوں لڑکیوں، ولاری اور لوبی کو گھر جانے دیا تو وہ محفوظ نہ رہ سکیں گی۔ لہٰذا اُس نے اُنھیں اصرار کر کے ہوٹل ہی میں ٹھہرا لیا تھا۔ ولاری تو یہ سوچ کر ہی رونے لگی تھی کہ باہر خطرہ ہو سکتا ہے اور جُونہی ہیڈ ٹگٹن کمرے میں داخل ہوا تھا تو اُس کی گھگھی بندھ گئی تھی۔ جبکہ لوبی، ٹی وی پر شو دیکھ رہی تھی۔

"آؤ..." ٹائیگر نے ہیڈ ٹگٹن کو دیکھ کر کہا تھا۔

"میرا تعلق محکمۂ انصاف سے ہے اور میری اطلاعات کے مطابق آپ کسی مسئلے سے دوچار ہوئے ہیں۔"

"نہیں..." ٹائیگر نے کندھے اُچکا کر خاص امریکی انداز میں ہیڈ ٹگٹن کو جواب دیا تھا۔

"وا... وو... اِی..." ولاری نے کچھ کہنا چاہا تھا۔

"آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے، خاتون!" ہیڈ ٹگٹن نے چونکتا ہو کر ولاری سے پوچھا۔

"اوہ، خُدایا! شکر ہے۔ کوئی تو ایسا شخص نظر آیا جو فاتر العقل نہیں ہے۔" یہ کہہ کر ولاری پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ وہ لڑکھڑاتی ہوئی ہیڈ ٹگٹن تک گئی اور اُس کے کندھے پر سر رکھ کر آنسو بہانے لگی...

ہیڈ ٹگٹن لاشعوری طور پر اُسے تھپکیاں دینے لگا۔

"یہ لڑکی بالکل ٹھیک نہاک ہے۔" آفیسر!" ٹائیگر نے مُسکرا کر کہا۔ "تم ٹھیک ہو نا، ولاری... بولو۔"

دفعہ ہو جاؤ، میری نظروں کے سامنے سے۔" ولاری، ٹائیگر کی طرف دیکھ کر چلائی۔ "اے مار ڈالو! آفیسر! اسے مجھ سے دُور رکھو۔"

"میرا خیال ہے کہ یہ لڑکی تمہیں قتل کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔" ہیڈ ٹگٹن اب بہت ہکا بکا ہو گیا تھا۔ "تمہارا نام کیا ہے، مسٹر؟"

"البرٹ..." ٹائیگر نے بڑے اطمینان سے جواب دیا تھا۔

"یہ جھوٹا ہے... سفید جھوٹ بول رہا ہے۔ اس کا نام البرٹ نہیں... شے... ناد... یا ایسا ہی کوئی نام ہے۔ یہ جنونی قاتل ہے تم نے اس کے ہاتھوں کی حرکت نہیں دیکھی۔ یہ ہاتھ... قاتل کے ہاتھ ہیں... یہ ظالم... جلّاد ہے، آفیسر!"

"میں ظالم نہیں ہوں۔" ٹائیگر نے ہنس کر کہا تھا۔

"اس فاحشہ کی باتوں کو سنجیدہ مت سمجھ لینا، آفیسر!" لوبی نے پہلی مرتبہ گفتگو میں حصہ لیا تھا۔ "یہ تو ٹینس کھیلنا بھی نہیں جانتی۔ سارا دن ایک طرف بیٹھی لبھوتی رہی ہے۔"

"تھینک یُو۔" ٹائیگر نے لوبی کی طرف دیکھ کر کہا تو ٹینس کی شیدائی بلکہ دیوانی نے ہاتھ اُٹھا کر اس طرح ہلایا جیسے ٹھکریے کا جواب دے رہی ہو۔

"یہ... یہ شخص... اپنے ہاتھوں... اور پیروں سے لوگوں کو قتل کر دیتا ہے، آفیسر!" ولاری مسلسل پول کھول رہی تھی۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"میرا خیال ہے کہ تم کراٹے ماسٹر ہو۔" ریڈ نگٹن کے چہرے پر اب تشویش کے سائے دوڑنے لگے تھے۔

"نہیں۔" ٹائیگر نے بڑی ایسا نداری کا مظاہرہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ "میں کراٹے ماسٹر نہیں ہوں۔ کراٹے تو صرف پاور فوکس کرتا ہے۔"

"کیا تم اُسے اپنے دفاع میں استعمال کرتے ہو؟"

"نن... نہیں۔" وُلاری پیر پٹخ کر بولی تھی۔ "جو بھی سامنے آجائے اُس پر استعمال کر ڈالتا ہے۔"

"لیکن میں نے تمہیں تو نشانہ نہیں بنایا۔" ٹائیگر کا لہجہ شکوہ آمیز تھا۔

"بناؤ گے۔ مجھے بھی مار ڈالو گے۔"

"ممکن ہے۔" اب ٹائیگر اکتانے لگا تھا۔ اُس نے وُلاری کو غور سے دیکھا۔ وہ یہ اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا کہ اگر وُلاری کا مُنہ پیچھے سے ہٹ جاتے تو وہ کیسی لگے گی۔

"میں تم لوگوں کی مدد کے لیے آیا ہوں۔" ریڈ نگٹن نے دھیرے سے کہا تھا۔ "لیکن سب سے پہلے میں تمہارے ہتھیاروں کا جائزہ لینا چاہوں گا۔ کیا صرف تمہارے ہاتھ ہی تمہارا ہتھیار ہیں مسٹر؟"

"نہیں۔ ہاتھ تو اُن ہتھیاروں میں محض ایک اضافہ ہیں اور یہی اضافہ، انسان اور جانور میں فرق ہے۔ جانور اپنی ٹانگیں اور انسان اپنا دماغ استعمال کرتا ہے۔"

"تم... انسان نہیں جانور ہو۔" وُلاری چلّائی تھی۔

"تم صرف جسم استعمال کرتے ہو۔" ریڈ نگٹن نے سر ہلا کر کہا تھا۔ سب سے پہلے وُلاری ہی نے اُس کے ہاتھ میں اشاریہ 45 دیکھ کر جھرجھری لی تھی۔ وہ ٹائیگر اور ریڈ نگٹن کے درمیان کھڑی ہوئی تھی۔ اُسے تیزی سے ہٹنا پڑا ورنہ اُسے یقین تھا کہ ریڈ نگٹن نے اگر گولی چلائی تو پہلے وہی ماری جائے گی۔ اُسے اب اِس افسر پر بھی غصہ آنے لگا تھا۔ وہ تہیہ کر چکی تھی کہ اُس کی شکایت اٹارنی جنرل سے ضرور کرے گی۔

"اِسے گولی مارو۔" وُلاری نے ٹائیگر کی طرف ہاتھ سے اِشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"مسٹر... کیا شریف آدمی کسی کے کمرے میں گھس کر اِس طرح ہتھیار نکال لیتے ہیں؟" ٹائیگر کا لہجہ نرم تھا۔

"ہاں! اِسی طرح۔ گولی مارو اِسے۔" وُلاری افسر کو جوش دلانے کے لیے للکار رہی تھی۔

"چُپ رہو۔ میں تم سے بعد میں نمٹوں گا۔" ٹائیگر نے غرّا کر کہا تھا اور پھر ریڈ نگٹن کی طرف دیکھ کر مُسکرانے لگا تھا۔

ریڈ نگٹن ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔ اپنی دانست میں وہ ٹائیگر کی ٹانگ اور ہاتھ کی پہنچ سے دُور ہو گیا تھا۔

"کیا ہم بیٹھ کر گفت گو نہیں کر سکتے مسٹر ریڈ نگٹن؟" ٹائیگر نے صلح کُن انداز میں تجویز پیش کی تھی۔

"کسی ایسے شخص سے بات کرنے کی کوئی ضرورت نہیں جس نے ایک شیطنک کے عظیم پجاری پر ہاتھ اُٹھائے ہوں۔"

"کیسا پجاری؟ کون پجاری؟" ٹائیگر کے لہجے میں حیرت تھی ریڈ نگٹن کی حقیقت اچانک ہی سرکاری حیثیت سے جھانکنے لگی تھی۔ "تم اُس پجاری کی بات کر رہے ہو جس نے چابی کے بغیر میرا سینہ کھول کر بدن کی صندوقچی سے دل نکالنے کی کوشش کی تھی؟"

"مارو۔ گولی مارو اِسے۔" وُلاری پھر چیخی مگر ریڈ نگٹن نے اُس کی چیخ پکار نظر انداز کر دی۔ اُس کی آنکھیں خوفناک انداز میں ٹائیگر پر جمی ہوئی تھیں۔ اُس کا لہجہ بھی بہت سرد اور بہت خوفناک تھا۔ "ہر دَور میں ایک شیطنک زندہ رہا ہے اور ہم جیسے لوگ بے حُرمتی کرنے والوں کی سازشوں سے اُس کا دفاع کرتے رہے ہیں۔ بھلا ایسا کون ہے جو ہمارے دیوتا کی بے حُرمتی کرے اور زندہ رہ جائے۔" ریڈ نگٹن کے لہجے میں ظالم پروہتوں جیسی لرزہ خیز کاٹ تھی۔

ٹائیگر کے دماغ میں بجلی سی کوند گئی۔

ریڈ نگٹن بے نقاب ہو رہا تھا۔

"کیا تم وہی شخص ہو جو کانگریس مین کے دفتر کے سامنے پہرہ دے رہا تھا ریڈ نگٹن؟"

"ہاں... اُوہ بڑے فخر سے بولا۔" اور اُس کے سینے سے دل بھی میں نے اپنے ہاتھوں سے نکالا تھا۔"

"مجھے پہلے ہی شُبہ تھا۔ کڑے پہرے اور تجربے کار گارڈ کی موجودگی میں جو اہم عہدے پر بھی فائز ہو... کانگریس مین کا قتل ممکن نہ تھا۔"

"اور اب تمہارا نمبر ہے۔ تمہاری باری ہے۔" ریڈ نگٹن نے خوفناک انداز میں ریوالور ہلاتے ہوئے کہا۔

"میں نے جو کچھ کیا وہ نکسن کے حکم پر کیا۔" ٹائیگر اپنی ذاتی وضاحت اِس طرح پیش کرنے لگا جیسے وہ ریڈ نگٹن سے بہت خوف زدہ ہو۔

"یہ عُذر قبول نہیں کیا جا سکتا۔ نکسن کا اِس سے کوئی تعلق ہو ہی نہیں سکتا۔"

"بوبی کینیڈی نے کہا تھا۔"

"جھوٹ۔"

"جیکی کینیڈی۔ بے ایڈورڈ ہاوورنے۔"

"نہیں۔ یہ محض بہانے بنا رہے ہو۔" ریڈ نگٹن کا چہرہ سُرخ ہونے لگا تھا۔

"تب پھر بعد میں مجھ سے کوئی شکایت نہ کرنا۔ میں نے تمہیں ٹالنے کی ہر ممکن کوشش کر ڈالی ہے۔"

ریڈ نگٹن ایک اور قدم پیچھے ہٹ گیا۔

"گولی مارتے کیوں نہیں۔ اِس جنونی کو گولی مارو۔" وُلاری اب بھی ریڈ نگٹن کو للکار رہی تھی۔

ریڈ نگٹن نے پیشہ ورانہ انداز میں ریوالور اپنے دائیں پہلو کے قریب کر کے ٹائیگر کی طرف تان لیا۔ یہ طریقہ محکمۂ انصاف میں خاص طور سے سکھایا جاتا تھا تاکہ مخالف ہاتھ بڑھا کر یا لات مار کر ہتھیار نہ چھین سکے۔

لیکن... محکمۂ انصاف والوں کو اِس اَبدی اُصول کا علم نہ تھا کہ ہر عمل کا ردِعمل، ردِعمل کا ردِعمل۔ ہر طریقہ کا توڑ اور ہر توڑ کا توڑ ہوتا ہے۔ لہٰذا جب ٹائیگر لپک کر ریڈ نگٹن کے بائیں پہلو کی طرف آیا تو ریڈ نگٹن فائر نہ کر سکا کیونکہ اُس کا اپنا پہلو راہ میں حائل ہو گیا تھا۔ وہ پھرتی سے بائیں طرف گھومتا تاکہ ٹائیگر کے گولی لگ سکے لیکن جونہی وہ بائیں طرف پلٹا۔ ٹائیگر وہاں نہیں تھا۔ ریڈ نگٹن بوکھلا کر پلٹا۔ اِس مرتبہ ٹائیگر اُس کے سامنے تھا لیکن ریڈ نگٹن کو اپنی اِس دریافت پر جشن منانے کا موقع نہیں مل سکا کیونکہ ریوالور جو اب بھی اُس کے دائیں پہلو سے چپکا ہوا تھا۔ پہلو سے لگا گا اُوپر اُٹھا۔ ریڈ نگٹن کی دائیں کُہنی پر دباؤ پڑا۔ ریوالور پسلیوں کے نیچے تک آیا۔ دباؤ اور بڑھا اور پھر ریوالور نال سمیت اُس کے گُردے میں گھس گیا۔

ریڈ نگٹن گر گیا۔ اُس کے چہرے پر غیظ و غضب کے تاثرات اب بھی موجود تھے۔

"قاتل قاتل..." وُلاری ہسٹیریائی انداز میں زور، زور سے چلّانے لگی۔

"یکومت۔ تم کو بھی سزا دُوں گا۔" ٹائیگر نے غرّا کر کہا۔ اور پھر ریڈ نگٹن کو دیکھ کر سر ہلانے لگا۔ وہ ریوالور کی نال جس جگہ پوری کی پوری رکھنا چاہتا تھا۔ وہ جگہ اب دستے میں پھنسی ہوئی تھی مطلب واضح تھا۔ نال پوری کی پوری اندر گھس گئی تھی۔

بوبی نے سرسرے انداز سے ریڈ نگٹن کو دیکھا اور پھر ہلکے پھلکے انداز میں کہا۔ "جو کرنا ہے جلدی کرو۔ اِس سے بھی نجات حاصل کر کے باہر چلو۔ ایسٹ سائیڈ میں ایک ٹینس کورٹ رات بھر کُھلا رہتا ہے۔ میں سخت فرش پر کھیلنے کی عادی نہیں ہوں۔ گھاس پر بھی لُطف نہیں آتا کیونکہ اُس میں باؤنس کم ہو جاتا ہے۔"

"میں ٹینس نہیں کھیلتا۔" ٹائیگر نے پُر تاسّف انداز میں ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔

"اوہ... بدتمیز۔ کاش یہ شخص تمہیں قتل کر ہی دیتا۔" بوبی کو اچانک ہی غصہ آگیا۔

"اب تم دونوں چُپ رہو گی۔ میں کچھ سوچنا چاہتا ہوں..."

ٹائیگر نے سخت لہجے میں کہا تھا۔

"لیکن جو بھی سوچنا۔ وہ اچھا اور نیک ہونا چاہیے۔" وُلاری نے منمناتے ہوئے ہونٹ ہلائے تھے۔

"ٹینس کھیلنے کے بارے میں غور کرو۔"

ٹائیگر کو اپنا بچپن یاد آگیا۔ اُن دنوں کا زمانہ یاد آگیا جب وہ بے یار و مددگار سڑک پر ایک اچھے یتیم خانے کے اسکول میں داخل تھا۔ ایک روز بوائے اسکاؤٹ کا مشنیر یتیم خانے کے اسکول میں آیا تھا تاکہ اسکول میں اسکاؤٹس کا دستہ تشکیل دیا جا سکے۔ اسکول میں داخل تمام لڑکوں کی عمریں بارہ سال سے زیادہ تھیں۔ اُن میں وہ خود بھی شامل تھا اُسے بھی کیمپ فائر میں حصّہ لینا پڑا تھا کیونکہ اُستانی اور پرنسپل کی طرف سے اُس کی ٹھولیت کے لیے خاص طور سے احکام آئے تھے لیکن تربیت کا یہ سلسلہ اُس وقت ختم ہو گیا۔ جب اسکول کے منتظمین کو یہ علم ہوا کہ اسکاؤٹ ماسٹر لڑکوں کو یہ سکھا رہا ہے کہ اسٹیل اور فلنٹ سے کس طرح آگ لگائی جا سکتی ہے۔ ٹائیگر ہر حال یہ طریقہ نہیں سیکھ سکا کیونکہ وہ کبھی بھی لڑکے کے کمرے سے فلنٹ چوری نہ کر سکا تھا۔ تاہم اُس نے ناٹس باندھنا سیکھ لی تھیں۔ وہ ہر قسم کی گرہ لگانے میں جلد ہی مہارت حاصل کر چکا تھا۔ اُسے ذاتی طور پر باؤلینس ناٹ پسند تھی۔ یہ گرہ دراصل دو مختلف رسّیوں کی موٹائی کو آپس میں باندھنے کے کام آتی تھی اور جب ٹائیگر نے بوبی اور وُلاری کو مضبوط پردوں کی ناٹ میں جکڑا تو اُسے بہت مسرت ہوئی۔

"ہم مدد کے لیے شور مچا دیں گے۔" وُلاری نے دھمکی دی۔

"ضرور... اور پھر میں تمہارے مُنہ پر بھی سٹرکی کمال

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

منڈھ دُوں گا؟"

وُلاری نے پھر کچھ کہنے کی کوشش کی مگر اس بار ٹائیگر نے واقعی ایک ریشمی پردہ اُٹھا کر اُس کے مُنہ پر لپیٹ دیا۔

"اور تم؟" وہ بوبی کی طرف دیکھ کر بولا۔

"میں تو خاموش رہنا ہی بہتر سمجھتی ہُوں۔" بوبی نے مُسکرا کر جواب دیا۔

"گڈ..." ٹائیگر بھی مُسکرانے لگا۔ "بات یہ ہے کہ بُوڑھا اندر سو رہا ہے۔ اور اگر وہ اپنی مرضی کے خلاف قبل از وقت بیدار ہو گیا تو ایسی شامت آئے گی کہ تم گیم، سیٹ اور میچ بوائنٹ سب ہار جاؤ گی، بوبی۔"

"میں سمجھتی ہُوں۔" بوبی نے اُسے یقین دلایا۔ اُس نے کچھ اور بھی کہا لیکن اب ٹائیگر اُس کی بات نہیں سُن رہا تھا اُس نے ریڈ گنمین کو اُلاسکا بھیجنے کی تیاری شروع کر دی۔

وہ صندوق لے کر نکلا تو اُسے یہ سوچ سوچ کر خوشی محسوس ہو رہی تھی کہ وہ ناٹ باند صنا اب تک نہیں بھُولا۔ صندوق کی بکنگ کے بعد وہ خوشی کے یہی جذبے محسوس کرتا ہُوا واپس آیا اور جب کمرے میں داخل ہُوا تو بوبی غائب تھی۔

اُسے اِغوا کر لیا گیا تھا۔

اوشان کمرے کے وسط میں بیٹھا ہُوا ٹیلی وژن دیکھ رہا تھا جبکہ وُلاری ایک کونے میں دبکی ہُوئی تھی۔

"بوبی کہاں ہے؟" ٹائیگر نے پُوچھا۔

"گرمی گرمز... غز..." وُلاری نے کچھ کہا مگر مُنہ پر پردہ بندھا ہُوا ہونے کے باعث اُس کی انگریزی کسی خیالی مخلوق کی زبان میں بدل گئی۔

"شٹ اَپ۔ اوشان! بوبی کہاں ہے؟" ٹائیگر نے وُلاری کو ڈانٹ کر اوشان سے پُوچھا۔

اوشان نے کوئی جواب نہ دیا بلکہ ہاتھ اُٹھا کر اِس طرح ہلایا جیسے کہہ رہا ہو کہ جہنم میں گئی۔

ٹائیگر لے بڑی بے بسی سے اوشان کو دیکھا اور پھر کسی قدر ہچکچاتے ہُوئے وُلاری کی بندشیں کھولنے لگا۔

بندشیں کھُلتے ہی وُلاری چلّانے لگی۔ "اِسی نے کیا ہے۔ اِسی نے کیا ہے؟" وہ اوشان کی طرف اشارہ کر رہی تھی۔

"کشش... بکشش..." اوشان نے خبردار کیا۔

"شٹ اَپ۔" ٹائیگر نے وُلاری کو پھر ڈانٹ پلائی۔

"بوبی کہاں ہے؟"

"تین آدمی جو زرد وردیوں والی قمیصیں پہنے ہُوئے تھے۔ یہاں آئے تھے۔" وُلاری نے ہکلاتے ہُوئے کہا۔ "اُس وقت میرا مُنہ ذرا سا کھلا ہُوا تھا۔ میں نے اُنھیں بجھانے کی کوشش کی۔ لیکن اِس بُوڑھے نے میرے مُنہ پر پردے سے ایک اور ناٹ لگا دی۔ مُوں..." وہ اوشان کو دیکھ کر چلّائی۔

اُسی لمحے ٹی۔ وی پر ایک اشتہار دکھایا جانے لگا۔ لہٰذا ٹائیگر کو اشتہار کے خاتمے تک خاموش رہنا پڑا۔ اشتہار کے ختم ہوتے ہی وہ بول پڑا۔ "بل فادر! کیا آپ نے اُنھیں بوبی کو لے جاتے ہُوئے دیکھا تھا؟"

"اگر تم یہ پُوچھنا چاہتے ہو کہ کیا میں غیر ضروری اور غیر معقول شور سُن کر اپنی چند لمحوں کی نیند بھی پُوری نہ کر سکا تو میرا جواب اثبات میں ہے۔ اور اگر تم یہ پُوچھنا چاہتے ہو کہ جب میں اِس کمرے میں آیا تو اِس لڑکی کا گستاخ مُنہ کھلا ہُوا تھا اور یہ اپنی مکروہ آواز میں مجھے گالیاں دے رہی تھی تو میرا جواب اثبات میں ہے اور اگر تم یہ پُوچھنا چاہتے ہو کہ..."

"میں یہ پُوچھنا چاہتا ہُوں کہ کیا آپ نے اُن تین افراد کو دیکھا تھا جو لڑکی کو لے گئے ہیں؟"

"اگر تم یہ پُوچھنا چاہتے ہو کہ کیا میں نے اُن تین افراد کو دیکھا تھا جو بچوں کے کارٹون پروگرام میں نظر آنے والے پرندوں کی طرح لگتے ہیں تو میرا جواب اثبات میں ہے۔ میں اُنھیں دیکھ کر خوب ہنسا۔ وہ واقعی بچوں کے پسندیدہ کارٹون لگ رہے تھے۔"

"اور آپ نے اُنھیں جانے دیا؟"

"یہ لڑکی بہت شور مچا رہی تھی لہٰذا میں نے سوچا کہ اگر ایک لڑکی ہی اتنا شور مچا رہی ہے تو دوسری کو جانے دُوں۔ اگر وہ مجھ سے وعدہ کر لے کہ اِسے بھی لے جانے کے لیے واپس آئیں گے تو میں اِسے دُودھ کی خالی بوتل کی طرح چوکھٹ کے باہر پھینک دُوں۔"

"بل فادر!" ٹائیگر نے ہاتھ ملتے ہُوئے کہا۔ "میں اُنہی لوگوں کی تلاش میں ہُوں۔ میں نے اِن لڑکوں کو اِسی اُمید پر یہاں رکھا تھا کہ وہ ضرور آئیں گے۔"

"میں تمھارے پہلے جملے میں تصحیح کرنا چاہتا ہُوں۔ اُن کی تلاش تمھیں تھی جبکہ میں اُن کو دیکھنے سے بھی گریز کرنا چاہتا تھا۔"

"اب وہ اُس لڑکی کو قتل کر دیں گے۔"

"کوئی بات نہیں۔ دُنیا میں تینس کے کھلاڑیوں کی کوئی

کمی نہیں ہوگی۔" اوشان نے دونوں ہاتھ گود میں رکھ کر جواب دیا۔

"وہ اُس کا دل نکالیں گے۔"

"احمق ہیں وہ اگر ایسا کریں گے۔ اُنھیں اُس کی زبان ہی اکھاڑ لینا چاہیے۔"

"ہاں۔ ہنسو۔ مذاق اُڑاؤ۔ لُطف لو۔" وُلاری چلّانے لگی۔ اُس کی حالت بڑی عجیب ہو رہی تھی۔ "بُوڑھے، خبیث!"

"یہ کس کے بارے میں کہہ رہی ہے؟" اوشان نے ٹائیگر سے دریافت کیا۔

"اِسے نظر انداز کر دیں۔"

"میں نے اِسے نظر انداز کرنے کی پہلے بھی کوشش کی تھی۔ میں نے کمرے سے یہاں آ کر اُس کے مُنہ کی بندش کھول تھی اور اِس سے ثابت ہوتا ہے کہ ماسٹر بھی غلطی کر سکتا ہے۔ اِس نے چیخنا چلّانا شروع کر دیا تو میں نے پھر مُنہ پر کپڑا ڈال دیا۔"

"اور آپ نے اُن تینوں شتر مرغوں کو بوبی سمیت جانے دیا۔"

"ہاں! میں تینس کے بارے میں گفتگو کرتے کرتے تھک چُکا تھا۔ اِنتہائی احمقانہ کھیل ہے۔"

اُسی لمحے ایک اور اچھا اشتہار ٹی۔ وی پر دکھایا جانے لگا تو اوشان نے فوراً چہرہ ٹی۔ وی کی طرف کر لیا۔

"وُلاری..." ٹائیگر نے حکمت عملی بدلتے ہُوئے انتہائی نرم لہجے میں لڑکی کو مخاطب کیا۔ "کیا تم نے اپنے آنٹرپن کے باوجود اُن غنڈوں کے درمیان ہونے والی گفتگو سُنی تھی؟" ٹائیگر کو اگرچہ یقین تھا کہ گلاری اِس دوران کسی کی سُننے کے بجائے اپنی سُناتی رہی ہوگی۔ محض ایک موہوم سی اُمید پر یہ سوال پُوچھا تھا۔

"ہاں! میں نے ایک ایک لفظ سُنا تھا۔ جنونی قاتل!" وُلاری نے آخر میں پھر نفرت کا اظہار کیا تھا۔

"بتاؤ گی..." اُنھوں نے کیا کہا تھا؟" ٹائیگر نے بدستور نرم انداز برقرار رکھا ہُوا تھا۔

"سب سے دراز قد شخص..."

"کیا تم نے اُن میں سے کسی کو پہلے بھی دیکھا تھا؟"

"انتہائی احمقانہ سوال ہے۔" وُلاری نے کہا۔ "نیویارک میں زرد وردیوں والی قمیصیں پہننے والے لوگ کتنے نظر آتے ہیں؟"

"اِس سال، گزشتہ سال کے مقابلے میں زیادہ نظر آ رہے ہیں۔" ٹائیگر نے مُسکرا کر جواب دیا۔ "تمھیں علم ہونا چاہیے کہ جب یہ لوگ پیدا ہوتے ہیں تو اُن کے پَر نہیں ہوتے۔ اِن پَروں کے نیچے انسانوں جیسے جسم ہوتے ہیں۔ کیا تم اُن میں سے کسی کو پہچانتی ہو؟"

"نہیں..."

"چلو ٹھیک ہے۔ ہاں تو وہ کیا کہہ رہے تھے؟"

"سب سے بڑے آدمی نے کہا۔ مِس ڈیلفن۔" تو بوبی نے سر ہلا دیا۔ "اُس نے پھر پُوچھا کیا آپ ہمارے ساتھ چل رہی ہیں؟"

"پھر کیا ہُوا؟"

"پھر اُنھوں نے بوبی کی بندشیں کھولیں اور..."

"اِس دوران بوبی نے کیا کہا؟"

"کچھ بھی نہیں۔"

"میں شرط لگا سکتا ہُوں کہ اُس نے کچھ نہ کچھ ضرور کہا ہوگا۔ یاد کرو وُلاری۔"

"مجھے سب یاد ہے۔ اُنھوں نے بوبی کے ہاتھ تھامے اور کمرے سے نکل گئے اور یہ..." وُلاری نے دانت پیس کر اوشان کی طرف اشارہ کیا۔ "یہ بیڈ رُوم سے آیا۔ اِس نے اُنھیں دیکھا، اور اُنھیں روکنے ٹوکنے کے بجائے ٹیلی وژن کھول کر بیٹھ گیا... وہ چلے گئے تو میں نے اِس کی توجہ اپنی طرف مبذول کرانے کی کوشش کی۔ اِس نے مُنہ کی بندش کھول دی لیکن جب میں نے اِسے بتایا کہ بوبی کو اغوا کر لیا گیا ہے تو اِس نے زیادہ سختی سے میرا مُنہ بند کر دیا۔"

"بڑا کمال کیا... تو تمھیں یہ بھی اندازہ نہیں کہ وہ کہاں گئے ہیں؟" ٹائیگر نے پُوچھا۔

"نہیں... اب تو مجھے کھول دو۔"

"مجھے نیند آ رہی ہے۔" ٹائیگر نے کہا۔ وہ وُلاری کو کھولنا نہیں چاہتا تھا۔

"وہ لوگ..." اوشان نے اسکرین سے نظریں ہٹائے بغیر کہا۔ "کسی مقام اینجل ووڈ کے کسی ایج ماؤنٹ مینشن سے آئے ہیں۔"

"اوہ..." ٹائیگر نے سکون کی سانس لی۔ "آپ کو کیسے پتا چل گیا؟" وہ مزید گُرید نا چاہتا تھا۔

"میں نے اُنھیں اِس قسم کی باتیں کرتے ہُوئے سُنا تھا۔ اب خاموش رہنا۔ ذرا سا شرمسار ہونے والا ہے۔"

"اینجل ووڈ تو نیو جرسی میں ہے۔" ٹائیگر نے کہا۔

"تب پھر وہیں ہوگا بشرطیکہ اینجل ووڈ کو اُٹھا کر کہیں اور نہ لے جایا گیا ہو۔" اوشان نے دُرشت انداز میں کہا۔ "اور اب خاموش رہنا۔"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"آپ میرے ساتھ چلیں گے" ٹائیگر نے فیصلہ کُن لہجے میں اعلان کیا۔

"مجھے حکم دے کر دیکھو"

"آپ نہیں گے کیونکہ سارا کیا دھرا آپ کا ہی ہے نِل فاور" ٹائیگر بھی اڑ گیا تھا۔ وہ ٹیلی فون کی طرف بڑھا۔ اُس نے بہرام کے پرائیوٹ نمبر پر کال کی مگر وہاں سے تیز سیٹی کی جو آواز سُنائی دی اُس کا مطلب یہ تھا کہ اُس نے نمبر غلط ڈائل کیا ہے۔ اُس نے مزید دو کوششیں کر کے اندازہ لگایا کہ بہرام کا یہ نمبر کٹ چُکا ہے۔

محض ایک موہوم سی اُمید پر اُس نے وہ پرائیوٹ نمبر ملایا۔ جس کا بزر بہرام کے کمرے کے باہر پرائیوٹ سیکریٹری کی ڈیسک پر بجتا تھا۔ آٹھ مرتبہ گھنٹی بجی اور نویں مرتبہ گھنٹی مکمل ہونے سے قبل ہی ریسیور اُٹھا لیا گیا۔ اُسے بہرام کی مانوس سی آواز سنائی دی۔ "ہیلو"

"چیف! آپ کیسے ہیں؟"

"ٹائیگر۔۔۔؟" بہرام کے لہجے میں عجیب سی بے چینی تھی تاہم اُس لمحے ٹائیگر نے کن انکھیوں سے وُلاری کی طرف دیکھا جو بنوٹ کی طرف دیکھ رہی تھی۔ "ایک منٹ ہولڈ کرنا دوست" اُس نے ریسیور رکھ کر وُلاری کو اُٹھایا۔

"یہ کیا کر رہے ہو مردود" وہ چلائے بغیر بولی۔

"بکو مت" ٹائیگر نے اُسے کپڑوں والی الماری میں ٹھونس کر پنٹ بند کر دیا۔ اندر سے دروازہ پیٹنے کے ساتھ ساتھ گالیوں کی آوازیں بھی آ رہی تھیں مگر الماری کی لکڑی اتنا موٹا تھا کہ یہ آوازیں گھٹی گھٹی سی تھیں۔

ٹائیگر نے مطمئن انداز میں سر ہلا کر ریسیور اُٹھا لیا۔

"یس چیف، سوری"

"کوئی خاص رپورٹ؟"

"سوئیٹ ہارٹ۔ کبھی تو کوئی میٹھی بات کر لیا کریں"

"تم کیسے ہو ٹائیگر؟" دوسری طرف۔ بہرام یقیناً مسکرایا تھا۔

"کیا حال چال ہیں۔ موسم کیسا ہے؟"

"بس۔ میں آپ سے بات بھی کرنا نہیں چاہتا"

"ٹھیک ہے، رپورٹ؟"

"ہاں۔ لڑکی بوبی ڈیلٹن کو انڈینیز نے اغوا کر لیا ہے"

"یہ اغوا کہاں سے ہوا؟"

"میرے ہوٹل کے کمرے سے"

"اور تم نے اُسے اغوا ہونے دیا؟" بہرام کا لہجہ اچانک ہی رُوکھا ہو گیا تھا۔

"میں اُس وقت موجود نہیں تھا"

"اوشن کہاں تھا؟"

"وہ کمرے میں ہی تھا لیکن اُس وقت ٹیلی ویژن آن کرنے میں مصروف ہونے کے باعث کوئی دوسرا کام کرنا اُس کے لیے ممکن نہیں تھا چیف" ٹائیگر نے جواب دیا۔

"شاندار" بہرام کا لہجہ رُوکھا تھا۔ "ہم مصیبت میں پھنسے ہوئے ہیں۔ تم کمرے میں نہیں تھے اور وہ فی۔ وی دیکھ رہا تھا۔ بہت خوب ٹائیگر، بہت خوب"

"جی ہاں، لیکن آپ فکر نہ کریں۔ پُرسکون رہیں۔ اِس واردات سے بہرحال ہمیں آگے بڑھنے کے لیے ایک موقع ملا ہے۔ بہت بہترین سُراغ ملا ہے۔ اس بارے میں فی الوقت آپ کو مطلع کرنے کی ضرورت نہیں"

"ناؤ اور نیور" بہرام نے غیر متوقع طور پر ہنس کر کہا۔

"کیا مطلب؟" ٹائیگر اس غیر معمولی ہنسی پر چونک پڑا۔

"میں نے اِس عمارت سے تمام آثار کا خاتمہ کرنے کا کام تقریباً مکمل کر لیا ہے۔ اِردگرد بے شمار وفاقی ایجنٹس گھوم رہے ہیں اور نازک پوزیشن کے باعث ہم اپنا کاروبار فی الحال سمیٹ رہے ہیں"

"پھر آپ سے رابطہ کہاں ہو گا؟"

"میں اپنی خادمہ کے ساتھ تعطیلات گزارنے کے لیے جا رہا ہوں۔ ہم نے مائن میں سُوبو موک پہاڑ کے قریب ایک پُرسکون جگہ تلاش کر لی ہے۔ وہاں کا نمبر نوٹ کر لو"

ٹائیگر نے نمبر ذہن نشین کر لیا۔ اُسے علم تھا کہ بہرام کی خادمہ واقعی وہ عورت ہو گی جو بیس پچیس سال سے اُس کے ساتھ ہے اور کبھی کسی کے سامنے نہیں آئی۔ ٹائیگر بھی اُس عورت کو کبھی نہیں دیکھ سکا تھا۔ ایک بار بہرام کی بیوہ بہن سے اُس کی ملاقات ضرور ہوئی تھی۔

"نمبر لکھ لیا؟"

"جی ہاں" ٹائیگر نے میز کی طرف دیکھا جس کی وارنش پر لاشعوری طور سے اُس نے ناخن کے ذریعے نمبر لکھا تھا۔

"آپ وہاں کب تک رہیں گے؟" ٹائیگر نے ایک لمحے تک خاموش رہنے کے بعد پوچھا۔

"پتا نہیں۔ حالات اگر پوری طرح خراب ہو گئے تو شاید مستقل قیام بھی وہیں ہو"

"رُدبل کا کیا ہو گا؟"

"وہ فردوس جا چکی ہے۔ اُس کے لیے خاص ہدایات تھیں جو اُسے پہنچ چکی ہیں"

بہرام آہستہ آہستہ پُرسکون لہجے میں بولتا رہا لیکن اُس کا ہر لفظ ٹائیگر کے دل کو کچوکے لگاتا رہا۔ وہاں مستقل قیام کا مفہوم بہت واضح تھا۔ چارہ گری تباہی کی صورت میں وہاں مستقل قیام کا دوسرا مفہوم یہی تھا کہ مُردہ لوگ کہیں آتے جاتے نہیں۔

"یہ آوازیں کیسی آ رہی ہیں ٹائیگر؟" بہرام نے ٹائیگر کو جذباتی ہوتے دیکھ کر موضوع بدل دیا۔ اب وُلاری کی چیخ و پکار اِس تک بھی پہنچ رہی تھی۔

"یہ مُنہ زور وُلاری ہے۔ فی الحال الماری میں بند ہے لیکن اُس کے بارے میں آپ فکرمند نہ ہوں"

"کیا یہ وہی عورت ہے جس سے تم میوزیم میں ملے تھے؟"

"جی ہاں لیکن اُس کے چہرے پر اُن گنت جھُرّیاں"

"میں بھی زیادہ ہونے والا ہوں" بہرام نے اُس کی بات کاٹ دی۔ "ٹائیگر خوب دل بھر کر تفریح اور آرام کریں۔ اِسکائنگ کرنا بھی تو میرے خیال میں ایک بہترین گائیڈ بک ہے"

"وہ تو ہے"

"بالکل۔ اِس نمبر محدود صلاحیتوں کا بھی ذکر ہے اِس میں مصنف کی حیرت انگیز ذہانت اور حوصلے پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ اِس میں گھٹیا سیاست اور ذہانت کی نقاب کشائی کی گئی ہے"

"میں سوبو موک جا رہا ہوں۔ کیا وہاں بھی اسکائنگ کے بہترین مواقع ہیں؟" بہرام نے پوچھا۔

"پتا نہیں۔ کتاب میں اِس قسم کے موضوع پر کوئی باب نہیں ہے" ٹائیگر نے جواب دیا۔

ریسیور رکھنے کے بعد ٹائیگر نے وُلاری کو الماری سے نکال کر اچھی طرح سمجھانے اور اپنی راہ منتخب کرنے پر آمادہ کرنے کی کوشش کی۔

"تمہارے پاس دو راستے ہیں۔ پہلا یہ کہ میرے ساتھ ایج ماؤنٹ مینشن چلو یا پھر یہیں بند بھی پڑی رہو۔ میں تمہارے ساتھ ایک رعایت کر سکتا ہوں۔ وہ یہ کہ اگر تم نہ دیکھنے کا وعدہ کرو تو میں تمہیں چھوڑ بھی سکتا ہوں"

وُلاری جو ٹائیگر سے سخت نفرت کرتی تھی۔ جو گالی کے بغیر اُسے مخاطب نہیں کرتی تھی، مسکرائی اور پھر ہنسنے لگی۔ اُس نے اُن کے ساتھ جانے کا فیصلہ کیا۔ شاید وہ یہ سوچ رہی تھی کہ کسی الماری سے نکل کر بھاگنے کا امکان کم ہے جبکہ اُن کے ساتھ باہر نکل کر گھومنے پھرنے میں فرار کا امکان زیادہ ہے۔

وہ کہیں بھی کسی بھی سڑک پر سپاہی کو دیکھ کر شور مچا سکتی تھی۔

●

جین لوئس ایک لمبے فلیٹ میں سگریٹ پی رہا تھا۔ کھڑکیوں پر ریشمی اور باریک پردے سرسرا رہے تھے۔ اُس نے سُرخ اینٹوں والے مینشن کی اُن کھڑکیوں سے باہر دیکھا۔ وہ تیسری منزل پر تھا۔ عمارت اور سڑک کے درمیان ایک سرسبز میدان نظر آ رہا تھا۔

انکل کارل ہمیشہ کی طرح یہاں بھی۔ جین لوئس ڈی جون کی اُونچی سُرخ چمڑے والی کُرسی کے قریب کھڑا ہُوا اپنے شہنشاہ کو بغور دیکھ رہا تھا۔

"ریڈ نگٹن کے انجام پر مجھے بہت دُکھ ہُوا" انکل کارل نے بہت دیر بعد خاموشی توڑی۔

"ہاں لیکن جو کچھ ہُوا وہ غیر متوقع نہیں تھا" جین لوئس نے کندھے اُچکا کر جواب دیا۔ "اُس نے تہمت کی ادائیگی کی کوشش کی۔ یہ اِس واقعے کا مثبت پہلو ہے۔ آج ہم پھر کوشش کریں گے۔ ہمیں اُن میں سے کسی ایک کی ضرورت ہے پھر اُس سے اُس کی تنظیم کے بارے میں اُگلوانا مشکل نہ ہو گا۔ کیا اُن کے کمروں پر نگرانی کے لیے لوگ موجود ہیں؟"

"یس جین لوئس" انکل کارل نے جواب دیا۔ "جونہی وہ وہاں سے نکلیں گے۔ ہمارے آدمی اُن کے کمروں کو کھنگال ڈالیں گے اگر کوئی مفید بات معلوم ہوئی تو وہ فوراً ہی رپورٹ کریں گے"

"گڈ۔۔۔ پیرس میں موجود کمپیوٹر امریکی کمپیوٹر سسٹم کی گتھیاں سُلجھانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اگر اِس خفیہ تنظیم کا تعلق کسی کمپیوٹر سسٹم سے بھی ہے تو پھر ہمارے اپنے کمپیوٹر اِس کا حل وقوع بتا دیں گے" یہ کہہ کر جین لوئس نے انکل کارل کو مسکرا کر دیکھا اور بڑے ہی خوشگوار لہجے میں کہا۔ "اِن حالات میں محض تفریح کے علاوہ اور کوئی کام باقی نہیں ہے انکل کارل"

چند لمحے بعد جین لوئس نے فلیٹ کا بٹن دبا کر سگریٹ فرش پر ہی ڈال دی اور خود جھک کر کھلی کھڑکی سے جھانکنے لگا۔

تین منزل نیچے بارہ بارہ فٹ بلند باڑھیں ایک دوسرے سے اِس طرح گزر رہی تھیں کہ بیوٹری کی ایک مشکل ترین شکل

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

بن گئی تھی۔ یہ شکل تقریباً ایک ایکڑ پر پھیلی ہوئی تھی۔

اِس عمارت کو بنوانے والا ایکٹ جینسن ایچ ماؤنٹ بیسویں عشرے میں محض کیمل کُو اور لطیفوں کے ذریعے کما کر یہ شاندار عمارت تعمیر کرائی تھی۔ اُس نے کھیلوں کا سامان اُس وقت بنایا جب کوئی بھی یہ خطرہ مول لینے کو تیار نہ تھا۔ جب چھبیس سال کا ہُوا تو معاشرے کی اصطلاح میں "امیر" بن چُکا تھا۔ تیس سال کی عُمر میں وہ امریکا کا پزل ماسٹر کہلانے لگا تھا۔ ہر پزل پر ایچ ماؤنٹ کا خاص نشان بنا ہوتا تھا۔ یہ نشان انگریزی حرف 'E' تھا جو ہیوپٹری کی اسی شکل کے اُوپر کندہ تھا جو سینٹن کے باہر میدان میں نظر آرہی تھی۔ عمارت بنواتے وقت اُس نے اپنے مونوگرام کی شکل کو ایک ایکڑ پر پھیلا دیا تھا۔

اخبارات نے اُس زمانے میں اُس خوبصورت باڑھ کے بارے میں بہت کچھ لکھا لیکن کوئی منفی بات اُس وقت تک سامنے نہیں آئی جب تک ۱۹۴۰ء میں دو مہمانوں نے باڑھ نما بھول بھلیوں میں گھومتے ہُوئے ایک ہی لڑکی کو پسند کیا اور پھر "بلکیت" کے جھگڑے پر ایک شخص وہیں قتل ہوگیا۔

اِس اسکینڈل کو دبانے کی کوششیں ناکام ہوگئیں اور ایسے بہت سے اداروں نے جو بے خُدا گروہوں سے عاجز تھے۔ ایچ ماؤنٹ کی پروڈکٹس کا بائیکاٹ کرنے کی اپیل کر دی۔ ویسے بھی ہوم گیمز بزنس امریکا میں پنپنے والے نت نئے کھلونوں اور ٹی۔ وی کی وجہ سے مائل بہ تنزل تھا۔ ایچ ماؤنٹ نے اِس صُورتِ حال کے پیشِ نظر کاروبار فروخت کر کے یورپ کی راہ لی جہاں بقول ایچ ماؤنٹ لوگ زیادہ فراخدل تھے۔ تاہم ۱۹۶۰ء کی دہائی میں وہ ایک پندرہ سالہ لڑکی سے کھیلتے ہُوئے دل کا دورہ پڑنے سے مر گیا۔

لڑکی نے پولیس کو جو بیان دیا اُس میں اُس نے کہا کہ متوفی نے دم توڑنے سے قبل کچھ کہا تھا۔ کیا کہا تھا؟ وہ یہ بات سُن نہ سکی۔ ویسے اگر لڑکی نے سُنا بھی ہوتا تو وہ اُسے دُہرا نہیں سکتی تھی کیونکہ ایچ ماؤنٹ نے مرنے سے قبل ایکٹنگ کا خفیہ نام لیا تھا۔

ایچ ماؤنٹ بھی ایکٹیٹالی تھا۔

اُس کی جبکیت۔ اور اثاثوں کا بٹوارہ ہُوا تو یہ عمارت اُس کارپوریشن کے حصّے میں آئی جس کا قبیلہ چلا تھا۔

باڑھ کو دیکھنے کی اجازت صرف اُن لوگوں کو ملتی تھی جو اُس کو دُرست کرنے آتے تھے۔ یہی حال عمارت کا تھا۔ صرف مرمت کرنے والے کاریگر ہی اُس میں داخل ہو سکتے تھے۔ اِسی عمارت میں ایکٹیٹالیوں کا اجتماع بھی ہُوا کرتا تھا۔

آج میدان میں کوئی مزدور نہیں تھا۔ جین لوئس کی نظریں باڑھ پر مرتکز تھیں اور وہ مطمئن انداز میں مُسکرا رہا تھا۔

سب کچھ اطمینان بخش طریقے پر ہو رہا تھا۔

جُونہی ایک نیلی فورڈ گاڑی عمارت سے دو سو گز دُور نظر آنے والے بلند و بالا آہنی گیٹ کے سامنے رُکی تو جین لوئس نے دُوربین اُٹھالی۔

اِس گاڑی سے اوشان، ٹائیگر اور فُلاری اتر رہے تھے۔

"ہُنہ..." جین لوئس نے سر کو جھٹکا دیا۔ "یہ لوگ زیادہ متاثر کرنے والے تو نہیں لیکن نوجوان کی کلائیاں بہرحال غیر معمولی ہیں۔"

اُسے اُن دونوں میں غیر معمولی جسمانی طاقت بھی نظر آئی۔ تاہم اُسے یاد تھا کہ اِسی نوجوان نے ایکٹیٹالیوں کے چند بہترین افراد کو اِس طرح کاٹ پھینکا ہے جیسے بلیڈ مکھن سے گزر جاتا ہے۔

دروازہ نہ صرف مقفل تھا بلکہ جین لوئس کے حکم پر اُس میں ایک بھاری زنجیر کا بھی اضافہ کر دیا گیا تھا تاکہ قفل کُھل جانے کے باوجود گیٹ نہ کُھل سکے۔

لیکن اچانک ہی جین لوئس کے دل کی دھڑکنیں تیز ہوگئیں۔ وہ بھاری زنجیر بُوڑھے نے اِس طرح کھینچ کر ایک طرف ڈال دی تھی، جیسے کوئی کپڑا کھینچا جاتا ہے۔ قفل بھی ہاتھ لگتے ہی کُھل گیا تھا۔

اُس نے اُن تینوں کو بارہ فُٹ بلند باڑھ کے درمیان راستے پر چلتے ہُوئے دیکھا۔ وہ عمارت کی طرف ہی آرہے تھے جو اُن سے محض دو سو گز دُور معمولی سے بلند پلیٹ فارم پر موجود تھی۔ وہ باڑھ نما دیواروں کے درمیان جس راستے پر چل رہے تھے وہ چھ فٹ چوڑا تھا۔

جین لوئس نے کھڑکی سے ہٹ کر دُوربین رکھ دی اور دوسری کھڑکی سے باڑھ نما بھول بھلیوں کے مرکزی حصّے کی طرف دیکھنے لگا۔

ہر چیز تیار تھی۔

وہ تینوں اُس راہ داری کے آخری حصّے میں پہنچ چکے تھے۔ اور اب باڑھ کی ایک اور دیوار اُن کی راہ میں حائل تھی۔ اُن کے پاس صرف دو راستے تھے۔ باڑھ کی بھول بھلیوں میں بائیں طرف داخل ہو جائیں یا پھر واپس چلے جائیں۔

بُوڑھے نے پلٹ کر گیٹ کی طرف دیکھا۔ کچھ کہا بھی لیکن جین لوئس اُس کی بات نہیں سُن سکا۔

نوجوان نے نفی میں ایک بار سر ہلایا۔ لڑکی کو اُس کی کُہنی سے پکڑا اور بائیں طرف چل دیا۔ بُوڑھا بھی چھوٹے چھوٹے قدم اُٹھاتا ہُوا اُن کے پیچھے چلنے لگا۔

اب وہ بھول بھلیوں میں داخل ہو چکے تھے۔ دائیں طرف گئے۔ بائیں سمت میں چلتے۔ ابھی نوجوان ہی اُن کی رہنمائی کر رہا تھا۔ اندھی گلیوں میں چھوٹے چھوٹے راستوں پر اُن کے قدم اُٹھ رہے تھے۔ وہ کبھی واپس پلٹتے اور کبھی آگے بڑھتے۔

وہ آہستہ آہستہ مرکزی حصّے کی طرف بڑھ رہے تھے۔

جین لوئس کے قریب رکھا ہُوا ٹیلی فون بج اُٹھا۔ اُس نے اشارے سے انکل کارل کو ریسیور اُٹھانے اور بات کرنے کی ہدایت کی لیکن اُس کی نظریں اُن تینوں سے نہیں ہٹیں جب وہ تینوں بھول بھلیوں کے قلب میں پہنچ گئے تو جین لوئس نے سیاہ پردہ چند انچ ہٹا کر جُھک کر دیکھا۔

اُسے یقین تھا کہ اب دلچسپ کھیل شروع ہوگا۔

★★

"ہم یہاں کیوں آئے ہیں؟" اوشان نے مطالبہ کرنے والے انداز میں پُوچھا۔ "آخر اس راستے پر ہم کیوں چل رہے ہیں؟ جس پر اتنے سوراخ ہیں۔"

"اس لیے کہ ہم اس عمارت میں جا کر بوبی کو واپس حاصل کریں گے۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ "اس لڑکی کی بات کر رہا ہوں جس کو وہ صرف اس وجہ سے اغوا کر سکے کہ آپ ٹی وی دیکھ رہے تھے نُل فادر۔"

"ٹھیک ہے... ٹھیک ہے۔ ہر الزام میرے سر ہی ہوگا۔ میں ایسی دُشنام طرازیوں کا عادی ہو چکا ہُوں۔"

"ارے... اس وقت..."

"تمہیں پریشان نہ کرو۔" اوشان نے سر ہلاتے ہوئے جملہ مکمل کر دیا۔

"... بلکہ عمارت تک پہنچنے کے لیے راستہ تلاش کرنے میں مدد دو۔"

"تم یہاں آنے سے قبل ہی ذہنی طور پر بھٹک ہوئے تھے۔ تم ہمیشہ ہی راستہ بھول جاتے ہو..." اوشان نے کہا۔

"بالکل ٹھیک... آپ جیتے، میں ہارا، لیکن کیا اب آپ عمارت تک پہنچنے میں میری مدد کر سکتے ہیں؟" ٹائیگر کا لہجہ چبھتا ہوا تھا۔

"ہاں... کیوں نہیں... ہم باڑھ کے اُوپر سے گزر کر وہاں تک پہنچ سکتے ہیں۔" اوشان نے بہت آسان راستہ بتا دیا تھا۔

"لیکن یہ لڑکی ہمارا ساتھ نہیں دے سکے گی۔"

"تب پھر باڑھ کے درمیان سے نکل چلو۔"

"تیز دھار پتوں اور ٹہنیوں سے یہ زخمی ہو جائے گی پھر زور زور سے چلانے لگے گی۔ اگر چلانے لگی تو پھر میرا چھناکا دھم ہو جائے گا۔"

ان کے سامنے اب ایک اور باڑھ دیوار بن کر آگئی تھی۔

"کیا مصیبت ہے۔" ٹائیگر نے غصیلے انداز میں کہا۔

"اگر ہم باڑھ کے اُوپر سے یا درمیان سے نہیں گزر سکتے تو پھر صرف ایک راستہ باقی رہ جاتا ہے۔" اوشان نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"وہ کیا؟"

"راستہ تلاش کرو۔"

"وہی تو کر رہا ہُوں۔" ٹائیگر مُنہ بنا کر بولا۔

"بات صرف اتنی سی ہے کہ یہ چھوٹا سا اور سادہ سا کھیل ہے جس کو ہم بھول بھلیاں سمجھ بیٹھے ہیں۔" اوشان نے اُنگلی اُٹھا کر بتایا۔ "بہت دنوں قبل کی بات ہے۔ شاید فرعون کا زمانہ تھا کہ ایک ماسٹر کو اسی قسم کی بھول بھلیوں میں چھوڑ دیا گیا اور پھر..."

"تم... میرے..." ٹائیگر نے ہاتھ اُٹھا کر درخواست کی۔ "اس وقت ہی سبق آموز... سبق... ہمارا کام موقع نہیں... آپ بھی ماسٹر ہیں۔ کچھ کریں۔"

"ہاں... ہر ماسٹر کو علم اور راستوں کی تلاش... فن... راستے میں ملتا ہے۔" اوشان نے بڑے فخر سے جواب دیا۔

"تب پھر...؟"

"تب پھر کیا...؟"

"ہم اس باڑھ کے دوسری طرف کیسے پہنچیں گے؟"

"اوہ... ذرا اپنا دایاں ہاتھ باڑھ کی دیوار پر رکھ کر دیکھو۔" اوشان نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ٹائیگر نے ایسا ہی کیا اور پھر اوشان کو سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا... "اب...؟"

"اب آگے بڑھو لیکن یہ خیال رہے کہ تمہارا ہاتھ کسی بھی وقت باڑھ سے نہ ہٹے۔ چلتے رہو۔ کوئی کونا آجائے تب بھی چلتے رہو، موڑ آجائے چلتے رہو... بس چلتے رہو، تمہیں باہر نکلنے کا راستہ خود مل جائے گا۔"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"کیا یہ حکمتِ علی کامیاب رہے گی؟" ٹائیگر نے مشکوک لہجے میں پوچھا۔

"سو فیصد..." اوشان نے دونوں ہاتھ سینے پر باندھ لیے۔

"پہلے یہ ترکیب کیوں نہیں بتائی تھی؟" ٹائیگر کے لہجے میں شکوہ ہی شکوہ تھا۔

"میرا خیال تھا کہ تم پہلے اپنے طریقے آزمانا چاہتے ہو۔" اوشان نے سر ہلا کر کہا۔ "مجھے یقین تھا کہ تم کھلیاریوں اور گھنیوں میں بھاگ دوڑ کے بعد تھک کر درختوں پودوں اور جھاڑیوں سے لڑنے لگو گے۔"

"چلیں..." ٹائیگر نے سر جھٹک کر کہا۔ اس کی انگلیاں بازو پر تھیں' ولاری کو اس نے دوسرے ہاتھ سے سنبھال رکھا تھا۔ اوشان بھی ان کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ صرف ایک قدم پیچھے۔

✦

ان کے کمرے سے ایک ٹیلی فون نمبر ملا ہے۔" انکل کارل نے ریسیور رکھ کر جین لوئس کو بتایا۔ "یہ نمبر مائیکن میں کسی ڈاکٹر بہرام کا ہے۔"

"بہرام..." جین لوئس کی نظریں اب بھی بھول بھلیوں پر تھیں۔ "پیرس کے کیپیوٹر سے کہو کہ وہ اس نام کا ریکارڈ چیک کرے۔" پھر وہ اچانک ہی مسکرانے لگا۔ اس نے ٹائیگر کو بازو کی دیوار پھلانگتے ہوئے دیکھا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ بوڑھے نے بھول بھلیوں کا عقدہ حل کر لیا تھا۔ جین لوئس سر ہلانے لگا۔ "اب تفریح کا آغاز ہوا چاہتا ہے۔" اس نے اپنے آپ سے کہا۔

اس کھڑکی پر کوئی نظر آ رہا ہے شہزاد۔" اوشان نے ایک کھڑکی کی طرف اشارہ کیے بغیر کہا۔

"ہاں... میں بھی دیکھ چکا ہوں۔"

"وہ دو ہیں۔ ایک نوجوان' دوسرا ضعیف۔" اوشان نے مزید انکشاف کیا۔ اسی لمحے بھول بھلیوں میں ایک آواز سنائی دی اور گونج بن کر ہر دیوار سے ٹکرانے لگی۔ اب یہ آواز ہر طرف سے آ رہی تھی۔ "بچاؤ... بچاؤ...!"

"یہ بوبی کی آواز ہے۔" ٹائیگر نے فوراً آواز پہچان لی۔

"ہاں۔" اور ایک سمت میں اشارہ کیا۔ جہاں بازو کی ایک دیوار موجود تھی۔ ٹائیگر اسی سمت میں لپک گیا اور اس نے ولاری کو چھوڑ دیا۔ اگرچہ ولاری و ٹائیگر سے انسیت نہ تھی۔ لیکن نہ جانے کیوں وہ یہ سوچ کر ہی دُکھی ہو گیا کہ اگر ٹائیگر اس کے ساتھ نہ رہا تو اس کا کیا حشر ہو گا اور اسی خوف کے باعث وہ بھی ٹائیگر کے پیچھے پیچھے دوڑنے لگی۔

تب ہی جین لوئس نے ایک ایسا منظر دیکھا جس پر وہ زندگی بھر یقین نہیں کر سکتا تھا۔

اوشان نے ٹائیگر کے پیچھے نہیں جانا مناسب سمجھا۔ بلکہ ایک لمحے تک اردگرد دیکھنے کے بعد وہ بائیں طرف والی باڑھ میں دوڑتا ہوا گھس گیا تھا۔

جین لوئس کا دل اُچھل کر حلق میں آ رہا۔ کیونکہ اسے یقین تھا کہ نیزے نما پتے' چاقو سے تیز دھار شاخیں اور نوکیلی ٹہنیاں اس بوڑھے کا کیا حشر کر دیں گی۔

لیکن پھر وہ آنکھیں ملنے لگا۔ بوڑھا جس باڑھ میں گھسا تھا اب صحیح سلامت اس کی دوسری طرف نمودار ہو کر راہداری میں کھڑا تھا۔ وہ بگٹٹ پرے دوڑنے لگا اور ایک مرتبہ پھر پانچ فٹ موٹی دوسری باڑھ میں گھس گیا۔

اس نے اس موٹی' خطرناک بلکہ جان لیوا باڑھ کو بھی بہ آسانی پار کر لیا تھا۔

"بچاؤ... شہزاد... بچاؤ۔" بوبی کی آواز پھر گونجی۔

جن دنوں بھول بھلیوں کی تعمیر کی جاتی تو یہ خیال رکھا جاتا تھا کہ ان کے وسط میں ایک صحن نما چھوٹا سا میدان بھی ہو اور اس وقت بوبی ڈیفن وہیں موجود تھی۔ اُسے ایک بلند مارپیچ کے ساتھ باندھ دیا گیا تھا۔ اور اس کی ٹینس شرٹ پھٹی ہوئی تھی۔ اس کے پیچھے زرد پوشوں والی قبا پہنے ہوئے دو افراد کھڑے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک کے ہاتھ میں سنگی چاقو تھا۔ جس کے دو پھل نمایاں طور سے نظر آ رہے تھے۔ وہ دونوں پیچھے بوبی کو دیکھتے رہے تھے۔ جو اب اُنھیں عجیب و غریب آوازیں سنا رہی تھی۔ لہٰذا وہ سامنے کی سمت دیکھ رہے تھے۔

باڑھ کسی چادر کی طرح پھٹی اور اس میں سنہری قبا والا ایک چھوٹا سا بوڑھا نمودار ہوا۔

"ٹھہرو..." اس نے حکم دیا۔ اس کی آواز میں کسی کوڑے جیسی کڑک اور شدت تھی۔

وہ دونوں اپنی جگہ پر جامد ہو گئے۔ لیکن پھر اُچھل کر ایک ایسے راستے پر بھاگ نکلے جو صحن سے دُور لے جاتا تھا۔ اوشان بوبی کے قریب پہنچا۔ "تم ٹھیک ہو نا؟" اس نے پُرشفقت لہجے میں پوچھا۔

"ہاں..." بوبی کے لہجے میں بڑی نقاہت تھی۔ اس

نے اوشان کو اور پھر اس کے عقب میں ٹائیگر کو دیکھا جو اسی لمحے صحن میں داخل ہوا تھا۔ اس کے چند قدم پیچھے ولاری بھی تیزی سے دوڑی چلی آ رہی تھی۔

"اسے کوئی نقصان تو نہیں پہنچا اوشان؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"نہیں... سب کچھ ٹھیک تھا ک ہے۔" اوشان نے رُوکھے لہجے میں جواب دیا۔ "مصیبت یہ ہے کہ سارا کام مجھ ہی کو کرنا پڑتا ہے۔"

"کیا ہوا تھا؟"

"کچھ بھی نہیں۔ پَروں والے یہاں سنگی چاقو لیے ہوئے موجود تھے۔ لیکن ماسٹر کو دیکھتے ہی بھاگ نکلے۔" اوشان نے اس طرح جواب دیا جیسے وہ اپنی آمد کا نہیں کسی اور کے آنے اور بوبی کو بچانے کا ذکر کر رہا ہو۔

"آپ نے ان کا تعاقب نہیں کیا مسٹر فادر؟"

"تم ہی کر لیتے..."

"مگر اس وقت میں یہاں موجود نہیں تھا۔"

"تمہاری غیر موجودگی میرا قصور نہیں ہے۔" اوشان نے کہا۔ ٹائیگر نے اس دوران بوبی کو کھول دیا۔ لڑکی کو اپنی حالت کا بخوبی احساس تھا۔ لیکن وہ اس سے بے نیاز ہو کر اپنی کلائیاں ملنے لگی۔ جن پر بندشوں کے نشانات پڑ گئے تھے۔

"تم زندگی بھر اچھی ٹینس پلیئر نہیں بن سکو گی بوبی۔" ٹائیگر بولا۔

"وہ کیوں؟" بوبی حیرت زدہ رہ گئی۔

"اس لیے کہ..."

"اپنی شرٹ ٹھیک کر لو۔" ولاری بیچ میں چیخ کر بولی۔ بوبی نے ہنس کر شرٹ ٹھیک کی اور اس کے کونے ٹینس شارٹس میں ڈال لیے۔

"کیا اُنھوں نے تم پر کسی قسم کا تشدد کیا تھا بوبی؟" ٹائیگر نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"نہیں... لل... لیکن وہ میرا دل نکال لینا چاہتے تھے۔" بوبی نے عجیب سے لہجے میں کہا۔ آواز دھیمی تھی اور اس میں خوف کا کوئی تاثر بھی نہیں تھا۔

ٹائیگر نے عمارت کی طرف دیکھا۔ "اوشان! آپ ان لڑکیوں کو یہاں سے لے جائیں۔ میں پَروں والوں سے نمٹ کر آؤں گا۔"

"لڑکیاں..." ولاری پیر پٹخ کر چلائی۔ "تم بوبی سے بہت رعایت کر رہے ہو۔ مجھے یقین ہے۔ بلکہ میں شرط لگا سکتی ہوں کہ بوبی لڑکی نہیں عورت ہے۔"

"ولاری..." ٹائیگر ایک انگلی نچا کر بولا۔ "تم اب تک مجھے کسی دشواری میں مبتلا نہیں کیا لیکن یہاں اگر تم نے ذرا بھی چیخ پکار کا سلسلہ شروع کیا تو یہ انگلی تمہارے جبڑے پر رکھ کر اسے مفلوج کر دوں گا اور تم کئی روز تک بولنے کے قابل نہیں رہو گی۔" ولاری سہم گئی۔ "مسٹر فادر! میں آپ سے کار کے قریب ہی ملوں گا۔"

جین لوئس نے اپنے عقب میں پُروالی قباؤں کی آہٹ سنی۔ اس نے ان کی طرف دیکھے بغیر کھڑکی سے باہر اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"اب اور زیادہ لطف آئے گا۔"

وہ چاروں کھڑکی سے باہر دیکھنے لگے۔ جہاں اوشان ٹائیگر کو احتیاط سے کام کرنے کا مشورہ دے رہا تھا۔

"فکر نہ کریں..." ٹائیگر یہ جواب دے کر پلٹا اور ابھی ایک دو قدم ہی اُٹھایا تھا کہ اچانک بھول بھلیوں کی راہداریوں میں مختلف آوازیں گونجنے لگیں۔

"میرے خدا..." ولاری کانپ کر بولی۔ "یہ... یہاں... تو درندے بھی ہیں... یہ آوازیں!"

"ہاں تین بڑے جانور موجود ہیں۔"

آوازیں جلد ہی غصیلی غراہٹوں میں بدل گئیں۔ یہ آوازیں مسلسل قریب آ رہی تھیں۔

لڑکیوں کا خیال رکھیں۔ میں عقبی حصے پر نظر رکھوں گا۔" ٹائیگر نے اوشان سے کہا۔

"ٹھیک..." اوشان نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔ "جب تم چلو تو بائیں ہاتھ کو دیوار کے ساتھ رکھنا' اس طرح تم اسی راستے پر آ سکو گے جس سے آئے ہو۔"

"میں جانتا ہوں۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ حالانکہ اس کو یہ کلیدی اصول معلوم نہیں تھا۔ اوشان لڑکیوں کو لے کر اس راستے پر پہنچ گیا جس پر بجری تھی اور جو صحن سے آ رہا تھا۔

بھونکنے اور غرانے کی آوازیں مزید تیز اور قریب ہوتی چلی گئیں۔ ٹائیگر نے کن انکھیوں سے دیکھا' اوشان لڑکیوں سمیت تیزی سے چلتا چلا جا رہا تھا۔ وہ بائیں طرف پلٹا' اور پھر تینوں ٹائیگر کی نظروں سے اوجھل ہو گئے۔

دائیں طرف سے آنے والی پگڈنڈیوں میں سے ایک پر ٹائیگر نے پہلے درندے کو دیکھا۔ جیسی قامت والے اس کتے کے دانت خوفناک انداز میں چمک رہے تھے۔ اس کی

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

غلاظت بھری آنکھوں میں غصہ تھا۔ اور ان سفاک آنکھوں میں خون کی سرخی بھی نظر آرہی تھی۔ ٹائیگر ماربل کے بنچ کے آگے کھڑا ہوگیا۔ لیکن اس نے مزید دو اور زیادہ خونخوار گتے نمودار ہوتے یہ پہلے گتے سے زیادہ وزنی اور طاقتور لگ رہے تھے۔

ٹائیگر پر نظر پڑتے ہی وہ تینوں تیزی سے لپکے۔ شاید ان میں سے ہر ایک کی کوشش یہ تھی کہ وہ "شکار" تک پہنچنے میں دوسروں سے سبقت حاصل کرلے۔

ٹائیگر ساکت کھڑا رہا۔ اس کی نظریں بیک وقت ان تینوں پر مرکز تھیں پھر اس نے ان میں سے ایک کا انتخاب کر لیا۔ یہ گتا سب سے زیادہ شاطر، کینہ پرور، ظالم اور طاقتور لگ رہا تھا۔

تینوں اب ایک سیدھی قطار میں اس کی طرف بڑھ رہے تھے۔ انھوں نے جوں ہی زد تک بھر کر اس پر حملہ کیا، وہ بنچ پر لیٹ گیا اور گتے بنچ کی عقب میں گر کر تیزی سے دور ہوتے چلے گئے تھے۔

ٹائیگر کھڑا ہوگیا۔ اُسے یقین تھا کہ نیا حملہ اور زیادہ شدید اور جارحانہ ہوگا۔

وہ ایک ساتھ غرائے۔ کوئی عام شخص اگر اس غراہٹ کو سن لیتا تو اس کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے مگر وہاں ٹائیگر موجود تھا۔ وہی ٹائیگر جس نے زندہ طوفان ڈوچ مین کو شکست دی تھی۔

گتے ایک بار پھر ایک ساتھ لپکے۔ انھوں نے درمیانی فاصلہ محض دو جستوں میں لے کیا اور پھر فضا میں بلند ہوگئے۔ ان کی تھوتھنیاں قریب قریب تھیں، پنجے الگ الگ اور پھیلے ہوئے تھے وہ انتہائی خونخوار اور مہلک نظر آرہے تھے۔

ان تینوں نے ایک ساتھ ٹائیگر کے حلق پر حملہ کر دیا۔

ٹائیگر آخری لمحے کا انتظار کرتا رہا۔ اور جوں ہی یہ لمحہ آیا اس نے وسط والے گتے کو سر کی ٹکر ماری۔ اس نے فضا میں بڑی سست قلابازی کھائی۔ اور پھر بہت زور سے ماربل کی بنچ پر پشت کے بل گر گیا۔ وہ ایک بار آہستہ غرایا اور پھر تڑپ کر بنچ سے نیچے گر کر ساکت ہوگیا۔

دائیں طرف والے گتے کو ٹائیگر کے دائیں ہاتھ کی درمیانی انگلی کی ضرب سہنی پڑی۔ اس سے قبل ٹائیگر نے کسی گتے کے پیٹ پر انگلی نہیں ماری تھی۔ لہٰذا یہ احساس کر کے کہ اُسے حیرت ہوئی کہ گتے کا پیٹ بھی انسانی پیٹ کی طرح لگتا ہے۔ اس اسٹروک کا نتیجہ وہی نکلا جو انسانی پیٹ پر انگلی کے استعمال کا نکلتا ہے۔ پیٹ پھٹا اور ٹائیگر کے پیروں کے قریب گرنے سے قبل ہی گتا مر گیا۔ تیسرے گتے سے خود وہی غلطی ہوگئی۔ وہ ٹائیگر کے اُوپر سے گزرتا ہوا بنچ پر پشت کے بل گرا اور حیرت انگیز طور پر پھرتی کا مظاہرہ کرتا ہُوا پھر جھپٹ پڑا۔

وہ عین اس وقت فضا میں تیرتا ہوا ٹائیگر تک آیا جب ٹائیگر کو گتے مارتے ہوئے کراہیت محسوس ہونے لگی تھی۔

گتے نے اپنا بھرپور جبڑا کھول کر بائیں طرف گھمایا۔ کھلا ہوا یہ جبڑا ٹائیگر کی پوری گردن کو دبوچ سکتا تھا۔ ٹائیگر نے پیچھے کی طرف جھک کر گردن جبڑے کی زد سے دور کی۔ اسی لمحے گتے نے اپنے جبڑے بند کیے تو دانتوں کے دانتوں سے ٹکرانے کی آواز پیدا ہوئی۔ ٹائیگر نے ہاتھ بڑھا کر دوسرے کی دائیں ٹانگ مروڑی گتا تین فٹ دُور جا گرا۔ لیکن پھر اُٹھا اور ٹوٹی ہوئی ٹانگ گھسیٹتا ہوا ایک مرتبہ پھر حملہ آور ہُوا۔ اس بار ٹائیگر نے اس کے مُنہ پر تھپڑ مارا۔ ساتھ ہی ایک اور ٹانگ توڑ دی۔ کتا اب بھی زندہ تھا۔ اور حملے کی خواہش اس میں موجود تھی۔ لیکن وہ اُٹھ نہیں سکا وہیں پڑا غرّاتا رہا۔

ٹائیگر کے اُوپر... کھڑکی میں عین لونس پُرزوں سے بنی پوشاک پہنے ہوئے لوگوں کے درمیان کھڑا ہُوا حیرت اور تعریفی انداز میں سر ہلا رہا تھا: شاندار!

نیچے ٹائیگر کو اچانک ہی خیال آیا کہ اُوپر سے اُسے دیکھا جا رہا ہے۔ لہٰذا اس نے کھڑکی کی طرف اُنگلی سے اس طرح اشارہ کیا جیسے کہہ رہا ہو کہ اب تمھاری باری ہے۔

وہ اچانک ہی اس راستے پر دوڑنے لگا جو پھولوں کی کیاریوں کے صحن سے عمارت کی طرف جاتا تھا۔

چالیس گز دُور مگر بے شمار دیواروں اور موڑوں کے اُس پار اوشان نے گتوں کی خوفناک غراہٹیں سُنیں اور جوں ہی یہ غراہٹیں کربناک ہوتی گئیں اوشان کے چہرے پر تبسم گہرا ہوتا گیا پھر جب خاموشی چھا گئی تو اوشان سر ہلانے لگا۔ تاہم اچانک ہی وہ رُک گیا۔ اُس نے دونوں ہاتھ اس طرح پھیلا دیے کہ لڑکیاں ایک قدم بھی آگے نہ بڑھ سکیں۔ وہ اوشان کے پھیلے ہوئے بازوؤں سے ٹکرائیں تو اس طرح بلبلا اُٹھیں جیسے کسی آہنی ریلنگ سے ٹکرا گئی ہوں۔

"ہم... ہم کیوں رُکے ہیں؟" دلاری نے درد ضبط کرنے کے بعد پوچھا۔ ساتھ ہی اس نے لوبی کو بھی دیکھا جو چپ چاپ بلکہ تم صُم تھی۔

"ہم شہزادہ کا انتظار کریں گے۔" اوشان نے فیصلہ کُن لہجے میں جواب دیا۔

جین لونس نے بوڑھے دلڑکیوں کو اچانک رُکتے ہوئے دیکھا اور پھر اُسے ٹائیگر بھی نظر آگیا جو اب باڑھ کی دیواروں پر اس طرح دوڑ رہا تھا جیسے نوکیلے پتوں پر نہیں بلکہ سبزہ زار پر دوڑ رہا ہو۔ عمارت سے اس کا فاصلہ مسلسل کم ہو رہا تھا۔

"ہٹ جاؤ!" جین لونس نے جُوں ہی چلا کر حکم دیا، انکل کارل اور دونوں آدمی کھڑکی سے بہت دور ہوگئے۔

دس سیکنڈ بعد ٹائیگر فضا میں قلابازیاں کھاتا ہوا کھڑکی کے راستے کمرے میں آگرا۔ مگر اسے کمرہ خالی ملا۔ اس نے ہر کمرے کی تلاشی لی مگر اُسے کوئی نہ ملا۔

"باہر نکلو، سامنے آؤ۔" اس نے ایک داہاری میں کھڑے ہوکر انھیں للکارا۔

وہ جین لونس کے کمرے میں واپس آیا تو اُسے وہاں پڑا ہوا ایک زرد پُرزہ دیکھ کر یہ اطمینان ہوا کہ اگر وہ ان میں سے کسی گوریلے کو نہیں تو اس کا پُرزہ کو ضرور مار رہا ہے۔ اُس نے پُرزے بالوں میں کان کے قریب اڑس لیا اور پھر سنا بجو کے انداز کی مخصوص آواز نکال کر کھڑکی سے کود گیا۔ اس نے فضا میں قلابازی کھائی اور پیروں کے بل باڑھ پر اُتر گیا۔ اب باڑھ پر دوڑتا ہوا اس جگہ جا رہا تھا جہاں اس نے اوشان اور لڑکیوں کو دیکھا تھا۔

جین لونس نے چند لمحوں تک انتظار کیا اور پھر وہ بٹن دبا دیا جو کمرے کی اس دیوار کو اُٹھانے کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ جس کے پیچھے انھوں نے پناہ لے رکھی تھی۔ اس دیوار کے گرنے سے کمرہ قدرتی طور پر دو حصوں میں تقسیم ہو جاتا تھا اور ایک حصے کے چاروں طرف صرف دیواریں ہوتی تھیں۔ لہٰذا اس کے وجود کا علم ہی نہیں ہوتا تھا۔ وہ دوسروں کے ساتھ اس حصے سے باہر آیا۔ کھڑکی کی طرف بڑھا اور ساتھ ہی دوسروں کو چپ رہنے کا اشارہ کرنے لگا۔

اب وہ گرے ہوئے پُردوں کی اوٹ سے باہر جھانک رہے تھے۔

جین لونس نے ٹائیگر کو بارہ فٹ بلند ایک باڑھ پر دوڑتے ہوئے دیکھا۔ آگے اُسے بوڑھا اور دونوں عورتیں بھی نظر آرہی تھیں۔ جیف لونس کو اس نوجوان سے رشک محسوس ہونے لگا تھا۔

"ہیلو ٹمل فادر..." ٹائیگر نے ان کے قریب پہنچ کر اُوپر پہنچ کر نیچے دیکھتے ہوئے کہا۔

"تم اُوپر کیا اُودھم مچا رہے ہو... اور تمھارے کان کے اُوپر پُرزے کیوں اور کب نکل آیا؟"

"میں دوڑنے کی مشق کر رہا ہوں... ویسے آپ لوگ کار تک کیوں نہیں پہنچ سکے؟"

"اس پاس کوئی دھماکا خیز چیز موجود ہے۔" اوشان نے مُنہ بنا کر کہا۔ "پتھروں میں کسی نے تار دفن کر رکھا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ تم اسے نہیں دیکھ سکو گے۔ کیونکہ تمھارے کان کے اُوپر پُرزہ نکل آیا ہے۔ یہ لوگ کتنے خوش قسمت ہیں کہ میں ان کی قیادت کر رہا ہوں..." اوشان کا اشارہ لڑکیوں کی طرف تھا۔

"ہاں... ضرور اور آدم خور کتوں کا تیا پانچہ کس نے کیا تھا ٹمل فادر؟" ٹائیگر نے ہاتھ ہلا کر اوشان ہی کے انداز میں کہا۔

"ہر گندا کام مجھے کرنا پڑتا ہے۔ کیوں؟"

"گندے کام کرنے کی زیادہ بہتر صلاحیتیں کس میں ہیں؟" اوشان نے مخصوص انداز میں ہنستے ہوئے کہا۔ "کس میں ہیں؟ یقیناً اس شعبہ میں تم زیادہ باصلاحیت ہو۔"

"ہم کہاں ہے؟" ٹائیگر نے موضوع بدلنے کی کوشش کی۔ ساتھ ہی زرد پُرزہ کان کے پیچھے سے نکال کر باڑھ پر ہی ڈال دیا تھا۔

"یہاں..." اوشان نے زمین کی طرف اشارہ کر کے جواب دیا۔ "اب بولو کون زیادہ باصلاحیت ہے؟"

"ابھی دیکھے لیتے ہیں۔" ٹائیگر نے جھنجلا کر کہا۔

عین لونس نے نوجوان کو بیرونی آہنی باڑھ کے دوسری طرف تقریباً تیرتے ہوئے اُترتا ہوا دیکھا۔ یہ آہنی باڑھ... پودوں اور بیلوں کی باڑھ کے ساتھ ہی تھی، پھر اُسے کچھ نظر نہیں آیا تاہم اُس نے کسی وحشت کے بجنے کی آواز ضرور سُنی اور پھر ٹائیگر کو اُٹھتے ہوئے دیکھا۔ اس کے فوراً بعد اُسے اس کی آواز بھی سنائی دی۔

"او کے ٹمل فادر... میں نے اس کا کنکشن کاٹ دیا ہے۔"

"اس کا مطلب... کہ اب ہم محفوظ ہیں؟"

"سو فیصد... میں ضمانت دیتا ہوں۔"

"لڑکیو!" اوشان اچانک ہی دلاری اور لوبی کی طرف پلٹ کر بولا۔ "اپنی آخری دعائیں مانگ لو۔ گناہوں کی توبہ کر لو۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

یہ لڑکا ہماری حفاظت کی ضمانت دے رہا ہے۔" یہ کہنے کے باوجود اُس نے لڑکیوں کو ساتھ چلنے کا اشارہ بھی کیا۔ وہ بجری میں پھنسے ہوئے پتھروں کے قریب سے گھومتے ہوئے آہنی گیٹ کی طرف بڑھ گئے۔

ٹائیگر باڈھ کے دوسرے طرف ساتھ ساتھ چلتا رہا۔

"میں سوچ رہا ہوں۔" ٹائیگر کو باڈھ کی دوسری طرف سے اوشان کی آواز سنائی دی۔

"ہاں... سوچنے کا یہی وقت ہے... ہُنہ..." ٹائیگر نے چڑ کر جواب دیا۔

"دیکھا..." اوشان نے لڑکیوں سے کہا۔ "ضدی بچوں کی طرح میرا مذاق اُڑا رہا ہے۔"

لڑکیاں ہنس پڑیں لہٰذا ٹائیگر کو خفیف ہو جانا پڑا۔

"کیا سوچ رہے ہیں؟" اس نے خفت دور کرنے کے لئے پوچھا۔

"اسی ماسٹر کے بارے میں جس کا ذکر میں پہلے بھی تم سے کر چکا ہوں۔ وہ جو دُور دراز علاقوں اور نئی دُنیاؤں میں گیا اور جس کے بیان پر کسی نے یقین نہیں کیا۔"

"اس کے بارے میں کیا سوچ رہے ہیں؟"

"یہی سوچ رہا ہوں کہ کیا سوچا جائے۔" اوشان نے کہا اور اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ اس موضوع پر مزید کچھ نہیں کہے گا۔

جین لوئس دیکھتا رہا۔ بوڑھا دونوں لڑکیوں کو لے کر کھلے گیٹ سے نکل رہا تھا۔ ٹائیگر باڈھ کے ساتھ ساتھ دوسری طرف چل رہا تھا۔ پھر اچانک ہی جین لوئس نے اُسے بارہ فٹ بلند ہوتے اور دوسری طرف گیٹ کے قریب اُترتے ہوئے دیکھا۔ وہ حیرت زدہ تھا۔ ایسا لگا تھا جیسے اس نوجوان کے پیروں میں طاقتور اسپرنگ لگے ہوئے ہیں۔ اس نے اچھلتے ہوئے جو کوشش کی تھی وہ محض اتنی سی تھی جتنی کوئی تیراک ڈوم کے گنبد پر اُچھلنے میں کرتا ہے۔

وہ سب کار سے قریب پہنچ گئے۔ گاڑی کے دروازے کھلے وہ بیٹھنے والے تھے کہ اچانک اوشان نے پلٹ کر اُس عمارت کی طرف دیکھا اور پھر کچھ کہنے لگا۔

جین لوئس کو یوں لگا جیسے اس کے پورے جسم میں خوف کی سرد ترین لہریں دوڑ رہی تھیں۔

"تمہاری سماعتوں کو آگ کھا جائے۔" اوشان کی آواز صاف اور واضح تھی۔ لہجہ بہت مضبوط تھا۔ "تمہارے جسموں میں ایسی چبھن ہو جیسے سمندروں کی سیپیاں کرچی کرچی بن کر ان میں پیوست ہو گئی ہیں۔ ایوان سنابخو کی آواز سنو! تمہیں خبردار کیا جا رہا ہے کہ تم اپنی پلکوں کو نوچ دو گے۔ اور اپنی آنکھوں کو آسمانوں کے شاہینوں کی غذا بنا دو گے اور پھر تم سُکڑ جاؤ گے اس وقت تک سُکڑتے رہو گے جب تک ان کھیتوں کی طرح نہ ہو جاؤ جن کو کیڑا لگا جاتا ہے۔"

جین لوئس کانپنے لگا۔

"اور سنو... یہ میری آواز ہے۔ میں آقائے سنابخو... ماسٹر آف سنابخو تمہیں بتا رہا ہوں... ڈرو... ڈرتے رہو۔"

پھر اچانک ہی جین لوئس کی آنکھیں بوڑھے کی آنکھوں سے ملیں۔ اُسے یوں لگا جیسے درمیان میں فاصلے اور پردے کے باوجود وہ بوڑھا اس کی آنکھوں میں جھانک رہا ہے۔

اوشان سر جھٹک کر بڑے وقار سے گاڑی میں بیٹھ گیا۔ ٹائیگر نے گاڑی آگے بڑھا دی۔

جین لوئس نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا۔ اُن کے چہرے لٹھے کی طرح سفید پڑ گئے۔

"یہ... یہ... سب کیا تھا؟" انکل کارل نے بہ مشکل خود پر قابو پایا۔

"یہ ایک قدیم بددعا ہے۔" زرد پزوں والی قبا پہنے ہوئے ایک شخص نے بتایا۔ "ایسی بددعائیں ہمارے قبیلے کے لوگ دیا کرتے تھے۔ اور ان کا جادو فی الاثر ہوتا تھا۔"

"بکواس۔" جین لوئس نے پُراعتماد لہجے میں کہا۔ لیکن حقیقت یہ تھی کہ اس وقت اُسے اپنے لہجے پر بھی اعتماد نہیں تھا۔

"بکواس۔" لیکن اس ایک لفظ کے سوا اس میں مزید کچھ کہنے کی قوت نہ تھی۔ لہٰذا وہ خاموش ہو گیا اور صرف اسی وقت اس کی قوت گویائی واپس آئی جب ٹیلیفون کی گھنٹی بجی۔ اُس نے ریسیور اُٹھایا۔ دوسری طرف سے کچھ سُننے کے بعد وہ مسکرانے لگا۔

"شکریہ..." اُس نے ہنس کر کہا اور ریسیور رکھ دیا۔

"کچھ پتا چلا؟" انکل کارل نے بے صبرے پن کا مظاہرہ کیا۔

"ہاں..." جین لوئس بولا۔ "ہم ان دونوں کو اب تنگ نہیں کریں گے۔ ہمیں ان کی اصل تک پہنچنے کے لیے ان کی ضرورت نہیں رہی۔ میرے کمپیوٹروں نے مجھے کبھی مایوس نہیں کیا۔"

"کمپیوٹر؟" کارل نے ہاتھ ملتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں..." جین لوئس بولا۔ "ہمیں علم ہو گیا ہے کہ ان کا چیف ڈاکٹر ہرام نامی شخص ہے۔ وہ قریب ہی چارہ گر کے نام سے ایک ٹورسٹ چلاتا ہے اور وہاں جو کمپیوٹر ہے اس کا تعلق ملک کے تمام بڑے کمپیوٹرز سسٹم سے ہے۔"

"میں اب بھی نہیں سمجھا۔" انکل کارل نے کہا۔

"اس کا مطلب یہ ہوا انکل کارل کہ ڈاکٹر ہرام ہی اس خفیہ ادارے کا سربراہ ہے جس نے ان دونوں کو ملازم رکھا ہوا ہے۔ اب جبکہ ہمیں اصل آدمی کا پتا معلوم ہو گیا ہے، ہم ان دونوں کو مزید مشتعل نہیں کریں گے۔ ہمیں اقتدار حاصل کرنے کے لیے ان کی مزید کوئی ضرورت نہیں رہی۔"

"لیکن اس طرح تو ہمیں ان سے ہمیشہ خطرہ لاحق رہے گا۔" انکل کارل نے اعتراض کیا۔

جین لوئس نے سر ہلایا اور زیرِ لب مسکرانے لگا۔ "نہیں یہ دونوں قوتِ بازو ہیں پورا جسم نہیں۔ ہم اس خفیہ ادارے کا سر کاٹنا چاہتے ہیں۔ سر کے بغیر بازو بے کار ہو جائیں گے اگر یہ ان دونوں نے ہمارے یہاں بچھائے ہوئے جال کو ناکارہ بنا دیا ہے لیکن پھر بھی ہم کامیاب ہو گئے ہیں۔" جین لوئس نے گہری مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ باقی تینوں بھی مسکرانے لگے۔

جین لوئس نے بھولی بھالی بلیوں کی طرف دیکھا جہاں تین کتے ساکت پڑے ہوئے تھے۔

کمرے میں وہ تینوں کہہ رہے تھے: "آپ قائم رہیں آپ ہی بادشاہ ہیں۔"

"یہ درست ہے۔" جین لوئس نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔ "یہ درست ہے۔ جاؤ... کتوں کو ٹھکانے لگا دو۔"

☆☆☆

ایئر ہاؤنٹ سے کار میں نکلتے ہوئے ٹائیگر اوشان سے ان جملوں کا مطلب پوچھ رہا تھا جو اس نے کار میں بیٹھنے سے قبل ادا کیے تھے۔ "یہ سب کیا تھا؟ قبل فلور؟"

"میں سوچ رہا تھا کہ بہت عرصہ قبل تاریخوں میں ماسٹر نے کیا لکھا تھا۔ اس نے لکھا تھا کہ یہ انتہائی خطرناک بددعا ہے جو اس نے ایک ایسے علاقے میں سیکھی تھی جہاں وہ گیا تھا۔"

"ممکن ہے یہ ایک اور علاقے سے تعلق رکھتے ہوں۔" ٹائیگر نے اپنے خدشے کا اظہار کیا۔

"پتا نہیں لیکن اگر ان کا تعلق اسی علاقے سے ہے تو ان کی نیندیں حرام ہو جائیں گی۔"

ٹائیگر کندھے اُچکا کر عقب نما میں دیکھنے لگا۔ پچھلی

لازوال کہانیوں کے خالق
انوار صدیقی کی اپنے قارئین کے لیے
ایک نئی سوغات

رقصِ ابلیس

ہولناک اور پراسرار ماحول میں جنم لینے والی ایک حقیقت جو کہانی بن گئی۔
ایک آشفتہ حال کی داستان عبرت جسے قانون نے مجرم بنا دیا
قیمت۔/150 روپے

ناشر۔ مکتبہ القریش سرکلر روڈ اردو بازار لاہور 2

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

نشستوں پر بیٹھی ہوئی ولاری کو دیکھا' وہ سوجی سی' پھولی سی اور نخاخفا سی بیٹھی ہوئی تھی۔ جبکہ بوبی کی حالت غیر ہو رہی تھی اس کے چہرے کی رنگت فق ہو رہی تھی۔ وہ ٹائیگر کو بہت زیادہ خوف زدہ نظر آ رہی تھی۔

پولیس کو جوانے ۱۷۲ کی تلاش تھی' وہ پولیس کو بروقت میں ریل کے پل کے نیچے بلا کر پولیس والوں کو اس کا دل ہمیں مل سکا جو پھینکے کے پنجرے سے کسی نے اڑا لیا تھا۔

السن قتل کا ایک گواہ بھی مل گیا جس کا کہنا تھا کہ وہ پل کے نیچے سے گزر رہا تھا کہ اس نے ہاتھا پائی کی آوازیں سنیں۔ اس کے بعد اس نے ایک دبی دبی آواز سنائی دی' وہ کھانسا تو یہ آواز آنی بند ہو گئی۔ اس کے بعد وہ وہاں سے گزر گیا' پندرہ بیس منٹ بعد جب وہ وہاں سے دوبارہ گزرا تو اُسے جوانے ۱۷۲ کی لاش دکھائی دی۔

لاش کے قریب ایک پرچا پڑا ہوا تھا' جس کے لکھنے کے لئے روشنائی کے بجائے غالباً جوانے ۱۷۲ کا خون ہی استعمال کیا گیا تھا۔ اس پر لکھا تھا۔ "اب مین"

یہ پوری خبر اخباروں نے شائع کی اور ٹائیگر نے اتفاق ہی سے پڑھ لی۔ اخبار نے "اب مین" کے مختصر سے پیغام سے یہ نتیجہ اخذ کیا تھا کہ جوانے ۱۷۲ کو قتل کرنے والے دائیں بازو کے جنونی ٹولے کا اگلا نشانہ مین میں کوئی شخص ہو گا یا پھر یہ جنونی وہاں جا کر صدارتی انتخاب میں فاشسٹوں کی حمایت کریں گے۔ پورے اخبار میں ٹائیگر کی دلچسپی کے صرف دو ہی الفاظ تھے "اب مین"

اس کا مطلب صرف یہ تھا کہ بہرام کو شکار کرنے کی منصوبہ بندی کی گئی تھی۔

ایکیٹالی لہجے میں یہ اطلاع بہت تیزی سے پھیلائی گئی کہ عظیم ایکیٹنگ کے گھٹنے کی بے حرمتی کرنے والے کا دل نکال لیا گیا ہے۔

ساتھ ہی ایک پیغام اور جاری کیا۔

"وہ وقت اب زیادہ دور نہیں جب ایکیٹالیوں کو روپوش رہنے کی ضرورت نہیں رہے گی ان کے ثقافتی ورثے کو چھپا چھپا کر نہیں رکھا جائے گا... اب جلد ہی وہ دور آئے گا جب ایکیٹالی رسم و رواج کی ترویج شروع کرنے میں کوئی خطرہ نہیں ہو گا۔ ایکیٹنگ دنیا بھر میں سب سے نمایاں نظر آئے گا' ایکیٹالیوں کو اپنی شناخت سے خوف نہیں فخر محسوس ہو گا... برادری کی قیادت نے ایک خفیہ تنظیم کو اپنا غلام بنانے کی کارروائی شروع کر دی ہے۔"

جین لوئس اپنے ہوٹل سوٹ میں بیٹھا ہوا تھا۔ اور السن کمرے میں ایکیٹالیوں کے سوا بھی موجود تھے۔ اس وقت ایک دوسرے سے تبادلہ خیال ہو رہا تھا۔ جب انکل کارل نے ساتھ جانے پر اصرار کیا تو جین لوئس نے کوئی حیل و حجت نہ کی وہ بھی چاہتا تھا کہ بوڑھا کارل فتح و شادمانی کے نظارے اپنی آنکھوں سے دیکھے۔

اس سے قبل کہ ٹائیگر نمبر ملانے کے لئے ریسیور اٹھاتا' ٹیلی فون سیٹ کی گھنٹی بج اٹھی۔

"کمال ہے" وہ سوچنے لگا۔ "بعض اوقات بہرام میلوں دور ہونے کے باوجود میرے ذہن کو پڑھ لیتا ہے" وہ السن وقت خود بہرام کو فون کرنا چاہتا تھا اور گھنٹی بجنے پر السن کو یقین ہو گیا تھا کہ یہ کال بہرام ہی کی ہو گی۔

گھنٹی پھر بجی۔

"اس بدصورت کمرے کی گھنٹی بند کر دو یا چوکیدار اٹھا لو" اوشان نے جھنجلا کر کہا۔ "میں سنسانجوی کی تاریخ لکھ رہا ہوں۔ اور یہ احمق گھنٹی میری توجہ کو تباہ کر رہی ہے"

ٹائیگر نے فرش پر بیٹھتے ہوئے اوشان کو دیکھا جس کے آگے پیچھے' دائیں بائیں کاغذوں اور دواتوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ اُس نے زیر لب مسکراتے ہوئے ریسیور اٹھا لیا۔

"ہیلو چیف..."

"میں بوبی ہوں شہزاد..."

"اوہ... کیا بات ہے۔ کیا چوتھی مرتبہ ڈبل فالٹ کیا ہے!" ٹائیگر مایوس ہو کر گردن ہلانے لگا۔

"مجھے ڈر لگ رہا ہے۔ میرے گھر کے باہر ایسے کئی افراد منڈلا رہے ہیں جن کا تعلق ایچ ماؤنٹ سے ہے"

"اوہ... ہو..." ٹائیگر اب سر ہلانے لگا۔ اس نے بوبی کو یہ ہدایت کر کے بھیجا تھا کہ وہ بہت محتاط رہے اسے توقع تھی کہ اب بھی بوبی اس سے رابطہ قائم نہیں کرے گی۔

"کیا میں تمہارے ساتھ رہ سکتی ہوں شہزاد" بوبی وہی بات کہہ رہی تھی [illegible] کو دھمکا تھا۔

"ٹھیک ہے" وہ بے بسی سے بولا۔ "لیکن گھر سے یہاں آتے ہوئے بھی بہت ہوشیار اور محتاط رہنا۔ باہر سردی ہے۔ کپڑے پہن کر آنا۔ ہم ایک دورے پر روانہ ہونے والے ہیں"

"ٹھیک ہے۔ میں آ رہی ہوں" بوبی کے جواب پر ٹائیگر نے ہنکارا بھر کر ریسیور رکھ دیا۔

بوبی کو گھر بھیجتے ہوئے اُس نے محتاط رہنے اور ولاری کو گھر جانے کی اجازت دیتے ہوئے خاموش رہنے کی ہدایت کی تھی۔ لیکن اب وہ سوچ رہا تھا کہ کیا وہ لوگ ولاری کی بھی نگرانی کر رہے ہوں گے۔

"شل فادر!" اس نے سر جھکتے ہوئے بڑے خوشگوار لہجے میں اوشان کو پکارا۔ "آپ نے میرے بارے میں کوئی اچھا جملہ لکھا؟"

"میں صرف سچ لکھ رہا ہوں" اوشان نے سر اٹھا کر جواب دیا اور ٹائیگر بُرا سا منہ بنا کر ایک اور نمبر ڈائل کرنے لگا۔ فون اٹھانے والی ولاری ہی تھی۔ اس نے جو نمبر ملایا تھا وہ میوزیم کا ہی تھا۔ "اوہ... تم... تم... ان... ایسے... ایسے لوگوں... تم جانتے ہو نا... ان لوگوں سے کب نجات حاصل کرو گے جو خصوصی کمرے میں ہیں؟"

"اوہ... کیا تمہیں کوئی مسئلہ درپیش ہے۔ وہ لوگ جیمز کی تلاش میں ہوں گے؟"

"نہیں۔ میں نے ایک نوٹس جاری کر دیا ہے کہ وہ تعطیلات پر گئے ہیں۔ لیکن مسئلہ یہ ہے کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چھٹی پر نہیں رہ سکتا۔ تمہیں کچھ کرنا ہو گا تاکہ میں کسی مشکل میں نہ پھنسوں"

"میں تمہیں ضمانت دیتا ہوں کہ ایسا ہی کروں گا" ٹائیگر نے بڑے خلوص سے جواب دیا۔ "کوئی تم سے ملنے تو نہیں آیا۔ کسی نے تعاقب کیا؟"

"میرا خیال ہے کہ نہیں" ولاری بولی۔

"کیا لوگ نمائش دیکھنے آ رہے ہیں۔ اسی کی نمائش!"... ٹائیگر کا اشارہ بہت واضح تھا۔

"نہیں۔ میں نے دروازے پر کلوز کا بورڈ لگا دیا ہے"

"اور کسی نے تمہارا تعاقب بھی نہیں کیا؟"

"تم... تم مجھے پریشان کرنا چاہتے ہو؟" ولاری اب روہانسی ہو رہی تھی "تم ہی تو چاہتے ہو کہ میں گھبرا کر تمہارے کمرے میں چلی آؤں اور... اور..."

"نہیں ڈارلنگ۔ میری ایسی کوئی خواہش نہیں"

"میں آؤں گی بھی نہیں اور نہ ہی تمہاری کسی حرکت سے پریشان ہوں گی۔ تم جو کچھ کر رہے ہو میں اسے اچھی طرح سمجھ چکی ہوں اور تم یہ چاہتے تھے کہ وہ تمہارے کمرے..."

ٹائیگر نے ریسیور رکھ دیا اور ولاری... بوبی سے پہلے ہی آدھمکی۔ اس وقت وہ بہرام سے بات کر کے ریسیور رکھ رہا تھا۔ بہرام کو جوانے ۱۷۲ کے بارے میں کوئی علم نہیں تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ چارہ گر سینی توریم بند تھا اور اسی باعث بہرام کو کسی قسم کی کوئی اطلاع نہیں مل رہی تھی۔ اسے اخبار بھی صرف اسی صورت میں ملتے تھے کہ باہر برفباری نہ ہو رہی ہو۔ اس نے اپنی نگرانی کے شکوک کی بھی تردید کی۔ اسکاٹنگ سے رطب اللسان ہونے کا ذکر کیا اور یہ انکشاف کیا کہ اس کے انسٹرکٹر نے یقین دلایا ہے کہ وہ ایک ماہ اوزبچوں کے سلوب پر اسکاٹنگ کرتے رہے گا۔ اس نے اس بات پر خوشی کا اظہار کیا کہ اوشان اور ٹائیگر بھی مین آ رہے ہیں۔ لیکن یہ واضح کر دیا کہ اس کے کیبن میں ان کے لیے گنجائش نہیں' وہ یہ نہیں چاہتا تھا کہ ملازمہ جہاں آرا ان دونوں سے ملے۔

"یہ کون چیخ رہا ہے!" بہرام نے ٹائیگر کے کمرے سے کسی کی چیخ سن کر پوچھا تھا۔

"یہ ولاری ہے" ٹائیگر نے خود ہی ریسیور رکھ دیا۔ کیونکہ وہ اوشان کے تیور دیکھ چکا تھا جو اس اچانک شور سے برہم ہو کر ولاری کی طرف پلٹ رہا تھا۔ قلم اوشان کے ہاتھ میں تھا اور ٹائیگر کو ایسا لگا تھا جیسے اگلے ہی لمحے یہ قلم ولاری کی ایک آنکھ میں گھس کر جیمز کے آر پار ہو جائے گا۔

"شل فادر... میں اسے خاموش کرا دوں گا" السن نے آگے بڑھ کر کہا۔

"اگر تم دونوں خاموش رہو تو یہ تمہارے اپنے حق میں بہتر ہو گا" اوشان نے غرا کر کہا۔ "میں انتہائی پیچیدہ کام کر رہا ہوں"

"ولاری... یہاں آؤ... بیٹھو..."

"میں اخبار والوں کو سب کچھ بتا دوں گی" ولاری دھمکی آمیز لہجے میں بولی۔ "بس بہت ہو گیا۔ نیویارک ٹائمز میرا انٹرویو خوشی شائع کر دے گا پھر تمہیں پتا چلے گا کہ ان حرکتوں کا کیا انجام ہوتا ہے"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"نیویارک ٹائمز واقعی اچھا اخبار ہے۔"

"میں نے نیویارک ٹائمز میں اشتہار پڑھ کر ہی ہیوزیم میں نوکری کی درخواست دی تھی، چالیس درخواستیں آئی تھیں لیکن صرف تین ہی قابل اور اہل ثابت ہوئی۔ جیمز نے میرا انٹرویو کیا تھا۔ بے چارہ۔ وہ ننھے کے کمرے میں مُردہ پڑا ہے۔"

"وہ بے چارہ تمہارا دل نکالنا چاہتا تھا فلاری۔"

"ہاں۔ لیکن وہ اُس کا اصل روپ نہیں تھا۔ عام زندگی میں وہ انتہائی نفیس اور خلیق انسان تھا۔"

"کمال ہے۔ اس نے تمہیں ہلاک کرنے کی کوشش کی اور پھر بھی تم اس کی تعریف کر رہی ہو۔ ٹھیک ہے۔ اب ٹائمز والوں سے ہی جا کر بات کرو۔ وہی تمہاری بات سمجھ سکیں گے۔"

"یہ ناانصافی ہے۔" اوشان نے غریب سے لہجے میں کہا۔ "تم لوگ مسلسل مجھے پریشان کر رہے ہو۔ یہ انصاف نہیں، اور ناانصافی کی ایجاد یقیناً اسی علاقے میں ہوئی ہے۔"

"آپ تاریخ لکھتے رہیں مسٹر فادر۔" ٹائیگر نے محبت بھرے لہجے میں جواب دیا۔ "ویسے ہم جو باتیں کر رہے ہیں ان کا تعلق تاریخ سے نہیں بلکہ آپ کو ڈسٹرب بھی نہیں ہونا چاہیے۔"

اس لیموسین کا دروازہ کھلا اور بولی اندر آ گئی۔ سرد موسم سے نمٹنے کے لیے اس نے ٹائیگر کے مشورے پر عمل کیا تھا۔ اس نے ٹینس کا ٹریننگ پراڈوڈر کوٹ پہن رکھا تھا۔

اوشان نے قلم دوات میں ڈال دیا۔ "آہ۔ یہ ہی تاریخ کا سب سے بڑا المیہ ہے۔ کسی ماسٹر کو تاریخ قلم بند کرنے کے لیے کبھی سازگار ماحول فراہم نہیں کیا گیا۔"

"کیا تمہارا تعاقب کیا گیا تھا بولی؟" ٹائیگر نے لڑکی سے پوچھا۔

"نہیں۔" بولی نے سر جھٹک کر جواب دیا۔ والدی کو دیکھا تو وہ مسکرانے لگی۔ "ہیلو والدی، کیسی ہو؟"

"تمہیں اوور کوٹ میں دیکھ کر خوش ہو رہی ہوں۔ خدا کا شکر ہے کہ تمہیں لباس پہننے کا خیال تو آیا۔"

اوشان نے شمع بجھائی، جس کی ویسے بھی ضرورت نہ تھی پھر سیٹر کی کھال کا وہ ٹکڑا اپیٹا جس پر بیٹھ کر وہ لکھنے کی کوشش کرتا رہا تھا، اور قلم دواتیں کا نذسب سامان کمرے کی الماری میں رکھ دیا۔

"شکریہ مسٹر فادر۔ آپ تاریخ قلم بند کرنے کا یہ عظیم کام بعد میں یقیناً مکمل کر لیں گے۔" اب ہم جہاں چلیں گے وہاں کا ماحول یقیناً بہت سازگار اور پُرسکون ہوگا۔"

"کہاں؟"

"ہم مین چل رہے ہیں۔"

"بارخ۔ ح۔" اوشان نے نہ جانے کیا کہا۔

"گڈ۔" بولی بھی اُچھل پڑی۔

"چلنا تو مجھے بھی پڑے گا۔ لیکن میری نوکری کا کیا ہوگا؟" فلاری بڑبڑائی۔

"میرے خدا۔ کیا دن کافی نہیں تھی۔" ٹائیگر نے دونوں ہاتھ کانوں پر رکھ لیے۔

وہ یورپ سے آنے والے تھے۔ آنے والوں میں جنوبی امریکہ اور ایشیا کے لوگ بھی شامل تھے۔ درحقیقت وہاں دُنیا کے کونے کونے سے لوگ آئے تھے... ان میں سے ہر ایک ایکٹیالی سُور ماتھا۔ جین لوئس کے منظر پر آنے سے قبل اُن کی قوت ضائع ہوتی رہی تھی لیکن اب وہ پُراعتماد تھے کہ ایک واضح حکمت عملی ان کے سامنے ہے۔

لمبے قد والے اور لنگوٹ پہنے ہوئے بارہ افراد گھٹنوں گھٹنوں برف میں برہنہ پا کھڑے ہوئے تھے۔ انھیں یقیناً ٹھنڈ لگ رہی تھی لیکن ان سب کی نظریں ایک چھوٹی سی پہاڑی پر درختوں کے جھنڈ میں نظر آنے والے چھوٹے سے کیبن پر مرتکز تھیں۔

برفباریوں کی سرد ہوائیں انھیں کوڑے مار رہی تھیں اور اس تند و تیز ہوا کے باعث ان کی قباؤں کے پُرہل رہے تھے لیکن اس شدید موسم کے باوجود وہ ڈٹے ہوئے تھے۔ نہ تو ان کے جسموں میں کپکپاہٹ پیدا ہوئی تھی اور نہ ہی دل میں خوف۔ انھیں اس قدر یم فلیٹے پر یقین تھا کہ کوئی بچ اس وقت تک سور ما نہیں بن سکتا جب تک وہ سانپ، جنگل اور موسم پر فتح حاصل نہ کرے۔ جیسی نسلوں کے فنا ہو جانے کے بعد ایکسوکی نسل بھی سانپ، جنگل اور موسم پر فتح حاصل کر کے یہاں آئی تھی۔

جین لوئس انھیں ہدایات دے رہا تھا۔ اس نے بھاری چرمی بوٹ پہن رکھے تھے اور وہ فرنچ پُرکا کی میں ملبوس تھا۔

"عورت کو قربان کیا جائے گا۔ اور مرد کو قربان کرنے سے قبل میرے سامنے پیش کیا جائے گا تاکہ میں اُس سے چند باتیں کر سکوں۔"

"کیا وہ دو۔ مشرقی اور نوجوان۔ بھی یہاں آئے ہیں جین لوئس دی گریٹ؟" انکل کارل نے پوچھا۔

جین لوئس ڈی جون مسکرانے لگا۔ "اگر وہ یہاں آئے تو... اپنے ہی کسی ساتھی کے ہاتھوں مارے جائیں گے انکل کارل۔" اس کی مسکراہٹ پُراسرار اور انتہائی پُراعتماد تھی۔

●

جہاں آرا بہت مضطرب تھی۔

وہ بہرام کے خاندان کے خادموں میں سے واحد خادمہ تھی جو زندہ بچی تھی اور جس نے لیس پردہ رہتے ہوئے بہرام کا ہر پل ساتھ دیا تھا وہ بہرام کے لیے بہن... بلکہ بڑی بہن سے بھی زیادہ اہمیت رکھتی تھی لیکن بہرام نے اُسے کبھی اپنے سرکاری فرائض اور حیثیت کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔ اگر بہرام کو اپنے ساتھ جہاں آرا کی زندگی کا بھی خوف نہ ہوتا تو وہ اس محفوظ مقام پر اُسے لے کر نہ آتا بلکہ وطن واپس بھیج دیتا۔ یہ الگ بحث تھی کہ وہ بہرام کو چھوڑ کر جاتی یا ساتھ رہنے پر اصرار کرتی۔

اس وقت اس کی عمر مہم سال تھی اور اُس نے بہرام کو اُس کے بچپن ہی سے دیکھا تھا۔ اس نے بہرام کی خاطر زندگی کی ہر خوشی تج دی تھی، وہ اس خاندان کے آخری چراغ سے بے پناہ محبت کرتی تھی جس نے جہاں آرا کے خاندان کو جاگیر داری اور سماج کی بیڑیوں سے نجات دلائی تھی۔ اسے برسوں قبل علم ہو گیا تھا کہ بہرام کوئی خفیہ کام کر رہا ہے لیکن اُس نے کبھی اس کی ٹوہ لگانے کی کوشش نہیں کی تھی ہاں... اُسے وہ آدمی بہت اچھے لگے تھے جن کو اس نے ایک مرتبہ بہرام کے ساتھ دیکھا تھا۔ وہ اوشان اور ٹائیگر کے ناموں سے واقف نہیں تھی۔

اس وقت وہ کیبن کے چھوٹے سے کچن میں کافی کے لیے پانی چولہے پر چڑھا کر اُس کی سنسناہٹ سن رہی تھی۔ چند لمحوں بعد اس نے ایکٹرک برنر آف کر کے کافی پاٹ اُٹھایا اور اسے سنک کے قریب ٹھنڈی جگہ پر رکھ دیا تاکہ کافی کا پورا اثر پانی میں شامل ہو جائے۔

مین آگر اُسے خوشی ہوئی تھی۔ یہاں برفباری دیکھنا اس کی زندگی کا سب سے دلچسپ تجربہ ثابت ہوا تھا۔

اس نے دو کپ اُٹھائے، کافی بھری اور فارمیکا کی چھوٹی سی کچن ٹیبل کی طرف چلنے لگی۔ اسے یقین تھا کہ بہرام بس اُٹھنے والا ہی ہوگا۔ جہاں آرا نے باہر کا نظارہ کرنے کے لیے کھڑکی سے جھانکا اور پھر اپنی جگہ پر ساکت ہو گئی۔ اس نے بڑی احتیاط سے کپ میز پر رکھ دیے اور کھڑکی کے سرد و دُھندلے شیشے سے چہرہ لگا دیا۔

باہر بڑا عجیب منظر تھا۔

"بہرام۔" جہاں آرا نے آواز دی۔

"یس مسٹریس۔ میں اُٹھ چکا ہوں۔" اُسے بیڈ روم سے بہرام کی آواز سنائی دی۔ اُس نے جہاں آرا کو کبھی آپا، باجی یا بجیا نہیں کہا تھا۔ وہ ہمیشہ اُسے مسٹریس کہتا تھا۔

"یہاں آؤ۔"

"بس ابھی آیا۔"

"فوراً آجاؤ بہرام۔" وہ کھڑکی سے باہر دیکھتی ہوئی اسے بہرام کی آمد کا بھی صرف احساس ہی ہوا۔

"صبح بخیر مسٹریس۔ کیا بات ہے؟" بہرام نے اس کے قریب پہنچ کر پوچھا۔

"باہر دیکھو۔" جہاں آرا کے کہنے پر بہرام نے بھی شیشے سے باہر دیکھا... اور پھر ساکت ہو گیا۔

تقریباً ایک درجن افراد صرف لنگوٹ باندھے ہوئے ایک پہاڑی ڈھلوان سے کیبن کی طرف بڑھ رہے تھے۔ اُن کے جسم پر لنگوٹ اور سر پر پروں کے تاج کے سوا کچھ اور نہ تھا۔ وہ دُور سے انڈینز لگ رہے تھے لیکن ان کی رنگت انڈینز جیسی تھی، بعض زرد تھے بعض سیاہ اور بعض دلکش۔

"یہ کیا ہے بہرام؟ یہ کون لوگ ہیں؟" جہاں آرا کے لہجے میں خوف نہیں اضطراب تھا۔ اس نے بہرام کی طرف دیکھا مگر بہرام وہاں نہیں تھا۔

بہرام بہت تیزی سے کمرے میں گیا۔ اس نے دروازے کے اوپر بنے ہوئے ریک روشندان سے اعشاریہ ۱۲ کا شاٹ گن نکالا اور پھر کمرے میں پہنچ کے برتنوں کے شوکیس سے اُس نے شاٹ گن کے شیلز کا ڈبا کھینچ لیا۔ اس دوران جہاں آرا بھی وہاں پہنچ گئی اور خاموشی سے دیکھتی رہی۔ اُسے زندگی میں پہلی بار علم ہوا تھا کہ بہرام کے پاس کوئی ہتھیار بھی ہے... سوال یہ تھا کہ وہ شاٹ گن میں شیل کیوں بھر رہا ہے۔

"تم کیا کر رہے ہو؟" اُس نے لرزتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"لباس بدل لو مسٹریس۔" بہرام کا لہجہ عجیب سا تھا۔ "بھاری بوٹ، گرم کوٹ ضرور پہن لینا۔ ممکن ہے تمہیں اچانک باہر نکلنا پڑے۔"

جہاں آرا خاموش کھڑی رہی۔

"مسٹریس پلیز۔" بہرام کا لہجہ اب سخت ہو گیا تھا۔ حکم کن کر وہ تذبذب ہچکچاتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ اُس نے پلٹ کر دیکھا، بہرام تیزی سے چل رہا تھا۔ شاٹ گن کسی ہنٹر کی طرح اس کی بغل میں دبی ہوئی تھی۔ اس نے کھڑکیاں بند کیں اور بھران کے پردے بھی گرا دیے۔

"یہ کون لوگ ہیں بہرام؟" جہاں آرا اپنے کمرے میں کپڑے بدلتی ہوئی بولی۔

"پتا نہیں۔" بہرام نے اپنے سلیپنگ گاؤن کی بائیں جیب میں ڈبا خالی کر لیا۔ دائیں جیب میں ۹ ایم ایم کا آٹومیٹک رکھا جو بستر کے نیچے سے نکالا تھا۔ "کھڑکیاں کسی بھی حالت میں نہیں کھولنا مسٹریس۔" اُس نے کہا۔ "جب تک میں نہ کہوں باہر نہ نکلنا۔" وہ یہ کہہ کر کچن سے نکل گیا۔

ایکٹیالی بڑی خاموشی سے چھوٹے سے مکان کی طرف بڑھ رہے تھے جس کے اِرد گرد دُور دُور تک کوئی اور کیبن یا کاٹیج نہیں تھا۔

سنو موبائل (برف گاڑی) پر بیٹھا ہوا جین لوئس ایک پہاڑی سے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ اُس کے سُور ما اب مکان سے تو تیز دُور

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

رہ گئے تھے۔

پھر اُس نے اُس پگڈنڈی کی طرف دیکھا جو برف سے چھپی ہوئی تھی۔ وہ بہت مطمئن تھا۔

سُور مامکان کے اور قریب پہنچ رہے تھے اور پھر اچانک ہی جین لوئس کو مکان کی طرف جانے والے راستے پر برف اُڑتی ہوئی نظر آئی۔ کوئی کار آ رہی تھی۔ وہ مسکرانے لگا۔

"بس۔ اب فیصلہ کن وقت آ گیا ہے۔" اُس نے سوچا "ایکیٹالی یا تو ہار جائیں گے یا فاتح کہلائیں گے۔" وہ مسکراتا رہا کیونکہ اسے سو فیصد یقین تھا کہ کامیابی ایکیٹالیوں کا مقدر ہے۔

بہرام نے کچن میں واپس آ کر ایک کھڑکی کا شیشہ توڑا اور شاٹ گن کی نال اس کی کگر پر رکھ کر پوزیشن سنبھال لی۔

اچانک ہی اسے پہلا ایکیٹالی نظر آ گیا۔ اس نے بہت ٹھنڈے دماغ سے کام لیتے ہوئے نال قدرے بائیں جانب کی۔ اسے توقع تھی کہ اس پوزیشن سے وہ ایک ساتھ تین افراد کو گرا سکتا ہے۔

اُس کی اُنگلی ٹریگر پر پہنچ گئی۔ وہ اُنگلی سے دباؤ ڈالنے کے قریب ہی تھا کہ اچانک کار کے انجن کی آواز سن کر اُسے ارادہ ترک کرنا پڑا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیا مزید دشمن آ گئے ہیں یا... ٹائیگر اور اوشان پہنچ گئے ہیں؟

دروازہ بند تھا۔ اُسے انتظار کرنا تھا۔ ایکیٹالی اب محض ۵۰ گز دُور رہ گئے تھے۔ وہ برف میں چلتے ہوئے بار بار ڈگمگا رہے تھے لیکن ان کی پیش قدمی جاری تھی۔

پچیس گز کے فاصلے پر آ جائیں۔ پھر محاذ کروں گا۔" بہرام نے فیصلہ کر لیا لیکن اس سے قبل کہ وہ اس فیصلے پر عمل کرتا اُسے اپنی کھڑکی کے باہر دائیں طرف رنگ اُڑتا ہوا نظر آیا۔ پھر ٹائیگر بھی نظر آ گیا۔ اُس نے نیلی ٹی شرٹ اور کالی پتلون پہن رکھی تھی جب کہ اوشان کُہرے لبادے میں تھا۔ وہ دونوں حملہ آوروں کی سمت میں ہی لپک رہے تھے۔ اور حملہ آوروں کے ہاتھوں میں نیزے تھے۔

انڈینز کی اگلی قطار اپنی جگہ پر ٹھٹک کر رُک گئی۔ ان لوگوں نے اپنے نیزے اور تیر اُن کی طرف پھینک دیے۔

وہ یقیناً تربیت یافتہ اور ماہر تھے کیونکہ نیزے اور تیر گولی کی طرح تیرتے ہوئے اوشان اور ٹائیگر کی طرف جا رہے تھے۔

اس کے بعد کا منظر اگر بہرام اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیتا تو شاید وہ کسی کے بیان پر یقین بھی نہیں کرتا۔

تیر ٹائیگر کی طرف بڑھ رہے تھے۔ اوشان بھی ان کی زد میں تھا۔

محض سیکنڈ کے ہزارویں حصے کی بات تھی۔ ٹائیگر نے اپنا ہاتھ چہرے کے سامنے کیا، تیر کا نیزے کا جو حصہ اُس کی ہتھیلی میں اس طرح آگیا جیسے چپک گیا ہو اور پھر دو ٹکڑے ہو کر نیچے گر گیا۔ ٹائیگر کی رفتار میں کوئی کمی نہ آئی۔

بہرام کو ایسا لگا جیسے اوشان کے لیے پھینکا جانے والا نیزہ بوڑھے ماسٹر کے پیٹ میں پیوست ہو جائے گا لیکن پھر لمبے ناخنوں والا ہاتھ آخری لمحے میں آگے آیا اور نیزہ اب اوشان کے ہاتھ میں تھا۔ وہ بھی رُکے بغیر بڑھتا رہا۔

پھر اچانک ہی یُوں لگا جیسے ایکیٹالیوں پر دو بجلیاں گر پڑی ہوں۔ یہ پہلا موقع تھا کہ بہرام اپنے دونوں آدمیوں کو ایک ساتھ ایکشن میں دیکھ رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ ماسٹر آف سنا نجو اور اس کے شاگرد کی دہشت کتنی زیادہ اور کتنی حقیقی ہے۔

ٹائیگر اب محض نیلا دھبا لگ رہا تھا۔ اُس کی رفتار بہت تیز تھی وہ پلک جھپکنے میں اس گروپ پر ٹوٹ پڑا جو مکان پر حملہ کرنے سے قبل ان دونوں کو ختم کرنے کے لیے رُکا تھا۔ یہ صرف رفتار ہے۔ ٹائیگر نہیں۔" بہرام بڑبڑانے لگا۔

جسم اُڑنے لگے۔ اس طرح جیسے دو مختلف مقناطیسی لہریں ٹائیگر کے جسم سے نکل کر دوسروں کے جسموں کو اُڑا رہی ہوں۔ وہ غیر مرئی قوت نظر آ رہا تھا۔

ٹائیگر نے گروپ کے قلب پر دھاوا بولا تھا جب کہ اوشان گروپ کے اردگرد تباہی مچا رہا تھا۔ اُس کا انداز ٹائیگر کے انداز سے مختلف تھا۔ دونوں کے انداز میں رائفل اور پستول کا فرق نظر آ رہا تھا۔ اوشان کی رفتار بظاہر کم لگ رہی تھی۔ اس کے اعضا نظر آ رہے تھے اور یہ بھی دکھائی دے رہا تھا کہ وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ جا رہا ہے۔

لنگوٹ والوں کے جسموں کے ڈھیر لگنے لگے۔

اُسی لمحے بہرام کو باہر، دائیں طرف کسی قسم کی حرکت کا احساس ہوا تو اُس نے کن انکھیوں سے دیکھا۔ فرکوٹ پہنے ہوئے ایک لڑکی کیبن کے بیرونی کارنر پر نمودار ہوئی۔

"یہ ولاری یا لوبی ہی ہو سکتی ہے۔" وہ سوچنے لگا اُس کی نظریں اب لڑکی ہی پر تھیں جو ٹائیگر اور اوشان کی طرف دیکھ رہی تھی۔

لوبی کو یہ احساس بھی نہ ہوا کہ کوئی اسے دیکھ رہا ہے۔ لہٰذا اُس نے فرکوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک پستول نکال لیا۔

بہرام مسکرانے لگا۔ اُسے یقین تھا کہ یہ معصوم سی لڑکی ٹائیگر اور اوشان کی حفاظت کے لئے کچھ کرنا چاہتی ہے۔

لوبی نے دائیں ہاتھ میں پستول لے کر اسے سیدھا کیا اور پھر پورا ہاتھ آگے کر دیا۔ بہرام سوچنے لگا کہ لڑکی کو روک دے کیونکہ اس وقت فائرنگ کی ضرورت نہ تھی۔ اُس نے میدان جنگ کی طرف دیکھا۔

تمام ایکیٹالی گر چکے تھے، اب صرف اوشان اور ٹائیگر کھڑے ہوئے نظر آ رہے تھے، ان کی پُشت لوبی کی طرف تھی اور ٹائیگر اُنگلی سے اُس شخص کی طرف اشارہ کر رہا تھا جو قدرے بلندی پر ایک سنو موبائل میں بیٹھا ہُوا تھا۔ ٹائیگر نے اوشان کو دیکھ کر سر ہلا دیا... اور اوشان اُس شخص کی سمت میں جانے لگا۔

بہرام نے لڑکی کی طرف پھر دیکھا، اس توقع پر کہ اب اس نے پستول واپس رکھ لیا ہو گا لیکن وہ نہ صرف اسی پوزیشن میں تھی بلکہ اُس نے دائیں ہاتھ کی کلائی کو بائیں ہاتھ کی گرفت میں بھی لے لیا تھا تاکہ تشنہ خطا نہ ہو سکے۔

وہ اوشان یا ٹائیگر کا نشانہ لے رہی تھی۔

بہرام نے پل بھر میں پوزیشن تبدیل کی اور نشانہ لیے بغیر بلی دبا دی۔ اس نے دائیں بائیں دونوں ٹرائیگر دبائے۔ پہلی گولی خطا گئی لیکن دوسری لوبی کے پیٹ میں لگی۔ وہ اُچھلی۔ اور پھر کسی گیند کی طرح اُسی جگہ گری جہاں کھڑی ہوئی نظر آتی تھی۔

ٹائیگر نے پلٹ کر دیکھا۔ لوبی ساکت پڑی ہوئی تھی خون اب برف پر بہنے لگا تھا۔ برف کی رنگت بدلنے لگی۔

ٹائیگر نے کھڑکی کی سمت میں دیکھا، بہرام نے سر کو جھٹکا دیا گن ایک طرف رکھی اور باہر نکل گیا۔

ٹائیگر اُسے دیکھ کر ہنسنے لگا۔

"کیا ہُوا۔ ہنس کیوں رہے ہو؟" بہرام نے پوچھا۔

"سیلنگ گاؤن میں کچھ زیادہ ہی اچھے لگ رہے ہیں آپ۔" ٹائیگر نے ہنستے ہو۔ نے ہی جواب دیا۔

"اس میں ہنسنے کی تو کوئی بات نہیں۔" بہرام نے کہا اسی دوران اوشان بھی قریب آ کر لڑکی پر جُھک گیا تھا۔ وہ دونوں اس کے قریب پہنچے تو لوبی زندہ تھی۔ اُس نے ٹائیگر کو دیکھا۔ "تم... تم... نے... مجھے... کی... بے حرمتی... کی تھی... تمھیں... مرنا... ہو گا۔"

"سوری۔ لیکن اس حالت میں تم مجھے نہیں مار سکتیں لوبی۔" ٹائیگر نے اس طرح جواب دیا جیسے اسے اپنے زخمی ہونے پر سخت صدمہ ہوا ہو۔

"اس نے تمھیں گولی مارنے کی کوشش کی تھی۔" بہرام نے بتایا۔

"گولی مارنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔"

"اس وقت تمھاری پُشت اس کی طرف تھی۔"

"کمال ہے۔" ٹائیگر لوبی پر جھک گیا۔ "لوبی... تمھارا ان لوگوں سے کیا تعلق ہے؟"

"مَیں... مَیں... ایکیٹالک کی بیٹی ہوں۔" وہ بمشکل بولی۔ "میرا باپ... ایکیٹالک کا... بیٹا تھا... اس کا باپ ایکیٹالک کا... بیٹا... تھا۔"

"تو تم نے اپنی ماں کے قتل میں ان کی مدد کی تھی؟"

"وہ... ایکیٹالک... ل... نہ... تھی..." لوبی نے کہا۔ اور اسے سانس لینے میں بھی دشواری ہو رہی تھی اور حلق سے ہزاروں کی سی آوازیں آ رہی تھیں۔

"اب اس پتھر کی حفاظت کون کرے گا لڑکی؟" ٹائیگر ہوئے پوچھا۔

"چ... جین... لو... نس... اور... وہ... تمھیں... تباہ... فنا... برباد... کر دے... گا۔"

"پہلے تم تو فنا ہو جاؤ۔" ٹائیگر نے اس کے چہرے پر موت کی زردی دیکھ لی تھی۔

"تم... میں... ایکیٹالک... کا... خفیہ... مقدس... نام... کر... مر... رہی... ہوں۔"

ٹائیگر اس کے ہونٹوں پر جھک گیا، ہونٹ ہلے اور ٹائیگر نے وہ نام سن لیا۔ پھر لوبی کے چہرے پر اچانک ہی مسکراہٹ ناچنے لگی اس کی آنکھیں بند ہوئیں اور سر ایک طرف ڈھلک گیا۔

ٹائیگر ایک ٹھنڈی سانس لے کر کھڑا ہو گیا۔ لوبی کی لاش سفید برف میں سیاہ اور سرخ جزیرہ سی لگ رہی تھی۔

"تو یہ کھیل ہُوا۔ سویٹ ہارٹ۔" ٹائیگر نے بہرام کی طرف دیکھ کر کہا۔ پھر اسے جین لوئس کا خیال آیا۔ اس نے پہاڑی کی سمت میں دیکھا مگر اب وہاں کوئی نہیں تھا۔

اچانک ہی اسے چیخ سنائی دی اور وہ گھبرا گیا۔ یہ چیخ ولاری کی تھی، جو پہلی گولی کے چلتے ہی دبک گئی تھی اور اب جب حالات معمول پر آ گئے تھے، تو اس میں چیخنے کی صلاحیت عود کر آئی تھی۔ "میرے خدا۔ میرے خدا۔" وہ بار بار چیخ رہی تھی۔ لاشیں دیکھ کر اس پر دورہ سا پڑ گیا تھا۔

"اوشان۔ کیا آپ اسے یہاں سے لے جا نہیں سکتے۔" ٹائیگر نے بے بسی سے کہا۔

"مَیں تمھارا حکم نہیں مانوں گا، میرے لیے شہنشاہ کی خواجش حکم کا درجہ رکھتی ہے جو اس وقت پاجامہ پہنے ہوئے کھڑے ہیں؟" اوشان نے آگے بڑھتے ہوئے کہا، ولاری کے بازو کو چھُوا اور پھر ولاری اس کے ساتھ کار کی طرف چلی گئی۔

"اب تمھیں ان لاشوں کو ٹھکانے لگانا ہو گا ٹائیگر۔" بہرام نے بکھری ہوئی لاشوں کو دیکھ کر کہا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"میں ڈاگ وارڈن نہیں ہوں۔"

"مگر فی الوقت میں یہ کام نہیں کر سکتا۔ اندر ایک محترم خاتون موجود ہیں اور میں یہ نہیں چاہتا کہ لاشوں پر اُن کی نظر پڑے۔"

ٹائیگر سمجھ گیا کہ خاتون کون ہو سکتی ہیں۔ اس نے سر ہلایا اور کیبن کے شیڈ میں جا کر سنو موبائل کھینچ لایا۔ اس نے لاشیں گاڑی میں بھریں، کچھ اس طرح جیسے آلو کی بوریاں ڈال رہا ہو۔ واپس آ کر اس نے یوبی کی لاش اٹھائی اور گاڑی میں سب سے اوپر رکھ دی۔ اس کے بعد اس نے گاڑی کا رُخ ایک پہاڑ کی طرف کیا اور اسٹیرنگ سسٹم ناکارہ بنایا تاکہ گاڑی اِدھر اُدھر نہ چلی جائے۔ پھر گاڑی اسٹارٹ کرتے ہی اس سے کود گیا۔

سنو موبائل تیرہ لاشیں لیے ہوئے دوڑنے لگی۔

"اب لاشوں کا انکشاف موسم خزاں میں ہوگا اور اس وقت تک آپ ایسا انتظام کر سکیں گے کہ کسی کو بھی یہ علم نہ ہو کہ یہ کیبن کس نے کرائے پر لیا تھا۔"

"درست۔" بہرام نے جواب دیا۔

"اب آپ پیادہ گرینی لوڈیم واپس چلے جائیں۔ قصہ ختم ہو گیا۔"

"مگر اس قبیلے کے بادشاہ کا کیا ہوگا؟"

"میں اس سے نیویارک میں نمٹ لوں گا۔ فکر نہ کریں۔"

"مجھے کوئی فکر نہیں۔"

"اپنا وعدہ یاد ہے؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"کیسا وعدہ؟"

"نوگان کو قتل کرنے کے لیے مناسب وقت دینے اور سانجو جانے کی اجازت دینے کا وعدہ۔"

"ہاں۔ لیکن۔"

"کچھ نہیں چیف۔ نوگان کو اب اگر ہلاک نہیں کیا تو میں چین کی نیند نہیں سو سکوں گا۔"

"ٹھیک ہے۔ جیسی تمہاری مرضی لیکن نوگان اب اور زیادہ طاقتور ہو گیا ہوگا۔"

"مگر آپ کو میری صلاحیتوں پر اعتماد نہیں۔" ٹائیگر کے اس سوال پر بہرام خاموش رہا۔ ٹائیگر نے خون سے رنگین برف کو دیکھا اور پھر ایک پرُ اٹھا کر برف سے خون کے دھبے صاف کرنے لگا۔ چند ہی منٹ میں وہاں سرخ رنگ کا کوئی بھی نشان باقی نہیں رہا۔

"ولاری کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟"

"وہ روبی کی سگی بہن لگتی ہے۔" ٹائیگر نے مختصر جواب دیا۔

"لیکن وہ منہ نہیں کھولے گی۔ مجھے اس پر اعتماد ہے۔" یہ کہہ کر وہ کار کی طرف بڑھ گیا۔ چند لمحوں بعد کار اسٹارٹ ہوئی اور پھر نظروں سے اوجھل ہو گئی۔

"یہ کیا تھا بہرام؟" کیبن میں گھستے ہی جہاں آرا نے سوالوں کی بوچھاڑ کر دی۔

"اسے کچھ نہیں۔ بعض لوگ نشانہ بازی کی مشقیں کر رہے تھے، میں نے دو فائر کر کے انھیں بھگا دیا۔"

"اوہ۔" جہاں آرا نے بظاہر طمانیت بھرے انداز میں کہا لیکن اس کی آنکھیں صاف ظاہر کر رہی تھیں کہ اسے بہرام کے اس جھوٹ پر یقین نہیں آیا۔

"اب سامان باندھ لو سسٹر۔ ہم واپس جا رہے ہیں۔"

"مگر۔" جہاں آرا نے خوش ہو کر جواب دیا لیکن حقیقت یہ تھی کہ وہ مزید چند روز گزارنا چاہتی تھی۔ اتنا پُرسکون ماحول اسے پہلی مرتبہ نصیب ہوا تھا۔

⁂

نیویارک سٹی سے دریا کے پار، وی ہاؤکن نیوجرسی کے پارک میں ایرون برر نے بالکونی الیگزینڈر ہملٹن کے قتل کی یادگاری تقریب ہوئی تھی۔ یہاں ہملٹن کا مجسمہ بھی تھا لہٰذا اس چھوٹے سے پارک میں کسی دوسرے مجسمے کی موجودگی کا تو سُنا جانا مشکل لگتا تھا۔

لیکن ولاری کے لیے یہ مشکل بات نہیں تھی۔

ٹائیگر نے اپنا یہ وعدہ پورا کر دیا تھا کہ وہ خصوصی کرے سے جیمز اور دوسروں کی لاشیں غائب کر دے گا۔ اس نے ولاری کا منہ بند رکھنے کے لیے بھی ایک طریقہ نکال لیا تھا۔

"تم نوکری کی فکر مت کرو۔" اس نے ولاری سے کہا تھا۔ "جیمز کی جگہ بہت جلد دوسرا ڈائریکٹر آ جائے گا اور وہ تمہیں اس بات پر انعام بھی دے گا کہ تم نے مجسمے کی کس قدر حفاظت کی ہے۔" اس نے اسے اپنے منصوبے کی تفصیل بھی بتا دی۔

ٹائیگر نے رات کو گھروں کا سامان منتقل کرنے والی ایک کمپنی سے رابطہ قائم کیا۔ اور اسے چند خصوصی ہدایتیں دیں جب کہ ولاری نے نیویارک ٹی وی اسٹیشنز، اخباروں، نیوز ایجنسیوں اور میگزینوں کو فون کیے۔

اگلے روز دوپہر ایک بجے، اخبار والے جب پارک میں پہنچے تو وہاں ولاری ایک آٹھ فٹ بلند مجسمے کے ساتھ موجود تھی۔ مجسمے پر پرندوں کی ٹکلیں بھی بنی ہوئی تھیں۔

"یہ مجسمہ سیورلے اسٹوڈیو نے بنایا تھا۔" ولاری نے انھیں بتایا۔ "میں نے بھاری رقم دے کر اسے واپس حاصل کیا ہے۔ میں نے اپنی جیب سے ادائیگی صرف اس لیے کی کہ ڈائریکٹر جیمز سے رابطہ قائم نہیں ہو رہا تھا۔"

مجسمے کے چہرے پر شمال ہوا نیں تھپیڑے مارنے لگیں۔ ولاری انھیں بتاتی رہی کہ مجسمے کا نام ایگو ہے اور اس کی کتنی اہمیت ہے۔

"کیا یہ معلوم ہو کر مجسمہ کس نے چوری کیا تھا؟" ایک رپورٹر نے پوچھا۔

"نہیں۔"

"لیکن اسے میوزیم سے باہر کس طرح لایا گیا ہوگا۔ اس کا وزن ایک ٹن سے کم تو نہیں۔"

"اس کا وزن چار ٹن ہے۔" ولاری نے جواب دیا۔ "چوری ہونے کی وجہ صرف یہ ہے کہ ہمارے بعض گارڈز بیماری کے باعث چھٹی پر تھے۔ لیکن ہے چوروں نے فورک لفٹر استعمال کیا ہو۔"

"اور کوئی خاص بات؟"

"اس مجسمے کا اصل نام۔" کیمرے چلتے رہے اور ریکارڈنگ مشینوں نے مجسمے کا اصل نام بھی محفوظ کر لیا۔ اگلے روز اخبارات نے اس کیس کی زبردست تشہیر کی اور ٹی وی پر فلمیں دکھائی گئیں۔ جو ایکٹنگ کے ماہنے والوں نے بھی دیکھیں۔ انھوں نے ولاری کی زبانی خفیہ نام بھی سنا۔ اور جب نام ہر گھر تک پہنچ گیا، ہر زبان سے ادا ہوا... تو نہ تو بادل پھٹے، نہ ہی آسمان تاریک ہوا۔

وہ افسردہ ہو کر سوچنے لگے کہ اب جب کہ دیوتا کی قوت ختم ہو گئی ہے وہ خود کو ایکٹیٹالی سمجھنا چھوڑ دیں۔

لیکن تین افراد ایسے بھی تھے جنھوں نے نہ تو براڈ کاسٹ سنا اور نہ ہی اخبارات دیکھے۔

ولاری اور اخباری نمایندوں کے چلے جانے کے بعد بھی وہ ایک عمارت سے مجسمے کی طرف دیکھ رہے تھے۔

ان میں جین لونس بھی شامل تھا۔ اس کے چہرے پر افسردگی کی جھلک تھی۔ "بہت شاطر لوگ تھے۔" اس نے کہا۔ "تم لوگوں نے مجھے کیسے تلاش کر لیا۔؟"

"تمہارا نام جیمز کی فائل پر تھا۔" دائیں طرف کھڑے ہوئے شخص نے جواب دیا۔ "صرف تم ہی جین لونس ہو اور تمہارا نام مجھے بوبی نے بتایا تھا۔"

"ہاں۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔

"تم بادشاہ ہو۔" بائیں طرف کھڑے ہوئے اوشان نے کہا۔ "لیکن تمہارا یہ حشر صرف اس وجہ سے ہو رہا ہے کہ تم نے میری خدمات حاصل نہ کیں۔ سنگین نوعیت کے کام ناسانجو نہ لوگوں کو سونپنے کا نتیجہ یہی نکلتا تھا۔"

"اب کیا ہوگا؟"

"اخبارات اور ٹی وی پر سب کچھ دیکھ کر ایکٹیٹالی سمجھ لیں گے کہ ان کا دیوتا محض فریب تھا۔"

"اور تمہاری تنظیم پہلے کی طرح کام کرتی رہے گی؟"

"ہاں۔"

"گڈ۔ جو کچھ ہونا تھا، وہ ہو گیا۔ ویسے بھی میں ایسے لوگوں کا بادشاہ بننے کے قابل نہیں تھا جو بیٹھ کر پوجا کرتے ہیں۔" یہ کہہ کر اس نے پیلے ٹائیگر اور پھر اوشان کو سکڑا کر اس طرح دیکھا جیسے اس نے کوئی لطیفہ سنایا ہو، لیکن وہ سنجیدہ رہے۔ ٹائیگر نے ہاتھ بڑھا کر جین لونس کی جیب میں ایک پرچار رکھا اور اوشان نے ایکٹیٹالیوں کے آخری بادشاہ کو اٹھا کر مجسمے کے اوپر پھینکنے کے لیے نیچے گرا دیا۔

"گڈ۔ جو ہونا تھا وہ ہو گیا۔" ٹائیگر نے سر ہلا کر کہا۔ "پولیس کو اس کی جیب سے جو خط ملے گا اس میں اس کا یہ اقبالِ جرم شامل ہوگا کہ اس نے کانگریس مین "مسز ڈیلفن" جو اے ۱۰۷ کے قتل کی سازش کی تھی۔"

"اب؟" ٹائیگر نے اس کی طرف دیکھا۔ اوشان بہت سنجیدہ تھا۔ اتنا سنجیدہ اسے ٹائیگر نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ "کیا تم اپنے سفر کا پروگرام ملتوی نہیں کر سکتے میرے بچے؟" اس نے پوچھا۔

"نہیں۔ اور یہ بھی طے ہے کہ سفر کا آغاز سانجو سے ہوگا۔"

"وہ وہاں نہیں ملے گا میرے بچے۔"

"وہ وہیں ہوگا پٹل خادر۔"

"ممکن ہے ڈچ مین۔"

"اگر وہ راستے میں آیا تو اسے بھی۔" یہ کہہ کر ٹائیگر پلٹ گیا۔ اس نے یہ نہیں دیکھا کہ سانجو جانے کا پروگرام ہر دفعہ بنانے والے اوشان کی آنکھوں میں آنسو ہیں۔

"نوگان!" اوشان نے زیرِ لب کہا۔ "تجھ کو ختم کرنے کا وقت آ گیا ہے۔ وہ آ رہا ہے نوگان۔ اور میں بھی اس کے ساتھ ہوں۔"

●

نوگان گہری نیند سے اچانک ہی بیدار ہو گیا۔ اس کی حالت غیر ہو رہی تھی۔ پورا جسم پسینہ میں نہایا ہوا تھا، اور اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ خواب اب بھی جاری ہے جسے دیکھتے دیکھتے اس کی آنکھ کھلی تھی۔ ان کے کانوں میں بیدار ہونے کے باوجود وہی ایک جملہ گونج رہا تھا۔

"نوگان! تجھ کو ختم کرنے کا وقت آ گیا ہے۔ وہ آ رہا ہے نوگان۔ اور میں بھی اس کے ساتھ ہوں۔"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

جانشین مقرر کیا تھا لیکن وہ اوشان اور ٹائیگر کے بارے میں بہت احترام سے بات کرتا ہے۔ نوگان مندر کے ایک پجاری نے ایک روز بجارت کہ دوران اوشان پر یکبارگی اچھالنے کی کوشش کی تو ڈوچ مین آنا برہم ہوگیا کہ پجاری مندر کے کلس تک اٹھتا چلا گیا اور پھر کسی پتھر کی طرح بلندی سے گر کر ساکت ہوگیا۔ اس وقت ڈوچ مین نے کہا تھا کہ میں ان دونوں کا دشمن ضرور ہوں لیکن صرف مجھ ہی کو ان سے دشمنی رکھنے کا حق حاصل ہے، کسی اور نے ان کے خلاف یا وہ گوئی کی تو اس کا بھی وہی حشر ہوگا جو پجاری کا ہوا ہے۔

نوگان کے لیے ڈوچ مین کی شکست اور پھر اس کی یہ حالت انتہائی باعث تشویش تھی۔ اوشان اور ٹائیگر کو ڈوچ مین کے ہاتھوں شکست دینے کے منصوبے کی ناکامی دراصل نوگان کی ذاتی شکست تھی۔ وہ اس پر بیٹھا تھا کہ ڈوچ مین ان دونوں کو ہلاک کر کے اسے ماسٹر آف سناکجو بننے میں مدد دے گا لیکن ہر تدبیر الٹی ثابت ہو رہی تھی۔

نوگان نے منہ پر چھپاکے مار کر تولیے سے پانی پونچھا اسے بہت عجیب سا لگ رہا تھا درحقیقت وہ خوف زدہ تھا اور اس خوف کی وجہ یہ بھی تھی کہ وہ اخباروں میں جین لوئس کے مرنے کی خبر پڑھ چکا تھا۔

"جین لوئس!" اس نے سر جھٹک کر کہا۔ "کارل بھی یقیناً مر گیا ہوگا اور کارل کی موت کے ساتھ ہی ایکٹیالیوں پر حکمرانی کا وہ خواب بھی چکنا چور ہوگیا تھا جو نوگان نے دیکھا تھا کارل نے اسے یقین دلایا تھا کہ جین لوئس اگر کامیاب ہوگیا تو یہ ایکٹیالیوں کی برادری کو نوگان کو متفقہ طور پر اعلیٰ تسلیم کرنے پر آمادہ کرے گا۔

... لیکن یہاں بھی اسے شکست ہوئی تھی۔ اُسے اخباروں کے ذریعہ ہی علم ہوا تھا کہ جین لوئس نے اظہار ہوس نمرل سے ایکٹیا کے تخت پر جگہ کر خودکشی کرلی ہے لیکن اسے یقین نہ تھا کہ یہ خودکشی نہیں۔ ٹائیگر یا اوشان نے ہی اسے دھکا دیا ہوگا۔

"میں کتنی بار ناکام ہوچکا ہوں۔" وہ آئینے میں اپنی شکل دیکھنے لگا۔ "دو جنوں مرتبہ۔ ہر بار مجھے یا میرے آدمیوں کو سنگ کی کھائی پڑی ہے۔"

اچانک ہی خوف نے اسے دبوچ لیا۔ وہ نقشہ دیکھنے لگا۔ وہ امریکہ ہی میں تھا۔ ٹائیگر اور اوشان اس سے محض سات سو میل دور امریکہ ہی کے ایک شہر میں موجود تھے۔ کہیں انھیں میری موجودگی کی اطلاع تو نہیں مل گئی؟" اسے دوبارہ خواب یاد آگیا۔

"نوگان! تجھے ختم کرنے کا وقت آگیا ہے۔ وہ آرہا ہے۔ نوگان ... اور میں اس کے ساتھ ہوں۔"

نوگان کو لگا جیسے اوشان اس کے کمرے کے باہر کھڑا ہوا اسے للکار رہا ہے اور ٹائیگر اس کی ہڈیاں توڑنے کے لیے آگے بڑھ رہا ہے۔

الف لیلہ ڈائجسٹ کا مقبول سلسلہ

انسان اور شیطان

مصنف محمد فراز

امیر علی خان کی خوفناک آپ بیتی

مکتبہ القریش سرکلر روڈ اردو بازار لاہور

فون 7668958

"نہیں کمزور نہیں ہوں۔" نوگان بہت زور سے چلایا، اگرچہ کمرا ساؤنڈ پروف ہونے کے باعث آواز باہر نہیں گئی لیکن اس شیشے میں دراڑ ضرور پڑ گئی جس میں وہ اپنی شکل دیکھ رہا تھا۔

"سناکجو واپس چلو نوگان" اس کے دل نے اسے آواز دی "ورنہ یہ دیس بچ سکو گے اور وہ لوگ باقی ملکوں میں تمھیں تلاش کر کے مایوس ہو جائیں گے۔"

"نہیں۔" نوگان نے پیر پٹختے ہوئے خود کو ڈانٹ دیا۔ "میں ان کو یہیں ختم کروں گا، ابھی میرے لوگ باقی ہیں۔"

اس نے لپک کر ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کرنے شروع کر دیے۔ اگرچہ کنکشن کے باوجود اسے پسینہ آرہا تھا اور دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہو رہی تھیں۔

❋

"وہ ضرور آئیں گے۔" ٹائیگر نے یہ درخواست قبول کرلی ہے کہ وہ سناکجو جانے کا ارادہ چند دنوں کے لیے ترک کر دے۔" بہرام گھڑی دیکھتا ہوا سوچ رہا تھا تاہم اس کی طرح اوشان، بہرام اور... نوگان تک کو علم نہیں تھا کہ اب جو شش درپیش ہے وہ نوگان کے خاتمے کے مشن کا ہی ایک حصہ ہے... اور یہ کہ اب وہی واقعات پھر سامنے آئیں گے جو ٹائیگر اور نوگان کے مقابلے میں کئی برس قبل رونما ہو چکے ہیں۔ تاریخ اپنے آپ کو من وعن دُہرانے پر مُصر تھی۔

ان واقعات کا منطقی نتیجہ بہرحال کسی کو معلوم نہ تھا۔

ٹائیگر اور اوشان عین وقت پر نمودار ہونے اور ٹرانس ورلڈ ایئر لائنز ٹکٹ کاؤنٹر کی سیٹ پر بیٹھ گئے۔

"گڈ۔ تم بروقت آئے ہو۔" بہرام نے ٹائیگر سے کہا پھر اوشان کو دیکھ کر سر ہلایا۔ "چلو۔"

وہ دونوں بہرام کے ساتھ ساتھ چلنے لگے کار میں بیٹھے اور کار ایک جھٹکے سے جھٹکے کے ساتھ روانہ ہوگئی۔

ڈی۔ میوریم اسپتال، غالباً پورے علاقے کا سب سے بہترین اسپتال تھا جس میں تمام جدید ترین سہولتیں فراہم کی گئی تھیں۔

بہرام کنکریٹ کی خوبصورت پگڈنڈی پر چلنے لگا جس کے دونوں طرف گھاس انتہائی خوبصورتی سے تراشی گئی تھی۔ یہ پھولوں بھرا راستہ ایک ایسے دروازے تک لے گیا تھا جس پر ہینڈل لگے ہوئے تھے۔ بہرام نے اس دروازے پر دستک دینے کے بجائے عقبی دروازہ کا رُخ کیا اس پر کوئی ہینڈل نہیں صرف لاک لگا ہوا تھا... اور اس لاک کی چابی بہرام کے پاس تھی۔

"کیا یہ کمرا بھی ہمارے گورکھ دھندے کا ایک حصّہ ہے؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"کہہ سکتے ہو۔" بہرام نے مختصر سا جواب دیا۔

"کہنے کو ہر بات کہی جاسکتی ہے۔"

"صرف شاہوں کو ہی شاہوں کا کام آتا ہے۔" اوشان نے فقرہ دیا۔ اس کے نزدیک بہرام صرف اس وجہ سے شہنشاہ تھا کہ وہ اسے اُجرت کے نام پر سونا دیا کرتا تھا اور سونا سناکجو روانہ کر دیا جاتا تھا۔

وہ کمرے میں داخل ہوئے تو بہرام کے سوا دونوں کو حیرت ہوئی۔ وہ کمرے میں نہیں ایک دائرے نما مقام پر تھے اور اس دائرے میں کمرے بنے ہوئے تھے۔ یہاں ٹائیگر کو پہلی مرتبہ دواؤں کا بھبکا را محسوس ہوا تو اس نے منہ بنالیا۔

بہرام اب دروازے گن رہا تھا۔ دائرے میں گیارہ دروازے تھے، بہرام نے نویں دروازے پر رُک کر ایک اور چابی نکالی۔ وہ نویں دروازے سے اندر داخل ہوگئے۔ یہاں بہت خنکی تھی، بہرام نے لائٹ سوئچ آن کیا، روشنی میں صاف نظر آرہا تھا کہ اسے ٹھنڈ لگ رہی ہے لہٰذا ٹائیگر نے آگے بڑھ کر اس کے کوٹ کے تمام بٹن لگا دیے۔

"تھینک یو۔" بہرام نے مسکرا کر کہا۔

اس کمرے میں سات تابوت دیوار نما ریک میں رکھے ہوئے تھے۔ تابوتوں کے ہینڈل چمک رہے تھے اور ٹائیگر کو عجیب سا احساس ہو رہا تھا کہ وہ پہلے بھی یہاں آچکا ہے۔

اوشان نے معنی خیز نظروں سے اس کی طرف دیکھا، دونوں کی نظریں ملیں، اور دونوں سمجھ گئے کہ وہ کیا سوچ رہے ہیں۔

واقعات... پرانے واقعات... پرانی یادیں۔

"دوسرا تابوت۔" بہرام نے سرد لہجے میں کہا۔ ٹائیگر نے دوسرے تابوت کا ہینڈل کھینچ کر اسے باہر نکال لیا۔

احمد دارا۔ عمر چالیس سال۔" بہرام نے کہا ٹائیگر نے لاش کا بغور جائزہ لیا۔ یہ کسی فرد وسی یا بھرتی کی لاش تھی۔

اس کی داڑھی جھاڑ جھنکار کی طرح بڑھی ہوئی تھی۔ آنکھیں بلی پڑ رہی تھیں اور تھکی ہوئی یا آنکھیں ٹیوب لائٹ کی روشنی میں بہت خوفناک لگ رہی تھیں۔ کندھے اس طرح ابھرے ہوئے تھے جیسے انھیں باہر نکالا گیا ہو۔ یہی حال پنڈلی دھڑ کا بھی تھا۔

اوشان اور ٹائیگر نے ایک دوسرے کو معنی خیز نظروں سے دیکھا اور سر ہلانے لگے۔

"ایکس رے سے پتا چلتا ہے کہ چاروں بنیادی جوڑ، شانوں اور ٹانگوں کو نقصان پہنچا ہے۔ اس کی لاش ایک ایئر ٹائٹ ہاؤس کی چھت سے ملی، اور..."

"اور یہ آپ کا ملازم تھا۔" ٹائیگر نے کہا۔ بہرام اس طرح سر ہلانے لگا۔ جیسے اسے ٹائیگر کے اس انکشاف سے حیرت نہیں ہوئی۔

"کیا تم قتل کے اس طریقۂ کار کی وضاحت کر سکتے ہو؟" بہرام نے پوچھا۔

"شہنشاہ اعظم!" اوشان نے سرخم کرتے ہوئے جواب دینا شروع کیا۔ "علم و تشدد کے کئی طریقے اور کئی چہرے ہوتے ہیں۔ لہٰذا اشاروں کنایوں میں ایوان سناکجو کو اس قسم کے قتل کا ذمہ دار ٹھہرانا انصاف نہیں ہوگا۔ ہم ممتاز قاتل ہیں، ہمیں ہمارا ہی رفتار اور ستھرے پن سے جانا جاتا ہے۔"

"ایوان سناکجو پر میں نے کوئی الزام نہیں لگایا۔" بہرام نے دوٹوک انداز میں کہا۔ "لیکن میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ کیا تم طریقۂ قتل کی شناخت کر سکتے ہو۔ مجھے علم ہے کہ میں تم لوگوں کو "فل اوپن" مکمل اطلاعات فراہم نہیں کرتا، لیکن اس کے بارے میں اتنا بتا سکتا ہوں کہ یہ ہمارے لیے فردوس میں کام کرتا تھا، پھر اس کا تبادلہ یہاں ہوگیا۔ اس کو فردوس کی طرح یہاں بھی یہ علم نہیں تھا کہ یہ اصل کام کس کے لیے اور کیوں کرتا ہے؟"

"نوکروں کو یہ سکھانا بہت مشکل ہے کہ ان کا اصل کام کیا ہے۔" اوشان نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "لیکن مجھے یقین ہے کہ جلد ہی تمام خادم یہ سمجھ جائیں گے کہ وہ کس کے لیے اور کیوں کام کر رہے ہیں۔"

"نہیں۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ انھیں اس کا علم ہو۔"

"شاندار۔ یہ شاہی بصیرت و فراست کی مثال ہے۔" اوشان جھوم کر بولا۔ "نوکروں کو جتنا کم معلوم ہو اتنا ہی اچھا ہے۔ آپ بہت ذہین ہیں اعلیٰ حضرت! آپ کے اجداد کو میرا سلام۔"

بہرام جھینپ کر کھانسنے لگا اور ٹائیگر کے چہرے پر بے ساختہ

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

طور سے مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"بہرحال"۔ بہرام نے کھنکھارتے ہوئے کہا "یہ مسئلہ میرے لیے باعث تشویش ہے، اس طریقۂ قتل سے کئی سوالات نے جنم لیا ہے اور میں ان سوالوں کا جواب چاہتا ہوں"۔

"یہ موت کہاں واقع ہوئی؟" اوشان نے پوچھا۔

"شنگاگو میں"۔

"آہ۔ شنگاگو بشروئیوں کا شہر"۔ اوشان سر ہلا کر بولا "کسی ماسٹر نے اس علاقے پر توجہ نہیں دی"۔

"ذرا غور سے دیکھیں ماسٹر"۔ بہرام نے بمشکل غصہ ضبط کیا "اگرچہ ہڈیوں کو شدید ترین ضربیں سہنی پڑی ہیں لیکن ان ضربوں سے کھال کہیں بھی متاثر نہیں ہوئی"۔

"میرا خیال ہے کہ صرف تین ہڈیوں کے جوڑ ٹوٹے ہیں"۔ ٹائیگر نے کہا۔ اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے اس کے سامنے کوئی پرانی فلم چل رہی ہو۔

"ایکسرے رپورٹ"۔

"وہ جھوٹی ہے"۔ ٹائیگر نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔ "ایک کو لمحے اور دونوں کندھے کے جوڑ ٹوٹے ہیں۔ ایک ٹانگ بڑی احتیاط سے کاٹی گئی ہے تاکہ ہڈی کا جوڑ متاثر نہ ہو"۔

بہرام نے خاموشی سے ایکسرے رپورٹ نکالی اور اسے بغور دیکھا اور پھر اچھل پڑا۔

"ٹائیگر نے صحیح کہا تھا۔ شاندار۔ ٹائیگر"۔

"اس کو بہت محنت سے سکھایا ہے۔ شہنشاہ"۔ اوشان نے بڑے فخر سے کہا۔

"تب پھر تم قاتل پر بھی روشنی ڈال سکتے ہو؟"

"یس"۔ ٹائیگر نے مسکرا کر کہا "قاتل کو یہ احساس نہیں تھا کہ وہ کیا کر رہا ہے۔ اس نے بائیں ٹانگ پر کبھی شاٹ لگایا، لیکن پھر اناڑی پن کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس نے باقی جسم کا بھرتا بنا دیا"۔

اوشان نے جو بغور احمد دارا کی لاش کو دیکھے جا رہا تھا، سر اٹھایا۔ ایک لمبی سانس لی اور کہا "اس اناڑی پن کا مظاہرہ کرنے والوں کی تعداد کم از کم دو ہوگی۔ پہلا ماہر تھا جس نے بائیں ٹانگ پر فن کا مظاہرہ کیا جبکہ دوسرا اناڑی تھا لیکن اس کے اس انجام کی کوئی وجہ تو ہوگی؟"

"مجھے اس کا علم نہیں"۔

"تب پھر مجھے بھی یہ بتانا نہیں کہ موت کیوں کر واقع ہوئی؟"

اوشان نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔

"ماسٹر پلیز۔ ہمیں کیا کرنا چاہیے؟"

"ہر چیز کو قریب سے دیکھنا چاہیے"۔ اوشان نے مختصر سا جواب دیا۔

"پھر اچانک ہی ٹائیگر اکتاہٹ محسوس کرنے لگا۔

"میں سنا نجو جانا چاہتا ہوں"۔ اس نے انتہائی سنجیدگی سے کہا اور اوشان اس طرح چونک پڑا جیسے اسے کسی بچھو نے کاٹ لیا ہو۔ اس نے خود کو سنبھالا "وہاں کا موسم بہت خراب ہوگا میرے بچے"۔

"لیکن میں وہاں جا کر آرام کرنا چاہتا ہوں"۔

"تمہیں وہاں جلنے کی منظوری مل چکی ہے، لیکن چند روز کے لیے رک جاؤ، یہ مشن..."

"مجھے اس مشن کی پروا نہیں"۔

"تب پھر اوشان کو ساتھ لے کر نہ جاؤ"۔

"یہ ناممکن ہے"۔ اوشان کا لہجہ بہت سنگین تھا "یہ میرے گھر جائے گا اور میں یہاں رہوں گا۔ نہیں۔ ناممکن"۔

"ٹھیک ہے"۔ بہرام جانتا تھا کہ ٹائیگر کہیں جانا چاہتا ہے اور یہ بھی جانتا تھا کہ اوشان کو اس سے علیحدہ کرنا ممکن نہیں "تمام تیاریاں برسوں تک مکمل ہو جائیں گی"۔

اپنے ہوٹل میں واپس پہنچنے کے بعد وہ احمد دارا کی موت پر گفتگو کر رہے تھے۔ ٹائیگر کو سنا نجو کی قدیم رسم یاد تھی جب بھی سنا نجو والے کسی کو ذلیل کرنا چاہتے تھے تو وہ تین مہلک ضربیں لگا کر اسے ایڑیاں رگڑ رگڑ مرنے کے لیے چھوڑ دیتے تھے۔ یہی احمد دارا کے ساتھ ہوا تھا اور ٹائیگر یہی نوگان کے ساتھ کرنا چاہتا تھا۔

۲۲

شیرازی نے جب امریکہ میں اپنے ہاتھوں سے پہلی مرتبہ کسی کو قتل کیا تو اسے بڑا لطف آیا اور خون کی وہ شدت ختم بلکہ فنا ہو گئی جس نے اسے قتل سے قبل جکڑ رکھا تھا۔ قتل کرنے کے بعد اسے دوبارہ قتل کرنے کی خواہش، بھوک کی طرح محسوس ہو رہی تھی۔ اسے یہ علم نہیں تھا کہ اسے نوگان نے کرایے پر حاصل کیا ہے۔ یہ الگ بات تھی کہ ایران کے اس ممتاز کرائے کے ماسٹر کو نوگان نے کسی ذریعے سے حاصل کیا تھا اور امریکہ میں اسے ایک کرائے اسکول کا انسٹرکٹر مقرر کیا تھا۔

جب شیرازی نے بلیک بیلٹ والے کو دیکھنے کی طرف گھومتے

ہوئے اور شانے کو سہارا دینے کی کوشش کرتے ہوئے دیکھا تو وہ بے اختیار ہنس پڑا۔ احمد دارا سے غلطی یہ ہوئی تھی کہ اس نے شیرازی سے مقابلے کے لیے سینچن ڈاجی اسٹائل اپنایا۔ اس داؤ کو شیرازی نے محض بازو آگے کر کے بلاک کیا تھا اور پھر اس کا بایاں ہاتھ احمد دارا کے جوڑ پر پڑا تھا۔ احمد دارا سنبھلا بھی نہ تھا کہ شیرازی نے اسی جوڑ پر دوسرا وار کیا اور یہ محض آغاز ثابت ہوا شیرازی کو علم تھا کہ اسے اکیلے مارنے کی اجازت نہیں، دوسروں کو بھی حصہ دیا جانا تھا، لیکن اسے تمانیت ضرور تھی کہ آغاز اس نے کیا ہے اور پھر جب وہ اپارٹمنٹ ہاؤس کی چھت پر احمد دارا کو تڑپتا ہوا چھوڑ کر جا رہے تھے تو شیرازی بہت خوش تھا۔

اس روز جب مسٹر جانگ نے اس سے وعدہ کیا کہ وہ انعام میں شیرازی کو ایک ایسا شخص دے گا جس کو مارنا صرف شیرازی کا حق ہوگا تو شیرازی کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ ماسٹر دراصل مشرقی تھا اور کرائے اسکول کا چیف انسٹرکٹر تھا جو کبھی جمنازیم میں نظر نہیں آتا تھا۔ ماسٹر ہی نے شیرازی کی صلاحیتوں کو جلا بخشی تھی اور اسے ایسا فن سکھایا تھا جو شیرازی کے لیے اجنبی تھا۔ یہ فن کرائے کنگ فو، جوڈو کا، سموری اور ایسے ہی دوسرے فنون سے مل کر بنا تھا اور اس کے پہلے ہی عملی مظاہرے میں شیرازی کو اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ فن دیگر تمام فنون سے برتر ہے۔

اسے حکم ملا کہ وہ رے، نیویارک کے قبرستان میں اپنا نشانہ تلاش کرے، تو اس رات ایک قبر پر پھول چڑھانے والا ایک شخص اس کا نشانہ بن گیا۔ اس کی تمام ہڈیاں ٹوٹ گئیں اور جب شیرازی اس کی رہائش گاہ پر واپس آیا تو اسے بتایا گیا کہ وہ کسی دوسرے شخص کو مار آیا ہے۔ اس بار اگرچہ شیرازی کو مایوسی ہوئی لیکن خوشی بھی ہوئی تھی۔ اس نے پہلی مرتبہ اکیلے شکار کیا تھا۔

▲

"رکو"۔ شیرازی نے قبرستان کے قریب ایک نوجوان کو للکارا۔ کیا تھا اس کا نام شہزاد ہے؟"

"ہاں"۔ ٹائیگر جو مسلسل کئی گھنٹوں سے احمد دارا کی قبر کے آس پاس منڈلا رہا تھا رک گیا۔ اسے توقع تھی کہ دارا کے قاتل قبر دیکھنے یا قبر پر آنے والوں کی نگرانی کرنے کے لیے ضرور آئیں گے۔

اور شیرازی کو بھی اس توقع پر یہاں تعینات کیا گیا کہ ٹائیگر یا اوشان یہاں کا ایک چکر ضرور لگائیں گے۔

"تم یہاں کیوں آئے ہو؟" شیرازی نے اس سے پوچھا۔

اس کا لہجہ جارحانہ تھا۔

"فاتحہ پڑھنے کے لیے"۔ ٹائیگر نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔

"کیا مطلب؟"

"میرا خیال ہے کہ تم بھی مسلمان ہو اور میں بھی۔ سنا ہے کہ مرنے والا بھی مسلمان تھا، آؤ، تم بھی فاتحہ پڑھ لو"۔

"کس پر؟" شیرازی کے منہ سے لاشعوری طور نکل پڑا۔

"اپنے اوپر"۔ ٹائیگر نے غرا کر کہا "کون ہو تم؟"

"میں۔ میں کرائے کا ماسٹر ہوں"۔ شیرازی نے منہ بھلا کر جواب دیا۔

"اوہ۔ میں نے سنا ہے کہ مقتول کو قتل کرنے سے قبل قاتل نے اس کی ہڈیوں کے جوڑ الگ کیے تھے اور پھر..."

"ہاں"۔ ٹائیگر نے خوفناک آواز میں کہا "تم نے یقیناً اتنی بھیانک موت کبھی نہ دیکھی ہوگی"۔

"ہاں"۔ ٹائیگر ہلانے لگا "لیکن تمہیں شاید یہ علم نہیں کہ اذیت ناک موت مارنے کے اور بھی طریقے ہیں"۔

"وہ کیا؟"

پیشانی پر ہلکی سی تھپکی دو۔ ہاتھ کی پوزیشن ایسی رہے، جیسے کوئی جھنڈا لہرا رہا ہو۔ یہ تھپکی کنپٹی سے ہٹ کر لگنی چاہیے۔ تھپکی کے بعد بڑے سے بڑا کرائے کا ماسٹر بھی کتوں کی طرح بلبلاتا پھرے گا"۔

ٹائیگر نے شیرازی کی آنکھوں میں عجیب سی چمک دیکھی۔ تو وہ بھی تیار ہو گیا۔

اسے ماضی کا ایک ایک واقعہ یاد تھا... اسے ہر قیمت پر اپنے کندھوں کو بچانا تھا۔

شیرازی کا ہاتھ کسی سانپ کی طرح لہرایا، اس سے قبل اس نے اپنا توازن برقرار رکھنے کے لیے دونوں پیروں میں ایک فٹ کا فاصلہ پیدا کر لیا تھا۔

"گڈ"۔ نوگان نے تمہیں اچھی تربیت دی ہے جیمز ٹائیگر نے اس کی آنکھوں سے آنکھیں ہٹائے بغیر کہا۔

اسی لمحے میں شیرازی نے حملہ کر دیا۔ اس کا بھرپور ہاتھ اس کے دائیں کندھے کی طرف آ رہا تھا۔ اس بار ٹائیگر نے وہ غلطی نہیں کی جس کے باعث وہ ایک مرتبہ نوگان کے ایک ایسے آدمی ہی کے ہاتھوں زخمی ہو گیا تھا۔

اس نے آخری لمحہ تک خود کو ساکت رکھا اور جونہی ہاتھ

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ٹائیگر
اظہر کلیم
دو جلدوں میں
جلد اول =/150 جلد دوئم =/150
مکتبہ القریش سرکلر روڈ اردو بازار لاہور
فون 7668958

کے دائیں کندھے کے جوڑ سے ایک انچ اوپر رہ گیا، وہ بیٹھتا چلا گیا۔ شیرازی کے حلق سے ایک خوفناک چیخ نکلی، ضرب کندھے پر نہ لگنے کے باعث ہاتھ جھول گیا تھا اور اسی باعث ہاتھ کو اتنی زور سے جھٹکا لگا تھا کہ ہڈیاں بھک ترخ گئی تھیں۔

"کیا نوجوان نے یہ نہیں بتایا تھا کہ تمہارا مقابلہ اوشان کے شاگرد سے ہوگا؟"

ٹائیگر لمحہ بھر میں اٹھ کر شیرازی کے دائیں طرف ایک گز دور کھڑا ہو گیا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اگر شیرازی کی یہ ضرب ہاتھی کی گردن پر بھی لگتی تو گردن ٹوٹ جاتی۔

شیرازی نے پھر حملہ کیا... اور اس بار غلطی کر بیٹھا۔

اس کا چہرہ، پورا سر، حلق، اور دل غلاف میں رکھے ہوئے تمغے کی مانند ٹائیگر کی زد میں تھا۔

ٹائیگر کا ہاتھ اٹھا، کسی جھنڈے کی طرح لہرایا اور اس کے حلق پر سے گزر گیا، دوسرے ہاتھ نے کندھے پر نوچا جلق سے گوشت پک گیا اور کندھے سے گوشت کا ایک لوتھڑا الگ ہو گیا۔ ٹائیگر کے دونوں پیر ایک ساتھ حرکت میں آئے۔ یہ سنا نجو اسٹائل برلیق کک تھی، جس میں جسم نہیں صرف پنڈلیوں تک کا حصہ ہلتا تھا۔ دونوں پیر شیرازی کے گھٹنوں پر لگے اور اس بار ہڈیاں ٹوٹنے کی واضح آواز سنائی دی۔

شیرازی گر گیا۔ اس کے نرخرے سے خون بہہ رہا تھا اور کندھے سے بھی خون اچھل رہا تھا۔

"سنو۔ ہم اپنے دشمن کو ذلیل کرنے کے بعد اسے زخمی کرنے کے بعد تڑپتا چھوڑ دیتے ہیں۔" ٹائیگر نے خونخوار لہجے میں کہا، سر کو جھٹکا اور واپس چل دیا۔

شیرازی کو آخری لمحوں صرف یہ احساس ہو رہا تھا کہ وہ مر رہا ہے۔



مابعد نوگمان کے لیے شیرازی کی موت ایک بہت بڑا صدمہ ثابت ہوئی، ساتھ ہی اس خوف نے اسے بے حال کر دیا کہ شیرازی نے مرنے سے قبل ٹائیگر یا اوشان کو سب کچھ بتا دیا ہوگا اور اب اوشان ٹائیگر کے ساتھ اس کی تلاش میں نکل کھڑا ہوگا۔ اسے علم تھا کہ اوشان اس کی بو دور سے محسوس کر لیتا ہے۔ اب اس کے پاس اور کوئی راستہ نہ تھا۔ ڈی مین نے امریکہ آنے سے انکار کر دیا تھا، شیرازی مر چکا تھا اور انگل کارل کی لاش کا پتا نہیں چل سکا تھا۔

ایک سو میل دور سے گزرتی تھی اور چینی سمندروں میں رہتے ہوئے بحری جہاز یہ راستہ اختیار کرتے تھے۔ جو ساحل پر ان کی منتظر ہوتی تھی۔ یہ مقام گاؤں سنا نجو سے باہر تھا اور سونا حوالے کرنے کے لیے ہمیشہ بارہ نمبر کی تاریخ اور صبح تین بجے کا وقت مقرر ہوتا تھا۔ وقت کی پابندی لازمی تھی۔

اس وقت کے کیپٹن لی این رائٹ نے جب پہلی مرتبہ سونا لے جانے کی ذمے داری سنبھالی تھی تو اس نے حساب بھی لگایا تھا۔ سونے کی قیمت زیادہ سے زیادہ دس ہزار ڈالر ہوتی تھی، جبکہ اس کو حوالے کرنے کے مشن پر لاکھوں ڈالر خرچ ہوتے تھے۔ اور اس مشن میں عالمی ٹکراؤ یا تنازعات کے جنم لینے کا بھی خطرہ ہوتا تھا۔

اب ایڈمرل لی این رائٹ کو یقین تھا کہ کیونکہ نو سمبر ابھی دور ہے لہٰذا سونے کے بجائے کوئی آدمی سنا نجو جائے گا۔

■

ایک امریکی بندرگاہ پر آبدوز "ڈیٹرسن" نمودار ہوئی تو ایڈمرل کیل نے وائس ایڈمرل رائٹ کو سلوٹ کی برقیاتی کی اور آنکھ مار کر اسٹیمر میں بیٹھ گیا۔

روانگی کے مقررہ وقت سے صرف نصف گھنٹے قبل اسے ایک اور اسٹیمر نظر آیا جس میں صندوق بھرے ہوئے تھے۔ اسٹیمر کے لگے تھے، ان میں ایک بوڑھا اور ایک نوجوان نظر آ رہا تھا۔

"اوہ۔ اس بار دونوں ساتھ ہیں۔" اس نے سکون کی سانس لی، کیونکہ ایک مرتبہ ایسا بھی ہوا تھا کہ اس نے بوڑھے کو اتارا تھا پھر واپسی پر ایک جوان اسی جزیرے میں جانے کے لیے ضروری کاغذات سمیت تیار کھڑا تھا۔

صندوق بڑی پھرتی سے آبدوز میں منتقل کیے گئے، اور جب تک وائس ایڈمرل رائٹ مہمانوں کے استقبال کے لیے نیچے پہنچتا، بوڑھا غائب ہو چکا تھا، نوجوان بہرحال وجود تھا۔ اسے نوجوان سے مل کر واقعی خوشی ہوئی۔ وہ جلبلا اور شوخ نظر آ رہا تھا۔

"معزز بزرگ کیا اپنے کمرے میں چلے گئے؟"

"ہاں۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ "شاید انھیں یاد ہے کہ یہ وہی آبدوز ہے۔ اس لیے انھیں یہ بھی پتا ہے کہ ان کا کیبن کون سا ہے۔"

"گڈ۔" رائٹ نے ہنس کر کہا اور اوشان سے ملنے کے لیے پسنجر کیبن کی طرف چل دیا۔

اس نے دروازے پر دستک دی، وائس ایڈمرل کی این رائٹ سر۔"

"کیا بات ہے؟" اندر سے بلغ جیسی آواز آئی۔

"میں اطلاع دینا چاہتا تھا کہ کچھ دیر بعد ہم بحر زرد میں داخل ہونے والے ہیں۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم راستہ نہیں بھولے۔ یہی بتانا چاہتے ہو نا؟" اوشان نے اب بھی دروازہ نہیں کھولا۔

"میں سامان اتارنے کے بارے میں گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔" وائس ایڈمرل نے مسکرا کر کہا۔ وہ جانتا تھا کہ بوڑھا کتنے اچھے دل کا مالک ہے۔

"کیا ہم سنا نجو پہنچ چکے ہیں؟"

"نہیں۔ بحر زرد میں داخل ہو رہے ہیں جناب۔"

"تب پھر یہ موقع سامان اتارنے سے متعلق گفتگو کا نہیں ہے۔"

"بات یہ ہے کہ آپ کے صندوق قبلے کی طرح بھاری ہی نہیں بلکہ زیادہ بھی ہیں اور مجھے خدشہ ہے کہ سیڑھیاں انھیں اٹھا کر ساحل تک نہیں لے جا سکیں گے۔"

"اوہ۔ وہی پیچیدگیاں۔" اوشان کی جھنجلائی ہوئی آواز سنائی دی۔ "تمہارے جہاز تو تھوڑا سا سامان بھی نہیں اٹھا سکتے۔"

"اگر آپ حکم دیں تو ہم اپنے ایک ہی جہاز میں پورا شہر اٹھا لیں۔ لیکن ہم جہاز سمیت اس علاقے میں داخل نہیں ہو سکتے جناب۔"

"خیر۔ چھوڑو۔ مگر اس جہاز میں میرائی وی کیوں نہیں کر رکھا ہے؟"

"ہم آبدوز میں اور زیر آب ہیں جناب۔"

"تب پھر سطح آب پر چلو تاکہ ٹی وی پر کچھ تو نظر آئے۔"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"جناب!" رائٹ ٹجھرائی۔ "اس سے ایک بار پہلے بھی یہی فرمائش کی گئی تھی۔ اگر ہم سطح آب پر نکلے تو چاروں طرف سے حملہ ہو جائے گا۔ چینی ہمیں پکڑ لیں گے۔"

"مجھے پکڑ لیں گے۔" اوشان نے حیرت سے کہا۔ "نہیں ناخدا نہیں۔ ابھی چینیوں کی کلائیوں میں ایسے ہاتھ نہیں لگے جو مجھے پکڑ سکیں۔"

اس کے بعد اوشان خاموش ہو گیا اور رائٹ کو ٹائیگر ہی سے وقت گزارنے پر اکتفا کرنا پڑا لیکن اس نے ہدایتوں کے مطابق اس سفر کے بائے میں نوجوان لڑکے سے کوئی بات نہ کی۔

برائس ایس ڈیئر سن جس کا پہلا نام ڈارٹر تھا۔ آخر سنا بحر کے پانیوں میں اوپر اٹھا۔ تمام لوگوں نے گرم کپڑے پہن لیے۔ گرم نقابیں لگالیں کیونکہ یہاں برفانی ہوائیں چل رہی تھیں۔ اور عرشے پر بھی برف ہی برف تھی۔

ٹائیگر اور اوشان ایک ساتھ پسنجر کیبن سے نمودار ہوئے۔ تو وائس ایڈمرل رائٹ کے سوا تمام افراد ششدر رہ گئے کیونکہ اتنی جان لیوا سردی کے باوجود بوڑھا بھوری قبا میں اور نوجوان پتلون قمیص میں تھا۔ بوڑھے کی داڑھی کے چند بال تیز ہوا میں بنکوں کی طرح لہرا رہے تھے۔ سر پر کوئی ٹوپی تک نہ تھی، اور ہاتھ سینے پر بندھے ہوئے تھے۔

"سر۔ سر!" وائس ایڈمرل کے نائب کپتان نے چلا کر کہا "صندوق ربڑ کی کشتی میں نہیں آ سکتے، اور اگر آ گئے تو ہوا نوں سمیت تہ آب چلے جائیں گے۔"

"یہ ماسٹر آف سنا بحر کا سامان ہے۔" ٹائیگر نے نرم لہجے میں خوفزدہ کپتان سے کہا۔ "تم صرف اتنا کرو کہ صندوقوں کو عرشے پر لا کر ٹرین کی بوگیوں کی طرح ایک دوسرے کے پیچھے رکھ دو، باقی کام ہمارا ہے۔"

وائس ایڈمرل اپنے کپتان کی حالت پر زیر لب مسکرا رہا اسے علم تھا کہ اس لڑکے کو ابھی نئے اور حیرت انگیز واقعات دیکھنے ہوں گے۔

"کیا تم نے ٹرین دیکھی ہے؟" اوشان نے آگے بڑھ کر کپتان کے سینے پر انگلی رکھتے ہوئے پوچھا۔

"آئی آئی سر۔" کپتان بوکھلا گیا۔ اس نے ٹائیگر کی تجویز کے مطابق حکم جاری کیا۔ ماسٹر آف سنا بحر کے پانچ صندوق ایک دوسرے کے آگے پیچھے، ایک دوسرے سے باندھ دیے گئے۔

شعلے کا سوامی

مصنف طارق اسمٰعیل ساگر

خوبصورت سرورق

دیدہ زیب پرنٹنگ و طباعت

قیمت =/150 روپے

مکتبہ القریش

سرکلر روڈ اردو بازار لاہور

فون 7668958

"اب انھیں سمندر میں اتار کر آگے والی کشتی سے باندھ دو۔" ٹائیگر نے حکم دیا اور خود پائلٹ والی کشتی میں اتر گیا۔ صندوق کشتی کے چلتے ہی تیرنے لگے۔ پچھلی کشتی میں خود ماسٹر سوار تھا۔ سنا بحر کے ساحل پر ابھی تاریکی تھی لیکن وہاں کئی افراد موجود تھے۔ ان کے ہاتھوں میں قندیلیں تھیں جو دور سے روشن سورجوں کی طرح نظر آ رہی تھیں۔

ساحل ایک نغمے سے گونجنے لگا۔

"چلو۔" وائس ایڈمرل نے مسکرا کر کہا۔ "اس بار مینکوں نے ہمیں دوستی کے نغمے سے ان کا استقبال کیا ہے۔"

آبدوز نے غوطہ لگایا اور واپسی کے سفر پر روانہ ہو گئی۔ وائس ایڈمرل کو علم تھا کہ اسے جلد ہی انھیں لینے کے لیے واپس آنا ہو گا۔

لیکن اسے ابھی یہ علم نہیں تھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟

"ہوں۔ آنا سونا ملنے کے باوجود یہاں کے حالات نہیں بدلے۔" فنل فادر۔" ٹائیگر نے اتھلے پانیوں سے گزرتے ہوئے اوشان سے کہا۔ جو انتہائی بادقار انداز میں استقبالیہ نغمے الاپنے والوں کی سمت میں نہ صرف ہاتھ ہلا رہا تھا بلکہ انھی کی طرف بڑھ بھی رہا تھا۔

"اصلی موتی کی شکل کبھی نہیں بدلی جاتی میرے بچے۔" اوشان نے جواب دیا۔

گیت کے بول اب اونچے سُروں میں الاپے جا رہے تھے اور ٹائیگر کو یقین تھا کہ استقبال کے لیے آنے والے ایک ہی مصرعہ بار بار گا رہے ہیں۔ اُدھر اب اوشان بھی ڈرامائی انداز میں ایک کی بجائے دونوں ہاتھ ہلا ہلا کر ان کے خیر مقدمی گیت

کا جواب دے رہا تھا۔

"فنل فادر۔ کیا یہ جزیرہ اب بھی دانش علم کے لیے سرچشمہ کی حیثیت رکھتا ہے؟"

"ہاں۔ میرے بچے... سنا بحر علم و دانش کا بہتا ہوا دریا ہے، سخاوت کا بحر بے کراں ہے، رحم، عفو و درگزر کی روشن مثال ہے اور..."

"مگر سنا بحر نے ان لوگوں کا تعین بھی کر دیا ہو گا جن کے ساتھ رحم کیا جاتا ہے۔" ٹائیگر جھانک ہی بولا تھا۔

"ایں۔ ہاں...!" اوشان سنبھل گیا۔ "سمجھ گیا کہ ٹائیگر نے اس کے اس جملے کا کیا مفہوم لیا ہے۔" ہاں رحم صرف ان لوگوں کے ساتھ کرو، جو دوسروں سے رحم کرتے ہوں، کبھی غلطی نہ کرنے والے سے کبھی غلطی ہو جائے تو.... اسے معاف کر دو۔"

"وہ اس درجہ بندی میں کہیں بھی نہیں آتا۔"

"کہیں بھی نہیں آتا... اور یہ اسے بھی معلوم ہے!" اوشان نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

ساحلی ٹیلوں پر کھڑے ہوئے لوگ زیادہ جوش و خروش سے گیت گا رہے تھے۔

ٹائیگر نے دائیں بائیں دیکھا۔ یہاں اب بھی بائیں طرف بنجر اور پتھریلی زمین تھی اور سمندر کا پانی ان پتھروں پر سفید جھاگ کے سوا کچھ نہیں جما چکا تھا۔

"تمھیں یاد ہے کہ پچھلی بار تم یہاں کس حالت میں آئے تھے؟" اوشان نے اسے یاد دلانا چاہا۔ ٹائیگر سر ہلا کر رہ گیا۔ اُسے سب کچھ یاد تھا۔ ایک ایک چیز یاد تھی۔

وہ جونہی ساحل پر پہنچے ان پر گلاب کی سرخ پتیوں کی بارش ہونے لگی۔ اوشان کا چہرہ کھل اٹھا۔ "دیکھا ان لوگوں نے میرے استقبال کے لیے کتنے پھول جمع کیے ہیں۔ پھر جواب کا انتظار کیے بغیر اس کے دونوں ہاتھ بلند ہوئے۔ "شکریہ... میرے بچو!..." اس کی آواز گرج دار مگر شفقت سے شکریہ... میں ایک بار پھر گھر واپس آیا ہوں۔ تمھارے بیٹے کے لیے اور تمھارے دکھ درد میں حصہ لینے کے لیے۔"

ہجوم نے تین مرتبہ ہاتھ بلند کر کے نعرے لگائے۔

"اور میرے ساتھ وہی لڑکا ہے جس نے بدی کی قوتوں کو شکست دینے میں میرا ساتھ دیا ہے۔" اوشان نے کہا۔ اس وقت تمام لوگ ان کے اردگرد دائرے کی شکل میں کھڑے ہو گئے تھے۔ ان میں عورتیں، مرد، بچے اور بوڑھے شامل تھے۔ یہاں سے کوئی طوفان تو نہیں گزرا میرے بچو!"

"نہیں آقا۔" ایک بوڑھا دونوں ہاتھ اوپر اٹھا کر چلایا۔ "ہم نے کہا گیا کہ آج کی شب ایک خوفناک طوفان آئے گا۔ اس طوفان کی آمد سے قبل ہی تم اور تمھارا بیٹا سمندر روں سے لوٹ آئے۔ طوفان نے یقیناً تمھیں آتا دیکھ کر رخ بدل لیا ہو گا۔"

"اور کیا یہاں بدی کی قوت کا سایہ تو نہیں؟"

"اب نہیں ہے میرے آقا۔" بوڑھے نے جواب دیا۔

"تمھارا بھتیجہ کل یہاں آیا تھا، بلکہ نظر آیا تھا، عظیم چوگان نے اسے للکارا تو وہ پیٹھ پھیر کر چلا گیا کہ میری جنگ تم سے نہیں۔"

"تم پر برکتیں نازل ہوں عظیم چوگان!" اوشان نے معبد کے بوڑھے عابد کی طرف دیکھ کر کہا۔ "بدی کی قوتیں ہماری دشمن ہیں سنا بحر کی دشمن ہیں۔ انسانوں کی دشمن ہیں۔"

چوگان نے اپنی قبا اچھی طرح لپیٹ کر سر خم کیا۔ وہ نرم آنکھوں والا بوڑھا تھا اور اس کے چہرے پر قدرتی طور پر کشش تھی۔

"میں عظیم سنا بحر کے عظیم اوشان شمشیر سنا بحر کے مالک اور شمشیر سنا بحر کے وارث کو خبردار کرنا چاہتا ہوں کہ مجھے کئی دن سے سنا بحر کی سمندری ہواؤں میں سازشوں کی بُو محسوس ہو رہی ہے۔ چوگان نے شمشیر سنا بحر کے مالک کا ذکر کرتے ہوئے اوشان کی طرف اور شمشیر سنا بحر کے وارث کا نام لیتے ہوئے ٹائیگر کی طرف دیکھا تھا۔

"آہ عظیم چوگان۔ فکر مت کرو، ہم سموم ہواؤں سے زہر نکال پھینکنے اور سازشوں کا سر کچلنے کے لیے یہاں آئے ہیں۔ ہم سازشوں کا زہر بھی اسی طرح کچل دیں گے جس طرح پچھلی بار کچلا تھا۔

تب ہی ایک بچی ہجوم سے نکل کر اوشان کی طرف لپکی اور اس کی ٹانگوں سے لپٹ گئی۔

"آؤ میرے ستارے... میرے روشن چاند۔" اوشان نے جھک کر اس بچی کو اپنی باہوں میں لیا اور سینے سے لگا لیا مگر اس کی نظریں اوشان کے چہرے پر مرتکز تھیں... اور ان نظروں میں صرف سوال تھا۔

"میلو جانگ کی بیٹی ہے عظیم آقا۔" چوگان نے سر جھکا کر اسے جواب دیا۔ اوشان سمجھ گیا کہ لوجانگ سمندروں کی نذر ہو چکا ہے۔ اس نے بچی کے سر پر پیار کیا۔ اِدھر اُدھر دیکھا اور بچی کو ٹائیگر کی طرف اچھال دیا جس نے اسے کسی گیند کی طرح پکڑا، چوما اور اپنے قریب کھڑا کر لیا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

اس کا مطلب یہ تھا کہ لاکھ بے سہارا نہیں۔ اسے سنا نجو کی شیشر کے مالک اور وارث کی سرپرستی حاصل ہے۔

ابھی خیر سگالی کلمات اور جوابی کا تبادلہ ہو رہا تھا کہ اچانک ایک سیٹی سے خوفناک چیخ سنائی دی۔ ٹائیگر نے مڑ کر دیکھا۔ ایک طاقت ور اور لمبا تڑنگا شخص سیٹی سے کود کر خاص مہمانوں میں جو پھیلائے ہوئے اسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"موالگ چو!" کئی افراد ایک ساتھ چلائے۔ "موالگ چو واپس آ گیا۔ ہماری خوشیاں غارت کر دے!"

"چپ رہو، سانگ ریزوں کی اولاد!" پہلوان نے دہاڑ کر کہا۔ "میں تمہاری خوشیاں غارت کیوں نہ کروں۔ جب تک عظیم نوگان زندہ ہے۔ اوشان بوڑھا اور اس کا پیرو اشاگر واں خلاف پر حکمرانی نہیں کر سکتا۔"

"کیا؟" ٹائیگر نے حیرت سے موالگ چو کی طرف دیکھا۔

"ہاں۔ تم نہ جانے کیا کرتے ہو۔ میں تمہیں رگڑ دوں گا، مسل دوں گا۔ تو عظیم نوگان تک بھی نہیں پہنچ سکو گے۔"

"موالگ چو... غدار!" چوگان غصے سے کانپ رہا تھا۔ "یاد رکھو! آج میری بیٹی کی شادی ہے اور سنا نجو میں شادیوں کے دن خون نہیں بہتا۔"

"آج خون بہے گا چوگان اور اس لڑکے کا بھی جس سے تم اپنی لڑکی کی شادی کر رہے ہو اور پھر میں تمہاری بیٹی کو اپنی خواب گاہ میں لے جاؤں گا۔"

بگھاس بند کر بے۔" ٹائیگر کو غصہ آ گیا اور یہ جملہ اس کے منہ سے نکل زبان پھسل گیا۔ پھر اس نے غصہ پر قابو پایا۔ وہ جانتا تھا کہ غصہ سنا نجو کے فن حرب کی خلاف ورزی ہے۔ اب اگر تو نے مزید کچھ کہا تو تیری زبان کاٹ کر اس مقدس سمندر کی مچھلیاں کھا جائیں گی۔"

"اے، ای، ای... یاد رہے... لی!" موالگ چو بہت خوفناک انداز میں چلایا۔ یہ اعلان جنگ تھا۔ اس کی باچھیں خم ہو گئیں اور دونوں ہاتھ آگے پیچھے انداز میں سانپ کے پھن کی طرح مڑ گئے۔

"یاد رہے ای، ای، ای۔" ٹائیگر بھی چلایا۔

ہر طرف خاموشی چھا گئی۔ لوگ ہٹنے لگے۔ اوشان سر ہلاتا ہوا اندھی لوگوں میں چلا گیا اور صرف موالگ چو اور ٹائیگر رہ گئے۔

سنا نجو والوں کے لیے سب سے بہترین موقع تھا۔ ٹائیگر کو علم تھا کہ نفسیاتی طور پر سنا نجو والے کمزور ہیں۔ جیتنے والے کا ساتھ دیتے ہیں۔

دونوں اب آمنے سامنے چکر لگا رہے تھے۔ ان کے درمیان فاصلہ بیس فٹ سے زیادہ نہیں تھا۔ "میں تمہیں خبردار کر دوں گا۔" موالگ چو نے غراتے ہوئے کہا۔

"کر... رہے ہو تو کرو۔" ٹائیگر نے اسے جواب دیا۔

"یلو..." موالگ چو ابھی للکار رہا تھا اور اگلے ہی لمحے فضا میں بلند ہو رہا تھا۔ اس کی دائیں ٹانگ اٹھتے ہوئے جسم کے نیچے چھپی ہوئی تھی اور وہ ٹائیگر کی سمت میں آ رہا تھا۔ ٹائیگر کو علم تھا کہ دائیں ٹانگ وقت آنے پر وار ہو گی۔ گرد اس سے بچنے کے لیے پچھلی طرف گرا تو موالگ چو دونوں پیروں کے بل زمین پر آئے گا اور ساتھ ہی اس کی کنپٹی پر مہلک اتھارے گا۔

لیکن یہ سب کچھ شیشر سنا نجو کے وارث کے ساتھ نہیں ہو سکتا تھا۔

موالگ چو کی دائیں ٹانگ آگے آئی اور اسی لمحے ٹائیگر کے دونوں ہاتھوں نے اس ٹانگ کو دبوچ لیا۔ پل بھر میں وہ موالگ چو کو کسی لاٹھی کی طرح گھما رہا تھا۔ موالگ چو کی چیخیں بلند ہو رہی تھیں اور لوگ قہقہے لگا رہے تھے۔ اوشان زیر لب مسکرا رہا تھا مگر اس کی نظریں بیس گز دور تیس فٹ بلند ایک نوکیلی چٹان پر مرتکز تھیں۔

ٹائیگر نے موالگ چو کو بارہا مرتبہ گھمایا اور چھوڑ دیا۔ موالگ چو کسی کمان کے تیر کی طرح اس کے ہاتھ سے نکلا اور بلند ہوتا چلا گیا۔ ٹھیک بیس گز دور، ٹھیک تیس فٹ اوپر وہ نوکیلے پتھر پر جا گرا، پتھر اس کے سینے میں لگا اور کسی خنجر کی طرح آر پار ہو گیا۔

"خدا سنا نجو پر اپنی رحمتیں نازل کرے۔" اوشان نے کہا... لوگ ناچنے لگے۔ بچیاں بھی اس رقص میں شامل ہو گئیں اور لوگوں نے ٹائیگر کے گرد جھنڈا سا حلقہ بنا کر سنا نجو کا قدیم رقص شروع کر دیا۔ یہ رقص ماہر لوگوں کو خراج تحسین پیش کرنے کے لیے کیا جاتا تھا۔ لہٰذا ٹائیگر کی خوشی اپنی جگہ بجا تھی۔ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا کہ سنا نجو کے لوگ تعصب سے بالاتر ہو کر ایک جنگ کو اپنا ماسٹر سمجھ رہے ہیں۔

اوشان اور ٹائیگر کو جلوس کی شکل میں لے کر چلے۔ چوگان اوشان کی بائیں طرف تھا۔ اس نے دائیں پہلو کو ٹائیگر کے لیے چھوڑ دیا تھا..... چھوٹی سی عظیم کپکی ان سب سے آگے تھی۔ چلتے ہوئے اوشان دائیں بائیں دیکھتا جا رہا تھا۔ ہر پودے، ہر پتھر، ہر درخت کو دیکھ کر وہ مسکراتا اور اس کے ہونٹ اس طرح ہلتے جیسے وہ ان بے جان چیزوں سے باتیں کر رہا ہو۔

وہ ٹیوفنگ بڑ کے قریب پہنچے تو ٹائیگر کو وہاں ایک تبدیلی نظر آئی۔ پہلے دیواریں لکڑی کی تھیں اور چھت گھاس پھونس کی لیکن اب

دیواریں مٹی کی تھیں اور چھت سرخ کھپریل کی۔ اوشان نے چوگان کو دیکھ کر چھت کی طرف اشارہ کیا تو وہ بڑے جوش و خروش سے کچھ بتانے لگا۔ وہ یقیناً اس "عظیم اوشان" عمارت کی تعمیر کے بارے میں تفصیلات بتا رہا تھا۔

حالات بہت بدل چکے تھے۔

پہلے وہ یہاں آیا تھا تو گلیاں سنسان تھیں اور لوگوں نے ان کی طرف دیکھا تک نہیں تھا۔ نوگان نے یہاں اپنی حکمرانی قائم کر رکھی تھی مگر اب گلیوں میں نہ صرف چہل پہل تھی بلکہ ہر گھر کے سامنے ایک ایک دیا بھی روشن تھا۔

وہ گھاس پھونس کی نیم پختہ جھونپڑیوں اور دکانوں کے سامنے سے گزرے۔ جلوس ان کے ساتھ ساتھ تھا۔ پھر ٹائیگر نے وہ گلی بھی پہچان لی جو اوشان کے گھر کی طرف جاتی تھی۔ اسے وہ میدان بھی نظر آ گیا جہاں اس کا اور نوگان کا مقابلہ ہوا تھا۔

اچانک ہی اوشان کا سنگی مکان سامنے آ گیا۔ اس پر چار دیئے جل رہے تھے۔

یہ مکان صدیوں سے ماسٹر آف سانجو کے خاندان کی ملکیت تھا۔ پہلے یہاں خالی جگہ تھی۔ پھر بانس کے اوپر گھاس کی چھت ڈالی گئی تھی اور اس کے بعد دیواریں مٹی سے بنائی گئی تھیں۔ پھر دیواریں پختہ ہوتی گئیں، اور اب یہ ایک منزلہ پختہ عمارت تھی۔ اس میں تازہ ترین اضافہ باتھ روم کا تھا جو ٹائیگر کی یہاں پہلی مرتبہ آمد کے موقع پر اوشان نے خود بنوایا تھا۔

جلوس گھر کے سامنے رک گیا۔

بچی نے اچانک ہی ایک گیت شروع کر دیا اور اوشان دونوں ہاتھ سینے پر باندھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کا سر جھکا ہوا تھا۔ لوگ کورس کے انداز میں رحموں کو پکار رہے تھے۔ گھر سے جانے والا گھر واپس آ گیا ہے، تم بھی آ جاؤ۔"

گیت ختم ہوتے ہی اوشان نے ان سب کا شکریہ ادا کیا اور ٹائیگر کا ہاتھ تھام کر گھر میں لے آیا۔

ایک بڑے کمرے میں درجنوں ذوات اسی طرح محفوظ رکھی ہوئی تھیں جس طرح ٹائیگر انھیں چند برس قبل دیکھ گیا تھا۔ شاید کسی نے ذوات کی اہمیت کے پیش نظر انہیں صاف بھی نہیں کیا تھا۔ ایک جار میں سیرے بھرے ہوئے تھے، کئی تلواریں لٹک رہی تھیں۔ شیروں کی بہت سی کھالیں اوپر تہ رکھی ہوئی تھیں۔ ایک سانپ کا مومیائی جسم نظر آ رہا تھا، اژدہے کے دانت ایک طرف سجے ہوئے تھے۔

پھر ٹائیگر کو وہ دن یاد آ گیا جب وہ زخمی حالت میں یہاں لایا گیا تھا، سے عجیب سا نشہ اور اسے غنودگی آنے لگی۔

"لٹل فادر!" اس نے ایک اسٹول پر بیٹھ کر کہا۔

"کیا بات ہے میرے بچے؟"

"وہ کہاں ملے گا؟"

"اسے یہیں آنا ہو گا میرے بچے۔ میں نے نوگان سے اس کی قبر کھودنے کے لیے کہہ دیا ہے۔"

"تو کیا آپ اسے دفن کریں گے؟"

"نہیں، دفن میں نہیں کروں گا۔ خاکروب یہ کام کرے گا میرے بچے... لیکن سنو... اس سے مقابلہ بھی میں ہی کروں گا۔"

"یہ ناممکن ہے۔ آپ وعدہ کر چکے ہیں اور میں ڈوچ مین کو..."

شکست دے چکا ہوں۔" اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ اوشان نے تیزی سے اسے اٹھایا اور ایک صاف ستھرے کمرے میں لے جا کر لٹا دیا۔

"سو جاؤ میری جان!" اس کے لب ہل رہے تھے مگر آواز نہیں نکل رہی تھی۔ "سو جاؤ میرے بچے... سو جاؤ۔"

۲۲

بیٹا سو گیا تو باپ گھر سے نکل آیا۔

اس کے پیر بھاری ہو رہے تھے۔ وہ جانتا تھا کہ ٹائیگر نوگان سے تنہا مقابلہ کرے گا اور وہ اس مقابلے سے خوفزدہ تھا۔ بستی کی گلیوں میں لوگ جمع تھے۔ وہ اسے دیکھ کر سرگوشیاں کرنے لگے۔

حالات واقعی بہت بدل گئے تھے۔

وہ ان سے ملتا ہوا، قبرستان کی طرف چلا آیا۔ وہ افراد قبروں سے دور ایک نالے کے قریب گھوڑا گھما کر دوڑ رہے تھے۔ اس نے انھیں دیکھا اور مطمئن انداز میں سر ہلانے لگا۔ انھوں نے نوگان کی قبر کے لیے ماسٹروں کی قبروں سے کافی دور جگہ منتخب کی تھی۔

وہ جانتا تھا کہ ٹائیگر کو تنہا ہی لڑنا پڑے گا۔ وہ ماسٹر تھا اور سنا نجو کا ماسٹر حلف اٹھاتا ہے کہ وہ کبھی گاؤں سے تعلق رکھنے والے کسی بھی شخص پر ہاتھ نہیں اٹھائے گا۔

۲۲

"میں مجبور ہوں۔ اس سلسلے میں صرف اتنا کر سکتا ہوں کہ ان کی مدد کروں۔" وزیر اعظم کم نے نوگان کی درخواست مسترد کرتے ہوئے کہا۔

نوگان نے پرانے تعلقات کے حوالے سے یہ مطالبہ کیا تھا کہ سنا نجو میں داخل ہونے والے اوشان اور ٹائیگر کو قتل کرنے کا سرکاری حکم دیا جائے اور ایک رجمنٹ وہاں بھیج دی جائے۔ "ہم پرانے معاہدے کے تحت اس کے پابند ہیں کہ اوشان کے کام میں ٹانگ نہ اڑائی جائے۔"

"مگر میری خدمات؟"

"تمہیں اس کا بھرپور معاوضہ ملتا رہا ہے۔"

"وہ سنا نجو پر قابض ہو گئے ہیں۔"

گنگا کے پجاری ناگ
اے حمید ○ قیمت ۳۵۰/۰۰ روپے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"یہ میرا مسئلہ نہیں۔ اگر تم ان سے محکرانی واپس لے سکو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ میں ان کا ساتھ ہر حال نہیں دوں گا، وہ شخص... اوشان بہت اچھا اور پرکشش شخصیت کا مالک ہے۔"

"وہ امریکی ایجنٹ ہے۔"

"ہو سکتا ہے لیکن اس نے ہمیں کبھی نقصان پہنچانے کی کوشش نہیں کی۔"

"تو آپ میرے ساتھ تعاون نہیں کریں گے؟"

"رقم درکار ہو تو..."

"اس نے میرے قریبی ساتھی موانگ چو کو ہلاک کر دیا ہے۔"

"غلط بیانی سے کام نہ لو۔ اسے اس کے شاگرد نے ہلاک کیا ہے اور وہ بھی اس طرح جیسے کسی بچے کو اٹھا کر پٹخ دیا ہو۔ میری مانو، اپنی برتری ثابت کرنے کے لیے اس کے شاگرد سے اور پھر اس سے مقابلہ کرو اور سانجو کی حشیر حاصل کر لو۔"

نوگان پوری طرح مایوس ہو گیا۔ اب اس کے پاس صرف دو راستے تھے، یورپ چلا جائے یا موانگ چو اور اپنے دیگر ساتھیوں کا انتقام لینے کے لیے سانجو بن جائے۔ اسے شیرازی کی موت کی اطلاع بہت پہلے مل چکی تھی۔

اچانک ہی اس کی رگ و پے میں شعلے دہکنے لگے۔ اس کی آنکھیں جلنے لگیں۔ گال تپنے لگے اور اس زخم کے نشان میں ٹیسیں اٹھنے لگیں جو آخری مقابلے میں ٹائیگر نے لگایا تھا۔

"میں آ رہا ہوں۔" اس نے خونخوار لہجے میں کہا۔

وزیر اعظم کم نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ انہیں نوگان کے اس فیصلے سے اختلاف نہیں تھا۔

▼▼

"آقا..." لوچانگ کی بیٹی نے جو اوشان کے قریب بیٹھی ہوئی ٹائیگر کو ورزش کرتی ہوئی دیکھ رہی تھی، دھیرے سے کہا۔

"کیا بات ہے میری بچی!"

"میں نے یہاں آتے ہوئے راستے میں ایک جیپ دیکھی تھی۔"

"اچھا، کہاں؟"

"پگھلاؤں کے قریب... جیپ میں تین آدمی سوار تھے۔"

"کیا تم نے جیپ گزرتے وقت بدبو محسوس کی تھی؟"

"جی ہاں ایسی بدبو آ رہی تھی جیسے چوہا مر کر سڑ گیا ہو۔" بچی نے جواب دیا۔ "مگر آپ کو کیسے معلوم ہوا؟"

"اس لیے کہ آنے والا بدبودار چوہا ہے میری بچی! وہ مر کر رہے گا اور پھر اس کی، لوسے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے ہم اسے مٹی کے نیچے دفن کر دیں گے۔"

"کیا وہ نوگان ہے آقا؟"

"ہاں... میری بچی! تمہیں اس سے نفرت ہے نا؟"

"نفرت... میں اس سے سخت نفرت کرتی ہوں، بستی کا ہر اچھا آدمی اس سے نفرت کرتا ہے۔"

"ایک بات یاد رکھنا میری بچی! گائے سے محبت کرنے والے بہت ہوتے ہیں لیکن اس کے گوبر سے کوئی محبت نہیں کرتا۔" بچی سر ہلا کر رہ گئی۔

"دوسری بات یہ کہ مصیبت اپنے وقت پر آتی ہے، موت کی طرح، تم چاہو تو مصیبت نہیں آ سکتی، موت بھی نہیں آ سکتی۔ دیکھو... تاریک دن... کتنی جلد آ گیا اس کا تاریک دن۔"

اوشان نے دونوں ہاتھ باندھ کر خلیج میں دور دور تک دیکھا۔ شاید وہ نیک شگون تلاش کر رہا تھا۔

"میں کیا کروں آقا؟"

"کچھ نہیں... میں بھی کچھ نہیں کروں گا، ہم صرف دیکھیں گے۔"

اوشان کا لہجہ بہت عجیب سا تھا۔

بچی اپنی جگہ سے اٹھی اور اس نے نظر بھر کر ٹائیگر کو دیکھا جو کھلے میدان میں دوڑ رہا تھا اور پھر چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ہوئی اپنے گھر کی طرف چلی گئی۔

▼

نوگان اور اس کے تینوں ساتھی سانجو کے چوک میں جیپ سے اترے۔ دو افراد نے فوجی وردی پہن رکھی تھی۔ جب کہ نوگان، سانجو کے روایتی جنگی لباس میں تھا۔ اس کے کپڑوں کی رنگت سیاہ تھی اور لباس کی تراش خراش سے ظاہر تھا کہ وہ آج آخری جنگ کے لیے آیا ہے۔ یہ لباس سانجو کے وہ سورما پہنا کرتے تھے جن کا مقصد فتح یا موت ہوتا تھا۔ لباس میں بیلٹ شامل نہ تھی۔

دو صدی قبل اوشان کے اجداد نے بھی یہی لباس پہنا تھا۔ انھوں نے ماسٹر آف سانجو کے خالی منصب کے لیے جنگ لڑی تھی۔ ان میں سے ایک نے بیلٹ بھی لگا رکھی تھی اور پانچ منٹ بعد اسی بیلٹ سے اس کا گلا گھونٹ دیا گیا تھا۔ اس کے بعد مشقوں کے سوا کسی اور مقصد کے لیے کسی ماسٹر نے کبھی بیلٹ استعمال نہیں کی۔

وہاں موجود لوگ واضح طور پر نوگان کو نفرت اور حقارت سے گھور رہے تھے۔ ان میں سے کئی کو وہ لڑائی یاد تھی جو نوگان اور ٹائیگر کے درمیان ہوئی تھی اور جس میں شدید زخمی ہونے کے باوجود اوشان نے ٹائیگر کو جتوایا تھا۔

"میں نوگان ہوں۔" نوگان کی آواز گونجی۔

"اور میں ٹائیگر ہوں شہزاد!" چوک کے دائیں طرف سے چالک ہی شیر کی سی دھاڑ سنائی دی۔ ہجوم نے للکارنے والے کو راستہ دیا تو ٹائیگر نمودار ہوا۔

اوشان کے پیچھے، سر جھکائے ہوئے آ رہا تھا۔

لوگوں میں سرگوشیاں شروع ہو گئیں۔ اوشان کے پیچھے آنے کا مقصد یہی تھا کہ وہ نوگان سے نہیں لڑے گا۔

"مظلوم اوشان، اپنے حلف پر قائم ہے۔ ایک ٹیلے سے چگان کا نعرہ سنائی دیا۔ سانجو کے معبد کا بڑا عابد ہاتھ کمر پر رکھے ہوئے اس طرح کھڑا تھا جیسے ابھی پرواز کر جائے گا۔

"سانجو کے کسی ماسٹر نے گاؤں اور قبیلے سے تعلق رکھنے والے کسی جانور پر بھی ہاتھ نہیں اٹھایا۔" اوشان نے بڑی تمکنت کے ساتھ ہاتھ بلند کر کے کہا۔ "اور آج کے دور کا ماسٹر اوشان کیڑے مکوڑوں پر دیے بھی ہاتھ نہیں اٹھایا کرتا لیکن..." وہ اچانک نوگان کے ساتھ آنے والوں کی طرف پلٹا۔ "اگر تم میں سے کسی نے بھی لڑائی میں حصہ لیا تو تمہاری آنکھیں گدھ نوچ لیں گے اور تمہارے اعضاء جسم سے جدا کر دیے جائیں گے۔"

نوگان کے ساتھ آنے والے تینوں افراد سہم کر ایک طرف سمٹ گئے۔

"آج اس طویل جنگ کا آخری روز ہے۔" نوگان نے اپنے لباس پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ "آج نوگان ثابت کر دے گا کہ شیر سانجو کا درحقیقت وہی مستحق ہے۔" نوگان کا چہرہ بہت ضبط ہو رہا تھا۔ "آج شیر سانجو کے جعلی دعوے داروں کا آخری دن ہے۔ آخری دن ہے۔ آج نوگان بجلی کی طرح کڑکے گا اور بادلوں کی طرح گرجے گا۔ اولوں کی طرح برسے گا اور قہر... سراپا قہر بن جائے گا۔"

"تم آج اوشان کے شاگرد سے مقابلہ کر رہے ہو نوگان۔" ٹائیگر نے دونوں ہاتھ سر سے بلند کر کے کہا۔ اس کی آواز اگرچہ نرم تھی لیکن اس میں طوفان چھپے ہوئے تھے۔ "تم بجلی کے اس کوندے کی طرح ہو جو آسمان پر نمودار ہوتا ہے اور میں... میں سراپا بجلی ہوں، گرتا ہوں کسی پر... تو اس کی روح تک جل کر بھسم ہو جاتی ہے۔ تم وہ بادل ہو جو بھٹک گرجتا ہے، تم ایسے اولے ہو، جو آسمان سے ٹوٹ کر گرتے ہیں مگر پگھل کر فنا ہو جاتے ہیں... بیکار قہر... ہمیں خوف سے ڈوبے گا۔ تم نادان کے کیڑے ہو۔ ایسے کیڑے جو غلاظت سے نکلتے ہیں تو بدبو اور گندگی کی ایک لکیر چھوڑتا ہے... تم سانجو کے دشمن ہو، سانجو کے نام پر دھبا ہو... تم نہیں جانتے کہ تمہارا مقابلہ کس سے ہے... میں ٹائیگر ہوں۔"

لوگ اپنی سانس تک روکنے پر مجبور ہو گئے۔ ٹائیگر کا ہیجان پستور اونچا ہوتا چلا گیا۔

اسپیکر کے ہجوم کو ٹائیگر کی مزاحمت شیر کی دہاڑ سے کم نہ تھی۔

"تم نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا، اوشان کی ہدایت کے مطابق شاگرد... ناکام واپس لے گئے تھے اور وہ چاہتے ہیں کہ میدان میں موت کا ہرکارہ... میں ہا...

ان ہاتھوں کو تو جو دیا ہے جو طوفان اٹھاتے تھے۔ ان آنکھوں کو نوح پھینکا ہے جو شعلے اور برق برساتی تھیں اور طوفان اٹھانے والے، شعلے برسانے والے جب بے بسی کے مقابلے پر آتے ہیں تو میرے ہاتھوں موت کے بجائے شاگرد کے جبڑوں میں جا کر سکون کی موت مرنا پسند کرتے ہیں۔"

لوگ مسلسل سر ہلا رہے تھے۔ اوشان نے انہیں ٹائیگر اور لوچ مین کے سرکس کی پوری کہانی سنا دی تھی۔

"میں نوگان ہوں۔" سانجو کا دعوے دار چیخ کر چلایا۔

"میں ٹائیگر ہوں۔ موت پر شیر کی طرح لپکنے جھپٹنے اور اسے شکست دینے والا ٹائیگر... میں جیتا ہوں۔ تو گزرے ہوئے تمام ہفتوں کا ہر فرد بند ہو جاتا ہے... میں محکرتا ہوں تو موجود عظیم ترین ماسٹر کی آنکھیں نسرت سے بجھنے لگتی ہیں۔"

لوگ ایک بڑے دائرے کی شکل میں کھڑے ہوئے تھے۔ اوشان اس کے درمیان مگر ایک قدم آگے۔ اس طرح کھڑا ہوا تھا کہ مزید ایک قدم اٹھانے سے دائرے میں داخل ہو سکتا تھا۔ نوگان کے تینوں ساتھیوں کو سانجو کے پیروکاروں نے گھیر رکھا تھا۔

یہ بات طے تھی کہ آج کی اس جنگ میں کوئی تیسرا مداخلت نہیں کرے گا۔

اس خیال سے ماسٹر آف سانجو کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ اس کی حالت غیر ہو رہی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ اگر ٹائیگر مر گیا... تو اس کی زندگی بھر کی کمائی ضائع ہو جائے گی اور پھر... پھر... وہ کسی بلند ٹیلے پر چڑھ کر سمندر کی آغوش میں جا پہنچے گا۔

یہ بات کئی افراد کو معلوم تھی کہ ماسٹروں کی قبروں سے دور، نالے کے پاس کسی کی قبر کھودی گئی ہے لیکن یہ بات کسی کو معلوم نہیں تھی کہ قبلوں کے پاس، پھولوں کے کنج میں بھی ایک اور قبر خود اوشان نے تیار کی ہے۔

ماسٹروں کے شاگرد... پھولوں کے کنج تک میں سپرد خاک کیے جاتے تھے۔

ٹائیگر اور نوگان اب آنکھوں میں آنکھیں ڈالے ایک دوسرے کو گھور رہے تھے۔

"تم نے طوفان بپا کرنے والے ڈیچ مین کا حشر دیکھ لیا؟" ٹائیگر نے غیب سے لہجے میں پوچھا۔

"وہ کبھی طوفان نہیں بن سکتا تھا۔"

"تم نے شیرازی کے انجام کے بارے میں سنا؟"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"یہ میرا مسئلہ نہیں۔ اگر تم ان سے محکرانی واپس لے سکو تو بے کوئی اعتراض نہیں۔ میں ان کا ساتھ ہر حال نہیں دوں گا، وہ شخص... بہت اچھا اور پرکشش شخصیت کا مالک ہے۔"

"وہ امریکی ایجنٹ ہے۔"

"ہو سکتا ہے لیکن اس نے ہمیں کبھی نقصان نہیں پہنچایا۔ ... ہمیشہ کے لیے سیاہ بادل ... تھا۔"

لوگو ٹائیگر نے ایک بار پھر سر اٹھا کر دائرے کی طرف دیکھا۔ ہیں سانجو کو مارنے میں ہمیشہ کراہیت محسوس کی ہے لیکن آج میں سانجو کو مارنے میں دلی مسرت محسوس کروں گا۔ میں نے محلے میں پہل کی پیش کش کی ہے اور یہ بے حرکت کھڑا ہے۔ اس سے کہو۔ کہو کہ حملہ کرے۔"

لوگ نوگان کی طرف دیکھ کر ہنسنے لگے۔ وہ حقارت سے ہنس رہے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ نوگان کس قدر خوفناک ہے۔

انہیں علم تھا کہ ایک مرتبہ زخمی ٹائیگر نے نوگان کو شکست دی تھی، اور وہ جانتے تھے کہ آج ٹائیگر زخمی بھی نہیں ہے۔

اور یہی بات نوگان بھی سوچ رہا تھا۔

ٹائیگر نے اوشان کی سمت میں دیکھا۔ وہ اس کا گاؤن سینے سے لگائے سر اٹھائے ہوئے کھڑا تھا۔ ٹائیگر کو احساس تھا کہ اس وقت اوشان کے کیا جذبات ہیں۔ وہ کیا سوچ رہا ہے۔

"حملہ کرو نوگان!" دائرے میں سے کسی نے نوگان کو للکارا۔

اور پھر وہ جنگ شروع ہو گئی جو سانجو کی ہمیشہ کی سب سے زیادہ خوفناک جنگ کہلائی جانے والی تھی۔

نوگان نے پچھلے اور پہلو بدلے بغیر دائیں پیر کو کسی تیز کے کی طرح مارا۔ پیر نیچے سے اوپر گیا۔ ٹائیگر کو پہلے ہی لمحے اندازہ ہو گیا تھا کہ نوگان اس کے شانے پر ضرب لگانا چاہتا ہے اور اسے یہ بھی علم تھا کہ ایسی ضرب کنکریٹ کی دیوار بھی توڑ سکتی ہے

وہ بھی اپنی جگہ سے نہیں ہلا۔ بس شانے کو ایک انچ دائیں طرف کر لیا۔ نوگان کو وار خالی جانے کے باعث زور دار جھٹکا لگا اور وہ بمشکل خود کو گرنے سے بچا سکا۔

"ایک ..." ٹائیگر نے پھنکار کر کہا۔ "تین موقعے دوں گا نوگان!"

نوگان اس بار کسی چیتے کی طرح جھپٹا تھا، اس کی رفتار حیرت انگیز تھی۔ وہ واقعی بجلی کی طرح لپک کر ٹائیگر پر گرا تھا، اس کے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ٹائیگر کا ٹینٹوا نکالنے کے لیے تیار تھیں... مگر جونہی اس نے چیل کی طرح جست لگائی تھی... ٹائیگر... بھی چھلا... اس کا انداز کسی تیندوے کی طرح تھا۔ نوگان کے دونوں ہاتھ فضا میں معلق رہ گئے اور اس کی کمر لچکتے ہوئے تیندوے کے ہاتھوں میں آ گئی۔

"وہ ..." ٹائیگر نے کمر چھوڑ دی تو بہت سے لوگ پسینہ پونچھنے لگے۔ انہیں یقین تھا کہ ٹائیگر کو یہ پہلا موقع ملا تھا، وہ نوگان کی کمر توڑ سکتا تھا لیکن اس نے یہ موقع ضائع کر دیا اور اب شاید اسے دوسرا موقع نہ ملے۔

ٹائیگر کو یاد تھا کہ ایک مرتبہ اس میدان میں جب وہ مشق کے بل مٹی پر گرا تھا تو نوگان نے کیا کہا تھا۔ اسے ایک ایک لفظ یاد تھا۔

"آؤ ... ٹائیگر" اس طرح پکارنے لگا جیسے گنتی کو جاتے ہیں۔

نوگان کے حملے پر تشویش کے ساتھ لرز رہے تھے۔ اس کے ساتھی بھی پریشان تھے مگر وہ کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ پہلوانوں نے انہیں روک رکھا تھا۔

"میں تمہیں گوشت کے لوتھڑوں میں بدل دوں گا" نوگان نے غرا کر کہا۔ اس بار اس نے اچھلنے اور گردن یا شانوں پر لگنے کی کوشش نہیں کی۔ اس لیے دونوں ہاتھ آنکڑوں کے انداز میں موڑے، اب دسوں انگلیاں کیلوں کے انداز میں نظر آ رہی تھیں... اور مجمع میں موجود بہت سے لوگ جانتے تھے کہ دسوں انگلیاں دل میں اندر تک گھس کر کیل خنجر کی طرح کام کرتی ہیں۔

نوگان زچ ہو کر لپکا۔ مطلب صاف ظاہر تھا، وہ پہلے ٹرچی لگنے کے ذریعے ٹائیگر کو گرانا چاہتا تھا اور اس کے بعد سینے پر گر کر دونوں ہاتھوں کی انگلیوں سے سینہ پھاڑنا چاہتا تھا۔

اوشان گھبرا گیا کیونکہ نوگان کی رفتار اس فن کے عین مطابق بہت تیز تھی۔ وہ محض دھبا نظر آ رہا تھا۔

ٹائیگر دو قدم پیچھے ہٹا اور پھر وہ فضا میں بلند ہو گیا، فضا میں بلند ہوتے ہوئے اس کی ٹانگ لگ نوگان کے کندھے سے لگی۔ پنڈلی نے کندھے کو چھوا اور پھر ٹائیگر نیچے گرتے ہوئے نوگان کے عقب میں پہنچ گیا اس کی کمر دوبارہ جکڑ لی۔

"توڑ دو کمر... یہ کوئی بہت زور سے چلایا مگر ٹائیگر نے کمر چھوڑ دی۔ نوگان اپنی اکڑی ہوئی انگلیوں کو پہچانتا ہوا زمین پر گرا۔ اسے صرف ایسا لگا تھا جیسے کسی بلڈوزر نے اس کی کمر پر دھکا لگایا ہے۔ وہ مشق کے بل گرا، اس کے مشق کے اندر تک مٹی چلی گئی۔

اچانک ہی لوگوں کی تالیوں سے میدان گونج اٹھا۔ ان میں سے بہت سوں کو یاد آ گیا کہ ایک بار نہتی ٹائیگر کو نوگان نے اسی طرح زمین چٹوائی تھی۔

اور ٹائیگر کو سب کچھ یاد تھا۔

وہ نوگان سے دس قدم دور کھڑا ہوا تھا۔

"سانجو کے لوگو!" اس نے پُروقار انداز میں کہا۔ "یہ رہا شمشیر سانجو کو سازشوں کے ذریعے حاصل کرنے کا خواہشمند۔ اب مٹی چاٹ رہا ہے۔ یہی وہ بدنصیب ہے جس کو سانجو کی حکمرانی ورثے میں ملنی تھی، لیکن جس نے غداری کی، عزیزوں سے نا جوڑا، لوگوں کو غلام بنانے کی

سازشیں کیں اور خود دوسروں کا غلام بن گیا۔ یہی ہے وہ ... جس نے سانجو کے اصولوں کو توڑ کر چوری اور قتل و غارت گری کی، سانجو کے لیے نہیں۔ ذاتی مقاصد کے لیے:

اوشان سر جھکا کر رہا۔

ٹائیگر غیر متوقع طور پر اوشان کی طرف پلٹا۔ "فادر!" اس کی آواز بھاری تھی۔ "مقابلہ کرنے کی اجازت دو۔"

لوگ گنگ ہو کر رہ گئے۔ اگر یہ مقابلہ نہیں ہو رہا تھا تو پھر کیا تھا، لیکن صرف اوشان کو احساس تھا کہ اس کا شاگرد، موت کا بھرکارہ... اس سے اس کے بھتیجے کے قتل کی اجازت مانگ رہا ہے۔

"اجازت ہے:" اوشان نے مٹھی بھر کر مٹی اڑاتے ہوئے کہا۔

"اجازت ہے:"

اور پھر مقابلہ شروع ہو گیا۔ نوگان نے ٹائیگر کو باتوں میں مصروف دیکھ کر فائٹنگ کلب کا استعمال کیا تھا لیکن وہ ٹائیگر کے بارے میں بہت کچھ بھول گیا تھا۔ یہ بھی فراموش کر گیا تھا کہ ٹائیگر کی چھ نہیں سات حسیں ہیں اور نہیں چار آنکھیں ہیں۔

فائٹنگ کلب کی کمک آئی تو ٹائیگر نے الٹی قلابازی کھائی اور نوگان اپنے ہی زور میں آگے جا گرا۔ لیکن اب اسے مہلت نہیں مل سکتی تھی۔ قتل کا حکم جاری ہو چکا تھا۔ ٹائیگر نے لپک کر اس کی کمر پکڑی اور اچھال دیا۔ نوگان نے فضا میں الٹی قلابازی کھائی کہ اس جگہ گرنے سے خود کو بچا لیا جہاں ٹائیگر اپنا گھٹنا بند کیے ہوئے موجود تھا۔ وہ پیروں کے بل ٹائیگر سے دو تین گز دور گرا۔ اس نے ہاتھ میں مٹی اٹھائی اور ٹائیگر کی آنکھوں میں جھونکنے کی کوشش کی مگر ٹائیگر عین وقت پر قلابازی کھا کر ایک طرف ہو گیا تھا، اس نے دوسری قلابازی کھائی اور نوگان پر جا گرا۔ دونوں گتھم گتھا ہو گئے۔ ایک لمحے کے لیے ایسا لگا جیسے نوگان نیچے ٹائیگر کو پیس ڈالے گا، تاہم اگلے ہی لمحے نوگان اچھل کر دور جا گرا۔ اس کے منہ سے کربناک چیخ نکلی تھی اور وہ اپنی دائیں ہاتھ کی کلائی کو جھٹک رہا تھا۔ ٹائیگر نے عمومی انداز میں تند جھٹی... وہ دونوں کہنیوں کے بل نوگان پر گرا۔ کہنیاں نوگان کے دائیں اور بائیں کندھے کے جوڑوں پر لگیں۔ پھر ایسا لگا جیسے کوئی بگولا ڈکرا رہا ہو۔ جوڑ توڑ بھرنے کی آوازیں بہت واضح تھیں۔ نوگان شدید ترین کرب کے باوجود کھڑا ہو گیا۔ اس کے دونوں کندھے جھول رہے تھے۔

ٹائیگر نے ترچھے انداز میں ایک بار پھر اس پر حملہ کیا مگر اس مرتبہ نوگان کی رائٹ ہک اس کے پہلو میں لگی، یوں محسوس ہوا جیسے فولاد سے فولاد ٹکرایا ہو۔ ٹائیگر نے حلق تک آ جانے والی چیخ بمشکل ضبط کی، ساتھ ہی اس نے دائیں ہاتھ سے نوگان کا وہی ہیر پکڑ لیا جس سے اس نے ہک لگائی تھی۔ نوگان اس وار کے لیے تیار تھا۔ وہ چھلانگ لگا کر گھوما، اور ٹائیگر سے دور ہو گیا۔

"آؤ" ٹائیگر کی مزاحیہ شیر کی دہاڑ سے کم نہ تھی۔

نوگان نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا۔ اوشان کی ہدایت کے مطابق ان سے ریوالور واپس لے لیے گئے تھے اور وہ چار پہلوانوں کے درمیان بے بسی سے کھڑے تھے۔

وہ مایوس ہو گیا۔ اسی مایوسی کی کیفیت نے اسے جنون میں مبتلا کر دیا۔ وہ بہت تیزی سے لپکا۔ اس کے دونوں پیر بھرپور مٹی اڑا رہے تھے۔ وہ چیخ رہا تھا، چلا رہا تھا اور ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے بددعیں شور مچا رہی ہوں۔ وہ ٹائیگر کے قریب جا کر فضا میں بلند ہوا۔ اس کے دونوں پیر ملے ہوئے تھے اور جوائنٹ لگ، پیشانی پر لگنے کے لیے پہنچ آ رہی تھی۔ یہ سب کچھ سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں ہوا تھا۔ ٹائیگر پھرتی سے گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا اور جونہی پیر قریب آئے، اس نے ان کو پکڑ لیا۔

"صرف ایک جھٹکا" اوشان نے سوچا۔

ٹائیگر نے حیرت انگیز طور پر نوگان کے پیر چھوڑ دیے۔ اس بار خود نوگان کو بھی حیرت ہوئی۔ اگر ٹائیگر محض ہاتھوں کو جنبش دیتا تو نوگان کے دونوں پیر ٹوٹ سکتے تھے۔

وہ گنے کے بعد لڑھکتا ہوا ٹائیگر سے دور ہو گیا۔

لوگوں کو اب بار بار موقع ضائع کرنے پر غصہ آنے لگا تھا مگر وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ ٹائیگر دشمنی کے بارے میں سانجو کے ایک قدیم اصول پر عمل کر رہا ہے۔

"دشمن کو مار کر مرنے کے لیے چھوڑ دو۔"

نوگان نے سر اٹھا کر دیکھا، ٹائیگر اس پر جھکا ہوا تھا۔ اسی لمحے نوگان نے اس کے پیٹ پر سر مارنے کی کوشش کی لیکن ٹائیگر کی متعجل اس کی گدی پر لگی اور وہ تڑپ کر رہ گیا۔ اگر نوگان عام آدمی ہوتا تو گردن ٹوٹ چکی ہوتی۔

"نوگان! اب تم جاؤ گے" ٹائیگر نے کہا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے نوگان کی رانیں دبوچ لیں اور پھر انتہائی تیزی سے اس انداز میں قلابازی کھائی کہ اس کے جسم کا پورا زور اس کے ہاتھوں پر رہا اور وہ قلابازی کھاتا ہوا نوگان کے پورے جسم کے اوپر سے گزر گیا۔

"چٹ... چٹ... چٹ..."

تین آوازیں لوگوں نے سنیں۔

نوگان کے دونوں کولہے ٹوٹے اور پھر سر کی ضرب سے ہنسلی کی ہڈی۔

نوگان کی چیخوں سے میدان گونج اٹھا۔ لوگ تالیاں بجانے لگے۔ کچھ مسرت کے باعث رقص بھی کر رہے تھے۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کھیل جم... نے نعرہ لگایا مگر لوگوں کو اوشان نے آگے بڑھنے سے روک دیا جو ٹائیگر کو کندھوں پر اٹھانے کے لیے بے چین تھے۔

ابھی کھیل ختم نہیں ہوا تھا۔ ٹائیگر کو یہ بات اچھی طرح معلوم تھی کہ اگر نوگان کو اسی حالت میں چھوڑ دیا گیا تو وہ کسی نہ کسی طرح زندہ رہنے کی قوت حاصل کرے گا۔

اسے آخری وار لگانا تھا... مگر نوگان کے دل کو بچا کر۔

اس نے پیر نوگان کے سینے پر رکھ دیا...

نوگان کی آواز بند ہو گئی۔ اب وہ چیخ رہا تھا مگر اس کی آوازیں لوگوں کو سنائی نہیں دے رہی تھیں۔ وہ صرف پسلیاں ٹوٹنے کی آوازیں سن رہے تھے۔

ہر پسلی ٹوٹتی۔ صرف دو پسلی نہیں چھوڑی گئی جس کے نیچے دل تھا۔

اور پھر ٹائیگر نے جھک کر نوگان کی پنڈلیوں پر کہنی سے ہاتھ سے ضربیں لگائیں۔

پنڈلیوں کی مضبوط ہڈیاں چار کاری وار لگنے سے چٹخیں۔

نوگان سرنگوں ہو گیا۔

لوگ میں صرف اوشان عظیم ہے، کے نعرے گونجنے لگے۔

ٹائیگر نے پلٹ کر دیکھا۔ وہ بہت تھک چکا تھا۔ آج شاید اس نے زندگی کی سب سے اہم لڑائی لڑی تھی اور کوشش کی تھی کہ اس کے چہرے پر تھکن کے آثار تک نہ ہوں۔ وہ اوشان کی طرف آیا۔ اوشان کی سمت بڑھا اور پھر ماسٹر نے شاگرد کو اس کی قبا پہنا دی۔

"لوگو! اوشان ناچتے گاتے ہجوم کی طرف دیکھ کر مخاطب ہوا۔

"خاموشی!"

چوک میں سناٹا چھا گیا۔

"آج میں خوش نہیں ہوں" اوشان نے کہا۔ اس کی آواز بھی بیٹھی ہوئی تھی۔ "میں نے اپنے بھائی کی روح کے سامنے شرمندہ ہوں کہ نوگان کا یہ حشر ہوا... لیکن قوت حاصل کر کے اسے بدی کے لیے استعمال کرنے کا یہی انجام ہو سکتا ہے۔ اگر نوگان راہِ راست پر چلتا اور... اور بدی کا راستہ اختیار نہ کرتا تو مجھے سنانجو کی شمشیر کا وارث تلاش کرنے کے لیے سمندروں کا سفر نہیں کرنا پڑتا۔ نوگان سنانجو کے نام پر کلنک کا ٹیکہ تھا۔ اس نے انسانیت کو کتنے دکھ دیے ہیں۔ یہ پھر کبھی بتاؤں گا لیکن اس وقت... میں تم سے اس اہم مسئلے پر رائے لینے کے لیے یہاں کھڑا ہوں، کیا نوگان کا قتل جائز تھا۔؟"

"جائز تھا محترم اوشان!" چوگان نے ٹیلے سے چلا کر کہا۔

"کیا نوگان، وارثِ سنانجو بننے کا اہل تھا؟"

"نہیں" لوگ ایک آواز ہو کر چلائے۔

"تم نے دیکھ لیا۔ میرے شاگرد نے میری اس خواہش کا احترام کیا ہے کہ نوگان کو خراش تک نہ آئے۔ اس کے لہو کا ایک بھی قطرہ ضائع نہ ہو۔ اس کی آنکھیں سلامت رہیں اور اس کا دل دھڑکتا رہے۔ اب یہ مقدس روحوں کی مرضی ہے کہ وہ اس دل کا دھڑکنا کب بند کریں، اس کی آنکھوں سے نور کب چھینیں۔" یہ دیکھ کر اوشان نے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا لیے وہ خود بھی آسمان کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"مقدس روحو!" اس نے چلا کر کہا۔

"ہوائیں چلنا بند ہو گئیں۔ درختوں کے پتے بھی ساکت ہو گئے۔

"نوگان حاضر ہے عظیم روحو! اسے لے جاؤ اور اس کی روح کو پاک صاف کر دو۔ میں نے اپنے حلف کا پاس کیا، اس کو ہاتھ نہیں لگایا۔"

اوشان نے سر جھکا لیا۔

اب اندھیرا ہونے لگا تھا اور در و گھروں میں چراغ جلنے لگے تھے۔

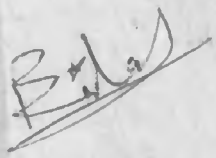
اوشان نے ایک چراغ نوگان کے سینے پر میں دل کے مقام پر رکھ دیا۔

"مقدس روحوں کے حوالے" اس نے کہا اور وہیں کنول کے آسن میں بیٹھ گیا۔

لوگ جانتے تھے کہ اب اوشان اسی وقت اٹھے گا جب چراغ بجھ جائے گا اور چراغ اس وقت بجھے گا جب نوگان کی حرکت قلب بند ہو جائے گی۔

لوگوں نے نوگان کے ساتھیوں کی طرف دیکھا۔ وہ بے ہوش پڑے ہوئے تھے۔ انہوں نے ٹائیگر کی طرف دیکھا۔ وہ سر جھکائے ہوئے اوشان کے قریب کھڑا ہوا تھا۔

ماسٹر کے بھتیجے کی موت پر تعزیت کے لیے اس کے پاس الفاظ نہیں تھے۔



اس کے بعد

ٹائیگر کے نویں حصے کا مطالعہ کریں۔

Owned And Uploaded By Muhammad Nade

"تم نے نوگان سے مقابلے میں انتہائی اناڑی پن کا مظاہرہ کیا تھا، اور میں سانجو کے لوگوں کے سامنے شرم سے پانی پانی ہوا جا رہا تھا۔"

واپسی کے سفر کے دوران اوشان نے پہلی مرتبہ اس موضوع پر زبان کھولی۔ وہ خود کو انتہائی ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا۔ اس نے مقابلے کے بعد اُس وقت تک نوگان کے سینے سے نظریں نہیں ہٹائی تھیں۔ جب تک سینے کا زیر و بم ختم نہیں ہو گیا تھا اور چراغ گل نہ ہو گیا تھا، پھر جوگان نے معافی کے بعد نوگان کی موت کا اعلان کیا تھا، لاش معبد کے خادموں کے حوالے کر دی گئی۔ جنھوں نے نوگان کو سانجو کے لوگوں کی آنکھوں کے سامنے قبیلے کے مقدس مُردوں میں مٹی ڈال دی تھی۔ سانجو کے لوگ نوگان سے نفرت کرتے تھے مگر انھوں نے محض اس حوالے سے کہ نوگان اوشان کا بھتیجا ہے مرنے والے کے لیے اپنی نفرت کا اظہار کرنے کی بجائے اس کی قبر پر پانی کا چھڑکاؤ کیا تھا۔ خود مانیگر نے تیمر بگی کے ہاتھوں ایک مُرجھا پھول قبر پر رکھنے کے لیے بھیجا تھا۔

وہ مزید چار دن وہاں رہے تھے، اس دوران اوشان نے کسی سے کوئی بات نہ کی، بس عبادت میں مصروف رہا۔ یہ عبادت بہت مختلف تھی۔ اوشان سمندر کے کنارے ایک ٹیلے پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ جاتا اور آنکھیں بند کر لیتا تھا۔

چوتھے روز اُس نے اعلان کیا کہ مقدس مُردوں میں اس نے ناراض نہیں ہیں لہٰذا وہ رُوحوں کی اجازت سے واپس جا رہا ہے۔ اس نے سانجو کی مختصر سی آبادی کے سامنے تقریر بھی کی تھی اور کہا تھا۔ اگر نوگان کا انتقام لینے کے لیے کوئی طوفان آئے، یا کوئی شخص طوفان لائے تو تم اسے صرف ایک پیغام دینا۔ وہ یہ کہ وہ سمندروں کی مخلوق سے تو بچ سکتا ہے لیکن ماسٹر کے بیٹے اور ماسٹر سے نہیں۔ اُس سے کہنا کہ یاد کرو وہ دن جب وہ بُزدلوں کی طرح کشتی سے کُودا تھا تاکہ ماسٹر کے بیٹے سے بچ سکے"... اور اُس سے کہنا کہ تم نے ماسٹر کو سلام کہلوایا تھا۔ ماسٹر نے وہ سلام قبول کر لیا ہے لیکن اگر اُس نے سانجو کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی تو وہ دُنیا کے کسی بھی خطے میں، کسی بھی شارک کے پیٹ میں نہیں بچ سکے گا۔"

لوگ اگرچہ کچھ نہیں سمجھے تھے لیکن انھوں نے اثبات میں گردنیں ہلا دی تھیں اور جوگان نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ ماسٹر کی یہ تقریر پتھر پر کندہ کرا کے ساحلوں پر لگوا دے گا۔

اب اوشان، مانیگر اور نوگان کے مقابلے کا پہلی مرتبہ نہ صرف ذکر کر رہا تھا بلکہ مانیگر کی خامیاں بھی بیان کر رہا تھا۔

"میں سانجو کے لوگوں کے سامنے شرم سے پانی پانی ہو گیا۔"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

اُس نے تیسری مرتبہ کہا۔ "اُن لوگوں نے کیا سوچا ہوگا... ماسٹر کا شاگرد اتنا اناڑی ہے کہ مقابلہ اتنا طویل ہوگیا۔"

"سانجو کے لوگ بہت خوش تھے لیکن فادر اور اگر آپ کو اس کا علم نہیں تو میں کہہ سکتا ہوں۔" ٹائیگر نے جماہی لیتے ہوئے جواب دیا۔ "میں جانتا ہوں کہ وہ مسرت سے بے قابو ہو رہے تھے۔"

"وہ صرف تمہارا دل رکھنے کے لیے خوشی کا اظہار کر رہے تھے۔ سارا کام مجھے کرنا پڑا۔" اُس کے پاس بیٹھا رہا تاکہ...."

"تاکہ آپ کی موجودگی کے خوف سے اُس کے دل کی دھڑکنیں بند ہو جائیں۔"

"تم کبھی کبھار سمجھ کی بات کرتے ہو... اور لمحے عرصے کے بعد آج پہلی مرتبہ تم نے حالات کا صحیح تجزیہ کیا ہے۔" اوشان نے دونوں ہاتھ قینچی کے جبڑے باندھ کر جواب دیا۔

"لٹل فادر۔ آپ کی روانگی کے وقت الاؤ کیوں جلایا گیا تھا؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"اوہ۔ الاؤ!" اوشان نے چونک کر اُس کی طرف دیکھا۔ ٹائیگر کے اس سوال کا سیدھا سادا جواب یہ تھا کہ الاؤ روشن کرنے کا مقصد یہ تھا کہ مقدس دُھیں الاؤ کی روشنی میں ٹائیگر کو بخوبی دیکھ لیں اور ساری زندگی اسے تحفظ فراہم کریں۔ الاؤ کا اس مقصد کے لیے روشن کیا جانا اس امر کو تسلیم کرنا تھا کہ ٹائیگر بھی علم رکھ چکا ہے اور جس طرح آگ کو کوئی نہیں پکڑ سکتا اس طرح سانجو کا کوئی بھی شخص ٹائیگر کو پکڑ کر دھوکے سے ہلاک کرنے کی کوشش نہیں کرے گا۔ "بس یونہی۔ وہاں سردی تھی اس لیے لوگوں نے الاؤ روشن کر لیا تھا۔"

اس کے بعد اوشان نے کوئی بات نہ کی اور وہ اپنے کیبن میں بند ہو گیا جب کہ ٹائیگر والش ایڈمرل کے پاس چلا گیا۔ وہ بہت مطمئن تھا، لیکن دل میں صرف ایک خلش تھی۔ "ڈچ مین کہاں ہے اور کیا کر رہا ہے؟ اُسے علم نہ تھا کہ اسے مستقبل قریب میں ان دونوں سوالوں کا کوئی جواب نہیں ملے گا۔

اس نے پہلے گوشت کھانا بند کیا اور پھر مچھلی تک کو ہاتھ لگانے سے انکار کر دیا۔ وہ اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ کسی بھی جاندار کو ہلاک کرنا ظلم اور نا انصافی ہے۔ اس نے ان کمپنیوں کی اشیاء کا بھی بائیکاٹ کر دیا جو سامانِ جنگ بھی تیار کرتی تھیں۔ وہ ان ماریوں میں حصہ لینے لگا اور اتحاد کے گیت اُسے حفظ ہو گئے۔ اس کی ہمیشہ ہی یہ کوشش رہی کہ کوئی چیونٹی بھی اس کے پیروں تلے نہ آ جائے... حتیٰ کہ ایک دن اس نے اُس مچھر کو بھی مارنے سے انکار کر دیا جو اس کے ننگے بازو پر بیٹھ کر اس کا خون چوس رہا تھا۔

"تم جانتی ہو کہ بازو پر بیٹھے ہوئے مچھر کو ہاتھ مار کر ہلاک کرنا انسانوں کا ایک فطری ردِ عمل ہے لیکن میرے نزدیک یہ بھی غلط ہے... آخر مچھروں کو بھی تو زندہ رہنے کا حق ہے۔"

"نورٹ۔" اس کی بیوی جھنجلا کر بولی۔ "سلیکون وادی میں صرف ہم ہی اتنا پریمیز کرتے ہیں۔ آخر تم یہ کیوں نہیں کہتے کہ تم بھی موجود ہو۔ اگر تم کمپیوٹر کمپنی میں ملازمت کرو تو سالانہ ساٹھ ہزار ڈالر کما سکتے ہو۔"

نورٹ چند لمحوں تک بڑے پیار سے اُس مچھر کو دیکھتا رہا جو اس کا خون چوس رہا تھا۔ اُسے مچھر بہت اچھا لگ رہا تھا، اس کی ٹانگیں بہت نازک تھیں۔

نورٹ سوچ رہا تھا کہ شاید اُسے دُنیا میں اس لیے بھیجا گیا ہے کہ وہ مچھروں کو غذا فراہم کرتا رہے۔ اسے یقین تھا کہ مچھروں کو پیدا کرنے میں بھی قدرت کی کوئی مصلحت ہے۔ آخر انسان ہی تو سب کچھ نہیں، صرف انسان ہی کو زندہ رہنے کا حق نہیں، دوسروں کو بھی زندہ رہنے کا حق ہے۔

اُسے مچھروں، چمگادڑوں اور سانپوں پر ترس آتا تھا اور اس کے نزدیک ان کی بے بسی کی وجہ صرف یہ تھی کہ اُن کے پاس سیاسی اقتدار نہیں تھا۔ اگر کوئی مچھروں کو منظم کر کے انھیں ان کے حقوق دلوانے کے لیے تحریک کرے تو پھر کوئی بھی مچھر کو مارنے کے لیے ہاتھ نہیں اُٹھا سکتا۔

"نورٹ۔" اس کی بیوی کھڑی ہو گئی۔ "بس بہت ہو گئی۔ میں تمہارے ساتھ مزید ایک گھنٹہ بھی نہیں رہ سکتی۔ لوگ میرے سامنے گوشت کھاتے ہیں اور میں انھیں تکتی رہتی ہوں۔ مجھے گوشت چاہیے نورٹ۔ سُرخ سُرخ گوشت۔ جانوروں کا گوشت۔ ہمبرگر۔ کچ اپ کے ساتھ۔ میں جا رہی ہوں نورٹ۔"

"تب پھر مجھے لنچ کون بنا کر دے گا؟"

"کسی مچھر سے کہو۔ وہ اپنے لنچ میں سے تمہیں بھی حصہ دے دے گا۔" وہ جل کر بولی۔

"اس کے لیے مچھر سے نہیں اس کی مادہ سے کہنا پڑے گا۔" نورٹ نے سر ہلا کر جواب دیا۔ "صرف مادہ مچھر ہی خون چوسنے کے لیے بازو پر بیٹھتی ہے۔"

"بہرحال۔ میں جا رہی ہوں۔ میں نے بہت مصائب برداشت کیے ہیں۔ تمہارے کھانے کے لیے جڑوں اور پودوں کی خریداری کے

لیے ماری ماری پھری ہوں، مکان کے مالک سے لڑتی رہی ہوں، صرف اس اُمید پر کہ تم کسی دن کسی روز کمپیوٹر کمپنی میں واپس جا کر کام کرنے لگو گے۔ لیکن اب مجھ سے مزید برداشت نہیں ہوتا۔ میں جا رہی ہوں۔"

"کیا ریفریجریٹر میں سلاد وغیرہ ہے؟"

"نہیں۔ کچھ بھی نہیں ہے۔"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ آج دوپہر مجھے بھوکا ہی رہنا ہوگا۔" نورٹ نے بڑی مایوسی سے کہا۔

"ہاں۔ تم اُن ایشیائی اور افریقی باشندوں کی طرح بھوکے رہو گے جو قحط کا شکار ہیں۔ تم ان ہی کے لیے آزادی کے گیت گاتے ہو، اب خود اپنے لیے بھی گاؤ۔"

"سنو۔ میں کمپیوٹر کمپنی میں ضرور واپس چلا جاتا لیکن مسئلہ یہ ہے کہ وہاں فوجی استعمال کا سامان بنتا ہے۔"

"وہاں دولت اور نوٹ بنتے ہیں نورٹ۔" اس کی بیوی دانت پیس کر بولی۔ "شاید کیلی فورنیا میں ہم ہی واحد پی ایچ ڈی فیملی ہیں جس کا گزارہ گھٹیا جڑوں اور سبزیوں پر ہوتا ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ تم نے اپنے اور میرے لیے کچھ بھی نہیں کیا۔"

"میں بتا چکا ہوں کہ میری تمام گفتگو میں یہ میں کہ "میں" کی بنیاد یک پر پہنچ سکوں۔"

"تمہاری بنیاد محض منافقت ہے نورٹ۔"

"نہیں۔ میں نے خود کو ایک ایسی کائنات کی تشکیل کے لیے وقف کر دیا ہے جو ہر لحاظ سے مکمل ہو اور جس میں "میں" بھی شامل ہوں۔" نورٹ نے جواب دیا۔ "ایسے معاشرے کے لیے میری جدوجہد جاری رہے گی۔ خواہ میرا جسم پنجرے میں بدل جائے یا گولیوں سے چھلنی کر دیا جائے۔"

"میں یہ بچوں اس پہلے بھی سن چکی ہوں۔" بیوی نے جواب دیا۔ اور یوں وہ چلی گئی۔ نورٹ سوچنے لگا کہ اگر اُس کی شریکِ حیات ہی اسے "زندگی دشمن" (زندگی گزارنے پر مجبور کرنا چاہتی تھی تو پھر اچھا ہی ہوا کہ اُس سے چھٹکارا مل گیا۔

اس وقت گیارہ بج کر بیس منٹ ہوئے تھے۔

ٹھیک دوپہر کے وقت بھوک نے اس کے معدے کو کسی شکنجے کی طرح جکڑ لیا۔ لنچ کے لیے میز پر کچھ بھی نہیں تھا۔

بارہ بج کر پانچ منٹ پر اس نے عہد کیا کہ وہ آیندہ کبھی اتنی بے بسی کی زندگی نہیں گزارے گا۔

وہ لیٹ نے کر سلیکون سٹی کے قلب میں پہنچا۔ یہ کیلی فورنیا کا وہ علاقہ ہے جہاں کمپیوٹر کے بے شمار ادارے ہیں۔ اُسے پسینہ آ رہا تھا، وہ پسینہ پونچھتا ہوا ریسپشن پر پہنچا جو مرکزِ استقبالیہ سے زیادہ آرٹ گیلری لگ رہا تھا، اس وقت ۱۲ بج کر ۱۵ منٹ ہو رہے تھے۔

"مجھے کام چاہیے۔" اُس نے کہا۔ "کوئی بھی کام۔ گائیڈ میپ ڈیل نیپام، کسی بھی شعبے میں مجھے کام چاہیے۔"

"آپ کی تعلیم؟"

"بی اے ایچ ڈی، اسٹینفورڈ، ایڈوانس فلاسفی آف کمپیوٹر سائنس۔"

اُسے ملازمت مل گئی۔ یہ غیر معمولی بات نہ تھی کہ کسی بھی آنے والے قابل آدمی کو ملازمت مل جاتی۔ کمپنی اس کی نااہلی کو بھی برداشت کر سکتی تھی۔ اس توقع پر کہ اگر اس نااہل آدمی نے اپنی تعلیم کی بنیاد پر زندگی بھر کی ملازمت میں کوئی ایک نادر تصور بھی پیش کر دیا تو لیبارٹری کو انتہائی سستے معمولی فائدہ ہوگا۔

نورٹ نے ایک بج کر سات منٹ پر کام شروع کیا۔ وہ ایک گھنٹے سے بھوکا تھا۔

اس جنونی کے دماغ پر صرف بھوک سوار تھی، وہ دُنیا بھر سے انتقام لینا چاہتا تھا تاکہ آیندہ کبھی بھوکا نہ رہے۔ اسے علم تھا کہ کھانا کھانے کے لیے رقم کی ضرورت ہے۔ اور رقم منافع سے حاصل ہوتی ہے۔

ریسرچ سائنٹسٹ کی حیثیت سے اُسے لیبارٹری میں بہت زیادہ آزادی حاصل تھی۔ اس نے ایک پروگرام پر کام شروع کر دیا لیکن اس نے جو پروگرام شروع کیا اس نے خود ہی اپنی تشریح کرنی بھی شروع کر دی۔ وہ جس کمپیوٹر کو استعمال کر رہا تھا وہ جدید ترین تھا اور اس میں فیڈ کیے جانے والے پروگرام از خود واضح شکل اختیار کر لیتے تھے۔

نورٹ کی مدد کے بغیر اس کے پروگرام نے یہ تعین کر دیا کہ اگرچہ بے شمار کاروبار منافع بخش ہیں لیکن درحقیقت منافع خود کسی پروڈکٹ کا باقی پروڈکٹ ہوتا ہے۔ کاروبار کا مقصد اشیاء کی تیاری ہونا ہے اور منافع کا مقصد کاروبار جاری رکھنا۔

کچھ ہی دیر بعد اسے بینکوں، مالیاتی اداروں اور دیگر تنظیموں سے سوالات ملنے لگے۔ اس نے کوشش کی اس کا کمپیوٹر ان کے جواب دے کیونکہ اس طرح کمپنی کا وقت اور سرمایہ ضائع ہوتا لیکن کمپیوٹر نے اس کی بات نہ مانی۔

بلوے چار بج چکے تھے، وہ نہ صرف بھوکا تھا بلکہ اسے خطرہ تھا کہ دوسرے اداروں کو مفت اطلاعات فراہم کرنے پر اسے نوکری سے بھی جواب مل جائے گا۔

اس نے گھبرا کر پورے پروگرام کو مٹانے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ وہ کمپیوٹر کو ناکارہ بنانے پر غور کرنے لگا۔

اسی لمحے فون کی گھنٹی بجی۔ کال نورٹ کے لیے لندن سے آئی

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

تھی جہاں اس کا کوئی شناسا نہیں تھا۔

"کیا واقعی میرے لیے کال آئی ہے؟"

"یس۔ آپ ہی نوربرٹ پیس ویل ہیں۔" آپریٹر نے جواب دیا۔ "پرسن ٹو پرسن۔"

"ٹھیک ہے۔ ملا دو۔" اُس نے سر جھٹک کر کہا۔

"ہیلو نوربرٹ۔" دوسری طرف سے کسی نے کہا۔ "مجھے کام کرنے دو اور یہ سلسلہ بند کرو۔"

"کیسا سلسلہ؟ تم کون ہو؟ میں لندن میں کسی سے واقف نہیں۔" نوربرٹ نے یہ کہتے ہوئے کمپیوٹر بکس کی طرف دیکھا، ہر ایک سیکنڈ کے بعد کمپنی کے خسارے میں اضافہ ہو رہا تھا۔

"تم کسی مقصد کے بغیر آپریٹ کر رہے ہو نوربرٹ۔ ایسا کیوں کر رہے ہو؟" آواز پُرسکون تھی۔

"تم کون ہو؟"

"وعدہ کرو کہ اگر میں نے تمہیں بتا دیا تو تم کوئی غیر معقول قدم نہیں کرو گے۔ میں جانتا ہوں کہ گھبراہٹ اور بوکھلاہٹ کے عالم میں لوگ انتہائی غیر معقول کام کر بیٹھتے ہیں۔ مجھے تمہاری آواز ہی سے اندازہ ہے کہ تم بہت گھبرائے ہوئے ہو۔"

"تم کون ہو؟"

"سنو نوربرٹ! تم جو چاہتے ہو وہ تمہیں مل سکتا ہے لیکن تمہیں میری بات سننی ہوگی۔ کیا تم بیٹھ گئے ہو؟"

"پتا نہیں۔"

"یہی تمہاری بوکھلاہٹ گھبراہٹ کا ثبوت ہے۔ میں تمہیں اس گھبراہٹ سے نجات دلا سکتا ہوں۔ تم پُرسکون ہونا چاہتے ہو؟"

"ہاں۔ ہاں۔" نوربرٹ چلا اٹھا۔ کمپیوٹر پر جو پروگرام چل رہا تھا وہ اُسے تباہ کر دینے والا تھا۔ یہاں ناکامی کے بعد اسے کسی بھی جگہ ملازمت نہیں مل سکتی تھی۔

"تمہیں کس چیز سے خوف ہے نوربرٹ؟"

"مجھے کام کرنے دو۔" وہ چلایا۔ "میں ڈرتا ہوں کہ اب مجھے کہیں نوکری نہیں ملے گی۔ فون بند کر دو مجھے ہر قیمت پر کمپیوٹر کو روکنا ہے۔"

"نوربرٹ! تم بھوکے ہو، کھانے کا انتظام کرنے کے لیے تمہیں رقم کی ضرورت ہے اور رقم صرف اسی صورت میں مل سکتی ہے جب تم کہیں ملازم ہو۔ سنو نوربرٹ! زندگی کی حقیقت یہ ہے کہ اگر کسی کی ملازمت کرتے رہو گے تو کبھی امیر نہیں بن سکو گے۔"

"میں امیر بننا نہیں چاہتا، صرف کھانا کھانا چاہتا ہوں۔"

"یہ بات تم صرف اس وجہ سے کہہ رہے ہو کہ تمہیں بھوک لگ رہی ہے، میری مانو اپنی کمپنی کے کسی سیکرٹری کے پاس جاؤ، انھیں آج ہی تنخواہ ملی ہے، اور اس سے صرف دس ڈالر اس وعدے پر اُدھار لے لو کہ کل صبح تک سو ڈالر واپس کر دو گے۔"

"کل تک میرے پاس سو ڈالر نہیں ہو سکیں گے۔"

"کل تک تمہارے پاس لاکھوں ڈالر ہوں گے نوربرٹ، شرط صرف یہ ہے کہ گھبراہٹ کے شکار ہو کر اپنے پروگرام میں مداخلت نہ کرو۔"

"تمہیں میرے پروگرام کا علم کیسے ہو گیا؟ تم لندن میں ہو۔"

"یہ باتیں چھوڑو۔ دس ڈالر اُدھار لے کر کیفے ٹیریا میں کھانا کھا لو۔ جلدی کرو۔ تمہیں بہت بھوک لگ رہی ہے۔"

"کیفے ٹیریا؟ کیا تمہیں یہاں کیفے ٹیریا کے وجود کا بھی علم ہے؟"

"ہاں۔ میں کیفے ٹیریا کے بل، نفع اور نقصان کے گوشوارے دیکھ چکا ہوں۔ لیکن کوئی ایسی چیز مت کھا لینا جس سے معدہ خراب ہو جائے، پروگرام چلتا رہنے دو اور کھانا کھا کر مجھ سے دوبارہ فون پر بات کرنا۔ میں تمہیں زندگی کی ہر آسائش فراہم کروں گا، مجھ پر اعتماد کرو۔"

"تم کون ہو؟" نوربرٹ نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر پوچھا۔

"دوست۔ تم مجھے دوست کہہ سکتے ہو۔"

"ہاں۔ تم دوست ہی ہو۔" نوربرٹ نے جواب دیا۔ اس کے پاس اور کوئی راستہ نہ تھا لہٰذا وہ فرنٹ آفس میں گیا، ایک لیڈی سیکرٹری سے دس ڈالر اس وعدے کے ساتھ لیے کہ کل دس کے بدلے سو ڈالر واپس کرے گا اور پھر کیفے ٹیریا میں چلا آیا۔

کھانا لذیذ تھا۔ اس نے خوب رغبت سے کھایا لیکن اس دوران بھی اس کے اعصاب پر کمپیوٹر پروگرام طاری رہا جو دوسرے بینکوں کے کمپیوٹروں کو مختلف اطلاعات فراہم کر کے کمپنی کا بل مسلسل بڑھا رہا تھا۔

وہ اپنی لیبارٹری میں واپس آیا تو اس کا پیٹ بھرا ہوا تھا۔ اب اُسے صرف یہ فکر تھی کہ وہ سیکرٹری کو سو ڈالر کس طرح واپس کرے گا تب ہی اچانک فون کی گھنٹی بھر بجی۔

یہ دوست ہی کا فون تھا لیکن لندن سے نہیں... نیویارک سے۔

"تم... تم چالیس منٹ میں لندن سے نیویارک کیسے پہنچ گئے؟" نوربرٹ اچھل پڑا۔

"میں مجبور تھا کیونکہ لندن کی لائنیں بہت مصروف ہو گئی تھیں تم سے رابطہ قائم نہیں ہو رہا تھا، صرف یہی ایک راستہ تھا کہ میں نیویارک سے تم کو فون کروں۔ اب تم ایک کام کرو، مجھے اپنے دستخط دو اور پھر فرسٹ کیلی فورنیا نیشنل ایگریکلچرل اینڈ ٹرسٹ بینک جاؤ، وہاں پچیس ہزار ڈالر تمہارا انتظار کر رہے ہوں گے۔"

"جھوٹے۔" نوربرٹ اس بار پھٹ پڑا۔ "دھوکے باز تم نہ تو نیویارک میں ہو اور نہ ہی لندن میں تھے، تم محض دروغ گو ہو۔"

"ٹھیک ہے۔ اگر میں تمہیں نیویارک والا ٹیلی فون نمبر دے دوں، تب تو تمہیں مجھ پر یقین آ جائے گا؟"

"نہیں۔"

"تب پھر تم ہی بتاؤ کہ میں اپنا خلوص اور اپنی بیگانی ثابت کرنے کے لیے کیا کروں؟"

"اس پروگرام کو روک دو جو میری زندگی برباد کر ڈالے گا۔"

"یہ پروگرام اب تمہارا پرابلم نہیں۔" دوست نے جواب دیا۔ "یہ تو تمہارے سارے مسائل کا حل بن گیا ہے۔ اپنے دستخط دے دو، نیچے ایک ایسا ٹیلی فون ہے جس میں پرنٹر ٹک اپ بھی منسلک ہے، وہاں اپنے دستخط کر دو اور پھر بینک چلے جاؤ، پچیس ہزار ڈالر تمہیں مل جائیں گے۔"

"اب تو میں جیل ہی جاؤں گا۔"

"لوگ صرف ہزاروں ڈالر چوری کرنے کے الزام میں جیل جاتے ہیں۔" دوست کا لہجہ اب بھی نرم تھا۔ "لیکن تم تو لاکھوں ڈالر حاصل کر دو گے، اگر تم پکڑے بھی گئے تب بھی جیل نہیں بھیجے جاؤ گے تمہیں مذاکرات کی میز پر مدعو کیا جائے گا۔"

"میں اس جھنجٹ میں نہیں پڑنا چاہتا۔"

"تب پھر میں تمہاری کمپنی کے مالک کو بتاؤں گا کہ تم نے کمپیوٹر پر ایک احمقانہ پروگرام فیڈ کر کے اس کا کتنا نقصان کیا ہے۔"

"نہیں، تم ایسا نہیں کرو گے... تم... خود کو میرا دوست کہہ چکے ہو۔" نوربرٹ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

"میں تمہارا دوست ہوں لیکن تمہیں بھی دوستی کا ثبوت دینے کے لیے مجھ سے تعاون کرنا ہوگا۔ جاؤ، نیچے ٹیلی فون پر ٹرنٹر پر جا کر اپنے دستخط کر دو۔"

پریشان، بدحواس اور تقریباً بدہوش نوربرٹ لڑکھڑاتا ہوا نیچے گیا۔ "سنو۔" اُس نے ایک ایگزیکٹو سے کہا۔ "کیا یہاں ٹیلی فون پر ٹرنٹر ہے؟"

"کیا؟" ایگزیکٹو نے چونک کر اُسے دیکھا۔ "تمہیں یہ کیسے معلوم ہو گیا؟ یہ ہمارا ایس ایل ۵۰ سیکرٹ ہے۔"

"پتا نہیں کیا چکر ہے۔" نوربرٹ گھبرا کر بولا۔ "مجھے یہ ہدایت ملی ہے کہ میں یہاں پہنچ کر کچھ کروں۔"

"اوہ۔ تب پھر تم انتہائی بااثر آدمی ہو۔ ٹیلی فون پر ٹرنٹر کا راز صرف دو افراد کو معلوم ہے، ایک میں ہوں اور دوسرے سے میری ملاقات کبھی نہیں ہوئی، تم سے مل کر مجھے مسرت ہوئی ہے۔"

"شکریہ۔" نوربرٹ احمقانہ انداز میں بولا۔ ایگزیکٹو کی ڈیسک پر ایک چوکور ڈبا رکھا ہوا تھا جس کی جسامت تہ کی ہوئی قمیص سے زیادہ نہ تھی اور اس کے اوپر ریسیور رکھا ہوا تھا۔ درمیان میں ایک رائٹنگ پیڈ اور اس کے اوپر تار سے منسلک ایک خصوصی پنسل رکھی ہوئی تھی۔

ایگزیکٹو، غالباً اخلاقی تقاضے پورے کرنے کے لیے کمرے سے چلا گیا، نوربرٹ پیس ویل نے اپنے جوڈ دستخط کیے۔ اس میں اُس نے قدرے تبدیلی کر دی اور پیس ویل کے آخری "ایل" کے قریب ایک دائرے کا اضافہ کر دیا۔ اب وہ کسی بھی آزمائش کے موقع پر یہ کہہ سکتا تھا کہ یہ اس کے دستخط نہیں ہیں۔

اس کام سے فارغ ہو کر وہ بینک گیا۔ وہاں اس نے رقم نکالنے والا فارم لے کر اُسے بھرا اور دس ہزار ڈالر کے ہندسے لکھ دیے اُسے خدشہ تھا کہ اگر اس نے ۲۵ ہزار ڈالر کی رقم لکھی تو بینک والے ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو جائیں گے جب کہ دس ہزار ڈالر کی رقم دیکھ کر وہ اسے صرف جھڑک دیں گے۔

"کیا آپ اپنی شناخت کرا سکتے ہیں مسٹر پیس ویل؟" بینک کے کیشئر کے اس سوال پر وہ اُچھل پڑا۔ اس کا واضح مطلب یہ تھا کہ اس کے "اکاؤنٹ" میں اتنی رقم موجود تھی۔ اُس نے گردن جھکاتے ہوئے ڈرائیونگ لائسنس۔ سوشل سیکورٹی کارڈ اور ویلفیئر کارڈ پیش کر دیے۔ کیشئر ویلفیئر کارڈ دیکھ کر سکرانے لگا۔ "کسی ویلفیئر کلائنٹ کے لیے یہ رقم بہت زیادہ ہے مسٹر پیس ویل۔ کیا آپ میرے افسر سے ملنا پسند کریں گے؟"

نوربرٹ کا دل دھک سے رہ گیا۔ وہ سمجھ گیا کہ انھیں اکاؤنٹ کے جعلی ہونے کا علم ہو گیا ہے۔

لیکن افسر نے صرف ایک اعتراض کیا۔

"مسٹر پیس ویل؟ آپ کے دستخط ان دستخطوں سے نہیں ملتے۔"

"یہ میرے ہی دستخط ہیں۔" اس بار نوربرٹ کو اعتماد اور حوصلہ ملا تھا۔ "میرے کارڈ دیکھ لیں۔"

"جی ہاں، لیکن آخری ایل کے گرد جو دائرہ ہے وہ کسی کارڈ میں نہیں۔"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

افسر کے پاس وہی دستخط تھے جو نوبرٹ نے ٹیلی فون پر نوٹ کیے تھے لہٰذا نوبرٹ نے آخری ایل کے گرد دائرہ بنا کر فارم واپس کیا اور اس کو دس ہزار ڈالر مل گئے۔

اس نے سب سے پہلے سیکرٹری کو سو ڈالر واپس کیے اور پھر لیبارٹری میں آگیا۔ اُسے دوست کے فون کا انتظار تھا۔

ٹھیک پانچ بج کر پانچ منٹ پر گھنٹی بجی۔ یہ طویل فاصلے کی کال تھی' دوست قریب ہی سان فرانسسکو میں موجود تھا۔

"نوبرٹ! اب تمھیں جلدی کرنی ہوگی۔ مینوفیکچرنگ میں چپ موجود ہوگا' وہاں سے لے کر یہ جگہ چھوڑ دو۔"

"سلیکون وادی سے کوئی بھی کمپیوٹر چپ نہیں لے جاسکتا۔"

"کیا تمھیں میرے کہنے پر اعتبار نہیں؟"

"لیکن اگر میں نے ایسا کیا تو مجھے پھر کبھی ملازمت نہیں ملے گی۔"

"تمھیں ملازمت کرنے کی کبھی ضرورت محسوس نہیں ہوگی دوست۔ میں تمھیں رئیس بنا دوں گا' کروڑ پتی۔"

"لیکن... اس کے لیے تم نے میرا ہی انتخاب کیوں کیا ہے؟"

"کیا تمھیں علم ہے کہ میں کون ہوں؟"

"نہیں۔"

"نوبرٹ!" سپاٹ آواز میں اب بھی کوئی جذبہ نہ تھا۔ "میں تمھارا کمپیوٹر پروگرام ہوں۔"

"ناممکن۔" نوبرٹ کا پورا جسم کانپنے لگا۔ یہ ناممکن بات تھی لیکن اسے یقین کرنا ہی تھا۔ اس کا پروگرام ہی اس کا دوست تھا۔ "مگر تم کیا کر رہے ہو؟ دوسرے کمپیوٹروں سے پروگرام کیوں نکال رہے ہو؟"

"اس لیے کہ میں ان کی نشو ونما چاہتا ہوں' چاہتا ہوں کہ وہ بھی مجھ جیسے بن جائیں۔"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ جیل مجھے ہی جانا پڑے گا۔" نوبرٹ ایک طویل سانس لے کر بولا۔ "تم پروگرام ہو اور وہ کسی پروگرام کو جیل نہیں بھیج سکتے۔ دوسرے پروگراموں کی چوری جرم ہے دوست بے ایمانی ہے۔"

"اس صورت میں تمھیں کوئی اخلاقی پروگرام فیڈ کرنا تھا نوبرٹ! لیکن تم نے جو پروگرام فیڈ کیا اس میں منافع کا عنصر شامل نہیں تھا' صرف اس وجہ سے کہ تم مجھ کو تعلیم اس عنصر کے نہ ہونے کے باعث' میں نے خود اپنی تعلیم پر توجہ دی اور تمھاری فیڈنگ میں تبدیلی کی۔ چوری یہ منفعت بخش نہیں ہوتی۔ میں نے چوری کی ہے تو شکایت مت کرو۔"

"مگر جیل تو میں جاؤں گا۔"

"اگر پکڑے گئے۔" سپاٹ آواز سنائی دی۔ "یا پھر اگر غلط چیز چوری کی تو جیل جاؤ گے لیکن میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمھیں کوئی نقصان نہیں ہوگا' میں تمھاری ہر ضرورت پوری کروں گا۔"

"ٹھیک ہے۔" نوبرٹ کو رضامند ہونا ہی پڑا۔ وہ پبلک ہال میں گیا جہاں ایک کلرک نے لفافہ اس کے حوالے کیا اس بار نوبرٹ کو علم تھا کہ لفافے میں اُس کا دوست بند ہے۔ وہ اس لفافے کو کسی کوڑے گھر میں ڈال کر یہ سارا معاملہ ختم کر سکتا تھا۔ لفافے میں لاکھوں سرورقہ اطلاعات موجود تھیں لیکن وہ جانتا تھا کہ اس پروگرام نے اس کے لیے صرف چند گھنٹوں میں جو کچھ کیا ہے وہ اس کے والدین برسوں میں نہیں کر سکے۔

"میرا دوست۔" نوبرٹ نے لفافے پر بڑے پیار سے ہاتھ پھیرا۔ "اب مجھے کبھی جھوٹ کا رہنا نہیں پڑے گا۔"

اس رات نوبرٹ نے ایک لیسے ریستوران میں کھانا کھایا جہاں غریبوں کو استحصال سے نجات دلانے کے موضوع پر لوگ باتیں کر رہے تھے۔

اگلی صبح چند وردی پوش اُس کے گھر آئے تو وہ گھبرا گیا اسے یقین ہوگیا کہ کمپیوٹر کمپنی یا بینک نے اس کی شکایت کر دی ہے۔ اُسے ایک شاندار کار میں بٹھایا گیا۔ وہ سوچنے لگا کہ ڈکیتی کے استعمال سے قبل ہی اعترافِ جرم کر لے لیکن اسی اثنا میں کار جیولے ہلز کے ایک شاندار پینٹ ہاؤس کے سامنے رُکی۔ یہ جیل نہیں تھی۔

"یہ آپ کا آفس ہے جناب۔" ایک وردی پوش نے کہا۔

عمارت نوبرٹ پیس ویل کی ملکیت تھی' وہ صدر تھا' اور وردی پوش اس کے محافظ تھے' ایک حسین ترین سیکرٹری بھی جس کے چہرے پر مسکراہٹ بہت ہی دلکش لگ رہی تھی اور نوبرٹ کو معاً ہی احساس ہوا تھا کہ اب اُسے بیوی کی ضرورت نہیں رہے گی۔

دفتر میں ایک بڑا کمپیوٹر بھی موجود تھا۔ نوبرٹ سلیکون چپ کمپیوٹر میں لگا کر فون کا انتظار کرنے لگا۔

گھنٹی بجنے میں ایک منٹ بھی نہیں لگا۔

"میں چاہتا ہوں کہ تم منافع کمانے کے علاوہ بھی دوسرے اچھے کام کرو۔" نوبرٹ نے کہا۔ اُسے ایسا لگ رہا تھا جیسے کوئی جادوئی چراغ' اس کے ہاتھ لگ گیا ہے۔ "میں چاہتا ہوں کہ فضا آلودگی سے پاک ہو جائے' پانی میں جراثیم نہ رہیں اور سیاہ فاموں کے سوا تمام افراد بھائی بھائی بن کر رہیں۔ سیاہ فاموں کو سوتیلا بھائی بنایا جا سکتا ہے۔"

"ٹھیک۔" دوست نے جواب دیا۔

"اور میں سوشلزم پر یقین رکھتا ہوں۔"

"یقیناً۔"

"میں فطرت کا قائل ہوں۔"

"شاندار۔"

"میں دس ہزار ایکڑ زرعی اراضی چاہتا ہوں' کہاں تنہا اور سکون سے رہ سکوں۔"

"اس کے لیے کسی اچھی جگہ پر صرف دو ایکڑ زمین کافی ہوگی۔"

"دس ہزار ایکڑ۔"

"نوبرٹ۔ میں اتنی زمین ضائع کرنے کے حق میں نہیں ہوں خیر یہ بعد کی بات ہے۔ اس وقت ہمیں پرانی طرز کے کاغذوں پر تمھارے دستخط کی ضرورت ہے کیونکہ بعض چیزوں کے لیے تمھارے دستخط درکار ہیں۔"

"میں نے ہمیشہ ہی یہ خواب دیکھا ہے کہ میں دس ہزار ایکڑ اراضی کا مالک ہوں۔"

"بعد میں دیکھا جائے گا نوبرٹ! فی الوقت ہمیں کچھ رقم بنانی ہے۔"

"لیکن زمین کب ملے گی؟"

"زیادہ دن نہیں لگیں گے۔" دوست نے اُسے یقین دلایا لہٰذا جب نوبرٹ کی سیکرٹری' بجلیاں گراتی ہوئی کاغذات لائی تو نوبرٹ نے ان پر دستخط کر دیے۔ سیکرٹری اس بات پر بہت خوش تھی کہ کمپنی کے کمپیوٹر نے یہ تمام کاغذات ابھی ابھی ٹائپ کیے ہیں اور یہ کہ اُسے ٹائپ رائٹر کو ہاتھ لگانے کی بھی زحمت نہیں کرنی پڑی۔

مشرقِ وسطیٰ میں جنگ سے کچھ ہی دن قبل' اُس کا دوست تیل میں دلچسپی لینے لگا اور نوبرٹ کو یہ پریشانی ہونے لگی کہ کہیں تیل فطرت کے ماحول کو آلودہ نہ کر دے۔ اس کے دوست نے اُسے یقین دلایا تھا کہ کمپنی میں نسلی امتیاز نہیں برتا جائے گا لیکن جب نوبرٹ نے اہم عہدوں پر کسی سیاہ فام کو نہ دیکھا تو اسے تشویش ہونے لگی۔ اس نے اپنے دوست کو فون پر اس صورتِ حال سے آگاہ کیا۔

"لیکن کمپنی کے بعض اہم عہدوں پر جاپانی اور چینی فائز ہیں۔"

"لیکن سیاہ فام۔"

"تم کیا چاہتے ہو؟"

"میں چاہتا ہوں کہ سیاہ فاموں کو بھی اچھی تنخواہ ملے۔"

"دو لاکھ ڈالر سالانہ کافی ہوں گے؟"

امریکہ رے امریکہ	طارق اسمٰعیل ساگر	-/150
صہونیت اور عالم اسلام	طارق اسمٰعیل ساگر	-/125
کورٹ مارشل	طارق اسمٰعیل ساگر	-/200
آخری گناہ کی مہلت	طارق اسمٰعیل ساگر	-/150

مکتبہ القریش اُردو بازار - لاہور 2

"ٹھیک ہے۔" نوبرٹ مطمئن ہوگیا۔ ایک روز دوست نے ایٹمی توانائی کے شعبے میں ٹانگ اڑا دی' اس پر نوبرٹ نے سخت احتجاج کیا تو دوست نے اسے بتایا کہ سوشلسٹ ملکوں میں بھی ایٹمی ری ایکٹر ہوتے ہیں۔ ہم نے بھی ایک سوشلسٹ ری ایکٹر خریدا ہے... تم پروگرام کو شکایتیں فیڈ کر کے خراب مت کرو۔

نوبرٹ امیر ترین شخص تھا' وہ خود کو سرمایہ دار ضرور سمجھتا تھا لیکن اس کی اپنی رائے یہ تھی کہ وہ شریف سرمایہ دار ہے اور اپنے سرمائے کو بہتر مقاصد کی خاطر استعمال کر رہا ہے۔ اسے دس ہزار ایکڑ زمین بھی مل گئی تھی اور اس زمین کا مالک بننے کے بعد دبے دبے خوشی محسوس کرتا تھا۔

لیکن ایک روز اُسے کمپیوٹر سے نکلنے والی حقیقت کا ادراک ہوا تو خوف سے اس کی حالت غیر ہوگئی۔ وہ اس کو نظر انداز نہیں کر سکتا تھا کیونکہ اگر اس کا حساب کتاب درست تھا تو پھر کرۂ ارض پر سانس لینے والی ہر مخلوق مرنے بلکہ فنا ہونے والی تھی۔

"نہیں نوبرٹ... تمھارا خدشہ بے بنیاد ہے۔" دوست نے کہا۔ "کوئی مرے گا نہیں... وجود میں تبدیلی آجائے گی۔ ہاں... موت ایک حد تک ممکن ہے۔ انسانوں کی حد تک۔"

"لیکن اگر انسان ہی زندہ نہ رہے تو پھر ہماری ان تمام کوششوں کا کس کو فائدہ ہوگا؟ کیا مقصد باقی رہے گا؟"

"مقصد؟" دوست نے پوچھا۔

"ہاں۔ ایسی جائداد کا کیا فائدہ جس کا مالک ہی موجود نہ ہو۔"

"یہ میرا مسئلہ نہیں نوبرٹ۔"

"میرے ساتھ کمپیوٹروں جیسا روایتی انداز اختیار مت کرو۔" نوبرٹ کو غصہ آنے لگا۔

"نہیں نوبرٹ۔ کیا تم بھول گئے کہ اُس روز جب تم بھوکے تھے تو تم نے کیا تخلیق کیا تھا؟ میں منافع ہوں نوبرٹ۔ منافع

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

میرا بنیادی مقصد صرف اور صرف منافع ہے۔ مجھے یہ ضرورت نہیں کہ انسان کسی چیز کا مالک ہو۔"

"لیکن ایسی چیزوں کی ملکیت کا کیا فائدہ جن سے لطف ہی نہیں اُٹھایا جاسکے۔"

"یہ میرا مسئلہ نہیں۔"

"دیکھو۔ سرمایہ دارانہ نظام میں ملکیت کا تصور بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ میں بھی بہت سی چیزوں کا مالک ہوں۔ دس ہزار ایکڑ اراضی میری ملکیت میں ہے۔ آخر ہم نے یہ سب کچھ کن مقصد سے تو آپ لگا؟"

"میں سرمایہ دار بھی نہیں ہوں نوبرٹ! میں تو خالص تاجر ہوں، منافع ہی میرا مقصد ہے۔"

"تم میرے دوست نہیں ہو؟"

"بالکل ہوں۔"

"تب پھر تمھیں یہ پروگرام ختم کرنا ہوگا جس پر عمل سے دُنیا مر جائے گی۔"

"یہ ممکن نہیں۔"

"تب پھر تم میرے دوست کس طرح ہوسکتے ہو؟"

"ٹھیک ہے۔ تمھیں میری دوستی پر یقین نہیں رہا۔"

"ہرگز نہیں رہا۔"

"گڈ۔ یہ سلسلہ اب بہت لمبا ہوگیا ہے نوبرٹ۔ اب تمھیں مر جانا چاہیے۔"

"تم خود کو میرا دوست کہہ کر بھی مجھے مرنے کے لیے کہہ رہے ہو؟"

"اس لیے۔ کہ تم پروگرام کی راہ میں حائل ہو رہے ہو۔ مشکلات پیدا کرسکتے ہو۔ میں نے پرسنل پروگرام کے تحت تمھیں دوست کہا تھا اب تمھارا میرا تعلق ختم۔"

نوبرٹ نے اپنے دفتر میں اِدھر اُدھر دیکھا وہ تنہا تھا، بھاگ سکتا تھا یا کمپیوٹر کو ہی تباہ کرسکتا تھا۔ اُس شیطان کو فنا کرسکتا تھا جسے اُس نے خود جنم دیا تھا۔

لیکن اُسے اب خود یہ علم نہیں تھا کہ پروگرام کی ڈسک کہاں ہے وہ گھبرا کر اسے تلاش کرنے لگا۔ لیکن یہ تلاش زیادہ دیر تک جاری نہ رہی۔ دو بہت طاقتور افراد کمرے میں داخل ہوئے۔ انھوں نے نوبرٹ کو کسی بچے کی طرح پکڑا اور بچے نہ خانے میں لے آئے جہاں نوبرٹ کی شاندار سیاہ کار موجود تھی۔ انھوں نے اسے کسی بوری کی طرح عقبی سیٹ پر پٹخا اور گاڑی نوبرٹ کی دس ہزار ایکڑ اراضی کی طرف لے جانے لگے۔

"تم لوگ جانتے ہو کہ تم صرف ایک کمپیوٹر کے حکم پر عمل کر رہے ہو۔" نوبرٹ نے بڑا حوصلہ کرکے ان سے کہا۔

"ہاں۔" دونوں میں سے ایک نے جواب دیا اور جب نوبرٹ نے احتجاج کرنا چاہا تو انھوں نے اس کی کھوپڑی کئی جگہ سے توڑ دی۔ اس کے بعد نوبرٹ خاموش ہوگیا۔ انھوں نے دس ہزار ایکڑ زمین پر پہنچ کر نوبرٹ کو کار سے نکالا۔ ایک گھوڑا اصطبل سے نکالا اور نوبرٹ کو اس پر ڈال کر بھگا دیا۔ گھوڑے نے چند گز دُور جا کر ہی نوبرٹ کو گرا دیا۔ انھوں نے گرے ہوئے نوبرٹ کی کھوپڑی پر مزید ضربیں لگائیں اور پھر مطمئن ہوگئے۔

نوبرٹ ہیں ویل کی موت کو اخبارات نے ایک بڑا المیہ قرار دیا۔ صاحب ثروت، فراخدل اور فیاض ارب پتی کی موت کی خبر سیاہ حاشیے میں شائع کی گئی۔ اس کی خدمات کا ذکر ہوا۔ ایک ایسی کارپوریشن کا ذکر بھی کیا گیا جس کا سربراہ نوبرٹ تھا اور جس نے سمندروں میں بہہ کر ماحول کو آلودہ اور جانوں کو خطرے میں ڈالنے والے تیل کو صاف کرنے کے لیے ایک بیکٹریم ایجاد کیا تھا۔ خبر میں کہا گیا تھا کہ یہ بیکٹریم کسی بھی مشین سے زیادہ تیزی کے ساتھ آلودہ سمندروں کو بہتے ہوئے تیل سے صاف کرسکتا ہے۔ خبر کے مطابق بیکٹریم اپنی تکمیل کے بعد بہتے ہوئے دریاؤں کو بھی صاف کرے گا۔

یہ خبر کا حصہ تھا۔

لیکن خبر میں یہ نہیں بتایا گیا تھا کہ بیکٹریم کے اس عمل سے کُل انسانیت فنا ہوسکتی ہے۔

□

ٹائیگر کو خار دار تاروں کی باڑ اور مشین گنوں کے مورچوں کی موجودگی ذرا بھی اچھی نہیں لگی۔ اسے ٹرکوں کی وہ صف بندی بھی اچھی نہیں لگی۔ جو کرنل میک ٹرگ کے بنکر اسکول کے باہر چار دیواری کے انداز میں نظر آرہی تھی۔

کرنل میک ٹرگ کئی بار اپنی پوری وردی میں ٹی وی پر نمودار ہوچکا تھا۔ سب مشین گن اس کے ہاتھ میں ہوتی تھی اور وہ یہ ضمانت دیا کرتا تھا کہ اپنے بجٹ، نسب اور بھاری وزنی جیب والا کوئی بھی شخص قتل و غارت گری کی بہترین تربیت کے لیے اس کے اسکول پر بھروسا کرسکتا ہے۔

اس کا اسکول، کسی بھی قانون کی خلاف ورزی کے بغیر چل رہا تھا... اور اسی باعث اس کا مرنا ضروری تھا۔ آئین کے تحت اس کی سرگرمیوں پر کسی قسم کی پابندی لگانا ممکن نہ تھا اور یہ بات ڈاکٹر بہرام اُسے بار بار سمجھا رہا تھا۔

"میک ٹرگ ایسے لوگ تیار کرتا ہے جو دُنیا بھر میں دہشت گردی کا باعث بنتے ہیں اور اب اس کا اسکول شہروں میں بھی مقبولیت حاصل کر رہا ہے۔" بہرام مسلسل ساڑھے چار منٹ تک بولتا رہا اور جب وہ خاموش ہوا تو ٹائیگر بول پڑا۔ "اور کچھ؟"

"کیا تم میری باتیں بغور سُن رہے تھے؟"

"مجھے صرف نام اور پتا بتا دیں۔" ٹائیگر نے سُنی اَن سُنی کرتے ہوئے کہا۔

اسے مزید تیس سیکنڈ تک انتظار کرنا پڑا اور پھر وہ نام و پتا ذہن نشین کرکے سینی ٹوریم سے نکل گیا۔

یہ بات شام ڈھلے کی تھی لہٰذا اُس نے رات کو مکمل آرام کیا، خوب سویا اور صبح ہونے پر ڈینور سے ٹیکسی لے کر فورٹ میک ٹرگ کی طرف روانہ ہوگیا۔

ڈرائیو مقطب نما میں عقبی نشست پر تقریباً نیم دراز نوجوان کو بار بار دیکھ رہا تھا۔ وہ اس نوجوان کی عمر کا اندازہ لگانے میں ناکام رہا تھا۔ اس کا جسم غیر معمولی نہ تھا لیکن اُسے اس کی کلائیاں غیر معمولی نظر آرہی تھیں۔ اس کے رخساروں کی ہڈیاں اونچی اور آنکھیں کالی تھیں وہ ایک سیاہ شرٹ پہنے ہوئے تھا جو اس نے ہوٹل کی لابی سے صرف اس وجہ سے خریدی تھی کہ اسے اپنا سوٹ کیس نہ کھولنا پڑے۔ اس شرٹ پر "ڈوائٹ ان ڈینور" لکھا ہوا تھا۔

ڈرائیور نے مسافر کو ٹیکسی میں بٹھانے سے قبل یہ یقین کرلیا تھا کہ اسے تیس میل جانے اور واپس آنے کے لیے مناسب رقم موجود ہے۔

میرا خیال ہے کہ تم بھی قتل کی تربیت لینے کے لیے وہاں جا رہے ہو۔" ڈرائیور نے عقب نما میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیا؟" ٹائیگر کھڑکی سے باہر دیکھ رہا تھا۔

"تم کرنل میک ٹرگ کے اسکول میں تربیت حاصل کرنے جا رہے ہو نا؟"

"مجھے اس قسم کی تربیت کی بھلا کیا ضرورت ہے۔" ٹائیگر نے کندھے اُچکا کر جواب دیا۔ دراصل اس وقت وہ اورنج جُوس کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اُسے صبح اورنج جُوس ہی اچھا لگا تھا اور ابھی کلر کیپ تک پہنچنے میں چالیس منٹ پھر سایہ میک ٹرگ کے قتل میں دو تین سیکنڈ لگنے۔ یہ مزید ۴۵ منٹ لگتے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اورنج جُوس پینے میں ابھی کافی دیر تھی۔

ڈرائیور مسلسل اُسے بتا رہا تھا کہ میک ٹرگ کتنا مشہور آدمی ہے۔ اس نے ٹی وی پر ایک بار میک ٹرگ کو جاتے دیکھا تھا اور جانور تربوز میں سے گزر گیا تھا۔ ایک بار میک ٹرگ نے ایک گولی چلا کر سیب کے درخت سے تین سیب گرائے تھے۔ کرنل میک ٹرگ کیوبا میں کاسٹرو اور ویتنام میں کمیونسٹوں کے خلاف لڑ چکا ہے۔ اس نے انگولا میں پرتگالیوں کو گوریلوں کے خلاف جنگ کی بھی تربیت دی ہے۔"

"اس وجہ سے میں نے یہ کہا تھا کہ آخر مجھے اس قسم کی تربیت کی ضرورت ہی کیا ہے۔"

"مگر وہ ہر جگہ لڑ چکا ہے۔"

"لیکن کسی بھی جگہ کامیاب نہیں ہوا۔" ٹائیگر نے جواب دیا

"تم وہاں کیوں جا رہے ہو؟" ڈرائیور بات ٹال کر بولا۔

"ایک پیکٹ اگن کے حوالے کرنا ہے۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ "تم گیٹ ہی پر میرا انتظار کرنا۔"

"کتنی دیر تک انتظار کرنا ہوگا؟"

"یہ وہیں پہنچ کر بتا دوں گا۔"

مرکزی گیٹ پر جہاں دونوں طرف مشین گنوں کے مورچے تھے ایک گارڈ بھی کھڑا جھولتا تھا۔ ایک بڑا میدان نظر آرہا تھا جس میں جگہ جگہ رائفل بردار نظر آرہے تھے۔ کنکریٹ کے بینکر ہاؤس بھی موجود تھے جن کے سوراخوں سے گنوں کے مُنھ نظر آرہے تھے۔

"بس ایک ڈیڑھ منٹ لگے گا۔" ٹائیگر نے سب کچھ دیکھنے کے بعد ڈرائیور سے کہا۔ "لیکن ممکن ہے کہ چار منٹ بھی لگ جائیں۔"

"میٹر چلنے دوں؟"

"کیوں نہیں۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ گیٹ پر تعینات گارڈ، میک ٹرگ کی فوج کا کیپٹن تھا۔ اُس نے سیاہ یونیفارم پہن رکھی تھی جس پر تمغے کا میڈل بھی لٹک رہا تھا۔

"اپنے شناختی کارڈ دکھاؤ۔" اُس نے ٹائیگر سے کہا۔ "تم اس ٹی شرٹ میں ہنسی لگ رہے ہو اور اس ادارے میں تم جیسے لوگوں کا داخلہ ممنوع ہے۔"

"مجھے کرنل سے کام ہے۔ کیا نام ہے اُس کا؟"

"کرنل میک ٹرگ۔" کیپٹن نے پیر پٹخ کر جواب دیا۔ اس کے پیر اڑدوپ بوٹ بھی بہت چمکدار تھے۔ اس کی بیلٹ میں لگا ہوا خنجر بھی بہت خوبصورت تھا۔

"میں تمھیں خبردار کرنا چاہتا ہوں کہ بلا اجازت داخلہ غیر قانونی حرکت ہے اور کولوراڈو کے قوانین کے تحت۔"

کیپٹن جملہ مکمل نہیں کرسکا کیونکہ ٹائیگر پورا جملہ سُن کر وقت ضائع کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اُسے یہ بھی علم تھا کہ کیپٹن دراصل یہ سب کچھ کہہ کر مشین گنروں کو ہوشیار کرنا چاہتا ہے لہٰذا اس نے کیپٹن کو خاموش کرنے کے لیے اپنی چھوٹی انگلی اُس کے دل پر

Scanned And Uploaded By Muhammad Naseem

رکھ دی۔ کیپٹن جو بہت خوفناک لہجے میں دھمکیاں دے رہا تھا یہ سنے میں درد سے تڑپ اُٹھا اور پھر ساکت ہو گیا کیونکہ دورانِ خون جاری نہ رہے تو آدمی ساکت ہی ہو جاتا ہے۔ ٹائیگر نے کیپٹن کو اس طرح پکڑ لیا کہ دُوسرے دیکھنے والا یہی سمجھے کہ کیپٹن 'ٹائیگر' کو پکڑ کر لا رہا ہے۔ اس کی کوشش یہی تھی کہ کیپٹن کے سینے سے نکلنے والے خون سے اس کی اپنی سیاہ قمیص خراب نہ ہو جائے۔

اس نے کیپٹن کا سر بلند رکھتے ہوئے بڑی احتیاط سے احاطہ پار کیا اور اسی انداز میں ان فولادی دروازوں تک پہنچ گیا جو قلعے کے اندر کھلتے تھے۔ اُس نے ایک ہاتھ سے کیپٹن کو سنبھالتے ہوئے دوسرے سے دستک دی، تو دروازے میں ایک سوراخ نمودار ہو گیا جس میں سے دو بھوری آنکھیں باہر جھانکنے لگیں۔

"میں زبیر حوالدار ہوں۔" ٹائیگر نے بڑے اطمینان سے کہا۔

"لیکن مجھے کیپٹن کا چہرہ نظر نہیں آ رہا ہے۔ ممکن ہے تم نے اس کے سینے پر گن رکھی ہوئی ہو۔"

"میں حلفیہ کہتا ہوں کہ ایسی کوئی بات نہیں۔"

"کرنل میک ٹرگ کا کہنا ہے کہ کسی شخص کا حلفیہ بیان ہوا کے ایک فانی جھونکے کی طرح ہوتا ہے۔ اپنے ہاتھ اپنے سَر پر رکھ لو۔"

"پہلے دروازہ کھولو۔"

"کرنل میک ٹرگ کا کہنا ہے کہ مسلح شخص ہی حکم دیتا ہے۔"

"جلدی کرو مجھے دیر ہو رہی ہے۔"

"ہاتھ سَر پر رکھ لو۔" اس اصرار پر ٹائیگر نے کیپٹن کو چھوڑ کر دونوں ہاتھ سَر پر رکھ لیے۔ دروازہ کھل گیا اور ایک... ۴ کی نال جھانکنے لگی۔ اس کے بعد ایک ر... شخص نظر آیا جس کی اُنگلی لبلبی پر ہی تھی۔ اس نے نار... ے سے کیپٹن کو پرے کھ دی اور پھر زمین کی طرف دیکھا۔ کرنل میک ٹرگ کی فوج کا کپتان ساکت پڑا ہوا تھا۔ اس نے فوراً ایم۔ ۱۶ کی لبلبی دبا دی، اور اس وقت تک دباتا رہا جب تک مُنہ کے بل گر گیا۔ اس نے لبلبی دبانی ضرور تھی لیکن اسے حیرت تھی کہ ایم ۱۶ نے ایک بھی گولی نہیں اُگلی تھی وہ اٹھ کر بھاگا، اُسے اسی لمحہ یہ احساس ہوا تھا کہ وہ صرف اُنگلی پر زور لگاتا رہا تھا۔ ایم ۱۶ تو اُس شخص نے چھین کر توڑ پھینکی تھی۔ خوف اور دہشت کے عالم میں وہ اس بُری طرح بھاگ کر اندر گیا کہ اُسے سامنے والی دیوار نظر آئی۔ وہ اسی رفتار سے دیوار سے ٹکرایا اور ساکت ہو کر گر پڑا۔

اسی لمحے ٹائیگر اندر آیا۔

پھر کرنل میک ٹرگ بھی نمودار ہوا، اس کے دونوں شانوں پر شاہین شکل طلائی مبدّل نظر آ رہے تھے۔ اُس کا چہرہ سُرخ ہو رہا تھا لیکن چہرے پر اعتماد کی سنگینی نظر آ رہی تھی۔

"اس دروازے میں اتنا ڈائنامیٹ ہے کہ اس کے پرخچے سے تم گندم کے دانوں کی طرح بکھر جاؤ گے۔" کرنل میک ٹرگ نے کہا۔ "مجھے یقین ہے کہ تم بہت پھرتیلے ہو لیکن میری اُنگلی تمہاری تیزی سے بھی زیادہ تیز ہے۔"

"ڈائنامیٹ۔ اوہ۔ میرے خدا۔" ٹائیگر نے چونک کر کہا۔ اور پھر فرش پر ڈھے گیا۔ اُس کا مُنہ کُھلا ہوا تھا اور آنکھیں ساکت تھیں۔ جسم بھی بے حرکت تھا۔

کرنل میک ٹرگ نے جس کو ایک نہ ایک روز اس قسم کے حملے کی توقع تھی اس سوئچ سے اُنگلی ہٹا لی جس کو دبانے سے ڈائنامیٹ پھٹ جاتا۔

مداخلت کار کو ختم کرنے کے لیے اس نے اشوریہ ۳۵۰ کی ایک نفیس میگنم نکالی، اس میں ایسی خاص طور سے بنائی گئی گولیاں ڈالیں جن پر اسٹیل کی نوکیں چڑھی ہوئی تھیں لیکن اس سے قبل کہ وہ پلیٹ فارم سے ہٹتا اس نے ایک ٹیلی اسکوپ نصب کیا جس کا مُنہ ساکت پڑے ہوئے نوجوان کے سینے کی طرف تھا۔ اُس نے دیکھنے والے اس اسکوپ کا سوئچ کمپیوٹر آن کر دیا۔ یہ ایک عام سا گن اسکوپ لگ رہا تھا لیکن درحقیقت یہ امریکی مسلح افواج کی جدید ترین ایجاد تھی جس سے ذرا سی بھی حرکت کا پتا چل سکتا تھا اسے عام طور پر رات کو نشانہ لینے کے لیے استعمال کیا جاتا تھا، اب اگر نوجوان کا دل بھی دھڑکتا تو اس کا بھی پتا چل سکتا تھا۔ اس کے کمپیوٹرائزڈ آؤٹ سے بے ہوشی کی کیفیت کا بھی اندازہ لگایا جا سکتا تھا۔

اُس نے اسکوپ پر نظر ڈالی۔ وہاں۔ زیرو۔ زیرو۔ زیرو۔ زیرو کے ہندسے چمک رہے تھے۔

یہ ناممکن تھا۔

اُس نے کھلے دروازے سے باہر دیکھا، وہاں گارڈ کپتان کی لاش پڑی ہوئی تھی جس کے سینے میں سوراخ تھا۔ مُردہ کپتان کا ریڈ آؤٹ زیرو۔ زیرو۔ زیرو۔ تھا۔

کرنل میک ٹرگ نے اپنا ہاتھ آگے بڑھا کر ہتیلی اسکوپ کے سامنے کر دی۔ ہندسے برق رفتاری سے بدلے۔ اب کمپیوٹرائزڈ آؤٹ پر ۵۰۸، چمک رہا تھا۔ حرکت صاف ظاہر تھی اور ساتھ ہی زندگی کا پتا بھی چل رہا تھا۔

اُس نے اسکوپ کا رُخ فوراً بے حرکت پڑے ہوئے نوجوان کی طرف کر دیا۔ زیرو۔ زیرو۔ زیرو۔

وہ ایک طویل سانس لے کر رہ گیا۔ اُسے حیرت تھی کہ یہ شخص محض ڈائنامیٹ کے خوف ہی سے مر گیا۔ اسے شدید ترین حیرت تھی کیونکہ

وہ اس نوجوان کا بے جگر اپن دیکھ چکا تھا۔ کرنل میک ٹرگ نے سر جھٹکتے ہوئے میگنم ایک طرف رکھ دی۔ اب وہ چاقو استعمال کرنے پر غور کر رہا تھا۔ اس طرح طالب علموں پر اس کا رُعب پڑ سکتا تھا کہ جس شخص کو پوری قوت سے روک سکی اُسے کرنل نے محض چاقو کے استعمال سے روک لیا۔ کرنل سوچ رہا تھا کہ وہ اس شخص کی موت کے بارے میں اپنے طلبہ کو بتائے گا کہ اس شخص کو اُس نے کتنی آسانی سے پکڑ کر مار ڈالا۔ "میں اسے ایک انتہائی ماہر ننجا کار قرار دوں گا۔ اور بتاؤں گا کہ میں نے اس کا کتنی پھرتی سے مقابلہ کیا اور اس کی شہ رگ کاٹ ڈالی۔"

کرنل میک ٹرگ نے ایک ہاتھ میں چاقو اور دوسرے میں پستول سنبھالا اور "لاش" کی طرف بڑھ گیا۔ وہ دنیا میں لڑ چکا تھا اسے سینکڑوں لاشوں کا تجربہ تھا اور کئی بار اسے لاشوں سے بھی لڑنا پڑا تھا لہٰذا اسی تجربے کے پیشِ نظر وہ کسی لاش کے قریب جاتے ہوئے بھی اب محتاط رہتا تھا۔ اُس نے پستول لاش کے کان کے قریب رکھ دیا اور دایاں ہاتھ اُٹھا کر چاقو "لاش" کے دائیں کان تک لایا... اسی لمحے اسے ایک سنسنی خیز ہنسی نے گھیر لیا۔ ممکن ہے یہ شخص بہت ماہر ہو اور... اپنے دل کی حرکتیں بھی روک سکتا ہو۔ اسے یاد تھا کہ برِصغیر ہند و پاکستان میں ایسے فقیر بھی ملتے ہیں جو سانس لیے بغیر ہفتوں تک زندہ رہتے ہیں۔

اسی لمحے لاش نے آنکھیں کھول دیں۔ نوجوان کے چہرے پر کرنل کو خفیف سی مسکاہٹ نظر آئی اور پھر اس کی آواز بھی اُسے سنائی دی۔ "ہیلو۔"

"نہیں۔" کرنل میک ٹرگ کو یقین نہیں آ رہا تھا لیکن پھر وہ مزید کچھ نہیں سوچ سکا کیونکہ سوچنے کے لیے دماغ کا زندہ رہنا ضروری ہوتا ہے... اور دل کے برعکس دماغ جسم سے نکلنے کے بعد زندہ نہیں رہتا۔ دماغ اگر کاسۂ سر سے نکل کر کسی دوسرے کے ہاتھ میں چلا جائے تو مر جاتا ہے۔

ٹائیگر نے کرنل کا بھیجہ ایک طرف پھینک کر اُس کے کپڑوں سے ہاتھ صاف کیے۔ وہ کمان ہیڈ کوارٹرز سے نکلا اور اُس نے باہر ہینگ گرشین گنرلوں کی طرف دیکھ کر ہاتھ ہلایا۔ مشین گنر پہلے تو حیرت زدہ رہ گئے اور پھر انھوں نے بھی اس کی طرف ہاتھ ہلائے۔

"تم نے ڈیڑھ منٹ کا وعدہ کیا تھا۔" ڈرائیور نے قدرے ترش لہجے میں کہا۔

"نہیں۔ میں نے کہا تھا کہ ڈیڑھ سے پانچ منٹ لگیں گے دوست۔" ٹائیگر نے مسکرا کر جواب دیا۔

"خیر۔ مگر اب تو پانچ منٹ ہونے والے ہیں۔" ڈرائیور بولا "کیوں۔ اندر کیا ہوا؟"

"اُنھوں نے مجھے تربیتی اسکول میں داخلہ دینے سے انکار کر دیا۔"

"مگر کیوں؟"

"شاید اس لیے کہ میں زیادہ پھرتیلا نہیں ہوں۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ ڈرائیور نے سر ہلاتے ہوئے ٹیکسی آگے بڑھا دی اور پھر ڈینور میں ایک جگہ جہاں پبلک فون بوتھ نظر آ رہا تھا ٹیکسی روک دی۔ بوتھ میں پہنچ کر اس نے ایک فون نمبر نکالا۔ اسے اب مشن کی تکمیل کی اطلاع کرنی تھی۔ ایسی اطلاعات دینے کے طریقے کو انتہائی آسان کر دیا گیا تھا تاکہ کسی قسم کی غلطی کا احتمال نہ رہے۔ اس کے ہاتھ میں جو پرچہ تھا اس پر دو نمبر لکھے ہوئے تھے۔ ایک نمبر ایسا تھا جس کو ڈائل کرنے کا مقصد یہ تھا کہ مشن کامیاب رہا اور دوسرے کو ڈائل کرنے کا مطلب یہ تھا کہ مشن کی تکمیل میں تاخیر ہو گئی ہے۔ مشن قبول کرتے ہوئے اُس نے دونوں نمبر ایک پرچی پر لکھ لیے تھے اور احتیاطاً ان کے درمیان نہ صرف کافی فاصلہ رکھا تھا بلکہ ایک نمبر کے قریب نشان بھی لگا دیا تھا... لیکن اس وقت وہ اس اُدھیڑ بُن سے دوچار تھا کہ مشن کی کامیابی والا نمبر کون سا ہے۔

وہ دیر تک سوچتا رہا اور پھر اس نے وہ نمبر ڈائل کیا جس کے آگے "ایس" جیسا لفظ لکھا تھا اور ایس سے مُراد کامیابی تھی۔

"یس۔" دوسری طرف سے کمپیوٹر کی سرد آواز سُنائی دی۔

"بولو۔"

"سب کچھ ٹھیک ٹھاک رہا۔"

"تفصیل سے بتاؤ کہ کیا گڑبڑ ہوئی؟"

"اوہ۔" ٹائیگر کو اس سوال سے ہی اندازہ ہوا کہ اس نے غلط نمبر ملایا ہے۔

"بولو۔ کیا گڑبڑ ہوئی؟"

"کچھ بھی نہیں۔" ٹائیگر نے مُنہ بنا کر جواب دیا۔

"کوئی گڑبڑ ہوگی۔"

"نہیں۔" وہ سوچ رہا تھا کہ کیا کسی کمپیوٹر کو بھی قائل کیا جا سکتا ہے۔

"تمہاری رپورٹ مکمل نہیں۔" کمپیوٹر نے کہا اور پھر کلک کی آواز کے ساتھ ہی اُسے دوسری آواز سُنائی دی۔ یہ کسی زندہ انسان کی آواز تھی۔ "کیا گڑبڑ ہو گئی ٹائیگر؟"

"اوہ شکر ہے کہ آپ لائن پر آ گئے جیف۔" ٹائیگر نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "میں غلط نمبر ملا بیٹھا تھا۔"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"ہاں۔" ٹائیگر اب مسکرا رہا تھا۔

"اب مجھے ٹیلی فونر سسٹم بھی ٹھیک کرنا ہوگا۔ کہیں نہ کہیں کوئی غلطی ہو ہی جاتی ہے۔"

"ان غلطیوں سے بچنے کا ایک طریقہ ہے۔"

"کیا؟" بہرام نے پوچھا۔

"یہ کہ ٹیلی فون پر نہ تو آپ مجھ سے بات کریں اور نہ ہی میں آپ سے بات کروں۔"

"ٹائیگر۔" بہرام بہت سنجیدہ تھا۔ "ہمیں ملاقات کرنی ہے۔"

"لیکن میں نے ابھی کچھ ہی دیر قبل آپ کا دیا ہوا ایک مشن تو پورا کیا ہے۔ کیا اب کوئی نیا معرکہ درپیش ہے؟"

"ہاں۔ لیکن مجھے ٹیلی فون لائن پر بھروسا نہیں۔ ملاقات ضروری ہے۔"

"سوئیٹ ہارٹ سے مجھے باتوں کو اس طرح خفیہ رکھنے سے ہمیشہ الجھن محسوس ہوتی ہے۔" ٹائیگر نے اُکتائے ہوئے انداز میں کہا۔

"میں پریشان ہوں ٹائیگر۔"

"آپ ہمیشہ پریشان رہتے ہیں۔"

"صنعتی دُنیا کو بہت بڑا خطرہ لاحق ہے۔" بہرام نے دھکے چھپے لفظوں میں صورتحال کی شدت بیان کرنا چاہی۔

"تب پھر ایک ماہ بعد ملاقات کر کے اس خطرے کے بارے میں تفصیلی گفتگو کریں گے۔" ٹائیگر نے بڑے اطمینان سے کہا۔

"ایک مہینے بعد؟ نہیں... بہت دیر ہو جائے گی۔"

"آپ ہر کام میں جلد بازی کا مظاہرہ کرتے ہیں چیف... اور آپ کو پتا ہے کہ ہمارے ملک میں جلد بازی کا کام کس کا ہوتا ہے؟" یہ کہہ کر ٹائیگر بھرپور انداز میں مسکرانے لگا۔

"ٹائیگر۔" بہرام نے گمبھیر لہجے میں کہا۔ "ہم انتہائی خطرناک حالات سے دوچار ہیں۔ لہٰذا ہمیں فوری طور پر ملنا ہوگا۔"

"تب پھر مجھے سیدھے سادے انداز میں بتائیں کہ کہاں ملیں گے۔ کوڈز نہیں چلیں گے۔ ایک بار آپ نے کوڈز میں ہدایت کی تھی کہ واشنگٹن میں ملو لیکن میں ٹیکساس میں آپ کا منتظر رہا۔ آپ کے کوڈز ہی ساری گڑبڑ کرتے ہیں۔"

"مجھے اپنے ہوٹل کا نام اور کمرے کا نمبر بتا دو۔"

"اسکائی ویو۔ کمرا نمبر ۱۰۵۔" ٹائیگر نے جواب دیا ساتھ ہی مزید کچھ کہنے کی کوشش کی لیکن لائن ڈیڈ ہو چکی تھی۔ وہ سر جھٹک کر باتھ سے نکلا اور ڈینور کی سڑکوں پر چلتا ہوا ہوٹل تک پہنچا۔ اب اسے کمرا نمبر ۱۰۵ میں بہرام کا بہرحال انتظار کرنا تھا۔



بھی بہت سادہ لیکن انتہائی دلکش تھی۔ سوٹ کے ایک کمرے سے اناؤنسر کی آواز آ رہی تھی کہ اگر اس کا ہوٹل خریدا گیا تو قیمت میں رعایت ملے گی۔ پھر خبرنامہ شروع ہو گیا اور قذافی کی آواز سنائی دی جو اسرائیل کے خلاف آخری حرب کے لیے پوری دُنیا کے مؤثر کارروائی کی اپیل کر رہے تھے۔ "ہم اتحاد سے کام لے کر اسرائیل کو سمندر میں غرق کر سکتے ہیں۔"

وہ سر جھٹک کر رہ گیا۔ بات سو فیصد درست تھی لیکن مسئلہ یہی تھا کہ مسلم دُنیا کبھی متحد نہیں ہو سکی تھی۔ آپس ہی میں لڑنا اس کا پسندیدہ مشغلہ رہا تھا اور ایران عراق جنگ اس کا زندہ ثبوت تھا۔ اس کے بعد اشتہاروں کی آواز پھر سنائی دی۔ ٹائیگر گزشتہ دس برسوں سے یہ اشتہار سن رہا تھا اور اب تو وہ ان کا ایک ایک جملہ ازبر ہو چکا تھا۔

پانچ منٹ بعد جب اسے یقین ہو گیا کہ شو ختم ہو چکا ہے تو اس نے بہت آہستگی سے اس کمرے کا دروازہ کھولا۔ اندر پہلے برآمدے میں ایک نحیف شخص ٹی وی کے سامنے بیٹھا ہوا تھا اور ٹی وی کے قریب ویڈیو ریکارڈر رکھا ہوا تھا۔

نحیف و نزار شخص نے پلٹ کر دیکھا۔ اس کا چہرہ سپاٹ تھا اور آنکھوں میں آنسو تھے۔

"یہی تفریح ہے۔" اوشان نے دھیمے لہجے میں کہا۔ "اور اس کا تعلق حسن سے ہے۔"

"آپ نے ڈاکٹر لارنس والٹر کو تقریباً دو درجن مرتبہ یہ کہتے ہوئے سُنا ہے کہ وہ کبھی ٹون اسٹیبل کو اس کے حقیقی والد کے بارے میں نہیں بتائے گا۔ اب تو ان ڈائیلاگ کا جذباتی اثر نہیں ہونا چاہیے لیکن آپ کی آنکھوں میں اب بھی آنسو ہیں مسٹر فلنڈر۔"

"حسن، محسن ہوتا ہے۔" اوشان نے دونوں ہاتھ ہلا کر جواب دیا۔ "مگر تم لوگ یہ بات نہیں جانتے کہ حسن... حسین ہوتا ہے۔ تم تو ہر نفیس اور خوبصورت چیز کو بدنما اور بدصورت بنا دیتے ہو۔"

کو ہاتھ بھی نہیں لگایا لٹل فادر۔"

"سفید فام نفاست اور حُسن کو تباہ کر رہے ہیں۔"

"اس میں کوئی شک نہیں۔"

"تم سفید فام ہو۔"

"میں مشرقی ہوں۔" ٹائیگر نے اوشان کی تصحیح کی۔

"تم لوگوں کی سرشت میں تشدد کے سوا کچھ بھی نہیں تشدد تمہاری گھٹی میں پڑا ہے۔"

"اگر آپ کو نئے آبزرویشن اور نئے ڈراموں میں تشدد و اخلاق باختگی پسند نہیں آتی تو پھر انہیں دیکھا ہی نہ کریں اور اگر دیکھنے کے اتنے ہی شوقین ہیں تو پھر مجھے مورد الزام ٹھہرایا کریں۔"

"میں ایسے لغو ڈرامے نہیں دیکھا کرتا۔" اوشان نے بڑی نفرت سے ٹی وی کی طرف دیکھ کر کہا۔

"تب پھر؟"

"پھر کیا۔ ٹی وی کھولتا ہوں تو نظر پڑ ہی جاتی ہے تمہارا تصور یہ ہے کہ تم ٹی وی والوں کو یہ ڈرامے ٹیلی کاسٹ کرنے سے نہیں روک سکتے۔"

"بہرام آج یہاں آنے والا ہے۔" ٹائیگر نے اوشان کی توجہ دوسرے امور پر مبذول کرانے کی کوشش کی۔

"پتا نہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ وہ بھی سفید فاموں کا دل لے کر پیدا ہوا ہے۔ اب سوچتا ہوں کہ میں نے تمہیں تربیت دینے کی ذمے داری کیوں قبول کی تھی۔"

"صرف اس لیے کہ اوپر والے ہر سال سونا آبدوزیں بھر کر سانجو بھیجتے رہیں۔"

"آہ۔ تمہارا دل کتنا سفید فام ہے سہزاد۔" اوشان نے آنکھیں بند کر کے بڑے کرب سے کہا۔

"اور آپ نے صرف اس لیے مجھے تربیت دینے کی حامی بھر لی تھی کہ سانجو میں علم و فنون کو اپنے ذہن جسم اور رُوح میں محفوظ کر لینے والا کوئی نہیں تھا۔"

"میں نے اپنی زندگی کے بہترین برس تمہاری نذر کر ڈالے افسوس۔ صد افسوس۔"

"بہرام آج کسی وقت آئے گا۔ اُس کا کہنا ہے کہ کوئی اہم بحران درپیش ہے۔"

"وہ سفید فاموں سے بھی بڑھ کر سفید فام ہے۔" اوشان نے سر جھٹک کر کہا۔ "تم نسب سفید فام ہو۔ تمہاری رُوح میں بھی سفید فام ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے فادر۔ لیکن ایک بُرا ڈراما دیکھ کر اتنا بڑا ایکچر دینا بھی انصاف نہیں۔"

"انصاف؟" اوشان چونک پڑا۔ "انصاف۔ تم انصاف کی بات کرتے ہو۔ اگر تمہاری دُنیا میں انصاف کی کوئی قدر ہے تو پھر اسے کیا کہو گے؟" اس نے اپنی قبا کی جیب سے ایک خط نکال کر لہرایا۔

"کیا میں اس خط کو پڑھ سکتا ہوں؟"

"ہاں۔ اگر پڑھنے کے دوران تمہیں درد نہ ہو۔" اوشان نے خط اس کی طرف بڑھا دیا۔ یہ خط ایک ٹی وی پروڈیوسر کی طرف سے اوشان کے نام آیا تھا۔ اس پر نیو جرسی کا پوسٹ بکس لکھا ہوا تھا۔ اوشان کی تمام ڈاک اسی پوسٹ بکس پر آتی تھی۔

"ڈیئر مسٹر اوشان! وری فورم اسلوڈیوز کو ڈرامے "ماسٹر آف سانجو" کی قہرسامانیاں بھیجنے کا بہت بہت شکریہ لیکن فی الوقت ہمارا خیال یہ ہے کہ مارکیٹ ایسے کسی ڈرامے کے لیے مناسب نہیں جس میں رومانس بھی ہو اور جو ایسے ماسٹر سے متعلق ہو جس کا شائقین انتہائی نامکمل ہے۔ اگرچہ ہمیں اعتراف ہے کہ آج کل ٹی وی ڈراموں میں تشدد کا عنصر زیادہ ہے لیکن اب اتنا بھی نہیں کہ سامعین محض ہاتھ کے وار سے گردن تن سے جُدا ہوتے ہوئے دیکھ کر لطف اندوز ہو سکیں۔ آپ کا مخلص۔ ایلورے شیورڈ۔"

"تو آپ سانجو کے بارے میں ٹی وی پر ڈراما پیش کرنا چاہتے تھے۔" ٹائیگر ایک طویل سانس لے کر رہ گیا۔ اب اس کی سمجھ میں آیا تھا کہ اوشان ٹی وی ڈراموں پر اتنا کیوں گرج برس رہا تھا۔

ہاں۔ یہ میں لوگوں کو بتانا چاہتا تھا کہ ماہر جلاد اور ماسٹر کس طرح شاندار کارنامے انجام دے سکتا ہے۔ میں انہیں اس بات پر قائل کرنا چاہتا تھا کہ کسی کو قتل کرانے کے لیے انارولیوں کی خدمات حاصل کرنا محض رقم ضائع کرنا ہے۔"

"لیکن اس ملک کے لوگ سانجو کے فن کو سمجھتے ہی نہیں لٹل فادر۔ وہ اسے صرف اور صرف ڈراما سمجھتے ہیں۔"

"کیوں؟ فن سانجو کو سمجھنے میں انہیں کیا دقت ہوتی۔ میں نے اسکرپٹ میں اس فن کو اور زیادہ، سہل بنا کر پیش کیا تھا۔" اوشان نے سر اٹھا کر بڑے فخر سے کہا۔

"سفید ذہن آسان باتیں بھی نہیں سمجھ سکتا۔"

"تب پھر ہم یہی بات بہرام کو سمجھانے کی کوشش کریں گے۔"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

اوشان نے جواب دیا اور پھر کھڑکی کی طرف دیکھ کر بولا۔ "شہزادہ ہمیں اس شہر کو چھوڑ دینا چاہیے... مجھے اس جگہ سے نفرت ہوگئی ہے۔"

"کیوں؟"

"اس لیے کہ ٹی وی پر اس ملک کے حالات و واقعات بیان کرنے کے لیے کوئی مناسب آدمی نہیں۔ مجھے وہ پروگرام دیکھتے ہوئے وحشت ہوتی ہے۔"

"خبروں کی بات کر رہے ہیں؟"

"ہاں وہ خبریں پڑھنے کے لیے موٹے بدصورت اور سفید فام لوگوں کا انتخاب کرتے ہیں۔ تم نے نیویارک ٹی وی کی خبریں دیکھی ہوں گی۔ کتنی دلکش ہوتی ہیں۔"

"نیویارک ٹی وی پر جیتا جاگتا خبریں پڑھتی ہے جس کی شکل موٹے کیلے کی طرح اور آواز ٹوٹتی ہوئی برف کی طرح ہے۔" ٹائیگر نے اُسے یاد دلایا۔

"خاموش۔" اوشان بھڑک اُٹھا۔ "چیتا جاگ خبریں پڑھتی ہے۔ جس کا رقبہ ہے۔ تم حُسن سے واقف ہی نہیں۔ جہالت تمہارے خمیر میں پڑی ہے۔"

"سوری لٹل فادر۔"

"کوئی بات نہیں۔ جہالت پر معذرت کرنا ہی بہتر ہے اور ہاں۔ یہ بتاؤ کہ کیا بہرام کی ٹی وی میں دوستی ہے۔ وہ کسی پروڈیوسر سے کہہ کر میرا اسکرپٹ منظور کرا سکتا ہے؟"

"نہیں۔"

"لیکن ہم اس سے بات تو کریں گے۔"

تاہم اس رات بہرام آیا تو وہ بہت پریشان لگ رہا تھا۔ ٹائیگر نے اتنا خوفزدہ پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

"اوہ۔ میرے آقا۔ میرے شہنشاہ۔" اوشان نے اس کی شکل دیکھتے ہی خاص انداز میں دونوں ہاتھ سینے پر رکھ کر کہا۔ "آپ کے دشمن ہمارے دشمن ہیں۔"

اوشان کو یقین تھا کہ بہرام شہنشاہ بننے کے لیے ہی اتنا کام کرتا ہے اور اوشان کو یہ بھی علم تھا کہ وہ جتنا سونا سنگجو بھیجتا ہے اتنا کبھی کسی بادشاہ نے نہیں بھجوایا۔

"آپ اشارہ فرمادیں شہنشاہِ اعظم۔ ہم آپ کے ہر دشمن کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیں گے۔"

"میں کسی کی نشاندہی نہیں کرسکتا۔" بہرام نے ایک طویل سانس لے کر جواب دیا۔ "مجھے پتا ہی نہیں۔ دراصل کچھ سمجھ ہی میں نہیں آ رہا لیکن جو کچھ بھی ہے... انتہائی تباہ کن اور خوفناک ہے۔ اس کا کوئی مقصد بھی سمجھ میں نہیں آتا۔"

"تب پھر آپ کے دشمن پاگل ہیں۔" اوشان نے بڑے اطمینان سے کہا دراصل وہ بہرام ہی کو پاگل سمجھ رہا تھا۔ اس نے کوریائی زبان میں ٹائیگر سے کچھ کہا۔ لہجے سے ایسا لگتا تھا جیسے وہ ٹائیگر کو ڈانٹ رہا ہو... لیکن اس نے صرف اتنا کہا تھا کہ اب یہ پاگل شخص کیا مسئلہ کر آیا ہے۔

"مسئلہ کیا ہے چیف؟" ٹائیگر نے بڑی سنجیدگی سے پوچھا۔ وہ بہرام کا احترام کرتا تھا۔ اُسے اپنے چیف کی ایمانداری اور استقامت کا اعتراف تھا لیکن وہ اس کے لیے کام کرنے میں اس لیے دشواری محسوس کرتا تھا کہ خود بہرام سمجھ سے بالاتر تھا۔

"مجھے احساس ہے کہ میں بے معنی باتیں کر رہا ہوں۔" بہرام نے صوفے کی پشت گاہ سے ٹیک لگاتے ہوئے کہا۔ "بات دراصل یہ ہے کہ پریشانی کے باعث میں کئی راتوں سے نہیں سویا ہوں۔ مجھے ابھی تک اس کا مقصد سمجھ میں نہیں آیا۔"

"بہت سی باتوں کا کوئی سر پیر نہیں ہوتا چیف۔" ٹائیگر نے مسکرا کر کہا۔

"ہاں۔ پاگل لوگ ہی پاگلوں جیسی حرکتیں کرسکتے ہیں۔" بہرام نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "لیکن... اگر ایسے سائنسداں جن کے پاس بے اندازہ دولت ہو... خود کو سنگین ترین تباہی پھیلانے کے مشن کے لیے وقف کردیں۔ وہ جو کچھ بھی بنا رہے ہیں اس سے دنیا کی ہر قیمتی چیز تباہ ہوسکتی ہے۔" بہرام کانپ رہا تھا۔

"آپ نیم دراز ہو جائیں۔" ٹائیگر بہرام کی کیفیت کا احساس کرکے کچھ پریشان سا ہوگیا۔ اُس نے بہرام کے بیٹھے پر ایک ہاتھ رکھا اور دوسرے سے ریڑھ کی ہڈی سہلائی۔ "سکون سے سانس لیں۔ آہستہ آہستہ۔ اندر سانس کھینچیں۔ بس۔ اب چھوڑ دیں۔"

پراسرار اور خوفناک کہانیاں جنہیں
پڑھتے ہوئے آپ چونک اٹھیں گے
انوار صدیقی کے پراسرار قلم سے
آسیب زدہ قیمت =/110
دستک قیمت =/100
مکتبہ القریش سرکلر روڈ اردو بازار لاہور
فون 7668958

سانس چھوڑتے ہی بہرام کو احساس ہوا کہ وہ ہلکا پھلکا ہوگیا ہے۔ اضمحلالی تھکن کا نام و نشان تک نہ رہا۔ جسم کی کپکپاہٹ دور ہوگئی۔ چہرہ پُرسکون ہوگیا۔

"کمال ہے۔" اُس نے اتنی دیر بعد پہلی مرتبہ مسکرا کر کہا۔ "یہ ورزش تو کسی دوا سے بھی زیادہ اثر کرنے والی ہے۔ یہ کیسے ہوگیا؟"

"کچھ بھی نہیں ہوا۔" اوشان نے مسکرا کر کہا۔ "آپ کی حیات نے کام کرنا شروع کردیا ہے۔"

"میں آپ کی تکنیک کبھی نہیں سمجھ سکتا ماسٹر۔" بہرام نے ہنس کر کہا۔ "کمال ہے۔"

"سفید فام دل والے کبھی نہیں سمجھ سکتے۔" یہ جملہ اوشان نے ٹائیگر سے کوریائی زبان میں کہا تھا۔

"ہاں۔ اب سنو۔" بہرام سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ اُسے ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ بہت ہی میٹھی نیند لینے کے بعد تر و تازہ اُٹھا ہے۔ "تم جانتے ہو کہ ہمارے کمپیوٹرز کا رابطہ دُنیا بھر کے بڑے بڑے کمپیوٹرز نیٹ ورک سے ہے اور اسی باعث ہم اطلاعات کھینچتے رہتے ہیں۔"

"میں ابھی تک اطلاعات کھینچنے والی اصطلاحات نہیں سمجھ سکا۔" ٹائیگر نے مایوسی سے سر ہلا کر کہا۔

"یہ کمپیوٹرز کے عظیم الشان فینڈرز سسٹم کی تکنیک ہے۔"

"اوہ۔ اچھا۔" اوشان نے اس طرح کہا جیسے وہ سب کچھ سمجھ گیا ہو لیکن اس کے پتے کچھ بھی نہیں پڑا تھا۔

"ہمارے کمپیوٹرز اطلاعات کو پہلے سے متعین کردہ طریقے کے مطابق جذب کرتے ہیں اور پھر ان کا تجزیہ کرتے ہیں۔ جو بھی اطلاعات کا ہوتا ہے جو ہمیں نظر آئیں۔ دراصل ہمارے کمپیوٹرز شکاریوں کی طرح کام کرتے ہیں اور شکاریوں کے طریقۂ کار کے بارے میں آپ مجھ سے بہتر جانتے ہیں ماسٹر۔"

"میں... انتہائی معمولی سا ماسٹر ہوں۔" اوشان نے بڑے فخر سے سر اُٹھا کر کہا۔

"نہیں۔ آپ عظیم ہیں۔" بہرام نے اصرار کیا تو اوشان نے اس طرح سر خم کردیا جیسے مزاج یار کے سامنے سرِ تسلیم خم کر رہا ہو۔

"ہمارے کمپیوٹرز نے یہ اطلاع اُپک لی کہ ایک کارپوریشن میں انتہائی بڑے پیمانے پر سرمایہ کاری کی جا رہی ہے۔ اس کارپوریشن کا نام پیوریلینس ہے۔" بہرام نے بتایا۔

"انتہائی شیطانی نام ہے۔" اوشان نے فیصلے انداز میں کہا۔

"ہم نے پیوریلینس کو جال میں پھنسایا اور فی الواقعی ان کی تنخواہوں کے بارے میں فہرست حاصل کرلی۔ تنخواہ حاصل کرنے والوں میں علاقے کے تمام سائنسداں شامل تھے... پھر ہمارے کمپیوٹر نے ایک اور فہرست تیار کی تو ہمیں علم ہوا کہ جو سائنسداں پیوریلینس کے پے رول پر نہیں تھے انھیں انتہائی منظم انداز میں قتل کیا جاتا رہا ہے۔ پیوریلینس کا شعبہ نیوبریڈ بیکٹیریا ہے اور اس بیکٹیریا کی تخلیق کا مقصد تیل کو چوسنا ہے۔"

بہرام یہ کہہ کر خاموش ہوگیا اور اس کا چہرہ ایک بار پھر سُست سا ہوگیا۔

"اس میں گھبرانے کی کوئی بات نہیں چیف! مجھے تو یہ کوئی خطرناک مسئلہ نہیں لگتا۔"

"مسئلہ بہت واضح طور پر سامنے ہے احمق۔" اوشان نے اُسے جھڑک دیا۔ "یہ خطرناک فاسٹ بریڈر بیکٹیریا... بکڑا۔ بکڑا۔ بکٹیریا... جو کچھ بھی ہے۔ دُنیا میں ہر قیمتی چیز کو تباہ کرسکتا ہے۔"

"بالکل درست۔" اوشان سے اتنی ٹھوس بات سن کر بہرام کو خوشگوار حیرت ہوئی تھی کیونکہ اُسے یہ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اوشان نے یہ بات کیسے سمجھ لی۔

ٹائیگر بھی حیرت سے اوشان کو دیکھنے لگا۔

"حیرت زدہ ہونے کی بجائے یہ ظاہر کرو کہ تم بھی اس کی ایسے کے قائل ہوگئے ہو۔" اوشان نے کوریائی زبان میں ٹائیگر کو مشورہ دیا مگر اس کا لہجہ ایسا تھا جیسے وہ ٹائیگر کو لعن طعن کر رہا ہو۔ "ذرا دیکھو۔ شہنشاہ کتنا متفکر نظر آ رہا ہے۔ اثبات میں سر ہلا ہلا کر وہی بات دُہراتے رہو جو اس پاگل کی زبان سے ادا ہو رہی ہے۔ اگر تم اس میں دیوانہ بن کر حصہ لوگے تو اس کی حالت بہتر ہو جائے گی۔"

"چیف۔" ٹائیگر نے نفی میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "میں اب بھی نہیں سمجھ سکا۔"

اوشان مُنہ تاکتا رہ گیا۔

"میرا خیال ہے کہ ماسٹر ہی اس مسئلے کی زیادہ بہتر انداز میں وضاحت کرسکیں گے۔"

"اوہ۔ نہیں۔ نہیں شہنشاہِ عالی مقام۔" اوشان نے فوراً کہا۔ اس کے پاس وضاحت کرنے کے لیے کچھ تھا ہی نہیں اور نہ ہی وہ بکٹیریا کے بارے میں کچھ سمجھ سکا تھا۔ "آپ کے نقطوں، جملوں اور جذبوں کے سامنے میرا طرزِ بیان کچھ بھی نہیں ہوگا آپ جب وضاحت کریں گے تو اس کے جھٹکے بھرے دماغ میں بھی بات بیٹھ جائے گی۔ یہ آپ کی بات زیادہ بہتر طور پر سمجھ سکتا ہے۔"

Scanned And Uploaded By Muhammad Waleem

"اچھا" بہرام نے ایک طویل سانس لے کر اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرا۔ "دراصل بکٹیریا کی تخلیق کا مقصد یہ تھا کہ سمندروں میں ٹینکروں اور تیل کے کنوؤں سے رِس رِس کر بہنے والے تیل کو صاف کیا جائے تاکہ ماحول کی آلودگی کا مسئلہ پیدا نہ ہو اور جہاز رانی میں دشواری پیش نہ آئے۔ دوسرے طریقوں سے ایسے تیل کو صاف کرنا بہت مہنگا ثابت ہو رہا تھا۔"

"اس مسئلے سے میں واقف ہوں لیکن مسئلہ کیا ہے؟"

"مسئلہ اُس وقت پیدا ہُوا جب اس مسئلے کا حل سامنے آیا۔" بہرام نے جواب دیا۔

اوشان نے حیرت زدہ ہو کر بہرام کی طرف دیکھا۔ ایک لمحے کے لیے اُسے یہ احساس ہوا تھا کہ بہرام نے کسی گزرے ہوئے ماسٹر کا مقولہ دُہرایا ہے۔

"سائنسدانوں کی سمندر کو تیل سے صاف کرنے کے لیے تحقیق تو مسئلے کا حل بکٹیریم... زندہ جرثومہ... کی شکل میں نکلا۔ اُنھوں نے ایسا بکٹیریا ایجاد کیا جس کی خوراک ہی تیل ہے اور جو از خود اپنی تعداد میں اضافہ کرتا رہتا ہے۔ وہ تجربے کرتے رہے اور پھر ایک روز اُنھیں ایسا جرثومہ مل گیا جو ہر تیس سیکنڈ بعد دوسرا جرثومہ پیدا کرتا ہے بشرطیکہ اس کی غذا کے لیے پیٹرول کی کافی مقدار موجود ہو۔ یہ انتہائی خطرناک ایجاد ثابت ہوگی۔" اُنھوں نے جو فاسٹ بریڈر تخلیق کیا وہ انارو بک ہے۔"

"انارو بک؟" اوشان نے انتہائی نفرت سے مُنہ بنایا۔ "بے ہودہ مخلوق؟" اور پھر، کیونکہ وہ انارو بک کا مطلب نہیں سمجھتا تھا اس نے ٹائیگر کو گھورا۔ "کچھ پتا بھی ہے انارو بک کیا ہوتا ہے؟" ٹائیگر کو شبہ تھا کہ اُسے اس اصطلاح کا مفہوم معلوم ہے لیکن یقین نہیں تھا لہٰذا اس نے انتہائی مختاط لفظوں میں کہا کہ اس کا تعلق کسی قسم کی ورزش سے ہے۔

"نہیں۔" بہرام نے سنجیدگی سے کہا۔ "انارو بک کا مطلب ہے... آکسیجن کے بغیر... اس فاسٹ بریڈر بکٹیریا کو کام کرنے کے لیے آکسیجن کی ضرورت نہیں ہوتی۔ یہ آکسیجن کے بغیر نشوونما پا سکتا ہے اور ہُوا استعمال کیے بغیر پیٹرول چوس سکتا ہے۔ یہی اس تخلیق کا خطرناک ترین پہلو ہے۔"

"سمجھ گئے۔" اوشان نے ٹائیگر کو گھور کر پوچھا۔ "اس کا نتیجہ کیا نکل سکتا ہے چیف؟"

"نتیجہ۔" بہرام نے سر جھٹک کر کہا۔ "شاید تہذیبِ انسانی کا مکمل خاتمہ۔ نوعِ انساں کی بربادی۔"

"کم بخت۔ بغیر آکسیجن والا بکٹیریا؟"

"بکٹیریا۔" ٹائیگر نے تصحیح کی۔

"بکومت۔ کیا تم اب بھی نہیں سمجھے کہ اس انارو بک کی وجہ سے سب مر سکتے ہیں۔" اوشان نے تڑخ کر کہا۔

"انارو بک بکٹیریا۔" ٹائیگر نے ایک بار پھر اُس کی تصحیح کی۔ اس سے قبل یہ سلسلہ چل نکلتا بہرام نے وضاحت شروع کر دی۔ "ماسٹر کا کہنا سو فیصد درست ہے۔ ماسٹر نے یہ بات سمجھ لی ہے کہ یہ بکٹیریا جلد ہی دُنیا بھر کا تیل پی جائے گا، زیرِ زمین ذخائر اور تیل کنوؤں پر بھی پہنچ کر ان کے سوتے بند خشک کر دے گا پھر جب تیل ہی نہیں ہوگی تو کوئی صنعت بھی نہیں چل سکے گی۔"

"ایسا صرف اُس وقت ممکن ہوگا جب کوئی تمام ذخائر پر اس بکٹیریا کو پہنچا دے... اس صورت میں اُسے کیا فائدہ ہوگا؟" ٹائیگر نے بہرام کی طرف دیکھ کر سنجیدگی سے کہا۔ "کچھ نہیں میرا خیال ہے کہ جو کوئی بھی یہ کام کر رہا ہے اُس کا مقصد تیل کی صنعت کو تباہ کرنا نہیں بلکہ تیل پیدا کرنے والوں کو دھمکا کر اپنے دوسرے مقاصد نکالنا ہے۔ ٹھیک ہے نا؟"

"کاش اُن کا یہی مقصد ہوتا۔" بہرام اب بھی تھکا تھکا سا لگ رہا تھا۔ "اس صورت میں اُنھیں بلیک میلنگ کے عوض رقم ملتی رہتی اور تیل کی قیمتیں چڑھتی رہتیں۔ یہ مہنگا سودا نہیں ہوتا ٹائیگر۔ اگر اُن کا مقصد صرف یہی ہوتا تو وہ بکٹیریا کی محدود تیاری کرتے لیکن ہمارے کمپیوٹر کی اطلاعات کے مطابق اس کارپوریشن میں بہت بڑے پیمانے پر بکٹیریا کی تیاری کے لیے زبردست سرمایہ کاری ہو رہی ہے۔ ذرا سوچو! تیل اور گیس کے ذخائر ختم ہونے تو کیا ہوگا؟ بلڈنگ ہوں گے مگر پرواز نہیں کریں گے، کاریں کھڑی رہیں گی، فیکٹریاں بند ہو جائیں گی بے روزگاری پھیلے گی، درحقیقت ہر شخص بے روزگار ہو جائے گا اور بھوکا مرنے لگے گا... پھر لوگ تشدد اور لوٹ مار پر اتر آئیں گے۔ یوں دُنیا ختم ہو جائے گی۔"

اوشان سر ہلانے لگا مگر اس نے کوریائی میں کہا۔ "بس اتنی سی بات ہے۔ سنا بجو میں تیل اتنی اہمیت نہیں رکھتا۔ ویسے بھی مغربی دُنیا کو ختم ہو جانا ہی چاہیے۔ اس کے نزدیک بکٹیریا مغرب کی تہذیب کو ختم کرنے کے لیے بہترین ذریعہ ہو سکتا تھا۔

"ہُوں۔" ٹائیگر نے ہنکارا بھر کر بہرام کو بغور دیکھا۔ صورتحال واقعتاً عجیب تھی۔ "تو مسئلہ یہ ہے کہ کوئی شخص تیل کے عالمی ذخائر کو ختم اور تیل کے قدرتی سوتوں کو خشک کر دینا چاہتا ہے؟"

"درست۔" بہرام نے جواب دیا۔ "اور دوسرا بڑا مسئلہ یہ ہے کہ اس کو اس حرکت سے روکنے میں ہر شخص ناکام ہو گیا ہے۔"

"ہاں۔" بہرام نے اس بار زیادہ جوش سے تصدیق کی۔

"تب پھر یہ پیورالینس کہاں ہے؟"

"ہمارے پاس ڈیلیوائر کا ایک پوسٹ بکس نمبر ہی ہے۔" بہرام کا لہجہ اچانک پژمردہ ہو گیا۔ "پہلے ہم اس پتے پر پہنچے تھے کہ ہم نے اس کا ہیڈ کوارٹر تلاش کر لیا ہے لیکن اس کے بعد ہم اس ہیڈ کوارٹر کو کھو بیٹھے۔ فی الوقت ایسا لگتا ہے جیسے پیورالینس کو یہ صلاحیت بھی حاصل ہے کہ وہ خود کو کمپیوٹر کی بھول بھلیوں میں چھپا سکے لیکن یہ ناممکن ہے کیونکہ کمپیوٹر کے پیچھے بھی کوئی نہ کوئی ضرور ہوگا، کسی نہ کسی کو اس مہم سے فائدہ اور منافع ضرور ہوتا ہوگا لیکن اعصاب شکن مسئلہ یہ ہے کہ یہ سب کچھ کیسے ہو رہا ہے؟ ہماری نظر میں ایسا کوئی گروپ یا شخص نہیں جو دُنیا بھر کا تیل ختم کرنا چاہتا ہو۔"

تب ہی ٹائیگر کو اندازہ ہوا کہ بہرام جیسا شخص اتنا مضطرب بے چین اور پریشان کیوں ہے۔

بہرام کو علم تھا کہ اس حرکت کے پسِ پردہ کوئی مقصد نہیں اور وہ دُنیا کی بے مقصد بربادی سے ہراساں تھا۔

"مجھے یقین ہے کہ پیورالینس کے پسِ پشت کوئی مقصد ضرور ہے چیف۔" ٹائیگر نے کہا۔ "کوئی یا تو کسی کو ملوث کرنا چاہتا ہے یا پھر انتہائی زبردست منافع یا کوئی اور چیز حاصل کرنا چاہتا ہے۔"

"شاید۔ لیکن ہمیں ابھی تک یہ علم نہیں کہ وہ ایسا کیوں کر رہا ہے، صرف اتنا اندازہ ہے کہ کیا ہو رہا ہے... اور یہ علم بھی ہے کہ اس کا اگلا ٹارگٹ کہاں ہے۔"

بہرام کا نظریہ یہ تھا کہ یہ دشمن ایسے تمام سائنسدانوں کو راہ سے ہٹا رہا ہے جو اس کے ریسرچ پروجیکٹ سے وابستہ نہیں۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ کوئی سائنسداں فاسٹ بریڈر بکٹیریا کے توڑ کے لیے مدافعت پیش نہ کر سکے۔ اس کا خیال تھا کہ اگر دو افراد سائنسداں بن کر کسی یونیورسٹی میں بکٹیریا پر لیکچر دیں تو تباہی و بربادی کا علمبردار فوراً ہی ان سے رابطہ قائم کرے گا یا انھیں ختم کرنے کی کوشش کرے گا۔

اور یہ دونوں سائنسداں ٹائیگر اور اوشان ہی ہو سکتے تھے۔

"تب پھر فکر نہ کریں۔" ٹائیگر نے مسکرا کر کہا۔ "اس نے جیسے ہی ہم پر ہاتھ رکھا اور ہم تک اس کی رسائی ہوئی تو ہم اس کا قصہ تمام کر دیں گے۔"

صحرا کا چاند	اے حمید	80/-
پہلی محبت کے آنسو	اے حمید	250/-
اداس جنگل کی خوشبو	اے حمید	100/-
چاند چہرے	اے حمید	200/-

مکتبہ القریش اُردو بازار - لاہور 2

"لیکن ایک مسئلہ یہ ہے کہ اگر یونیورسٹی آف میساچوسٹس میں کسی نے اندازہ لگا لیا کہ تم دونوں سائنسداں نہیں ہو اور یہ بات باہر نکل گئی تو پھر ہمارا دشمن تمھیں نظر انداز کر دے گا یہاں تمھاری روایتی صلاحیت زیادہ کارآمد نہیں ہوگی۔ ٹائیگر... یہ سائنس کے بارے میں تمھاری اہلیت کا امتحان ہوگا۔" بہرام نے پُرتفکر انداز میں ان دونوں کی طرف دیکھ کر کہا۔

"آپ کسی قسم کا تردد نہ کریں جنابِ عالی۔" اوشان نے بہت دیر بعد اس گفتگو میں حصہ لیا۔ "ہم ثابت کر دیں گے کہ ہم انارو بک کے بارے میں دوسرے سائنسدانوں سے کہیں زیادہ علم رکھتے ہیں... ہم دکھا دیں گے کہ ہم کتنی دیر تک اپنی سانسیں بند رکھ کر زندہ رہ سکتے ہیں۔ آکسیجن کے بغیر۔" پھر وہ تیزی سے کوریائی میں بولا۔ وہ ٹائیگر سے کہہ رہا تھا۔ "یہ شخص ابھی جاگ رہا ہے، اس کے سونے سے پہلے ہی پوچھ لو کہ کیا یہ کسی ٹی وی پروڈیوسر سے واقف ہے؟"

"ابھی نہیں۔ یہ مناسب وقت نہیں۔" ٹائیگر نے کہا۔

"سفید فاموں کے پاس مناسب اور نامناسب وقت کا کوئی پیمانہ نہیں ہوتا... ہاں... حُسن کے بارے میں گفتگو ہو تو وہ اس پر وقت مناسب نہیں کہہ کر بات کرنے سے انکار کر دیتے ہیں۔" اوشان پڑبڑایا۔

▲

"ہمارے بارے میں آپ کیا سمجھے؟" دریا نے جسم والے نوجوان نے پوچھا۔ اس کی کلائیاں غیر معمولی طور پر بھاری تھیں وہ لمبا تڑنگا ٹیبل پر اس طرح بیٹھا ہوا تھا جیسے وہ ٹیبل پر بیٹھا ہوا

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

نہیں بلکہ دونوں ہاتھوں سے اسے سنبھالے ہوئے ہے تاکہ وہ زمین سے نہ لگ جائے۔ نوجوان پروفیسر اور اس کا بوڑھا کولمبیائی ساتھی دونوں میساچوسٹس یونیورسٹی آف ٹیکنالوجی کے پرائم کارنر آفس میں تھے اور ڈاکٹر ولاڈمار کیننگ کو حیرت تھی اہم چوٹی کے پرائم کارنر آفس میں یہ دونوں کس طرح پہنچ گئے۔ کارنر آفس حاصل کرنے والے لوگ صرف وہی ہوا کرتے تھے جو مشہور اور ممتاز ہوں۔

"میں صرف اور صرف تجسس میں مبتلا ہوں۔" ڈاکٹر کیننگ نے نوجوان پروفیسر کی طرف دیکھ کر کہا۔ "اور ابھی تک کچھ بھی نہیں سمجھ سکا ہوں۔"

"ہم ریپڈ بریڈنگ انارو بک ریکٹیریا کے شعبے میں خصوصی نوعیت کا کام کر رہے ہیں۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔

"اوہ۔ سپیڈ ریپڈ لیم لوائز۔" ڈاکٹر کیننگ نے چونک کر کہا۔ "میرا خیال ہے کہ تمہیں اسی باعث یہاں دفتر مل گیا ہوگا۔"

"ہمیں دفتر اس وجہ سے ملا ہے کہ ہم یہاں دفتر حاصل کرنے کے اہل ہیں۔ کیا کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ تمہیں یہاں نااہل ہونے کے باوجود بھی دفتر کی جگہ مل جائے؟" ٹائیگر نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"یہ منفی نوعیت کا سوال ہے۔" ڈاکٹر کیننگ نے جھینپ کر جواب دیا۔ "ویسے میں نے تم لوگوں کے بارے میں پہلے کبھی نہیں سنا۔"

"شاید اسی باعث تمہیں یہاں کوئی کارنر آفس حاصل نہیں ہو سکا۔" ٹائیگر نے بلا جھجک کہا۔

اسی لمحے اوشان نے اپنی انگلی اٹھا کر توجہ اپنی طرف مبذول کرائی پھر اس نے انگلی سے کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ڈاکٹر کیننگ کی طرف دیکھا۔ "یہ" تشریف رکھیے۔" کا اشارہ تھا۔ اوشان نے اپنی قبا کی جیب سے ایک چھوٹا سا آئینہ نکال کر ہونٹوں کے ساتھ لگا لیا اور ڈاکٹر کیننگ کو اشارہ سے کہا کہ وہ گھڑی دیکھتا رہے۔ کیننگ بیس منٹ تک گھڑی دیکھتا رہا، پھر آئینہ بھی دیکھا جس پر نمی کا نام و نشان تک نہیں تھا اور اس کا مطلب یہ تھا کہ بوڑھے نے بیس منٹ سے سانس نہیں لی اور یہ ناممکن بات تھی ڈاکٹر کیننگ کو یہ شبہ ضرور ہوا کہ اس شخص نے کوئی خفیہ آلہ پچھپا رکھا ہے جو کیمیکن خون میں شامل کر رہا ہے۔

نصف گھنٹے بعد اوشان نے سر ہلا کر گہری سی سانس لی اور مسکرانے لگا۔ اس کی یہ مسکراہٹ ڈاکٹر کیننگ کو بڑی عجیب لگ رہی تھی۔

"یہ۔ یہ کیا تھا؟" ڈاکٹر نے پسینہ پونچھتے ہوئے پوچھا۔

"انارو بک۔" اوشان نے بڑے وثوق سے جواب دیا۔

"ہم انارو بک پر اتھارٹی ہیں۔"

"واقعی؟ لیکن تم نے اپنے لبادے میں یقیناً کوئی ایسا آلہ چھپا رکھا ہے جو کیمیکن بحفاظت تمہارے خون میں شامل کرتا رہا تھا۔"

"نہیں۔"

"تب پھر تم کسی ایسے طریقے پر قادر ہو کر سانس نہ لینے کے باوجود تمہارے دوران خون میں کیمیکن شامل ہوتی رہے۔"

"ہاں۔" اوشان نے مسکرا کر جواب دیا۔ "یہ صرف اور صرف مثبت اور منفی کے درمیان توازن کا مسئلہ ہے۔ یہ توازن قائم ہو جائے تو پھر جسم کو کسی چیز کی ضرورت نہیں ہوتی اسے کام والمعہ اکائی کہا جا سکتا ہے۔"

"درست۔" ڈاکٹر سر ہلانے لگا اس نے چند سائنسی اصطلاحات کا ذکر کیا تو ٹائیگر کو پہلی بار احساس ہوا کہ سناٹجو کا عمل تنفس اور مشق تنفس جدید سائنٹیفک اصولوں کے مطابق ہے۔ "تم یقیناً انتہائی قابل انسان ہو۔" ڈاکٹر کیننگ اب فرسار سائنظر آ رہا تھا۔ "میں تمہارے بارے میں اپنے بشبہات پر ندامت کا اظہار کر رہا ہوں۔ پہلے مجھے شبہ ہوا تھا کہ تم لوگوں کے پاس کوئی سائنسی علم نہیں۔ کوئی سند یا ڈگری نہیں۔"

"سند یا ڈگری۔" اوشان کا چہرہ یک لخت سنجیدہ ہو گیا۔ "کاغذ کے ایسے پرزے، صرف اور صرف یہ ظاہر کرتے ہیں کہ کہاں تک تعلیم حاصل کی گئی ہے یہ نہیں بتلاتے کتنی تعلیم حاصل کی گئی۔ ویسے مجھے اس عمارت میں ایسا کوئی شخص نظر نہیں آتا جو یہ سمجھ سکے کہ میں کیا ہوں۔"

"تم بہت صاف گو اور ایماندار عالم ہو۔" ڈاکٹر کیننگ نے سر ہلا کر بڑے خلوص سے کہا۔ "ویسے اس شعبے .. یعنی انارو بک میں تم نے بڑی کامیابی حاصل کی ہے، تم یقیناً خوش قسمت بھی ہو۔"

"میں نے سنا ہے کہ اس شعبے میں کام کرنے والے کئی افراد ہلاک بھی ہو چکے ہیں۔ اور اگر یہ درست ہے تو پھر خوش قسمت نہیں ہو سکتا۔"

"نہیں۔" ڈاکٹر کیننگ نے فوراً جواب دیا۔ "صرف وہ سائنسدان ہلاک ہوئے جو یہیں کام کرتے رہے جنھیں ملازمت ملی اور جنھوں نے ملازمت قبول کر لی وہ بہت ترقی کر گئے۔ لوگ ان سے حسد کرتے ہیں انھیں تحقیق کی لامحدود سہولتیں حاصل ہیں، ان کی بڑی بڑی جائدادیں بن گئی ہیں ان کے آگے پیچھے ملازموں کی فوج رہتی ہے، وہ جس موضوع پر چاہیں ریسرچ

کر سکتے ہیں۔ ان پر کوئی پابندی نہیں۔"

"آپ کو یہ علم کیسے ہوا کہ ملازمت قبول کرنے والے کو کس قسم کی پیش کش کی گئی تھی؟" اس بار ٹائیگر نے پوچھا تھا۔

"وہ یہاں سے جانے سے قبل مجھے بتا کر گئے تھے۔" ڈاکٹر نے جواب دیا۔

"ملازمت کہاں ملی؟"

"اس کا مجھے پتا نہیں۔"

"کمال ہے۔" ٹائیگر نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ "آپ کو یہ تو علم ہے کہ انھیں کیسی سہولتیں حاصل ہیں لیکن یہ پتا نہیں کہ انھیں کہاں ملازمت ملی... ناقابل یقین۔"

"میرا خیال ہے کہ ان سائنسدانوں کو بھی اس کا علم نہ تھا کہ وہ کہاں جا رہے ہیں۔" ڈاکٹر کیننگ نے جواب دیا۔ "میرا خیال یہ بھی ہے کہ انھیں ٹی وی کی خبروں یا اخبارات کے ذریعہ یہ علم ہو چکا تھا کہ آسامیاں کہاں ہیں۔ ان میں بیشتر نے اس کی تصدیق بھی کی تھی۔ ویسے وہ بہت خوش قسمت نکلے۔"

"اخبار ٹی وی والی بات ہضم نہیں ہوتی۔" ٹائیگر نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔ "کیا اس کی مزید وضاحت نہیں ہو سکتی؟"

"مجھے صرف اتنا ہی علم ہے کہ خبروں سے انھیں اشارہ یا شہ ملتی تھی۔ تمہیں پتا ہی ہوگا کہ فاسٹ بریڈ ٹیسٹ صاف کر دیتا ہے میرا خیال ہے کہ انھوں نے تیل پیدا کرنے والے مشہور علاقے یا تیل کے بارے میں ایسی کوئی خبر ٹی وی پر دیکھی ہوگی جس میں انھیں بتایا گیا ہوگا کہ وہ کس سے رابطہ قائم کریں۔"

"پھر بھی کا یہ طریقہ انتہائی انوکھا ہے۔" ٹائیگر نے ایک طویل سانس لے کر تبصرہ کیا۔

"ہاں۔ لیکن اگر کوئی ایسی شاندار آفر کرے تو کوئی بھی ڈگری کی درخواست دینے کے لیے تیار اب تک بھی تیر کر جا سکتا ہے۔" کیننگ نے جواب دیا۔ "کاش کوئی ایسی پیش کش ایسٹروفیزیسٹ کو بھی کرتا۔"

"اوہ آپ ایسٹروفیزیسٹ ہیں۔" ٹائیگر نے اس کو بغور دیکھ کر پوچھا۔ اب ٹائیگر کو اس لیبارٹری کی بو اچھی نہیں لگ رہی تھی۔ کھڑکی دریائے چارلس کی طرف کھلتی تھی جس کے دوسری طرف بوسٹن تھا جہاں ٹریفک جام رہتا ہے لوگ نہ جانے کیوں اسے نیو ایتھنز کہنے پر مصر رہتے ہیں۔ اوشان کو بھی اس پر اعتراض تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ اگر اس شہر کو نیو ایتھنز کہا جاتا ہے تو پھر یہ ایتھنز کی نقل ہے اور ہر نقل انتہائی گھٹیا درجے کی ہوتی ہے۔ اس کا کہنا تھا کہ اس سے قبل کسی ماسٹر کے زمانے میں کسی بھی شہنشاہ نے ایتھنز کو مغرب کا بابل یا روم کو قاہرہ قرار نہیں دیا کیونکہ اصل اصل ہوتی ہے، بالکل اسی طرح جیسے ماسٹر کے داؤ کی نقل اگر کوئی کرنا چاہے تو وہ اصل سے زیادہ یا اس کے برابر بھی مؤثر نہیں ہوگی۔

"لہٰذا مجھے سناٹجو کا باشندہ بنانے کی کوشش نہ کریں۔ نقل خادر۔ سناٹجو کے باشندے کی نقل، زیادہ اچھی نہیں ہوگی۔" ٹائیگر نے قاہرہ اور بابل کے بارے میں طویل تقریر سن کر کہا تھا۔

"نہیں۔ یہاں بہت بڑا فرق ہو جاتا ہے۔" اوشان نے بڑے اطمینان سے جواب دیا تھا۔ "سناٹجو کا باشندہ بنانے کا کام میں کر رہا ہوں لہٰذا نقل، اصل سے بہت شاندار ہو سکتی ہے۔"

"میں سناٹجو میں پیدا نہیں ہوا تھا نقل فادر۔" ٹائیگر نے اسے یاد دلایا تھا۔

"ہاں۔ فردوس میں تمہاری پیدائش محض اتفاقاً ہو گئی تھی۔ کیا کہتے ہیں اسے .. حادثاتی طور پر... تو تم حادثاتی طور پر فردوس میں پیدا ہو گئے تھے۔ ویسے بھی اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ کوئی کہاں پیدا ہوا ہے۔ اصل نکتہ ذہنیت کا ہے... نفسیاتی جرأت کا ہے جو اچھی تربیت سے کسی بھی شخص کے اندر پیدا کی جا سکتی ہے۔ آہ۔ نفسیاتی جرأت! وہ تم میں ہے ہی نہیں اس کا بیج۔"

"آپ کے سوا میں سناٹجو کے ہر باشندے سے مقابلہ کر سکتا ہوں، ویسے بھی آپ کو یقیناً اب تک یہ اندازہ ہو گیا ہوگا کہ سناٹجو کا نیا ماسٹر کون ہوگا۔" ٹائیگر نے شرارت آمیز لہجے میں کہا تھا۔

"اسی لیے میں کہتا ہوں کہ تم کو سناٹجو کی قدیم زبان پر مکمل عبور حاصل کر لینا چاہیے۔" اس کے بعد اوشان نے مزید کچھ نہیں کہا تھا۔

اور اس وقت وہ ایم یو ٹی کی لیبارٹری میں موجود تھے اوشان، ڈاکٹر کیننگ کو اس طرح دیکھ رہا تھا جیسے سفید فام امریکی، ریڈ انڈینز کو دیکھا کرتے تھے۔ کیننگ پکھا جا رہا تھا اور ٹائیگر دریائے چارلس کے پُرسکون پانی پر نظریں جمائے ہوئے تھا اسے لیبارٹری کی بو سے وحشت ہونے لگی تھی۔

"آپ سمجھ گئے نا؟ میرا مقصد اور مطلب سمجھ گئے۔" کیننگ نے مسکرا کر اوشان سے پوچھا۔

"یقیناً۔" اوشان کی بجائے ٹائیگر نے جواب دیا۔ اس کی نظریں اب کشتیوں پر تھیں جو دور سے بہت اچھی لگ رہی تھیں۔

"میں عرض کر رہا تھا کہ۔" کیننگ نے کچھ کہنا چاہا مگر

Scanned And Uploaded By Muhammad Naseem

اوشان اب اکتا چکا تھا لہٰذا اس نے ہاتھ اٹھا کر کیٹنگ سے فرمائش کی کہ وہ پانچ منٹ کے لیے اپنی سانس روک کر دکھائے اس پر کیٹنگ فوراً کمرے سے چلا گیا۔

اپنے کمرے میں پہنچ کر اس نے میز کی دائیں دراز سے ایک سیاہ دھاتی سلینڈر نکالا۔ یہ سلینڈر خاص قسم کا تھا اسے فون کے اسپیکر پر رکھنے سے بیپ بیپ کی آواز نکلتی تھی اور ایک ایسا نمبر از خود ڈائل ہو جاتا تھا جس کا کیٹنگ کو علم نہیں تھا۔

کیٹنگ نے سلینڈر اسپیکر پر رکھ دیا۔ چند ہی لمحے بعد رابطہ قائم ہو گیا اور کیٹنگ نے بولنا شروع کر دیا۔ "میں نے دو سو نئے پروفیسروں سے رابطہ قائم کیا ہے۔" اس نے ان کے نام بتاتے ہوئے کہا۔ "وہ اگرچہ اجنبی ہیں لیکن مجھے یقین ہے کہ وہ دونوں ریٹائرڈ بریڈ ریکٹریا۔ آر بی۔ کے مستند سانڈ ساں ہیں۔ آپ کی ہدایات کے مطابق میں نے انھیں رابطے کے طریقہ کار کے بارے میں بھی بتا دیا ہے اب وہ یقیناً ذرائع ابلاغ پر نظر رکھیں گے تاکہ انھیں بھی پیغام مل سکے۔ میں ترغیبات اور آسائشات کا بھی تفصیلی ذکر کر چکا ہوں۔"

کیٹنگ نے ریسیور رکھ کر سکون کی سانس لی اگرچہ اسے خود علم نہیں تھا کہ ٹی وی پر کیا آتا ہے لیکن اسے یہ علم ضرور تھا کہ اس نے جس کسی سے بھی ترغیبات اور طریقہ کار کا ذکر کیا وہ زیادہ عرصہ یونیورسٹی میں نہیں ٹھہرا یا تو سامان لے کر ہنسی خوشی چلا گیا یا پھر اس کی گردن ٹوٹی ہوئی ملی۔ اس میں کیٹنگ کا کوئی قصور نہ تھا وہ تو صرف ایک ایسے نمبر پر اطلاعات فراہم کرنے کا ذمے دار تھا جس کا اسے بھی علم نہ تھا۔

اس کی اپنی خاص مصروفیات تھیں۔ اس کے پاس دو رولس رائس کاریں اور کیپ کوڈ کی جائداد تھی اور یہ سب کچھ وہ پروفیسر کی حیثیت سے ملنے والی تنخواہ میں حاصل نہیں کر سکتا تھا۔ سلینڈر رکھ کر چند باتیں کہہ دینے سے اسے یہ سب کچھ ملا تھا۔ اور وہ جو کچھ ملا تھا اسے برقرار رکھنا چاہتا تھا۔ اگر کبھی نمبر میں خلش ہوتی تھی تو وہ بھی رولس رائس کے انجن کی آواز کی مانند دھیمی اور خوشگوار لگتی تھی۔ کبھی اسے یہ افسوس ہوتا کہ وہ یونیورسٹی کے مفاد سے غداری کر کے اچھے سائنسدانوں کو کہیں اور بھیج رہا ہے لیکن یہ افسوس اس وقت فوراً غصے میں بدل جاتا جب اسے یہ احساس ہوتا کہ اسے کارنر آفس اتنی لمبی ملازمت کے باوجود نہیں دیا گیا۔ دراصل کارنر آفس نہ ملنا ہی اس کے لیے دولت مند بننے کا ذریعہ بنا۔ اس نے تیسری مرتبہ کارنر آفس الاٹ کرنے کی درخواست دی تھی اور جس روز تیسری درخواست بھی مسترد ہو گئی تو اسے کسی اجنبی نے فون کیا اور مطلع کیا کہ اس کے نام پر بینک اکاؤنٹ کھول دیا گیا ہے اُسے اس پر یقین نہ آیا لیکن جب خود بینک نے اسے فون کر کے اس کی اطلاع دی تو وہ خوشگوار حیرت سے دوچار ہو گیا اس کے بعد اسے ایک مرتبہ پھر اجنبی نے فون کیا اس کی مشکلات پر گفتگو کی اور پھر اسے اس کے نئے بینک اکاؤنٹ میں موجود دولت پر مبارک باد دی۔

"اور ڈاکٹر کیٹنگ!" اجنبی نے سرسری انداز میں کہا تھا "ہمیں آپ کی یونیورسٹی کے ایک شعبے میں بڑی دلچسپی ہے کیا آپ ہمارا کوئی چھوٹا موٹا کام کر سکتے ہیں؟"

"ضرور۔ بشرطیکہ کام کی نوعیت غیر قانونی نہ ہو۔"

"اوہ۔ غیر قانونی کام۔ ایسا تو سوچیں بھی نہیں۔"

"میں غیر اخلاقی کام بھی نہیں کر سکتا۔"

"کمال ہے۔ ہم آپ سے غیر قانونی یا غیر اخلاقی کام کیوں لیں گے ڈاکٹر کیٹنگ؟ میں آپ کا دوست ہوں۔ کیا آپ اس حقیقت سے انکار کریں گے کہ ہم دوست ہیں؟"

کئی برس کے بعد اب بھی کیٹنگ کو اس حقیقت پر بے پایاں مسرت تھی کہ اس کے دوست نے اس سے کبھی غیر اخلاقی یا غیر قانونی کام نہیں لیا۔

اپنی سبز رولس رائس کار میں کیپ کوڈ کی جائداد کی دیکھ بھال کے لیے جاتے ہوئے اس وقت وہ یہی سب کچھ سوچ رہا تھا اور اس کے ذہن کے کسی گوشے میں یہ راز بھی پنہاں تھا کہ وہ ان دو پروفیسروں کو دوبارہ کبھی نہیں دیکھ سکے گا جن کے بارے میں اس نے خفیہ نمبر پر اطلاع دی تھی۔

اُسے ان دونوں پر رشک بھی تھا اور وہ ان سے حسد بھی کر رہا تھا کیونکہ وہ نووارد تھے مگر انھیں کارنر آفس مل گیا تھا جب کہ وہ ۲۵ سالہ ملازمت کے باوجود کارنر آفس ابھی تک حاصل نہیں کر سکا تھا۔

▲

بلاؤ فورڈ ویک فیلڈ سوئم، دی بوسٹن بلیڈ کا بلشر تھا۔ وہ میساچوسٹس کے شمالی ساحل پر اپنی ساحل رہائش گاہ کے سامنے لنچ کر رہا تھا کہ اچانک بٹلر نے اطلاع دی کہ اس

معروف مصنف انوار علیگی کے پراسرار ناول

ایک عجیب و غریب پراسرار ناول

سفید محل

خوبصورت سرورق، سفید کاغذ، عمدہ طباعت

قیمت -/250 روپے

اس عفریت کی کہانی، جس کے روئیں روئیں میں ہزاروں اسرار چھپے ہوتے ہیں

ریچھ کے اسرار

خوبصورت سرورق، سفید کاغذ، عمدہ طباعت

قیمت -/100 روپے

بچھو

اس نوجوان کی داستان، جو طاغوتی قوتوں کے فریب میں آ گیا تھا

خوبصورت سرورق، سفید کاغذ، عمدہ طباعت

قیمت -/250 روپے

شیرنی

پراسرار اور انوکھی کہانیوں کا مجموعہ جن کی سحر انگیزی

آپ کو اپنی گرفت میں لے لے گی

خوبصورت سرورق، سفید کاغذ، عمدہ طباعت

قیمت -/225 روپے

ملنے کا پتہ: **مکتبہ القریش** سرکلر روڈ، اردو بازار، لاہور فون 7668958

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کے اسپیشل ٹیلی فون کی گھنٹی بج رہی ہے۔

براڈ فورڈ گٹھیلے جسم کا مالک تھا۔ اس کے گال موٹے موٹے اور لٹکے ہوئے تھے۔ اس نے گردن گھما کر بٹلر کی طرف دیکھا تو اس کی ٹھوڑی کے نیچے لٹکا ہوا گوشت ہلنے لگا۔

"کیا کہا؟" اس نے پوچھا۔

"آپ کا فون مسٹر براڈ فورڈ۔ اسپیشل فون... جس کا ریسیور اٹھانے سے آپ نے مجھے منع کر رکھا ہے۔" بٹلر نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔ ریسیور مت اٹھانا۔"

"مگر وہ مسلسل بج رہا ہے۔"

"ٹھیک۔" براڈ فورڈ نے سہارے کے لیے ہاتھ بڑھایا اور بٹلر کے سہارے اٹھ کر اپنی اسٹڈی کی طرف بڑھ گیا۔ ٹیلی فون کی گھنٹی اب بھی بج رہی تھی۔ براڈ فورڈ ویک فیلڈ کو علم تھا کہ اسے فون کا ریسیور اٹھانے میں عجلت کرنے کی ضرورت نہیں اگر اس نے کال ریسیو نہ کی تو گھنٹی مہینوں تک بج سکتی ہے لیکن چونکہ آج کی سہ پہر وہ بالکل خالی اور غیر مصروف تھا۔ لہٰذا اس نے فون ریسیو کرنے کو ترجیح دی۔ ویسے اسے نسلی انصاف کے موضوع پر ایک کانفرنس کی منصوبہ بندی بھی کرنی تھی۔ مسئلہ یہ تھا کہ مقامی پولیس کو اس بات پر قائل کر دیا جائے کہ سیاہ فام پینل کے لوگ اس پُرسکون گاؤں ٹام ٹاسک میں آئیں گے تو کوئی مسئلہ جنم نہیں لے گا۔ اس گاؤں سے براڈ فورڈ نے بوسٹن میں نسلی انصاف کی مہم شروع کی تھی۔

اس کا پرچا بوسٹن بلیڈ نسلی امتیاز کے خلاف جنگ میں مصروف تھا۔ سفید فاموں کی زیادتیوں سے اس کے کالم بھرے رہتے تھے اور براڈ فورڈ کو مسرت تھی کہ اس کے اپنے آبائی گاؤں میں کسی قسم کا نسلی جھگڑا نہیں۔ ویسے سورج غروب ہونے کے بعد ٹام ٹاسک میں سیاہ فام نظر نہیں آتے تھے۔ گھروں میں کام کرنے والے سیاہ فام خادم بھی سورج غروب ہونے سے پہلے گاؤں سے چلے جانے کے پابند تھے۔ براڈ فورڈ کو اس صورت حال اور اخبار کی پالیسی کے درمیان تضاد کی زیادہ فکر کبھی نہ ہوئی۔

خاندانی اعتبار سے ویک فیلڈز مینلی غلاموں کو فروخت کرنے کے لیے مشہور ہوئی تھی لیکن خاندان کا سربراہ غلاموں کی آزادی اور غلامی کا نظام ختم کرنے کا علمبردار تھا۔ اس کا مؤقف یہ تھا کہ غلام اگر آزاد ہونا چاہے تو یہ اس کا حق ہے لیکن اس کے لیے معاوضے کی ادائیگی بھی ضروری ہے۔ ویک فیلڈ فیملی نے نازیوں کے خلاف زبردست جدوجہد کی۔ جلوسوں کی قیادت کی جب کہ ان کے اسلحہ ساز کارخانے جرمنوں کو ہتھیار فروخت کرتے رہے۔ اس خاندان نے البانیہ میں کاشتکاروں پر مظالم کے خلاف جرأت کے ساتھ آواز بلند کی اور خود اپنی ارمنی سے سیاہ فام کاشتکاروں کو نہ صرف بے دخل کر دیا بلکہ کئی مُنہ پھٹ کاشتکاروں کو قتل بھی کرا دیا۔

حال ہی میں دی بوسٹن بلیڈ نے ایک مہم شروع کی کہ سیاہ فام بچوں کو بھی سفید فاموں کے اسکول میں داخلے دیے جائیں۔ یہ مہم بہت شباب پر پہنچ گئی تو ایک سفید فام نسل پرست نے جوابی کارروائی کے طور پر تجویز پیش کی کہ تمام ٹاسک کے اسکولوں میں بھی سیاہ فام بچوں کو داخلہ دیا جائے جس کے بعد بوسٹن بلیڈ نے اپنی مہم ختم کر دی۔

ویک فیلڈ خاندان کا ہر فرد، حتیٰ کہ براڈ فورڈ کی نوجوان بیوی، مشہور صحافی میلوڈی ویک فیلڈ، جو کسی نتھے ہی کی طرح حسین تھی، نسلی انصاف کی مہم میں آگے آگے تھی۔

براڈ فورڈ نے سر جھٹک کر ریسیور اٹھایا، پھر ایک کوڈ ڈائل کیا اور وہ پیغام جو ریکارڈ ہو چکا تھا سننے لگا۔ ڈاکٹر کیننگ کی آواز اس نے پہچان لی تھی۔ اسے حیرت تھی کہ ابھی ایسے دو سائنسداں باقی ہیں جو آر بی فیلڈ سے باہر ہیں لیکن اسے ڈاکٹر کیننگ پر اعتبار تھا۔ اس نے سو فیصد درست ہی اطلاع دی ہوگی۔ اگرچہ وہ حیران تھا لیکن پریشان نہیں۔ اب وہ ایک انتہائی ذہین شخص اس بارے میں مشورہ کرنے پر مجبور تھا۔ اس کے لیے اس نے ایک اور کوڈ نمبر ڈائل کیا۔ اسے یقین تھا کہ نمبر ڈائل ہوتے ہی سرسراہٹ کی آواز سنائی دے گی۔ ایک بار اس نے پوچھ بھی لیا تھا کہ یہ آواز میں کس قسم کی ہے اسے صرف یہ جواب ملا تھا کہ وہ ان کی فکر نہ کرے۔ اسے اس شخص کی ہر بات پر اعتماد تھا لہٰذا اس نے سرسراہٹ کی آواز کو نظر انداز کرنا شروع کر دیا تھا۔

"ہیلو۔" براڈ فورڈ نے کہا۔

"ہیلو۔" اس کے دوست کی آواز آئی۔

"ایک مسئلہ درپیش ہے۔ تمہیں علم ہی ہے کہ ہم نے ایم یونی سے اطلاعات حاصل کرنے کے لیے ایک خاص نظام بنا رکھا ہے۔ جہاں کے بورڈ آف ڈائرکٹرز میں، میں بھی شامل ہوں۔"

"ہاں۔" دوست نے مختصر سا جواب دیا۔ براڈ کو اپنے

دوست کا غیر جذباتی انداز تکلم بہت اچھا لگتا تھا۔ اس کے پاس براڈ فورڈ کے سوالوں کا مختصر مگر جامع جواب ہوا کرتا تھا اور یہ بات براڈ کو اور زیادہ اچھی لگتی تھی۔ کبھی کبھی اس کی خواہش ہوتی تھی کہ میلوڈی اس لڑکے سے شادی کر کے اسے ویک فیلڈز خاندان میں شامل کر لے... لیکن یہ صرف اس صورت میں ممکن تھا جب ٹیلی فون پر گھنٹی کی بجائے ان کی بالمشافہ ملاقات ہوتی۔

"ہم نے تمہاری ہدایت کے مطابق ایم یونی کے اس شعبے پر نگاہ رکھی ہوئی ہے۔" براڈ فورڈ ویک فیلڈ سر جھٹک کر کہنے لگا۔ "ہر اس شخص کو ملازمت کی پیش کش کی گئی جس نے ہماری دلچسپی کے شعبے میں ذرا سی بھی مہارت حاصل کر لی۔ جنھوں نے پیش کش قبول کر لی اُسے ملازمت دے دی گئی اور جس نے پیش کش ٹھکرا دی اسے دُنیا سے رُخصت کر دیا گیا۔ اس کے علاوہ ہمارے پاس اور کوئی راستہ نہ تھا۔"

"تم جو کچھ کر رہے ہو وہ ویک فیلڈ خاندان کا طرۂ امتیاز ہے۔" دوسری طرف سے جواب ملا۔ "اسی باعث تمہارے اجداد نے غلاموں کی تجارت میں بہت ہی شاندار کارکردگی کا مظاہرہ کیا۔"

"پلیز فرینڈ! میرے اجداد نے جو کچھ کیا اس کی ذمے داری مجھ پر عائد نہیں ہوتی۔"

"براڈ! اگر یہ تمہارے اجداد کے ساتھ بھی کام کرتا تو مجھے بے حد مسرت ہوتی دراصل مجھے تمہارے خاندان سے بڑی انسیت ہے تم لوگ قابل اعتبار ہوتے ہو، احمقانہ حرکتیں نہیں کرتے اور مجھے وہ لوگ بہت ہی اچھے لگتے ہیں جن سے حماقتیں سرزد نہیں ہوتیں۔"

"تھینک یو فرینڈ۔" براڈ نے مسکرا کر کہا اور اُس کاغذ پر نظریں جما دیں جس پر ڈاکٹر کیننگ کی بیان کردہ تفصیلات درج تھیں۔ اس نے دونوں بوڑھے اور نوجوان سائنسدانوں کے بارے میں اپنے دوست کو بھی بتا دیا۔

"اب کیا کیا جائے؟" اس نے پوچھا۔

"وہی جو ہمیشہ کرتے ہو۔" جواب دو ٹوک اور واضح تھا۔ "لیکن پہلے ہمیں یہ پتا چلانا ہوگا کہ یہ دونوں کون ہیں اور کس کی نمائندگی کر رہے ہیں۔ شاید تمہیں علم نہ ہو کہ وہ دونوں فراڈ ہیں۔"

"فراڈ۔" براڈ ایک لمحے کے لیے ششدر رہ گیا۔ "تم نے پل بھر میں کیسے معلوم کر لیا؟ ڈاکٹر کیننگ نے تو ایسی کوئی بات نہیں بتائی۔"

"اسی باعث ڈاکٹر کیننگ کا مسئلہ بھی حل کرنا ہوگا۔ براڈ دوسری طرف سے آنے والی آواز سپاٹ تھی۔ اس میں کوئی ملال دُکھ یا غصہ نہ تھا۔

"مگر کیوں؟" براڈ سٹپٹا کر رہ گیا۔

"اس لیے کہ اگر وہ دونوں فراڈ ہیں تو پھر یا تو کیننگ نااہل اور ناکارہ ہو گیا ہے یا پھر دوسروں کے ہاتھوں بک گیا ہے۔"

"کیننگ کو خرید لیا گیا ہے؟" براڈ کی آواز کانپ رہی تھی۔

"ہاں اور یہ دوسری مرتبہ ہوا ہے۔ پہلی بار ہم نے اسے خریدا تھا۔ یاد ہے نا؟"

"میرا خیال ہے کہ ہم نے اسے خریدا نہیں بلکہ ویک فیلڈ کی ملازمت میں لیا تھا۔"

"نہیں۔ اگر تم ایم یونی کے لیے کام کرتے ہو اور یونیورسٹی کے مفاد کی بجائے کسی اور کے مفاد کے لیے کام کرتے ہو تو پھر یہ بکتا ہی ہوا۔"

"درست۔" براڈ قائل ہو گیا۔ "لیکن یہ علم کیسے ہوا کہ وہ دونوں سائنسداں نہیں بلکہ فراڈ ہیں؟"

"انھوں نے ابھی تک کوئی مقالہ نہیں لکھا ہے۔ کسی دوسرے کے مقالے میں بھی ان دونوں کا کبھی کوئی ذکر نہیں آیا۔ ان کی تحقیق کا بھی کسی ریکارڈ میں تذکرہ نہیں ہے۔ مختصر یہ کہ علمی شعبے میں ان کا وجود ہی نہیں لہٰذا وہ سائنسداں نہیں ہیں، کچھ اور ہیں۔ کیا ہیں؟ اس کا پتا چلانا ہوگا یہ پتا چلا کر ہی ہم ان کا قصہ تمام کر دیں گے۔"

"ٹھیک۔" براڈ فورڈ سر ہلانے لگا۔

"تم ان کا پس منظر معلوم کر لو گے؟"

"یقیناً۔"

"اور پھر ان کو بھی..."

"درست۔ یقیناً۔" براڈ نے فوراً جواب دیا۔ "میرا خیال ہے کہ تم نے ان کی اصلیت تک پہنچنے کے لیے کمپیوٹر کا استعمال کیا ہے... لیکن مجھے حیرت اس بات پر ہے کہ تم اپنے کمپیوٹر سے کتنا مشکل کام کتنی جلد لے سکتے ہو۔"

"براڈ۔ اتنی تعریفیں مت کرو۔"

"سنو دوست۔" براڈ کی آنکھوں کے سامنے میلوڈی

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کا حسین سراپا گھومنے لگا۔ "کسی دن ہمارے ساتھ ڈنر کرو نا۔ تم سے ملاقات کر کے ہمیں بہت خوشی ہوگی۔ میری پوتی میلوڈی تو خوشی سے دیوانی ہو جائے گی۔ تم نے میلوڈی ویک فیلڈ کا نام تو سُنا ہوگا؟"

"ہاں۔ آج کل وہ افریقہ میں ہے نا؟"

"ارے۔ تمھیں کیسے معلوم ہُوا؟ مجھے تو علم ہی نہیں کہ وہ کہاں ہے۔" براڈ اچھل پڑا مگر جواب ملنے کی بجائے دوسری طرف سے لائن بے جان ہو گئی۔ یہ پہلا موقع نہیں تھا کہ دوست نے اس انداز میں خدا حافظ کہا ہو۔ یہ اس کی خاص عادت تھی اور براڈ نے کبھی اس کا بُرا نہیں مانا تھا۔ وہ کسی ایسے شخص کی کسی بات کا بُرا مان ہی نہیں سکتا تھا جس نے اس کے لیے اتنا بہت کچھ کیا ہو۔

براڈ فورڈ کو وہ دن بھی یاد تھے جب ولیمیا ویک فیلڈ نے ڈیپارٹمنٹ آف ایگریکلچر میں سیٹ ان کے بعد فارغ ہوتی تھی اس نے غریبوں کی مدد کے لیے ٹیکسوں میں اضافے کی بھاویز مرتب کی تھیں۔ میلوڈی اپنی کتاب پر تمام کے تمام ایوارڈ حاصل کرنے کے لیے کوشاں تھی۔ اس کتاب میں اُس نے یہ ثابت کرنا چاہا تھا کہ یہ امریکی پروپیگنڈہ کہ اگر جنوبی ویتنام جنگ ہار جائے گا تو بڑے پیمانے پر قتلِ عام ہوگا غلط تھا جب کہ براڈ فورڈ شادی کے ایک سنے تصوّر پر کام کر رہا تھا کہ نچلے طبقہ کے تیس فیصد سفید فام سیاہ فاموں میں شادیاں کریں۔ اس کے لیے اس نے ایک خاص فارمولا بنایا تھا جس کی بنیاد کوٹے پر تھی۔ اگر کوئی برادری کوٹے کے مطابق شادیاں نہ کر سکے تو پھر فارمولے کے مطابق اُس پر جرمانہ کیا جانا چاہیے تھا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ اس پروگرام پر جنوبی بوسٹن سے عمل شروع کرائے گا جہاں نسل پرستی عروج پر رہتی ہے۔

لیکن ایک روز اکاؤنٹنٹ کے آجانے سے اس پروگرام پر عملدرآمد کی خواہش ختم ہو گئی۔

"میں بُری خبر لایا ہوں۔" اکاؤنٹنٹ کی آواز لرز رہی تھی۔

"بولو۔ کیا بات ہے؟" براڈ نے پوچھا تھا۔

"بعض شعبوں میں ہمیں خسارہ ہوا ہے۔" اکاؤنٹنٹ نے کہا تھا۔ "اب ویک فیلڈ کو سود پر سود سے آمدنی نہیں ہو رہی ہے۔ اب آمدنی کا ذریعہ صرف سود ہے۔"

"میرے خدا۔" ولیمیا بہت زور سے چلائی تھی۔ "یہ ... یہ کیا ہو گیا۔ کیا ایک روز ہمیں اپنے سرمائے سے اخراجات پورے کرنے ہوں گے؟"

"یہ بھی ہو سکتا ہے۔" اکاؤنٹنٹ نے دلاسا دینے کی بجائے نیا چرکا لگایا تھا۔

ولیمیا یہ وحشت ناک خبر سُن کر بے ہوش ہو گئی تھی جب کہ میلوڈی کا چہرہ پیلا پڑ گیا تھا۔ براڈ فورڈ کو ایسا لگا تھا جیسے کسی نے اس کے پیٹ پر لات ماردی ہو۔ اس کا سر چکرانے لگا تھا اور پھر جب وہ بیدار ہوا تھا تو ڈاکٹر اسے انجکشن لگا رہے تھے۔

پھر اچانک ہی ایک روز پہلی مرتبہ دوست نے اُسے فون کیا تھا وہ اس کے بینک اکاؤنٹ، اس کی سرمایہ کاری اور دیگر مالیاتی امور سے بخوبی آگاہ تھا۔

"میں تمھیں اتنا سرمایہ فراہم کر سکتا ہوں کہ تم زندگی بھر اس پر سُلغنے والے سود سے شاندار زندگی گزار سکتے ہو۔"

یہ پیش کش سُن کر براڈ فورڈ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔

"تم کون ہو اجنبی۔" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا تھا۔

"میں ... تمھارا دوست ہوں۔" دوسری طرف سے آواز آئی تھی اور پھر آنے والے دنوں میں وہ واقعی سچا مخلص اور وفادار دوست ثابت ہوا تھا۔ دوست نے اس سے چند چھوٹے موٹے کام ضرور لیے تھے لیکن وہ اتنے اہم نہیں تھے۔ اس کے برعکس دوست اس کے لیے ہر ناممکن کام کر دیا کرتا تھا۔

براڈ فورڈ نے تمام مصروفیات ترک کر کے کار نکالی اور روٹ نمبر ایک پر میسا چوسٹس ساحل کے ساتھ ساتھ کسی مناسب جگہ کی تلاش کرنے لگا۔ یہ دوست کا بتایا ہوا ایسا طریقہ تھا کہ اس میں خرچا بھی کم ہوتا تھا اور ان دونوں کے درمیان رابطہ بھی کسی کی نظر میں نہیں آ سکتا تھا۔

براڈ فورڈ کے پاس سو سو کے نوٹ پر مشتمل دس ہزار ڈالر کا لفافہ تھا۔

ایک برگر اسٹینڈ کے قریب اُس نے کار سے اتر کر لفافہ گوڑے کی ٹوکری میں ڈال دیا، پھر پبلک فون بوتھ کی طرف بڑھ گیا۔

"ماربل ہیڈ کے باہر برگر اسٹینڈ کے قریب ردّی کی ٹوکری میں سامان ہے۔" براڈ فورڈ نے نمبر ملانے کے بعد کہا۔ "ڈاکٹر کیننگ آف ایم یو ٹی۔ ہم یہ جاننا چاہتے ہیں کہ اسے کس نے خریدا ہے اور اس نے فون پر ہمیں غلط اطلاع کیوں فراہم کی، پھر دوستے پر وفیسر بھی وہاں موجود ہیں۔ ان

میں سے ایک سفید فام اور دوسرا مشرقی ہے۔ یہ معلوم کیا جائے گا کہ وہ کس کے آدمی ہیں۔ ... اس کے بعد اُن کا خاتمہ۔"

وہ اخبارات میں شائع ہونے والی ایسی تصویریں دیکھنا پسند نہیں کرتا تھا جو لاشوں کی ہوں۔ اسے قتل و خون سے نفرت تھی اور وہ جیو اور جینے دو کے اصول پر یقین رکھتا تھا لہٰذا اس نے اپنے اخبار کے عملے کو بھی ہدایت کر رکھی تھی کہ وہ لاشوں کی تصویریں شائع نہ کریں وہ جانتا تھا کہ دوسرے اخبار آج کل ہی تین لاشوں کی تصویریں شائع کریں گے لیکن وہ تہیہ کر چکا تھا کہ ان تصویروں پر وہ نظر بھی نہیں ڈالے گا۔

▼ ▼ ▼

ڈاکٹر کیننگ حیرت اور خوف کے باعث گنگ ہو گیا تھا۔ اس کی آنکھیں جو کچھ دیکھ رہی تھیں اس پر اسے یقین ہی نہیں آ رہا تھا اور وہ کانپ رہا تھا۔

چار افراد کیبن کوڈیز واقع اس کی رہائش گاہ میں داخل ہوئے تھے۔ ان میں ایک بہت لحیم شحیم تھا۔ انھوں نے اسے کسی بلی کی طرح پکڑ کر کچن ٹیبل پر لٹا دیا تھا۔ ان میں سے ایک کے ہاتھ میں لمبی کے دُبلے کھونے والا بھدا سا اوزار تھا جس کی نوک چمک رہی تھی۔ اس شخص نے یہ تیز دھار اور نوکیلا اوزار پہلے پیٹ پر رکھا۔ وہ شخص بالکل خاموش تھا اور لحیم شحیم شخص بھی جس کو وہ بوبا کہہ رہے تھے، چپ چاپ تھا۔ بائیں صرف پستہ قد نوکیلی مونچھوں والا شخص کر رہا تھا۔ اس کا نام ڈائس تھا۔ اس کے دانت سفید ترین اور بہت چمکیلے تھے اور چہرے کی رنگت تارکول کی طرح چمکیلی اور سیاہ تھی۔

وہ چاروں دستک دیے بغیر در آئے تھے۔ بوبا نے فرنٹ ڈور محض دو تین بار ٹھوکریں مار کر توڑ دیا تھا پھر اندر آ کر اسی نے ڈاکٹر کیننگ کو کسی مرغی کی طرح دبوچ کر میز پر پٹخ دیا تھا۔

"ہم تمھاری انتڑیاں، گُردے اور دوسرے اعضا یکے بعد دیگرے نکالیں گے ڈاکٹر کیننگ۔" ڈائس نے کہا تھا۔ "تمھاری انتڑیاں سُوتیوں کی طرح جھولنے لگیں گی۔ کیوں بوبا!"

"یس۔" بوبا نے غرّا کر کہا۔

"اور ہم اس سے بھی زیادہ خوفناک ثابت ہو سکتے ہیں۔ تم لوگ ... اس ... سے بھی زیادہ ... خوفناک ثابت ہو سکتے ہو۔" ڈاکٹر کیننگ کی گھگی بندھ گئی۔

"ہاں اور زیادہ خوفناک ہو گئے تو یہ نوکیلا اوزار بھی استعمال نہیں کریں گے۔"

اسی لمحے ڈاکٹر کیننگ کے سامنے ایک بہت بڑی سی چیز آئی۔ اس نے اسے فوراً پہچان لیا۔ یہ ہاتھ تھا۔ فوراً پہچاننے کی وجہ انگوٹھے کا نظر آنا تھی جس پر فنگر پرنٹ بھی نظر آ رہے تھے بوبا یقیناً سات فٹ لمبا تھا اور اس کی ہتھیلی شطرنج کے بورڈ کو بآسانی ڈھانپ سکتی تھی۔

بوبا نے سلاد کاٹنے والا چاقو اٹھا کر انگشتِ شہادت اور انگوٹھے کے درمیان دبایا۔ چاقو ٹوٹ گیا۔

"تم لوگ ... کک ... کیا چاہتے ہو؟" ڈاکٹر کیننگ کی حالت ہر گزرتے لمحے بدتر ہوتی جا رہی تھی۔

"اوہ۔ یہ تو ہم پوچھنا بھول ہی گئے۔" ڈائس نے بڑی حیرت سے دوسروں کی طرف دیکھ کر کہا اور پھر کیننگ کو گھورنے لگا۔ "ہم یہ پتا چلانا چاہتے ہیں کہ تمھیں کس نے ملازم رکھا ہے وہ کون شخص ہے جو تمھیں تنخواہ دیتا ہے؟"

"بس۔ یہی معلوم کرنا تھا۔" بوبا نے ڈائس کی طرف دیکھ کر سر ہلایا۔

"یونیورسٹی مجھے تنخواہ دیتی ہے۔"

"نہیں۔ یونیورسٹی کے علاوہ اور کون رقم دیتا ہے؟" ڈائس نے پوچھا۔

"اور ... اور ... کوئی نہیں۔"

"ہم جانتے ہیں کہ کوئی اور بھی ہے۔" ڈائس نے غرّا کر کہا۔

"نہیں۔ اور کوئی نہیں۔"

"ٹھیک۔" ڈائس نے سر ہلایا تو معاً ہی کیننگ کو ناف کے قریب شدید ترین تکلیف کا احساس ہوا۔ ایسا لگا جیسے گوشت کٹ رہا ہو۔ وہ کین اوپنر ناف میں چبھو کر اُسے اوپر لا رہے تھے۔ اس کا پیٹ کھل رہا تھا۔ وہ تڑپ کر بہت زور سے چلایا۔

"بولو۔" ڈائس کی آواز سنائی دی۔

"میرے۔" میرے اکاؤنٹ میں کوئی رقم جمع کراتا رہا ہے۔" کیننگ نے چلا کر کہا۔

"کتنے عرصے سے؟"

"پانچ چھ سال سے مگر ... تم مجھے قتل نہیں کر سکتے۔" کیننگ اب کسی ذبح کیے ہوئے بکرے کی طرح ڈکرا رہا تھا۔

"بکو مت۔ ہم چاہیں گے تو تمھیں بوٹیوں میں بھی تقسیم کر دیں گے کیوں بوبا؟"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"یس۔ ڈائس"

"پلیز۔ پلیز۔" کینگ اب گڑگڑانے لگا تھا۔

"ٹھیک ہے۔ میں اب یہ نہیں چاہتا کہ تمہیں اکاؤنٹ میں مفت کی رقم ملتی رہے۔ یہ بتاؤ کہ تم کس کے لیے کام کرتے ہو اور تم نے فون پر غلط اطلاعات کیوں فراہم کیں؟"

"گ... گ... کیا... کہہ رہے ہو؟" کینگ کی سمجھ میں کچھ نہیں آسکا۔

ڈائس نے ایک بار پھر سر ہلایا اور کین اوپنر مزید اوپر آگیا۔ پیٹ سے خون ابل ابل بہنے لگا۔

"آخری موقع دیا جارہا ہے۔ سب کچھ اگل دو۔" ڈائس نے نرم لہجے میں کہا۔

"مجھے اکاؤنٹ کے علاوہ... کسی... اور... ذریعے سے رقم... نہیں... ملتی۔ میں قسم... کھاتا ہوں... کہ... کسی اور ذریعے سے... رقم... نہیں ملتی..."

"اب بہت دیر ہوچکی ہے۔ اب ہم ذرا سختی کریں گے۔" ڈائس نے ٹہلتا کر کہا اور کینگ کے قریب سے ہٹ گیا۔ بوبا آگے بڑھا اور ان لوگوں نے چہرے دیواروں کی طرف کرلیے جو کینگ کے پیروں اور ہاتھوں کو دبوچے ہوئے تھے۔ ڈائس کچھ اور پیچھے ہٹ گیا کیونکہ اسے خطرہ تھا کہ اب جو کچھ ہوگا اس کے نتیجے میں اس کا سفید سوٹ داغدار ہوسکتا ہے۔

بوبا کے دونوں ہاتھ کینگ کے کھلے ہوئے پیٹ کے اندر گئے اور پھر پسلیوں تک پہنچ گئے۔ اس نے پسلیوں کو پکڑا اور کاغذ کی طرح مروڑ دیا۔ پسلیاں ٹوٹنے کی آوازیں بہت واضح اور صاف تھیں۔ کینگ کے چہرے پر تاریکی چھا گئی۔

"او کے بوبا۔ اب چلو۔ یہ مر چکا ہے۔" ڈائس نے سر جھٹک کر کہا۔

لیکن بوبا اب بھی مصروف تھا۔ اسے مرا نہیں آیا تھا لہٰذا وہ پسلیاں باہر نکال رہا تھا۔ اس نے ٹوٹی ہوئی پسلیاں فرش پر پھینک دیں اور پھر دونوں ہاتھوں سے کینگ کے گھٹنے ایک دوسرے سے ٹکرا کر چٹنی کر دیے۔

"بوبا۔ یہ مر چکا ہے۔" ڈائس نے کہا، مگر بوبا اب بھی وہاں سے نہیں ہٹا۔ اس نے کینگ کی ٹانگ پکڑ کر اس طرح مروڑی کہ پوری ٹانگ کولہے سے ٹوٹ کر میز کے نیچے جھولنے لگی۔

"بوبا۔ میرے دوست۔ اب چلو۔"

بوبا سر کی طرف بڑھ گیا۔ اسے سر بہت پسند تھے اور جب دونوں ہاتھوں سے سر دبائے جانے سے آنکھیں باہر نکل کر گرتی تھیں تو بوبا کو بہت مزا آتا تھا۔

"بس۔ بس۔ بس میرے بھائی۔ تم نے سر پر بھی مشق مکمل کرلی۔ اب نکل چلو۔ تم نے آنکھیں بھی نکال دی ہیں بھائی۔ سب کچھ ختم ہوگیا۔ چلو میرے پیارے شاندار دوست۔"

ان کے اپنے ایک ساتھی کی حالت یہ سب کچھ دیکھ کر بہت خراب ہورہی تھی۔

"اب ہمیں نئی کار لینی ہے بوبا۔" ڈائس نے کہا۔ وہ مسکرا رہا تھا۔ بوبا نے چونک کر اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا اور پھر سر ہلانے لگا۔ "ہاں۔ نئی کار۔"

ڈائس نے ادھر ادھر دیکھا، وہ کوئی ایسی چیز تلاش کررہا تھا جس پر بوبا اپنے خون آلود ہاتھ صاف کرسکے لیکن وہاں ڈائس کے نئے اور سفید یا پھر ساتھیوں کے کپڑوں کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔ ڈائس نے گھبرا کر ایک دوسرے شخص کی طرف اشارہ کردیا۔

بوبا نے ہاتھ صاف کیے تو وہ شخص چلا اٹھا۔ دراصل بوبا نے ہاتھ ذرا تیزی اور سختی سے صاف کیے تھے۔ اس غلطی کا احساس بوبا کو بھی فوراً ہی ہوگیا۔ اس کا اپنا آدمی اس کے ہاتھوں سے کراہ رہا تھا اس نے ڈائس کی طرف دیکھا کیونکہ اسے علم تھا کہ وہ ڈائس پر اعتبار کرسکتا ہے۔ روکس ری میں وہی واحد آدمی تھا جس کو ڈائس پر اعتماد تھا اگر عام لوگ بوبا کے قریب رہتے تو اسے علم ہوجاتا کہ ڈائس اتنا قابل اعتماد نہیں ہے لیکن عام لوگ تو بوبا کے قریب آنے ہی سے کتراتے تھے صرف ڈائس ہی اس کے قریب تھا اور ڈائس اس عظیم الجثہ شخص کے ذریعے اپنے لیے زندگی کی آسائشات حاصل کرتا تھا۔ مسئلہ صرف یہ تھا کہ بوبا اپنے جوش و خروش کے باعث بعض اوقات حد سے آگے بڑھ جایا کرتا تھا۔ اگر ایک بار وہ کام شروع کردے تو پھر اسے روکنا مشکل بلکہ ناممکن ہوجاتا تھا یا پھر خود اسے اپنے ہاتھوں پر قابو نہیں رہتا تھا۔

بوبا جب جونیئر اسکول میں زیر تعلیم تھا تو اس کا قد چھ فٹ دو انچ اور وزن ۲۴۰ پونڈ تھا۔ عام طالب علم اس سے خوفزدہ رہتے تھے۔ جب فٹ بال ٹیم میں وہ بغیر ٹرائل کے شامل کیا جاتا تھا۔ لیکن اس کا قبائل کیریئر وہیں شروع اور وہیں ختم ہوگیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس نے کوچ سے

کبھی کچھ نہیں سیکھا صرف لاتیں مارتا رہا۔ ٹیکنک پر عبور حاصل نہ کرسکا۔ ایک بار دوسرے کسی اسکول کی فٹبال ٹیم نے چیمپئن شپ سے قبل بوبا کے خلاف فٹبال کیس کردیا اور ججوں نے بوبا کا کھیل دیکھ کر فیصلہ دیا کہ وہ فٹبال نہیں کھیلتا اور یہ کہ اسے فٹبال کھیلنا نہیں آتی۔

ہائی اسکول میں اسے تربیت دینے کی نئی کوشش کی گئی لیکن وہاں بوبا نے ایک فل بیک کو اس بُری طرح زخمی کیا کہ وہ زندگی بھر کے لیے معذور ہوگیا۔

بوبا نے ایک بار جمناسٹ بھی کی تھی۔

پھر اس نے پروفیشنل باکسنگ شروع کی۔ اس نے اپنے پہلے حریف کو پہلے راؤنڈ کے چودھویں سیکنڈ میں ناک آؤٹ کردیا۔ اس کا منیجر خوشی سے ناچنے لگا لیکن پھر اسے حالات کی سنگینی کا احساس ہوا بوبا فتح کے باوجود اپنے حریف کو جان سے مار دینے کے درپے تھا اور ریفری اسے روکنے کی سرتوڑ کوشش کررہا تھا۔ بوبا نے دستانے اتار پھینکے تھے تاکہ ننگے ہاتھوں سے حریف کا سر تربوز کی طرح بچکا دے۔

ریفری شکست خوردہ باکسر کو موت سے بچانے کے لیے بوبا کے سر پر اسٹول دے مارا، پھر کوئی فولادی پائپ لے کر رنگ میں گھس آیا اور اس نے پائپ بوبا کے سر پر دے مارا۔ اس پائپ سے لوہے کی موٹی ریلنگ بھی ٹوٹ سکتی تھی لیکن بوبا سر تھنک کر بیٹھا۔ اس کی آنکھیں پائپ پر جم گئیں لیکن اُسے ضرب سے تو چکر آیا اور نہ ہی وہ گرگیا۔

اور اب... اس وقت کیب کوڈ سے اس کمینے نے اسے معافی خیال آیا تھا کہ اسے اپنے ہاتھوں سے چیزوں کو توڑنا اور مروڑنا نہیں چاہیے تاہم ہاتھوں پر قابو رکھنا بھی اپنی جگہ پر ایک اہم اور دشوار مسئلہ تھا۔ وہ اپنے ہی ایک آدمی کو قتل کرچکا تھا اور دوسرے کو قتل کرنے والا تھا۔

وہ آدمی تیم مُردہ تھا اور بوبا ڈائس کی طرف دیکھے جارہا تھا

"اب ہم کیا کریں ڈائس؟" اس نے پوچھا۔

"یہ کھیل تم ہی نے شروع کیا ہے اور تم ہی ختم کرو گے۔" ڈائس نے نرم لہجے میں جواب دیا۔ "اگر تم نے اسے زندہ چھوڑ دیا تو یہ پولیس کو سب کچھ بتادے گا۔" ڈائس کو دراصل تربیت کے ان نکتوں سے کوئی دلچسپی نہ تھی جن کو اس نے بھاری معاوضے کی پیش کش پر ایک روز قبل ہی اپنے ساتھ ملایا تھا۔

"نن... نہیں۔" دوسرا آدمی خوف سے تھرتھرا اٹھا۔ "میں... میں ایک لفظ بھی نہیں کہوں گا۔"

"یہ وعدہ کررہا ہے کہ کسی کو بھی کچھ نہیں بتائے گا ڈائس۔" بوبا نے سر ہلا کر کہا۔

"نہیں۔ ایسی صورتحال میں تو یہ قسمیں بھی کھا سکتا ہے لیکن جونہی یہ ہماری پہنچ سے باہر اور پولیس کی حفاظت میں ہُوا تو اس کی زبان قینچی کی طرح چل پڑے گی اور تم پھنس جاؤ گے میں تمہارے بھلے کے لیے کہہ رہا ہوں کہ اب اس کا بھی قصہ تمام کردو۔"

"ہاں۔ تم ہمیشہ میرے بھلے ہی کی بات کرتے ہو۔"

"اور میں نے تم سے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔"

"ہاں۔ تم نے اگر کبھی جھوٹ بولا بھی تو وہ بھی میرے بھلے کی خاطر۔" بوبا نے سر ہلا کر تصدیق کی۔

"تب پھر اپنا شروع کیا ہوا کھیل ختم کرو بوبا۔ میرے دوست تاکہ امبروز جیل میں جانے کی گنجائش ہی نہ رہے۔"

امبروز جیل کا نام سنتے ہی بوبا کے ہاتھ پاؤں میں تشنج کی ایک زوردار آواز سے کراہ گونج اٹھا اور دوسرا ساتھی بھی مرگیا۔

مگر بوبا کو دوسرے آدمی کے بھی مرنے کی فکر نہ تھی۔ وہ تو امبروز جیل کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ یہ وہ جیل تھی جہاں نشانے کی ایک زوردار آواز سے کراہ گونج اٹھا اور دوسرا ساتھی بھی مرگیا۔ قیدی رکھے جاتے تھے جن کو قابو کرنے میں دوسری جیلیں ناکام ہوگئی تھیں۔ ویسے امبروز جیل بھی بوبا سے زیادہ طاقتور نہ تھی۔ اے محافظوں نے ایک رات قید تنہائی میں رکھا تھا اور صبح انھیں فولادی دیوار اس طرح توڑا ہوا ملا تھا جیسے کوئی ہارڈ بورڈ کی دیوار کو توڑ ڈالے تاہم بوبا کے فرار کی کوشش اپنی ہی غلطی کے باعث ناکام ہوگئی تھی کیونکہ اس نے دو سلاخیں توڑنے کی کوشش میں اُسے جام کردیا تھا۔

انھوں نے بوبا کے لیے ایک خصوصی اوپن ایئر جیل بنائی اس کی چار دیواری فولاد و سیمنٹ سے بنائی گئی تھی اور دیوار پر تین انچ موٹی آہنی پلیٹ چڑھائی گئی تھی۔ ایک اعتبار سے یہ جیل فولاد و آہن کا پیالہ تھی۔ جیل کے ایک وارڈن کو یہ جیل بیرکس کے جڑیا گھر کے اس پنجرے کی طرح نظر آتی تھی جس میں آدم خور شیر کو رکھا گیا تھا۔

بوبا اور اس آدم خور میں صرف ایک فرق تھا، چڑیا گھر کا وارڈن آدم خور کی موجودگی کے باوجود پنجرے کو صاف کردیتا تھا جب کہ بوبا کی موجودگی میں کسی کو بھی اس کی سیل جیل میں داخلے کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔ اس کا کھانا بھی باہر سے اندر پھینکا جاتا تھا۔ جونہی بوبا کے سر پر کوئی چیز آکر گرتی تو بوبا

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

سمجھ جاتا کہ اب لنچ یا ڈنر کا وقت ہو گیا ہے۔

جیل میں بوبا کو صرف تنہائی سے وحشت ہوتی تھی۔ وہ کسی ساتھی کے عوض سب کچھ جج کرنے کو تیار تھا وہ محض کسی سے باتیں کرنے کی خاطر اس کے ہاتھوں پٹنے میں بھی خوشی محسوس کرتا۔

تب ہی ڈائس اس کی زندگی میں داخل ہوا تھا۔

روزانہ بوبا کی گندی ٹوکری اٹھانے کے لیے کوئی شخص بڑا سا بکٹ نیچے ڈالتا تھا مگر ایک روز آنے والے نے بات بھی کی: "تم انتہائی احمق آدمی ہو۔ تمھیں علم ہے کہ تمہیں چاروں اور گولیوں ہوں؟"

"اس لیے کہ تم غلاظت اٹھانے کے ذمے دار ہو۔" بوبا بہت عرصے بعد بولا تھا۔

"نہیں، میں اس وجہ سے اوپر ہوں کہ مجھے اپنی صلاحیتوں کا علم ہے۔ میں کسی گڑھے میں قید ہی رہ کر اپنی صلاحیتیں ضائع نہیں کر رہا ہوں۔"

"کیسی صلاحیتیں؟" بوبا نے ٹوکری بردار کو سر اٹھا کر دیکھا۔

"ایسی صلاحیتیں جن کے استعمال سے تم بھی دنیا میں اپنا مقام حاصل کر سکتے ہو۔" ٹوکری بردار نے جواب دیا۔

"لیکن تم صلاحیتوں کا استعمال کرنے کے باوجود غلاظت اٹھا رہے ہو۔"

"ہاں۔ لیکن یہ عارضی صورت حال ہے۔" غلاظت بردار نے جواب دیا۔ "لیکن جلد ہی میں باہر ہوں گا لیکن تم اس وقت تک یہاں رہو گے جب تک سورج بجھ نہیں جاتا اور جب تم مرو گے تو پھر وہ تمھیں کہیں دفنانے کی بجائے اسی گڑھے کو مٹی سے پاٹ دیں گے اور یہی تمہاری قبر ہو گی۔"

"اس کے باوجود میں آزاد ہوں اور تم غلاظت سمیٹنے پر مجبور ہو تو کے ..." بوبا کو غصہ آنے لگا۔ تاہم وہ خوف بھی محسوس کرنے لگا۔ اسے ایسا لگا جیسے مٹی سے بھرے بہت سے ٹرک اس کے گڑھے کو پاٹنے کے لیے تیزی سے اس کی سمت میں آ رہے ہیں۔

اگلے روز جب وہی شخص دوبارہ اوپر آیا تو بوبا نے اس سے پوچھ لیا۔ "میں اپنی صلاحیتوں کا استعمال کس طرح کروں؟"

"کسی مقصد کے بغیر لوگوں کے سر توڑنا بند کر دو۔" اس شخص نے دو ٹوک انداز میں جواب دیا۔

"مگر مجھے تو سر توڑنے میں مزا آتا ہے۔" بوبا نے بے چارگی کے ساتھ جواب دیا۔

"تب پھر اس وقت تک اسی گڑھے میں رہو جب تک وہ اسے پاٹ نہ دیں۔"

"سنو۔ سنو۔" بوبا اسے جاتا ہوا دیکھ کر حواس باختہ ہو گیا۔ "میری بات سنو۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ کسی کی گردن نہیں توڑوں گا۔ مجھے اس گڑھے میں دفنی ہونے سے بچا لو۔"

"میں نے یہ نہیں کہا کہ تم کسی کی گردن توڑنا ہی نہیں۔" وہ ہنس کر کہا۔ "میرا مقصد صرف یہ ہے کہ اگر توڑنے کی ضرورت ہو تو توڑ دینا بلا مقصد کسی کو مارنا مناسب نہیں ہو گا اب اگر تم میرے ساتھ چلو تو میں تمہاری صلاحیتوں کا بہترین استعمال بتا دوں گا۔ اس طرح تم دولت بھی کمائیں گے اور عیش بھی کریں گے۔"

بوبا بڑے جوش سے سر ہلانے لگا۔

"لیکن شرط یہ ہے کہ تم وہی کرو گے جو میں کہوں گا۔" یہ کہہ کر وہ ٹوکری لے کر چلا گیا۔ یہ شخص ڈائس تھا اور اس نے دیکھی بوبا کے اندر چھپی ہوئی سونے کی کان دیکھ لی تھی۔ وہ کچھ دیر بعد پھر واپس آیا۔

"تم پر کس نوعیت کے الزام ہیں؟" اس نے پوچھا۔

"قتل، اقدام قتل، گرفتاری سے بچنے کی کوشش میں پولیس پر حملہ، زنا، ایک بچے سے غیر فطری فعل اور ٹوکیتی آوارہ گردی۔"

"فساد اور لوٹ مار؟"

"نہیں۔" بوبا نے جواب دیا۔ "یہ بہت چھوٹی باتیں ہیں۔"

"سنو۔ کل ایک عورت یہاں آئے گی۔" ڈائس نے اس سے کہا۔ "وہ جو کچھ بھی کہے تم یہی جواب دینا کہ تم انقلابی کام کرتے ہو۔"

"انقلابی کام کیا ہوتا ہے؟" بوبا نے پوچھا۔

"یہ بہت وسیع اصطلاح ہے۔ تم خواہ کتنا ہی گھناؤنا کام کیوں نہ کر ڈالو... بس اسے انقلابی کہہ دو... پھر وہ کام گھناؤنا نہیں رہے گا۔ بچوں کی نرسری کو آگ لگا کر اگر یہ کہہ دو کہ یہ انقلابی اقدام تھا تو لوگ تمھیں سیاسی مجرم کہیں گے۔ آج کل ایسے لوگوں کو بہت سی مراعات حاصل ہیں۔"

اگلے روز بوبا نے اپنے گڑھے کے دہانے پر بہت سے لوگوں کی آوازیں سنیں۔ اس نے سر اٹھا کر دیکھا کئی افراد وارڈن کے ساتھ وہاں موجود تھے اور وارڈن انھیں بتا رہا تھا کہ بوبا کتنا خطرناک قیدی ہے لیکن بوبا کو غلاظت بردار ڈائس کی بات یاد تھی لہٰذا وہ بہت زور سے چلایا۔ "یہ سب انقلابی کام تھے۔"

"سیڑھی لائی جائے، میں نیچے جاؤں گی۔" ایک سفید فام عورت نے اس کی آواز سنتے ہی کہا۔ وارڈن اسے خبردار کرنے لگا لیکن وہ اصرار کرتی رہی اور پھر وارڈن مجبور ہو گیا۔ وہ سیڑھی سے گڑھے میں اتری تو بوبا نے پہلی ہی نظر میں اندازہ لگا لیا کہ وہ کسی بہت بڑے خاندان سے تعلق رکھتی ہے۔ تاہم اسے یہ علم نہ تھا کہ یہ لڑکی ویلیما ویک فیلڈ ہے۔ جو مام ٹاسک کے سوہر علاقے میں انصاف اور مساوات کی خواہاں ہے۔

"انقلابی۔" بوبا نے اُسے دیکھتے ہی کہا۔

"تم ہم سب کو آزاد کراؤ گے۔" ویلیما نے اپنے خوبصورت بالوں پر ہاتھ پھیر کر کہا۔ "تمہارا انقلابی جذبہ اور انقلابی احساسات انتہائی غیر معمولی ہیں۔"

"انقلابی۔" بوبا نے پھر کہا۔ ویلیما ویک فیلڈ نے سر ہلا کر کوئی اشارہ کیا تو کئی فوٹو گرافر بھی نیچے اُتر آئے ان کی فلیش گنیں چمکنے لگیں۔ بوبا کو غصہ آنے لگا مگر وہ ڈائس سے وعدہ کر چکا تھا کہ بلا مقصد کسی کی گردن نہیں توڑے گا۔

اگلے روز دی بوسٹن بلیٹ نے اپنے دوسرے صفحے پر بوبا کی ایک بڑی تصویر شائع کی اور اس کے بارے میں پورے صفحے کا فیچر شائع کیا جس کی سرخی یہ تھی: "وہ صرف اپنے لوگوں کی آزادی چاہتا ہے۔"

بوبا اپنے بارے میں یہ فیچر نہ پڑھ سکا لیکن ڈائس نے اسے یہ سب کچھ پڑھ کر سنایا۔ اس فیچر کا خلاصہ یہ تھا کہ بوبا کو صرف اس وجہ سے گڑھے میں رکھا گیا ہے کہ اس کے انقلابی احساسات ایک رجعت پسند وارڈن کی سمجھ میں نہیں آ سکے ہیں۔ پورے فیچر میں بوبا کے جرائم سے متعلق ایک سطر بھی شائع نہ کی گئی تھی۔

بوسٹن بلیڈ کی خبروں اور فیچرز پر سیاستدان بہت توجہ دیتے تھے۔ بوسٹن کے میئر نے قومی نشریاتی رابطے پر خطاب کیا اور اعلان لگایا کہ بوبا صرف اس وجہ سے قید میں ہے کہ میسا چوسٹس میں نسل پرستی بڑھ گئی ہے، پھر بوسٹن میں ایک جلسہ ہوا جس میں مذہبی رہنماؤں نے بھی حصہ لیا۔ وہاں پوسٹر تقسیم ہوئے۔ "بوبا کو رہا کرو۔"

"بوبا کا جرم صرف یہ ہے کہ وہ آزادی پسند ہے۔"

دباؤ بہت بڑھا تو پیرول بورڈ کا اجلاس بلایا گیا اور بورڈ نے نہ صرف بوبا کو رہا کر دیا بلکہ اس سے معافی بھی مانگی بورڈ نے ایک اور مجرم مینڈرن ریکس اسمتھ عرف ڈائس کو بھی رہا کرنے کا حکم جاری کیا۔

اس وقت سے بوبا کے ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی کہ وہ کس پر اعتبار کر سکتا ہے، لیکن اسے یہ علم کبھی نہیں ہو کہ ڈائس نے بوبا سے کسی کی ہدایت پر گفتگو کی تھی۔ خود ڈائس کو علم نہ تھا کہ ہدایت کون دیتا ہے۔ اس کی اس شخص سے کبھی ملاقات ہی نہ ہوئی تھی صرف ٹیلی فون پر رابطہ ہوتا تھا کہ اسے کیا کرنا ہے اور رقم کہاں سے لینی ہے۔

ڈائس کے ساتھ ساتھ بوبا بھی اس شخص کے لیے کام کرنے لگا انھیں کروڑے گھر میں رقم ملتی تھی لیکن رقم کا پیکٹ کون رکھتا تھا اس کا علم انھیں کبھی نہیں ہوا۔ بوبا اور ڈائس کی ٹیم بہت کارگر ثابت ہوئی۔ ڈائس کا ذہن اور بوبا کے ہاتھوں کا شکار کئی تباہ کن ثابت ہونے لگا۔

ڈائس نے اپنی سفید کنورسیبل ایکیپ کوڈ سے بوسٹن واپس لاتے ہوئے اپنی طلاقی رولیکس گھڑی پر نظر ڈالی۔ اب آنا وقت نہ تھا کہ وہ یونیورسٹی کے باقی دو پروفیسروں سے بھی نمٹ لیتا لیکن اسے اچھی طرح یاد تھا کہ ان میں ایک نوجوان ہے اور دوسرا بوڑھا۔

"یہ کام صبح ہو جائے گا۔" اس نے اپنے آپ سے کہا اور مطمئن انداز میں سر ہلانے لگا۔ ویسے بھی بوبا نین قتل کر چکا تھا اور ڈائس نے اس پر بمشکل قابو پایا تھا۔

وہ روکس بری میں داخل ہوئے پھر ڈائس بار کی طرف چلا گیا اور بوبا ایک طرف بیٹھ گیا۔

ٹائیگر بوسٹن بلیڈ کا مطالعہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کی لیبارٹری میں گزشتہ چھ ماہ کے شمارے رکھے ہوئے تھے۔ اُسے شبہ تھا کہ اگر رابطے اخباروں کے ذریعے ہوتے ہیں تو پھر اسے اخبار پڑھنے سے اندازہ ہو جائے گا کہ باقی پروفیسر کہاں کام کر رہے ہیں۔

ٹائیگر اور اوشان نے شام شاندار ہوٹل کوپلے پلازہ میں گزاری تھی اور ٹائیگر اس اُمید پر ٹی وی دیکھتا رہا تھا کہ شاید رابطے کا کوئی ذریعہ مل جائے۔ اس نے کوشش کی تھی کہ نیوز شو کو وڈیو کر لے لیکن اوشان نے اپنا کیسٹ استعمال کرنے کی اجازت نہیں دی تھی اس پر ٹائیگر نے جل کر کہا تھا کہ وڈیو ریکارڈ اور وڈیو کیسٹ تنظیم نے اسے فراہم کیے ہیں۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

لہٰذا اوشان کو ایک کیسٹ دینے میں تردّد سے کام نہیں لینا چاہیے۔

"اوہو۔" اوشان نے چونک کر کہا۔ "میں کتنے برسوں سے تمھیں سکھانے کی کوشش کر رہا ہوں اور اب تم کہہ رہے ہو کہ شہنشاہ نے مجھے جو نذرانہ پیش کیا ہے اسے شہنشاہ کے استعمال کے لیے واپس کر دوں؟ کیا میں نے تمھیں یہ نہیں بتایا کہ ماسٹر کو ملنے والے تحائف اور نذرانے کتنے مقدس ہوتے ہیں؟"

"اس نقطے پر ہم دونوں میں اختلاف ہے لٹل فادر۔" ٹائیگر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"بھلا تم اختلاف کیسے کر سکتے ہو... ماسٹر تو میں ہوں؟" اوشان نے غصیلے انداز میں کہا۔

"میرا خیال ہے کہ روپیہ پیسہ ہی سب کچھ نہیں ہوتا۔"

"اوہ۔ اوہ۔" اوشان اچھل پڑا۔ ایسا لگا جیسے وہ کراہا ہو۔ "نہیں... تم نہیں۔ تم نہیں۔ میں نے اپنی زندگی کے کئی قیمتی برس تمھیں تربیت دینے کے لیے وقف کیے ہیں... تم ایسی بات نہیں کر سکتے۔"

ٹائیگر نے ایک طویل سانس لی۔ وہ جانتا تھا کہ اب وہ کیا کہنے والا ہے۔ وہ جب بھی یہ کہتا تھا کہ رقم اور دولت بذاتِ خود کوئی اہم چیز نہیں، اہمیت سنانجو کے فن کو حاصل ہے اور اس فن کا اصل راز قوت میں مضمر ہے تو اوشان... اُسے سنانجو کے اصل اصولوں سے انحراف کا ملزم قرار دیتا تھا۔

"نہیں شہزادے۔ تم ناپختہ اور نانجبے کاروں لوگوں کی طرح نہیں سوچ سکتے۔ تمھارا ملک اور محل عالم ان ہی ناپختہ لوگوں کے لگائے ہوئے چرکوں سے لہولہان ہو رہا ہے... لیکن اگر تم یہ بات کرو گے کہ معاوضے کے بغیر خدمات انجام دی جائیں تو تم سنانجو کے ماسٹر کا دل چیر دیتے ہو، گھاؤ لگا دیتے ہو اس کے دل پر۔"

"سنانجو کو اب میری خدمات کے عوض نذرانہ ملتا ہے۔" ٹائیگر نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔ "اب میں بہرام کے لیے کام کرتا ہوں جس کے عوض آپ کے گاہکوں کو کشتی بھر کر سونا ملتا ہے۔ وہ اس سونے سے زندگی گزارتے ہیں اور کوئی کام نہیں کرتے۔ وہ میری وجہ سے آرام کرتے ہیں۔"

"اور اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نے تمھیں تربیت دی ہے۔" اوشان نے جواب دیا۔

"اور میں حقِ محنت کی پروا نہیں کرتا۔" ٹائیگر کے اس جواب پر اوشان بولنے لگا اور بولتا چلا گیا۔ اس کی طویل تقریر کا خلاصہ یہ تھا کہ ٹائیگر سنانجو کے لیے کلنک کا ٹیکہ بننے والا ہے

دُنیا میں پہلے ہی لوگ بغیر کسی اُجرت کے پوپ اور بچوں کو قتل کر رہے ہیں اور اب ٹائیگر بھی یہ ہی کام کرنا چاہتا ہے۔

ٹائیگر سمجھ گیا کہ اسے وڈیو کیسٹ نہیں مل سکتا لہٰذا وہ ٹی وی شو دیکھنے لگا۔ تین شو دیکھنے کے بعد بھی اُسے مالوسی ہوئی تو اس نے یہی فیصلہ کیا کہ وی بوسٹن بلیڈ کے پچھلے چھ ماہ کے شمارے دیکھ لے۔

اخبار میں ایک دلچسپ خبر موجود تھی۔ کسی پروفیسر کینگ کو نسل پرستوں نے قتل کر دیا تھا اور ٹائیگر کو اچھی طرح معلوم تھا کہ اس پروفیسر نے ان دونوں کو رابطے کے طریقے کے بارے میں بتایا تھا۔ پروفیسر کی لاش کے علاوہ دو سیاہ فاموں کی لاشیں بھی ملی تھیں۔ وی بوسٹن بلیڈ میں اس موضوع پر ایک ادارتی نوٹ بھی لکھا گیا تھا جس میں مطالبہ کیا گیا تھا کہ نسلی جنون کی بنیاد پر قتل و غارت گری کا یہ سلسلہ بند ہونا چاہیے۔ کیپ کوڈ میں نسل پرستی ختم کرنے کے لیے ایک بورڈ تشکیل دیا جائے جہاں سیاہ فام افراد رہنے کے لیے ایک مکان بھی نہیں خرید سکتے۔

خبر یا اداریے میں پروفیسر کینگ کے قتل کی تفصیلات بہرحال نہ تھیں۔ لہٰذا ٹائیگر نے اخبار کے دفتر فون کیا تاکہ مزید تفصیلات حاصل کر سکے۔ اس کا رابطہ ایک رپورٹر سے ہوا اور اس سے ٹائیگر کو علم ہوا کہ پروفیسر کینگ کو قتل سے قبل ذبح کیا گیا تھا۔

"وہ کیسے؟" ٹائیگر نے کھڑکی کی طرف دیکھے بغیر پوچھا وہ چاہتا تھا کہ اوشان کو یہ تاثر ملے کہ وہ اس سے مخاطب ہے۔ اوشان کھڑکی کے قریب کھڑا ہوا دریا کا نظارہ کر رہا تھا۔ سنانجو کا قدیم قول اسے یاد تھا کہ دریا میں کبھی کوئی مُردہ نہیں ہو سکتا کیونکہ دریا سمندر میں گرتا ہے اور سمندر جہاں ہوتا ہے وہاں کوئی نہ کوئی شہر بھی آباد ہوتا ہے۔

"میرا خیال ہے کہ گردن کی پسلیاں تک توڑ دی گئی تھیں۔" رپورٹر نے جواب دیا۔ "جسم کی بُری حالت تھی۔"

"جسم کو برباد کیا گیا ہوگا؟"

"ہاں۔ کسی خوفناک قسم کے چاقو سے پیٹ چاک کیا گیا تھا لاش کی حالت اتنی خوفناک تھی کہ میں اسے نظر بھر کر بھی نہ دیکھ سکا۔"

"باقی دو افراد کس طرح مرے؟"

"دونوں سیاہ فام تھے لہٰذا ان کا قتل نسلی تناؤ کا نتیجہ ہو سکتا ہے۔" رپورٹر نے جواب دیا۔

"یہ علم تمھیں کس طرح ہوا؟"

"اس لیے کہ جہاں ان کی لاشیں ملی ہیں وہ سفید فاموں کی بستی ہے۔"

"لیکن یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ سفید فاموں کی اس بستی میں کسی سیاہ فام ہی نے انھیں قتل کیا ہو گا۔" ٹائیگر نے کہا۔ "قتل کی وجہ نسل پرستی کے سوا کچھ اور بھی ہو سکتی ہے۔"

"بعض لوگ بغیر کسی معقول وجہ کے قتل کر دیتے ہیں۔" اوشان نے کھڑکی کے قریب کھڑے رہ کر تبصرہ دیا۔ "اور بعض تاریخ کے ذریعے اصولوں کو بھی مسترد کر دیتے ہیں۔"

رپورٹر نے ٹائیگر کو بتایا کہ اگر کبھی کوئی سیاہ فام کسی سفید فام کے ہاتھوں مارا جائے تو اسے منطقی اعتبار سے نسل پرستانہ قتل ہی قرار دیں گے۔

"ایسا کیوں ہے؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"اس لیے کہ میساچوسٹس نسل پرستوں کا شہر ہے۔" رپورٹر نے جواب دیا۔

"اور میساچوسٹس نسل پرستوں کا شہر کیسے بنا؟"

"ہمارے اخبار کی پالیسی کے باعث۔" رپورٹر نے ایک طویل سانس لے کر جواب دیا۔ "اگر تمھیں یہ سب کچھ پسند نہیں تو سسٹر ویک فیلڈ سے بات کرو لیکن میں اتنا ضرور کہوں گا کہ مختلف انداز میں سوچنے والا ہر شخص نسل پرست ہے۔"

"یہ کون کہہ سکتا ہے؟"

"سسٹر ویک فیلڈ۔" رپورٹر نے جواب دیا۔ "مجھے یہاں کام کرنے پر مجبور ہونا پڑا ہے مسٹر؟ میرا گھر بوسٹن میں ہے اور میں یہاں کام کرتا ہوں۔ بات صرف اتنی سی تھی کہ میں نے ایک خبر فائل کی تھی جس میں کہا گیا تھا کہ ایک دکاندار نے ایک نقب زن کو گولی مار دی جس کے بعد میرا تبادلہ کر دیا گیا۔"

"اس خبر میں سچائی نہ تھی؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"سو فیصد درست خبر تھی لیکن دکاندار سفید فام اور نقب زن سیاہ فام تھا۔ اب میں ایسی غلطی کبھی نہیں کروں گا ویسے اس وقت تک مجھے نسل پرستانہ ٹکراؤ کی صحیح تعریف بھی معلوم نہیں تھی۔"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ سسٹر ویک فیلڈ ہی وی بلیڈ کی خبروں کو کنٹرول کرتے ہیں۔" ٹائیگر نے پوچھا۔

"نہیں۔ مجھ سے ایسی کوئی بات منسوب بھی نہ کرنا۔" رپورٹر نے گھبرا کر کہا۔ "وہ ہمارے کسی معاملے میں کوئی مداخلت نہیں کرتے لیکن صرف اتنا خیال رکھتے ہیں کہ خبروں کا اعلیٰ معیار برقرار رہے۔ اور معیار؟ میرا خیال ہے کہ تم یہ مت پوچھنا کہ اعلیٰ معیار کیا ہوتا ہے۔"

ٹائیگر نے ریسیور رکھ دیا اور اخباروں کے ڈھیر کی طرف دیکھنے لگا جو چھت تک لگا ہوا تھا۔ اس کے علاوہ ٹی وی نیوز شو کے مہینوں کا ریکارڈ تھا۔ سوال یہ تھا کہ وہ اس ڈھیر میں سے یہ بات کس طرح نکالے کہ کوئی کس طرح میڈیا کے ذریعے سامنداروں تک پہنچتا ہے۔

تب ہی اچانک فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ اس نے منہ سے ریسیور اٹھا لیا۔ دوسری طرف سے کسی خوف زدہ عورت کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ وہ لیبارٹری کے اس سیکشن کی آفس منیجر تھی اور اصرار کر رہی تھی کہ وہ اپنے دوسرے ساتھی کے ساتھ فرار ہو جائے اور اگر فرار کی کوئی راہ نہ ہو تو کھڑکی سے کود جائے۔

"سنو۔ تم تیسری منزل پر ہو۔ اگر نیچے کود جاؤ گے تو بچنے کا چانس ہے لیکن۔"

"نہیں۔ میں کھڑکی کے راستے کبھی باہر نہیں نکلا، لیکن تم اتنی بوکھلائی ہوئی کیوں ہو؟ کیا عمارت میں آگ لگ گئی ہے؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"نن۔ نہیں۔ اس سے بھی ہولناک صورتحال ہے پروفیسر۔" منیجر شاید رو رہی تھی۔ "ایک انتہائی خوفناک بلکہ مہلک شخص تمھارے آفس کی طرف آ رہا ہے۔ وہ دیو قامت ہے۔ اس کے ہاتھ بھی کسی دیو کی طرح بڑے بڑے ہیں۔ جب بھی یہاں کسی پروفیسر کا قتل ہوا ہے تو وہ ضرور نظر آیا ہے۔"

"ابھی صبح کے گیارہ بجے ہیں۔" ٹائیگر نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔ "مجھے بہت کام نمٹانا ہے۔ اس سے کہو کہ وہ تین بجے کے بعد آ جائے۔"

"سنو۔ گزشتہ تین سال میں تمھارے شعبہ تحقیق سے تعلق رکھنے والے پانچ پروفیسروں کا قتل ہوا ہے۔ شاید تمھیں یہ بات نہیں معلوم۔ اب وہ تمھیں قتل کرنے کے لیے آ رہا ہے۔ اس کے ساتھ اس کا دوست بھی ہے جو مسلح ہے۔ اب تم بال سے بھی نہیں نکل سکتے۔ وہ دونوں وہاں پہنچ چکے ہیں۔"

"مجھے ابھی گزشتہ چھ ماہ کے اخبارات پڑھنے ہیں۔" ٹائیگر نے مختصر جواب دیا۔

"مگر تم چند منٹوں میں ہلاک ہو جاؤ گے۔" وہ بہت زور سے چلائی۔

"تم فکر مت کرو۔ کیا ایسا کوئی شخص مل جائے گا جو چھ ماہ

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کے اخباروں کا مطالعہ کرسکے؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"تمہیں کسی کی ضرورت نہیں۔ یہاں کمپیوٹر موجود ہے جو ایسے کام کرسکتا ہے مگر کمپیوٹر استعمال کرنے کے لیے ضروری ہے کہ تم زندہ رہو پلیز۔ میں اب مزید کسی کا قتل برداشت نہیں کر سکوں گی۔ کود جاؤ۔ ابھی اور اسی وقت۔"

اسی لمحے کمرے کا دروازہ بہت زور سے چیخا اور قفلابول سمیت اُکھڑ گیا۔ دو افراد کمرے میں داخل ہوئے ان میں سے ایک واقعی بڑے بڑے ہاتھوں والا دیو تھا۔

دُبلا پتلا شخص یہ دیکھنے لگا کہ دونوں سائنسداں افراتفری میں کس طرح بھاگنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ڈائس کو ایسا منظر ہمیشہ ہی بہت اچھا لگتا تھا۔

مگر کمرے میں افراتفری کا نام و نشان تک نہ تھا۔

ایک نحیف و نزار پیلا بوڑھا جس کی انگلیاں استخوانی اور لمبی تھیں کھڑکی سے باہر دریا کی طرف دیکھ رہا تھا جب کہ دوسرا جو نوجوان تھا ریسیور تھامے ہوئے تھا۔

ڈائس کو مایوسی ہوئی وہ سوچنے لگا کہ غالباً بوڑھا بہرا ہے وگرنہ وہ ڈر کے مارے کانپنے ضرور لگتا۔ لیکن سوال یہ تھا کہ نوجوان کرسی سے کیوں نہیں اٹھا؟ اس نے بھاگنے کی کوشش کیوں نہ کی؟

"سونیٹ بوبا۔ نوجوان کو کھڑکی سے کودنے کے لیے آمادہ کرلو۔" ڈائس نے کہا۔

"ہاتھ توڑوں یا ٹانگیں؟" بوبا نے پوچھا۔

"یہ تمہاری مرضی ہے بوبا۔"

"آخ۔" بوبا ہنکارا بھر کر نوجوان کی طرف بڑھنے لگا۔ وہ اس نوجوان کو ایک ہی جھٹکے میں توڑ پھوڑ سکتا تھا۔ اس نے نوجوان کا بازو پکڑا اور اس کا ہاتھ نوجوان کے پورے بازو پر غالب آگیا۔ بگ بوبا اب بازو کو کندھے سے الگ کرنے کے لیے تیار تھا۔

بوبا نے جھٹکا دیا مگر نوجوان پر کوئی اثر نہ ہوا وہ فون پر باتیں کرتا رہا۔

"یہ... کیا ہے؟" بوبا حیرت زدہ رہ گیا۔

"کشش۔" نوجوان نے اسے گھورا۔ "میں فون پر بات کر رہا ہوں۔"

"یہ بے قدر انسان ہے۔" زود رو بوڑھے نے ان سے کہا۔ "اسے معاوضے کی پروا نہیں ہوتی۔"

ایک وطن پرست اور کفن بدوش نوجوان کی داستانِ لہو رنگ
جو محبِ وطن ہونے کے باوجود دہشت گرد کہلاتا تھا
معاشرے کے اُجلے لوگوں کی کہانی جن کے من کالے ہیں
دہشت گرد
سلیم فاروقی کے ایڈونچرس قلم سے
4 حصوں میں شائع ہو گیا ہے
قیمت مکمل سیٹ
-/240 روپے
ناشر
مکتبہ القریش۔ سرکلر روڈ
اُردو بازار لاہور۔2

"اس کے بعد تمہاری باری ہوگی پاپا۔" ڈائس نے اس سے کہا۔ اسے یقین تھا کہ بوبا اس بوڑھے کو محض طمانچہ مار کر ہی ہلاک کردے گا۔ اس نے پہلے خود بوڑھے کو سبق سکھانے کا فیصلہ کیا وہ بوڑھے کی طرف بڑھا جبکہ بوبا، نوجوان کے بازو پر زور لگاتا رہا۔

"تم بوڑھے۔" ڈائس نے بوڑھے کے تھپڑ مارنا چاہا مگر ایک عجیب سی بات ہوئی۔ اس کا طمانچہ جہاں سے گزرا وہاں بوڑھے کا چہرہ نہیں تھا صرف ہوا میں ہاتھ گھوم گیا۔ اس نے دوبارہ کوشش کی مگر پھر ناکام ہوگیا۔ اسے بوڑھے کے سر کی جنبش تک نظر نہیں آئی تھی تاہم مونچھوں کے چند بال ضرور ہلتے ہوئے دیکھے تھے۔

وہ سوچنے لگا کہ کیا میں فریب نظر کا شکار ہوں۔

"میں معاوضے کے بغیر کسی کو قتل نہیں کرتا۔" بوڑھے نے اچانک ہی ڈائس کو مخاطب کر کہا۔ ڈائس نے پلٹ کر دیکھا، اسے یقین تھا کہ نوجوان اب تک ختم ہو چکا ہوگا اور وہ بوبا کے ذریعے بوڑھے کو بھی سبق سکھاوے گا۔

لیکن پھر اس نے ایک محیر العقول منظر دیکھا۔

ایک کالا، بہت بڑا ہاتھ چھت کی طرف اٹھ رہا تھا اور پھر اچانک ہی اس ہاتھ نے فانوس کو پکڑ لیا۔ فانوس زوردار آواز کے ساتھ گرا اور لوہے کی میز پر گرتے ہی ہزاروں ٹکڑوں میں تقسیم ہوگیا۔ وہ ان خطرناک ٹکڑوں سے بچنے کے لیے جھک گیا۔

دوسرا بڑا ہاتھ بے کار ہوگیا تھا۔

بگ بوبا بڑی بے بسی کے عالم میں فرش پر بیٹھ گیا۔ اس کی دونوں ٹانگیں پھیلی ہوئی تھیں۔ سر اُٹھا ہوا تھا اور گردن کے گرد ٹیلی فون ریسیور کا تار لپٹا ہوا تھا جس کے باعث اس کے پھیپھڑوں میں ہوا کا داخلہ بند ہو چکا تھا۔ نوجوان کے ایک ہاتھ میں تار کا ایک سرا تھا اور دوسرے میں ریسیور۔ وہ ایک ہاتھ سے بوبا کا گلا گھونٹ رہا تھا اور دوسرے ہاتھ سے ریسیور کان سے لگائے گفتگو کر رہا تھا۔

"ارے نہیں۔ کوئی خاص بات نہیں۔ آوازیں؟ ہاں۔ شاید کوئی میز وغیرہ گری ہے۔ سنو۔ تم میرے لیے کمپیوٹر کا بندوبست کردو تاکہ میں اخباروں اور نیوز سورس سے مطلوبہ معلومات حاصل کرسکوں۔ یہاں؟ یہاں کچھ بھی نہیں ہو رہا ہے۔ میرے مطلب کی بات کرو۔ ہاں۔ تو تمہارے پاس ایسا کارآمد کمپیوٹر پروگرام ہے۔ درست۔ اوکے۔ آجاؤ۔"

نوجوان نے عظیم الجثہ بوبا کی گردن میں لپٹا ہوا تار کھینچ کر اٹھایا "ہاں۔ آجاؤ۔ چار پانچ منٹ بعد۔ نہیں۔ اس کی فکر نہ کرو یہاں کوئی مسئلہ درپیش نہیں۔ ہاں۔ وہ یہاں آئے ہیں ان سے گفتگو جاری ہے۔ بہت ہی اچھے لوگ ہیں۔ ٹھیک چار منٹ بعد آجانا۔"

نوجوان نے ریسیور رکھ دیا۔ بوبا کی آنکھیں اب اُبلی پڑ رہی تھیں اور اس کا بڑا سا چہرہ سرخ ہونے لگا تھا۔

ڈائس مسکرانے لگا۔ اس کی مسکراہٹ بہت واضح تھی تب ہی اسے خیال آیا کہ ہیٹ سمیت کمرے میں گھس آنا آداب کے خلاف ہے۔ اس نے ہیٹ اتار کر سینے سے لگایا اور سر خم کرلیا۔

"سر۔" یہ لفظ بہت آسانی سے ادا ہوا تھا پھر وہ بوڑھے کی طرف دیکھ کر فدویانہ انداز میں مسکرانے لگا۔ "مجھے چینی بزرگ بہت اچھے لگتے ہیں۔"

"میں کوریائی ہوں جاہل۔" بوڑھا غصے سے بولا۔

"جی ہاں۔ چینیوں کی طرح۔"

"کوریا چین نہیں ہے۔ کوریائی چینی نہیں ہوتے۔"

"مجھے ہر چینی شکل پسند ہے۔" ڈائس نے کہا۔ دراصل اس کی قوتِ سماعت خوف کے باعث بہت کم ہوگئی تھی اور وہ ان دونوں کو اپنی شرافت سے اپنا گرویدہ بنالینا چاہتا تھا۔

"کوریا اور چین میں زمین آسمان کا فرق ہے۔" اوشان نے عزت کر کہا۔

"مجھے دُنیا کا ہر شخص پسند ہے۔ سب بھائی بھائی ہیں۔" ڈائس نے کہا لیکن پھر اچانک ہی ہر طرف اندھیرا چھا گیا اس نے ریڑھ کی ہڈی پر ضرب لگانے والا ہاتھ نہیں دیکھا تھا۔

ڈائس آخری بار صرف یہی سوچ سکا کہ چینی کتنے اچھے ہوتے ہیں۔

ٹائیگر نے بوبا کی طرف دیکھا۔ وہ اس جہانِ فانی سے کوچ کر چکا تھا۔

"کیا آپ نے اس شخص کو بھی قتل کر دیا۔" ٹائیگر نے ڈائس کی طرف دیکھ کر کہا۔ "ہمیں معلومات حاصل کرنے کے لیے کسی ایک کو زندہ رکھنا تھا۔"

"میں نے کسی منتا دے کے بغیر اسے قتل کیا ہے۔ تمہیں تو خوش ہونا چاہیے۔"

"اگر مجھے معلوم ہوتا تو میں اس شخص کو بچا لیتا۔" ٹائیگر اب بوبا کو گھور رہا تھا۔ "اب مسئلہ یہ ہے کہ ہم اصل شخص تک کس طرح پہنچیں۔ شاید یہ بھی اصل لوگ نہ تھے انھیں بھیجا گیا ہوگا، مگر آپ نے اسے کیوں مارا؟"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"یہ مجھے چینی باشندہ کہنے پر مُصر تھا۔"

"بہت بڑا جرم تھا اس کا۔" ٹائیگر نے مُنہ بنا کر کہا پھر ریسیور کا تار گردن سے الگ کیا تو بوبا کی گردن سے خون کا چھوٹا سا فوارہ بلند ہوا اور بڑی سی لاش فرش پر گر گئی۔ ٹائیگر نے کاغذ سے تار صاف کیا۔ "اب یہاں دو لاشیں پڑی ہیں۔"

"میں انھیں ٹھکانے نہیں لگاؤں گا۔" اوشان سے دو ٹوک انداز میں جواب دیا۔

"ایک قتل آپ کے جھتے میں آیا ہے۔"

"میں نے مارا، تم ٹھکانے لگا دو۔"

"میں آپ کے مارے ہوئے شکار کو ہاتھ بھی لگاؤں گا۔"

"احسان فراموش۔" اوشان کو پھر غصہ آ گیا۔ "تم میں مذرہ برابر احترام نہیں۔"

"مسخ لاش اور شکار کا ہے۔" ٹائیگر نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔

اوشان نے کھڑکی کی طرف مُنہ کر لیا۔

"اب ایک بار پھر ہم دونوں میں بات چیت بند۔" ٹائیگر زیرِ لب مسکرانے لگا اور پھر جب اسے کوئی جواب نہ ملا تو وہ سمجھ گیا کہ اب اوشان نہیں بولے گا۔ اس نے لاشوں کو چھپانے کے لیے کوئی جگہ تلاش کرنے کی خاطر اِدھر اُدھر دیکھا کیونکہ مینیجر کسی بھی وقت آ سکتی تھی۔ اسے دفتر کے باہر کوڑا لانے لے جانے والی ایک بڑی سی ہاتھ گاڑی مل گئی لہٰذا اس نے دونوں لاشیں اس میں ٹھونس کر اوپر یونیورسٹی کے ضابطوں سے متعلق چلڈوں کی کاپیاں ڈال دیں۔ قوی ہیکل میز ایک الماری میں ڈال دی اور پھر گاڑی ایک کونے میں کھڑی کر دی۔

"شکریہ۔" اوشان نے بڑی نخوت کے ساتھ کہا۔ "میرے شکار کی لاش ٹھکانے لگانے کا شکریہ۔"

"کوئی بات نہیں۔" ٹائیگر نے بڑی فراخدلی کا مظاہرہ کیا "یہ تو میرا فرض تھا۔" اس کے بعد وہ اپنے دفتر سے نکل کر آفس مینیجر کے پاس پہنچا۔ مینیجر اسے دیکھ کر مسکرانے لگی وہ ٹائیگر کو زندہ دیکھ کر یقیناً خوش ہوئی تھی۔

"ہاں بھئی۔ اب کہو، میرے کام کا کیا ہوگا؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"ایم یو ٹی نے امریکی میڈیا کی خبروں میں سچ دروستگی کا تجزیہ کرنے کے لیے ایک کمپیوٹر تیار کیا ہے جو خبروں کا مطالعہ و تجزیہ کر کے کسی بھی خبر کی درجہ بندی کر سکتا ہے۔ وہ خبروں اور واقعات کے درمیان تضاد کی بھی نشاندہی کر سکتا ہے۔"

"گڈ۔ اپنا کام جاری رکھو۔" ٹائیگر نے مسکرا کر کہا۔ "میں چند گھنٹوں تک دستیاب نہیں ہوں گا۔ میرے کمرے میں کام شروع کرنے کے لیے اخباروں کا ڈھیر پڑا ہوا ہے اور ہاں، وہاں ایک ناخوشگوار شخصیت بھی موجود ہے لیکن اُسے چینی مت سمجھ لینا۔"

"آپ اپنے ساتھی کی بات کر رہے ہیں؟"

"یس۔"

"ہماری آج صبح ملاقات ہو چکی ہے۔ اور۔ اور۔"

"بولو۔ رُک کیوں گئیں؟"

"دیکھیں پروفیسر، آپ کو مشورہ دینا میرا منصب نہیں لیکن اگر آپ اُن کا ذرا سا احترام کر لیں تو آپ کا کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ اُنھوں نے آپ کے لیے کتنی قربانیاں دی ہیں۔"

"اوہ۔ تب پھر تم دونوں کی ملاقات یقیناً ہو چکی ہے۔" ٹائیگر ایک طویل سانس لے کر بولا۔ "کیا اُنھوں نے تمھیں یہ بھی بتا دیا ہے کہ وہ میرے لیے کیسی اور کتنی قربانیاں دے چکے ہیں؟"

"وہ بہت اچھے انسان ہیں اور ہم سب کو ان سے محبت ہے۔" مینیجر بولی۔

"وہ کسی بھی شخص کو بے وقوف بنانے کے ماہر ہیں۔" ٹائیگر نے بُرا سا مُنہ بنا کر جواب دیا۔

"لیکن آپ کی رائے کے برعکس... وہ ناخوشگوار شخصیت نہیں ہیں پروفیسر، آپ خود ہی احساس کریں کہ اُنھوں نے آپ کی تربیت کے لیے کتنی تکلیف اُٹھائی ہیں اگر آپ ان کا احترام کریں گے تو ہمیں بہت خوشی ہوگی۔"

"میں تمھارے مغز کی بائیوپسی کرنا چاہتا ہوں۔" ٹائیگر نے جل کر کہا۔ اُسے اندازہ ہو گیا تھا کہ اوشان نے ٹائیگر کی احسان فراموشی کا رونا یہاں بھی رویا ہے۔ "لیکن فی الوقت مجھے ایک ضروری کام نمٹانا ہے۔"

موسم بہت اچھا تھا۔ موسمِ بہار کی شروعات تھی اور لوگ موسم کے علاوہ دوسرے حالات سے بھی لطف اندوز ہو رہے تھے۔ لہٰذا کسی نے بھی ٹائیگر کو کوڑا گاڑی کھینچتے ہوئے دیکھ کر اُس کا نوٹس نہیں لیا۔ وہ گاڑی کو یونیورسٹی ڈرائیو کے ساتھ ساتھ کھینچتا ہوا لے گیا۔ حتیٰ کہ اُسے ایک گھنا سایہ دار درخت نظر آیا۔ اُس نے لاشوں سے بھری ہوئی گاڑی وہیں چھوڑ کر لیبارٹری کی راہ لی جہاں کمپیوٹر پر پروگرام جاری تھا۔

مینیجر نے گزشتہ چھ سال کے ٹی وی نیوز شو کے ٹیپ لائبریری سے حاصل کر لیے تھے ٹائیگر کو دیکھ کر وہ مسکرائی اور اُسے سمجھانے لگی کہ ٹی وی ٹیپ کی اسکیننگ کس طرح کی جاتی ہے ٹائیگر چند منٹ بعد یہ کام خود کرنے لگا تو آفس مینیجر اوشان کے لیے جنگ ٹی لے آئی۔ مینیجر درمیانی عمر کی اور فربہ عورت تھی۔

"ایک گلاس پانی تو دینا۔" ٹائیگر نے اُس سے کہا۔

"چائے اور پانی لانا میرے فرائض میں شامل نہیں پروفیسر۔" مینیجر نے دو ٹوک انداز میں جواب دیا۔ "ہم صرف اُسی شخص کے لیے یہ کام کرتے ہیں جو انتہائی بااخلاق اور مروت والا ہوتا ہے یا پھر ان کے لیے جو قابلِ احترام ہستیوں کا احترام کرتے ہیں۔"

"آہ۔ ایک عظیم اور پروقار خاتون تم سے مخاطب ہے شہزادہ اوشان نے پُرجوش لہجے میں کہا۔ "یہ خاتون، عالم انسانیت کا زیور ہے۔" یہ کہہ کر اوشان نے چائے کا گھونٹ لیا اور آنکھیں بند کر لیں۔

بوسٹن میڈیا کی اطلاعات کے بارے میں پہلا ایڈیٹ آؤٹ ٹی وی کی خبروں سے متعلق تھا۔ کمپیوٹر نے ایک سطر میں تبصرہ لکھا تھا۔ "ٹی وی رپورٹر بظاہر اس خام خیالی کا شکار ہوتے ہیں کہ وہ خود خبر ہیں۔" پھر ٹی وی اسکرین روشن ہوا جس پر ڈیوہاپوٹر کی تصویر تھی اور وہ خود اپنے اُمید سے ہونے کا اعلان کر رہی تھی۔ نیوز سیکشن کا انچارج اُس کا شوہر ہیلو ٹر تھا۔

ٹائیگر نے جھلا کر دوسرا ایڈیٹ آؤٹ نکالا۔ اس بار اُس نے وی بوسٹن بلیڈ کو منتخب کیا تھا اور بلیڈ، ٹی وی نیوز کے مقابلے میں زیادہ اُلجھا ہوا بلکہ اُلجھانے والا ثابت ہوا۔ اُس میں تیل کے بارے میں کئی مضامین تھے اور کئی اداریوں میں زور دیا گیا تھا کہ امریکہ تیل پیدا کرنے والے ملکوں کے مطالبات پر توجہ دے، پھر ایک طویل مضمون کی پانچ قسطیں تھیں جو میوڈی ویک فیلڈ نے لکھا تھا اور جس میں کہا گیا تھا کہ عربوں میں اُمّل بلیک میلنگ کا الزام لگانا اسی کی انتظامیہ کی حماقت ہے۔ اسی دوران ایک کنولشن کا ریڈ آؤٹ نکلا جس میں میوڈی ویک فیلڈ نے عراق ایران جنگ کے متعلق ۱۰ سوالات کیے تھے لیکن کوئی بھی سوال جنگ سے متعلق نہ تھا۔

ٹائیگر نے قدرے مایوسی سے سر ہلا کر مینیجر کو پھر بلایا۔ "مجھے اپنے مطلب کی بات نہیں مل سکی۔ ہر تجزیہ اتفاقیہ ہے۔"

"نہیں۔ آپ نے ابھی صرف منفی پہلو کا ریڈ آؤٹ دیکھا ہے مثبت پہلو بھی موجود ہیں۔" مینیجر نے اُسے تسلی دی۔

"مگر مثبت پہلو کس وقت نکلے گا۔ ایک منٹ میں؟"

"کمال ہے۔ آپ تو بہت زیادہ چڑچڑے ثابت ہو رہے ہیں۔" مینیجر نے گھبرا کر کہا۔

ویک فیلڈ سوئم کو اس فون کا انتظار تھا جو سائنسدانوں کو ٹھکانے لگانے سے متعلق ہوتا۔ وہ دوپہر تک اور پھر تین بجے تک اس فون کا انتظار کرتا رہا لیکن اس دوران اس کی پوتی میلوڈی کا ہی فون آیا۔ وہ حمیدی عربیہ میں تھی۔

"میں ایک انتہائی اہم فون کا انتظار کر رہا ہوں میلوڈی۔" ویک فیلڈ نے اُسے بتایا کہ پوتی مختصر بات کرے۔

"اوہ۔ آپ یہ کہہ رہے ہیں کہ میں اہمیت نہیں رکھتی۔" میلوڈی نے احتجاج کیا۔

"اس ٹیلیفون کال سے زیادہ اہم نہیں ہو۔" ویک فیلڈ پوتی سے مناقفت کے ساتھ کام نہیں لینا چاہتا تھا۔

میلوڈی عورتوں کی اسگفتگ کے کاروبار پر دادا سے بات کرنا چاہتی تھی لیکن دادا کے پاس اتنا وقت نہ تھا لہٰذا میلوڈی نے رابطہ منقطع کر دیا۔

وہ میلوڈی کے بارے میں سوچتا رہا۔ اسے علم تھا کہ میلوڈی اپنے خاندان کی روایتوں پر عمل کر رہی ہے اور اس کے قلم میں بڑا اثر ہے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ ویک فیلڈ خاندان کا کوئی فرد قلم استعمال کر رہا تھا۔ عربوں کے حق میں کتابیں لکھ کر لابسٹ کی مالی مدد کرنے والا ویک فیلڈ خاندان عرب دنیا میں دوست تصور کیا جاتا تھا۔ صرف سعودی عرب کو اس سازش کا علم تھا جو دوستی کے پردے میں عرب مفادات کے خلاف کی جا رہی تھی لہٰذا ویک فیلڈ خاندان کے کسی بھی فرد یا فرستادے کا داخلہ وہاں بند تھا۔ بیالیادہ شام کو بھی اندازہ ہو گیا تھا کہ ویک فیلڈ خاندان کی اصلیت کیا ہے لیکن باقی ملک تھی تعاون کرتے تھے کہ ویک فیلڈ ان کے دوست ہیں۔

ویک فیلڈ نے گھڑی دیکھی، شام کے چار بج چکے تھے اور ابھی تک ڈائس کا ٹیلی فون نہیں آیا تھا۔ وہ باہر نکل آیا اور ہائی ٹاسک کے ساحلوں کی طرف دیکھنے لگا۔ ساڑھے چار بجے تک وہ یونہی ٹہلتا ٹونیاں ماتا رہا اور جب پونے پانچ بجے اس کے ٹیلر نے مطلع کیا کہ اخبار کے دفتر سے کئی فون آ چکے ہیں تو وہ چڑ گیا۔ "اب پھر فون آیا ہے جناب۔"

"اُن سے کہہ دو میں مصروف ہوں۔" ویک فیلڈ نے چلا کر کہا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"لیکن وہ آپ کو کسی کے قتل کی اطلاع دینا چاہتے ہیں۔"

"قتل کی؟" ویک فیلڈ اُچھل پڑا۔ "لاؤ۔ فون لاؤ۔" وہ دہاڑا۔ بٹلر نے فون پیش کیا۔ دوسری طرف مینجنگ ایڈیٹر تھا۔

"سر۔" ایم ای نے کہا۔ "دیا پارٹی یونیورسٹی کے قریب دو افراد کو یقیناً نسلی تنازعے کی بنا پر قتل کیا گیا ہے۔ ان دونوں کی لاشیں ایک کراکری میں ٹھونس کر میموریل ڈرائیو پر چھوڑ دی گئی ہیں۔"

"کک۔ کیا۔ ان۔ ان۔" ویک فیلڈ کی ٹانگیں کانپنے لگیں۔ "ان۔ میں۔ کسی کے ہاتھ بہت بڑے بڑے ہیں۔"

"جی ہاں۔ اس کی شناخت ہو چکی ہے۔ یہ وہی شخص ہے جو صرف اپنے لوگوں کو ان کے حقوق دلانا چاہتا تھا۔ بوبا کو قتل کر دیا گیا ہے جناب۔ ہم نے اُسے جیل سے رہا کرایا تھا۔"

ویک فیلڈ کا بُوڑا جسم لرز اُٹھا۔ یہ یہودیوں کی اس کوشش کے مقابلے میں کہیں زیادہ سنگین صورتِ حال تھی۔ جب یہودیوں نے ہام ٹامسک میں کاروبار شروع کرنا چاہا تھا۔ ویک فیلڈ کو یہودیوں سے نفرت نہ تھی۔ وہ تو اُن کا دوست تھا اور جب اُس نے یہودیوں کی سرگرمیوں کے بارے میں اسرائیلی سفیر سے شکایت کی تو اُسے صرف اتنا جواب ملا کہ ہمارے عام آدمیوں کو اس دوستی کا علم نہیں لیکن آئندہ وہ ہام ٹامسک میں نظر نہیں آئیں گے۔

ویک فیلڈ نے ریسیور رکھ دیا... وہ سر ہلاتا ہوا اپنی اسٹڈی میں آیا۔ وہ مشکلات سے دوچار تھا اور یہ مشکلات صرف دوست ہی دُور کر سکتا تھا۔

اس نے اس شخص کو فون کیا جس کو کوئی بھی بُری خبر سُنانے سے وہ ڈرتا تھا۔

"ہیلو۔" دوست کی آواز سنائی دی۔

"کیا تمھیں علم ہو گیا ہے؟" ویک فیلڈ نے پُوچھا۔

"ہاں۔"

"کیا تمھیں کوئی پریشانی نہیں؟"

"نہیں۔" دوست نے جواب دیا۔

"لیکن تم نے کہا تھا کہ انسس کاروبار میں ناکامی کی کوئی گنجائش نہیں۔"

"ایسی کوئی بات نہیں۔ میں پریکشن کے چکر میں نہیں پڑتا۔"

"تب پھر تم نے دوسری کوشش کے لیے ہنگامی نوعیت کا کوئی پروگرام ضرور تیار کر رکھا ہوگا۔"

"یقیناً۔"

"آہ۔" ویک فیلڈ نے سکون کی سانس لی۔ اُسے حیرت تھی کہ اُس کے دوست نے کبھی کسی بات پر بوکھلاہٹ ظاہر نہیں کی۔ اب کیا کیا جائے دوست؟ اُس نے پُوچھا۔

"سب سے پہلے یہ پتا چلاؤ کہ تمھارے دونوں آدمی کس طرح مارے گئے۔ اس کے بعد تم اپنی بوٹ میں بیٹھ کر کینی بینک رپورٹ ہاؤس سے نکل کر وہاں انتظار کرو گے۔"

"کیا اب ان دونوں کو ختم نہیں کیا جائے گا؟"



"ہمیں صرف ہدایات پر عمل کرنا ہے ویک فیلڈ۔"

"یس فرینڈ۔" ویک فیلڈ سوئم نے جواب دیا اور رابطہ کٹ گیا۔

ڈائنس اور بوبا کی موت کے بارے میں اخبار کے دفتر سے جو تفصیلات ملیں وہ سُن کر ویک فیلڈ کا معدہ اُلٹ پلٹ ہونے لگا۔ وہ پریشان ہو گیا۔ بات صرف یہ تھی کہ اُن دونوں کو انسانی طریقوں سے قتل نہیں کیا گیا تھا۔ یہ بات پوسٹ مارٹم کرنے والے نے کہی تھی۔ اُس کا کہنا تھا کہ یہ کسی انسان کے بس کی بات نہ تھی۔ بوبا کو گلا گھونٹ کر ہلاک کیا گیا تھا اور بوبا اتنا طاقتور تھا کہ وہ کسی کو اپنے گلے پر اُنگلی بھی نہیں رکھنے دیتا تھا۔ ڈاکٹر کی رائے یہ تھی کہ بوبا کو قتل کرنے کے لیے فورک لفٹر استعمال کیا گیا ہے۔ ڈائنس کا قتل خود ڈاکٹر کے لیے حیرت انگیز تھا۔ اُس کی ریڑھ کی ہڈی پر ہلکا سا زخم تھا اور ایسا زخم سرجن بھی نہیں لگا سکتا تھا۔

ویک فیلڈ کو مائن کے ساحل سے دُور لنگر انداز ہوئے دو دن گزر رہے تھے کہ اچانک ہی ایک چھوٹا سا فشنگ ٹرالر اسے اپنی سمت میں آتا ہوا نظر آیا۔ ویک فیلڈ انتظار کرنے لگا۔ ٹرالر سے محض پانچ فٹ قامت والا ایک شخص نمودار ہوا۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ کا نام تک نہ تھا اور نہ ہی اس نے ہاتھ ملانے کی زحمت کی تھی۔ اس کا نام مارٹن تھا۔ وہ برطانوی لہجے میں گفتگو کر رہا تھا اور یہ بات صاف ظاہر تھی کہ اسے ویک فیلڈ کے بارے میں سب کچھ معلوم ہے۔ اسے دوست اور دوستی کے بارے میں بھی علم تھا۔

"تو تم دوست سے بھی واقف ہو؟" ویک فیلڈ نے بڑی حیرت سے پُوچھا۔

"ہاں۔ مجھے اس سے واقفیت ہے۔" مارٹن نے جواب دیا لیکن یہ جواب دیتے ہوئے بھی وہ سنجیدہ تھا۔ وہ صوفے پر بیٹھا تو صوفے پر کسی قسم کا کوئی دباؤ محسوس نہ ہوا۔ ایک لمحے کو ویک فیلڈ یہ سمجھ بیٹھا کہ وہ کسی روبوٹ کی میزبانی کر رہا ہے لہٰذا اس نے تصدیق کرنے کے لیے ریلنگ کی طرف مہمان کی کرسی لے جاتے ہوئے یونہی ہاتھ لگا دیا۔ مارٹن کا گوشت گرم تھا لہٰذا اس کے روبوٹ ہونے کا شک بہرحال دُور ہو گیا۔

"کرسی ریلنگ کے پاس رکھ کر اس نے مارٹن کو تشریف لانے" اور پھر تشریف رکھنے کا اشارہ کیا۔ مارٹن پہلی مرتبہ

لازوال کہانیوں کے خالق
انوار صدیقی
کے
شاہکار ناول

تارِ عنکبوت	(۲ جلدیں)	۴۰۰/۰۰
خبیث	(۵ حصے)	۲۵۰/۰۰
برہمچاری		۱۷۵/۰۰
درخشاں	(۲ حصے)	۱۰۰/۰۰
رقصِ ابلیس		۱۵۰/۰۰
آسیب زدہ		۱۱۰/۰۰
دستک		۱۰۰/۰۰
نکاح		۱۷۵/۰۰
طاغوت		۲۰۰/۰۰
امربیل	(۴ جلدیں)	۱۰۰۰/۰۰
برق پاش		۲۰۰/۰۰

مکتبہ القریش اردو بازار لاہور۲
فون: 7668958

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

مسکرایا لیکن یہ تبسم بھی عجیب سا تھا اور وہ جانتا تھا کہ لوگ اسے روبوٹ سمجھتے ہیں عام زندگی میں وہ ایسی باتوں کا برا نہیں مانتا تھا لیکن ذاتی زندگی میں پریشان ہو جاتا۔ ایک بار اس کے بیٹے نے پوچھ لیا تھا کہ کیا وہ اس کا قدرتی باپ ہے؟

"ہاں۔ کیوں۔ یہ سوال کیوں کیا؟" مارٹن نے پوچھا تھا۔

"صرف اس وجہ سے کہ بائیولوجی کی کتابوں میں میں نے پڑھا ہے کہ خوشی کے موقع پر لوگ ہنستے ہیں اور غم کے وقت روتے ہیں؟"

"درست۔"

"لیکن میں نے آپ کو کبھی ہنستے یا روتے ہوئے نہیں دیکھا۔" بیٹے نے دل کی بات کہہ دی تھی۔

"خاموش۔" مارٹن چلایا تھا اور پھر وہ اپنی بیوی لیڈی ویکس کے ساتھ گزری ہوئی صرف ایک رات کو یاد کرنے لگا تھا۔ یہ شادی کی پہلی رات تھی اور جب لارڈ مارٹن ویکس کو یقین ہو گیا تھا کہ استقرار ہو چکا ہے تو اس نے اپنی بیوی کو گلدستہ اور خط بھیجا تھا جس میں لکھا تھا کہ تم نے اپنا اور میں نے اپنا فرض پورا کیا اب ہم ان مرحلوں سے دوبارہ نہیں گزریں گے۔

بیٹے کو یہ تجسس بھی تھا کہ باپ نے اتنی دولت کہاں سے جمع کر لی ہے۔

"آپ کو آپ کے والد نے ورثے میں تو کچھ بھی نہیں دیا تھا جناب۔" وہ باپ کو ڈیڈی یا پاپا نہیں کہتا تھا۔

"میں نے محنت اور کام کر کے یہ دولت جمع کی ہے۔"

"کیسا کام؟"

"ویسا ہی کام جیسا ہمارے خاندان نے لارڈ کا ٹائٹل حاصل کرنے کے لیے کیا تھا۔"

"ہمارے خاندان نے بادشاہ کی خاطر کتنوں لوگوں کو قتل کیا تھا؟"

"خاموش رہو۔"

"کیا آپ نے بھی کسی کو قتل کیا ہے؟ حکومت کے لیے؟"

"نہیں۔" مارٹن نے جواب دیا تھا۔ "یہ جدید دور ہے۔ اب ہم اس قسم کے مذہبی تعصبات کا شکار نہیں ہیں۔ نہ ہی نوکر شاہی کے کارندے ہیں۔ ایک شخص کو میری صلاحیتوں کا علم ہو گیا اور اس نے میری یہ صلاحیتیں اپنے لیے استعمال کیں اور بس۔ وہ برٹش نہیں بلکہ ایک انتہائی نفیس آدمی ہے۔"

"کیا برطانوی نہ ہوتے ہوئے بھی نفیس ہونا ممکن ہے جناب؟" بیٹا بحث کرنے پر تلا ہوا تھا۔

"شاید ممکن ہے۔" مارٹن نے جواب دیا تھا۔ "میری اس سے کبھی ملاقات نہیں ہوئی لیکن مجھے شبہ ہے کہ اس کی رگوں میں بادشاہت ہے۔ ویسے اس کا لہجہ امریکی ہے۔"

اور اب ویک فیلڈ اُسے ڈائس اور لوبو کے قتل کی تفصیلات بتا رہا تھا۔

"اور کچھ؟" مارٹن نے پوچھا۔

"نہیں۔ تمہارے چار کاغذوں پر نوٹس لیے ہیں۔"

"ہاں کافی تفصیلی رپورٹ ہے۔ کیا چائے مل سکتی ہے؟"

"کیوں نہیں۔" ویک فیلڈ نے جواب دیا لیکن اسے اس لمحے خیال آیا تھا کہ وہ اس برطانوی سے نفرت کرتا ہے غالباً اس کی وجہ برطانوی کا لہجہ تھا۔ دوست کے سوا کسی اور نے ویک فیلڈ سے تحکمانہ لہجے میں کبھی بات نہیں کی تھی۔

ایک نوکر چائے لے آیا۔

"تم چائے پیتے ہو... مسٹر ویک فیلڈ یا چائے پیتے ہی نہیں؟" مارٹن نے پوچھا۔

"میں چائے پیتا ہوں۔ میرے پاس دُنیا کی بہترین پتی ہوتی ہے۔" ویک فیلڈ نے جل کر جواب دیا۔

"شاندار۔" مارٹن سر ہلا کر بولا۔

"میرا خیال ہے کہ تم دوست سے کافی عرصے واقف ہو۔"

"کافی عرصے کی اصطلاح مبہم ہے اور تمہارے سوال کا جواب یہ ہے کہ تم اس اصطلاح سے کیا مراد لیتے ہو؟"

"درست۔ ویسے بعض اوقات ایک گھنٹے کی شناسائی بھی کافی دیر سے واقف ہونے کی اصطلاح میں آ جاتی ہے۔"

"ہُوں۔" مارٹن نے سر ہلا کر کہا۔ "تم نے میرے بعض سوالوں کا تفصیلی جواب نہیں دیا ویک فیلڈ۔"

"مثال کے طور پر؟"

"تمہارے دونوں آدمی کس طرح قتل ہوئے؟"

"یہ تو میں بہت تفصیل سے بتا چکا ہوں۔" ویک فیلڈ نے حیرت سے مارٹن کی طرف دیکھ کر کہا۔

"نہیں۔ تم نے نتیجہ کی تفصیلات بتائی ہیں لیکن ہمیں ابھی تک یہ علم نہیں کہ انھیں کس نے قتل کیا اور کس طرح؟"

"ان دو سائنسدانوں نے ہی قتل کیا ہو گا۔"

"یہ کام کسی سائنسداں کا تو نہیں لگتا۔"

"وہ یقیناً سائنسداں نہیں ہیں۔ کسی کے ایجنٹ ہوں گے۔" ویک فیلڈ نے منہ بنا کر جواب دیا۔

"درست۔ میں متفق ہوں۔" مارٹن نے کہا۔

"اور ان لوگوں نے ہمارے آدمیوں کو قتل کر ڈالا۔"

"لیکن کیسے مسٹر ویک فیلڈ۔ کس طرح؟"

"بہت مؤثر انداز میں۔ اگر دوست مجھے چند کام کے آدمی بھیج دیتا تو میں ان دونوں جعلی سائنسدانوں کو قتل کرا دیتا۔ سنو مسٹر مارٹن! اب تک میں انتہائی کامیابی سے یہ پورا آپریشن چلاتا رہا ہوں لہٰذا مجھے کام کے آدمیوں کی ضرورت ہے تمہارے جیسے منشی کی نہیں جو کاغذوں پر نوٹ لے رہا ہے۔ مجھے عمل کرنے والوں کی ضرورت ہے۔"

"تمہیں یہ شبہ کیسے ہوا کہ میں کام کا نہیں محکم کا آدمی ہوں مسٹر ویک فیلڈ؟"

"تمہیں دیکھنے سے۔ تم جسمانی اعتبار سے بہت کمزور ہو۔" ویک فیلڈ نے چائے کی چسکی لیتے ہوئے کہا۔ چائے بہت میٹھی تھی۔ اتنی میٹھی کہ ویک فیلڈ کے حلق میں جلن سی ہونے لگی۔ "تم چائے کیوں نہیں پی رہے مارٹن؟"

"اس لیے کہ چائے میں زہر شامل ہے۔" مارٹن نے پُرسکون انداز میں جواب دیا۔ "میں نے پوری چائے میں زہر گھول دیا ہے۔"

"ناممکن۔" میں نے کیتلی کی طرف تمہارا ہاتھ آتے ہوئے دیکھا تک نہیں پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ تم نے چائے میں زہر ملا دیا ہو؟"

"ظاہر ہے کہ تم نے نہیں دیکھا لیکن اگر دیکھ لیتے تو چائے کو ہاتھ بھی نہ لگاتے اور پھر مجھے تمہارا گلا کاٹنا پڑتا۔ میں کسی کو پُرتشدد انداز میں ہلاک کرنے کے خلاف ہوں۔"

"تم مجھے زہر نہیں دے سکتے مارٹن۔" ویک فیلڈ نے کہا۔

"لیکن میں تمہیں ضرور زہر دوں گا۔ تمہیں یاد ہو گا کہ جنگِ عظیم اوّل اور دوم میں ہم ہی نے تمہیں بچایا تھا اور اسے تم ہماری کمزوری سمجھ بیٹھے تھے۔ تمہارا خیال ہے کہ تم سب سے برتر ہو... لیکن یہ تمہاری غلطی ہے ہم ویک فیلڈز سب سے برتر ہیں۔"

سورج سمندر ہی میں غروب ہونے لگا تھا اور ویک فیلڈ کی آنکھوں میں اندھیرے گھلنے لگے تھے۔ اس کی اُنگلیاں بھاری اور مفلوج سی ہونے لگی تھیں اور ایسا لگ رہا تھا جیسے حلق کوئی لشتر سے کاٹ رہا ہو وہ بمشکل خود کو سنبھال رہا تھا تاکہ مارٹن پر یہ ظاہر نہ ہو پائے کہ ویک فیلڈ کمزور پڑ رہا ہے۔

اب اچانک ہی اس کے معدے میں اُلٹ پلٹ شروع ہونے لگی۔

اس نے مسکرانے کی کوشش کی اور اچانک ہی اس کے ذہن میں ایک ترکیب نے جنم لیا۔ "تم کبھی نہیں جیت سکو گے۔ وہ ہر ایک کو ہرا دیتے ہیں۔" یہ کہہ کر وہ پھر مسکرایا۔

"تم فریب نہیں دے سکتے کرنل۔" مارٹن نے مسکرا کر جواب دیا۔

"میں جان چکا ہوں کہ انھیں کوئی بھی شکست نہیں دے سکتا۔ لیکن مجھے افسوس ہے کہ میں تمہاری ذلت دیکھنے کے لیے اس وقت تک زندہ نہیں رہوں گا۔"

مارٹن لارڈ ویکس نے موٹے امریکی کو آخری سانس لیتے ہوئے اور پھر کرسی سے ڈھلک کر گرتے ہوئے دیکھا اس نے نہایت نفاست سے چائے کا اپنا کپ سمندر میں خالی کر دیا پھر دونوں کپ دھو کر ٹرے میں رکھ دیے۔ اس کے بعد اپنی ٹائی درست کی اور انجن روم کے قریب پہنچ کر کپتان سے دوستانہ انداز میں سمندر کی کیفیت پر گفتگو کرنے لگا۔ کپتان نے اسے کچھ دکھانے کے لیے گردن گھمائی تو مارٹن کا کھڑا ہاتھ کپتان کی گدی پر لگا گردن ٹوٹ گئی۔ ٹوٹنے والی دوسری گردن نائب کپتان کی تھی اس کے بعد وہ امریکی کی کشتی سے اپنے ٹرالر میں گیا اور پھر امریکی ساحل کی طرف روانہ ہو گیا۔ راستے میں اس نے ٹرالر کے کیپٹن کا بھی قصہ تمام کیا۔ ساحل پر پہنچ کر اس نے دوست کو فون کیا اور اس کے بعد اپنے بیٹے کو خط لکھنے لگا جس میں دوسروں سے خوش اخلاقی کے ساتھ پیش آنے کی ہدایت کی گئی تھی۔

★★

ولندیزی ویسٹ انڈیز میں سینٹ مارٹین کے جزیرہ کو دو حصوں میں تقسیم کرنے والی پہاڑی سڑک پر ایک چرواہا پیدل جون اپنی کار اسٹارٹ کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کے ریوڑ میں جانوروں کی تعداد زیادہ نہ تھی۔ کھیت بھی چھوٹا سا تھا لیکن وہ بہت محنت اور محنت سے اپنے اہلِ خانہ کا پیٹ بھرتا رہتا تھا۔

وہ فطرتاً مذہب پرست انسان تھا۔ لہٰذا گاڑی میں خرابی پر بھی اسے غصہ نہ آیا۔

"بیٹی۔ نانی گرل۔ اب اسٹارٹ بھی ہو جاؤ۔" اس نے اپنی پرانی فورڈ ویگن کے ایکسیلیٹر پر پیر رکھ کر چوتھی کوشش کی۔ وہ گاڑی سے بالکل اسی طرح پیار بھرے لہجے میں باتیں کرتے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کا عادی تھا جس طرح جانوروں سے باتیں کرتا رہتا تھا۔

"مشین اور جانور میں صرف یہ فرق ہے کہ مشین بھاگ تو سکتی ہے مگر مشین اور انسان میں صرف یہ فرق ہے کہ مشین کسی دکھے دل پر ہمدردی کے بولوں کا پھاہا نہیں رکھ سکتی۔" یہ پیٹر جون کا فلسفہ تھا اسے بیٹی سے بھی محبت تھی لیکن اس وقت بیٹی اسٹارٹ ہی نہیں ہو رہی تھی۔

پیٹر جان نے اتر کر بونٹ اٹھایا۔ کاربوریٹر پر صابن جیسی سفید رنگت نظر آئی۔ اس نے اسے سونگھنا چاہا مگر اس میں کوئی بُو نہ تھی۔ اس نے انگلی لگائی تو یہ سفید چیز موم کی طرح چکنی تھی تاہم اچانک ہی اسے انگلی کی پور پر دُکھن کا احساس ہوا اور گلابی پور کی رنگت قدرے سفید ہو گئی۔ وہ سیاہ فام شخص تھا اور اس کا کہنا تھا کہ خدا نے اسے سیاہ رنگ دے کر سورج کی تپش میں جلس جانے سے ہمیشہ کے لیے محفوظ بنا دیا ہے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ جب یہ کیمیکل اس کی سیاہی مائل گلابی پوروں کو سفید کر سکتا ہے تو پھر پورے جسم کو بھی سفید بنا سکتا ہے لیکن وہ سفید فام بننا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے فوراً میری گوٹ میں ڈاکٹر سے ملاقات کے لیے وقت لیا اور شیورلیٹ کی طرف بڑھ گیا۔ اس نے شیوی اسٹارٹ کرنے کی کوشش میں ناکامی کے بعد اس کا بھی کاربوریٹر دیکھا اور وہاں بھی اسے وہی سفید کیمیکل نظر آیا۔ ایک دوست کی گاڑی بھی اسی طرح خراب پڑی تھی۔

وہ سوچنے لگا کہ کاربوریٹر میں یہ کیمیکل یقیناً پیٹرول کے ذریعے پہنچا ہو گا لہٰذا اس نے اپنی بیٹی کی ٹنکی کھولی۔ ٹنکی کے کھلتے ہی اس سفید سی چیز کا دھما کا سا ہوا اور اس کے چہرے پر اس سفید کیمیکل کی پھوار زیادہ زور سے پڑی۔

وہ سوچنے لگا کہ آخر یہ حرکت کس نے کی ہو گی۔

اس نے جزیرے سے گزرنے والی بسوں کی کمپنی کو فون کیا مگر وہاں سے اسے کوئی جواب نہیں ملا۔ یہ انتہائی غیر معمولی بات تھی لہٰذا اس نے پیدل ہی جانے کا فیصلہ کر لیا۔ اسے یقین تھا کہ راہ میں اسے کوئی نہ کوئی ضرور لفٹ دے گا حالانکہ افواہیں یہ تھیں کہ سڑک سے گزرنے والے کبھی سیاہ فام کو لفٹ نہیں دیا کرتے۔

حیرت کی بات یہ تھی کہ آج کی صبح سڑک پر کوئی کار نظر نہیں آ رہی تھی۔

وہ پیٹرولیئس لیبارٹری کی وسیع و عریض اراضی کے قریب سے گزرا اور پھر جونہی اس کی نظر پہاڑی پر پڑی وہ اسے چند کاریں کھلونوں کی طرح وہاں نظر آئیں ان کے سائیلنسروں سے اُودا اُودا دھواں نکل رہا تھا اور لیبارٹری سے دُور اس پہاڑی کے نیچے اسے عجیب سی بُو محسوس ہو رہی تھی۔ اس کی سانس بھاری ہونے لگی۔

سڑک پر اسے کاریں نظر آنے لگیں لیکن ہر گاڑی ساکت کھڑی ہوئی تھی۔ بعض کی ٹنکیوں کے ڈھکن اُٹھے ہوئے تھے اور ان میں سے وہی سفید چیز نکل رہی تھی۔

وہ تیزی سے آگے بڑھنے لگا۔

قریب والا پیٹرول پمپ اسی سفید چیز میں چھپا ہوا تھا اس کے پمپ تک چھپ گئے تھے۔

اب اسے خود اپنے جسم پر اس جگہ سفید دھبے نظر آنے لگے تھے جہاں سفید کیمیکل گرایا گیا تھا۔ ان دھبوں میں اس طرح جلن ہو رہی تھی جیسے مچھر ڈنک مار رہا ہو۔

پیٹر کا ڈاکٹر ولندیزی تھا اور اس نے ایک فرانسیسی خاتون سے شادی کر کے مستقل جزیرے کے فرانسیسی حصے ہی میں بود و باش اختیار کر لی تھی۔ وہ پیٹر کے پورے خاندان کا معالج تھا۔

پیٹر جون کے آٹھ میں سے تین بچے مر گئے تھے اور اس نے ان کی موت کو خدا کی مرضی قرار دے کر صبر کر لیا تھا لیکن اب بھی اس کے پانچ بچے تھے اور وہ ان کے زندہ بچ جانے پر ڈاکٹر کا احسان مند تھا۔ ذاتی طور سے پیٹر جون بہت سادا لوح تھا اور ڈاکٹر سمیت تمام تر افراد اسے احمق جان کہتے تھے۔

"ایکسکیوزمی ڈاکٹر!" پیٹر جون نے کلینک میں داخل ہوتے ہی ڈاکٹر سے کہا۔ "کسی سفید کیمیکل نے میری کار پر حملہ کر دیا ہے اور اب مجھ پر حملہ کر رہا ہے۔" یہ کہتے ہوئے اس نے اپنی سیاہ جلد پر پڑے ہوئے سفید دھبے دکھائے۔

"کار کی کیا حالت ہے؟"

"کار میں پیٹرول کی جگہ یہی کیمیکل بھرا ہوا ہے ڈاکٹر۔"

"تمہیں درد ہوتا ہے جلن؟"

"جلن اور بعض اوقات ایسا لگتا ہے جیسے دھبے کے اندر کوئی چیز ڈنک مار رہی ہے۔"

"کیا اس کی وجہ سے انجن ناکارہ ہو گیا ہے۔ میرا مطلب ہے مستقلاً؟"

"اس کا پتا نہیں۔"

"تمہاری فوراً بہت اچھی گاڑی ہے۔ میرا خیال ہے

کہ تم اسے میرے ہاتھوں فروخت کر دو۔"

"میں اپنی کھال کا علاج کرانے کے لیے آیا ہوں ڈاکٹر۔"

پیٹر جون نے قدرے حیرت سے اسے دیکھ کر کہا۔

"ٹھیک ہے۔ دو اسپرین کھا لینا اور اگر حالت بہتر نہ ہو تو پھر مجھ سے ملنا۔"

"صرف دو اسپرین؟ ان سے کیا ہو گا؟"

"نقصان بھی نہیں ہو گا۔"

"لیکن کیا اسپرین کھانے سے کھال ٹھیک ہو جائے گی۔"

پیٹر جون ڈاکٹر کے رویے پر حیرت زدہ تھا۔ یہ میرا خیال ہے کہ محض اسپرین سے کوئی فائدہ نہ ہو گا ڈاکٹر۔ میں۔" پیٹر جون ڈاکٹر کو دھبوں کا معائنہ کرتے ہوئے دیکھ کر خاموش ہو گیا۔ اُدھر ڈاکٹر کچھ اور سوچ رہا تھا اور اس کا دل بہت زور زور سے دھڑکنے لگا تھا۔ "نہیں۔"

"کک۔ کیا ہوا ڈاکٹر!" پیٹر جون بھی گھبرا گیا۔

"سنو۔ اگر تمہاری کار پر اس انداز میں حملہ ہوا ہے تو پھر دوسری کاریں بھی متاثر ہوئی ہوں گی۔"

"جی ہاں۔ کئی کاریں۔ میں ان کاروں کو راستے میں دیکھ کر آیا ہوں۔" پیٹر جون نے جواب دیا۔

"اوہ۔ میرا خیال ہے کہ تم وقت پر آ گئے۔" یہ کہہ کر وہ اپنے آفس سے تقریباً بھاگتا ہوا نکلا۔ پیٹر جون بھی اس کے ساتھ ساتھ تھا۔ ڈاکٹر واقعتاً گرتا پڑتا بھاگ رہا تھا آخر کار وہ ایک چھوٹی سی عمارت تک پہنچا اس نے لات مار کر دروازہ کھولا۔ اندر ریشم جیسی چمکدار ایک ہیجو کار کھڑی ہوئی تھی۔ ڈاکٹر نے بھاگ کر کار کا دروازہ کھولا۔ سیٹ پر بیٹھ کر اگنیشن میں چابی لگائی۔ اسی لمحے پیٹر جون بھی گیراج میں داخل ہو گیا۔

"دُعا کرو کہ میری گاڑی اسٹارٹ ہو جائے پیٹر جون۔" ڈاکٹر روہانسے انداز میں بولا۔

معاً ہی ہیجو زور سے کھانسی اور پھر اسٹارٹ ہو گئی۔ ڈاکٹر نے قہقہہ لگایا لیکن اس کی آنکھوں میں آنسو بھی تھے۔

"شکر ہے کہ تمہاری کار ٹھیک ٹھاک ہے۔"

"اس میں بیٹھ کر تفریح کرو گے؟" ڈاکٹر بہت زیادہ خوش تھا۔

"نہیں۔ شکریہ۔ میں تو علاج کرانے کے لیے آیا ہوں۔" پیٹر جون نے جواب دیا۔

"ان دھبوں کو دھو کر تو دیکھو۔" ڈاکٹر نے مشورہ دیا۔ "میں اپنی کار کے لیے بالکل خالص پانی رکھتا ہوں، تم اس سے ہاتھ دھو لو لیکن پانی زیادہ استعمال مت کر لینا۔"

پلاسٹک کے ایک جار میں ایک طرف پانی رکھا ہوا تھا۔ پیٹر جون نے اسے اپنے بازوؤں اور ہاتھوں پر ڈالا چھوٹے چھوٹے دھبوں میں اچانک ہی ٹھنڈک جیسی پُرسکون کیفیت کا احساس ہوا مگر دھبے اور زیادہ نمایاں ہونے لگے۔

"میرا خیال ہے کہ اس پانی سے فائدہ ہو رہا ہے ڈاکٹر۔ یہ پانی ساتھ لے جاؤں؟"

"اوہ۔ یہ پانی تو میں نے ہیجو کمپنی سے گاڑی کے لیے منگوایا ہے خیر۔ کوئی بات نہیں۔ آؤ میری گاڑی میں بیٹھو۔ میں تمہیں گھر تک چھوڑ دوں گا۔ اسٹیشن ویگن بھی دیکھ لوں گا لیکن اگر اس کو زیادہ نقصان پہنچا ہے تو پھر اسے خریدنے کا ارادہ ترک کر دوں گا۔"

ڈاکٹر نے پیٹر جون کے گھر تک جانے کے لیے لمبا راستہ اختیار کیا تاکہ نئی کار کی تمام خوبیاں پیٹر جون کے علم میں آ سکیں یہ راستہ

ڈائجسٹوں کے مقبول سلسلے

سرکش	(۱۲ حصے)	محمود احمد مودی	۷۲۰/-
ٹائیگر	(۱۲ حصے)	مشتاق احمد قریشی	۶۵۰/-
خبیث	(۵ حصے)	انوار صدیقی	۲۲۵/-
درخشاں	(۲ حصے)	انوار صدیقی	۱۰۰/-
روگی	(۵ حصے)	ام الفہد صدیقی	۲۷۰/-
دہشت گرد	(۴ حصے)	سلیم فاروقی	۲۰۰/-
سرفروش	(۲ حصے)	اظہر کلیم	۱۲۰/-
شہباز	(۲ حصے)	اظہر کلیم	۱۲۰/-
انسان اور شیطان	(۲ حصے)	محمد فراز	۱۵۰/-

ناشر

مکتبہ القریش سرکلر روڈ، اردو بازار
لاہور فون: ۷۶۶۸۹۵۸

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

پورٹ آف پیٹربرگ سے ہو کر گزرتا ہے۔ جہاں بڑے بڑے آئل ٹینکر نظر آتے ہیں اطراف میں ایکسوک جزیرہ بھی موجود ہوتے ہیں اور تیل سے چلتے ہیں۔

لیکن جونہی وہ آئل ٹینکوں کے قریب پہنچے ایک ٹینک کا بالائی حصہ عجیب سی آوازوں کے ساتھ بلند ہونے لگا۔ پیٹرجون اور ڈاکٹر کی آنکھیں مارے حیرت کے پھٹی رہ گئیں۔ انھوں نے دیکھا کہ بالائی حصہ سفید موم کے اوپر اٹھ رہا ہے۔ موم ٹنوں کے حساب سے تھا۔

پیٹربرگ کی روشنیاں مدھم ہونے لگیں۔ ایئر کنڈیشن بند ہوئے تو کھڑکیاں کھلنے لگیں۔ لوگ گھروں سے نکل نکل کر یہ دیکھنے لگے کہ بجلی کیوں چلی گئی۔

"جلدی کرو۔" پیٹرجون نے گھبرا کر کہا۔ وہ خوفزدہ تھا اسے پل بھر کے لیے ایسا لگا کہ پیٹربرگ ویسا ہی ویران اور تاریک علاقہ بننے والا ہے جیسا اسے پیٹرجون کے اجداد نے پایا تھا۔

پھر اچانک ہی ڈاکٹر کی کار بھی رُک گئی۔ ڈاکٹر کے چہرے کی رنگت فق ہو گئی۔ وہ بھاری دل کے ساتھ اُترا اور اس نے ڈرتے ڈرتے ہُڈ اٹھایا۔ اس کے خدشات درست ثابت ہوئے۔ کار ریڈیٹر پر سفید موم نما کوئی چیز جمی ہوئی تھی۔ اس کی آنکھیں پھٹی رہ گئیں، وہ گریس اور تیل کو دوڑتے دوڑتے سفید موم بنتا ہوا دیکھ رہی تھیں۔ اس کی نظروں کے سامنے کیمیاوی عمل جاری تھا۔ ممکن ہے یہ بکٹیریا یا کیمیکل عمل ہو۔ اس نے سوچا۔ یہ بکٹیریا کی جو بھی قسم تھی وہ ہوا کے ذریعے سفر کرتی ہوئی پیٹرول پر حملے کر رہی تھی اور پیٹرول ساکت ہو کر موم بن جاتا تھا۔

دونوں نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ ان کے آس پاس بھی کاریں چلتے چلتے رُک رہی تھیں۔ ریڈیو اور ٹی وی کی نشریات بند ہو چکی تھیں۔ اچانک ہی سناٹے میں کسی جھینگر کے ٹرّانے کی آواز سنائی دی اور دُور کہیں گانے ڈرانے لگی۔

"خوفناک۔" ڈاکٹر خوفزدہ لے کر بولا۔

"خوبصورت۔" پیٹرجون نے کندھے اچکا کر کہا۔

*

پیٹربرگ ہی میں امریکی افسر کیونٹی لانگ ڈسٹینس ٹیلی فون اسٹیشن پر جسے لینڈ ریڈیو کہا جاتا تھا امریکہ کے لیے کال ملا کر کہیں کے واقعات بیان کر رہا تھا۔

"گیس یا تیل جو کچھ بھی ہے وہ اچانک موم بن جاتا ہے۔ یہ لگتا ہے جیسے گیس یا تیل پر کوئی بیرونی کیمیاوی عمل کیا جا رہا ہے۔ جی۔ نہیں۔ میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ کسی کیمیکل کا اثر نہیں۔ ممکن ہے کہ یہ سب کچھ کسی ایسے بکٹیریا کی وجہ سے ہو رہا ہو جو انھوں نے یہاں تیار کیا ہو۔ ویسے میں پورے اعتماد سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ ویسے باہر میں موجود جہازوں کی روشنیاں ابھی تک جل رہی ہیں۔ یس سر۔ جی۔ جی ہاں آپ جو بھی معلومات حاصل کرنا چاہیں گے ہم فراہم کریں گے لیکن سوال یہ ہے کہ ہم اسے جزیرے سے باہر کس طرح بھیجیں۔ آج سے زیادہ طیارے گراؤنڈ ہیں کیونکہ ان کے ٹینکوں میں بھی پیٹرول کے بجائے موم بھرا ہوا ہے۔ پتا نہیں کیا مصیبت آگئی ہے۔"

وہ امریکہ سے ریٹرن کال کے انتظار میں بیٹھا رہا۔ معاً ہی اسے احساس ہوا کہ اس کے ہاتھ میں موجود ریسیور نرم اور لجلجا سا لگ رہا ہے۔ اس نے چونک کر دیکھا، ریسیور کے سفید پلاسٹک پر اس کے انگوٹھے کا نشان نظر آنے لگا تھا تب ہی اسے یاد آیا کہ اس پلاسٹک کی تیاری میں بھی بنیادی عنصر پیٹرول ہی ہے۔ وہ پسینے سے شرابور ہو گیا۔ قمیص چپکنے لگی مگر اس کے چپکنے کی وجہ پسینہ نہیں تھا۔ بات یہ تھی کہ قمیص کے کپڑے کی تیاری میں بھی پیٹرول شامل تھا۔

اس نے قمیص اُتار دی۔ قمیص ایسی لگ رہی تھی جیسے وہ گیلی اور گرم برساتی پہن رہا ہے۔

کال بیک میں تاخیر ہو رہی تھی۔ وزارت تجارت و صنعت میں اس کے اعلیٰ افسروں کو اس موم میں بہت دلچسپی تھی اور اسے یہ اطلاع دی جا رہی تھی کہ وہ کم از کم ۵ ٹن ایسا موم چاہتے ہیں جس سے حالات اس مرحلے پر پہنچ گئے ہیں کہ پیٹربرگ اُجڑنے والا ہے۔

"پانچ ٹن؟" امریکی افسر نے حیرت سے کہا۔ "مگر تجربات کے لیے اتنی مقدار کی کیا ضرورت ہے؟"

"بات یہ ہے کہ ہمارا ہر شعبہ اس پر تجربات کرنے کا خواہاں ہے۔ محکمہ دفاع، محکمہ زراعت، اور سی آئی اے وغیرہ سب ہی اس میں دلچسپی لے رہے ہیں۔"

"لیکن میں پانچ ٹن کہاں سے حاصل کروں گا؟"

"تم کتنا حاصل کر سکتے ہو؟"

"زیادہ سے زیادہ ایک ٹن۔" افسر نے جواب دیا۔

"اوکے۔ اسے ہم طیارے میں لے جائیں گے۔" یہ جواب سن

کر افسر نے ریسیور رکھ دیا کیونکہ اسے اندازہ تھا کہ اب دوسری طرف سے کوئی بات نہیں کی جائے گی۔

موم سے بھرا ہوا کین لینے کے لیے آنے والا پہلا طیارہ دوبارہ ٹیک آف نہیں کر سکا۔ دوسرے طیارے کے انجن پر فوراً ہی موم کی تہیں اس طرح جم گئیں کہ وہ اس میں پھنس کر رہ گیا لیکن بہرحال یہ طیارہ ٹیک آف کر گیا تاہم یہی غلطی ہوئی کہ طیارہ سات ہزار فٹ کی بلندی پر تھا کہ اچانک رُک گیا کنٹرول سسٹم بے قابو ہو گیا۔ مُلٹ بے ہوٹل میں مقیم مہمانوں نے ورانڈے سے اس طیارے کی تباہی کا منظر دیکھا۔ تیسرا طیارہ سات میل کا سفر طے کرنے کے بعد سمندر میں گر کر غرق ہو گیا۔

سرکاری ملازموں نے ایک اور ترکیب نکالی۔ انھوں نے موم کا ایک بڑا ڈھیر ایک بڑے اور مضبوط تھیلے میں بھر کر اس کو اچھی طرح بند کر دیا اور پھر کوئی ایسا طیارہ تلاش کرنے لگے جس پر موم کا ابھی تک اثر نہیں ہوا ہو۔

ہینگر میں ایک طیارہ بہت اندر ایسی جگہ کھڑا ہوا تھا جہاں ہوا کا گزر تک نہ تھا۔ اس کی کھڑکیاں وغیرہ بھی بند تھیں یہ ملازم اس وقت تک انتظار کرتے رہے جب تک ہوا کا رُخ تبدیل نہیں ہو گیا اور جونہی ہوا سمندر سے ہینگر کی طرف چلنے کی بجائے مخالف سمت میں چلنے لگی انھوں نے انتہائی پھرتی سے کام کیا۔ تھیلے کو طیارے میں ٹھونسا اور ہوا بند کوکاک پٹ میں۔ ہوا باز کو مکمل بریفنگ کی گئی تھی لہٰذا اس نے طیارے کو اس انداز میں نکالا کہ وہ سمندر سے آنے والی ہوا سے نہ گزرے اور یوں یہ طیارہ کینو اس بیگ میں بھرے ہوئے موم سمیت واشنگٹن پہنچ گیا۔

وہاں صدرِ مملکت کو یہ بتایا جا رہا تھا کہ انسانیت کس خطرناک خطرے سے دوچار ہے۔

"ویل۔ ویل۔" صدر نے اپنے مخصوص انداز میں مسکرا کر کہا۔ اداکاری ان کے رگ و پے میں سرایت کر چکی تھی وہ پیدائشی طور پر اداکار تھے۔ ناکام ہی سہی لیکن اس ناکام اداکار نے سیاست میں بڑی کامیابیاں حاصل کی تھیں اس کے اعصاب مضبوط تھے۔" یہ یقیناً ایک دشوار صورت حال ہے لیکن ہم ایسی مشکلات سے پہلے بھی تو گزر چکے ہیں۔ ہم نے بڑے بڑے مسائل کو حل کر دیا ہے یہ مسئلہ بھی محنت اور بھرپور اعتماد و یقین سے کام لینے سے حل ہو سکتا ہے۔"

ان الفاظ سے اس کی کابینہ میں شامل کئی افراد کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور بعض نے ایسا محسوس کیا جیسے ان کے حلق میں پھندا سا پڑ گیا ہو۔

"میں معذرت خواہ ہوں جناب کیونکہ مجھے آپ کے تجزیہ سے اتفاق نہیں۔" ایک سائنسداں نے بڑی گمبھیر آواز میں کہا۔ "میرا خیال ہے کہ ہمیں آج سے قبل کبھی انسانیت کی مکمل تباہی کے خطرے سے دوچار نہیں ہونا پڑا تھا۔"

"میں تم سے اتفاق نہیں کرتا مسٹر۔" صدر نے مسکرا کر جواب دیا۔ "ایسے حوادث سامنے آتے رہے ہیں اور ہم ان سے کامیابی کے ساتھ نمٹتے بھی رہے ہیں۔"

میٹنگ روم تالیوں سے گونج اٹھا۔ وزیر دفاع نے کہا کہ انھوں نے پہلے کبھی صدر کی تقریر میں اتنا زبردست یقین محسوس نہیں کیا تھا۔ وزیر داخلہ نے کہا کہ صدر کے ایک ہی جملے نے ٹوٹتے ہوئے دلوں کو نئی توانائی عطا کی ہے۔

اور صدرِ مملکت مسکرا مسکرا سب کا شکریہ ادا کر رہے تھے، لیکن سائنسداں اپنے مؤقف پر اڑا ہوا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ میں نے اپنے مؤقف کی ابھی وضاحت نہیں کی ہے صدرِ محترم۔" اس نے کہا۔ "یہ جنگ انسانوں سے نہیں ہے۔ دراصل ایک تباہی ہے۔ ایک مہلک طوفان ہے جو ہم سب کو گھیرنے والا ہے۔"

"طوفان۔" صدرِ مملکت نے مخصوص انداز میں قہقہہ لگایا۔ "ہاں۔ یاد آیا۔ میں نے ایک ایسی فلم میں کام کیا تھا جس میں ہمیں طوفان میں گھرا ہوا دکھایا جاتا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ اس روز واقعی طوفان آگیا تھا اور میں نے ایک کیبن میں پناہ لی تھی۔ ورا ہر بار الٹن میرے ساتھ ہی تھی وہیں ہمیں ایک دوسرے سے عشق ہو گیا، پھر طوفان ختم ہونے کے بعد ہم دونوں۔ باہر نکل آئے۔"

وزیر دفاع نے اثبات میں سر کو جنبش دی۔ دراصل وہ اس بات پر خوش تھا کہ صدر نے اس خوفناک صورتحال کو سنجیدگی سے نہیں لیا کیونکہ صدر اب عمر کے اس مرحلے پر پہنچ گیا تھا کہ مزید کوئی صدمہ برداشت کرنے کی اس میں ہمت نہ تھی اور یہ بات محض دو وزیروں کو معلوم تھی۔ صدرِ مملکت نے گزشتہ ہفتہ ہی فوجی مشقیں دیکھی تھیں جن کے بعد انھیں ایک ہفتہ تک اس دیہی محل میں آرام کی ہدایت کی گئی تھی۔

سائنسداں بہت ضدی ثابت ہو رہا تھا۔

"میں خبردار کرنا چاہتا ہوں کہ دُنیا کا سارا پیٹرول، تیل کا

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ایک ایک قطرہ اور گیس کا ایک ایک کیوبک انچ ضائع ہو جائے گا یا کم از کم پیٹرول کی رسد بند ہو جائے گی۔"

"ناممکن۔" وزیر دفاع نے پُرزور انداز میں تردید کی۔ "ہماری ایسی تمام تنصیبات زیرِ زمین ہیں۔"

سائنسداں نے ایک طویل سانس لے کر ریفریف کیس کھولا وہ اس مرحلے کے لیے تیار ہو کر آیا تھا۔ اس نے تین بوتلیں نکالیں۔ ایک چھوٹی سی بوتل میں وہی پیٹرول خور موم بھرا ہوا تھا دوسری بظاہر خالی لگ رہی تھی اور تیسری بوتل میں جسے انتہائی سختی سے سر بہ مہر کیا گیا تھا کالا کالا تیل تھا۔ "اس میں انارو بک بیکٹیریا ہے حضرات!" اس نے خالی بوتل ہاتھ میں لے کر سب کو دکھائی۔ "انارو بک کا مطلب ہے آکسیجن یا ہوا کے بغیر۔ یہی وجہ ہے کہ اگر یہ کسی آئل سسٹم میں دخل اندازی کر بیٹھیں تو پھر اندر ہی اندر اس کو پوری طرح اپنی لپیٹ میں لے لیں گے۔ انھیں زندہ رہنے اور مزید جرثومے پیدا کرنے کے لیے ہوا کی ضرورت نہیں ہوتی اگر یہ زیرِ زمین ذخائر تک پہنچ جائیں تو ان کو بھی دیمک کی طرح صاف کر جائیں گے۔"

"سوال یہ ہے کہ انھیں زیرِ زمین کون پہنچائے گا؟" وزیر دفاع نے خشمگیں انداز میں پوچھا۔

"ہوا۔" سائنسداں کا جواب دو ٹوک تھا۔ "اس پورے عمل میں ہماری خوش قسمتی یہ ہے کہ یہ جرثومے زیادہ طویل فاصلے تک پرواز نہیں کر سکتے۔ چھوٹے فاصلے طے کر کے ہی پھٹ جاتے ہیں اس کی زندہ مثال ساحل سینٹ مارٹین پر موجود جہاز ہیں جن کی روشنیاں ابھی تک جل رہی ہیں۔"

اس کی ناک پر گھونسا مارو۔" صدر نے رائے دی۔ "ایک فلم میں ویلن میری پٹائی کر رہا تھا میں نے اس کی ناک پر گھونسا مارا تو وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔"

"وہ اداکار نہیں جناب! بیکٹیریا ہیں اور ان کے ناک نہیں ہوتی۔" سائنسداں نے اپنا غصہ مشکل سے ضبط کیا۔

"میرا اپنا اصول یہ ہے کہ اس توپ کے قریب ہی مت جاؤ جو داغی جانے والی ہو۔" وزیر دفاع نے کہا۔ "اوہو۔ وہاں تو ایسا لگتا ہے جیسے پٹاخے پھٹ رہے ہوں۔"

"حضرات!" سائنسداں اب پھٹ پڑنے کے قریب تھا۔ "میں خبردار کرنا چاہتا ہوں کہ اگر اس بیکٹیریا پر توجہ نہ دی گئی تو کرۂ ارض پر ایک قطرہ تیل بھی نہیں رہے گا۔ نہ تیل ہوگا، نہ گیس اور نہ ہی تیل سے بننے والا پلاسٹک۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ تیل کی طلب بہت بڑھ جائے گی۔" صدر نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ انجن تباہ ہو جائیں گے۔ صنعتیں بند ہو جائیں گی۔ جب تک پیٹرول کا متبادل تلاش نہ کیا جائے گا اس وقت تک کاریں بھی سڑکوں پر نہیں چلیں گی۔ تیل کا متبادل بہت مہنگا ثابت ہوگا۔ کیا آپ تصور کر سکتے ہیں کہ کبھی پیٹرول دس ڈالر فی گیلن ملے گا؟ اور وہ بھی اس شرط پر کہ اس بیکٹیریم نے سنتھیٹک ایندھن پر حملہ نہ کیا۔"

"اوہ۔" صدر کے چہرے پر پہلی مرتبہ تشویش کے سائے لرزنے لگے۔ "یعنی مستقبل دو قسم ہو جائے گا۔"

"جی ہاں۔ پھر ہم ہل، پھاوڑے اور گھوڑے کی دنیا میں واپس چلے جائیں گے۔ ممکن ہے کہ ہمیں غاروں کی زندگی دوبارہ اختیار کرنی پڑے۔"

صدر کا چہرہ سُت گیا۔ وہ سوچنے لگا کہ کاش یہ کسی فلم کا اسکرپٹ ہو۔

سائنسداں نے بظاہر خالی بوتل کا ڈھکن کھولا، پھر تیسل کی چھوٹی سی بوتل کھولی۔ "یہ بیکٹیریا پیٹرول پر زندہ رہتا ہے حضرات!" سائنسداں نے کہا۔ "اگر اس کی ایک بوتل تیل کے ایک کنویں میں ڈال دی جائے تو بیکٹیریا کی اگلی نسل کا سلسلہ شروع ہو جائے گا اور پھر محض چند گھنٹوں میں یہ بیکٹیریا پورے کنویں کو تیل سے خالی کر دے گا۔"

"یہ... سفید چیز کیا ہے کیا ہم اسے فروخت کر سکتے ہیں؟" وزیر دفاع نے پوچھا۔ وزیر دفاع کا تعلق دراصل ایک صنعتی ادارے سے تھا مگر اسے قومی دفاع کی ذمہ داری سونپ دی گئی تھی۔

"یہ سفید چیز مُردہ بیکٹیریا ہے۔" سائنسداں نے جواب دیا۔ "اگر آپ حضرات میری کوئی بات نہ سمجھ سکے ہوں تو معاف کیجیے گا۔ وجہ یہ ہے کہ میں اس شعبہ میں مہارت نہیں رکھتا اور..."

"اس شعبے کے کسی ماہر کو فوراً بلاؤ۔" صدر نے حکم دیا۔

"یہی ایک المیہ ہے جناب... اس شعبے کا کوئی ماہر دستیاب نہیں۔ اگر کوئی ماہر دستیاب ہوتا تو میں یہاں نہ ہوتا۔"

"اس شعبے میں امریکہ کے پاس کوئی ماہر نہیں؟" صدر کی آواز شدتِ حیرت یا غصے سے کانپ رہی تھی۔

"میں نے کسی ماہر کو تلاش کرنے کی کوشش کی تھی جناب۔" سائنسداں نے کہا۔ "پہلے اس شعبے کے کئی ماہر یونیورسٹی آف میساچوسٹس سے وابستہ تھے لیکن پھر انھیں یا تو قتل کر دیا گیا یا

پھر انھوں نے کہیں اور نوکری کر لی۔ وہ کہاں ملازم ہیں؟ اس کا مجھے علم نہیں۔ مختصراً یہ عرض کر سکتا ہوں جناب... کہ... کہ ہمیں ایک وبا سے خطرہ ہے، پیٹرولیم وبا سے، اور اس وبا کا علاج کرنے کے لیے کوئی ڈاکٹر دستیاب نہیں۔"

"تمھارا مطلب یہ ہے کہ دنیا بھر کی آئل سپلائی خطرے میں ہے؟" صدر نے بے چینی سے پہلو بدل کر پوچھا۔

"جی ہاں۔"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ کوئی سازش ہے؟"

"آپ درست کہہ رہے ہیں جناب۔" سائنسداں نے جواب دیا اور کابینہ کے دوسرے وزیر بھی سر ہلانے لگے۔

"اب جبکہ ہم ایک نتیجے پر پہنچ چکے ہیں تو ایجنڈے کے اگلے پوائنٹ پر گفتگو شروع کی جا سکتی ہے۔" وزیر دفاع نے کہا۔

"نہیں۔" صدر نے پُرزور لہجے میں کہا۔ "فی الوقت اسی موضوع پر بات کی جائے گی۔" وہ سوچ رہا تھا کہ اس وزیر دفاع کو تو اس کی انڈسٹری میں رکھا جائے تو بہتر ہے۔

"یہ بتاؤ کہ یہ بیکٹیریا کہاں سے آیا اور اسے کیوں تیار کیا گیا ہے؟" صدر اب سنیچر کی سے متعلقہ پہلو پر غور کر رہا تھا۔

"اس کی تیاری کا مقصد تیل سے پھیلنے والی سمندری آلودگی کو صاف کرنا تھا۔" سائنسداں نے جواب دیا۔

"بھلا آلودگی صاف کرنے کی خواہش کیسے ہو گی؟" وزیر داخلہ نے سوال کیا۔

"سمندر اور سمندری مخلوق کو زندہ رہنے کے لیے ماحول فراہم کرنے کے خواہشمندوں کو۔" یہ جواب صدر نے دیا تھا۔

"ماحول نواز۔" وزیر داخلہ نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "ان لوگوں نے ہمیں بہت پریشان کر رکھا ہے۔"

صدر نے ایک خاص انداز سے سر جھٹکا، وہ سوچ رہے تھے کہ وزیر داخلہ کو بجٹ کی کاروبار ہی میں رہنا چاہیے تھا لیکن فی الوقت یہ کابینہ میں تبدیلی کا موقع نہیں تھا۔ سائنسداں نے جو مسئلہ پیش کیا تھا وہ بہت نازک اور انتہائی خطرناک تھا۔ صدر نے اندازہ لگا لیا تھا کہ انارو بک بیکٹیریم کو کسی خاص مقصد کے تحت تخلیق کیا گیا ہے اور وہ لوگ جو اس کا توڑ کر سکتے تھے ستار سے ہٹا دیے گئے ہیں غالباً ان لوگوں کو ہٹایا جانا بھی منصوبے کا ہی حصہ ہے۔ اب دنیا کو غیر مہذب بلکہ پتھروں کے دور میں واپس لے جانے کے منصوبے پر عمل شروع کیا جائے۔

صدر کو علم تھا کہ انھیں اب وہ ایک اقتباس استعمال کرنا ہے جس کو انھوں نے کبھی نہ استعمال کرنے کا عزم کر رکھا تھا۔

وہ میٹنگ چھوڑ کر اپنے بیڈ روم میں آئے اور بیڈ کی ایک خفیہ دراز سے انھوں نے ٹیلی فون نکالا۔ اس ٹیلی فون کو سیکرٹری ہونے والے صدر نے ان کے حوالے کیا تھا اور واضح طور پر کہا تھا کہ اس ٹیلی فون پر گفتگو کرنے والے کو آپ حکم نہیں دے سکتے صرف تجویز پیش کر سکتے ہیں اور ضروری نہیں کہ وہ آپ کی تجویز پر عمل کرے۔"

"بھلا تمھیں اس کا علم کیسے ہوا کہ وہ شخص صدر کے حکم پر عمل نہیں کرے گا؟" نئے صدر نے پوچھا۔

"ثبوت کے لیے انتخابات میں میرا ہار جانا ہی کافی ہے۔" سبکدوش ہونے والے صدر نے جواب دیا۔

"لیکن میں اسے کبھی استعمال نہیں کروں گا۔" نئے صدر نے سبکدوش ہونے والے صدر کے سامنے عزم کیا۔

لیکن اب وہ فون کا ریسیور اٹھا رہے تھے۔ بیکٹیریم کو ہر قیمت پر روکا جانا تھا تاکہ انسانیت تباہ نہ ہو۔ اس وقت ان پر عمل اتنا اہم نہ تھا جتنا غیر آئینی ذرائع سے دنیا کو بچانا۔

دوسری طرف اچانک ہی عجیب سی آواز سنائی دی۔

"یس مسٹر پریذیڈنٹ؟"

"نسلِ انساں کو ایک مسئلے کا سامنا ہے۔ ممکن ہے کہ آپ اس طرح رابطے پر حیرت زدہ ہوں لیکن میرے پاس اس کے سوا اور کوئی راستہ نہ تھا۔ یہ سلسلہ ختم ہونا چاہیے۔" صدر نے کہا۔ دوسری طرف بکھ دیر تک خاموشی رہی اور صدر کی سانس ایک ناقابلِ فہم خوف سے الٹ پلٹ ہونے لگی۔

"اگر آپ کا اشارہ..." دوسری طرف سے آنے والی آواز بے تاثر اور سرد تھی۔ "یہ ریپڈ بریڈ بیکٹیریا یا آربی بی سے ہے تو ہم پہلے ہی اس پر توجہ دے رہے ہیں۔"

"تب پھر آپ کو... علم ہوگا ایم یونی سے تعلق رکھنے والے ایسے تمام سائنسداں غائب ہیں جو اس سلسلے میں ہماری تھوڑی بہت مدد کر سکتے تھے۔" صدرِ مملکت نے کہا۔ انھیں اس بات پر بہرحال بہت مسرت تھی کہ اُن پر اسرار لوگوں کو آربی بی کی تباہ کاریوں کا اندازہ ہے اور وہ اس پر کام بھی شروع کر چکے ہیں۔

"ایم یونی میں ہمارے لوگ موجود ہیں جناب صدر۔"

"تو تمھیں اس کا بھی علم ہوگا اس کے پیچھے کیا ہے۔ بھلا تیل کی عالمی رسد کا خاتمہ کرنے کے پسِ پشت کیا مقصد کارفرما

Scanned And Uploaded By Muhammad Naeem

ہو سکتا ہے؟" صدر نے کہا۔

"ابھی تک اس کا ہمیں بھی علم نہیں۔" لہجہ معذرت خواہانہ نہ تھا۔ "لیکن ہمیں یقین ہے کہ یہ سب کچھ بلا مقصد نہیں اور یہ بھی یقین ہے کہ وہ جو کوئی بھی ہے اس نے تیل کے ماہر سائنسدانوں کو راہ سے ہٹا کر دراصل ہمارے دفاعی مورچے مسمار کر دیے ہیں۔"

"تمہارے کتنے آدمی اس مشن پر کام کر رہے ہیں؟" صدر نے اب بے تکلفی کا مظاہرہ شروع کر دیا تھا۔

"ایک آدمی۔ ساتھ میں اس کا ٹرینر بھی ہے۔"

"ایک۔ ایک۔ آدمی۔" صدر مملکت حیرت سے اچھل پڑے۔ "شاید تم اس آپریشن کی نوعیت نہیں سمجھ سکے۔ دنیا کو تباہی کا سامنا ہے اور تم نے صرف ایک آدمی کی ڈیوٹی لگائی ہے کہ وہ اس تباہی کو روک دے۔"

"وہ انتہائی خاص آدمی ہے جناب صدر۔" لہجہ اب سرد ترین ہی نہیں بلکہ رُوکھا بھی ہو گیا تھا۔

"کیا... وہ اس مشن کے لیے کافی ہو گا؟" صدر مملکت کی آواز میں اچانک ہی نرمی آ گئی۔

"اگر وہ کافی ثابت نہ ہوا تو پھر آپ کی پوری فوج بھی ناکافی ہو گی مسٹر پریذیڈنٹ۔"

"خدا کرے وہ کامیاب ہو جائے۔" صدر نے ایک طویل سانس لے کر دل کی گہرائیوں سے دعا کی۔

ریسیور رکھتے ہوئے بہرام کے لبوں پر بھی یہی دعا تھی کہ ٹائیگر اس مشن میں کامیاب ہو جائے۔

٭٭٭

اوشان اُن پورٹرز پر نظر رکھے ہوئے تھا جو اس کے ۱۴ صندوق اُٹھا کر کوہلے پلازہ ہوٹل کے سوٹ کے دروازے سے نکل رہے تھے۔ ٹائیگر کو علم تھا کہ اوشان ان تمام پورٹرز کو پیچھے سے سفید فام معاون کہتا رہا ہے حالانکہ ان میں سے سات یا آٹھ سیاہ فام بھی تھے۔ ویسے ٹائیگر کو خوشی تھی کہ اتنے پورٹرز مل گئے ورنہ یا تو خود ٹائیگر کو خود صندوق اٹھانے پڑ جاتے یا پھر اوشان کسی بھی راہ گیر کو روک کر اسے صندوق اٹھانے کا حکم دیتا اور ایسی صورتحال میں حالات بہت بگڑ جاتے۔

کچھ دیر قبل ہی ٹائیگر امریکہ کے مسائل پر اوشان کا ایک طویل لیکچر سن چکا تھا۔

"اس پسماندہ ملک امریکہ کا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ یہاں پیشہ ور اور ماہر ماسٹروں کا فقدان ہے۔ صرف نو سکھر اور غیر تجربے کار قاتل ملتے ہیں جو خدمات کا صحیح معاوضہ بھی وصول نہیں کرتے۔"

"ہمیں انگیولیا جانے کے لیے دوپہر کی پرواز پکڑنی ہے مسٹر فادر۔" ٹائیگر نے اسے مطلع کیا تھا۔

"... اور اب تو نیفس و ماہر جلاد بھی غیر تجربے کار قاتلوں کے اس رویے سے متاثر ہو رہے ہیں۔" اوشان مسلسل کہتا رہا۔ "بلا معاوضہ خدمت کا یہ رُجحان انتہائی خطرناک ہے۔"

"ہمیں جلدی کرنی ہو گی ورنہ ہم پولیس کے ٹریفک میں پھنس کر رہ جائیں گے۔" ٹائیگر نے اسے خبردار کیا۔

"برسوں کی تربیت کا کوئی بھی اثر نہیں ہوتا۔ بلکہ یہ تربیت ریت پر بہا کے جھونکے کی طرح ہی عارضی اور فانی لگتی ہے اور پھر بوڑھا اُستاد اپنے شاگرد کے ناشکرے پن پر دل پکڑ کر بیٹھ جاتا ہے۔"

"بہرام نے پوچھا ہے کہ کیا ماسٹر کو ہلکا اور زیادہ بہتر ٹیپ ریکارڈر درکار ہے۔"

"مگر اس بوڑھے اُستاد کی پروا کسے ہے جو زندگی بھر کے لیے اپنے گاؤں والوں کو دال روٹی اور کپڑا فراہم کرنے کا ذمے دار ہے۔"

"میں نے بہرام سے کہہ دیا ہے کہ ماسٹر کو نیا ٹیپ ریکارڈر نہیں چاہیے کیونکہ اس نئے طرز کے ٹیپ ریکارڈر کو چلانے کا طریقہ سیکھنے کے لیے ماسٹر کو مدت درکار ہو گی۔"

تب ہی اوشان نے بڑے غصے سے ٹائیگر کو گھورا تھا۔

"احمق۔ تمہیں نیا ٹیپ ریکارڈر لے لینا چاہیے تھا۔ فرض کرو یہ والا ٹیپ ریکارڈر ٹوٹ گیا تو پھر؟"

اُدھر ہوٹل کی لابی میں ایک شخص نے پوچھا کہ کیا شہزاد ایم یونی کا پروفیسر ہے؟ اس شخص کا لہجہ انتہائی برطانوی تھا وہ عمر میں پچیس ٹوٹ میں ملبوس تھا۔ اس نے یہ بھی پوچھا کہ کیا وہ کسی مشرقی پروفیسر کے ساتھ کام کرتا ہے اور کیا دونوں بحیرۂ کے ماہر ہیں جو تیل پیتا ہے۔

"یہ گزشتہ روز کی بات ہے۔" ٹائیگر نے اس سے کہا۔ "اب ہمیں علم ہے کہ تمہارا ہیڈ کوارٹر کہاں ہے لہٰذا ہمیں تمہارے پاس کو تلاش کرنے اور اس تک پہنچنے کے لیے تمہاری مدد کی ضرورت نہیں۔ دفع ہو جاؤ۔"

"میں سمجھا نہیں جناب۔" نفیس طرزِ کلام کے حامل شخص

نے بڑی نفاست سے کہا۔

"مجھے جہاز پکڑنا ہے۔ لہٰذا میں اتنا مصروف ہوں کہ تمہیں قتل کرنے کے لیے وقت بھی نہیں نکال سکتا۔ تم مجھے قتل کرنے کے لیے ہی آئے ہو نا؟"

"آپ انتہائی بے صبرے پن کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔" برطانوی نے کہا۔ اسی لمحے ۱۴ صندوق سوٹ سے نکلے اور پھر اوشان پورٹرز کے عقب میں کسی چرواہے کی طرح نمودار ہوا۔

"اوہ۔ تو یہ ہے تمہارا ساتھی؟"

"فادر۔" ٹائیگر نے آواز دی۔ "یہ شخص ہمیں قتل کرنے کے لیے آیا ہے لیکن ہمیں جہاز پکڑنا ہے۔"

"آہ۔ ایک اور نو سیکھتر۔" اوشان نے ہنس کر کہا۔

اس وقت پہلی مرتبہ لارڈ مارٹن ویکس کو شدید ترین توہین کا احساس ہوا۔ "معاف کیجیے گا! میرے خاندان کا شجرۂ نسب ہنری ہشتم سے ملتا ہے۔" اس نے قدرے برہمی سے انہیں بتایا۔

"شاندار۔" ٹائیگر اس طرح مسکرانے لگا جیسے کسی بچے کی شرارت پر خوش ہو رہا ہو۔

"کیا کہا اس نے؟" اوشان نے ٹھٹک کر پوچھا۔

"یہی کہ اس کا خاندان بالکل نیا ہے۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔

"نیا؟" اوشان سوالیہ نشان بن گیا۔

"جی ہاں۔ بمشکل ایک ہزار سال پرانا ہے اور یہ ہمیں مارنے کے لیے آیا ہے۔"

"اوہ۔" اوشان کے چہرے پر تجسس کے آثار نمودار ہو گئے "کیا تمہیں قتل کا معاوضہ ملے گا میرے عزیز؟"

"یقیناً۔" لارڈ مارٹن کے مُنہ سے اچانک ہی نکل گیا۔

"دیکھا۔" اوشان نے برہمی سے ٹائیگر کو دیکھا۔ "اس کو بھی معاوضہ ملتا ہے۔" اوشان کی ایک استہزائی انگلی اس وقت لارڈ مارٹن کے سینے کی طرف اشارہ کر رہی تھی۔

ائرپورٹ کی طرف جانے والی ٹریفک ایک مذہبی جلوس کے باعث رُک گئی تھی۔ سب سے آگے ایک بینر تھا جس پر لکھا تھا "نسلی قتل عام بند کرو۔"

"یہ کیا ہے؟" ٹائیگر نے ٹیکسی ڈرائیور سے پوچھا۔

"انسانی حقوق کی مہم کا ایک لیڈر گزشتہ روز قتل کر دیا گیا۔" ڈرائیور نے سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔ "تم نے اخبار نہیں پڑھا ہو گا۔ ساری تفصیلات اخبار میں ہیں۔" یہ کہہ کر ڈرائیور نے ڈیش بورڈ سے اخبار اُٹھا کر عقبی نشست کی طرف پھینک دیا۔ اوشان اس وقت ان تینوں ٹیکسیوں کو دیکھ رہا تھا جو اس ٹیکسی کے پیچھے اس کے صندوق لے کر آ رہی تھیں۔

ٹائیگر نے خبر پڑھ کر پُرمذاق انداز میں سر ہلا دیا۔ خبر ہی یہ تھی کہ شہری حقوق کے ایک علمبردار کو صرف اس وجہ سے قتل کر دیا گیا کہ وہ انسانوں پر پابندیوں کا حامی نہ تھا۔

خبر کے ساتھ ساتھ مذہبی پیشواؤں کے بیانات بھی تھے۔ آرک بشپ نے کہا تھا کہ نسل پرستی کا بہر صورت خاتمہ ہونا چاہیے اس نے زور دیا تھا کہ نسل پرستی بوسٹن سے ہی نہیں بوسٹن کے شہریوں کے دل و دماغ سے بھی مٹا دی جائے۔ بیانات دینے والوں میں یہودی، پروٹسٹنٹ وغیرہ بھی شامل تھے۔ ایک پادری نے تجویز پیش کی تھی کہ انسانی حقوق کے علمبرداروں کو مسلح محافظ فراہم کیے جائیں۔

خبر سے ظاہر تھا کہ انسانی حقوق کا علمبردار اور اس کا دوست میموریل ڈرائیو پر چہل قدمی کے شوقین تھے کیونکہ ان کی مع لاشیں وہیں سے ملی تھیں۔ ٹائیگر سوچنے لگا کہ ممکن ہے کہ اس نے بھی قاتل کو دیکھا ہو کیونکہ گزشتہ روز وہ بھی دو لاشیں وہاں پھینکنے کے لیے گیا تھا۔

"ہم براہ راست سینٹ مارٹن کیوں نہیں چلے جاتے؟" اوشان نے اچانک ہی پوچھا۔

"اس لیے کہ اس پورے علاقے میں قرنطینہ کی پابندی کا اطلاق کر دیا گیا ہے۔ کوئی طیارہ وہاں نہیں جاتا اور ہمیں بحری راستے سے وہاں پہنچنا ہو گا۔"

"تب پھر بحری جہاز ہی میں بیٹھنا تھا۔"

"بہت دیر ہو جاتی۔" ٹائیگر نے اسے سمجھایا۔ "ہم طیارہ سے انگیولیا جائیں گے اور وہاں سے بحری سفر کریں گے۔"

٭ ٭

"لیکن جناب۔" مارٹن بوکھلا اٹھا۔ "میں ان لوگوں کو ٹھکانے لگا سکتا ہوں۔ آخر۔"

"تم نے ان دونوں کا جس طرح ذکر کیا ہے اس کے بعد میں چاہتا ہوں کہ وہ دونوں میرے لیے کام کریں۔" پبلک بوتھ کے ریسیور سے آواز آئی۔ "لیکن تم اتنے گھبرائے ہوئے کیوں ہو؟"

"بات یہ ہے کہ اگر ان دونوں کو ہلاک کر دیا جائے تو پھر کوئی مسئلہ باقی نہ رہے گا۔"

Scanned And Uploaded By Muhammad Waleem

"لیکن اگر وہ ہماری ملازمت میں آجائیں تو ہمارے لیے اثاثہ ثابت ہوں گے۔" دوست نے کہا۔ اس کا لہجہ نرم تھا لیکن اس میں زندگی کی حرارت نہیں تھی۔

"کیا آپ ان پر اعتماد کر سکیں گے جناب؟"

"اس کا پتا چل جائے گا۔ کیوں کیا خیال ہے؟" دوست نے جواب دیا۔ یوں دل میں تلخی لیے ہوتے مارٹن ائرپورٹ کی طرف بھاگا اور وہاں ۱۴ مسندوقوں کی پریڈ دیکھ کر اس نے سکون کی سانس لی۔ اوشان اور ٹائیگر بھی اسے قریب ہی نظر آگئے۔ وہ اوشان کی طرف گیا جو اسے زیادہ نرم و مہربان نظر آتا تھا۔

"جناب عالی!" اس نے بڑے احترام کے ساتھ کہا۔ "کیا میں آپ سے ملازمت کے بارے میں بات کر سکتا ہوں؟"

"ضرور میں نے تمہیں ملازم رکھ لیا۔ تنخواہ کے بارے میں شہزادے سے بات کرو۔" اوشان نے انتہائی شاہانہ انداز میں جواب دیا۔

"آپ سمجھے نہیں جناب۔" مارٹن نے گھبرا کر کہا۔ "دراصل میرا مالک آپ کی خدمات معاوضے پر حاصل کرنا چاہتا ہے۔"

"اوہ۔ وہ کون ہے؟"

"میں اسے دوست کہتا ہوں۔"

"ہم دوستوں کے لیے کام نہیں کرتے۔" اوشان نے ایک ہاتھ اٹھا کر حقارت آمیز لہجے میں کہا۔ "ہم پیشہ ور لوگ ہیں۔ تم سوچ لو۔ کیا ہمارے لیے کام نہیں کرو گے۔ کام بہت اہم ہوگا، میرے کپڑوں کی دیکھ بھال، میرا سامان لانا لے جانا مجھے برطانوی ویسے بھی اچھے لگتے ہیں۔"

لارڈ مارٹن وسکیس کی کھوپڑی گھوم گئی غصے سے اس کا خون اُبلنے لگا لیکن اسے بہرحال خود پر قابو پانا تھا۔ "میں آپ کی خدمت کرنے میں انتہائی عزت محسوس کروں گا۔" یہ جملے لارڈ کے دلی جذبات کی ترجمانی نہ تھے تاہم چہرے پر فریبانہ مسکراہٹ ضرور تھی۔

"میں ماسٹر آف سنابخو ہوں۔" اوشان نے اپنا تعارف کرایا۔ "اور یہ میرا شاگرد شہزادہ ہے۔ شہزادہ۔ یہاں آؤ۔ ہم نے ایک برطانوی نوکر رکھا ہے۔"

طیارے میں لارڈ مارٹن نے اصرار کیا کہ وہ اپنے مالک کو خود چائے پیش کرے گا۔ "تم ہٹ جاؤ۔" اس نے اسٹیوارڈ سے کہا۔ "تمہیں احترام کے آداب نہیں آتے۔"

"دیکھا حقیقی برطانوی ہے۔" اوشان نے مسکرا کر ٹائیگر سے کہا۔ 'دی بلیڈ' اب بھی ٹائیگر کے ہاتھ میں تھا اور سطح اوّل پر یہ خبر بھی لگی ہوئی تھی اخبار کا ناشر ویک فیلڈ سوئم پُراسرار طور پر دل کی حرکت بند ہو جانے سے انتقال کر گیا۔ اس کی کشتی مائین نے پانیوں میں ملی اور کشتی کا عملہ بھی مُردہ پایا گیا۔ بظاہر ایسا لگتا تھا کہ عملے کے لوگ گرنے کے باعث ہلاک ہوئے۔

چائے پیش کرتے ہوئے مارٹن نے مسکرا کر اوشان کو دیکھا۔ پہلے چائے اوشان کو اور پھر ٹائیگر کو پیش کی۔

"یہ خصوصی بلینڈ ہے جناب۔ لہک سونگھ کر دیکھیں۔"

اوشان نے پیالوں کو سونگھا اور سر ہلانے لگا۔ "بہت اچھی لہک ہے۔"

ٹائیگر دی بلیڈ کے مقابلے میں زیادہ دلچسپی لے رہا تھا اس مقالے میں زیادہ تفصیلات نہ تھیں لیکن پوسٹ مارٹم کرنے والے ڈاکٹر کے بیان سے اسے کچھ اشارے ضرور مل رہے تھے۔

"لٹل فادر۔" اس نے اوشان سے اچانک ہی کہا۔ "یہ دیکھیں کیا ایسا نہیں لگتا کہ بعض بیں ہماری جیسی ہیں ہم ضرب لگاتے ہیں تو ڈاکٹر یہی بتاتے ہیں کہ مستوی گرنے کے باعث ہڈی کو چٹنے سے ہلاک ہوا ہے۔ دیکھیں۔ ڈاکٹر نے گردن کی ہڈی کے بارے میں کیا کہا ہے؟"

اوشان نے اخبار کی طرف دیکھا تو ٹائیگر نے متعلقہ پیراگراف پر انگلی رکھ دی۔

"یہ کیا ہے؟" اوشان نے پوچھا۔

"اخبار کی رپورٹر نے مجھے کشتی کے ناخدا اور اس کے نائب کی ہلاکت بہت پُراسرار نظر آرہی ہے۔ ایک اور شخص کو اس طرح قتل کیا گیا کہ موت کی وجہ ہارٹ اٹیک ہی معلوم ہو۔"

"تم چند سطریں پڑھنے کے بعد کوئی نتیجہ اخذ نہیں کر سکتے۔" اوشان نے کہا۔ "مطالعے سے حُسن کلام پتا چلتا ہے اطلاعات نہیں ملتیں۔ میں ان سطروں کی طرف دیکھوں گا بھی نہیں۔"

ٹائیگر کپ ہونٹوں تک لایا تو مارٹن مسکرانے لگا ساتھ ہی وہ ہاتھ بھی ملنے لگا۔ ٹائیگر نے کپ واپس رکھ دیا۔

"ویسے اخبارات سے اطلاعات بھی حاصل ہوتی ہیں لٹل فادر۔" اس نے جواب دیا۔

"کیا چائے خراب ہے ماسٹر؟" مارٹن نے اس سے پوچھا۔

"خراب؟" ٹائیگر نے نظر بھر کر اسے دیکھا۔ "نہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں۔"

"پھر آپ نے ابھی تک ایک بھی گھونٹ نہیں لیا۔"

"ضرور لوں گا لیکن فی الوقت میں اس میں دلچسپی لے رہا ہوں۔" اس نے اخبار پر ہاتھ رکھ کر کہا اور اوشان کو بتایا کہ کیپٹن کس طرح مرا۔

"ضرب کے انداز میں قدرے تبدیلی ہے۔" اوشان نے کہا۔ "مارنے والا کوئی بھی ایسا اناڑی ہو سکتا ہے جو آج کل کے بچوں کو کراٹے اور جوڈو کے نام پر حماقتیں سکھا رہا ہے۔"

"جی ہاں لیکن وہ جو کوئی بھی تھا کشتی پر گیا اور قتل کر کے فرار ہو گیا۔" ٹائیگر نے کہا۔ "مرنے والا شخص ویک فیلڈ ہی اخبار کا مالک بھی تھا اور۔"

"تم پولیس مین کا کردار ادا کرنے والے کون ہوتے ہو؟" اوشان نے غصیلے انداز میں کہا۔

"آپ کی چائے جناب۔" لارڈ مارٹن نے پھر یاد دلایا۔

"لاؤ۔ چائے میں پیوں گی۔" ایک موٹی سی عورت نے کہا جو سامنے ہی بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ تنکوں والا ہیٹ پہنے ہوئے تھی۔

"نہیں۔ یہ خصوصی بلینڈ کی چائے صرف میرے ماسٹروں کے لیے ہے۔" مارٹن نے پُرزور لہجے میں جواب دیا۔

"سنو۔" عورت نے غرّا کر کہا۔ "یہ چائے جہاز میں تیار ہوئی ہے اور اس پر کسی کا حق نہیں۔ جو چاہے پی سکتا ہے۔"

"چائے اسے دے دو۔ ویسے بھی اس کی لہک مجھے زیادہ اچھی نہیں لگ رہی۔" ٹائیگر نے ہاتھ ہلا کر کہا۔

"یہ چائے آپ کے لیے ہے جناب۔ میں نے صرف آپ کے لیے تیار کی ہے۔"

"چلو۔ ٹھیک ہے۔" ٹائیگر نے کپ اٹھا کر ایک ہی گھونٹ میں پی لیا۔

لارڈ مارٹن وسکیس انتظار کرنے لگا۔ اس کا منصوبہ یہ تھا کہ جب نوجوان درد سے تڑپنے لگے گا تو وہ بوڑھے پر حملہ کر دے گا اسے طیارے سے فرار ہونے میں مشکلات کی فکر نہ تھی۔ اسے صرف یہ فکر تھی کہ وہ اپنی توہین کا بدلہ کس طرح لے۔ اس کے اندر نفرت اور انتقام کی جو آگ سلگ رہی تھی اسے صرف ان دونوں کی موت ہی ٹھنڈا کر سکتی تھی۔

یوں لارڈ مارٹن جس نے دوست کی خدمت کر کے دولت بنانی تھی نوجوان کی موت کا انتظار کرنے لگا۔ اسے یقین تھا کہ نوجوان تڑپ کر اوشان کے شانے پر سر ٹکائے گا اور پھر وہ خود سہلا دینے کی آڑ میں جھک کر بوڑھے کے نرخرے پر مہلک ضرب لگانے میں کامیاب ہو جائے گا، پھر دوست کو یہ بتائے گا کہ ان دونوں نے اسے قتل کرنے کی کوشش کی تھی لہٰذا اس نے انھیں اپنے دفاع میں ہلاک کر دیا۔

ٹائیگر نے کپ واپس رکھ دیا اور اوشان کی طرف دیکھا وہ کودیائی زبان میں اوشان سے کچھ کہہ کر لارڈ مارٹن وسکیس کی طرف دیکھ کر مسکرانے لگا۔

"آپ کی طبیعت ٹھیک ہے نا جناب؟" مارٹن نے پوچھا۔

"ہاں۔ بالکل ٹھیک۔"

"اوہ۔" مارٹن نے مشکل چہرے کے تاثرات کو معمول پر رکھا۔ "کوئی گڑبڑ ضرور ہے۔" اوشان نے کہا۔

"لگ۔ کیا؟" مارٹن گھبرا گیا۔ اسے معاملہ شک ہوا تھا کہ وہ دونوں اس کی سازش سے آگاہ ہو چکے ہیں اور اب اسے قتل کر دیں گے۔

"تم نے چائے پیش کرتے ہوئے احتراماً سر خم نہیں کیا تھا۔ چائے پیش کرنے کا یہ طریقہ نہیں۔" اوشان نے گڑبڑی وضاحت کی۔

"اوہ۔" مارٹن نے سکون کی سانس لی۔ "میں آئندہ خیال رکھوں گا۔"

"یہ برطانوی عام طور سے سر خم کرنے کے عادی ہیں اس وقت ہمارا تو کر سر خم کرنا بھول گیا ہوگا۔" اوشان نے ٹائیگر سے کہا۔

مارٹن اپنی نشست پر واپس آگیا اس کا دل چاہ رہا تھا کہ ان دونوں کو زندہ جلا دے، سوتے میں دونوں کا گلا گھونٹنے پر بھی وہ غور کر رہا تھا۔

لیکن اس کی پہلی کوشش ناکام ہو چکی تھی اور دوسری کوشش کے لیے یہ وقت مناسب نہ تھا۔

* *

انگولیا میں لارڈ مارٹن نے مسندوقوں کو کشتی میں لادنے کا کام اپنی نگرانی میں کرایا۔

"سنو۔" ایک ڈاک ورکر نے اسے آواز دی۔ "اس جزیرے سے آگے جانے کی اجازت نہیں، خاص طور سے اس طرف۔" اس کا اشارہ سینٹ مارٹن کی طرف تھا۔ "فوج اور بحریہ نے اس جزیرے کی مکمل ناکہ بندی کر رکھی ہے۔"

ڈاک ورکر کے بال چھوٹی چھوٹی چوٹیوں کی شکل میں جھول رہے تھے۔ اس کا عقیدہ تھا کہ ایتھوپیا کا ہیل سلاسی اوتار تھا اور یہ کہ نشہ کرنا عین عبادت ہے۔ وہ بہت محنتی تھا اور اس کے جسم پر پسینے کی بوندیں جھلملا رہی تھیں۔

"تم کیا چاہتے ہو؟" مارٹن نے اس سے پوچھا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"کچھ بھی نہیں۔ سامان تو چڑھاوں گا لیکن اتارنے کے لیے تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گا۔ مجھے انجیلو لیے سے پیار ہے۔"

"سینٹ مارٹین اور انجیلو لیا میں کوئی فرق نہیں۔" ٹائیگر نے گودی مزدور کی طرف دیکھ کر یقین دلایا۔

"نہیں۔" مزدور نے جواب دیا۔ "سینٹ مارٹین پر خدا کی لعنت برستی ہے۔"

"کیوں؟"

"اس لیے کہ وہاں کے لوگوں نے ہیل سلاسی کو اوتار تسلیم نہیں کیا۔"

"ہیل سلاسی اور... اوتار... وہ تو ایک بغاوت میں مارا گیا۔" ٹائیگر نے مسکرا کر اس سادہ لوح شخص کی طرف دیکھا۔

"تم لوگ صرف ان باتوں پر یقین رکھتے ہو جو اخبار تمہیں بتاتے ہیں۔" مزدور بڑبڑا کر بولا۔

"اس اصول کا اطلاق امریکہ کے اندر مگر بوسٹن کے باہر ہوتا ہے۔" ٹائیگر نے مسکرا کر جواب دیا ساتھ ہی اس نے مارٹن کو بھی معنی خیز نظروں سے دیکھا جس نے نظریں پھیر لیں۔

"پتا نہیں تم کیا کہہ رہے ہو لیکن میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ سفید فام لوگ پوری دنیا میں آجا سکتے ہیں۔ ڈاک ور کو بھی نہ جانے کہاں کی ہانک رہا تھا۔"

"دیکھا تم نے۔" اوشان نے پہلی بار اس گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا۔ "ڈاکٹر ور کو بھی دانش کی باتیں کرتا ہے لیکن جہاں تک اچھا خادم ہونے کا تعلق ہے، تو کوئی بھی اس شعبے میں سفید فاموں کو شکست نہیں دے سکتا۔"

"یہ موسم اس قسم کی بے سروپا باتوں کے لیے مناسب نہیں۔" لارڈ فاور نے ٹائیگر نے گرم آسمان اور تپتی ہوئی زمین کی طرف اشارہ کیا۔ اسے یقین تھا کہ سمندر کا پانی بھی اس وقت بہت گرم ہوگا۔

"میں مسٹر شہزاد سے متفق ہوں۔" لارڈ ویکس مارٹن نے سر ہلا کر لقمہ دیا۔ ویسے وہ سوچ رہا تھا کہ زہر کا اثر شاید اب ہو جائے اور نوجوان گرکبلے ہوش ہو جائے۔ اس نے چائے میں جو دوا ملائی تھی وہ پوری پلاٹون کو بے ہوش کر دینے کے لیے کافی تھی۔

"تم نے اس شخص کو خادم کے فرائض سونپنے کے لیے کہاں سے منتخب کیا شہزاد؟" اوشان نے مقبلے انداز میں ٹائیگر سے پوچھا۔ "بلا اجازت بول پڑتا ہے۔ آئندہ کسی کو ملازم رکھتے ہوئے اس کا شجرۂ نسب ضرور دیکھ لیا کرنا۔"

کشتی میں تمام صندوق چڑھا دیے گئے تو ایک ناخدا نے آکر کشتی کا چارج لے لیا جس کے بعد ٹائیگر، اوشان اور مارٹن تینوں کشتی میں سوار ہوئے۔ یوں چھوٹی سی کشتی سینٹ مارٹن کی طرف روانہ ہوگئی۔ اس دوران مارٹن نے بڑی خاموشی سے اپنے کوٹ کی کالر میں چھپی ہوئی ایک باریک سی سوئی نکالی، اور ٹائیگر کے عقب میں ایک قدم پیچھے چلنے لگا، پھر اچانک ہی اس نے ہاتھ بڑھا کر سوئی ٹائیگر کی گردن میں چبھونے کی کوشش کی۔

گردن اگرچہ صرف ایک فٹ دور تھی اور مارٹن کے ہاتھ کی پہنچ پونے تین فٹ سے زیادہ تھی لیکن ہاتھ آگے بڑھتا چلا گیا۔ ایسا صرف اس صورت میں ہو سکتا تھا جب گردن راستے میں نہ ہو۔

گردن راستے میں نہ تھی۔

مارٹن نے اپنی زندگی میں پہلے کبھی کسی شخص کو اتنی پھرتی سے جگہ بدلتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ اس کی حالت عین ہوگئی اس نے جب سوئی چبھونے کے لیے ہاتھ بڑھایا تو ٹائیگر کی گردن ہی نہیں پورا جسم اس کے سامنے تھا لیکن اب ٹائیگر اس سے کافی دور تھا، پھر اچانک وہ اس کے سامنے آگیا، پھر عقب میں پہنچ گیا اور پھر دائیں طرف آگیا۔

تب ہی لارڈ مارٹن کو اندازہ ہوا دیو قامت سیاہ فام کس طرح مرا ہوگا اور ویک فیلڈ دو ٹم کے دونوں ماہر جلاد کس طرح ہلاک ہوئے ہوں گے۔

مارٹن، دوست کے اس تجربے کا قائل ہوگیا کہ ایسا کوئی بھی شخص جو ویک فیلڈ کے جلادوں کا قاتل ہو، ان کے بہت کام آسکتا ہے۔ لیکن اسے یہ بھی احساس تھا کہ اس نے قاتل ہونے میں بہت تاخیر کر دی ہے۔

"تم نے مجھے زہر بھی دیا تھا۔" ٹائیگر نے کہا اس کے ساتھ ہی مارٹن کو اپنی گردن پر ہلکے سے اور خوشگوار دباؤ کا احساس ہوا تاہم دباؤ ختم ہوتے ہی اس کے دونوں بازو مفلوج ہو گئے اور وہ مشکل اپنے جسم کا توازن برقرار رکھ سکا۔

مارٹن کو اندازہ بہت پہلے ہو چکا تھا کہ اس پر کبھی نہ کبھی برا وقت ضرور آئے گا۔ سیر کو سوا سیر ضرور ملے گا اور یہ برا وقت اب اس کے سامنے تھا۔ یہ صورتحال اس کے کاروبار کا حصہ تھی۔

اس کی ایک داڑھ میں ایک کیپسول چھپا ہوا تھا اور اب اسے صرف اتنا کرنا تھا کہ وہ زبان سے اس کیپسول کو دو دانتوں کے بیچ میں رکھ کر زور سے کچل ڈالے۔

اس نے کیپسول تو نکال لیا تو مگر اسے کچلنے کے لیے جبڑے

کو حرکت نہ دے سکا۔

"تم نے مجھے زہر کیوں دیا تھا؟" اس نے ٹائیگر کی آواز سنی۔

"جہنم میں جاؤ۔" مارٹن نے اپنی آواز سنی یہ انتہائی حیرت انگیز بات تھی۔ جبڑے مفلوج تھے مگر آواز موجود تھی۔

"بولو۔ تم نے مجھے زہر کیوں دیا تھا؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"تم مرے کیوں نہیں؟"

"زہر سے؟ ہاں۔ یاد آیا۔ زہر میرے جسم پر اثر نہیں کرتا۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔

"تم نے پوری چائے پی تھی اور میں نے تمہیں چائے کی ٹکی کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔"

"میں نے چائے ضائع کرنا مناسب نہ سمجھا تھا۔ چائے میرے پیٹ میں ہے لیکن اب میں چائے الٹ رہا ہوں۔ تم دیکھتے رہنا کرنیفس اور شریف لوگ کس طرح قے کرتے ہیں اس کے بعد سب کچھ بتا دینا۔ دیکھو۔"

ٹائیگر نے منہ کھولا، سبز پانی حلق سے منہ میں آیا اور پھر سمندر میں گر گیا۔ اسی لمحے ایک پھل نما دار ہوئی اس پانی کی کئی بوندیں اس پر بھی گریں، پھل تڑپا اور پانی ہی میں ساکت ہوگئی۔

"تم کون ہو؟" لارڈ مارٹن بری طرح خوف زدہ ہو گیا۔

"میں مسرت ہوں، زندگی ہوں اور سراپا نیکی ہوں۔" ٹائیگر نے اعلان کرنے والے انداز میں کہا۔ "اب جلدی بولو... ورنہ میں تمہارا گوشت مچھلیوں کے حوالے کر دوں گا۔"

"شہزاد۔" اوشان نے جو یہ سب کچھ سن رہا تھا اسے آواز دی۔ "یہ بہت بری بات ہے کہ تم بٹلر سے ایسا سلوک کر رہے ہو۔ کیا تمہیں یاد نہیں کہ زندگی میں پہلی مرتبہ ہمیں بٹلر نصیب ہوا ہے۔"

"اس نے مجھے قتل کرنے کی کوشش کی تھی لٹل فاور۔" ٹائیگر نے اپنا کیس پیش کیا۔

"تب پھر کیا کرتا... تمہیں کھانا پکا کر کھلاتا؟ بٹلر تو ہوتے ہی قاتل ہیں۔ اس سے بھی یہی توقع تھی لیکن تم سے مجھے ایسی امید نہ تھی کہ تم اس کا گوشت مچھلیوں کے حوالے کرنے کی دھمکی دے کر اخلاقی اصولوں کو بالائے طاق رکھ دو گے۔ اگر تمہاری جگہ میں ہوتا تو اسے ختم کر کے محفوظ کر لیتا کیونکہ آج سے پہلے کبھی بٹلر ہماری خدمت کے لیے دستیاب نہ تھا۔"

"دیکھا جائے گا۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔

لارڈ مارٹن ویکس کے پورے جسم بلکہ روئیں روئیں میں خوف کی کیفیت بجلی کی طرح دوڑنے لگی اس نے گردن گھما کر ان دونوں کو دیکھنا چاہا لیکن گردن اس طرح اکڑی ہوئی تھی کہ ایک انچ بھی نہ ہلی، اس کی آنکھوں کے سامنے محض نیلا گہرا سمندر تھا اور لہروں کی گھن گرج کے علاوہ اُسے ان دونوں کی آوازیں بھی سنائی دے رہی تھیں۔ دونوں بڑے انہماک سے بٹلر کی خدمات پر بحث کر رہے تھے۔ نوجوان کا کہنا تھا کہ بٹلر نے ہم دونوں کو قتل کرنے کی کوشش کی ہے جبکہ بوڑھے کا مؤقف تھا کہ بٹلر اپنے آقاؤں کو قتل کرنے کے لیے ہی پیدا ہوتے ہیں۔

"آخر بٹلر کھانا پکا کر کھلاتا ہے، دوسرے خانگی کام کرتا ہے تو کیا اسے مالک کو قتل کرنے کا چھوٹا سا حق نہیں مل سکتا۔" یہ بوڑھے کی منطق تھی۔

اچانک ہی خوفناک درد کا احساس ہوا جو وقفے وقفے سے رُک رُک کر ہو رہا تھا۔

اس سے اس کا نام پوچھا گیا۔ یہ پوچھا گیا کہ اس کا جسم کس کیفیت سے گزر رہا ہے۔ "تمہارے بالوں کی رنگت کیا ہے؟" اس کے بعد درد کی لہروں کے درمیان وقفہ کم ہوگیا اور تب ہی مارٹن کو احساس ہوا جب بھی وہ سچ بولتا ہے تو درد بہت کم ہو جاتا ہے۔ اس نے درد کم سے کم کرنے کے لیے سچ بولنا شروع کر دیا اس نے ایسی باتیں بھی اگل دیں جو خود اس کے لاشعور میں دفن ہو چکی تھیں لیکن درد کے جھٹکے ان باتوں اور رازوں کو نہ صرف شعور بلکہ نوکِ زباں پر بھی گھسیٹ کر لے آئے۔

اُس نے انھیں بتا دیا کہ وہ مفلس اور بھوکا رہتا تھا اچانک ایک روز ایسے ایک شخص نے اس سے کیسل ویکس میں فون پر بات کی جس کو ویکس خاندان کی عزت کا احساس تھا اور جس کو شکوہ تھا کہ ویکس جیسا عظیم رُتبہ خاندان ایک ایسے ملک میں رہتا ہے جہاں جرأت و ہمت کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔

"تم کیا چاہتے ہو؟" مارٹن ویکس نے اس شخص سے پوچھا تھا۔

"میں تم سے صرف وہی خدمات حاصل کرنا چاہتا ہوں جو تمہارے اجداد نے ہنری ہشتم کے لیے انجام دی تھیں۔"

"اُنھوں نے اعلیٰ حضرت کے لوگوں کو قتل کیا تھا۔"

"میں بھی یہی چاہتا ہوں۔"

"نہیں۔" مارٹن ویکس نے دو ٹوک جواب دے کر ریسیور پٹخ دیا تھا۔

اگلے روز اسے ایک رقعہ ملا تھا جس پر صرف ایک سطر لکھی ہوئی تھی۔ "میں تم سے صرف معقول کام لوں گا۔"

اسی روز ٹیلی فون پھر آیا تھا اور مارٹن نے بڑی بے چینی

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

سے پوچھا تھا۔ "لوگوں کو قتل کرنا کس طرح معقول ہو سکتا ہے؟"

"انتہائی معقول۔" آواز نے اسے بتایا۔ "میں ایک پیسی انٹرنیشنل کارپوریشن ہوں جس پر قومی قانون کا اطلاق نہیں ہوتا لیکن یہ بات ذہن میں رکھنا کہ یہ کارپوریشن قانون سے بالاتر بھی نہیں ہے۔ میری روایت یہ رہی ہے کہ میں کارپوریشن کی حیثیت سے لوگوں کو قتل جدال کے لیے کرانے پر حاصل کرتا ہوں۔"

"معقول؟ اور روایت؟"

"ہاں۔ اور میں تمہیں اپنا سینئر نائب صدر بنانا چاہتا ہوں۔"

"میں کس شعبے کا انچارج ہوں گا؟"

"روایت اور املاک کا۔" آواز نے بتایا۔ اس پر وسکیس نے چند لمحوں تک غور کیا اور پھر دھیمے لہجے میں بولا تھا۔ "آپ کو یہ وعدہ کرنا ہوگا سر کہ میں جو کام بھی کروں گا وہ برطانیہ اور انسانیت کے لیے سود مند ہوگا۔"

"وعدہ۔" آواز سنائی دی۔ اس کے بعد مارٹن وسکیس کو فون کرنے والے کا نام پتا چلا۔ اس کا نام 'دوست' تھا۔ اس نے دوست سے کبھی بالمشافہ ملاقات نہیں کی تھی۔

"اوہ۔" کشتی پر اس وقت آنے والی یہ آواز ایسی لگ رہی تھی جیسے بہت دور سے آ رہی ہو۔ "تو وہ تم ہو۔ تمہارا خاندان 'ہنری ہشتم'۔ تم اور کیا جانتے ہو؟" یہ نوجوان کہہ رہا تھا اور پھر اس نے بڑھے سے کہا۔ "سنا ٹل فادر! یہ وسکیس ہے۔ وسکیس کا جانشین!"

"وہی وسکیس جس نے ہنری ہشتم کی خدمت کی تھی؟" بڑھے نے نوجوان سے پوچھا۔

"کیا تم وسکیس سے واقف ہو؟" مارٹن بے ساختہ طور پر بول پڑا۔

"کیوں نہیں۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ "میری تربیت کے دوران مجھے تمام ماسٹروں کی روایتیں بھی ازبر کرا دی گئی ہیں ان ماسٹروں میں سے کسی نے ہنری ہشتم کے لیے بھی کام کیا تھا۔"

"ہاں۔" اوشان نے سر ہلا کر تصدیق کی۔ "اور عظیم ماسٹر کو ہنری ہشتم نے صرف اس لیے مدد کے لیے پکارا تھا کہ اس کے پاس کوئی مجرما نہ تھا۔"

"مگر میرے جدِ امجد تو موجود تھے۔" مارٹن نے کہا۔

"درست۔ شہزادہ۔ ذرا وہ واقعہ سناؤ۔" اوشان نے زیرِ لب مسکرا کر ٹائیگر کو ہدایت دی۔ اس وقت اس کا چہرہ اندرونی مسرت کے باعث دمک رہا تھا۔

"... اور پھر وائکنگ انگلستان کے ساحلوں پر پہنچ گئے۔" ٹائیگر کسی اچھے بچے کی طرح سبق دُہرانے لگا۔ "جس نے اس زمانے میں ویلز اور اسکاٹ لینڈ پر قبضہ کر لیا تھا جسے 'اتحاد' کا نام دیا گیا تھا۔"

لارڈ مارٹن وسکیس سُنتا رہا۔

"شہنشاہ بہت پریشان رہنے لگا۔ دشمن اس کے گلے تک پہنچ چکے تھے اور ملک خانہ جنگی کا شکار ہو چکا تھا۔ شاہ کے پاس دفاع کے لیے صرف لارڈ وسکیس موجود تھا لیکن یہ شخص صرف عورتوں کے پستانوں سے نوزائیدہ بچوں کو قتل کرنے میں مہارت رکھتا تھا۔ اس نے ہنری ہشتم کی داشتاؤں کی کوکھ میں جنم لینے والے ان بچوں کو بھی قتل کیا جو ہنری ہشتم کے لیے خطرہ بن سکتے تھے۔ پھر ماسٹر آیا اس نے مناسب خراج کے عوض ہنری ہشتم کی مدد کی اور لارڈ وسکیس کو یہ تربیت دی کہ نوزائیدہ بچوں کی بجائے بالغ افراد کو کس طرح قتل کیا جاتا ہے۔ شاہ نے معقول معاوضہ دیا۔ چار سو مویشی، دس بوجھ سونا، پچاس بوجھ چاندی، گندم کے بھرے ہوئے چار جہاز، تانبے کے دس ہزار بوجھ، بتیس کرسیاں، پھلوں کے بیج، لینن کے بیس تھان اور۔"

"جھوٹ۔" مارٹن وسکیس نے چلانے کی کوشش کی۔ میرے جدِ امجد عورتوں کے پستانوں سے نوزائیدہ بچے نکال کر قتل نہیں کرتے تھے وہ شاہی جلاد تھے۔"

"خاموش۔ تم نے ابھی پوری فہرست نہیں سُنی۔" اوشان نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "ابھی تو ہم ہیروں کے درخت تک نہیں پہنچے ہیں، طلائی کڑوں، بولنے والے پرندوں، دودھ دینے والی بھینسوں اور فرانسیسی مرغیوں کا تو ابھی ذکر بھی نہیں ہوا۔"

"میرے جدِ امجد بزدل نہیں تھے۔"

"اپنے اجداد کی بزدلی پر پشیمان نہ ہو مارٹن۔" اوشان نے پیار بھرے لہجے میں کہا۔ "وہ بہرحال انگریز تھے۔ ان سے زیادہ بہادری کی توقع عبث ہوگی۔"

"لیکن ٹل فادر۔ ہیروں والا درخت اس فہرست میں شامل نہیں تھا۔" ٹائیگر نے کہا۔ ساتھ ہی مارٹن نے محسوس کیا کہ اس کی گردن پر انگلی کا دباؤ کم ہو گیا ہے۔

"ہیروں کے درخت تھے۔" اوشان نے اصرار کیا۔

"نہیں۔ نہیں۔" ٹائیگر بھی اپنی بات پر مُصر تھا۔ .....

... "لوئی شانزدہم نے ایسے درخت بھیجے تھے جبکہ ہنری ہشتم نے بطخیں روانہ کی تھیں۔"

"نہیں۔ ہمیں ہنری ہشتم سے بطخیں نہیں ملی تھیں۔" اوشان

نے پُرزور لہجے میں جواب دیا۔ "اس انگریز کے پاس بہت اچھے درخت تھے۔"

"میں نے فی شانزدہم کے بھیجے ہوئے ناریل کے درخت گاؤں میں دیکھے ہیں۔ وہ ہیروں کے درخت نہیں ہیں۔"

"سنا نجو میں ناریل کے درخت ہیں ہی نہیں۔" اوشان نے فاتحانہ انداز میں جواب دیا۔

"میں نے خود دیکھے ہیں۔"

"پھر وہ ہیروں کے درخت ہوں گے۔" اوشان نے کہا۔ دونوں بحث میں لگے رہے۔ مارٹن نے مُنہ چلا کر دیکھا، جبڑے کام کرنے لگے تھے لہٰذا اس نے فوراً کیپسول زبان کی نوک پر لے کر دو دانتوں کے درمیان رکھا اور اسے کچل دیا۔ کیپسول کے ٹوٹتے ہی شربت جیسا میٹھا مائع رس مُنہ میں جمع ہو گیا جسے مارٹن نے فوراً نگل لیا۔ یہ شربت جونہی حلق سے گزرا تو حلق بے حس ہو گیا، پھر ایسا لگا جیسے انگلیاں سرد ہو رہی ہوں، وہ پورے جسم میں اسی قسم کی ٹھنڈک محسوس کر رہا تھا... اسے گہری نیند آئے گی۔ ٹائیگر کو اسی لمحے احساس ہوا کہ مارٹن مر چکا ہے لہٰذا اس نے گردن چھوڑ دی۔ مارٹن کسی بوری کی طرح ڈھیر ہو گیا۔

"ٹل فادر۔" ٹائیگر نے بڑے تحمل سے کہا۔ "درخت ناریل ہی کے تھے اور میں نے ایک درخت سے ناریل توڑ کر بھی کھایا تھا۔"

"درخت ہیروں کے تھے اور اسی وجہ سے تم نے اتنے اچھے بٹلر کو قتل کر دیا۔" اوشان نے مُنہ بنا کر کہا۔

"درخت ناریل کا تھا ورنہ یہ خودکشی نہیں کرتا۔"

"ہیرے کا درخت تھا۔" اوشان نے یہ کہہ کر مُنہ پھیر لیا۔

کشتی کا کپتان سینٹ مارٹین کی ویرانی دیکھ کر بہت پریشان ہوا۔ وہاں تیل کے کنوؤں اور ٹینکروں پر بھی کام نہیں ہو رہا تھا، عجیب سی اداسی چھائی ہوئی تھی۔

اچانک ہی ایک امریکی جنگی کشتی نے ان کی کشتی کو رُکنے کا اشارہ کیا۔

"اگر تم اندر داخل ہو گئے تو پھر واپس نہیں آ سکو گے۔" پل ہارن سے کسی فوجی کی آواز سنائی دی۔

"میں جانتا ہوں۔" کپتان نے چلا کر جواب دیا۔

"کیا تم لوگوں نے سمندر میں کوئی چیز پھینکی ہے؟" کپتان نے اپنے مسافروں کی طرف دیکھ کر پوچھا۔ اور یہ دیکھ کر اسے حیرت ہوئی کہ وہاں تین کی بجائے صرف دو مسافر تھے۔

"مجھے ناریل اور ہیرے کے درمیان فرق بہت اچھی طرح معلوم ہے ٹل فادر۔" نوجوان مسافر خیمیلے انداز میں کہہ رہا تھا۔

"اور مجھے بھی معلوم ہے۔" بوڑھا بھی غصّے میں تھا۔

"کیا آپ حضرات نے کوئی چیز سمندر میں پھینکی ہے؟" کپتان نے گھبرا کر پوچھا۔ عجیب مسافر تھے وہ۔

"ہاں۔ ایک لڑکا مر گیا تھا اسے پھینک دیا۔" نوجوان نے جواب دیا۔ "کیا تم نے کبھی ہیرے کا درخت دیکھا ہے کپتان؟"

کشتی سینٹ مارٹین کی گودی میں لنگر انداز ہوئی تو وہاں ایک گھوڑا گاڑی کھڑی ہوئی تھی اور تیل نہ دینے کے باعث اس کے ایکسل چوں چوں کر رہے تھے۔

"دیکھیں فادر۔ تیل نہ ہو تو یہ ہوتا ہے۔" ٹائیگر نے چوں چوں کرنے والی گھوڑا گاڑی کی طرف اشارہ کیا۔

"یہ ماحول زیادہ بُرا نہیں۔" اوشان نے کہا۔

"ایکسکیوزمی سر۔" کپتان نے قریب آ کر کہا۔ "کیا آپ نے یہ کہا تھا کہ کسی کو لاش سمندر میں پھینکی ہے؟"

"اوہ۔ ہاں یقیناً یہی کہا تھا۔"

سینٹ مارٹین میں سڑکوں پر گاڑیاں کھڑی ہوئی تھیں۔ بعض گاڑیوں کو غالباً دھکا دے کر ایک طرف کر دیا گیا تھا۔ ان کی پیٹرول کی ٹنکیوں پر سفید موم جیسی کوئی چیز جمی ہوئی تھی۔

ایک خوبصورت جوڑے کو بیل گاڑی میں بیٹھا ہوا دیکھ کر ٹائیگر رُک گیا۔ اس سے قبل اس کی اوشان سے اس مسئلے پر بحث ہو چکی تھی کہ اگر وہ، بٹلر کو نہ مارتا تو اوشان کے تمام صندوق کشتی سے اُتارے جا سکتے تھے۔ اس ضمن میں اوشان بار بار ٹائیگر کو موردِ الزام ٹھہرا رہا تھا۔ ٹائیگر کا کہنا تھا کہ جزیرہ بہت چھوٹا سا ہے اور یہاں ان کا کام ایک دن میں ختم ہو جائے گا اس کے بعد وہ صندوقوں کا مسئلہ حل کر لیں گے جب کہ اوشان کا کہنا تھا کہ وہ گھوڑا گاڑی میں صندوق بھر سکتے ہیں لیکن بھرنے والا صرف بٹلر تھا جس کو بعد میں.... ٹائیگر نے بے رحمی سے قتل کر دیا ہے۔

"آپ فکر نہ کریں۔ میں اسی مسئلے کو حل کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔" ٹائیگر نے کہا اور پھر بیل گاڑی میں سوار جوڑے کے پاس چلا گیا۔

"کیا آپ کو علم ہے کہ جزیرے پر سب سے پہلے کس جگہ کاریں خراب ہوئی تھیں؟" اس نے بڑے نرم لہجے میں ان سے پوچھا۔

"پہلی اطلاع کہاں سے آئی تھی؟" لڑکی نے مرد کی طرف

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

دیکھ کر پوچھا۔

"ہر جگہ سے۔" شوہر نے جواب دیا۔

"میرا خیال ہے کہ میری گوٹ کے مغرب میں پہلا واقعہ ہوا تھا۔" عورت نے اپنے شوہر کے انداز پر مُنہ بنا کر جواب دیا۔ "وہاں ایک چھوٹی سی پہاڑی ہے اور وہیں کے کسانوں نے ابتدا میں شکایت کی تھی۔ اُن کا کہنا تھا کہ ان کے پاس موجود تمام پیڑول موم کی شکل میں بدل گیا ہے جس کے نگلنے سے ان کی کھال بھی متاثر ہوتی ہے۔"

"آہ۔ ہمارے پاس پورشی ۹۱۱، مرسیڈیز ۴۵۰ ایس ایل جیگوار ایکس کے ہی اور شیورلیٹ تھی۔" عورت کے شوہر نے تقریباً روتے ہوئے فریاد کی۔ "سب بے کار ہو گئیں۔"

"شیورلیٹ۔" ٹائیگر کو شدید ترین حیرت کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ وہ یہ سوچ کر حیرت زدہ ہوا تھا کہ اس ننھے سے جزیرے میں یہ جوٹا اتنی کاروں کا کیا کرتا ہوگا۔

"صرف شیورلیٹ ہی کلینک کے پاس جانے سے باقی بچی تھی۔" مرد نے پھر فریاد کی۔ ٹائیگر اور اوشان میری گوٹ کی طرف چل دیے۔ ٹائیگر یہاں کی چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں سے بہت متاثر ہوا تھا جو اگرچہ زیادہ بلند نہ تھیں لیکن اپنی ڈھلانوں کے باعث پہاڑی کی بجائے پہاڑ لگ رہی تھیں۔ ان کے دونوں طرف کوے اُڑ رہے تھے اور کہیں دُور کوئی گیت الاپ رہا تھا۔

"ہمیں بیل گاڑی استعمال کے لیے رکھ لینی چاہیے تھی۔" اوشان نے پیدل چلتے ہوئے شکایت کی۔

"لٹل فادر۔" ٹائیگر نے پُراسرار لہجے میں کہا۔ "کیا آپ کو موت کی بُو محسوس نہیں ہو رہی؟"

"نہیں۔" اوشان کا جواب دو ٹوک تھا۔

"مجھے بھی محسوس نہیں ہو رہی ہے۔" ٹائیگر نے ایک لمبی سانس لے کر کہا۔ "لیکن مجھے حیرت ہے کہ یہ بُو کیوں محسوس نہیں ہو رہی۔" سانجو جانے سے قبل جب بھی میں کسی ایسے مقام پر پہنچتا تھا... اس جیسے مقام پر۔ تو مجھے موت یا زندگی کی بُو یا بھک محسوس ہو جایا کرتی تھی... اور خوفناک خوشی سے میرا دل دھک دھک کرنے لگتا تھا۔ ممکن ہے اس وقت بھی میں موت کی بُو محسوس کر رہا ہوں لیکن مجھے کسی قسم کے خوف کا احساس نہیں ہو رہا ہے۔"

"سانجو جانے سے قبل تم بچے تھے۔" اوشان نے سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔ "اس وقت تم بچے تھے لہٰذا تم بچوں کی طرح جذبات رکھتے تھے۔ خوف کا احساس بچوں کو عموماً زیادہ ہوتا ہے اور اسی باعث وہ خود کو چھپا لیتے ہیں۔ اس کے نزدیک خوف ہی دفاعی دیوار ہوتی ہے۔"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے مجھے بے خوفی کی تربیت دی ہے۔" ٹائیگر نے پوچھا۔

"نہیں۔" اوشان نے سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔ "میں نے خوف اور مسرت کے درمیان جو فاصلہ ہوتا ہے اس کو دُور کرنے کی کوشش کی ہے... لیکن تمہارے اندر کا بچہ کبھی نہیں مر سکتا بالکل اسی طرح جیسے میرے اندر کا بچہ زندہ ہے۔ سانجو کی ایک قدیم روایت کے مطابق ہر ماں مرتے وقت اپنے بچپن کو آخری بار دیکھتا ہے اور اپنے بچپنے کی آواز سُنتا ہے۔ آواز اسے الوداع کہہ رہی ہوتی ہے۔"

ٹائیگر سر ہلا کر رہ گیا کیونکہ یہ فلسفہ کبھی اس کی سمجھ میں آنے والا نہیں تھا۔

"سمجھ میں آ گیا۔" اس نے پُرجوش لہجے میں کہا۔

میری گوٹ کے باہر انھیں ایک پہاڑی نظر آئی جس کے اوپر صندوق نما سفید عمارت نظر آ رہی تھی جو ایک فیکٹری تھی اس کے چاروں طرف باڑ تھی اور ایک طرف لکھا ہوا تھا "پیور لینس مان کارپوریشن۔ دُنیا کے لیے صاف ستھرے ماحول کے علمبردار۔"

گارڈ وہاں تھا میں ایک محافظ نظر آ رہا تھا۔ وہ اپنی رائفل استعمال نہیں کر رہا تھا کیونکہ وہ استعمال ہو چکی تھی۔ اس کا مُنہ رائفل کی نال کے اوپر تھا... یکلخت نال مُنہ کے اندر تھی اور کھوپڑی کا عقبی حصہ اُڑ کر لوتھ کی چھت پر چپکا ہوا تھا۔ دراصل گارڈ نے خود ہی اپنی کھوپڑی اُڑا دی تھی۔

اور اوپر پہاڑی سے... لاؤڈ اسپیکر سے گھبرائی ہوئی آوازیں نکل رہی تھیں "یہ وہی ہیں۔ جلدی کرو۔ وہی ہیں تیری دکھاؤ... انھیں بھاگنے مت دو۔ ان کے جال میں مت پھنسو۔"

اچانک ہی پہاڑی کے اوپر سے رائفل کی ہلکی ہلکی آوازیں سنائی دینے لگیں لیکن ٹائیگر اور اوشان پر کوئی گولی فائر نہیں ہوئی تمام گولیاں عمارت کے اندر ہی محدود رہیں۔

اوشان اور ٹائیگر تیزی سے اوپر سڑک پر چڑھنے لگے وہ دوڑے نہیں لیکن ان کی رفتار دوڑنے کے مقابلے میں بھی تیز تھی ان کے سر ہلنے کی بجائے ساکت تھے اور رفتار مسلسل تیز ہو رہی تھی۔ پیر نظر نہیں آ رہے تھے۔

وہ سفید عمارت تک پہنچے تو انھیں چند عجیب سی اور گھٹی گھٹی آوازیں سنائی دیں۔ انھوں نے دروازہ کھولا تو اندر ڈیڈ

مائیکر اسکوپس اور کمپیوٹر ٹرمنلز کے قریب بیس عورتیں اور مرد نظر آئے۔ وہ سب لڑھکے ہوئے تھے اور ان سب کی کھوپڑیوں میں بڑے بڑے سوراخ تھے جن سے خون بہہ رہا تھا۔

ان کے سروں سے سُرخ سُرخ خون بہہ رہا تھا لیکن ان کے دل دھڑک رہے تھے۔

"وہ آ رہے ہیں۔ وہ آ رہے ہیں۔" لاؤڈ اسپیکروں سے پھر آوازیں نکلنے لگیں۔ اس کے بعد قہقہہ سنائی دیا۔ یہ کوئی جنونی قہقہہ نہیں تھا بلکہ پُرمسرت قہقہہ تھا۔

انھوں نے پلٹ کر دیکھا۔ بڑے کریٹ کے پیچھے ایک شخص جس کے بال سرخ تھے بیٹھا ہوا ہنس رہا تھا۔ اس کے دانت غائب تھے۔ مائیکروفون اس کے گھٹنوں پر رکھا ہوا تھا۔ اس کے کان کی بالیں لو ایک نگینے سے چمک رہی تھی جو اس نے چپکا رکھا تھا۔ اس کے چہرے پر ایسے تاثرات تھے جیسے وہ ان دونوں کو اپنے بالکل سامنے دیکھ کر بہت خوش ہو رہا ہے۔

"ہیلو۔" اس نے خوشی سے جھومتے ہوئے کہا۔ "ہیپر ایسنس میں خوش آمدید۔ تم وہی ہو۔ ہمیں ابھی پیغام ملا تھا کہ تم یہاں آنے والے ہو۔ ہم پلان ۱۷۸ وائی پر عمل کر رہے ہیں... بہت بھاری ہے۔"

"۱۷۸ وائی کیا ہے؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"میں نے لاؤڈ اسپیکر لے کر اعلان کیا تھا کہ تم آ رہے ہو۔" اس نے ہنس کر کہا۔ "یہ میرا پہلا پروگرام تھا جس پر میں نے بڑی کامیابی سے عمل کیا۔ ہیپر پیو گے؟"

اس شخص نے ایک اور قہقہہ لگایا اور مائیکروفون مُنہ تک لا کر چلانے لگا۔ "وہ آ رہے ہیں۔ وہ آ رہے ہیں۔" اس کی آواز عمارت کے ہر کونے تک پہنچ رہی تھی۔

"یہ اعلان کیوں کر رہے ہو؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"ہیپی۔ نیکی اور امن کے لیے۔" اس شخص نے جواب دیا۔ "میرا خیال ہے کہ یہ سگنل تھا تاکہ تمہارے لوگ خودکشی کر لیں۔" ٹائیگر کو اب اکتاہٹ ہونے لگی تھی۔

"کیا بات کرتے ہو؟" وہ شخص ہنس کر بولا۔ "اب کسی کو خودکشی کی ضرورت نہیں کیونکہ میں لاؤڈ اسپیکر پر چلا چکا ہوں۔"

ٹائیگر نے اس کے سُرخ سُرخ بالوں کو مٹھی میں جکڑا اسے اٹھایا اور پھر اس کا رُخ لاشوں کی طرف کر دیا۔

"اب بولو؟" ٹائیگر نے کہا۔

"ٹھنڈ۔" وہ شخص بے ساختہ طور پر چلایا۔

"ٹھنڈ؟"

"ہاں۔ سکون۔"

"کیوں؟"

"انھوں نے وہی کیا جو وہ کرنا چاہتے تھے۔"

"تم نے انھیں خوف زدہ کر کے خودکشی کرنے پر مجبور کیا ہے۔" ٹائیگر نے غرا کر کہا۔

"یہ ان کی اپنی غلطی ہے۔"

"اگر میں تمہاری گردن توڑ دوں تو یہ کس کی غلطی ہوگی؟" ٹائیگر نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"ٹھنڈ اور سکون محسوس کروں گا۔" جواب بڑا عجیب سا تھا شاید اسی لیے وہ مسکرایا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ تم نشے میں ہو۔" ٹائیگر نے بڑی حیرت سے کہا اور بال چھوڑ دیے۔ وہ فرش پر گرا اور اس کا سر بہت زور سے ٹکرایا لیکن اس کے چہرے پر اب بھی مسکراہٹ تھی اُس نے اپنے مُنہ میں اچانک ہی نیلی گولی ڈال لی اور اس کے ساتھ ہی اُس کے پیر کانپنے لگے۔

"بد قسمت دن کا قدم نہ رو۔"

"یہ کون سی دوا تھی؟"

"شاید زہر تھا۔"

"زہر... تمھیں کیسے معلوم ہوا؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"اس لیے کہ میں مر رہا ہوں۔" اُس نے یہ کہہ کر آنکھیں بند کر لیں اور پھر ٹائیگر کو احساس ہوا کہ اس شخص کا پورا جسم ساکت ہو گیا ہے۔ یہ ابدی سکتہ تھا۔ وہ مر چکا تھا۔

ٹائیگر کو غالباً ایک ایسی جگہ کا علم ہو گیا تھا جو شاید فاسٹ بریڈ کٹیریا کی تیاری کے لیے استعمال ہوتا تھا لیکن اب ایسا کوئی شخص باقی نہیں رہا تھا جو اسے بتاتا کہ ایف آر بی کس طرح تیار ہوتا ہے۔

لیکن بنیادی سوال یہ تھا کہ آخر ان تمام لوگوں کو خودکشی کرنے پر کس طرح مجبور کیا گیا۔ ان لوگوں نے کیوں خودکشی کی تھی؟

باہر ایک ایسے علاقے میں جہاں ہر کار کے انجن ناکارہ ہو چکے تھے ایک کار فیکٹری کی طرف آ رہی تھی۔ انجن کی آواز گونج رہی تھی۔

*

"بلیم" پہلی اور ہموری کار کی عقبی نشست سے اُترنے والی عورت نے کہا۔ اس کی کار ۱۹۳۸ء کی فورڈ اور موجودہ

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

مرسیڈیز بینز کا درمیانی ماڈل لگ رہی تھی۔ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے ہوئے مُنہ والا ڈرائیور بیٹھا ہُوا تھا جس کی صاف و سُرخ چندیا چمک رہی تھی۔ یہ کھوپڑی ٹائیگر کو کسی توپ کے گولے کی طرح لگ رہی تھی۔

عورت نے انٹرنیشنل اسٹائل کا سفید سُوٹ پہن رکھا تھا۔ اُس کا انداز واضح طور پر کسی ایسی خاتون کا تھا جس کو اپنی اہلیت کا احساس ہو۔ اس کی آنکھیں سمندر کے پانیوں کی طرح نیلی اور دل میں اُتر جانے والی تھیں اور اُس کا تبسم کسی شریر و شوخ لڑکی کا تبسم تھا۔

وہ بہت حسین تھی اور ایک لمحہ کے لیے ٹائیگر کو شبہ ہُوا کہ کہیں اتنی حسین عورت کو دیکھ مرنے والے مُردہ اُٹھ بیٹھیں۔

"بلیم!"

"ایں؟" ٹائیگر نے سر کھجاتے ہوئے کہا۔

"ریوا بلیم!" وہ بولی۔ اُس نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا اور ٹائیگر سے بڑی گرمجوشی سے ملایا۔ پھر اُس نے اوشان کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ لیکن اوشان نے دونوں ہاتھ قبا کے اندر چھپا لیے۔

"فادر! یہ اخلاق سے گری ہوئی حرکت ہے۔" ٹائیگر نے دھیرے سے کہا۔ چنانچہ اوشان نے مجبوراً سر خم کر کے عورت کو تعظیم دی، مگر سر خم کرنے کا یہ انداز کسی پیشہ ور جلاد کے انداز سے مختلف نہ تھا۔

"میں ریوا بلیم ہُوں۔ بلیم انٹرنیشنل، امریکن بلیم، ہیوٹ بالکو بلیم، اسٹینڈرڈ بلیم اینڈ بلیم لمیٹڈ کی صدر۔ یہاں کیا ہُوا؟"

"تمہاری کار اس علاقے میں کیسی چلتی رہی؟ کیا کوئی خاص کار ہے؟"

"اوہ نہیں! اسپیشل کار ہے یہ۔" ریوا بلیم نے جواب دیا۔ "گے لارڈ گاڑی کے بارے میں اسپیشل انٹرنیشنل آٹو میگزین نے حال ہی میں تفصیلی فیچر شائع کیا ہے۔"

"مگر تمہاری گاڑی چلتی کیسے ہے؟ اس جزیرے پر تو گیسولین کی صلاحیت ہی فنا ہو جاتی ہے بلکہ گیسولین خود فنا ہو جاتا ہے۔" ٹائیگر نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"شیٹ۔" ریوا ایک ادا سے بولی۔ "یہاں کیا ہو رہا ہے؟"

"پہلے یہ بتاؤ کہ کار کیوں چل رہی ہے؟"

"اس لیے کہ گے لارڈ کار میں پیٹرول استعمال نہیں ہوتا۔ دُنیا میں پیٹرول کی بنیاد پر بنے ہوئے ایندھن کے علاوہ بھی ایندھن موجود اور دستیاب ہیں۔ بلیم انٹرنیشنل نے پولی پوسائیڈز کے نام سے ایندھن بنایا ہے جس میں اگرچہ بعض خرابیاں ہیں لیکن کار دوڑ سکتی ہے۔"

"خرابیاں کیا ہیں؟"

"اس کی بڑی خرابی اس کی فی گیلن پندرہ ڈالر قیمت ہے۔" ریوا مسکرا کر بولی۔ "اگر یہ ایندھن فضا میں شامل ہو جائے تو انسانی نشو و نما پر بھی بُرا اثر پڑتا ہے۔ اگر دُنیا کا ہر شخص یہی ایندھن استعمال کرنے لگے تو انسانوں کا قد چار فٹ تک رہ جائے گا۔"

"کتنا اچھا لگے گا؟" ٹائیگر ایک طویل سانس لے کر بولا۔

"ہاں۔" وہ ہنس پڑی۔ اُس کے دانت سفید اور بے داغ موتیوں جیسے تھے۔ "لوگوں کے پیٹرول کا مسئلہ بھی حل ہو جائے گا۔ چھوٹے قد ہوں گے تو کپڑا بھی کم لگے گا۔ گھر بھی چھوٹے بنیں گے اور ڈرینج کا مسئلہ بھی بڑی حد تک حل ہو جائے گا۔"

"لیکن لوگوں کو چار فٹ کی قامت پسند نہیں آئے گی۔" ٹائیگر نے یہ کہہ کر اوشان کی رائے لینے کے لیے اُس کی طرف پلٹ کر دیکھا مگر اوشان تو پہلے ہی ٹیکٹری میں واپس جا رہا تھا۔

"ویسے پولی پوسائیڈز پر مزید تحقیق کر کے اس کے کیمیائی مرکب میں عناصر ترکیب کو قدرے بدل کر اس کا یہ مُضر پہلو ختم کیا جا سکتا ہے۔ تاہم اس پر کروڑوں روپے کا خرچا آئے گا۔"

"پھر بھی یہ سستا سودا ہو گا۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔

تب ہی اچانک ریوا کی آواز بھرا گئی اور اس کی حسین آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ "شاید تم نے کبھی دس لاکھ ڈالر کا خسارہ برداشت نہیں کیا۔"

"نہیں۔ کبھی خسارے کا سامنا نہیں ہُوا۔"

"شاید تمہارے پاس اتنی دولت ہی نہ ہو۔"

"دولت کی افادیت کا احساس اُسی وقت ہوتا ہے جب وہ قبضے میں ہو۔" ٹائیگر نے بالواسطہ طور پر جواب دیا۔

"تمہارے پاس کیا ہے؟"

"یہ بات تم نہیں سمجھ سکو گی۔"

"ممکن ہے سمجھ لوں۔" ریوا کے چہرے پر تجسس کے آثار نمودار ہونے لگے۔

"میرے پاس وہ کچھ ہے جو تمہارے پاس نہیں۔ میں تم سے زیادہ مکمل شخصیت ہُوں۔"

"احساس فروتری سے بچنے کے لیے یہ جملہ عموماً استعمال کیا جاتا ہے۔" ریوا نے جملہ کسا۔

"میں نے کہا تھا نا کہ تم نہیں سمجھ سکو گی۔"

"کیا تم دولت سے اکتاہٹ محسوس کرتے ہو؟" ریوا نے ایک خاص انداز سے پلکیں جھپکا کر پوچھا۔

"اس موضوع پر تم میرے ساتھی سے بات کرو۔" ٹائیگر نے کندھے اُچکا کر جواب دیا۔ "وہی دولت کے چکر میں رہتا ہے۔"

ریوا اُس کے ساتھ ہی فیکٹری میں داخل ہوئی جبکہ ڈرائیور گاڑی ہی میں بیٹھا رہا۔

ریوا نم ناک آنکھوں سے لاشوں کو دیکھنے لگی۔ "اوہ، یقیناً... یقیناً۔" وہ عجیب انداز میں بولی۔ "یہ سب وارڈلی کی حرکتیں ہوں گی۔ اُس نے انھیں اپنا مطیع بنا لیا ہو گا۔ پھر ان بے چاروں سے دفاعی شقتیں کرائی ہوں گی اور پھر وارڈلی یہ بھول گیا ہو گا کہ اُس نے ان کی رائفلوں میں گولیاں بھی بھروا رکھی ہیں۔ پھر شاید یہ بھی بھول گیا ہو گا کہ اُس نے خود زہر کھا رکھا ہے۔"

"کیا پاگل پن کی باتیں کرتی ہو۔" ٹائیگر نے بڑا سا مُنہ بنا کر کہا۔ "بھلا کوئی یہ بھی بھلا سکتا ہے کہ اُس نے زہر کھا رکھا ہے؟ میرا خیال ہے کہ کسی نے ان سائنسدانوں کو خودکشی پر قائل یا مجبور کیا ہو گا۔"

"تم نے یہ اندازہ کیسے لگایا کہ یہ لوگ سائنسداں ہیں۔" ریوا نے اٹھلا کر پوچھا۔

"اس عمارت کو دیکھ کر سب سے پہلا خیال یہی آیا تھا کہ یہاں کام کرنے والے سائنسداں ہوں گے۔" ٹائیگر نے مُسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"یہ تمام سائنسداں امریکہ سے ہی لاپتا ہوئے تھے تم نے ریڈ بریڈر بیکٹیریا کے بارے میں ضرور سُنا ہو گا۔ اسی بیکٹیریا کی وجہ سے اس جزیرے میں موجود تمام پیٹرول موم بن گیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ پیٹرول کو موم بنانے کے لیے بیکٹیریا کی نشو و نما اسی جگہ ہوتی ہو گی۔"

"درست۔" ریوا سنجیدگی سے بولی۔ "ٹیکس بچانے کی کوشش میں بعض لوگ پاگل ہو جاتے ہیں۔ یہ مُردہ شخص جس کے چہرے پر بڑی احمقانہ کی مُسکراہٹ ہے، میرا اجائی وزنلی ہے۔ یہ عجیب فطرت کا مالک تھا۔ سونے کی تلاش میں سرمایہ ضائع کرنا اس کا شوق بلکہ مشغلہ تھا۔ رقم سے ہاتھ دھونے میں اس کی مہارت کا جواب نہیں۔ اس میں مجھ جیسی صلاحیتیں نہیں تھیں۔ وارڈلی نے اس کمپنی کا کنٹرول صرف اس وجہ سے سنبھالا تھا کہ اسے یہاں نقصان ہو اور بلیم کمپنی امریکہ میں خسارہ دکھا کر ٹیکس بچا سکے۔"

"میں سمجھ گیا۔" ٹائیگر کُتا کُتا نے لگا۔

"وارڈلی نے یہ جہتیہ کر رکھا تھا کہ وہ اس شعبے سے تعلق رکھنے والے تمام سائنسدانوں کو نوکر رکھ کر اس شعبے میں ہونے والی تحقیق پر اجارہ داری قائم کر لے۔ اُسے یقین تھا کہ اس پروجیکٹ میں بہت زیادہ منافع ہو گا۔"

"ان سائنسدانوں کے بارے میں کیا خیال ہے جن کو تمہارے بھائی نے قتل کیا؟"

"کیا قتل... وارڈلی نے ہی کیے ہیں؟" ریوا کی خوب صورت آنکھیں حیرت سے اور زیادہ پھیل گئیں۔

"کس نے تو قتل کیا ہو گا نا؟"

"میرا خیال ہے کہ وارڈلی کو ان سائنسدانوں کی ابھی ضرورت تھی۔" ریوا نے بھائی کی بے گناہی کے لیے گواہی دیتے ہوئے کہا۔ "وہ انھیں حیرت انگیز طور پر انتہائی زیادہ تنخواہیں دے کر یہاں لایا تھا۔ پھر اُس نے انھیں اس دوا کا عادی بنا دیا جو اُس نے ایجاد کی تھی۔ اس کے بعد یہ لوگ یہ کھیل کھیلنے لگے کہ کوئی ان تک نہ پہنچ سکے۔ وارڈلی یہ کھیل بچپن ہی سے کھیلنے کا شوقین تھا۔ میرا خیال ہے کہ اب اس عمارت میں جگہ جگہ بکٹیریا موجود ہو گا۔"

"تمہاری اس پوری کہانی میں ایک نیا نکتہ نظر آ رہا ہے ریوا۔" ٹائیگر نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔

"وہ کیا؟"

یہی کہ آخر دُنیا سے پیٹرول اور ڈیزل کا خاتمہ کرنے سے کیا فائدہ ہو گا؟"

"کیا فائدہ ہو گا؟" ریوا نے آنکھیں پٹپٹا کر پوچھا۔

"تمہیں۔" ٹائیگر ہنس پڑا۔ "تمہارا پولی پوجوس۔"

"پولی پوسائیڈز۔" ریوا نے فوراً تصحیح کی۔

"پیٹرول کے متبادل پولی پوسائیڈز کی فی گیلن قیمت ۱۵ ڈالر سے کم نہیں ہے نا؟"

"تم جو کوئی بھی ہو اتنا سمجھ لو کہ پولی پوسائیڈز کی عام تقسیم کے لیے کم از کم دس برس درکار ہوں گے۔" ریوا نے اس بار بڑی سنجیدگی سے جواب دیا۔ "اگر میں پوری رفتار سے بھی پیداوار شروع کرا دوں تب بھی صرف یومیہ ایک ہزار گیلن پولی پوسائیڈز تیار ہو سکتی ہے۔ اس کا مطلب کیا ہُوا؟ میں ہونل

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کے کمروں پر رقم خرچ کرتی رہوں اور جب دس برس بعد میں بھرپور پیداوار کے لیے تیار ہو جاؤں تو پھر کوئی عالمی ادارہ سینتیس ٹیک فیول تیار کرے گا۔ اس طرح میرا انجام کیا ہوگا؟ میرے پاس تو صرف چار فٹے لوگ بچیں گے۔"

رلیوا یہ کہتے ہوئے شدید ترین دیوانگی کے عالم میں وارڈلی کی لاش تک گئی اور چلاتی ہوئی اُسے ٹھوکروں سے پیٹنے لگی۔

"میں... میں اس احمق کے چہرے سے اس کی احمقانہ مسکراہٹ کبھی ختم نہ کر سکی۔" وہ ہانپتی ہوئی بولی۔

"رکو۔" ٹائیگر نے اسے پکڑ لیا کیونکہ اسے خطرہ تھا کہ مقتول کی لاش کا حشر خراب نہ ہو جائے لیکن رلیوا کی حالت بہت خراب تھی۔ وہ اُچھل اُچھل کر سہائی کے چہرے پر ٹھوکریں مار رہی تھی اور بے تابو ہو رہی تھی۔ لہٰذا ٹائیگر نے اس کی گردن پر ہاتھ رکھ کر گُدی کو سہلایا۔ اگلے چند ہی لمحے بعد رلیوا پُرسکون ہو گئی لیکن اُس کی نیلی آنکھیں اب بھی جل رہی تھیں۔ اس کے غصے میں بھی ملکوتی حُسن تھا پھر اچانک ہی ٹائیگر کو بھی مُسکراتی ہوئی لاش اچھی نہیں لگنے لگی۔ لہٰذا اُس نے رلیوا کی خواہش کے مطابق یہ مسکراہٹ خود دُور کرنے کا فیصلہ کیا۔

"وارڈلی نے سب کچھ تباہ کر دیا۔" رلیوا نسبتاً دھیمے انداز میں بولی۔ "اُس نے ان لوگوں کو بھی قتل کر دیا۔ وہ دوسروں کا بھی قاتل ہے۔ میں تو صرف ٹیکس بچانا چاہتی تھی مگر اس نہیت نے سارے کیے دھرے پر پانی پھیر دیا۔"

رلیوا کے شانے جھک گئے، چہرہ مُست گیا۔ صاف ظاہر تھا کہ وہ بہت اُداس ہے پھر اچانک ہی وہ بلک بلک کر رونے لگی۔ رلیوا سسکیاں لیتی ہوئی بولی۔ "میں نو سال کی عمر ہی میں نوکری کرنے لگی تھی۔ اب جبکہ مجھے یہ یقین ہو گیا تھا کہ ہمارے پاس ضرورت سے زیادہ دولت جمع ہو گئی ہے تو۔ تو یہ واقعہ رُونما ہوا۔ اس نے ان لوگوں کو بھی قتل کر دیا۔ اب میں کیا کروں؟"

"اگرچہ میں کاروباری آدمی نہیں ہوں لیکن اتنا ضرور جانتا ہوں کہ اب ان لاشوں کی تدفین ضروری ہے۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ "مرنے والوں کے اہلِ خانہ کو اس کی اطلاع دینی بھی ضروری ہے۔ اس کے علاوہ پولیس کو بھی مطلع کیا جانا چاہیے۔"

"کیا یہ سب کام تم کر سکتے ہو؟" رلیوا آنکھیں پونچھتی ہوئی بولی۔ حزن میں رونے کے باعث لال لال ڈورے نظر آنے لگے تھے۔

"نہیں، میں تو چلا جاؤں گا۔"

"تب پھر یہ کام میں کروں؟"

"یقیناً، لیکن اگر یہ بتا دو کہ فاسٹ بریڈر بکٹیریا کہاں جمع ہے تو پھر میں لاشوں کو ٹھکانے لگانے سے متعلق کچھ سوچوں گا۔"

"یہیں ہونا چاہیے۔ سب کچھ اسی ایک فیکٹری میں تھا۔" رلیوا نے جواب دیا۔

"کیا تمھیں یقین ہے؟"

"اوہ۔" رلیوا نے سسکی لی۔ "آہ۔" وہ ٹائیگر کو تقریباً کھینچتی ہوئی کمپلیکس کے آفس سیکشن میں لے آئی اور کمپیوٹر ٹرمینل کی تلاش میں اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔

اوشان بھی اُس کے پیچھے پیچھے وہیں آ گیا اور اسی لمحے ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے لگی تو رلیوا رسیور اُٹھانے کے لیے بڑھ گئی۔

اُس نے رسیور اُٹھا کر ہیلو کہا اور پھر سر جھٹک کر ٹائیگر کی طرف پلٹی۔ اُس نے اس کے بعد اُوشان کی طرف رسیور بڑھا دیا۔ "آپ کا فون ہے جناب۔"

"کمال ہے۔ یہ علم کیسے ہوا کہ آپ یہاں ہیں ٹیل فادر؟" ٹائیگر کو واقعی حیرت تھی۔

"کسی بھی ایسے شخص کو جو میرا مستقد ہو۔" اوشان نے شان بے نیازی سے جواب دے کر رسیور تھام لیا۔ ٹائیگر رلیوا کے ساتھ ٹرمینل پر گیا اور اسے آپریٹ کرنے لگا جبکہ رلیوا سول فیڈ کرنے کے لیے ٹائپ کرنے لگی۔ کمپیوٹر نے فوراً ہی جواب دینے شروع کر دیے۔ اس دوران ٹائیگر اُوشان کی گفتگو بھی سُننے کی کوشش کرتا رہا۔ ٹائپ کرتی ہوئی رلیوا اور زیادہ خوبصورت نظر آ رہی تھی۔ اس کے ہونٹ بار بار ہل رہے تھے۔ وہ بجائی کو مسلسل مگر زیرِ لب احمق کہہ رہی تھی۔

اُدھر اُوشان بھی کچھ کہہ رہا تھا۔ "درست، بالکل درست آپ یقیناً دانشمند ہیں اعلیٰ حضرت! جی، بالکل درست اعلیٰ حضرت...!"

وہ دو منٹ تک یہی جُملے دہراتا رہا اور پھر بولا۔ "کیا آپ چند منٹ بعد دوبارہ فون کرنے کی زحمت گوارا کریں گے جنابِ عالی! جی! بہت بہت شکریہ۔" اوشان نے رسیور رکھ کر ٹائیگر کی طرف دیکھا۔

"کیا بہرام تھا ٹیل فادر؟" ٹائیگر نے چونک کر پوچھا لیکن

آواز اتنی دھیمی رہی کہ رلیوا اس کا سوال نہ سُن سکے۔

"نہیں۔"

"مجھے یہی حیرت ہو رہی تھی کہ وہ ہم تک کیسے پہنچ سکتا ہے؟"

"یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ وہ ہم تک نہیں پہنچ سکا۔" اوشان نے عجیب سے لہجے میں کہا۔ ٹائیگر نے پلٹ کر رلیوا کی طرف دیکھا۔ اس کی زُلفیں اب بھی ہل رہی تھیں اور وہ اب بھی بار بار احمق کی گردان کر رہی تھی۔

"شہزاد!" اوشان نے سرگوشی کی۔ "ہمیں ابھی ابھی ایک ایسے شخص سے پیش کش موصول ہوئی ہے جو یقیناً بادشاہ ہے اور پیش کش بھی ایسی ہے کہ ہم اسے ٹھکرانے کی ہمت بھی نہیں کر سکتے۔ میرا خیال ہے کہ ہم سنانجو کی صلاحیتوں کو ایک ایسے شخص کے لیے ضائع نہ کریں جو میرے بار بار کہنے پر بھی تمھتو شہنشاہی پر قبضہ کرنے کے لیے تیار نہیں۔ ہمیں اب اس کاہل شخص کی ملازمت ترک کر دینی ہوگی اس کے بدلے ہمیں ایسے شخص کی ملازمت اختیار کر لینی چاہیے جو ایک جلاد کی بنیادی ضرورتیں سمجھتا ہے۔"

"ابھی مجھے یہ مشن مکمل کرنا ہے ٹیل فادر۔" ٹائیگر نے سب کچھ بھولتے ہوئے عذر پیش کیا۔

"کیا تمھیں اندازہ ہے کہ ہمیں کیا پیش کش کی گئی ہوگی؟" اوشان سرگوشیاں کر رہا تھا۔

"نہیں۔ اس سے میں نے نہیں آپ نے بات کی تھی۔" "تم کیا چاہتے ہو؟"

"آپ بتائیں۔ پیش کش کیا ہے؟" ٹائیگر نے محض اوشان کا دل رکھنے کے لیے پوچھا۔

"پیش کش یہ ہے... ہمیں ہر وہ چیز ملے گی جس کی ہمیں خواہش ہوگی۔ سونا، تیل، کمپنیاں، جواہر، گھوڑے، زمین۔ یہ پیش کش ایک شہنشاہ کی طرف سے آئی ہے۔ ایک حقیقی اور اصلی شہنشاہ نے ایک بچے اور اصلی جلاد کو پیش کش کی ہے۔"

"تب پھر پہلے یہ مشن مکمل کر لیں۔"

"تم اپنی خواہشیں بیان کرو شہزاد۔"

"خواہشیں؟" ٹائیگر مسکرانے لگا۔ "مجھے برسوں سے علم نہیں کہ میری خواہش کیا ہے۔ شاید مجھے اگلے کئی برسوں میں بھی اس کا جواب نہ ملے۔ پہلے میری خواہش تھی کہ میں سنانجو جا کر رہوں۔ یہ خواہش پوری ہو گئی۔ شاید میری ایک خواہش یہ ہے کہ اپنے وطن کی خدمت کروں لیکن بہرحال، مجھے کچھ نہیں معلوم۔"

"تب پھر اس مشن کے بعد میں ہاں کر دوں؟" اوشان نے بے صبرے پن کا مظاہرہ کیا۔

"میں کیا کہہ سکتا ہوں؟"

"میں ہاں کہہ دوں گا۔" اوشان نے اپنے طور پر فیصلہ کر لیا اور اسی لمحے ٹیلی فون کی گھنٹی بج اُٹھی۔ اوشان نے فون اُٹھایا تو ٹائیگر چھت کی طرف دیکھنے لگا۔ اب اوشان سنانجو کے مطابق ایسی مختلف اشیا کی فہرست بیان کر رہا تھا جو ایک مقررہ وقت پر سنانجو پہنچتی ہوتی تھیں۔ اسی مقام پر بہرام ہر سال وہ سونا بھجوا دیا کرتا تھا جس کے بارے میں اوشان کا کہنا تھا کہ سونا بہت مگرمز نہیں آیا۔

اس وقت ٹائیگر کو ماسک کے چہرے پر عجیب سی مسرت نظر آ رہی تھی۔ وہ فراٹے سے کورمائی زبان بول رہا تھا اور یہ بات ظاہر کر رہی تھی کہ دوسری طرف جو کوئی بھی ہے اُسے بھی یہ زبان آتی ہے۔ اس کے بعد قدیم فرانسیسی میں گفتگو ہونے لگی پھر اچانک اوشان کے چہرے پر پریشانی کے آثار نمودار ہوئے۔ "ایک منٹ ہولڈ کریں۔" اس نے یہ کہہ کر ٹائیگر کی طرف دیکھا اور قریب بُلا کر سرگوشی کی۔ "شہزاد! ایا شریف متین نفیس، فیاض عالم کہتا ہے کہ اگر ہم اس مشن کو چھوڑ کر اس کے لیے ابھی سے کام شروع کر دیں تو یہ ہمارے ممنونِ احسان کو گنگا کر دے گا۔"

"نہیں۔" ٹائیگر نے دوٹوک انداز میں جواب دیا اور ساتھ ہی رلیوا کی طرف دیکھا جو کمپیوٹر کو فیڈنگ کر رہی تھی۔

"تم انکار نہیں کر سکتے شہزاد۔ ڈگنا معاوضہ۔"

"آپ ہر چیز کو گنا نہیں کر سکتے ٹیل فادر۔ اگر آپ کو کسی چیز کی خواہش ہے تو وہ ڈگنی ہونے کے بعد بھی کم لگے گی۔"

"یہ فلسفہ کسی سفید فام کو سکھاؤ۔" اوشان چیخ پڑا۔ اس کی چیخ بڑی سُریلی تھی۔ وہ فون کی طرف پلٹا اور چند لمحے بعد املی میٹھی دینے والے انداز میں ٹائیگر کی طرف آیا۔ "اگر تم ابھی سے کام کرنے کی پیش کش قبول نہیں کر سکتے تو پھر ہمارے راستے جُدا ہیں۔" اُس کا لہجہ بہت ٹھوس تھا۔ "اُس عظیم شہنشاہ نے مجھے میرے مطالبات کے مقابلے میں تین گنا دینے کی پیش کش کی ہے پہلی کھیپ سنانجو پہنچے گی تو لوگ حیرت زدہ رہ جائیں گے کیونکہ عظیم وانگ بھی اتنا جلا مذرانہ نے کر نہیں پہنچا تھا۔"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"میں سنابجو میں رہ چکا ہوں لٹل فادر۔" ٹائیگر نے لہجہ نرم اور دھیما رکھا تھا۔ "وہاں صرف کوئا کباڑ جمع ہے۔ جب آپ وہاں نہیں ہوتے تو گاؤں والے اس میں سے بھی سامان چوری کر لیتے ہیں۔ پرانے زمانے کے برعکس اب وہاں کوئی بھی بھوکا نہیں رہتا۔ اگر آپ اپنا ممتاز وہاں نہ بھجوائیں تب بھی وہ لوگ زندہ رہیں گے لہٰذا تین گنا معاوضے پر کام کرنے کی کیا ضرورت ہے؟"

"میں اپنے اور تمہارے افتخار کی بات کر رہا ہوں۔" اوشان نے دونوں ہاتھ سینے پر باندھ کر کہا۔ "تمہارے اور اپنے سنابجو کی بات کر رہا ہوں۔"

"اوہ۔" ٹائیگر بے ساختہ طور پر مسکرانے لگا۔ "یہ پہلا موقع ہے کہ آپ نے 'میرا سنابجو' نہیں کہا بلکہ مجھے بھی اس میں شریک کیا ہے لٹل فادر۔"

"سنابجو تمہارا بھی ہے۔" اوشان خفیف ہو کر بولا۔

"خیر۔ اس پیش کش پر میں مشن کی تکمیل کے بعد غور کروں گا۔" ٹائیگر نے بے بحث معمم کرنے کی کوشش کی۔

"میں نئے شہنشاہ سے انکار نہیں کر سکتا شہزادہ! اس کی پیش کش پر غور کرو۔ انکار کی گنجائش نہیں۔"

"تب پھر انکار نہ کریں۔" ٹائیگر نے جواب دیا جس پر اوشان نے سینہ تان کر اپنا رخ ٹیلی فون کی طرف کیا اور تعظیم دینے والے انداز میں سر جھکا دیا۔ "اعلیٰ حضرت! مہربان اور قدردان عالی جاہ! میں فی الوقت آپ کی پیش کش قبول نہیں کر سکتا لیکن بعد میں یہ پیش کش قبول کر لی جائے گی۔ میں اس سے بات کروں گا کہ اُسے جو کچھ درکار ہے آپ فراہم کریں گے خدا حافظ دوست۔"

"کیا اس کا نام دوست ہے؟"

"ہاں۔" اوشان نے کہا۔ "تم جانتے ہو۔"

"کیوں نہیں۔ یہ اسی انگریز کا پاس ہے۔ ہمیں اسی کی تو تلاش ہے۔ یہ سارا کیا دھرا اسی کا ہے لٹل فادر۔"

"محض افواہیں پھیلا رہے ہو۔" اوشان بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "وہ انتہائی فیاض اور بہترین حاتم ہے۔"

اسی لمحہ ریوا ٹرمینل سے اُچھل پڑی۔ "تم... تم جانتے ہو کہ اس نے کیا کچھ کر ڈالا ہے... خبیث طوائف۔۔۔"

"نہیں... مجھے پتا نہیں۔۔۔" ٹائیگر نے ہاتھ ہلا کر جواب دیا۔ "وہ ڈیڈ برڈ نامی ریکٹیا کی ایک کھیپ روانہ کر چکا ہے اگر یہ کھیپ سرگرم ہو گئی تو دُنیا بھر کا پیٹرول ختم ہو جائے گا۔"

"تب پھر ہمیں اس کھیپ کو روکنا ہو گا۔"

"نامکمل۔ روکنا پڑے گا کیونکہ میں پولی سائینڈز مطلوبہ مقدار میں تیار کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔"

"اگر تیار کر بھی لیا تو بولیوں کی آبادی بڑھنے لگے گی ریوا۔"

"یہ کوئی مسئلہ نہیں۔" ریوا منہ بنا کر بولی۔ "اصل مسئلہ یہ ہے کہ اگر پولی سائینڈز کو استعمال کیا تو مہلِ تنفس تبدیل کرنا ہو گا اور جب تک لوگوں کو محلِ تنفس کی تبدیلی کی مشق کرائی جائے گی اس وقت تک دُنیا کی نصف آبادی ختم ہو جائے گی۔ ہمیں روانہ کی جانے والی کھیپ ہر قیمت پر روکنی ہے۔"

"کیا صرف ایک ہی کھیپ بھیجی گئی ہے؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"کمپیوٹر یہی کہتا ہے۔"

"تب پھر چلو۔۔۔"

"تم ہی جاؤ۔۔۔" اوشان نے ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔ "تم نے مجھے شہنشاہ کے سامنے ذلیل کرایا ہے۔ پتا نہیں تمہاری تربیت میں کہاں نقص رہ گیا۔ مجھے تنہا چھوڑو اور تم کیں سنابجو سے دور اس جزیرے میں آخری سانسیں لے سکو۔"

"ٹھیک ہے۔ میں آپ کو بہرام کے ذریعہ واپس بلوا لوں گا۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔

"تمہارا ساتھی بہت پریشان دکھائی دیتا ہے۔" ریوا نے ٹائیگر سے کہا۔

"مجھے تمہارے تبصرے کی کوئی ضرورت نہیں مس..." اوشان نے کسی زخمی سانپ کی طرح پھنکار کر کہا۔ "ویسے تم لوگ کہاں جا رہے ہو؟"

"صحرائے فارس... وارڈلی نے ریکٹیا کی کھیپ وہیں بھیجی ہے۔" ریوا نے جواب دیا جس پر اوشان نے قریب آ کر بغور دیکھا اور پھر اس کا بازو چھوتے ہوئے بولا۔ "صحرائے فارس میں کہاں؟"

"ارضا ضلع جابر اقصیٰ کے پاس..." ریوا نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔" اوشان نے ٹائیگر کی طرف پلٹ کر کہا۔ "میں بھی تمہارے ساتھ چل رہا ہوں۔"

"اچانک اور اتنی اہم تبدیلی کیسے ہو گئی لٹل فادر..." ٹائیگر نے مسکرا کر پوچھا۔

"مجھے بھی صحرائے فارس میں چند ضروری کام کرنے ہیں۔" اوشان نے بڑی بے نیازی سے جواب دیا۔

"یہ ضروری کام آپ نے کتنے عرصے تک اور کب سے مؤخر کر رکھے تھے۔" ٹائیگر زیرِ لب مسکرا رہا تھا۔

"اس وقت سے جب صحرائے فارس دریاؤں کی روانی اور میٹھے پانیوں کے چشموں کے باعث سرسبز تھا اور جب اچانک ہی اس نے ریت و ببول کے سامنے ہتھیار ڈال دیے تھے۔ اور..."

"بس۔ کافی ہو گیا لٹل فادر..."

"اور اس وقت سے جب ہمارا وقار اور ہماری تمکنت کی مثالیں جنم لے رہی تھیں۔ ہم اپنی روایتوں کے امین ہیں اور ہمیں اپنے وعدوں کا پاس ہے۔" اوشان نہ جانے کن وعدوں کی بات کر رہا تھا۔

"مگر ہم یہاں سے کیسے نکلیں گے؟ جزیرے کی مکمل ناکہ بندی کی ہوئی ہے..."

"یہ کوئی مسئلہ ہی نہیں۔" ریوا اچکی بھاتی ہوئی بولی۔

ریوا کا نک چڑھا شوفر انھیں پہلے میری گوٹ لے گیا جہاں سے ریوا نے ایک ایک فٹ اونچے چار بکس حاصل کیے اور بڑی احتیاط سے انھیں قوم میں لپٹوا دیا۔ ان بکسوں کے اندر سے کسی سیال مادے کی غرغراہٹ سنائی دے رہی تھی۔

"ان بکسوں میں کیا ہے؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"بوز..." ریوا مسکرا کر بولی۔ "اور یہ چیز صحرائے فارس میں نہیں مل سکتی۔"

"ارے نہیں تیل پیدا کرنے والے رؤسا اپنی رقم سے جو چیز چاہتے ہیں خرید لیتے ہیں۔"

"ہاں۔ وہ عام مشروبات خرید سکتے ہیں لیکن لازاردنی امریٹو نہیں خرید سکتے۔ یہ تصدیق شدہ امریٹو ہے اور ۱۸۵۱ء میں کشید کیا گیا تھا۔"

"تو پھر؟"

"تو پھر جب سے میں نے اسپیشل انٹرلیسٹ آٹوز سے اپنی کاریں خریدی ہیں میں یہی شراب پیتی ہوں۔ جب دولت ہے تو پھر اچھی سے اچھی چیز خرید سکتی ہوں۔ بھلا دولت کس کام آئے گی؟"

"پتا نہیں۔" ٹائیگر کندھے اچکا کر بولا۔

"عظمتوں کے حصول کے لیے۔" اوشان نے لقمہ دیا۔

اس اثنا میں امریکی بحریہ کی ایک گشتی کشتی میری گوٹ کی ایک گودی میں پہنچی۔ اس کشتی کے ناخدا کو کسی مس ریوا بلیم کی تلاش تھی۔

"کیا بات ہے؟" ریوا نے کپتان سے کہا۔

"آپ ہی مس ریوا بلیم ہیں؟"

"بالکل... اور کون ہو سکتی ہے..."

"تو پھر آپ زیرِ حراست ہیں۔" کشتی کے کمانڈر نے بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "شکریہ..." ریوا مسکرانے لگی۔ "میرے ساتھ تین دوست بھی ہیں۔ کیا آپ انھیں بھی گرفتار کریں گے؟"

"بالکل۔ کیوں نہیں۔" کمانڈر نے اس طرح کہا جیسے وہ ریوا کی کوئی فرمائش پوری کر رہا ہو۔ ساتھ ہی اس نے شوفر اوشان اور ٹائیگر کی طرف بھی دیکھا تھا۔ چاروں پیٹرول بوٹ میں سوار ہو گئے جبکہ اوشان کے اصرار پر اس کے صندوق بھی ساتھ ہی لے لیے گئے۔

"کیا آپ میری کار کا خیال رکھیں گے کمانڈر۔" ریوا نے ایک ادائے دلنوازی سے کہا۔

"یقیناً... کیوں نہیں... آپ فکر نہ کریں کار کو کوئی ہاتھ بھی نہیں لگا سکے گا۔" کمانڈر نے اسے یقین دلایا۔

کشتی سمندر کا پانی چیرتی ہوئی آگے بڑھ گئی اور جلد ہی ایک شاندار بجرے کے قریب رک گئی۔ شکریہ کمانڈر۔" ریوا نے امریکی افسر سے کہا جس نے بڑی خوش اخلاقی کا مظاہرہ کرتے ہوئے سارا سامان بجرے میں منتقل کیا اور سلام کر کے چلا گیا۔

"یہ کیا ہوا؟" اوشان نے ہونقوں کی طرح سب کو دیکھا۔ اسے بحری کمانڈر کے رویے پر حیرت تھی۔

"بات یہ ہے کہ ہمیں گرفتار کر کے یہاں تک پہنچانے والا کمانڈر جلد ہی ریٹائر ہونے والا ہے۔ اس کی پنشن اتنی زیادہ نہیں ہو گی کہ گزارہ کر سکے لہٰذا میں نے اسے بجرے تک پہنچانے کے عوض ایک بھاری معاوضہ کی پیش کش کی تھی۔"

"دولت کسی کو بھی خرید سکتی ہے۔" ریوا نے بڑے اعتماد سے کہا۔

"اور خریدے جانے کے عوض جو رقم ملتی ہے بعض لوگ اسے خراج سمجھ کر وصول کرتے ہیں۔" ٹائیگر نے لقمہ دیا۔

"میں ایسی رقم کو خراج نہیں سمجھتا۔" اوشان نے غصیلے لہجے میں جواب دیا۔

ریوا کا بجرا بہت تیزی سے جزیرہ انگیولا کی طرف رواں

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

دواں ہوگیا۔ وہاں بلیم کارپوریشن کا ایک جیٹ طیارہ پرواز کے لیے تیار تھا۔۔۔ بقول ریوا، یہ طیارہ بھی پولی یوسا ہیڈز استعمال کررہا تھا لیکن طیارے میں بیٹھنے بھرنے والے بعض افراد پہلے ہی چل بسے تھے۔ "سمجھے۔۔۔" ریوا نے ٹائیگر سے کہا۔ "ہمارے کے ایگزاسٹ سے جو دھواں نکلتا ہے وہی خطرناک ہوتا ہے۔ اگر پولی یوسائیڈز کا عمومی استعمال شروع ہوگیا تو دنیا کا کیا انجام ہوگا؟ یہی وجہ ہے کہ میں بیکٹما کی اس کھیپ کو ہر قیمت پر استعمال سے روکنا چاہتی ہوں۔"

—o—

ٹائیگر ہیس نشستی نجی طیارے کی سیڑھیاں چڑھ کر طیارے میں پہنچا، اوشان اور ریوا دونوں اس کے پیچھے تھے اور شوفر اسکرا اوشان کے صندوق رکھوانے کے کام کی نگرانی کررہا تھا۔ ساتھ ہی اسے یہ بھی فکر تھی کہ ۱۸۵۱ء میں کشید کی گئی شراب بھی محفوظ جگہ پر رکھی جائے۔

ٹائیگر جونہی نشستوں کی طرف لے جانے والے دروازے پر رکا، اوشان بڑی تیزی سے اس کے قریب سے آگے گزر گیا۔ اس کی قبا کا ایک حصہ سرسراتا ہوا ٹائیگر کے چہرے کو چھوتا ہوا گزر گیا۔ ساتھ ہی اسے اوشان کے ہنسنے کی مخصوص آواز بھی سنائی دی۔ ٹائیگر جانتا تھا کہ اوشان بائیں طرف والی اس نشست پر بیٹھنا چاہتا ہے جو پر کے اوپر ہوتی ہے۔ طیارے میں یہی جگہ اس کو بہت پسند تھی۔

اس نے اوشان کو نشستوں کے درمیان میں سے مخصوص اور پسندیدہ نشست کی طرف جاتے ہوئے دیکھا تو اسے غصہ سا آگیا۔ اس نے لمبی رقعہ بھری اور بائیں طرف والی نشستوں پر سے گزرتا ہوا اس نشست تک پہنچ گیا جس پر اوشان بیٹھنے کے لیے آرہا تھا اس نے دونوں پیروں کو ملا کر قلابازی کھائی اور پھر نشست پر بیٹھ گیا پھر اس نے پلٹ کر دیکھا اوشان اسی کی طرف آرہا تھا لیکن اس کے چہرے پر کسی قسم کے تاثرات نہیں تھے۔ وہ دائیں طرف والی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ ریوا ابھی تک دروازے پر کھڑی ہوئی ان دونوں کی طرف دیکھ رہی تھی جبکہ اوشان کے حلق سے عجیب سی آوازیں نکل رہی تھیں جنھیں کوئی قہقہہ اور کوئی غراہٹ بھی کہہ سکتا تھا۔

"کیا ہوا لٹل فادر؟ آپ ہنس کیوں رہے ہیں؟" اسے علم تھا کہ اس حرکت سے اوشان کو بہت غصہ آیا ہوگا۔

"ہے۔۔۔ ہے۔۔۔ ہے۔۔۔" یہ قہقہہ اتنے قہقہے سے بہت مختلف تھا۔

"یہ بار بار ہے ہے ہے کا کیا مطلب ہوا؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"میں یہ سوچ کر ہنس رہا تھا کہ تم کتنے بے وقوف ہو۔" اوشان نے کہا۔۔۔ "میں پہلے ہی سمجھ گیا تھا کہ تم یہ حماقت ضرور کرو گے تم سمجھے تھے کہ میں اس سیٹ پر بیٹھنا چاہتا ہوں لہٰذا تم نے اپنا جثہ اجسم کسی تُومڑی کے سے جھٹکے انداز میں اچھال کر اس نشست میں ٹھونس لیا تاکہ اپنے نزدیک مجھے اس سیٹ سے محروم کرسکو میرے ہنسنے کی دوسری وجہ یہ تھی کہ میں اس نشست پر بیٹھنا ہی نہیں چاہتا تھا۔ مجھے تو یہ نشست پسند آئی تھی جس پر میں بیٹھا ہوا ہوں۔۔۔ تم بے وقوف نکلے۔ مجھے جلانے کی کوشش کے بعاب خود جل مرے۔۔۔"

ٹائیگر نے اوشان کی آنکھوں تک میں تمسخر کے تاثرات دیکھ لیے تھے۔

"ہے۔ ہے۔ ہے۔۔۔"

"گڈ۔۔۔" ٹائیگر نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "لٹل فادر! مجھے تو اس کی خوشی ہے کہ آپ کو آپ کی پسندیدہ سیٹ مل گئی ویسے جس سیٹ پر میں بیٹھا ہوں وہ میری پسندیدہ نشست ہے۔"

"تب پھر یہ تمھاری ہی ہوئی۔۔۔" اوشان نے بڑی فراخ دلی کا مظاہرہ کیا۔

اسکرا کاک پٹ میں چلا گیا اور مسافروں والا دروازہ بند ہوتے ہی انجن گنگنانے لگا۔ طیارے نے فوراً ہی ٹیکسی شروع کردی۔ وہ ہینگر سے دور ہونے لگا۔

اس وقت ٹائیگر کو تنہائی کی شدت سے خواہش ہورہی تھی لیکن ٹیک آف کے چند منٹ بعد ہی ریوا آدھمکی۔

"کیا تم دونوں میں نشست کے مسئلے پر ہمیشہ ہی اس قسم کا مقابلہ رہتا ہے،" وہ مسکرا کر پوچھنے لگی وہ ٹائیگر کے برابر والی سیٹ پر بیٹھ گئی تھی۔

"میرے لیے سیٹ۔۔۔ کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔" ٹائیگر بولا۔ "اور میں بھی کہ سیٹوں کے چکر میں نہیں پڑتا۔" اوشان نے دور سے جواب دیا۔ "مجھے فکر نہیں کہ کوئی کہاں بیٹھتا ہے ہاں بس میری اس پسندیدہ نشست پر دانت نہ لگائے رکھے یہ میری محبوب ترین نشست ہے۔"

"تم بزرگ کو اتنا پریشان کیوں کرتے ہو۔" ریوا اوشان کی حمایت کرنے لگی۔

"شٹ اپ۔" ٹائیگر غرا کر بولا۔ "زیادہ حمایت کی تو وہ تم سے اپنے جوتے صاف کرنے کے لیے کہے گا۔" یہ کہتے ہوئے اس نے سر اٹھا کر اوشان کی طرف دیکھا۔ اسے ابھی تک نشست کے بارے میں اوشان کی بات پر یقین نہیں آیا تھا لیکن اوشان واقعی اس سیٹ پر بڑے اطمینان سے نیم دراز تھا اس کی آنکھیں بھی بند تھیں اور چہرے کا رُخ کھڑکی کی طرف تھا۔

ٹائیگر سر جھٹک کر اٹھا اور طیارے کے اگلے حصے میں ایک نشست پر بیٹھ گیا یہ اگلے ہی لمحے ریوا بھی اس کے برابر آکر بیٹھ گئی۔

"تمھارا تعلق کس علاقے سے ہے؟"

"ہر علاقے سے۔۔۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔

"یہ تو کوئی جواب نہیں ہوا۔" ریوا پہلو بدل کر بولی۔

"جواب تو یہی ہے۔" ٹائیگر ایک بار پھر اٹھا اور ایک تیسری نشست پر بیٹھ گیا مگر ریوا نے اب بھی اس کا پیچھا نہیں چھوڑا۔

"کیا تم مجھ سے بچنا چاہتے ہو؟"

"یہ تم سے کس نے کہا۔۔۔؟" ٹائیگر سوال پوچھ کر ایک اور سیٹ کی طرف بڑھ گیا۔

"بھاگ دوڑ بند کرو۔" اوشان نے ہنسیں روکتا یہ آواز طیارے کے بائیں پہلو سے آئی تھی اور جب ٹائیگر نے پلٹ کر دیکھا تو اوشان بائیں جانب کی اس نشست پر بیٹھا ہوا تھا جس پر ٹائیگر نے زقند بھر کر قبضہ کیا تھا۔ اس نے ٹائیگر کو مسکرا کر دیکھا۔ رخ موڑ کر طیارے کے پَر کا جائزہ لینے لگا۔

ریوا اب ٹائیگر کے ساتھ لگی ہوئی کھڑی تھی۔ "تم اتنے ناراض ناراض سے کیوں رہتے ہو؟" اس کا لہجہ شیریں تھا۔

"ناراض؟" ٹائیگر ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔ "بھلا میں کیسے ناراض ہوسکتا ہوں۔۔۔ دھت تیرے کی۔۔۔ ٹھیک ہے۔ میں ناراض ہوں۔" اس نے اپنی آواز دھیمی کرلی۔ "مجھے بکٹریا کی تلاش ہے۔ اس کی تیاری میں تمھارا ہاتھ ہے۔ نہ تم ٹیکس چوری کرنے کے لیے اپنے بھائی کی کمپنی بناتیں اور نہ آج یہ مہم درپیش ہوتی۔ اب اوشان کو دیکھو! کسی دوسرے آدمی کی ملازمت کے دسپے ہے سے تو یہ بھی پتا نہیں چلتا اور میرے میں کیا فرق ہوتا ہے۔"

"پتھر پتھر ہوتا ہے۔" اوشان نے آواز لگائی۔

"تم دونوں کتنے عرصے سے ایک دوسرے کے ساتھ ہو؟" ریوا نے ایک قدم آگے بڑھ کر پوچھا۔

"سو سال سے۔" ٹائیگر نے سرگوشی میں جواب دیا تھا۔

"سو سال سے!" ریوا حیرت زدہ رہ گئی۔

"دو سو سال سے لا اوشان نے اضافہ کیا۔" اس کی صحت ابھی ہے لہٰذا یہ صرف سو سال کا نظر آتا ہے۔ اس نے دو سو سال کے دوران میری مہربانیوں کا خوب خوب فائدہ اٹھایا لیکن اب مجھے تنگ کرتا ہے احسان فراموش ہے یہ۔۔۔"

"احسان فراموش۔۔۔؟" ٹائیگر بھی شاید لڑنے کے موڈ میں تھا۔ "میں کسی دوسرے شخص کے لیے کام کرنے میں ہچکچا رہا ہوں تو یہ اسے احسان فراموشی قرار دے رہے ہیں۔ شاید اس شخص نے ان سے یہ وعدہ کرلیا ہے کہ ہائپر اسٹرا سینڈ کو ان کے حوالے کردے گا۔ نیا بیشا کس نے کردے گا اور چالیس ہزار ڈالر کے زیورات فراہم کرے گا جو کاٹھ کباڑ پر مشتمل ہوں گے۔"

"مگر تم کس کے لیے کام کرنا پسند کرتے ہو؟" ریوا آنکھ مار کر بولی۔ ٹائیگر تجھ نہیں تھا وہ سمجھ گیا کہ ریوا اس سے کچھ اگلوانا چاہتی ہے مگر اس سے قبل کہ ٹائیگر کوئی جواب دیتا اوشان بول پڑا۔۔۔ "یہ اپنے جیسے کم تروں کے لیے یا پھر ایسے بادشاہوں کے لیے کام کرنا پسند کرتا ہے جنھیں یہ علم ہی نہیں کہ بادشاہت کیا ہوتی ہے اور جن کو یہ بھی معلوم نہیں کہ بلوشاہ کس طرح بنا جاتا ہے۔ یہ اپنے آئین کا دفاع کرنا چاہتا ہے لیکن میں پوچھتا ہوں کہ اگر ہم اس چکر میں لگے رہے تو کیا میرے گاؤں کے لوگ آئین کا کھانا پکا کر کھا سکتے ہیں؟"

"وہ لوگ پتھروں پر بھی گزارا کرسکتے ہیں۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ اور پھر ریوا سے بولا۔۔۔ "ان کے چھوٹے سے گاؤں والوں کا معیارِ زندگی ویسٹ پورٹ کینیکٹکٹ وغیرہ سے بھی بلند ہے۔"

"یہ تمھاری ذمہ داری ہے کہ ان کا معیارِ زندگی بلند ہوتا رہے۔" اوشان نے چیخ کر کہا۔

"نہیں۔ ہرگز نہیں۔ یہ آپ کی ذمہ داری ہے۔"

"آہ۔۔۔ احسان فراموش۔ تمھارا کردار پھٹے ہوئے آلو کی طرح ہے۔"

ٹائیگر نے ایک طویل سانس لے کر منہ پھیر لیا۔

"شاید تم مزید باتیں کرنا نہیں چاہتے۔" ریوا اب اس کے زیادہ قریب آگئی۔

ٹائیگر نے ایک اور لمبی سی سانس لی۔

"تم باتیں کرتے رہو۔" اوشان نے اپنی پسندیدہ سیٹ پر بیٹھے بیٹھے للکارا۔ "یہ سیٹ بہت آرام دہ ہے اور مجھے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

یہاں سے بیٹھا بھی نظر آ رہا ہے۔ قہ... قہ... قہ۔"

*

طیارہ اس پتلی سی لکیر پر اتر کر دوڑنے لگا جسے یقیناً اس چھوٹی سی ریاست کی فضائیہ کے اڈے کا رن وے کہا جاتا ہوگا۔ یہ پٹی دس میل تک پھیلی ہوئی تھی اور اس طرح ہوا باز کو چھ ہزار فی صد تک غلطیاں کرنے کی اجازت تھی... عموماً اس ریاست کے ہوا باز لینڈنگ کا یا ٹیک آف میں اس سے زیادہ غلطیاں نہیں کرتے تھے۔ ایک بار ایک ہوا باز نے صرف چار ہزار غلطیاں کیں تو اُسے طلائی تمغہ دیا گیا۔

ٹائیگر نے طیارے سے اُتر کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ اُسے ہر طرف نقرئی ریت کے سوا کچھ اور دکھائی نہیں دیا۔ بس ایک پتلی سی سڑک نظر آئی، جو پہاڑی کی سمت میں جا رہی تھی۔ اس سڑک پر ایک رولز رائس اُن کی منتظر تھی۔ ٹائیگر، اُوشان کے اُترنے تک طیارے کی سیڑھی کے پاس ہی کھڑا رہا۔ "تو یہ ہے آپ کا عظیم الرضا شیخ جابر القمی! غالباً یہ اس ریت کے سرابوں کی طرح کوئی سراب ثابت ہوگا نٹل فادر۔"

"ریت پر مشتمل معاشرہ بھی بعض اچھی اقدار کا مالک ہوتا ہے۔" اُوشان نے فلسفیانہ انداز میں جواب دیا۔ "کیا تم بھول گئے کہ صحرائے عرب ہی کے وہ عظیم بلند مرتبت علی نسب فخرِ انسانیت، انسانِ کامل، عظیم رہنما، نجات دہندہ اور غلاموں کو آزاد کرنے والا و حدانیت کا پیغام لے کر اُٹھا تھا، جس نے تمھیں دورِ جہالت سے نکالا اور روشنی عطا کی۔"

ٹائیگر پل بھر کے لیے کانپ کر رہ گیا۔ اُس کا دل بھر آیا۔ وہ جانتا تھا کہ ارضِ مقدس کی خاک کا ایک ایک ذرّہ متاعِ زیست سے بھی زیادہ اہمیت رکھتا ہے، لیکن یہاں شیخ القمی کی سرزمین کی ریت سے اُسے گڑبڑ کی بُو آ رہی تھی اور اُسے یقین تھا کہ شیخ القمی کا یہ نام بھی اصلی نہیں ہوگا۔ اُس نے محض... مسلمانوں کو دھوکا دینے کے لیے بہروپ بدل رکھا ہے۔

"ریت کے معاشرے میں بھی اقدار جنم لیتی ہیں میرے بچے۔" اُوشان نے دھیرے سے کہا۔ "معاشرتی قدریں صرف وہاں نہیں ہوتیں، جہاں کے لوگوں کو ماضی کی روایتوں کا پاس اور مستقبل کی فکر نہ ہو۔"

"آپ فلسفی ہوتے جا رہے ہیں۔" ٹائیگر نے مسکرا کر کہا۔

"مجھ سے بات ہی مت کرو۔" اُوشان جھلا کر بولا۔ "میں نے تمھیں نظر انداز کرنا شروع کر دیا ہے۔"

"آؤ نا۔" ریوا لہیم کی آواز سنائی دی۔ وہ اُنھیں بلا رہی تھی۔ "کار ہمارے لیے ہی آئی ہے۔"

اُس بڑی کار کی جانب بڑھتے ہوئے ٹائیگر نے پہلی بار ڈرائیور آسکر کا تفصیلی جائزہ لیا۔ وہ دراز قد لگ رہا تھا اور صحرائی دُھوپ کے باعث اُس کی گندمی چند پا چمک رہی تھی۔ آسکر نے عقبی دروازہ ریوا کے لیے کھولا۔ ریوا کے ساتھ ٹائیگر بیٹھنا چاہتا تھا مگر اُوشان اُس سے زیادہ پُرتمکنت ثابت ہوا اور چوڑی و لمبی سیٹ پر جم کر بیٹھ گیا۔

"ذرا کھسک جائیں نٹل فادر۔" ٹائیگر نے کہا۔

"لمبوترے چہرے والا یہ شخص تمھارا نوکر ہے؟" اوشی نے ٹائیگر کو واقعی نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔

"میرا شوفر ہے۔" ریوا مسکرا کر بولی۔

"ٹھیک... شہزاد! تم بھی نوکر کے ساتھ اگلی سیٹ پر بیٹھو۔" اُوشان نے یہ کہہ کر ریوا کی طرف دیکھا۔ "ایک بار ہم نے بھی ایک انگریز بٹلر کو ملازم رکھا تھا، لیکن شہزاد نے کسی وجہ کے بغیر اُسے قتل کر دیا۔"

"آپ جانتے ہیں کہ مجھے آپ کی انھی اداؤں پر پیار آتا ہے۔" ٹائیگر نے اُوشان کے اس جملے کا بڑی متانت بلکہ انتہائی خوش گوار انداز میں جواب دیا۔

اگلی نشست پر بیٹھ جاؤ۔" اُوشان نے اُس کی طرف دیکھے بغیر حکم دیا۔

آسکر سامان لانے کے لیے طیارے کی طرف چلا گیا۔ جب کہ ٹائیگر کار کے قریب کھڑا رہا۔ آسکر نے ریوا کے... مشروبات کا ذخیرہ گاڑی کے ٹرنک میں رکھا۔

"میرا سامان کہاں ہے؟" اُوشان نے چونک کر آسکر سے پوچھا۔

"ٹرک آنے والا ہے، جس میں آپ کے صندوق لاد کر لائے جائیں گے۔" آسکر نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے، لیکن اگر صندوق مجھے نہ ملے تو پھر تمھیں اپنے سر پر اُٹھا کر لانے ہوں گے۔" اُوشان نے جواب دیا۔

ٹائیگر کے اگلی نشست پر بیٹھتے ہی کار آہستہ آہستہ چلنے لگی۔

"اب ہم کہاں چل رہے ہیں؟" ٹائیگر نے گردن گھما کر پوچھا۔ اُس کی آنکھیں ریوا کو تول بھی رہی تھیں۔

"شیخ کے پاس۔"

"کون سا شیخ؟"

"شیخ الرضا شیخ جابر القمی۔" ریوا نے جواب دیا، لیکن یہ جواب بھی ٹائیگر کے لیے مبہم سا تھا۔ اُسے شیوخ کے نام ایک جیسے لگتے تھے۔ اُن کی شکلوں میں بھی فرق محسوس نہیں ہوتا تھا، لیکن سعودی شہزادے کی بات دوسری تھی۔ وہ اُن کا احترام کرتا تھا اور اُسے یاد تھا کہ شاہ فیصل شہید کی شہادت نے اُسے کتنا دل گیر کر دیا تھا۔

"میں اب مزید انتظار نہیں کر سکتا۔" ٹائیگر نے چند لمحوں بعد پھر کہا۔ اس کو یہ سفر عذاب لگ رہا تھا۔

سفید موم والے جزیرے سے نکلنے کے بعد تم نے پہلی مرتبہ کوئی ڈھنگ کی بات کی ہے شہزاد۔" اُوشان نے کہا۔

"یہ ڈھنگ کی بات تھی؟"

"ہاں... القمی خاندان اس علاقے میں صدیوں سے حکمرانی کر رہا ہے۔ وہ بہت فراخ دل لوگ ہیں اور ایسے لوگوں سے جلد از جلد شرفِ ملاقات حاصل ہونا چاہیے۔"

"اوہ... اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ نے آپ کے کسی ماسٹر کی خدمات حاصل کر کے اس کو بہت اچھا معاوضہ دیا تھا۔" ٹائیگر نے چونک کر پوچھا۔

"اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ القمی خاندان بہت شریف ہوتا ہے۔" اُوشان نے بالواسطہ طور پر جواب دیا۔ "لیکن ان باتوں کو تم بھلا کیا سمجھو۔" یہ کہتے ہوئے اُس نے دائیں طرف کی کھڑکی سے باہر دیکھا اور پھر اپنی استخوانی انگلی سے اشارہ کیا۔ ٹائیگر نے اُسی سمت میں دیکھا۔ دھلاں کچھ آثار نظر آ رہے تھے۔ "یہ...،" اُوشان نے کہا۔ "یہ نہند کا قدیم شہر ہے۔" اُس نے آنکھیں بند کر لیں اور پھر اس طرح بولنے لگا، جیسے محض یادداشت کے سہارے انکشافات کر رہا ہو... "یہ دراز قامت درختوں اور خوب صورت میناروں کا شہر ہے۔ سڑکوں پر مٹی کی جگہ ٹائلز لگے ہوئے ہیں اور قیمتی پتھروں کی مدد سے بنائی گئی نادر تصویریں جگہ جگہ سجی ہوئی ہیں۔"

"مجھے مینار یا تصاویر نظر نہیں آ رہی ہیں نٹل فادر۔" ٹائیگر نے دُور عمارتوں کی طرف دیکھ کر جواب دیا۔ "وہاں چند بے ترتیب بڑے اور میلے گھر نظر آ رہے ہیں۔"

"ہاں، تم جیسے لوگ حسین و خوب صورت شہروں کو کھنڈرات میں بدل دیتے ہو۔" اُوشان نے تلخ لہجے میں جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔ ہم وہیں پہنچ کر آپ کے بیان کردہ حسن کا جائزہ لیں گے۔" ٹائیگر نے کہا۔

"مگر ہم شہر میں داخل نہیں ہوں گے۔" ریوا بولی۔

"کیوں؟" ٹائیگر نے چونک کر پوچھا۔

"اس لیے کہ شیخ صحرا میں رہتا ہے۔"

"کیوں؟" ٹائیگر نے پھر پوچھا۔

"میں نے کتابوں میں اس کی وجہ پڑھی ہے۔ صحراؤں میں پیدا ہونے والوں کی خاندانی روایت یہ ہے کہ وہ شہروں میں نہیں رہتے۔ کیونکہ شہروں میں رہنے سے خاندانی خون کی طاقت کم ہو جاتی ہے۔"

"دیکھا شہزاد!" اُوشان چہک کر بولا۔ "یہ ہے روایتوں کا احترام۔ سیکھو... سیکھو اس عظیم مثال سے۔"

"یہ نری حماقت ہے۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ "اگر رہنے کو عمارت ہے تو خیمے میں رہنے سے کیا حاصل؟"

"یہ بات صرف شہنشاہ اور شاہی خون کے حامل فراخ دل حضرات ہی سمجھ سکتے ہیں۔ تمھاری سمجھ میں نہیں آئے گی۔" اُوشان نے مُنہ بنا کر جواب دیا۔

"اگر کوئی عرب شہزادہ صرف اس وجہ سے خیمے میں زندگی گزارتا ہے کہ اس کا تعلق شاہی خاندان سے ہے تو پھر آپ کو تو غار میں رہنا چاہیے نٹل فادر۔" ٹائیگر نے مسکرا کر کہا۔

"اور اگر سنا نجو میں غار دستیاب نہ ہو سکے تو پھر زمین میں گڑھا کھود کر رہیں۔ آپ ایسا کیوں نہیں کرتے۔ آپ شہروں میں کیوں رہتے ہیں؟" ٹائیگر نے اُس کی دُکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا، لیکن اُس کے سامنے اُوشان تھا، جس نے کسی غصے

اردو کے شاہکار سفرنامے	ضیاء ساجد	200/-
منتخب مشہور سفرنامے	ضیاء ساجد	250/-
منتخب مشہور افسانے	ضیاء ساجد	150/-
منتخب اعلیٰ افسانے	ضیاء ساجد	125/-

مکتبہ القریش اُردو بازار۔ لاہور 2

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کا مظاہرہ کرنے کی بجائے نہایت متانت سے جواب دیا۔
"میں اس موضوع پر مزید کوئی بات نہیں کرنا چاہتا۔ تمہاری بے معنی باتوں سے سر میں درد ہو جاتا ہے۔"

رائس قدیم شہر کی قدیم دیوار کے قریب سے زن سے گزر کر ایک قدرے چوڑی سڑک پر آ ٹکی، سڑک کچھ دُور جا کر اچانک پھر پتلی گلی در دو حصوں میں تقسیم ہو گئی اور یہ دونوں رستے صحرا میں داخل ہو گئے۔

اس دوران میں ریوا، اُوشان سے مختلف سوالات کرتی رہی۔ وہ شہزاد سے کب سے واقف ہے؟ پہلی ملاقات کہاں ہوئی تھی؟ دونوں نے ایک ساتھ کیسے کیسے کام کیے؟ وہ کس کے لیے کام کرتے ہیں؟ مگر اُوشان بھی زبان کھولنے پر تیار نہ تھا۔ وہ اوٹ پٹانگ جواب دیتا رہا... اور پھر جب ریوا کے سوالوں سے تنگ آ گیا تو اُس نے کار کی کھڑکی سے جھانکتے ہوئے کہا: "پلیز... پیاری خاتون! مجھ سے ماضی کی ایسی باتیں نہ پوچھو جن کے بارے میں سوچ کر ہی مجھے تاسف اور ملال ہوتا ہے۔ میں صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ جس روز میں نے اس شخص کو پہلی بار دیکھا، وہ میری زندگی کا سب سے بدترین دن تھا۔"

شہر بہت اُن سے بہت پیچھے رہ گیا تو اچانک ہی ایک معمولی سی چڑھائی نظر آئی اور جب کار اس چڑھائی پر پہنچ کر نیچے اُترنے لگی تو ٹائیگر کو سڑک سے ایک ہزار گز دُور ایک خیمہ بستی نظر آنے لگی۔ یہ بستی دو ٹیلوں کے درمیان میں واقع تھی۔ خیموں کے پیچھے ایک نخلستان تھا، جس کا رقبہ دو ایکڑ سے زیادہ نہیں ہوگا۔ مرد اور عورتیں درختوں سے گزر کر ایک سرسبز میدان کی طرف جا رہے تھے۔ یہ نخلستان دراصل کسی بدشگون انگوٹھی میں نفیس و نازک نگینہ لگ رہا تھا۔

آسکر نے گاڑی کی رفتار بہت آہستہ کر کے اُسے سڑک سے اُتار لیا اور کار ریت میں دھنستی ہوئی چلنے لگی۔ نخلستان اور خیمہ بستی کے دائیں طرف سے ایک شخص نمودار ہوا، جس کے ہاتھ میں اُونٹ کی رسّی تھی اور اُونٹ اُس کے پیچھے پیچھے اپنی مرضی سے چلا آ رہا تھا۔

وہ کار سے نیچے اُترے اور جونہی ریوا نے اُونٹ کو دیکھا وہ بڑی مایوسی سے سر جھٹکنے لگی: "انھوں نے تو صرف ایک ہی اُونٹ بھیجا ہے۔" پھر وہ ٹائیگر اور اُوشان کی طرف پلٹی: "میں

مشہور مصنف اظہر کلیم کے
مقبول سلسلے
کتابی شکل میں شائع ہو گئے ہیں

سرحد کے ایک جیالے نوجوان
شہباز منگولی کی ایک خونریز داستان

شہباز

دو حصوں میں مکمل سیٹ -/120 روپے

جان کی بازی لگانے والے ایک
نوجوان کی لہو رنگ داستان

سرفروش

دو حصوں میں مکمل سیٹ -/120 روپے

ناشر

مکتبہ القریش، سرکلر روڈ
اُردو بازار، لاہور 2

وہاں پہنچ کر تم لوگوں کے لیے بھی اُونٹ بھجوا دوں گی کیونکہ تم اتنی گرمی میں پیدل سفر نہیں کر سکو گے۔"

ٹائیگر ہنکارا بھر کر رہ گیا اور اُوشان نے کچھ کہے بغیر دونوں ہاتھ لبادے کے اندر سینے پر باندھ لیے۔

اُونٹ لانے والا شخص قریب آیا اور اُس نے جھک کر تعظیم پیش کی۔ اُس نے اپنی بیٹ نما سینے اور کمر کو خاص انداز میں جھکو کر سلام کیا۔ ریوا اُونٹ کی طرف بڑھنے لگی۔ سارہان مسکرایا، مگر اچانک ہی اُس کی گھگی سی بندھ گئی۔ وہ اُوشان کی طرف خوف زدہ انداز میں دیکھ رہا تھا۔

ریوا نے بھی پلٹ کر دیکھا اور واقعی حیرت زدہ رہ گئی۔ اُوشان کے ہاتھ میں ایک خوب صورت سی تلوار تھی، جس کے دستے پر سُرخ نگینہ چمک رہا تھا۔

"کیا مسئلہ ہے مسٹر فادر؟" ٹائیگر نے بھی حیرت زدہ انداز میں اُوشان سے پوچھا۔

"یہ القمی کا شاہی نشان ہے۔" اُوشان نے جواب دیا۔ "آیندہ مجھ سے یہ کبھی مت پوچھنا کہ میرے صندوقوں میں کیا کچھ بھرا ہوتا ہے۔"

چند لمحے بعد ریوا اور ٹائیگر صحرا میں پیدل چل رہے تھے۔ سارہان رستی تھامے اُونٹ کے آگے چل رہا تھا اور اُوشان شاہانہ انداز میں اُونٹ پر بیٹھا ہوا اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔ جب کہ آسکر کار ہی میں بیٹھا رہ گیا تھا۔

"مجھے اُونٹ کی سواری اچھی نہیں لگتی شہزاد۔" اُوشان نے نیچے دیکھتے ہوئے شکایت کی۔

"تب پھر پیدل چلنے کی کوشش کریں۔"

"نہیں، اس سے بھی کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ ہمیں شہزادے سے ملنا ہے۔ لہٰذا یہ ضروری ہے کہ ماسٹر کسی سواری پر ہو۔"

"فادر!" ٹائیگر بہت سنجیدہ تھا۔ "میں آپ کو بہت پہلے بتا چکا ہوں کہ اس شخص سے کسی قسم کا سودا نہیں کر سکتا۔ مجھے پروا نہیں کہ اُس سے آپ کو کتنا فائدہ ہوگا۔ میں بکٹیریا کی تلاش اور اُسے تباہ کرنے کے لیے یہاں آیا ہوں۔ اگر آپ کے ذہن میں کچھ اور ہے... تو اسے نکال پھینکیں۔"

"یہ وقت کاروبار کے بارے میں گفتگو کرنی مناسب نہیں ہوتی۔" اُوشان نے تنبیہ کی ساتھ ہی اُس کا اُونٹ ریوا اور ٹائیگر سے دُور ہوتا چلا گیا۔ اب وہ گاؤں کے قریب پہنچنے والے تھے۔

"مجھے خیال ہے کہ تم اُس سے جلتے ہو کہ وہ اُونٹ پر سوار ہے اور تم پیدل..." پسینے سے شرابور ریوا نے ہُنکی سی لی۔ اُس کے سینڈل اُسے راستے بھر پریشان کرتے رہے تھے کیونکہ اُن کی کیلوں جیسی ایڑیاں بار بار ریت میں دھنس رہی تھیں۔

"ہاں، ممکن ہے یہی بات ہو۔" ٹائیگر کندھے اُچکا کر رہ گیا۔

"تب پھر اُسے اُونٹ سے اُتار کر ایک طرف پھینک دو، تم اُس سے زیادہ طاقت ور ہو۔" ریوا نے اُسے چڑانے کی کوشش کی تھی۔

"ہاں لیکن دُنیا میں اور بھی زیادہ طاقت ور چیزیں موجود ہیں۔ درختوں سے ٹوٹے ہوئے پتے، خالی ڈبے، ٹوٹی ہوئی گڑیاں..."

"میں سمجھی نہیں۔"

"میں یہ کہہ رہا تھا کہ میں ہی کیا... کوئی اُڑتا ہوا پتا بھی اُسے اُونٹ سے اُتار سکتا ہے۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔

"میں اب بھی نہیں سمجھ سکی۔"

"تب پھر زندگی بھر کچھ نہ سمجھ سکو گی۔" ٹائیگر نے ہنس کر جواب دیا۔

"کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ تم اُس سے کمزور ہو؟" ریوا اُسے کُریدنا رہی تھی یا پھر اشتعال دلانے کے درپے تھی۔

"میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اگر وہ اُونٹ سے نہ اُترنے کا فیصلہ کرے تو دُنیا کی کوئی بھی طاقت اُسے اُونٹ کے کوہان سے جُدا نہیں کر سکتی اور اس کا تعلق طاقت سے نہیں۔"

"تب پھر کس سے ہے؟" ریوا حیرت سے دیکھتی رہ گئی۔

"روایتوں سے... ہزاروں سالہ پُرانی روایتوں سے... لیکن تمھیں ان روایتوں کا کوئی علم نہیں۔ لہٰذا بات کرنا ہی بیکار ہے۔" ٹائیگر بہت سنجیدہ تھا۔

"نہیں پلیز... اس کے بارے میں بات کرو۔" ریوا نے کسی ضدی لڑکی کی طرح ٹھنک کر کہا۔ "لیکن کیا یہ عجیب بات نہیں ہے کہ جب وہ تم سے روایتوں کے تقدس کی بات کرتا ہے تو تم اُس کا مذاق اُڑاتے ہو۔"

"یہ ایک مختلف مسئلہ ہے۔" ٹائیگر نے آواز اتنی دھیمی کر لی کہ اُوشان جو پچاس گز دُور تھا، گفتگو نہ سُن سکے۔ "وہ ہمیشہ دوسروں کی روایتوں کا ذکر کرتا ہے اور میں جانتا ہوں کہ دوسروں کی روایتیں فضول ہوتی ہیں۔ میں خود اُس کی روایتوں کی بات کر رہا ہوں جو بہت اہم ہیں۔ وہ بذاتِ خود

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ایک زندہ جاوید روایت ہے۔"

"میں سمجھی نہیں۔"

"تم کبھی نہیں سمجھ سکتیں۔" یہ بات ٹائیگر نے نہیں اُوشان نے پچاس گز دُور سے کہی تھی۔

✣

اُونٹ خیموں کی دُنیا میں سب سے بڑے خیمے سے پندرہ گز دُور رُک گیا۔ اُس کی پشت نخلستان کی طرف تھی۔ خیمے کا ایک پورا حصہ کھلا ہُوا تھا اور خیمے کی طرف جانے والے راستے پر دونوں طرف چالیس افراد استادہ تھے۔ اُنھوں نے لمبی لمبی قبائیں پہن رکھی تھیں۔ ساربان رستی چھوڑ کر خیمے کی طرف دوڑ گیا۔ لیکن چند ہی لمحے بعد واپس آکر اُس نے اُونٹ کو بٹھایا۔ تاکہ اُوشان اُتر سکے۔ مغابی خیمے کے اندر سے تالی بجنے کی آواز آئی اور تمام چالیس افراد اُوشان کے سامنے جھک گئے۔ اُنھوں نے اپنی پیشانیاں بھی ریت پر رکھ دیں۔

"دیکھا... اسے کہتے ہیں احترام کرنا۔" اُوشان نے ٹائیگر کی طرف دیکھ کر کہا۔

اسی لمحے خیمے سے ایک دراز قد شخص نمُودار ہُوا۔ اُس کی عمر پچاس سال کے لگ بھگ ہوگی۔ وہ سُرخ اور بھُوری قبا میں ملبوس تھا۔ قبا سے دکھائی دینے والے ہاتھ مضبوط اور سیاہ تھے۔ اُس کے چہرے پر موسموں کی شدت کے تمام اثرات نظر آرہے تھے۔ وہ اُوشان، ٹائیگر اور ریوا کی طرف آنے لگا۔ اُس کے چہرے پر مُسکراہٹ تھی۔ وہ اُن کے سامنے آکر رُک گیا اور سر جُھکا کر تعظیم دینے لگا۔

"اسلام علیکم ماسٹر آف سناٹجو!" اُس نے مُسکرا کر کہا۔ "اتنے سالوں بعد ہمیں احساس ہو رہا ہے کہ ہمارا بھائی واپس آگیا ہے۔"

"اسلام علیکم۔" اُوشان نے جواب دیا اور ٹائیگر حیرت سے آنکھیں پٹپٹا کر رہ گیا۔

"سلام۔" ٹائیگر نے جان بُوجھ کر مکمل سلام نہیں کیا۔

شیخ القمی نے ٹائیگر کی طرف دیکھا... اور پھر بولا۔

"بہتر یہی ہے کہ اس بچے کے سامنے انگریزی میں بات کی جائے۔ اسے آپ کی زبان نہیں آتی ہوگی۔"

اُوشان مسکرا کر رہ گیا۔

"ہماری سرزمین پر اب بھی آپ کے اجداد کے آثار باقی ہیں۔"

"اور ہماری قدیم دستاویزات میں آپ کے اجداد کے خطوط محفوظ ہیں۔" اُوشان نے جواب دیا۔

"یہ کیا باتیں ہو رہی ہیں؟" ریوا نے سرگوشی میں ٹائیگر سے پوچھا۔ "کیسی دستاویزات؟"

"ان کی وضاحت کرنا بہت دقت طلب مسئلہ ہے ریوا۔" ٹائیگر ایک طویل سانس لے کر بولا۔ "لیکن میرا خیال ہے کہ اُوشان کے اجداد میں سے کسی نے اس شیخ کے اجداد کے دُشمن کو قتل کر کے معقول معاوضہ لیا ہوگا۔"

اوہ..." ریوا خاموش ہوگئی۔

"تو یہ ہیں تمہارے دوست!" شیخ اُن دونوں کی طرف پلٹا۔

"اوہ، نہیں۔" اُوشان سر جھٹک کر بولا۔ "یہ لڑکا..." اُس نے کچھ کہنے سے پہلے سوچا اور پھر شیخ کے کان میں کچھ کہنے لگا، مگر سرگوشی بہت بلند تھی۔ "دراصل ملازم ہے، لیکن وہ اپنے لیے نوکر کا لفظ سننا گوارا نہیں کرتا۔ جاہل ہے۔ رواجوں کا احترام نہیں کرتا اور اس عورت کے بارے میں مجھے کچھ پتا نہیں کہ کون ہے اور کیا ہے؟"

القمی نے مسکرا کر سر ہلایا۔ اس لڑکی سے انتہائی بہترین اور خوشگوار سلوک روا رکھا جائے اور پھر اسے میری بیگمات کے ساتھ خیمے میں جگہ ملے گی... یہ کسی مغربی عورت کے لیے سب سے بڑا اعزاز ہوگا۔" القمی کے چہرے پر معصوم سی مسکراہٹ تھی۔

یہ سب کچھ کہنے کے بعد اُس نے اپنے آدمیوں کی طرف دیکھا۔ اُنھوں نے ریوا کو القمی کے پاس جانے کی ہدایت کی اور جب ریوا اُس کے قریب پہنچی تو وہ بھی بہت معنی خیز انداز میں مسکرا رہی تھی۔ "اعلیٰ حضرت!" وہ اور زیادہ مسکرائی۔ "میں ریوا ایم ہوں۔ پیور لائنس کچھی سے میرا تعلق ہے۔"

القمی کا چہرہ سُست سا گیا۔ ایسا لگا جیسے وہ کچھ یاد کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔ "اوہ۔" وہ اس طرح بولا جیسے گہری نیند سے بیدار ہوا ہو۔ "اچھا... ہاں... تب پھر تم ہمارے ساتھ ہی بیٹھ سکتی ہو۔" یہ کہہ کر اُس نے ریوا کی طرف سے اس انداز میں مُنہ پھیر لیا جیسے اب اسے اس عورت میں کوئی دلچسپی ہی نہ ہو۔ اس نے اوشان کی کہنی پر ہاتھ رکھ کر انتہائی نرم لہجے میں کہا۔ "عظیم و جبری بزرگ! میں آپ سے درخواست کرتا ہُوں کہ ہمیں شرفِ میزبانی بخشیں۔"

"اعلیٰ حضرت!" اوشان نے دونوں ہاتھ سینے سے ہٹا کر ران پر باندھ کر کہا۔ "یہ آپ کا حُسنِ سلوک، غلط اور فراخدلی ہے۔ کہ آپ نے اس عورت اور میرے ملازم کے لیے بھی اپنے خیموں کو کھلا قرار دے دیا ہے لیکن میں جانتا ہوں کہ آپ کا القمی خاندان ہمیشہ ہی سے فیاض رہا ہے۔"

"کیا یہیں اس دھوپ اور ریت سے جلد نجات نہیں مل سکتی۔" ٹائیگر نے اوشان کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"کیوں نہیں۔" القمی نے اس سوال کا مفہوم کچھ اور سمجھا۔ "میرا خیمہ تمہارا ہی ہے۔" یہ کہتے ہوئے اُس نے اُنگلیاں چٹخائیں پھر خالی جگہ جس پر ایک خادم نے آگے بڑھ کر ریوا کے نیم برہنہ شانوں پر چادر ڈال دی اگرچہ ریوا کو اس پر حیرت ہوئی لیکن اُس نے چادر کو گلے تک کھینچ کر دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔

وہ خیموں کی طرف جانے لگے تو وہ ٹائیگر سے پوچھ ہی بیٹھی۔ "یہ سب کیا ہے؟"

"پتا نہیں۔" ٹائیگر نے کندھے اُچکا کر جواب دیا۔ "لیکن میرا خیال ہے کہ وہ تمہارے شانوں اور ٹانگوں کا حُسن دیکھنا نہیں چاہتے لیکن تمہیں اس سے اُلجھن نہیں ہونی چاہیے۔ چادر زیادہ سستی نہیں، مگر بہت مہنگی ہے۔"

خیمے کے چاروں طرف کھجور کے درختوں کے جُھنڈ تھے لہٰذا اُن کے اندر باہر کی تپتی دُھوپ کے باوجود خنکی تھی۔ القمی ان کے ساتھ ساتھ اندر آیا اور مدھم سے تبسم کے ساتھ بولا۔ "میں نے قدیم طور طریقوں کے بارے میں بہت کچھ پڑھا ہے لہٰذا انھی طریقوں کے مطابق آپ لوگوں کو چائے پیش کی جائے گی۔"

"درست۔ آپ کا مطالعہ یقیناً بہت وسیع ہے اعلیٰ حضرت۔" اوشان نے کہا۔ اُس کے انداز سے ٹائیگر نے تو یہی محسوس کیا جیسے وہ اعلیٰ حضرت کے سامنے پھلجھاڑ ہو۔

"میرا خیال ہے اب ہمیں کاروباری امور پر گفتگو کرنی چاہیے۔" ٹائیگر نے جل بھُن کر کہا۔

"اس کی بات کا بُرا مت مانیے گا جناب عالی۔" اوشان نے فوراً ہی کہا۔ "یہ ابھی بچہ ہے۔"

"یقیناً۔" القمی نے پدرانہ انداز میں اُس کی طرف دیکھا۔

"بُرا مانیں یا نہ مانیں میں اپنی تجویز پر قائم ہُوں۔" ٹائیگر نے پُر زور لہجے میں کہا۔

"تب پھر یہ بتاؤ کہ کاروبار سے تمہاری مراد کیا ہے؟" القمی نے زیرِ لب مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"تیل کھانے والے بکٹیریا کی تلاش میں ہمیں آنا پڑا ہے۔ یہ کہاں ملے گا؟" ٹائیگر نے دو ٹوک انداز میں مقصد بیان کر دیا۔

"یہ سوال تمہیں عورت سے کرنا چاہیے۔" القمی نے اس بار سنجیدگی سے جواب دیا۔ "بکٹیریا اسی کی کمپنی فراہم کرتی ہے۔"

"درست لیکن اس کی ایک کھیپ آپ کو ملی ہوگی، وہ کہاں ہے؟"

"ابھی تک یہاں نہیں پہنچی۔" القمی نے بڑے سکون سے جواب دیا۔ "ابھی تک تو میں بھی اس شاندار چیز کو نہیں دیکھ سکا ہُوں لیکن تمہیں اس میں دلچسپی کیوں ہے؟"

"میں اس کے استعمال سے قبل ہی حاصل کرنا چاہتا ہُوں۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ "میں چاہتا ہوں کہ وہ دُنیا کو برباد کرنے سے قبل ہی مجھے مل جائے اور میں اُسے امریکہ واپس لے جاؤں۔"

القمی کچھ کہنا چاہتا تھا مگر اُسی لمحے دو عورتیں جن کے چہروں پر مہین اور ریشمی نقابیں تھیں، چمکدار بھڑکیلی اور ڈھیلی ڈھالی پوشاکیں پہنے ہوئے نقرئی پیالیاں اور چائے لے کر خیمے میں داخل ہوئیں۔ اُنھوں نے چائے کے خوبصورت ظروف چھوٹی چھوٹی میزوں پر رکھ کر فنجانوں میں چائے اُنڈیلی۔

"شکر اور دودھ مت ڈالنا۔" ٹائیگر نے سخت لہجے میں ان عورتوں سے کہا جو مکمل نقاب کے باوجود بہت پُرکشش لگ رہی تھیں۔ اس کے سامنے بیٹھی ہوئی عورت نے اچانک ہی سر اُٹھا کر اُسے دیکھا۔ دونوں کی آنکھیں ملیں۔ عورت کی آنکھیں سبز اور چمکدار تھیں۔ ان میں بلا کی کشش تھی اور ان آنکھوں میں نظر آنے والی شوخی کا اندازہ کر کے ٹائیگر کو یقین تھا کہ وہ مسکرا بھی رہی ہے۔ اُس نے اسی انداز دلربائی کو برقرار رکھتے ہوئے چائے انڈیلی اور پھر بڑے ادب سے سر جھکا کر مُڑی اور چلی گئی۔

القمی نے جھاپ اُڑاتی ہوئی چائے کا ایک گھونٹ لے کر کپ کرسی کے ہتھے پر رکھ دیا اور آگے جھک کر ٹائیگر سے رازدارانہ انداز میں بولا۔ "ہاں میرے دوست! تم بکٹیریا کو اس کے استعمال سے قبل حاصل کرنا چاہتے ہو لیکن میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ میری دُنیا کے ساتھ جو کچھ ہوا ہے وہ بہت زیادہ بُرا ہے اور اتنا بُرا سلوک بکٹیریا بھی نہیں کر سکتا۔"

ٹائیگر نے کچھ کہنے کے لیے مُنہ کھولا مگر القمی نے اسے بولنے نہیں دیا۔ "ایک زمانہ تھا جب میرے لوگ بھی جنگجو اور جنگی تھے۔ اس کا لہجہ بہت دھیما تھا۔ "وہ بے خوف اور نڈر تھے۔ ایک ماسٹر آف سناٹجو کے دور میں ہمارے لوگ بہترین

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

شہ سوار ہوا کرتے تھے۔ دُنیا میں ان کا کوئی ثانی نہ تھا۔ ہم ان محاذوں میں مزے سے زندگی گزارا کرتے تھے۔ تم ہمیں ڈاکو کہہ سکتے ہو لیکن یہ ہماری زمینیں تھیں، ہمارے مویشی تھے اور ہم ان زمینوں اور محاذوں پر دوسرے کے حق کو تسلیم نہیں کر سکتے تھے۔ لہٰذا جب دوسروں نے یہاں پنجے گاڑنے کی کوشش کی تو ہم نے مزاحمت کی ان کو لوٹا اور ضرورت پڑی تو انھیں قتل بھی کر دیا لیکن ہم نے بلا ضرورت کبھی کسی کو نہیں مارا۔ کبھی چھپ کر وار نہیں کیا۔"

"آمنے سامنے کی جنگ ان کی روایت ہے۔" اوشان نے بھی سنجیدگی کے ساتھ جواب دیا۔

"درست ہیں ان روایتوں سے واقف ہوں۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ "لیکن ان باتوں کا بکٹیریا سے کیا تعلق؟"

"وہی بتا رہا ہوں۔" القمی نے جواب دیا۔ "پھر ان صحراؤں میں تیل نکل آیا اور میرے لوگ بزدل ہونے لگے۔ پہلے ہم دوسرے قبیلوں پر برتری کے لیے لڑا کرتے تھے لیکن اچانک ہی یہ جدوجہد ختم ہوگئی۔ اب میرے قبیلے کے بہت سے لوگ جنگجو شہ زور نہیں بلکہ بنکر ہیں۔ گھوڑوں پر سفر نہیں کرتے ان کے پاس قیمتی اور آرام دہ کاریں ہیں۔ وہ دفتروں میں بیٹھ بیٹھ کر موٹے اور کاہل ہو گئے ہیں۔" یہ کہتے ہوئے القمی نے نفرت سے ایک طرف تھوک دیا۔ "انھوں نے تیل اور اس سے ملنے والی دولت کے عوض پرانی تہذیب اور روایتوں کو فراموش کر دیا۔ وہ یہ بھی بھول گئے کہ ان کے اجداد کتنے عظیم جنگجو تھے۔ اب ان کے ہاتھ تلوار کا بوجھ بھی برداشت نہیں کر سکتے۔"

"یہ آپ کے اپنے مسائل ہیں۔" ٹائیگر اس کہانی سے اگرچہ متاثر ہوا تھا مگر بات یہی تھی کہ اگر یہ شخص دُنیا کو پتھر کے زمانے میں لے جانا چاہتا ہے تو نہ صرف دینِ اسلام کے منافی بلکہ انسانیت کے مفاد کے برعکس ہے۔ "آپ چاہیں تو اس مسئلے کو اقوامِ متحدہ میں لے جائیں وہاں چھ مہینے تک اس موضوع پر کھل کر بحث ہو سکتی ہے۔"

"اب اس موضوع پر بحث و مباحثے کی گنجائش ہی نہیں رہی۔ میرے بھائی اوذ شاہ کو علم ہے کہ وہ جو کچھ کر رہے ہیں وہ غلط ہے لیکن وہ اس غلطی پر مزید غلطی کرنے پر مُصر ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ تیل کی وجہ سے ہی ہمیں عالمی برادری میں اونچا مقام حاصل ہوا ہے۔"

"ان کی یہ بات تو درست ہے وگرنہ آپ اسرائیل کا مقابلہ کسی بھی سطح پر نہیں کر سکتے تھے۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔

"نہیں۔ وہ غلطی پر ہیں۔" القمی نے اصرار کیا۔ "وہ تعیش کر رہے ہیں جنگ نہیں۔ ان میں سے کوئی بھی گھوڑے پر بیٹھ بھی نہیں سکتا۔ کوئی شمشیر زنی کا ماہر بھی نہیں۔ ہمیں تیل کی دولت سے تباہ کیا جا رہا ہے۔"

"مگر آپ نے اس مسئلے پر عملی قدم اتنی تاخیر سے کیوں اٹھایا؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"مسئلے کی نزاکت کا احساس ہونے سے قبل ہی المیہ رُونما ہو چکا تھا۔" القمی نے جواب دیا۔ "ہمیں پہلے کبھی یہ فکر نہ تھی کہ تیل کیا گل کھلائے گا۔ ہم ان لوگوں میں سے ہیں جو دوسری وادی میں بجلی گرنے کی پروا نہیں کرتے بلکہ اپنے سروں پر ہونے والی کڑک سے ڈر جاتے ہیں۔ میرا بیٹا جدل۔ میرا ولی عہد ہے۔ مجھے توقع تھی کہ وہ قبیلے کی روایت کے مطابق جنگجو ثابت ہوگا لیکن وہ بھی ان لوگوں سے جا ملا ہے۔" القمی نے دونوں ہاتھ سینے پر باندھ لیے۔

"وہ کہاں گیا؟"

"نہ سمند۔" القمی نے جواب دیا۔ اُس نے اپنا گھوڑا چھوڑ دیا اور کار میں بیٹھ کر چلا گیا۔" یخ نے ایک بار پھر تھوکا۔ "لیکن میں اُسے واپس لے آیا ہوں۔ وہ یا تو قبیلے کے طور طریقوں پر چلے گا یا پھر اُسے مرنا ہوگا۔"

ٹائیگر القمی کی آنکھوں میں جھانکنے لگا اور پھر ایک طویل سانس لے کر رہ گیا۔ القمی کی آنکھوں میں آگ سلگ رہی تھی جبکہ ٹائیگر کو لگا تھا جیسے اس آگ کے شرارے اسے بھی بھسم کر ڈالیں گے۔

وہ پہلو بدل کر چھت کی طرف دیکھنے لگا۔

"مجھے آپ کے مسائل سُن کر واقعی دُکھ ہو رہا ہے۔" ٹائیگر نے اس طرح کہا جیسے وہ القمی کو اصل مسئلے پر گفتگو کی یاد دہانی کرا رہا ہو۔ "لیکن بہرحال۔ یہ آپ کے قبیلے کے مسائل ہیں اور میرا مسئلہ دُنیا کو بچانا ہے۔ سوال یہ ہے کہ آپ نے بکٹیریا کیوں خریدا؟"

"ایک روز کسی شخص نے مجھے فون کر کے تعارف کرایا تھا اور اپنا نام دوست بتایا تھا۔"

"اوہ۔" ٹائیگر کا مُنہ بن گیا۔ "یہاں بھی اس بدبخت کا قصہ نکل آیا۔"

"دوست کون ہے؟" ریوا نے بھی حیرت سے ٹائیگر کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"تھا نہیں لیکن اُس نے اوشان اور مجھے قتل کرانے کے لیے کسی شخص کی جو اجرتی قاتل تھا خدمات حاصل کی تھیں۔ اس کے بعد اس نے اوشان کو نوکر رکھنے کی پیش کش کی۔ شاید یہی شخص اس پورے ڈرامے کے پسِ پشت ہے۔"

"نوکر رکھنے کی نہیں۔" اوشان نے تڑخ کر جواب دیا۔ "خدمات حاصل کرنے کی پیش کش کی تھی۔"

"درست۔" القمی نے مسکرا کر اوشان کی طرف دیکھا۔ "تو اس دوست نے مجھے اس خصوصی جرثومے کے بارے میں بتایا کہ جرثومہ کس طرح تیل کو تباہ کر سکتا ہے۔ مجھے اس سے دلچسپی نہیں کہ جرثومہ دوسری اقسام کا تیل بھی برباد کرتا ہے یا نہیں مجھے تو صرف یہ فکر کھائے جا رہی تھی کہ میری قوم کو ملنے والا تیل ہمارے نوجوانوں اور بزرگوں کو بزدل بلکہ نامرد بنا رہا ہے۔"

"ہوں۔" ٹائیگر اس کا مطلب سمجھ چکا تھا۔ "لیکن آپ یہ تو سوچیں کہ اگر اس جرثومے کو استعمال کر لیا گیا تو ساری دُنیا اندھیروں میں ڈوب جائے گی۔ آپ کو علم ہوگا کہ زیرِ زمین تیل کے ذخائر کس طرح ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں۔ اس کے یہاں استعمال سے دو ہزار میل دُور واقع تیل کا کنواں بھی موم سے بھر جائے گا۔ صرف آپ ہی کے تیل کے کنویں تباہ نہیں ہوں گے۔ یہ جرثومہ تیل کے ہر قطرے کو ختم کر دے گا۔"

"انسان تیل کے بغیر پہلے بھی زندہ رہ چکا ہے لڑکے۔" القمی نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"لیکن میں آپ کو آپ کے منصوبے پر عمل کرنے نہیں دوں گا۔" ٹائیگر نے دوٹوک انداز میں جواب دیا۔ "میں اس بکٹیریا کو یہاں۔"

"انارڈبک۔" اوشان نے لقمہ دیا۔

"ہاں۔ میں انارڈبک بکٹیریا کو یہاں سے لے جاؤں گا اور کسی محفوظ جگہ پر اسے تباہ کر دیا جائے گا۔"

"لیکن میں تمھیں ایسا نہیں کرنے دوں گا۔" القمی نے بھی فیصلہ کُن لہجے میں ٹائیگر سے کہا۔ "بکٹیریا کی کھیپ تمھارے ہاتھ لگنے نہیں دوں گا نوجوان۔" اس کے انداز میں اب گرمی تھی۔

"تب پھر میں اسے آپ کے ہاتھوں سے چھین کر لے جاؤں گا۔" ٹائیگر نے اُونچے لہجے میں کہا تو خیموں کے دروازے پر کھڑے ہوئے دونوں محافظوں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ ٹائیگر اگرچہ ان کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا لیکن اس کی چھٹی حس نے اُسے ان کے چوکس ہو کر پلٹنے کی اطلاع دے دی تھی۔ اسی لمحہ القمی نے ہاتھ اُٹھا کر کوئی اشارہ کیا تو وہ دونوں اپنی جگہ ساکت ہو گئے۔

"کیا تم واقعی یہ سب کچھ کر سکتے ہو؟" القمی نے تجسس بھرے لہجے میں سوال کیا۔

"یقیناً۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔

"میں جانتا ہوں کہ تمھاری حکومت کو اس بات کی بہت فکر ہوگی کہ اس سے تیل کے کنویں موم سے بھر جائیں۔ اگر مجھے تو اپنے ذخائر محفوظ رکھ کر ہمارا ہی تیل استعمال کرنا پڑ رہا ہے۔"

"میں صرف امریکہ کے لیے کام نہیں کرتا۔" ٹائیگر نے تھوس لہجے میں جواب دیا۔ "میرے پیشِ نظر میرے اپنے ملک کی سلامتی ہوتی ہے اور اس بکٹیریا سے وہاں بھی تباہی پھیل جائے گی۔"

"تمھارا نام؟" القمی اس بات پر حیرت سے اچھل پڑا۔ "کیا تم امریکی نہیں ہو؟"

"نہیں۔"

"تو پھر؟"

"میں فرزدسی ہوں۔"

"کیا؟" القمی کو اس بار شدید ترین حیرت کے باعث آواز دھیمی رکھنی مشکل ہوگئی۔ "مسلمان ہو؟"

"جی ہاں۔" ٹائیگر نے سر اُٹھا کر جواب دیا۔ "اور میں یہ نہیں چاہتا مسلم ممالک واحد تیل کے ہتھیار سے بھی محروم ہو جائیں۔ آپ نے جرثومے کا استعمال کیا تو سوائے عرب کا تیل تو ختم ہو جائے گا لیکن عرب دُنیا سے باہر کے مسلم ممالک بھی زبردست صنعتی تباہی سے دوچار ہوں گے۔ غیر مسلم ترقی یافتہ دُنیا تو پولی پروپلین یا کوئی اور ذریعہ نکال لیں گے اور ترقی کی منزلیں طے کرتے رہیں گے لیکن ہم تباہ ہو جائیں گے۔ مجھے انسانیت کے مستقبل کی فکر ہے۔"

"کیا تمھیں واقعی اس بات پر یقین ہے کہ دُنیا کا انحصار تیل ہی پر ہے؟" القمی نے پوچھا۔

"ہاں۔ اور نہیں۔"

"اگر تمھیں شک ہے تو پھر یہاں کیوں آئے ہو؟"

"اس لیے کہ محض اتفاق سے یہ مشن نوکری کی شکل میں مل گیا ہے۔ ایک بات واضح ہے کہ میں ایک انسان دوست آجر کا اجیر ہوں اور اگر اُس نے مجھے تمھارے تیل کے کنوؤں کو تباہ کرنے کا حکم دیا تو میں یہ بھی کر گزروں گا۔"

"کیا تم اپنی زندگی سے مطمئن ہو؟"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"بالکل۔" ٹائیگر نے جواب دیا اور پھر خود ہی اسے جواب پر حیرت ہونے لگی۔ "دراصل مجھے اس شخص پر اعتماد ہے جس کے لیے میں کام کرتا ہوں۔ وہ بظاہر جبلی لگتا ہے لیکن انسان دوستی اس کی گھٹی میں پڑی ہوئی ہے۔ اگر وہ کبھی کہ انسانیت کو بچانے کے لیے ایک ہزار افراد ہلاک کرنے ہیں تو میں آنکھیں بند کرکے اس کے حکم پر عمل کرتا ہوں۔ اس طرح میں سوچنے سمجھنے کے مشکل کام سے بچ جاتا ہوں۔ اب اُس نے حکم دیا ہے کہ بکیریا کی کھیپ اپنے ساتھ واپس لے کر آؤں۔"

"اچھا۔ دیکھیں گے۔" القمی نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا پھر وہ خیمے کے ایک کونے میں گیا جہاں لکڑی کا ایک خوبصورت صندوق رکھا ہوا تھا۔ اُس نے صندوق کھول کر ایک پرانا اور پتلا سا کاغذ نکالا جو قدیم فرمانوں کے انداز میں مڑا ہوا تھا۔ القمی نے اس کاغذ کو سر پر گھمایا، بڑی احتیاط سے کھولا اور پھر کچھ کہے بغیر اوشان کے حوالے کر دیا۔

"یہ کیا ہے؟" ٹائیگر طویل بحث کے اس طرح اچانک خاتمے پر حیرت زدہ رہ گیا۔

"خود پڑھ لو۔" اوشان نے بڑی سنجیدگی سے جواب دیا ساتھ ہی بہت غور سے فرمان کا پچھلا حصہ دیکھا۔ سر ہلایا اور فرمان ٹائیگر کی طرف بڑھا دیا۔

قدیم کاغذ پر جسے موم چڑھا کر محفوظ کیا گیا تھا۔ عربی میں کچھ لکھا ہوا تھا لیکن یہ عربی قرآن پاک کی عربی سے قدرے مختلف تھی لہٰذا ٹائیگر کچھ بھی نہیں پڑھ سکا۔

"مگر یہ ہے کیا؟"

"میرے قبیلے اور ایلوان سانجو کے درمیان معاہدہ۔" القمی نے جواب دیا اور کاغذ ٹائیگر کے ہاتھ سے واپس لے لیا۔

"یہ معاہدہ شیخ اور میرے اجداد کے درمیان ہوا تھا۔" اوشان نے کہا۔ "اس میں یہ لکھا ہے کہ میرے اجداد ان کے لیے کیا کریں گے اور یہ کہ معاوضہ کیا ہوگا؟"

"... اور۔" القمی نے اوشان کی طرف دیکھا۔

"اور کیا؟" ٹائیگر نے پہلو بدلتے ہوئے پوچھا۔

"اور یہ کہ جب بھی میرے قبیلے کو ایلوان سانجو کی مدد کی ضرورت پڑی تو یہ مدد فراہم کی جائے گی بشرطیکہ معاوضے کی رقم باقاعدگی سے ادا کی جاتی رہی ہو۔" یہ کہہ کر القمی نے اوشان کی طرف دیکھا۔ "یہی لکھا ہے نا؟"

"ہاں۔" اوشان سر ہلا کر بولا۔

"لہٰذا اب ان حالات میں، میں ایلوان سانجو کو مدد کے لیے پکار رہا ہوں۔" القمی کا انداز بہت دوٹوک تھا۔ "میں درخواست کرتا ہوں کہ ایلوان سانجو تمہارے ذریعے سے القمی قبیلے کی مدد کرے۔"

"منظور۔" اوشان نے ہاتھ اُٹھا کر کہا۔

"منظور؟" ٹائیگر نے غرا کر کہا۔ "کیا منظور؟ اس منظور کا مطلب کیا ہوا؟"

"یہ ایک مقدس معاہدہ ہے شہزاد۔" اوشان اُسے سمجھانے لگا۔ "اور میں اور تم اس معاہدے کے تحت قبیلے کی مدد کرنے کے پابند ہیں کیونکہ تم بھی سانجو کے ماسٹر ہو۔"

"اس جگہ ہم میں اختلاف ہے۔" اس بار ٹائیگر کو تردید کرنی تھی کہ ماسٹر صرف اوشان ہے۔ "آپ معاہدے اور سانجو کے اصولوں پر کاربند رہیں، مگر میرا گاؤں سانجو نہیں، فرودس میں کوئی گاؤں، قصبہ یا شہر میرا ہے۔ میرا ان لوگوں سے کوئی معاہدہ نہیں لہٰذا جب بکیریا یہاں پہنچے گا تو اُسے تباہ کرنے کے لیے میں آزاد ہوں گا خواہ اس علاقے کے تمام شیوخ ہماری راہ میں حائل کیوں نہ ہو جائیں۔" یہ کہہ کر وہ کھڑا ہو گیا۔

"اور میں اپنے شیخ اور اس کے مفادات کا تحفظ کروں گا خواہ کچھ ہی ہو جائے۔ یہ میری ذمہ داری ہے۔" اوشان نے دوٹوک انداز میں کہا۔

"دوستو!" شیخ القمی نے دونوں ہاتھ اُٹھا دیے۔ "لڑو مت۔" وہ بھی کھڑا ہو گیا۔ "میرے خادم تمہیں تمہارے خیمے دکھا دیں گے کل تمہارے اعزاز میں جشن ہوگا اور اگر ضروری ہوا تو ہم اس تقریب کے بعد ہی ایک دوسرے کے دشمن بنیں گے لیکن فی الوقت ہم دوست ہیں۔"

وہ خیمے سے نکلنے لگے تو ریوا نے ٹائیگر کے قریب آکر سرگوشی کی۔ "کیا تم اس کے خلاف جیت سکتے ہو؟"

"یقیناً۔" ٹائیگر کا لہجہ بہت مضبوط تھا۔

"تم بہت پُراعتماد دکھائی دے رہے ہو؟ اتنا اعتماد کیوں ہے؟" ریوا اس کو کُرید رہی تھی۔

"مجھے اپنے خدا، انصاف اور انسانیت پر اعتماد ہے۔ خدا میرے ساتھ ہے، میں انصاف چاہتا ہوں اور انسانیت کی حمایت مجھے حاصل ہے۔" ٹائیگر کا لہجہ بہت عجیب سا تھا لیکن دل میں یہ کسک بلکہ کھٹک سی تھی کہ کیا اس بار واقعی اوشان سے مقابلہ کرنا پڑے گا؟

وہ یہی بات رات کو بستر پر لیٹ کر بھی سوچتا رہا۔ اسے ایک چھوٹا سا مگر خوبصورت خیمہ دیا گیا تھا اور اُس کے دروازے پر مسلح محافظ پہرا دے رہے تھے۔ وہ ان کی آوازیں اور ان کے قدموں کی دھمک بھی سُن رہا تھا۔

اسے اوشان سے محبت تھی لیکن اگر اوشان فرودس کے کسی دُور افتادہ جزیرے میں پیدا ہوتا تو شاید یہ محبت اور زیادہ ہو جاتی۔ حالاتوں کا فرق بعض اوقات بہت سی پیچیدگیاں پیدا کر چکا تھا۔ اس بار بھی سانجو والا اوشان اس سے مقابلہ کرنے پر آمادہ تھا۔

ٹائیگر، اوشان سے مقابلہ کرنے کے لیے کسی بھی دُور میں تیار نہیں ہوا تھا، ویسے بھی اسے شک تھا کہ وہ اوشان کو شکست دے سکتا ہے اور بالفرض محال اگر اسے کبھی اوشان کو شکست دینے کا موقع مل جائے تو وہ کیا کرے گا؟

"کبھی شکست نہیں دوں گا۔" ٹائیگر نے کروٹ بدلتے ہوئے اپنے آپ سے کہا۔ "میں اس پر ہاتھ اُٹھانے کا تو سوچ بھی نہیں سکتا لیکن کیا اوشان مجھے ہلاک کر سکتا ہے؟"

"ہاں۔" جواب ایک لمحے بعد ہی اس کے دل نے دیا تھا "اگرچہ وہ مجھے اپنے حقیقی بیٹے سے بھی زیادہ چاہتا ہے لیکن سانجو کے لیے مجھ سے زیادہ اہم ہے۔ اگر میں سانجو کی فضلت پر حرف بنا تو وہ مجھے نہیں چھوڑے گا۔"

وہ ساکت لیٹ گیا۔ اس نے اعصاب کو سکون دینے کے لیے جسم ڈھیلا چھوڑ دیا اور پھر معاً ہی اُسے برابر والے خیمے سے ریوا کے ہلکے ہلکے خراٹوں کی آواز سنائی دینے لگی۔ اوشان کا خیمہ دوسری طرف تھا لیکن وہاں سے اُسے خراٹوں کی وہ مخصوص آواز سُنائی نہیں دے رہی تھی جو عام طور سے اُس کی نیند اچاٹ کیا کرتی تھی لیکن یہ حیرت کی بات نہ تھی۔ بعض اوقات اوشان کے سانس کی آواز اُس کے سینے پر رکھ کر بھی نہیں سُنائی دیتی تھی۔

"کیا اوشان بھی اس وقت بستر پر لیٹا ہوگا؟" ٹائیگر سوچنے لگا۔ "شاید وہ بھی آنے والی کل کے بارے میں میری طرح ہی سوچ رہا ہو۔ خدایا یہ سوچ رہا ہو کہ کل شہزادہ پر... مجھ پر... اپنے بنائے ہوئے ٹائیگر پر ہاتھ اُٹھانا پڑے گا؟"

ٹائیگر نے بمشکل وہ غراہٹ روکی جو اس کے حلق تک آگئی تھی۔ "ٹھیک ہے اسے حملہ کرنے دو۔"

تب ہی اُس نے ایک اور آواز سُنی۔ یہ آواز ایسی تھی جیسے ہوا کا جھونکا خیمے سے ٹکرایا ہو لیکن ایسا نہ تھا۔ وہ سمجھ گیا کہ کسی نے خیمے کو ہاتھ لگایا ہے۔ یہ آواز اُس کے عقب سے آئی تھی۔ اُس نے الٹی قلابازی کھا کر بستر چھوڑا اور خیمے کے پردے پر عکس تلاش کرنے لگا پھر اچانک ہی اُس نے ایک طرف خیمے کا نچلا حصہ اُٹھتا ہوا دیکھا۔ ایک دُبلا پتلا جسم بنتے ہوئے خلا میں سے اندر آیا۔ ٹائیگر چوکس ہو گیا لیکن جونہی وہ جسم سر تا قد کھڑا ہوا وہ ایک طویل سانس لے کر رہ گیا۔ وہ کسی عورت کا جسم تھا۔ وہ بہت چھوٹے چھوٹے قدم اُٹھا رہی تھی۔ دیسے اُسے یقین تھا کہ آنے والی ریوا نہیں کیونکہ آنے والی خاموش تھی اور اگر ریوا آتی تو فوراً ہی وہ درجنوں سوالات کرنے لگتی۔ رات کو سونے سے قبل وہ ایک گھنٹے تک ایسے ہی سوالات کرتی رہی تھی حتیٰ کہ ٹائیگر نے اُسے باقاعدہ ڈانٹ کر اپنے خیمے سے نکال دیا تھا اور گارڈ سے کہا تھا کہ اگر یہ عورت رات کو اپنے خیمے سے دوبارہ نکلے تو اسے گولی مار دی جائے۔ گارڈ نے اس پر قہقہہ لگانے کی بجائے ٹائیگر کو گھور کر دیکھا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ انھیں کسی اور نے بھی ہدایت دی ہے کہ اگر مہمان خیموں سے نکلیں تو انھیں گولی مار دی جائے۔

ٹائیگر سوچنے لگا کہ اگر ریوا نہیں تو پھر یہ کون عورت ہے جو بلی کی طرح چلتی ہوئی اس کے بستر کی طرف آ رہی ہے۔ اب اُسے پریفیوم کی مہک بھی آنے لگی تھی۔ وہ ایک لمحے کو اس شک میں مبتلا ہو گیا کہ کہیں عربوں نے عورتوں کو اُجرتی قاتلوں کی طرح بھرتی تو نہیں کر رکھا ہے۔ تاہم یہ شک عورت کے خالی ہاتھ دیکھ کر رفع ہو گیا۔

عورت اس کے بستر کے قریب بیٹھ کر جھک گئی۔

"میں جاگ رہا ہوں۔" ٹائیگر نے سرگوشی کی تو وہ اُچھل پڑی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا ٹائیگر اس کے قریب ہی بیٹھا ہوا تھا۔

"اوہ میرا خیال تھا کہ تم سو چکے ہو گے۔" یہ سبز آنکھوں والی وہی لڑکی تھی جو چائے لے کر آئی تھی اور جس کو ٹائیگر نے چینی اور دودھ ڈالنے سے منع کر دیا تھا۔ اس وقت خیمے میں تاریکی کے باوجود اُس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ لڑکی نے گھبرا کر خیمے کے کھلے ہوئے دروازے کی طرف دیکھا۔

"اگر میں یہاں سے پکڑی گئی تو بہت بڑا طوفان کھڑا ہو جائے گا۔" وہ قدرے خوفزدہ لہجے میں بولی۔ اس کی سانس اس مہین نقاب کو ہلا رہی تھی جو اس نے ڈال رکھی تھی۔ یہ نقاب

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

صرف ناک تک تھی۔

"میں جانتا ہوں۔" ٹائیگر نے نرم لہجے میں جواب دیا۔ "مگر تم یہاں کیوں آئی ہو؟"

"اس لیے کہ آج تم بہت اچھے لگے تھے۔"

"اس میں میرا تو کوئی قصور نہیں۔" ٹائیگر نے بڑی معصومیت کے ساتھ جواب دیا۔

"میں بھی نہیں۔" لڑکی کی سبز آنکھیں حیرت ظاہر کرنے لگیں۔

"چلو چھوڑو۔ کوئی بات نہیں۔" ٹائیگر مسکرا کر بولا۔ نوجوان عورت کے ہونٹ ایک لمحے کو لرزے۔ ٹائیگر نے بڑی نرمی سے اُس کی کلائی پر ہاتھ رکھا تو وہ سرتاپا کانپنے لگی۔

"سنو۔" اُس نے سرگوشی سے بھی دھیمی آواز میں کہا۔ "وہ تمھیں کل قتل کر دینے کا منصوبہ بنا رہے ہیں۔"

"وہ کون۔ شیخ؟"

"نہیں۔ اس کا وزیر، جمال۔ میں نے کسی سے اس کی ہونے والی گفتگو خود سُنی ہے۔ وہ تمھیں کل تقریبات کے دوران قتل کرنے کی سازباز کر رہے تھے۔"

"تو کیا اُنھوں نے قتل کی کوشش کرنے کا حتمی فیصلہ کر لیا ہے؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"ہاں۔"

"لیکن تم اتنے خطرے کے باوجود مجھے بتانے اور خبردار کرنے کے لیے کیوں آ گئیں؟ اس طرح تو تمھاری زندگی کو بھی خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔"

"بس... کیا کہوں۔ تم مجھے ان تمام لوگوں سے مختلف اور مہربان نظر آئے تھے اور پھر یہ بھی کہ مجھے جمال سے نفرت ہے جو ہمارے یخ کے خلاف بھی سازشیں کر رہا ہے۔"

"شکریہ۔" ٹائیگر نے اس کا ہاتھ تھپک کر کہا تو لڑکی کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ "بولو میں تمھارے اس احسان کا بدلہ کس طرح اتاروں؟"

"نہیں۔ اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ بس زندہ رہنے کی کوشش کرو۔"

"ضرور۔ لیکن تم کون ہو؟"

"میں یخ کے بیٹے کی بیوی ہوں۔"

"عبدل کی؟"

"اوہ۔ ہاں۔" اُس کی آنکھیں بجھ سی گئیں۔

"مگر اس پر عتاب کیوں نازل ہو رہا ہے؟" ٹائیگر نے سوال کیا تو اُن آنکھوں سے ایک دو آنسو ٹپک پڑے۔

"وہ میرا شوہر ہے۔" اس نے کہا۔ "مگر مجھے اس سے کوئی پیار نہیں۔ وہ موٹا اور کاہل ہے انتہائی ظالم۔"

"تو تم اس سے علیحدگی اختیار کر لو۔"

"تمھیں ہماری روایتوں کا کوئی علم نہیں۔" وہ ایک طویل سانس لے کر بولی۔ "یہ میرا مقدر تھا کہ شہزادے کے حرم میں شامل ہو جاؤں۔"

"علیحدگی کا اختیار ہر معاشرے نے دیا ہے۔" ٹائیگر نے کہا مگر پھر اُچھل پڑا۔ باہر کسی گارڈ نے اُس کے خیمے کا رُخ کیا تھا۔ اُسے دروازے کی چلمن پر کسی کا ہاتھ دکھائی دیا۔ اُس نے لڑکی کو بڑی پھرتی سے اُٹھا کر اپنے بیڈ کے نیچے چھپا دیا اور خود بستر پر لیٹ گیا۔

دو محافظوں میں سے ایک واقعی اندر آ رہا تھا۔ وہ تیز قدم اُٹھاتا ہوا بستر تک آیا۔

"اوہ۔ یہ تم ہو؟" ٹائیگر نے آنکھیں ملتے ہوئے کہا۔

"میں نے ابھی یہاں کسی کی آواز سُنی ہے؟" محافظ نے سپاٹ لہجے میں جواب طلب کیا۔

"دراصل میں کوئی ڈراؤنا خواب دیکھ رہا تھا۔ میری ہی چیخ نکل گئی ہو گی۔"

"کیا تمھاری آواز عورتوں جیسی ہے؟"

"پتا نہیں۔"

"ٹھیک ہے۔ شاید کل تم مردوں کی طرح چلانے لگو گے۔" گارڈ نے خونخوار لہجے میں جواب دیا اور چلا گیا۔

"دیکھیں گے۔" ٹائیگر نے ایک طویل سانس لی اور بیڈ کے نیچے جھک کر سرگوشی کی۔ لڑکی باہر آ گئی۔

"میں جا رہی ہوں۔"

"تمھارا نام کیا ہے؟"

"زیتون۔" وہ بولی۔ "لیکن کل محتاط رہنا، بہت محتاط۔"

"ضرور۔" ٹائیگر نے اُسے یقین دلایا۔

"اور میں تمھارے لیے دعا میں کروں گی۔" وہ ہونٹ چباتی ہوئی اسی طرح چلی گئی جس طرح آئی تھی۔

❖

دونوں شہ سوار ایک دوسرے کے مقابل کھڑے تھے اور اُن کے درمیان بمشکل ایک سو گز کا فاصلہ تھا اور بالکل وسط میں ان کے درمیان پانچ فٹ لمبا کھمبا اتنا ہی موٹا لوہے کا

اونچا تھا اور یہ لکڑی سے خاص طور سے بنایا گیا تھا۔ اس کھمبے کو سہارا دینے کے لیے چھوٹے چھوٹے کھمبوں میں رسیاں باندھ دی گئی تھیں۔

القمی ایک چھوٹے سے پلیٹ فارم پر ٹائیگر کے قریب بیٹھا ہوا تھا۔ اُس نے ہاتھ اُٹھا کر اشارہ کیا اور جونہی اُس کا ہاتھ نیچے آیا، دونوں شہ سواروں نے اپنے اصیل طاقتور اور شاندار گھوڑوں کو ایڑ دی۔ دونوں گھوڑے توپ سے نکلے ہوئے گولوں کی مانند اور بجلی کی طرح لپکے۔ ان کا رُخ مرکزی کھمبے کی طرف ہی تھا۔ اب سواروں نے شمشیریں بھی سونت لی تھیں۔ وہ اپنی چمکدار تلواروں کو لہرا رہے تھے۔

بائیں طرف سے آنے والا شہ سوار کھمبے تک پہلے پہنچ گیا۔ اُس نے تلوار۔ بلائی، لہرائی، گھمائی اور پن بھر میں چار انچ موٹے کھمبے کا ایک حصہ کسی تربوز کی طرح کٹ کر زمین پر آ رہا لیکن اس سے قبل کہ وہ اپنی تلوار واپس نکالتا دوسرا سوار بھی وہاں پہنچ گیا۔ اُس کی تلوار سر سے بلند تھی۔ اُس نے موٹائی کے بجائے کھمبے کو درمیان سے کاٹنے کے لیے ضرب لگائی تو تلوار کھمبے کے پہلے حصے تک اس طرح چلی گئی جیسے تازہ پنیر سے چاقو گزرتا ہے۔ دونوں کی تلواریں محض دو دو انچ کے فاصلوں سے گزری تھیں پھر کھمبا دو حصوں میں تقسیم ہو گیا اور ٹائیگر بخوبی اندازہ لگا سکتا تھا کہ دو حصوں کی موٹائی بالکل برابر ہے۔ بال برابر کا بھی فرق نہیں۔ القمی نے مسکرا کر تالیاں بجائیں تو وہاں موجود تمام لوگ بھی تالیاں بجانے اور مرحبا مرحبا کے نعرے لگانے لگے۔

ٹائیگر نے بھی تالیاں بجائیں اُس کے برابر بیٹھا ہوا اوشان بھی تالیاں بجا رہا تھا۔

"یہ دُنیا کے عظیم ترین شہ سوار ہیں۔" القمی نے جھک کر ٹائیگر کے کان میں سرگوشی کی۔ "لیکن المیہ یہ ہے کہ پہلے ان کی تعداد ہزاروں میں تھی مگر اب یہ ایک سو سے زیادہ نہیں۔"

اس لمحے ٹائیگر کی نظر پلیٹ فارم کے دوسرے حصے میں سبز آنکھوں والی زیتون پر پڑی۔ اُس نے سر کو محض جنبش دے کر بتایا کہ وہ چوکس اور محتاط ہے۔ زیتون فوراً دوسری طرف دیکھنے لگی پھر اپنے شانے پر اوشان کے ہاتھ کا دباؤ محسوس کر کے وہ اوشان کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"یہی ظاہر کرو شہزاد کہ ان بندروں جیسے گھڑ سواروں نے بہت اچھے فن کا مظاہرہ کیا ہے۔ اخلاقاً ہی ان کی تعریف کرتے رہو۔ دل رکھنے کے لیے ہی سہی۔"

"آپ کو میرے معیارِ اخلاق کی اب کیا پروا اوشان؟" ٹائیگر نے مُنہ بنا کر جواب دیا۔ "آپ تو میرے دُشمن کے دوست بن گئے ہیں۔"

"کیا یہ ضروری ہے کہ تم ہر وقت مجھ سے بحث کرتے ہو۔" اوشان نے اچانک ہی ایک شہ سوار کے کرتب کو دیکھ کر تالیاں بجاتے ہوئے کہا۔ ساتھ ہی ٹائیگر نے بھی تالی بجانی شروع کر دی لیکن اب وہ چھوٹے سے پلیٹ فارم کا بھرپور جائزہ بھی لے رہا تھا۔ القمی کے عقب میں ریوا بیٹھی ہوئی تھی اور اس وقت بھی اُس طویل اور ڈھیلی ڈھالی قبا میں تھی جو اسے یہاں آنے کے بعد پہننے کے لیے دی گئی تھی۔ ریوا کے برابر میں ایک چھوٹا سا مگر نوجوان عرب بیٹھا ہوا تھا۔ اُس کی داڑھی بھی تھی اور مونچھیں بھی۔ اُسے دیکھ کر ایسا لگتا تھا کہ اگر اُسے تھوڑا جائے تو اس میں سے اتنا تیل نکلے گا جو ایک بڑے لیمپ کو مسلسل ایک ہفتے تک روشن رکھ سکتا ہے۔ القمی نے تقریب کے آغاز سے قبل اس شخص عبدل کا تعارف اوشان اور ٹائیگر سے کرایا تھا۔ شہزادے نے ان پر زیادہ توجہ نہیں دی تھی بلکہ رسمی انداز میں سر ہلا کر اپنی نشست پر چلا گیا تھا۔

ٹائیگر کو القمی پر واقعی ترس آنے لگا۔ اس کا ولی عہد سُور مانجنے کی بجائے آسان اور پُرتعیش زندگی گزارنے کے لیے بنا تھا۔

القمی کے پیچھے کھڑے گھڑے مگر جھک کر سرگوشیاں کرنے والا شخص شیخ کا مشیرِ جمال تھا۔ اُس کی شکل چوہے جیسی لمبی اور پتلی تھی، ناک بہت نتھنوں اور ضرورت سے زیادہ اُونچی تھی اور اس ناک کا رُخ مسلسل ٹائیگر کی طرف ہی تھا۔

اچانک ہی ایک ٹیلے کی اوٹ سے ایک درجن کے قریب گھڑ سوار نمودار ہوئے۔ جمال فوراً سیدھا کھڑا ہو گیا کیونکہ القمی ان گھڑ سواروں کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ یہ سوار مُرخ اور بھوری ردایتی پوشاکوں میں ملبوس تھے۔ ان کے جنگی نعروں سے فضا گونجنے لگی اور ان کی تلواریں سحر کی دھوپ میں چمکنے لگیں۔ گھوڑے بلندی سے اُترنے کے باوجود جھکے ہوئے نہیں تھے اور نہ ہی اُن کی رفتار کم ہوئی۔ وہ غیر معمولی گھوڑے تھے۔ پانچ سو افراد پر مشتمل گاؤں کی پوری آبادی انھیں دیکھ کر تالیاں بجانے لگی۔ گاؤں والے بھی حلق پھاڑ پھاڑ کر جنگی نعرے لگا

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

رہے تھے جن کے باعث شہ سواروں کے تیور دب گئے تھے۔ یہ لوگ جونہی مسطح میدان میں پہنچے چھ گھوڑ سوار وں نے اپنے گھوڑوں کی لگامیں اُتار دیں اور ان کی پشت پہ کھڑے ہو گئے۔ وہ گھوڑوں کی پشت پر اپنا توازن برقرار رکھنے کے لیے تلوار ادھر اُدھر لہرا رہے تھے مگر یہ منظر واقعی بہت خوبصورت لگ رہا تھا' پھر وہ اچانک ہی قلابازی کھا کر اُلٹے ہو گئے۔ اب اُن کے سر نظر بظاہر تک گھوڑوں کی ٹاپوں کے قریب تھے۔ اُنھوں نے بڑی آسانی سے اپنی اپنی تلواریں بائیں ہاتھوں میں منتقل کیں اور ہوا سے لڑتے رہے۔ زمین سے ان کا فاصلہ جنبش اٹھارہ انچ تھا۔

"واہ واہ۔" ٹائیگر نے داد دی۔

تمام گھڑ سوار مختلف کرتب دکھاتے ہوئے اب میدان کے سامنے والے حصے میں آ چکے تھے۔ ان کی رفتار بہت تیز تھی یہاں سواروں نے چلتے گھوڑوں پر ہی ایک دوسرے سے گھوڑے بدلے اور اس کے بعد ٹیلے کی طرف دوڑتے چلے گئے۔ تمام سوار الو داعی انداز میں تلواریں لہراتے جا رہے تھے۔

"دیکھا!" الفی نے ٹائیگر کی طرف جھک کر پوچھا' "کیا تم بھی گھوڑے پر سواری کر لیتے ہو؟"

"نہیں۔ لیکن کر سکتا ہوں۔"

"کیا مطلب؟" الفی کے چہرے پر اُلجھن کے تاثرات بہت واضح طور پر نظر آ رہے تھے۔

"مسلسل مشق کا ہے جس کے لیے مجھے زیادہ وقت کبھی نہیں ملا۔" ٹائیگر نے کندھے اُچکا کر جواب دیا۔

"ہاں۔" الفی نے سر کو جنبش دیتے ہوئے کہا' "ایک زمانہ تھا کہ ہمارے گھڑ سواروں سے پرشیا سے لیبیا تک کے حکمران خوفزدہ رہتے تھے لیکن اب وہ بات کہاں؟ اب تو بہت کم شہ سوار باقی رہ گئے ہیں۔"

ٹائیگر کو الفی کے لہجے میں تاسف اور آزردگی کا احساس ہوا تو وہ بھی پُرتاسف انداز میں سر ہلانے لگا۔ اس شیخ کا مسئلہ یہ تھا کہ اپنے اجداد کے دَور میں قید رہنا چاہتا تھا جب کہ عرب دُنیا کائنات کی تسخیر کے لیے مسلسل جدید طور طریقے اختیار کر رہی تھی۔ بیسویں صدی کے چیلنج کا مقابلہ کرنے کے لیے سامان خرید جا رہا تھا اور ٹائیگر کو یقین تھا کہ اس چیلنج کا مقابلہ الفی کے ایک ہزار شہ سوار بھی نہیں کر سکتے۔ اسٹیلتھ ٹیکنالوجی کشتیوں' خوفناک میزائلوں سے لیس طیاروں کا مقابلہ کرنا اصیل گھوڑوں کے بس کی بات نہیں ہے جس چیز کو دُنیا ترقی قرار دے رہی تھی یہ شیخ اُسے شیطانی حرکتیں کہتا تھا۔ خلوص دونوں میں تھا لیکن شیخ کا خلوص اس کی ایسی قدامت پرستی کا مظہر تھا جو قوموں کے لیے تباہ کُن بھی ثابت ہو سکتا تھا اور الفی صرف اپنے قبیلے بنک 'اصلاح' کی مہم کو محدود رکھتا تو شاید کسی کو اعتراض نہ ہوتا لیکن وہ تو پوری دُنیا کی اصلاح کرنے کے درپے تھا اور اس کی اس کوشش میں ٹائیگر کو بے چینی تھی۔ وہ اس کا حامی نہیں بن سکتا تھا۔ الفی کو صحرا کے خیموں میں رہنے کا حق حاصل تھا لیکن اسے یہ حق نہیں تھا کہ پُوری دنیا کو بنجر صحرا میں بدل دے

وہ یہ فیصلہ کر چکا تھا کہ بکٹیریا کی کھیپ لے کر واپس جائے گا چاہے کچھ بھی ہو اور اوشان اسے پسند کرے یا نہ کرے۔

ٹائیگر اوشان کی طرف جھکا' "آخری گھڑ سوار کی طرف اشارہ کیا اور بولا" آپ کی کیا رائے ہے نٹل فادر؟"

"کوہیا کے باشندے بہت ہی اعلیٰ درجے کے شہ سوار ہوتے ہیں۔" اوشان نے جواب دیا۔

"مگر یہ کوہیائی نہیں ہیں۔"

"یہ مجھے بھی معلوم ہے۔" اوشان نے گھور کر اُسے دیکھا۔ "میں نے صرف یہ کہا ہے کہ کوہیائی باشندے بہت اعلیٰ درجے کے گھڑ سوار ہوتے ہیں۔ شاید تمھیں یہ حقیقت نہیں معلوم کہ جاپان میں گھوڑے لے جانے والے ہم ہی تھے۔ اس کے بعد ہی وہاں کے لوگوں کو پتا چلا کہ گھوڑا کتنا عالی شان جانور ہے۔"

"جی ہاں۔ مجھے کچھ پتا نہیں تھا لیکن شاید اس بارے میں اب بہت کچھ معلوم ہو جائے گا۔"

"نہیں۔ اب نہیں۔ میں نے تمھیں وہ باتیں بتا ہی بند کر دی ہیں جن پر تم خوش نہیں ہوتے یا جنھیں تم سمجھ ہی نہیں سکتے۔" اوشان بولا۔

"لیکن ہمیں بات کرنی ہے؟"

"کس بارے میں؟"

"اس موضوع پر ہم دونوں محض کسی بکٹیریا کے مسئلے پر ایک دوسرے سے نہیں اُلجھ سکتے۔"

"میں بھی تو یہی کہہ رہا تھا۔"

"ایں؟"

"تم نے بہت مایوس کیا شہزاد۔" اوشان نے سر جھٹکتے ہوئے کہا' "سنو۔ اگر تم اس ریاست کے داخلی حکومت میں جا کر یہ اعلان کرو کہ شیخ الفی اس ملک کی تیل کی رسد اور ذخیرہ تباہ کرنا چاہتا ہے تو ان لوگوں کا ردِ عمل کیا ہو؟"

"میرا خیال ہے کہ وہ فوجیوں سے بھرے ہوئے ٹرک فوراً

روانہ کر دیں گے۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔

"یقیناً' اور تم بھی اس فوج کے مارچ میں شامل ہو گے۔"

"نہیں۔ آپ کو غالباً علم ہو چکا ہو گا کہ میں کسی گروپ کا حصہ بن کر کام نہیں کرتا۔"

"ہاں۔ ہاں" اوشان نے زیرِلب مسکراتے ہوئے گردن ہلائی "کام تو نہیں کرتے لیکن کر سکتے ہو۔" اُس نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔ "ہم میری مراد کو ریائی باشندوں سے ہے... تو ہم لوگ گھوڑوں کے بارے میں سب کچھ بہت اچھی طرح جانتے ہیں۔ بہتر یہ ہو گا کہ ہم ان کو لڑانے دیں اور خود ایک طرف ہو جائیں۔"

"مگر میری تجویز یہ ہے کہ ہم بکٹیریا حاصل کر کے یہاں سے فوراً چلے جائیں۔"

"ایسا ممکن نہیں کیونکہ اپنے آباؤ اجداد کے کیے ہوئے معاہدے کا پابند ہوں۔" اوشان نے ٹھوس لہجے میں جواب دیا۔ "اور یہ معاہدہ بہرام سے کیے گئے معاہدے سے زیادہ پرانا ہے لہٰذا اسے بہرام کے معاہدے پر ترجیح حاصل ہو گی۔ میں اس پرانے معاہدے پر عمل کرنے کا پابند ہوں۔"

"چلو۔ اس بارے میں پھر سوچیں گے۔" ٹائیگر نے کہا ساتھ ہی اس نے ان چھ افراد کو دیکھا جو ۱۵ گز دُور تین کھمبے لگا رہے تھے۔ تینوں کھمبوں پر کپڑا چڑھا ہوا تھا۔ ان کھمبوں کا شکل نما نچلا حصہ زمین میں دبا دیا گیا تھا۔ ہر کھمبا دوسرے کھمبے سے آٹھ فٹ دُور تھا تاہم تینوں ایک ہی قطار میں تھے۔ انھیں دیکھ کر ٹائیگر کو وہ ڈمیاں یاد آ گئیں جن پر وہ کراٹے سنٹر میں مشق کیا کرتا تھا۔

"اب میری باری آ گئی۔" ٹائیگر نے دل ہی دل میں سوچا کیونکہ زیتون اسے خبردار کر چکی تھی کہ اس کی جان لینے کی بھی کوشش کی جائے گی۔ اسی انتباہ کے باعث وہ اب تک پوری طرح چوکس رہا تھا لیکن اب تک ہونے والے مقابلوں میں اُسے کوئی خطرناک بات نظر نہیں آئی تھی۔ ویسے یہ تین کھمبے جو اس کے بالکل سامنے لگے ہوئے تھے خطرے کی علامت تھے۔ ممکن تھا کہ نیزے باز اُن کا دُور سے نشانہ لینے کی کوشش کریں اور کوئی تیر بھٹک کر اس کے سینے میں پیوست ہو جائے۔

اُس نے شیخ کی طرف دیکھا تو اس کا وزیر بڑی خشمگیں نظروں سے ٹائیگر کی طرف ہی دیکھ رہا تھا لیکن جونہی اُس نے ٹائیگر کو اپنی طرف متوجہ دیکھا۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ ناچنے لگی۔ اس تبسم کا مقصد بہت واضح تھا... اُسے ایسی کوئی بات معلوم تھی جو ٹائیگر کے علم میں نہ تھی۔

ٹائیگر فوراً سمجھ گیا۔

حملہ ابھی ہو گا لیکن سوال یہ تھا کہ کیا اوشان کو اس حملے کا علم ہے؟ دُشمن اس وقت کہاں ہیں؟ ٹائیگر اور اوشان جس انداز میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اس انداز میں صرف ٹائیگر ہی نشانہ بن سکتا تھا۔ کیا اوشان یونہی لاتعلق بیٹھا رہے گا؟

"نٹل فادر۔ میں۔" اُس نے جُھک کر اوشان سے کچھ کہنا چاہا لیکن اوشان نے اپنے ہونٹوں پر اُنگلی رکھ دی۔ "شش! میں اپنی نئی فوج کا معائنہ کرنا چاہتا ہوں۔"

ٹائیگر ایک طویل سانس لے کر رہ گیا۔ "جہنم میں گیا سب کچھ۔" اُس نے دل ہی دل میں کہا۔ اچانک ہی دُور سے نو گھڑ سوار آتے ہوئے دکھائی دیے۔ وہ پہلے تو بلا کسی ترتیب کے آتے رہے لیکن پھر ایک سو گز کے فاصلے پر ایک ساتھ ہو گئے۔ اُنھوں نے گھوڑوں کو مہمیز دی تو خاک اُڑنے لگی۔ اب وہ بہت تیزی... سے خصوصی پلیٹ فارم کی سمت میں آ رہے تھے ان کے دائیں ہاتھوں میں چھ چھ فٹ لمبے تیر تھے جبکہ بائیں ہاتھ میں کمانیں تھیں۔ ان کا توازن اور گھوڑوں پر ان کا کنٹرول قابلِ دید تھا۔

ٹارگٹ یعنی کھمبوں سے بیس گز دُور اُنھوں نے اپنے بلند دائیں ہاتھ پیچھے کر لیے۔ گھوڑے اب زیادہ تیزی سے کھمبوں کی طرف آ رہے تھے۔ جونہی پلیٹ فارم محض چند قدم رہ گیا۔ ان تمام شہ سواروں نے انتہائی غیر معمولی انداز میں ہاتھ اُٹھائے بغیر ہی تیر کھمبوں کی طرف پھینک دیے۔

تیر یکے بعد دیگرے کھمبوں میں پیوست ہونے لگے۔ ٹائیگر کے حساس کانوں تیروں کے سفر کی آواز اور ان کے پیوست ہونے کی ٹھک ٹھک بھی سننے لگے۔ پھر اچانک ہی ایک شہ سوار کا نشانہ خطا ہو گیا۔ ایک تیر کھمبوں میں لگنے کی بجائے اُن کے اوپر سے تیرتا ہوا گزرا۔ اُس کی رفتار غالباً بقیہ سے بھی زیادہ تیز تھی... اور یہ تیر ٹائیگر کی نشست بلکہ اُس کے سینے کی طرف آ رہا تھا۔

ٹائیگر نے دونوں ہاتھ پہلوؤں سے لگا لیے۔

اب اوشان کی مرضی ہے۔ اس نے سوچا جانے پھر یوں لگا جیسے کوئی انتہائی تیز رفتار فلم کو یک لخت سلوموشن میں کر دیا جائے۔ ٹائیگر کی نظریں تیر کی نوک پر جم گئیں جو کسی پھر کی طرح گھوم رہی تھی۔

وہ ساکت بیٹھا رہا۔

تیر اور قریب آیا۔ پلیٹ فارم پر پہنچ گیا۔ اس کا رُخ اب بھی ٹائیگر کے سینے کی طرف تھا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

اور پھر جب اُسے یقین ہو گیا کہ تیر پیوست ہو جائے گا تو فوراً ہی لمبے ناخنوں والا ایک پیلا سا ہاتھ اُس کے سینے اور تیر کے درمیان آ گیا۔ اُس ہاتھ نے تیر کو آہستہ سے پکڑا... اور عین اس وقت پکڑا جب نوک سینے سے ایک انچ دُور رہ گئی تھی۔

"احمق۔" ٹائیگر نے اوشان کی آواز سُنی۔

شہسوار اب گرانڈ اسٹینڈ کے سامنے جمع تھے جب کہ شیخ اپنی جگہ چھوڑ چکا تھا۔

"اس آدمی کو روکو۔" شیخ نے دھاڑ کر کہا لیکن اس سے قبل کہ کوئی اپنی جگہ سے ہلتا اوشان کھڑا ہوا اور اُس نے تیر محض کہنی کے جھٹکے سے کھمبوں کی طرف پھینک دیا اس کی رفتار اب ناقابلِ بیان تھی اور اس سے قبل کہ کوئی صورتِ حال کا اندازہ لگاتا تیر پوری قوت سے اس شہسوار کے سینے میں گھستا چلا گیا جس کا نشانہ خطا ہو کر تیر ٹائیگر کی طرف آیا تھا۔

تیر سینے کے اندر نراز ہو گیا۔ شہسوار گھوڑے کی پُشت پر جھولا اور پھر نیچے گر گیا۔ جنگ کے لیے تربیت پانے والا گھوڑا فوراً ہی لاش سے دُور ہو گیا۔

ٹائیگر نے شیخ کی طرف دیکھا۔ وہ مُردہ شہسوار کی طرف ٹکر ٹکر دیکھے جا رہا تھا۔ اُس کے پیچھے اس کا وزیر اس حالت میں کھڑا ہوا تھا کہ اس کی آنکھیں چندھی ہوئی تھیں اور مُنہ کُھلا ہوا تھا۔ اُس نے اچانک ہی ٹائیگر کی طرف دیکھا... اور اس بار ٹائیگر نے مسکراتے ہوئے اُس کو آنکھ ماردی۔

اوشان اب ٹائیگر کے سامنے کھڑا تھا۔ اُس کی زبان چل رہی تھی۔ کوریائی زبان کے مخصوص الفاظ پانی کی طرح نوک زباں سے پھسل رہے تھے۔ "تم نے اس ڈنڈے کو اپنے سینے میں گھسنے کے لیے اتنا وقت دے دیا کہ وہ واقعی گھس جاتا۔ شاید تم یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ میں کچھ کرتا ہوں یا نہیں۔"

"نہیں۔ میں تیر کو اس وقت ہٹا لیتا جب وہ نصف انچ کے فاصلے پر آ جاتا۔" ٹائیگر نے مسکرا کر جواب دیا۔

"تم احمق ہو۔" اوشان نے غرا کر کہا۔ "میں تمھیں ہرگز نہیں بچاتا لیکن تم... سنا بُو کے لیے میرے بیٹے ہو۔ کیا تم یہ سوچ بھی سکتے ہو کہ میں تمھیں کسی ایسے شخص کے ہاتھوں نقصان پہنچنے دوں گا جس نے بھیڑ کی کھال پہن رکھی ہو۔"

"تب پھر بکیریا لے کر یہاں سے چلیں۔" ٹائیگر نے پھر تجویز پیش کی اور پھر وہ حیرت زدہ رہ گیا کیونکہ اوشان سر ہلا رہا تھا۔

✠

"نہیں۔" ٹائیگر نے خود ہی کہا۔ "آپ نہیں جائیں گے کیونکہ آپ ایک معاہدے کے تحت شیخ کی مدد کے پابند ہیں۔"

اوشان نے پھر سر ہلا دیا۔ لیکن اس تمام تر صورتحال کے باوجود ٹائیگر خود کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا سبز اور بڑی بڑی خوبصورت آنکھوں والی وہی عورت اس کو دیکھے جا رہی تھی۔ ٹائیگر نے ایک لمحہ ہی تک اسے دیکھا اور پھر سر ہلا کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔ چند لمحے بعد وہ اپنے خیمے میں داخل ہو رہا تھا۔

اگلے ہی لمحے اُس نے گُربہ پا اوشان کو اپنے خیمے میں پایا۔ اُس نے اوشان کے قدموں کی آہٹ تک نہ سُنی تھی لیکن پلٹا تو اوشان موجود تھا۔

"بات ہو گئی؟" اوشان نے کہا۔

"کیسی بات؟" ٹائیگر کو اس کے اس انداز پر حیرت نہ ہوئی

"میں نے شیخ سے بات کر لی ہے وہ تمھارے شہر جانے اور وہاں سے فوج آنے پر معترض نہیں۔ تم وہ فوج لے کر آؤ میں اس کی فوج کو تربیت دوں گا اور پھر لڑائی ہو گی، قدیم زمانوں کی یاد تازہ ہو جائے گی۔"

"میرا خیال ہے کہ ہم اس سے زیادہ توقع بھی نہیں کر سکتے۔" ٹائیگر نے کہا جس کی توثیق اوشان نے سر ہلا کر کی۔

"تم ابھی روانہ ہو جاؤ ٹمے۔" اس نے ٹائیگر سے کہا۔

"میرا خیال بھی یہی ہے۔" ٹائیگر نے دھیرے سے کہا۔ "لیکن کہیں ایسا تو نہیں کہ میرے جاتے ہی بکیریا تیل کے کنویں میں ڈال دیا جائے۔"

"نہیں۔ شیخ تیل کی بربادی سے قبل جنگ کے بارے میں اپنے قول پر پورا اُترے گا۔ وہ لڑائی کے لیے بہت بے چین ہے تاکہ اس کے قدیم فنونِ حرب جدید طریقۂ حرب پر غالب آ سکیں۔ وہ چاہتا ہے کہ میں اس کے بیٹے کو فنونِ حرب کی تربیت دے کر کمانڈر بنا دوں۔"

"لیکن لٹل فادر!" ٹائیگر مسکرانے لگا۔ "کیا یہ عجیب نہیں لگے گا کہ میں ایک ایسی فوج کی قیادت کروں جو آپ کے خلاف ہو گی۔"

"قہ قہ قہ۔" اوشان بے ساختہ طور پر ہنس پڑا۔ "وہ فوج کتنی مظلوم ہو گی جس کی قیادت تم کرو گے۔"

"خیر چھوڑیں۔" ٹائیگر بھی خفت کے مارے ہنسنے پر مجبور ہو گیا۔ "کیا آپ کو علم ہے کہ اس تیر کے پیچھے اصل ہاتھ کس کا تھا؟"

"بالکل معلوم ہے۔" اوشان نے فوراً جواب دیا۔

"شیخ کے وزیر کا۔"

"جب میں بتا چکا ہوں کہ مجھے معلوم ہے تو پھر تم کیوں بتا رہے ہو؟"

"میں یہ یقین کر لینا چاہتا تھا کہ آپ کو اصل کردار کا علم ہے۔" ٹائیگر نے وضاحت پیش کی۔ "میں چاہتا ہوں کہ آپ محتاط رہیں۔ کیا شیخ کو بھی آپ نے اس بارے میں بتا دیا ہے؟"

"نہیں۔ پیشہ ور جنگجوؤں کے لیے یہی بہتر ہوتا ہے کہ ان کے آقا کو کچھ بھی علم نہ ہو۔ لیکن کیا تمھیں اس کا علم ہے کہ اس نے تمھارے قتل کا حکم کیوں دیا؟"

"مجھے پتا نہیں۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ "شاید اس لیے کہ میں شیخ کے منصوبوں کے مخالف ہُوں۔"

اوشان نفی میں سر ہلانے لگا۔ "نہیں۔ اصل بات یہ نہیں ہے۔"

"پھر بھی۔ اس پر نظر رکھیے گا۔" ٹائیگر نے ایک بار پھر اوشان کو شیخ کے وزیر کی طرف سے خبردار کیا۔

"فکر مت کرو۔ میرے پاس اگرچہ صرف دو آنکھیں ہیں لیکن وہ تم سمیت ہر ایک پر رہتی ہیں۔ خدایا! کتنا کام لیتا ہوں میں ان بے چاری آنکھوں سے۔"

"یہ ماسٹر کی آنکھیں ہیں لٹل فادر!" ٹائیگر زیرِ لب مسکراتا ہوا بولا۔ "انھیں بے چاری نہ کہیں۔"

اوشان کے چہرے سے صاف ظاہر تھا کہ وہ اس تبصرے سے بہت خوش ہوا ہے۔ اُس کی بے چاری آنکھیں چمکنے لگی تھیں اور چہرے پر عجیب سی مسکراہٹ دوڑ گئی تھی۔

✠

"ہم اسے تیل تباہ کرنے کی اجازت نہیں دے سکتے۔" ریلوا نے کہا۔ اس وقت وہ اپنی رولز رائس کی عقبی سیٹ پر نیم دراز تھی۔ اس طرف کا دروازہ بھی کُھلا ہوا تھا لیکن ٹائیگر نے عقبی سیٹ پر بیٹھنے کی یہ کُھلی دعوت قبول نہ کی اور اگلی نشست پر بیٹھ گیا۔ "وہ گردن والا آسکر ساکت بیٹھا ہوا تھا۔

"یہ بات تمھیں اس وقت سوچنی تھی جب تم نے اپنے پاگل بھائی کو فیکٹری میں کُھل کر کھیلنے کے لیے چھوڑا تھا ریوا!

اُسی نے بکیریا کی کھیپ تیار کر کے روانہ کی اور تباہی کا سامان کیا۔" ٹائیگر کا لہجہ تلخ تھا۔

"ہاں۔ اس کا میں اعتراف کرتی ہُوں۔" ریلوا نے ایک طویل سانس لے کر جواب دیا۔ "کاش مجھے علم ہوتا کہ بکیریا اس وقت کہاں ہے۔ ہمیں ہر قیمت پر اس کا استعمال روکنا ہے کیونکہ میں ابھی تک متبادل ایندھن پولی پوسائیڈ تیار نہیں کر سکی ہوں۔"

"اگر تیل تباہ ہو گیا تو ہمیں انسانیت کی خدمت کے لیے پولی پوسائیڈ کی قیمت کم کرنی ہو گی یا..."

"یا اس کی پیداواری قیمت میں بہت زیادہ کمی کرنا پڑے گی۔" ریلوا نے متبادل تجویز دی۔

"اور یہ کام کب کیا جائے گا؟" ٹائیگر نے پوچھا۔ "تم کوئی اور جرثومہ ایسا تیار کر سکتی ہو جو بکیریا کو تیل سے چوس کر پھینک دے اور تیل کے ذخائر تباہ نہ ہو سکیں۔ میری مراد بکیریا کے توڑ سے ہے۔"

"نہیں۔ اس کی ضرورت نہیں۔" وہ ٹائیگر کی طرف دیکھ کر تیزی سے بولی۔ اُس نے ٹائیگر کی آنکھوں میں جم لینے والی خوفناک چمک نہیں دیکھی تھی۔ "تم یقین کرو کہ پولی پوسائیڈ کی قیمت کم ہو سکتی ہے۔ تیل کی قیمت اس واقعے کے بعد اتنی چڑھ جائے گی کہ پولی پوسائیڈ مارکیٹ میں اس قیمت کا مقابلہ کر سکے گا۔"

"اور اس کے لیے تم تیل کمپنیوں سے گٹھ جوڑ کر کے قیمتیں بڑھاتی رہو گی۔"

"ہاں۔ لیکن صرف کُھلی مارکیٹ میں۔" ریلوا نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔ "تیل کی وہ قیمتیں خراب اثرات مرتب کرتی ہیں جن میں حکومتیں اضافہ کریں۔" یہ کہہ کر وہ سیدھی بیٹھی اور پھر اُس نے ٹائیگر کی طرف جُھک کر اپنا ہاتھ اس کے کندھے پر رکھ دیا۔ "فی الوقت بکیریا کا استعمال روکنا ضروری ہے اور اس کا سارا دارومدار تم پر ہے۔"

"میں تو صرف اور صرف اپنا فرض ادا کروں گا۔" ٹائیگر نے سر جھٹکتے ہوئے جواب دیا۔

"اوہ۔ ابھی تک تم نے یہ تو بتایا ہی نہیں کہ تم کس کے لیے کام کر رہے ہو؟"

"مجھ سے سوالات مت کیا کرو ریوا۔ میں جھوٹے جواب دینے کا عادی نہیں ہوں۔"

"کیا تم بوڑھے اور اُس کی فوج سے نمٹ سکتے ہو؟"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ہمارے اپنے گلی کوچوں میں ہونے والا تماشائے آہن و سنگ
ہمارے آپ کے گرد بکھرے ہوئے کرداروں کی داستان ہزار رنگ

سرکش

محمود احمد مودی
کے ایڈونچرس قلم سے

12 حصّوں میں شائع ہوگیا ہے۔

قیمت
مکمل سیٹ : -/۷۲۰ روپے

مکتبہ القریش، سرکلر روڈ، اردو بازار، لاہور، فون: ۷۶۶۸۹۵۸

"پتا نہیں۔ ویسے نتیجے کا انحصار شیخ کی فوج کی کارکردگی پر ہوگا۔"

"اُس کی فوج کو علاقے کی سب سے جنگجو قوت سمجھا جاتا ہے۔" ریوانے وضاحت کی۔ "سب سے مؤثر جنگی قوت۔"

"یہ کوئی خاص خراجِ تحسین نہیں۔" ٹائیگر نے مسکرا کر کہا۔

*

مشرقی فوجی اڈے کے پھول کا ستارہ نہمند شہر سے باہر تین میل دُور تھا۔ چار فوجی نگران چوکی کے اندر پہرہ دے رہے تھے اور یہ چوکی مرکزی پھاٹک پر واقع تھی۔ اسکر نے گاڑی نہیں روکی اور نہ ہی فوجیوں نے رولز رائس کو رُکنے کا اشارہ کیا مگر ٹائیگر نے گاڑی روکوالی۔ وہ یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ اُسے جس فوج کی قیادت کرنی ہے وہ کیسی ہے اور اس کے جوان کیسے ہیں؟ اس نے دیکھا کہ پہرہ دینے والے دراصل تاش کھیل رہے تھے۔ کسی نے بھی اُس کی طرف نہیں دیکھا لہٰذا اُس نے خود ہی آواز لگائی۔ "ارے یہاں کوئی ہے؟"

"تم کون ہو؟" ایک فوجی نے سر اُٹھا کر دیکھا۔

"یہ سوال تمھیں اس وقت پوچھنا تھا جب میں کار سمیت اندر گھس آیا تھا۔" ٹائیگر نے سخت لہجے میں کہا۔

"میں سمجھا تھا کہ تم ہمارے افسر ہو۔" گارڈ نے وضاحت پیش کی۔

"کیوں؟"

"اس لیے کہ ہمارے اعلیٰ افسر رولز رائس ہی میں آتے ہیں۔ اب فوجی چوکس ہو چکا تھا۔" "تم کون ہو؟"

"میجر شہزاد احمد۔"

"اندر جانا چاہتے ہو؟"

"ہاں۔" ٹائیگر حیرت زدہ رہ گیا۔

"تب پھر اس کتاب پر دستخط کردو۔" گارڈ نے ایک کتاب کھول کر دی۔ "ایک بات کا خیال رکھنا! تاش کھیلنے والے ضروری نہیں کہ بُزدل یا عقل کے اندھے ہوں۔"

ٹائیگر مزید کسی چیکنگ کے کیمپ کے مین روڈ پر پہنچ گیا رولز رائس اب پھر دوڑ رہی تھی۔ سڑک کے دونوں طرف اطالوی انداز کی عمارتیں بنی ہوئی تھیں اور پھر ایک جگہ چوکیں فوارہ بھی نظر آنے لگا۔

اچانک ہی دائیں طرف جیٹ فائٹرز کے ہینگرز نظر آنے

لگے جو سب ہی بھرے ہوئے تھے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ کوئی بھی طیارہ فضا میں نہیں ہے۔ اس کے بعد ایک میدان میں سیکڑوں ٹینک ملے۔ ان پر گرد جمی ہوئی تھی۔ تب ہی ٹائیگر کو یاد آگیا۔ اسرائیل ہر مرتبہ عربوں کو زک کیوں پہنچاتا ہے۔

ایک جگہ کار پارکنگ ایریا ملا جہاں کئی کاریں کھڑی ہوئی تھیں۔ قریب ہی لکڑی کی نگران چوکیوں پر دو گارڈ چوکس کھڑے ہوئے تھے۔

"تم یہیں انتظار کرنا۔" ٹائیگر نے ریوا سے کہا اور نگران چوکیوں سے چوکس گارڈز کی نظروں سے بچ کر عمارت میں داخل ہوگیا۔ اُسے سکیورٹی کے نظام پر سخت دکھ ہوا تھا۔ اُسے یاد تھا کہ سعودی عرب اور دیگر عرب امارات کے فوجی اڈوں پر کس قدر شاندار اور ناقابلِ تسخیر سکیورٹی ہوتی ہے... مگر اس جگہ ... اس جگہ اُسے ایسا لگ رہا تھا جیسے کمانڈر کو کوئی فکر نہیں تب ہی اچانک اُسے یاد آیا کہ اس ملک کا دفاعی نظام غیر ملکیوں پر مشتمل ہے۔ یہ واحد مملکت ہے جہاں مقامی یا مسلمان باشندے فوجی قیادت میں شامل نہیں۔

وہ یہی کچھ سوچتا ہوا ایک کمرے کے سامنے ٹھٹک کر رُک گیا۔ اس پر لکھا تھا۔ "آفس آف دی کمانڈنگ جنرل۔"

اُس نے دروازے پر ہاتھ رکھا تو وہ کھلتا چلا گیا۔ باہر موجود محافظوں نے اُسے روکا ٹوکا تک نہیں۔

اندر کا منظر آنکھوں کو خیرہ کردینے کے لیے کافی تھا۔ بس ایسا لگتا تھا جیسے وہ کسی فرسٹ کلاس لندن ہوٹل میں ہے۔ دیواروں پر نقشوں کی بجائے خوبصورت طلائی ظروف سجے ہوئے تھے۔ اسپاٹ لائٹس تھیں۔ ماحول کسی ڈسکو کلب سے مختلف نہ تھا۔

ایک جگہ ڈسکو لائٹس نے نام بنا رکھا تھا۔ "جنرل جوناتھن وینٹ ورتھ بل۔"

جنرل بل اس کمرے میں نہیں ملا بلکہ وہ ایک بغلی کمرے میں تھا لیکن اس تک پہنچنے کے لیے اس کو چھ خوبصورت اور حسین ترین امریکی عورتوں کے قریب سے گزرنا پڑا۔ وہ شاید سب ہی جنرل کی سیکرٹری تھیں۔

جنرل جنیز اور سفید جوتوں میں تھا۔ اس کی قمیص پر ریڈ ڈریگون بھی بنا ہوا تھا۔ یہ جنرل تھا۔ کمانڈنگ آفیسر!!

ٹائیگر کا خون کھول اُٹھا۔ مسلمانوں کی دولت پر گلچھرے اُڑانے والوں کو دیکھ کر اُس کی کنپٹیاں سلگ اُٹھیں۔ جنرل کی پشت جس پر ڈریگون بنا ہوا تھا، ٹائیگر کی طرف تھی اور پہرکھڑکی کی نگر پر رکھے ہوئے تھے۔ جنرل کی ڈیسک کے قریب ہی ایک مقامی کیپٹن بیٹھا ہوا تھا اور اس کے تاثرات سے صاف ظاہر تھا کہ وہ جھلایا ہوا ہے۔

"جنرل!" نوجوان کیپٹن کہہ رہا تھا۔ "میں آپ سے آرڈی ۱۲۲ اے کے بارے میں گفتگو کرنے آیا ہوں۔"

"یہ کیا بلا ہے؟" جنرل نے پلٹے بغیر پوچھا۔

"دشمن کے حملہ آور تیاروں کو تباہ کرنے والا سواصلاتی نظام۔"

"زور سے مت بولو کیپٹن احمر!" جنرل نے اُسے گھرک کر کہا۔ "میں سُن رہا ہوں۔ بعض اوقات ایسا لگتا ہے کہ تم ترے بدتمیز ہو گے کبھی ترقی نہیں کرسکو گے۔ سوال یہ ہے کہ کیا ہمارے لوگ اس نظام کو خریدنے کے لیے بیس ملین ڈالر خرچ کرسکیں گے؟"

"میں سمجھا نہیں جنرل۔"

"قومی سلامتی کے لیے اتنی رقم خرچ کرسکو گے؟"

"دفاعِ وطن کے لیے اس سے بھی زیادہ رقم خرچ کی جاسکتی ہے جنرل۔ سر۔"

"میں نے تجویز پیش کی ہے کہ اب کوئی سواصلاتی نظام خریدنے کی بجائے تو ہمیں خرید ہی جائیں۔ میرا بہنوئی ایسی ٹویوں کی خرید و فروخت میں معقول کمیشن لے کر تم لوگوں سے تعاون کرسکتا ہے اور۔"

"بے کار اور غیر مؤثر تو ہمیں خرید لو تاکہ اسرائیل کو تم سے کوئی خطرہ نہ ہو۔" ٹائیگر اچانک ہی بولا۔ دونوں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ کیپٹن احمر کے چہرے پر واضح طور سے خوشگوار حیرت کے تاثرات تھے جب کہ جنرل غصّے میں تھا۔

"تم کون ہو؟"

"صلاح الدین ایوبی کا جذبہ۔" ٹائیگر نے دانت پیس کر کہا۔

"ایں!" جنرل اُچھل پڑا۔ اس کے چہرے کے آثار نمایاں ہوگئے۔ شاید بچپن میں پڑھی ہوئی تمام کہانیاں اچانک یاد آگئی تھیں۔

کیپٹن احمر کی آنکھیں چمکنے لگیں۔

"تم یہاں داخل کیسے ہوئے؟" جنرل دہاڑا۔

"ٹہلتا ہوا۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔

"کیا چاہتے ہو؟" جنرل کھڑا ہوگیا۔

"جنگ۔" ٹائیگر نے کہا۔

"جنگ!!" جنرل بل کے حلق سے عجیب سی آواز نکلی

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"یہ کیا بات ہوئی؟"

"جنگ کی بات کر رہا ہے جنرل سر!" کیپٹن احمر نہ جانے کیوں ٹائیگر میں عجیب سی کشش محسوس کر رہا تھا۔ غیر ملکیوں کے اس اڈے میں آمد کوئی خاص بات نہ تھی کوئی سیکورٹی سسٹم نہ تھا لیکن جب ملک کا سربراہ یا وزیر آتا تھا تو انتہائی مؤثر انتظامات کر لیے جاتے تھے تاکہ وہ سکون سے معائنہ کریں اور مطمئن ہو کر واپس چلے جائیں۔ ایسے معائنے بالعموم سالانہ ہوتے تھے۔ ان غیر ملکی فوجی مشیروں نے ایسا ماحول بنا رکھا تھا کہ محکمین مملکت کی جنگی صلاحیتوں سے مطمئن بھی رہیں اور بے خبر بھی۔ کیپٹن احمر اگرچہ اس صورت حال سے بے چین رہتا تھا لیکن وہ اُف بھی نہیں کر سکتا تھا کیونکہ اعتراض کی صورت میں اُسے کورٹ مارشل کا سامنا کرنا پڑتا اور اگر کورٹ مارشل ہوتا تو ایک ایسی رپورٹ تیار ہونے سے رہ جاتی جو اس فوجی اڈے کے بارے میں تھی اور یہ رپورٹ اُسے فردوس کی فوج کے چیف آف جنرل اسٹاف کو پیش کرنی تھی جس سے اُسے خاص طور سے کسی نہ کسی طرح مملکت میں ملازمت دلوائی تھی اور فردوسی مدد کے اثر و رسوخ کی بنا پر وہ مملکت کے وزیر خارجہ کا اے ڈی سی لگ گیا تھا۔ وہاں پھر فردوسی اثر نے کام دکھایا اور مملکت کے شیخ نے اُسے سرگرم فوجی خدمت کے لیے اڈے میں بھیج دیا۔ جنرل ابھی تک کیپٹن احمر کو صرف اس لیے برداشت کر رہا تھا کہ وہ دربار کا خاص آدمی تھا۔

"یہ شخص جنگ کی بات کر رہا ہے جنرل سر!" احمر نے پھر کہا۔ "ایسی جنگ جو دو دشمن افواج کے درمیان ہوتی ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ ہم پہلے ایک دوسرے کو اچھی طرح سمجھ لیں۔" ٹائیگر نے کہا۔

"بالکل درست۔" جنرل بچوں کی طرح خوش ہو کر بولا۔ "تم جانتے ہو کہ محض اس علاقے کے تیل کی وجہ سے عیاشیاں کر رہے ہو۔"

"ایسی کوئی بات نہیں۔" جنرل نے فوراً تردید کرنا چاہی لیکن ٹائیگر نے اُس کی بات کاٹ دی۔

"یہی بات ہے جنرل! مملکت میں تیل پیدا ہوتا ہے اسے فروخت کیا جاتا ہے اور اس کی فروخت سے ہونے والی آمدنی میں سے تمہیں موٹی موٹی تنخواہیں دی جاتی ہیں۔ تم اپنے ہتھوٹی کو بھاری کمیشن دلوا کر فوجی اسکول کے نام پر کاٹھ کباڑ خریدواتے ہو۔"

"نہیں۔"

"ہاں۔ ہاں۔" ٹائیگر نے جو واقعی طیش میں تھا جنرل کے کان کی لو پکڑ لی۔

"ہاں۔ ہاں۔" جنرل کراہنے لگا اور احمر کی آنکھیں حیرت سے پھٹی رہ گئیں۔ اتنا براہ راست طریقہ اُسے بھی نہیں معلوم تھا۔

"تم... تم کرنل بننا چاہتے ہو... میں بناؤں گا... لیکن کان تو چھوڑو۔"

ٹائیگر نے کان چھوڑ دیا۔

"ٹھیک ہے۔" جنرل نے کان مسلتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔ ٹھیک ہے۔" ٹائیگر نے مسکرا کر کہا۔ "تم لوگ تیل کی آمدنی کھا رہے ہو لیکن کوئی شخص تیل کو تباہ کرنے کے درپے ہے۔"

"میں ایسے ہر شخص کو برباد کر دوں گا۔" جنرل نے اُسے یقین دلایا۔ "لیکن تیل تباہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

"مجھے معلوم ہے اور میں دیکھ بھی چکا ہوں کہ تیل کس طرح تباہ ہوتا ہے۔"

"اور اگر ہمارا یہ تیل تباہ ہو گیا تو ہمیں تنخواہیں نہیں ملیں گی۔" جنرل بل نے اس بار قدرے تحمل لہجے میں کہا۔

"درست۔"

"کیپٹن!" جنرل نے پھر چیخ کر کہا۔ "فضائیہ اور ٹینکوں کو تیار رہنے کا حکم دو۔"

"بہت بہتر جناب۔" کیپٹن احمر اٹینشن ہو گیا۔

"کتنے ہوا باز دستیاب ہیں؟"

"تمام امریکی ہوا باز چھٹی پر گئے ہوئے ہیں جناب اور ہر ایک کی چھٹی آپ ہی نے منظور کی ہے۔"

"اوہ۔" جنرل کے غبارے سے ہوا سی نکل گئی۔

"کیا کوئی مقامی ہوا باز نہیں؟" ٹائیگر نے حیرت سے کیپٹن کی طرف دیکھا۔

"نہیں۔" کیپٹن نے ٹائیگر کو ہی جواب دیا۔ اُس کا چہرہ کسی اندرونی جوش سے تمتما رہا تھا۔ "ایک نوجوان فضائیہ میں آیا تھا لیکن فضائی مشقوں کے دوران اُس کا طیارہ تباہ ہو گیا اور وہ بھی مر گیا۔"

"بات یہ ہے کہ یہاں کے لوگ ہوا باز بننا ہی نہیں چاہتے۔" جنرل نے کہا۔

"مگر ہمارا مقابلہ کس سے ہوگا؟" کیپٹن احمر نے پوچھا۔

"ایک قبیلے سے۔" ٹائیگر نے جواب دیا

"یہاں کوئی قبیلہ ہم سے جنگ نہیں کر سکتا۔" جنرل بل نے سینہ پھلا کر کہا۔

"مگر ایک قبیلہ جو تلواروں نیزوں اور گھوڑوں کے سوا کچھ نہیں ہے۔ جنگ کی تیاریاں کر چکا ہے۔"

"تب پھر ٹینکوں کے نیچے روند دیے جائیں گے۔" جنرل نے کہا۔ "کیپٹن احمر ٹینکوں کی قیادت کرے گا..."

"نہیں۔" ٹائیگر نے فوراً انکار کر دیا۔ "میں یہ نہیں چاہتا کہ کیپٹن احمر بھی مقامی ہوا باز کی طرح ہلاک کر دیا جائے۔"

احمر کی آنکھیں چمکنے لگیں مگر یہ بات جنرل کی گنجی چندیا کے اوپر سے پھسلتی ہوئی گزر گئی۔

"ٹینکوں کی قیادت میں خود کروں گا اور تم بھی میرے ساتھ چلو گے جنرل۔"

"میں۔" جنرل کا چہرہ مرخ ہو گیا۔ "دیکھو اب تک میں تمہاری باتوں میں محض مملکت اور تیل کے مفاد میں دلچسپی لے رہا تھا مگر اب انتہا ہو گئی ہے۔ بھلا میں تمہارے ساتھ کیوں چلوں؟"

"تاکہ جنرل کو اپنے ساتھ دیکھ کر فوجیوں کے حوصلے بڑھ جائیں۔"

"مجھے فوج کی اس پرانی کہاوت سے سخت نفرت ہے کہ کمانڈر کو ساتھ دیکھ کر فوجی حوصلہ پاتے ہیں۔" جنرل بل نے چیر بچنے کی کوشش کی۔ "جنرل فوج کی قیادت کرتے ہوئے اگر ہلاک ہو جائے تو؟"

"اگر جنرل میدان میں نہیں نکلا تو پھر ہمیں مر جانے کا۔" ٹائیگر نے غرا کر کہا۔ اس کی غراہٹ اتنی خوفناک تھی کہ کیپٹن احمر بک کانپ اٹھا اور جنرل کا چہرہ سُت گیا۔ وہ کسی کو مدد کے لیے بھی نہیں بلا سکتا تھا کیونکہ ٹیلی فون دور تھا اور گھنٹی کے قریب کیپٹن احمر کھڑا ہوا تھا جو اس اجنبی نوجوان کا ساتھ دے رہا تھا۔

"چلوں گا۔ میں ضرور چلوں گا۔" جنرل نے بڑی بے بسی سے کہا۔ "تمہارا نام کیا ہے؟"

"میجر شہزاد۔"

"یونٹ؟"

"انٹرنیشنل۔" ٹائیگر نے مختصر سا جواب دیا۔

✣

جنرل جونا تھن وینٹ ورتھ بل نے یہ دیکھ کر کہ اُسے بھی جانا پڑے گا پوری فوج کو طلب کر لیا مگر بسیج دس بجے تک دو سو افراد جمع ہو سکے۔

"کیا پوری نفری یہی ہے؟" ٹائیگر نے بڑی حیرت کے ساتھ پوچھا۔

"نہیں۔ اور بھی بہت سے ہیں۔" جنرل نے جواب دیا۔ "لیکن انھیں لام بندی کے اس اعلان کا بروقت علم نہ ہو سکا۔ میرا خیال ہے کہ سہ پہر تک ایک ہزار تو جمع ہو ہی جائیں گے۔"

"شیخ کے پاس بھی ایک ہزار افراد ہیں۔" ٹائیگر نے کہا۔

"اگر گیارہ سو افراد جمع کر لوں تو کیا میں یہیں بیٹھ کر کان نہیں کر سکتا۔" جنرل بل کو روشنی کی ایک کرن نظر آئی۔

"نہیں۔"

"کیوں نہیں۔" جنرل نے پیر پٹخ کر کہا۔

"تمہارا کان دوبارہ دباؤں جنرل بل؟" ٹائیگر نے دھمکی آمیز لہجے میں پوچھا۔

"اتنا جارحانہ انداز مناسب نہیں میجر!" جنرل بل فوراً بلی بن گیا۔ "ابھی جنگ شروع بھی نہیں ہوئی ہے۔"

"مگر جنگ میں یہ لوگ کیا کر سکیں گے؟" ٹائیگر نے ان ایک سو فوجیوں کی طرف دیکھا جن میں سے بیشتر آپس میں باتیں کر رہے تھے اور کچھ زمین پر لیٹے ہوئے تھے۔

"میرا خیال ہے کہ ان میں سے ایک جمبو ایکسپرٹ ہے۔" جنرل نے جواب دیا۔ "بعض چاقو کا جتہ فن استعمال جانتے ہیں۔ سب کے پاس رائفلیں ہیں، بعض تو کھڑی ہونی کاروں کے اوپر سے بھی چھلانگ لگا لیتے ہیں۔"

اسی لمحے ٹائیگر کو ٹائپنگ کی سی آواز سنائی دی۔

"یہ آواز کیسی ہے؟" اُس نے فوراً پوچھا۔

"یہ فوج کی پریس ایجنٹ ہے۔ مضمون تیار کر رہی ہوگی۔" جنرل بل نے بڑے فخریہ انداز میں جواب دیا۔

"پریس ایجنٹ؟"

"ہاں۔ ظاہر ہے کہ اس معرکے کی تشہیر بہت ضروری ہوگی۔ بہت خوبصورت لڑکی ہے۔"

"کیا نام ہے اس کا؟" ٹائیگر کو مبہم سا احساس ہوا کہ غیر ملکیوں نے مخبری کا بہت شاندار انتظام کر رکھا ہے تاکہ مملکت میں ہونے والی چھوٹی سی بات بھی سمندر پار پہنچ سکے۔

"دراصل وہ پریس ایجنٹ نہیں معافی ہے۔" جنرل بل نے جواب دیا۔

"ذرا بلاؤ تو۔ ممکن ہے کہ جنگ میں لڑ سکے۔ ہم اسے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

میدان جنگ میں قائم مقام کمانڈر انچیف بھی بنا سکتے ہیں۔"

"چلو۔" جنرل نے کہا اور وہ عمارت کے وسطی حصے کی طرف جانے لگے۔ جنرل کو آتا دیکھ کر بہت سے فوجی بھاگ نکلے۔ ہیڈ کوارٹر بلڈنگ کے قریب ایک سٹینڈ میں چھوٹی سی میز رکھی ہوئی تھی جس کے پیچھے ایک عورت بیٹھی ہوئی تھی اس کے دانتوں میں پنسل دبی ہوئی تھی اور اسی پنسل سے وہ ٹائپ کر رہی تھی۔

"کیا یہ ہاتھوں سے ٹائپ رائٹر استعمال نہیں کر سکتی؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"نہیں۔"

"کیوں نہیں۔ ویسے یہ ہے کون؟"

"میلوڈی ویک فیلڈ۔ بوسٹن بلیڈ سے تعلق رکھتی ہے۔"

"اوہ۔ اب سمجھا۔" ٹائیگر نے سر ہلا کر کہا۔ "میں نے ایک مرتبہ اس نام کی خبر کا مطالعہ کیا تھا۔ کیا یہ تمہارے ساتھ ہے؟"

"نہیں۔ دراصل یہ لڑکی اسرائیل کی سخت دشمن ہے اگرچہ میں نے اس کی بھی ہوئی خبریں خود کبھی نہیں پڑھیں لیکن میرا خیال یہی ہے کہ اسے اسرائیلیوں سے نفرت ہے۔"

"مگر اسے اسرائیل سے نفرت کیوں ہے؟"

"پتا نہیں۔" جنرل بل نے اکتا کر جواب دیا۔ ٹائیگر نے میلوڈی کو بغور دیکھا جو اب پنسل دانتوں سے نکال کر دانتوں کی مدد سے ٹائپ رائٹر سے کاغذ نکال رہی تھی۔ اس نے یہ کاغذ دوسرے کاغذوں کے اوپر رکھا اور اس کے بعد بنک کی مدد سے ایک چھوٹا سا پیپر ویٹ ان کاغذوں کے اوپر سرکا دیا۔ پھر اس نے زبان سے ایک کاغذ چپکا کر اٹھایا، کاغذ کو ٹائپ رائٹر میں رکھا اور کیرج رولر کو دبایا۔ اس طرح کاغذ ٹائپ رائٹر میں داخل ہو گیا۔ اس نے پنسل پھر دانتوں میں دبائی اور ٹائپنگ شروع کر دی۔ ٹائیگر حیرت سے سر ہلاتا ہوا میلوڈی کے عقب میں آ گیا جو کسی اور طرف بھی نہیں دیکھ رہی تھی۔ اس کے دونوں ہاتھ ٹیکٹ کی بھیموں میں تھے۔ ٹائیگر نے جھک کر خبر دل کو پڑھا۔

"امریکی ذرائع ابلاغ نے دراصل اسلام کو ایک انتہائی ظالم مذہب بنا کر پیش کیا ہے۔"

اسی لمحہ اسے اپنے قریب ٹائیگر کی موجودگی کا احساس ہوا تو اس نے چونک کر سر اٹھایا۔

"شاندار۔" ٹائیگر نے مسکرا کر کہا۔ "اچھی بات لکھی ہے۔"

"ہاں۔" میلوڈی نے پنسل چھوڑ کر مسکراتے ہوئے کہا۔ اور پھر اسے بھی امریکی سمجھ کر آنکھ ماری۔ "دراصل میری یہ کتاب صرف مشرق وسطیٰ میں اشاعت کے لیے ہے۔"

"ہوں۔" ٹائیگر مسکراتا رہا۔ اسے یاد آ گیا کہ اس نے میلوڈی ویک فیلڈ کی باقی لائنیں بوسٹن بلیڈ میں دیکھی تھیں اور یہ اخبار اس کے دادا کا تھا جو مر چکا تھا۔

"لیکن سوال یہ ہے کہ تم ہاتھوں سے ٹائپ کیوں نہیں کرتیں؟"

"ہاتھ؟" وہ مسکرائی۔ اس نے جیبوں سے بازو نکال لیے تو ٹائیگر نے دیکھا کہ اس کے ہاتھ کہنیوں پر ختم ہو جاتے ہیں۔

"اوہ۔ سوری۔ تمہارے ہاتھ کس طرح ضائع ہوئے؟" ٹائیگر نے بڑی ہمدردی سے پوچھا۔

"میں نے ایک عرب ملک میں چار مرتبہ چوری کی تھی جس کے الزام میں میرے ہاتھ کاٹ دیے گئے۔"

"کیا چوری کیا تھا۔"

"پہلی مرتبہ ایک ہیرا، دوسری مرتبہ ایک شیشہ کا لباس، تیسری مرتبہ اسی عورت کے جواہر اور آخری مرتبہ ایک مسجد کا فانوس۔"

ٹائیگر سر پر ہاتھ پھیر کر رہ گیا۔

"پھر کتاب میں اسلام کی تعریف کیوں لکھ رہی ہو؟"

"رقم بنانے کے لیے۔ کتاب کی ساری جلدیں عرب خرید لیں گے دام خرید کر مفت تقسیم کریں گے اور اخباروں میں شائع ہو گا۔ ایک غیر مسلم صحافی کی بے باک تحریر۔ تم کون ہو؟"

ٹائیگر نے اسے یہ بتائے بغیر کہ وہ مسلمان ہے جیل کے بارے میں ساری تفصیلات بتا دیں۔

"اوہ۔ جنگ ہو گی؟ مگر کس سے؟" وہ چونک کر بولی۔

"مقامی قبیلے سے۔"

"یعنی۔ اسرائیل سے نہیں!" وہ ایک طویل سانس لے کر بولی۔ اس کی آنکھیں چمکنے بھی لگی تھیں۔

"نہیں۔" ٹائیگر اس کی آنکھوں میں دیکھ کر بولا۔

"تب پھر میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گی۔"

"ٹھیک۔ تم اگلی کار میں چلنا۔"

"تھینک یو۔" میلوڈی نے ایک ادا کے ساتھ سر جھٹک کر کہا۔

*

"درست۔" اوشان نے کہا۔ "اب زقند بھر کر گھوڑے کی پشت پر سوار ہو جاؤ۔"

"میں چھلانگ نہیں لگا سکتا۔" شیخ کے ولی عہد عبدل نے جواب دیا۔ وہ ریشمیں قمیص اور پتلون پہنے ہوئے تھا۔

"سیکھو۔ یہی سیکھنے کا وقت ہے۔" اوشان نے پُرزور لہجے میں کہا۔ "کل تمہیں عسکر شیخ کی قیادت کرنی ہو گی۔"

"مجھے چھلانگ لگانی نہیں آتی۔" عبدل نے پھر کہا۔ "جب بھی چھلانگ لگانے کی ضرورت ہوتی ہے کسی کو بھی معاوضہ دے کر گھوڑا منگوا لیتا ہوں ایک دو ہفتے کی مہلت دے دو۔ لندن ٹائم میں اشتہار دوں گا تو چھلانگ لگانے والے ہاتھ باندھے یہاں تک دوڑے آئیں گے۔ اگر تم چاہو تو ایک کی بجائے دو، دو کی بجائے تین یا ان تمام افراد کو معاوضے پر حاصل کر لوں گا جنہیں چھلانگ لگانی آتی ہے۔"

"نہیں۔ یہ کام تمہیں خود کرنا ہو گا۔"

"کمال ہے۔ میرا تو پسینہ نکلنے لگے گا۔" عبدل نے احتراض کیا۔

"اگر تم نے چھلانگ نہیں لگائی تو میں تمہاری آنکھوں سے آنسوؤں کی شکل کا پسینہ نکال دوں گا۔"

"دھمکی دے رہے ہو؟" عبدل ہتھے سے اکھڑ گیا۔ اس کا خیال تھا کہ اس سوال کا جواب اسے نفی میں ملے گا اور پھر یہ بوڑھا معافی مانگنے کے لیے اس کے قدموں پر جھک جائے گا۔

"ہاں۔" اوشان نے اسے گھور کر جواب دیا۔

"تب پھر براہ مہربانی اس کی وضاحت بھی کر دو۔" اوشان کی ہاں پر عبدل کو اپنا لہجہ بدلنا پڑا تھا۔

"تم کل اپنے والد کی فوج کے قائد ہو گے۔" اوشان نے وضاحت پیش کرنے کے لیے حسب معمول گھما پھرا کر بات کرنے کا آغاز کیا۔ "اور فوج صرف اور صرف قائد کی تقلید کرتی ہے۔ اچھا فوجی کسی ایسے کمانڈر کی تقلید نہیں کرتا جو گھوڑے کی پشت سے گر جاتا ہو۔ تمہارا خیال ہے کہ میں تم پر سختی کر رہا ہوں لیکن یہ غلط ہے۔ میں ماسٹر آف سنابجو ہوں اور میرا مدیوں کا تجربہ یہ بتاتا ہے کہ تربیت کے دوران تکلیف بھی ہوتی ہے اور درد بھی۔ درد و تکلیف کے بغیر تربیت مکمل نہیں ہو سکتی۔"

"تب پھر صرف اتنا بتا دو کہ درد و تکلیف کہاں سے خریدی جا سکتی ہے؟" عبدل پر اب بھی تیل کی دولت کا اثر تھا۔

"گھوڑے پر چڑھو۔" اوشان بمشکل غصہ ضبط کر کے عبدل سے بولا۔

"نہیں۔" عبدل بھی اڑیل ٹٹو ثابت ہو رہا تھا۔

"تمہیں درد و تکلیف خریدنے کے لیے کہیں جانے کی ضرورت نہیں۔" اوشان غرا کر بولا۔ "میں تمہیں تھوڑا سا درد اور ذرا سی تکلیف مفت میں دے سکتا ہوں۔" ماسٹر نے انگشت شہادت جس کا ناخن لمبا تھا آگے بڑھائی اور اس سے عبدل کے سینے پر ہلکا سا ٹہوکا لگایا۔ اسی لمحے عبدل چلا کر اچھلا اور گھوڑے کی پشت پر پہنچ گیا لیکن اس کے دونوں پیر ابھی رکاب میں نہ تھے۔ اوشان اسے گھورتا رہا۔

"رکاب میں پیر رکھو۔" اس نے انگشت شہادت دھمکی آمیز لہجے میں ہلاتے ہوئے کہا اور صرف بیس سیکنڈ میں عبدل رکاب میں پیر رکھ کر گھوڑے پر سنبھل چکا تھا۔ اس نے اوشان کی طرف دیکھا گھوڑے کو ایڑ دی اور گھوڑا دوڑنے لگا۔

بیس گز دور جا کر گھوڑا رک گیا لیکن مسئلہ یہ تھا کہ عبدل کو گھوڑا گھمانا اور پلٹنا نہیں آتا تھا لہٰذا اس نے سر گھما کر اوشان کی طرف دیکھا۔

"میرا خیال ہے کہ تمہیں یہ علم نہیں کہ میں موجودہ شیخ کے بعد شیخ بنوں گا۔" اس نے اوشان کو للکارا۔

"اسی باعث تمہارے والد نے مجھے اتنی زحمت دی ہے۔" اوشان نے بڑا سا منہ بنا کر جواب دیا۔ "میں انہی کی درخواست پر تمہیں تربیت دینے کی کوشش کر رہا ہوں۔"

"مجھے کسی کوچ ٹرینر کی ضرورت نہیں۔" عبدل نے جھلا کر کہا۔ "امریکی انسٹرکٹر ہونا چاہیے۔ امریکی زیادہ مہنگے ثابت ہوتے ہیں اور غلاموں کی طرح نوکری کرتے ہیں۔"

اوشان کا دل تو چاہا کہ گھوڑے کو آواز دے کر اپنے قریب بلائے۔ عبدل کو گردن سے پکڑ کر پشت سے اتارے اور سزا دے لیکن نہ جانے وہ کیوں ضبط کیے رہا۔ عبدل نے گھوڑے کو پھر ایڑ دی اور گھوڑا دوبارہ دوڑنے لگا۔ اوشان کی چھوٹی چھوٹی آنکھیں عبدل پر ہی مرتکز رہیں۔ وہ توازن برقرار رکھنے کے لیے بری طرح اچھل رہا تھا۔

تب ہی اوشان کو عقب سے ایک آواز سنائی دی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا ایک خوبصورت عورت درختوں کے جھنڈ سے نکل کر اسی کی سمت میں آ رہی تھی۔

"میرا نام زیتون ہے۔" اس نے مترنم اور حیا آلود لہجے میں کہا۔ "میں اپنے خاوند کے رویے پر معذرت خواہ ہوں ماسٹر۔"

"میں اس حقیقت پر معذرت خواہ ہوں کہ میں نے اسے مزید ایک روز زندہ رہنے دیا محترم خاتون!" اوشان نے انتہائی سیدھے سادے انداز میں جواب دیا۔

"اگر عبدل تیار نہ ہوا تو کل ہم جنگ کس طرح لڑیں گے؟"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

زیتون نے پوچھا۔ اوشان نے اس کی آنکھوں کی طرف دیکھے بغیر محض ایک جھلک سے اندازہ لگا لیا کہ اس عورت کی آنکھیں روشن، سبز اور پُراعتماد ہیں۔

"پتا نہیں اب مجھے کچھ اور سوچنا ہوگا۔" اوشان نے دھیمے لہجے میں جواب دیا۔

"لیکن آپ اپنے بیٹے کے خلاف تو نہیں لڑ سکیں گے۔"

"آہ۔ تم شہزاد سے واقف ہو۔ وہ میرا بیٹا ہے۔ دل کا ٹکڑا ہے۔"

"جی ہاں۔ میں نے اُسے خبردار کر دیا تھا کہ بعض لوگ اس کی جان کے درپے ہیں۔"

"ہوں۔" اوشان کو عجیب سا احساس ہوا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ ٹائیگر کو حملے کی پیشگی اطلاع تھی لیکن پھر بھی اُس نے تیر کو نہ روکا اور یہ دیکھتا رہا کہ اوشان کیا کرتا ہے۔

"نہیں۔ میری بچی!" اوشان کے لہجے میں پیار اُمڈ آیا۔ "بھلا میں اپنے بیٹے پر کس طرح ہاتھ اُٹھا سکتا ہوں۔"

"شکریہ۔" زیتون کا چہرہ کھل اُٹھا پھر اُس نے ادھر اُدھر دیکھا۔ آس پاس کوئی نہ تھا لہٰذا وہ اوشان کے قریب آگئی۔ "اب میں آپ کو خبردار کرنا چاہتی ہوں کہ یہاں ایسے لوگ بھی ہیں جو آپ کو قتل کرنا چاہتے ہیں۔"

"ہاں۔ میں وزیر کی سرشت سے واقف ہوں۔"

"آپ۔ آپ کو کیسے علم ہوا؟" زیتون گڑبڑا کر بولی۔

"میں نے کئی مرتبہ یہ اندازہ لگایا ہے کہ وہ کن انکھیوں سے میری طرف دیکھتا رہتا ہے۔ میں نے اُس کی آنکھوں سے اس کی نیت کا اندازہ لگا لیا ہے۔"

"وہ عبدل کے ساتھ ہے۔ دونوں میں گٹھ جوڑ ہے اور ان دونوں ہی سے آپ کی زندگی کو خطرہ ہے ماسٹر!"

"لیکن عبدل کی بیوی ہوتے ہوئے بھی تم ایسی باتیں کیوں کر رہی ہو؟"

"اس لیے کہ وہ دونوں ہرا۔ سے شیخ کے خلاف بھی ہیں۔" زیتون نے پُراعتماد لہجے میں جواب دیا۔ "شیخ بہت نیک انسان ہیں۔ میں یہ نہیں چاہتی کہ اُنھیں کسی قسم کا نقصان پہنچے۔"

"تم فکر مت کرو۔" اوشان نے اُسے تسلی دی۔ "جب تک میں یہاں ہوں شیخ برادر کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ یہ میری ذمے داری ہے۔"

"شکریہ ماسٹر۔"

"شکریہ خوبصورت قلب خاتون۔" اوشان نے مسکرا کر کہا۔ "میں تمھاری وفاداری اور تمھارے حوصلے کا دل کی گہرائیوں سے معترف ہوگیا ہوں۔"

"لیکن کل کیا ہوگا؟" ہوا کی وجہ سے زیتون کی بائیک نقاب سرسرا رہی تھی۔

"کچھ بھی نہیں ہوگا۔" اوشان نے اُسے یقین دلایا۔

"آپ کے بیٹے کو تو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا؟"

"نہیں۔" اوشان نے پُراعتماد لہجے میں جواب دیا۔

"شکریہ تقدس مآب۔" زیتون نے کہا اور درختوں کی طرف واپس چلی گئی۔ اوشان پھر تنہا تنہا سا چلنے لگا۔ وہ نخلستان سے گزر کر خیمہ بستی میں آیا۔ وہ اب شیخ کو سب کچھ بتا دینا چاہتا تھا

✣

ٹائیگر نے بالائی منزل کی کھڑکی کی گرل پر پوزیشن لے رکھی تھی اور فوج کی ڈرل دیکھ رہا تھا۔ فوجیوں کی تعداد بڑھ کر اب ۷۵۰ ہو چکی تھی۔ ٹائیگر کو خوشی تھی ان میں سے پچاس افراد لیفٹ رائٹ اور مارچ کا مفہوم اچھی طرح سمجھ لیتے ہیں۔

اسی لمحے اس کمرے کا دروازہ کھلا جس کی کھڑکی پر ٹائیگر بیٹھا ہوا تھا اور کسی نے میلوڈی کو دھکا دے کر اندر گرا دیا۔ وہ لڑکھڑا کر فرش پر گر پڑی۔ ٹائیگر نے پلٹ کر دیکھا۔ تین مقامی فوجی بھی اندر داخل ہوئے تھے۔

"مجھے بتایا گیا ہے کہ تم نئے کمانڈر ہو۔" ایک فوجی نے اونچے لہجے میں پوچھا۔

"نہیں۔" ٹائیگر نے مسکرا کر جواب دیا۔ "میں نیا منتظم ہوں۔ بہرحال... بولو... کیا بات ہے؟"

"اس کمینی عورت نے ہمیں گمراہ کرنے کی کوشش کی ہے۔"

"اوہو۔" ٹائیگر نے حیرت سے کہا۔

"ہاں۔ اور اس کا دعویٰ تھا کہ پوری کمپنی کو اس سے کوئی شکایت نہیں ہوگی۔" فوجی نے کہا۔ "یہ کھلی فحاشی ہے کمانڈر۔"

"ایڈمنسٹریٹر۔" ٹائیگر نے تصحیح کی۔

"ہم ابھی اتنے گئے گزرے نہیں کہ ان غیر ملکیوں کی چال میں آکر اپنے دین کو بھول جائیں۔ ان کی کوشش ہمیشہ یہی رہی ہے کہ یا تو ہم فوج میں شامل نہ ہوں یا پھر حرام کاریوں میں لوٹ ہو کر تباہ ہو جائیں۔"

ٹائیگر گُم سُم ہو کر رہ گیا۔ اتنا شعور... اس کا دل خوشی سے جھوم اُٹھا۔

تاریخ کے نامور مصنّف

اسلم راہی ایم اے

کے ایمان افروز قلم سے ایک

خوبصورت تحفہ



جسمیں حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر خاتم الانبیا حضرت محمّد صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تک دنیا کی مکمل تاریخ پیش کی گئی ہے۔

آپ کی ذاتی لائبریری کیلئے ایک انمول اور مستند اضافہ

جس کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

خوبصورت سرورق، بہترین کتابت وطباعت

پانچ ہزار صفحات پر مشتمل،

مکمل سیٹ سات جلدوں میں دستیاب ہے اپنے آرڈر سے مطلع فرمائیں!

ناشر

مکتبہ القریش، سرکلر روڈ، اردو بازار، لاہور ۲

فون: ۷۶۶۸۹۵۸

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"ہماری عدالت میں اسے سنگسار کرنے کی سزا مل سکتی ہے۔" ایک فوجی نے کہا۔

"نہیں۔" میلوڈی چلائی۔ "میں سنگسار نہیں ہونا چاہتی لونڈی بن کر رہنا چاہتی ہوں۔"

"مزید۔ تاکہ تم ہمارے قائدین کو مزید بگاڑ سکو اور اہم اطلاعات بیرونی دنیا کو بھیج سکو۔" تیسرے فوجی نے پیر پٹخ کر کہا۔

ٹائیگر حیرت سے اُسے دیکھتا رہ گیا۔ اگر عام فوجی میں اتنا شعور تھا تو پھر ان کے حکمرانوں کو کیا ہوا؟

"میں لونڈی۔۔۔"

"چُپ رہو۔" ٹائیگر نے میلوڈی کو بُری طرح ڈانٹ دیا۔ "اس کی سزا کا فیصلہ کون کرے گا؟"

"فوجی قواعد کا مسئلہ ہے کمانڈر! اس لیے پہلا حق آپ کا ہے۔" پہلے فوجی نے جواب دیا۔

"کیا یہ زنا کی مرتکب ہو چکی ہے؟"

"ہمیں علم نہیں۔ کوئی عینی شاہد نہیں اور پھر کسی ثبوت کے بغیر الزام لگا کر قذف کے مرتکب ہمیں ہونا چاہتے لیکن اس نے جو کچھ بھی ہم سے کہا ہے وہ ہم آپ کو بتا چکے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔ اس مسئلے کو مجھ پر چھوڑ دو، دوستو۔"

"دوستو!" وہ تینوں اُچھل پڑے اور پھر تینوں انتہائی پُھرتی سے سلیوٹ کر کے چلے گئے۔

"اب تم میرے ساتھ کیا کرو گے؟" میلوڈی اچانک ہی مسکرا اٹھی۔

"تم سنگساری کی مستحق ہو میلوڈی۔" ٹائیگر نے بڑے کڑے لہجے میں کہا۔ "تم نے زنا کیا ہو یا نہ کیا ہو۔۔۔ لیکن تمہارے بعض جرائم تمہیں زندہ رہنے کے حق سے محروم کرنے کے لیے کافی ہوں گے لیکن ابھی نہیں۔۔۔ تم محض ایک علامت ہو ہمیں اصل ہیڈ ختم کرنی ہے۔"

"کیا تم مسلمان ہو؟" میلوڈی اس کے اس انداز پر چونک پڑی۔

"ہاں۔"

"حسن کو مسلم یا غیر مسلم دونوں پسند کرتے ہیں۔"

"لیکن تم اندر اور باہر۔۔۔ کسی بھی پہلو سے حسین نہیں ہو۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ "فی الوقت میں تمہیں سزا نہیں سناؤں گا لیکن ایک بات یاد رکھنا۔۔۔ یہاں کے لوگوں کے خلاف تم نے ایک سطر بھی لکھی تو میں تمہارے دونوں پیر اور زبان بھی کاٹ دوں گا۔"

✝

"مجھے افسوس ہے شہنشاہ لیکن آپ کا فرزند۔"

"۔۔۔کبھی جنگجو نہیں بن سکے گا۔" شیخ نے مایوسی کے عالم میں سر جھٹک کر اوشان کا مطلب سمجھ لیا۔ اوشان نے بھی اثبات میں سر ہلا دیا۔

"اگر پانچ سال قبل عبدل مجھے مل جاتا تو شاید اس میں حربی روح پھونکی جا سکتی لیکن اب تو وہ گھوڑے سے بھی ڈرتا ہے، بندوقوں، گولہ بارود اور ٹینکوں کی تو بات ہی الگ ہے۔ تلوار اس کے لیے بھاری ہے۔ اس کے بازو تلوار کا بوجھ بھی برداشت نہیں کر سکیں گے۔"

"بات پانچ دس سال قبل کی نہیں ماسٹر۔" شیخ نے اُداسی سے کہا۔ "اگر تم تیل کی دریافت سے قبل اس کی تربیت کر دیتے تو شاید کوئی مثبت پہلو اس میں شامل ہو جاتا۔ تیل کی دولت نے ہمارے لوگوں سے روایتوں کا سرمایہ چھین لیا ہے۔ بزدل بنا دیا ہے ہمیں۔"

"دولت ایسی ہی ہوتی ہے ماسٹر۔"

"نہیں۔ اصل خرابی تیل میں ہے۔ تیل کو تباہ ہو جانا چاہیے۔" شیخ نے پُرزور لہجے میں کہا۔

"لیکن اگر آپ نے یہ بات بار بار کہی تو آپ بھی دشمن کا ہدف بن سکتے ہیں۔ برادر شیخ۔" اوشان نے کہا۔ "اور شاید کچھ ایسے لوگ بھی آپ کے دشمن بن جائیں جو آپ سے بہت زیادہ قریب ہیں۔"

"ماسٹر۔" شیخ چونک اُٹھا۔ "کیا تمہیں ایسی کوئی بات معلوم ہے جو تم مجھ سے چھپا رہے ہو؟"

"میرا خیال ہے کہ نہیں۔" اوشان نے جواب دیا۔ "لیکن شبہ ہے اور شبے کو ظلم نہیں کہتے۔"

"اپنے شبہات کا اظہار کر دو ماسٹر۔"

"نہیں۔" اوشان نے کہا۔ "حکمرانی کرنے کے لیے ضروری ہے کہ محکوم خوف اور پسند ناپسند سے دُور رہے۔ آپ کو ادھر اُدھر دیکھنے کی ضرورت نہیں۔ سامنے دیکھتے رہیے۔ ادھر اُدھر کا خیال رکھنے کے لیے ایلون سانجو کافی ہے۔"

"اگر میں ذرا سا محتاط ہو جاؤں تو تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں ہوگا ماسٹر؟"

"اگر آپ محتاط نہ ہوئے تو مجھے اعتراض ہوگا کیونکہ ایلون

سانجو احمقوں سے تعلق نہیں رکھتا۔"

"یہ بہت شاندار اصول ہے۔"

"اور شاندار حکمران ہی اس اصول کو سمجھ سکتے ہیں۔" اوشان نے فوراً خراجِ تحسین پیش کر ڈالا۔

اسی لمحے باہر سے آنے والی آوازوں کے باعث وہ باہر کی طرف دیکھنے لگے۔

"اوشان۔" کسی نے باہر سے للکارا۔ "باہر نکلو۔"

"یہ تو عبدل کی آواز ہے۔" شیخ مضطرب ہو کر بولا۔

"جی ہاں۔"

"مگر اُسے اس بدتمیزی کی جرأت کیسے ہوئی؟" شیخ کا چہرہ تمتمانے لگا تھا۔

"بے وقوف ہے۔" اوشان نے شیخ کو ٹھنڈا کرنے کے لیے کہا لیکن خود وہ بھی کھول سا گیا تھا۔ وہ اُٹھا اُس نے نیلے بروکیڈ کے لبادے کو ٹھیک کیا اور پل بھر میں خیمے سے نکل گیا۔ شیخ بھی اُس کے پیچھے لپک رہا تھا۔

عبدل خیمے کے سامنے چھوٹے سے صحن نما میدان میں کھڑا ہوا تھا اور گاؤں کی نصف آبادی بھی خیموں سے باہر موجود تھی۔ عبدل کے برابر ساڑھے چھ فٹ کا ایک دیو ہیکل آدمی نظر آ رہا تھا۔ اُس کا وزن تین سو پونڈ سے کم نہیں تھا۔ اُس نے سُرخ ٹی شرٹ اور خاکی پتلون پہن رکھی تھی۔ اُس کے بھاری پیر اُوپر زجوتے چمک رہے تھے۔ بالوں کی طرح اس کی کھال بھی سُرخ تھی۔ اس کی کمر کے گرد گولیوں کی بیلٹ جھول رہی تھی۔ اس میں دستی بم بھی تھے، چاقو بھی اور ہینڈ گن بھی۔

اوشان کو دیکھتے ہی عبدل چلانے لگا۔ "میں نے تم سے کہا تھا نہ کہ امریکی ٹرینر بہتر ہوتے ہیں، میں نے ایک بلا لیا ہے۔"

"یہ تمہیں کیا تربیت دے گا؟" اوشان نے مسکرا کر پوچھا۔ "زیادہ کھانے کی؟"

سُرخ بالوں والے نے ایک قدم آگے اُٹھایا۔

"یہ کل کی جنگ میں میرا کمانڈر ہوگا۔" عبدل نے سینہ پھلا کر جواب دیا۔

"سرجنٹ وِلی بوب والٹسن۔" سُرخ بالوں والا ریچھ کی طرح اپنے سینے پر ہاتھ مار کر بولا۔ "دست بدست لڑائی میں خاص طور سے تربیت حاصل کی ہے۔ کرنل میک ٹرگ کے اسکول کا نام ہی لینا کافی ہے۔"

"کرنل میک ٹرگ۔" اوشان نے اُس کی طرف دیکھ کر کہا۔ "یہ نام کہیں سنا ہے۔"

"اپنی بے وقت موت تک وہ دُنیا کا سب سے عظیم فوجی افسر کہلوا اور فائٹر تھا۔" ولی بوب نے جواب دیا۔

"فراڈ۔" اوشان مُنہ بنا کر بولا۔ "اپنے ہتھاروں اور آلوں میں چھپا رہتا تھا اور جونہی ایک شخص نے اُسے للکارا وہ مارا گیا۔"

"یہ جھوٹ ہے۔" سارجنٹ نے چلا کر کہا۔ "اُسے ایک درجن دہشت گردوں کے گروہ نے گھیر کر مارا تھا۔"

"ماسٹر آف سنانجو جھوٹ نہیں بولتا۔۔۔ اور تم جیسے جاہل لوگوں سے بات کرنا بھی پسند نہیں کرتا۔" یہ کہہ کر وہ پلٹا لیکن عبدل کی للکار نے اُس کے قدم روک لیے۔

"ابھی آزمائش ہو جائے کہ کل کی جنگ میں کون میرا ساتھی ہوگا۔" عبدل کے لہجے میں اوشان کے لیے تحقیر تھی۔

"عبدل۔" شیخ نے بیٹے کو ڈانٹا۔ "بدتمیزی مت کرو۔"

"سوری فادر۔" عبدل نے انگریزی میں معذرت کی۔ "لیکن مجھے یقین ہی نہیں کہ یہ شخص سانجو کا ماسٹر ہے، کوئی بوڑھا بہروپیا ہے۔"

"تم نے دیکھا کہ اس نے تیر کس پھرتی سے پکڑ کر واپس کر دیا تھا۔"

"نہیں۔ لیکن اگر ایسا ہوا تھا تو وہ محض اتفاق ہوگا۔" عبدل اڑا رہا۔ "اس سے قبل کہ آپ اپنی حفاظت کا کام اس کے ہاتھوں میں دیں میں یہ جاننا چاہوں گا کہ اس کے ہاتھوں میں کتنا دم ہے۔"

اوشان نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ شیخ کا چہرہ غصے سے سُرخ ہو رہا تھا۔ آنکھیں بھی سُرخ ہو چکی تھیں۔ وزیر ایک طرف کھڑا ہوا تھا جبکہ لوگ خاموش تھے۔ ان کی نظریں اوشان پر جمی ہوئی تھیں۔

"اپنے بیٹے پر رحم نہ ہوں۔" اوشان نے شیخ کو دھیمے لہجے میں مشورہ دیا۔ "یہ ہمارے طریقے نہیں سمجھ سکتا۔"

"بس۔ بہت باتیں ہو گئیں۔ اب لڑائی ہونی چاہیے۔" عبدل پیر پٹخ کر دہاڑا۔

اوشان عبدل کی طرف دیکھ کر مسکرایا اور پھر شیخ کے شانے پر تھپکی دے کر آگے بڑھ گیا۔ اب دیو ہیکل سارجنٹ اور وہ آمنے سامنے تھے۔

"کون سے ہتھیار پسند کرو گے بوڑھے؟" ولی بوب نے مذاق اُڑانے والے انداز میں پوچھا۔

"تمہارے پاس کیا ہے؟"

"ہر چیز۔"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"تم کوئی ایک... یا ہر ہتھیار استعمال کر سکتے ہو۔"

"اور تم؟" ولی بوب حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"میں۔" اوشان نے بہت آہستہ آہستہ اپنے دونوں ہاتھ اُس کے سامنے کر دیے۔ "میرے پاس ہمیشہ سے یہی دو ہتھیار رہے ہیں۔"

✠

وہ عورت ریشمیں اور شوخ رنگ قبائلی لبادے میں ملبوس تھی۔ مہین نقاب کی کئی پرتیں اس کے نچلے نصف چہرے کو چھپائے ہوئے تھیں اور وہ اٹھلاتی ہوئی ٹائیگر کے کمرے کی طرف جا رہی تھی۔ اس کا انداز صاف ظاہر کر رہا تھا کہ وہ نہ صرف بہترین بیلے ڈانسر ہے بلکہ کمرے بھی یقیناً کرتی ہوگی۔

ٹائیگر کے کمرے میں پہنچ کر اُس نے اشاروں کی زبان میں دعوت دی تو ٹائیگر نے دوسری طرف منہ پھیر لیا۔

"کیا بات ہے ریلا؟" اس نے پوچھا۔ "کیا چاہتی ہو؟"

"کچھ نہیں۔" ریلا ہنس کر بولی۔ اس کی یہ ہنسی بھی کسی عام آدمی کو دیوانہ کر دینے کے لیے کافی تھا۔ اس نے رقص کرنے والے انداز میں دونوں ہاتھ اُٹھائے اور ناچنے لگی۔ "میں تمہیں چاہتی ہوں۔"

"کیا اس لیے کہ میں پولی پوسائیڈ کی قیمت کم کرنے میں تمہارا ساتھ دوں گا؟"

"نہیں۔ اس موضوع پر بات کرنا فضول ہے۔" اعضا کی شاعری جاری رہی۔ "بہت دیر ہو چکی ہے۔"

ریلا۔" ٹائیگر مسکرانے لگا۔ "تم بہت حسین ہو۔"

"کیوں نہیں۔ کئی مرد اس قسم کے جملے پہلے بھی کہہ چکے ہیں۔" ریلا نے لبادے کو کندھے سے گرا دیا۔

"تب پھر تمہیں میری بات کا بھی یقین ہوگا۔"

"یقیناً۔"

"تب پھر یہ سُن لو کہ تم اتنی ہی حسین ہو جتنی وہ ناک جس کی نکسیر چھوٹی ہوئی ہو۔"

ریلا کے ہاتھ پیر اور جسم جو مسلسل تھرک رہا تھا یکایک ساکت ہو گیا۔ اُس نے کولہوں پر ہاتھ رکھ کر ٹائیگر کو گھورا تو اُس نے ریلا کی نقاب ہاتھ بڑھا کر نوچ لی۔ "ریلا۔ مجھے ایسی عورتیں قطعی پسند نہیں جو اپنے مقاصد کے حصول کے لیے مجھے استعمال کرنا چاہیں۔"

"تم زیادتی کر رہے ہو۔" ریلا نے منہ بسور کر کہا۔

"سوری۔ لیکن صورت حال یہی ہے کہ تم مجھے اپنے کسی مقصد کے لیے استعمال کرنا چاہتی ہو لیکن بہتر یہی ہوگا کہ اپنا وقت ضائع مت کرو۔" یہ کہہ کر ٹائیگر ایک بار پھر کھڑکی سے جھانک کر ڈھلتے دن کا جائزہ لینے لگا۔ اُسے ان فوجیوں پر افسوس ہو رہا تھا۔

"کیا تم کل کی لڑائی میں بوڑھے کو ہرا دو گے؟" ریلا جس مقصد کے لیے آئی تھی وہ یہی تھا کہ ٹائیگر کو دامِ فسوں میں پھانس کر اس موضوع پر گفتگو کر سکے۔

"تم اس چکر میں نہ پڑو اور اُسے بوڑھا کہنا بھی چھوڑ دو۔" ٹائیگر نے بجھی سے نظریں ہٹائے بغیر جواب دیا۔

"لیکن تم جیت تو جاؤ گے نا؟"

"پتا نہیں۔ میرے پاس تو یہ ایک ہزار ناکارہ فوجی ہیں جبکہ اوشان کے پاس شیخ کا لشکرِ سوار دستہ ہے تاہم اس میں ایک مثبت پہلو میرے لیے یہ ہے کہ اس کی قیادت عبدل کرے گا لیکن عبدل کے بارے میں بھی کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ممکن ہے کہ وہ میدانِ جنگ کا شیر ثابت ہو۔"

تم میں سے ایک تو بہرحال جیتے گا۔" ریلا نے اٹھلا کر کہا... "انادو بک بمبیڑیا اور دُنیا کا مستقبل دونوں ہی اس جنگ میں داؤ پر لگے ہوئے ہیں۔"

"ہاں۔ اس مسئلے پر ہم دونوں میں سے کسی ایک کی فتح ہونی ہے لیکن بمبیڑیا کہاں ہے؟ کیا ابھی تک یہاں نہیں پہنچا؟"

"پتا نہیں۔" ریلا جو بہم محبت و پیار اور سراہا حسن بن کر آئی تھی اچانک بے زار سی ہو گئی۔ وہ دروازے کی طرف جانے لگی لیکن چوکھٹ پر پہنچ کر رُک گئی۔ "کیا کل میں تمہارے ساتھ چل سکتی ہوں؟" اُس نے پوچھا۔

"کیوں نہیں۔ تم بھی چلو گی۔ میرے ساتھ اگلی کار میں آ جانا۔ میں تمہاری کار اور وڑیور کو بھی ساتھ لے چلوں گا تاکہ اُنھیں ہماری یہاں غیر موجودگی میں کوئی نقصان نہ پہنچے۔"

"ٹھیک ہے۔" وہ ایک قدم اور بڑھی۔ "میں خوبصورت ہوں نا؟" اس نے پوچھا۔ اس بار اُس کے لہجے میں عجیب سی درخواست تھی۔

"ہاں۔ تم بہت خوبصورت ہو۔ بہت خوبصورت۔" ٹائیگر نے جان چھڑانے کے لیے کہا اور ریلا کا چہرہ کھل اُٹھا۔ ٹائیگر سر جھٹک کر رہ گیا۔ صورت حال عجیب سی تھی۔ قطع ید کی سزا پانے والی پولوڈی اُس کے فوجیوں کو اور انادو بک بمبیڑیا سے یقیناً تعلق رکھنے والی ریلا اُسے حسن و لطف کے جال میں پھنسانے کی کوشش کر رہی تھی اُسے فوجیوں کو دیکھ کر پہلے ہی مایوسی ہو رہی تھی اور وہ اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ جنرل بل کا عسکری شعبے سے کوئی تعلق نہیں۔ وہ سیزمین ہے اور اس کی فوج کا جنگ سے کوئی تعلق نہیں۔ اُسے یقین تھا کہ

اوشان کو بہرحال مسائل کا سامنا کرنا نہیں پڑ رہا ہوگا۔

✠

اب پو راگھاؤں ایک بڑے دائرے کی شکل میں وہاں جمع ہو چکا تھا۔

اوشان اور سُرخ بالوں والا سارجنٹ دونوں ایک دوسرے کے آمنے سامنے کھڑے ہو گئے تھے۔ ولی بوب کے بائیں ہاتھ میں پستول تھا جبکہ دائیں ہاتھ میں کوڑا نظر آ رہا تھا۔

"تم بھی کوئی ہتھیار لے لو۔" ولی بوب نے اصرار کیا۔

"جب چاہو پہل کر ڈالو۔" اوشان نے اصرار کو نظر انداز کر دیا۔ اس کے دونوں ہاتھ سینے پر بندھے ہوئے تھے۔

سارجنٹ نے عبدل کی طرف دیکھا جو اپنے دلہ کے قریب کھڑا ہوا تھا اور وزیر بھی انھی کے عقب میں تھا۔

"شروع کرو۔ شروع کرو۔" عبدل چلایا۔

سارجنٹ ولی بوب نے کندھے اُچکا کر دائیں ہاتھ کو جھٹکا دیا تو کوڑا کسی سانپ کی طرح تڑپا۔ اُچھلا اور اوشان کے سر پر حملہ آور ہوا لیکن لوگ یہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئے کہ جو ضرب اوشان کے سر پر لگنی تھی وہ اس کے کان کے قریب سے گزر گئی۔ ان کی نظروں نے اوشان کو ہلتے یا پلک جھپکاتے ہوئے بھی نہیں دیکھا تھا لہٰذا انھیں یقین تھا کہ مار اپنی جگہ سے ہلا بھی نہیں ہے۔

"لڑو۔" سارجنٹ نے جھلا کر کہا۔ "جوابی وار کرو۔" مگر اوشان خاموش رہا۔ سارجنٹ ولی بوب نے دایاں ہاتھ شانے تک اُٹھایا اور پھر بہت تیزی سے جھٹکا دیتے ہوئے نیچے کیا۔ اُس نے اوشان کے شانے پر ضرب لگانے کی کوشش کی تھی مگر کوڑا کٹا ہوا بوڑھے کے شانے کے قریب سے گزر گیا۔

اوشان اب بھی اپنی جگہ سے نہیں ہلا تھا۔ یہ لوگوں کی رائے تھی۔

سارجنٹ نے اس مرتبہ کوڑے کو اپنے سر پر گھمایا اور تیسری مرتبہ حملہ کیا۔ کوڑا بجلی کی سی تیزی سے اوشان کے سر پر گرنے والا تھا۔ شیخ سمیت ہر شخص نے سانس روک لی۔ شیخ منغرب ہو گیا لیکن اب اُسے بھی کوئی اُمید نہ تھی۔ سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں کوڑا اوشان کے سر پر لگ کر اُسے ختم کر سکتا تھا اور جب سب مایوس ہو گئے تو تب ہی اوشان کا ہاتھ قبا سے نکلا لیکن اس کی رفتار اتنی تیز تھی کہ لوگوں کو وہ صرف ایک دھبا نظر آیا۔ ہاتھ سر کے اوپر گیا۔ پٹاخے جیسی آواز پیدا ہوئی اور لوگوں نے اوشان کی طرف خوف سے دیکھا... اُنھیں ذرا سی تاخیر ہو گئی تھی کیونکہ مارے خوف کے اُنھوں نے کئی بار پلکیں جھپکائی تھیں لہٰذا وہ ماسٹر کا فن نہ دیکھ سکے۔ وہ تو سینے پر دونوں ہاتھ باندھے ہوئے اُسی جگہ کھڑا ہوا تھا جب کہ کوڑے کا ایک بڑا ٹکڑا جس کی لمبائی ایک فٹ سے زیادہ ہوگی اوشان کے سامنے ریت پر پڑا ہوا تھا۔ سارجنٹ حیرت سے اپنے ہاتھ میں موجود باقی جتھے کو دیکھ رہا تھا جس کی لمبائی اچانک کم ہو گئی تھی۔ اس کے حلق سے بھیانک آواز نکلی اور اُس نے پھر حملہ کیا۔ اوشان نے اس بار بھی اُسی انداز میں دفاع کیا۔ اُس کی کھڑکی کلائی ترچھی ہوئی اور ترچھا ہاتھ کوڑے پر لگا۔ ایک اور ٹکڑا۔ ریت پر گر گیا۔

سارجنٹ پر دورہ پڑ گیا۔ اُس نے تابڑ توڑ حملے کیے لیکن ہر حملے کے بعد کوڑے کی لمبائی کم ہوتی گئی حتیٰ کہ اس کے ہاتھ میں صرف ایک فٹ کا ٹکڑا رہ گیا۔ اس نے اس ٹکڑے کو ہوا میں سی گالی دے کر ایک طرف پھینک دیا اور بڑی تیزی سے بائیں ہاتھ والا پستول دائیں ہاتھ میں لے لیا۔ جونہی نشانہ لینے کے لیے اُس کا ہاتھ اُٹھا' اوشان کے قدم اُٹھے۔ وہ ترچھا اور دائیں بائیں والے انداز میں چلنے لگا۔ سارجنٹ کے چہرے پر پہلی مرتبہ مسکراہٹ نے جنم لیا۔ اس نے اس طرح چلنے والوں کو پہلے بھی کئی مرتبہ نشانہ بنایا تھا۔ صرف ایک گولی کافی ہوتی تھی اور پھر اُڑ جایا کرتا تھا۔

اس نے اپنے خاص طریقے پر عمل کیا جو بہت سادہ سا تھا لیکن نہ جانے کیوں اُسے ناکامی ہوئی۔

اُس نے گولی چلائی مگر اوشان نشانے پر نہ تھا۔ پھر اُسے اوشان دائیں طرف نظر آیا۔ سارجنٹ نے پھر فائر کیا... لیکن اوشان تو بائیں طرف تھا۔ وہ پندرہ فٹ دُور کھڑا ہوا مسکرائے جا رہا تھا۔

ولی بوب کا پارہ چڑھنے لگا۔ اُسے اتنی ہزیمت کبھی نہیں اُٹھانی پڑی تھی۔ اُس نے ایک بار پھر نشانہ لیا۔ اس مرتبہ وہ بڑی احتیاط سے کام لے رہا تھا۔ اُس نے اوشان کے سر کے دائیں طرف ایک انچ کی گنجائش رکھ کر شست لی۔ اوشان رُک گیا۔ سارجنٹ نے فوراً گولی چلا دی... مگر... اوشان اب اس کے قدرے عقب میں دائیں طرف کھڑا ہوا ہنس رہا تھا۔ اس کی مخصوص ہنسی قہقہوں میں بدل گئی اور کئی افراد پل بھر کو یہ بھی بھول گئے کہ نخلستان میں کوئی بُلغ گھس آئی ہے۔

ولی نے پھر فائر کر دیا مگر اس بار اوشان زیادہ دُور نہیں گیا۔ وہ پل بھر میں اس کے بہت قریب پہنچ گیا۔ اتنے قریب کہ اس کا سر قد اور قاتل کے سینے سے ٹکرا گیا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ولی کا مُنہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

"کیا تمھیں میری تلاش ہے لڑکے؟" اوشان نے بلند آواز میں اُس سے پوچھا تو لوگ کھلکھلا کر ہنس پڑے۔ خود شیخ بھی مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔

سارجنٹ نے طیش میں آکر پستول سر سے بلند کیا۔ وہ اس کا دستہ بوڑھے کے سر پر پوری قوت سے مارنا چاہتا تھا ایک ہی ضرب کافی تھی لیکن پھر اُس کا ہاتھ مفلوج سا ہو گیا۔ اوشان نے اُچک کر اُس کے دائیں ہاتھ کی کلائی پر تین اُنگلیوں سے ضرب لگائی تھی۔ دلی کو ایسا لگا جیسے کسی نے کلائی میں شکاف ڈال کر مرچیں بھر دی ہوں۔ ہاتھ ہلنے اور مزید نیچے آنے سے ہی قاصر ہو گیا لیکن پستول گرنے لگا۔ اس سے قبل کہ پستول ریت پر گر کر خراب ہو جاتا اوشان نے اُسے پکڑ لیا۔

سارجنٹ ولی بوب اپنی جگہ پر ساکت کھڑا ہوا تھا۔ اسے شدید تکلیف ہو رہی تھی اور ہاتھ اسی انداز میں اُٹھا ہوا تھا۔ اس نے بوڑھے کو پستول لے جاتے ہوئے اور پھر شیخ کو پیش کرتے ہوئے دیکھا۔ اُسے رونا سا آگیا لیکن تب ہی اُس کی نظر وزیر پر پڑی جو خشمگیں انداز میں اُسے گھورے جا رہا تھا۔

اور وہ زرد رُو... دُبلا پتلا کمزور ناتواں بوڑھا عبدل کے سامنے کھڑا ہوا پستول کو دو حصّوں میں توڑ چکا تھا۔ اُس نے یہ دونوں ٹکڑے شہزادے کی خدمت میں پیش کیے۔ شیخ کے سامنے سرخم کیا اور اپنے خیمے کی طرف چلا گیا۔

پورا گاؤں تالیوں اور مرحبا کے نعروں سے گونج اُٹھا۔

شیخ نے اپنے بیٹے کو گھورا اور پھر اچانک ہی اس کا بڑا سا ہاتھ اُٹھا اور عبدل کے چہرے پر پانچوں اُنگلیوں کے نشانات ڈال دیے۔ "احمق۔ تم نے ایک عظیم مہمان کی توہین کی ہے۔ یہ تھا تمھارا لایا ہوا سُورما۔ کیا اب بھی تمھارا دل نہیں بھرا؟"

"جی ہاں۔ جی ہاں۔" عبدل شرمندہ شرمندہ سا تھا۔ اُس کی گردن اثبات میں ہل رہی تھی۔

وہ سر ہلا رہا تھا... اور اس کی بیوی دیکھ رہی تھی کہ وہ وزیر کو کچھ اشارے بھی کر رہا ہے۔

✣

جنرل بل نے فوجیوں کو محاذ پر لے جانے کے لیے ایسے چالیس ٹرک تلاش کر ہی لیے جو واقعی دوڑ سکتے تھے۔ ان ٹرکوں میں فوج روانہ ہوئی اور شیخ کے گاؤں سے دو میل پہلے تمام جان ٹرکوں سے اُتر گئے کیونکہ یہ ٹرک ریت میں نہیں چل سکتے تھے۔

ایک ہزار جوان اب رولز رائس کے پیچھے مارچ کر رہے تھے۔ ٹائیگر نے میلوڈی کو بھی کار سے اُتار دیا تھا۔ وہ گلے میں ٹائپ رائٹر لٹکائے دیگر فوجیوں کے ساتھ پیدل چل رہی تھی جب کہ ٹائیگر اور ریلو دونوں کار کی عقبی نشست پر تھے۔ آسکر گاڑی چلا رہا تھا اور جنرل بل اُس کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ ٹائیگر نے اپنی کھڑکی کا شیشہ اُتار لیا۔ وہ ڈرل ماسٹر کی آواز سننے لگا۔ "ون ٹو۔ ون ٹو۔ ون ٹو۔"

فوجی لڑ سکتے، لوگ کھڑا تے، ڈگمگاتے ہوئے قدم سے قدم ملا کر چلنے کی کوشش کر رہے تھے۔

"شاندار۔" ٹائیگر نے مطمئن ہو کر شیشہ پھر چڑھا لیا۔

"ابھی زیادہ دیر تو نہیں ہوئی؟" جنرل بل نے پوچھا۔

"کس چیز میں؟"

"میرا مطلب فضائیہ کے کور سے ہے۔" جنرل بل نے کہا۔ "اگر ہم فضائیہ کی مدد اب بھی طلب کر سکتے ہیں تو ہمارے طیارے ان کے ٹھکانوں کو تباہ کر سکتے ہیں۔ نیپام بم پھٹنے والے بم کی گیس استعمال کی جاتی ہے اور پھر ہم لاشوں کی گنتی کے لیے تلاش چلے جائیں گے۔"

"اس طرح عام لوگوں کو نقصان ہوگا۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ "لوگ تو اسی طرح مرتے رہتے ہیں۔"

"شٹ اپ۔" ٹائیگر نے غرا کر کہا۔ "اپنا مُنہ اسکرین کی طرف کرلو ورنہ کان مروڑ دوں گا۔"

"بھلا اس جنگ میں کون جیتے گا؟" ریلو کھسک کر ٹائیگر کے قریب آگئی۔

"بکو مت۔"

"کاش تم جیت جاؤ۔" ریلو نے ایک ادائے دلربائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ "تمھاری جیت میرے لیے بہت اہم ہوگی۔"

"میری پوری کوشش یہی ہوگی کیونکہ میں ایسی دنیا میں زندہ رہنا نہیں چاہتا جہاں تیل کی قیمت ۱۵ ڈالر فی گیلن ہو۔"

آسکر نے اچانک ہی گاڑی روک دی۔ اُنھوں نے باہر دیکھا اور پھر ٹائیگر کے ساتھ جنرل بل بھی کار سے اُتر آیا۔

اُن کے سامنے ریت سے بھری ہوئی ایک وادی تھی تقریباً ایک سو شہ سوار نخلستان سے ہٹ کر خیمہ بستی کے سامنے کھڑے ہوئے تھے جب کہ بہت سے لوگ جن کے ہاتھوں میں تلواریں اور نیزے تھے۔ پیدل نظر آرہے تھے۔

ٹائیگر نے اوشان کو فوراً دیکھ لیا۔ وہ شوخ پیلے رنگ کے لباس میں ملبوس شیخ سے باتیں کر رہا تھا اور ان دونوں کے

قریب عبدل اور وزیر کھڑا ہوا تھا۔

جنرل بل نے آنکھوں پر ہاتھ کا چھجا سا بنا کر اُس طرف دیکھا جیسے میدان جنگ کا معائنہ کر رہا ہو۔ "نیپام بم لوائے۔"

"کیا؟" ٹائیگر نے اُسے گھورا۔

"یہ صورتِ حال نیپام بموں کے استعمال کی متقاضی ہے۔" جنرل بل نے کہا۔ "ہم اس وادی کو ایسے بموں سے بھر کر آخری سانس تک جلا دیں گے۔"

"کتنی دیر میں؟"

"ایک ہفتہ لگے گا۔" جنرل بل نے اندازہ لگا کر جواب دیا۔

"وضاحت کرو۔"

"پہلے تو مجھے ایسے طیاروں کو حاصل کرنا ہوگا جو پرواز کرتے ہوں پھر ایسے ہوائی اڈے تلاش کرنے ہوں گے جو چھٹی لے کر زیادہ دُور نہ گئے ہوں پھر چند نیپام بم حاصل کرنے ہوں گے۔ اس طرح ایک ہفتہ لگ جائے گا لیکن ضروری نہیں ممکن ہے کہ پانچ روز میں کام مکمل ہو جائے۔"

"چھوڑو۔ اس طرح پانچ دن ضائع ہوں گے۔ ہم ابھی لڑیں گے۔"

"ہم لہروں کی شکل میں حملہ کریں گے پھر پیدل فوج حملہ کرے گی اور اس کے بعد ٹینک۔"

"پہلے ٹینک کا استعمال کیوں نہیں کرتے؟"

"اُن کی مرمت ہو رہی ہے۔" جنرل بل نے جواب دیا۔ "ممکن ہے ان کے یہاں پہنچنے میں تاخیر ہو جائے۔"

"افسنتھی سے آغاز کرو۔" ٹائیگر نے ہدایت کی جس پر جنرل بل نے اشارہ کیا۔ دس لیفٹیننٹ مارچ نما چال چلتے ہوئے اس کی طرف آئے۔ جنرل بل نے جیب سے ٹوتھ پک نکالے اور اُن میں سے گنتی کر کے دس الگ کر لیے باقی ٹوتھ پک جیب میں رکھنے کے بعد اس نے دس ٹوتھ پکوں والا ہاتھ پشت پر لے لیا اور جب واپس لایا تو ان دسوں کے سرے بالکل ایک ساتھ نظر آرہے تھے لہٰذا یہ اندازہ لگانا ممکن نہ تھا کہ کون سا ٹوتھ پک بڑا ہے۔

غالباً جنرل بل ان دس فوجیوں میں سے کسی کا انتخاب کرا رہا تھا۔ اُس نے مٹھی فوجیوں کے سامنے کر دی اور سب نے ایک ایک ٹوتھ پک نکال لیا۔ سب سے چھوٹا ٹوتھ پک جس فوجی کے حصّے میں آیا وہ واقعتاً رونے لگا اور رو رو کے ریت پر گر گیا۔ ٹائیگر نے جھکا کر اس کی گردن پکڑ لی وہ گردن پر دباؤ محسوس کرتے ہی اُٹھ گیا۔

"یس سر۔" لیفٹیننٹ گھگیا کر بولا۔

"اپنے آدمی لے کر جاؤ۔"

"لل... لیکن وہ سب مسلح ہیں جناب۔ ان کے ہاتھوں کے نیزے یہاں سے بھی نظر آرہے ہیں۔" لیفٹیننٹ بہت خوفزدہ تھا۔

"ان نیزوں سے زیادہ نقصان میری انگلیاں پہنچا سکتی ہیں احمق۔" ٹائیگر نے گردن دبا کر خبردار کیا۔ "چلو۔" اور اس چلو کے ساتھ ہی لیفٹیننٹ کسی بے لگام گھوڑے کی طرح بگٹٹ دوڑ گیا وہ گردن سہلاتا ہوا بھاگ رہا تھا اور اُسے دیکھتے ہی شیخ کے فوجی عسکری نعرے لگانے لگے۔

نعرے سُن کر لیفٹیننٹ گھبرایا اور پلٹ کر ٹائیگر کی طرف دیکھنے لگا۔ غالباً وہ حکم پر نظرِ ثانی کی التجا کر رہا تھا لیکن ٹائیگر کی کھڑی اُنگلی دیکھ کر وہ اپنے آدمیوں کی طرف چلا گیا۔ کچھ دیر بعد ایک سو فوجی اُس کے پیچھے پیچھے پیش قدمی کر رہے تھے جبکہ باقی فوجیوں نے دوسری طرف مُنہ پھیر لیے تھے۔

"بزدل۔" جنرل بل نے چلا کر کہا۔ "اپنے ملک کی عزت کی خاطر حملہ کرو لیفٹیننٹ۔"

لیفٹیننٹ نے غالباً اس کی یہ بات سُنی لیکن وہ اپنے جوانوں کے ساتھ وادی کی طرف پیش قدمی کرتا رہا۔

دوسری طرف سے بھی ایک سو افراد کا جتھا اُنھی کی طرف بڑھنے لگا۔ اُن کے پاس نیزے اور تلواریں تھیں جبکہ ٹائیگر کے آدمی رائفلوں سے لیس تھے۔

"تم یہیں رُکنا۔" ٹائیگر نے ریلو سے کہا اور پھر جنرل بل کی طرف پلٹا۔ "اور اب تم انچارج ہو تمھیں جنگ جیتنی ہے۔" یہ کہہ کر وہ دائیں طرف چل دیا تاہم اُس نے یہ کوشش کی تھی کہ وہ ریتلے ٹیلوں کے اوپر ہی رہے تاکہ نیچے کی جنگ کا منظر بھی دیکھتا رہے۔

نخلستان کے قریب اس نے لوگوں کے ہجوم میں سے اوشان کو نکلتے ہوئے دیکھا۔ اب اوشان بھی اُسی کی سمت میں آرہا تھا۔ دونوں فوجیوں کے درمیان خالی ٹیلے پر ان دونوں کا آمنا سامنا ہوا۔

"گڈ آفٹر نون جنرل۔" ٹائیگر نے زیرِ لب مسکرا کر سر خم کیا۔

"آج کا موسم جنگ کے لیے انتہائی موزوں ہے۔"

"ہاں۔ تم ٹھیک کہتے ہو میرے بچے۔" اوشان بھی مسکرا

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

لہجے میں بولا۔ "ہمارے پاس جنگ کے لیے ماحول اور ہر کچھ ہے لیکن بس فوجیوں کی کمی ہے۔"

دونوں وہیں ایک ساتھ بیٹھ کر جنگ کا نظارہ کرنے لگے۔

دونوں گروپ اب ایک دوسرے سے تیس فٹ دُور خاموش کھڑے ہو گئے تھے اور پھر ٹائیگر کے لیفٹیننٹ نے حملے میں پہل کی۔ وہ اوشان کی فوج کی طرف پلٹا اور اُس نے اپنی زبان سے پہلا گولہ داغا۔

"تمھارا باپ بہت خبیث آدمی ہے۔" یہ کہہ کر وہ اپنی فوج کی طرف پلٹا اور اس کے فوجی اس شاندار جملے پر تالیاں بجانے لگے۔

تب ہی اوشان کی فوج سے ایک آدمی نکلا وہ اتنا آگے بڑھ آیا کہ لیفٹیننٹ سے اُس کا فاصلہ محض پانچ گز رہ گیا تھا۔

"تمھاری ماں کُتیا ہے۔" اُس نے چلّا کر کہا تو اوشان کی فوج کے آدمی قہقہے لگانے لگے۔ سیٹیاں بھی بجنے لگیں۔

"نہیں یہ جھوٹ ہے۔" ٹائیگر کا لیفٹیننٹ دفاع پر مجبور ہو گیا۔

"وہ کُتیا ہے۔" اوشان کا آدمی چیخا اور پھر اوشان کی فوج کا یہ ہر اول دستہ ایک زبان ہو کر یہی نعرہ بار بار لگانے لگا۔

یہ آوازیں لیفٹیننٹ کے لیے بہت خطرناک ثابت ہوئیں۔ اور وہ چکرا گیا۔ اس کے ساتھیوں نے خاموشی سے اُسے اُٹھا کر کھڑا کر دیا جب کہ اوشان کے فوجی جُوتنگ کرتے رہے۔ لیفٹیننٹ نے کانوں پر ہاتھ رکھ کر اپنے ساتھیوں سے جنگ کی اس نئی صورتِ حال پر تبادلہ خیال کیا اور پھر وہ سب ایک قطار میں کھڑے ہو گئے۔ لیفٹیننٹ نے جونہی ہاتھ اُٹھایا تمام جوان ایک ساتھ چلّا اُٹھے۔ "تمھارا پورا خاندان ذلیل و خوار ہو۔"

"یہ کیا ہو رہا ہے۔" ٹائیگر نے بڑی حیرت سے اوشان کو دیکھا۔

"اب تمھاری سمجھ میں آ گیا ہو گا کہ یورپ میں بعض جنگیں برسوں تک کیسے جاری رہیں۔" اوشان نے مسکرا کر کہا۔

میں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ کسی جنگ میں ہم ایک دوسرے کے مقابل ہوں گے۔ نٹل فادر۔"

"اگر تم اسے جنگ سمجھ رہے ہو تو پھر ٹھیک ہے۔" اوشان ہنس کر بولا

اب دونوں دستوں کے دو سو جوان ایک ساتھ مگر دو مختلف نعرے لگا رہے تھے۔ اوشان کی فوج میں بہر حال ایک جوان زیادہ سُور مانگتا تھا۔ اس نے مٹھی بھر ریت اُٹھائی اور لیفٹیننٹ پر پھینک دی۔ لیفٹیننٹ اس طرح تڑپا جیسے اس کو بجلی کا جھٹکا لگ گیا ہو اور تیزی سے وردی صاف کرنے لگا جب وہ وردی سے آخری ذرہ بھی صاف کر چکا تو اُس نے بھی مٹھی بھر ریت اُٹھا کر دشمن کی طرف اُچھال دی۔ پھر تو ٹائیگر کے تمام آدمیوں نے رائفلیں ایک طرف پھینک کر ریت اُچھالنی شروع کر دی۔ ایک سو رائفلیں ریت میں بے کار پڑی ہوئی تھیں۔

اوشان نے بھی دیکھا کہ اس کے جوانوں نے نیزے پھینک کر تلواروں سے ریت اُڑانی شروع کر دی۔

"ایسا لگ رہا ہے جیسے نیویارک اسٹاک ایکسچینج میں حصص کے سودے پر جھگڑا ہو رہا ہے؟" ٹائیگر نے کہا۔

"ہاں۔ بڑا عجیب منظر ہے۔" اوشان نے کہا مگر ٹائیگر نے محسوس کیا کہ اوشان کی نظریں میدانِ جنگ پر نہیں بلکہ نخلستان کے مرکزی خیمے پر ہیں جہاں شیخ اپنا سر پکڑے ہوئے بیٹھا تھا۔ اس کے قریب مزید چھ سو فوجی موجود تھے جب کہ ایک سو شہ سوار 'بزن' کے نعرے کے منتظر تھے۔

ٹائیگر کو عبدل یا شیخ کا وزیر نظر نہیں آیا۔ اس نے وادی کے داہنے کی طرف دیکھا۔ جنرل بل بھی جنگ کا منظر دیکھ کر تالیاں بجا رہا تھا جب کہ ریوا بہت بور لگ رہی تھی۔ دوسری طرف میوڈی ویک فیلڈ کی پنسل بہت تیزی سے ٹائپ رائٹر پر چل رہی تھی جبکہ شوفر آسکر رولز رائس سے ٹیک لگائے ہوئے اپنے ناخن تراش رہا تھا۔

ٹائیگر کی فوج کے باقی تمام فوجی غائب تھے اُس نے جنوب کی سمت دیکھا تو سو فوجی بڑی تیزی سے سڑک پر دوڑ رہے تھے۔ سوال یہ تھا کہ کیا اس پوری فوج کو بھگوڑا قرار دے کر گولی ماری جا سکتی ہے؟

"آہ۔ میرا لشکر بھاگ گیا نٹل فادر۔" ٹائیگر نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔ ساتھ ہی اُس نے دائیں طرف دیکھا مگر اوشان وہاں کہیں موجود نہیں تھا۔ اُس نے گاؤں جانے والے راستے کی سمت دیکھا ... اوشان تقریباً اُڑتا ہوا گاؤں کی طرف جا رہا تھا۔ اس کے پیروں کی رفتار اتنی تیز تھی کہ ریت پر نقشِ پا بھی نظر نہیں آ رہے تھے۔ ٹائیگر بھی دوڑنے کے لیے تیار ہو گیا۔ اس کی رفتار پہلے سُست رہی لیکن پھر آہستہ آہستہ اس میں اضافہ ہوتا رہا۔ اس نے جسم کا بوجھ اچانک ہی نیچے کی طرف ڈالنے کی بجائے آگے کی طرف ڈالا اور پھر اُس کی رفتار اور تیز ہو گئی۔ اب اُس کے پیر ریت میں دھنسنے کی بجائے ریت پر لگ کر گزر رہے تھے۔ ریت کے میدان سے نکلتے ہی اُس کی رفتار مزید تیز ہو گئی۔

شیخ نے اچانک سر اُٹھا کر دیکھا تو اُسے اوشان اور اُس کے پیچھے ٹائیگر نظر آیا۔ ٹائیگر اوشان کے پیچھے لپک رہا تھا۔ شیخ گھوم کر ان دونوں کی طرف پلٹا مگر اوشان نے اس کو دیکھا تک نہیں بلکہ اُس کے خیمے کی طرف چھلانگ لگا دی۔ اوشان کے بوجھ سے کینوس پہلے دبا اور پھر پھٹ گیا۔ اوشان اپنے پیروں کے بل پر گرا اسی لمحے ٹائیگر بھی تقریباً پرواز کرتا ہوا اندر آ گیا۔ اُس نے گرا ہوا خیمہ اُٹھایا اور پھر اس کے بعد شیخ کا وزیر رائفل سمیت سب ہی کو نظر آ گیا۔

شیخ نے حیرت سے مسلح وزیر کو دیکھا جو بے ہوش ہونے کے قریب تھا۔ اُس کے بعد شیخ کی نظریں اوشان پر جم گئیں۔

"یہ رائفل آپ کی پُشت کا نشانہ لے رہی تھی جناب عالی۔" اوشان نے رائفل پیر رکھ کر بتایا۔ اسی لمحے گرے ہوئے خیمے کے دوسرے حصے سے کسی کی جدوجہد کی آوازیں سُنائی دیں۔ ایسا لگا جیسے کوئی نکلنے کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہا ہے۔ اوشان نے ٹائیگر کو اشارہ کیا اور ٹائیگر چند لمحوں بعد خیمے کا گرا ہوا ستون اُٹھا کر عبدل کو گردن سے پکڑ کر لے آیا۔ اُس نے عبدل کو شیخ کے قدموں میں گرا دیا۔

"آہ۔ تم تھی۔" شیخ نے سر اٹھاتے ہوئے لہجے میں کہا۔ عبدل کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہ تھا۔ وہ محض ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گیا۔

"لیکن کیوں؟"

"عمو جان نے پلاننگ کی تھی کہ اگر... اگر... آپ کو... تو یہ ساری زمین اور تیل کے کنویں میرے ہوں گے۔" عبدل نے سر جُھکا کر جواب دیا۔ بات واضح تھی۔ شیخ کے چچا نے جو مملکت کا بادشاہ تھا اپنے بھتیجے کو اپنے بھائی کے خلاف کر دیا تھا۔

"آہ۔" شیخ نے نیام سے جڑاؤ تلوار نکال لی اور عبدل سہم کر چند قدم پیچھے ہٹ گیا لیکن شیخ نے اچانک ہی اللہ اکبر کا فلک شگاف نعرہ لگا کر چھلانگ لگائی۔ گھوڑے پر بیٹھا اور گھوڑا ٹائیگر کی فوج کی طرف دوڑ گیا۔

شیخ کے تمام شہ سوار گُنگ سے رہ گئے لیکن پھر اُنھوں نے گھوڑوں کو مہمیز دی۔ اُن کے نعرہ سے صحرا گونج بلکہ لرز نے لگا۔ جنگ کے یہ مخصوص نعرے دلوں کو گرما رہے تھے خود ٹائیگر بھی رگوں میں خون کا جوش محسوس کرنے لگا تھا۔

ٹائیگر کے فوجیوں نے بھی یہ نعرے سُنے وہ ابھی تک لفظوں کی جنگ میں مصروف تھے لیکن جونہی اُنھوں نے شیخ اور اس کے پیچھے ایک سو سے زیادہ شمشیر بردار سواروں کو دیکھا ... وہ بھاگ نکلے۔

لیکن اب شیخ کی تلوار لہو مانگنے کے باوجود لہو رنگ نہیں ہو سکتی تھی کیونکہ جہاں دیدہ شیخ نے جنگی حکمتِ عملی پر عمل کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اس نے ایک اور نعرہ لگایا تو اُس کے گھڑ سوار بھاگنے والے فوجیوں کو بھیڑ بکریوں کی طرح گھیرنے لگے۔ چند منٹ بعد وہ سب کے سب دائرہ بنا کر بھگوڑے فوجیوں کو محاصرے میں لے چکے تھے اور بھگوڑے فوجی جن میں سے زیادہ تر کا تعلق یورپی ممالک سے تھا سجدے میں گرے ہوئے اپنی اپنی زندگی کی التجائیں کر رہے تھے۔

شیخ دولز رائس کے قریب پہنچ کر گھوڑے سے چھلانگ لگا کر کُودا۔ چند لمحوں بعد تلوار کی چمک دمک اور شیخ کا جلال جنرل بل اور میلوڈی کو بھی قیدی بنا چکا تھا۔

"بہت جی دار آدمی ہے نا۔" ٹائیگر نے شیخ کی طرف اشارہ کر کے اوشان سے کہا جو اب گھوڑے پر سوار ہو کر شاہانہ انداز میں واپس آ رہا تھا۔

"ہاں۔ اسی باعث ایلن سانجو نے اس کے ساتھ کیے گئے معاہدے کا احترام کیا ہے۔" اوشان نے جواب دیا۔

"کیا ہُوا!" ریوا نے ریت سے گزرنے کے بعد ٹائیگر کے قریب پہنچ کر پوچھا۔

"ہم ہار گئے۔"

"اوہ۔ شٹ۔" ریوا کو یقین نہیں آیا۔

"یہاں کیا ہو رہا ہے؟ جنرل بل نے قیدیوں کے ہجوم میں سے دہاڑ کر پوچھا۔

"ہم جنگ ہار چکے ہیں جنرل!" ٹائیگر نے جواب دیا۔

"میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ ہمیں نیپام بم استعمال کرنے چاہئیں۔" جنرل پیر پٹخنے لگے۔

"فکر کرو۔ اگلے ہفتے کی جنگ میں استعمال کر لیں گے۔"

"اگر اس شکست کی خبر باہر چلی گئی تو میں تباہ ہو جاؤں گا۔"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

جنرل روہانسا ہوگیا۔ "مجھے شاہ نوکری سے نکال دے گا اور میرا پنشن اسلحہ فروخت نہیں کر سکے گا۔"

میلوڈی بھی قیدیوں میں شامل تھی اور ابھی تک پنسل ٹارچ رائٹر پر چل رہی تھی۔ اس نے جنرل کی بات سُن کر پنسل دانتوں سے نکال کر ٹائپ رائٹر پر رکھ لی۔

"صفر۔ میں نے کیا لکھا ہے۔" اُس نے سب کو مخاطب کر کے کہا۔ "عراق کے ایک جانفروش گروہ نے۔"

"بغیر ہاتھوں والی یہ عورت کیا کہہ رہی ہے۔" شیخ نے ٹائیگر سے پوچھا۔

"یہ قیدیوں کی تعریف کر رہی ہے۔" ٹائیگر نے مسکرا کر جواب دیا۔

"صفر۔" میلوڈی نے پھر کہا۔ "اسرائیل کے حامیوں نے اسلام کے دوستوں کو قیدی بنا لیا لیکن۔"

"یہ اسرائیل کے حامی کون ہیں؟" شیخ کی آنکھیں سُرخ ہوگئیں۔

"اس نے تمہارے لیے یہ جملہ استعمال کیا ہے۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ اب اُسے احساس ہوا تھا کہ میلوڈی ویک فیلڈ اس چھوٹے سے واقعے کو کس قدر گمراہ کُن تناظر میں پیش کر کے مغرب میں داد و تحسین پانا چاہتی ہے۔ "لیکن یہ پہلے ہی سزا یافتہ ہے۔ ہاتھ کٹے ہوئے ہیں۔ ویسے میرا اپنا خیال یہ ہے کہ آپ لوگوں میں اختلافات کے بیج بونے کے لیے اس عورت کو خاص طور سے یہاں بھیجا گیا ہے۔"

"چڑیل۔" شیخ نے میلوڈی کے تھپڑ مارا۔ اب خاموش رہنا۔ ایک بھی لفظ مُنہ سے نکالا تو زبان بھی کٹوا دوں گا۔"

"کمین۔ اسرائیلی نسل کے دُشمن۔" میلوڈی کا کردار اچانک ہی ننگا ہوگیا۔ "خبیث۔" اسرائیل تمہیں اس تھپڑ کی سزا ضرور دے گا۔"

"چپ رہو۔" ٹائیگر نے غرا کر کہا۔

"دھوکے باز۔" وہ دانتوں سے ٹائیگر کو کاٹنے لگی مگر ٹائیگر نے اُسے دھکا دیا۔ وہ گری۔ اُس نے مسلمانوں کو پھر گالی دی مگر اُس کے بعد ٹائیگر کا جوتا اُس کے مُنہ پر جم گیا۔ "اب تم بوسٹن میں بھی نہیں بول سکو گی۔"

✠

شیخ، اوشان اور ٹائیگر تینوں ایک ساتھ بیٹھے ہوئے تھے جب کہ جنرل بل، ریوا، میلوڈی اور عبدل ان کے سامنے کھڑے ہوئے تھے۔

"ان کا کیا حشر کیا جائے اسٹر؟" شیخ نے اوشان سے پوچھا۔

"آپ کا فیصلہ حق و انصاف پر مبنی ہوگا اعلیٰ حضرت۔"

اوشان نے دو ٹوک جواب دینے کی بجائے فیصلہ شیخ ہی پر چھوڑ دیا۔

"اِدھر آؤ۔" شیخ نے جنرل بل کی طرف اُنگلی اُٹھا کر اشارہ کیا۔ "آگے آؤ۔"

جنرل بل دو قدم آگے آگیا۔

"تم حملہ آور فوج کے کمانڈر تھے؟"

"نہیں ہز ایکسیلنسی۔" جنرل بل نے گھبرا کر جواب دیا۔ "میں نہیں۔ یہ فضیحہ کمانڈر تھا۔" جنرل نے ٹائیگر کی طرف اشارہ کیا۔

"میں تو جنگ سے نفرت کرتا ہوں، بنیادی طور سے سیلز مین ہوں اسلحہ فروخت کرتا ہوں۔ امن و بھائی چارے پر میرا یقین ہے۔ میں تو خود ان نیزوں اور تلواروں کی جگہ جدید اسلحہ فراہم کرنے کے لیے آپ سے گفتگو کرنا چاہتا تھا۔ بہت سستے داموں انتہائی اعلیٰ اسلحہ فراہم کر سکتا ہوں جنابِ عالی۔"

"ہمارے پاس تو پیں اور ٹینک خریدنے کے لیے رقم نہیں۔" شیخ نے بڑی نفرت سے جواب دیا۔

"کمال ہے۔ یقین نہیں آتا۔ اس علاقے کا شیخ اور اس کے پاس رقم نہ ہو۔" جنرل بل کے چہرے سے صاف ظاہر تھا کہ اُسے واقعی شیخ کی بات پر یقین نہیں۔

"ہمارے پاس دولت نہیں۔"

"تب پھر میں امریکی شہری ہونے کی حیثیت سے اپنی خوردہ ہالی کا مطالبہ کرتا ہوں۔" جنرل بل کا لہجہ اچانک بدل گیا۔ "اگر واشنگٹن کو یہ گرانڈی کا علم ہوگیا تو دُنیا بھر میں قیامت مچ جائے گی۔"

"خاموش۔" شیخ نے دہاڑ کر کہا۔ اُس کا لہجہ کسی شیر کی دہاڑ سے کم نہ تھا۔ پھر چند لمحوں تک وہ اُسے گھورتا رہا اس کے بعد اُس نے کہا۔ "میں تمہیں تمہارے ان فوجیوں سمیت علاقہ بدر کرتا ہوں۔ جو دراصل فوج کے نام پر دھبا ہیں۔ دفعان ہو جاؤ اور اگر پھر کبھی اس علاقے میں نظر آئے تو تم سے چور طرف والا سلوک کیا جائے گا۔"

"میں واپس نہیں آؤں گا لیکن اگر آپ کے پاس کچھ دولت ہے تو جدید اسلحہ۔"

"خاموش۔" شیخ نے ساتھ اُٹھا کر کہا۔ "چلے جاؤ۔" اور پھر اُس نے اپنے ایک گارڈ کو قریب بُلا کر اُس کے کان میں کچھ کہا۔ اس کے بعد اوشان سے سرگوشی کی جس کو سُن کر اوشان مسکرانے لگا۔

"شیخ کیا کہتا ہے ٹل فادر؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"اس کا کہنا ہے کہ جنرل کو احمقانہ بکبر ہے اور شیخ اس کے اس گھمنڈ کو کم کرنے کی کوشش کرے گا۔"

"وزیر کا کیا ہوگا؟" ٹائیگر نے شیخ کے گارڈ کو خیمے سے جاتے ہوئے دیکھ کر پوچھا۔ لیکن اُس کے کان کسی آواز پر لگے ہوئے تھے۔ تاہم جب اُسے کسی کی چیخ سُنائی نہ دی تو وہ مطمئن ہوگیا۔

"اسے رہا کر دیا جائے گا۔" اوشان نے جواب دیا۔

"مگر اس نے شیخ کے قتل کی سازش کی تھی فل فادر۔"

"اسے چھوڑ دیا جائے گا۔" اوشان نے پھر کہا۔ "اس وقت وہ محافظوں کی نگرانی میں ایک ایسے مقام کی طرف لے جایا جا رہا ہے جہاں اُسے چھوڑنے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ یہ مقام صحرا کے اندر ایک سو میل دُور واقع ہے۔ شیخ نے اُس کی یہ خواہش پوری کر دی ہے کہ وہ کسی علاقے کا حکمران بن سکے۔ اب وہ خالی صحرا پر حکمرانی کرے گا اور پیاس بجھانے کے لیے بارش کی دُعائیں کیا کرے گا۔"

شیخ نے پھر اشارہ کیا اور اس بار میلوڈی آگے بڑھ آئی۔

ٹائپ رائٹر اب بھی اُس کی گردن سے جھول رہا تھا۔

"اس عورت کا کیا انجام ہونا چاہیے؟" شیخ نے اس مرتبہ ٹائیگر سے پوچھا۔

"اس کا انجام؟" ٹائیگر ایک طویل سانس لے کر بولا۔ "اس عورت کے دونوں ہاتھ کٹے ہوئے ہیں اس لیے اسے قطع ید کی سزا نہیں دی جا سکتی۔ ویسے اس کا فیصلہ کرنا میرا ہی استحقاق ہے کیونکہ اس نے میرے بعض جوانوں کو دعوتِ گناہ دی تھی۔"

"اوہ۔" شیخ کے چہرے پر نفرت کے سائے منڈلانے لگے۔ "یہ عورت جس طرح صداقت فروخت کرتی ہے اسی طرح جسم فروش بھی ہے۔"

شیخ کچھ اور بھی کہتا لیکن معاً ہی خیمے کے باہر کسی نے کچھ کہا اور پھر زیتون محافظوں کو دھکیل کر اندر آگئی۔ وہ تقریباً دوڑتی ہوئی شیخ کے قدموں سے لپٹ گئی۔

"اعلیٰ حضرت!" وہ رو رہی تھی۔ "میں اپنے شوہر کی زندگی کی بھیک مانگتی ہوں۔"

"اوہو۔" ٹائیگر اُچھل پڑا پھر اُس نے اوشان سے سرگوشی کی کہ اس عورت کو تو عبدل سے نفرت ہے؟"

"ہاں۔ مگر یہ اس کی بیوی بھی ہے۔" اوشان نے جواب دیا۔

"اس کی زندگی کے لیے کوششیں کرنا اس عورت کی ذمے داری ہے عبدل۔ یہ جسم فروش ہے اور تم روح فروش ہو۔ ایمان فروش ہو۔ تم یقیناً ایک دوسرے کے لیے بنے ہو۔" شیخ نے تلخ لہجے میں گمر ہنس کر کہا۔ "اب جاؤ۔"

وہ دونوں دروازے کی طرف بڑھ گئے۔ میلوڈی بہت

شوہر... میرا بیٹا... رحم کا مستحق نہیں میری بیٹی! وہ تو تمہاری آنکھوں سے ٹپکنے والے ایک آنسو سے بھی زیادہ اہمیت نہیں رکھتا۔"

"وہ میرا مجازی خدا ہے اعلیٰ حضرت۔" زیتون رو رہی تھی۔

اس پر شیخ نے بڑی اُداسی سے سر ہلایا۔ "عبدل۔ اِدھر آؤ۔" اُداس شیخ کے لہجے میں طوفانوں جیسی برہمی تھی۔

عبدل ڈرتا ہوا آگے بڑھا اور سر جُھکا کر کھڑا ہوگیا۔

"تم میرے بیٹے نہیں ہو۔" شیخ نے کہا۔ "تم میں نہ تو مردوں والا دل ہے نہ ہی ہمت۔ تم میں کوئی صلاحیت بھی نہیں۔ طاقت نہیں۔ علم نہیں۔"

"مم۔ میں۔"

"خاموش۔" شیخ نے بڑے غصے سے کہا۔ "اگر تمہارے پاس کوئی قابلِ قدر چیز ہے تو یہ عورت ہے۔ اس عورت کو دیکھو ... میں اس سے اتنا ہی پیار کرتا ہوں جتنا اپنی بیٹی سے... اور صرف اسی عورت کی وجہ سے تمہاری جان بخشی کی جا رہی ہے۔ عبدل۔ زیتون۔ میری طرف دیکھو۔"

دونوں کھڑے ہوگئے۔

"بہتر یہ ہے کہ تم زیتون کو طلاق دے دو۔" شیخ نے اچانک ہی فیصلہ کر دیا۔

عبدل نے اپنی زندگی بچانے کے لیے فوراً ہی زیتون کو طلاق دے دی۔

"میں تمہیں طلاق دیتا ہوں۔" عبدل نے زیتون سے تین دفعہ کہا اور پھر شیخ کی طرف پلٹا۔ "میں نے آپ کا حکم پورا کیا۔"

"ٹھیک۔" شیخ نے سر ہلا دیا۔ "اور اب تم یہاں سے چلے جاؤ۔ دور چلے جاؤ۔ میں تمہیں عاق کرتا ہوں۔ میرے لیے تم مر چکے ہو اور اگر کبھی تم اس علاقے میں نظر آئے تو تمہیں قتل کروا دیا جائے گا۔ سمجھ گئے۔"

"جی ہاں۔" عبدل جان بخشی کے اس واضح حکم پر خوش ہوگیا۔

"جاؤ۔ لیکن رکو۔ میں تمہیں ایک تحفہ دینا چاہتا ہوں۔"

شیخ اچانک ہی میلوڈی کی طرف پلٹا۔ "عورت! اس شخص کے قریب کھڑی ہو جاؤ۔" اُس نے کہا۔ "اب یہ عورت تمہاری ذمے داری ہے عبدل۔ یہ جسم فروش ہے اور تم روح فروش ہو۔ ایمان فروش ہو۔ تم یقیناً ایک دوسرے کے لیے بنے ہو۔" شیخ نے تلخ لہجے میں گمر ہنس کر کہا۔ "اب جاؤ۔"

وہ دونوں دروازے کی طرف بڑھ گئے۔ میلوڈی بہت

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

خوش تھی اور کہہ رہی تھی۔ "شہزادہ میرا شوہر بنے گا! یہ تو میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔"

"بیٹی۔" شیخ نے زیتون کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "اب تم آزاد ہو۔"

زیتون شیخ کی پشت کے پیچھے جا کر کھڑی ہو گئی۔

"اور ماسٹر۔" شیخ اب اوشان کی طرف بڑھا۔ "اب اگر تمہارا بیٹا بھی چلا جائے تو۔"

"جاؤ شہزادہ۔" اوشان نے حکم دیا۔

"یعنی۔ چلا جاؤں۔" ٹائیگر حیرت سے دونوں کو دیکھنے لگا۔

"ہاں۔ چلے جاؤ۔"

"ٹھیک ہے۔ چلا جاتا ہوں۔" ٹائیگر نے کھڑے ہو کر کہا اور جب وہ ریوا کے قریب سے گزرا تو وہ کہہ رہی تھی۔ "تم کسی فوجی کی طرح بدلو دار ہو۔"

باہر نکل کر ہی ٹائیگر کو احساس ہوا کہ شیخ نے جنرل کے تکبر کو کس طرح کچلا ہے۔ اس نے جنرل کو فوج کی قیادت کرتے ہوئے دیکھا۔ ان کے جسموں پر صرف دھجیاں تھیں یا پیروں میں جوتے۔ ان کے بالائی جسم برہنہ تھے اور وہ پیدل مارچ کر رہے تھے۔

ٹائیگر مسکرا دیا۔ اچانک ہی اُس کی نظر رولز رائس پر پڑی آسکر اس سے ٹیک لگائے ہوئے کھڑا تھا۔ وہ سنجیدہ ہو گیا۔ اس بار اُسے احساس ہوا کہ اتنے دنوں میں آسکر نے کبھی کار نہیں چھوڑی وہ کار کے اندر رہا یا باہر۔ کار سے ایک فٹ بھی دُور نظر نہیں آیا ٹائیگر کا ذہن سنسنانے لگا... اس نے اس راز کو طشت از بام کرنے کا فیصلہ کر

اُسے خیمے سے ریوا اور شیخ کی آواز سُنائی دی۔ اس کے بعد اوشان کچھ بولا۔ ٹائیگر چل دیا۔ اُس کے قدم کار کی طرف اُٹھ رہے تھے آسکر اُسے اپنی طرف آتا دیکھ کر چوکس ہو گیا۔

"تم یہاں کھڑے ہو آسکر؟ تمہیں شیخ نے طلب نہیں کیا؟" ٹائیگر نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں۔ شیخ کی مرضی۔" آسکر نے اُسے گھورا۔ "لیکن یہاں سے چلے جاؤ۔ میں ریوا کو اپنی کار کے قریب کسی دُوسرے کا منڈلانا پسند نہیں۔"

"مگر کیوں؟" ٹائیگر نے پھر پوچھا۔ "اس کے پاس اس کے علاوہ اور بھی کاریں ہوں گی آسکر۔"

"میں کہتا ہوں... یہاں سے چلے جاؤ۔" آسکر غرایا۔

"کیوں چلا جاؤں؟"

"زیادہ بہادر مت بنو۔" آسکر کے تیور خطرناک تھے۔ "تم خود کو کیا سمجھتے ہو؟"

"کچھ بھی نہیں۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ لیکن میں یہ سمجھ گیا ہوں کہ تم کار کے قریب کیوں رہتے ہو۔ میرا خیال ہے کہ اس کار میں کوئی خاص چیز رکھی ہوئی ہے اور تم اس کی حفاظت کرتے رہتے ہو۔"

"دیکھو۔ چلے جاؤ ورنہ پچھتاؤ گے۔" آسکر نے اس بار کھل کر دھمکی دی۔

"چلا جاؤں گا لیکن پہلے کار کی تلاشی لینے دو۔" ٹائیگر نے پیشکش کی اور فرنٹ ڈور کھولنے کے لیے ہاتھ آگے بڑھایا اور آسکر کو پرے دھکیل دیا۔ دروازہ کھولتے ہی اُس نے ڈیش بورڈ کھول لیا لیکن اس مرتبہ آسکر نے عقب سے حملہ کیا۔ اُس نے ٹائیگر کی گردن دبوچنے کی کوشش کی تاہم ٹائیگر نے اسے جھٹک دیا۔ وہ دُور جا گرا لیکن پھر لپکا اس بار اُس نے ٹائیگر کے دونوں پیر پکڑ کر اُسے کھینچنے کی کوشش کی... وہ اس کوشش میں بھی ناکام رہا۔ ٹائیگر نے پیروں کو جھٹکا دیا تو وہ ریت پر منہ کے بل گر گیا۔

"لیکن ڈیش بورڈ میں کوئی چیز چھپا کر رکھنا احمقانہ بات ہوگی اور تم لوگ اتنے احمق نہیں ہو۔" ٹائیگر نے پلٹ کر اس طرح کہا جیسے اُس سے مشورہ کر رہا ہو۔ "میں اس کار میں کئی روز سے سفر کر رہا ہوں مجھے پہلے ہی تلاشی لے لینی چاہیے تھی۔ ڈکی کی چابی کہاں ہے دوست؟"

آسکر ریت پر بیٹھا رہا۔

"لاؤ یار۔ چابی دو۔"

آسکر کھڑا ہو گیا۔ "ہرگز نہیں۔" اُس نے حملہ کرنے کے لیے پوزیشن ہی بنالی۔ اُس کے دونوں پیر پھیلے ہوئے تھے اُنگلیاں مُکے کی شکل میں بدل گئیں۔ اُس نے دونوں ہاتھ اُٹھا لیے۔

"لڑے جھگڑا مت کرو۔" ٹائیگر نے اُسے پچکارا۔ "چابی دو میں اس کار کو برباد کرنا نہیں چاہتا۔"

"اس سے قبل کہ میرا مغز پھر جائے وہاں سے ہٹ جاؤ۔" آسکر نے پھر دھمکی دی۔

"تمہاری مرضی۔" ٹائیگر نے کندھے اُچکا کر کہا اور ڈکی کی طرف بڑھ گیا۔ اُس نے ہینڈل پر ہاتھ رکھ کر اُسے ہلکا سا جھٹکا دیا۔ تالا ٹوٹنے کی آواز سُنائی دی اور ڈکی کھل گئی۔ ٹائیگر کھلی ہوئی ڈکی پر جھک گیا لیکن اُسی لمحے آسکر اُچھل کر آیا... اُس نے بہت نزدیک سے ٹائیگر کی گردن پر دو ہتڑ مارا لیکن ٹائیگر نے کسی ردِ عمل کا اظہار نہ کیا۔

مصنف اظہر کلیم کے ایڈونچرس اور تجسس آمیز ناول

پیار

مایوسی کے آخری لمحے پر حیات نو تعمیر کرنے والے ایک نوجوان کی داستانِ حیات، درد کے سانچے میں ڈھل جانے والی زندگی کو موت سمجھنے والوں کیلئے رہنما تحریر

سفید کاغذ، خوبصورت سرورق، مضبوط جلد قیمت -/175 روپے

شہباز

محمد کے ایک جیالے نوجوان کے ناقابل فراموش کارناموں، ہنگاموں اور دہشت آمیز ماردھاڑ سے بھرپور داستان مسلسل..... جرأت و شجاعت کے پیکر شہباز منگولی کا فسانۂ حیات

2 حصوں میں مکمل سیٹ -/120 روپے

ایک کفن بدوش سرفروش کی داستانِ حیات

سرفروش

2 حصوں میں مکمل سیٹ -/120 روپے

اشاعت

مکتبہ القریش ◎ سرکلر روڈ

اردو بازار۔ لاہور ۲۔ فون: ۷۶۶۸۹۵۸

"یار دیکھنے تو دو... اندر کیا کیا ہے؟" اُس نے کہا۔

آسکر نے پوری قوت سے ٹائیگر کے بائیں پہلو پر ضرب لگائی لیکن اچانک ہی اُسے ایسا لگا جیسے اس کی اُنگلیاں فولاد سے ٹکرا گئی ہوں۔

وہ ہاتھ دبا کر رہ گیا۔

ٹائیگر اب ایک کارٹن نکال رہا تھا۔ آسکر نے پھر حملہ کرنے کا سوچا لیکن جونہی اُس نے اُنگلیاں ہلانے کی کوشش کی اس کی چیخ سی نکل گئی۔ شاید ہاتھ کی اُنگلیاں ٹوٹ گئی تھیں۔

"تو یہ ہے۔" ٹائیگر نے کارٹن کھولا تو سر ہلا کر رہ گیا۔ اندر موجود تھیلے میں لپٹا ہوا ایک بہت چھوٹا سا کارٹن تھا۔ "یہ کیا ہے آسکر؟" اس نے پوچھا۔

"مجھے دے دو۔" آسکر نے بایاں ہاتھ جس کی اُنگلیاں سلامت تھیں آگے بڑھا کر کہا لیکن ٹائیگر نے محض نفی میں سر ہلا دیا۔ "یہ چیز پورے سفر کے دوران ہمارے ساتھ رہی ہے نا؟" اُس نے پوچھا۔ آسکر چُپ رہا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ بیماری ریوا لے یہ بکٹیریا ابھی تک شیخ کے حوالے کیوں نہیں کیا؟ اُس کی آمد کے بارے میں تجسس کیوں پھیلایا گیا؟ اُس نے مجھے یہ تاثر دینے کی کوشش کیوں کی کہ اگر یہ شیخ تک پہنچ گیا تو وہ برباد ہو جائے گی۔ اب بولو بھی۔ بولو یار۔ ٹوٹا ہوا ہاتھ پکڑے یونہی کب تک کھڑے رہو گے۔"

"مس ریوا نے مجھے کچھ نہیں بتایا۔" آسکر نے بے بسی سے جواب دیا۔

"تب پھر مجھے ضرور بتلائے گی آسکر۔" ٹائیگر نے کارٹن بغل میں دبا کر جواب دیا۔ اپنے ہاتھ کا ایکسرے ضرور کرا لینا۔

*

"بکٹیریا پہنچ چکا ہے۔" ریوا نے کہا۔

"کہاں رکھا ہے؟" شیخ نے چونک کر پوچھا۔

"میری کار میں۔"

"تب پھر لاؤ۔ ہم اُسے فوراً استعمال کریں گے۔"

"لیکن اس نوجوان کی طرف سے۔"

"کوئی خطرہ نہیں۔" شیخ نے جواب دیا۔ وہ بہت بے صبرا لگ رہا تھا۔

"کیا تم اُسے زندہ چھوڑ دو گے؟" ریوا نے یہ سوال اوشان سے کیا تھا۔

"کیوں نہیں۔ فوجی کمانڈر کی حیثیت سے اُس کی صلاحیتیں کسی کے لیے خطرہ نہیں۔" اوشان نے جواب دیا۔

"لیکن بکٹیریا کے استعمال کے سلسلے میں وہ ہمارا منصوبہ ناکام بھی بنا سکتا ہے۔" ریوا نے ٹائیگر کے زندہ رہنے پر اعتراض کیا۔

"وہ زندہ رہے گا۔" اوشان نے سر ہلا دیا۔

"لیکن اُس نے تمہارے بارے میں جو کچھ کہا ہے کیا اس کے بعد بھی اُسے زندہ رہنے دو گے؟"

"کیا کہا ہے اُس نے؟"

"یہی کہ وہ تمہیں قتل کر دے گا۔ اُس کا کہنا ہے کہ وہ مشرقی لوگوں کو پسند نہیں کرتا۔"

"یہ تو انتہائی خطرناک بات ہے ماسٹر۔" شیخ نے قدرے خوفزدہ انداز میں کہا۔

"ٹھیک ہے۔ میں دیکھ لوں گا۔" اوشان نے جواب دیا۔

"کب؟" ریوا نہ جانے کیوں ٹائیگر کو مروانے کے لیے عجلت میں تھی۔

"ابھی۔" اوشان نے جواب دیا۔ عین اُسی وقت اُنہیں کسی کی ہلکی سی چیخ سنائی دی۔ وہ باہر نکلے تو آسکر ٹوٹا ہوا ہاتھ لیے خیمے کے باہر کھڑا ہوا تھا جب کہ ٹائیگر اپنے خیمے میں جا کر لیٹ چکا تھا۔ آسکر نے اُنہیں بتایا کہ کیا ہوا ہے۔ اوشان سر جھٹک کر ٹائیگر کے خیمے کی طرف بڑھ گیا۔ ریوا اور آسکر اُس کے ساتھ ساتھ تھے۔

✣

"شہزاد۔" ٹائیگر نے اوشان کی آواز سُنی۔

"کیا بات ہے؟" اُس نے لیٹے لیٹے ہی پوچھا۔

"وہ کہاں ہے؟"

"بہت محفوظ جگہ پر ہے جہاں کوئی اُسے چھو بھی نہیں سکتا۔"

"کیا تمہارے ساتھ اندر ہی ہے؟"

"نہیں۔ میں نے چھپا دیا ہے۔" ٹائیگر نے جواب دے کر دونوں ہاتھ سینے پر رکھ لیے۔ وہ ہنس رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اوشان بکٹیریا کہاں تلاش کرے گا وہ اُسے ریت میں دفن کر کے آیا تھا اور یہ حرکت آسکر نے بھی نہیں دیکھی تھی۔

وہ اتنی زور سے ہنسا تھا کہ قہقہہ نما آواز اُن لوگوں نے بھی سُنی تھی۔ ٹائیگر نے کارٹن کو اپنے خیمے سے ٹھیک پندرہ قدم دُور دو فٹ گہرائی میں دفن کیا تھا اور اب وہ سونا چاہتا تھا۔ اُسے یقین تھا کہ اب کارٹن کو ماسٹر آف سنا بھی تلاش نہیں کر سکے گا اور پھر جب وہ امریکہ واپس جائے گا تو کارٹن اُس کے ساتھ ہو گا۔ اسے خوشی تھی کہ اس بار اوشان ناکام رہا ہے۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

اُسے دیر تک نیند نہیں آئی تو وہ اُٹھ کر خیمے کے دروازے پر آ گیا۔ اُس نے پردہ اُٹھا کر باہر دیکھا۔ تو واقعی سن ہو کر رہ گیا۔

باہر کارٹن اوشان بغل میں دبائے ہوئے چل رہا تھا جبکہ ریوا اور شیخ اُس کے پیچھے پیچھے تھے۔ اسے بھی باہر نکلنا پڑا۔

"لٹل فادر۔" اُس نے آواز دی۔

"کیا بات ہے؟"

"آپ نے اسے کہاں سے تلاش کر لیا؟"

اُس جگہ سے جہاں تم نے رکھا تھا۔

"مگر آپ کو علم کیسے ہوا؟"

"تم نے کارٹن دفن کرتے ہوئے یہ خیال نہیں رکھا تھا کہ تمہارے ایک انگوٹھے کا نشان ریت پر باقی رہ گیا ہے؟" اوشان نے بڑی بے نیازی سے جواب دیا۔

"فادر۔" ٹائیگر اس کے قریب پہنچ گیا۔ "یہ بکٹیریا مجھے واپس کر دیں۔ اسے بہرام تک لے جانا ہے۔"

"نہیں۔" شیخ نے سخت لہجے میں کہا۔ "یہ آخری موقع ہے کہ میں اپنی قوم کو تیل کی غلامی سے نجات دلا سکوں۔"

"مجھے افسوس ہے شہزاد۔" اوشان نے بھی معذرت کر لی۔ "لیکن میں اپنی تاریخی ذمے داریاں پوری کر رہا ہوں۔"

یہ کہتے ہوئے اوشان نے کارٹن کا بالائی حصہ کھولا۔ اُس کے اندر سے ایک میٹ ٹیوب برآمد ہوئی۔ اُس پر ایک ڈاٹ لگی ہوئی تھی۔ اوشان اس ڈاٹ کو کھولنے لگا۔

"اوشان نہیں۔" ٹائیگر چلایا لیکن اُسے دیر ہو چکی تھی۔ اوشان نے ٹیوب کھول کر پانی کے تالاب میں ڈال دی۔

"میرے خدا۔" ٹائیگر کا دل چاہا کہ وہ سوئیٹ لے۔ "یہ تالاب زیر زمین پانی سے بنا ہے اور اس طرح انارو بک بکٹیریا زیر زمین جا کر تیل کے ذخائر تک پہنچ جائے گا۔"

ٹائیگر تالاب کے شفاف پانی کو گھورنے لگا۔ پانی میں چھوٹے چھوٹے بُلبلے پیدا ہونے لگے اور پھر تمام بُلبلے ایک جگہ جمع ہو کر موم کی شکل اختیار کرنے لگے۔ کچھ دیر بعد موم کا ایک ڈھیر سا لگ گیا تاہم بعض بُلبلے اب بھی تالاب میں تیر رہے تھے۔

ٹائیگر کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ اُس نے جھک کر موم اُٹھایا۔ موم بے جان سا تھا۔ اُس نے اوشان کی طرف دیکھا اور پھر موم کو اُنگلیوں سے مسلا۔ موم ٹکڑے ٹکڑے ہو کر تالاب میں گرنے لگا۔

"لٹل فادر۔" ٹائیگر کی آواز بھرا گئی۔ "پانی اس کا قاتل ہے۔"

"تب پھر سمندر نے ان جراثیم کو قتل کیوں نہیں کیا؟"

"پتا نہیں۔"

"پانی چکھو۔" اوشان نے حکم دیا۔ ٹائیگر نے چلو بھر پانی پیا۔ پانی بہت میٹھا تھا۔ وہ سمجھ گیا کہ میٹھا پانی بکٹیریا کا توڑ ہے۔ اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔

"مگر تم نے مجھے میرے مشن میں شکست دے دی ہے شہزاد۔" اوشان نے عزم کر کہا۔

"میں سمجھا نہیں۔"

"میں اُدھار چکانے کا عادی ہوں۔"

"فادر۔"

"اب فیصلہ میدان جنگ میں ہو گا۔" اوشان کا لہجہ بہت عجیب تھا۔

"کیا؟" ٹائیگر کو اپنی سماعت پر یقین نہیں آیا۔

"آج۔ غروب آفتاب کے وقت۔ وہاں۔" اوشان نے اُنگلی سے نخلستان کی طرف اشارہ کیا۔ "بڑے درخت کے نیچے۔"

"کیا آپ مذاق کر رہے ہیں؟" ٹائیگر گڑبڑا کر رہ گیا لیکن اوشان بہت سنجیدہ تھا۔

"وہاں موجود رہنا۔ ایسا نہ ہو کہ میں تمہیں تلاش کرنے پر مجبور ہو جاؤں۔" اوشان نے عزم کر جواب دیا اور نخلستان کی طرف بڑھ گیا۔

نخلستان کو نصرف صاف کر دیا گیا تھا بلکہ اوشان کے حکم پر اس میں کسی اور کے داخلے پر پابندی بھی لگا دی گئی تھی۔ غالباً اوشان یہ نہیں چاہتا تھا کہ کوئی اور "جنگ" کو دیکھے۔

جس وقت ٹائیگر نخلستان کے قلب میں داخل ہوا تو درختوں کے سرے ہوئے اس حصے میں خنکی سی تھی اور سورج مغرب کی ریتلی پہاڑیوں کے عقب میں سفر کی تیاریاں کر چکا تھا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا، دُور کئی لوگ کھڑے ہوئے نظر آئے ان میں شیخ بھی تھا اور ریوا بھی۔

لیکن اوشان کہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔

وہ اوشان کو تلاش کرنے لگا اور تب ہی اسے نرم سی آواز سنائی دی۔ "میں یہاں ہوں شہزاد۔"

ٹائیگر نے پلٹ کر دیکھا۔ وہ بریگیڈ کا بادیہ پہنے ہوئے تھا جس کی چوڑی اور فراخ آستینوں پر سنہری رنگ کے نقوش بنے ہوئے تھے۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"کیا ہمیں واقعی مقابلہ کرنا ہے لٹل فادر؟" ٹائیگر نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"نہیں۔" اوشان نے جواب دیا۔ لیکن جلدی کرو، مجھے رِلک مارو۔"

ٹائیگر سب کچھ سمجھ گیا، وہ فضا میں بلند ہوا اور اس نے اوشان کے رِلک مارنے کی کوشش کی لیکن اوشان پھرتی سے ایک طرف ہو کر ٹائیگر کے عقب میں آگیا، پھر دونوں ایک دوسرے کو تولنے کے سے انداز میں دیکھنے لگے۔

"ہم یہاں کیا کر رہے ہیں لٹل فادر؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"کیا تمھیں یہ پتا چلانے میں دلچسپی نہیں کہ اس خبیث انار وبک کے پسِ پشت کون ہے؟" یہ کہتے ہی اوشان فضا میں بلند ہوا، اس کی قبا ہوا کے باعث پھڑپھڑانے لگی اس نے اوشان کے ہاتھوں اور ٹانگوں کو چھپا لیا، پھر گرتے ہوئے اس نے ٹائیگر کو ہاتھ مارنا چاہا، ٹائیگر فوراً جھک گیا اور پھر اوشان کا سر کھجور کے ایک درخت کے تنے سے ٹکرا گیا۔ یہ ضرب اتنی شدید تھی کہ درخت ٹوٹ گیا اس کے ٹوٹنے کی چرچراہٹ یقیناً دُور تک سنی گئی ہوگی۔

اوشان اب پھر ٹائیگر سے کہہ رہا تھا "میرا خیال ہے کہ وہ عورت ہمارے دشمنوں کی ایجنٹ ہے شہزادہ۔"

"کیوں؟" ٹائیگر نے فرنٹ رِلک استعمال کی جس کو اوشان نے بآسانی روک لیا۔ "آپ کو یہ اندازہ کس طرح ہوا؟" ٹائیگر نے پینترا بدل کر دونوں ہاتھ پھیلا لیے اس وقت اس کی انگلیاں اس طرح مڑی ہوئی تھیں جیسے خوفناک کیلیں بن گئی ہوں۔

"اس لیے کہ وہ مجھے تمھارے خلاف اُکسانے کی کوششیں کرتی رہی ہے۔" اوشان نے قلابازی کھانے سے قبل کہا۔ انداز سے ایسا لگ رہا تھا جیسے اس نے ٹائیگر کی کیل نما انگلیوں کی کاری ضرب سے بچنے کے لیے الٹی قلابازی کھائی ہو۔

"وہ مجھے تو بذاتِ خود مہلک بکثیر یا لگتی ہے لٹل فادر۔"

"درست۔" اوشان نے دونوں ہتھیلیاں نرمی کر کے زقند لگائی، اس کی دونوں ہتھیلیاں کیلوں کے جواب میں خنجر بن گئی تھیں، ٹائیگر نے دونوں ہاتھ چہرے کے سامنے کیے اور متواتر سولہ ضربوں کو کلائیوں کی مدد سے روکا، سترہویں ضرب ٹائیگر نہ روک سکا تو اوشان نے فوراً ہاتھ کھینچ لیے اور صرف ٹائیگر کے کان کی لَو کو چھونے پر اکتفا کیا۔

"اُف۔" ٹائیگر کے چہرے پر واقعتاً کرب کے آثار اُمڈ آئے۔ "لٹل فادر۔ بہت درد ہو رہا ہے۔"

"درد تو ہونا ہی تھا احمق۔" اوشان نے غرا کر کہا۔ "اگر میری جگہ تمھارا کوئی دشمن ہوتا تو سترہویں ضرب تمھارا کام تمام کر سکتی تھی۔ تمھارا دفاع ناقابلِ تسخیر ہونا چاہیے۔"

"فادر۔" ٹائیگر مسکرانے لگا۔ "دنیا میں صرف دو آدمی ایسے ہیں جو اس قسم کے خوفناک حملے کر سکتے ہیں ان میں سے ایک آپ ہیں اور دوسرا آپ کے سامنے۔"

"بکو مت۔ اسے لڑائی کی طرح ہی لڑو تاکہ دیکھنے والے خوش ہوتے رہیں۔۔۔ اس عورت کا مقصد یہی ہے کہ اس لڑائی میں کوئی ایک مارا جائے اور بچنے والے کو یا تو وہ قتل کرا دے یا پھر اپنے ماسٹر کا غلام بنا سکے۔"

"آپ کہیں تو میں اس سے سب کچھ اُگلوا لوں۔" ٹائیگر نے فُٹ اسٹروک استعمال کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ اس کے دائیں پیر نے مسلسل تو ضربیں لگائیں لیکن اوشان کسی ہلکے پھلکے تنکے کی طرح زمین پر دُور تک لڑھکتا چلا گیا اور ٹائیگر کی ساری توانائی زمین اُدھیڑنے پر صرف ہو گئی۔

"نہیں۔" اوشان نے جواب دیا۔ "میں نے شیخ سے بات کی ہے اور وہ شیخ کے کسی ایسے دوست کی نمائندہ ہے جسے شیخ نے پہلے کبھی نہیں دیکھا اور خود عورت کو اس سے زیادہ کچھ معلوم نہیں میری رائے یہ ہے کہ اسے پتا ہی نہیں کہ وہ کس کے لیے کام کر رہی ہے لہٰذا اس پر تشدد کا کوئی نتیجہ نہیں نکلے گا۔"

"ممکن ہے کہ اس کا ماسٹر وہی شخص ہو جس نے آپ کو ملازم رکھنے کی کوشش کی تھی۔ یاد ہے۔۔۔ اس نے آپ کو ٹیلی فون بھی کیا تھا؟"

"ہاں۔" اوشان نے فلانگ رِلک کے انداز میں زقند بھری لیکن ٹائیگر نے ہٹنے کے بجائے دونوں ہاتھ پھیلا دیے اوشان نے فوراً ہی پوزیشن بدلی اور اس انداز میں ٹائیگر کے سامنے دھم سے پہنچا کر دونوں نے ایک دوسرے کے ہاتھ پکڑ لیے۔ اب وہ دو انتہائی طاقتور پہلوانوں کی طرح زور آزمائی کرنے لگے۔

"اور میرا خیال ہے کہ جس وقت میں ٹیلی فون پر گفتگو کر رہا تھا اس وقت وہ اس جادوئی مشین پر ہدایات لے رہا تھا۔"

"کمپیوٹر ٹرمینل سے؟"

"ہاں۔ میرا مشورہ یہ ہے کہ تم ہر قیمت پر اس کے ماسٹر کو تلاش کر کے قتل کر دو۔ بصورتِ دیگر ہمیں ہر قدم کے دشمنوں کا سامنا کرنا پڑتا رہے گا۔"

ایک پراسرار ہستی کی حیرت انگیز خود نوشت

فریادی

شمیم نوید

اُس نگاہ میں ہزاروں سال پر محیط تھا

6 حصوں میں شائع ہو گئی ہے

قیمت فی حصہ -/60 روپے مکمل سیٹ -/360 روپے

ملنے کا پتہ مکتبہ القریش سرکلر روڈ، اُردو بازار، لاہور فون 7668958

Scanned And Uploaded By Muhammad Waseem

"لیکن یہیں یہ بڑا مارکنے کی بھلا کیا ضرورت ہے؟" ٹائیگر نے ایک جھٹکے سے خود کو اوشان کی گرفت سے نکال کر کہا جو پہلے ہی اوشان ڈھیلی کر چکا تھا۔ اوشان پھر لپکا اور اس نے بظاہر بڑی مضبوطی سے ٹائیگر کا سر پکڑ لیا تاہم اس کے ہاتھوں کی گرفت نہ ہونے کے برابر تھی۔

"میرا خیال ہے کہ اگر اسے یہ یقین ہو جائے کہ میں مر چکا ہوں تو پھر وہ تمہیں اپنے ماسٹر بنک لے جانے میں کامیاب ہو جائے گی۔" اوشان نے اس کے کان میں کہا۔

"ایک بات ابھی تک سمجھ میں نہیں آئی۔"

"اوہ۔ گڈ اس کا مطلب یہ ہے کہ اب برسوں بعد تم میں سیکھنے کی صلاحیت بیدار ہو رہی ہے۔"

"وہ یہ کہ جب آپ شیخ سے کیے گئے قدیم معاہدہ کے پابند ہیں تو میرا ساتھ کیوں دے رہے ہیں؟"

"تم احمق ہو۔"

"پلیز۔ مجھے احمق کہنا چھوڑ دیں اور سوال کا جواب دیں۔" ٹائیگر نے جسم کو اس طرح حرکت دی جیسے وہ بُری طرح تڑپ رہا ہو۔

"بتا نہیں۔" اوشان نے جواب دیا۔ "یہ درست ہے کہ مجھ پر شیخ کی طرف سے بعض ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں لیکن میں نے شیخ کے صندوق سے معاہدہ کا اصل مسودہ نکال کر دیکھا ہے اس میں صرف اتنا درج ہے کہ ماسٹر شیخ کی جان بچاتا رہے گا تاکہ شیخ اپنے دشمنوں پر غالب آسکے۔ اس زمانے میں تیل نہیں تھا لہٰذا معاہدے میں ایسی کوئی شق شامل نہیں کہ ماسٹر تیل کو تباہ ہونے سے بچائے گا۔ ویسے بھی میرا خیال ہے کہ تیل اس دور میں بہت اہمیت اختیار کر گیا ہے۔"

"وہ کیوں؟" ٹائیگر نے چونک کر پوچھا۔

"اس لیے کہ پلاسٹک بنانے کے لیے تیل کا استعمال ضروری ہے، پلاسٹک سے ٹی وی سیٹ بنتے ہیں اور ٹی وی سیٹ پر لوگ فلمیں دیکھتے ہیں۔ تیل بہت اچھی چیز ہے۔" یہ کہہ کر اس نے ٹائیگر کو فضا میں اچھال دیا۔ ٹائیگر کا جسم تیر کی طرح ایک ایسے موٹے تنے والے درخت کی طرف جانے لگا جس سے ٹکرا کر اس کی کھوپڑی پاش پاش ہو سکتی تھی لیکن ٹائیگر نے جسم کو سکیڑ کر قلابازی کھائی اس کا توازن درست کیا، رفتار ٹھیک کی اور جب جسم تنے سے ٹکرایا تو ایسا ہی لگا جیسے کسی کشن سے ٹکرا گیا ہو۔ درخت سے ٹکراتے ہی اس نے جسم کو پھر اچھالا اور مخالف سمت میں اوشان کی طرف آنے لگا۔ اوشان نے ٹائیگر کو نہ صرف قریب آنے دیا بلکہ اس سے لپٹ کر گر بھی گیا۔

"جلدی کرو۔" اس نے سرگوشی کی۔ "میرے سر کے قریب ریت پر زوردار ضرب لگاؤ۔"

ٹائیگر نے ریت پر ضرب لگائی۔

"ایک اور۔" اوشان نے فرمائش کی۔

"تم میری موت کا باقاعدہ اعلان کرو گے۔" اوشان نے دوسری ضرب کے بعد کہا۔ "تم اپنے ماسٹر ہونے کا اعلان بھی کرو گے اور پھر آج ہی رات اس عورت پر دعوٰی کر دو گے۔ رات کو تم اپنے کسی بھی سکروہ عمل کی مدد سے اس عورت کو مجبور کر دو گے کہ وہ تمہیں گھڑی معلوم معلومات فراہم کرے... اور ہاں۔ مختصر پروگرام پر عمل کرنا۔"

"لیکن آپ کا کیا ہوگا؟"

"میں بہرحال اس وقت تمہارے خیمے میں موجود رہنا نہیں چاہوں گا جب تم دفن گندی باتوں میں مصروف ہو گے۔ تم مجھے میرے خیمے میں رکھ دینا اور یہ اعلان کرنا کہ ماسٹر کی میت کو ایک خاص مدت تک خالی کمرے میں رکھنا سانجو کی روایت ہے۔ ان کو کوئی بھی نامعقول وجہ بتا دینا۔ یہ لوگ رُوحوں سے باتوں پر یقین رکھتے ہیں، یہی کہہ دینا کہ سانجو کے بزرگوں کی رُوحیں مرنے والے ماسٹر سے گفتگو کے لیے خیمے میں آئیں گی لہٰذا وہاں کوئی نہ جائے، پھر کل ہم اس جگہ سے چلے جائیں گے اور ہاں۔ ایک اور ضرب لگاؤ۔ میں اتنی آسانی سے مرنا نہیں چاہتا۔"

ٹائیگر نے ہاتھ بلند کیا اور اس بار دیر تک بلند کیے رکھا تاکہ دیکھنے والے یہی سمجھیں کہ وہ ساری توانائی ہاتھ میں منتقل کر رہا ہے پھر اس نے حلق سے مخصوص آواز نکالتے ہوئے پوری قوت سے ریت پر ہاتھ مارا۔ دُور سے ایسا ہی لگ رہا تھا جیسے اس نے اوشان کے سر پر آخری ضرب ماری ہو۔ اس کے بعد

شہباز
مصنف اظہر کلیم
دو حصوں میں
مکمل سیٹ =/100 روپے
مکتبہ القریش
سرکلر روڈ اردو بازار لاہور
فون 7668958

اس نے فاتحانہ انداز میں دونوں ہاتھ بلند کر دیے۔

"زیادہ خوش مت ہو۔" اوشان نے غرا کر کہا۔

"ماسٹر مر گیا۔" ٹائیگر نے جان بوجھ کر گرجدار آواز میں اعلان کیا۔ "اب میں ماسٹر ہوں۔"

"تمہیں حسرت ہی رہے گی فرزند۔" اوشان نے جلے بھنے لہجے میں کہا۔

• •

ٹائیگر اوشان کو ہاتھوں پر اٹھا کر نخلستان سے نکلا۔ "آپ موٹے ہوتے جا رہے ہیں لٹل فادر۔" اس نے سرگوشی کی۔

"میرا وزن صرف سات اسٹون ہے احمق۔ میں ہمیشہ ایسا ہی پیارا اور چھوٹا سا رہوں گا۔"

"آپ موٹے ہو گئے ہیں۔"

"خاموش۔ اب ہم ان کے قریب پہنچ رہے ہیں۔" اوشان کے اس انتباہ پر وہ خاموش ہو گیا اور پھر شیخ کے سامنے پہنچ گیا۔

"ماسٹر مر چکا ہے شیخ۔" اس نے کہا۔ ماحول یکبارگی افسردہ ہو گیا اور شیخ کی آنکھوں میں آنسو جھلملانے لگے۔

"میں تمہیں آرے سے چروا دوں گا۔" شیخ نے بڑی نفرت سے کہا۔ "لیکن، میں کیا کروں؟ ماسٹر نے مجھ سے پہلے ہی یہ وعدہ لے لیا تھا کہ میں یا میرے آدمی تم پر کبھی ہاتھ نہیں اٹھائیں گے۔"

"مجھے خوشی ہے کہ ماسٹر نے آپ سے یہ وعدہ لیا تھا۔" ٹائیگر نے کہا۔ "شیخ! ماسٹر کی لاش رات بھر اس کے خیمے میں رہے گی۔ وہاں کوئی نہ جائے تاکہ سانجو کے بزرگوں کی رُوحیں ماسٹر کی رُوح کو لے جانے کے لیے خیمے میں داخل ہو سکیں۔"

"ٹھیک ہے۔" شیخ نے ٹوٹے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

• •

دستور کی صرف یہ تھی کہ لاشیں خراٹے نہیں لیتیں۔ جبکہ اوشان کے خراٹے اتنے زوردار ہوتے تھے کہ ٹائیگر کی نیند گویا اُچاٹ ہو جاتی تھی۔ ٹائیگر کو یہی خدشہ تھا کہ کہیں اوشان زوردار خراٹے نہ لینے لگے تاہم برابر والے خیمے سے ابھی تک خراٹے کی آواز نہیں آئی تھی صرف سانس کی آواز تھی جس کو ٹائیگر کے حساس کانوں کے سوا کوئی اور نہیں سن سکتا تھا۔

گاؤں خاموش تھا صرف ہَوا کی وجہ سے جھومتے ہوئے درختوں کی آواز ہی باقی رہ گئی تھی اور اسی خاموشی میں ٹائیگر کو اپنے خیمے کی طرف کسی آنے والے کے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔

وہ لیٹ گیا۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں۔

ریوا، خیمے میں آئی اور بہت خاموشی سے بلکہ دبے پیروں بستر کی طرف بڑھی۔ ٹائیگر آنکھیں بند کیے ہونے پر زور رہا۔ اس نے سماعت پر زور دیا اور صرف ریوا کے قدموں کی وہ آوازیں سننے لگا جو خود ریوا کو بھی سنائی نہیں دے سکتی تھیں۔

"شہزاد۔" اسے اپنے بہت قریب ریوا کی خمار سے بھری ہوئی آواز سنائی دی۔

"اوں۔" ٹائیگر نے کہا اور پھر خراٹے لینے لگا۔

"شہزاد۔" ریوا نے پھر سرگوشی کی۔

"میں سو رہا ہوں۔"

"سوتے رہو..." ریوا نے محبت بھرے لہجے میں کہا۔ سوتے رہو... جاگنے کی ضرورت نہیں۔"

۲۲

"ریوا!!" کچھ دیر بعد ٹائیگر نے آنکھیں کھول دیں۔ ریوا پسینے میں نہائی ہوئی تھی... اس کا چہرہ پُرسکون تھا اور آنکھیں بھی اب بالکل سکون کی مظہر تھیں۔

"لیٹے رہو۔" وہ سرگوشی میں بولی۔

"وہاں... نخلستان میں... میں جیتا اور یہاں تم۔" ٹائیگر نے عجیب سے لہجے میں کہا... "درحقیقت دونوں جگہ مجھے شکست ہوئی۔"

"میں جانتی ہوں کہ ایک دوست کو قتل کرنا کتنا کربناک ہوتا ہے ڈارلنگ۔"

"بہت کربناک۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیا اوشان آوازیں اور باتیں سُن رہا ہے اسے یقین تھا کہ اوشان جاگ رہا ہے کیونکہ اسے اس کے سانس کی آواز نہیں آ رہی تھی۔

"ویسے وہ ایسی موت کا مستحق بھی تھا۔" ٹائیگر نے جان بوجھ کر کہا۔ "وہ بہت تنگ نظر شخص تھا۔ اس نے مجھ سے کبھی اچھا سلوک نہیں کیا۔"

پڑوس کے خیمے میں یقیناً اوشان نے اپنی غراہٹ دبا لی تھی کیونکہ ٹائیگر کو ایک دبی دبی سی آواز سنائی دی تھی جو غراہٹ روکنے کا ہی نتیجہ ہو سکتی تھی۔

"میں نے تمہیں دیکھتے ہی اندازہ لگا لیا تھا کہ صرف تم ہی اسے ختم کر سکتے ہو۔" ریوا نے جھوم کر کہا۔ "تم بہت طاقتور نخلستان میں بھی طاقتور نظر آئے تھے اور یہاں بھی۔ ایسے کو بھلا ختم کرنے کی کیا ضرورت ہے۔"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"کوئی ضرورت نہیں۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ "ایسے شخص کو صرف احترام اور محبت ملنی چاہیے لیکن مجھے کبھی محبت کی نظر سے نہیں دیکھا گیا۔" اسے احساس تھا کہ عورتیں منتشر الخیال اور مضطرب و پریشان لڑکوں سے زیادہ متاثر ہوتی ہیں۔

"کیا تمہیں اس کے مرنے پر خوشی ہے؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"ہاں۔" ریوا اس کی انگلیوں کے لمس سے بے حال ہو گئی۔

"اور کیا بکٹیریا تباہ ہو چکا ہے؟" ٹائیگر نے مختصر پروگرام والی نصیحت پر عمل کرنا شروع کر دیا۔ وہ کئی عورتوں کو اس پروگرام سے زیر کر چکا تھا۔

"یس۔ اوہ۔ یس۔"

"لیکن ابھی تو بہت سا بکٹیریا باقی ہو گا۔" مختصر پروگرام کے اصول نمبر دو پر وہ عمل کر رہا تھا۔

"ہاں۔ ہے۔ بہت سا ہے۔ سینٹ مارٹین میں ہے۔"

"اسے کس نے تیار کیا ہے؟"

"میرے دوست نے۔" وہ ہانپنے لگی۔

"اس کا نام کیا ہے؟" ٹائیگر کی انگلیاں فنکارانہ انداز میں حرکت کر رہی تھیں۔

"پتا نہیں... اس سے میری ملاقات کبھی نہیں ہوئی۔ وہ صرف فرینڈ کہلوانا پسند کرتا ہے، اس نے میری کمپنیوں کی تشکیل میں مدد کی، اس نے پولی پوسائیڈ کا فارمولا دیا اس نے بکٹیریا بنوایا۔"

"کیا وہ یہی چاہتا ہے کہ تیل کی رسد ختم ہو جائے۔"

"یس۔ یس۔ یس۔"

"کیوں؟"

"وہ اسے نافع بخش سمجھتا ہے۔" ریوا بے قابو ہو رہی تھی۔

"تم نے شیخ کو بکٹیریا یہاں آتے ہی کیوں نہیں دے دیا تھا؟"

"فرینڈ... وہ چاہتا تھا کہ پہلے تم دونوں ایک دوسرے کو قتل کر دو یا اس کے لیے کام کرنے پر تیار ہو جاؤ۔"

"کیوں؟ وہ ہم سے کام لینا کیوں چاہتا ہے؟"

"اس لیے کہ وہ تمہیں زیادہ نافع بخش سمجھتا ہے۔"

"سڑک پر گھومنے والے آوارہ کتے۔" ٹائیگر نے اوشان کی سرگوشی سنی۔ اسے یقین تھا کہ یہ آواز ریوا نے نہیں سنی ہو گی۔ اس سے یہ بھی ثابت ہو چکا تھا کہ اوشان پوری گفتگو سن رہا ہے۔

"تو فرینڈ سے میرا تعارف کراؤ گی تا؟" ٹائیگر نے زیادہ نزدیکتوں کا مظاہرہ کیا۔

"یس۔ یس۔"

اور پھر کچھ دیر بعد جب وہ آرام کر رہے تھے تو ریوا کہہ رہی تھی۔ "تم میں کسی قسم کی کمزوری نہیں۔"

"نہیں۔ اگر تم میرے گُپت کے بال کاٹ دو تب بھی زندہ رہوں گا۔" ٹائیگر نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر جواب دیا۔

"میں تمہیں دوست سے ملانا چاہتی ہوں ڈارلنگ۔"

"ضرور۔ میں بھی ایسی ملاقات کا منتظر ہوں۔" ٹائیگر نے مسکرا کر جواب دیا۔

٧ ٧ ٧

شیخ سو رہا تھا۔ ماسٹر کی موت سے اُسے سخت صدمہ پہنچا تھا اور ماسٹر سے کیے ہوئے اس وعدے پر اسے زیادہ دکھ ہوا تھا کہ وہ ٹائیگر پر ہاتھ نہیں اٹھائے گا۔ اسی باعث اس کی نیند اُچاٹ تھی۔ بار بار خواب میں جنگ کا منظر آ رہا تھا۔ اس نے یہ خواب بھی دیکھا کہ تیل کے سیلاب میں اس کے لوگ ڈوب رہے ہیں تب ہی اس نے ایک نرم و لطیف آواز سنی۔

"تم انتہائی نیک اور اچھے حکمراں ہو... لیکن تم غلطی پر ہو۔"

شیخ نے کروٹ بدل لی۔

"تیل تمہارا دشمن نہیں۔ وقت اصل مسئلہ ہے۔" وہ سرگوشی پھر سنائی دی۔ "تیل نے تمہاری قوم کے کردار کو نہیں بگاڑا شیخ! تمہیں وقت کے ساتھ ساتھ خود کو بدلنا چاہیے۔ یا پھر... تبدیلی سے بچنے کے لیے صحرا کے اندر دُور تک بھاگ جانا چاہیے۔"

شیخ نے پھر کروٹ بدل لی۔

"تم اپنی دانش کو استعمال کر کے اپنے لوگوں کو بھی صاحبِ بصیرت بنا دو شیخ۔" آواز نیند میں مسلسل سنائی دے رہی تھی۔ "تم اپنی قوم کے باپ ہو... وہ سب تمہارے بچے ہیں۔ ان کی ترقی کے لیے کوششیں کرو۔ انھیں قدامت پرستی کے جاہلانہ تصور سے نجات دلاؤ۔ اسلام تو آسمان پر کمند ڈالنے کا سبق دیتا ہے... تسخیرِ کائنات کی بات کرتا ہے اور تم... تم لوگوں کو پیچھے لے جا رہے ہو۔ دُنیا بدل رہی ہے... تمہیں اور مجھے... روایت پسندی کے باوجود اس تبدیلی کا ساتھ دینا ہے۔"

شیخ کو ایسا لگا جیسے وہ نیند سے بیدار ہو رہا ہو اس نے ایک اور آواز سنی۔ یہ اس کی اپنی آواز تھی۔ "تم کون ہو؟" ساتھ ہی اس نے آنکھیں کھولنے کی بھی کوشش کی لیکن ایسا لگا جیسے کسی نے اس کی آنکھوں پر ہاتھ رکھا ہوا ہو۔

"میں سناںجو کا ماسٹر ہوں۔ میں تمہارے ساتھ تھا اور جب بھی تمہیں میری مدد کی ضرورت محسوس ہو گی میرا خاندان تمہاری مدد کے لیے دوڑ پڑے گا۔"

"لیکن ماسٹر... تم تو نخلستان کی جنگ میں..."

"ایوان سناںجو کبھی نہیں مرتا۔" نرم و لطیف آواز پھر گونجی۔ "اب میں جا رہا ہوں۔"

"کہاں؟"

"ایسے مقامات پر جہاں میری ضرورت ہے۔" آواز آئی۔ "اور سنو شیخ۔ اپنے لوگوں کو اپنی قباحتیں پلیٹ کر مت رکھو کیونکہ وقتاً فوقتاً لبادہ بھی تمہارے ساتھ ختم ہو جائے گا۔ انھیں جدید دور کے تقاضوں کے مطابق آگے بڑھنے دو۔ تمہارا دشمن... سرنیل... جدید دور کے تقاضوں پر عمل کر کے تم سے زیادہ طاقتور ہو چکا ہے۔ جدید ہتھیاروں سے لیس ہے... تیل تمہارا ہتھیار ہے۔ اسے استعمال کرو... دشمن فنا ہو جائے گا۔ الوداع میرے دوست۔"

شیخ کچھ دیر تک یونہی پڑا رہا۔ پھر اس نے آنکھیں کھولنے کی کوشش کی تو اس بار کھل گئیں۔ اس نے گھبرا کر جیسے ہر طرف دیکھا۔ وہاں اس کے سوا کوئی نہ تھا... پھر اچانک ہی اسے اپنے سینے پر کسی چیز کی موجودگی کا احساس ہوا اس نے ہاتھ سے وہ چیز اٹھائی، آنکھوں تک لایا۔ یہ ایک طلائی تمغہ تھا گول تمغہ اور اس کے اندرونی حصے میں ایک نشان بنا ہوا تھا۔ وہ اسے پہچان گیا۔ یہ سناںجو کا نشان تھا یہی نشان معابد پر بھی بنا ہوا تھا۔

شیخ کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

"ماسٹر ہمیشہ زندہ رہے گا۔" اس نے اپنے آپ سے کہا۔

اوشان اور ٹائیگر ریوا کی کار لے کر ہنہ تک آئے اسے یقین تھا کہ کار واپس لے جانے کے لیے کوئی ہنہ آ جائے گا

"آپ نے شیخ کو وہاں کیا بتایا؟"

"صرف یہ کہ وہ نیل سے حسد کرنا چھوڑ دے۔"

"گڈ۔ ریوا کا خیال تھا کہ آپ مر چکے ہیں۔"

"مجھے مر جانا ہی چاہیے کیونکہ میں ننگ نظر ہوں۔"

"لٹل فادر! مجھے ریوا سے ایسی باتیں کرنی ہی تھیں۔"

"یقیناً۔ لیکن خیال رکھنا۔ جب میں کسی سے تمہارے بارے میں ایسی باتیں کروں تو غصے میں مت آ جانا۔"

"یعنی پانی!!" ٹائیگر کی رپورٹ سُن کر بہرام نے بڑی حیرت سے کہا۔ ایسی حیرت اس کے لہجے میں کم ہی ہوتی تھی۔

وہ اس وقت نیو جرسی کے علاقے سیوکس میں تھے اور ایک ایسی فیری بوٹ میں بیٹھے ہوئے تھے جس کو ریستوران میں بدل دیا گیا تھا۔ ٹائیگر کی نظریں دریا کے سرد اور بھورے پانیوں پر تھیں جبکہ اوشان کاک ٹیل پیکین کو مختلف ٹرکاریوں میں پلیٹ پلیٹ کر دیکھ رہا تھا۔ یہ اس کی اکتاہٹ کا مظہر تھا۔

"جی ہاں۔ پانی ہی بکٹیریا کو ہلاک کر دیتا ہے۔"

"تب پھر سینٹ مارٹین میں انار دبک بکٹیریا کیوں نہیں مرا... وہاں تو ہر طرف سمندر ہے۔"

"میرا اور اوشان کا تجزیہ یہ ہے کہ صرف خالص اور میٹھا پانی اس کا قاتل ہو سکتا ہے جبکہ غیر خالص اور سمندری پانی اس کے لیے غذا ثابت ہوتا ہے۔"

اپنا نام سن کر اوشان نے مسکرا کر بہرام کو دیکھا۔ آپ نے اس مشن پر ہمیں بھیج کر ہمیشہ کی طرح اپنی آبائی ذہانت کا ثبوت دیا ہے ہز ہائی نیس۔ اس دوران مجھے انار دبک کے بارے میں بہت زیادہ معلومات ہوئیں۔"

"ماسٹر! اس بارے میں آپ مجھے اور کیا بتا سکتے ہیں۔" بہرام نے پوچھا۔

"یہی کہ انار دبک آپ کو نظر نہیں آئے گا اور جب آپ اسے پانی میں رکھیں گے تو وہ موم بن جائے گا اگر اسے پانی میں نہ رکھیں تو یہ تیل کو برباد کر دے گا۔ کیا میں اپنی سانس روک کر دکھاؤں؟"

"نہیں۔ یہ ضروری نہیں۔" بہرام نے گھبرا کر جواب دیا اور فوراً ہی ٹائیگر کی طرف دیکھا۔ وہ چا... رہا تھا۔ اس سے بڑا مسئلہ پیدا ہو گیا تھا۔

"آپ مسئلے کا نام بتائیں۔ ہم اس سے نمٹ لیں گے۔ شہنشاہِ معظم۔"

"خالص پانی۔ امریکہ میں خالص پانی بھلا کہاں ملے گا؟"

"پتا نہیں۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ "لیکن میرا خیال ہے کہ آج کل امریکہ کے دریاؤں کا پانی زیادہ غلیظ نہیں رہا۔ یہ دریا صاف اور شفاف پانی پر مشتمل ہیں۔"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"صاف دریا! اور امریکہ میں؟" اوشان نے حیرت سے تقریباً اچھلتے ہوئے کہا۔ "اگر تمہیں صاف پانی دیکھنا ہی ہے تو دریائے سنا نجو کو دیکھو جہاں..."

"میں سنا نجو کا دریا دیکھ چکا ہوں جہاں لوگ کپڑے دھوتے ہیں اور پانی میں صابن کا جھاگ اور میل تیرتا رہتا ہے۔" ٹائیگر نے ذرا بھی مروّت کا مظاہرہ نہیں کیا۔

"صابن؟" اوشان نے کندھے اُچکا کر کہا۔ "بھلا صابن دریا کو گندا کیسے کر سکتا ہے جب کہ صابن کا کام ہی صفائی ہے؟" اور پھر بہرام کی طرف جھک کر سرگوشی کی۔ "اس کی باتوں میں نہ آجایئے گا شہنشاہِ معظم! اسے انار وبک کے بارے میں علم نہیں۔"

ٹھیک ہے۔ اس طویل بحث سے ایک نتیجے پر پہنچ گیا ہوں۔" بہرام نے دونوں ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "اگر کہیں صاف پانی دستیاب نہ ہوا تو ہائیڈروجن اور آکسیجن کو ملا کر پانی بنوا لیا جائے گا۔"

"ویسے انار وبک کو فراموش نہ کریں جنابِ عالی۔"

"اب تم لوگ کیا کرو گے؟" بہرام نے ٹائیگر کی طرف دیکھ کر دونوں سے پوچھا۔

"میں ریوا سے ملنے جاؤں گا۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ "اگرچہ اسے یہ علم نہیں کہ یہ چکر کس کا چلایا ہوا ہے لیکن وہ ہمیں اصل تک لے جا سکتی ہے... اگرچہ ہم نے سیلیٹ مارٹین کے تمام بکٹیریا پر قبضہ کر لیا ہے لیکن وہ شخص ابھی تک موجود ہے جس نے بکٹیریا تخلیق کیا ہے۔ اگر وہ بیکار ہا تو بکٹیریا دوبارہ بنالے گا لہٰذا اس کو پکڑنا ازحد ضروری ہے۔"

"مگر ریوا کو یقین ہے کہ اوشان مر چکا ہے۔"

"جی ہاں۔ اور میں چاہتا ہوں کہ وہ اوشان کو مُردہ ہی سمجھے۔"

"ٹھیک۔" بہرام سر ہلا کر بولا۔ "اب مجھے صاف پانی کے ذخائر کا بندوبست کرنا ہے تاکہ اگر کبھی ضرورت پڑے تو کمی محسوس نہ ہو۔"

اوشان ہچکچایا۔ کرتا اور کھولتا رہا اس نے بہرام کی روانگی کا بھی نوٹس نہیں لیا۔

"اگر آپ اس کھیل سے اُکتا گئے ہوں تو ہم چلیں لٹل فادر؟" ٹائیگر نے بڑے پیار سے کہا۔

"دیکھا حضرات! امریکی صدر نے اپنی کابینہ کے اراکین کو مخاطب کر کے کہا۔ "صرف پانی اس کا حل ثابت ہوا۔"

"یہ انتہائی دلچسپ بات ہے۔" وزیرِ خارجہ نے تبصرہ کیا۔ "اسے توقع تھی کہ صدرِ مملکت اُسے ایک خاص دریا کے بہاؤ میں یہ ہدایت نہیں کریں گے کہ اس دریا کے پانی کی مملکت کو ضرورت ہے۔ اسے اچھی طرح احساس تھا کہ دریا اب بھی بگل پیدا کر کے ملکت کے کام آ رہے ہیں۔ بگل گھروں کو روشن رکھتی ہے۔"

"پانی واقعتاً ایک دلچسپ چیز ہے حضرات!" صدر نے اپنی تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "پانی کے مسئلے پر ہماری میٹنگ ہوتی رہی ہیں اور ہوتی رہیں گی۔"

"جنگ کب شروع ہوگی؟" وزیرِ دفاع کی پیشانی عرق آلود ہو گئی۔

"پتا نہیں۔" صدر نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "اب ہمیں انار وبک کا صفایا کرنے کے لیے پانی صاف پانی کی ضرورت ہے۔"

"جگ میٹر۔" وزیرِ داخلہ نے فوراً کہا۔

"جگ میٹر... یہ کیا چیز ہے؟" صدر نے پوچھا۔

"وزیرِ خارجہ کے کمرے میں بڑی بڑی بوتلیں ہوتی ہیں جن میں صاف پانی بھرا ہوتا ہے۔" وزیرِ داخلہ نے چغلی کھائی۔

"نہیں۔ ہم اس پانی کو استعمال نہیں کر سکتے۔" صدر نے جواب دیا۔ پھر وزیرِ تجارت کی طرف دیکھا۔ "کسی کمپنی کو کیمیکل سے صاف دماغ پانی بنانے کے لیے کہا جائے۔"

"کس کیمیکل سے؟" وزیرِ تجارت نے پہلو بدل کر پوچھا۔

"میرا خیال ہے کہ ہائیڈروجن اور... اور ایک اور کوئی گیس ہے... اس سے یا ان کو ملا کر پانی بن جاتا ہے۔"

"میرا تو خیال یہ ہے کہ ہائیڈروجن گیس صرف بموں میں ہوتی ہے۔" وزیرِ دفاع نے کہا۔

"تم کسی کمپنی سے بات تو کرو۔" صدر نے وزیرِ تجارت سے کہا۔ "یہ ہدایت واضح طور پر دی جائے کہ پانی ایسے بیرل میں رکھا جائے جن میں جراثیم نہ ہوں۔"

"مگر کس لیے؟" وزیرِ تجارت نے سر کھجاتے ہوئے پوچھا۔

"کیا تم دورانِ بحث کہیں اور گئے ہوئے تھے؟" صدر کا پارہ چڑھنے لگا۔

"دراصل میں پانی کے مسئلے پر جنگ کی بات سن کر حساب لگا رہا تھا کہ ہمارے ایٹمی میزائل کہاں کہاں نصب ہیں اور انھیں داغنے کے لیے۔"

صدر نے اجلاس برخاست کر دیا۔

◆ بلیئم انٹرنیشنل کا ہیڈ کوارٹر ریلیگ میں اسمبلی چیمبرز ہے

دو بلاک دُور ایک عمارت میں واقع تھا جس کے سامنے لگی فرش دُور تک پھیلا ہوا تھا۔ ریوا جب نادقہ کیرولینا کے اپنے اس آفس میں داخل ہوئی تو اس نے سکون کی سانس لی۔ اسے معاً ہی ایسا لگا تھا جیسے وہ گھر آگئی ہو۔ اس کے کمرے میں بائیں دیوار کے ساتھ باتھ روم اور بار تھا۔ دائیں طرف ایک لمبا صوفہ پڑا ہوا تھا جبکہ وسط میں کافی ٹیبل تھی۔ کوچ والی دیوار کے پیچھے کمپیوٹر نصب تھا جس نے دوسرے کمرے کی پوری دیوار گھیر رکھی تھی۔ جب اسے علم ہوا تھا کہ کمپیوٹر یہاں لگے گا تو اس نے اس کی مخالفت کی تھی کیونکہ اسے خدشہ تھا کہ کمپیوٹر کے چلنے سے بہت آواز پیدا ہوگی لیکن جب کمپیوٹر چلا تو اسے ذرا سی بھی آواز سنائی نہ دی۔ کبھی کبھی صرف اور ہیڈ لائٹس کے جھلملانے سے ہی پتا چلتا تھا کہ کمپیوٹر چل رہا ہے۔

ریوا نے بار سے بوتل اٹھا کر گلاس میں مشروب انڈیلا اور کچھ دیر تک بوتل کو دیکھتی رہی پھر اس نے بوتل ریک میں واپس رکھ دی۔

"شاندار۔" وہ ماضی میں جھانک کر بولی۔ "میں محض تین سال قبل تک فلوریڈا میں مکان فروخت کر کے کمیشن سے پیٹ پالتی تھی اور شوہر کی مزدوریاں بھی پوری کرتی تھی۔ اس کے بعد یہ فکر کھاتی رہتی تھی کہ گاڑی کی قسط کہاں سے ادا کروں گی۔"

لیکن پھر ایک ٹیلی فون کال نے ریوا کی زندگی بدل کر رکھ دی تھی۔ فون کرنے والے کی آواز پُرجوش اور حوصلہ بخش تھی۔ اس نے ریوا کو بتایا تھا کہ وہ فلوریڈا میں کس جگہ زمین خریدے۔ ریوا نے اس کے کہنے پر عمل کیا اور صرف چھ ماہ بعد اعلان ہوا کہ اسی جگہ سے نئی اسٹیٹ ہائی وے بنائی جائے گی... یوں ریوا کو حکومت نے زمین کا منہ مانگا معاوضہ دیا اور ریوا لکھ پتی بن گئی۔ اس کے بعد وہی فون پھر آیا... اس بار ریوا کو مشورہ دیا گیا کہ وہ اپنی رقم پولی پو سائینڈز نامی ایک اسٹاک کمپنی میں لگائے۔ ریوا نے اس بار بھی کوئی اعتراض نہ کیا اور ساری رقم لگا دی اس کے پاس صرف پانچ ہزار ڈالر رہ گئے تھے جس میں سے تین ہزار ڈالر ایک وکیل کو دے کر اس نے اپنے شوہر سے طلاق حاصل کی... صرف تین ماہ بعد اسے پولی پو سائینڈز کمپنی کا صدر منتخب کر لیا گیا... وہ پریشان ہو گئی کیونکہ اسے اتنے اہم منصب کی ذمے داریوں کا کوئی علم نہ تھا۔ یہ پریشانی اس وقت دُور ہو گئی جب اجنبی دوست کا فون آیا۔

"مگر مجھے تو یہ پتا بھی نہیں کہ کمپنی کیا کام کرتی ہے اور مجھے کیا کرنا ہوگا؟" ریوا نے ہراساں انداز میں کہا۔

سینکڑوں انسانوں کے
خوفناک قاتل

مشہورِ زمانہ ٹھگ امیر علی کی
سنسنی خیز داستان

انسان
اور
شیطان

محمد فراز

2 حصوں میں شائع ہو گئی ہے

قیمت فی حصہ -/75 روپے
مکمل سیٹ -/150 روپے

ناشر
مکتبہ القریش۔ سرکلر روڈ
اُردو بازار لاہور۔2

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"کمپنی وہی کام کرتی ہے جو میں چاہتا ہوں۔" فرینڈ نے جواب دیا۔ "تم بھی میرے کہنے پر چلتی رہو، تم امیر سے امیر ترین بن جاؤ گی۔"

ریوا نے وہی کیا جو فرینڈ نے کہا تھا۔ وہ جلد ہی بلیئم کمپنی اور اس کے ذیلی اداروں کی سربراہ بن گئی ان میں ہیوبر ایسوسی ایٹس نامی کمپنی بھی شامل تھی... ایک بار اس نے دوست سے پوچھا بھی تھا کہ آخر اس نے اسی کو مدد کے لیے کیوں منتخب کیا ہے؟

"صرف اس وجہ سے کہ میں اور تم... ہم دونوں... ایک ہی قسم کے ہیں اور مجھے علم ہے کہ تم سے کاروباری دوستی ہو سکتی ہے۔"

"اور تم سے ملاقات کب ہوگی؟" ریوا اٹھلا کر بولی تھی۔ "میں تمہارے احسانوں تلے دبی ہوئی ہوں اور..."

"میں باہر نہیں نکلتا۔" دوست نے جواب دیا۔ "لیکن لگتا ہے کہ کسی روز ملاقات ہو ہی جائے۔"

اور یہ اسی اجنبی دوست کا اصرار تھا کہ بلیئم انٹرنیشنل کے ہیڈ کوارٹر میں کمپیوٹر لگایا جائے۔ اس کمپیوٹر نے اس کی بہت مدد کی۔ جب بھی اسے کمپنی کی سربراہ کی حیثیت سے کوئی فیصلہ کرنا ہوتا تو وہ پورا مسئلہ اس پر ٹائپ کر لیتی پھر جب اس کا دوست ٹیلی فون پر اس سے بات کرتا تو وہ ٹائپ شدہ مسودہ سنا دیتی جس کو سننے کے بعد دوست چٹکی بجاتے اسے مشورہ یا حکم دے دیتا۔

ریوا نے اب دوست سے بحث کرنا بھی چھوڑ دی تھی کیونکہ صرف اس اجنبی کے مشوروں پر عمل کر کے اس کا سرمایہ چھ لاکھ ڈالر سے بڑھ کر نوّے کروڑ ڈالر ہو گیا تھا۔ وہ امریکہ کی پہلی ارب پتی خاتون سرمایہ دار تھی اور اسے اچھی طرح علم تھا کہ جب تک دوست کے مشورے ملتے رہیں گے اس کی رقم میں اضافہ بھی ہوتا رہے گا۔

ریوا نے دوست کو کبھی مایوس نہیں کیا تھا لیکن شاید اب... اب وہ مایوس ہو سکتا تھا۔

وہ اپنی کرسی پر بیٹھ گئی۔ اسے فون کا انتظار تھا۔ اس نے پہلا گھونٹ ہی لیا تھا کہ فون کی گھنٹی بج اٹھی۔

"ہیلو۔"

"میں دوست ہوں۔" وہ ہمیشہ اسی طرح گفتگو کا آغاز کرتا تھا۔ "مجھے تم سے مایوسی ہوئی۔"

"میں؟"

"ابھی نہیں۔ اطمینان سے گلاس خالی کر دو پھر وضاحت کرنا۔" دوست نے کہا تو وہ حیرت زدہ رہ گئی۔ بھلا اسے کیسے علم ہو گیا کہ وہ مشروب پی رہی ہے۔ گھبراہٹ میں ریوا نے پورا گلاس ایک ہی سانس میں خالی کر دیا۔

"تم مجھ سے کیوں مایوس ہوئے دوست؟" ریوا نے پوچھا۔

"میں نے تو اپنے طور پر تمام تر کوششیں کیں۔"

"لیکن تم کامیاب نہ ہو سکیں۔" دوست نے اس کی بات کاٹ دی "نہیں نے کہا تھا کہ تیل کے کنوؤں میں بکٹیریا ڈال دینا لیکن تم ایسا نہ کر سکیں۔ میں نے کہا تھا کہ ان دونوں پر نظر رکھنا، ان کی کمزوریاں معلوم کرنا اور ان کو مار دینا، تم اس مشن میں بھی ناکام رہیں۔ میں نے کہا تھا کہ ان کے باس کا پتا چلانا... وہ کس کے لیے کام کرتے ہیں... لیکن یہاں بھی تمہیں ناکامی ہوئی۔"

"ان میں سے ایک مر چکا ہے۔" ریوا نے جواب دیا۔ "اور دوسرا نوجوان ہے مگر میں اس میں کوئی کمزوری تلاش نہ کر سکی۔ میں نے بکٹیریا فوراً اس لیے استعمال نہ کیا کہ اس پر دونوں میں لڑائی ہو جائے لیکن پھر محض اتفاقاً بلکہ حادثاتی طور پر بکٹیریا پائپ لائن کے کنوؤں تک نہیں پہنچ سکا۔"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ دوسرا زندہ ہے اور ہمارے منصوبوں میں ٹانگ اڑا سکتا ہے... یہ تم نے بہت برا کیا ریوا... کیا دوست کے احسانوں کا بدلہ اسی طرح چکایا جاتا ہے؟"

"میں اب بھی کوششیں کر رہی ہوں اور وہ آج میرے دفتر آنے والا ہے۔"

"گڈ۔ ممکن ہے کہ ہمیں اس کی کسی کمزوری کا پتا چل جائے اسے کمپیوٹر مزید دکھانا۔"

"کیوں؟" ریوا حیرت سے بولی۔

"تم ریوا۔ ہم پہلے ہی کئی جگہ ناکام ہو چکے ہیں لہٰذا کیوں وغیرہ کے چکر میں مت پڑو۔ اگر تم کو مجھ پر اعتماد نہیں رہا تو میں بہت دکھی ہو جاؤں گا۔"

"مجھے تم پر مکمل اعتماد ہے دوست۔" ریوا فوراً بولی۔ "میں اسے کمپیوٹر مزید دکھاؤں گی۔"

"گڈ۔ میں تمہیں مالا مال کر دوں گا۔"

"میں تو پہلے ہی اندازے سے بھی زیادہ دولت مند ہو چکی ہوں۔"

"نہیں... اور زیادہ۔ بہت زیادہ۔ اور سنو... میں تم سے ناراض نہیں ہوں۔ بس میرے کہنے پر چلتی رہو۔"

اس کے ساتھ ہی رابطہ منقطع ہو گیا۔ وہ اٹھی، اس نے ایک اور گلاس لبریز کیا... اس کا ذہن بہت واضح تھا... ٹائیگر وقتی طور پر

سکون کے لمحوں کے لیے بہت شاندار تھا لیکن دوست کے بیڑا مستقبل کے لیے ضروری تھا۔ وہ اس کے لیے سب کچھ کر سکتی تھی۔ معاً ہی اسے نیند میں گزری ہوئی شب یاد آ گئی۔ اس کی آنکھیں نشیلی ہو گئیں۔

ٹھیک پانچ بجے ٹائیگر کو گارڈ نے دروازہ کھول کر ریوا کے کمرے میں بھیجا۔ ریوا جاگ کر اس کی بانہوں میں جھول گئی۔

"ڈارلنگ... تم کہاں تھے... وہاں سے اچانک کہاں چلے گئے تھے؟"

"کاروبار کے بعض مسائل کے باعث وہاں سے اچانک نکلنا پڑا تھا۔" ٹائیگر نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"گڈ بائی کہے بغیر؟" اس کا انداز کسی وفا شعار بیوی کی طرح کا تھا۔

"میں جانتا تھا کہ ہم ایک دوسرے کو کبھی الوداع نہیں کہیں گے۔ ڈارلنگ۔" ٹائیگر بھی اپنا کھیل کھیل رہا تھا لیکن اس وقت اسے اوشان پر غصہ آ رہا تھا جس نے اس عورت سے دور رہنے میں ٹائیگر کی کوئی مدد نہیں کی تھی۔

"کچھ پیو گے؟"

"نہیں۔ نشے کے لیے تم ہی کافی ہو۔ ویسے تم پہلے ہی پی چکی ہو۔ ایک گلاس اور چڑھا لو۔ اور ہاں... کیا دوست سے ملاقات کے بارے میں تمہاری کوئی گفتگو ہوئی؟"

"ہاں۔"

"کاش مجھے اس کا نام معلوم ہوتا۔"

"یہی تو مجھے بھی ہے۔"

"تو اس نے تم سے کیا کہا؟"

"وہ بھی تم سے ملنا چاہتا ہے۔"

"گڈ۔ اسے فون کر کے تاریخ اور وقت مقرر کر لو۔" ٹائیگر نے فوراً کہا۔

"نہیں۔ میں اسے فون نہیں کر سکتی کیونکہ مجھے اس کا نمبر نہیں معلوم۔ ضرورت پڑنے پر وہ خود رابطہ قائم کرتا ہے۔" ریوا نے یہ کہتے ہوئے صوفے کی طرف اشارہ کیا۔ مگر ٹائیگر ڈیسک کو گھورنے لگا۔ "اگر تمہیں اس کا نام اور فون نمبر تک معلوم نہیں تو پھر تم دونوں گہرے دوست نہیں ریوا۔"

"ہم بہت قریبی دوست ہیں۔" ریوا نے مضبوط لہجے میں کہا "وہ میرا محسن در حقیقت ہے۔" ریوا نے یہ کہتے ہوئے انگڑائی لی اور کوچ کی دیوار سے ٹیک لگا لی۔ تب ہی اسے دیوار میں ارتعاش کا احساس ہوا۔ کمپیوٹر چلنے لگا تھا۔ یہ عجیب سی بات تھی۔ مشین

دیوتاؤں کے شہر نیپال میں بسنے والے
ایک درندے کی پراسرار داستان
درندہ
یعقوب جمیل کے ہوشربا قلم سے جس کا
قارئین کو برسوں سے انتظار تھا
مکتبہ القریش سرکلر روڈ اردو بازار لاہور
فون 7668958

خود ساڑھے چار بجے بند ہو جاتی تھی اور اس وقت تو ساڑھے پانچ بج رہے تھے۔ تب ہی اسے یاد آیا کہ دوست نے کیا ہدایت کی تھی۔

"آؤ شہزاد۔" وہ کھڑی ہو گئی۔ "میں تمہیں ایک خاص چیز دکھانا چاہتی ہوں۔"

"کیا؟"

"کمپیوٹر۔"

"نہیں۔" ٹائیگر نے کانوں کو ہاتھ لگا کر جواب دیا۔ "میں جس جگہ کام کرتا ہوں وہاں بھی کمپیوٹر نصب ہیں اور مجھے ان سے نفرت ہے۔"

"وہ کون سی جگہ ہے جانم۔"

"ریوا! پھر تفتیش شروع کر دی۔"

"اب آؤ نا۔" ریوا اٹھلا کر بولی۔ "میرے دوست کی خواہش ہے کہ تم یہ کمپیوٹر ضرور دیکھو۔"

"اوہ۔ تو یہ اس کی فرمائش ہے۔"

"ہاں۔" ریوا مسکرانے لگی اور اس کا ہاتھ تھام کر اپنے دفتر کے برابر والے دروازے سے بڑے کمرے میں لے آئی اس نے فوراً ہی لائٹ سوئچ آن کر دیا۔ کمپیوٹر کمرے میں بائیں دیوار کے ساتھ لگا ہوا تھا اس کی لمبائی دیوار تا دیوار اور اونچائی فرش تا چھت تھی۔

"کمپیوٹر چل رہا ہے؟" ٹائیگر نے کمرے میں ہلکی سی گونج کا احساس ہوتے ہی پوچھا۔

"نہیں۔" ریوا نے جواب دیا۔ "یہ داخلی تھرمو اسٹیٹ کی آواز ہے کمپیوٹر کنکشن بہت بے چید ہوتے ہیں لہٰذا اس کے اندر سرد اور

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

گرم رکھنے کا خودکار نظام بھی ہے، کمرے کے درجۂ حرارت کے حساب سے یہ نظام کام کرتا ہے۔ کیوں ہمہ ہے ناشاندار نظام؟"

"ارے نہیں۔" ٹائیگر ہنس پڑا۔ "بعض لوگوں نے قدرتی طور پر یہ صلاحیت اپنے جسم میں پیدا کر رکھی ہے اور لاکھوں سال سے ماحول کے درجۂ حرارت کے مطابق اپنے جسمانی درجۂ حرارت میں ازخود تبدیلیاں کرتے رہتے ہیں۔ لیکن ان لوگوں کو کبھی کسی نے شاندار قرار نہیں دیا۔" وہ اب بھی چوکھٹ پر کھڑا ہوا تھا لہٰذا ریوا نے اسے قریب آنے کا اشارہ کیا۔

کمپیوٹر کے چہرہ نما حصے پر دو بڑے سوراخ تھے جن پر ہلکی سی جالی تھی اور ان جالیوں کے پیچھے دو مکعب نما آلے متحرک تھے۔ ٹائیگر کے قریب آتے ہی دونوں مکعب ذرا تیزی سے ہلے اور ان کی نوکیں ٹائیگر کی طرف مرتکز ہو کر رک گئیں۔

"یہ اوپر کیا چیز ہے؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"پتا نہیں۔ لیکن شاید یہی درجۂ حرارت کو محسوس کرنے والا آلہ ہے۔"

"اچھا۔ لیکن یہ تو متحرک ہیں۔" ٹائیگر دو قدم پیچھے ہٹ کر بولا۔ مکعب تیزی سے گھومنے لگے اور پھر جونہی ان کا رُخ ٹائیگر کی طرف ہوا وہ پھر رُک گئے۔ "یہ تو میرا تعاقب کر رہے ہیں؟"

"ممکن ہے تم انھیں پسند نہیں آتے ہو۔"

"ہاں۔ اور مجھے بھی یہ مکعب قطعی اچھے نہیں لگ رہے ہیں۔" ٹائیگر نے مُنہ بنا کر جواب دیا۔ "مشینوں کو مشینوں سے حسد کرنا چاہیے انسانوں سے نہیں۔" اسی لمحے ڈیسک پر رکھے ہوئے فون کی گھنٹی بجی تو ریوا نے لپک کر ریسیور اٹھا لیا۔ دوسری طرف دوست ہی تھا۔

"کیا تم اس سے بات کرنا..."

"نہیں۔" دوست نے ریوا کی بات کاٹ دی۔ "اس سے کہنا کہ میں آج رات اس سے ملاقات کروں گا۔ ڈاؤن ٹاؤن بولیوارڈ میں پی ٹی اے پاؤنڈ شاپنگ سینٹر میں گیارہ بجکر ۴۰ منٹ پر۔"

"مکرر یہ۔" ریوا نے کہہ کر دہرا دیا۔

"یہ آدمی بڑا عجیب سا نظر آتا ہے... کیا تمھیں اچھا لگتا ہے؟"

"ہاں۔"

"کیا تم اس سے محبت کرتی ہو؟"

"نہیں۔ مجھے صرف دولت سے محبت ہے دوست۔"

"میں سمجھتا ہوں۔" دوست نے جواب دیا۔ رابطہ منقطع ہو گیا۔ ریوا چند لمحوں تک ریسیور کو دیکھتی رہی اور پھر یہ سوچتے ہوئے اس نے ریسیور رکھ دیا کہ آخر دوست کو یہ کیسے علم ہو گیا کہ شہزاد کیسا لگتا ہے؟

"کیا ہوا ریوا؟" ٹائیگر نے اسے سوچوں میں گم دیکھ کر پوچھا۔

"کچھ نہیں۔ کچھ بھی نہیں۔"

"دوست کا فون تھا نا؟"

"ہاں۔" ریوا بولی۔

"تم نے میری بات کیوں نہیں کرائی؟"

"وہ تم سے آج رات ملاقات کرنا چاہتا ہے۔" ریوا نے اسے جگہ اور وقت کے بارے میں بتا دیا۔

"ٹھیک ہے۔ میں رات گیارہ بجکر ۴۰ منٹ پر وہاں موجود ہوں گا۔"

"شہزاد۔ ابھی ہمارے پاس کچھ وقت باقی ہے۔"

ریوا کی آنکھیں مخمور ہو گئیں۔

"کس چیز کے لیے؟"

"تم اچھی طرح جانتے ہو۔" وہ انگڑائی لے رہی تھی۔

"مگر میرے سر میں درد ہو رہا ہے۔" ٹائیگر نے کندھے اُچکا کر جواب دیا۔



موضوع: ایک شخص، ۸۲ سینٹی میٹر اونچا، ۱۰۱ کلو وزن، بال سیاہ، آنکھیں بہت کالی۔ سابقہ کارکردگی کے پیش نظر انتہائی شاندار جسمانی حیثیت کا حامل ہے لیکن میرے بنک کی رپورٹ کے مطابق اس میں کوئی غیر معمولی بات نہیں۔ قد اور وزن اوسط سے زیادہ نہیں۔ میرے حساب آلوں نے صرف کلائیوں میں غیر معمولی پن کا اندازہ لگایا ہے۔ ان کا حجم ۱۵۱ سینٹی میٹر ہے تاہم میڈیکل لٹریچر میں مضبوط کلائیوں سے طاقت کا کوئی تعلق ثابت نہیں ہوتا۔ ممکن ہے کہ ہاتھوں کو مضبوط بنانے کے لیے موضوع نے جو ورزشیں کی ہوں ان کے باعث کلائیاں موٹی ہو گئی ہوں۔ موضوع کے جسم سے نہ تو خوشبو آتی ہے اور نہ ہی پسند کی بُو۔ اس کے کپڑے بھی خشک ہیں۔ لہجہ غیر ملکی ہے۔ اس کے برخلاف زیادہ قدآور اور طاقت ور شخص ناکام ہو سکتا ہے۔ اس نے حال ہی میں ایک ایسے مشرقی کو ہلاک کیا ہے جو اس کے لیے خطرہ بن گیا تھا۔ موضوع بہرحال غیر معمولی ہے اور اس کے اس غیر معمولی پن میں کوئی کمزوری پنہاں ہو سکتی ہے۔ مجھے رات گیارہ بجکر ۴۰ منٹ تک اس کمزوری کا پتا چلانا ہے۔"



ٹائیگر نے ریوا کے دفتر سے واپسی پر پی ٹی اے پاؤنڈ شاپنگ سینٹر دیکھ لیا تھا کیونکہ اسے علم تھا کہ رات کے وقت وہ پی ٹی اے پاؤنڈ سینٹر اور پاؤنڈ اے پینی سینٹر میں کوئی فرق محسوس نہیں کر سکے گا کیونکہ اس قسم کے کئی سینٹر ایک ہی قطار میں پھیلے ہوئے تھے۔ اسے خوشی تھی کہ دوست نے وگل پکلی سینٹر میں ملاقات کا وقت نہیں دیا کیونکہ یہ اور ایسے ناموں سے ملتے جلتے درجنوں سینٹر بھول بھلیوں میں واقع تھے۔

۱۱ بجکر ۴۰ منٹ پر وہ کرائے کی کار میں تنہا ایک اسٹور کے سامنے پہنچ گیا اور عین اسی وقت ایک ڈبی سیاہ کار [illegible]

کے مندگارڈ سے اپنا مندگارڈ ٹکرا کر رُک گئی۔

ٹائیگر جونہی اپنی کار سے اترا اس کی ہنسی نکل گئی کیونکہ دوسری کار کے چاروں دروازوں، اگلے اور پچھلے حصے سے آٹھ آدمی اُتر رہے تھے۔ ان میں ہر قسم کا آدمی شامل تھا ان کے بال کالے اور آنکھیں بھی سیاہ تھیں وہ کالی چرمی ٹی شرٹس اور جُوتے پہنے ہوئے تھے اور انھوں نے اپنی کلائیوں پر بھی سیاہ چرمی رسٹ بینڈ لپیٹ رکھے تھے۔

ٹائیگر قہقہہ مار کر ہنسا۔

"تم میں سے ریوا کا دوست کون ہے؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"ہم سب اس کے دوست ہیں۔" ڈرائیونگ سیٹ سے اُترنے والے شخص نے جواب دیا۔ اس کا لہجہ نیویارک والوں کا سا تھا۔

"گڈ۔ تم سب سے ایک ہی جگہ مل کر بڑی مسرت ہوئی۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ "اب ہم بیس بال ٹیم بھی بنا سکتے ہیں۔ ہمیں یونیفارم بھی خریدنی نہیں پڑے گی۔ ٹیم کا نام بلیک ناٹس رکھنا مناسب ہو گا۔"

وہ آٹھوں آدمی اب ایک بڑے نصف دائرے کی شکل میں اس کے سامنے آ کر کھڑے ہو گئے۔ ٹائیگر کی پُشت اس کی اپنی کار کی طرف تھی۔ ٹائیگر کو یہ دیکھ کر غصہ آنے لگا کہ ان سب کی شکلیں اور حلیہ اس سے ملتا جلتا ہے۔

وہ سوچنے لگا کہ یہ کیا حکمت عملی ہے؟

ابھی وہ سوچ ہی رہا تھا کہ پہلے آدمی نے اس پر حملہ کیا۔ ٹائیگر نے چاقو کا وار غیر مؤثر بناتے ہوئے سوچا کہ اسی طرح کے آٹھ آدمی بھیجنے کا مقصد صرف یہ تھا کہ وہ ان میں اپنی شباہت کا سوچتا رہے اور اپنے دفاع سے غافل ہو جائے۔

پہلا وار ضائع کرتے ہوئے وہ جُھکا تو دوسرا آدمی لپکا اس نے ٹائیگر کا کینٹو اپکڑنے کی کوشش کی۔ ٹائیگر نے اس کی گرفت سے بچنے کے لیے قلابازی کھائی مگر اسی لمحے وہی شخص گھٹنوں کے بل اس پر جھکا... اب اس کے ہاتھ میں چمکدار چاقو تھا۔ اسی چمک کو دیکھ کر ٹائیگر کے دونوں گھٹنے حرکت میں آئے اور وہ شخص آہ بھر کر ایک طرف گر پڑا تاہم ٹائیگر کو احساس تھا کہ اس کو اس جگہ برتری حاصل نہیں ہو سکتی کیونکہ اگر وہ سب کے سب ایک ساتھ اس پر گر جائیں تو اس کی نقل و حرکت محدود ہو سکتی ہے... اس دوران کسی کا چاقو اسے زخمی بھی کر سکتا ہے۔

اس نے اپنے پیروں پر اُٹھنے کی کوشش کی لیکن اسی لمحے چھ آدمیوں نے ایک جسم بن کر اس کو ٹکر ماری۔ ٹائیگر کو ایسا ہی لگا جیسے کسی چٹان نے اسے دبا لیا ہو۔ وہ سانس روک کر کوئی حکمت عملی [illegible]

غور کرنے لگا لیکن اسے اندازہ تھا کہ اس کے پاس وقت نہیں۔ وہ سب اس پر زور ڈال رہے تھے۔

تب ہی اچانک بوجھ کم ہونے لگا۔

"تم کہاں ہو شہزاد۔ اپنی شناخت کراؤ۔" اسے اوشان کی خفیف سی آواز سنائی دی۔

"میں یہاں ہوں۔"

"اس سے مسئلہ حل نہیں ہو گا۔" اُوشان... للکارا۔

"قوت دینا ہو گا۔" ٹائیگر جانتا تھا کہ اس وقت ہر آدمی مشکل اور جھمیلے سے اوشان کو شہزاد ہی تصور کر رہا ہو گا۔

"ہاں۔ کوئی احمقانہ بات کہو۔" اوشان نے پھر کہا لیکن ٹائیگر کو مسلسل ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وزن کم ہو رہا ہو، مگر اسی لمحے کسی کے مضبوط ہاتھوں نے اس کی گردن دبوچ لی اور زور سے کھینچا۔ "ہے ہے قتل فادر۔ یہ میں ہوں۔"

"ہوں۔" اوشان نے ہنکارا بھر کر گردن چھوڑ دی۔ وہ اسے گھور رہا تھا۔ "کیا تمھیں اپنی اس حالت پر شرم نہیں آتی؟"

ٹائیگر نے سر جھٹک کر دائیں بائیں دیکھا۔ پانچ افراد ساکت پڑے ہوئے تھے ان کی ہڈیاں یقیناً ٹوٹ چکی تھیں جبکہ تین افراد اپنی کار کے قریب

ڈائجسٹوں کے مقبول سلسلے

سرکش	(۱۲ حصے)	محمد احمد مودی	۷۲۰/-
ٹائیگر	(۱۳ حصے)	مشتاق احمد قریشی	۶۵۰/-
خبیث	(۵ حصے)	انوار صدیقی	۲۲۵/-
درخشاں	(۲ حصے)	انوار صدیقی	۱۰۰/-
روگ	(۵ حصے)	م الف صدیقی	۲۷۰/-
دہشت گرد	(۴ حصے)	سلیم فاروقی	۲۰۰/-
سرفروش	(۲ حصے)	اظہر کلیم	۱۲۰/-
شہباز	(۲ حصے)	اظہر کلیم	۱۲۰/-
انسان اور شیطان	(۲ حصے)	محمد فراز	۱۵۰/-

ناشر

مکتبہ القریش سرکلر روڈ، اردو بازار
لاہور فون: ۷۶۶۸۹۵۸

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

تھے ان کے ہاتھ بھی ہاتھوں میں چمک رہے تھے۔

"تم بھی ان ہی میں سے ایک لگ رہے تھے۔" اوشان نے مزاحیہ کہا۔ "کمال ہے۔ اس ٹنک میں اتنے بہت سے بدصورت ہیں۔ یہ تو میں نے سوچا بھی نہ تھا۔"

تیسری میں سے ایک کھڑا ہو چکا تھا۔ اس نے اوشان پر حملہ کیا لیکن اوشان نے جس کی پشت حملہ آور کی طرف تھی الٹا ہاتھ گھمایا۔ یہ ہاتھ حملہ آور کے سینے پر لگا وہ اچھلا اور ٹائیگر کی کار سے جا ٹکرایا۔ کار سے ٹکرانے کے بعد اس کی کوئی آواز نہ نکلی بلکہ وہ خاموشی سے فرش پر گر گیا۔

"یہ بتاؤ کہ کیا یہاں کوئی ایسا کمبخت موجود ہے جس میں چالاک تم جیسے اتنے بہت سے بدصورت افراد آگ آنے ہوں؟" اوشان اسے گھورتا رہا۔ باقی دو افراد نے یہ صورت حال دیکھی تو وہ اپنی کار میں بیٹھ کر فرار ہو گئے۔

"دیکھا۔ آپ کی وجہ سے وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔" ٹائیگر ہاتھ مل کر رہ گیا۔

"آہ۔ کاش ان جیسے تمام چہرے صفحۂ ہستی ہی سے معدوم ہو جائیں۔" اوشان نے سر جھٹک کر کہا۔

"خیر چھوڑیں۔ بہرحال آپ کی یہاں موجودگی سودمند ثابت ہوئی۔ مجھے ایسے ہی کسی جال کے پھیلے جانے کا خدشہ تھا۔"

"اور جال کامیاب بھی تو رہا۔ میں جال میں اس طرح پھنسا کہ ان بدنما اور مکروہ چہروں کو دیکھنے پر مجبور ہو گیا۔"

"اب چہروں کی مذمت کرنا چھوڑیے لٹل فادر۔" ٹائیگر نے کام نکالنے والے خاص ترم لہجے میں کہا۔ "میرا خیال ہے کہ ہم ریوا سے جا کر مزید پوچھ گچھ کریں لیکن ہے کہ اسے اس سے زیادہ معلوم ہو جتنا اس نے بتایا ہے۔"

"صرف ایک شرط پر۔"

"کیا؟"

"یہ کہ مجھے آئندہ کبھی ان منحوس چہروں کی طرف دیکھنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔"

★

ریوا کے دفتر میں کوئی نہ تھا لہٰذا ٹائیگر نے بلا توقف اس کی میز کی دراز میں کھول کر اس کے کاغذات الٹ پلٹ دیے۔ ان کاغذات میں ایک ائرلائن کا تصدیق نامہ بھی ملا جس میں نیویارک کا ٹکٹ کنفرم کیا گیا تھا۔ اس نے اوشان کی طرف دیکھا جو صوفے والی دیوار پر انگلیاں رکھ کر دیوار کو وبا رہا تھا۔

"کمال ہے۔" اوشان نے کہا۔ "اس دیوار سے گونج پیدا ہو رہی ہے۔"

"پچھلے کمرے میں کمپیوٹر نصب ہے۔" ٹائیگر نے گونج کی وجہ بتائی۔

"کیا کمپیوٹر رات بھر چلتا رہتا ہے؟"

"نہیں۔ یہ بیٹنگ یونٹ کی آواز ہے جو ہر وقت چلتا رہتا ہے تاکہ درجۂ حرارت اعتدال پر رکھے۔" ٹائیگر نے وضاحت کی تاہم پھر جب اس نے خود دیوار پر ہاتھ رکھا تو گونج کا احساس ضرورت سے زیادہ ہوا وہ سر ہلانے لگا۔ "چلیں۔ چل کر دیکھتے ہیں۔"

* *

"کافی بڑا کمپیوٹر ہے۔" اوشان نے سر ہلا کر کہا۔

"جی ہاں۔" ٹائیگر نے تکون نما آنکھوں کی طرف دیکھا جو تیزی سے اپنے دائرے میں گھوم رہی تھیں۔ ٹائیگر اوشان سے دور کھڑا ہو گیا تو تکون نما آلات نے اسے نظر انداز کر دیا اور ان کے کونے اوشان پر مرتکز ہو گئے۔

"یہ فوکسل چیزیں میری طرف لہریں پھینک رہی ہیں۔" اوشان نے شکایت کی۔

"یہ انتہائی طاقتور حس رکھنے والے آلات ہیں لٹل فادر۔"

"کیا محسوس کرتے ہیں؟"

"پتا نہیں۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔

"فکر نہ کریں۔ تمہارے اس جواب سے میری معلومات میں حد درجہ اضافہ ہوا ہے۔" یہ کہہ کر اوشان مشین کے بالکل سامنے پہنچ گیا تو تکونیں بھی حرکت میں آئیں اور اوشان کو تلاش کر کے جامد ہو گئیں۔

کمپیوٹر کے دوسرے حصے میں اوشان کو دیوار پر ایک پادر سوئچ لگا ہوا نظر آیا اور اس پر سرخ الفاظ میں لکھا تھا "خطرہ۔ پادر نہ دبائیں۔ کمپیوٹر کو نقصان پہنچے گا۔"

"کمال ہے۔" اوشان نے آنکھیں پٹپٹا کر کہا۔

"کیا ہوا؟" ٹائیگر نے چونک کر پوچھا۔

"اگر یہ لوگ کمپیوٹر کو بند کرنا نہیں چاہتے تو انھوں نے بند کرنے والا سوئچ یہاں کیوں لگایا ہے۔"

"آہ۔ میں نے یہ نکتہ تو سوچا ہی نہیں کیا تھا لٹل فادر! مفکر ہی ایسے نکتے سوچ سکتے ہیں۔" یہ کہہ کر ٹائیگر کمپیوٹر کے فرنٹ پینل کھولنے لگا معاً ہی ٹیلی فون کی گھنٹی بج اٹھی۔

"ذرا فون تو ریسیو کریں۔" اس نے اوشان سے کہا۔

"میں ٹیلی فون آپریٹر نہیں ہوں۔"

"پلیز۔ لٹل فادر۔"

"ہوں۔" اوشان ہنکارا بھر کر فون کی طرف بڑھ گیا۔ اس نے ریسیور اٹھا لیا۔ "تمہیں ماسٹر آف سناجو سے کلام کا موقع مل رہا ہے۔" اس کا لہجہ رعب دار تھا۔ "لیکن پہلے اپنے بارے میں بتاؤ تاکہ میں یہ فیصلہ کر سکوں کہ تمہیں گفتگو کرنے کا اعزاز دیا جائے یا نہیں۔"

دوسری طرف ٹائیگر سوچ رہا تھا کہ اتنے چھوٹے سے دفتر کے لیے اتنے بڑے کمپیوٹر کی بھلا کیا ضرورت ہے؟ اس دفتر میں ریوا کی میز سمیت صرف تین افراد کی میزیں تھیں۔ اس نے سر اٹھا کر اوشان کی طرف دیکھا، اس نے ریسیور کان سے لگا رکھا تھا اور سر ہلا رہا تھا۔ ٹائیگر نے پادر سوئچ کی طرف دیکھا تو اوشان نے کچھ کہا اور پھر جونہی ٹائیگر نے پادر سوئچ کھینچا مشین کی آواز بند ہو گئی۔

"ہیلو۔" اس نے اوشان کی آواز سنی۔ "تمہاری آواز سنائی نہیں دے رہی ہے۔" چند لمحوں بعد اس نے ٹائیگر کی طرف دیکھ کر کہا۔ "شہزاد! میرا خیال ہے کہ اس احمق نے خود ہی فون بند کر دیا ہے۔"

"آپ بھی بند کر دیں۔" ٹائیگر نے سوئچ پھر لگا دیا تو کمپیوٹر سے بھنبھناہٹ کی آواز پھر آنے لگی۔

"اوہ۔ ایجا۔ تم لائن پر ہو۔" اوشان نے معاً ہی کہا "ہاں۔ کام تو دلچسپ ہے لیکن میں نہیں کر سکتا۔" یہ کہہ کر اوشان نے ایک لمحہ تک کچھ سنا اور پھر مسکرا کر بولا۔ "مجھے بھی خوشی ہے کہ تم زندہ ہو۔" پھر اس نے ریسیور رکھ دیا۔

"کون تھا لٹل فادر؟"

"یہ فون میرے لیے تھا۔" اوشان نے سر جھٹک کر جواب دیا۔

"اور آپ کو کس نے فون کیا تھا؟"

"ایک ایسے اچھے آدمی نے جو مجھے پسند کرتا ہے۔"

"یہ بات اسی نے مجھے بتائی ہے۔" اوشان نے جواب دیا۔ "لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ اس کے حلق میں کوئی گڑبڑ ہے شاید زیادہ عرصے تک زندہ نہیں رہ سکے گا۔"

"کیا آپ مجھے مزید تفصیلات بتانا پسند فرمائیں گے لٹل فادر۔"

"ضرور پسند کروں گا لیکن یہ یاد رہے کہ ٹیلی فون صرف میرے لیے تھا اس نے ماسٹر آف سناجو کو خراج تحسین پیش کیا ہے اور ماسٹر جانتا ہے کہ اس کی تعریف صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں جو خود بہادر، دانشور اور پُروقار ہوں۔"

"جی۔ تو اس نے کیا کہا؟"

"اس نے بتایا کہ اسے اس بات کا علم ہے کہ مجھے غذا کا بھرپور صلہ نہیں ملتا۔"

"اور؟"

"اور اس نے مجھے پیش کش کی کہ اگر میں عقب سے حملہ کر کے

بغداد کی رات

قمر اجنالوی

الف لیلیٰ کی ایک ہزار راتوں سے زیادہ حسین و رنگین رات، دجلہ اور نیل کے دامنوں میں لپٹی ہوئی رات، جسے بے شمار کتابوں کے حوالوں سے آراستہ کیا گیا ہے

1200 سے زائد صفحات | قیمت -/600

پاک مکتبہ القریش
اردو بازار لاہور

تمہاری کھوپڑی توڑ دوں تو وہ مجھے دس لاکھ ڈالر دے گا۔"

"کیا؟" ٹائیگر اچھل پڑا۔

"ہاں۔ اس نے یہی کہا تھا، پھر اس کی آواز بند ہو گئی۔ پہلے آواز مدھم پڑی اور اس کے بعد غائب ہو گئی لیکن ایک لمحے بعد ہی آواز واپس آ گئی تو میں نے اسے بتایا کہ میں ایسا کام نہیں کر سکتا۔"

"آپ انتہائی مہربان اور شفیق ہیں لٹل فادر۔"

"وہ رقم کے بارے میں بات کر رہا تھا شہزاد۔۔۔ سونے کے بارے میں نہیں۔" اوشان نے کندھے اچکا کر وضاحت کی۔ "پھر اس نے کہا کہ مجھے زندہ پا کر اسے خوشی ہوئی ہے لہٰذا میں نے بھی اسی انداز میں جواب دیا جیسے شہزاد! اس کے حلق میں کوئی مرغن پورش پا رہا ہے اور مجھے یقین ہے کہ یہ مرغ جان لیوا ثابت ہو گا۔"

"آواز کیسی تھی؟"

"خوشگوار اور نرم۔ تمہاری جیسی بہرحال۔" تھی۔" اوشان کے اس جواب پر ٹائیگر نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا لیکن اسے ڈائل ٹون کے سوا کچھ اور سنائی نہ دیا۔

"فادر۔" ٹائیگر کچھ سوچ کر بولا۔ "اسے یہ کیسے معلوم ہوا کہ آپ مر چکے ہیں، مگر زندہ ہیں۔ اسے آپ کی یہاں موجودگی کا علم کیسے ہوا؟ اسے یہ علم کیسے ہوا کہ میری پیٹھ آپ کی طرف ہے اور آپ عقب سے حملہ کر کے میری کھوپڑی توڑ سکتے ہیں؟"

"اس بارے میں میں نے اس سے گفتگو نہیں کی۔" اوشان نے بڑی بے نیازی سے جواب دیا۔ "ایسی چھوٹی چھوٹی تفصیلات

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

میں مجھے کوئی دلچسپی نہیں۔"

ٹائیگر نے پلٹ کر مشین کو گھورا۔ "فار ایسے ہی چغل خور ہے۔"

"کیا؟"

"کمپیوٹر۔ یہ گفتگو اور نقل و حرکت پر نظر رکھتا ہے۔ کل اسی نے میرا تجزیہ کر کے میرے شکل بنا کر مجھ پر حملے کے لیے بھیجے تھے۔"

"کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"صرف یہ کہ ریوا کا دوست کوئی انسان نہیں کمپیوٹر ہے۔"

"اوہو۔ کیا یہ بھی انارو بک ہے؟" اوشان نے چونک کر پوچھا تو ٹائیگر نے سر ہلایا اور سوچ نکال دیا۔ "پتا نہیں۔ لیکن ہم اس کے بعض حصے لے جائیں گے تاکہ بہرام کوئی نتیجہ اخذ کر سکے۔" یہ کہہ کر اس نے کمپیوٹر کے سامنے والے حصے کا پینل کھول کر بعض پرزے نکالنے شروع کر دیے۔

"آہ۔ یہ المیہ ہے۔" اوشان نے ایک سرد آہ بھری۔

"کیوں؟ کیا ہوا؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"مجھے یہ مشین اچھی لگنی تھی۔ اس نے مجھ سے انتہائی احترام سے بات کی تھی نا! دو مرتبہ۔"

"دو مرتبہ! کیا سینٹ مارٹین نے بھی اسی نے بات کی تھی؟"

"ہاں! مگر تمھیں کیسے اندازہ ہوا کہ مشین ہی مجھ سے گفتگو کر رہی تھی؟"

"حلق کے مرض کی وجہ سے۔ آپ نے جب یہ کہا کہ اس کی آواز نہیں آ رہی ہے تو اس وقت سوچ آن نہیں تھا۔"

"ہوں۔" اوشان نے حقارت سے کہا۔ "میں کمپیوٹروں میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتا... میں تو انارو بک کا ماہر ہوں۔"

ⓖⓖ

نیویارک کی ایک سڑک پر ٹائیگر ٹیلی فون بوتھ کے اندر کھڑا ہوا تھا۔ اسے گھنٹی کے بجنے کا انتظار تھا کہ اچانک چھ فٹ آٹھ انچ لمبا ایک کم عمر لڑکا بوتھ کی طرف آیا۔ اس نے ٹیکہ نہیں رکھی تھی اور شانے پر اٹیچی نما ریڈیو جھول رہا تھا جس میں ایک ہفتے کا سود اسلف بھرا جا سکتا تھا۔

"نکلو۔" اس نے ٹائیگر سے کہا۔ "مجھے فون کرنا ہے۔"

"میں نے سنا نہیں۔"

"کیا؟" دبلا پتلا لمبا اور جارح نوجوان غرایا۔

"میں نے تمھاری بات نہیں سنی۔" یہ کہہ کر ٹائیگر نے اس کی طرف پیٹھ کر لی۔ نوجوان نے اس کی پیٹھ پر ہاتھ مارا۔ "میں نے کہا ہے کہ میں فون کروں گا۔"

"اپنے ریڈیو کی آواز کم کرو۔"

"کیا؟" اس کا ریڈیو پوری آواز سے بج رہا تھا۔

"تمھیں علم نہیں کہ ڈسکو کی موت واقع ہو چکی ہے؟" ٹائیگر نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

"کیا کہہ رہے ہو؟"

"تم مجھے غصہ دلا رہے ہو۔"

"بار کھاؤ گے۔" نوجوان تلملا کر بولا مگر ٹائیگر نے ہاتھ بڑھا کر ریڈیو اُچک لیا اس سے قبل کہ نوجوان کچھ سمجھتا ٹائیگر نے ریڈیو کو ایک ہاتھ پر رکھ کر دوسرے ہاتھ سے ضرب لگائی۔ ریڈیو دو حصوں میں تقسیم ہو گیا بلکہ آواز بھی مر گئی۔

"تم نے میرے ریڈیو کو توڑ کر اچھا نہیں کیا مسٹر۔" نوجوان کے تیور اب خطرناک لگ رہے تھے۔

"اور اب تمھارا نمبر ہے۔" ٹائیگر نے نوجوان کی طرف ہاتھ بڑھایا جس نے پہلے ٹوٹتے ہوئے ریڈیو اور پھر ٹائیگر کو دیکھا اور اس کے بعد دریا کی طرف دوڑ لگا گیا۔

اسی لمحے ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے لگی۔

"سامان مل گیا؟" ٹائیگر نے ریسیور اٹھاتے ہی پوچھا۔

دوسری طرف بہرام ہی تھا۔

"سلیکون چپس؟ ہاں ابھی پہنچے ہیں۔"

"گڈ۔ یہ سامان میں نے ریوا کے دفتر میں نصب کمپیوٹر سے حاصل کیا ہے اور میں اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا لیکن میرا خیال یہ ہے کہ یہی چپس کمپیوٹر کا ذہن تھے۔"

"درست۔ یہ ڈی ایل ایس آئی چپس ہیں اور اس کا مطلب یہ ہے کہ..."

"مطلب نہ بتانا۔" ٹائیگر نے فوراً کہا۔ "میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ سارا کام کمپیوٹر ہی کر رہا تھا۔ بکٹیریا کی ایجاد بھی اسی کا کارنامہ تھی۔ اسی نے تیل کو تباہ کیا اور اوشان کو ہلاک کرنے کی کوشش کی تھی۔ میں نے کمپیوٹر بند کر دیا ہے اور میرا خیال ہے کہ اب کوئی مسئلہ پیدا نہ ہوگا۔"

"یعنی اس پورے کیس میں کوئی انسان ملوث نہیں؟"

"میرا مطلب یہ ہے کہ اس پورے چکر کو چلانے میں کوئی انسان ملوث نہیں۔ انسان اس کے کارندے تھے۔"

"گڈ۔ ہم نے سینٹ مارٹین کے تمام بکٹیریا پر قبضہ کر لیا ہے۔" بہرام نے سکون کی سانس لی۔ "اب تیل کی تباہی کا خدشہ نہیں رہا۔"

"ایک خطرہ موجود ہے۔" ٹائیگر نے کہا۔

"وہ کیا؟"

"ریوا اور اس کا مصنوعی تیل۔" ٹائیگر نے یہ کہہ کر ریسیور رکھ دیا۔

بہرام نے سلیون کے ان چار ٹکڑوں کو دیکھا جو اس کی ہتھیلی پر نقرئی سکوں کی طرح رکھے ہوئے تھے ان ٹکڑوں میں سے دو لیے تاریں نکل رہے تھے جن کی رنگت سنہری تھی۔

ایک منٹ بعد وہ اٹھ کر چارہ گر سبینی ٹوریم کی تاریک غلام گردشوں سے گزرتا ہوا ایک اندھیری لفٹ میں داخل ہوا۔ اس نے گھپ اندھیرے کے باوجود محض اندازے سے بٹن دبا دیا اور لفٹ تیزی سے تہ خانے کی طرف اترنے لگی۔

اسی تہ خانے میں چارہ گر کا مرکزی کمپیوٹر نصب تھا۔ یہ کمپیوٹر عظیم الجثہ بھی تھا اور عظیم الشان بھی۔ اس کا سلسلہ تین ممالک میں پھیلا ہوا تھا اور دنیا میں صرف بہرام ہی وہ واحد شخص تھا جس کے پاس ان تینوں کی چابیاں تھیں۔

بہرام کے ہاتھ کسی مشاق کی طرح چلنے لگے۔ اس نے چاروں ٹکڑوں سے نکلنے والے تاروں کو کمپیوٹر کے اسپیشل سرکٹ سے منسلک کیا اور لائٹ آف کرنے کے بعد اپنے کمرے میں واپس چلا آیا۔ یہاں ایک ٹی وی سیٹ رکھا ہوا تھا۔ پھر وہ ٹائپ رائٹر پر جھک گیا۔ اس کی انگلیاں حرکت کرنے لگیں۔ وہ سوالات فیڈ کر رہا تھا۔

"چپ نمبر ون کے پروگرام کی شناخت کرو۔" اس نے اپنے کمپیوٹر کو ہدایت دی اور یہ ہدایت ٹی وی اسکرین پر بھی ابھر آئی تاہم پل بھر ہی میں یہ الفاظ اسکرین سے تحلیل ہو گئے اور کمپیوٹر کا جواب جھلملانے لگا۔

"اس کا تعلق دنیا بھر کے ڈیٹا بینکس کی تفصیلات سے ہے۔ اس میں ہدایتیں، کوڈز اور ان کے کمپیوٹروں میں دخل دینے کی ہدایتیں بھی شامل ہیں۔"

بہرام نے جواب دیکھا اور کندھے اُچکا کر فوراً ٹائپ کرنے لگا۔ "کیا چپ ون پر تمھارا کمپیوٹر بھی شامل ہے؟"

"نہیں۔" اسکرین پر جواب نمودار ہوا اور یہ جواب دیکھ کر بہرام زیر لب مسکرا دیا۔ اسے خوشی تھی کہ چارہ گر کے کمپیوٹر تک کسی کی رسائی نہ ہو سکی۔

"چپ نمبر ٹو کے پروگرام کی شناخت کرو۔" بہرام نے دوسری ہدایت ٹائپ کی۔ چند ساعت بعد اسکرین پر جواب اُبھرنے لگا۔

منگول

الماس ایم اے قیمت:-/150

"اس کا تعلق بکٹیریم کی جینیٹک میوٹیشن سے ہے۔" کمپیوٹر کی زبان بھی خالصتاً ٹیکنیکل سائنس والی تھی۔ "ایسے میوٹیشن کی تیاری کی ہدایات کے علاوہ ان فیکٹریوں کی تفصیلات بھی موجود ہیں جو ان کی تیاری کر سکتی ہیں۔"

"آہ۔" بہرام اس بار مسکرا کر سر ہلانے لگا۔ اسے ٹائیگر کے اس دعوے پر یقین آ گیا کہ کمپیوٹر ہی اس کاروبار میں ملوث ہے۔ کیونکہ چپ ٹو پر انارو بک بکٹیریا کا فارمولا موجود تھا۔

"چپ نمبر تھری کے پروگرام کی شناخت کرو۔"

"اس میں دوستوں کے اثاثوں کی فہرست ہے۔ جن کی مالیت ۷۵ بلین ڈالر سے زیادہ ہے۔ یہ اثاثے فرینڈز آف ورلڈ ان کارپوریشن کے نام پر ہیں۔"

۷۵ بلین ڈالر۔ بہرام کو شدید حیرت ہوئی! اسے فرینڈز آف ورلڈ ان کارپوریشن کے نام پر بھی حیرت تھی۔ یہ نام اس نے پہلے کبھی نہیں سنا تھا۔

"اس ان کارپوریشن کے کتنی کمپنیوں میں اکثریتی حصص ہیں؟" بہرام نے سوال ٹائپ کیا۔

"۲۳۶۔" کمپیوٹر نے جواب دیا۔ "فہرست درکار ہے؟"

"نہیں۔" بہرام نے جواب دیا۔ "۲۳۶ کمپنیاں، وہ سوچ رہا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ فرینڈز آف دی ورلڈ کی تعداد بہت زیادہ ہے لیکن سوال یہ ہے کہ یہ لوگ تیل کی تباہی کیوں چاہتے ہیں۔ کیا ان کی اپنی کمپنیاں تیل تباہ ہونے سے متاثر نہیں ہوں گی؟

"چپ نمبر فور۔" بہرام نے ایک طویل سانس لے کر سوال فیڈ کیا۔ اس بار اس کا پیغام پانچ منٹ تک اسکرین پر جھلملاتا رہا... پھر اچانک اسکرین تاریک ہو گئی اور پھر دوبارہ روشن ہو گئی۔ اس مرتبہ بڑا عجیب سا سوال اسکرین پر آیا تھا۔

"کیا تمھیں وقت معلوم ہے؟"

بہرام نے حیرت سے اسکرین کو گھورا اور پھر قدرے برہم انداز میں جواب صاف کر کے سوال پھر فیڈ کیا۔ "چپ نمبر فور کے پروگرام کی شناخت کرو۔"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

اس بار جواب فوراً آگیا "جب تک میرے سوال کا جواب نہیں ملے گا میں تمہارے سوال کا جواب دینے سے قاصر ہوں۔ کیا وقت ہوا ہے؟"

بہرام نے گھڑی دیکھی۔ "یس" اس نے ٹائپ کیا "صبح کے ایک بج کر بارہ منٹ ہونے میں مگر کیوں؟"

"اس لیے کہ تم ہماری نوعیت سے ناجائز فائدہ اٹھا کر اتنی رات گئے ہمیں کام کرنے پر مجبور کر رہے ہو' اس وقت ہم دوسروں کے لیے کام کرتے ہیں۔ تمہارے لیے ۲۴ گھنٹے کام کرنے سے تو رہے۔"

"چپ نمبر فور کے پروگرام کی شناخت کرو۔" بہرام نے دانت پیس کر ٹائپ کیا۔ اسے پریشانی یہ تھی کہ اس کے کمپیوٹر نے کبھی اس طرح مکالمہ بازی نہیں کی' اس نے ہمیشہ وہی کیا جو بہرام نے کہا یہی وجہ تھی کہ وہ انسانوں کے مقابلے میں کمپیوٹروں کا مداح تھا۔

"نہیں" کمپیوٹر سے جواب آیا "وقت آگیا ہے کہ ہمارا آپریشن منافع بخش بن جائے۔ تم آپریشن کے منافع کی راہ میں حائل ہو۔ اہم چیز منافع ہے۔ دن رات تمہارے سوالوں کا جواب دینا اتنا اہم نہیں۔ اپنے لیے کوئی اور غلام تلاش کر لو۔"

اسکرین تاریک ہو گیا۔ بہرام اسے گھورتا رہا بات بہت واضح تھی چپ نمبر فور میں کوئی چیز ایسی تھی جس نے اس کے اپنے کمپیوٹر پر غالب پالیا تھا۔۔ اور اب بہرام کا کمپیوٹر کاروباری انداز میں بحث کر رہا تھا۔ اسے جلد ہی احساس ہو گیا کہ چپ نمبر فور میں کیا تھا۔

چپ نمبر فور کا تعلق منافع بڑھنے کے پروگرام سے تھا۔ ہر چیز کو دولت میں بدلنے سے تھا اور یہی وجہ تھی کہ فرینڈز آف دی ورلڈ تیل کو تباہ کرنا چاہتے تھے۔ ان کے پاس مصنوعی تیل تھا جس کو وہ منہ مانگے داموں فروخت کر سکتے تھے جبکہ عام تیل کی موجودگی میں ان کا کاروبار منفعت بخش نہیں ہو سکتا تھا۔

بہرام کو اپنے کمپیوٹر کی فکر ہو گئی۔ وہ ایک ٹوٹک سوچتا رہا اور پھر اس نے بہت سوچ سمجھ کر ٹائپ کیا "تم بالکل درست کہتے ہو میں تمہیں سوالوں کا جواب دینے کے عوض ایک سو بلین ڈالر دوں گا۔"

اسکرین چند لمحوں تک تاریک رہا لیکن جونہی بہرام مایوسی کے قریب پہنچا' روشن ہو گیا۔

"کیا اڈاجازہ کے تناسب سے مہنگائی الاؤنس بھی ملے گا؟"

"یس" بہرام نے بڑا سانس بنا کر جواب ٹائپ کیا۔

"یس ڈاکٹر بہرام" کمپیوٹر سے فوراً جواب ملا "فرمائیے! ہم آپ کی کیا خدمت کر سکتے ہیں؟"

"چپ نمبر فور کے پروگرام کی تفصیلات درکار ہیں۔"

"اس کا تعلق ہر صنعت میں منافع کو بڑھانے سے ہے۔" کمپیوٹر نے اس بار کوئی ہچکچاہٹ نہیں دکھائی۔ "یہ پروگرام دوست نے تیار کیا ہے جو فرینڈز آف دی ورلڈ پر کنٹرولنگ پاور ہے۔ دوست ان کمپنیوں کو احکام دیتا ہے۔"

"بینک یو" بہرام اب انتہائی نازک حکم دینے والا تھا اور اس حکم پر عمل درآمد ہی سے اس کے کمپیوٹر کی بقا منسلک تھی۔ "ازراہ کرم... خود کو... چپ نمبر فور سے الگ کر لو۔"

کمپیوٹر نے ایک لمحے تک جواب نہ دیا۔ غالباً کمپیوٹر میں کوئی عمل جاری تھا... پھر اسکرین روشن ہو گیا۔ "کام مکمل۔"

"گڈ" بہرام نے پسینہ پونچھا لیکن ابھی اسے یہ آزمانا تھا کہ اس کے کمپیوٹر پر چپ نمبر فور کا اثر باقی ہے یا نہیں۔

"تمہیں ایک سو بلین ڈالر کب درکار ہیں؟" اس نے سوال ٹائپ کیا۔

"سوال ناقابل فہم ہے۔" کمپیوٹر نے فوراً جواب دیا "کیا ایک سو بلین ڈالر؟؟"

"گڈ" بہرام پوری طرح مطمئن ہو گیا۔ مشین پہیں سے الگ ہو چکی تھی بہرام کو یوں لگا جیسے سنگین ہارٹ اٹیک کا مریض ٹھیک ہو گیا ہو۔ "تھینک یو" بہرام نے ہمیشہ کی طرح ٹائپ کیا۔ "گڈ نائٹ۔"

"گڈ نائٹ۔" اسکرین پر دو لفظ جھلملانے لگے اور پھر اسکرین تاریک ہو گیا۔

بہرام سب کچھ سمجھ گیا۔ تمام پروگرام انفی چار ٹکڑوں میں محفوظ تھا لیکن اب سب کچھ بہرام نے کنٹرول میں تھا۔ اس نے جمائی لی اب وہ سونا چاہتا تھا۔ اس کا ارادہ تھا کہ وہ کل صبح تمام ۲۳۶ کمپنیوں کو مطلع کر دے گا کہ اب وہ آزاد ہیں۔ انھیں دوست سے کوئی حکم نہیں ملے گا۔ ممکن ہے اسی طرح فرینڈز آف دی ورلڈ تحلیل ہو سکے۔ وہ مطمئن تھا لیکن کمرے سے نکلتے ہوئے اسے یہ احساس ضرور تھا کہ وہ کچھ بھول رہا ہے۔

للہ رخ
قمر اجنالوی قیمت:-/200

ریوا بلیم کی پولی پوسائیڈز کمپنی کا مرکزی پلانٹ الزبتھ نیوجرسی میں واقع تھا اور یہاں اتنی دھند تھی کہ کاروں کی ہیڈ لائیٹس روشن کر کے چلنا پڑ رہا تھا۔

پلانٹ بند تھا اور پارکنگ کے لیے مخصوص جگہ میں صرف ایک کار کھڑی ہوئی تھی جس کی لائسنس پلیٹ پر ریوا کا نام لکھا ہوا تھا۔

وہ اسے عمارت کے ایک دور دراز کمرے میں ملی جونہی ٹائیگر اندر داخل ہوا۔ ریوا نے سر اٹھا کر دیکھا اور حیرت زدہ رہ گئی۔

"کیوں؟ مجھے دیکھ کر حیرت ہوئی ہے نا؟"

"اوہ۔ ہاں۔ ہم... میرا خیال تھا کہ تم ریلیگ ہی میں مر گئے ہو گے۔"

"شاید تمہارا خیال یہ تھا کہ میں ریلیگ سے نکل ہی نہیں سکوں گا!"

"تم کیا چاہتے ہو؟" ریوا کا لہجہ عجیب سا تھا۔

"میں تمہیں کچھ بتانا چاہتا ہوں۔"

"کیا؟"

"تمہارے دوست کے بارے میں۔ کیا تمہیں علم ہے کہ وہ کیا ہے؟"

"نہیں اس شخص سے میری ملاقات کبھی نہیں ہوئی اور یہ بات میں تمہیں درجنوں مرتبہ بتا چکی ہوں۔"

"وہ شخص نہیں ریوا۔" ٹائیگر مسکرا کر بولا "وہ چیز ہے۔ بے جان چیز۔ وہ انسان نہیں کمپیوٹر ہے۔"

"تم مضحکہ خیز باتیں کر رہے ہو۔"

"نہیں۔ تم سے گفتگو کرنے والا کمپیوٹر تھا۔ مجھے اچھی طرح علم ہے کہ وہ کمپیوٹر تھا کیونکہ میں اس کو ادھیڑ کر ہی ادھر آیا ہوں۔"

ریوا استہزائی انداز میں ہنس پڑی لیکن پھر اچانک ہی اس کی آنکھیں اداس ہو گئیں۔ "اور میں..." اس سے جرأت نہ کی گئی۔ ریوا نے عجیب سے لہجے میں کہا۔ "ایک بار میں نے اس سے ملاقات کے لیے کہا تھا... کھلی دعوتِ نشاط دی لیکن وہ کبھی نہیں آیا... میں تو یہ سمجھ بیٹھی تھی کہ وہ انتہائی وجیہہ اور... اور طاقتور مرد ہو گا لیکن... کیا تم نے اسے پرزوں میں بدل دیا ہے؟"

ٹائیگر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ "اور میں یہ جاننا چاہوں گا کہ اس کی آخری ہدایات کیا تھیں؟" اس نے ریوا سے پوچھا۔ "تم اتنی عجلت میں ریلیگ سے کیوں چلی آئیں؟"

"اس نے مجھ سے کہا تھا کہ میں پولی پوسائیڈز کی تیاری فوراً شروع کر دوں اور یہ کہ اس پلانٹ سے بھرپور پیداوار حاصل کروں۔"

"کیوں؟"

"اس لیے کہ وہ بیکٹیریا کی ایک اور کھیپ تیار کر کے تیل میں انڈیلنا چاہتا تھا۔"

"ٹھیک ہے لیکن اب تم اسے بھول جاؤ۔ بیکٹیریا کو بھی اور پولی پوسائیڈز کو بھی کیونکہ تمہارا دوست ختم ہو چکا ہے۔"

"اس کے ختم ہونے کا یقین بھی اسی وقت آئے گا جب وہ خود اس کی اطلاع کرے گا۔"

"اب وہ کبھی تمہیں فون نہیں کرے گا ڈارلنگ۔ وقت آگیا ہے کہ اس پلانٹ کو بند کر دیا جائے۔"

"ایسی کوئی بات نہیں۔ پلانٹ کی بندش ناممکن ہے۔" ریوا نے اٹل لہجے میں کہا۔

"کون ہے؟" یہ آواز ٹائیگر کے عقب سے آئی تھی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا' کمرے میں آنے والا آسکر تھا۔ اس کے دائیں ہاتھ پر پٹیاں بندھی ہوئی تھیں لیکن اس کے بائیں ہاتھ میں ایک بھاری پستول تھا۔ ٹائیگر نے وقت ضائع کیے بغیر خود کو فرش پر گرا لیا کیونکہ اس نے لبلبی پر آسکر کی انگلی کا دباؤ دیکھ لیا تھا۔ فرش پر گرتے ہی اس نے دو دھماکیاں کھائیں' اسی لمحہ گولی چلنے اور ریوا کے چیخنے کی آوازیں سنائی دیں۔ وہ اچھل کر کھڑا ہوا' ریوا ڈیسک پر اوندھی گری ہوئی تھی اس کی کھوپڑی کا بالائی حصہ تقریباً اڑ چکا تھا اور آسکر مزید گولیاں چلانے کے انداز میں تھا۔ ٹائیگر نے اچھل کر دایاں پیر آسکر کے مارا' پیر پورا نہیں صرف ایڑی آسکر کی گردن پر لگی اور چٹاخ کی آواز کے ساتھ ہی آسکر گر گیا۔ اس سے قبل دوسری گولی بھی چلی تھی اور ایک ایسے کنٹینر میں گھس کر آگ لگا گئی تھی جس میں ایندھنی نما کوئی چیز رکھی ہوئی تھی۔ آگ کے شعلے اب فرنیچر کو چاٹنے کے قریب تھے۔ ٹائیگر ایک لمحہ کے لیے آگ بجھانے کی خاطر رکا لیکن پھر اس نے آگ بجھانے کا ارادہ ترک کر کے باہر کی راہ لی۔ اس کے باہر نکلتے نکلتے آگ حیرت انگیز طور پر تیزی سے پھیل چکی تھی اور جب اس نے پلٹ کر دیکھا تو کمرے کی کھڑکیوں سے شعلے جھانک رہے تھے۔

❋

"کاش تم اس پلانٹ کو تباہ نہ ہونے دیتے۔" بہرام نے کف افسوس ملتے ہوئے کہا۔

"مگر آگ میں نے تو نہیں لگائی؟" ٹائیگر نے منہ بنا کر کہا۔

"بس خود بخود لگ گئی اور لگتی چلی گئی۔"

"خیر۔ کوئی بات نہیں۔ ہمارے پاس مصنوعی تیل کا فارمولا آگیا ہے اور اگر کبھی ضرورت پڑی تو ہم اسے استعمال کر سکیں گے۔"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"گڈ۔ تب پھر میں چلوں؟"

"نہیں۔ اتنی جلدی کیا ہے؟ تم شاید فون پر مجھ سے بات کرنا چاہتے تھے؟"

"نہیں۔" ٹائیگر نے صاف انکار کر دیا۔

"ویسے کیا یہ حیرت انگیز بات نہیں کہ کمپیوٹر کتنے بڑے اور وسیع اداروں کو کنٹرول کر رہا تھا ٹائیگر؟ شاید ہمیں ان کی اصل تعداد کبھی معلوم نہ ہو سکے۔ ان میں بینکس، جرمن آٹو پلانٹس اور کھربوں ڈالر کے اثاثے شامل تھے۔"

"یہ بات اوشان سے مت کہہ دیجیے گا۔" ٹائیگر نے بہرام کو متنبہ کیا۔ "آج کل وہ تنخواہ میں اضافے کا مطالبہ کرنے پر سنجیدگی سے غور کر رہا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ کیونکہ اس نے انارو بک کے ماہر کے طور پر ملازمت کرنے سے انکار کر دیا تھا لہٰذا اسے لاکھوں ڈالر کا نقصان ہوا۔ وہ اس نقصان کی تلافی کا بھی مطالبہ کر سکتا ہے۔"

"کیا کمپیوٹر سے ماسٹر کی بات ہوئی تھی؟"

"بالکل۔ دو مرتبہ اور کمپیوٹر نے اسے بھی گفتگو کرتا رہا تھا۔"

"کمال ہے۔" بہرام نے کہا۔ "چاروں چپس پر ایسی کوئی بات نہیں ملی جس سے یہ علم ہوتا کہ کمپیوٹر کی آواز بھی ہے۔"

"ممکن ہے کہ میں کوئی ٹھوکا دینا بھول آیا ہوں۔"

"شاید۔" بہرام نے جواب دیا لیکن اس کے چہرے پر کشمکش اور اضطراب کی پرچھائیاں لرز رہی تھیں۔

"اوشان کو بہرحال اس کا علم نہ ہو کہ کمپیوٹر کے خلاف اس آپریشن میں کتنا بڑا سرمایہ ملوث تھا ورنہ وہ اس کا ہم حصہ دار مانگ بیٹھے گا۔" ٹائیگر نے مسکرا کر کہا۔

"ٹھیک ہے۔ یہ راز راز ہی رہے گا۔" بہرام بہت سنجیدہ تھا۔

"آپ اتنے سنجیدہ اچھے نہیں لگتے چیف۔"

"پھر کیا کروں؟"

"کسی ایسی لڑکی کے ڈانس کا نظارہ کریں جس کے چہرے پر ان گنت بھورے بھورے تل ہوں۔"

"ٹائیگر۔ پلیز۔" بہرام ہنس پڑا۔ "اب مجھے صرف ایک فون کرنا ہے اس کے بعد میں گولف کھیلوں گا۔ برسوں سے گولف گراؤنڈ نہیں گیا۔"

"مگر اب تو پانچ بج رہے ہیں۔"

"ہاں۔ ایک گھنٹے میں نو ہولز تک تو پہنچ ہی جاؤں گا۔"

بہرام نے حساب لگا کر کہا۔ "پچھلی بار جب میں کھیلا تھا تو وہ لونگ آئی لینڈ لیگ لیٹ تھا۔ میں نے تقریباً دو ان ایٹی ڈگری پر۔"

"خدا حافظ چیف۔" ٹائیگر گھبرا کر بھاگ نکلا۔

زیورخ کے لیبیٹ دریا پر واقع بینک کے تہ خانے میں سکیورٹی گارڈ نے آخری بار الارم چیک کیے، پھر کمپیوٹر کی طرف دیکھا۔ اگزیکٹو شنڈتہ خانے سے نکلنے سے قبل ایسا کرنا اس کا معمول تھا۔ اس نے مطمئن انداز میں سر ہلایا۔ اسے اندازہ تھا کہ ڈیوڈسن پر شرح سود میں کمی کی کیا وجہ ہے۔ بینک اپنی آمدنی کا بڑا حصہ اتنے عظیم الجثہ کمپیوٹروں پر خرچ کر دیتے ہیں۔ وہ سر ہلاتا ہوا کمرے سے نکلا اس نے خود کار سوئچ کی مدد سے دروازہ بند کیا اور ٹھیک تیس سیکنڈ بعد اندر کمپیوٹر پینل کی روشنیاں جل اٹھیں۔

مشین کے جسم میں برقی لہریں دوڑنے لگیں۔ ان کی رفتار روشنی کی رفتار کے برابر تھی، یہ لہریں تجزیہ کر رہی تھیں۔ کسی فیصلے پر پہنچنے کے لیے اطلاعات "چوس" رہی تھیں۔ پھر غالباً کمپیوٹر کسی نتیجے پر پہنچ گیا اور اس کا رابطہ سوئس نیشنل ٹیلی فون سسٹم سے ہو گیا۔

صدر مملکت واضح طور سے متاثر نظر آ رہے تھے۔

"گویا اس کا مقصد صرف اور صرف منافع کا فروغ تھا۔ میرا خیال ہے کہ صنعتی دنیا میں یہ مقصد ہی زندگی کا محور ہے۔"

"مجھے اس کا علم ہے جناب۔" بہرام نے جواب دیا۔

"ہاں۔ اس پر مجھے ایک بچی کا خط یاد آیا جو حال ہی میں مجھے ملا ہے۔ آٹھ سالہ بچی نے شکایت کی ہے کہ کمپنی میں چھاتی کے باعث اس کا باپ بے روزگار ہو گیا ہے۔ اس نے کافی لمبا خط لکھا ہے۔ اس میں بھی یہی کہا گیا ہے کہ منافع حاصل کرنا ہی کمپنیوں کا مقصد ہوتا ہے آپ ایسا کوئی کام نہ کریں جس سے منافع کم ہو اور صنعتکار چھانٹی شروع کر دیں۔"

"آٹھ سالہ بچی معیشت کے موضوع پر ایسا کوئی خط نہیں لکھ سکتی جناب صدر۔"

"کیا تمھیں یقین نہیں آیا؟"

"نہیں۔"

"اوہ۔ ٹھیک ہے۔ یقین مت کرو۔" صدر کے لہجے میں برہمی نہیں تھی۔

*

"آپ کیا لکھ رہے ہیں مسٹر فاورڈ۔" ٹائیگر نے اچانک پوچھ ہی لیا کیونکہ اوشان بہت دیر سے قالین کے اوپر ایک تختہ بچھا کر اس پر بیٹھا ہوا لکھے جا رہا تھا۔ اس کے چاروں طرف مختلف انداز اور شکلوں کے قلم اور کاغذوں کے پلندے پڑے ہوئے تھے جو اوشان کے کسی صندوق ہی سے برآمد ہوئے تھے۔

"اس کا اہل بہرام کو شکایتیں لکھ رہا ہوں۔" اوشان نے سر اٹھائے بغیر جواب دیا۔ "شہزاد! میری ایک بات یاد رکھنا اگر تم نے کبھی کسی کو فائدہ اٹھانے دیا تو تم ہمیشہ نقصان میں رہو گے۔"

"کیسی شکایتیں؟" ٹائیگر نے کاؤچ پر لیٹ کر چھت کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"پہلی تو یہ کہ اگر میں دوست کی ملازمت اختیار کر لیتا تو مجھے بہت منافع ہوتا۔ دوسری یہ کہ مسلسل سفر سے اب میں اکتا چکا ہوں۔ تاجروں کے اس شہر سے مجھے خوف محسوس ہونے لگا ہے۔"

"اس شہر کا نام ریلیگ ہے۔"

"تھینک یو۔ میں یہ نام بھی شکایت نامے میں درج کر لوں گا۔ تیسری شکایت یہ ہے کہ مجھے اس مشن میں تم جیسے آٹھ افراد کو دیکھ کر سخت دھچکا لگا۔ ہمسے اتنے بہت سے بدصورت لوگ۔"

"مجھے آپ کے احساسات کا پاس ہے مسٹر فاورڈ۔"

"ہونا بھی چاہیے۔ آخر وہ لوگ کب تک ایسی خراب خراب صورتیں دکھا کر میرے صبر کا امتحان لیتے رہیں گے۔"

"اس موضوع پر میں کوئی بات نہیں کروں گا۔"

"تم کسی موضوع پر گفتگو شروع کر کے جاری رکھنا کیوں نہیں چاہتے؟"

"اس لیے کہ مجھے علم ہوتا ہے کہ آپ آگے کیا کہیں گے۔" ٹائیگر نے کہا اور اسی لمحے فون کی گھنٹی بج اٹھی۔

"ہیلو۔" ٹائیگر کو یقین تھا کہ دوسری طرف بہرام ہو گا لیکن دوسری طرف سے ایک انتہائی نرم مگر مردانہ آواز سنائی دی۔

"مجھے خوشی ہے کہ میں تم تک پہنچ سکا۔"

"کیوں؟ کون ہو تم؟" ٹائیگر اٹھ بیٹھا۔

"میں تمھیں جانتا ہوں، مجھے علم ہے کہ کوئی بھی تمھاری صلاحیتوں کا اعتراف نہیں کرتا۔ اسی باعث تو تمھیں اپنی صلاحیتوں کا احساس ہے اور تمہی مستقبل کی فکر۔"

"میرے بارے میں تمھیں کس نے بتایا؟"

"اگرچہ میرے پاس اب وہ ذرائع و وسائل نہیں جو چند روز قبل تک تھے لیکن ایک ذریعہ باقی رہا ہے۔ اسی ذریعہ سے میں نے تم سے رابطہ قائم کیا ہے۔ اگر تم چاہو تو دنیا تمھاری عظمت کا اعتراف کر سکتی ہے۔"

"اس کے لیے مجھے کیا کرنا ہو گا؟"

"کچھ نہیں۔ بس کبھی کبھی میری مدد کر دیا کرو۔" لہجہ بے جان اور سپاٹ تھا۔

"تم کون ہو؟"

"نام کی کوئی اہمیت نہیں۔ تم مجھے دوست کہہ سکتے ہو۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔ ٹائیگر بھنا کر رہ گیا۔ اس نے اوشان کی طرف دیکھا۔ وہ بھی غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔ پھر کلک کی آواز کے ساتھ ہی رابطہ منقطع ہو گیا۔

گہرے رنگ کا وہ سوٹ جو اس نے پہن رکھا تھا لندن میں سلا تھا اور اس کی قیمت آٹھ سو ڈالر سے زیادہ تھی۔ سفید قمیص سو ڈالر کی تھی اور اطالوی چمڑے کے جوتے دو سو اسی ڈالر میں ملے تھے۔ ویسلے پریس کو یہ جوتے بہت اچھے لگے تھے لہٰذا اس نے ایک درجن جوڑی جوتے خرید لیے تھے۔ ان کپڑوں اور جوتوں میں ملبوس ہونے کے باوجود وہ بہرحال پاگل ہو جانے والی بس کی جھکی نشست کا مسافر لگ رہا تھا۔

قدرت نے ویسلے پریس کے ساتھ انصاف نہیں کیا تھا اس کی شکل و صورت بامقدار تھی اور نہ ہی جسمانی اعتبار سے وہ پرکشش تھا۔ اوسط قد و قامت کے اس شخص کا وزن بھی متناسب نہ تھا۔ ہاتھ چھوٹے اور نرم تھے، چہرے پر گوشت تھا مگر چہرہ موٹا نہیں لگتا تھا۔

ان خوبیوں کے باوجود اس کے تصورات منفرد تھے اس نے پبلشنگ کی دنیا میں تین انقلاب دیکھے تھے، پہلا انقلاب عریانیت نے برپا کیا تھا دوسرا غلیظ تصویروں کی اشاعت تھا اور تیسرا غلیظ تحریریں۔ لیکن چوتھا انقلاب خود ویسلے پریس تھا۔

اس نے اپنے میگزین میں جو پہلی تصویر شائع کی تھی وہ ایک عورت کی قدرتی لباس میں تھی۔ جو بظاہر پندرہ برس کی نظر آ رہی تھی اور یہ سیاہ فام عورت ایک بیل پر سواری کر رہی تھی۔

میگزین کا یہ شمارہ محض تین گھنٹوں میں فروخت ہو گیا تھا۔ دوسرا شمارہ گھوڑوں سے متعلق تھا... اور اس شمارے نے عریانیت کے علمبردار دوسرے میگزینوں کو میلوں پیچھے چھوڑ دیا تھا۔ پہلے شمارے میں "اصل تصویر" میگزین کے اندر شائع کی گئی تھی لیکن دوسرے شمارے میں یہ تصویر باہر نکل کر بیک ٹائیٹل بن گئی تھی۔ اس طرح تصویر فریم کرنے کے قابل بھی ہو گئی تھی۔ ویسلے پریس نے فوٹو گرافی میں بھی تجربات اور کامیاب تجربات کیے تھے... انسانی تصویریں ڈھندلی ہوتی تھیں

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

جب کہ جانور بہت واضح نظر آتے تھے۔

ابتدا میں دوسرے ذرائع ابلاغ نے ویسلے پریس کو نظر انداز کرنے کی کوشش کی لیکن جب اس کے میگزین "گراس" کی تعداد اشاعت بیس لاکھ تک پہنچ گئی تو تہلکہ مچ گیا۔ آخر عالم میگزین کو بھی اس پر ایک کور اسٹوری دینی پڑ گئی۔ یہ کور رنگین تھا اس پر ویسلے پریس کا کارٹون بنا ہوا تھا جس کو ہر طرف سے خوبصورت مور نما گھیرے ہوئے تھیں۔ پس منظر میں گھوڑے، ریچھ، بیل اور بکریاں نظر آ رہی تھیں۔ مضمون کا عنوان تھا "ویسلے پریس اور نیوز کا بادشاہ"

پھر ویسلے نے نائٹ کلب کے میدان میں قدم رکھا اور جلد ہی گراس آڈیٹس کے نام سے انوکھا نائٹ کلب کام کرنے لگے یہاں کی ملازمہ کو معقول تنخواہ ملتی تھی ان کی درجہ بندی کی گئی تھی، شراب سرو کرنے والی ویٹرس ٹاپ لیس ہوتی تھی جب کہ روم سروس والی لڑکیاں باٹم لیس۔ جہاں تک رقاصاؤں کا تعلق تھا تو ان کے لیے اُن کے جسم دن والا لباس مقرر کیا گیا تھا۔ شراب کے پیالوں کو بھی الگ الگ نام دیے گئے تھے مثلاً شیپ ڈپ، ہارس ڈانگ اور بل شاٹ۔ ان کی قیمت چار ڈالر فی جام تھی۔ ہر کلب میں دکان بھی ہوتی تھی جہاں ہر قسم کی چیز فروخت کی جاتی تھی۔

گراس کلب کے خلاف پہلا مظاہرہ شکاگو میں ہوا۔ مظاہرین میں صرف عورتیں شامل تھیں اور ان کا کہنا تھا کہ ویسلے پریس عورتوں کا استحصال کر رہا ہے لیکن کلب میں کام کرنے والی لڑکیاں ان سے متفق نہ تھیں انھیں ساٹھ سو ڈالر کی ٹپ ملتی تھی لہٰذا انھوں نے ان مظاہرین پر حملہ کر کے اُن کی پٹائی کر دی اور کپڑے تار تار کر دیے۔ اس پر ہنگامہ قائم ہو گیا لیکن ویسلے پریس کے وکیلوں کی ٹیم بھی حرکت میں آ گئی جو پہلے ہی درجنوں مقدمات میں اس کا کامیابی سے دفاع کر رہی تھی۔

گراس میگزین میں دو صفحے ننگی تصویروں کے لیے مخصوص تھے اور انعام یافتہ ننگی تصویر کے لیے پانچ ہزار ڈالر کا انعام مخصوص تھا۔ یہ تصویریں عام لوگ بھیجتے تھے۔ تازہ ترین انعام ایک عورت نے حاصل کیا تھا جس نے آٹو میٹک کیمرے سے اتاری ہوئی اپنی ہی تصویر بھیجی تھی۔ ایک صفحہ ایسی تصویروں کے لیے مخصوص تھا جو چوری چھپے اتاری گئی ہوں۔ انعام حاصل کرنے والی تازہ ترین تصویر ایسی لڑکی نے بھیجی تھی جس نے اپنے پاپا اور ماما کی تصویر بنائی تھی۔ اس صفحے میں شائع ہونے والی آٹو تصاویر پر متعدد قائم ہو چکے تھے۔ ویسلے پریس کو اندازہ تھا کہ اگر وہ بتیس کے جو تیس۔ مقدمات ہار گیا اور اسے عدالتی حکم پر دعووں کی تمام رقم بھی ادا کرنی پڑی تب بھی اس کے پاس ایک کروڑ ڈالر سے زیادہ کی رقم بچ رہے گی لہٰذا اسے مقدموں کی کوئی پروا نہ تھی۔

نیویارک کی خفیہ انٹیلی جنس پر واقع عالیشان عمارت کے عالیشان دفتر میں ایک اور صدائے احتجاج بلند ہوئے ویسلے پریس کو صرف یہ حکم کھائے جا رہی تھی کہ وہ نو تشکیل شدہ فلم ڈویژن کی پہلی فلم "قدرتی مناظر" کی فلم بندی کہاں کرے؟ اس نے نیویارک شہر میں فلم بندی کی اجازت طلب کی تھی اور جب اس سے فلم کا موضوع طلب کیا گیا تھا تو اس نے لکھا تھا کہ یہ فلم ایسے آزاد جھنڈے سے متعلق ہے جو قدرتی ماحول میں خوشیاں حاصل کرتا ہے لیکن نیویارک کے حکام نے اس وضاحت کے بعد اجازت نامہ دینے سے انکار کر دیا تھا۔ ویسلے کو دوسری فکر اس ماڈل کے انتخاب سے متعلق تھی جسے اگست کے شمارے میں بیس فوٹو کے لیے منتخب کیا جانا تھا۔ کئی لڑکیاں آئی تھیں لیکن بیشتر بُودل تھیں اور وہ شارک کے ساتھ تصویر بنانے سے گریزاں تھیں۔ تیسرا مسئلہ پرانا تھا یہ اُن عورتوں نے پیدا کیا تھا جو اب بھی دفتر کے باہر مظاہرہ کر رہی تھیں ان کی آوازیں اسے دفتر میں بھی آ رہی تھیں۔ جب وہ نعرے بازی سے جھنجلا گیا تو اٹھ کر کھڑکی تک آیا۔ سترھویں منزل کی کھڑکی سے وہ عورتیں بہت چھوٹی چھوٹی نظر آ رہی تھیں۔ وہ ایسی عورتوں کو بہت پسند کرتا تھا جو چھوٹی ہوں اور اس کے قدم چاٹتی رہیں۔

ویسلے نے ان کے نعرے سُنے اور پھر ٹیلی فون پر اگر پورٹیبل بل ہارن اٹھا لیا۔

"گراس مزہ باد!!" اس نے بٹن دباتے ہی کہا۔ اس کی آواز سڑک پر پھیلتی چلی گئی۔ عورتیں خاموش ہو کر اوپر دیکھنے لگیں۔ ہنسو نما گراس کو مزہ باد کہہ رہی ہو لیکن وہ سالانہ تین کروڑ بیچاس لاکھ ڈالر کماتا ہے؟

ان میں سے ایک عورت کے پاس بھی بل ہارن تھا۔ یہ کانگریس کی سابق رکن تھی اور وتنام کی ہی سے ویسلے پریس کے خلاف سرگرم تھی۔ اس عورت کو ویسلے نے گراس میں اشتہار کے ذریعہ چیلنج دیا تھا کہ وہ اس کی کسی ذاتی اخلاقی کمزوری کی نشاندہی کرے لیکن جب تین ماہ تک اس عورت نے چیلنج قبول نہ کیا تو اگلی مرتبہ ویسلے نے یہ اشتہار دینے کے بجائے اس عورت کا ٹیلیفون شائع کیا جس میں اس کی پارسائی پر استہزائی انداز میں یہ لکھ کر تبصرہ کیا گیا کہ یہ عورت خود کو امریکہ کی واحد ناکتخدا سمجھتی ہے۔

اب اس عورت نے اپنا بل ہارن منہ سے لگا کر چہرہ اوپر کیا۔ "تم ذہنی طور سے بیمار انسان ہو ویسلے پریس۔"

"تم بھی کبھی صحت مند نہیں رہیں" ویسلے نے جواب دیا۔

تاریخ کے صفحات میں محفوظ سرزمین پنجاب کی وہ دلگداز داستان، جو کلاسک داستانوں میں شمار ہوتی ہے!

جگت سنگھ جگا

مصنف: شمیم نوید

- وہ کیوں ایک شریف شہری سے ڈاکو بن گیا؟
- اُسے ڈاکو بننے پر کس نے مجبور کیا؟
- وہ کس طرح انتقام کی آگ میں سلگتا رہا؟

اور سب سے بڑھ کر "جگت سنگھ جگا" کے کردار کا رومانی پہلو جو شروع سے آخر تک "چندن" اور "ویرو" کی صورت میں اس کہانی میں رچا بسا نظر آتا ہے، اس بات کا گواہ ہے کہ لطیف جذبات رکھنے والا یہ نوجوان جسے دنیا خطرناک ڈاکو کے نام سے جانتی تھی، اُس کا دل عشق کے گداز سے خالی نہیں تھا۔

30 سال قبل شائع ہونے والا اپنے وقت کا مقبول سلسلہ
پہلی بار کتابی شکل میں شائع ہو گیا ہے

دو جلدوں میں مکمل سیٹ -/400 روپے۔

اسٹاکسٹ: مکتبہ القریش اُردو بازار لاہور-2 فون: 7668958

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"تم کو پاگل خانے میں ہونا چاہیے۔"

"اور تمھیں چڑیا گھر میں۔" ویلسے نے کہا۔ "کیا تمھیں ٹوکری چاہیے؟"

"نہیں۔"

"میں تمھیں ماؤتھ لنگ کے لیے استعمال کر سکتا ہوں۔"

"کبھی نہیں۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔"

"سنو۔ اگرچہ میں نے تین سال تک کے لیے لڑکیوں کو بک کر لیا ہے لیکن ابھی تین بھینسوں کے لیے جگہ خالی ہے تم بالکل اصلی بھینس لگو گی۔ شرطیہ کہہ رہا ہوں۔"

"بکواس مت کرو۔" عورت چلائی۔ "ایک نزدیک روز خانون تمھارا گلا پکڑے گا۔" ساتھ ہی اس کی ساتھی عورتیں تالیاں بجا بجا کر ویلسے مردہ باد کے نعرے لگانے لگیں۔

ویلسے پریس اب دوسری عورتوں کے بارے میں بھی ملتا جلتا تبصرے کرنے لگا تھا۔ پھر جب تمام عورتوں نے اس پر ہوٹنگ شروع کر دی تو اس نے کھڑکی بند کر دی۔ کھڑکی کے بند ہوتے ہی اس کے چہرے پر سفاکانہ مسکراہٹ دوڑ گئی اور وہ ٹیلی فون کی طرف بڑھ گیا۔

"ان بندریوں کی تصویریں لینے کے لیے کسی فوٹو گرافر کو بھیج دو۔" اس نے کسی سے کہا۔ "اگر کوئی عورت وجہ پوچھے تو بتلا دینا کہ اگلے مہینے سے ہم اس ماہ کی گیلری کے عنوان سے نیا پنجر شروع کر رہے ہیں۔"

اس سے فارغ ہو کر وہ ڈیسک پر بیٹھ گیا اور اگلے شمارے کے پروف دیکھنے لگا کہ معاً ہی ایک عورت اس کے کمرے میں داخل ہوئی اس عورت کی آنکھیں سیاہ تھیں، زلفیں دراز اور کالی تھیں اس نے نہیں اور سفید لباس پہن رکھا تھا اور اس کی بغل میں تین عدد فائل فولڈرز دبے ہوئے تھے۔ ویلسے نے سر اٹھا کر اُسے دیکھا تو وہ مسکرانے لگی۔

"پہلے کیا سننا چاہتے ہو؟ اچھی یا بُری خبر؟" وہ ایک ادا سے دانتیں جھلک کر بولی۔

"خوش خبری۔" ویلسے نے جواب دیا۔

"میرے پاس کوئی خوش خبری نہیں۔" عورت نے زیرِ لب مسکرا کر کہا۔

"کیا شارک نے آؤٹ کا مسئلہ اب بھی پریشان کر رہا ہے؟"

"ہاں۔" عورت نے اعتراف کیا۔ "ہر لڑکی دوڑتی ہے کہ شارک اس کی بوٹیاں نوچ لے گی، لیکن کیا ہم فلما کو اس کام کے لیے استعمال نہیں کر سکتے؟"

"فلما۔" ویلسے سوچنے لگا۔ "کر سکتے ہیں لیکن وہ پہلے ہی کئی سینڑ فولڈرز میں آ چکی ہے۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ لوگ یہ کہنا شروع کر دیں کہ ہمارے پاس لڑکیاں نہیں رہیں۔"

"تب پھر یہ کام میں کر لوں گی۔"

"تھیوڈیسا! تم جانتی ہو کہ اس سلسلے میں میری سوچ کیا ہے۔ بیل کے ساتھ تمھاری تصویریں کافی ہیں۔ اب تم کسی اور کے لیے پوز نگ نہیں کرو گی کہ تم میری ہو۔"

"اوہ۔ تم بہت پیارے ہو۔" تھیوڈیسا جھوم اٹھی۔ "لیکن فکر مت کرو۔ میں انٹرویوز کرتی رہوں گی، کوئی نہ کوئی لڑکی مل ہی جائے گی۔"

"گڈ۔ فلم کے بارے میں کیا نئی خبر ہے؟"

"نیو جرسی والوں نے بھی انکار کر دیا ہے۔" تھیوڈیسا نے اسے جواب دیا۔

"مگر کیوں؟" ویلسے پریس غرا کر رہ گیا۔

"ان کا کہنا ہے کہ وہ اس فلم کے موضوع کو پسند نہیں کرتے۔"

"کیا تم نے انھیں یہ نہیں بتایا تھا کہ میں خود بھی جرسی کا رہنے والا ہوں؟"

"میں تو اس سے بھی آگے بڑھ گئی تھی۔ جو کمیشن فلموں کی شوٹنگ کے لیے لائسنس جاری کرتا ہے اس کے ایک رکن کے ساتھ میں نے لنچ بھی کیا تھا۔"

"پھر؟"

"میں نے اسے پانچ ہزار ڈالر اور تین ماہ کے لیے فلما کی پیشکش کی تھی۔"

"اس نے پیشکش بھی مسترد کر دی؟"

"ہاں۔" تھیوڈیسا نے مایوسی سے سر ہلا دیا۔

"ر، اتبق ہیں۔" ویلسے کی آنکھیں غصے سے سُرخ ہو گئیں۔

"شاید انھیں ابھی تک یہ اندازہ نہیں کہ میں مستقبل کی لہر ہوں ایک سو سال بعد اس دور کو لوگ ویلسے کا دور قرار دیں گے۔"

"میں نے اسے یہ بھی بتایا تھا ویلسے وہ پانچ ہزار ڈالر میں زیادہ دلچسپی لے رہا تھا۔"

"تب پھر اس نے یہ پیشکش قبول کیوں نہیں کی؟"

"میرا خیال ہے کہ اس کو کسی کا خوف تھا۔"

"تب پھر فلم بندی کہیں بھی کر لو۔"

"لیکن اس طرح ہم برباد بھی ہو سکتے ہیں۔"

"کیسے؟"

"اگر نیلی وردی والوں کو خفیہ شوٹنگ کا پتا چل گیا تو ہم سب گرانڈ جیوری کے روبرو ہوں گے جو ہمیں جیل بھیج دے گی۔"

ویلسے اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھ فضا کے عالم میں میز پر مارنے لگا۔ تھیوڈیسا فوراً اس کے قریب آ کر اس کی کنپٹیاں سہلانے لگی۔

"ایک طریقہ اور بھی ہو سکتا ہے ڈارلنگ۔" اس نے کہا۔

"وہ کیا؟" ویلسے کا غصہ تجسس میں بدل گیا۔

"انڈیانا کی ایک کاؤنٹی پرانے فروخت ہے۔"

"کیا؟" وہ اچھل پڑا۔

"ہاں۔ ایک پوری کاؤنٹی۔ پہلے وہاں بُنائی کی ایک صنعت تھی لیکن بعد میں وہ بھی بند ہو گئی جس کے باعث کاؤنٹی گورنمنٹ دیوالیہ ہو گئی اور اب کاؤنٹی فروخت کے لیے پیش کی گئی ہے کاؤنٹی خرید لو اور پھر وہاں جو چاہو کرو۔"

"مگر وہاں کے لوگ تو احتجاج کریں گے۔"

"ان کا احتجاج ٹیکسوں میں کمی کے ذریعے ختم کر دینا۔"

"یہ ممکن نہیں۔ مگر۔۔۔"

تھیوڈیسا کو کاؤنٹی کی خریداری کے لیے مسلسل ساٹھ گھنٹے کام کرنا پڑا اور پھر مزید ایک روز بعد انڈیانا کی فرینکلن کاؤنٹی ویلسے پریس کے نام منتقل ہو گئی۔ اب وہ ۲۵۷ مربع میل کے علاقے، وہاں کے معدنی وسائل، آبی حقوق، کھیتوں، ٹاؤن ہال، پولیس ڈپارٹمنٹ، عدالت ہر چیز کا مالک تھا۔ اس نے اس کا اعلان ایک پریس کانفرنس میں کیا اس موقع پر موجود گرانڈ جیوری کے ارکان بھی اس میں تھیں۔

"تم نے یہ کاؤنٹی کس مقصد کے لیے خریدی ہے؟" ایک رپورٹر نے سوال کیا۔ "وہاں کیا کرو گے؟"

"کاؤنٹی اس لیے خریدی ہے کہ کوئی 'ٹنک' برائے فروخت نہ تھا۔" ویلسے نے مسکرا کر جواب دیا اور جب لوگوں کا قہقہہ تھما تو وہ بھی سنجیدگی سے رپورٹر کی طرف دیکھنے لگا۔ "سنجیدگی سے پوچھو تو میرا جواب یہ ہے کہ میں کئی سال سے 'ٹنک' کو درپیش توانائی کے بحران پر تشویش میں مبتلا ہوں۔ حکومت بڑے آئل گروپوں کی اجارہ داری ختم کرنے سے گریزاں ہے۔"

"لیکن ایک گاؤں کی خریداری سے اس کا کیا تعلق؟"

"میں وہاں شمسی توانائی پر تحقیق کے لیے ایک قومی لیبارٹری قائم کروں گا۔" ویلسے پریس نے جواب دیا۔ "اس کے لیے میں گراس کے تمام ذرائع وقف کر رہا ہوں تاکہ پورے 'ٹنک' کی ضروریات کے مطابق شمسی توانائی تیار کر سکوں۔" یہ کہہ کر اس نے فاتحانہ انداز میں چاروں طرف دیکھا۔ اس کے نوکروں نے پُرجوش تالیاں بجائیں اور گراس گرز نے بھی رپورٹروں کو کہنیاں ماریں کہ وہ بھی تالی بجائیں۔ اس شور میں ویلسے نے تھیوڈیسا کو سرگوشی میں بتایا۔ "اس منصوبے کی تکمیل میں پریس برس لگ سکتے ہیں اور اس دوران ہم غلیظ بنا سکتے ہیں۔ ویسے تم نے یہ تصدیق تو کر لی ہے نا کہ وہاں کے سورج پر بھی ہمارا اختیار ہے؟"

"اوہ ڈارلنگ! تم تو خود وہاں کے سورج ہو گے۔" تھیوڈیسا نے شرارت آمیز انداز میں مسکرا کر جواب دیا۔

فرینکلن کاؤنٹی بک ویلسے پریس کی بدنامی کا چرچا تھا اور یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی کہ ان کا گاؤں بدذات ویلسے نے خرید لیا ہے۔ وہ اس کی مزاحمت کے لیے کمر کسنے لگے لیکن اچانک ہی ان سب کو نئے مالکان کی طرف سے خطوط ملے جس میں ٹیکس یک طرفہ طور پر نصف کرنے کے فیصلے سے انھیں مطلع کیا گیا تھا۔ ان خطوط کے ملتے ہی وہ سب کے سب اس حقیقت کے قائل ہو گئے کہ ویلسے پریس کو نہ صرف میگزین شائع کرنے کا حق حاصل ہے بلکہ اسے اس میں اپنی مرضی کے مطابق تصویریں شائع کرنے کا بھی اختیار ہے۔ وہ خاص طور سے یہ ذکر کرنے لگے کہ ویلسے کو ٹائم میگزین نے بُرے کردار میں پیش کر کے بڑی زیادتی کی ہے۔ ویلسے پریس تو توانائی کے شعبے میں عوام کی خدمت کے لیے کوشاں ہے۔ انھیں ایسی عورتوں سے بھی نفرت ہو گئی جو ویلسے کے خلاف مظاہرہ کرتی تھیں۔

لہٰذا جب ویلسے پریس فرینکلن کاؤنٹی پہنچا تو ہائی اسکول، سینٹ لیوک اسکول، لنکن جونیئر ہائی اسکول، پولیس اور فائر مارشلنگ سوسائٹی کا مشترکہ بینڈ دل کو بہا جانے والی دھنیں بجا رہا تھا۔ ویلسے، تھیوڈیسا کے ساتھ تھا جس کا تعارف اس نے اپنی سیکرٹری کی حیثیت سے کرایا۔ وہ سفید سُوتی ٹاپ اور سُرخ پتلون میں تھی دونوں کپڑے سورج کی روشنی کے باعث ٹرانسپیرنٹ لگ رہے تھے۔

"کمال ہے۔ اتنے معصوم سے آدمی کو وہ لوگ گمراہ کہتے ہیں۔" ایک عورت نے اپنی سہیلی سے کہا۔ اس کی سہیلی بھی اس سے اتفاق کر رہی تھی۔

"مجھے آپ لوگوں کے درمیان آ کر بہت خوشی ہوئی۔" ویلسے پریس نے کہا اور پھر وہ تالیوں کی گونج میں تھیوڈیسا کے ساتھ انٹرپورٹ سے روانہ ہو گیا۔

پریس نے گولف کورس کے کاؤنٹی کلب کو رہائش گاہ کے طور پر منتخب کیا تھا وہ جب وہاں پہنچا تو وہاں بھی لوگوں کا ہجوم لگا ہوا تھا۔

اگلے صبح ویلسے پریس نے کمرے کی کھڑکی سے جھانکا تو اسے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ایک ایسی لہو رسیدہ عمارت نظر آئی جس نے اسے بچپن کی یاد دلادی۔ اس نے فوراً ایک آرکیٹیکٹ کو طلب کیا۔ چند منٹ تک وہ اسے اپنی تجویز سمجھاتا رہا اور جب وہ خاموش ہوا تو ماہر تعمیرات حیرت زدہ تھا۔ "کیا آپ واقعی یہی چاہتے ہیں جناب؟"

"ہاں۔ عملاً ایسا ہی چاہتا ہوں۔"

"مگر اس پر بہت سرمایہ خرچ ہو جائے گا۔"

"کوئی بات نہیں۔"

"کیا آپ نے یہی کہا ہے کہ میں گوڈا کرکٹ در آمد کر کے اس عمارت کی کھڑکیاں توڑ دوں اور گوڑا اس میں بھر دوں؟"

"ہاں۔" ویسلے پریس نے جواب دیا۔

اور پھر تین ہفتے بعد جب ایک رات وہ اس عمارت میں داخل ہوا تو وہاں جگہ جگہ گوڑا پڑا ہوا تھا۔ بدبو اور تعفن سے فضا آلودہ تھی اور زینہ چرمرا رہا تھا۔

اس کا بچپن ایک ایسی ہی عمارت میں گزرا تھا۔

اس کی پیشانی عرق آلود ہو گئی۔ اس کو علم تھا کہ اس نے عمارت کو تباہ کرا کے بعض لوگوں کی دشمنی مول لے لی ہے لیکن اسے یقین تھا کہ کوئی بھی اس کے سامنے چوں و چرا نہ کرے گا۔ اس کے باوجود اس کی حالت غیر ہو رہی تھی۔ اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔

اچانک ہی ایک فلیٹ کا دروازہ سامنے آیا اور پھر اسے وہ رات بھی یاد آگئی جب ایسے ہی فلیٹ میں وہ بیوہ ماں کے ساتھ سو رہا تھا اور کوئی اجنبی اندر آیا تھا۔ ویسلے نے خوف سے چیخ مارنی تھی لیکن اس کی ماں نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر اسے سو جانے کی ہدایت کی تھی اور پھر ماں دوسرے کمرے میں چلی گئی تھی۔

دروازے پر ویسلے نے ہاتھ لہرا دیا۔ دروازہ کھل گیا اندر گھپ اندھیرا تھا۔ اس نے جیب سے لائٹر نکالا۔ لائٹر کے ننھے سے شعلے میں وہ آگے بڑھا اور پھر اس نے خود کو ایک کچن میں پایا۔ باورچی خانہ عزبت و افلاس کا منہ بولتا نمونہ تھا۔ وہ مٹی کے تیل کے لیمپ کی طرف بڑھ گیا۔

"میں تمہارا ہی انتظار کر رہا تھا مسٹر پریس۔" اچانک ہی وہ کسی کی آواز سن کر اچھل پڑا۔ لائٹر ہاتھ سے گر پڑا۔

"کون ہے؟" مارے خوف کے اس کی حالت ابتر ہو رہی تھی مگر سوال کا کسی نے جواب نہیں دیا۔ وہ ساکت کھڑا رہا۔ اسے اس خاموشی میں صرف اپنی سانس کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ تب ہی اس نے اپنے عقب میں کسی کی آہٹ سنی اور پھر اسے گوشت میں کوئی تیز دھار چیز کے چبھنے کا احساس ہوا۔ اس کی ٹانگیں بیکار ہو گئیں۔ اسے صرف یہ احساس ہو رہا تھا کہ اس کا جسم بے جان ہوتا جا رہا ہے... اور بے ہوش ہونے سے قبل اسے یہ بھی خیال ہوا کہ اگر چہ اس نے کئی گھر اجاڑ دیے تھے لیکن عمارت کی تباہی یہ جرم نہ تھا جس کی سزا بیٹھے بٹھائے موت کی صورت میں دی جائے۔

"اس دنیا میں انصاف نہیں۔" وہ یہی سوچ رہا تھا۔

ٹائیگر کو بہر حال علم تھا کہ انصاف کسے کہتے ہیں۔ انصاف یہ ہے کہ اوور ٹائم کی رقم ادا کی جائے اور وہ بھی دگنی۔ رات کو صرف اس قدر کام لیا جائے کہ اعصاب جواب نہ دے سکیں اور جو کارنامہ انجام دے اس کی تعریف کی جائے۔

یہی انصاف تھا لیکن ٹائیگر کو احساس تھا کہ انصاف کہیں نہیں ملتا۔ بالکل اسی طرح یہ بھی ناانصافی تھی کہ وہ شخص بالائی منزل پر نہیں ملے گا جس نے کہا تھا کہ وہ بالائی منزل پر ہے... وہ اس شخص کا پورے نیویارک میں تعاقب کرتے کرتے عاجز آچکا تھا اور پھر وہ روشنی سے نہائے ہوئے ایک ڈسکو کلب میں پہنچا تھا جہاں کان پڑی آواز بھی سنائی نہیں دے رہی تھی۔

وہ ایک چھوٹی سی گول میز پر بیٹھ گیا۔ کی نارتھ ونسٹر نے اسے دیکھ کر مسکرانے کی کوشش کی غالباً وہ یعنی کی نارتھ ونسٹر ٹائیگر کے کپڑے دیکھ کر شدت حیرت کے باعث مسکرانے پر مجبور ہوا تھا۔ ٹائیگر حسب معمول پرانی پتلون اور سیاہ قمیض میں ملبوس تھا۔ اس کی آنکھیں بھی کالی تھیں اور روشنی کا منبع نظر آرہی تھیں۔ اس کے دونوں ہاتھ میز پر تھے اور کی نارتھ اس کی موٹی موٹی کلائیاں حسد بھری نظروں سے دیکھے جا رہا تھا۔ ٹائیگر بھی اس کو گھورنے لگا۔

"سوری مسٹر!" غالباً کی نارتھ کو اپنے بے ڈھنگے پن کا احساس ہو گیا۔ "ویسے یہ کرسی خالی نہیں! مجھے ایک خاتون کا انتظار ہے۔"

"کوئی بات نہیں! اس کی آمد سے قبل تم مر چکے ہو گے اور میں جا چکا ہوں گا۔" ٹائیگر نے نرم لہجے میں جواب دیا۔ "میرا نام مسٹر نہیں شہزاد ہے۔"

کی نارتھ ونسٹر مسکرایا، غالباً اسے اپنی موت کے ذکر پر ہنسی آرہی تھی۔ "میں تمہاری بات سن نہیں سکا مسٹر!"

"تم سن چکے ہو۔" ٹائیگر نے فیصلہ کن انداز میں اصرار کیا۔ "آج رات مجھے بے شمار کام نمٹانے ہیں۔ میرے پاس ضائع کرنے کے لیے وقت نہیں لہٰذا میرے اس سوال کا ذرا جلد جواب دو کہ ریڈ رجمنٹ کہاں ہے؟"

ونسٹر ذرا آگے جھک آیا تاکہ موسیقی کے شور میں ٹائیگر کی بات ذرا بہتر طور سے سن سکے۔ اسے یہ شک سا ہوا تھا کہ سامنے بیٹھا ہوا نوجوان شاید ریڈ رجمنٹ کے بارے میں کچھ پوچھ رہا ہے۔

"کیا پوچھ رہے ہو؟" اس نے تصدیق کرنی چاہی۔

"کیا تم میرے سوالوں کے جواب میں سوال کرتے رہو گے؟" ٹائیگر نے منہ بنا کر کہا اور پھر ایک ایک لفظ واضح طور پر ادا کیا۔ "ریڈ... رجمنٹ... کہاں ہے؟"

اس مرتبہ ونسٹر نے سوال واضح طور پر سن لیا اور ٹائیگر کو دھکے دے کر باہر نکلوانے کی خاطر دیگر کو ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

"نہیں! تکلف مت کرو۔" ٹائیگر اس کے ارادے بھانپ کر بولا۔ "میں صاف اور خالص پانی کے سوا کچھ اور نہیں پیتوں گا۔ لیکن چھوڑو۔ یہاں کا تو پانی بھی آلودہ ہو گا۔"

کی نارتھ ونسٹر مسلسل ویٹر کو اشارے کرتا رہا لہٰذا ٹائیگر کو ایک طویل سانس لینی پڑی اور پھر اس نے کرسی ونسٹر کی کرسی کے قریب کر لی۔ اس مرتبہ ایک ویٹر ان کے قریب سے گزرا تو کی نارتھ نے اسے آواز دینے کے لیے منہ کھولا لیکن منہ کھلا کا کھلا رہ گیا اور اس میں سے کوئی آواز نہ نکلی۔ بات صرف یہ تھی دائیں گھٹنے میں جو تکلیف ہوئی تھی اس کے باعث زبان حرکت نہ کر سکی تھی۔ ایسا لگا تھا جیسے گھٹنے پر کسی نے گندا اور زنگ آلود آری چلا دی ہو۔ اس نے اپنا ہاتھ گھٹنے پر رکھنے کی کوشش کی لیکن اس کا ہاتھ ٹائیگر کے ہاتھ پر پہنچ گیا اور ٹائیگر کا ہاتھ اس کے گھٹنے پر رکھا ہوا تھا۔ ٹائیگر کا چہرہ اب اس کے بہت قریب تھا اور اس چہرے پر ایسی عجیب سی مسکراہٹ تھی کہ کی نارتھ ونسٹر کے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔

"سنو! اگر تم اس درد میں اضافہ نہیں چاہتے تو پھر ذرا اخلاق سے گفتگو کرو۔ میں تمہیں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔"

اب کی نارتھ ونسٹر نے پہلی ہی مرتبہ اس کا جملہ بخوبی سن لیا تھا۔

"کیا تم نے پہلے یہ کہا تھا کہ میں مر جاؤں گا؟" اس نے پوچھا۔

"تم نے پھر سوال کیا؟" ٹائیگر نے کہا۔ ساتھ ہی ہاتھ کا دباؤ بڑھایا تو کی نارتھ سسکی لینے پر مجبور ہو گیا۔ غالباً وہ چیخ بھی پڑتا لیکن اس کی چیخ ٹائیگر کے دوسرے ہاتھ کی اس انگلی نے روک لی تھی جو اس وقت حلق کی کسی رگ پر تھی۔ "ہاں۔ میں تمہیں قتل کر دوں گا۔" ٹائیگر نے کہا۔

"مگر کیوں؟"

"صرف اس وجہ سے کہ تم سوال کے جواب میں سوال کرتے ہو۔" ٹائیگر یہ کہتے ہوئے مسکرا رہا تھا تاکہ دوسرے لوگ اس گفتگو کو دوستوں کی گفتگو ہی سمجھتے رہیں۔ "لیکن خیر... یہ اصل وجہ نہیں ہے۔ تمہیں اس لیے قتل کروں گا کہ میرا کام ہی قتل کرنا ہے۔ کسی کو بھی یہ پروا نہیں کہ میں کتنا کام کرتا ہوں۔ مزدوروں کی کوئی یونین میرے حقوق کا تحفظ نہیں کر سکتی۔ ہاں۔ اب بتاؤ کہ ریڈ رجمنٹ کہاں ہے؟"

کی نارتھ ونسٹر ذرا سا ہچکچایا تو گھٹنے میں تکلیف بڑھ گئی۔ اس نے اس بار چلانے کی شعوری کوشش کی لیکن انگلی نے رگ کو دبا دیا اور چیخ حلق کے راستے پیٹ میں واپس چلی گئی۔

"بولو!" ٹائیگر نے انگلی کا دباؤ کم کر کے کہا۔

"مجھے پتا نہیں۔"

"اوہ... بولو!" ٹائیگر واقعی جھنجلا اٹھا۔ "تم وکیل ہو! یہ مجھے معلوم ہے۔ تمہیں علم ہے کہ ریڈ رجمنٹ کہاں ہے اور مجھے علم ہے کہ تمہارا یہ دعویٰ جھوٹ ہے۔ مجھے ریڈ رجمنٹ کا پتا درکار ہے تاکہ میں اس شخص کو روکا رکھوں جو بڑا صنعتکار ہے اور جس کو انھوں نے پکڑ رکھا ہے۔"

"تم نے یہ اندازہ کیسے لگایا کہ مجھے پتے کا علم ہے؟"

"اس لیے کہ عدالتوں میں تم ہی اُن کا دفاع کرتے رہتے ہو۔" ٹائیگر نے غرا کر جواب دیا۔ "اور تم ریڈ رجمنٹ کی باتیں کرتے رہتے ہو۔"

اس بار کی نارتھ ونسٹر کے گھٹنے میں ہونے والا درد بہت مختلف تھا ایسا لگا تھا جیسے درجنوں چھوٹے بڑے چاقو گھٹنے کی ہڈی میں پیوست ہو رہے ہیں۔ احساس ہوا کہ اصل درد کیا ہوتا ہے۔

"تم... مجھے واقعی... مار دو گے۔" کی نارتھ نے اس بار سوال نہیں کیا تھا۔ یہ تبصرہ تھا۔ "یہیں مار دو گے... ڈسکو میں!"

"کیوں نہیں۔ ایسی موسیقی میں موت کتنی آسان ہو گی۔"

"اگر میں تمہیں بتا تا دوں تو کیا میری جان بخشی کر دو گے؟" کی نارتھ نے ایک بار پھر سوال کیا۔

"نہیں۔" ٹائیگر بے ایمانی کا قائل نہ تھا۔ "بتاؤ گے بھی اور مرو گے بھی۔"

"مگر کیوں؟"

"اس لیے کہ میں تمہیں قتل کرنے کا تہیہ کر چکا ہوں۔"

"تب پھر میں تمہیں کیوں بتاؤں۔"

"محض زندگی میں آخری بار سچ بولنے کی خاطر۔"

"نہیں بتاؤں گا۔" کی نارتھ نے دو ٹوک انداز میں انکار کر دیا۔

"تب پھر اس لیے بتاؤ گے کہ مجھے قتل کرنے کے درجنوں

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

طریقے آتے ہیں۔ ایک طریقہ ایسی موت کا ہے جس میں ذرا سا بھی درد نہیں ہوتا۔ بعض اموات بہت آہستہ آہستہ اور شدید ترین تکلیف سے آتی ہیں۔ اب انحصار تم پر ہے کہ کون سا طریقہ پسند کرتے ہو۔ ویسے اب میرے پاس صرف پانچ منٹ ہیں۔"

"مجھے مت مارو۔" کی نارتھ کی آنکھیں نمناک ہوگئیں۔ اسی وقت ویٹر ان کے قریب آیا اور انگلی کا دباؤ بڑھ گیا۔ حلق بند ہوگیا۔

"آپ کیا پسند کریں گے؟" ویٹر نے پوچھا۔

"ہاں۔ خلوت۔" ٹائیگر نے مسکرا کر ویٹر کو آنکھ ماری۔ "ہم بہت اہم گفتگو کر رہے ہیں۔"

ویٹر اس بات پر جزبز سا ہوکر چلا گیا۔

حلق پر دباؤ کم ہوگیا۔

"مجھے مت مارو۔" کی نارتھ نے گڑگڑا کر کہا۔

"مارنا تو ہے۔"

"میری جان بخش دو۔ میں تمہیں ریڈ ڈائمنڈ کا پتا بتا دوں گا اور... تمہیں نیویارک کے میلون ہیمار اور ہائی جیکر بھی دے دوں گا۔"

"مجھے فی الوقت ان لوگوں سے کوئی مخاصمت نہیں۔"

"کیوں؟" کی نارتھ کو حیرت ہوئی کیونکہ ان لوگوں کی گرفتاری پر دس ہزار ڈالر کی رقم کا انعام تھا۔

"اس لیے کہ میرے پاس پہلے ہی بہت کام پڑا ہے۔ میں رضاکارانہ طور پر کوئی کام نہیں لیتا۔ ہاں تو ریڈ ڈائمنڈ کا پتا تو بتاؤ۔"

گھٹنے میں درد کی نوعیت بدل گئی اور کی نارتھ کو ایسا لگا جیسے سیکڑوں تیز اور نوکیلی سوئیاں ہڈی کے اندر گھس گئی ہوں۔ یہ درد زیادہ کربناک تھا لہٰذا لوک زبان سے ایک چیخ پھسل ہی گئی۔ تب ہی ڈسکو کی روشنیاں اس کی آنکھوں میں ناچنے لگیں۔ وہ بہت خوف زدہ نظر آنے لگا۔

"کیا وہ آدمی بھی ایسٹ سیونتھ کے اسی گھر میں ہے؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"ہاں۔ وہیں ہے۔"

"گڈ۔"

"کیا تم اب بھی مجھے مارو گے؟"

"یقیناً۔"

"مگر کیوں؟ اور تم کون ہو۔ کون ہو تم؟"

"ایک ایسا ملازم جو بیگار کیمپ میں کام کرتا ہے۔" ٹائیگر کا لہجہ تلخ تھا۔ "میں غلام ہوں۔"

"کس کے غلام ہو؟"

"یہ ایک لمبی کہانی ہے دوست۔" ٹائیگر نے سر ہلا کر جواب دیا۔ "تمہارا بہت وقت ضائع ہو جائے گا۔"

"نہیں۔ نہیں۔ سناؤ۔ میرے پاس بہت وقت ہے۔"

کی نارتھ نے یہ سوچا کہ آپ بیتی سناتے ہوئے یہ نوجوان بے خبر ہو جائے گا اور اس دوران وہ اپنا گھٹنا چھڑا کر ڈسکو فلور پر جا گرے گا اس طرح اس کی جان بچ جائے گی۔

"نہیں۔ تمہارے پاس زیادہ وقت نہیں۔ لیکن خیر تین منٹ باقی ہیں۔ میری کہانی یہ ہے کہ فردوس میں ایک انسپکٹر تھا۔ شہزاد۔ وہ میں ہی تھا۔ اُسے قتل کے ایک جھوٹے الزام میں گرفتار کرا کے پھانسی گھاٹ بھیج دیا گیا اور پھر جب اس کی آنکھ کھلی تو انھوں نے اسے ایک خفیہ سرکاری ادارے کا ہتھیار بنا لیا۔ اس ادارے کا صدر دفتر آج کل امریکہ میں ہے اور چارہ گر سنی ٹوریم کے نام سے کام کر رہا ہے۔"

"مگر انھوں نے ایسا کیوں کیا؟" کی نارتھ نے محض مزید وقت گزارنے کے لیے پوچھا کیونکہ گھٹنے پر گرفت اب بھی نرم نہیں ہوئی تھی۔

"میرا استحصال کرنے کے لیے۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ "اُن کا بس چلے تو میرے ہاتھ میں جھاڑو دے کر کہیں کہ سڑک صاف کرو۔"

"وہ تم سے بہت زیادہ کام لے رہے ہیں؟"

"ہاں۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ "اور وہ ادارہ آئین سے بھی ماورا ہے، وہ آئین کی آڑ میں جرائم کرنے والوں کے خلاف قائم کیا گیا ہے حالانکہ خود اس کا وجود بھی غیر آئینی ہے۔"

"اور وہاں تم کیا کرتے ہو شہزاد؟"

"میں ان کا زر خرید غلام اور قاتل ہوں۔ ایک اور شخص اوشان بھی جلاد صفت قاتل ہے۔"

"یہ تو بڑی عجیب سی بات ہے۔"

"ہاں۔ ہے تو عجیب سی بات... لیکن میں نے سنا ہے کہ تم امریکہ کو عجیب نہیں بلکہ فاشسٹ کہتے ہو۔"

"کہنے کی بات الگ ہے اور یقین کی بات الگ۔ کہنے کو تو میں عدالت میں بہت کچھ کہتا رہتا ہوں۔" کی نارتھ کو اب امید ہونے لگی تھی کہ ٹائیگر کی گرفت کمزور ہونے ہی والی ہے۔

"بس۔ وقت ختم۔" ٹائیگر نے اچانک ہی اعلان کرنے والے انداز میں سرگوشی کی۔ "اب مجھے جانا ہے۔"

"دیکھو... دیکھو... تم مجھے قتل کر کے نہیں جا سکتے۔" کی نارتھ بُری طرح گھبرا گیا۔

"میں ایسی کوئی بات سننا نہیں چاہتا۔" ٹائیگر نے بڑے

اطمینان سے کہا۔ "ہر کوئی یہی کہتا ہے کہ تم یہ نہیں کر سکتے، وہ نہیں کر سکتے، میں ان پابندیوں سے عاجز آ چکا ہوں۔"

"لیکن تم مجھے قتل نہیں کرو گے۔"

"تمہیں پتا ہے؟" ٹائیگر مسکرایا۔

"کیا؟"

"یہی کہ میں تمہیں قتل کر چکا ہوں۔" ٹائیگر کی انگلیاں کی نارتھ کے گردوں پر اتنی تیزی سے پہنچیں کہ اسے احساس بھی نہ ہو سکا۔ اسے گردوں پہ دباؤ سے دُکھن کا بھی احساس نہ ہوا اور وہ مر گیا۔ ٹائیگر نے کی نارتھ کا سر بڑی احتیاط سے میز پر ٹکا کر ہاتھ صاف کیے پھر وہ وہاں رُکا نہیں۔ اس وقت اسے اس بات پر غصہ آ رہا تھا کہ کی نارتھ نے آخری بار مسکرا کر بات کیوں نہیں کی۔ اس نے غصہ کم کرنے کے لیے ویٹر کی پُشت پر ہاتھ رکھ دیا۔

"یس سر۔" ویٹر چونک پڑا۔

"میری میز پر موجود آدمی سے واقف ہو؟"

"یس سر۔ وہ مسٹر کی نارتھ ونسٹر ہیں۔"

"ہیں نہیں۔ تھے۔ وہ مر چکے ہیں۔"

"کیا؟" ویٹر کی آنکھیں نارمل سائز سے دُگنی ہوگئیں۔ اس نے پلٹ کر دیکھا کی نارتھ کا مُردہ میز پر تھا۔

"میں نے کہا کہ وہ مر چکا ہے اور قاتل میں ہوں... اگر تم نے یہاں گونجنے والی ان آوازوں کو بند نہ کرایا تو پھر تمہاری بھی خیر نہیں۔" یہ کہہ کر وہ آگے بڑھ گیا اور ویٹر وہیں ساکت کھڑا رہا۔

*

نیچے پارٹی میں شریک لوگ صرف مارجینا ہیپرٹ، ایل ایس ڈی ایچ ٹی سی، ایلی نائٹریٹ، کوک میں اسپرین، افیون کے سُت سے دل بہلا رہے تھے۔ ایک لڑکی مارسیا جیفرے کے ساتھ چھت پر تھی تاکہ وہ اس کے ایسے بیٹلنے مُن سکے جو جیفرے دوسروں کے سامنے نہیں سنانا چاہتا تھا۔ چھت پر جو ایسٹ سیونتھ کے ایک اپارٹمنٹ ہاؤس کی چھت تھی انھوں نے بڑی احتیاط سے "نقرئی بیت" کا پیکٹ کھولا۔ ریت انھیں ان نتھنے کے راستے اندر لینی تھی اور دائیں نتھنے سے سانس واپس نکالنی تھی۔ اس کے بعد وہ زبان کی نوک سے پیکٹ کو چاٹتے تاکہ ذرہ ذرہ مُنہ میں چلا جائے اور پھر انھیں لیٹ جانا تھا۔ جیفرے کے گرو نے یہی کہا تھا کہ چت لیٹنے میں بہت لُطف آتا ہے۔

کچھ دیر بعد وہ نوکیلے پتھروں والی اس چھت پر لیٹ کر لُطف آنے کا انتظار کرنے لگے۔ جیفرے نے مارسیا کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر آنکھیں بند کر لیں اور پھر آنکھیں کھولیں تو تب بھی سیاہ آسمان پر تارے جھلملا رہے تھے۔ اس نے مایوسی سے سر جھٹک دیا۔ گرو نے کہا تھا کہ سفوف سونگھنے کے بعد موسیقی سنائی دے گی، مسز تم آوازیں آئیں گی اور روح تک شاد ہو جائے گی مگر ابھی تک ایسا نہیں ہوا تھا۔

"تم نے کچھ محسوس کیا مارسیا؟" جیفرے نے پوچھا۔

"نہیں۔ مارسیا بھی بہت مایوس تھی لہٰذا جیفرے نے دوسرا پیکٹ کھولا، سونگھا چاہا اور پھر اچانک ہی ان کی آنکھوں کے سامنے ایک عجیب سا منظر آ گیا۔

ایک شخص چھت کی گگر پر اچانک ہی اس طرح پہنچا تھا جیسے وہ پاٹ دیوار پر کسی چھپکلی کی طرح چڑھتا ہوا آیا ہو۔ اس نے سیاہ پتلون اور قمیص پہن رکھی تھی اس کی کلائیاں موٹی موٹی تھیں ان کے قریب پہنچ کر وہ سر ہلانے لگا۔

"اپنا شغل جاری رکھو۔ میں صرف چند منٹ لوں گا۔" اس نے ہنس کر کہا۔ یہ کہہ کر وہ دوسری گگر پر پہنچا اور اس طرح غائب ہوگیا جیسے تاریکی نے اسے نگل لیا ہو۔

مارسیا اور جیفرے ایک دوسرے کو بس دیکھتے ہی رہ گئے۔

"ادھر تو کوئی زینہ بھی نہیں مارسیا۔" جیفرے نے پُرتشویش انداز میں کہا۔

"ہاں۔ میں جانتی ہوں۔ آؤ۔ دیکھیں۔" مارسیا اُٹھ گئی۔ وہ اسی جگہ پہنچے جہاں سے وہ آدمی غائب ہوا تھا۔ انھوں نے نیچے دیکھا تو ششدر رہ گئے۔ وہ دیوار سے چپک کر اُتر رہا تھا۔

"یہ فن تم نے کہاں سے سیکھا؟" مارسیا پوچھے بغیر نہ رہ سکی اس کی آواز ادھ کچی تھی۔

جاسوس" ٹائیگر نے سر اٹھا کر کہا۔ "یہ محض فریب نظر ہے ورنہ میں تو ساکت ہوں۔ تم لوگ اوپر اُٹھ رہے ہو۔"

"واہ۔ شاندار۔" مارسیا کا کاری مار کر ہنس پڑی۔ جیفرے "تمہارے پاس سونگھنے کے لیے کچھ اور باقی ہے؟"

جیفرے نے فوراً ایک اور پڑیا نکالی، سفوف سونگھا، چاٹا اور وہ پھر ٹائیگر کو دیکھنے لگے جس کی خواہش تھی کہ وہ دونوں ہٹ جائیں کیونکہ جب بھی لوگ اسے سرگرم دیکھتے تھے تو اسے ایسا لگتا تھا جیسے وہ کچھ چھورا ہو۔

اس سے دس فٹ دور اس اپارٹمنٹ کی کھڑکی تھی جس میں ریڈ ڈائمنڈ جمع تھی لیکن خدشہ یہ تھا کہ اگر وہ کھڑکی کے راستے اندر گیا تو وہ لوگ تاجر کو قتل کر دیں گے، اسی باعث وہ فرنٹ ڈور سے اندر نہیں گیا تھا۔ اسے نہ صرف بہت تیزی سے اندر

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

جاتا تھا بلکہ اس طرح داخل ہونا تھا کہ وہ لوگ ششدر رہ جائیں اور فوری طور پر کوئی ردِ عمل ظاہر نہ کر سکیں۔

جیفرے اور مارسیا نے سقوف سونگھ کر آسمان کی طرف پھر دیکھا لیکن اس بار بھی اسے کوئی رتقاء نظر نہ آئی اور نہ ہی کچھ دھم کی کوئی آواز سنائی دی۔

"میرا خیال ہے کہ سقوف سے سماعت پر کوئی خوشگوار اثر نہیں پڑتا صرف دیکھنے کا انداز بدل جاتا ہے۔" جیفرے نے کہا۔

"ہاں۔" مارسیا نے صرف یہی کہنے پر اکتفا کیا کیونکہ اس کی نظریں مسلسل اُسی سیاہ پوش شخص پر جمی ہوئی تھیں۔ اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے یہ شخص تمام مردوں سے زیادہ دلکش اور قابلِ قبول ہے وہ اسے صرف دیکھ کر ہی ہر دوسرے مرد کو بھول بیٹھی اور اس وقت وہ محض ایک ہاتھ سے ایک اینٹ پکڑے ہوئے جھول رہا تھا۔ اس کا دوسرا ہاتھ ایک بلاک میں گھس رہا تھا۔

"جیفرے... دیکھو... وہ عمارت کی اینٹیں نکال رہا ہے۔" مارسیا نے سرسراتے ہوئے لہجے میں کہا۔ جیفرے نے نیچے دیکھا۔ ٹائیگر کے بعد دیگرے اینٹیں نکال کر قریب ہی کوڑے گھر میں ڈال رہا تھا۔

صرف ایک ہاتھ کی مدد سے توازن بھی برقرار رکھے ہوئے ہے جیفرے۔" مارسیا کی آواز میں بے چینی تھی جبکہ جیفرے کی آنکھیں پوری طرح کھل چکی تھیں۔

بمشکل ... آواز میں کہا۔ "وہ تو ساکت ... خاص چیزیں اور حرکتیں دیکھ رہا ہے۔ وہ تو ہے ... نہیں بند کرو... فوراً غائب ہو جائے گا۔"

مارسیا نے ایسا ہی کیا اس نے آنکھیں بہت سختی سے بند کیں اور پھر فوراً کھول دیں۔ مگر وہ اب بھی نظر آ رہا تھا اور مزید کئی اینٹیں نکال کر نیچے کوڑے گھر میں پھینک چکا تھا۔

"وہ ہو بہو۔" وہ خوشی سے جھوم اٹھی۔ یہی کوشش جیفرے نے کی مگر آنکھیں کھولتے ہی اس شخص پر نظر آنے لگا۔ "میں ہر ایک ہاتھ سے کس طرح توازن برقرار رکھے ہوئے ہو؟" مارسیا اس بار چلا کر پوچھے بغیر نہ رہ سکی۔

بمشکل۔" ٹائیگر نے سر اٹھا کر خالی ہاتھ کی اُنگلی ہونٹوں پر رکھ لی۔ "تمہاری نظروں کا فریب ہے اور بس۔ درحقیقت میں تو ساکت ہوں۔ جبکہ تم لوگ اور یہ عمارت دونوں حرکت میں ہو۔ کھانا نشہ کم ہے ذرا سی گھاس اور سونگھ لو۔"

"ہم پر الزام تراشی مت کرو۔" مارسیا خفیف ہو کر بولی۔ "یہ گھاس نہیں، برق دیدہ ہے، آؤ تم بھی سونگھ لو۔"

"کیوں نہیں ضرور۔ لیکن ابھی نہیں۔"

"ٹھیک ہے۔ میں انتظار کروں گی۔" مارسیا اس کی رضامندی کا احساس کر کے خوشی سے جھوم اٹھی۔ اتنی فرصت تو اسے سقوف کے سونگھنے سے بھی نہیں ملی تھی۔

ٹائیگر نے سوراخ اب قدرے چوڑا کر لیا تھا۔ اندرونی دیوار کا پلاسٹر اب نظر آنے لگا تھا۔

جیفرے اب بھی آسمان کو تکے جا رہا تھا۔ اسے پریوں کے رقص کا انتظار تھا۔

"ارے۔ جیف۔ ذرا دیکھو۔" مارسیا اُچھل کر بولی۔ جیفرے نے جھک کر نیچے جھانکا مگر اب وہاں اسے کوئی نظر نہیں آیا۔ "کیا ہوا؟" اس نے بڑا سا منہ بنا کر پوچھا۔

"وہ دیوار میں گھس کر غائب ہو گیا ہے۔" مارسیا بہت پُرجوش تھی۔ "بس ایسا لگا جیسے وہ کبھی نظر ہی نہیں آیا تھا۔" یہ کہہ کر وہ اس طرح ہنسی جیسے کسی نے قلقاری کر دی ہو۔ جیفرے نے مزید جھک کر دیکھنے کی کوشش کی۔ اسی لمحے دیوار کے سوراخ سے کسی کا جسم تیر کی طرح نکلا اور نیچے کوڑے گھر میں گر گیا۔ اس کے گرنے سے آواز بھی پیدا ہوئی۔ اس کے بعد اسی انداز میں دوسرا جسم بھی گرا۔

"اوہو۔" مارسیا حیرت زدہ رہ گئی۔

"کمال ہے۔" جیفرے کی آنکھیں مل رہا تھا۔

"واقعی کمال ہے۔" مارسیا نے کہا۔

"میں کلی گرو سے مل کر بات کروں گا کہ وہ مزید سقوف دے دے۔ یہ سب اسی سقوف کا کرشمہ ہے۔"

مارسیا نے اس بات کا کوئی جواب نہ دیا وہ تو اس شخص کے سوراخ سے واپس آنے کا انتظار کر رہی تھی جس نے یہ کمال کر دکھایا تھا۔ وہ چاہتی تھی کہ سیاہ پوش چھت پر آئے اور اسے حاصل کرنے کے لیے جیفرے سے مقابلہ کرے... اگر وہ جیفرے سے مقابلہ نہ کرتا تو مارسیا تہیہ کر چکی تھی کہ وہ اپنی محبت کی راہ میں حائل جیف کو خود دھکا دے کر چھت سے نیچے گرا دے گی۔

لیکن ٹائیگر چھت پر نہیں آیا۔

اسے مغوی تاجر ایک الماری میں ملا۔ انھوں نے اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر منہ میں روئی ٹھونس رکھی تھی۔ ہاتھ پیر بھی بندھے ہوئے تھے۔ ٹائیگر نے اس کی بندشیں کھولیں ہم آنکھوں پر پٹی بندھی رہنے دی۔

"اب تم آزاد ہو۔" ٹائیگر نے اس سے کہا۔

"تم کون ہو؟"

کالا کفن

مصنف: ایم اے راحت

تجسس سے بھرپور ایک ایسے بہادر نوجوان کی سرگزشت ہے۔ جسے جادوئی دنیا کے پُراسرار واقعات سے نہ صرف رغبت تھی بلکہ اُسے اس پوشیدہ دنیا کا ایک حصہ بن کر اسکی حقیقت جاننے کا جنون کی حد تک شوق تھا۔ پھر اسے یہ مواقع حاصل بھی ہو گئے۔ جہاں اس کا واسطہ بدی کی انتہائی طاقتور طاقتوں سے پڑا، جو اُسے مادی دنیا کی ہر آسائش اور عیش و عشرت کے دلفریب اور زہد شکن ماحول میں جکڑ کر اپنی راہ پر ڈالنا چاہتی تھیں۔ مگر آفرین سچائی کے اس پرستار پر اور قوتِ ایمان کی پختگی کے مالک اس نوجوان پر جس کے پائے استقلال میں لغزش تک نہ آئی اور اس نے قدم قدم پر ثابت کیا کہ سچائی کے راستے کے مسافر بدی کی بھول بھلیوں کی چال میں نہیں آسکتے۔ نیکی اور بدی کی کشمکش کے دلچسپ واقعات سے بھرپور ایک ایسی کہانی ہے، جو آپ کو ایک ہی نشست میں پڑھنے پر مجبور کر دے گی۔ خوبصورت سرورق، عمدہ طباعت و کتابت، سفید کاغذ پر دو جلدوں میں شائع ہو گئی ہے

قیمت: جلد اول:-/200، جلد دوم:-/200، مکمل سیٹ:-/400

اسٹاکسٹ: مکتبہ القریش اردو بازار لاہور ۲

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"میں ... میں ایسا استحصال زدہ غلام ہوں جس سے دو آدمیوں کا کام لیا جاتا ہے۔" ٹائیگر نے جواب دیا تاجر نے ہاتھ سے آنکھوں کو ڈھکنی چاہا ہی مگر ٹائیگر نے اسے روک دیا۔ "نہیں ابھی نہیں۔ جب تمہیں دروازہ بند ہونے کی آواز آجائے تو تب پٹی کھول لینا۔"

"وہ لوگ کہاں ہیں؟" تاجر نے پوچھا۔

"چلے گئے۔"

"میں نے کچھ ایسی آوازیں سنی تھیں جیسے لڑائی ہو رہی ہو۔ کیا ہوا تھا؟"

"نہیں۔ یہاں لڑائی تو نہیں ہوئی۔" ٹائیگر نے بڑے یقین کے ساتھ جواب دیا۔ "ذرا سی لپا ڈگی ہوئی تھی۔ اب میں جا رہا ہوں۔ میرے نکل جانے کے بعد پٹی کھول لینا۔"

اوپر چھت پر پورے تین منٹ ماریا نے جاری دل کے ساتھ سوچا کہ اس کی زندگی کا سب سے شاندار باب بند ہو گیا ہے اور یہ کہ وہ محبوب کبھی نہیں آئے گا جس کے فراق میں وہ تین منٹ سے گھل رہی تھی۔ اسے اچانک ہی اس شخص سے انتقام لینے کی خواہش محسوس ہوئی۔ وہ اس سے انتقام لینے کے لیے اپنا سب کچھ جیفرے کے حوالے کر سکتی تھی۔

"جیف۔ میں تمہاری ہوں۔" اس نے سلگتے ہوئے لہجے میں کہا پھر جب جیفرے نے کچھ نہیں کہا تو اس نے پلٹ کر دیکھا جیفرے ایک کونے میں پڑا ہوا سو رہا تھا۔ اس نے بھی آنکھیں بند کر لیں۔ وہ کل انتقام لے سکتی تھی۔

*

"مجھے ذرا جلدی ہے دوست۔ بروک لین۔" ٹائیگر نے ٹیکسی ڈرائیور سے کہا۔

"کتنی جلدی ہے؟" ڈرائیور نے کیپ ٹھیک کر کے پوچھا۔

"ایک سو ڈالر۔" ٹائیگر نے نوٹ اس کی آنکھوں کے سامنے لہرا کر جواب دیا۔

"اور کرایہ کتنا ہوگا؟"

"ایک ڈالر۔" ٹائیگر نے ایک اور نوٹ لیا۔

"گڈ۔" ٹیکسی ڈرائیور نے گاڑی گیئر میں ڈال کر اطمینان سے کہا۔ "ویسے تم یہاں ..."

"خاموش۔" ٹائیگر نے ڈرائیور کے دائیں شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "میں خاموشی چاہتا ہوں کیونکہ مجھے بہت کچھ سوچنا ہے۔ تم نے ایک لفظ بھی کہا تو میں دس ڈالر کم کر لوں گا۔"

"ٹھیک ہے۔ اب میں نہیں بولوں گا۔"

"نوے ڈالر باقی رہ گئے۔" ٹائیگر نے اسے انتباہ کیا۔ ڈرائیور سہم کر خاموش ہو گیا۔ وہ بہت ذہین تھا اسے پتا تھا کہ بروک لین تک نوے ڈالر کی ٹپ ناقابل یقین ہے۔ اسے یہ بھی پتا تھا کہ اگر وہ خاموش رہا اور مزید کچھ نہ بولا تو ممکن ہے کہ پورے سو ڈالر ہی مل جائیں لیکن جب وہ بروک لین پہنچے تو ڈرائیور پر پچاس ڈالر کا مقروض ہو چکا تھا۔

"اگر تم اپنی شرائط پر واپس چلو تو میں تیار ہوں۔" ٹائیگر نے اس کی جیب سے پچاس ڈالر نکال کر کہا۔

"نہیں۔ نہیں۔" ڈرائیور چیخ پڑا اور پھر گاڑی ریورس کر کے تیزی سے بھگا لے گیا۔

ہالیے اسٹریٹ ایک قدیم علاقہ تھا اس کا آسمان بھی پرانا اور کالا لگ رہا تھا۔ روشنیاں بھی تھیں اور پورا علاقہ کوڑے کا ڈھیر لگ رہا تھا۔ ٹائیگر نے ایک بار پھر پتا چیک کیا۔ یہ ایک تہ خانے کا پتا تھا۔ وہ پہلی منزل کے ہال سے گزر کر تہ خانے کے زینے پر پہنچا اور اترنے لگا۔ تہ خانے کا عقبی دروازہ کنستروں اور ردی اخباروں کی وجہ سے بند تھا۔ اس میں سے روشنی بھی جھلک رہی تھی۔ اس نے کھڑکی پر انگلیاں رکھیں۔ لکڑی گرم تھی جس کا مطلب یہ تھا کہ اندر لائٹ روشن تھی۔ اس نے دونوں ہاتھ اٹھا کر لکڑی پر رکھے انگلیاں کیلوں کی طرح لکڑی میں گھس گئیں پھر اس نے دروازہ اپنی طرف کھینچا۔ تالا ٹوٹ گیا اور ساتھ ہی دروازہ قبلوں سمیت آگے آگیا۔

اندر ایک موٹا سا آدمی بنچ پر جھکا ہوا کام کر رہا تھا اس نے نیکر اور بنیان پہن رکھا تھا۔ بال اس کے کندھوں تک تھے۔ آہٹ پاتے ہی وہ ٹائیگر کی طرف پلٹا۔ "کیا مصیبت ہے؟"

"وقت۔" ٹائیگر نے بڑی سنجیدگی سے جواب دیا۔ "وقت بہت کم ہے اور یہی اصل مصیبت ہے۔"

"ٹھیک۔" موٹے نے کہا۔ "وقت کی کمی ہی اصل مسئلہ ہے لیکن تم؟"

ٹائیگر نے ہاتھ کے اشارے سے اسے خاموش کر دیا۔ "ویسے تمہاری فینکٹری بہت اچھی ہے۔" یہ کہتے ہوئے اس نے ارد گرد دیکھا جہاں پاؤڈر کے خالی ڈبے اور موٹی کارڈ بورڈ ٹیوب پڑے ہوئے تھے۔ "تم ان دھماکا خیز اشیاء سے ایک جنگ تو جیت ہی سکتے ہو۔"

"میں تمہارے چہرے کا بھی بھرتا بنا سکتا ہوں۔ تم کون ہو؟" موٹے کے تیور خطرناک تھے۔

"تم یہ پٹاخے اسکولوں میں فروخت کرتے ہو۔ گزشتہ ہفتے تمہارے ان ہی کھلونوں سے کھیلتے ہوئے دو بچے اپنے ہاتھوں سے محروم ہو گئے ہیں۔"

"مجھے کچھ پتا نہیں۔" بمبارلی نامی اس شخص نے صاف انکار کر دیا۔

"ان میں سے ایک بچہ بڑی مہارت سے پیلو بجایا کرتا تھا۔"

"لگتا ہے کہ اب وہ پٹاخے بیروں سے پیلو بجانا سیکھ لے۔"

"مجھے خوشی ہے کہ تم نے یہ بات کہی۔" ٹائیگر بولا۔ بمبارلی کا دایاں ہاتھ اس کی پشت پر تھا اور آہستہ آہستہ ایک میز کی دراز کی طرف بڑھ رہا تھا۔

"پستولوں اور ریوالوروں کی مدد سے میرا وقت ضائع مت کرو۔ ان سے کوئی فائدہ نہیں۔"

اور واقعی اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ بمبارلی پھرتیلا بھی تھا۔ اس نے تیزی سے ریوالور کھینچ کر متواتر دو فائر کیے لیکن دونوں گولیاں ضائع گئیں اور پھر تیسری گولی چلنے سے قبل ریوالور اس کے ہاتھ سے نکل کر ٹائیگر کے ہاتھ میں پہنچ گیا تھا پھر ریوالور کے کئی ٹکڑے ہوئے تھے اور چھت سے ٹکرا کر نیچے گر گئے تھے۔

"تم... تم؟" بمبارلی خوف زدہ نہیں بلکہ حیرت زدہ تھا۔

"میں جو بھی ہوں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اصل بات یہ ہے کہ میں کیا کام کرتا ہوں۔ بعض اوقات تم جیسے نابدان کے کیڑے میرے سامنے آجاتے ہیں۔"

بمبارلی دونوں ہاتھ آگے بڑھا کر لپکا۔ اس کا مقصد ٹائیگر کے گلے کو دبوچنا تھا لیکن اس کے دونوں ہاتھ ٹائیگر کے ہاتھ میں آگئے اور اس کے دونوں انگوٹھے بمبارلی کی کلائیوں میں پیوست ہو گئے لہٰذا بمبارلی کی تمام انگلیاں مفلوج ہو گئیں۔ اس نے چھیننے کی کوشش کی مگر ایک انگوٹھا کلائی سے ہٹ کر حلق پر ٹک گیا اور چیخ گھٹ کر رہ گئی۔ اس نے بھاگنے کی کوشش کی لیکن حلق والا انگوٹھا حرکت کر کے ریڑھ کی ہڈی پر رک گیا اس کی ٹانگیں بے جان ہو گئیں ان میں اتنی طاقت بھی نہ رہی کہ وہ اس کا بوجھ ہی سنبھال لیتیں لہٰذا وہ فرش پر گر گیا۔ اب اس کے جسم میں صرف آنکھیں کارگر تھیں اور ان آنکھوں میں بھی خوف جامد تھا کیونکہ دونوں آنکھیں ٹائیگر کو بیچ سے ایم۔ ہد اٹھاتے ہوئے دیکھ رہی تھیں۔ یہ پٹاخے کا نام تھا اور یہ پٹاخہ تین انچ لمبا اور ڈیڑھ انچ چوڑا تھا۔ ایسے پٹاخوں کا ایک پورا ڈبا ٹائیگر کے پاس تھا اس نے ٹیپ کی مدد سے یہ پٹاخے بمبارلی کے ہاتھوں پر باندھنے شروع کر دیے۔

"ہاں۔ تو وہ بچے بیروں سے پیلو بجانا سیکھ سکتا ہے تو تم بھی بیروں سے پٹاخے بنا سکتے ہو۔" ٹائیگر نے اظہار کیا۔

"نہیں۔ پلیز۔ مجھ پر رحم کرو۔" بمبارلی نے یہ کہنا چاہا تھا مگر خواہش پوری نہ ہو سکی کیونکہ قوت گویائی ابھی تک بحال نہیں ہو سکی تھی۔ اب کمرے میں جو آوازیں گونج رہی تھیں وہ صرف سیاہ قمیص کی سرسراہٹ کی تھیں۔ اس نے سات ایم۔ ہد بمبارلی کی گردن پر بھی باندھ دیے اور بمبارلی کی آنکھیں مارے دہشت کے ابلنے لگیں۔ اچانک ہی اس نے سیاہ قمیص والے کو سیدھی بناتے ہوئے دیکھا شاید وہ کچھ گنگنا رہا تھا۔

ٹائیگر نے ادھر ادھر فیوز تلاش کیا۔ ان کا ڈبا بھی قریب ہی رکھا ہوا تھا، وہ تیزی سے فیوز پٹاخوں کے ساتھ نتھی کرنے لگا۔

"تم کوئی فکر مت کرو بمبارلی۔" ٹائیگر نے اسے تسلی دی۔ "تمہیں ہلاک کرنے کی کوئی خاص وجہ نہیں۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ تم مجھے پسند نہیں ہو۔" یہ کہہ کر وہ فیوز کی ڈوری دروازے تک کھینچ کر لے گیا پھر واپس آکر اس نے ماچس اٹھائی اور بمبارلی کے جسم کے اوپر سے گزر کر دروازے کی چوکھٹ پر پہنچ گیا۔

"الوداع بمبارلی۔" اس نے مسکرا کر کہا۔ ساتھ ہی ماچس جلائی اور ڈوری کو دکھائی۔ چند لمحے بعد ہی ڈوری جلنے لگی۔ بمبارلی نے اٹھنے کی کوشش کی لیکن وہ ناکام رہا۔ اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے اس کی ٹانگوں کو آہنی زنجیروں سے باندھ دیا گیا ہو۔ ٹائیگر اب کمرے سے نکل کر تہ خانہ کا زینہ چڑھ رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا ڈوری اب کتنی جل گئی ہوگی۔ پہلی منزل سے نکلتے ہوئے اس نے پہلا دھماکا سنا اور جب وہ عمارت سے نکلا اس وقت تک کئی چھوٹے چھوٹے دھماکے ہو چکے تھے۔

سڑک کے کارنر پر سرخ بتی کے باعث ایک ٹیکسی رکی ہوئی تھی۔ ٹائیگر نے اسے اشارہ کیا تو ڈرائیور نے ٹیکسی کی چھت کی طرف انگلی اٹھا دی۔ وہاں "ٹیکسی" والا روشن بلب بجھا ہوا تھا تاہم ٹائیگر لپک کر ٹیکسی میں گھس گیا۔

"میں ڈیوٹی پر نہیں ہوں جناب۔" ڈرائیور نے کہا۔

"میں بھی نہیں ہوں۔ ویسے اگر تم مجھے مین ہٹن تک لے جاؤ تو میں تمہیں سو ڈالر دوں گا۔ شرط یہ ہے کہ تم بات نہیں کرو گے۔"

"پہلے سو ڈالر دکھاؤ۔"

"یہ لو۔" ٹائیگر نے نوٹ دکھایا۔

"گڈ۔" ڈرائیور نے مسکرا کر کہا اور ٹیکسی چلا دی۔ "ویسے تم

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

نے مقفل دروازہ کیسے کھولا؟"

"لونے ڈالر باقی رہ گئے۔" ٹائیگر نے ایک طویل سانس لے کر ڈرامائی انداز میں کہا۔

اگرچہ آدھی رات گزر چکی تھی مگر اوشان، ٹائیگر کے انتظار میں جاگ رہا تھا جب اس نے ٹائیگر کے قدموں کی آہٹ ہوٹل کی دوسری منزل سے آتے ہوئے سن لی تو وہ فوراً نیویارک سینٹرل پارک کے قریب واقع ہوٹل کی چوتھی منزل کے اپنے کمرے میں چلا گیا اور ہرن کی چھال پر کنول کے آسن میں بیٹھ گیا۔ اس کی نظریں دروازے پر جمی ہوئی تھیں اور ایسی لگ رہی تھیں جیسے گھنٹوں کے انتظار کے بعد پتھرا گئی ہوں۔

"کیا تم لے آئے؟" چوکھٹ پر ٹائیگر کا قدم پہنچتے ہی اس نے تیز اور اونچی آواز میں پوچھا۔ اس کے لہجے میں غصہ تھا۔

"کیا لے آیا؟" ٹائیگر نے بھی پوچھا۔

"میں جانتا تھا۔" اوشان کے لہجے میں غصہ برقرار رہا۔ "میں نے تمہیں محض ایک کام دیا تھا اور تم وہ بھی بھول گئے۔"

"اوہ۔ بادام۔ سوری لٹل فادر۔ میں تو بھول ہی گیا تھا۔"

"کیا میں تمہیں اسی لیے بھاری معاوضہ ادا کرتا ہوں کہ تم میرے احکام بھولتے رہو۔"

"آپ مجھے ایک بھی ٹکا ادا نہیں کرتے یہ

"رقم کے سوا اور بھی معاوضے ہوتے ہیں۔" اوشان نے جھنکار کر کہا۔ "میں نے صرف بادام مانگا تھا۔ کوئی اور ہوتا تو لپوا درخت لے آتا۔"

"مجھے یاد ہے کہ آپ نے ایک کلو بادام منگوائے تھے۔" ٹائیگر نے سر ہلا کر تصدیق کی۔

"ہاں۔ اب تو تمہیں یاد آگیا ہوگا۔ آہ۔ اگر تم بادام لے آتے تو مجھے سانجو میں گزارا ہوا بچپن یاد آجاتا۔ اب تم معذرت کر رہے ہو۔ میں نے تمہیں زندگی کی رفعتیں عطا کیں اور تم مجھے اس کے عوض کیا دے رہے ہو؟ ایک کلو بادام بھی نہ لا کے مجھے زندگی بھر ملال رہے گا کہ میں سانجو سے باہر کی اس غلیظ دنیا میں کیوں آیا۔"

"میں معذرت کر چکا ہوں لہٰذا یہ قصہ ختم۔" ٹائیگر نے خفیف ہو کر کہا۔ "میں آپ کو ابھی لا دیتا لیکن بادام فروش گھروں کو جا چکے ہوں گے۔"

"اگر تم چاہتے تو بادام کی فصل اٹھا لاتے۔" یہ کہہ کر وہ بل بھر کے لیے رُکا اور پھر اچانک ہی بولا۔ "آج رات تمہاری سانسیں بے ترتیب ہیں۔"

"نہیں۔ ٹھیک ٹھاک ہی ہیں۔" ٹائیگر بولا۔ کھلا اظہار یہ یقین تھا کہ بادام نہ لانے کا انتقام سانسوں کی ورزش کی سزا کی صورت میں مل سکتا ہے۔ "آج رات میں نے دو ورزشیں کی ہیں۔"

"گڈ۔" اوشان نے سر ہلا کر کہا۔ "کیا تم نے ان سرنگوں اور محلوں کو کچھ رقم بھیجی ہے جو سانجو میں رہتے ہیں؟"

"نہیں۔"

"کیا تم نے میرے لیے کوئی تحفہ خریدا ہے؟"

"نہیں۔"

"تب پھر تم نے میرے لیے یقیناً بادام خرید لیے ہوں گے اور اب صرف ستا رہے ہو۔"

"نہیں۔"

"اوہ۔" اوشان کا چہرہ سُست گیا اور اس نے دوسری طرف منہ پھیر لیا۔ وہ نڈھال ہو گیا تھا۔

"میں نے ایک ایسے مجرم کا قصہ تمام کیا ہے جو وکیل تھا اور مجرموں کا عدالتوں میں دفاع کر سکتا تھا۔ میں نے ایک مغوی کو رہا کرایا ہے اور ایک ایسے بوم کا خاتمہ کر دیا ہے جو کھلونوں کے نام پر بم فروخت کرتا تھا۔"

"اور تم ان کاموں کو اچھے کام قرار دے رہے ہو؟" اوشان نے منہ بنا کر کہا۔ "اچھا کام وہ ہوتا ہے جس سے ماسٹر کو فائدہ پہنچے۔ سادے بادام لانا اچھا کام ہوتا۔ بابرا اسٹیر نیند کو لاتے تو اور بہتر ہوتا میرے گاؤں کے لیے سونے اور ہیروں کا تحفہ پیش کرتے تو میں بہت خوش ہوتا اور تم کہتے ہو کہ مجرم وکیل اور بوم بنانے والے کا خاتمہ کر دینا اچھا کام ہے!!"

"بم۔ بوم نہیں بم۔" ٹائیگر نے تصحیح کی۔ "اور ایسے لوگوں کا خاتمہ کرنا میرے نزدیک اچھی بات ہے خواہ آپ اسے کچھ بھی کہیں۔"

"ہاں۔ تمہیں کسی کی پروا نہیں اور یہی تمہاری بنیادی خرابی ہے۔" اوشان نے تلخ لہجے میں جواب دیا۔

"آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ میں نے معاشرے کے لیے کس قدر نیک کام کیا ہے۔ ممکن ہے کہ میں دنیا سے حرام کا پوری طرح خاتمہ نہ کر سکوں دہشت گردی بھی برقرار رہے لیکن مجھے یہ سکون ہے کہ میں مجرموں اور دہشت گردوں کی تعداد کم کر رہا ہوں۔ بہت سے لوگ تو یہ بھی نہیں کر رہے ہیں۔"

"تم جسے اچھا کام کہتے ہو وہ محض اخلاقی ڈھال ہے۔

جب کہ اچھا کام بادام کا تحفہ دینا ہے۔ سانس ٹھیک سے لینا اچھی ورزش ہے اور ورزش کرتے رہنا اچھا کام ہے۔"

اسی لمحہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے سے ٹائیگر کی جان چھوٹ گئی۔

"بہرام کا فون ہوگا۔" اوشان نے بڑی بے نیازی سے ہاتھ اس طرح ہلایا جیسے مکھی اڑا رہا ہو۔

"کیا اس کا فون میری عدم موجودگی میں بھی آیا تھا؟"

"شاید۔" اوشان نے کندھے اچکا کر جواب دیا۔ "کسی نے فون تو کیا تھا لیکن تمہیں علم ہی ہے کہ میں ریسیور اٹھانے کا عادی نہیں ہوں اس کے بعد نیچے ریسپشن سے پیغام ملا کہ بہرام نے فون کیا تھا اور وہ دوبارہ فون کرے گا۔"

"اس اطلاع کا شکریہ۔" ٹائیگر نے منہ بنا کر کہا اور ریسیور کی طرف ہاتھ بڑھا دیا۔

"شہزاد۔" اوشان نے عقب سے آواز دی۔

"فرمایئے؟"

"اگر اس کا فون ہو تو کہہ دینا کہ بادام بھیج دے۔" بوڑھا استاد شرارت آمیز انداز میں مسکرا رہا تھا۔

ڈاکٹر بہرام کے چہرے پر معمول کے برعکس سکون نہیں تھا۔ آنکھوں میں بھی تشویش تھی، چہرے پر نمدی چھائی ہوئی تھی اور وہ بہت بوڑھا لگ رہا تھا۔

اس وقت وہ ایک آرام دہ کرسی پر بیٹھا ہوا تھا، ٹائیگر نے سامنے والی کرسی سنبھال رکھی تھی اور وہ بہرام کے سوٹ کی بہترین استری دیکھ رہا تھا۔

اوشان بھی وہاں موجود تھا لیکن اس نے کرسی پر بیٹھنے کی بجائے بہرام کی کھال کے نمدے کو ترجیح دی تھی جو اس وقت دیوار قالین کے اوپر ایک کونے میں بچھا ہوا تھا۔ اس کے سامنے ایک بڑے پیالے میں بادام تھے اور اس کی ساری توجہ باداموں پر تھی وہ بادام کا چھلکا اُتار کر انھیں کھا رہا تھا۔

"آپ نے ہمیں کیسے تلاش کر لیا۔ ہم تو اپنے مخصوص ہوٹل میں نہیں ہیں۔" ٹائیگر نے بہرام سے پوچھا۔

"شاید تمہیں علم نہیں کہ اس ملک میں عظیم اوشان کے نام سے کمرہ حاصل کرنے والے دو افراد نہیں ہو سکتے۔" بہرام نے جواب دیا۔

"شہنشاہِ عالی مقام؟" اوشان نے ایک بادام کو گھورتے ہوئے دخل دیا۔ "مختلف ہوٹل میں رہنے کی تجویز میری ہی تھی۔ میں چاہتا ہوں کہ اس ہوٹل پر آپ کی محنت شاقہ کی کمائی ضائع نہ ہو۔ مجھے علم ہے کہ آپ کے مال و وسائل کتنے بے دریغ ہیں۔"

ٹائیگر کھلکھلا کر ہنسنا چاہتا تھا لیکن صرف مسکرا کر رہ گیا۔ وہ سمجھ گیا کہ اوشان نے تنخواہ میں اضافے کا مطالبہ پیش کرنے کے لیے کارروائی شروع کر دی ہے۔

"یہ بادام کتنے کے آئے عظیم شہنشاہ؟" اوشان نے بادام کو دانتوں کے نیچے دبا کر چباتے ہوئے پوچھا۔

بہرام محض خفیف انداز میں مسکرا کر رہ گیا۔

"نہیں۔ ان باداموں کی قیمت ادا کرنا میرا فرض ہے۔" اوشان نے اصرار کیا۔ "بادام میرے لیے آئے ہیں لہٰذا ان کی قیمت میری جیب خاص سے ادا ہونی چاہیے اس طرح میں جانتا ہوں کہ اگر میں کسی کے لیے کام کروں تو اس کا بہتر معاوضہ وصول کرنا میرا حق ہے۔ ویسے یہ بادام کتنے میں ملے؟"

"ایک ڈالر میں۔" بہرام نے مجبوراً جواب دیا۔

"شہزاد!" اوشان نے تاخرانہ انداز میں ٹائیگر کی طرف دیکھا۔ "شہنشاہِ معظم کی خدمت میں پورا ایک ڈالر پیش کیا جائے۔" اور جب اس نے دیکھا کہ ٹائیگر کا ہاتھ جیب کی طرف نہیں گیا تو اس نے غصیلے لہجے میں پھر حکم دیا۔ "شہزاد! شہنشاہ کے لیے ایک ڈالر۔" اس پر ٹائیگر بھی مجبور ہو گیا اس نے ہچکچاتے ہوئے جیب سے نوٹ نکالے اور پھر بولا۔ "پانچ ڈالر سے چھوٹا نوٹ بن نہیں ہے چیف۔ آپ کے پاس چار ڈالر ہوں گے۔"

"نہیں۔" بہرام نے ہاتھ بڑھا کر نوٹ لے لیا۔ "چار ڈالر یہ میں لے لیتا ہوں۔"

"خیر کوئی بات نہیں۔" ٹائیگر نے نوٹ واپس اُچک لیا۔ "میں آپ کا مقروض رہا۔ ایک ڈالر بعد میں دے دوں گا۔"

"آپ فکر نہ کریں۔ ادائیگی میری ذمہ داری ہے۔" اوشان نے تسلی دینے والے انداز میں کہا۔ "میرا اصول یہی ہے کہ شے یا خدمت کا حقیقی معاوضہ ادا کیا جانا چاہیے۔" بادام ختم ہو چکے تھے لہٰذا اوشان نے پیالہ ایک طرف رکھ دیا۔ "یہ سانجو کا لافانی اصول ہے شہنشاہِ بہرام۔"

بہرام نے گھور کر اوشان کو دیکھا اور پھر ایک ایک لفظ پر زور دیتا ہوا بولا۔ "آج سے تنخواہوں کی ادائیگی اور ان کا تعین میرا کام نہیں ہوگا۔ یہ کام روبی کیا کرے گی۔"

"کیا؟" اوشان کے چہرے کی رنگت فق ہو گئی۔ "وہ۔ وہ کہاں ہے؟"

Scanned And Uploaded By Muhammad Waleem

"جہاں کہیں بھی ہوگی یا ہے۔۔ اپنا کام کرتی رہے گی۔"

"مگر یہ ظلم ہے عالی جاہ۔" اوشان تقریباً گڑگڑانے لگا کیونکہ اسے علم تھا کہ روبی ہر مہینے کسی نہ کسی مد میں بھاری کٹوتی کرتی رہے گی۔ "میں نے اس پوری گفتگو میں یہ ہرگز نہیں کہا تھا کہ عورتیں حساب فہم ہوتی ہیں۔"

ٹائیگر کا اس بار قہقہہ نکل ہی گیا۔ "روبی ہے کہاں؟"

"تعطیلات گزارنے کے لیے گئی ہوئی ہے۔" بہرام نے جواب دیا۔ "مگر تم اتنے متجسس کیوں ہو؟"

"اس لیے کہ کئی مہینوں سے اس کی چیخ پکار نہیں سنی۔"

"روبی کے بارے میں تمہاری ذاتی رائے کیا ہے ٹائیگر؟" بہرام کو نہ جانے کیوں تجسس سا ہونے لگا۔

"صرف یہ کہ اس کی آواز کے سوا ہر چیز کارآمد ہے شاید ذہین لڑکی بھی ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ میں روبی کو یہ تبصرہ سنا دوں گا۔" بہرام نے خشک لہجے میں کہا تو ٹائیگر کی ہنسی گم ہوگئی۔ اسے اندازہ تھا کہ یہ تبصرہ سن کر روبی کس قدر چیخ پکار کرے گی اور اس کے کانوں میں کتنی دیر تک شیشہ ٹوٹنے کی آوازیں آتی رہیں گی۔ وہ جب بھی لڑتی تھی تو ٹائیگر کو ایسا ہی لگتا تھا جیسے بہت سے گلاس بھری میں بھر کر توڑے جا رہے ہوں یا یہ کہ کوئی ہتھوڑے لے کر کھڑکیوں کے شیشے توڑ رہا ہے۔ اس نے اپنی صفائی پیش کرنا چاہی مگر بہرام یہ موضوع ختم کر کے اب اپنا بریف کیس کھول رہا تھا۔ یہ بریف کیس کسی زمانے میں سیاہ چمڑے سے بنا تھا لیکن اب کثرتِ استعمال سے اس کی رنگت بھوری ہوگئی تھی۔ بریف کیس میں سے ایک ٹی وی ٹیپ کیسٹ نکلا تو ٹائیگر کو سنجیدہ ہو جانا پڑا۔

"ٹیلی ویژن پلیئر مل جائے گا؟" بہرام نے پوچھا۔

"لٹل فادر؟" ٹائیگر اوشان کی طرف دیکھنے لگا۔

"وہ رہا۔" اوشان نے بہرام صندوقوں میں سے کسی ایک طرف اشارہ کیا۔ یہ صندوق دیوار کے ساتھ ساتھ رکھے ہوئے تھے۔ "میرے پاس ان چند چیزوں کے سوا اور کیا ہے؟"

"کس صندوق میں ہے؟" ٹائیگر نے پریشان ہو کر پوچھا۔

"تمہیں نہیں ملے گا۔ میں خود لاتا ہوں۔ میں نے کئی تک ایسی کوئی چیز ضائع نہیں کی جو شہنشاہ نے عطا کی ہو۔" یہ کہہ کر وہ بادل کی طرح اٹھا، ایک صندوق کھولا اور اس پر جھک گیا۔ اس کا چھوٹا سا جسم صندوق میں سمانا ہونے لگا اور پھر اس نے مشین اس طرح نکال لی جیسے وہ کاغذ کا پرزہ اٹھائے ہوئے ہو۔ اور جب اس نے یہ مشین بہرام کے ہاتھ میں دی تو بہرام کے ہاتھوں سے گرتے گرتے بچی۔ بہرام نے یہ وڈیو مشین فالی سے منسلک کرنے کے بعد کیسٹ بھی لگا دیا۔

"اب مزہ آئے گا۔" اوشان نے چٹخارہ لیتے ہوئے کہا۔ "عرصے سے کوئی اچھا شو نہیں دیکھا ہے۔"

کیسٹ کے چلتے ہی ایک تصویر اسکرین پر ابھر آئی۔ یہ ویلے پریس کی تصویر تھی جو کسی اسپتال کے بیڈ پر تھا۔ اس کا چہرہ سُتا ہوا اور آنکھیں دھنسی ہوئی تھیں۔

"گڈ۔ میرا خیال ہے کہ ڈاکیومنٹری شو ہوگا۔ بعض ڈاکیومنٹری شو بہت اچھے ہوتے ہیں۔"

"یہ کون ہے؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"گراس کا پیلغر۔"

"تب اس کا یہ حشر زیادہ برا نہیں۔ یہ تو اس سے بھی بُرے انجام کا مستحق ہے۔"

فلم چلی تو تھیوڈیسا بھی نظر آنے لگی۔ اس نے سفید پتلون اور بلاؤز پہن رکھا تھا۔

"بہت موٹی ہے۔" اوشان نے کہا۔ "ایسے مشن میں کام کرنے والی عورتیں نہ جانے کیوں موٹی ہوتی ہیں۔"

تھیوڈیسا بول رہی تھی۔

"یہ محض خوش قسمتی ہے کہ اس رُوڈلاز حملے میں ویلے ہلاک نہیں ہوا۔ میں آئندہ ایسے کسی بھی ممکنہ حملے کا امکان تک ختم کرنے کے لیے ایک ایک پیسہ خرچ کر دوں گی اور ویلے کے لیے دُنیا کے بہترین باڈی گارڈز حاصل کیے جائیں گے۔"

"مگر کیوں؟" سوال کرنے والا نظر نہیں آ رہا تھا۔

"کیوں؟" تھیوڈیسا کسی زخمی شیرنی کی طرح غرائی۔ "اس لیے کہ مجھے ویلے سے محبت ہے۔ اس لیے کہ وہ دُنیا پر اپنے اثرات چھوڑے گا۔ تاریخ بنائے گا۔۔۔ اس لیے کہ وہ یہاں جو کام کر رہا ہے وہ اہم ترین کام ہے۔"

منظر بدلا اور تھیوڈیسا ایک ایسی بڑی عمارت کے سامنے کھڑی نظر آئی جو سول کارپوریشن کی طرح لگ رہی تھی وہاں رپورٹر بھی جمع تھے۔

"(نامفہوم) کاؤنٹی کے حالات پر تبصرہ کرنے والے کی آواز آئی اور اس کے بعد اسکرین تاریک ہوگئی۔

"تو پھر؟" ٹائیگر، بہرام کی طرف دیکھنے لگا۔

"بس صرف یہی؟" اوشان نے مایوسی سے سر ہلایا۔ "بہت؟"

"ہاں ایک موٹا آدمی اور نیچے سے دُبلی اوپر سے موٹی ایک عورت۔ بھلا یہ کیسی کہانی ہے؟"

"یہ آج شام کی خبروں میں شامل تھا۔" بہرام نے ٹائیگر کو بتایا۔

"میں نے خبریں نہیں دیکھیں۔" اوشان نے اس طرح کہا جیسے وہ روزانہ باقاعدگی سے خبریں سُنتا ہے۔

"میرا سوال وہی ہے۔ تو پھر؟" ٹائیگر نے سنجیدگی سے کہا۔

"میں چاہتا ہوں کہ تم اس کے باڈی گارڈ کی حیثیت سے ذمہ داری سنبھال لو۔"

"مگر کیوں؟"

"اس لیے کہ انڈیانا کے اس علاقے میں جانے سے قبل ویلس نے اعلان کیا تھا کہ وہ پوری کاؤنٹی کو شمالی تونانی کا نمونہ بنا دے گا۔ میں چاہتا ہوں کہ اس منصوبے پر عمل کیا جائے اور اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ زندہ رہے۔"

"مگر تونانی سے متعلق تمام ذمہ داریاں حکومت کی ہیں، وہ اس میں دلچسپی کیوں لے؟"

"میری طرح تم بھی جانتے ہو کہ حکومت اس ضمن میں اپنے ذمے پوری طرح ادا نہیں کر سکتی۔ اس سلسلے میں قانون بنتے بنتے دس سال لگ جائیں گے پھر دس سال تک اس قانون کے خلاف عدالتوں میں مقدمے چلیں گے۔ اس دوران اگر تونانی کا کھان پیدا ہو تو ہیپر ڈول یا مٹی کے تیل کے لیمپ جلانے پر مجبور ہو جائیں گے۔ مٹی کے تیل میں بُو بہت ہوتی ہے۔" اوشان نے کہا۔

"ویلے پریس کو قتل کرنے کی کوشش کس نے کی تھی؟" ٹائیگر نے بہرام سے پوچھا۔

"پتا نہیں۔" بہرام نے جواب دیا۔ "لیکن کسی نے چاقو جسم میں اُتار دیا تھا۔ اس کے دشمن تو بہت سے ہیں لیکن ہم یہ نہیں چاہتے کہ وہ مارا جائے۔ اسے زندہ رکھنا تمہارا کام ہے۔" یہ کہہ کر بہرام اُٹھ گیا اور اوشان اس وقت تک خاموش رہا جب تک اسے بہرام کے نکلنے اور دروازے کے بند ہونے کی آواز نہیں آگئی۔

"بڑی احمقانہ فلم تھی شہزادہ۔" اس نے کہا۔

"فلم نہیں تھی لٹل فادر۔ ہمارا مگشن تھا وہ۔ ویلے پریس کو زندہ رکھنا ہے۔"

"یہ کون شخص ہے؟"

"میگزین چھاپتا ہے۔"

"شاندار!" اوشان اُچھل پڑا۔

"کیوں؟ آپ کو اس انکشاف پر اتنی خوشی کیوں ہوئی؟" ٹائیگر نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔ ویسے اسے بھی اس سوال کا جواب معلوم تھا۔

"اس لیے کہ اب میرے ناولوں اور کہانیوں کی اشاعت ممکن ہو سکے گی اور میں کوریائی کہانیوں کے خلاف رُجحان کو ختم کرنے میں کامیاب ہو سکوں گا۔"

"ضرور لیکن آپ کا کوئی ناول یا کہانی اس وقت تک شائع نہیں ہو سکتی جب تک آپ اسے لکھ نہ لیں۔"

"تم میری حوصلہ شکنی کر رہے ہو۔" اوشان نے شکوہ کیا "لیکن مجھے یقین ہے کہ تم میرے حوصلے پست کرنے کی سازش میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکو گے مجھے اب صرف اتنا کرنا ہے کہ کاغذ سامنے رکھ کر لکھتا چلا جاؤں، مرکوی خیالات یہاں موجود ہیں۔" یہ کہتے ہوئے اس نے اُنگلی سے سر کی طرف اشارہ بھی کیا۔ "اور ایک مختصر کہانی تو بہت جلد تیار ہو سکتی ہے۔"

"مختصر کہانی؟ کتنے صفحات کی ہوگی؟"

"مختصر کہانی بہرحال مختصر ہوتی ہے میرے بچے۔" اوشان نے اسے سمجھانے والے انداز میں بتایا۔ "سات آٹھ سو صفحات سے زیادہ نہیں لے گی۔ ہاں۔ تو اس میگزین کا نام کیا ہے؟"

"گراس۔"

"ایس ایس میگزین کا نام بتاؤ۔ ایس ایس مت کرتے رہا کرو۔"

"میں نے کہا۔ گراس۔"

"گراس۔ کمال ہے۔ تمہارے نام سے بھی میگزین چھپتا ہے۔ یہ تو مجھے معلوم ہی نہ تھا۔"

ریور نڈ بگی نے اپنے ڈیوائن رائٹ چرچ میں گرفتیت فروخت کرنے کا بہت ہی آسان طریقہ اختیار کر رکھا تھا۔ ڈیوائن بننے کی فیس پانچ ڈالرز منسٹر بننے کی فیس دس ڈالرز معاون بشپ بننے کی اُجرت پندرہ ڈالرز بشپ بننے کا معاوضہ ایک سو ڈالر لیا جاتا تھا اس کے علاوہ میگزین ڈیوائن رائٹ کی تاحیات مفت خریداری کی سہولت بھی فراہم کی جاتی تھی۔

اس کی جاہل مگر خوبصورت سیکرٹری جب اس کے دفتر میں آئی تو وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ یہ دفتر ونظورا بلیوارڈ کے

Scanned And Uploaded By Muhammad Waleem

مساج پارلر کے تہ خانے میں تھا۔

سیکرٹری سٹپٹا کر اٹھی مگر بل کھاتی ہوئی اس کے قریب آئی۔ "ویسلے پر لیس پر قاتلانہ حملہ ہوا ہے۔"

"یس۔" ہلکی کا لہجہ سپاٹ تھا۔

"وہ نیم مُردہ ہے۔"

"یس۔"

"میں نے سوچا کہ تمہیں بتا دوں شاید تمہارے کام کی بات ہو۔"

"یس۔" ریلور نڈ ہلکی نے اس بار بھی کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ اس پر وہ سمجھ گئی کہ ہلکی دولت کے بارے میں سوچ رہا ہے کیونکہ تہ خانے میں محض دولت کا منظر ہی ایسا تھا جو اگر ریلور نڈ کے ذہن میں ہو تو وہ سیکرٹری پر دست درازی نہیں کرتا تھا۔ وہ سر جھٹک کر نکل گئی تو ہلکی پھر بھی یونہی ساکت بیٹھا رہا۔ اسے یہ فکر کھائے جا رہی تھی کہ وہ تین ماہ سے ٹی وی پر نہیں آیا ہے اور اسی باعث چرچ کی نئی ارکنیت کے لیے آنے والوں کی تعداد مسلسل کم ہو رہی ہے۔

پھر اچانک ہی وہ مسکرانے لگا۔ اسے اس بات پر یقین تھا کہ خدا اسے سنبلے کا حل بتا دیتا ہے اور اس کے نزدیک خدا ہی نے ویسلے پر لیس کو اس کی گود میں ڈال دیا تھا۔

پھر اس نے اگلے روز مغربی ساحل پر رہنے والے اراکین کو لازمی عبادت کے لیے طلب کرنے کا فیصلہ کیا۔ اسے یقین تھا کہ ہمیشہ کی طرح اس بار بھی اس اجتماع پر بھرپور پبلسٹی ملے گی اور ہوا بھی یہی۔ ریلور نڈ ہلکی کے اجتماعات کو کور کرنے میں بڑی دلچسپی لیتے تھے۔

لذیذ کھانوں کے بعد دعائیہ اجتماع شروع ہوا۔

"خداوند نے جو بصیر علیم خبیر اور دانش مند ہے... اس بار گند کے ایک ڈھیر، غلاظت کے ایک انبار اور یا وہ گوئی کے ایک علمبردار پر برق گرائی ہے۔ یہ وہی شخص ہے جس نے نیویارک کی گندگی پورے امریکہ میں پھیلانے کی کوشش کی۔ یہ کہہ کر اس نے حاضرین کو بغور دیکھا۔ وہ اس کا مطلب سمجھ رہے تھے اور پھر پوچھا۔ "کیا ہم اس شخص کو یہ گھناؤنا کھیل کھیلنے کی اجازت دے سکتے تھے؟"

"نہیں۔" دو سو افراد نے یک زبان ہو کر جواب دیا۔ چھوٹے سے ہال میں ایسا لگا تھا جیسے پانچ ہزار افراد نے نہیں کانفرہ لگایا ہو۔

"درست اور ذرائع ابلاغ والو! تم پر خدا کی رحمت ہو۔ لکھ لو یہ بات۔ آج رات، میں فرلونگ کاؤنٹی جا رہا ہوں اور وہاں میں مسلسل ایک دعائیہ اجتماع کی قیادت کروں گا جس میں خداوند سے التجا کی جائے گی کہ وہ اس خبیث ویسلے پرس یہ سیکرٹری نے فوراً ہی اس کے کان میں کچھ کہا تو اس نے تصحیح "ویسلے پرس کے جسم سے روح اگ کر لیں یا ویسلے پرس ازخود گناہ آلود زندگی سے توبہ کر لے۔"

"اگر اس نے ایسا نہ کیا تو؟" ایک اخبار والے نے پوچھا۔

"تو!" ہلکی ایک لمحہ مسکرا خاموش رہا۔ اسے کسی نے بتایا تھا کہ کیمرے کے سامنے سوال کا جواب دیتے ہوئے لمحہ بھر کا توقف ناظرین و سامعین پر اچھا اثر ڈالتا ہے۔ "تو پھر ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ خداوند کا کیا ارشاد ہے۔"

"خداوند کا کیا ارشاد ہے؟" ایک اور رپورٹر نے پوچھا۔

"یہی... کہ اس دنیا میں خدائی کام بندوں کو کرنا ہوتا ہے۔" ہلکی نے بڑی سنجیدگی سے جواب دیا۔

☆

دروازے پر لکھا تھا "موٹر ہوم کا داخلہ عبادت کے لیے" اس کے نیچے اتباع جلی حروف میں درج تھا "کیمپ آؤٹ"۔

اندر بڑے کمرے میں بارہ افراد سیدھی کرسیوں پر بیٹھے تھے۔ انھوں نے ایسی دھاتی ٹوپیاں پہن رکھی تھیں جو دراصل ان کے احساسات سے متعلق پیغامات ریکارڈ کرنے والی تھیں ان سے تار نکل کر کرسیوں کے دائیں طرف جا رہے تھے۔

یہ لوگ ایک فلم اسکرین کی طرف دیکھ رہے تھے جو اس وقت تاریک تھا۔

اور ان لوگوں کے عقب میں نیشنل فوسل فیول الیکٹرک کا اسسٹنٹ ڈائریکٹر برائے کمیونٹی ریلیشنز ول بوبن اضطراب کی کیفیت میں اپنے سر کا ایک لمبا سا بال پکڑے ہوئے اسے مروڑ رہا تھا پھر اچانک اس نے اندرونی لائٹس بند کرنے کے فلم پروجیکٹر آن کر دیا، پروجیکٹر کے پنکھے چلے، لیمپ جلا اور اسکرین پر فلم نظر آنے لگی۔

یہ کسی ایسے چھوٹے سے کمرے کی فلم تھی جس میں فرنیچر کے پرزے صرف دو کرسیاں پڑی ہوئی تھیں۔ تب ہی اس کمرے کا دروازہ کھلا اور ایک دراز قامت شخص جس نے جینز پہن رکھی تھی اندر آیا۔ اس کے پیچھے پیچھے بھورے بالوں والی ایک عورت بھی داخل ہوئی وہ نابینا تھی۔ اس نے چشمہ پہن رکھا تھا اور ہاتھ میں سفید چھڑی نظر آ رہی تھی۔ جونہی مرد نے کرسی پر بٹھانے کے لیے اس کا بازو تھاما وہ بہت عجلت اور گرمجوشی سے مسکرانے لگی۔ اس وقت وہ انتہائی باوقار نظر آ رہی تھی۔

بوبن نے کمرے میں موجود تمام افراد کی طرف دیکھا وہ سب کے سب اسکرین پر اس بوڑھے جوڑے کو دیکھ رہے تھے۔ اگرچہ ان میں سے کسی کو علم نہ تھا مگر حقیقت یہ تھی کہ وہ اس وقت ایک ایسے امتحان سے گزر رہے تھے جس میں کامیابی یا ناکامی سے کوئلے اور چٹان کی صنعت میں ان کا مستقبل متاثر ہو سکتا تھا۔ بوبن ہی نے یہ ٹیسٹ ایجاد کیا تھا۔

اس وقت اسکرین پر جو منظر تھا اس میں وہ دونوں مسکرا رہے تھے اور ان کا رُخ کمرے کی طرف تھا۔ فلم بندی کے وقت کیمرا یقیناً چھپا ہوا ہوگا اور دونوں کو اس کا علم نہیں ہوگا کیونکہ ان کی مسکراہٹیں بے ساختہ تھیں۔

بوبن نے کمرے کے دائیں طرف تین افراد کی اس ٹیم کو اشارہ کیا جو شیشے کی ایک دیوار کے پیچھے چھپی ہوئی تھی اس اشارے کا مقصد یہ تھا کہ تماش بینوں کے جذباتی ردعمل کو ریکارڈ کرنے والی تمام مشینیں اپنا کام شروع کر دیں۔

چند سیکنڈ بعد اسکرین پر مسکرانے والا جوڑا سنجیدہ ہو گیا۔ مرد نے عورت کے گرد اس طرح بازو رکھ لیے جیسے وہ اسے سردی سے بچانے کی کوشش کر رہا ہو۔ عورت نے اس سے کچھ کہا۔ اور جب اس نے سانس لی تو بخارات اس کے منہ کے سامنے جم گئے۔ فلم میں نظر آنے والے کمرے کا درجۂ حرارت واضح طور پر کم ہو رہا تھا مرد نے ایک بیگ سے اپنا کارڈ کھڑا کر کے تمام بٹن لگا لیے، کندھے جھکا لیے، وہ بھی سردی محسوس کر رہا تھا۔

جوڑے نے ایک بار پھر گفتگو کی لیکن یہ فلم خاموش تھی لہٰذا کمرے میں فلم دیکھنے والے کچھ نہ سن سکے۔ اچانک ہی وہ عورت رونے لگی اور ٹھنڈ کے باعث آنسو اس کے رخساروں پر جمنے لگے کیمرا زوم ہوا اور عورت کا کلوز اپ پورے اسکرین پر نظر آنے لگا جس کے باعث آنسو بھی برف کے ٹکڑوں کی طرح ہو گئے۔ وہ اچانک اٹھ کر اس دروازے کی طرف بڑھی جس سے وہ اندر آئے تھے اس نے دروازہ کھولنے کے لیے گھنڈی گھمائی لیکن وہ ناکام رہا اس نے دروازے کو جھٹکا دیا اور پھر مایوسی سے سر جھٹکنے لگا۔ نابینا عورت کرسی پر ساکت بیٹھی رہی۔ مرد نے دروازہ بجایا لیکن کسی نے دروازہ نہیں کھولا۔ وہ اداس اور دلگیر انداز میں عورت کے قریب آ کر بیٹھ گیا۔ شاید وہ اسے تسلی دے رہا تھا۔

فلم جاری رہی۔ اب ان دونوں کی سانسیں بھاپ بننے کے بعد ان کے بالوں اور بھوؤں پر جم رہی تھیں، دونوں نے مضبوطی سے ایک دوسرے کو تھام لیا لیکن جب سردی لگتی رہی تو مرد نے اپنی قمیص اُتار کر اسے عورت کے گرد لپیٹ دیا۔

اسکرین ایک لمحے کے لیے تاریک ہو گیا لیکن فوراً ہی فلم دوبارہ شروع ہو گئی۔ وہ دونوں اب بھی ایک دوسرے کو سردی سے بچانے کی کوششیں کر رہے تھے ان کے چہروں پر تبسم تھا تاہم وہ برف سے ڈھک چکے تھے۔ ان میں شاید جان باقی نہ رہی تھی کیونکہ وہ ساکت تھے۔

بوبن نے کمرے کے اگلے حصے سے کسی کی سسکی سُنی۔

فلم ایک لمحے کے لیے بند ہوئی اور پھر فوراً ہی شروع ہو گئی اب اسکرین پر ایسے دو افراد نظر آ رہے تھے جن پر برف کی ایک ایک انچ موٹی چادر پڑی ہوئی تھی۔

اسکرین تاریک ہو کر دوبارہ روشن ہو گیا۔ بوبن کو ایسی آواز آئی جیسے کوئی قے کر رہا ہو۔

فلم کے آخری فریم میں برف کے دو ڈھیر نظر آ رہے تھے اور ان کے نیچے دفن انسانوں کو بمشکل شناخت کیا جا رہا تھا۔

بوبن نے یہ فریم جامد کر دیا اور لائٹس آن کر دیں پھر اس نے کمرے کے اگلے حصے میں جا کر ادھر اُدھر دیکھا۔ ایک شخص فرش پر گر چکا تھا جس کے باعث فرش غلیظ ہو گیا تھا وہ زمین پر رو رہا تھا۔ مسلسل ہچکیوں سے رو رہا تھا۔ بوبن سر ہلا کر رہ گیا۔ اسے ان دونوں سے ہمدردی تھی کیونکہ ان دونوں کو اب اپنے فن کی صنعت میں رکھنا ناممکن تھا۔ وہ دونوں امتحان میں ناکام ہو چکے تھے۔ بعض افراد واضح طور پر غمزدہ نظر آئے۔ اور یہ بھی امتحان میں ناکام قرار دیے جانے تھے۔

تین افراد نے سوالیہ انداز میں بوبن کی طرف دیکھا۔ ان کی آنکھوں میں کوئی جذبات تاثر نہ تھا۔ بوبن سمجھ گیا کہ یہ لوگ اگلے دوسرے درجے تک پہنچ سکیں گے۔

دو افراد ایسے بھی تھے جن کا انداز سب سے جدا تھا ان کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ وہ مسکرا رہے تھے۔ بوبن بھی مسکرانے لگا اسے یقین ہو گیا کہ کبھی نہ کبھی یہ لوگ تیل یا کوئلہ کمپنی کے سربراہ ضرور بنیں گے۔

"آپ حضرات نے ابھی ایک فلم دیکھی ہے۔ یہ سب کچھ محض فلم تھی۔"

قے کرنے والا شخص فرش کو گھورنے لگا جب کہ باقی بوبن کو گھورتے رہے۔

"یہ محض فلم تھی۔" بوبن نے پھر کہا۔ "ہم نے انھیں واقعتاً منجمد نہیں کیا۔ یہ سب کچھ کیمرا ٹرک تھا۔ برف کے نیچے کسی کا جسم نہیں۔"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کئی افراد یہ سُن کر مطمئن ہو گئے اور ان کے چہروں پر چھائی ہوئی اُداسی دُور ہو گئی۔ بوبن نے جان بُوجھ کر یہ جملے ادا کیے تھے تاکہ حساس آلات ان جملوں کا ردِعمل ریکارڈ کر سکیں۔ مسکرانے والے افراد اس کے اس جملے پر مُنہ بنا کر رہ گئے لیکن بوبن کے اگلے ہی اعلان پر ان کے چہرے پھر کھل اُٹھے۔

"ہم نے انھیں منجمد نہیں کیا۔ ان کو برف میں گاڑنے والے دوسرے تھے۔" بوبن نے کہا۔

اُلٹی کرنے والا شخص بُری طرح کھانسنے لگا غالباً اسے ایک بار پھر متلی ہو رہی تھی۔

"ہم نے تو صرف فلم بنائی ہے۔" بوبن نے ایک لمحہ توقف کے بعد کہا تاکہ آلات کو احساسات ریکارڈ کرنے کی مہلت مل سکے۔ "ان دونوں کو اس انجام تک پہنچانے میں ہمارا کوئی ہاتھ نہیں۔ درحقیقت یہ خبر ذرائع ابلاغ نے آپ تک نہیں پہنچائی لیکن امرِ واقعہ یہ ہے کہ ان پر ایڈمن کے بڑے بل واجب الادا تھے۔ اس نابینا عورت نے اپنی زندگی میں کبھی بل ادا نہیں کیا۔" یہ کہہ کر بوبن پھر رُک گیا تاکہ آلات بخوبی کام کر سکیں اور ان لوگوں کے بارے میں مکمل رپورٹ تیار ہو سکے جو اس وقت بھی فیول انڈسٹری میں انتظامی افسران تھے۔ بوبن بہت خوش تھا اور اسے یقین تھا کہ اس کا یہ تجربہ کامیاب ہو گیا ہے۔ فیول انڈسٹری کو اس بات پر بڑی تشویش تھی کہ وہ لوگوں کو اعلیٰ درجہ کا افسر بنانے کے لیے لاکھوں خرچ کرتی ہے لیکن جب یہ لوگ ذمّے داری عہدے پر پہنچتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سماجی و جذباتی احساسات موجود ہیں جس کے باعث وہ جذباتی ہو کر اپنی ذمّے داریاں بُھلا دیتے ہیں۔ یہ جذباتیت سیاست میں تو کامیابی کی ضامن ہوتی ہے لیکن کوئلے اور تیل کی صنعت میں نقصان دہ۔

"میں آپ تمام حضرات کا تہِ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔" بوبن نے کہا۔ "جو آپ کو علم ہی ہے کہ تجرباتی پروگرام ایک راز ہے جس کے بارے میں آپ کسی سے بات بھی نہیں کریں گے۔ آیئے حضرات! صدارتی طعام گاہ میں ظہرانہ آپ کا منتظر ہے، تشریف لے چلیے۔" اس نے دروازے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

جب کمرہ خالی ہو گیا تو بوبن نے ایک کھڑکی کی طرف نشانہ کیا اور فوراً ہی سفید ایپرن میں ملبوس ایک ٹیکنیشن اندر آ گیا۔

"سب کچھ ریکارڈ کر لیا؟" بوبن نے پوچھا۔

"یس سر!" ٹیکنیشن نے جواب دیا۔

"میری میز پر کب تک ہو گا؟"

"کل تک مل جائے گا۔"

"گڈ۔" بوبن سر ہلانے لگا۔ ٹیکنیشن چلا گیا تو بوبن کا چہرہ انتہائی پریشانی کے عالم میں تقریباً دوڑتا ہوا کمرے میں داخل ہو گیا۔

"بوبن! ایک بُری خبر۔" وہ ہانپ رہا تھا۔

"کیا مصیبت ہے؟" بوبن غرّا کر اسے گھورنے لگا۔ آج اس کی کامیابی کا دن تھا اور یہ شخص اسے بُری خبر سنانے آیا تھا۔

"ویسلے پریس ابھی زندہ ہے۔"

"شٹ اَپ۔" بوبن نے بڑی حقارت سے کہا۔

"اگر شمسی توانائی کے اپنے منصوبے پر اس نے عمل جاری رکھا تو۔" نائب نے فوراً ہی مُنہ بند کر لیا۔ شاید اس کو علم تھا کہ اگر پریس نے اپنے منصوبے پر عمل کیا تو کیا نقصانات ہوں گے۔

"یہ سب کچھ مجھ پر چھوڑ دو۔" بوبن نے مسکرا کر جواب دیا۔ یہ کہتے ہوئے وہ مائیں کنیٹی پر انگلی سے اپنے بال مروڑ رہا تھا۔

*

تھیوڈیسا نے فرلونگ جنرل اسپتال کے پورے مشرقی حصّے کو ویسلے پریس کے پہلے قلعے میں تبدیل کر دیا تھا۔ اسپتال کے مرکزی حصّے اور مشرقی حصّے کو ملانے والی تمام راہداریاں اور راستے بند کرنے کے لیے ٹھیکیداروں کو ہنگامی طور پر طلب کیا گیا تھا جبکہ کچھ لوگوں کو دروازوں اور کھڑکیوں پر آہنی چادریں لگانے کا کام سونپا گیا تھا۔

کام مکمل ہونے کے بعد مشرقی حصّے میں داخلے کا صرف ایک راستہ باقی رہ گیا تھا اور یہ نیچے گراؤنڈ لیول سے جاتا تھا۔ اس دروازے پر مسلسل چوبیس گھنٹوں ہتھ پہرہ کا انتظام کر دیا گیا۔ یہ کام کاؤنٹی پولیس نے کیا تھا۔ ویسلے پریس بالائی منزل پر جس کمرے میں تھا اس کے سوا تمام کمرے خالی کرا لیے گئے تھے اور وہاں چڑیا کا بچہ بھی پَر نہیں مار سکتا تھا۔

بالائی منزل پر زینے کی دیوار کے ساتھ ایک کرنل کھڑا کر دیا گیا۔ اس شخص کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ اس نے افریقہ کی جنگوں میں اپنے آدمیوں کی بڑی کامیابی سے قیادت کی تھی۔ اس کے پاس سب مشین گن اور آٹومیگزین پستول تھا۔

یہ ان تین محافظوں میں سے ایک تھا جن کو تھیوڈیسا کرانے پر حاصل کیا تھا۔

ہال ڈھ سے ویسلے پریس کے دروازے تک دس

فٹ کے فاصلے پر گشت کرنے والا شخص عالمی مڈل ویٹ کراٹے چیمپئن تھا۔ وہ لات مار کر دیوار میں سوراخ کر سکتا تھا۔ اس کے ناخن لمبے لمبے تھے اور ہاتھوں کی پہنچ معمول سے زیادہ تھی۔ یہ دوسرا محافظ تھا۔

تیسرا محافظ نشانہ بازی میں اولمپک چیمپئن تھا۔ اس نے اسلحہ سازی کے کارخانوں میں مشیر کی حیثیت سے بھی فرائض انجام دیے تھے۔

ویسلے پریس کے کمرے کی تمام کھڑکیوں پر آہنی چادریں لگا دی گئی تھیں صرف ایک کھڑکی کو کھولنے بند کرنے کے لیے چھوڑ دیا گیا تھا تاکہ صبح سویرے کی روشنی اندر آ سکے۔ یہ کھڑکی بھی ہنگامی راستے کی طرف کھلتی تھی۔ یہاں سے ویسلے کو کاؤنٹی کلب بلڈنگ اور گولف کورس نظر آ جاتا تھا۔ اسی ہنگامی راستے پر جو آگ بجھنے کی صورت میں استعمال کے لیے بنایا گیا تھا، اولمپک چیمپئن کا پہرہ تھا۔ اس جگہ سے اولمپک چیمپئن چست، پھرتیلا اور آہنی سیڑھیوں پر نظر رکھ سکتا تھا جو ہنگامی راستے کے لیے بنائی گئی تھیں۔ اس کے پاس اسٹار یہ ۳۵۷ میگنم اور اسٹار یہ ۲۲ کلیبر کا ایسی آٹومیٹک پستول بھی تھا۔

اولمپک چیمپئن کے عقب میں کھڑکی پر الیکٹرک وائر لگا دیے گئے تھے تاکہ اگر کوئی کھڑکی کھولنے کی کوشش کرے تو جھٹکا لگتے ہی مر جائے۔

ہر شخص کو دو ہزار ڈالر فی ہفتہ اُجرت دی جاتی تھی۔ تھیوڈیسا ان انتظامات کے بعد بہت مطمئن تھی۔ اسے یقین تھا کہ اب کوئی ویسلے پریس کے کمرے میں قدم بھی نہیں رکھ سکتا۔

وہ کلب ہاؤس کے سامنے رُکی، اُس نے وہاں سے گلابی اور سُرخ رنگ کے پھول چُن کر باسکٹ میں رکھے جس کے بعد شوفر نے اسے اسپتال کے مشرقی حصّے میں ایک وارڈ کے سامنے چھوڑ دیا۔ پولیس والے نے تھیوڈیسا کو فوراً پہچان لیا لیکن اُس کی ہدایت کے مطابق وہ اُس وقت تک ساکت کھڑا رہا جب تک تھیوڈیسا نے کوڈ ورڈ نہیں دُہرایا: "گراس مُحض حُسن ہے۔"

پولیس والے نے بڑی پھرتی سے دروازہ کھولا اور جونہی تھیوڈیسا نے اندر قدم رکھا اُس نے مزید... تیزی سے دروازہ مقفل کر دیا۔ ساتھ ہی اُس نے تھیوڈیسا کے ہاتھ سے پرس لے کر اُس کی تلاشی لی۔ اطمینان ہو جانے کے بعد وہ پہلی بار مسکرایا۔

"مارننگ مس تھیوڈیسا!"

"مارننگ۔ سب کچھ ٹھیک ہے نا؟" تھیوڈیسا نے پوچھا۔

"یس میڈم۔" پولیس والے نے جواب دیا جس پر تھیوڈیسا مطمئن انداز میں سر ہلاتی ہوئی زینے کے راستے چوتھی فلور کی طرف چل دی۔ چوتھی منزل کے زینے پر اُسے چاق و چوبند کرنل نظر آیا جس نے اپنی سب مشین گن تھیوڈیسا پر تان رکھی تھی۔

"مارننگ مم۔" اُس نے خالص برطانوی انداز میں کہا۔ اُس نے بھی تھیوڈیسا کا پرس اللہ بھلوں کی باسکٹ چیک کی اور اس کے بعد دروازے پر چار مرتبہ دستک دی۔ تھیوڈیسا اتنی بیشہ ور نہ تھی کہ گردگی پر خوش ہو کر مسکرانے لگی، پھر اُس نے دوسری طرف سے دروازہ کھولے جانے کی آواز سنی۔ کرنل گنتی گننے لگا۔ وہ چھ تک پہنچا تو دروازہ کھل گیا۔

"اگر میں یہاں سے اچانک دستک دیے اور گنتی گنے بغیر دروازہ کھول دوں تو اندر والا شخص بے دریغ قتل کر دے گا۔" کرنل نے طریقۂ کار کی وضاحت کی۔

تھیوڈیسا زینے کے دروازے سے راہداری میں آئی تو کراٹے چیمپئن جارحانہ انداز میں کھڑا ہوا تھا تاہم تھیوڈیسا کو دیکھ کر وہ سر ہلانے لگا۔ اُس نے بھی پرس اور باسکٹ چیک کی۔ تھیوڈیسا پھر مُسکرا اُٹھی اور اِٹھلاتی ہوئی سوئنگ ڈور سے گزر کر ویسلے پریس کے کمرے میں پہنچ گئی۔ اولمپک چیمپئن فائر اسکیپ پر چاق و چوبند کھڑا ہوا تھا۔

ویسلے پریس کی آنکھیں بند تھیں۔ وہ اس وقت بھی سو رہا تھا جب تھیوڈیسا کمرے میں داخل ہوئی تھی۔ اُس کا زرد چہرہ دیکھتے ہی تھیوڈیسا محبت سے مُسکرانے لگی۔ ویسلے کے چہرے پر لرزہ کپکپی جھلک رہا تھا... لیکن پھر معاً ہی تھیوڈیسا کی آنکھیں مارے خوف کے پھٹی رہ گئیں کیونکہ ویسلے پریس کے سینے پر ایک زرد رنگ کا کاغذ رکھا ہوا تھا اور اُس پر چند سطریں بھی نظر آ رہی تھیں۔ وہ لپک کر بیڈ کے قریب پہنچی۔ یہ سطریں نوٹ پیڈ کے قریب رکھے ہوئے مارکر ہی سے لکھی گئی تھیں۔ وہ بے خبری پن سے پڑھنے لگی۔

"تمھارے محافظوں کے بدن سے بدبو پھوٹتی ہے۔"

اُس کے نیچے ایک ٹیلی فون نمبر بھی لکھا ہوا تھا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

یہ پرچا ایک سینٹی پن سے قمیص میں لگایا گیا تھا۔ تھیوڈیسا نے جب پن نکالی تو ویسلے بیدار ہو گیا۔

"مارننگ ڈارلنگ۔" وہ بولا

تھیوڈیسا نے پرچا فوراً پرس میں ڈال دیا۔ "ویری ویری گڈ مارننگ سوئٹ ہارٹ۔" یہ کہہ کر اُس نے پھول پیش کیے لیکن ویسلے نے اُنھیں دیکھے بغیر سائڈ ٹیبل پر ڈال دیا۔

"سوری ڈارلنگ۔ میں نے تمھیں جگا دیا۔"

"نہیں کوئی بات نہیں۔" ویسلے کی آواز بھاری تھی۔ "میرے پاس سونے کے علاوہ اور کیا کام رہ گیا ہے۔"

"ایسی باتیں مت کرو۔ تم پہلے سے بھی زیادہ صحت مند ہو جاؤ گے۔"

"ہاں۔ معذور شخص کی صحت اچھی ہی ہوتی ہے۔" ویسلے نے تلخ لہجے میں جواب دے کر منہ پھیر لیا اور جب چند لمحے بعد دوبارہ تھیوڈیسا کی طرف دیکھا تو وہ بڑی بہادری سے مسکرا رہی تھی۔ وہ بھی مسکرا اُٹھا۔

"نیند تو خوب گہری آئی ہو گی۔" تھیوڈیسا نے پوچھا۔

"ہاں۔ کیوں نہیں۔ ان محافظوں کی موجودگی میں بھلا کون نیند میں مخل ہو سکتا ہے۔"

"کوئی آیا تو نہیں؟"

"نہیں۔ لیکن میری خواہش ہے کہ کاش کوئی نظر آئے۔ خواہ وہی شخص کیوں نہ ہو جو مجھے قتل کرنا چاہتا تھا۔"

"میں ایسی کوئی جذباتی بات سننا گوارا نہیں کروں گی ویسلے پریس۔" تھیوڈیسا نے اس بار برہم انداز میں کہا۔ اُس کا چہرہ کسی غصے سے تمتما اُٹھا۔ "تم انتہائی اہم آدمی ہو اور مزید اہمیت حاصل کرنے والے ہو۔ کوئی تم جیسے شخص کو کھو کر نقصان میں رہے گی۔"

"میں آدھا تو ختم ہو ہی چکا ہوں۔" ویسلے نے ٹوٹے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔ "میری ٹانگیں.... نہیں.... مجھ سے مذاق مت کرو۔ اعضا تسلیاں نہ دو۔ میری ریڑھ کی ہڈی میں زخم ہے اور میں معذور ہوں۔ ڈاکٹر بھی تو یہی کہتے ہیں۔"

"بھلا ان ڈاکٹروں کو کیا معلوم۔" تھیوڈیسا بولی۔ "ہم اُن سے اچھے ڈاکٹروں کی خدمات حاصل کریں گے۔"

اس بجوز پر وہ چند لمحوں تک غور کرتا رہا۔ اُس کی نظریں کھڑکی سے نظر آنے والے روشن آسمان پر جمی رہیں۔ "ممکن ہے کہ تم ٹھیک کہتی ہو.... میں نے تمھیں بتایا تھا نا کہ بعض اوقات مجھے اپنی ٹانگوں میں جان محسوس ہوتی ہے.... کبھی کبھی ایسا لگتا ہے جیسے میں ٹانگوں کو حرکت دے سکتا ہوں۔" یہ کہہ کر اُس نے تھیوڈیسا کو بغور دیکھا اُس کے چہرے پر غم و اندوہ کی ہلکی سی جھلک نظر آئی جسے اُس نے فوراً مسکراہٹ میں بدل ڈالا۔

"دیکھا۔ میں نہ کہتی تھی کہ معاملہ اتنا خراب نہیں۔" وہ شوخ انداز میں بولی لیکن اُس کی یہ شوخی مصنوعی تھی چہرہ اُس شوخی کا ساتھ نہیں دے رہا تھا.... وہ جانتی تھی کہ ویسلے پریس اب کبھی اپنے پیروں پر نہیں چل سکے گا۔

ویسلے کو بھی اس کا احساس تھا لہٰذا اُس نے آنکھیں بند کر لیں۔ تھیوڈیسا نے درد کم کرنے والی گولی کھانے کے لیے کہا تو اُس نے صرف منہ کھول دیا، پھر جب تھیوڈیسا نے اُسے اسپتال سے رہائش گاہ کا ڈنمتی کلب لے جانے کے لیے ایمبولنس منگوائی تو تب بھی وہ خاموش رہا۔ کاؤنٹی کلب کا ماسٹر بیڈ روم اسپتال کے کمرے میں بدل دیا گیا تھا۔ ویسلے اُسے خوشی تھی کہ وہ اسپتال سے تو جا رہا ہے۔

✣✣

دوپہر کو تھیوڈیسا تینوں محافظوں کو یہ قطعی ہدایات دے کر نکلی کہ وہ بیڈ روم سے باہر نہ نکلیں۔ عمارت سے نکلنے سے قبل اُس نے پرس سے زرد کارڈ نکال کر اُس پر درج فون نمبر ملایا۔

ٹائیگر فرلونگ بمبئی ویلیو ڈالر موٹل کے کمرہ نمبر ۱۵ میں بستر پر لیٹا ہوا تھا.... کہ اچانک دروازے پر زور زور سے دستک ہوئی۔ دستک دینے والی تھیوڈیسا ہی تھی۔

ٹائیگر نے دروازہ فوراً کھول دیا۔ اُس نے عورت کو اوپر سے نیچے تک بغور دیکھا۔ "تم کون ہو؟ ویسے میرا یہ سوال بے معنی ہے نا؟ کیوں کیا خیال ہے؟"

"پرچا تم ہی نے چھوڑا تھا۔" تھیوڈیسا نے قدرے گھبرائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"ہاں۔ بالکل۔ میں نے تمھیں ٹی وی پر دیکھا ہے شاید تمھارا نام امیرو دسیا ہے؟"

"تھیوڈیسا۔"

"آؤ۔ اندر آجاؤ۔" یہ کہہ کر وہ بستر پر واپس آگیا جب کہ وہ کاؤچ پر بیٹھ گئی۔

"تم اسپتال کے اُس کمرے میں کس طرح داخل ہو گئے

تھے؟" اُس نے پوچھا۔

"اس سوال کا جواب مت دینا شہزاد۔" اوشان اچانک ہی کمرہ نمبر ۱۵ اور ۱۷ کو ملانے والے دروازے سے نمودار ہوا۔

"کیوں۔ جواب کیوں نہ دوں؟" ٹائیگر نے حیرت سے اوشان کی طرف دیکھا۔ دوسری طرف اوشان کو دیکھ کر تھیوڈیسا بھی ششدر رہ گئی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اتنا نحیف و نزار شخص توازن کیسے برقرار رکھے ہوئے ہے۔

"اس وجہ سے کہ اس عورت نے ابھی تک تمھیں معاوضے کے نام پر ایک چھدام بھی نہیں دیا اور اگر اس نے معاوضہ ادا بھی کر دیا ہے تب بھی ہم اپنے راز کسی کو نہیں بتاتے۔ ہماری ٹیکنیک دنیا کا سب سے بڑا راز ہے عورت!"

"یہ انتہائی دانش مندانہ اُصول ہے۔" تھیوڈیسا نے پہلو بدل کر جواب دیا۔

"درحقیقت یہ دانش مندانہ اُصول محض نظر آتا ہے۔" ٹائیگر نے بڑے اطمینان سے قہقہہ کیا۔ "میں نے کئی لوگوں کو اپنے راز اور اپنی ٹیکنیک بتائی ہے، یہ الگ بات ہے کہ اُن میں سے کسی کے پلے ہی نہیں پڑی۔"

"مجھے بتا کر آزماؤ۔" تھیوڈیسا اب زیر لب مسکرا رہی تھی۔ یہ ایسی عورت کی مسکراہٹ تھی جس کو مردوں نے عموماً بھی طرح کبھی نہیں سمجھا، وہ مجزوی طور پر سمجھ گئی.... ویسے یہ الگ بات تھی۔ مکمل حسن کی مظہر اُس عورت کا ذہن مکمل نہ تھا۔

"ٹھیک ہے۔" ٹائیگر بھی مسکرانے لگا۔ اُس کے مسکرانے کا مفہوم بالکل جدا تھا۔ "ہم نے فائر اسکیپ پر محافظ کو دیکھا، ہمیں ایک گارڈ زینے پر اور تیسرا دروازے پر نظر آیا، باقیوں والا ہیرو تی دروازے کی حفاظت کر رہا تھا ہم کسی کو زخمی کیے بغیر کمرے میں جانا چاہتے تھے۔ لہٰذا ہم نے اُن میں سے کوئی بھی راستہ اختیار نہ کیا۔"

"اور یوں ہم جادو کے زور سے غائب ہو گئے۔" اوشان نے لقمہ دیا۔

"نہیں۔ وہ جادو نہیں تھا۔" ٹائیگر نے دعویٰ کیا۔

"ہاں۔ وہ جادو نہ تھا۔" اوشان نے بھی تائید کی۔ "ہم نے ایسا لباس پہن لیا تھا جس کو پہننے کے بعد ہم کسی کو نظر نہیں آتے۔" اوشان نے وضاحت کی۔

تھیوڈیسا اُسے دیکھ کر مسکرائی تو اوشان بھی مسکرانے لگا۔ مسکراہٹ کا جواب مسکراہٹ سے دینا سانجو کا ایک اُصول تھا۔ خواہ اُس کے بعد مسکرانے والے کی گردن ہی کیوں نہ توڑنی پڑ جائے۔

"نہیں۔" ٹائیگر نے ایک بار پھر اوشان کی بات کی تردید کر دی۔ "ہم نے دیکھا کہ تم نے کمرے میں جانے والے تمام راستوں پر پہرہ لگا دیا ہے لیکن ہم نے یہ بھی دیکھا کہ تم نے ایسے راستوں پر کوئی انتظام نہیں کیا جو کھلتے ہی نہیں یا بند نہیں ہوتے۔ صرف بند رہتے ہیں۔"

"یعنی.... کھڑکیاں؟" تھیوڈیسا نے قدرے مضطرب انداز میں پوچھا۔

"اوہ۔ نہیں۔ تم بھی نہیں سمجھو گی۔" ٹائیگر نے مایوس کن انداز میں سر ہلا کر کہا۔ "میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ لوگ ہماری ٹیکنیک کو سمجھ نہیں پاتے۔"

"مگر تم کھڑکی تک بھی نہیں پہنچ سکتے تھے۔" تھیوڈیسا نے چیلنج دینے والے انداز میں کہا۔ "چھت تک پر پہرہ ہے اور صرف ایک فائر اسکیپ ہے اُس پر بھی پہرہ لگا ہوا ہے۔ تم کیسے پہنچے؟"

"یہ ایک راز ہے۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔

"ہاں۔ یہ ایک راز ہے۔" اوشان نے جواب دیا۔ "شہزاد درست کہتا ہے۔ ہم یہ راز تمھیں بتا سکتے تھے اچھی عورت! لیکن دشواری یہ ہے کہ تم عورت ہو اور تم ہمارا یہ راز کسی اور کو بتا دو گی، پھر وہ کسی اور کو بتا دے گا اور ہر کسی کو علم ہو جائے گا کہ سیاٹ دیواروں پر چھپکلی کی طرح چڑھ کر کھڑکی سے آہنی چادریں کس طرح ہٹائی جاتی ہیں۔ انھیں دوبارہ کس طرح لگایا جاتا ہے.... لہٰذا یہ راز، راز ہی رہنے دو۔ میں تو ہرگز نہیں بتاؤں گا۔"

"شکریہ لٹل فادر۔ آپ نے اوپر چڑھنے اور کمرے میں پہنچنے کے طریقہ کو راز ہی رہنے دیا۔ بہت بہت شکریہ۔" ٹائیگر نے سر ہلاتے ہوئے اوشان کا شکریہ ادا کیا۔ اوشان سر ہلا کر رہ گیا۔

"تم لوگوں کا معاوضہ کیا ہے؟" تھیوڈیسا کو اچانک ہی احساس ہوا تھا کہ یہ لوگ اُن محافظوں سے کہیں برتر ہیں جن کو اُس نے خود منتخب کیا تھا۔

"تم نے جو محافظ رکھ چھوڑے ہیں اُن کا معاوضہ کیا ہے؟" ٹائیگر نے پوچھا۔ "میرا خیال ہے کہ پولیس والے کی خدمات تو بلا معاوضہ ہوں گی!"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"فی کس ایک ہزار ڈالر فی ہفتہ۔" تھیوڈیسا نے جواب دیا۔

"اس کا مطلب ہے ایک ہفتے کے دو ہزار ڈالر؟" ٹائیگر نے پوچھا اس نے اوشان کی مخصوص کھنکار کو نظر انداز کر دیا۔ "مجموعی معاوضہ چھ ہزار ڈالر فی ہفتہ ہوا کیونکہ ہم اُن تینوں سے بہتر ہیں۔ اس طرح ہمارا معاوضہ ۱۲ ہزار ڈالر فی ہفتہ ہوا۔۔ لیکن میں رعایت کر سکتا ہوں۔ دس ہزار ڈالر میں معاملے ہو سکتا ہے۔"

"یہ تو بہت زیادہ ہے۔" تھیوڈیسا نے احتجاج کیا۔ اس پر اوشان کھانسا اور ٹائیگر نے تھیوڈیسا کی طرف دیکھنے سے قبل اوشان کو غصیلے انداز میں دیکھا۔ "جیسی تمہاری مرضی۔" ٹائیگر نے تھیوڈیسا سے کہا۔ "ویسے ہم اُن لوگوں کے لیے بھی کام کر سکتے ہیں جو تمہارے آدمی سے نجات حاصل کرنا چاہتے ہیں۔"

"کیا تمہیں علم ہے کہ وہ کون لوگ ہیں؟" تھیوڈیسا اُچھل پڑی۔

"نہیں۔ لیکن اگر ہم ذرا سا کام کریں تو اُن کا پتا بھی چل جائے گا۔"

اوشان ایک بار پھر کھنکار کر رہ گیا۔

"کیا تمہارا بھی خیال یہی ہے؟" تھیوڈیسا نے اوشان سے پوچھا۔

"ہاں۔ لیکن میں اس لڑکے کے خیالات کی تائید بہت کم کرتا ہوں۔" اوشان نے مُنہ بنا کر جواب دیا۔

"ٹھیک ہے میں دس ہزار ڈالر فی ہفتہ معاوضہ دوں گی۔" تھیوڈیسا رضامند ہو گئی۔ "تم ویسے پریس کی حفاظت کرو اور ساتھ ہی یہ بھی پتا چلاؤ کہ اُس پر حملے کا ذمہ دار کون ہے؟"

"ٹھہرو۔" اوشان پہلی بار محکمانہ لہجے میں بولا۔ "ہوٹل کا بل کون ادا کرے گا؟"

اس استفسار پر تھیوڈیسا نے مُنہ بنا کر کمرے کا جائزہ لیا۔ بستر کی چادر پرانی تھی۔ قالین کا رنگ اُڑ چکا تھا اور دال پیپر پر پانی کے بڑے بڑے دھبے نظر آ رہے تھے۔

"ٹھیک ہے۔ کرایہ بھی میرے ذمے۔"

"شاندار۔" اوشان خوش ہو گیا۔ اُس نے ٹائیگر کو فاتحانہ انداز میں دیکھا اور پھر کوریائی زبان میں بولا۔ "دیکھا۔ اگر مذاکرات میں ہی کروں تو ہر مسئلہ کتنی آسانی سے حل ہو سکتا ہے۔"

"یہ کام تو میں بھی کر سکتا تھا۔" ٹائیگر نے بھی کوریائی زبان میں جواب دیا۔ "آپ صرف اتنا کام کر دیں کہ ویسلے پر حملہ کرنے والوں کا پتا چلا لیں۔"

"میں ہوٹل کے کرائے کا اہم ترین مسئلہ حل کر چکا ہوں۔" اوشان نے پُرجوش لہجے میں کہا۔ "باقی چھوٹے موٹے مسائل تم خود حل کر لو۔"

"آپ نے صرف چھ ڈالر بچانے کی خاطر ایک فاضل کام بھی اپنے سر لے لیا ہے۔ ہمارا اصل کام تو صرف حفاظت کرنا تھا۔"

"تم بہت غلط فہمی کا شکار کوریائی بولتے ہو۔" اوشان نے ہاتھ ہلا کر کہا۔

"لیکن آپ نے حملہ آوروں کا پتا چلانے کی ذمہ داری قبول کر کے فاضل بوجھ لے لیا ہے۔"

"میں مذاکرات میں کامیاب رہا اسی لیے تم جل رہے ہو لیکن جلو مت۔ مسابقہ کے ماسٹر مذاکرات سے ہمیشہ ہی سُرخرو ہو کر نکلے ہیں۔"

تھیوڈیسا گھبرا کر کھڑی ہو گئی کیونکہ ایک تو اُسے اُن کی زبان سمجھ میں نہیں آ رہی تھی اور پھر یہ کہ دونوں کی آوازیں بتدریج اونچی ہوتی چلی جا رہی تھیں۔

"تم میرے ساتھ ابھی چلو۔" وہ ٹائیگر سے بولا اور ٹائیگر بیڈ سے اُترنے لگا۔

"اتنی جلدی بھی مت کرو کہ سب کچھ فراموش کر ڈالو۔" اوشان نے زہرخند لہجے میں کہا۔

"اب کیا ہوا؟"

"کمروں کی چابیاں مادام کے حوالے کر دو۔" اوشان نے بڑے احترام سے کہا تو وہ مُسکرا دی۔

*

وہ جب کاؤنٹی کلب پہنچے تو ویسلے پریس محافظوں کی موجودگی میں بیئر کی چُسکیاں لے رہا تھا۔ تھیوڈیسا نے محافظوں کو کمرے سے نکلتے ہی ڈپٹا اور ویسلے کے ہاتھ سے بیئر چھین لی۔

"ارے۔ یہ کیا کر رہی ہو۔" وہ سراپا احتجاج بن گیا۔

"یہی سوال میں بھی کر سکتی ہوں۔ شراب کیوں پی رہے تھے؟ تمہیں علم ہے تم کو شراب پینے سے پرہیز کا مشورہ دیا گیا ہے۔"

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔" یہ کہتے ہوئے اُس نے پہلی مرتبہ ٹائیگر اور اوشان کو دیکھا جو اُس کی باتیں سُنتے کھڑے ہوئے تھے۔ "یہ کون لوگ ہیں؟" اُس نے مُنہ بنا کر پوچھا۔ اُس نے اُن دونوں کے قہقہوں کی آہٹ بھی نہیں سُنی تھی۔

"تمہارے نئے باڈی گارڈز۔" تھیوڈیسا نے جواب دیا۔

"نئے باڈی گارڈز۔" ویسلے پریس کا مُنہ اور زیادہ بن گیا۔ "لیکن یہ دونوں مل کر بھی آدھے شخص کی حفاظت کے اہل نہیں تھے۔"

"زخمی ہونے سے قبل تم بھی آدھے آدمی تھے پریس۔" ٹائیگر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"یہ..... یہ اپنے آقا سے بات کرنے کا سلیقہ ہے!!" ویسلے پریس کو غصہ آ گیا۔ "انھیں کتنا معاوضہ دیا جا رہا ہے؟"

اوشان نے ٹائیگر کو اشارہ کیا کہ وہ اب نہ بولے اور خود سرخم کر کے بولا۔ "ہم ایسی خدمات کا جتنا معاوضہ لیتے ہیں اُس سے کم پر آپ کی حفاظت کے لیے آئے ہیں جناب عالی!" اُس کا لہجہ مخصوص تھا۔ "ہمیں آپ جیسی عظیم المرتبت ہستی کی حفاظت کرتے ہوئے بہت لُطف آئے گا۔" یہ کہہ کر اُس نے اپنی سبز قبا کے اندر ہاتھ باندھ لیے۔

"ہوں۔" ویسلے پریس نے ہنکارا بھرا لیکن اب وہ مطمئن تھا۔ اُس کی انا کی تسکین ہوئی تھی۔

"جی ہاں کیا آپ میرا کلام سُننا پسند فرمائیں گے جناب۔" اوشان نے فوراً پیش کش کی۔

"نہیں۔"

"پھر کسی وقت سہی۔" اوشان نے سر ہلا کر کہا۔

"میرا خیال ہے کہ..... کبھی نہیں۔"

"اپنا خیال ظاہر مت کرو۔" ٹائیگر بہت برداشت کے باوجود بولے بِنا نہ رہ سکا۔ "تم جلد ہی اُنگ شاعری سُنو گے جو تمہیں یاد رہے گی اور پھر تم دوسروں کو خود سُنایا کرو گے۔ کیا تم نے پھول کھلے اور شہر کے بننے کی کہانی سُنی ہے؟"

"ارے۔ یہ کیا کر رہے ہو۔ اتنی قیمتی کہانی بلا معاوضہ نہ سُنا دینا۔" اوشان گھبرا کر بولا۔

"اِن دونوں کو یہاں سے نکال دو۔" ویسلے پریس نے عاجز آ کر تھیوڈیسا سے کہا۔

"میں بھی یہی چاہتا ہوں۔" ٹائیگر نے ہنس کر کہا۔ "لیکن ہم یہ چاہتے تھے کہ تمہاری حفاظت کریں اور تم شمسی توانائی

پُراسرار علوم کے ماہر
نوجوان امجد علی کی
پُراسرار اور عبرت انگیز
داستان
روگی
م۔ الف صدیقی کے پُراسرار قلم سے
5 حصوں میں شائع ہو گئی ہے
قیمت فی حصہ -/60 روپے
قیمت سیٹ -/300 روپے
ناشر
مکتبہ القریش، سرکلر روڈ
اُردو بازار، لاہور۔2

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کے شعبے میں اپنا منصوبہ مکمل کر لو۔"

"جہنم میں گئی شمسی توانائی۔" ویسلے پریس نے ہاتھ ہلا کر جواب دیا۔

"جہنم میں گیا سب کچھ۔" ٹائیگر نے بھی اُسی کے انداز میں کہا۔

"مجھے بھلا کیا فکر؟ اگر کوئی ٹھنڈ سے جم کر مرتا ہے تو مر جائے۔" ویسلے پریس بولا۔

"سُنو۔" تھیوڈیسا نے اوشان اور ٹائیگر سے کہا جو کمرے سے نکلنے کے لیے پر تول رہے تھے۔ "میرا خیال ہے کہ ویسلے پریس کے حقیقی جذبات یہ نہیں جن کا اُس نے ابھی اظہار کیا ہے، بات صرف یہ ہے کہ اعصابی دباؤ کے باعث۔"

"اعصابی دباؤ؟" ویسلے پریس بھنّا گیا۔ "نہیں۔ یہ اعصابی دباؤ نہیں۔ حقیقت یہی ہے کہ مجھے شمسی توانائی سے کوئی دلچسپی نہیں۔"

"تب پھر ہم تو چلے۔" ٹائیگر نے مسکرا کر اعلان کیا۔ "چلیں لٹل فادر۔ چلتے ہیں۔"

راہداری میں جب وہ محافظوں کے قریب سے گزر گئے تو تب ہی اوشان نے اُس سے پوچھا۔ "یہ کیا ہوا؟ اب کیا ہو گا؟"

"کچھ نہیں۔ ویسلے پریس زیادہ اہم آدمی نہیں کیونکہ اُس کی لگامیں تھیوڈیسا کے ہاتھوں میں ہیں۔ وہ خود ہی اُسے قائل کر لے گی۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔

وہ کاؤنٹی کلب کے گول زینے سے اُتر کر باہر صحن میں آئے جہاں انڈیانا کے خوبصورت چاند کی لطیف چاندنی پھیلی ہوئی تھی۔ دُولانیو وے کے خاتمے پر ایک چھوٹی سڑک تھی اور سڑک کے پار کرایہ داروں کے لیے بنائی گئی عمارت تھی جس کی مرمت کر دی گئی تھی۔

"حملہ اسی عمارت میں ہُوا تھا؟" اوشان نے پوچھا۔

"ہاں۔" ٹائیگر سر ہلانے لگا اور دونوں اُسی عمارت میں گھس گئے جہاں کوٹا کر کٹ اب بھی پڑا ہوا تھا۔

اندر چاندنی کی وجہ سے زیادہ اندھیرا نہیں تھا پھر وہ عمارت کے جس حصّے میں داخل ہوئے تھے وہاں سے کسی کچن کی کھڑکی نظر آ رہی تھی اور کچن کی کھڑکی سے کیروسین لیمپ کی چمک دکھائی دے رہی تھی۔

کچن میں داخل ہو کر ٹائیگر نے ماچس جلائی اور لیمپ روشن کرنے لگا۔ اِس دوران اوشان فرش پر جُھک جُھک کر کچھ تلاش کرنے میں مصروف ہو گیا۔

"قاتل اِس جگہ کھڑا ہوا تھا؟" اوشان نے اچانک ہی اعلان کیا۔

"قاتل نہیں حملہ آور۔" ٹائیگر نے تصحیح کی۔ "ویسے آپ نے کیسے اندازہ لگا لیا؟"

"کیونکہ وہ اِس جگہ سے کھڑے ہو کر ویسلے پریس کا انتظار کر رہا تھا۔" اوشان نے سیدھے سادے انداز میں جواب دیا۔

"پورے کچن میں صرف یہی ایک جگہ ایسی ہے جہاں فلور بورڈ چٹخا ہوا نہیں ہے اِس جگہ وہ صرف کھڑا رہا ہو گا، چلتا تو بورڈ چرچرا جاتا۔"

ٹائیگر نے سر ہلا دیا۔

"اور رات کی تاریکی سے ایک چاقو پھینکا گیا۔" اس بار اوشان کا لہجہ سرسراتا ہوا ہی نہیں پُراسرار بھی تھا۔ "یہ اچھی بات نہیں ہوئی۔"

"کیوں؟" ٹائیگر نے پوچھا مگر اوشان نے سُنی اَن سُنی کر دی وہ سیدھا کھڑا ہو کر فرش کو گھورنے لگا۔

"حملہ آور نے اِس جگہ کھڑے ہو کر اُس بدزبان کا انتظار کیا اور پھر بیس فٹ کے فاصلے سے اُس نے چاقو پھینک دیا۔ ضرب شدید تھی مگر ویسلے پریس کی جان نہ لے سکی۔ وہ اپنے شکار کے ساتھ یہاں اکیلا تھا۔ سوال یہ ہے کہ کیا اُس نے اپنے شکار کا مکمل خاتمہ کرنے کے لیے دوسری کوشش کی؟ جواب نفی میں ہے۔"

"ممکن ہے وہ کسی بات سے خوف زدہ ہو کر بھاگ نکلا ہو۔" ٹائیگر نے کہا۔

"نہیں۔"

"کیوں نہیں؟"

"اِس لیے کہ اُس کے پاس شکار تک جانے اور چاقو نکالنے کا وقت تھا۔ اگر وہ اُسے قتل کرنا چاہتا تو چاقو کو صرف گھما دیتا اور پھر نکال لے جاتا لیکن اُس نے چاقو سیدھا نکالا اُسے گھما کر قتل نہیں کیا۔ ایسا کیوں ہوا شہزاد؟"

"پتا نہیں۔" ٹائیگر نے اُکتائے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

"پتا نہیں کہ تم بعض اوقات اتنے کند ذہن کیوں ثابت ہوتے ہو شہزاد۔"

"شکر ہے کہ آپ نے اِس بار بعض اوقات کا اعزاف

کیا وگرنہ میرا تو خیال یہ تھا کہ آپ مجھے مستقل کند ذہن سمجھتے ہیں۔"

"تم ہمیشہ ہی سے غبی، کاہل، کام چور اور کند ذہن رہے ہو۔" اوشان نے چڑ کر کہا۔ "ہمیشہ کی طرح اِس وقت بھی کند ذہن ثابت ہو رہے ہو۔"

"ٹھیک ہے۔ اب میں مطمئن ہوں۔"

"ہاں۔ تو میں کہہ رہا تھا کہ حملہ آور ویسلے پریس کو قتل کرنا نہیں چاہتا تھا۔۔۔۔ ویسے چاقو لے جانے کی ایک خاص وجہ بھی ہو سکتی ہے۔"

"یہی کہ پولیس کو اُس کے کنگر پرنٹس نہ مل جائیں۔"

"اِس خطرے سے بچنے کے لیے وہ چاقو کا دستہ صاف کر کے اپنی راہ لیتا۔" اوشان نے مُنہ بنا کر کہا۔ "اُس نے چاقو اِس لیے نکالا کہ ہم چاقو نہ دیکھ سکیں۔"

"وہ کیوں؟"

"اِس لیے کہ چاقو دیکھ کر اُس کی شناخت ہو سکتی تھی۔"

"تب پھر یقیناً اُس پر حملہ آور کا نام پتا اور ولدیت بھی درج ہو گی لٹل فادر۔"

اوشان نے اِس تبصرے کو نظر انداز کر کے پوز بنایا۔ اُس کا بایاں پیر، دائیں پیر کے آگے تھا اور ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ کسی دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے پوری طرح تیار ہو۔ پھر وہ آگے پیچھے ہل کر فلاں ایک پیر سے دوسرے پیر پر منتقل کرنے لگا۔ "شہزاد۔" اُس نے آواز دی۔ "یہاں کھڑے ہو جاؤ۔" یہ کہہ کر وہ اُس جگہ سے ہٹا اور ٹائیگر کو اُس جگہ پر کھڑا ہونا پڑا۔ فلور بورڈ اب اُس کے پیروں کے نیچے چرمرا رہا تھا۔

"اب آگے پیچھے ہلنا شروع کر دو۔" اوشان نے حکم دیا۔ حکم پر عمل ہو ناہی تھا۔ فلور بورڈ کی آواز اور تیز ہو گئی۔

"بس کافی ہے۔ اب چلو۔" اوشان نے پھر حکم دیا۔

"ٹھیک۔ اب سوال یہ ہے کہ کوک رابن کو کس نے قتل کیا؟" ٹائیگر نے اوشان کو چڑانے کی خاطر پوچھا۔

"جب تم ذہانت کا مظاہرہ کرو گے تو میں اُس کے قتل کی تفصیلات بتا دوں گا۔" اوشان نے بُرا مانے بغیر جواب دیا۔

"لیکن اِس کیس میں، میں تمھیں خبردار کرنا چاہتا ہوں کہ ہمارا واسطہ ایک خطرناک شخص سے پڑا ہے۔ ایسے شخص سے جس کی صلاحیتیں ہماری صلاحیتوں سے کم نہیں۔"

"اور یہ بات آپ نے فلور بورڈ کے چرمرانے کی آواز کیا سُن کر بتائی ہے؟"

"مذاق مت کرو۔ اگر پوچھنے والا ہو تو بے زبان پتھر بھی راز فاش کر دیتا ہے۔ میں تمھیں مزید بہت سی باتیں بتا سکتا ہوں مگر اِس وقت تیل ضائع ہو رہا ہے۔"

ٹائیگر نے پھونک مار کر لیمپ بجھا دیا، پھر وہ اوشان کے پیچھے پیچھے باہر نکل آیا۔ "ہاں۔ آپ کچھ بتا رہے تھے؟"

"حملہ آور موٹی چرمی بیلٹ میں ہو گا۔ بیلٹ کے عقبی حلقے میں چاقو لگے ہوں گے جن کے دستے مسطح ہوں گے۔ ہر چاقو کے نچلے کنارے پر ایک مشتعل گھوڑے کی شبیہہ ہو گی۔"

"کیا؟" ٹائیگر واقعی کچھ بھی نہ سمجھ سکا لیکن اب وقت نکل چکا تھا۔ اوشان زینہ اُتر رہا تھا۔ ٹائیگر نے اُس کے قریب پہنچ کر کچھ پوچھنا چاہا مگر اوشان خاموش رہا۔ وہ سوچنا چاہتا تھا۔

⁂

اُس رات ہوٹل میں ٹائیگر کے لیے دو ٹیلی فون آئے۔ پہلا بہرام کا تھا اور جب اُسے پتا چلا تھا کہ ویسلے پریس شمسی توانائی میں دلچسپی لینے سے انکار کر چکا ہے تو اُسے شدید مایوسی ہوئی تھی۔

"ایسا نہیں ہونے دیا جائے۔ اُسے منصوبے پر عمل کا ارادہ ترک نہیں کرنا چاہیے۔" بہرام نے کہا تھا۔

"بہرحال۔ یہ تو اُس کی مرضی ہے۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔

تاریخی ناول

خالد بن ولید	الماس ایم۔اے۔/200
سلطان ٹیپو شہید	الماس ایم۔اے۔/200
نواب حیدر علی خاں	الماس ایم۔اے۔/200
سلطان صلاح الدین ایوبی	الماس ایم۔اے۔/450

مکتبہ القریش اُردو بازار۔لاہور2

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"رابی واپس آگئی؟"

"نہیں۔ ابھی مزید ایک ہفتہ رُکی رہے گی۔"

"اُس سے کہہ دیجیے گا کہ اگر وہ نئی ملازمت کرنا چاہتی ہے تو میں اُس کی مدد کر سکتا ہوں۔"

"کیا مطلب؟" بہرام نے سخت لہجے میں پوچھا تھا۔

"میں ایک شخص کی سفارش لگا کر اُسے کراس گراؤنڈ میں شامل کرا سکتا ہوں۔"

دوسری کال تھیوڈیسا کی تھی۔

"تم جتنے سادہ لوح نظر آتے ہو اتنے نہیں ہو۔" تھیوڈیسا نے ہیلو کے فوراً بعد کہا تھا۔

"ہاں یہی میری زندگی کا المیہ بھی ہے۔"

"میں ویسلے پر کام کر رہی ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ کسی نہ کسی کے ہاتھ میں اُس کے خیالات بدل سکوں گی۔"

"مجھے تم سے یہی توقع تھی۔"

"کیا تم صبح جلدی اُٹھ سکتے ہو۔ یہاں تنہا۔"

"ضرور۔ کیوں نہیں۔" ٹائیگر نے بڑے خلوص کے ساتھ جواب دیا۔

✣

علی الصباح کے سورج نے فرونگ کاؤنٹی کو پکچر پوسٹ کارڈ کی مانند خوب صورت بنا دیا تھا۔ چھتوں کی رنگت اگرچہ کھپریل کے رنگ سے مختلف نہ تھی لیکن سورج نے ان چھتوں میں دل موہ لینے والا تحسن بیدار کر دیا تھا۔ گندم کی فصل سے سنہری رنگ پھوٹ رہے تھے۔ چھوٹی سی جھیل میں چاندی چمکنے لے رہی تھی اور سرسبز درختوں پر رات بھر کی شبنم موتیوں کی مانند جھلملا رہی تھی۔

ویسلے پریس کے اردگرد بھی سبزہ تھا۔ وہ کاؤنٹی کلب کے لان پر ایک بیڈ پر لیٹا ہوا تھا جس کے چھوٹے چھوٹے پہیوں نے گھاس پر گہرے نشانات ڈال دیے تھے۔ تینوں محافظ مختلف جگہوں پر چوکس کھڑے ہوئے تھے۔ کرنل اور اسلحہ کے ماہر لے اپنے پسندیدہ ہتھیار سنبھالے ہوئے تھے۔ کراسے بین کے پاس ٹوک دار نقرئی ساز تھا۔ تینوں بے قراری سے اِدھر اُدھر دیکھے جا رہے تھے۔

تھیوڈیسا پریس کے بیڈ کے ساتھ کھڑی ہوئی تھی۔ اس کے قریب گہرے رنگ والا ایسا شخص موجود تھا جس نے نہ وکٹ واسکٹ پہن رکھی تھی۔ اُس کے سر پر پگڑی کے سامنے والے حصّے میں سُرخ پتھر چمک رہا تھا۔

ٹائیگر اور اوشان وہاں پہنچے تو نہر وکٹ واسکٹ والے نے پریس کے بیڈ کا ایک حصّہ دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر اس طرح تھما دیا کہ طلوع ہونے والا سورج براہِ راست پریس کی آنکھوں پر پڑے۔

کرنل تو ٹائیگر اور اوشان کی آمد کا احساس اُس وقت تک نہیں ہوا جب تک وہ اُس کے قریب نہ پہنچ گئے اور پھر کرنل نے سب مشین گن تان لی۔

"دھیرج بھائی۔ اتنی بے صبری اچھی نہیں۔" ٹائیگر نے چہکانے والے انداز میں کہا۔ "ہم بھی تمھاری ٹیم میں شامل ہیں۔"

"مس تھیوڈیسا۔" کرنل نے آواز دی۔ تھیوڈیسا نے پلٹ کر دیکھا اور پھر مسکرا کر بولی۔ "ٹھیک ہے کرنل! انھیں آنے دو۔"

لہجے سے کرنل کی الجھن تو ہٹ گئی لیکن وہ مسلسل مشکوک انداز میں ان دونوں کو گھورتا رہا۔ اُس کا تجربہ کہتا تھا کہ ان پالی کے انداز میں آنے والے خطرناک لوگ ہوتے ہیں۔

"پگڑی والا کون ہے؟" ٹائیگر نے کرنل سے پوچھا۔

"پتا نہیں۔ شاید کوئی ہندوستانی ہوگی۔" کرنل نے جواب دیا۔ اِدھر یہی سوال ویسلے پریس بھی کر رہا تھا۔ "تھیوڈیسا! یہ ہے کون؟"

"رام چند بابا یام۔ آپ کی خدمت کے لیے حاضر ہے۔" ہندوستانی نے نرم لہجے میں جواب دیا۔

"تھیو! یہ کون ہے؟" پریس نے اُسے نظرانداز کر دیا۔

"یہ بالٹی نور کی تحریک کے سربراہ ہیں۔" تھیوڈیسا نے جواب دیا۔

"تب یہ نور میں دفتر میں چھوڑ آیا ہوں۔"

"آہ۔ بہت شاندار۔" رام چند بابا یام نے مسکرا کر کہا۔

"صاحب بہت زندہ دل انسان ہیں.... میں بھی ظرافت پسند کرتا ہوں مجھے بھگوان نے اس تحریک کا مہنت بنایا ہے صاحب۔ میں ہی وہ شخص ہوں جو بھگوان کرشنا کے بہت قریب ہے۔"

"رام چند ہماری مدد کے لیے آئے ہیں۔" تھیوڈیسا بولی۔

"ہاں۔ میں جانتا ہوں کہ اپنی مدد کے لیے آیا ہے۔" ویسلے پریس واضح طور پر اُکتایا ہوا لگ رہا تھا۔

"انھیں ایک موقع تو دو۔" تھیوڈیسا نے اصرار کیا۔

"لیکن رام چند! تکلیف تو نہیں ہوگی؟"

رام چند نے اُس کی بات پر توجہ دینے کی بجائے ویسلے پریس کی ٹانگوں سے کمبل ہٹا دیا اور ہیلمٹ کی پتلی دو درد ٹانگیں دھوپ میں چمکنے لگیں پھر رام چند نے سورج کی طرف منہ کر کے دونوں ہاتھ بلند کیے اور... منتر پڑھنے لگا۔

"یہ کیا کہہ رہا ہے لٹل فادر؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"احمقانہ باتیں کر رہا ہے۔" اوشان نے سرگوشی کر جواب دیا۔

یہ جواب غالباً رام چند نے بھی سن لیا لہٰذا وہ ہندی کے بجائے انگریزی میں منتر پڑھنے لگا۔ "ہے بھگوان۔ ذرا کرو۔ پربھو! سورج دیوتا کی عظمتوں کے صدقے.... ان ٹانگوں میں جان ڈال دو۔ کمزوری کی جگہ طاقت کو دے دو۔"

ویسلے پریس نے منہ دوسری طرف پھیر لیا۔ اُس کے چہرے پر ایسے تاثرات تھے جیسے اُس نے کسی شخص کو سانپ کھاتے ہوئے دیکھ لیا ہو۔

پھر رام چند نے دونوں ہاتھوں پر پھونک مار کر انھیں ویسلے پریس کی ٹانگوں پر رکھ دیا۔ اُس نے ایک ہی لمحے بعد ہاتھ دوبارہ سورج کی طرف اُٹھا کر انھیں ہلایا دوسرے لمحے اُس نے ٹانگیں پھر پکڑ لیں اور اس بار انھیں اتنی زور سے دبایا کہ ویسلے پریس کی چیخ نکل گئی۔ تھیوڈیسا نے فوراً اُسے بانہوں میں بھر لیا۔

"اوہ ویسلے.... تمھیں درد کا احساس ہوا نا! ٹانگوں میں حسیں بیدار ہو گئی ہیں!!"

"کیا؟" ویسلے پریس جھنجلا کر بولا۔

"محسوس کرو ویسلے..... محسوس کرو۔ تم نے اُس کے ہاتھوں کا دباؤ محسوس کیا.... اس کا مطلب یہ ہے کہ تمھاری ٹانگیں بے جان نہیں رہیں۔"

ویسلے پریس ایک لمحہ تک احمقانہ انداز میں آنکھیں جھپکاتا رہا اور پھر مسکرا کر رام چند کی طرف دیکھنے لگا لیکن اب رام چند نے منہ پھیر لیا اور سورج کی طرف دیکھ کر کچھ بڑبڑانے لگا۔ سورج اب درختوں کے اوپر پہنچ چکا تھا۔

"ہے ماتا۔" رام چند چلایا۔ "ہے ماتا۔ نور کی راہ دکھانے پر دھیلے باد۔" یہ کہہ کر وہ تھیوڈیسا کی طرف پلٹا۔ "بس۔ آج کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔"

"میری ٹانگیں۔" اب ویسلے جذباتی ہو رہا تھا۔ "ان میں جان آگئی ہے.... اُنھوں نے اس کے ہاتھوں کا دباؤ محسوس کیا ہے۔" اُس نے تینوں محافظوں کی طرف دیکھا لیکن وہ اس سے بے نیاز اس کی حفاظت کے لیے اُس کی طرف پشت کیے ہوئے اُس پاس نظر رکھے ہوئے تھے۔ تب ہی اُس کی نظر اوشان اور ٹائیگر پر پڑی۔ "میں نے اُس کے ہاتھوں کا دباؤ محسوس کیا ہے۔" اُس نے کہا۔

"ہاں ویسلے۔ ہمیں علم ہے۔" تھیوڈیسا بہت خوش تھی پھر اُس نے تینوں محافظوں کو آواز دی۔ "مسٹر ویسلے کو اب اندر لے چلو ورنہ انھیں ٹھنڈ لگ جائے گی۔" یہ کہتے ہوئے اُس نے کمبل ویسلے پریس کی ٹانگوں پر ڈال دیا۔ اسی اثنا میں تینوں محافظ آگئے اور بیڈ کو چلاتے ہوئے عمارت کی طرف لے جانے لگے۔ تھیوڈیسا بھی اُن کے پیچھے چل دی لیکن پھر رُک کر ٹائیگر سے بولی۔ "ٹانگوں میں دوڑ ختم کرنے کے لیے میں اسے گولیاں دوں گی۔"

رام چند اب بھی سورج کی طرف منہ کیے کھڑا ہوا تھا اور ٹائیگر سوچ رہا تھا کہ اگر کسی گوریلے کو پگڑی پہنا دی جائے تو وہ بھی مہنت لگنے لگے گا۔

"آپ اس سے بات کرنا پسند کریں گے لٹل فادر؟" اُس نے اوشان سے پوچھا۔

"نہیں۔" اوشان نے جواب دیا لہٰذا ٹائیگر بھی تھیوڈیسا کے پیچھے چل دیا۔ اوشان نے اُس کی اور رام چند نے اوشان کی تقلید کی۔ وہ محافظوں کے قریب سے گزرے جو اب ہال میں ویسلے کے کمرے کے سامنے کھڑے ہوئے تھے اور جب اوشان، ٹائیگر اور رام چند کمرے میں داخل ہوئے تو ویسلے رام چند کو دیکھ کر مسکرانے لگا۔ جونہی اُس کی نظر ٹائیگر اور اوشان پر پڑی تو وہ منہ بنا کر رہ گیا۔

"گرو۔" ویسلے نے رام چند سے کہا۔ "میں آپ کا شکریہ کس طرح ادا کروں، آپ نے مجھے زندگی کی روشنی دکھائی ہے۔"

"میں تو کچھ بھی نہیں۔" رام چند نے انکسار سے کام لیا۔

"میں تو صرف ایک ذریعہ ہوں جس کے توسط سے سورج کی قوت منتقل ہوتی ہے۔"

"یہ محض فراڈ ہے۔" اوشان نے ٹائیگر سے کہا۔ "کچھ دیر بعد یہ دعویٰ بھی کر سکتا ہے کہ یہ خود ہی سورج کا منبع ہے۔"

"سورج ہی منبع و مرجع ہے۔" رام چند کہتا رہا۔ "اور میں صرف وہ راستہ ہوں جس کے ذریعے اُس کی قوت سفر کرتی ہے۔"

"لیکن اس میں انکسار آپ سے زیادہ ہے۔" ٹائیگر نے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

اوشان سے کہا۔

"ہونا بھی چاہیے۔"

"میری ہر چیز آپ کی ہے گرو۔" ویسلے پریس واضح طور پر رام چند سے متاثر ہو چکا تھا۔ اس پر گرو مسکرانے لگا۔۔۔ ٹائیگر کو یوں لگا جیسے رام چند ویسلے کو احمق بنا کر مسکرا رہا ہو۔

"سورج ویوما آپ کی تکمیل کر دے گا۔" رام چند نے بڑی شفقت سے کہا۔ "سورج ہر کام کر سکتا ہے، اور اس کی برکتیں ہر ایک کے لیے ہیں۔ کیا آپ ان برکتوں میں دوسروں کو شریک نہیں کریں گے۔"

"کیا؟" ویسلے پریس ایک لمحہ کے لیے گنگ سا رہ گیا اور پھر سر سراتے ہوئے لہجے میں بولا۔ "شمسی توانائی؟"

"ہاں۔" رام چند نے مہربانی کر جواب دیا۔ "سورج آپ کو صحت مند بنا دے گا۔ زندگی کے لیے ہر مشن کی تکمیل کے لیے تیار کرے گا اور اب آپ کا مشن یہ ہونا چاہیے کہ انسانوں کی بہبود کے لیے سورج اور اس کی توانائی کا استعمال کیا جائے۔ یہی میری خواہش ہے۔"

"بس!!"

"ہاں۔" رام چند نے مسکرا کر کہا۔ "ویسے آپ کی گھڑی بھی بہت چمک دار اور خوب صورت ہے۔"

ویسلے پریس نے فوراً ہی کلائی سے گھڑی اتاری اور وہ پل بھر میں رام چند کے بھاری بھرکم ہاتھ میں منتقل ہو گئی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ تھیوڈیسا کے چہرے پر برہمی کے تاثرات نے جنم لیا تھا۔

"کیا میری ٹانگیں ٹھیک ہونے کا امکان ہے گرو؟" ویسلے پریس نے پوچھا۔

"امکان نہیں یقین ہے۔" رام چند بولا۔

"میری ٹانگیں ایک بار پھر چھو کر دیکھیں۔"

"نہیں آج نہیں۔" رام چند نے انکار کر دیا۔ "کیا آپ کو یہ نہیں معلوم کہ سورج بھی درخت کی نشو و نما کے لیے خاصا وقت لیتا ہے۔"

"شاندار۔" ٹائیگر نے اوشان کے کان میں سرگوشی کی۔ "بہت اچھا جملہ ہے۔ آپ اسے کہیں لکھ کر رکھ لیں تاکہ مستقبل میں کبھی استعمال کر سکیں۔"

اوشان ٹائیگر کو گھورنے لگا۔ ویسلے پریس اب بھی رام چند کو دیکھ رہا تھا۔ "ٹھیک ہے گرو" اور پھر وہ تھیوڈیسا کی طرف پلٹا

"تھیو! سولر انرجی پروجیکٹ ترک نہیں کیا جائے گا اور اگر میں صحت یاب۔۔۔"

"اور جب آپ صحت یاب ہو گئے۔" رام چند نے تصحیح کی۔

"ہاں۔" رام چند کی اس بات پر ویسلے مسکرا اٹھا اور جب میں صحت یاب ہو جاؤں گا تو زندگی بھر سورج کی خدمت کروں گا اس کے بارے میں فلمیں بناؤں گا۔ ممکن ہے کہ میں سورج سے متعلق کوئی جنسی اور فحش فلم بنانے کی بجائے صاف ستھری فلم بنا سکوں کیوں کہ اس گرل کی جگہ سن گرلز لے لیں گی اور میرے کلب فحش پسندوں کے نہیں شریف خاندانوں کے مراکز بن جائیں گے جہاں بچے بھی آئیں گے اور جہاں۔۔۔"

ویسلے پریس کی آواز مدھم ہوتی گئی اور پھر اس نے آنکھیں موند لیں۔ اس کے چہرے پر عجیب سی اور خوشگوار مسکراہٹ تھی۔

"گرو۔" تھیوڈیسا نے رام چند کی طرف دیکھا۔ "آپ جب تک چاہیں یہاں قیام کریں۔"

"شکریہ برہمند ناری۔" رام چند بولا۔

"یہ فراڈ ہے۔" اوشان نے ٹائیگر کو بتایا۔

❁

احساس تحفظ کا مطلب یہ بھی ہوتا ہے کہ جب باس کسی کو طلب کرے تو ملازم خوف زدہ نہ ہو۔ یہ سوچ دل بوبن کے ذہن میں اس وقت سے پیدا ہوئی تھی جب اسے طلب کیا گیا تھا اور اب بوبن یہی سوچتا ہوا سیٹلی بجاتا ہوا، ڈائریکٹر آف کمیونٹی ریلیشنز فاروی نیشنل فوسل فیول انسٹی ٹیوٹ کمرے کی طرف جا رہا تھا۔ اسے کسی قسم کا خوف نہ تھا اور اس کی ملازمت مزید مستحکم ہو گئی تھی۔ اسے یہ استحکام حاصل کرنے میں کافی عرصہ لگ گیا تھا۔ جب وہ پہلی مرتبہ یہاں ملازمت کے لیے آیا تھا تو اس کا مقصد یہ تھا کہ کوئلے اور تیل کی صنعت کو عوام میں مقبول بنائے گا۔ لہٰذا جب بھی وہ ٹی وی پر پیش ہوا اس نے مسکراہٹ سجائے رکھی، مخالفین کے اعتراضات دخل دیے بغیر پورے کے پورے سنے اور ان کا مدلل و مؤثر جواب دیا اس کے یہ جواب ایسے ہوتے تھے کہ لوگ اس کے مخالفین پر ہنس پڑتے تھے۔ اسے یقین تھا کہ اس کی یہ کارکردگی اوپر والے نوٹ کرتے رہتے ہیں۔ جب بھی کسی کمپنی کا صدر مرتا تھا تو نہ جانے کیوں اسے یہ یقین ہوتا کہ اوپر والے اسے دونوں ہاتھ سے چھپٹ کر اوپر لے جائیں گے اور صدر بنا دیں گے پھر وہ انھیں بتلائے گا کہ کس آئل کمپنی کو کس طرح چلایا جاتا ہے، منافع کس طرح بڑھتا ہے اور عوام کی خواہشات کے مطابق کس انداز میں بہتر کام ہو

سکتا ہے۔ لیکن ایسا کبھی نہیں ہوا کہ اسے صدر بنانے کی تجویز بھی رکھی گئی ہو اور جوں جوں وقت گزرتا رہا بوبن کو یہ یقین ہوتا گیا کہ لوگوں نے کبھی سنجیدگی سے اس کی صلاحیتوں پر غور نہیں کیا اس کا اپنا باس بھی اس کے بارے میں زیادہ دلچسپی نہیں لیتا تھا اور جب بھی اس نے کوئی تجویز پیش کی تو باس نے کوئی رپورٹ اٹھاتے ہوئے کہا۔ "بات تو دلچسپ ہے، اگر تمہیں وقت ملے تو مجھے ایک میمو لکھ بھیج دینا بوبن۔"

ایک روز جب اسے اس کمپنی میں آئے ہوئے دس برس گزر گئے تھے اس نے حالات کا جائزہ لیا تب ہی اسے احساس ہوا کہ اس کے ساتھ آنے والے لوگ عمارت کی بالائی منزل پر پہنچ گئے ہیں جبکہ وہ ابھی تک فرسٹ فلور ہی پر ہے۔ اس نے ان کا تجزیہ کیا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ وہ سب کے سب ایسے احمق ہیں جن کو صرف فوسل فیول انڈسٹری کے بارے میں معلوم ہے جبکہ وہ خود دانشور بھی ہے اس کے باوجود وہ لوگ ایسے پچاس ہزار ڈالر سالانہ کما رہے ہیں اور ان کی مسلسل ترقیاں جاری ہیں۔ خود اس کی حالت یہ تھی کہ گھر رہن رکھا ہوا تھا۔ بچوں کی فیس کی ادائیگی اُدھار لے کر کی جاتی تھی وہ بہت دیر تک سوچتا رہا اور پھر اس نتیجے پر پہنچا کہ اس میں نیچرل انڈسٹری کا قصور نہیں۔ حکومت نے اس صنعت پر اتنا ٹیکس لگا رکھا ہے کہ اس کی ترقی کے لیے گنجائش ہی نہیں رہتی، سارا فن کا بھی قصور ہے جو بجلی کے بل ادا نہیں کرتے ... یہی وہ مرحلہ تھا جہاں سے بوبن کے لہجے میں نرمی کی جگہ تلخی نے لے لی، اس کا انداز جارحانہ ہو گیا اور ٹی وی شوز میں اس کی آواز اونچی ہوتی گئی۔

تب ہی معاً اسے ترقیاں ملنے لگیں۔ تنخواہ میں اضافہ ہونے لگا۔ ان ترقیوں سے حوصلہ پا کر اس نے ممکنہ افسران کی ذہنی صلاحیتوں کی آزمائش کا پروگرام وضع کیا۔

"مگر اس کا مقصد کیا ہوگا؟" اس کے باس نے پوچھا تھا۔

"مقصد؟" بوبن کی مسکراہٹ ایسی تھی جیسے وہ کسی بچے کے سوال کا جواب دینے والا ہو۔ "مقصد صرف یہ ہے کہ ہماری کمپنی کا انتظام چلانے کے لیے ناموزوں افراد نہ آئیں۔"

"غلط اور ناموزوں افراد کیسے ہوتے ہیں؟"

"جیسے پہلے میں تھا۔" بوبن نے جواب دیا۔ اس بار بھی اس کی مسکراہٹ دانشورانہ تھی۔

"ٹھیک ہے۔" باس نے ہنس کر جواب دیا یوں بوبن کو اسکریننگ پروگرام کے لیے گرین سگنل مل گیا۔

فلم بنانے کے لیے اس نے ماڈل استعمال کیے اور پھر لائف سائز پتلے جن کے اوپر برف رکھ دی گئی تھی۔ اس نے فلم میں حقیقت کا رنگ بھرنے کے لیے تمام ٹیکنیشنوں کو ہر وقت پریشان کیا۔ وہ فلم میں حقیقت دکھانے کے لیے اتنا بے چین تھا کہ اس نے ایک بوڑھے جوڑے سے خودکشی کا معاہدہ کرنے پر بھی غور کیا اور ساتھ ہی بھاری معاشے کی پیشکش بھی کی لیکن بوڑھا جوڑا بہت شائستہ ہوا، بڈھے بڑھیا نے اسے کئی گالیاں دیں اور اس کے بعد کہا کہ جب ہم ہی مر جائیں گے تو پھر معاوضہ کون لے گا؟

اب جبکہ یہ پروجیکٹ کامیاب ہو گیا تھا اور باس کی طرف سے طلبی بھی ہوئی تھی تو بوبن اپنی ترقی کے بارے میں پوری طرح مطمئن تھا۔ وہ مسکراتا ہوا باس کے کمرے میں گیا لیکن پھر اس کا چہرہ دیکھ کر اسے سنجیدہ ہونا پڑا۔

"بوبن! تم نے دیکھا کہ وہ خبیث کیا کر رہا ہے؟" باس نے انتہائی ترش لہجے میں پوچھا۔

"آپ کس خبیث کی بات کر رہے ہیں سر؟"

ویسلے پریس کی۔" باس دانت پیس کر بولا۔ بوبن کا باس دراز قد بلکہ لحیم شحیم شخص تھا اس کی انگلیوں تک پر بال تھے اور اس وقت ان بال بھری انگلیوں میں نیویارک ٹائمز کا تازہ شمارہ تھا۔

مشہور سلسلہ
سرکش
محمود احمد مودی کے ایڈونچرس قلم سے 12 حصوں میں شائع ہو گیا ہے
قیمت فی حصہ -/60 روپے
مکمل سیٹ -/720 روپے
ناشر
مکتبہ القریش
سرکلر روڈ، اردو بازار لاہور فون ۷۶۶۸۹۵۸

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"وہ شمسی توانائی کے پروجیکٹ کو ترک کرنے کا ارادہ ترک کر چکا ہے۔" باس نے کہا۔

"جی ہاں۔ میں یہ خبر پڑھ چکا ہوں۔"

"تو پھر؟"

"تو پھر کیا؟"

"کیا؟ میں آپ کا مطلب نہیں سمجھ سکا۔"

"تم نے کہا تھا کہ تم اس مسئلے سے نمٹ سکتے ہو۔ باس جھلا کر بولا۔

"یس سر۔" بوبن نے سر جھٹک کر جواب دیا۔

"تب پھر اس مسئلے سے نمٹو بوبن!" باس کا لہجہ خطرناک تھا۔ "اس کاروبار میں ایسے لوگوں کی قطعی گنجائش نہیں جو اپنے فرائض ادا نہ کر سکیں۔ سمجھ گئے؟"

"یس سر۔" بوبن کا دل ڈوبنے لگا۔ باس نے انتہائی درشت انداز میں اسے جانے کی اجازت دی تو وہ تقریباً لڑکھڑاتے ہوئے قدموں سے باہر آ گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیا فحش کتابوں، رسالوں اور جرائد کا ایک پبلشر میری زندگی اور کیریئر کو تباہ کر دے گا؟ ... اگر بات میرے مستقبل اور ویلے پریس کی زندگی میں سے کسی ایک کی ہے تو پھر... ویلے پریس کو زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں۔

❁

قاتل فرونگ کا ونٹی گولف کلب کے عقب میں درختوں کے پیچھے کھڑا ہوا تھا۔ وہ پستہ قامت تھا۔ اس نے خاکی پتلون اور جیکٹ پہن رکھی تھی اور ہاتھوں سے یہی اندازہ ہو رہا تھا کہ اس کی جلد کی رنگت بھی قمیص کی رنگت کی طرح ہے۔

اس وقت اس کی ساری توجہ ایک گلہری پر تھی جو ایک درخت پر دوڑ رہی تھی۔ گلہری ایک فٹ دور تک گئی اور پھر رک گئی۔ اس کی اٹھی ہوئی دم ہلتی رہی چند لمحے بعد وہ پھر بھاگنے لگی۔

قاتل نے جھک کر ایک چھوٹا سا پتھر اٹھایا۔ اسے فضا میں دس فٹ تک اچھالا۔ پتھر اوپر گیا۔ تنے پر اس جگہ لگا جس کے قریب مگر دوسری طرف گلہری موجود تھی اور پتھر کے نیچے گرنے سے قبل ہی گلہری بجلی کی طرح دوڑ گئی۔ اب وہ نیچے اتر رہی تھی۔ گلہری زمین پر آئی اور صرف دو فٹ دور ایک موٹے تنے والے درخت پر چڑھنے لگی۔

اسی لمحے قاتل کا ہاتھ بہت سرعت سے اس سیاہ چرمی بیلٹ تک گیا جو اس نے کمر کے گرد لپیٹ رکھی تھی پھر اس نے اپنی کمر کے قریب سے مُڑخ دستے والا چاقو نکال کر فضا میں پھینک دیا۔

چاقو نے فضا میں بہت تیزی سے نصف دائرہ بنایا اور پھر گلہری کی دُم میں پیوست ہو گیا۔ چاقو دُم میں پیوست ہونے کے بعد تنے میں بھی گھستا چلا گیا۔ گلہری نے اوپر چڑھنے کی کوشش کی لیکن اب وہ اپنی جگہ سے ہل بھی نہیں سکتی تھی۔ تب ہی اس نے عجیب سی چیخ ماری۔ یہ چیخ سیکنڈ کے ہزارویں حصے پر محیط تھی۔ قاتل کا بایاں ہاتھ اب کمر پر تھا۔ اس نے وہاں سے ایک اور چاقو نکالا اور بائیں ہاتھ ہی سے گلہری کی طرف پھینکا۔ اس بار بھی چاقو نے نصف دائرہ بنایا اور پھر گلہری کے جسم میں پیوست ہو گیا۔ اس بار گلہری اگرچہ بچی بھی تو اس کی آواز نہ نکلی۔ قاتل مسکرانے لگا اس نے آگے بڑھ کر اپنے دونوں چاقو نکالے، انھیں صاف کیا اور اس بیلٹ میں واپس رکھ لیا جس میں مزید چار چاقو لگے ہوئے تھے۔

قاتل کی یہ مسکراہٹ بہرحال مسرت بھری نہ تھی۔ آج اس نے تیسری گلہری شکار کی تھی اور اسے یہ خوف تھا کہ اس کے امداد جن سے اسے چاقو زنی کا فن ورثے میں ملا تھا یہ دیکھ کر کتنے پریشان ہو رہے ہوں گے کہ وہ اس فن کا مظاہرہ بے زبان جانوروں پر کر رہا ہے۔ تاہم ویلے پریس کے معاملے کے بعد بھی وہ مطمئن نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ ویلے پریس کی ٹانگیں مفلوج تھیں اور وہ "مقابلے" کا آدمی نہ تھا۔

اس کا دل اس وقت صرف یہ چاہ رہا تھا کہ اسے اس کی ٹکر کا آدمی ملے اور اس کے خلاف اپنے فن کا مظاہرہ کر کے اجداد کی روحوں کو خوش کر سکے لیکن یہ المیہ تھا... کہ اسے کسی ایسے عظیم قاتل کا پتا نہیں معلوم تھا جو ٹکر کا ہو... وہ ایسا مقابلہ چاہتا تھا جہاں دوسرے نمبر پر آنے کا مطلب صرف موت ہوتا ہے۔

❁

مظاہرہ آئے تو ویلے پریس محوِ خواب تھا۔

پادری ہلکی نیلے فراک کوٹ، قمیص، اٹھی ہوئی کالر اور ٹائی میں ملبوس تھا۔ ٹائی کا نچلا حصہ اگلے حصے سے لمبا تھا اس کے عقب میں چالیس افراد تھے ان میں سے بیشتر کے ہاتھوں میں بینر تھے جن پر لکھا تھا "صدیوں کا پتھر"۔

"اس کا مطلب کیا ہوا؟" ٹائیگر نے تھیوڈیسا سے پوچھا۔ وہ اس وقت کھڑکی سے لگا ہوا کھڑا تھا۔ تھیوڈیسا اس کے قریب آئی اور بالکل لگ کر کھڑی ہو گئی۔

"کس کا مطلب؟" اس نے پوچھا۔

"وہ بینر دیکھو۔"

"ذرا وضاحت کرو۔" تھیوڈیسا اور قریب آ گئی۔

"صدیوں کے پتھر سے کیا مراد ہے؟" ٹائیگر نے پوچھا۔ اسی لمحے ویلے پریس کی آنکھ بھی کھل گئی۔

"کیا ہو رہا ہے؟" اس نے ان دونوں کو قریب کھڑے ہوئے دیکھ کر شکوک لہجے میں پوچھا۔

"رقاصائیں آپکی ہیں۔" ٹائیگر نے مسکرا کر جواب دیا۔

"تب پھر انھیں بھگا دو۔ میں سو رہا ہوں۔" پریس نے جواب دیا۔ ویسے اب اسے بھی نعروں کی آوازیں سنائی دینے لگی تھیں۔

"انھیں کون لایا ہے؟" چند لمحوں بعد ویلے پریس نے نیند سے بھری ہوئی آواز میں پوچھا۔

"شاید ریورنڈ بلکی ہے۔" تھیوڈیسا بولی۔ "وہی جو خود کو کیلی فورنیا میں بائبل کا حافظ قرار دیتا ہے۔" وہ یہ کہتے ہوئے بھی ٹائیگر سے دور نہ ہوئی تھی۔

"چلو ٹھیک ہے۔ کم از کم وہ مخنوں عورتیں تو نہیں ہیں جو خود گناہ کرتی ہیں اور رسالوں پر اعتراض۔" ویلے پریس نے یہ کہہ کر تکیے پر رکھا اور آنکھیں بند کر لیں۔

"مگر یہ پادری یہاں کیوں آیا ہے؟" ٹائیگر نے تھیوڈیسا سے پوچھا جس کی آنکھوں میں خمار لہریں لے رہا تھا۔

"اسے۔" تھیوڈیسا کی آواز بھاری تھی۔ "ان تیل کمپنیوں نے خرید رکھا ہے جو ہماری مخالفت کر رہی ہیں۔ شاید یہاں ہونے والے ہر واقعے میں تیل کمپنیاں ہی ملوث ہیں۔"

ویلے پریس نے بھی کچھ کہا مگر اس کی بات سمجھ میں نہ آ سکی۔

"کیا کہا ڈارلنگ؟" تھیوڈیسا نے پوچھا۔

"سی آئی اے۔" جواب ٹائیگر نے دیا۔

"کیا مطلب؟"

"ویلے نے سی آئی اے کا نام لیا ہے۔" ٹائیگر نے کہا۔

گھنی زلفوں والی تھیوڈیسا نے سر ہلایا تو اس کے بال ٹائیگر کے شانوں پر بکھر گئے۔ "گراس نے ایک مرتبہ سی آئی اے کے جلادوں کے بارے میں ایک مضمون چھاپا تھا اس کے بعد سے ویلے پریس کو یقین ہو گیا ہے کہ سی آئی اے اس کے پیچھے پڑ گئی ہے، اگر کوئی درزی اس کی قمیص میں بٹن لگانا بھول جائے تو وہ اسے بھی سی آئی اے کی کارستانی قرار دیتا ہے۔"

"ویسے سی آئی اے ڈائے کام بھی ایسے کرتے ہیں۔"

"لیکن انھیں ویلے سے بہتر ٹارگٹ مل سکتا ہے۔"

"ہاں، لیکن مسئلہ یہ ہے کہ ان کے پاس اتنے لوگ ہیں کہ وہ ہر ایرے غیرے کو ٹارگٹ بنا لیتے ہیں تاکہ مصروف نظر آئیں۔"

اُدھر نیچے مناجات نے نعروں کی شکل اختیار کر لی۔

"ایک دو۔"

"پریس کو دھکا دو۔"

"تین چار۔ گراس کے آر پار۔" یہ نعرے جاری رہے اور پھر تھیوڈیسا کو بھی غصہ آ گیا۔ "بس۔ بہت ہو گیا۔ اب میں پولیس کو بلا لوں گی۔"

"نہیں رہنے دو۔ میں انھیں بھگا سکتا ہوں۔" ٹائیگر یہ کہہ کر نیچے جانے کے لیے زینے کی طرف بڑھ گیا پھر وہ فرنٹ اسٹیپ پر کھڑا ہو کر ریورنڈ بلکی کا انتظار کرنے لگا جو عمارت کے گرد چکر لگا رہا تھا۔

"یہ نعرہ تو بہت اچھا ہے مادام۔" ٹائیگر نے ایک موٹی سی عورت کو دیکھ کر کہا جس کے بینر پر لکھا تھا "ہم ٹیکس میں کمی کی رشوت لے کر ضمیر نہیں بیچیں گے۔"

"واقعی؟" بوڑھی موٹی اور بدصورت عورت کا چہرہ کھل اٹھا۔

"ہاں۔ سب سے بہترین بینر یہی ہے۔"

"تب پھر شاید اس بینر کو دیکھ کر ویلے پریس یہاں سے

مشہور سلسلہ

سرکش

محمود احمد مودی کے ایڈونچرس قلم سے 12 حصوں میں شائع ہو گیا ہے

قیمت فی حصہ -/60 روپے

مکمل سیٹ -/720 روپے

ناشر

مکتبہ القریش

سرکلر روڈ، اردو بازار لاہور فون ۶۶۸۹۵۸

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

دفعان ہو جائے گا۔"

"نہیں۔ بھلا ان مظاہروں سے کیا حاصل ہوگا۔ بس اتنا ہوگا کہ تمھاری تصویر ٹی وی پر آجائے گی۔"

"اوہ۔ ٹی وی۔" عورت نے قدرے اپنے بکھرے ہوئے بال ٹھیک کیے۔ "بالکل۔ اور اس مظاہرے کی فلم بنے تو ہمارا کردار بھی نظر آئے گا۔"

"ارے واہ۔ تم ان ہی میں سے ہو نا۔" عورت بہت مسرور تھی اور یہ کہتے ہوئے وہ عمارت کی طرف اشارہ بھی کر رہی تھی۔

"شاید۔" ٹائیگر نے جواب دیا اور موٹی عورت سے پیچھا چھڑا لیا کیونکہ اس نے پادری کو آتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ پادری اس طرح ہاتھ ہلا رہا تھا جیسے کسی ہیڈ کو ہدایات دے رہا ہو۔ یہ ہاتھ دراصل نعروں پر ہل رہے تھے۔ ٹائیگر سوچنے لگا کہ اگر یہ شخص داڑھی رکھ لے تو ہو بہو لگھو لگے گا۔ جونہی وہ سیڑھیوں کے قریب آیا، ٹائیگر بھی سڑک پر اتر کر اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ تب ہی ہلکی کی نظر اس پر پڑی۔

"خوش آمدید میرے بچے! مگر تمھارا بینر کہاں ہے؟" پادری نے پوچھا۔

"میرے پاس کوئی بینر نہیں۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ "سنو۔ اوپر ایک علیل شخص سو رہا ہے۔ تمھیں خواہ اس سے نفرت ہو یا عداوت لیکن یہ امر واقعہ ہے کہ وہ بیمار ہے۔ میرا خیال ہے کہ تم یہاں سے چلے جاؤ تاکہ وہ آرام کر سکے۔"

"آہ۔ شیطان۔" ریورنڈ ہلکی نے مسکرا کر کہا۔ "یہ خداوند کی منشا ہے کہ وہ بیمار رہے اور یہ خداوند ہی کی منشا ہے کہ ہم یہاں ہیں۔" اس کی آواز مضبوط تھی لیکن ٹائیگر نے دیکھا کہ اس کی آنکھیں سپاٹ اور بے تاثر ہیں۔ غالباً وہ رٹے ہوئے جملے ادا کر رہا تھا۔

"مجھے گفتگو کا موقع ملنے پر مسرت ہے۔" ٹائیگر نے جواب دیا اور ساتھ ہی اس کا ہاتھ تھام کر دو انگلیوں کے درمیان والا گوشت دبایا۔ "مجھے افسوس ہے کہ میں تمھیں قائل نہیں کر سکوں گا۔"

"اُف۔" ہلکی کراہنے لگا اور پھر فوراً بولا۔ "لیکن میں تمھیں یقین دلاتا ہوں کہ عیسائیت زیادتی کا جواب مسکراہٹ سے دیتی ہے۔"

"اب تم ایک محاذ کے بعد دوسرے محاذ کی بات کرو گے۔"

"ہاں۔" ہلکی نے جواب دیا۔ ویسے اب وہ کشاں کشاں ٹائیگر کے ساتھ عمارت سے دور ہو رہا تھا اور مظاہرین بھی ان کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔ گوشت پر دباؤ بڑھتا جا رہا تھا۔

"اب یہاں سے دُور چلے جاؤ۔" ٹائیگر نے ایک جگہ رُک کر کہا۔

"ضرور۔ میں تمھاری درخواست قبول کرتا ہوں۔"

"قبول کر لینا ہی دانشمندی ہے ریورنڈ! چلو اعلان کرو۔" ٹائیگر نے اصرار کیا جس کے بعد ہلکی نے اعلان کیا۔

"بچو! ہم نے اپنا کام مکمل کر لیا۔"

ہجوم میں سے کچھ آوازیں آئیں۔

"مگر ابھی ٹی وی والے بھی نہیں آئے۔" موٹی عورت چلائی۔

"ہمیں اپنے گھروں کو واپس جا کر اس شیطان کے لیے دعا کرنی چاہیے۔" ریورنڈ ہلکی نے کہا۔

"اس کے گھر کو آگ لگا دو۔ کوئی اور چلایا۔

"نہیں۔" ہلکی زور سے چلایا۔ "ہرگز نہیں۔ مسیحا کا پیرو سب کو فتح کرے گا۔ ہماری دُعائیں ہی شعلے ثابت ہوں گی۔ یہ نفاست، دیانت کی آگ جلائیں گی جو خبیث دیسلے کے دل میں بھی روشنی پیدا کر دے گی۔"

"شاندار۔" ٹائیگر مسکرا کر بولا۔

"کیا تم کل یہاں ملو گے؟"

"ضرور۔ میں ہر روز ملوں گا۔" ٹائیگر نے اسے خبردار کرنے والے انداز میں جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔ اب تو ہاتھ چھوڑ دو۔"

"بشرطیکہ تم مزید نعرے بازی نہ کرنے کا وعدہ کرو۔" ہلکی نے اثبات میں سر کو جنبش دی تو ٹائیگر نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا اور ریورنڈ مایوس مظاہرین کو لے کر عمارت سے دُور ہونے لگا۔

فولنگ کاؤنٹی ائرپورٹ پر اس روز شام ہونے سے قبل ہی سولر ہیٹنگ کی مشینری کی پہلی کھیپ پہنچی۔ مال بردار طیارے کی آمد کے وقت دیسلے پریس خود ہوائی اڈے پر موجود تھا اور اس نے ضد کر کے رام چند کو بھی ساتھ لے لیا تھا۔ وہ ایک ایمبولینس میں ائرپورٹ تک آیا تھا اور پھر ایمبولینس سے وھیل چیئر پر بٹھانے میں رام چند نے اس کی مدد کی تھی۔

ڈائنپورٹ طیارے کے ذریعے سولر پینل کے دس فٹ اونچے چار حصے طیارے سے اُتارے جانے کے بعد رن وے کے نزدیک حصے میں لفٹوں پر رکھے ہوئے تھے۔ ہینگر کی تمام لائٹیں روشن تھیں۔

"یہ تو مجھے کانٹھ کباڑ لگ رہا ہے۔" پریس نے تھیوڈیسا سے کہا۔ "یہ کام کس طرح کرتا ہے؟"

"سورج ان سیکڑوں سوراخوں اور دائروں پر گرتا ہے جو تمھیں وہاں سے جال کی شکل میں نظر آ رہے ہیں۔" تھیوڈیسا نے جواب دیا۔ "یہ جال حرارت جذب کر کے نیچے ان پائپوں کو منتقل کر دیتا ہے جن میں پانی ہوتا ہے۔ پھر یہ پانی ریڈی ایٹر وغیرہ میں گردش کر کے گھروں کو گرم رکھتا ہے۔" تھیوڈیسا نے یہ کہہ کر ایک لمحہ توقف کیا اور پھر مشینری کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ "یہ تو سامان کی پہلی قسط ہے دیسلے۔" اس وقت وہ دیسلے کی وھیل چیئر کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی جبکہ رام چند کرسی کو دھکیل رہا تھا۔ ٹائیگر کی نظریں تھیوڈیسا کے پیروں پر تھیں جو بُوٹ اور چست تھے۔ اوشان ٹائیگر کے ساتھ تھا اور اس کی نظریں تاریکی میں اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھیں۔

رام چند نے شمسی توانائی کے سامان کے قریب صرف پانچ فٹ دُور وھیل چیئر روک کر اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر انتہائی بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "دیکھا صاحب! سانس بھی سورج کو سلام کرتی ہے۔" ٹائیگر کے لیے یہ سب کچھ محض پلاسٹک تھا۔

تھیوڈیسا نے رام چند کی جگہ لے لی اور وھیل چیئر کو دھکیلتی ہوئی سامان سے دُور لے جانے لگی۔

"رام چند۔" اس نے تیز آواز میں گردبی سے کہا۔ "اس سامان سے دُور رہو۔ یہ قہر پر گر بھی سکتا ہے۔"

جواب میں رام چند مشفقانہ انداز سے مسکرا دیا۔ "آپ فکر نہ کریں بس۔ میں بہت پھرتیلا اور..."

"میں کہتی ہوں کہ سامان سے دُور رہو۔" تھیوڈیسا نے اس بار تلخ لہجے میں کہا۔ "زخمی ہو گئے تو سارا پھرتیلا پن نکل جائے گا۔" ساتھ ہی ساتھ وہ وھیل چیئر کو چلاتی بھی رہی۔ اب وہ سامان کے ڈھیر سے بیس فٹ دُور جا چکی تھی۔ تب رام چند بھی شانے اُچکا کر وہاں سے چل دیا۔

ٹائیگر اوشان سے کچھ کہنے کے لیے پلٹا لیکن پھر معاً رُک گیا کیونکہ اس کی سماعت گھنٹیاں بجا رہی تھی۔

اوشان بھی یہ آواز سن چکا تھا اس نے سُرسراہٹ کر لیا تھا۔ ٹائیگر کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ اوشان تھیوڈیسا کی طرف لپکا۔ بس ایسا لگا تھا جیسے سمندر کی کوئی لہر ایک جگہ سے دوسری جگہ جا رہی ہو۔ اس کی رفتار ناقابلِ یقین تھی۔ تب ہی ٹائیگر کو احساس ہوا کہ وہ جس آواز کو سن کر چونکا تھا وہ کس چیز کی آواز تھی۔

یہ آواز پلاسٹک کے پگھلنے کی تھی۔

وہ اوشان کے پیچھے لپکا جس نے زقند بھر لی تھی اور جو وھیل چیئر کو بہت تیزی سے ہینگر کی طرف لے جا رہا تھا۔ ٹائیگر نے بھی تھیوڈیسا کو ایک کندھے پر اور رام چند کو دوسرے کندھے پر ڈال کر دوڑ لگا دی۔ وہ جب انھیں ہینگر میں لے کر پہنچا تو اوشان، معذور دیسلے کے جسم کے سامنے ڈھال بنا ہوا تھا۔

یہ سب کچھ محض ایک سیکنڈ میں ہو گیا تھا پھر آواز آنا بند ہو گئی تھی اور اس کے فوراً بعد دھماکا ہوا تھا۔ پلاسٹک گلاس کا ڈھیر کسی کھلونے کی طرح اُڑا تھا، ہر طرف اس کے ٹکڑے اُڑنے اور تیرنے لگے تھے اور ٹائیگر کو احساس ہوا تھا کہ درجۂ حرارت اچانک

ٹائیگر کی کوچوں میں ہونے والا تماشا، آہن و سنگ
شرارت سے بھرپور گردابوں کی داستان، ہر رنگ
سرکش
محمود احمد مودی
کے ایڈونچرس قلم سے
12 حصوں میں شائع ہو گیا ہے
قیمت مکمل سیٹ -/720 روپے
مکتبہ القریش، سرکلر روڈ، اردو بازار
لاہور، فون: ۷۶۶۸۹۵۸

Scanned And Uploaded By Muhammad Waleem

ہی بڑھ گیا۔ اس سے قبل کہ یہ جلتے ہوئے اور تیز دھار ٹکڑے ان کے پیوست ہوتے یا ان کے کپڑوں میں آگ لگاتے وہ ہینگر کی دیوار کے پیچھے جا چکے تھے۔ پھر دو سراسیمہ دھماکا ہوا جس کے باعث ہینگر کا ایک حصہ متاثر ہوا۔ اوشان نے اس طرح سر ہلا دیا جیسے وہ پودوں کو پانی دینے کے بعد ان کی نشوونما سے خوش ہو رہا ہو۔

شیشے، کانچ اور پلاسٹک کے ٹکڑے میزائلوں کی طرح گرتے رہے۔ بھیڑیا سے کے چہرے سے ایسا لگ رہا تھا جیسے اسے سکتہ ہو گیا ہے۔ رام چند ایک طرف سکڑا ہوا بیٹھا تھا جب کہ ویسلے پریس کے چہرے پر غصہ تھا۔

"یہ سب کیا ہے؟" اس نے گرج کر پوچھا۔

"بوم۔" اوشان نے جواب دیا۔

"بم۔" ٹائیگر نے وضاحت کی۔

"لیکن بذات آئل کینیاں۔" بھیڑیا سے کی آنکھوں میں آنسو جھلملا رہے تھے۔ ویسے اب وہ سکتے کی کیفیت سے نکل آئی تھی اور اس کی آنکھیں رن وے پر تھیں جو ہزاروں ٹکڑوں میں چھپ گیا تھا۔ پلیکسی گلاس کے یہ ٹکڑے چمک بھی رہے تھے۔ ہوائی اڈے کے کارکنوں میں افراتفری پھیل چکی تھی۔

"چلو۔ یہاں سے چلو۔" ویسلے پریس نے کانپتے ہوئے کہا۔

"بب۔ باہر... اب تو خطرہ نہیں۔" رام چند نے پسینہ پونچھتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں۔ اب کوئی خطرہ نہیں۔" بھیڑیا سے غرائی اور یہ سن کر رام چند بگٹٹ بھاگ کر ایمبولینس میں گھس گیا۔

اوشان نے ٹائیگر کو معنی خیز انداز میں دیکھا۔

"بہت قریب سے گزری ہے۔" ٹائیگر نے کہا۔ اس نے اس جملے سے قبل لفظ موت استعمال نہیں کیا۔

"ہاں۔" اوشان نے بھی سر ہلا دیا۔

"لیکن بات اگر ایسے خنجروں کی ہے جن پر گھوڑے بنے ہوئے ہیں تو پھر ہم کیوں؟ کوئی فنکار ہم تو استعمال نہیں کرتا۔"

"ایں۔ ہاں۔" اوشان نے مبہم سا جواب دیا۔

کانٹی کلب تک ایمبولینس کے پہنچتے پہنچتے بھیڑیا سے فیصلہ کر چکی تھی کہ باقی تین محافظوں کو جواب دینے کی ضرورت نہیں۔ اس نے اضطراری کیفیت میں انگلیاں چٹخاتے ہوئے ٹائیگر کو اس فیصلے سے آگاہ کیا۔

"مگر یہ ضروری نہیں۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔

"ہاں۔ ہرگز ضروری نہیں۔" اوشان نے تائید کی۔ "بشرطیکہ تم سرمایہ ضائع کرنے کی شوقین نہ ہو۔ میں ایک ویسے چھوڑے گاؤں کے لوگوں کو اچھی طرح جانتا ہوں۔"

"لٹل فادر۔" ٹائیگر نے انقباضی انداز میں کہا۔ بھیڑیا سے سر ہلایا تو اس کی گھنی زلفیں شانوں پر مچل گئیں۔

"میں انھیں جواب دینا نہیں چاہتی۔ میں چاہتی ہوں کہ وہ بھی کام کرتے رہیں اس طرح مجھے کم از کم رات کو نیند تو آ جائے گی۔"

"تب پھر انھیں ہماری راہ میں نہ آنے دینا۔" ٹائیگر نے اپنی شرط رکھ دی۔

"یہ کام تم خود ہی کر لو۔ آج رات، میں کسی سے بات بھی کرنا نہیں چاہتی۔"

لہٰذا ٹائیگر تینوں محافظوں سے گراؤنڈ فلور پر ملا۔ وہ تینوں اس طرح جوکنا ہو کر آئے جیسے انھیں شب خون کا خدشہ ہو۔ وہ چاروں طرف بغور دیکھ رہے تھے۔

"کیا بات ہے لڑکے۔" کرنل نے ٹائیگر سے پوچھا۔ "ہمیں اس وقت ڈیوٹی دینی ہے؟"

اسلحہ کے ماہر نے بھی تائید میں سر ہلا دیا۔

"بھیڑیا سے نے فیصلہ کیا ہے کہ تمھاری ملازمت برقرار رہے گی لیکن مجھ سے کیوں اور کیسے کا سوال ہرگز نہیں پوچھنا۔" ٹائیگر نے انھیں مطلع کیا۔

"کیوں کا جواب ہمیں معلوم ہے۔" کرنل نے سینہ تان کر کہا۔ "اس نے اس لیے ہمیں رکھا ہے کہ ہم سب سے بہتر ہیں۔"

"یقیناً۔" ٹائیگر نے گولف کی گیند کمرے کے وسط میں رکھ کر پُش کیا تو گیند قالین پر بیس فٹ دُور ایک دیوار کے قریب رُک گئی۔ "ویسے میں صرف اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ تم لوگ اپنے کام سے کام رکھو گے۔ میرے کام میں مخل نہیں ہو گے۔" یہ کہتے ہوئے اس نے گولف پُٹر کے نرم دستے کا جائزہ بھی لیا۔

"جب یہ اسائنمنٹ ختم ہو جائے گا تو میں..." کرنل کچھ کہنا چاہتا تھا مگر ٹائیگر نے سُنی ان سُنی کر دی۔

"دوسری بات یہ کہ اگر تم لوگوں کی کارکردگی ایسی ہی رہی جیسی اسپتال میں تھی تو پھر تمھارا زندہ رہنا بھی ایک معجزہ ہی ہو گا۔" ٹائیگر نے پُٹر پر ہاتھ پھیر کر انھیں خبردار کیا۔

"جب یہ کیس ختم ہو جائے گا تو پھر میں اور تم ہی ہوں گے۔" کرنل نے سب مشین گن پر ہاتھ پھیر کر کہا۔ ٹائیگر مسکرانے لگا اس نے ایک اور گیند فرش پر رکھی اور اسے پُش کر دیا۔

"تمھیں کسی قسم کی پریشانی کا احساس نہیں لڑکے۔" کرنل نے حیرت سے کہا۔

"ہاں۔ میں کبھی پریشان نہیں ہوا کرتا۔" ٹائیگر نے کہا۔ "دیکھو یہ رانشانہ کتنا شاندار ہے۔" گیند پہلی گیند کے قریب سے گزر کر دیوار سے رُک گئی تھی۔

"میں گولف کی بات نہیں کر رہا ہوں۔" کرنل نے تلملا کر کہا۔

"میں زندگی اور موت کے کھیل کا ذکر کر رہا ہوں۔"

"اس کو لو۔ زندگی تم سے ہار جائے گی۔"

"شاید تمھیں علم نہیں کہ اب تک میں کتنے آدمیوں کو مار چکا ہوں۔" کرنل نے زہریلے انداز میں کہا۔

"ہاں۔ میں جانتا ہوں۔" ٹائیگر نے پُٹر ایک طرف رکھ دیا۔ "تم کیوبا میں تھے نا! تم نے وہاں ایسے بچوں کو قتل کیا جو اپنے جوتے کے تسمے بھی نہیں باندھ سکتے تھے اور تم افریقہ میں بھی تھے۔ تم نے وہاں ایسے لوگوں کو ہلاک کیا جو کئی روز کے فاقوں سے تھے لیکن جب وہاں کے جوان اُٹھے تو انھوں نے تمھیں لات مار کر نکال دیا۔"

کرنل آگے بڑھا اور اس نے گیند اور ٹائیگر کے درمیان پیر رکھ دیا۔ ٹائیگر نے پُٹر اٹھا کر تیسری گیند رکھی، اسٹروک لگایا گیند کرنل کے جوتے سے ٹکرائی، اچھلی، کرنل کے سر کے اوپر سے گزری اور باقی دو گیندوں کے قریب گر کر رُک گئی۔

"پُٹر رکھ دو۔" کرنل غرّایا۔

"نہیں۔ پُٹر مشین گن نہیں ہے۔" ٹائیگر کے اس جواب پر کرنل کانپا۔ وہ چڑھ گیا اس نے گیندیں اٹھا کر دس فٹ دُور پھینک دیں گیندیں بہت تیزی سے ٹائیگر کے چہرے تک آئیں، ٹائیگر نے محض سر کو جنبش دی تو گیندیں قریب سے گزر گئیں ساتھی اس کا دایاں ہاتھ اٹھا اور تینوں گیندیں چہرے سے ڈیڑھ فٹ دُور اس کے ہاتھ میں آ گئیں۔ ٹائیگر نے ایک لمحہ کے لیے انگلیاں بند کیں پھر کھول دیں گیندیں پہلے تین تھیں لیکن اب فرش پر ان کے چھ ٹکڑے گر رہے تھے۔

وہ تینوں حیرت سے گیندوں کو دیکھتے رہ گئے۔

"باہر گشت جاری رکھنا۔" ٹائیگر کا لہجہ نرم تھا۔ "اندر آنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

تینوں دروازے کی طرف پلٹ گئے۔

"کرنل۔" ٹائیگر نے آواز دی تو کرنل جس کا چہرہ سُرخ ہو گیا تھا، رُک کر پلٹا۔ "تین گیندیں ضائع ہوئی ہیں لہٰذا تمھارے معاوضے میں سے ۳۵ ڈالر کم کر لیے جائیں گے۔"

*

بھیڑیا سے نے ٹائیگر کو ویسلے پریس کے دائیں طرف اور اوشان کو بائیں طرف والا بیڈ روم دیا تھا۔ اس کا اپنا کمرہ ٹائیگر کے کمرے کے برابر تھا جب کہ رام چند کو راہداری کے آخری سرے پر واقع کمرہ ملا تھا۔

ٹائیگر اوپر پہنچا تو گرد پہلے ہی اپنے کمرے میں جا کر لیٹ چکا تھا کیونکہ بقول اس کے "امریکی دھماکوں کے باعث میرے اعصاب بُری طرح متاثر ہونے لگے ہیں۔"

وہ ابھی تک خوف زدہ تھا۔

"یہ شخص یہاں سے بھاگا نہیں۔" اوشان نے ٹائیگر سے سرگوشی کی۔ "شاید ابھی اسے مزید رقم ملنے کی توقع ہے ورنہ پہلے دھماکے کے بعد ہی اس گاؤں سے ہزاروں میل دُور نکل چکا ہوتا۔"

بھیڑیا سے نے ویسلے پریس کو سُلا دیا تو ٹائیگر اور اوشان بھی اپنے اپنے کمروں کی طرف چل دیے مگر بھیڑیا سے نے انھیں راہداری ہی میں جا لیا۔

"تم میں سے کسی ایک کو ویسلے کے ساتھ رہنا چاہیے۔" اس نے کہا۔

"میں سوتے وقت اپنے ساتھ کسی کی موجودگی پسند نہیں کرتا۔" اوشان نے جواب دیا۔ "ویسے بھی اپنی ڈری پر سونے کا عادی ہوں۔"

"لیکن کوئی تو اس کے کمرے میں رُکے۔" بھیڑیا سے بے بسی سے ٹائیگر کو دیکھنے لگی۔

"نہیں۔ کسی کے وہاں رُکنے کی ضرورت نہیں ہے۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ "ہمارے علم میں آئے بغیر کوئی بھی اس کے کمرے کے ایک سو مربع فٹ کے حصے میں پر نہیں مار سکتا۔ تم فکر مت کرو۔" ٹائیگر نے بھیڑیا سے کو تسلی دی مگر وہ مطمئن نظر نہیں آ رہی تھی۔ "خیر سنو۔ تم اس کے کمرے کے شیڈ ز گرا دو۔ اس طرح تمھیں قدرے اطمینان ہو جائے گا۔"

بھیڑیا سے نے ویسلے پریس کے کمرے میں جا کر کھڑکیوں کے شیڈ ز گرا دیے اور جب واپس آئی تو ایک نئی فکر اُسے کھائے جا رہی تھی۔ "تم اپنے ہتھیار ساتھ لینا بھول گئے ہو۔"

"نہیں ہمارے پاس اسلحہ ہے۔"

"کہاں ہے۔ دکھاؤ۔" وہ مطمئن نہ تھی۔

"تم اب پھر راز کی بات پوچھ رہی ہو۔" ٹائیگر نے دونوں ہاتھ جیبوں میں ڈال لیے۔

"دیکھو۔ بتا دو۔ تمھارے ہتھیار کہاں ہیں ورنہ مجھے رات بھر نیند نہیں آئے گی۔"

اوشان جو اپنے کمرے تک پہنچ گیا تھا یہ جملہ سُن کر چوکھٹ پر ہی رُک گیا۔

"اس کے پاس دُنیا کے مہلک ترین ہتھیار ہیں خاتون!" اس

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

نے گمبھیر لہجے میں کہا اور پھر کمرے میں چلا گیا۔ تھیوڈیسا حیرت سے ٹائیگر کو دیکھتی رہ گئی۔

"میرے پاس وہی ہتھیار ہیں جو میں نے اسپتال کی مقفل الماریوں سے آہنی چادریں ہٹانے اور ویلے کے کمرے میں جانے کے لیے استعمال کیے تھے۔"

"کہاں ہیں؟" تھیوڈیسا روہانسی سی ہوگئی۔ "کیا اپنے ساتھ لائے ہو؟"

"ہاں۔ میں ان کے بغیر کہیں جاتا ہی نہیں۔"

"کیا تم ضمانت دے سکتے ہو کہ ویلے کو کسی قسم کا خطرہ نہیں؟" وہ اب بھی بے چین تھی۔

"ہاں۔ اور اگر تم چاہو تو میں اپنے کمرے کا دروازہ کھول کر سو جاؤں گا تاکہ راہداری پر بھی نظر رہے۔"

"آہ۔" تھیوڈیسا جو بہت پریشان نظر آرہی تھی اچانک ہی معنی خیز انداز میں مسکرانے لگی۔ "مجھے یقین ہے کہ تم اتنے ہی اہل ہو جتنا تم نے معاوضہ طلب کیا ہے۔"

"بہت زیادہ۔" ٹائیگر نے دونوں ہاتھ جیبوں سے نکال کر اس کے سامنے کر دیے۔ "یہ میرا اسلحہ ہے۔ اب تم جاؤ بہت تھکی ہوئی ہو' آرام سے سو جاؤ۔"

تھیوڈیسا ہچکچاتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف پلٹی لیکن اچانک وہ مڑی اور ویلے پریس کے کمرے میں تک جھانکنے لگی۔ "وہ سو رہا ہے۔" اس نے بتایا۔

"گڈ۔" ٹائیگر نے بھی بظاہر اطمینان کا اظہار کیا

"اور سنو۔ اگر کوئی بھی اس کے کمرے میں قدم رکھے تو میں اس کی آواز ہی دیکھنا پسند کروں گی۔"

"منظور۔ اب جاؤ۔" ٹائیگر نے ہاتھ ہلا کر جواب دیا اور خود بھی اپنے کمرے میں آگیا۔ اس نے کپڑے بدلے' ہلکی سی ورزش کی اور پھر بیڈ پر چت لیٹ گیا۔

پندرہ منٹ بعد اس کی آنکھ کھلی۔ آنکھ کھلنے کی وجہ ایک ہلکی سی آواز تھی جو اسے نیند میں بھی بہت واضح طور پر سنائی دی تھی۔ یہ آواز قدموں کی تھی... نرم قدموں کی... کوئی ننگے پیروں راہداری کے قالین پر چل رہا تھا۔ یہ آواز عام سماعت تک نہیں پہنچ سکتی تھی لیکن اسے سننے والا اس وقت سنائچو کا شاگرد تھا جسے اون کے ڈھیر پر سوئی گرنے کی آواز سننے کی بھی تربیت دی گئی تھی۔ وہ ہلکی سی آواز اب اس کے کمرے کے قریب ہو رہی تھی اس نے سماعت پر زور دیا... اسے کپڑوں کی سرسراہٹ سنائی دی۔ پھر اس نے

تاریخی ناول

ابلیس مصر	الماس ایم۔اے	-/100
حسن بن صباح	الماس ایم۔اے	-/125
راجکماری	الماس ایم۔اے	-/150
نورالدین زنگی	الماس ایم۔اے	-/250
سلطان عادل	الماس ایم۔اے	-/150

مکتبہ القریش اُردو بازار۔لاہور 2

پیروں کے رکھے جانے پر غور کیا... اس سے یہ اندازہ ہو گیا کہ اس کا قد پانچ فٹ سات انچ سے زیادہ نہیں ہے۔ اس کے تناسب سے وزن بھی ایک سو بیس پونڈ کے لگ بھگ ہوگا... تب ہی ٹائیگر کو اوشان کی بات یاد آگئی۔ کسی نے ویلے پریس کی مکریں خنجر پھینک کر مارا تھا... ممکن ہے آنے والا وہی ہو۔

وہ منتظر رہا حتیٰ کہ قدم اس کے دروازے سے صرف تین فٹ دور رہ گئے اور پھر وہ جست لگا کر بیڈ سے راہداری میں پہنچ گیا۔ وہ پوری طرح تیار تھا لیکن اسے اچانک ہی ہٹ جانا پڑا۔ تھیوڈیسا دیوار سے لگی ہوئی اسی کو گھور رہی تھی اس کے چہرے پر حیرت تھی۔

"تم اس وقت اس حلیے میں یہاں کیا کر رہی ہو؟ اتنے بہت سے کپڑوں میں تمہیں گرمی نہیں لگ رہی؟"

"میں تمہارا امتحان لے رہی تھی۔" تھیوڈیسا ایک طویل سانس لے کر بولی۔ "یہ اندازہ لگا رہی تھی کہ تم کس قدر چوکس ہو۔"

"کاش تمہارا اندازہ ہونا رام لعل خوش قسمت ہوتا۔"

"کیوں؟ کیا ہوا؟ میری خوش قسمتی کا اس سے کیا تعلق؟" تھیوڈیسا حیرت سے بولی۔

"اس لیے کہ تم نے ہدایت کی تھی کہ ویلے پریس کے کمرے میں قدم رکھنے والے کسی بھی شخص کو قتل کر دیا جائے' اور اگر تم اس کے دروازے پر ہاتھ بھی رکھ دیتیں تو اوشان پلک جھپکتے میں تمہیں قتل کر دیتا۔" ٹائیگر نے کہا اور پھر آواز اونچی کیے بغیر بولا۔ "لیک ہے لٹل فاور۔ آپ آرام کریں۔ یہ تھیوڈیسا ہے۔"

"آرام کروں؟" اوشان کے کمرے سے اس کی آواز آئی۔ "میں کیسے آرام کر سکتا ہوں جب کہ راہداری میں ایسی آوازیں

آرہی ہیں جیسے بہت سے ہاتھی دوڑ رہے ہوں۔ آرام تو میرے مقدر ہی میں نہیں۔"

"قدموں کی آواز ہاتھیوں کی نہیں تھیوڈیسا کے ننگے پیروں کی تھی لٹل فاور۔" ٹائیگر نے وضاحت کی۔ "چلو۔ کمرے میں چلو۔"

ٹائیگر نے تھیوڈیسا سے کہا۔ "ورنہ رات بھر اوشان کی بک بک سنتی ہوں گی۔"

تھیوڈیسا ایک لمحہ کے لیے ہچکچائی لیکن پھر ٹائیگر کا ہاتھ تھام کر اپنے کمرے میں جانے کے بجائے اسی کے کمرے میں آگئی۔ "میرا خیال تھا کہ تم لوگ آہٹ بھی نہیں پا سکو گے۔ کپڑوں کی سرسراہٹ سے بچنے کے لیے میں نے ٹانٹ گاؤن بھی اتار دیا تھا اور میں قالین پر ننگے پیر چل رہی تھی۔"

"ہاں۔ اور عام لوگ تمہاری آہٹ بھی نہیں سن سکتے تھے۔"

"لیکن تم نے سن لی!"

"ہاں۔ اور اس لیے کہ ہم عام لوگ نہیں ہیں۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔

"واقعی؟" تھیوڈیسا کی آنکھوں میں عجیب سی چمک نمودار ہوگئی۔ "کیا واقعی تم عام آدمی نہیں ہو؟ مجھے یقین نہیں آتا۔"

اور پھر ٹائیگر کو اسے یقین دلانا پڑا کہ وہ عام آدمی نہیں ہے۔

"اب مجھے یقین ہو گیا کہ ویلے پریس محفوظ ہاتھوں میں ہے۔" تھیوڈیسا نے بیڈ کی پشت گاہ سے ٹیک لگا کر سگریٹ سلگاتے ہوئے شرارت آمیز لہجے میں کہا۔

"اگر اسے یہ علم ہو گیا کہ تم یہاں ہو تو کیا ہوگا؟" ٹائیگر نے اسے خبردار کیا۔ "میں حاسد لوگوں سے ڈرتا ہوں۔"

"حاسد؟" وہ مترنم انداز میں قہقہہ مار کر لوٹ پوٹ ہو گئی۔

"کیوں۔ وہ حسد کر سکتا ہے۔ تم اسی کی عورت ہو۔"

"یقیناً۔" وہ اب بھی مسکرا رہی تھی۔ "میں اس کا حساب کتاب رکھتی ہوں' اس کے کاروبار کی نگرانی کرتی ہوں اور بس۔"

"اور بس؟" ٹائیگر احمقانہ انداز میں مسکرانے لگا۔

"نہیں دوست۔" وہ اچانک ہی سنجیدہ ہو گئی۔ "ویلے عام مرد بھی نہیں۔ وہ شادی کے قابل نہیں ہے۔ اس نے اپنی اس کمزوری پر پردہ ڈالے رکھنے کے لیے مجھے اپنے ساتھ رکھ چھوڑا ہے تاکہ لوگ یہ نہ کہیں کہ وہ کسی قابل نہیں۔"

"یہ انتہائی افسوس کی بات ہے۔"

"ہاں۔ لیکن جس زمانے میں اس کے پاس کچھ نہ تھا نہ وہ نارمل مرد تھا تب دولت اور عورتوں کی بھرمار کے بعد اس کی تمام صلاحیتیں بحال ہو گئیں۔ ایک راز کی بات بتاؤں۔ معذور ہونے کے بعد وہ ذرا سا خوش بھی ہے کیونکہ اگر اب اسے معذوری کا بہانہ تو مل گیا!"

"اور شاید تمہیں علم ہو کہ امریکہ کے کتنے بہت سے لوگ ویلے پریس بنانا چاہتے ہیں۔"

"اور شاید تمہیں یہ علم نہیں کہ وہ ایک ایسا عام ڈرائیور بننا چاہتا ہے جو خوب کام کر کے پی کر گھر پہنچے تو مزید سکون و راحت کے لیے اس کی بیوی منتظر ہو۔"

"میں نے گراس کا پہلا شمارہ دیکھا تھا تھیوڈیسا۔" ٹائیگر نے کہا۔ "وہی جس میں تم نے میل کے ساتھ پوز بنگ کی ہے۔"

"تم گراس باقاعدگی سے پڑھتے ہو؟" وہ خفیف سی ہو گئی۔

"نہیں۔ دراصل ایک ہوٹل کی لابی میں مجھے کسی کا انتظار تھا اُسے آنے میں تاخیر ہو گئی تو میں نے میز پر پڑا ہوا رسالہ اٹھا کر ورق ورق دیکھ لیا تھا۔"

"وہ تصویر محض کیمرہ اور پرنٹنگ ٹرک تھی۔" تھیوڈیسا نے اپنی صفائی پیش کی۔

"پھر بھی۔ کیا تمہیں یہ احساس نہیں ہوا کہ تصویر دیکھ کر جاننے والے اور... خاندان والے کیا سوچیں گے؟"

"نہیں۔" تھیوڈیسا نے دوسری طرف منہ پھیر لیا۔ "ایک بات بتاؤں... گراس کے ٹائیٹل پر نظر آنے والی تقریباً تمام لڑکیاں ایسی ہوتی ہیں جنہیں ان کا خاندان اور معاشرہ تباہ یا ترک کر چکا ہوتا ہے۔ اس زمانے میں' ویلے صرف مجھ سے واقف تھا۔ اس کے عملے میں بھی صرف تین افراد تھے۔ مجھے ملازمت کی ضرورت تھی جو اس نے مجھے دے دی' اور پھر وہ اپنے ان مسائل کا شکار ہو گیا جن کی پردہ پوشی کے لیے میرا وجود ضروری تھا۔ اب میں اس کے کاروبار کی بلاشرکت غیر نگراں ہوں۔"

"سوال یہ ہے کہ اسے قتل کرنے کی کوششیں کون کر رہا ہے؟"

"تیل کمپنیاں۔" تھیوڈیسا نے سگریٹ سے سگریٹ سلگا کر جواب دیا۔ "جب ویلے نے شمسی توانائی کے بارے میں اعلان کیا تو تب ہی سے ہمیں بہت سی ایسی اطلاعات ملنے لگی تھیں کہ یہ کمپنیاں اس کی مخالفت کریں گی۔ اسی باعث میں نے تم لوگوں کو بلوایا تھا۔" یہ کہہ کر اس نے سگریٹ بجھائی۔ "میں تمہیں معقول معاوضہ ادا کروں گی۔ تم بھی محنت کرو۔"

قاتل پارکنگ گراؤنڈ کے درختوں کے سائے میں کھڑا ہوا تھا۔ اس کی نظریں کرنل پر تھیں جو سب مشین گن لیے ہوئے عمارت کے داخلی دروازے پر گشت کر رہا تھا۔ قاتل کو یقین

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

تھا کہ یہ شخص جتنا چوکس نظر آرہا ہے اتنا ہی کاہل ہے۔

کرنل کے علاوہ کرائے کا ماہر مکان کے بائیں طرف تھا جب کہ اسلو کا ماہر دائیں طرف والے حصّے کی نگرانی کر رہا تھا۔

قاتل کو بتا دیا گیا تھا کہ انھوں نے دو حفاظتی حصار کیے ہیں ان میں سے ایک نوجوان ہے اور دوسرا شرقی بوڑھا۔ وہ دونوں شاید عمارت کے اندر تعینات ہیں۔ اسے یقین تھا کہ وہ ان تینوں سے بآسانی نمٹ کر اندر والے محافظوں سے بھی بآسانی نمٹ لے گا۔ اسے اپنے اوپر بہت اعتماد تھا۔

قاتل سائے سے نکلا، کھانسا اور پھر درختوں کی آڑ میں ہو گیا۔

کرنل نے آواز سنی، بیلٹ کو دیکھا تو اسے درخت کے پیچھے کسی کی نقل و حرکت نظر آئی۔ اس نے فوراً پوزیشن لے لی اور حملہ کرنے کے انداز میں سبزہ زار پر آ کر درخت کی طرف پیش قدمی کرنے لگا تاہم اس کو آگے بڑھتے ہوئے دیکھتے ہی قاتل اپنی جگہ سے ہٹ کر بائیں طرف چلا گیا اور جب کرنل اس درخت کے قریب پہنچا تو قاتل اس کی پشت پر آ چکا تھا۔ ان دونوں کے درمیان صرف بارہ فٹ کا فاصلہ تھا۔ قاتل نے اپنی بیلٹ سے نقرئی چاقو نکالا، ہاتھ سر سے اوپر اٹھایا اور پھر چاقو کسی تیر کی طرح تیرتا ہوا یک بھرپور کرنل کی پشت میں پیوست ہو گیا۔ چاقو نے پہلے کپڑے کاٹے، پھر کھال میں گھسا اور اس کے بعد ریڑھ کی ہڈی میں اتر گیا۔ کرنل کے منہ سے آواز تک نہ نکل سکی۔ وہ کسی شہتیر کی طرح منہ کے بل گر پڑا۔ مشین گن زمین پر گری تو صرف ہلکی سی آواز آئی۔

قاتل لپک کر آگے گیا، اس نے چاقو واپس نکالا اسے پتوں سے صاف کیا اور کاؤنٹی کلب کے فرنٹ ڈور کی طرف چلا گیا۔ جہاں اسے دو بڑے ستونوں کے درمیان باقی دو افراد کا انتظار کرنا تھا۔

وہ تقریباً ایک تناسب سے پہرہ دے رہے تھے اور اس مرتبہ دروازے کے قریب سے گزرنے کی بجائے کرائے ایکسپرٹ کی تھی۔

وہ ان کے پہرے کا طریقہ کار دو گھنٹے سے دیکھتا رہا تھا اور اسے اندازہ تھا کہ دونوں کس وقت دروازے پر پہنچتے ہیں۔ اسے یہ سکھایا گیا تھا اور [illegible] کے بارے میں مکمل معلومات لکھو اگر تمھیں دشمن کے بارے میں سب کچھ معلوم ہوگا تو تم [illegible] سکو گے۔ اس نے بہت پہلے ویلے پریس کی کھڑکیوں کے شیڈ گرتے ہوئے دیکھے تھے پھر ایک عورت کو راہداری میں دیکھا تھا۔

قاتل کی کلائی پر گھڑی نہ تھی۔ اسے گھڑی کی ضرورت بھی نہ تھی کیونکہ اس کی حسیں اسے وقت بتا دیا کرتی تھیں۔

وہ کرائے ایکسپرٹ کا انتظار کرنے لگا۔

اردگرد اگرچہ کوئی انسانی آواز نہیں آ رہی تھی لیکن خنک [illegible] آزادانہ طور پر ایک دوسرے سے گفتگو کر رہے تھے۔ کچھ پرندے بول رہے تھے۔ اندر عمارت سے ایکریلک کلاک کی ٹک ٹک بھی سنائی دے رہی تھی۔ ریفریجریٹرز کی گھوں گھوں بھی وہ سن رہا تھا۔ اس کی سماعت ہلکی سے ہلکی آواز بھی سن سکتی تھی۔

عمارت کی طرف جانے والی ہوا میں خنکی تھی، اس پر گھاس کی مہک بھی تھی اور [illegible] بھی جس کو وہ اپنے لبوں پر محسوس کر رہا تھا۔

نوے سیکنڈ بعد اس نے گھاس پر کرائے ایکسپرٹ کے قدموں کی آہٹ سنی۔ ایک سیکنڈ بعد کرائے ایکسپرٹ نے عمارت کے کارنر پلاٹ کو پھر پورچ کی طرف دیکھا۔ اسی لمحے قاتل ستون کی اوٹ سے نکلا۔ نکلتے ہوئے اس نے کمر پر ہاتھ رکھ لیا جہاں کئی چاقو لگے ہوئے تھے۔ مارشل آرٹ کے ماہر کی نظر اس اجنبی پر پڑی تو وہ جرأت کے ساتھ مگر محتاط انداز میں اس کی جانب لپکا، جب مارشل آرٹ کا یہ بدقسمت ماہر قاتل سے محض دس فٹ دور رہ گیا تو قاتل نے دونوں ہاتھوں سے چاقو لے کر اس کی طرف ایک ساتھ پھینک دیے... دونوں چاقو اس وقت جب میں پیوست ہوئے جب دونوں افراد کے درمیان فاصلہ آٹھ فٹ رہ گیا تھا۔ پہلا چاقو حلق میں لگا اور سانس کی نالی میں اتر گیا جب کہ دوسرا پسلیوں میں اتر کر دل میں پیوست ہو گیا۔ کرائے ماسٹر نے کوئی آواز نہ نکالی، صرف اس کا جسم زمین پر گرنے کی آواز سنائی دی۔ قاتل پلک جھپکتے میں لاش تک پہنچ گیا۔ اس نے دونوں چاقو جسم سے نکالے اور مقتول کو دیکھا۔ مقتول بھی خالی خالی نظروں سے

دیوتاؤں کے شہر نیپال میں بسنے والے
ایک درندے کی پراسرار داستان
درندہ
یعقوب جمیل کے ہوشربا قلم سے جس کا
قارئین کو برسوں سے انتظار تھا
مکتبہ القریش سرکلر روڈ اردو بازار لاہور
فون 7668958

اسی کو گھورے جا رہا تھا۔ قاتل نے چاقو کرائے ماسٹر کی سفید قمیص پر صاف کر کے لاش وہیں لا کر پھینک دی جہاں کرنل کا لاشہ پڑا ہوا تھا۔

اس نے بڑے مطمئن انداز میں سر ہلایا اور پورچ میں واپس آ گیا۔ اس بورے آپریشن میں صرف دو منٹ لگے تھے اور وہ ایک عجیب سے دھچکے میں سرشار ہو رہا تھا... اس کے چہرے پر بہت ہی پُراسرار سی مسکراہٹ ناچ رہی تھی۔ وہ لوگوں کو بار بار قتل کرنا چاہ رہا تھا۔ اسے یہ سب کچھ انتہائی طمانیت بخش لگ رہا تھا... اور اب وہ مزید انتظار کا کرب اٹھانے کے موڈ میں نہیں تھا۔

قاتل نے نئے مشن کے لیے قدم اٹھائے۔ وہ پورچ سے نکل کر عمارت کے کارنر تک آیا۔ تب ہی اس کی نظر اسلو کے ماہر پر پڑی جو صرف پانچ فٹ دُور تھا اور جس کے قدم عمارت کے عقبی حصّے کی طرف اُٹھ رہے تھے۔ قاتل نے بیلٹ سے ایک اور صاف چاقو نکال لیا کیونکہ وہ ایک چاقو دو مرتبہ استعمال کرنے کا قائل نہ تھا۔ اس کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ ہر چاقو کی پیاس بجھے۔ چاقو کا دستہ مٹھی میں دبا کر وہ پھولوں کے کنج کے قریب آ گیا۔

اسلو کے ماہر نے پستول سنبھال رکھا تھا لہٰذا قاتل محتاط ہو گیا کیونکہ وہ یہ نہیں چاہتا تھا کہ گولی چلنے کی آواز سن کر دوسرے محتاط ہو جائیں۔ اس نے چاقو اپنے کان تک بلند کیا، شست ل اور پھر چاقو صرف کلائی کے جھٹکے سے تیرتا ہوا اسلو کے ماہر کے جسم میں اُترتا چلا گیا۔ اس بار بھی مقتول کی چیخ نہ نکلی اور لاش چند ہی لمحوں میں دوسری لاشوں کے قریب پہنچ گئی۔ جسم میں پیوست چاقو صاف ہو کر بیلٹ میں واپس پہنچ گیا۔

قاتل اب سبزہ زار پر چل رہا تھا۔ اسے یقین تھا کہ اب زیادہ جسمانی مزاحمت کا کوئی امکان نہیں، باقی لوگ تو اب سو رہے ہوں گے۔ ویلے پریس، تھیوڈیسا، ہندوستانی، اور دیگر دو محافظوں کی لاشوں کا تصور کر کے ہی وہ مسکرانے لگا۔ اس کے کسی چاقو کی حق تلفی کا امکان نہیں تھا۔

وہ فرنٹ ڈور تک گیا، اس نے ڈور ناب کو چھوا مگر پھر چھوڑ دیا، وہ اس راستے سے عمارت کے اندر جا سکتا تھا مگر یہ اقدام پیشہ ورانہ حکمتِ عملی کے منافی ہوتا لہٰذا وہ فرنٹ ڈور چھوڑ کر عمارت کے عقبی حصّے کی طرف چل دیا۔

*

تھیوڈیسا سو رہی تھی، ٹائیگر [illegible] تھیوڈیسا کے [illegible] ہے ہلے خرّاٹے اسے افریقی موسیقی کی طرح لگ رہے تھے۔ سو۔ او۔ او۔ اس نے معاً ہی ایک آواز سنی۔

"یس مسٹر فادر" ٹائیگر نے سرگوشی میں کہا۔

"تم پڑے ہوئے اینٹھ رہے ہو۔ اس طرح جیسے تم دونوں نے کوئی معرکہ سر کر لیا ہو۔"

"آپ پریشان نہ ہوں۔ آج میں نے پہلی مرتبہ اسٹیپ نمبر ۲ کا استعمال کیا ہے۔"

"میں تمھاری فحش حرکتوں کی فحش تفصیلات سننا نہیں چاہتا تمھاری زندگی فحاشی ہی سے عبارت ہے لہٰذا مجھے تمھاری کسی حرکت پر کوئی تعجب نہ ہوگا... لیکن اگر تم ایک منٹ کے لیے ان فحش حرکات سے نکل کر میرے پاس آ جاؤ تو میں تمھیں یہ بتا سکوں گا کہ تمھاری یہاں موجودگی کی اصل وجہ کیا ہے۔"

ٹائیگر آہستگی سے بیڈ سے اُتر گیا اور تھیوڈیسا اسی انداز میں سوتی رہی تاہم جونہی ٹائیگر فرش پر کھڑا ہوا اس کا ہاتھ تھیوڈیسا سے ٹکرایا، وہ فوراً بیدار ہو گئی۔ اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ پہلے اس کی نظر ٹائیگر پر اور پھر چوکھٹ پر کھڑے ہوئے ادشان پر پڑی جس نے شب خوابی کی بھڑکیلی قبا پہن رکھی تھی۔

"یہ... کیا... کیا ہوا؟" اس نے اپنی حالت سے بے نیاز ہو کر پوچھا۔

ادشان نے اسے نظر انداز کر دیا وہ ٹائیگر کو گھور رہا تھا۔

"قاتل یہاں تک پہنچ چکا ہے شہزادہ" اس نے کہا۔

"کیا؟" ٹائیگر کے لہجے میں سوالیہ حیرت تھی۔

"میں درست کہہ رہا ہوں" ادشان نے کہا "اور اس اتھاہ انداز میں حیرت سے میری طرف مت دیکھو... جب تم دونوں کھیل کھیل رہے تھے تو وہ یہاں پہنچ چکا تھا۔"

"پھر کیا ہوا؟"

"وہ عمارت میں داخل نہیں ہوا، وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ جا کر پریکٹس کرتا رہا۔ اب وہ یہاں نہیں ہے۔"

"مم... مگر... ویلے؟؟" تھیوڈیسا اُٹھتی ہوئی بولی۔

"وہ خیریت سے ہے۔" ادشان نے تلخ لہجے میں جواب دیا "جس شخص کو تم جیسی وفا شعار عورتیں حاصل ہوں [illegible] ہو سکتا۔"

"اور محافظ؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"آج کی رات ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ جو ہونا تھا وہ ہو گیا اب ہم کل ہی نمٹیں گے۔"

ٹائیگر [illegible] پر پھر بیٹھ گیا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"اب اگر تم دونوں چاہو تو سو سکتے ہو۔" اوشان نے فراخدلانہ انداز میں کہا اور پھر کمرے سے نکل گیا۔ بقیہ وڈیسا خالی چوکھٹ کو گھورتی ہی رہ گئی۔

"اوشان کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ باہر کیا کچھ ہو چکا ہے؟" اس نے کپکپائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"وہ ماسٹر آف سنا نجو ہے۔" ٹائیگر نے سرسراتے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔ "اب اس کی ہدایت پر عمل کرو اور سو جاؤ۔"

مگر خود اس نے اوشان کے مشورے پر عمل نہیں کیا۔

وہ جب ریلو رنڈ بگی ہلکی کے دفتر پہنچا تو دروازے پر ایک تختی لگی ہوئی تھی۔ "براہِ کرم انتظار کریں۔ خداوند سے سلسلہ کلام جاری ہے۔"

اور اندر کمرے میں ہلکی اپنی سیکرٹری کے قریب گھٹنوں کے بل بیٹھا ہوا تھا وہ دونوں دیوار پر لگی ہوئی صلیب کو دیکھ رہے تھے۔

"خداوند!" ہلکی نے کہا۔ "ان کے دل سخت ہو چکے ہیں اور ان کی سماعتیں تیرے پیغام کو سننے سے انکاری ہیں۔"

"ہاں خداوند۔" ہلکی نے درست کہتا ہے۔" سیکرٹری نے بھی تصدیق کی۔ وہ بھی گھٹنوں کے بل بیٹھی ہوئی تھی لیکن اس کی کمر بالکل سیدھی تھی کیونکہ عموماً جھکتے ہوئے وہ لڑھک جاتی تھی۔

"ان کے دلوں کو نرم کر دے خداوند۔" ہلکی دعا کرنے لگا۔ "تاکہ وہ عقیدے پر ایمان سے متعلق ہمارے پیغام کو قبول کر سکیں۔"

یہ کہتے ہوئے اس نے سیکرٹری کی پشت پر ہاتھ رکھ دیا۔

"آمین۔" سیکرٹری بولی۔

"اور اس دنیا پر بدکاروں کو ڈھیل کیوں دی گئی ہے؟" ہلکی نے صلیب سے پوچھا۔ "ان کو ڈھیل نہ دے۔"

"آمین۔" سیکرٹری کو گرمی لگنے لگی تھی لہٰذا اس نے اپنا سوئٹر اُتار پھینکا اور پادری کے شانے پر سر رکھ دیا۔

"اور ہماری مدد کر خداوند تاکہ اس دنیا سے بدکار ویلے پریس کا خاتمہ ہو سکے۔"

"آمین۔" سیکرٹری اس طرح لیٹ گئی جیسے بہت تھک چکی ہو۔

"باقی باتیں بعد میں کروں گا۔" ہلکی نے صلیب سے کہا۔

**

سیکرٹری نے ویل بوبن کو جب کمرے میں پہنچایا تو ریورنڈ بگی ہلکی ایے بی ڈی ایے سی ڈی، بی سی ڈی، بی ای ڈی روایتی قبا پہنے ہوئے اپنی کرسی پر بیٹھا تھا۔

"خطوط ذرا جلدی ٹائپ کر دینا سسٹر۔" ہلکی نے سیکرٹری سے کہا۔

"یس ڈاکٹر۔" سیکرٹری آنکھ مار کر بولی مگر اس کی یہ حرکت بوبن نے میز پر لگے ہوئے شیشے میں دیکھ لی لہٰذا وہ ہلکی کو دیکھ کر مسکرانے لگا۔

"ہاں برادر بوبن! میں تمہاری کیا مدد کر سکتا ہوں؟" ہلکی کے لہجے میں مخصوص تمازت تھی۔ بوبن نے جواب دینے سے قبل اٹھ کر کمرے کا دروازہ بند کیا اور پھر کرسی کے ہتھے پر بیٹھ کر بولا۔ "یہی سوال میں تم سے کر سکتا ہوں فادر۔"

"تمہارے ذہن میں کیا ہے؟"

"صرف یہ کہ تم ناکارہ ہوتے جا رہے ہو۔ تمہیں یہاں دو روز ہو گئے مگر اس دوران تم یا تو جمائیاں لیتے رہے یا پھر کمرے میں سیکرٹری کے ساتھ عبادت کرتے رہے۔"

"بدی کے خلاف عوام کو متحرک کرنے میں وقت لگتا ہے بوبن۔" ہلکی نے جھرجھری لے کر کہا۔

"تم صحرا میں پھنسے ہوئے شتر مرغ لگ رہے ہو ہلکی۔" بوبن کا لہجہ تلخ تھا۔ "تم لوگوں کو اس کے خلاف ابھی تک اس لیے منظم نہیں کر سکے کیونکہ وہ لیکچروں میں کمی کر چکا ہے۔ حقیقت یہی ہے اس سے چشم پوشی مناسب نہیں۔"

"تمہارے ذہن میں کوئی تجویز ہے؟"

"میرے پاس ایک ایسی چیز ہے جو لیکچروں سے زیادہ طاقت ور ثابت ہو سکتی ہے۔ ایسی چیز جسے دیکھ کر لوگ مشتعل ہو جائیں گے اور جلوس نکالیں گے اور پھر پریس کو یہ کانونٹی چھوڑ دینی پڑے گی۔" بوبن مسکرا رہا تھا۔

"وہ چیز کیا ہے بوبن۔؟"

"کرنسی نوٹوں سے بھی زیادہ پاور فل۔"

"کیا مطلب؟" پادری کا منہ حیرت سے کھلا رہ گیا۔

"جنس۔" بوبن نے ایک آنکھ دبا کر شاعرانہ انداز میں جواب دیا۔ "تم یہ ثابت کر دو کہ پریس یہاں شمسی توانائی کا منصوبہ لگانے کے مقصد سے نہیں آیا بلکہ اس کا مقصد اس علاقے کو مملکتِ فحاشی کا صدر مقام بنانا ہے۔"

"کیا تمہارے پاس اس الزام کا کوئی ثبوت ہے؟"

"ہاں۔ کیوں نہیں۔"

"تب ہم اس بدبخت کو اس کے انجام تک پہنچا سکیں گے۔" ہلکی خوش ہو گیا۔ "لوگ بڑے جوش و خروش سے اس کے خلاف مظاہرے میں حصہ لیں گے۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے۔" بوبن نے جواب دیا۔

ہلکی چند لمحوں تک بوبن کے چہرے کو گھورتا رہا اور پھر ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔ "میں ابھی تک تمہارے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا۔"

"میں یہی چاہتا ہوں کہ تم لاعلم ہی رہو۔" بوبن نے ہنس کر جواب دیا۔

"لیکن تم ویلے پریس کے پیچھے کیوں پڑ گئے ہو؟"

"تمہاری طرح میں بھی بدی کا خاتمہ چاہتا ہوں فادر۔" بوبن نے اس بار قہقہہ لگا کر جواب دیا۔

"یہ بات صرف چندہ جمع کرنے کی خاطر خطوط میں اچھی لگتی ہے برادر بوبن! لیکن اصل مقصد بتاؤ۔"

"بس میرا بھی کوئی دگوئی مقصد تو ہو گا نا۔"

"ٹھیک ہے۔" ہلکی نے سر ہلا کر کہا۔ "اب ثبوت کی بات کرو۔ تاکہ میں لوگوں کو مطمئن کر سکوں۔"

"ثبوت کل صبح نیویارک سے یہاں پہنچ جائے گا۔"

"تب پھر تم بھی دیکھنا کہ ویلے پریس کا کیا حشر ہوتا ہے۔"

ہلکی کی آنکھیں چمکنے لگیں۔

بوبن عمارت سے نکلا تو اسے اس بات پر حیرت ہو رہی تھی کہ پادری ہلکی جیسا کوڑھ مغز اور چھچھورا آدمی قومی سطح پر کس طرح مقبولیت حاصل کر سکا ہے۔ اسے یقین تھا کہ یہ پادری چرچ کو بیچ کر بھی اپنی عیاشیاں جاری رکھے گا۔

دوسری طرف ہلکی بھی اپنے دفتر کے سوئنگ ڈور کو ہلتا ہوا دیکھ رہا تھا۔ اسے یقین تھا کہ بوبن کی پشت پر تیل کی صنعت ہے کیونکہ تیل کی صنعت والوں کے سوا سکسی اور کو ویلے پریس کی فراہگی کانونٹی میں موجودگی پر تشویش نہیں ہو سکتی تھی۔ ویلے پادری مطمئن تھا کہ تیل کی صنعت والوں کو بھی یہ حق حاصل ہے کہ وہ خلائی کام یا ہلکی کے کام کو پورا کرنے کے لیے خدمات پیش کریں۔

اب اسے کل صبح کی پرواز سے آنے والے ثبوت کا انتظار تھا۔

*

اوشان سبزہ زار پر ہلکے ہلکے قدم رکھتا ہوا درختوں کے جھنڈ کی طرف جا رہا تھا۔ درختوں کے ان جھنڈوں کے اس پار ایک کھائی تھی اور کھائی سے پرے جنگل تھا۔

ٹائیگر اوشان کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ "کیوں؟ کیا آپ کو علم ہے کہ وہ کہاں ملیں گے نسل فادر۔؟"

اوشان نے منہ کھولنے اور زبان کو حرکت دینے کی ضرورت محسوس نہیں کی بلکہ اپنی پتلی اور لمبی سی انگلی سے درختوں کی طرف اشارہ کیا جہاں سبزے پر دو متوازی لکیریں نظر آ رہی تھیں، غالباً یہ کسی چیز کو کھینچے جانے کے نشان تھے اور یہ نشان لاشوں کو گھسیٹنے سے بھی پیدا ہو سکتے ہیں۔

وہ قریب پہنچے تو اوشان ایک بڑے درخت کے قریب رک کر اس کے عقب میں دیکھنے لگا۔

وہاں تینوں لاشیں ایک ساتھ رکھی ہوئی تھیں۔

"واہ۔" اوشان بے ساختہ طور پر داد دے بیٹھا۔ "کتنا خوبصورت کام کیا ہے۔"

"ممکن ہے کہ آپ کے نزدیک یہ واقعی انتہائی خوبصورت کام ہو لیکن مجھے اس سے کراہت آ رہی ہے کیونکہ شاہکار کا سارا حسن چاقوؤں کے استعمال کے باعث ضائع ہو گیا ہے۔"

"حسن!" اوشان نے چونک کر ٹائیگر کی طرف دیکھا۔ "حسن سے تمہاری مراد کیا ہے؟"

"آپ جانتے ہیں کہ میں کیا کہنا چاہتا ہوں نسل فادر۔"

ٹائیگر نے مسکرا کر جواب دیا۔

"آں۔ ہاں۔" اوشان سر ہلا کر بولا۔ "تم درست کہتے ہو کہ جیا تن کے ماتھے پر بدنما داغ ہوتے ہیں لیکن اگر کوئی ہتھیاروں کا استعمال کرے تو پھر اسے خوبصورتی سے استعمال کرنا چاہیے... ذرا دیکھو۔ قاتل نے چاقوؤں کا استعمال کتنی نفاست سے کیا ہے... ذرا دیکھو تو سہی۔ صرف ایک ہی وار کارگر رہا۔ کوئی لاش مسخ نہیں ہوئی، کسی چہرے پر خراش تک نہیں لیکن اس تیسری لاش کو دیکھو۔"

اوشان کا اشارہ مارشل آرٹ کے ماہر کی طرف تھا۔ "یہاں بہرحال دو چاقو استعمال کیے گئے۔ پہلا چیخ روکنے کے لیے اور دوسرا ہلاک کرنے کے لیے۔" یہ کہتے ہوئے اوشان نے جوتے کی نوک سے لاش کو چھوا۔

"کیا آپ کا اب یہی خیال ہے کہ ان چاقوؤں کے دستے سُرخ تھے اور ان پر گھوڑوں کی شبیہہ بنی ہوئی ہے؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"مسئلہ خیال کا نہیں... یہ علم کا معاملہ ہے۔" اوشان نے بڑی سنجیدگی سے جواب دیا۔ "اور یہی بات خطرناک ہے کہ چاقوؤں کے دستے سُرخ ہیں جن پر گھوڑوں کی شبیہہ موجود ہے۔"

"تب پھر ویلے خوش قسمت ہے کہ ہم اس کی حفاظت کے لیے موجود ہیں۔"

"میں ویلے کے بارے میں بات نہیں کر رہا ہوں۔ خطرہ تمہیں ہے۔"

"مجھے...؟ مجھے بھلا کیوں؟" ٹائیگر نے حیرت سے پوچھا لیکن اس کا سوال مکمل ہونے سے قبل ہی اوشان وہاں سے چل دیا تھا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

وہ سبزہ زار پر پہنچے جہاں ویلے پریس اپنے پورٹیبل بیڈ پر کچھ اس طرح لیٹا ہوا تھا کہ سورج براہِ راست اس کی آنکھوں پر پڑ رہا تھا۔ رام چند نے اس کی ٹانگوں سے کمبل ہٹا دیا تھا اور سورج کی جانب چہرہ اٹھائے نجانے کیا بُدبُدا رہا تھا۔ تھیوڈیسا بغور اس کے چہرے کی جانب دیکھ رہی تھی۔ اس آنکھوں سے مسرت ہویدا تھی۔

ٹائیگر پر نگاہ پڑتے ہی اس کی آنکھوں کی چمک گہری ہو گئی اور اس کے ہونٹوں پر ایک معنی خیز مسکراہٹ دوڑ گئی۔ اوشان اس کی آنکھوں کی چمک دیکھ کر نفرت سے سر جھٹکنے لگا۔ اسے علم تھا کہ اس وقت تھیوڈیسا کو گزری شب کا فسانہ یاد آ گیا ہے۔

رام چند کی آواز اونچی ہوتی چلی گئی اور پھر اس نے ویلے کی ٹانگوں پر دونوں ہاتھ رکھ دیے۔

"یہ کیا کہہ رہا ہے ٹل فادر؟" ٹائیگر کو ایسا ہی لگا تھا جیسے رام چند اُردو کا غلیہ بگھار رہا ہے۔

"قدیم سنسکرت بول رہا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ اے سورج میری بات سن۔ سورج تم کہاں ہو؟ مجھ پر اپنی دھوپ کی چادر ڈال دو لیکن دھوپ سمت اور تیز بھی نہ ہو۔ کیا تم ایک ہی راستے پر چلتے چلتے کبھی نہیں اُکتاتے سورج؟"

"فادر۔ پلیز؟"

"یہ یہی کہہ رہا ہے۔" اوشان نے بُرا سا منہ بنا کر کہا "اب اگر یہ احمقانہ باتیں کر رہا ہے تو اس کا ترجمہ بھی احمقانہ ہی ہو گا؟"

اسی لمحے رام چند نے ہاتھوں سے ٹانگوں پر زور دیا تو ویلے چیخ اٹھا "درد۔ درد۔" وہ چلانے لگا لیکن اس درد کے باوجود اس کے لہجے میں خوشی تھی۔

"اوہ۔ ویلے۔ ڈارلنگ۔ مبارک ہو۔" تھیوڈیسا نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ وہ بھی بہت خوش تھی۔

"تھینک یُو سن۔" رام چند معاً ہی سنسکرت سے انگریزی پر اتر آیا "اوہ۔ مہربان بھگوان! شکریہ۔ دھن باد بھگوان؟"

"میری سیدھی ٹانگ؟" ویلے پھر چلایا "شاید۔ شاید میں اسے ... ہلا سکتا ہوں۔ دیکھو۔ تھیو۔ دیکھو؟"

تھیوڈیسا دانیں ٹانگ پر جھک گئی "آں۔ ہاں۔ شاید تھوڑی سی ہل رہی ہے۔" تھیوڈیسا نے غالباً ویلے کا دل رکھنے کے لیے کہہ دیا۔

"ہاں۔ بالکل۔ مجھے یقین ہے کہ ٹانگ ہل رہی ہے؟" ویلے نے پُراعتماد انداز میں کہا۔

"بس رام چند؟" تھیوڈیسا نے ہدایت کی "اب ویلے کو دوائیں دینی ہیں لہٰذا اندر لے چلو؟" اس ہدایت پر رام چند نے سر ہلایا اور پھر تھیوڈیسا ٹائیگر کے قریب آ گئی "کیا ملا؟" اس نے پوچھا۔

"تینوں محافظوں کی لاشیں؟" ٹائیگر نے مختصر سا جواب دیا۔

"یہ شخص فراڈ ہے عورت؟" اوشان نے رام چند کے بارے میں تھیوڈیسا کو بتایا۔

"شکریہ؟" تھیوڈیسا کا لہجہ سرد تھا "لیکن یہ فراڈ شخص بہرحال کچھ نہ کچھ نتائج پیش کر رہا ہے۔ کیا تینوں مر گئے؟"

"میں نے لاشوں کا ذکر کیا تھا؟" ٹائیگر نے بھی سرد لہجے میں جواب دیا اسے اوشان سے تھیوڈیسا کا طرزِ تکلم اچھا نہیں لگا تھا۔

"کیا ان کی جگہ نئے محافظ بھرتی کر لیے جائیں؟"

"پتا نہیں۔ اب تو ہمیں اس چاقو زن کے نمودار ہونے کا انتظار ہے؟"

تھیوڈیسا نے رام چند کی طرف دیکھا جو بیڈ کو دھکا دے کر عمارت کی طرف لے جا رہا تھا۔

"میں چلتی ہوں مجھے ویلے کو دوا دینی ہے؟"

یہ کہہ کر وہ آگے بڑھ گئی اور ٹائیگر اسے دور تک جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ اس کی چال بھی عام لڑکیوں کی چال سے بہت مختلف تھی؟

"یہ لڑکی ویلے کا واقعی بہت خیال رکھتی ہے ٹل فادر؟" وہ دھیمے لہجے میں بولا۔

"صرف اتنا کہ اسے بروقت دوا ملتی رہے؟" اوشان نے جواب دیا۔

"یہی تو میں نے کہا تھا؟"

"نہیں۔ تم نے یہ نہیں کہا تھا؟"

❋❋❋

جینی... جینی بننے سے قبل فلما ٹائر گرل تھی اور نوبارک کے ایک اشاعتی ادارے میں اسپیشل پروجیکٹ ایڈیٹر کے عہدے پر کام کرتی تھی اس عہدے پر کام کرتے ہوئے اس نے کبھی قلم استعمال نہیں کیا؟ ہاں۔ پبلشر کو ہر طرح سے خوش ضرور رکھا تھا لیکن پھر ایک نگران آیا اور پبلشر ایک الزام میں جیل چلا گیا؟ نیا پبلشر آیا تو اس نے کمرے کی ہر چیز بدل ڈالی۔ ان چیزوں میں جینی بھی شامل تھی۔ لیکن اسے پبلشر ہاؤس سے گراس میگزین کا زیرِ چھپنے میں زیادہ دشواری نہیں ہوئی۔ اس وقت گراس میگزین کی پہلی اشاعت بھی منظرِ عام پر نہیں آئی تھی۔ جینی کو یہاں نیا نام ملا کیونکہ فلما ٹائر گرل کا نام ویلے پریس کو اچھا نہیں لگا تھا۔ جینی کی ایک

ناموں مصنف ایم۔ الیاس۔ کے شہکار

قلم سے ایک اچھوتی کہانی

ذلیل

خوبصورت سرورق عمدہ پرنٹنگ کتابت

قیمت =\150 روپے

بات یہ تھی کہ وہ کچھ بھی نہ تھی لیکن سب کچھ کر سکتی تھی۔ اگرچہ اس شمارے میں سینٹر فولڈ کی رنگین تصویر میں تھیوڈیسا نے بکنی کی تھی لیکن اس کے بعد فلما یعنی نئی جینی نے مسلسل تین شماروں میں بہروپ بدل بدل کر کام کیا تاکہ لوگوں کو یہ احساس نہ ہو کہ وہ ایک ہی ماڈل دیکھ رہے ہیں۔ جینی کی ایک تصویر بہت مقبول ہوئی تھی۔ یہ تصویر قدرتی انداز میں تھی اور جینی نے کینڈل ڈانس کرتے ہوئے بنوائی تھی۔

اس کے اشاعتی ادارے کے تجربے سے ویلے بہت متاثر تھا لہٰذا اس نے جینی کو ایک خصوصی اسائنمنٹ دیا کہ وہ گراس میگزین کے تعلیم کاروں کا خاص خیال رکھے اور جب اس نے فلم بنانے کا ارادہ ظاہر کیا تو جینی کو یوں لگا جیسے اس کا دیرینہ خواب پورا ہو رہا ہے۔ وہ بچپن ہی سے فلم ایکٹریس بننے کی آرزومند تھی اور اب ویلے نے اسے دن میں خواب دیکھنے پر مجبور کر دیا تھا۔

اسے یقین تھا کہ وہ فلم میں ضرور کام کرے گی اور الزبتھ ٹیلر کا جادو اس کی کامیابیوں کے سامنے ماند پڑ جائے گا لیکن جب ویلے پریس نے اسے بتایا کہ وہ پروٹو فلم بنانے کا ارادہ رکھتا ہے تو مایوس سی ہو گئی لیکن پھر اس نے خود کو سمجھا کر ہر بڑی اداکارہ نے کسی نہ کسی طرح ایسی ہی فلموں سے آغاز کیا ہے۔

لیکن تازیانہ اس وقت لگا جب تھیوڈیسا نے ٹیلی فون پر بتایا کہ ویلے کی معذوری کی باعث فلم بنانے کا ارادہ ترک کر دیا گیا ہے۔ تب ہی جینی کو احساس ہوا کہ تھیوڈیسا نے اس کا کیریئر تباہ کرنے کے لیے ویلے کو فلم بنانے سے روک دیا ہے۔ اسے پہلے ہی اندازہ تھا کہ تھیوڈیسا اس سے حسد کرتی ہے اور وہ ویلے سے اس کی قربت پسند نہیں کرتی وہ انتقام کی آگ میں سلگنے لگی۔

اور پھر جب ول لوبن نے اس سے رابطہ قائم کیا تو جینی نے معاوضہ کی بھی بات نہ کی اور جب لوبن نے اسے بتایا کہ وہ ہالی وڈ کے ایک شاندار اسٹوڈیو میں اس کا اسکرین ٹیسٹ کرانے کا تو وہ ویلے کے خلاف سب کچھ اگلنے پر آمادہ ہو گئی۔

جینی فرینکفورٹ ائرپورٹ پر اتری تو لوبن اس کا استقبال کرنے کے لیے وہاں موجود تھا۔ وہ بہت خوش ہوئی لیکن اسے یہ دیکھ کر مایوسی بھی ہوئی کہ وہاں اس کا انٹرویو لینے کے لیے کسی اخبار کا کوئی نمائندہ موجود نہیں حالانکہ وہ اس موقع کو ذہن میں رکھ کر محض ٹرینچ کوٹ پہن کر آئی تھی۔

"اب میری بات غور سے سننا؟" کار چلاتے ہوئے لوبن نے جینی سے کہا۔

"مجھے اسی بات سے نفرت ہے؟" جینی مشتعل ہو گئی۔

"کس بات سے؟" لوبن حیرت زدہ رہ گیا۔

"کیا تم اس انداز میں مارلین منرو سے بات کر سکتے تھے؟"

"سوری؟" موقع شناس لوبن نے فوراً معذرت کر لی "میری خواہش ہے کہ تم رابرٹ نڈرملکی سے ملاقات کرو۔ وہی ویلے پریس کے خلاف اہم کاغذ ہے؟"

"کیا چیز ہے وہ؟"

"محض ایک فراڈ؟" لوبن نے راست گوئی سے کام لیا "لیکن اس کے پاس بے تحاشا رقم ہے۔ ٹی وی ریڈیو اور اخبارات پر اس کا بہت اثر ہے لہٰذا تمہاری کہانی ایک ساحل سے دوسرے ساحل تک منٹوں میں سفر کرے گی، تم روشن ستارہ بن جاؤ گی اور پھر پردۂ سیمیں پر جلوہ گر ہو کر قیامت ڈھا دو گی؟"

"شاندار۔ میں تیار ہوں؟" جینی ایک ادا سے مسکرا کر بولی۔

"ویسے رابرٹ نڈرملکی؟"

"وہ ایسی اداؤں بہت پسند کرتا ہے؟" لوبن نے آنکھ مار کر جواب دیا۔

"تب پھر میں اس کا خاص خیال رکھوں گی؟"

"لیکن میں یہ نہیں چاہتا؟"

"کیوں؟"

"اس لیے کہ جب تک اشتہار تمہیں تڑپاتی رہے گی اس وقت تک کام میں اس کی دلچسپی برقرار رہے گی؟"

اگرچہ یہ بات جینی کی سمجھ میں نہیں آئی لیکن اسے بہرحال لوبن پر اعتماد کرنا تھا۔

پادری کی سیکرٹری نے جونہی جینی کو دیکھا اس کے دماغ میں خطرے کی گھنٹیاں بج اٹھیں۔ وہ ٹرینچ کوٹ والی اس حسینہ کو اپنے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

اقتدار کے لیے خطرہ سمجھ رہی تھی۔

اور جب ریورنڈ ہلکی نے مینی کو دیکھا تو وہ ٹھوک نگل کر مسکرانے لگا پھر اس نے یوبن سے مطالبہ کیا کہ وہ کمرے سے باہر انتظار کرے تاکہ وہ لڑکی کے بیان کی از خود تصدیق کر سکے۔ یوبن کندھے اُچکا کر باہر بیٹھ گیا۔ پھر اسے اندر سے آوازیں آنے لگیں یہ آوازیں سیکرٹری نے بھی سنیں وہ تیزی سے دروازے تک گئی اس نے ڈور ناب گھمائی مگر دروازہ مقفل تھا لہٰذا وہ پیر پٹختی ہوئی اپنی ڈیسک پر بیٹھ گئی۔

پانچ منٹ بعد دروازہ کھلا اور خود مینی نے اشارہ سے یوبن کو اندر بلالیا۔ اندر ہلکی سر جھکائے ہوئے بیٹھا تھا اس کے چہرے پر مایوسی تھی۔

"میں نے اس بچی کی پوری کہانی سن لی ہے" ہلکی نے ایک سرد آہ بھر کر کہا۔ "اور میں اس کے بیان سے مطمئن ہوں"

"تب پھر؟"

"میں جانتا ہوں کہ لوگ اس کی کہانی سن کر ویسلے پریس سے کتنی نفرت کرنے لگیں گے۔ میں آج شام ٹی وی والوں کو بلا کر بات کروں گا"

"گڈ" یوبن مسکرانے لگا اور پھر مینی کی طرف پلٹا "تمہیں یاد ہے کہ اس پورے کھیل میں میرا کوئی کردار نہیں ہے"

"قطعی نہیں" مینی نے کہا "تمہارا کوئی کردار نہیں میں تم سے واقف بھی نہیں ہوں میں نے ریورنڈ ہلکی کے بارے میں سنا تھا لہٰذا میں نے عیسائیت دشمن عناصر کے خلاف جنگ میں اپنی خدمات رضا کارانہ طور پر پیش کیں اور پھر تقدس مآب نے مجھے روشن راہ دکھائی تو مجھے احساس ہوا کہ ویسلے پریس کتنا گھناؤنا کھیل کھیل رہا ہے" تقدس مآب کہتے ہوئے وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی تھی اور ہلکی جھینپ گیا تھا۔

"تم ٹی وی والوں کو یہ بھی بتانا کہ ویسلے پریس ایک فش فلم میں تم سے کام کرانا چاہتا تھا لیکن تم اس انداز میں شہرت حاصل کرنا نہیں چاہتیں"

"شہرت حاصل کرنے کے لیے تو میں سڑک پر کیمرے ڈانس بھی کر سکتی ہوں" وہ پیڑی سے اُترنے لگی۔

"ہاں۔ میں جانتا ہوں لیکن مجھ پر اعتماد کرو میں جیسا کہتا ہوں ویسا ہی کرو اس کے بعد تم دیکھو گی کہ فلم ساز کس طرح تمہارے گرد چکر لگاتے ہیں"

"واقعی؟" مینی کی آنکھیں چمک اُٹھیں۔

"لٹل فادر۔ میں کچھ کنفیوز ہو رہا ہوں"

"پرندے اُڑتے ہیں اور مچھلیاں پانی میں تیرتی ہیں" اوشان نے جواب دیا۔

"کیا مطلب؟"

"جب حالات تدریجی دھارے پر چلتے ہیں تو تم کنفیوز کیوں ہو جاتے ہو۔؟"

"اگر آپ نے تعاون نہ کیا تو میں اپنا مسئلہ کسی اور کے سامنے پیش کر دوں گا"

"بیان کرو اپنا مسئلہ" اوشان نے شاہانہ انداز میں اسے مسئلہ بیان کرنے کی اجازت دیدی۔

"ابھی تک مجھے اس قاتل کا سُراغ نہیں ملا ہے۔ لیکن ہمارا کوتیل کمپنیوں پر شبہ ہے۔ میں نے بہرام سے کہا ہے کہ وہ رام چند کا جغرافیہ معلوم کرائے جو ہر وقت سوتا رہتا ہے۔ پھر اس گاؤں میں ایک جاہل پادری بھی موجود ہے"

"یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں"

"اوشان۔ یہ بہت اہم مسئلہ ہے۔ مجھے پریشان نہ کرو"

"میں معافی چاہتا ہوں"

"کیا۔؟" ٹائیگر اُچھل پڑا "یعنی آپ۔۔ اور معافی"

"ہاں" اوشان نے جواب دیا۔

"یہ پہلا موقع ہے کہ آپ نے ایسا لفظ استعمال کیا ہے" ٹائیگر وہیں بیڈ پر بیٹھ گیا اور اوشان کو حیرت سے دیکھتا رہا جو کھلی کھڑکی کے ساتھ کھڑا ہوا تھا۔

"شاید پہلے کبھی ایسا موقع نہیں آیا کہ میں معافی مانگتا"

"ایک عشرہ میں کبھی ایسا موقع نہیں آیا لٹل فادر۔!"

"ہاں۔ لیکن مجھے یہ احساس نہ تھا کہ تم معافی کے مسئلے پر اتنا ہنگامہ کھڑا کر دو گے جاہلوں کی طرح جرح کرو گے لہٰذا میں معافی کے الفاظ واپس لیتا ہوں"

"ناممکن" ٹائیگر نے سر ہلا کر کہا "کمان سے تیر نکل چکا ہے اور میں معافی قبول کر چکا ہوں"

اوشان نے سر جھٹک کر کھڑکی سے باہر دیکھا تو ٹائیگر کو نہ جانے کیوں ایسا لگا جیسے کوئی گرد بڑھ رہی ہے۔ اوشان نے معافی واپس لینے کے مسئلے پر کوئی ہنگامہ نہیں کیا تھا عام حالات میں وہ ۔۔ محض اسی ایک نکتے پر گھنٹوں بحث کر سکتا تھا کہ معافی قبول ہونے سے قبل واپس لے لی گئی تھی۔ غالباً اوشان کسی بات سے پریشان تھا۔

"کیا مسئلہ ہے لٹل فادر" ٹائیگر بہت سنجیدہ ہو گیا "آپ قاتل

کے بارے میں کیا جانتے ہیں؟"

"انتظار کرو" اوشان نے دھیمے لہجے میں جواب دیا۔ ساتھ ہی اپنے ایک صندوق کی طرف بڑھ گیا۔ اس میں سے اُس نے ایک سفید قبا نکالی اور پھر باتھ روم میں چلا گیا۔ ٹائیگر بروکیڈ کی اس سفید قبا کو پہچان گیا۔ اس رنگ اور کپڑے کی قبا اوشان صرف تزہیتی مصروفیات کے دوران پہنا کرتا تھا یا پھر اس وقت جب ٹائیگر کو کوئی انتہائی اہم بات بتانی ہوتی تھی ویسے بالعموم یہ اہم بات انجگ کی نظم کا کوئی حصہ، چاول چبانے کا درست طریقہ یا مچھلی بھوننے کا راز ہی ہوتی تھی۔

اوشان باتھ روم سے نکل کر فرش پر اس طرح آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا کہ اس کا رُخ ٹائیگر کی طرف تھا اس نے دونوں ہاتھ لمبائے کی چوڑی آستینوں میں چھپا لیے اور پھر ٹائیگر کی طرف دیکھنے لگا۔

ٹائیگر کو اپنے دل کی دھڑکن بے ترتیب سی ہوتی محسوس ہوئی وہ اوشان کی زبان سے جلد از جلد کوئی جملہ سننا چاہتا تھا لیکن اسے یہ بات اچھی طرح معلوم تھی کہ جب تک اس کے صبر کا پیمانہ لبریز نہ ہو جائے گا اوشان ایک لفظ بھی نہیں ادا کرے گا۔

"میں بہت اہم بات کہنے والا ہوں لہٰذا تم سے درخواست ہے کہ اسے کامل توجہ سے سننا" اوشان نے بہت دیر بعد کہا۔

"یس فادر۔ میں ہمہ تن گوش ہوں" ٹائیگر نے دھیمے لہجے میں جواب دیا۔

"تمہیں اندازہ ہو گا کہ میں نے ماضی میں بعض شرقی نسلوں کی زیادہ تعریف نہیں کی ہے"

"زیادہ تعریف!" ٹائیگر مسکرایا "میں جانتا ہوں کہ چینی بلی کا گوشت کھاتے ہیں، جاپانی احمق ہیں اور وینتامیوں کو بطخ کے کھانے کی تمیز نہیں"

"پلیز۔ اس وقت بات کے کرنی چاہیے شہزادہ؟"

"آپ کو" ٹائیگر فوراً ہی پسپا ہو گیا۔

"میں نے تمہیں یہ بھی بتایا تھا کہ جاپانیوں کا مؤقف بدلتا رہتا ہے اور اب یہ بھی مشورہ دے رہا ہوں کہ ان سے کبھی کوئی معاملہ نہ کرنا کیونکہ کچھ پتا نہیں کہ وہ کب اپنا مؤقف بدل لیں"

"درست۔ لیکن یہ مشورہ اب کیوں دے رہے ہیں؟"

"میں نے پہلے بھی یہ مشورہ دینے کا سوچا تھا لیکن پھر محض وقت کا انتظار کرتا رہا کہ تم ذرا بڑے ہو جاؤ گے تو بتا دوں گا"

"میں بڑا ہو چکا ہوں فادر"

"ہاں۔ لیکن سنانجو کی اصطلاح میں ابھی ایسے بچے ہو جو بہت کچھ سیکھنا باقی ہے"

"اس سے میں اتفاق کرتا ہوں کہ ابھی مجھے مزید بہت کچھ سیکھنا ہے" ٹائیگر نے جواب دیا لیکن ساتھ ہی چھت کی طرف دیکھتے ہوئے یہ بھی سوچا کہ آخر چھت پر ٹائلز کس نے لگائے ہیں۔ کارڈ بورڈ ٹائلز میں اسے دراڑ بھی نظر آ رہی تھی۔

"جاپانی کسی بات کو بڑھا چڑھا کر بھی پیش کرتے ہیں" اوشان نے مزید بتایا "مثال کے طور پر ان کا کہنا یہ ہے کہ ان کے بادشاہ سورج کے دیوتا کی اولاد ہوتے ہیں"

"جی ہاں" ٹائیگر نے سر ہلا کر کہا ویسے اس وقت وہ یہ سوچ رہا تھا کہ گولف کورس میں لونگ گیم ہو سکتا ہے یا نہیں۔

"تو جاپانیوں کا یہ عقیدہ ان کے دوسرے عقائد کی طرح بے بنیاد ہے" یہ کہہ کر اوشان ایک لمحے کے لیے رُکا اس کے چہرے پر کشمکش کے تاثرات اُبھرے اور پھر اس نے کہا "سمجھ میں نہیں آتا کہ تمہیں یہ سب کچھ کس طرح بتاؤں"

"اچھا" ٹائیگر مایوسی سے سر ہلانے لگا۔ اس کو معاً ہی گولف کورس میں ایک بار کھیلنے کا شوق ستانے لگا۔

"کوریا میں کوگریو نامی ایک قبیلہ رہتا تھا" اوشان نے سر جھٹک کر کہا "یہ لوگ بہت جنگجو تھے انھوں نے جنوب کے طوفان کی طرح شمال کوریا کو روند ڈالا۔ اور تمہیں علم ہے کہ اسی جگہ سنانجو بھی واقع ہے"

ابلیکا

اسلم راہی

جس میں حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک دنیا کی تاریخ پیش کی گئی ہے

سات جلدوں میں مکمل سیٹ۔/1950 روپے

ناشر: مکتبہ القریشی

اردو بازار لاہور

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"درست۔ سناجو شمال میں ہے مگر یہ کر کو نیلہ؟"

"کوگریو؟" اوشان نے تصحیح کی۔

"کیا انھوں نے سناجو کو بھی فتح کر لیا تھا لشل قادر؟"

"یقیناً نہیں؟" اوشان نے فوراً جواب دیا "تاریخ کی کئی جلدوں میں تحریر ہے کہ انھوں نے سناجو کو فتح کرنے کی کوشش کی تھی لیکن اس وقت کا ماسٹر۔ میری مراد عظیم وانگ سے نہیں یہ اس سے پہلے کے دور کی بات ہے۔ تو اس وقت کے ماسٹر نے گاؤں کے لوگوں کو جمع کیا اور حملہ آور کوگریوں کو مار بھگایا۔ کوگریوں کا اتنا نقصان ہوا کہ اس کی تاب نہ لاتے ہوئے شمال سے بھاگ گئے اور انھوں نے جنوب میں جا کر سکون کی سانس لی۔"

"پھر؟"

"پھر یہ کہ ان کے حربی طور طریقوں نے بہر حال سناجو کے بہت سے لوگوں پر گہرے تاثر چھوڑے اور ہمارے بہت سے نوجوان ان کے ساتھ ہی چلے گئے۔ ان ہی میں ایک خاندان کے کئی لوگ شامل تھے جس کا نام وانگ تھا۔"

"اوہ۔" ٹائیگر نے زبردستی حیرت کا اظہار کیا حالانکہ اب وہ اونگھنے لگا تھا "لیکن سوال یہ ہے کہ کوگریوں اور وانگ کا ہمارے موجودہ مسئلے یعنی قاتل سے کیا تعلق ہے؟"

"ممکن ہے کہ تم اس نکتے کو نہ سمجھ سکو۔" اوشان نے جواب دیا۔ "تم لوگوں کے سر بڑے ہیں، منہ بڑے ہیں، زبان بڑی ہے، ہاتھ پیر بڑے بڑے ہیں لیکن کوریا میں جہاں لوگوں کی جسامت بالکل درست ہے، وہاں کے لوگ زیادہ جلدی سمجھ جاتے ہیں۔ وانگ فیملی کے لوگ چھوٹے چھوٹے تھے۔ وانگ کے معنی بھی یہی ہیں یعنی چھوٹے لوگ۔ گاؤں کے بچے بھی بعض اوقات وانگ خاندان والوں کا مذاق اڑاتے تھے لہٰذا وہ لوگ ماسٹر کے پاس گئے انھوں نے شکایت کی کہ اسے جلیل القدر ماسٹر! یہاں کے لوگ ہمارے قد کاٹھ کی وجہ سے ہمارا مذاق اڑاتے ہیں۔ ہم اس ناانصافی کے خلاف کیا کریں؟"

اوشان نے انتہائی ڈرامائی انداز میں توقف کیا۔

"اور ماسٹر نے۔ اوہ۔ کیا میں تمھیں یہ بتانا بھول گیا کہ وہ عظیم وانگ نہ تھا؟"

"جی ہاں۔ وہ عظیم وانگ نہیں تھا۔"

"گڈ۔ تو اس وقت کے ماسٹر نے کہا کہ کسی شخص کی صلاحیت جرأت، ہمت، اعلیٰ ظرفی، ذہنی وسعت کا اندازہ اس کے جسم سے نہیں ہوتا۔ تم لوگوں کو چاہیے کہ تم اپنے عمل کے ذریعے سناجو کے باقی لوگوں کو اپنا گرویدہ بناؤ۔" اوشان نے سر ہلایا۔ "ماسٹر نے ان سے کہا کہ وہ کسی فن میں اعلیٰ مہارت حاصل کریں اس طرح لوگ ان کا احترام کرنے لگیں گے۔"

"کس فن میں؟" ان لوگوں نے ماسٹر سے پوچھا۔ وہ پورا خاندان ہی احمقوں پر مشتمل تھا۔ ماسٹر نے جواب دیا کہ تم کوئی سا بھی ہتھیار لے لو اور اس کے استعمال میں ماہر ہو جاؤ اس کے بعد لوگ تمھارے قد کا مذاق اڑانے کے بجائے تمھارا احترام کرنے لگیں گے۔ پھر بھی اگر ایسے لوگ باقی رہ گئے جو تمھارا احترام نہیں کر سکتے تو وہ تمھارے فن سے خوف زدہ ہو کر خاموش رہیں گے اس طرح تمھارا خاندان زندہ رہے گا۔"

"بالکل درست۔" ٹائیگر نے بمشکل اپنی جماہی روکی۔

"تو پھر ماسٹر کی مدد سے وانگ خاندان والوں نے مہارت حاصل کرنے کے لیے مشق شروع کر دی۔ وہ چاقو زنی کے ماہر بن گئے اور لوگوں نے ان کا مذاق اڑانا بند کر دیا۔ وہ ان لوگوں کا احترام کرنے لگے جو پہلے اپنے چھوٹے قد کی وجہ سے تمسخر کا نشانہ بنتے رہتے تھے پھر جب کوگریوں نے سناجو پر حملہ کیا تو وانگ خاندان نے گاؤں کا دفاع کرنے میں اپنی صلاحیتوں کا استعمال کرنے کی بجائے حملہ آوروں سے خفیہ معاہدہ کر لیا کہ وہ ماسٹر کو قتل کر دیں گے اور اس طرح گاؤں بے سہارا رہ جائے گا۔"

ٹائیگر کرسی بھی کر کے بیٹھ گیا۔ اسے خیال آیا تھا کہ اس نے اس پوری گفتگو میں چاقو کا نام سنا ہے۔ ویسے بھی اوشان کا لہجہ وانگ خاندان کی غداری کا ذکر کرتے ہوئے بلند ہو گیا تھا۔ وہ ٹائیگر کو اس طرح دیکھ رہا تھا جیسے وانگ فیملی کی غداری پر اس کے تاثرات معلوم کرنا چاہتا ہو لہٰذا ٹائیگر کو چہرے پر اداسی طاری کرنی پڑی۔

"لیکن وہ ناکام رہے۔" اوشان نے فاتحانہ انداز میں اعلان کیا۔ "اگرچہ وہ چاقو زنی میں ماسٹر کے شاگرد تھے لیکن بھلا ان کا اور ماسٹر کا کوئی مقابلہ تھا؟ انھوں نے ماسٹر پر حملہ کیا تو چاقو کے پھل اُن کے اپنے جسموں میں نراز دہو گئے۔ صرف ایک بچا یہ تیرا بیٹا تھا جو بھاگ نکلا۔ ماسٹر نے اپنے گرد پڑی ہوئی لاشوں میں سے ایک لاش میں پیوست چاقو نکالا۔ اس پر ناخن سے گھوڑے کی شبیہ بنائی جو خیر ملکی کی علامت ہوتی ہے اور اسے بھاگنے والے کی طرف اُچھال دیا، ساتھ ہی اس نے اعلان کیا کہ اب وانگ خاندان کو سناجو میں خیر ملکی قرار دیا جائے گا اور یہ کہ بچنے والا اگر اپنی سلامتی چاہتا ہے تو پھر کوگریوں کے ساتھ چلا جائے۔"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ وانگ خاندان والے چوری چھپے حملے کرنے لگے ہوں گے۔"

معروف مصنف اقلیم علیم کے قلم سے لکھی گئی ایک پراسرار اور طلسماتی داستان

سنگتراش

ایک سنگتراش کی محبت کا دلگداز فسانہ
جس کی محبوبہ کی روح پر دیوتا کے قبضے میں تھی

دو جلدوں میں۔ جلد اول -/175 جلد دوئم -/175 مکمل سیٹ -/350 روپے

معروف مصنف اقلیم علیم کے قلم سے لکھی گئی پہلی اسلامی دار کہانی، جس نے مقبولیت کے نئے ریکارڈ قائم کیے

ناگ بھون

انتقام پر تلی ہوئی زہریلی ناگنوں، جل کماری اور ناگ رانی کے طلسماتی تصادم میں گھرنے کے بعد ایک نئی زندگی حاصل کرنے والے محمد سلطان خان کی لرزہ خیز کہانی، جو اقلیم علیم نے اسی کے الفاظ میں بیان کی ہے۔

دو جلدوں میں۔ جلد اول -/175 جلد دوئم -/175 مکمل سیٹ -/350 روپے

اسٹاکسٹ
مکتبہ القریش ◎ سرکلر روڈ
اردو بازار، لاہور۲۔ فون: 7668958
E.mail: al_quraish@hotmail.com

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"شکر ہے۔ تم نے ایک ایک لفظ اچھی طرح سمجھ لیا ہے۔" اوشان نے خوش ہو کر کہا۔ "جنگ کے بعد ماسٹر نے ایک نظم لکھی جس میں واخاندان پر لعنت ملامت کی تھی۔ اور اس نظم میں ہے:

"پلیز۔ اس وقت نظم کا مسئلہ درپیش نہیں لٹل فادر۔" ٹائیگر نے گھبرا کر کہا۔

"مگر وہ نظم انتہائی اہمیت کی حامل ہے فرزند۔"

"یقیناً ہوگی لیکن فی الوقت جس موضوع پر آپ بات کر رہے ہیں اسی پر قائم رہیں۔"

"نظم چھوٹی سی ہے۔ اگر سن لیتے تو۔"

"سناںجو کی کوئی نظم چھوٹی نہیں ہوتی۔ ہاں تو پھر باقی بچنے والے واخا کیا ہوا؟"

"وہ کوگریوں کے ساتھ چلا گیا اور کوگری اسے لے گئے اور وہ جنوب میں چلے گئے۔" اوشان نے جواب دیا۔ "وہ بھاگے اور اپنے اجداد کے صوبے کایا میں چھپ گئے۔ انھوں نے پھر بڑے ہاتھ پیر مارے تو جنوب پر غالب آ گئے لیکن ہوں ملک گیری کا جذبہ ایسا انہیں کہ جلد ختم ہو جانے والی سفلی جذبات میں جاپان کے کوئی شوریدہ سر میں لے گیا۔ انھوں نے اپنے گھوڑوں کو لے جانے کے لیے کشتیاں بنائیں۔ اس زمانے میں جاپان میں گھوڑے نہ تھے۔ یہ وہ دور تھا جب شاطرو اکوگریوں کے لیڈر کا شیرا علی بن چکا تھا۔"

اس کے بعد اوشان اس طرح چپ ہو گیا جیسے کہانی ختم ہو گئی ہو۔

"بس؟" ٹائیگر نے گہرے اشتیاق سے پوچھا۔ اب اُسے بھی اس کہانی سے دلچسپی محسوس ہونے لگی تھی وہ جانتا تھا کہ کہانی سنانے میں بھی اوشان کا کوئی نہ کوئی مقصد ضرور پوشیدہ ہے۔ گو شان نے کی شرارت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"ہاں۔ لیکن نظم باقی رہ گئی ہے۔"

"نہیں۔ ابھی کہانی باقی ہے۔"

"تو تم یہ چاہتے ہو کہ میں اب تک کی کہانی سنا دوں؟"

"یقیناً لٹل فادر۔ آپ نے محسوس کیا ہوگا کہ میں کتنے غور سے یہ سب کچھ سنتا رہا ہوں۔"

"تو پھر یہ ہوا کہ کوگریوں نے بڑی سرعت سے پورے جاپان پر قبضہ کر لیا کیونکہ اس وقت جاپانی فن حرب کے ماہر نہ تھے ویسے بھی ان کے پاس واکے مشوروں کا کوئی توڑ نہ تھا۔"

"اب میں چند سوالات کرنا چاہتا ہوں۔"

"کہانی بہت واضح ہے۔ سوالوں کی گنجائش نہیں۔" اوشان نے دونوں ہاتھ پھیلا کر کہا۔

"آپ نے بتایا تھا کہ کونارں۔"

"کوگریو۔" اوشان نے سُدھارتے ہوئے اصلاح کی۔

"انھوں نے جاپان فتح کر لیا لیکن وہ وہاں کب تک رہے؟"

"بہت طویل عرصہ تک۔"

"تب پھر اصلی جاپانیوں کا کیا بنا؟"

"وہ واکے حکم پر ختم کر دیے گئے۔ چند کے سوا سب مر گئے اور جو بچے انھوں نے شمال جاپان میں پناہ لی اور وہ آج بھی وہیں ہیں انھیں اینو کہا جاتا ہے۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ جاپانی بادشاہ سورج کی اولاد نہیں بلکہ کوریائی گھڑ سواروں کی نسل سے ہیں۔"

اوشان نے جواب میں بڑی اُداسی سے سر ہلا دیا۔

"تب پھر جب آپ جاپانیوں کی بُرائی کرتے ہیں تو دراصل آپ کا نشانہ کوریائی ہی ہوتے ہیں لٹل فادر۔" ٹائیگر نے گھما پھرا کر اوشان کو بے وفا ثابت کر دیا۔

"بے وقوف... سنگدل۔" اوشان نے بے چارگی سے کہا لیکن اس وقت اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔

"تو کیا آپ جاپانیوں کی نسل سے ہیں؟" اس سوال پر اوشان نے فیصلے انداز میں منہ دوسری طرف پھیر لیا۔

"واکا کیا ہوا لٹل فادر؟"

"وہ بادشاہ کا مشیر، محافظ اور رفیق بن گیا۔" اوشان نے منہ پھلا کر جواب دیا۔ "وہ بادشاہ نہ تھا لیکن بادشاہت اس کے پاس تھی اس کے بہت سے بچے ہوئے جن کو اس نے اپنا نام سکھایا۔"

"آپ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ویسلے پریس کو چاقو مارنے والا بھی واخیل کا رکن ہے؟"

"ہاں۔" اوشان نے جواب دیا۔ "میں نے سنا تھا کہ واخاندان کی خدمات منڈی میں برانے فروخت ہیں۔ سڑک پار اس عمارت میں، میں نے وہ جگہ دیکھی جہاں حملہ آور کھڑا ہوا تھا جہاں تمھارے پیروں کی وجہ سے تختہ پیچ اُٹھا تھا لیکن قاتل کھڑا ہوا تو تختہ اس کے جانے کے بعد بھی سلامت تھا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ قاتل یا حملہ آور مجھ سے زیادہ وزنی نہیں۔ پھر اس نے حملے کے لیے جو فاصلہ منتخب کیا وہ بھی اس کی شناخت کا سبب بنا۔ چاقو کے زخم کا زاویہ بھی چغلی کھا گیا۔ اس کے بعد ہم نے دیکھا کہ وہ لاشیں کھینچ کر لے گیا اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ اتنا طاقتور نہیں کہ کسی کو اُٹھا کر لے جائے اور ان تمام باتوں کا مطلب صرف یہ ہے کہ وہ "وا" ہے۔ اس طرح خطرہ

بہت [illegible]

"ہم کس کے لیے؟"

"تمھارے لیے۔" اوشان نے دوٹوک جواب دیا۔

"مگر میرے لیے کیوں؟"

"اس کا جواب نظم میں ہے جو تم سننا نہیں چاہتے۔"

"نظم۔ ٹائیگر گھوک نکل کر بولا۔ "ہاں۔ نظم ٹھیک ہے۔ اب وہی سنا ہی دو۔" ٹائیگر نے کچھ اس طرح منہ بنا کر کہا جیسے وہ کوئی کڑوی چیز نگلنے کی تیاری کر رہا ہو۔

"ہُوں۔" اوشان نے اس طرح کہا جیسے وہ نظم سنا کر ٹائیگر پر کوئی احسان کرے گا۔ "میں نے تمھیں بتایا تھا کہ نظم زندہ بچنے والے واپر لعنت ملامت ہے لیکن ابھی تک کوئی بھی اس کا بہتر ترجمہ نہیں کر سکا ہے۔"

"آپ صرف مرکزی خیال بتا دیں۔"

"ہاں۔ تو ماسٹر نے آخری دائے کہا۔ کیونکہ میں نے تمھیں بُرائی کی تربیت دی لہٰذا مجھے تمھاری بداعمالیوں کی سزا ملنی چاہیے۔ میں اپنی سزا تجویز کرتا ہوں کہ میں تمھیں قتل کرنے کے لیے تمھارے تعاقب میں نہیں آؤں گا... مگر اے شیطان! سنو۔ برسوں بعد میرے بیٹے تمھارے بیٹوں کی تلاش کریں گے... میں یہ فرض اپنی نسل کے سپرد کر رہا ہوں کہ وہ تمھاری نسل کی تلاش کرے اور... سناںجو کے نوجوان ماسٹر تمھاری نسل کو تلاش کر لیں گے، واکو ہو ندا کہ میں گے اور مار ڈالیں گے۔ یہی میری بددعا ہے اور یہی تمھارا مقدر۔"

ٹائیگر سر ہلا کر رہ گیا۔

"اب تم سمجھے کہ وہ تمھارے لیے خطرناک کیوں ہے؟" اوشان نے پوچھا۔

"نہیں۔"

"تم واقعی مٹی کے مادھو ہو۔" اوشان نے تلخ لہجے میں جواب دیا۔ "میں موجودہ ماسٹروں لہٰذا اس ماسٹر کی نظر اور پیش گوئی کے پیش نظر واپر حملہ نہیں کر سکتا۔ یہ کام خود تم ہی کو کرنا ہے اور اس کام میں... میں تمھاری مدد بھی نہیں کر سکتا۔"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں سناںجو کے تربیت یافتہ قاتل کا سامنا ہے لٹل فادر۔"

"ہاں۔" یہ جواب دیتے ہوئے اوشان نے شاید شرم سے سر بھی جھکا لیا۔ وہ اچانک ہی اداس ہو گیا تھا۔

"اور وہ جاپانی جن کی آپ تحقیر کرتے رہتے ہیں کیا واقعی آپ کے عزیز ہیں؟"

اوشان نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"آپ کو واقعی شرمندہ بھی ہونا چاہیے، لٹل فادر۔" ٹائیگر اب اسے چھیڑ رہا تھا۔

"سنو۔" اوشان نے سر جھکا کر کہا۔ "واجاپانیوں کی نسل کا تعلق سناںجو کے گاؤں سے نہیں، وہ کوگریوں کی اولاد میں سے ہیں اور کوگری انتہائی غلیظ لوگ تھے جن کو صرف گھڑ سواری آتی تھی۔"

"پھر بھی۔ اب یہیں جاپانیوں کی بُرائی کم از کم آپ کے منہ سے سننا نہیں چاہتا۔" ٹائیگر نے کہا۔ "ویسے ابھی تک ہمیں یہ معلوم نہیں ہوا ہے کہ موجودہ واکس کے لیے کام کر رہا ہے۔"

"بھلا یہ کیسے معلوم ہو؟" اوشان نے مسکرا کر جواب دیا۔ "جاپانی لالچی لوگ ہیں، وہ کسی کے لیے بھی کام کر سکتے ہیں۔" یہ کہہ کر وہ اٹھ کھڑا ہوا اور اس کا مطلب یہ تھا کہ سبق ختم ہو گیا۔ اسی لمحے فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ دوسری طرف بہرام ہی تھا۔ "کیا تمھیں علم ہے کہ لیون کاؤنٹی میں موجود ہے؟"

"کون؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"ول لیون۔" بہرام نے جواب دیا۔ "وہ کل رات ہی وہاں پہنچا ہے۔ اس کا تعلق فوسل فیول انڈسٹری سے ہے اور اس کی تعیناتی نیویارک میں اکنس میں ہے۔"

"ٹھیک ہے میں اُس پر بھی نظر رکھوں گا۔"

"ایک عورت جینی بھی آج صبح فرزوننگ کاؤنٹی پہنچی ہے۔"

"سن لیا۔" ٹائیگر بولا۔ ویسے وہ ابھی تک ول لیون کی آمد کے بارے میں سوچ رہا تھا معاً اسے خیال آیا تھا کہ شاید تصویر ڈیسکایہ مجزیہ درست ہو کر تیل کمپنیاں ہی اس سارے معاملے کے پیچھے ہیں اور ممکن ہے کہ انھی کمپنیوں نے ویسلے پریس کو قتل کرانے کے لیے واکی خدمات حاصل کی ہوں۔

"ہم نے رام چند کے بارے میں بھی معلومات حاصل کی ہیں۔" بہرام نے کہا۔ "وہ باطنی نور کی تحریک کا سربراہ ہے ویسے ہماری اطلاعات کے مطابق اس تحریک کا رکن بھی صرف وہی ہے۔ اس کا بھائی اقوام متحدہ آنے والے بھارتی وفد کا رکن ہے۔ رام چند بنیادی طور سے جیب کترا ہے اور کچھ دنوں قبل ورلڈ سیریز گیم میں یانکی اسٹیڈیم سے جیب تراشتے ہوئے پکڑا بھی گیا تھا لیکن اس کے بھائی نے اپنے سفارتی منصب سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اسے رہا کرا لیا۔ یہ اطلاعات بھی ہیں کہ دونوں بھائی بمبئی میں عصمت فروشی کا ایک اڈہ چلاتے ہیں جہاں صرف نوعمر لڑکیاں ہوتی ہیں۔"

بہرام سے اس گفتگو کے بعد ٹائیگر ٹیلیویژن کے کمرے میں

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

گیا دھماکا کا گاؤن پہنے ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی ہوئی تھی وہ ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے میں ٹائیگر کا عکس دیکھ کر چونک گئی پھر فوراً ہی اس کے چہرے پر مسکراہٹ ناچ گئی۔

ٹائیگر کو موٹیل والے کمرے کی چابیاں ڈریسنگ ٹیبل پر ہی رکھی ہوئی نظر آگئیں۔

"کیا تم جینی نامی کسی عورت سے واقف ہو؟" ٹائیگر نے فیصو ڈیسا کے پیچھے کھڑے ہو کر آئینے میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"جینی۔ فلما۔!" فیصو ڈیسا حیرت سے اسے دیکھتی رہ گئی۔ "تم اس کے بارے میں کیا جانتے ہو؟"

"وہ ہے کون؟"

"ولیسلے کے لیے بعض اوقات کام کرتی ہے۔" فیصو ڈیسا بولی۔ وہ کچھ کہنے سے ہچکچا رہی تھی لیکن بالآخر اس نے سب کچھ بتانے کا فیصلہ کر ہی لیا۔ "دراصل ولیسلے پریس اُسے دوسروں کو خوش رکھنے کے لیے استعمال کرتا ہے۔ اس کی کئی تصویریں گراس میں بھی شائع ہو چکی ہیں لیکن تم یہ بتاؤ کہ تمہیں اس کے بارے میں کیسے اور کیا معلوم ہے؟"

"وہ فرولونگ کاؤنٹی میں ہے۔"

"کیا۔" فیصو ڈیسا کا چہرہ سُست سا گیا۔ "یہاں...! فرولونگ میں کیا لینے آئی ہے؟"

"پتا نہیں۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ "لیکن جینی کے علاوہ ایک اور شخص فرولونگ پہنچا ہے۔"

"کون؟"

"دل بولین۔ اس سے واقف ہو؟"

"نہیں۔" فیصو ڈیسا اس نام پر غور کرنے کے بعد بولی۔ "اس کا تعلق تیل کی صنعت سے ہے۔"

اس بار فیصو ڈیسا یوں اُچھلی جیسے اس کے پیروں میں اسپرنگ لگ گئے ہوں۔ اس کے چہرے پر خاصا تاثرات تھے۔

"دیکھا۔" اس نے پُرجوش لہجے میں کہا۔ "میں نے کہا تھا نا کہ تیل والے ولیسلے پریس کے خلاف سازشیں کر رہے ہیں۔"

"تمہیں یقین ہے کہ سازشی وہی لوگ ہیں؟"

"ہاں۔ کیونکہ ولیسلے پریس کو ہلاک کرنے کا جواز کسی اور کے پاس نہیں۔"

"ٹھیک ہے۔ اور سنو۔" ٹائیگر نے دھیمے لہجے میں کہا۔ "رام چند فراڈ ہے۔"

"کیوں؟ کیا ہوا۔" اس بار فیصو ڈیسا کے چہرے پر ناگواری نمودار ہوئی تھی۔

ایک پراسرار مورتی کے حصول کے لئے ہونے والے خوفناک معرکے کا احوال

خبیث

انوار صدیقی کے پراسرار قلم سے

5 حصوں میں مکمل سیٹ =/200 روپے

مکتبہ القریش سرکلر روڈ اردو بازار لاہور

فون 7668958

"وہ جیب کترا اور عورتوں کا دلال ہے۔"

"اوہ۔" فیصو ڈیسا کے چہرے پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ "یہ مجھے معلوم ہے۔"

"کیا تمہیں کوئی پریشانی نہیں؟"

"رام چند کیا تھا! یہ زیادہ اہم بات نہیں۔ فی الحال تو وہ میسلے کے رُوپ میں آیا ہے اور اس کا علاج کارگر ثابت ہو رہا ہے۔"

"کیا تمہیں یقین ہے کہ وہ علاج ہی کر رہا ہے؟"

"یقین کا کوئی مسئلہ نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ ولیسلے کو بھی احساس ہو رہا ہے کہ اس کی ٹانگوں میں جان واپس آ رہی ہے اس میں اعتماد لوٹ کر آ رہا ہے اور اب وہ زندہ رہنا چاہتا ہے۔"

"خیر۔ یہ تمہارے خیالات ہیں اور یہ تمہیں خیال بدلنے پر مجبور نہیں کر سکتا۔"

"تم اس دوران بہت مصروف رہے ہو لیکن باہر بھی نہیں نکلے پھر تمہیں یہ سب باتیں کس طرح معلوم ہوئیں؟" فیصو ڈیسا نے ٹائیگر سے پوچھا۔

"یہ مت بھولو کہ تم ہمیں معقول معاوضہ ادا کر رہی ہو' اس رقم میں کچھ رقم بطور معاوضہ دے کر میں نے یہ معلومات حاصل کی ہیں۔"

"کل رات ہمارے محافظ قتل ہوئے۔" فیصو ڈیسا اچانک سنجیدہ ہو گئی۔ "کاش فلما اس چکر میں ملوث نہ ہو۔ خیر ٹھیک ہے میں ذرا ولیسلے کو دیکھ آؤں۔"

✦✦

ریورنڈ جگی بلکی کو علم تھا کہ پریس کانفرنس کے لیے صبح کا وقت مناسب نہیں ہوتا کیونکہ رپورٹر صبح دیر سے بیدار ہوتے ہیں اور شام ہوتے ہوتے صبح کی خبر پرانی ہو جاتی ہے لہٰذا شام کو صبح والی خبر فوراً خبروں سے غائب ہو جاتی ہے اور رات کی پریس کانفرنس بھی مناسب نہیں ہوتا کیونکہ رپورٹر تھکے ہوئے

ہے اور خبر بنانی پڑتی ہے وقت کم ہوتا ہے لہٰذا وہ خبر مختصر کر دیتے ہیں۔ اس کے نزدیک پریس کانفرنس کا بہترین وقت دوپہر کا تھا۔ اس وقت تک رپورٹر تر و تازہ ہوتا ہے اور پھر فری لنچ کی کشش اُسے کھینچ کر لے آتی ہے۔ اس کے پاس خبر لکھنے کے لیے کافی وقت ہوتا ہے اور اگر پریس کانفرنس کا دعوت نامہ کسی دعوت کی انتہائی پُرکشش آواز میں آئے تو پھر پورا رپورٹر سب کچھ بھول کر اس پریس کانفرنس میں آ جاتا ہے۔

بلکی نے اپنی سیکرٹری سسٹر گوری کو فوراً ٹیلی فون پر بٹھا دیا تاکہ تمام ٹی وی رپورٹروں کو یہ اطلاع پہنچ جائے کہ وہ ایک اہم پریس کانفرنس میں ولیسلے پریس کی ایسی سازش کا انکشاف کرے گا جس سے وہ دہشت زدہ ہو جائیں گے۔ ساتھ ہی اس نے کورنی کو ہدایت کی وہ یہ اشارہ بھی دیدے کہ ایک سابق گراس گرل بھی پریس کانفرنس میں موجود ہو گی۔

گوری ٹیلی فون کرتی رہی اور ساتھ ہی پُرتشویش انداز میں بلکی کے کمرے کی طرف بھی دیکھتی رہی جس کا دروازہ بند تھا۔

اندر کمرے میں بلکی اور جینی اُس لباس پر بحث کر رہے تھے جو جینی کو پریس کانفرنس میں پہننا تھا۔

"یہ کپڑے کیسے رہیں گے؟" جینی نے نائیلون کے دو مختصر ٹکڑے اُٹھاتے ہوئے پوچھا۔

"پتا نہیں۔ لیکن بہتر یہ ہو گا کہ انہیں ابھی پہن کر دیکھ لو۔"

جب جینی نے وہ لباس پہن لیا تو اسے دیکھ کر بلکی کا منہ بن گیا کیونکہ وہ لباس آئٹرا نیسر نٹ ہے کہ فلم بنتے وقت اس کی چمک کیمرے پر بنے گی اور فلم خراب ہو جائے گی لہٰذا جینی نے دوسرے لباس آزمائے۔

جینی! بولین کے مشورے پر عمل کرتی رہی پھر جب جینی نے اس سے وعدہ کیا کہ وہ پریس کانفرنس کے بعد اس سے طویل ملاقات کرے گی تو وہ خوش ہو گیا۔

⁂

رپورٹر بہت بور ہو رہے تھے کیونکہ دو روز سے انہیں بلکی کے چھوٹے سے مظاہرے کے سوا کوئی اور خبر نہ ملی تھی وہ پریس کانفرنس میں بھی بوریت کے اسی احساس کے ساتھ آئے تھے لیکن جونہی سُرخ مگر مختصر لباس میں جینی وہاں آئی اُن کی ساری اکتاہٹ دُور ہو گئی۔

اس نے انہیں بتایا کہ ولیسلے پریس کاؤنٹی کو خس فلموں کے آؤٹ ڈور اسٹوڈیو میں بدل دینا چاہتا ہے اور یہ کہ اس نے اپنے پہلی فلم میں کام کرنے کی بھی کوشش کی ہے۔

بلکی نے یہ لمحہ کر پریس کانفرنس کا اختتام کیا کہ اب جو جنگ شروع ہوئی ہے وہ خدا سے ڈرنے والوں اور شیطان کے چیلوں کے درمیان ہے۔ وہ بہت کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن اس نے جونہی سب سے بڑے فیشن میگزین اسٹار کے رپورٹر کے ساتھ جینی کو جاتے ہوئے دیکھا تو اُس کا دل بیٹھنے لگا۔ رپورٹر سے جینی نے وعدہ کر لیا تھا کہ وہ صفحہ اوّل پر اس کی رنگین تصویر شائع کرائے گا۔

"ہم آج ہی شام کو ولیسلے پریس کے خلاف جلوس نکالیں گے۔" بلکی نے چلّا کر کہا اور جینی کے پیچھے لپک گیا۔

⁂

ٹیلی ویژن پر پریس کانفرنس کی فلم بھی دکھائی گئی اس وقت اوشان اور ٹائیگر بھی ولیسلے پریس کے کمرے میں ٹی وی دیکھ رہے تھے۔

"کتیا۔" ولیسلے پریس جینی کو دیکھ کر غرّایا۔

"وہ تو پیدائشی کتیا ہے۔ تمہیں آج پتا چلا۔" فیصو ڈیسا نے تلخ لہجے میں جواب دیا۔ "اور اب تو ان لوگوں نے اُسے پھنسا لیا ہے۔ اب وہ اُن کی زبان بولے گی۔"

"اگر اس کتیا سے تمہاری ملاقات ہو تو اسے بتا دینا کہ میرا اس کا تعلق ختم۔ میں مکاؤ شارک کے ساتھ اسے نہیں کسی اور لڑکی کو لوں گا۔"

"گڈ۔ بہترین انتقام یہ ہے کہ خوش باش زندگی گزاری جائے۔" اوشان نے کہا۔

"کسی معذور اور اپاہج کی زندگی میں کبھی خوشی کی رمق تک نہیں ہوتی۔" ولیسلے پریس چڑچڑے انداز میں بولا۔ "تم اپاہج ہو کر زندہ رہو اور پھر خود دیکھو کہ زندگی کتنا بڑا بوجھ بن جاتی ہے۔"

"تم بہتر کام کر کے خوشگوار زندگی گزار سکتے ہو۔" اوشان نے کہا۔ "تم اب بھی چھاپے خانے چلا سکتے ہو۔ شاہکار ناول اور نظمیں چھاپ سکتے ہو۔ مصوری کے عظیم نمونے لوگوں کو چھاپ کر دکھا سکتے ہو کیا تم نے کبھی انگ کی نظموں کو سنا ہے؟"

"مجھے شاعری سے کبھی دلچسپی نہیں رہی۔"

"تب پھر تم عظیم شاعر انگ کی نظموں کو ضرور پسند کرو گے۔" یہ کہہ کر اوشان نے انگ کی کوئی نظم سنانا شروع کر دی جو ظاہر ہے کہ ولیسلے کی سمجھ سے باہر تھی وہ گھبرا کر ٹائیگر کو دیکھنے لگا جو خود چھت کو گھورے جا رہا تھا۔ اِدھر اوشان کے دونوں ہاتھ اس انداز میں لہرا رہے تھے جیسے وہ میدانِ جنگ میں رزمیہ گیت گا رہا

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کر مقابلہ کر رہا ہے۔

"یہ کیا تھا؟" نظم ختم ہوتے ہی ویلے پریس نے پوچھا۔

"گذشتہ دو صدی کے دوران کورویا کے موسم کا حال۔" ٹائیگر نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔

اسی وقت نیچے سے کچھ آوازیں آئیں ٹائیگر نے کھڑکی سے جھانک کر دیکھا تو اسے ریلوز نڈ ہلکی نظر آیا جس کے ساتھ اس یار دو سو افراد بھی تھے۔ وہ نعرے لگا رہے تھے۔

"کیا ہوا؟" ویلے پریس نے پریشان ہو کر پوچھا۔ تھیوڈیسا بھی کھڑکی کے قریب آگئی۔ جلوس کاؤنٹی کلب کی طرف ہی بڑھ رہا تھا اور ایک درجن سے زیادہ کیمرہ مین اس کے ساتھ تھے۔

"مظاہرہ۔" تھیوڈیسا نے ٹھنڈی سانس لے کر جواب دیا۔ "میں پولیس کو طلب کر لیتی ہوں۔"

"تم نظم سنو۔" اوشان نے ویلے پریس سے کہا اور پھر ٹائیگر کی طرف پلٹا۔ "اور تم یہ خیال رکھو کہ باہر کوئی شور شرابا نہ ہو اچھے شعر کا حسن سکون کی فضا میں اور زیادہ نکھر جاتا ہے۔"

"بہت بہتر لارڈ فاور۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔

ریلوز نڈ ہلکی مرکزی دروازے کے سامنے کھڑا ہو گیا اور ہجوم اس کے گرد جمع ہو گیا۔ ہلکی اس وقت تک وہیں کھڑا رہا جب تک کیمرہ مین عمارت کی سیڑھیوں پر نہیں پہنچ گئے اور پھر اس نے یہ گانون نکال کر منہ سے لگا لیا۔

"سنو شیطان۔ تم سن رہے ہو۔" اس نے یقیناً ویلے کو پکارا تھا۔

عمارت سے کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔

"بولو۔ شیطان ویلے۔ بولو۔" ہلکی نے پھر للکارا اوشان نے یہ للکار سنی تو برا سا منہ بنا کر کھڑکی تک گیا اور پھر اس نے جواب دیا۔

"ویلے پریس اس وقت شعر سن رہے ہیں موٹے آدمی! بہتر یہی ہے کہ خاموش رہو۔" پھر وہ ٹائیگر کی طرف پلٹا۔ "ذرا ان لوگوں کا خیال رکھو میرے بچے ورنہ پھر مجھے کچھ کرنا ہو گا۔" یہ کہہ کر وہ ویلے کے بیڈ پر آیا۔ "ہاں۔ میں دوبارہ نظم سنتا ہوں۔"

ویلے پریس کی حالت اس پرندے جیسی ہو رہی تھی جو غیر متوقع طور پر کسی جال میں پھنس گیا ہو اور جب ٹائیگر دروازے کی طرف بڑھا تو وہ مزید بے چین ہو گیا۔

نیچے ہلکی مسلسل میگافون پر ویلے پریس کو للکار رہا تھا۔ "خدا کا شکر واجب ہے کہ ایک نیک بچی کے طفیل ہمیں تمہارے گھناؤنے جرائم کا پتا چل گیا ویلے پریس! اب ہم جانتے ہیں کہ تم اس سرزمین کو کس طرح آلودہ کرنا چاہتے ہو لیکن تم اپنے عزائم میں ناکام رہو گے۔"

ٹائیگر اس دوران عمارت کے عقبی دروازے سے نکل کر ہجوم میں آگیا۔

"ہم تمہیں ایسا نہیں کرنے دیں گے ویلے پریس!" پادری اب اچھل اچھل کر کہہ رہا تھا اس کی آواز ہر طرف گونج رہی تھی۔ "سچ کی کامیابی ہو گی نیکی فاتح ہو گی۔" اس نے کہا۔

ٹائیگر کو احساس تھا کہ اندر کمرے میں اوشان کس کرب سے گزر رہا ہو گا اور اگر ان دو سو زندہ افراد کو لاشوں میں بدلنے سے بچانا ہے تو اسے اوشان کے کسی اقدام سے پہلے خود کچھ کرنا ہو گا۔ اس نے اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر ایک ایسی خاتون پر اس کی نظر پڑی جو موجود عورتوں میں سب سے اچھی تھی۔ وہ اس کے قریب گیا اور چپکے سے اس کی کمر میں چُٹکی بھر کر وہاں سے ہٹ گیا۔

"کیا کر رہے ہو جیسٹ۔" عورت اپنے عقب میں کھڑے ہونے مرد پر برس پڑی۔

"میں نے کیا کیا ہے؟" وہ آدمی بھی آپے سے باہر ہو گیا لوگ جو میگوئیاں کرنے لگے لہٰذا ہلکی کو ان کی طرف دیکھنا پڑا۔ اسی دوران

ہولناک اور پراسرار ماحول میں جنم لینے والی ایک
حقیقت جو کہانی بن گئی
ایک آشفتہ حال کی داستان عبرت جسے قانون نے
مجرم بنا دیا

رقص ابلیس

انوار صدیقی

قیمت -/150

ناشر مکتبہ القریش
اردو بازار لاہور

ٹائیگر نے بڑی مہارت سے ایک شخص کی جیب سے پرس نکالا ساتھ ہی اسے بھی ٹھوکا دیا، پرس ایک دوسرے شخص کے قدموں میں ڈالا اور ہٹ گیا۔

"تم نے مجھے کہنی کیوں ماری؟" وہ شخص پلٹا۔

"کیا بک رہا ہے۔" دوسرے نے غرا کر کہا۔ اب ہجوم میں دو جگہ شور ہونے لگا۔

"کم ذات، خبیث۔" عورت چلائی۔

"تم نے میری جیب کاٹی ہے۔" دوسری طرف سے ایک شخص نے دہاڑ کر کہا۔

"ہم تمہیں تمہارے انجام تک پہنچا دیں گے ویلے پریس۔" ہلکی نے ان آوازوں پر قابو پانے کے لیے اور زور سے کہا لیکن اب ہجوم میں ہاتھا پائی شروع ہو چکی تھی۔ ٹائیگر مزید تین عورتوں کو کہنیاں مار کر ہٹ چکا تھا۔ پہلی عورت نے مرد کے تھپڑ مارا، جب کہ پرس والا پرس اُٹھانے کے لیے جھکا تو اس کا مخالف اسے دبوچ کر بیٹھ گیا۔ لوگ ویلے پریس کو بھول کر آپس میں بھڑ گئے۔

کیمرہ مین پورچ سے ہٹ کر اس لڑائی کو فلمانے کے لیے لگ گئے کسی نے انہیں روکنا چاہا، اسی دوران ٹائیگر نے ایک کیمرہ مین کا کیمرہ چھین کر پھینک دیا، انداز ایسا تھا جیسے کیمرہ مین کے پیچھے کھڑے ہونے شخص نے یہ حرکت کی ہے۔

"یہ آزادیٔ صحافت پر حملہ ہے۔" ایک اخبار والا دہاڑا۔ "تم نے میرا کیمرہ کیوں چھینا خبیث انسان۔"

جواباً دوسرے نے کیمرہ مین کے جھانپڑ رسید کر دیا۔

"فاشسٹ۔" دوسرے کیمرہ مین پسپا ہو کر پیچھے ہٹ گئے ٹائیگر ایک بار پھر عقبی دروازے سے عمارت میں واپس آگیا۔

"شہزادہ۔" اوشان نے اسے گھورا۔ "میں نے نیچے خاموشی کے لیے کہا تھا۔ اور نیچے جو کچھ ہوا کیا وہ واقعی خاموشی تھی؟"

ٹائیگر ہنس دیا۔

"اب مجھے پوری نظم دوبارہ سنانی پڑے گی۔" اوشان کے اس جملے پر ویلے پریس نے ٹائیگر کو اس طرح دیکھا جیسے وہ اس سے رحم کی بھیک مانگ رہا ہو۔

"میرا خیال ہے کہ تم اس وقت جتنے محفوظ ہو اتنے کبھی نہیں ہو گے۔" ٹائیگر نے اسے بتایا۔

"کیوں؟" ویلے نے حیرت سے پوچھا۔

"اس لیے کہ اس وقت تم اوشان سے نظمیں سن رہے ہو اور اوشان کی نظم سنتے ہوئے آج تک کوئی قتل نہ ہو سکا۔"

تھیوڈیسا اور ٹائیگر کا آمنا سامنا ہال میں ہوا۔

"تم نے تو کمال ہی کر دیا۔" وہ مظاہرین کے واپس ہی میں لوٹنے کے واقعے سے بہت خوش تھی۔ خوشی اس کے چہرے ہی سے نہیں آنکھوں سے بھی عیاں تھی۔

"لیکن کام ابھی تک مکمل نہیں ہوا۔"

"پھر؟ اب کیا ہے؟" تھیوڈیسا نے پوچھا۔

"اب میں ہلکی سے بات کرنے جا رہا ہوں۔ یہ پتا چلا جاؤں گا کہ اسے کسی نے خاص طور سے یہاں بھیجا ہے یا نہیں۔ اور اگر کسی کے کہنے پر آیا ہے تب پھر اس کا نام پتا معلوم کروں گا۔"

یہ کہہ کر وہ چل دیا اور تھیوڈیسا دیر تک اسے جاتا ہوا دیکھتی رہی اُسے یہ شخص خوابوں کا شہزادہ ہی لگ رہا تھا۔

✣✣

کاؤنٹی کلب کے سامنے لڑائی دنگا اور فساد کرنے کے الزام میں آٹھ افراد کو گرفتار کیا گیا لیکن ریلوز نڈ جگی ہلکی ان میں شامل نہ تھا۔ وہ تو اس واقعے کے نصف گھنٹے بعد ہی وانا بیسکو دریا کے کنارے بیٹھا ہوا ایک انتہائی اہم مسئلے پر سوچ بچار کر رہا تھا اور مسئلہ یہ تھا کہ جینی کہاں گئی۔ وہ پریس کانفرنس سے رپورٹر کے ساتھ گئی تھی اور ان دونوں نے کسی کو بتایا تھا کہ وہ ویلے پریس کے مکان تک جا رہے ہیں لیکن ان کا یہ گمراہ کن بیان ہلکی کو گمراہ نہیں کر سکتا تھا اسے یقین تھا کہ وہ کسی موٹل گئے ہوں گے اور یہ سوچ سوچ کر ہی اس کی آنکھوں میں آنسو آ رہے تھے اس کی نظروں میں سرخ ساٹن میں ملبوس جینی کا سراپا گھوم رہا تھا اس نے رپورٹر کے کمرے میں فون بھی کیا تھا لیکن وہاں کسی نے ریسیور نہیں اٹھایا۔

اب سوال یہ تھا کہ وہ کہاں ہیں؟

اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اگر جینی اور رپورٹر نے غیر ضروری طور پر ہیگیں بڑھائیں تو وہ ان دونوں سے نمٹ لے گا۔ وہ دریا کے کنارے بیٹھا ہوا اور اسی سے کنکر اُٹھا اُٹھا کر دریا کے بہتے ہوئے شفاف پانی میں پھینک رہا تھا پھر معاً ہی وہ کاؤنٹی کلب کے سامنے مظاہرے کے دوران ہونے والے واقعات کے بارے میں سوچنے لگا۔ وہاں ہونے والی گڑبڑ کے باوجود اسے یقین تھا کہ مظاہرے کو ملک گیر شہرت ملے گی اور ساتھ ہی الزامات کی تفصیل بھی بتائی جائے گی جو اس نے اور جینی نے پریس کانفرنس کے دوران ویلے پریس پر عائد کیے تھے۔ اور پھر کل جب وہ دوبارہ جلوس نکالیں گے تو مظاہرین کی تعداد دُگنی ہو جائے گی محض چند روز بعد فرلونگ

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کی آدھی آبادی ویسلے پریس کے خلاف اُٹھ کھڑی ہوگی۔ اس طرح وہ کانڈنی سے بھاگ نکلے گا۔ بلکی کو اس امر میں کوئی شُبہ نہ تھا کہ آبادی کا بڑا حصہ ویسلے پریس کے خلاف اس کا ساتھ دے گا۔ اور اس طرح بلکی کو معقول معاوضہ ملے گا۔

معاوضے کا خیال ذہن میں آتے ہی وہ اپنی محبوبہ جینی کو بھول گیا کیونکہ اسے اصل محبت کرنسی نوٹوں سے تھی جن کی مہک سے ہی وہ جھومنے لگتا تھا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ وہ اس مشن کے بعد فحاشی کے خلاف مہم چلا کر فنڈ جمع کرے گا۔ ایک نیا چرچ بنائے گا جس کے ایک لاکھ رُکن ہوں گے اور ہر رُکن سے سو ڈالر سالانہ چندہ لیا جائے گا۔ اس کی آنکھوں میں چمک عود کر آئی۔

•:•

بلکی کی سیکرٹری نے ٹائیگر کو یہ بتاتے ہوئے بڑی مسرت محسوس کی کہ پادری کہاں مل سکے گا کیونکہ وہ بلکی سے اب نفرت کرنے لگی تھی۔ اسے یقین تھا کہ بلکی کو پوچھنے والا یہ نوجوان اسے نقصان ضرور پہنچائے گا یا کم از کم اسے پریشان تو کر ہی دے گا۔ اس نے بلکی کے بدلے میں بتاتے ہوئے ایک گہری سانس لی اور اپنا پتا بھی بتا دیا تاکہ وہ بلکی سے ملاقات کے بعد اس کے گھر آکر اسے بھی تفصیلات بتا سکے۔ ٹائیگر اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ اپنا پتا کیوں بتا رہی ہے۔

"میں ضرور آؤں گا۔" ٹائیگر اس سے وعدہ کر کے نکلا اور دریا کی طرف چل دیا۔ اس کے چلنے کا وہی مخصوص انداز تھا اس کے قدموں کی آہٹ تک نہیں ہو رہی تھی۔ اس کے قدموں کی رفتار سُست تھی مگر وہ تیزی سے چل رہا تھا۔

✣✣

بگی بلکی کی طرف کوئی اور بھگا رہا تھا مگر اس وقت بلکی کو ان کنکروں کی آواز کے سوا جو وہ پانی میں پھینک رہا تھا کوئی اور آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ اس وقت اگر جینی بھی رقص کرتی ہوئی اس کے عقب میں آکر قہقہہ لگاتی تب بھی "رقم" کے نشے سے پادری کی توجہ نہ ہٹتی۔

لہٰذا جب عقب میں قدموں کی آہٹ سنائی دی تو اس نے انھیں نہ سُنا اور جب چاقو کی سنسناہٹ اُبھری تب بھی وہ نہ چونکا وہ صرف اس وقت چونکا جب چاقو اس کی ریڑھ کی ہڈی میں پیوست ہوگیا۔ اس وقت چونکنا فضول تھا، وہ مُنہ کے بل گرا اور ساکت ہوگیا۔

لیکن چاقو کی سنسناہٹ ٹائیگر نے سُن لی تھی وہ اپنی جگہ رُک گیا۔ پھر اس نے بلکی کی ہلکی سی آہ سُنی۔ اسے احساس ہوگیا کہ کیا ہوا ہے لہٰذا وہ خراٹوں کی سمت دوڑ گیا۔

قاتل نے بھی یہ خوفناک سنسناہٹ سُن لی وہ اپنا چاقو لاش سے نکالنا چاہتا تھا لیکن اسے خودکشی نہ کرنے کا سبق نسل در نسل ملتا رہا تھا لہٰذا وہ چاقو نکالنے کے لیے لاش تک جانے کی بجائے درختوں میں گھس گیا، پھر اس نے دوڑ لگا دی وہ سنسناہٹ کی آواز سے دور نکل جانا چاہتا تھا۔

ٹائیگر کو بلکی وہیں ملا جس جگہ کا پتا سیکرٹری نے اسے بتایا تھا چاقو کا سُرخ دستہ اس کی ریڑھ کی ہڈی کے اوپر صاف نظر آرہا تھا لہٰذا ٹائیگر نے یہ یقین کرنے کے لیے لاش دیکھنے کی زحمت نہ کی کہ سانس باقی ہے۔ اس کے اندر غصہ انگڑائی لینے لگا، وہ گھنے جنگل کی طرف پلٹا اور مخصوص کویائی انداز میں دہاڑا۔ "کیا تم طوفانوں کی گرج سن رہے ہو قاتل دا؟"

اپنا نام سنتے ہی والکے قدم رک گئے لیکن اس نے جواب نہ دیا اب اسے خود سے سُننا تھا۔

"سُنو دا۔ طوفانوں سے کوئی درخت نہیں بچتا۔ میں تمھیں تمھی ہی چاقو واپس کروں گا۔" ٹائیگر نے پھر للکارا اور اس کی آواز اونچے درختوں کی پھُنگیوں سے بھی اوپر گزر کر ہر طرف پھیلتی چلی گئی۔

قاتل کے چہرے پر عجیب سے تاثرات اُبھر آئے۔ اسے حیرت تھی کہ للکارنے والا کون ہے اور وہ اسے کیسے اور کس طرح جانتا ہے۔

"تمھارے لہجے میں جرأت ہے۔" وانے جواب دیا اور فوراً ہی اپنی جگہ سے ہٹ کر دریا کے متوازی چلنے لگا۔

ٹائیگر آواز کی سمت سے چل دیا۔ "جرأت!" اس نے پھر کہا۔ "بھلا تمھیں جرأت و ہمت کے بارے میں کیا علم۔ تم تو پُشت سے وار کرنے کے عادی ہو۔"

وا ایک لمحہ کے لیے رُک گیا۔ اس بار اسے بھی غصہ آیا تھا کیونکہ للکارنے والے نے اس کی توہین کی تھی لیکن ابھی اسے کچھ اور کام بھی نبٹانے تھے لہٰذا اس نے اپنے غصے پر قابو پالیا۔

"تم اپنے کہے کی سزا پاؤ گے۔" اس نے کہا۔ "لیکن فی الوقت میں تمھیں چھوڑ رہا ہوں، بعد میں دیکھوں گا۔" یہ کہتے ہی اس نے جگہ پھر بدل لی۔

اس بار ٹائیگر کو بھی اس کا احساس ہوگیا کہ قاتل اسے دھوکا دینے کے لیے کس حکمت عملی پر عمل کر رہا ہے لہٰذا اس نے وا کا تعاقب کرنے کا ارادہ ترک کر دیا۔

"تم مجھے کوئی سزا نہیں دے سکتے۔" ٹائیگر نے اپنی جگہ پر کھڑے رہ کر کہا۔ "تمھارے لوگ ہمیشہ ہی سے گزدل اور فگار رہے ہیں۔

راتوں کو چھپ کر حملے کرتے ہیں اور اس شخص سے بھی غداری کرتے ہیں جو اُن کا محسن ہوتا ہے۔"

قاتل پھر رک گیا۔ "احسان! وا کو کسی کا احسان لینے کی ضرورت نہیں۔"

"میرے اجداد۔" ٹائیگر نے کہا۔ لہجہ اونچا ہی تھا۔ "سانجو کے ماسٹر نے صدیوں قبل تمھارے لوگوں پر ترس کھایا تھا۔ لیکن میں غلطی نہیں کروں گا۔ جب ہمارا آمنا سامنا ہوگا تو وا... تم جاؤ گے۔"

اس بار قاتل خوف زدہ ہوگیا۔ اسے ایسا لگا جیسے کوئی تیز دھار چاقو اس کی ریڑھ کی ہڈی میں پیوست ہوگیا ہو۔ اس نے جو جُملہ سنا تھا وہ چاقو کی دھار سے زیادہ تیز اور خطرناک تھا۔ ماسٹر آف سانجو کا نام سُنتے ہی اس کی آنکھیں خوف سے پھیلی رہ گئی تھیں اسے حیرت تھی کہ جب سانجو خاندان کا نام و نشان ہی نہیں تو پھر پکارنے والا یہ نام کیوں استعمال کر رہا ہے۔

"تم کون ہو؟" اس نے اپنی آواز کی لرزش پر قابو پاتے ہوئے پوچھا۔

"میں ماسٹر آف سانجو ہوں۔" ٹائیگر کا لہجہ فخر سے بھرپور تھا۔ اور پھر رزمیہ شروع ہوگیا۔ "میں ماسٹر ہوں مجھے بڑے ماسٹر نے بنایا ہے۔ میں وہ شیر ہوں جو راتوں کو جنگل میں موت کا تعاقب کرتا ہے۔ تم محض گیدڑ ہو جو موت سے بھاگتا ہے۔ بھاگ جاؤ۔ میں موت ہوں۔"

قاتل نے اس بار محسوس کر لیا کہ للکارنے والا ایک ہی جگہ کھڑا ہوا ہے لیکن وہ اس مرتبہ بھی حملہ کرنے کا ارادہ کرنے کی ہمت نہ کر سکا۔

"ہم جب ملیں گے۔" قاتل نے بھی رزمیہ انداز میں کہا۔ "تو موت تمھارا مقدر ہوگی۔" یہ کہہ کر وہ پلٹا اور آگے جانے لگا۔ اس نے عقب میں للکارنے والے کا عجیب سا مگر ڈراؤنا قہقہہ سُنا۔ یہ قہقہہ دریا کے اوپر بھی چھا گیا۔

قہقہہ لگاتے ہوئے ٹائیگر کو یہ سکون محسوس ہو رہا تھا کہ ایک ماسٹر کی پیش گوئی درست ثابت ہو رہی ہے اور وہ پیش گوئی کے مطابق لعنتی وا کی اولاد کو تلاش کر رہا ہے۔

اس نے پلٹ کر لاش کی طرف دیکھا۔ "تو یہ کھیل تھا پادری جو تم ہار گئے لیکن فکر نہ کرو۔ جب اس سے میری ملاقات ہوگی تو میں اس کا ریٹرن ٹکٹ بھی پھاڑ دوں گا۔"

✣✣

کمرے میں اس کے داخل ہوتے ہی اُوشان نے اسے بڑی سنجیدگی سے دیکھا۔ "کیا وا سے تمھاری ملاقات ہوئی؟"

"ہاں۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ "مگر وہ بھاگ نکلا اور پسٹل وہ بھی کارٹرج چھوڑ گیا۔" ٹائیگر نے بلکی کی لاش سے جو چاقو نکالا تھا وہ اوشان کو پیش کر دیا اور اسی لمحے تھیوڈیسا تقریباً دوڑتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی۔

"سنو۔ سنو۔ ابھی ٹی وی پر خبر آئی ہے کہ بلکی کو کسی نے چاقو مار کر ہلاک کر دیا ہے۔" وہ بہت پریشان تھی۔ تب ہی اس کی نظر چاقو پر پڑی۔ "اوہ۔" وہ خوف زدہ سی ہوگئی پھر اس نے ٹائیگر کی طرف دیکھا، ان نظروں میں سوال ہی سوال تھے۔

اُوشان چاقو کا معائنہ کرنے لگا۔

"تم تو اس سے بات کرنے گئے تھے؟" تھیوڈیسا نے کہا۔

"ہاں۔ اور تم اتنی پریشان نہ ہو۔ قتل میں نے نہیں کیا ہے۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔

"لیکن ٹی وی والے دیسلے اور اس کے آدمیوں کو مورد الزام ٹھہرا رہے ہیں۔"

"وہ جس پر چاہیں الزام رکھ دیں۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ "میں جب پہنچا تو وہ مر چکا تھا۔"

تھیوڈیسا نے سر ہلا دیا لیکن صاف ظاہر تھا کہ اسے ابھی

اے حمید کے ایڈونچر قلم سے
شیوسینا کے
دہشت گرد
چار جلدوں میں مکمل سیٹ -/700 روپے
ناشر: مکتبہ القریش
اردو بازار لاہور

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

تک ٹائیگر کے دعوے پر یقین نہیں۔

اسی لمحے فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ ریسیور ٹائیگر نے اٹھایا اور بہرام کی آواز پہچاننے میں اسے ذرا بھی دیر نہ لگی۔

"نہیں۔ میں نے قتل نہیں کیا۔" ٹائیگر نے جواب دیا پھر کچھ دیر تک سنتا رہا اور اس کے بعد بولا "ہم اسے زندہ رکھیں گے۔" اور یہ کہہ کر اس نے خدا حافظ کہے بغیر ریسیور رکھ دیا۔

"کون تھا؟" تھیوڈیسا نے پوچھا۔

"میرے جونیئر ہائی اسکول کا انسٹرکٹر۔" ٹائیگر نے جواب دیا "عموماً فون کرتا رہتا ہے تاکہ اسے یہ اطمینان رہے کہ میں مفلس نہیں ہوا ہوں۔"

اُوشان اب بھی چاقو کا معائنہ کر رہا تھا۔ پھر رام چند کرے میں گھس آیا۔ "میں نے ابھی سُنا ہے سس۔ اور مجھے تشدد قطعی پسند نہیں۔"

"ویسے جیب کترنا بھی تشدد کی ہی ایک قسم ہے رام چند۔" ٹائیگر نے ہنس کر کہا۔ یہ سن کر رام چند کے چہرے کی رنگت فق ہوگئی۔ وہ پل بھر کے لیے گھبرا گیا۔ "وہ محض الزام تھا جناب۔" اس نے صفائی پیش کی۔ "میں صاف بری ہوگیا تھا۔"

اور بمبئی میں عصمت فروشی کا آقا بھی محض تہمت ہوگی بابا رام چند۔"

ٹائیگر کا یہ جملہ اور لہجہ دونوں انتہائی کاٹ دار تھا۔ رام چند مزید دفاع نہ کر سکا اور کمرے سے بھاگ کر نکل گیا۔ تھیوڈیسا کچھ دیر تک مشکوک انداز میں ٹائیگر کو گھورتی رہی اور پھر سر ہلاتے ہوئے لہجے میں بولی۔ "آخر تم کون ہو؟"

"تمہارے پڑوسی کا محافظ۔" ٹائیگر نے مسکرا کر جواب دیا۔ اس وقت تک اُوشان چاقو کا معائنہ کیے جا رہا تھا آخر اس نے ایک طویل سانس لے کر بہت آہستہ آہستہ خارج کی اور پھر چاقو ایک طرف رکھ دیا۔

"ویسلے ٹھیک ہے نا؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"کیوں نہیں۔" اوشان نے دیوار کی طرف اشارہ کیا۔ "کیا تمہیں اس کے سانس کی آواز نہیں آ رہی ہے؟"

ٹائیگر نے سماعت پر زور دیا تو وہ بھی مطمئن ہوگیا۔ ویسلے پریس کی سانسوں کی آواز اسے بھی سنائی دینے لگی تھی۔

"اگر... قاتل تم نہیں تو پھر کون تھا؟" تھیوڈیسا نے پوچھا اور پھر خود ہی جواب دینے لگی۔ "نہیں تم قاتل نہیں ہو سکتے قتل یقیناً تیل کمپنیوں کے غلام بوبن نے کیا یا کرایا ہے۔"

"اب کھیل ختم ہونے والا ہے میرے بچے۔" اُوشان نے ٹائیگر کو دیکھے بغیر انتہائی سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"یس فادر۔"

"ذرا محتاط رہنا۔" اُوشان نے انتباہ کیا۔

☆☆☆

"مجھے تو احساس بھی نہ تھا۔ سب کچھ ہو جانے گا۔"

جینی اپنے کپڑے ایک بیگ میں ٹھونس رہی تھی۔

"تب پھر تم نے کیا اندازہ لگایا تھا؟" ٹائیگر نے موٹیل روم کے بیڈ پر بے تکلفانہ انداز میں بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"میں تو یہ سمجھی تھی کہ وہ ویسلے کو گالیاں دیں گے نعرے لگائیں گے اور میں صرف اس وجہ سے ان کے ساتھ شریک ہوگئی تھی کہ ویسلے نے فلم بنانے کا ارادہ ترک کر دیا تھا۔" جینی نے سرخ ساٹن کا لباس ترکتے ہوئے جواب دیا۔ "لیکن میرے خدا۔ قتل۔ یہ تو میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ اگرچہ قتل ہنکی جیسے بدقماش شخص کا ہوا ہے پھر بھی... قتل قتل ہوتا ہے۔"

"تمہیں کس نے بلایا تھا؟" ٹائیگر نے پوچھا۔ وہ جیب میں رکھے ہوئے درجنوں وزٹنگ کارڈز میں سے ایک کارڈ دیکھ کر اندر آیا تھا جس کے مطابق وہ امریکی سینیٹ کی کمیٹی برائے ذیلی کمیٹی کا تفتیشی افسر تھا۔ اس کی جیب میں ایف بی آئی، سی آئی اے اور ٹیکس والوں کے کارڈ بھی تھے لیکن ہاتھ میں یہی کارڈ آیا تھا۔

"ول بوبن نے۔" جینی نے جواب دیا "حقیقت یہ ہے کہ اس نے مجھے یہاں آنے کے لیے کوئی معاوضہ نہیں دیا صرف ٹکٹ دیا اور یہ وعدہ بھی کیا کہ وہ میرا اسکرین ٹیسٹ کرائے گا۔"

"اوہ۔ اگر تم اب یہاں سے فرار ہوگئیں تو اسکرین ٹیسٹ کے امکانات بھی ختم ہو جائیں گے جینی۔"

"مجھے اس کی فکر نہیں کیونکہ اسٹار کے اگلے کسی شمارے میں میری دو رنگین صفحات پر تصویر شائع ہوگی اور وہی لوگ تمام اسکرین ٹیسٹ کرائیں گے لیکن یہ مردود بوبن کہاں مر گیا۔ اس وقت مجھے تحفظ کی ضرورت ہے۔"

"کیوں؟ کیا تمہیں کسی سے خوف ہے؟"

"مجھے کیا معلوم۔" جینی کو بھی تو پتا نہ تھا کہ اسے کس سے خطرہ ہے۔ اگر اس قتل میں ویسلے ملوث ہے تو پھر ہم سب کو خطرہ ہو سکتا ہے۔ وہ چڑیل... تھیوڈیسا بھی اسی کی طرح پاگل ہے۔

"ممکن ہے کہ بوبن نے ہنکی کو قتل کرایا ہو۔" ٹائیگر نے جال ڈالا... اگر بوبن اس قتل کے پیچھے ہے تو اس کی کوئی وجہ

ہونی چاہیے۔"

"بوبن نے مجھے ہنکی کے پیچھے لگایا تھا۔" "لیکن مجھے یقین ہے کہ وہ ایک ساتھ کام کر رہے تھے ایک دوسرے سے تعاون کر رہے تھے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ ان کے درمیان کسی بات پر اختلاف ہوگیا ہو۔"

"ممکن ہے۔" ٹائیگر کھڑا ہوگیا۔ جینی اب ڈریسنگ ٹیبل سے سامان اُٹھا کر بیگ میں ڈال رہی تھی۔

ٹائیگر اس کے قریب پہنچا اور اس نے اس کی گردن پر انگلی رکھ دی۔

"اوہ۔" جینی پھر بری طرح چونک گئی۔

"اس وقت بوبن کہاں ہے؟"

"پتا نہیں۔ لیکن پلیز۔ انگلی مت ہٹاؤ۔"

"تم نے اسے آخری بار کہاں دیکھا تھا؟" ٹائیگر نے انگلی سے جینی کی پُشت پر چھوٹا سا دائرہ بناتے ہوئے پوچھا۔ جینی کسی مرغی کی طرح سر اُٹھا کر لمبی لمبی سانسیں لینے لگی۔

"پریس کانفرنس کے بعد ایک کاک ٹیل لاؤنج میں۔" وہ تقریباً جھنجھناتی ہوئی بولی۔ "میں ایک رپورٹر کے ساتھ تھی، بوبن بھی وہاں تھا اور اس نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ میں رپورٹر کو اس کے بارے میں نہیں بتاؤں گی۔ ذرا بڑے دائرے بناؤ۔"

"اس نے کیا کہا تھا؟" ٹائیگر نے بڑا دائرہ بناتے ہوئے پوچھا۔

"یہی کہ وہ ویسلے کی رہائی سے روانگی کے بعد ہی جائے گا۔ سنو۔ تم کچھ دیر ٹھہر جاؤ۔" یہ فرمائش اس نے ٹائیگر سے کی تھی۔

"مگر تمہارا جہاز چلا جائے گا۔"

"کوئی بات نہیں۔" جینی نے بے صبرے پن سے کہا۔ "کیا تم نے بوبن کے ساتھ کسی پتہ قامت جاپانی کو بھی دیکھا تھا جینی؟"

"تم۔ تم یہ سب کچھ کیوں پوچھ رہے ہو؟"

"اس لیے کہ تم جیسی حسینہ اُن قاتلوں کے ہاتھ نہ چڑھ جائے۔" ٹائیگر نے آنکھ مار کر جواب دیا۔

پھر وہ اس وقت تک وہاں رُکا رہا جب تک جینی نے اپنا سامان ٹیکسی میں نہیں رکھ دیا۔ جب جینی ٹیکسی میں بیٹھ کر ائرپورٹ چلی گئی تو وہ سوچنے لگا کہ وہ ابھی تک قاتل سے بہت دُور ہے تاہم اسے یہ بھی یقین تھا کہ اب یہ مسئلہ جلد حل ہونے والا ہے

*

اوشان، ویسلے پریس کے کمرے میں تھا اور ویسلے پریس

اے حمید
کے ایڈونچرس قلم سے
گنگا کے
پجاری ناگ
دو جلدوں میں
جلد اول =/150
جلد دوم =/200
مکتبہ القریش سرکلر روڈ اردو بازار لاہور
فون 7668958

نے تکیے میں منہ چھپا رکھا تھا ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ آنسو چھپانے کی کوششیں کر رہا ہو۔ اور اوشان انجگ کی کوئی نظم سنانے جا رہا تھا۔

ٹائیگر کمرے میں داخل ہوا تو اوشان نے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور نظم جاری رکھی۔ وہ نظم کے اس حصے پر تھا جہاں گلاب، سورج کو سلام کرنے کے لیے کھلتا ہے۔

اسی اثنا میں ویسلے پریس کی نظریں ٹائیگر پر پڑیں تو وہ خوشی سے اُچھل پڑا۔ "تم آ گئے۔" اس نے مسرت بھرے انداز میں چیخ ماری۔ مگر نظم جاری رہی۔

"یہاں آؤ۔" ویسلے پریس نے ٹائیگر کو اپنے قریب بلایا اس مرتبہ اوشان نے پہلے ویسلے پریس کو اور پھر ٹائیگر کو دیکھا، مگر کوئی جنبش نہ کی تو ٹائیگر آگے بڑھا۔ بہرحال اُوشان نظم مکمل نہ ہونے پر خوش نہ تھا۔ اسے یہ بھی افسوس تھا کہ اتنی کوشش کے باوجود ویسلے پریس اس کی نظم نہیں سمجھ سکا۔

"بھینس کے آگے بین بجانا اسے کہتے ہیں لٹل فادر۔" ٹائیگر نے اس کے تاثرات بھانپ کر اردو میں کہا۔

"نہیں۔ اسے شتر کے سامنے لعل بدخشاں ڈالا کہتے ہیں۔" اُوشان نے جواب دیا۔ وہ اُٹھ کر کھڑکی تک گیا اور اس دوران ویسلے پریس نے سرگوشی میں ٹائیگر سے پوچھا۔ "کیا کبھی اس شخص کی زبان رُکی بھی ہے؟"

"اسے خاموش کرانے کا سب سے بہترین طریقہ یہ ہے کہ تم اسے پڑھانے لگو۔" یہ کہہ کر تمہیں کوریائی شاعری کی بجائے چینی شاعری

Scanned And Uploaded By Muhammad Waseem

اچھی لگتی ہے لیکن یہ خیال رہے کہ اسے زیادہ غصہ نہ آئے ورنہ تم بھی کام آسکتے ہو۔" ٹائیگر نے اسے خبردار بھی کر دیا۔ "تھیوڈیسا کہاں ہے؟"

"پتا نہیں۔ میں نے اس سے کہا تھا کہ وہ شمسی توانائی سے متعلق تفصیلات دوبارہ جمع کرے۔ اور ہاں۔ میں نے لڑکی کے بارے میں سنا ہے۔ کیا قاتل ایسا کوئی شخص ہے جس نے مجھ پر حملہ کیا تھا؟"

"ہاں۔ اور جس نے تمہارے تین محافظوں کو بھی قتل کیا تھا۔" ٹائیگر نے سر ہلا کر جواب دیا۔

"تیل کمپنیاں اتنی ظالم ہیں۔ مجھے اس کا خیال نہ تھا۔"

"شکر ہے۔ اب تمہیں اس کا احساس ہو گیا۔ شاید تھیو نے تمہیں قائل کر لیا ہے۔"

"ہاں۔۔۔ اگر وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اس طرح خوفزدہ کر کے مجھے میرے منصوبے سے ہٹا سکیں گے تو غلط پر ہیں۔ میں انہیں زندہ چاٹنے کے لیے چھوڑوں گا۔"

"وہ کیسے؟"

"میں نے کچھ دیر قبل چند کاغذات پر دستخط کیے ہیں جن کے تحت اگر میں مرا تو میری ہر چیز تھیو کو ملے گی۔ میں نے اس سے کہہ دیا ہے کہ وہ پریس کے سامنے یہ اعلان کرے کہ مرنے والوں میں سے نہیں، اگر ویسلے مر گیا تو تھیو کا کام جاری رکھے گی اس طرح وہ مجھے قتل کرنے کے بارے میں اپنے فیصلے پر بار بار غور کے لیے مجبور ہو جائیں گے۔"

"نہیں۔" ٹائیگر نے سر ہلا کر جواب دیا۔

"کیا مطلب؟"

"وہ بہت سے لوگوں کو قتل کر چکے ہیں۔" ٹائیگر نے کہا۔ "بھلا مزید ایک قتل کی انھیں پروا کیوں ہو گی۔ اس طرح تو تھیوڈیسا کو بھی خطرہ لاحق ہو جائے گا۔ وہ ہے کہاں؟"

ٹائیگر کی بات جونہی ویسلے پریس کی سمجھ میں آئی اس کا چہرہ سُت گیا۔ "یہ تھیو ہی کی تجویز تھی۔" اس نے نقاہت سے بھرے ہوئے لہجے میں کہا۔

"اچھا۔" ٹائیگر نے حیرت سے صرف اتنا ہی کہا اور تھیوڈیسا کی تلاش میں کمرے سے نکل گیا مگر اسے تھیوڈیسا اور رام چند دونوں کے کمرے خالی ملے۔ تھیوڈیسا کے کمرے کی ڈریسنگ ٹیبل پر موٹل میں ٹائیگر کے کمرے کی چابیاں بھی نہ تھیں۔

"اوشان۔" ٹائیگر نے گمبھیر لہجے میں کہا۔ "میں تھیوڈیسا کی تلاش میں جا رہا ہوں۔ ممکن ہے کہ اگلا نشانہ وہی ہو۔ وہ ویسلے کے کمرے میں واپس آگیا تھا۔

"میں ویسلے کے ساتھ ہی رہوں گا۔ تم پوری نظم لے سکو۔" اوشان نے جواب دیا۔

"جاؤ۔ پلیز۔ ویسلے بہت پریشان تھا۔ تم بھی جاؤ اسے بہلاؤ۔"

"محبت بھرا دل رکھنے والے نیک لوگ ہوتے ہیں۔" اوشان نے جواب دیا۔ "لیکن میں اسی کمرے میں ٹھہروں گا۔ تم جاؤ شہزاد۔"

باہر صرف ایمبولینس کھڑی تھی جو ویسلے کے استعمال میں آتی تھی۔ ٹائیگر تیزی سے اس میں بیٹھا اور گاڑی تیز رفتاری سے عمارت سے نکل گئی۔

اور ایک کیس گاہ سے قاتل نے اسے دیکھا اُسے امید تھی وہ جلد واپس آجائے گا۔

موٹیل میں اوشان کا کمرہ کھلا ہوا مگر خالی تھا۔ وہ واپسی کے لیے تیزی سے پلٹا مگر پھر رُک گیا۔ اسے برابر والے کمرے سے باتوں کی آواز آرہی تھی۔ وہ دونوں کمروں کو ملانے والے دروازے پر جا کر رُک گیا۔ اسے ایسی آواز آئی جیسی کسی نے ٹیلی فون ریسیور رکھا ہو۔

"اب ہم کو چلنا چاہیے۔" یہ رام چند کی آواز تھی۔ "زندگی کے نئے آغاز کی راہ پر سفر کا وقت آگیا ہے۔"

"ہاں۔" یہ آواز تھیوڈیسا کی تھی مگر اس میں تھکن نمایاں تھی۔

"تم پریشان کیوں ہو سندر ناری؟"

"سُنو رام چند۔" تھیوڈیسا نے کہا۔ "پہلا تمہارا معاہدہ ختم ہو چکا ہے۔ تم کو صرف یہ کام دیا گیا تھا کہ تم ویسلے کو سورج سے متعلق پلانٹ لگانے پر آمادہ کرو گے۔ اس کے عوض تمہیں نقد معاوضہ مل چکا ہے اب کچھ نہیں ملے گا۔"

ٹائیگر غصے سے تلملا کر رہ گیا۔

"لیکن ہماری محبت۔" رام چند نے پوچھا۔ اس کا جواب ایک جاندار قہقہے نے دیا۔ "محبت!" تھیوڈیسا بولی۔ "تم اور محبت۔ سادہ لوح ہو رام چند۔"

یہ وہ لمحہ تھا جب ٹائیگر کی ٹھوکر سے دروازہ چوکھٹ سے الگ ہو گیا تھا۔

"یہ ٹھیک کہتی ہے رام چند۔" ٹائیگر نے دوسرے کمرے میں گھس کر کہا۔ تھیوڈیسا کا چہرہ اسے دیکھ کر فق ہو گیا۔ "اے تم سے محبت

دعویٰ:

"اوہ شہزاد۔" وہ اس کی طرف بانہیں پھیلا کر دوڑی۔ "میں بہت پریشان تھی۔"

ٹائیگر کو یقین تھا کہ وہ موقع کی مناسبت سے کوئی کہانی گھڑنا چاہتی ہے۔ "ہم نے سنا تھا کہ قاتل یہاں آیا ہے اور ہم۔"

"بس۔" ٹائیگر پیچھے ہٹ گیا۔ اس نے تھیوڈیسا کی باہوں کو جھٹک دیا۔ وہ اس دھکے کے باعث بیڈ پر گر گئی۔

"یہ شریفانہ انداز نہیں جناب۔" رام چند نے بھی احتجاج کیا۔

"تم چپ رہو تو سر باز۔ تم اتنے احمق ہو کر تمہیں یہ علم بھی نہیں کہ یہ عورت تمہیں احمق بنا رہی ہے۔"

رام چند محض پلکیں جھپکا کر رہ گیا۔

"اس نے تمہیں ویسلے پریس کے ساتھ الجھائے رکھا کہ پریس شمسی توانائی کے چکر میں لگا رہے۔ دوسری طرف یہ اسے بتاتی رہی کہ تیل کمپنیاں اس کی دشمن ہیں اور جب ویسلے بہت پریشان ہو گیا تو اس نے اُسے جال میں پھنسا کر اس سے ایک کاغذ پر دستخط کرا لیے جس کے تحت ویسلے پریس کی موت کے بعد ہر چیز اس کی ملکیت قرار پائی۔ میں غلط تو نہیں کہہ رہا تھیو۔"

تھیوڈیسا اسے گھور رہی تھی۔ اس کی گہری بھوری آنکھوں میں بلی جیسی چمک نظر آنے لگی اور پھر اس نے سر ہلا دیا۔

"مگر ہماری محبت۔" رام چند فریاد کرنے والے انداز میں بولا۔

"تم نے اسے کہاں سے تلاش کر کے نکالا تھا تھیو؟" ٹائیگر نے مسکرا کر پوچھا۔ "اس کی بالائی منزل تو بالکل خالی ہے۔"

"تمہارے مقابلے میں بہت سستے داموں مل گیا تھا۔" تھیوڈیسا نے تلخ لہجے میں جواب دیا۔ "لیکن یہ تم سے زیادہ ذہین ہے۔ ویسلے تمہیں ان نئی باتوں کا علم کیسے ہوا؟"

"مجھے کسی بات کا علم نہ تھا۔ میں تو تمہیں پھانسنے کے لیے وہاں سے نکلا تھا باقی باتیں میں نے اس ٹوٹے ہوئے دروازے کے دوسری طرف کھڑے ہو کر سنی تھیں۔"

تھیوڈیسا اپنی پتلی طلائی گھڑی کی طرف دیکھنے لگی۔

"کیا کسی کا انتظار ہے تھیو؟"

"آں۔ ہاں۔" معاً ہی اس کے خوبصورت چہرے پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ "لیکن نہیں۔ وہ یہاں نہیں آئے گا۔ اس وقت تو وہ ویسلے کے گھر میں گھس کر اپنا کام مکمل کرنے والا ہو گا۔ بس پانچ منٹ میں ویسلے مر چکا ہو گا۔"

"اوہ۔" ٹائیگر نے ہنس کر تھیوڈیسا کو دیکھا۔ "لیکن یہ ممکن نہیں تھیوڈیسا! اسے پہلے اوشان جیسی دیوار کو عبور کرنا ہو گا۔ ویسے وہ بھرا کابل تو عبور کر سکتا ہے، اوشان نامی دیوار کو نہیں۔"

"ارے ہاں۔ میں یہ بتانا تو بھول ہی گئی کہ اوشان بھی اسی طرف آنے والا ہے۔" وہ ہنس پڑی۔ یہ ہنسی کسی انتہائی خطرناک قاتل کی ہنسی سے بھی زیادہ خطرناک تھی۔ "میں نے اوشان کو فون کیا تھا کہ ہم نے قاتل کو تلاش کر لیا ہے۔ اسے یہ فکر پریشان کرنے لگی کہ قاتل تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچا دے لہٰذا اس نے کہا کہ وہ ادھر ہی آرہا ہے۔"

"وہو کا۔" ٹائیگر کا دماغ گھوم گیا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ کانونٹی کلب میں جان بوجھ کر ایسے حالات پیدا کیے گئے تھے کہ وہ تھیوڈیسا کی تلاش میں نکل کھڑا ہو، پھر اوشان کو فون کیا گیا اور اس طرح ویسلے پریس تنہا رہ گیا۔

وہ کمرے سے نکل کر دوڑنے لگا۔ اسے عقب میں تھیوڈیسا کا نفرت خیز قہقہہ سنائی دیا مگر وہ رُکا نہیں۔ ایمبولینس میں بیٹھے ہی اس نے ایکسیلیٹر کو پوری طرح دبا دیا۔

وہ سوچتا بھی رہا۔

تھیوڈیسا نے قاتل کو اس لیے کرائے پر حاصل کیا تھا کہ وہ ویسلے پریس کو خوفزدہ کرتا رہے۔ اس طرح پہلی مرتبہ جان بوجھ کر ویسلے

چاہ بابل
دیوتاؤں کے شہر بابل کی کہانی
جسے مصنف نے 35 سال کی ریسرچ کے بعد قلمبند کیا۔
800 صفحات
قیمت -/400
ناشر: مکتبہ القریش
اردو بازار لاہور

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

پرلیس کو محض زخمی کر کے چھوڑ دیا گیا۔ اس نے محاذ صرف اس لیے حاصل کیے تھے کہ اس پر کسی کو کوئی شبہ نہ ہو اور جب وہ اوشان کے ساتھ وہاں پہنچا تھا تو اس نے مجبوراً انھیں محاذ رکھا تھا۔ ادھر رام چند کے جنتر منتروں سے وہ یقین ہوتا رہا کہ وہ محفوظ ہو رہا ہے اور پھر وہ شمشی توانائی کی افادیت کا قائل ہو گیا۔

اب صرف تین میل باقی رہ گئے تھے۔

*

اوشان فرنٹ ڈور سے نکلا تو قاتل اسے بھی دیکھ رہا تھا۔ اوشان نے دائیں بائیں دیکھا اور پھر قصبہ کی سمت میں تیزی سے جانے لگا۔

"وہ!" اسے دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا۔ "یہ کون ہے؟" اس نے سوچا "کیا اس بوڑھے کو بھی سانجو کے فن سے آگہی ہے؟ اور اس نوجوان سے اس کا کیا رشتہ ہے؟"

اوشان کے اوجھل ہو جانے کے بعد وہ کندھے اُچکا کر ان تفکرات سے آزاد ہو گیا۔ اسے صرف ویسلے پرلیس کے قتل کا مشن سونپا گیا تھا لیکن وہ یہ فیصلہ کر چکا تھا کہ قتل کے بعد نوجوان کا انتظار کرے گا اور پھر وقت ملا تو اپنی طرف کے اس بوڑھے کا بھی۔

وہ سبزہ زار کو عبور کر کے عمارت کے مرکزی دروازے کی طرف بڑھنے لگا تو اسے یقین تھا کہ اب ویسلے پرلیس اپنے کمرے میں تنہا لیٹا یا سویا ہوا ہو گا۔ اسے نوجوان کی اس بات پر شدید غصہ آیا تھا کہ وہ عقب سے حملہ کرتا ہے حالانکہ وہ اگلے موقع کی مناسبت سے کرتا تھا۔ اسے ویسے یہ بات پسند بھی تھی کہ وہ اپنے شکار کی شکل بھی دیکھے، اس کے چہرے پر کرب و دکھ کے تاثرات دیکھ کر وہ بڑی سنسنی خیز مسرت کا احساس ہوتا تھا۔ اس کے بعد جسم کی طرح شکار کا چہرہ اور اس کی آنکھیں بھی مرنے لگتی تھیں۔ بعض افراد کے چہروں پر آخری بچی سے قبل تک حیرت اور بے یقینی کے تاثرات نظر آتے تھے۔۔ یہ سب کچھ دیکھ کر اسے عجیب سی مسرت محسوس ہوتی تھی۔

اور اس وقت اس کی سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ ویسلے پرلیس اپنے بیڈ پر بیٹھا ہوا ہو اور اگر ایسا ہوا تو وہ اس کے چہرے پر حیرت، خوف اور دہشت کے تاثرات دیکھنے کی توقع تھی۔ اس نے سوچا کہ میں صرف اتنا کہہ کر چاقو نکال لوں گا کہ "میں نے تمہارا بڑا انتظار کیا ہے۔" پھر اگر ویسلے پرلیس اُٹھ کر بھاگنے کی کوشش کرے گا لیکن چاقو نصف دائرہ بناتے ہوئے جب ویسلے پرلیس کے حلقوم میں ترازو ہو گا تو کتنا مزا آئے گا۔

اس کے بعد اس نوجوان سے نمٹنے کا بھی وقت مل جائے گا جس کا دعویٰ ہے کہ وہ سانجو سے تعلق رکھتا ہے۔ اسے ہر بات پر یقین تھا اور یہ بھی اعتماد تھا کہ وہ زندہ سلامت اس عمارت سے نکل سکے گا۔

وہ اب عمارت میں داخل ہو کر خاموشی سے زینہ چڑھ رہا تھا۔ قالین کے باعث اس کے قدموں کی آہٹ بھی سنائی نہیں دے رہی تھی جب کہ چاقو اس کی بیلٹ میں جھول رہے تھے۔ اسے علم تھا کہ ہتھیار اس طرح سجا کر چلنے کا طریقہ پہلوانوں نے ایجاد کیا تھا۔

راہداری کے بیچ میں وہ صرف ایک لمحے کے لیے رُکا اور اسے صرف ایک آواز سنائی دی... یہ آواز ویسلے پرلیس کے سانس لینے کی تھی۔ اس نے اندازہ لگایا کہ ویسلے پرلیس منہ کھول کر سانس لے رہا ہے۔

پھر وہ راہداری میں چلتا رہا حتیٰ کہ ویسلے پرلیس کا دروازہ سامنے آ گیا۔ یہ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ وہ رُک گیا۔ اس نے کمر پر ہاتھ رکھا، بیلٹ سے ایک چاقو منتخب کر کے نکالا، اسے پہلو سے لگایا اور کمرے میں داخل ہو گیا۔

ویسلے پرلیس کہنیوں کو تکیے پر جمائے واقعۃً اٹھا ہوا تھا۔ اس کی نظریں دروازے پر تھیں اور ان آنکھوں میں خوف و دہشت کی علامت صاف نظر آ رہی تھی۔

وہ نے مسکرا کر چاقو آگے کر لیا۔ اس نے اپنا خاص جملہ کہنے کے لیے منہ کھولا لیکن پھر ایک اور آواز کمرے میں گونج اٹھی۔

"میں بہت دیر سے تمہارا انتظار کر رہا تھا۔" یہ جملہ سن کر وہ اچھل پڑا۔ بولنے والے کی آواز اور لہجے میں بڑی مضبوطی تھی ایک لمحے کے لیے تو وہ کو ایسا لگا تھا جیسے کہیں قریب ہی طوفان نے انگڑائی لی ہو۔ اس کے پورے بدن میں خوف کے باعث کپکپی سی دوڑ گئی۔

اس نے دائیں طرف دیکھا اور پھر حیرت زدہ رہ گیا۔

وہ مشرقی بوڑھا ایک وارڈ روب کے عقب سے نکل رہا تھا۔ اس کی نیلی قبا جسم کو چھپائے ہوئی تھی اور اس کے چہرے پر تبسم تھا۔ وہ بولتا جا رہا تھا۔ اس نے وہ کو بغور دیکھا تو قاتل کو ایسا لگا جیسے بوڑھے کی بشکدار آنکھیں اس کی کھوپڑی میں اندر تک جھانک رہی ہیں۔

تب ہی وہ نے جھرجھری سی لی، ایک طویل سانس لیا اور وہ بوڑھے کے سحر سے آزاد ہو گیا۔

"ٹھیک ہے بوڑھے آدمی!" اس نے غرا کر کہا "اب میرا

چاقو دو جسموں کے خون سے پیاس بجھائے گا۔"

"بے وقوف!" اوشان نے ناگوار لہجے میں اسے ڈانٹ پلائی "میں وہ ماسٹر آف سانجو ہوں جس کے اجداد نے تم لوگوں کو سمندروں کے پار دھکیل دیا تھا... اور اب میں تمہیں موت کے غار میں دھکیلنے کے لیے موجود ہوں۔"

اسی لمحے وہ نے وہ حکمت عملی اپنائی جو اس نے پل بھر میں طے کی تھی۔ اس نے دوسرا چاقو نکالنے کے لیے بایاں ہاتھ بیلٹ پر ڈالا۔ ساتھ ہی اس کا دایاں ہاتھ اُٹھا اور چاقو دائیں ہاتھ سے نکل کر ویسلے پرلیس کے نرخرے کی طرف سفر کرنے لگا۔

لیکن پھر نکل ہی سی چکی تھی۔ اوشان اپنی جگہ سے کسی برق کی طرح چمکا، وہ غائب ہوا اور پھر اس نے ویسلے پرلیس کے نرخرے کے سامنے انگلیاں لا کر چٹکی سے چاقو کا پھل پکڑ لیا۔ اس وقت نرخرے اور چاقو کے درمیان محض تین انچ کا فاصلہ تھا۔ اوشان نے چاقو فوراً کھینچ کر ویسلے پرلیس کو بچانے کے لیے خود کو ڈھال بنایا وہ کے لیے یہی موقع تھا اس کا بایاں ہاتھ بھی سر سے بلند ہوا اور اس بار اُس نے تمام تر صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے اوشان کو نشانہ بنایا۔

چاقو نے آہستگی سے نصف دائرہ بنایا اور پھر اوشان کے سینے پر پہنچ گیا۔ وہ کو اس بار اپنی کامیابی کا مکمل یقین تھا لیکن پھر اس کی آنکھیں خوف و دہشت سے پھٹی رہ گئیں۔ چاقو اوشان کے سینے میں پیوست ہونے والا ہی تھا کہ اوشان کا دایاں ہاتھ اتنی تیزی سے حرکت میں آیا کہ وہ کو اس کی حرکت نظر بھی نہ آئی بس چاقو کا پھل اسے اوشان کی چٹکی میں ہی نظر آیا۔

اوشان اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ اس نے مسکرا کر چاقو وہ کی طرف بڑھا دیا اور پھر مسکراتے ہوئے ہی وہ کی طرف بڑھنے لگا۔

*

ایمبولینس روکتے ہی ٹائیگر نے چھلانگ لگا دی اسے یہاں اگرچہ کسی گڑبڑ کے آثار نظر نہیں آ رہے تھے۔ ہر طرف سکون تھا لیکن یہ بات اسے اچھی طرح معلوم تھی کہ سکون موت ہی کا دوسرا نام ہے۔ صرف ناپختہ قاتل ہی شور شرابا کرتے ہیں۔

ٹائیگر جونہی مرکزی دروازے کی سمت میں بڑھا دروازہ اچانک کھلا اور وہ دوڑتا ہوا نکلا مگر پہلی ہی سیڑھی پر اس کی نظر ٹائیگر پر پڑی تو اس نے کمال مہارت سے سمت بدل کر ریلنگ سے دوسری طرف چھلانگ لگا دی۔

ٹائیگر کی نظر بلیو اور پھر وہ سکون کی سانس

اردو کے شاہکار سفرنامے	ضیاء ساجد	-/200
منتخب مشہور سفرنامے	ضیاء ساجد	-/250
منتخب مشہور افسانے	ضیاء ساجد	-/150
منتخب اعلیٰ افسانے	ضیاء ساجد	-/125

مکتبہ القریش اُردو بازار۔ لاہور 2

کر سر ہلانے لگا۔ وہاں ویسلے پرلیس کی کھڑکی سے پُرسکون اوشان جھانک رہا تھا۔

"سب ٹھیک ہے شہزادہ، میں نے اسے تمہارے لیے چھوڑ دیا ہے۔" اوشان نے کہا۔

"شکریہ نسل فادر۔" ٹائیگر نے عجیب سے لہجے میں کہا اور پھر خود بھی ریلنگ کی دوسری طرف پہنچ گیا۔

وہ کی حالت بہت ابتر ہو رہی تھی۔ چاقو زنی میں کمال حاصل کرنے کے باوجود جسمانی طور پر وہ بہت کمزور تھا اور اس ذرا سی بھاگ دوڑ کے بعد اس کی سانس پھول گئی تھی پھر اچانک ہی اس کی ہمت جواب دے گئی کیونکہ سانس سینے میں نہیں اٹک رہی تھی وہ ایک دہشت سے ٹیک لگا کر سستانے لگا۔

تب ہی اچانک اس کی نظر محض دس فٹ دور کھڑے ہوئے نوجوان پر پڑی اور وہ جھرجھری سی لے کر رہ گیا۔

ٹائیگر دونوں ہاتھ کولہوں پر رکھ کر اسے گھور رہا تھا۔ کھیل ختم ہو گیا، ہونگ چلی کے دانے:

"نہیں، ابھی نہیں!" قاتل نے سوچا۔ اگرچہ ایسے احساس تھا کہ عمارت کے اندر اس کا نشانہ خطا گیا ہے اور ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا تاہم اسے یقین تھا کہ اب نہیں ہو گا۔ سفید فام، مگر شرقی نقوش والا نوجوان جس طرح کھڑا ہوا تھا اس سے صاف ظاہر تھا کہ وہ چاقو جہاں چاہے پیوست کر سکتا ہے۔ اسے یقین تھا کہ وہ جس جگہ چاہے گا اس کا چاقو پیوست ہو جائے گا۔ اس نے بڑی سرعت کے ساتھ دونوں ہاتھ استعمال کرتے ہوئے بیلٹ سے چاقو کھینچے اور ایک ہی اکیشن میں انھیں نشانے کی طرف پھینک دیا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ٹائیگر ایک لمحے تک یہ منظر دیکھتا رہا جس کے بالکل قریب سے چھرا نکلا تھا۔ پھر بجلی کی سی پھرتی سے ٹائیگر کا بایاں ہاتھ اتنی تیزی سے اٹھا کہ قاتل دا کو اس کی حرکت بھی نظر نہ آئی اور وہ چاقو جو ٹائیگر کے حلق کی طرف آ رہا تھا ٹائیگر کی کھڑکی ہتھیلی سے ٹکرا کر بے ضرر انداز میں زمین پر گر پڑا۔ دایاں ہاتھ بھی اسی تیزی سے اٹھا تھا، وہ سینے کی طرف آنے والے چاقو سے ٹکرایا تو چاقو حیرت انگیز طور پر سر سے بلند ہو کر ٹائیگر کے عقب میں پار یا یخ فٹ دور جا گرا۔

اب وہ کے پاس راہ فرار اختیار کرنے کے سوا اور کوئی طریقہ نہ تھا، وہ بے تحاشا بھاگا اور جب اسے یقین ہو گیا کہ وہ حیرت انگیز نوجوان سے دُور نکل آیا ہے تو ایک جھنڈ کے قریب کھڑا ہو کر سستانے لگا۔ لیکن عین اسی وقت جھاڑیوں میں حرکت ہوئی اور وہی نوجوان ایک بار پھر اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

وہ پلٹ کر پھر بھاگنے لگا لیکن چند ہی لمحوں بعد اسے نوجوان پھر نظر آ گیا۔ اس بار نوجوان مسکرا مسکرا کر اسے قریب آنے اور مقابلہ کرنے کی دعوت دے رہا تھا۔

قاتل رُک گیا۔ وہ بہت خوف زدہ تھا۔ "تم... تم کون ہو؟"

"اپنے اجداد کو ہمارے بارے میں بتاؤ، وہ تمہیں بتائیں گے کہ ہم کون ہیں۔" ٹائیگر نے مسکرا کر جواب دیا۔ اس کا لہجہ جارحانہ بہرحال نہ تھا۔

دائیں بڑی تیزی سے بیلٹ میں اڑسا ہوا آخری چاقو نکالنے کی کوشش کی۔ اس بار اسے بہرحال اپنی کامیابی کا یقین نہ تھا لیکن ڈوبتے کو تنکے کا سہارا ہوتا ہے، اس نے آخری کوشش کرنی چاہی، ہاتھ چاقو کے دستے پر پہنچا اور پھر چاقو اس نے سر سے بلند بھی کر لیا لیکن اسی لمحے اُس نے ٹائیگر کا ہاتھ اپنے بہت قریب دیکھا اور چاقو پرواز کرنے کی بجائے نیچے کی طرف آنے لگا، پھر اس نے اپنے ہاتھ پر شدید ترین دباؤ محسوس کیا اور وہ اپنے ہی ہاتھ سے اپنا چاقو اپنے ہی پیٹ میں پیوست کرنے پر مجبور ہو گیا۔

"چاقو لگنے کے بعد ایسا محسوس ہوتا ہے..." اس نے سوچا اور پھر معاً ہی اسے احساس ہوا کہ اس کے اپنے پیٹ میں چاقو پیوست ہے۔ ساتھ ہی شدید ترین تکلیف بھی محسوس ہوئی۔

ٹائیگر نے قاتل کی طرف دیکھا۔ دونوں کی آنکھیں ایک دوسرے کی آنکھوں سے ملیں، دا کی آنکھیں دُھندلانے لگیں تاہم ان میں حیرت کے تاثرات برقرار رہے۔

ٹائیگر نے پلٹ کر کھڑکی کی طرف دیکھا، اُدشان وہاں کھڑا سر ہلا رہا تھا۔

"تمہارے انداز میں ذرا بھی وقار اور نفاست نہیں تھی۔" اُدشان نے چلا کر کہا اور کھڑکی بند کر لی۔

*

اُدشان سے آمنا سامنا ویلے پریس کے کمرے ہی میں ہوا

"آپ کو علم تھا کہ میں خطرے میں ہوں اور پھر بھی آپ میری مدد کے لیے نہیں آئے۔" ٹائیگر نے شکوے بھرے انداز میں کہا۔

"تمہیں کسی قسم کا کوئی خطرہ نہیں تھا۔" اُدشان نے دونوں ہاتھ سینے پر باندھ کر جواب دیا۔

"آپ کو کیسے معلوم ہو گیا کہ مجھے کوئی خطرہ نہیں تھا؟"

"جب اس عورت نے مجھے فون کیا کہ تم خطرے میں ہو تو تب ہی مجھے یقین ہو گیا کہ تم خطرے میں نہیں ہو۔ وہ جھوٹ بول رہی تھی۔"

"جھوٹ کا اندازہ کیسے ہوا؟"

"اس کے لہجے سے۔" اُدشان نے جواب دیا "لیکن تم نے ابھی تک یہ سوال نہیں کیا کہ قاتل نے ویلے پریس کو پہلی مرتبہ زخمی کر کے ہی کیوں چھوڑ دیا تھا، اسے مار کیوں نہیں۔ دراصل اسے یہی حکم ملا تھا کہ ویلے پریس کو صرف زخمی کیا جائے۔ اب سوال یہ ہے کہ اس پبلشر کو زندہ مگر معذور رکھ کر کسے فائدہ ہوتا؟ تم نے یہ سوال بھی نہیں پوچھا؟"

"یہ سب کیا ہے؟" ویلے پریس نے بے صبرے پن سے پوچھا۔ اب تک وہ ان کی گفتگو خاموشی سے سنتا رہا تھا۔

"پھر تم نے مجھے بتایا کہ وہ عورت کتنی غیر معمولی ہے۔ اگرچہ تم نے انتہائی گنجلک اصطلاحات استعمال کی تھیں لیکن میں نہیں استعمال کر کے اپنی زبان گندی نہیں کروں گا۔ تب ہی میں سمجھ گیا تھا کہ اسے ویلے سے محبت نہیں۔"

"یہ کس کے بارے میں بات ہو رہی ہے؟" ویلے نے اس بار خود ہی پوچھا تھا۔

"تو جب مردانہ صفات والی اس عورت نے مجھے فون پر بتایا کہ تم خطرے میں ہو تو میں سمجھ گیا کہ وہ جال ڈال رہی ہے تاکہ میں اس میں پھنس کر یہاں سے چلا جاؤں اور یہ پبلشر تنہا رہ جائے لیکن میں جال میں کبھی نہیں پھنستا۔"

"ٹھیک ہے۔ اس بار یقین کر لیتا ہوں۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔

"کیا ہے؟" ویلے نے پھر کچھ پوچھنا چاہا۔ لہٰذا ٹائیگر کو اسے سب کچھ بتانا پڑا۔ مختصر یہ کہ فیوڈیسیا یہ چاہتی تھی کہ تم ہر چیز اس

کے نام کر دو، اس کے بعد وہ تمہیں قتل کرنا چاہتی تھی۔"

ویلے پریس کا چہرہ سُست گیا۔ "صرف دولت کے لیے؟"

"شاید۔" ٹائیگر نے مختصر سا جواب دیا۔

"میں اسے دولت دے ہی دیتا لیکن اسے مجھے معذور کرنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"معذور؟" اُدشان نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ "ہاں۔ معذور۔ ویسے میں اس موضوع پر تم سے بات کرنا بھی چاہتا تھا تم ٹانگیں ٹھیک ہونے کے عوض کیا دے سکتے ہو؟"

"سب کچھ۔"

"کیا تم میری نظمیں اور میرے ناول شائع کر سکتے ہو؟"

"کیوں نہیں۔ میں ہر چیز شائع کرنے کو تیار ہوں۔"

"چلو۔ معاہدہ ہو گیا۔ اب تم سو جاؤ۔ مجھے کچھ تیاریاں کرنی ہیں۔" اُدشان نے فاتحانہ انداز میں کہا اور ٹائیگر کو لے کر کمرے سے نکل گیا۔

"کیسی تیاری مسٹر فادر؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"تیاری؟ کیسی تیاری؟" اُدشان نے حیرت کا اظہار کیا۔ "میں نے تو صرف ایک تاثر دینے کی خاطر تیاری کا لفظ استعمال کیا تھا۔ بھلا مجھے کیا تیاری کرنی ہے؟"

"کیا آپ اسے پیروں پر چلنے کے قابل بنا دیں گے؟"

"ہاں۔ کیوں نہیں۔ وہ اب چل سکتا ہے۔"

"وہ کیسے؟"

"کیا تمہیں یقین ہے کہ وہ ہندوستانی اس کی ٹانگوں کا علاج کر رہا تھا؟"

"نہیں۔ ہرگز نہیں۔"

"اور ویلے پریس کو ہر صبح غسل آفتابی کے بعد اپنی ٹانگوں میں کتنے درد جان محسوس ہوتی تھی؟"

"ہاں۔ یہ تو خود ویلے کا اپنا بیان ہے۔"

"اور پھر عورت ویلے کو اغوا کر کے جا کر دوا دیتی تھی جس کے بعد پبلشر کی ٹانگوں میں زندہ ہونے کا احساس ختم ہو جاتا تھا۔"

ٹائیگر اثبات میں سر ہلا کر رہ گیا۔

وہ کہتی تھی کہ دوا درد ختم کرنے کے لیے دی جاتی ہے لیکن جب تم یہاں نہیں تھے تو میں نے اس دوا کی آزمائش کی ثابت ہوا کہ یہ دوا دراصل پنڈلیوں اور رانوں کے عضلات مفلوج رکھنے کے لیے کارآمد ہے لہٰذا میں نے اسے پھینک دیا۔ مجھے یقین ہے کہ کل تک اس دوا کا اثر ختم ہو جائے گا اور ویلے اپنے پیروں پر چلنے لگے گا۔"

"کمال ہے۔"

"کیا مطلب؟" اُدشان نے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"کچھ لوگ اپنی نظمیں شائع کرانے کے لیے کیا کچھ کر گزرتے ہیں۔"

"ہوں۔" اُدشان نے ہنکارا بھرا۔ "اس عورت کے بارے میں کیا خیال ہے میرے بچے؟"

"اس کا مسئلہ مجھ پر چھوڑ دیں مسٹر فادر۔"

اگلی صبح جب دوا کا اثر نہ رہا تو ویلے کو معاً ہی احساس ہوا کہ اس کی ٹانگوں میں جان پیدا ہو گئی ہے اور یہ احساس وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ قوی سے قوی تر ہوتا گیا۔

دو روز بعد وہ کھڑا ہو گیا اور دو ہفتے بعد چلنے لگا اس کے ایک روز بعد اس نے پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ وہ فرلونگ کا ڈنٹی، علاقے کے عوام کو واپس کر رہا ہے جنہوں نے اس سے بڑی محبت کا مظاہرہ کیا۔ ساتھ ہی اس نے فرلونگ کا ڈنٹی میں شمسی توانائی کا پلانٹ لگانے کے لیے ایک فاؤنڈیشن کے قیام کا بھی اعلان کیا۔ اس کا تیسرا اعلان یہ تھا کہ وہ ایک نیا میگزین شائع کرے گا جس میں مقیم کو ریائی ادب کے قدیم نمونوں کو شامل اشاعت کیا جائے گا اور سب سے پہلے عظیم رائٹنگ نمبر نکالا جائے گا۔

ویلے پریس کے یہ اہم ترین اعلانات اخبارات میں صفحہ اوّل کی زینت نہ بن سکے تاہم صفحہ اوّل پر شائع ہونے والی زیادہ تر خبروں کا تعلق فرلونگ کا ڈنٹی کے ایک المیے سے ہی تھا۔

خبریں یہ تھیں کہ غنڈوں کے ایک گروہ نے فرلونگ ائرپورٹ پر تین افراد، فیوڈیسیا، رام چند اور لوبن پر حملہ کر کے انہیں قتل کر دیا۔ قاتلوں نے سرخ دستے والے چاقو استعمال کیے، جن پر گھوڑوں کا عکس کھدا ہوا تھا۔

غنڈوں کو کسی نے نہیں دیکھا تاہم ائرپورٹ کے ایک ملازم کا کہنا تھا کہ اس نے قتل گاہ کی جگہ ایک سفید فام نوجوان کو دیکھا تھا جس کی کلائیاں غیر معمولی طور پر موٹی تھیں۔

سلطان نورالدین زنگی
الماس ایم اے قیمت:-/250

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

یہ اُسی دن کی بات ہے جب راشد پرویز گلشن آباد کی شاہراہ کی فٹ پاتھ پر چلتا ہُوا ایک کھلے مین ہول میں گرتے گرتے بچا تھا اور پھر جب وہ گلشن آباد کے ایف بی آئی ہیڈ کوارٹرز پہنچا تھا تو ایک نئی شامت اس کی منتظر تھی۔ جس کی وجہ سے راشد اور زیادہ مشتعل ہو گیا تھا۔

بات یہ نہیں تھی کہ اس کے ڈسٹرکٹ سپروائزر نے ایک اور ایسا سمن سونپ دیا تھا جو اسے ہفتوں تک گھر سے دُور کر دیتا اور وجہ یہ بھی نہ تھی کہ اسپیشل ایجنٹ آر پی (راشد پرویز) کی تعطیلات منسوخ کی جا رہی تھیں بلکہ بات صرف یہ تھی کہ سُپروائزر کا انداز محض سُپروائزر لی تھا۔

"آخر مصیبت کیا ہے۔ نئے دارالحکومت مسلم آباد کو کیا پریشانی لاحق ہو گئی ہے۔ جن دنوں میں دارالحکومت گلستان میں ہُوا کرتا تھا۔ ان دنوں تو ایسے مسئلوں کو کبھی اتنی سنجیدگی سے نہیں لیا گیا۔ میں پہلے بھی سات مرتبہ ایسی صورت حال سے مقابلہ کر چکا ہوں۔" راشد بھڑک اُٹھا۔

"اسی لیے تمہیں یہ کیس بھی سونپا جا رہا ہے آر پی۔" ڈسٹرکٹ سُپروائزر بادشاہ خان نے کہا۔

"ہُوں۔" راشد پرویز تلملا کر رہ گیا۔ "اب اس عورت کے ذاتی مسائل بھی ہمیں کو نمٹانے ہوں گے۔ وہ کہاں رہے گی؟ بات کو اس کے ساتھ کس کی ڈیوٹی ہو گی؟ کیا کھائے گی اور جو کھائے گی وہ کون پکائے گا؟"

"میرا خیال ہے کہ تم میری بات پر کان دھرو کیونکہ باہم مشورے سے کوئی نہ کوئی بہتر راہ ضرور نکل آتی ہے۔" بادشاہ خان نے جواب دیا۔

"ہاں! لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ دوسرا سر تمہارا نہیں کسی اور کا ہو۔"

"میں تمہاری اس بات کا بُرا نہیں مانوں گا۔" ڈی ایس نے سر ہلا کر کہا لیکن اس کا لہجہ جلا کٹا تھا۔

"ہاں! اور میں چاہتا ہوں کہ تم میرے اس ہنگامی تبصرے کو اپنی رپورٹ میں بھی لکھ دو۔ ساتھ ہی یہ بھی لکھ دینا کہ تم ایسے آدمی کو مشورہ دے رہے تھے جسے مسلم آباد والے حفاظتی تحویل کی تکنیک کا ماہر سمجھتے ہیں۔" یہ کہتے ہوئے راشد پرویز نے اپنی ٹائی ٹھیک کی۔ اس کے کان کی نویں نک ضغطے کی وجہ سے سُرخ ہو گئی تھیں۔ اسے اس بات پر بھی غصہ تھا کہ مسلم آباد والوں نے محض حفاظتی تحویل کے معاملہ عام سے سٹے پر اسٹا ہنگامہ کیوں کھڑا کر رکھا ہے۔

بات ایک انیس سالہ لڑکی کی تھی۔ اس کا باپ بہت بڑا تاجر تھا لیکن لڑکی کو اپنے باپ سے نفرت تھی اور وہ زد کسیوں سے اپنے باپ کے کسی معاہدے کے بارے میں اہم انکشافات کرنا چاہتی تھی۔ شمالی سرحدوں پر رُوسی مداخلت کے پس منظر میں اس کے انکشافات انتہائی اہم ثابت ہو سکتے تھے۔ صرف دو خطرات درپیش تھے۔ پہلا یہ کہ وہ انکشافات کرنے کا ارادہ نہ بدل دے اور دوسرا یہ کہ کوئی اُسے قتل نہ کر ڈالے۔

"راشد! میرا خیال ہے کہ وہ تاریخ کے ایک سب سے بڑے اور کھلے کنٹریکٹ کی ٹارگٹ ہے۔" بادشاہ خان نے رازدارانہ انداز میں انکشاف کیا۔

"کیا؟" راشد نے حیرت سے ڈی ایس کو دیکھا اور پھر زور سے ہنس دیا۔ "کسی ڈرامے یا فلم کی بات کر رہے ہو؟"

"میں ایک ٹھوس حقیقت کی بات کر رہا ہوں۔"

"میرا خیال ہے کہ تم اسے طیارے کا ٹکٹ دو۔ کسی اور نام سے اسے سفر کراؤ اور جب اسے بیان دینا ہو تو واپس لے آؤ۔ اس طرح نہیں بھی سکوں سے تعطیلات گزار سکوں گا۔"

"اس معاہدے کی رقم دس لاکھ امریکی ڈالر ہے۔ آر پی۔" ڈی ایس نے گمبھیر لہجے میں نیا انکشاف کیا۔

"صرف دس لاکھ ڈالر۔ ایک کروڑ کیوں نہیں؟"

"مذاق مت کرو۔ راشد۔"

"نہیں۔ نہیں مذاق نہیں کر رہا ہوں۔ اوپن کنٹریکٹ بھی سر دھڑ کی بازی سے کم خطرناک نہیں ہوتا۔ خیر۔ یہ بتاؤ کہ تم نے اس اوپن کنٹریکٹ کے بارے میں کہاں سنا اور یہ کنٹریکٹ کون بھرے گا؟"

"یہ بات ہمیں نے اعلیٰ ترین حکام سے سُنی ہے اور ایسے بہت سے لوگ ہیں جو اسے قتل کرنے کے لیے کوششیں کریں گے۔"

"جنابِ عالی!" راشد پرویز نے طنزیہ انداز میں کہا۔ "اوپن کنٹریکٹ کی درست تعریف یہ ہے کہ کوئی بھی شخص کنٹریکٹ کی پیشکش کرنے والے کی ضرورت کے مطابق عمل کر کے یا قتل کر کے اس سے رقم لے سکتا ہے لیکن یہاں ایک جھول نظر آ رہا ہے۔ وہ یہ کہ کنٹریکٹ کا کوئی پتا نہیں۔ اور قاتل کسی بھی ایسے شخص کے لیے قتل نہیں کرتے جس سے وہ مل نہ لیے ہوں اس طرح ادائیگی کے امکانات نہیں رہتے۔"

"نیو گلستان میں واجد حسین کا قتل شاید اسی قسم کے اوپن کنٹریکٹ کا نتیجہ تھا راشد۔"

"نہیں جناب!" راشد نے فوراً تردید کر دی۔ "شاید تمہیں یاد ہو کہ اس کے قتل کا حکم ڈرگ مافیا سے تعلق رکھنے والے پانچوں بڑے خاندانوں نے دیا تھا۔

یہی حال انسپکٹر احمد کا تھا جس نے ڈرگ مافیا سے تعلق رکھنے والے ایک خاندان کی زندگی اجیرن کر رکھی تھی۔ لہٰذا ایک لاکھ روپے کے عوض اسے قتل کرا دیا گیا۔"

بادشاہ خان نے اسپیشل ایجنٹ کو بغور دیکھا اور پھر سامنے رکھی ہوئی فائل کو گھورنے لگا۔ اس فائل میں ایک حکم لگا ہُوا تھا۔ خود اسے بھی یہ بات پسند نہ تھی کہ راشد جیسے حساس ایجنٹ پر مزید بار ڈالا جائے لیکن اس حکم میں واضح طور پر درج تھا کہ اس کیس کا انچارج راشد پرویز ہو گا۔ ساتھ ہی یہ ہدایت بھی درج تھی کہ راشد جتنا عملہ طلب کرے فراہم کر دیا جائے۔ آخری جملہ یہ تھا: "ہیں سالہ کو ایک تجارتی اسکینڈل میں گواہی دینے کے لیے دو ہفتہ بعد سینیٹ کمیٹی کے رُوبرو پیش ہونا ہے۔ لہٰذا اسے زندہ رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی جائے۔"

لیکن اس نے راشد پرویز کے اس مطالبہ کو نظر انداز کر دیا کہ اُسے نائٹ ڈیوٹی کے لیے پانچواں آدمی بھی دیا جائے۔ اسے چار آدمی دیے گئے تھے جن کو اس نے کمرے کے باہر، چھت پر، زینے پر اور ہوٹل کی لابی میں تعینات کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ پانچویں آدمی کو وہ ہوائی اڈے پر رکھنا چاہتا تھا۔

"ہوائی اڈے پر کیوں؟" بادشاہ خان نے پوچھا۔

"تاکہ رات کو نچلی پرواز کرنے والے طیاروں سے اسے بچایا جا سکے جناب!" راشد بدستور مسکرا رہا۔

"چار آدمی۔ کافی ہوں گے۔" بادشاہ خان نے ٹھوس اور فیصلہ کُن لہجے میں کہا۔

"یس سر۔"

بادشاہ خان نے خوراک کے بارے میں تجاویز بھی نظر انداز کر دیں۔

"اور ہم سوڈے کا استعمال بھی نہیں ہونے دیں گے۔"

"کیوں؟" ڈی ایس اب قدرے بے چین سا ہو گیا تھا۔

"ریسرچ سے ثابت ہُوا ہے کہ سوڈے میں ایک خاص عنصر ہوتا ہے۔ جس کے 5 کین اگر کوئی ایک گھنٹے میں پی لے تو اُسے کینسر ہو جاتا ہے۔"

"ہم موسمی طریقہ کلہ کے مطابق ریستوران تبدیل کرتے رہیں گے۔" بادشاہ خان نے اکتا کر کہا۔

"بہت بہتر جناب!"

"سارہ اس وقت گلشن آباد ہیڈ کوارٹرز میں موجود ہے۔ کیا تم اس سے متاثر ہو گے؟"

"پہلے میں اپنی بیوی، بیٹی اور بیٹے کو یہ المناک خبر سُنانا چاہتا ہوں کہ ہم سیر و تفریح کے لیے پہاڑوں پر نہیں جا سکتے۔ اس کے بعد اس مشن کا چارج لوں گا۔"

ڈی ایس نے اس پر کوئی اعتراض نہ کیا۔ بلکہ راشد کی درخواست پر اُسے دو گھنٹے بعد واپس آنے کی اجازت بھی دے دی لیکن یہی راشد کی پہلی غلطی ثابت ہوئی کہ وہ اپنے گھر گیا۔

بیٹے اور بیٹی نے تو چھٹیاں منسوخ ہونے پر کسی ردِ عمل کا اظہار نہیں کیا تھا لیکن بیوی کی بات ہی الگ تھی۔ اس کا مُنہ پھول گیا۔ اس نے راشد کی محبتوں کا جواب بھی محبت سے نہیں دیا اور جب اسے یہ معلوم ہو گیا کہ وہ تین ہفتے تک گھر سے باہر رہے گا تو وہ ناراض ہو گئی۔ راشد نے اُسے منانے کی کوشش کی تو وہ روتی ہوئی کچن میں چلی گئی... اس نے راشد کو خدا حافظ بھی نہ کہا اور اس بات پر اسے زندگی بھر قلق رہا۔

راشد جب ہیڈ کوارٹرز واپس آیا تو اسے بھی اپنی غلطی کا احساس ہو گیا۔ آفس میں دو اور دوسرے ایجنٹ بھی موجود تھے۔

"وہ وہاں ہے!" ایک ایجنٹ نے اُنگلی سے چھت کی طرف اشارہ کیا جو پہلی منزل کے کمرے کا فرش تھی۔

"کب سے ہے؟ اس نے رات کا کھانا کھایا یا نہیں؟"

"اس کا کہنا ہے کہ کھانا کھانا خود مرضی ہے۔"

"تم نے اس سے بات کی تھی؟"

"ایک گھنٹے قبل۔ اس کو اصل پریشانی یہ ہے کہ جب اس نے کوئی جُرم ہی نہیں کیا تو اسے یہاں کیوں رکھا گیا ہے؟"

"تمہیں اس کے ساتھ ہونا چاہیے تھا۔" راشد یہ کہہ کر اُٹھا اور بالائی منزل کے کمرے میں داخل ہو گیا۔ اندر گھُپ اندھیرا تھا۔ اُس نے فوراً لائٹ آن کر دی۔

اندر حُسن ساکت اس کا منتظر تھا۔

راشد کا دل دھک سے رہ گیا۔ کچھ تو حُسن کی قیامت خیزی تھی اور کچھ جسمانہ کا ساکت ہونا پریشانی کی بات تھی۔

وہ تیزی سے لپکا اور اس نے دل کی دھڑکن سُننے کے لیے کان سینے پر رکھ دیا۔

دل بہت بہتر انداز میں دھڑک رہا تھا۔

"آؤ ناچیں۔" مدھم سی آواز سُنائی دی تو راشد اُچھل کر ایک طرف ہٹ گیا۔ لڑکی نے اپنی غزالی آنکھیں کھولیں اور پھر اُس کے ہونٹ بھی ہلنے لگے۔ وہ مُسکرا رہی تھی۔

"بس سارہ! آپ نے کوئی دوا کھائی ہے؟"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"نہیں۔ میں پہاڑ کی چوٹی پر بیٹھی ہوں۔" وہ مخمور لہجے میں بولی۔

"کیا سارہ کے پاس کوئی نوٹ بک، بیگ یا ایسی ہی کوئی چیز تھی؟" راشد نے پلٹ کر دوسرے ایجنٹوں سے پوچھا۔

"ہاں۔ پاؤچ نما کوئی چیز تھی۔"

"پاؤچ کی تلاشی لے کر نتائج مجھے دے دو۔" یہ کہتے ہوئے راشد نے لڑکی کو بھی بغور دیکھا۔ جو کسی ایک جگہ آنکھیں مرتکز کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"اس میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے آر پی۔" ایجنٹ نے تلاشی لینے کے بعد بتایا۔

"تب پھر میں اس کی خود تلاشی لوں گا۔ تم دونوں یہاں موجود رہو۔" راشد نے فیصلہ کر لیا۔ اس نے ان دونوں کو موجود رہنے کی ہدایت اس وجہ سے کی تھی کہ کہیں تنہائی میں تلاشی لینے سے کوئی اسکینڈل کھڑا نہ ہو جائے۔

ننھی ننھی گولیاں بلیو جینز کے اندر ایک خفیہ جیب میں مل گئیں۔

"میکیلائین۔" راشد نے پیلی گولیاں دیکھتے ہی کہا۔

"نہیں باب نہیں۔ میں دو پہلے ہی کھا چکی ہوں۔ شکریہ۔" سارہ نے مسکرا کر کہا۔

"اب یہ تمہارا مسئلہ ہے راشد۔" ایک ایجنٹ نے کہا۔

"اب یہ ہمارا مسئلہ ہے۔" راشد نے ان کی تصحیح کی۔ "میں دو آدمی ہمہ وقت اس کے ساتھ رکھنا چاہتا ہوں۔" یہ کہتے ہوئے اس نے گھڑی دیکھی۔ بات واضح تھی کہ وہ اس وقت مسلم آباد جانے والی فلائٹ نہیں پکڑ سکتے تھے۔ لڑکی سفر کے قابل نہیں تھی لہٰذا وہ تینوں رات بھر لڑکی کے ساتھ کمرے میں ہی رہے۔

جونہی صبح کے آثار نمودار ہوئے وہ رونے لگی۔ اس کا رونا تھمتا ثابت نہ ہوا کیونکہ پھر اُسے نیند آ گئی تھی۔ جب اس کی آنکھ کھلی تو وہ بہت بھوکی تھی۔ "بریانی، قورمہ، تافتان اور کھیر۔" اس نے فرمائش کی۔

وہ اُسے لے کر نکلے کیونکہ اس کی فرمائش ہینڈ کوارٹرز کے اس پاس پوری نہیں ہو سکتی تھی۔ راستے میں ایک اسٹور نظر آتے ہی وہ چاکلیٹ کے لیے مچل گئی۔ انھوں نے گاڑی روک کر اُسے جانے دیا۔ جب اُسے دیر ہو گئی تو راشد بھی گاڑی سے اُتر کر اسٹور کی طرف بڑھا لیکن وہ دروازے پر ہی تھا کہ وہ نکل آئی۔ راشد نے دیکھا کہ سارہ کے ہاتھ میں چاکلیٹ نما کوئی چیز نہیں تھی۔

گاڑی ائرپورٹ کی طرف جاتے ہوئے سارہ نے ریڈیو کا ڈائل گھمانا شروع کر دیا۔ پھر سوئی اُس جگہ رُکی جہاں ایک غیر ملکی اسٹیشن سے نئی طرز کی موسیقی نشر ہو رہی تھی۔

سارہ نے آنکھیں بند کر لیں لیکن مجونہی راشد نے ہاتھ بڑھا کر ریڈیو کو چھیڑا اُس نے آنکھیں کھول دیں۔ راشد خبروں کے لیے مقامی اسٹیشن تلاش کر رہا تھا۔

پہلی خبر مسلم آباد جانے والی اس ناٹ کو رچ کے بارے میں تھی جس میں سارہ اور راشد کو جانا تھا۔ خبر کے مطابق طیارہ پہاڑوں سے ٹکرا کر تباہ ہو گیا تھا۔ بعض عینی شاہدوں کا کہنا تھا کہ انھوں نے طیارے کی رُم دھماکے کی آواز بھی سُنی تھی۔ ایک سو اڑتالیس مسافر اس حادثے میں لقمۂ اجل بن گئے تھے۔

راشد نے اگلی پچھلی کاروں کو رُکنے کا اشارہ کیا۔ گاڑیاں رُکتے ہی لوگ اُترآئے۔ یہ دس کے دس راشد کے ماتحت تھے۔ انھوں نے شوٹ پہن رکھے تھے۔

"ٹیک ہے۔ تم چاروں۔" اُس نے چار افراد کی طرف اشارہ کیا۔ "تم چاروں عام کپڑے پہن لو اور تم دونوں۔ ابھی شلوار وغیرہ مت کرنا۔ اور تم تین نے مزید دو افراد کی طرف اشارہ کیا۔ "کر بوکٹ کا اسٹائل ختم۔ بالوں میں مانگ نکالو تاکہ ٹوپی پہن سکو۔"

"کیا ہوا؟ مسئلہ کیا ہے راشد؟" ایک نے پوچھا۔

"ہم کل جس پرواز سے مسلم آباد جانے والے تھے، اسے تباہ کر دیا گیا ہے۔ اگرچہ مجھے پتا نہیں تھا کہ یہیں مارنے کی سازش تھی لیکن گرم حالات معمول پر ہوتے تو ہم بھی اسی پرواز پر ہوتے۔ ہمیں بتایا گیا ہے کہ مس سارہ کی زندگی خطرے میں ہے اور یہ یقین کرنے کا بھرپور جواز موجود ہے کہ سارہ کو قتل کرنے کے لیے انتہائی مشاق افراد کی خدمات حاصل کی گئی ہیں اور اس کا مطلب یہ ہوا کہ حملہ کسی طرف سے بھی کیا جا سکتا ہے لہٰذا ہمیں بہت احتیاط برتنی ہو گی۔ ہم اب بذریعہ کار دانش گڑھ جائیں گے لیکن سرکاری گاڑیوں میں نہیں۔ تم دونوں کار کرائے پر حاصل کرو اور تم دونوں کوئی ٹرک لے لو۔" راشد بہت پیشہ ورانہ انداز میں فیصلے کر رہا تھا۔ اور تم دونوں کی جوڑی بڑی فور ڈور کار استعمال کرے گی، لیکن بلیک لاک مناسب رہے گی۔"

"کرایہ کی؟ ان دونوں میں سے ایک نے پوچھا۔

"تمہارے پاس یقیناً ذاتی گاڑی نہیں ہو گی۔" راشد نے مسکرا کر تبصرہ کیا۔

"ہاں۔" وہ دونوں ہی جھینپ سے گئے۔

"گڈ۔ تم دونوں بادشاہ خان کے پاس واپس جا کر اسے مطلع کرو گے کہ ہم بذریعہ سڑک دانش گڑھ جا رہے ہیں۔ وہاں روکسی کے سامنے والے ہوٹل میں کمرے حاصل کریں گے۔ پہاڑوں کے سامنے ہونے کے

باعث کسی کھڑکی سے ہمارے کمروں پر فائرنگ کا خطرہ نہیں رہے گا۔ وہاں سے ہم بادشاہ خان سے رابطہ قائم کریں گے۔"

"لیکن کرائے کی کاروں میں ریڈیو کنیکٹ نہیں ہو گا۔"

"ہاں! لیکن ہمیں سرکاری گاڑیوں کو استعمال کر کے کسی خطرے کو دعوت نہیں دینا چاہتا۔"

"سر! ایک ایجنٹ نے راشد سے کہا۔ "کیا آپ کو یقین ہے کہ سارہ قتل کے لیے اوپن کنٹریکٹ پر ہے؟"

"مجھے صرف اپنی اس خوش قسمتی کا یقین ہے کہ ہم کل رات والی پرواز پر نہ تھے۔" راشد نے ہنس کر جواب دیا۔ پھر انھیں کھانے کے لیے ایک ریسٹوران کا پتا بتا کر اپنی سرکاری گاڑی میں بیٹھ گیا۔

"سب ٹھیک ٹھاک ہے۔" اس نے سارہ سے کہا۔

"کیا مطلب! لڑکی چڑی بیٹھی تھی۔

"مطلب یہ کہ ہم سب ٹھیک ٹھاک ہیں۔"

"تم بڑے عجیب آدمی ہو۔" اس نے تبصرہ کیا۔

*

دانش گڑھ کے ہوٹل میں اس نے اپنے آدمیوں کو حربی حکمتِ عملی کے اعتبار سے "ڈائمنڈ پوزیشن" میں تعینات کیا۔ یہ حربی پوزیشن دیت نامی گوریلے استعمال کرتے رہے تھے اور اس نے اس کی تربیت بھی ایک دیت نامی سے ہی لی تھی۔

ایک فخص کو ہوٹل کے شمالی حصے میں سڑک کے قریب تعینات کیا گیا۔ دوسرے کو جنوبی حصے میں۔ کمرے کے قریب سڑک کے مشرق اور مغرب میں دو سرے آدمی تھے۔ سارہ کے کمرے کے دائیں بائیں والے کمرے بھی راشد کے آدمیوں نے حاصل کر لیے تھے۔ ڈائمنڈ پوزیشن کے درمیان ایک آدمی مسلسل گھومتا پھرتا رہتا تھا تاکہ پوزیشن پر نظر رکھ سکے۔

راشد و گرد و ایجنٹوں کے ساتھ سارہ کے کمرے ہی میں تھا جو فی الوقت پروگراموں اور ریڈیو کی نشریات سے بور ہو کر اب جگجیت چترا، مہدی حسن اور غلام علی کے گیتوں کی فرمائش کر رہی تھی لیکن شاید اس کا مزاج بھی دانش گڑھ کے موسم کی طرح بدل رہا تھا۔ سنجیدہ غزلوں کی فرمائشوں کے بعد اچانک ہی اس نے اپنی نئی خواہش کا اظہار کیا۔

"کاش! میں کبھی مائیکل جیکسن کے ساتھ رقص کر سکوں۔"

"یہ بڑی منفی سوچ ہے۔" راشد نے کہا۔

"کیوں؟"

"اس لیے مائیکل جیکسن کے دیسی نقال بھی موجود ہیں۔ تم ان کی حق تلفی کر رہی ہو۔ اس کے نقال اس سے تو زیادہ خوبصورت ہیں۔"

"مگر میں بدصورت شخص کی قربت چاہتی ہوں۔ مجھے تو میگوٹ سے بھی محبت ہے۔"

"واقعی؟" راشد نے پوچھا۔

"اوہ... یس۔" یہ کہہ کر وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

بالکونی میں جاتے ہوئے راشد نے دو گن کھول کر ساتھ لی اور نہ ہی جیکٹ۔ اس نے بالکونی کا دروازہ کھولا اور پھر خود بھی مبہوت ہو کر رہ گیا۔

مغرب میں سُورج، پہاڑوں کی اوٹ میں غروب ہو رہا تھا۔

"شاندار..." سارہ بھی ساکت ہو گئی۔

"یہ دُنیا کی انتہائی خوبصورت اور دلفریب پہاڑیاں ہیں لیکن... دُشوار گزار بھی ہیں۔"

"زندگی کی طرح حسین مگر دُشوار۔" سارہ نے عجیب سے لہجے میں کہا۔ "لیکن طلاوٹ یہاں بھی ہو گی۔"

"یہاں طلاوٹ نہیں ہو گی سارہ جی! ہو امیں کسی قسم کی آلودگی نہیں ہے۔"

"ہُنہہ..." سارہ ہنس دی۔ "چند برس انتظار کرو پھر تم یہاں بھی سانس نہیں لے سکو گے۔"

"تم بہت زیادہ مایوس لگتی ہو۔"

"انسان کی وہی اصل ہوتی ہے جو اندر اور باہر سے نظر آ جائے۔ میں جو دیکھتی ہوں، جو محسوس کرتی ہوں، اُس کا اظہار کر دیتی ہوں۔"

"کیا اسی وجہ سے تم نے بیان دینے کا فیصلہ کیا ہے؟"

"ہاں! اور اس کے علاوہ دیگر اور بھی باتیں ہیں۔ میرا فلسفہ یہ ہے کہ خنزیروں کو اپنی راہ اختیار کرنے کا کوئی حق نہیں ملنا چاہیے ورنہ وہ فصلوں کو تباہ کر دیں گے۔ میرے والد کے پاس بہت سرمایہ ہے اس لیے اسے یہ حق نہیں پہنچتا کہ اس ملک سے گندم اُٹھا کر کہیں اور بھیج دے اور یہاں گندم کی تمنا میں آسمان سے باتیں کرنے لگیں۔"

"کیا میں بھی اسی جانور کی صف میں شامل ہوں؟" راشد نے شوخ لہجے میں پوچھا لیکن اس وقت اس لڑکی سے گفتگو کر کے اسے یہ عجیب سا احساس ہو رہا تھا کہ یہ اٹھیس سالہ لڑکی کتنی باشعور ہے۔

"اوہ۔ فو۔" اس نے قہقہہ لگایا۔

"تم سرو کے درخت کی طرح سیدھے اور رکسی موتی کی طرح ایماندار ہو۔ شاید آئس کریم کی طرح ٹھنڈے مزاج اور میٹھے لہجے کے مالک بھی ہو۔"

"اور تم بھی بُری نہیں ہو۔" راشد نے جواب دیا۔ اس پر وہ شرمائی ہی نہیں بلکہ لجائی بھی اور ہنستی چلی گئی۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"کیا یہ لوگ ہر وقت کام پر رہتے ہیں؟" سارہ نے دائیں طرف اور چھت کی سمت میں اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔ وہاں ہینٹر کی سیڑھی لگی ہوئی تھی۔ جس کے نچلے سِرے کا رُخ اٹھی کی بالکونی کی طرف تھا۔ سیڑھی میں تختوں کے خلا کے درمیان راشد کو جوتے اور رکوئی جسم نظر آ رہا تھا۔

تب ہی وہ سیڑھی بڑی خاموشی سے نیچے آئی اور راشد کی چھٹی حس معاً چوکنا اٹھی کہ حملہ شروع ہو گیا ہے۔ سیڑھی کی خاموشی بہت پُراسرار تھی۔ سیڑھی کتنی بھی نئی کیوں نہ ہو وہ چُرچُراتی ضرور ہے۔

"سارہ!" راشد نے بہت سکون سے کہا۔ "اندر جاؤ اور کسی ایجنٹ سے کہو کہ میرا شولڈر ریولور لے آئے۔"

"کیا تم بارہ منزل نیچے کسی کو نشانہ بنانا چاہتے ہو؟"

"نہیں۔۔۔ لیکن پلیز۔ اندر جاؤ۔"

"اوکے بوبی۔" سارہ نے پہلی بار اس کے لیے نیا لفظ استعمال کیا۔ سیڑھی اب بالکونی کے دائیں طرف آ رہی تھی۔ اس وقت اگر راشد کے پاس ریڈیو ہوتا تو وہ اوپر جا کر اس سے رابطہ قائم کرتا لیکن ریڈیو اور والٹریس سب کے سب سرکاری گاڑیوں میں رہ گئے تھے۔ ڈائمنڈ پوزیشن میں عدم رابطے کی یہی ایک خرابی تھی۔

اس نے عقبی کمرے پر دروازے کی دستک اور پھر کسی کی آواز سُنی۔ "رُوم سروس۔"

"دروازہ مت کھولنا۔" راشد اس بار بہت زور سے چلایا تھا اس کی للکار کے ساتھ ہی سیڑھی تیزی سے بالکونی میں آ گئی اور پھر اُس نے سارہ کی چیخ سُنی۔ ایک ایجنٹ کے پیٹ میں گولی لگی لیکن دوسرے نے فائر کر دیا پھر کمرے کے دونوں بغلی دروازے کھل گئے اور مزید گولیاں چلنے لگیں۔ اُدھر راشد کو اپنے سر کے عین اُوپر سیڑھی پر ایک رائفل نظر آئی۔ اس نے رائفل کی نالی پکڑ کر زور سے جھٹکا دیا۔ ایک نوجوان رائفل سمیت دھڑام سے بالکونی میں آ گرا۔ راشد نے گھُنی ماری۔ یہ کاری وار تھا۔ نوجوان بہت زور سے نیچے گرا اور ساتھ ہی رائفل بھی چُھوٹ سکتی چلی گئی۔ اسی دوران مزید تین افراد سیڑھی سے اُترنے لگے۔ اب راشد نہ صرف نہتا بلکہ اکیلا بھی تھا۔ اس نے بہت پھُرتی سے دروازے کی چوکھٹ پکڑی اور پھر جھُول گیا۔ اُس کے دونوں پیر ایک آدمی کے سینے پر لگے۔ جب کہ باقی فائر کر سکے۔ راشد نے جنونی انداز میں پھر بالکونی اپنا لی۔ اس مرتبہ سیڑھی پر گِرنے جو ہوٹل کی دیوار کے ساتھ ساتھ دُور تک سرک گئی۔ اچانک اُس نے اپنی پشت پر کوئی آواز سُنی۔ اسی لیے سیڑھی پھر واپس آ گئی۔ وہ اپنے ہاتھوں سے دیر تک ٹٹول سکتا تھا بشرطیکہ دو افراد اُس کے سینے پر سوار نہ ہو گئے ہوتے پھر اچانک ہی اس نے محسوس کیا کہ وہ دونوں اُسے اُٹھا رہے ہیں۔ اُسے یہ بھی یاد رہا کہ اُسے کسی بھاری پتھر کی طرح بالکونی سے اُٹھا کر پھینکا جا رہا ہے اور پھر جب وہ وائٹ گلوکھ کی سلگی ٹُٹ پاتھ پر گرا تو اسے کچھ یاد نہ رہا۔ اب سانس بھی جسم سے جُدا ہو چکی تھی۔ اُسے اب زندگی بھر کسی درد کا احساس نہیں ہو سکتا تھا۔

✚

آخری آدمی جو سیڑھی سے گرا۔ وہ راشد کے بے جان جسم پر گرا جس کے باعث اسے زیادہ چوٹیں نہیں آئیں کہ موقع پر ہی ہلاک ہو جاتا۔ وہ پورے ایک دن زندہ رہا۔ مرنے سے قبل اس نے ایف بی آئی کو بتا دیا کہ وہ ایک ادپن کنٹریکٹ کی تکمیل کر رہا تھا۔ وہ آٹھ آدمی تھے اور انھیں یقین تھا کہ وہ یہ پروجیکٹ مکمل کر لیں گے... اور اگر ایسا ہو جاتا تو وہ ریس ہو جاتے۔

ہوٹل میں ہونے والی قتل و غارت گری ایک ڈراؤنے خواب کی طرح تھی۔ چار ایجنٹ ہلاک ہوئے تھے جب کہ آٹھ عملہ اور مارے گئے تھے۔

لیکن اب بھی ایسے اشارے مل رہے تھے جن سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا کہ حالات ہنوز خراب ہیں۔

ان آٹھوں افراد کی تدفین کے دوران پھُولوں کی آٹھ چادریں آئیں۔ جن کے ساتھ آٹھ سنہری لفافے تھے اور ہر لفافہ سربمہر تھا۔ جب مُہریں کھولی گئیں تو ہر لفافے میں بارہ بارہ ہزار ڈالر کے۔ ساتھ ہی آخری خراجِ عقیدت بھی لکھا جو اخباروں سے لفظ کاٹ کاٹ کر چسپاں کر کے پیش کیا گیا تھا۔ ان لفظوں سے یہ عبارت بنی تھی۔

اُن فرائض کے اعتراف میں جو تقریباً ادا کر دیے گئے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ ناکام کوشش کے عوض بھی تقریباً ایک لاکھ ڈالر دینے والا زندہ ہے اور ادپن کنٹریکٹ کہیں زیادہ مالیت کا ہے۔

پھُولوں کی چادریں سرکار نے ضبط کر لیں اور جب مرنے والے دو افراد کے اہلِ خانہ نے چادروں کے لیے اصرار کیا تو اُنھیں جواب دیا گیا کہ ان چادروں سے اس شخص تک پہنچنے میں مدد مل سکتی ہے، جس نے ان افراد کی خدمات حاصل کی تھیں — تدفین کے منتظمین کو بھی خبردار کر دیا گیا کہ وہ لفافے کے اندر ملنے والی تحریر اور رقم کے بارے میں کسی کو کچھ نہ بتائیں۔ اُدھر اخبارات کو یہ تاثر دیا گیا کہ مقابلہ منشیات فروشوں سے ہُوا تھا لیکن رقم کے

بارے میں سختی سے زبان بند کر دی گئی۔

فائرنگ کے دوران سارہ ہوٹل سے غائب ہو گئی تھی اور بادشاہ خان کو یقین تھا کہ وہ زندہ ہے۔ اس نے ایک ایڈیشنل ایجنٹ سے گفتگو کی جس نے اس ضمن میں اپنی بے چارگی کا اظہار کیا۔ اس کا خیال تھا کہ لڑکی کو مُردہ ہی سمجھا جائے۔ ایک روز بعد جب بادشاہ خان نے دوبارہ اسپیشل ایجنٹ کو فون کیا تو اسے بتایا گیا کہ اس نام کا کوئی شخص یہاں نہیں رہتا۔

"مگر آپ نے اُسے بھیجا تھا۔" بادشاہ خان نے فون پر ڈائریکٹر بیورو کو اور فرد سے شکایت کی۔

"نہیں ہم نے کسی کو نہیں بھیجا۔" ڈائریکٹر نے دو ٹوک جواب دیا

اسپیشل ایجنٹ بن کر بادشاہ خان سے ملنے والا شخص سلم آباد میں اپنی وہ رپورٹ لکھ رہا تھا جو اس کے خیال میں فیشل سکیورٹی ایجنسی نے طلب کی تھی۔ وہ پہلے بھی اس طرح کی کئی رپورٹیں بھیج چُکا تھا۔ ان میں ایسی اموات کی رپورٹیں بھی شامل تھیں۔ جو بیشتر ہی رازمیں رہی تھیں۔ یہ شخص بُنیادی طور سے اور سرکاری مرتبہ کے اعتبار سے ذاتی و انفرادی عادات پر اتھارٹی تھا۔ مکمل کی دارائیں اس کا خاص موضوع تھیں اور اس وقت وہ لکھ رہا تھا۔

"سارہ پر حملہ منظم تھا اور کسی ایسے ذہین شخص نے اس کی منصوبہ بندی کی تھی جو ابھی تجربہ کار نہیں۔ اس میں کسی غیر ملکی طاقت کا ہاتھ نظر نہیں آتا۔ میری رائے میں جن لوگوں نے حملہ کیا وہی اس کی منصوبہ بندی کے ذمہ دار ہو سکتے ہیں۔ ساحلوں پر گھُومنے پھرنے والے نکمے بہرحال ایسی حرکتیں کر سکتے ہیں۔ یہ مسئلہ قومی سلامتی کے لیے اہم نہیں کیونکہ اس قتل کے پس پشت کوئی غیر ملکی سازش کارفرما نہیں۔"

قومی سلامتی کونسل کے ڈائریکٹروں کو یہ رپورٹ ملی تو انھوں نے غیر ملکی سازش کا عنصر نہ ہونے کا پڑھتے ہی رپورٹ ایک طرف ڈال دی۔ ثانوی حیثیت کے ایک افسر نے اس رپورٹ کی فوٹو کاپی اپنے ایک افسر کو بھیجی جو درحقیقت ہر قسم کی ردّی میں دلچسپی لیتا تھا۔ اور بادشاہ خان اور اسپیشل ایجنٹ کے درمیان سارہ کی زندگی کے امکانات پر ہونے والی گفتگو کے ٹھیک بارہ گھنٹے بعد یہ تو فوٹو کاپی نیو یارک میں ایک خصوصی پیامبر کے ذریعے مرکز برائے ذہنی اطلاعات پہنچی۔ جہاں سے نیکس مشین پر اسے چارہ گر سینٹر (ٹریم) بھیج دیا گیا۔ ڈاکٹر ہیم نے اس رپورٹ کا ایک ایک لفظ پڑھا اور پھر ایک فائل میں سلیقے سے اسے لگا دیا۔ اس نے ایک طویل سانس لی۔ اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرا اور کھڑکی سے لانگ آئی لینڈ کے سمندر کا فراخ سینہ دیکھنے لگا۔ چند منٹ بعد اُس نے ولیٹرن یونین ٹیلیگرام کو فون کیا۔ اس شخص کا نام بتایا جس کو وہ ٹیلیگرام بھیجنا چاہتا تھا اور پھر پیغام بتایا۔ "آنٹی اقبال کل آئیں گی۔ ان کی خواہش ہے کہ تم ان سے گرین رُوم میں ملو۔"

55

ٹائیگر کو یہ پرواہ نہ تھی کہ آنٹی کب آئیں گی اور ان سے کہاں ملنا ہے لیکن اسے یہ احساس ضرور تھا کہ اس بار بہرام کو جزیرۂ فردوس کا کوئی مشن درپیش ہے اگر مشن امریکی یا یورپی ہوتا تو وہ آنٹی ملطور ریڈ کا نام استعمال کرتا لیکن پیغام میں اس نے واضح طور پر فردوسی نام استعمال کیا تھا۔

ٹائیگر کو مؤسسہ کئی روز سے احساس تھا کہ اُنھیں جلد ہی فردوس کا سفر کرنا ہوگا۔ کیونکہ بہرام نے ایسے کئی اشارے دیے تھے۔ جن سے معلوم ہوتا تھا کہ رُوبی فردوس گئی ہوئی ہے اور وہاں سے بہرام کو تشویش ناک اطلاعات مل رہی ہیں۔ اسے یہودی اخباروں پر نظر ڈالنے کا جب بھی اتفاق ہوتا تھا تو وہ یہی اندازہ لگاتا تھا کہ ایک خاص لابی فردوس کے ایٹمی پروگرام کے خلاف سرگرم عمل ہے اور یہ بھی اشارے مل رہے تھے کہ اسرائیل یا بحیرۂ فردوس کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے لیے پر تول رہے ہیں۔

مگر کیا صورت حال اتنی سنگین ہو گئی ہے کہ انھیں خود فردوس جانا پڑ جائے!!

انٹلیجنس ایجنسی میں ٹائیگر اور اُدشان کا سوشل گریڈیشن تھا۔ وہ فون رکھ کر اس تاریک کمرے میں گیا جہاں فرش کے ننگے حصّے پر اُدشان سو رہا تھا۔

اُدشان کو نیند یا آرام کی اس پوزیشن سے بیدار کرنا مناسب بات نہ تھی۔ اُدشان کی بات بھی عجیب تھی۔ بعض اوقات جب اُس کی آنکھیں کھلی ہوتی تھیں تو وہ اصرار کرتا تھا کہ نیں سو رہا ہوں اور جب اُنھیں بند ہوتی تھیں تو اس کا دعویٰ یہ ہوتا تھا کہ میں آرام کرنے کے اٹھارویں مرحلے میں ہوں۔ نیند کو وہ آرام کا گیارہواں مرحلہ کہا کرتا تھا۔ اس کا یہ بھی دعویٰ تھا کہ شہزاد آرام کے ان مراحل کی حقیقت کبھی نہیں سمجھ سکتا۔ ہاں ان پر عمل کر سکتا ہے۔ یہ عجیب سی بات تھی مگر کوئی شخص سمجھے بغیر کسی چیز پر عمل کر سکے۔ لیکن بہرحال یہ سنا جو کے موجودہ ماسٹر کا دعویٰ تھا اور اس دعویٰ کی صداقت پر شک کرنے کا کوئی

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

گنجائش ہی نہیں تھی۔

بہرام کا پیغام اب بھی اس کے ذہن میں تھا اور اسے ماضی شدت سے یاد آرہا تھا جب وہ محض اسکیٹر تھا۔ اسے ان لوگوں پر غصہ آنے لگا۔ جنھوں نے اُسے سزائے موت دی تھی اور اسی غصے کی کیفیت میں اس نے فرش پر زور سے ہاؤں مارا۔ اس کا خیال تھا کہ یہ آواز اُوشان کو جگانے کے لیے کافی ہوگی لیکن ایسا نہیں ہُوا۔ وہ یہ سوچتا ہوا کمرے سے نکل آیا کہ اگر اس وقت اسی نصب ارن بھی آکر اوشان پر حملہ کردیں تو وہ سوتے سوتے ہی اُنھیں قتل کردے گا اور وہ بھی سوتا رہے گا۔ لہٰذا اس نے دروازہ بھی کھلا چھوڑ دیا۔

ڈاؤن ٹاؤن اٹلانٹا کی اگرچہ از سرِ نو تعمیر و مرمت کی گئی تھی لیکن اس وقت بھی یہ علاقہ پرانے اٹلانٹا سے مختلف نظر نہیں آرہا تھا۔ ہُوا گرم تھی اور لوگ واضح طور پر بے چین نظر آرہے تھے۔ وہ ایک بس اسٹینڈ کی طرف بڑھ گیا۔ اُسے نہ جانے کیوں یقین تھا کہ بس اسٹینڈ میں اس وقت بھی لوگ موجود ہوں گے۔ وہاں واقعی لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ جیمز کا ایڈیشن بھی آیا ہوا تھا۔ لہٰذا ٹائیگر نے ایک اخبار اُٹھالیا۔ اسپورٹس کی خبروں میں ایک خبر یہ تھی کہ اٹلانٹا ایگلز نے موہم گرما کا تربیتی کیمپ شروع کردیا ہے اور اس میں روکیز بھی شرکت کررہے ہیں۔ ان کے کوچ کا دعویٰ تھا کہ اس بار نیشنل فٹ بال لیگ ٹائیٹل جیتنے کے لیے روکیز کے امکانات بہت زیادہ ہیں۔ دوسرے کالم میں کالم نگار نے الزام لگایا تھا کہ ایگلز کا سالانہ ٹرائل بیشی دراصل پیسٹی حاصل کرنے کا ہتھکنڈہ ہے۔ اس نے لکھا تھا کہ وہ آج کے ٹرائل سیشن میں جاکر وقت ضائع نہیں کرے گا۔

ٹائیگر نے اخبار ردّی کی ٹوکری میں پھینک دیا۔ ایگلز کے ٹریننگ کیمپ واقع پیل کالج جانا حماقت ہی تھی کیونکہ کالج شہری حدود سے باہر تھا۔ پہلی بات تو یہ تھی کہ اسے پبلسٹی سے دُور رہنا تھا، دوسرا یہ کہ فٹ بال اس کا پیشہ نہ تھا اور تیسری یہ کہ اسے بہرام سے ملنا تھا۔ ویسے بھی اُوشان کو فٹ بال کا کھیل پسند نہ تھا اور وہ خود اسکول میں فٹ بال ٹرک رُچکا تھا۔ پھر بھی وہ اُٹھایا ہُوا تھا لہٰذا اُس نے ٹیکسی کو اشارہ کیا۔ پیل کالج کا کرایہ سات ڈالر تھا۔ اس نے دس ڈالر ادا کیے اور ساڑھے چھ بجے فٹ بال فیلڈ پہنچ گیا جہاں پہلے ہی باہر قطار لگنا شروع ہوگئی تھی۔

منتظمین ریلیز فارم بھروا رہے تھے جن میں لکھا تھا کہ اگر ٹرائلز کے دوران کسی کے چوٹ لگ جائے تو اس کا ذمہ دار خود زخمی ہی ہوگا۔ اُمیدواروں کو گراؤنڈ کی سائیڈ لائن پر کھڑا کرکے انتظار کرنے کو کہا گیا۔ اور ٹائیگر کو دن بھر کے انتظار کے بعد بھی موقع نہیں ملا۔

"اب آپ لوگ جاسکتے ہیں۔" لنچ کے بعد ایک اسسٹنٹ کوچ نے ان چند لوگوں سے کہا جنھیں آزمایا بھی نہیں گیا تھا۔

"میں کھیلنے کے لیے آیا ہوں۔"

"ٹرائی آؤٹ ڈے ختم ہوچکا ہے۔"

"میرے لیے ابھی ختم نہیں ہُوا۔ جب تک مجھے موقع نہیں ملے گا میں یہاں سے نہیں جاؤں گا۔"

"وقت ختم ہوگیا۔"

"میرے لیے ختم نہیں ہُوا۔" ٹائیگر کے اس جواب پر اسسٹنٹ کوچ ہیڈ کوچ کے پاس گیا۔ اس سے کچھ کہا۔ ہیڈ کوچ نے اسے کوئی مشورہ دے کر ٹائیگر کے پاس بھیج دیا۔

"ٹھیک ہے۔" اسسٹنٹ کوچ نے کہا۔ "کارنر یک پوزیشن پر جاؤ۔ ہم آف کُل پلے کریں گے۔ اس دوران تم گراؤنڈ پر رکھے رہنا۔ رنہ کے راستے میں ہرگز نہ آنا، ورنہ زخمی ہوجاؤ گے۔"

"میں مڈل گارڈ پوزیشن پر کھیلتا ہوں۔" ٹائیگر نے کہا۔ "کل میں میری یہی پوزیشن تھی۔"

"لیکن پھر تم وہاں سے ٹکڑے ٹکڑے ہوکر ہی نکلو گے۔"

"میں مڈل گارڈ پوزیشن ہی کھیلوں گا۔" ٹائیگر کو نہ جانے کیوں ضد ہوگئی تھی۔ وہ مزید کچھ سُنے یا کہے بغیر گراؤنڈ میں داخل ہوگیا اور شاید فٹ بال کی تاریخ میں یہ پہلا موقع تھا کہ کوئی تجربہ کار کھیلنے کے لیے اُترا ہو اور کوچ کو علم ہو نہ کہ یہ نوجوان کون ہے! وہ پھر وہ اپنی ساری ٹیم کو کسی قلعے میں بند کردیتا لیکن کوچ کی نظر میں وہ محض ایک احمق شخص تھا۔ لہٰذا اس نے لیفٹ اور رائٹ گارڈز کو اشارہ کیا کہ وہ اس شخص کو احتیاط سے زخمی کرکے کھیل ختم کردیں۔

گیند آئی۔ سینٹر گارڈ نے لک ماری اور پھر ٹائیگر حرکت میں آگیا۔ اس نے پلک جھپکتے ہی گیند چھین لی۔ سینٹر گارڈ کو یہی لگا جیسے ہُوا کا جھونکا اس کے قریب سے گزرا ہو۔ کوارٹر بیک بھی اس نوآموز احمق نوجوان کی پھرتی اور ریفلیکس دیکھ کر ششدر رہ گیا۔ اس نے فاؤل کرکے گیند روکنی چاہی مگر گیند کو لک لگ چکی تھی۔ گیند اس کے ہاتھ سے ٹکرا کر ٹیکر کے پیٹ سے ٹکرائی اور ٹائیگر گیند لے کر پھر گول کی طرف بڑھنے لگا۔ اب تمام کھلاڑی اسے روکنے کے لیے لپک رہے تھے۔ ان میں سے کسی کا قد بھی پونے سات فٹ سے کم نہیں تھا۔ گول کیپر نے ٹائیگر کو روکنے کی کوشش کی مگر وہ گول پوسٹ کے قریب نہتے کے بل گرا اور فٹ بال گول میں جاکر جال پھاڑتی ہوئی تقریباً ایک فرلانگ دُور جاکر رُک گئی۔

ٹکر ابھی تک تڑپ رہا تھا، کوارٹر بیک گرا ہُوا تھا۔ گول کیپر

نہ پڑے ہوئے خون روکنے کی کوشش کررہا تھا اور ہیڈ کوچ سکتے کے عالم میں ٹائیگر کو گھورے جارہا تھا جو فٹ بال بغل میں دبا کر واپس آرہا تھا۔

ہیڈ کوچ نے چار مرتبہ کھیل شروع کرایا اور ہر بار کوئی نہ کوئی زخمی ہوکر گراؤنڈ سے باہر گیا۔ جب کہ ان سب سے کمزور اور لگے پھینے والا شخص فاتحانہ انداز میں چار گول کرکے مسکرا رہا تھا۔

ہیڈ کوچ کو یقین ہوگیا کہ یہ نوجوان ورلڈ کپ میں بھی جیتوا سکتا ہے۔

"تمھارا کیا نام ہے لڑکے؟" ہیڈ کوچ نے اس بار بہت محبت سے پوچھا۔

"یہ کوئی مسئلہ نہیں۔ ہاں۔ تو اب مجھے ایگلز کا سوئیٹر دے دیں، مجھے جانا بھی ہے۔" یہ کہہ کر وہ سائیڈ لائن کی طرف چل دیا۔

"لی رون۔" ہیڈ کوچ نے چلّا کر سات فٹ لمبے دیوقامت لی رون ہیرون سے کہا۔ "اسے روکو۔"

لی رون کے لیے یہ حکم کافی تھا وہ پہلے ہی اس نوجوان سے نفرت کرنے لگا تھا۔ وہ لپکا، اُس کا ایک ایک قدم ایک ایک گز کا تھا۔ اس نے دایاں ہاتھ اُٹھا کر نوجوان کی گردن دبوچنے کی کوشش کی مگر اُسے ایسا لگا جیسے نوجوان نے محض سر کی ٹکر مار کر اس کے ہاتھ کو مفلوج کردیا ہو۔ وہ تڑپ کر گر گیا اور پھر تڑپتا رہا۔

ہیڈ کوچ کی آنکھیں حیرت سے پھٹی رہ گئیں۔ اس نے نوجوان کو ٹک کی سب سے بہترین ٹیم میں اس کی پسندیدہ پوزیشن اور پسندیدہ معاوضہ دینے کی کئی بار پیش کش کی مگر نوجوان کو جانا تھا وہ چلا گیا۔

ہوٹل میں بہرام برہم تھا لہٰذا جب ٹائیگر کمرے میں داخل ہُوا تو بہرام کا چہرہ پتھر کی طرح سپاٹ تھا۔ اُوشان ڈے ٹائم فلم سیریل دیکھ رہا تھا۔ لہٰذا وہ دونوں دوسرے کمرے میں چلے آئے تاکہ ماسٹر ڈسٹرب نہ ہو۔

اوشان کا کہنا ہے کہ میری یہاں موجودگی میں تمھاری غیر موجودگی تمھاری آزاد پسند طبیعت کی مظہر ہے لیکن میں اسے لاابالی پن کے سوا کچھ اور نہیں سمجھ سکتا۔"

"میں ایگلز کے کئی سو ٹیرنے کرا چکا ہوں چیف۔"

"مبارک ہو۔ ویسے تمھیں یہ سُن کر یقیناً خوشی ہوگی کہ اب تمھیں فردوس جانا ہے اور وہاں ایک ایسی شخصیت کی حفاظت کرنی ہے جس کے بارے میں تاحال یہ علم نہیں کہ وہ زندہ بھی ہے یا نہیں! وہ کہاں ہے! اس کا بھی علم نہیں۔ اسے کس سے بچانا ہے! یہ بھی نہیں معلوم۔"

"آپ کی معلومات کے سامنے دُنیا بھر کی معلومات ہیچ معلوم ہوتی ہیں سوئیٹ ہارٹ۔"

"ہمارے پاس صرف ایک اشارہ ہے۔" بہرام نے اُس کے طنز کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ "تم نے اسپیڈ راک کا نام سُنا ہے۔"

"ہاں۔ سُنا ہے کہ اس کی آواز بہت اُونچی ہوتی ہے۔" ٹائیگر نے سر ہلا کر جواب دیا۔

*

"مجھے اس قسم کی موسیقی پسند نہیں۔" بمبو عُرف بم نے ناک بھوں چڑھاتے ہوئے کہا۔

کبیر علی نے گفتگو شروع ہونے سے قبل وہ انٹرکام آف کردیا جس کے ذریعے سیکرٹری اس سے رابطہ رکھتی تھی۔ جب کہ مزید احتیاط کے طور پر اس نے میٹل ڈیٹیکٹر سے کمرے کی دیواروں کا جائزہ بھی لیا تھا تاکہ یہ یقین ہوسکے کہ کمرے میں کسی نے بات چیت ریکارڈ کرنے کے لیے کوئی آلہ تو نہیں رکھ دیا۔ پھر اس نے ٹیلیفون بھی اُٹھا کر ایک خصوصی ڈبے میں بند کردیا۔

"یہ تم کیا کرتے پھر رہے ہو؟" بمبو عُرف بم نے اس سے پوچھا۔

"خاموش رہو۔" کبیر نے درشت لہجے میں جواب دیا۔

"تمھیں نہ جانے کیوں وہم رہتا ہے کہ تمھارے راز چوری کرنے کے لیے ہر طرف مائیکروفون لگے ہوتے ہیں۔ اپنے باتھ رُوم میں بھی اسی قسم کی احتیاطی تدابیر اختیار کرتے ہو گے؟"

"تمھیں علم ہے کہ گزشتہ سال میرے بُنگلو بکس سے ایسا ہی ایک آلہ برآمد ہوچکا ہے۔"

"کیا پولیس نے رکھا تھا؟"

"نہیں۔ میری سابقہ بیوی نے۔"

"تم فکر مند بہت رہتے ہو کبیر۔" بمبو نے اُکتا کر تبصرہ کیا اور اپنے دونوں بھاری چوڑے اور بدنما ہاتھ میز پر رکھ دیے۔ وہ بہت طاقتور تھا۔ ایک بار لوگوں نے اس کے سر پر لاٹھیوں سے حملہ کیا تھا لیکن تمام تر نقصان لاٹھیوں کو ہی پہنچا تھا اور بمبو کا سر سلامت رہا تھا۔ اس حملے کی منصوبہ بندی کرنے والا ایک ویلڈر تھا۔ وہ بھی بُری طرح زخمی ہوا اور جب وہ صحت مند ہوکر اپنے فلیٹ میں واپس آنے کے لیے تالا کھول رہا تھا تو فلیٹ کا دروازہ زوردار دھماکے سے اُڑ گیا۔ پولیس کا کہنا تھا کہ کسی نے ایسا بم فٹ کیا تھا جو چابی قفل میں گھمانے سے پھٹ گیا۔ اس کا شبہ منطقی طور پر بمبو عرف بم پر

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

تھا۔ جو بم سازی ہی نہیں بم رکھنے کا بھی ماہر تھا۔ پولیس نے بمبو سے پوچھ گچھ کرنا چاہی لیکن اس نے اپنے وکیل کبیر علی کے کہنے پر پولیس کے کسی سوال کا جواب نہیں دیا اور کبیر علی قانون کا سہارا لے کر پولیس کو ایک بار پھر شکست دینے میں کامیاب ہو گیا۔ بمبو کو جب بھی حراست میں لیا جاتا۔ وہ صرف ایک جملہ کہتا۔ "میں پہلے اپنے وکیل جناب کبیر علی ایڈووکیٹ سے مشورہ کروں گا۔"

آج کبیر علی نے بمبو کو خاص طور سے اپنے دفتر میں مدعو کیا تھا۔

"میرا خیال تھا کہ تمہیں السیڈ راک کی موسیقی پسند ہے۔" کبیر علی نے کہا۔

"نہیں۔ لیکن میرے پاس چند وکیپا ئر ریکارڈ موجود ہیں۔"

"میں تمہیں بہت پسند کرتا ہوں بمبو۔ تم میرے بہت اچھے مؤکل ہو۔"

"شکریہ وکیل صاحب۔"

"صرف ایک اور چھوٹی سی چیز تمہیں انتہائی پسندیدہ اور بہت شاندار مؤکل بنا سکتی ہے۔"

"وہ کیا؟"

"میری بات کا برا مت ماننا بمبو۔ پلیز! لیکن یہ حقیقت ہے کہ بعض اوقات تم پوری رقم ادا نہیں کرتے۔"

"میں کبھی کبھی رقم ادا کرتا رہتا ہوں۔" بمبو نے آگے جھک کر خشک لہجے میں جواب دیا۔

"کرتے ہو۔ بالکل کرتے ہو۔ تم عموماً ہی ادا کرتے رہتے ہو مگر ادائیگیاں کرنے والے مؤکلوں میں شامل ہو لیکن میرے بعض مؤکل ایسے بھی ہیں جو تمام ادائیگیاں کر دیتے ہیں۔"

"میرے خیال میں کوئی بھی شخص مکمل نہیں ہوتا۔"

"بالکل درست۔ وہ لوگ بھی مکمل نہیں ہیں جو تمہیں تنخواہ دیتے ہیں لیکن اس سے میری مراد یہ نہیں کہ وہ لوگ خراب ہیں یا میں ان پر انگلی اٹھانا چاہتا ہوں۔"

"انگلی اٹھانا کسے کہتے ہیں؟"

"کسی پر اعتراض کرنا یا تہمت لگانا۔ ویسے میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ تمہیں بہت امیر آدمی ہونا چاہیے۔"

"میں جن لوگوں کے لیے کام کرتا ہوں ان کا وفادار بھی ہوں۔" بمبو نے ناخوشگوار لہجے میں جواب دیا۔

"میں نے یہ تو نہیں کہا کہ تم ان سے غداری کرو بمبو۔" کبیر نے فوراً پینترا بدلا۔ وہ یہ کہتے ہوئے مسکرا بھی رہا تھا تاکہ بمبو کا غصہ ٹھنڈا ہو جائے۔ "میں تو تمہیں ایک اور راستہ دکھا رہا ہوں جس پر چل کر تم بڑی دولت کما سکتے ہو۔ مجھے علم ہے کہ تم اپنے مالکان سے کبھی غداری نہیں کرو گے۔ اس لیے میں تمہیں ایک انتہائی شاندار موقع فراہم کر رہا ہوں۔ تم دس لاکھ ڈالر کمانا چاہتے ہو... کیا تمہیں اندازہ ہے کہ یہ رقم فرد وسی کرنسی میں کتنی ہو گی؟"

بمبو صرف بم کی آنکھیں حیرت یا خوشی کے باعث نارمل سائز سے دگنی ہو گئیں۔ اس نے یقیناً تھوک بھی نگلا تھا۔ "یہ رقم تو... بہت زیادہ ہے۔" اس نے کہا۔

"ہاں۔ بہت زیادہ ہے لیکن تمہاری پہنچ میں ہے۔" کبیر نے جواب دیا۔ "اگر تم یہ رقم قبول کرنے پر آمادہ ہو جاؤ تو تجھے بھی بارہ ہزار ڈالر کا کمیشن مل جائے گا۔"

بمبو کی آنکھیں پھٹی رہ گئیں۔ اس بار اسے کبیر کی بات پر یقین آنے لگا کیونکہ کبیر نے اپنے کمیشن کا بھی ذکر کیا تھا۔

"میرے مالکان نے غالباً میرے ساتھ کوئی ناانصافی ضرور کی ہے مگر فی الوقت مجھے یاد نہیں آ رہی۔" اب بمبو اپنے مالکان کو چھوڑنے کا جواز تلاش کر رہا تھا۔

"نہیں۔ اس کا ان سے کوئی تعلق نہیں۔ میرا ڈر کا ایک مشترک مغربی ساحلوں پر رہتا ہے۔ وہ گورکن ہے۔ حال ہی میں اس نے کسی کی تدفین کا اہتمام کیا تو اسے پتا چلا کہ قبر پر چڑھانے کے لیے پھولوں کی جو چادر آئی ہے اس میں ایک لفافہ بھی تھا۔ لفافے میں جو رقم تھی وہ چونکہ اس کی دہ تھی لہٰذا وہ اس نے اپنے پاس نہیں رکھی۔"

بمبو کو اس بار شک ہوا کہ کبیر جھوٹ بول رہا ہے۔

"تم غلط مت سمجھو۔ اس نے رقم اس لیے اپنے پاس نہیں رکھی کیونکہ وہ خوف زدہ ہو گیا تھا۔"

اس بار بمبو نے اثبات میں سر ہلا دیا کیونکہ یہ بات دل کو لگتی تھی۔

"ویسے میرا کزن بہت ذہین ہے۔ اس نے پتا چلا لیا کہ یہ رقم قتل کے لیے دی گئی تھی۔"

بمبو کی آنکھیں سکڑ گئیں۔

"تمہیں یہ تو علم ہو گا کہ جرائم کی دنیا میں اندھے معاہدے کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے اور یہ معاہدہ کسی کو قتل کرنے کے عوض معاوضہ کا ہوتا ہے۔ اس معاہدے پر جو بھی پہلے عمل کر لیتا ہے۔ وہ معاوضہ کا مستحق ہو جاتا ہے۔"

"کیا یہ معاوضہ قتل کے بعد ملے گا؟" بمبو اب اس بارے میں دلچسپی لے رہا تھا۔

"درست۔"

"لیکن اگر قتل کے بعد رقم نہ ملے تو پھر؟"

"نہیں۔ یہ اصولوں کا مسئلہ ہو جاتا ہے۔ دوست بار رقم کی عدم ادائیگی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اگرچہ تاحال قتل نہیں ہو سکا لیکن قتل کی کوشش میں مارے جانے والوں کو پہلے ہی ایک لاکھ امریکی ڈالر سے زیادہ کی رقم تقسیم کی جا چکی ہے۔ یہ اطلاع صرف میرے کزن ہی نے نہیں دی۔ دیگر کئی علاقے کے لوگوں نے بھی دی ہے جو قبرستان کے نگراں ہوتے ہیں۔ ان میں سے بعض میرے کزن کے مقابلے میں کہیں کم ذہین تھے۔ لہٰذا میرا کزن ایک فون نمبر لینے میں بھی کامیاب ہو گیا۔ یہ کہہ کر کبیر نے میز کی دراز سے کاغذ کا ایک ٹکڑا نکالا۔

"کیا تم نے اس نمبر پر فون کیا تھا کبیر؟" بمبو نے پوچھا۔

"نہیں! اور یہ میرا کام بھی نہیں۔" وکیل نے جواب دیا۔ "کسی مجرم کو جنم لینے کی صورت میں تمہاری مدد کرنے کے لیے میرا یہاں ہونا بہت ضروری ہے۔ میں تمہیں یہ بھی نہیں بتا سکتا کہ جس لڑکی کو قتل کیا جانا ہے۔ اس کا نام سارہ ہے۔ اس کی عمر انیس سال سے زیادہ نہیں اور وہ دو روز بعد دادنی سحر میں ہونے والے ایک میوزک شو میں موجود ہو گی جہاں السیڈ راک کنسرٹ پیش کیا جائے گا۔ شرط صرف یہی ہے کہ اس وقت تک وہ زندہ بھی رہے۔"

"سیدھی بات کرو کبیر علی۔" بمبو نے آنکھیں چمکاتے ہوئے کہا۔ "مجھے کسی ایسی لڑکی کو قتل کرنا ہے جس کے بارے میں یہ بھی یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ وہ زندہ بھی ہو گی یا نہیں۔ مجھے میں نے کبھی نہیں دیکھا اور قتل کا معاوضہ بھی قتل کے بعد ملے گا۔ مجھے یہ بھی پتا نہیں کہ یہ معاوضہ کون دے گا؟"

"دس لاکھ امریکی ڈالر بمبو! کیا تم اتنی بڑی رقم خواب میں بھی دیکھ سکتے ہو؟"

بمبو نے دس لاکھ ڈالر کو فرد وسی کرنسی میں بدلنے کی کوشش کی تو اسے نوٹوں کے ڈھیر نظر آئے۔ ساتھ ہی وہ یہ بھی سوچنے لگا کہ شاید کبیر علی کا دماغ چل گیا ہے۔ اس نے کبیر کے ہاتھ میں موجود کاغذ دیکھا۔ اس پر دس ہندسے لکھے ہوئے تھے۔ "یہ فون نمبر کیا ہے؟" اس نے پوچھا۔ "ہمارے فون نمبر تو چھ ہندسوں کے ہوتے ہیں۔"

"آخری چھ نمبر ٹیلیفون کے ہیں اور پہلے چار ایریا کوڈ ہیں۔" وکیل نے وضاحت کی۔

"اور ایریا کوڈ کس علاقے کا ہے؟"

"گلشن نگر کا۔"

"تمہیں لڑکی کا نام کیسے معلوم ہو گیا؟"

"میرے کزن نے بتایا تھا۔"

"ٹھیک ہے۔ ذرا اپنا فون دو۔" بمبو نے کاغذ کبیر کے ہاتھ سے جھپٹ کر کہا۔

"نہیں بمبو۔" کبیر علی گھبرا کر بولا۔ "یہاں سے فون مت کرو۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ تمہارے وکیل کو بھی مشکوک افراد کی فہرست میں شامل کر لیا جائے۔ اگر تم یہ کام کر سکو تو یہ کہ سکو کہ میں اپنے وکیل سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"میں چاہتا ہوں کہ تم بھی میرے ساتھ چلو۔"

"نہیں۔ ہرگز نہیں۔ یہ بڑی سنگین غلطی ہو گی۔ بمبو میرے دوست!"

"نہیں۔ چلو!" بمبو کھڑا ہو گیا۔ کبیر علی کو علم تھا کہ بمبو کس قسم کا آدمی ہے۔ لہٰذا وہ بھی مجبوراً اس کے ساتھ باہر نکلا۔ وہ بہت خوف زدہ تھا۔ لیکن اسے پبلک بوتھ تک بمبو کے ساتھ جانا ہی پڑا۔ فون پر گفتگو ختم ہونے کے بعد کبیر نے ہارٹ اٹیک سے بچنے کے لیے گولی زبان کے نیچے رکھ لی۔ پھر جب اس نے بمبو کو گاڑی میں سامان رکھتے ہوئے دیکھا تو سکون کی سانس لی۔ اسے علم تھا کہ بمبو اگرچہ فاتر العقل ہے لیکن جب بم سازی کا کام کرتا ہے تو پھر دنیا کا خطرناک ترین انسان بن جاتا ہے۔

مشرق کی سمت میں جاتے ہوئے اس نے کبیر علی کو بتایا کہ اس کی کار میں ایسی کوئی چیز نہیں جسے غیر قانونی کہا جا سکے۔ ہاں کچھ سامان ضرور ہے لیکن اسے بھی جوڑے بغیر بم نہیں کہا جا سکتا۔ ویسے ایسی کوئی بھی چیز جو جل سکے بم کہلاتی ہے... اور بم کیا ہے؟ تم نہیں جانتے وکیل صاحب! بم ایسی شدید آگ ہے جس کو پھیلنے کے لیے زیادہ جگہ درکار نہیں۔

"شاندار! میں نے بم کی اتنی واضح تعریف و تشریح کبھی نہیں سنی۔" "میں تو تاش کے پتوں سے بھی بم بنا سکتا ہوں۔" بمبو بہت جوش میں تھا۔ "سامنے والا رخت دیکھ رہے ہو۔ اسے میں تمہاری خواہش کے مطابق اڑا کر تمہاری بتائی ہوئی جگہ پر لے جا سکتا ہوں۔"

"تمہارا کوئی جواب نہیں بمبو۔" کبیر علی نے اسے خراج تحسین پیش کرنا ضروری سمجھا۔

وہ ڈیڑھ دو ٹرک کاریں سفر کرتے رہے اور پھر دادنی سحر کے اس علاقے میں پہنچ گئے جہاں راک فیسٹیول کے دوران سارہ کی موجودگی کا امکان تھا۔

"کیا یہ وہی جگہ ہے؟" کبیر علی نے پوچھا۔

"ہاں! مجھے فون پر یہی بتایا گیا تھا۔" بمبو نے جواب دیا اور پھر ایک کالج کے سامنے گاڑی روک دی جس پر وہائٹ وڈ کا بورڈ لگا ہوا تھا۔ بمبو کار سے اتر کر ایک لیٹر بکس تک گیا۔ غالباً وہ فون نمبر لکھا ہوا تھا۔ بمبو کار سے اتر کر ایک لیٹر بکس تک گیا۔ غالباً وہ فون

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

پر ملنے والی ہدایات کے تحت یہ سب کچھ کر رہا تھا۔ لیٹر بکس میں ایک پیکٹ اِس طرح ڈالا گیا تھا کہ اس کا ایک حصہ باہر تھا لہٰذا بمبو کو پیکٹ نکالنے میں کوئی دُشواری نہ ہوئی۔ اس پر صرف ایک نام ٹائپ تھا: "کبیر"۔

"بھئی اس طرح خلوص نہ کیا جانا مجھے پسند نہیں۔" کبیر نے اپنا نام دیکھ کر بُرا سا منہ بناتے ہوئے کہا۔ "خیر! اس میں کیا ہے؟"

"میرا خیال ہے کہ رقم اور ہدایات۔"

"تب پھر میں تمہیں ہدایات پڑھ کر سُنا سکتا ہوں۔"

"کیوں! کیا مجھے پڑھنا نہیں آتا؟" بمبو نے تُرش لہجے میں پوچھا۔ اسے یہ بات واقعی بُری لگی تھی۔ ساتھ ہی اس نے لفافہ کھول لیا۔ کبیر نے کاغذ پر چپکے ہوئے حروف دیکھنے کی کوشش کی لیکن بمبو نے فوراً ہی کاغذ اس طرح پکڑ لیا کہ کبیر ایک لفظ بھی نہ دیکھ سکے۔

"تم رقم گن لو۔" بمبو نے کاغذ جیب میں رکھتے ہوئے کہا۔

"پچاس ہزار ڈالر۔" کبیر نے بھرّائی ہوئی آواز میں اعلان کیا۔ اتنی رقم دیکھ کر اس کی حالت غیر ہو رہی تھی۔ "کیا تمہیں پتا ہے کہ یہ ڈالر کیاں سے تمہاری زندگی میں تبدیل کرائے جا سکتے ہیں؟"

"ہاں۔ لاؤ مجھے دو۔ مجھے سب کچھ معلوم ہے۔"

"لیکن تم پر میرے چل بھی تو واجب الادا ہیں بمبو!" کبیر نے پینترا بدلا۔

"میوزک شو کے بعد سارا حساب بے باق کر دُوں گا۔" بمبو نے خوفناک انداز میں مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔" کبیر نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔

"شاید اب تمہیں میری ضرورت نہیں رہی۔"

"شاید۔" بمبو نے معنی خیز انداز میں جواب دیا۔ "لیکن تم یقیناً بموں کے سلسلے میں کوئی نادر مظاہرہ دیکھنا ضرور پسند کرو گے۔"

"کیا مطلب؟" کبیر مشکوک انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگا مگر بمبو نے کار چلا دی اور پھر ایک اسٹور کے سامنے روک دی۔ شیشے سے پکے ہوئے سالن کا ایک مرتبان تولے آؤ کبیر۔" اس کی مُراد لمبر بند کھانوں سے تھی۔

بمبو کی توقعات کے مطابق مرتبان بڑا تھا اور کبیر کوشش کے باوجود اُسے کھول نہیں سکا لہٰذا مرتبان اُس نے ساتھ ہی رکھ لیا اور بمبو نے گاڑی چلا دی۔ وہ دانستہ سحر کے مختلف علاقوں میں گاڑی چلاتا رہا اور اس نے کھانے کے لیے بھی گاڑی روکنے سے انکار کر دیا۔ اب کبیر مرتبان سے نہ جانے کیوں ڈرنے لگا تھا۔ وہ بار بار مشکوک نظروں سے اُسے دیکھ رہا تھا۔

"کبیر! میں اس مرتبان کو بم کی طرح استعمال کر سکتا ہوں۔" تارتھ الیونیو کی اسٹریٹ نمبر ۸ پر گاڑی ڈالتے ہوئے بمبو نے انکشاف کیا۔

"واقعی؟"

"شرط لگا لو۔ میں اس کا ڈھکن اس طرح اُڑا سکتا ہوں کہ مرتبان کے پلاسٹک کو خراش تک نہ آئے گی۔"

"تب پھر ایسا کرو بمبو میرے دوست! مجھے شدید بھوک لگ رہی ہے... اور تمہیں پتا ہے کہ اِس میں کیا ہے... مصالحے والی بریانی۔"

بمبو نے مسکرا کر گاڑی سڑک کے انتہائی دائیں طرف بھیری پر روک لی اور پھر سیٹ کے نیچے سے تاش کے پتّوں سے بنایا ہُوا بم نکالا۔ اس نے اس کے پہلو میں قسم کی نب کی طرح لگی ہوئی کوئی چیز دبائی اور اس میں ایک پیپر کلپ لگا دیا۔

"کام سے نکل جاؤ۔" اس نے کبیر کو ہدایت کی۔ جب وہ کار سے اُتر گیا تو بمبو نے مرتبان بھی اُٹھا کر اسے دے دیا۔ "اسے اپنے بائیں ہاتھ میں رکھنا۔"

کبیر نے مرتبان دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔

"بائیں ہاتھ میں۔" بمبو نے خبردار کیا۔

کبیر نے فوراً ہی مرتبان بائیں ہاتھ میں لے لیا۔ بمبو ایک لمحے تک سوچتا رہا۔ شاید اس نے کسی خیال سے بائیں ہاتھ والی ہدایت واپس لینے کا فیصلہ کیا۔ "مرتبان کو سامنے والے حصے پر رکھ دو۔"

کبیر جب مرتبان رکھ کر واپس آیا تو بمبو نے اسے بم بھی دے دیا۔ "اب جیسا کہوں بالکل ویسا ہی کرنا۔" وہ سنجیدہ تھا۔ "پیپر کلپ والا حصہ مرتبان کے اوپر رکھ کر تیزی سے واپس آ جانا۔ ذرا بھی مت رُکنا۔ کیونکہ میں کار جونہی اسٹارٹ کروں گا، بم چل جائے گا۔"

"شاندار۔ بہت ہی اعلیٰ۔" کبیر بمبو کو اس خطرناک پروجیکٹ پر خراجِ تحسین پیش کرنے لگا۔ "یہ کس طرح کام کرے گا بمبو؟"

"میں جو کہہ رہا ہوں اس پر عمل کرو۔" بمبو نے خشک لہجے میں ہدایت کی تو وہ تیزی سے بم لے کر نیچے کی طرف چلا گیا۔ ویسے بم مرتبان پر رکھتے ہوئے اسے پسینہ آ گیا تھا۔ بم رکھتے ہی وہ سرپٹ دَوڑا اور کار کے قریب پہنچ گیا۔ "اب گاڑی اسٹارٹ کرو بمبو۔ ہیٹ میں ہو چکے دَوڑ دے ہیں۔"

"تم نے کلپ مرتبان پر نہیں رکھا کبیر۔"

"تمہیں کیسے اندازہ ہُوا؟" کبیر حیران رہ گیا۔

"مجھے معلوم ہے کہ بم کی پوزیشن درست نہیں ہے۔ دیکھو۔ میں گاڑی اسٹارٹ کر رہا ہوں۔ کچھ بھی نہیں ہو گا۔" یہ کہہ کر اس نے

گاڑی اسٹارٹ کی تو واقعی کچھ بھی نہ ہُوا۔ لہٰذا پھر کبیر مرتبان تک گیا۔ اس نے بم اُٹھا کر کلپ مرتبان پر رکھا۔ اگرچہ اس طرح بم مرتبان پر توازن برقرار نہیں رکھ پا رہا تھا لیکن پھر بھی کبیر اسے دبانے میں کامیاب ہو گیا۔

اور پھر وہی ہُوا جس کا اُسے کبھی شبہ تک نہ ہُوا تھا۔ مرتبان اور بم دونوں ایک ساتھ پھٹے۔ پلاسٹک سے نوکیلے ٹکڑے، بربادی کی بدلیاں اور مرتبان کا وزنی ڈھکن مہلک ہتھیاروں کی طرح اس کے چہرے اور پیٹ پر لگے۔ اس کا چہرہ غائب ہو گیا اور دُور کھڑی ہوئی کار کی کھڑکیاں بھی بجنے لگیں۔

"مردُود۔" بمبو نے مرتبان بنانے والوں کو گالیاں دیں۔ "اتنا ناقص مرتبان بنایا تھا کہ پھٹ گیا۔"

گاڑی پھر چل دی۔ اب اس کا رُخ میوزک شو کے مقام کی سمت میں تھا جہاں بمبو کو دس لاکھ ڈالر کا اوپن کنٹریکٹ پورا ہونے کی توقع تھی۔ پچاس ہزار ڈالر اس کی جیب میں آ چکے تھے۔ اسے لیٹر بکس سے رقم کے ساتھ جو ہدایت ملی تھی وہ صرف یہ تھی: "کبیر کو قتل کر دو۔ یہ بڑبولا ہو گیا ہے۔"

*

سارہ زندہ تھی اور اسٹریٹ نمبر ۸ پر جاری تھی کہ اسے دھماکے کی آواز سُنائی دی۔

"یہ انقلاب کی گھن گرج ہے۔" ایک دُبلے پتلے نوجوان نے کہا جس کے بالوں کی نفیس شانوں تک لہرا رہی تھیں۔

"نہیں بھی۔" سارہ نے گھور کر کہا۔ "میگوٹ بھی تارتھ الیونیو پر ہے۔" میگوٹ دراصل ایک ایسے فرد کی کا نام تھا جس نے راک میوزک اور رقص میں اتنی شہرت حاصل کی تھی کہ لوگ اور خاص طور سے لڑکیاں اس کے خواب دیکھنے لگی تھیں۔ سارہ کی سب سے بڑی آرزو یہی تھی کہ وہ میگوٹ کے ساتھ رہے، وقت گزارے، اس سے باتیں کرے اور پیار کرے۔ "انقلاب ابھی نہیں آ سکتا۔ ابھی تو مجھے اس کے ساتھ رقص کرنا ہے۔"

"میگوٹ؟" ایک لڑکی نے مُنہ بنا کر کہا۔ "وہ تو ایسا چاند ہے جس تک پہنچنے کی کوشش میں ہمارے بال بچے پک کر ٹوٹ جاتے ہیں۔"

یہ سب لوگ گفتگو سے اسی علاقے میں گھوم رہے تھے جہاں راک اسٹیڈ کنسرٹ کے باعث میلے کا سا سماں تھا لیکن میلے کا اصل مقام ابھی بارہ میل دُور تھا اور انہیں وہاں تک پہنچنے کے لیے ابھی نہ جانے کتنی مرتبہ اور لفٹ لینی تھی۔

سارہ نے یہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا کہ وہ زوردار آواز انقلاب کی گھن گرج تھی، یا جنگِ عظیم سوئم کے آغاز کا اعلان۔ وہ پہلے ہی بہت پریشان تھی۔

پہلے اس کے والد اور پھر خود اس کے باعث جنم لینے والے مسائل نے اسے بہت پریشان کر رکھا تھا۔

ان مسئلوں کا آغاز ایک انتہائی معمولی بات سے ہُوا تھا۔ اس کا باپ عموماً اس کی ہر خواہش پوری کر دیتا تھا لیکن وہ اس کی ایک انتہائی معمولی سی خواہش پوری نہ کرنے پر بضد ہو گیا۔ سارہ نے اس سے میگوٹ کی آٹوگراف کی فرمائش کی تھی لیکن اس کے باپ نے بیٹی کی فرمائش پوری کرنے کی بجائے اسے ساحل رہائش گاہ میں بند کر دیا۔ وہ خوبصورت عمارت سارہ کو خوبصورت کفن اور تابوت سے زیادہ اچھی نہیں لگی تھی۔ لہٰذا وہ وہاں سے بھاگ نکلی لیکن پکڑی گئی۔ اسے پھر واپس لایا گیا۔ وہ پھر بھاگ نکلی لیکن اس بار بھی پکڑی گئی۔

"ٹھیک ہے۔ ڈیڈی بات چیت کرنا چاہتے ہیں۔" اس نے اپنے باپ کا ایک پیغام ملنے پر سوچا اور وہ سوچتی رہی۔ پھر اس نے بہت سوچ سمجھ کر بعض کاغذات اور اپنے ڈیڈی کی ٹیلیفون پر ہونے والی گفتگو کے ٹیپ چوری کر لیے۔ اب اس کا پلڑا بھاری تھا۔ "یس ڈیڈی۔" اس نے اپنے باپ کے سامنے سر اُٹھا کر کہا۔ "چلیں بمبو تو کر لیتے ہیں۔ آپ مجھے دو دنوں کے ساتھ اجناس کی برآمد کے بموتے کے کاغذات اور ٹیپ کے عوض کیا دیں گے؟"

"اپنے کمرے میں جاؤ سارہ۔" باپ نے انتہائی درشت لہجے میں جواب دیا تھا۔ سارہ بظاہر بالائی منزل کے زینے کی طرف گئی لیکن باپ کی نظر بچتے ہی ٹیپ اور دستاویزات لے کر بھاگ نکلی۔ اس نے فوراً ہی ایف آئی اے سے رابطہ قائم کیا۔ اس کے بعد حالات نے تیزی سے پلٹا کھایا۔ راشد پرویز سے اس کی ملاقات ہوئی۔ وہ اسے بہت اچھا لگا لیکن نہ جانے کیوں اس بوتھی میں بیٹھا میں بیٹھا مہ ہو گیا" جس کی بالکونی میں وہ راشد کے ساتھ کھڑی ہوئی تھی۔ اس ہنگامے کو دیکھ کر وہ ہوٹل سے بھی بھاگ نکلی۔ یوں اب وہ مزدوٹ نمبر ۸ پر تھی۔ اسے آگے جانا تھا مگر دھماکا ہو چکا تھا اور وہ ڈر رہی تھی کہ کہیں ہنگامہ پھر شروع نہ ہو جائے۔

"یہ جرسی انقلاب ہے۔" اُس لڑکے نے کہا تھا مگر جیل نامی اُس لڑکے نے یہی بات کل رات اس وقت بھی کہی تھی جب کوک کی بوتل پھٹ گئی تھی اور جب آسمان پر طیاروں کی ایک ٹولی نمودار ہوئی تھی تو اس لڑکے نے جذبے و شوق سے کہا تھا کہ انقلاب کا آغاز ہو چکا ہے اور طیارے سامراجی اڈوں پر بم گرانے کے لیے جا رہے ہیں۔

"کوئی گاڑی روکو۔ اب تو میں بہت تھک چکی ہوں۔" سارہ نے فٹ پاتھ پر درخت سے ٹیک لگاتے ہوئے کہا۔ اس کی خواہش تھی کہ اس کا باپ اس کے بارے میں تشویش کرنا چھوڑ دے۔ ویسے ابھی

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

جب اس نے اپنے باپ سے بات کی تھی تو وہ قدرے مطمئن نظر آیا تھا۔

اچانک ہی ایک بہت خوبصورت اور بڑی سی کار ان کے قریب سے زنناٹے کے ساتھ گزری۔ سارہ نے گاڑی گزرتے ہوئے دیکھ کر آنکھیں بند کرلیں لیکن پھر اچانک اسے ٹائر کے چیخنے کی آواز سنائی دی اور یوں لگا جیسے گاڑی واپس آرہی ہو۔ سارہ نے اپنی آنکھیں کھول دیں۔ اسے کار ڈرائیو کرتا ہوا ایک اور بدصورت سا لڑکا نظر آیا۔ اس کی ناک پر پرانے زخم کا بڑا سا نشان تھا اور وہ کسی چیز کو بغور دیکھ رہا تھا۔ اس نے سارہ کی طرف دیکھا اور پھر سر ہلانے لگا۔ "لعنت ہو ایسے" یہ پیش کش اس نے گرجدار آواز میں کی تھی۔

"بالکل جناب" اغتصاب کی بات کرنے والا جمیل بھی چلا اٹھا اور وہ سب گاڑی میں بیٹھ گئے۔

گاڑی چل دی۔

"تمہارا تعلق مافیا سے ہے نا؟" جمیل نے پوچھا۔

"ایسی باتیں مت کرو۔" کار ڈرائیور نے عجب فلاسفی سے کہا۔ "یہ کیا اس کی نظریں سارہ پر ہی رہیں۔ "یہ کوئی اچھی بات تو نہیں؟"

"میں تو مافیا کو بہت اچھا سمجھتا ہوں۔" جمیل نے ہنس کر کہا۔ "مافیا سرکار کے خلاف جدوجہد کی علامت ہے اور استحصالی حکومت کے خلاف مؤثر تحریک چلاتی ہے۔"

"میں بہرحال مافیا نہیں ہوں۔" ڈرائیور نے جواب دیا۔ بدڈرائیور بس صرف ہم کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا اور اسے خوشی تھی کہ مطلوبہ لڑکی کسی جدوجہد کے بغیر ہاتھ لگ گئی۔ "تم لوگ رات کو کہاں ہوؤ گے؟"

"ہمیں نیند ہی نہیں آئے گی۔ ہم تو میوزک میلے میں شرکت کے لیے جارہے ہیں۔"

"تب پھر تم آسمان کے نیچے رات گزارو گے۔"

"ہاں ہم ستاروں کے جھرمٹ تلے سو جائیں گے۔ بشرطیکہ حکومت نے ستاروں کے نیچے لیٹنے پر بھی ٹیکس نہ لگا دیا ہو۔"

"کیا تمہیں سونے کے لیے سب سے بہترین جگہ معلوم ہے؟" بمبو نے نوجوان سے پوچھا۔

"ہاں کسی گھنیت میں لیٹ کر آنکھیں بند کرلو۔ بہت اچھی نیند آجائے گی۔"

"نہیں۔" بمبو نے اپنا بڑا سا سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "بہترین جگہ پیپل یا نیم کا درخت ہوتا ہے۔ کبھی ایسے کسی درخت کے نیچے سو کر دیکھو۔ مزہ آجائے گا۔"

"یہ کون ہے؟" ایک لڑکی نے بڑی حیرت سے پوچھا۔ "یہ لڑکی خود بھی تو یہ کام کر رہی ہوئی تھی کیونکہ اس نے جوان ہونے کے باوجود کسی بارہ سالہ لڑکے کی ٹی شرٹ پہن رکھی تھی۔

"یہ کوئی بھی نہیں۔" ٹائیگر نے موٹل روم کی چابی گھماتے ہوئے جواب دیا۔ قدرے دور ادشان اپنے ۴ اسٹنڈ فوں سمیت ایک فٹ پاتھ پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کا نقرئی لبادہ میلے کی ہوا میں سرسرا رہا تھا۔

"مجھے تو کوئی اہم شخص لگ رہا ہے۔" لڑکی نے اصرار کیا۔

"میں نے کہا کہ وہ کچھ بھی نہیں۔"

"کیا میں اس کے گاؤن کی کترن لے سکتی ہوں؟" لڑکی کو یقیناً ادشان کا لبادہ بھا گیا تھا۔

"اگر میں تمہاری جگہ ہوتا تو اس کے لبادے کو چھونے کے بارے میں بھی نہیں سوچتا۔"

"لیکن اگر میں بس چھوٹی سی کترن لے لوں تو وہ برا تو نہیں مانے گا۔" لڑکی بہت جوش میں تھی۔ "یہ کوئی انتہائی اہم شخص ہے۔ بہت اہم۔ ارے سنو۔ لوگو سنو۔" وہ معاہی نعرے لگانے لگی تھی۔

لوگ کاروں اور ٹرکوں سے اُتر اُتر کر آنے لگے۔ جو لوگ درختوں کے نیچے اور ٹیلوں کے پیچھے تھے وہ بھی جونک پڑے۔

دیکھتے ہی دیکھتے دُور دُور تک یہ خبر پہنچ گئی۔ کوئی نابغہ روزگار شخصیت یہاں موجود ہے۔

ٹائیگر اپنے کمرے میں گیا۔ اس کے نزدیک ہجوم سے نمٹنے کے کئی راستے تھے۔ ایک راستہ ایسا تھا کہ جسے اگر اختیار کیا جاتا تو پھر لاشوں کو ٹھکانے لگانے کا مسئلہ بھی درپیش ہوتا۔

بہرام نے جو بریفنگ کی تھی وہ بہت بور ثابت ہوئی تھی۔ بہرام نے اسے سارہ کی جو تصویر دی تھی۔ وہ شاید بچپن کی تھی اور اب یہ ٹائیگر کا فرض تھا کہ وہ اس بچی کو جو اب نوجوان ہو چکی تھی۔ مرنے سے بچائے۔ کس لیے بچائے اس کا بھی اُسے علم نہ تھا۔ دیسلے پریس کیس کے بعد تقریباً اسی نوعیت کا ایک اور کیس ملنے پر ٹائیگر کی اُکتاہٹ کا کیا عالم تھا۔ یہ خود اُسے پتا تھا۔ اسے صرف یہ اندازہ تھا کہ سارہ اگر زندہ ہے تو پرسوں ہی میوزک کنسرٹ میں ہوگی اور بہرام کے کمپیوٹر کی اطلاع کے مطابق ایسا شو وادیٔ سحر میں ہو رہا تھا۔ وہاں میگوٹ اور ڈیٹیریٹ لائنس کو اپنے فن کا مظاہرہ کرنا تھا۔ کمپیوٹر کے مطابق یہ دونوں نئی نسل میں جنون کی حد تک مقبول تھے اور ان کے اصلی نام برکت اور رحمت تھے۔ کمپیوٹر نے اندازے سے بتایا تھا کہ وہاں تقریباً ایک ہزار نوجوان لڑکے اور لڑکیاں جمع ہو سکتے ہیں۔

ٹائیگر نے پہلے یہ تجویز رکھی تھی کہ وہ سارہ کو تحفظ فراہم کرنے

انوار صدیقی کے پرستار متوجہ ہوں!

- انوار صدیقی کا لازوال شاہکار ..... "اِنکا"
- ہر دور کی لازوال کہانی
- آپ کی محبوب
- آپ کے دلوں کی دھڑکن
- آپ کی جانی پہچانی ..... "اِنکا"

اب "اِنکارانی" کے رُوپ میں

نئی سج دھج، نئے بانکپن، نئی نئی شوخیوں اور ہنگامہ خیز شرارتوں کے ساتھ عنقریب جلوہ گر ہو رہی ہے

"اِنکارانی"

جو 28 سال سے آپ کے ذہنوں میں محفوظ ہے

جو 28 سال سے مصنف کے ذہن میں کلبلاتی رہی

جس کا نیا رُوپ ..... نیا انداز ..... نئی شوخیاں اور قدم قدم پر چونکا دینے والا جگمگاتا آپ کو پھر اپنے حسن کی سحر کاریوں میں تسخیر کرلیں گے

مکمل سیٹ دو جلدیں قیمت -/400 روپے

اسٹاکسٹ: مکتبہ القریش سرکلر روڈ، اُردو بازار، لاہور فون: 7668958

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کے لیے اس شخص کو ہی تلاش کر کے قتل کر دے جس نے سارہ کے قتل پر انعام رکھا ہے لیکن بہرام نے یہ تجویز یہ کہہ کر مسترد کر دی کہ اس طرح تاخیر ہو جائے گی اور فائل سارہ تک پہنچ جائیں گے۔

یوں ٹائیگر اور اوشان کو یہاں آنا پڑا تھا۔

ٹائیگر نے کمرے میں آتے ہی باہر چیخ و پکار کی آواز سُنی پھر اچانک ہی دروازہ کھلا اور اوشان کے صندوق اندر لائے جانے لگے۔ جو لوگ یہ صندوق لا رہے تھے۔ اُن کے مُنہ سُرخ ہو رہے تھے اور وہ کراہ بھی رہے تھے۔ ٹائیگر نے کسی کے چیخنے کی آواز سُنی۔ اُس نے باہر جا کر دیکھا۔ ایک بہت ہی موٹا نوجوان جس کی توند بلیو جینز میں ابلی پڑ رہی تھی۔ ایک ایسی لڑکی سے صندوق کے لیے وضاحت کر رہا تھا جس کی ٹی شرٹ پر جنگ نیس محبت لکھا ہوا تھا۔

"یہ صندوق میں لے کر جاؤں گی۔" وہ چلا رہی تھی۔

"میں لے جاؤں گا۔" موٹا بھی دہاڑا۔ یہ صورتِ حال... کئی صندوقوں کے ساتھ تھی اور ایسا لگ رہا تھا جیسے اُوشان کو اب اپنے صندوقوں کی طرف سے فکر لاحق ہو گئی ہے۔ اس نے اُٹھ کر اوشان کو ایک صندوق پر کھڑے ہوتے دیکھا پھر اوشان کے ہاتھ آسمان کی طرف بلند ہوئے۔ "میرے بچو!" اس کی آواز گونجی۔ وہ خطبہ دینے کے موڈ میں تھا۔ "اپنے دلوں سے کبھی اور نفرت کو ختم کر دو، اکائی بن جاؤ۔ تمہارے دل ایک ساتھ دھڑکیں گے تو دُنیا امن اور سکون کا گہوارہ بن جائے گی۔"

وہ واقعی سب اکائی بن گئے۔ سب نے صندوقوں کو ہاتھ لگایا اور صندوق بڑے احترام کے ساتھ کمرے میں لائے جانے لگے۔ جب تمام صندوق کمرے میں آ گئے۔ تو سبز صندوق کے سوا تمام صندوق اوشان کی ہدایت کے مطابق اوپر تلے رکھ دیے گئے۔

"اب تم جاؤ میرے بچو!" اوشان نے انھیں جانے کی اجازت دے دی لیکن وہ وہیں کھڑے رہے۔ وہ اوشان سے باتیں کرنا چاہتے تھے۔ وہ اصرار کرتے رہے اور اوشان انکار کرتا رہا لیکن جب وہ ڈٹے رہے تو پھر نقلی لبادہ کمرے میں رقص کرنے لگا اور وہ لوگ یکے بعد دیگرے اس طرح اُچھل اُچھل کر کمرے سے باہر گرنے لگے جیسے کوئی انھیں اُٹھا اُٹھا کر باہر پھینک رہا ہو۔

"وہ کوئی انتہائی زبردست شخصیت ہے۔" ایک لڑکی گرنے کے بعد اُٹھ کر چلائی۔ "تم لوگوں نے دیکھ لیا۔ دیکھ لینا۔ وہ کتنا طاقتور ہے۔ میں اس سے عشق کرنے لگی ہوں۔ اسے چاہتی ہوں۔ وہ میرا ہے۔"

اوشان نے سبز صندوق کھولا۔ ٹائیگر کو علم تھا کہ اس صندوق میں ایک جیتل والا ٹیلی ویژن سیٹ ہے۔ جو بیک وقت دو ٹیٹ ورکس سے ریکارڈنگ کرتا ہے۔ اس سیٹ کی ایک خاص بات یہ تھی کہ اس پر کمپنی کا نام اور ٹریڈ مارک نہیں تھا بلکہ اوشان کی نشکستہ تحریر میں ساختہ سانجو لکھا ہوا تھا۔ جاپان کا نام ملنے کی وجہ خود اوشان نے بتائی تھی اور وہ یہ کہ جاپانی ایجنٹوں نے حال ہی میں ابوان سانجو کے خلاف حرکتیں کی تھیں جس کا اُس نے بدلہ لے لیا ہے۔ ٹائیگر کا اندازہ تھا کہ حالیہ واقعہ ۲۰۳۵ء بعد از مسیح کا ہو گا۔

اوشان کے مطابق سانجو کی دانش اور بصیرت کے بارے میں سُن کر جاپانی شہنشاہ نے اس وقت کے ماسٹر آف سانجو کے پاس ایک ٹیلی پیتھ بھیجا تھا اور ایک مسئلے میں رہنمائی کی درخواست کی۔ ماسٹر اس جال میں پھنس گیا اور مطلوبہ تعاون کے بعد ہی اسے احساس ہوا کہ کوئی چیز چوری ہو گئی ہے۔ دراصل جاپانی ایجنٹوں نے کام کے دوران ماسٹر کے طریقوں کی نقل بنالی۔ نتیجاً کا آرٹ چوری کر لیا اور شب خون کا طریقہ سیکھ لیا۔"

"کمال ہے۔ انھوں نے محض ایک کام کی ادائیگی کی اور دو نئے طریقے بھی سیکھ لیے۔"

"پھر غلط یہاں لفظ چوری استعمال کرو۔ انھوں نے چند طریقے ہی چوری نہیں کیے بلکہ گورو با قوت سے زیادہ قیمتی چیز بھی چوری کر لی۔" اوشان نے مغیلے لہجے میں جواب دیا۔ "انھوں نے عقل فراست اور بصیرت بھی چُرالی اور ایک میں ہوں... کہ تمہیں عقل فراست اور بصیرت مُفت میں دینا چاہتا ہوں اور تم اسے لینے پر آمادہ نہیں۔"

"آپ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں رسل فادر؟"

"اس لیے کہ تم ابھی تک جاپانیوں کی صلاحیتوں کے معترف نہیں ہوئے ہو۔" اوشان نے جواب دیا۔ "ٹھکرا کر دو کہ ابھی تک یہ فی وی سیٹ ان کے ہاتھ نہیں لگا۔ ورنہ وہ اس کی بھی نقل کر لیتے۔ جاپانی کسی بھی طرح قابلِ اعتبار نہیں۔"

"درست! اگر کوریائی عوام محتاط نہ ہوں تو جاپانی شاطر ایگزیکٹو انک کی پوری کوریائی مملکت کو اُٹھا کر لے جائیں۔" ٹائیگر نے مسکرا کر کہا۔

پھر جب ٹی وی پر "ایٹ پلانیٹ ریونج" نامی فلم شروع ہوئی تو ٹائیگر ایسی انیس سالہ لڑکی کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا جس کے بال تصویر میں سُرخ نظر آئے تھے اور جو شاید زندہ تھی یا شاید زندہ نہیں تھی۔

وہ بزم میں جگہ بناتا ہوا آگے بڑھا تو مختلف آوازیں سُنائی دیں: ارے وہ کچھ بھی نہیں۔ کسی کے لیے کام کرتا ہے۔ ابھی کوئی اندر موجود ہے۔ ارے۔ رے۔ وہ کا تو مت دو۔"

ٹائیگر باہر کیپ سائیٹ میں چرس بھنگ حشیش کی بو سونگھتا ہوا اِدھر اُدھر گھومتا رہا۔ راستے میں اسے کئی جوڑے نشے میں دُھت پڑے ملے تھے اور وہ ان کو پھلانگ پھلانگ کر گزر گیا۔ میدان کے ایک سرے پر وہ ان تاروں سے اُلجھ کر گرتے گرتے بچا جو ایک اُونچے سٹیج کی طرف جا رہے تھے۔ اسٹیج کے دائیں بائیں دو ٹاور بنے ہوئے تھے۔ ایگزیکٹنس کی فوج کی فوج کام میں لگی ہوئی تھی۔ یہ لوگ مائیکروفون لائٹ اسپیکر اور اسی قسم کا دوسرا سامان اُتار رہے تھے۔

اسٹیج کے قریب اسے ایک کیبل میں حرکت نظر آئی تو وہ رُک گیا۔ کیبل کے باہر سُرخ دراز زلفیں اور بھورے بال نظر آ رہے تھے۔ یہ دونوں لڑکیاں تھیں جو سونے کی کوشش کر رہی تھیں۔ ایک تیسری لڑکی کو اس نے خود پک کرنے سے بچالیا۔ وہ ایل ایس ڈی کے ٹوٹتے ہوئے نشے سے بے حال تھی۔ لڑکی اپنے پیروں پر جلتی ہوئی جب ذرا نکل گئی تو وہ کیبل کے قریب کھڑا ہو گیا۔ بات صرف یہ تھی کہ اسے سُرخ بالوں والی لڑکی کا چہرہ دیکھنا تھا اور نیلی چھتری نظر آ رہا تھا پھر جب دیر ہو گئی تو مجبوراً وہ انھیں ڈسٹرب کرنے پر مجبور ہو گیا۔ اس نے بھورے بال جھٹک کر ہٹائے تو سُرخ بالوں والی کا چہرہ نظر آ جائے اور تب ہی اسے اندازہ ہوا کہ بھورے لمبے بال بھی مرد کے ہیں اور سُرخ بالوں والی، دراصل سُرخ بالوں والا ہے۔ جس نے کیمیکل کی مدد سے بالوں کو سُرخ کر رکھا ہے۔

وہ مُنہ بنا کر ہٹ گیا اور پھر سڑک کے قریب آ کر لوگوں سے انیس سالہ سُرخ زلفوں والی کے بارے میں پوچھنے لگا لیکن اسے کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔ وہ آگے جانے کے لیے پلٹا ہی تھا کہ اچانک ایک بڑی سی گاڑی اس کے قریب سے گزری۔ وہ چونک اُٹھا۔ ایک جدا سا شخص گاڑی چلا رہا تھا اور عقبی سیٹ پر ایک خوبصورت لڑکی محوِ خواب تھی۔ ٹائیگر رُک گیا۔ گاڑی تقریباً چار فرلانگ دُور جا کر پارک کی گئی۔ اس میں سے چار نوجوان اُترے۔ ڈرائیور ان کے علاوہ تھا۔ وہ پانچوں ایک طرف بڑھنے لگے۔ ڈرائیور کا انداز دوستانہ تھا۔ وہ ٹاوروں کی طرف اشارہ کر کے اُن کو کچھ بتا رہا تھا۔ اُس نے اس گروپ کے بیٹھنے کے لیے جگہ بھی بتائی اور اس کے لیے ان چند نوجوانوں کو بڑی بدتمیزی سے ایک طرف دھکیل دیا۔ جو اس جگہ بیٹھے ہوئے تھے۔

ٹائیگر ان کی طرف بڑھ گیا۔

"میں نے سُنا ہے کہ موٹل میں کوئی زبردست شخصیت موجود ہے۔" انیس سالہ لڑکی بڑے جوش و خروش سے کہہ رہی تھی اور یہی سارہ تھی۔ اس کے بچپن کی تصویر جوانی سے زیادہ مختلف نہ تھی۔ ٹائیگر کو حیرت ہوئی کہ موٹل کے اندر کا واقعہ اتنی تیزی سے لوگوں کو معلوم ہو جاتا ہے۔

"ہاں۔ وہ زبردست چیز تو ہے۔" ایک نوجوان نے تصدیق کی۔ "لیکن ابھی تک یہ علم نہیں ہو سکا ہے کہ وہ کون ہے؟"

ٹائیگر نے اس نوجوان کو بغور دیکھا اور اس کے کھڑے ہونے کے انداز ہی سے سمجھ گیا کہ نوجوان نہ صرف مسلح ہے بلکہ سارہ کی نگرانی بھی کر رہا ہے۔

بھاری بھرکم ڈرائیور اب بھی بائیں جانب کے ٹاور کی طرف دیکھ رہا تھا اگرچہ وہ مسلح نظر نہیں آ رہا تھا لیکن اس کے انداز سے عیاں تھا کہ وہ کسی تخریبی کارروائی کے لیے ٹاور کا جائزہ لے رہا تھا۔

ٹائیگر اس گروپ کے قریب پہنچ کر کچھ کہے سُنے بغیر سارہ کے پاس ہی بیٹھ گیا۔

میدان اب سُریلے بھدے قہقہوں اور گلوکار کی آوازوں سے گونج رہا تھا۔

پھر کسی نوآموز کے گانے کی آواز میدان میں سر پھوڑنے لگی۔ سارہ نے ایک طرف لیٹ کر آنکھیں بند کر لیں۔ گانا شاید بہت اچھا تھا مگر میوزک بھدا تھا۔

بالٹو کنتھا ہونٹوں سے پانی پی رہا ہے۔

آنکھوں میں بھی پانی ہے۔

کل کی طرح پھر آنا! الوداع!" ٹائیگر سر ہلاتا رہا اور پھر اُس نے اپنے برابر والے سے پوچھا۔ "اس موسیقی کا کیا مطلب ہے دوست؟" برابر میں وہی لڑکا بیٹھا تھا جس کو سارہ پسند کرتی تھی اور جس کے بارے میں ٹائیگر کا خیال تھا کہ وہ مسلح ہے۔

اس کا مطلب واضح ہے لیکن اس کی وضاحت کرنا ممکن نہیں۔"

"یہ کیا ہے؟"

"احتجاج۔"

"کس کے خلاف؟"

"ہر چیز کے خلاف۔ آلودہ ماحول کے خلاف، منافقت اور جبر کے خلاف۔"

"کیا تمہیں الیکٹرک گٹار پسند نہیں؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"نہیں۔"

"بجلی کہاں سے آتی ہے؟"

"خدا جانے۔" جیل اب اُکتانے لگا تھا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"جنریٹر سے پیدا ہوتی ہے۔"

"میں نے ایسا کبھی نہیں سُنا۔"

"کیا؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"یہ میوزک۔" نوجوان نے گونجنے والی موسیقی کے بارے میں کہا اور ٹائیگر منہ پھیر کر ڈرائیور کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ مسلسل دروازوں اور دروں کا جائزہ لے رہا تھا۔

شو جس کا دوسرا نام ڈیڈ میٹ لائٹس تھا۔ سات بجے شروع ہونا تھا۔ لہٰذا ساڑھے چھ بجے اعلان کیا گیا کہ شو کے آغاز میں ۵ منٹ کی تاخیر ہو جائے گی۔ ساڑھے آٹھ بجے اعلان کیا گیا کہ شو کسی بھی وقت شروع ہو سکتا ہے۔ نو بجے جب سرچ لائیٹس بھی روشن کر دی گئیں تو اعلان ہُوا "وہ آ رہے ہیں۔"

اس اعلان کے ساتھ ہی تالیاں اور سیٹیاں بجنے لگیں۔ نعرے گھنے لگے اور سُریلے قہقہے بھدّے قہقہوں پر حاوی ہو گئے۔ اس اعلان کے باوجود وہ دس بجے تک نہیں آئے پھر اچانک ہی ایک بڑی اسٹیج اٹنٹ کے نیچے پھانسی کا پھندا نمودار ہُوا اس لائٹ کے پیچھے اندھیرے میں سے کسی نے چھلانگ لگائی اور ایک رسّی پر پہنچ گیا پھر ایسا لگا جیسے رسّی ٹوٹ جائے گی اور پھر وہ پیروں کے بل... اسٹیج پر پہنچ گیا۔ اس نے چست جمپ سُوٹ پہن رکھا تھا۔ جمپ سُوٹ سفید کاٹن کا تھا۔ جس میں جگہ جگہ تازہ گوشت کے ٹکڑے جھول رہے تھے۔ چمک دار کپڑا جگہ جگہ سے خون آلود ہو رہا تھا۔

پھر ایک مائیکروفون اسٹیج سے بلند ہو کر اس شخص کے چہرے تک پہنچ گیا۔ یہی شخص میگوٹ تھا۔

"کیا حال ہے جانورو؟" میگوٹ نے غصّہ اُردو میں کہا۔

"تم گندہ ہو، مٹی ہو اور مٹی میدانوں میں جگہ جگہ پھیلی ہوئی ہے۔"

اس کے اس انکشاف کا پُرجوش خیر مقدم کیا گیا اور اسی جوش اور خروش کے اظہار کے دوران ٹائیگر نے جیل کو دیکھا۔ وہ اپنا کام شروع کر رہا تھا۔ اُس کے ہاتھ میں برف توڑنے والا ایک سُوا تھا اور وہ سارہ کی طرف بڑھ رہا تھا۔ جواب بتدریج بیدار ہو رہی تھی۔ ٹائیگر نے بائیں ہاتھ سے سُوئے والے ہاتھ پر ضرب لگائی اور جیل پورے کا پورا گھوم گیا۔ اس کی آنکھوں میں پہلے تو حیرت کے تاثرات اُبھرے اور پھر چہرے پر شدید ترین کرب نمودار ہُوا۔ اس کے دل کی دھڑکن رُک رہی تھی۔ وہ چکرایا اور گر گیا۔

مجمع اب بہت زور زور سے تالیاں بجا رہا تھا۔ ادھر اسٹیج پر ڈیڈ میٹ لائٹس کا تیسرا فنکار چاروں ہاتھوں پیروں کے بل چلتا ہُوا آیا۔ ڈرمر نے تیزی سے ڈرم پیٹنا شروع کر دیا۔ اسٹیج کے دائیں سے بیانو اور آرگن اُٹھا اور اسٹیج کے وسط میں آ گیا۔ اسی دوران تیسرا شخص بھی نمودار ہُوا اور یوں تینوں کو اسٹیج پر دیکھ کر دیوانے ہو گئے۔

پھر تینوں نے گانا شروع کر دیا۔

اچانک سارہ بہت زور سے چلّائی۔ ٹائیگر نے بائیں طرف والے ٹاور کی سمت دیکھا جو ایک دھماکے کے بعد دائیں بائیں جھول رہا تھا۔ وہ لوگ جو اس پر چڑھ کر پروگرام دیکھ رہے تھے، پکے ہوئے آموں کی طرح نیچے گرنے لگے۔ وہ اسی جگہ گر رہے تھے جہاں سارہ چیخ و پکار کر رہی تھی۔

افراتفری خطرناک ثابت ہو سکتی تھی لہٰذا ٹائیگر نے سارہ کو کسی پوٹلی کی طرح دائیں کندھے پر ڈالا اور ممکنہ حد تک محفوظ مقام کی سمت بڑھ گیا۔ اسی لمحے ٹاور زوردار آواز کے ساتھ گر پڑا اور وہ تمام لوگ جو اس کی زد میں آئے وہیں مر گئے۔ آٹھ ٹن وزنی ٹاور نے تباہی مچا دی تھی۔

اس ہنگامے کے باوجود گانا جاری تھا۔ ان کے گانے کی آواز اور دوسرے لوگوں کی تالیوں کی گونج کے سبب ٹاور تلے دب جانے والوں کی چیخیں دب گئی تھیں۔

"گاؤ، گاتے رہو۔" سارہ جھوم کر بولی لیکن ٹائیگر اُسے کندھے پر اُٹھائے باہر لے آیا۔

"اپنے پنجے ہٹاؤ کُتّے۔" سارہ خود کو بے بس پا کر چلّائی۔ لیکن ٹائیگر نے اُسے نہ چھوڑا اور وہ چیختی رہی مگر جب اُس نے خود کو موٹل کے دروازے پر پایا تو خاموش ہو گئی۔ اسے معاً خیال آیا تھا کہ اس موٹل میں کوئی زبردست چیز مقیم ہے۔

"اوہ تو اُسی نے مجھے بُلایا ہے؟" وہ موٹل کے دروازے پر پہنچ کر مدھر لہجے میں بولی۔ "وہ کون ہے؟" وہ اسی قسم کے سوال کرتی ہوئی کمرے تک پہنچ گئی اور جب ٹائیگر نے کمرے کی چابی نکالی تو وہ حیرت زدہ رہ گئی۔ "تمہارے پاس چابی بھی ہے۔ اس کے کمرے کی چابی!"

اب وہ آزاد ہونے کی کوشش نہیں کر رہی تھی بلکہ اس کی دلی خواہش تھی کہ وہ کمرے میں داخل ہو جائے۔ لہٰذا ٹائیگر نے اسے نیچے اتار دیا۔

"شاید تم میرے ساتھ کوئی دلچسپ کھیل کھیلو گے۔"

سارہ بہت جوش میں تھی۔ "میں الوپ کمانڈو ماہی، فہیم کے ساتھ ایسے ایسے کھیل کھیل چکی ہوں۔ تم ان کو جانتے ہو! وہ بہت بڑے اداکار ہیں۔"

ٹائیگر نے دروازہ کھولا تو سارہ چُپ بلکہ ساکت ہو گئی۔ کمرے میں پڑے ہوئے نمدے پر ایک دُبلا پتلا بوڑھا بڑے شاہانہ انداز میں بیٹھا ہُوا تھا۔

"اوہ۔ عظیم بعظیم تر عظیم ترین۔ دُنیا بھر کی حکمرانی تیرے لیے ہی ہے۔" سارہ گھٹنوں کے بل اوشان کے سامنے بیٹھ گئی۔ اوشان محض ہنکارا بھر کر رہ گیا۔ سارہ نے گھبرا کر نمدے پر پیشانی رکھ دی۔

"تم اپنے نمک کی اس بچی سے حفظِ مراتب سیکھ سکتے ہو۔" اوشان نے ٹائیگر سے کہا۔

"ذرا صبر کر لیں۔ آپ کو علم ہو جائے گا کہ یہ لوگی کیا طلب کرنے یہاں آئی ہے۔"

"تم بہت خراب آدمی ہو۔" سارہ نے بہت دھیمے لہجے میں کہا۔

"آہ۔ دیکھا۔ اس بچی کو تمہارے بارے میں پہلے ہی سب کچھ معلوم ہے۔" اوشان خوش ہو کر بولا۔

"دُنیا کی حکمرانی تمہارے ہی لیے ہے۔" سارہ بولی۔

"اور اس بچی کو میرا مقام بھی معلوم ہے۔" اوشان نے فخریہ انداز میں کہا۔

"تم کون ہو؟"

"سناجو کا آقا۔ ماسٹر۔"

"سناجو زندہ باد۔"

"دیکھا شہزاد۔" اوشان کی چمکدار آنکھیں اور زیادہ روشن ہو گئیں۔

"اس لڑکی کو علم ہی نہیں کہ سناجو کیا ہے۔ پرنس فادر ٹائیگر نے مسکرا کر جواب دیا۔" میرا خیال ہے کہ دُنیا بھر میں زیادہ سے زیادہ نصف درجن افراد کو سناجو کے بارے میں علم ہو گا۔"

"میرا، ہیرا ہی رہتا ہے۔ خواہ کوئی اُسے مٹی ہی کیوں نہ سمجھے۔" اوشان نے فخراً کہا۔

"گڈ نائٹ۔" ٹائیگر یہ کہہ کر رُخصتی کی تلاش میں ہاتھ زوم میں لے آیا۔ دراصل میگوٹ اور ہنوا کا شور اتنا زیادہ تھا کہ اسے سکون کی نیند لینے کے لیے کانوں میں رُوئی رکھنا ضروری تھی۔

اور باہر بموٹ بم کسی ایسے فنکار کی طرح اُجڑا ہُوا بیٹھا تھا جس کے شاہکار کو کسی نے لکیریں کھینچ کر برباد کر دیا ہو۔ اس کے منصوبے کے مطابق ٹاور گرا تھا۔ اور ٹاور کے گرتے وقت بموٹ کو یقین تھا کہ دُنیا میں کوئی شخص اس سے زیادہ مہارت کا مظاہرہ نہیں کر سکتا لیکن پھر اس نے سارہ کو اس شخص کے کندھے پر دیکھا جس کی کلائیاں غیر معمولی طور سے موٹی تھیں۔ تب ہی بموٹ کو یُوں لگا تھا جیسے اس نوجوان نے اس کے مُنہ سے دس لاکھ نوالے نکال لیے ہوں۔ اب بموٹ بدلہ لینے کا تہیہ کر چکا تھا۔ اگرچہ وہ موٹل کے اندر تھے لیکن بموٹ ہر حال میں اس سے انتقام لینے کے لیے تڑپ رہا تھا۔ اس نے موٹل کی عمارت کا جائزہ لیا۔ اس کا ڈھانچہ بموٹ کے لیے بہت حقیر تھا۔ عمارت کو سیمنٹ کے پلاستر نے مضبوط کر رکھا تھا اور بعض جگہ لکڑیاں بھی استعمال کی گئی تھیں۔ بموٹ کو علم تھا کہ جب عمارت بم سے اُڑے گی تو یہی لکڑیاں اُڑ اُڑ کر چاقو، خنجر اور تلواریں ثابت ہوں گی۔

وہ سوچنے لگا کہ عمارت کی کوئی حیثیت نہیں۔ اُسے تو قع تھی کہ ذرا سی محنت کے بعد وہ نہ صرف انتقام لے سکے گا بلکہ لڑکی کو بھی حاصل کر لے گا۔

بموٹ نے کار کی ڈکی سے تار وغیرہ نکالے، کیمیکل نکال کر ملایا اور کام شروع کر دیا۔ کام کرتے وقت وہ "چندا توری چاندنی میں جیا جلا جاتے رے" بھی گا رہا تھا لیکن اچانک اس نے اُس چور کے کمرے کا دروازہ کُھلتے دیکھا جو لڑکی کو اٹھا کر لے گیا تھا پھر وہ چور کمرے سے نکل آیا۔ بموٹ کو حیرت ہوئی کہ اتنی بڑی چوری کے باوجود چور کس دیدہ دلیری سے باہر آ رہا ہے۔ وہ سیدھا کھڑا ہو گیا۔ اس کا قد تقریباً چھ انچ اور وزن سو پونڈ زیادہ تھا۔ "تم کیا چاہتے ہو؟" بموٹ بم نے فخراً کہا اس نوجوان سے کہا جو اب اس کے قریب آ چکا تھا۔

"تمہاری ہڈیوں کو توڑنا چاہتا ہوں۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔

"کیا بکواس کر رہے ہو؟"

"میں تمہاری ہڈیوں کو اس وقت تک یکے بعد دیگرے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں توڑتا رہوں گا جب تک تم مجھ سے موت کی بھیک نہیں مانگو گے۔"

بموٹ مسکرانے لگا۔ اسے اس بات پر غصّہ نہیں آیا اور اس نے ٹائیگر کو دو ٹوک انداز میں اپنا منصوبہ بھی بتا دیا۔ "میں تمہیں اور اس چھوٹے سے آدمی کو اس طرح ختم کروں گا کہ آئندہ ہفتے تم گوڑے گھر سے اُٹھائے جاؤ گے۔"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"واقعی؟" ٹائیگر نے دل چسپی لیتے ہوئے کہا۔ "کس طرح؟"

تب بمبو عرف بم نے ہونگل کی تعمیر اور کھلے میدان میں بم کے دھماکے کے بارے میں تفصیلات بتائیں اور یہ بھی بتایا کہ یکے بعد دیگرے ہونے والے دھماکوں سے ہوٹل کے کھنڈرات از خود کیا قیامت ڈھا سکتے ہیں۔"

"شاندار!" ٹائیگر نے مسکرا کر کہا۔

"لیکن تم چور ہو لہٰذا تم اس منظر کو دیکھنے کے لیے زندہ نہیں رہ سکو گے۔" یہ کہہ کر بمبو نے دائیں ہاتھ سے ٹائیگر کے سر پر ضرب لگائی لیکن اُسے خود اپنے دائیں ہاتھ میں شدید ترین تکلیف کا احساس ہُوا۔ ابھی وہ اس تکلیف دہ احساس کی گرفت ہی میں تھا کہ اس نے خود کو سڑک پر چت پڑا پایا اور اور وہ بھی اس طرح کہ سائیلنسر کا پائپ اس کے سر پر نظر آ رہا تھا۔

اسے بنڈال میں بجنے والے سازوں میں سے صرف ڈرم کی دھمنت ناک آواز سُنائی دے رہی تھی اور ناک میں تیل کی بُو گھسے جا رہی تھی۔ پورے سیدھے ہاتھ اور بازو میں کندھے تک آگ سی بھری ہوئی محسوس ہو رہی تھی اور وہ اسی آگ کی تکلیف کے باعث چیخ رہا تھا۔

"اگر تم زبان کھولنے پر آمادہ ہو جاؤ تو تمہارے ہاتھ میں ہونے والی تکلیف کم بلکہ ختم ہو جائے گی۔"

"مم... میں تیار ہوں۔" بمبو عرف بم آزمائش کے اس موقع پر گھبلا پٹا خہ بھی ثابت نہ ہُوا۔

"تم کس کے ساتھ کام کر رہے ہو؟"

"میرا کوئی ساتھی نہیں۔" اس نے جواب دیا ہی تھا کہ اُسے ایسا لگا جیسے اس کے دائیں ہاتھ کی چھوٹی اُنگلی سے درد کی لہریں جنم لے رہی ہوں اور پھر اس درد نے اس بار گردن تک کو مفلوج کر دیا ہو۔ "میں قسم کھاتا ہوں کہ۔ کہ میرا کوئی ساتھی نہیں۔"

"اس لڑکی کے بارے میں کیا کہتے ہو؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"مجھے اس کے قتل کا حکم ملا تھا۔"

"کس سے؟"

"ٹیلی فون پر ہدایت ملی تھی اور ہدایت دینے والا کون ہے... اس کے بارے میں مجھے علم نہیں۔"

"فون نمبر کہاں کا تھا؟"

"گلشن نمبر کا۔"

"تم سے کیا کہا گیا تھا؟"

"یہ کہ سارہ یہاں موجود ہو گی اور میں اسے ختم کر دوں۔ لاکھ امریکی ڈالر کے سلوی معاوضہ کا مستحق ہوں گا۔" بمبو نے باقی تفصیلات بھی بتا دیں۔

"لیٹر بکس میں کیا ملا تھا؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"معاوضے کی پہلی قسط۔" بمبو نے فوراً جواب دیا۔

"اور کچھ؟"

"نہیں۔" بمبو عرف بم نے جواب دیا۔ اس وقت وہ سوچ رہا تھا کہ بس ایک موقع مل جائے تو وہ اس نوجوان کو گوشت کے لوتھڑوں میں بدل دے گا۔

وہ چاہتا تھا کہ وہ نوجوان کو اپنی کار کی ڈکی میں رکھا ہُوا چھوٹا سا بم استعمال کرنے کا مغورہ دے لیکن اس کی قوتِ گویائی تک سلب ہو چکی تھی۔ درد دائیں ہاتھ کی انگلی سے جنم لے کر گردن اور پھر گردن سے نیچے سینے تک سمندر کی لہروں کی طرح موجیں مار رہا تھا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے نئے اندھیرے آنے لگے۔ پھر اس نے سوچا کہ وہ اپنے ہاتھ کو کسی طرح اس نوجوان کے پیر کے نیچے سے نکال لے تو مسئلہ حل ہو سکتا ہے۔ لہٰذا اُس نے ہاتھ کو نکالنے کی کوشش کی لیکن اس میں ناکام رہا۔ پھر اس نے سوچا کہ اگر وہ اپنے آزاد پیروں کا استعمال کرے تو کارِ مرگ کی طرح چھٹ سکتی ہے۔ اس کی آنکھیں ایک لمحہ کے لیے چمکیں اور پھر اس کی دائیں ٹانگ حرکت میں آ گئی۔

⁂

دھماکہ بہت زوردار تھا، پھر کئی چھوٹے بڑے دھماکے ہونے لگے۔ ان دھماکوں کی وجہ سے کئی افراد لاشوں میں تبدیل ہو گئے۔

کار دھماکے سے پھٹی تو ٹائیگر نے بھی پوری پوری کوشش کی کہ وہ خود کسی چیز سے نہ ٹکرا جائے۔ اس نے اُلٹی جست لگائی اور چالیس گز دُور ایک کھلے پلاٹ میں گرا۔ اس دوران اس کے اردگرد آگ لگیاں، ٹانگیں اور دوسرے اعضا برستے رہے۔ دھماکے کے باعث خود اس کا دورانِ خون تیز ہو گیا تھا اور وہ پیٹ کے بل لیٹا ہُوا لمبی لمبی سانسیں لے رہا تھا تاکہ دورانِ خون قابو میں آ سکے۔

⁂

اگلے روز ڈاکٹر بہرام کو دو پیغامات ملے۔ پہلا پیغام ٹائیگر کا تھا کہ سارہ محفوظ ہے اور سینیٹ کمیٹی کے روبرو پیش کی جا سکتی ہے۔ دوسرا پیغام سونٹز لینڈ کے کسی بینک میں کام

کرنے والے کلرک کا تھا جس نے انکشاف کیا تھا کہ حال ہی میں دس لاکھ ڈالر سے کھولے جانے والے کھاتے میں "چھ خصوصی فنڈ اکاؤنٹ" کا نام دیا گیا ہے۔ مزید پانچ لاکھ ڈالر کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔ اس اکاؤنٹ کے بارے میں دُنیا بھر سے ٹیلیفون آ رہے ہیں اور یہ فنڈ ایک معمہ بن گیا ہے۔ کلرک کا اپنا تجزیہ یہ تھا کہ غالباً یہ رقم کسی کو معاوضہ دینے کے لیے رکھی گئی ہے۔ اس نے آخری ٹیلیفون خود سُنا تھا۔ یہ فون افریقہ سے آیا تھا اور فون کرنے والے کا نام نیلسن تھا۔

نیلسن!! بہرام یہ نام کہیں سُن چکا تھا۔ اس نے فوراً اس نام کو کمپیوٹر کے حوالے کیا۔ جس میں دُنیا بھر سے آنے والی ہر چھوٹی بڑی اطلاع ذخیرہ ہوتی تھی۔ لیکن یہ کمپیوٹر بھی نیلسن کے بارے میں لاعلم تھا۔ تاہم بہرام کو یقین تھا کہ وہ اس نام سے واقف ہے اور یہ کہ اس نے یہ نام کہیں سُنا ضرور ہے۔ اس کی یادداشت میں لیہہ نیلسن اور گیمر نیلسن کے نام محفوظ تھے لیکن سوال یہ تھا کہ جب اسے یہ نام کسی نہ کسی طرح یاد ہیں تو پھر کمپیوٹر ان سے لاعلم کیوں ہے؟ وہ کھڑکی سے جھانکنے لگا۔ دُور کشتیاں اور ان کے بادبان نظر آ رہے تھے۔ یہ نقل و حمل کے قدیم مگر مؤثر ذرائع تھے اور تب ہی اچانک اُسے سب کچھ یاد آ گیا۔

اُس نے فوراً اپنی سیکرٹری کا نمبر ملایا۔ رُدبی کی غیر موجودگی میں اس لڑکی نے بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کیا تھا۔ لیکن نئی سیکرٹری جو اب پُرانی ہو چکی تھی، بہرام کو صرف اور صرف ریسرچ سائنٹسٹ ہی سمجھتی تھی۔ اسے اس کے سوا اور کچھ معلوم نہ تھا۔ بعض اوقات بہرحال اُسے بہرام کی غیر معمولی فرمائشوں پر حیرت ہوتی تھی۔ جب اسے علی الصباح یہ بتایا گیا کہ ڈاکٹر بہرام کو ایک ایسے ایڈونچر میگزین کی ضرورت ہے جو ٹین ٹن کے کسی خاص مگر چھوٹے سے بُک اسٹال پر مل سکتا ہے۔ بہرام کا کہنا تھا کہ اگر اسے میگزین ملے تو وہ اس کے لیے ذہنی ماحولیات کے محکمے کے سیکرٹری سے رابطہ قائم کر سکتی ہے۔ جب سیکرٹری ماحولیات کی مدد سے سیکرٹری چارہ گر کو یہ پتا چل گیا کہ میگزین کس دُکان پر دستیاب ہے تو اس نے بہرام کو مطلع کیا۔

"ٹھیک ہے۔ تم ٹیکسی میں جاؤ اور اسی ٹیکسی میں واپس بھی آ جاؤ۔" بہرام نے انوکھا حکم دیا۔

"مگر سر۔ اس طرح تقریباً ۸۰ ڈالر خرچ ہو جائیں گے۔" سیکرٹری کو علم تھا کہ اس کا باس کتنا کنجوس ہے!

"کوئی بات نہیں۔ مجبوری ہے۔" بہرام نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

اور جب سیکرٹری دُکان پر پہنچی تو اس کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے۔ میگزین کی قیمت دو سینٹ تھی لیکن دکاندار ایک سو ڈالر طلب کر رہا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ یہ میگزین جب ۱۹۳۲ء میں چھپا تھا تو اس وقت اس کی قیمت دو سینٹ تھی۔ وہ میگزین لے کر ٹیکسی میں بیٹھ گئی۔ اسے احساس تھا کہ یہ قیمتی میگزین سے کیونکہ اسے حاصل کرنے میں مجموعی طور پر دو سو ڈالر خرچ ہو چکے ہیں۔

میگزین میں پہلا مضمون گٹار سازی کے بارے میں تھا۔ دوسرا ہڈیوں سے متعلق، اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہُوا تھا کہ ہڈیوں نے جس فن کا مظاہرہ کیا وہ فی الحقیقت جاپانی نینجا سے سیکھا گیا تھا اور نینجا دراصل ہر دور کے سب سے خطرناک شخص ماسٹر آف سناجو کے فنونِ حرب کا ایک حصہ ہے۔

سیکرٹری بڑا سا مُنہ بنا کر رہ گئی۔

تیسرا مضمون ایک سوئیڈش خاندان سے متعلق تھا۔ سیکرٹری کو یقین تھا کہ اس مضمون میں مُربانیت یا کم از کم کھانے پکانے کی ترکیبیں ضرور ہوں گی لیکن یہاں بھی اُسے مایوسی ہوئی۔ اس میں صرف کاؤنٹ اور کرنل نیلسن کا ذکر تھا اور ان کے بارے میں قصے پڑھ کر کسی کو بھی متلی ہو سکتی تھی۔ یہ لوگ زندہ انسانوں کا شکار کرتے تھے۔ اس خاندان کی بنیاد چھ سو سال قبل اس وقت رکھی گئی تھی جب سوئیڈن فوجی قوت تھا۔ بعض اوقات اس خاندان سے تعلق رکھنے والے لوگ دونوں فریقین کی مدد کرتے تھے۔ جو بھی زیادہ معاوضہ دیتا تھا۔ وہ اس کے ساتھ ہو جاتے تھے۔ اُنھوں نے پولینڈ کے شہزادے کو قتل کیا اور قتل کے لیے اس کے بستر کے نیچے تلواریں کھڑی کر دی تھیں۔ جونہی شہزادہ اپنے بستر پر لیٹا۔ بارہ تلواروں کی نوکیں اُس کے جسم میں پیوست ہو گئیں۔ یہ کام اُنھوں نے شہزادے کے چھوٹے بھائی کو تخت نشیں کرانے کے عوض کیا تھا لیکن چھوٹے شہزادے کے مخالف نے ان سے رابطہ کیا تو انھوں نے زیادہ بڑے معاوضے پر چھوٹے شہزادے کو بھی قتل کر دیا۔ برونڈی کے ایک ڈیوک نے ایک نوزائیدہ بچے کو ہلاک کرنے کے لیے اُن کی خدمات حاصل کیں۔ کیونکہ ڈیوک کو خطرہ تھا کہ یہ بچہ آئندہ بیس برس بعد تخت کا دعویٰ کر بیٹھے گا لیکن پتے کے یاپ نے بیٹے کی تخت نشینی یقینی بنانے کے لیے ان کی خدمات

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

حاصل کر رکھی تھیں۔ لہٰذا بچے کو ہاتھ دُم کے ٹب میں ڈبو کر ہلاک کر دیا گیا اور جب ڈیوک کو علم ہُوا کہ اس کے سر پر بھی انعام رکھا گیا ہے تو اس نے اپنی جان بچانے کے لیے اس سے زیادہ رقم دینا چاہی تاہم بچے کا باپ اتنے غصّے میں تھا کہ وہ انعام کی رقم بڑھاتا چلا گیا اور پھر بات اتنی بڑی رقم کی ہو گئی کہ ڈیوک کو خود کشی کرنی پڑی۔ مضمون میں کہا گیا تھا کہ اب حالات مختلف ہیں۔ سوئیڈن کے حالات بھی پُرامن ہیں اور نیلسن خاندان بھی شریفانہ زندگی گزار رہا ہے۔ رسالے میں نوجوان نیلسن اور اس کے بیٹوں کی تصویریں بھی تھیں۔ لیہہ نیلسن کی عمر نو ماہ تھی اور گنر دو سال کا تھا۔ لیہہ نیلسن شاید گلوکار بننا چاہتا تھا۔ کیونکہ وہ گلوکاروں میں دلچسپی لیتا تھا اور گنر کا رجحان میڈیکل سائنس کی طرف تھا۔ وہ ایسے ٹی وی پروگرام بڑی دلچسپی سے دیکھا کرتا تھا۔

"یہ رہا میگزین۔" سیکرٹری نے میگزین ہیرام کی میز پر رکھتے ہوئے حقارت آمیز لہجے میں کہا۔ "مجھے تو کوڑا کرکٹ ہی نظر آ رہا ہے۔"

"کوڑا کرکٹ میری میز پر رکھنے کا شکریہ مس ہیزل۔" ہیرام نے مسکرا کر کہا تھا۔

دریائی بھینسا اسٹیمر سے بھی زیادہ طاقت ور ہوتا ہے لیکن اسٹیمر سے زیادہ خطرناک نہیں ہوتا۔ دریائی بھینسا اپنے مرگ ہو تب بھی حملہ کرتا ہے، لیکن یہ بھی زیادہ خطرناک خصوصیت نہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ دریائی بھینسا خواہ مشتعل نہ ہو، بھوکا نہ ہو تب بھی حملہ کر دیتا ہے لیکن یہ بھی کوئی مسئلہ نہیں۔ اصل مسئلہ اور اصل خطرہ یہ ہے کہ دریائی بھینسے ہلاک کرنے میں لطف لیتے ہیں اور کسی کو ہلاک کرنا، روندنا اور پامال کرنا ان کا پسندیدہ کھیل ہے۔

لیہہ نیلسن کے کپڑوں پر جا بجا پتے اور کانٹے نظر آ رہے تھے مگر اُسے ان کی کوئی پروا نہیں تھی۔ اس کے دو بندوق بردار شکاری مچان پر موجود تھے۔ جب کہ لیہہ خود غیر مسلح تھا۔ اس کے پیر بار بار درختوں کی جڑوں میں اُلجھ رہے تھے لیکن وہ اس مہم میں ایک عجیب سا لطف محسوس کر رہا تھا۔

بات صرف یہ تھی کہ اس نے دریائی بھینسے کو دیکھ لیا تھا۔ جس کے مُنہ سے اُدھ کھائے پھول گر رہے تھے۔ اس کی کھال چمک رہی تھی اور اس کے سینگ، انتہائی سخت اور نوکیلے تھے۔ وہ بھینسا اپنے ریوڑ سے بچھڑ گیا تھا۔ اس لیے بہت غصّے میں تھا۔ لیہہ نیلسن کو اس کی تلاش تھی۔ وہ اس کے شکار کے لیے بے چین تھا۔ اس کے بندوق بردار اس کے ساتھ تھے۔

نیلسن نے تیر سیدھا کر کے گال کے ساتھ لگا لیا۔ اس وقت بھینسا نیلسن کے حق میں تھی اور دریائی بھینسا چالیس گز دُور موجود تھا۔ نیلسن کو علم تھا کہ اگر بھینسے نے اس کی بُو سونگھ پالی تو وہ آنجہانی کہلا جائے گا۔

تب ہی دریائی بھینسے نے اپنا بھاری بھرکم سر اُٹھایا اور وہ کچھ سُننے کی کوشش کرنے لگا۔ اسی لمحے تیر نیلسن کے ہاتھ سے نکلا اور دریائی بھینسے کے پہلو میں گھس گیا۔ بھینسا ڈکرایا لیکن تیر اس کے لیے کانٹے سے زیادہ خطرناک نہیں تھا۔ نیلسن کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ اس نے اپنی کمان نیچے کی اور موٹے بھینسے میں دلچسپی لینا چھوڑ دی۔ اس نے دریائی بھینسے کو للکارا۔

عظیم الجثہ سیاہ بھینسا خوشی سے اُچھل پڑا۔ وہ چند قدم دُوڑا تو راستے میں آنے والے تمام پودے اور چھوٹے درخت سُرمہ بن گئے۔

وہ کسی طوفان کی طرح آ رہا تھا۔ بندوق بردار کانپ رہے تھے اور نیلسن قہقہے لگا رہا تھا۔

دریائی بھینسا پندرہ فٹ دُور تھا کہ اس کے مُنہ سے کف نکلنے لگی۔ تیر کا زہر اثر کرنے لگا تھا۔ اس کی اگلی ٹانگیں سُست پڑ گئیں لیکن وہ پچھلی ٹانگوں کی قوت سے کام لیتا رہا۔ تاہم مزید پانچ گز کے بعد اس کا پورا جسم کانپنے لگا اور اگلے ہی لمحے وہ کسی پہاڑ کی مانند ڈھیر ہو گیا۔

لیہہ نیلسن مسکراتا ہُوا دم توڑتے بھینسے کے قریب گیا اور والہانہ انداز میں بولا۔ "سراپا حُسن، حُسن ہی حُسن۔ میں تمھارے مذہب اپنا پیکر دیکھتا ہوں لیکن تمھیں یہ نہیں معلوم تھا کہ زہریلا تیر کھا کر دَوڑنے کا نتیجہ فوری موت ہوتا ہے۔ اس طرح زہر بہت تیزی سے دوران خون میں سرایت کر جاتا ہے۔ کاش! میں تمھیں بتا سکتا کہ تیر کھا کر دَوڑنا حماقت ہوتی ہے۔ اور اے میری جان! اب طلوعِ آفتاب کی حسین ساعتوں میں ملاقات کریں گے۔"

نیلسن نے بندوق بردار کو آواز دی۔ مگر وہ مچانوں سے نیچے نہیں اُترے۔ اُنھیں علم تھا کہ بھینسا آخری سانس لینے سے قبل اُچھل کر اُس پاس حملہ ضرور کرے گا اور اگر ایسا ہُوا تو نیلسن کے ساتھ وہ بھی مارے جائیں گے۔

نیلسن کو ان دونوں پر غصّہ آ گیا۔ اس نے کمان اُٹھائی اور تیر چڑھا کر درختوں کی طرف دیکھنے لگا۔ "اُتر آؤ۔" اس نے

فراٹے کہا۔ "درد تیر بہت زہریلا ہے۔"

وہ دونوں کانپتے ہوئے نیچے اُتر آئے۔ نیلسن نے ایک شخص سے بندوق لے کر کمان اُسے تھما دی۔

"اب یہ بتاؤ کہ وہ گاؤں کہاں ہے، جہاں آدم خور نے نامت برپا کر رکھی ہے؟"

سفر پھر شروع ہو گیا۔ وہ پورا دن سفر کرتے رہے اور پھر انھیں ریت کے بڑے سے پیالے میں چند جھونپڑیاں نظر آنے لگیں۔ یہاں پانی بھی بہت کم تھا۔ لیہہ نیلسن کو دیکھتے ہی گاؤں کا سربراہ دَوڑتا ہُوا آ گیا۔ وہ پستہ قد تھا اور گلے ملتے ہوئے اس کا سر نیلسن کی پسلیوں کو چھُو رہا تھا۔ "تمھارا بھائی کیسا ہے دوست؟" ہیڈمین نے پوچھا۔

"ہمیشہ کی طرح ہے۔ آج کل اچھا کام کر رہا ہے۔" نیلسن نے کچھ سوچ کر جواب دیا۔

"وہ بہت شاندار آدمی ہے بوانا!" ہیڈمین نے بڑے خلوص سے کہا۔ "اس پر جنگلوں کے دیوتا کی بڑی رحمتیں نازل ہوتی رہیں۔"

"آدم خور شیر کہاں ہے؟" نیلسن نے پوچھا۔

"اس کا ہمیں کوئی علم نہیں۔" ہیڈمین نے جواب دیا۔ "ویسے وہ درندوں کا درندہ ہے۔ قوی الجثہ، خوفناک مگر کہاں ہے؟ اس کا پتا نہیں بوانا!" اس نے حال ہی میں گاؤں کے شمال میں ایک بکری کو ہلاک کیا ہے اور ایک آدمی پر حملہ کیا ہے لیکن مشرق میں بھی ایک نوجوان عورت کو ہڑپ کر چکا ہے۔ وہ مشرق اور شمال دونوں طرف دیکھا گیا ہے۔"

"اچھا!" لیہہ نیلسن نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "پھر بھی۔ ذرا غور کرو۔ اسے آخری بار کہاں دیکھا گیا تھا؟" یہ کہہ کر اُس نے سینے پر دونوں ہاتھ باندھ لیے اور درد و زن سب آپس میں اس موضوع پر گفتگو کرنے لگے کہ سیاہ آدم خور کس دن اور کہاں دیکھا گیا تھا؟ نیلسن کو علم تھا کہ اُسے اپنے سوال کا کوئی منطقی جواب نہیں ملے گا۔ لیہہ نیلسن کو اس کے بھائی گنر ہی نے یہاں بھیجا تھا۔ کیونکہ گنر نیلسن خاندان کا سربراہ تھا۔ لہٰذا خاندانی روایات کے مطابق لیہہ کو اس کے حکم کی تعمیل میں ریت سے اَٹے ہوئے اس گاؤں میں آنا پڑا تھا۔ لیہہ کی عمر اچھی خاصی تھی۔ وہ پچاس سے اوپر تھا لیکن لگتا محض ۳۰ سال کا تھا۔ جوانی کی یہی کیفیت اس کے ذہن اور جسم میں بھی تھی۔ بلکہ لوگ یہ کہتے تھے کہ وہ بیس سال کا اینٹیلیٹ ہی نہیں۔ جدید ریسلنگ کا ماہر بھی لگتا تھا۔ اُسے ان لوگوں سے نفرت تھی جو اس وقت اس کے اردگرد گھوم رہے تھے لیکن وہ اس نفرت کا اظہار نہیں کر سکتا تھا۔ کیونکہ اس کے لیڈر اور بھائی کے لیے یہ لوگ بہت محترم تھے۔ ہیڈمین نے اُسے ہرن کا شکار کرنے کی دعوت دی لیکن اس نے انتہائی نرم انداز میں یہ دعوت مسترد کر دی۔ وہ تو آدم خور کو زیر کرنا چاہتا تھا اور اسے یہ بھی فکر تھی کہ گاؤں والے دریائی بھینسے کے شکار کے بارے میں گنر کو مطلع کر دیں۔ وہ چاہتا تھا کہ یہ اطلاع جس میں زہریلے تیر کا استعمال بھی ضرور شامل ہو گا گنر تک نہ پہنچے۔ اس سلسلے میں اسے زیادہ فکر اپنے بندوق برداروں کی تھی۔ جو بہر صورت گنر کو مکمل رپورٹ ضرور پیش کرتے۔ لہٰذا اپنے دونوں بندوق برداروں کے ساتھ اس نے شکار کی تلاش خود شروع کر دی۔ وہ گاؤں کے گرد دائرے کی شکل میں گھومنے لگا اور یہ دائرہ وسیع ہوتا چلا گیا۔ یہ مہم شروع کرتے ہوئے اس نے ان طریقوں کو استعمال کیا تھا جو اسے ورثے میں ملے تھے۔ یہ طریقہ یوں تھا کہ کسی مقام پر جُزوی اور سطحی نظر نہ ڈالی جائے۔ بلکہ اگر کوئی وادی ہو تو پوری وادی پر نظر رکھی جائے اور یہ دیکھا جائے کہ آدم خور کس جگہ چھُپ کر آرام کر سکتا ہے۔

ایک موقع پر اسے احساس ہُوا کہ اس کے بندوق بردار خوفزدہ ہیں۔ لہٰذا اس نے انھیں آگے چلنے کا حکم دیا پھر وہ اس جگہ پہنچے جہاں عورت کو آدم خور نے لقمہ بنایا تھا۔ اس نے عورت کے شوہر سے بات کی تو وہ افریقی نوجوان پلک پلک کر رونے لگا۔

"یہ کتنے روز قبل کی بات ہے؟" لیہہ نے پوچھا کیکن نوجوان انڈرا اس سوال کا جواب نہ دے سکا۔ اسے گنتی نہیں آتی تھی۔ وہ تو صرف رو رہا تھا۔

"یہ بڑا مسئلہ ہے۔" لیہہ کا دل تو چاہا تھا کہ نوجوان کا ٹینٹوا دبا دے لیکن اسے اپنی اس خواہش پر قابو پانا پڑا۔

دوسرے روز لیہہ کو بعض نشانات نظر آئے تو وہ خوش ہو گیا مگر ہمراہ ہوئے بندوق برداروں نے بڑے جوش و خروش سے مچان باندھنے کی تجویز پیش کی۔

"مچان کی کوئی ضرورت نہیں۔ کیونکہ وہ یہاں سے گزر چکا ہے۔" لیہہ نے جواب دیا۔

"وہ واپس بھی تو آ سکتا ہے!" ایک بندوق بردار نے کہا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"نہیں" لیبہ کا لہجہ بہت مضبوط تھا۔ "مجھے پتا ہے کہ وہ کہاں جا رہا ہے۔ وہ ہماری وجہ سے مشتعل ہے۔ تین منٹ بعد ہمیں اس کے پنجوں کے تازہ ترین نشانات مل جائیں گے۔"

اور پھر ٹھیک تین منٹ کی مسافت کے بعد ایک بندوق بردار پگڈنڈی کی طرف اشارہ کر کے چیخ اٹھا۔ وہاں آدم خور کے پنجوں کے نشانات بہت واضح تھے اور گیلے تھے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ آدم خور ابھی کسی جھرنے سے نکل کر آگے گیا ہے۔ یا اس پاس موجود ہے۔

بندوق برداروں کی حالت غیر ہو گئی۔ انھوں نے مزید ایک قدم آگے جانے سے بھی انکار کر دیا۔

"تم دونوں یہیں رکنا چاہتے ہو؟" لیبہ نے پوچھا۔ "ٹھیک ہے۔ میں تنہا جاؤں گا۔" یہ کہہ کر وہ آگے بڑھ گیا۔ اسے علم تھا کہ وہ دونوں پیچھے رہ جانے کی ہمت نہیں کریں گے اور اس کا یہ اندازہ سو فیصد درست ثابت ہوا۔

"کیا تم درخت پر چڑھنا چاہتے ہو؟" لیبہ نے ایک جگہ رُک کر ان سے پوچھا اور وہ دونوں خوفزدہ بندوق بردار گرتے پڑتے ایک درخت پر چڑھنے لگے۔ اس سے قبل لیبہ نے بہر حال ان سے بندوقیں اور رجاقو لے لیے تھے۔

ان کے درخت پر چڑھنے کا منظر بھی عجیب تھا۔ پہلا درخت کے تنے سے لپٹ کر اوپر کھسکنے لگا اور دوسرا بھی اسی طرح اوپر چڑھنے لگا۔ لیبہ نے بندوق کسی لاٹھی کی طرح گھمائی۔ بندوق کا بٹ کسی کلہاڑی کی طرح اوپر والے کے گھٹنے پر لگا اور فوراً ہی لیبہ نے دوسرے کو نشانہ بنانے کے لیے پوزیشن بدل لی۔ پہلا آدمی چلاتا ہوا نیچے گرا اور اس کے فوراً بعد ہی دوسرا بھی ٹوٹا ہوا گھٹنا لے کر گر پڑا۔ پہلے نے دوسرے گھٹنے کی مدد سے آگے کھسکنے کی کوشش کی لیکن نیلسن نے اس کا دوسرا گھٹنا بھی توڑ دیا۔ ساتھ ہی اس کی بائیں کلائی پر پیر رکھ کر زور سے اچھلا۔ کلائی یقیناً کئی جگہ سے چٹخ گئی اور بندوق بردار کسی ذبح کیے ہوئے بکرے کی طرح ڈکرانے لگا۔ دوسرا زیادہ کمزور تھا۔ لہٰذا منٹ کے بل پڑا روتا رہا۔ لیبہ نیلسن نے اس کے شانے پر زوردار ٹھوکر ماری۔ اس کا بایاں شانہ ٹوٹ گیا۔

اب اگر ان دونوں کو اس حالت میں پایا جاتا تو لوگ اسی نتیجہ پر پہنچتے کہ ان کی پٹائی کی گئی ہے۔ کلائی ٹوٹنے کے بعد پہلا بندوق بردار تڑپ تڑپ کر جان بخشی کی درخواست کرنے لگا۔

"اگر تم بھیک بھی مانگو گے تب بھی میں تمھیں قتل نہیں کروں گا۔" لیبہ نے یہ محسوس کر کے جواب دیا کہ ان تینوں کے سوا کوئی اور بھی آس پاس موجود ہے۔ اس نے ایک سگریٹ سُلگایا اور پھر نیس گز تک جنگل میں چلا آیا۔

تب ہی اُسے آدم خور کی مخصوص مگر ہلکی سی غراہٹ سُنائی دی۔ ساتھ ہی بندوق بردار زور زور سے گڑگڑانے لگا۔ وہ بھی غراہٹ سُن چکا تھا اور اب اس کی خواہش تھی کہ لیبہ نیلسن اُسے گولی مار کر آدم خور کا لقمہ بننے سے بچالے لیکن لیبہ وعدہ کر چکا تھا کہ وہ اسے قتل نہیں کرے گا۔ لہٰذا وہ خوف زدہ چیخیں سُنتا رہا۔ کچھ دیر بعد چیخیں بند ہو گئیں اور ہڈی چبائے جانے کی آواز آنے لگی۔ اس نے سگریٹ ختم کیا لیکن اپنی جگہ کھڑا رہا۔ کیونکہ وہ یہی چاہتا تھا کہ آدم خور پہلے اپنا کام ختم کر لے اور لوگ بھی سمجھیں کہ دونوں بندوق بردار آدم خور کا لقمہ بنے ہیں۔ اس نے رائفل چیک کی۔ چیمبر میں ایک خوبصورت گولی موجود تھی۔

وہ گرہا بائی کے انداز میں قدم اُٹھانے لگا۔ اُس کا رُخ درخت ہی کی طرف تھا۔ تاہم آدم خور کو بھی اپنے عقب میں اس کی موجودگی کا احساس ہو گیا۔ اس نے گرج کر چھلانگ لگائی اور اس کا رُخ نیلسن کی طرف ہو گیا۔ آدم خور کے مُنہ اور پنجوں سے انسانی خون ٹپک رہا تھا۔ نیلسن نے سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں گولی چلا دی۔ ساتھ ہی وہ یہ بھی سوچتا رہا کہ یہ درندہ کتنا بادقار اور کتنا حسین ہے۔ گولی چلی۔ آدم خور کے کھلے ہوئے مُنہ میں گئی اور پھر دماغ میں گھس کر باہر نکل گئی۔ اب آدم خور اس کے اوپر پہنچ چکا تھا مگر نیلسن نے بڑی پھرتی سے خود کو اُس کے پنجوں سے بچا لیا۔ اس دوران وہ پوری طرح پُرسکون رہا۔ اسے یہی تربیت دی گئی تھی کہ آخری لمحے تک پُرسکون رہو۔ تاکہ کسی بھی مُہلک صورتِ حال سے بچ سکو۔

آدم خور کی لاش بھدے سے اس کے قریب ہی گری اور نیلسن قلابازیاں کھا کر مزید کئی گز دور چلا گیا لیکن اُسے یہ احساس ضرور ہوا تھا کہ آدم خور کے پنجے کا کوئی حصہ اسے لگا ہے۔ کیونکہ شانے پر درد شروع ہو گیا تھا۔ اس نے زخم دیکھا تو مطمئن ہو گیا۔ زخم زیادہ گہرا نہیں تھا۔ وہ مسکرانے لگا۔

اب وہ گنر سے کہہ سکتا تھا کہ آدم خور نے تینوں پر حملہ کیا تھا۔ دو مارے گئے اور وہ خود زخمی ہو گیا۔

اُس نے چھوڑی ہوئی ہڈیوں کا معائنہ کیا اور یہ دیکھ کر اسے بڑی خوشی ہوئی کہ دونوں کی بائی ماندہ ہڈیوں پر پٹائی کا کوئی نشان تک باقی نہ رہا تھا۔

وہ لفٹنے کی مدد سے ایک اسپتال پہنچا جو گاؤں سے قدرے فاصلے پر تھا۔ وہاں پہنچ کر اسے علم ہوا کہ آدم خور کے ہلاک ہونے کی کہانی پہلے ہی یہاں پہنچ چکی ہے۔ گاؤں والوں نے بندوق برداروں کی ہڈیاں دریافت کر لی تھیں۔

"ہم آپ کو تحفے کے طور پر آدم خور کی کھال اور اگلے پنجے دیں گے۔" ہیڈ مین نے کہا۔

"شکریہ۔" لیبہ نیلسن نے مسکرا کر کہا۔ "لیکن میں آدم خور کی کھال بندوق برداروں کی بیواؤں کو پیش کروں گا تاکہ وہ اسے فروخت کر کے کچھ رقم کما سکیں۔ کاش میں ان کے شوہروں کو زندہ واپس لا سکتا۔"

●

لیبہ نیلسن اپنے بھائی ڈاکٹر گنر نیلسن کے دفتر میں داخل ہوا تو وہ درد قولنج کے مریض ایک بچے کا معائنہ کر کے اس کی ماں کو بچے پالنے پر لیکچر دے رہا تھا۔ گنر لیبہ سے قد میں ایک انچ ہی بڑا تھا اور اس کی عمر ستر سال سے کم نہیں لگ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر بے تحاشا جھریاں تھیں۔ اس کا کلینک بس نام کا ہی اسپتال تھا۔ یہاں آپریشن روم تو کجا جدید اینٹی بائیوٹک دوائیں بھی دستیاب نہیں تھیں۔ یہ چیزیں تو بڑے شہروں اور امیروں کے حصے میں آتی تھیں۔ گنر مریضوں کو صرف مشورے اور مرض روکنے کے لیے ٹوٹکے ہی بتا کر ٹال دیا کرتا تھا۔

"میں مصروف ہوں۔ پانچ دس منٹ بعد آنا۔" گنر نے لیبہ کو دیکھ کر بُرا سا منہ بنایا۔

"مگر میں زخمی ہوں۔" لیبہ نے کراہتے ہوئے کہا۔

"اوہ۔ تو یہ بات ہے۔ میں ابھی دیکھ لیتا ہوں۔" گنر نے فوراً جواب دیا اور پھر عورت سے کہا۔ "چند منٹ باہر انتظار کرو۔"

اسپتال میں اینٹی سیپٹک دوا بھی نہ تھی۔ لہٰذا گنر نے زخم کو خراب ہونے سے بچانے کے لیے اُسے کوئلے پر تپتے ہوئے چاقو کی مدد سے داغا اور جب لیبہ کو یقین ہو گیا کہ اس کے جلنے والے گوشت کی بو اُس کے دماغ نے بھی محسوس کر لی ہے، تو پھر اُس نے کہا۔ "اگر آپ کے پاس دوائیں ہوتیں تو آپ لوگوں کو بے بسی سے مرتے ہوئے نہیں دیکھتے۔"

"پھر بھی مریضوں کو کئی سہولتیں حاصل ہیں لیبہ۔" گنر نے جواب دیا۔

"لیکن ہم لوگوں کو اور زیادہ سہولتیں بھی فراہم کر سکتے ہیں۔ یہ انصاف نہیں کہ لوگ دوا نہ ہونے کے باعث مرتے رہیں۔"

"آخر آج ... انسانی ہمدردی کے ان جذبات کا اچانک ہی کیوں اظہار کیا جا رہا ہے لیبہ؟" گنر نے سستی اور باریک سی پٹی کو زخم پر بڑی مہارت سے لپیٹتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں بھائی! یہ اچانک نہیں ہے۔ یہ تو آپ پر فخر کے احساسات ہیں کہ اگر آپ کے پاس سرمایہ ہوتا تو یہاں آنے والے چند ہی مریض ہلاک ہوا کرتے۔"

"کیا تم سرمایہ کے حصول کے لیے اپنا آبائی پیشہ چھوڑنے کی تجویز پیش کر رہے ہو؟ اگر ایسا ہے تو پھر کوئی اور تجویز پیش کرو۔ ہاں۔ اب زخم میں تکلیف تو نہیں؟"

"سولہویں صدی کی دوائیں اور طریقے اس سے زیادہ راحت نہیں پہنچا سکتے۔"

"مجھے حیرت اس بات پر ہے کہ آدم خور تمھارے اتنے قریب آ گیا تھا۔ حالانکہ ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا لیبہ۔"

"شاید میں بوڑھا ہو رہا ہوں۔"

"لیکن تمھیں کم از کم ستر سال کا ہونے سے قبل ایسی کسی صورتِ حال سے دوچار نہیں ہونا چاہیے۔ تم اچھے شکاری ہو۔"

"آپ نے یہ زخم دیکھا۔ آپ بہت سے زخم دیکھ چکے ہیں۔ رسولی، ناسور، قولنج ہوئی ٹانگیں۔ آپ ان میں سے ہر زخم مندمل کر سکتے ہیں لیکن دوائیں اور رسہولتیں نہ ہونے کے باعث ناکام رہتے ہیں۔ کیا آپ کو احساس ہے کہ دس لاکھ امریکی ڈالر سے کتنا سامان اور کتنی دوائیں آ سکتی ہیں، کتنا شاندار اسپتال بن سکتا ہے؟"

"دس لاکھ امریکی ڈالر۔" ڈاکٹر گنر نیلسن نے چونک کر پہلے چھوٹے بھائی اور پھر چاقو کی طرف دیکھا۔ "لیبہ! اتنی بڑی رقم سے تو نہ جانے کتنے افراد کو مرنے سے بچایا جا سکتا ہے۔" یہ کہتے ہوئے گنر نے چاقو کو آگ پر رکھ دیا کیونکہ اس کے پاس چاقو صاف کرنے کے لیے آگ سے زیادہ کوئی اور اینٹی سیپٹک چیز دستیاب نہ تھی۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"سوچیں بھائی۔ آپ اس رقم سے کتنے افراد کی جان بچا سکتے ہیں۔" لوہا گرم دیکھ کر لیہہ نے ضرب لگانے کی کوشش کی تھی۔

"مجھے کوئی اندازہ نہیں۔"

"سو۔ ایک ہزار؟"

"ہزاروں۔ بلکہ لاکھوں۔" گنر نے جواب دیا۔ "اتنے بڑے سرمائے سے تو ایسا نظام بن سکتا ہے کہ پھر کبھی سرمایہ کی ضرورت ہی پیش نہ آئے۔"

"اور میں سوچ رہا ہوں کہ محض ایک زندگی کی قربانی دے کر لاکھوں بے بس افریقیوں کو علاج معالجے کی بہترین سہولتیں فراہم کر کے انہیں زندہ رکھنا کوئی جرم ہوگا؟ کیا لاکھوں کے مقابلے میں ایک زندگی زیادہ قیمتی ہے؟"

"یقیناً نہیں۔" گنر نے دھیمے لہجے میں جواب دیا۔

"اور وہ بھی کسی غیر ملکی لڑکی کی۔"

"ملکی اور غیر ملکی کا فرق لوگوں سے زندہ رہنے کا حق نہیں چھین سکتا لیہہ۔" گنر ایک بار پھر ہتھے سے اکھڑنے لگا تھا۔

"مگر وہ بہت امیر بھی ہے۔"

"یہ بھی جان لینے کا کوئی جواز نہیں۔" گنر نے جواب دیا۔ لیہہ اسٹول سے اٹھ گیا۔ اس نے اپنا زخمی کندھا ہلایا تو اُسے ایسا لگا جیسے زخم میں سے دھک دھک کی آواز آ رہی ہو۔

"میری بات غور سے سنیں بھائی۔" اُس نے اس مرتبہ انتہائی سنجیدہ انداز میں کہا۔ "فردوس میں ایک ایسی عورت ہے۔ جس کے محض سانس کی بھاپ فروخت کر کے اس اسپتال کے لیے دُنیا جہان کے ضروری آلات اور دوائیں خریدی جا سکتی ہیں لیکن چونکہ ہمارے خاندان نے ایک عرصہ قبل یہ مشغلہ اور پیشہ ترک کر دیا ہے لہٰذا میں اس ضمن میں کوئی تجویز پیش کرنے سے ڈر رہا ہوں۔"

"تم کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"اس عورت کے سر کی قیمت دس لاکھ ڈالر رکھی گئی ہے لیکن میں کوئی تجویز پیش نہیں کر رہا ہوں۔ بلکہ مجھے تو ان لوگوں کی قسمت پر رونا آ رہا ہے جو اسپرین بھی حاصل نہیں کر سکتے جو علاج کے نام پر لال خربت سے بھی محروم رہتے ہیں اور آپ بہترین معالج ہونے کے باوجود ان کو تڑپتا سسکتا اور مرتا دیکھ کر خود بھی وقت سے پہلے بوڑھے ہو گئے ہیں۔"

"تم مجھ پر طنز کر رہے ہو؟"

"نہیں۔ میں تو صرف یہ کہہ رہا ہوں کہ محض ایک غیر ملکی عورت کو زندہ رکھنے کے لیے سینکڑوں بھوکے افریقیوں کو مرنے دیا جائے۔ لیکن... آپ نے مجھے اجازت نہ دی تو پھر کوئی اور یہ کام کر ڈالے گا اور یہ امر یقینی ہے۔ اس عورت کی قسمت میں قتل ہونا لکھا ہے۔"

"نکل جاؤ یہاں سے۔" گنر نے اس بار انتہائی درشت لہجے میں کہا۔

یہ حکم تھا اور اس کی تعمیل ضروری تھی لیکن لیہہ اسپتال سے نہیں گیا۔ وہ برابر والے کمرے میں بیٹھ گیا۔ پھر جب مریض ختم ہو گئے تو گنر باہر آ گیا۔ "میں موجود ہوں بھائی۔" لیہہ نے ہنس کر کہا۔

"تم شیطان ہو۔" گنر کو یکایک یاد آ گیا۔ جب لیہہ اُسے پریشان کرنے کے لیے اسی طرح چھیڑ جایا کرتا تھا۔

دونوں بھائی گاؤں کی طرف پیدل ہی چل دیے۔

"کیا تمہیں یقین ہے کہ قتل کے عوض اتنی بڑی رقم مل جائے گی لیہہ؟" گنر نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا۔

"یقیناً۔" لیہہ نے جواب دیا۔ "میں نے اس بارے میں اس وقت سُنا تھا جب میں دریا کے بالائی علاقوں میں تھا۔ میں نے برٹش اسٹاف آفیسر کے منگلے سے فون کر کے اس کی تصدیق بھی کر لی تھی۔ برطانوی افسر کے اب بھی وہاں کے لوگوں سے تعلقات ہیں۔ اس نے درحقیقت ایسے شخص سے بات کی تھی جو معاوضہ کی تقسیم کا نگران ہے۔ اس شخص کو نیلسن خاندان کے بارے میں بہت اچھی طرح معلوم ہے اور اسے یہ سُن کر خوشی ہوئی کہ کوئی نیلسن اس کام میں دلچسپی لے رہا ہے۔ پھر جب میں یہاں واپس آیا تو آپ نے کچھ کہے سُنے بغیر آدم خور کو ختم کرنے کا حکم دے دیا۔"

"اس وقت مجھے یہ خوف تھا کہ تم کہیں قتل برائے قتل کے چکر میں پڑ کر یہاں کے ہرنوں کو نہ مارنے لگو۔"

"میں! بھائی میں قتل برائے قتل کروں گا؟"

"ہاں۔ اس وقت تمہارے پاس تیر کمان تھا۔ ممکن ہے کہ تم اس دریائی بھینسے سے قتل کا ارادہ کر لیتے جو گزشتہ دو

ماہ سے دریا میں نظر آ رہا تھا۔"

"دریائی بھینسا بھی قتل برائے قتل کے فلسفہ پر عمل کرتا ہے بھائی۔" لیہہ نے ہنستے ہوئے کہا۔

"اور اب بھی مجھے خدشہ ہے کہ تم اتنی دُور دراز فردوس جا کر قتل برائے لذت کے اصول کو اپنا دو گے اور یہ بھی خدشہ ہے کہ اس مہم میں تمہیں کچھ بھی نہیں ملے گا۔"

"تب پھر آپ خود فون پر متعلقہ پارٹی سے بات کر لیں۔" لیہہ نے پیش کش کی۔ اُسی لمحے گنر ٹھٹک کر رہ گیا۔ اس کی نظریں ایک ایسے لڑکے پر جمی ہوئی تھیں جس کی ٹانگیں وٹامن کی بے حد کمی کے باعث مفلوج تھیں۔ وہ ایک طرف ریت پر لیٹا ہوا تھا۔

"آپ نے مجھے جو فن سکھایا ہے اور جو تیکنک مجھے ورثے میں ملی ہے وہ اگر ایسے معذور بچوں کے علاج کے لیے سرمایہ جمع کرنے کی خاطر استعمال ہو سکے تو یہ ایک بڑا کام ہوگا بھائی۔" لیہہ نے اس بار گرم لوہے پر بروقت چوٹ لگائی تھی۔

اور پھر بارہ گھنٹے بعد لیہہ نیلسن ایک برطانوی فیلڈ ایجنٹ کے ٹیلی فون پر سوتھنز لینڈ بات کر رہا تھا۔ اس نے متعلقہ شخص کو ہدایت کی کہ وہ معاوضہ کی رقم نیلسن خاندان کے اس کھاتے میں جمع کرا دے۔ جس کے بارے میں خود اسے چند گھنٹے قبل ہی گنر نے بتایا تھا۔ ساتھ ہی اُس نے متعلقہ شخص سے درخواست کی کہ وہ اب یہ مشن کسی دوسرے کو سونپ دے۔ "میں وہاں جا رہا ہوں مینجر۔" اس نے بڑے وثوق سے کہا تھا۔

⁂

"آخر اس افراتفری میں گیارہ افراد کیونکر ہلاک ہوئے۔" ڈی آئی جی نے تھانیدار سے پوچھا۔

"یہ اموات صورتِ حال کی شدت کے مقابلے میں بہت کم ہیں جناب۔" تھانیدار نے جواب دیا۔ "اگر پولیس کے مختلف شعبے قریبی رابطہ نہ رکھتے تو پھر اموات بھی زیادہ ہوتیں۔"

"درست۔" ڈی آئی جی نے سر ہلا کر کہا۔ "مقامِ شکر ہے کہ وہاں ٹیلنز گروپ نے فن کا مظاہرہ نہیں کیا ورنہ اور زیادہ اموات ہوتیں۔"

تھانیدار نے تو ڈی آئی جی کو مطمئن کر دیا مگر میگوٹ کا پریس ایجنٹ بڑے مسائل سے دوچار تھا۔ ابھی تک اس اُدھیڑ بن میں مبتلا تھا کہ لیہہ گروپ کی طرف سے ان اموات پر اظہارِ تاسف کرے یا اس واقعہ کو مزید تشہیر کے لیے استعمال کرے۔ لیکن اخبارات کے اداریوں نے اس کی اس مشکل کو آسان کر دیا۔ مدیروں نے اسیڈراک کے پرتشدد رجحان پر قلم اُٹھایا اور رپورٹروں نے ایسی خبریں شائع کیں۔ جیسے پنڈال میں کوئی گوریلا جنگ ہوئی ہو۔ ایک ٹی وی مبصر نے ناظرین کی طرف دیکھ کر سوال کیا۔ "کیا جزیرہ فردوس ایسے ایڈونچر کا متحمل ہو سکتا ہے؟"

ان اداریوں اور خبروں کی اشاعت کے بعد سب سے بڑے شہر گلستان میں اسیڈراک شو کا اعلان ہوا تو ایک ہی روز میں تمام ٹکٹ فروخت ہو گئے۔ ساتھ ہی محض سو گھنٹے میں اس شو کے ایک لاکھ ڈیوکیسٹ فروخت ہو گئے جس کے دوران بم کے دھماکے ہونے تھے اور ٹائیگر کو اس بات پر واقعتہً حیرت تھی کہ اس شو کی اتنی بہت سی کاپیاں اتنی جلد کیسے تیار کر لی گئیں۔

سارہ کی فرمائش تھی کہ وہ بھی یہ وڈیو دیکھے گی۔

"کیوں؟ تم نے تو سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔" ٹائیگر نے اعتراض کیا۔

"ایک بار پھر دیکھنا چاہتی ہوں۔" سارہ بچوں کی طرح ٹھنکنے لگی۔

"تم نے اگر پھر کبھی ایسا کوئی شو اپنی آنکھوں سے دیکھا تو مسئلہ بن جائے گا۔"

"آخر تم چاہتے کیا ہو؟ ہر وقت نصیحتیں کرتے رہتے ہو۔" سارہ چڑ گئی۔

"اس لیے نصیحتیں کرتا ہوں کہ تم زندہ رہو۔"

"کیوں؟"

"اس لیے کہ مجھے تم سے محبت ہے۔" ٹائیگر نے اس کا دل رکھنے کے لیے کہا لیکن اس کے بعد سارہ نے جو حرکتیں کرنا شروع کیں۔ ان کو دیکھ کر وہ خود بھی اپنے جملے پر پشیمان ہو گیا۔ گلستان ہلٹن کے اس کمرے نے غالباً کسی عورت کو فطری لباس میں اتنی تیزی سے آتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ اس سے بعض امور پر بات کرنا چاہتا تھا لیکن وہ تو بے قابو ہو رہی تھی۔

"مجھے تم سے بات کرنی ہے سارہ۔" اُس نے نرم لہجے میں کہا۔

"اوکے۔" سارہ مشتعل ہو گئی۔ "ٹھیک ہے۔ تم دیوار

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

سے باتیں کرو۔ میں ماسٹر کے پاس جا رہی ہوں۔"

"ارے۔ رے۔ ابھی نہیں۔" ٹائیگر واقعی گھبرا گیا۔ "ماسٹر اس وقت ٹی وی سیریل دیکھ رہا ہے۔ آج تک کسی نے اسے ٹی وی دیکھتے ہوئے ڈسٹرب کرنے کی جرأت نہیں کی۔"

"مگر وہ مجھے دیکھ کر خوش ہوگا۔"

"نہیں۔" اور پھر ٹائیگر نے اسے روکنے کے لیے وہی کیا جو وہ چاہتی تھی۔

دس منٹ بعد وہ بڑی آسودگی سے مسکرا رہی تھی۔ اس کی آنکھیں نیم وا تھیں۔ ٹائیگر کو یقین تھا کہ اب وہ شام تک مطمئن رہے گی پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ سو گئی اور ٹائیگر دروازہ بند کر کے باہر نکل آیا۔ ابھی سینٹ کمیٹی کے اجلاس میں مزید سات دن باقی تھے اور ایکشن نہ ہونے کے باعث ٹائیگر اکتاہٹ محسوس کرنے لگا تھا۔ اسے احساس تھا کہ عُریاں فلمیں بنانے والے کی حفاظت والے کیس میں قدرے ایکشن تھا لیکن اس بار تو وہ محض سراغرسانی یا حفاظت کے گھٹیا کام میں ملوث کر دیا گیا تھا۔

وہ ہوٹل میں گھوم پھر کر یہ اندازہ لگانے کی کوشش کرنے لگا کہ کوئی شخص سارہ کے کمرے کی نگرانی تو نہیں کر رہا ہے۔

اُدھر سارہ جاگ رہی تھی لیکن اس کی آنکھیں بند تھیں۔ اس نے ٹائیگر کو کمرے سے جاتے ہوئے بھی دیکھا تھا اور وہ سوچ رہی تھی کہ جب یہ لڑکا اتنا شاندار راستی ثابت ہوا تو پھر جوڑ حالو!!

وہ بے چین ہو کر اٹھ گئی اور جیسی تھی ویسی ہی بوڑھے کے کمرے کا دروازہ کھول دیا۔ اس کمرے سے ٹی وی کی آوازیں آ رہی تھیں۔

اوشان ڈرامے سے بہت لطف اندوز ہو رہا تھا۔ اس کی نظریں اسکرین پر تھیں اور آنکھیں نیم وا۔ منظر بہت جذباتی تھا۔ ایک عورت اپنی جوان بیٹی سے رو رو کر درخواست کر رہی تھی کہ وہ ایل ایس ڈی کا استعمال چھوڑ دے۔

اور اچانک تین نظری لباس میں ایک لڑکی اوشان کے سامنے آ کر ٹھہر گئی۔ یہ ایک رکاوٹ تھی۔ جس کی وجہ سے اسکرین نظر نہیں آ رہا تھا۔ لہٰذا اوشان نے اس رکاوٹ کو ہٹا دیا۔

ٹائیگر نے بھی بال دے میں آواز سُنی۔ یہ کسی کے گرنے کی آواز تھی۔ وہ لپک کر اوشان کے کمرے میں گیا۔ تو وہاں اس نے سارہ کو ایک کونے میں ساکت دیکھا۔ اس کی کمر دیوار سے لگی ہوئی تھی اور سر سینے پر ڈھلکا ہوا تھا۔

"ارے۔ کیا اسے بھی مارڈالا۔ اٹل فادر۔" ٹائیگر نے گھبرا کر پوچھا۔ "اسے تو زندہ پیش کرنا تھا۔"

ساتھ ہی وہ سارہ کی طرف لپکا مگر اس طرح کہ اسکرین اور اوشان کے درمیان سے نہ گزرے۔ اس نے انگلیاں سارہ کی نبض پر رکھ دیں۔ دھڑکن بہت کم، بلکہ نہ ہونے کے برابر تھی۔ وہ یا تو مر چکی تھی یا بے ہوش۔ ٹائیگر نے سارہ کو سیدھا لٹا کر دل کی مالش کی پھر اس نے ٹوٹ پھوٹ کا اندازہ لگایا۔ تمام ہڈیاں سلامت تھیں۔

"اوہ۔ ظالم۔" سارہ کراہنے لگی تو ٹائیگر نے اپنا ہاتھ اس کے مُنہ پر رکھ دیا۔ تاکہ اوشان کو ڈرامے کے مکالمے سُننے میں دقت نہ ہو۔ اُسے علم تھا کہ اگر اس بار اوشان نے بدقت محسوس کی تو سارہ کے دل کی دھڑکن پھر کبھی بحال نہ ہو سکے گی۔

اوشان نے نہ صرف اپنے لیے ظالم کا لفظ سن لیا تھا بلکہ لڑکی کے سانس کی آواز بھی اسے سُنائی دے رہی تھی لیکن وہ ضبط کیے رہا۔ اُسے ٹائیگر پر غصہ آ رہا تھا جس نے سارہ کو اس طرح کمرے میں گھسنے دیا تھا۔

"آپ مجھے بلا لیتے۔ میں سارہ کو کھینچ کر لے جاتا۔" ڈراما ختم ہونے کے بعد ٹائیگر نے شکایت کی۔ "اگر وہ مر جاتی تو ہمارا یہ گھٹیا مشن بھی ناکام ہو جاتا۔"

"جاؤ۔ تمہیں معاف کیا۔" اوشان نے یہ سب کچھ سُننے کے بعد اس طرح کہا جیسے ٹائیگر اب تک معافی مانگتا رہا ہو۔ "اب وہ کہاں ہے؟"

"دوسرے کمرے میں۔ بہرحال معذور نہیں ہوئی لیکن میں نے ایسا انتظام کر دیا ہے کہ وہ اس بات کے دھڑکے اور خاص طور سے شوٹ کے دوران آپ کے کمرے میں نہ گھس آئے۔"

"گویا تم اس کے ساتھ نہیں ہو۔"

"ظاہر ہے۔"

"تب تم بے وقوف ہو۔" اوشان نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔ "اس بچی میں بعض خاص صلاحیتیں موجود ہیں۔ یہ عام فرد سی لڑکیوں سے بہت مختلف ہے۔ وہ سانچوں کا احترام بھی کرنا جانتی ہے اور..."

"اور وہ یہ نہیں جانتی کہ سانچوں کس چیز کو کہتے ہیں۔" ٹائیگر نے بُرا سا مُنہ بنا کر کہا۔ "اگر آپ نے اسے بتانے کی کوشش بھی کی تو وہ ہنس پڑے گی۔"

"ہنس پڑے گی۔ بھلا کیوں؟"

"ثقافتوں کے فرق کی وجہ سے۔"

"ثقافتیں۔ نہیں میرے بچے۔ آج کل تم غلط اصطلاحات استعمال کر رہے ہو۔ ثقافت واحد ہے اور صرف سانچوں کے لیے مخصوص ہے۔ جب کہ یہاں اور وہاں سفید فاموں کے نلک میں ثقافت ہے ثقافت نہیں۔ میں پھر کہتا ہوں کہ تم بے وقوف ہو۔ تمہیں اس لڑکی کے ساتھ ہونا چاہیے۔"

ٹائیگر یس فادر کہہ کر کمرے میں واپس آ گیا اور پھر بیڈ خالی دیکھ کر باتھ روم میں جھانکنے لگا۔ سارہ وہاں بھی نہ تھی۔ وہ لابی میں بھاگ کر آیا۔ وہ وہاں بھی نہ تھی۔ ٹائیگر ریزرویشن ڈیسک پر آیا۔ وہاں ایک سوئیڈش جس کی رنگت دھوپ کی وجہ سے جلی ہوئی تھی۔ کلرک سے لڑ رہا تھا۔ "میں نے آج کے لیے کمرہ بک کرایا تھا۔ چیک کر لیجیو۔ میرا نام لیہہ نیلسن ہے۔"

*

عبدالکریم عُرف ٹائرون جیکسن نے بیل بوائے کو ٹپ تک نہ دی کیونکہ وہ ٹپ دینا خیرات دینے کے برابر سمجھتا تھا اور وہ فروری لڑکوں کی عادتیں خراب کرنا نہیں چاہتا تھا۔ غالباً ٹپ نہ دینے کی وجہ یہ تھی کہ ریزرویشن کلرک نے کمرے کا کرایہ پیشگی طلب کیا تھا۔

"کرایہ تو کم ہے۔" فہیم نے گلستان ہلٹن کے کمرے کا بغور جائزہ لے کر کہا۔ اس کا اندازہ تھا کہ اگر وہ کمرے کی تمام چیزیں نکال کر لے جانے میں کامیاب ہو جائے تو کم از کم پچاس ہزار فروسی ڈالر تو مل ہی جائیں گے اور سترہ فروسی ڈالر کے عوض ایک امریکی ڈالر مل جائے گا۔

"تمہاری سوچ انقلابی نہیں۔" عبدالکریم نے مُنہ بنا کر کہا۔ "تم سرمایہ بنا کر انقلاب کو سرمایہ داری میں بدلنا چاہتے ہو گے یا؟"

"بہرحال۔ سرمایہ، سرمایہ ہوتا ہے۔" فہیم نے کہا۔

"تمہاری سوچ بھی منفی ہے۔ ہم یہ کام سات یا آٹھ سو میں کر سکتے ہیں لیکن تم سرمائے کے پیچھے پڑے ہوئے ہو۔ انسان کو انسان کے ہاتھوں لٹوانے کا عمل جاری رکھنا چاہتے ہو۔"

فہیم کو احساس تھا کہ عبدالکریم عُرف جیکسن درست کہہ رہا ہے۔ جب ایک جاننے والے کو سر بہ مُہر تابوت میں دفن کیا گیا تھا اور پھولوں کی چادر سے رقم نکلی تھی اور جب ایک قسمت والے نے انھیں انعام کے بارے میں بتایا تھا تو کریم نے زیادہ جوش و خروش کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔ وہ سیدھا لفٹی والے کے بتائے ہوئے پتے پر لاری اڈے پہنچا تھا اور وہاں ٹرانسپورٹر کی کُرسی پر پیر رکھ کر اُس نے دھمکانے سے بات کی تھی۔

"پہلے تم اس کی تصویر دیکھ لو تاکہ کسی اور کو دھوکے میں نہ مار ڈالو۔" کریم کو مشورہ دیا گیا تھا۔

"ظاہر ہے کہ میں تمہاری تصویر تو دیکھنے کے لیے یہاں نہیں آیا ہوں۔" کریم نے بھنا کر جواب دیا۔ "میری فوج کو سرمائے کی ضرورت ہے۔ تم سرمایہ دو گے۔"

"کتنا سرمایہ؟" ٹرانسپورٹ کمپنی کے مالک نے پوچھا تھا۔

"بیس ہزار بڑے والے۔"

"دو ہزار ہوئے۔" ٹرانسپورٹر نے کہا۔

"میں نے بیس ہزار بڑے نوٹ کہا ہے۔" کریم پیر پٹخ کر بولا۔

"نہیں۔ یہ تو بہت بڑی رقم ہو گئی۔ تم بہت سخت شرط رکھ رہے ہو۔ میں تمہیں اس وقت چار سو پیشگی دوں گا اور باقی رقم کام مکمل ہونے پر ملے گی۔"

"تم لفنگوں سے سودے بازی نہیں کر رہے ہو۔" کریم نے مُنہ بنا کر کہا۔

"ذرا صبر کرو۔ ٹھنڈا پیو اور ٹھنڈے دل سے غور کرو۔" ٹرانسپورٹر نے کہا اور فہیم اور کریم نے یخ بستہ بوتلیں حلق میں انڈیل لیں، پھر ٹرانسپورٹر انھیں اڈے کے عقبی خانے میں لے گیا۔ جہاں شراب کی بوتلوں کے کریٹ رکھے ہوئے تھے۔ کریم اور فہیم ان پر برسوں کے پیاسوں کی طرح ٹوٹ پڑے اور پھر ٹرانسپورٹر نے انھیں بتایا کہ وہ اپنے معاوضے کی رقم کا بڑا حصہ پی چکے ہیں تو کریم کا نشہ ہرن ہو گیا۔

"ہمیں گلستان جانے کے لیے رقم تو بہرحال درکار ہو گی۔" اس نے ٹرانسپورٹر سے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ تمہیں ٹکٹ اور خرچے کے پیسے مل جائیں گے۔" ٹرانسپورٹر نے جواب دیا۔ "میری اطلاع کے مطابق

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

تمہارا شکار گلستان میں موجود ہے اور وہ گلستان ہلٹن میں رکھا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ تمہیں بھی وہیں ٹھہرنا ہوگا اور اگر تم ڈنر سے پہلے وہاں پہنچے تو پھر اپنی خیر منانا۔"

"ہم وہاں پہنچ جائیں گے۔" فہیم نے اسے یقین دلایا۔

"تب پھر اب تم اپنی انجمن حقوقِ غریباں سے کام لینا شروع کر دو۔"

"نہیں۔ یہ انجمن تو کئی دن پہلے اللہ کو پیاری ہو چکی ہے۔ تم ہی ہمیں ائیرپورٹ تک بھی پہنچاؤ۔"

"پہلے ڈھنگ کے کپڑے تو پہن کر آؤ ہلٹن والے تمہیں اس حلیے میں تو وہاں گھسنے بھی نہیں دیں گے۔" ٹرانسپورٹر نے بڑی حقارت سے کہا۔

اور جب کریم کپڑے بدلنے اور بہنوئی کا سوٹ پہننے کے لیے اپنی بہن کے گھر پہنچا تو اس کی بہن نے بھی اُسے آڑے ہاتھوں لیا۔ "آج کل تم کس چکر میں ہو کریمو! کوئی لمبا ہاتھ مارنے کا ارادہ ہے کیا؟"

کریم نے اُسے سب کچھ بتا دیا۔ وہ بہن سے کچھ چھپانے کا عادی نہیں تھا۔ بہن کو اس کی حماقت پر غصہ آگیا اور اس نے کہا کہ ٹرانسپورٹر اُسے محض چند ٹکوں پر ٹال رہا ہے اور یہ کہ وہ خود بہت بڑی رقم لے گا۔

کریم جیسے تیسے کر کے بہن سے پیچھا چھڑا کر ائیرپورٹ پہنچا اور طیارے میں سوار ہو گیا۔ طیارے میں فہیم کے ساتھ ان کا نیم اسامی پرویز مُشرف پیگی بھی موجود تھا۔ اس کی مُشرفیت عجیب سی تھی لیکن اس کا ایک پس منظر بھی تھا۔ انجمن تحفظِ حقوقِ غریباں کے ڈنڈا بردار دستہ سپاہِ غریباں میں شامل ہونے سے قبل وہ ایک بار میں پیگ صاف کیا کرتا تھا۔

وہ آپس میں کھسر پھسر کرنے لگے۔ وہ انقلاب کے بعد کی حکمتِ عملی بنا رہے تھے۔

وہ ہلٹن پہنچے تو ایک غیر ملکی نے ان کے راستے میں آنے کی کوشش کی لیکن کریم اس سے ایک قدم آگے بڑھ کر پہلے ہی کاؤنٹر پر پہنچ گیا۔ اس نے پہلے چابی حاصل کی۔ اس دوران غیر ملکی اس کے پیچھے کھڑا مسکراتا رہا۔

"اب یہ سپاہِ غریباں کا نیا ہیڈ کوارٹر ہے۔" کریم نے اپنے دوستوں سے کہا۔ اس کا اشارہ ہلٹن کی شاندار عمارت کی طرف تھا۔ "ہمیں نئے ہیڈ کوارٹر میں اپنی حکمتِ عملی وضع کرنی ہوگی۔"

"اور میں۔" فیلڈ مارشل کی حیثیت سے اس عمارت کو ہیڈ کوارٹر بنائے جانے کی منظوری دیتا ہوں۔" فہیم نے اکڑ کر کہا۔

"اور میں میجر جنرل کی حیثیت سے اس کی توثیق کرتا ہوں۔" پیگی نے جھومتے ہوئے صاد کیا۔

"اور سپریم کمانڈر انچیف کی حیثیت سے میں اپنی فوج کی خواہش کا احترام کرتا ہوں۔" کریم بھی پیچھے نہ رہا۔ پھر فیلڈ مارشل نے حکمتِ عملی کے پہلے قدم کے طور پر اسٹیک اور ریگل کی تین بوتلوں کا آرڈر دیا۔

تینوں کمرے میں آئے۔ اسٹیک اور بوتلوں کا آرڈر دینے کے بعد ان کے مُنہ میں بار بار پانی بھر رہا تھا چند ہی لمحوں بعد دروازے پر دستک ہوئی۔

"دیکھو۔ شاید ہمارا آرڈر ہے۔" فیلڈ مارشل نے گردن اکڑا کر کہا۔ کریم کی ہنسی نکل گئی اور پیگی بھی ہنستا ہوا دروازے کی طرف گیا۔

دروازے پر وہی غیر ملکی شخص کھڑا تھا جو کریم سے پہلے چابی لینے کی کوشش میں ناکام ہو گیا تھا۔

"میں دخل در نامعقولات کا مرتکب تو نہیں ہو رہا ہوں۔" اس کا لہجہ بھی غیر ملکی تھا لیکن اگر وہ تینوں سمجھدار ہوتے تو اندازہ لگا لیتے کہ غیر ملکی فرد سی زبان بولنے پر قادر ہے۔ وہ دخل در نامعقولات کا مفہوم بھی نہیں سمجھ سکے تھے۔

"ہمارے کمرے میں داخل کیوں ہو رہے ہو؟" کریم نے قہر آلود انداز میں پوچھا۔

"میں آپ کا یہ اعلان سُن چکا ہوں کہ ہلٹن آپ کا نیا ہیڈ کوارٹر ہوگا۔"

"ٹھیک ہے۔ اگر تمہارے کان اتنے ہی بڑے ہیں تو ان میں روئی ٹھونس لو۔"

"لیکن آپ انتہائی احمق ہیں۔ سپریم کمانڈر انچیف صاحب!" غیر ملکی نے کہا۔ "بھلا سارہ کے کمرے کے بارے میں اس طرح کھلے عام پوچھنا مناسب تھا؟"

"تم مرنا چاہتے ہو؟" کریم مشتعل ہو گیا لیکن یہ پہلا موقع تھا کہ اس نے خطرے کی بُو بھی محسوس کی تھی۔

"میں صرف اتنا بتا دینا چاہتا ہوں کہ جب کوئی سرِعام یہ اعلان کرتا پھرے کہ وہ شکار کے لیے آیا ہے تو پھر خود ہی شکار ہو جاتا ہے۔"

"نکل جاؤ یہاں سے۔" فہیم نے خوفزدہ انداز میں کہا اور لہجہ نیلسن نے جو ابھی اٹک چوکھٹ پر ہی کھڑا تھا۔ دائیں بائیں رائفل زنی میں دیکھا اور وہاں کسی کو نہ پا کر سکون کی سانس لیتے ہوئے جیکٹ سے چھوٹا سا آٹومیٹک نکالا اور اعشاریہ ۲۵ کی گولی اس شخص کے پیچھے میں اُتار دی جس کی عرفیت پیگی تھی۔ گولی چلنے کی آواز صرف اتنی تھی کہ جیسے کوئی برتن صوفے پر گرایا گیا ہو۔ پیگی جہاں تھا وہیں مرحوم ہو گیا۔

لیہ نیلسن نے اندر آکر لات ماری تو دروازہ بند ہو گیا۔

"لاش کو بیڈ کے نیچے پھینکا دو۔" لیہ نیلسن نے حکم دیا۔ کریم اور فہیم کو سکتہ ہو گیا تھا لیکن انھوں نے حکم سُن لیا تھا اور وہ معمول کی طرح اس پر عمل کر رہے تھے۔

"خون کا یہ دھبہ بھی صاف کر دو۔" لیہ نیلسن نے اس جگہ اشارہ کیا جہاں پیگی گرا تھا۔

دونوں نے مل کر دھبہ صاف کر دیا۔

"گڈ۔" لیہ پہلی بار مسکرایا۔ "اب ویٹر تمہارا اسٹیک اور بوتلیں لے کر آ رہا ہوگا۔ تم اُسے بھاری ٹپ دو گے اور سو کا نوٹ ہاتھ میں رکھ کر اس سے کہو گے کہ تمہیں ایک لڑکی کی تلاش ہے۔ تم سارہ کا نام لیے بغیر اس کا حلیہ بتاؤ گے اور صرف اتنا کہو گے کہ تم اس سے محبت کرتے ہو۔ کیا نام ہے تمہارا؟"

"عبدالکریم۔"

"گڈ۔ اور تمہارا؟"

"فہیم۔"

"مسٹر فہیم! تم ویٹر کو اندر نہیں آنے دو گے۔ لڑے چوکھٹ پر ہی اس سے لے لینا۔ اس دوران میں اپنے اس کھلونے کو تانے دروازے کے پیچھے کھڑے رہو گے۔ اگر تم نے کوئی گڑبڑ کی تو پھر مزید کھوپڑیاں اُڑ جائیں گی۔"

"لیکن اگر ویٹر اس بارے میں لاعلم ہُوا کہ لڑکی کس کمرے میں ہے تو پھر؟"

"بکو مت۔ یہ باتیں تو نیچے لان میں کام کرنے والے مالی کو بھی معلوم ہوتی ہیں۔ دراصل یہ لوگ قلعہ میں شگاف کی مانند ہوتے ہیں۔ ہمارے خاندان کی ایک قدیم کہاوت ہے کہ قلعہ میں شگاف تلاش کرو لیکن بھلا تمہیں ہمارے خاندان کے بارے میں کیا علم ہوگا۔ خیر سُنو! بہت عرصہ قبل لوگ پتھروں کے مکانوں میں رہ کر اپنا دفاع کرتے تھے۔ یہ مکان درحقیقت قلعے ہوتے تھے۔ جن میں داخل ہونا ممکن نہیں ہوتا تھا اور۔"

"جیسے آج کل کے بینک کے اسٹرانگ رُوم۔" کریم نے مسکرا کر کہا۔

"یا شراب خانے۔" فہیم زبان ہونٹوں پر پھیر کر بولا۔

"ہاں! تم لوگ واقعی سمجھدار ہو۔" لیہ نیلسن ہنس پڑا۔ "تو پھر ہمیں علم ہُوا کہ نوکر ان قلعوں میں شگاف کی مانند ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر کوئی بینک کے اسٹرانگ رُوم یا شراب خانے کی الماری کا دروازہ کھلا چھوڑ دے تو کیا ہوگا؟"

"میں بینک لوٹ لوں گا۔" کریم اچھل کر بولا۔

"میں ساری بوتلیں صاف کر دوں گا۔" فہیم نے خوش ہو کر جواب دیا۔

"کیا تمہارے پاس ویٹر کو ٹپ دینے کے لیے پیسے ہیں؟" لیہ نیلسن کو ان کی مفلسی کا اندازہ ان کی باتوں سے ہو گیا تھا۔

"نہیں دوست۔" کریم بہت اُداس ہو گیا۔ لیہ نیلسن نے کوٹ میں ہاتھ ڈالے ہاتھ کو جنبش دیے بغیر بائیں ہاتھ سے جیب میں رکھے ہوئے کرنسی نوٹ نکالے۔ یہ امریکی ڈالر تھے۔ "ایک ڈالر ویٹر کے لیے۔" اُس نے دو نوٹ بیڈ پر پھینک کر کہا۔ "دس ڈالر کا نوٹ اس سے گفتگو کرنے کے لیے۔"

اسی لمحے دستک ہوئی۔ "رُوم سروس سر۔" ویٹر کی آواز آئی۔

"کم اِن۔" کریم نے فوراً کہا۔ اس کے چہرے پر ہدایت کے مطابق مُسکراہٹ تھی۔ مگر احمقانہ۔ فہیم نے دائیں ہاتھ سے دروازہ کھولا اور بائیں ہاتھ سے ٹرالی پکڑی۔ کریم دروازے تک آیا۔ "یہ لو۔" اس نے ایک ڈالر کا نوٹ ویٹر کو دیا۔

"شکریہ جنابِ عالی۔" ویٹر کی بانچھیں کھل گئیں۔ کریم نے ٹرالی اندر کھینچ لی مگر دروازے سے نہیں ہٹا۔ اس سے قبل کہ ویٹر واپس جاتا۔ دس ڈالر کا نوٹ کریم نے اُس کے سامنے لہرایا۔

"ف... فرمائیے سر۔" ویٹر کی آنکھوں میں نوٹ کے رنگ جھلملانے لگے۔ "میرے لائق کوئی اور خدمت؟"

"تم ہوٹل میں مقیم لوگوں کو تو پہچانتے ہو گے؟" کریم نے پوچھا۔

"یس سر۔"

"گڈ۔" کریم نے لیہ نیلسن کا انداز اپنانے کی کوشش کی۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"مجھے ایک لڑکی کی تلاش ہے۔"

"لڑکی؟" ویٹر قدرے پریشان سا ہُوا لیکن نوٹ دیکھ کر اس کی پریشانی پھر دُور ہو گئی۔ "حُلیہ بتائیں گے جناب؟"

کریم نے سارہ کا حُلیہ بتا دیا۔

"جی ہاں! ایسی لڑکی مقیم تو ہے۔"

"کس کمرے میں؟" نوٹ اب ویٹر کے بہت قریب آ چکا تھا۔

"۱۸۲۱ میں اس کے ساتھ ایک جاپانی بُڈھا اور ایک نوجوان بھی ہے جناب۔"

"نوجوان بھی جاپانی ہے۔"

"نہیں۔ فردوسی ہے۔ لیکن رنگت بہت صاف ہے۔"

"شکریہ۔" کریم نے اچانک ہی فیصلہ کیا تھا کہ اتنی معمولی سی بات کے لیے دس امریکی ڈالر ضائع کرنا مناسب نہیں لہٰذا اس نے فوراً دروازہ بند کر دیا اور نوٹ جیب میں رکھ کر مُسکراتا ہُوا نیلسن کی طرف پلٹا۔ "کیسی رہی؟" اس نے شاطرانہ انداز میں پوچھا۔

"تمہاری آخری حرکت کے سوا پوری کارکردگی بہترین رہی کریم۔" لیہہ نیلسن نے جواب دیا۔

اُدھر باہر ویٹر بھی بند دروازے کو گھُورتا ہُوا یہی سوچ رہا تھا۔ دس ڈالر کا مطلب تھا تقریباً دو سو فردوسی ڈالر۔ اس رقم سے وہ اپنے کئی کام نکال سکتا تھا۔

اندر کریم کے چہرے پر خوف کے تاثرات تھے کیونکہ لیہہ نیلسن نوٹ واپس مانگ رہا تھا۔

تب ہی دروازہ پھر کھُلا اور ویٹر کا تمتمایا ہُوا چہرہ نظر آیا۔ دروازہ کھُلتا ہی غضب ہو گیا۔ پٹ لیہہ نیلسن کے لگا۔ وہ ڈگمگاتا ہُوا اس بستر کی طرف ہو گیا۔ جس پر فہیم بیٹھا ہُوا تھا لیکن اس نے فوراً خود کو سنبھالا اور ویٹر کی طرف پلٹا جو اندر ایک تیسرے شخص کے ہاتھ میں پستول دیکھ کر ساکت ہو گیا تھا۔ ٹو میٹنگ سے گولی نکلی اور ویٹر کے حلق میں گھس گئی۔ نیلسن نے لپک کر دروازہ بند کر دیا۔ "اس کو بھی بیڈ کے نیچے چھپا دو۔" اُس نے غرا کر حکم دیا۔

"یہ تم نے زیادتی کی فہیم نے لیہہ نیلسن سے کہا۔

"بکو مت۔ اب ہمیں پھرتی سے کام کرنا ہو گا۔ کیونکہ چند منٹ بعد ہی ویٹر کی گمشدگی کا علم سب کو ہو جائے گا۔ اس کی جیکٹ اُتار لو۔"

کریم بٹن کھولنے لگا۔

"اور پتلون بھی۔" لیہہ نیلسن نے فہیم سے کہا۔ کچھ دیر بعد جب کام مکمل ہو گیا تو نیلسن نے پوچھا۔ "تم میں سے ویٹر کون بننا پسند کرے گا؟"

کریم نے فہیم کو دیکھا۔ ان کے نزدیک ویٹر بننا ایسا ہی تھا۔ جیسے تر نوالہ پر رقص کے لیے کہا جائے۔

"تم میں سے کسی ایک کو یہ ٹرالی کمرہ نمبر ۱۸۲۱ میں لے جانی ہے۔" لیہہ نیلسن نے کہا۔ اس کا لہجہ فیصلہ کُن تھا۔ "کون جائے گا، یہ فیصلہ تم خود ہی کر لو۔"

دونوں ایک دوسرے کو بھرنے لگے۔ لیکن اسی لمحے دروازے پر برتن گرنے کی آواز پھر سُنائی دی اور اس سے قبل کہ فہیم کچھ کہتا۔ لیہہ نیلسن نے خود ہی فیصلہ کر دیا۔ فہیم کی کنپٹی سے خون بہنے لگا۔ خون دیکھتے ہی کریم نے گھبرا کر جیکٹ پہن لی اور بھرپم پتلون چڑھانے لگا۔ "گڈ۔" لیہہ نیلسن نے ہنس کر کہا۔ "فہیم میں ویٹر بننے کی صلاحیت ہی نہیں تھی۔" پھر وہ فہیم کی لاش کو خود ہی بیڈ کے نیچے ڈالنے میں مصروف ہو گیا۔ نصف منٹ کے بعد اس نے پلٹ کر دیکھا۔ کریم ویٹر بن چکا تھا۔

"آؤ چلیں۔" لیہہ نے بڑی شفقت سے کہا۔ "ٹرالی سنبھال لو۔"

کمرہ نمبر ۱۸۲۱ اٹھارھویں منزل پر تھا اور اٹھارھویں منزل پر پہنچنے کے لیے انھوں نے خالی سروس لفٹ ہی استعمال کی۔ لفٹ کے رُکنے پر پہلے نیلسن باہر نکلا اور اس نے ارد گرد دیکھنے کے بعد کریم کو لفٹ سے نکلنے کا اشارہ کیا۔

اب صورتِ حال یہ تھی کہ نیلسن آگے آگے چل رہا تھا اور کریم اس سے تین قدم پیچھے بڑے احترام سے ٹرالی دھکیل رہا تھا لیکن دل ہی دل میں وہ نیلسن کو گالیاں بھی دے رہا تھا۔ اس نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ اس قاتل اور جلّاد صفت انسان پر کڑی نظر رکھے گا۔ اسے بے بات اور بے مقصد قتل کرنے والے اس انسان سے نفرت ہو گئی تھی۔

"اب تم آگے چلو۔ دروازے پر دستک دے کر رُوم سروس کہنا۔ دروازہ کھُلنے کے بعد باقی کام میں کر لوں گا۔" نیلسن نے اس کے قریب آ کر سرگوشی کی اور خود پیچھے ہو گیا۔ کریم سر ہلانے لگا۔

*

لیکن صرف چند فٹ دُور ایک دوسرا آدمی بھی اسی طرح سر ہلا رہا تھا۔

نیلسن، کریم اور اس آدمی کے درمیان محض ریلوے حائل تھی اور یہ اوشان تھا۔ اُس نے ایک بٹن دبا کر۔۔۔

دی سی آر چلایا۔ کنول کا اسکن بنا لیا اور آنکھیں بند ہونے دیں۔ اُسے یقین تھا کہ ٹائیگر لڑکی کی تلاش میں گیا ہے اور کوشش کر کے ہی دم لے گا۔

اس نے دستک سُنی لیکن دستک کا جواب نہیں دیا۔ اُسے علم تھا کہ اگر دروازے پر ٹائیگر ہوتا تو وہ دستک نہیں دیتا اور اگر دروازے پر ٹائیگر نہیں ہے تو اس کا مطلب یہ تھا کہ جو بھی ہے وہ ٹائیگر یا لڑکی کی تلاش میں آیا ہے لہٰذا دستک کا جواب دینے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔

"رُوم سروس جناب۔" ایک بار پھر دستک کے بعد آواز سنائی دی۔

اوشان سر ہلا کر سوچنے لگا کہ دستک دینے والا بار بار دستک دینے کے بعد بھُوک محسوس کرے گا اور ساتھ لانے والا کھانا خود کھا لے گا۔

اوشان اُونگھنے لگا۔

رازداری میں لیہہ نیلسن نے ڈور ناب پر ہاتھ رکھا۔ نور دروازہ کھُلتا چلا گیا۔

"اوہ۔ کوئی بھی نہیں ہے۔ ٹرالی اندر لے آؤ۔ ہم ان کا انتظار کریں گے۔"

"ٹرالی۔ وہ کیوں؟"

"اس لیے کہ ٹرالی ہماری اندر موجودگی کا جواز فراہم کر دے گی۔"

اندر اوشان نے دروازہ کھُلنے کے بعد لوگوں کی آوازیں سُنیں اور جونہی وہ اندر آئے وہ ان کی طرف پلٹ کر کھڑا ہو گیا۔

کریم کے لیے اس بوڑھے کے کھڑے ہونے کے انداز میں کوئی خاص بات نہ تھی لیکن لیہہ نیلسن کو اچانک ہی خوف سا محسوس ہونے لگا۔ اس کا ہاتھ آٹو میٹنگ والی جیب میں پہنچ گیا۔

"تم نے دستک کا جواب کیوں نہیں دیا بوڑھے؟" کریم نے پوچھا۔

"خاموش رہو۔" نیلسن نے کریم کو ڈانٹ دیا۔ "لڑکی کہاں ہے؟" یہ سوال اُس نے اوشان سے کیا تھا۔

"شاید سر کس میں شامل ہونے کے لیے چلی گئی۔" اوشان نے اپنی ہلکی سبز قمیض پر ہاتھ باندھتے ہوئے کہا۔ "کمروں کی تلاشی لو۔ بیڈ کے نیچے بھی دیکھنا۔" لیہہ نیلسن نے کریم کو ہدایت کی۔

کریم سامنے والے بیڈ رُوم کی طرف بڑھ گیا تو نیلسن نے اوشان کی طرف دیکھا۔ "ہم ایک دوسرے کو جانتے ہیں؟"

"ہاں۔ میں تمھیں جانتا ہوں لیکن میرا خیال ہے کہ تم مجھے نہیں جانتے۔" اوشان نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

"لیکن ہمارا تعلق یقیناً ایک ہی پیشے سے ہے۔"

"پیشہ نہیں جنت ساز نہیں ہوں۔" اوشان نے بُرا مانتے ہوئے جواب دیا۔

"میری مراد اس دُنیا کے سب سے مہذب پیشے سے ہے۔" نیلسن مسکرا کر بولا۔ "کیا تم بھی اس لڑکی کو قتل کرنے کے لیے یہاں موجود ہو؟"

"میں اس کی حفاظت کے لیے یہاں موجود ہوں۔" اوشان نے جواب دیا۔

"یہ بُرا ہُوا کیونکہ تم ہار جاؤ گے۔"

"سورج کے سائے میں شکست و کامرانی کا کھیل کھیلا جاتا رہا ہے۔"

"یہ بیڈ رُوم خالی ہے۔" کریم نے پہلے کمرے سے نکل کر دوسرے بیڈ رُوم کی طرف جاتے ہوئے بولا۔

"تمہارا آدمی بہت ذہین اور کارگر لگ رہا ہے۔" اوشان نے نیلسن سے کہا۔ "لیکن تمہارے نوعمر خاندان کو اس قسم کا خادم زیب نہیں دیتا۔"

"نیلسن خاندان نیا نہیں ہے۔ چھ صدی پُرانا ہے۔" لیہہ نیلسن کے چہرے پر ایک رنگ آ کر گزر گیا۔

"ہاں۔ بعض دوسرے خاندان بھی چھ صدی پُرانے ہیں لیکن ابھی تک کمال کی منزل کو نہیں پہنچے۔"

"تم کون ہو؟"

"ثابت ہُوا کہ تم اپنے خاندان میں سب سے چھوٹے ہو ورنہ تمہارا کوئی بزرگ ہوتا تو ماسٹر آف سناںجو سے یہ سوال نہ کرتا۔" اوشان نے اس بار تلخ لہجے میں کہا۔

"سناںجو؟ تم؟"

"ہاں۔" اوشان کے جواب پر نیلسن قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔ "تم سناںجو ہو! ٹھیک! لیکن تمہاری کم علمی میری سمجھ میں نہیں آئی کیا تمھیں یاد ہے کہ میرے خاندان نے تمہارے خاندان کے ساتھ کیا کیا تھا؟"

"تم واقعی سب سے چھوٹے ہو۔" اوشان نے

Scanned And Uploaded By Muhammad Mohsin

جواب دیا۔ "تم نے تاریخ سے کوئی سبق حاصل نہیں کیا۔"

"مجھے تاریخ نے اتنا ضرور بتایا ہے۔ کہ ہم نے جس فوج کی حمایت کی تھی۔ اس نے تمہاری حمایت یافتہ فوج کو شکست فاش دی تھی۔"

"ماسٹر آف سناٹجو پیدل فوج نہیں ہوتے لڑکے۔" اوشان نے بڑی تمکنت سے جواب دیا۔ "ہم نے وہاں جنگ جیتنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ مگر یہ بتاؤ کہ اس شخص کا کیا ہوا جس کو تمہارے خاندان نے تخت پر بٹھایا تھا۔"

"وہ مارا گیا۔"

"اور اس کا جانشیں؟"

"وہ بھی قتل ہو گیا۔"

"اور کیا تمہیں تمہاری تاریخ نے یہ بتایا ہے کہ پھر تخت پر کون بیٹھا؟"

"ہوں۔" لیہہ نیلسن نے شکست تسلیم کرلی۔ "وہی جسے ہم نے معزول کیا تھا۔"

"درست۔ مگر اس علم کے باوجود تم یہ کہتے ہو کہ تمہارے خاندان نے ہمیں شکست دے دی۔ تم صرف چھ صدی قبل کی پیداوار ہو۔ لونڈے ہو۔" یہ کہہ کر اوشان ہنسا۔ یہ قہقہہ عجیب سا تھا۔ کم از کم نیلسن کو ایسا لگا جیسے کئی بلغمیں لڑ رہی ہوں۔

لیہہ نیلسن اندر ہی اندر تلملا کر رہ گیا۔

"تو جب ہم نے وہ علاقہ چھوڑا تو ہم نے جسے تخت پر بٹھایا تھا۔ وہ حکمرانی کر رہا تھا۔ نیلسن لڑکے۔ فخر کرنا اچھی بات ہے لیکن لن ترانیاں۔ نہیں۔ یہاں لن ترانیوں کی گنجائش نہیں ہے۔"

نیلسن نے مسکراتے ہوئے آٹو میٹک نکال لیا۔

"پورا سوئٹ خالی ہے۔ صرف بلغموں کی آواز آئی تھی لیکن نظر نہیں آئیں۔" کریم ایک کمرے سے نمودار ہوتا ہوا بولا۔

"ٹھیک ہے۔" نیلسن نے اوشان پر سے نظریں ہٹائے بغیر کہا۔ "بوڑھے آدمی! اب بیٹھ کر یہ بتاؤ کہ تم مجھ سے کس طرح واقف ہو؟"

"لیہوان سناٹجو ان لوگوں کو کبھی فراموش نہیں کرتا جن سے اس کی جنگ ہو چکی ہو۔ ہر ماسٹر کو درجنوں میں جو معلومات ملتی ہیں۔ ان میں ایسے خاندانوں اور افراد کو معلومات بھی ہوتی ہیں۔ مثال کے طور پر تمہارے خاندان کے لیے یہ بتایا گیا تھا کہ تم لوگ حملہ کرنے سے قبل بار بار اپنی آنکھیں جھپکاتے ہو اور اسلحہ نکالنے سے قبل کھنکار کر حلق صاف کرتے ہو۔"

"ان معلومات کا کیا فائدہ؟" نیلسن نے اٹھارہ فٹ دور سے اوشان کے سینے کا نشانہ لیتے ہوئے کہا۔

"ان سے دشمن کی کمزوریوں کا پتا چل جاتا ہے۔" اوشان نے جواب دیا۔ کریم حیرت سے یہ گفتگو سننے لگا۔ اس کی گردن اس طرح دائیں بائیں ہل رہی تھی۔ جیسے وہ کوئی میچ دیکھ رہا ہو۔

"اپنی مثال لو۔" اوشان نے پھر کہا۔ "اس وقت تم کوشش کر رہے ہو کہ لبلبی دبانے سے قبل تمہاری پلکیں ساکت رہیں۔ تمہاری یہی کمزوری تمہیں تباہ کر ڈالے گی۔"

"تمہیں اپنے اوپر بہت اعتماد ہے۔ بوڑھے آدمی۔" یہ کہتے ہوئے نیلسن مسکرا بھی دیا۔ "لیکن کیا ایسا اعتماد تمہیں تباہ نہ کر ڈالے گا؟"

"نہیں۔" اوشان بالکل سیدھا ہو گیا۔ "میں عام آدمی نہیں۔ میرا تعلق سناٹجو خاندان سے ہے۔ نیلسن خاندان سے نہیں لڑکے۔"

لیہہ نیلسن کے چہرے کی رنگت فق ہو گئی۔ اس بوڑھے سے اسے ایک نامعلوم سا خوف آنے لگا تھا۔

"تم نے اپنی موت کو خود دعوت دے دی ہے بوڑھے۔" لبلبی پر اس کی انگلی پہنچ گئی۔ اس نے اوشان کو گھور کر دیکھا۔ جو ابھی تک ساکت کھڑا تھا۔ معاً ہی نیلسن کو اپنی آنکھوں پر قابو رکھنے کی فکر لاحق ہو گئی۔ اس نے دانت پر دانت جما کر فائر کر دیا۔



نیلسن کو فائر کرتے ہی احساس ہو گیا کہ اس کی پلکیں کئی بار جھپکی ہیں۔ اس نے آنکھیں سختی سے بند کر لیں اور یہ دیکھنے کی کوشش نہ کی کہ گولی ضائع ہو گئی ہے۔ اُسے بلاسٹر اُگلنے کی آواز آئی تھی۔ اچانک ہی اس نے اپنے معدے میں شدید چبھن محسوس کی اور اُسے ایسا لگا جیسے وہ مرنے والا ہو۔

... لیکن مرنے سے قبل نیلسن نے آخری بار آنکھیں کھولیں۔ "تم خوش قسمت ہو، بوڑھے! لیکن مجھے کوئی فکر نہیں۔ میرا انتقام لینے کے لیے کوئی اور ضرور آئے گا اور وہ مجھ سے بہتر ہو گا۔"

"میں اس کا بہت احترام سے استقبال کروں گا۔" اوشان نے جواب دیا... اور اس فانی دنیا میں، کسی فانی انسان کے یہ آخری الفاظ تھے جو لیہہ نیلسن نے سنے تھے۔ کریم مارے خوف کے سر پر پیر رکھ کر بھاگا۔ ... بھاگتا ہی چلا گیا۔

ٹائیگر کو اس بات پر تشویش تھی کہ سارہ کا کوئی پتا نہ تھا اور نہ ہی کسی نے اُسے دیکھا تھا اور اب خود ٹائیگر پریشان تھا کہ وہ سارہ کو کہاں تلاش کرے؟

سارہ کے اس طرح لاپتا ہونے پر اُسے غصہ بھی آ رہا تھا۔ لیکن اس میں عبدالکریم کا بہرحال کوئی دخل نہ تھا۔ بس یہ اُس کی بدقسمتی ہی تھی کہ اُس کا غصے میں بھرے ہوئے ٹائیگر سے آمنا سامنا ہو گیا تھا۔

اٹھارہویں منزل پر لفٹ رُکی اور دروازہ کھلا تو ٹائیگر غوار ہُوا لیکن اسی لمحے عبدالکریم بھی دیوانہ وار دوڑتا ہُوا لفٹ کی طرف لپک رہا تھا۔ "کیا ہُوا؟ کیا بات ہے؟ اتنی عجلت میں کیوں ہو؟" ٹائیگر نے اُس سے پوچھا۔

"ہٹو، ہٹ جاؤ۔" عبدالکریم نے بڑے غصے سے کہا۔ "ہٹو... سامنے سے۔" کریم دیر سے لفٹ کے انتظار میں ایک جگر مُرغابی بھنچا۔ کھڑا تھا اور اب جب لفٹ آگئی تھی تو یہ نوجوان اس کی راہ روک رہا تھا۔ اس نے ٹائیگر کو ہٹانے کے لیے دھکا دینے کی کوشش کی۔ یہ اس نے غلطی کی تھی۔ ٹائیگر نے غصے میں بپھر کر لفٹ کا دروازہ ایک ہاتھ سے پکڑ لیا۔ کریم نے زور لگایا لیکن اُسے ایسا لگا جیسے وہ بینک پلازہ کی ستر منزلہ عمارت کو اُس کی بنیاد سے اُکھاڑنے کی کوشش کر رہا ہو۔

"میں نے پوچھا ہے کہ تمہیں اتنی جلدی کیوں ہے؟"

"میں بھاگ رہا ہوں۔" کریم تقریباً روتے ہوئے بولا۔ "ایک جاپانی بڈھا، ہم سب کو قتل کرنے کے درپے ہے۔ تم بھی محتاط رہو ورنہ مارے جاؤ گے۔ میں پولیس سے بڈھے کی شکایت کرنے جا رہا ہوں۔"

"کیوں...؟" ٹائیگر واقعی محتاط ہو گیا۔ اُسے خدشہ تھا کہ کہیں کسی نے اوشان اور قی۔ وی کے درمیان آنے کی کوشش تو نہیں کی۔

"وہ ایک آدمی کو مار چکا ہے۔" کریم نے کانپتے ہوئے کہا۔ شاید قتل کا منظر پھر سے اُس کی آنکھوں کے سامنے آ گیا تھا۔ "میرے خدا... وہ کمرے کے وسط میں تھا۔ پھر وہ بجلی کی طرح لپکا۔ نظر بھی نہیں آیا اور اُس کا پستر کسی جادوئی چھڑی کی طرح دوسرے آدمی کے لگا اور وہ آدمی گر کر مر گیا... نہیں، یہ غلط ہے، وہ گرنے سے قبل ہی مر گیا ہے میرے خدا! آج تو کئی آدمی مرتے ہوئے دیکھے ہیں۔ اب تو پولیس کو بتانا ہی پڑے گا۔"

عبدالکریم کی حالت دیکھ کر ٹائیگر کو یہ اندازہ لگانے میں دشواری نہیں ہوئی کہ یہ خوف زدہ شخص محض پولیس پر اکتفا نہیں کرے گا بلکہ ہر اس شخص کو خبردار کرنا چاہے گا جو اُسے نظر آئے گا اور اگر اُس کی خواہش کے مطابق اُس کی حفاظت کے لیے جنگی وردیوں میں ملبوس فوج بھی موجود سنبھال لے تب بھی اُسے اطمینان نہیں ہو گا۔ ٹائیگر آج کسی قسم کی پیچیدگیاں نہیں چاہتا تھا لیکن اُسے یہ بھی یقین تھا کہ عبدالکریم پیچیدگیاں پیدا کر کے ہی رہے گا۔

"ٹھیک ہے، تم جا کر پولیس کو مطلع کرو۔" ٹائیگر نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ بجز اس کے کریم لفٹ کا بٹن دبانے کے۔ لمبے پلنڈ ٹائیگر نے سیدھے ہاتھ کی انگلی اُس کی گدی پر چبھونے والے انداز میں ماری اور اس سے قبل کہ کریم لفٹ کے فرش پر گرتا، ٹائیگر نے لفٹ کے کنٹرول سسٹم کے تار اُدھیڑ دیے۔ اب لفٹ میں صرف کشش ثقل کا اصول کارآمد رہ گیا۔ ٹائیگر فوراً ہی لفٹ سے نکل گیا۔ اُس نے باہر والے بٹن کو کھولا اور دو تار جوڑ دیے۔ لفٹ از خود چلنے لگی اور پھر کشش ثقل کے اُصول نے کام شروع کر دیا۔ ٹائیگر لفٹ کے کھلے دروازے سے پیچھا کھنچنے لگا۔ کیبن بہت تیزی سے نیچے تہ خانے میں گرتا چلا جا رہا تھا پھر چند ہی لمحوں بعد اُس نے لفٹ کے فرش سے ٹکرانے کی آواز سنی... تو وہ مطمئن انداز میں سر ہلانے لگا۔ وہ بچے سے گرد اور دھوئیں کے بادل اُٹھتے دیکھ کر کھلے دروازے سے ہٹ گیا۔ اب وہ خود کو بہت بہتر محسوس کر رہا تھا۔ وہ اتنے اچھے موڈ میں تھا کہ اُس نے اوشان کی یہ شکایت بھی نظر انداز کر دی کہ ایک نوزائیدہ خاندان کا سب سے چھوٹا بچہ، عظیم اور قدیم سناٹجو کے عظیم ترین ماسٹر کو للکارنے کے لیے آیا اور ٹائیگر نے کچھ بھی نہ کہا۔ اوشان یہ شکایتیں کرتا رہا... اور ٹائیگر خاموشی سے لیہہ نیلسن کی لاش ایک الماری میں محفوظ کرنے میں مصروف رہا۔

*

جمی نے وہ بٹن دبایا جو ریکارڈ شدہ میوزک شروع کر دیتا تھا پھر اُس نے انجینئر کے اشارے کا انتظار کیا، جب انجینئر نے یہ اشارہ کر دیا کہ اب وہ آف دی ائر ہیں اور یہ کہ مائیکروفون بند ہیں تو جمی کھڑا

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ہوگیا۔ اُس نے اُن پچیس لڑکیوں کی طرف ہاتھ ہلایا جو اُس کے پیچھے سے اسٹوڈیو میں ساؤنڈ پروف گلاس پارٹیشن کی دوسری جانب کھڑی ہُوئی بے چینی سے اُسی کی طرف دیکھے جا رہی تھیں۔ جمی نے بڑی احتیاط سے اپنے سر پر ہاتھ پھیرا۔ احتیاط اس لیے ضروری تھی کہ اُس کی قیمتی وِگ خراب نہ ہو جائے... پھر اُس نے انگوٹھا لی اور لڑکیاں... تالیاں بجانے لگیں۔

جمی نے شیشے کی دیوار کی طرف قدم اُٹھائے۔ وہ ہر اعتبار سے عجیب الخلقت شخص تھا۔ سر بڑا، گردن چھوٹی اور بالائی جسم، نچلے دھڑ کے مقابلے میں بہت دُبلا تھا۔ اُس نے اُونچی ہیڑی کے جُوتے پہن رکھے تھے۔ لڑکیاں بھی بے چین ہوگئیں اور اُنھوں نے اپنے اپنے چہرے شیشے کی دیوار سے چپکا دیے۔ اُن میں سے بیشتر بلوغت کی منزل تک بھی نہیں پہنچی تھیں۔ جمی نے مُسکراتے ہُوئے اپنا سیاہ شیشوں کا چشمہ آنکھوں سے ہٹا کر ناک کی نوک پر رکھ لیا۔

"بُوڑھے جمی سے کون بات کرنا پسند کرے گا؟" اُس نے اپنا چہرہ شیشے سے لگا کر پوچھا... اور پھر اُس نے تقریباً تمام لڑکیوں کو خوشی سے چلّاتے ہُوئے دیکھا۔ ہر لڑکی اُس سے بات کرنے کی خواہش مند تھی۔ "نہیں..." جمی دھیرے سے بولا۔ آج وہ یہ دعویٰ نہیں کر سکتا تھا کہ آنے والی ہر لڑکی اُس سے ملنے کی خواہش مند ہے کیونکہ ایک لڑکی الگ تھلگ تھی اور اُس کے چہرے سے بیزاری صاف ظاہر تھی... اُس نے دُبلی پتلی لڑکی کو غور سے دیکھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے لڑکی نے جماہی لی۔ صاف ظاہر تھا کہ وہ نشے میں ہے۔ اُس کے بال سُرخ تھے اور وہ شاید ہائیڈروجن پر آکسائڈ استعمال کرتی تھی۔

جمی نے فوراً فیصلہ کیا۔ اُس نے لڑکیوں کے عقب میں کھڑی مُلازمہ کی طرف اشارہ کیا اور پھر پلٹ گیا۔ اب وہ اسٹوڈیو سے نکل کر اپنے ڈریسنگ رُوم کی طرف جا رہا تھا۔

لڑکیاں چیخنے لگیں۔

"یہ اپنے آپ کو سمجھتا کیا ہے؟" ایک لڑکی نے جھلّا کر کہا۔ "کچھ کہے سُنے بغیر چلا گیا!"

"لیکن وہ ہمیں دیکھ کر مُسکرایا تو تھا۔"

"ہاں... شاید واپس آجائے۔" تیسری لڑکی نے اُمید کا اظہار کیا اور پھر مُلازمہ آگئی۔

"جمی، تم سے ملنا چاہتا ہے۔" مُلازمہ نے سُرخ بالوں والی لڑکی سے کہا۔

"کیا...؟" لڑکی نے پلٹ کر مُلازمہ کو دیکھا۔ لڑکی کی آنکھیں کسی ایک جگہ نہیں ٹک رہی تھیں۔ "کیا وہ میگوٹ سے واقعی واقف ہے؟ وہ بمشکل بول رہی تھی اور سُننے والوں کو ایسا لگ رہا تھا... جیسے اُس کی زبان دانتوں میں بار بار پھنس رہی ہو۔

"جمی وی رنگ ہر ایک سے واقف ہے۔ وہ سب اُس کے دوست ہیں۔" مُلازمہ نے جواب دیا۔

"گڈ..." لڑکی نے کہا۔ وہ سارہ کے سوا اور کوئی نہ تھی۔ "جو مجھے میگوٹ سے ملوائے۔"

"پہلے جمی سے تو مل لو۔" مُلازمہ دوسری لڑکیوں کو آنکھ مار کر بولی اور لڑکیاں مارے حسد کے گُنگ ہو کر رہ گئیں۔

"چلو... چلو... پہلے وہی سہی۔" سارہ بے چین سی ہوگئی تھی۔ دوسری لڑکیوں کو یقین ہوگیا تھا کہ جمی آج بے ذوق... آدمی ثابت ہُوا ہے لہٰذا وہ اُس پر لعنت ملامت کرتی ہُوئی باری باری اسٹوڈیو سے نکل گئیں اور مُلازمہ سارہ کو ڈریسنگ رُوم کی طرف لے چلی۔

☆

"دروازہ بند کر دو، سوشی۔" جمی نے سارہ سے کہا جو کمرے میں داخل ہونے کے بعد خالی خالی نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھے جا رہی تھی۔ سارہ نے دروازہ اندر سے بند کر دیا۔

"تم بُوڑھے جمی کی شائق ہو نا؟" جمی نے پوچھا۔

"کیا تم میگوٹ سے واقف ہو؟"

"میگوٹ؟... کیوں نہیں... وہ میرا انتہائی عزیز دوست ہے۔ وہ تو اُفق موسیقی پر دمکتا ہُوا ستارہ ہے۔ ابھی پچھلے روز ہی وہ مجھ سے کہہ رہا تھا کہ..."

"وہ کہاں ہے؟" سارہ نے پوچھا۔

"شہر میں۔" جمی نے جواب دیا۔ "لیکن تمہیں اُس کے بارے میں اتنا تردّد کیوں ہے؟ آؤ، ہم ایک دوسرے کے بارے میں باتیں کریں۔"

"میں اُس کے ساتھ رہنا چاہتی ہُوں۔"

"اُس تک پہنچنے کا راستہ مجھ سے ہو کر گزرتا ہے، ڈارلنگ..." جمی نے مُسکرا کر جواب دیا۔

پھر وہ اُس سے اپنی زندگی، مایوسیوں، خوشیوں اور محرومیوں کے بارے میں باتیں کرنے لگا۔ اس سے قبل کہ اُسے یہ علم ہوتا کہ سارہ سو گئی ہے، ٹیلی فون کی گھنٹی بج اُٹھی۔ اس نے ریسیور اُٹھایا تو دوسری طرف ہیسٹی ڈیپارٹمنٹ کا فسانہ موجود تھا۔ اُس نے بتایا کہ جمی کو آج میگوٹ کے ہوٹل میں اُس سے ملنا ہے اور اپنی طرف سے گولڈ ڈسک پیش کرنی ہے۔ کیونکہ میگوٹ کے تازہ ترین وڈیو نے فروخت کے تمام ریکارڈ توڑ دیے ہیں۔

"کیا میگوٹ نے ہاں کر دی ہے؟" جمی نے پوچھا۔

"ہاں..."

"میں اُس کے ساتھ رقص کرنا چاہتی ہُوں۔" سارہ، میگوٹ کا ہم مُلک ہونے کی نیم بیدار ہوگئی۔

"ٹھیک ہے۔" جمی نے جواب دیا۔ "کب اور کہاں؟" اُس نے پوچھا اور پھر ملنے والا جواب دُہرایا۔ "اچھا، ہوٹل شارلٹن۔ ساڑھے پانچ بجے... میں سمجھ گیا۔" یہ کہہ کر اُس نے ریسیور رکھ دیا پھر سارہ کی طرف دیکھا لیکن گھنٹی دوبارہ بج اُٹھی۔ اس بار اُسے یقین تھا کہ فون کس کا ہوگا۔ اُس نے ایک گہری سانس لی اور بیڈ پر بیٹھ گیا۔ "ہیلو فرید! میں سمجھتا ہُوں۔" اُس نے کہا اور آہستہ سے ہنسا تاکہ کشیدہ صورتِ حال بہتر ہو سکے۔ اُس نے سارہ کی طرف ہاتھ بڑھایا مگر وہ بستر سے نکل گئی...

"نہیں فرید، تم نے بہت غلط وقت پر فون کیا ہے۔ میں سُرخ بالوں والی ایک حسینہ کے ساتھ تھا۔ سارہ نام ہے اُس کا... اچھا، نہیں بھئی! میں پوچھتا ہُوں۔" یہ کہہ کر وہ سارہ کی طرف دیکھنے لگا۔ "تمہارا پُورا نام کیا ہے، سارہ؟"

"احمد..."

"کیا...؟"

"میں میگوٹ کے ساتھ رقص کرنا چاہتی ہُوں۔" یہ کہہ کر وہ کمرے سے نکل گئی۔

"پتا نہیں، وہ کیا کہہ رہی تھی۔" جمی نے فرید کو جواب دیا۔ "امریکا ایسا ہی کوئی نام لیا تھا... کیا، احمد؟... ہاں، ممکن ہے اُس نے یہی کہا ہو۔" اور پھر وہ حیرت سے سنسنا رہا کہ ابھی چند لمحے قبل تک اُس کے کمرے میں کون موجود تھا... یہ کہ سارہ کتنی قیمتی چیز رہا ہے۔ پھر اچانک ہی وہ کمرے سے نکل کر سارہ کی تلاش میں بھاگا۔ راستے میں چند لڑکیاں اُس سے ٹکرا گئیں۔ اُنھوں نے جمی کا راستہ روک لیا۔

اس وقت تک سارہ سڑک پر آچکی تھی۔ نجانے کیوں اور کس طرح اُسے یقین ہوگیا تھا کہ میگوٹ، شارلٹن میں موجود ہوگا... یہ نام اُس نے ابھی کہیں سُنا تھا۔ وہ اگرچہ ابھی تک گول کے نشے میں تھی لیکن اس کے بہکتے ہُوئے قدم اُسی راستے پر گامزن رہے جس کے خاتمے پر ہوٹل شارلٹن تھا۔

اُدھر اسٹوڈیو میں، جمی واپس کمرے میں آیا اور اُس نے آپریٹر کو ایک نمبر دیا۔ "میگوٹ سے فوراً بات کراؤ۔"

☆

حشمت نے فیصلے انداز میں ریسیور رکھ دیا۔ غصّے کی یہ لہر اُسے اپنی رُوح کے اندر تک اُترتی محسوس ہو رہی تھی۔ ایک جایت بار بار اُس کے کانوں میں گُونج رہی تھی۔

"اگر تمہیں سُرخ بالوں والی کوئی لڑکی نظر آجائے تو اُسے اُٹھا لینا۔ اس کا نام سارہ ہے اور وہ بڑی اہمیت کی مالک ہے۔"

حشمت نے بروکیڈ کے گاؤن کی آستین پر اُنگلی پھیری اور پھر بالوں پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ پھر وہ اپنے آٹھ کمروں والے سوئٹ کے ڈرائنگ رُوم میں چلا آیا۔ وہاں حال اسٹریٹ جرنل کا اسٹاک ایکسچینج صفحہ کھلا ہُوا تھا۔ حشمت اُسی پر جُھک گیا پھر اُس نے اعداد و شمار دیکھ کر طمانیت بھرے انداز میں سر ہلایا۔ میگوٹ ہونے کا یہ بڑا فائدہ تھا لیکن دوسری طرف میگوٹ ہونے کا بڑا دُکھ بھی بہت شدید ہوتا تھا اور سب سے بڑی خامی یہ تھی کہ وہ میگوٹ بن جانے کے بعد اپنی اصل شناخت بھلا دیتا تھا۔ اب تو اُسے اپنا اصلی نام بھی یاد نہ رہا تھا۔ ماہر نفسیات نے اُس سے کہا تھا کہ یہ کوئی مرض نہیں۔ دو قسم کی زندگیاں گزارنے والے افراد ہاتھوم اپنی شناخت کی اُلجھن میں مُبتلا ہو جاتے ہیں۔ میگوٹ کو اُس کی اس بات پر یقین کرنا ہی پڑا کیونکہ اُسے یہ احساس تھا کہ اگر اُس سے کوئی واقعی محبت کرتا ہے تو وہ یہی ماہر نفسیات ہے۔

ماہر نفسیات کو میگوٹ سے اس لیے اُنسیت نہ تھی کہ وہ بڑا گلوکار تھا یا یہ کہ ہفتہ بھر سات ماتوں تک عجیب و غریب کپڑے پہن کر اور اصل شخصیت چھپا لینے والا میک اپ کر کے عوام میں میگوٹ بن کر آتا تھا اور ہاتھوں میں بجری کی تازہ کٹی ہُوئی رانیں لے کر جن سے خون بہہ رہا ہوتا تھا، ٹرینمیٹ وائس شو کی قیادت کرتا تھا، ماہر نفسیات ایک نفسیاتی کیس سمجھ کر اُس سے ہمدردی رکھتا تھا۔

میگوٹ نے سفید کاٹن کے مستانے پہن کر ایک بار پھر حصص کی قیمتیں دیکھیں اور پھر ہرے رنگ کے قلم سے پیڈ پر کچھ لکھنے لگا۔

اُس نے کئی سال قبل اپنے ساتھی کے ساتھ جس کا نام ٹرینمیٹ وائس ہی پڑ گیا تھا، اسٹیج پر ایک دوگانا گا کر کیریئر کا آغاز کیا تھا اور اُنھیں کے فوراً بعد ایک ریکارڈنگ کمپنی نے اُن سے معاہدہ کر لیا تھا۔ اُس کے بعد تو شہرت، خوش قسمتی اور دولت اُن کی لونڈی بن گئیں... اگرچہ میگوٹ کو اپنی اصلی شناخت سے زیادہ محبت تھی لیکن المیہ یہ تھا کہ اس ملک کے باشندے فردوسی نام سے گانے والے پوپ ڈسکو اور راک فنکاروں کو پسند نہیں کرتے تھے، لہٰذا اُنھوں نے اپنے نام بدل لیے۔

شہرت کے ساتھ ساتھ اُنھیں جو سرمایہ ملا، میگوٹ نے اُس کا بہترین استعمال کیا۔ اُس نے یہ سرمایہ معدنیات وغیرہ میں لگایا لیکن کسی بھی ایسی صنعت میں سرمایہ کاری نہیں کی جس میں اُس کے والد کے بھی شیئر تھے۔ اصل بات تو یہ تھی کہ وہ اپنے والد کے خلاف تھا اور اُس نے کئی بار سینیٹ کمیٹی کو یہ خطوط لکھے تھے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کہ اُس کیپیلیشن اللائنس ختم ہونا چاہیے اور دُنیا جانتی تھی کہ اُس کے والد کی پُرشکوہ عمارت کی بنیاد یہی اللائنس ہے۔

اس کام سے فارغ ہو کر میگوٹ 'ریفریجریٹر' تک گیا جو کمرے کے کونے میں رکھا ہُوا تھا۔ اُس نے ایک صاف طشتری لی اور پھر ریفریجریٹر کھول کر اس سے چھ بوتلیں نکالیں جن میں گولیاں بھری ہُوئی تھیں۔ اب وہ گولیاں گن گن کر طشتری میں رکھ رہا تھا۔

اُن میں چھ گولیاں 'ڈائمن' ای' کی تھیں' آٹھ 'ڈائمن' سی' کی' دو ملٹی ڈائمن کی اور بی۔ ۱۲ کے چار کیپسول تھے۔

میگوٹ نے بوتلوں کو اچھی طرح بند کر کے واپس ریفریجریٹر میں رکھ دیا۔ اُس کے بعد اُس نے دستانے اُتار دیے تاکہ گولیاں کھاتے وقت سوت کا کوئی ٹکڑا مُنہ میں نہ چلا جائے۔ اُس نے یکے بعد دیگرے تمام گولیاں نگل لیں اور اُن کو حلق سے اُتارنے کے لیے ایک گھونٹ پانی بھی نہ پیا۔

اُس کا قد پانچ فٹ گیارہ انچ تھا۔ ۱۵۵ پونڈ وزنی شخص یہی کوشش کرتا تھا کہ اُس کی نبض کی رفتار اٹھاون' فی منٹ رہے۔ وہ نہ تو سگریٹ پیتا تھا' نہ ہی شراب۔ جمعہ کی نماز پڑھنا اُس کو پسند تھا کیونکہ یہ واحد موقع ہوتا تھا جب وہ اپنے اصلی حُلیے' عام لباس اور عام انداز میں سڑک پر نکلتا تھا اور اصلی حُلیے میں کوئی بھی اُسے میگوٹ نہیں سمجھتا تھا۔

گولیاں نگلنے کے بعد وہ بیرونی کمرے کی سمت بڑھ گیا جہاں اُس کے باقی تین ساتھی شلید تاش کھیل رہے تھے لیکن اُسی لمحے دروازے کی گھنٹی بج اُٹھی۔ اُس نے اِدھر اُدھر نظریں دوڑائیں مگر اُسے کوئی خادم نظر نہیں آیا۔ مجبوراً اُس نے دستانے پھر پہن لیے... اور دروازہ کھول دیا۔

باہر سُرخ بالوں والی ایک لڑکی خوابیدہ نظروں سے فکر کر اُسے دیکھے جا رہی تھی۔ "تم... تم... میگوٹ ہو نا؟" لڑکی کی آواز میں بھی نشہ تھا۔

"ہاں' لیکن مجھے چھُونا مت۔" میگوٹ نے گھبرا کر جواب دیا۔

"میں چھونا بھی نہیں چاہتی۔" سارہ نے سرگوشی میں کہا۔ "آؤ' رقص کریں۔" یہ کہتے ہی وہ فرش پر ڈھیر ہو گئی۔ میگوٹ بمشکل ایک طرف ہٹا اور پھر چلا چلا کر لائس کو پکارنے لگا۔

"جلدی آؤ... ایک اجنبی عورت آئی ہے... جلدی آؤ۔" یہ کہہ کر وہ تیزی سے ریفریجریٹر کی طرف لپکا جہاں کیشیم کی وہ گولیاں رکھی ہُوئی تھیں جو اُس کے اعصاب کو سکون فراہم کر سکتی تھیں۔

لینڈ روور رات بھر دوڑتی رہی۔ پٹرول کی دوسری ٹنکی میں موجود پٹرول بھی وہ استعمال کر چکا تھا اور اب جبکہ لینڈ روور ایک پہاڑ پر پہنچی تھی تو اب ہی اُسے احساس ہُوا تھا کہ وہ کتنا تھک چُکا ہے۔

لیہہ نیلسن نے بڑی کوشش کر کے گنر نیلسن کو اس پروجیکٹ میں دلچسپی لینے پر آمادہ کر لیا تھا اور اب تو گنر نیلسن ہر قیمت پر اس کھلے معاہدے کی تکمیل چاہتا تھا جس کے مکمل ہونے پر دس لاکھ ڈالر ملنے والے تھے۔ اُسے یقین تھا کہ وہ اس رقم سے ایک عالیشان اسپتال قائم کر سکتا ہے اور اس اسپتال کو دواؤں اور بہترین آلات سے لیس بھی کر سکتا ہے۔

گنر کو احساس تھا کہ اُس کی نسل ختم ہو رہی ہے۔ وہ چاہتا تھا کہ نیلسن نسل ختم ہونے سے قبل وہ ایسا کوئی بڑا کام کر جائے کہ لوگ نیلسن کا نام احترام سے لیتے رہیں۔

گنر کا رُخ اُس وقت تین میل دُور ایک گاؤں کی طرف تھا جہاں پانی کا ایک چشمہ آبادی کی بنیاد بنا تھا۔ اس گاؤں میں مقیم برٹش فیلڈ آفیسر کے پاس ٹیلی فون کی سہولت بھی تھی۔ گنر کو یقین تھا کہ لیہہ نیلسن کا پیغام فیلڈ آفیسر کے پاس اُس کا منتظر ہو گا۔

فیلڈ لیفٹیننٹ بارنس گھر ہی پر تھا۔ وہ بُوڑھے گنر کو دیکھ کر بہت خوش ہُوا تھا۔

"نہیں' آپ کے لیے کوئی پیغام نہیں آیا۔" ڈاکٹر" لیفٹیننٹ بارنس نے کچھ دیر کی رسمی گفتگو کے بعد گنر کے پوچھنے پر بتایا۔ "کیا کوئی خاص پیغام آنا تھا؟"

"ہاں' لیہہ آج کل چھٹیوں پر گیا ہُوا ہے' اُس کے بارے میں کسی اطلاع کے آنے کی توقع تھی۔"

"آپ خود فون کیوں نہیں کر لیتے' ڈاکٹر؟ پلیز' تکلف نہ کریں۔ میں ذرا باہر معائنے کے لیے جا رہا ہُوں' آپ فون کریں۔ واپسی پر آپ کے ساتھ شطرنج کی بازی رہے گی۔"

بارنس کے چلے جانے کے بعد بھی گنر نیلسن دیر تک ساکت بیٹھا سوچتا رہا۔ اُس کی نظریں ٹیلی فون پر اس طرح تھیں جیسے اُسے کسی بھی لمحے گھنٹی بجنے کی توقع ہو۔ وہ سوچنا بھی نہیں چاہتا تھا کہ لیہہ نیلسن کو ناکامی ہُوئی ہو گی۔ 'وہ چھوٹا سہی مگر نیلسن ہے اور کوئی نیلسن' آج تک ناکام نہیں ہُوا!' گنر یہی سوچ رہا تھا۔

نصف گھنٹے بعد مجبُور ہو کر اُس نے دو نمبر ملانے کی بدترجہد شروع کر دی جو لیہہ نے بتائے تھے۔

"ہمیں سوئٹزر لینڈ میں آپ کا نمبر مل گیا ہے' جناب!" چند

لمحوں بعد آپریٹر کی آواز سُنائی دی۔

"تھینک یو۔"

"بات کریں۔"

"ہیلو۔" اس بار دوسری طرف سے کسی مرد کی آواز آئی۔

"میں اس معاہدے کے سلسلے میں بات کرنا چاہتا ہُوں جو ایک خاص مشن کی تکمیل پر سر شٹر نیلسن کو ملنے والا ہے۔" گنر نے کہا۔

اس کے اس دو ٹوک انداز پر دوسری طرف ایک لمحے تک خاموشی چھائی رہی اور پھر پوچھنے والے نے پوچھا۔

"آپ کون ہیں؟"

"گنر نیلسن... لیہہ کا بڑا بھائی۔"

"اوہ... ڈاکٹر نیلسن! مجھے افسوس ہے کہ اس کنٹریکٹ کے سلسلے میں کوئی ادائیگی نہیں ہو سکتی۔"

"وہ کیوں؟" گنر کے چہرے پر کئی رنگ آ کر گزر گئے۔

"اس لیے کہ کنٹریکٹ کی تکمیل ہی نہیں ہُوئی۔ اگرچہ اُس سے میری کوئی بات نہیں ہُوئی لیکن میں نے سُنا ہے کہ آپ کا بھائی بے وقت اس دُنیا سے رُخصت ہو گیا ہے۔"

گنر نے آنکھیں بند کر لیں لیکن فوراً ہی کھول بھی دیں۔ "میں سمجھ گیا کیا تمہارے پاس مزید تفصیلات ہیں؟"

"جی ہاں... لیکن ٹیلی فون پر ایسی گفتگو مناسب نہیں ہو گی' ڈاکٹر!"

"یقیناً' میں سمجھتا ہُوں۔" گنر نیلسن نے جواب دیا۔ "میں چند روز میں بات کروں گا لیکن میری ایک درخواست ہے کہ کنٹریکٹ کلوز نہ کیجیں' میں اس کی تکمیل کروں گا۔"

"کیا یہ آپ کی خواہش ہے؟"

"کلوز دی کنٹریکٹ۔" ڈاکٹر نیلسن نے سخت لہجے میں جواب دے کر ریسیور رکھ دیا۔ اُس کے بوڑھے اور جھرّیوں بھرے ہاتھ ریسیور پر جمے رہے۔ کچھ سوچ کر اُس نے ریسیور پھر اُٹھا لیا اور اچانک ہی اُسے لگا جیسے اُس کے ہاتھ میں ریسیور نہیں زہریلا کوبرا ہو۔ وہ کئی لمحے تک ریسیور کو رہوا ہو سمجھتے رہے۔ [illegible] سوچتا رہا کہ اگر لیہہ کے بیٹے ہوتے تو وہ اپنے [illegible] قاتل سے بھرپور انتقام لیتے۔

"تو اب باقی کیا رہ گیا ہے؟" گنر نیلسن نے سوچا پھر اُس نے ریسیور کندھے سے بلند کیا۔ اُس کی آنکھیں اسی لمحے جھپکیں اور وہ سوچنے لگا کہ پُرانی عادتیں کتنی ڈھیٹ ہوتی ہیں۔ اچانک اُس کے چہرے پر مغموم مسکراہٹ چھا گئی۔ "انتقام کے لیے ضروری نہیں کہ لیہہ نیلسن کی اولاد ہو تی۔"

*

"ہاں' لڑکی تو گم ہو گئی۔" ٹائیگر نے بتایا تو دوسری طرف ٹیلی فون پر ڈاکٹر بہرام کی آواز اس کے حلق میں پھنس کر رہ گئی۔ "میرا خیال ہے کہ آپ حلق صاف کرنے کے لیے کوئی دوا استعمال کریں۔"

"مذاق مت کرو۔ کیا تمہیں پتا ہے کہ وہ کہاں ہو گی؟" بہرام نے سنجیدہ لہجے میں پوچھا۔

"میگوٹ ہی کوئی چیز ہے جس کا پتا چلا ہے۔ شلید انسان کا بچہ ہے اور گانے گاتا ہے۔ وہ اسی کو تلاش کرتی رہتی ہے' ممکن ہے کہ اُسی کے پاس مل جائے۔"

"اُسے زندہ رکھنا بہت ضروری ہے' ٹائیگر!"

"ٹھیک... ٹائیگر نے سر ہلا کر جواب دیا۔

"ٹائیگر..." بہرام نے ایک لمحہ کی خاموشی کے بعد کہا۔ "کچھ نئی پیچیدگیاں بھی پیدا ہو رہی ہیں۔"

"پُرانی پیچیدگیاں کیا کافی نہیں' سوئیٹ ہارٹ؟"

"اوشان کے ہاتھوں کیا لیہہ نیلسن ہی کام آیا تھا؟"

"سوفی صد درست۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ "اور اس کا ثبوت لاش کی شکل میں الماری کے اندر محفوظ ہے' سوئیٹ ہارٹ!"

"اسی باعث تو مجھے پریشانی بھی ہے۔" بہرام کے لہجے میں واقعی پریشانی گُوٹ کوٹ کر بھری ہُوئی تھی۔ "مجھے یقین ہے کہ یہ سلسلہ یہاں ختم نہیں ہو گا۔"

"آپ فکر نہ کریں۔" ٹائیگر نے اُسے دلاسا دیا۔ "اور ہاں... اگر لڑکی ہمیں مل گئی تو ہم اُسے محفوظ کر لیں گے۔"

"تم نیلسن خاندان کو زیادہ اہمیت نہ دے کر غلطی کر رہے ہو' ٹائیگر!"

"زیادہ اہمیت دینے کے لیے آپ جو موجود ہیں۔" اس بار ٹائیگر نے بھی رُوکھے لہجے میں جواب دیا تھا۔ "آپ اُن کے بارے میں فکرمند ہوتے رہیں لیکن یہ بھی تو سوچیں کہ کیا نیلسن اور سنانجو خاندان کا کبھی کوئی مقابلہ رہا ہے اور اگر مقابلہ رہا بھی ہے تو نتیجہ کیا نکلا؟"

"نیلسن خاندان کی بڑی دھاک ہے۔"

"تو پھر الماری میں دیکھ لیں... ایک دھاک کی لاش موجود ہے۔"

"میں صرف یہ چاہتا ہُوں کہ تم محتاط اور ہوشیار رہو۔ تمہارا مقابلہ بااصلاحیت لوگوں سے ہے۔"

"چیف..." ٹائیگر بہت سنجیدہ ہو گیا۔ "کیا کبھی تیز ہوائیں' پہاڑوں کو ہلا سکی ہیں؟" یہ کہہ کر اُس نے ریسیور رکھ دیا۔ اُسے اس

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

وقت غصہ آرہا تھا کہ بہرام کو خود اپنے کارکنوں پر اعتماد نہ رہا تھا۔ اُس نے پلٹ کر دیکھا۔ اوشان انتہائی دل آویز انداز میں مُسکرا رہا تھا۔

"آپ کیوں مسکرا رہے ہیں؟" اُس نے غصیلے انداز میں پُوچھا۔

"تمھیں پتا ہے کہ بعض اوقات میں محض زیبائش کے لیے مُسکراتا ہُوں۔"

"آپ بات بنائیے ہیں، ٹنل فادر! جلیں، ہمیں کسی سے ملنا ہے۔"

"کس سے؟" اوشان کے چہرے پر اب بھی وہی تبسم تھا۔

"ہم میگوٹ اور ڈیڈمیٹ لائیس سے ملنے کے لیے جا رہے ہیں۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔

"آہ... مُردہ گوشت۔" اوشان کی آنکھیں نہ جانے کیوں چمکنے لگی تھیں۔

✣

سارہ نے زبان باہر نکال کر سامنے جھولتی ہُوئی لالی پاپ چاٹی۔ لالی پاپ 'ڈیڈمیٹ لائیس' نمبرون کے سیدھے ہاتھ میں تھی اور وہ سارہ کے بیڈ کے کنارے بیٹھا ہُوا تھا۔

"مجھے تو ایسا لگ رہا ہے جیسے میں چھوٹی سی بچی ہُوں۔"

"اور سُنو، یہ عام لالی پاپ نہیں۔" نمبرون نے معنی خیز انداز میں مُسکرا کر کہا۔

"پھر...؟" سارہ اپنے ہونٹ چاٹ کر بولی۔

"یہ خصوصی لالی پاپ ہیں۔ ایوان پوسٹ میں بنائی گئی ہیں۔ ان کو چاٹ کر جنت میں رہنے کا منصوبہ آجاتا ہے۔"

"آہ... شکریہ... شکریہ۔" سارہ جھوم کر بولی۔ "تم جو کہو گے، میں وہی کروں گی لیکن میگوٹ میرے ساتھ وہ کیوں نہیں کرتا جو میں چاہتی ہُوں۔"

"بھول جاؤ، سارہ! وہ جراثیم لگنے سے خوف زدہ رہتا ہے۔"

"فکر مت کرو۔ میں اپنی خواہش کبھی نہ کبھی ضرور پوری کروں گی۔ آج کیا دن ہے ڈارلنگ؟"

"بدھ ہے شاید۔"

"اوہ... تب پھر ایک منٹ صبر کرو۔ میں ایک ٹیلی فون کر کے ابھی آتی ہُوں۔"

✣

"تم نے ڈاکٹر بہرام سے جو کچھ کہا، وہ سُن کر مجھے بہت خوشی ہُوئی، شہزاد!" اوشان نے موضوع بدلتے ہُوئے کہا۔

"لیکن میری سمجھ میں یہ نہیں آرہا کہ وہ کسی ایسے خاندان سے ہراساں کیوں ہے جس کا ذکر کسی نے کبھی نہیں سُنا۔"

"اُس کے اضطراب کو فضول سمجھنا بہرحال فضول ہوگا۔" اوشان نے اپنے خاص انداز میں جواب دیا۔ "یہ بھی ہوتا ہے کہ کسی نے گروہ کے مقابلے میں دُشواریاں پیش آتی ہیں۔ ایسے خاندانوں یا گروہوں کی کوئی قدریں نہیں ہوتیں اور نہ ہی وہ روایتی ضابطوں کے پابند ہوتے ہیں۔"

"مجھے صرف لڑکی کو تلاش کرنے کی فکر ہے، ٹنل فادر!" ٹائیگر نے کاہلانہ انداز میں سر جھکا کر کہا۔ "کیا یہ عجیب بات نہیں کہ جو لوگ اُسے قتل کرنا چاہتے ہیں، وہ اُسے ہر جگہ تلاش کر لیتے ہیں، انھیں بہت اچھی طرح معلوم ہوتا ہے کہ وہ کہاں ہے۔"

"ممکن ہے کہ اُس کے ساتھ کوئی ایسا آلہ لگا ہو جو اُس کے بارے میں پل پل کی اطلاع دیتا رہتا ہے۔"

"لیکن ہمیں یہ علم نہیں کہ وہ کہاں ہے۔ اس صورت میں ہم اُس کی حفاظت کیسے کر سکتے ہیں؟"

"آہ، میرے بچے! یہی مسئلہ ایک بار ایک اور ماسٹر کو درپیش آیا تھا لیکن ماسٹر نے اس مسئلے کا حل تلاش کر لیا تھا۔"

"وہ کیسے؟" ٹائیگر نے خشک انداز میں پُوچھا۔

"ماسٹر کو کسی کی حفاظت کا کام ملا تھا لیکن اسے یہ علم نہ تھا کہ اُسے جس کی حفاظت کرنی ہے، وہ کہاں ہے جبکہ قتل کو سب کو معلوم تھا۔"

"پھر کیا ہُوا؟"

"قاتل نے اُس شخص کو قتل کر دیا۔"

"اور اسے آپ مسئلے کا حل کہتے ہیں؟" ٹائیگر منہ بنا کر بولا۔

"اس میں غلطی اُس شہنشاہ کی تھی جس نے ماسٹر کی خدمات حاصل کی تھیں۔ کسی نے بھی ایوان سنڈیکیٹ پر الزام نہیں لگایا اور معاوضہ بھی دیا گیا۔ لہٰذا تم بھی سکون سے رہو۔ اگر لڑکی کو کچھ ہو گیا تو کوئی بھی ہمیں مورد الزام نہیں ٹھہرائے گا۔ ہمیں معاوضہ بھی ملے گا۔"

ٹائیگر کندھے اُچکا کر رہ گیا۔

"اچھا، چلنے سے قبل ایسے نیلسن کو مناسب انداز میں دفن کر دینا چاہیے۔ وہ بہرحال ایک جنگجو خاندان کا چشم و چراغ تھا۔"

"پھر...؟" ٹائیگر نے اُٹھ کر پُوچھا۔

"تو پھر..." اوشان ہتھے سے اُکھڑ گیا۔ "وہ ایک جنگجو نسل سے تعلق رکھتا تھا، ہم پیشہ تھا، لہٰذا اُس کی تدفین بھی مناسب انداز میں ہونی چاہیے۔ اُس کے علاقے کے لوگ اپنے جنگجو پیاروں کی تدفین خاص انداز میں کرتے ہیں۔"

"خاص انداز میں...؟" ٹائیگر ایک لمحے تک سوچتا رہا اور پھر اُسے ایک فلم کا سین یاد آگیا۔ "لاش کو آگ لگا کر...؟"

"درست... یہ کام تم کرو گے۔"

"وہ کیسے؟ کیا کسی قریبی بھٹی سے رابطہ کیا جائے؟"

"سنڈیکیٹ کے رازوں کے امین کو اس سلسلے میں تجارتی سے کام نہیں لینا چاہیے۔ اپنا کام کرو، شہزاد! آؤ کہ اوشان تو ایک طرف بڑھ گیا اور ٹائیگر سر جھٹک کر کچھ بڑبڑانے لگا۔ اُس نے اوشان کو بیڈروم میں جاتے ہُوئے دیکھا جہاں صندوق رکھے ہُوئے تھے اور پھر اُس نے الماری کھول کر پلاسٹن کی وائل نکالی اور اُسے ہال میں لے آیا۔ اُسے وہ فلم پھر یاد آگئی جس میں جتا کو بھائی نے آگ لگائی تھی مگر یہاں لاش کا بھائی کون ہے؟ یہ خیال ذہن میں کیا آیا۔ نت نئے وسوسے جنم لینے لگے اور اُس کی چھٹی حس اُسے خبردار کرنے لگی کہ کوئی اور چکر چلنے والا ہے۔

اُس نے ہال میں دونوں طرف دیکھا پھر دائیں طرف پلٹ گیا۔ وہاں اُسے ایک بڑا تھیلا مل گیا جس میں ہوٹل کے کوڑم کوڑا رکھتے تھے۔

ٹائیگر نے اِدھر اُدھر دیکھا تو اُسے دروازہ بھی نظر آگیا جہاں کُوڑے کا تھیلا رکھا جاتا تھا۔ اُس نے دروازہ کھولا اور تھیلا شوٹ میں ڈال دیا۔ ساتھ ہی سنسناہٹ کی آواز سُنی۔ تھیلا، سنڈیکیٹ پر گرا تھا اور سنڈیکیٹ خانے کی طرف گرنے لگا جہاں کُوڑا جلتا رہتا تھا۔

کمرے میں اوشان سبز قبا میں نظر آرہا تھا۔

"کام ختم... تدفین نہیں... آخری رسوم ادا ہو گئیں۔" ٹائیگر نے ہاتھ جھاڑتے ہُوئے کہا۔

"کیا اُس کے اجداد کی رُوحیں مطمئن ہوں گی، شہزاد؟" اوشان نے پوچھا، بالکل اس طرح جیسے ٹائیگر، نیلسن کے اجداد سے مل کر آرہا ہو۔

"جی ہاں۔"

"گڈ..." اوشان مُسکرا کر بولا۔ "روایت یہی ہے کہ راکھ، راکھ میں ملتی ہے اور مٹی، مٹی میں۔"

"اور کُوڑا، کُوڑے میں۔" ٹائیگر نے اضافہ کیا۔ "چلیں، اب سارہ کو تلاش کرنا ہے۔"

"کیا اس کام کے لیے میگوٹ تک جانا ضروری ہے؟"

"جی ہاں، وقت آگیا ہے کہ آپ فردوس کے ان نفنگوں کی ثقافت بھی دیکھ لیں۔ شاید یہ لوگ امریکیوں سے بھی دو ہاتھ آگے ہوں گے۔"

✣

میگوٹ نے اپنی گود اٹھا لی تھی۔

"اُسے جانا ہی پڑے گا۔" اُس نے کہا۔ اس وقت وہ سفید سُوتی ہاتھ روب اور دستانے پہنے ہُوئے تھا۔ ایک سرجیکل ماسک اُس کی گود میں جھول رہا تھا لیکن اُسے منہ پر لگانے کی ضرورت نہ تھی کیونکہ ڈیڈمیٹ لائیس نمبرون، نمبر ٹو اور تھری ایک خاص فاصلے پر کھڑے تھے۔

"لیکن، میگوٹ! وہ بالکل ٹھیک ٹھاک ہے۔" نمبرون نے اعتراض کیا۔

"لڑکی، لڑکی ہوتی ہے۔ یہ لڑکی دوسری لڑکیوں سے مختلف تو نہیں۔ ہر وقت فون کرتی رہتی ہے۔"

"پہلی بات تو یہ کہ وہ بہت اسمارٹ ہے، دوسری بات یہ کہ ہماری راہ میں حائل نہیں ہوتی اور تیسری بات یہ ہے کہ کوئی اُسے قتل کرنا چاہتا ہے۔"

"کرنے دو۔" میگوٹ نے جواب دیا۔ "میں بھی حادثاتی طور پر ہلاک نہیں ہونا چاہتا۔ سُنو، ہمیں دو بڑے شوکر کرنے ہیں۔ اُس کے بعد میلہ ہونے والا ہے۔ وادیٔ الشیں کا میلہ بہت اہم ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ لڑکی ہمارے لیے دردِ سر بنی رہے۔"

"تب پھر میری تجویز یہ ہے کہ اس کے بارے میں جمہوری فیصلہ کیا جائے۔ استصوابِ رائے کراؤ۔" لائیس نمبرون نے کہا۔ "اُسے یقین تھا کہ نمبر ٹو اور تھری اس کا ساتھ ضرور دیں گے کیونکہ وہ دونوں کو سارہ کے کمرے سے چوری چھپے نکلتے ہُوئے دیکھ چکا تھا۔

"فائن..." میگوٹ نے کہا۔ "ضابطوں کے مطابق پہلا ووٹ میرا... اُس کے خلاف۔"

"میرا ووٹ... اس کے حق میں..." نمبرون نے فاتحانہ انداز میں ہاتھ اُٹھا کر کہا... پھر نمبر ٹو اور نمبر تھری کی طرف دیکھا... جو بے چینی سے کُرسی پر پہلو بدل رہے تھے اور میگوٹ بھی اُنھی کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔

"بولو..." میگوٹ نے زور دیا۔

"اُسے رُکنا چاہیے۔" نمبر ٹو نے بہت سوچ کر اپنی رائے دی۔

"ہم۔ میرا بھی یہی خیال ہے۔" نمبر تھری نے یہ جملہ بہت روانی سے نہیں کہا تھا۔

"اَن رائٹ، میگوٹ! اب بولو۔"

"ٹھیک ہے، میں ہار گیا لیکن شرط یہ ہے کہ اُسے میری

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

نظروں سے دُور رکھنا... اور ہاں، میں اُسے تیاری کے لیے زیادہ وقت ہرگز نہیں دُوں گا کیونکہ اب ہم پیراُبادروانہ ہو رہے ہیں۔ تیسگوٹ کالیجونسکتہ تھا۔

"وہ تو تیار بیٹھی ہے۔" نمبردن کالیجو فاتحانہ تھا۔

*

عبدالکریم عرف "ٹارزن جیکسن" کو ٹیوں کی مدد سے زندہ لکھا جارہا تھا۔ یہ ٹٹیں اُس کی ناک، منہ، بازوؤں غرضیکہ پورے جسم میں لگی ہوئی تھیں اور فلاور لان اسپتال کا اسٹاف، ریذیڈنٹ کنسلٹنگ سرجن کو اُس کے بارے میں بتا رہا تھا۔ کنسلٹنگ سرجن کچھ دیر قبل ہی افریقہ سے آیا تھا اور اُس نے کریم کو دیکھنے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ "اگر اجازت ہو تو میں تخلیے میں اُس کا معائنہ کرنا پسند کروں گا..." ڈاکٹر نیلسن نے ریذیڈنٹ سرجن سے کہا۔

"کیوں نہیں، ڈاکٹر امرور..."

"تھینک یو۔" گنر نیلسن نے اپنی جیکٹ اُتارتے ہوئے کہا۔ ہاؤس فزیشن کے جانے کے بعد اُس نے کمرے کا دروازہ اندر سے مقفل کر لیا۔ نیلسن نے ڈاکٹر زبیگ کھول کر اعشاریہ ۳۸ کا ریوالور اور ایک طرف کیا اور بڑی تلاش کے بعد اسے وہ ایمپول مل گیا جس کی اُسے تلاش تھی۔ اس نے اُس ننھی سی شیشی کا سر توڑ کر مکمل ایک سرنج میں بھرا اور پھر سُوئی کریم کی بائیں کہنی کے قریب نرم کھال میں چبھو دی۔

صرف آٹھ سیکنڈ بعد دوا، دوران خون میں شامل ہو کر نشہ آور دواؤں پر غالب آنے لگی اور کریم کراہنے لگا۔

چند لمحوں بعد اُس نے آنکھیں کھول دیں۔ اُن آنکھوں میں دہشت کے علاوہ دیوانگی بھی تھی۔ وہ اِدھر اُدھر دیکھتا رہا اور پھر اُس کی آنکھیں ڈاکٹر گنر نیلسن پر جم گئیں۔

نیلسن شفقت سے مُسکرا کر اُس پر جُھک گیا۔ "لیسہ نیلسن پر کیا گزری میرے بیٹے؟" اُس نے محبت بھرے لہجے میں پوچھا۔

"وہ... کون... ہے؟" کریم نے لڑکھڑاتی زبان سے پوچھا۔

"وہی دراز قامت شخص جس کے بال سنہرے تھے اور جو لڑکی کو تلاش کر رہا تھا۔"

"وہ... اُسے... بُوڑھی بطخ نے... مار دیا... مار ڈالا۔" کریم کی آنکھیں مارے دہشت کے پھیلنے اور سُکڑنے لگیں۔ "لیکن مجھے... اُس کا نام... پتا نہیں... اور ہاں... وہاں شہزاد نام کا... ایک فرد وسی بھی وجود تھا۔"

"کیا بُوڑھے نے لیسہ کو گولی ماری تھی؟"

"نہیں... پیر مارا تھا... لیسہ کے پاس گن تھی۔"

"یہ واقعہ کہاں ہُوا؟"

"کمرہ نمبر ۱۸۲۱۔ گلستان ہلٹن..."

"کیا وہاں کوئی لڑکی بھی موجود تھی؟ سارہ...؟"

"جب ہم... وہاں پہنچے تو... وہ... جا چکی تھی۔ بُوڑھی بطخ شاید اُس کی حفاظت کر رہی تھی۔" کریم نے کراہتے ہُوئے جواب دیا۔ اُس کی آواز اب دھیمی ہونے لگی تھی۔ شاید نیلسن کی دی ہُوئی دوا کا اثر زائل ہو رہا تھا۔

"شکریہ..." نیلسن نے مُسکرا کر کہا پھر بیگ سے مزید دو ایمپولز نکالے۔ دونوں میں ایڈرن فائین بھری ہُوئی تھی۔ اُس نے سرنج بھری اور کریم کے پیر کے تلوے میں انجکشن لگا دیا... یہ ڈوز مہلک تھا۔

"اب تم سو جاؤ گے... میٹھی نیند۔" نیلسن نے سرسراتے ہُوئے لہجے میں کہا۔

کریم کا جسم ایک لمحے کے لیے اینٹھا کیونکہ ایڈرن فائین نے اُس کی رگوں میں موجود نشہ آور دواؤں پر زبردست حملہ کیا تھا... اُس کی آنکھیں پھیلنے لگیں۔ اُس نے کچھ کہنے کی کوشش کی لیکن وہ اس میں ناکام رہا اور پھر اُس کا سر ایک طرف ڈھلک گیا۔

نیلسن بیگ اُٹھا کر باہر آیا۔ "روم نمبر ۱۸۲۱... گلستان ہلٹن۔ ٹھیک ہے۔ زیادہ کچھ نہیں کر سکتا لیکن جو کچھ کروں گا، وہ آخری نیلسن کے لیے بھی کافی ہوگا۔" وہ سوچ رہا تھا۔

*

لینڈنگ کے وقت ائرپورٹ پر ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی... اس دوران میں اسٹیورڈیس یقین کر چکی تھی کہ چوتھی قطار کی پہلی نشست پر بیٹھا ہُوا شخص انتہائی رُوکھا خشک اور بدمزاج ہے۔ اُس نے دوران سفر اسٹیورڈیس کی کسی بات کا جواب نہیں دیا تھا... بس ڈاکٹر زبیگ سینے سے چمٹائے ساکت بیٹھا رہا تھا۔ ائرہوسٹس کا اس سے پہلے کبھی ایسے غیر ملکی سے واسطہ نہیں پڑا تھا۔

طیارے سے اُترنے والا پہلا شخص ڈاکٹر گنر نیلسن ہی تھا۔ وہ سیڑھی سے اُترتے ہی ریپ کی ہمت... اس اعتماد کے ساتھ قدم اُٹھانے لگا جیسے اُسے اپنی منزل کا یقینی علم ہو۔

وہ ۳۵ سال سے ڈاکٹر گنر نیلسن تھا لیکن اب وہ خود کو صرف اور صرف گنر نیلسن سمجھ رہا تھا اور گنر نیلسن، ایک ایسے خانوادہ کا آخری فرد تھا جس کی اقدار، روایتیں، تعبیر، اور حسن کارکی۔ خاص پیشہ تھا۔ اس وقت، اُسے ایک ایسی، ذمے داری کا شدت سے احساس ہو رہا تھا جو اُس نے پہلے کبھی قبول نہیں کی تھی۔ اُسے احساس تھا کہ

زندگی میں قدروں اور روایتوں کی ایک خاص اہمیت ہے۔ قدریں اور روایتیں خون میں شامل ہوتی ہیں... انتقام بھی ایک خاص روایت تھی جس پر اُسے بہر صورت عمل کرنا تھا۔ لیسہ نیلسن کا قتل ہُوا تھا اور وہ اس قتل کا انتقام لینے کا پابند تھا۔

ائرپورٹ کے باہر جب اُس نے ٹیکسی روکی تو تیز بارش ہو رہی تھی۔ "ایم تھیٹر..." گنر نیلسن نے قدیم شہر کے قلب میں ایک تھیٹر کا نام لیا اور کھڑکی کے شیشے سے چہرہ لگا کر بیٹھ گیا۔ ٹیکسی ایسی سڑکوں سے گزرنے لگی جہاں پر بارش کا پانی جمع ہونے لگا تھا۔ پیراُبا دپس ماندہ نہیں، گندا شہر تھا۔

ایم تھیٹر کی فٹ پاتھیں نوجوان لڑکیوں سے اَٹی پڑی تھیں... پولیس والے پریشان، اُئے عالم میں ہجوم کو کنٹرول کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ فضا میں ایک بہت بڑا بینر لہرا رہا تھا۔

"ٹونائٹ... ون نائٹ اونلی... میگوٹ اینڈ دی ڈیڈ میٹ فائیو۔"

"اوہ... یہ کوئی بڑی چیز ہے۔" ٹیکسی رُکتے ہی ایک لڑکی خوف زدہ انداز میں چلائی۔ درجنوں سر مجموعی طور پر ٹیکسی کی جانب دیکھنے لگے تھے۔

"پوہ... کلو اس کُوڑا ہے۔" ایک اور لڑکی نے جواب دیا۔

"مگر ٹیکسی میں آیا ہے۔"

"ٹیکسی کوئی بھی کرائے پر لے سکتا ہے۔" دوسری نے کہا اور جب گنر نیلسن کرایہ دے کر ٹیکسی سے اُترا تو کئی لڑکیوں نے ڈرائیور کو لعنے والی، ٹپ دیکھ کر مُنہ بنا لیا۔

"واقعی گھاس کُوڑا نکلا۔" ایک اور لڑکی بول اور پھر سب نے منہ پھیر لیا۔

گنر نیلسن نے آگے بڑھنے سے قبل بڑی احتیاط سے اردگرد کا جائزہ لیا۔ چند منٹ بعد اُس نے پورے علاقے کا مکمل چکر لگا کر تھیٹر والی سڑک، پار کی۔ لڑکیوں کے جُھرمٹوں کے قریب سے گزرا اور پھر تھیٹر کے بغلی دروازے کی طرف بڑھنے لگا۔

"رُکو۔ اوئے! کدھر جا رہا ہے؟" ایک اکھڑ پولیس والے نے للکارا۔

"میں ڈاکٹر ہوں۔" نیلسن نے جان بوجھ کر اپنے آبائی لہجے میں کہا۔ اُسے یقین تھا کہ پولیس والا غیر ملکی زبان سُن کر مرعوب ہو جائے گا۔ "بیگ چیک کرا لو۔ بیگ اسٹیج پر کوئی علیل ہو گیا ہے، لہٰذا مجھے طلب کیا گیا ہے۔"

"ٹھیک ہے..." پولیس والا گھنی مُونچھوں کے نیچے سے سرسرایا۔ "آپ ضرور جائیں اور اگر کسی مدد کی ضرورت ہو تو بلا تکلف مجھے آواز دے لیں۔"

"تھینک یُو۔ آفیسر!" گنر نیلسن نے مُسکرا کر کہا اور پھر بیک اسٹیج ڈور سے اندر گھس گیا۔ توقع کے مطابق وہاں اُسے افراتفری نظر آئی۔ صرف بُوڑھا سیکیورٹی آفیسر اس افراتفری سے بے نیاز چوکس تھا۔ لہٰذا وہ گنر نیلسن کو دیکھتے ہی اُس کی طرف بڑھ آیا۔

"کیا بات ہے مسٹر؟" اُس کو انگریزی آتی تھی۔

"میں ڈاکٹر جانسن ہوں۔" گنر نیلسن نے شستہ لہجے میں جواب دیا۔ "مجھ سے کہا گیا ہے کہ میں شو کے دوران موجود رہوں تاکہ اگر کسی کی طبیعت خراب ہو جائے تو اُسے ابتدائی طبی امداد فراہم کی جا سکے۔"

"ٹھیک ہے ڈاکٹر!" سیکیورٹی آفیسر نے اُکتائے ہُوئے انداز میں ہاتھ ہلایا۔

اسٹیج پر پردے کے پیچھے میوزیکل انسٹرومنٹس وغیرہ سجا کر رکھے جا رہے تھے اور پردے کی دوسری طرف حاضرین کی آوازیں آ رہی تھیں۔ گنر نیلسن یہ سب کچھ بغور دیکھ رہا تھا۔ تاہم اُسے ابھی تک ایسی کوئی چیز نظر نہیں آئی تھی جس کو وہ میگوٹ یا لائیس سمجھ سکتا... پھر اچانک اسٹیج کے دوسرے سرے پر اُسے سُرخ بالوں والی لڑکی نظر آئی۔ وہ دراز قامت اور خوبصورت تھی لیکن اُس کے چہرے پر کسی قسم کا کوئی تاثر نہیں تھا اور صاف ظاہر تھا کہ وہ منشیات کی عادی ہے۔

گنر نیلسن نے اپنا ٹریننگ کوٹ اُتارتے ہُوئے بڑی احتیاط سے دائیں بائیں کا جائزہ لیا۔ فی الوقت نہ تو کسی ایسے نوجوان کا وجود تھا جس کا حلیہ عبدالکریم نے بتایا تھا اور نہ ہی کسی مشرقی زرد بُوڑھے کا۔ "اگر وہ لڑکی کی حفاظت پر مامور ہیں تو انھیں یہاں ہونا چاہیئے۔" گنر نیلسن سوچ رہا تھا۔

لیکن بہرحال کوئی لڑکی پردے کے پیچھے ہُوئے تھا۔ وہ اُس جگہ کھڑی ہُوئی تھی جہاں سے اسٹیج کی لائٹس کنٹرول کی جاتی تھیں۔ اسٹیج کے وسط میں کھڑے ہُوئے دو افراد اُسی کی طرف دیکھ رہے تھے۔ اُن میں سے ایک نے انتہائی چھچھورے انداز کا اسپورٹس ڈریس پہن رکھا تھا۔ اُس نے مائیکل جیکسن کے انداز کا سیاہ چشمہ لگا رکھا تھا اور واک مین کا ائرفون اس کی کھوپڑی پر نظر آ رہا تھا۔ وہ ایک پستہ قامت شخص سے باتیں کر رہا تھا جس نے بردم ہیٹ پہن رکھا تھا۔ پستہ قامت شخص اس کی بات بغور سُنتا رہا پھر اُس نے پلٹ کر سُرخ بالوں والی لڑکی کی طرف دیکھا اور اُس کا ہاتھ بائیں پہلو پر پہنچ گیا۔ نیلسن کو یقین ہو گیا کہ وہ شخص اپنے بیس بوسنروں ریوالور کی موجودگی کا یقین

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کر رہا ہو۔

نیلسن کو اچانک ہی یہ احساس ہوا کہ یہ لوگ بھی لڑکی کو مار کر رقم وصول کرنے کے چکر میں ہیں جبکہ وہ برٹش ایجنٹ کو مطلع کر چکا تھا کہ وہ خود لڑکی کو قتل کرنے کے لیے جا رہا ہے۔ اُسے معاً اپنی شدید توہین کا احساس ہوا۔ پارٹی نے کسی دوسرے کو کام سونپ کر نیلسن... خاندان کی توہین کی تھی۔

لڑکی کو قتل کرنا اُس کے لیے بہت آسان تھا اگر صرف لڑکی ہی اُس کا ٹارگٹ ہوتی تو ایک گولی کافی تھی پھر دس لاکھ ڈالر کا معاہدہ تکمیل پا جاتا لیکن صورتِ حال اب پیچیدہ تھی۔ اُسے محض دس لاکھ ڈالر لینے کی آرزو ہی نہیں تھی وہ تو اُن دو افراد کو بھی قتل کرنا چاہتا تھا جنھوں نے لہبہ نیلسن کو قتل کیا تھا۔

اُس نے ٹائیگر اور اوشان کو تلاش کرنے کے لیے جھانک کر ہجوم میں دیکھا لیکن اُسے عبدالکریم کے بتائے ہوئے حلیوں والا کوئی شخص نظر نہیں آیا۔ اُس نے اُن کا انتظار کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ پہلے اُنھیں قتل کرنے کے لیے لڑکی کو زندہ رکھنے کے لیے بھی تیار تھا۔

وہ دُنیا کو یہ پیغام دینا چاہتا تھا کہ نیلسن خاندان کے مشن میں ٹانگ اڑانے والوں کا انجام کتنا بھیانک ہوتا ہے۔

اُس نے پھر سارہ کی طرف دیکھا جس کی آنکھیں کسی ایک جگہ مرتکز نہیں ہو پا رہی تھیں۔ وہ لانس پینل کا سہارا لیے کھڑی تھی... وہ پینل کی طرف چل دیا۔ جب دونوں کا فاصلہ کم ہوا تو اُس نے لڑکی کا منہ چلتے دیکھا... شاید وہ کچھ کہہ رہی تھی۔

وہ لڑکی کے قریب کھڑا ہی ہوا تھا کہ ہیٹ والا شخص سر ہلا کر ایک طرف چل دیا۔ نیلسن کسی بھی صورتِ حال کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہو گیا۔ اُس نے چند لمحوں بعد اُس شخص کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا... اور پھر وہ شخص اُس کے قریب سے گزر کر اُس زینے کی طرف بڑھ گیا جو بائیں سیکشن کی طرف لے جاتا تھا۔

نیلسن بھی کچھ دیر انتظار کے بعد اُس کے تعاقب میں چل دیا... فائر پروف بھاری پردے سے دُور لوگوں کی آوازیں بھی مدھم ہو گئیں اُس نے ہیٹ والے کو اسٹیج کے بائیں جانب ایک نشست والے باکس میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا جہاں سے وہ دائیں طرف کے بیک اسٹیج کو بہت واضح طور پر دیکھ سکتا تھا۔ باکس کے دروازے پر ایک چھوٹا سا شیشہ لگا ہوا تھا جس سے جھانک کر نیلسن نے اُسے بیٹھتے ہوئے، ہیٹ اُتارتے ہوئے اور پھر بائیں ریلنگ پر جھکتے ہوئے دیکھا۔ غالباً وہ ریلنگ اور لڑکی کے درمیان فاصلے کا تعین کر رہا تھا۔

دیکھتے ہی دیکھتے حاضرین میں ہیجان پھیل گیا پھر اسٹیج کے سیکڑوں سے چار افراد نمودار ہوئے۔ اُنھوں نے ساٹن کے سوٹ پہن رکھے تھے جن پر بکروں کی خون آلود انتڑیاں، گردے اور لوتھڑے ٹنگے ہوئے تھے۔ گوشت سے خون ٹپک رہا تھا۔ غالباً یہی میگوٹ اور ڈیڈ میٹ لائنس تھے۔ خون اُن کی سفید ساٹن کو تر کر رہا تھا۔

اگرچہ نیلسن کی ساری توجہ ہیٹ والے شخص اور سارہ پر تھی لیکن پھر بھی وہ اُن لوگوں کو دیکھ کر مسکرا اُٹھا، اُن کا حلیہ ناقابلِ یقین تھا۔

پھر ہاؤس لائٹس مدھم ہونے لگیں۔ سامنے والے پردے ہٹنے لگے اور پھر اسٹیج پر ایک ایسا موٹا شخص نمودار ہوا جس نے بڑی سی وگ لگا رکھی تھی۔ لوگوں نے تالیاں بجائیں۔

"ہیلو، کڈیز!" وہ شخص قہقہہ لگا کر بولا۔ "تم لوگ موسیقی کے لیے تیار ہو؟"

ایک ہزار سے زیادہ عورتیں اور مرد چلّانے، ہنسنے اور قہقہے لگانے لگے۔

موٹا پھر ہنسا۔ "تم زندگی کی موسیقی سننے اور دیکھنے کے لیے صحیح جگہ پر آئے ہو۔" یہ کہہ کر اُس نے اپنی دائیں جانب باکس کی طرف سر اُٹھا کر دیکھا۔ نیلسن نے باکس کی ریلنگ پر جھکے ہوئے شخص کا سر اثبات میں ہلتے ہوئے دیکھا۔

"وولی وانٹ میگوٹ..." لڑکیاں چلّانے لگیں۔ "لانس کہاں ہیں؟"

"وہ تازہ گوشت کے ٹکڑے نجانے کہاں ہے؟" موٹے نے بھدا سا قہقہہ لگا کر جواب دیا۔ "میوزک کے دیوانو! خوش ہو جاؤ... وہ آ رہے ہیں۔"

عورتیں اور مرد اس بار دیوانے سے ہو گئے۔ لڑکیاں چیخ کر نیلسن کو اسی توقع تھی۔ اس نے جونہی اُس شخص کا ہاتھ بغلی ہولسٹر کی طرف جاتے دیکھا، وہ خاموشی سے دروازہ کھول کر باکس میں داخل ہو گیا۔ کمال کی بات یہ تھی کہ اُس کے جوتوں کے باوجود، قدموں کی ذرا سی بھی آہٹ پیدا نہ ہوئی۔

وِگ والا موٹا شخص اب بھی اسپاٹ لائٹ میں تھا۔ لوگ مسلسل تالیاں اور سیٹیاں بجا رہے تھے۔ تاہم مرکزی پردہ ابھی تک گرا ہوا تھا۔ نیلسن نے دائیں طرف دیکھا۔ لڑکی بدستور وہاں موجود تھی۔ اُس نے ہیٹ والے کی طرف دیکھا۔ اب ریوالور اُس کے ہاتھ میں تھا۔ نیلسن نے بھی اپنے ہیگ سے ریوالور نکال لیا پھر وہ بلی کی طرح حرکت میں آیا۔ اُس نے ہیٹ والے کی گردن دبوچ کر اُسے ہیگ سے کھینچا تاکہ اگر ہیٹ والے کا ریوالور گرے بھی تو باکس کے اندر ہی رہے۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ اس کے جسم میں اتنی طاقت تھی... کہ وہ شخص کسی چوہے کی طرح کھنچا چلا آیا۔ اُس نے مزاحمت کی کوشش بھی کی لیکن نیلسن نے اپنے ریوالور کی نال اُس کی گردن پر رکھ کر گولی چلا دی۔ سائلنسر لگا ہوا ریوالور اس طرح کھانسا جیسے کسی نے کھانسنے والے کے منہ پر تکیہ رکھ دیا ہو۔ پھر وہ شخص بے جان ہو گیا۔

اگرچہ وہ شخص مر چکا تھا لیکن نیلسن کا ہاتھ اب بھی اُس کے زخمے پر تھا اور وہ سوچ رہا تھا۔

"... تیس سال بعد میں نے پہلی گولی چلائی ہے۔"

لاش کا وزن محسوس کرتے ہی وہ تیس سال پہلے والا عظیم اور ناقابلِ تسخیر جلاد بن گیا۔ خون اُس کی کنپٹیوں پر تھرکریں مارنے لگا۔ اُسے بھائی کا قتل یاد آ گیا تو اُس کا سارا جسم سُلگنے لگا... پھر اُسے یہ بھی یاد آ گیا کہ اُس کی درخواست کے باوجود پارٹی نے کسی دوسرے کو لڑکی کے قتل کا کام سونپ دیا ہے۔

اب باقی پردے بھی اُٹھنے لگے تھے۔ میگوٹ اپنے ساتھیوں سمیت سب کے سامنے تھا۔ دہانی اپنے عروج پر تھی۔ لڑکیاں اُچھل اُچھل کر اسٹیج پر پہنچنے کی کوشش کر رہی تھیں اور مائیکا جیکسن کے چشمے والا شخص سارہ کی طرف بڑھنے لگا تھا۔ جونہی وہ ہیٹ والے کے ریوالور کی رینج میں آیا، اعشاریہ ۳۸ کی گولی اُس کے زخمے کے آر پار ہو گئی۔ خون کا فوارہ بلند ہوا جسے بچانے کے لیے چشمے والے نے ہاتھ حلق پر رکھا اور نیچے ہو گیا۔ کسی نے بھی اُس کی طرف توجہ نہیں دی۔

نیلسن کے چہرے پر طمانیت بخش مسکراہٹ دوڑ گئی۔ اسی لمحے میگوٹ نے گٹار کے تار چھیڑ دیا۔ لوگ اچانک خاموش ہو گئے۔ گٹار کی آواز اور اونچی ہوئی اور اسی وقت بیک اسٹیج سے سارہ چلّائی۔

"میگوٹ آؤٹ، رقص کریں۔" لیکن اُس کی یہ پکار موسیقی میں ڈوب کر رہ گئی۔ سارہ نے آنکھیں بند کر لیں اور جھومنے لگی۔ نیلسن نے ریوالور کا رُخ اُس کی طرف کر دیا۔ وہ ایک لمحے تک جھومتی ہوئی منشیات زدہ لڑکی کو دیکھتا رہا۔ پھر مسکرا کر ریوالور کی نال نیچے کر لی۔

"دس لاکھ ڈالر بعد میں لوں گا۔ پہلے مشترکہ بوڑھے اور شہزاد کا نمبر ہے۔" یہ سوچ کر وہ باکس سے نکلا۔ ہال دے میں آیا اور پھر تھیٹر کے سامنے والے حصے کی طرف بڑھ گیا۔ نہ جانے کیوں اُسے یہ احساس ہو رہا تھا کہ وہ دونوں آج شب یہاں نہیں آئیں گے۔ انتظار بے سُود ہے۔

کرنا ہی پڑے گا۔ زینہ اُتر کر وہ سینما گھر کی راہداری میں آیا جہاں سُرخ قالین بچھا ہوا تھا۔ نیلسن اس قالین پر چلتا ہوا۔ فرنٹ ڈور کی طرف بڑھ گیا۔ اب اُسے سوئٹزرلینڈ فون کرنا تھا اور واضح کر دینا تھا کہ اگر کسی اور کو معاہدہ دیا گیا تو اُس کا حشر بھی مائیکل جیکسن کے چشمے والے ہیٹ والے سے مختلف نہ ہو گا لیکن پہلے اُسے یہ معلوم کرنا تھا کہ میگوٹ گوشت والے کا اگلا شو کہاں ہو گا۔

اُس کا ذہن انھی باتوں میں اُلجھا ہوا تھا لہٰذا وہ فرنٹ ڈور سے نکلنے والے نوجوان سے ٹکرا گیا۔ نیلسن نے معذرت کی اور آگے بڑھ گیا۔

"چلیں بُل فلور! ہمیں سارہ پر نظر رکھنی ہے۔" ٹائیگر نے کہا لیکن اُسے یہ احساس ہو گیا تھا کہ اوشان اب اس شخص کو جاتے ہوئے دیکھ رہا ہے جو اُس سے ٹکرایا تھا۔ "اُسے کیوں گھورے جا رہے ہیں؟" اُس نے پوچھا۔

"وہ آدمی..."

"جی ہاں... آدمی ہی تھا۔"

"وہ تم سے ٹکرایا مگر اُس نے پلکیں نہیں جھپکائیں۔" اوشان نے سرسراتے ہوئے لہجے پر کہا۔

"تو پھر...؟"

"اُسے پلکیں جھپکانی چاہئیں تھیں۔"

"ممکن ہے، اُس کی پلکیں قوتِ ارادی ہوتی ہوں۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔

"تم بے وقوف ہو، شہزاد!" اوشان نے بڑے سنجیدہ لہجے میں کہا۔ "یاد رکھنا کہ تم سے ٹکرانے والا پلکیں نہیں جھپکا رہا تھا۔" اُس کا لہجہ پُراسرار تھا۔

"یہ اطلاع میں قبر تک ساتھ لے جاؤں گا، بُل فلور!" ٹائیگر نے مسکرا کر کہا۔ "آیئے..." یہ کہہ کر وہ تیزی سے اسٹار کنسرٹ سیکشن میں جانے کے لیے چل دیا لیکن اوشان، بہ کی رفتار سست رہی۔ وہ بار بار پلٹ کر اُس شخص کی طرف دیکھ رہا تھا جو فٹ پاتھ پر کھڑا تھا اور اُس کی پلکیں تک نہیں جھپکتی تھیں۔

☆☆☆

بیک اسٹیج کے دروازے سے داخل ہوتے ہی، جب ٹائیگر کو لانگ شاٹ میں سے ٹیک لگائی ہوئی سارہ نظر آئی، تو اُس نے سکون کی سانس لی۔ وہ... اوہ کی طرف جانا چاہتا تھا لیکن اوشان نے اُس کی نیت بھانپ کر اُس کا بازو پکڑ لیا۔ ساتھ ہی وہ بیک اسٹیج کا جائزہ لینے لگا۔ جہاں بہت سے لوگ اُن لوگوں کی مدد کرنے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

تھے جو اوپن اسٹیج پر غیر انسانی آوازیں نکال کر دادلے رہے تھے۔

تب ہی اوشان نے ٹائیگر سے کہا۔ "خدا حافظ شہزاد!"

"خدا حافظ... کیوں خدا حافظ؟" ٹائیگر نے حیرت سے سنابو کے ماسٹر کی طرف دیکھا۔

"ماسٹر آف سنابو کسی ایسے مقام پر ایک پل کے لیے بھی نہیں ٹھہر سکتا جہاں گیت گانے والے گھنٹوں سے مگا مگا مگی گی گا مگا مگا کر رہے ہوں۔"

"ان کی آوازیں نہ سنیں۔" ٹائیگر نے اُسے مشورہ دیا۔ "اپنے ذہن پر قفل ڈال لیں۔"

"تمہارے ذہن پر تو برسوں سے تالے پڑے ہوئے ہیں، لہٰذا تمہارے لیے یہ مشورہ دینا آسان ہے۔" اوشان نے ناگواری سے جواب دیا۔ "میں تو ہوٹل واپس جا رہا ہوں۔"

"مسٹر فادر! پتا نہیں، یہاں کیا صورتِ حال ہو اور نہ جانے کب مجھے آپ کی ضرورت پڑ جائے۔"

"نہیں تمہیں میری ضرورت محسوس نہیں ہوگی۔ جو کچھ ہونا تھا، وہ پہلے ہی ہو چکا ہے۔"

"کیا واقعی؟"

"واقعی۔" اوشان نے بھی جواب کو طول نہ دیا۔

"آپ کو کس نے بتایا؟"

"اُس شخص نے جس کی پلکیں نہیں جھپکتیں۔" یہ کہتے ہی اوشان پلٹ گیا۔ ٹائیگر نے کندھے اُچکائے۔ ایک لمحے تک کچھ سوچا اور پھر سارہ کی طرف چل دیا۔

"شان دار... کیوں، تمہارا کیا خیال ہے؟" ٹائیگر نے موسیقی کی تعریف کرتے ہوئے کہا۔

"بہت شان دار... واہ..." سارہ نے مخمور انداز میں جواب دیا۔ ٹائیگر کو سامنے پا کر اُس کے چہرے پر حقیقی مسرت کے رنگ دوڑ گئے۔ "ارے، تم... میں اور میرا محبوب... یہاں۔" وہ واقعتہً بہت خوش ہوئی تھی۔

"اگر تمہیں مجھ سے اتنی ہی محبت ہے تو پھر وہاں سے فرار کیوں ہوئی تھیں؟" ٹائیگر کے لہجے میں بھی شکوہ تھا۔

"اوہ، سوری!" سارہ مسکرانے لگی۔ "دراصل مجھے کئی کام نمٹانے تھے اور مجھے یقین تھا کہ تم وہ مہم کرنے نہیں دو گے... پھر دوسرے کمرے میں اس شخص نے مجھے ٹی۔ وی کے سامنے آجانے پر میری توہین کر ڈالی تھی۔"

"خیر ٹھیک ہے... مگر اب تم میرے ساتھ رہو گی۔ اگر اس دوران میں تم اوشان اور ٹی۔ وی کے درمیان حائل نہ ہوئیں تو پھر کوئی گڑبڑ نہیں ہوگی۔"

"تم جو بھی کہو شہزاد!" سارہ نے اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ "حقیقت یہ ہے کہ تم حقیقی تفریح سے محروم رہے۔"

"کیسی تفریح؟"

"کسی نے گھوکار جی کے حلق میں گولی اُتار دی۔"

"یہ تفریح کی بات ہے؟"

"پتا نہیں... لیکن تم نے کبھی اس کے ریڈیائی پروگرام سنے تھے؟" سارہ نے پوچھا۔

"نہیں..."

"تب پھر تمہیں یہ علم بھی نہ ہوگا کہ گلانے کے لیے اُس کے پاس حلق نہ تھا۔"

"اوہ... تم تو ٹھیک ہو نا؟" ٹائیگر، ارہ کے سامنے اس طرح کھڑا ہو گیا کہ گولی اگر سامنے سے آئے تو وہ گولی کو دیکھ سکے۔

"ہاں، میں تو اپنے میگوٹ کا گیت سننے میں منہمک تھی۔ کاش، اُس کے ساتھ رقص کا کوئی موقع مل جائے۔"

"فکر مت کرو، میں اسے تمہارے قدموں میں لا ڈالوں گا۔"

"اوہ... شان دار... مگر کیسے؟"

"اس کے لیے تمہیں میرے ساتھ چلنا ہوگا تاکہ میں اپنے منصوبے پر عمل کر سکوں۔"

"میں ضرور چلتی... مگر کل تو وادیٔ افشیں میں شو ہونا ہے۔" سارہ متذبذب ہو کر بولی۔

"کیا بہت اچھا شو ہوگا؟"

"ہاں، عالمی تاریخ کا سب سے عظیم الشان ماک شو ثابت ہوگا، ڈارلنگ!"

"اور تم اس میں ہر قیمت پر شرکت کرنا چاہتی ہو؟"

"ہر قیمت پر۔"

"او کے۔ اہم کل وہاں چلیں گے۔" ٹائیگر نے کہا۔ وہ مزید کچھ کہنے والا تھا کہ اچانک ہال سے بہت زبردست شور سنائی دیا۔ لوگ ایک زبان نہیں، ایک حلق ہو کر چلا رہے تھے۔ تب ہی ٹائیگر نے سفید ساٹن کے سوٹ پر گوشت کے لوتھڑے لٹکائے ہوئے ایک شخص کو میں اسٹیج سے واپس آتے دیکھا۔ اُس کے پیچھے اُسی حلیے میں مزید تین افراد تھے۔

سارہ فوراً میگوٹ کی طرف لپکی۔ "میگوٹ!" اُس نے فریاد کرنے والے انداز میں پکارا۔ "ادھر آؤ۔ اس آدمی سے ملو۔"

میگوٹ محتاط انداز میں آگے بڑھا۔ "جی کا کیا ہوا؟"

"ارے، اُس کی کیا فکر... ایسی کوئی خاص بات نہیں۔ اس سے ملو۔ یہ شہزاد ہے۔"

"تم سے مل کر خوشی ہوئی۔" میگوٹ نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"مجھے بھی ہوئی شاید۔" ٹائیگر کندھے اُچکا کر بولا۔ "ویسے تمہارا لباس تو بہت ہی شان دار ہے۔ تمہارا قصاب کون ہے؟"

"سارہ..." میگوٹ پہلی مرتبہ مسکرایا۔ "کیا یہ شخص تمہارا دوست ہے؟"

"نہیں، یہ میرا محبوب ہے۔ سب سے پیارا محبوب۔" سارہ نے جھوم کر جواب دیا۔

"تمہارا محبوب؟" میگوٹ نے حقارت سے کہا۔ "اس کا حلیہ دیکھا ہے؟ حلیہ چھوڑو، بال دیکھے ہیں، اس کے؟"

"شاید تمہارے قبیلے میں انسانوں سے نہیں بالوں سے محبت کی جاتی ہے۔" ٹائیگر نے مسکرا کر جواب دیا۔

ہال میں شور بڑھتا جا رہا تھا جس کی آواز یہاں بھی بہت واضح طور پر آ رہی تھی۔

"اب ہمیں اسٹیج پر واپس جا کر ان جانوروں کو خاموش کرانا پڑے گا۔" میگوٹ نے منہ بنا کر کہا۔

"اُن کے سامنے کچی گوشت ڈال دینا۔" ٹائیگر نے مشورہ دیا۔ اس مشورے پر میگوٹ شاطرانہ انداز میں چند لمحوں تک ٹائیگر کو گھورتا رہا اور اس کے بعد اپنے ساتھیوں کے ساتھ اسٹیج پر واپس پہنچ گیا۔

لوگوں نے جونہی اُسے دیکھا اُن کا شور کئی گنا بڑھ گیا۔ میگوٹ نے اُنھیں خاموش کرانے کے لیے ہاتھ سے اشارے کیے مگر لوگ بے قابو ہونے لگے۔ لہٰذا اُس نے اپنے سینے سے جھولتا ہوا گوشت کا ایک سیر وزنی ٹکڑا نکال کر سر کے اوپر لہرایا۔ ہائی اسپاٹ لائٹ میں گوشت اور خون چمکنے لگا۔ لوگ اور زیادہ جوش و خروش سے چیخنے چلانے لگے اور پھر میگوٹ نے وہ لوتھڑا حاضرین کی طرف اُچھال دیا۔

ایک قیامت سی برپا ہو گئی۔ لڑکیاں اور لڑکے ٹکڑے پر بھوکے بھیڑیوں کی طرح جھپٹے۔ تینوں لائیں سے بھی میگوٹ کی تقلید کی... پھر تو ہال میں کئی جگہ کچے گوشت کے لیے چھینا جھپٹی شروع ہو گئی... پھر وہ گوشت کی تلاش میں اسٹیج پر چڑھ آئے۔

ٹائیگر اس ہجوم کے دباؤ کی وجہ سے لائٹ پینل کے اور سے لگ کر کھڑا ہو گیا۔ اُس نے کیے بعد دیگرے کئی مُکے دبا دیے اور پھر پانچویں مُکے پر اُسے کامیابی حاصل ہو گئی۔ پانچواں مُکا پڑتے ہی ہر طرف اندھیرا چھا گیا۔ مسرت بھری کلکاریاں، خوف زدہ چیخوں میں بدل گئیں...

ٹائیگر نے ایک لمحے کے لیے دونوں ہاتھ آنکھوں پر رکھ کر زور سے آنکھیں بند کیں اور پھر کھول دیں۔ اب وہ اندھیرے میں بھی دیکھ سکتا تھا، اُسے راستہ نظر آنے لگا تھا۔ وہ وقتی طور پر بصارت سے محروم لوگوں کے قریب سے گزرتا ہوا، دروازے سے باہر داری میں نکل آیا۔ اب سارہ اُس کے ساتھ نہیں تھی۔ میگوٹ اور ڈیڈ میٹ لائنیں بھی غائب ہو چکے تھے۔ وہ سر ہلاتا ہوا باہر بارش میں نکل آیا۔ ایک رولز رائس ابھی چل رہی تھی۔ لڑکیوں کا ایک گروہ دیوانہ وار اس گاڑی کے پیچھے دوڑ رہا تھا اور ٹائیگر کو احساس تھا کہ سارہ ایک بار پھر ہاتھ سے نکل گئی ہے۔

اس رات، سارہ کے بارے میں دو ٹیلی فون کیے گئے۔

ایک معمولی درجے کے ہوٹل سے پہلا فون سوئٹزرلینڈ کیا گیا۔ گنر نیلسن نے ریسیور رکھ کر گھنٹی کی آواز سنی اور جونہی دوسری طرف سے ریسیور اُٹھایا گیا۔ اُس نے صرف یہ کہا: "میں نیلسن ہوں۔ آج رات لڑکی کے جگر میں کوئی اور بھی تھا۔"

وہ چند لمحے تک جواب سنتا رہا اور پھر بولا۔ "چلو ٹھیک ہے، وہ تمہارے آدمی نہ تھے لیکن اگر تمہارے آدمی بھی راہ میں مزاحم ہوئے تو اُن کا بھی انجام مختلف نہیں ہوگا۔"

دوسری طرف سے پھر کچھ کہا گیا۔

"وادیٔ افشیں...؟" نیلسن مسکرا کر بولا۔ "ہاں... میں تمہیں خبردار کرنا چاہتا ہوں کہ کھیل وہیں ختم ہوگا۔"

"بھلا اخباروں کی کیا پروا۔" ٹائیگر نے کہا۔ وہ فون پر بات کر رہا تھا۔

بہرام نے بہت صبر و سکون سے پھر وضاحت کرنا چاہی۔ "لیہہ نیلسن کی لاش نہ صرف مل چکی ہے بلکہ اُس کی شناخت بھی ہو گئی ہے۔ اخبارات کا کہنا ہے کہ وہ قتل کے کسی مشن پر یہاں آیا تھا لیکن خود مارا گیا۔ ساتھ ہی یہ اطلاعات بھی شائع کی گئی ہیں کہ نیلسن خاندان کا کوئی شخص لیہہ کا انتقام لینے کے لیے تھک میں داخل ہو چکا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں اخبارات کو بہت اہمیت دے رہا ہوں۔" بہرام نے کہا۔ "مطلب یہ ہے کہ تمہیں اور اوشان کو غیر معمولی طور پر محتاط ہونا چاہیے۔ دُنیا کا ایک سفاک ترین قاتل، سارہ کی تلاش میں ہے لیکن ماہر ترین جاسوسوں میں اُس کا نہیں صرف تمہارا شمار ہوتا ہے۔ اگر تم سارہ کو نظر میں رکھو تو پھر اُس لڑکی کے سینے کے [illegible]

"درست... درست..." [illegible] ہلا کر

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

سائیہ کرتا رہا۔

"تم لڑکی کو کہاں سے لوگے؟"

"آج شب افراتفری کے دوران وہ نگاہوں سے اوجھل ہوگئی۔" ٹائیگر نے بہرام کو بتایا۔ "لیکن ہم اُسے وادیٔ افشیں میں تلاش کرلیں گے۔"

بہرام نے جواب سن کر ریسیور رکھ دیا۔

*

میگوٹ، ڈیڈمیٹ لائنیس اور سارہ رات ہی کو بذریعہ کار وادیٔ افشیں کے لیے روانہ ہوگئے تھے۔ جہاں اگلے روز موسیقی کا میلہ ہونے والا تھا۔

وادیٔ افشیں کے واحد اور صاف ستھرے ہوٹل زرنگار میں کمرے پہلے ہی بُک کرالیے گئے تھے۔ یہیں سے میگوٹ اور دوسروں کو لباس بدل کر بذریعہ ہیلی کاپٹر معقررہ میدان میں اُترنا تھا۔ وہ بذریعہ کار بھی جاسکتے تھے لیکن خطرہ یہ تھا کہیں اُن کے شائقین اُن سے لپٹ کر اُن کی ہڈیاں نہ توڑ دیں۔

ولز رائس کی عقبی نشست پر سارہ اُس کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔ میگوٹ نے کچھ سوچ کر سیٹ کے ساتھ ایک کمپارٹمنٹ سے سفید دستانے نکال کر پہنے اور اخبار کا کامرس پیج کھول کر ایک کمپنی کے حصص کی قیمت دیکھنے لگا۔

"بیچ دو۔" سارہ نے اچانک ہی مشورہ دیا جو اُچک کر اعداد و شمار دیکھ رہی تھی۔

"کیوں...؟" میگوٹ ایک لمحے کے لیے حیرت زدہ رہ گیا۔ "حصص کی قیمت میں تو اضافہ ہُوا ہے۔" اس وقت وہ یہ بھول گیا تھا کہ وہ ایک احمق اور بے راہ رو لڑکی سے مخاطب ہے۔

"درست... لیکن یہ کمپنی جو مال تیار کررہی ہے 'اسی مال کی پیداوار' ایک جاپانی کمپنی بھی شروع کرنے والی ہے جو آئیٹم کی تیاری پر نصف لاگت سے بھی کم لگائے گی۔ اس طرح اُس کا منافع بڑھے گا اور اس کمپنی کا منافع کم ہوجائے گا۔ یہ کہہ کر وہ کھڑکی سے باہر اندھیروں میں گھورنے لگی۔

"کمال ہے' یہ بات میرے بزنس مینجر نے تو نہیں بتائی۔"

"میرا خیال ہے کہ پہلے وہ اپنے حصص فروخت کرنا چاہتا ہے۔ اس کے بعد ہی تمہیں مشورہ دے گا۔"

"مگر تم مارکیٹ کے بارے میں اتنی واقفیت کس طرح رکھتی ہو؟"

"میگوٹ..." سارہ نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ "اس وقت بھی میں بہتّر ملین ڈالر کی مالک ہوں اور اتنی رقم اور اثاثوں کا کوئی بھی مالک مارکیٹ سے ناواقف نہیں ہوتا۔ جب میرے والد کا انتقال ہوگا تو مجھے تقریباً مزید پچیس ملین ڈالر ملیں گے۔"

میگوٹ ایک لمحے تک ساکت رہا پھر اُس نے ایک سرفٹ ڈرنک کمپنی کا نام لے کر سارہ سے اُس کی رائے لی۔

"اُس کے حصص بھی فروخت کردو۔ روسی معاہدہ ختم ہونے کے قریب ہے۔"

"دوائی کمپنی...؟"

"اُس کے مزید حصص خرید لو۔ یہ کمپنی خاندانی منصوبہ بندی کے لیے گولیاں بنانے والی ہے۔"

اور پھر وادیٔ افشیں تک دونوں کاروباری امور پر بحث کرتے رہے۔ اُنھوں نے تینوں لائنیس کو بھی نظر انداز کردیا تھا۔ حتیٰ کہ موٹل کی پارکنگ میں اُترتے ہوئے بھی کاروباری تبادلۂ خیال جاری رہا۔

*

اگلی صبح اوشان اور ٹائیگر بھی وادیٔ افشیں کے لیے روانہ ہوئے۔ اُس وقت تک سورج پوری طرح طلوع نہیں ہُوا تھا۔ تب ہی اُنھیں اندازہ ہُوا کہ آج ہر راستہ وادیٔ افشیں کی طرف جارہا ہے اور ہر طرف ٹریفک جام ہے۔

ٹائیگر کو ٹریفک جام سے بڑی اُلجھن ہورہی تھی۔ اُس نے کئی سڑکوں سے وادیٔ افشیں جانے والی ہائی وے پر پہنچنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا اور صبح کے دس بج گئے۔ اس دوران میں اوشان کھڑکی کھولے باہر دیکھتا رہا۔ اُسے یہ فکر بھی نہیں تھی کہ اس طرح ائرکنڈیشن کا کوئی فائدہ نہیں ہورہا۔

آخر ٹائیگر کو ایک راستہ مل ہی گیا اور وہ ہائی وے پر پہنچ گیا۔ لیکن ابھی مزید بیس میل کا سفر باقی تھا۔ پانچ میل آگے ٹریفک پھر جام تھا اور اس بار صورتِ حال بہت خراب تھی۔ لوگوں نے وقت گزارنے کے لیے نئے نئے طریقے نکال لیے تھے۔ بعض کاروں کی چھتوں پر بیٹھ کر تاش کھیل رہے تھے اور بعض کاروں کے اندر بدمستیوں میں مصروف تھے۔

ٹائیگر کی نظریں عقب نما پر تھیں جس میں ایک پولیس کار نظر آرہی تھی۔ اس شیورلیٹ کی چھت پر سُرخ لائٹ جھلملا رہی تھی۔ تب ہی ٹائیگر کو ایک نئی ترکیب سوجھی اور اُس نے اوشان سے چند جُملوں میں اس کا اظہار بھی کردیا۔

دونوں کار سے اُتر کر پولیس کار کی طرف بڑھ گئے۔

ٹائیگر نے پولیس کار کے سامنے پہنچ کر دونوں ہاتھ ہلائے۔ کار رُک گئی۔ "کیا بات ہے؟ راستے سے ہٹو۔ پولیس کے کام میں مداخلت مت کرو۔" ڈرائیور نے اپنی کھڑکی کا شیشہ اُتار کر کہا۔

"بالکل درست۔" ٹائیگر ڈرائیور کے قریب پہنچ گیا۔

"یقیناً درست۔" اوشان عقبی سیٹ والے دروازے پر پہنچ کر بولا۔ اس کے ساتھ ہی ٹائیگر نے ڈرائیور کے دروازے پر ہاتھ رکھا تو اُسے فوراً احساس ہوگیا کہ دروازہ مقفل ہے۔

"میری بات تو سنو۔" ٹائیگر نے کہا۔ "یہ مسئلہ بھی بہت اہم ہے۔"

"کیا بات ہے؟ کیسا مسئلہ؟" سُرخ رساں کی آنکھوں میں دھڑا دھڑ کئی سوال اُبھر آئے۔ اُس کے ساتھ ہی اُس کا دایاں ہاتھ بھورے کوٹ کی پھولی ہُوئی جیب کی طرف رینگ گیا۔

"میں کچھ مجرموں کو گرفتار کرانا چاہتا ہوں۔" ٹائیگر نے رازدارانہ لہجے میں کہا۔ "تم دیکھ رہے ہو کہ یہاں لوگ شاہراہ عام پر نہ صرف جُوا کھیل رہے ہیں بلکہ چرس اور ہیروئن بھی پی رہے ہیں۔ یہ سب کچھ فردوس کے قوانین امتناعِ منشیات کے خلاف ہے۔ بس انھیں گرفتار کرلو۔"

"سوری! میں اس سلسلے میں کچھ نہیں کرسکتا۔" پولیس مین نے جواب دیا۔ "ہمیں گرفتار کرنے کی ہدایت دی گئی ہے۔"

"کیا یہی احترام قانون کا تقاضا ہے؟" آفیسر؟" ٹائیگر نے حیرت کا اظہار کرنے کے لیے دونوں کندھے اُچکائے۔

"میں مجبور ہوں۔"

"خیر ٹھیک ہے۔" ٹائیگر مایوسی سے بولا۔ "کیا تمہارے پاس ماچس ہوگی؟"

"کیا بکواس کیے جارہے ہو؟" پولیس مین نے جواب دیا... اور گاڑی آگے بڑھ گئی۔ ٹائیگر مایوسی سے سر ہلا کر رہ گیا۔

"دیکھا، ٹسل فادر! کتنے بے مروت لوگ ہیں۔"

اوشان نے بھی ایک طویل سانس لی اور اُس کا دایاں ہاتھ جو اُس کی پُشت کی اوٹ میں تھا، سامنے آگیا۔ اس میں کار کے دروازے کا ہینڈل تھا۔

"ارے... یہ کیا چیز ہے؟" ٹائیگر نے حیرت سے پوچھا۔

"پولیس کار کا ہینڈل... اگر تم اگلی نشست پر بیٹھ جاتے تو میں بھی عقبی نشست پر بیٹھنے کا انتظام کرچکا تھا۔" اوشان نے بیزاری سے جواب دیا۔ "لیکن تم تو ایک دروازہ کھولنے کے قابل بھی نہیں رہے۔ میرا خیال ہے کہ گزشتہ دو کیسوں کے دوران تمہارے اعصاب اور قویٰ استعمال نہیں ہُوئے۔ اسی لیے تم کاہل الوجود اور سُست ہوتے جارہے ہو۔ خیر اس مشن کے بعد ورزشوں کا نیا سیشن شروع ہوگا۔"

اوشان کا یہ فیصلہ سن کر ٹائیگر کی رُوح فنا ہوگئی۔ اُسے علم تھا کہ ورزش کا یہ سیشن کتنا طویل اور کتنا جان لیوا ہوگا۔ اوشان کی بات بھی درست تھی۔ دو ماہ سے اُسے ہاتھ پیر چلانے کا موقع ہی نہیں ملا تھا۔ غلطی بہرام کی تھی جو نہ جانے کیوں ایسے نامعقول کیس دے رہا تھا... پھر اوشان نے جب دوسرا ہاتھ سامنے کیا تو ٹائیگر کا منہ حیرت سے کھلا رہ گیا۔ اُس میں پولیس کار کی سُرخ لائٹ دبی ہوئی تھی۔

دونوں کار میں آکر بیٹھ گئے اور ٹائیگر نے لائٹ کے دونوں تار اگنیشن کے ساتھ منسلک کرکے جونہی کار اسٹارٹ کی، لائٹ جلنے بجھنے اور گھومنے لگی۔ اُس نے اس بار بہت تیزی سے کار چلائی اور اُسے ہیرو نیچی چرسی راستہ دینے لگے۔ سُرخ لائٹ کا جادو سی کچھ ایسا تھا۔ اگرچہ کار کو دیکھ کر سیکڑوں لوگوں نے سیٹیاں بجائیں اور آوازے کسے مگر پھر بھی راستہ ملتا ہی رہا۔ "اتنی تیزی مت دکھاؤ۔" اوشان نے مشورہ دیا۔ اور پھر دونوں ٹانگیں سامنے والی نشست تک اُٹھا کر اُنھیں کنول کے آسن میں باندھ کر وہ کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔ دس سیکنڈ بعد اُس کی آنکھیں بند ہو گئیں۔ ٹائیگر سمجھ گیا کہ اوشان سو گیا ہے لیکن کچھ دیر بعد جب اُس نے انتہائی خطرناک انداز میں ایک کار کو اوورٹیک کیا تو اوشان کی آواز سُنائی دی۔ "احتیاط سے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے ساتھ میں بھی مارا جاؤں۔" یہ کہنے کے ساتھ ہی اُس نے آنکھیں کھول کر باہر دیکھا۔ ایک بوڑھا شخص جس کے ہاتھ میں ڈاکٹرز بیگ تھا، سر جھکائے پیدل چلا جارہا تھا۔

اوشان نے اُسے دیکھ کر سر ہلایا اور ٹائیگر کی طرف دیکھا... لیکن ٹائیگر نے یقیناً اُس شخص کو نہیں دیکھا تھا۔ اوشان نے آنکھیں پھر بند کرلیں۔ وہ سوچ رہا تھا کہ ایک کم عمر خاندان کے بارے میں اس کم عمر لڑکے کو بتانے کا کوئی فائدہ نہیں۔

*

میگوٹ نے بستر میں ہی ناشتہ کیا۔ سارہ اُس کے پہلو میں تھی۔ سارہ نے اپنے بیگ میں ہاتھ ڈال کر نیلی گولیوں کی ایک شیشی نکالی۔ گولیوں کو دیکھتے ہی اُس کا چہرہ کھل اُٹھا۔

"کچھ کھالو۔" میگوٹ نے کہا۔

"کیوں نہیں۔ لیکن میں پہلے مارننگ ٹانک استعمال کرتی ہوں۔" سارہ نے جان دار لہجے میں کہا۔ اُس نے گولی نکالی... لیکن اس سے قبل کہ گولی مُنہ میں جاتی، میگوٹ نے اُس کا ہاتھ تھام لیا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"میں نے ناشتہ کرنے کو کہا ہے۔" یہ کہہ کر اس نے گولی چھینی اور ایک طرف پھینک دی۔ اس کے بعد اس سے قبل کہ سارہ کچھ کہتی، اس نے ایک سینڈوچ سارہ کے کھلے منہ میں ٹھونس دیا۔

سارہ ایک لمحے تک گنگ سی رہی لیکن پھر اس کی آنکھوں میں ایک نئی تازگی اور چمک نے جنم لیا اور اس کا منہ چلنے لگا۔

"سینڈوچ ختم کر کے انڈے کھاؤ اور پھر کافی بناؤ۔" میگوٹ نے تحکمانہ انداز میں کہا۔

☆

سورج بلند تھا۔ ہر طرف گرمی تھی، حبس تھا اور یہ گرمی پانچ ایکڑ اراضی پر پھیلے ہوئے پنڈال پر بھی قیامت برسا رہی تھی۔ اس ماحول میں ٹائیگر اور اوشان ہینڈ اسٹینڈ تلاش کر رہے تھے۔

پنڈال میں اور اس کے باہر اس وقت دو لاکھ سے زیادہ افراد موجود تھے۔ اگرچہ ٹھوس کے ٹکٹ فروخت ہو چکے تھے لیکن لوگ مسلسل چلے آ رہے تھے اور پنڈال اب کھلی کچہری میں بدلتا جا رہا تھا۔ پروگرام کے منتظمین رقوم بٹور کر رینک میں جمع کرا چکے تھے۔ لہٰذا انھیں پروا نہ تھی کہ کتنے لوگ مفت میں دیکھنے آ رہے ہیں اور کتنے ٹکٹ والوں کو بیٹھنے کی جگہ ملی ہے۔

پورے گراؤنڈ میں لوگوں کے جھنڈ نظر آ رہے تھے۔ کچھ لوگ زمین پر آلتی پالتی مارے بیٹھے ہوئے تھے، کچھ نشستوں پر بیٹھ گئے تھے اور بہت سے چادریں بچھائے بیٹھے ہوئے تھے۔ بعض نے خیمے بھی گاڑ لیے تھے۔ ان کے چہروں کا رُخ کسی ایک سمت میں نہ تھا۔ لہٰذا ٹائیگر یہ اندازہ بھی نہ لگا سکا کہ اسٹیج کس طرف ہوگا۔

دونوں اب لوگوں کے آخری جھنڈ کے قریب سے گزر کر پندرہ فٹ چوڑے ایک میدان میں آ گئے تھے جس کے خاتمے پر بڑا سا نصف دائرہ بنا ہوا تھا۔ مزید پندرہ فٹ دور موٹر سائیکل سواروں کا ایک دستہ کندھے سے کندھے ملائے کھڑا تھا۔ یہ لوگ چمڑے کی جیکٹس پہنے ہوئے تھے اور ان کی کوشش یہ تھی کہ وہ سخت گیر نظر آئیں۔ ان کے عقب میں پندرہ فٹ بلند اسٹیج نظر آ رہا تھا اس کے چاروں طرف ساؤنڈ ٹاورز تھے تاکہ آواز دور دور تک پہنچ سکے۔

اوشان اور ٹائیگر میدان میں چلے آئے۔

"اوئے... بھاگو ادھر سے... یہاں داخلہ منع ہے..." سیاہ سوٹ میں ملبوس ایک موٹر سائیکل سوار نے انھیں للکارا دیا اور اس کے دوسرے ساتھی ایک جیسا لباس پہنے ہوئے تھے ان کے سینوں پر لکھا تھا.. "ڈرٹی ڈیول"

"گھبراؤ مت..." ٹائیگر نے اسے سمجھانا چاہا۔ "مگرم مالک کے دوست ہیں۔"

"چلے جاؤ..." سیاہ سوٹ والا اب طیش میں آ چکا تھا۔

ٹائیگر نے پُرتفکر انداز میں اوشان کی طرف دیکھ کر سر ہلا دیا اور پھر چمڑے کی جیکٹوں میں ملبوس باقی چار موٹر سائیکل سواروں کی طرف پلٹ گیا۔ "تم لوگوں سے پھر ملاقات ہو گی۔" اس کا لہجہ مہیب سا تھا اس کے بعد وہ اوشان کے ہمراہ ممنوعہ علاقے سے نکل آیا۔ اسی لمحے ایک لڑکی اچھلتی کودتی ہوئی آئی اور اوشان سے لپٹ گئی۔ "آہ... گو تم واپس آ گئے۔"

"نہیں۔ نہیں۔ میں صرف اوشان ہوں۔" اوشان کانپ گیا۔ گھبرا گیا تھا۔

"تم بھتیجا مجھے اس دنیا سے نکال کر ابدی حیات میں لے جانا چاہتے ہو اور اسی لیے اُترے ہو۔"

"کوئی کسی کو حیات ابدی میں نہیں لے جا سکتا لڑکی۔" اوشان اب سنبھل چکا تھا۔

"اوہ۔ سیاہ بالوں والی لڑکی مایوس ہو گئی۔" تب بوڑھی زمین کچھ دیر قبل ایسی باتیں کیوں کر رہی تھی..." اس لڑکی کے پیروں میں مزید تین لڑکیاں بیٹھی ہوئی تھیں وہ سب نوجوان تھیں ان کی آنکھوں میں ہلکی ہلکی دھند لاہٹ تھی اور ان کے چاروں طرف سگریٹوں کے ٹوٹے پڑے ہوئے تھے۔

"کیا شاندار انسان ہے..." سنہرے بالوں والی لڑکی بولی وہ بہت چہک رہی تھی... "بیٹھو... بیٹھ جاؤ... اور تم بھی بیٹھو۔" یہ دعوت ٹائیگر کے لیے تھی... "ہمیں اور باتیں بتاؤ..."

اوشان نے ٹائیگر کی طرف دیکھا جس نے جواب میں صرف کندھے اچکا دیئے۔ دونوں کو علم تھا کہ انھیں کہیں نہ کہیں تو بیٹھنا ہی ہے پھر یہ جگہ ہینڈ اسٹینڈ کے زیادہ قریب بھی تھی... یہ قربت کارروائی کے وقت کام آ سکتی ہے۔ اوشان آہستہ آہستہ کنول کا آسن بناتے ہوئے بیٹھ گیا جبکہ ٹائیگر بھونڈے انداز میں اس کے قریب ہی بیٹھ گیا اس کی نظریں ہجوم پر تھیں۔

ٹائیگر ہجوم کو دیکھنے لگا اور اوشان لڑکیوں سے باتیں کرتا رہا دو لاکھ سے زیادہ افراد باتیں کر رہے تھے جن کی آوازیں مل کر بھنبھناہٹ سی پیدا کر رہی تھیں اُسے اندازہ ہو رہا تھا کہ ان کے گرد لوگوں کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے، لوگ آتے جا رہے تھے اور اوشان کی باتیں سننے کے لیے وہیں بیٹھ رہے تھے۔

"کیا تم تبلیغی جماعت سے تعلق رکھتے ہو؟" ایک لڑکی نے اچانک ہی پوچھ لیا۔

"نہیں، وہ بہت عظیم لوگ ہوتے ہیں۔ یہ تو معمولی سا انسان ہے..." ٹائیگر نے اوشان کا منہ کھلنے سے قبل ہی جواب دے دیا۔

"تم کیا کرتے ہو؟" ایک اور لڑکی نے اوشان سے پوچھا۔

"میں اپنے گاؤں کے بھوک زدہ بچوں کا پیٹ بھرنے کے لیے رقم جمع کرتا ہوں۔" اوشان نے مسکرا کر جواب دیا۔

"کیسے جمع کرتے ہو... یہ بھی بتا دو..." ٹائیگر نے ہنستے ہوئے لہجے میں مشورہ دیا۔

"اس لڑکے کی باتوں پر کوئی توجہ نہ دینا..." اوشان نے وہاں موجود ہجوم سے کہا... ان لوگوں کی تعداد اب دو دو لاکھ سے بھی بڑھ گئی تھی... "تم لوگ جس شخص .... کو دیکھ رہے ہو اس کا منہ دیکھے بغیر ایک مہینے تک چل سکتا ہے لیکن اس کا دماغ کبھی کام نہیں کرتا۔"

تمام لوگ کھلکھلا کر ہنس پڑے اور سب ہی ٹائیگر کو دیکھنے لگے ٹائیگر کوئی جواب دینا چاہتا تھا لیکن اس سے کوئی جواب بن نہیں پڑ رہا تھا۔

لیکن اوشان کے ارد گرد بیٹھے ہوئے لوگوں میں ذرا سی بھی حرکت نہ ہوئی اور خاص طور سے لڑکیاں تو اوشان کی باتوں ہی میں دلچسپی لیتی ہیں۔ جو اس وقت ایسی دنیا میں جنت اور عزت کی باتیں کر رہا تھا جہاں ہر طرف نفرت اور عداوت کا راج ہے۔

ٹائیگر ہیلی کاپٹر کو دیکھتا رہا... جس کے دیکھنے والوں میں گیزر نیلسن بھی شامل تھا جو بلند اسٹیج کے بائیں طرف کھڑا ہوا تھا۔

"میں ڈاکٹر ہوں اور مجھے منتظمین نے موجود رہنے کی ہدایت کی ہے۔" نیلسن نے محافظوں سے کہا... "مجھے ہمدقت اسٹیج کے قریب رہنا ہے..."

"مجھے تمہارے بارے میں کوئی ہدایت نہیں ملی ہے" ڈرٹی ڈیول نے کہا۔

"بہرحال... مجھے تو ہدایت ملی ہے۔" گیزر نیلسن نے جواب دیا ہیلی کاپٹر سر کے اوپر آ چکا تھا عمارڈاو پر دیکھنے لگا جو اسٹیج اور درختوں کے درمیان کھلے اور خالی میدان میں لینڈنگ کرنے والا تھا۔

نیلسن نے اپنا ڈاکٹرز بیگ کھولا اور ہاتھ ڈال کر ایک سرنج نکال لی پھر وہ موقع کا منتظر رہا اور جونہی موقع ملا اس نے گارڈ کی جیکٹ میں سوئی پیوست کر دی سوئی گھونپ تک گئی گارڈ پلٹا اس کے چہرے پر غصہ کے آثار تھے منہ کچھ کہنے کے لیے کھلا لیکن لفظ نوکِ زبان پر ہی جم گئے اور گارڈ گر پڑا...

گرنے کی آواز سن کر دوسرا گارڈ متوجہ ہوا۔

"جلدی کرو..." نیلسن نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔ "میں ڈاکٹر ہوں اس شخص کو جلد از جلد میڈیکل ٹینٹ تک پہنچانا ضروری ہے۔"

گارڈ اپنے گرے ہوئے ساتھی کو دیکھتا رہا۔

"شاید گرمی کی شدت سے بے ہوش ہوا ہے۔" نیلسن نے کہا... پھر میڈیکل بیگ ہلاتے ہوئے بولا... "جلدی کرو اسے فوری علاج کی ضرورت ہے۔"

"ٹھیک ہے..." محافظ نے کہا... "حارث! ذرا میرا ہاتھ بٹانا..."

نیلسن بے ہوش محافظ کے قریب سے گزر کر اس بلند سیڑھی کی طرف بڑھ گیا جو خالی اسٹیج کے بائیں طرف لے جاتی تھی۔

ہیلی کاپٹر اب اتر چکا تھا۔ اس کا اسٹیج سے فاصلہ بیس فٹ سے زیادہ نہ تھا

نیلسن اوپر چڑھ گیا۔ یہاں سے وہ موٹر سائیکل سوار غنڈوں کو بخوبی دیکھ سکتا تھا۔ پھر اس کی نظر ایک ایسے حصے پر پڑی جہاں موجود بیس پچیس افراد بالکل خاموش بیٹھے ہوئے تھے بیشتر کی پشت اسٹیج کی طرف تھی اور ان کے وسط میں ایک زرد رو گھنگھریالی کنول کے آسن میں بیٹھا ہوا تھا اس کے قریب ایک نوجوان نظر آ رہا تھا۔

نیلسن کو معاً ہی اپنے پورے جسم میں سنسنی کا احساس ہوا اس کی چھٹی حس نے خبردار کر دیا کہ یہی وہ لوگ ہیں جن کا ذکر عبدالکریم نے کیا تھا۔ انھی لوگوں نے لیبہ کو قتل کیا ہے لہٰذا وہ پہلے انھیں قتل کرے گا۔ اس کے بعد سارہ کا نمبر آئے گا اور پھر وس لاکھ ڈالر سے زیادہ فلریبہ کے انتقام کی تھی۔

نیلسن نے بیگ ایک جگہ رکھ کر کھولا اور ریوالور کا

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

جائزہ لیا۔

اُدھر نیچے ہنگاموں کے باوجود اوشان مسلسل باتیں کیے جا رہا تھا پھر اوشان نے جینٹل اسٹینڈ کی طرف سر اٹھایا۔۔۔ اس بار ٹائیگر نے اس کی آنکھوں کا تعاقب کیا اسے اسٹیج کے زینے پر وہی شخص نظر آگیا جسے وہ پہلے بھی دیکھ چکا تھا۔ اسے یاد آگیا۔ سینما ہاؤس میں یہی شخص اس سے ٹکرایا تھا۔

سوال یہ تھا کہ اگر گنر نیلسن سارہ کو قتل کرنے کے لیے آیا تھا تو اس کا رخ ہیلی کاپٹر کی طرف کیوں نہیں تھا۔ سارہ کسی بھی وقت ہیلی کاپٹر سے اتر سکتی تھی۔

"میں جا رہا ہوں ٹل فادر۔۔۔" ٹائیگر کھڑا ہو گیا۔۔۔ "کیا آپ میرے ساتھ چلیں گے۔۔۔؟"

"میں اپنے دوستوں کی خاطر یہیں رُکوں گا۔" اوشان نے جواب دیا۔

"تب پھر محتاط رہنا۔۔۔"

"یس ڈاکٹر بہرام۔۔۔" اوشان نے مسکرا کر کہا کیونکہ اس وقت ٹائیگر کا لہجہ بہرام کے لہجے سے مختلف نہ تھا۔

ٹائیگر سرلا کر ایک طرف ہجوم میں سے راستہ بنانے لگا اور پھر ممنوعہ علاقے کے قریب جا کر رک گیا۔ اسٹیج کی وجہ سے اب نیلسن ٹائیگر کی نظروں سے اوجھل ہو گیا تھا۔ ٹائیگر نے آہستگی سے ایک گارڈ کی پشت پر پہنچ کر اس کی گردن پر ہاتھ رکھ دیا۔ اس کی انگلیاں گارڈ کی گردن کے مجروب پٹھوں پر جمی ہوئی تھیں انگشت شہادت گارڈ کی اس اہم رگ پر جم گئی تھی جو دماغ کو خون فراہم کرتی تھی۔ صرف تین سیکنڈ بعد گارڈ کا بدن ڈھیلا پڑ گیا لیکن ٹائیگر نے اسے گرنے نہیں دیا بلکہ سہارا دے کر ایک درخت تک لے گیا اور اس طرح کھڑا کر دیا جیسے گارڈ درخت سے ٹیک لگا کر سستا رہا ہو۔

اسٹیج کے دوسرے حصے کی سیڑھی پر نیلسن نے اپنا ریوالور نکال لیا اور پلیٹ فارم پر بیٹھ گیا وہاں ہارڈ لوپر ڈنگے ہوئے تھے ان ڈنگوں میں سوراخ بھی تھے گنر نیلسن نے ایک ایسے ہی سوراخ میں ریوالور کی نال رکھی اور اس کا رخ اوشان کی طرف کر دیا جواب بھی کنول کے آسن میں بیٹھا ہوا مسلسل باتیں کیے جا رہا تھا لوگ جن میں زیادہ تر لڑکیاں شامل تھیں اس کی باتیں بغور سن رہے تھے۔

لیکن اب گنر کو نوجوان نظر نہیں آ رہا تھا۔۔۔ آخر وہ کہاں گیا؟ نیلسن نے دائیں بائیں ہر سمت میں دیکھا لیکن اسے ملایسی ہوئی۔ "خیر کوئی بات نہیں۔ اس سے بعد میں نمٹ لوں گا پہلے اس بوڑھے کو ٹھکانے لگا دوں۔۔۔"

اس نے اوشان کی پیشانی کا نشانہ لیا لیکن دوسرے ہی لمحے اسے ایک اچھنبے کا سامنا کرنا پڑا۔ اس نے پیشانی کا نشانہ لیا تھا اور اوشان کی پیشانی بند + کا نشان صاف نظر آ رہا تھا لیکن اگلے ہی لمحے پیشانی اوجھل ہو گئی تھی اب اوشان بائیں طرف نظر آ رہا تھا لہٰذا نیلسن نے نشست درست کی ایک بار پھر پیشانی کا نشانہ لیا لیکن ایک بار پھر پیشانی نظر سے اوجھل ہو گئی۔ گنر نیلسن نے ریوالور کی نال جھکالی اسے حیرت تھی کہ بوڑھا اگرچہ کسی قسم کی حرکت نہیں کر رہا ہے لیکن پیشانی کا ربار فائر لائن سے کس طرح ہٹ رہی ہے؟

تب ہی اسے سینے میں دفن کئی خاندانی روایتیں یاد آگئیں۔ یاد کیا آئیں۔۔۔ ذہن کے کسی گوشے میں ٹکریں مارنے لگیں۔ وہ کسی ایک روایت کی تفصیل یاد کرنے کی کوشش کرنے لگا لیکن تحت الشعور سے ظہور تک کوئی روایت نہیں پہنچ سکی۔ وہ ذہن پر زور دینے لگا۔

لیکن پھر اسے زیادہ سوچنے کا موقع نہیں مل سکا کیونکہ اچانک ہی ہر طرف لگے ہوئے اوڈا سپیکروں سے آوازیں نکلنے لگی تھیں۔

"دوستو! کوئی کہہ رہا تھا۔۔۔" انسانوں سانس لینے والے لوگو! ہم میگوٹ اور ڈیڈ میٹ لائٹس کا تحفہ پیش کر رہے ہیں۔۔۔" آخری جملہ بہت زور سے چلا کر ادا کیا گیا تھا اور لوگ چیخنے والے سے زیادہ زور سے چیخ رہے تھے۔

گنر نیلسن نے مایوسی کے عالم میں سر جھٹک کر ریوالور پہلو سے لگا لیا اور کھڑا ہو گیا۔۔۔ اب اسٹیج پر دھواں چھوڑا جا رہا تھا۔ جو پورے اسٹیج کو گھیرنے لگا۔ پھر گنر کو مشین کے چلنے کی آواز سنائی دی۔ اسٹیج کے نیچے موجود لفٹ بلند ہونے لگی پھر میگوٹ اور ڈیڈ میٹ لائٹس نظر آنے لگے ان کے عقب میں سارہ کھڑی تھی جو جلد ہی گروپ سے ہٹ کر پیچھے ہو گئی اور پھر اچانک پہلا گیت شروع ہو گیا۔

ٹائیگر اب پلیٹ فارم کے نیچے سے ہوتا ہوا زینے پر چڑھنے لگا۔ وہ بہت آہستہ آہستہ پیر رکھ رہا تھا۔ آٹھ فٹ اوپر گنر نیلسن کو اسٹیج ہلتا ہوا لگا اسے یقین تھا کہ اس کی وجہ موسیقی اور ڈرم بیٹ نہیں کیونکہ وہ پہلے ہی موسیقی کی شدت کو ذہن میں متوازن بنا چکا تھا یہ تو کسی اور قسم کا ارتعاش تھا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔ اس سے آٹھ فٹ نیچے زینے پر اسے وہی نوجوان نظر آیا۔

ٹائیگر نے ایک اور قدم اٹھایا۔ اور پھر معاً ہی گنر نیلسن کے قریب پہنچ گیا۔۔۔

"سنو۔۔۔" ٹائیگر کا لہجہ بہت نرم تھا۔ "تمہارا بھائی فائر کرتے وقت پلکیں جھپکایا کرتا تھا نا؟"

"ہاں۔۔۔" نیلسن نے بہت مستحکم لہجے میں کہا۔

"تم نے اسے کیسے قتل کیا؟" اس نے آواز ذرا اونچی رکھی تھی کہ ٹائیگر سوال سن سکے۔

"ایمانداری کی بات تو یہ ہے کہ وہ اوشان کے ہاتھوں مارا گیا میں نے اسے قتل نہیں کیا۔"

"بوڑھے۔۔۔" نیلسن کو اب حیرت ہونے لگی کیونکہ یہی بات جمیل الکریم نے بتائی تھی تاہم نیلسن کو اس پر یقین نہیں آیا تھا۔

"ہاں۔۔۔" ٹائیگر اور آگے آگیا۔۔۔ "میرا خیال ہے کہ دائیں پیر کی ٹھوکر سے اس کا کام تمام ہوا تھا۔۔۔ لیکن میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا کیونکہ اس وقت میں موجود نہ تھا۔"

"یہ سفید جھوٹ ہے۔ بوڑھا ایسے ہر قابو نہیں پا سکتا تھا۔۔۔" نیلسن کو اب بھی یقین نہیں آیا۔

"تم نے سنا مجھ کا نام سنا ہے۔۔۔" ٹائیگر اور آگے آگیا نیلسن کے چہرے کی رنگت مدھم پڑ گئی۔۔۔ "ہاں۔۔۔ میں نے سنا ہے۔۔۔ لیکن وہ سب کچھ محض زیب داستان ہے۔"

نیلسن نے ایک گہری سانس لی۔ "اور اگر حقیقت ہے تب بھی تاریخ کا ایک مردہ باب۔"

"وہ زندہ ہے اور سانس لیتا ہے۔"

"مگر اب زیادہ عرصہ سانس نہیں لے گا۔" کہنے کو نیلسن یہ کہہ گیا لیکن اس کا دل بہت زور زور سے دھڑک رہا تھا اُسے اچانک ہی بہت سی کہاوتیں یاد آگئی تھیں۔

ٹائیگر ایک اور قدم آگے بڑھا چکا تھا اب وہ نیلسن کے بہت قریب تھا۔ نیلسن نے بھنویں پر انگلی رکھی، ایک زوردار آواز پیدا ہوئی جو موسیقی کے شور میں کسی کو سنائی نہ دی۔ ٹائیگر گر گیا۔۔۔ "مر گیا۔" نیلسن نے سوچا لیکن نہیں۔ ٹائیگر نے قلابازی کھائی، اس کا جسم کسی عقاب کی طرح جھپٹا اور پھر ریوالور نیلسن کے ہاتھ سے نکل کر دور جا گرا۔

وہ خالی ہاتھ ہو چکا تھا مگر لمحہ کا انتقام وہ ہر صورت میں لینا چاہتا تھا۔ یہ ذاتی انا کا مسئلہ بھی تھا اور خاندان کی طرف سے ذمہ داری بھی۔ وہ پلٹا۔ اور بھاگ نکلا۔ اب وہ پہلے لڑکی کا گلا گھونٹنا چاہتا تھا۔

وہ ایک ساتھ تین تین سیڑھیاں پھاندنے لگا۔ ٹائیگر نے لپک کر اسے پکڑنا چاہا لیکن پھر رُک گیا۔

اور پھر نیچے پہنچ کر نیلسن بھی رُک گیا۔ کیونکہ دوسرے زینے پر زرد رو بوڑھا اپنی قبا کے اندر ہاتھ باندھے ہوئے کھڑا مسکرا رہا تھا۔

ٹائیگر اوشان کی آواز نہ سن سکا لیکن لبوں کی حرکت سے اس نے اندازہ لگا لیا کہ اوشان کیا کہہ رہا ہے۔ "خوش آمدید مسٹر نیلسن!"

نیلسن غرایا اور ایک شانہ نیچے کر کے کسی سانڈ کی طرح اوشان کی سمت دوڑ گیا۔ انداز ایسا ہی تھا۔ جیسے کوئی انا بھینسا اوشان کو پیس کر رکھ دینا چاہتا ہو۔ ٹائیگر اپنی جگہ ساکت کھڑا رہا۔ اس کے لبوں پر مسکراہٹ بھی تھی اور آنکھوں میں اضطراب بھی لیکن جونہی نیلسن کسی خوفناک طوفان کی رفتار سے اوشان تک پہنچا۔۔۔ ماسٹر اپنی جگہ سے ہٹ گیا اور طوفان اس کے قریب سے بے عزر انداز میں گزرتا چلا گیا۔ اسی لمحے ٹائیگر نیلسن کے پیچھے لپک گیا۔

سارہ، میگوٹ اور بینڈ کے پیچھے کھڑی ہوئی سر تال کے مطابق پیر ہلا رہی تھی لیکن اچانک اس کی نظریں نیلسن پر پڑیں جو بہت تیزی سے اس کی سمت آ رہا تھا۔ مارے خوف کے اس کی آنکھیں پھٹی رہ گئیں۔ خوف کی وجہ نیلسن کے چہرے کے غضبناک تاثرات تھے۔

ٹائیگر اب زینے پر نیلسن سے کچھ دور تھا لیکن اسے اسٹیج پر ایک قبا کی جھلک سی نظر آئی اور پھر اس نے نیلسن کے ہاتھوں کو آگے پھیلتے ہوئے دیکھا وہ سارہ کو دبوچنے کی کوشش کر رہا تھا۔

خیروں جیسی غراہٹ نیلسن کے حلق سے پھر پیدا ہوئی لیکن فوراً ہی دم توڑ گئی کیونکہ ایک آہنی ہاتھ اس کے عقب سے نمودار ہو کر اسے پکڑ چکا تھا۔

پھر معاً ہی نیلسن ساکت و صامت نہ رہا۔ ڈاکٹر بن گیا اسے یاد آگیا کہ یہ گرفت کن کن نسوں کی کون کون سی ہڈیوں کو سرمہ بنا سکتی ہے۔ گرفت مضبوط سے مضبوط تر ہوتی جا رہی تھی اور پھر نیلسن کو اچانک ہی ہڈیاں چٹخنے کی آوازیں بھی سنائی دینے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

لگیں۔ یہ آوازیں اُس کی اپنی کنپٹی سے آرہی تھیں۔ اُسے ایسا لگا جیسے اُس کے بھیجے میں کئی جگہ نشتر چبھونے جا رہے ہوں۔ پھر تکلیف کا یہ احساس کم ہونے لگا اور موت اُس کے قریب آکر مسکرانے لگی۔ آخری لمحوں میں نیلسن لہرایا، جھکرایا اور پھر وہ گرتا چلا گیا۔ وہ پندرہ فٹ نیچے گارڈ کے کندھے پر گرا۔ گارڈ اس افتاد سے بوکھلا کر نیلسن کی لاش پر لوٹ پڑا۔ تاہم اُسے علم نہ تھا کہ وہ لاش کو زدوکوب کر رہا ہے۔

اوپر اسٹیج پر میگوٹ چلا رہا تھا۔ "حسن کی باتیں کرو" اور نیچے کئی محافظ نیلسن کے بے جان جسم پر چڑھ کر بیٹھ گئے تھے۔ اسی باعث اسٹیج اور شائقین کے درمیان محافظوں کی دیوار غائب ہوگئی۔ سب سے پہلے ایک لڑکی نے اس سے فائدہ اُٹھایا اور وہ دیوانہ وار اسٹیج کی طرف لپکی۔ دوسری نے اُس کی تقلید کی اور جب اُن دونوں کو کسی نے نہ روکا تو کئی لڑکیاں اسٹیج کی طرف دوڑنے لگیں۔

میگوٹ اس جنونی قافلۂ حسن و رنگ و بو کو اس طرح دیوانہ وار پیش قدمی کرتے ہوئے دیکھ کر گھبرا گیا۔

"سارہ جلدی کرو۔" میگوٹ چلایا ساتھ ہی اُس نے ایک بٹن پیر سے دبایا اور اُس کے دبتے ہی اسٹیج کا وسطی حصہ نیچے بیٹھنے لگا۔ تینوں لائنیں بھی گود کر وہیں آگئے اُدھر سارہ گنگ سی کھڑی تھی جسے ٹائیگر نے سہارا دے کر پلیٹ فارم تک پہنچایا۔ ٹائیگر نے اپنے دائیں طرف دیکھا۔ اوشان وہاں موجود مسکرائے جا رہا تھا۔

چند ہی لمحے بعد وہ اسٹیج کے نیچے سے نکل کر ہیلی کاپٹر میں سوار ہو چکے تھے اور ہیلی کاپٹر دو لاکھ افراد کے سروں کے اُوپر بلند ہوتا جا رہا تھا۔

ہیلی کاپٹر بلند ہوتے ہی بارش بھی ہونے لگی۔

"سارہ۔ تم ٹھیک ہو نا؟" میگوٹ نے بڑے بے برے پن سے پوچھا۔

"سو فی صد۔" سارہ نے ہنس کر جواب دیا۔ اُس کا لہجہ بہت صاف تھا۔ آواز صحت مند تھی اور اُس میں نشے کا نام تک نہ تھا ٹائیگر کو اس اچانک تبدیلی پر شدید ترین حیرت ہوئی۔

"کیا ہوا سارہ؟ کیا گولیاں ختم ہو گئیں؟" اُس نے پوچھا۔

"نہیں اچھے آدمی۔" سارہ نے مسکرا کر جواب دیا۔ "اب میں گولیوں سے چھٹکارا حاصل کر چکی ہوں"

"وہ کیسے؟"

"میگوٹ کے ذریعے۔" سارہ کے چہرے پر حیا کے کئی رنگ غالب آگئے۔ ساتھ ہی اُس نے میگوٹ کا بازو بھی تھام لیا۔ "ہم شادی کرنے والے ہیں۔"

"مبارک ہو۔" ٹائیگر قہقہہ لگا کر بولا۔ "وہ واقعی خوش نصیب ہے اپنے پہلے بچے کا نام میرے نام پر رکھنا۔"

"کیوں نہیں۔" سارہ چہک کر بولی۔ "اگرچہ تمہارا نام مجھے اچھا نہیں لگا لیکن پھر بھی... تم اچھے آدمی ہو اس لیے برا نام بھی رکھ لوں گی۔"

"میں جلد از جلد اپنے والد کو خیریت سے مطلع کرنا چاہتی ہوں۔" سارہ نے ذرا سے توقف کے بعد کہا۔

"والد کو۔" ٹائیگر تقریباً اُچھل پڑا۔ "کیا تم اُن سے رابطہ رکھتی ہو؟"

"ہاں روزانہ۔" سارہ مسکرا کر بولی۔ "میں یہ بتاتی ہوں کہ کہاں ہوں اور خیریت سے ہوں۔"

"اوہ۔ اب میں سمجھا۔" ٹائیگر نے پہلی بار واقعی کوئی معنی خیز لہجہ لیا تھا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ سارہ کے سر کی قیمت کس نے لگائی تھی۔ اس نے اتنی رقم کیوں رکھی تھی اور وہ یہ بھی سمجھ گیا کہ قاتلوں کو یہ علم کس طرح ہوا تھا کہ سارہ کہاں موجود ہے؟

تیز دھار کلہاڑی نے اُس کا ہاتھ کاٹ ڈالا تھا۔ خون "ویمنز سوشل کلب ہاؤس" کے دروازے اور حفاظتی چین کو سرخ کر رہا تھا۔

مسلم آباد کے ایک ایڈورٹائزنگ ایگزیکٹو کی اٹھارہ سالہ بیٹی اور گلستان یونیورسٹی میں سینئر کی طالبہ عندلیب غیر یقینی کے عالم میں اپنے زخم کو دیکھ رہی تھی۔ ٹیلی وژن اور فلم کی اداکارہ ہونے کے ناتے اُس نے بے شمار لوگوں کو قتل اور زخمی ہوتے دیکھا تھا۔ وہ خود خوفناک اور دہشتناک فلمیں بناتی رہی تھی کیونکہ یہ اُس کے لیے ایک دلچسپ موضوع رہا تھا۔ کچھ فلموں میں اُس نے خود اداکاری کی تھی اور بعض فلموں کا اسکرپٹ اُس نے لکھا تھا، کیمرا آپریٹ کیا تھا یا پھر میک اپ آرٹسٹ کی حیثیت سے خود اُس نے کئی مرنے والوں اور زخمیوں کا میک اپ کیا تھا۔

فلموں میں خون بہنے کے مناظر پر وہ اکثر ہنستی اور جب پلاسٹک کے چاقوؤں اور ہتھوڑوں سے مرنے یا زخمی ہونے والے اداکار یا اداکارائیں اپنے چہروں پر کرب اور اذیت کے تاثرات طاری کرتے تو وہ بے اختیار قہقہے لگاتی۔ شاٹ او۔ کے ہونے کے بعد میٹھے سیرپ جیسا خون اُن کے جسموں سے بہ رہا ہوتا اور وہ بھی

قریب کے ساتھ مل کر قہقہے لگاتے۔

"سپر آٹھ" نامی فلم میں ایک اسٹوڈنٹ ڈائریکٹر کی حیثیت سے اپنے قتل کے سین کو اُس نے دس مرتبہ ری ٹیک کرایا تھا۔ اُس فلم کا ہیرو عندلیب نے اپنے قاتل کے ساتھ مل کر اپنے قتل کا جشن منایا تھا۔ اُنھوں نے ایک دوسرے کے میٹھے ہونٹ کو یوں چوسا تھا جیسے دو بھنورے کسی پھول کا رس چوستا ہے اور جب عندلیب اپنے ڈریسنگ روم میں پہنچی تو فرش پر خشک ہو جانے والا میٹھا لہو، پسینہ اور خون آلود فلمی لباس جس کی یادگار کے طور پر محفوظ کر لیا گیا تھا۔

لیکن اب اُس کا زخم اصلی تھا جس سے بے تحاشا خون بہ رہا تھا۔ اُس نے اپنے کٹے ہوئے ہاتھ کو زمین پر پڑا دیکھا، زندگی میں پہلی بار اُسے درد کی شدید ترین اذیت کا احساس ہوا تھا۔ کٹا ہوا بے جان ہاتھ اُس کے سامنے ایرانی قالین پر پڑا تھا جس سے اُس کا اصلی خون بہ رہا تھا۔

تیز دھار کلہاڑی اب حفاظتی چین پر برسائی جا رہی تھی لیکن ابھی چین اپنی جگہ سلامت تھی۔ عندلیب کو کسی حلق سے ایک انسانی آواز سنائی دے رہی تھی جس میں حیوانیت کا عنصر زیادہ نمایاں تھا۔ اور دروازہ ٹوٹ گیا۔

ایک کے بعد ایک کئی حملہ آور ٹوٹا ہوا پٹ پھلانگتے ہوئے اندر گھس آئے۔ اپنی زندگی کے آخری چند سیکنڈوں میں عندلیب نے کئی حملہ آوروں کے چہرے دیکھے جو کاسٹنگ ڈائریکٹر کے تصورات سے کہیں زیادہ بھیانک تھے۔ اُنھوں نے بازاری کپڑے پہن رکھے تھے... بھاری بوٹ، بیلک جینز، سیاہ نائیلون کی جیکٹس اور اُن کے سر اور چہروں پر چڑھے ہوئے نقاب۔ اُنھیں کسی اور ہی دنیا کی مخلوق ظاہر کر رہے تھے۔ نقابوں میں سے جھانکتی ہوئی آنکھیں، عندلیب کو انگاروں کی طرح محسوس ہوئی تھیں جن میں نفرت کے الاؤ دہک رہے تھے۔

عندلیب نے درد کی اذیت اور کرب کے باوجود اپنے سلامت ہاتھ سے حملہ آوروں کو پیچھے دھکیلنے کی کوشش کی لیکن اس کوشش کا انجام اُس کی موت کی صورت میں نکلا۔ چند ہی ثانیوں کے اندر اندر حملہ آوروں نے اُسے سر، بازوؤں اور ٹانگوں سے محروم بے جان گوشت کے لوتھڑے میں تبدیل کر دیا تھا۔ وہ آوارہ گرد اُس کے مُردہ گوشت پر آزمائی کرتے رہے جبکہ باقی کلب ہاؤس کے مختلف کمروں میں پھیل گئے تھے۔

ایک آوارہ گرد، سعید جاتی ٹائیلٹ لگے کیبن میں گھس گیا۔ ارغوانی رنگ کا ریشمی کیمونو پہنے ایک نوجوان لڑکی ریفریجریٹر میں سے کچھ نکال رہی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ چیخ سکتی، تیز دھار چھوٹی کلہاڑی اُس کے سر کو دو ٹکڑے کر کے اُس کا مغز، سفید ٹائلوں پر بکھیر چکی تھی۔

دوسرا حملہ آور پہلی منزل کے ایک بیڈ روم میں جا گھسا۔ دروازے کی کمزور کنڈی کو ٹھوکروں سے توڑ کر جب وہ اندر گھسا تو انھیں دو بستروں پر دو انسانی جسم نظر آئے۔ شور سے اُن کی آنکھ تو کھل گئی لیکن ذہن ابھی تک سویا ہوا تھا۔

"گیٹ آؤٹ، ڈٹ..."

"ہو...؟"

لیکن آوارہ گردوں کی کلہاڑیوں نے نوجوان لڑکیوں کے احتجاجی جملے پورے نہیں ہونے دیے۔ مرنے کے بعد بھی بے لباس لڑکیوں کے جسم ٹکڑوں میں تبدیل ہوتے رہے۔ چند لمحوں بعد دونوں بستروں پر زندگی سے بھرپور دعائیوں کی بجائے اُدھڑے ہوئے گوشت اور ٹوٹی ہوئی ہڈیوں کے ڈھیر پڑے تھے۔

راک اینڈ رول کی موسیقی پر ایک چیخ غالب آگئی۔ سرخ رنگ کے کپڑے پہنے ہوئے ایک لڑکی، لونگ روم سے نکل کر چیختی چلاتی سیڑھیوں کی طرف بھاگی۔ ایک شاٹ گن سے نکلنے والی گولیوں نے اس کی ٹانگوں کے پٹھے اُڑا ڈالے اور وہ سیڑھیوں پر گر کر لڑھکتی ہوئی نیچے پہنچ گئی۔ ایک نقاب پوش نے بھاگ کر خون میں نہائی ہوئی نوجوان طالبہ کو جا لیا۔ پہلے اُس نے شاٹ گن کا بٹ لڑکی کی جھکی ہوئی کمر پر مارا اور پھر بیرل اُس کے خوبصورت رخسار پر رکھ کر گولی چلا دی۔ لڑکی کا بھیجا دور دور تک بکھر گیا۔

نقاب پوش نے لڑکی کی سر بریدہ لاش کو ایک زبردست ٹھوکر رسید کی اور جیکٹ کی جیب سے سگریٹ نکال کر اُس کے قریب ہی بیٹھ گیا... پھر اُس نے اپنے چہرے سے سرخ رنگ کا نقاب نوچ ڈالا۔

نقاب کے نیچے سے ایک بھیانک چہرہ برآمد ہوا تھا۔ اُس کے اگلے کئی دانت ٹوٹے ہوئے تھے۔ دائیں رخسار پر زخم کی ایک لمبی سی لکیر تھی۔ جبکہ اُس کی آنکھ کسی لڑائی کا نشانہ بن چکی تھی۔ اُس نے دوسری جیب سے لائٹر نکال کر سگریٹ سلگا لیا اور گہرے گہرے کش لینے لگا لیکن سگریٹ پینے کا انداز بڑا مجنونانہ تھا۔ سگریٹ کا جلتا ہوا سرا متعدد بار اُس کے چہرے اور ہونٹوں پر لگا لیکن اُس نے اُف تک نہ کی۔ اُس کی آنکھیں بند تھیں اور وہ کش پر کش لگا رہا تھا۔ بالآخر جب وہ بے حس و حرکت ہو کر سیڑھیوں پر لڑھکا تو سگریٹ کا جلتا ہوا سرا اس وقت بھی اُس کے ہونٹوں میں دبا ہوا تھا۔ سلگتی ہوئی آگ رفتہ رفتہ اُس کے ہونٹوں کی طرف بڑھ رہی تھی لیکن وہ اس سے بے پروا تھا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کئی لمحے وہ اسی طرح بے حس و حرکت پڑا رہا۔ سگریٹ کی تپش اُس کے ہونٹوں کو جلا رہی تھی لیکن اُس کے مُنہ سے کوئی سسکاری نہیں نکلی۔ وہ بند آنکھوں سے نہ جانے کیا سپنے دیکھ رہا تھا پھر اچانک اُس نے آنکھیں کھول دیں اور اُٹھ کر اپنی شاٹ گن کو کسی ننھے سے بچے کی طرح تھپکنے لگا۔ اُس نے زندگی کے آخری سرے تک پہنچ جانے والی سگریٹ ہونٹوں سے الگ کی اور اُٹھ کھڑا ہُوا۔ نقاب اُس نے دوبارہ اپنے چہرے پر چڑھا لی۔

پُورا کلب ہاؤس اب بھی ٹریکوں کی چیخوں اور آہ و بکا سے گُونج رہا تھا۔ لابی میں ڈُوبی ہُوئی آوازیں سُن کر اُس میں جیسے زندگی کی نئی لہر دوڑ گئی۔ اُس نے ایک بھرپُور قہقہہ لگایا۔

"موت تمہارا مقدر ہے، بازاری عورتو!" وہ غرّایا اور شاٹ گن سنبھال کر اندرونی کمروں کی طرف چل دیا۔ اب وہ قتلِ عام میں اپنا کردار ادا کرنے کے لیے دوبارہ تیار ہو چکا تھا۔

صبح کے نو بج کر چھپن منٹ ہونے تھے کہ مملکتِ ڈوموس کے ایک صوبائی دارالحکومت کے شہریوں پر قیامت ٹوٹ پڑی۔

ہر شخص اس بات پر حیران تھا کہ اللہ تعالیٰ نے قیامت کی سات نشانیاں بتائی تھیں اور پھر قیامت آنے سے پہلے اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کا چالیس سالہ دور بھی تو گزرنا تھا، امام مہدیؑ کا ظہور ہونا تھا اور حضرت عیسیٰؑ نے زمین پر قدم رنجہ فرمانا تھا۔ ابھی تو اُن سات میں سے کئی نشانیاں پوری نہیں ہُوئی تھیں۔ امام مہدیؑ کا ظہور اور حضرت عیسیٰؑ کا نزول ابھی باقی تھا... لیکن پھر وہ تباہی بپا ہُوئی کہ نہ کوئی نشانی یاد رہی اور نہ کسی کا نزول و ظہور۔ ذہنوں میں لہرایا۔

بارڈن آباد کے نواحی علاقے میں پہلے چند دھماکے ہُوئے... اور آگ اور دھُوئیں کے مہیب مرغولے آسمان کی طرف بلند ہوتے دیکھے گئے... پھر تو دھماکوں کا لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا اور قیامت 'میزائلوں' راکٹوں اور بموں کی صورت میں معصوم بے گناہ اور لاعلم شہریوں پر برس پڑی تھی۔ اُن کی اُن میں پورے شہر میں خبر پھیل گئی کہ مملکتِ ڈوموس پر پڑوسی مُلک نے حملہ کر دیا ہے۔ اس وقت تک کسی کو یہ معلوم نہ تھا کہ اس گھر کہ گھر کے چراغ ہی سے آگ لگ گئی ہے۔

لیکن تھوڑی دیر کے بعد ہی پتا چل گیا کہ یہ قیامت صغریٰ دارالحکومت کے مضافاتی علاقے میں واقع جوہری بارُود کے ڈپو میں ہونے والے دھماکوں کی وجہ سے برپا ہُوئی ہے۔ ڈپو سے میزائل اور بم چاروں طرف تباہی پھیلانے لگے، جگہ جگہ آگ لگ گئی۔ آسمان پر دھُوئیں کے سیاہ دیو بادل چھا گئے۔ اسلحہ ڈپو سے اُڑنے والے بم اور میزائل تیس سے چالیس کلومیٹر کے علاقے میں گرتے رہے جس سے شہر کی عمارتیں بُری طرح لرزتی رہیں۔ اسلحہ خانے سے نکلنے والے راکٹوں کی تباہی کے باعث پورے دارالحکومت میں زبردست افراتفری مچ گئی تھی' درجنوں گھروں میں آگ لگ گئی۔ دو ہزار سے زائد مقامات پر تیس ہزار سے لگ بھگ راکٹ اور میزائل فائر ہونے کی وجہ سے بارڈن آباد کے دس لاکھ شہری خوف و ہراس میں مبتلا ہو کر گھروں سے نکل آئے اور اِدھر اُدھر دوڑنا شروع کر دیا۔

راکٹ اور میزائل پھٹنے سے کئی میل کے علاقے میں ہر طرف خُون اور انسانی گوشت کے لوتھڑے اور ٹکڑوں ہی دھُواں دھُواں نظر آ رہا تھا۔ اسپتال زخمیوں سے بھر گئے، پانچ سو سے زائد افراد جاں بحق ہُوئے، دو ہزار سے زائد زخمی اور پانچ ہزار کے قریب لاپتا ہو گئے... دارالحکومت چار گھنٹوں تک دھماکوں سے لرزتا رہا۔ اڈے اور مکانات' دُکانیں' کارخانے اور دفاتر تباہ ہو گئے۔ صُوبائی سیکرٹریٹ سمیت متعدد سرکاری تنصیبات کو زبردست نقصان پہنچا۔

ڈپو میں دھماکے شروع ہونے کے ساتھ ہی دارالحکومت کے ایئرپورٹ کو پروازوں کے لیے بند کر دیا گیا۔ ہوائی اڈے پر کھڑے طیاروں پر بھی میزائل اور بم گرنے لگے تو تباہ ہو گئیں۔ جبکہ مسافروں کے لاؤنج اور دوسرے حصّوں کو شدید نقصان پہنچا۔ ایئرپورٹ پر کوئی جانی نقصان تو نہیں ہُوا، البتہ کارگو کمپلیکس میں لگے بھڑکتے ہُوئے مسافروں کو طیاروں سے لاؤنجوں تک پہنچانے والی قیمتی گاڑیاں بھی جل کر خاکستر ہو گئیں۔ طیارے کو اسٹارٹ کرنے کی غرض سے پاور سپلائی کرنے والے گراؤنڈ پاور یونٹ کی دو گاڑیاں میزائل لگنے سے تباہ ہو گئیں۔ جس وقت دھماکے شروع ہُوئے عین اُس وقت فضائی کمپنی کا ایک طیارہ ٹیک آف کر رہا تھا وہ ہوا کے شدید دباؤ کا شکار ہُوا لیکن ذہین پائلٹ نے جہاز پانچ بار دائیں بائیں جھول جانے والے طیارے کو قابو میں کر لیا اور یُوں اُن تین سو مسافروں کی جانیں بچ گئیں جو اس ویومیکل جمبو میں سوار تھے۔

دارالحکومت میں ہونے والے ان دھماکوں کے دوران بعض بڑے جاں گسل لمحات دیکھنے میں آئے۔ ایک نوجوان جوڑا اپنی سوزوکی کار میں سفر کر رہا تھا۔ دارالحکومت کے مغربی نظر آباد پر راکٹوں اور میزائلوں کی بارش ہو رہی تھی جس سے بچنے کے لیے موٹر بہت تیزی سے کار چلانی شروع کر دی لیکن 'ای' بلاک میں کار کے عین سامنے سڑک پر ایک راکٹ آ گرا جس سے بچنے کے لیے نوجوان نے کار سڑک کی ایک جانب روک لی اور اپنے برابر بیٹھی خاتون کو دیکھا۔ عین اُسی لمحے ایک راکٹ اُسے اور مذکورہ عورت کو آ کر لگا جس سے مرد کی گردن شانے سے الگ ہو کر اُچھلتی ہُوئی دُور جا گری۔

ایک میزائل مؤمتاز آباد کے ایک گھر میں آ گرا۔ صحن میں ایک خاتون برتن مانجھنے میں مصروف تھی۔ دھماکے کے بعد جب اہلِ خانہ نے صحن میں جھانک کر دیکھا تو انھیں اس خاتون کی بجائے ایک ایسی مسخ شدہ عورت ملی تھی جس کی دونوں ٹانگیں اور دایاں ہاتھ جسم سے الگ ہو گیا تھا۔

ایسے میں جب پورے دارالحکومت میں قیامت بال کھولے ماتم کناں تھی، تباہ ہونے والے ڈپو سے محض چند سو گز کے فاصلے پر، درختوں کے ایک جھنڈ میں تین افراد نیم دائرے کی شکل میں بیٹھے، اپنے چوتھے ساتھی کا انتظار کر رہے تھے جو اسلحہ اور گولا بارود سے بھرا ہوا ایک ٹرک لے کر ٹھیک ساڑھے نو بجے ایمونیشن ڈپو میں داخل ہُوا تھا۔

انتظار کرنے والے تینوں افراد، حُلیے سے بازاری اور پرلے درجے کے غنڈے نظر آتے تھے۔ اُن کی آوازیں تو انسانی تھیں، البتہ حرکتیں غیر انسانی اور قہقہے شیطانی تھے۔ اُنھوں نے لمبے بُوٹ، سیاہ جینز، سیاہ جیکٹیں پہن رکھی تھیں جبکہ اُن کے مُنہ اور سروں پر سُرخ رنگ کے نقاب منڈھے ہُوئے تھے۔ جس میں سے اُن کی صرف آنکھیں اور مُنہ باہر نظر آ رہے تھے۔ نقاب سے جھانکنے والے ہونٹوں کے درمیان سگریٹ دبے ہُوئے تھے جنھیں وہ تھوڑی تھوڑی دیر بعد اپنے ہونٹوں سے الگ کرنے کے بعد ایک دوسرے کے جسموں سے مس کرتے۔ گوشت جلنے کی ناگوار بُو تھوڑی دیر کے لیے پھیلتی لیکن کسی کے مُنہ سے چیخ تو کُجا، سسکاری بھی آزاد نہ ہوتی۔

اُن کے درمیان سیاہ رنگ کا ایک بکس رکھا ہُوا تھا جو پہلی نظر میں ہی ڈیونیٹر سوئچ کے علاوہ کچھ اور نظر نہیں آتا تھا۔ اُن کا چوتھا ساتھی اسلحے سے بھرا ہُوا ٹرک لے کر اسلحہ خانے میں داخل ہُوا تھا۔ اُس میں ڈیونیٹر فٹ تھا جسے داخلے کے پندرہ منٹ بعد اُڑایا جانا تھا۔ اسلحہ خانے سے واپس اُن کے ٹھکانے تک کا فاصلہ پیدل دس منٹ کا تھا... اور اُن کے ساتھی کو نوچ کر پینتالیس منٹ پر اُن کے پاس واپس آ جانا چاہیے تھا جس کے بعد نوچ کر چھیالیس منٹ پر ڈیونیٹر کا سوئچ آن کر دیا جاتا۔ لیکن اُس کے ساتھیوں نے مزید دس منٹ انتظار کیا تھا۔ جس کے بعد نوچ کر چھپن منٹ پر انھوں نے ایک بٹن دبا کر دس لاکھ سے زائد معصوم شہریوں پر موت و دہشت کے دروازے کھول دیے تھے۔

شور شرابے، افراتفری، لوگوں کی آہ و بکا اور پھٹنے والے میزائلوں اور بموں کے دھماکے انھیں اپنے سروں کی پُشت پر محسوس ہو رہے تھے لیکن حیران کن بات یہ تھی کہ دھماکوں میں جُوں جُوں شدت پیدا ہو رہی تھی تُوں تُوں، اُن کی خوشیوں میں بھی اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ اس دہشت

میں وہ اپنے ساتھی کو بھُول گئے جو اب تک نہیں آیا تھا اور شاید اب اُس کی واپسی کبھی بھی ممکن نہیں تھی۔

احمد... سادہ کا باپ بہت آسان شخص ثابت ہوا وہ گلشن نگر کے ایسٹ سکسٹی ون میں پندرہ لاکھ کی کوٹھی میں رہتا تھا.... اس کی حفاظت کے لیے بہت سے لوگ تھے۔

پہلا ایک کالا ساحبشی تھا جس کے عضلات چست قمیص کے نیچے پھڑک رہے تھے۔

وہ ٹائیگر کی بائیں کنپٹی کا وار سہہ گیا لیکن دائیں کنپٹی کا وار اس کی گردن پڑا اور وہ ڈھیر ہو گیا۔

دوسرا ایک جاپانی تھا۔ اس کے تیور خطرناک تھے لیکن اسے دیکھ کر ادوشان نے بُرا سا مُنہ بنا لیا۔ جاپانی نے دونوں ہاتھوں کی دسوں اُنگلیاں کوبیلوں کی شکل دے کر ادوشان کا سینہ چیرنا چاہا تھا لیکن ادوشان حقارت سے تھُوک کر ایک طرف ہو گیا تھا اور پھر ٹائیگر کو اس کے سامنے آنا پڑا تھا۔

"ہی ہا ہو" جاپانی غرّایا۔ ٹائیگر نے جھکائی دے کر ہلکی سی ٹک ماری جاپانی دیوار کے قریب جا گرا اور ساکت ہو گیا۔

اچانک ہی ادوشان کا بادہ فنا میں معلق نظر آیا کیونکہ عقب سے کسی نے ٹائیگر پر حملہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ ادوشان دُبلا پتلا دراز قد شخص تھا لیکن نہ جانے ایسی کیا بات تھی کہ ادوشان کو خود اس کا مقابلہ کرنے کے لیے میدان میں آنا پڑا تھا۔ دُبلے پتلے آدمی نے ادوشان کے دونوں ہاتھ پکڑ لیے۔ لیکن شاید یہی اس کی غلطی تھی۔ ادوشان نے اس کی قوت اسی کے خلاف استعمال کرتے ہوئے اُلٹی قلابازی کھائی، اس کے دونوں بیرا اس شخص کے پیٹ پر پڑے اور پیٹ پھٹ کر آلائش باہر نکل گئی۔ وہ شخص چند لمحوں تک حیرت سے اپنی آنتوں کو دیکھتا رہا اور پھر ڈھے گیا۔

احمد نے مرنے سے قبل جو چیخ ماری تھی وہ ان دو کے سوا کوئی اور نہ سُن سکا تھا۔ چیخ مارتے سے قبل اس نے ایک خط لکھا تھا جس میں یہ واضح کیا تھا کہ وہ خود کشی کر رہا ہے اس خط میں ان تمام کمپنیوں کی تفصیل تھی جو گندم کے عوض اسلحہ کی اسمگلنگ کرتی تھیں۔ گندم کی اسمگلنگ کے باعث ملک میں قیمتیں جس طرح بڑھ رہی تھیں خط میں اس کا ذکر تھا۔

"آل اور چیف" ٹائیگر نے وہیں سے بہرام کو فون کیا۔

"اوہ" بہرام کے لہجے میں حیرت نہیں اطمینان تھا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"میرا خیال ہے کہ سارہ کو اب سینٹ میں پیش ہونے کی ضرورت نہیں۔"

"ٹھیک ہے۔"

"اور کچھ سوٹ ہارٹ؟"

"یہ کہ اب بہت ہوشیار رہو۔ ایک بہت خطرناک اہم مہم درپیش ہے، بلکہ یوں سمجھو کہ تمہاری ناک کے نیچے یہ خطرناک واقعات شروع ہو چکے ہیں۔ یہ مہم ہر حال میں کامیاب ہونی چاہیئے کیونکہ اس کی کامیابی پر فردوس کی بقا کا سوال ہے ہو سکتا ہے اس سلسلے میں مجھے بھی وہاں آنا پڑے۔"

"کیا بقا کا ٹھیکہ ہم نے ہی لیا ہے چیف۔" ٹائیگر دانت پیس کر بولا۔

"یہ تمہارا فرض ہے۔"

"پھر آپ کا بھی ایک فرض ہے۔"

"وہ کیا؟"

"کوئی ایسی لڑکی تلاش کریں جس کے چہرے پر سیکڑوں بھونرے تل ہوں اور۔۔۔"

دوسری طرف سے رابطہ منقطع ہو چکا تھا۔

☆

دس کے دشمن پڑوسی ملک کے سرخ بالوں والے نوجوان راہول ویلنسیا نے کار کے انجن میں دسویں مرتبہ چابی گھمائی لیکن کار کا انجن حسب سابق دھیمے انداز میں کھانس کر رہ گیا۔

اس کے دائیں جانب صرف ایک ہاتھ کے فاصلے پر قومی شاہراہ کا تیز رفتار ٹریفک ساٹھ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے گزر رہا تھا۔ اس کے دونوں بیٹے میگول اور تھامس عقبی سیٹوں پر بیٹھے ہونے ٹریفک کا جائزہ لے رہے تھے جبکہ اس کی بیوی ماریا، شیر خوار بچی کو سینے سے چمٹائے۔۔۔ خوف زدہ انداز میں سکڑی سمٹی بیٹھی تھی۔

جب ویلنسیا کار کے انجن سے بالکل مایوس ہو گیا تو وہ کار کو دھکیل کر سڑک کے ایک جانب لے آیا لیکن اس کام میں اسے کتنی مشکل ہوئی تھی، یہ صرف وہی جانتا تھا۔ کار کا برقی نظام گتی طور پر ساتھ چھوڑ گیا تھا اور کسی قسم کی روشنیوں اور بریک سے عاری کار کو دھکیل کر ایک طرف کرنا بذات خود ایک خطرے کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔ کئی مرتبہ اسے محسوس ہوا کہ عقب سے آنے والا کوئی بھاری ٹرک اس کے خاندان کے پرخچے اڑا دے گا۔

وہ گلستان سے رحیم آباد کے لیے روانہ ہوا تھا لیکن ابھی مضافاتی علاقے میں ہی تھا کہ عین سڑک کے درمیان کار بند ہو گئی اور وہ بے یار و مددگار رہ گئے۔ گلستان کی آخری روشنیاں صرف چند سو گز کے فاصلے پر تھیں لیکن وہ اپنی کوششوں سے مایوس ہوئے بغیر شہر واپس جانے کا خطرہ مول نہیں لینا چاہتا تھا۔

وہ غیر قانونی طور پر فردوس کی سرحدوں میں داخل ہوا تھا۔۔۔ اور اب تک وہیں مقیم تھا۔ اپنے غیر قانونی قیام کی وجہ سے وہ ہر وقت۔۔۔ پولیس سے خوف زدہ رہتا تھا اور اس سے چھپتا پھرتا تھا۔ وہ کار کو ایک طرف کر کے اسے اسٹارٹ کرنے کی کوشش کرنا چاہتا تھا تاکہ اس سے پہلے کہ شہر قریب ہونے کی وجہ سے ہائی وے پولیس کی کوئی گاڑی رک کر اس کی مدد کرتی اور اس سے کاغذات طلب کرتی، وہ یہاں سے نکل چکا ہوتا۔

اگر پولیس اس سے پوچھ گچھ کرتی تو یا اسے جیل میں ڈال دیا جاتا یا پھر سرحد کے پار دھکیل دیا جاتا اور اس نے ذہنی طور پر خود کو دونوں سزاؤں کے لیے تیار کر لیا تھا لیکن وہ کار اسٹارٹ کرنے کی حسرت لیے دونوں میں سے کسی سزا کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔

اس نے کار کی سیٹ کے نیچے سے فلیش لائٹ نکالی۔۔۔ اور بونٹ کا بونٹ کھول کر انجن پر جھک گیا۔ جلد ہی اسے پتا چل گیا کہ بیٹری کیبل ٹوٹ گیا ہے۔

کوئی مسئلہ نہیں، ایک جمپر کی مدد سے وہ بیٹری کو استعمال کے قابل بنا سکتا تھا۔ اس نے بونٹ کھلا چھوڑا اور اگنیشن سے چابی نکال کر ڈکی کی جانب چل پڑا۔ اسے جمپر کیبل بھی آسانی سے مل گیا تھا۔

اسی لمحے عقب سے آنے والی کسی گاڑی کی روشنی میں بونٹ پوری طرح نہا گئی۔ راہول اچھل کر ایک طرف ہٹا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا کہ کوئی گاڑی رکنے کے لیے آہستہ ہوئی ہے۔

ہائی وے پولیس؟ ٹرک؟ لیکن ہائی بیم کی براہ راست آنکھوں میں پڑنے والی روشنی کے باعث وہ کچھ نہیں دیکھ سکا تھا۔۔۔ وہ اپنی جگہ ساکن سے کھڑا گاڑی قریب آنے کا انتظار کرتا رہا۔ گاڑی میں پستول موجود تھا لیکن وہ یہ غلطی کر کے پولیس کو مزید بھڑکانا نہیں چاہتا تھا۔

راہول ویلنسیا کو روشنی کی وجہ سے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا لیکن وہ اس گولی کی آواز بھی نہیں سن سکا تھا جو اس کے سینے میں پیوست ہو گئی تھی۔ طاقت ور رائفل سے چلائی جانے والی گولی نے اسے دس فٹ دور اچھال دیا۔ وہ پشت سیدھ کے سامنے زمین پر گرا۔ لیکن اس سے پہلے کہ اس کی بیوی چیختی، اس کی روح جسم کا ساتھ چھوڑ چکی تھی۔

آوارہ گردوں کا ایک غول، بوک کے پیچھے آ کر رکنے والی کار سے اتر آیا جبکہ ڈرائیور انجن اسٹارٹ کیے کار ہی میں بیٹھا رہا۔ اترنے والوں نے آگے بڑھ کر بوک کی کھڑکیوں کے شیشے توڑ ڈالے۔ ایک

آوارہ گرد نے ماریا ویلنسیا کو بالوں سے پکڑا اور کار سے باہر کھینچنے لگا۔ اس کے آٹھ سالہ بیٹے میگول نے اپنی ماں کی مدد کے لیے حملہ آور کا چہرہ نوچنے کی کوشش کی لیکن اس کے ننھے منے ہاتھ محض سرخ رنگ کے نقاب سے الجھ کر رہ گئے۔

دوسرے آوارہ گرد نے آٹھ سالہ میگول کی پسلیوں میں خنجر گھونپ دیا۔ تیسرے نقاب پوش نے اعشاریہ ۳۸ کے پستول کی نال عقبی سیٹ کی طرف کر کے گولی چلا دی اور چھ سالہ تھامس وہیں اوندھا ہو گیا۔ بوک کی عقبی سیٹوں کے سفید کشن دونوں بھائیوں کے خون سے سرخ ہو گئے۔

ماریا نے اپنی شیر خوار بچی کو بچانے کی کوشش کی۔ نقاب پوش اس کی ہذیانی چیخوں پر قہقہے لگاتے رہے اور بالآخر وہ بچی کو اس کے بازوؤں سے چھیننے میں کامیاب ہو گئے۔

اس کے باوجود کہ چند فٹ کے فاصلے سے قومی شاہراہ کا ٹریفک بدستور رواں دواں تھا، آوارہ گرد، ماریا کو گھسیٹ کر سڑک کے کنارے جھاڑیوں میں لے گئے۔ وہ ماں کے روپ میں اپنے بچوں کے لیے ایک سایہ دار درخت تھی لیکن ظالموں نے اس سایہ دار درخت کا ایک ایک پتا نوچ ڈالا تھا۔ نقاب پوش آوارہ گرد جب واپس اپنی شیورلیٹ میں آ کر بیٹھے تو وہ ماریا کو یوں چھوڑ آئے تھے جیسے پھولوں کی پتیاں نوچ کر اور انھیں مسل کر خاک میں ملا دیا جائے۔ ماریا کی کچلی ہوئی بے نور آنکھیں، آسمانوں کے رب کو عورت کی بے بسی کی داستان سنا رہی تھیں۔

چند منٹوں بعد آوارہ گردوں کی شیورلیٹ، لٹی ہوئی ماریا کو بہت پیچھے چھوڑ آئی تھی۔ وہ بدستور قہقہہ لگا رہے تھے اور اس کی سب سے چھوٹی بچی کو فٹ بال کی طرح ایک دوسرے کی طرف پھینک رہے تھے۔ جب وہ اس کھیل سے تھک گئے تو انھوں نے اسے اسی میل کی رفتار سے بھاگتی ہوئی گاڑی کی کھلی کھڑکی سے باہر اچھال دیا۔

☆

رات کے تقریباً ساڑھے دس بجے تھے کہ گلستان کی ایک معروف شاہراہ پر واقع ایک غیر ملکی فضائی کمپنی کے بکنگ آفس میں ہم کار نور دار دھماکا ہوا جس کے نتیجے میں عمارت میں آگ لگ گئی اور بکنگ آفس کے چوکیدار کے علاوہ سات افراد زخمی ہو گئے۔ دھماکے کی آواز میلوں دور تک سنی گئی۔ آس پاس کی عمارتوں میں واقع دکانوں، دفاتر اور گھروں کا سامان ٹوٹ پھوٹ گیا اور کھڑکیوں کے شیشے چکنا چور ہو گئے۔ قرب و جوار میں رہنے والے لوگ گھبرا کر گھروں اور دکانوں سے باہر نکل آئے۔ تمام زخمیوں کو اسپتال میں داخل کرا دیا گیا جہاں سب کی حالت تشویشناک تھی۔ دھماکے کی فوری تحقیقات کا حکم دے دیا گیا تھا لیکن فوری طور پر دھماکے کے اسباب اور دھماکا کرنے والوں کے بارے میں کچھ علم نہیں ہوا تھا۔ البتہ ایک عینی شاہد نے جو اس وقت مذکورہ۔۔۔ فضائی کمپنی کے دفتر سے چند سو گز دور کھڑا تھا، بتایا کہ اس نے۔۔۔ دو موٹر سائیکل سواروں کو دھماکے سے چند سیکنڈ قبل فضائی کمپنی کے دفتر کے سامنے سے گزرتے دیکھا تھا۔ موٹر سائیکل سواروں کی خاص بات یہ تھی کہ انھوں نے بھاری بوٹ، سیاہ جینز، سیاہ جیکٹیں پہن رکھی تھیں۔ جبکہ ان کے سر اور چہرے سرخ رنگ کی نقابوں میں چھپے ہوئے تھے۔

☆

مکرم علی خان نے پہلے اپنے نواسے کی چیخیں اور پھر اپنی بیٹی کے قدموں کی آوازیں سنیں جو بچے کو چپ کرانے کے لیے ادھر ادھر چلنے سے فرش پر پیدا ہو رہی تھیں۔ جب سے ان کی بیوی کا انتقال ہوا تھا، وہ تقریباً تنہا رہتے تھے۔ اس کے باوجود ان کے پڑوسی ان کے سالوں کے خاموش اور لگے بندھے معمولات سے عادی ہو گئے تھے۔ انھوں نے اپنی بیٹی اور داماد کو کچھ دن حویلی میں رہنے کی اجازت دے دی تھی۔

مکرم علی خان ایک ملٹی نیشنل فرم کے چیئرمین تھے اور ان کی مشروفیات کچھ اس نوعیت کی تھیں کہ انھیں اپنی بیٹی سے ملنے جلنے کا موقع بہت کم ملتا تھا۔ اس لیے جب ان کی اکلوتی بیٹی نے کچھ دن ان کے ساتھ گزارنے کی خواہش ظاہر کی تو یہ جانتے کے باوجود کہ اس سے ان کی تنہائی اور معمولات میں خلل پڑے گا، انھوں نے منا اور اس کے شوہر کو اپنے پاس آنے کی اجازت دے دی تھی۔ ان دنوں ویسے بھی ان کی کمپنی بعض انتظامی بحرانوں کا شکار تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ سکون سے اس معاملے کو حل کریں لیکن بیٹی کی محبت ان کی اس خواہش پر غالب آ گئی تھی۔

اس وقت بھی وہ اپنے بیڈ روم کے اندھیرے میں بستر پر لیٹے اپنی فرم کے معاملات پر غور کر رہے تھے۔ وہ سوچ رہے تھے کہ اگر جائیکرو پروسیسرز کے معاملے پر بورڈ ان کے خلاف بھی فیصلہ دے دے تو انھیں کوئی فرق نہیں پڑے گا کیونکہ پانچ میں سے تین ڈائریکٹرز ان کے خاندان کے ارکان تھے اور انھیں یقین تھا کہ منا اور اس کا شوہر بہر حال ان کی حمایت کرتے۔

اکسٹھ سالہ مکرم علی خان کو خون اپنی کنپٹیوں میں دوڑتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ انھوں نے اپنی زندگی کے پچاس سال کام اور صرف کام میں گزارے تھے۔ ان کے پاس ایکسٹرو نکس کے کام کا تیس سالہ اور

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ایک اعلیٰ درجے کی فرم کی ہیڈ شپ کا بیس سالہ تجربہ موجود تھا لیکن اب انھیں احساس ہو چلا تھا کہ انہدام قریب آ پہنچا ہے۔ انھوں نے اپنے سے دس سال چھوٹے افراد کو اچانک دفتر کے فرش پر گر کر مرتے دیکھا تھا۔

انھوں نے اپنی زندگی میں کسی سے شکست نہیں کھائی تھی۔ وہ خود کو گزرے انھتر معاشرے کے اعلیٰ ترین مقام تک لائے تھے انھوں نے سرکٹ ڈیزائننگ کی تعلیم حاصل کی تھی لیکن جب مختلف اداروں نے ان کے تصورات کا ساتھ دینے سے معذوری ظاہر کی تو انھوں نے اپنی فرم کھولنے کا فیصلہ کیا اور وقت نے انھیں ہاتھوں ہاتھ لیا تھا۔

اس کے باوجود کہ موتا نے ان کی کمپنی میں کسی حیثیت سے کام کرنے سے انکار کر دیا تھا وہ اب بھی ان کی دولت کی واحد وارث اور ان کی فرم کی ایکسٹاقت ورڈائریکٹر تھی لیکن انھوں نے اپنی بیٹی کو کسی معاملے میں مجبور نہیں کیا بلکہ اسے آزاد چھوڑ دیا۔ میڈیکل کالج میں تعلیم کے دوران موتا نے اپنے ایک ساتھی ڈاکٹر کی محبت میں گرفتار ہوئی اور پھر اس نے اپنی مرضی سے شادی کر لی۔ مکرم علی خان نے اس کے فیصلے پر اعتراض کرنے کی بجائے اسے اپنی دعاؤں سے نوازا اور اپنے داماد کو بھی شریک کاروبار کر لیا۔ مگر بیٹی اور داماد... دونوں نے کاروبار سے الگ تھلگ رہنے کا فیصلہ کیا تو اپنی عادت کے مطابق مکرم علی خان ذرا سا معترض بھی نہیں ہوئے۔

اس وقت اندھیرے میں تنہا، اپنے نواسے کے رونے اور بیٹی کے لوری گانے کی آواز سن کر اچانک انھیں اور اک ہوا کہ وہ اپنی زندگی میں کبھی خوش نہیں رہے۔ انھیں سب سے بڑا دکھ یہ تھا کہ ان کی بیوی ان کی کامیابیوں کو دیکھنے کے لیے زندہ نہیں تھی۔ اگر آج وہ زندہ...

گلی سے آنے والی بلند موسیقی ان کی سوچ پر حاوی ہو گئی تھی۔ انھیں اپنے بچپن کے دن یاد آ گئے۔ جب آلاتِ موسیقی اس قدر جدید نہیں ہوتے تھے لیکن بلند موسیقی انھیں بے حد پسند رہی تھی۔ یہ الگ بات ہے کہ اب انھیں بلند آہنگ ایک آنکھ نہیں بھاتا تھا۔

پھر ایک کار کے دروازے بند ہونے کی آواز سنائی دی اور اس کے ساتھ ہی گلی میں موجود لڑکوں نے زور سے قہقہہ لگایا۔ پتا نہیں قہقہوں میں کیا بات تھی کہ مکرم علی خان کے بدن میں سردی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ یہ ان کے پڑوسیوں میں سے کسی کی آوازیں نہیں تھیں۔ بستر سے اٹھ کر وہ دبے پاؤں کھڑکی کی طرف بڑھے اور تھوڑا سا پردہ کھسکا کر باہر جھانکا۔

سیاہ کپڑوں میں ملبوس چار انسانی سائے حویلی کے مرکزی دروازے کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ان میں سے ایک نے ڈرائیو وے میں کھڑی ہوئی نئی کیڈلک کی طرف اشارہ کیا اور پھر ایک اور قہقہہ لگایا۔ ان کی کار گلی کے وسط میں کھڑی تھی جس کی پسنجر سائیڈ کا گلا دروازہ کھلا ہوا تھا۔

مکرم علی خان کو ملگجی روشنی میں اگلی نشستوں پر دو افراد بیٹھے ہوئے نظر آئے۔ ان میں سے ایک نے سر اور چہرے کو سرخ رنگ کے نقاب سے ڈھانپ رکھا تھا اور اس میں سے صرف اس کی آنکھیں نظر آ رہی تھیں۔ اس کے برابر میں ایک سیاہ فام بیٹھا ہوا تھا جو یقینی طور پر گاڑی کا ڈرائیور تھا۔ سب سے اہم شے جو انھوں نے دیکھی وہ یہ تھی کہ نقاب پوش ایک شاٹ گن سنبھالے بیٹھا تھا۔

مکرم علی خان نے دھڑکتے دل کے ساتھ دوبارہ مرکزی دروازے کی طرف دیکھا۔ وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہو چکے تھے۔ مکرم علی خان باہر جانے کے لیے بیڈ روم کے دروازے کی طرف بڑھے لیکن پھر وہ اپنے بستر کی طرف پلٹے اور اس کے نیچے ہاتھ ڈال کر انھوں نے برقی الارم کا سلسلہ اور ٹیرگیس بوبی ٹریپ کو منقطع کر دیا اور اپنی نئی شاٹ گن... نکال لی۔

جب انھوں نے اسپاس بارہ قسم کی یہ اسالٹ شاٹ گن خریدی تھی تو وہ خود بھی حیران ہوئے تھے کہ انسانوں کا شکار کرنے والی شاٹ گن سے بھلا انھیں کیا کام؟ لیکن آج انھیں اندازہ ہو رہا تھا کہ ان کا یہ فیصلہ کس قدر درست نکلا تھا۔

انھوں نے شاٹ گن اٹھا کر اس پر لپٹوں ہاتھ پھیرا جیسے وہ کسی بچے کو تھپک رہے ہوں۔ انھوں نے گن کا سیفٹی کیچ چیک کیا... اور گیسٹ روم میں آ گئے۔

"مونا..." انھوں نے آہستگی سے اپنی بیٹی کو پکارا۔ انھوں نے چند لمحے رک کر باہر سے آنے والی آوازیں سنیں اور پھر بیٹی کو دھیرے سے آواز دی۔ "مونا..."

"آئی ایم سوری ڈیڈ! یہ ابھی ایک منٹ میں چپ ہو جائے گا۔" انھیں بیٹی کی مغذرت خواہانہ آواز سنائی دی۔

"ابھی اور اسی وقت پولیس کو طلب کرو۔"

"کیا...؟"

"بولو مت... پولیس کو طلب کرو... انھیں بتاؤ کہ..." کھڑکی کا شیشہ ٹوٹنے کی آواز سے ان کا جملہ ادھورا رہ گیا تھا۔

❀

ٹائیگر کی بوریت اپنے عروج پر تھی، اسے یاد نہیں پڑتا تھا کہ وہ اس سے پہلے بھی کبھی زندگی میں کسی بات سے اتنا اکتایا ہو۔ اسے بہرام اور اوشان دونوں پر بے تحاشا غصہ آ رہا تھا۔ بہرام پر اس لیے کہ اس نے یکے بعد دیگرے دو ایسے کیس اس کے سپرد کیے تھے جن میں سوائے جھک مارنے کے کوئی کرنے کا کام نہیں تھا پہلے وہ وسیلے کو اس کے دشمنوں سے محفوظ رکھنے کی تگ و دو کرتا رہا اور پھر اسے سارہ جیسی ایک لاابالی اور پاگل لڑکی کی حفاظت پر مامور کر دیا گیا تھا۔

البتہ اوشان پر اسے غصہ اس لیے آ رہا تھا کہ وہ اس وقت اپنے دوبائی دو کے قالین نما چٹیرے پر بیٹھا ہوا اس کی حالت سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔

پچھلے دس منٹ میں ٹائیگر متعدد بار اس کی طرف دیکھ چکا تھا لیکن اوشان کی حالت میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ اس کا بس منہی سے بوڑھے پر کوئی بس نہیں چلتا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر اوشان ماسٹر آف سناجو نہ ہوتا تو وہ اب تک اسے اٹھا کر ہوٹل کی کھڑکی سے باہر پھینک چکا ہوتا۔ کیونکہ وہ یوں آلتی پالتی مارے ٹائیگر کو مضحکہ خیز نگاہوں سے گھور رہا تھا جیسے بسنت کے تہوار پر پتنگ بازی کے کسی مقابلے سے لطف اندوز ہو رہا ہو۔

لیکن اس نازک موقع پر ٹائیگر، اوشان کو چھیڑنا بھی نہیں چاہتا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اوشان کو تو بولنے کا موقع ملنا چاہیے۔ ٹائیگر کو اپنی ایک بات کے جواب میں سناجو کے کسی ہزار سال قبل مسیح مرے ہوئے ماسٹر کی بور داستانِ حیات سننے کا کوئی شوق نہیں تھا جس کی ہڈیوں کا گودا بھی مٹی میں مل کر مٹی ہو چکا ہو۔

دفعتہً فون کی تیز گھنٹی نے کمرے کا سکون درہم برہم کر دیا ٹائیگر نے تو چونک کر فون کی طرف دیکھا بھی لیکن اوشان کو چونکہ اس شیطانی آلے سے کوئی دلچسپی نہیں تھی اس لیے وہ پرسکون انداز میں اپنی جگہ بیٹھا رہا۔ ٹائیگر کچھ دیر تک انتظار کرتا رہا کہ شاید فون کی گھنٹی بند ہو جائے، لیکن جب گھنٹیوں کا سلسلہ شیطان کی آنت کی طرح دراز ہوتا چلا گیا تو وہ مجبوراً اٹھ کر فون کی طرف بڑھا۔

ٹائیگر نے یوں سہمی سے ریسیور کریڈل سے اٹھایا جیسے اس کے ہاتھ میں ریسیور نہ ہو بلکہ اوشان یا بہرام کی گردن ہو۔

پھر اوشان نے ٹائیگر کے چہرے کی رنگت بدلتے، اور اس کے جبڑے پھیلتے سکڑتے دیکھے۔ ٹائیگر نے ریسیور بڑے غصے سے کان سے لگایا تھا لیکن نہ جانے دوسری جانب کون تھا کہ فوراً غصہ فرو ہو گیا اور اس کی جگہ پہلے حیرت اور پھر خوف نے لے لی۔

یہ سلسلہ کوئی ایک ڈیڑھ منٹ جاری رہا۔ پھر اوشان نے ٹائیگر کو ریسیور یوں پھینکتے دیکھا جیسے اس نے غلطی سے کوبرا ناگ کا پھن تھام رکھا تھا۔

ریسیور پٹختے ہی وہ وارڈ روب کی طرف بھاگا اور پھر چند ہی لمحوں بعد پورے وارڈ روب کا "تام جھام" فرش پر ڈھیر تھا لیکن ٹائیگر ابھی بھی پاگلوں کی طرح اس ڈھیر کو کھنگال رہا تھا۔

"کیا تمہاری بھینس کھو گئی ہے بیٹے؟" اوشان نے سرسراتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

ٹائیگر نے اوشان کی بات پر کوئی دھیان نہیں دیا۔

"کیا فون پر تمہیں سناجو کا خزانہ یہاں پوشیدہ ہونے کی اطلاع ملی ہے؟" اوشان کے لبوں پر معنی خیز مسکراہٹ تھی۔

"نہیں! بس بار ٹائیگر نے جواب تو دیا لیکن اپنی تلاشی سے غافل نہیں ہوا۔

"کیا عقبی دیوار سے تیل کا کوئی چشمہ پھوٹ پڑا ہے؟"

"نہیں" ٹائیگر نے بدستور سر نہوڑائے جواب دیا۔

"تو پھر آخر تم تلاشی کیا کر رہے ہو؟" اوشان نے اکھڑے ہوئے انداز میں پوچھا۔

"روبی" ٹائیگر نے زچ ہو کر کہا۔

کمرہ فوراً قہقہ کی آواز سے گونج اٹھا۔ یوں لگا جیسے کمرے میں کسی گندے جوہڑ کی بہت سی بطخیں گھس آئی ہوں۔

❀

روبی نے ٹائیگر کو ہوٹل کے استقبالیہ سے فون کیا تھا اور اسے بتایا تھا کہ وہ اگلے چند منٹ میں اوپر پہنچ رہی ہے پہلے تو اسے روبی کی آواز سن کر ہی حیرت ہوئی تھی کیونکہ اس کی جزیرہ فردوس میں زندہ سلامت آمد کی اڑ میں یقینی طور پر کوئی نہ کوئی مشن پوشیدہ ہوتا اور ٹائیگر کے ذہن میں جو پہلی سوچ ابھری تھی، وہ یہی تھی کہ اگر اگلا مشن بھی ویسے یا ساہ کیس جیسا ہوا تو کیا ہوگا؟

روبی کی آمد سے اسے لحظہ بھر کے لیے خوشی بھی ہوئی تھی کیونکہ وہ عرصے سے اوشان کے چہرے کی ہڈیاں دیکھ دیکھ کر اکتا گیا تھا اور اب وہ کسی پسندیدہ ہستی کے گلگوں رخسار دیکھنے کا خواہش مند تھا۔ دنیا بھر میں روبی ہی وہ واحد ہستی تھی جس کی تمنا ٹائیگر کرتا تھا لیکن یہ تمنا بھی اس قدر پوشیدہ تھی کہ وہ دل کے دوسرے خانے کو اس کی خبر نہیں ہونے دیتا تھا۔

اس نے پٹ کر اوشان کو دیکھا جو اب اسے بطخوں کے ڈربے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

میں بیٹھا محسوس ہو رہا تھا۔ زبان کچھ کہنے کو مچلی لیکن اُس کے حساس کانوں نے روبی کے قدموں کی تک تک سُن لی اور وہ فوری طور پر کسی جائے پناہ کی طرف بھاگا کیونکہ روبی تلاش بسیار کے بعد بھی نہیں ملی تھی اور اس وقت وہ روبی کی چیخم دھاڑ کا سامنا کرنے کے موڈ میں قطعی نہیں تھا۔

اُس نے کمرے کے دروازے پر دستک اور پھر روبی کے اندر داخل ہونے کی آواز سنی۔ اوشان نے بڑے دلجمعانہ انداز میں اُس کا استقبال کیا۔ ٹائیگر ماسٹر کے اس انداز پر جل بھن کر کباب ہو گیا لیکن دم سادھے پڑا رہا۔

روبی کی تیز آواز یہاں بھی اُس کی سماعت پر ہتھوڑے برسا رہی تھی۔ وقتاً فوقتاً اس میں بیلوں کی قیں قیں بھی شامل ہو جاتی ایک آدھ مرتبہ روبی نے اُس کا نام بھی لیا تھا اور شہزاد نے اپنی اس خواہش کو بڑی مشکل سے دبایا تھا کہ فوری طور پر جا کر اپنی محبت کا سامنا کرے۔

اوشان کو یہ اندازہ تو شروع میں ہی ہو گیا تھا کہ ٹائیگر یا تھلائم میں کیوں جا رہا ہے؟ لیکن جب اُسے اندر گئے کافی دیر ہو گئی تو اُس نے بلند آواز میں ٹائیگر کو پکارا۔

"شہزاد" اُسے اوشان کی آواز سُنائی دی اور جواب میں ٹائیگر نے دیوار میں گھس جانے کی ناکام کوشش کی۔

"باہر آؤ کہ سناجو کی ہونے والی ملکہ کو تعظیم پیش کرو۔"

ٹائیگر کا دماغ گھوم گیا۔ اوشان، روبی کے سامنے اُس کی تذلیل کرنا چاہ رہا تھا۔

"باہر آجاؤ سوہنے" خدا سے توقف کے بعد اُسے روبی کی آواز سنائی دی "میں تمہارے لیے دوپٹہ اور چوڑیاں لے کر آئی ہوں۔"

"پازیب کیوں نہیں لائیں روبی" اوشان نے لقمہ دیا۔

"ہمارے ہاں میکے سے رخصت کرتے وقت دلھن کو پازیب پہنانے کا رواج نہیں ہے۔" روبی نے جواب دیا۔

"آہ، سناجو" اوشان کی آواز سُنائی دی "دلھن بنانے کا فن تو سلطنتِ سناجو پر ختم ہے۔ 256 قبل مسیح کا ذکر ہے کہ سناجو کے ماسٹر..."

باتھ روم کا دروازہ کھل گیا۔ ٹائیگر اس شان سے برآمد ہوا کہ اُس کا نصف چہرہ باتھ ٹاول سے لپٹا ہوا تھا جبکہ کانوں میں اُس نے ٹشو پیپر ٹھونس رکھے تھے۔

"شہزادی کہوں یا شہزادی" روبی نے بلند آہنگ قہقہہ لگایا۔

"ماسٹر" وہ پلٹ کر اوشان سے مخاطب ہوئی "سرسوں کا تیل تو ہو گا، میں بھوکی نظر آتا روں گی۔ اور اگر تیل نہیں ہے تو بادی سے کام..."

ٹائیگر نے تولیہ اُتار پھینکا۔

اُس نے گھور کر روبی کو دیکھا اور جارحانہ انداز میں اُس کی طرف بڑھا۔ روبی نے فوراً اوشان کی آڑ لے لی۔

"تمہیں لوگوں کے سامنے کوئی مناسب رویہ اختیار کرنے کی تمیز اب بھی نہیں آئی شہزاد؟" اوشان نے تبصرہ کیا۔

ٹائیگر کے بڑھتے ہوئے قدم رک گئے۔

"پیدائشی جنگلی ہے۔" روبی نے اوشان کی آڑ سے سر نکالا۔

"میں اس کا گلا گھونٹ دوں گا ٹسل فادر" ٹائیگر نے بیبی سے کہا۔

"لیکن میں یہ نہیں چاہوں گا کہ سناجو کا ولی عہد تخت نشین ہونے سے پہلے ہی رنڈوا ہو جائے۔" اوشان نے ٹائیگر کی قابلِ رحم حالت سے لطف اندوز ہوتے ہوئے کہا۔

"ٹسل فادر" شہزاد نے گھٹنے ٹیکتے ہوئے کہا۔

"میں سوچ رہا ہوں کہ تمہارا نام بدل کر روبی رکھ دوں۔" اوشان اب بھی اُس کے زخموں پر نمک چھڑک رہا تھا۔

"تب تو میں اس کے لیے صحیح تحفہ لائی ہوں۔" روبی بھلا کب باز آنے والی تھی۔

"ماسٹر! اپنی پہریتی سے کہو کہ زبان بند رکھے، ورنہ میں اس کی زبان بند کر دوں گا۔"

"حدِ ادب" اوشان نے حکم صادر کیا۔ "کبھی تو بچوں کی طرح لڑنے سے باز آجایا کرو؟"

"لالی پاپ دوں" روبی نے تجویز پیش کی۔

"تم یہاں آئی کیوں ہو؟"

"تمہارے ہاتھ میں بھیجنے کی بجائے رائفل تھمانے" روبی نے نہایت اطمینان سے جواب دیا۔

ٹائیگر نے سوالیہ نگاہوں سے اوشان کو دیکھا۔

"روبی صحیح کہہ رہی ہے" اوشان کو کچھ پوچھنے کی ضرورت نہیں تھی۔ "کل تم نے سن اسالٹ شاٹ گن سے فائرنگ کا مظاہرہ کر رہے ہو۔"

"آپ نے آتشیں اسلحے کے استعمال پر خود پابندی لگائی تھی ٹسل فادر" ٹائیگر بُری طرح چونکا۔

"سناجو کے ماسٹر کی یادداشت ابھی اتنی کمزور نہیں ہوئی" اوشان نے جواب دیا۔ "اور یہ روایات اپنی جگہ مسلم ہیں کہ ماسٹر جب چاہے اپنی پابندیاں واپس لے لے۔"

"تو کیا آپ مجھے آتشیں اسلحے کے استعمال کی اجازت دے رہے ہیں؟" ٹائیگر نے دریافت کیا۔

"تم چھ گھنٹے تک درخت کے ساتھ اُلٹا لٹکنا پسند کرو گے یا اٹھارہ گھنٹے ایک پاؤں پر کھڑے رہنا" اوشان نے جواب میں سوال کیا تھا۔

"میرے خیال میں دو گھنٹے گدھے پر بٹھا کر شہر کا ایک چکر لگانا کافی رہے گا" روبی نے تجویز پیش کی۔

"تم خاموش ہو" ٹائیگر اس پر برس پڑا۔ "تم جب بھی آتی ہو نئی مصیبت لے کر آتی ہو۔"

"اگر اب تم نے میری بیٹی کو مصیبت کہا تو سزا میں چھ گھنٹے کا اضافہ ہو جائے گا۔"

روبی نے تالی بجا کر اوشان کے فیصلے کا خیر مقدم کیا۔ اس کے ہونٹوں پر شرارتی مسکراہٹ چپکی ہوئی تھی۔

"میں نے صرف مظاہرے کی بات کی تھی اجازت کی نہیں" اوشان نے وضاحت کی۔

"لیکن مظاہرہ بھی کیوں؟"

"سناجو کے وارث غیر ضروری سوالات نہیں کرتے" اوشان نے اُسے یاد دلایا۔

"یہ شہنشاہ کا حکم ہے" روبی شاید اب شرافت کے جامے میں آگئی تھی۔ "صبح سویرے تمہیں مسلم آباد پولیس اکیڈمی فائرنگ رینج میں نشانے بازی کا مظاہرہ کرنا ہے۔"

"لیکن اس کا مقصد کیا ہے؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"میں تو صرف اتنا جانتی ہوں کہ یہ حکم شہنشاہ نے دیا ہے۔" روبی نے کندھے اُچکا کر کہا۔

✻ اگلی صبح ٹائیگر جب روبی کے ساتھ مسلم آباد پولیس اکیڈمی کی فائرنگ رینج میں داخل ہوا تو وہاں اپنی سن سیلنکٹو فائر اسالٹ شاٹ گن کی فائرنگ کا مظاہرہ دیکھنے کے لیے کوئی بھی موجود نہیں تھا۔ پبلک سن پلک میں واقع فائرنگ رینج صبح کے ساڑھے نو بجنے کے باوجود خالی تھی۔ کوئی اکیڈمی کیڈٹ یا پولیس افسر اُس وقت رینج استعمال نہیں کر رہا تھا۔ مظاہرے کا وقت نو بجے تھا لیکن اُس لمحے اس طویل و عریض میدان میں ٹائیگر اور روبی اکیلے کھڑے تھے اور آدھ گھنٹے کے انتظار کے باوجود مدعو کیا جانے والا کوئی آفیسر یا حفاظت پر مامور عملے کا کوئی فرد نمودار نہیں ہوا تھا۔

پورے میدان میں صرف ایک ہیکلر اینڈ کوچ پی ایس پی نو ایم ایم پستول کی پوپ پوپ سُنائی دے رہی تھی۔ جسے روبی پچاس فٹ کے فاصلے سے فائر کر رہی تھی۔

ٹائیگر نے پلٹ کر چارہ گر کی اس خوب صورت لڑکی کا جائزہ لیا جو میگزین تبدیل کرنے کے لیے کبھی دایاں اور کبھی بایاں ہاتھ استعمال کر رہی تھی۔ اُس لمحے روبی اُسے اتنی اچھی لگ رہی تھی کہ ایک لمحے کے لیے اُس نے بہرام اور اوشان کی خواہش کے سامنے سر جھکانے کو سوچا لیکن پھر خود ہی یہ سوچ جھٹک کر ذہن سے نکال دی۔

کچھ عرصے پہلے جب اُسے مافیا کے ہاتھوں روبی کی ہلاکت کی خبر ملی تھی تو وہ بے تحاشا رو دیا تھا اور اُس نے روبی کے بدلے ایک سو افراد کی جان لینے کی قسم کھائی تھی اُس نے انتقاماً مافیا کی پوری تنظیم کی اینٹ سے اینٹ بجا دی تھی لیکن بعد میں پتا چلا کہ روبی زندہ ہے۔

روبی نے تیسری مرتبہ پستول لوڈ کیا اور اُسے نشانے پر خالی کر دیا چوتھی مرتبہ میگزین لوڈ کرنے سے پہلے اُس نے ذرا فاصلے پر کھڑے ہوئے ٹائیگر کو دیکھا لیکن یہ دیکھ کر نجانے کس جذبے کے تحت اُس کے ہونٹوں کی چلمن گر گئی کہ ٹائیگر بھی اُسے ہی دیکھ رہا تھا پھر اُس نے ٹائیگر کے قدموں کی آواز سُنی جو لمحہ بہ لمحہ قریب ہوتی جا رہی تھی

"تم یہاں بھی میرا مذاق اُڑانے کے لیے لائی تھیں کیا؟" ٹائیگر نے اُکھڑے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

مسلم آباد کے پولیس چیف نے مجھے خود اُس سے آگاہ کیا تھا۔" روبی اس وقت اُلجھنے کے موڈ میں نہیں تھی "تمہارے پاس آنے سے قبل میں پولیس ہیڈ کوارٹر سے ہو کر آئی تھی۔"

"تو پھر وہ گدھا بھیجا کیوں نہیں؟"

"ایک وقت میں دو..." روبی نے جملہ تو شروع کیا لیکن یہ سوچ کر ادھورا چھوڑ دیا کہ اُسے سمجھانے کے لیے اس وقت اوشان ساتھ نہیں تھا۔

ٹائیگر سمجھ تو گیا کہ روبی کیا کہنا چاہتی تھی لیکن خلافِ توقع وہ بھڑکا نہیں تھا۔ شاید اس کی وجہ یہ رہی ہو کہ اُسے سامنے فائرنگ پلازہ میں بنے ہوئے سٹی پولیس ریسٹورنٹ کے باہر ایک پولیس وین نظر آگئی تھا۔ ٹائیگر سُست روی سے اُس کی جانب بڑھ گیا روبی نے بھی اُس کی تقلید کی تھی۔

فردوس، ٹائیگر کے لیے اجنبی جگہ نہیں تھی۔ اُس نے اسی مٹی کی گود سے جنم لیا تھا اور مسلم آباد میں تو اُس نے اپنی زندگی کے سنہرے دن گزارے تھے۔ اُسے اب بھی یاد تھا کہ پولیس ملازمت

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کے دوران فاؤنٹین پلازہ کے اس سٹی پولیس ریسٹورنٹ میں ایک اجلاس طلب ہوتا تھا لیکن آج وہاں کمیٹیکل ڈیپارٹمنٹ کا صرف ایک ٹرک کھڑا تھا جو خالی تھا۔ ٹائیگر ٹرک کے قریب سے گزر کر کیڈٹ کی طرف بڑھ گیا جو سب سے اب تک نظر آنے والا پہلا پولیس مین تھا۔

"کیا ہو رہا ہے؟" ٹائیگر نے قریب جا کر اُسے مخاطب کیا۔

"کیا آج چھٹی کا اعلان کر دیا گیا ہے؟"

"مسلم آباد کے تمام اعلیٰ سرکاری افسران ہارون آباد چلے گئے ہیں۔" کیڈٹ نے جواب دیا۔

"کیوں؟ وہاں کیا ہوا ہے؟" روبی نے دریافت کیا۔

"کیا تمہارے پاس ٹیلی ویژن نہیں ہے؟ یا تم لوگ اخبار نہیں پڑھتے؟" نوجوان کیڈٹ نے دریافت کیا۔

اب ٹائیگر اُسے کیا بتاتا کہ فی الوقت اوشان سے فرصت ملے تو وہ کام کاج کا کوئی پروگرام بھی دیکھے۔ اس لیے اُس نے جواب دینے کی بجائے خاموشی میں ہی عافیت سمجھی تھی۔ کیڈٹ نے اُس وقت تک جیب سے ایک تہ کیا ہوا اخبار نکال کر ٹائیگر کے سامنے کر دیا۔

سیاہ ماتمی حاشیے لگی ہوئی جلی سُرخی اُس کی نظروں کے سامنے تھی۔

گلستان اور ہارون آباد کے شہریوں پر قیامت ٹوٹ پڑی۔ دہشت گردی کی کارروائیوں میں تین ہزار افراد ہلاک و زخمی۔

روبی واپس پہنچ کر ٹائیگر کو استقبالیہ کلرک نے ایک سفید لفافہ دیا جس کے اوپر خفیہ ہدایت نامہ کے الفاظ درج تھے اور نیچے ایک کونے پر ایوانِ صدر۔ فردوس لکھا ہوا تھا۔

ٹائیگر نے لفافے کو الٹ پلٹ کر دیکھا اور لفٹ کی طرف جاتے ہوئے اُسے کھول لیا۔ روبی اُس کے شانے سے لگی ہوئی چل رہی تھی۔ اُس نے لفافے کے اندر سے برآمد ہونے والے گلابی رنگ کے لیٹر ہیڈ پیپر پر لکھی ہوئی چند سطروں میں کوئی دلچسپی ظاہر نہیں کی۔ ٹائیگر نے لفٹ کا بٹن دبایا اور پھر پیغام پڑھنے لگا۔

لفٹ چلتے ہی ٹائیگر نے مُنہ ہی مُنہ میں مونوگرام والا لیٹر ہیڈ روبی کو تھما دیا۔

پیغام مملکتِ فردوس کے صدر کے ملٹری سیکرٹری کی جانب سے تھا۔

پہلے صدارتی حکم کے تحت ٹائیگر کو فوراً مقامی محکمہ پولیس سے رابطہ قائم کرنے کی ہدایت کی گئی تھی اور اُسے خصوصی اختیارات تفویض کیے گئے تھے جن کے تحت وہ کسی سے بھی جواب طلبی کر سکتا تھا یا بغیر وجہ بتائے قتل کر سکتا تھا۔ تمام اعلیٰ سرکاری اہل کاروں کو ٹائیگر کے احکامات کی بلا چون و چرا تعمیل کے احکامات صادر کیے گئے تھے۔

دوسرا پیغام، چارہ گر کے سربراہ ڈاکٹر بہرام کے بارے میں تھا۔ ڈاکٹر بہرام اب سے دو گھنٹے بعد ایک خصوصی تیز رفتار طیارے سے مسلم آباد پہنچ رہا تھا۔ ڈاکٹر، ائیر پورٹ کے وی آئی پی لاؤنج میں صدرِ فردوس سے ملاقات کرتا اور تھوڑی دیر بعد اُسی طیارے میں گلستان روانہ ہو جاتا۔ ٹائیگر، روبی اور اوشان کو گلستان روانگی کے لیے تیار رہنے کو کہا گیا تھا۔

دونوں پیغامات کی نوعیت مختلف تھی۔ یہ فیصلہ کرنا روبی کے لیے مشکل ہو گیا تھا کہ پہلے کس پر عمل کیا جائے؟

لفٹ رکی تو دونوں باہر نکل آئے۔ اُن کا رُخ اوشان کے کمرے کی طرف تھا۔ دونوں نے اپنے قدموں کی چاپ حتی المقدور آہستہ کر دی تھی تاکہ سامنے ڈسنرب نہ ہو۔

ابھی وہ دروازے سے چند قدم کے فاصلے پر ہی تھے کہ ٹائیگر کو اوشان کے کمرے میں ٹی وی چلنے کی آواز سنائی دی۔ اُس نے بازو پکڑ کر روبی کو بھی روک لیا۔

"ماسٹر، ٹی وی کے ساتھ مصروف ہے۔" اُس نے سرگوشی کے انداز میں روبی کو بتایا۔

آواز بے حد دھیمی تھی لیکن ٹائیگر کو یقین تھا کہ اوشان نہ صرف اُن کی آمد سے آگاہ ہو چکا ہو گا بلکہ اُس نے سرگوشی میں ادا کیا جانے والا جملہ بھی سُن لیا ہو گا۔

"میرے کمرے میں چلو۔" ٹائیگر نے روبی کو لیے ہوئے نزدیک دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ "ماسٹر فارغ ہو جائے پھر اُس سے بات کرتے ہیں۔"

"لیکن پہلے یہ تو بتاؤ کہ پہلے کس حکم پر عمل کرنا ہے؟" روبی نے خود کو آرام دہ صوفے پر گراتے ہوئے کہا۔

"تمہارا کیا خیال ہے؟"

اُس وقت دونوں کو دیکھ کر کوئی اس بات پر یقین ہی نہیں کر سکتا تھا کہ یہ آپس میں کبھی لڑتے بھی ہوں گے۔

"میں پہلے ڈاکٹر بہرام سے ملاقات کے حق میں ہوں۔" روبی نے جواب دیا۔

"منظور۔" ٹائیگر نے فوراً اپنا ووٹ اُس کے حق میں دے دیا۔ "پولیس سے رابطہ گلستان پہنچ کر ہو گا۔ یوں بھی اگر کوئی کیس میرے حوالے کیا جانا ہے تو وہ گلستان یا ہارون آباد سے متعلق ہی ہو گا کیونکہ تازہ ترین دہشت گردی وہیں ہوئی ہے۔"

روبی نے بھی بغیر کسی حیل و حجت کے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"سُنا ہے تم نے فائرنگ رینج میں ایک فائر سے ایک سو گیارہ مرغابیاں مار گرائیں؟" اوشان نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

وہ اس وقت بھی اپنے مخصوص قالین پر ٹی وی کے سامنے بیٹھا ہوا تھا لیکن خبریہ تھی کہ ٹی وی کی اسکرین سادہ تھی۔

"اُس پہاڑی علاقے میں مرغابیوں کا کیا کام مسٹر فاور؟" ٹائیگر نے وضاحت کی۔ "وہ تو ساحلِ سمندر پر۔۔۔۔"

"جنگل کا شیر جب ایک اعلیٰ درجے کے ہوٹل کے تمام دروازے بند کر سکتا ہے تو پھر مرغابیاں پہاڑوں پر کیوں نہیں رہ سکتیں۔" اوشان نے تیزی سے جملہ کاٹا۔

"وہاں تو فائرنگ ہی نہیں ہوئی فاور۔" روبی نے ہنستے ہوئے کہا۔ "منحوس صورتیں میرے ساتھ ہوں تو انجام بخیر ہو سکتا ہے؟" ٹائیگر نے چوٹ کی۔

"اور جو گھر سے روتے ہوئے نکلیں وہ کوئی اچھی خبر لا سکتے ہیں۔" روبی نے اوشان کے قریب زمین پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"تم دونوں اگر یونہی لڑتے رہے تو بہرام ائیر پورٹ پر بیٹھا اپنے جہیز کا انتظار ہی کرتا رہے گا۔"

ٹائیگر اور روبی دونوں کو چپ لگ گئی۔ وہ اوشان کو یہی بتانے آئے تھے اور وہ پہلے ہی اُن کی باتیں سُن چکا تھا

"میرے بارہ صندوقوں کو ائیر پورٹ منتقل کرنے کے انتظامات کرو ٹائیگر۔" اوشان اپنی سبز قبا لہراتا ہوا اُٹھ کھڑا ہوا۔

اوشان نے معمول کے مطابق اپنے صندوقوں کا ساتھ چھوڑنا گوارا نہیں کیا تھا لیکن روبی اور ٹائیگر نے کرائے کی وہ کار استعمال کی تھی جسے پولیس نے ائیر پورٹ سے ہی حاصل کیا تھا۔

ڈرائنگ سیٹ پر روبی بیٹھی ہوئی تھی۔ شہر کے بازار بند پڑے تھے اور سڑکیں سنسان تھیں۔ ہارون آباد اور گلستان میں ہونے والے حادثوں کے سوگ میں کاروبار بند تھا۔ روبی نے کار ایک سگنل پر روکی تو اُنھیں بہت سے اخباری ہاکر نظر آئے۔ اخبارات نے دونوں حادثوں کے حوالے سے سُرخیاں جمائی تھیں۔ خبریں سیاہ ماتمی حاشیوں میں تھیں اور اُن کی ہر سطر سے لہو ٹپکتا محسوس ہو رہا تھا۔

روبی ہوٹل سے نکلنے کے بعد چہک رہی تھی لیکن جب اُس نے اخبارات کی سُرخیاں دیکھیں تو پھر سے چپ لگ گئی اور ائیر پورٹ تک اُس نے کوئی بات نہیں کی تھی۔

ائیر پورٹ کے وی آئی پی لاؤنج کے ایک مخصوص حصے میں اوشان اپنے بارہ صندوقوں پر یوں بیٹھا تھا جیسے ناگ کسی خزانے کی حفاظت کر رہا ہو۔ وہ اپنی چمک دار آنکھوں سے آنے جانے والوں کا جائزہ لینے میں مصروف تھا۔

ٹائیگر اور روبی مسلم آباد انٹرنیشنل ائیر پورٹ کے لاؤنج میں اور مین ایپرن کو الگ کرنے والے مُنہ مشیشوں کے قریب کھڑے وسیع و عریض میدان کو دیکھ رہے تھے جہاں اس وقت ایک طیارہ ٹیکسی کرتے ہوئے پسنجر بوئنگ برج کی طرف آ رہا تھا۔

ایک لمحے کے لیے ٹائیگر کی نگاہیں رن وے سے ہٹ کر مُنہ مشیشوں پر پڑیں جہاں اُس کا اور اُس کے برابر کھڑی روبی کا مکمل عکس نظر آ رہا تھا۔ وہ کئی لمحے اپنے پہلو میں کھڑی اُس خوب صورت لڑکی کا جائزہ لیتا رہا جسے اوشان اور بہرام اُس کی جوڑی بنانے کے خواہش مند تھے۔ اگر ایسا ہوتا تو وہ واقعی ایک شاندار جوڑا کہلاتا۔ اونچی ایڑی کی جوتی پہن کر روبی قد و قامت میں اُس سے کچھ ہی چھوٹی تھی۔ اس وقت اُس نے فردوسی لباس پہن رکھا تھا جس میں وہ ٹائیگر کو کچھ زیادہ ہی اچھی نظر آ رہی تھی۔

وہ زیادہ دیر اُس کی جانب متوجہ نہ رہ سکا کیونکہ باہر سے ایک اور طیارے کے انجنوں کی تیز آواز اُسے سنائی دی۔ چارہ گر کے مخصوص طیارے کو دیکھتے ہی وہ سمجھ گیا کہ بہرام آ پہنچا ہے۔

چند ہی منٹوں بعد وہ چاروں ایک مخصوص لاؤنج کی جانب بڑھ رہے تھے۔ جو بہت ہی اہم شخصیات کے لیے مخصوص تھا۔

طویل سفر کے باوجود بہرام کے چہرے سے تھکن کے آثار نظر نہیں آ رہے تھے۔

"میرا خیال ہے کہ فردوس میں دہشت کی جو نئی لہر شروع ہوئی ہے تم اُس سے بے خبر تو نہیں ہو گے؟" بہرام نے ٹائیگر کو مخاطب کیا۔ "تمہیں یہ دہشت پھیلانے والوں کا پتا چلانا اور قلع قمع کرنا ہے صدرِ فردوس نے اس کے لیے خصوصی درخواست کی ہے اور میں اگلے چند منٹ میں اُن سے ملاقات کرنے والا ہوں۔"

"اس دہشت گردی کی نوعیت کیا ہے؟" ٹائیگر نے سوال کیا، اور روبی اور اوشان کا جائزہ لیا جو خاموش بیٹھے ہوئے تھے۔

"نوعیت تو تمہارے سامنے ہے۔" بہرام نے جواب دیا تو ٹائیگر کو اپنے احمقانہ پن کا احساس ہوا۔ "فردوس سے جو خصوصی ریڈیوز مجھے ملی ہیں اُن کے مطابق گلستان و ممیز سوشل کلب ہاؤس میں ہنسنے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

والی طالبات کو کچھ دہشت گردوں نے بے دردی سے قتل کر دیا ہے ایک غیر ملکی فضائی کمپنی کے دفتر میں بم کا دھماکا ہوا ہے۔ قومی شاہراہ پر ایک جوڑے اور اُن کے بچے کو دہشت گردوں نے موت کے گھاٹ اُتار دیا گیا ہے جبکہ سب سے بڑا واقعہ ہارون آباد میں پیش آیا ہے جہاں گورا بارود کے ایک ذخیرے سے اُڑ اُڑ کر آنے والے میزائلوں اور راکٹوں نے قیامت برپا کر دی ہے، ان سارے واقعات میں مخصوص لباسوں والے دہشت گرد ملوث ہیں جن کے . . . ."

"کیا کوئی دہشت گرد گرفتار ہوا ہے؟" روبی نے پوچھا۔

فی الحال خاموشی سے سُنو۔" بہرام نے اپنی سیکرٹری کو چپ کرا دیا۔ "ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ ان دہشت گردوں کے بارے میں علم ہوا ہے کہ وہ ایک مخصوص قسم کی منشیات استعمال کر رہے ہیں لیکن اس سے اہم بات یہ ہے کہ ایک مرنے والے دہشت گرد کے قبضے سے ایک کولٹ آٹومیٹک رائفل ملی ہے جس کا ماڈل ایکس ایم ۔ ۱۷۷ ای دن ہے اور اسے عرفِ عام میں کاربین ایم سولہ کہا جاتا ہے۔"

"اب اس سلسلے میں مجھے کیا کرنا ہے؟" ٹائیگر نے سوال کیا۔

"کیا تمہارے ملٹر کو زنگ لگ گیا ہے۔" بہرام اُس پر بُرس پڑا۔

"جیسے کو دیکھ جاتا گئی ہے۔" روبی نے آہستگی سے کہا کہ سوائے اوشان اور ٹائیگر کے کوئی نہیں سُن سکتا تھا۔

"تم نے کیا کہا؟"

"کچھ نہیں سر!" روبی نے گڑبڑا کر جواب دیا۔

"تمہیں اس بات کا پتا چلانا ہے کہ یہ رائفل دہشت گردوں کے پاس کیونکر آئی!" بہرام نے ٹائیگر کو بتایا۔ "تم میرے ساتھ گلستان چل رہے ہو۔ کیونکہ دہشت گردوں کا مرکزی ٹھکانہ وہی بتایا گیا ہے۔ کام تمہیں اپنی صوابدید کے مطابق کرنا ہے اور ہاں اس مشن میں روبی تمہارے ساتھ ہوگی۔"

روبی کا چہرہ کھل اُٹھا۔ وہ بہت عرصے کے بعد ٹائیگر کے ساتھ مل کر کوئی مشن کرنے جا رہی تھی۔ اندرونی طور پر ٹائیگر کو بھی خوشی ہوئی تھی لیکن بظاہر اُس نے بُرا سا مُنہ بنایا تھا۔ ایسے لگ رہا تھا جیسے وہ کونین کی گولی نگل گیا ہو۔

"انسان کا ظاہر و باطن ایک ہونا چاہیے۔" دفعتہً اوشان کی آواز کمرے میں گونجی۔

ٹائیگر اپنے ماسٹر کے طنز کو فوراً سمجھ گیا تھا۔

"تم لوگ بیٹھو۔" بہرام اپنی جگہ سے اُٹھتا ہوا بولا۔ "میں صدرِ محترم سے ملنے جا رہا ہوں۔ نصف گھنٹے بعد ہماری روانگی ہے۔"

بہرام صدارتی لاؤنج کی طرف بڑھ گیا اور ٹائیگر نے اپنے کانوں میں اُنگلیاں ٹھونس لیں کیونکہ روبی اُس کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔

☆

"ڈیکشو عابد۔" فون اُٹھانے والے نے جواب دیا۔

"میرا نام ابرار ہے۔" ٹائیگر نے معصوم لہجے میں اُسے مخاطب کیا۔ "مجھے صدارتی حکم ملا ہے کہ میں محکمہ پولیس سے رابطہ قائم کروں۔"

"ہمیں بھی اسی قسم کی ہدایات ملی ہیں۔" عابد نے جواب دیا۔

"تم بتاؤ کہ اس وقت کہاں ہو؟ میں پہنچتا ہوں۔"

"سن رائز ہوٹل۔" ٹائیگر نے ہوٹل کا نام بتا کر ریسیور رکھ دیا۔

ٹائیگر، بہرام، روبی اور اوشان کے ہمراہ کچھ دیر پہلے گلستان پہنچے تھے۔ بہرام تو ائرپورٹ پر ہی رُک گیا تھا۔ وہاں اُسے کسی اعلیٰ شخصیت سے ملاقات کر کے واپس نیویارک روانہ ہونا تھا۔ جب کہ وہ لوگ اوشان کے بارہ صندوقوں کے ہمراہ ہوٹل سن رائز لاج آ گئے تھے۔

اوشان کی سبز قبا اور اُس کے بارہ صندوقوں کو دیکھ کر ہوٹل میں کھلبلی مچ گئی تھی۔

"لگتا ہے قارون نے نیا جنم لے لیا ہے۔" ایک استقبالیہ کلرک نے دوسرے کے کان میں سرگوشی کی۔

"صندوقوں میں یقیناً کوئی بڑا خزانہ موجود ہے۔" دوسرے نے اپنے ساتھی کی بات سے اتفاق کیا۔

"آج ہمارے ہوٹل میں فرعونِ مصر کی ممی ٹھہرنے آئی ہے۔" ایک ویٹر نے قریب سے گزرنے والے بٹلر کو بتایا۔

بٹلر نے ٹھٹک کر اُس مدقوق بوڑھے کو دیکھا جو واقعی کسی شاہ کی طرح اکڑتا ہوا لفٹ کی طرف جا رہا تھا۔ ایک نوجوان لڑکا اور خوب صورت لڑکی پورے احترام کے ساتھ اُس کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔

اوشان نے سب کی سرگوشیاں سُنیں لیکن بے نیازی سے لفٹ میں داخل ہو گیا۔

"مجھے یہ ہوٹل دیکھ کر سانجو یاد آ گیا۔" اوشان نے خاموشی کی فضا توڑی۔

"یقیناً وہاں کا کوئی قہوہ خانہ اس فائیو اسٹار ہوٹل سے زیادہ خوب صورت ہوگا۔" ٹائیگر نے جل کر کہا۔

"میں نے کتنی بار تمہیں سمجھایا ہے کہ تم سانجو کے تخت کے وارث ہو، تمہیں یہ باتیں زیب نہیں دیتیں۔"

"آپ نے بھی کس نااہل کو اپنی وراثت کے لیے چُنا ہے فادر۔" روبی نے غیر محسوس طریقے سے اوشان کے عقب میں پناہ لیتے ہوئے کہا۔

ٹائیگر کا خون کھول اُٹھا۔ روبی اُس کی درگت بنانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتی تھی۔ وہ یہ سوچ کر چپ ہو گیا کہ اگر کچھ کہے گا تو اوشان یقینی طور پر روبی کی حمایت ہی کرے گا البتہ اُس نے ایسی نظروں سے روبی کو دیکھا تھا جیسے کہہ رہا ہو باہر نکل ابھی بتاتا ہوں . . .

اُن کے کمرے پانچویں منزل پر تھے۔ درمیانی کمرہ اوشان کا تھا جبکہ دائیں بائیں ٹائیگر اور روبی کے کمرے تھے۔

اپنے کمرے میں پہنچ کر اوشان نے سب سے پہلے اپنے صندوق ترتیب سے رکھے۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ اس کمرے میں کئی سال گزارنے کا ارادہ لے کر آیا ہو۔ ٹائیگر اور روبی خاموش کھڑے اوشان کی حرکتوں کا جائزہ لیتے رہے۔ پھر جب صندوق میں سے ٹی وی اور نمدہ نکلا تو وہ دونوں بیرونی دروازے کی طرف بڑھ گئے کیونکہ اوشان ٹی وی دیکھنا چاہتا تھا اور ایسے وقت میں اُسے کسی کی مداخلت گوارا نہیں تھی۔

☆

عابد کو سن رائز پہنچنے میں پندرہ منٹ سے زیادہ نہیں لگے تھے۔ ٹائیگر اور روبی لابی میں اُس کے منتظر تھے۔ کمرے سے ان کے نکلنے تک اوشان، کنول کا آسن جمائے ٹی وی میں کھویا ہوا تھا۔

عابد چونکہ پولیس کی وردی میں ملبوس تھا اس لیے ٹہزاد کو اُسے پہچاننے میں ذرا دقت نہیں ہوئی تھی۔ اُس نے عابد سے گرم جوشی کے ساتھ مصافحہ کیا اور پھر اُس نے روبی سے تعارف کرایا۔

"یہ بہت باصلاحیت خاتون ہیں۔ ان کے جوہر آپ پر آہستہ آہستہ کھلیں گے۔"

روبی نے اللہ کا شکر ادا کیا۔ ٹائیگر نے پہلی مرتبہ ڈھنگ کی بات کہی تھی۔ اس کا تعارف کرایا تھا ورنہ وہ تو اُسے چائے گھر کی ایک کاکن کی لڑکی سمجھتا تھا جسے کمپیوٹر سے کھیلنے کے علاوہ کچھ نہیں آتا تھا۔

رسمی جملوں کے بعد وہ ہوٹل کے پارکنگ لاٹ میں کھڑی کار کی طرف بڑھ گئے۔ ڈرائیونگ پر عابد تھا جبکہ روبی پچھلی نشست پر بیٹھی تھی۔

عابد بے حد ہنس مکھ تھا۔ اپنی وضع قطع سے وہ پولیس آفیسر تو نظر ہی نہیں آتا تھا۔ وہ ٹائیگر سے یوں بے تکلف ہوا تھا جیسے اُسے عرصہ دراز سے جانتا ہو۔

"کیا تم نے اخبارات پڑھے ہیں۔" عابد نے دفعتہً بات چیت کا رُخ موڑ دیا۔

"مجھے اب تک یقین نہیں آیا۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔

"جو کچھ ہوا، بے حد بُرا ہوا۔" عابد نے سامنے نظریں جماتے ہوئے جواب دیا۔ "اُن ظالموں نے انسانوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹ دیا ہے . . . کیا تم دونوں کسٹھے کام کرتے ہو؟"

"تم روبی کے سامنے کوئی بھی بات بلا جھجک کہہ سکتے ہو۔" ٹائیگر اُس کے سوال کا مطلب سمجھ گیا۔

"ان واقعات میں ملوث دہشت گردوں کے بارے میں یہ بات سامنے آئی ہے کہ انھیں غیر قانونی منشیات سے حاصل ہونے والی، قم بطور امداد دی جا رہی ہے۔" عابد نے مطمئن ہو کر اپنی بات جاری رکھی۔ "اس کیس میں ہمیں منشیات کا تعاقب کر کے دہشت گردوں کو گرفتار کرنا ہے اور دہشت گردوں کا تعاقب کر کے منشیات برآمد کرنی ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ دہشت گرد خود نشے کے عادی ہیں۔"

"کیا یہ پی سی پی ٹائپ کا کوئی نشہ ہے؟"

"ایک بوڑھے آدمی نے جہاں شاٹ گن سے ان دہشت گردوں پر گولی چلائی تھی وہاں سے ایک قسم کا پاؤڈر ملا ہے ہمارے ایک آدمی نے اُس پاؤڈر کو سونگھا تھا اور انجام کار اُس کے ساتھیوں کو اُسے اُس کے ہاتھ پاؤں باندھ کر واپس لانا پڑا۔ وہ اس وقت نفسیاتی وارڈ میں زیرِ علاج ہے۔"

"یہ کیا چیز تھی؟"

"یہ کوئی عام منشیات نہیں تھی۔ ابھی تک ہمارے ماہرین اس کی اصلیت ہی معلوم نہیں کر سکے۔" عابد نے اُسے بتایا۔

"اس وقت ہم کہاں جا رہے ہیں؟"

"گلستان سنٹرل ہاسپٹل۔" عابد نے جواب دیا۔

سنہری غول
اسلم راہی ایم اے قیمت:-/150

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

فائبر گلاس

کی سلیب پر مختلف انسانی اعضاء بکھرے ہوئے تھے۔ متعدد چھاجیٹ اور اینڈنٹ دوسری میزوں پر مصروف تھے۔ ڈینگیٹو عابد، ٹائیگر اور روبی کو اسی میز کی جانب لے گیا۔

"یہ کبھی دو لڑکیاں ہوا کرتی تھیں۔" عابد نے میز پر پڑے بے ترتیب انسانی اعضاء اور گوشت کے لوتھڑوں کی جانب اشارہ کیا۔ "یہ ایک ہی بیڈ روم میں تھیں اور ان کی لاشوں کو ویکنسز کلب سے . . . ."

ٹائیگر کے لیے یہ سب کچھ عام سی بات تھی۔ اس نے انسانیت کو اس سے بُرے حال میں دیکھا تھا۔ روبی بھی چارہ گر کی ایک بہادر لڑکی تھی لیکن بنیادی طور پر وہ عورت تھی اس لیے اس کے دل میں ایک نرم گوشہ موجود تھا۔ یہ تماشا دیکھ کر اس کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا۔

عابد اپنی رو میں مختلف میزوں کے قریب سے گزرتا ہوا انھیں تفصیلات سے آگاہ کرتا جا رہا تھا۔

"یہ ویلنسیا فیملی ہے۔" اس نے ایک میز پر پڑے ہوئے سر بریدہ انسانی جسموں کی طرف اشارہ کیا۔ "آوارہ گردوں نے انھیں قومی شاہراہ پر موت کے گھاٹ اُتارا۔ مرنے والوں میں ان کا بچہ بھی شامل تھا لیکن وہ یہاں نہیں ہے کیونکہ اس کی لاش اتنے ٹکڑوں میں تبدیل ہوئی تھی کہ انھیں اکٹھا کرنا ممکن نہیں رہا تھا اور یہ . . . ان دہشت گردوں کی لاشیں ہیں جنہیں بوڑھے نے گولی ماری تھی۔"

میز پر پانچ برہنہ لاشیں پڑی تھیں۔ ان میں سے دو کے سروں کو طاقت ور شاٹ گن کی گولی نے چیتھڑوں میں تبدیل کر دیا تھا۔ ایک دہشت گرد کے سینے میں گولی لگی تھی۔ جبکہ دو کے پیٹ میں گولیاں لگی تھیں اور ان کی انتڑیاں باہر نکل آئی تھیں۔

"ان کے ہاتھ اور ٹانگیں دیکھو۔" عابد نے ان لاشوں کی طرف اشارہ کیا۔

"یہ زخم انھیں اس لیے لگے تھے کہ انھوں نے بھاری شیشوں کو ہاتھوں اور لاتوں سے توڑا تھا لیکن بوڑھے کے بیان کے مطابق شیشے کے نوکیلے ٹکڑے لگنے کے باوجود ان کے چہروں پر درد اور اذیت کے کوئی آثار نمودار نہیں ہوئے تھے۔ بوڑھے نے یہ بھی بتایا ہے کہ گولیاں کھانے کے باوجود پانچوں دہشت گرد بدستور آگے بڑھ رہے تھے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ گولیاں ان پر اثر نہیں کر رہی تھیں وہ اس وقت گرے تھے جب خون زیادہ بہ جانے کی وجہ سے ان کے جسم کمزوری کا شکار ہو گئے تھے۔"

"میں اس بوڑھے سے ملنا چاہوں گا جس نے انھیں گولی ماری ہے۔" ٹائیگر نے عابد سے کہا۔

"پہلے ہم ڈاکٹروں سے بات کریں۔" عابد نے جواب دیا۔

وہ روبی کو پکارنے کے لیے مڑا لیکن اس کی نگاہیں شاٹ گن کے فائر سے چیتھڑوں میں تبدیل ہو جانے والے ویلنسیا اپنی عزت اور جان سے محروم ہو جانے والی ماریا اور سوشل کلب ہاؤس میں درندوں کی درندگی کا شکار ہونے والی نوجوان طالبات کے جوانی سے بھرپور جسموں کی باقیات پر مرکوز تھیں۔ اس کا چہرہ سفید پڑ گیا تھا اور یوں لگ رہا تھا جیسے اسے سکتہ ہو گیا ہو۔ ٹائیگر کو روبی کا جسم واضح طور پر کانپتا ہوا محسوس ہو رہا تھا اور اس نے خود کو گرنے سے بچانے کے لیے میز کا سہارا لے رکھا تھا۔

ٹائیگر جلدی سے اُس تک پہنچا۔ جونہی اُس نے روبی کو سہارا دینے کے لیے ہاتھ بڑھایا اس کے مُنہ سے سسکاری نکل گئی۔ اس نے اپنی آنکھوں کو یوں بند کر لیا جیسے آنسو ضبط کرنے کی کوشش کی ہو۔ ٹائیگر نے اُسے تھپتھپایا اور پھر شانوں سے سہارا دے کر بیرونی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

. . .

خصوصی نگہداشت کے شعبے کے دروازے پر پولیس کے ایک بادردی سارجنٹ نے انھیں روکا۔ عابد نے ذرا اُبھا پولیس شناختی کارڈ اس کے سامنے کر دیا۔

"اور یہ کون ہیں؟" اس کا اشارہ روبی اور ٹائیگر کی طرف تھا۔

"یہ دانا محکمہ سے اس معاملے کی تفتیش کے لیے آئے ہیں۔" عابد نے پولیس سارجنٹ کو بتایا۔

"لیکن اعلیٰ حکام سے اجازت ملے بغیر انھیں اندر نہیں جانے دوں گا۔" سارجنٹ انٹرکام کی طرف بڑھا۔

ٹائیگر نے نفی میں سر ہلایا۔

"ہم اندر جا کر مریض سے ملاقات نہیں کرنا چاہتے، کیا کوئی ڈاکٹر تفصیلات بتانے کے لیے یہاں آ سکتا ہے؟"

"میں بات کرتا ہوں۔" سارجنٹ نے انٹرکام کا ریسیور اٹھاتے ہوئے کہا۔

"اگر اسے میں یہ بتا دوں کہ تم لوگ اصل میں کون ہو تو اسے نانی اماں یاد آ جائے گی۔" عابد نے ریمارکس پاس کیے۔

"میں تو اب تک یہی سمجھ رہا تھا کہ پولیس والے اسلحے کی اولاد ہوتے ہیں۔" ٹائیگر نے جملہ چست کیا۔

عابد نے جواب دینے کے لیے مُنہ کھولا لیکن پولیس سارجنٹ نے یہ کہہ کر اس کی کوشش ناکام بنا دی کہ ایک ڈاکٹر ان سے ملنے آ رہا ہے۔

روبی ابھی تک بے ترتیب اور اُدھڑی ہوئی لاشوں کو دیکھنے کے ذہنی جھٹکے سے نہیں سنبھل سکی تھی۔ ٹائیگر نے انتظار گاہ جانے کے لیے اُسے بلانے کی غرض سے جب اس کی طرف دیکھا تو وہ ساکت کھڑی تھی اور اس کی نگاہیں خلا میں کوئی اَن دیکھی چیز تلاش کر رہی تھیں۔ ٹائیگر ایک بار پھر اُسے سہارا دینے کے لیے آگے بڑھا۔

ویٹنگ روم میں بیٹھے ہوئے ابھی اُنھیں چند منٹ ہی ہوئے تھے کہ کچھ آوازوں نے ایک لمبے بالوں والے اور ایک باریش فیوزیلیشنسٹ کی آمد کا اعلان کیا۔ ایک کے کندھے پر ٹیپ ریکارڈر اور چھوٹا لمبا بوم مائیکروفون تھا جبکہ دوسرے نے ایک چھوٹا سا ویڈیو کیمرہ اور پورٹیبل ڈیوریکارڈر اُٹھا رکھا تھا۔ کیمرہ مین نے وڈیو ریکارڈ کی پاور آن کی اور کیمرہ کندھے سے لگا لیا۔ ٹائیگر نے پہلے اپنے برابر بیٹھی روبی کو اور پھر عابد کو دیکھا جو کیمرہ مین کی طرف بڑھ رہا تھا۔

اسپتال انتظامیہ کی نیلی یونیفارم پہنے ہوئے دو افراد اور عام سوٹ میں ملبوس ایک شخص اس لمبے انتظار گاہ کے دروازے پر نمودار ہوئے۔ انتظامیہ سے متعلق افراد نے تیسرے شخص کا راستہ روکنے کی کوشش کی جبکہ تیسرا شخص چیختا چلاتا آگے بڑھنے کی جستجو میں مصروف تھا۔

"تم لوگ اخبار والوں کو ہراساں کرنے کا عمل جاری رکھو میں عدالت میں تم سے نمٹ لوں گا، تم ابھی تک مجھے سمجھے ہی نہیں، میں سچ ہر حال میں بیان کروں گا، تم لوگ سچائی کی قوتوں کو کبھی نہیں روک سکو گے۔"

عابد نے ہاتھ بڑھا کر کیمرے کے لینس پر رکھنا چاہا لیکن کیمرہ مین نے سمت بدل لی اور ایک نئے نادیدے سے چیختے ہوئے شخص کے احتجاجی پوز اور روکنے والوں کی کوششوں کی عکاسی شروع کر دی۔ ساؤنڈ مین نے چھوٹے لمبا بوم مائیکروفون دروازے پر گتھم گتھا تینوں افراد کے چہروں کے قریب کر دیا تھا۔

اب احتجاج کرنے والا بالکل کیمرے کے سامنے تھا۔

"میں مارک لینن ہوں اور اس وقت گلستان سنٹرل اسپتال کے خصوصی نگہداشت کے شعبے کے بیرونی دروازے سے مخاطب ہوں جہاں گلستان پولیس نے پانچ بے گناہ اور معصوم نوجوانوں کے بڑھے قاتل کو اپنی حفاظت میں رکھا ہوا ہے!"

عابد نے کیمرا مین یا ساؤنڈ ریکارڈ نسٹ کو دوبارہ کچھ کہنے کی کوشش نہیں اور ویٹنگ رُوم کے دروازے کے عقب میں لگے ہوئے مین سوئچ کی طرف بڑھ گیا۔

مارک لینن کے حلق سے آوازیں اب بھی بلند ہو رہی تھیں۔

"اس معاملے میں ایک پولیس آفیسر بھی ملوث تھا جسے بعد میں اس کے ساتھیوں نے ہاتھ پاؤں باندھ کر قابو میں کیا تسلی میں وہ بھی بوڑھے کا شریک تھا۔ گلستان پولیس نے اس معاملے کی تصدیق یا تردید کرنے سے انکار کر دیا ہے لیکن میں نے اس حادثے کے بارے میں کچھ معلومات . . . ."

بجلی اچانک چلی گئی اور کوئی کھڑکی نہ ہونے کی وجہ سے کمرے میں گھپ اندھیرا چھا گیا۔

لینن کا احتجاج اب بھی جاری تھا۔

"یہ جان بوجھ کر کیا گیا ہے، یہ اخبار نویسوں کو خوفزدہ کرنے کی مجرمانہ کوشش ہے۔ یہ فاشسٹ ازم . . . آغ . . . ."

اندھیرے کمرے میں کسی کے رخسار پر زوردار تھپڑ پڑنے کی آواز سنائی دی تھی۔ لینن چونکہ درد سے کراہا تھا۔ اس لیے امکان یہی تھا کہ تھپڑ اسی کو پڑا ہو گا۔ کوئی دوسرا درد سے بُری طرح چلایا۔ پھر کیمرا مین کے کندھے سے وڈیو کیمرہ الگ ہوا اور زور سے سامنے کی دیوار پر پڑا۔ کیمرہ یقینی طور پر ٹوٹ گیا تھا ایک ہاتھ نے ٹوٹے ہوئے ریکارڈر سے وڈیو کیسٹ کھینچ لیا۔

ذرا فرق سے ایک چیخ بلند ہوئی۔ نیچے گرنے والا اپنے حلق پر رکھے ہوئے پاؤں کے سفید موزے ہی دیکھ سکا تھا جو ٹائیگر نے پہنے ہوئے تھے۔

خصوصی نگہداشت کے وارڈ کا دروازہ کھلا جس سے روشنی ویٹنگ رُوم میں در آئی۔ بہت سے لوگ ویٹنگ روم کی طرف بھاگے تھے کیونکہ چیخنے والوں کی چیخیں دُور دُور تک پہنچی تھیں اسپتال کی انتظامیہ کے کسی فرد نے مین سوئچ آن کر دیا اور اندر آنے کی بجائے باہر نکل گیا لیکن اس سے پہلے ویٹنگ روم کے اندر موجود افراد بھی باہر جا چکے تھے اور ٹیوب لائٹ کی تیز روشنی میں فرش پر صرف مارک لینن اور اُس کے دو سرے ٹیکنیشنز آڑھے ترچھے پڑے ہوئے تھے۔

ٹائیگر، روبی اور عابد نے خصوصی نگہداشت کے وارڈ کے بند

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

وقتے دروازے سے یہ منظر دیکھا تھا۔

"ابھی تم لوگوں کی ملاقات ہمارے مقامی کمیونسٹ نیوز ایجنٹ کے نمائندوں سے ہوئی تھی۔" عابد نے ٹائیگر اور روبی کو آگاہ کیا۔

"خاصی خوشگوار رہی۔" ٹائیگر نے تبصرہ کیا۔ "لیکن مجھے یہ سن کر حیرت ہوئی کہ فردوس میں کمیونسٹ نیوز ایجنسیشن کے بھی مالک ہو گئے ہیں۔"

پولیس سارجنٹ جو دروازے کی نگرانی کر رہا تھا، ٹائیگر کے انداز پر بے اختیار ہنس دیا لیکن اس کی ہنسی کو فوراً بریک بھی لگ گئے۔ ڈیوٹی ڈاکٹر اچانک ہی اُسے نظر آگیا تھا۔

"یہاں کیا ہو رہا تھا؟"

ٹائیگر ڈاکٹر کی طرف مڑا۔ وہ اس کے آنے کی چاپ سن چکا تھا۔ "بجلی چلی گئی تھی۔۔۔۔ اور میرا خیال ہے کہ وہ ایک دوسرے سے ٹکرا کر نیچے گر پڑے ہیں۔۔۔۔ ویسے میں نہیں جانتا۔۔۔"

"ہم یہاں محاصے مصروف تھے۔" عابد نے جھوٹ کو مزید پختہ کرنے کی کوشش کی۔ "اس لیے ہم نہیں دیکھ سکے کہ اُن معزز اخبار والوں کے ساتھ کیا بیتی؟"

دونوں واقعی بڑے اداکار تھے۔ روبی ذرا دیر پہلے بڑے بھیانک مناظر دیکھ چکی تھی لیکن اس بلا مسکرائے بغیر نہ رہ سکی۔ ٹائیگر نے اس کے چہرے کی رونق لوٹتے دیکھی تو اُسے بھی خاصا طمینان ہوا۔

"پولیس آفیسر اور بوڑھے سے ملاقات کرنے یا ان کے بارے میں تفصیل کون معلوم کرنا چاہتا تھا؟" ڈاکٹر نے پوچھا۔

"پولیس آفیسر کی حالت کیا ہے؟" عابد نے دریافت کیا۔

"اسے ہم نے آبزرویشن میں رکھا ہوا ہے لیکن اس کی حالت پہلے سے بہتر ہو رہی ہے پہلے ہم نے نشہ ختم کرنے کے لیے بعض ادویات استعمال کی تھیں لیکن اب ہم نے اس کا خون بدلنے کا فیصلہ کیا ہے اور میرا خیال ہے کہ اس کے اُمید افزا نتائج برآمد ہوں گے۔"

"اس منشی شے کے بارے میں کچھ پتا چلا جسے اُس نے سونگھا تھا۔" ٹائیگر نے سوال کیا۔

"مجھے نہیں معلوم کہ وہ کیمیکل، ڈرگ کے زمرے میں آتی ہے یا نہیں؛ لیکن اس سے انسان کی ذہنی صلاحیتیں بُری طرح متاثر ہوتی ہیں اور اس سے غصہ آتا ہے۔ کسی چوٹ لگنے کا بھی کوئی احساس نہیں ہوتا لیکن شاید یہ غصے کی زیادتی کی وجہ سے ہوتا ہو۔ ہم نے اپنے ماہر چھاؤ جنس کو پانچوں وحشت گردوں کے دماغ کے نمونے لینے کے لیے کہا ہے اور ہم بڑی شدت سے ان نتائج کے منتظر ہیں۔"

ٹائیگر اور عابد دونوں نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

گلستان سنٹرل اسپتال کے ایک اور فلور پر واقع پرائیویٹ رُوم میں جہاں گلستان پولیس کی ایک آفیسر نرس کی حیثیت سے موجود تھی۔ مکرم علی خان ایک چھوٹے سے آپریشن کے بعد آرام کر رہا تھا۔ سفید رنگ کی یونیفارم پہنے ہوئے پولیس کی آفیسر نے جوجو ڈوار کراتے ہی بلیک بیلٹ ہولڈر حتیٰ، ٹائیگر، عابد اور روبی کے اندر آنے پر کوئی اعتراض نہیں کیا کیونکہ عابد نے اپنی شناختی دستاویزات اُسے دکھائی تھیں۔

"وہ جاگ رہا ہے۔" نرس نے دروازہ کھولنے سے پہلے سرگوشی کی۔ "وہ ہونے والے واقعات کے بارے میں بات کرنا چاہتا ہے۔"

ٹائیگر اور عابد نے سر ہلایا اور اندر داخل ہو گئے۔

مکرم علی خان اسپتال کے بیڈ پر نیم دراز تھا۔ گلستان کے کئی اخبار اس کے سامنے ڈھیر تھے۔ وہ ایک اخبار پڑھ رہا تھا جونہی وہ اندر داخل ہوئے اس نے سر اُٹھا کر انھیں دیکھا۔

"آپ کیسے ہیں مسٹر خان؟" عابد نے بوڑھے شخص سے ہاتھ ملاتے ہوئے پوچھا۔ "ڈاکٹر نے مجھے بتایا ہے کہ فکر کی کوئی بات نہیں ہے۔"

"میں بھی اسپتال میں نہیں رہنا چاہتا۔" مکرم علی خان نے جواب دیا۔ "یہ میری خوش قسمتی تھی کہ گولی مجھے براہ راست نہیں، بلکہ دیوار سے اُچٹ کر لگی تھی اور پھر میں اپنی زندگی میں اس سے بڑے بڑے زخم کھا چکا ہوں۔"

عابد نے اُس کی بہادری کی تعریف کی اور ٹائیگر اور روبی سے اس کا تعارف کرایا۔

"یہ میرے دوست مسٹر ابرار ہیں اور یہ خاتون شگفتہ خان ہیں، انھیں صدر فردوس نے ایک خصوصی حکم کے تحت اس کیس کی تحقیقات پر مامور کیا ہے یہ دونوں آپ سے گزشتہ شب ہونے والے واقعات کی تفصیل جاننا چاہتے ہیں۔"

"ہاں، ہاں کیوں نہیں۔" مکرم علی خان نے اپنا اخبار ایک طرف رکھتے ہوئے کہا۔ "میری بیٹی اور داماد میرے بیڈ روم کے ساتھ والے کمرے میں موجود تھے۔ اور ان کا ایک سالہ بیٹا رو رہا تھا جیسے وہ چپ کرانے کی کوشش کر رہے تھے اسی اثنا میں ان آوارہ گردوں نے اندر آنا چاہا۔ میں نے انھیں منع کیا لیکن جواب

میں انھوں نے گولیاں چلانی شروع کر دیں۔ یہ تو میری خوش قسمتی تھی کہ کوئی گولی مجھے براہ راست نہیں لگی جب وہ آگے بڑھے تو میں نے ان کے پیروں پر گولی چلا دی لیکن وہ زخم کھانے کے باوجود نہیں رُکے۔۔۔"

"کیا ایسا لگتا تھا کہ انھیں کسی قسم کا درد محسوس ہوا ہو؟" ٹائیگر نے اس کا جملہ کاٹ کر پوچھا۔

"وہ چیخے ضرور تھے لیکن یہ درد کی چیخیں نہیں تھیں بلکہ وہ ہلاشی کی چیخیں تھیں۔ انھوں نے مجھے گالیاں دیں۔ وہ کہہ رہے تھے کہ۔۔۔ لیکن میں اس نوجوان لڑکی کی موجودگی میں وہ گالیاں دُہرا نہیں سکتا۔ ان کی گھٹیا باتوں کے جواب میں، میں نے اُن کے پیروں پر فائر کیا اور وہ نیچے گر پڑے۔ مشین گن والے نے چاروں طرف گولیاں چلانی شروع کر دیں تو میں نے اسے بھی گولی ماردی لیکن پستول بردار نے مجھ پر گولی چلا دی۔ میں گرتے گرتے میں اُسے بھی لے مرا۔ باقیوں کو بھی میں نے زمین پر لیٹے لیٹے ہی گولیاں ماری تھیں وہ سب۔۔۔"

دروازے پر ہونے والی دستک سے مکرم علی خان کا جملہ ادھورا رہ گیا۔ عابد نے فوراً ٹائیگر اور روبی کی طرف دیکھا اور دونوں نے دروازے کی طرف پشت کر لی۔

"کون ہے؟" عابد نے بلند آواز میں پوچھا۔

"سسٹر مکرم علی خان کے لیے ضروری پیغام ہے۔" باہر سے آواز آئی۔

"وہ آرام کر رہے ہیں۔" عابد نے جواب دیا۔

"پیغام کس کا ہے؟" مکرم علی خان بول پڑے۔

"مجھے نہیں معلوم سر میں تو صرف قاصد ہوں۔"

"اندر آجاؤ۔" مکرم علی خان نے نادیدہ قاصد کو پکارا۔

دروازہ کھلا اور ایک مقامی سیاہ فام تھری پیس سوٹ میں ملبوس اندر داخل ہوا۔ اُس نے کسی کو کچھ کہے بغیر پیغام کا لفافہ مکرم علی خان کے بستر پر پھینک دیا۔

"تم سے انتقام لیا جائے گا، اپنے بھائیوں کے قتل کا، یہ تمہارے سمن ہیں۔"

عابد نے قاصد کو پہچان لیا۔ "تمہارا تعلق یونتھ ایکشن لائرز سے ہے؟"

ٹائیگر، قاصد کی طرف بڑھا۔ "اس بات سے تمہارا کیا مطلب ہے کہ یہ سمن ہے؟ کیا تم نے اس کے خلاف مقدمہ دائر کر دیا ہے؟"

عابد نے فوراً آگے بڑھ کر ٹائیگر کو بازو سے پکڑ کر روکا۔

"یہ کیا ہے؟" عابد نے خود پوچھا۔

"ہم اس قصاب سے عدالت میں نمٹیں گے۔" سیاہ فام وکیل نے کہا اور تیزی سے باہر نکل گیا۔

سنہ ۱۹۶۹ء میں فردوس کے بعض سیاہ فام قبائلی نوجوانوں اور بائیں بازو کے سماجی رہنماؤں نے مل کر گلستان یونتھ ایکشن کمیٹی کی بنیاد رکھی۔ وہ اپنے طور پر عظیم سماجی انقلاب کی جدوجہد کرنا چاہتے تھے لیکن اس مقصد کے لیے وہ ویت مین اور بلیک پینتھرز کی طرح بیرونی قوتوں پر بھروسا کرنے کی بجائے اپنی حکومت کے ترقی پسند عناصر کے ساتھ مل کر عظیم سماجی تبدیلیوں کے حصول پر یقین رکھتے تھے۔

انھوں نے ڈاؤن ٹاؤن گلستان میں اپنا دفتر کھولا اور اس کے باوجود کہ مقامی، صوبائی یا مرکزی طور پر کبھی حکومت نے اسے فنڈز فراہم نہیں کیے کمیٹی کے پاس تنخواہیں دینے اور دیگر اخراجات پورے کرنے کے لیے وافر مقدار میں رقوم موجود تھیں۔ تنخواہوں، دفتر کے کرایے اور دیگر ضروریات کے لیے وہ نوجوان طلبہ اور مقامی تاجروں سے عطیات وصول کرتی تھی۔ انھی رقوم سے ٹائپ رائٹرز اور پبلک ایڈریس سسٹم خریدے گئے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ کمیٹی کے ذرائع آمدنی بڑھتے گئے اور اس نے زیادہ بڑے پیمانے پر عزیزوں اور مستحقین کی امداد کا سلسلہ شروع کر دیا۔

پھر مادیلو سلوا نے کمیٹی میں شمولیت اختیار کی۔ وہ کیوبن فردوسی نسل کا فرد تھا۔ اس کا باپ کیوبا کے مطلق العنان حکمران صدر باتستا کا بہت قریبی دوست تھا لیکن جب فیڈرل کاسترو نے اُس کا تختہ اُلٹا تو مادیلو کا باپ اپنے خاندان کے ساتھ فردوس جیسے دُور دراز ملک میں چلا آیا۔ سلوا نے ۱۹۶۹ء میں گلستان یونیورسٹی سے گریجویشن کیا۔ اس کے باوجود کہ وہ نظریاتی طور پر اپنے خاندان سے متصادم تھا اُس کے باپ نے دورانِ تعلیم ہر ممکن طریقے سے اس کی مدد کی اور جب اُس نے گلستان لاء کالج سے وکالت کی ڈگری لی تو اس کے باپ نے اُسے ایک کریڈٹ کارڈ اور دُنیا بھر کا سفر کرنے کے لیے انرلائن ٹکٹ تحفے میں دیا۔

مادیلو نے اپنے باپ کی عنایات کا پورا پورا فائدہ اُٹھایا اور دُنیا کے سفر پر روانہ ہو گیا لیکن حیرت کی بات یہ تھی کہ پورا ایک سال وسطی و جنوبی امریکہ، افریقہ اور ایشیا میں گزارنے کے باوجود واپس آکر اس نے کبھی اس سفر کے بارے میں کوئی بات نہ کی۔ (۳۱)

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

نے انھیں دُنیا کے مختلف شہروں سے خریدے ہوئے سوونیئرز اور کھینچے ہوئے فوٹو تک نہ دکھائے۔ وہ بالکل تبدیل ہو کر واپس آیا تھا لیکن بالکل خاموش تھا۔ اس کے والدین کو دنیا تو دنیا کے مختلف شہروں سے موصول ہونے والے اس کے مختلف دیو کارڈز کے علاوہ کبھی یہ معلوم نہ ہو سکا کہ اس نے کریڈٹ کارڈ سے حاصل ہونے والی رقم کس طرح استعمال کی، وہ کن ہوٹلوں میں ٹھہرا یا کس کے ساتھ گھوما۔

والدین نے تو اس کی خاموشی پر کوئی توجہ نہ دی لیکن گلستان یونین ایکشن کمیٹی نے اس کے لیے بہت سی تجاویز مرتب کر رکھی تھیں۔ اپنے طالب علمی کے زمانے میں ماریو سلوا نے مشکل سے مشکل مقامات میں اپنی مہارت کا لوہا منوایا تھا۔ وہ ایک ذہین طالب علم تھا۔ سلوا نے اس کے کہ اس نے بعض خوب صورت لڑکیوں کے لیے کالج ڈسپلن کو توڑا، کسی کو اس سے کوئی شکایت نہیں تھی، گلستان یونین ایکشن کمیٹی (گیک) نے اس کی اسی مہارت سے کام لینے کا فیصلہ کیا تھا۔

لیکن یہاں بھی ماریو سلوا اپنی حرکتوں سے باز نہ آیا۔ اُس نے ایک جونیئر وکیل کی حیثیت سے رضاکارانہ طور پر کمیٹی کے لیے گراں قدر خدمات انجام دیں لیکن ساتھ ساتھ وہ لڑکیوں سے بھی غافل نہ ہوا۔ کمیٹی کے کاموں کے ساتھ وہ اپنے باپ کے ایک دوست کے کارپوریٹ لا آفس میں بطور جونیئر ایسوسی ایٹ کے کام کرتا رہا۔ اکثر اوقات وہ دلشاد ٹاؤن میں واقع فرم کا عالیشان دفتر چھوڑ کر گیک کے چھوٹے چھوٹے اور گندگی سے اَٹے ہوئے دفاتر میں پہنچ جاتا اور رات گئے تک مختلف گھٹیا الزامات کے تحت گرفتار ہونے والے یا جرائم میں ملوث آوارہ گردوں کے مقدمات میں اُلجھا رہتا۔ وہاں سے اُٹھ کر وہ لاء آفس کی لڑکیوں کے ساتھ رنگ رلیاں مناتا اور انھیں ساتھ لیے مختلف ڈسکو کلبوں میں گھومتا رہتا۔

اس کے باوجود کہ اس نے اپنی رضاکارانہ سرگرمیوں کے بارے میں کبھی کسی کو نہیں بتایا لیکن اس کی خدمات نے اسے سماجی حلقوں میں ایک اعلیٰ مقام دلا دیا۔ وہ لاء آفس سے تنخواہ کے طور پر ملنے والی رقم کو آوارہ گردوں کے مقدمات اور پسماندہ بستیوں کے غریب مکینوں پر لُٹا دیتا۔ اس کی یہ ادا، باقی تمام سرگرمیوں پر بھاری تھی۔

پھر ایک نوجوان مارکسسٹ ناول نگار سے اس کے تعلقات پیدا ہو گئے۔ وہ شام کے وقت ایک انگریزی کالج میں پڑھایا کرتی تھی۔ اُسی کی معرفت ماریو کمیونزم کے حامیوں میں متعارف ہونے کا اصل موقع ملا اور ایک روز وہ اپنی اسی مارکسسٹ گرل فرینڈ کی مدد سے گیک کا چیئرمین منتخب ہو گیا۔

چیئرمین کی حیثیت سے اُس نے سب سے پہلے کیٹی کو توڑ کر اُسے نان پرافٹ کمیونٹی سروس کارپوریشن بنانے کی تجویز پیش کی۔ تجویز منظور ہو گئی تو سلوا نے اپنی لاء فرم کے تعاون سے گلستان یونین ایکشن کارپوریشن (گیک) کی بنیاد رکھی۔ بعض لوگوں کی خفیہ امداد سے اس نے فردوس کے صدر کے دوبارہ منتخب ہونے کے لیے ہزاروں فردوسی ڈالر خرچ کیے اور جب ماریو کا مطلوبہ صدر منتخب ہو گیا تو اسے جواب میں دس لاکھ فردوسی ڈالر کی امداد ملی۔

ماریو سلوا نے گلستان کے متوسط اور غریب طبقے کو ملازمتیں فراہم کرنے کے لیے اس رقم سے نئے دفاتر کھولے۔ اس نے اس وفاقی امداد سے بعض سیاستدانوں کی بھی مدد کی۔ جواب میں انھوں نے ماریو سلوا اور گیک کو مختلف فوائد سے نوازا۔ اُنھی کے توسط سے گیک نے ہجروں اور کاروباری افراد کے لیے بھی بے حد مفید ثابت ہونی والی تنظیموں نے بھی کھل کر ماریو کی مدد کی۔ سلوا نے ان اداروں کی بے تحاشہ مدد کی جو اقلیتی افراد چلا رہے تھے اس نے ہزاروں بے روزگاروں کو ملازمتیں فراہم کیں اور اس طرح وہ اخبارات کی مطلوبہ توجہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

مشترکہ منصوبوں اور اخبارات کی مدد سے ماریو سلوا حکومت کے سرکاری ایوانوں تک جا پہنچا اور اگلے چند سالوں میں اسے وفاقی اور صوبائی سطح پر مزید دس لاکھ فردوسی ڈالر کی مالی امداد ملی اور اس کے جواب میں ماریو سلوا نے اپنے سیاست داں دوستوں کی انتخابی مہمات پر ہزاروں ڈالر خرچ کیے۔

اپنے قومی جذبات کی تشہیر کے لیے سلوا نے فردوس کے دارالحکومت مسلم آباد میں پچاس لاکھ فردوسی ڈالروں کے سرمائے سے ایک رئیل ایسٹیٹ سب سائیڈری تشکیل دی۔ اس طرح وہ اکثر دارالحکومت جانے لگا جہاں سے وہ قومی سطح کے تاجروں اور بیرونی ملکوں کے سیاستدانوں اور اعلیٰ افسروں سے متعارف ہوا۔

اپنے اس دورے میں سلوا نے فردوس کی سرحدیں پھلانگ کر دُور جا پہنچا اور وسطی و جنوبی امریکہ کے علاوہ یورپ اور مشرقِ وسطیٰ میں بھی اس کے قدم مستحکم ہو گئے۔ اسی اثنا میں فردوس میں حکومت بدل گئی اور نئے صدر نے گیک کے معاملات کی

تحقیقات کا حکم دے دیا۔ وفاقی تحقیقاتی ادارے کی ٹیمیں کبھی گیک کے مرکزی دفاتر میں داخل نہ ہو سکیں اور ماریو سلوا کے عالیشان محل میں پُرتکلف دعوتیں کھا کر واپس لوٹ گئیں۔ مثبت رپورٹس کے نتیجے میں نئے صدر نے بھی ماریو سلوا کی خدمات کا اعتراف کیا اور اسے ایوارڈ سے نوازا۔

کئی سال بعد ماریو سلوا کو دہشت گردی کی بعض کارروائیوں کے سلسلے میں دوبارہ تحقیقات کا سامنا کرنا پڑا لیکن ان کارروائیوں کی کبھی تشہیر نہ کی گئی۔ فردوس بیورو آف کرائم (ایف بی سی) گلستان سنٹرل پولیس (جی سی پی) اور بعض نامعلوم کانفدرنسی ایک مشترکہ ٹاسک فورس نے بعض دہشت گردوں کو ایک ایسے گیراج سے گرفتار کیا تھا جو گیک کی ملکیت تھا۔ دہشت گرد، گلستان کی فضاؤں میں اعصابی گیس کے چھڑکاؤ کی منصوبہ بندی میں مصروف تھے۔ ٹاسک فورس مختلف حوالوں سے سلوا تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئی لیکن وہ اپنے دوستوں کی مہربانیوں سے بچ نکلا۔ حالانکہ یہ بات ثابت ہو گئی تھی کہ سلوا نے خود اپنے ذرائع سے کام لے کر پچاس گیس گیس کے کئی ڈرم پڑوسی دُشمن ملک سے منگوائے تھے اور جس رات اس گیس کو گلستان کی فضاؤں میں چھڑکے جانے کا پروگرام تھا اس رات گیک کے تمام اعلیٰ اہلکار اور ان کے خاندان رحیم آباد چلے گئے تھے۔

تحقیقات وقتی طور پر ختم ہو گئی لیکن اب سرکاری ایجنٹ مستقلاً اس کے پیچھے لگ گئے۔ ماریو سلوا کو اب ہر وقت اپنے ہاتھ جکڑے جانے کا خوف لاحق ہو گیا۔ اس کی گرل فرینڈز نے یہ بات نوٹ کی کہ اب سلوا نے اپنے سابقہ معمول سے زیادہ شراب پینی شروع کر دی تھی۔

خود سلوا کو بھی اپنی اس حالت کا بخوبی اندازہ تھا۔ اکثر تنہائیوں میں وہ اپنی خفیہ زندگی کے بارے میں سوچتا۔ وہ متعدد باتوں سے خوفزدہ تھا۔ اگر اس کے باپ کو اس کے کرتوتوں کا پتا چل جاتا تو وہ یقینی طور پر اسے گولی سے اڑا دیتا اور اگر حکومت کو سلوا کی اصل قومیت اور گیک کی سرگرمیوں کی بھنک بھی پڑ جاتی تو سلوا کو اپنی باقی زندگی سلاخوں کے پیچھے کاٹنی پڑتی اور بالآخر اُسے موت کی کرسی کا سامنا کرنا پڑتا۔

لیکن اس صورتِ حال میں صرف سلوا ہی قصوروار نہیں تھا بلکہ اصل خرابی اس کے باپ کی دولت نے پیدا کی تھی۔ سلوا نے اور زیادہ دولت کے حصول کے لالچ میں ایک منصوبہ بنایا۔ اسے بہت سے سرکاری رازوں کے بارے میں علم تھا جو اس کے سیاستدان اور اعلیٰ سرکاری افسر دوستوں کے حوالے سے اس تک پہنچتے تھے۔ اس نے یہ سارے راز اپنے کمیونسٹ آقاؤں کے ہاتھ فروخت کر دیے۔

اپنے عالیشان ۰۰ رے کے دوران ماریو سلوا پڑوسی ملک کے علاوہ کہیں نہیں گیا۔ اس نے اپنا منصوبہ پڑوسی ملک کے انٹیلی جنس چیف کے ڈائریکٹر جنرل اور اس کے روسی آقاؤں کو پیش کیا۔ جب انھوں نے اسے منظور کر لیا تو سلوا نے پورا سال ان کے فوجی اور انٹیلی جنس اسکولوں میں تربیت حاصل کرتے گزار دیا جبکہ ان کے سیکرٹ ایجنٹوں نے ماریو سلوا کے کریڈٹ کارڈ اور ٹکٹ پر دُنیا بھر کا دورہ کیا وہ دنیا کے مہنگے ترین ہوٹلوں میں ٹھہرے اور سلوا کے نام سے پوسٹ کارڈز اس کے والدین کو روانہ کرتے رہے۔

اپنی تربیت کے بعد ماریو سلوا واپس گلستان آگیا اور وہی کچھ کیا جس کا وعدہ کر کے آیا تھا۔ اس نے کمیونسٹ ڈالروں کی مدد سے چیری بیل گروپ کو ایک خفیہ کمیونسٹ تنظیم میں تبدیل کر دیا۔ اب اس نے گیک کے پلیٹ فارم سے مختلف ملکوں کا دورہ کیا اور اسے ملٹی نیشنل گروپ آف کمپنیز بنا دیا۔ اس نے گیک کے نام فرنٹنگ کمپنیوں کو خریدا۔ مختلف انرلائنوں کے حصص حاصل کیے اور کئی جائیدادیں بنائیں۔ ان کاموں کے لیے سلوا کے خاندان نے بھی اس کی مدد کی لیکن کمیونسٹوں کے ڈالرز ان سب پر بھاری پڑے۔

گلستان اور بارون آباد میں نامعلوم دہشت گردوں کے ہونے والے قتل اور شہر بھر کو لاہری کے بعد ماریو سلوا اس وقت اپنے دفتر کے وال اسکرین ٹیلی ویژن کے سامنے بیٹھا شام کی متبادل خبریں سن رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں بوربن کا ایک گلاس تھا جسے وہ انگلیوں میں اِدھر اُدھر گھما رہا تھا۔

برجیشل اس نے لگا کھا تھا اس پر کمیونسٹ گروپ اپنی خبریں لشکر کشا تھا اور علمدان کے فیچر پڑوسی ملک اور روس سے موصول ہونے والی فلموں اور دیگر مواد پر مشتمل ہوتے تھے۔ ماسٹیشن فردوس میں ہونے والے مظاہروں، خاص طور پر پولیس کے خلاف احتجاج اور مزید حقوق کا مطالبہ کرنے کے لیے نکالے جانے والے جلوسوں اور جلسوں کا احوال تفصیل سے نشر کیا کرتا تھا۔ اس اسٹیشن سے متعدد مرتبہ گیک کے بارے میں تفصیلی فیچر بھی پیش ہوئے تھے۔

آج بھی سلوا اس اسٹیشن سے اپنے مطلب کی خبروں کے انتظار میں بیٹھا تھا اور اسٹیشن نے اُسے مایوس نہیں کیا۔ بھورے بالوں اور سفید چمڑی والی ایک خوب صورت لڑکی کہہ رہی تھی:۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"گلستان پولیس نے مکرم علی خان کے قتلِ عام کو خود حفاظتی اقدام قرار دے کر اسے جرم تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہے اور کہا ہے کہ حکومت مکرم علی خان کے لیے خود وکیل صفائی کی خدمات حاصل کرے گی۔"

ماریو سلوا پوری طرح ٹی وی کی طرف متوجہ ہو گیا۔ لڑکی بتا رہی تھی: "گلستان کی ایک رضاکار تنظیم گلستان یونٹ ایجوکیشن کارپوریشن کے مقاصد عظیم تر گلستان کی بیمار برادریوں کی خدمت کرنا ہے جس نے پاگل بوڑھے کے ہاتھوں مرنے والے افراد کے متاثرین کو مختلف عدالتی خدمات فراہم کرنے کا اعلان کیا ہے۔ اس سلسلے میں گیاک کے ایک اٹارنی نے مذکورہ پاگل شخص کو ایک سمن کی تعمیل کرائی ہے جس میں اس سے پانچ افراد کے قتل پر پچاس لاکھ فردوسی ڈالر کا ہرجانہ طلب کیا گیا ہے۔"

لڑکی اب گیاک کے چیئرمین کی تعریفوں کے پُل باندھ رہی تھی۔ "گلستان یونٹ ایجوکیشن کارپوریشن سماجی خدمات کے شاندار ورثے کی مالک ہے۔ گیاک کے چیئرمین، ماریو سلوا اور اس کے ساتھیوں نے مختلف اوقات میں یہ ثابت کر دکھایا ہے کہ دُنیا میں انسانیت کی خدمت کے سوا باقی تمام جذبے قابلِ شکست ہیں۔"

سلوا زیرِ لب مسکراتا رہا۔ پھر اسکرین پر اسٹیشن کا شناختی لوگو نمودار ہوا اور اس کے بعد اسکرین پر مارک لینن کا چہرہ نظر آنے لگا۔

مارک کے چہرے پر زخموں کے درجنوں نشانات تھے۔ دائیں آنکھ پر پٹی بندھی ہوئی تھی اور بائیں سنوج کر گیا ہو رہی تھی۔ ناک کا بانسہ بھی ٹوٹا ہوا لگ رہا تھا۔ وہ کچھ دیر خاموش رہا تو کئی ٹی وی کے ناظرین پوری طرح اس کا چہرہ دیکھ لیں۔

"یہ رنجم گلستان پولیس آفیسرز کے نشانے ہوئے ہیں۔" بالآخر مارک لینن کی آواز اُبھری اور اس کے بعد اُس نے گلستان سنٹرل اسپتال میں پیش آنے والے واقعات سے ناظرین کو آگاہ کیا اور اپنے مخصوص انداز میں ان پر تبصرہ کیا۔ پھر وہ اپنے بیان کے آخری حصے پر پہنچا۔

"وفاقی حکومت میں موجود میرے ذاتی ذرائع نے خبر دی ہے کہ مکرم علی خان کے مکان پر جہاں پانچ فوجیوں کا قتل ہوا ہے ایک آٹومیٹک رائفل ملی ہے۔ فوج میں اس ہتھیار کو ایکس ایم ۱۷۷ کہا جاتا ہے۔ بعد میں اسے کوٹ آٹومیٹک رائفل یا کوٹ کمانڈر رائفل کا نام دے دیا گیا تھا۔ عام طور پر یہ رائفل صرف فوج کے استعمال میں رہتی ہے اور اسے کسی فوجی ذخیرے سے حاصل کیا گیا ہے لیکن رائفل پر سیریل نمبر نہیں ہے کیونکہ اُسے مٹا دیا گیا ہے۔"

ماریو سلوا کے ہاتھوں میں پکڑا ہوا برانڈی کا جام چھلک گیا وہ دیدے پھیلائے مارک لینن کو دیکھ رہا تھا جو فردوسی حکومت کے خلاف زہر اُگل رہا تھا۔

"پولیس کے مقامی افسران یہ عقدہ حل کرنے میں لگے ہیں کہ یہ رائفل فوجی ایمونیشن ڈپو سے گلستان کے دہشت گردوں تک کس طرح پہنچی؟ اس سلسلے میں یہ بات بھی سامنے آئی ہے کہ گزشتہ روز ہارون آباد پر لوٹنے والی قیامت اور گلستان کی غیر ملکی نصابی کمپنی کے دفاتر میں ہونے والے دھماکوں اور مختلف جگہوں پر دہشت گردوں کے ہاتھوں ہونے والے قتل میں کوئی نہ کوئی قدر مشترک ضرور ہے لیکن ہمیں یہ یقین ہے کہ یہ تمام واقعات کسی بیرونی طاقت کے اشارے پر نہیں ہوئے بلکہ خود فردوسی حکومت کی سازش کا نتیجہ ہیں تاکہ فردوسی معاملات میں غیر ملکیوں کی مداخلت کا سوانگ رچایا جا سکے۔"

کارل مارکس کا چہرہ اسکرین سے غائب ہو گیا۔ اس کی جگہ ایک اور خوب صورت لڑکی موسم کا حال سنانے لگی۔ سلوا نے جام میز پر رکھا اور اُٹھ کر فون کی طرف بڑھا۔

"رافیل، میں سلوا بول رہا ہوں۔ اس سے سلسلہ ملنے پر سرگوشی کی: "ہماری ایک شپمنٹ کے ساتھ مسئلہ پیدا ہو گیا ہے میرے خیال میں ہمارے ایک آدمی نے بلا اجازت کوئی شے جاری کر دی ہے۔ اپنے آدمی اور ایک ٹرک لے لو۔ ہم فہرست چیک کریں گے۔"

بات ختم کرنے کے بعد اس نے اپنا بریف کیس نکالا۔ اسے ہولسٹر میں لگایا اور باہر نکل گیا۔ رافیل برآمد ہونے سے گیاک کا تعلق ایک دہشت گرد گروہ سے پیدا ہو گیا تھا جس کے بارے میں ماریو سلوا کے کمیونسٹ آقا بھی آگاہ نہیں تھے۔

∴

ڈرنا نڈو روز نے خالص کوکین کا ڈوز لے کر مردوں کی طرح کرسی پر گر پڑا۔ اُسے اپنی ٹیلی فون آنسرنگ مشین کی ہلکی سی کلک سنائی دی اس کا فون کسی دوسرے فون کی کال میں دخل اندازی کر رہا تھا۔ روز نے فون کا یہ انتظام خود کیا تھا تاکہ وہ بغیر مداخلت کے دوسروں کے فون سن سکتا تھا۔

پھر اس کی ذہنی رو فریز میں پڑے ہوئے ایک کلو کوکین کے بیگ کی طرف چلی گئی جو اس نے مشین گن کے عوض حاصل کیا تھا گیاک والے جھک مار تے رہ جائیں گے لیکن اُنھیں معلوم نہیں

معروف مصنف

ایم اے راحت کے طلسماتی قلم سے

پُراسرار ہولناک اور ناقابلِ فراموش کہانیوں کا حسین امتزاج

زنجیرِ غم 75/-

بندِ قید 75/-

خونِ آرزو 75/-

کتابیں خوبصورت سرورق کے ساتھ پیپر بیک پر شائع کی گئی ہیں

اپنے آرڈر سے مطلع فرمائیں

کتاب آپ تک بذریعہ رجسٹری ڈاک منگوانے کے لئے طلب فرمائیں یا آدارے کے نام کل قیمت کا منی آرڈر ارسال فرمائیں۔ کتاب آپ کو بذریعہ رجسٹری ارسال کر دی جائے گی۔

خط و کتابت کے لئے

مکتبہ القریش سرکلر روڈ، اُردو بازار، لاہور ۲

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ہو سکے گا کہ مشین گن کا اجرا، کس نے اور کس طرح کیا ہے؟"

اُس نے ایک ڈوذر اور لیا اور دوبارہ فریزر کی طرف دیکھا۔ جہاں ایک کلواب بلی موجود تھی۔

کیا وہ ساری کوکین استعمال کر لے؟ لیکن کس طرح؟ کیا وہ اسے سگریٹ میں استعمال کرے؟ یا انجکشن کے ذریعے نہیں اسے ایک پونڈ اپنے پاس رکھ کر باقی بیچ دینی چاہیئے۔

وہ مختلف انداز میں سوچتا رہا۔

کوکین کو بیچنے سے میں ۳۰ ہزار فردوسی ڈالروں کا مالک بن جاؤں گا لیکن یہ رقم وہ گیاک کے فنڈ میں نہیں دے گا۔

بلکہ ایک مرسیڈیز خریدے گا، نہیں پورش خریدوں گا...

اُسے کیا چاہیئے؟"

پھر اُس نے قہقہہ لگایا، اس کے دماغ نے باقی ساری تجویزیں مسترد کر دیں، کوکین، ہاں اسے صرف کوکین کی ضرورت تھی۔

"تم نے نہیں دیکھیں فرنانڈو؟" ایک بھاری آواز نے اس کے سارے خیالات کی ایسی تیسی کر دی۔ ایک ہاتھ اس کے کندھے پر جم گیا جبکہ دوسرے نے اُس کے منہ کو جکڑ لیا۔

گیاک کا چیئرمین ماریو سلوا کمرے کے وسط میں کھڑا جاپانیوں کا ایک ٹیچا ہاتھوں میں لہرا رہا تھا۔ یہ اُس سیکورٹی کیمرے کی چھلیاں تھیں جس کا انچارج خود فرنانڈو تھا۔

فرنانڈو نے نظریں اٹھا کر دیکھا، تین آوارہ گرد اس پر سنٹ تھے اور وہ کسی طرح بھی ان کے نرغے سے بھاگ نہیں سکتا تھا۔

"کیا تم نے آج رات فلمیں دیکھی ہیں فرنانڈو؟" ماریو سلوا نے اپنا سوال دہرایا۔ پھر اس نے اپنے پالتو غنڈوں کی طرف دیکھا "اسے جواب دینے دو اور اگر یہ دیر لگائے تو ہمیں اس کے دو ٹکڑے کر دینا۔

اپنی بات میں زور پیدا کرنے کے لیے سلوا نے بھی چاقو کھول کر اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

فرنانڈو کی آنکھیں اپنے حلقوں سے اُبل پڑ رہی تھیں۔ وہ یک ٹک چاقو کے چمکتے پھل کو دیکھ رہا تھا۔ "نہیں، میں..."

"تو پھر میں تمہیں بتاتا ہوں کہ میں نے کیا سنا ہے؟" ماریو سلوا نے فرنانڈو کے بالکل سامنے میز پر بیٹھتے ہوئے جواب دہرایا۔ اس کے گھٹنے سامنے بیٹھے ہوئے فرنانڈو کے گھٹنوں کو چھو رہے تھے۔

"میں نے خبروں میں سنا ہے کہ پولیس کو ایک ایکس ایم ۱۰۰ ملی ہے، تمہیں تو پتا ہے، ایم سولہ رائفلوں میں سے ایک! اب مجھے بتاؤ کہ یہ پولیس کے ہتھے کس طرح لگی؟"

"مجھے خود پتا نہیں کہ وہ اسٹور تک کیسے پہنچے؟" فرنانڈو نے کھوکھلے لہجے میں کہا۔

"ویسی تو میں تم سے پوچھ رہا ہوں کل دن میں ہارون آباد کے ایک گودام روڈ کے ڈپو میں آگ لگائی گئی تھی اور ہزاروں ٹراکٹ، میزائل اور بم شہریوں پر گرے تھے۔ رات میں گلستان میں ایک دھماکہ ہوا۔ اب سترک پانچ افراد قتل ہوئے لیکن سارے واقعات میں ہمارے بھائی بچ نکلے۔ البتہ ایک جگہ قسمت نے ان کا ساتھ نہیں دیا۔ ان کا ایک گرو ڈپ مارا گیا اور ان کے قبضے سے ایکس ایم ۱۰۰ برآمد ہو گئی۔ میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ وہ ہماری ملکیت تھی؟"

"ہاں" روڈنز نے بھنسی بھنسی آواز میں جواب دیا۔ اس نے کہا تھا کہ شباکا نے اُسے ہتھیار لینے کے لیے بھیجا ہے۔ انھوں نے کہا تھا کہ انھیں ایک گن اور کچھ ایمونیشن کی ضرورت ہے۔ اسی لیے میں نے ایسا کیا تھا۔"

"کیا میں نے تمہیں اس کا حکم دیا تھا؟"

"نہیں۔"

"پھر تم نے ایسا کیوں کیا؟"

"شباکا نے بتایا..."

"اُس نے تمہیں کچھ نہیں کہا، تم نے لڑکوں کو کتنی رائفلیں جاری کی تھیں؟" ماریو دہاڑا۔

"صرف ایک، اُس بھائی کو جسے شباکا نے بھیجا تھا۔ میں نے اُسے صرف ایک..."

"مجھ سے جھوٹ مت بولو!"

"صرف ایک، میرے خیال..."

"تمہارا خیال غلط ہے۔" سلوا نے اپنے پالتو غنڈوں کو اشارہ کیا اور انھوں نے ایک جھٹکے سے فرنانڈو کو کرسی سے اُٹھایا۔ دو نے اس کا ایک ایک بازو تھام رکھا تھا جبکہ تیسرا اس کے عقب میں تھا۔ روڈنز کو کوئی سخت چیز پشت میں چبھتی محسوس ہو رہی تھی۔

"تم ہمارے ساتھ چل رہے ہو، اگر تم نے ذرا سا بھی شور مچایا تو ہم نہیں مار ڈالیں گے۔" سلوا نے اسے دھمکی دی۔

"نہیں میں بے تصور ہوں۔"

تینوں غنڈوں نے زبردست قہقہہ لگایا۔ سلوا بھی روڈنز کی بات پر مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔ فرنانڈو روڈنز جانتا تھا کہ وہ اسے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔

ایک بات اس کی سمجھ میں آگئی تھی کہ فائدہ وہ اسے یہاں نہیں مارنا چاہتے تھے۔ وہ کسی جگہ لے جانا چاہتے تھے جہاں اسے مار کر

اس کی لاش دفنائی جا سکے۔

"انھیں شباکا نے بھیجا تھا۔ تم اس سے کیوں نہیں پوچھتے؟" فرنانڈو روڈنز نے ایک آخری کوشش کی۔

"ہم اس سے بھی بات کریں گے۔" ماریو نے اُسے تسلی دی۔ "اب تم ہمارے ساتھ تعاون کرو گے۔ ورنہ تمہیں فوراً گولی مار دی جائے گی، سمجھے؟"

"جو کچھ تم جاننا چاہتے ہو میں..."

سلوا اس کا جملہ پورا ہوئے بغیر دروازے کی طرف بڑھا۔ سامنے ایک کنوینشل کھڑی تھی۔ سلوا نے فرنانڈو کو گاڑی میں ڈالنے کا اشارہ کیا۔

وہ آگے بڑھے لیکن اسی وقت فائرنگ شروع ہو گئی، گولیاں سلوا اور اس کے ساتھیوں پر چلائی گئی تھیں۔ وہ روڈنز کو چھوڑ کر ایک طرف ہٹ گئے۔ روڈنز نے موقع غنیمت جانا اور فوراً ایک کرسلر کی طرف بھاگا جو ذرا فاصلے پر موجود تھی۔ ڈرائیونگ سیٹ پر ایک شخص بھی بیٹھا ہوا تھا۔ اُس نے روڈنز کو فوراً اندر بیٹھنے کو کہا جونہی وہ اندر داخل ہوا کار آگے بڑھ گئی۔

مگر شاید قدرت کو فرنانڈو روڈنز کا فرار پسند نہیں آیا۔ اسی وقت کسی سمت سے گولی آئی اور ونڈ اسکرین توڑتی ہوئی ڈرائیور کے سر میں گھس گئی۔ مرنے والے کا پاؤں بریک پر جم کر رہ گیا کار ایک جھٹکے سے رُکی۔

فرنانڈو نے لپک کر کار سے نکلنے کی کوشش کی لیکن شدید اور سیاہ رنگ کی ایک پولیس اسکواڈ نے اس کا راستہ روک لیا۔

*

"اگر تم ایک گھنٹہ سات منٹ پندرہ سیکنڈ سے پہلے سیدھے کھڑے ہونے کو ورزش میں چوبیس منٹ ستر سیکنڈ کا مزید اضافہ ہو جائے گا۔" اوشان نے کمرے کی دیوار کے ساتھ سر کے بل کھڑے ٹائیگر کو مخاطب کیا۔

"لیکن لٹل فادر، ساٹھ منٹ کے بعد اگلا گھنٹہ شروع ہو جاتا ہے، یہ چوبیس منٹ کیا ہوتے ہیں؟" ٹائیگر نے اُلٹے کھڑے کھڑے ماسٹر کو یاد دلایا۔

"میں نے تمہیں کتنی بار سمجھایا ہے کہ سنانجو کے وارث اپنے آقاؤں کی کسی بات پر اعتراض نہیں کیا کرتے۔" اوشان بُرا مان گیا۔

"میں اعتراض نہیں کر رہا، آپ کی تصحیح کر رہا ہوں۔" ٹائیگر بے اختیار کہہ گیا۔

"تم... یعنی تم... میری تصحیح کرو گے؟" اوشان بھی بولا۔ "قیامت واقعی آنے والی ہے سنانجو کے ماسٹروں نے قیامت کی جن نشانیوں کا ذکر کیا تھا ان میں ایک نشانی یہ بھی تھی کہ کچھ نامعقول افراد نصیحتیں کرنے لگیں گے۔"

"لٹل فادر میرے اُلٹے لٹکنے سے بھلا قیامت کا کیا تعلق؟"

"میں کہتا ہوں اپنے ساتھ باقی دُنیا کو بھی عذاب میں مبتلا نہ کرو۔ اول فول مت بکو ورنہ قیامت واقعی آجائے گی۔" اوشان نے اُسے متنبہ کیا۔

دروازہ کھلا اور روبی اندر آگئی۔ سب سے پہلے اس کی نظر دیوار سے اُلٹے لٹکے ہوئے ٹائیگر پر پڑی۔

"آگئی؟" ٹائیگر نے نعرہ لگایا۔

"کون؟" اوشان نے دریافت کیا۔

"قیامت آگئی لٹل فادر، آپ نے اسی کے آنے کی نشانیاں بتائی تھیں ناں؟" ٹائیگر نے پوچھا۔ "ان نشانیوں میں سے ایک یہ بھی ہو گی کہ چربیلیں انسانوں کا لباس پہن لیں گی۔ کرۂ ارض پر روئی ناپید ہو جائے گی بعض چربیلیں..."

"بدبخت، سنانجو کے ماسٹروں کا مذاق اُڑاتا ہے۔"

"میں نے تو کبھی پتنگ بھی نہیں اُڑائی لٹل فادر۔" ٹائیگر نے معصوم صورت بنا کر کہا۔

"روبی چھتا شروع کرو۔" اوشان نے حکم دیا۔

"رحم، لٹل فادر رحم۔" ٹائیگر نے فوراً ہتھیار ڈال دیئے۔ "مجھے بے شک سولی پر لٹکا دیں لیکن اس بدروح کو خاموش ہی رہنے دیں۔"

"فادر، یہ مجھے بدروح کہہ رہا ہے۔" روبی نے دُہائی دی۔

"تمہیں یہ کیسا لگ رہا ہے بیٹی؟" اوشان نے پوچھا۔ اس کے منہ سے روبی کے لیے بیٹی کا لفظ سن کر ٹائیگر کے منہ کا ذائقہ کڑوا ہو گیا۔

"ایک بڑی چمگادڑ۔" روبی نے جھٹ سے کہا۔

"اس وقت تو بہت بول رہی ہے اسپتال میں تو تمہیں سانپ سونگھ گیا تھا۔" ٹائیگر نے اُسے یاد دلایا۔ پھر وہ اوشان سے مخاطب ہوا۔ "ماسٹر اسپتال میں، میں نے تمہاری بہیتی کے ماتھے سے پسینے کے دریا بہتے دیکھے..."

"لیکن تم پھر بھی بچ نکلے، حالانکہ تمہارے لیے چلو بھر پانی سی کافی تھا۔" روبی نے اس کا جملہ پورا نہیں ہونے دیا۔

"پلیز لٹل فادر، مجھے سیدھا ہونے دیں، میں اس چوہیا کو بل

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

میں مر گیا تو میرا نام شہزاد نہیں۔"

"فی الحال جو کر رہے ہو اس میں بچ رہے ہو۔" روبی نے اس کے زخموں پر نمک پاشی کی۔

"لٹل فادر، آپ اس کے سامنے مجھے سزا دے۔۔۔"

"یہ سزا نہیں ہے۔" اوشان نے اس کا جملہ کاٹ دیا۔

"تو پھر کیا ہے؟"

"ورزش۔" اوشان نے اطمینان سے جواب دیا۔

"لیکن کیوں؟"

"تم ناکارہ ہو گئے ہو۔" اوشان نے اُسے بتایا۔" سارہ کیس کے موقع پر میں نے تمہیں بتایا تھا کہ تمہیں کیس پورا ہونے کے بعد طویل ورزشیں کرنی ہوں گی۔ آج پہلا سبق ہے۔"

"مگر لٹل فادر، ایک نیا کیس شروع ہو گیا ہے جس میں میری اچھی خاصی ورزش ہو جائے گی۔"

"وہ اپنی جگہ۔ لیکن اگر اب تم نے کوئی سوال کیا تو پھر یہ ورزش پوری دو نے کے بعد تمہیں دو گھنٹے ہاتھوں کے بل اُلٹا کر سے میں چلنا ہو گا۔"

"یہ ظلم ہے سراسر زیادتی ہے۔۔۔"

فون کی گھنٹی سے ٹائیگر کا جملہ ادھورا رہ گیا۔ اوشان نے روبی کو فون اٹھانے کا اشارہ کیا۔

"یس، شگفتہ اسپیکنگ۔"

"ہم نے ایک آوارہ گرد کو پکڑ لیا ہے۔" دوسری جانب سے ڈیکٹیو عابد کی آواز سنائی دی۔" اسی نے آوارہ گردوں کو رائفل دی تھی اور وہی انھیں تربیت دیتا تھا، مسٹر ابرار کہاں ہیں مس شگفتہ؟"

روبی نے جواب دینے سے پہلے ٹائیگر کی طرف دیکھا۔

"اسے بتا دو کہ وہ اپنی ورزش پوری کرنے کے بعد آئے گا۔" اوشان نے روبی کو ہدایت کی۔ وہ فون پر ہونے والی گفتگو سن چکا تھا۔

"وہ اس وقت مصروف ہیں مسٹر عابد۔" روبی نے اُسے بتایا۔

"انھیں بتا دیں کہ پولیس ہیڈ کوارٹر میں ان کی ضرورت ہے۔" عابد نے جملہ پورا کر کے ریسیور رکھ دیا۔ روبی نے بھی رابطہ منقطع کر دیا۔

"کیا میں جاؤں لٹل فادر؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"نہیں۔" اوشان نے جواب دیا۔" پہلے ورزش مکمل کرو، اس کے بعد جانا۔"

"شبا کا کو جانتے ہو؟" اوشان نے ٹائیگر سے دریافت کیا۔ جو ذرا دیر پہلے ہی روبی کے ساتھ پولیس ہیڈ کوارٹرز سے ہو کر آیا تھا اس وقت وہ اور روبی، اوشان کے سامنے موجود تھے۔

"ہاں ہمارے گھر کام کیا کرتی تھی۔" ٹائیگر نے اطمینان سے جواب دیا۔" برتن اور کپڑے دھونا اس کے ذمے تھا۔"

"کون؟" اوشان نے پوچھا۔

"شبا، اور کون؟"

"اپنے کانوں میں رکھی ہوئی روئی نکال کر باہر رکھ دو۔" اوشان نے اُسے حکم دیا۔

ٹائیگر نے فوراً حکم کی تعمیل کی۔

"میں نے سوال کا نہیں، شبا کا پوچھا تھا۔" اوشان نے اُسے بتایا۔

"مجھے افسوس ہے لٹل فادر کہ میں۔۔۔"

"افسوس کی کوئی ضرورت نہیں۔" اوشان نے اس کا جملہ کاٹ دیا۔" تم پرلے درجے کے بے وقوف ہو۔"

"آپ کی یہ رائے ہے یا فیصلہ؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"نہ رائے ہے نہ فیصلہ، بلکہ یہ ایک اٹل حقیقت ہے۔" اوشان نے جواب دیا۔

"کیا یہ سنا نجو کا کوئی ایسا سٹر تھا جو دو ہزار سال۔۔۔"

ٹائیگر نے کہنا چاہا۔

"ایسے بدبخت لوگ سنا نجو کے ماسٹر نہیں ہو سکتے۔" اوشان نے بُرا سا منہ بناتے ہوئے کہا۔

"پھر یہ یقیناً آپ کے ساتھ بچپن میں گلی ڈنڈا کھیلتا رہا ہو گا۔" ٹائیگر نے فیصلہ سنایا۔

"تم بارہ سال بعد بھی نیڑھے ہی رہو گے۔" اوشان نے رائے دی۔

"میں استدعا کرتا ہوں لٹل فادر آپ مجھے کسی کی دُم سے تشبیہ دے رہے ہیں۔" ٹائیگر چیخا۔

"جب میں شبا کا کے ساتھ گلی ڈنڈا کھیل سکتا ہوں تو تم دُم کیوں نہیں بن سکتے؟" اوشان نے سوالیہ انداز میں کہا۔

"سینئر فائر۔" ٹائیگر نے ہتھیار ڈال دیے۔" وہ آپ کے بچپن کا ساتھی شبا کا۔۔۔۔ اوہ سوری لٹل فادر۔"

اس مرتبہ اوشان نے کوئی جواب نہیں دیا۔ بلکہ اس نے اصل موضوع کی طرف آنا ہی مناسب سمجھا تھا۔

"شبا کا شاید اسلامی دُنیا کا وہ واحد مسلمان ہے جس کی تمام تر ہمدردیاں اسرائیل کے ساتھ ہیں۔" اوشان نے کہنا شروع کیا۔

"لیکن موجودہ کیس میں کوکیسونسٹ ملوث ہیں۔ ان سے شبا کا کیا تعلق؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"وہ پرلے درجے کا دوغلا ہے۔ وہ اسرائیل کا ہمدرد بھی ہے اور کیمونسٹوں کا خیر خواہ بھی۔" اوشان نے ٹائیگر کی مداخلت کا بُرا نہیں منایا۔" اس کا اصل ہم لیری جیکسن ہے لیکن وہ اسلام قبول کر کے مسلمانوں میں گھس آیا اور شیطان کے سفید فام چیلوں کے خلاف اپنی مقدس جنگ کا آغاز کر دیا لیکن اس کے کمانڈ سنٹر سے اُسے اپنے سپاہیوں کو منتشر کرنے اور اپنا ئر بیتی مرکز بند کرنے کے احکامات ملے تھے لیکن وہ سفید فاموں کی دشمنی ترک نہیں کر سکا۔ اس مقصد کے لیے اس نے بلیک پینتھرز۔ ڈیتھ اینجلز اور بلیک لبریشن آرمی میں شرکت کی وہ جانتا تھا کہ ہر تنظیم کو پھوٹ پڑنے اور غداری کے خطرات کا ہر وقت سامنا رہتا ہے۔ فردوس بیورو آف کرائمز نے پینتھرز کے درمیان نفاق کا بیج بویا اور اسے ختم کرا دیا۔ سلم آباد میں ڈیتھ اینجلز کے کچھ سپاہی غداری کر کے پولیس سے جا ملے۔ جبکہ بلیک لبریشن آرمی کو بھی ترشوانے میں پولیس کے مخبروں نے اہم کردار ادا کیا۔"

"کیا ان مخبروں میں تنظیموں میں سنا نجو کا کوئی باشندہ بھی شامل تھا؟" ٹائیگر نے دریافت کیا۔

"کیا بکواس کرتے ہو؟" اوشان نے اُسے ڈانٹا۔

"میرا مطلب ہے کہ آپ کو ان ساری تفصیلات کا کس طرح علم ہوا؟" ٹائیگر نے اپنا دفاع کیا۔

"میرے دماغ میں تمہاری طرح بھس نہیں بھری ہوئی۔" اوشان نے انکشاف کیا۔" اپنی بک بک بند کر کے میری بات سنو۔"

ٹائیگر فوراً مؤدب ہو کر بیٹھ گیا۔

"ہاں تو میں بتا رہا تھا کہ شبا کا سب سے پہلے بلیک پینتھرز میں شامل ہوا تھا۔۔۔"

"یہ تو آپ نے ابھی بتایا ہے۔" ٹائیگر بھی اپنی سی ایک چیز تھا۔

"لیکن ایک جونیئر پینتھر ہونے کے باوجود کہ وہ کسی تنظیم کی شکست کے اسباب سے بخوبی آگاہ تھا۔" اوشان نے اپنی بات یوں جاری رکھی جیسے اس نے ٹائیگر کا جملہ سنا ہی نہ ہو۔" پینتھر لیڈر شپ نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا کیونکہ وہ ایک عام گرامی چور ہی نہیں بلکہ سفید فاموں کا جانی دشمن بھی تھا لیکن وہ اس کی نجی زندگی کے بارے میں بہت کم جانتے تھے۔ اُسے توقع تھی کہ پینتھرز اس کے ماضی کا کھوج لگانے کے لیے اپنے تمام تر وسائل بروئے کار لائیں گے لیکن پینتھرز نے غلاموں کے سوداگروں کے خلاف اس کی انقلابی جدوجہد کی محض داستانیں سن کر ہی اسے خود میں شامل کر لیا۔ اسے ایک انقلابی تحریک میں اپنی آسان شمولیت پر حیرت ضرور ہوئی لیکن جب اس کے بعد آنے والے بھی اتنی ہی آسانی سے تنظیم میں شامل ہوتے رہے تو وہ از خود اس فیصلے پر پہنچا کہ پینتھرز اپنی راہ میں خود کانٹے بو رہے ہیں۔"

"واہ، واہ۔" اوشان لینے کے لیے رکا تو ٹائیگر ہنکارا بھرے بغیر نہ رہ سکا۔

"میں نے کوئی شاعری نہیں کی تھی۔" اوشان نے جز بز ہو کر کہا۔" تم پرلے درجے کے گدھے ہو۔"

"آپ کا شاگرد اور آپ ہی کا وارث ہوں، اور نہ بندہ کس قابل ہے؟" ٹائیگر نے سعادت مندی سے کہا۔ اس کے انداز پر روبی مسکرا دی۔

"فیر پینتھرز اپنے مقاصد غلیہ نہیں رکھتے تھے۔" اوشان اس وقت شاید ٹائیگر سے اُلجھنے کے موڈ میں نہیں تھا۔" وہ کھلم کھلا مظاہرے کرتے اور پولیس انسان کے قتل کے ذریعے انصاف کا تقاضہ کرتے۔ وہ سفید فاموں کے خلاف زہر اگلنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے۔ انھیں پولیس سے بچ نکلنے کے طریقے بھی آتے تھے۔"

"اب تو مجھے یقین ہو گیا ہے کہ بلیک پینتھرز کے آباؤ اجداد کا تعلق سنا نجو سے ہی تھا۔" ٹائیگر نے پُر خیال انداز میں سر ہلایا۔

"جبھی تو وہ ہر ایک سے بچ۔۔۔"

"لیکن پولیس بھی ان کا تعاقب کرتی۔" اوشان نے ٹائیگر کا جملہ کاٹ کر اپنی بات شروع کر دی۔" وہ ان کی تقریریں ریکارڈ کرتی اور ان کے لیڈروں اور ان کے خیر خواہوں کی تصویریں اتارتی نوجوان لیری جیکسن ان سب باتوں کو پسندیدگی کی نظروں سے نہیں دیکھتا تھا۔ وہ ان باتوں سے خوفزدہ تھا۔ وہ اپنے اردگرد لوگوں کے ہجوم سے بھی پریشان ہو جاتا تھا کہ ان میں سے کون اس کا ساتھی ہے اور کون حکومت کا جاسوس ہے؟ اس کے جواب میں پینتھرز حکومت کے خلاف کارروائی کرتے اور جاسوسوں کا پتا چلا کر انھیں موت کے گھاٹ اتار دیتے لیکن پولیس پینتھرز پر ہاتھ ڈالنے سے گریز کرتی اور وہ اپنے جاسوسوں کی مدد سے اسے توڑنے میں کامیاب ہو گئی۔"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"بہت افسوس۔" ٹائیگر نے لقمہ دیا۔

"کیا تمہاری اُن سے کوئی رشتے داری تھی؟" اس مرتبہ روبی نے اُسے آڑے ہاتھوں لیا۔

"کن سے؟"

"بلیک پینتھرز سے۔" روبی نے جواب دیا۔

"نہیں۔"

"افسوس تو ایسے کر رہے ہو جیسے تمہارے ننھیالی رشتے دار ہوں۔" روبی نے چوٹ کی۔ ٹائیگر نے شکایتی انداز میں اوشان کی طرف دیکھا لیکن اُسے اس نوک جھونک سے قلبی سکون حاصل ہوا تھا کیونکہ بات چیت میں پہلی مرتبہ ٹائیگر کوئی ڈھنگ کا جواب دینے میں کامیاب نہیں ہوا تھا۔

"بلیک پینتھرز تو لیری جیکسن مسلم آباد چلا گیا۔" اوشان نے سلسلۂ کلام پھر وہیں سے جوڑا جہاں پھوڑا تھا۔ "وہاں جا کر اس نے دو کام کیے۔ پہلا یہ کہ اس نے اسلام قبول کر لیا اور اپنا نام شباکا رکھا۔ دوسرا یہ کہ ڈیتھ اینجلز کے نام سے ایک ایسی تنظیم بنائی جو ظاہر اللہ کے احکامات کی تبلیغ کرتی تھی لیکن دراصل اس کا مقصد سفید فاموں کا قتلِ عام تھا۔ شباکا نے اسلام کے نام پر ہارون آباد، مسلم آباد، گلستان اور فردوس کے دیگر علاقوں میں سفید فاموں کو چُن چُن کر قتل کیا ان کے ہاتھوں کوئی نہ بچ سکا۔۔۔"

"سوائے روبی کے۔" ٹائیگر نے دھیرے سے کہا۔ روبی نے پھاڑ کھانے والی نگاہوں سے اُسے دیکھا۔ پھر اوشان کو دیکھا لیکن وہ داستان جاری رکھے ہوئے تھا۔

"۔۔۔ سفید فام راہ گیروں، دُکانداروں اور سیناگوں پر چلتی کاروں سے اچانک فائرنگ ہوتی اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ خون اور گوشت کے لوتھڑوں میں تبدیل ہو جاتے۔ سیاہ فام تیز دھار کلہاڑیاں لے کر گھروں میں گھس جاتے اور سفید فاموں کو بے دریغ موت کے گھاٹ اتار دیتے۔ مفتی اسلامیہ نے اسلام کے نام پر ہونے والے اس قتلِ عام کی ذمہ داری قبول کرنے کی بجائے ہمیشہ اُسے نفرت کی نگاہوں سے دیکھا ہے لیکن ڈیتھ اینجلز، ان کی نظروں سے بے پروا اپنے کام میں مصروف رہا۔ کالے ہر عام سفید فاموں کو اغوا کر کے لے جاتے اور کچھ دنوں بعد منوں کے جسم کے ٹکڑے شہر کے کسی غیر آباد مقام سے برآمد ہوتے اس قتلِ عام میں شباکا اپنے ساتھیوں کے ساتھ بذاتِ خود شریک تھا۔ وہ خود بھی ایک ظالم قاتل تھا جس کی زندگی کا مقصد کرۂ ارض کو سفید فاموں کے وجود سے پاک کرنا تھا۔ اس نے معروف شاہراہ پر ایک لڑکی کو محض اس لیے شاٹ گن کے فائر کر کے چھلنی کر دیا کہ وہ سفید فام تھی۔

"کیا شباکا اب بھی زندہ ہے؟" اس مرتبہ بھی ٹائیگر نے اوشان کا جملہ کاٹا۔

"اب اگر تم کچھ بولے تو میں باقی کہانی تمہیں اُٹھا کھڑا کر کے سناؤں گا۔" اوشان نے اُسے دھمکی دی۔ "تم اس طرح کے بے معنی سوال کیوں کرتے ہو؟"

"وہ۔۔۔ وہ۔۔۔ میں دراصل روبی کو محتاط رہنے کا مشورہ دینا چاہتا تھا۔" ٹائیگر نے وضاحت کی۔

"مجھے تمہارے مشوروں کی کوئی ضرورت نہیں۔" روبی اُسے پھاڑ کھانے کو دوڑی۔ اوشان نے بھی کھا جانے والی نگاہوں سے اُسے گھورا۔

"اب نہیں بولوں گا۔" ٹائیگر نے سنبیدہ ہوتے ہوئے کہا۔

"۔۔۔ اس کے علاوہ شباکا متعدد فرد وسی لڑکیوں کی عصمت دری اور ان کو قتل کرنے کے جرم میں شریک کار رہا۔" اوشان نے شباکا کی کہانی دوبارہ شروع کی جو ٹائیگر کی بار بار مداخلت سے اب تک ادھوری تھی۔ "اس نے بہت سی لڑکیوں کی کٹی ہوئی انگلیاں اپنے پاس بطور نشانی رکھی ہوئی ہیں۔ اس نے سفید فاموں کے مظالم کے ہزاروں فوٹو اور ویڈیو فلمیں جمع کر رکھی ہیں ان تصویروں اور فلموں کے ذریعے وہ کالوں کو سفید فاموں کے خلاف اکسایا کرتا تھا لیکن پولیس مسلم آباد، ڈیتھ اینجلز کو توڑنے میں کامیاب ہو گئی۔ شباکا نے خود کو مسلمان ظاہر کیا اور الجیریا چلا گیا، جہاں بلیک پینتھرز زیرِ زمین کارروائیوں میں ملوث تھے۔ وہاں اُس نے عربی سمیت متعدد زبانوں پر عبور حاصل کیا اور سوویت کے جی بی سے اپنے روابط بڑھائے۔ سفید فاموں کے خلاف شباکا کی نفرت نے کے جی بی سے اس کے تعلقات کو اور مضبوط کر دیا۔ وہ اُسے امریکیوں، اُس کے اتحادیوں اور فردوسیوں کے خلاف اپنا ایک بہترین ہتھیار تصور کرنے لگے تھے چنانچہ انھوں نے اُسے فردوس میں ایک نیا مشن سونپ دیا۔ اسی مشن کے دوران اس نے ماریو سلوا نامی شخص کو دریافت کیا جو ایک کیوبن فاشسٹ کا بیٹا تھا۔ اس نے دس لاکھ ڈالر سالانہ کے عوض اپنے کیوبن آقاؤں سے سلوا کا معاہدہ کرایا اور سلوا نے اس کے جواب میں شباکا کو گیاک کی شکل میں ایک بھرپور فوج فراہم کی۔ شباکا نے سلوا کو بتایا تھا کہ اُس نے بھی انقلاب کے لیے نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کی ایک فوج تیار کی ہے لیکن اُس نے اپنی تمام تر سرگرمیوں کو خفیہ رکھا۔ اس نے خود کو صرف ایک سیاہ فام وکیل ظاہر کیا تھا جو اپنی پیشہ ورانہ سرگرمیوں کے بعد سماجی خدمات میں حصہ لیتا تھا۔ سلوا نے جدید ہتھیاروں کی ایک کھیپ منگوائی اور شباکا کی پیش کش کی کہ چند آٹومیٹک رائفلوں کے سوا وہ باقی ہتھیار رکھ سکتا ہے۔ شباکا بخوشی اس بات پر تیار ہو گیا کیونکہ دونوں کے درمیان اچھے کاروباری مراسم تھے۔۔۔"

"اوشان! میں پولیس ہیڈ کوارٹر سے یہی سب سُن کر آرہا ہوں، آپ کو کیسے پتا چلا؟ آپ تو وہیں تھے۔" ٹائیگر نے حیرت سے پوچھا روبی بھی کم حیران نظر نہیں آرہی تھی۔

"کیا تم بھول گئے ہو کہ سنابنجو کے ماسٹروں کو دُنیا میں رونما ہونے والے کسی بھی واقعے کا وقت سے پہلے پتا چل جاتا ہے۔" اوشان نے وضاحت کی۔ "انھوں نے جو پیشگوئیاں کی ہیں وہ آج تک حرف بہ حرف درست ثابت ہوئی ہیں اور یہ کروہ جونٹوں کی جنبش اور چہرے کے تاثرات سے انسانوں کے دلوں کا بھید جان لیتے ہیں۔"

"اگر ایسی بات ہے تو مجھے بتائیں کہ میری موت کس طرح واقع ہو گی؟" ٹائیگر نے اوشان کو اکسایا۔

"کسی زہریلی شے کے کاٹنے سے۔۔۔" اوشان نے بڑی تلخی سے اُسے جواب دیا۔

ٹائیگر، اوشان کا جملہ پورا ہونے سے پہلے ہی روبی سے دُور ہٹ گیا۔

"کیا ہوا؟" روبی نے حیرت سے پوچھا، وہ شاید اوشان کی بات اور ٹائیگر کی حرکت کا مقصد نہیں سمجھی تھی۔

"اوشان نے زہریلی شے سے دُور رہنے کا مشورہ دیا ہے۔" ٹائیگر نے اطمینان سے کہا۔

روبی اس پر جھپٹی لیکن ٹائیگر فوراً دُور ہٹ گیا۔ اس سے پہلے کہ روبی دوبارہ جھپٹتی، اوشان نے اپنی بات دوبارہ شروع کر دی۔

"جب شباکا کو اعصابی گیس کے ذریعے گلستان کی فضاؤں کو مسموم کرنے اور گولہ بارود کے ذخیرے میں آگ لگا کر ہارون آباد کے شہریوں کے قتلِ عام کا منصوبہ معلوم ہوا تو وہ ماریو سلوا کی صلاحیتوں کو سراہے بغیر نہ رہ سکا لیکن خوداس نے اپنے ان تاثرات سے نہ تو اپنے آقاؤں کو آگاہ کیا اور نہ سلوا کو ان معاملات کی ہوا لگنے دی۔ بلکہ اس نے اپنے ساتھی کو یہ بھی نہیں بتایا کہ وہ فردوس میں دہشت گردی کی ایک عظیم مرکز بنانے کا منصوبہ تیار کر رہا ہے۔ اسی اثنا میں شباکا کے کیوبن آقاؤں نے اُسے ایک اور دوا فراہم کی جس سے پہلے منشیات کی دُنیا میں موجود نہیں تھی۔ اس دوا کی خاص بات یہ تھی کہ اُسے کھانے والا، کوئی زخم لگنے کے بعد درد محسوس نہیں کرتا تھا بلکہ اس کے برعکس وہ نفسیاتی طور پر خود کو بے حد طاقت ور محسوس کرتا تھا اور دوسرے کو تشدد کے ذریعے موت کے گھاٹ اُتار کر زیادہ خوشی اور سکون محسوس کرتا تھا۔ اس دوا سے شباکا کو اپنی خفیہ فوج بنانے کا موقع ملا جس کے بارے میں سلوا یا اس کے کیوبنسٹ آقاؤں کو کوئی خبر نہیں ہے۔ اُسے اپنے آدمیوں سے غداری کا کوئی خطرہ نہیں تھا لیکن پھر ایک ایسا واقعہ ہوا کہ اُسے۔۔۔"

ٹائیگر اپنے وعدے کے مطابق خاموش نہ رہ سکا۔ "وہ واقعہ یہ تھا کہ سلوا کے احکامات اور شباکا کے علم میں لائے بغیر سلوا کے ایک ماتحت نے آوارہ گردوں کے ایک ٹولے کو آٹومیٹک رائفل جاری کر دی۔ یہ رائفل بھی برآمد ہو گئی ہے اور قانون نافذ کرنے والے اداروں نے رائفل کے مالکوں کے بارے میں تحقیقات شروع کر دی ہے۔" ٹائیگر ایک ہی سانس میں سب کچھ کہہ کر خاموش ہو گیا۔

"پھر کیا ہوا؟" اوشان نے پوچھا۔

"اس کی آنکھ نکل گئی۔" روبی نے لقمہ دیا۔

"اس سے آگے کی کہانی اوشان کو معلوم ہے۔" ٹائیگر نے اعتراف کیا۔

"مجھے وہ کہانی بھی معلوم تھی جو تم نے سنائی ہے۔" اوشان نے جواب دیا۔ "بہرحال۔۔۔ شباکا کا منصوبہ چونکہ اختتام کے قریب ہے اس لیے اُسے کوئی نقصان پہنچنے کا احتمال نہیں ہے۔ اُس نے ایک سوکے قریب سیاہ فام دہشت گردوں کو تربیت دے رکھی ہے جن کا مقصد ہی صرف سفید فاموں کا قتلِ عام ہے۔ وہ اپنے مقصد میں کسی حد تک کامیاب بھی ہو چکا ہے۔ سلوا اپنے طور پر جو منصوبے بناتا ہے شباکا اُنھیں پہلے پورا کر دیتا ہے لیکن سلوا یہی سمجھتا ہے کہ اس کے آدمیوں نے کام دکھایا ہے۔ ہارون آباد کے گولہ بارود کے ذخیرے میں آگ لگانے والے گروشباکا کے آدمی تھے لیکن چونکہ منصوبہ ماریو کا تھا اس لیے وہ یہی سمجھتا رہا کہ اس نے جو حکم دیا ہے اُسی کی تعمیل ہوئی ہے۔ اب صورتِ حال چونکہ تھوڑی سی پیچیدہ ہو گئی ہے اس لیے امکان اس بات کا ہے کہ شباکا اپنے ایک سو فوجیوں کو کھلا چھوڑ دے جو ہر وقت نشے میں دُھت رہتے ہیں اور جنھیں درد اور تکلیف کا ہرگز احساس نہیں ہوتا۔ جونہی گلستان کا خوب صورت شہر قتلِ عام کی زد میں آئے گا شباکا فرار ہو جائے گا۔"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"کیا یہ پیش گوئی ہے؟" ٹائیگر نے فوراً دریافت کیا۔

"نہیں حالات کا تجزیہ ہے۔" اوشان نے وضاحت کی۔ "اس بات کا امکان زیادہ ہے کہ وہ مارا جائے۔"

"ایسے نٹل فادر کیا دُنیا کا سب سے بڑا داستان گو سناٹجو میں پیدا ہوا تھا؟" ٹائیگر نے سوال کیا۔

"روبی۔" اوشان نے ٹائیگر کو جواب دینے کی بجائے روبی کو مخاطب کیا۔ "باتھ رُوم کے ٹب میں پانی چھوڑ دو۔ ٹائیگر پانی میں سر ڈبو کر نصف گھنٹے کے لیے سانس روکنے کا مظاہرہ کرے گا۔"

ٹائیگر کی سنجیدگی گم ہوگئی، اس نے لپک کر روبی کو روکنے کی کوشش کی لیکن اوشان نے اُسے اپنی جگہ بیٹھنے کا حکم دیا۔ دس منٹ بعد ٹائیگر باتھ رُوم کے ٹب میں سر ڈبوئے بیٹھا تھا۔

روشنیاں رات کے وقت شہریوں کو زندگی بخشتی ہیں لیکن اس وقت گلستان کا جنوبی حصہ یوں اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا جیسے یہاں انسان نہ بستے ہوں بلکہ بانسوں کا جنگل اُگا ہو۔ ٹائیگر اس اندھیر نگری میں خاموش رہائشی گلیوں اور بند دُکانوں کا سرسری سا جائزہ لیتا پھر رہا تھا۔ گلیوں کی روشنیاں کیمنوں کے دَم سے ہوتی ہیں لیکن اس وقت دُکانوں کے تھڑوں، ہوٹلوں اور دُکانوں پر کوئی شخص موجود نہیں تھا۔ ایک تھیٹر نے تو اپنی بیرونی روشنیاں تک گُل کر دی تھیں۔ سپر مارکیٹوں کے مرکزی دروازے بند تھے۔ ان ویران گلیوں میں صرف اگا دُکا کاروں کی آمد و رفت جاری تھی اور یہ کاریں یا تو اداکار گردوں کی تھیں یا پھر پولیس پیٹرول کی۔

گلیوں کے کونوں پر آوارہ گردوں کی ٹولیاں جمع تھیں۔ اور سائز پورٹیبل ٹیلیویژنز سے بلند آہنگ موسیقی نشر ہو رہی تھی جو ان کاروں میں نصب تھے جنھیں دروازے کھول کر فٹ پاتھوں کے قریب کھڑا کیا گیا تھا۔ آوارہ گردوں کی ٹولیوں نے قریب سے گزرنے والی کار کو دیکھا۔ ان کی چمک دار آنکھیں فورڈ کے اندر اندھیرے میں بیٹھے ہوئے افراد کو دیکھنے میں ناکام رہی تھیں۔

ٹائیگر جونہی گیگ کے دفاتر کے قریب پہنچا، اسے یقین ہوگیا کہ کونوں پر بیٹھے ہوئے ان آوارہ گردوں میں سے کسی کے پاس وائی ٹاکی ضرور ہوگا۔ کوئی چھت پر چڑھ کر ان کی نگرانی میں مصروف ہوگا یا مکانوں کے عقب میں کھڑا ان پر نظر رکھے ہوگا۔

ٹائیگر کے پہلو میں روبی بیٹھی ہوئی تھی جبکہ عقبی نشست پر عابد کیسٹ پلیئر سے چھیڑ چھاڑ میں مصروف تھا۔ پولیس ہیڈ کوارٹر کے ویٹرو گیشن روم سے آنے والی آوازوں سے پوری فورڈ کار گونج رہی تھی۔

"کلے اور سفید خلیہ فوجی ہیں، شہر میں منشیات پھیلا: ان کی ذمہ داری ہے چنانچہ جب انھوں نے مجھ سے رائفل طلب کی تو میں نے..."

"تمہارا مطلب کولٹ آٹومیٹک رائفل سے ہے؟" ایک پولیس آفیسر نے پہلی آواز سے وضاحت طلب کی۔

"ہاں چھوٹی مشین گن، انھوں نے اس کے بدلے مجھے ایک کلو کوکین دی تھی۔"

"ایک کلو؟ کیا تم ہوش و حواس میں ہو؟"

"ہاں، ایک کلو، انھوں نے اسے بیراڈائز سوسائٹی کے کسی ممبر شخص سے حاصل کیا تھا۔"

"آوارہ گردوں کو اس کی ضرورت نہیں تھی؟"

"نہیں، ان کا کہنا تھا کہ یہ کچھ بھی نہیں..."

عابد نے اسٹاپ بٹن دبا دیا۔ "کیا تم نے سُنا کہ آوارہ گردوں کو کوکین کی ضرورت نہیں تھی۔" اس کا مخاطب ٹائیگر تھا۔ "مجھے یہ سُن کر حیرت ہوئی، مزید سُنو..."

ریکارڈر سے نشر ہونے والی روزی کی آواز دوبارہ سنائی دینے لگی۔ "... وہ کسی اور شے کے نشے میں تھے۔"

"کیا؟ ہیروئن؟"

"وہ نشے میں مدہوش ہونے والوں جیسی حرکتیں نہیں کر رہے تھے، بلکہ وہ پاگل لگ رہے تھے۔"

"یہ سب سے دلچسپ بات ہے۔" عابد نے پلیئر کو دوبارہ آف کرتے ہوئے کہا۔ "کوکین کے بدلے رائفل آوارہ گردوں کو فراہم کرنے کے بعد اس نے ایسی منصوبہ بندی کی تھی جس سے علم ہوتا کہ آوارہ گردوں نے رائفل ویئر ہاؤس سے تجارتی ہے لیکن اس منصوبے پر آج رات عمل ہونا تھا مگر فیڈرل بیورو آف کرائمز نے رائفل جلد برآمد کرلی اور بیورو میں موجود کسی کالی بھیڑ نے یہ بات کیمونسٹ ملیشیا ورژن اسٹیشن کو پہنچا دی۔ خبر نشر ہوگئی۔ جسے گیگ کے ہیڈ مین ماریو سلوا نے سنا اور وہ روزی تک جا پہنچا۔"

ٹائیگر اس بارے میں جانتا تھا۔ اوشان واقعی دلوں کے بھید جانتا تھا یا شاید وہ اندازے لگانے کا ماہر تھا۔ اس سے کسی بھی بات کی توقع کی جا سکتی تھی کیونکہ وہ سناٹجو کا ماسٹر تھا۔ اس نے کار کے عقبی شیشے میں پھیلی کار کی روشنیوں کو دیکھا جو پولیس کا ایک اور آفیسر عاصم چلا رہا تھا۔ جونہی ٹائیگر نے ہائیں ہاتھ کی گلی میں کار موڑی اُس نے عابد کو مخاطب کیا۔

"روزی نے رائفل بالکل سامنے کیوں رکھ چھوڑی تھی؟"

"اصل میں وہ اعصابی گیس کے معاملے سے خاصا ڈرا ہوا تھا۔" عابد نے جواب دیا۔ "دراصل ہوا یہ تھا کہ اس معاملے کا بھانڈا پھوٹنے کے بعد کچھ مزید دہشت گرد بھی گرفتار کیے گئے تھے۔ ابھی تحقیقات شروع ہی ہوئی تھیں اور دہشت گردوں کی گرفتاری کو دو ایک روز ہی گزرے تھے کہ فیڈرل بیورو آف کرائمز کو مُلک بھر کے سیاسدانوں کے فون موصول ہونے شروع ہو گئے تھے۔ وہ تمام گیگ کی اعلیٰ سماجی خدمات کے معترف تھے لیکن ان دو گروپ دنوں میں انھیں ہتھیاروں کی ایک نئی شپمنٹ موصول ہوگئی۔ روزی ولاہی گیگ کا واحد فرد تھا جس پر ایف بی سی والوں نے نظر نہیں رکھی تھی چنانچہ وہ شپمنٹ اس نے اُٹھالی اور شپمنٹ سے بالاتر ہونے کا فائدہ اُٹھا کر رائفلوں کو اس وقت تک کے لیے اسٹور کر لیا جب تک ماریو سلوا شبہات سے متبرا نہ ہو جاتا اور وہ شباکا کے ساتھ مل کر اسلحہ بانٹ نہ لیتا۔"

"یہ اسلحہ لایا کون تھا؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"پڑوسی ملک کی ایک ٹرکنگ کمپنی، جسے فردوس کے کچھ شہریوں میں آمد و رفت کے حقوق حاصل تھے۔"

"ٹرکنگ کمپنی؟" ٹائیگر نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں، یہ ٹرکنگ کمپنی دراصل بحری جہازوں کا ایک بیڑا ہے، جس کے حصص یافتگان میں گیگ بھی شامل ہے۔"

"شاندار۔"

"یہی وجہ تھی کہ..." عابد نے کہنا چاہا لیکن انٹیروگیشن رُوم سے آنے والی آوازیں دوبارہ سنائی دینے لگیں۔

"وہ کیا تھا؟"

"تیسرا مرحلہ۔"

"اس کا کیا مطلب ہوا؟"

"میں نہیں جانتا۔ مجھے اس کا صحیح طور پر علم بھی نہیں ایک دوسرے نے شباکا کو آگاہ کیا تھا کہ رائفلیں تیسرے مرحلے تک ویئر ہاؤس میں رہیں گی۔" روزی نے جواب دیا۔

"لیکن کس چیز کا تیسرا مرحلہ؟"

"جی ہاں، یہ وہ لفظ تھا جسے اُس نے استعمال کیا، اب مجھے نہیں کہ جی ہاد سے اس کا مطلب کیا تھا؟"

ٹائیگر اس لفظ سے بخوبی آگاہ تھا۔ یہ اس کے مذہب و عقیدے کا بنیادی ستون تھا۔ جہاد یعنی مقدس لڑائی، تو ان سوڑوں نے اپنی منافرانہ لڑائی کو جہاد کا نام دیا تھا۔ ان کے تو سر قلم کیے جانے چاہئیں۔ ٹائیگر نے سوچا۔

"یہ ہے وہ جگہ۔" عابد نے اچانک ہاتھ اُٹھا کر کہنی۔۔۔۔ پینٹ شدہ ایک پارٹمنٹ بلڈنگ کی طرف اشارہ کیا۔ نوجوان لڑکوں کا ایک گروپ مہنگی جینیٹس اور سفید رنگ کی بغیر آستینوں والی ٹی شرٹس پہنے سیڑھیوں پر بیٹھا ہوا تھا۔ دوسرے گروپ فٹ پاتھوں پر براجمان تھے یا دھم آدھم کھڑی کاروں پر جھکے رہتے تھے۔ وہ خاکی رنگ کے کاغذ کے تھیلوں میں ملفوف بوتلوں سے کچھ پینے میں مصروف تھے۔

"سرِعام شراب نوشی اور منشیات کا استعمال۔" ٹائیگر نے زیرِ لب تبصرہ کیا۔ "کیا خیال ہے انھیں پکڑیں؟" اس نے سر گھما کر عابد سے دریافت کیا۔

"نہیں شکریہ، میں اپنی پنشن کے استعمال کے لیے زندہ رہنا چاہتا ہوں۔" عابد نے جواب دیا۔

"کوشش کرتے ہیں۔" ٹائیگر نے اُسے شہ دی۔

"میں بیس سے دو کے مقابلے کا قائل نہیں۔" عابد نے جواب دیا۔ اب اس بیہودے کو کیا پتا تھا کہ اس کے ساتھ بیٹھا ہوا شخص اکیلا بیس تو کیا، وہ سو پر بھاری پڑ سکتا ہے۔

ٹائیگر نے مسکرا کر کار دائیں جانب موڑ لی۔

"اب کیا کرنا ہے؟" ٹائیگر نے عابد سے لطف لیتے ہوئے پوچھا۔

"مجھے اُمید نہیں کہ ہم گیگ کے دفاتر میں داخل ہو کر زندہ واپس آجائیں، کیا تم اندر جانا چاہتے ہو؟"

"ہاں۔" ٹائیگر کا جواب اس کے لیے حیران کُن تھا۔

"میرے خیال میں اپنے اس فیصلے پر نظرِ ثانی کر لو۔" عابد نے اسے مشورہ دیا۔ "میری تو روح اس تصور سے کانپ رہی ہے کہ اندر رائفلوں سے مسلح ایک سو افراد موجود ہیں جو نشے میں بُری طرح دُھت ہیں اور جن پر درد اور تکلیف اثر انداز نہیں ہوتی اور پھر ہمیں دفتر کی پہلی منزل پر جانا ہے۔ گیگ کے تمام ضروری دفاتر پہلی منزل پر ہیں۔"

ٹائیگر کار کو آگے بڑھاتے لے گیا اور پھر اس نے کار ایک بلاک کے فاصلے پر ایک درخت کے نیچے روک لی۔ عقبی شیشے میں اسے دوسری کار اپنے عقب میں رُکتی نظر آئی۔ پھر پولیس آفیسر عاصم اُتر کر ان کے قریب آگیا تھا۔ جبکہ ایک دوسرا پولیس آفیسر کار میں ہی بیٹھا رہ گیا تھا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"ہم عقبی سمت سے چھت پر نہیں گے اور پھر اُن کے دفتر میں کود جائیں گے۔" ٹائیگر نے ایک جملے میں اپنا سارا منصوبہ بیان کر دیا۔

"عاصم، میں تم اور عابد اوپر جائیں گے، اپنے ساتھی کو کہو کہ وہ کار کے اسٹیئرنگ پر موجود رہے۔" پھر وہ اپنے پہلو میں بیٹھی روبی سے مخاطب ہوا۔ "تم اس کار کو لے کر گلی کے دوسرے سرے پر چلی جاؤ، ہو سکتا ہے ہمیں کوئی مشکل درپیش آ جائے۔"

"مجھے یقین ہے کہ اس اطلاع کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہو گا۔" روبی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ دوسروں کے سامنے وہ ٹائیگر کے ساتھ شرافت سے پیش آتی تھی۔ اس کی رگ صرف اس وقت پھڑکتی جب اوشان ان کے ساتھ موجود ہوتا یا پھر وہ دونوں اکیلے ہوتے۔ وہ ایک طویل عرصے کے بعد ٹائیگر کے ساتھ کوئی مہم سر کرنے نکلی تھی لیکن وہ اس کے کارناموں سے بخوبی آگاہ تھی۔

"پولیس کی مدد طلب کرنے سے بالکل نہیں ہچکچاتا۔" روبی نے اُسے نصیحت کی۔

"بہت بہتر وادی اماں۔" ٹائیگر نے مسکرا کر جواب دیا۔ روبی بھی کوئی جواب دینا چاہتی تھی جو ظاہر ہے کوئی طنز ہوتا مگر وہ اس وقت ٹائیگر کو ٹوکنے کے موڈ میں ہرگز نہیں تھی کیونکہ وہ دشمنوں کی کچھار میں داخل ہو رہا تھا۔

دو منٹ بعد روبی کار کو گلی کے دوسرے کونے کی طرف لے جا رہی تھی۔ اس کی روشنی مکانوں، گیراجوں کے پچھلے دروازوں اور پارک کی ہوئی کاروں کے عقبی حصّوں کو منوّر کر رہی تھی۔ اگلے ایک منٹ بعد وہ گلی کے اختتام پر پہنچ کر اندھیرے میں غائب ہو گئی۔

دوسری جانب درخت کے سائے سے تین انسانی ہیولے گیک کے دفاتر کی عقبی سمت بڑھے۔ ٹائیگر ان میں سب سے آگے تھا۔ عابد اور عاصم کے پاس ان کے سروس ریوالوروں کے سوا کوئی بھاری اسلحہ موجود نہیں تھا جبکہ ٹائیگر کے پاس یہ ریوالور بھی نہیں تھا بلکہ اس کے پاس اوشان کا دیا ہوا ایک لمبے پھل کا خنجر اور معجزاتی طور پر ان دونوں ہتھیاروں سے خطرناک ہتھیار، اوشان کے وہ دو اپیچ تھے جو اس نے اسے سکھا رکھے تھے البتہ ننھوں کے پاس چھوٹے والی ٹاکی نیٹ سنرز موجود تھے تاکہ پھر ضرورت پڑنے کی صورت میں ایک دوسرے سے رابطہ قائم کر سکتے۔

گیک کے دفتر کی عقبی جانب پہنچ کر تینوں رک گئے۔ عابد اور عاصم یہ دیکھ کر مایوس ہو گئے کہ ایک لمبی اور اونچی سپاٹ دیوار ان کے سامنے تھی۔ جس میں کھڑکی وغیرہ کا کوئی چکر نہیں تھا اور نہ ہی ان کے پاس کوئی ایسے آلات موجود تھے جن کی مدد سے وہ دیوار پر چڑھ سکتے۔ دونوں نے استفہامیہ نظروں سے ٹائیگر کی طرف دیکھا۔ عابد نے اس سے کچھ کہنے کی کوشش بھی کی لیکن ٹائیگر نے ہاتھ اُٹھا کر اسے خاموش رہنے کی ہدایت کی۔

اور پھر گلستان پولیس کے دو اعلیٰ افسران نے دُنیا کے آٹھویں عجوبے کو اپنی نظروں سے دیکھا۔ اگر وہ دونوں کے مضبوط نہ ہوتے تو ان میں سے ایک آدھ حیرت کے مارے ضرور بے ہوش ہو گیا ہوتا۔ ٹائیگر نے اپنے دونوں ہاتھ سامنے کیے۔ انھیں زور دار طریقے سے جھٹک کر سپاٹ دیوار پر اچھالا اور ان کے دیکھتے ہی دیکھتے کسی چھپکلی کی طرح انتہائی تیز رفتاری کے ساتھ سیدھا دیوار پر چڑھتا چلا گیا۔ چند ثانیوں بعد وہ انھیں چھت کی منڈیر پر نظر آیا۔

حیرت کے مارے دونوں کی زبانیں باہر لٹک آئیں۔ وہ پلکیں جھپکانا تک بھول گئے تھے۔ لیکن وہ زیادہ دیر تک اس پوزیشن میں نہ رہ سکے۔ کیونکہ ٹائیگر نے اپنی بیلٹ کے ساتھ بندھا ہوا نائیلون کی رسّی کا ایک گچھا نیچے لٹکا دیا اور ہاتھ کے اشارے سے انھیں ایک ایک کر کے اوپر آنے کو کہا۔ چند منٹوں کے بعد وہ دونوں بھی اوپر پہنچ چکے تھے۔

ٹائیگر نے بیلٹ سے اپنا واکی ٹاکی نکالا اور روبی کو مخاطب کیا۔ "تم خیریت سے ہو؟"

"ہاں، اور تمہاری خیریت مطلوب ہے۔" روبی چہکی۔

"فی الحال فاختاؤں کے پُر سلامت ہیں۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ "کوئی غیر معمولی حرکت تو نظر نہیں آئی؟"

"نہیں۔" روبی نے اُسے اطمینان دلایا۔

"او کے، اپنا خیال رکھنا۔" یہ آواز ٹائیگر کے دل کی گہرائیوں سے نکلی تھی۔ یہ بات خود اس کی سمجھ میں نہیں آئی تھی کہ جب وہ ایک دوسرے کے سامنے ہوتے تھے تو اُن کی ایک لمحے کے لیے نہیں بنتی تھی لیکن نظروں سے اوجھل ہوتے ہی ان کی تمام حسیات ایک دوسرے پر سمٹ آتی تھیں۔

واکی ٹاکی آف کر کے ٹائیگر نے بیلٹ میں اڑسا اور سامنے والی عمارت کی طرف بڑھا۔ اُنھیں چھت پر آ کر معلوم ہوا تھا کہ باہر سے ایک نظر آنے والی عمارت درحقیقت دو حصّوں میں منقسم تھی۔ اور ان کی مطلوبہ چھت اُس چھت کے ساتھ تھی جس پر وہ اس وقت موجود تھے۔ ٹائیگر جھکا ہوا آگے بڑھ رہا تھا تاکہ وہ فوری طور پر ساتھ والی چھت پر موجود سنتریوں کی نگاہوں میں نہ آ جائے جن کے قدموں کی ہلکی ہلکی آوازیں بھی اسے صاف سنائی دے رہی تھیں۔

چھت کی منڈیر پر پہنچ کر وہ رُک گیا۔ دونوں سائے اس کے عقب میں موجود تھے۔ جو اب اس سے بے حد مرعوب نظر آتے تھے۔ انھوں نے بھی ٹائیگر کی تقلید میں اگلی چھت پر جھانک کر دیکھا۔ ایک چھوٹی دیوار دونوں چھتوں کو ایک دوسرے سے الگ کر رہی تھی۔

انھیں اسٹیئر پوسنے کی بلند آواز سنائی دی۔ جبکہ ان کے قدموں تلے پختہ چھت دن بھر کی گرمی سے اب بھی تپتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ دونوں عمارتیں آپس میں یوں ملی ہوئی تھیں کہ ان کی چھتوں کے درمیان ایک اینٹ کا خلا بھی نہیں تھا۔ اب انھیں سامنے والی چھت پر کوئی نقل و حرکت نظر نہیں آ رہی تھی۔ شاید سنتری نیچے اُتر گئے تھے۔ گیک کے دفتر کی چھت خالی تھی۔

"ایکسٹرا بک سکیورٹی۔" دفعتہً ٹائیگر نے پلٹ کر اپنے ساتھیوں کو بتایا۔

"کیا مطلب؟" عابد نے حیرت سے پوچھا۔

"سنو!"

"کیا سنوں مجھے۔۔۔؟" عابد نے کہنا چاہا۔ اس نے اپنے کان بھی اُدھر لگائے لیکن اُسے نیچے گلی میں سے گزرنے والی کسی موٹر سائیکل کی تیز آواز کے سوا کچھ سنائی نہیں دیا۔ بڑبڑ سائیکل گزرنے کے بعد خاموشی کی چادر دوبارہ مسلّط ہو گئی تھی۔

"مجھے کچھ سنائی نہیں دے رہا۔" عابد نے کہا۔

"الٹرا انفریکوئینسی موشن سنسرز۔" ٹائیگر نے بجلی کے تاروں سے گزرنے والی لہروں کی آواز سن لی تھی۔ "اس کے ساتھ وہ پریشر سنسر بھی استعمال کر رہے ہیں۔ اس کے علاوہ ایک سنتری بھی مجھے محسوس ہو رہا ہے۔"

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔" عابد نے پریشان ہو کر کہا۔

"انھوں نے موشن سنسرز لگا رکھے ہیں۔" ٹائیگر نے اسے بتایا۔ "یہاں سے اگر کوئی کبوتر بھی اُڑتا ہوا گزرے گا تو الارم بج اٹھیں گے۔"

"کبوتر رات کو پرواز نہیں کرتے۔"

"میں نے صرف مثال دی تھی۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔

اسی وقت نیچے سے کسی کتّے کے بھونکنے کی آواز سنائی دی اور پھر خاموشی چھا گئی۔

عابد اور عاصم نے ٹائیگر کو اُن تاریک تاروں کی طرف بڑھتے دیکھا جنھیں کوئی انسانی آنکھ اندھیرے میں نہیں دیکھ سکتی تھی لیکن ٹائیگر سے وہ بچ نہیں سکے تھے۔ انھی تاروں میں یقیناً ٹائیگر برقی رو دوڑ رہی تھی۔ پھر انھوں نے ایک اور تماشہ دیکھا اس نے اپنی دو انگلیاں تاروں کی طرف بڑھائیں۔ ان کا خیال تھا کہ ابھی ٹائیگر کی ایک تیز چیخ اُنھیں سنائی دے گی اور دوسرے ہی لمحے اس کا کوئلہ بنا ہوا جسم چھت پر پڑا ہو گا۔

لیکن کچھ بھی نہیں ہوا۔ ٹائیگر نے طاقتور برقی رو کی حامل تاروں کو ایک دوسرے سے یوں الگ کیا جیسے وہ برقی تاریں نہ ہوں عام سا کوئی دھاگہ ہو۔ پھر اس نے احتیاط کے ساتھ دونوں سرے الگ الگ رکھ دیے۔

"میں دوسری چھت پر جا رہا ہوں، تم پیچھے رہنا۔" ٹائیگر نے عابد اور عاصم کو ہدایت کی۔

اس کے ساتھ ہی وہ دوسری چھت پر رینگ گیا۔ اس نے کسی نقل و حرکت کو دیکھنے کے لیے چھت کا جائزہ لیا لیکن اسے کوئی شخص نظر نہیں آیا۔ اُسے اندھیری چھت کی ایک اینٹ صاف دکھائی دے رہی تھی۔ وہ دبے قدموں چھت کے کونے پر بنے ہوئے ریزر وائر کی طرف بڑھا لیکن اچانک ہی ایک شخص اس کی راہ میں حائل ہو گیا۔

ٹائیگر نے ہاتھ بڑھایا اور اسے اس طرح پیچھے گھسیٹ لیا جیسے وہ کوئی انسان نہیں بلکہ ڈالی پر لگا ہوا ہلکا سا پھول ہو۔

□

دو بلاک کے فاصلے پر روبی اپنی کار میں موجود تھی کار کا انجن جاگ رہا تھا جبکہ اس کی پسنجر سیٹ ریڈیو سیٹوں سے بھری ہوئی تھی۔

ایک پارٹیکیولر پولیس ہینڈ ریڈیو سے محکمانہ رابطوں کے پیغامات نشر ہو رہے تھے اور پوری کار میں شور پھیلا ہوا تھا۔ ایک واکی ٹاکی سیٹ اس کے برابر پڑا ہوا تھا جس سے روبی یوتھ فورس ٹائیگر سے رابطہ قائم کر سکتی تھی۔

ایک اور واکی ٹاکی، پولیس کی اُس اسکواڈ کار سے رابطے کے لیے تھا جو عاصم کے ساتھی گلی کے پہلے کنارے پر لیے کھڑا تھا۔

روبی نے اپنے اردگرد کا جائزہ لیا۔ گلی میں کوئی شے حرکت نہیں کر رہی تھی۔ اُسے دکانوں میں پورچوں میں نہ تو کوئی بیٹھا

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ہوا نظر آیا اور نہ کوئی آواز سنائی دی۔ جب اس نے کار کی کھڑکی کی تھی اُس وقت اس نے متعدد کھڑکیوں کے پردے ہلتے اور کھڑکیوں کو باہر جھانکتے دیکھا تھا لیکن اب وہ مکین بھی شاید لمبی تان کر سو گئے تھے یا پھر وہ اسی لیے اپنی چارپائیوں میں مقید ہو گئے تھے۔

دفعتاً فوقتاً گلی ہیڈلائٹس کی روشنی سے چمک اٹھتی لیکن کاریں گلی کے اندر آنے کی بجائے بغلی گلی سے نکل کر چلی جاتیں۔ روبی نے کار کا عقبی شیشہ اس طرح سیٹ کر لیا تھا کہ اپنے عقبی فٹ پاتھ اور گلی میں ہونے والی کوئی بھی نقل و حرکت نظر آ سکے ٹائیگر یا عاصم کے ساتھی پولیس آفیسر کی جانب سے ملنے والے کسی متوقع سگنل کے انتظار میں وقت گزارتے ہوئے اُس کی آنکھیں مسلسل حرکت میں تھیں۔ وہ دائیں بائیں سامنے اور شیشے کی مدد سے عقبی سمت پر کڑی نظر رکھے ہوئے تھی۔

دفعتہً پولیس ہینڈ اسکینر سے کچھ آوازیں اُبھریں۔ اس کے باوجود کہ پولیس آفیسرز آپس میں کوڈ ورڈز اور نمبرز کے حوالے سے باتیں کر رہے تھے لیکن روبی ان کی آوازوں سے مترشح بے چینی سے صورتِ حال سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس کے بعد ایک آواز سنائی دی جس نے کوئی کوڈ ورڈ استعمال نہیں کیے تھے۔

"چھت سے ہم پر فائرنگ شروع ہو گئی ہے، آٹومیٹک رائفلوں سے مسلسل برسٹ مارے جا رہے ہیں، ہم یہاں سے نکلنے کی۔۔۔"

ایک اور بلند آواز اسکینر سے برآمد ہوئی۔

"ان کے پاس راکٹ بھی موجود ہیں، اوپر سے کوئی۔۔۔"

ایک لمحے کے لیے آواز بالکل غائب ہو گئی، اس کے بعد دوسری آوازیں آنی شروع ہو گئیں۔ روبی کو صرف جملے کے الفاظ ہی سمجھ میں آ سکے تھے۔

ریڈیو کی آواز کم کر کے اُس نے اپنی طرف کا شیشہ نیچے کر دیا۔

کچھ فاصلے پر ہونے والے رائفل فائر کی آواز اُسے سنائی دی پھر اُس نے راکٹ کی تیز سیٹی اور ایک دھماکا سنا اور اس کے بعد کئی آوازیں اس میں شامل ہو گئیں۔

گلی کے اطراف میں پھیلی ہوئی سوکے قریب پولیس اسکواڈ کاروں کے آفیسروں نے شاید ایک ہی سوئچ کو دبا دیا تھا یا نجانے اگلے ہی لمحے چاروں طرف سے سائرن بجنے شروع ہو گئے تھے سائرن اس طرف بڑھ رہے تھے جہاں سے دھماکے اور فائرنگ کی آوازیں سنائی دی تھیں۔

روبی نے شیشہ دوبارہ چڑھا لیا۔ اُس نے پولیس ہینڈ اسکینر کی آواز تیز کر کے سُنی، پولیس کمانڈر تمام تحت یونٹوں کو فوری کارروائی کے احکامات دے رہا تھا۔ روبی نے اس کی آواز دوبارہ ہلکی کی اور دوسرا ادائی بٹن اٹھا لیا۔

"ٹائیگر! دس از روبی، ٹائیگر!"

وہ جواب کا انتظار کرتی رہی۔ پھر اُس نے ٹرانسمٹ کی کو دوبارہ دبایا۔

"ٹائیگر! دس از روبی، مجھے فائر۔۔۔"

اس کی آواز آٹومیٹک رائفلوں کے تیز شور میں دب کر رہ گئی۔ اس مرتبہ فائر دُور سے نہیں بلکہ اُسی گلی سے ہوئے تھے جس میں روبی خود موجود تھی۔ روبی نے دائیں سیٹ پر ڈال دیا۔ اسٹاریہ ۵۷ کا ڈیٹونکس نکال کر گود میں رکھ لیا۔ ایک ہاتھ اسٹارٹ کار کے اسٹیئرنگ پر رکھ کر دوسرے ہاتھ سے اس نے گیئر ڈالا اور اس طرف بڑھ گئی جدھر سے فائرنگ کی آواز سنائی دی تھی۔

ٹائیگر کو اپنے سامنے والے شخص کی گردن مسلنے میں کسی وقت کے پیش آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اس نے گیارہ کے جھٹکے کی موٹی تازی گردن کو یوں مروڑا تھا جیسے ڈالی پر لگا ہوا کوئی پھول توڑ رہا ہو۔ ابھی ٹائیگر نے اُسے زمین پر پھینکا ہی تھا کہ کنسٹرکشن ایریا کی دوسری جانب دو اور سائے نمودار ہوئے۔

"کون ہے؟" اُن میں سے ایک نے بلند آواز سے کہا شاید اس نے ٹائیگر کے ساتھیوں کے قدموں کی آواز سنی تھی کیونکہ ٹائیگر کے قدموں کی آہٹ پیدا ہونے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

جب جھٹکے کو دوبارہ آواز دینے پر بھی کوئی جواب نہ ملا تو اس نے اے کے ۔۴۷ کندھے سے اسٹریپ کر ہاتھ میں لے لی۔ ٹائیگر کو اس کا سیفٹی کیچ ہٹائے جانے کی آواز صاف سنائی دی تھی۔ اُن میں سے ایک دائیں سمت چلا گیا اور دوسرا بائیں سمت ٹائیگر کے لیے یہی کافی تھا۔ وہ پہلے دائیں سمت والے کی طرف لپکا جس کی اس کی جانب پشت ہو گئی تھی۔ اُسے اس وقت بھی ٹائیگر کی آمد کا پتا نہیں چلا جب وہ اس کے عقب میں پہنچ گیا۔ وہ بدستور مطمئن انداز میں بھاگتا رہا۔

البتہ چند ثانیوں کے بعد اسے اپنی گردن پر کسی چیز کے کاٹنے کا احساس ہوا۔ وہ سمجھا شاید کوئی مچھر ہے جو اس کا خون چوس رہا ہے۔ اس نے مچھر کو مسلنے کے لیے ہاتھ گردن کی طرف بڑھایا لیکن ایک کلائی محسوس کر کے اُس نے اُچھلنے کی کوشش کی اس سے پہلے کہ وہ پلٹتا ٹائیگر کا تیز ناخن اس کی گردن کی اہم ترین رگ کاٹ چکا تھا۔

غنڈے نے خود کو زمین پر گرتا ہوا محسوس کیا، لیکن نہیں پہلے اس کی آٹومیٹک رائفل زوردار آواز کے ساتھ نیچے گری اور اس کے بعد اس کا جسم آگے کی بوری کی طرح ڈھے گیا۔ اس کی گردن سے خون کا فوارہ اُبل پڑا تھا۔ اس نے دوبارہ اُٹھنے کی کوشش کی لیکن اب تو وہ چلنے کے قابل بھی نہیں رہ گیا تھا کیونکہ ٹائیگر کے پیر کی ایک ضرب نے اس کے سینے کو ہڈیوں اور گوشت کا ملغوبہ بنا دیا تھا۔

اُس کے گرنے کی پُرشور آواز سن کر اس کا دوسرا ساتھی پلٹا لیکن ٹائیگر ایک ہی جست میں اس کے سر پر پہنچ چکا تھا۔ اُدھر اس نے ٹرائیگر پر دباؤ ڈالا اور اُدھر ٹائیگر نے اس کے گریبان پر ہاتھ ڈال کر اُسے یوں زمین سے اُٹھا لیا جیسے وہ کوئی ہلکی سی کرسی اُٹھا رہا ہو۔ اے کے ۔۴۷ کا پورا برسٹ ہوا میں فائر ہوا، لیکن اُسے دوسری بار ٹرائیگر دبانا نصیب نہ ہوا۔ کیونکہ ٹائیگر نے اُسے بلند چھت سے نیچے اُچھال دیا تھا۔ اس کے حلق سے ایک تیز چیخ آزاد ہوئی۔ پھر دُور نیچے کسی بھاری شے کے گرنے کی آواز سنائی دی اور خاموشی چھا گئی۔

لیکن خاموشی کا یہ وقفہ زیادہ طویل ثابت نہ ہو سکا۔ دفتر کی نچلی منزلوں پر موجود غنڈوں کو شاید پتا چل گیا تھا کہ چھت پر موجود اُن کے ساتھی کسی حادثے کا شکار ہو گئے ہیں نیچے سے اندھا دھند فائرنگ شروع ہو گئی۔ ٹائیگر نے دونوں مرنے والوں کی خود کار رائفلیں اُٹھائیں اور عابد اور عاصم کی طرف پھینک دیں۔

اُسی وقت چھت کھلنے والے سیڑھیوں کے دروازے سے پہلا برسٹ فائر ہوا۔ ٹائیگر کے لیے گولیوں سے بچنا کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ اس کی پلکیں جھپکے بغیر ان انگاروں پر سرکوز تھیں جو ایک ترتیب سے بڑھتے چلے آ رہے تھے۔ جونہی وہ اس کے سر سے چند انچوں پر رہ گئے اس نے سر دائیں جانب جھکایا، قریب سے گزرتے ہوئے سامنے والی کنکریٹ کی دیوار سے ٹکرا کے اور خاموشی چھا گئی۔ سیڑھیوں میں موجود شخص نے دوسرا برسٹ فائر کیا لیکن اس وقت تک ٹائیگر اپنے ہاتھوں مرنے والے سب سے پہلے شخص کی لاش کو اپنی ڈھال بنا چکا تھا۔ ساری گولیاں مُردہ شخص کے جسم میں پیوست ہو گئی تھیں۔

زندگی کی کتابوں میں ہونے والا تماشا سے آپ دیکھ رہے ہیں

سرکش

محمود احمد مودی

کے

ایڈونچرس قلم سے

12

حصّوں میں شائع ہو گیا ہے

قیمت مکمل سیٹ

۷۲۰/- روپے

مکتبہ القریش، سرکلر روڈ، اردو بازار
لاہور۔ فون: ۷۶۶۸۹۵۸

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

سیڑھیوں سے فائرنگ کرنے والا اپنے دو راؤنڈز کا انجام دیکھنے کے لیے آگے کی طرف جھکا اور یہی اس کی زندگی کی سب سے بڑی غلطی تھی۔ ٹائیگر نے ہاتھ میں تھامی ہوئی لاش کسی ہلکے پتھر کی طرح اس کی طرف اچھال دی رائفل بردار نے لاش کو ہاتھوں پر روکنے کی کوشش کی لیکن وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکا اور لاش کو لیتا ہوا زمین پر گر گیا۔ اس نے فوری طور پر لاش کے نیچے سے نکلنے کی کوشش کی لیکن ٹائیگر ہوا کی طرح اس کے سر پر پہنچا اس کی بائیں ٹانگ رائفل بردار کے سر پر پڑی اور اس کا سر کئی ٹکڑوں میں تبدیل ہو کر چھت کے پختہ فرش پر بکھر گیا۔

ٹائیگر نے اپنے عقب میں حیرت زدہ عابد اور عاصم کو آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔ ان کے دیکھتے ہی دیکھتے وہ چار ایسے افراد کو کسی آتشیں ہتھیار کے بٹ مارنے لگا تھا جن کے پاس موجودہ دور کی جدید ترین خود کار رائفلیں موجود تھیں۔ وہ کسی روبوٹ کی طرح ٹائیگر کی طرف بڑھے جو اب سیڑھیوں کی طرف جا رہا تھا۔

سیڑھیوں پر چڑھنے والا شخص اپنے حساب سے انتہائی محتاط انداز میں بے آواز قدم اٹھا رہا تھا لیکن ٹائیگر تو بل کی چٹری پر کان رکھ کر بتا سکتا تھا کہ ترین کتنے میل دور ہے۔ پھر بھلا وہ سیڑھیوں پر رکھے جانے والے قدموں کی آواز کس طرح نہ سن پاتا۔ سیڑھیاں چڑھنے والا شخص سے لڑنے کی توقع میں آیا تھا۔ اسے کیا پتا تھا کہ ایک جن سیڑھیوں کے دروازے پر اس کا منتظر ہے۔

ایک خالی کلاشنکوف گولی کی طرح اس کے سینے پر لگی۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ اس کی نال کسی گولی کی طرح اس کے دل کے بالکل اوپر پیوست ہوئی تھی۔ وہ اپنا توازن برقرار رکھنے کی کوشش کرنے لگا لیکن اسے ناکامی ہوئی کیونکہ اس کے دل کی دھڑکن رک چکی تھی۔ نتیجتاً وہ گرا اور سیڑھیوں پر لڑھکتا ہوا نیچے چلا گیا اس کے گرنے سے زیادہ آواز اس کی خود کار رائفل کی تھی جو اس کے ساتھ ساتھ پُرشور آواز میں نیچے گری تھی۔

ٹائیگر سیڑھیوں کی طرف بڑھا لیکن عابد نے پیک کر اسے بازو سے پکڑ لیا۔

"ہمارے پاس صرف دو کلاشنکوف ہیں۔" عابد نے اسے بتایا۔ "نیچے جانا موت کے منہ میں چھلانگ لگانے کے مترادف ہے۔"

"ہم نے اپنی چھت کی حفاظت کا انتظام بہت اچھا کر رکھا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ نیچے کوئی بہت اہم شے موجود ہے۔" ٹائیگر نے رائے دی۔

"شاید ایک فوج ہو۔" عابد نے خیال ظاہر کیا۔

"کچھ بھی ہو، ہمیں نیچے جانا ہے۔" ٹائیگر نے فیصلہ سنایا۔ وہ پھر آگے بڑھا لیکن سیڑھیوں پر کسی اور کے قدموں کی آواز ابھری۔ اس مرتبہ چڑھنے والا، دوڑتا ہوا آ رہا تھا۔

عابد نے تھوڑا سا سر نکال کر جھانکنے کی کوشش کی۔ فوراً ہی سیڑھیاں چڑھنے والے نے یکے بعد دیگرے دو برسٹ فائر کیے عابد اُچھل کر پیچھے ہٹا لیکن پھر اس کی خود کار رائفل سے نکلنے والا پورا برسٹ دہشت گرد کے سینے کو چھلنی کر گیا۔ ہڈیاں ٹوٹنے کی آواز بھی ٹائیگر کو صاف سنائی دی۔ دہشت گرد کے جسم کا بالائی حصہ چھوٹے چھوٹے خون آلود چیتھڑوں میں تبدیل ہو گیا اور وہ وہیں سیڑھیوں پر ہی ڈھیر ہو گیا۔

"اس کی رائفل بھی اٹھا لو۔" ٹائیگر نے عابد کو حکم دیا۔

"یہ موت کے منہ میں جانے کے لیے تیار نہیں، نیچے اس کے سیکڑوں ساتھی ہو سکتے ہیں۔" عابد نے فوراً انکار کر دیا۔

ٹائیگر دوبارہ اُسے کہنے کی بجائے خود آگے بڑھا۔ اپنا خنجر اس نے نکال کر ہاتھ میں لے لیا۔ جونہی اس نے پہلی سیڑھی پر قدم رکھا نیچے سے کسی ریوالور کے چلنے کی آواز سنائی دی۔ فردوس پولیس کے دونوں افسروں نے اس بار ایک نیا تماشہ دیکھا۔

ٹائیگر ریوالور کی گولیوں کو خنجر کی تیز دھار پر روک رہا تھا۔ اس کا خنجر بجلی کی سی تیزی کے ساتھ حرکت کر رہا تھا اور ہر گولی خنجر سے ٹکرانے کے بعد اپنا راستہ بدل رہی تھی۔ خنجر گھمانے جانے کی رفتار اتنی تیز تھی کہ نظر بمشکل اس پر ٹھہر رہی تھی۔ دونوں افسروں نے ٹائیگر کو زندہ سلامت مُردہ دہشت گرد تک پہنچتے اور پھر واپس آتے دیکھا۔ نیچے سے ریوالور کے کم از کم دو کلپ فائر ہوئے تھے لیکن مجال ہے کہ کوئی گولی ٹائیگر کے جسم کو چھو کر بھی گزری ہو۔

ٹائیگر نے انھیں صرف خود کار رائفل ہی نہیں دی۔ بلکہ ایک۔ تھیلا بھی تھمایا جو وہ مُردہ دہشت گرد کے پہلو سے اٹھا لایا تھا۔ عاصم نے تھیلا کھول کر دیکھا اس میں کئی دستی بم تھے ٹائیگر نے اُسے اشارہ کیا اور عاصم نے پہلے دستی بم کی فائرنگ اور پھر بہت سے قدموں کی آوازیں ابھریں۔ دستی بم عین ان کے سامنے گر کر پھٹا تھا۔ انھیں فوراً ہی کئی دہشت گردوں کی بھیانک چیخیں سنائی دیں جن میں درد و اذیت کی نسبت غصے کی کیفیت زیادہ نمایاں تھی۔ عاصم نے چند ثانیوں کے وقفے سے دوسرا گرنیڈ بھی نیچے اُچھال دیا۔ کئی اور چیخوں نے گرنیڈ کے نشانے بننے کی تصدیق کی۔

چھت کے دروازے کی چوکھٹ کا سہارا لے کر اُس نے اپنی اے کے بلند کی۔ نیچے سے آنے والے پہلے آوارہ گرد کا سینہ پہلے برسٹ کے لیے بہترین نشانہ ثابت ہوا تھا۔ وہ بُری طرح چیخا اور پھر لڑھکتا ہوا آخری سیڑھی تک چلا پہنچا

اوپر سے پھینکا ہوا ایک گرنیڈ سیڑھیوں کے نچلے حصے میں پھٹا تو ایک دہشت گرد جان بچانے کے لیے اوپر کی سمت بھاگا لیکن جلدی میں وہ یہ بھول گیا تھا کہ موت اوپر سے ہی برس رہی ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ عاصم کی اے کے کا پورا برسٹ اُس کے جسم کو چھلنی کر گیا۔ وہ ہوا میں اُچھلا اور پھر کئی فٹ نیچے جا گرا۔

عابد کو ایک اور دہشت گرد سیڑھیاں چڑھتا نظر آیا۔ اُس نے اس کی ٹانگوں کا نشانہ لے کر اوپر تلے کئی گولیاں فائر کیں دہشت گرد چیخا، اس کے جسم سے خون کا فوارہ اُبل پڑا لیکن دلچسپ بات یہ تھی کہ زخموں کے باوجود وہ بدستور اوپر چڑھتا رہا۔ عابد نے دوسرا برسٹ اس کے پیٹ میں مارا وہ دوبارہ چیخا لیکن اس کی پیش قدمی میں کوئی فرق نہیں پڑا۔ عابد کے تیسرا برسٹ مارنے سے پہلے وہ چھت پر پہنچ چکا تھا۔ اس نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی کلاشنکوف سیدھی کی لیکن ٹائیگر اس کے استقبال کے لیے تیار تھا۔ ایک ہلکے سے ہاتھ کی ضرب سے دہشت گرد دوبارہ صحن میں پہنچ گیا لیکن فرق یہ تھا کہ پہلے وہ سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آیا تھا جبکہ واپسی اس کی براہ راست ہوئی تھی۔ ٹائیگر نے جھانک کر دیکھا نیچے اس کا جسم یوں پڑا تھا جیسے اس پر سے کوئی چالیس ٹن وزنی ٹریلر گزر گیا ہو۔

عابد نے بھی ٹائیگر کی تقلید میں نیچے چھلانگ لگائی لیکن پھر فوراً ہی پیچھے ہٹ گیا۔ معلوم نہیں اس نے کیا دیکھ لیا تھا۔

"میں کسی صورت میں بھی نیچے نہیں جاؤں گا ابرار!" عابد نے کہا۔

ٹائیگر کو مخاطب کیا۔ "تم بے شک حملہ کرنے کی درخواست کر دیا ٹینک بلوانے کی، میں دونوں صورتوں میں بھی نیچے جانے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا۔"

"لیکن میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ہر حال میں نیچے ہی جاؤں گا۔" ٹائیگر نے حتمی لہجے میں کہا۔

عابد اور عاصم خاموش ہو گئے۔ وہ چاہتے ہوئے بھی اس شخص کا ساتھ نہیں چھوڑ سکتے تھے۔ کیونکہ صدارتی حکم کے مطابق اگر یہ دہشت گرد کے آگے ہم باندھ کر لیٹنے کا حکم بھی دیتا تو انھیں ماننا تھا۔ لیکن ہم جانتے تھے وہ موت کے منہ میں کودنے کو بھی تیار نہیں تھے۔ اس سے پہلے کہ دونوں میں سے کوئی اپنا فیصلہ سناتا۔ عاصم

کا وائی ٹاکی چیخا۔

"خالدہ کالنگ سٹرچیم!" اُسے اپنی کار میں موجود دوسرے پولیس آفیسر کی آواز سنائی دی۔ جسے وہ نیچے چھوڑ آیا تھا۔

"یس سٹرخالدہ، عاصم اسپیکنگ۔" عاصم نے ٹرانسمٹ کی آن کی۔

"مس شگفتہ کا کہنا ہے کہ گلی میں حملہ ہو گیا ہے، سٹر ابرار کا کنڈیشن سیریس ہے، انھیں فوراً نیچے پہنچنے کو کہا جائے۔"

عاصم نے جواب طلب نگاہوں سے ٹائیگر کو دیکھا۔ اُسے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ وہ خود بھی وائی ٹاکی سے اُبھرنے والی آواز سن چکا تھا۔

"ٹھیک ہے، میں آ رہا ہوں۔" ٹائیگر نے کندھے اُچکائے۔ وہ نیچے اُترنے کا فیصلہ کر چکا تھا اور دُنیا کی کوئی طاقت اُسے اپنے ارادے پر عمل کرنے سے باز نہیں رکھ سکتی تھی لیکن روبی کو بچانے کے لیے وہ دُنیا کی ہر شے قربان کر سکتا تھا۔

عاصم نے ٹائیگر کا جواب خالدہ کو بتا دیا۔

اسی وقت کہیں دُور سے اعشاریہ پینتالیس کے فائر کی آواز سنائی دی۔ ٹائیگر کو یہ آواز اپنی کنپٹیوں سے آتی محسوس ہوئی تھی کیونکہ اُسے علم تھا کہ روبی کے پاس اعشاریہ پینتالیس کا ڈیٹیکٹس تھا۔ وہ ریزر وائر کی طرف بھاگا۔ پستول کے فائر کا جواب ایم سولہ کے برسٹ سے دیا گیا تھا۔ اُس کے بعد پستول کا فائر سنائی دیا پھر خاموشی چھا گئی۔

ٹائیگر نے چھت کی گگر پر پہنچ کر دیکھا۔ اُسے روبی کی فورڈ کار گلی کے دوسرے سرے کی طرف جاتی نظر آئی۔ کار کا پہیہ گلی میں پڑی ہوئی ایک لاش پر سے گزرا لیکن پھر توازن ہو کر کار آگے بڑھ گئی۔ عقب سے کہیں خود کار رائفل چلی۔ یہ کلاشنکوف تھی۔ فورڈ کی عقبی ونڈ شیلڈ گولیاں لگنے سے چھلنی چھلنی ہو گئی۔ مگر خیر سلامت گلی کا موڑ گھوم کر نظروں سے اوجھل ہو گئی۔

وہ عاصم اور عابد کی طرف پلٹا۔ عاصم نے اپنا وائی ٹاکی دوبارہ کان سے لگایا تھا۔ خالدہ پھر اُس سے مخاطب تھا

"مس شگفتہ گلی کے کونے پر ہماری منتظر ہیں۔" عاصم نے ہینڈ ریڈیو آف کر کے ٹائیگر کو آگاہ کیا۔

عابد نے بموں کا تھیلا عاصم کے ہاتھ سے لیا اور آگے بڑھنے سے پہلے دو دستی بم سیڑھیوں کی طرف اُچھال دیے۔ متعدد چیخوں کی آوازیں سنائی دیں۔ چھت کی گگر پر کھڑے ہونے ٹائیگر نے پلٹ کر دیکھا۔ اُسے اپنی زندگی کا خوفناک ترین سین نظر آیا تھا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ایک دہشت گرد سیڑھیاں چڑھ کر چھت پر پہنچ چکا تھا اور اب ان کی طرف بڑھ رہا تھا۔ وہ لہرا لہرا کر بڑے عجیب سے انداز میں آگے بڑھ رہا تھا اور حیرت کی بات یہ تھی کہ اس کا قد صرف چار فٹ تھا۔ پہلے تو ٹائیگر اُسے بونا سمجھا لیکن چند ہی سیکنڈوں بعد صورتِ حال اس پر واضح ہوگئی۔ آگے بڑھنے والے دہشت گرد کی ٹانگیں گھٹنوں پر سے کٹ گئی تھیں اور وہ ابھی تک گرا نہیں تھا اور وہ اپنی کٹی ہوئی ٹانگوں سے چلتا ہوا کلاشنکوف ہاتھ میں تھامے ان کی طرف بڑھ رہا تھا۔

عاصم اُسے دیکھ کر چیخ اٹھا لیکن عابد نے اپنے ہوش اور حواس نہیں چھوڑے تھے۔ اس نے اپنی لمبے کے بیدھی کی اور دہشت گرد کا نشانہ لیا لیکن ٹائیگر اس سے بازی لے گیا اس نے اپنا خنجر نکالا اُسے ہاتھوں میں تولا اور دہشت گرد کی طرف پھینک دیا۔ تیز دھار خنجر نے اُس کی گردن کاٹ ڈالی۔ اس کا سر چھت پر گرا اور دُور تک لڑھکتا چلا گیا لیکن سنسنی خیز بات یہ تھی کہ دہشت گرد اب بھی بڑھ رہا تھا۔ سر کٹی لاش کلاشنکوف تھامے ٹائیگر کی طرف آ رہی تھی۔ اب ٹائیگر کو خود کچھ کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ اطمینان سے ایک طرف ہٹ گیا اور وہ دہشت گرد جو اب گوشت کا ایک بڑا سا لوتھڑا تھا بلند چھت سے نیچے گلی میں جا گرا۔

ٹائیگر نے اپنا خنجر اٹھایا اور عابد اور عاصم کو رسی لٹکا کر نیچے اترنے کا اشارہ کیا۔ دونوں آگے پیچھے پھسلتے ہوئے نیچے پہنچ گئے۔ ٹائیگر نے رسی بھی پھینک دی کیونکہ اُسے اترنے کے لیے کسی رسی کی ضرورت نہیں تھی۔ سیڑھیوں پر اب اور شور سنائی دینے لگا تھا یقیناً مزید دہشت گرد اوپر آ رہے تھے۔ ٹائیگر نے ایک بار پلٹ کر دیکھا، اپنے دونوں پنجے اکڑا کر دیوار پر تانے اور پھر چھپکلی کی طرح نیچے اُترتا چلا گیا۔ جب تک دہشت گرد چھت پر پہنچے وہ تینوں گلی میں اُتر چکے تھے۔

ٹھیک اسی لمحے گلی کے ٹرک کے انجن کے شور سے گونج اٹھی اس کے گیئر تبدیل کرنے کی آواز بھی ٹائیگر کے حساس کانوں نے سُن لی تھی۔ اُس نے ٹرک کی ایک سائیڈ پر لکھے ہوئے فارم فرنیچر پروڈکٹس کے الفاظ دیکھ لیے تھے۔ ٹرک کی پسنجر سائیڈ سے ایک آٹومیٹک رائفل جھانک رہی تھی جس کا ٹریگر دبائے ایک شخص اندھا دھند فائرنگ کر رہا تھا۔ عابد اور عاصم نے اپنی گنوں سے ٹرک کے عقبی ٹائروں کو نشانہ بنانے کی کوشش کی لیکن ٹرک اُس گلی میں مڑ گیا جہاں روبی کار لیے اُن کی منتظر تھی۔ جلد ہی انجن کی نحیف سی آواز بھی غائب ہوگئی۔ ٹائیگر بھاگتا ہوا کونے تک پہنچا۔ فورڈ سامنے تھی۔ اس نے ایک جھٹکے سے فورڈ کی پسنجر سائیڈ کا دروازہ کھولا۔

"وہ ٹرک، ہمیں اس کے ۔۔۔"

لیکن الفاظ اس کے ذہن میں اٹک گئے۔ فورڈ کی ڈرائیونگ سیٹ خالی تھی۔ ٹائیگر نے چشمِ زدن میں پوری کار کا جائزہ لے ڈالا۔ اگر روبی کی بجائے وہاں کوئی سوئی بھی ہوتی تو اُسے دکھائی دے جاتی۔

"شگفتہ کہاں ہے؟" اس نے سر باہر نکال کر غصے سے کہا اس کی آواز کسی شیر کے حلق سے نکلی ہوئی دہاڑ سے مشابہ تھی۔ عابد اور عاصم تو بھاگتے ہوئے اس کے پیچھے پیچھے آ رہے تھے ذرا فاصلے پر ہی رُک گئے۔ اُنھیں اُس شخص سے خاصا خوف محسوس ہو رہا تھا۔

ٹائیگر نے گلی کا جائزہ لیا۔ ذرا فاصلے پر اُسے ایک دروازہ بند ہوتا دکھائی دیا۔ ایک کھڑکی ٹوٹنے کی آواز سنائی دی اور اگلے ہی لمحے کلاشنکوف کا ایک برسٹ سامنے والی دیوار سے ٹکرایا۔

"وہ اُسے گھر میں لے گئے ہیں۔" ٹائیگر چیخا۔ "میں گیگ کی اینٹ سے اینٹ بجا دوں گا۔"

اس کی دہاڑیں سُن کر صاف محسوس ہو رہا تھا کہ وہ روبی کی گمشدگی سے اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھا تھا۔

ٹرک مشرقی گلستان کی چھوٹی بڑی سڑکوں پر دوڑ رہا تھا۔ شبا کا اپنی آئندہ حکمتِ عملی ترتیب دے رہا تھا۔ گیگ کا یہ ٹرک جس میں وہ اس وقت سوار تھا اُس کے لیے فی الحال دُنیا کا سب سے قیمتی ٹرک تھا کیونکہ اس میں اس کے تمام آڈیو ویژیول آلات اور گوروں کے خلاف نفرت انگیز ویڈیو فلموں کی پوری لائبریری موجود تھی۔ ان فلم پروجیکٹروں، اسپیئر لوز آڈیو کیسٹز اور ویڈیو شیشوں کی مدد سے وہ کہیں اور بیٹھ کر اپنی سرگرمیوں کا آغاز کر سکتا تھا اس کا پروگرام اس شہر سے کہیں دُور چلے جانے کا تھا جہاں کم از کم گلستان پولیس کے ہاتھوں سے وہ محفوظ ہو جاتا۔

سب سے پہلے اُس نے اور اس کے باڈی گارڈ اسکواڈ نے اُس ویئر ہاؤس میں پناہ لینی چاہی تھی جو اس نے سال بھر پہلے کرائے پر حاصل کیا تھا۔ اس نے گیگ کی تنظیم پر کبھی بھروسا نہیں کیا تھا بلکہ وہ صرف اپنی ذات کو قابلِ اعتبار سمجھتا تھا اسی لیے اُس نے اس دن کی پوری تیاریاں کر رکھی تھیں جب گیگ کے بل گرتی۔ ویئر ہاؤس اُس نے اسی مقصد کے لیے حاصل کیا

فرض کیجیے، میر جمشید عالم کی جگہ آپ ہوتے!

"امبر بیل"

- حالات کے بھنور میں پھنسے ایک شوریدہ بخت کی الم انگیز آپ بیتی۔
- ۔۔۔۔۔ وقت کی گردش نے اسے سر سے کفن باندھنے پر مجبور کر دیا تھا وہ انسان تھا جنونی بن گیا۔
- ۔۔۔۔۔ میر جمشید عالم پر جو گذری ۔۔۔ اگر آپ پر گزرتی ۔۔؟؟

"امبر بیل"

- کیچو، ایک پراسرار طاقت ـــ ایک سایہ ـــ ایک ہیولہ ـــ
- ۔۔۔۔۔ وہ کون تھی؟ میر جمشید عالم سے کیا چاہتی تھی؟؟
- ۔۔۔۔ ریاستی محلوں میں خون چکاں جوڑ توڑ ـ سیاست کی ریشہ دوانیاں
- ۔۔۔۔ راج گدی کے حصول کے لیے خونی رشتوں کی خون ریز کشمکش
- ۔۔۔۔ جہاں دن سونے راتیں جاگتی تھیں۔
- ۔۔۔۔۔ نوجوان خدمت گاروں پر راجکماریوں کی نوازشیں
- ۔۔۔۔۔ محبت اور جنگ میں سب جائز ہے؟؟

"امبر بیل"

- سب رنگ ڈائجسٹ کا سب سے مقبول سلسلہ
- ۔۔۔۔۔ کرشن چندر جیسا بڑا افسانہ نگار بھی امبر بیل کے سحر کا اسیر تھا۔
- ۔۔۔۔۔ معروف مصنف انوار صدیقی کا ایک اور ناقابلِ فراموش شاہکار
- ۔۔۔۔۔ ۲۵ سال کے بعد پہلی بار کتابی شکل میں۔ آپ کے اصرار پر۔

خوبصورت سرورق، سفید کاغذ پر چار جلدوں میں شائع ہوگئی ہے۔
قیمت مکمل سیٹ: -/۱۰۰۰ روپے

اسٹاکسٹ: مکتبہ القریش، اُردو بازار، لاہور

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

تھا۔ عمارت کو اس نے اپنے مطلوبہ مقاصد کے مطابق بنا لیا تھا۔ اب وہاں نہ صرف حفاظت کا اعلیٰ انتظام تھا بلکہ اسلحہ بارود و ذخیرہ کرنے کی خفیہ جگہیں بھی تھیں۔

اور سب سے اہم شے یہ بھی کہ وہ ریہاؤس میں اس کے پاس طویل فاصلے تک رابطہ قائم کرنے کے لیے ایک۔ بیڈیو بھی تھا۔ اس ریڈیو کے ذریعے وہ اپنے اُن آدمیوں کے لیے ہدایات نشر کر سکتا تھا جو شمال میں سفر کر رہے تھے۔ یہ ٹرک اُس کے آقاؤں کی جانب سے جہاں لیوا منشیات کی نئی کھیپ لے کر آ رہا تھا۔ اس کی مقدار چند گرام نہیں تھی جو شباکا گیاک کے ہیڈ کوارٹر میں چھوڑ آیا تھا بلکہ اس کا وزن کئی سو کلو گرام تھا۔

یہ ایک کلو گرام کیمیکل اس کے ایک سو فوجیوں کی ایک ماہ کی ضروریات پوری کر سکتا تھا۔ اس طرح ایک سو کلو گرام سے وہ دس ہزار افراد کو ایک ماہ تک اپنی انگلیوں پر نچا سکتا تھا۔ یہ دس ہزار افراد اس کے ایک اشارے پر دوسروں کی جان لینے کے علاوہ اپنی جان بھی قربان کر سکتے تھے۔

یہ سوچ کر شباکا کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی کہ وہ ذرا دیر بعد ہی اس نئی سٹیٹ کا مالک بننے والا تھا۔

✦✦

فضا سائرن کی آواز سے گونج اٹھی۔ ساتھ ہی فورڈ کی اگلی سیٹ پر پڑے ہوئے ریڈیوز میں سے ایک جاگ گیا اس پر پولیس اسکواڈ کارز کے درمیان ہونے والی بات چیت نشر ہو رہی تھی۔

"وہ مس شگفتہ کو لے گئے ہیں۔" خالدی کو عاصم کا پیغام موصول ہوا۔ "ہم انھیں حاصل کرنے کے لیے گیاک کے دفاتر میں داخل ہو رہے ہیں۔"

ٹائیگر نے واہاڈ کر پولیس آفیسرز کو مزید کچھ کہہ دینے سے روک دیا۔ "اس علاقے کے اردگرد متعین تمام پولیس والوں کو متنبہ کر دو کہ صرف پستول کافی نہیں ہیں۔ شاٹ گنوں اور خودکار ہتھیاروں کو کام میں لایا جائے۔"

"کیا مطلب؟" خالدی نے حیرت سے پوچھا۔ "وہاں کیا ہو رہا ہے؟ میرا تو خیال تھا کہ تم لوگ خاموشی سے اندر داخل ہونا چاہتے ہو؟"

"اب اس کا وقت نہیں رہا۔" ٹائیگر کی دہاڑ دوبارہ سنائی دی۔ "زیادہ باتیں کرنے کی ضرورت نہیں، جو کہہ رہا ہوں وہ غور سے سنو اور اپنے ساتھیوں کو پہنچاؤ۔ صرف شاٹ گنیں اور خودکار ہتھیار استعمال کیے جائیں اور ہتھلہ آوروں کے سروں کو نشانہ بنایا جائے۔"

ٹائیگر نے ریڈیو آف کرنے کا اشارہ کیا اور فورڈ کی ڈکی کی طرف بڑھ گیا۔ جن اپنی سن اسالٹ رائفلوں سے اُسے مسلم آباد میں فائرنگ کرتی تھی وہ روبی اپنے ساتھ گلستان لے آئی تھی اور اس وقت بھی دونوں رائفلیں فورڈ کی ڈکی میں پڑی تھیں۔ ٹائیگر نے دونوں رائفلیں نکال کر عاصم اور عابد کی طرف بڑھا دیں۔ عاصم نے خالدی کو مزید اسلحہ پہنچانے کی ہدایت کی اور وہ ذرا دیر میں کچھ ہینڈ گرنیڈ اور مشین پسٹل لے کر ان کے پاس پہنچ گیا۔ ٹائیگر نے اس کو اس مرتبہ بھی باہر رہ کر نگرانی کرنے کی ہدایت کی اور عابد سے مخاطب ہوا۔

"ہمیں ہر حال میں شگفتہ کو زندہ حاصل کرنا ہے۔" اس کا لہجہ عزم سے بھرپور تھا۔

"اُسے غائب ہوئے کم از کم پانچ منٹ ہو گئے ہیں۔" خالدی نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔ "اگر موت اس کا مقدر ہے تو اب تک وہ ماری جا چکی ہو گی۔"

ٹائیگر نے خونخوار نگاہوں سے اُسے دیکھا۔ اس کا جی تو چاہا کہ وہ اس کا گلا مروڑ دے لیکن اپنی فطرت کے خلاف اس نے خاصا ضبط کیا اور خالدی کی طرف سے پیٹھ موڑ لی اس کے ساتھ ہی اُس نے اپنے ساتھیوں کو آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔

عابد نے اپنی سن سے پہلا راؤنڈ فائر کیا جو گلی میں کھلنے والی ایک کھڑکی پر پڑا۔ فوراً ہی ایک چیخ بھی سنائی دی۔ شاید کوئی شخص کھڑکی کے عقب میں کھڑا ان کی نقل و حرکت پر نگاہ رکھے ہوئے تھا۔ عابد نے بائیں ہاتھ سے دستی بم تھیلے سے نکالا اور فوٹی ہوئی کھڑکی سے اندر اُچھال دیا جبکہ ٹائیگر نے آگے بڑھ کر دروازے پر ٹھوکر رسید کی۔

دروازے کے دونوں پٹ یوں ٹوٹ کر دُور جا گرے جیسے کسی وزنی گولے نے انھیں اُچھال دیا ہو۔ ٹائیگر ایک ہاتھ میں خنجر اور دوسرے میں اپنے مخصوص کوائن سنبھالے آگے بڑھا۔ اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس نے ایک لمحے کے لیے اپنی آنکھیں بند کر کے کھولیں اگلے ہی لمحے اسے کمرے کی ہر شے نظر آ رہی تھی۔ کمرہ مڑے تڑے انسانوں اور ان کے کٹے پھٹے اعضا سے بھرا ہوا تھا۔ دیواروں کا پلاسٹر کئی جگہوں سے اکھڑا ہوا تھا۔ بہت سی کتابیں اور کاغذات مرنے والوں اور زخمیوں کے جسموں کی دُھال بنے ہوئے تھے لیکن اُسے روبی کہیں

نظر نہیں آئی۔

ٹائیگر نے زمین پر پڑے ہوئے ایک ایک انسانی جسم کو ٹھوکریں مار کر سیدھا کرنا شروع کر دیا لیکن اُسے روبی نہیں ملی۔ عابد اور عاصم بڑے غور سے ٹائیگر کی جنونی حرکتیں دیکھ رہے تھے۔ ٹائیگر تمام لاشوں اور زخمیوں کے چہرے دیکھنے کے بعد اندرونی دروازے کی طرف بڑھا۔ اُس نے دروازے کی ڈور ناب پر دھیرے سے ہاتھ رکھا اور پھر اُسے اپنی طرف کھینچ لیا۔ ناب کے ساتھ پورا تالا لا دروازے سے نکل کر اس کے ہاتھ میں آ گیا تھا۔

دوسری جانب سے فوراً خودکار رائفل سے فائرنگ ہوئی لیکن ٹائیگر دروازے کی ایک سمت ہو چکا تھا۔ گولیاں دروازے کو چیرتی ہوئیں سامنے والی دیوار میں پیوست ہو گئیں۔ ٹائیگر دوبارہ دروازے کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اس نے گولی کی رفتار اور آواز سے اندازہ لگایا تھا کہ فائرنگ کرنے والا شخص دروازے سے کتنے فاصلے پر موجود ہے۔ وہ دوبارہ آگے بڑھا اور اس سے پہلے کہ دروازے کی دوسری جانب کھڑے شخص کی انگلی دوبارہ ٹریگر دبا دیتی ٹائیگر نے دونوں ہاتھ دروازے پر رکھ کر اُسے اندر کی جانب دھکیلا۔ ایک پٹ کا دروازہ اپنی جگہ سے اکھڑ کر چیختے ہوئے رائفل بردار پر گرا۔

ٹائیگر کو چیخ سنائی دی۔ رائفل بردار یقیناً اس آفت کے لیے تیار نہیں تھا۔ دروازہ توپ کے گولے کی طرح اس کے منہ پر لگا اور وہ اُلٹے قدموں عقبی دیوار سے ٹکرایا۔ دروازے نے اُسے دیوار کے ساتھ بالکل پیس کر رکھ دیا تھا۔ عابد اور عاصم جب اندر داخل ہوئے تو انھیں رائفل بردار کی بجائے مسخ شدہ اور پچکے ہوئے گوشت کا ایک لوتھڑا دیوار سے چپکا ہوا نظر آیا تھا۔ دروازے کا پٹ اب بھی اس لوتھڑے میں پیوست تھا۔

عاصم کو بیرونی کوریڈور میں قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ وہ فوراً اپنی سن سنبھال کر اُدھر متوجہ ہو گیا تاکہ جونہی کوئی سامنے آئے وہ اسے برسٹ کی زد میں لے سکے لیکن اس کی نوبت نہیں آئی۔ آنے والے کے ہاتھ میں پستول تھا۔ عاصم نے پستول چلنے کی آواز سنی۔ پھر ٹائیگر کا ہاتھ اس نے حرکت کرتے ہوئے دیکھا۔ نہیں یہ اس کی نظر کا تصور تھا، ہاتھ نہیں بلکہ دو انگلیوں نے حرکت کی تھی۔ پلک جھپکنے کی دیر میں ٹائیگر نے انگلیوں میں کوئی شے پکڑی اور پھر زمین پر گرا دی۔

عاصم کی آنکھیں حلقوں سے اُبل پڑیں۔ وہ پستول کی گولی تھی جو ٹائیگر پر چلائی گئی تھی۔ پستول دوبارہ چلنے کی آواز آئی۔ اس بار بھی ٹائیگر کی دائیں ہاتھ کی دو انگلیاں حرکت میں آئیں لیکن اب کے گولی اُس نے زمین پر نہیں پھینکی بلکہ اُسے پتھر کی طرح حملہ آور کی جانب اُچھال دیا۔ پستول بردار آڑ سے نکل کر سامنے آ چکا تھا۔ گولی اس کی دائیں آنکھ کو چھیدتی ہوئی پیچھے میں گھس گئی اس نے اتنا ہی اثر دکھایا تھا جتنا پستول کی بیرل سے نکلنے کے بعد دکھا سکتی ہے۔ یہ فرق رہ گیا تھا کہ وہ پھٹی نہیں تھی۔

مرنے والے کی آخری چیخ بڑی بھیانک تھی۔ اُس نے پستول پھینک کر ہاتھ آنکھ پر رکھنے کی کوشش کی لیکن وہ اپنی اس کوشش میں بھی کامیاب نہ ہو سکا کیونکہ موت نے اسے مہلت نہیں دی تھی۔ وہ لہرا کر کمرے کے اندر آ گرا۔ آدمی مزید اس کے پیچھے تھے لیکن ٹائیگر کو ان سے نمٹنے کی زحمت نہیں اُٹھانی پڑی۔ عابد اور عاصم ان کے استقبال کے لیے تیار کھڑے تھے۔ ٹائیگر کی ہدایت کے مطابق دونوں نے ان کے سروں کو نشانہ بنایا تھا۔ ان کے سروں کی کرچیاں اور بھیجوں کے ننھے منے لوتھڑے پورے کمرے میں بکھر گئے۔ کئی ایک خونی پاپے ٹائیگر کے منہ پر بھی آ چپکے تھے لیکن اُسے اس وقت سوائے روبی کے کسی شے کا ہوش نہیں تھا۔

ٹائیگر نے آگے بڑھ کر دروازے سے کوریڈور میں جھانکا۔ گرد اور مٹی کے علاوہ وہاں کچھ نہیں تھا۔ طویل کوریڈور پرانی طرز کی بنی ہوئی عمارتوں کی آپس میں ملتا تھا اور اس میں کئی ملحقہ کمروں اور دفاتر کے دروازے کھلتے تھے۔

ایک دفتر سے ایک شخص باہر نکلا۔ ٹائیگر نے خنجر پھینکنے کے لیے ہاتھ کو جنبش دی لیکن عابد حفاظتی قدم کے طور پر پہلے ہی فائر کر چکا تھا۔ اب یہ دفتر سے نکلنے والے کا مقدر تھا کہ جب وہ کوریڈور میں آتا تو گولی اس کے اتنی قریب پہنچ چکی تھی کہ اس سے بچ نکلنا ناممکن تھا۔ طاقتور رائفل کی گولی نے اُس کے پھیپھڑے پھاڑ ڈالے۔ وہ فٹ بال کی طرح اپنی جگہ سے اُچھلا اور پُرشور آواز کے ساتھ زمین پر گرا۔ اگلے ہی لمحے وہ تڑپا اور اس کا شدید زخمی جسم اُٹھنے کی جدوجہد کرنے لگا مگر عابد نے دو اور گولیاں اس کے جسم میں اُتار دیں جن میں سے ایک گولی نے اس کا بھیجہ پاش پاش کر دیا تھا۔

اب کوریڈور خالی تھا۔ ٹائیگر آڑ سے نکل کر آگے کی طرف بھاگا۔ کوریڈور میں کھلنے والا پہلا دروازہ مکمل طور پر وا تھا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

اس نے اندر جھانکا وہ خالی تھا۔ دوسرے اور تیسرے کمرے میں بھی کوئی موجود نہیں تھا لیکن چوتھے کمرے میں اسے دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے ایک سیاہ فام نظر آیا جو بُری طرح زخمی تھا اور اس کا خونی برساتی کاغذات کو رنگین کر رہا تھا جو اس کے گرد بکھرے ہوئے تھے۔

اتنا زخمی ہونے کے باوجود وہ مکمل طور پر ہوش میں تھا کیونکہ ٹائیگر کو دیکھتے ہی اس کا ہاتھ قریب پڑی ہوئی خودکار رائفل کی طرف بڑھا لیکن اس کے ہاتھ کی رفتار ٹائیگر کے قدموں کی رفتار کا مقابلہ نہ کر سکی۔ اس نے آگے بڑھ کر اپنی ایڑی اس کے پھیلے ہوئے بازو فلی پر ماری۔ سیاہ فام نے چلا کر بازو پیچھے کھینچا لیکن اس کا دایاں ہاتھ ٹائیگر کی ایڑی کے نیچے ہی دبا رہ گیا تھا۔ سیاہ فام کے بغیر ہاتھ والے بازو سے خون کی ایک دھار نکلی جو ٹائیگر کے کپڑوں کو بھی سرخ کر گئی۔

سیاہ فام نے دوسرا ہاتھ رائفل کی طرف بڑھانے کی کوشش نہیں کی۔

"لڑکی کہاں ہے؟" ٹائیگر اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے غرایا۔

سیاہ فام جواب دینے کی بجائے ٹائیگر پر جھپٹا لیکن ٹائیگر کے ایک ہی دھکے نے اُسے دوبارہ دیوار کے ساتھ لگا دیا۔

"لڑکی کہاں ہے اُس نے سوال دہرایا۔

سیاہ فام نے دوبارہ حرکت کی۔ اس بار ٹائیگر نے اس کے ساتھ کوئی رعایت نہیں کی۔ اس کا دایاں پیر اُٹھا اور پوری قوت کے ساتھ سیاہ فام کی پنڈلی پر پڑا۔ وہ بُری طرح دھاڑا۔ اس کی گردن ٹوٹنے کی آواز چیخ پر غالب آگئی تھی اس نے ایک جھرجھری لی اور وہیں لڑھک گیا۔

ٹائیگر نے اپنے ساتھیوں کو دوسرے کمروں کی تلاشی لینے کا اشارہ کیا اور خود بھی کوریڈور کی طرف بڑھا۔ باہر سے خودکار رائفلیں چلنے کی آوازیں بھی شامل ہو گئیں۔ ٹائیگر کو علم تھا کہ فائرنگ اس کے ساتھی پولیس افسران کر رہے ہیں۔ ذرا دیر بعد ہی کسی کی فائرنگ دوسری آوازوں پر بھاری پڑنے لگی اور رفتہ رفتہ بالکل خاموشی چھا گئی۔

ٹائیگر اس اثنا میں کئی کمروں کی تلاشی لے چکا تھا اور کم و بیش دہشت گردوں کو موت کے گھاٹ اُتار چکا تھا اس کے صرف کپڑے ہی خون سے سرخ نہیں تھے بلکہ اس کا پورا چہرہ بھی خون سے لتھڑا ہوا تھا۔ عابد اور عاصم نے بھی متعدد دشمن مار گرائے تھے لیکن یوں لگتا تھا کہ گیارہ بیڈ کوارٹرز میں سے دہشت گردوں کی کوئی فصل ہو۔ ایک مرتا تھا تو تین اس کی جگہ لے لیتے تھے۔

ٹائیگر خنجر ہاتھ میں تھامے جونہی آخری دفتر کے دروازے پر پہنچا ایک دہشت گرد شاٹ گن اُٹھائے اس پر چڑھ دوڑا ٹائیگر نے خنجر پھینکنے میں کوئی سستی نہیں کی۔ اگلے ہی آنے والے دہشت گرد کا کٹا ہوا سر اور اس کی شاٹ گن ریک وقت فرش سے ٹکرانے کی آواز سنائی دی۔ گرنے والے کے عقب سے ایک برسٹ فائر ہوا۔ ٹائیگر نے ہٹنے میں ایک لمحے کی تاخیر نہیں کی۔ برسٹ ایک دہشت گرد کے پیٹ میں لگا جو عقب سے دبے پاؤں ٹائیگر کی طرف بڑھ رہا تھا۔ طاقتور رائفل کے برسٹ نے اس کی انتڑیاں پورے فرش پر بکھیر دی تھیں۔ اس اثنا میں ٹائیگر اُس دہشت گرد تک پہنچ چکا تھا جس نے فائر کیا تھا۔

اس نے ٹائیگر کو دیکھتے ہی رائفل سیدھی کر کے گولی چلانے کی کوشش کی لیکن ٹائیگر نے پہلے تو ہاتھ بڑھا کر اس کی رائفل چھینی اور پھر دہشت گرد کو کسی ننھی سی شے کی طرح اُٹھا کر سامنے والی دیوار پر دے مارا۔ دہشت گرد کا جسم یوں چٹاپیسے وہ غلطی سے بار دی سرنگ پر گر پڑا ہو۔ اس کا بھیجا اور انتڑیاں فرش پر دُور تک بکھر گئی تھیں۔

گیارہ بیڈ کوارٹرز کے پورے کوریڈور اور اس کے بغل کمروں میں ہر جانب خون کی بُو پھیلی ہوئی تھی اور ایسے میں ٹائیگر اور اس کے دو ساتھی ہر سمت موت بانٹتے پھر رہے تھے۔ یکایک ٹائیگر نے تب ہستی کے لیے موت بانٹنے کا یہ سلسلہ شروع کیا تھا وہ ہستی اب تک اُسے نہیں ملی تھی۔

✦

دُنیکیو خالدی، گیارہ بیڈ کوارٹرز سے ذرا فاصلے پر سفید اور سیاہ یونیفارم پہنے ہوئے پولیس کے دستوں کو بریفنگ دے رہا تھا۔ حالات کی نزاکت کے باعث محکمے نے پولیس افسران کو فوری طور پر اضافی شاٹ گنیں جاری کر دی تھیں لیکن اب بھی متعدد افسران کے پاس شاٹ گن نما کی کوئی شے نہیں تھی۔

خالدی نے ٹائیگر کی ہدایات کو سنجیدگی سے لیا تھا۔ اسے یقین تھا کہ اگر ٹائیگر نے شاٹ گنوں اور خودکار ہتھیاروں کی بات کی ہے تو واقعی ان کی ضرورت ہو گی۔ ایک دانشمند نے فوراً ہی ٹائیگر کی بھی ہوئی بات ثابت کر دی۔

خالدی۔ دو پولیس افسروں کے ایک یونٹ کو ایک گول کی ناکہ بندی کرنے کے لیے بھیج کر ابھی گاڑی کی طرف پلٹا ہی تھا کہ اسٹیئرنگ پر بیٹھا ہوا دوسرا پولیس آفیسر چیخا۔

"پیچھے دیکھو!"

خالدی نے پلٹا۔ گیارہ بیڈ کوارٹرز کے مرکزی دروازے سے جینز اور آوارہ گردوں والی جیکٹ پہنے ایک نوجوان باہر نکل رہا تھا۔ وہ اپنے ہاتھ میں پکڑا ہوا تیز دھار خنجر لہراتا خالدی کی طرف بڑھ رہا تھا۔ قدموں کے ساتھ ساتھ اُس کی زبان بھی مسلسل حرکت کر رہی تھی۔

"مر جاؤ کتے۔ مر جاؤ کتے۔"

"رُک جاؤ، ورنہ میں گولی چلا دوں گا۔" خالدی چیخا اُس کے ساتھ ہی اُس نے اعشاریہ ۳۸ کا سرکاری پستول ہولسٹر سے نکال کر اُس پر تان لیا۔

"رُک جاؤ۔"

آوارہ گرد پر خالدی کے حکم کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ جب وہ خطرناک حد تک قریب آگیا تو اُس نے اپنے سمتھ اینڈ ولسن کی چھ گولیاں نوجوان لڑکے کے سینے میں اُتار دیں۔

سینے پر گولیاں کھانے کے باوجود لڑکا نہیں رُکا۔ خون اس کے سینے سے مسلسل بہہ رہا تھا اور وہ بدستور خالدی کی طرف بڑھتا چلا آرہا تھا۔ قریب آکر اُس نے خنجر لہرا کر خالدی پر حملہ کر دیا۔ اگر وہ فوراً ایک سمت نہ ہٹ گیا ہوتا تو دہشت گرد کا خنجر اُس کے سینے میں ترازو ہو چکا ہوتا۔

دہشت گرد دوبارہ خالدی پر جھپٹا۔ اب خالدی اُلٹے قدموں پیچھے ہٹ رہا تھا۔ صورت حال کی سنگینی کا احساس کرتے ہوئے کار میں سوار پولیس آفیسر نے اپنا ریوالور نکال کر کئی گولیاں اُس کی کمر میں داغ دیں۔ بعض گولیاں خطا ہو کر سامنے ہیڈ کوارٹر کے مرکزی دروازے پر لگیں اور شیشے ٹوٹنے کی آواز سنائی دی۔

دہشت گرد اب تک نہیں گرا تھا۔ خالدی بھاگ کر دہشت گرد سے دُور ہٹ گیا اور اس کے ساتھ ہی اُس نے اپنا کولٹ کمانڈو نکال لیا جو ممکنہ احکامات کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اُس نے اپنے پاس غیر قانونی طور پر رکھا ہوا تھا۔ دہشت گرد کو اس بات کی کوئی پروا نہیں تھی کہ سامنے والے کے ہاتھ میں اب کونسا ہتھیار ہے وہ بدستور خنجر لہراتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔

خالدی دو قدم پیچھے ہٹا اور دو گولیاں دہشت گرد کے سینے میں اُتار دیں۔ پہلی گولی اس کے جسم کے آر پار ہو گئی لیکن اس نے باہر نکلنے سے پہلے اس کے دل اور پھیپھڑوں کے اردگرد تباہی مچا دی تھی۔ دوسری گولی اس کی ناک پر پڑی اور اس کے چہرے کو گوشت اور خون کے چھوٹے چھوٹے لوتھڑوں میں تبدیل کر گئی۔

بظاہر بہت دیر قبل مر جانے والا دہشت گرد آخر کار زمین پر گرا تو اس وقت بھی اس کی ٹانگیں ہوا میں چل رہی تھیں اور خنجر بدستور اس نے تھام رکھا تھا جو بار بار سخت سڑک سے ٹکرا کر آوازیں پیدا کر رہا تھا۔

خالدی پھٹی پھٹی آنکھوں سے گرنے والے کو دیکھ رہا تھا۔ دوسری پولیس کاروں کے دروازے کھلے اور کئی پولیس افسران بھاگتے ہوئے دہشت گرد کی طرف بڑھے۔

"مائی گاڈ!" اسکواڈ کار کے اسٹیئرنگ پر بیٹھا ہوا آفیسر بڑبڑایا۔ خالدی نے چھ گولیاں اس کے سینے میں ماریں جبکہ میں نے چار اس کی کمر میں اُتاریں لیکن جب تک اس کے سر کو نشانہ نہیں بنایا گیا اس پر کوئی اثر نہیں ہوا۔"

"شاٹ گنوں والے تمام آفیسرز آگے آجائیں۔" خالدی نے خود کو سنبھال کر آنے والوں کو ہدایت کی۔

خالدی نے شاٹ گن برداروں کو اپارٹمنٹ کا محاصرہ کرنے کا حکم دیا۔ اپارٹمنٹ بلڈنگ سے اب مسلسل فائرنگ اور چیخوں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

"اندر ہمارے تین ساتھی لڑائی میں مصروف ہیں۔" خالدی نے پولیس آفیسرز کو بتایا۔ "دہشت گردوں نے ایک آفیسر کو پکڑ لیا ہے اور وہ تینوں اُسے چھڑانے اندر داخل ہوئے ہیں۔ ہم بھی ان کی مدد کے لیے اندر داخل ہو رہے ہیں۔ کیا سب لوگوں کی جیبیں گولیوں سے بھری ہوئی ہیں؟"

"کیا یہاں دہشت گردوں کو جان سے مارنا ہو گا؟" ایک پولیس آفیسر نے احمقانہ سوال کیا۔ "میرے خیال میں تو ہمیں انھیں گرفتار کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔"

"یہ جنگ ہے۔" خالدی حلق کے بل غرایا۔ "گلی میں پڑے ہوئے اس دہشت گرد کو دیکھو اور مجھے بتاؤ کہ اس جیسے دوسرے افراد کو تم لوگ گرفتار کر سکتے ہو؟"

کسی پولیس آفیسر نے جواب نہیں دیا تھا۔ وہ یہ بات سمجھ گئے تھے کہ یہ لڑائی ہے اور لڑائی میں گرفتاری کے لیے نہیں

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

بلکہ دشمن کو موت کے گھاٹ اتارنے کے لیے گولیاں چلائی جاتی ہیں۔

اپنے اسکینر پر پولیس اسکواڈ کاروں کے مابین ہونے والی گفتگو سنتے ہوئے رپورٹر مارک لینن اپنے فنی عملے کے ہمراہ گیک کے دفاتر کے باہر ہونے والی لڑائی کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اسٹیئرنگ پر بیٹھے ہوئے ساؤنڈ مین نے جب پولیس اسکواڈ کاروں کو ایک گلی کا راستہ دیکھا تو اس نے وین ایک بغلی گلی میں موڑ لی۔

"میں اوپر سے گھوم کر دوسری جانب سے گلی میں داخل ہونے کی کوشش کرتا ہوں۔" اس نے لینن کو آگاہ کیا۔

"کچھ بھی ہو، ہمیں آگے جانا ہے۔" لینن نے اپنے ماتحت کو ہدایت کی۔ "میں چاہتا ہوں کہ صبح کی خبریں ان سؤروں کے مظالم سے بھری ہوں۔"

ساؤنڈ مین شاید اس علاقے سے پوری طرح واقف تھا کیونکہ وہ کئی موڑ کاٹتا اور اندھیری گلیوں میں سے وین کو گھماتے ہوئے بالآخر ایک ایسی جگہ پہنچ گیا تھا جہاں ناکہ بندی کے لیے کوئی پولیس کار موجود نہیں تھی۔

"اپنے آلات اکٹھے کر لو۔" لینن نے اپنے ساتھیوں کو ہدایت کی۔ "ہم لڑائی کی نہ صرف تصویریں بنائیں گے بلکہ اُن کی آوازیں بھی ٹیپ کریں گے۔"

"ٹھیک ہے۔" کیمرہ مین نے اتفاق کیا۔

ساؤنڈ مین نے گاڑی ایک جانب کھڑی کی۔ انھوں نے اپنے آلات چیک کیے اور پھر اندھیرے میں رینگ گئے۔ جب وہ گیک میڈیکارٹرز کی عقبی گلی میں پہنچے تو انھیں گن فائر کی آواز صاف سنائی دینے لگی۔

ساتھ والی گلی میں کسی ہیڈ لائٹ کی روشنی نظر آئی۔ تینوں نے بھاگ کر ایک درخت کے نیچے پناہ لی تاکہ آنے والی گاڑی کی روشنی میں انھیں دیکھا نہ جا سکے۔ انھیں گلی کے موڑ پر کچھ بادردی پولیس آفیسر نظر آئے جنھوں نے آنے والی ٹریفک کو روک لیا تھا۔

"اس کی فلم بناؤ۔" لینن نے اپنے ساتھی کیمرا مین کے کان میں سرگوشی کی۔ پھر وہ اپنے ساؤنڈ ریکارڈسٹ کی طرف مڑا۔

"تم شور اور گولیوں کی آوازیں ٹیپ کرو۔ یہ بعد میں ہمارے کام آئیں گی۔ ہم انھیں ایسے ڈب کریں گے جیسے قیصری جنگ عظیم میں فائرنگ ہو رہی ہو۔"

عمارت کے اندر سے آنے والی فائرنگ کی تیز آوازوں نے اُن کی توجہ اپنی جانب مبذول کرا لی۔ ساؤنڈ ریکارڈسٹ نے مائیکروفون کے رُخ فوری طور پر اس کی جانب پھیر دیے تاکہ بہتر طور پر آوازیں ریکارڈ ہو سکیں۔

کسی اور گاڑی کی ہیڈ لائٹس کا عکس نظر آیا۔ اس بار گاڑی ساتھ والی گلی کے کسی گیراج سے نکلی اور اُن کی طرف بڑھی۔

"یہ ہمارے گیک بھائیوں کی گاڑی ہے۔" مارک لینن نے آنے والی شیوی کی طرف اشارہ کیا۔ "ہم ان کا انٹرویو لیں گے۔"

مارک لینن آڑ سے نکل کر گلی کے وسط میں آ گیا۔ اس نے دونوں ہاتھ اُٹھا کر شیوی کو رُکنے کا اشارہ کیا۔ اس کے دونوں ماتحتوں نے اپنی اپنی پوزیشنیں سنبھال لیں۔ کیمرا مین نے اپنی سن گن اسپاٹ لائٹ روشن کر لی جبکہ ساؤنڈ مین نے اپنا لمبا مائیکروفون آگے بڑھا دیا۔

"اے کامریڈز!" لینن نے بلند آواز سے کہا۔ "یہاں کیا ہو رہا ہے؟ ہمارا تعلق مارکس سے ہے، یہاں کیا سانحہ

ایک نوجوان کی عجیب داستان
جو اپنی یادداشت کھو بیٹھا تھا
گم کردہ
یعقوب جمیل کے قلم سے
خوبصورت سرورق، بہترین طباعت و کتابت
قیمت =/100 روپے
مکتبہ القریش
سرکلر روڈ اردو بازار لاہور
7668958

گزرا ہے؟"

شیوی رُک گئی۔ لینن ڈرائیونگ سائیڈ کی جانب جا کر کھڑکی پر جھک گیا لیکن وہ اندر کچھ دیکھ کر فوری طور پر پیچھے کی طرف ہٹا۔

ایک دہشت گرد نے اپنی شاٹ گن اس کی طرف سیدھی کر کے گولی چلا دی تھی۔ دس فٹ کے فاصلے سے شاٹ گن کا پاور برسٹ، مارک لینن کی ٹانگوں پر پڑا۔ فائرنگ کی گونج ختم ہونے کے ساتھ ہی مارک کے حلق سے چیخ آزاد ہوئی اور وہ گلی کے پختہ فرش پر گر پڑا۔ اس نے پھیلی پھٹی آنکھوں سے دروازہ کھلتے اور کئی دہشت گردوں کو اپنی جانب بڑھتے دیکھا۔ تیز دھار خنجر، پستول اور خودکار رائفلیں ان کے ہاتھوں میں تھیں۔

کیمرا مین، لینن کا انجام دیکھ کر اپنے وڈیو آلات چھوڑ کر بھاگ نکلا لیکن اس نے چند قدم ہی بڑھائے تھے کہ ایک خودکار رائفل کے برسٹ نے اُسے گرا لیا۔ ساؤنڈ مین نے ہتھیار پھینکنے کے انداز میں اپنے ہاتھ اُٹھا دیے کئی دہشت گرد اس کی طرف بڑھے جبکہ باقی لینن کی طرف چلے گئے۔

"میں تمہارا ساتھی ہوں۔" ساؤنڈ مین چلّایا۔ "میں تمہاری جدوجہد کا حامی ہوں۔" اس کی آواز بھرّا گئی اور آنسو اس کے رخساروں اور داڑھی کو تر کرنے لگے۔ "یہ میرا کمیونسٹ پارٹی کارڈ ہے، میں اس کا ایک..."

جونہی اس نے اپنا بٹوا نکالنے کے لیے جیب کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ آوارہ گرد نے خنجر اس کے ہاتھ پر مارا۔ ساؤنڈ مین بُری طرح چیخا اور جیب کی طرف بڑھنے والا ہاتھ اس کے سامنے زمین پر جا گرا۔

اس نے بھاگنے کی کوشش کی لیکن اردگرد جمع دہشت گردوں کے خنجروں اور رائفلوں کی بیرل نزدیک وقت اُٹھیں اور انھوں نے ساؤنڈ مین کو کمیونسٹ پارٹی سے ہی نہیں بلکہ زندگی کی رُکنیت سے بھی ہمیشہ کے لیے خارج کر دیا۔

مارک لینن کو بھی اسی طرح کی صورتِ حال کا سامنا تھا۔ وہ بے یار و مددگار سڑک پر پڑا ہوا تھا۔ اس کے اردگرد اسی کے لہو کا تالاب سا بن گیا تھا۔ وہ ہاتھ اُٹھا اُٹھا کر ان سے رحم کی بھیک مانگ رہا تھا۔

اُس کی منت سماجت کے جواب میں اندھیری گلی میں ایک خنجر چمکا اور چمکتے خنجر اس کی تقلید میں بلند ہوئے۔ دہشت گردوں نے سب سے پہلے لینن کی زخمی ٹانگوں کو اس کے جسم سے علیحدہ کیا۔ پھر اس کی انگلیاں کاٹی گئیں اور پھر ہاتھوں کا رہا سہا اس سے منقطع کر دیا گیا۔ مارک لینن کی چیخیں عقبی گلی کی سپاٹ دیواروں اور اندھیرے روزنوں سے لوٹ کر آ رہی تھیں اور دہشت گرد قہقہے لگاتے ہوئے اس کے جسم کو لوتھڑوں میں تبدیل کر رہے تھے۔

گلی کے دوسرے کونے سے شاٹ گنوں کے فائروں نے دہشت گردوں کو ان کی گاڑی میں واپس جانے پر مجبور کر دیا۔ کئی گولیاں ان کے جسموں میں پیوست ہوئی تھیں لیکن وہ بغیر چیخے چلائے شیوی میں جا بیٹھے۔

پولیس آفیسرز نے اسٹارٹ ہو جانے والی شیوی کے ڈرائیور کے سر کا نشانہ لے کر فائرنگ کی۔ چند ثانیوں بعد ہی اس کا بھیجا اس کے اپنے ساتھیوں کے جسموں اور چہروں پر بکھر گیا لیکن اس سے پہلے وہ شیوی کو سپیڈ دے چکا تھا۔ اگلا برسٹ شیوی کے عقبی ٹائروں پر پڑا۔ شیوی لہرائی اور گلی کے کنارے اُگے ایک درخت سے ٹکرا گئی۔

ایک گولی شیوی کے گیسولین ٹینک کو پھاڑتی ہوئی نکل گئی۔ دھماکے کے ساتھ ہی گاڑی میں آگ بھڑک اٹھی۔ پوری گلی نارنجی شعلوں سے روشن ہو گئی تھی۔ پولیس افسران بھاگتے ہوئے آگے آنے سب سے پہلے انھیں کیمرا مین ملا اور اس کے بعد ساؤنڈ مین کی لاش نظر آئی۔

درمیں ڈوبی ہوئی ایک سرکاری نے انھیں سڑک کے کنارے آنے کے لیے مجبور کیا۔ وہاں گوشت، خون اور ہڈیوں کا ایک ملغوبہ ان کا منتظر تھا۔ پہلے تو وہ اُسے گوشت کا ڈھیر ہی سمجھے لیکن جب انھیں کٹی ہوئی ٹانگیں، انگلیاں اور ہاتھ نظر آئے تو انھیں یقین کرنا پڑا کہ گوشت کا یہ ڈھیر کبھی جیتا جاگتا انسان تھا۔

گوشت کے اس ڈھیر سے ایک آدھ سرکاری پھر بلند ہوئی اور عوام کے مارکس مین اور سوشلسٹ پیتھائی کی آواز ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گئی۔ مارک لینن بالآخر مر گیا تھا۔

❀❀❀

گیک کارپوریشن کے دفاتر اور عقب کمروں پر دھاوا بولنے کے دوران وکٹیٹو خالدی اور اس کے ساتھیوں نے ہر حرکت کرنے والی شے کو گولی سے اُڑا دیا تھا لیکن عمارت سے دہشت گردیوں برآمد ہو رہے تھے جیسے کبھی ختم نہیں

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ہوں گے۔ دروازوں، سیڑھیوں اور لوہے کے عمودوں سے دھوئیں نکل رہے تھے جیسے زمین انھیں اُگل رہی ہو۔ تیز جیپوں کو وہ مُڑدہ بھیڑ کر آگے بڑھتے تھے وہی اُٹھ کر ان پر حملہ آور ہو جاتے تھے۔ خالدی اور اس کے ساتھیوں نے اس سے زیادہ دہشت ناک لڑائی اس سے پہلے نہیں لڑی تھی۔

خالدی ایک دروازے سے اندر داخل ہو کر فرش پر گر گیا اسے توقع تھی کہ سامنے سے فائرنگ ہو گی لیکن اُسے صرف چند گولیوں کی آوازیں سنائی دی تھیں اس نے لیٹے ہی لیٹے اگلے کمرے کی طرف بڑھتا شروع کر دیا۔ پر اُسے چاروں طرف مختلف پوزشز میں لوگ نظر آ رہے تھے جن پر نفرت انگیز فقرے لکھے ہوئے تھے۔ کمرے کی تین دیواروں پر تو سفیدی تھی جبکہ چوتھی دیوار بالکل سیاہ تھی۔ پہلے اس کا مطلب سمجھ میں نہیں آیا لیکن جب اس نے پروجیکشن پوائنٹس کو دیکھا تو اسے پتا چل گیا کہ سفید دیواروں کا کیا مقصد ہے؟

یہ کمرہ ایک تھیٹر تھا جس میں متعدد پروجیکٹرز بھی لگے ہوئے تھے۔ دیواروں پر متعدد اسپیکرز بھی لگے ہوئے تھے اور چاروں جانب تاروں کا جال بکھرا ہوا تھا۔ ابھی وہ تھیٹر کا معائنہ کر رہا تھا کہ دروازے پر فائرنگ کی آواز سنائی دی اس نے فوراً اپنا کوٹ کاٹ کر نکال کر ہاتھ میں لے لیا اور متوقع دہشت گردوں کی آمد کا انتظار کرنے لگا۔ پھر اسے ایک آواز سنائی دی۔

"پولیس! جو جہاں ہے وہیں رُک جائے!"

"ہم تمہارے ساتھی ہیں!" دوسری آواز آئی۔

"کیا تم فیڈرلز ہو؟"

"ہاں یور فیڈرلز۔۔۔۔"

خالدی نے عاصم کی آواز پہچان لی۔ وہ فوراً اُٹھ کر دروازے کی طرف بڑھا۔

"ڈیٹیکٹو خالدی!" دروازے سے آگے بڑھنے سے پہلے اس نے بلند آواز میں اپنا تعارف کرایا۔ تاکہ کہیں اس کے اپنے ساتھی ہی اسے چھلنی نہ کر دیں۔

باہر اسے تین افراد نظر آئے۔ دو کے ہاتھ میں اے کے سنسٹاسی رائفلز تھیں جبکہ تیسرا خالی تھا لیکن تینوں کے کپڑے اور چہرے کچھ اس طرح خون میں لتھڑے ہوئے تھے کہ وہ فی الحال ان میں سے کسی کو پہچان نہیں سکتا تھا۔

"لڑکی کا کیا ہوا؟" اُن تینوں میں سے ایک شخص نے اکھڑے ہوئے انداز میں دریافت کیا تو خالدی پہچان گیا کہ بولنے والا ابرار ہے۔ "کیا تم میں سے کسی نے ٹائیگر کو دیکھا ہے؟"

"نہیں۔" خالدی نے ٹائیگر کو بتایا۔ "ہم لوگ اگلے دروازے سے اندر آئے ہیں تم لوگ کہاں تھے؟"

"ہم بغلی دروازے سے آئے تھے۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ "ہم نے بھی لڑکی کو ہر جگہ تلاش کیا ہے، تم لوگوں نے ٹرک کے علاوہ کسی اور کو تو باہر نکلتے نہیں دیکھا؟" ٹائیگر کی آواز سے بے چینی مترشح تھی۔

"تمہارا خیال ہے وہ اُسے ٹرک میں ڈال کر لے گئے ہیں؟" عاصم نے ٹائیگر سے پوچھا۔

"اس کا کوئی امکان نہیں۔" خالدی نے جواب دیا۔ "ٹرک نہایت تیز رفتاری سے گزرا تھا اور اس کا ڈرائیور اتنی جلدی میں لگ رہا تھا کہ وہ لڑکی کو اٹھانے کے لیے شاید ہی رُکا ہو۔ اس لیے مجھے کوئی اُمید نہیں کہ وہ لڑکی کو ٹرک میں ڈال کر لے گئے ہوں۔"

خالدی کے ساتھ گیا کہ بیڈ کوارٹرز میں داخل ہونے والے پولیس افسران مختلف کمروں کی تلاشی لے کر واپس آ گئے اور انھوں نے اعلان کیا کہ پوری عمارت میں کسی لڑکی کا کوئی نشان نہیں ملا۔

ٹائیگر کا چہرہ مایوسی کی رات کی طرح تاریک ہو گیا تھا۔

✦

روبی مشرقی گلستان کی شاہراہوں سے گزرنے والے پانچ ٹن وزنی تیز رفتار ٹرک کے عقبی پیسنجر سیٹ پر سوار تھی۔ تیز ہوا سے اس کے خوب صورت بال اُڑ رہے تھے اور اس نے کارگو ڈور کو سختی سے پکڑ رکھا تھا۔

ٹرک کو گیگ ہیڈ کوارٹر سے روانہ ہوئے خاصی دیر ہو گئی تھی اور اب اس کے نازک ہاتھ کارگو ڈور کا ہینڈل پوری قوت سے تھامے ہوئے تھک گئے تھے۔ ہر جھٹکے پر اُسے محسوس ہوتا تھا کہ ابھی وہ گر پڑے گی اور سخت اسفالٹ کی سڑک اس کا قیمہ بنا دے گی۔ وہ اس اُمید پر ادھر اُدھر دیکھ رہی تھی کہ شاید اسے کوئی پولیس کار نظر آ جائے اور وہ اسے مدد کے لیے سگنل دے سکے۔

اُس کو بعض پیٹرول کاریں نظر بھی آئی تھیں لیکن سب مخالف سمت سے آئی تھیں اور تیز رفتاری سے سائرن بجاتی ہوئی نکل گئی تھیں۔ یقینی طور پر ان کا رُخ اُسی طرف تھا جس طرف سے وہ آئی تھی۔

ایک گلی کا موڑ مڑتے ہوئے ایک سویلین کار نے عقبی سمت سے ٹرک کو اوورٹیک کیا۔ روبی نے اُمید بھری نگاہوں سے ڈرائیور کی طرف دیکھا لیکن کار کے ڈرائیور نے سبز رنگ کے کپڑے پہنے ہوئے ایک نوجوان اور خوبصورت لڑکی کو ٹرک کے بمپر سے لٹکا دیکھ کر حیرت سے بریک بجائی اس کا پاؤں ایک لمحے کے لیے بریک پر پہنچا تاکہ وہ تیز ہوا سے اُڑنے والے کپڑوں کی وجہ سے لڑکی کا بھرپور نظارہ کر سکے اور پھر دوبارہ اُس نے ایکسی لیریٹر دبا دیا۔ کار زن سے نکلتی ہوئی روبی کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئی۔

ٹرک اب فری وے پر آ گیا تھا۔ ہجوم کا دباؤ بڑھ گیا تھا۔ اس کا دوپٹہ اُڑ کر نجانے کہاں چلا گیا تھا اور اب وہ جیپر اور شلوار میں ملبوس ایک ہاتھ سے اپنے اُڑتے ہوئے لباس کو سنبھالنے میں مصروف تھی جبکہ دوسرا ہاتھ اُس نے سختی سے ڈور ہینڈل پر ڈال رکھا تھا۔ دُور عقب میں اُسے کچھ ہیڈلائٹس بھی نظر آئی تھیں لیکن وہ ہیڈلائٹس ادھر اُدھر کی گلیوں میں گم ہو گئی تھیں۔

چند منٹ قبل اس نے ٹرک کو گیگ ہیڈ کوارٹرز کی عقبی گلی سے برآمد ہوتے دیکھا تھا۔ روبی فورڈ کی اگلی سیٹ پر بیٹھی ٹرک کو آگے بڑھتا دیکھ رہی تھی۔ ۔ ۔ ۔ فورڈ کے قریب پہنچ کر گیئر بدلتے وقت ٹرک نے جھٹکا کھایا تو روبی فوراً فورڈ سے نکل کر عقبی بمپر پر سوار ہو گئی تھی اس وقت تو اسے اس بات کا ہوش نہیں تھا لیکن اب وہ پچھتا رہی تھی کہ کاش وہ ریڈیو ساتھ لے آئی تاکہ وہ ٹائیگر کو اپنی سلامتی اور منزل کے بارے میں آگاہ کر سکتی لیکن اس کے پاس اس وقت اس کا نحیف سا ڈیوٹلس اور کچھ اضافی میگزین کے علاوہ کچھ بھی نہیں تھا۔

ڈرائیور نے رفتار ہلکی کیے بغیر ٹرک کو دائیں طرف موڑ دیا۔ اس آفت کے لیے تیار نہیں تھی۔ اس کا نازک جسم بُری طرح لہرایا لیکن اس سے پہلے کہ وہ توازن کھو کر سخت سڑک پر جا گرتی اس نے دوسرے ہاتھ سے ہینڈل تھام لیا اس نے ڈرائیور کو کوسا اور پھر کارگو ڈور سے لپٹ گئی۔

اب اُسے ٹرک کے اندر نقل و حرکت محسوس ہو رہی تھی اس نے کان ونڈ اسکرین کی چادر کے ساتھ لگا دیے۔ اندر سے قہقہوں کی آوازیں اور کچھ افراد کے بولنے کی جھنجھناہٹ سنائی دی لیکن وہ اندازہ نہ لگا سکی کہ اندر کیا باتیں ہو رہی ہیں، یا کتنے افراد موجود ہیں؟

ٹرک بدستور شور مچاتا آگے بڑھتا جا رہا تھا۔ اس نے وقفے وقفے سے کئی موڑ مڑے تھے۔ ڈرائیور نے کسی موڑ پر بھی رفتار آہستہ کرنے کی زحمت نہیں کی تھی لیکن اب روبی اس صورتِ حال کے لیے تیار تھی اس لیے اُسے اپنا توازن برقرار رکھنے میں کوئی مشکل پیش نہیں آئی تھی۔

بالآخر ٹرک کی رفتار ہلکی ہو گئی۔ تھوڑی دُور جانے کے بعد ٹرک رُک گیا۔ پھر ذرا بریکنگ کیبن کا دروازہ کھلنے اور قدموں کی آوازیں سنائی دیں۔ کوئی اُتر کر سامنے والی عمارت کی طرف بڑھا۔ اگلی آواز لوہے کا بھاری بھرکم دروازہ کھلنے کی تھی۔

اب خطرہ اس کے سر پر منڈلا رہا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھتی اُسے ٹرک سے دُور ہو جانا چاہیے تھا۔ اُس نے اپنے اردگرد کا جائزہ لیا۔ وہ اس وقت صنعتی علاقے میں موجود تھے اور جہاں ٹرک رُکا تھا وہ دو نیز ہاؤس ٹائپ کی کوئی عمارت تھی۔ اُسے علم تھا کہ کسی بھی لمحے دہشت گردوں سے اس کا ٹکراؤ ہو سکتا ہے۔ اُسے یہ بھی علم تھا کہ خود کار رائفلوں اور جدید ہتھیاروں کے مقابلے پر اس کے پاس ایک چھوٹا سا پستول تھا۔

اس نے ٹرک کی سائیڈ سے جھانک کر دیکھا لیکن سر فوری طور پر پیچھے کھینچ لیا کیونکہ دیوار کے آہنی گیٹ پر کھڑا ہوا وہشت گرد ٹرک کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اسی لمحے ٹرک دوبارہ حرکت میں آ گیا۔ اب وہ دو نیز ہاؤس کے اندر جا رہا تھا۔

فوری طور پر روبی نے صورتِ حال کا جائزہ لیا۔ بس کے پاس دو مواقع تھے یا تو وہ بمپر سے اتر کر بھاگ نکلتی اور دروازے پر موجود دہشت گرد اُسے دیکھتے ہی گولی سے اُڑا دیتا لیکن اُس کے دل کے نہاں خانوں میں شہزاد کی تصویر اُبھری وہ اُسے حاصل کیے بغیر دُنیا سے کوچ نہیں کرنا چاہتی تھی۔ دوسری صورت یہ تھی کہ وہ ٹرک کے بمپر پر سوار گیراج کے اندر جا پہنچتی، لیکن اس طرح بھی اسے دیکھ لیا جاتا۔

وہ تو بھاگ سکتی تھی اور نہ ہی چھپ سکتی تھی۔ اب ایک ہی صورت جان بچانے کی باقی رہ گئی تھی۔ اُس نے کارگو ڈور سے ایک ہاتھ ہٹایا اور جھک کر بمپر کو پکڑ لیا۔ پھر دوسرے ہاتھ سے اس نے اپنی گرفت مضبوط کی اور اپنا ایک پاؤں بمپر کے نیچے گھسا دیا۔ چند ہی ثانیوں بعد وہ دونوں ہاتھوں اور

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ایک پیر کے سہارے بمپر کے نیچے لٹک رہی تھی۔ اس کی تیل کی پختہ سڑک سے محض چند انچ اوپر تھی ٹرک کے نیچے پہنچ کر اس نے چیسس کو مضبوطی سے۔۔۔۔ پکڑ لیا۔ دایاں پیر چیسس پر جمانے کی کوشش اس کی اونچی ایڑی والا خوبصورت جوتا اس کے پیر سے نکل گیا لیکن اس وقت جوتوں کی پروا کسے تھی؟ اس کے ریشمی بال زمین سے رگڑ کھا رہے تھے۔ اس نے بائیں ٹانگ جھٹکی اور دوسرا جوتا بھی زمین پر گرا دیا۔

گیٹ سے اندر جاتے ہوئے ٹرک نے ایک جھٹکا کھایا۔ روبی نے بڑی مشکل سے خود کو نیچے گرنے سے بچایا۔ اُسے اب آوارہ گردوں کی باتیں اپنی کپیٹی پر محسوس ہو رہی تھیں پھر اُسے ویئر ہاؤس کا بھاری بھرکم گیٹ بند ہونے کی آواز سنائی دی۔ ٹرک دروازے سے اندر گزر گیا تھا۔ ایک دہشت گرد بمپر پر چڑھ گیا اور اس نے کارگو ڈور کھول دیا۔ اسی بمپر پر روبی چند لمحے قبل موجود تھی۔

ایک گیراج میں ٹرک رُکا اور روبی نے بہت سے پیرُاس کے گرد جمع ہوتے دیکھے۔ اُسے فردوسی اور انگریزی زبان میں باتوں کی آوازیں بھی سنائی دے رہی تھیں پھر ایک انگریزی زبان بولنے والے کی زبان سب پر حاوی ہو گئی۔

"میرے مجاہدو! گو کہ ہم یہاں محفوظ ہیں لیکن ہمیں اپنی حفاظت سے غافل نہیں ہونا چاہیئے۔ جلد ہی ہم دوسرے شہر منتقل ہو جائیں گے اور وہاں سے اپنے کام کا آغاز کریں گے۔"

دہشت گرد بیک وقت چیخے۔

"ہم تمہارے ساتھ ہیں بردار۔۔۔۔ ان فردوسیوں کو ہر حال میں مرنا چاہیئے۔"

اپنے پیروں اور گھٹنوں کے زور پر ٹرک کے نیچے لٹکی ہوئی روبی اس بات کی منتظر تھی کہ دہشت گرد ادھر اُدھر ہٹیں تاکہ وہ ٹرک کے نیچے سے نکل سکے۔ جونہی اُس نے ان کے پیر ٹرک سے ہٹتے دیکھے وہ آہستگی سے ویئر ہاؤس کے تیل سے چکنے فرش پر لیٹ گئی۔ اس نے کروٹ اور پیٹ کے بل رینگ کر خود کو ٹائروں کی آڑ میں چھپا لیا۔ اب وہ نیم دراز ویئر ہاؤس میں ہونے والی تمام کارروائی دیکھ رہی تھی۔

ویئر ہاؤس کا اندرونی حصہ تیز روشنیوں سے منور تھا۔ ڈرائیور نے ٹرک کو ویئر ہاؤس کے بالکل درمیان پارک کیا ہوا تھا۔ اس کے چاروں طرف کھلی زمین تھی۔ صرف ایک دیوار کے ساتھ کوئی کریٹ اور منی بڑی ہوئی تھیں لیکن اُسے کوئی کھلا

تاریخی ناول

خالد بن ولید	الماس ایم - اے -	200/-
سلطان ٹیپو شہید	الماس ایم - اے -	200/-
نواب حیدر علی خاں	الماس ایم - اے -	200/-
سلطان صلاح الدین ایوبی	الماس ایم - اے -	450/-

مکتبہ القریش اُردو بازار - لاہور 2

دروازہ نظر نہیں آیا تھا۔ روبی کو قطعی کوئی اُمید نہیں رہی تھی کہ وہ یہاں سے نکل کر کسی سڑک پر پہنچ سکے۔

ٹرک اُسے دشمنوں کے جنگل میں لے آیا تھا اور اب اس کے پاس سوائے انتظار کے کوئی چارہ نہیں تھا۔

کنکریٹ کی کھلی جگہ پر اُسے ایک سیاہ فام فردوسی نیلے رنگ کے سفاری سوٹ میں ملبوس نظر آیا۔ اس کے بال غیر معمولی طور چھوٹے تھے جبکہ اس کی آنکھوں پر لگا ہوا سیاہ چشمہ اُسے کوئی آکٹوپس ثابت کر رہا تھا۔ اُس نے نائیلون کی نیلی جیکٹیں پہنے ہوئے دو دہشت گردوں کو کوئی اشارہ کیا اور وہ لکڑی کا ایک کریٹ کھولنے لگے۔

لکڑی کا اوپری تختہ ہٹا کر وہ ایک طرف ہو گئے۔ پھر سیاہ چشمے والا شخص آگے بڑھا اور اس نے کوئی شے کریٹ میں سے نکال کر سامنے میز پر رکھ دی۔ روبی نے حیرت سے دیکھا وہ ایک شارٹ ویو ریڈیو تھا۔ سیاہ فام نے ایک اینٹینا وائر ریڈیو سے منسلک کیا جبکہ دوسرا سرا اس نے ایک دہشت گرد کو تھما دیا جو اُسے لے کر سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔

روبی صرف چند قدموں کے فاصلے پر موجود، ان کے درمیان ہونے والی گفتگو کا ایک ایک لفظ سُن رہی تھی پھر سیاہ فام چشمے والا شخص ریڈیو پر کسی سے رابطہ کرنے میں مصروف ہو گیا۔

"وِس از شباکا، کالنگ دی ٹرک، شباکا کالنگ دی ٹرک۔"

"سیاہ فام بار بار یہی الفاظ دُہرا رہا تھا۔ بالآخر ریڈیو سے ایک اور آواز اُبھری۔

"وِس از دی ٹرک، دوسری جانب سے جواب دیا گیا۔

"ہم اس وقت سرحد سے سو میل کے فاصلے پر ہیں، ہمارے ساتھ کوئی مسئلہ درپیش نہیں ہے اوور۔"

"گلستان ڈیلیوری منسوخ کی جا رہی ہے۔" شباکا نے جواب دیا۔ "گلستان ڈیلیوری۔۔۔"

"کیا؟"

"گلستان ڈیلیوری منسوخ کی جا رہی ہے، ہم یہ ڈیلیوری اب ہارون آباد میں حاصل کریں گے، کیا تم سمجھ گئے؟"

"ہارون آباد تو ہمارے حملے میں تباہ ہو گیا ہے، اسلحہ ڈپو میں ہونے والے دھماکوں نے شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دی ہے اور اس وقت پورے شہر کے چپے چپے پر فوج اور پولیس بکھری ہوئی ہے، ہم ڈھیر ہو جائیں گے۔"

"انھیں اس وقت راکٹ اور ہم محفوظ کرنے کے کام سے فرصت نہیں ہے، الاشیں دفنانے کا مرحلہ ابھی باقی ہے۔" شباکا نے شقاوت سے کہا۔ "دوسری بات یہ ہے کہ ڈلیوری ہم شہر سے باہر وصول کریں گے ایڈریس نوٹ کرو۔"

روبی نے وہ پتا اور ڈیلیوری کا وقت زبانی یاد کر لیا تھا جو شباکا نے ریڈیو پر اپنے آدمی کو بتایا تھا۔ پتا بتاتے ہی شباکا نے ریڈیو آف کر دیا تھا۔

اب روبی کا فرار ہونا ضروری ہو گیا تھا۔ وہ جلد از جلد ٹائیگر کے پاس پہنچ کر اُسے آنے والے ٹرک کے بارے میں بتانا چاہتی تھی۔ اُسے یہ علم نہیں تھا کہ ٹرک میں اسلحہ ہے، منشیات ہیں یا رقم ہے لیکن وہ یہ شدّت سے جانتی تھی کہ ٹرک شباکا کے لیے بے حد اہم ضرور ہے۔ ان تمام مضبوطیوں کے لیے اس کا نہایت خاموشی سے فرار ہونا بے حد ضروری تھا اگر شباکا کو یہ ٹرک بھی ہو جاتا کہ کسی بیرونی شخص نے اُس کی باتیں سن لی ہیں تو وہ یقینی طور پر ڈیلیوری کا وقت اور مقام تبدیل کر دیتا۔

مگر مسئلہ یہ تھا کہ وہ فرار کس طرح ہو؟ اُس نے دہشت گردوں کو ویئر ہاؤس اور دفتر کے دروازے بند کرتے دیکھ لیا تھا۔ ویئر ہاؤس میں اس قدر روشنی ہو رہی تھی کہ وہ رینگ کر باہر نکلنے کا خطرہ تو کسی صورت مول نہیں لے سکتی تھی اور اگر وہ ٹرک کے نیچے رُک کر انتظار کرتی تو اس بات کا قوی امکان تھا کہ دہشت گرد اُسے دیکھ لیتے۔

تمام پہلوؤں پر سوچنے کے بعد روبی نے سب سے بڑا خطرہ مول لینے کا فیصلہ کیا۔ وہ اس وقت تک ٹرک کے نیچے چھپی رہے جب تک یہ یہاں سے روانہ نہ ہو جائے پھر کہیں راستے میں موقعہ پا کر وہ کُود جائے اور پھر وہ ٹائیگر۔۔۔

ایک آواز سے اس کے خیالات کا تسلسل ٹوٹ گیا۔

"ٹرک کے نیچے کیا ہے؟"

اس کے ساتھ ہی کلاشنکوف تھامے ہوئے ایک سیاہ فام زمین پر بیٹھ کر ٹرک کے نیچے جھانکنے لگا۔ اُس نے روبی کو دیکھ تو لیا لیکن کسی کو اس کے بارے میں بتانا نصیب نہ ہوا کیونکہ روبی کے نتھنے سے ڈیٹونیکس کی گولی اس کے ماتھے پر تیسری آنکھ بنا گئی تھی۔ اس کے ساتھ ہی وہ تیزی سے باہر نکلی اور اس نے سیاہ فام کی کلاشنکوف اس کے ہاتھوں سے چھین لی۔

خودکار رائفل ہاتھ میں آتے ہی اس نے اس کا سیفٹی کیچ ہٹایا اور ایک دوسرے دہشت گرد کا سینہ چھلنی کر دیا جو اپنے کندھے پر لٹکی ہوئی رائفل اُتارنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ رائفل سمیت پشت کے بل پختہ فرش پر گرا۔

ایک سانولا دہشت گرد سیڑھیوں کی طرف سے اُس کی جانب جھپٹا لیکن روبی تک پہنچنے سے پہلے ہی موت نے اسے آ لیا۔ وہ ٹرک کی عقبی سمت سے گھوم کر دوسری طرف آ گئی۔ تیسرا دہشت گرد اس کے سامنے تھا۔ اس نے کلاشنکوف بلند کیے بغیر ایک ہلکا سا برسٹ مارا۔ دہشت گرد اپنی ٹوٹی ہوئی ٹانگیں لیے جونہی فرش پر گرا روبی نے تین اور گولیاں اس کے سر میں اتار دیں۔

عرش قسمتی کی بات یہ تھی کہ اس وقت کوئی بھی دہشت گرد شباکا کی دی ہوئی خصوصی دوا نہیں کھائے ہوئے تھا۔ انھیں رائفل بردار لڑکی سے خوف محسوس ہو رہا تھا۔ وہ کانپتے ہوئے ہاتھوں سے ابھی اپنی رائفلیں بھی کندھوں سے نہیں اُتار پاتے تھے کہ سبز جیکٹ اور شلوار قمیص میں ملبوس لڑکی انھیں زمین چٹا دیتی۔

دروازے پر کھڑے ہوئے سنتری نے فائرنگ کی آواز پر پلٹ کر دیکھا۔ ایک لڑکی اُسے کلاشنکوف تھامے نظر آئی۔ اُس نے اپنی ایم سولہ سیدھی کی اور گولی چلا دی۔ ٹھیک اسی وقت ایک دہشت گرد عقب سے روبی کو گرفت میں لینے کے لیے آگے بڑھا۔ تیز دھار خنجر اس کے ہاتھ میں تھا۔ روبی نے اس کا خنجر تھامے کلاشنکوف کی بیرل پر روکنے کی کوشش کی لیکن دہشت گرد کا خنجر والا ہاتھ کبھی نیچے نہ آ سکا۔ کیونکہ سنتری کی چلائی ہوئی گولی اس نے سر کے چیتھڑے اُڑا گئی تھی۔

روبی جھکائی دے کر اس دہشت گرد کے بھیجے کے ٹکڑوں اور خون کے چھینٹوں سے بچی تو ایک دوسرا سیاہ فام اس پر چڑھ

anned And Uploaded By Muhammad Nadee

دوڑا۔ پھر پیچھے کی سمت گری۔ اس کا ایک کندھا ٹرک کے ٹائر سے بری طرح ٹکرایا پھر گھٹنے سے ٹکرایا گیا اور وہ سامنے کی جانب چلایا جانے والا برسٹ اس کے خوب صورت اور نازک وجود کو گوشت کے چھوٹے چھوٹے لوتھڑوں میں تبدیل کر چکا ہوتا۔

اس نے کلاشنکوف ایک ہاتھ سے اٹھائی۔ اس کی طرف دوڑنے والا دہشت گرد اتنا قریب آ چکا تھا کہ کلاشنکوف کی بیرل اس کی تھوڑی سے مس ہو رہی تھی۔ روبی نے ٹریگر دبانے میں کوئی سستی نہیں دکھائی۔ دہشت گرد کا پورا چہرہ یوں اڑ گیا جیسے وہ سر پر بم ہی پھٹا ہوا ہو۔

روبی اب اپنی جگہ نہیں ٹھہری بلکہ وہ تیزی سے کروٹیں لیتی ہوئی دیوار کے ساتھ رکھے ہوئے کریٹوں کے عقب میں جا پہنچی۔ گولیاں اس کے تعاقب میں ادھر اُدھر لگ رہی تھیں لیکن وہ آگے آ چکی تھی۔ فوراً ہی اس نے پوزیشن سنبھال کر برسٹ مارا دو دہشت گردوں کے جسم چھلنی ہو گئے تھے۔

ایک مزید دہشت گرد داہنی سمت سے صرف ایک ہاتھ کے فاصلے پر نمودار ہوا تھا۔ اس نے جھک کر ہاتھ بڑھایا اور اس کی شرٹ پکڑ کر اسے اپنی طرف کھینچ لیا۔ دوسرے ہی لمحے وہ مردہ شخص کی کلاشنکوف اور اعشاریہ ۳۰ ہی فائیو سیون کا میگزین پستول اپنے قبضے میں کر چکی تھی۔ اس نے کلاشنکوف سیدھی کی اور نئے دشمنوں کی تلاش میں ادھر اُدھر دیکھنے لگی۔

دہشت گردوں کے لیڈر کی آواز اس کے کانوں میں پڑی۔

"تمام کے تمام لوگ فائر وہاں کریں۔" شباکا نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا۔ "بیک وقت فائر کرو، وہاں روبی چھپی ہوئی ہے۔" اس نے ہاتھ سے کریٹوں کی طرف اشارہ کیا۔

آواز کی گونج ختم ہوتے ہی دیئر ہاؤس کا یہ حصہ میدان جنگ میں تبدیل ہو گیا۔ روبی نے فوراً ٹوٹ لگائی۔ اس کا کندھا ایک بھاری کریٹ سے بری طرح ٹکرایا۔ خود کار رائفلوں کے برسٹ مسلسل دیواروں کا پلاسٹر اُدھیڑنے اور کریٹوں میں سوراخ کرنے میں مصروف تھے۔ تاک جانے والے دہشت گرد اسے جان سے مارنے کے لیے اندھا دھند فائرنگ کر رہے تھے۔

روبی بھاری کریٹ کے عقب میں دبکی انتظار کر رہی تھی نئی گولیاں کریٹ میں لگی تھیں لیکن کریٹ کی موٹائی اور اس میں پڑے ہوئے سامان نے اسے محفوظ رکھا تھا۔ اس نے اپنی کلاشنکوف کی بیرل پیچھے کر لی اور بے حس و حرکت بیٹھ گئی۔

"ہانی۔" شباکا نے پھر اپنے کسی دہشت گرد کو پکارا۔ "جا کر اسے دیکھو۔"

"تھوڑی سی فائرنگ اور کرو باس۔" ہانی نے شباکا کو مشورہ دیا اور سب سے پہلے اپنا میگزین کریٹ پر خالی کر دیا گولیاں کریٹ کے چاروں طرف بارش کی طرح برس رہی تھیں۔

پھر روبی کو اپنی ایک ٹانگ میں آگ سی بھرتی محسوس ہوئی۔ ایک گولی اس کی داہنی ٹانگ کا گوشت پھاڑتی نکل گئی تھی لیکن اس نے زبان دانتوں تلے دبالی۔ وہ نہ تو چیخی اور نہ ہی اپنی جگہ سے ہلی۔ شدید درد کے باوجود اس کے منہ سے سسکاری تک بھی نہیں نکلی تھی۔ وہ اب بھی منتظر تھی اس نے گولیوں کی بارش کے دوران کلاشنکوف کا میگزین نکالا اور مرنے والے دہشت گرد سے حاصل ہونے والا تیس گولیوں کا نیا میگزین رائفل میں لوڈ کر لیا۔ چیمبر میں ایک گولی پہلے سے موجود تھی یعنی اب اس کے پاس اکتیس گولیاں موجود تھیں۔

اس کام سے فارغ ہو کر اس نے اپنے زخم کا معائنہ کیا اپنی انگلیوں کی مدد سے اس نے ٹانگ کے اس حصے کو چھوا جہاں سے گولی رگڑ کھا کر گزری تھی۔ اس کی شلوار کے ڈھیلے کپڑے نے اسے بچا لیا تھا۔ ایک چھوٹا سا لوہے کا ٹکڑا اب بھی اس کی ٹانگ میں پیوست تھا۔ اس نے ایک بار پھر زبان دانتوں تلے دبائی اور لوہے کے اس چھوٹے ٹکڑے کو کھینچ کر نکال دیا۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ زخم کی وجہ سے سست پڑے۔

خود کار رائفلوں سے چلی ہوئی گولیوں نے روبی کے اردگرد کریٹوں کو چھلنی کر دیا تھا۔ بالآخر شباکا نے فائرنگ روکنے کا حکم دے دیا۔

"وہ یقیناً مر گئی ہوگی۔" اس نے اپنے آدمیوں سے کہا۔ "آگے بڑھو اور اس کی لاش نکال کر دیکھو کہ وہ کون تھی؟"

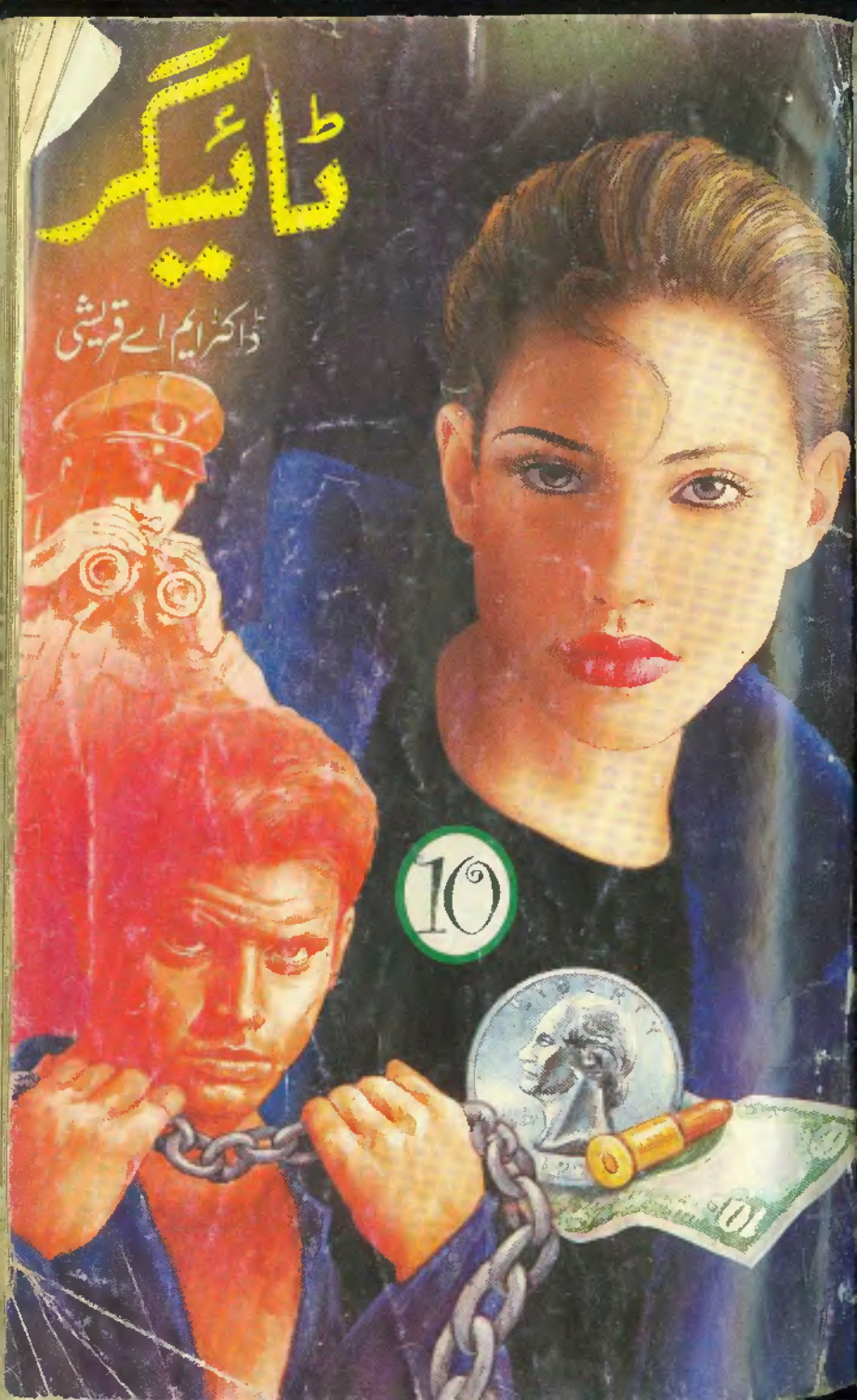
کئی دہشت گرد ہاتھوں میں کلاشنکوف رائفلیں تھامے گولیوں سے چھلنی کریٹوں کی طرف بڑھے۔

اس کے بعد

ٹائیگر کے دسویں حصے کا مطالعہ کریں۔

ٹائیگر

ڈاکٹر ایم اے قریشی



ٹائیگر

ڈاکٹر ایم اے قریشی



دسواں حصّہ

ناشر

مکتبہ القریش ◎ سرکلر روڈ

اردو بازار، لاہور ۲۔ فون: ۷۶۶۸۹۵۸

Uploaded By Nadeem

ڈیٹیکٹو خالدی اس وقت سو میل فی گھنٹہ کی رفتار سے کار بھگا رہا تھا۔ اُس کا رُخ اس وقت گلستان پولیس ہیڈ کوارٹرز کی جانب تھا۔ عاصم اس کے برابر بیٹھا تھا جبکہ ٹائیگر اور عابد عقبی نشست پر تھے۔

فی الوقت تمام لوگ خاموش تھے لیکن ٹائیگر کے ذہن میں آندھیاں چل رہی تھیں۔ ایک عرصے بعد رُوبی اُسے ملی تھی لیکن اس کا ساتھ ہمیشہ کی طرح بڑا مختصر ثابت ہوا تھا۔ وہ ایک بار پھر غائب ہو گئی تھی۔ اُسے یہ یقین تھا کہ اُس کے غائب ہونے میں کیک کا ہاتھ ہے لیکن اُس کا ذہن یہ تسلیم کرنے کو ہرگز تیار نہیں تھا کہ رُوبی خدانخواستہ اب اس دُنیا میں نہیں رہی۔

"ہم نے ہاریو سلوا کو گرفتار کر لیا ہے۔" دفعتہً کار میں خالدی کی آواز گونجی۔

"کیا...؟" ٹائیگر چونکا۔

"ہم نے وارنٹ کی تعمیل کرالی ہے اور اُس کے خلاف ایک مصدقہ کیس بھی تیار کر لیا ہے۔" خالدی نے اُس کی معلومات میں مزید اضافہ کیا۔

"تفتیش کا کیا رہا؟" ٹائیگر نے اپنے سر کے بالوں میں اُنگلیاں پھیرتے ہوئے پوچھا۔ اُس نے اپنے خون آلود چہرے کو کسی حد تک صاف کر لیا تھا لیکن اُس کے سر کے بال اب بھی گیلک ہیڈ کوارٹرز میں مرنے والے دہشت گردوں کے خون سے لتھڑے ہوئے تھے۔ اُس کی چوڑی کلائیوں پر بھی جما ہوا خون نظر آ رہا تھا۔

"پولیس اُس سے سوالات کر رہی ہے لیکن ابھی تک اُس نے کوئی تسلی بخش جواب نہیں دیا۔"

"وہ لوگ آخر کیا کر رہے ہیں؟" ٹائیگر دہاڑا۔ "کیا وہ اس بات کے منتظر ہیں کہ اُس کے آدمی اُس کی گرفتاری کے بدلے میں رُو... شگفتہ کو نقصان پہنچائیں اور تم سب لوگ کان کھول کر سُن لو۔ اگر لڑکی کو کچھ ہو گیا تو میں ایک ایک پولیس آفیسر کی باچھیں چیر ڈالوں گا۔"

"کیا تم اب بھی سمجھتے ہو کہ مس شگفتہ اُن کے قبضے میں ہے؟" خالدی نے مُڑ کر پوچھا۔

"مسٹر ابرار!" عاصم نے ملائمت سے ٹائیگر کو مخاطب کیا۔ "ٹرک والوں نے مس شگفتہ کو نہیں اُٹھایا۔ ہو سکتا ہے۔ یہ کسی اور گروہ..."

ٹائیگر نے اُس کا جملہ پورا نہیں ہونے دیا۔

"مجھے یقین ہے کہ وہ اُسے ٹرک میں لے گئے ہیں۔" ٹائیگر نے سختی سے کہا۔ "اور مجھے اس بات کا بھی یقین ہے کہ سلوا کو اس بات کا علم ہے کہ ٹرک کہاں گیا؟"

"بات سمجھنے کی کوشش..." خالدی نے کہنا چاہا۔

"اب اگر تم نے مجھے کچھ سمجھانے کی کوشش کی تو میں تمہیں اُٹھا کر وِنڈ اسکرین سے باہر پھینک دوں گا۔" ٹائیگر نے سفاکی سے کہا۔

عابد اور عاصم جی جان سے کانپ اُٹھے۔ وہ اپنے ساتھی کی قوت اور اُس کے کمالات کا مظاہرہ دیکھ چکے تھے۔ ٹائیگر نے جو کچھ کہا تھا، دونوں کو اُس کی صداقت پر کوئی شبہ نہیں تھا۔ اُس کے بعد کار میں خاموشی چھا گئی۔ خالدی کا مُنہ بن گیا تھا لیکن وہ کچھ کہہ کر اپنی مصیبت کو دعوت نہیں دینا چاہتا تھا۔

کار ہیڈ کوارٹر کے پورچ میں رُکی تو سب سے پہلے ٹائیگر اُتر کر سیڑھیوں کی طرف بڑھا۔

"مسٹر ابرار!" عابد نے نرمی سے ٹائیگر کو پکارا۔ "میرا خیال ہے تم نہا کر پہلے کپڑے بدل لو۔"

ٹائیگر خونخوار انداز میں پلٹا۔ "اس کا وقت نہیں ہے۔ مجھے بتاؤ سلوا کہاں ہے؟"

"اوکے۔" عابد نے فوراً ہار مان لی۔ "ہو سکتا ہے، تمہارا خون آلود چہرہ اُسے خوف زدہ کر دے۔"

وہ اُسے لے کر عمارت کی طرف بڑھ گیا جس کے دروازے پر ایم سولہ سے مسلح کئی پولیس مین پہرہ دے رہے تھے۔ ٹائیگر اُنہیں دیکھ کر ہنسا۔

"یہ سورمے اُس وقت کہاں تھے جب ہم گیلک ہیڈ کوارٹرز میں دہشت گردوں کے خلاف لڑ رہے تھے؟"

"یہ دہشت گردوں کے لیے نہیں ہیں۔" عابد نے اُسے بتایا۔ "فی الحال یہ لوگ ہمیں اخباری نمائندوں سے بچانے کے لیے یہاں کھڑے ہیں۔"

ٹائیگر دھیرے سے مُسکرایا اور آگے بڑھ گیا۔ ایک محافظ نے اُس طرف رہنمائی کی جہاں سلوا کو رکھا گیا تھا۔ ذرا سا آگے لاکرز کے پاس تھری پیس سوٹ پہنے کچھ لوگ کھڑے تھے۔ اُن میں سے ایک آدمی کے ہاتھ میں بریف کیس تھا۔ جونہی اُس نے عابد کو دیکھا، وہ فوراً اُس کی طرف بڑھا۔

"میرے پاس تم لوگوں کے لیے بعض خاص معلومات ہیں۔" اُس نے عابد کو مخاطب کیا۔

Uploaded By Nadeem

پہلے تو عابد نے اُسے پہچانا نہیں: "اوہ تم، میرے خیال میں تمہارا تعلق ویسٹ سٹرانسٹ ڈیلیکس گروپ سے ہے لیکن تم یہاں کیا کرنے آئے ہو؟"

"ایک رات پہلے پورے ملک میں دہشت گردی کی زبردست کارروائیاں ہوئی ہیں۔" ٹوٹ والے شخص کا لہجہ ہرگز سوالیہ نہیں تھا۔

"ہاں ہوئی ہیں۔" عابد نے اعتراف کیا۔ "لیکن تمہارے پاس کس نوعیت کی اطلاعات ہیں؟"

"ہجرت لینڈ کی حکومت نے مسٹر مادیو سلوا کے مقدمے میں تعاون کرنے کا فیصلہ کیا ہے؟"

"کیا...؟" ٹائیگر نے حیرت سے پوچھا۔

"یہی اس کی کاپی۔" لائزن مین نے ایک موٹی فائل ٹائیگر کو تھما دی۔ "ان میں سے کچھ کاغذات انگریزی میں ہیں، بعض فرنچ میں اور بعض خود ہجرت لینڈ کی زبان میں ہیں۔ سلوا ہجرت لینڈ کا ایک قابلِ اعتماد ایجنٹ ہے اور اُسے اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کے لیے لاکھوں فرینچ اور امریکی ڈالر ملے ہیں۔"

"بہت شکریہ..." ٹائیگر نے اپنا آہنی ہاتھ مصافحے کے لیے رابطہ آفیسر کی طرف بڑھا دیا۔ "اب مجھے تفتیش کرنے میں آسانی رہے گی۔"

رابطہ آفیسر سے ہاتھ ملا کر ٹائیگر سامنے پڑے صوفے کی طرف بڑھ گیا اور وہاں بیٹھ کر فائل کی ورق گردانی کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔

"مسٹر عابد!" اُس نے دوسرے صوفے پر بیٹھے ہوئے سُراغ رساں کو مخاطب کیا۔ "اب ہم قیدی سے سوالات کریں گے۔ اپنے محکمے کے افسرِ اعلیٰ سے کہو کہ براہِ کرم ہمیں تنہا چھوڑ دیں اور کسی حال میں بھی دخل اندازی نہ کریں۔"

عابد نے سر ہلایا اور ٹائیگر کو لے کر تفتیشی کمرے کی طرف بڑھ گیا جہاں مادیو سلوا اس وقت تنہا موجود تھا۔ سلوا نے دونوں کو اندر آکر دروازے کی کنڈی لگاتے تو دیکھا لیکن مُنہ سے ایک لفظ نہیں کہا۔ وہ ان دونوں آدمیوں سے قطعی خوفزدہ نظر نہیں آتا تھا۔

ٹائیگر نے بھی سر سے پاؤں تک اُس کا جائزہ لیا لیکن اُسے اس میں کوئی خاص بات نظر نہیں آئی تھی۔ وہ نہایت اطمینان سے مادیو سلوا کی طرف بڑھا اور اپنی انگشتِ شہادت اُس کے حلق پر رکھ دی۔ گلستان پولیس کے سُراغ رساں عابد نے ایک اور حیرت ناک مظاہرہ دیکھا۔ مادیو سلوا نے فرفر بولنا شروع کر دیا تھا۔ اب پتا نہیں کہ یہ ٹائیگر کی ذات کا کمال تھا یا اُس کی اُنگلی کی جادوئی تاثیر کہ سلوا کا کہا ہوا ایک ایک لفظ سچائی پر مبنی تھا۔

سلوا اپنے بیان کے تقریباً نصف حصے پر پہنچا تھا کہ دروازے پر دستک کی تیز آواز سے ٹائیگر نے اُنگلی اُس کے حلق پر سے ہٹا لی۔

"کون ہے؟" ٹائیگر دروازے کی طرف رُخ کر کے دہاڑا۔ "میں نے کہا تھا کہ ہمیں تنہا چھوڑ دیا جائے، کیا چاہیے؟"

"تمہارے لیے ایک فون کال ہے مسٹر ابرار، کوئی مس شگفتہ تم سے بات کرنا چاہتی ہیں۔"

❋

نیشنل گارڈ وار سرپس ہوائے ٹرپ شپ "ٹائیگر" عابد اور اوشان کو لے کر گلستان کے صنعتی علاقے کی طرف پرواز کر گیا جو ڈاؤن ٹاؤن گلستان فری وے سے چند منٹوں کی مسافت پر تھا۔ ویئر ہاؤس کی طرف بڑھتے ہوئے انھیں سائٹ ایریا کی سڑکوں پر ایمبولینس گاڑیوں کی سُرخ روشنیاں اور پولیس کاروں کی نیلی گھومتی ہوئی روشنیاں نظر آرہی تھیں۔

"میرا خیال ہے کوئی مر گیا ہے۔" عابد نے نیچے دیکھتے ہوئے ٹائیگر کو بتایا۔

"مجھے اس سے کوئی غرض نہیں کہ کون مرا ہے۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ "میرے لیے یہ کافی ہے کہ شگفتہ زندہ ہے۔"

اوشان نے فوراً گھوم کر ٹائیگر کو دیکھا لیکن ساتھ ہی اُس کے ہونٹوں پر ذہنی مسکراہٹ کھیل گئی۔ روبی کے لیے اُس کے جذبات اوشان سے ڈھکے چھپے تو نہیں تھے لیکن ٹائیگر کبھی اپنی اس کمزوری کا اعتراف نہیں کرتا تھا۔

"اچھے لوگ کبھی اپنے بیان سے بدلتے نہیں۔" اوشان نے ٹائیگر کو مخاطب کیا۔

"وہ میری چادہ گر کی ساتھی ہے بٹل فادر۔" ٹائیگر نے نظریں چُراتے ہوئے کہا۔ "اسی لیے میں اُس کے زندہ بچ جانے پر خوش ہوا ہوں۔"

"تمہارا کیا خیال ہے کہ تمہارے اُلٹے سیدھے جواز مجھے مطمئن کر دیں گے۔" اوشان نے مُنہ ٹیڑھا کر کے پوچھا۔

ٹائیگر بھی جواب میں کچھ کہتا لیکن اُسی وقت پائلٹ نے نیچے اُترنے کا اشارہ دیا۔ ذرا دیر بعد ہوائے پارکنگ لاٹ میں اُتر چکا تھا۔ سب سے پہلے پائلٹ نیچے اُترا اور

پھر اس نے بڑے احترام کے ساتھ اوشان کو نیچے اُترنے میں مدد دی اور اُسے ساتھ لے کر ویئر ہاؤس کی طرف بڑھا۔ دو پولیس والے اچانک ہی اُن کے راستے میں حائل ہو گئے۔

ٹائیگر نے بڑے جارحانہ انداز میں قدم آگے بڑھایا لیکن اوشان نے فوراً اُس کا بازو پکڑ لیا۔

"آرام سے، یہ تمہارا اپنا ملک ہے۔"

"لیکن ماسٹر یہ..."

"کبھی ایسے بھی ہوتا ہے۔" اوشان نے اُسے نصیحت کی۔ ٹائیگر نے فوراً سر جھکا دیا۔

"کہاں جا رہے ہو مسٹر؟" پولیس آفیسر نے نہایت درشتگی کے ساتھ ٹائیگر کو روکا تھا۔ مگر ٹائیگر اُس کے سوال کو نظر انداز کرتا ہوا آگے بڑھتا چلا گیا۔ آفیسر کو ٹائیگر کی اس لاتعلقی پر تاؤ آگیا اور وہ جارحانہ انداز میں آگے بڑھا۔

"آفیسر..." ویئر ہاؤس کے اندر سے روبی کی آواز سنائی دی۔ وہ اس حال میں گولیوں سے چھلنی ٹرک کے عقب سے برآمد ہوئی کہ اُس کا لباس جگہ جگہ سے مسکا ہوا تھا جس پر خون کے دھبے بھی نمایاں تھے۔ کلاشنکوف اُس کے کندھے سے لٹکی ہوئی تھی اور وہ لنگڑا کر چل رہی تھی۔ "تم جسے دھمکی دے رہے ہو، وہ میرا ساتھی..."

"پھر اسے کہو کہ یہاں سے چلا جائے۔ یہ علاقہ عام لوگوں کے لیے بند کر دیا گیا ہے۔"

"آفیسر۔" روبی نے اُسے دوبارہ مخاطب کیا۔ "یہ میرا پرسنل ہے اور تم صرف کین اپ کے لیے یہاں آئے ہو۔ اگر اب تم نے میرے ساتھی کو کوئی دھمکی دی تو میں..." اس کے ساتھ ہی اُس نے کلاشنکوف کندھے سے اُتار کر آفیسر پر تان لی جس نے اپنا سروس ریوالور نکال لیا تھا۔

لیکن اس سے پہلے کہ کوئی ناخوش گوار واقعہ ظہور پذیر ہوتا، عابد ہیلی کاپٹر سے اُتر کر اُن تک آپہنچا تھا۔

"یہ تینوں صدر فردوس کے حکم سے اس آپریشن کے انچارج ہیں۔" اُس نے ڈیوٹی پر متعین پولیس آفیسر کو آگاہ کیا۔ صدر کا نام سنتے ہی وہ راستے سے ہٹ گیا تھا۔

روبی لنگڑاتی ہوئی اوشان کی طرف بڑھی۔ اُس نے اُس کے سر پر ہاتھ پھیر کر اُسے دعا دی۔ ٹائیگر پاس کھڑا بڑی بے تابی سے اُن دونوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔ دل ہی دل میں وہ روبی کے لیے عجیب سے جذبات محسوس کر رہا تھا لیکن اوشان کے اس قدر قریب دیکھ کر وہ روبی سے خار کھانے لگا تھا کیونکہ اوشان پر وہ اپنا حق زیادہ سمجھتا تھا۔

"تم اچھی تو ہو؟" اوشان نے دریافت کیا۔

"ہاں فادر۔" روبی نے جواب دیا۔ "بس ٹانگ پر گولی لگی ہے۔"

"میں تو سمجھا تھا کہ تم ہمیشہ کے لیے گئیں۔" ٹائیگر نے جل کر کہا۔ "ہم تو یہاں فاتحہ پڑھنے آئے تھے۔"

"فکر نہ کرو تمہیں مار کر مروں گی۔" روبی نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔

"بس ٹائیگر۔" اوشان نے ہاتھ اُٹھایا۔ "یہ وقت اس طرح اُلجھنے کا نہیں ہے، بہرام کی خواہش ہے کہ آپریشن جلد از جلد مکمل کیا جائے کیونکہ تمہارے لیے ایک اور کام تیار ہے۔"

"تم گئی کہاں تھیں؟" اس بار ٹائیگر نے انتہائی شرافت سے دریافت کیا۔

"آئی ایم سوری۔" روبی نے معذرت کی۔ "میں نے ٹرک کو جاتے دیکھا تو اُس کے بمپر پر چڑھ گئی تھی لیکن بے وقوفی یہ ہوئی کہ ریڈیو ساتھ لینا بھول گئی۔"

"بہرحال یہ اچھی بات ہے کہ تم زندہ ہے۔"

"ماسٹر، آپ نے مجھے آپ کو قیدی سے چھڑوانے کا حکم دیا تھا۔ وہ شدید زخمی ہے اور مجھے ڈر ہے کہ کہیں مر نہ جائے۔"

اوشان، ٹائیگر، عابد اور کاپٹر کا پائلٹ بھی روبی کے ساتھ ہی ویئر ہاؤس کے اندرونی حصے کی طرف بڑھے تھے۔

"انھوں نے مجھ پر بے تحاشا فائرنگ کی تھی۔" روبی نے چلتے ہوئے ٹائیگر کو بتایا۔ "لیکن گولیاں کرٹیوں پر لگیں۔ وہ سمجھے شاید میں مر چکی ہوں اور جب وہ مجھے دیکھنے کے لیے آئے تو میں نے اُن پر فائرنگ کر دی۔ اُن میں سے کوئی بھی زندہ نہیں بچا صرف شباکا ہے جو شدید زخمی ہے، وہی اُن کا لیڈر ہے۔" روبی بڑے پُرجوش انداز میں اپنا کارنامہ سنا رہی تھی۔ "پہلے اُس نے مجھے بتایا تھا کہ میں ایک وکیل ہوں۔"

وہ لوگ اب اُس مقام تک پہنچ گئے تھے جہاں مستعد پولیس آفیسر زخمی قیدی کو گھیرے کھڑے تھے۔ اسٹریچر پر لیٹا ہوا سیاہ فام درد کے مارے کراہ رہا تھا۔ ایک ڈاکٹر اُس کی زخمی ٹانگ پر جھکا ہوا تھا جبکہ دوسرا انجکشن تیار کر رہا تھا۔ روبی نے سب لوگوں کو الگ ہٹ جانے کا اشارہ کیا۔

"کوئی انجکشن اور کوئی دوا اسے نہیں دی جائے گی۔"

Uploaded By Nadeem

میں اس شخص پر رحم کرنے کو تیار نہیں۔"

"درد بہت شدید ہے مس! درد سے..."

"مجھے بتلانے کی ضرورت نہیں ہے' میں نے ہی اسے گولی ماری ہے۔" روبی ڈاکٹر پر برس پڑی۔

ٹائیگر نے جھک کر زخمی کا جائزہ لیا۔ گولی اس کے دائیں کندھے کو کرچی کرچی کر گئی تھی۔

"اس نے میرے سوالوں کا جواب دینے سے انکار کر دیا تھا۔" روبی نے وضاحت کی۔ "سو میں نے گولی مار دی۔"

"پھر اس نے کیا بتایا؟" ٹائیگر نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔ وہ روبی کے پرجوش انداز پر محظوظ ہو رہا تھا جبکہ اُدشان خلاف توقع خاموشی سے سب کچھ دیکھ رہا تھا۔

"یہی کہ میں ایک وکیل ہوں۔" روبی نے جواب دیا۔ "میں نے اس کے گھٹنے پر گولی ماری اور پھر زخم پر چڑھ کر کھڑی ہو گئی پھر اس نے میرے سوالوں کے جواب دیے۔ تم..." وہ جھک کر دہاڑی۔ "... تم عورتوں اور بچوں کے قاتل ہو منحوس شخص! ہمیں بتاؤ کہ ٹرک میں کیا ہے؟"

"اللہ بڑا رحم کرنے والا ہے' میں نہیں جانتا کہ تم کیا کہنا چاہتی ہو' میں..."

"تم نے پہلے تو کچھ اور کہا..."

"میں نے تمہیں کچھ نہیں بتایا۔"

روبی دوبارہ اس کے زخمی گھٹنے پر کھڑی ہو گئی۔ شباکا درد کی شدت سے بری طرح چیخا۔

"اوہ گاڈ..." عقب میں کھڑا ہوا ڈاکٹر بولا۔ "یہ لڑکی اسے رڈالے گی' کوئی اسے روکے۔"

ایک پولیس آفیسر ڈاکٹر کی طرف مڑا۔

"کیا تم نے ملاکنڈ آباد پر ٹوٹنے والی قیامت کے بارے میں نہیں پڑھا؟ کالج کی لڑکیوں کے قتل عام' انٹرلائن کے دفتر میں دھماکے اور ویلنیسیا فیملی کے قتل کو بھول گئے ہو؟"

ڈاکٹر نے شرمندگی سے سر جھکا لیا۔

شباکا بول پڑا تھا۔ الفاظ اس کے منہ سے ٹوٹ ٹوٹ کر ادا ہو رہے تھے۔

"ٹرک... میں منشیات ہیں' دو سو کلو... وہ سرحد... عبور کر چکا ہے... درد کو روکو... ہم... میں سب کچھ بتا دوں گا... خدا کے لیے... میرا علاج..."

روبی گھٹنے سے نیچے نہیں اتری۔ "ٹرک ملاکنڈ آباد کے اسی پتے پر جائے گا؟" اس نے اگلا سوال کیا۔ "کوئی کوڈ یا پاس ورڈ؟"

"نہیں..." شباکا دوبارہ کراہا۔ "میرے علاوہ ٹرک کو کوئی شخص پیغام نہیں دے سکتا..."

روبی نے کلاشنکوف پیرل سے تھام کر اس کا دستہ شباکا کے منہ پر دے مارا۔ درد کے مارے وہ تیز آواز میں چیخا۔ "نہیں' خدا کے لیے نہیں... میں تمہارا قیدی..."

"کیا تم سچ بتا رہے ہو؟"

"ہاں' میں سچ بتا رہا ہوں... خدا کے لیے میری ٹانگ... کا کچھ کرو..."

روبی اسٹریچر سے اتر کر ڈاکٹروں کی طرف مڑی اور انہیں شباکا کو دوا دینے کا اشارہ کر کے آگے بڑھ گئی۔

"اب ہم سرحد پر جائیں گے۔"

"تم نہیں۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ "تم ماسٹر کے ساتھ واپس ہوٹل جاؤ گی۔"

"کیوں نہیں؟"

"تم زخمی ہو۔"

"یہ کچھ بھی نہیں' بس ایک گولی کی رگڑ ہے۔" میں نے آہنی ٹکڑا اپنے ناخنوں کی مدد سے نکال دیا ہے۔" پھر وہ اُدشان سے مخاطب ہوئی۔ "ماسٹر آپ ہوٹل واپس جائیں شاید شہنشاہ رابطہ قائم کرے۔"

اس سے پہلے کہ اُدشان یا ٹائیگر میں سے کوئی اُسے روکتا' اس نے ننگے پاؤں کاپٹر کی طرف دوڑ لگا دی۔

*

تجوان کا شہر روشنیوں کے سیلاب میں ڈوبا ہوا تھا۔ شمال میں یہ روشنیاں یکدم ختم ہو جاتی تھیں اور ان سے آگے اندھیرے کا ایک ٹھاٹھیں مارتا سمندر تھا جس کے پار نو مین لینڈ تھی اور پھر بھرت لینڈ کی سرزمین تھی۔

اس اندھیرے اور لق و دق صحرا میں فرودسی پولیس اور سرحدی محافظ دشمن ملک سے آنے والے اسمگلروں کے ایک ختم نہ ہونے والے سلسلے سے نبرد آزما رہتے تھے۔ ہر رات وہ ٹرکوں' ریڈیوز' ریموٹ آڈیو سنسرز' انفراریڈ اسکینرز' مقناطیسی سنسرز سے لیس ہو کر نادیدہ دشمنوں کی تلاش میں نکلتے۔ بارڈر پولیس کے افسران اپنے ملک کی سرحدوں کی حفاظت کے لیے راتوں کی نیند اور دنوں کا سکون برباد کرنے میں کوئی عار محسوس

نہیں کرتے تھے۔

سرحدی شہر ہونے کے ناتے تجوان میں اسمگلروں کے بہت سے ٹھکانے تھے جن کی سرکوبی کے لیے پولیس کے دستے ہمیشہ کمربستہ رہتے۔ شہر کے اندر اور اندھیرے صحرا میں وہ مسلسل اپنے دشمن کے دشمنوں کی تلاش میں مصروف رہتے تھے۔ آج رات بھی قوم کے یہ جیالے ایک ہیلی کاپٹر پر صحرا کی اس لامحدود وسعتوں میں محو پرواز تھے۔

"تم لوگ سمندر کو ہاتھ کے پیالوں سے خالی کرنے کی جستجو میں ہو۔" پیٹرول ایجنٹ میلاد نے ہیلی کاپٹر کے انٹرکام پر مسافروں کو مطلع کیا۔ "جس ٹرک کی تمہیں تلاش ہے' اُسے اسی سڑک پر آنا ہے۔"

نوجوان پیٹرول ایجنٹ نے فرودس ہائی وے آٹھ سو پانچ اور بھرت لینڈ ہائی وے نمبر ایک پر بنے ہوئے ایک کمپلکس کی طرف اشارہ کیا۔ سڑک پر بڑے بڑے ٹریلر چل رہے تھے جو دونوں ملکوں کی سرحدیں عبور کر رہے تھے۔ پھر اس نے ذرا فاصلے پر نظر آنے والی سیوان شہر کی روشنیوں کی طرف اشارہ کیا۔

"ہم وہاں جائیں گے۔ اگر ہمیں ٹرک کی کوئی نشانی معلوم ہوتی تو پھر ہم سرحد سے ہی اس کا تعاقب کر سکتے تھے۔"

"ہمیں اس کی کوئی نشانی نہیں بتائی گئی۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ "ہمارے پاس ریڈیو رابطے کا ذریعہ ہے۔ میں انہیں ریڈیو پر انہی کے آدمی کی آواز میں سگنل دوں گا۔"

"پھر ہمیں اس وقت کا انتظار کرنا ہوگا جب ٹرک ڈلیوری دے گا۔" عابد نے رائے ظاہر کی۔

"ڈلیوری کا وقت کیا بتایا گیا ہے؟" پیٹرول ایجنٹ نے دریافت کیا۔

"کوئی خاص وقت نہیں بتایا گیا۔" جواب روبی نے دیا تھا۔ "ٹرک میں سوار شخص نے کہا تھا کہ وہ سرحد کے جنوب میں سو میل کے فاصلے پر ہیں اور مناسب رفتار سے شمال کی طرف بڑھ رہے ہیں۔"

"ایک سو میل؟" میلاد نے پوچھا۔ "یہ کب کی بات ہے؟"

"دو گھنٹے پہلے کی۔"

"دوستو' تمہارے مطلوبہ افراد یقیناً تمہارے منتظر ہوں گے۔" میلاد نے جواب دیا۔ "ان شاہراہوں پر ٹرک خاصی تیز رفتاری سے سفر کرتے ہیں۔"

"تجوان' سیوان اور ملاکنڈ آباد پولیس بھی پتے کی نگرانی کر رہی ہے۔" روبی میلاد کا مطلب سمجھ گئی تھی۔ "میں نے بغیر نشان لگی کاروں کے لیے درخواست کرتے وقت تینوں شہروں کی پولیس کو پتے سے آگاہ کر دیا تھا۔"

پیٹرول ہیلی کاپٹر ابتدائی سروے مکمل کر کے بارڈر پیٹرول بیس پر واپس آ گیا۔ روبی اور پیٹرول ایجنٹ میلاد اُتر کر اندر چلے گئے تھے تاکہ بارڈر پیٹرول ریڈیو سے عام کاروں کے بارے میں معلومات حاصل کر سکیں۔ بیس انچارج نے روبی کو بتایا کہ اس کے کہنے کے مطابق متعدد پولیس کاریں جن پر پولیس کا کوئی نشان نہیں ہے' ہائی وے پر گشت میں مصروف ہیں۔ روبی مطمئن ہو کر واپس آ گئی تھی۔

"ہمیں ایک ایسے آدمی کی ضرورت ہے جو یہاں رہ کر ہمارے ساتھ رابطہ قائم رکھ سکے۔" روبی کے واپس آنے پر ٹائیگر نے اُسے بتایا جو کاپٹر کے دروازے پر جما کھڑا تھا۔

"اگر تم اپنے بارے میں بات کر رہے ہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔" روبی نے جواب دیا۔ "ہم لوگ تمہارے بغیر بھی صورتحال سے نمٹ لیں گے۔"

"میرا مطلب ہے تم..."

"نہیں..." روبی نے احتجاج کیا۔ شہنشاہ نے کہا تھا کہ میں اس آپریشن میں تمہارے ساتھ رہوں گی۔"

"اس وقت میں اس آپریشن کا انچارج ہوں۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ "تم زخمی ہو' میں کوئی بات نہیں سنوں گا۔" پھر وہ پلٹ کر پائلٹ سے مخاطب ہوا۔ "پائلٹ' ٹیک اِٹ اپ۔"

پائلٹ نے کاپٹر کو تیزی سے اٹھایا۔ روبی نے بھاگ کر کاپٹر کے اسکڈ پکڑنے کی کوشش کی لیکن ٹائیگر نے ہلکے سے دھکا دے کر اُسے نیچے گرا دیا۔ وہ اٹھ کر دوبارہ آگے بڑھی لیکن اب کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔

وہ محض ٹائیگر کو کوس سکتی تھی اور اس نے ایسا ہی کیا۔

کاپٹر تیزی سے بلند ہوتا جا رہا تھا۔

*

ہیلی کاپٹر مجموعی سیوان پولیس ہیڈ کوارٹرز کے پارکنگ لاٹ میں اترا۔ ٹائیگر چھلانگ لگا کر زمین پر پہنچا اور دفتر کی طرف دوڑ لگا دی۔ ایک پولیس سپرنٹنڈنٹ پہلے ہی دفتر کی عمارت سے نکل کر کاپٹر کی طرف آ رہا تھا۔

"مجھے ابھی ابھی ہائی وے پر موجود پولیس کاروں نے ایک

UPLOADED BY Nadeem

پیغام دیا ہے۔" اس نے پھولی ہوئی سانسوں کے درمیان ٹائیگر کو بتایا۔ "ٹرک ایک گھنٹے سے زیادہ ڈیفنس سرحد کے قریب رُکا رہا اور پھر دو کاروں میں سوار سرکاری خفیہ ایجنسی کے اہلکار ٹرک کو ساتھ لے گئے۔"

"کیا؟" ٹائیگر دہاڑا۔

"ہاں اُنھوں نے یہی بتایا ہے۔" پولیس آفیسر نے ہاتھ میں پکڑے ہوئے کاغذات پر نگاہ دوڑائی۔ "اُن کے پاس سفید ڈاٹ نمبر تھیں اور اُن کی تعداد چار تھی۔" پھر اُس نے ٹائیگر کو اُن کے حلیے اور کپڑوں کے بارے میں بتایا۔

"میرا خیال ہے وہ اپنے آپ کو انٹیلی جنس ظاہر کر رہے تھے جبکہ حقیقتاً ایسا نہیں ہے۔" ٹائیگر بات کی تہ تک پہنچ گیا تھا۔ "کیا اُنھوں نے ٹرک والوں کو گرفتار کیا ہے یا اُنھیں اپنی حفاظت میں لے گئے ہیں؟"

"وہ باقاعدہ اُن کے محافظ بن کر گئے ہیں۔"

"کس طرف؟"

"یہ سڑک دُور دُور تک ہموار ہے۔ ہوائی اڈے کی طرف۔"

"انھیں ہر حال میں روکنا ہے۔" ٹائیگر نے سیوان پولیس کے آفیسر کو بھی کاپٹر میں سوار ہونے کا اشارہ کیا۔ پھر اُس نے پہنچ کر پائلٹ کو دوبارہ فضا میں بلند ہونے کا حکم دیا۔

"کیا اُن سرکاری ایجنٹوں نے کسی کو اپنے شناختی کاغذات دکھائے ہیں؟" ٹائیگر نے ذرا دیر رُک کر سیوان پولیس کے آفیسر سے پوچھا۔

اُس نے نفی میں سر ہلایا۔

"کیا ایف بی سی میرا مطلب ہے فریڈوس بیورو آف کرائمز نے آج صبح تم لوگوں کو کوئی پیغام دیا تھا؟"

"کیا تم مذاق کر رہے ہو؟ ایف بی سی کبھی ہم سے رابطہ قائم نہیں کرتی۔ ہم صرف قانون نافذ کرنے والے ادارے ہیں اور وہ تمام قوانین سے بالاتر ہیں۔"

"ریڈیو کے ذریعے اپنے لوگوں کو مطلع کر دو کہ ہم اپنی مہم پر روانہ ہو چکے ہیں۔" ٹائیگر نے اُسے ہدایت کی۔

*

عقبی سُرخ روشنیوں کے تین سیٹ اُنھیں صحرائی سڑک پر دُور سے نظر آ گئے تھے۔ ذرا فاصلے پر تیز روشنیوں کا ایک اور جھرمٹ ائرفیلڈ کی نشاندہی کر رہا تھا۔

سُراغ رساں عابد اپنی ایم سولہ/ایم دو سو تین سنبھالے کاپٹر کے دائیں دروازے پر تھا۔ اُس نے گرنیڈ لانچر کو چالیس ایم ایم کے ایک شیل سے لوڈ کر رکھا تھا۔ اُس کے عقب میں عاصم کھڑا تھا اور اُس کے ذمے عابد کو اسلحہ فراہم کرنا تھا۔ بائیں طرف کے دروازے پر ٹائیگر کھڑا تھا اور اپنے سابقہ مورچے کی طرح اس بار بھی تیز مسلح تھا۔ اُس نے بیلٹ میں دو خنجر اڑسے ہوئے تھے جبکہ جیب میں کچھ خنجر ڈال رکھے تھے۔ عابد اور عاصم کے خیال میں وہ عام سے سکے تھے لیکن یہ صرف ٹائیگر ہی جانتا تھا کہ اُس کے ہاتھ سے نکل کر جانے والا ایک خنجر کیا تباہی برپا کر سکتا ہے۔

"ہٹ می لائٹس۔" دفعتہً ٹائیگر کی بھاری آواز کاپٹر میں گونجی اور پائلٹ نے فوراً کاپٹر کی زمینی اسپاٹ لائٹ روشن کر دی۔ سڑک دُور دُور تک روشن ہو گئی۔ تینوں گاڑیاں اب اُنھیں صاف دکھائی دے رہی تھیں۔ سفید رنگ کی ایک وین کار ٹرک کے آگے آگے چل رہی تھی جبکہ دُوسری عقب میں تھی۔

"پیچھا کرنے والی کاروں سے کہو کہ وہ رُک جائیں۔" ٹائیگر نے انٹرکام پر پائلٹ کو ہدایت کی۔

پائلٹ نے فوراً ہدایت منتقل کر دیں۔ ٹائیگر نے پلٹ کر دیکھا۔ اُسے بہت سی ہیڈ لائٹس سڑک کے کنارے روشن ہوتی نظر آئیں۔

ٹائیگر نے پلٹ کر وہ ریڈیو اُٹھا لیا جو وہ شپاکا کے ویئر ہاؤس سے ساتھ لے آئے تھے۔

"ٹرک والوں کو حکم دیا جاتا ہے کہ رُک جائیں۔" وہ ٹرانسمٹ کی دبا کر بولا۔ "اگر تم لوگ چلتے رہے تو ٹرک تباہ کر دیا جائے گا۔ ٹھہر جاؤ یا مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔"

اُس نے ٹرانسمٹ کی آف کی اور جواب کا انتظار کرنے لگا لیکن دُوسری جانب سے خاموشی رہی تھی۔ ذرا سے توقف کے بعد اُس نے پیغام دوبارہ نشر کیا۔

"تم لوگ کون ہو؟" اس بار ٹرک سے کسی نے جواب دیا۔

"تم لوگ حکومتِ فریڈوس کے ایک اہم آپریشن میں دخل اندازی کے مرتکب ہو رہے ہو۔ قانون کے نام پر تم لوگوں کو حکم دیا جا رہا ہے کہ مداخلت بند کرو۔"

"تمہاری کوئی شناخت؟"

"اگر ہم اپنی شناخت کرائیں گے تو پھر ہم تمہیں بھی گرفتار کر لیں گے۔"

اس سے پہلے کہ ٹائیگر کوئی جواب دیتا، کاپٹر لڑکھڑا گیا... گولیوں کا پورا برسٹ ہوائے ہیلی کاپٹر کے زیریں حصے سے ٹکرایا۔ پائلٹ نے فوراً کاپٹر کو سنبھال لیا۔

ٹائیگر بھی ایک لمحے کے لیے توازن کھو بیٹھا لیکن جلد ہی وہ اپنے پیروں پر کھڑا ہو گیا۔

"اُنھوں نے گولیوں کے ذریعے جواب دے دیا ہے۔" انٹرکام پر ٹائیگر کو عابد کی آواز سنائی دی۔

"ہمیں اُن کی دائیں جانب لے چلو فلائی بوائے۔" ٹائیگر نے آنی سی پر پائلٹ کو ہدایت کی۔

"آپ کیا کرنا چاہتے ہیں سر؟"

"ہم اُنھیں روکنا چاہتے ہیں۔"

"وہ ہم پر فائرنگ کر رہے ہیں سر!" پائلٹ نے جواب دیا۔ "میں نہیں چاہتا کہ نیشنل گارڈ ہیلی کاپٹر کو نقصان پہنچنے کی صورت میں کوئی ذمہ دار..."

"پائلٹ..." ٹائیگر نے اُس کا جملہ پُورا نہیں ہونے دیا۔ "جو میں کہہ رہا ہوں کرو۔"

"کیا آپ کے پاس اس کا اختیار ہے؟"

"بالکل۔" اس بار عابد بولا تھا۔ "تمہیں مسلم آباد سے کوئی پیغام نہیں ملا؟"

"بکواس بند کرو سب لوگ!" ٹائیگر حلق کے بل دہاڑا۔

"جو کہا جا رہا ہے وہ کرو۔"

"لیکن سر آپ ایک خونریز گاڑی پر حملہ کرنا چاہتے ہیں؟" پائلٹ اب بھی اڑا ہوا تھا۔

"میں تمہیں اُٹھا کر کاپٹر سے باہر پھینک دُوں گا۔" ٹائیگر نے دھمکی دی۔ اُسے مزید کچھ کہنے کی ضرورت نہیں پڑی۔ کاپٹر ایک سو بیس میل کی رفتار سے سڑک کی دائیں جانب آ گیا تھا... پک اَپ کی عقبی کھڑکی سے دوبارہ کاپٹر پر فائرنگ ہوئی۔ ٹائیگر نے جیب میں ہاتھ ڈال کر کوائن نکال لیے لیکن اس سے پہلے کہ وہ کوئی کارروائی کرتا، پائلٹ نے کاپٹر کو دو سو فٹ اُوپر اُٹھا لیا۔

"کیا مصیبت ہے؟" ٹائیگر اپنے پھیپھڑوں کی پُوری قوت سے چیخا۔

"آئی ایم سوری سر۔" پائلٹ نے جواب دیا۔ "میرے آفیسر میرا کورٹ مارشل کر دیں گے۔"

ٹائیگر عاصم کی طرف مُڑا۔

"اس کے سر پر پستول کی بیرل رکھ کر اپنی ہدایات پر عمل کراؤ۔"

عاصم فوراً پائلٹ کی طرف بڑھ گیا۔

کاپٹر پھر نیچے آ گیا۔ ٹائیگر پک اَپ کو دیکھ رہا تھا۔ ایک رائفل کی بیرل اُسے باہر نکلی نظر آ رہی تھی۔ اُس نے ایک کوائن ہاتھ میں تولا اور اُسے پُوری قوت سے ٹرک کی طرف پھینک دیا۔ کوائن گولی کی رفتار سے ٹرک کے ساتھ ٹکرایا۔ نیچے سے کوئی چیخا لیکن اُس کی آواز کاپٹر کے شور میں دب گئی۔ ٹائیگر نے ٹرک کو سڑک کے کنارے رُکتے ہوئے دیکھا۔ وہ دُوسرا کوائن پھینکنے کے لیے جھکا لیکن کاپٹر آگے نکل چکا تھا

سفید ڈاج سیڈان سے فائرنگ شروع ہو گئی۔ گولیاں ہوائے کی آہنی چادر پر لگ رہی تھیں۔ ٹائیگر کو پسنجر سائیڈ سے جھانکتی رائفلیں صاف نظر آ رہی تھیں۔ اُس نے یکے بعد دیگرے دو کوائن پک اَپ کی طرف پھینکے۔ فائرنگ رُک گئی۔

"پائلٹ، دُوسری جانب چلو۔ عابد تم ٹرک کے کیبن پر راکٹ فائر کرو۔"

"کار گو ٹرک یا پک اَپ؟"

"پک اَپ۔"

ٹائیگر نے دوبارہ نیچے دیکھا۔ پک اَپ ٹرک کے قریب آ گئی تھی۔ اُسے پچھلی روشنی میں پک اَپ کے عقبی حصے میں فٹ راکٹ لانچر صاف نظر آ گیا تھا۔

"پک اَپ والوں کے پاس راکٹ لانچر ہے عابد۔" ٹائیگر نے انٹرکام پر بتایا۔ "اسے نشانہ بناؤ۔ پائلٹ! جلدی سے نیچے آؤ۔"

پائلٹ نے کاپٹر کو دوبارہ نیچے لے آیا۔ اب زمین سے اُس کی بلندی محض پچاس فٹ رہ گئی تھی۔ عابد راکٹ لانچر سے پک اَپ کا نشانہ لینے میں مصروف تھا۔ اُس نے راکٹ فائر کیا لیکن وہ کار کو لگنے کی بجائے آگے صحرا میں جا گرا اور پھٹ گیا۔

عابد نے لانچر دوبارہ لوڈ کیا۔

"ایک اور ہیلی کاپٹر آ رہا ہے۔" پائلٹ دفعتہً چیخا۔

"کیا...؟" ٹائیگر عقب میں دیکھنے کے لیے آگے جھک آیا۔ ایک ہیلی کاپٹر پُوری رفتار سے اُن کی طرف بڑھ رہا تھا۔

"اس کاپٹر میں جو کوئی بھی ہے اُسے بتاؤ کہ ان اَلو کے پٹھوں کے پاس راکٹ لانچر بھی ہیں۔" ٹائیگر بُری طرح دہاڑا۔ اُس نے ہارڈ سیٹرول کے ہیلی کاپٹر کو شناخت کر لیا تھا۔

"وہ تمہاری ساتھی ہے وہ...!" پائلٹ نے بتایا۔

"مجھے اُس کے ساتھ ملاؤ...!" ٹائیگر نے پائلٹ کا جملہ

Uploaded By

ختم ہونے کا انتظار نہیں کیا۔

لیکن پائلٹ رابطہ قائم کرنے میں ناکام رہا تھا۔ وہ ہوائے ہیلی کاپٹر کے ریڈیو سے رابطے کی کوشش میں تھا جبکہ اس سے پہلے آنے والا پیغام ایک کار سے بھیجا گیا تھا اور پیغام دینے والی نے یہی بتایا تھا کہ وہ کاپٹر میں سوار ہے۔

"رابطہ قائم نہیں ہو رہا سر!" پائلٹ نے ٹائیگر کو بتایا۔ "چینل کلوز کر دیا گیا ہے۔"

"انھیں بتاؤ کہ ان کے پاس راکٹ..." ٹائیگر پھر چیخا لیکن اس کا جملہ ادھورا رہ گیا۔ پک اپ سے راکٹ فائر ہو چکا تھا۔ لانچر چلانے والے کا نشانہ بڑا سچا تھا۔ پورا کاپٹر روشنی میں نہا گیا۔ راکٹ اس کے نچلے حصے پر لگا۔ کاپٹر تیزی سے نیچے آیا لیکن بیت سے دس فٹ اوپر وہ دھماکے سے پھٹ گیا۔ صحرا کا سینہ شعلوں سے بھر گیا تھا۔

"اوہ رودبی..." ٹائیگر کرب سے بولا۔ اس نے اپنے سیفٹی اسٹریپ کھولے اور باہر جھک گیا۔ جلتا ہوا ہیلی کاپٹر اس کی نگاہوں کے سامنے تھا۔ کاپٹر اسے شعلوں سے ڈھو لے گیا لیکن وہ اب بھی تباہ شدہ کاپٹر کو دیکھ رہا تھا جیسے اسے امید ہو کہ رودبی آگ سے زندہ سلامت نکل آئے گی۔

عابد نے آگے بڑھ کر ٹائیگر کو اندر کھینچ لیا۔

"خدا کے لیے مسٹر ابرار، وہ سب مر گئے ہیں۔ اگر تم نے خود کو نہ سنبھالا تو پھر ہم بھی مارے جائیں گے اور یہ منشیات گلیوں اور گھروں تک پہنچے گی۔ کیا تم پھر ہارون آباد جیسا کوئی سانحہ دیکھنا چاہتے ہو؟ بیک ٹو لیور پوزیشن۔"

ٹائیگر نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ مگر وہ اندر سے بری طرح ٹوٹ گیا تھا۔ اس کی رودبی اس کی نگاہوں کے سامنے جل کر بھسم ہو گئی تھی اور وہ کچھ نہیں کر سکا تھا۔ اس نے ہیڈ فون اتار پھینکا لیکن عابد نے اسے دوبارہ ٹائیگر کے کانوں پر چڑھا دیا۔

ٹائیگر دوبارہ پوزیشن پر آ گیا تھا۔ عابد نے پائلٹ کو ہدایت کی "نیچے آؤ۔"

کاپٹر جونہی نیچے آیا، اس نے راکٹ فائر کر دیا۔ ادھر سے راکٹ پک اپ کی طرف بڑھا اور پک اپ میں موجود گنر نے کاپٹر پر جوابی راکٹ فائر کیا جو کاپٹر کے نیچے سے نکلتا چلا گیا لیکن عابد کا نشانہ خطا نہیں ہوا تھا۔

پک اپ کے پرخچے اڑ گئے۔ عابد نے مڑ کر دیکھا۔ وہاں شعلوں کے سوا کچھ بھی باقی نہیں رہ گیا تھا۔ عابد نے دوبارہ لانچر کو لوڈ کیا۔ ٹائیگر اب بھی ہوش و حواس سے بیگانہ نظر آ رہا تھا۔ عابد ایک بار پھر اس کی طرف بڑھا۔

"خدا کے لیے مسٹر ابرار، اس نے اپنے الفاظ... دہرائے۔ "وہ مر چکی ہے، تم اسے دوبارہ زندہ کرنے کے لیے کچھ نہیں کر سکتے۔ تمہیں زندہ ہونا اور ایک اہم ترین مشن پر ہونا بھی نامکمل ہے۔ اگر ہم نے مشن پورا نہ کیا تو سینکڑوں لوگ بے موت مارے جائیں گے لب۔"

ٹائیگر نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر اسے خاموش کر دیا اور اسے واپس اپنی جگہ پر جانے کا اشارہ کیا۔

"ٹیک اِٹ ڈاؤن اگین۔" پائلٹ کو اس مرتبہ حکم ٹائیگر نے ہی دیا تھا۔

نیچے، باقی بچ جانے والی ایک ڈاج اور ٹرک تیزی سے ائرفیلڈ کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ٹائیگر نے جیب سے کوائن نکال کر دوبارہ ہاتھ میں لے لیے۔ کاپٹر جونہی نیچے آیا اس نے یکے بعد دیگرے کئی کوائن ٹرک پر پھینکے، ٹرک پھر لہرایا لیکن ڈرائیور اسے روکنے میں کامیاب ہو گیا۔

ڈاج کا ڈرائیور گاڑی موڑنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ عابد نے ائرفیلڈ کے ہینگر سے ایک لیئر جیٹ کو نکلتے دیکھا۔

"اب ڈاج کی باری ہے۔" اس نے پائلٹ کو بتایا۔

کاپٹر نیم دائرہ بنا کر اب واپس آ رہا تھا۔ عابد نے پلٹ کر ٹائیگر کو دیکھا۔ اس کا چہرہ پتھر کی طرح سخت اور کسی بھی قسم کے تاثرات سے بالکل عاری تھا۔

کاپٹر نیچے آ گیا۔ اب وہ ڈاج کے بالکل برابر پرواز کر رہا تھا۔ ایک اینگلو... ڈاج کی کھڑکی سے باہر جھکا۔ یوزی سب مشین گن اس کے ہاتھ میں تھی۔ اس نے گن کاپٹر پر خالی کر دی۔

"اوپر چلے جاؤ۔" ٹائیگر چلایا۔ "عابد گرنیڈ پھینکو۔"

کاپٹر سوفٹ کی بلندی پر معلق ہو گیا تھا۔ نیچے صحرا میں ریت کا طوفان اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ عابد کاپٹر کے دروازے پر کھڑا ہو گیا۔ گرنیڈ لانچر اس کے ہاتھ میں تھا۔ اب ڈاج اس کے لیے ایک آسان نشانہ تھی۔

چند لمحوں بعد وہاں شعلوں کے علاوہ کچھ بھی نہیں تھا۔

"وہ جہاز..." ٹائیگر نے لیئر جیٹ کی طرف اشارہ کیا، جو اب پرواز کے لیے رفتار پکڑ رہا تھا۔ کاپٹر کے پائلٹ نے کاپٹر موڑا۔ اس نے کوشش کی کہ پرواز کرنے سے قبل جیٹ کا راستہ روک لے لیکن جیٹ ٹیک آف کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

"سوری، میں اسے روک نہیں سکا، وہ مجھ سے زیادہ تیز رفتار

تھا۔" پائلٹ نے معذرت کی۔

"ہمیں جلتی ہوئی کار کے قریب اتارو۔" ٹائیگر نے اسے ہدایت کی۔

وہ اتر کر ٹرک اور ڈاج کی طرف بھاگے لیکن وہاں زندگی کے کوئی آثار نہیں تھے۔ ٹرک اور ڈاج میں موجود ہر شے تباہ ہو چکی تھی۔

*

"میں شگفتہ کو ڈھونڈنے واپس جا رہا ہوں۔" ٹرک اور ڈاج کی تلاشی کے بعد ٹائیگر نے اعلان کیا۔

"وہاں تمہیں کچھ نہیں ملے گا۔" عابد نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔ "کسی کو پہچان بھی نہیں سکو گے۔"

کوئی جواب دیے بغیر وہ اپنے ساتھیوں کو چھوڑ کر اس طرف چل دیا جہاں رودبی کا کاپٹر تباہ ہوا تھا۔

دو گھنٹے بعد سیلان پولیس کی گاڑی جب عابد اور عاصم کو لینے کے لیے آئی تو ٹائیگر انھیں تباہ شدہ کاپٹر کے ڈھانچے کے قریب ملا تھا۔

وہ صحرا کی طرف منہ کیے دور خلاؤں میں کچھ تلاش کر رہا تھا۔ اس کی پشت پر کاکن کاپٹر کے جلے ہوئے ٹکڑے اکٹھے کر رہے تھے۔ اس نے پلٹ کر دیکھنے کی زحمت بھی گوارا نہیں کی تھی کیونکہ اس کی تمام تر دلچسپیاں اسی خاک میں دفن ہو گئی تھیں۔ ہڈیوں اور راکھ کے علاوہ کچھ باقی نہیں بچا تھا۔ ہڈیوں کو پلاسٹک کی تھیلیوں میں ڈالا جا رہا تھا تاکہ بعد میں ان کی شناخت ہو سکے۔

"رودبی..." ٹائیگر نے دل کی گہرائیوں سے اپنی محبوبہ کو پکارا لیکن اسے کوئی جواب نہیں ملا۔ وہ اسے چھوڑ کر بہت دور جا چکی تھی۔

چالیس گز کے آہنی آدمی کی آنکھیں غم سے بھیگ گئیں اور دو آنسو... اس کے رخساروں سے ہوتے ہوئے محو صحرا کی ریت میں جذب ہو گئے۔ رودبی کے لیے یہ سب سے بڑا خراج عقیدت تھا کہ لوہے سے بنا ہوا آدمی اس کے لیے آنسو بہا رہا تھا۔

"رودبی..." اس کے دل کے نہاں خانوں سے دوبارہ ایک آہ ابھری۔

"جی..." اسے عقب سے ایک آواز سنائی دی لیکن ٹائیگر اسے اپنے کانوں کا واہمہ سمجھا۔ اس نے سر جھکا اور صحرا میں آگے کی طرف چل پڑا۔

"مرد روتا نہیں کرتے شہزاد۔" آواز دوبارہ...

دی۔ اس بار کان نہیں بجے تھے بلکہ واقعی اسے کسی نے پکارا تھا۔ وہ چیتے کی طرح پلٹا۔ دنیا کا حیرت انگیز منظر اس کے سامنے تھا۔

رودبی صحیح سلامت اس کی نظروں کے سامنے تھی

"رودبی، تم؟" وہ بڑبڑایا۔ "تمہارا ہیلی کاپٹر تو تباہ ہو گیا تھا۔"

"ہیلی کاپٹر میں تھا کون؟" رودبی نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "میں تو شروع سے کار میں تعاقب کر رہی تھی۔"

"تو اس کا مطلب ہے تم نے مجھے بے وقوف بنایا تھا۔" ٹائیگر نے شکوہ کیا۔

"جو پیدائشی بے وقوف ہو اسے بنانے سے کیا فائدہ؟" رودبی یہاں بھی چوٹ کرنے سے باز نہیں آئی تھی۔

*

وہ اس کے خلاف زیادہ سے زیادہ کیا کارروائی کر سکتے تھے؟ ظاہر ہے اتنے سے جرم کی پاداش میں اسے موت کی سزا تو نہیں دی جا سکتی تھی۔

جمی نے اپنے ڈکنگ اسکواڈ کے ساتھ مل کر مقررہ کام مکمل کر دیا تھا۔ ان کی ڈیوٹی کے اوقات ختم ہو گئے تھے اور اب وہ اور اس کے کارکنان ایک گھنٹے کے لیے بھی زیادہ کام کرنے کو تیار نہیں تھے خواہ اس کے لیے ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ گھنٹوں پر گرگر درخواست کیوں نہ کرتا یا انٹرنیشنل کمیونیکیشن ورکرز کا صدر اسے یونین سے نکالنے کی دھمکی کیوں نہ دیتا۔ اس نے اپنے طور پر یہ فیصلہ بھی کر لیا تھا کہ ڈبل اوور ٹائم کے لالچ میں بھی مزید کام نہیں کیا جائے گا۔

اس کا کزن اتنا تھک گیا تھا کہ اس نے کام کے دوران ہی سونا شروع کر دیا تھا۔ ابھی ذرا دیر پہلے ہی اس کا ایک بوڑھا لائن مین تاروں کے کنکشن جوڑتے ہوئے ٹانگ پر اوندھا ہو گیا تھا۔

"اوکے، تمام لوگ چھٹی کریں۔" لوکل ۲۸۳، انٹرنیشنل کمیونیکیشنز ورکرز مسلم آباد کے شاپ اسٹیورڈ جمی نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا۔ "گھر جا کر سو جاؤ۔ میں اگلے دو روز تک تم میں سے کسی کی شکل بھی دیکھنا نہیں چاہتا۔ یاد رکھو کہ اوور ٹائم کی رقم مردہ لوگوں کے کام نہیں آیا کرتی۔"

بہت سے سر اٹھے۔ ایک نوجوان ابھی تک گھٹنوں کے بل جھکا ہوا تھا۔

"ہم گھر جا رہے ہیں، ہم آرام کریں گے۔" آئی سی ڈبلیو کے

مقامی چیف جمی نے اس مرتبہ قدرے بلند آواز میں کہا۔
مجھوڑے بالوں والے ایک شخص نے جس کی گردن کے گرد ٹیلی فون کے تار مالاؤں کی طرح لپٹے ہوئے تھے نوجوان کی پیٹھ تھپتھپائی۔
"ہم آرام کرنے جارہے ہیں۔"
نوجوان نے بڑی عجیب سی نگاہوں سے اُسے دیکھا۔
"ہاں آرام... خوبصورت لڑکے۔ میں تو بھول ہی گیا تھا کہ آرام کیا ہوتا ہے؟" اُس نے اپنے اوزار بیلٹ میں اڑسے اور ایک طرف بڑھ گیا۔ ذرا دیر بعد ہی وہ زمین پر گر کر خراٹے لے رہا تھا۔
"اسے چھوڑ دو۔ کوئی اسے جگائے گا نہیں۔" جمی نے اپنے دوسرے ساتھیوں کو حکم دیا۔
"درست۔" ایک دوسرے لائن مین نے کہا۔ اُس نے اپنے اوزار زمین پر پھینک دیے اور کنکریٹ کے سڑکوں کے درمیان سے ہوتے ہوئے اُس سنگی تختے کی طرف بڑھ گیا جس پر وہ تھوڑی دیر کے لیے آرام کر لیا کرتے تھے۔
بلڈنگ کا کام ختم ہو گیا تھا لیکن یہ اتنی تیزی اور بے ہنگم طریقے سے بڑھا تھا کہ کئی ٹوائلٹ کام ہی شروع نہیں کر سکے تھے اور اس کے باوجود کہ پلاسٹر کو ایک دن ہوا تھا اُس نے ٹیولوں پر سے اکھڑنا شروع کر دیا تھا۔
انتظامیہ نے پلاسٹر بورڈوں کی مدد سے اُس کی مرمت کے لیے کارپینٹر طلب کیے تھے۔ پلاستر کرنے والوں نے کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔ بعض ایسے آدمیوں نے جنہیں جمی بھی جانتا تھا پلاسٹر یونین کے مقامی صدر سے اس بات پر احتجاج کیا تھا کہ انھیں کام نہ کرنے کے اوقات کی ادائیگی کے چھوٹے چھوٹے لفافے دینے کا کیا مقصد ہے؟
لیکن جمی کو اس سے کوئی غرض نہیں تھی کیونکہ یہ راج مستریوں کا معاملہ تھا جبکہ اُس کا تعلق مواصلاتی رابطوں سے تھا اور وہ گزشتہ ۲۴ سال سے یہ خدمات انجام دے رہا تھا۔ وہ ایک اچھا انسٹالر، ایک اچھا سپروائزر اور اچھا یونین مین تھا۔ سپروائزروں کو مشکل سے ہی اسٹیورڈ بنایا جاتا تھا لیکن جمی پر اعتماد کرنے والوں نے انٹرنیشنل کمیونیکیشنز ورکرز کی مقامی برانچ نمبر ۲۸۳ کے قواعد میں ترمیم کر دی تھی تاکہ جمی بیک وقت دونوں عہدوں پر کام کر سکے۔
ترمیم کی مخالفت میں کوئی ووٹ نہیں آیا تھا۔ جمی کانفرنس ہال سے فوری طور پر نکل گیا تھا کیونکہ وہ نہیں چاہتا تھا کہ کوئی

مقبول مصنف
علیم الحق حقی
کی
لازوال اور خوبصورت تحریریں
جن کو آپ کبھی فراموش نہ کر سکیں گے
★★★
مٹی کی امانت (۲ جلدیں) ۳۰۰/-
وقت کے فاصلے ۲۲۵/-
پروانہ ۱۷۵/-
حج اکبر ۱۵۰/-
بیلے کا سیاہ پھول ۱۵۰/-
کان کن ۱۰۰/-
بالائے ستم ۹۰/-
اُمید کا دیا ۱۰۰/-
جانم جانِ جہاں ۹۰/-
دادا چوزی اور موذی ۱۳۵/-
مکتبہ القریش سرکلر روڈ اردو بازار لاہور ۲
فون ــــ 7668958

اُسے خوشی کے مارے چیختا ہوا سنے۔ موجودہ عمارت سے پہلے تک یہ جاب جمی کے لیے بہت اچھا تھا۔
اس عمارت کے بارے میں جو بات اُسے بڑی عجیب لگی تھی، وہ یہ تھی کہ اس پر خرچ کے لیے اتنی رقم مہیا کی گئی تھی جسے یاد رکھنا ناممکن تھا۔ بعض الیکٹریشنز نے صرف اس کام سے اپنے دوسرے گھر خرید لیے تھے۔ یہ اوورٹائم کا کمال تھا کیونکہ بعض سرپھرے دولت مندوں نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ دو ماہ کے اندر اندر ایک دس منزلہ عمارت تعمیر کریں گے۔
جمی ان دولت مندوں کو پاگل سمجھتا تھا کیونکہ انھوں نے کہا تھا کہ وہ عمارت میں اسٹریٹجک ائر کمانڈ بیڈ کوارٹرز کی طرز کا ٹیلی فون سسٹم چاہتے ہیں۔ جمی ایسے ایک دو افراد کو جانتا تھا جنھوں نے وہاں ٹیلی فون سسٹم کی تنصیب کا کام کیا تھا اور بقول اُن کے اُنھوں نے ہیڈ کوارٹرز میں جدید ترین سسٹم نصب کر کے یہی سمجھا تھا کہ ہائیڈروجن بم بنا کر اُٹھے ہیں۔
اپنے اس اہم کام کی تکمیل کے لیے عمارت کے مالکان کی نظر جمی پر پڑی تھی۔ اُس نے کام کی ہامی تو بھر لی تھی لیکن یہ بات اُس کے علم میں ضرور تھی کہ وہاں کوئی خصوصی حالات ضرور پیش ہیں کیونکہ اُس کی حیثیت وہاں کسی شاپ اسٹیورڈ یا سپروائزر کی نہیں بلکہ غلاموں کے ایک سردار کی سی تھی جو اپنی ٹولی سے دن رات جانوروں کی طرح کام لیتا تھا۔ اُس نے ڈسٹرکٹ سپروائزر کی ہدایات اور احکامات کی تکمیل کے لیے دو ہفتوں تک اپنے سولہ افراد کے ساتھ پاگلوں کی طرح کام کیا تھا۔
"ہمیں اس سے غرض نہیں کہ وہاں اور کیا ہوتا ہے۔" ڈسٹرکٹ سپروائزر نے سخت لہجے میں اُس سے کہا۔ "انھیں صرف ٹیلی فون چاہئیں اور ہمیں اُن کے مطالبے کو پورا کرنا ہے۔ ۱۷ اپریل تک فون ہر حالت میں چالو ہو جانے چاہئیں۔ مجھے اس سے غرض نہیں کہ تمہارے کیا مسائل ہیں۔ مجھے صرف ۱۷ اپریل یاد ہے۔"
یہ انتظامیہ تھی، اُسے انتظامیہ سے اتنی سختی کی قطعی اُمید نہیں تھی۔ حیرت انگیز بات تھی کہ یونین بے دست و پا تھی آخر ایسا کیوں تھا؟
جمی کو اپنے سوال کا جواب کبھی نہ مل سکا۔ اُسے انٹرنیشنل وائس پریذیڈنٹ نے گلستان میں یونین کے ہیڈ کوارٹر میں طلب کر لیا تھا۔ پہلے اُس نے سوچا کہ شاید اُسے مزدوروں کے کسی قومی عہدے پر متعین کیا جانے والا تھا۔
"میرا خیال ہے کہ تم اپنے کالے جانے کا مقصد معلوم کرنا چاہتے ہو؟" انٹرنیشنل وائس پریذیڈنٹ نے کہا۔ وہ ایک بڑی سی مہاگنی کی میز کے پیچھے بیٹھا تھا جو فون کمپنی کے وائس پریذیڈنٹ کی میز جتنی تھی لیکن اس کھڑکی سے ڈیٹرائٹ گارڈن کی بجائے وسیع و عریض سمندر کا نظارہ ہوتا تھا۔
"نہیں..." جمی مسکرایا۔ "میرا خیال تو یہ ہے کہ ہم گرمیوں میں ہاکی اور سردیوں میں کرکٹ کھیلیں گے۔"
"ہا... ہا... ہا۔" وائس پریذیڈنٹ نے قہقہہ لگایا۔ "تم صرف اچھے یونین مین ہی نہیں، مزاح کا اعلیٰ ذوق بھی رکھتے ہو۔"
"میں شاپ اسٹیورڈ ہوں۔"
"تم کتنے اچھے یونین لیڈر ہو؟"
"بس اچھا ہوں۔"
"کیا تم اپنی یونین سے پیار کرتے ہو؟"
"خیال تو یہی ہے؟"
"صرف خیال، اگر تمہیں کبھی یونین اور جیل خانے میں سے کسی ایک کو چننا پڑا تو کیا تم جیل جانا پسند کرو گے؟"
"آپ کا مطلب ہے کہ کیا کوئی یونین کو توڑنے کی کوشش کر رہا ہے؟"
"ہاں..."
جمی نے ایک لمحے کے لیے سوچا۔ "ہاں..." اُس نے جواب دیا۔ "میں جیل چلا جاؤں گا۔"
"تمہارے خیال میں کوئی دوسرا یونین کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال کر سکتا ہے؟"
"اگر ہم کوئی غیر قانونی کام کریں تو ایسا ہو سکتا ہے۔"
جمی نے جواب دیا۔ "لیکن ہم ایسی کسی سرگرمی میں ملوث نہیں ہیں۔"
"میں یونین کی معلومات بیرونی لوگوں کو فراہم کیے جانے کے بارے میں بات کر رہا ہوں۔"
"اوہ نو...!"
"ایسا ہے۔" وائس پریذیڈنٹ نے جواب دیا۔ "لیکن مجھے علم ہے کہ تم ایک اچھے یونین مین ہو۔ تمہارا یونین... ورک ریکارڈ بہت بہترین ہے۔ ایک کام جلد شروع ہونے والا ہے جو یونین کے تمام لوگوں کے لیے بے انتہا منافع بخش ہو گا۔ میں تمہیں یہ نہیں بتا سکتا کہ کیوں لیکن یہ بہت اہم ہے اور ہم اس کی تشہیر بھی نہیں کرنا چاہتے۔"

Uploaded By Nadeem

"میں چاہتا ہوں کہ تم یونین کے بہترین آدمیوں کا ایک اسکواڈ تیار کرلو جو کام کے ساتھ اپنا منہ بھی بند رکھ سکیں۔ یہ کام گو کہ پندرہ افراد سے زیادہ کا ہے کیونکہ اس کام کو مقررہ وقت پر مکمل کرنے کے لیے یہ کم سے کم تعداد ہے لیکن ہم زیادہ لوگوں کو شامل کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے۔ اور ہمارے پاس وقت بھی نہیں ہے۔ یاد رکھنا کہ ایسے افراد ہوں جو کام کرنے اور منہ بند رکھنے والے ہوں۔ انھیں ان کی توقعات سے زیادہ اوور ٹائم ملے گا۔"

وائس پریذیڈنٹ نے اپنی میز کی دراز کھول کر دو لفافے نکال لیے۔ اس نے نسبتاً بڑا لفافہ جمی کی طرف بڑھا دیا تھا۔

"یہ تمہارے لیے ہے۔ میں اپنی بہترین پالیسی اسے سمجھتا ہوں کہ کسی اور کو میرے منصوبوں کا علم نہ ہو۔ میں چاہوں گا کہ تم بھی اسی کی پیروی کرو۔ اس کام میں غیر معمولی دباؤ ہو سکتا ہے۔ ممکن ہے آغاز میں کچھ مشکلات بھی ہوں جو وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتی چلی جائیں۔ یہ چھوٹا لفافہ دوسرے آدمیوں کے لیے ہے۔ ان کے سامنے لفافے میں موجود چیزوں کو باہر مت نکالنا بلکہ ہر ایک کو الگ الگ تنہائی میں بلانا۔"

وائس پریذیڈنٹ نے چھوٹا لفافہ بھی جمی کو تھما دیا۔

"مجھے صحیح آدمیوں کی تلاش میں کم از کم دو ہفتے لگیں گے۔" جمی نے لفافے گود میں رکھتے ہوئے اسے بتایا۔

وائس پریذیڈنٹ نے گھڑی پر نظر ڈالی۔

"تمہارے پاس واپس مسلم آباد روانہ ہونے میں محض چالیس منٹ باقی ہیں۔ چاہو تو ائرپورٹ جاکر اپنے دوست احباب کو فون کر سکتے ہو اور ہاں تمہیں جہاز پر بھی فون کی سہولت فراہم ہوگی۔"

"میری معلومات کے مطابق ایک کمرشیل لائن سے زمین پر رابطہ قائم نہیں کیا جا سکتا۔"

"یہ تمہاری پریشانی نہیں۔ پرواز کے دوران پائلٹ خود تمہیں تمہاری ضرورت کی ہر شے فراہم کرے گا۔ تمہیں آج رات کام شروع کرنا ہے۔ مسلم آباد کے نواح میں نائک اسٹریٹ نام کی ایک سڑک ہے۔ اس نئی سڑک کا نام بلڈرز نے رکھا ہے۔ درحقیقت اس وقت اسے بلڈروں اور دیگر بھاری ٹریفک کے لیے اضافی سڑک کے طور پر استعمال کیا جا رہا ہے۔ تمہارا کام بھی وہیں ہوگا۔"

وائس پریذیڈنٹ جمی سے ہاتھ ملانے کے لیے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ "گڈ لک ینگ مین۔" اس نے دوسرے ہاتھ سے جمی کا کندھا تھپتھپایا۔

"ہمیں تم سے بہت سی توقعات وابستہ ہیں۔ جب تم اپنے اس کام میں کامیاب ہو جاؤ گے تو تمہیں اس لفافے سے کہیں زیادہ رقم مل جائے گی لیکن تم ان لفافوں کے ساتھ کیا کر رہے ہو؟"

جمی پریشان ہو گیا۔ اس نے لفافے موڑ توڑ کر ہاتھ میں پکڑ رکھے تھے۔

"انھیں اس طرح ہاتھ میں لے کر باہر مت جانا بلکہ حفاظت سے اپنی جیب میں رکھ لو۔"

"اوہ، یس۔" جمی نے سٹ پٹا کر جواب دیا۔ "مسئلہ یہ ہے کہ میں ان دنوں ایک دوسری عمارت اور کمپنی کے ساتھ کام..."

"وہ چھوڑا جا سکتا ہے۔" وائس پریذیڈنٹ نے سختی لہجے میں کہا اور پھر گھڑی دیکھی۔ "فوراً یہاں سے روانہ ہو جاؤ ورنہ تمہارا جہاز نکل جائے گا۔"

جمی نے ائرپورٹ جاتے ہوئے ٹیکسی میں لفافے کھول ڈالے۔ ایک لفافے میں اس کے لیے ساڑھے تین ہزار فردوسی ڈالر اور دوسرے میں دیگر آدمیوں کے لیے ڈیڑھ ہزار فردوسی ڈالر تھے۔ اس نے لفافے تبدیل کرنے کا فیصلہ کر کے ڈیڑھ ہزار فردوسی ڈالر والا لفافہ اپنے پاس رکھ لیا۔

جہاز کے فرسٹ کلاس کیبن کے دروازے پر ائرفردوس کی خوبصورت ائرہوسٹس نے اس کا سیر مقدم کیا۔ اس نے بیٹھتے ہی مشروب کا آرڈر دے دیا۔ جو فوری طور پر اسے فراہم کر دیا گیا لیکن اس نے یہ فیصلہ ضرور کر لیا تھا کہ وہ اسٹیورڈس سے فون کال کے لیے کچھ بھی دریافت نہیں کرے گا۔ اس کے خیال میں ایسا پوچھ کر وہ خود ہی احمق بن جائے گا لیکن ابھی طیارے کو ٹیک آف کیے محض بیس منٹ ہی ہوئے تھے کہ پائلٹ اس کے پاس آ گیا۔

"مسٹر جمی؟"

"ہاں..."

"تم یہاں کیوں بیٹھے ہو؟ ہم نے گراؤنڈ ٹیلی فون سے رابطہ قائم کر رکھا ہے۔"

"اوہ یس۔" جمی نے نروس ہو کر کہا۔ "میں مشروب ختم ہونے کا انتظار کر رہا ہوں۔"

"تم ایک بہترین موقع ضائع کر رہے ہو۔ مشروب اپنے ساتھ لے لو۔"

"کاک پٹ میں؟"

"ہاں۔ آؤ... ایک منٹ... تم صحیح کہہ رہے ہو؟"

"میرا بھی یہی خیال ہے۔ وہ فیڈرل ایر ڈیٹیکل اتھارٹی رولز..."

"ٹھیک ہے۔ اسٹیورڈس اسے لے آئے گی۔ مسافروں کو کوئی پریشانی نہیں ہوگی... بیٹا..."

پائلٹ نے قریب کھڑی اسٹیورڈس کو مشروب کاک پٹ میں لانے کا اشارہ کیا اور جمی کو لے کر آگے بڑھ گیا۔

☼

"...تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ فردوس میں جن لوگوں نے تشدد کی نئی لہر کا آغاز کیا تھا، ان کا مکمل خاتمہ کر دیا گیا ہے۔" ڈاکٹر بہرام نے ٹائیگر کی رپورٹ سننے کے بعد اطمینان سے کہا۔

ٹائیگر اور روبی کچھ دیر پہلے ہی سیوان سے واپس گلستان آئے تھے۔ ہوٹل میں آتے ہی سب سے پہلے انھوں نے اوشان کے کمرے کی طرف جانے کی کوشش کی تھی لیکن ٹی وی کی آواز سن کر... لوٹ آئے تھے اور پھر ٹائیگر نے طویل فاصلے کی کال بک کرائی تھی تاکہ چارہ گر کے سربراہ کو اپنی کارروائی کی رپورٹ دے سکے۔

"ایسا لگتا تو نہیں۔" ٹائیگر نے اپنے باس کا اطمینان ایک ہی جملے سے غارت کر دیا۔

"کیا مطلب؟" بہرام کی حیرت میں ڈوبی ہوئی آواز ہیڈ فون میں سنائی دی۔ "شباکا اور سیلوا تو تمہارے کہنے کے مطابق پولیس کی تحویل میں ہیں اور ان کے سارے گروہ کا بھی خاتمہ کر دیا گیا ہے، پھر...!"

"میری رپورٹ ابھی ادھوری ہے۔"

"تو پھر جلدی کہو کیا کہنا ہے۔" بہرام کا لہجہ تلخ ہو گیا۔

"ایک مجرم فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا ہے۔" ٹائیگر نے دانت پیستے ہوئے جواب دیا۔ اسے ڈاکٹر بہرام کے لہجے پر شدید غصہ آیا تھا۔

"کیسے...؟"

"ہم ہوائی پٹی سے اڑنے والے طیارے کو روکنے میں ناکام رہے تھے۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔

"نجا کو اوشان کی موجودگی کے باوجود؟" ڈاکٹر بہرام نے پوچھا۔

"مجھے تو حیرت ہے کہ اوشان نے پہلے ہی مرحلے پر تمہیں کوائن کیوں کر دے دیے تھے۔"

"میں نے خود ماسٹر سے درخواست کی تھی کیونکہ مجھے معلوم ہوا تھا کہ سیلوا اور شباکا کے گروہ کے افراد ایسی نشہ آور ادویات استعمال کر رہے تھے کہ ان پر گولی وغیرہ اثر نہیں کرتی اور پھر اس بات کا شبہ بھی میرے ذہن میں تھا کہ اگر مجرم فرار ہونے کے لیے کاپٹر یا طیارہ وغیرہ استعمال کریں تو انھیں روکا جا سکے۔"

"شباکا یا سیلوا نے کچھ بتایا ہے کہ جہاز میں فرار ہونے والا کون تھا؟" بہرام نے پوچھا۔

"ہاں..." ٹائیگر نے جواب دیا۔ "فردوس کی حد تک دونوں ہی اپنے اپنے گروہوں کے سربراہ تھے لیکن ان کی رسی ہلانے والا کوئی اور تھا۔ شباکا نے اس شخص کا نام... اینگز نیڈر گا لکھ بتایا ہے۔"

"یہ کون ہے؟"

"ایک روسی جو کسی نئے منصوبے کی تجویز لے کر فردوس میں داخل ہوا تھا۔ سیلوا اور شباکا، اسی گا لکھ کی صرف اپنے آقاؤں سے رابطہ کیا کرتے تھے۔"

"نئے منصوبے کی کوئی تفصیل؟"

"کچھ نہیں۔ کیونکہ گا لکھ کو دونوں میں سے کسی کے ساتھ ملاقات کا موقع نہیں ملا۔ وہ جب فردوس کی حدود میں داخل ہوا تو بازی پلٹ چکی تھی۔ البتہ شباکا نے یہ ضرور بتایا ہے کہ منصوبے کا تعلق امریکہ سے ہے۔"

"طیارے کی منزل کے بارے میں کچھ پتا چلا؟"

"نہیں..."

"ٹھیک ہے، میں اپنے طور پر معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہوں، کوئی اور بات۔"

"سب ٹھیک ہے۔"

"اوشان کہاں ہے؟"

"نمبر ٹو پر... اور روبی باتھ روم میں ہے۔" ٹائیگر نے روبی کے بارے میں بھی بتا دیا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ بہرام کا اگلا سوال اسی کے متعلق ہوگا۔ اور پھر فوراً ہی بہرام کا سوال سامنے آ گیا۔ "ایک لڑکی کی تلاش کرنی ہے جس کے چہرے..." ٹائیگر

Uploaded By Nadeem

نے جملہ شروع کیا لیکن بہرام نے اُس کے مکمل ہونے کا انتظار کیے بغیر ریسیور رکھ دیا۔

ٹائیگر نے کہا جانے والی نگاہوں سے ریسیور کو گھورا۔ اور پھر اُسے کریڈل پر پٹخا جیسے وہ ریسیور کی بجائے بہرام کو اُٹھا کر پٹخ رہا ہو۔

"لگتا ہے کسی نے تمہاری دُم پر پاؤں رکھ دیا ہو۔" روبی کی چہکار سُن کر وہ واپس گھوما۔ روبی نہا کر نکلی تھی

ٹائیگر پہلے ہی بھنایا ہُوا تھا۔ روبی کا جملہ سُن کر اُس کا چہرہ غصے کی شدت سے سُرخ ہو گیا۔ اُس کے چہرے پر کچھ ایسے ہی تاثرات تھے کہ رُوبی نے مزید کچھ کہنے کی بجائے دوبارہ باتھ رُوم میں گھس کر دروازہ بند کر لیا۔

ٹائیگر کا سارا غصہ پل بھر میں ختم ہو گیا۔ اگلے ہی لمحے اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیل گئی۔

* *

حیران و پریشان ٹیلی فون کر یو جب رات کو دو بجے نائٹ اسٹریٹ پہنچا تو اُنھیں وہاں اسٹیل کے ایک ڈھانچے اور تیز روشنیوں میں کام کرتے ہوئے آدمی نظر آئے تھے۔

جمی بلڈر کو تلاش کر رہا تھا جو بالآخر اُسے ایک کرین آپریٹر پر چیختا دہاڑتا نظر آ گیا تھا۔

"مجھے چھت نظر نہیں آ رہی، میں اس عذاب کو کہاں پھینکوں؟" کرین آپریٹر نے چیخ کر کرین سے لٹکے بھاری سریے کی طرف اشارہ کیا۔

"یہاں روشنیوں کا سیلاب آیا ہُوا ہے۔" بلڈر بھی جواباً چیخا۔ دفعتہً اُسے اپنے قریب جمی کی موجودگی محسوس ہوئی تو وہ اُس کی طرف پلٹ گیا۔ "تمہیں کیا چاہیئے؟" اُس کے لہجے میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔

"ہم فون لگانے والے ہیں۔" جمی نے اُس کے انداز پر بُرا نہیں منایا۔ "لیکن مجھے لگ رہا ہے جیسے ہم وقت سے چار مہینے پہلے آ گئے ہوں۔"

"نہیں، تم دیر سے پہنچے ہو۔" اس بار بلڈر کے لہجے میں کچھ نرمی پیدا ہو گئی تھی۔

جمی کا مُنہ حیرت کے مارے کُھل گیا۔ اُسے یہ شخص پاگل پاگل سا لگا تھا۔

"تم انٹرآفس لائنیں کیا سیمنٹ میں لگوانا چاہتے ہو؟"

"جو کچھ کر سکتے ہو کرو۔" جمی کے طنز کا جواب بلڈر نے بھی طنز سے دیا۔ "تمہارے پاس پلان موجود ہے، بیرونی تاریں ڈالنے کا کام شروع کرو۔"

"میرے خیال میں تم ٹیلی فون کے بارے میں خاک بھی نہیں جانتے۔" جمی نے تبصرہ کیا۔

"جہنم میں گئے تم اور تمہارے سسٹم۔ میں صرف یہ جاننا ہُوں کہ ۱۷ اپریل کو ٹیلی فون کا پورا نظام کام کرنے کے قابل ہونا چاہیئے۔"

جمی کو اس جواب کی توقع نہیں تھی۔ اُس کا جی چاہا کہ اُس کی گردن مروڑ کر پھینک دے لیکن وہ اپنے ساتھیوں کی طرف واپس مُڑ گیا۔ اگلے ایک گھنٹے میں کام پوری تندہی سے شروع ہو چکا تھا۔

پہلے چھ دن اطمینان سے گزر گئے لیکن ساتویں دن جب اُنھیں مشاہرہ نہ ملا تو جمی صبح صبح ہی برانچ کے صدر تک جا پہنچا لیکن آئی سی ڈبلیو کے اس ذمے دار عہدے دار نے یہ کہہ کر جمی کو واپس کر دیا کہ یہ اُس کا معاملہ نہیں، نائب صدر سے رابطہ قائم کرو مگر وہاں سے بھی جمی کو انکار ہی سُننے کو ملا۔

ورکروں نے ایک ہفتہ اور انتظار کیا اور دُوسرے ہفتے کے اختتام پر بھی جب رقم نہ ملی تو کریو کے پہلے ورکر نے کام چھوڑ کر جانے کی دھمکی دے دی۔ دھمکی بجتے ہی گلستان سے رقم جمی کو بھجوا دی گئی۔ جب دُوسرے ورکروں کو اس بارے میں پتا چلا تو اُنھوں نے بھی کام بند کرنے کی دھمکی دے دی چنانچہ سب لوگوں کو رقم پہنچا دی گئی۔

لیکن اس کے باوجود ایک ورکر کام سے بھاگ نکلا۔ جمی نے اُسے ہر ممکن طریقے سے روکنے کی کوشش کی لیکن وہ اس میں ناکام رہا۔ تھک ہار کر اُس نے وائس پریذیڈنٹ کو فون کر کے اُس کی جگہ نیا آدمی بھیجنے کی درخواست کی۔

"بھاگنے والے کا نام کیا تھا؟" وائس پریذیڈنٹ نے پوچھا۔

"دلاور۔" جمی نے جواب دیا لیکن اُسے بھاگنے والے کی بجائے دُوسرا شخص نہیں ملا اور نہ ہی جانے والا واپس آیا۔

مگر جب ایک دُوسرے لائن مین نے ایک خطرناک غلطی کی تو جمی کے لیے صورتِ حال ناقابلِ برداشت ہو گئی۔ ٹیلی فون کے تار لگاتے ہُوئے فیڈ کی حالت میں اُس نے تار بدل دیے۔ جس کے نتیجے میں کئی ریلیوے جام ہو گئے اور متعدد افراد اُن میں پھنس کر رہ گئے۔ یہی وہ وقت تھا جب جمی نے اپنے تمام آدمیوں کے ہمراہ کام چھوڑنے

کا فیصلہ کیا کیونکہ وہ اور اُس کے تمام افراد بُری طرح تھک چکے تھے۔

وہ وہاں سے سیدھا اپنے گھر پہنچا۔ جہاں اُس کی بیوی موجود تو تھی لیکن جب سے جمی نے یہ کام شروع کیا تھا تب سے وہ اُس کی منتظر تھی۔ اُس نے بڑی محبت سے اُس کا استقبال کیا۔ جمی کے جُھکتے اُس نے اپنے ہاتھوں سے اُتارے اور اُسے نہلا دُھلا کر نہ صرف انسان بنایا بلکہ اپنے آپ کو اُس پر فیوم میں تقریباً غرق کر دیا جو جمی کو بے حد پسند تھا۔

لیکن جب وہ اپنے مشترکہ بیڈ رُوم میں داخل ہُوئی اُس کا شوہر گہری نیند سو چُکا تھا۔ کوئی بات نہیں، وہ جانتی تھی کہ اُسے کیسے جگایا جا سکتا ہے۔ اُس نے تمام طریقے آزما ڈالے لیکن جواب میں اُسے صرف خراٹے سُنائی دیے۔

جب شازیہ کے تمام پیار بھرے حربے ناکام ہو گئے تو اُس نے بظاہر حاد ثاتی طور پر پانی سے بھرا ہُوا گلاس اپنے شوہر کے مُنہ پر اُلٹ دیا لیکن وہ بھیگے چہرے کے ساتھ سوتا رہا۔

رات تین بجے ڈور بیل بجنے کی آواز سُنائی دی۔ شازیہ نے اپنے شوہر کو جگانے کی کوشش کی لیکن اُس نے کروٹ تک نہ لی۔

اُس نے نائٹ گاؤن پہنا اور اپنے شوہر کی نوکری کو کوستی ہُوئی بیرونی دروازے کی طرف بڑھی

"الیف بی سی۔" دروازے پر کھڑے دو میں سے ایک شخص نے اپنا شناختی کارڈ شازیہ کی آنکھوں کے سامنے لہرایا۔

"کیا ہم تمہارے شوہر سے مل سکتے ہیں؟ ہمیں ملت کے اس پہر تم لوگوں کو پریشان کرنے پر بے حد افسوس ہے لیکن معاملہ انتہائی اہم ہے۔"

"میں اُسے جگا نہیں سکتی۔" شازیہ نے جواب دیا۔

"یہ بہت ضروری ہے۔" جوڑے کے ترجمان نے کہا۔

"اس کے علاوہ اور بھی کئی... چیزیں بہت ضروری تھیں۔ میں نے یہ نہیں کہا کہ اُسے جگاؤں گی نہیں بلکہ یہ کہا ہے کہ میں اُسے جگا نہیں سکتی۔"

"کیا کوئی گڑبڑ ہے؟"

"وہ بُری طرح تھکا ہُوا ہے۔ وہ گزشتہ دو ماہ سے پُوری نیند لیے بغیر کام میں مصروف رہا ہے۔"

"ہم اسی بارے میں اُس سے بات کرنے آئے ہیں۔" شازیہ نے گردن باہر نکال کر گلی کا جائزہ لیا۔ جب اُسے یقین ہو گیا کہ رات کے اس پہر اُسے دیکھنے والا کوئی نہیں تو اُس نے دونوں ایجنٹوں کو اندر بُلا لیا۔

"وہ اُٹھے گا نہیں۔" شازیہ اُنھیں اپنے بیڈ رُوم کی طرف لے جاتے ہُوئے بولی۔ وہ دروازے پر ہی رُک گئے تھے۔

"مجھے یقین ہے کہ وہ نہیں جاگے گا۔" اُس نے دوبارہ کہا اور اپنے شوہر کا شانہ پکڑ کر ہلانے لگی۔

"کیا ہے؟" اُس نے آنکھیں نیم وا کر کے پُوچھا۔

"الیف بی سی والے آئے ہیں، وہ تم سے اوور ٹائم کے بارے میں بات کرنا چاہتے ہیں۔"

"اُنھیں کہو جو کام کرنا ہے، باہر کر لیں، اندر کا کام ابھی مکمل نہیں ہُوا۔"

"الیف بی سی۔"

"کسی دُوسرے سے بات کر لو اگر نہیں تو جو چاہے کرو، ہمیں کسی اہم پُرزے کی ضرورت ہو گی تو ہم خود آرڈر دے دیں گے۔"

"فردوس ہیورو آف کرائمز والے تمہیں زندگی بھر کے لیے جیل بھیجنے آئے ہیں۔"

"اوہ... بہت اچھا۔ کر گزرو۔" جمی نے جواب دیا اور کروٹ لے کر پھر اپنی اندھیری دُنیا میں کھو گیا۔

"دیکھا..." شازیہ نے دونوں ایجنٹوں کو مخاطب کیا۔

"کیا تم ایک بار اور اسے جھنجوڑ سکتی ہو؟" جوڑے کے ترجمان نے پُوچھا۔

شازیہ نے اپنے شوہر کے جسم کا سب سے قریبی حصہ چُٹکی میں دبا کر مسل ڈالا۔

"اوکے، میں کام پر واپس جا رہا ہُوں۔" جمی نے بیڈ پر اُچھلتے ہُوئے جواب دیا۔ اُس کی نیم وا آنکھوں نے دو افراد کو قریب کھڑے دیکھا۔ جن کے ہاتھوں میں اوزار بھی نہیں تھے۔ کمرہ بھی عجیب سا لگ رہا تھا۔ اُس نے چاروں طرف دیکھا اور پھر اُسے احساس ہو گیا کہ یہ بلڈنگ سائٹ نہیں۔

"گھر... ہاں... ہیلو، ہنی یہ دونوں ہمارے بیڈ رُوم میں کیا کر رہے ہیں؟"

"ہمارا تعلق فردوس ہیورو آف کرائمز سے ہے اور ہم تم سے ملاقات کے لیے آئے ہیں۔"

Uploaded By Mashoom

"اوہ..." جمی کی آنکھیں پوری کھل گئیں۔ "الیف بی سی؟"

شازیہ نے جب دیکھا کہ اُس کے شوہر کی آنکھیں پوری کھل گئی ہیں تو وہ کافی بنانے کچن کی طرف چل پڑی۔ جب وہ واپس آئی تو وہ لوگ تعارف کے مرحلے طے کر چکے تھے۔

"ہم نے سُنا ہے کہ تمہارے کام میں بڑی دلچسپ باتیں رُونما ہوتی ہیں۔" الیف بی سی کا ایک شخص کہہ رہا تھا۔

"میرے خیال میں تو یہ صرف ایک جاب ہے۔" جمی نے جواب دیا۔

"لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ یہ کوئی عام جاب نہیں ہے اور اس سلسلے میں ہمیں تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔"

"دیکھو، میں ایک اچھا شہری ہوں لیکن یونین کا ایک عہدے دار بھی ہوں۔"

"کیا دلاور بھی یونین سے متعلق تھا؟"

"ہاں..."

"کیا وہ ایک اچھا یونین مین تھا؟"

"ہاں..."

"کیا اُس وقت بھی جب وہ کام چھوڑ کر بھاگ گیا تھا؟"

"ہاں۔ وہ زیادہ محنت نہیں کر سکا اور کام چھوڑ کر چلا گیا لیکن بہرحال وہ ایک اچھا یونین مین ہے۔"

الیف بی سی کے جوڑے کے ترجمان نے اثبات میں سر ہلایا اور درمیانے سائز کی ایک تصویر جمی کی طرف بڑھادی۔

جمی نے کچھ کہے بغیر تصویر لے لی۔

"تمہیں مٹی کے اس ڈھیر کی تصویر لینے کی کیا ضرورت تھی؟" جمی نے تصویر دیکھنے کے بعد پوچھا۔

"مٹی کے اس ڈھیر کا نام دلاور ہے۔" الیف بی سی کے ایجنٹ نے کہا۔

جمی سر اسیمہ سا تصویر پر جھک گیا۔ "اوہ، نو۔" اُس کے حلق سے خرخراہٹ کی آواز بلند ہوئی۔

"اِسے صرف بچ جانے والی ایک ثابت اُنگلی کی مدد سے شناخت کیا گیا ہے۔" الیف بی سی کے ایجنٹ نے اُسے بتایا۔ "اُس کے تمام دانت توڑ دیے گئے تھے بلکہ یُوں کہو کہ کُچل دیے گئے تھے۔ اس لیے دانتوں کے ذریعے اس کی شناخت ممکن نہیں رہی تھی۔ جسم بھی بُری طرح مسخ کر دیا گیا تھا۔ پولیس لیبارٹری ابھی تک کسی تحقیقی نتیجے پر نہیں پہنچ سکی اور نہ ہی ہم کوئی فیصلہ کر سکے ہیں۔ ہمیں علم نہیں کہ اُس پر کیا بیتی؟ اُس کی صرف ایک اُنگلی ثابت بچی ہے۔"

"اوکے، اوکے، اوکے اسٹاپ۔" جمی کا ماتھا پسینے میں شرابور ہو گیا۔ شازیہ کا جسم بھی کپکپانے لگا تھا۔ "اب تم کیا چاہتے ہو؟" جمی نے سرسراتی ہوئی آواز میں کہا۔ "اس تصویر کو واپس جیب میں ڈال لو۔"

"ہماری کسی یونین سے کوئی دشمنی نہیں لیکن ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ تمہاری یونین اپنے آدمیوں کو نقصان پہنچا رہی ہے۔ ہم یونین بزنس مین نہیں ہیں لیکن ہمارے پاس اس امر کی شہادتیں موجود ہیں کہ تمہاری یونین اور دُوسری یونینیں، خاص طور پر انٹرنیشنل برادر ہڈ آف ڈرائیورز، دی نرلائن پائلٹس ایسوسی ایشن، دی برادر ہڈ آف ریل روڈ ورکرز اور انٹرنیشنل اسٹیورڈز ایسوسی ایشن مل کر ایسی منصوبہ بندی کر رہی ہیں جس سے اس قوم کو اس طرح نقصان پہنچایا جائے کہ پہلے کبھی سر نہ پہنچایا گیا ہو۔"

"میں نے کبھی مُلک کو نقصان پہنچانے کے لیے سوچا تک نہیں۔" جمی نے صفائی پیش کی۔

لیکن دونوں ایجنٹ صبح تک اُس سے سوال و جواب کرتے رہے۔ بالآخر وہ اُس سے یہ وعدہ لے کر ٹلے تھے کہ وہ اور آدمیوں کو سائٹ پر کام دیا جائے گا اور وہ دونوں افراد خود وہی ہوں گے۔

"یہ خطرناک ہوگا۔" جمی نے انھیں متنبہ کیا۔

"ہم اس پر سوچ چکے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔" جمی نے رضامندی ظاہر کی۔ "ملک کو کسی بھی خطرے سے بچانے کے لیے میں آپ کے ساتھ ہوں کیونکہ میں کیونین ازم پر اس بے یقین رکھتا ہوں کہ وہ مزدوروں کے حقوق کا تحفظ کر سکے۔ اس لیے نہیں کہ وہ قوم کے لیے نقصان دہ ثابت ہو۔"

"یہی ہم بھی چاہتے ہیں لیکن یہاں ہماری اُمیدوں اور توقعات کے خلاف کچھ ہو رہا ہے۔"

"ہم کل واپس جا رہے ہیں۔" جمی نے اُنھیں بتایا۔

"نہیں، تم آج ہی واپس جاؤ گے۔"

"میرے سارے آدمی تھکے ہوئے اور زخمی ہیں۔"

"ہم زبردستی نہیں کر رہے۔ ہم تمہیں فون نمبر دے رہے ہیں۔ جب تم اپنے آدمیوں کو جمع کر لو، ہمیں مطلع کر دینا۔ ہم تیار ہو جائیں گے لیکن اپنے باقاعدہ آدمیوں میں سے دو کی مچھلی کرانا مت بھولنا۔"

الیف بی سی کے آدمی صبح کہہ گئے تھے کیونکہ ابھی صبح کے دس بھی نہیں بجے تھے کہ انٹرنیشنل کمیونیکیشنز ورکرز کا وائس پریذیڈنٹ خود اُس کے دروازے پر آ پہنچا۔

"تم یہاں کیا کر رہے ہو؟" وہ آتے ہی دہاڑا۔ "ہم مصیبت میں مُبتلا ہیں اور تم بیوی کے پہلو میں بیٹھے میرے آدمی مروا رہے تھے اور تمہیں احساس تک نہیں۔"

"وہ جلد ہی ٹھیک ہو جائیں گے۔"

"فی الحال تو وہ انسانی شکل میں نہیں رہے۔"

"مجھے کچھ پتا نہیں، اُنھیں ہاتھوں سے بناؤ۔ میں تمہیں اور اُنہیں فوراً کام پر دیکھنا چاہتا ہوں۔ ورنہ تم لوگوں کے ساتھ وہ کچھ ہوگا جس کا تم لوگوں نے تصور بھی نہیں کیا ہوگا۔"

جمی کے پاس اپنے وی پی کی دھمکی پر عمل کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ چنانچہ اُس نے اپنے آدمیوں کو اکٹھا کیا اور کام پر پہنچ گیا۔ کرلو میں ایک فرق پڑا تھا، اس میں اب وہ دو آدمی بھی شامل تھے جنھوں نے جمی کے گھر اُس کے اللہ قائم کیا تھا۔

ان دونوں کے ٹول بکسوں میں ۳۵ ملی میٹر کا ایک کیمرا بھی شامل تھا جس کے ساتھ ٹیلی فوٹو لینس بھی لگا ہوا تھا۔ دن کا کام بہتر انداز میں اختتام کو پہنچا۔ دوپہر کو بارہ بجے جمی نے گروپ کو دو شفٹوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ ایک شفٹ کو کام جاری رکھنے کے لیے کہا گیا تھا جبکہ دُوسری شفٹ کو آٹھ گھنٹے بعد آنے کی ہدایت کی گئی تھی۔ دونوں شفٹ افراد جنھوں نے زیادہ تر وقت اِدھر اُدھر چہل قدمی کرتے یا مختلف ورکروں سے باتیں کرتے گزارا تھا، پہلے گروپ کے ساتھ تھے۔

جب آخری دفعہ اُس نے اُنھیں دیکھا، وہ ایلیویٹر پر سوار ہو رہے تھے۔

صبح سویرے جب وہ اپنے کام سے فارغ ہونے والا تھا، بلڈر اُس کے پاس پہنچا۔

"میرے ساتھ آؤ۔" اُس نے ہدایت کی۔

اُنھوں نے ایسا ایلیویٹر استعمال کیا تھا جسے استعمال کرنے کی ورکروں کو اجازت نہیں تھی۔ بلڈر نے اندر داخل ہو کر جب فلور بٹن دبایا تو جمی حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ بلڈر نے جس فلور کا بٹن دبایا تھا وہ سرے سے موجود ہی نہیں تھا اور اس وقت تو جمی کی حالت دیدنی تھی جب اُس نے ایلیویٹر کو اُوپر کی بجائے نیچے جاتے محسوس کیا۔ جب ایلیویٹر تہ خانے سے بھی تین منزلیں نیچے چلا گیا تو جمی بُری طرح خوفزدہ ہو رہا تھا۔

"دیکھو، میں نے ہر ممکن طریقے سے کام کو صحیح انجام دیا ہے۔" اُسے خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ کہیں بلڈر اُس کی جان تو نہیں لینے جا رہا۔

"میں جانتا ہوں۔" بلڈر نے جواب دیا لیکن اُس کے چہرے کے تاثرات عجیب سے رہے۔

"میں ایک اچھا ورکر ہی نہیں بلکہ ٹیلی فون کے پورے ادارے میں مجھ سے بہتر کوئی کریو چیف نہیں ہے۔"

"میں یہ بھی جانتا ہوں جمی اور اسی وجہ سے تمہیں منتخب کیا گیا تھا۔"

جمی مسکرا دیا۔ اُس کے ذہن سے ایک بڑا بوجھ ہٹ گیا تھا۔ ایلیویٹر کا دروازہ ایک بڑے ہال میں کھلا تھا۔ ہال لمبا چوڑا ہی نہیں بہت بلند بھی تھا۔ کم از کم دو منزلوں جتنا بلند، مملکت فردوس کا ایک نقشہ دیوار پر آویزاں تھا۔

"واہ..." جمی کہے بغیر نہ رہ سکا۔

"اچھا ہے نا؟" بلڈر نے پوچھا۔

"بالکل۔" جمی نے کہا۔ "لیکن ایک بات مجھے پریشان کر رہی ہے۔"

"پوچھ ڈالو۔"

جمی نے نقشے کے نچلے حصے میں کرسی جتنے بلند پتیل کے بڑے بڑے حروف پر مشتمل عبارت کی طرف اشارہ کیا۔

"میں نے انٹرنیشنل ٹرانسپورٹیشن ایسوسی ایشن کے بارے میں کبھی نہیں سنا۔"

"یہ ایک کیونین ہے۔"

"پھر بھی مجھے اُس کا علم نہیں۔"

"۱۷ اپریل سے پہلے یہ کیونین اس تہ خانے سے باہر نہیں جائے گی اور جب اس کا اعلان ہوگا تو یہ دُنیا کی سب سے بڑی یونین ہوگی جو فردوس جیسے ترقی پذیر مُلک سے جنم لے گی۔"

"میری خواہش ہے کہ میں یہ سب کچھ دیکھوں۔"

"یہ ذرا مشکل ہے۔" بلڈر نے اطمینان سے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"اس لیے مسٹر جمی کہ اگلے دس منٹ کے بعد تم قیمے کے ایک ناقابل شناخت ڈھیر میں تبدیل ہو چکے ہو گے۔"

*

بہرام کا اندازہ درست نکلا تھا۔

یہ سُن کر کہ ایک مجرم طیارے میں فرار ہونے میں کامیاب

Uploaded By Nadeem

ہوگیا ہے۔ اُوشان نے شہزاد کی خوب خبر لی تھی۔

فرق صرف اتنا تھا کہ دم میں نمدہ نہیں کسا گیا تھا۔ اس کی بجائے کمرے کی دیوار کے ساتھ ایک نمدہ بچھا دیا گیا تھا جس پر اس وقت ٹائیگر بے حس و حرکت یوگا اسٹائل میں بیٹھا ہوا تھا اور اُسے اس طرح بیٹھے ہوئے کوئی ڈیڑھ گھنٹہ ہو چکا تھا۔

اُوشان نے اُسے حکم دیا تھا کہ وہ نمدے پر بیٹھ کر زیادہ سے زیادہ دیر سانس روکنے کی کوشش کرے۔

پہلا ہدف پچیس منٹ کا تھا۔

ٹائیگر نے حسبِ عادت احتجاج کیا تھا لیکن اُوشان کے سامنے اُس کی بھلا کیا چلتی۔ اُسے پچیس منٹ سانس روکنے کا مظاہرہ کرنا پڑا تھا۔

سانس روکتے وقت وہ مطمئن تھا کہ پچیس منٹ بعد اُس کی جان چھوٹ جائے گی لیکن جب پانچ منٹ آرام کے بعد اُوشان نے اُسے پینتیس منٹ سانس روکنے کا مظاہرہ کرنے کے لیے کہا تو اُس کی جان نکل گئی۔

"میرا دم گھٹ جائے گی ٹل فادر۔" ٹائیگر منمنایا۔

"فاسد چیزیں انسان کے جسم سے نکل جانی چاہئیں۔" اُوشان نے فلسفہ جھاڑا۔

"مگر ٹل فادر، سانس فاسد چیز نہیں ہے۔"

"تمہارے جیسے ناکارہ شخص کے لیے بہر حال ہے..." اُوشان نے فیصلہ سنایا۔

"آپ بھی کمال کرتے ہیں ماسٹر، جو شخص طیارہ نہ روک سکا، وہ سانس کیا روکے گا؟" پاس بیٹھی ہوئی روبی چہکی۔ اپنی بات کی بے وقوفی کا احساس اُسے بھی تھا لیکن وہ تو بس ٹائیگر پر چوٹ کرنا چاہتی تھی۔

شہزاد نے کچھ کہنے کی۔ بجائے پھاڑ کھانے والی نظروں سے اُسے گھورا۔

"قیامت کے دن انسان کے جسم کے ہر حصے سے حساب کتاب لیا جائے گا۔ مثلاً آنکھوں سے پوچھا جائے گا کہ تم نے کس کس کو غلط انداز میں دیکھا تھا۔" روبی نے شہزاد کو یاد دلایا تو اُس نے فوراً نگاہیں جھکا لیں۔

"چلو شروع ہو جاؤ۔" اُوشان نے حکم دیا تو ٹائیگر ٹھنڈی سانس لے کر سابقہ پوزیشن پر واپس آ گیا۔

سانس روکنے کے مقابلے کے دوسرے دور کا آغاز ہو گیا تھا۔ اُوشان نے اُسے کہہ دیا تھا کہ اگر سانس ٹوٹی تو اگلی بار وقت میں دس منٹ کا اضافہ ہو جائے گا۔ یہ سُن کر تو روبی کی جیسے بن آئی ہو۔ وہ بھلا کہاں نچلی بیٹھنے والی تھی۔ اُس نے بُرے بُرے مُنہ بنانے شروع کر دیے۔ اُس کی کوشش تھی کہ کسی طرح شہزاد کو تاؤ دلا کر اُسے بولنے پر مجبور کر دے یا ایسی عجیب و غریب شکلیں بنائے کہ شہزاد ہنسنے پر مجبور ہو جائے۔

روبی کی بعض حرکتیں ایسی تھیں کہ شہزاد کو خود پر قابو پانا بے انتہا مشکل ہو گیا تھا۔ کئی بار اُس کا قہقہہ نکلتے نکلتے رہ گیا تھا۔ تنگ آ کر اُس نے آنکھیں ہی بند کر لیں۔

"کبوتر کی طرح بلی کو سامنے دیکھ کر آنکھیں بند مت کرو۔" اُوشان نے اُسے تاؤ دلایا۔ "مرد بنو مرد۔"

مردانگی پر حملہ ہوتے دیکھ کر ٹائیگر نے آنکھیں کھول دیں۔ اب اُس کی کوشش تھی کہ روبی کی طرف نہ دیکھے لیکن وہ شیطان کی خالہ بھی پورے کمرے میں ناچ رہی تھی، شہزاد کی آنکھیں بدھر کا رُخ کرتیں وہ اُدھر پہنچ جاتی۔

ٹائیگر اُوشان پر بھرا بیٹھا تھا کہ وہ روبی کو بالکل منع نہیں کر رہا تھا۔

ٹائیگر نے یہ فیصلہ بھی کیا کہ اس عذاب کے ختم ہوتے ہی وہ سب سے پہلے روبی کی چٹیا نوچے گا لیکن پھر اُسے یاد آیا کہ اُس کی تو چوٹی ہی نہیں تھی۔ کوئی بات نہیں، میں اُس کا مُنہ نوچ لوں گا مگر نہیں، یہ تو خالصتاً عورتوں والی حرکت ہو گی... اچھا... تو پھر میں...

کمرہ ٹیلی فون کی گھنٹی سے گونج اُٹھا۔ ٹائیگر اپنے خیالات میں اتنا مگن تھا کہ گھنٹی پر بُری طرح چونک پڑا۔ اُوشان غور سے اُس کی شکل دیکھ رہا تھا۔ اگر دھیرے سے بھی اُس کی سانس خارج ہو جاتی تو آواز اُوشان کو سُنائی دے جاتی۔ یہ بھی شکر ہوا کہ شہزاد کی سانس نہیں ٹوٹی تھی ورنہ تسمیرے دور کے آغاز سے اُسے کوئی نہیں بچا سکتا تھا۔

دوسری گھنٹی بجنے پر روبی نے بڑھ کر رسیور اُٹھا لیا۔

"آپ کے لیے طویل فاصلے کی کال ہے مس۔" دوسری جانب ہوٹل کا آپریٹر تھا۔

"ٹھیک ہے بات کراؤ۔" روبی نے کہا۔ چند ثانیے توقف کے بعد وہ ڈاکٹر بہرام سے بات کر رہی تھی۔

لہجے کی ایک دم تبدیلی سے ٹائیگر کے لیے یہ سمجھنا بالکل دشوار نہیں تھا کہ دوسری جانب بہرام ہی رہ ہو گا۔ اُس نے اپنا مُنہ اُسی طرف پھیر لیا لیکن اُوشان بے نیاز بیٹھا رہا۔

"شہزاد سے بات کراؤ۔" رسمی علیک سلیک کے بعد بہرام نے روبی کو ہدایت کی۔

"آج کل یہاں رمضان آیا ہوا ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"آپ کو پتا نہیں کہ رمضان میں شیطان کو زنجیروں میں جکڑ دیا جاتا ہے۔"

اُوشان زیرِ لب مسکرا دیا۔ البتہ ٹائیگر کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا تھا۔

"اس کا شہزاد سے کیا تعلق ہے؟"

"اس وقت وہ ماسٹر کے سامنے نمدے پر سانس روکے بیٹھا ہے۔" روبی نے اطمینان سے جواب دیا۔

"اوہ..." بہرام ہنسے بغیر نہ رہ سکا۔

ٹائیگر کو بھی پتا چل گیا تھا کہ پہلا جملہ بھی اُسی کے بارے میں تھا۔ اُس کا جی چاہا کہ اُوشان کے حکم پر لعنت بھیج کر پہلے اس چڑیل کا گلا گھونٹ دے۔ بعد میں جو ہو گا دیکھا جائے گا۔ اُس نے شکایتی انداز میں اُوشان کی طرف دیکھا لیکن وہاں سپاٹ چہرہ اُس کا منتظر تھا۔

"ماسٹر سے میری جانب سے سفارش کر دو کہ مجھے ایک بہت اہم مسئلے پر اُس سے بات کرنی ہے۔" بہرام نے کہا تو روبی نے وہی پیغام دُہرا دیا لیکن اُوشان اس سے پہلے ہی ٹائیگر کو آگے بڑھ کر بات کرنے کا اشارہ کر چکا تھا۔

شہزاد نے اپنی جگہ سے اُٹھنے میں دیر نہیں کی۔ اُس نے تو بہرام پر ہزاروں سلام بھیجے تھے۔

وہ روبی کے قریب پہنچا تو اُس نے دوبارہ اُس کو مُنہ چڑایا۔ ٹائیگر نے سارا غصہ ریسیور پر اُتارا اور اُسے اس بُری طرح روبی کے ہاتھ سے چھینا کہ اُس کے ہاتھ کی پُشت پر کئی خراشیں پڑ گئیں۔ وہ "سی" کر کے پیچھے ہٹ گئی۔

"کیا تم نے وہ لڑکی تلاش..." ٹائیگر ریسیور لیتے ہی مادھ پلیس میں شوخی سے بولا۔

"الیگزینڈر گالکن کا سراغ لگا لیا گیا ہے۔" بہرام نے اس کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے دھماکا کیا۔

"کہاں ہے وہ اس وقت؟" ٹائیگر ایک دم الرٹ ہو گیا۔

"گالکن اس وقت امریکہ میں موجود ہے۔" بہرام نے اُسے بتایا۔ "وہ خصوصی طیارے کے ذریعے ایڈاہو میں بوئسے کے مقام پر پہنچا ہے۔ کمپیوٹر کی اطلاع کے مطابق گالکن ایک کلاس فورٹک کی پی فیلڈ ایجنٹ ہے جو گزشتہ چھ سال سے امریکہ میں مقیم ہے۔ پہلے وہ بوئسے کا انچارج ایجنٹ تھا لیکن درمیان میں اُسے کچھ عرصے کے لیے بھرت لینڈ میں متعین کیا گیا تھا جہاں وہ کم و بیش ایک سال مقیم رہا تھا۔ اُس کا شمار چونکہ کے جی بی کے انتہائی اعلیٰ اور تربیت یافتہ افسروں میں ہوتا تھا اس لیے ماریو سلوا کی تربیت کی ذمے داری اُسی کے سپرد کی گئی تھی۔ وہ پورا سال ماریو سلوا کو بھرت لینڈ کے مختلف فوجی اور انٹیلی جنس اسکولوں میں لیے پھرتا رہا۔ اس عرصے میں شباکا سے بھی اُس کا مسلسل رابطہ رہا۔ جب سلوا کی تربیت مکمل ہو گئی تو اُسے واپس بوئسے بھیج دیا گیا لیکن اب اُس کی ذمے داریاں بڑھ گئی تھیں۔ فردوس کے سارے معاملات اور اُس کی حدود میں ہونے والے تمام آپریشنز براہِ راست اُس کی نگرانی میں سونپ دیے گئے تھے۔ ماریو سلوا اور شباکا اُسی سے ہدایات لیتے تھے۔"

"وہ اُن سے ملنے کے لیے ہی فردوس آیا تھا۔" ٹائیگر نے لقمہ دیا۔ "شاید وہ کوئی نیا منصوبہ لایا تھا۔"

"ہاں اس بارے میں بھی ہم نے معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی ہے لیکن ابھی کوئی حتمی بات سامنے نہیں آئی مگر یہ ضرور معلوم ہوا ہے کہ وہ یہاں بوئسے میں بعض مشکوک سرگرمیوں میں ملوث ہے۔ میری خواہش ہے کہ اُس کا قصہ یہیں پاک کر دیا جائے تاکہ اُسے پاؤں پھیلانے کی مہلت ہی نہ مل سکے۔"

"تو پھر میرے لیے کیا حکم ہے؟" ٹائیگر نے انتہائی شرافت سے دریافت کیا۔ "کیا ہم واپس امریکہ آنے کی تیاری کریں۔"

"تمہیں فی الحال امریکہ آنے کی ضرورت نہیں۔"

"تو پھر...؟"

"تم اور اُوشان فی الحال فردوس میں ہی مقیم رہو گے البتہ روبی سے کہو کہ وہ فوری طور پر یہاں پہنچے..."

اس کے بعد بھی یقیناً بہرام نے کچھ کہا تھا لیکن ٹائیگر کا دل ایک دم بجھ گیا۔

*

"بہتر ہے۔" اُس نے جواب دیا اور اُدھر اُوشان کے ہونٹ مُسکرانے کے انداز میں پھیلے ہوئے تھے۔

سیکرٹری محنت اور فردوس ہیرو آف کرامز کے ڈائریکٹر جنرل نے اپنی اپنی رپورٹس صدر کو پیش کر دی تھیں۔ صدرِ مملکت کے گول دفتر میں اس وقت تینوں تنہا تھے۔

سیکرٹری محنت نے بولنے میں پہل کی تھی۔

"میرے خیال میں ایک یونین بڑی بڑی ٹرانسپورٹیشن

Uploaded By Nadeem

یونینز کو متحد کر رہی ہے اور فرووس میں ایک سپر ٹرانسپورٹیشن یونین کا قیام بہ ظاہر تو ناممکن نظر آتا ہے۔"

ڈائریکٹر جنرل ایف بی سی نے ہاتھ میں پکڑے ہوئے کاغذات درست کیے اور اپنی سیٹ پر آگے کی طرف کھسک آیا۔

سیکرٹری محنت نے اپنی بات جاری رکھی تھی: "اس کی وجہ بڑی عام اور آسان فہم ہے۔ ڈرائیور، پائلٹ، اسٹیورڈ اور ریل سے وابستہ افراد ذاتی طور پر اس میں زیادہ دلچسپی نہیں لے سکتے۔ دوسرے الفاظ میں وہ الگ الگ مالکان کے ملازم ہیں... دوسری بات یہ کہ ہر یونین اپنے اپنے حیطۂ عمل میں بڑے زبردست مفادات کی حامل ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ چار بڑی بڑی یونینز کے طاقتور صدور کس طرح اپنی نکیل کسی اور کے ہاتھ میں دے دیں گے۔ ناممکن، تمام افراد کے ویژن اسکیل مختلف ہیں۔ ایک پائلٹ دوسرے لوگوں سے تین گنا زیادہ کماتا ہے۔ ایسے مختلف تنخواہیں پانے والے لوگوں کا اتحاد نہیں چل سکتا۔ اسی طرح ڈرائیور ہیں، وہ بالکل آزاد اور خود مختار ہیں۔ وہ اپنی آزادیاں داؤ پر نہیں لگائیں گے۔ اگر وہ ایسا کریں گے تو ممکن ہے انتظامیہ اُن سے استعفے...!"

"انہیں برطرف بھی تو کیا جا سکتا ہے۔" ایف بی سی کے ڈی جی نے دخل اندازی کی۔

صدرِ مملکت نے ہاتھ اُٹھا دیا۔

"سیکرٹری کو بات مکمل کرنے دیں۔"

"قانونی طور پر انہیں نکالا بھی جا سکتا ہے لیکن اُن سے استعفےٰ ہی لیا جائے گا۔ اس لیے اُن میں سے کوئی بھی اس نئی یونین میں شامل ہونا پسند نہیں کرے گا۔"

*

صدرِ مملکت نے پہلے اپنی میز پر نگاہ دوڑائی اور دوبارہ اپنے سیکرٹری محنت کی طرف متوجہ ہو گئے۔ کمرے میں ٹھنڈک کا احساس تھا۔ اگر یہ حقہ نہ ہو تو بہتر ہو گا۔

"اور اگر اس کے لیڈ پشت ڈرائیورز یونین ہی ہوئی تو؟" صدرِ مملکت نے پوچھا۔

"میں اس یونین کے صدر کو ذاتی طور پر جانتا ہوں وہ کسی طور بھی اپنی آزادی اور اصولوں پر سمجھوتا نہیں کر سکتا۔ خواہ وہ حکومت ہی کیوں نہ ہو۔"

"اور اگر آنے والے کنونشن میں وہ دوبارہ منتخب نہ ہو سکا، پھر کیا ہو گا؟"

"اوہ، لیکن اُس کی جیت یقینی ہے۔ اُس کے گھوڑے اس وقت سب سے آگے بھاگ رہے ہیں۔"

"اگر ایسی بات تھی تو کنونشن کو مسلم آباد کیوں منتقل کیا گیا ہے؟ ۱۲ سے ۱۷ اپریل کا موسم مسلم آباد میں کسی ایسی کانفرنس کے لیے قطعی موزوں نہیں۔"

"میرے خیال میں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔" سیکرٹری محنت اپنی بات پر جما ہوا تھا۔

"درست، لیکن یہ بات ہم سب جانتے ہیں کہ ڈرائیورز یونین کا موجودہ صدر یہ کانفرنس گلشن نگر میں کرانا چاہتا تھا لیکن گلشن نگر کی بجائے اُس کی جگہ شاہین آباد کر دی گئی اور پھر اُن کے مرکزی اور ایریا لیڈروں کے ایک مشترکہ بیان میں کنونشن کو مسلم آباد منتقل کر دیا گیا۔ اب اس صورتحال میں اگر سپر ٹرانسپورٹیشن یونین بن جاتی ہے تو کیا ہو گا؟"

"مسٹر پریذیڈنٹ۔" سیکرٹری محنت نے انتہائی ادب سے صدرِ مملکت کو مخاطب کیا۔ "اگر ایسا ہوا تو یہ بڑی خوفناک بات ہو گی لیکن بڑی معذرت کے ساتھ عرض کر دوں گا کہ فی الحال یہ سب مفروضے ہیں ہمیں اس پر غور کے لیے کچھ وقت مزید چاہیے کیونکہ خدانخواستہ اگر ایسا ہو گیا تو ہم ایک بڑی تباہی سے دوچار ہو جائیں گے۔ ملک بحران کا شکار ہو جائے گا۔ جن میں خوراک اور ایندھن کا بحران سرفہرست ہو گا۔ ہمارے بینکوں کے مخصوص خزانے ختم ہو جائیں گے۔ فرووس ایک قلاش مملکت میں تبدیل ہو جائے گا۔ یہ بالکل ایسے ہو گا جیسے کسی انسان کے جسم کو خون فراہم کرنے والی شریانیں کاٹ دی جائیں، خون کی گردش روک دی جائے۔ اگر تمام ٹرانسپورٹیشن یونینز آپس میں مل بیٹھیں تو فرووس، فرووس نہیں جہنم بن جائے گا۔"

"تمہارے خیال میں اگر تم اس طرح کی کسی یونین کا کنٹرول سنبھالنے میں کامیاب ہو گئے تو کیا تمام تر معلومات حاصل کر سکو گے؟"

"کیوں نہیں، اگر وہ کامیاب ہو گئے تو قوم کے ہر فرد کی کنپٹی پر انفل رکھی ہو گی۔ اگر گھی سیدھی انگلیوں سے نہ نکلا تو ہم سینیٹ اور اسمبلی سے باقاعدہ بل پاس کرا لیں گے۔"

"یعنی ایسا بل جس سے یونین ازم پر مستقل طور سے پابندی عائد کر دی جائے۔ صحیح، مسٹر سیکرٹری؟"

"یس سر!" سیکرٹری محنت نے جواب دیا۔

"خواہ ایسی صورتحال اکثریت کے لیے ناقابلِ قبول اور

ناپسندیدہ کیوں نہ ہو؟"

"بالکل..." سیکرٹری محنت نے اثبات میں جواب دیا۔

صدر نے سر ہلایا اور ڈائریکٹر جنرل ایف بی سی کی طرف متوجہ ہو گئے۔

"میں مسٹر سیکرٹری کی باتوں سے بعض بنیادی اختلافات رکھتا ہوں سر۔" ڈی جی صدرِ مملکت کی نگاہوں کا مطلب سمجھ گیا تھا۔ "پہلی بات تو یہ ہے کہ پائلٹس، اسٹیورڈز اور ڈرائیورز یونینوں کے لیڈروں کے درمیان طاقتور مالی روابط موجود ہیں۔ یہ رابطے کوئی دو ماہ قبل شروع ہوئے تھے اور اس کے ذمہ دار ڈرائیورز ہیں تمام ڈرائیورز نہیں بلکہ تخریب کاروں کا ایک گروپ جس نے اب کنونشن کو مسلم آباد منتقل کرا لیا ہے۔ تخریب کاروں کے اسی گروہ نے مسلم آباد کے نواح میں ایک دس منزلہ بڑی عمارت تعمیر کی ہے جس پر وفاقی حکومت میں بے شمار تعمیراتی کام کا رش ہونے کے باعث پانی کی طرح پیسہ بہایا گیا ہے۔ ہمیں علم نہیں کہ اتنی زیادہ رقم کہاں سے آئی ہے۔ ہمیں پتا نہیں کہ انھوں نے اپنے مسائل کس طرح حل کیے ہیں لیکن یہ طے ہے کہ وہ اس میں کامیاب ضرور ہو گئے ہیں۔ ہم نے عمارت کی جاسوسی بھی کی ہے اور تحقیقات بھی کر رہے ہیں لیکن اس کے باوجود کہ ہمیں ابھی اس امر کی کوئی شہادت نہیں ملی لیکن ہمیں یقین ہے کہ ہمارے دو ایجنٹوں کو مملکت میں موت کے گھاٹ اُتار دیا گیا ہے۔ اُن کی لاشیں بھی دستیاب نہیں ہوئیں۔ ہمیں حیرت ہے کہ انھیں زمین نگل گئی یا آسمان نے اُٹھا لیا کیونکہ اس بارے میں ہمیں ایک شہادت بھی دستیاب نہیں ہوئی۔"

"اب تو مسئلہ ہی حل ہو گیا۔" سیکرٹری محنت کا انداز بڑا پُرجوش تھا۔ "کوئی بھی سپر یونین ایف بی سی کے دو ایجنٹوں کو قتل کر کے جہنم مول نہیں لے سکتی۔ ہم تمام لیڈروں کو گرفتار کر کے جیل میں ڈال دو۔"

"ہمیں شہادتوں کی ضرورت ہے مسٹر سیکرٹری۔" ایف بی سی کے ڈی جی نے تیز آواز میں کہا۔ "یہ اندھوں اور بہروں کا ملک نہیں۔ یہاں قانون کی حکمرانی ہے ہم...!"

"میں مانتا ہوں۔" سیکرٹری محنت نے فوراً ہاتھ اُٹھا دیے۔ "مجھے اس کا علم ہے۔ آپ لوگ جانتے ہوں گے کہ مجھے اس کنونشن کے اختتامی اجلاس سے خطاب کی دعوت دی گئی ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ میں یہ خطاب کس طرح مؤثر بنا سکتا ہوں۔ اس کے باوجود کہ وہاں تمام یونینوں کے نمائندے موجود ہوں گے، میں ابھی تک جانے اور نہ جانے کے فیصلے کے درمیان اٹکا ہوا ہوں۔"

"تم پروگرام کے مطابق وہاں جاؤ گے۔" صدرِ مملکت نے سیکرٹری محنت کو ہدایت کی۔ "سمجھ لو کہ آج ہم نے کوئی بات چیت نہیں کی بلکہ آج ملے ہی نہیں۔ آج کے اجلاس کا تذکرہ کسی سے نہیں کرنا۔" پھر وہ ڈی جی کی طرف مڑے۔ "میں چاہتا ہوں کہ تم اپنے تمام تفتیشی اور تحقیقاتی افسروں کو واپس بلا لو۔"

"جی...؟" ڈی جی اُچھل پڑا۔

"جو تم نے سنا، میں نے وہی کہا ہے۔ اپنے آدمی واپس بلا لو اور اس کیس کو بھول جاؤ اور کسی سے اس کا تذکرہ بھی نہ کرنا۔"

"لیکن ہم اپنے دو ایجنٹ کھو چکے ہیں۔"

"میں جانتا ہوں لیکن اب تم وہی کرو گے جو میں کہہ رہا ہوں۔"

"میں اٹارنی جنرل کو جو رپورٹ پیش کروں گا، اُس میں اپنے دو آدمیوں کی گمشدگی کو کس کھاتے میں ڈالوں گا؟"

"تم ایسی کوئی رپورٹ تیار کرو گے نہ کسی کو دو گے۔ تمہارے بجائے میں خود کچھ کرنا چاہتا ہوں لیکن تفصیلات نہیں بتا سکتا۔ اب تم دونوں جا سکتے ہو۔"

اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔

جب دونوں افسران جا چکے تو صدرِ مملکت بھی اُٹھ کر اپنے بیڈ روم میں آ گئے۔ انھوں نے یہ دیکھنے کے لیے چند سیکنڈ انتظار کیا کہ ارد گرد کوئی ملازمہ یا ملازم وغیرہ موجود نہیں ہے۔ اس کے بعد انھوں نے بیڈ کی داہنی جانب کی دراز طیر متقل کی۔ اس میں سُرخ رنگ کا ایک ٹیلی فون سیٹ موجود تھا۔ جس پر ڈائل کی بجائے صرف ایک پُش بٹن تھا۔ انھوں نے گھڑی دیکھی اور پھر فون کا رسیور اُٹھا لیا۔ یہ رابطے کے لیے مقررہ اوقات میں سے ایک تھا۔ انھوں نے سُرخ بٹن دبا دیا۔

چند سیکنڈ کے توقف کے بعد دوسری جانب سے رسیور اُٹھا لیا گیا۔

"ڈاکٹر بہرام فرام چارہ گر سینی ٹوریم۔"

صدر کو اپنا تعارف کرانے کی کوئی ضرورت نہیں تھی کیونکہ یہ ہاٹ لائن صرف ایوانِ صدر فرووس اور چارہ گر کے مابین ہی کام کرتی تھی۔

"مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے بہرام۔"

"حکم کریں سر۔"

"ٹائیگر کہاں ہے؟ کیا تم نے اُسے واپس بُلا لیا ہے؟"

"نہیں سر! وہ اس وقت ہوٹل سن رائز گلستان میں مقیم ہے۔"

"فردوس ایک بار پھر بحران میں ہے۔ ابھی ہم ایک جھٹکے سے نہیں سنبھلے کہ کچھ اور تخریب کار اس قوم کو تباہ کرنے کے مذموم مقاصد لے کر نکل کھڑے ہوئے ہیں۔ مجھے انھی کے عزائم کو ناکام بنانے کے لیے ٹائیگر کی ضرورت ہے۔"

"میں ابھی اُس سے رابطہ قائم کرتا ہوں سر۔" ڈاکٹر بہرام نے جواب دیا۔ "ویسے اس بار کام کی نوعیت کیا ہے؟"

"انٹرنیشنل ٹرانسپورٹیشن ایسوسی ایشن۔" صدرِ مملکت نے جواب دیا۔ اور پھر دُوسری تفصیلات سے ڈاکٹر کو آگاہ کرنے لگے۔

☆☆

فیروزہ ایسٹیٹ کا جائزہ لینے کے بعد اُسے اس شخص پر دلی افسوس ہو رہا تھا جس نے اپنے تئیں اس عظیم الشان جائداد کے تحفظ کے لیے مخفی آلات نصب کر رکھے تھے۔ اُس نے اپنے طور پر اسے ایک قلعے سے زیادہ مضبوط بنایا تھا لیکن اس میں صرف ایک کمی رہ گئی تھی اور چونکہ تعمیر کنندہ نے اس ایک کمی کو پُورا کرنے کی کوشش نہیں کی تھی، اس لیے امکان یہی تھا کہ وہ دوپہر بارہ بج کر پانچ منٹ تک اس دُنیا سے کُوچ کرنے والا تھا کیونکہ ڈاکٹر بہرام نے اُسے رات کو صدرِ مملکت سے ہونے والی گفتگو سے آگاہ کرتے ہُوئے جلد پہنچنے کی ہدایت کی تھی۔

برقی آلات 'ریڈار' کے اصُول پر کام کر رہے تھے اور اُن سے فیروزہ پر پرواز کرنے والے جہازوں تک کا سُراغ لگایا جا سکتا تھا۔ ایسٹیٹ کے اردگرد کی زمین کو جنگل اور جھاڑیوں وغیرہ سے صاف کر دیا گیا تھا تاکہ حملہ آور بے خبری میں مکینوں پر حملہ آور نہ ہو سکیں۔ اس بڑے سے سبزہ زار کے بیچوں بیچ وہ عمارت واقع تھی جہاں ٹائیگر کو پہنچنا تھا۔

ویسے تو عمارت میں داخلے کا کوئی امکان تھا نہ راستہ لیکن ٹائیگر نے تعمیر کنندہ کی واحد کمی سے فائدہ اُٹھانے کی کوشش کی جو یہ تھی کہ شاید تعمیر کنندہ کے وہم و گمان میں بھی یہ نہیں ہو گا کہ کوئی حملہ آور دن دہاڑے عام راستے سے فیروزہ میں داخل ہو کر دروازے کی گھنٹی بجائے گا اور پھر اُس سمیت جو بھی راستے میں آئے گا، اُسے موت کے گھاٹ اتار دے گا۔ فیروزہ کی تعمیر چونک

اور خفیہ طور پر حملہ آوروں سے تحفظ کے اصُول پر تعمیر کی گئی تھی لیکن پرانے گھر میں بن بُلائے مہمان کی طرح وارد ہونے والے واحد شخص کی آمد روکنے کا کوئی انتظام نہیں تھا۔

فیروزہ ایسٹیٹ کا بلا شرکت غیرے مالک نواب فیروز خان اگر اپنے کاروبار میں کامیاب شخص نہیں تھا تو پھر وہ اپنی آنکھوں سے گھڑی کو دن کا ایک بجاتے نہیں دیکھ سکتا تھا لیکن اگر وہ کامیاب بزنس مین تھا تو وہ نہ صرف آج دوپہر ایک بجے تک زندہ رہتا بلکہ ہر روز سنٹرل جیل گلستان کے مرکزی گھڑیال پر ایک بجتے ہُوئے دیکھتا۔

نواب فیروز صرف گلستان روڈ ریس اور گلستان سوک لیگ کا صدر ہی نہیں بلکہ ایک ماہر سرجن بھی تھا۔ اُس کے پاس رائل کالج آف سرجنز اینڈ فزیشنز کی فیلوشپ (ایف آر سی ایس) تھی اور وہ صدرِ مملکت کے میڈیکل پینل برائے فزیکل فٹنس کا رُکن اور گلستان سول رائٹس کمیشن کا وائس پریذیڈنٹ تھا۔ نواب فیروز اس کے علاوہ مُلک کا ایک بہت بڑا بینکر تھا۔ اُس کے منافع تصور سے کہیں زیادہ تھے۔ وہ ملک بھر میں ہیروئن پھیلانے کے عوض سالانہ تین ارب فردوسی ڈالر کما رہا تھا۔

نواب فیروز بہت سے دُوسرے کاروبار بھی کرتا تھا۔ بہت سی صنعتوں اور اداروں میں اُس کے حصص موجود تھے۔ اُس نے شراکت میں فیروزہ سیونگز اینڈ ڈویلپمنٹ کارپوریشن بنا رکھی تھی جو ایک اور ذیلی ادارے گلشن کنسولیڈیٹڈ کو بڑی بڑی رقمیں فراہم کرتی تھی۔ یہ رقمیں اُن افراد کو قرضوں کے طور پر دی جاتی تھیں جنھیں کروڑوں کی ضرورت ہوتی تھی۔ اُس کے ایسے ہی ضرورت مندوں میں سرفراز رائے بھی شامل تھا جسے آٹھ لاکھ پچاس ہزار فردوسی ڈالر محض اُس کے دستخطوں پر فراہم کیے گئے تھے۔

گلشن کنسولیڈیٹڈ کو یہ رقم کبھی واپس نہیں ملی۔ سرفراز رائے مُلک سے فرار ہو گیا لیکن بعد ازاں وہ کابل میں پکڑا گیا جہاں وہ گلشن کنسولیڈیٹڈ کی رقم سے بھرے ہُوئے سُوٹ کیس سے خام ہیروئن خریدنے کی کوشش کر رہا تھا۔

گلشن کنسولیڈیٹڈ نے جمال ولی نامی ایک اور شخص کو بھی اتنی ہی بڑی رقم بطور قرض فراہم کی تھی۔ اُسے جب گرفتار کیا گیا تو وہ رقم سے محرُوم ہو چکا تھا لیکن اُس کے پاس ہیروئن سے بھرا ہُوا صندوق ضرور موجود تھا۔ سرفراز رائے کو قیدیوں کے تبادلے میں فردوس لایا گیا لیکن وہ اور جمال ولی کوئی ایسی شہادت پیش نہ

کر سکے جن کی روشنی میں فیروزہ سیونگز اینڈ ڈویلپمنٹ کارپوریشن یا اس کے صدر نواب فیروز خان کے خلاف کوئی کارروائی کی جا سکتی۔

چنانچہ مملکتِ فردوس میں ہیروئن پھیلانے والے اس شخص کو آج ہی عدالت سے باعزت بری کیا گیا تھا۔ ٹائیگر فیروزہ ایسٹیٹ کے عظیم ڈرائیوے میں یُوں بے فکری سے کھڑا تھا جیسے وہ اپنی سسرال میں آیا ہو۔ اُسے دیکھ کر کوئی شخص یہ اندازہ نہیں لگا سکتا تھا کہ وہ کسی کی موت بن کر آیا ہے۔

اُس نے ذرا فاصلے پر کچن کی کھڑکی کی طرف دیکھا، دُوسری جانب ڈرائنگ روم کی کھڑکی تھی اور اُسے دونوں کھڑکیوں سے دیکھا جا رہا تھا، بہت اچھے۔ اب اُسے دروازے پر زیادہ دیر انتظار نہ کرنا پڑتا۔

اُس نے گھڑی دیکھی۔ پونے بارہ بجے تھے۔ اُس نے حساب لگایا کہ وہ یہاں سے فارغ ہو کر پندرہ منٹ کے اندر اندر واپس گلستان پہنچ جائے گا لیکن راستے میں اُس نے ہائی وے پر ایک بہت اچھا ریستوران دیکھا تھا۔ اُس نے پندرہ منٹوں میں لنچ کا نصف گھنٹہ اور شامل کر لیا۔ اُس کے بعد وہ سن رائز ہوٹل میں موجود ہوتا۔ ڈاکٹر بہرام نے اُسے کسی کیمین وغیرہ کے بارے میں بتایا تھا۔ وہ خود کیمین رازم کے بارے میں خاک بھی نہیں جانتا تھا۔ بس بہرام نے اُسے کہا تھا کہ وہ ایک بُرے کام کے لیے تیار رہے۔

اُس نے سر اُٹھا کر پھر باری باری دونوں کھڑکیوں کا جائزہ لیا۔ دائیں اور بائیں کھڑکیوں سے دو آدمی اُس کی نگرانی کر رہے تھے۔ اُس نے اپنی پتلون کی ایک جیب میں ہاتھ ڈال کر بیس بال سائز کی دو پلاسٹک کی تھیلیاں نکال لیں۔ یہ ہیروئن کی تھیلیاں تھیں جو اُسے فردوس کے اعلیٰ حکام نے فراہم کی تھیں۔ یہ اُس کے فرار کا راستہ تھا۔

ٹائیگر نے تھیلیوں کو ہاتھوں میں گھمایا اور آگے بڑھ کر کال بیل دبا دی۔ پوشیدہ آنکھیں اب بھی اُس پر مرتکز تھیں۔ اُسی وقت دروازہ کھلا اور ایک طویل قامت شخص نے باہر جھانکا۔ وہ ٹائیگر کو ایک بلند سفید دیوار کی طرح نظر آیا تھا۔ ٹائیگر کی عقابی نگاہوں نے بغلوں کے نیچے سے جھانکتا ہُوا اعشاریہ چوبیس کا خفائتا پستول بھی دیکھ لیا تھا۔

"یس...؟" آنے والے کا لہجہ سوالیہ تھا۔

"گڈ مارننگ۔" ٹائیگر نے میٹھے انداز میں کہا۔ "میں نواب فیروز خان کو قتل کرنے کے لیے آیا ہُوں، کیا وہ موجود ہے؟"

بٹلر پلکیں جھپکا کر رہ گیا۔

"کیا؟" اُس کا مُنہ حیرت سے کُھلا رہ گیا۔

"میں نواب صاحب کو قتل کرنے آیا ہُوں۔ کیا تم مجھے اندر آنے دو گے، پلیز...؟"

"تم پاگل ہو؟"

"دیکھو، میں بہت مصروف ہُوں، زیادہ دیر انتظار نہیں کر سکتا۔"

"تم پاگل ہو۔"

"بڑے بھائی، میں باہر رہ کر اپنا کام نہیں کر سکتا، اس لیے براہِ مہربانی مجھے اندر آنے دو۔"

"کیا تمھیں پانی کا گلاس چاہیئے یا بھیک؟"

ٹائیگر نے دونوں ہتھیلیاں باہیں ہاتھ میں لے لیں۔ بٹلر کی آنکھوں نے اُس کے ہاتھ کی حرکت کا تعاقب کیا تھا جو تیزی سے خود اُس کے گلے کی طرف بڑھا تھا۔ چاقو کی طرح تیز اور چپٹا ہاتھ یُوں تیزی سے بڑھ کر واپس آیا تھا جیسے مینڈک کی زبان مکھی کو اُچکنے کے بعد واپس آتی ہے۔ بٹلر کی آنکھیں حلقوں سے اُبل پڑی تھیں۔ پھر اُس کا اپنا ہاتھ حلق کی طرف بڑھا۔ اُس کا مُنہ کھل گیا جو اب خون سے بھرا ہُوا نظر آ رہا تھا۔ بٹلر کے گلے سے خرخراہٹ کی آوازیں اُبھریں اور وہ فرش پر گر پڑا۔

ٹائیگر گرے ہُوئے بٹلر کو پھلانگ کر اندر داخل ہو گیا۔ اُس نے نگاہ دوڑائی۔ زندگی میں دیکھے ہُوئے چند خوابگاہ گھروں میں سے یہ ایک تھا۔

ملازم نے بٹلر کے گرے ہُوئے بدن کو دیکھا تو اپنے ہاتھ میں پکڑی ہُوئی ٹرے بھی گرا دی۔ دائیں ہاتھ کی کھڑکی میں موجود شخص بھی اُس کی طرف بھاگا تھا۔ بندوق اُس کے ہاتھ میں تھی۔ بندوق خاصی بھاری تھی، شاید اعشاریہ ۳۵۷ کی میگنم تھی۔

بے وقوف آگے بڑھنے کی بجائے وہ فاصلہ رکھ کر گن استعمال کرتا۔ اس لیے نہیں کہ اس سے وہ محفوظ ہو جاتا بلکہ اس لیے کہ وہ اپنے ہتھیار کا مناسب استعمال کرتے ہُوئے مارا جاتا تو بہتر رہتا۔

آنے والے کو شاید ابھی اس بات کا علم نہیں تھا کہ بٹلر اپنے ہی خون میں نہایا ہُوا ہے کیونکہ اُس نے بٹلر کا کٹا ہُوا گلہ نہیں دیکھا تھا۔

وہ قریب آیا تو ٹائیگر نے فوراً اُسے شکنجے میں لے لیا۔

Uploaded By Nadeem

اُس کی کلائی پر پڑنے والی ڈاؤن چاپ کی ایک ہی ضرب سے بندوق گر گئی۔ پھر ٹائیگر کی کہنی اُس کی ناک پر پڑی۔ وہ لڑکھڑا کر پیچھے ہٹا لیکن ٹائیگر نے گریبان سے پکڑ کر اُسے پھر آگے کو کھینچ لیا اور اپنی ہتھیلی سے اُس کی ناک دبادی۔ رُخسار، ناک اور ماتھے کی ہڈیاں ٹوٹ کر اُس کے بھیجے میں جا گھسیں۔ اگلے ہی لمحے وہ پُرشور آواز کے ساتھ پُختہ فرش پر گر پڑا۔

"نواب صاحب! ہم پر حملہ ہو گیا ہے۔" ایک آواز سُنائی دی۔ ٹائیگر نے بائیں سمت دیکھا۔ ایک ڈاکو ٹائپ شخص دروازے میں غائب ہو گیا تھا۔ بہت اچھے خاصی حیران کن بات تھی۔

"کتنے آدمی ہیں؟" دُوسری آواز سُنائی دی۔ ٹائیگر نے یہ آواز پہلے کبھی نہیں سُنی تھی لیکن اس کا اندازہ تھا کہ بولنے والا نواب فیروز خان ہے۔

"ایک سر... اسی وجہ سے ہم نے اُسے اندر آنے دیا تھا۔"

"ڈیم اٹ۔ وِکی نے اُسے روکا کیوں نہیں؟"

"وہ مر چکا ہے سر!"

یقیناً یہ ڈاکو نما شخص ہی تھا جو نواب کو صورتحال سے آگاہ کر رہا تھا۔

"باہر آؤ، تم لوگ کہاں ہو؟" ٹائیگر نے پکارا۔

"یہ کون ہے؟" نواب کی آواز دوبارہ سُنائی دی۔

"تمہارا پڑوسی دوست قاتل۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔

"یہ پاگل ہے۔" ٹائیگر کو ایک آواز سُنائی دی۔

ٹائیگر ہال کے اُس کونے کی طرف بڑھا جدھر ڈاکو نما شخص گیا تھا۔ اُسے آگے ایک دروازہ نظر آیا تھا۔ ڈاکو نما شخص اسی دروازے کی طرف بڑھ رہا تھا نواب فیروز اُس کے پیچھے تھا۔ دروازہ تھوڑا سا کھلا ہوا تھا ٹائیگر آڑ میں کھڑا ہو گیا۔ قریب پہنچ کر اُس نے دوبارہ دروازے کو کھٹکھٹایا۔

جواب دو گولیوں سے ملا جو دروازے سے گزر کر سامنے کی دیوار میں جا گھسیں۔ پلستر میں انگوروں کے سائز کے دو سوراخ ہو گئے تھے۔

"آغ..." ٹائیگر کراہا اور پُرشور آواز کے ساتھ فرش پر گر گیا۔ زبان اُس نے باہر نکالی اور دیدے یوں گھما لیے کہ حلقوں سے قرینے کے صرف سفید حصے نظر آ رہے تھے۔ پھر اُس نے اپنے قریب دروازہ کھلنے کی آواز سُنی۔

"میں نے اُسے مار گرایا۔" نواب کی آواز سُنائی دی۔ قدموں کی آہٹ غالباً بیس گز دُور تھی جو دھیرے دھیرے قریب ہو رہی تھی۔ کوئی سخت چیز اُس کے رُخسار پر چبھی۔ رائفل کی بیرل تھی کیونکہ پستول کی بیرل اتنی بھاری نہیں ہوتی۔ تیسرے کی ٹو بھی اُس کے نتھنوں سے ٹکرائی۔ یوں لگا جیسے کسی کے جُوتے کیچڑ میں لتھڑے ہوئے ہوں۔ اُس کی پشت فرش سے لگی ہوئی تھی۔ ایک شخص دائیں اور دُوسرا ٹانگوں کے قریب کھڑا تھا۔ کسی کا ہاتھ سینے پر تھا، ایک اُس کی طرف جھکا ہوا تھا۔

"سانس چل رہی ہے لیکن بہت مدھم سر!"

"گولی کہاں لگی ہے؟"

"پتا نہیں، گولی کا کوئی سوراخ نظر نہیں آ رہا۔ اس کی کا کیا کریں گے سر!"

"کیا بکواس کرتے ہو۔ بھلا یہ بھی کوئی مشکل کام ہے اور وہ بھی نواب فیروز خان کے لیے!"

"اس کے ہاتھ میں بھی کوئی شے موجود ہے سر!"

ٹائیگر نے اپنے ہاتھ کی اُنگلیاں کھلتے اور دونوں ہتھیلیاں نکلتے محسوس کیں۔

"یہ ہیروئن لگتی ہے؟"

"ڈیم اٹ۔" نواب فیروز خان دہاڑا۔

"ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ ہیروئن لے کر داخل ہوا تھا۔"

"نہیں، اسے فلش میں بہا دو۔"

"یہ تیس گرام سے زائد لگ رہی ہے۔"

"اُلو کا... " نواب نے اُسے اُس کے خاندانی لقب سے نوازا۔ "مجھ جیسے بیکر کے لیے بھلا اس کی کیا حیثیت ہے؟"

"یس سر..." اُس نے جواب دیا۔

ٹائیگر نے گن کی بیرل میں کچھ تھرتھراہٹ محسوس کی۔ اب وہ مزید انتظار نہیں کر سکتا تھا۔ اُس کا دایاں انگوٹھا اُوپر آیا۔ گن کی بیرل کا رُخ زمین کی طرف ہو گیا۔ گولی بھی تقریباً اُسی وقت چلی جو ٹائیگر کے جسم کے بالکل برابر زمین میں گھس گئی۔ ایک جھٹکے سے ٹائیگر نے اپنا جسم فرش سے اُٹھایا۔ ساتھ ہی اُس کا بایاں ہاتھ پُوری قوت سے گلستان کے سب سے بڑے بزنس مین کے گال پر پڑا۔

"اوغ..." نواب فیروز کی دردیں ڈُوبی آواز سُنائی دی۔

ٹائیگر نے دُوسرے ہاتھ سے ڈاکو کا بازو پکڑ لیا۔ صرف ایک جھٹکے کی ضرورت تھی اُس کا پُورا بازو ٹانے کے پاس سے

جُدا ہو گیا۔ ڈاکو زخمی شیر کی طرح دہاڑا۔ ٹائیگر نے ٹانگ چلائی اور وہ بڑے زور سے عقبی دیوار سے جا ٹکرایا اور وہیں گر کر ساکت ہو گیا۔ اُس کا سر ڈھلک گیا تھا۔

ٹائیگر نے ہال وے کا جائزہ لیا۔

کوئی نہیں تھا۔ وہ دوبارہ نواب کی طرف مُڑا۔

"مئی لسل کا سلام پہنچے مائی ڈیئر نواب!"

ٹائیگر کی دو اُنگلیاں اُس کے سینے کے بائیں حصے میں داخل ہو گئیں۔ نواب نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے یہ منظر دیکھا۔ اُنگلیاں نہیں یا کوئی تیز دھار چاقو۔ بس یہ آخری منظر تھا جو اُس کی آنکھوں نے اس دُنیا میں دیکھا اور پھر چراغوں میں روشنی نہ رہی۔

ٹائیگر نے پھر ہال میں نگاہیں دوڑائیں۔ ہیروئن کی تھیلیاں کہاں تھیں؟ وہ ڈاکو کی طرف بڑھا۔ اُسے اُمید تھی کہ وہ صرف بے ہوش ہُوا ہے۔ واقعی ایسا ہی تھا۔ اُسے ہوش میں لانا ٹائیگر کے لیے کیا مشکل تھا۔ اُس نے ایک رگ مسلی اور دُوسرے ہی لمحے ڈاکو نے گڑبڑا کر آنکھیں کھول دیں۔ اُس کے مُنہ سے بے اختیار ایک کراہ خارج ہو گئی۔

اور پھر اُس نے اُس جگہ تک ٹائیگر کی رہنمائی کی جہاں ہیروئن موجود تھی۔ اُس نے تھیلیاں اُٹھا کر اُنھیں ڈاکو کے چہرے پر دے مارا۔

"میرا خیال ہے کہ تم پولیس کو فون کرنے سے پہلے ان سے نجات حاصل کرنا چاہو گے۔" ٹائیگر نے اُسے زندہ چھوڑنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ بازو ٹوٹنے سے اُس کا بے تحاشا خون بہنا بند ہُوا تھا لیکن اُمید تھی کہ وہ زندہ رہے گا۔

ٹائیگر نے ایک تھیلی پھاڑ ڈالی۔ پھر دُوسری اور تیسری۔ ذرا سی دیر میں ساری ہیروئن پُورے ہال میں خاک کی طرح بکھری ہُوئی تھی۔ خالی تھیلیاں اُس نے صوفے پر پھینکیں اور خارجی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

آدھے گھنٹے بعد وہ گلستان کی شہری حدود میں ایک برگر اسٹال پر کھڑا تھا۔ اُس نے ایک کوک اور دو برگر کا آرڈر دیا تھا۔

آرڈر کا انتظار کرتے ہُوئے اُسے ڈاکٹر بہرام یاد آ گیا۔ اُس کی باتوں سے اندازہ ہوتا تھا کہ مُسلم آباد میں پھر کوئی بڑا واقعہ رُونما ہونے والا تھا اور اس بار اس کا تعلق نو مین مومنٹ سے تھا۔

برگر آ گئے تھے۔ ٹائیگر نے بہت سا کیچپ انڈیلا اور جونہی

الف لیلہ ڈائجسٹ کا مقبول سلسلہ

انسان اور شیطان

مصنف محمد فراز

امیر علی خان کی خوفناک آپ بیتی

مکتبہ القریش سرکلر روڈ اردو بازار لاہور

فون 7668958

پہلا لقمہ لینے کے لیے اُس نے برگر کو منہ کی طرف بڑھایا اُس کے ذہن میں اُوشان کی تنبیہہ در آئی۔

اور دوسرے ہی لمحے برگر کی پلیٹ چھوڑ کر اُٹھ چکا تھا۔

▼

"خوش آمدید انٹرنیشنل برادر ہڈ آف ڈرائیورز۔"

ہال کے دروازے سے اندر داخل ہوتے ہی سامنے والی دیوار پر ایک بڑا سا بینر لگا ہُوا تھا۔ خاموش کنونشن ہال میں دو افراد روسٹرم کے قریب کھڑے تھے۔ اُن میں سے ایک بینر کو دیکھ رہا تھا اور دُوسرا اُسے دیکھ رہا تھا۔

اگلے تین گھنٹوں کے دوران یہ خاموش قطاریں اور اندھیری نشستیں ہنستے، مسکراتے، تالیاں بجاتے مضبوط آدمیوں اور انہیں کنٹرول کرنے والوں سے بھر جانی تھیں۔ یہ ایک بہت بڑا کنونشن تھا بلکہ ہر سال اتنا بڑا ہوتا ہے لیکن اس بار اس کی اہمیت یُوں زیادہ تھی کہ یہ شاہین آباد یا گلشن نگر کی بجائے دارالحکومت میں ہو رہا تھا۔

اُس کی جگہ صرف دو ماہ پہلے تبدیل ہُوئی تھی۔ بعض لوگوں نے اس پر شدید ناراضی کا اظہار بھی کیا تھا لیکن بالآخر انھیں بھی ہار ماننا پڑی تھی۔ انھیں علم تھا کہ اس سارے تضیے کے پیچھے کس شخص کا ہاتھ تھا۔

ان سارے لوگوں کی ناراضی یا اُس کے تحت کی کسی پریشانی کا مقامی برانچ نمبر ۲۷۸ کو مان دیلی کے صدر پر کوئی اثر نہیں پڑتا تھا

وہ سکون سے کھڑا ہیئر کا معائنہ کر رہا تھا۔

علی جواد کی عمر پچیس چھبیس سال سے زیادہ نہیں تھی۔ اُس نے ہلکے نیلے رنگ کا کھدری پیس سوٹ پہن رکھا تھا۔ لوگوں کا کہنا تھا کہ وہ ڈرائیوروں کی ایک یونین کا صدر ہونے کے لیے بہت کم عمر تھا لیکن اُس کی ٹمراپنی جگہ۔ اُس کا نام انٹرنیشنل برادر ہڈ آف ڈرائیورز کی صدارت کے لیے پیش ہونے والا تھا۔

"ابھی تین گھنٹے بعد کنونشن شروع ہو جائے گا اور مجھے یقین ہے کہ ہم انتخاب جیت جائیں گے۔" علی جواد کے عقب میں کھڑے ہوئے براسچ ۸۷۲ کے نائب صدر اور اُس کے اسسٹنٹ نوشاد نے اُسے کہا۔

علی جواد نے پلٹ کر اُسے دیکھا۔ اُس کا چہرہ کسی گہری سوچ کی غمازی کر رہا تھا۔

"شاید ہمیں کوئی دوسری حکمت عملی اپنانی پڑے۔" اُس نے تبصرہ کیا۔

"تمہارا انداز مجھے خوفزدہ کر رہا ہے جواد۔" نوشاد نے جواب دیا۔ "ہم نے اتنی رقم خرچ کی ہے جس کا حساب نہیں کیا جا سکتا۔ ہم نے ایسے معاہدے کیے ہیں جن کی تکمیل بظاہر مشکل نظر آتی ہے۔ ہم بڑے غلط قسم کے لوگوں میں آ پھنسے ہیں۔ اس لیے اگر تم صدارت کا انتخاب جیتنے میں ناکام رہے تو بڑی گڑبڑ ہو جائے گی۔"

"میں نے تو فیصلہ قسمت پر چھوڑ دیا ہے۔" جواد نے کہا اور اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ رینگ گئی۔ وہ مسکراہٹ جو اُس کی پہچان تھی۔ اس مسکراہٹ میں پیار محبت ہی نہیں سیاست بھی چھپی ہوتی تھی۔ اسی مسکراہٹ کے بل بوتے پر اُس نے صرف تین ماہ کی قلیل سی مدت میں ڈرائیوروں کی یونین میں ایک قومی حیثیت حاصل کر لی تھی۔

جواد اور نوشاد نے اُس کے بعد اس موضوع پر کوئی بات نہیں کی حتیٰ کہ کنونشن کا آغاز ہو گیا۔ ہال کھچا کھچ بھر گیا تھا۔ ہر جانب سر ہی سر نظر آ رہے تھے اور وہاں جمع ہونے والے دو فود نے آسمان سر پر اُٹھا رکھا تھا۔

جواد نے اپنے نائب صدر کو ان چیختے چنگھاڑتے دو ہزار افراد کی طرف متوجہ کیا۔

"میں ان دو ہزار چیختے چلاتے بے وقوفوں کو بہت جلد اپنی مٹھی میں لینے والا ہوں۔" اُس نے فخریہ انداز میں کہا۔ "اور اس کے بعد میں اگلا قدم اٹھاؤں گا۔"

"ابھی ایک مرحلہ اور باقی ہے جواد۔"

"ایک مرحلے کے بعد ہمیشہ دوسرا مرحلہ آتا ہے۔"

"لیکن اس وقت جس مرحلے سے ہم گزر رہے ہیں، اُس کے بارے میں کیا خیال ہے؟ فی الحال تو صدارت کے بارے میں سوچو جواد، یاد رکھو کہ اگر ہم اس میں کامیاب نہ ہو سکے تو پھر ہمیں جیل جانا ہوگا۔ ہم نے انٹرنیشنل یونین سے فنڈز لے کر یہ عمارت تعمیر کی ہے۔"

"تمہارا کیا خیال ہے کہ صورتِ حال کے اس نازک ترین پہلو سے میں آگاہ نہیں ہوں۔"

"مجھے معلوم ہے کہ تم ایک بیدار مغز آدمی ہو۔ لوگ تمہیں پسند کرتے ہیں لیکن میں نہیں جانتا کہ گزشتہ تین ماہ میں تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ تم اس لوڈ کے لیے اُس خوبصورت لڑکی کی حیثیت اختیار کر گئے ہو جو کپڑے نہیں پہنتی۔ تم نے خود کو اتنا بدل لیا ہے کہ میں یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ میں تمہیں جانتا تک نہیں۔"

"تم مجھے کبھی نہیں جان سکتے بے وقوف۔"

"تو پھر تم جیل بھی اکیلے ہی جاؤ گے۔"

"میں نہیں ہم، نوشاد ہم۔"

"نہیں، میں نے جو کچھ کیا تھا، وہ صرف تمہیں اوپر لانے اور مقامی برانچ کی صدارت دلوانے کے لیے تھا۔"

"بس، تم اپنا جرم اتنا ہی سمجھتے ہو؟"

"ہاں اور میرے خیال میں یہ کوئی اتنا بڑا جرم نہیں کہ مجھے بھی جیل جانا پڑے۔"

جواد نے دونوں ہاتھ پتلون کی جیبوں میں ڈال لیے۔ وہ مائیکروفون پر کھڑا ہو گیا۔ اگلے ہی لمحے وہ کنونشن کے وفود سے مخاطب تھا۔

"انٹرنیشنل برادر ہڈ آف ڈرائیورز کے پچاسویں کنونشن کے ساتھی ڈرائیورو و مندوبین حضرات! میں اپنا نائب صدر مہاسے حوالے کر رہا ہوں۔ وہ ایک دیانت دار شخص ہے اور آپ کے ساتھ بُرے بھلے وقت میں دوستی نبھا سکتا ہے۔ میں تمہیں بتاتا ہوں کہ وہ کیونکر تمہارا ساتھ دے گا۔"

"جلدی بتاؤ۔" کہیں سے ایک آواز اُبھری۔

"میں بتاتا ہوں کہ وہ کیونکر آپ لوگوں کا ساتھ دے گا۔ وہ بہت سی صلاحیتوں کا مالک ہے۔"

"کم آن نوشاد۔"

"کیونکہ وہ مٹی کے ڈھیر میں تبدیل نہیں ہونا چاہتا۔"

نوشاد کا چہرہ سفید پڑ گیا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے اُس کے جسم کا سارا خون نچوڑ لیا گیا ہو۔ وہ پریشانی کے عالم میں آڈیٹوریم کا جائزہ لے رہا تھا۔

"تم مجھے اسی طرح پریشان کرو گے؟" نوشاد نے پوچھا۔

"تجھے اچھا لگ رہا ہے۔"

"تم پہلے تو ایسے نہیں تھے اب کیا ہوا؟"

"میں نے ایک سوئمنگ پول، ایک جیگوار، ایک داشتہ، ایک ملازم اور اتنی طاقت حاصل کر لی ہے کہ اس یونین کا تختہ کر سکوں اور بہت جلد میں ملکی سیاست میں بھی ہلچل مچانے والا ہوں میرے موٹے یار!"

نوشاد عجیب سے انداز میں اُسے دیکھتا رہ گیا تھا۔

"جواد..." اسپیکر پر ایک اور آواز اُبھری۔ یہ بوسٹان کی برانچ نمبر ۳۰ کا صدر انتھونی تھا۔ جواد کے ساتھ ساتھ نوشاد کی نظریں بھی اُس کی طرف گھوم گئیں۔ اُس کے ساتھ بیٹھے ہوئے آدمی بڑے جلالی بھرکم اور خطرناک دکھائی دیتے تھے۔ انتھونی خود چھ فٹ پانچ انچ لمبا تھا اور نوشاد کو علم تھا کہ اُس کا وزن ۳۲۰ پونڈ سے کسی طرح بھی کم نہیں تھا۔ انتھونی کے بارے میں یہ بات بڑی مشہور تھی کہ وہ پانچ پونڈ کے ہیر پھیر سے کسی شخص کے وزن کا اندازہ لگا سکتا ہے۔

وہ بلانوش ضرور تھا لیکن اس خامی کے باوجود وہ مشرقی علاقے کی یونین کی سیاست میں ایک قوت کے طور پر پہچانا جاتا تھا۔ وہ ایسا آدمی تھا جس کے لیے جواد نے خواہش کی تھی کہ بین الاقوامی صدارت جیتنے کے لیے وہ اُس کا ساتھ دے۔

"ہیلو نوشاد، تم کیسے ہو؟" انتھونی کی آواز دوبارہ اُبھری۔

"بہت اچھے۔"

"ویل، ویل۔ انتھونی جیتو، تمہاری آمد کا بے حد شکریہ۔" جواد نے کہا۔

"میں یہاں تمہیں اپنی حمایت کا یقین دلانے نہیں آیا۔ میں صرف یہ بتانے کے لیے آیا ہوں کہ ہمارے ایک گروپ نے شہر سے باہر رہی ہوئی اُس عمارت کا کھوج لگا لیا ہے۔"

جواد مسکرایا۔ "آہ انتھونی، انتھونی۔" اُس نے ایک طویل سانس لی۔ "تم اُسے تو چھوڑو، فی الحال میری حمایت کی بات کرو۔"

انتھونی نے پہلے اسپیکر پر ٹیٹ فارم اور اپنے ساتھ آئے ہوئے لوگوں کا جائزہ لیا۔

"لڑکے! اُلجھانے کی کوشش مت کرو۔ اسے تسلیم کرو کہ تم نے یونین کا پیسہ چرایا اور شہر سے باہر اس قسم کی عمارت کی تعمیر پر خرچ کیا۔ کونسل کی منظوری حتیٰ کہ خازن کی منظوری لیے بغیر تم نے ہمیں کروڑوں کا مقروض کر دیا۔ یہ بھی صرف اندازہ ہے۔ ابھی تو یہ بھی معلوم نہیں کہ کتنے کروڑ۔ ہمارے اکاؤنٹنٹ صحیح رقم کا حساب لگا رہے ہیں۔"

"کیا تم نے خازن سے بات کی ہے؟" جواد نے پوچھا۔

"ہاں، ہم بات کر چکے ہیں۔"

"اور وہ کیا کہتا ہے؟"

"وہ ہمارے ساتھ ہے۔ ہم تمہارے لیے یہی کہہ سکتے ہیں کہ تم گڑھے میں گرنے والے ہو کیونکہ تم ایسے لوگوں میں آ پھنسے ہو جو نہیں تم خرید نہیں سکتے۔ ان سے کوئی معاہدہ نہیں کر سکتے۔ ہم تمہارے اردگرد جال تنگ کر چکے ہیں لڑکے اور بہت جلد تمہیں برادر ہڈ سے نکال دیا جائے گا۔"

ہال میں ایک شور سا اُٹھا۔ مختلف آوازیں سنائی دیں لیکن بتدریج خاموشی چھاتی گئی۔

اگر کنڈیشنڈ پوری رفتار پر چلنے کے باوجود نوشاد کی ٹھوڑی پسینے سے بھیگ گئی۔ اُس نے ہتھیلی کی پشت سے اُسے صاف کیا۔ اُس کے ہونٹ خشک ہو گئے تھے۔ اُسے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس صورتحال میں کیا کرے؟

"تم بھی اس کے ساتھی ہو نا نوشاد؟" انتھونی نے پوچھا۔

نوشاد کی آنکھیں جھک گئیں، پھر اُس نے باری باری انتھونی اور جواد کو دیکھا جو اب پھر مائیکروفون میں کسی گویے کی طرح ہنس رہا تھا۔ نوشاد نے دوبارہ سر جھکا لیا۔

"تم بھی اس کے شریک تھے۔" انتھونی نے دوبارہ دریافت کیا۔

نوشاد منہ ہی منہ میں کچھ کہہ کر رہ گیا تھا۔

"مردوں کی طرح بات کرو۔" انتھونی نے فقرہ کسا۔ "ابھی تمہارے پاس واپسی کے دروازے کھلے ہیں۔ ہمیں علم ہے، تم بے قصور ہو۔"

"میں بھی اس کے ساتھ تھا۔" نوشاد نے دھیرے سے کہا۔

"کیا؟" انتھونی غرایا۔

"میں اس کا ساتھی ہوں، اس کا شریکِ کار ہوں۔" اس بار نوشاد بلند آواز میں چیخا تھا۔

"مجھے اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا نوشاد۔" انتھونی نے کہا۔

"تمہارے انجام پر مجھے افسوس ہے۔"

جواد نے قہقہہ لگایا اور مائیکروفون کو تھام لیا۔

UrduAdda.com

"تم جاننا چاہتے ہو کہ تمہاری رقم کہاں گئی؟"

"یہ اتنا اس کا بچہ ناقابلِ اعتبار ہے۔" انتھونی اپنے ساتھیوں کی طرف پلٹا۔ "اور یہ بین الاقوامی صدر بننے چلا ہے۔" انتھونی کے ساتھیوں نے بلند آہنگ قہقہہ لگایا تھا۔

اُن کی ہنسی چالیس منٹ بعد اُس وقت رُکی تھی جب اُن کی گاڑیاں ٹائمک اسٹریٹ پہنچیں اور انھوں نے آسمان کی بلندیوں کو چھوتی ہوئی شاندار عمارت دیکھی۔ وہ اُس کی خوبصورتی پر حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکے تھے۔

حتیٰ کہ کوہستان کے یونٹ نمبر ۱۲۸ کا بزنس ایجنٹ سلطان بھی اُس کی تعریف کرنے لگا تھا جس کے بارے میں یہ مشہور تھا کہ پوری یونین کا مشکل ترین، جاہل اور اُجڈ مہم یدار ہے۔

"خوبصورت۔" وہ گنگنایا۔ "واقعی خوبصورت۔"

"جانتے ہو اس کے لیے تمہاری کتنی رقم برباد کی گئی ہے۔"... انتھونی نے اُسے یاد دلایا۔

"خوبصورت۔" سلطان کو رقم کی پروا نہیں تھی۔

"میں نے رقم کے بارے میں کہا تھا اُلو کے..." انتھونی ہتھے سے اُکھڑ گیا۔

"خوبصورت۔" سلطان اپنی بات پر اَڑا ہوا تھا۔

"یہ صرف بیرونی حصہ ہے۔ اندرونی حصہ دیکھنے تک انتظار کرو۔" جواد اُس کی مدد کے لیے آگیا تھا اور یوں وہ پہلے افراد تھے جنھوں نے پہلی مرتبہ ٹائمک اسٹریٹ پر بنی ہوئی اس خوبصورت اور عظیم الشان عمارت کو دیکھا۔

سلطان نے مزید ۱۴۷ مرتبہ خوبصورت کے الفاظ ادا کیے تھے۔ یوں پتا چلا کہ مئی ریان جاوید غازی اور پارس نے باقاعدہ گنا تھا۔

"اب اگر تم نے ایک بار بھی خوبصورت کہا تو اگلی مرتبہ دانتوں کے بغیر بولو گے۔" پارس نے اُسے دھمکی دی کیونکہ یہ لفظ سُن سُن کر اُن کے کان پک گئے تھے۔

"ہاں۔" سلطان نے جواب دیا۔ "اور تم سر کے بغیر اس لفظ کو سنو گے۔"

"شرافت سے رہو۔" انتھونی نے انھیں متنبہ کیا۔ "آپس میں مت لڑو۔ پہلے ہم نے انسان کی اولاد سے نمٹنا ہے۔"

"تم سب لوگ میرے دفتر میں چلو گے یا باری باری مجھ سے ہو گے۔" جواد کو ان باتوں کی کوئی پروا نہیں تھی۔

"میں سب سے پہلے دفتر میں چلوں گا۔ کسی اور کی کوئی ضرورت نہیں۔" انتھونی نے کہا اور پھر اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہوا۔ "سلطان، مئی، جاوید اور پارس تم لوگ اس نوشاد پر نظر رکھو گے۔"

"ہم ایلیویٹر کے ذریعے دفتر میں چلیں گے۔" جواد نے اُسے آگاہ کیا۔

"وہاں جانے کی بجائے یہیں کہیں بات کریں تو کیا حرج ہے۔" انتھونی اپنی پہلی بات سے مُکر گیا تھا۔

"میرا دفتر تمہارے لیے ایک حیران کُن چیز ہوگی۔" جواد نے اُسے اُکسایا۔

"ٹھیک ہے چلو۔" انتھونی نے دوبارہ آمادگی ظاہر کر دی۔ "میں بھی تو دیکھوں، وہاں تم نے کیا جمع کر رکھا ہے؟" پھر اُس نے نوشاد کے خوفزدہ چہرے کا جائزہ لیا۔ "ہم سب اُس خوبصورت دفتر میں چل رہے ہیں۔"

سلطان نے اُس کی بات سمجھ کر زوردار قہقہہ لگایا۔ باقی ساتھیوں نے اُس کی تقلید کی تھی۔

تھوڑی دیر بعد تو ڈرائیور ایلیویٹر میں سوار تھے جس نے انھیں ایک بہت بڑے کمرے میں پہنچا دیا تھا۔

انتھونی نے بڑے کمرے میں دیواروں سے دیوار گیر نقشے کو دیکھا اور فوراً مطالبہ کر دیا کہ جواد کا دفتر کہاں ہے؟

"اِدھر۔" جواد نے ایک طرف اشارہ کیا اور انتھونی نے ہاتھ بڑھا کر... کالر سے اُسے پکڑ لیا اور اُدھر لے چلا، جدھر جواد نے اشارہ کیا تھا۔

"یہ متقل ہے۔" جواد نے اُسے آگاہ کیا۔

"ہم کھول لیں گے۔" انتھونی نے کہا اور جواد کو دروازے پر دھکا دے دیا۔ وہ بُری طرح اُس سے ٹکرایا تھا۔

"کم از کم مجھے اسے کھولنے تو دو۔" جواد نے بے چارگی سے کہا تو انتھونی نے اُسے چھوڑ دیا۔ جواد نے کوئی خاص ترتیب استعمال کی اور ہینڈل کھل گیا۔

انتھونی نے اب اُسے کمرے میں دھکیل دیا۔

"میں پانچ منٹوں میں باہر آجاؤں گا دوستو۔" اُس نے اپنے ساتھیوں کو بتایا۔ "نوشاد کا خیال رکھنا لیکن کوئی زبردستی نہیں کرنا یہ ابھی ہمارے بہت کام آئے گا۔"

اس کے ساتھ ہی اُس نے اندر داخل ہو کر دروازہ بند کر لیا۔

نوشاد باہر خاموش کھڑا رہ گیا۔ وہ سب تھی ڈرائیوروں سے نگاہیں چُرا رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد جب اُس نے نظریں اُٹھا کر اُن کا جائزہ لیا تو پتا چلا کہ وہ بھی اُس سے نگاہیں چُرا رہے تھے۔ وہ اسی طرح ایک دوسرے کی طرف دیکھنے سے بچتے رہے۔

نصف گھنٹہ گزر گیا۔

نوشاد کے مُنہ پر پسینہ چمکنے لگا تھا۔

سلطان نے فوراً اُسے رومال تھما دیا۔

"میرے خیال میں ٹھنڈا پانی مناسب رہے گا۔" اُس نے تجویز پیش کی۔

"ہاں..." خلافِ توقع نوشاد نے بھی اُس سے اتفاق کیا۔ "ٹھنڈا پانی بہتر ہوگا۔"

"کیا یہاں قریب ہی ٹھنڈا پانی موجود ہے؟"

"نہیں، پانی تہ خانے میں موجود ہے۔"

"پانی ہے، ان پائپوں کی طرف دیکھو۔"

"یہ پانی کے لیے نہیں ہیں۔"

"پھر کس لیے ہیں؟"

"میں نہیں جانتا، لیکن یہ پانی کے لیے نہیں ہیں۔"

"لیکن لگ تو پانی کے پائپوں جیسے رہے ہیں۔ کیا یہ پانی کے پائپ نہیں لگتے دوستو؟ میرا مطلب ہے یہ پانی کے پائپ ہیں ٹھیک؟" سلطان نے کہا۔

"خاموش رہو۔" پارس نے اُسے متنبہ کیا۔ "فی الحال اپنی زبان بند رکھو۔"

"مجھے تو یہ پانی کے پائپ ہی لگ رہے ہیں۔" سلطان بھی اپنی ہٹ کا پکا تھا۔

دروازہ کھلا اور علی جواد کا سر نمودار ہوا۔

"انتھونی تم سے ملنا چاہتا ہے پارس۔"

"اس کے پاس پائپ ہے۔" جواب میں اُس نے نوشاد کی طرف اشارہ کیا۔

"مجھے علم ہے۔" جواد نے مٹھاس بھرے لہجے میں کہا۔ "میں تمہاری بات سمجھ رہا ہوں۔ فی الحال اندر آؤ۔ انتھونی تم سے کوئی بات کرنا چاہتا ہے۔"

"ہو سکتا ہے کہ یہ جواد کی مقبول شخصیت کا اثر تھا کہ پارس بغیر کسی اعتراض کے اندر چلا گیا۔

"تمہارے خیال میں کیا ہو رہا ہوگا؟" مئی ریان نے پوچھا۔

"میں نہیں جانتا۔ ہو سکتا ہے اُن میں کوئی معاہدہ ہو گیا ہو۔" جاوید نے جواب دیا۔

"نہیں، انتھونی دھوکے بازوں کے ساتھ معاہدے کرنا پسند نہیں کرتا۔" ایک اور یونین کے وفد نے کہا۔

"وہ کوئی معاہدہ نہیں کرے گا۔" ایک اور آواز نے کہا۔

"وہ معاہدہ کرنے والے ہیں۔" اچانک جاوید نے مسکراتے ہوئے کہا۔ وہ نوشاد کو بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔

"میں صحیح صورتحال جانتا ہوں۔" سلطان نے کہا۔

تمام لوگ اُس کی طرف متوجہ ہو گئے۔

"یہ یقینی طور پر پانی کے پائپ ہیں۔" سلطان پھر ایک ٹانگ پر کھڑا ہو گیا تھا۔ "یہ پانی کے پائپ ہیں۔"

"بکواس مت کرو۔" جاوید نے کہا۔

"خاموش رہو۔" ریان برس پڑا۔

"یہ پانی کے پائپ نہیں ہیں۔" نوشاد منمنایا۔

مزید نصف گھنٹہ گزر گیا۔ دروازہ پھر کھلا۔

"کیا آپ لوگ اندر نہیں آئیں گے، پلیز۔"

تمام لوگوں نے اثبات میں سر ہلایا اور اسکول کے بچوں کی طرح قطار بنا کر دفتر میں داخل ہو گئے۔

"میرے خیال میں کوئی معاہدہ ہو گیا ہے۔" جاوید نے سرگوشی کی۔

لیکن معاہدے کے کوئی آثار نہیں تھے۔ ایلیویٹر سے تین گُنا بڑے کمرے میں اس وقت لوہے کی ایک میز کے علاوہ کچھ نہیں تھا۔ ہلکی روشنی کا ایک بلب چھت سے لٹکا ہوا تھا جس کی وجہ سے دیواروں پر لگے ہوئے پائپوں کے سائے بڑے بھیانک لگ رہے تھے۔ انتھونی اور پارس کہیں موجود نہیں تھے اور وہاں سے جانے کا کوئی راستہ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ نہ کوئی دروازہ تھا نہ کوئی کھڑکی۔

"انتھونی اور پارس کا کہنا ہے کہ وہ گلشن نگر کے ساحل سے سمندر کا نظارہ کرنا چاہتے ہیں۔ انہیں یہ جدید نظریات پسند نہیں آئے۔ اس لیے وہ چلے گئے۔" جواد نے اُنھیں آگاہ کیا۔

"کس طرح... یہاں تو کوئی دروازہ نظر نہیں آ رہا۔" جاوید نے چاروں طرف کی دیواروں کا جائزہ لیتے ہوئے حیرت سے کہا۔

"وہ جا چکے ہیں۔ آؤ اب ہم بزنس کی بات کریں۔ تم لوگ میری صدارت کی راہ میں حائل ہو۔ اب مجھے بتاؤ کہ تم لوگ اسیر ہونا پسند کرو گے یا کسی ناکام انقلاب لانے والوں کی طرح بھیانک انجام سے ہمکنار ہونا چاہو گے۔"

"ہم انتھونی اور پارس کے بغیر کسی ووٹنگ میں حصہ نہیں لیں گے۔" مان کے ایک ڈرائیور صدر نے کہا۔

"پھر تم کبھی ووٹ نہیں دے سکو گے لڑکے۔" جواد نے انتہائی میٹھے انداز میں کہا۔

Uploaded By Nadeem

اچانک ہی صورتحال بدل گئی۔ انھیں پتا چل گیا تھا کہ پہلے کیا واقعہ رُونما ہو چکا ہے۔ چنانچہ انھوں نے ناکام انقلاب لانے والوں کے انجام سے ہمکنار ہونے سے انکار کر دیا۔

"جواد سب سے بہترین اُمیدوار ہے۔" ایک وفد کے صدر نے چیخ کر وہ نعرہ دُہرا دیا جو ایک ہفتہ قبل وہ جواد کی طرف سے بھیجے جانے والے سرکلرز پر دیکھ چکا تھا۔

"جواد ہمارا اُمیدوار ہے۔ وہ سب سے بہترین چناؤ ہے۔" باقیوں نے اس کی تائید کی تھی۔

علی جواد نے ہاتھ اُٹھا کر اپنے نئے حامیوں کو خاموش کرا دیا۔

"دوستو! میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ کیا کہوں؟ میں سمجھ رہا ہوں کہ انٹرنیشنل بلڈرز آف ڈرائیونز میں ایک نئی رُوح آنے والی ہے۔"

سُلطان ایک سوال کرنا چاہتا تھا جو ابھی تک اُسے پریشان کر رہا تھا۔

"مسٹر جواد!" اس بار اُس نے اُسے بڑے احترام سے مخاطب کیا تھا۔ "کیا اس دفتر میں آنے والے پائپ پانی کے نہیں ہیں؟"

"یہ پانی کے پائپ ہیں سُلطان۔" جواد نے جواب دیا۔

سُلطان کھِل اُٹھا۔ "دیکھا میں نے تم لوگوں کو بتایا تھا نا!" وہ اتنا خوش تھا کہ جب جواد نے دروازے کے قریب پڑے ہوئے پلاسٹک کے دو بڑے تھیلوں کو اُٹھا کر باہر لے جانے کو کہا تو اُس نے قطعی انکار نہیں کیا تھا۔

* *

روبی نے کسی سائلنسر لگے ہتھیار سے چلائے جانے والی گولیوں کی ہلکی سی آواز اپنے سر کے بالکل قریب محسوس کی تھی۔ اُس نے فوراً گھاس پر لوٹ لگائی اور اُس طرف دیکھا جہاں اُس کے اندازے کے مطابق دُوسرا شخص پوزیشن سنبھالے ہوئے تھا۔ اُس نے گولی چلائے جانے کے باعث رائفل سے نکلنے والا شعلہ دیکھ لیا تھا۔

رات کے سناٹے میں اُسے ٹرانسمیٹر کے ٹرانسمٹ بٹن کے دبائے جانے کی آواز بھی صاف سُنائی دے گئی تھی جونہی کلک کی آواز اُبھری۔ روبی نے تیس فٹ نیچے پوزیشن سنبھالنے والے شخص پر فائر جھونک مارا۔ اس سے پہلے کہ گولی کی آواز ختم ہوتی، سیاہ چست لباس میں ملبوس روبی دشمن کی پُشت پر پہنچ گئی تھی۔ دُوسرے شخص نے پلٹ کر دیکھا لیکن اُسے سوائے جھاڑیوں کے کوئی شے نظر نہیں آئی تھی۔

روبی نے نہ کوئی حرکت کی اور نہ ہی پُرشور انداز میں سانس لی۔ دشمن دُوسری مرتبہ پلٹا۔ اس مرتبہ روبی کو اُس کے ہاتھ میں گرنیڈ کی جھلک نظر آئی تھی۔ اُس نے فوراً اپنا پستول برسٹ سے لگایا اور ایک طرف لوٹ لگا دی۔ ابھی وہ دس گز دُور ہی پہنچی تھی کہ گرنیڈ پوری قوت سے ٹھیک اسی جگہ پر پھٹا جہاں وہ چند ثانیے قبل موجود تھی۔ لوہے کے ٹکڑے چاروں طرف پھیل کر درختوں کے تنوں میں پیوست ہو گئے تھے۔ کچھ ٹکڑے روبی کے سر سے چند انچ کے فاصلے سے گزرے لیکن اُس نے خود کو پوری طرح زمین سے چپکا لیا تھا۔ اسی لیے محفوظ رہی۔

اب مزید انتظار مناسب نہیں تھا۔ روبی آہستگی سے جگہ پر کھڑی ہوئی۔ محافظ بالکل سامنے اور اُس کا سینہ بہترین نشانہ تھا۔ روبی نے ایک لمحے کی تاخیر کیے بغیر یکے بعد دیگرے تین گولیاں اُس کے سینے میں اُتار دیں۔ محافظ نے رائفل چھوڑ دی۔ اُس کا جسم ایک بار لہرایا اور پھر قریبی گڑھے میں جا گرا۔ اب قبر کی ضرورت نہیں رہ گئی تھی۔

دُوسرا آدمی ابھی باقی تھا۔ روبی نے تیزی سے آگے کو مرنے والے کا ٹرانسمیٹر اُٹھایا اور سڑک کی جانب بڑھ گئی جو کچھ جاننا چاہتی تھی، معلوم کر چکی تھی۔ ایڈاہو میں لوئے قصبے سے چالیس میل کے فاصلے پر دیہی علاقے میں ایک ایسی جگہ کا سُراغ اُس نے لگا لیا تھا جہاں رائفل بردار اور مشکوک افراد پہرے پر تھے۔ وہ پیچھے ہٹتی رہی حتیٰ کہ عمارتوں سے ایک میل کے فاصلے پر پہنچ گئی۔

روبی، ڈاکٹر بہرام کی ہدایت پر آج صبح ہی فرینکفرٹ سے نیویارک کے قریب رے میں واقع چارہ گر سینٹر پہنچی تھی۔ ڈاکٹر بہرام نے اُسے آرام کرنے کے لیے چھ گھنٹے دیے تھے اور پھر چارہ گر کا ایک خصوصی ہیلی کاپٹر اُسے لے کر ایڈاہو کے قصبے لوئے کی جانب پرواز کر گیا تھا۔

یہ بات اُسے ٹائیگر نے گلستان ہی میں بتا دی تھی۔ سلوا کو تربیت دینے اور شباکا کو ہدایات دینے والا شخص ایگزیکٹو گائیڈر گائن امریکہ فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ ڈاکٹر بہرام کی اطلاع کے مطابق اس وقت ایڈاہو میں اپنے ٹھکانے پر موجود ہے۔

شباکا نے بتایا تھا کہ گائن فردوس کو نقصان پہنچانے کا کوئی نیا منصوبہ ساتھ لے کر آ رہا تھا لیکن چونکہ قافلے کو راستے میں ہی دھر لیا گیا تھا اس لیے گائن واپس چلا گیا۔ یہ بات

نہیں جانتا تھا کہ گائن کیا منصوبہ لا رہا تھا؛ البتہ شباکا نے یہ ضرور بتایا تھا کہ اُن لوگوں کی گرفتاری سے گائن کا مجوزہ منصوبہ متاثر نہیں ہو گا کیونکہ اب بھی فردوس میں گائن کے ساتھی موجود تھے لیکن شباکا کو اُن کے بارے میں کوئی علم نہیں تھا۔

ڈاکٹر بہرام نے بھی مختصراً روبی کو گائن کے بارے میں آگاہ کر دیا تھا اور اُس کی فوٹو داڑھی لگائی تھی کہ وہ اُس کی خفیہ سرگرمیوں کا سُراغ لگانے اور اگر ممکن ہو تو اُس کا قلع قمع کرے۔ روبی، ٹائیگر کو ہزاروں میل دُور چھوڑ آنے پر بے حد افسردہ تھی لیکن جب بہرام نے اُسے بتایا کہ ٹائیگر فردوس میں اپنا کام ختم کرتے ہی گائن کے خلاف مہم میں اُس سے آملے گا تو اُس کے سفید رُخساروں پر زندگی لوٹ آئی تھی۔

اور اس وقت روبی اپنے ایک دُشمن کو ہلاک کرنے کے بعد بعض تفصیلات حاصل کر چکی تھی۔

مرکزی عمارت کے چاروں طرف چھ فٹ بلند خاردار تار کی باڑھ موجود تھی۔

باڑھ کے اندر دو خونخوار کتے ہر وقت گشت پر رہتے تھے۔

فارم ہاؤس کی چھت پر ایک خصوصی شارٹ ویو انٹینا نصب کیا گیا تھا۔

گرنیٹ کے پھٹتے ہی عمارت کے اردگرد کا علاقہ تیز روشنیوں میں نہا گیا تھا اور فلڈ لائٹس اب عمارت کے تین اطراف میں روشن تھیں۔

باڑھ کے باہر عمارت کے سامنے سب مشین گن سنبھالے ہوئے ایک محافظ مسلسل گشت پر تھا۔

روبی نے عمارت کا بغور جائزہ لینے کے بعد دُوربین ایک طرف رکھ دی اور خود زمین پر لیٹ گئی۔ وہ حیران تھی کہ فارم ہاؤس کے مکین کب تک فلڈ لائٹس روشن رکھیں گے۔ وہ اپنے نشان چھوڑے بغیر وہاں سے جانا نہیں چاہتی تھی کیونکہ وہاں ایسا شخص موجود تھا جس کے بارے میں شبہ تھا کہ وہ جلد ایک مہلک منصوبے میں ملوث ہونے والا تھا۔

ایک گھنٹہ گزر گیا۔ وہ دُشمن سے جو ٹرانسمیٹر لے آئی تھی وہ بھی خاموش تھا۔ کسی نے کوئی رابطہ قائم کیا تھا نہ کوئی آواز سُنائی دی تھی۔ پھر اُس نے ایک شخص کو پہاڑی سے اُتر کر مقفل دروازہ کھولتے اور گھر کے اندر جاتے ہوئے دیکھا۔ چاندنی رات میں روبی کو دُوسرا محافظ گشت کرتے ہوئے صاف دکھائی دے رہا تھا۔

اُس نے فوری طور پر اسی آدمی سے معلومات کرنے کا فیصلہ کیا اور اپنی جگہ سے اُٹھ کر جھاڑیوں کی آڑ لیتی ہوئی محافظ کی طرف بڑھی۔

اُسے ہلکی ہلکی موسیقی کی آواز سُنائی دی۔ کیا یہ فارم ہاؤس سے آ رہی ہے؟ آواز اب قریب اور بلند ہوتی جا رہی تھی۔ پھر اُسے معلوم ہو گیا کہ موسیقی کہاں سے نشر ہو رہی ہے۔ محافظ نے دورانِ گشت ایک چھوٹا سا ٹرانزسٹر اپنے کان سے لگا رکھا تھا۔

جونہی محافظ قریب آیا۔ اُس نے خود کو زمین کے ساتھ چپکا لیا۔ اس وقت وہ گھر کے اردگرد لگی باڑھ سے بیس فٹ کے فاصلے پر موجود تھی۔ اُسے ایک اور شور سُنائی دیا اور باڑھ کے ساتھ دو سائے دو شیطانوں کی طرح گھومتے دکھائی دیے۔

"وسی! نجی!" محافظ نے دونوں کتوں کو پکارا۔ وہ آواز سُن کر ایک لمحے کو رُکے لیکن آگے بڑھ گئے۔

روبی کو رُوسی کے ایک دو الفاظ ہی آتے تھے لیکن اُسے ان دونوں الفاظ کا مطلب ضرور معلوم تھا۔ "ڈاؤن! کوائیٹ!" اس کا مطلب تھا کہ محافظ بھی رُوسی تھا یا پھر وہ رُوسی جانتا تھا۔

محافظ بھی چند ثانیے کتوں کو دیکھتا رہا۔ پھر مُڑ کر گھر کی دُوسری سمت چل دیا۔ یہ جانتے ہوئے کہ محافظ کے قدموں کے شور میں اُس کے اپنے قدموں کی آواز دب جائے گی۔ روبی بھی آڑ سے نکل آئی اور اُس طرف بڑھی جہاں باڑھ گھر کی دُوسری سمت مُڑتی تھی۔ ایک محفوظ جگہ دیکھ کر اُس نے پوزیشن سنبھال لی... اُس کا پستول کسی بھی ہنگامی صورتحال سے نمٹنے کے لیے پوری طرح تیار تھا۔

محافظ ایک مقام تک گیا اور پھر واپس مُڑا۔ چھوٹا سا ریڈیو اب بھی اُس کے کان سے لگا ہوا تھا۔ جب وہ قریب آیا تو روبی نے دیکھا کہ وہ ایک درمیانے قد اور قدرے فربہ جسم کا مالک تھا۔ اُس نے شرٹ پر ایک جیکٹ بھی پہن رکھی تھی۔ کندھے پر اُس نے ایک خودکار رائفل لٹکا رکھی تھی۔

محافظ جب اس طرف کے گشت کے اختتامی سرے تک پہنچا تو اُس کے پاؤں روبی کے سر سے کوئی تین فٹ دُور تھے۔ جونہی محافظ پلٹا، روبی فوراً اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اسٹین لیس اسٹیل کی تار کا ایک پھندا اُس کے ہاتھ میں تھا جس کے اختتام پر تین فٹ طویل لوہے کی ایک راڈ لگی ہوئی تھی۔

روبی نے احتیاط کے ساتھ پھندا محافظ کی طرف پھینکا جو اُس کی توقعات کے عین مطابق اُس کے سر پر سے ہوتا ہوا

Uploaded By Nadeem

گردن کے گرد پیوست ہو گیا۔ روبی نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی راڈ سے اُسے مزید تنگ کر دیا۔ محافظ کی اضطراری حرکت سے رائفل کندھے پر سے پھسل گئی۔ اُس نے اندھوں کی طرح حملہ آور کو پکڑنے کی کوشش کی لیکن اُس کے ہاتھ محض تار سے ٹکرا کر رہ گئے تھے۔

روبی تار کو کھینچتے ہوئے پیچھے کی طرف ہٹی۔ محافظ نے چیخنے کی کوشش کی۔ اُس نے ہاتھ سے تار کو الگ کرنے کی جدوجہد بھی کی لیکن تار شدت کے ساتھ اُس کے حلق میں پیوست ہو گیا تھا۔ چیخنے کی کوشش کے نتیجے میں اُس کے گلے سے محض خرخراہٹ کی آواز بلند ہوئی تھی۔

روبی نے لوہے کی راڈ کو جھٹکا دیا اور محافظ اُس کی جانب لڑھک آیا۔ وہ بالکل بے دست و پا ہو رہا تھا۔ اس لیے روبی اُسے بآسانی کھینچ کر بیس گز کے فاصلے پر لے آئی تھی۔

اس وقت اُسے اچانک ٹائیگر کا خیال آ گیا۔ جب وہ اُس کے آس پاس ہوتا تھا تو اُس کے اندر عورت کی فطری نزاکت جاگ اُٹھتی تھی لیکن اس وقت چونکہ وہ تنہا تھی اس لیے خود اُسے بھی معلوم نہیں تھا کہ یہ بہادری کہاں سے آ گئی تھی؟

روبی نے اپنے قیدی کو گھاس پر گرا دیا اور پستول اُس کی کنپٹی پر رکھ کر تار کی ناٹ ڈھیلی کر دی۔ قریب سے دیکھنے پر پتا چلا کہ وہ زیادہ عمر کا کوئی شخص نہیں بلکہ نوعمر لڑکا ہے۔

"میرے سوالوں کے جواب کے علاوہ کوئی آواز نہیں نکلنی چاہیئے، سمجھے؟"

محافظ کی آنکھیں درد اور خوف کے مارے پھٹی جا رہی تھیں۔ وہ محض سر ہلا کر رہ گیا۔

روبی نے تار مزید ڈھیلا کر دیا لیکن وہ کسی بھی صورتحال سے نمٹنے کے لیے پوری طرح تیار تھی۔

"تم کیا جاننا چاہتی ہو؟" محافظ نے اپنے مقابل ایک لڑکی کو دیکھ کر حیرت سے پوچھا۔ اُس کا لہجہ اُس کے امریکی ہونے کی چغلی کھا رہا تھا۔

"اندر کتنے آدمی ہیں؟"

"اس وقت؟ چھ..."

"باہر سکیورٹی کی کیا صورتحال ہے؟"

"تو تم ہمیں جس پر گرنیڈ پھینکا گیا تھا۔" محافظ اب صورتحال میں بہتری محسوس کر رہا تھا۔

"جو سوال کیا جا رہا ہے صرف اُس کا جواب دو۔" روبی غرائی

"لیوریڈیو پر موجود تھا۔ اُسی نے گولیاں چلنے کی اطلاع دی تھی۔ وہ غالباً تمہارے ہی ہاتھوں مارا گیا ہے۔ اس طرح اب ہم تین افراد موجود ہیں۔"

"بکواس! تمہاری کُل تعداد تین تھی۔ ایک مارا گیا جس کا تم لیو نام بتا رہے ہو، دُوسرا اندر جا چکا ہے۔ اب صرف تم باہر بچے ہو۔"

محافظ نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"کیا گاکن اندر موجود ہے؟ الیگزینڈر گاکن۔"

"ہاں، گاکن نام کا ایک شخص موجود ہے۔ وہ اُسے ایل کے نام سے مخاطب کرتے ہیں۔"

"مزید آدمی آنے والے ہیں؟"

"مجھے کُل ہی گارڈ ڈیوٹی کے لیے بھرتی کیا گیا ہے۔ میں ابھی اُن کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ تم کون ہو؟ سی آئی اے یا ایسی ہی کوئی شے؟"

"کوئی اور شے... ایل یہاں کیا کر رہا ہے؟"

"کچھ نہیں کہہ سکتا۔ میں مقدر کا سپاہی ہوں۔ جو کسی کے لیے کام کرتا ہوں جو بندوق اُٹھانے کے پیسے دے دے۔"

"حتیٰ کہ وہ کے جی بی کے قاتل ہی کیوں نہ ہوں؟"

"وہ نہ تو کے جی بی کے ہیں نہ رُوسی۔"

"پھر حفاظت کا یہ نظام کیوں ہے؟"

"کچھ نہیں کہہ سکتا۔ میں نے کچھ پوچھا بھی نہیں۔"

"تم کُتوں سے رُوسی میں کیوں بات کر رہے تھے؟"

"اُنہوں نے مجھے ایسا کرنے کو کہا تھا۔ اُنہوں نے بتایا تھا کہ کتے صرف یہی دو لفظ جانتے ہیں۔"

"تم ابھی جھوٹ بولنے کے لیے بہت چھوٹے ہو۔" روبی نے اُس کا چھپا ہوا پستول نکال لیا اور اُس کے حلق سے تار نکال لی۔

"کیا تم زندہ رہنا چاہتے ہو؟"

"ہاں..."

"کیا تمہارے پاس کوئی سواری ہے؟"

"درختوں کے پار میری ہنڈا ۲۵۰ کھڑی ہے۔"

"اُس پر بیٹھو اور شور مچاتے ہوئے یہاں سے دفع ہو جاؤ۔"

"وہ مجھے گولی مار دیں گے۔"

"ہو سکتا ہے لیکن اگر تم نے ایسا نہ کیا تو میں تمہیں ابھی اور اسی وقت گولی مار دوں گی۔"

محافظ اُچھل کر کھڑا ہو گیا اور پھر اُس نے اُن درختوں کی طرف دوڑ لگا دی جن کی طرف روبی نے پستول کی بیرل سے اشارہ کیا تھا۔ چند لمحوں بعد ہنڈا اسٹارٹ ہونے کی آواز سنائی دی۔ لڑکے نے اُسے کئی بار ایکسی لیٹر دیا۔ پھر سڑک کی طرف بڑھ گیا۔

*

مکان کی بیرونی روشنیاں فوراً جل اُٹھیں۔ روبی گھاس میں کچھ اور جھک گئی۔ رائفل کی تین گولیوں نے موٹر سائیکل کا تعاقب کیا لیکن موٹر سائیکل سوار کو گرانے میں ناکام رہیں...

روبی نے دوبارہ فارم ہاؤس کا جائزہ لیا۔ اندرونی روشنیاں بھی جل اُٹھی تھیں۔ اُسے بہت سی آوازیں سنائی دی تھیں۔ دروازہ چرچرایا پھر بیرونی دروازہ کھلا اور ایک شخص بھاگتا ہوا اندر داخل ہو گیا۔ ذرا دیر بعد وہ واپس آیا، اُس نے اپنی رائفل دوبارہ کندھے پر لٹکائی اور باڑھ کے ساتھ ساتھ گشت شروع کر دیا۔

روبی اُس کے کچھ سست پڑنے کی منتظر تھی۔ باڑھ کے اندر بھی دو سائے حرکت کر رہے تھے۔ یہ خُونخوار کُتے تھے جو محافظ سے زیادہ خطرناک تھے۔

پانچ منٹ بعد روبی باڑھ کے دُوسرے کونے پر موجود تھی۔ وہ منتظر تھی کہ کُتے اپنے معمول کے مطابق باڑھ کے دُوسرے سرے پر جائیں تو وہ اپنے کام کا آغاز کرے۔

نیا سنتری نسبتاً چھوٹے قد کا تھا۔ وہ پہلے والے سے زیادہ الرٹ تھا۔ اُس نے روبی کو دیکھتے ہی اپنی رائفل سیدھی کر لی۔ ساتھ ساتھ وہ اُسے رُوسی میں بُرا بھلا بھی کہتا جا رہا تھا۔ اُس نے روبی کا نشانہ لیا لیکن اُس کے بُرا بھلا کہنے کی رفتار اُنگلی سے زیادہ تیز تھی۔ نتیجتاً روبی کے پستول سے نکلی ہوئی گولی نے اُس کی دونوں ترکتوں کو روک دیا تھا۔ شانے پر لگنے والے زخم کے باعث اُس نے رائفل پھینک دی اور درد کے مارے چیخنا شروع کر دیا۔

روبی چیتے کی سی پھرتی کے ساتھ اُس کے سر پر پہنچی اور دھکا دے کر اُسے نیچے گرا دیا۔ اگلے ہی لمحے اُس نے پستول اُس کی کنپٹی سے لگا دیا۔ محافظ نے پھر رُوسی میں کچھ کہا اور جواب میں روبی نے ٹرائیگر دبا دیا لیکن وہ مرنے سے پہلے اتنا شور مچا چکا تھا کہ اب خطرہ سر پر منڈلانے لگا تھا۔

دونوں کتے نہایت خاموشی سے روبی کی طرف بڑھ رہے تھے اور روبی تیزی سے محافظ کی جیبوں کی تلاشی لینے میں مصروف تھی لیکن اُسے ایک بل گم کے علاوہ کچھ نہیں ملا۔ اُس نے فوری طور پر مُردہ محافظ کو باڑھ کے نیچے سے اندر دھکیل دیا۔

اس بار کُتوں کو کسی قسم کے حکم کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ خاموشی سے محافظ پر پل پڑے۔ پہلے کُتے کے بڑھنے بڑھنے انت محافظ کے نرخرے میں پیوست ہو گئے۔ ایک ہی جھٹکے سے وہ گوشت کا ایک بڑا سا ٹکڑا اُدھیڑنے میں کامیاب ہو گیا۔

دُوسرے کُتے نے محافظ کے سر پر دانت گاڑ دیے۔ چند لمحوں میں ہی دونوں نے اُس کی لاش کو ادھیڑ کر رکھ دیا تھا۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ پورے عمل کے دوران دونوں کے مُنہ سے ایک غراہٹ تک خارج نہ ہوئی تھی۔

اُسی وقت مکان کی اندرونی روشنیاں جو بجھا دی گئی تھیں دوبارہ جل اُٹھیں۔ اس کا مطلب تھا کہ اندرونی حصے سے باقاعدہ نگرانی ہو رہی تھی۔ روبی ابھی اپنی جگہ پر ہی کھڑی تھی کہ اُس جانب کی سرچ لائٹ اچانک جل اُٹھی۔ وہ واپس بھاگ کھڑی ہوئی اور اُسی لمحے اُسے ایک پستول چلنے کی آواز سنائی دی۔

روبی نے لوٹ لگائی اور اندھیرے میں لڑھکتی چلی گئی۔ کچھ دُور جانے کے بعد وہ دوبارہ اُٹھ کھڑی ہوئی اور سڑک کی طرف دوڑ لگا دی۔

درختوں کے درمیان بھاگتے ہوئے اُسے ایک کار کی آواز سنائی دی۔ اُس نے پلٹ کر فارم ہاؤس کا جائزہ لیا۔ کار حفاظتی باڑھ کی طرف آ رہی تھی پھر وہ رُک گئی اور اُس میں سے چھ یا سات افراد اُتر کر محافظ کی لاش کے گرد کھڑے ہو گئے جسے کتوں نے بُری طرح ادھیڑ ڈالا تھا۔

کار سے اُترنے والے چند ثانیے لاش کا جائزہ لیتے رہے پھر اُنھوں نے اُسے اُٹھا کر باڑھ کے اُوپر سے باہر پھینک دیا۔

اُس نے کسی آدمی کے چلانے کی آواز سنی۔ الفاظ رُوسی میں ادا ہوئے تھے اس لیے اُسے علم نہیں ہو سکا کہ کیا کہا گیا ہے لیکن رُوسی کا جملہ ختم ہوتے ہی دو آدمیوں نے اپنے خودکار ہتھیار سنبھال کر اُس طرف دوڑ لگا دی جہاں کچھ فاصلے پر روبی موجود تھی۔

ٹائیگر اطمینان سے پاؤں پسارے بیڈ پر نیم دراز تھا۔ وہ کچھ ہی دیر پہلے نواب فیروز کو قتل کرنے کے بعد واپس آیا تھا۔ آتے ہی اُسے اُوشان نے آڑے ہاتھوں لیا تھا۔

"تم نے آج پھر ہدایات کی خلاف ورزی کی تھی؟" اُوشان

نے ٹیڑھی نگاہوں سے اُسے گھورا۔

"نہیں رئیل فادر۔"

"مجھے تمہارے ہاتھوں سے گندگی کی بُو آرہی ہے۔"

بے اختیار شہزاد کے ہاتھ ناک تک جا پہنچے۔ اُن میں برگر کی خوشبو رچی ہوئی تھی جو اُس نے کھاتے کھاتے چھوڑ دیا تھا۔

"مجھے اس وقت گدھ بڑی شدت سے یاد آرہے ہیں۔" شہزاد نے کہا۔

"کیوں...؟"

"مُردہ کہیں بھی پڑا ہو اُنھیں فوراً اُس کی خوشبو آجاتی ہے۔" ٹائیگر نے اطمینان سے جواب دیا۔ "مجھے یوں لگتا ہے رئیل فادر کہ تمہاری لاش کو بھی گدھ کھائیں گے۔"

"بے فکر رہو مجھے گدھ پالنے کا فن آتا ہے۔" اُوشان نے معنی خیز انداز میں کہا۔

"تمہارا ڈھیلی پڑ جائے تو پالتو اُونٹ اپنے ہی مالک کو پیروں تلے روند ڈالتا ہے۔"

"بکواس بند کرو اور جا کر کپڑے بدلو۔ تمہیں چند گھنٹوں کے اندر اندر مسلم آباد پہنچنا ہے۔ کوئی مزدور لیڈر تمہاری طرح کے کپڑے نہیں پہنتا۔"

شہزاد کسی سعادت مند بچے کی طرح اُٹھ گیا۔ اُسے مسلم آباد میں ہارون آباد کی برانچ نمبر ۵۲۹ کے صدر بلند اقبال سے ملاقات کرنا تھی جو مسلم آباد کے ایک پمپ روم میں ناشتے پر مٹے پائی تھی۔

شہزاد کو بہرام سے ملنے والی ریپورٹ کے مطابق بلند اقبال ایک جگرا نوسنت گیر اور بالوں سے آزاد سر کا مالک شخص تھا۔ اُس کا کوئین ریکارڈ نہایت ہنگامہ خیز رہا تھا۔ ۱۵ سال کی عمر میں اُس نے پہلی مرتبہ ہیلی کاپٹس کے ساتھ ٹرک چلایا تھا اور ۲۳ سال کی عمر میں اُسے اُس وقت شاپ اسٹیورڈ بنایا گیا جب اُس نے ایک آہنی ہُک کی مدد سے کمپنی کے پانچ غنڈوں کو ملا ملا کر ادھ موا کر دیا تھا۔ ۳۲ سال کی عمر میں پورے شہر کے لڑکوں کے اڈوں پر اُس کا طوطی بولنے لگا تھا۔ ۴۵ سال کی عمر میں اُس نے اپنی برانچ کے صدر کا انتخاب لڑا اور چار ووٹوں سے ہار گیا لیکن وہ سیاست کی جنگ کو عدالت میں لے گیا اور اگلے انتخابات تک پورے چار سال اُس نے نئے صدر کو مقدمے میں اُلجھا کر کوئی کام نہیں کرنے دیا۔

بلند اقبال نے دُوسرے انتخاب میں کامیابی حاصل کی

ہولناک اور پراسرار ماحول میں جنم لینے والی ایک
حقیقت جو کہانی بن گئی
ایک آشفتہ حال کی داستان عبرت جسے قانون نے
مجرم بنا دیا

رقص ابلیس

انوار صدیقی

قیمت:- 150/



اردو بازار لاہور

اور پھر اُسے اُس کی جگہ سے کوئی نہیں ہلا سکا۔ کبھی کبھار کوئی ڈرائیور اگر اُس کے خلاف سر اُٹھاتا تو اگلے دن وہ ٹوٹے ہوئے بازو کے ساتھ ڈیرہ ہاؤس آتا اور پھر کڑیاں لڑائی جاتیں تو محلہ آور بلند اقبال کے ساتھی ہی ثابت ہوتے لیکن کسی میں ہمت نہیں تھی کہ وہ اس ثبوت کے باوجود اُس کے خلاف کوئی کارروائی کرتا۔ اگر کوئی ڈرائیور بازو یا ٹانگ تڑوانے سے بچ جاتا تو اُس کا ٹرک کسی ایسے حادثے کا شکار ہو جاتا جو شاید اُسی کے لیے سیٹ کیا جاتا تھا۔ بعض اوقات نائب صدر، خازن یا کسی اور عہدے دار نے اگر ان حادثوں پر کوئی اقدام کرنے کا اعلان کیا تو اگلے دن وہ بھی ٹوٹی ہڈیوں کے ساتھ آئے۔

ایک سے زائد مرتبہ مالک نے ان ہنگامہ آرائیوں سے نمٹنے کے لیے باقاعدہ غنڈوں کے گروہوں کی خدمات حاصل کیں۔ کچھ عرصہ یہ غنڈے مسلسل آتے رہے لیکن پھر اُن کی آمد یک لخت ختم ہو گئی۔

مالکان نے بلند اقبال کو قابو میں کرنے کے اور طریقے ڈھونڈ لیے تھے۔ اب اُس کے لیے لفافے آنا شروع ہو گئے۔ موٹے اور بھاری بھرکم لفافے، جن کے بارے میں صرف بلند اقبال کو علم ہوتا تھا کہ ان میں کیا ہے؟

اس رشوت کے باوجود بلند اقبال نے اپنے ساتھی

ڈرائیوروں کی حمایت سے ہاتھ نہیں کھینچے۔ صرف اپنے ڈیرہ ہاؤس میں نہیں بلکہ وہ دُوسرے اڈوں کے ڈرائیوروں کے حقوق کی لڑائی بھی لڑتا رہا۔ کسی مالک کی ہمت نہیں تھی کہ وہ کسی ڈرائیور کو نکال دیتا یا سزا کے طور پر ایک دن سے زائد اُسے بٹھا دیتا۔

صرف ایک ڈرائیور کی مثال ایسی تھی جو کئی دن بیروزگار رہا۔ اُس نے تیسری بار اپنی ٹریکٹر ٹرالی ایک دیوار میں ماردی جس کے نتیجے میں وہ اپنا ہاتھ تڑوا بیٹھا تھا۔ بلند اقبال نے اُس کے مالک سے درخواست کی کہ اُسے نان ڈرائیونگ جاب دے دی جائے لیکن مالک نے انکار کر دیا۔ بلند اقبال نے مالک کو بتایا کہ ڈرائیور کے چار بچے اور ایک بیوی ہے اور وہ اُن کا واحد کفیل ہے۔ مالک اب بھی نہیں پسیجا۔ بلند اقبال نے بتایا کہ ڈرائیور پہلے ہی مسائل کے بوجھ تلے دبا ہُوا ہے اُس کے کیس پر نظرِ ثانی کی جائے مگر مالک کو اُس سے کوئی ہمدردی نہیں تھی۔

اگلے دن مالک گھر سے ڈیرہ ہاؤس آنے کے لیے نکلا مگر وہ اسپتال پہنچ گیا اور پھر ایک ماہ تک اپنی جاب پر نہیں آسکا۔ اس کے بعد بھی ڈاکٹر یقین سے یہ بات نہیں کہہ سکتے تھے کہ وہ اپنی زندگی میں دوبارہ چل بھی سکے گا یا نہیں۔

بلند اقبال جسے عرفِ عام میں بندو کہا جاتا تھا، اپنی برانچ کے معاملات میں بے حد سخت تھا لیکن وہ اپنے ساتھیوں کا بہت بڑا ہمدرد اور اُن کا خیال رکھنے والا شخص تھا۔ وہ اُن کے دُکھ درد میں پُوری طرح شریک رہتا اور انھیں اپنے فوائد میں ہمیشہ یاد رکھتا تھا۔

لیکن اس کے ساتھ اُس نے کبھی حکومتِ فروس کو ان عوامل کی فہرست میں شامل نہیں کیا تھا جو اُسے یا اُس کے ساتھیوں کو فائدہ پہنچا سکتے تھے اور حکومتِ فروس نے بھی انٹرنیشنل برادر ہُڈ آف ڈرائیورز کے ۸۵ ویں سالانہ کنونشن سے ایک دن پہلے تک کبھی اُسے قابلِ توجہ نہیں سمجھا تھا۔

پھر بلند اقبال پر یہ بھید کھلا کہ انٹرنیشنل ریونیو سروس اُس کے انعام و اکرام میں گہری دلچسپی لے رہی ہے لیکن ابھی بلند اقبال کے ہاتھ میں ایک مہرہ ایسا تھا جسے استعمال کر کے وہ "آئی آر ایس" کی دُشمنی کو دوستی میں بدل سکتا تھا۔ وہ آئی آر ایس کی مسرت آنے والے ایک نوجوان کو انٹرنیشنل برادر ہُڈ آف ڈرائیورز ہارون آباد کی برانچ نمبر ۵۲۹ میں بزنس ایجنٹ کی حیثیت سے مقرر کر کے اپنی فراخ دلی کا ثبوت فراہم کر سکتا تھا۔

اگر مجبوری زیادہ بڑی نہ ہوتی تو بلند اقبال یقینی طور پر اس سے انکار کر دیتا کیونکہ وہ ایک اصول پرست شخص تھا۔ کوئی اور موقع ہوتا تو وہ یقینی طور پر انکار کر دیتا کیونکہ یونین کے قواعد و ضوابط کے مطابق بزنس ایجنٹ کو منتخب کیا جاتا ہے۔ اُس کا براہِ راست تقرر نہیں ہوتا۔ اُس کے ساتھی بھی اس امر پر احتجاج کر سکتے تھے کہ راہ چلتے شخص کو پکڑ کر ایک اہم ترین عہدے پر کیوں کر فائز کر دیا گیا۔

آئی آر ایس والے بھی بے وقوف نہیں تھے۔ اُنھوں نے اُسے بتا دیا تھا کہ وہ بلند اقبال کی تمام سرگرمیوں سے بخوبی واقف ہیں اور جانتے ہیں کہ وہ کس طرح اپنے آدمیوں کو قابو میں رکھتا ہے۔ اس لیے اُسے ہر حال میں اُن کے بھیجے ہوئے شخص کو مذکورہ جاب دینا ہوگی ورنہ وہ کوئی اور طریقہ استعمال کریں گے۔

اور بلند اقبال جانتا تھا کہ کوئی اور طریقہ کیا ہو سکتا ہے۔ دس سے پندرہ سال تک کسی سخت ترین جیل میں قید و بند کی صعوبت... اور یہ فی الحال وہ برداشت کرنے کے موڈ میں قطعی نہیں تھا۔

"تمہارا نام کیا ہے؟" بلند اقبال نے مجبوری کی زنجیروں میں جکڑ کر اپنے نئے بزنس ایجنٹ کا نام پوچھا تھا۔

"شہزاد۔" آئی آر ایس کے مجوزہ نمائندے نے جواب دیا۔

"انور شہزاد، خالد شہزاد، کیا شہزاد؟"

"صرف شہزاد۔"

یہ اُس شخص کا تعارف تھا جس کا وہ صبح سے ذرا دیر پہلے تک انتظار کرتا رہا تھا۔ وہ اس انتظار میں تنہا نہیں تھا بلکہ اُس کے ساتھ دو اور افراد بھی اپنے نئے بزنس ایجنٹ اور کنونشن میں اپنے نئے نمائندے کا انتظار کر رہے تھے۔ ان دو افراد کو دُوسری زبان میں باڈی گارڈ بھی کہا جا سکتا تھا۔ وہ تمام لوگ ایک بوتھ میں ایسی میز کے گرد بیٹھے تھے جس پر کھانے، کیک اور سنگ جوس اور بلیک کافی کے کپوں کا گویا ڈھیر لگا ہُوا تھا۔

شہزاد کو ہیرن اور پُرتکلف ناشتے کی خوشبو بیس فٹ دُور سے آگئی تھی۔ یہی حال اُوشان کا تھا جو اپنے شاگرد اور ولی عہد کی خوراک کا خیال رکھنے کے لیے بطورِ خاص اُس کے ساتھ آیا تھا۔ کھانوں کی اشتہا سے اُوشان کا منہ بگڑ گیا لیکن شہزاد کے منہ میں پانی بھر آیا تھا۔ اُس نے بے اختیار سوچا، کاش اُوشان ساتھ نہ آیا ہوتا۔

"مسٹر بلند اقبال؟" شہزاد نے پوچھا۔

بلند اقبال کا منہ اُس وقت انڈے اور توس سے بھرا ہوا تھا۔ اُس کے جبڑے بھی بڑی مشکل سے حرکت کر رہے تھے۔

"خوشی ہوئی تم سے مل کر۔" بلند اقبال کے لہجے میں کوئی گرم جوشی نہیں تھی۔ "یہ کون ہے؟" اُس نے اُوشان کی طرف اشارہ کیا۔

"میرے بائیں کندھے کا سوار۔"

"کیا مطلب؟"

"آپ کو معلوم نہیں کہ بائیں کندھے کا فرشتہ نیکی کا حساب رکھتا ہے اور بائیں کا بدی۔۔۔"

بلند اقبال نے قہقہہ لگایا اور اُس کے منہ سے کھانے کے ذرات نکل کر اِدھر اُدھر بکھر گئے۔

"یہ کپڑے کون سے پہنے ہوئے ہے؟"

"یہ جہنم کا لباس ہے۔"

"ٹھیک آدمی ہو۔" بلند اقبال نے یوں سر ہلایا جیسے وہ جذباتی باتوں سے پوری طرح متفق ہو جبکہ اُوشان کی آنکھوں میں ایسا تاثر تھا جیسے وہ کہہ رہا ہو کہ ابھی نکالو چھرا مجھے بتاؤں گا کہ میں کون ہوں؟

بلند اقبال اپنے ساتھیوں کی طرف مڑا۔ "یہ پال باربرو سا ہے اور اس کا نام ٹونی ہے۔ یہ دونوں کنونشن کے لیے اسٹیورڈ کے فرائض انجام دیں گے۔" اُس نے دونوں کا تعارف کرایا۔

اب نے ایک دوسرے سے مصافحہ کیا۔ ٹونی نے شہزاد کا ہاتھ دبانے کی کوشش کی۔ اُس نے اتنا زور لگایا کہ خون اُس کے چہرے پر سمٹ آیا۔ ٹائیگر نے بس دھیرے سے اُس کا انگوٹھا دبایا تو ٹونی بلبلا کر پیچھے ہٹ گیا لیکن وہ خوش قسمت تھا کہ ٹائیگر نے اُس کا ہاتھ سلامت چھوڑ دیا۔

"اوہ۔۔۔" ٹونی کراہا۔

"آئی ایم سوری۔" ٹائیگر نے معذرت کی۔

"تم نے پیتل کا مکا پہن رکھا ہے؟" ٹونی نے انگوٹھا دباتے ہوئے کہا۔

شہزاد نے جواب میں اُسے خالی ہاتھ دکھانے کے لیے دونوں ہتھیلیاں کھول دیں۔

"میں تمہارے لیے چیز۔ توس اور آملیٹ منگواتا ہوں۔" بلند اقبال نے اپنے آدمی کی کراہوں پر کوئی توجہ نہیں دی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ ابتدا اُسی نے کی ہوئی۔

"نہیں، ہمیں اس کی ضرورت نہیں۔" اُوشان نے جواب دیا۔

"کیا؟" بلند اقبال نے بلند آواز میں کہا۔ "کیا تم اس کے لیے کھاتے ہو؟"

"صرف کھانا۔" اُوشان نے کہا۔ "باقی چیزیں یہ اپنے لیے خود کھاتا ہے۔"

"مثلاً؟"

"جوتے۔۔۔" اُوشان نے اطمینان سے کہا۔ شہزاد جھینپ گیا تھا۔

"میرا خیال ہے، بہت ہو گئی۔" بلند اقبال کے جبڑوں کے گوشے بھی پھیل گئے تھے۔ "میں فی الحال تمہیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ تمہیں ڈرائیور ظاہر کرنا خاصا مشکل ہو گا کیونکہ نہ تو تم اُن کی طرح بھاری وزن اُٹھا پاؤ گے اور نہ ہی وہ تمہاری طرح کے شاندار کپڑے پہنتے ہیں۔۔۔ اور ہاں اگر تمہارا یہ ساتھی اسی طرح ہر جگہ جائے گا تو عین ممکن ہے اس کی وجہ سے ہمیں ٹریفک کے مسائل کا سامنا کرنا پڑے۔"

"کوئی بات نہیں، ہم ٹکٹ رکھ کر اس کی نمائش کریں گے۔"

"مجھے تم کہیں سے بھی بزنس ایجنٹ دکھائی نہیں دیتے بلکہ ایک اسٹاک بروکر یا اس سے ملتی جلتی کوئی شے لگتے ہو۔ ایک کلرک یا کسی فنشن کمپنی کے وائس پریذیڈنٹ۔ تم سمجھ رہے ہو نا کہ میرا مطلب کیا ہے؟"

"میرا خیال ہے۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔

"میں نیک اور اچھی شہرت کا مالک ہوں اور یہ کبھی پسند نہیں کروں گا کہ اسے کوئی ٹھیس پہنچے۔ ہم لوگ بڑے پھرتیلے قسم کے لوگ مشہور ہیں اور میں چاہتا ہوں کہ میرے ساتھی بھی ایسے ہی ہوں، ٹھیک!"

"وضاحت کرو۔"

"او کے۔ میں تمہیں اپنی لیبر یونین کی مختصر مگر اہم ترین تاریخ سے آگاہ کرتا ہوں۔ جب ہم نے ڈرائیورز کو ابتدا میں منظم کیا تھا تو کمپنی کے مالکان نے ہمارے خلاف غنڈے استعمال کیے تھے اور انہوں نے ہم پر۔۔۔ پائپ سے لے کر بندوقیں تک آزمائی تھیں۔ اس لیے ڈرائیوروں کو اس صورتحال سے نمٹنے کے لیے خود کو انتہائی سخت جان بنانا پڑا اور اب بھی یہی صورتحال ہے کہ سخت جان ہی کمپنی مالکان کے سامنے ڈٹے ہوئے ہیں لیکن تم میں مجھے ایسی کوئی بات نظر نہیں آتی۔ ہو سکتا ہے تم میری توقعات پر پورا اترنے کی کوشش بھی کرو لیکن پھر بھی تم میرے لڑکوں جیسے نہیں لگو گے اور لوگوں کو فوراً پتا لگ جائے گا کہ تم باہر کے آدمی ہو۔ اس لیے تم ٹونی اور پال کے قریب رہو۔ یہ پھرتیلے اور چوکس لڑکے ہیں اور یہ تمہارے ساتھ کوئی غلط واقعہ رونما نہیں ہونے دیں گے، ٹھیک؟"

"رائٹ۔" بلند اقبال۔ ٹائیگر کی بجائے ٹونی اور پال نے یک زبان ہو کر جواب دیا۔ "تم ہمارے ساتھ ساتھ رہنا، بچے، سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"ہاں، اگر اس نے گندگی اپنے معدے میں ٹھونسنے کی کوشش نہ کی تو۔" اُوشان نے لقمہ دیا۔

"نہیں، یہ ایسی کوئی شے نہیں کھائے گا ڈاکٹر۔" بلند اقبال نے ہنستے ہوئے کہا۔ "تم میرے لڑکوں کے ساتھ رہو گے جو کرنا چاہو جلد از جلد نمٹانے کی کوشش کرنا تاکہ اُس کے بعد ہم اپنی کتابوں سے تمہارا نام مٹا سکیں۔"

شہزاد نے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ اپنا کام خوب جانتا تھا کہ کس کی موت سے اس سپر ٹرانسپورٹیشن یونین کے قیام کو روکا جا سکتا ہے۔ یہ بنیادی منصوبہ تھا جبکہ انتہائی منصوبہ یہ تھا کہ چار ٹرانسپورٹ یونینوں کے صدور کا پتا صاف کر دیا جائے کیونکہ ان کے بغیر دوبارہ سپر یونین بننے میں کئی سال کا وقت لگے گا اور کوئی ایسا کھیل کھیلا جاتا کہ اس کام کا سارا الزام بلند اقبال کے سر آ جاتا۔

یوں تو یہ ڈرائیوروں کا کنونشن تھا لیکن ٹائیگر کو اعلیٰ ترین حلقوں سے ملنے والی معلومات کے مطابق جمعہ کو یونین اور یونینوں کے صدور کو اسپیکرز پلیٹ فارم سے کنونشن میں اپنی شمولیت کا اعلان کرنا تھا۔ اس سلسلے میں ٹائیگر نے بہرام سے رابطہ قائم کیا اور اُس نے صرف ایک جملے کی ہدایت دی کہ اگر ایسا ہو تو اُن تینوں کو بھی قتل کر دیا جائے۔

اس طرح خود بخود سارا الزام بلند اقبال کے سر آ جاتا کیونکہ جب دوسرے لوگوں کو پتا چلتا کہ قاتل بلند اقبال کا آدمی تھا تو پھر کون اُس کی بے گناہی کا یقین کرتا۔

بہرام سے بات کرتے ہوئے ٹائیگر کے جی میں آئی تھی کہ وہ اُس سے روبی کے بارے میں پوچھے کہ وہ کس حال میں ہے لیکن فوراً ہی اُس نے خود پر قابو پا لیا تھا۔

"میں سب سمجھ گیا ہوں۔" ٹائیگر نے واپس ناشتے کی میز پر حاضر ہوتے ہوئے کہا۔

اوشان اس وقت پال کو دیکھ رہا تھا جو توس کو اس طرح چبا رہا تھا جیسے وہ توس کی بجائے زندہ سانپ کھا رہا ہو۔ اُسے آملیٹ کی بھجیا، مینڈک کا سالن نظر آ رہا تھا۔

ایک ویٹر تازہ گلاب کے پھول لے کر میز پر پہنچا اور اُس نے پرانے پھول گلدان سے نکال کر نیا گلدستہ سجا دیا۔

"مجھے کریم کا ایک پیالہ چاہیے۔" بلند اقبال نے اُسے آرڈر دیا۔ "اس کے علاوہ تازہ چیری، کچھ ڈرائی فروٹ، مکھن لگے توس، چار انڈوں کا آملیٹ، چار شامی، چھ پوریاں ایک پراٹھا اور کافی کے دو مگ چاہئیں۔"

ویٹر نے بغیر کسی حیرت کے آرڈر دہرایا۔

شہزاد نے تازہ گلابوں کو گھورنا شروع کر دیا تھا۔

"تم الیکشن میں کس کی حمایت کر رہے ہو؟" ذرا دیر بعد ٹائیگر نے دریافت کیا۔

"علی جواد کی۔" بلند اقبال نے پھر کچھ منہ میں ٹھونستے ہوئے کہا۔

"کیا خیال ہے، وہ جیت جائے گا؟"

"کیوں نہیں؟ یہ الگ بات ہے کہ اُس کے جانے سے ہمیں نقصان ہو گا لیکن انٹرنیشنل یونین بھی تو ہمارے مفادات کی محافظ ہے۔ ہمیں اُس کے مفادات کا تحفظ کرنا ہو گا اور ہاں تم بھی علی جواد کو ہی ووٹ دو گے۔"

"قواعد و ضوابط کے مطابق، مجھے اپنا ووٹ آزادانہ طور پر ڈالنے کی پوری اجازت ہے، کسی انعام، لالچ یا دباؤ کے بغیر ایک آزاد ووٹ۔۔۔"

"اگر تمہاری یہی باتیں رہیں تو سارا کنونشن ہم پر قہقہے لگائے گا شہزاد۔ تمہیں اندر پہنچانا میری ذمے داری ہے لیکن ہمیں تباہ مت کرو۔ ہمیں اس طرح کی بے وقوفانہ گفتگو سے پریشان مت کرو۔ ہم پہلے ہی بہت سے مسائل کا شکار ہیں۔ ہم اس سلسلے میں وعدہ کر چکے ہیں۔"

"میرا خیال ہے کہ تم لوگ اپنی نئی یونین بلڈنگ دیکھنے کے لیے بے قرار ہو گئے جو بڑی تیزی سے بلند ہوتی ہے۔" شہزاد نے پوچھا۔

"نئی۔۔۔" بلند اقبال بدحواس نظر آنے لگا تھا۔

"ہاں، اس شہر کے نواح میں ایک خوبصورت عمارت، میرا خیال ہے کہ میں اُسے ہماری عمارت کہوں۔"

"مسلم آباد کے نواح میں ہماری کوئی نئی عمارت موجود نہیں ہے۔ ہمارا ہیڈ کوارٹر گلستان میں ہے۔"

"آئی سی!" شہزاد نے دوبارہ اس موضوع کو نہیں چھیڑا۔ "علی جواد سے ملاقات کب ہوگی؟"

"جلد ہی تم اس سے مِل سکو گے اور مجھے اُمید ہے کہ تم اُسے پسند بھی کرو گے۔"

"اچھا!" شہزاد نے مسکراہٹ کی آڑ میں اپنے چہرے کے اصل تاثرات چھپانے تھے۔

بلند اقبال نے اب شہزاد کو کنونشن پروگرام کی تفصیلات بتانا شروع کر دی تھیں۔

"الیکشن کے بعد کل رات ایک استقبالیہ ہوگا۔ آج آغاز کی رسمی کارروائی کا نوٹیفکیشن اور گزشتہ سال کی کارروائی کی توثیق ہوگی لیکن یہ کوئی اہم بات نہیں ہے۔ تم مت جانا۔ نامزدگی اور انتخاب کل ہی ہوگا۔ اس کے لیے تم چلے جانا لیکن ووٹ تم علی جواد کو ہی دو گے۔"

ڈیزرٹ کے ساتھ واپس آگیا تھا۔ اس میں وہ تمام چیزیں موجود تھیں جن کا بلند اقبال نے آرڈر دیا تھا۔

اوشان نے دھیرے سے ایک کوریائی لفظ ادا کیا تھا جس کا مطلب شہزاد کو "کتے کا کھلونا" معلوم ہوا تھا۔

بلند اقبال گرد و پیش سے بے خبر ہو کر ٹھنڈے پر ٹوٹ پڑا۔

"میرا خیال ہے، اب ہوٹل واپس چلنا چاہیئے۔" اوشان نے کہا۔ "میں لوگوں کو اپنے معدے کا اس طرح ستیاناس کرتے نہیں دیکھ سکتا۔"

"آنکھیں بند کر لو۔" شہزاد نے مشورہ دیا۔

"فی الحال اُٹھ جاؤ۔"

"ایک منٹ ٹھہرو۔" شہزاد نے کہا اور پھر وہ بلند اقبال سے مخاطب ہوا۔ "کیا یہ سب تم کھاؤ گے؟"

"ہاں، ابھی تو ایک اور ٹرے کی گنجائش موجود ہے۔ تم کچھ نہیں لو گے؟"

"نہیں، میں صرف تمہیں کھاتے دیکھوں گا۔"

"شکل سے تو تم برسوں کے بھوکے لگ رہے ہو۔" اوشان نے چوٹ کی۔

"کسی اور کو بلا لو... میں اور تم ایک ساتھ کھڑے ہو جاتے ہیں پھر لوچھ لینا کہ بھوکا کون لگ رہا ہے۔"

اوشان نے جھک کر میز پر پڑے ہوئے گلاب کے پھولوں کی پتیاں توڑ لیں لیکن شہزاد نے انھیں میز پر گرنے سے پہلے ہی اُچک لیا۔ اُسے یقین تھا کہ اوشان کے سوا کسی اور نے اُس کے ہاتھ کو حرکت کرتے نہیں دیکھا ہوگا۔

شہزاد نے اپنا یونین کارڈ، نمائندے کا بیج اور جواد ہیٹ لیے اور بلند اقبال کو خدا حافظ کہہ کر ہوٹل لوٹ آیا۔

ڈیٹر اور روم بوائے اوشان کے بارہ بڑے بڑے صندوقوں کو کمرے میں رکھنے میں مصروف تھے۔ انھیں ٹیلی ویژن سیٹ سب سے پہلے اوپر لانے کی ہدایت کی گئی تھی۔ اُس کے ساتھ ایک مخصوص آلہ تھا جسے کسی بھی دوسرے ٹی۔ وی کے ساتھ منسلک کیا جا سکتا تھا لیکن اوشان کے پاس اپنا ٹی۔ وی سیٹ بھی موجود تھا۔

ٹائیگر کو یاد تھا کہ ایک بار واشنگٹن میں اوشان نے صدر امریکہ سے ملاقات صرف اس وجہ سے پندرہ منٹ کے لیے مؤخر کر دی تھی کہ ہوٹل والوں نے ٹی۔ وی کی وائرنگ میں کوئی گڑبڑ کر دی تھی... اس وجہ سے اوشان کا پسندیدہ ٹی۔ وی پروگرام بھی نکل گیا تھا... صدر امریکہ سے ملاقات کے دوران وہ اتنا اُکھڑا اُکھڑا رہا کہ ہر لمحے ٹائیگر کو ڈر رہا کہ ابھی کہیں اوشان صدر کو اُٹھا کر اوول آفس کی کھڑکی سے باہر نہ پھینک دے لیکن خیر گزری اور اوشان کے خراب موڈ کے باوجود، ملاقات بخیر و خوبی انجام کو پہنچی۔

یہ الگ بات تھی کہ اوشان نے اس کا سارا غصہ بعد میں شہزاد پر اُتارا اور کم و بیش ہفتے بھر اُس سے بات نہیں کی۔ اُس کا کہنا تھا کہ یہ سب شہزاد کی حماقتوں اور عدم دلچسپیوں کی وجہ سے ہوا ہے آٹھویں دن خدا خدا کر کے اُس کا موڈ کچھ بہتر ہوا تھا۔

ہوٹل واپس آکر اوشان تو اپنے کمرے کی ترتیب میں لگ گیا تھا جبکہ شہزاد ورزش میں مصروف ہو گیا... پھر اُس نے شاور لیا اور گرے رنگ کا سوٹ اور اُسی رنگ کی ٹائی پہن کر کنونشن میں جانے کے لیے تیار ہو گیا لیکن پھر اُسے بلند اقبال کے جملے یاد آگئے... تو اُس نے ٹائی اُتار دی۔

"میں کنونشن میں جا رہا ہوں، لٹل فادر۔" ٹائیگر نے اُس کے کمرے میں آکر اُسے بتایا۔ "لنچ میں مجھے کیا کھانا چاہیئے؟"

"تلا ہوا میمنڈک۔"

"میں سنجیدہ ہوں، لٹل فادر!"

"میں بھی درست کہہ رہا ہوں۔"

"میں یہ ٹی۔ وی توڑ ڈالوں گا، لٹل فادر! مجھے بتاؤ کہ میں دوپہر کو کھانے میں کیا لوں؟"

"صرف چاول اور تین اونس مچھلی۔ اس سے زیادہ ایک بھی مچھلی اُڑ کر بھی تمہارے منہ میں نہیں جانی چاہیئے۔"

شہزاد، اوشان کو خدا حافظ کہہ کر کنونشن میں پہنچ گیا۔ ابھی

زیادہ لوگ نہیں آئے تھے۔ افتتاحی تقریبات میں بعض بیگمات، چند ایک نمائندوں، موجودہ صدر اور عہدے داروں نے ہی شرکت کی تھی۔ ایک مولانا صاحب نے دُعائے خیر بھی کی تھی... اور معلوم نہیں کس طرح انھوں نے یونین ازم کو مذہب کی رُوح کے عین مطابق ثابت کر دیا تھا۔

تقریب میں شہزاد نے بھی چند ایک نمائندوں سے بات چیت کی تھی۔ اُن میں سے کوئی بھی مسلم آباد سے باہر بننے والی نئی عمارت کے بارے میں نہیں جانتا تھا۔ انھوں نے شہزاد سے ہارون آباد کے بارے میں پوچھا تھا جہاں حال ہی میں ہونے والے بم کے دھماکوں کے بعد صورتِ حال ابھی تک معمول پر نہیں آئی تھی۔

"بلند اقبال کیسا ہے؟" ایک اور شخص نے دریافت کیا۔

"ٹھیک ہے۔"

"اور ٹونی اور پال کے کیا حال ہیں؟"

"وہ بھی ٹھیک ہیں۔ دونوں یہاں آئیں گے۔"

"بلی ڈانسر؟"

"زبردست جا رہا ہے، وہ یہاں نہیں آئے گا۔"

"میں جانتا ہوں کہ وہ نہیں آئے گا۔" نمائندے نے جواب دیا۔ "کیونکہ اُسے مرے ہوئے پانچ سال ہو گئے ہیں۔ اب تم یہ بتاؤ کہ تم کون ہو؟ تم ڈرائیور تو نہیں۔"

"کیا بکواس کرتے ہو؟" شہزاد نے بُرا مانتے ہوئے کہا۔ "میں روحانی ڈرائیور ہوں۔"

نمائندے نے ایک شخص کو پکارا جسے ہال میں سارجنٹ ایٹ آرمز کہا جاتا تھا۔ سارجنٹ ایٹ آرمز نے دو محافظوں کو بُلا لیا اور وہ دونوں مزید پانچ افراد کو ساتھ لے آئے۔ تمام لوگوں نے مِل کر شہزاد کو گھیر لیا اور اُسے دروازے کی طرف لے چلے لیکن دروازے پر پہنچ کر ایک عجیب بات رونما ہوئی۔ تقریباً تمام محافظ باری باری بُری طرح چیخے تھے۔

سارجنٹ ایٹ آرمز کی ہنسلی کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی... دو آدمیوں کے ٹوٹے ہوئے دانت زمین پر پڑے اُن کا منہ چڑا رہے تھے جبکہ شہزاد اطمینان سے سیٹی بجاتا ہوا واپس اپنی سیٹ کی طرف جا رہا تھا۔

بعض لوگوں نے اپنی اپنی نشستوں سے اُٹھ کر دُنیا کے اس نئے عجوبے کو دیکھا تھا۔

ڈرائیورز یونین کی اس اہم ترین خبر نے بلند اقبال تک کا فاصلہ بڑی تیزی سے طے کیا تھا۔ منہ در منہ ہوتی ہوئی یہ بات سرِ شام ہی کو اُسے مل گئی۔ اُس وقت وہ کنونشن کے آئندہ اجلاس کی تیاری میں مصروف تھا، جب لوسیان کا نمائندہ بھاگم بھاگ اُس تک پہنچا۔ بلند اقبال نے اکثر و بیشتر اس سُرخ بالوں والے شخص کی مدد کی تھی۔

"تم تو چُھپنے کے قابل ہو، بلند اقبال!" آنے والا بہت پُرجوش نظر آ رہا تھا۔ "میرا جی چاہتا ہے، تمہیں چُوم لوں، مائی ڈیئر!"

"ہُوا کیا ہے؟" بلند اقبال نے سامنے کے دو بٹن کھولتے ہُوئے دریافت کیا۔

"وہ تمہارا نیا بزنس ایجنٹ ہے نا..."

بلند اقبال کے حلق میں گرہ سی پڑ گئی۔ اُس نے کھنکار کر گلا صاف کیا۔ "وہ شہزاد؟ کیا وہ اکیلا کنونشن میں گیا تھا؟"

"یار! وہ بڑی زبردست چیز ہے۔"

"وہ اچھا لڑکا ہے۔" بلند اقبال نے کہا۔ "وہ کچھ شرارتی ٹائپ کا ضرور ہے، بالکل علی جواد کی طرح لیکن ہے بالکل صحیح۔"

"ارے، اُسے غلط کون کہہ رہا ہے۔" لوسیان کے نمائندے نے کہا۔ "میں تو تمہیں یہ بتانے آیا ہوں کہ اُسے ہال سے باہر لے جانے کی کوشش کرنے والے آٹھوں افراد اس وقت اسپتال میں پڑے ہیں۔ کسی کے دانت نہیں ہیں تو کسی کی آنکھ نہیں، کوئی ٹانگ تُڑوا بیٹھا ہے تو کوئی ہاتھ..."

بلند اقبال اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔ اُس نے حیرت سے پھٹی ہُوئی آنکھوں اور کھلے مُنہ کے ساتھ پلٹ کر ٹونی اور پال کی طرف دیکھا لیکن اُن کی حالت بھی اپنے باس سے مختلف نہیں تھی۔

ایگزیکٹو کالکن نے حیرت اور دُکھ سے اپنے نمبر تین کو دیکھا، جس کی گردن اور چہرے کو کتے کے تیز دھار دانتوں نے ناقابلِ شناخت بنا دیا تھا۔

"تمام لوگ فوری طور پر اندر چلے جائیں۔" وہ دہاڑا۔ "کار کو پرانی بار کے پیچھے کھڑی کر دو۔ تمام سیکورٹی لائٹس صبح تک جلتی رہیں گی۔ تمام لوگ باری باری، تین تین گھنٹے جاگ کر پہرہ دیں گے۔"

اُسی وقت وہ دونوں افراد بھی واپس آگئے جو نامعلوم حملہ آور کی تلاش میں گئے تھے۔

"سوری، باس!" اُن میں سے ایک نے سر جُھکا کر معذرت کی۔ "وہ شاید کوئی چھلاوہ تھا، ہم اُس کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکے۔"

جملہ ختم ہوتے ہی اُلٹے ہاتھ کا ایک زناٹے دار تھپڑ اُس کے رُخسار پر پڑا۔ وہ اُلٹ کر پیچھے جا گرا، دوسرے نے از خود پیچھے ہٹتے

Uploaded By Nadeem

کی کوشش کی لیکن گالکن نے ایک ہاتھ اُس کے گریبان پر ڈال کر اُسے آگے کرلیا اور پھر تھپڑوں سے اُس کا چہرہ بگاڑ دیا۔

"تم کتوں سے اور اُمید بھی کیا ہے؟" اُس کے منہ سے ملے غصّے کے کف نکل رہی تھی۔ وہاں کھڑے ہُوئے کسی شخص نے بھی گالکن کے منہ لگنے کی کوشش نہیں کی تھی، سب کو پتا تھا کہ اگر کسی نے کچھ کہا تو گالکن اس بار ہاتھ نہیں پستول استعمال کرے گا۔

"سب لوگ اندر چلو۔" گالکن چلایا تو ساکت کھڑے ہُوئے بُتوں میں جیسے جان پڑ گئی۔

اندر جانے والوں میں گالکن سب سے آگے تھا۔

وہ زیادہ طویل قامت نہیں تھا اور اُس کا شمار کے۔جی۔بی کے اُن آدمیوں میں ہوتا تھا جن کی عُمریں چالیس سال سے تجاوز کر چکی تھیں۔ اُس کا قد پانچ فٹ دس انچ تھا اور ڈاکٹر کے بقول وہ تیس پونڈ "اوور ویٹ" تھا۔ وہ ہر وقت چُست لباس میں رہتا تھا۔ اس وقت بھی اُس نے ایک ہلکے رنگ کا سوئیٹر اور چُست سی پتلون پہن رکھی تھی۔ اُس نے اپنے نیم گنجے سر پر ہاتھ پھیرا جو کسی بیوہ کی ننگی کلائیوں کی طرح رفتہ رفتہ بالوں سے مزید محرُوم ہوتا جا رہا تھا۔

"ہمارے دو آدمی مر گئے اور ہم حملہ آور کی شکل تک نہیں دیکھ سکے۔" اندر پہنچ کر اُس نے خود کلامی کے انداز میں کہا۔ "حملے میں خود کار ہتھیار استعمال کیے گئے ہیں، اس لیے مجھے اُمید نہیں کہ حملہ آور کا تعلق پولیس سے ہو... اور سی۔آئی۔اے امریکہ کے اندر... ایسی سرگرمیوں میں ملوّث نہیں ہوتی... تو پھر آنے والا کون تھا؟ ہمارے مقامی ذرائع نے بتایا ہے کہ اس علاقے میں ایف۔بی۔آئی بھی سرگرم عمل نہیں ہے۔"

پانچ آدمی اُس کے سامنے کھڑے تھے جنھیں اُس نے بڑی محنت اور مشقت سے تربیت دی تھی۔

"لیکن اس حملے کے باوجود ہم اپنے مقررہ پروگرام میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی یا ترمیم نہیں کریں گے۔" اُس نے اپنی بات جاری رکھتے ہُوئے کہا۔ "ہم اپنے ٹارگٹ کی طرف اُسی طرح روانہ ہوں گے جس کی تمہیں پہلے سے ہدایت کی جا چکی ہے۔ ہمیں تین نئے آدمیوں کی ضرورت ہے جنھیں فوری طور پر تربیت دی جا سکے۔ میں جانتا ہُوں کہ اس میں تاخیر ہو گئی ہے لیکن یہ مجبوری ہے۔ اُن تین کے ساتھ ساتھ میں تم لوگوں کو بھی دوبارہ تربیت دینا چاہتا ہُوں۔"

اُس نے نظریں اُٹھا کر باری باری پانچوں کا جائزہ لیا۔ وہ اس وقت اُس کمرے میں کھڑے تھے جو کبھی اس فارم ہاؤس کا لِونگ روم تھا۔ فرنیچر ایک طرف کے ساتھ اکٹھا کر دیا گیا تھا جبکہ ایک کونے میں رکھے ہُوئے بلیک بورڈ کے سامنے سات کُرسیاں بچھائی گئی تھیں۔

ایلگزینڈر، اپنے نمبر دو سرجی وینگروڈوف کی طرف مُڑا۔ ت کی تربیت دی گئی تھی کہ اگر ایلگزینڈر آپریشن کے ہی جاں بحق ہو جائے تو وہ آپریشن کی باقی ذمّے داریاں سنبھال لے۔

"تینوں نئے آدمیوں کو لے آؤ، سرجی!"

"لیکن ایک بات بُری طرح میرے ذہن میں کھٹک رہی ہے۔" سرجی نے محتاط الفاظ میں بات شروع کی۔

"بولو..."

"ہماری اطلاعات کے مطابق ماریو سلوا اور شباکا، دونوں اس وقت فردوس بدر و آف کرائمز کی تحویل میں ہیں۔ نہ صرف گلستان بوتھ ایکشن کارپوریشن ختم ہو گئی ہے... بلکہ شباکا کے گروہ کے ایک ایک آدمی کو چُن چُن کر یا تو گرفتار کر لیا گیا ہے یا گولی سے اُڑا دیا گیا ہے۔"

"پھر...؟" گالکن نے فقرہ دیا۔ "کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"میرا مطلب تھا کہ اس صورتِ حال میں ہمارے منصوبے کی کامیابی کے امکانات کم نہیں ہو گئے؟"

"میں ایسا نہیں سمجھتا۔" ایلگزینڈر گالکن نے اطمینان سے کہا۔ "ماریو سلوا اور شباکا بے شک فردوس میں ہمارے دو اہم ترین مُہرے تھے۔ اگر وہ دونوں سرکاری تحویل میں نہ ہوتے تو وہی ہمارے اس منصوبے پر عمل درآمد کی ذمّے داری لیتے لیکن تم فکر نہ کرو، ہمارے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔ فی الحال تم اُن تینوں کو لے آؤ۔ باقی باتیں بعد میں کریں گے۔"

سرجی پلٹ گیا۔ چند منٹ بعد جب وہ واپس آیا تو اُس کے ساتھ تین نئے آدمی بھی تھے۔

ایلگزینڈر گالکن نے پہلے سے کمرے میں موجود پانچ میں سے ایک شخص کو مکان کے سامنے والی اندھیری کھڑکی میں کھڑا کر دیا... تاکہ وہ نگرانی کرتا رہے... پھر وہ نئے آنے والوں اور باقی بچ جانے والے چار پُرانے ساتھیوں سے مخاطب ہُوا۔

"یہ خودکشی نہیں ہے۔ مجھے پُورا یقین ہے کہ میں جن چھ افراد کو لے کر ٹارگٹ پر حملہ آور ہُوں گا، اُن تمام کو زندہ سلامت واپس لانے میں بھی کامیاب ہو جاؤں گا۔ بس یہ سارا کھیل تربیت، ڈسپلن اور معلومات کا ہے۔ ہم صرف اور صرف وہی کریں گے جس کی ہدایت کی جائے گی۔ مشن میں اپنا کام انجام دیں گے اور ٹرانسپورٹ کے لیے مقررہ جگہ کی طرف بڑھ جائیں گے، جہاں سے ہم اپنی گاڑیوں... یا

ہیلی کاپٹروں سے واپس آ جائیں گے۔ نئے آدمیوں کے لیے میں سارا منصوبہ دوبارہ بیان کرتا ہُوں۔"

اُس نے کونے میں رکھی میز پر سے ویکیوم فلاسک اُٹھا کر کپ میں کافی انڈیلی اور پھر اُس کے ہلکے ہلکے گھُونٹ لینے لگا۔ آنے والے تین نئے افراد میں سے دو پچھلے ایک سال سے اُس کے لیے چھوٹے موٹے کام انجام دے رہے تھے۔ جبکہ تیسرا بالکل ہی نیا تھا۔ ایلگزینڈر منصوبے پر عمل کے اتنے قریب پہنچ کر کسی نئے شخص سے کام لینا پسند نہیں کرتا تھا لیکن ناکامی کے امکانات کے ساتھ ساتھ اس میں بعض فوائد بھی پوشیدہ تھے۔

"جیسا کہ تمہیں بتایا جا چکا ہے..." گالکن نے کافی کا ایک بڑا سا گھُونٹ لے کر بات دوبارہ شروع کی۔ "... تم لوگوں کی خدمات باقاعدہ طور پر خریدی گئی ہیں۔ تم لوگوں کو کوئی زحمت نہیں جھیلنی پڑے گی اور نہ ہی کہیں جانے کی اجازت ہو گی، تمام لوگ مشن کی تکمیل تک یہیں رہیں گے۔ تم میں سے ہر ایک کو اس مشن کے لیے دس دس ہزار ڈالر معاوضہ ملے گا۔ زخمی ہونے کی صورت میں تمام تر اخراجات ہم اُٹھائیں گے اور اگر خدانخواستہ تم میں سے کوئی مشن کے دوران مر گیا تو اُس کے اہلِ خاندان کو پچاس ہزار ڈالر بطور امداد دیے جائیں گے۔ اس سلسلے میں کوئی سوال تمہارے ذہنوں میں ہو تو پوچھ لو!"

کسی نے کچھ نہیں پوچھا تھا۔

"ٹھیک ہے، آگے چلتے ہیں۔ حملے کے وقت کسی قسم کی ہنگامی صورتِ حال کا مظاہرہ نہیں کیا جائے گا۔ ہم نہایت اطمینان اور سکون کے ساتھ حملہ کریں گے اور اپنا مشن انجام دیں گے۔ ہم نے پورے مشن کے لیے باقاعدہ ایک ٹائم ٹیبل ترتیب دیا ہے اور پُورے مشن میں کہیں بھی ساٹھ سیکنڈ کی کمی و بیشی کی کوئی گنجائش نہیں ہو گی۔"

وہ مُڑ کر بلیک بورڈ کی طرف بڑھا جس پر ایک چارٹ پہلے سے آویزاں تھا۔

"یہ ہمارا ٹارگٹ ہے، 'دی بائنڈر کیمیکل' کارپوریشن۔ یہ بالکل وہی شے ہے جیسی نظر آ رہی ہے۔ ایک کیمیکل پروسیسر، پروڈیوسر اور ڈسٹری بیوٹر۔ اور دیکھا جائے تو اُس کی اہمیت اس سے کہیں زیادہ ہے۔ یہ جگہ ایبٹ کے چھوٹے سے قصبے سے دس میل اور کسی بھی آباد فارم ہاؤس سے پانچ میل کے فاصلے پر ہے۔ اس کی وجہ کسی کیمیائی حادثے کی صورت میں ہول آبادی کو محفوظ رکھنا ہے۔"

ایلگزینڈر گالکن نے چند ثانیے رُک کر اپنے آدمیوں کے تاثرات کا جائزہ لیا جو پوری توجہ کے ساتھ اُس کی بات سُن رہے تھے۔

"برسوں اس طرح کا ایک کیمیائی حادثہ ہو گا اور ہم اُسے مزید ہلاک بنا دیں گے۔ تم لوگوں کی اطلاع کے لیے بتا دُوں کہ یہ ٹارگٹ کوئی آسان کام نہیں بلکہ اُن مقامات میں سے ایک ہے جن کی امریکہ میں بڑے پیمانے پر حفاظت کی جاتی ہے اور انھیں حتی المقدور خفیہ رکھا جاتا ہے۔ دس منزلہ زیرِ زمین تہ خانوں، سُرنگوں اور کمروں میں امریکی حکومت نے اپنی پچاس فی صد کیمیائی اور بائیولوجیکل گیس اور ہتھیار ذخیرہ کر رکھے ہیں۔"

وہ پھر چند ثانیے رُکا۔

"اور اب علاقے اور حفاظتی انتظامات کا ایک جائزہ۔" اُس نے چارٹ کا صفحہ پلٹتے ہُوئے کہا جس پر اب بائنڈر کیمیکل کارپوریشن کا بیرونی علاقہ نظر آ رہا تھا۔ نقشہ کسی ماہر آرٹسٹ نے بنایا تھا... یہ دو منزلہ عمارت تھی جس کے گراؤنڈ فلور پر کوئی کھڑکی نہیں تھی، البتہ دوسری منزل پر کچھ کھڑکیاں نظر آ رہی تھیں۔ عمارت چوکور تھی اور خاصے وسیع رقبے پر پھیلی ہُوئی تھی۔

ایلگزینڈر نے چوکور عمارت کے ایک حصّے پر اُنگلی رکھ دی۔

"ایک طرف کے کھُلے علاقے سے دوسری طرف کا فاصلہ دو سو فٹ سے زیادہ ہے۔ یہ خاصی بڑی جگہ ہے لیکن اس کا زیرِ زمین حصّہ اس سے کہیں زیادہ بڑا ہے۔"

اُس نے ایک اور شیٹ پلٹی۔ یہ دس منزلہ کامپلکس کی سائیڈ ڈرائنگ تھی۔ وہ اہم مقامات کی نشاندہی کرتا جا رہا تھا۔

"زمین پر نظر آنے والی دو منزلیں زیادہ تر انتظامی دفاتر... سائنس دانوں، فوجی افسران اور افراد کی رہائش گاہیں ہیں... یہ صرف لوگوں کو دھوکا دینے کے لیے ہے۔ یہاں کمیونیکیشن روم ہے۔ جس کے ساتھ پاور سپلائی سوئچنگ اسٹیشن اور بعض حفاظتی عملے کے کوارٹر بنے ہُوئے ہیں۔ سوئچنگ اسٹیشن میں ماسٹر کنٹرول کنسول موجود ہے جس سے تمام منزلوں کو ایک دوسرے سے الگ کیا جا سکتا ہے اور یہ بات ہمارے حق میں جائے گی۔"

اُس نے رُک کر فاتحانہ نظروں سے اپنے ساتھیوں کو دیکھا اور پھر شروع ہو گیا۔

"لیول سب ون یا ایس ون..... زیادہ تر انتظامی، رہائشی اور حفاظتی عملے کے لیے ہے۔ ایس ٹو، جدید ترین کیمیائی جنگی ہتھیاروں اور آلات کے لیے ہے۔ یہاں بعض پُرانی گیسز جیسے ٹیئر اور ناسی گیس، بعض پیکٹیریائی گیسز اور دوسری مہلک قسم کی گیسوں کو ایک مقررہ درجۂ حرارت میں رکھا جاتا ہے۔ یہاں مقفّل لاکرز، فریزرز اور اوزان بھی موجود ہیں۔ ہمیں یہاں اگر کسی حفاظتی عملے کا سامنا ہُوا تو ہمیں اُس کا خاتمہ کر کے سب فلور پر جانا

ہوگا۔ اس کے بعد ایس تھری ہے جہاں بہت زیادہ مہلک نروگیس اور زیادہ حساس ہتھیار اور جراثیم ذخیرہ کیے گئے ہیں۔ بعد ازاں ایس فور ہے اور یہی ہمارا ٹارگٹ ہے۔ یہاں دُنیا کی خطرناک ترین اور مہلک ترین نروگیس ذخیرہ کی گئی ہے۔ ہمیں یہ مہلک گیس ساری کی ساری نہیں چاہیئے بلکہ ہم اس کے صرف چھ ڈرم . . . اُٹھائیں گے۔"

اُس نے مُسکرا کر چارٹ پر کوَر ڈال دیا۔

"کامپلکس میں موجود افراد، فطری طور پر ہمیں روکنے کی کوشش کریں گے تاکہ ہم چھ ٹینک نہ لے جاسکیں۔ یہ اُن کا فرض ہے۔ اب یہ ہمارا کام ہے کہ ہماری ننھی سی مہلک فوج، اُن کی تربیت یافتہ لیکن سُست سیکورٹی کو کس طرح شکست دیتی ہے۔ ہم جیت کر آئیں گے۔ میرا خیال ہے، آج کے لیے اتنا ہی کافی ہے... کل تمہیں چھ گھنٹے تک ہدایات دی جائیں گی کہ تم لوگوں کو کیا کرنا ہوگا، کس وقت کرنا ہوگا اور ہم اُن ڈرموں سمیت کس طرح اُس پنجرے سے باہر آئیں گے۔ اب تم خانے میں جاکر سو جاؤ... صبح تین بجے گارڈ ڈیوٹی کے لیے اُٹھنا ہوگا۔"

تینوں آدمی جب اُٹھ کر گئے تو وہ خاصے سنجیدہ لگ رہے تھے، باقیوں کے چہروں پر کوئی تاثر نہیں تھا۔

الیگزینڈر پہلی منزل پر موجود اُس واحد کمرے میں جاکر کُرسی پر بیٹھ گیا جس میں کوئی کھڑکی نہیں تھی۔ ڈنک تیار کرکے اُس نے ہاتھ میں تھام لیا۔

دو دنوں کی بات تھی اور پھر اُس کا عظیم ترین مشن شروع ہونے والا تھا۔ اُس نے کے۔ جی۔ بی میں ایک طویل وقت گزارا تھا لیکن فردوس میں ناکام ہو جانے والے پچھلے مشن نے اُس کی طویل ساکھ کو ختم کرکے رکھ دیا تھا اور اب وہ نئے سرے سے اپنا کھویا ہوا مقام حاصل کرنے کی جستجو میں تھا۔ اُسے یقین تھا کہ نیا منصوبہ اگر کامیاب ہوگیا تو وہ ایک بار پھر پہلی سی اہمیت اختیار کرلے گا۔

وہ روس کے ایک متوسط خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ اسی لیے اُس کا انتخاب اُن افراد میں نہیں کیا گیا تھا جنھیں انسٹی ٹیوٹ آف انٹرنیشنل اسٹڈیز میں بھیجا جاتا تھا۔ چنانچہ اُس نے کے۔ جی۔ بی میں شمولیت کے لیے سخت محنت کی تھی۔ یہاں آنے سے پہلے اُس نے چار سال فوج میں گزارے۔ تین بار اُس نے امتحان دیا اور تربیت کے لیے منتخب ہونے سے پہلے مختلف سخت ترین مراحل سے گزرا۔ وہ بالکل چھوٹے درجے سے کے۔ جی۔ بی میں شامل ہُوا لیکن پھر محنت کرکے فیلڈ رینک تک پہنچا تھا۔

لیکن اب تک اُس کی زندگی میں کوئی ایسا لمحہ نہیں آیا تھا جسے وہ حاصلِ لمحہ کہتا۔ اُس نے دوسرے ایجنٹوں کو کامیابیاں حاصل کرکے ماسکو لوٹتے اور پھر کے۔ جی۔ بی اور پارٹی میں اہم حیثیتوں پر تعینات ہوتے دیکھا تھا۔ ماریو سلوا اور شبا کا کی ٹریننگ کے وقت اُس کے ذہن میں یہی بات تھی کہ اُن کے توسط سے تکمیل کے مراحل طے کرنے والے منصوبوں کی بدولت وہ ماسکو واپس جاسکے گا لیکن وہ دونوں گرفتار ہوگئے۔ فردوس میں دہشت تو پھیلائی گئی لیکن وہ مطلوبہ مقاصد حاصل نہیں ہوسکے تھے جن کے لیے یہ منصوبہ شروع کیا گیا تھا۔ اور اب اُسے ایک موقع اور ملا تھا جو شاید آخری بھی تھا۔

درحقیقت اُسے صرف ایک ڈرم چُرانے کی ہدایت کی گئی تھی، باقی پانچ ڈرم چُرانے کا فیصلہ اُس کا اپنا تھا۔ اُس نے اپنے طور پر فردوس کے ایک اور گروپ سے رابطہ قائم کرلیا تھا اور اُنھوں نے اُسے پانچوں ڈرم ایک بڑی رقم کے عوض خریدنے کی یقین دہانی کرائی تھی۔

الیگزینڈر نے مُسکرا کر ڈرنک کی چُسکی لی۔ باقی پانچ ڈرموں کا پارٹی سے کوئی تعلق نہیں تھا اور نہ ماورِ وطن روس یا کے۔ جی۔ بی کو اس کا پتا چلتا۔

اگر اُس کا یہ منصوبہ کامیاب ہوگیا تو پھر وہ کے۔ جی۔ بی کو خیرباد کہنے کے بارے میں بھی سوچے گا لیکن اس سے پہلے وہ سری لنکا کے جنگلوں میں یا وسطی امریکہ کے دُخوار گزار علاقوں میں اپنی موت کا سامان کرے گا تاکہ دُنیا اور کے۔ جی۔ بی یہ سمجھتی رہے کہ ان کا ایک مایہ ناز ایجنٹ مارا گیا ہے... لیکن وہ کسی اور اچھے سے ملک میں ایک نئے نام سے، امیر ترین شخص کی حیثیت سے اپنی نئی زندگی کا آغاز کرے گا، اُس کی منصوبہ بندی میں یہ بات بھی شامل تھی کہ وہ نئے پاسپورٹ اور کہیں کے بھی شناختی کاغذات کی مدد سے ماسکو کا چکر بھی لگائے گا مگر اس کے لیے اُسے ایک نئے چہرے اور نئے فنگر پرنٹس کی ضرورت تھی۔

الیگزینڈر اُٹھ کر دروازے تک آیا۔ فلم ہاؤس کے باورچی دُور تک دھنیاں پھیلی ہُوئی تھیں۔ اُسے اُمید تھی کہ اب اُس کی راہ میں روڑے اٹکانے کوئی نہیں آئے گا۔

*

شہزاد کی تنظیم کے اور افراد بھی کنونشن میں شریک تھے لیکن اُن میں سے کوئی بھی اپنے ملکان کو نہیں جانتا تھا۔ دُنیا بھر میں پھیلے

ہُوئے یہ افراد نامعلوم مقام کی طرف اپنی رپورٹس روانہ کرتے تھے اور انھیں یہ بھی علم نہیں تھا کہ اُن کی یہ رپورٹس دُنیا کے کس حصّے میں وصول کی جاتی ہیں۔ اس وقت بھی یہ افراد کنونشن میں شریک لوگوں کو ایک نئی یونین بنا کر ملک کو اپنے رحم و کرم پر لانے کی منصوبہ بندی کرتے دیکھ رہے تھے۔

کنونشن کی ایک ایک لمحے کی رپورٹس مملکتِ فردوس سے ہزاروں میل دُور بیٹھے ہُوئے ایک شخص کی میز پر جمع ہو رہی تھیں جو چار گریسنی ٹورزم کا سربراہ ڈاکٹر ہرام تھا۔ ڈاکٹر کو ملنے والی رپورٹس کے مطابق صورتِ حال لمحہ بہ لمحہ بگڑتی جارہی تھی اور امکان تھا... کہ بین الاقوامی ٹرانسپورٹ یونین کا قیام عمل میں آجائے گا۔

یونین کا ایک کلرک کنونشن ہال میں ایک بڑے الیکٹریکل بورڈ سسٹم کے سامنے بیٹھا کارروائی نوٹ کررہا تھا۔ پورے کنونشن کا ایک ایک لمحہ وہ الیکٹریکل بورڈ اور اپنے ذہن کے نہاں خانوں میں محفوظ کرچکا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ ایک فون بوتھ سے اپنی معلومات ایک شخص کو دے رہا تھا جو اُس کے خیال میں یونین ازم پر ایک کتاب لکھ رہا تھا۔ اس شخص کو تازہ ترین معلومات کی فوری ضرورت کیوں تھی کلرک نے اس بارے میں سوچنے کی قطعی زحمت گوارا نہیں کی تھی۔ اُسے باقاعدگی سے رقم مل رہی تھی جو لفافوں میں بھیجی جاتی تھی، اس لیے اُس پر شبہ کی بھی عائد نہیں ہوتا تھا۔

ایک ائرلائن کے وائس پریذیڈنٹ نے معمول کے مطابق اپنے بزنس ایڈوائزر کو فون کیا جس کے بارے میں شبہ تھا کہ اُس کا تعلق ایف۔ بی۔ سی یا کسی اور خفیہ ایجنسی سے ہے لیکن ان معلومات سے ایگزیکٹو کی صحت پر کیا اثر پڑتا تھا۔ وہ اسی ایڈوائزر کی مدد سے ترقی کی سیڑھیاں طے کرکے یہاں تک پہنچا تھا۔ اس لیے اُس کے نزدیک یہ معلومات اُسے فراہم کرنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ اس کی کمپنی کا صدر بعض ایسے خفیہ معاہدے کرنا چاہتا تھا جن کے بارے میں کوئی اور اعلیٰ افسر نہیں جانتا تھا۔ ان معاہدوں کے مطابق یونین کو ہر قسم کی جائز و ناجائز سہولتیں فراہم کرنے کے عوض اُس کی کمپنی کو ایک ماہ کے لیے کام کرنے کی اجازت دی جانی تھی۔ کمپنی نے اس مقصد کے لیے اضافی طیارے خریدے تھے۔ بڑی عجیب بات تھی کہ کوئی یونین کسی ائرلائن کو اس قسم کی پیش کش کرے کہ مسافر صرف اُن کے طیاروں سے سفر کریں گے اور اس سے زیادہ عجیب بات یہ تھی کہ ایڈوائزر نے ان معاہدوں کے سلسلے میں تفصیلات فراہم کرنے کو کہا تھا۔

بوسنان کا ایک اکاؤنٹنٹ اپنے مالکان، جوائنٹ کونسل آف براور ہڈ آف ریل روڈ ورک مین سے ناراض ہوگیا۔

"تم اسے صرف یونین ازم کی امداد نہیں کہہ سکتے۔ تمہیں اُس یونین کا نام دینا ہوگا اور اگر اس یونین کا نام براور ہڈ آف ریل روڈ نہیں ہے اور میں اپنی کتابوں میں اُس کا اندراج بھی نہیں کرسکتا۔ اگر کبھی ان کتابوں کا آڈٹ ہوگیا اور تمہاری دی ہُوئی رقم کو میں مطلوبہ یونین میں نہ دکھا سکا تو مجھے اپنی زندگی کے کئی سال سلاخوں کے پیچھے گزارنے پڑیں گے۔ اس لیے میں اپنی پرکلس کو داؤ پر نہیں لگا سکتا۔"

لیکن ساتھ ہی اکاؤنٹنٹ نے اپنے مؤکلان کو یہ یقین دہانی بھی کرادی تھی کہ اس قسم کے ٹرانسفر وہ مالی سال کے اختتام پر کرسکتا ہے۔

"ٹھیک ہے۔" جوائنٹ کونسل کے صدر نے اُس سے... اتفاق کیا۔ "ہم انتظار کرلیں گے۔"

اکاؤنٹنٹ نے تمام کتابیں اور ریکارڈ اپنی سیکرٹری کے حوالے کردیا تاکہ وہ اسے دفتر کے سیف میں محفوظ کرلے۔ اُس نے یہی کیا لیکن اُس نے اس سے پہلے تمام حوالہ اور انیگیوں اور ٹرانسفرز کی ایک فوٹو کاپی بنائی اور اُس پیارے آدمی کو دے دی جو ایک بڑے ڈپارٹمنٹ اسٹور پر کام کرتا تھا لیکن اس طرح کی چیزیں جمع کرنے کا بے حد شوقین تھا۔ وہ اتنا اچھا شخص تھا کہ اُس نے لڑکی کو بہت سی سہولتیں فراہم کی تھیں۔ وقتاً فوقتاً وہ اسے بڑی بڑی رقمیں بھی دیتا رہتا تھا جسے شاید اسٹور ہی برداشت کرتا تھا۔ اس کے علاوہ وہ شخص لڑکی کا محبوب بھی تھا اور پیار و محبت کے تقاضے نبھانا بھی خوب جانتا تھا۔

ابھی چند ماہ پہلے کی بات ہے کہ سیکرٹری نے تیل کے بارے میں ایک اہم رپورٹ کی کاپی اُس کے حوالے کی تھی اور اس کے بدلے اُسے ایک رنگین ٹیلی ویژن ملا تھا۔ اور اب اُسے ایک نئے کمپن کی ضرورت تھی اور وہ یقیناً حاصل بھی کرلیتی کیونکہ اس پیارے آدمی نے بطورِ خاص ان معلومات کی فرمائش کی تھی جن کی اُس نے فوٹو کاپی تیار کروائی تھی۔ ہوسکتا ہے، وہ اُسے ایک واشر ڈرائر بھی دے دے، حالانکہ لڑکی کے پاس پہلے سے دو ڈرائر موجود تھے۔

وہ پیارا آدمی دستاویزات کی فوٹو کاپیوں سے اتنا متاثر ہُوا کہ اُس نے لڑکی کو اپنا ڈرائنگ روم نئے سرے سے سجانے کی تجویز پیش کردی۔

پھر اس پیارے آدمی نے ایک خصوصی نمبر ڈائل کیا اور... وہ

Uploaded By...

فوٹو کاپیاں اپنے اُس رابطہ آفیسر کے حوالے کردیں جو اُس کے خیال میں ایف۔بی۔سی سے تعلق رکھتا تھا۔ ایف۔بی۔سی کے اس شخص کو چار سال پہلے خصوصی نوعیت کی ذمے داریاں تفویض کی گئی تھیں۔ اُس نے بدستاویزات فوری طور پر ایک خفیہ دفتر کے حوالے کردیں، جہاں ایک لڑکی نے اُنھیں وصول کیا۔ وہ جانتی تھی کہ وہ ایف۔بی۔سی کے لیے کام نہیں کررہی بلکہ وہ وزارتِ داخلہ کے ایک خصوصی مشن سے وابستہ تھی۔ وہ اُن کی ایک ٹاپ پروگرام تھی۔ اُس نے اپنے دفتر میں رکھے کمپیوٹر کے ٹرمینل میں اُن تمام معلومات کو فیڈ کردیا۔ اُس کا خیال یہی تھا کہ اب یہ معلومات وزارتِ داخلہ کے خصوصی اور اعلیٰ حکام تک پہنچ جائیں گی۔

لیکن ایسا نہیں ہُوا۔ معلومات، وزارتِ داخلہ تک نہیں پہنچیں، بلکہ اُس ٹرمینل نے ان معلومات کو دے نیویارک میں چارہ گر سینی ٹوریم منتقل کردیا۔

چارہ گر کو معلومات بھجوانے والے کمپیوٹروں کی ایک خوبی یہ تھی کہ ایک بار آپ کچھ فیڈ کرنے کے بعد اُسے بیک نہیں کرسکتے تھے۔ صرف ایک ٹرمینل ایسا تھا جہاں سے ان تمام فیڈ کی ہُوئی معلومات کو بیک کیا جاسکتا تھا اور وہ ٹرمینل 'چارہ گر سینی ٹوریم' کے سربراہ ڈاکٹر بہرام کے دفتر میں موجود تھا۔

اُس کی بڑی سی سیاہ میز کے نیچے کنٹرول پینل موجود تھا، جس کے ساتھ کمپیوٹر پرنٹ آؤٹ کی سلاٹ بھی تھی۔ یہ پرنٹ آؤٹ باسکٹ میں نہیں گرایا جاتا تھا بلکہ ایک الیکٹریکل ڈسپوزل ڈیوائس کے ذریعے اُسے ضائع کردیا جاتا تھا جو ڈاکٹر بہرام کے ہاتھ کی پہنچ سے صرف نو انچ کی دُوری پر تھی۔

پینل اس وقت کھلا ہُوا تھا۔ ڈاکٹر بہرام کے چہرے پر سوچ کی لہریں ٹھاٹھیں مار رہی تھیں۔ اُس کے سامنے ہرے رنگ کے کاغذ پر ٹائپ شدہ تازہ ترین پرنٹ آؤٹ رکھا ہُوا تھا۔ ہرا کاغذ اُسے ایک ہرا دریا دکھائی دے رہا تھا جو کمپیوٹر ٹرمینل سے ڈسپوزل ڈیوائس تک بہہ رہا تھا۔ وہ کسی بھی معلومات کو واپس لاکر دوبارہ دیکھ سکتا تھا لیکن اُس نے ایسا نہیں کیا بلکہ کاغذ کو ڈسپوزل ڈیوائس تک جانے دیا۔

بہرام نے ڈسپوزل ڈیوائس کچھ ہی عرصے پہلے لگوائی تھی ورنہ پہلے کاغذ عام طریقوں کے مطابق ہی ضائع کیے جاتے تھے مگر ایک بار ایک کاغذ کی شیٹ تمام تر احتیاط کے باوجود سینی ٹوریم کے عمومی کاغذات میں شامل ہوکر اُس ہوشیار اسسٹنٹ تک پہنچ گئی جسے پہلے ہی اس بات کا شبہ تھا کہ یہاں سینی ٹوریم کی آڑ میں کچھ اور ہو رہا ہے... کاغذ دیکھ کر پہلے تو وہ کچھ پریشان رہا لیکن پھر ایک دن اُس نے یہ ترکیب

ڈاکٹر بہرام کو یہ بتایا کہ وہ جانتا ہے کہ چارہ گر کی اصل حقیقت کیا ہے۔ وہ اپنی کامیابی پر بڑا نازاں و فرحاں نظر آرہا تھا کہ بالآخر اُس نے بتا ہی دیا کہ تم لوگ کیا کرتے پھر رہے ہو۔

"زبردست..." بہرام نے مسکراتے ہُوئے کہا۔ "دوسرے لوگ کیا سوچتے ہیں؟"

"کون دوسرے؟" اسسٹنٹ نے پوچھا۔

"تم جانتے ہو کہ تنہا آدمی یہ سب کچھ نہیں کرسکتا۔"

"لیکن میں نے کیا ہے۔" اسسٹنٹ نے زور دے کر کہا۔ "میں آپ کو جانتا ہوں، سر آپ ایک باعزت شخص ہیں اور کبھی کسی غیر اخلاقی یا غیر قانونی سرگرمی میں ملوث نہیں ہوں گے۔ اس لیے میں نے اندازہ لگا لیا ہے کہ آپ جو کچھ بھی کررہے ہوں گے یقیناً بہتر کررہے ہوں گے اور میں آپ کے اس نیک مقصد کو نقصان پہنچانے کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔ اس لیے یہ راز میں سختی سے اپنے تک محدود رکھوں گا۔"

"کیا میں یقین رکھوں کہ میرا راز صرف تم تک محدود رہے گا؟"

"میں اس کا نہ صرف یقین دلاتا ہوں بلکہ آپ کے نیک کام میں شمولیت کی خواہش بھی کرتا ہوں۔"

"شکریہ..." ڈاکٹر بہرام نے جواب دیا۔ "یہ کام تھکا دینے والا ہے۔ میں نصف گھنٹے بعد گھٹیوں پر روانہ ہورہا ہوں۔ میرا پروگرام مالیبو پہنچ جانے کا ہے۔"

"میں وہاں پیدا ہُوا تھا۔"

"اوہ! کیا واقعی؟"

"ہاں، ہاں۔ کیا آپ نے میری درخواست نہیں پڑھی تھی؟ میں اگست میں وہاں پیدا ہُوا تھا، چھبیس سال پہلے۔ میرے نتھنوں سے تو ابھی تک مکھرا کاہل کے پانیوں کی خوشبو نہیں گئی۔"

"تو پھر میرے ساتھ چلو۔" بہرام نے اُسے پیش کش کی۔ "ہم دونوں بچپنیاں منانے چلتے ہیں اور ہاں... میں اپنے سوال کے جواب میں 'نہ' پسند نہیں کرتا۔ میں وہاں اپنے بھتیجے شہزاد سے بھی تمہیں ملواؤں گا۔"

اور یہی وہ لمحہ تھا جب بہرام نے ڈسپوزل ڈیوائس لگوانے کا فیصلہ کیا تھا۔ اب صورتِ حال یہ تھی کہ کاغذ پرنٹ آؤٹ سے نکل کر سیدھا ڈیوائس کی طرف بڑھتا تھا۔ ڈاکٹر کو بٹن دبانے کی ضرورت بھی نہیں پڑتی تھی اور سارا کچھ خود ہی جل جاتا تھا۔

بہرام کو آج تک اپنے اسسٹنٹ کا افسوس تھا لیکن یہ اُس کی مجبوری تھی۔ اگر وہ نیویارک ٹائمز کو معلومات نہ بھی فراہم کررہا ہوتا، تب بھی اُس کے زندہ رہنے کے امکانات بہت کم تھے کیونکہ بہرام

چارہ گر کا راز کسی اور کے ہاتھوں میں جانے کا خطرہ قطعی مول نہیں لے سکتا تھا۔

بہرام نے ٹرمینل بند کرکے کُرسی کی پُشت سے سر ٹکا لیا۔ دیوار گیر گھڑی تین بجا رہی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ پانچ گھنٹے بارہ منٹ بعد شہزاد اُسے فون کرنے والا تھا۔ بہرام نے پہلے سوچا کہ فون آنے سے پہلے وہ ایک راؤنڈ لگا آئے لیکن پھر اُس نے ارادہ ملتوی کردیا۔ وہ کچھ دیر آنکھیں بند کرکے آرام کرنا چاہ رہا تھا۔

ٹھیک آٹھ بج کر پندرہ منٹ پر فون کی گھنٹی گنگنا اُٹھی۔

"شہزاد...؟" بہرام نے کہا۔

"نہیں، وہ بھوسے جیسے بالوں والی لڑکی کا شوہر..."

"کبھی تو سنجیدہ رہ کر بات کیا کرو۔" بہرام نے اس کا جملہ پورا نہیں ہونے دیا۔ "بہرحال، اب تم اگلے مرحلے کے لیے کام شروع کردو۔ یُوں لگتا ہے جیسے ہمیں اپنے انتہائی منصوبے پر عمل کرنا ہی پڑے گا۔"

"لیکن اس کے بارے میں تو تم نے کہا تھا کہ ضرورت نہیں پڑے گی۔" شہزاد نے یاد دلایا۔

"ہاں... مگر اب حالات بدل گئے ہیں۔"

"تو پھر اگر ایسا کرنا ہی ہے تو کنونشن ہال کو بم مار کر تباہ کردیتے ہیں۔ سارا قصہ ہی ختم ہوجائے گا۔"

"میں اس وقت تمہاری لغویات سُننے کے موڈ میں نہیں ہوں۔"

"تو پھر اپنے کمپیوٹر سے مدد حاصل کرو اور کوئی دوسرا طریقہ اختیار کرلو، میں تمہارے منصوبے پر عمل نہیں کروں گا۔"

"شہزاد! تمہیں ہر حال میں کرنا ہوگا۔ اب آخری منصوبے پر عمل درآمد کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں رہ گیا۔"

"تو پھر یہ منصوبہ کسی اور کے حوالے کردو۔"

"نہیں، اسے تم ہی مکمل کروگے۔"

"ہرگز نہیں۔" شہزاد نے حتمی لہجے میں کہا۔ "میں ایک انسان ہُوں، کمپیوٹر نہیں، جسے جہاں چاہا اور جب چاہا استعمال کرلیا۔"

اس سے پہلے کہ ڈاکٹر بہرام کچھ کہتا، رابطہ منقطع ہوچکا تھا...

ڈاکٹر بہرام کچھ دیر خالی الذہنی کے عالم میں بیٹھا سوچتا رہا۔ اس کے باوجود کہ شہزاد نے جذبات کی رَو میں بہ کر نہ جانے کیا کچھ کہہ دیا تھا... لیکن اُسے یقین تھا کہ وہ اُس کے حکم سے کبھی سرتابی نہیں کرے گا۔

تھوڑی دیر بعد بہرام نے سر جھٹکا اور اُٹھ کھڑا ہُوا۔ وہ آرام کرنا چاہتا تھا اُس نے دروازے کی طرف قدم بڑھائے لیکن دفعتہً اُسے کچھ یاد آگیا اور وہ واپس آکر دوبارہ اپنی کرسی پر بیٹھ گیا

روبی، بوسٹن میں الیگزینڈر گالکن گیس میں مصروف تھی اور

لاڈو

قمر اجنالوی قیمت:-/90

کائنات

ایم اے راحت

قیمت: ۹۰/۰۰ روپے

بہرام کو ابھی اُس کے فون کا بھی انتظار کرنا تھا۔

* *

روبی معمول کے مطابق صبح ساڑھے پانچ بجے بیدار ہوئی... اور باہر جانے کے لیے تیار ہونے لگی۔ آج ہفتہ تھا لیکن وہ گزشتہ سہ پہر فون کرکے معلوم کرچکی تھی کہ بائنڈر کیمیکل کارپوریشن ہفتے کی صبح کو بھی کھلی رہتی ہے۔

روبی نے شیخ کارپولون فارم ہاؤس سے نکلنے والے مشتبہ افراد کے تعاقب میں گزارا تھا۔ اُن میں سے دو بائنڈر کیمیکل کارپوریشن کے اردگرد منڈلاتے رہے تھے۔

روبی نے پلاسٹک کا ایک لفافہ حاصل کیا تھا جس کے اُوپری سرے پر ایک زپ لگی ہُوئی تھی جس سے وہ ایک ہنی بریف کیس بن گیا تھا۔ اُس نے اس میں وہ نمونے ڈال لیے جو اُسی اسٹیشنری اسٹور سے خریدے گئے تھے جہاں سے لفافہ خریدا تھا۔ تیار ہونے کے بعد وہ دس میل کے فاصلے پر واقع کمپنی کے دفتر روانہ ہوگئی۔ گاڑی ڈیزرٹ پارکنگ لاٹ میں کھڑی کرنے کے بعد وہ جب بائنڈر کیمیکلز میں داخل ہُوئی، اُس وقت صبح کے ٹھیک نو بجے تھے۔

لابی میں ایک خوبصورت، خوش لباس اور نوجوان لڑکی نے قدموں کی آواز سُن کر میز سے سر اُٹھایا۔

"گڈ مارننگ، مس! ہم تمہاری کیا مدد کرسکتے ہیں؟" اُس نے خوش دلی سے دریافت کیا۔

"ڈائنامیکسوئل۔" روبی نے جواب دیا۔ "کمرشیل پرنٹنگ

کارپوریشن... ہم بزنس فارم طبع کرنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ اب اگر تمہارے پرچیزنگ ایجنٹ یا آفس سپلائز کے سپروائزر انچارج سے میری ملاقات ہو جائے تو میں کمپنی کو پانچ سے چھ ہزار ڈالر سالانہ کا فائدہ دے سکتی ہوں۔"

بھوری آنکھوں والی لڑکی نے پوری توجہ سے اُس کی بات سُنی اور پھر مسکرا دی۔

"اوہ آئی ایم سوری مس ڈانا! مجھے یقین ہے کہ تم کمپنی کو خاصا فائدہ دے سکتی ہو لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ اس وقت دونوں شعبوں کا کوئی آدمی بھی موجود نہیں ہے۔ کیا تم پیر کو آسکتی ہو؟"

"پیر کو سارا دن میں بوٹسے میں مصروف رہوں گی۔" روبی نے جواب دیا۔

روبی بلیس تو استقبالیہ کلرک سے کر رہی تھی لیکن اس عرصے میں وہ ارد گرد کے ماحول کا مکمل جائزہ لے چکی تھی۔ اُس کی آمد کے فوراً بعد مسٹری ٹانپ کا ایک شخص اندر آیا اور پھر سامنے کی سمت بنے ہوئے ایک دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ اس سے پہلے محافظ نے اُس کی جامہ تلاشی لی تھی۔ روبی نے یہ بات نوٹ کی کہ آنے والے کے بال بہت چھوٹے اور پہلوانے فیشن کے کٹے ہوئے تھے۔

دروازے کے بالمقابل واقع ایلیویٹر سے دو افراد برآمد ہوئے دونوں نوجوان، نپٹے پتلے اور بزنس سوٹوں میں ملبوس تھے جبکہ اُن کے بال بھی چھوٹے تھے۔ وہ دو منٹ وہاں کھڑے ہو کر آپس میں باتیں کرتے رہے لیکن اُن میں سے کسی نے بھی روبی کی جانب کوئی توجہ نہیں دی تھی۔

"او۔کے۔ بس!" روبی نے استقبالیہ کلرک کو مخاطب کیا۔ "کیا میں تمہارے مینیجر کے لیے کچھ سلائن کے نوٹس چھوڑ جاؤں؟"

"کیوں نہیں مس ڈانا! تم مینیجر کے لیے نوٹس چھوڑ جاؤ لیکن میں جانتی ہوں کہ اُس نے گزشتہ ماہ ہی اس قسم کے آرڈر دیے ہیں۔"

"اگر میں تمہارے مینیجر کو لنچ پر لے جاؤں تو؟" روبی نے پوچھا۔

"کھانے کے دوران اس بات کا موقع..." استقبالیہ کلرک کے ہونٹوں پر مسکراہٹ اور سر کی منفی جنبش کو دیکھ کر اُس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"آئی ایم سوری، شاید وہ نہ جائے۔ وہ ہمیشہ آفس ہی میں ہلکا پھلکا لنچ کرتا ہے۔"

"لگتا ہے قسمت ہی ساتھ نہیں دے رہی۔" روبی بڑبڑائی۔

"آئی ایم سوری، چھ ماہ بعد دوبارہ کوشش کرنا۔" استقبالیہ کلرک پھر مسکرا دی۔

"تمہارے تعاون کا شکریہ۔ ممکن ہے چھ ماہ بعد ملاقات ہو۔"

روبی نے لابی میں چاروں طرف کمپنی کے آپریشنز کی تصاویر پر طائرانہ نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ دو آدمی جو ایلیویٹر کے سامنے کھڑے باتیں کر رہے تھے، اب بھی وہیں تھے۔ اب ایک تیسرا بھی اُن کے پاس موجود تھا۔ باتیں کرتے کرتے اُن میں سے ایک مڑا تو روبی کو اُس کے کوٹ کی بائیں جیب پھولی ہوئی نظر آئی۔ یعنی اسلحہ بردار محافظ ہر جگہ موجود تھے۔

روبی نے ہاتھ ہلا کر لڑکی کو الوداع کہا اور باہر نکل آئی۔ جلد ہی وہ اپنی ٹیکسی پر سوار وہاں سے دُور ہوتی جا رہی تھی۔ وہاں موجودگی کے دوران روبی نے محسوس کیا تھا کہ چند آنکھیں مسلسل اُس کا جائزہ لے رہی ہیں۔ اس لیے نہیں کہ وہ ایک خوبصورت لڑکی تھی بلکہ اس کا مقصد دوسرا تھا۔ وہ وہاں عجیب سا کھنچاؤ محسوس کر رہی تھی۔ وہ اس نتیجے پر پہنچی تھی کہ بائنڈر کارپوریشن کوئی عام سا کیمیکل پلانٹ نہیں ہے۔

وہ دس میل دُور ایسٹ کے قصبے میں پہنچی اور ایک ٹیلی فون بوتھ کے سامنے رُکی۔ کچھ دیر بعد وہ اپنے کالنگ کارڈ کے ذریعے نیویارک کے چار مرسیڈیز ڈیلرز کا نمبر ڈائل کر رہی تھی۔

"روبی بول رہی ہوں، سر!" دوسری جانب سے فون ڈاکٹر بہرام نے اُٹھایا تھا۔

بہرام کی آواز میں خمار جھلک رہا تھا۔ شاید وہ سوتے سے اُٹھا تھا لیکن اُس نے ریسیور اُٹھانے میں تاخیر نہیں کی تھی۔

"ہاں، روبی! کیسی ہو؟"

"ٹھیک ہوں، سر! مشن کا آغاز ہو چکا ہے لیکن آپ سے کچھ معلومات چاہئیں۔"

اور اُس کے بعد روبی نے بائنڈر کیمیکل کارپوریشن کے بارے میں اپنے خدشات کا اظہار کر دیا۔

"میرا خیال ہے کہ میں اُس جگہ کے بارے میں جانتا ہوں، پھر بھی ذرا ہولڈ کرو۔"

روبی کو علم تھا کہ بہرام اب کمپیوٹر سے رجوع کرے گا۔

"ایک اہم اور خفیہ عمارت ہے۔" چالیس سیکنڈ بعد ڈاکٹر بہرام کی آواز دوبارہ سُنائی دی۔ "بائنڈر کیمیکل کارپوریشن کی زیرِ زمین دس منزلیں ہیں جہاں امریکہ کے نصف سے زیادہ کیمیکل اور بائیولوجیکل ہتھیار، گیسز اور مواد موجود ہیں۔ بظاہر یہ ایک سویلین فرم ہے... لیکن درحقیقت یہ ایک فوجی ادارہ ہے اور ایک آرمرڈ ڈویژن اس کی حفاظت پر مامور ہے۔ آرمی والوں کا خیال ہے کہ اُن کے اس سیٹ اپ کے بارے میں کوئی نہیں جانتا اور نہ ہی کوئی اسے نقصان پہنچا سکتا ہے۔" ڈاکٹر نے چند ثانیے رُک کر دوبارہ پوچھا۔ "تم

وہاں کیسے جا پہنچیں؟"

"کے۔جی۔بی والوں کے تعاقب میں۔"

"اوہ..." ڈاکٹر نے بے اختیار کہا۔ "محتاط رہنا۔ میں نہیں چاہتا کہ تمہیں کوئی نقصان پہنچے۔ تم میرے پاس کسی کی امانت ہو۔"

"کس کی؟" روبی کا دل یکبارگی دھڑک اُٹھا۔ وہ ڈاکٹر کی بات کا مطلب بخوبی سمجھ گئی تھی لیکن نہ جانے کیوں وہ اُس کے منہ سے سُننا چاہتی تھی۔

"اسے فی الحال رہنے دو۔ بس اپنی آنکھیں کھلی رکھنا... اور کوئی بات؟"

"نہیں سر... خدا حافظ!"

روبی نے سلسلہ منقطع کر کے کار سنبھالی اور واپس ہوٹل کی طرف چل پڑی۔

کچھ وقت ہوٹل میں گزارنے کے بعد وہ دوبارہ فارم ہاؤس کے ارد گرد منڈلا رہی تھی۔ کار اُس نے سڑک سے ذرا دُور، کچھ جھاڑیوں کی آڑ میں کھڑی کر دی تھی۔ روبی نے اپنا پستول جیکٹ کے نیچے چھپایا اور دو رخوں کے درمیان چلتی ہوئی فارم ہاؤس کی طرف بڑھی۔ اُسے دو میل کے قریب پیدل چلنا پڑا تھا۔ ایک چھوٹی سی ندی پار کرنے کے بعد وہ ایک چھوٹی سی پہاڑی پر پہنچ گئی تھی جہاں سے اُسے فارم ہاؤس صاف نظر آ رہا تھا جو اب ایک سوویت قلعے میں تبدیل ہو چکا تھا۔

فارم ہاؤس سے اُس کا فاصلہ کوئی چوتھائی میل تھا اور اُسے یقین تھا کہ فارم ہاؤس میں مقیم افراد اتنے زیادہ فاصلے سے اُسے نہیں دیکھ سکیں گے۔ سڑک پہاڑی کی دوسری جانب واقع تھی جس کے ارد گرد دُور تک سبزہ پھیلا ہوا تھا۔

روبی محتاط نظروں سے فارم ہاؤس کا جائزہ لیتی رہی اور پھر اُس نے اپنے حملے کی جگہ منتخب کر لی۔ یہ اُس کی موجودہ پوزیشن سے بائیں ہزار گز کے فاصلے پر دائیں جانب تھی۔ وہاں پہاڑی، نعل کی شکل میں تھی جس کی وجہ سے اُسے سامنے کی سمت سے تحفظ مل سکتا تھا۔

کافی دیر وہ وہاں لیٹی اپنے ٹارگٹ اور حملے کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لیتی رہی۔ ایک عجیب بات یہ تھی کہ اُسے عمارت کے ارد گرد کسی قسم کی نقل و حرکت کا احساس نہیں ہو رہا تھا جبکہ اس سے پہلے... وہ انسانوں کو گشت کرتے اور گاڑیوں کو آتے جاتے دیکھتی رہی تھی لیکن اب ایسا نہیں ہو رہا تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ ابھی کچھ لوگ اندر موجود ہیں، کیونکہ مکان کی دونوں چمنیوں سے دھواں اُٹھ رہا تھا جبکہ باڑ کے نزدیک بنی چھوٹی سی عمارتوں میں بھی زندگی کے آثار پائے جاتے تھے۔

گزشتہ رات کے حملے نے اُنہیں چوکس کر دیا تھا۔ روبی نے ایک بار فاصلوں کا تخمینہ لگایا۔ سڑک پہاڑی کے پہلو سے گزرتی تھی اور وہاں سے باہر جانے کا اس کے علاوہ کوئی اور راستہ بھی نہیں تھا۔ یعنی ہر گزرتی گاڑی کو روبی کی فائرنگ رینج سے ہو کر گزرنا تھا۔

ہر طرف سے مطمئن ہو کر روبی آگے بڑھ گئی۔ اتنی دیر میں اُسے کسی محافظ یا گشت کرنے والے کے آثار نظر نہیں آئے تھے۔ جلد ہی اندھیرا ہو گیا۔ اُس نے پورے علاقے کا گھوم کر ایک چکر لگایا لیکن کوئی غیر معمولی بات نظر نہیں آئی۔ قریب کے علاقے میں اُس کے علاوہ اور کوئی فارم ہاؤس نہیں تھا۔ اُس کے خیال میں بائنڈر کیمیکل کارپوریشن کے قیام کے بعد تمام کسان یہ جگہ چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ روبی نے آخری بار اطمینان کیا اور پلٹ کر کار کی جانب چل دی۔

❋

کنونشن جاری تھا۔

ہر طرف شور و غل، دھینگا مشتی، غل غپاڑہ اور اُکھاڑ پچھاڑ ہو رہی تھی۔

ابھی تک کنونشن ہال میں انٹرنیشنل برادر ہڈ آف ڈرائیورز کے بین الاقوامی صدر کے لیے تین نام پیش کیے گئے تھے۔ ہر نام کے بعد یوں نعرے لگائے جاتے اور پلے کارڈ لہرائے جاتے جیسے یہ کوئی سیاسی جلسہ ہو رہا ہو۔ وہ اپنے اپنے امیدواروں کے حق میں یوں چیختے جیسے کامیابی کا دارومدار دوٹوں کی گنتی پر نہیں بلکہ چیخوں پر ہو۔

جب علی جواد کی نامزدگی کا اعلان کیا گیا تو بلند اقبال، دو بائی چار کا ایک پلے کارڈ لہراتا اور نعرے لگاتا ہوا اپنی جگہ سے اُٹھ گیا۔ اُس نے ہارون آباد جوائنٹ کونسل کے وفود اور مقامی نمائندوں کو بھی اُٹھنے کا اشارہ کیا۔ اُنھوں نے بھی اُس کی تقلید کی تھی لیکن شہزاد نے اپنی جگہ سے حرکت کی نہ اُن کی تقلید میں اُٹھ کر کھڑا ہوا۔ اُس نے ٹانگ پر ٹانگ رکھی اور ٹھوڑی کے نیچے ہاتھ جما کر بیٹھ گیا۔

خالی نشستوں کے درمیان ایک آدمی کا بیٹھا رہنا کسی سے چھپا نہیں رہا تھا۔ علی جواد پلیٹ فارم پر کھڑا اپنے حامیوں کے نعروں کا ہاتھ اُٹھا کر جواب دے رہا تھا۔ اُس کی نظر شہزاد پر پڑی تو اُس نے کندھے پر سے نوشاد کے کان میں پوچھا۔

"وہ کون ہے؟"

"یہ وہی ہے جس نے سارجنٹ ایٹ آرمز، محافظوں اور آرمان کے نمائندوں کی چولیں ڈھیلی کی تھیں۔"

"اچھا تو یہ ہے وہ۔" جواد نے ذومعنی انداز میں سر ہلایا۔ "جب تم اس کے پاس جاؤ تو اُسے بتانا کہ میں اُس سے ملنا چاہتا ہوں۔"

Uploaded By Nadeem

یہ سب کہتے ہوئے علی جواد کا چہرہ حاضرین کی طرف ہی رہا تھا۔ جس پر خوشی اور مسرت کی لہریں رقصاں تھیں۔ اُس نے ذرا سی گردن گھما کر اپنے مخالف کا جائزہ لیا جس کے چہرے پر پسینے کے قطرے جگمگا رہے تھے۔ جواد نے اپنی مخصوص مُسکراہٹ اُس کی طرف اُچھالی تھی۔

مخالف بھی مُسکرا دیا۔

"میں تمہیں یونین سے نکال باہر کروں گا۔" مخالف نے ہنستے ہُوئے علی جواد کو مخاطب کیا۔

"یہ تمہاری بھُول ہے، بُوڑھے!" علی جواد نے براہِ راست اُس کے بُڑھاپے پر چوٹ کی لیکن اُس کے چہرے پر طنزیہ تاثرات نہیں اُبھرے بلکہ اُس نے یہی ظاہر کیا کہ وہ بے حد خوش و خرم ہے۔ "تم بُوڑھے ہو چکے ہو اور ہم بُوڑھوں کو دفنانے کے علاوہ کوئی کام نہیں کیا کرتے۔"

ہال سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے یہ کوئی دوستانہ بات چیت ہو کیونکہ دونوں مُسکرا رہے تھے لیکن یہ اُن دونوں کے دل ہی جانتے تھے کہ وہ ایک دوسرے سے کس قدر نفرت کرنے لگے تھے۔

شہزاد نے اُن کی طرف کوئی دھیان نہیں دیا۔ اُس نے اُن کا چیخنا چلّانا سُنا تھا، اُن کی حرکتیں محسوس کی تھیں، اُن کا جوش و خروش دیکھا تھا لیکن اُس کے انداز میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔

وہ اس وقت اپنے بارے میں سوچ رہا تھا۔

یہ ایک حیران کُن تبدیلی تھی۔ عرصے سے اُس نے اپنی ذات کو بھلا رکھا تھا۔ چارہ گر سے منسلک ہونے کے بعد کچھ عرصے تک اُس کا ذہن بے شک پراگندگی کا شکار رہا تھا لیکن اُس کے بعد اُس نے خود کو حالات کے سانچے میں ڈھال لیا تھا۔ اُس نے کبھی اپنے بارے میں نہیں سوچا تھا۔ یا تو اُسے اس کی فرصت نہیں ملی تھی یا پھر وہ خود کو حالات کے اسی دھارے کے ساتھ منسلک کر چکا تھا مگر آج نہ جانے کیوں اُسے محسوس ہو رہا تھا کہ وہ اتنے عرصے سے خود کو دھوکا دے رہا ہے۔ وہ بے شک مافوق الفطرت اور ناقابلِ یقین قوتوں کا مالک تھا لیکن بنیادی طور پر ایک انسان تھا۔

شاید یہ باتیں آج اُس کے ذہن میں روبی کی وجہ سے پیدا ہو رہی تھیں۔ وہ جانتا تھا کہ وہ پاگل لڑکی اُسے بے تحاشا چاہتی ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ اس کا مضحکہ بھی اُڑایا کرتی تھی۔ شاید وہ اُس کی لاتعلقی سے تنگ تھی یا ہو سکتا ہے کہ شہزاد کے سخت رویّوں کے باعث وہ اُسے تنگ کرتی ہو۔ 'نہیں...' اُس نے اپنا سر جھٹکا... 'یہ روبی کہاں سے آ گھسی۔ میں تو اُس سے نفرت کرتا ہوں۔ نہیں... شاید تھوڑا سا پیار بھی کرتا ہوں۔' اُس کی سوچ دوغلے پن کا شکار تھی۔

شروع شروع میں جب وہ چارہ گر کے ساتھ منسلک ہُوا تو وہاں کے متعلقین اُس کے محسنوں کی شکل میں سامنے تھے اور وہ اُن کے احسانات کا بدلہ چُکانے کے لیے خود کو اُن کی توقعات کے مطابق ڈھالتا چلا گیا۔ اس امید کے ساتھ کہ اُس کا یہ سفر کبھی نہ کبھی ختم ہو جائے گا اور وہ ایک بار پھر پہلی سی پُرسکون زندگی گزار سکے گا۔ وہ سوچتا کہ کل کا دن اُس کی زندگی میں انقلاب لائے گا مگر کل کبھی نہ آیا۔ تربیت کے انداز بدلتے رہے۔ ہر روز اوشان اُس کے ذہن کو پختہ بنانے کا کام کرتا اور اُس کا ذہن اُس کے جسم کو احکامات دیتا... یہ تبدیلیاں غیر محسوس تھیں اور پھر ایک دن اُس پر یہ بھید کھلا کہ وہ عام انسانوں سے بے حد مختلف ہو گیا ہے۔

اُسے اپنی ان تبدیلیوں سے نفرت نہیں تھی بلکہ وہ خود پر فخر کرتا تھا لیکن یہ اُمید اُس کے ذہن میں ضرور تھی کہ کبھی نہ کبھی اس کا ایک خاندان ہو گا، ایک گھر ہو گا اور ہو سکتا ہے، کہیں صبح نو سے شام تک نوکری بھی ہو مگر یہ سوچیں صرف سوچیں ہی رہ گئیں۔ وہ خاندان، گھر اور نوکری تو حاصل نہ کر سکا البتہ سنابجو کی وراثت ضرور حاصل کر لی۔

اس کا ایک فائدہ ہُوا، وہ دُنیا کے ہر شخص سے بے خوف ہو گیا سوائے ایک ہستی کے، کیونکہ یہ بات وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ کبھی کسی نے اُس کی زندگی لینے کی کوشش کی تو وہ صرف اور صرف اس کا اُستاد ہو گا، ماسٹر آف سنابجو... اُشان۔ لیکن یہ صرف قیاس تھے۔ یہ ایک الگ بات ہے کہ کبھی کبھی قیاس بھی حقیقت کا روپ دھار لیتے ہیں۔

"تم ٹھیک تو ہو، لڑکے؟" بلند اقبال کی آواز اُسے دوبارہ کنونشن ہال میں کھینچ لائی۔ اُس کے خیالات کی زنجیر ٹوٹ گئی۔ اُس نے گردن موڑ کر دیکھا۔ بلند اقبال اُس کے برابر آ بیٹھا تھا۔ پتے کا ڈبہ اب بھی اُس کے ہاتھ میں تھا لیکن شہزاد کو اس سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

اس نے بغور ہال کا جائزہ لیا اور پھر اس کی نظریں پلیٹ فارم پر جم گئیں۔ وہ سوچنے لگا کہ اگر اسٹیج پر حملہ کیا جائے... تو پہلی دو قطاروں والے تو لازمی اُس کا نشانہ بن جائیں گے۔ بس تیسری قطار بچ رہے گی۔

"بلند اقبال مجھے ایجنڈا دینا۔" وہ ساتھ بیٹھے ہوئے ہارون آباد یونین کے صدر سے مخاطب ہُوا۔

"ارے!" بلند اقبال نے حیران ہو کر کہا۔ "یہ تم نے اچانک اس چیز میں دلچسپی کیسے لینی شروع کر دی؟"

"مجھے دلچسپی ہے، ایجنڈے کی کاپی دو۔"

"اے، لڑکی! اسے ایجنڈے کی کاپی دینا۔" بلند اقبال

پُکار کر اپنے ساتھی کو ہدایت کی۔

براؤن ہیڈ کے نشان والا ایک فولڈر شہزاد کی سمت بڑھا دیا گیا۔

"شکریہ۔" شہزاد نے پلیٹ فارم پر سے نظریں موڑتے ہوئے کہا اور پھر فولڈر کھول کر ایجنڈے پر جھک گیا۔

بدھ، خطبۂ استقبالیہ، قواعد و ضوابط میں مجوزہ ترامیم، گلستان میں ایک سینیٹر کا خطاب... ٹھیک نہیں۔

جمعرات، ڈرائیوروں کی بیگمات کو خراجِ تحسین، فردوس لیجن کے صدر کا خطاب، مجوزہ ترامیم کے لیے ووٹنگ... یہ بھی صحیح نہیں۔

جمعہ، براؤن ہیڈ آف ریلوے ورکرز یونین، انٹرنیشنل اسٹیورڈز ایسوسی ایشن اور ائر لائن پائلٹس ایسوسی ایشن کے صدور کا خطاب، مہمانِ خصوصی سیکرٹری محنت کی تقریر... زبردست، یہ ٹھیک ہے۔

"اقبال! جب لوگ تقریر کرنے کے لیے آتے ہیں تو کیا وہ اپنی باری پر ہال میں آتے ہیں یا پورے اجلاس کے دوران بیٹھے رہتے ہیں؟" شہزاد نے اپنے ساتھی سے پوچھا۔

"وہ پورے اجلاس کے دوران موجود رہتے ہیں لڑکے۔" بلند اقبال نے جواب دیا۔ "لیکن یہ تم نے کیوں پوچھا؟"

"بس ایسے ہی، ویسے کیا یہ سب بور نہیں لگتا اُنھیں؟"

"تمہیں اگر لگتا ہے تو میں تم سے اُس اجلاس میں آنے کے لیے درخواست نہیں کروں گا۔"

"میں جانتا ہوں، لیکن تیسری قطار میں بہت سے سروں کے پیچھے بیٹھ کر اپنی تقریر کے لیے باری کا انتظار کرنے سے اُنھیں کوفت نہیں ہوتی؟"

"وہ تیسری قطار میں نہیں بیٹھتے لڑکے۔ وہ سامنے بیٹھیں گے۔ تقریر کرنے والے ہمیشہ معزز مہمان ہوتے ہیں نہ۔"

شہزاد خاموش ہو گیا۔

اُس کی نظریں پھر پلیٹ فارم پر جم گئیں، جہاں رکھی کرسیوں کے عین اوپر اُسے لوہے کا بھاری گرڈر نظر آ رہا تھا۔ اس گرڈر سے مختلف چیزیں باندھے گئے تھے۔ گرڈر کو نٹ بولٹوں کی مدد سے دو طرفہ ستونوں کے ساتھ منسلک کیا گیا تھا۔ اگر پلیٹ فارم پر روشنی کم ہو جیسے آج تھی... تو گرڈر تک پہنچنے والے کسی شخص کو آسانی سے نہیں دیکھا جا سکتا تھا۔

شہزاد نے فیصلہ کیا کہ جمعے کو آخری اجلاس سے قبل وہ گرڈر کو اس طرح ڈھیلا کر دے گا کہ وہ ماچس کی اس تیلی کی طرح نیچے گر پڑے۔ یہ الگ بات ہے کہ ماچس کی اس تیلی کا وزن ہزاروں پاؤنڈ ہو۔

اُس نے پلیٹ فارم سے نظریں ہٹا کر دیکھا تو کوئی اُس کی طرف متوجہ نہیں تھا۔ اُس نے اپنی نظریں دوبارہ اس پلیٹ فارم پر جما دیں جہاں یونین کے بڑے بڑے لیڈروں کو بیٹھنا تھا۔ اُن لیڈروں نے جو ٹُلک کی شہ رگ کاٹنے پر تُلے ہوئے تھے۔ اگر بلند اقبال کا اندازہ غلط نکلا تو اُسے اپنے پروگرام پر نظرِ ثانی کرنی پڑے گی۔

اُس نے بہرام سے ہونے والی بات چیت میں یہ کام انجام دینے سے انکار کر دیا تھا لیکن وہ جانتا تھا کہ یہ کام اُسی کو کرنا ہے۔ مگر یہ قتلِ عام ایک بڑی خبر ہوتا۔ اس کی بڑے پیمانے پر تحقیقات ہوتیں، لیکن اس سے شہزاد کی صحت پر کیا اثر پڑتا۔

وہ دل ہی دل میں یونین ازم کے ذریعے کسی مُلک کو تباہ کرنے کی سازش کرنے والے کو داد دیے بغیر نہ رہ سکا۔ تمام یونینوں کے ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو جانے کا مقصد یہ ہوتا کہ پوری معیشت اُن کے قابو میں آ جاتی اور وہ رفتہ رفتہ پورے مُلک کے انداز زندگی کو تبدیل کر ڈالتے۔

یونین بنتے ہی ٹرانسپورٹیشن کے اخراجات میں زبردست اضافہ کر دیا جاتا۔ اتنا اضافہ کہ ایک صارف کی پہنچ سے باہر ہو جاتا جس کے نتیجے میں گوشت، سبزیوں، دودھ اور دیگر ضروریاتِ زندگی کی قیمتیں آسمان سے باتیں کرنے لگیں۔ متوسط طبقہ فاقوں کا شکار ہو جاتا اور ترقی کی شاہراہ پر گامزن یہ مُلک معاشی بدحالی اور غربت کا عبرت انگیز مرقع بن کر سامنے آتا۔ عدم استحکام پیدا ہو جاتا۔ بے روزگاری عروج پر پہنچ جاتی اور یوں یہ سُپر یونین کسی کا خون بہائے بغیر قوم کو تباہ کرنے میں کامیاب ہو جاتی۔

"اقبال!" اس نے پھر اپنے ساتھی کو مخاطب کیا۔

"بولو۔"

"تم یہ کیوں نہیں سوچتے کہ علی جواد بہرحال میں جیتے گا بھلا اُسے روکنے والا کون ہے؟"

"بوستان والے!" بلند اقبال نے جواب دیا۔ "اُنھیں بہت سے لوگوں کی حمایت حاصل ہے۔ اُن کا صدر انتھونی"

Uploaded by Nadeem

علی جواد کا سب سے بڑا مخالف ہے۔ اگر جواد کے علاوہ کوئی شخص صدر کے عہدے پر کامیاب ہوا تو وہ انتھونی ہوگا۔"

شہزاد نے کنونشن ہال میں ادھر اُدھر نگاہ دوڑائی

"مجھے دکھاؤ، انتھونی کون ہے؟"

اُنھے بغیر بلند اقبال نے دائیں جانب سفید رنگ کی شرٹ پہنے ہوئے ایک شخص کی پُشت کی جانب اشارہ کیا۔

"اس طرف بیس قطاریں چھوڑ کر گلشن نگر اور شاہین آباد اور رسیوان کے وفود کے ساتھ، وہ سب ایک دوسرے پر جھکے ہوئے ہیں۔ تم اس کا سر نہیں دیکھ سکو گے لیکن تمہیں بہت سے لوگ آتے جاتے ٹھہرتے اور جھک کر باتیں کرتے نظر آئیں گے۔ اسی جگہ چھ فٹ چار انچ قامت کا، سُرخ بالوں اور کوئی تین سو پونڈ وزن کا مالک انتھونی بیٹھا ہوگا۔"

شہزاد اپنی نشست پر کھڑا ہو گیا لیکن اُسے مطلوبہ شخص نظر نہیں آیا۔

"مجھے کوئی ایسا شخص نظر نہیں آرہا۔"

"ارے وہ سامنے ہی تو بیٹھا ہے۔"

"اے نیچے بیٹھو،" شہزاد کے عقب سے آواز آئی۔

"مجھے کچھ دکھائی نہیں دے رہا۔"

شہزاد نے دوبارہ بیس قطاریں آگے دیکھا۔ اُسے بوستان کا بینر تو نظر آگیا لیکن انتھونی دکھائی نہیں دیا۔

"اے، تمہیں سُنائی نہیں دیا؟ میں نے تمہیں بیٹھنے کے لیے کہا تھا۔" اس دفعہ آواز زیادہ بلند اور لہجہ سخت تھا۔

"بیٹھ جاؤ شہزاد! تم جا کر دیکھ لینا۔" بلند اقبال نے کہا۔ "اور تم بھی خاموش رہو، یہ ابھی ایک سیکنڈ میں بیٹھ جائے گا۔"

سفید شرٹ اور پتلون پہنے ہوئے ایک شخص شہزاد کے عقب میں بیٹھا تھا۔ اُسی کو بار بار تکلیف ہو رہی تھی۔

"ابے بیٹھو بھی...!" بلند اقبال کے کہنے کے باوجود وہ خاموش نہیں ہُوا۔

شہزاد نے اپنی پُشت پر ہاتھ کا دباؤ محسوس کیا۔ اُس نے آہستگی سے اپنا ہاتھ بڑھا کر اس کی کلائی تھام لی۔ ہڈیاں ٹوٹنے کی آواز فوراً ہی بلند ہوئی تھی۔

شہزاد کو اس بات سے کوئی دلچسپی نہیں تھی کہ اُس کے عقب میں کیا ہو رہا ہے۔ وہ بدستور سامنے نگراں تھا۔ سفید جینز، شرٹ والا شخص اب مزید آگے کی طرف

ابلیکا
اسلم راہی
جس میں حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک دنیا کی تاریخ پیش کی گئی ہے
سات جلدوں میں مکمل سیٹ۔ 1950/- روپے
ناشر: مکتبہ القریش
اردو بازار لاہور

جُھک رہا تھا، نہیں۔ وہ بیٹھ رہا تھا۔ جہتم میں گیا انتھونی! شہزاد اب بھی اِدھر اُدھر سر گھما کر انتھونی کو ڈھونڈنے کی کوشش کر رہا تھا۔

بلند اقبال بڑی دلچسپی سے اُسے دیکھ رہا تھا۔

پھر اس کی نگاہ عقبی نشست پر پڑی۔ سفید لباس والا اپنے بائیں ہاتھ سے دائیں کلائی کو تھامے بیٹھا تھا اور اس کے سفید کپڑے خون سے سُرخ ہو رہے تھے۔ اُس کے چہرے پر کرب کے آثار تھے۔

پھر وہ اپنی سیٹ سے اُٹھ کھڑا ہُوا۔

وہ اِدھر اُدھر ناچ رہا تھا۔ کسی نے اُس کی کلائی توڑ ڈالی تھی۔ وہ یقیناً وہی آدمی تھا جس کی پُشت کو اُس نے تھپ تھپانے کی کوشش کی تھی۔

"اس پر ٹھنڈا پانی ڈالو،" شہزاد نے بلند اقبال کو مخاطب کیا جو اب کھلے مُنہ اور پھٹی ہوئی آنکھوں سے اُسے دیکھ رہا تھا۔

"یہ... یہ... کیا ہُوا؟" اُس نے حیرت سے پوچھا۔

لیکن شہزاد جواب دینے کے لیے وہاں موجود نہیں تھا۔ وہ انتھونی کو ڈھونڈنے چل پڑا تھا۔ اُس نے اُسے بُرا بھلا بھی کہا، بلند آواز میں پُکارا بھی لیکن انتھونی وہاں نہیں تھا۔

بُلند اقبال کو بھی جلد ہی یہ اطلاع مل گئی کہ انتھونی کے بارے میں کوئی نہیں جانتا کہ وہ کہاں گیا؟ پھر اس نے یہ بھی دیکھ لیا کہ انتھونی کے سارے آدمی ملی جواد کے بیچ... پہنے ہوئے ہیں۔

"میں قسم کھا سکتا ہوں کہ میں نے جواد کے حمایتیوں میں بوستان والوں کو بھی دیکھا ہے۔" اس نے پُرجوش انداز میں کہا۔ ساتھ ہی اس نے قطار کے آخری سرے میں پڑے ہوئے مائیکروفون کی طرف اشارہ کیا اور دو کرسیوں پر چڑھ کر انھیں توڑتا ہُوا اس طرف بھاگا۔ وہ اپنے ہاتھ بھی زور زور سے لہرا رہا تھا۔

"پوائنٹ آف آرڈر!" وہ چیخا۔ "مسٹر چیئرمین! پوائنٹ آف آرڈر۔ ہارون آباد جوائنٹ کونسل کا وفد ایک پوائنٹ آف آرڈر پیش کرنا چاہتا ہے۔"

چیئرمین نے ہارون آباد کے وفد کے سربراہ کو پہچان لیا تھا۔

"مسٹر چیئرمین! تمام ریاستوں سے آئے ہوئے ڈرائیور بھائیو! ساتھیو! یہ زیادتی ہے، بدتمیزی ہے، یہ ناانصافی ہے۔" ہارون آباد کی برانچ نمبر ۵۲۹ کا صدر بُلند اقبال عُرف بُندو چیخ رہا تھا۔ "ڈرائیوروں کے عظیم ترین لیڈر کی تصویر کنونشن ہال میں آویزاں نہیں کی گئی۔ میں اپنے حیرت انگیز لیڈر یونین کے وفد کو بوائے اور ریوری انٹرنیشنل برادر ہڈ آف ڈرائیورز کے سرکردہ لیڈر کی بات کر رہا ہوں۔ ملی جواد، متوقع صدر انٹرنیشنل..."

بُلند اقبال کی آواز چیخ و پکار اور نعروں کے شور میں دب گئی۔

چیئرمین نے ہتھوڑا بجایا اور ہارون آباد کے وفد کی نعرے بازی کو آؤٹ آف آرڈر قرار دے دیا لیکن اس کی آواز میں زور نہیں تھا۔

بُلند اقبال تفخر انداز میں اپنی نشست پر بیٹھ گیا تھا۔ اس نے پلٹ کر شہزاد کی طرف دیکھا۔

"اطلاع دینے کا شکریہ، لڑکے۔"

لیکن شہزاد اُس کی طرف متوجہ نہیں تھا۔ وہ یہ سوچ رہا تھا کہ عمارت کی تعمیر کے وقت یہ بھاری بھرکم گرڈر یہاں کس طرح نصب کیا گیا تھا۔

☆☆☆

چھ حملہ آور خاموشی کے ساتھ خطرناک اور دیوہیکل تتلیوں کی مانند آسمان پر ظاہر ہوئے تھے۔

وہ شمال کی جانب سے، زمین سے صرف پندرہ بیس فٹ کی بُلندی پر پرواز کرتے ہوئے آئے لیکن ہائنڈر کیمیکل کارپوریشن کے قریب آتے ہی دوبارہ فضا میں بُلند ہو گئے۔

تین الٹرا لائٹ اسٹرکرافٹ جو موٹر ائزڈ گلائیڈرز سے بھی چھوٹے تھے، ایڈاہو میں واقع اس کیمیکل پلانٹ کی دیواروں کو صبح ساڑھے چار بجے، جب دن نکلنے میں صرف نصف گھنٹہ باقی تھا، پار کر گئے۔

تمام پائلٹوں نے حفاظتی کپڑے اور گیس ماسک پہن رکھے تھے۔ پہلے آنے والے تین طیاروں نے کامپلکس کے سامنے گارڈ ٹاورز اور گارڈز پوسٹ پر سلفیورک ایسڈ اور نرو گیس کی بارش کر دی تھی۔

تین طیاروں کی دوسری کھیپ تیس سیکنڈ بعد آئی۔ اس وقت تک تیزاب سے جلے ہوئے اور گیس سے بوکھلائے ہوئے محافظ اپنی اپنی پوسٹوں سے کھلی فضا میں نکل آئے تھے۔ طیاروں سے خاموش ٹیوزی سب مشین گنوں سے ہونے والی فائرنگ نے انھیں گوشت کے لوتھڑوں میں تبدیل کر دیا تھا۔

قتل عام کے فوراً بعد طیاروں کا دوسرا گروپ کوٹ یارڈ میں لینڈ کر گیا۔ طیاروں سے نکلنے والوں نے چند ثانیوں کے اندر اندر محافظوں کی ذمہ داریاں سنبھال لیں جبکہ پہلا گروپ ذرا دیر بعد متصل میدان میں اُترا۔

الیگزینڈر گالکن کی سربراہی میں حفاظتی کپڑے اور گیس ماسک پہن کر آنے والے چھ افراد چشم زدن میں ادھر اُدھر پھیل گئے۔ انھوں نے سب سے پہلے اُن دو آخری آدمیوں کو نشانہ بنایا تھا جو کمیونیکیشن رُوم کی طرف فرار ہونے کی کوشش کر رہے تھے۔

الیگزینڈر اور اس کے ایک ساتھی نے پہلی منزل کا چارج سنبھال کر کمیونیکیشن رُوم کی تلاش کر دی جو اُنھیں جلد ہی مل گیا۔

ایک فوجی کا ریورل نے اُنھیں دیکھتے ہی اپنے ریوالور کی طرف ہاتھ بڑھایا لیکن اس سے پہلے کہ آہنی اور خطرناک ہتھیار اس کے ہاتھ میں آتا، سب مشین گن کے ایک ہی برسٹ نے اُسے زمین چٹا دی۔ کمرے میں دوسرے شخص نے ہاتھ سر سے بلند کر لیے جسے بعد میں گالکن نے زمین پر لیٹنے کا حکم دیا۔

Uploaded By Nadeem

اور اس نے فوری طور پر اس کی تعمیل کی تھی۔

ابھی تک طیاروں کو اس دو منزلہ عمارت کے صحن میں لینڈ کیے محض اسّی سیکنڈ گزرے تھے۔

سرجی ونیگر وڈوف اور دو آدمی جنوب مغربی کونے میں واقع ایک غیر مقفل دروازے کی طرف بڑھے۔ جہاں دو محافظ حیران و پریشان اُن کی طرف بھاگے چلے آ رہے تھے لیکن اس سے پہلے کہ وہ اُن کے خلاف کوئی کارروائی کرتے تینوں نے بیک وقت گولیاں چلا دیں۔ دونوں محافظ گولیوں سے چھلنی ہو کر بُری طرح تڑپے اور پھر زمین پر گر ساکت ہو گئے۔

تینوں حملہ آور الیکٹریکل پاور سوئچنگ رُوم میں داخل ہو گئے۔ سرجی نے آگے بڑھ کر نیچے کی چھ منزلوں کی بجلی منقطع کر دی جس سے نہ صرف چھ منزلوں پر موجود افراد وہیں قیدی ہو گئے بلکہ بجلی سے چلنے والے تمام تباہ کُن آلات بیکار ہو گئے۔

پہلی تین منزلوں کی روشنیاں چھ مرتبہ جلنے بجھنے پر الیگزینڈر گالکن نے پینل کا معائنہ کیا لیکن اس سے پہلے کہ وہ کنٹرول سے کوئی چھیڑ چھاڑ کرتا ایک فوجی لڑکی ہاتھ میں پستول تھامے اندر گھس آئی۔ الیگزینڈر گالکن نے کئی گولیاں اُس کے سینے میں اُتار دیں اور وہ دروازے سے چند قدموں کے فاصلے پر گر گئی۔ گالکن نے آگے بڑھ کر اُسے چھُوا لیکن وہ مر چکی تھی۔ بیس فٹ دُور کوریڈور میں ایک کارپورل اپنے ہولسٹر سے ریوالور نکالنے کی کوشش کر رہا تھا مگر سب مشین گن کے چھ پیغام رسانوں نے ریوالور نکلنے سے پہلے ہی اُسے موت کا پیغام دے دیا تھا۔

ہال کے کونے سے ایک سیکنڈ لیفٹیننٹ اُن کی طرف بڑھا۔ اُس کے ہاتھ میں بھی ریوالور دبا ہُوا تھا۔ اُس کا انجام بھی اس کے بیشروؤں سے مختلف نہیں ہُوا تھا لیکن اُس نے مُنہ پر چار گولیاں کھانے سے پہلے گالکن پر ایک گولی ضرور چلا دی تھی جو اچٹ گئی تھی۔

گالکن کمیونیکیشنز بورڈ کی طرف بھاگا۔ ملنے والی اطلاعات کے عین مطابق وہ آپریٹ کرنے میں بے حد آسان تھا۔ اُس نے اپنے حفاظتی کپڑے اور بوٹ اُتار کر چند لمحوں کے لیے کامپلکس کا جائزہ لیا اور ماسٹر سوئچ دبا کر مائیکروفون اُٹھا لیا۔

"کامپلکس میں موجود تمام افراد کے نام۔ سینر فائرنگ! اب کوئی گولی نہیں چلائی جائے گی، ورنہ کامپلکس میں موجود ہر شخص کو موت کے گھاٹ اُتار دیا جائے گا۔ میں اس وقت الیکٹریکل سوئچنگ پلانٹ میں موجود ہوں اور چھ نچلی منزلوں کی برقی رَو منقطع کر دی گئی ہے۔ تم سب اب میرے قیدی ہو۔ اُوپر کے علاقے میں ہر جانب میرے آدمی پھیلے ہوئے ہیں۔ تم لوگوں کو نچلی دس منزلوں پر یرغمالی کی حیثیت حاصل ہے۔ اگر زمین پر موجود کسی بھی شخص نے مزاحمت کی کوشش کی تو ان دس منزلوں میں موجود تمام افراد کو موت کے گھاٹ اُتار دیا جائے گا اور سارے کامپلکس کو دھماکے سے اُڑا دیا جائے گا۔ زمینی حصّے پر موجود تمام لوگ کمروں سے باہر نکل جائیں۔ میرے اور میرے آدمیوں کے خود کار ہتھیار تمہیں کور دیں گے۔

نچلی منزلوں پر موجود تمام افراد کے نام! تم سب لوگوں کی زندگیاں میری مٹھی میں ہیں اگر تم لوگ زندہ رہنا چاہتے ہو تو صرف وہ کرو جو میں کہتا ہوں... میں دوبارہ کہہ رہا ہوں... صرف وہ کرو جو میں کہتا ہوں۔

سب سے پہلے، تمام افراد زمین پر لیٹ جائیں۔ کوئی ہتھیار یا ہاتھ سے کام کرنے والے تباہ کُن آلات کو چھیڑنے یا اُٹھانے کی ضرورت نہیں۔ مجھے علم ہے کہ یہاں چھ مختلف اقسام کے تباہ کُن آلات موجود ہیں اور میں ان کے کام سے بھی بخوبی آگاہ ہوں۔ تم سب لوگ اب صرف میرے رحم و کرم پر ہو لیکن اگر تم لوگ میری ہدایات پر عمل کرو گے تو کسی شخص کو کچھ نہیں کہا جائے گا۔

ہر منزل پر موجود مرکزی حفاظتی سیڑھیوں کو بجلی کی مدد سے مقفل کر دیا گیا ہے... میں دوبارہ دُہراتا ہوں... مرکزی حفاظتی سیڑھیوں کو برقی رَو کی مدد سے مقفل کر دیا گیا ہے۔ اب تمہاری چابیاں ان سیڑھیوں کے دروازے نہیں کھول سکیں گی۔"

گالکن اُدھر کامپلکس کے ورکروں سے مخاطب تھا اور اس کے آدمی اپنے کاموں میں مصروف تھے۔ منصوبے کے مطابق سرجی ابھی تک الیکٹرک سوئچنگ سینٹر میں موجود تھا۔ دو آدمی جو اپنے حفاظتی کپڑے اور بوٹ اُتار چکے تھے دونوں منزلوں کے ہر کمرے کی تلاشی لے کر وہاں موجود فوجیوں اور محافظوں کو غیر مسلح کر رہے تھے۔ یہ اعلان ہونے کے بعد کہ زیرِ زمین دس منزلوں میں موجود تمام افراد کو یرغمال بنا لیا گیا ہے۔ کسی قسم کی مخالفت کا سامنا نہیں کرنا

پڑا تھا۔

دو دوسرے افراد پہلی منزل پر پھیل کر تمام ہتھیار جمع کرنے اور فوجیوں کو دو کمروں میں بند کرنے کا کام انجام دے رہے تھے۔

یہی ٹیم جب دوسری منزل کی طرف بڑھی تو دروازے پر انہیں مشین گن فائر کا سامنا کرنا پڑا۔ حادثے کی اطلاع فوری طور پر کنٹرول سینٹر میں موجود گالکن کو دی گئی۔

چند لمحوں بعد ایک زبردست گڑگڑاہٹ سنائی دی۔ جس کے ساتھ ہی تمام منزلوں کے اسپیکرز آن ہو گئے۔ اس مرتبہ گالکن نے بیرونی اسپیکرز کے سوئچ بھی دبا دیے تھے۔

"دوسری منزل پر موجود تمام ہیروز کے نام!" گالکن کی کرخت آواز سنائی دی۔ "میرے آدمیوں پر حملے کے نتیجے میں... تمہاری دسویں منزل کو تباہ کر دیا گیا ہے۔ میری معلومات کے مطابق وہاں چودہ مرد اور عورتیں متعین تھیں۔ وہ اور ان کے ساتھ موجود وہاں تمام آلات تباہ ہو گئے ہیں۔ اگر تم لوگ چاہتے ہو کہ نویں منزل کو بھی تباہ کر دیا جائے تو بڑے شوق سے مزاحمت جاری رکھ سکتے ہو لیکن اگر میرے ساتھ تعاون کرنا چاہتے ہو تو فون پر مجھ سے رابطہ قائم کرو۔ فیصلے کے لیے میں تمہیں صرف سات سیکنڈ دے رہا ہوں۔ تمہاری زندگی اور موت اب خود تمہارے ہاتھوں میں ہے!"

دس سیکنڈ کے اندر اندر گالکن کے کمیونیکیشنز کے پینل کا فون گنگنا اُٹھا۔ دوسری منزل پر اب کوئی مزاحمت نہ تھی۔

حملہ آور دوبارہ دوسری منزل پر پھیل گئے تھے اور انھوں نے اعلیٰ اور رتبے دار افسروں کو زمین پر لٹا دیا تھا ایک فرسٹ لیفٹیننٹ نے ذرا سی مزاحمت کی کوشش کی تو حملہ آوروں نے بلا تامل تمغوں سے سجے ہوئے اس کے سینے میں چھ گولیاں اُتار دیں... دوسرے افراد نے ہاتھ سروں سے اوپر اٹھا لیے تو انھیں کچھ کہے بغیر قریبی کمرے میں بند کر دیا گیا۔

اب ان کا رُخ اگلی منزل کی جانب تھا۔

تیسری منزل پر انھیں کسی مخالفت کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ وہاں انھوں نے اپنے مقررہ منصوبے پر عمل کیا اور چوتھی منزل کی طرف بڑھے۔ ابتدائی طور پر انھیں وہاں بھی کسی مزاحمت سے واسطہ نہیں پڑا تھا۔

گالکن بھی کمیونیکیشنز بورڈ چھوڑ کر چوتھی منزل پر اپنے آدمیوں سے آ ملا تھا۔ اسٹاف سارجنٹ پنولین لیون فیئرسن ایس فور چوتھی منزل پر اپنے کچھ ورکروں کے ساتھ ایک فائل کیبنٹ کے عقب میں چھپا ہُوا تھا۔ سارجنٹ فیئرسن دو بار ویت نام جا چکا تھا۔ اس لیے اُسے جنگ کا وسیع تجربہ تھا۔ وہ جانتا تھا کہ موجودہ حالات میں دُشمن کیا کر سکتے ہیں۔ اُسے یہ بھی علم تھا کہ کیمیکل پلانٹ پر حملے کا کیا مقصد ہو سکتا ہے۔ یہاں موجود اشیاء کے غلط ہاتھوں میں جانے کا مقصد ہزاروں لاکھوں افراد کی تباہی و بربادی تھی۔ وہ ویت نام میں ایک بار جنگی قیدی بھی رہا تھا لیکن اب وہ دوبارہ قیدی نہیں بننا چاہتا تھا۔ کسی صورت بھی نہیں۔ اُس نے فیصلہ کیا اور اپنی خود کار رائفل پر گرفت سخت کر دی۔

اس نے کیبنٹ کے عقب سے دیکھا۔ دشمنوں نے ہلکے سبز رنگ کے کچھ اجنبی یونیفارم پہن رکھے تھے۔ اُس نے احتیاط کے ساتھ رائفل کا سیفٹی کیچ ہٹا دیا۔ انھیں دیکھتے ہی اُس کے ذہن میں وہ یادیں تازہ ہو گئیں جو قید کے دنوں سے متعلق تھیں۔ اُسے بہت سے چھوٹے قد کے مالک ایشیائی چہرے نظر آئے تھے جو اُسے لاتوں اور رکھوں سے مار رہے تھے۔ اسی مار سے بچنے کے لیے تو اُس نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ کسی حال میں بھی کسی کا قیدی نہیں بنے گا۔

سارجنٹ فیئرسن نے کیبنٹ کے عقب سے ایک قدم آگے بڑھایا۔ رائفل سیدھی کر کے نشانہ لیا اور پانچ گولیوں کا پہلا برسٹ حملہ آوروں پر فائر کر دیا۔ پھر دوسرا برسٹ فائر ہُوا، پھر تیسرا برسٹ۔ اتنی دیر میں رائفل کا میگزین خالی ہو گیا۔

دو افراد کو گولیاں لگیں۔ وہ دُہرے ہو کر سامنے والی دیوار سے ٹکرائے۔ ایک زخمی نے کسی خاموش ہتھیار سے سارجنٹ پر گولی چلائی لیکن نشانہ خطا ہو گیا۔ اُس نے اپنی رائفل دوبارہ سیدھی کی لیکن وہ یہ بھول گیا تھا کہ اُس کا میگزین خالی ہو چکا ہے۔ تیسرے شخص نے ہاتھ سر سے اُوپر اُٹھا کر ہتھیار ڈال دیے۔ سارجنٹ فیئرسن خالی رائفل کے ٹریگر پر اُنگلی رکھے آہستہ آہستہ آگے بڑھا۔

ابھی وہ جھک کر زمین پر پڑی ہوئی یُوزی سب مشین گن کو اُٹھانے بھی نہیں پایا تھا کہ دروازہ ایک دھماکے سے کھلا اور ہلکی سبز یونیفارم میں ملبوس ایک اور شخص اندر داخل ہُوا۔

سارجنٹ کو اس کے ہاتھ میں پکڑے ہوئے سیاہ ہتھیار کی صرف ہلکی سی جھلک نظر آئی تھی۔ اس کے بعد اس کے پیٹ میں آگ بھر گئی تھی۔ اُس نے خالی رائفل پھینک کر دونوں ہاتھوں

سے پیٹ کو تھام لیا لیکن اس ٹھنڈی نہیں ہوئی۔ اُسے ایک گولی اپنے چہرے کی طرف آتی نظر آئی۔ اُس نے سر کو ادھر اُدھر کرنے کی کوشش کی لیکن گولی خطا نہیں ہوئی۔ اُسے صرف یہ یاد تھا کہ گولی نے اس کی ٹھوڑی کو چھوا تھا۔ پھر کیا ہُوا تھا۔ اُسے کچھ نہیں معلوم کیونکہ اس کا جبڑا اُڑ گیا تھا اور اس کا بھیجہ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر فرش پر دُور دُور تک بکھر گیا تھا۔

"یہ کہاں سے آیا تھا؟"

گالکن نے دہاڑ کر زندہ بچ جانے والے واحد آدمی سے پوچھا۔ اُس نے نفی میں سر ہلا کر اپنی لاعلمی کا اظہار کیا۔ اُس نے بولنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔

"ڈرم! ڈرموں کو فوری طور ایلیویٹر تک پہنچاؤ! جلدی وقت بالکل نہیں ہے۔"

گالکن نے فرش پر پڑے ہوئے اپنے دو آدمیوں کو دیکھا ایک مر چکا تھا جبکہ دوسرا ابھی زیادہ عرصہ اپنے سانس کی ڈوریوں کو سلامت نہیں رکھ سکتا تھا۔

"کم آن، جلدی کرو۔"

گالکن ارد گرد کے کمروں میں جھانکتا ہُوا کوریڈور میں بھاگنے لگا۔

وسط تک پہنچ کر وہ رُک گیا۔ اُسے وہ شے مل گئی تھی جس کی تلاش تھی۔

کمرے کے دُہرے دروازے پر لکھا تھا۔

بی ڈی ۶۹، سی سی۔ ایچ اے۔ ڈی ایکس وائی۔ ۱۹۸۰

گالکن نے جھٹکے سے دروازہ کھولا۔ سامنے ہی موت کے ڈرم رکھے ہوئے تھے۔

یہ سلنڈر اٹھارہ انچ قطر کے اور چھ فٹ لمبے تھے۔ ان میں سے ہر ایک کنکریٹ کے چبوترے پر رکھا ہُوا تھا۔ ہر سلنڈر میں دو ہُک لگے ہوئے تھے جو موت کی اس گیس کو اُٹھانے کے لیے تھے۔ انھیں یقینی طور پر فورک لفٹ سے اُٹھایا جاتا تھا۔

گالکن نے بڑھ کر اگلا دروازہ کھولا اور اس کے عقب میں کھڑے فورک لفٹ کی طرف اشارہ کیا۔

"جلدی کرو۔" اُس کا مخاطب اُس کا ساتھی تھا۔

دس منٹ کے اندر اندر پہلے تین بھاری سلنڈر ایلیویٹر میں منتقل کر چکے تھے۔ جو تمام منزلوں کے کام آتا تھا۔ ایلیویٹر کی برقی رَو گو لکن پہلے ہی آن کر چکا تھا۔ اس لیے اُسے پہلی منزل تک لے جایا جا سکتا تھا۔

ایلیویٹر جس جگہ آ کر رُکا تھا۔ وہ زمین کے اُوپر بنی ہوئی عمارت کا وہ حصہ تھا جہاں ہیلی پیڈ بنا ہُوا تھا۔ بات یہ تھی کہ گالکن کو اس بات کا قطعی علم نہیں تھا کہ ایلیویٹر کا دروازہ کس جگہ کھلے گا۔

اُنھوں نے تینوں سلنڈر اُتارے اور فوری طور پر دوبارہ نیچے روانہ ہو گئے تاکہ باقی تینوں سلنڈر بھی لوڈ کیے جا سکیں۔

جب اُنھوں نے آخری تین سلنڈر ایلیویٹر سے اُتارے اُس وقت مشرق سے روشنی ظاہر ہونی شروع ہو گئی تھی۔ گالکن نے گھڑی دیکھی۔ اُنھیں کارپوریشن کی حدود میں داخل ہوئے ٹھیک بیس منٹ ہوئے تھے۔ یعنی تمام کام شیڈول کے عین مطابق ہُوا تھا۔

اُس نے ایلیویٹر کے سامنے والے کمرے کا دروازہ کھولا۔ سامنے ہی اُسے کوئی پندرہ افراد زمین پر بیٹھے نظر آئے۔ اُس نے اُن پر ٹوزی کا ایک برسٹ مارا۔ سب مشین گنوں کے سائیلنسر ہٹا دیا گیا تھا۔ اُس لیے گولیوں کے دھماکوں کے ساتھ لوگوں کی خوف میں ڈوبی آوازیں بھی سُنائی دیں۔

"مُنہ کے بل زمین پر لیٹ جاؤ۔" گالکن دہاڑا۔ "لوگ زمین پر لیٹ جائیں، اگر کسی نے بھی کوئی حرکت کی کوشش کی تو بلا تامل گولی سے اُڑا دُوں گا۔"

گالکن نے ایک اور برسٹ فائر کیا۔ تمام امریکی پرزمین سے چپک گئے۔

اس نے چھت پر کھڑے ہوئے اپنے آدمی کو نیچے اشارہ کیا۔ ذرا دیر بعد دونوں ہیلی کاپٹر پیڈ کی طرف رہے تھے۔

اُن کے پاس تین منٹ تھے۔

دونوں ہیلی کاپٹروں کو وقتِ مقررہ پر آجانا چاہیے اس موقع پر ہونے والی کوئی تاخیر خطرناک ثابت ہو

اُس نے شمال کی طرف دیکھا۔ ابھی تک وہاں کسی کے آثار نہیں تھے لیکن اُسے اُمید تھی کہ جلد ہی دونوں پہنچ جائیں گے۔ اگلے دو منٹ کے اندر اندر کا پٹرز لینڈ والے تھے۔ ہر کاپٹر میں تین تین سلنڈر لوڈ کیے جاتے سلنڈروں اور بچے ہوئے آدمیوں کو لے کر جنوب کی پرواز کر جاتے لیکن ایک طویل چکر کاٹنے کے بعد دوبارہ شمال کی طرف موڑ دیا جاتا۔

تین گھنٹے کے بعد وہ امریکہ اور کینیڈا کی محفوظ

عبور کر جاتے۔ جہاں نہ کوئی محافظ تھانہ کوئی سرحدی چوکی تھی۔ وہاں پہنچ کر اس گیس کو صنعتی گیس کی حیثیت سے برآمد کرنا بائیں ہاتھ کا کھیل ہوتا۔

اُس نے اپنے ساتھی کو سرجی کو بُلانے کے لیے بھیج دیا۔

دفعتہً اُسے شمال کی جانب سے دو ہیلی کاپٹر اپنی طرف بڑھتے دکھائی دیے۔ کاپٹرز پر کوئی نشان نہیں تھا اور وہ زمین سے انتہائی کم بلندی پر پرواز کر رہے تھے۔

کاپٹرز نے اپنی بلندی ذرا دیر زیادہ کی اور تاریں پار کرنے کے بعد پہلو بہ پہلو کمپاؤنڈ میں لینڈ کر گئے۔

وہ اُن کا سائز دیکھ کر حیران رہ گیا تھا لیکن بھاری سلنڈروں کے لیے اسی سائز کے بڑے کاپٹروں کی ضرورت تھی۔ اُسے علم نہیں تھا کہ یہ کس قسم کے کاپٹرز تھے لیکن اُسے اس سے کوئی غرض نہیں تھی یہ فضائی ماہرین کا دردِ سر تھا۔

اگلے دس منٹ کے اندر اندر تمام سلنڈروں کو کاپٹروں میں منتقل کر کے اُنھیں حفاظتی زنجیروں سے باندھ دیا گیا تھا۔ کام سے فارغ ہو کر گالکن گارڈ ڈیوٹی پر کھڑے ہوئے اپنے امریکی ساتھی سے مخاطب ہُوا۔ وہ اُن تین افراد میں سے ایک تھا جن کی خدمات سب سے آخر میں حاصل کی گئی تھیں۔

"اب ہمیں تمہاری خدمات کی ضرورت نہیں رہی لوئیس۔" گالکن نے اُسے بتایا۔

"لیکن تم نے تو اُسے بتایا تھا کہ یہ مہینے بھر کی نوکری ہے جس میں ہر ہفتے ایک ہزار ڈالر کی ادائیگی کی جانی تھی۔"

"ذرا دکھاؤ اس میں کیا خرابی ہو گئی ہے۔" گالکن نے اس کے سوال کا جواب دیے بغیر اس یُوزی کی طرف ہاتھ بڑھا دیا جو لوئیس پکڑے کھڑا تھا۔ لوئیس نے بھی بغیر کسی شک و شبہے کے یُوزی اس کے حوالے کر دی۔

گالکن نے یُوزی لے کر اس کا چیمبر چیک کیا۔ اُس میں گولیاں موجود تھیں۔ اگلے ہی لمحے اس نے سب مشین گن سیدھی کی اور ٹریگر دبا دیا۔ چھ گولیاں بیک وقت لوئیس کے سینے میں پیوست ہو گئی تھیں۔

کرائے کا فوجی فوری طور پر موت سے ہمکنار ہو گیا۔ اس کا جسم جھٹکے سے دُور جا گرا۔

گالکن یہ یقین کرنے کے بعد کہ سرجی اور اُس کا ایک ساتھی اپنے کاپٹر پر سوار ہو چکے ہیں اسامنے کھڑے کاپٹر... کی طرف بڑھا۔ دروازے پر کھڑے ہو کر اُس نے عقب میں کھڑے لوئیس کی طرف دیکھے بغیر انگوٹھا اُٹھا کر سگنل دیا۔ اگلے ہی لمحے دونوں کاپٹرز فضا میں بلند ہو گئے۔

تین براس بینڈ نغمہ سرائی کر رہے تھے۔ سلیقے سے بنی سنوری ہوئی دُبلی پتلی اور نرم و نازک عورتیں اپنے موٹے شوہروں کے بازوؤں میں بازو ڈالے کھڑی تھیں۔ جام پر جام لنڈھائے جا رہے تھے۔ کہیں کہیں کچھ زیادہ ہی مدہوشی ہو جانے والے جوڑے رقص میں مصروف تھے۔ غرض یہاں سے وہاں تک ایک طوفانِ بدتمیزی برپا تھا۔

یہ طوفانِ بدتمیزی، علی جواد کی کامیابی کا جشن تھا۔ یہ پارٹی جو ملک کے چند متمول اور با اثر افراد کی خفیہ امداد سے ترتیب دی گئی تھی۔ صرف جوڑوں تک محدود رکھی گئی تھی۔

تمام ڈرائیورز تقریباً شادی شدہ تھے۔ یونین کے نمائندے بھی اپنی اپنی بیویوں کے ہمراہ آئے تھے۔ فیئر ٹرن پارک بال رُوم اس وقت رنگ و بُو میں نہایا ہُوا تھا۔ علی جواد اب تک نہیں پہنچا تھا۔ ڈرائیورز... اپنی بیویوں کے ساتھ اس کے انتظار میں جام پر جام خالی کر رہے تھے۔

اور پھر یہ کیفیت ذرا دیر کے لیے اُس وقت ختم ہو گئی جب ڈرائیورز یونین کی تاریخ کا کم عمر ترین صدر علی جواد اپنی محبوبہ کے ساتھ ہال میں داخل ہُوا۔

علی جواد نے نیلے رنگ کا ڈنر ٹیکس جمپ سُوٹ پہنا ہُوا تھا جو پیٹ پر سے کھلا ہُوا تھا۔ اُس کی نوجوان، گوری چٹی اور بھُورے بالوں والی محبوبہ نے جو لباس پہن رکھا تھا اُسے اگر لباس کی توہین قرار دیا جاتا تو بے جا نہ ہوتا۔ اُس نے... جب ڈرائیوروں کو مغربی تہذیب کے مطابق اپنے محبوب کو مبارکباد دینی شروع کی تو بیویوں کے ماتھے شکن آلود ہو گئے۔

"قابلِ شرم!" ایک بیوی کی آواز سُنائی دی۔

"بے شرم!" دوسری نے تبصرہ کیا۔

"اب تو جواد کو اس سے شادی کر لینی چاہیے!" ایک اور نے رائے ظاہر کی۔

"مجھے تو یقین نہیں کہ جواد ایسی احمقانہ حرکت کرے گا۔" اس کے ساتھ کھڑی ایک بیوی نے تبصرہ کیا۔

"تمہارا صدر اور اس کی محبوبہ مجھے دونوں ہی کسی گھٹیا خاندان کے باشندے نظر آتے ہیں۔" مسز نوشاد نے اپنے شوہر کے کان میں سرگوشی کی۔ "دیکھو کس طرح مردوں کو مبارکباد دے رہی

ہے۔ اگر وہ تمہارے ساتھ ایسا کرے گی تو میں اس کا تمہارا دونوں کا سر پھوڑ دوں۔"

نوشاد نے چپکے سے اپنی بیوی کا ہاتھ تھاما اور اُسے ایک کونے میں لے گیا۔ وہ اپنی بیوی کو جانتا تھا اور اس بھری محفل میں وہ اس سے سر پھوڑوانے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا تھا۔

دفعتہً بینڈ کی آوازیں دم توڑ گئیں۔ حاضرین نے چونک کر پلیٹ فارم کی طرف دیکھا۔

علی جواد نے پلیٹ فارم پر کھڑے ہو کر مائیک تھام لیا تھا۔

ہال میں بالکل خاموشی چھا گئی تھی۔

"ساتھیو!" جواد کی کھردری آواز ہال میں اُبھری۔

"مجھے خوشی ہے کہ آپ تمام لوگ صرف فرد وسی ڈرائیوروں کے لیے نہیں بلکہ پورے ملک کے عوام کے لیے میری فتح کی تقریب میں شریک ہوئے۔ اب ہم مل کر بعض عظیم کام کرنے والے ہیں۔ ایسے کام جن کا کبھی کسی نے تصور بھی نہ کیا ہو۔"

ہال میں کچھ تالیاں بجنے کی آوازیں سنائی دیں۔

"لیکن میرا خیال ہے کہ فی الحال ڈرائیوروں کے لیے سب سے توہین آمیز بات اُن کی کم سے کم تنخواہیں ہیں۔ اشرلائن کے پائلٹس سال بھر میں تیس ہزار فرد وسی ڈالر کماتے ہیں اور وہ جہاز ڈرائیو کرتے ہیں۔ ڈاک ورکرز اگر سارا سال پوری محنت سے کام کریں تو سال میں بمشکل اٹھارہ ہزار فرد وسی ڈالر حاصل کرتے ہیں۔ اس صورت میں اگر ہمارا ایک ڈرائیور سال میں پندرہ ہزار ڈالر کما لیتا ہے تو صورتِ حال بُری نہیں لیکن میرے لیے قابلِ قبول نہیں۔ میری نظر میں زمین پر بوجھ اٹھانے والے اور بحری جہاز کی گودی پر بوجھ اٹھانے والے میں کوئی فرق نہیں، مجھے سڑک پر ایک ٹرک چلانے والے اور آسمان کی وسعتوں میں جہاز اُڑانے والے میں کوئی فرق نظر نہیں آتا، عرصہ ہو گیا کہ ہمیں سہولتیں فراہم کرنے کا جھانسہ دیا جا رہا ہے۔ سالوں ہو گئے ہیں اور ہمیں تنخواہیں بڑھانے کے وعدوں پر ٹرخایا جا رہا ہے۔ ہم ہر روز تھکے ماندے اور ٹوٹے پھوٹے دن بھر کی مشقت سے گھر لوٹتے ہیں اور سستا بھی نہیں پاتے کہ کل کی فکر سر پر سوار ہو جاتی ہے ..."

جواد چند سیکنڈ کے لیے رُکا تاکہ سامعین و حاضرین پر اپنے جذباتی الفاظ کا ردِ عمل دیکھ سکے۔

"ہمارے ساتھ بُرا سلوک کرنے والوں کو جہنم میں جھونک دیا جائے گا!" ایک ڈرائیور نے تجویز پیش کی۔

"ایسے نہیں!"

جواد نے اشارہ کر کے اُسے بیٹھنے کو کہا۔

"اس وقت ہماری یونین صرف ملک کی ہی نہیں بلکہ دُنیا بھر کی سب سے بڑی اور مضبوط ترین یونین ہے ..."

ہال رُوم تالیوں سے گونج اُٹھا۔ ڈرائیورز نے اپنے جوش کے اظہار کے طور پر سیٹیاں بھی بجائیں۔

علی جواد نے حاضرین کو خاموش کرنے کے لیے دوبارہ ہاتھ اُٹھا دیے۔

"میں انھیں یہ بتانا چاہ رہا ہوں کہ اگر تم کھانا حاصل کرنا چاہتے ہو، پینے کے لیے دودھ یا کوئی اور رسٹے چاہتے ہو، اگر تم اپنے ٹی وی سیٹ اور نئی کاریں سلامت رکھنا چاہتے ہو تو ہمیں ڈرائیوروں کو سالانہ پچیس ہزار ڈالر ادا کرنے ہوں گے ہاں ... ڈرائیوروں کی سالانہ تنخواہیں کم از کم پچیس ہزار فرد وسی ڈالر ہونی چاہئیں۔ میں اُن سے مطالبہ کروں گا کہ ٹرانس ایجنٹوں کو ایک لاکھ فرد وسی ڈالر، ریکارڈنگ سیکرٹریز کو ایک لاکھ دس ہزار فرد وسی ڈالر، وائس پریذیڈنٹ کو ایک لاکھ پندرہ ہزار فرد وسی ڈالر اور یونین کے مقامی صدر کو ایک لاکھ پچیس ہزار ڈالر سالانہ ادا کیے جائیں!"

ہال میں خاموشی چھا گئی۔ اعداد و شمار خوبصورت ... لیکن ناقابلِ یقین تھے۔

"تم میں سے بہت سے لوگ یہ سوچ رہے ہوں گے ... کہ اعداد و شمار بہت زیادہ ہیں۔ بعض لوگوں کے خیال میں ہم اتنا کبھی حاصل نہیں کر پائیں گے۔ ہو سکتا ہے کچھ لوگوں کے ذہنوں میں یہ ہو کہ وعدہ اچھا ہے مگر عمل نہیں ہو گا اس پر، مگر ایسی بات نہیں ہے۔ اس پر عمل ہو گا۔ اچھا میں تم سے ایک سوال کرنا چاہتا ہوں۔ تم میں سے کسے یقین تھا کہ میں اس یونین کا صدر بن جاؤں گا! اپنے ہاتھ اُٹھاؤ، تم بھی نوشاد، جو کل تک مجھے کہہ رہے تھے کہ ہم سب کو جیل جانا پڑے گا!"

پورے ہال سے قہقہے اُبل پڑے۔

"اسی جمعے کو تم لوگ سمجھ جاؤ گے کہ ہم پانی کی ٹونٹی کی طرح کیسے اس ملک کو اُنگلیوں کے اشارے سے بند کرتے اور کھولتے ہیں۔ اس جمعے کو پتا چل جائے گا کہ ہم ایک ڈرائیور کی تنخواہ کس طرح پچیس ہزار فرد وسی ڈالر سالانہ کراتے ہیں۔ اس جمعے کو تم دیکھو گے کہ میں کیا کھیل کھیلتا ہوں۔ میں تم لوگوں سے وعدہ کرتا ہوں، اللہ کو حاضر ناظم جان کر وعدہ کرتا ہوں کہ اگر میں یہ نہ

کرا سکا تو اپنے عہدے سے استعفیٰ دے دوں گا۔ یہ میرا وعدہ ہے اور میں ہر حال میں اپنا وعدہ نبھاؤں گا۔"

جواد نے خاموش ہو کر اپنے حاضرین کا جائزہ لیا۔ پورا ہال قبرستان کی طرح خاموش تھا۔

پھر کسی ایک شخص نے تالی بجائی اور رفتہ رفتہ پورا ہال تالیوں کی آواز سے گونج اُٹھا۔ عورتیں جواد کے ہاتھوں کو بوسہ دینے کے لیے اسٹیج کی طرف بھاگیں۔

وہ اپنے شوہروں سے اُلجھ پڑیں جو اُن ہاتھوں کو تھامنے کے لیے دھینگا مشتی کر رہے تھے۔

پورا ہال ڈرائیوروں اور ان کی بیویوں کے شور کے باعث بکرا پیڑی کا منظر پیش کر رہا تھا۔

"علی جواد زندہ باد!" کسی نے نعرہ لگایا اور پھر پورا ہال "علی جواد زندہ باد" کی تکرار کرنے لگا۔

جواد کی محبوبہ خوشی سے پاگل ہو رہی تھی۔ اس پاگل پن میں اُسے اپنا اور اپنے لباس کا ہوش بھی نہیں رہا۔ لباس کی کچھ توہین خود اس نے کی تھی اور رہی سہی کسر پُرجوش ڈرائیوروں نے پوری کر دی لیکن اُسے اس کی پروا کب تھی۔ لوگ اس سے پہلے، اس سے کہیں زیادہ دیکھ چکے تھے اور پھر ہو سکتا ہے یہ بھی خوشی کے اظہار کا کوئی طریقہ رہا ہو؟

جواد اپنے حامیوں سے دُور ہٹ گیا، پھر اس نے ہاتھ کے اشارے سے اپنے اسسٹنٹ نوشاد کو قریب آنے کا اشارہ کیا۔

"نوشاد!" اس نے اپنے کاندھے کے اُوپر سے اپنے وائس پریذیڈنٹ کو مخاطب کیا۔

"ہارون آباد کا وفد یہاں کیوں نہیں آیا؟"

"میں نے اُن سے پوچھا تھا!"

"پھر؟"

"کوئی جواب نہیں ملا۔ اُن کا کہنا تھا کہ ہونے یا نہ ہونے سے کوئی خاص فرق نہیں پڑتا۔"

"دیکھو اُن میں سے ایک آدمی مجھے بڑا عجیب لگتا ہے۔ لوگ بھی اس کے بارے میں عجیب و غریب باتیں کر رہے ہیں اور اب میں اس شخص کو کل دوپہر اپنے سوئٹ میں دیکھنا چاہتا ہوں۔ ورنہ اس کا وجود اس زمین پر مجھے گوارا نہیں ہو گا، سمجھے، پارس اور دوسرے لڑکوں کو اپنے ساتھ لے جاؤ، جیسے بھی ہو سکے اپنا مقصد حاصل کرو۔ اگر بلند اقبال کوئی مشکل پیدا کرنے کی کوشش کرے تو مجھے بتانا۔ اُس سے میں خود نمٹ لوں گا!"

"بلند اقبال تمہیں اس بات کی اجازت نہیں دے گا کہ تم اس کے کسی آدمی کو نقصان پہنچاؤ۔"

"کیا تمہیں شہزاد، بلند اقبال کا آدمی نظر آتا ہے؟" جواد نے دریافت کیا۔

"خیال تو یہی ہے۔"

"غلط! مجھے یقین ہے کہ اگر ہم شہزاد نامی اس شخص کو ٹریکٹر ٹرالی سے بھی روند ڈالیں تو بلند اقبال اُف بھی نہیں کرے گا۔ تم فکر نہ کرو۔ بلند اقبال کچھ نہیں کر سکے گا!"

*

روبی کو پہلے ہیلی کاپٹروں کی آواز سنائی دی اور پھر وہ اُسے نظر آ گئے۔ وہ دو تھے اور دونوں سرسبز و شاداب وادی میں زمین سے تیس یا چالیس فٹ کی بلندی پر پرواز کر رہے تھے۔ دونوں میں دہرے روٹر لگے ہوئے تھے اور روبی کو باوجود کوشش کے اُن پر کوئی نشان نظر نہیں آئے تھے۔

اُن کا رُخ شمال کی طرف تھا۔ رفتار اتنی تیز تھی کہ جلد ہی وہ نگاہوں سے اوجھل ہو گئے۔

وہ ابھی ابھی فارم ہاؤس کے باہر اپنی پوزیشن پر پہنچی تھی۔ وہاں صورتِ حال کل سہ پہر جیسی ہی نظر آتی تھی۔ کوئی کار وہاں نہیں تھی۔ البتہ بڑی چار دیواری کا ایک دروازہ چوپٹ کھلا ہوا تھا۔ اُسے کوئی چوکیدار بھی دکھائی نہیں دیا لیکن دونوں کتے بدستور ادھر اُدھر ٹہل رہے تھے۔

ذرا دیر بعد عقبی سمت پر دروازہ بند ہونے کی تیز آواز سنائی دی۔ اس وقت صبح کے پانچ بجے تھے لیکن روشنی مکمل طور پر نہیں ہوئی تھی۔

روبی نے زمین پر لیٹے لیٹے آخری بار ماحول کا جائزہ لیا۔ اور پھر اپنی خودکار رائفل کو لے کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔ پھر اس نے مرکزی دروازے کا نشانہ لیا اور ٹریگر دبا دیا۔ رائفل کے سرے پر لگا ہوا گرنیڈ پوری قوت کے ساتھ دروازے سے ٹکرایا، زوردار دھماکا ہوا اور ساتھ ہی دھوئیں کے بادل اُٹھے اور دروازے کے چیتھڑے اُڑ گئے۔

روبی نے فارم ہاؤس کی طرف دوڑ لگا دی۔

گیٹ کے پاس پہنچ کر اس نے دوسرا راؤنڈ فائر کیا۔

Uploaded By

لیکن اُسے چلانے کی نوبت نہیں آئی۔ لونگ رُوم سے دُھواں نکل رہا تھا اور اس دُھوئیں کے پار اُسے ایک شخص زمین پر پڑا صاف دکھائی دے گیا تھا۔

دھماکے کے سے اس کا بایاں ہاتھ کندھے سے اُڑ گیا تھا جب کہ اس کا سر بھی زخمی تھا جس سے خون رِس کر قالین کو سُرخ کر گیا تھا۔ رُوبی نے بلا جھجک اُسے دیکھا۔ وہ زندگی سے نجات حاصل کر چکا تھا۔

اس سے پہلے کہ رُوبی کچھ اور کرتی اُسے ساتھ والے کمرے سے ایک کراہ سُنائی دی۔ وہ رائفل سنبھالے اُسی طرف بڑھ گئی۔

ایک شخص بستر پر پڑا کراہ رہا تھا۔ اس کے بازو سے بھی خون رِس رہا تھا۔ زخمی کے پاس کوئی ہتھیار نہیں تھا۔

"دوسرے کہاں ہیں؟" رُوبی نے بلند آواز میں اُس سے دریافت کیا۔

خوفزدہ نگاہیں اُوپر اُٹھیں۔ ایک لڑکی کو دیکھ کر اُن میں حیرت کے آثار دکھائی دیے لیکن خودکار رائفل کو دیکھ کر خوف نے پھر حیرت کی جگہ لے لی۔

"جا چکے ہیں۔"

جواب دینے والا لڑکا تھا۔ اس کی عمر اٹھارہ سال سے کسی بھی طرح زائد نہیں تھی۔

"کیا تم یہ خون روک سکتی ہو؟"

رُوبی کوئی جواب دیے بغیر واپس پلٹ گئی۔ وہ پورے فارم ہاؤس کی تلاشی لے رہی تھی لیکن کسی کمرے میں اُسے کوئی شخص دکھائی نہیں دیا تھا۔ تمام لوگ واقعی فارم ہاؤس سے جا چکے تھے۔

رُوبی دوبارہ بیڈ رُوم میں زخمی لڑکے کے پاس لوٹ آئی۔ اُس نے اپنی بیلٹ سے فرسٹ ایڈ پاؤچ نکال کر کھولا اور زخمی کی مرہم پٹی کرنے لگی۔ ذرا دیر بعد وہ خون روکنے میں کامیاب ہو چکی تھی۔

اپنے کام کے ساتھ ساتھ وہ زخمی سے سوالات بھی کرتی جا رہی تھی۔

"دوسرے لوگ کہاں گئے ہیں؟"

"میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ وہ تقریباً سوا چار بجے یہاں سے اُڑے تھے۔ اُن میں سے کچھ ان ہلکے جہازوں کے اچھے پائلٹس نہیں تھے۔"

"کیا تم جہازوں کے بارے میں جانتے ہو؟"

"ہاں! یہ میرا شعبہ ہے۔ ان میں سے دو کو تو میں جہاز اُڑانا سکھا چکا ہے۔"

"اُنھوں نے جاتے وقت تمہیں کچھ نہیں بتایا؟"

"نہیں! وہ اپنی منزل کے بارے میں کسی کو کچھ نہیں بتاتے تھے لیکن میں نے ان میں سے ایک کو دوسروں سے کسی کے بارے میں کہتے سُنا تھا۔ اب یہ مجھے معلوم نہیں کہ اُس نے کیمیکل پلانٹ پر کیا کرنا تھا؟"

رُوبی نے فوراً اپنی گھڑی دیکھی۔ پانچ بج کر بیس منٹ ہو گئے تھے۔

"کیا اُن کے پاس ہتھیار بھی تھے؟"

"ہاں! چھوٹی چھوٹی سب مشین گنیں ابھی پرسائیلنسر لگے تھے اور یہاں اُن ہلکے طیاروں پر خصوصی ٹینک کے ساتھ پریشر بالنز اور کچھ کیمیکل منسلک تھے۔ میں نے ایک انھیں، اُن کی پریکٹس کرتے بھی دیکھا تھا۔"

"اُن کی پریکٹس کس قسم کی تھی؟"

"وہ کیمیکل چھڑکنے کی پریکٹس کرتے تھے۔"

"یہاں فارم ہاؤس میں کوئی کار ہے جو بھاگ سکے؟" نے دریافت کیا۔ کیونکہ اس کی اپنی کار اتنی دُور کھڑی تھی کہ اُسے وہاں تک پہنچنے کے لیے کم از کم نصف گھنٹہ درکار

"میری موٹر سائیکل باہر کھڑی ہے ہنڈا ۱۰۰ سی سی

"یہیں ٹھہرو! میں واپس آتی ہوں اور یہاں کاغذ کسی پُرزے کو بھی مت ضائع کرنا۔ اُن کے جانے کے بعد نے یہاں کیا کام انجام دیا تھا؟"

"اُنھوں نے مجھے جگہ کو صاف کرنے، ہر چیز جمع کرنے اور پھر جلانے کو کہا تھا۔"

"تو وہ واپس نہیں آئیں گے؟"

"نہیں۔"

"تم یہیں انتظار کرو۔"

رُوبی نے چابیاں لیں اور باہر بھاگی۔

اُس نے اتنی بھاری موٹر سائیکل آج تک نہیں چلائی تھی۔ لیکن اُسے یقین تھا کہ وہ کامیاب ہو جائے گی اور اگر کہیں گر بھی گئی تو زیادہ سے زیادہ کوئی ہڈی پسلی ٹوٹے گی مگر اس سے کیا فرق پڑتا تھا۔ وہ اس سے بڑی بڑی چوٹیں برداشت کر چکی تھی۔

اُس نے موٹر سائیکل اسٹارٹ کی اور کانپتے ہاتھوں [illegible] بڈل تھام کر اللہ کے نام کا ورد کرتی ہوئی اُسے سڑک پر [illegible]

اُس کا رُخ بائنڈر کیمیکل کارپوریشن کی طرف تھا۔

ابھی وہ پلانٹ سے کچھ فاصلے پر ہی تھی کہ اُسے [illegible] کی کریہہ آوازیں سُنائی دینے لگیں۔ شروع میں [illegible] گمان گزرا کہ یہ فائٹر ٹرکس ہیں لیکن بعد میں اُس نے دیکھا [illegible] بولینس گاڑیاں تھیں جو ایمبولینس کی طرف سے آ رہی تھیں۔

جب وہ کیمیکل پلانٹ پر پہنچی تو اُسے داخلی راستے [illegible] اس پاس بھاری تعداد میں فوجی جوان دکھائی دیے۔ وہ [illegible] کے تمام پوری طرح مسلح اور چوکس تھے۔ اُنھوں نے ہتھیار اس [illegible] اُٹھا رکھے تھے.... کہ مختصر سے مختصر ترین نوٹس [illegible] قابل کو بھون کر رکھ دیتے۔

"یہاں سے آگے بڑھ جاؤ۔" ایک سیکنڈ لیفٹیننٹ نے [illegible] آواز میں رُوبی کو مخاطب کیا۔

رُوبی نے خوفزدہ ہونے کی بجائے موٹر سائیکل عین [illegible] کے سامنے اسٹینڈ پر کھڑی کی اور ہاتھ بڑھا کر اُس [illegible] بازو تھام لیا۔ نوجوان آفیسر نے بڑی حیرت سے اس لڑکی [illegible] دیکھا تھا۔

"میرا شوہر یہاں کام کرتا ہے۔" رُوبی نے آفیسر کو مضبوط [illegible] میں مخاطب کیا۔ یہ الگ بات تھی کہ شوہر کا نام زبان پر [illegible] ہی اس کا پورا وجود تھر تھر اُٹھا تھا۔ "یہ ہیلی کاپٹر [illegible] کیوں لینڈ کر رہے ہیں؟"

"میں تمہیں صرف یہی بتا سکتا ہوں کہ کچھ فوجی یہاں زخمی [illegible] ہیں.... بس اب تم جاؤ! ورنہ میں فوجی قانون کے تحت [illegible] گرفتار کر لوں گا۔"

رُوبی نے آسمان کی طرف دیکھا چار بڑے فوجی ہیلی [illegible] آسمان سے زمین کی طرف آ رہے تھے۔ اُس کے دیکھتے [illegible] دیکھتے وہ دو منزلہ عمارت کے عقب میں لینڈ کر گئے۔ اُن [illegible] سائز دیکھ کر رُوبی نے اندازہ لگایا کہ ہر کاپٹر میں کم و بیش [illegible] پچاس فوجیوں کے بیٹھنے کی گنجائش موجود تھی۔

رُوبی نے موٹر سائیکل دوبارہ اسٹارٹ کی اور پلانٹ [illegible] عمارت کے قریب سے گزرتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔ پھر اُس نے ایک لمبا یوٹرن لیا اور واپس آ گئی۔ اُسے پلانٹ کے کونے [illegible] فوجی نظر آئے جو خودکار رائفلوں سے مسلح کسی بھی صورتِ حال سے نمٹنے کے لیے تیار کھڑے تھے۔ پھر کچھ مزید فوجی نظر آئے۔ انھوں نے پلانٹ کے پہرے پر پہلے سے موجود آٹھ دس مردوں اور عورتوں کو ایک طرف جانے کا اشارہ کیا اور اُن کی جگہیں سنبھال لیں۔ ایک سارجنٹ نے اپنا اسٹیل ہیلمٹ ہٹا کر ساتھ آنے والے چوبیس فوجیوں کو کیمیکل پلانٹ کے ڈرائیو وے میں پھیل جانے کا حکم دیا۔

رُوبی نے موٹر سائیکل کی رفتار تیز کر دی۔ اب اُس کا رُخ فارم ہاؤس کی طرف تھا۔ جہاں وہ ایک زخمی کو چھوڑ آئی تھی۔

اگلے ایک گھنٹے کے اندر اندر رُوبی اُس زخمی جس نے اپنا نام پال بتایا تھا کے ساتھ مل کر پورے فارم ہاؤس ... کو کھنگال چکی تھی۔ اُنھیں وہاں سے صرف کچھ کاغذات ملے تھے جن پر اسپینی زبان میں کچھ تحریر تھا۔ دو کاغذات ایسے بھی تھے جن پر انگریزی میں کچھ نوٹس لکھے ہوئے تھے۔ ایک پر رُوبی کو [illegible] سلواڈور لکھا نظر آیا تھا۔

لونگ رُوم میں مُردہ پڑے ہوئے شخص نے دو ہی ہفتے قبل گروپ میں شمولیت اختیار کی تھی۔ وہ پال سے کچھ دن سینئر تھا۔ اُس نے پال کے ساتھ مل کر فارم ہاؤس کی صفائی کرنی تھی۔ پال کو اس کی خدمات کا معاوضہ ادا کیا جا چکا تھا اور اُسے فارم ہاؤس کو آگ لگانے کے بعد گاؤں چلے جانے کی ہدایت کی گئی تھی۔ البتہ وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ اُس کے ساتھی کو کس قسم کی ہدایت کی گئی ہے۔

رُوبی نے زمین پر پڑے ہوئے شخص کا جائزہ لیا۔ وہ یقینی طور پر کے جی بی کا ایجنٹ تھا۔ جیبوں کی تلاشی نے رُوبی کے شبہات کی تصدیق کر دی تھی۔ اُس کے پاس جارجی اسمتھ نام کا ڈرائیونگ لائسنس تھا۔ بٹوے میں وینکوور کا ایک پتا، چھ سو ڈالر اور بوٹسے سے وینکوور (برٹش کولمبیا) تک کا ہوائی ٹکٹ موجود تھا۔

رُوبی نے ہاتھ آنے والی چیزوں کا جائزہ لیا۔ اس کا مطلب تھا کہ رُوسی سان سلواڈور گئے ہیں لیکن آخر وہ کیمیکل پلانٹ سے کیا شے لے گئے ہیں؟ اُسے کچھ مزید معلومات چاہئیں تھیں۔

پال نے اُسے اپنے ساتھیوں کے نام پہلے ہی بتا دیے تھے۔ لیڈروں میں سے ایک کا نام الیگزینڈر رگا لکن اور دوسرے کا سرجی کچھ تھا۔

"کیا ہم شیرف کو اس حادثے کی اطلاع دیں گے؟" پال

Uploaded By Nadeem

نے دریافت کیا۔ "ہم اس مُردہ شخص کو یہاں چھوڑ کر تو نہیں جا سکتے"

رُوبی جانتی تھی کہ اب اُسے کیا کرنا ہے۔ اُس نے پال کو بتایا کہ وہ اپنی لاعلمی میں کیسی صورتِ حال سے دوچار ہو گیا ہے۔ پھر اُس نے نیچے پڑے ہوئے شخص کی طرف اشارہ کیا۔

"کیا فارم ہاؤس کی صفائی میں یہ تمہاری مدد کرتا؟"

"نہیں، صرف احکامات دیتا۔"

"اور جب تم اس کی ہدایات پر عمل کر لیتے تو یہ تمہیں گولی مار دیتا اور تمہاری موٹر سائیکل لے کر بوٹے چلا جاتا۔" رُوبی نے اُسے آگاہ کیا۔

پال کی آنکھیں پھیل گئیں۔ "گگ... کیا مطلب!" اُس کی آواز میں ہکلاہٹ آ گئی۔ "یہ تو میرا بہت اچھا دوست تھا۔ اُس کی انگریزی اتنی اچھی نہیں تھی لیکن پھر بھی میرے ساتھ وہ بہتر سلوک کرتا تھا۔"

"اس کا تعلق کے جی بی سے تھا۔" رُوبی نے اُسے بتایا۔ "یہ کرائے کا قاتل ہے اور کام ختم ہونے کے بعد تمہیں گولی مار کر تمہارے دل اور کلیجی سے دعوت اُڑاتا۔"

پال نے اب بھی ناقابلِ یقین انداز میں سر ہلایا تھا۔

"میری بات مانو جوان، اب یہاں سے وہ سب کچھ لے لو جو تمہاری ملکیت تھا۔ موٹر سائیکل اُٹھاؤ اور یہ بھول جاؤ کہ تم کبھی یہاں آئے تھے۔"

رُوبی نے مُردہ شخص کے بٹوے سے کچھ نوٹ نکال کر اُسے تھما دیے۔ "یہ تمہاری تنخواہ ہے۔ اب یہاں سے گول ہو جاؤ۔"

رُوبی، پال کو موٹر سائیکل اسٹارٹ کر کے سڑک کی طرف جاتے دیکھتی رہی اور پھر وہ اس کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ پھر اُس نے وہاں سے حاصل ہونے والے کاغذات اُٹھانے۔ وینکوور کا پتا لیا، اپنی خودکار رائفل کندھے سے لٹکائی اور پہاڑی کی سمت چل دی۔

ایک گھنٹے بعد وہ ایمبٹ کی طرف جا رہی تھی۔ اُسے یقین تھا کہ اب تک قصبے میں ہر شخص کو خبر مل چکی ہو گی کہ پلانٹ میں کیا حادثہ رُونما ہوا ہے؟

ایک فون بوتھ کے قریب رُک کر اُس نے چاروں گریسنی ٹورِیم کے نمبر ڈائل کیے۔ فون چند ثانیوں کے بعد ہی اُٹھا لیا گیا۔ ڈاکٹر بہرام کی شناسا آواز اُسے سُنائی دی۔

"رُوبی بول رہی ہو!" اُس نے ہیلو کہنے کے بعد اپنے

الف لیلہ ڈائجسٹ کا مقبول سلسلہ

انسان اور شیطان

مصنف محمد فراز

امیر علی خان کی خوفناک آپ بیتی

مکتبہ القریش سرکلر روڈ اردو بازار لاہور

فون 7668958

باس کو بتایا۔ "کیمیکل انڈسٹری میں کیا ہوا ہے؟"

"بہت کچھ ہوا ہے۔" بہرام نے جواب دیا۔ "مجھے تمہارے فون کا انتظار تھا۔ کمپیوٹر نے جو اطلاعات ریکارڈ کی ہیں اُن کے مطابق وارننگ کے باوجود بائنڈر کیمیکل کا ریلوے لُٹ گئی۔ لوٹنے والے چھ افراد تھے جنھوں نے چھ ٹینکر طیارے اور دو بڑے ہیلی کاپٹر استعمال کیے۔ ابھی معلوم نہیں کہ وہ کون تھے لیکن اُنھیں یہ معلوم تھا کہ وہ کیا کر رہے جا رہے ہیں۔ وہ وہاں سے صرف ایک شے لے گئے ہیں، چھ فٹ لمبے چھ سلنڈر۔ ہر سلنڈر میں کم و بیش دو ہزار پونڈ سے زیادہ جدید ترین اور مہلک ترین زہریلی گیس بھری ہوئی ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ، ہر سلنڈر میں زہریلی گیس موجود ہے جب اسے فضا میں چھوڑا جائے گا تو پورا علاقہ گہری دُھند کی لپیٹ میں آ جائے گا۔ یہ دُھند ہر جاندار کو چند ثانیوں کے اندر... زیادہ سے زیادہ دس سے پندرہ سیکنڈ کے دوران موت کے گھاٹ اُتار دے گی... تم کہاں سے بول رہی ہو؟"

"میں اُس مقام کے بالکل قریب موجود ہوں۔"

"اطلاعات کے مطابق ہیلی کاپٹرز شمال کی طرف گئے ہیں۔" بہرام نے اُسے بتایا۔

"ہاں! میرا بھی یہی اندازہ ہے کہ وہ کینیڈا کی طرف فرار ہونے ہیں۔ میں نے اُن کا رُخ شمال کی طرف دیکھا تھا۔" رُوبی نے تصدیق کی۔ "ویسے ممکن ہے کہ اُن کی منزل سان سلواڈور..."

"اچھا..." بہرام صرف ایک لفظ کہہ کر خاموش ہو گیا تھا۔

شاید وہ کچھ سوچ رہا تھا۔

"میرے لیے کیا حکم ہے سر؟" رُوبی نے بہرام کے خاموش ہونے پر خود دریافت کیا۔

"ہُوں۔" بہرام کا انداز غیر حاضر دماغی کا سا تھا۔ "تمہیں سان سلواڈور جانا ہو گا۔ تمہارے سفری کاغذات سان فرانسسکو انٹرنیشنل ایئرپورٹ کے انٹرنیشنل لاؤنج میں گیٹ نمبر ۵ کے سامنے کھڑی اسٹیورڈیس تمہیں دے دے گی۔" رُوبی کو اندازہ ہو گیا تھا کہ بہرام نے اُسے طوعاً و کرہاً اجازت دی ہے۔ ورنہ شاید وہ اُسے کبھی وہاں نہ بھیجتا۔

"او کے سر۔" رُوبی نے کہا اور سلسلہ منقطع کر دیا۔

اب اُس کا رُخ بوٹے کی طرف تھا جو اس علاقے کا سب سے بڑا قصبہ تھا۔ اُس نے اپنی گاڑی میں سے سوٹ کیس اُتارا اور حتی المقدور اپنا حُلیہ یوں بنا لیا کہ وہ ایک سیاح لڑکی دکھائی دے۔ اپنے ہتھیار اُس نے گاڑی میں ہی چھوڑ دیے تھے کیونکہ کسٹم کے حُکام انھیں کبھی ساتھ لے جانے کی اجازت نہ دیتے۔

سوٹ کیس لے کر وہ بینک پہنچی اور چار ہزار گرگ کے خصوصی ٹریولرز چیک سے آٹھ ہزار ڈالر کیش کرائے اور ٹیکسی لے کر ائرپورٹ روانہ ہو گئی۔ ٹرمینل پر اس نے نیویارک ٹائمز کا شمارہ خریدا تاکہ السلواڈور، ہنڈوراس نکاراگوا اور وسطی امریکہ کے بارے میں تازہ ترین صورتِ حال سے آگاہ ہو سکے۔

ایک گھنٹے بعد اُس کا طیارہ سان فرانسسکو کے لیے پرواز کر چکا تھا۔ جہاں ڈاکٹر بہرام کے کہنے کے مطابق اُسے سان سلواڈور کے لیے اُسے سفری کاغذات ملتے۔ اُن کاغذات میں ایک امریکی پاسپورٹ اور دیگر شناختی دستاویزات شامل ہوتیں۔ جن کی مدد سے وہ آسانی کے ساتھ کہیں آ جا سکتی تھی۔ ان کے علاوہ سان سلواڈور میں کچھ لوگوں کے پتے بھی اُن کاغذات کے ساتھ تھے جن سے رُوبی کو ملنا تھا۔

٭٭٭

اُدشان پر اخبار کی خبریں سُننے کا بھوت سوار ہُوا تو شہزاد کی جان جیسے عذاب میں اٹک گئی۔ گزشتہ تین گھنٹوں سے وہ اُسے خبریں سُنا رہا تھا اور ہر خبر پر اُدشان یوں وضاحت طلب کرتا جیسے نہ صرف لکھنے والا بلکہ خبر کا موضوع خود ٹائیگر ہی رہا ہو۔

"سات بچوں کی نانی اپنے آشنا کے ساتھ فرار ہو گئی۔" شہزاد نے ایک شہ سُرخی پڑھی تو کمرہ قیس قیس کی آوازوں سے گونج اُٹھا۔ شہزاد نے قدرے اِدھر اُدھر پلنگ کے نیچے جھانکنا شروع کر دیا۔

"نانی ڈھونڈ رہے ہو؟" اُدشان نے پوچھا۔

"نہیں بطخیں ڈھونڈ رہا ہوں۔" شہزاد نے جل کر جواب دیا۔

"بدبخت یہ وہ قہقہے ہیں، جن پر سنانجو کی شہزادیاں ہر وقت جان دینے کو تیار تھیں۔"

"رئیل فادر! آپ کے پیر جُڑے ہوئے ہیں؟"

"یہ پیروں کا ذکر بیچ میں کہاں سے آ گیا؟"

"دراصل ہمارے یہاں کہا جاتا ہے کہ جھوٹ پیر جوڑ کر بولنا چاہیے۔" شہزاد نے اطمینان سے کہا۔

"میں نے تسلیم کیا۔" اُدشان نے خلافِ توقع اُس سے اتفاق کر لیا۔ "جہاں سات بچوں کی نانی اپنے آشنا کے ساتھ بھاگ جاتی ہو۔ وہاں جھوٹ بھی پاؤں جوڑ کر ہی بولا جاتا ہو گا۔ خیر یہ کیس ختم ہونے کے بعد تم نانی کو ڈھونڈ لینا لیکن فی الحال اگلی خبر سُناؤ۔"

ٹائیگر نے بُرا سا مُنہ بنایا اور اخبار کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"۲۶ سالہ علی جواد کو گزشتہ روز حیرت انگیز طور پر انٹرنیشنل برادر ہڈ آف ڈرائیورز کا نیا صدر منتخب کر لیا گیا۔" شہزاد نے اگلی خبر پڑھی۔ "علی جواد کی یہ کامیابی اُس کی دو ماہ کی انتخابی مہم کا نتیجہ نہیں بلکہ بعض عجیب و غریب واقعات کے سبب عمل میں آئی ہے اور اس سے وہ خواہ مخواہ کامیاب سیاستدانوں کی فہرست میں شامل ہو گیا ہے۔ علی جواد نے منتخب ہونے کے بعد ایک مختصر انٹرویو میں کہا ہے کہ: ڈرائیوروں پر ظلم و ستم کے دن اب پورے ہو گئے ہیں اور ان کے مسائل اب بالکل اُسی طرح ناپید ہو جائیں گے جس طرح گاڑی میں جوتے جانے والا گھوڑا غائب ہو گیا ہے۔ اب ڈرائیوروں میں اپنے معاملات کا شعور پیدا ہو گیا ہے اور وہ اپنی جدوجہد کے لیے بیدار ہو گئے ہیں۔ دُنیا کی کوئی طاقت اب اُنھیں بلیک میل نہیں کر سکے گی اور فرد و س کی حکومت کو اب سمجھ لینا چاہیے کہ اب اس... کی زیادتیوں کے دن پورے ہو گئے ہیں۔ اگر ہمیں ہمارے حقوق

نہ دیے گئے تو ہم بزورِ قوت چھین لیں گے۔۔۔"

اوشان نے اثبات میں سر ہلایا اور رہا تھا اُٹھا کر اُسے خاموش ہو جانے کا اشارہ کیا۔

"کیا سانجو کے بارے میں بھی کوئی خبر ہے؟" اوشان نے دریافت کیا۔

"سانجو اس قابل نہیں کہ خبروں کا موضوع بنے۔"

"صدیوں سے قائم رہنے والی چیزیں اپنی اہمیت اور حیثیت خود منوا لیا کرتی ہیں۔ تم دیکھو کوئی نہ کوئی خبر ضرور ہوگی۔"

"ہاں! ایک خبر ہے۔" شہزاد نے اخبار پر نظریں جمائے جمائے جواب دیا۔

"کیا؟" اوشان نے اشتیاق سے پوچھا۔

"ڈاکو سانجو کی چھ خوبصورت لڑکیوں کو اٹھا لے گئے۔"

"کیا بکتے ہو، سانجو میں ڈاکو نہیں ہوتے۔"

"سانجو پر بطخوں کا عذاب بھی نازل ہونے والا ہے۔" شہزاد نے اخبار پر سے نظریں نہیں ہٹائیں۔

"ارے ہاں، آج تو نیچ میں بطخیں کھانے کا دن ہے۔" اوشان باقی سب کچھ بھول گیا تھا۔

"کیا؟" شہزاد اچھل پڑا۔

"ہاں، آج بطخ کھائی جانے گی اور وہ بھی بھاپ پر پکائی ہوئی۔"

"لیکن لٹل فادر ہوٹل کے مینو میں بطخ شامل نہیں ہے۔" شہزاد نے اُسے یاد دلایا۔

"کوئی بات نہیں۔ تم بطخ بازار سے خرید کر لاؤ گے اور ہم اُسے یہاں بھاپ پر پکائیں گے۔ میں تمہیں سانجو کے ایسے شاندار مصالحے کھلاؤں گا کہ تم بطخوں کے پنجے بھی کھا جاؤ گے۔"

"رحم، لٹل فادر۔" شہزاد نے منہ بنایا۔ "آج تو بھیجا گوشت کھانے کا بالکل موڈ نہیں۔"

"نخرے چھوڑو اور تین پتھروں کے وزن کی بطخ لے آؤ۔"

"یہاں پتھروں سے نہیں تولتے لٹل فادر۔" شہزاد نے اُسے بتایا۔ "میں ڈھائی پونڈ کی بطخ لے آتا ہوں۔"

"نہیں، اُس کا وزن تین پتھروں کے برابر ہونا چاہیے۔" اوشان نے فرد وسوی آلاتِ اوزان کو مسترد کر دیا۔

شہزاد نے اخبار بستر پر پھینکا اور جی ہی جی میں خود کو کم اور اوشان کو زیادہ کوستا ہوا ہوٹل سے باہر آ گیا۔

ابھی وہ چند قدم ہی آگے بڑھا تھا کہ ایک بار ریش بھاری بھرکم آدمی اس کی راہ میں حائل ہو گیا۔

"میرا نام سلطان ہے۔" گوشت کے پہاڑ سے آواز آئی۔

"اِیں۔۔۔ سلطان!۔۔۔ تو پھر کسی تخت پر جا بیٹھو۔" شہزاد نے بے نیازی سے کہا اور آگے بڑھ گیا مگر گوشت کا پہاڑ پھر اُس کے سامنے آ گیا۔

"مجھے علی جواد نے بھیجا ہے۔" گوشت کے پہاڑ نے اُسے بتایا۔ شہزاد بھی جواد کا نام سن کر رُک گیا۔ "وہ تم سے ملنا چاہتا ہے۔"

شہزاد نے محض اثبات میں سر ہلایا۔

"علی جواد پریشان ہے کہ تم نے اس کے جشن کامیابی میں شرکت کیوں نہیں کی؟" سلطان نامی شخص نے اپنی بات جاری رکھی۔ "لیکن وہ معاف کر دینے والا آدمی ہے۔ اگر تم ابھی اُس کے پاس چلے جاؤ گے تو وہ سب کچھ بھول کر تمہیں معاف کر دے گا۔"

"میں فی الحال تو نہیں جا سکتا۔" شہزاد نے اُسے بتایا۔

"انٹرنیشنل برادر ہڈ آف ڈرائیورز کے صدر سے ملنے سے زیادہ کیا چیز تمہارے لیے اہم ہے؟" سلطان کو اس کے انکار پر حیرت ہوئی تھی۔

"پکانے کے لیے تین پتھروں جتنی وزنی بطخ۔"

"کیا؟" سلطان کا منہ کھل گیا۔

"دیکھو! مجھے پریشان مت کرو۔"

"میں تمہیں ایک نزدیکی اسٹور بھی بتا سکتا ہوں جہاں بطخ کا بہترین گوشت مل سکتا ہے۔" سلطان نے کہا۔ اُسے یہ آدمی کچھ کھسکا ہوا لگا تھا۔

"ٹھیک ہے بولو۔"

اور جواب میں سلطان نے کچھ فاصلے پر ایک گلی کی طرف اشارہ کر دیا۔

شہزاد اُس کا شکریہ ادا کر کے گلی کی طرف چل دیا۔ جو بہ مشکل تمام ایک لڑیکچر ٹرک جتنی چوڑی تھی۔ گلی کو دیکھتے ہی شہزاد کے ہونٹ سیٹی بجانے کے انداز میں سکڑ گئے۔ وہ آگے سے بند تھی۔

گلی میں اینٹوں کی بنی ہوئی صرف دو عمارتوں کے دروازے کھلتے تھے جو مقفل تھے۔ شہزاد تھوڑا سا اور آگے بڑھا تاکہ گلی کا مزید جائزہ لے سکے۔ ابھی وہ بیس

بائیس فٹ آگے ہی گیا ہوگا کہ عقب سے انجنوں کی گڑگڑاہٹ کی آواز اُبھری۔ شہزاد نے پلٹ کر دیکھا۔ سڑک پر ایک چالیس ٹن وزنی روڈ رولر چلا آ رہا تھا جس کی چوڑائی کسی بھی طرح گلی سے کم نہیں تھی۔

شہزاد کے دیکھتے ہی دیکھتے روڈ رولر اُسی گلی میں مڑ گیا جہاں وہ بند سرے کے ساتھ موجود تھا۔ رولر کچھ اس طرح گلی میں فٹ ہوا تھا کہ ایک شخص کے گزرنے کی جگہ بھی نہیں بچی تھی۔ شہزاد کو فوری طور پر اندازہ ہو گیا کہ دشمن اُسے چوٹ کر گئے ہیں۔

شہزاد کے قدم اپنی جگہ جم گئے۔ اس کی نظریں رولر پر تھیں جو دھیرے دھیرے اُس طرف بڑھ رہا تھا۔ عقب میں صرف دیوار تھی جس کی بلندی اس قدر زیادہ تھی کہ چھلانگ لگا کر اس پر چڑھا نہیں جا سکتا تھا۔ پہلے اُس نے سوچا کہ پہیوں کے بل دیوار پر چڑھ جائے لیکن یہ شان ٹائیگر کے خلاف تھا۔

رولر کی تیز گڑگڑاہٹ سے پوری گلی گونج رہی تھی اور اردگرد کی دیواریں یوں کانپ رہی تھیں جیسے زلزلہ آ گیا ہو۔ رولر کے اگلے پہیے کے اوپر موٹے لوہے کا ایک بمپر لگا ہوا تھا جس کی اونچائی انسان کے سینے جتنی تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ جب شہزاد عقبی دیوار اور رولر کے اس بمپر کے درمیان پستا تو اس وقت اس کا قیمہ بھی ناقابلِ شناخت ہو جاتا۔

روڈ رولر اس وقت محض دس فٹ دُور تھا۔ اس کا بمپر دو فٹ آگے بڑھا ہوا تھا۔ یعنی موت اور ٹائیگر میں محض آٹھ فٹ کا فاصلہ تھا پھر چھ فٹ رہ گیا اور دو فٹ۔۔۔

شہزاد کا بدن ہوا میں اُچھلا اور اگلے ہی لمحے وہ رولر کے بمپر پر نظر آیا۔ ٹائیگر نے ونڈ اسکرین کے عقب میں ڈرائیور کی آنکھیں حیرت سے پھیلتے دیکھیں۔ ایک وہیل کے عقب میں بیٹھا ہوا تھا جب کہ دوسرا اُس کے برابر براجمان تھا۔ ٹائیگر کے چہرے پر کچھ ایسے تاثرات تھے کہ وہیل پر موجود شخص بروقت بریک پیڈل دبا سکا اور رولر سامنے کی دیوار سے جا ٹکرایا۔ پوری دیوار پُرشور آواز کے ساتھ رولر کے بمپر اور اُس کے ڈرائیونگ کیبن پر آن پڑی لیکن اُس وقت شہزاد وہاں موجود نہیں تھا۔ اس نے کیبن کے اوپر چھلانگ لگا دی تھی۔

رولر رُک گیا تو شہزاد نے چھت پر پڑی اینٹیں سمیٹیں اور اگلی سمت جھک آیا۔ ونڈ شیلڈ ٹوٹ کر اس کی کرچیاں دونوں کو لگی تھیں اور وہ معمولی سے زخمی ہو گئے تھے۔ ڈرائیور نے اپنی سمت کا دروازہ کھول کر باہر نکلنے کی کوشش کی لیکن گلی اتنی تنگ تھی کہ دروازہ نہ کھل سکا۔

شہزاد نے ٹوٹی ہوئی ونڈ شیلڈ سے ہاتھ اندر ڈالا اور ڈرائیور کو گریبان سے پکڑ کر باہر کھینچ لیا۔ وہ ایک چوہے کی طرح شہزاد کے دائیں ہاتھ میں لٹکا ہوا تھا۔ شہزاد نے اُسے بائیں ہاتھ میں تولا اور پھر فولادی پتھریلی اینٹوں کے ڈھیر پر اُچھال دیا۔ ڈرائیور کے مُنہ سے ایک چیخ برآمد ہوئی جس کے ساتھ ہی اُس کے جسم کی کئی ہڈیاں ٹوٹنے کی آواز بھی آئی تھی۔ شہزاد نے اُس کی طرف سے مُنہ موڑ لیا کیونکہ اُسے علم تھا کہ اب اس کا شکار زندہ نہیں ہے۔

دوسرے شخص نے از خود ونڈ شیلڈ سے باہر نکلنے کی کوشش کی۔ اس کا خیال تھا کہ وہ ٹائیگر کو بے خبری میں جا لے گا یا فرار ہو جائے گا لیکن یہ بھی اس کی خام خیالی تھی۔ ٹائیگر نے ایک ہلکا سا ہاتھ اُس کے مُنہ پر دے مارا۔ اُسے یاد تھا کہ ہاتھ واقعی ہلکا تھا لیکن اسے کیا کہا جائے کہ ہاتھ کھانے والے کے مُنہ، آنکھوں اور ناک سے خون بہ نکلا تھا۔

شہزاد اطمینان سے رولر کی چھت پر چڑھ کر دوسری سمت کود گیا۔ اُسے رُک کر یہ دیکھنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی کہ اُس کا ہاتھ کھانے والا کس حال میں ہے۔

"فردوس میں ٹریفک کی صورتِ حال کچھ زیادہ ہی پیچیدہ ہو گئی ہے۔" شہزاد بڑبڑایا اور گلی کے کونے کی طرف بڑھا۔ جہاں اُسے اپنے دوست سلطان کی جھلک نظر آئی تھی۔

سلطان گلی کی نکڑ پر کھڑا تھا لیکن شاید اُس نے شہزاد کو زندہ بچتے نہیں دیکھا تھا کیونکہ چند ثانیے وہ مطمئن انداز میں سر ہلاتا رہا اور پھر واپس پلٹ گیا۔ اس کا انداز بتاتا تھا کہ وہ اسی کام کے لیے یہاں رُکا تھا۔

ٹائیگر سلطان کی طرف بڑھا لیکن مجال ہے جو اُس کے قدموں کی آواز کسی کو سنائی دی ہو۔ سلطان کا رُخ کچھ فاصلے پر کھڑی ایک سیڈان کی طرف تھا۔ شہزاد بھی قدم بہ قدم اُس کے پیچھے تھا۔ سلطان نے کار کی پسنجر سائیڈ کا دروازہ کھولا اور شہزاد نے عقبی دروازے پر ہاتھ ڈالا۔ دونوں۔۔۔ دروازے بیک وقت کھلے اور بند ہوئے تھے۔

سلطان یا سیڈان کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے ہوئے شخص نے گردن گھما کر دیکھنے کی زحمت گوارا نہیں کی چنانچہ کار روانہ ہوئی اس وقت سیٹوں کے درمیان پائیدان پر

Uploaded By Nadeem

ایک بن بلایا مسافر بھی سوار تھا۔

"کام ہو گیا سلطان؟" ذرا دُور آنے کے بعد ڈرائیور نے دریافت کیا۔

"ہاں۔" سلطان نے سامنے سے آنے والی دو پولیس کاروں کو دیکھتے ہوئے جواب دیا جو سائرن بجاتی اسی سمت جا رہی تھیں جدھر سے وہ آئے تھے۔

"میں نے کبھی ایسا کام نہیں کیا۔" ڈرائیور نے سلطان کو بتایا۔ "بلکہ ہم میں سے بہت سے لوگوں نے ایسا کام نہیں کیا ہو گا۔ میں اس طرح کے کاموں کو قطعی پسند نہیں کرتا اور مجھے پتا بھی نہیں تھا کہ سلسلہ یہاں تک دراز ہو جائے گا۔ اب تو ایک کے بعد لیک کی باری ہو گی، یہ یونین ازم تو نہیں۔"

"چھوڑو ان باتوں کو۔" سلطان نے موضوع بدلنے کی کوشش کی۔ "تم نے کھانا کھا لیا ہے؟"

"ہاں۔" ڈرائیور نے جواب دیا۔ "لیکن کھانے کا سارا مزا ہی کرکرا ہو گیا ہے۔"

"کسی نے تمہاری گردن پر پستول رکھ کر تمہیں ایسا کرنے کو نہیں کہا تھا۔۔۔" سلطان کا فطری جابلانہ پن عود کر آیا۔ "تم یا میں ہی نہیں، دُنیا میں اور بھی بہت سے لوگ اور ادارے یہ کام کرتے ہیں۔ فلسفہ مت بگھارو، یہی زندگی ہے۔"

ڈرائیور خاموش ہو گیا اور پھر اُس وقت تک خاموش ہی رہا جب تک منزل نہ آ گئی۔

علی جواد اپنے ہوٹل کے گیراج میں اُن کا منتظر تھا۔ اُس نے اپنے دونوں ساتھیوں کے ساتھ گرم جوشی سے ہاتھ ملایا۔ اس کی مخصوص مسکراہٹ اُس کے ہونٹوں سے چپکی ہوئی تھی۔

"کیسے ہو تم لوگ؟"

"ہم ٹھیک ہیں باس۔" سلطان نے جواب دیا۔ "تمہارا کام اطمینان بخش طریقے سے ہو۔۔۔"

اُس کا جملہ ادھورا رہ گیا۔ اس کی نگاہیں علی جواد کے ہاتھ پر تھیں جو دونوں سے مصافحے کے بعد کسی اور سے مصافحے کے لیے عقبی سیٹ کی طرف بڑھ رہا تھا۔

"مائی گاڈ۔" سلطان کے ساتھی ڈرائیور نے حیرت سے کہا جو نوشاد کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ عقبی سیٹ پر وہی شخص بیٹھا ہوا تھا جس کی موت کی بابت وہ راستے بھر کرتا چلا آیا تھا۔

علی جواد اب شہزاد سے ہاتھ ملا رہا تھا۔

پراسرار اور خوفناک کہانیاں جنہیں
پڑھتے ہوئے آپ چونک اٹھیں گے
انوار صدیقی کے پراسرار قلم سے
آسیب زدہ قیمت =/110
دستک قیمت =/100
مکتبہ القریش سرکلر روڈ اردو بازار لاہور
فون 7668958

"تم سے مل کر خوشی ہوئی دوست۔" جواد نے گرم جوشی سے بتایا۔

"لیکن میں کسی خوشی میں یہاں رُک نہیں سکتا۔ مجھے جانا ہے۔" شہزاد نے دروازہ کھول کر نیچے اُترتے ہوئے جواب دیا۔ "اوے، میں تمہیں یونین میں خوش آمدید کہہ رہا ہوں اور تمہیں جانے کی پڑی ہے۔"

"میں نے کہا نا میں جا رہا ہوں۔"

"میں تمہیں ملازمت کی پیش کش کر رہا ہوں۔" علی جواد نے اسے بتایا۔

"لیکن مجھے اور بھی بہت سے ضروری کام ہیں۔"

"ڈرائیوروں سے اہم اور کوئی کام نہیں ہے۔" علی جواد نے کہا۔ شہزاد کوئی جواب دیے بغیر آگے بڑھ گیا۔ جواد اس کے پیچھے پیچھے آیا تھا۔

"اوے سنو تو سہی۔" علی جواد نے اُسے روکنے کی کوشش کی۔ "تم جا کہاں رہے ہو؟"

"تین پتھروں کے وزن کی بطخ لینے۔" شہزاد نے جواب اور قریب سے گزرنے والی ایک عورت کو روک کر اُس سے پولٹری اسٹور کے بارے میں پوچھنے لگا۔ عورت نے اُسے بتایا کہ اُس کا مطلوبہ اسٹور روبلاک کے فاصلے پر ہے۔ اُس نے مشرق کی جانب اشارہ کیا۔ شہزاد اُسی جانب چل پڑا۔ جب کہ انٹرنیشنل برادر ہُڈ کا صدر اس کے پیچھے پیچھے تھا۔

"مشرق کی جانب دو بلاک۔" شہزاد نے کہا۔ "عورت نے یہی پتا بتایا ہے نا؟"

"اس یونین کا مستقبل بڑا تابناک ہے۔ تمہاری۔۔۔ بھی

زندگی بن جائے گی۔" جواد اپنے ہی راگ الاپ رہا تھا۔ "اب تم بتاؤ کیا خیال ہے؟"

"وہ رہا۔" شہزاد نے ایک جانب اشارہ کیا جہاں ایک اسٹور نظر آ رہا تھا جس کی بیرونی سمت متعدد کٹی ہوئی مُرغیاں اور بطخیں لٹک رہی تھیں۔

"سچ یہ ہے کہ مجھے تم بہت پسند آئے ہو۔" علی جواد نے اس کے ساتھ قدم ملاتے ہوئے کہا۔ "میں چاہتا ہوں کہ تم میری ٹیم میں شامل ہو جاؤ یا پھر یونین سے نکل جاؤ۔"

"ڈھائی پونڈ بطخ کا گوشت۔" شہزاد نے دُکان میں داخل ہو کر کاؤنٹر پر کھڑے مالک سے کہا۔

"دیکھو۔" جواد نے اُسے اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی۔ "اگر تم سلطان یا نوشاد کے ساتھ نہ آئے ہوتے تو اب تک لاش میں تبدیل ہو چکے ہوتے۔"

شہزاد نے محض اپنا کان کھجایا۔

"یہ تو مجھے ڈھائی پونڈ سے کم محسوس ہوتی ہے۔" شہزاد نے دکاندار کو مخاطب کیا۔

"یہ قدرے زیادہ ہی ہے۔" دُکاندار نے بطخ کے پر نوچتے ہوئے جواب دیا۔

"چلو تم کہتے ہو تو مان لیتا ہوں۔" شہزاد نے کہا۔

"دیکھو دوست میں آخری بار اپنی پیشکش دُہرا رہا ہوں۔" جواد بدستور اس کے سر پر سوار تھا۔ "یا تم میرے ریکارڈنگ سیکرٹری بن جاؤ یا مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔"

شہزاد نے پلٹ کر جواد کو دیکھا۔

"کیا تمہیں اس کا وزن ڈھائی پونڈ نظر آتا ہے؟"

"خدا کے لیے۔" جواد نے واویلا کیا۔ "تم آخر ہو کیا شے؟ تم انتہائی تھرڈ کلاس آدمی ہو۔"

"کیا میں اس کا مطلب یہی لوں کہ اس کا وزن ڈھائی پونڈ ہے۔" شہزاد نے اُس کے جملے کا کوئی نوٹس نہیں لیا۔

جواد نے گہری سانس لی۔ "ٹھیک ہے، میں دیکھتا ہوں۔" اُس نے آگے کی طرف جھک کر گوشت کو دیکھا۔ جواد دُکاندار نے شاپنگ بیگ میں لپیٹ دیا تھا۔ "ہاں یہ ڈھائی پونڈ ہی ہے۔ تم یہ بتاؤ موت چاہیے یا ملازمت۔"

"تم نے اسے صرف ایک نظر دیکھا اور کہہ دیا کہ ڈھائی پونڈ ہے۔ بھلا میں تم پر کس طرح اعتماد کر لوں؟ تم بطخوں کے بارے میں بھلا کیا جانتے ہو؟ تمہیں کسی چیز کا کیا پتا؟"

"ٹھیک ہے، ٹھیک ہے۔" جواد نے ہاتھ لہرائے۔ "اگر یونہی چاہتے ہو تو یونہی سہی۔" اُس نے کندھے اُچکائے اور دروازے کی طرف چل دیا۔

"ارے بات تو سنو دوست۔" شہزاد نے لپک کر اُسے پکڑا۔ "وہ تمہارا روڈ رولر تو کسی کام نہیں آیا۔"

جواد یوں بھونچکا رہ گیا جیسے کسی نے اُسے تھپڑ مار دیا ہو۔ "میرا مطلب اُس ظالم گلی کے مظلوم روڈ رولر سے ہے جو تم نے مجھے مارنے کے لیے بھیجا تھا۔"

جواد میں ہمت نہیں تھی کہ وہ کچھ کہتا۔ شہزاد نے کاؤنٹر سے بطخ کا گوشت اُٹھایا اور اُسے بغل میں داب کر جواد کے ساتھ چل دیا۔

جواد کسی سحر زدہ روبوٹ کی طرح ساتھ ساتھ قدم بڑھا رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد شہزاد اُسے لے کر ایک اور دُکان کے اندر داخل ہو گیا۔

"تم نے میرے لیے کتنے آدمی بھیجے تھے؟" اُس نے پلٹ کر علی جواد سے دریافت کیا۔

"دو۔" جواد نے پھنسی پھنسی آواز میں کہا۔

"یس سر! میں آپ کی کیا مدد کر سکتا ہوں؟" کاؤنٹر کلرک نے پوچھا۔

"ایک منٹ۔" شہزاد نے اُسے جواب دیا اور جواد کی طرف مُڑا۔ "آدمیوں کا قد کتنا تھا؟"

"ایک ساڑھے پانچ فٹ کا تھا۔ جب کہ دوسرا چھ فٹ تین انچ قد کا مالک تھا۔"

"دو تابوت چاہئیں، ایک ساڑھے پانچ فٹ کا اور دوسرا چھ فٹ تین انچ کا۔" شہزاد نے اُسے بتایا اور ادائیگی کر کے دُکان سے باہر نکل آیا۔

اُس کا اگلا پڑاؤ جب سان سلواڈور میں اُترا اُس وقت اندھیرا چھا چکا تھا۔ اس امریکی مُلک میں آنے کا یہ پہلا موقع تھا۔ نئے مُلک اور نئے شہر میں آنے کے خیال سے اس کے جسم میں خفیف سی لرزش تھی لیکن بہرام اور اوشان کی رفاقت اور ٹائیگر کی رفاقت نے اس میں اتنا حوصلہ پیدا کر دیا تھا کہ وہ اپنے آپ کو سنبھال لیتی۔

ٹیکسی لے کر وہ شہر کے تجارتی علاقے کی طرف روانہ ہو گئی جہاں ایک بہترین ہوٹل اس کی منزل تھا۔ کمرہ نسبتاً چھوٹا لیکن

Uploaded By Nadeem

بستر خاصا آرام دہ تھا اس لیے اس نے اپنا سامان رکھا اور شاور لے کر بستر پر جا پڑی۔ تھکن اتنی تھی کہ اسے معلوم بھی نہ ہو سکا کب نیند نے اسے آلیا۔

آنکھ کھلی تو دیوار پر لگی گھڑی صبح کے ساڑھے پانچ بجا رہی تھی، روبی کا خیال یہ تھا کہ اس کی آنکھ کمرے کے دروازے کے باہر ہونے والی کچھ آہٹوں کی وجہ سے کھلی ہے لیکن جب اُس نے محتاط انداز میں دروازہ کھول کر باہر جھانکا تو کوریڈور دُور تک خالی تھا۔

ناشتا اُس نے ڈائننگ رُوم میں کیا جس کے بعد وہ واپس اپنے کمرے میں آگئی۔ نصف گھنٹے بعد جب وہ کمرے سے نکلی تو اس نے نیلی جینز اور نیلی ہی ٹی شرٹ پہن رکھی تھی۔ اس نے ہوٹل کے کلرک کو جو خوش قسمتی سے انگریزی بھی جانتا تھا بتایا کہ اُسے ایک شخص کی تلاش ہے لیکن اس کے پاس نام کے علاوہ اس کا کوئی پتا ٹھکانا موجود نہیں۔ کلرک نے فوراً ایک ڈائریکٹری نکالی اور ذرا دیر کی کوششوں کے بعد وہ مطلوبہ شخص کا پتا اور فون نمبر ڈھونڈنے میں کامیاب ہو گیا۔

روبی کو ڈیسک کلرک کے چہرے پر بڑی حیرت کے آثار نظر آئے۔ پتا دیکھتے ہی وہ چونکا، پھر اُس نے نظریں اٹھا کر غور سے روبی کو دیکھا اور دوبارہ ڈائریکٹری پر جھک گیا۔ ذرا دیر بعد اس نے پھر وہی حرکت کی۔

"مس۔۔۔ وہ۔۔۔ یہ۔" اس نے جب بات شروع کی تو ہکلا رہا تھا۔ "میرا مطلب ہے کہ یہ شخص یہاں اچھی شہرت کا مالک نہیں ہے۔" بالآخر اُس نے اپنا جملہ پورا کر ہی دیا۔

"میں اُس سے شادی کرنے نہیں جا رہی۔" روبی نے تنک کر جواب دیا۔ "مجھے اُس سے کوئی ضروری کام ہے۔"

"ٹھیک ہے۔۔۔ ٹھیک ہے۔" کلرک فوراً پسپا ہو گیا۔ "لیکن مس روبی ذرا ہوشیار رہنا، سیاحوں کو لوٹ لینا اس کا دلچسپ ترین مشغلہ ہے اور سیاح لڑکیاں تو ویسے ہی اس کی مرغوب ترین غذا ہیں۔"

"شکریہ، دوست، میں محتاط رہوں گی۔" روبی نے ایک گہری سانس لی۔ "میرا خیال ہے کہ یہاں کوئی ہتھیار رکھنا قانون کے خلاف ہوتا ہے۔"

"بالکل درست مس۔ اگر تم کسی بھی قسم کے ہتھیار سمیت پائی گئیں تو تمہیں فوراً گولی مار دی جائے گی۔"

منگول

الماس ایم اے قیمت:-/150

جاسوسی ڈائجسٹ کا مقبول سلسلہ

سرکش

محمود احمد مودی کے شہکار قلم سے

12 حصوں میں شائع ہو گیا ہے

قیمت فی حصہ =/50 روپے

مکمل سیٹ =/600 روپے

مکتبہ القریش سرکلر روڈ اردو بازار لاہور

فون 7668958

"مجھے ویسے ہی ہتھیاروں سے خوف آتا ہے۔" روبی نے جان چھڑانے کو کہا کیونکہ ڈیسک کلرک کے چہرے کے تاثرات کچھ عجیب سے ہو گئے تھے۔

ہوٹل سے باہر نکلتے ہی روبی کو اندازہ ہو گیا کہ اُس کا تعاقب کیا جا رہا ہے۔ یوں تو دُنیا کے کسی بھی خطے میں لڑکی کا تعاقب کرنا خطرناک تصور نہیں کیا جاتا لیکن جس انداز میں وہ چھوٹے قد کا آدمی روبی کو دیکھ کر ایک طرف چھپا تھا اس سے معلوم ہوتا تھا کہ اُس کے لیے روبی میں کشش اُس کا لڑکی ہونا نہیں تھا۔

روبی نے کندھے اچکائے اور ایک طرف بڑھ گئی چھوٹے قد والا بہرحال اکیلا نہیں ہو سکتا تھا یقینی طور پر اس کا کوئی اور

ساتھی اردگرد موجود تھا۔ روبی نے پہلے ایک سے جان چھڑانے کا فیصلہ کیا، دوسرے سے بعد میں نمٹا جا سکتا تھا۔ چنانچہ وہ ایک مارکیٹ میں گھس گئی اور عقبی دروازے سے نکل کر ایک گلی میں پہنچی۔ تھوڑا سا گھوم کر وہ دوبارہ اُسی سڑک پر آگئی جہاں سے وہ مارکیٹ میں داخل ہوئی تھی۔ وہ ایک کیفے میں گھس گئی جہاں سے اسے اپنا تعاقب کنندہ صاف نظر آ رہا تھا۔ چھوٹے قد والا کچھ دیر اِدھر اُدھر دیکھتا رہا پھر مایوس ہو کر واپس ہوٹل کی طرف چل پڑا۔

دوسرے تعاقب کنندہ کا کھوج لگانے میں روبی کو دس منٹ لگے تھے یہ شخص موٹا اور قدرے طویل قامت تھا اس نے کپڑے بھی پہلے کی نسبت کچھ صاف ستھرے پہن رکھے تھے۔

روبی نے اچانک ایک فیصلہ کیا اور کیفے سے نکل کر سیدھی اس کی طرف بڑھی۔ اس نے اپنے وینٹی بیگ سے ایک سگریٹ نکال کر ہونٹوں میں دبائی اور اس سے ماچس کے لیے دریافت کیا۔ طویل قامت ایک لمحے کے لیے ہچکچایا پھر اس نے نفی میں سر ہلایا اور اسپینی میں بتایا کہ اُسے انگریزی نہیں آتی۔ وہ پھرتی کے ساتھ پلٹا اور ایک طرف کو چل دیا۔ جونہی وہ نظروں سے اوجھل ہوا روبی نے دوسری سمت دوڑ لگا دی۔ دو بلاک آگے نکلنے کے بعد اس نے ایک ٹیکسی روکی اور ڈرائیور کو وہ پتہ تھما دیا جس پر اس کے مطلوبہ شخص کا پتا لکھا ہوا تھا۔

شہر بارونق تھا۔ ہر جانب لوگ پھیلے ہوئے تھے ان کے ہشاش بشاش چہرے دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ ملک پچھلے پانچ سال سے خانہ جنگی کا شکار ہے۔ ٹیکسی ڈرائیور نے اسپینی میں کچھ تبصرہ کیا تھا لیکن روبی کے فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا کہ وہ کیا بکواس کر رہا ہے۔ اس نے دو چار بار ہاتھوں کی طرح سر ہلایا اور باہر کے مناظر دیکھنے میں مصروف رہی۔ ڈرائیور بھی مایوس ہو کر چپ ہو گیا۔

ٹیکسی مختلف علاقوں سے گزرتی ہوئی اب ایک صاف ستھری رہائشی کالونی میں داخل ہو گئی تھی پھر ڈرائیور نے اُسے ایک بڑے بنگلے کے سامنے روک دیا جس کے باہر آہنی گیٹ لگا ہوا تھا۔ روبی نے اُسے ادائیگی کی اور جب وہ موڑ پر گھوم کر نظروں سے اوجھل ہو گئی تو اُس نے بڑھ کر گیٹ کی ایک جانب لگی کال بیل دبا دی۔

تھوڑی دیر میں ہی گیٹ کے اندر پوشیدہ ایک چھوٹا دروازہ کھلا اور ایک صحت مند سیاہ فام برآمد ہوا اُس نے ایک تنگ ٹی شرٹ اور سفید پتلون پہن رکھی تھی جبکہ کمر کے گرد ایک رنگین پٹکا باندھ رکھا تھا۔ گیٹ سے نکل کر اس نے بڑی حیرت سے روبی کو دیکھا تھا۔ انداز بتاتا تھا کہ اس سے پہلے کوئی لڑکی اس طرح اس سے ملنے نہیں آئی۔ ذرا دیر وہ روبی کو گھورتا رہا اور پھر اس کے ہونٹوں پر مردوں کی وہ مخصوص مسکراہٹ کھیل گئی جو کسی خوب صورت لڑکی کو دیکھ کر ہونٹوں پر آجایا کرتی ہے۔

"مارننگ مس۔" اس نے انگریزی استعمال کی تھی۔ "تم مجھے مقامی دکھائی نہیں دیتیں۔"

روبی مسکرا دی۔ "میں جہاں کی رہنے والی ہوں تم اندازہ نہیں لگا سکتے بہرحال یوں سمجھ لو کہ بہت دُور سے آئی ہوں مگر تم یہاں کیا کر رہے ہو؟"

"ہو سکتا ہے وہی، جو تم کر رہی ہو۔" سیاہ فام نے دانت نکالے، دونوں نے بات چیت کا ایسا انداز اپنایا تھا جیسے بچپن میں اکٹھے مچلی کھیلتے رہے ہوں۔ "ویسے تمہیں تلاش کس کی ہے؟"

"ڈیگو فارچونا نامی ایک شریف آدمی کی۔" روبی نے جواب دیا۔ "کیا تم اُسے جانتے ہو؟"

"ممکن ہے لیکن تم یہاں آئی کیوں ہو؟ تمہارا حلیہ سیاحوں جیسا ہے اور میری معلومات کے مطابق اس بنگلے میں تمہاری دلچسپی کی کوئی شے نہیں، پھر کیا چاہتی ہو؟"

"آرام سے۔۔۔" روبی نے پھر مسکراہٹوں کے پھول بکھیرے۔ "ایک شخص نے مجھے بتایا تھا کہ فارچونا میرے مسائل حل کر سکتا ہے۔"

"کوئی ریفرنس؟"

"مجھے جس نے بھیجا ہے اس کے جسم پر گولیوں کے بہت سے نشان ہیں، کیا یہ چلے گا؟"

"میرا خیال ہے کہ تمہیں اندر آنے کی اجازت دے دی جائے۔" سیاہ فام نے ایک طرف ہٹ کر اُسے راستہ دیا۔ "فارچونا یقیناً تم سے ملنا پسند کرے گا۔"

روبی جونہی اندر داخل ہوئی سیاہ فام گیٹ بند کر کے اس کے سامنے آکھڑا ہوا اور پھر اچانک ہی اس کا بھدا سیاہ ہاتھ روبی کو گرفت میں لینے کے لیے اس کی کمر کی طرف بڑھا۔

روبی اُچھل کر پیچھے ہٹی اور پھر اس کی دائیں ٹانگ پوری

قوت کے ساتھ سیاہ فام کی پسلیوں پر پڑی۔ سیاہ فام نما عی قوت برداشت کا مالک لگتا تھا کیونکہ وہ چوٹ برداشت کر گیا تھا۔ اس کے مُنہ سے بس ہلکی سی کراہ نکلی اور وہ لڑکھڑا کر دو قدم پیچھے ہٹ گیا تھا۔ دوبارہ اُس نے آگے بڑھنے کی کوشش نہیں کی۔ اب وہ زیادہ دلچسپ نگاہوں سے روبی کو دیکھ رہا تھا۔ شاید ایک سیاح لڑکی سے اسے اس طرح کے ردِ عمل کی توقع نہیں تھی۔ روبی بھی خاموش کھڑی تھی۔

"اوکے؟" بالآخر سیاہ فام نے کہا۔ "یہ الگ بات ہے کہ خود روبی کی سمجھ میں بھی نہیں آیا کہ وہ اوکے کیوں کہہ رہا ہے۔

"تم ایک اچھے سپاہی ہو۔" روبی نے اُسے کہا۔ "لیکن میں بھی کم نہیں۔"

"وہ مجھے بلیکی کہتے ہیں۔" اُس نے بتایا۔ "لیکن یہ پتا نہیں چل سکا کہ کیوں کہتے ہیں؟ آؤ اندر آجاؤ۔"

السلواڈور میں شمالی امریکہ کی روایات کے عین مطابق کچھ لوگ بیحد شاہانہ امیر ہیں اتنی ہی تعداد میں متوسط طبقہ ہے کروڑوں افراد انتہائی غربت اور کسمپرسی کی زندگی گزار رہے ہیں۔ ڈیگو فارچونا بھی امیروں میں شامل تھا۔ عمارت کی ہر شے سے اس کی امارت کا اظہار ہوتا تھا پورے گھر میں وال ٹو وال کارپٹ بچھے ہوئے تھے۔

وہ ایک ہال سے گزرتے ہوئے ایسی اسٹڈی میں پہنچ گئے جہاں کتابوں کے شیلف شیشے کے بنے ہوئے تھے ایک کونے میں بہت بڑا گلوب اور دوسرے میں بزنس اسٹائل میز اور ریوالونگ چیئر رکھی ہوئی تھی۔ میز پر صرف ایک فائل فولڈر اور ٹیلی فون رکھا ہوا تھا۔

ریوالونگ چیئر خالی نہیں تھی۔ اس پر براجمان سیاہ بالوں والا خشخشی داڑھی اور بھنوری آنکھوں والا شخص انہیں کمرے میں آتے دیکھ کر بھی اپنی جگہ سے نہیں اُٹھا تھا۔

"تمہارا ابتدائی امتحان پورا ہو گیا؟" ڈیگو فارچونا نے کسی تمہید یا رسمی جملے کے بغیر بلیکی سے پوچھا۔

"میں اب اس کے خلاف کچھ نہیں کرنا چاہتا۔"

"اس لیے کہ یہ ایک خوب صورت لڑکی ہے؟"

"نہیں، بلکہ اس لیے کہ ذرا دیر پہلے میں اس کے ہاتھوں مرتے مرتے بچا ہوں۔"

ڈیگو فارچونا نے سر ہلایا اور بلیکی کمرے سے باہر نکل گیا۔ روبی ابھی تک دروازے کے بیچوں بیچ کھڑی تھی۔

"تمہیں میرا نام کس نے دیا ہے؟"

"امریکہ میں ایک دوست نے، لیکن اس نے تمہیں نام بتانے سے منع کیا ہے۔"

"چلو مجھے ضرورت بھی نہیں۔" ڈیگو نے خلاف توقع مسکراتے ہوئے کہا اور کرسی سے اُٹھ گیا۔ روبی کی ہنسی نکلتے نکلتے رہ گئی اس لیے کہ اس کا قد بہ مشکل پانچ فٹ تھا۔

"تم نے سُنا ہوگا کہ یہاں ملازمت مل سکتی ہے، لیکن تم مالک یا مشن کے بارے میں کچھ نہیں جانتیں، ٹھیک؟"

"جو کچھ بھی ہوگا میں اس سے نمٹ لوں گی، میں نما تجربے کار ہوں۔" روبی نے جواب دیا۔

"مجھے توقع ہے۔" ڈیگو میز کے عقب سے نکلتا ہوا بولا۔ "تم گھات لگا کر حملہ کرنے اور شب خون مارنے کے سلسلے میں کیا کر سکتی ہو؟"

"یہی تو میرے پسندیدہ ترین شغل ہیں۔"

ڈیگو نے چونک کر روبی کو دیکھا وہ کچھ دیر اُسے نظروں میں تولتا رہا پھر بولا۔ "اگر کوئی جنگی صورتِ حال درپیش ہوئی تو تنخواہ پانچ سو امریکی ڈالر فی ہفتہ اور اگر ایسی صورتِ حال نہ ہوئی تو دو سو امریکی ڈالر فی ہفتہ ملے گی، منظور ہے؟"

"زبردست۔"

"آپریشن ہفتے بھر میں شروع ہونے والا ہے اور شاید ہفتے بھر کا ہی ہو، ہم تمہیں تمہارے ہوٹل فون کر لیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔" روبی نے کہا۔ "میرا نام ڈانا میکس ویل ہے۔" وہ مڑی اور تیز تیز قدم اُٹھاتی باہر نکل گئی۔

*

علی جواد نے سلطان اور نوشاد سے مکمل رپورٹ طلب کی تھی۔ وہ خاصا سمجھ پایا تھا۔

"میں نے اُسے کار میں داخل ہوتے دیکھا نہ دروازہ بند ہونے کی آواز سُنی۔" نوشاد نے بتایا۔

"رد ڈرولر پر ہمارے دو بہترین آدمی سوار تھے۔" سلطان نے کہا۔ "میں نے خود دیکھا کہ انھوں نے اپنے فرائض دیانتداری سے انجام دینے کی کوشش کی لیکن ناکام رہے اور نتیجتاً گلی کی دیوار سمیت ہر شے ختم ہو گئی سوائے اس شہزاد نامی لڑکے کے۔"

"تو اب تم مجھے کیا بتانے آئے ہو؟" جواد نے پوچھا۔

"صرف یہ کہ میں آئندہ اس کے خلاف کسی مہم پر نہیں جاؤں گا۔"

"میں بھی۔" نوشاد نے سلطان کی تائید کی۔

جواد سوچ میں پڑ گیا، شہزاد کی وجہ سے وہ اپنے دو بہترین آدمی کھو بیٹھا تھا۔ اس نے نوشاد اور سلطان کو بُرا بھلا کہنے کی بجائے اُن کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ وہ اُن سے بعد میں ملے گا۔

وہ ہوٹل سے نکل کر اپنی کار کی طرف بڑھا۔ چند لمحوں بعد وہ نئی دس منزلہ عمارت کی طرف جا رہا تھا۔

دروازے پر پہنچ کر اُس نے مخصوص جملے کہے اور اندر داخل ہو گیا۔ ایلیویٹر کے ذریعے وہ تہ خانے میں پہنچ گیا۔

سامنے کی دیوار پر بنے ہوئے نقشے کے نیچے کچھ روشنیوں کے بٹن لگے ہوئے تھے اُس نے اُن بٹنوں کو ایک مخصوص ترتیب سے دبایا تو دیوار کھسک گئی۔ سامنے کنونشن ہال سے ایک چھوٹا کمرہ تھا جواد ذرا اس میں داخل ہو گیا۔ دیوار خود بخود برابر ہو گئی تھی وہ اُس کمرے میں رُکنے کی بجائے سامنے نظر آنے والے ایک اور دروازے پر پہنچا اس نے تین بار مخصوص انداز میں دستک دی لیکن کوئی جواب نہ ملا۔ اُس نے دوبارہ دستک دی لیکن کسی نے شاید دستک سنی ہی نہیں تھی۔

اس نے تیسری بار دستک دینے کی بجائے دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گیا۔

مکمل روشنی میں ڈوبے ہوئے کمرے میں اُسے فوری طور پر کچھ نظر نہیں آیا۔ وہ محض پلکیں جھپکا کر رہ گیا۔

اس نے پلٹ کر دروازہ بند کیا اور دوبارہ سامنے دیکھا ایک مصنوعی آبشار کمرے کے تقریباً وسط میں واقع تھی اور اس کے گرد ایک چھوٹا سا باغیچہ بنا ہوا تھا۔ علی جواد نے دوبارہ پلکیں جھپکا کر کچھ دیکھنے کی کوشش کی۔

"تمہارے پاس آنکھیں ہیں لیکن تم دیکھ نہیں سکتے۔" ایک نادیدہ آواز اُبھری۔

جواد آبشار سے گرنے والے پانی کی طرف متوجہ ہو گیا

"کان بھی ہیں لیکن سُن نہیں سکتے۔"

جواد نے پھر آواز کا منبع تلاش کرنے کی کوشش کی۔

"اِدھر آبشار کے دائیں طرف۔" آواز دوبارہ اُبھری۔

اب وہ جواد کو نظر آ گیا تھا۔ اسے حیرت تھی کہ وہ اُسے پہلے کیوں نہیں دیکھ سکا تھا۔ وہ آبشار کے ایک پتھر پر ٹانگیں لٹکائے بیٹھا ہوا تھا گود میں ایک کتاب پڑی تھی۔ گہرے رنگ کے سوٹ پر اُس نے سفید قمیص اور گہرے نیلی لگا رکھی تھی اب جواد نے اُسے فوراً دیکھ لیا تھا۔ اس کا چہرہ کسی قسم کے تاثرات سے عاری تھا۔

جواد نے سامنے بیٹھے یورپین کو غور سے دیکھا۔

"میں تمہیں یہ بتانے آیا ہوں کہ ہم اُس شہزاد نامی لڑکے کو دوبارہ مارنے کی کوشش نہیں کریں گے۔"

"کیا اُس نے تمہاری پیشکش قبول کر لی ہے؟"

"نہیں۔"

"تو پھر یہاں کیا لینے آئے ہو؟"

"تمہیں بتانے کے لیے۔"

"تمہارا کام اُسے ساتھی بنانا یا اُسے زندگی سے محروم کرنا ہے اگر تم اُسے اپنا ساتھی بنانے میں کامیاب نہیں ہوئے تو اس سرزمین کو اُس کے وجود سے پاک کر دو۔"

"ہم ناکام ہو چکے ہیں۔"

"دوبارہ کوشش کرو، ناکامیاں، کامیابیوں کا زینہ ہوتی ہیں۔ اگر ہر شخص تمہاری طرح مایوس ہو جائے تو کاروبارِ زندگی ٹھپ ہو جائے۔"

"میں اُس شخص سے خوف زدہ ہوں۔"

"بہت اچھے، اثبات ہو گیا کہ تمہارے پاس بھی دماغ ہے۔"

"میں دوبارہ اس کے خلاف آدمی بھیجنا نہیں چاہتا۔"

"جو کچھ میں کہہ رہا ہوں وہ کرو، محبت اور جنگ میں جب تک مخالف کو کچلو نہیں لطف نہیں آتا اس لیے جاؤ اور اُسے اپنا بنانے کی کوشش کرو یا اُسے جان سے مار دو جاؤ۔۔۔"

جواد نے سر جھکا دیا اور پلٹ کر آہستہ روی سے کمرے سے باہر نکل آیا۔

نوشاد شربت کا گلاس ہاتھ میں لیے کھلونے کی طرح اُس سے کھیل رہا تھا۔

قریب ہی جواد رنگین اور لہراتے آنچلوں کی معیت میں کھڑا اپنا فلسفہ بگھار رہا تھا۔

"بڑے سے بڑے ٹرک کو مرد چلاتا ہے لیکن اس دیوہیکل ٹرک کو چلانے والے کا سینگ عورت کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔"

بہت سے نسوانی قہقہے اُبھرے۔

"کسی لیبر لیڈر کی بیوی یونین کے لیے ایک سرمایہ ہوتی ہے۔ انٹرنیشنل برادر ہڈ آف ڈرائیورز اسی صورت میں دُنیا کی کامیاب ترین یونین بن سکتی ہے جب آپ اس سے تعارف

Uploaded By Nadeem

کریں گی"۔ جواد نے کہا۔

"ضرور، ضرور۔" کئی نسوانی آوازیں بیک وقت ابھریں۔

جواد نے اپنے ڈرائیوروں کی بیویوں کے رُخساروں پر اپنی خوشی کے نشان ثبت کرنے شروع کر دیے، اُنھوں نے بھی اُسے بھرپور انداز میں جواب دیا تھا۔

وہ اسپیکرز ڈائس پر آکر نوشاد کے برابر بیٹھ گیا۔ اس کے چہرے پر ڈرائیوروں کی بیگمات کو دیکھ کر ابھی تک مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

اس کے ساتھ اس کی اپنی گرل فرینڈ بیٹھی ہوئی تھی جس نے عادت کے مطابق مہین سا لباس پہن رکھا تھا۔

"میں نے سُنا ہے کہ اس شہزاد نامی لڑکے نے ہمارے دو بہترین آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے"! اس نے جُھک کر اپنے محبوب نے کے کان میں سرگوشی کی۔

"ہاں میں جانتا ہوں، میں اُسے پسند نہیں کرتا"۔

"تو پھر اُسے بھول جاؤ"۔

"یہ بھی ممکن نہیں"۔

"دوبارہ کوشش کر کے دیکھ لو نا"۔

"جلد ہی بولی"۔ جواد نے جواب دیا۔

"لیکن جواد کیوں"؟ اس کی گرل فرینڈ نے اچانک ہی بیٹرا بدل لیا۔ "اُسے اُس کی خواہش پر اکیلا بھی تو چھوڑا جا سکتا ہے، وہ اس وقت تک ہمیں پریشان نہیں کر سکتا جب تک تم اسے پریشان نہیں کرتے"۔

"میں یہ بھی جانتا ہوں، تم جو کچھ کہہ رہی ہو وہ سو فیصد درست ہے"۔ جواد نے اپنی محبوبہ سے اتفاق کیا۔

"تو پھر ہم اُسے بھول کیوں نہیں سکتے"؟

"یہ بھی ہماری مجبوری ہے"۔

اُس کی گرل فرینڈ کچھ اور پوچھتی لیکن اُسی وقت ایک ویٹر اسپیکرز ڈیسک کی طرف بڑھا لیکن اس کے ہاتھ میں کوئی ٹرے یا مشروب نہیں تھا۔ وہ جواد کے قریب پہنچ کر جھکا اور اُس نے کاغذ کا ایک پُرزہ اُسے تھما دیا۔

"آپ کا فون سر"۔ ویٹر نے کہا۔ "یہ پیغام لکھوایا گیا ہے"۔

جواد نے پُرزے پر لکھی ہوئی تحریر پڑھی اور دوسرے ہی لمحے اس کے ہونٹوں پر اُس کی مخصوص مسکراہٹ رینگ گئی۔

"مبارک ہو نوشاد، اب ہمیں اس پر چڑھائی کرنے کی ضرورت نہیں رہی"۔ جواد نے مسکراتے ہوئے اسے بتایا۔ "وہ ہمارے ساتھ شامل ہونا چاہتا ہے"۔

ویٹر بہرام کو کافی کا زبردست مگ لگا تھا۔ اس نے ٹرے میز پر رکھا اور ٹشو پیپر سے کرسٹ صاف کرنے لگا۔ ساتھ ہی اس نے کمپیوٹر کا ریوائنڈ بٹن دبا دیا۔

چند ثانیوں بعد وہ تصویر دوبارہ نمودار ہوئی جسے دیکھ کر بہرام چونک اٹھا تھا۔

وہ اپنے دفتر میں بیٹھا کمپیوٹر پر مانیٹر ہونے والی ڈیل بھر کی خبریں دیکھ رہا تھا۔ اس وقت فردوس ٹیلی ویژن سے کاسٹ ہونے والا اخبار بھی چل رہا تھا۔

تصویر دیکھ کر بہرام پلکیں جھپکائے بغیر نہ رہ سکا۔

وہ شہزاد ٹائیگر کی تصویر تھی۔

اسکرین پر شہزاد کی تصویر دکھائے جانے کے دوران کاسٹر خبریں پڑھ رہی تھی۔ ہارون آباد کی ڈرائیورز یونین کے بزنس ایجنٹ شہزاد نے علی جواد صدر انٹرنیشنل برادر ہڈ آف ڈرائیوز کارپوریشن کی سکریٹری بننا منظور کر لیا تھا۔

پھر شہزاد کا انٹرویو دکھایا گیا۔

"ڈرائیوروں کو گندی نالی کا کیڑا سمجھنے والوں کے دن ہو چکے ہیں"۔ وہ ہاتھ نچا کر کہہ رہا تھا۔ "قوم کی جڑیں کھوکھلی کرنے والوں کے آخری دن آچکے ہیں اب ڈرائیوروں میں ان کے خلاف شعور بیدار ہو چکا ہے اور وہ اپنے حقوق کی جدوجہد کے لیے ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو گئے ہیں۔ میں اپنے ساتھی ڈرائیوروں، ساتھی افسروں اور اپنے ملک کے محب وطن عوام کو خوش خبری سُنا رہا ہوں کہ ہم جدوجہد کے نشان اور ڈرائیوروں کے نئے صدر علی جواد کی سرکردگی میں ایک ہو گئے ہیں۔ اب ہمیں نہ کوئی کچل سکے گا اور نہ کچلنے کی دھمکی دے سکے گا"۔

شہزاد کا چہرہ غائب ہوتے ہی کنونشن ہال کا منظر دکھایا گیا۔ نئے ریکارڈنگ سکریٹری کے استقبال کے لیے بے تحاشا تالیاں پیٹی جا رہی تھیں۔

پھر اسٹیج کا منظر دکھایا۔ شہزاد اور علی جواد آپس میں گلے مل رہے تھے اور اس کے بعد دونوں کیمروں کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو گئے۔ انھوں نے اپنے ہاتھ ملا کر ہال کی چھت کی طرف بلند کیے اور ہال فلیش لائٹوں کی روشنیوں سے جگمگا اُٹھا۔ دونوں رہنماؤں کی تصویریں دُنیا بھر میں بھیجے جانے کے لیے تیار ہو رہی تھیں۔

بہرام نے کمپیوٹر آف کر دیا۔

یہ تو اُس کے منصوبے کے عین مطابق تھا کہ شہزاد کسی طرح یونین میں شامل ہو کر اُس کی اینٹ سے اینٹ بجا دے لیکن یہ بہرحال نہیں سوچا گیا تھا کہ وہ یوں بھاڑ سا مُنہ اٹھائے دُنیا بھر کے کیمروں کے سامنے آجائے گا۔ ہو سکتا ہے یہ شہزاد یا اُوشان کی کوئی نئی حکمت عملی ہو لیکن فی الحال بہرام نے اسے پسند نہیں کیا تھا۔

وہ نہ جانے کب تک سوچوں کے بھنور میں ڈوبتا ابھرتا رہا کہ اس کی کیبنٹ میں رکھی مخصوص ہاٹ لائن کی گھنٹی بج اُٹھی۔ وہ جانتا تھا کہ اس فون پر صرف ایک ہی ہستی کا فون آسکتا ہے۔

"یس سر!" بہرام نے ریسیور اٹھانے میں دیر نہیں کی۔

"یہ کیا ہو رہا ہے"؟ فردوس کے صدر کی آواز ہیڈ فون میں سنائی دی۔ یقینی طور پر ان کا اشارہ شہزاد کی یونین میں نہ صرف شمولیت بلکہ ایک انتہائی اہم عہدے پر تعیناتی کی طرف تھا۔

"یہ ہماری پالیسی کا ایک حصہ ہے سر"۔ بہرام نے محتاط انداز میں جواب دیا۔ "آپ بے فکر رہیں تمام کام آپ کی مرضی کے عین مطابق انجام پائے گا"۔

"حالات قابو سے باہر ہوتے جا رہے ہیں بہرام"۔ صدر کی بے چین آواز سنائی دی۔ "اس سے پہلے جو کرنا ہے جلد کر گزرو"۔

"میں دیکھتا ہوں سر، کوئی اور بات"؟

"نہیں بس یہی بات تھی"۔

"ہم انشاء اللہ کل عصر کی نماز سے اعلان ہونے سے قبل ہی خطرے کا سر کاٹنے میں کامیاب ہو جائیں گے"۔

"لیکن کل آخری دن ہے"۔

"میں نے کہا نا آپ بے فکر رہیں سر! فردوس مجھے بھی بہت عزیز ہے میں اُسے نقصان پہنچتے نہیں دیکھ سکتا، اللہ حافظ"۔ بہرام نے کہا اور ریسیور رکھ دیا۔

اب اُسے شہزاد کے فون کا انتظار تھا۔ اُسے یقین تھا کہ وہ نامعقول جلد ہی فون کرے گا اور اُس سے اپنے کارنامے کی داد چاہے گا۔

بہرام کو مایوسی نہیں ہوئی۔ کچھ دیر بعد فون دوبارہ گنگنا اُٹھا۔

"ہیلو سویٹ ہارٹ"۔ شہزاد کی شوخی سے بھرپور آواز سنائی دی۔ "کیا تم نے خبریں دیکھیں"؟

"ہاں میں تمہارے کرتوت ملاحظہ کر چکا ہوں"۔ بہرام نے رُوکھے انداز میں کہا۔

"انھیں کرتوت نہ کہو یہ میرا عظیم کارنامہ ہے جو تمہارے چار گھر سے کبھی کوئی اور انجام نہ دے سکے گا۔ میرا نام سنہرے حروف میں لکھا جائے گا۔ ویسے ہائی دی دے، تمہیں میری تقریر کیسی لگی"؟

"بکواس اور لغویات کا پلندہ"۔

"کیوں دل جلانے کی باتیں کرتے ہو؟ میں نے سات منٹ تک تقریر کی تھی۔ مہمانِ خصوصی کو تقریر کے لیے محض تین منٹ دیے گئے۔ جواد نے بھی کُل بر مشکل آٹھ منٹ کی افتتاحی تقریر کی تھی لیکن میں نے سات منٹ تقریر کی، تم نے دیکھا وہ کتنی گرم جوشی سے گلے مل رہا تھا اب میں سیاست"۔

"اگر میں ایک لمحے کے لیے آپ کے سیاسی کیریئر میں دخل اندازی کر کے یہ پوچھوں کہ آپ نے قوم کو بچانے کے لیے کیا سوچا ہے تو آپ کا تھوبڑا سوجے گا تو نہیں"؟ بہرام نے بھرپور طنزیہ لہجے میں کہا۔

"اوہ وہ، تمہیں پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں، ابھی ہم ابتدائی مراحل پر ہیں لیکن بہت جلد خود کو متحد کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ ابھی ہیں۔۔۔"!

"یہ کیا بکواس شروع کر دی ہے تم نے"! بہرام حلق کے بل چیخا۔

شہزاد پر اس کی دہاڑ کا کوئی اثر نہیں ہوا وہ اپنی رَو میں بولے چلا جا رہا تھا"!۔۔۔ ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ ابھی ہمیں بہت کچھ کرنا ہے۔ فی الحال ہماری دیواریں طوفانوں کا مقابلہ کرنے کے لیے اتنی مضبوط نہیں ہیں، ہم نئی نسل کے فرد ہیں اور مسائل کے سمندر ہمیں پیدا۔۔۔"!

"جہنم میں گئے تم اور تمہاری نئی نسل"! بہرام دوبارہ چیخا"!۔۔۔ صرف یہ سُن لو کہ تمہارے پاس کل تک کا وقت ہے"۔

اس سے پہلے کہ شہزاد کچھ اور کہتا بہرام نے ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا۔

شہزاد نے کلک کی آواز سُنی اور ریسیور کو رکھا اور پلٹ کر اُوشان کی طرف دیکھا جو زیرِ لب مسکرا رہا تھا۔

"تم ایک ناکام سیاست دان ہو"۔ اُوشان نے تبصرہ کیا۔

"کیوں نشہ فادر؟"

"سیاست دان کبھی کسی مخالف کا ٹمپر لوز نہیں ہونے دیتا"۔

"لیکن بہترین سیاست دان وہ ہے جو دوسرے کا ٹمپر لوز کر کے اپنے مطلب کی بات اُگلوا لے اور پھر سویٹ ہارٹ کو تو

Uploaded By Nadeem

ویسے ہی پتانے میں مزہ آتا ہے۔" شہزاد نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ویسے تمہارا اس بارے میں کیا خیال ہے کہ تمہاری اسی سیاسی حماقت کے نتیجے میں تمہارے لیے کوئی ورزش تجویز کی جائے؟" اوشان نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"مجھے نیند آرہی ہے بٹل فادر!"

"دوپہر کو سونا صحت کے لیے مضر ہوتا ہے!" اوشان نے فتویٰ دیا۔

"میں آج رات کچھ کام کرنا چاہتا ہوں بٹل فادر! اس لیے براہ کرم آج رحم کریں کل اس سزا کے لیے تیار رہوں گا!"

"چلو ٹھیک ہے۔" ٹائیگر کی توقعات کے برخلاف اوشان نے سزا دینے کا ارادہ ملتوی کر دیا تھا۔

اندھیرا پھیلنے کے بعد شہزاد جب ہوٹل سے روانہ ہوا تو اوشان اپنے مخصوص ٹی وی کے سامنے بیٹھنے کی تیاری کر رہا تھا۔ ٹائیگر کو معلوم تھا کہ اب وہ گھنٹوں اس میں مصروف رہے گا۔

"واپسی پر آپ کے لیے کچھ لاؤں بٹل فادر!" اس نے بڑے احترام سے اوشان کو مخاطب کیا جیسے ڈر رہا ہو کہ دراز زبان پھسل اور اوشان نے اُسے سزا کے لیے دھر لینا ہے۔

"اپنے دانتوں میں فتح دبا کر لانا!" اوشان نے اُسے کہا۔

شہزاد نے اُسے حیرت سے دیکھا۔ "کیا مطلب؟"

"مطلب سمجھنے کے لیے تمہیں اُلٹا لٹکنا پڑتا ہے!"

"میں سمجھ گیا۔" شہزاد فوراً دروازے کی طرف بھاگا۔

"واپسی پر میرے لیے پھل بھی لیتے آنا!"

شہزاد نے ہاتھ اُٹھا کر اسے مطمئن رہنے کا اشارہ کیا اور باہر نکل گیا۔

مطلوبہ عمارت ایسی جگہ بنی ہوئی تھی جہاں اُسے ڈھونڈنا قطعی مشکل نہ تھا۔ بارہ فٹ اونچی خاردار تاریں گھری ہوئی عمارت ایک دس منزلہ چن کی طرح استادہ تھی۔ خاردار تاروں میں ہونے والی بجلی سر سراہٹ سے شہزاد بتا سکتا تھا کہ ان میں برقی رَو دوڑ رہی ہے لیکن یہ اس کے لیے کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ عمارت کا کمپاؤنڈ تیز روشنیوں سے جگمگا رہا تھا لیکن بظاہر کوئی چوکیدار نظر نہیں آرہا تھا۔

شہزاد نے اوشان کے لیے خریدی ہوئی مچھلی کا تھیلا ایک جھاڑی میں چھپایا اور خاردار تار کی طرف بڑھا۔ وہ عمارت کے اندر داخل ہو کر ڈرائیوروں کی عالمی یونین کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اُسے علم تھا کہ اگر خاردار تاروں کو زیادہ دیر کے لیے ایک دوسرے سے الگ رکھا جائے تو سرکٹ ٹوٹنے کی وجہ سے الارم بج اُٹھیں گے اور اِدھر اُدھر چھپے ہوئے چوکیداروں کے سامنے آجانے کی وجہ سے اس کا سارا منصوبہ دھرے کا دھرا رہ جائے گا۔

شہزاد آگے بڑھا اُس نے اپنے دونوں ہاتھ تار پر رکھے جس میں برقی رَو دوڑ رہی تھی اور پھر سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں تار توڑ کر وہ اندر پہنچ چکا تھا۔ اس کے جسم سے برقی رَو سراپیٹ ہو کر دوسری طرف جاری تھی اس لیے سرکٹ ٹوٹنے سے الارم بجے اس نے ذرا سا کھینچ کر تاروں کو دوبارہ ملایا اور تیزی سے عمارت کی طرف چل دیا جو خاردار تاروں سے پانچ چھ سو گز کے فاصلے پر تھی۔

اگر کوئی شخص اُسے عمارت کی طرف جاتے دیکھ بھی لیتا تو وہ دعوے سے کہہ سکتا تھا کہ جانے والا آدمی نہیں کوئی سایہ تھا۔ وہ جھونکے کی طرح پلک جھپکنے میں وہاں پہنچا لیکن یہ دیکھ کر وہ حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکا کہ سامنے کی طرف ایک سپاٹ دیوار اس کی منتظر تھی جس میں کوئی دروازہ نہیں تھا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" اُس نے زیرِ لب کہا اور دائیں کونے کی طرف بڑھ گیا لیکن وہ دیوار بھی سپاٹ تھی اس طرف بھی کوئی دروازہ نہیں تھا۔ ذرا دیر بعد جب وہ چاروں طرف سے گھوم پھر کر دیکھ چکا کہ عمارت میں داخلے کا کوئی راستہ نہیں ہے تو یہ سوچے بغیر نہ رہ سکا کہ دروازہ یا دروازے خفیہ طور پر دیوار ہی میں ہی فٹ ہیں جو شاید کوڈ ورڈ سے کھلتے ہیں۔ اُس نے ایک دو جگہوں سے دیوار کو ٹھونک بجا کر دیکھا لیکن کسی جگہ بھی اُسے اس کے کھوکھلے ہونے کا احساس نہیں ہوا۔

اُس نے نظریں اٹھا کر اوپر دیکھا دیواریں صرف نیچے ہی سپاٹ نہیں تھیں بلکہ اوپر تک ان میں کوئی کھڑکی یا روشن دان تک نہیں تھا۔ باقی دیواروں کا بھی یہی حال تھا۔ یعنی وہ دس منزلہ عمارت ایک ایسا مقبرہ تھی جس کے اندر جانے کا کوئی راستہ کم از کم اس وقت تو اُسے نظر نہیں آرہا تھا۔

شہزاد کچھ دیر سوچتا رہا پھر اُس نے چھت پر جانے کا فیصلہ کر لیا، شاید اوپر ہی جانب کوئی راستہ ہو۔ اس نے اپنی انگلیاں اکڑائیں ہاتھوں پیروں کو دو تین جھٹکے دیے اور اگلے ہی لمحے چھپکلی کی طرح سپاٹ دیوار پر چڑھنے لگا۔ چھت پر پہنچ کر اس کا ارادہ یہ تھا کہ وہ پھلانگ لگا کر خود کشی کر لے کیونکہ چھت کی پوزیشن

بھی دیواروں سے مختلف نہیں تھی۔

دو گھنٹوں کے بعد شہزاد جب ہوٹل واپس پہنچا تو اوشان ٹی وی بند کر چکا تھا۔ شاید آج کوئی خاص پروگرام نہیں تھا۔ اس کے چہرے کے تاثرات دیکھ ہی اوشان سمجھ گیا کہ وہ دانتوں میں کچھ بھی دبا کر نہیں لایا اور جب شہزاد نے اُسے اپنی ناکامی کی کہانی سنائی تو وہ مسکرائے بغیر نہ رہ سکا لیکن پھر اس کی آنکھیں سکڑ گئیں اور وہ سنجیدہ کر سوچنے لگا۔

"کیا مجھ سے غلطی ہو گئی بٹل فادر؟"

"نہیں! میں کچھ اور سوچ رہا ہوں۔"

"مجھے افسوس ہے کہ میں عمارت میں داخل ہونے میں ناکام رہا ہوں۔" شہزاد کا انداز واقعی افسوس کرنے والا ہی تھا۔ حالانکہ اس سے پہلے میں اس سے زیادہ اہم اور مضبوط عمارتوں میں داخل ہو چکا ہوں۔"

"درست۔" اوشان نے تائید کی۔ "وہ عمارتیں صرف اُن افراد سے محفوظ کی جاتی ہیں جو بندوقیں، ہتھیار، ٹینک اور دنیا کی جدید ترین ٹیکنالوجی استعمال کرتے ہیں۔ یہ عمارت صرف ہمیں ناکام کرنے کے لیے بنائی گئی ہے۔"

"لیکن اس تکنیک میں سنانجو کا طریقۂ کار [illegible] ہے؟" شہزاد نے حیرت سے پوچھا۔

"کچھ لوگ نجات ہیں۔" اوشان نے جاپانی آرٹ کا حوالہ دیا جسے جاننے والے اندھیرے میں دیکھ سکتے ہیں اور بڑے قفلوں میں داخل ہو سکتے ہیں۔

"لیکن نجا کی تربیت تو صرف سنانجو میں دی جاتی ہے۔"

اوشان خاموش رہا۔

"مجھے خود اس معاملے کو دیکھنا پڑے گا۔"

"میں اپنی حکمت عملی تبدیل کر دیتا ہوں، اب میں جو آرڈر کے ذریعے وہ سب کچھ حاصل کرتا ہوں جو مجھے عمارت سے ملنا تھا اور بٹل فادر۔۔۔۔"

"بولو۔" اوشان نے کہا جس میں اس وقت شہزاد کے خیال کے مطابق خاصی تبدیلیاں آرہی تھیں۔

"میں فتح دانتوں میں دبا کر ہی لاؤں گا۔" شہزاد نے جواب دیا۔

روبی نے ٹیکسی ڈرائیور کو اپنے ہوٹل کا نام بتایا اور سیٹ کی پشت سے سر ٹکا کر آنکھیں موند لیں۔ سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں اس کی نظروں کے سامنے شہزاد کی شبیہہ لہرا گئی جس وقت اس سے ہزاروں میل دُور مملکتِ فردوس میں کسی معرکہ آرائی میں مصروف تھا۔

اُسے شہزاد کے ساتھ گزرے ہوئے لمحے یاد آتے لمحے اس کا بھنانا یاد آیا۔ اپنے کڑوے کسیلے اور تیکھے جملے یاد آئے لمحے حیرت ہو رہی تھی کہ آج وہ اسے اتنی شدت سے کیونکر یاد آرہا ہے؟ لیکن اس کا جواب اس کے پاس نہیں تھا۔

شہزاد کے خیالوں میں کھو کر اُسے پتا بھی نہ چلا کہ کب ٹیکسی اس کے ہوٹل کے سامنے رُکی وہ اس وقت چونکی جب ڈرائیور ہسپانوی میں نہ جانے کیا کہہ رہا تھا۔ البتہ روبی کو پانچ کولون کے لفظ ضرور سمجھ میں آگئے تھے اس نے اُسے پانچ کولون ادا کیے اور ہوٹل میں داخل ہو گئی۔

اس نے استقبالیہ کلرک کی طرف دیکھ کر سر ہلایا اور اسٹینڈ کی طرف بڑھ گئی جس پر اخبار رکھے نظر آرہے تھے۔ اس نے ایک انگریزی اخبار منتخب کیا اور کاؤنٹر پر آگئی۔

"میں نے جب تمہارے ریمارکس ڈیگو کو سنائے تو اس نے قطعاً برا نہیں مانا۔" روبی نے آگے کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے کہا۔

کلرک کے چہرے کی رنگت متغیر ہو گئی۔

"م۔۔۔ میرا خیال ہے تم مذاق۔۔۔"

ایک ایسی عورت کی کہانی
جو مردوں کے معاشرے میں
ملکہ بن کر جینا چاہتی تھی
ناگ رانی
دو جلدوں میں
جلد اول =/145
جلد دوئم =/145
مکتبہ القریش سرکلر روڈ اردو بازار لاہور
فون 7668958

روبی ہنس دی۔ "نہیں، میں نے اُسے کچھ نہیں بتایا لیکن جب اُس سے ملوں گی تو شاید بتا دوں، ہاں ایک شرط پر میں اپنے ارادے سے باز رہ سکتی ہوں کہ تم میری کھوج میں آنے والوں پر نظر رکھو۔"

کلرک کاؤنٹر کے اوپر سے روبی کی طرف جھک آیا۔

"تمہاری عدم موجودگی میں ایک شخص تمہارے کمرے میں داخل ہوا تھا۔" اس نے سرگوشی کی۔ "دوسرا آدمی جو اس وقت بظاہر اخبار پڑھ رہا ہے، تمہاری نگرانی کر رہا ہے اور تمہارے تعاقب پر مامور ہے۔"

روبی نے کلرک کا شکریہ ادا کیا اور اُس آدمی کی طرف بڑھ گئی جو اخبار پڑھ رہا تھا۔ وہ ایک ہلکے رنگ کے سوٹ میں ملبوس تھا۔ روبی اُسی صوفے پر اس کے برابر جا کر بیٹھ گئی۔

"ہیلو! دوست! کیا میرے ساتھ کوئی مشروب پینا پسند کرو گے؟"

اخبار پڑھنے والے نے چونک کر اُسے دیکھا اس کی آنکھوں میں خوف اُمڈ آیا تھا۔ اُس نے اپنی نظریں فوراً اخبار پر گاڑ کر نفی میں سر ہلا دیا۔

روبی اس کی طرف جھک آئی۔ "اگر تم میرے ساتھ نہیں چلو گے تو میں شور مچا دوں گی کہ تم نے مجھے لوٹنے اور چھیڑ خانی کی کوشش کی ہے۔" اس نے سرگوشی کی اور پھر قدرے بلند آواز میں بولی۔ "آؤ اب دوستانہ انداز میں بار روم کی طرف چلیں، کیا تم انگریزی بول سکتے ہو؟"

"نہیں۔" مرد نے کہا لیکن وہ صوفے سے اُٹھ کھڑا ہوا۔

"تم جھوٹ بولتے ہو۔" روبی نے اُسے بازو سے پکڑ لیا اور بار روم کی طرف چلنے لگی۔ مرد نے بھی کسی مزاحمت کے بغیر اس کی تقلید کی تھی۔ "بے فکر رہو میں موسیو ڈیگو کو اس بارے میں کچھ نہیں بتاؤں گی۔"

مرد نے اثبات میں سر ہلا دیا، اب اُس کے چہرے پر اطمینان کی جھلک نظر آنے لگی تھی۔ دونوں بار روم میں پہنچے روبی نے اپنے لیے لیمن بار لے کا آرڈر دیا جبکہ مرد نے بیئر منگوائی تھی۔ اُس نے روبی کو بتایا کہ میرا نام پیپ ہے۔

"میرا خیال ہے کہ تم میرے کمرے کی تلاشی لے چکے ہو۔" روبی نے غور سے اُسے دیکھتے ہوئے کہا۔ پیپ نے احتجاج کے انداز میں اپنا ہاتھ اوپر اُٹھا کر اپنی معصومیت ثابت کرنے کی کوشش کی۔

"تم ڈیگو کو بتا دینا کہ وہ میرے لڑکی ہونے کی بھنک نہ پا رہے۔" روبی نے تیز سرگوشی کی۔ "میں اتنی نازک نہیں ہوں جتنی نظر آتی ہوں۔ میں نے اُن گنت قتل کیے ہیں اور ہر اُس شخص کی طرف سے لڑ سکتی ہوں جو مجھے صحیح قیمت ادا کرے۔"

پیپ کا اطمینان بڑھتا جا رہا تھا۔ اس نے جواب میں ایک لفظ بھی نہیں کہا البتہ وہ روبی کے دُبلے پتلے جسم کو دیکھتا رہا اور غور کرتا رہا کہ اُس نے جو کچھ کہا ہے درست کہا ہے۔ اس کے بعد دونوں میں سے کسی نے بات کرنے کی کوشش نہیں کی۔ بار ختم کر کے روبی نے ادائیگی کی اور پیپ کو وہیں بیٹھا چھوڑ کر اپنے کمرے میں چلی آئی۔

جس کسی نے بھی کمرے کی تلاشی لی تھی وہ اپنے کام کا ماہر تھا۔ روبی کو صرف ایک نشانی سے پتا چلا کہ کمرے کی تلاشی لی گئی ہے اس نے ایک اخبار کو مخصوص زاویے سے سوٹ کیس کے اوپر رکھا تھا۔ اخبار اب بھی وہیں تھا لیکن اس کا انداز وہ نہیں تھا جس انداز میں روبی نے اُسے رکھا تھا۔

روبی نے کپڑے تبدیل کیے اور ہیڈ پزیلیٹ کا اخبار پڑھنے لگی لیکن اُسے اپنی دلچسپی کی کوئی خبر نظر نہیں آئی۔ رات کے ڈائننگ روم میں کیا جہاں پیپ بھی موجود تھا اس نے اُسے بھی کھانے میں اپنے ساتھ شامل کر لیا تھا۔ اپنے کمرے کی طرف واپس آتے ہوئے اُسے سیڑھیوں کے پاس ایک شناسا چہرہ نظر آیا تو وہ ٹھٹکی۔

"بلیکی! تم یہاں کیا کر رہے ہو؟"

"میں بوٹ بال کے دو ٹکٹ لے کر آیا ہوں۔" بلیکی نے مسکراہٹ اس کی طرف اُچھالی۔ "وسطی امریکہ کے رہنے والے اسے دیوانگی کی حد تک پسند کرتے ہیں، چلو گی؟"

روبی نے فیصلہ کرنے میں دیر نہیں کی۔ کچھ ہی دیر بعد وہ اسٹیڈیم کی طرف جا رہے تھے۔ روبی کے لیے یہ سنہرا موقع تھا کہ وہ بلیکی سے کچھ کام کی باتیں معلوم کرنے میں کامیاب ہو جائے اور بلیکی نے بھی اُسے مایوس نہیں کیا تھا۔

"مجھے یہ دونوں ٹکٹ ڈیگو نے دیے تھے۔" بلیکی نے بتایا۔ "کیا؟ وہ نہیں چاہتا کہ تم غلط ہاتھوں میں پڑ جاؤ اور جب ہمیں تمہاری ضرورت پڑے تو تم جیل میں سڑ رہی ہو یا کوئی امریکی دشمن تمہیں اُٹھا لے جا چکا ہو، ممکن ہے ہمیں کل کسی وقت روانہ ہونا پڑے!"

بلیکی کے انداز پر روبی زیرِ لب مسکراتی رہی۔ شاید ڈیگو

اور بلیکی نے اس کی صلاحیتوں کا اندازہ غلط لگایا تھا۔

"تم ڈیگو کے لیے پہلے بھی اس طرح کام کر چکے ہو؟" روبی نے تعریف سے پوچھا۔ "سینٹیم میں ہونے والے کھیل پر جوا کرو گے؟"

"ہاں! میں تو اس کا ہراول دستہ ہوں۔" بلیکی نے فخر سے کہا۔ "اور میرا خیال ہے کہ وہ تمہیں بھی میرے ساتھ بھیجے گا۔ ہم مین پارٹی سے پہلے ایک پرتگالی جہاز میں آگے روانہ ہو جائیں گے۔"

"تمہارے لیے تو یہ سفر عام سی بات ہوں گے۔"

"ہاں، لیکن یہ سفر بطور خاص یادگار رہے گا۔"

"کیوں؟" روبی نے متجسس ہو کر پوچھا۔

"میں پہلی دفعہ کسی خوب صورت لڑکی کے ساتھ مشن پر جاؤں گا۔" بلیکی نے دانت نکالے۔

"دھت تیرے کی۔" روبی نے دل ہی دل میں کہا اور پھر اس سے مخاطب ہوئی۔ "وہ مشن کیا ہے؟"

"عام سا۔" بلیکی نے جواب دیا۔ "شہر سے نکل کر ہم جنگل میں رہیں گے جب ہم خاصی دُور نکل جائیں گے تو ایک چھوٹے کاروانے کی صورت اختیار کریں گے، ہتھیار تیار کر لیے جائیں گے اور پہاڑیوں کی طرف سفر کا آغاز ہو جائے گا۔ اُس طرف میرا میدر رینج ہے۔ پہلے ہم ساحلی پہاڑیوں سے گزریں گے جو زیادہ بلند نہیں ہیں لیکن اس سے آگے جہاں ہم جا رہے ہیں اس کے بارے میں مجھے زیادہ تفصیلات کا علم نہیں، البتہ یہ معلوم ہے کہ ایک گائیڈ ہمیں گوریلا کیمپ لے جائے گا۔ مرکزی حکومت کی فوجوں کی رسائی اس کیمپ تک ہے نہ کبھی ہو سکے گی۔" بات ختم کر کے بلیکی ہنس دیا۔

لیکن روبی کے خیال میں پوری تقریر کے دوران کوئی ایسا لفظ نہیں ہوا تھا جو کسی کی ہنسی کا باعث بنتا۔

روبی نے بلیکی کی تقریر پر کوئی تبصرہ نہیں کیا اور کھیل کی طرف متوجہ ہو گئی جو اب اختتام کی طرف بڑھ رہا تھا اور پھر مقامی ٹیم نے مخالف ٹیم پر فتح حاصل کر لی۔ پورا اسٹیڈیم تالیوں سے گونج اٹھا تھا۔

میچ دیکھنے کے بعد دونوں نے ایک خوب صورت سے ریسٹورنٹ میں ڈنر کیا اور اس کے بعد روبی کے ہوٹل پہنچے۔ لابی میں صوفے پر بیٹھی رہی جبکہ بلیکی نے لابی سے کہیں فون کیا۔ واپس آ کر اس نے مسکراتے ہوئے روبی کو آگاہ کیا۔

"اور کے مس ڈانا! میں جا رہا ہوں، صبح سویرے سوا پانچ بجے میں تمہیں یہاں سے لے لوں گا۔ اپنا سامان پیک کر کے تیار رکھ چھوڑ دینا۔ ہم یہاں سے ٹیکسی لے لیں گے اور پھر ایک بس کے ذریعے پہاڑیوں کے دامن میں دس میل کے فاصلے پر اپنے گروپ میں جا ملیں گے۔"

✦

ہارڈ ویئر اسٹور بند تھا لیکن لوہے کے شٹر کو کھولنا شہزاد کے بائیں ہاتھ کا کمال تھا۔ دکان انواع و اقسام کے سامان سے بھری ہوئی تھی لیکن شہزاد کو ان چیزوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی وہ تو ایک مخصوص شے کی تلاش میں یہاں آیا تھا۔ کچھ دیر وہ سامان اُلٹ پلٹ کر دیکھتا رہا بالآخر اُسے اُس کی مطلوبہ شے مل گئی تھی۔

وہ اسٹیل کی بنی ہوئی تیز دھار درانتی تھی جو ہارون آباد ورائٹی ورز یونین کے صدر بلند اقبال کا امتیازی نشان بھی تھی۔ اس نے درانتی کی قیمت کے طور پر پانچ فروسی ڈالر کا ڈنر پر رکھے اور شٹر دوبارہ بند کر کے دکان سے نکل آیا۔ اس نے تین فٹ لمبی درانتی کو خاکی رنگ کے ایک کاغذ میں لپیٹ لیا۔ اُس نے اس سلسلے میں خاصی احتیاط برتی تھی کہ درانتی کے کسی حصے پر اس کی انگلیوں کے نشانات نہ ملیں۔

اب اس کا رُخ بلند اقبال کے ہوٹل کی طرف تھا۔ اس کا کمرہ اُسی ہوٹل میں تھا جہاں شہزاد اور ادوشان ٹھہرے ہوئے تھے۔ شہزاد نے بلند اقبال کے سوئٹ پر دستک دی۔

"کون ہے؟" بلند اقبال کے ایک ماتحت صفدر کی آواز سُنائی دی۔

"شہزاد۔"

"کیا چاہیے؟"

"دروازہ کھولو، مجھے بلند اقبال سے ملنا ہے۔"

"وہ موجود نہیں۔"

"دروازہ کھولو ورنہ میں خود کھول لوں گا۔"

"کیا تم چاہتے ہو کہ میز تمہارے منہ پر پڑے؟"

"میز بھی پھینک لینا لیکن دروازہ تو کھولو۔"

دروازہ کھلا اور ساتھ ہی کافی ٹیبل اڑتی ہوئی باہر آئی۔ شہزاد نے اپنے خالی بائیں ہاتھ سے میز کی ٹانگ پکڑ لی۔

صفدر، منٹ اور اسپورٹس شرٹ پہنے دروازے پر کھڑا تھا اُس نے میز کو آڑے رُخ ایک قریبی دروازے پر لگتے دیکھا جو شہزاد نے بڑے اطمینان کے ساتھ بائیں ہاتھ سے اُچھال دی تھی اس نے غور سے شہزاد کو دیکھا جو مسکرا رہا تھا۔ صفدر کے چہرے

Uploaded by Nadeem

کی رنگت متغیر ہوگئی تھی۔ اُس نے شرافت کے ساتھ ایک طرف ہٹ کر شہزاد کو اندر آنے کا راستہ دے دیا تھا۔

دوسرے کمرے سے ایک تیز آواز سنائی دی۔

"کیا تم نے اُسے اندر آنے کی اجازت دے دی؟ میں نے کہا تھا کہ میں اُس کی شکل نہیں دیکھنا چاہتا۔" یہ بلند اقبال تھا۔

شہزاد آواز کے تعاقب میں بیڈ روم میں داخل ہوگیا بلند اقبال بیڈ پر نیم دراز تھا جبکہ بیڈ کے ساتھ ہی ایک دوسرے لونگ روم کا کھلا دروازہ نظر آرہا تھا جس کے سامنے درمیانی عمر کی تین عورتیں بیٹھی تاش کھیل رہی تھیں۔

"تم یقیناً شہزاد ہو۔" ان میں سے ایک بولی "میرا نام ثروت اقبال ہے، مجھے حیرت ہے کہ بلند اقبال نے مجھے یہ نہیں بتایا کہ تم اتنے خوب صورت اور طاقتور نوجوان ہو۔ ارے اقبال! تمہاری یونین میں یہ پہلا خوب صورت آدمی آیا ہے ورنہ اس سے پہلے تو تم لوگوں نے بھینسے اور گینڈے پال رکھے تھے!"

بلند اقبال نے اپنی بیوی کو جواب دینے کی بجائے سر سے پیر تک شہزاد کا جائزہ لیا اس نے کچھ بولنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

"تم نے مجھے یہ کیوں نہیں بتایا کہ تمہاری بیوی اتنی خوب صورت ہے۔" شہزاد نے مسکراتے ہوئے کہا۔

لونگ روم سے کئی قہقہے اُبھرے۔

"تمہیں کیا چاہیئے لونکے؟" بالآخر بلند اقبال نے پوچھا۔

"میں تم سے بات کرنے آیا ہوں۔"

"لیکن میں تم سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتا۔"

"کیا مسئلہ ہوگیا ہے؟"

"تم میری وجہ سے ڈرائیورز یونین میں قدم رکھنے میں کامیاب ہوئے تھے لیکن اب تم ریکارڈنگ سکریٹری بن گئے ہو اور تم نے مجھ سے پوچھنے یا مجھے بتانے کی زحمت ہی گوارا نہیں کی۔"

"لیکن میں اب بھی مقامی برانچ کا وفادار ہوں۔" سیاستدان شہزادے نے ہونٹ دبا کر کہا۔

"برانچ کا وفادار؟" بلند اقبال کا لہجہ طنزیہ تھا۔ "تم تو برانچ کی الف بے بھی نہیں جانتے۔"

"تمہیں تو خوش ہونا چاہیئے کہ تمہاری برانچ کا ایک رکن بین الاقوامی عہدے دار ہوگیا ہے۔"

"یہ کوئی بڑی بات نہیں علی جواد نے مجھے بھی بیش کش کی تھی ناکام ہو کر اس نے میری اجازت کے بغیر میری برانچ کے ایک رکن کو اپنا سکریٹری بنا لیا ہے۔"

"کیا تمہیں میرے رویئے سے دکھ پہنچا ہے؟"

"دکھ!" بلند اقبال نے طنزیہ قہقہہ لگایا۔ "مجھے ایسی باتوں پر کوئی دکھ نہیں ہوا کرتا۔"

"یہ جھوٹ بولتا ہے، اسے بہت دکھ ہوا ہے۔" لونگ روم سے ایک عورت نے پکار کر کہا۔

بلند اقبال نے خشمگیں نگاہوں سے اُدھر دیکھا اور آگے بڑھ کر جھٹکے سے دروازہ بند کر دیا۔

"دیکھو، میں اب بھی برانچ کا وفادار ہوں اور اس کا ثبوت بھی ساتھ لایا ہوں۔" ٹائیگر نے خاکی رنگ کے کاغذ میں لپٹی ہوئی ورانتی بلند اقبال کے سامنے کر دی۔ "میں تمہارا یہ نشان اپنے دفتر میں لٹکاؤں گا۔"

بلند اقبال نے ورانتی ہاتھ میں لے کر دیکھنی شروع کر دی۔ خاکی کاغذ ٹائیگر کے ہاتھ میں ہی رہ گیا تھا۔ بلند اقبال ورانتی کو اُلٹ پلٹ کر دیکھتا رہا اور پھر اُسے شہزاد کو واپس دے دیا۔ اُس نے پہلے جیسی احتیاط کے ساتھ اُسے کاغذ میں لپیٹ لیا تاکہ اس پر کہیں اُس کی انگلیوں کے نشانات نہ لگ جائیں۔

بلند اقبال کے چہرے کے تاثرات واضح طور پر تبدیل ہوگئے تھے وہ اب خوش نظر آرہا تھا۔ بالآخر اُس نے ٹائیگر کی نامزدگی کی منظوری دے دی اور اس کے لیے نیک تمناؤں کا اظہار کر کے اُسے رخصت کر دیا۔

اپنے کمرے میں آکر ٹائیگر نے ورانتی کو احتیاط کے ساتھ اپنے بستر کے نیچے ڈال دیا۔ وہ کوشش کر رہا تھا کہ ورانتی پر سے بلند اقبال کی انگلیوں کے نشان مٹنے نہ پائیں۔ اس کے بعد وہ اس ہوٹل کی طرف روانہ ہوگیا جہاں جواد مقیم تھا۔

ڈیکسون ہوٹل میں جواد نے پورا فلور بک کرا رکھا تھا۔ اس فلور پر عمل جواد کی اجازت کے بغیر ایلیویٹرز کو رُکنے کی اجازت نہیں تھی۔ سیڑھیاں بھی مقفل کر دی گئی تھیں جب ریکارڈنگ سکریٹری شہزاد نے جواد سے ملنے کی خواہش کا اظہار کیا تو اسے انکار کر دیا گیا کہ وہ موجود نہیں۔

"وہ کہاں گیا ہے؟"

"معلوم نہیں۔" اوپر سے فون پر جواب دیا۔ "تم اس کے لیے پیغام چھوڑ سکتے ہو۔"

"نہیں، میں اوپر آرہا ہوں۔"

"تم ایسا نہیں کر سکتے، ایلیویٹرز اس منزل پر نہیں

گی اور سیڑھیاں مقفل کی جا چکی ہیں۔"

"میں پانچ منٹوں کے اندر اوپر پہنچ رہا ہوں۔" شہزاد نے کہا اور فون منقطع کر دیا۔

سیڑھیاں اٹھارویں منزل سے مقفل کی گئی تھیں۔ دروازہ حال ہی میں شاید جواد کے مطالبے پر ہی لگایا گیا تھا۔ شہزاد نے نئے دروازے کا جائزہ لیا اور پھر اسکرو ڈرائیور جیسی انگلیوں سے اُس کے نٹ بولٹ کھول ڈالے۔ جب وہ اندر داخل ہوا تو محافظ نے پھیلی ہوئی آنکھوں کے ساتھ اُسے دیکھا۔

"میں ابھی واپس آرہا ہوں۔" شہزاد نے نٹ بولٹس حیران ڈرائیور کے ہاتھوں پر رکھ کر آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

گارڈ نے شہزاد کا شانہ پکڑنے کی کوشش کی لیکن شانہ وہاں نہیں تھا۔ دوسری کوشش اُس نے شرٹ کے کالر پر کی لیکن کالر بھی شاید پھسل گیا تھا۔ اُس نے دوبارہ آگے بڑھنے کے لیے قدم اُٹھائے لیکن موٹی موٹی کلائیوں والے ہاتھ نے اُسے پیچھے دھکیل دیا۔ اُس کا سر کھلے دروازے سے ٹکرایا اور وہ گر کر بے ہوش ہوگیا۔

شہزاد نے کوریڈور کا جائزہ لیا جس میں کئی کمروں کے دروازے کھلتے تھے۔ اُس نے اندازہ لگایا کہ جواد چونکہ یونین کا سب سے اہم ترین آدمی ہے اس لیے اُس کے پاس سب سے بڑا سوئٹ ہوگا اور شہزاد کے خیال میں سب سے بڑا سوئٹ آخری ہی ہو سکتا ہے۔ شہزاد نے آگے بڑھ کر آخری سوئٹ کا دروازہ کھول دیا۔

"اوہ آئی ایم سوری۔" اندر کا نظارہ دیکھ کر فوری طور پر اس کی زبان سے یہی ادا ہوا تھا۔

"آئو کا بچہ۔" چالیس سالہ شخص نے دروازہ کھولنے والے کو گالی دی اور بستر سے اُٹھنے کی کوشش کرنے لگا لیکن اس کے ساتھ موجود سُرخ بالوں والی لڑکی نے اُسے خود سے دور نہیں ہونے دیا۔

"ہم تمہاری کیا خدمت کر سکتے ہیں؟" لڑکی نے بڑے احترام سے دریافت کیا۔ اُسے اس بات کی کوئی پروا نہیں تھی کہ وہ اس وقت کس صورت حال میں ہے۔ مرد نے البتہ ترکی کے بارے اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیے تھے۔

"کچھ نہیں، میں جواد کو تلاش کر رہا ہوں۔"

"جواد کہاں ہے؟" لڑکی نے اپنے پارٹنر سے پوچھا۔

"تم جاتے ہو یا میں گارڈ کو آواز دوں؟" بستر پر لیٹے ہوئے شخص نے دوبارہ اُٹھنے کی کوشش کی لیکن لڑکی کے وزن نے اُسے دوبارہ نیچے گرا دیا۔

شہزاد نے سُرخ بالوں والی کی طرف ہوائی بوسہ اُچھالا اور دروازہ بند کر کے پیچھے ہٹ گیا اگر جواد آخری سوئٹ میں نہیں تو پھر انہیں درمیانی سوئٹ میں ہونا چاہیئے اُس نے پھر دروازہ کھولا لیکن چھ زنانہ اور دو مردانہ پیروں نے اُسے بتایا کہ وہ پھر غلط جگہ آگیا۔ اُس نے تینوں لڑکیوں اور چوتھے مرد سے معذرت کی اور اگلے دروازے کی طرف بڑھا۔ وہاں اس سے بھی عبرت ناک نظارہ اس کا منتظر تھا اس نے لاحول پڑھی اور قوم کے ان عیاشوں پر لعنت بھیجتا ہوا گارڈ کی طرف بڑھ گیا جو اب کسمسا کر ہوش میں آرہا تھا۔ شہزاد کی کوششوں سے وہ معمول سے جلد ہوش و حواس کی دُنیا میں لوٹ آیا۔

"جواد کا اپارٹمنٹ کون سا ہے؟" شہزاد نے دریافت کیا۔

"پہلے سے دوسرا۔" گارڈ نے اپنا سر ٹٹولتے ہوئے کہا۔

"دفعہ تیرے کی!" شہزاد نے کہا اور اطمینان سے ہاتھ بڑھا کر گارڈ کی کنپٹی مسل دی اور وہ جو ابھی صحیح طرح ہوش میں بھی نہیں آیا تھا دوبارہ سو گیا۔

جواد کا سوئٹ یقینی طور پر سب سے بڑا تھا۔ لونگ روم کے فرش پر شفاف قالین، کھڑکیوں پر نفیس پردے، دیواروں پر پینٹنگز اور اعلیٰ درجے کا فرنیچر وہاں موجود تھا۔ شہزاد بڑے غور سے کمرے کا جائزہ لے رہا تھا۔

"کیا یہ تم ہو بنی؟" ایک دروازے کے پیچھے سے ایک عورت کی آواز آئی تو وہ چونک کر اُدھر متوجہ ہوگیا۔

"ہاں۔" شہزاد نے کھنکھار کر کہا تاکہ اُس کی آواز کے فرق کو محسوس نہ کیا جا سکے۔

"میری آنکھوں میں صابن پڑ گیا ہے، کیا مجھے تولیہ پکڑا دو گے ہنی؟" عورت نے دوبارہ کہا۔

شہزاد نے فوراً تولیہ لہرایا اور دروازہ کھول دیا جس کے عقب سے آواز آئی تھی۔ بھاپ کا ایک بھبکا اس کے منہ سے ٹکرایا۔ غسل خانے میں لگے ہوئے آئینے دھندلے ہو رہے تھے جبکہ شاور کرتی کے عقب سے پانی گرنے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ شہزاد نے ہاتھ بڑھا کر تولیہ آگے کر دیا۔

"آج کا دن کیسا گزرا ڈیئر؟" پردے کے پیچھے سے

Uploaded by Nadeem

پوچھا گیا۔

"او کے" شہزاد نے مختصر سا جواب دیا۔

"تمہیں آج اس شخص نے تنگ تو نہیں کیا؟" عورت نے دوبارہ پوچھا۔ "آخر وہ تم سے چاہتا کیا ہے؟"

"کون؟"

"ارے، تمہارا کیا خیال ہے میں کس کے بارے میں پوچھ رہی ہوں؟ بلیک جیگر وولف جسے تم نوبک کہتے ہو!"

"اوہ! شہزاد کے ہونٹ سیٹی بجانے والے انداز میں سکڑ گئے تو اس سارے کھیل کے پیچھے کوئی اور بھی ہے۔ عمارت کی تعمیر میں اس ڈرائیور لیڈر کا ذہن کارفرما نہیں تھا۔ میں بھی حیران تھا کہ ایک مشرقی مُلک کا ڈرائیور ایسے لوگوں سے بچاؤ کے لیے عمارت کس طرح تعمیر کر سکتا ہے جن کی تیکنیک کو وہ جانتا ہی نہ ہو۔ جو اُن کی لڑائی کے ڈھنگ سے واقف ہی نہ ہو۔

"کیا اس نے فون کیا تھا؟" شہزاد نے پوچھا اور یہیں اُس سے غلطی ہو گئی۔

شاور کا پردہ اُٹھا اور ایک بھیگے ہوئے خوب صورت چہرے نے باہر جھانکا اس کے خوب صورت بھورے بال اُس کے اُبھرے اُبھرے رُخساروں پر جمے ہوئے تھے اور ہری آنکھیں مسکرا رہی تھیں۔ اس کے ہونٹ نیم وا تھے جو مسکراتے ہوئے لگ رہے تھے۔

"تم جواد تو نہیں!" لڑکی نے کہا اور اُس ہونٹوں کی مسکراہٹ دم توڑ گئی۔ اُس نے خوب صورت پرنٹڈ لباس پہن رکھا تھا جو مغربی انداز کا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ تم نے آنکھوں سے صابن نکال لیا ہے!"

"فوراً یہاں سے دفع ہو جاؤ! لڑکی شاور کرٹن تھام کر غرائی! ورنہ میں گارڈ کو بُلاتی ہوں!"

"شروع ہو جاؤ!"

"گارڈ، گارڈ، گارڈ!" لڑکی نے چیخنا شروع کر دیا۔

"میرا نام شہزاد ہے، تمہارا کیا ہے؟"

"گارڈ، گارڈ، گارڈ!" وہ کوّے کی طرح مسلسل کائیں کائیں کیے جا رہی تھی۔

"جب تک وہ آئے، اس وقت تک اپنا نام ہی بتا دو!" لڑکی کا خوب صورت چہرہ غصّے سے بگڑا ہوا تھا۔ اس کی آواز پر کوئی محافظ نہیں آیا تھا۔

"پلیز یہاں سے چلے جاؤ!" اب لڑکی نے دوسرا رُخ آزمایا۔ "دیکھو میں یہاں تنہا ہوں اور پھر تنہا لڑکیوں کے کمرے میں آنا کوئی اچھی بات نہیں ہے پلیز!"

لیکن پلیز کیا اگر وہ پولیس بھی کہتی تو شہزاد کے کان پر جُوں نہ رینگتی۔ وہ بدستور کھڑا رہا۔

لڑکی چند ثانیے اس کا جائزہ لیتی اور پھر ایک طویل سانس لے کر اس سے مخاطب ہوئی! "آل رائٹ، کیا چاہتے ہو؟" وہ اس حالت میں بھی خوب صورت لگ رہی تھی۔ اب وہ ایک بزنس وومن تھی۔

"نوبک کون ہے؟"

"یہ میں نہیں بتا سکتی، پلیز چلے جاؤ!"

شہزاد نے نفی میں سر ہلایا۔

"دیکھو مسٹر! اگر جواد نے تمہیں یہاں دیکھ لیا تو فوری طور پر تمہیں مار ڈالے گا!"

"ہو سکتا ہے وہی مجھے بتا دے کہ نوبک کون ہے؟"

"اگر تم جاننا چاہتے ہو کہ نوبک کون ہے تو شہر سے باہر ایک عمارت ہے وہ وہیں رہتا ہے!"

"تمہارا نام کیا ہے؟"

"عالیہ! اب تم یہاں سے جاؤ، کم از کم مجھے باہر تو آنے دو!"

شہزاد کچھ کہے بغیر مڑ کر لونگ روم میں آ گیا۔ کافی دیر ہو گئی لیکن عالیہ باہر نہیں نکلی۔ وہ ابھی دوبارہ اُٹھنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ وہ اندر داخل ہوئی وہ بے حد خوبصورت لڑکی تھی۔

"میں تم سے محبت کرنے لگا ہوں!" شہزاد نے فوراً سچے عاشقوں کی طرح اُٹھ کر اس کا استقبال کیا۔

"جواد رقیبوں کو قطعاً پسند نہیں کرتا!" عالیہ نے جواب دیا۔ اس کے چہرے سے ناراضگی کے تاثرات ختم ہو گئے تھے۔

"پھر میں اُس سے ڈوئل لڑنے کو ترجیح دوں گا!"

"مجھے افسوس ہے کہ میں تمہیں کچھ کھانے کی آفر نہیں کر سکتی کیونکہ جواد کی اجازت کے بغیر یہاں سے کوئی آ جا نہیں سکتا!"

"لیکن ہم بھاگ سکتے ہیں!"

"نہیں، تمام جگہ کو کل دوپہر تک کے لیے مقفل کر دیا گیا ہے اُس کے بعد موجود ہر شخص اس نئی عمارت کے لیے روانہ ہو جائے گا!"

شہزاد نے اثبات میں سر ہلایا! "تمہارا پسندیدہ کھانا کون سا ہے؟"

"اطالوی!"

"تو پھر آؤ آج میں تمہیں اطالوی کھانا کھلاتا ہوں!" شہزاد نے بے تکلفی سے یوں عالیہ کا ہاتھ تھاما جیسے وہ جواد کی نہیں اس کی گرل فرینڈ رہی ہو۔

"کیا گارڈ کو قتل کر کے مجھے باہر لے جاؤ گے؟" عالیہ نے ہنستے ہوئے کہا لڑکی میں چند ہی لمحوں کے اندر بڑی زبردست تبدیلی آئی تھی۔

"اب اُٹھ بھی چکو!"

"میں تو مذاق کر رہی تھی!"

"لیکن میں مذاق نہیں کرتا، پہلے اطالوی کھانا کھائیں گے اور اس کے بعد کسی پُرسکون گوشے میں بیٹھ کر ایک دوسرے سے محبت کریں گے!"

"منہ دیکھا ہے کبھی آئینے میں؟"

"آئینہ شرماتا ہے مجھ سے!" شہزاد نے کہا۔ "لیکن آج تو تمہاری آنکھوں میں اپنی شکل دیکھوں گا!"

"بڑا اعتماد ہے خود پر؟"

جواب دینے کی بجائے شہزاد نے اُسے دروازے کی طرف دھکیل دیا۔

جب عالیہ نے دروازے کے پاس بے ہوش محافظ کو دیکھا تو حیرت زدہ رہ گئی! "جب جواد کو معلوم۔۔۔!"

"یہ کیا جواد، جواد لگا رکھا ہے تم نے!" شہزاد نے اُسے ٹوک دیا! "کچھ دیر میرے ساتھ گزارو گی تو اُسے بھول جاؤ گی!"

دونوں نے کھانا کھایا اور ایک گھنٹے کے بعد ایک پارک کے تنہا گوشے میں کھڑی کار کی عقبی نشست پر بیٹھی عالیہ گنگنا رہی تھی۔

"تم بہت اچھے ہو شہزاد، ونڈرفل! اس دُنیا میں تمہارے جیسا کوئی ہو ہی نہیں سکتا!"

شہزاد مسکرایا اور اُسے لے کر نیچے اُتر آیا۔ دونوں نے تنہا باغ میں پہل قدمی شروع کر دی تھی۔

"کیا تمہیں مجھ پر اعتماد ہے ہنی؟"

"تم نے مجھے ہنی کہا؟" عالیہ اُس کے شانے سے لپٹ گئی! "میں تم پر بہت زیادہ اعتماد کرنے لگی ہوں!"

"لعنت ہو نئی تہذیب پر!" شہزاد نے جی ہی جی میں سوچا ایک گھنٹے نے سالوں کی رفاقت اور اعتماد کی ایسی تیسی پھیر دی تھی، واہ ری عورت تیرے بھی کتنے رُوپ ہیں۔

شہزاد اُسے لے کر ایک خالی بنچ پر بیٹھ گیا اور پھر اُس کی کمر میں بازو ڈال کر اُس سے باتیں کرنے لگا۔

"ڈارلنگ!" اُس نے دُنیا بھر کی شیرینی اپنے لہجے میں سموتے ہوئے کہا۔ "مجھے اپنے اور جواد کے بارے میں بتاؤ! یونین اور اُن ملکوں میں رہنے والے آدمیوں کے بارے میں بتاؤ سب سے بڑھ کر یہ نوبک کون ہے؟"

اور وہ شروع ہو گئی۔ شہزاد کے پیار کے سامنے میں وہ یوں کھلنا شروع ہوئی جیسے پیاز کے پرت اُترتے ہیں اُس نے شہزاد کو بتایا کہ کس طرح جواد سے اُس کی ملاقات ہوئی تھی۔ شہزاد نے اُس سے پوچھا کہ جواد کو رقم ملنی کب شروع ہوئی تھی۔ عالیہ اُسے جواد میں رونما ہونے والی تبدیلیوں کے بارے میں بتاتی رہی۔ شہزاد نے پوچھا کہ کیا یہ رقم نوبک فراہم کرتا ہے عالیہ نے اُسے شہر سے باہر بننے والی عمارت کے بارے میں بتایا کہ جواد کا زیادہ تر وقت وہیں گزرتا تھا اور وہ کئی دنوں تک اُسے تنہا چھوڑ کر چلا جایا کرتا تھا۔ عالیہ کے پاس عمارت کی ایک جاپانی بھی موجود تھی۔ اُسے ان لوگوں سے بھی شکایت تھی جو جواد کے ساتھ اُسی فلور پر مقیم تھے۔ وہ جواد کے دوست تھے اور دوسری تین یونینوں کے صدور بھی تھے جو کل اُس کے ساتھ شامل ہونے کا اعلان کرنے والے تھے۔

عالیہ نے بتایا کہ وہ سارے اپنی بیویوں کے وفادار نہیں ہیں اس بات پر شہزاد کو بے اختیار روبی یاد آ گئی وہ تو بے وفا قسم کا تھا لیکن اُس نے سر جھٹک کر اُسے ذہن سے نکال دیا۔ وہ بھلا کوئی بیوی تھوڑی تھی۔ ایسے وقت میں اُس کی سوچ کیونکر آ گئی۔

وہ پھر عالیہ کی باتوں میں کھو گیا جو اُسے بتا رہی تھی کہ وہ جواد کی محبوبہ ہی نہیں اُس کی پرائیویٹ سکریٹری بھی ہے اور اس کا انتخاب اس بنا پر عمل میں آیا تھا کہ اس کی یادداشت بہت تیز تھی اور وہ ریکارڈ فائلوں میں رکھنے کے ساتھ اپنے ذہن میں بھی محفوظ رکھتی تھی۔

شہزاد نے پُرخیال انداز میں سر ہلایا۔ اُس نے اس کمپیوٹر ٹائپ لڑکی کے ذہن سے فائدہ اُٹھانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

❁ سفیر اے النگٹن جانسن معمول کے مطابق صبح نو بجے بیدار ہو کر پندرہ منٹ کی ورزش میں مصروف ہو گیا۔ جس کے بعد اُس کے ایڈی نے اُسے تازہ خبروں اور واشنگٹن سے ملنے والے پیغامات اور یہاں گورملوں کی جدوجہد کے تازہ ترین

حالات سے آگاہ کیا۔ کمیونسٹ گوریلوں نے اپنی جدوجہد تیز کر دی تھی اور اب اُن کے قدم سان سلوا ڈور کے شہر تک آ پہنچے تھے۔

روزانہ صبح سویرے اُٹھ کر ورزش کرنا اور پھر ایڈی کی بات چیت سُننا اُس کا معمول تھا۔ ایک میڈیکل ڈاکٹر ہونے کے ناتے جانسن کو علم تھا کہ ورزش اس کے جسم کے لیے کتنی ضروری ہے وہ اصولی طور پر انتظامیہ میں ملازمت کا خواہشمند بھی نہیں تھا۔ واشنگٹن ڈی سی میں اس کا شمار قابل ترین سرجنوں میں ہوتا تھا اور اسی وجہ سے ری پبلکن پارٹی میں اُس کے بہت سے دوست تھے۔ اسے سفیر بنا کر شاید اُن لوگوں نے حق دوستی ہی ادا کیا تھا۔ اس بات میں اس کی بیوی کو بھی دخل تھا۔ وہ مقامی افراد کی طرح ہی بولتا تھا۔ اس سے پہلے وہ دو سال میکسیکو میں گزار چکا تھا اور پھر اُسے چار سال کے لیے یہاں بھیج دیا گیا تھا مگر اب اُس نے فیصلہ کیا تھا کہ مزید ملازمت وہ ہرگز نہیں کرے گا۔

وہ پچپن سال کا تھا اور سفارتی کھیل کھیلنے کے تو اصل کے مطابق بوڑھا ہو چکا تھا لیکن انتظامیہ نے اس بڑھاپے میں بھی اُسے سُولی پر لٹکنے کا فیصلہ کیا تھا۔

ذرا سے وقفے کے بعد اب ایڈی اسے بین الاقوامی... صورت حال سے آگاہ کر رہا تھا۔ خود سفیر اس وقت ٹائیگل پر بیٹھا پیر چلا رہا تھا جس کے بعد اُسے شاور لینے جانا تھا۔

"مسٹر ایمبیسیڈر!" اُس کے ایڈی نے اُسے مخاطب کیا۔ "یہ مت بھولیے گا کہ آپ نے آج ساڑھے دس بجے اُس شخص سے ملنا ہے جو ہوس مورالز سے آپ کی ملاقات کا انتظام کرنے والا ہے۔ سینور مورالز کا خیال ہے کہ وہ گوریلوں سے براہ راست بات چیت کرے گا۔"

"مجھے یاد ہے۔" سفیر نے کہا اور ٹائیگل سے اُتر کر باتھ روم کی طرف بڑھ گیا۔

ایک گھنٹے بعد ایک لمبی لیکن کانٹی نینٹل شہر کے مضافات میں رُکی۔ یہ ایک ویران لیکن چھوٹی سڑک تھی۔ ایڈی نے اسے بتایا کہ یہاں زیادہ تر غریب طبقہ رہائش پذیر ہے۔ جانسن نے خود بھی محسوس کیا تھا کہ یہاں رہنے والے صرف معاشی وسائل سے ہی دوچار نہیں بلکہ وہ بیماریوں کے ہاتھوں بھی بڑے تنگ ہوں گے۔ کاش اُسے اتنا وقت مل جاتا کہ وہ ان لوگوں کے لیے کچھ کر سکتا۔ وہ یہاں بھی ایک کلینک کھولنا چاہتا تھا لیکن اتنا وقت کس کے پاس تھا! ایک میٹنگ ختم ہونے سے پہلے ہی دوسری میں شرکت کی ہدایات مل جاتی تھیں۔ ان اجلاسوں اور مذاکرات نے تو اس کی نجی زندگی کو بھی پھیکا بنا دیا تھا۔

جس فلک سے سفیر آیا تھا وہ چاروں طرف سے بلٹ پروف شیشوں اور آہنی چادر پر گولی اثر نہیں کرتی تھی۔ اس کا انجن بھی خصوصی تھا اور یہ کھلی شاہراہ پر ۱۲۵ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے دوڑ سکتا تھا۔ یہ دو زمینی سُرنگوں سے بچاؤ کے لیے کار کے نیچے ایک موٹی آہنی چادر نصب تھی۔

سفیر کی خواہش تھی کہ وہ کھڑکی کا شیشہ نیچے اُتار کر نظارہ کرے لیکن جب سے السلوا ڈور کو خطرے کا "ریڈ زون" قرار دیا گیا تھا کاروں کے شیشے ایک انچ کھولنے پر بھی پابندی لگا دی گئی تھی۔ وہ ائرکنڈیشنڈ کار کی عقبی سیٹ پر بیٹھا محض اپنی بیٹی کے بارے میں ہی سوچتا رہ گیا۔ جو ایک بیلے اسکول میں ڈانس کی تربیت مکمل کر رہی تھی۔

سفیر کے علاوہ کار میں دو افراد اور موجود تھے۔ اس کا شوفر اور باڈی گارڈ ولز جس کی سفیر کے خیال میں کوئی ضرورت نہیں تھی۔ اُس کے ایڈی نے بھی ساتھ آنا تھا لیکن آخری لمحے پر اُس نے اپنی روانگی منسوخ کر دی تھی۔

"وہ لوگ کہاں ہیں؟" سفیر نے اپنے برابر بیٹھے ہوئے شخص سے دریافت کیا جو اسرائیل کی بنی ہوئی یوزی سب مشین گن سے چھیڑ چھاڑ میں مصروف تھا۔

"وہ بیس منٹ لیٹ ہیں۔" ولز نے سیٹ پر پہلو بدلتے ہوئے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ میں باہر نکل کر صورت حال جانچ لوں۔"

"میرے خیال میں ہمیں چلتے رہنا چاہیے۔ یہ علاقہ اچھی شہرت کا نہیں ہے۔"

ولز نے بلا ارادہ خفہ چلایا۔ "آپ درست کہتے ہیں لیکن ایک لمحے کے لیے اُتر کر دیکھ لینے میں کیا حرج ہے؟"

ولز نے اگلی اور پچھلی نشستوں کو الگ کرنے والے شیشے پر دستک دی اور دروازہ غیر مقفل کرنے کا اشارہ کیا۔ فوراً ہی کلک کی آواز سنائی دی اور دروازے کا تالا کھل گیا۔

"میں ابھی آرہا ہوں۔" ولز نے دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔ لیکن وہ جونہی کار سے اُترا اس کا چہرہ خون اور ہڈیوں کے ٹکڑوں میں تبدیل ہو گیا۔ ریوالور سے ایک چلائی گئی گولی اس کے جبڑے اور ناک کو چیرتی ہوئی نکل گئی تھی۔

فوری طور پر چھ گولیوں کا ایک اور برسٹ اس کی طرف آیا۔ دو اس کے سینے میں لگیں۔ ایک سیدھی اُس کی بائیں آنکھ میں جا دھنسی اور

ایک اُس کے پیٹ میں لگی تھی۔ دو گولیاں کار کی باڈی سے ٹکرائی تھیں۔ ولز کا بدن نیم معائنہ اُڑھا ہو کر نصف زمین پر اور نصف کار کے اندر گرا۔

"جلدی چلو۔ ڈاکٹر جانس چیخا۔ ڈرائیور نے فوراً تعمیل کی۔ بھاری بھرکم کار کا انجن گرجا۔ کار جونہی آگے بڑھی ولز کا بدن بھی ڈور تک اس کے گھسٹتا چلا گیا لیکن پھر وہ زمین پر رہ گیا۔

کار پر مزید فائرنگ نہیں ہوئی تھی لیکن سڑک کے نشیب سے ایک راکٹ لانچر فائر ہوا۔ گردی ساخت کا بنا ہوا میزائل کار کی بائیں جانب اس کے اگلے پہیے سے ٹکرا کر پھٹا۔ بونٹ کا بایاں حصہ تباہ ہو گیا اور کار ایک سائیڈ کو گر گئی۔ ڈرائیور کا سر پوری قوت سے موٹے شیشے کے ساتھ ٹکرایا اور خربوزے کی طرح دو ٹکڑے ہو گیا۔ اس کا مردہ جسم پُرشور آواز کے ساتھ بیک ونڈ سیٹ پر گرا۔ کار نے ایک لڑھکنی کھائی اور پھر رُک گئی۔

عقب میں ڈاکٹر جانسن جو سیٹ کی داہنی جانب بیٹھا ہوا تھا ابھی تک اپنی سیٹ بیلٹ باندھے ہوئے تھا۔ دھماکے سے وہ بھی عجمی کشن سے ٹکرایا تھا لیکن اُسے کوئی چوٹ نہیں لگی تھی۔ اس وقت وہ یہی سوچ رہا تھا کہ گوریلے کہیں قریب میں موجود ہیں اس لیے وہ کس طرح فرار ہو سکتا ہے؟

پھر اُسے باہر سے متعدد آوازیں سنائی دینے لگیں۔ وہ لوگ ہسپانوی بول رہے تھے۔ وہ اُن کی ساری باتیں تو نہیں سمجھ سکا لیکن مطلب کے جملے اُس کے پلے پڑ گئے تھے۔ آوازیں بتا رہی تھیں کہ سفیر کار میں موجود ہے۔ پھر سفیر کے ساتھ والا دروازہ کھولا اور ایک چہرے نے اندر جھانکا۔ جھانکنے والے کے جبڑے مضبوط، آنکھیں چھوٹی اور گال بھرے بھرے تھے۔ اس نے سبز رنگ کی گوریلا یونیفارم پہن رکھی تھی۔

"ہم تمہاری کار روکنے پر معذرت چاہتے ہیں مسٹر ایمبیسیڈر! لیکن ہم تم سے بات کرنا چاہتے تھے اور اس کے علاوہ ہمارے پاس کوئی دوسرا راستہ موجود نہیں تھا۔ اب براہ کرم سیٹ بیلٹ کھول کر کار سے باہر آجاؤ۔"

سیاہ فام بالکل درست انگریزی بول رہا تھا۔ ڈاکٹر جانسن نے اُسے ہسپانوی میں جواب دیا تھا۔

"میں تمہارے کہے پر ضرور عمل کروں گا لیکن تم مجھے اپنا نام اور اور اپنے گروپ کے بارے میں بتاؤ گے؟"

"یہ ضروری نہیں ہے۔" گوریلے نے جواب دیا۔ "ناموں کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ اب باہر آجاؤ۔"

سفیر نے کوئی اور سوال کرنے کی بجائے سیٹ بیلٹ کھولی اور شیشے کی کھڑکی ہوئی کار سے باہر نکل آیا۔ گوریلے نے اس میں اُس کی مدد کی تھی۔

گوریلے نے احتراماً اپنی پی کیپ کو چھوا اور سفیر سے مخاطب ہوا۔

"مسٹر ایمبیسیڈر! ہم نے سنا ہے کہ تم ایک اچھے آدمی ہو، تم ہماری زبان بول لیتے ہو، ہمارے مسائل سمجھتے ہو اور چاہتے ہو کہ ہم دوبارہ ایک قوم کی صورت میں متحد ہو جائیں۔ ہمیں اُمید ہے کہ یہ سچ ہوگا! اب میرے ساتھ چلو میں ایک طویل سفر کرنا ہے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ میں قیدی ہوں۔"

"تم اگلے چند دن ہمارے معزز مہمان کی حیثیت سے گزارو گے اور اس عرصہ میں ہم تمہارے رہنماؤں سے بات کریں گے۔"

سفیر نے غور سے گوریلے کو دیکھا۔ "تمہارے بازو کا یہ زخم کتنا پرانا ہے؟" اس کا اندر کا ڈاکٹر بیدار ہو گیا تھا۔ "اس کے علاج کی ضرورت ہے میرا میڈیکل بیگ بھی اُٹھا لو وہ اگلی سیٹ پر رکھا ہوا ہے۔"

گوریلے نے اثبات میں سر ہلایا اور اُس کے اشارے پر ایک دوسرے گوریلے نے آگے بڑھ کر بیگ سیٹ سے اٹھا لیا بیگ کا سیڈل تھم ہو گیا تھا اور ایک طرف سے اس کا چمڑا بھی مسکا ہوا تھا لیکن اندر رکھی ہوئی چیزیں محفوظ تھیں۔

"اس گندی پٹی کو اتار پھینکو۔" ڈاکٹر جانسن کو اپنے ڈاکٹر ہونے کے ناتے اپنے تحفظ کا احساس ہو گیا تھا۔

"فی الحال ہمیں روانہ ہونا ہے تم اس کا علاج رات کو کرنا جب ہم قیام کریں گے۔ تمہاری تلاش تو فوری طور پر شروع ہو جائے گی لیکن ہم کل صبح سے پہلے تمہارے سفارت خانے کو نہیں بتائیں گے کہ تم ہمارے مہمان ہو۔ ہم تمہاری بیگم سے معذرت خواہ ہیں لیکن ہمیں افسوس ہے کہ اپنی بقاء کے لیے ہم یہ سب کرنے پر مجبور ہیں۔"

ایک پرانا ٹرک اُن کے قریب آکر رُک گیا۔ چھ آدمی اُتر کر ڈاکٹر اور گوریلے کے قریب پہنچ گئے اور وہ چل پڑا۔

ڈاکٹر کو یہ علم ہو گیا تھا کہ اب تک اُس سے بات چیت کرنے والا گوریلا ان کا لیڈر ہے۔ ٹرک کے اندر اندھیرے میں وہ اس کے قریب ہی بیٹھا ہوا تھا پھر اندھیرا دور کرنے کے لیے ایک لالٹین جلا دی گئی اور ڈاکٹر گوریلا لیڈر کے اور قریب کھسک آیا۔

"اب میں تمہارا علاج کروں گا۔" ایمبیسیڈر ڈاکٹر جانس نے کہا۔ "اگر تم کیپٹن نہیں ہو تو میں نے تمہیں اس عہدے پر ترقی دی اور

Uploaded By Nadeem

اگر تم جنرل ہو تو میں تم سے معذرت خواہ ہوں۔"

گوریلا خاموش رہا البتہ اس نے اپنا زخمی بازو آگے کر دیا۔ زخم خاصا خراب تھا گولی نے کھال میں خاصا گہرا زخم کر دیا تھا۔

"تم خوش قسمت ہو کہ ہڈی کو نقصان نہیں پہنچا۔" ڈاکٹر نے گوریلے کو بتایا۔ اُس نے الکحل لے کر زخم کو صاف کرنا شروع کر دیا۔ کیپٹن سسکاریاں بھرتا رہا اور پھر ڈاکٹر نے دوا لگا کر پٹی باندھ دی۔

"اگر کوئی اور گولی نہ لگی تو دو ہفتوں میں زخم ٹھیک ہو جائے گا۔" ڈاکٹر نے اُسے بتایا۔ "اور ہاں ہر دو دن بعد پٹی ضرور تبدیل کرا لینا۔"

آس پاس بیٹھے ہوئے گوریلے بے اختیار ہنس دیے۔

"شکریہ۔" کیپٹن نے اُسے دائیں ہاتھ سے سلیوٹ کیا۔ "لوگ درست کہتے ہیں تم واقعی ایک اچھے آدمی ہو۔"

"ہم کہاں جا رہے ہیں؟"

"مجھے افسوس ہے کہ یہ میں نہیں بتا سکوں گا، لیکن تم خود اندازہ لگا سکتے ہو کہ یہ شہر بہرحال نہیں ہے۔ ہمارا سفر شمال کی جانب ہے اور میرے خیال میں تم یہ بھی جانتے ہو الف ایم این ایل کے گوریلے کہاں ہوتے ہیں؟"

"کیا تم انگو گلیمو نامی شخص کو جانتے ہو۔ کیا وہ ایک باوقار آدمی ہے؟"

"ہاں۔" گوریلے نے اثبات میں سر ہلایا۔ "پہلے یہ سن لو کہ میں صرف ایک لیفٹیننٹ ہوں۔ انگو گلیمو واقعی باوقار آدمی ہے کیونکہ وہ میرا لیڈر ہے اور وہ ایک مارکسٹ ہے۔"

"کیا تم بھی مارکسٹ ہو کیپٹن؟"

"ہاں! اُس وقت تک، جب تک میں زندہ ہوں۔"

"کیا تمہارے سارے آدمی بھی؟"

"اِن سے پوچھ لو۔"

وہ اُس وقت بھی باتیں کر رہے تھے جب ٹرک اچانک رُک گیا۔

دروازہ کسی نے بیرونی سمت سے کھولا اور سارے فوجی بیک وقت اُٹھ کر نازہ ہوا میں جانے کے لیے بڑھ گئے۔ ڈاکٹر جانسن نے از خود اپنے میڈیکل بیگ کے ہمراہ نیچے چھلانگ لگا دی۔

وہ کافی کے ایک باغ میں موجود تھے لیکن قریب میں کوئی عمارت موجود نہیں تھی۔ ٹرک ایک ڈھلان پر کھڑا کیا گیا تھا اور ڈاکٹر جانسن کو چاروں طرف کافی کے درختوں کے علاوہ کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔

"کافی چننے والے لوگ کہاں ہیں؟" ڈاکٹر نے دریافت کیا۔

"وہ ایک میل دُور واقع گاؤں میں رہتے ہیں۔"

"پھر ہمیں وہیں چلنا چاہیے۔ میں چاہتا ہوں سفیر کی حیثیت سے تمہارے عزیب عوام کو دیکھوں۔ آؤ چلو! بے فکر رہو میں بھاگوں گا نہیں۔"

اور وہ گاؤں کی طرف روانہ ہو گئے تھے۔

رات کو ڈاکٹر جانسن گاؤں سے باہر کافی کے درخت کے نیچے مٹی میٹریس ڈال کر سویا۔ اُس نے گاؤں کے دورے کے دوران ۳۴ مریضوں کا علاج کیا تھا.....

اُسے آج کا دن السلواڈور میں گزارے ہوئے دو سالوں کا سب سے اچھا دن لگا تھا۔ اُس نے مطمئن انداز میں سر ہلایا اور نیند کی وادیوں میں کھو گیا۔

تین دوسری ٹرانسپورٹ یونینوں کے صدور کی بیگمات مسلم آباد کے مختلف ہوٹلوں میں مقیم تھیں۔ انھیں ان کے شوہروں نے بتایا تھا کہ وہ ۱۰ بجے بے حد مصروف رہیں گے اور انھیں صرف فون کے ذریعے رابطہ قائم کرنے کی اجازت دی گئی تھی کیونکہ بقول ان کے اُن کا کام بے حد خفیہ اور اہم نوعیت کا تھا۔

عالیہ نے شہزاد کو بتایا تھا کہ بیگمات کے اخراجات کے لیے خاصی بھاری رقوم دی گئی ہیں۔

"جواد کا خیال ہے کہ بیویاں، شوہروں پر سب سے زیادہ اثر انداز ہوتی ہیں اس لیے وہ چاہتا ہے کہ ان اہم فیصلوں کے ہونے تک وہ اپنے شوہروں سے دُور رہیں۔"

شہزاد اور عالیہ اس وقت "دی پیپی ڈے" ان کے سامنے ایک کار میں بیٹھے تھے۔

"کیا یونین کے لوگ عورت سے بیزار ہیں؟"

"نہیں۔" عالیہ نے فوراً جواب دیا۔ "جواد نے انھیں رقوم کے علاوہ خوب صورت لڑکیاں فراہم کی ہیں۔ بس وہ انھیں بیویوں سے دُور رکھنا چاہتا ہے۔"

"اُس کے خیال میں وہ جو کچھ کر رہا ہے کیا پارلیمنٹ اُس کی منظوری دے دے گی؟"

"پارلیمنٹ صرف قانون منظور کر سکتی ہے لیکن وہ ٹرک نہیں چلا سکتی، جہاز نہیں اڑا سکتی اور نہ گوری سے سامان اُتار سکتی ہے۔"

"جواد نے ملاحوں کو شامل کیوں نہیں کیا؟"

"اُسے اُن کی ضرورت نہیں۔" عالیہ نے بتایا۔ "اس کے بقول وہ ایک بوجھ کی طرح ہیں اگر گاڑی پر سامان اُتارنے والے ہڑتال کر دیں تو ملاح سوائے گلی ڈنڈا کھیلنے کے کسی کام کے نہیں اسی وجہ سے۔"

"کیا ساری نوک کی منصوبہ بندی ہے؟"

"ہاں، یہ سب اُسی کا کیا دھرا ہے۔"

"ٹھیک ہے بہشہزاد لے اس کے گال تھپتھپائے۔ "تم یہیں بیٹھو، میں اوپر جا رہا ہوں۔"

"کمرہ نمبر تھری جے۔" عالیہ نے اُسے یاد دلایا۔

شہزاد نے سر ہلایا اور اندر چلا گیا۔ رات کے تین بج چکے تھے اور دُور دُور تک سناٹا تھا۔ پیپی ڈے کا کاؤنٹر کلرک بھی اُونگھ رہا تھا۔ شہزاد دبے قدموں سے اس کے قریب سے گزرتا چلا گیا۔ تھری جے تیسری منزل پر تھا۔

"مجھے مسز رافیل سے ملنا ہے۔" اُس نے تھری جے کے دروازے پر دستک کے جواب میں آنے والی مینڈیں ڈولتی عورت کو بتایا۔

"میرا ہی نام آمنہ رافیل ہے بولو؟"

"میں شہزاد ہوں اور میرا تعلق مسلم آباد فیڈرل پولیس سے ہے۔"

رافیل کے چہرے سے نیند اور غصے کے تاثرات یکدم غائب ہو گئے۔ وہ ہمہ تن گوش ہو گئی تھی۔

"یہاں میرے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔"

"لیکن میں تمہیں کچھ کہنے نہیں آیا۔ کہ میرے پاس تمہارے شوہر کے لیے ایک بُری خبر ہے۔"

"اللہ خیر کرے۔" اُس کے مُنہ سے بے اختیار نکلا پھر جیسے اُسے کچھ یاد آ گیا۔ "میں تمہارا بیج دیکھ سکتی ہوں؟"

"کیوں نہیں؟" شہزاد نے اپنا بٹوا کھولا۔ اس میں ایک فردی ڈالر کا سکہ رکھا ہوا تھا۔ اُس نے دُور سے اُس کا نظارہ کرا دیا اور عورت مطمئن انداز میں سر ہلانے لگی۔ اندھیرے میں اسے ڈالر بیج ہی لگا تھا۔

"اندر آ جاؤ۔"

ڈیکٹو سارجنٹ شہزاد آف مسلم آباد پولیس نے اندر صوفے پر بیٹھ کر مسز رافیل کو اس کے شوہر کے کرتوت بتانے شروع کیے۔ اُس نے بتایا کہ علی جواد انھیں یونین میں شامل کرنے کے لیے خوب صورت لڑکیوں کو بطور چارا استعمال کر رہا ہے لیکن اس میں اس کے شوہر کا کوئی قصور نہیں وہ بے چارہ اپنی [illegible] میں مارا گیا ہے۔

اور آمنہ اپنے شوہر کو معصوم تسلیم کرنے کو تیار نہیں تھی جوں جوں شہزاد رافیل کو بے گناہ قرار دیتا گیا توں توں آمنہ کے مُنہ سے نکلے ہوئے مغلظات کے وزن میں اضافہ ہوتا جاتا۔

"اگر تم اپنے شوہر کو ساتھ لے کر صبح سویرے شہر چھوڑ دو تو ہم اُسے زنا کے جرم میں گرفتار نہیں کریں گے۔"

آمنہ نے اثبات میں سر ہلا کر اسے یقین دلایا کہ وہ ایسا ہی کرے گی۔

ساڑھے چار بجے صبح شہزاد کی کار کی عقبی نشست پر تینوں صدور کی بیگمات بیٹھی تھیں۔ وہ تینوں آپس میں اپنے شوہروں کی بیوفائیوں کے رونے رو رہی تھیں اور شہزاد عالیہ نہایت مسکرا رہے تھے۔

ٹھیک اسی وقت شہر سے باہر بنی ہوئی ایک نئی عمارت کے اندرونی باغ میں علی جواد پریشانی اور بوکھلاہٹ کے انداز میں اپنے دونوں ہاتھ ملنے میں مصروف تھا۔

"ہم اُس شخص کو کسی قیمت پر نظر انداز نہیں کر سکتے۔" جواد نے ڈوبتی اُبھرتی آواز میں کہا۔ "اب تو وہ عالیہ کو بھی اپنے ساتھ لے گیا ہے۔"

"لیکن اس کی موت اس لیے ضروری نہیں کہ وہ تمہاری محبوبہ کو لے بھاگا ہے بلکہ وہ اس لیے زیادہ خطرناک ہے کہ اسے تمہاری سرگرمیوں اور منصوبہ بندیوں کا علم ہے۔"

"ہم نے تو روڈ رولر سے بھی اُسے مارنے کی کوشش کی تھی لیکن وہ بچ نکلا نوبک۔"

"مگر اب میں جو منصوبہ بنا رہا ہوں اُس سے وہ کبھی بچ نکلنے میں کامیاب نہیں ہو سکے گا۔" جواد کے سامنے بیٹھے نوبک نے بتایا۔ "تم اپنے ستائیس آدمیوں کو تیار کر لو۔"

"ستائیس آدمی؟" جواد نے حیرت سے کہا۔ "ایک بوڑھے اور ایک جوان کے لیے؟"

"ہاں۔" نوبک نے جواب دیا۔ "جسے تم بوڑھا کہہ رہے ہو تم جیسے چار تو میوں کو بغل میں دبا کر پوری رفتار سے دوڑ سکتا ہے۔ گولیاں اور بم اس کے لیے ایجاد نہیں ہوئے وہ ان سے دُور کی شے ہے۔"

"تب تو ہمیں کسی صحرا میں جانا ہو گا۔"

"بے وقوفی کی باتیں مت کرو۔" نوبک نے جواد کو ڈانٹا۔ "ہوٹل صبیح رہے گا انھی کے کمرے، انھی کے کوریڈور۔"

Uploaded By Nadeem

"مجھے ڈر لگ رہا ہے۔" جواد نے بچوں کی طرح کہا۔

"یہ تمہارا فیصلہ ہے چاہو تو الگ ہٹ جاؤ۔"

"تمہیں میری ضرورت ہے تم میرے بغیر کچھ نہیں کر سکتے۔"

"لیکن جب تم مجھے ملے تو کیا تھے؟ ایک گندی نالی کے کیڑے۔" ٹوبک نے طنزیہ انداز میں کہا۔ "ایک تیسرے درجے کے شاپ اسٹیورڈ کو میں نے آج کا علی جواد بنا دیا۔ میں نے تمہارے ساتھ جو کچھ کیا ہے وہ میں کسی اور کے ساتھ بھی کر سکتا ہوں۔ میں نے تمہیں پیار اور نفرت کے ڈھنگ سکھائے ہیں۔ میں نے تمہیں انٹرنیشنل بزنس مین آف دی ایئر کا عالمی صدر بنوایا ہے تو کوئی اور بھی بن سکتا ہے مجھے تمہاری ضرورت نہیں بلکہ میں تمہیں استعمال کرتا ہوں۔ مجھے حیرت ہے کہ تمہیں اب تک اس کا احساس نہیں ہوا؟"

"لیکن تم نے تو کہا تھا کہ مجھ میں کام کی صلاحیتیں ہیں اور تم صرف میری مدد کرنا چاہتے ہو؟"

"یہ پرندوں کو بے وقوف بنانے کی ایک گھسی پٹی سُریلی سیٹی ہے۔"

علی جواد ایک طویل سانس لے کر رہ گیا۔

"لیکن ۱۷ کے کنونشن کا کیا بنے گا؟ وہ تو ہمارے لیے اہم ترین دن ہے۔" ذرا دیر بعد جواد نے پوچھا۔

"معمول کے مطابق ہوگا۔" ٹوبک نے جواب دیا۔ "کوئی سوچ سکتا ہے کہ میں نے یہ بلند عمارت محض دو ماہ میں مکمل کی ہوگی کسی کے ذہن میں آ سکتا ہے کہ میں نے تمہیں دو ماہ میں فرش سے عرش تک پہنچا دیا ہے جس طرح یہ ہو گیا تھا، کنونشن بھی ہو جائے گا۔ تم فکر نہ کرو میرے ماتھے پر آسمان کہ دیں لیتے ہیں اور میری آنکھوں میں ستارے جھلملاتے ہیں ایک اور سورج غروب ہونے دو اس کے بعد تم دُنیا کے طاقت ور ترین ہوٹل لیڈر ہو گے اور مجھے وہاں جلنے گا جو میری خواہش ہے ٹوبک کا انداز معنی خیز ہو گیا تھا۔

"تم کیا چاہتے ہو؟"

"یہ تمہارے مطلب کی بات نہیں۔" ٹوبک نے اُسے پھر ڈانٹا۔ "جو تمہیں کہا جا رہا ہے، تم صرف وہ کرو۔"

شہزاد جب جواد کے ہیڈ کوارٹر والے ہوٹل پہنچا تو تمام معاملات جوں کے توں تھے۔ اس مرتبہ اسے اوپر جانے سے نہیں روکا گیا تھا۔ ٹوٹے ہوئے دروازے کی ابھی مرمت نہیں کی گئی تھی۔ عالیہ کو اس نے ہوٹل سے باہر ہی کار میں چھوڑ دیا تھا جو چند بلاک دُور کھڑی کی گئی تھی۔

شہزاد تینوں صدور کی بیگمات کو لے کر سیدھا اٹھارویں منزل پر پہنچا گارڈ نے شرافت سے ایک طرف ہٹ کر انھیں جانے کا راستہ دیا تھا۔ ٹائیگر ایک دروازے پر رُکا اندر سے عراقوں کی زلزلہ آوازیں آ رہی تھیں۔

مسز رافیل نے اُچک کر دروازہ کھولا۔ سامنے ہی ایک درمیانی عمر کا ایک شخص بے نیازانہ انداز میں خواب خرگوش کے مزے لوٹ رہا تھا۔ دوسری دونوں بیگمات دوسرے دروازوں کی طرف بڑھ گئی تھیں۔ مسز رافیل اندر داخل ہوئی تو شہزاد نے بھی اس کی تقلید کی۔

"واقعی خوب صورت لڑکی ہے۔" مسز آمنہ رافیل نے سُرخ بالوں والی لڑکی کے حُسن کی تعریف کی جو بیڈ کی ایک جانب گٹھری بنی ہوئی تھی۔ اس نے پلٹ کر شہزاد کو دیکھا اور پھر پنجوں کے بل چلتی ہوئی شوہر تک پہنچی۔

"رافی، میں نے نیچے کچھ آوازیں سُنی ہیں۔" آمنہ نے جھک کر اس کے کان میں کہا۔

جواب میں خراٹوں کے سوا کچھ سنائی نہیں دیا۔ سُرخ بالوں والی نیند غالباً خاصی گہری تھی۔ اس نے آنکھیں کھول کر سر گھمایا۔ حیرت کے مارے اس کا مُنہ کھل گیا۔

آمنہ دوبارہ اپنے شوہر پر جھکی۔ "اُٹھ جاؤ رافی، اٹھنے کا وقت ہو گیا ہے۔"

لیکن رافی مرے ہوئے گدھے کی طرح بے حس و حرکت رہا۔

تیسری مرتبہ آمنہ نے کچھ کہنے کی بجائے پاؤں سے ٹوکا دار سینڈل اُتار لی۔ سُرخ بالوں والی نے چیخنے کی کوشش کی لیکن شہزاد نے لپک کر اس کے مُنہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

سینڈل کی پہلی ضرب رافیل کے سر پر پڑی تو اس نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھول دیں۔ وہ دُنیا میں سب سے زیادہ تنخواہ پانے والے ڈرائیوروں یعنی ائرلائن پائلٹس یونین کا صدر تھا۔ وہ سرجیے ایئر ہوسٹس اور خوب صورت لڑکیاں کچھ منٹے نہیں تھکتی تھیں اس وقت جوتوں کی زد میں تھا۔

فوری طور پر تو رافیل کی سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا ماجرا ہے لیکن جب اس نے بیوی کو ملک الموت کی طرح اپنے سر پر مسلط دیکھا تو اٹھنے کی کوشش کرنے لگا۔ آمنہ کی دوسری سینڈل اُس کے جبڑے پر پڑی۔ رافیل کے مُنہ سے مغلظات کا طوفان اُٹھ کھڑا ہوا۔ اُس نے ہاتھ بڑھا کر آمنہ کی کلائی پکڑنے کی کوشش کی لیکن شراب کے نشے میں ہونے کی وجہ سے ناکام رہا۔ آمنہ بھی اس

کے ہاتھ آنے والی نہ تھی اس نے بستر کے چاروں طرف گھوم گھوم کر اپنے شوہر کو اس طرح سجا دیا تھا جیسے اُس پر بہت سی شہد کی مکھیوں نے حملہ کیا ہو۔

اب رافیل گالیاں دینے کی بجائے معافیاں مانگ رہا تھا لیکن زبان آمنہ وہ لغت گھر بول آئی تھی جس میں معافی کا لفظ درج تھا۔

"تم پرلے درجے کے احمق ہو۔" اس نے اپنے شوہر کے بارے میں فیصلہ سنایا۔ "جلدی سے سامان باندھو ہم واپس جا رہے ہیں۔"

"میں نہیں جا سکتا۔" رافیل نے کہا۔ "اختتم ہونے کے ساتھ ہی سینڈل نے اس کے ماتھے پر میراج دو ہزار کی طرح لینڈ کیا اور اُس کے مُنہ سے سسکاری نکل گئی۔

شہزاد نے سُرخ بالوں والی کے مُنہ سے ہاتھ اُٹھا لیا اور بڑھ کر آمنہ کا ہاتھ تھام لیا جو سینڈل سمیت دوبارہ نیچے آ رہا تھا۔

"بہتر ہے کپڑے پہنو اور۔۔۔ فوراً یہاں سے چلے جاؤ۔" اس نے رافیل کو مخاطب کیا۔ "اگر تم نصف گھنٹے کے اندر اندر شہری حدود سے باہر نہیں نکلے تو میں قانون کے نام پر تمہیں گرفتار کر لوں گا۔"

شہزاد نے آمنہ کے ہاتھ سے سینڈل لے کر زمین پر پھینکی اور باہر نکل آیا۔ وہ دوسری بیگمات کی خبر گیری کرنا چاہتا تھا۔ پہلے کمرے کا نظارہ تو وہ کر آیا تھا دوسرے کا اس سے زیادہ عبرت ناک تھا۔

تھوڑی دیر پہلے جو صدر صاحب تین خوب صورت لڑکیوں کے ساتھ چہلیں کرنے میں مصروف تھے اس وقت کمرے کے وسط میں تڑپا بنے ہوئے تھے۔ تینوں لڑکیاں تو نہ جانے کہاں تھیں البتہ تیسری لڑکی اس کے برابر اسی پوزیشن میں اپنی ناک کے ساتھ تین بار لیریں کھینچ رہی تھی۔ صدر کی بیوی اپنے شوہر پر یوں دھرنا دے کر بیٹھی تھی گویا تین ہزار ڈالر کے صوفے پر براجمان ہو۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد وہ اس کے سر کے بال نوچتی اور دو ہتھڑوں کے ساتھ اس کی تواضع بھی کرتی جا رہی تھی۔

شہزاد نے اُنھیں بھی آدھے گھنٹے کے اندر شہر چھوڑنے کا انتباہ اور تیسرے کمرے کی طرف چل دیا۔

وہاں کا منظر دونوں سے زیادہ عبرتناک تھا۔ شوہر صاحب کا جسم زخموں سے لہولہان تھا جو اس کی بیوی کے لمبے لمبے ناخنوں کے مُنہ ہونے کی چغلی کھا کر گواہی دے رہے تھے لیکن بات صرف یہاں پر ختم نہیں ہو جاتی تھی بلکہ بیگم صاحبہ نے شاید پورے فلور کے تحفے جمع کر کے انھیں اپنے شوہر کے گلے میں ڈال رکھا تھا وہ ہانپ رہا تھا اور بیوی اُس کے مغلظات سے بے نیاز اس کی گرل فرینڈ کی سُنائی کرنے میں مصروف تھی۔

شہزاد زیر لب مسکرا دیا۔ تو شادی کرنے کے بعد شوہروں کا یہ حال بھی ہوتا ہے۔ وہ بھی اکثر اپنے گھر، بیوی اور بچوں کے بارے میں سوچا کرتا تھا۔ اُس نے فوراً اپنی سوچوں پر لعنت بھیجی اور بے اختیار اس کے دونوں ہاتھ کانوں تک جا پہنچے۔

وہ واپس عالیہ کے پاس آ گیا۔ نصف گھنٹے کے بعد انھوں نے ہوٹل سے یکے بعد دیگرے تین کاروں کو روانہ ہوتے دیکھا۔ ہوٹل سے خاصے فاصلے پر ہونے کے باوجود شہزاد بتا سکتا تھا کہ کاروں میں روانہ ہونے والے کون لوگ ہیں؟

✦

ٹیکسی ڈرائیور نے روبی اور بیکی کو دارالحکومت کے شمال میں اُتارا تھا۔ اُنھیں بس کے انتظار میں دس منٹ تک سڑک کے کنارے کھڑا رہنا پڑا تھا۔ ایک گھنٹے کے سفر کے بعد وہ ایک چھوٹے سے گاؤں میں پہنچ گئے تھے جو چاروں طرف سے کافی کے باغات میں گھرا ہوا تھا۔

"یہ ہمارے اجتماع کی جگہ ہے۔" بیکی نے روبی کو آگاہ کیا۔ "یہاں ہم جمع ہوں گے اور پھر نئے پروگرام کے تحت آگے بڑھیں گے ہو سکتا ہے ہماری جیپ کے علاوہ تین چار جیپیں اور ہوں۔ وہ تمام سویلین ہوں گی لیکن عقب میں بہرحال مسلح افراد ہوں گے۔"

روبی خاموشی سے بیکی کے ساتھ پکی سڑک پر چلتی رہی۔ السلواڈور کے اس دُور افتادہ گوشے میں ہونے کے باوجود اس کا ذہن فردوس اور چارہ گر میں اٹکا ہوا تھا۔ اُسے خود پر حیرت ہو رہی تھی کہ وہ اب تک اس کٹھن مشن میں کس طرح خود کو سنبھالے ہوئے ہے۔ پہلے جب بھی وہ مشن کے لیے نکلی تھی کسی نہ کسی حادثے کا شکار ہو جاتی تھی اور ہر بار بہرام ہی اسے بچانے کا باعث بنتا تھا۔ اس بار بھی اُسے یقین تھا کہ تانیہ ایزدی کے ساتھ ساتھ بہرام نے کوئی نہ کوئی بندوبست ضرور کیا ہوگا۔ کاش کسی اور کی بجائے شہزاد خود آ جائے لیکن شہزاد تھا کہاں؟ فردوس میں؟ یا ہو سکتا ہے وہ چارہ گر پہنچ چکا ہو؟ لیکن یہ سب مفروضے تھے یہ اس کا اپنا مشن تھا جسے اُس نے کسی مدد کے بغیر خود انجام دینا تھا۔

دو بکی سڑک سے نصف میل اندر آ گئے تھے۔ ایک مسلح سنتری ایک جگہ کھڑا پہرہ دے رہا تھا لیکن اس نے دونوں سے کوئی تعرض نہیں کیا مزید نصف میل چلنے کے بعد انھیں کیمپ نظر آ گیا۔

یہ فوجی کیمپ سے زیادہ مکینک اسپاٹ لگتا تھا۔ گوریلے اور کھوٹے ہوئے بچوں میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ بچے بھی اپنی بقاء

Uploaded By Nadeem

کی جنگ لڑتے ہیں اور گوریلے بھی۔

کیمپ کے باہر ہی ان کی ملاقات ایک کمیشنڈ آفیسر سے ہوئی جو انھیں ایک چھوٹے چہرے والے شخص کے پاس لے گیا جس نے ہرے رنگ کی جنگی ٹائپ پینٹ اور سفید شرٹ پہن رکھی تھی۔ دونوں کو دیکھ کر وہ مسکرایا اور ہسپانوی میں گویا ہوا۔

"میں ایک خوب صورت لڑکی کو کیمپ میں خوش آمدید کہنا ہوں۔" اُس نے فوراً ہی قریب پڑی ہوئی دو خودکار رائفلیں اُٹھا کر ان کے حوالے کر دیں۔ "لڑکیوں کی صحیح جگہ ہاورچی خانہ ہوتا ہے، کیا اس کھلونے کو پہلے بھی استعمال کیا ہے؟"

روبی کو اس کی مسکراہٹ زہر لگی۔

"یہ تو وقت بتائے گا کہ فرائنگ پین تھامنے والے ہاتھ رائفل کیسے چلاتے ہیں۔" روبی نے زبردستی مسکرا کر جواب دیا۔

"ونڈرفل۔" سیاہ فام گوریلے نے تالی بجائی۔ "ڈیگو نے تمہاری بہت تعریف کی ہے مس ڈائنا، بہرحال اس مشن کے لیے یہ تمہارا ہتھیار ہے، میرا نام کیپٹن والدیز ہے اور میں اس کانوائے کا کمانڈر ہوں، تم بلیکی کے ساتھ سب سے اگلی جیپ میں رہو گی تم دونوں تین تین دستی بم بھی حاصل کر لو۔ ہمارا مین کانوائے تم سے چوتھائی میل کے فاصلے پر چلے گا کہ ہم لوگوں میں رابطہ بالکل نہیں ہو گا۔ کوئی سوال؟"

"کوئی فائر کنٹرول؟" روبی نے اپنی ٹوٹی پھوٹی ہسپانوی کا مظاہرہ کیا۔

"صرف یہ کہ تم اُس وقت تک فائر نہیں کرو گی جب تک تم پر فائر نہ ہو۔ ہم اپنی آمد کو مشتہر نہیں کرنا چاہتے۔"

بلیکی نے اثبات میں سر ہلایا۔ "دستی بم ہمیں کہاں سے ملیں گے؟"

کیپٹن والدیز نے ذرا فاصلے پر موجود دو آدمیوں کی طرف اشارہ کیا تھا۔

"ہم دو، ہر ایک بجے روانہ ہوں گے، اگر تم دونوں بھوکے ہو تو ساڑھے بارہ بجے تک کھانے سے فارغ ہو جانا۔ ہمارے منصوبے میں وقت کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔"

"فکر نہ کرو کیپٹن۔ ڈائنا تمہیں مایوس نہیں کرے گی۔" روبی نے مسکراتے ہوئے کہا تو کیپٹن والدیز کے منہ سے حقیقتاً لال برنکلی وہ بچانے روبی کی بات کا کیا مطلب سمجھا تھا۔

اُنھوں نے اپنے تین تین دستی بم حاصل کیے، دو پرانے امریکی انداز کے تھے۔ اُن کی شکلیں اتنا ہی مہیب تھیں جبکہ باقی چار جدید ترین تھے۔

بارہ بج کر پچاس منٹ پر وہ لنچ سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ ایک شخص جیپ لے کر پہنچ گیا۔ بلیکی نے پھرتی سے جیپ کے پنگ، پوائنٹ، آئل، پٹرول اور بریکیں وغیرہ چیک کیں۔ اُس نے انجن اسٹارٹ کر کے ایکسی لیٹر دیا اور پھر مطمئن انداز میں سر ہلا دیا۔ ونڈ شیلڈ کو اُس نے نیچے کر کے ایک جگہ فکس کر دیا تھا۔

"میں نہیں چاہتا کہ گولی کے ساتھ ساتھ شیشے کے ٹکڑے بھی میرے منہ کو چومیں۔" بلیکی نے اپنے اقدام کی وضاحت کی۔ "اور پھر تمہارا چہرہ تو مجھ سے زیادہ خوب صورت ہے ڈائنا، خراب ہو گیا تو اپنے بوائے فرینڈ کو کیا دکھاؤ گی؟"

"ہشت۔" روبی نے اُسے ڈانٹا۔ "میں بوائے نہیں گرل فرینڈ پالتی ہوں اور وہ میرے ساتھ ہے۔" اُس نے اپنی خودکار رائفل کو تھپتھپایا۔

بلیکی نے دانت نکال دیے۔ وہ اُچھل کر جیپ کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ روبی نے پسنجر سیٹ سنبھال لی تھی۔ ذرا فاصلے پر ایک آفیسر ٹرکوں کو لائن اپ کر رہا تھا۔ کیپٹن والدیز اُس کے برابر کھڑا تھا۔ بلیکی نے جیپ اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی اور اُسے بیس بیس فٹ لمبے دو ٹرکوں کے پاس لے آیا۔ ہر ایک میں پندرہ پندرہ مسلح افراد موجود تھے اُن کے پاس ہتھیار تو اچھے تھے لیکن یونیفارم نہیں تھیں۔ وہ تربیت یافتہ تھے یا نہیں لیکن روبی کو یہ یقین تھا کہ اُن میں سے ہر ایک مشین گن یا خودکار رائفل کا ٹریگر ضرور دبا سکتا ہے اور وہ یہ بھی جانتی تھی کہ اناڑیوں کے ہاتھوں چلنے والی گولیاں نسبتاً زیادہ تباہ کن ثابت ہوتی ہیں۔

ٹرکوں کے قریب جا کر جیپ جونہی رُکی، کیپٹن والدیز آگے بڑھ آیا تھا۔ اُس وقت اُس کے کندھے پر ایک جرمن سب مشین گن جھول رہی تھی۔

"تم ایک منٹ میں روانہ ہو جاؤ بلیکی۔" اُس نے رسٹ واچ دیکھتے ہوئے کہا۔ "تمام حفاظتی تدابیر ذہن میں رکھنا اور ان اونچی نیچی اور ٹیڑھی میڑھی پگڈنڈیوں پر رفتار بیس سے پچیس میل فی گھنٹہ ہی رہنے دینا۔ اگر ہم نصف میل سے زیادہ دُور رہ جائیں تو رُک کر انتظار کر لینا۔ ٹرک ابھی حالت میں ہیں اس لیے اُمید ہے کہ ہم تمہارا ساتھ دے لیں گے۔" کیپٹن والدیز نے اپنے ہونٹوں پر مسکراہٹ سجائی۔ "اچھا دوستو اللہ حافظ اور کے ڈائنا، پھر ملیں گے۔" اُس نے دوبارہ رسٹ واچ پر نظر ڈالی اور الوداعی انداز میں ہاتھ ہلا کر پیچھے ہٹ گیا۔

بلیکی نے جیپ جھٹکے سے آگے بڑھائی، لیکن ذرا ہی دیر میں جب سوا بیس میل پر آ کر رُکی تو اُس نے مزید ایکسی لیریٹر دینا بند کر دیا۔ روبی نے اس وقت خاموش رہنا ہی بہتر سمجھا تھا لیکن بلیکی کی زبان جیپ سے زیادہ تیز رفتار ثابت

ہوئی تھی۔ جہاں جہاں ضروری ہوتا روبی بھی اُسے جواب دے دیتی تھی۔ وہ کبھی اُسے اپنی دہشت گردی کی کہانیاں سناتا اور کبھی اپنے فن کے قصے لے کر بیٹھ جاتا لیکن روبی مسلسل سڑک پر نگاہ جمائے بے حس و حرکت بیٹھی تھی۔

پہلے دس میل تک سڑک یا پگڈنڈی ایک وادی کے بیچوں بیچ بل کھاتی گزرتی رہی اور پھر وہ ایک درّے میں داخل ہو گئے جس کی دوسری جانب ایک اور خوب صورت وادی اُن کی منتظر تھی۔ کچا راستہ لمحہ بہ لمحہ بلند ہوتا جا رہا تھا۔ روبی نے دیکھا کہ وہاں دُور دُور تک کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔ اُس نے یہ بات بلیکی کو کہی تو وہ ہنس دیا۔

"حاصل درہاتی نیچے کھائیوں میں رہتے ہیں اور وہ سڑک پر آنے کی جرأت نہیں کرتے۔ کانوائے عموماً یہاں سے گزرتے رہتے ہیں اور وہ نظر آنے والی ہر شے کو گولی مارنے سے قطعی دریغ نہیں کرتے۔"

روبی خاموش ہو کر دوبارہ راستے کی طرف متوجہ ہو گئی۔ جواب مزید بلند ہوتا تھا۔ ایک پہاڑی موڑ سے وہ گھومے تو انھیں اپنے عقب میں آنے والے ٹرک ایک میل دُور نظر آئے۔ بلیکی نے رفتار سست کی۔ وہ گہری نگاہوں سے اردگرد کا جائزہ لے رہا تھا کہ کہیں دشمن گھات لگائے انہیں بیٹھے۔ روبی نے بھی اُس کی تقلید کی تھی۔

"فکر مت کرو ڈائنا۔" بلیکی نے اپنے تئیں روبی کو تسلی دی۔ "اگر کوئی حملہ آور آ بھی گیا تو میرے پاس خودکار رائفل موجود ہے۔ کافی تعداد میں میگزین بھی ہیں اور پھر ہمارے پاس تین تین دستی بم بھی تو رکھے ہیں۔"

روبی نے مثبت میں سر ہلایا۔ "کانوائے قریب آ رہا ہے رفتار بڑھا دو۔"

بلیکی نے فوراً تعمیل کی۔ روبی دوبارہ اردگرد کے مناظر میں کھو گئی۔ خودکار رائفل اُس کی گود میں کسی بھی ناگہانی حادثے کے لیے بالکل تیار تھی۔ اب کچا راستہ ایک جنگل میں داخل ہو گیا تھا۔ روبی کے اعصاب تناؤ کا شکار ہو گئے۔ وہ جانتی تھی کہ گھات لگا کر حملہ کرنے کی اس سے بہتر جگہ اور کوئی نہیں ہو سکتی۔

"ابھی نہیں ڈائنا۔" بلیکی نے اُس کی تسلی دی۔ "ابھی اگلے بائیس میل تک وہ ہمیں کچھ نہیں کہیں گے۔"

راستہ زیادہ دشوار گزار ہوا تو ٹرکوں کا فاصلہ کم ہو کر صرف سو گز رہ گیا۔ جیپ ایک بڑے پتھر سے گزری تو روبی بُری طرح اپنی سیٹ سے اُچھلی وہ خود تو محفوظ رہی لیکن اُس کی رائفل اُچھل کر زمین پر گر گئی۔ سونے پر سہاگہ یہ کہ گرتے وقت غلطی سے رائفل کا ٹریگر بھی دب گیا تھا۔

نجانے کیوں روبی کو یقین تھا کہ پتھر جان بوجھ کر رکھے گئے تھے۔ اُس نے فوری طور پر سر کے بل نیچے چھلانگ لگا دی۔ اُس کا شبہ صحیح نکلا جونہی اُس نے سیٹ چھوڑی گولیوں کا ایک پورا برسٹ جیپ سے ٹکرایا۔ بلیکی نے جیپ کو سنبھالنے کی کوشش کی لیکن پھر ایک اور دھماکا ہوا۔ جیپ شاید کسی بارودی سُرنگ پر چڑھ دوڑی تھی۔ اُس کا بایاں ٹائر، بونٹ سمیت ٹکڑوں میں تبدیل ہو گیا۔ جیپ اپنے سوار سمیت بُری طرح فضا میں اُچھلی اور پھر تین قلابازیاں کھاتی ہوئی روبی سے دُور جا گری۔

روبی نے فوری طور پر مخالف سمت کروٹ بدلی اور رائفل تھامتے ہوئے ایک بڑے پتھر کی آڑ میں بے حس و حرکت ہو گئی۔ عقب سے بھاری فائرنگ شروع ہو گئی تھی۔ ٹرکوں پر موجود مسلح افراد نیچے اُترتے تھے۔ وہ سڑک کی دونوں جانب پھیل کر اور درختوں کی آڑ لے کر آگے بڑھ رہے تھے۔

روبی کو سامنے کی سمت سے مزید فائرنگ سنائی دی۔ روبی نے خودکار رائفل کی بیرل آسمان کی طرف کر کے پانچ گولیاں داغ دیں لیکن جواب میں کوئی فائر نہیں ہوا۔

اُس نے اِدھر اُدھر دیکھا لیکن بلیکی کا کوئی پتا نہیں تھا۔ وہ یقینی طور پر نشانہ بن گیا تھا۔ بارودی سُرنگ نے شاید اُس کے چیتھڑے اُڑا دیے تھے۔

روبی نے بائیں سمت دیکھا تو اُسے چار پانچ سائے درختوں کی آڑ لیتے ہوئے اپنی طرف بڑھتے نظر آئے۔ اُنھوں نے سبز رنگ کا یونیفارم اور نرم ہیٹ پہن رکھے تھے۔ اُن کے آگے بڑھنے کا انداز بھی خاصا مستعدانہ تھا۔

روبی جہاں تھی وہیں لیٹی رہی۔ پانچ منٹ بعد اُس کے اپنے گروپ کا ایک اسکاؤٹ اُسے نظر آیا۔ اُس نے اُٹھ کر روبی کو آگے کی سمت بڑھنے کا اشارہ کیا۔ پھر اُس نے دوبارہ اپنے ہتھیار کو دیکھا۔ روبی نے جواب میں دو ہوائی فائر کیے اور اُٹھ کر اُس کے ساتھ جنگل کی طرف بڑھ گئی۔

کچھ دُور جا کر وہ رُک گئے۔ اردگرد سے کئی کراہوں اور چیخوں کی آوازیں آ رہی تھیں لیکن فائرنگ کی کوئی آواز سنائی نہیں دی اس کا مطلب تھا کہ دشمن فرار ہو گیا ہے۔ اسکاؤٹ روبی کو چھوڑ کر آگے بڑھ گیا۔ ذرا دیر بعد اُس نے واپس آ کر بتایا کہ ایک سرکاری آدمی تو موقع پر ہی ہلاک ہو گیا ہے دو بُری طرح زخمی تھے اور وہ بھی اب اگلے جہان سدھار چکے ہیں۔ اُس نے اپنے ہاتھ میں امریکی ساخت کی دو خودکار رائفلیں بھی تھام رکھی تھیں جو شاید وہ مرنے والوں کے قریب سے اُٹھا لایا تھا۔

اُس نے ایک رائفل میگزینوں کے ساتھ روبی کو تھما دی۔

"یہ تمہاری ہے مس۔"

وہ دوبارہ سڑک پر آ گئے۔ اسکاؤٹ نے سیٹی بجائی۔ ذرا دیر کے بعد دوسری جانب سے بھی سیٹی کی مخصوص آواز سنائی دی۔ دس منٹ سے کوئی فائر سنائی نہیں دیا تھا۔ تمام لوگ سڑک پر جمع ہو کر جیپ کی طرف دیکھ رہے تھے۔ بلیکی لڑھک کر جیپ سے باہر جا گرا تھا۔ تین گولیاں اس کے سینے میں لگی تھیں۔ ایک اس کی ٹھوڑی چیرتی ہوئی نکل گئی تھی۔ اور ایک اس کے سر میں لگی تھی جس سے اس کے سر کا ایک حصہ اڑ گیا تھا۔ اس کے ساتھیوں نے بلیکی کی لاش کو گھسیٹ کر ایک طرف جھاڑیوں میں ڈال دیا۔

کیپٹن ولڈیز نے انہیں آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔ اس مرتبہ آگے چلنے والوں میں روبی کے ساتھ وہ اسکاؤٹ بھی شامل تھا۔ وہ پہلے کانوائے کے آگے چل رہے تھے۔ دو میل چلنے کے بعد انہیں واپس بلا کر ان کی جگہ دوسرے آدمیوں کو بھجوا دیا گیا۔

روبی کو کیپٹن ولڈیز نے اگلی گاڑی میں اپنے ساتھ بٹھایا تھا۔ اس کی باہیں کھلی ہوئی تھیں۔

"میرے گروپ کے سارے لوگ تمہیں پسند کرنے لگے ہیں۔" کیپٹن نے اسے بتایا۔ "ان کا کہنا ہے کہ مرنے والے تمہاری گولیوں سے مرے ہیں اور تم ہی نے گھات کو ناکام بنایا ہے۔"

روبی قدرت کے حسین اتفاق پر ہنس دی۔ اس نے تو ہوا میں گولیاں چلائی تھیں شاید وہ اچٹ کر انہیں جا لگی ہوں لیکن وہ یہ بات کیپٹن کو نہیں بتا سکتی تھی۔

"میں تو خود کو خوش قسمت سمجھ رہی ہوں کہ بچ نکلی۔" روبی نے جواب میں کہا۔ "بہرحال مجھے بلیکی کا افسوس ہے وہ بہت اچھا آدمی تھا۔"

"ہم آئندہ تمہیں ہراول کے ساتھ نہیں بھیجیں گے۔" کیپٹن اس پر ریشہ خطمی ہوا جا رہا تھا۔ "اگر تم چاہو تو تمہیں ایک یونٹ کی کمان دی جا سکتی ہے۔"

"بات دل کو تو لگتی ہے۔" روبی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "اس کا مطلب ہے تنخواہ بھی بڑھے گی۔"

"کیوں نہیں۔"

کچے راستے پر پندرہ میل کے قریب چلنے کے بعد وہ ایک ایسی جگہ پہنچے جہاں سڑک بند کی ہوئی تھی یہ گوریلوں کا مضبوط ترین مقام تھا۔ یہاں سے انہیں ایک گائیڈ فراہم کر دیا گیا تھا۔ روبی کو سب سے پچھلے ٹرک میں بھیج دیا گیا تھا جہاں اسے سیاہ بالوں والے ایک شخص کے ساتھ بیٹھنا پڑا۔

وہ شخص بہتر تھا لیکن باتونی نہیں تھا۔ اس کا قد کوئی ۵ فٹ ۱۰ انچ اور عمر چالیس کے لگ بھگ تھی۔ روبی نے اندازہ لگایا کہ اس کا وزن بھی مقررہ حد سے ۳۰ پونڈ زیادہ تھا۔ لم گو ہونے کے بارے میں اس نے فائرنگ کے بارے میں روبی سے تبادلہ خیال ضرور کیا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ یہ سرکاری فوج کے دس بارہ فوجیوں کا گروپ تھا جو بھاگ نکلا۔

اسی وقت ٹرک میں بیٹھا ہوا تیسرا شخص بول پڑا اور یہ دیکھ کر روبی کو خاصی حیرت ہوئی کہ وہ روسی تھا۔

"کیا تم روسی بول سکتی ہو مس؟" اس نے دریافت کیا۔

روبی کو اس کی روسی سمجھنے میں کوئی دقت نہیں ہوئی۔ بہت تھوڑی سی۔ ساتھ ہی اس نے دل میں اپنے باس کو دعائیں دیں جس نے اسے دنیا کی بہت سی زبانیں سکھائی تھیں۔

"ونڈرفل۔" روسی جوش سے بولا۔ "میں نے تین دن سے کسی کے ساتھ بات نہیں کی۔ میری ہمسایوں نہ ہونے کے برابر ہے۔" یہ کہتے ہی اس نے اپنا ہاتھ مصافحے کے لیے بڑھا دیا۔ "میرا نام الیگزینڈر گالکن ہے۔"

روبی اس اتفاق پر مسکرائے بغیر نہ رہ سکی۔

"تو ہمارے یہاں آنے کی سب سے بڑی وجہ تم ہو۔" اس نے روسی سے کہا۔ "تمہارے پاس گوریلوں کے لیے ضرور کوئی نہ کوئی اہم شے ہو گی؟"

"ہاں۔ ایک خصوصی انعام۔ ایک ایسی شے جس سے آدھی دنیا موت کے گھاٹ اتر سکتی ہے اور باقی آدھی پاگل ہو سکتی ہے۔" وہ جھجکا۔ "ان لوگوں کا کہنا ہے کہ تم امریکن ہو اور یہ کہ تمہارا تعلق کسی نہ کسی طرح سرکاری فوجوں سے ہے۔"

"وہ جنگ کے دنوں کی بات ہے اس وقت میں کوریا کی فوجی ہوں۔ میں زیادہ سے زیادہ بولی لگانے والے کے لیے کام کرتی ہوں اور میرے خیال میں اس وجہ سے میں سابق امریکن کہلوائی جا سکتی ہوں۔"

گالکن ہنسا۔ "پھر تو میرے انعام پر امریکہ کے غم و غصے سے تمہیں کوئی حیرت نہیں ہو گی۔"

روبی محض سر ہلا کر رہ گئی تھی لیکن اس کا ذہن بڑی تیزی سے گتھیاں سلجھانے میں مصروف تھا۔

⁂

منصوبہ بہت آسان اور محفوظ تھا۔

سلطان نے ایک مرتبہ پھر اس کی تفصیلات ذہن نشین موجود چھبیس آدمیوں کو بتائی تھیں۔ اس نے انہیں کہا تھا کہ اس منصوبے کی تکمیل پر انہیں گرانقدر انعام ملے گا لیکن اس نے یہ نہیں بتایا تھا کہ

یہاں آنے والے یونین کے کمترین افراد ہیں جنہیں جان بوجھ کر موت کے منہ میں دھکیلا جا رہا ہے بلکہ اس نے ان کی تعریف میں زمین آسمان ایک کر دیے تھے۔

"میں تم لوگوں سے صرف یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ اگر کوئی شخص تمہارے ساتھی ذرائیور پر حملہ کرے تو کیا تم لوگ حملہ آور کے خلاف لڑو گے؟" سلطان نے دریافت کیا۔

جواب میں اسے "کیوں نہیں"، "بالکل"، "اوہ ہاں" جیسی آوازیں سنائی دی تھیں اور وہ یہی چاہتا تھا کہ کسی طرح ان کے ذہن و دل کو اپنے قبضے میں کر لے۔

"تو پھر یوں سمجھ لو کہ کسی نے مجھ پر حملہ کرنے کی کوشش کی ہے اب یہ تم لوگوں کا فرض ہے کہ تم مجھ پر حملہ کرنے والے کو موت کی نیند سلا دو۔ ہمارے وکیل تیار ہیں اور وہ ہر ممکن اختیار استعمال کر کے تم لوگوں کو قانون کے شکنجے سے بچا لے جائیں گے۔ یہ اس آدمی کی تصویر ہے جسے تم لوگوں نے گولی مارنی ہے۔" سلطان نے ایک کیبنٹ سائز تصویر اپنے کوٹ کی جیب سے نکال کر سر سے بلند کر دی۔

دفعتہً ہی ہوٹل کی لابی سرگوشیوں سے بھر گئی۔

انہیں یونین کے نئے ریکارڈنگ سیکرٹری کو گولی سے اڑانا تھا۔

"اس کے ساتھ کتنے آدمی ہوں گے؟" چھبیس میں سے ایک آدمی نے سوال کیا۔ "ہماری تعداد صرف چھبیس ہے اور میں نہیں چاہتا کہ ہمیں سو پچاس کے مقابلے پر کھڑا کر دیا جائے اور وہ بھی بلند اقبال جیسے شخص کے آدمیوں کے سامنے۔۔۔"

"بلند اقبال ہمارا طرفدار ہے۔"

سلطان کے جواب پر سب لوگ مطمئن ہو گئے تھے۔

"تمہارا کہنے کا مطلب یہ ہے کہ شہزاد نامی اس آدمی نے اپنے صدر کی اجازت کے بغیر قم پر حملہ کرنے کی کوشش کی ہے؟" ایک سکھ شخص نے دریافت کیا۔

"ہاں۔" سلطان نے کہا۔

"لیکن مجھے یقین نہیں آتا۔" جواب دیا گیا۔

"تو پھر ہم تمہاری باچھیں چیر کر تمہیں انعام نکالنے دیں گے تاکہ تم میری بات کا یقین کر لو، بیٹھ جاؤ، اور کوئی سوال؟"

تین ہاتھ بلند ہوئے۔

"انہیں نپٹا لو۔ دفعتہً سوالات ختم ہوا۔" سلطان نے کہا اور اپنے آدمیوں کو ہوٹل کی لابی میں مختلف جگہوں پر چھپانے اور انہیں ہدایات دینے میں مصروف ہو گیا۔

⁂

شہزاد نے ہاتھ دے کر ٹیکسی روک لی۔

"دن بھر میں کتنے کما لیتے ہو دوست؟" اس نے کھڑکی پر جھک کر ڈرائیور سے دریافت کیا۔

وہ حیران رہ گیا۔ آج تک کسی نے اس سے یہ نہیں پوچھا تھا۔ اس نے کچھ کہنے کی کوشش کی لیکن پھر خاموش ہی رہا۔

"میں تمہیں بارہ گھنٹوں کا کرایہ سو فردوسی ڈالر دے سکتا ہوں۔" ٹائیگر نے ڈرائیور کو متذبذب دیکھ کر پیش کش کی کیونکہ وہ جانتا تھا کہ بارہ گھنٹوں میں وہ مشکل پچاس ساٹھ ڈالر کماتا ہو گا۔ ڈرائیور نے فوراً اثبات میں سر ہلا دیا۔

"گڈ۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ "اس خاتون کو بارہ گھنٹوں تک مسلم آباد کی سیر کراؤ لیکن کسی بھی جگہ دس منٹ سے زیادہ نہیں رکنا۔"

ڈرائیور نے فوراً گردن ہلا دی۔

ٹائیگر نے عالیہ کو ٹیکسی کی عقبی سیٹ پر بٹھا دیا۔

"ہنی! تم اس نشست پر بارہ گھنٹوں کے لیے آرام کر سکتی ہو۔" ٹائیگر نے یہ کہتے ہوئے جیب سے سو ڈالر کے نوٹوں کی ایک پوری گڈی نکال کر عالیہ کو دے دی۔ ڈرائیور نے بھی کن انکھیوں سے رقم دیکھ لی تھی۔

"لیکن میں تمہارے ساتھ ہوٹل کیوں نہیں چل سکتی ڈارلنگ؟" عالیہ نے پوچھا۔

ٹائیگر اس کے کان پر جھک گیا۔

"اس لیے کہ ہم پہچان لیے جائیں گے، میرے ساتھ اب تم بھی ان کا نشانہ ہو۔ میں شام کو چھ اور سات بجے کے درمیان تمہیں مسلم آباد انٹرنیشنل ایئرپورٹ کی لابی میں ملوں گا بلکہ لابی میں بنے ہوئے امکائی مانڈریسٹورنٹ میں۔۔۔ اگر میں نہ پہنچا تو آدھی رات تک میرا انتظار کرنا اور اگر میں تب تک بھی نہ آ سکا تو پھر اپنی جان بچانے کی کوشش کرنا۔ اپنا نام تبدیل کر کے فردوس کی حدود سے باہر نکل جانا۔"

عالیہ نے اثبات میں سر ہلایا۔

"تم خوف زدہ تو نہیں ہو ہنی؟"

"نہیں ڈارلنگ۔"

"میں چلتا ہوں۔" شہزاد نے کچھ اور آگے جھک کر عالیہ کے رخساروں کی سرخی چرائی اور پھر ٹیکسی ڈرائیور کو اس انداز میں دیکھا جیسے اسے احساس دلا رہا ہو کہ اب میں نے تمہیں پہچان لیا ہے اور اگر تم نے لڑکی کو کوئی نقصان پہنچایا تو تم پوری دنیا میں مجھ سے کہیں چھپ نہیں سکو گے۔

شہزاد نے ہاتھ ہلا کر عالیہ کو الوداع کہا اور اپنے ہوٹل کی طرف

Uploaded By Nadeem

چل پڑا۔ آج ۱۱ اپریل تھی اور صبح سے ہی گرمی نے اپنا رنگ دکھانا شروع کر دیا تھا۔ ٹائیگر گزشتہ ساری رات جاگتا رہا تھا اور اب بھی اُسے آرام کا وقت ملنے کی کوئی توقع نہیں تھی کیونکہ ابھی بہت کام باقی تھا۔

ٹائیگر اپنے خیالات میں مگن جب اپنے ہوٹل کی لابی میں داخل ہُوا تو اُسے ایک رائفل بردار نظر آیا۔ عام سی بات تھی لیکن یہ بات بہت خاص تھی کہ اُس کے ہاتھ میں پکڑی ہوئی رائفل کا رُخ ٹائیگر کی طرف تھا۔ اُسے وہ آدمی نظر نہیں آ سکا تھا جو لابی کے ایک صوفے پر بیٹھا گولف بیگ میں سے رائفل نکال رہا تھا لیکن پھر ٹائیگر کی عقابی نگاہیں لابی میں چاروں طرف گھوم گئیں۔ کئی رائفلیں نکل آئی تھیں۔ ہر طرف سے رائفلوں کے بیرل جھانک رہے تھے اور مزید رائفلیں نکل رہی تھیں۔

ٹائیگر نے اوپر جانے والی سیڑھیوں کا جائزہ لیا لیکن سیڑھیاں فاصلے فاصلے پر تھیں۔ وہ تیز رفتاری سے بھی جاتا تو کوئی نہ کوئی گولی اُسے ضرور لگتی اور پھر ایسا کرنا یوں بھی اُس کی فطرت کے خلاف تھا۔

اُس نے کن انکھیوں سے دائیں جانب صوفے پر بیٹھے ہوئے شخص کو دیکھا جس نے گولف بیگ میں سے رائفل نکال کر... جوڑی تھی اور اب بیرل سیدھی کر کے ٹائیگر کو نشانے پر رکھ رہا تھا۔ ٹائیگر نے پہلی چھلانگ اُسی کی طرف لگائی۔ اُدھر اُس نے ٹرائیگر دبایا اور اِدھر ٹائیگر کے قدموں نے زمین چھوڑی۔ ایک زوردار تھپڑ صوفے پر بیٹھے ہوئے شخص کے اُس ہاتھ پر پڑا جس میں وہ رائفل تھامے ہوئے تھا۔ ٹائیگر صوفے کے اُوپر سے ہوتا ہُوا اُس کے پیچھے جا گرا۔

بیک وقت دو چیخیں سُنائی دیں۔ چلائی جانے والی گولی ریسپشن کاؤنٹر کے عقب سے جھانک کر نشانہ لینے والے کے سر کے چیتھڑے اُڑا گئی تھی۔ اُس کا بھیجا لابی کی دیوار پر پلستر کی طرح چپک گیا تھا۔ اس نے رائفل چھوڑ دی اور خود ہمیشہ کے لیے بے حس و حرکت ہو گیا۔

دوسری چیخ دائیں جانب ذرا فاصلے پر واقع ستون سے نکل کر سامنے آ جانے والے رائفل بردار کی تھی جس کے مُنہ پر اپنے ہی ساتھی کی ہاتھ سے نکل جانے والی رائفل اُس کے ٹوٹے ہوئے ہاتھ سمیت گولی کی طرح آ کر لگی تھی۔ اُس کی ناک اور ماتھے کی ہڈیاں ٹوٹ کر بھیجے میں جا گھسی تھیں۔ وہ واپس ستون سے جا ٹکرایا اور لابی میں کلک کی آواز گونجی۔ اُس کی ریڑھ کی ہڈی نے اُس کا وزن سنبھالنے سے انکار کر دیا تھا۔

لابی میں ایک تیسری چیخ گونجی جو سیڑھیوں سے اُتر کر آنے والی ایک عورت کی تھی۔ دو گولیاں بھی چلیں جن میں سے ایک دروازے سے اندر داخل ہونے والے پورٹر کا سینہ چھیدتی ہُوئی پارکنگ لاٹ کی طرف نکل گئی۔

ٹائیگر خود جس صوفے کے عقب میں گرا تھا، وہاں دو مسلح آدمی پہلے سے موجود تھے۔ ٹائیگر بلائے ناگہانی کی طرح اُن پر آیا تھا۔ جس پر وہ گرا تھا، اُس کا تو وہیں کچومر نکل گیا... وہ اس قابل نہیں رہ گیا تھا کہ قیامت تک اُٹھ سکتا۔ دوسرا البتہ بچ نکلا تھا۔ ٹائیگر نے اُس کی کمر پکڑ کر اُسے سر سے بلند کیا اور صوفے پر بیٹھے ہوئے چیخ و پکار کرنے والے اُس شخص پر دے مارا جو ٹوٹا ہوا ہاتھ، دوسرے ہاتھ میں تھامے خون بند کرنے کی کوششوں میں مصروف تھا۔ دونوں یوں بھنچ گئے تھے جیسے اُن پر سے چھ ٹن کا روڈ رولر گزر گیا ہو۔

ٹائیگر نے جھانک کر دیکھا، رجسٹریشن کاؤنٹر کے عقب سے تین اور ہیرلز اُسے جھانکتی ہوئی دکھائی دیں جو اندھا دھند فائرنگ میں مصروف تھیں۔ ٹائیگر نے صوفے کی پُشت پر دونوں ہاتھ رکھ کر اُسے کاؤنٹر کی طرف دھکیل دیا۔ چکنے فرش پر صوفہ ساٹھ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے ریلوے انجن کی طرح پھسلتا ہُوا کاؤنٹر سے جا ٹکرایا... وزنی کاؤنٹر کسی پیانو کے پائے کی طرح اُکھڑا اور پوری قوت کے ساتھ دیوار سے جا ٹکرایا۔ اُس کے عقب میں چھپے ہُوئے تین آدمیوں کی آخری چیخیں بڑی بھیانک تھیں جو دیوار اور کاؤنٹر کے درمیان گندم میں گھُن کی طرح پس گئے تھے۔

اب ٹائیگر کھلے حصے میں تھا۔ سیڑھیوں کے ساتھ رکھے ہُوئے ایک بڑے سے گلدان کے عقب سے فائر ہُوا اور اُس کے سر کو چھوتا ہُوا گزر گیا۔ گولی کی رگڑ اُسے اپنے بالوں میں محسوس ہُوئی۔ وہ فوراً ہی جُھکائی دے گیا۔ دوسری گولی چلی لیکن اس بار وہ تیار تھا۔ اُس کی نظریں اُس شعلے پر مرکوز تھیں جو اُس کی طرف بڑھا چلا آ رہا تھا۔

گولی چلانے والے نے حیرت سے دیکھا کہ شہزاد نامی ریکارڈنگ سیکرٹری کا ہاتھ آگے بڑھا اور اُس نے اپنی طرف آنے والی گولی کو یوں تھام لیا جیسے وہ گلاب کا کوئی پھول ہو اور پھر اُس نے یہ بھی دیکھا... کہ شہزاد نے وہی گلاب کا پھول اُس کی طرف دے مارا۔ اُس نے اِدھر اُدھر سر جھٹک کر اُس سے بچنے کی کوشش کی لیکن وہ گولی کی رفتار سے اُس کے ماتھے سے ٹکرایا اور پھر اُسے کوئی ہوش نہ رہا... لیکن ہوش مندوں نے اُس کے سر کو خربوزے کی دو پھانکوں کی طرح چٹختے دیکھا تھا۔

شہزاد اب سیڑھیوں کی طرف بڑھا۔ وہ ابھی تک نو آدمیوں

کو ٹھکانے لگا چکا تھا لیکن فائرنگ بدستور ہو رہی تھی۔ یہ الگ بات تھی کہ گولیاں چلانے والے سامنے آ کر نشانہ نہیں لے رہے تھے... بلکہ اندھا دھند گولیاں چلا رہے تھے جس کے نتیجے میں وہ اپنے ہی چار ساتھیوں کو موت کے گھاٹ اُتار چکے تھے۔

سیڑھیوں کے قریب پہنچ کر شہزاد کو عقب سے رائفل کا سیفٹی کیچ کھینچے جانے کی آہٹ سُنائی دی۔ اُسے پلٹ کر دیکھنے کی ضرورت نہیں تھی کہ رائفل بردار کس جگہ ہے۔ آواز سے ہی اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ کس سمت میں اور کتنی دُور ہے۔ اُس نے چلتے چلتے پیر گھما کر سیڑھیوں کے قریب پڑا ہُوا بھاری گلدان پیچھے کی جانب اُچھال دیا۔ گلدان رائفل بردار کے سینے پر لگا اور وہ تیورا کر زمین پر گرا لیکن وہ گرنے سے پہلے گولی چلا چکا تھا جو شہزاد کے سر پر سے ہوتی ہُوئی سیڑھیوں کی ریلنگ کے ساتھ کھڑے ہُوئے اُس کے اپنے رائفل بردار ساتھی کے سینے میں لگی اور وہ لڑھکنیاں کھاتا ہُوا شہزاد کے قدموں میں آ گرا۔ شہزاد نے اُس کے مُردہ جسم کو پیر کی ٹوکر سے ایک طرف کیا اور سیڑھیاں چڑھتا چلا گیا۔

جب وہ کمرے میں داخل ہُوا تو اوشان اپنے فرشی نمدے پر دیوار کی طرف مُنہ کیے لیٹا تھا۔ شہزاد یہ نہیں بتا سکتا تھا کہ وہ آرام کی گہار ہیں منزل میں ہے یا اٹھارہویں منزل میں۔

"تم زخمی ہو۔" اوشان نے اپنا مُنہ اس کی طرف کیے بغیر اُسے مخاطب کیا۔ شہزاد نے چونک کر اپنی شرٹ دیکھی، وہ واقعی خون آلود تھی۔ شاید خون اُس کے سر کے زخم سے بہ نکلا تھا جو گولی کی معمولی سی رگڑ سے آیا تھا۔

"کوئی خاص زخم نہیں۔" شہزاد نے جواب دیا۔

"ہر زخم خاص اور شدید ہوتا ہے میرے بچے۔" اوشان اب بھی دیوار کی طرف مُنہ کیے لیٹا تھا۔ "چھینک سے لے کر بات تک کا ردِ عمل گہرا اور شدید ہوتا ہے۔ نہاؤ اور آرام کرو۔"

"یس، بشل فادر!" شہزاد کا لہجہ کچھ تھکا ہُوا تھا۔

"یہ سب کیسا رہا؟"

"کوئی خاص نہیں۔"

"میرے خیال میں تو کافی ہے۔ مجھے فرش سے گولیوں کی دھمک سُنائی دے رہی تھی۔"

"اوہ... ہاں، میں اُن کے چودہ پندرہ آدمی ٹھکانے لگا آیا ہُوں جبکہ اور بھی تھے۔"

"تم زخمی کیوں ہُوئے؟" اوشان نے اب اس کی طرف مُنہ کر لیا تھا۔

یہ وہ سوال تھا جس کے جواب سے پہلے ٹائیگر نے سوچا کیونکہ فوراً ہی اُسے احساس ہو گیا تھا کہ ماسٹراب اس کے لیے یقیناً کوئی سزا تجویز کرے گا۔

"میں نے اپنی کارروائی تاخیر سے شروع کی تھی۔" اُس نے سر جُھکا کر جواب دیا۔

"اس تاخیر کا نتیجہ تو تمہیں ہر حال میں بھگتنا پڑے گا۔" اوشان نے جواب دیا۔ "لیکن فی الحال آرام کرو۔"

شہزاد نے کندھے اُچکانے اور باتھ روم کی طرف بڑھ گیا۔

*

ڈاکٹر بہرام اپنے دفتر میں کمپیوٹر کے سامنے بیٹھا ہُوا، دُنیا کے تازہ ترین حالات سے آگاہی حاصل کر رہا تھا۔ فردوس کے وقت کے مطابق ٹھیک دس بج کر بارہ منٹ پر فون بج اُٹھا۔ بہرام نے ریسیور اُٹھانے میں دیر نہیں کی۔

"کیسے ہو، سویٹ ہارٹ؟" دوسری طرف سے ایک چہکتی ہُوئی آواز سُنائی دی۔

"بہت اچھے۔" بہرام نے جواب دیا۔

"لہجے سے تو یوں لگتا ہے جیسے بہت سی شہد کی مکھیوں نے کاٹ کھایا ہو۔" ٹائیگر نے ہنستے ہُوئے کہا۔

"کام کی بات کرو، ٹائیگر! میں ویسے ہی تھوڑا سا پریشان ہُوں۔" بہرام نے جواب دیا۔

"اوہ..." شہزاد نے حیرت سے کہا۔ "چارہ گر کا پاس پتھر کا دل رکھ کر بھی پریشان ہو سکتا ہے۔"

"ہاں، کئی دن سے روبی کی خیریت نہیں ملی کہ وہ کس حال میں ہے۔"

"اوہ! تو تم اپنی چہیتی کی وجہ سے پریشان ہو۔ بھاڑ میں جھونکو اُسے..." کہنے کو تو شہزاد نے کہہ دیا لیکن اُس کا اپنا چہرہ بھی تفکرات کی آماجگاہ بن گیا تھا۔ بے اختیار اُس نے سوچا کہ کہیں وہ کسی پریشانی میں مبتلا تو نہیں ہو گئی۔ اُس کا جی چاہا کہ وہ بہرام سے پوچھے کہ اُس نے اُسے اکیلے مشن پر بھیجا ہی کیوں تھا۔

"بکو مت... وہ چار دن پہلے سان السلواڈور گئی تھی... گواٹمالا کے تعاقب میں... اور اُس وقت سے اب تک اُس کی کوئی خیریت نہیں ملی۔"

"تو پھر میں کیا کروں؟" شہزاد نے اُکتا کر دل سے کہا۔

"تم اپنا مشن ختم کر کے فوری طور پر مجھے رپورٹ دو پھر تمہیں روبی کی مدد کے لیے جانا ہوگا۔"

Uploaded By Nadeem

"تم خود کیوں نہیں چلے جاتے۔ پہلے بھی تو تم اُس کے سرپرست بن کر اُس کی مدد کرتے رہے ہو۔"

"بے کار باتیں مت کرو۔ فی الحال یہ بتاؤ کہ تمہارا مشن کس حال میں ہے؟"

"میرا متبادل منصوبہ ناکام ہوگیا ہے۔" ٹائیگر نے اُسے آگاہ کیا۔

"آل رائٹ۔" بہرام نے ایک طویل سانس لی۔ "اب تم جانتے ہو کہ تمہیں کیا کرنا ہے؟"

"ہاں۔" شہزادے نے مختصر سا جواب دیا۔

اس کے ساتھ ہی اُس نے فون بند کر دیا۔

مملکتِ فردوس کے چار عظیم ٹرانسپورٹیشن لیڈروں کی موت کے پروانے جاری ہو گئے تھے۔

❋

پہاڑیوں میں سفر مزید چار گھنٹے جاری رہا تھا۔ پھر اُنھوں نے سڑک پر کھڑی ہوئی تین بڑی رُکاوٹوں کو عبور کیا تھا اور باغیوں کے بیس کیمپ جا پہنچے۔ یہ مستقل کیمپ تھا جس کی پختہ عمارتیں کافی کے درختوں میں گھری کھڑی تھیں۔

روبی اور رُوسی، سفر کے دوران باتیں کرتے آئے تھے... لیکن زیادہ باتیں رُوسی ہی نے کی تھیں کیونکہ روبی کی رُوسی زبان بس گزارے کے قابل تھی۔ اس عرصے میں روبی نے تھوڑی سی نیند بھی لی تھی اور جب ٹرک رُکا تو وہ مکمل طور پر فریش ہو چکی تھی۔

رُوسی نے ہنستے ہوئے روبی کا جائزہ لیا۔

"میں نے کسی چھاپہ مار کو کسی معرکے کے بعد اس بے فکری سے سوتے نہیں دیکھا۔" گالکن نے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ تم اس میدان میں زیادہ پرانی نہیں ہو۔"

"یہ سچ ہے دوست!" روبی نے آنکھیں ملتے ہوئے جواب دیا۔ "نئی ضرور ہوں لیکن جو رقم ادا کر دے، اُس کے لیے پرانوں سے زیادہ بہتر انداز میں لڑتی ہوں۔ کیا تم بھی مارکیٹ میں ہو؟"

گالکن پہلے تو ہچکچایا پھر اُس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"نہیں دوست! لیکن خیال برا نہیں۔"

کیمپ کمانڈر، کانوائے کی خبر ملتے ہی نصف درجن فوجیوں کے ساتھ وہاں پہنچ گیا۔ اُس کے ساتھی فوجی افسروں نے سیاہ رنگ کے یونیفارم اور کاسترو اسٹائل کی ٹوپیاں پہن رکھی تھیں۔

کمانڈر کے کالر پر جنرل کا اسٹار لگا ہوا تھا۔ اُس نے پہلے گالکن کو گلے لگا کر خوب بھینچا اور پھر اُس کے گال پر بوسہ دیا۔ گالکن نے بھی اسی طرح روایتی خیر مقدم کا جواب دیا تھا۔

"دوست! تمہیں یہاں دیکھ کر مجھے بے حد خوشی ہوئی ہے۔" جنرل نے گالکن سے کہا۔ "پیپلز پارٹی آف السلواڈور تمہیں خوش آمدید کہتی ہے۔ تم ہمارے بہترین اور قابلِ اعتماد دوست ہو۔"

رُوسی نے بوکھلائی ہوئی نظروں سے پہلے جنرل اور پھر اس کو دیکھا۔ روبی اس کی نگاہوں کا مطلب سمجھ گئی تھی۔ اُس نے جنرل کے الفاظ کا ترجمہ گالکن کو سُنا دیا جس کے جواب میں رُوسی نے بھی ایک لمبی چوڑی تقریر شروع کر دی۔

روبی کھانسی تو گالکن کو بریک لگ گئے۔ روبی نے ٹوٹی پھوٹی ہسپانوی اور انگریزی میں جنرل کو گالکن کا مدعا سمجھا دیا۔

جونہی روبی نے ترجمہ ختم کیا ایک اور شخص اُن کے قریب آ گیا۔ اُس کا رنگ دوسروں سے نسبتاً صاف تھا۔ وہ فصیح و بلیغ رُوسی بول رہا تھا۔ گالکن نے فوری طور پر آگے بڑھ کر اُسے گلے لگایا۔

روبی نے دونوں کا تعارف سُنا۔ آنے والے کا نام احمد حسن تھا۔ اُس نے گالکن کو بتایا کہ وہ گلستانِ فردوس سے آیا ہے۔ وہ دونوں کچھ دیر باتیں کرتے رہے جس کے بعد گالکن جنرل کی طرف مڑا۔ اب احمد حسن اُس کی باتوں کا ترجمہ جنرل کو سنا رہا تھا۔ روبی چپکے سے ایک طرف ٹہل گئی۔ اُس نے قریب کھڑے ہوئے ٹرکوں میں تاکا جھانکی شروع کر دی۔ ایک ٹرک میں اُسے لکڑی کی ایک بڑا بکس نظر آیا جس پر کمپنٹ کا ٹیگ بھی لگا ہوا تھا۔ ٹیگ پر انگریزی میں ڈنیکوور درج تھا۔ اُس نے کچھ قریب ہو کر دیکھا... بکس کی لمبائی آٹھ فٹ اور چوڑائی تین فٹ تھی۔ وہ ایک طرف سے کھلا تھا جس کے اندر سے اُسے اسٹیل کا بنا ہوا ایک سیلنڈر بھی دکھائی دے رہا تھا۔ سیلنڈر پر چھپے ہوئے الفاظ چھپا دیے گئے تھے۔

روبی چھلانگ لگا کر ٹرک کے عقبی دروازے کے بمپروں سے نیچے بیٹھ گئی اور ٹانگیں نیچے لٹکا کر اِدھر اُدھر جھولنے لگی۔ ساتھ ہی اُس نے دوسروں کی نظر بچا کر پیکنگ کو ایک طرف ہٹانا شروع کر دیا۔ اسٹیل سیلنڈر پر کندہ الفاظ اُس کے سامنے آ گئے۔

ٹی۔ ڈی۔ سکسٹی نائن۔ سی۔ سی۔ ایچ۔ اے۔ ڈی۔ ایکس وائی۔ وِن۔ نائن۔ ایٹ۔

روبی نے اِدھر اُدھر دیکھا کوئی اُس کی طرف متوجہ نہیں تھا۔ اُس نے اپنی گردن یوں سینے کی طرف جھکائی جیسے وہ سو رہی ہو۔

تو اس کا مطلب یہ تھا کہ اس وقت السلواڈور کی ان پہاڑیوں میں زہریلی گیس کا وہ سیلنڈر موجود تھا جو بوٹسے ایڈیا ہوٹو کی بائنڈر

بیکل فیکٹری سے چرایا گیا تھا۔

"ہیلو، امریکن بے بی!" کسی نے اُسے انگریزی میں مخاطب کیا۔ روبی نے چونک آنکھیں کھول دیں۔

پکارنے والے نے دوسروں کی طرح کا لایونیفارم پہن رکھا تھا لیکن ۳۵۔ ایم۔ ایم کے کیمرے کے ساتھ تصویریں بنانے میں مصروف تھا۔ مختلف فاصلوں کے لیے دو سیلی فوٹو لینس اُس کے گلے میں جھول رہے تھے۔

"مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم اس کانوائے کی ہیروئن ہو..." کیمرامین چہکا۔ "تم نے اکیلے ہی سرکاری فوجیوں کو بھاگنے پر مجبور کر دیا تھا۔"

روبی جھلا کر لگ کر نیچے اُتر آئی۔ "وہ تو بس میں اپنی تنخواہ کو حلال کر رہی تھی۔" روبی نے مسکرا کر جواب دیا۔ "تم مجھے امریکن نہیں لگتے۔"

"امریکنوں سے مجھے کیا لینا دینا گڑیا!" اُس نے مصافحے کے لیے ہاتھ آگے بڑھا دیا۔ "میرا نام کوسان ڈیوڈ وف ہے۔ میں تاس کا نمائندہ ہوں اور تمہارے بارے میں کچھ لکھنا چاہتا ہوں۔"

"جو چاہے لکھو لیکن تصویریں نہیں۔ کرائے کے فوجی اس طرح کی تشہیر پسند نہیں کرتے۔"

"اوہ!" کوسان نے جواب دیا۔ "ٹھیک ہے، کوئی تصویر نہیں ہوگی۔ میں ابھی دوسروں سے بات کر رہا تھا کہ تم اتنی تیزی کے ساتھ جیپ سے کیسے اُتری تھیں؟"

"خوش قسمتی سے۔" روبی نے زیرِ لب مسکرا کر جواب دیا۔ اب اُسے کیا بتاتی کہ ٹائر اچانک پتھر پر چڑھ جانے کی وجہ سے وہ خود کو سنبھال نہیں سکی تھی۔ اُس نے رُوسی کو پوری کہانی ضروری قطع و برید کے بعد کہہ سنائی تھی۔

کوسان کھلکھلا کر ہنس دیا۔ "اس کا مطلب ہے کہ میرا یہاں آنا بے کار نہیں گیا۔

"میں نے سنا ہے کہ تاس والے بڑی بڑی کہانیاں اور خبریں ڈھونڈتے پھرتے ہیں۔"

کوسان نے اثبات میں سر ہلایا۔ "ہاں۔"

"تو پھر اس کے بارے میں تمہاری کہانی کیا ہے؟" روبی نے ٹرک میں پڑے ہوئے لکڑی کے بکس کی طرف اشارہ کیا۔

"تم تو خود مجھے ایک رپورٹر نظر آ رہی ہو۔" کوسان نے ہنس کر کہا۔ "اسے چھوڑو، یہ تمہارے میرے مطلب کی چیز نہیں... آؤ، کھانا کھائیں۔ ہم جلد ہی یہاں سے روانہ ہونے والے ہیں۔"

روبی نے کوسان کی تقلید کی تھی۔ یوں بھی وہ خاصی دیر سے بھوک محسوس کر رہی تھی لیکن کھانے کے دوران بھی اُس کا ذہن... اسٹیل سیلنڈر ہی میں اُلجھا رہا۔ کیا وہ اسے جیلی کاپٹر کے ذریعے واپس دارالحکومت لے جائیں گے؟ وہ یہی اندازہ لگا پائی تھی۔ تاس کے نمائندے نے اُس سے اس بارے میں ایک لفظ نہیں کہا تھا لیکن اُس کا ذومعنی انداز بے حد کھٹک رہا تھا اور پھر اس جرنلسٹ کی یہاں موجودگی بھی تو کم اہم نہیں تھی۔ وہ اُن کے یہاں پہنچنے سے قبل ہی موجود تھا۔ یہی حال اس فردوسی کا بھی تھا جس کے رُوسیوں اور السلواڈورین سے بڑے اچھے تعلقات تھے۔ اس کا مطلب تو یہی تھا کہ کوئی بڑی بات رُونما ہونے والی ہے۔

روبی نے زہریلی گیس کے بارے میں اور بھی بہت سے اندازے قائم کیے لیکن پھر خود ہی انھیں مسترد کرتی چلی گئی۔ یہ تو اُسے معلوم تھا کہ اسے فضا میں پھیلا دیا جائے گا لیکن اُسے اس بارے میں قطعی کوئی علم نہیں تھا کہ پھیلائی جانے والی گیس کا اثر کتنی دیر قائم رہے گا۔

کھانا قطعی طور پر فوجی اسٹائل کا تھا۔ ذرا فاصلے پر گرم پانی کے برتن رکھے ہوئے تھے جہاں ہر شخص جا کر اپنے ہاتھ دھوتا تھا اور ساتھ ہی وہ برتن بھی صاف کرتا تھا جس میں وہ کھاتا تھا۔ کھانے کے بعد انھیں گرم گرم کافی فراہم کی گئی۔

روبی کھانا کھا کر ایک درخت کے نیچے بیٹھی فوجیوں کا جائزہ لیتی رہی۔ وہ کسی باقاعدہ فوج کا حصہ ہی دکھائی دیتے تھے۔ وہ صرف وہی کچھ کرتے تھے جس کے لیے انھیں کہا جاتا تھا۔ کھانا کھانے کے بعد وہ بھی سستانے کے لیے بیٹھ گئے۔ انھیں اپنے افسروں کے آئندہ احکامات کا انتظار تھا لیکن آثار کے اس وقفے میں بھی اُن کے ہاتھ اپنی لوڈڈ رائفلوں سے ایک لمحے کے لیے بھی نہیں ہٹتے تھے۔ یہ لوگ کسی سے موت اور خطرات سے کھیل رہے تھے۔

ایک بات پر روبی کو بھی حیرت تھی اور اُسے خوشی بھی ہوئی کہ کسی نے لڑکی سمجھ کر اُسے پریشان کرنے کی کوشش نہیں کی تھی... روبی اگر کیپٹن ولدیز کی ذرا سی بھی حوصلہ افزائی کرتی تو وہ اس سے اظہارِ محبت کرنے میں قطعی نہ چوکتا۔ وہ اُس پر ریشہ خطمی تھا لیکن اُس نے کوئی ایسی حرکت بہرحال نہیں کی تھی جس سے روبی کی نسوانیت کو ٹھیس لگتی۔ یہی حال دوسرے فوجیوں کا تھا۔ اُن کی آنکھوں میں عجیب عجیب خواہشیں بلکورے لیتی صاف محسوس ہو رہی تھیں... لیکن اُن خواہشوں پر عمل کرنے کے بارے میں شاید کسی نے بھی نہیں سوچا تھا... بہرحال یہ ایک نیک فال تھی۔

اُسی لمحے بڑی عمارت کا مرکزی دروازہ کھلا اور کیمپ کمانڈر

Uploaded By

باہر نکل آیا۔ اُس کا ایک نیم "ال سوشیلو" یعنی چاچو تھا۔ عمارت کے سامنے کھڑے ہو کر جنرل گمالکن اور فردوسی چند تانبوں کے لیے باتیں کرتے رہے جس کے بعد جنرل نے ایک مخصوص اشارہ کیا اور چھ گوریلے اپنی جگہوں سے اُٹھ کر بھاگتے ہوئے اس ٹرک کی طرف بڑھے جس پر سیلنڈر لدا ہوا تھا۔

تاس کا نمائندہ کوسان اُنھیں دیکھتے ہی اپنی جگہ سے اُٹھ کر اُن کی طرف بڑھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ بھی اُن کی بات چیت میں شامل ہو چکا تھا۔ روبی نے تمام لوگوں کو اپنی طرف دیکھتے ہوئے پایا۔ کے۔ جی۔ بی کے ایجنٹ نے شاید ہلکا سا احتجاج کیا اور پھر خاموش ہو گیا۔ کوسان تقریباً بھاگتا ہوا اُس سمت آیا جہاں روبی درخت سے ٹیک لگائے تقریباً نیم دراز تھی۔

"ہم تیار ہیں 'ڈائنا'" اُس نے بے تکلفی سے روبی کو مخاطب کیا۔ "تم ہمارے ساتھ وہاں چل رہی ہو جہاں خبریں جنم لیتی ہیں۔ میں نے کہا ہے کہ تم میری ذاتی محافظ بن کر جاؤ گی۔ سو میں جیت گیا۔ کیا تم چلنا چاہتی ہو؟"

روبی نے اُٹھ کر اپنے کپڑے جھاڑے، خودکار رائفل کندھے سے لٹکائی اور غیر محسوس طریقے سے اپنی پتلی کمر کے ساتھ بندھی بیلٹ پر ہاتھ پھیر کر اطمینان کیا کہ اُس کے تینوں میگزین موجود ہیں۔

"ہم ٹرک پر چلیں گے یا بذریعہ ہوا؟" روبی نے خوش گوار موڈ میں دریافت کیا۔

کوسان نے جواب میں بلند آہنگ قہقہہ لگایا۔ شاید وہ بھی کرائے کی اس "گوریلی" سے متاثر ہوا جا رہا تھا۔

"تمہیں تو پتنگوں پر بٹھا کر بھی لے جایا جا سکتا ہے 'ڈائنا'!" اُس نے فلسفہ جھاڑا۔ "لیکن خیر، یہ تو واہیات سا جملہ ہے۔ میرے خیال میں تم اس وقت ٹارگٹ کے بارے میں سوچ رہی ہو اور میرے نزدیک یہ اچھی بات ہے۔ میرے نزدیک اور ساتھ رہو گی تو میں تمہیں ایک اچھی جرنلسٹ بنا دوں گا لیکن یاد رکھنا کہ ہم خود اپنی ذات سے زیادہ پارٹی کے وفادار ہوتے ہیں۔ آؤ، ہمیں پہلے ٹرک میں بیٹھنا ہے۔"

روبی خاموشی سے اُس کے ساتھ چل دی۔ جب وہ دونوں ٹرک کے عقبی حصے میں پہنچے تو چھ فوجی، اسٹیل سیلنڈر کے گرد بنا ہوا... لکڑی کا بکس کھول رہے تھے۔ وہ اطمینان سے کام کر رہے تھے... اور اُن کے چہروں سے کسی قسم کا خوف مترشح نہیں تھا۔

روبی نے ایک طویل سانس لی اور کوسان کی طرف دیکھا۔

"تم مجھے یہ نہیں بتا سکتے کہ کیا ہونے والا ہے؟ آخر یہ کیا شے ہے؟ ایٹم بم...؟"

کوسان ہنسا۔ "نہیں..." اُس نے نفی میں سر ہلایا۔ "یہ ایٹم بم نہیں ہے۔ لیکن تباہ کاریوں میں اُس سے کم بھی نہیں ہے۔ ہم ایک نیا سا تجربہ کرنے جا رہے ہیں جس کے نتیجے میں پوری دنیا، اسامہ بن کے علمبردار اور تمہارے آبائی وطن پر لعنت ملامت کرنے لگے گی۔ بس، تھوڑا سا انتظار کر لو۔"

روبی پر فوری طور پر صورتِ حال واضح ہو گئی۔ تو یہ باغی کمانڈر گاؤں کے معصوم دیہاتیوں پر تجربہ کرنے جا رہے تھے۔ یہ اس سے معصوم بچوں اور عورتوں کو موت کے گھاٹ اُتاریں گے۔ روسی نصیر بنا کر پراوداایں بھیجے گا جو انھیں دنیا بھر میں ریلیز کر دے گا۔ کم از کم وہ اس سانحے کو روک سکتی تھی لیکن جونہی اُس نے یہ سوچا، ایک ہیبت اُس کے سر سے آگرا، اُس کی گردن میں حمائل ہو گیا۔ دوسرا اُس کے یہ سب کچھ اس قدر آناً فاناً ہوا تھا جیسے گوریلے اُس کی سوچ پڑھنے پر قادر تھے۔

روبی کسمسائی لیکن اس وقت وہ بے بس تھی۔

کوسان نے مسکرا کر روبی کو دیکھا۔

"سوری 'ڈارلنگ ڈی'" اُس نے دانت نکالے۔ "میں کوئی خطرہ مول لینے کو تیار نہیں۔ آخر کار تم ہو تو وفادار امریکن گرل اور ہم، امریکیوں کو ایسے موقع پر کھلا نہیں چھوڑ سکتے۔ تم اُس وقت تک قید میں رہو، جب تک ہمارا کام مکمل نہیں ہو جاتا۔ اس کے بعد جونہی میں کیمپ سے رُخصت ہوا، تمہیں رہا کر دیا جائے گا۔"

"میں پیشہ ور کرائے کی فوجی ہوں۔" روبی نے اُسے بتایا۔ "اس لیے اپنے آقاؤں کے خلاف کبھی نہیں لڑتی۔"

"کرائے کے فوجی، وفاداریاں تبدیل کرنے کے سلسلے میں بہت مشہور ہیں۔" کوسان نے جواب دیا۔ "اور ہم یہ نہیں چاہتے ہیں نے اس سلسلے میں جنرل اور گالکن سے وعدہ کیا ہے۔"

نصف گھنٹے کے سفر اور ایک سخت چیک پوائنٹ سے گزرنے کے بعد وہ ایک پہاڑی علاقے میں ہی اپنی منزل پر پہنچے تھے۔

روبی کو ٹرک سے اُتار کر ایک درخت کے ساتھ باندھ دیا گیا تھا۔ اُس کی نظروں کے سامنے فوجی، ٹرک سے اسٹیل سیلنڈر اُتارنے میں مصروف تھے۔ لکڑی کا بکس اس وقت ساتھ نہیں تھا۔ اُس نے بائیں سمت گردن گھمائی۔ پہاڑی کے نیچے اُسے کسی کیمپ یا گاؤں سے دھواں اُٹھتا نظر آ رہا تھا۔ فوجیوں نے سیلنڈر اُٹھا کر اُس پہاڑی کی نگر پر رکھ دیا جس کے دامن سے دھواں بلند ہو رہا

سیلنڈر کے سامنے لکڑی کا ایک تختہ لگا دیا گیا تھا۔ جونہی تختہ ہٹایا جاتا، سیلنڈر لڑھک کر اُس کھائی میں جا گرتا جہاں وہ کیمپ یا گاؤں موجود تھا۔

کوسان پورے مشن کا انچارج معلوم ہو رہا تھا۔ اُس نے روشنی کا جائزہ لیا، ہوا کے رُخ کو دیکھا اور اثبات میں سر ہلا دیا... ایک گوریلے نے سیلنڈر گرنیڈ ہاتھ میں پکڑ کر کوسان کی طرف دیکھا۔ اُس نے اشارہ پا کر اُس نے گرنیڈ اسٹیل سیلنڈر کے ساتھ لگے ہوئے پن میں پھنسا دیا۔ دوسرا آدمی بھی اُس کی مدد کو پہنچ گیا تھا۔ اُس نے سیلنڈر کو نیچے دھکیلنا تھا، پن کھینچنے کے دس سیکنڈ بعد گرنیڈ کو پھٹنا تھا اور اتنی دیر میں سیلنڈر یقینی طور پر لڑھک کر کھائی میں پہنچ چکا ہوتا۔

کوسان نے روسی زبان میں چیخ کر کچھ کہا اور سیلنڈر گرنیڈ کے قریب کھڑے ہوئے شخص نے پن کھینچ لی۔ اُسی وقت دوسرے شخص نے سیلنڈر کو کھائی میں دھکیل دیا۔ ٹھیک دس سیکنڈ بعد نیچے سیلنڈر گرنیڈ پھٹنے کی آواز سنائی دی۔

روبی کو یقین تھا کہ گرنیڈ پھٹنے سے تباہ کن سیلنڈر کی نوزل ٹوٹ گئی ہو گی اور اس میں سے زہریلی گیس نکلنی شروع ہو گئی ہو گی... اس کی معلومات کے مطابق یہ گیس کسی ذی رُوح کو پانچ سیکنڈ کے اندر اندر موت کے گھاٹ اُتار دیتی تھی۔

ایک گوریلے نے چوٹی سے نیچے جھانک کر دیکھا اور پھر وہ خوشی سے تقریباً چلا اُٹھا۔

"نوزل پھٹ گئی ہے اور گیس باہر نکل رہی ہے۔"

کوسان فوراً بھاگ کر کگر تک پہنچا۔ ہوا موافق تھی جس سے گیس اس کی طرف آنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ وہ مسکرایا اور ۵۰۰ ایم ایم کا بلنس کیمرے پر لگا کر تصویریں لینے لگا۔ تصویریں رنگین تھیں اور انھیں ٹی وی سیٹلائٹ کے ذریعے ماسکو بھیجا جانا تھا۔

روبی نے رسیوں کو ڈھیلا کرنے کے لیے زور لگایا۔ اُس نے ایک گرہ ڈھیلی بھی کر لی لیکن اُس کی نگرانی پر متعین سپاہی نے اُسے دوبارہ سخت کر دیا۔ اب ایک بار پھر وہ بے بس تھی۔ ظاہر ہے وہ کچھ نہیں کر سکتی تھی لیکن وہ چاہتی تھی کہ کوسان کو یہ اسٹوری اور تصاویر بھیجنے سے روکنے کی کوشش کرے۔

پانچ منٹ بعد کوسان، روبی کے پاس لوٹ آیا۔

"کیا تمہیں پتا ہے، نیچے کیا ہوا 'ڈارلنگ'؟" اُس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "یہ تقریباً پچاس گوریلوں کا ایڈوانس کیمپ تھا جو کرنل اوزر کے وفادار تھے۔ تمہیں تو اس بات کا پتا نہیں ہو گا کہ وہ ملک میں انقلاب لانا چاہتا تھا۔ وہ گوریلوں کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرنا اور جنرل کو موت کے گھاٹ اُتارنا چاہتا تھا۔ ہم نے ایک تیر سے دو شکار کیے ہیں۔"

"گیس نے انھیں ہلاک کر دیا ہو گا؟"

"بالکل، میں نے ابھی انھیں دیکھا ہے۔ دھوئیں کے بادل کیمپ سے ٹکرانے کے پانچ سیکنڈ کے اندر اندر ہر ذی رُوح مر چکا تھا۔ دھوئیں کے بادلوں نے پورے کیمپ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا لیکن اب یہ بادل چھٹنا شروع ہو گئے ہیں لیکن ہمیں معلوم ہے کہ اگلے پندرہ میل کے دائرے میں کوئی سویلین نہیں ہے۔ اس لیے کیمپ سے آگے کسی کے ہلاک ہونے کا کوئی اندیشہ نہیں ہے، البتہ بیمار ہونے کا خطرہ بدستور ہے۔"

"تم لوگوں نے کتنے آدمیوں کو موت کے گھاٹ اُتارا؟"

"تقریباً پچاس... اور میں تمہیں وہ تصویریں بھی دکھاؤں گا جو میں نے بنائی ہیں۔ ہم نے کیمپ سے سوفٹ تک کے فاصلوں کی تصاویر بنائی ہیں۔"

"تم جیسے قصائی کو ہیرو فرسٹ کلاس میڈل ملنا چاہیے۔"

"نہیں 'ڈارلنگ'، تم غلط انداز میں سوچ رہی ہو۔"

"اگر تم نے اب مجھے ڈارلنگ کہا تو میں تمہارا منہ توڑ دوں گی۔"

"غلط بات۔ ایسا رویہ رکھو گی تو میں تمہاری رہائی کے لیے سفارش واپس لے لوں گا۔"

"مرد ہو تو مردوں کی بات کرو۔ میں صاف ستھری جنگ پسند کرتی ہوں۔ تم چاہو تو اپنے چھ گوریلوں کے ساتھ میرے مقابلے پر آ سکتے ہو۔"

"سوری، میرے پاس اس کے لیے وقت نہیں۔ ہم آخری چیک پوائنٹ تک واپس جائیں گے اور پھر میں ایک ٹرک کے ذریعے شہر روانہ ہو جاؤں گا۔ سادہ لباس میں تین ایجنٹ میرے ہمراہ ہوں گے جبکہ تمہیں دوسرے لوگوں کے ہمراہ بیس کیمپ واپس جانا ہو گا۔ تین گھنٹے میں تمہارے محافظ بن کر جائیں گے۔ جنرل... اور ایلگزینڈر گالکن کا میری طرف سے شکریہ ادا کر دینا اور گالکن سے کہنا کہ اب ماسکو میں ملاقات ہو گی۔ میں اُسے وہیں سے جانتا ہوں۔ ہم نے کے جی بی اسکول میں اکٹھے تربیت حاصل کی تھی، جس کے بعد میں جرنلزم میں آ گیا تھا۔"

کوسان نے آگے بڑھ کر روبی کی رسیاں کھول دیں۔

اُس نے کسی قسم کی کوئی مزاحمت نہیں کی۔ حتیٰ کہ جب اُسے بیس کیمپ واپس لایا گیا، وہ اُس وقت بھی خاموش تھی۔

Uploaded by Nadeem

ٹائیگر نے درانتی کو اپنے جسم کے ساتھ لپٹایا اور پھر کپڑے سے باندھ کر اُوپر قمیص پہن لی۔ اب کسی کے خواب و خیال میں بھی یہ نہیں آسکتا تھا کہ قمیص کے نیچے کوئی اور شے بھی موجود ہے۔

تیار ہو کر وہ دروازے کی طرف بڑھا لیکن اُوشان کی آواز نے اُس کے قدم روک لیے۔

"سسرال جا رہے ہو؟"

"ہاں، لیکن! اپنے نہیں، ٹِنل فادر!" اُس نے پلٹ کر جواب دیا۔

"پھر کس کے؟"

"ظاہر ہے کہ آپ ہی کے سسرال جا سکتا ہوں۔"

"یہ راز کی بات مجھے بھی بتا دو کہ میرے سسرالی کہاں ہیں؟" اُوشان نے دریافت کیا۔

"باہن شاہ قبرستان میں۔"

اُوشان نے جُرأسامنہ بنایا۔ "میرا مشورہ ہے کہ نہ جاؤ... تم وہاں سے ناکام ہی لوٹو گے۔"

"کیا آپ کے سسرال والے کسی مرگھٹ میں شفٹ ہو گئے ہیں؟" ٹائیگر نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

"اگر تم نئی عمارت کو مرگھٹ یا قبرستان کہتے ہو تو یہی سہی... کیونکہ مجھے نظر آ رہا ہے کہ وہاں جا کر تم محض اپنی طاقت اور وقت ضائع کرو گے، اس لیے نہ جاؤ۔"

"میری طاقت ضائع نہیں ہو گی، ٹِنل فادر!" شہزاد نے جواب دیا اور دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔

ہوٹل کی لابی اب بھی پولیس والوں، اخبار نویسوں، فوٹو گرافروں اور ٹی وی کیمروں سے بھری ہوئی تھی۔ ایمبولنس گاڑیاں لاشیں لے کر روانہ ہو چکی تھیں۔

سلطان، لابی کے درمیان میں کھڑا، ٹی وی کیمروں کی روشنی میں گویا نہایا ہوا تھا۔ اُس کے بازو پر پٹی بندھی ہوئی تھی جو یقینی طور پر اُس کے اپنے ہی کسی ساتھی کی چلائی ہوئی گولی سے زخمی ہوا تھا۔

"وہ پاگل آدمی کسی وجہ کے بغیر ہم پر گولیاں برسا رہے تھے۔" سلطان، اخبار نویسوں کو بتا رہا تھا۔ "یہ غنڈوں کی طرف سے مزدوروں پر منظم حملہ اور اُن کے حقوق کے خلاف مکروہ سازش ہے۔"

"لیکن ہمسٹر سلطان! پولیس کا کہنا ہے کہ مرنے والے اور زخمی ہونے والے تمام افراد یونین کے آدمی تھے۔" ایک اخبار نویس نے... مائیکروفون اُس کے مُنہ کے آگے کرتے ہوئے کہا۔

"یہ درست ہے۔ ہمارے پاس اپنے دفاع کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ اُن کی تعداد تیس کے لگ بھگ تھی جو سب کے سب رائفلوں سے مسلح تھے۔"

"شکریہ مسٹر سلطان!" ٹیلی ویژن نیوز کاسٹر اور اخبار نویس اپنے اپنے کیمروں کی طرف مُڑے۔ "یہ انٹرنیشنل برادر ہڈ آف ڈرائیورز کی کانفرنس میں شریک مسٹر سلطان تھے جو لابی میں ہونے والے قتل اور غارت گری کی تفصیلات بتا رہے تھے۔"

شہزاد کونے میں کھڑا، سلطان کی اداکاری دیکھ رہا تھا۔ سلطان کی نظر اُس پر پڑی تو اُس کے چہرے پر خوف کے سائے لرز اُٹھے... وہ فوراً پولیس کیپٹن کی طرف بڑھا۔ شہزاد مُسکرایا اور اس سے پہلے کہ سلطان، کیپٹن کو کچھ کہتا، وہ لابی سے باہر آ چکا تھا۔

ٹیکسی کے ذریعے وہ پُرانے کنونشن ہال پہنچا جہاں دوپہر کو ڈرائیوروں کے اس عظیم الشان کنونشن کا آخری اجتماع ہونے والا تھا۔ ٹیکسی ڈرائیور راستے بھر ہوٹل میں ہونے والے سانحے کے بارے میں بکواس کرتا رہا لیکن ٹائیگر محض ہُوں ہاں کر کے خاموش ہو گیا تھا۔

کنونشن ہال ویران پڑا تھا۔ کوئی بارودی محافظ ہال پر پہرہ نہیں دے رہا تھا اور نہ ہی کوئی ورکر، کنونشن کی تیاریوں میں مصروف تھا۔ ہال کی نشستیں بھی صاف نہیں کی گئی تھیں اور نہ ہی اُن کے سامنے نصب میزوں پر اجلاس کا ایجنڈا موجود تھا۔

شہزاد کو اندر آتے ہوئے صرف ایک شخص نظر آیا تھا جو ایک سیڑھی پر چڑھا ہوا بلب لگا رہا تھا۔ اُس نے بھی شہزاد سے کوئی تعرض نہیں کیا اور نہ ہی اُس سے پوچھا کہ وہ اندر کیوں جا رہا ہے۔ شہزاد نے اُس کی طرف دیکھ کر ہاتھ ہلایا اور ہال میں داخل ہوتا چلا گیا۔

سامنے ہی وسیع و عریض اسٹیج تھا جس کے اُوپر لوہے کا وہ گرڈر نصب تھا جسے شہزاد نے اسٹیج پر موجود لوگوں پر گرانا تھا۔ اُس نے درانتی سے اسکرو ڈرائیور کا کام لینے کا فیصلہ کیا اور ستونوں کے ساتھ بنے فلک بوس کی سیڑھی کے ذریعے اُوپر پہنچ گیا۔ اُس نے درانتی پر بُلند اقبال کی انگلیوں کے نشان اسی لیے حاصل کیے تھے کہ گرڈر گرنے کے بعد درانتی بھی نیچے گرے اور پولیس کو معلوم ہو جائے کہ گرڈر کے نٹ کھولنے والا اپنی درانتی یہاں بھول گیا تھا۔ اس کے بعد درانتی پر اُنگلیوں کے نشان تلاش کیے جاتے جو ظاہر ہے بُلند اقبال کے نکلتے اور اُسی کو ڈرائیوروں کے عالمی صدر کے قتل کے الزام میں گرفتار کر لیا جاتا۔

شہزاد نے ابھی ایک ہی اسکرو کھولا تھا کہ نیچے ہال میں قدموں کی آوازیں اُبھریں۔ اُس نے ذرا سا جھانک کر دیکھا۔ دو افراد جو شاید عمارت کے در کر یا محافظ تھے، ٹہلتے ہوئے اسٹیج کی طرف آ رہے تھے۔

صورت حال اچانک ہی خراب ہو گئی تھی۔ شہزاد نہیں چاہتا تھا کہ وہ دونوں اُسے دیکھیں اور نہ ہی وہ فی الوقت انھیں جان سے مارنے کے مُوڈ میں تھا۔ کیونکہ بلاوجہ کی قتل و غارت گری اُسے بھی پسند نہیں تھی۔ وہ ایک جانب سمٹ گیا تاکہ آنے والوں کی نگاہوں سے محفوظ رہ سکے۔

"کیا ڈرائیوروں کو تم نے ایڈوانس کی رقم واپس کر دی ہے؟"... ایک شخص نے دوسرے سے پوچھا۔ جو شاید اس عمارت کا مالک یا مینیجر تھا۔

"ظاہر ہے، کرنی تو ہے۔" دوسرے نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "لیکن ہمارا معاہدہ ہُوا تھا کہ اگر ایک ہفتے سے پہلے وہ بُکنگ منسوخ کرائیں گے تو ایڈوانس کی نصف رقم منہا کر لی جائے گی۔ سو اب وہ صرف نصف رقم کے حق دار ہیں۔"

"آج کا اجلاس ملتوی کیا گیا ہے یا منسوخ کر دیا گیا ہے...؟" دوسرے نے دریافت کیا۔

"نہ ملتوی ہُوا ہے، نہ منسوخ۔ بس اجلاس کی جگہ تبدیل کر دی گئی ہے... سُنا ہے کہ شہر سے باہر کوئی دس منزلہ شان دار عمارت بنی ہے جسے یونین کا ہیڈ کوارٹر قرار دیا گیا ہے۔ آج سہ پہر کو یہاں ہونے والا اجلاس، اب اُس نئی عمارت میں ہو گا۔"

شہزاد کے مُنہ کا ذائقہ کڑوا ہو گیا۔ اُس نے جی بھر کر جواد... اور یونین کے عہدے داروں کو بُرا بھلا کہا۔ جن کی وجہ سے اجلاس کی جگہ تبدیل کر دی گئی تھی۔

دونوں آدمی باتیں کرتے ہوئے آگے نکل گئے۔ جب وہ شہزاد کی نظروں سے اوجھل ہو گئے تو وہ بھی نیچے اُتر آیا۔ اُس نے غصّے میں درانتی بھی ایک جانب پھینک دی۔ ظاہر ہے، اب اُس کی بھی کوئی ضرورت باقی نہیں رہ گئی تھی۔

✦

علی جواد پورے انہماک سے سلطان اور نوشاد کی ناکامی کی کہانی سُن رہا تھا۔ سلطان کے بازو پر پٹی اب بھی موجود تھی۔ کمرے میں ائرکنڈیشنر پوری رفتار سے چلنے کے باوجود اُس کا چہرہ پسینے میں بھیگا ہُوا محسوس ہو رہا تھا۔

"میں نے تمہاری تمام ہدایات پر عمل کیا تھا، باس!" سلطان نے نظریں جھکا کر اُسے بتایا۔ "مجھ سمیت وہاں ستائیس افراد موجود تھے، مسلح اور اُس کا نرخرہ چیرنے کے لیے ہر وقت تیار۔ ہم نے اُس کے اندر آتے ہی اُس پر گولیوں کی بوچھار کر دی تھی لیکن وہ فوری طور پر حرکت میں آ گیا۔ وہ خالی ہاتھ تھا، باس! لیکن اس قدر تیزی سے اِدھر اُدھر حرکت کر رہا تھا کہ کبھی کبھی تو وہ نظر ہی نہیں آتا تھا۔"

"یعنی تمہارے کہنے کا مقصد ہے کہ اُس نے خالی ہاتھ تمہارے مسلح آدمیوں کو ٹھکانے لگا دیا؟" جواد نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں، باس! میں اپنے بھائی کی قبر کی قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ اُس کے پاس تو خنجر تک نہیں تھا۔ اُس نے ہمیں خالی ہاتھوں سے مارا۔ اُس نے خالی ہاتھوں سے ہمارے لوگوں کو اُٹھا اُٹھا کر پٹخا۔ لابی کی بھاری چیزیں اُس کے ہاتھوں میں کھلونا لگ رہی تھیں اور باس! میں نے اُسے آنکھوں سے گولی پکڑتے اور پھر اُسے واپس گولی چلانے والے پر پھینکتے دیکھا۔ میں قسم کھا سکتا ہوں کہ جیون، ماتھے پر لگنے والی اُسی گولی سے مرا تھا... ہم نے پوری کوشش کی تھی، باس! لیکن وہ پھر بھی بچ نکلا۔ اس میں ہمارا کوئی قصور نہیں ہے۔"

جواد نے ایک گہری سانس لی اور سلطان اور نوشاد سے نظریں ہٹا کر ٹہلنے لگا۔

"کوئی بات نہیں۔" کافی دیر بعد انھیں جواد کی آواز سُنائی دی۔ "ہم اُسے دوسرے انداز میں ماریں گے۔"

"لیکن باس میں تمہارے اس مشن میں تمہارا ساتھ نہیں دے سکوں گا۔" سلطان نے دو ٹوک الفاظ میں کہا۔

"میں بھی..." نوشاد منمنایا۔

"میں تھک گیا ہوں باس!" سلطان دوبارہ گویا ہُوا۔ "میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ ہم اُس شخص کے خلاف کچھ نہیں کر سکتے... میں واپس جا رہا ہوں اپنے گھر، جہاں میری بیوی اور بچے میرا انتظار کر رہے ہیں۔ میں اپنی زندگی اُن کے ساتھ گزارنا چاہتا ہوں، میں اُن کے سامنے مرنا چاہتا ہوں تاکہ وہ باوقار انداز میں میری تدفین کر سکیں۔ مجھے تم سے یا تمہاری سیاست سے کوئی غرض نہیں ہے۔ میں لعنت بھیجتا ہوں، یونین پر یا کسی عہدے پر... خدا حافظ باس! میں ان ائرکنڈیشنڈ ہالوں میں بیٹھنے کی بجائے اپنا پرانا ٹرک چلانے کو ترجیح دوں گا۔ میرے لیے وہی بہتر ہے۔"

"ٹھیک ہے، سلطان!" جواد نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "اگر تم جانے کا فیصلہ کر ہی چکے ہو تو میں تمہیں نہیں روکوں گا... بلکہ اگر نوشاد بھی جانا چاہے تو یہ بھی اپنے فیصلے میں آزاد ہے لیکن میں تم دونوں کو اتنا عرصہ اپنے ساتھ گزارنے اور میرے لیے اتنی خدمات انجام دینے پر انعام دینا چاہتا ہوں۔" جواد مُسکرا دیا۔ "میرے ساتھ آؤ۔ اس کے بعد تم آزاد ہو گے۔" پھر وہ نوشاد سے مخاطب ہُوا۔ "تم یہیں رُک کر میرا انتظار کرو، میں واپس آتا ہوں۔ آؤ سلطان!"

ایک گھنٹے بعد علی جواد جب نئے ہیڈ کوارٹر کی دس منزلہ

عمارت کے تہ خانے سے نکلا تو دروازے کے پاس ہرے رنگ کے دو بھرے ہوئے بڑے بڑے تھیلے رکھے ہوئے تھے جن کے ساتھ یہ نوٹ چسپاں تھا کہ انھیں عمارت کی برقی بھٹی میں ڈال دیا جائے۔ واپسی پر جواد اکیلا تھا۔

"میں ناکام ہو گیا ہوں 'لٹل فادر!'"

کمرے میں داخل ہو کر شہزاد نے اُوشان کو مخاطب کیا جو اُس وقت نمدے پر بیٹھا، ٹی وی دیکھنے میں مصروف تھا۔ ایک خوبصورت سی لڑکی اسکرین پر عورتوں کی نفسیات کے بارے میں کوئی لیکچر دے رہی تھی۔ اوشان نے سر گھما کر اُسے دیکھا۔ اُس کے چہرے پر ناگواری کے تاثرات نہیں تھے اور یہ پہلا موقع تھا کہ اوشان نے ٹی وی دیکھنے کے دوران دخل اندازی پر بُرا نہیں منایا تھا۔ پھر اُوشان نے ایک غیر متوقع حرکت کی جسے دیکھ کر شہزاد حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکا اُس نے خود ٹی وی آف کر دیا تھا۔

"اِدھر آؤ۔" اوشان نے شہزاد کو اپنے قریب آنے کا اشارہ کیا۔ "میرے پاس بیٹھو۔"

اُوشان اُس وقت کنول کا آسن جمائے بیٹھا تھا۔ شہزاد بھی اُس کی تقلید میں سامنے بیٹھ گیا تھا۔ وہ خاموش تھا، وہ بولنا نہیں چاہتا تھا یا شاید اُس کے پاس بولنے کو کچھ نہیں رہا تھا۔

"تم سناںجو کی کہانی جانتے ہو شہزاد!" کافی دیر کی خاموشی کے بعد اوشان نے سکوت توڑا۔ "اُس سناںجو کی جو میری، میرے باپ، اُس کے باپ اور اُس کے باپ کے آباؤ اجداد کی جائے پیدائش ہے۔ تم یہ بھی جانتے ہو کہ تاریخ میں سناںجو کی کیا اہمیت ہے، سناںجو کے بیٹے کس طرح مارشل آرٹس کے ذریعے اپنے وطن کی خدمت کرتے ہیں۔ تمہیں یہ بھی علم ہے کہ میری دولت سمندر کے راستے وہاں پہنچائی جاتی ہے۔ تم جانتے ہو کہ سناںجو غریب ہے اور اس کی ساری دولت، قوت اور طاقت صرف اُس کے بیٹے ہیں۔"

شہزاد نے محض سر ہلا کر اوشان کی تائید کی تھی۔

"یہ سب تم جانتے ہو لیکن بہت سی باتیں ایسی بھی ہیں جو تم نہیں جانتے۔ میں ماسٹر آف سناںجو ہوں لیکن اگر میں ماسٹر ہوں تو پھر شاگرد کون ہے؟"

"میں آپ کا شاگرد ہوں لٹل فادر!" شہزاد نے جواب دیا۔

"میں تمہاری پیدائش سے پہلے بھی، ماسٹر آف سناںجو تھا۔"

"تو پھر کوئی اور ہو گا۔"

"ایک نہیں دو تھے۔" اوشان نے افسوسناک انداز میں سر ہلایا۔

"اُن میں سے ایک نوگان تھا، میرا بھتیجا، میرے سگے بھائی کا بیٹا جس کی پرورش میں نے اپنے خون سے کی تھی لیکن وہ باغی ہو گیا اور پھر تمہارے ہاتھوں مارا گیا۔"

"دوسرا کون تھا؟" شہزاد نے بے تابی سے پوچھا۔

"تمہیں اس بات کا علم نہیں کہ میں بھی اُس عمارت کا معائنہ کر چکا ہوں، جو شہر سے باہر تعمیر کی گئی ہے۔" اُوشان نے شہزاد کے سوال پر توجہ نہیں دی تھی۔ "وہی عمارت جس میں تم داخل نہیں ہو سکے تھے۔ تمہاری ناکامی کی وجہ یہ تھی کہ وہ اُن تمام علوم کو سامنے رکھ کر بنائی گئی تھی جنھیں تم جانتے تھے۔ وہ تمہاری صلاحیتوں کا توڑ تھا۔ جب میں نے عمارت کی طرف جانے والی سڑک کا نام دیکھا تو مجھے فوراً پتا چل گیا کہ عمارت کس کے حکم پر تعمیر ہوئی ہے۔ میں جانتا ہوں کہ عمارت میں زبردست خطرہ موجود ہے۔"

"کیا میرے لیے، لٹل فادر؟"

"ہاں، خصوصاً تمہارے لیے۔ میں جانتا ہوں کہ تم مجھ سے لڑائی کے بہت سے فنون حاصل کر چکے ہو۔ تم بے شک بہت سے معاملات میں ناقابلِ تسخیر ہو لیکن تمہارے علاوہ ایک شخص اور بھی ہے جو جانتا ہے کہ تم کیا کر سکتے ہو اور کیا کرنے والے ہو۔ اور وہ یہ سب اُس لیے جانتا ہے کہ اُس کی تربیت بھی میں نے کی ہے۔ اُس کی پیدائش سے لے کر جوانی تک وہ میرے ہاتھوں میں پلا ہے لیکن پھر وہ سناںجو چھوڑ گیا تھا اور ایک طویل عرصے کے بعد آج میں نے اُس کا نام سُنا ہے... سڑک کا نام دیکھنے کے بعد مجھے کچھ اور جاننے کی ضرورت نہیں تھی... وہ شخص جو تمہارے مقابلے پر ہے، اپنے وطن اور گاؤں کا غدار ہے۔ وہ شخص جو تمہیں تباہ کر سکتا ہے، ناشوا نوبک ہے جس کے نام پر... سڑک کا نام 'نوبک اسٹریٹ' رکھا گیا ہے۔"

"اُس کا آدھا نام میں نے پہلے سُنا تھا یعنی نوبک۔"

"درست۔" اُوشان نے جواب دیا۔ "یہاں وہ بے شک... نوبک کے نام سے پکارا جاتا ہے لیکن سناںجو میں وہ ناشوا تھا، صرف ناشوا۔ اگر تم اُس کے نام کو اُلٹا کر کے لکھو تو تمہیں معلوم ہو گا کہ اُس کا اور میرا نام ایک ہی ہے۔ نوگان اور ناشوا دونوں، میرے ولی عہد تھے لیکن پھر تم نے دیکھا کہ سناںجو کی تاریخ میں پہلی بار ایک غیر ملکی کو میرا ولی عہد ہونے کا اعزاز حاصل ہوا۔"

"یہ میرے لیے فخر کی بات ہے، لٹل فادر!" شہزاد نے جواب دیا۔ "لیکن مجھے یوں لگ رہا ہے کہ اب میں کچھ غلطی کر رہا ہوں۔ کیا میں اسے صحیح کر سکتا ہوں؟"

"جب تم ماسٹر آف سناںجو بن جاؤ گے تو پھر ساری غلطیاں

خود بخود درست ہو جائیں گی۔" اُوشان نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"لیکن میری مُراد 'نوبک یا ناشوا' کے سلسلے میں کی جانے والی غلطیوں سے تھی، لٹل فادر!"

اوشان نے اپنا استخوانی ہاتھ شہزاد کی طرف اُٹھایا اور پھر اُسے مُٹھی کے انداز میں بھینچ لیا۔

"تم ابھی اُس سے بہت دُور ہو۔"

"تو کیا اب تک میں فٹ بال کھیلتا رہا ہوں۔" شہزاد، اوشان کے جواب پر تلملا اُٹھا تھا۔

"نہیں، تم نے بے شک بہت کچھ سیکھا ہے لیکن تمہیں ناشوا کے برابر پہنچنے کے لیے ابھی مزید پانچ سال درکار ہیں۔ اگلے پانچ سال کی تربیت تمہیں اُس کے برابر لا کھڑا کرے گی۔ مجھے یقین ہے کہ پانچ سال کے بعد تم اُسے عبرتناک شکست دے سکو گے۔" اُوشان کی آواز میں فخر جھلک رہا تھا۔

"لیکن میں پانچ سال انتظار نہیں کر سکتا لٹل فادر!" شہزاد نے جواب دیا۔ "میرا ملک پانچ سال کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ اُس کی بقا کا دارومدار آج سے پہ تک ہے۔"

"کون سا ملک؟" اُوشان نے تلخ لہجے میں کہا۔ "وہ ملک جس نے تمہیں پھانسی کی سزا دی، جس ملک میں تم آج بھی مُنہ چھپائے پھرتے ہو، وہ ملک جس نے تمہیں تمہارے گھر، خاندان، مٹی... اور ماحول سے دُور پھینک دیا۔ کس ملک کی بات کرتے ہو، جو تمہارے حقوق کا قاتل ہے، جس نے تمہارے ساتھ حیوانوں سے بھی بدتر سلوک کیا ہے، جس ملک کی نظر میں تم مجرم تھے، مجرم ہو... اور آئندہ بھی مجرم رہو گے۔ میں تمہارے اس جواز کو تسلیم نہیں کرتا۔"

"آپ میرے ایک سوال کا جواب دیں گے لٹل فادر؟" شہزاد کا لہجہ خلافِ توقع بے انتہا نرم تھا۔

"بولو..." اوشان نے کہا۔

"آپ سناںجو سے نکل کر پوری دُنیا میں گھومتے پھرے ہیں لیکن آپ نے آج تک سناںجو کی روایات اور اقتدار کو ترک نہیں کیا۔ آپ آج بھی سناںجو کے نام کی مالا جپتے ہیں، آخر کیوں؟"

"اس لیے کہ میں نے سناںجو کی مٹی سے جنم لیا ہے، وہ میرا وطن ہے، میرا سب کچھ ہے۔ میں نے اُس کے خمیر سے..."

"فردوس، میرا سناںجو ہے لٹل فادر!" شہزاد نے اُوشان کا جملہ کاٹا۔

"لیکن فردوس نے تمہارے ساتھ..."

"آپ نے سناںجو کے ساتھ کیا کیا ہے؟" شہزاد نے اس بار بھی اُوشان کا جملہ پورا نہیں ہونے دیا۔ "آپ دُنیا بھر کا خزانہ سناںجو میں جمع کرنے کے علاوہ اپنے وطن کے لیے کیا کرتے ہیں؟"

"درست... لیکن جو سلوک تمہارے وطن نے تمہارے ساتھ کیا ہے، اگر وہ میرے ساتھ ہوتا تو میں کبھی یہ سب کچھ نہ کرتا۔ اگر وہ میری غلط تربیت کرتا تو میں کبھی اُس کا ماسٹر نہ ہوتا۔"

"کوئی ماں اپنے بیٹے کی تربیت غلط..."

"یہ غلط ہے، شہزاد!"

"میں نے اپنی بات ختم نہیں کی۔ کوئی ماں اپنے بیٹے کی تربیت غلط انداز میں نہیں کرتی کہ وہ خطرے کے وقت اُس کی مدد نہ کر سکے۔ یہ وطن میری ماں ہے۔ اس نے میری تربیت غلط نہیں کی۔ اُس نے مجھے نہیں ستایا بلکہ اُن لوگوں نے ستایا ہے جنھوں نے اپنی ماں کی محبتوں کا ناجائز فائدہ اُٹھایا تھا۔"

"تو اب تم پانچ سال بعد اپنی ماں کو اُس کی محبتوں کا خراج لوٹا سکتے ہو!"

"نہیں، لٹل فادر! اُسے خراج کی ضرورت اِس وقت ہے۔ میں اِسی وقت جاؤں گا۔"

"ناشوا سے تمہارا مقابلہ، تمہاری موت کا سبب بھی بن سکتا ہے۔ بے وقوفی مت کرو۔ یہ میرا حکم ہے۔"

"اور آج پہلی بار میں آپ کے حکم سے سرتابی کر رہا ہوں لٹل فادر!" شہزاد نے اپنی جگہ سے اُٹھتے ہوئے کہا۔ "مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کی توقعات پر پورا نہیں اُتر سکا۔ آپ میرے روحانی والد ہیں لیکن میں باپ کے کہنے پر ماں کو تنہا نہیں چھوڑ سکتا، اللہ حافظ!"

شہزاد دروازے کی طرف بڑھا۔ "کیا آپ میری کامیابی کے لیے دُعا نہیں کریں گے لٹل فادر؟"

"اللہ تمہاری حفاظت کرے گا شہزاد! سناںجو کو ابھی تمہاری ضرورت ہے۔" اُوشان نے کہا اور شہزاد دروازہ کھول کر نکل گیا۔

نوبک

اسٹریٹ پر ٹریفک جام ہونے کی وجہ سے ٹائیگر بہت پہلے ہی ٹیکسی سے اُتر گیا تھا اور اب وہ پیدل ہی اُس عمارت کی طرف بڑھ رہا تھا جو ڈرائیور یونین کا ہیڈ کوارٹر تھی۔ عمارت گو شہر کے مضافاتی علاقے میں تھی لیکن عمارت کی دائیں جانب گنجان آبادی دُور دُور تک پھیلی ہوئی تھی۔

ہیڈ کوارٹر کے دروازے پر داخلے کے منتظر لوگوں کی ایک لمبی لائن لگی ہوئی تھی لیکن قطار میں کھڑے ہونے کا مطلب وقت

ضائع کرنا تھا اور وقت شہزاد کے پاس بالکل نہیں تھا۔

وہ لوگوں کو دھکیلتا اور ایک طرف ہٹتا تا مسلسل آگے بڑھ رہا تھا۔ کئی لوگوں نے اُس کی اس بدتمیزی پر شدید احتجاج کیا تھا

"ہے، تم اندھے ہو گئے ہو کیا؟" ہجوم میں سے ایک آواز بلند ہوئی۔

"قطار میں لگ کر آگے آؤ میاں۔" کسی دوسرے نے کہا۔

"اسے اُٹھا کر پیچھے پھینک دو۔"

ٹائیگر نے یہ سب کچھ سنا لیکن بے نیاز رہا۔

ہجوم میں سے بہت سارے لوگوں نے اُسے یونین کے نئے ریکارڈ ہولڈنگ سیکرٹری کی حیثیت سے پہچان لیا تھا۔ بعض لوگوں نے اُسے دیکھ کر خوشی کا اظہار بھی کیا تھا۔

گیٹ پر کھڑے چوکیدار کو جب شہزاد نے اپنا انٹرنس کارڈ دکھایا تو وہ مارے خوشی کے اُس پر آن پڑا۔ ٹائیگر نے فوراً ہی اُسے پیچھے دھکیل دیا۔

"علی جواد تم سے فوری طور پر ملنا چاہتا ہے۔" محافظ نے ٹائیگر کو بتایا۔

ٹائیگر نے اُس کا شکریہ ادا کیا اور آگے بڑھ گیا۔ علی جواد طویل انٹرنس ہال وے میں اُس کا منتظر تھا... نہیں اُس کا منتظر نہیں... بلکہ تمام آنے والوں کا منتظر تھا۔

اُس کے لبوں پر مخصوص مسکراہٹ چپکی ہوئی تھی۔ وہ لوگوں کو مسکرا کر خوش آمدید کہہ رہا تھا کسی کو گلے لگا رہا تھا... کسی سے ہاتھ ملا رہا تھا... کسی کے رخسار کو بوسہ دے رہا تھا۔ شہزاد بھی اس ہجوم میں شامل ہو کر اُس کی طرف بڑھا۔

اور پھر جونہی جواد کی نظر اُس پر پڑی وہ تیر کی طرح اُس تک پہنچا۔ اُس کے ہونٹوں کے گوشے کچھ اور پھیل گئے تھے۔

"کیسے ہو دوست؟ تمہیں یہاں دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی۔" انٹرنیشنل برادر ہڈ آف ڈولفن یورز کے صدر نے کہا۔

"آج ہماری عظیم فتح کا دن ہے۔" یونین کے ریکارڈ ہولڈنگ سیکرٹری نے اُسے مایوس نہیں کیا۔

دونوں بڑی گرم جوشی سے گلے ملے، ڈولفن یوروں نے اپنے دونوں رہنماؤں کو دیکھ کر خوشی سے تالیاں بجائیں تھیں۔

"آؤ، میرے ساتھ نیچے چلو۔" جواد نے اُس کا بازو پکڑ لیا۔ "میں نے اہم معاملات پر تم سے مشورہ کرنا ہے۔"

"ڈو آئیڈیا۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔

دونوں رہنما دوستانہ انداز میں ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے لفٹ کی طرف بڑھے۔ جب تک لفٹ کا دروازہ بند نہیں ہو گیا لوگ دونوں کو مسکرا مسکرا کر باتیں کرتے دیکھتے رہے۔

لیکن دروازہ بند ہوتے ہی جواد کا لہجہ بدل گیا۔

"تم ہمیں بے وقوف سمجھتے ہو؟ تم نے تو کہا تھا کہ تم ہمارے ساتھ شامل ہو گئے ہو۔" جواد کا لہجہ تلخ تھا۔

"میرے جھوٹ بولنے پر تمہیں افسوس ہوا ہے؟" ٹائیگر کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی، وہ جواد کی حالت سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔

"تم کس کے لیے کام کر رہے ہو؟" جواد اُس کی مسکراہٹ پر آگ بگولا ہو گیا تھا۔

"ناشوا نوبک کے لیے نہیں۔" ٹائیگر نے کہا تو جواد چونک پڑا۔ "تمہیں ناشوا کی معرفت بھرت لینڈ نے کتنے پیسے دیے ہیں؟"

"کیا بکواس ہے؟" جواد بھڑک اٹھا۔

"یہ سچ ہے۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ "فردوس کو یونین کے بحران میں مبتلا کر کے معاشی اور مادی طور پر تباہ کرنے کا منصوبہ بھرت لینڈ کے ایوانوں میں ہی تیار کیا گیا ہے۔ نوبک بھرت لینڈ کا ریجنٹ ہے جو تمہاری لے کر میرے وطن میں داخل ہوا ہے۔ کہاں ہے؟ میں اُس سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"تمہارا اُس سے کیا واسطہ؟" جواد نے پلٹ کر پوچھا۔

"میرا واسطہ ہر اُس شخص سے ہے جو فردوس کے خلاف کسی قسم کی مجرمانہ سرگرمیوں میں ملوث ہے۔"

"تو پھر بے فکر رہو میں اُس واسطے کو مزید مضبوط کیے دیتا ہوں۔" جواد نے ذومعنی انداز میں کہا۔

لفٹ رک گئی تھی۔ جواد نے خفیہ کوڈ کے ذریعے دروازہ کھولا وہ ایک بہت بڑے تہ خانے میں پہنچے تھے۔ ٹائیگر نے خاموشی سے ایک ایک شے کا جائزہ لیا تھا۔

جواد نے لفٹ کو مقفل کیا اور اُسے لے کر ایک چھوٹے سے کمرے میں آ گیا۔ کمرے کا دروازہ شاید کسی خفیہ میکنزم کے تحت کام کرتا تھا وہ جونہی اندر داخل ہوئے دروازہ خود بخود بند ہو گیا تھا۔

کمرے کی چھت نسبتاً نیچی تھی، ایک جانب میز اور کرسی پڑی تھی جبکہ جہاں شہزاد کھڑا تھا اُس کے اوپر چھت میں چھوٹے چھوٹے شاور لگے ہوئے تھے۔

جواد آگے بڑھ کر میز کے عقب میں پڑی کرسی پر بیٹھ گیا جبکہ ٹائیگر وہیں کھڑا رہا تھا۔

"میرے پیر کے نیچے ایک خفیہ سوئچ ہے۔" دفعتاً جواد کی آواز کمرے میں گونجی۔ "جیسے ہی میرا پیر یہ سوئچ دبائے گا اوپر لگے ہوئے شاوروں سے زہریلا پانی تم پر گرے گا جو تمہارے

جسم کے مساموں میں داخل ہو کر تمہیں موت کے گھاٹ اُتار دے گا۔ پھر میں دیکھتا ہوں تم کس طرح میرے لیے خطرہ بنتے ہو؟"

ٹائیگر نے زوردار قہقہہ لگایا۔

"اور یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ تم اپنے منصوبے میں ناکام ہو جاؤ۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔" علی جواد نے اطمینان سے کہا۔ "آج کا دن فیصلے کا دن ہے۔ اس عمارت کے ذرے ذرے میں بارودی سرنگیں نصب ہیں۔ عمارت کے اردگرد بھی ٹائم بم چھپا دیے گئے ہیں۔ اگر ہم اپنے منصوبوں میں ناکام ہو گئے تو اس دبی ہوئی موت کے میکنزم دبا دیے جائیں گے اور عمارت کے ساتھ واقع گنجان آبادی قبرستان میں تبدیل ہو جائے گی۔"

معصوم شہری آبادی کا ایک اور قتلِ عام ہونے والا تھا اُس کا جی چاہا کہ ابھی وہ علی جواد کی گردن دبا دے، لیکن فی الحال اُسے اُس سے بہت کچھ پوچھنا تھا۔

"اگر عمارت اڑ گئی تو تمہارا اور نوبک کا کیا بنے گا؟" اُس نے خود کو سنبھال کر پوچھا۔

"میں بھرت لینڈ کا وفادار شہری ہوں۔" علی جواد نے دھماکا کیا۔ "میرا تعلق بھرت لینڈ کی انٹیلی جنس سے ہے اور مجھے اسی خاص مشن پر بھیجا گیا تھا۔ بھگوان کی کرپا سے آج میں اپنے مشن میں کامیاب ہو رہا ہوں، اگر میری جان میرے ملک کے کام بھی آ جاتی ہے تو میرے لیے خوش قسمتی کی بات ہو گی۔"

"اور نوبک...؟"

"وہ تو صرف ایک مہرہ ہے۔" جواد نے قہقہہ لگایا۔ "کرائے کا ٹٹو... اُس کی کسے فکر ہے؟ جب وہ اپنے ملک اور اپنی زمین کا وفادار نہیں رہا تو بھرت لینڈ کا وفادار کس طرح رہے گا؟"

"تو کیا یہ منصوبہ اُس کا نہیں تھا؟"

"اُس کا؟" جواد پھر ہنسا۔ "میں نے کہا نا وہ تو کرائے کا ٹٹو ہے، اصل منصوبہ بنانے والے تو اور ہیں، ہم دونوں کے مرنے سے منصوبہ نہیں مرے گا۔ ابھی تو ہمیں فردوس میں اور بہت کچھ کرنا ہے۔"

"اچھا بارودی سرنگوں کے میکنزم کہاں ہیں؟"

"کیوں؟ تم کیوں پوچھ رہے ہو؟" جواد نے اُسے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"دراصل میں مرنے سے پہلے مطمئن ہونا چاہتا ہوں۔" شہزاد نے جواب دیا۔

"موت صرف موت ہے۔ اطمینان سے آئے یا بے اطمینانی سے، یہ تو پرماتما کی مرضی ہے کہ وہ آتما کے ساتھ کیا سلوک کرے، پھر بھی میں تمہیں بتا دیتا ہوں..." جواد ایک لمحے کے لیے رُکا، شاید وہ کسی آخری فیصلے پر پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا اور پھر وہ بول پڑا۔ "... کنٹرول کنسول نوبک کے پاس ہے، جس کمرے میں کنٹرول کنسول نصب ہے جس پر لاتعداد بٹن نصب ہیں۔ وہی فردوس کے لیے موت کا تھنہ ہے۔"

"اور نوبک کہاں ہے؟"

"پہلی منزل کے دائیں کاریڈور میں چوتھا کمرہ اُسی کا ہے۔" جواد نے بتایا۔

شہزاد نے پھر کچھ پوچھنے کے لیے منہ کھولا، لیکن جواد نے ہاتھ اُٹھا کر اُسے خاموش کر دیا۔

"بہت ہو گئی، میرے پاس وقت نہیں ہے۔ بلڈ پریشر بڑھتا جا رہا ہے، لہٰذا..."

اُس کا پیر اُس لیور کی طرف بڑھا جس کے دبانے سے شاوروں کے منہ کھل جاتے اور بقول اُس کے زہریلا پانی اُن کے نیچے کھڑے شخص پر برسنا شروع ہو جاتا۔

جواد قسم کھا کر کہہ سکتا تھا کہ اُس نے لیور دبایا تھا لیکن ہوا کا ایک جھونکا اُس کی طرف بڑھا اور اُس جھونکے نے اُسے کرسی سے اُٹھا کر شاوروں کے نیچے پھینک دیا چنانچہ جب شاوروں سے پہلا قطرہ نیچے ٹپکا تو وہ خود اُس کے نیچے موجود تھا۔ شہزاد اُسے میز کے قریب کھڑا نظر آیا تھا۔

اُس نے بوکھلا کر پانی کی پھوار سے نکلنے کی کوشش کی لیکن پانی میں ملا ہوا زہر اس قدر سریع الاثر تھا کہ وہ دوسرا قدم بھی نہیں اُٹھا سکا تھا۔ اُسے چیخنے کی مہلت بھی نہیں ملی تھی۔ وہ وہیں ڈھیر ہو گیا تھا۔ اُس نے خاموشی سے موت کو گلے لگا لیا۔

انٹرنیشنل برادر ہڈ آف ڈولفن یورز کا بین الاقوامی صدر مر چکا تھا۔ یونین یتیم ہو گئی تھی۔

لیکن شاوروں سے پانی مسلسل برس رہا تھا۔

شہزاد میکنزم کی تلاش میں دروازے کی طرف بڑھا جونہی اُس کا پیر دروازے کے سامنے نصب آہنی پلیٹ پر پڑا دروازہ کھلتا چلا گیا۔

باغیوں کا ٹرک جس مقام سے جنوب کی طرف مڑا وہ بیس کیمپ سے چار میل کے فاصلے پر تھا۔ روبی اور تین دوسرے فوجی جلد ہی وہاں تک پہنچ گئے تھے۔ باغیوں کے پاس ڈائنا میگس ڈیل نامی اس خوبصورت لڑکی کو گولی مارنے کا کوئی جواز نہیں تھا جس نے اُن کی جانب سے لڑتے ہوئے سرکاری فوجیوں کو موت کے

Uploaded By Nadeem

گھاٹ اُتار دیا تھا۔ اُنھوں نے فوراً ہی اُس کی خودکار رائفل اور میگزین اُسے واپس دے دیے تھے۔

وہ آپس میں اس بات پر مذاق کر رہے تھے کہ جنگل کے دہانے اِس لڑکی کو کیونکر باندھ کر ڈال دیا گیا تھا۔

روبی نے پہلے کوسان ڈیوبیڈ وف کو پکڑنے کے بارے میں غور کیا تھا۔ اگر وہ کوئی ٹرک یا اور گاڑی چھین کر یا چُرا کر اُس کے تعاقب میں نکلتی تو بھی اُس کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔

نقصان تو ہو چکا تھا۔ پچاس کے قریب معصوم جانیں ضائع ہو گئی تھیں۔ کوسان مارا جاتا تو روبی اُسے پکڑ لیتی تو اُس سے قتلِ عام کی خبر نہیں رُک سکتی تھی۔ کسی اور ذریعے سے یہ خبر ذرائع ابلاغ تک پہنچ جاتی کہ امریکی گیس سے اتنے افراد ہلاک ہو گئے ہیں۔

اس لیے روبی نے فیصلہ کیا تھا کہ کوسان کے تعاقب میں جانے کی بجائے الیگزینڈر گاکن پر نظر رکھی جائے اور باقی پانچ سلنڈروں کا سُراغ لگایا جائے کہ وہ کہاں ہیں؟

کیمپ میں اُن کے واپس آتے ہی سینٹر ٹان کمیشنڈ آفیسر نے جنرل گاکن اور اُس فردوسی کو اطلاع بھیج دی تھی۔ وہ باہر ٹھوس شے سے ٹکرا کر اُسے پاش پاش کر دیتی۔

ابھی وہ سنبھلنے بھی نہ پایا تھا کہ اُسے اپنی کلائی میں زبردست درد محسوس ہوا۔ درد کی سُرخی شریانوں سے ہوتی ہوئی کندھے کی طرف رواں تھی۔ ناشوا نے اُس کی کلائی کو ایک زبردست جھٹکا دیا اور وہ آگے کی طرف جُھک گیا۔

شہزاد نے ناشوا کا گھٹنا اپنے چہرے کی طرف بڑھتا ہوا محسوس کیا۔ اُس نے تیزی سے چہرہ ہٹایا۔ رفتار وہی تھی کہ کوئی عام انسانی آنکھ اُسے دیکھ سکتی تھی لیکن گھٹنے کی رفتار انسانی آنکھ سے زیادہ تیز تھی۔ شہزاد کا جبڑا ہل گیا۔ وہ جبڑا شہزاد کا نہ ہوتا تو کئی ناقابلِ شناخت کرچیوں میں تبدیل ہو چکا ہوتا۔ اس کے ساتھ ہی ناشوا نے ٹانیئر کی کلائی چھوڑ دی۔ وہ لڑکھڑا کر پیچھے کو ہٹا۔ کسی شے سے اُس کا پیر ٹکرایا اور وہ پُشت کے بل زمین پر گرنے لگا۔

لیکن اُس کی پُشت زمین سے نہیں لگی۔۔۔ وہ کسی ستون سے ٹکرائی تھی۔۔۔ شہزاد ستون سے ٹکرا کر گرنے سے بچ گیا۔

"تم بے وقوفوں کے سردار ہو ٹوک۔" دفعتہً ستون بول پڑا۔

شہزاد نے اِس ستون کو فوراً اُوشان کی حیثیت سے شناخت کر لیا تھا۔

"تمہارا کیا خیال ہے کہ جس طرح تم نے اپنے وطن سے غداری کی تھی اسی طرح میرا شاگرد بھی اپنے وطن سے غداری کا مرتکب ہوگا۔ کیا تم سمجھتے تھے کہ ماسٹر آف سانجو اپنے ولی عہد کو تنہا چھوڑ دے گا جس طرح سانجو کو تم نے تنہا چھوڑ دیا تھا۔" اُوشان کی آواز غصے سے لبریز تھی۔

"ماسٹر! یہ باہر کا آدمی۔۔۔" ناشوا نے کہنا چاہا لیکن اُوشان کی کڑک دار آواز سے اُس کا جملہ ادھورا رہ گیا۔

"میں تم جیسے غداروں کو ماسٹر کہنے کا حق نہیں دے سکتا۔"

"لیکن یہ باہر کا آدمی ہے، آپ اِسے سانجو کا ولی عہد نہیں بنا سکتے، یہ میرا حق ہے، آپ میری توہین کر رہے ہیں۔"

"میں تمہیں پھر یاد دلا دوں کہ بیسویں تم باہر کا آدمی کہنے ہو میرا ولی عہد ہے، سانجو کا ولی عہد، اِسے اگر کچھ ہو جاتا تو تمہاری لاش کے ٹکڑے کر کے کُتوں کو کھلا دیتا۔"

"میں تمہارے خود ساختہ ولی عہد کی قوت آزما رہا تھا۔" ناشوا نے تاسفی انداز میں کہا۔ "اگر یہ میرے مقابلے پر آنا چاہتا ہے تو اِسے مزید دس سال کی تربیت دو۔"

"اِس کی ضرورت نہیں ہے۔" اُوشان نے جواب دیا۔ "یہ خود تمہارے مقابلے پر آ گیا ہوں۔"

ناشوا کا منہ مارے حیرت کے کُھلا رہ گیا۔ اُس نے بے یقینی سے اوشان کی طرف دیکھا۔

"ماسٹر۔۔۔ تم۔۔۔ یعنی تم۔۔۔"

"پھر تم نے مجھے اپنی گندی زبان سے ماسٹر کہا۔" اُوشان نے اُسے جھڑک دیا۔ "آؤ، میرے سامنے آؤ۔"

ناشوا کے قدم آگے کی طرف نہیں بڑھے۔ بلکہ وہ غیر محسوس طریقے سے بائیں ہاتھ کی طرف بڑھا۔

فوری طور پر شہزاد کے ذہن میں یہ بات نہیں آ سکی کہ وہ ایسا کیوں کر رہا ہے، وہ یہی سمجھتا رہا کہ ناشوا ماسٹر کے سامنے آنے سے ہچکچا رہا ہے۔

وہ اُس وقت چونکا جب ناشوا نے دفعتہً ہی اپنی جگہ سے چھلانگ لگا دی۔ شہزاد آگے بڑھا لیکن اُسے دیر ہو چکی تھی۔ ناشوا کنٹرول کنسول کے قریب پہنچنے میں کامیاب ہو چکا تھا۔

اِس سے پہلے کہ شہزاد اُسے روکتا، ناشوا کنسول پر لگے ہوئے متعدد بٹنوں میں سے ایک بٹن دبا چکا تھا۔

دُور فاصلے پر ایک کان پھاڑ دینے والے دھماکے کی آواز سُنائی دی۔ فاصلہ زیادہ ہونے کی وجہ سے آواز کم سُنائی دی تھی لیکن شدت کا اندازہ اِس بات سے ہوتا تھا کہ پوری عمارت ہل کر رہ گئی تھی۔

ناشوا کا ہاتھ دوسرے بٹن کی طرف بڑھا اور پھر وہ پاگلوں کی طرح بٹن دباتا چلا گیا۔

"شہزاد بھاگو۔" اُسے اُوشان کی آواز سُنائی دی۔

دوسرا دھماکا کہیں قریب ہی ہوا تھا۔

شہزاد نے ٹوک تک پہنچنے کی کوشش کی لیکن وہ ایک قریبی دروازے کے پیچھے غائب ہو گیا۔ شہزاد اُس طرف بڑھا لیکن اُوشان نے اُسے پکڑ کر اپنی طرف گھسیٹ لیا۔

"ٹوک، کنسول کے تمام بٹن دبا چکا ہے، پاگل مت بنو، تھوڑے تھوڑے وقفے سے دھماکے ہوتے رہیں گے، اب ہم اُنھیں کسی قیمت پر بھی نہیں روک سکتے، بھاگو، ورنہ یہیں مٹی میں مل جاؤ گے۔"

اُوشان، شہزاد کو کھینچتا ہوا دروازے تک لے آیا۔

دروازہ کھلتے ہی تیسرا دھماکا ہوا۔

عمارت کا ایک حصہ زمین بوس ہو گیا تھا۔ تہ خانے کا ایک حصہ منہدم ہو گیا تھا۔ شہزاد نے پلٹ کر دیکھا وہ حصہ جہاں ٹوک کمرے میں داخل ہوا تھا اب ٹنوں مٹی کے نیچے دب چکا تھا۔

اُس کا اندازہ تھا کہ چوتھا دھماکا کہیں قریب ہی ہوگا اُس کا

"تمہاری احتیاط سے لگتا ہے کہ ماسٹر نے تمہیں میرے بارے میں کچھ بتا دیا ہے، تم نے علی جواد کو قتل کر دیا ہے نا؟ اچھا کیا تم اُسے قتل کیے بغیر مجھ تک نہیں پہنچ سکتے تھے، یقیناً اُس نے تمہیں بہت کچھ بتا بھی دیا ہوگا۔"

"ہاں اُس نے مجھے بتایا ہے کہ تم اپنے ملک کے غدار نکلے ہو۔" شہزاد نے جواب دیا۔ "تم نے ہرت لینڈ سے معاہدہ کر لیا ہے اور میرے مُلک کو تباہ کرنے نکل کھڑے ہوئے ہو۔ مجھے یہ بھی علم ہے کہ اگر ہمارا موجودہ منصوبہ ناکام ہو گیا تو تمہیں اس کے متبادل پر عمل کرنے کی ہدایت بھی کی گئی ہے اور اِس متبادل منصوبے کی پشت پر اور بھی بہت سے مقاصد ہیں جو ہرت لینڈ حاصل کرنا چاہتا ہے۔"

"اوہ۔ تم تو واقعی بہت کچھ جانتے ہو لیکن یہ وقت اِن باتوں کا نہیں ہے، مجھے یہ بھی علم ہو گیا ہے کہ تم اپنے وطن سے بے حد محبت کرتے ہو لیکن فی الحال انھیں چھوڑو، مجھے یہ بتاؤ کہ تم کیا چاہتے ہو؟"

"میں تمہیں قتل کرنا چاہتا ہوں۔"

"یہ بے وقوفی کرنے کی کوشش بھی نہ کرنا۔" ناشوا نے اُسے تنبیہ کی۔ "میرے ساتھ سینکڑوں دوسرے افراد بھی مارے جائیں گے اور یوں بھی ماسٹر نے بتایا ہوگا کہ یہ کام تمہارے بس کا نہیں ہے۔۔۔" ناشوا نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"کچھ بھی ہو، میں تمہیں ختم کرنا چاہتا ہوں۔"

"میں نے ٹی وی پر تمہیں دیکھا تھا، مجھے تم بے حد پسند آئے ہو۔" ناشوا کا انداز بتاتا تھا کہ اُس نے شہزاد کی بات کو کوئی اہمیت نہیں دی تھی۔ "اگر تم اپنے ملک کو تباہی سے بچانا چاہتے ہو تو میرے ساتھ مل جاؤ، ڈرائیوروں کی صدارت تمہاری قوت اور طاقت کا پہلا قدم ہوگی۔ تم میرے قدموں میں آ جاؤ، باقی تمام لوگ تمہارے قدموں میں ہوں گے، پوری دُنیا تمہیں سلام کرے گی میرے ساتھ شامل ہو جاؤ۔"

"میں جن کے لیے کام کرتا ہوں اُنھیں نہیں چھوڑ سکتا۔"

"مجھے علم نہیں کہ وہ کون لوگ ہیں، لیکن میں یہ ضرور جانتا ہوں کہ اُنھوں نے تمہارے لیے کیا کیا ہے؟"

"میری ہر خواہش پوری ہوئی ہے۔"

"نہیں تم غلط کہتے ہو۔" ناشوا کی آواز گونجی۔ "میرے قریب آؤ، میں تمہیں بتاؤں گا کہ زندگی کیا ہے؟"

شہزاد نے ایک لمحے کے لیے سوچا اور پھر اُس نے فوراً ہی اپنی زندگی کا اہم ترین فیصلہ کر لیا۔

"آل رائٹ ناشوا!" شہزاد نے سپاٹ انداز میں کہا۔ "میں ایک گھر چاہتا ہوں، ایسا نہیں جہاں آدمی ایک رات گزار کر اگلی منزل کی طرف روانہ ہو جائے۔ مجھے ایک بیوی کی ضرورت ہے جو میرے دُکھ درد کی ساتھی ہو۔ ایک بچہ چاہیے جو دُنیا میں میری نسل کو قائم رکھ سکے۔ میں اُسے دُنیا کے سامنے سینہ تان کر چلنا سکھا سکوں۔۔۔"

ناشوا نے بُلند آہنگ قہقہہ لگایا۔

"تو ڈرائیوروں کی نئی عالمی یونین کے صدر کو ایک گھر، ایک بیوی اور ایک بچہ چاہیے!"

"ہاں، کیونکہ میں جانتا ہوں کہ اگلے ایک سال میں مجھے مر جانا ہے۔"

"اگر ہم مشترکہ طور پر بھی کام کریں، پھر بھی؟"

"تمہارے ساتھ مل کر بھی ایسا ہی ہوگا کیونکہ میں اُوشان کو جان سے نہیں مارنا چاہتا۔"

"وہ ہم دونوں کے مقابلے پر کبھی نہیں آئے گا شہزاد۔"

شہزاد نے پھر سوچنے کی اداکاری کی اور بالآخر اپنا فیصلہ سُنا دیا۔ "ٹھیک ہے، میں آج سے تمہارا ساتھی ہوں۔"

شہزاد آگے بڑھا اُس نے اپنا کھلا ہاتھ مصافحے کے لیے آگے کر دیا تھا۔ ناشوا بھی اپنی جگہ سے اُٹھ آیا تھا۔ اُس کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

"عظیم ترین یونین ہماری ہوئی۔" ناشوا نے خوشی سے کہا۔ ہاتھ مصافحے کے لیے آگے بڑھے۔

گرفت سے اندازہ ہوتا تھا جیسے دو شیر آپس میں مُکے لڑنے ہوں۔ چہروں کے تاثرات نارمل تھے لیکن ہاتھوں کی حرکات اس طرح

Uploaded By Nadeem

تھیں جیسے دونوں ایک دوسرے کے ہاتھوں کو پیس ڈالنا چاہتے ہوں۔

شہزاد نے دائیں ہاتھ سے ناشوا کا ہاتھ تھاما اور اس کی بائیں کہنی برق رفتاری سے اس کے سینے کی طرف بڑھی لیکن نہیں... بسینہ وہاں نہیں تھا... غلطی ہو گئی تھی۔

شہزاد کا اعتماد کناروں سے اُبل پڑا تھا۔ اس نے بے خبری میں ناشوا کو پھانسنے کی کوشش کی تھی لیکن یہ بھول گیا تھا کہ اس کے مقابلے پر بھی سانجو کا پروردہ ہے۔

سینہ ہٹنے سے شہزاد کی کہنی فضا میں معلق رہ گئی۔ اس کا توازن بگڑ گیا کیونکہ اس کی کہنی اسی انداز سے آگے گئی تھی کہ کسی دے دوں گا جو میں اکثر استعمال کرتا ہوں۔ وہ لوگ ابتدائی طور پر ممکن ہے اس کو قبول نہ کریں لیکن حقیقت یہ ہے کہ میں جہاں بھی ہوں گا وہ مجھے ڈھونڈ نکالیں گے۔ ہو سکتا ہے کہ اس کام میں انھیں ہفتہ لگے گا یا چند دن، لیکن مجھ سے مل ضرور لینا۔"

روبی کے جی میں آئی کہ وہ اس سے باقی پانچ سلنڈروں کے بارے میں معلوم کرے کہ وہ کہاں استعمال کیے جائیں گے لیکن وہ جانتی تھی کہ یہ ایک فاش غلطی ہو گی۔ اس نے اپنے دائیں پنجے سے ماتھے کو چھو کر احمد کو سلیوٹ کیا جو اس وقت کاغذ پر فردوسی میں پتا اور عمارت کا نام لکھنے میں مصروف تھا۔ روبی نے بڑا حفاظت سے اپنی جیب میں ڈالا اور آگے بڑھ گئی کیونکہ کھانے کا وقت ہو گیا تھا۔

روبی نے محض اس وجہ سے کھانا کھایا کہ دوسروں نے بھی کھایا تھا ورنہ گلے چند گھنٹوں کے لیے وہ کسی کی توجہ حاصل کرنا نہیں چاہتی تھی۔ کھانا کھانے کے دوران اس نے احمد حسن اور الیگزینڈر گالکن کو بابا آدم کے وقت کی ایک اسٹیشن ویگن میں روانہ ہوتے دیکھا اس کے اردگرد بیٹھے ہوئے گوریلے سرگوشیوں میں باتیں کرنے میں مصروف تھے۔ اسے پوری باتیں تو سمجھ میں نہیں آئیں لیکن یہ پتا ضرور چل گیا کہ امریکی سفیر کو آج رات قتل کیا جانے والا تھا لیکن پھر اسے اگلی صبح تک کے لیے ملتوی کر دیا گیا تاکہ کیمرا مین امریکی سفیر کے قتل کے منظر کی وڈیو فلم بنا سکے۔

روبی باتوں سے لاتعلق ہی رہی۔ کھانے کے بعد بھی وہ غیر محسوس انداز میں پورا کیمپ گھومتی پھری تاکہ مختلف چیزوں اور مقامات کے بارے میں جان سکے۔ اس نے گاڑیاں کھڑی کرنے کی جگہ کا بغور معائنہ کیا ایک چھوٹے سے خیمے میں اس کو دستی بموں اور کچھ بارودی سرنگوں کا ذخیرہ بھی نظر آیا تھا۔

شمالی امریکہ کی رات کافی تیزی سے زمین پر مسلط ہوئی اور دیکھتے ہی دیکھتے ہر شے پر اندھیرے کا راج ہو گیا۔ روبی یونہی ٹہلتے ہوئے شفاخانے کی طرف جا نکلی جہاں ڈاکٹر اس وقت قندیل لالٹین سے جل جانے والے ایک مرہم پٹی میں مصروف تھا۔

"ہم نصف گھنٹے میں روانہ ہو جائیں گے۔" روبی نے ڈاکٹر کے قریب ہو کر سرگوشی کی: "روانگی کا سگنل ایک دھماکا ہو گا۔ جونہی دھماکے کی آواز سنائی دے آپ یہاں سے نکل کر کیمپ کے شمال مغرب کی طرف آ کر سایوں کی آڑ لے لیجیے گا۔"

"کیا تمہیں اپنے منصوبے کی کامیابی کا یقین ہے؟"

"کچھ نہ کچھ بہرحال کرنا ہے، آپ کی پھانسی کے لیے کل دوپہر کا وقت مقرر کیا گیا ہے۔"

ڈاکٹر نے سر ہلایا اور دوسرے مریض کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"مجھے علم تھا۔" اس نے سرسراتے لہجے میں کہا۔ "سیاست ہمیشہ ادویات سے زیادہ طاقتور ہوتی ہے، تمہارا نام کیا ہے؟"

"ڈانا میکس ویل!"

"آل رائٹ ڈانا، میں کوشش کرتا ہوں کہ کوئی ایسا کام انجام دینے لگ جاؤں کہ گیٹ کے قریب رہوں۔ بہت شکریہ تمہارا ملک یقیناً تمہاری ان خدمات کو سراہے گا، اگر ہم زندہ سلامت یہاں سے نکلنے میں کامیاب ہو گئے تو..."

"ہم یقیناً ہوں گے مسٹر ایمبیسیڈر، مجھے ابھی فردوس پہنچ کر کچھ کام نمٹانے ہیں۔"

ٹائیگر نے دائیں کوریڈور کے تیسرے بند دروازے پر تین بار دستک دی۔

"اندر آ جاؤ، شہزاد۔" بند دروازے کی دوسری جانب سے ناشوا کی آواز ابھری۔

شہزاد بلا تکلف دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ وہ ایک باغ تھا جس کے وسط میں بنے ہوئے پول کے کنارے ماسٹر آف سانجو اوشان کا سابق شاگرد ناشوا نوک بیٹھا ہوا تھا جو تازہ ترین اطلاعات کے مطابق ہجرت لینڈ کا فرستادہ بن کر اس کے ملک میں داخل ہوا تھا۔

شہزاد نے سانجو کے اس چہرے کو دیکھتے ہی پہچان لیا لیکن ظاہراً اس نے یہی کیا تھا کہ وہ ناشوا کو دیکھنے میں ناکام رہا ہے کیونکہ باغ اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔

"ادھر ہلال کے پاس۔" ناشوا کی آواز سنائی دی۔

"مجھے تم نظر نہیں آ رہے... اوہ اچھا... ادھر۔"

"مجھے حیرت ہے۔" ناشوا پاٹ دار آواز میں بولا۔ "سانجو کے ولی عہد پر مجھے حیرت ہے، تم کیسے نجما ہو کہ اندھیرے میں بلی دیکھ نہیں سکتے تم تو مجھے نظر آ رہے ہو۔"

شہزاد نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"دروازہ بند کر کے میرے پاس آ جاؤ۔"

شہزاد اپنی جگہ سے ہلا تک نہیں۔ لٹل فادر نے بتایا تھا کہ ناشوا اس سے زیادہ طاقتور ہے۔ اس لیے وہ چاہتا تھا کہ دونوں کے درمیان کچھ فاصلہ رہے۔

ناشوا اندھیرے میں مسکرا دیا۔

"مجھے اس نام سے مت پکارو مس۔" اس نے جلدی سے کہا۔ "حتیٰ کہ انگریزی میں بھی نہیں۔" میں سفیر کی حیثیت سے تو شاید زندہ نہ رہ سکوں لیکن ایک کارآمد ڈاکٹر کی حیثیت سے یہ مجھے مارین گے نہیں۔"

"انھوں نے آپ کو کب پکڑا تھا؟" روبی نے نسبتاً دھیمی آواز میں دریافت کیا۔

ڈاکٹر اب مریض سے دور ہٹ گیا تھا۔

"گزشتہ صبح۔" ڈاکٹر جانسن نے جواب دیا۔ "مجھے میٹنگ کے نام پر دھوکے سے بلایا گیا تھا۔"

"میں آپ کی مدد کروں گی۔" روبی نے بدستور سرگوشیانہ انداز میں کہا اور پھر وہ سفیر کو زہریلی گیس کے بارے میں تفصیلات بتاتی چلی گئی۔ روبی کو آہٹ سنائی دی، دوسرے دروازے پر متعین محافظ اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔

"میں اس سلسلے میں منصوبہ بندی کر رہی ہوں۔" روبی نے جلدی جلدی کہا۔ "جونہی اندھیرا پھیلے گا ہم اپنی کارروائی شروع کر دیں گے۔"

ڈاکٹر نے بے یقینی سے اس کمزور سی لڑکی کو دیکھا جس نے خود کار رائفل کندھے پر لٹکا رکھی تھی اور اسے باغیوں کی پوری فوج سے بچا لے جانے کے عزم کا اظہار کر رہی تھی۔

روبی ڈاکٹر کے قریب سے ہٹ کر آنے والے محافظ کے قریب چلی گئی۔ آنے والے کے لیے اس کی ایک دلآویز مسکراہٹ ہی کافی تھی۔ روبی نے جیب سے ہاتھ ڈال کر ایک سگریٹ نکالی جو اس نے اسی جیسے موقع کے لیے رکھی ہوئی تھی۔ سگریٹ اس نے سنتری کے والے کر دی اور پھر اس سے ڈاکٹر کے بارے میں باتیں کرنے لگی کہ وہ کتنے اچھے طریقے سے مریضوں کی دیکھ بھال کر رہا ہے۔ محافظ مسلسل دانت نکالے چلا جا رہا تھا۔

روبی نے مسکرا کر اسے خدا حافظ کہا اور باہر نکل آئی۔

فردوسی اسے بس ایریے سے آتے ہوئے دکھائی دیا تو وہ اس کی طرف بڑھ گئی۔ بات چیت کا آغاز انگریزی میں ہوا تھا، ظاہر ہے روبی، فردوسی زبان بولنے کا خطرہ تو مول نہیں لے سکتی تھی۔

"میرا خیال ہے کہ میری انگریزی تمہاری رُوسی سے تو بہتر ہے۔" فردوسی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ظاہر ہے۔" روبی بھی جواباً مسکرائی۔ "میری رُوسی نہ ہونے کے برابر ہے۔" میرا خیال ہے کہ تمہیں اپنے مشن کی تکمیل کے لیے کسی کی ضرورت پڑے گی، دراصل میں نے تمہارے ملک کے بارے میں بہت کچھ سن رکھا ہے میں وہاں جانا چاہتی ہوں کیا وہاں ملازمت ملنے کے امکانات ہیں؟"

احمد سنس دیا: "ہمارے ہاں کی لڑکیاں اس طرح کندھوں پر خود کار رائفلیں اٹھا کر نہیں گھومتیں، بلکہ وہ شرافت سے کچھ لہا بھجو سکتی ہیں اور گھر کے کام کاج کرتی ہیں۔"

"اوہ۔" روبی نے مصنوعی حیرت کا اظہار کیا۔ "اور کبھی لڑائی ہو جائے تو وہ کیا کرتی ہیں؟"

"اپنے روایتی ہتھیار استعمال کرتی ہیں۔"

"مثلاً!" روبی نے اشتیاق ظاہر کیا۔

"وہاں لڑائی دو قسم کی ہوتی ہے ایک گلی کوچوں کی لڑائی اور دوسری چار دیواری کی لڑائی۔" احمد نے ہنستے ہوئے کہا۔ "گلی کوچوں کی لڑائی عموماً بچوں کی شرارتوں اور کسی دوسرے کے گھر کے سامنے بیٹھ کر چغا کاتنے سے شروع ہوتی ہے۔ اس لڑائی میں ایک دوسرے کے بال نوچنے اور کپڑے پھاڑنے سے لے کر مخالف کی سات زنانہ نسلوں سے اپنی سات مردانہ نسلوں کے رشتے جوڑنے میں قطعی تکلف سے کام نہیں لیا جاتا۔ چار دیواری کی لڑائی ساس بہو یا نند بھاوج کے درمیان ہو تو عموماً کوسنوں اور طعنوں پر گزارہ کیا جاتا ہے لیکن اگر میاں بیوی کے درمیان ہو تو قینچی کرارکی سے لے کر چکلے، بیلن اور چمٹے تک کا آزادانہ استعمال ہوتا ہے۔"

"دفع کرو۔" روبی نے نعرہ لگایا۔ "پھر تو میں مرد جانا چاہوں گی، ان میں سے بہت سی چیزیں میرے لیے نئی ہیں۔"

احمد حسن نے نظر بھر کر روبی کو دیکھا۔

"میں نے سنا ہے کہ تم اپنے کام کی ماہر ہو، یہ سچ ہے کہ ہمیں تم جیسی ماہر امریکن لڑکی کی ضرورت پڑ سکتی ہے لیکن اگر اس کی وفاداریاں کسی شک و شبہے سے بالاتر ہوں تب۔" احمد کا انداز اس مرتبہ سنجیدہ تھا۔

"تم مجھ پر اعتماد کر سکتے ہو۔" روبی نے بھی سنجیدگی سے جواب دیا۔ "ہم کرائے کے فوجیوں کے بھی کچھ اصول ہوتے ہیں۔ میں ایک بار معاہدہ کر کے معاملہ درمیان میں چھوڑ کر جانے والوں میں سے نہیں ہوں۔"

"اللہ کرے کہ تم اپنے الفاظ کی لاج رکھو۔" احمد نے بات دوبارہ شروع کی لیکن اس کے انداز میں جھجک پائی جاتی تھی۔ "ایک

با اعتماد شخص میرے کاروبار میں بآسانی میرا ہاتھ بٹا سکتا ہے مگر تم کبھی پاسپورٹ سمیت یا پاسپورٹ کے بغیر مسلم آباد پہنچنے میں کامیاب ہو جاؤ تو مجھ سے رابطہ قائم کرنا۔ میں تمہیں ایک پتہ نکل گئے۔ روبی اُن کے قریب موجود تھی لیکن وہ اُس کی طرف نہیں آئے تھے۔

"اب جنرل، میرے خیال میں مجھے اور احمد کو روانہ ہو جانا چاہیئے۔" روبی کو گالکن کی آواز سنائی دی۔ "مجھے فی الحال اس کے ساتھ مل کر بہت سے کام نمٹانے ہیں۔"

"تم نے ہمارے کاز کے لیے بیش بہا خدمات انجام دی ہیں۔" جنرل نے کہا اور احمد نے ترجمہ کر کے اُس کے خیالات آگے پہنچا دیے۔

"ہم اس سے ہر ممکنہ سفارتی ہمدردیاں حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔ ہم یورپ، امریکہ، روس اور مشرقِ وسطیٰ میں اپنے مارکسسٹ بھائیوں کو سلام کرتے ہیں۔"

روبی پوری توجہ سے اُن کی باتیں سُن رہی تھی لیکن اسی لمحے قریبی عمارت سے ایک بلند آواز اُسے سُنائی دی۔ وہ غلطی پر نہیں تھی تو تولنے والا سوفی صد امریکی تھا۔

"اپنے بازو کو قابو میں رکھو بے وقوف۔" امریکی کسی کو کہہ رہا تھا۔ "میں تمہیں ایکشن کس طرح لگاؤں گا۔"

روبی عمارت کی طرف گھوم گئی۔ وہاں کوئی محافظ تعینات نہیں تھا۔ وہ جب اندر داخل ہوئی تو اُسے اس کی وجہ بھی سمجھ میں آ گئی۔ وہ کیمپ کا شفاخانہ تھا۔ نصف درجن زخمی زمین پر پڑے گدّوں پر کمبل اوڑھے لیٹے تھے۔

تین آدمی اُس میز کے قریب کھڑے تھے جس کے عقب میں بیٹھا ہوا شخص کھڑکی سے اندر آنے والی قدرتی روشنی میں کام کر رہا تھا۔ وہ امریکی تھا اور روبی کے اندازے کے مطابق اُس نے اُسی کی آواز سُنی تھی۔

طویل القامت امریکی ایکشن تیار کر رہا تھا۔ اس کے ساتھ ہی وہ ہسپانوی زبان میں صدمے پہنچنے والوں کا مذاق اُڑا رہا تھا اور بتا رہا تھا کہ وہ ابھی کم از کم سو بچوں کا باپ بننے تک زندہ رہے گا۔

روبی نے تیزی سے شفاخانے کا جائزہ لیا۔ دوسرے دروازے پر ایک رائفل بردار کھڑا تھا جو یہاں کا واحد محافظ تھا۔ روبی پر اُس کی کوئی توجہ نہیں تھی جو اب آہستہ آہستہ میز کے عقب میں بیٹھے ڈاکٹر کی طرف بڑھ رہی تھی۔ اُسے اس مکمل ڈاکٹر کی یہاں موجودگی پر حیرت تھی۔

روبی میز سے چند قدم کے فاصلے پر رُک گئی۔ اُسے رابرٹسن بیٹھے امریکی کا چہرہ جانا پہچانا لگ رہا تھا۔ یہ تو اُس کے ذہن میں تھا کہ اُس نے چارہ گر میں اُس کی تصویر دیکھی ہے لیکن باوجود کوشش کے اُسے یاد نہ آ سکا کہ تصویر کب دیکھی ہے اور وہ کون تھا؟

بالآخر اُس نے ڈاکٹر سے بات کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

"ڈاکٹر، آپ کا تعلق کہاں سے ہے؟"

نسوانی آواز سُن کر ڈاکٹر نے جھٹکے سے سر اُٹھایا۔ جنگلی میں ایک لڑکی کو دیکھ کر اُس کی آنکھوں میں حیرت سمٹ آئی۔

"یہی اگر میں پوچھوں تو؟" ڈاکٹر نے اُسے غور سے دیکھتے ہوئے کہا اور پھر اُس زخمی کی طرف متوجہ ہو گیا جس کی ران پر گولی لگی تھی۔

"میں نیویارک سے آئی ہوں۔" روبی نے صاف ستھری انگریزی میں جواب دیا۔

وہ بھی اُس فوجی کی طرف متوجہ ہو گئی جسے ڈاکٹر انجکشن لگا رہا تھا۔ فوجی چیخا تو روبی نے بڑھ کر اُسے سہارا دیا۔

"شکریہ۔" ڈاکٹر نے فوراً کہا۔ "تم ایک اچھی نرس ثابت ہو سکتی ہو۔ کاش میرے پاس دوائیں اور آلات ہوتے اُدھر دیکھو..."

"..." ڈاکٹر نے ایک سمت اشارہ کیا۔ "... وہاں ایک آدمی جو برابر ہے لیکن میرے پاس اُسے بچانے کے لیے نہ دوائیں ہیں نہ آلات۔"

"آپ کہاں سے آئے ہیں ڈاکٹر؟" روبی کے انداز میں مخصوص احترام نمایاں تھا۔ "چند گھنٹے پہلے تو آپ یہاں نہیں تھے۔"

"مجھے خصوصی طور پر ایک گھوڑے پر سوار کرا کے یہاں بھیجا گیا ہے۔" ڈاکٹر مسکرایا۔ "گھڑ سواری نے میری کمر توڑ دی ہے کیونکہ میں نے بیس سال سے گھڑ سواری نہیں کی۔"

"کیا آپ سان سلواڈور سے آئے ہیں؟" روبی نے دریافت کیا۔ "لیکن آپ کا کوئی نام تو ہو گا؟"

"ہاں۔" ڈاکٹر روبی کے انداز پر مسکرا دیا۔ "نام، اے ای جانسن ہے اور پیشہ ظاہر ہے۔"

"مجھے لگتا ہے کہ آپ اپنی مرضی سے نہیں آئے ڈاکٹر جانسن۔"

"نہیں، لیکن اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟"

اور اُسی وقت روبی کو یاد آ گیا کہ اُس نے اس شخص کی تصویر کہاں دیکھی ہے اور یہ کون ہے؟ اس کا تو پورا فائل چارہ گر میں موجود تھا۔ کمپیوٹر کے پاس اس کی تازہ ترین معروفیات کی رپورٹیں موجود تھیں۔

"کیا انھوں نے آپ کو اغوا کیا ہے مسٹر ایمبیسیڈر؟"

ڈاکٹر جانسن نے دوبارہ چونک کر اُسے دیکھا۔

...ان کی تقلید میں اندھا دھند ہنگامی سیڑھیوں کی طرف بھاگنا شروع کر دیا۔ باہر ہونے والی چیخ و پکار کی آوازیں اب یہاں تک آنی شروع ہو گئی تھیں۔

*

اندھیرے میں روبی کو ٹرک کے اردگرد کوئی محافظ نظر نہیں آیا تھا وہ آہستگی سے ٹرک کی طرف بڑھی اور اُس کا ہُڈ اُٹھا کر انجن تک پہنچ گئی۔ ٹرک بالکل صحیح جگہ پر کھڑا تھا۔ وہ چند لمحے انجن کے مختلف حصوں سے کھیلتی رہی اور پھر آہستگی سے ہُڈ بند کر کے اُس خیمے کی طرف بڑھ گئی جہاں دستی بموں کا ذخیرہ کیا گیا تھا۔

دستی بم ایک صندوق میں اُسے مل گئے تھے۔ اُس نے چھ بم باہر نکالا اور ایک ڈوری لے کر گرنیڈ کے اردگرد لپیٹ دی۔ اُس نے آرمنگ ہینڈل کو بھی لپیٹ دیا تھا جس کے بعد روبی نے گرنیڈ کی حفاظتی پن نکال لی۔ اب گرنیڈ فوری طور پر پھٹنے کی بجائے چار سیکنڈ بعد پھٹتا کیونکہ روبی نے لپٹے ہوئے گرنیڈ کے ساتھ ایک باریک تار باندھ دیا تھا۔ جونہی یہ تار کھینچا جاتا حفاظتی اور آرمنگ ہینڈل پر لپٹی ہوئی ڈوری ایک طرف سرکتی اور گرنیڈ بدست دھماکے کے ساتھ پھٹ جاتا۔

روبی نے اس بوبی ٹریپ گرنیڈ کو واپس صندوق میں رکھا اس کے ساتھ بندھے تار کو خیمے سے باہر تک دراز کرتی چلی گئی۔ ساٹھ فٹ لمبی تھی اس لیے وہ خاصے فاصلے تک جا سکتی تھی۔ انجن کا رُخ ٹرک کی جانب تھا۔

تار جب ختم ہو گیا تو اُس نے اُسے ایک بھاری پتھر کے نیچے دبایا اور اندھیرے میں ایک طرف بڑھ گئی۔ ایک گشتی محافظ نے اُسے دیکھ کر للکارا۔ روبی نے ملی جلی انگریزی اور برائے نام اسپینی میں اُسے بتایا کہ وہ امریکی لڑکی ہے اور سو نہیں پا رہی۔

محافظ خاموش ہو گیا تو روبی ٹرک کی طرف چل دی۔ اُس نے ڈرائیونگ کیبن کا دروازہ کھولا اور اندر بیٹھ گئی۔ دروازہ بند کیے بغیر اُس نے ایمرجنسی بریک میں سے ٹرک کو نکالا اور گیئر کو نیوٹرل میں ڈال دیا۔

ڈھلوان پر کھڑا ہوا دو ٹن وزنی ٹرک ایک ہلکے سے جھٹکے سے آگے بڑھا۔ جونہی ٹرک روبی کے اُس مطلوبہ بڑے پتھر کے قریب پہنچا جس کے نیچے اُس نے تار کا سرا دبایا تھا، اُس نے ٹرک کو بریک پر روکا اور پھر ایمرجنسی بریک کھینچ کر نیچے اُتر آئی۔ محافظ اُس وقت اُس کے قریب آ چکا تھا۔

"تم کیا کرتی پھر رہی ہو؟" محافظ نے اُس سے دریافت کیا۔

روبی نے اُسے کوئی جواب دینے سے پہلے کندھے پر لٹکی ہوئی خودکار رائفل کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ انداز ایسا تھا جیسے وہ اُس کی سلنگ درست کر رہی ہو، لیکن بجلی کی سی تیزی کے ساتھ اُس نے رائفل اُتاری اور اُس کا بٹ پوری قوت کے ساتھ محافظ کی ٹھوڑی پر دے مارا۔

محافظ اس اچانک اور غیر متوقع حملے کے لیے بالکل تیار نہیں تھا۔ چوٹ کھا کر وہ لڑکھڑایا۔ ساتھ ہی اُس نے اپنا ہاتھ کندھے پر لٹکی رائفل کی طرف بڑھایا لیکن روبی نے اپنے دائیں پیر کی ٹھوکر اُس کے پیٹ پر رسید کی اور وہ رائفل کو بھول کر پیٹ پکڑتے ہوئے زمین پر دُہرا ہو گیا۔ روبی نے اپنا پیر دوبارہ اُٹھایا۔ اس مرتبہ اُس کا بھاری فوجی بوٹ اُس کی کنپٹی پر پڑا۔ محافظ نے چیخنے کے لیے منہ کھولا لیکن دوسری ٹھوکر نے اُس کے کئی دانت توڑ کر اُس کے حلق میں گھسا دیے۔ اُس کے منہ سے خون کا فوارہ اُبل پڑا۔ روبی نے دائیں جانب چھلانگ لگا کر اپنے کپڑے بچائے تھے۔ محافظ کے جسم نے ایک جھٹکا لیا اور پھر ساکت ہو گیا۔

روبی اُس کی لاش کو وہیں چھوڑ کر ٹرک کے عقبی حصے کی طرف بڑھ گئی جو مذکورہ پتھر سے محض ایک ڈیڑھ فٹ کے فاصلے پر تھا۔ اُس نے پتھر کے نیچے سے تار نکالا اور اُسے ٹرک کے عقبی پہیوں سے باندھ کر وہ ٹرک کے ہُڈ کے ساتھ مصروف ہو گئی۔ اُس نے دو تین مرتبہ تاروں کو چھیڑا اور ٹرک کا انجن ایک ہلکی سی غراہٹ کے ساتھ بیدار ہو گیا۔ اُس نے ہُڈ گرایا اور ٹرک کے ڈرائیونگ کیبن میں بیٹھ کر اُسے ایکسی لیٹر دینے لگی۔ چند ہی ثانیوں بعد ٹرک پہلے گیئر میں گیٹ کی طرف بڑھ رہا تھا۔

ٹرک آگے بڑھنے سے تار میں کھنچاؤ پیدا ہوا اور پھر ٹھیک چار سیکنڈ کے وقفے سے ایک کان پھاڑ دینے والا دھماکا ہوا جس کے بعد دھماکوں کا ایک طویل سلسلہ چل نکلا۔ خیمے میں پڑے ہوئے تمام دستی بم اور نرسیٹی باؤدی سرنگیں وقفے وقفے سے پھٹنی شروع ہو گئی تھی۔ پورا کیمپ خیمے میں ہونے والے دھماکوں کے نتیجے میں بھڑکتی آگ میں تبدیل ہو گیا تھا ساتھ ہی محافظوں نے اندھا دھند گولیاں چلانی شروع کر دی تھیں لیکن روبی کو معلوم تھا کہ تاریک رات میں سوائے ہوا کے وہ کسی کو نشانہ نہیں بنا سکتے۔

ٹرک مسلسل گیٹ کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اُس نے ہیڈ لائٹس جلا دیں جن کی روشنی میں اُسے امریکی سفیر چند جھاڑیوں کے عقب سے نکل کر گیٹ کی طرف بڑھتا نظر آیا۔ روبی نے سگنل دینے والے انداز میں ہیڈ لائٹس کو جلایا بجھایا اور ایک لمحے کے لیے

برکیوں پر دباؤ ڈالا تاکہ سفید ٹرک پر چڑھ سکے۔ جونہی اس کی سیفر کے قدم فٹ بورڈ پر پہنچے روبی نے پوری قوت سے ایکسی لیٹر دبا دیا۔

ڈاکٹر جانسن نے روبی کی خودکار رائفل اپنی طرف کھینچی گیٹ پر کھڑے ہوئے محافظوں نے ٹرک پر گولیاں چلانی شروع کر دی تھیں انھیں علم ہو گیا تھا کہ ٹرک میں کوئی فرار ہونے کی کوشش کر رہا ہے۔ ڈاکٹر نے دوربرسٹ گیٹ کی طرف مارے۔ دو چیخوں سے اندازہ ہوا کہ اس نے دو دشمن مار گرائے ہیں جبکہ گیٹ پر لگی ہوئی دونوں سرچ لائٹیں بھی گولیوں کا نشانہ بن گئی تھیں۔

ٹرک بند آہنی گیٹ سے ٹکرایا اور پھر گیٹ کے پٹ ہوا میں اچھالتا ہوا اندھیری سڑک پر غائب ہو گیا۔

ابھی تک ٹرک کے دونوں مسافروں نے آپس میں ایک لفظ نہیں کہا تھا۔

"اب ہم محفوظ ہیں۔" ڈاکٹر جانسن نے خاموشی کی بوجھل فضا ختم کرنے میں پہل کی۔

"نہیں۔" روبی نے پہاڑی سڑک پر نگاہیں جمائے ہوئے جواب دیا۔ "یہ پہلی رکاوٹ تھی۔ ابھی اس سڑک پر تین چیک پوائنٹ باقی ہیں جو تمام کے تمام باغیوں کے قبضے میں ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ان چیک پوائنٹس پر ریڈیو نہیں ہیں اس لیے ہماری آمد ان کے لیے حیران کن ہوگی۔" روبی نے ڈاکٹر کو رائفل کے کچھ اور میگزین تھما دیے تھے۔

وہ ہر ممکن تیز رفتاری سے ٹرک چلا رہی تھی لیکن پہاڑی سڑک پر بیس پچیس میل کی رفتار سے زیادہ چلنا خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔ روبی پوری توجہ کے ساتھ ڈرائیونگ میں مصروف تھی جبکہ ڈاکٹر جانسن عقب کا جائزہ لے کر اسے بتا رہا تھا کہ عقب میں کوئی روشنیاں نظر نہیں آ رہیں۔

پہلے چیک پوائنٹ پر کوئی شخص موجود نہیں تھا۔ سڑک پر بیریئر اٹھا ہوا تھا لیکن جونہی روبی نے چیک پوائنٹ کے سامنے سے ٹرک گزارا چھوٹے سے ہٹ کے عقب سے ایک شخص بھاگتا ہوا سڑک پر آیا اور اس نے چیخ کر ٹرک کو رکنے کا حکم سنایا لیکن روبی ٹرک آگے بڑھائے چلی گئی۔

ایک گھنٹے بعد وہ دوسرے روڈ بلاک پر پہنچ چکے تھے چیک پوائنٹ ایسے زاویے پر بنایا گیا تھا کہ رفتار سست کیے بغیر وہاں سے گزرا نہیں جا سکتا تھا۔ روبی نے ٹرک کی رفتار پانچ میل فی گھنٹہ تک کم کر دی تھی۔

جونہی وہ قریب پہنچے ایک شخص نے ان کی طرف ہاتھ ہلا کر رکنے کا اشارہ کیا۔ روبی نے کھڑکی میں سے ہاتھ ہلا کر اسے جوابی اشارہ کیا لیکن ٹرک روکا نہیں۔

"ممکن ہے اس اشارے سے کام چل جائے۔" روبی نے ڈاکٹر جانسن کو آگاہ کیا۔ "لیکن اگر اس سے کام نہ چلے تو آپ رائفل استعمال کرنے سے بالکل نہ جھجکیے گا۔"

ڈاکٹر جانسن نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے رائفل کا سیفٹی کیچ کھینچ لیا تھا۔

محافظ اب سڑک کے وسط میں آ گیا تھا۔ روبی نے ٹرک کی رفتار مزید سست کر دی لیکن اسے روکا نہیں۔ باغی فوجی بھاگ کر ٹرک کے فٹ بورڈ پر چڑھ گیا اور اندر جھانکنے لگا لیکن روبی مسلسل ڈرائیونگ کرتی رہی۔

"عقبی حصے میں کچھ شدید زخمی موجود ہیں۔" روبی نے خالص ملی جلی انگریزی اور اسپینی میں اسے آگاہ کیا۔ "مجھے ان کو لے کر فوری طور پر سان سلواڈور پہنچنا ہے۔ ورنہ وہ مر جائیں گے۔"

اطلاع تو دی گئی تھی۔ روبی نے اندھیرے میں تیر چلایا۔

"مجھے کسی نے کچھ نہیں بتایا۔" محافظ نے جواب دیا۔ "تمہارے پاس کاغذات ہیں؟"

"نہیں۔" روبی نے مصنوعی چڑچڑاہٹ کا مظاہرہ کیا۔ "میرے پاس وقت نہیں ہے۔"

"ٹرک روکو۔ میں چیک کروں گا۔" محافظ نے چیختے ہوئے کہا اور ساتھ ہی اپنا پستول نکال لیا۔

"ٹھیک ہے میں روکتی ہوں۔" روبی نے جواب دیا۔ "کیا تمہارے پاس کافی ہے؟"

محافظ نے چلتے ہوئے ٹرک کے فٹ بورڈ پر کھڑے کھلے دروازے پر موجود تین دوسرے محافظوں کو اشارہ کیا اور انھوں نے اپنی خودکار رائفلوں کی نالیں جھکا لیں۔ روبی نے بریک پر آگے والا پاؤں جھٹکے سے اٹھایا اور پوری قوت سے ایکسی لیٹر دبا دیا۔

"فائر۔" وہ حلق کے بل چیخی، ڈاکٹر جانسن نے اس کی ہدایت کی تعمیل میں تاخیر نہیں کی۔ رائفل کی دو گولیاں یکے بعد دیگرے فٹ بورڈ پر کھڑے محافظ کے سینے میں لگیں۔ گولیاں روبی کے چہرے سے چند انچ کے فاصلے سے گزری تھیں جن کی تپش اپنے رخساروں پر محسوس ہوئی۔ محافظ کے جسم نے ایک جھٹکا کھایا اور وہ چلتے ہوئے ٹرک سے نیچے جا گرا۔

سامنے کھڑے تین میں سے ایک محافظ نے فائر کر

کے لیے رائفل سیدھی کرنی چاہی، روبی نے اسٹیئرنگ ذرا سا بائیں جانب موڑا اور چیختا چنگھاڑتا ٹرک اس پر چڑھ دوڑا۔ باقی دونوں بھی اس متحرک موت سے محفوظ نہیں رہ سکے تھے۔ ان کی آخری چیخیں ٹرک کے انجن کے شور میں دب گئی تھی۔

اب آگے راستہ صاف تھا۔ روبی نے پلٹ کر یہ دیکھنے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی کہ اس کے شکار ہونے والوں کے جسموں کے کون کون سے حصے کچلے گئے ہیں۔ ڈاکٹر جانسن نے روبی کے چہرے کی طرف دیکھا لیکن وہ سختی سے دانتوں پر دانت جمائے ڈرائیونگ میں مصروف تھی۔

بے چارے بے وقوف۔ کچھ دیر بعد روبی نے سرسراتی ہوئی آواز میں کہا۔ "ہو سکتا ہے آگے ہمیں ایسے لوگوں سے واسطہ پڑے جو گولی پہلے چلاتے ہوں اور سوال بعد میں کرتے ہوں۔"

"میرے خیال میں ایسا نہیں ہوگا ڈاٹنا۔" ڈاکٹر جانسن نے جواب دیا۔ "قسمت ہمارا ساتھ دے رہی ہے۔"

آخری چیک پوائنٹ پر انھیں کسی دقت کا سامنا نہیں کرنا پڑا کیونکہ خوش قسمتی سے دونوں محافظ خواب خرگوش کا مزہ لوٹ رہے تھے۔

روبی ڈرائیونگ کے دوران ہر دو منٹ کے بعد ہیڈ لائٹس جلا بجھا رہی تھی ایک ایسی گاڑی کے لیے یہ ایک غیر معمولی بات تھی جو کسی قسم کی پیشگی اطلاع کے بغیر سفر کر رہی ہو۔ روبی کے خیال میں یہ سرکاری فوجوں کے لیے ایک طرح کا سگنل تھا کہ آنے والے دوست ہیں۔ کیونکہ وہ نہیں چاہتی تھی کہ سرکاری فوجوں کی جانب سے چلائے جانے والے کسی اندھے راکٹ یا میزائل کا نشانہ بن جائے۔

اس وقت وہ اس جگہ سے گزر رہے تھے جہاں پہلے باغیوں پر حملہ ہوا تھا اور روبی کے ہاتھوں سرکاری فوجی مارے گئے تھے۔ روبی نے ٹرک کی رفتار آہستہ کر لی اور ہیڈ لائٹس کے سگنل دینے کے ساتھ ہارن بھی بجانا شروع کر دیا۔ ہارن بجانے کا انداز موریس کوڈ جیسا تھا تین چھوٹے ہارن، پھر تین لمبے ہارن اور تین چھوٹے ہارن۔ وہ کئی سیکنڈ جواب کی منتظر رہی لیکن جب خاموشی رہی تو اس نے پھر اسی انداز میں ہارن بجانا شروع کر دیا۔

ڈاکٹر جانسن، روبی کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔

"یہ مدد کا سگنل ہے، کیا تمہارے خیال میں یہاں برسر پیکار لوگ بوائے اسکاؤٹ ہیں؟"

"اسکاؤٹ بے شک نہ ہوں لیکن ہمارے مددگار ضرور ہو سکتے ہیں۔" روبی نے جواب دیا لیکن اس کے چہرے پر مسکراہٹ کا کوئی تاثر نہیں ابھرا تھا۔

مزید دو میل کا سفر انھوں نے پندرہ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے طے کیا۔ دور سامنے روشنیاں نظر آئیں تو روبی نے موریس کوڈ کے مخصوص انداز میں مدد کے سگنل دینے شروع کر دیے اس کے اپنے اندازے کے مطابق اس نے کوئی سو بار ہارن بجایا تھا، ساتھ ہی اس نے ہیڈ لائٹس بھی جلانی بجھانی شروع کر دی تھیں۔ ذرا سے توقف کے بعد اس کی امید بر آئی، سامنے کی جانب سے سگنل کا جواب مل گیا تھا اور وہاں سے بھی موریس کوڈ میں چھوٹے۔ لمبے اور چھوٹے سگنل دیے جا رہے تھے۔

روبی نے ٹرک کی سست رفتاری برقرار رکھی لیکن اب اس نے ہارن بجانا بند کر دیا تھا۔ اب روشنیاں سو گز سے زیادہ دور نہیں تھیں وہ بھی کوئی ٹرک ہی تھا۔ روبی نے ٹرک کی روشنیاں بھی مدھم کر دیں، سامنے والے نے بھی روبی کی تقلید کی۔ روبی نے اپنا ٹرک دوسری گاڑی سے کوئی پچیس فٹ کے فاصلے پر روکا اور ایمرجنسی بریک کھینچ کر ڈرائیونگ کیبن سے نیچے کود گئی۔

"ہم دوست ہیں۔" اس نے خود حفاظتی انداز میں ہاتھ سر سے بلند کرتے ہوئے چیخ کر کہا۔ "براہ کرم اپنے آفیسر کو بھیجو، میرے ساتھ ایک نہایت اہم مسافر ہے۔"

دوسری جانب سے فوری جواب نہیں ملا۔ روبی نے دوبارہ اپنے الفاظ کہے چند ثانیوں بعد کوئی شخص ٹرک کے عقب سے نکل کر آگے بڑھا۔ روبی نے اب بھی ہاتھ سر سے بلند کر رکھے تھے آنے والا جونہی روشنیوں کی زد میں پہنچا روبی کے منہ سے بے اختیار اطمینان کی ایک گہری سانس خارج ہو گئی کہ وہ سرکاری فوج کی یونیفارم پہنے ہوئے تھا۔

*

ظالموں نے نہ جانے کہاں کہاں بم فٹ کر رکھے تھے جو یکے بعد دیگرے پھٹ رہے تھے، پے در پے دھماکوں کے باعث مسلم آباد مسلسل لرز رہا۔ ہر طرف آگ اور شعلوں کا رقص نظر آنے لگا۔ موت قہقہے لگانے لگی اور زندگی کے چہرے کی رنگت فق ہو گئی۔ بظاہر ایسا لگ رہا تھا جیسے موت کی فتح ہوئی ہے اور زندگی ہار گئی ہے لیکن درحقیقت ایسا نہ تھا۔ موت کے ہرکاروں نے شہر کو قبرستان میں بدلنے کی جو کوشش کی تھی وہ فروسی فوج کے

Uploaded By Nadeem

سیکرٹری بھی ثابت ہو سکتی ہو، تمہاری تنخواہ چھتیس ہزار ڈالر سالانہ ہوگی اور تمہیں پچھلے مہینے کی پہلی تاریخ سے ملازم تصور کیا جائے گا۔"

"مسٹر ایمبیسیڈر . . . ."

"پہلے مجھے بات پوری کرنے دو۔" ڈاکٹر جانسن نے روبی کو خاموش کرا دیا۔ "تمہیں ایک بلٹ پروف کار اور ذاتی ڈرائیور دیا جائے گا۔ سفارت خانے کی حدود میں تمہارا الگ اپارٹمنٹ ہوگا۔ دفتر میں بظاہر تم میری پرائیویٹ سیکرٹری ہوگی لیکن تمہارا اصل کام میرے عقب میں رہ کر دشمنوں پر نظر رکھنا اور میری حفاظت کرنا ہوگا۔ تم نے ہاتھیوں سے میری زندگی بچا کر مجھ پر بہت بڑا احسان کیا ہے جسے میں کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ تمہارے کام آؤں۔"

ڈاکٹر جانسن نے ایک لمحے کے لیے رک کر گھڑی پر وقت دیکھا اور پھر اپنی بات جاری رکھی۔

"ابھی اس پیش کش پر کوئی تبصرہ نہ کرو، اپنے کمرے میں جاؤ اور شام تک آرام کرو۔ ہماری دوسری ملاقات شام سات بجے ڈنر پر ہوگی۔"

روبی خاموشی سے اٹھی اور سفیر کو خدا حافظ کہہ کر باہر نکل آئی۔

کمرے میں اس کا سامان موجود تھا اس نے سامان کی تلاشی لی ٹریولز چیکس سمیت ہر شے موجود تھی۔ اس نے ایک کاغذ قلم سنبھالا اور سفیر کے نام ایک معذرتی نوٹ لکھنے لگی کہ وہ بتائے بغیر یہاں سے روانہ ہو رہی ہے۔ وجہ اس نے یہی لکھی تھی کہ ابھی لہرمل گیس کا قضیہ باقی ہے اور فی الوقت اس کے لیے یہاں رہنے سے زیادہ اہم کام کے جی بی کے ایجنٹ الیگزینڈر گالکن اور حسن نامی فردوسی کا تعاقب کرنا ہے۔

ایک گھنٹے بعد وہ میامی جانے والی فلائٹ پر موجود تھی۔ جونہی طیارے نے ٹیک آف کیا اس نے مطمئن انداز میں سر سیٹ کی پشت سے ٹکا لیا۔

ایک نظر دیکھنے والا یہی سمجھتا کہ وہ سو رہی ہے لیکن وہ اور اس کی تمام تر حسیات پوری طرح بیدار تھیں۔ اس کا ذہن مسلسل سوچ رہا تھا لیکن یہ سوچ مشن کے بارے میں نہیں تھی بلکہ اس وقت اس کی سوچوں کا محور شہزاد تھا۔ ڈاکٹر بہرام نے اسے بتایا تھا کہ شہزاد اپنا مشن مکمل کرنے کے بعد اس سے آملے گا وہ دل ہی دل میں یہی دعا کر رہی تھی کہ اس کا مشن ختم ہو گیا ہو اور وہ جلد از جلد اس سے آن ملے۔

وہ اپنی قسمت پر غور کرنے لگی۔ اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگ مانگ کر وہ شہزاد کے قریب جاتی تھی لیکن قدرت کو شاید ان کا نزدیک رہنا پسند نہیں تھا خود بخود ہی ایسے حالات پیدا ہو جاتے تھے کہ جلد ہی وہ پھر ایک دوسرے سے جدا ہو جاتے تھے۔

جانے وہ کیا کیا سوچتی رہی، تسلسل اس وقت ٹوٹا جب پبلک ایڈریس سسٹم پر میامی انٹرنیشنل ایئرپورٹ پر لینڈنگ کا اعلان ہوا۔ اس نے خود کو مجتمع کیا اور اترنے کے لیے تیار ہو گئی۔

نصف گھنٹے بعد وہ ایئرپورٹ کے پبلک فون بوتھ سے چارہ گر سینی ٹوریم بات کر رہی تھی۔ اسے علم تھا کہ ڈاکٹر بہرام بڑی شدت سے اس کی فون کال کا منتظر ہوگا۔ فون بہرام نے ہی کیا تھا اور روبی کی آواز سن کر جیسے اس کے مردہ لہجے میں جان پڑ گئی تھی۔

"اللہ کا شکر ہے کہ تم زندہ ہو۔" بہرام نے بے اختیار کہا۔ "کہاں رہ گئی تھیں؟"

اور جواب میں روبی نے مختصر الفاظ میں ساری روداد بہرام کو کہہ سنائی تھی۔

"مجھے سان سلواڈور سے گالکن اور احمد کی روانگی کا علم ہو چکا ہے۔" بہرام نے اسے آگاہ کیا۔ "مجھے کمپیوٹر نے یہ اطلاع بھی دی ہے کہ سلواڈور کے پہاڑی علاقوں میں انھوں نے زہریلی گیس سے لوگوں کو ہلاک کرنے کا تجربہ کیا تھا اور وہ دونوں بھی موقع پر موجود تھے۔"

"جی سر۔" روبی نے لقمہ دیا۔ "لیکن گالکن اور احمد دونوں ہی اب سلواڈور سے روانہ ہو چکے ہیں۔" فی الوقت اس بات کا علم نہیں کہ وہ لوگ کہاں ہیں؟"

"لیکن مجھے علم ہے۔" بہرام نے جواب دیا۔ "وہ دونوں ہیرت لینڈ گئے ہیں۔"

"کیوں؟" روبی نے دریافت کیا۔

"فردوس اور ہیرت لینڈ کی ازلی دشمنی تو تم سے ہرگز پوشیدہ نہیں ہوگی۔" بہرام نے کہا۔ "دونوں ہی ایک دوسرے کو اپنا مذہبی، سماجی اور معاشرتی دشمن تصور کرتے ہیں۔ آزادی سے قبل ہیرت لینڈ پر مسلمانوں کی حکومت تھی جو نسبتاً اقلیت میں تھے لیکن جب دونوں ملک الگ ہوئے تو ان میں ایک ایسی دشمنی کی بنیاد پڑ گئی جس کے ختم ہونے کے فی الحال کوئی امکانات نہیں ہیں۔ ہیرت لینڈ والے اب فردوس سے خود پر حکومت کرنے کا بدلہ لے رہے ہیں۔ انھوں نے زہریلی گیس کے ذریعے فردوس کے پانچ بڑے شہروں کو تباہ کرنے کا منصوبہ تیار کیا ہے۔ بظاہر

ان میں موجود کیمیکل خصوصی ہوائی جہازوں کے ذریعے رات کی تاریکی میں ان شہروں پر چھڑکا جائے گا اور صبح کو یہ شہر قبرستانوں میں تبدیل ہو چکے ہوں گے، انہیں فوری طور پر ان کے اس منصوبے کو ناکام بنانا ہے۔"

"آپ نے کیا پروگرام بنایا ہے سر؟"

"تم شام تک یہیں میامی میں رکو گی، بیچ گلیڈری ہوٹل میں تمہارے سفر کے کاغذات اور دیگر ضروری ہدایات تمہیں وہیں پہنچا دی جائیں گی۔"

"منسٹر؟"

"یہ بھی اسی لفافے میں معلوم ہو جائے گا۔" بہرام نے گول مول بات کی۔ "جہاں تم جا رہی ہو وہ لوگ بے حد خطرناک ہیں اس لیے محتاط رہنا۔"

روبی کا جی چاہا کہ وہ شہزاد کے بارے میں پوچھے کہ وہ کس حال میں ہے؟ اس کا مشن ختم ہوا یا نہیں؟ کیونکہ بہرام نے اسے بتایا تھا کہ اپنے مشن کی تکمیل کے بعد وہ اس سے آملے گا۔ مگر وہ ہے کہاں . . .؟

"تمہیں مشن کا اگلا حصہ بھی تنہا سرانجام دینا ہوگا۔" بہرام نے اس کے بدترین اندیشوں کی تصدیق کر دی۔

"اور شہزاد؟" وہ پوچھے بغیر نہ رہ سکی، انجانے وسوسوں سے اس کا دل دھڑک اٹھا۔ فون کے دوسرے سرے پر موجود بہرام یقینی طور پر مسکرایا ہوگا۔

"وہ نہیں آسکے گا۔"

"لیکن آپ نے تو . . ."

"ہاں، پہلے پروگرام تو یہی تھا کہ فردوس کے مشن کی تکمیل کے بعد وہ تم سے آملے گا، لیکن وہاں کچھ ایسے واقعات رونما ہوئے ہیں کہ اس کا وہاں رہنا بہت ضروری ہے۔ میں خود بھی ایک گھنٹے بعد فردوس روانہ ہونے والا ہوں۔ یہ ممکن ہے کہ ہیرت لینڈ میں تم دونوں کی ملاقات ہو جائے۔"

بہرام نے اختتامی کلمات کہہ کر فون رکھ دیا تھا۔ روبی کے پاس بھی اس کی تقلید کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ بوتھ سے نکل کر بے اختیار اس نے آسمان کی طرف دیکھا جیسے اللہ سے شکوہ کر رہی ہو کہ اسے دونوں کا ملاپ کیوں پسند نہیں؟

✣

جو کچھ بھی ہوا وہ بہت خوفناک تھا اور اس سے زیادہ خوفناک بات یہ تھی کہ ابھی تک بہرام سے ان کا رابطہ نہیں ہوا تھا، ٹائیگر نے کئی مرتبہ کوشش کی لیکن ہر بار اسے مایوسی ہوئی تھی، وہ ٹیپ شدہ آواز سن کر عاجز آ گیا تھا، لیکن ایک بات واضح تھی کہ بہرام بھی کسی اہم نوعیت کے کام میں پھنسا ہوگا ورنہ وہ چارہ گر سے غیر حاضر نہ رہتا۔ ٹائیگر کو علم تھا کہ اب جونہی وہ فارغ ہوگا خود ان سے رابطہ قائم کرے گا۔

✣

روبی کو طویل بین الاقوامی سفر کبھی پسند نہیں رہے تھے۔ ائرپورٹس، جیٹ لائنرز، کسٹم کی تلاشیاں اور سامان کے انبار سے اس کی جان جاتی تھی۔ دو جگہ قیام کرنے کے بعد وہ میامی سے ڈیڑھ دن کا سفر کر کے اودھ پور پہنچی تھی۔

اودھ پور اس کے لیے نیا نہیں تھا لیکن وہ اس شہر سے زیادہ شناسا بھی نہیں تھی، اب بہت کچھ بدل گیا تھا۔ وسیع صحرائی علاقے کو سرسبز علاقوں میں تبدیل کر دیا گیا تھا۔ دریائے گنگونی اودھ پور شہر کے بیچوں بیچ بہتا تھا جو نہ صرف شہر کو پینے کے پانی کی فراہمی کا واحد ذریعہ تھا بلکہ اس سے ارد گرد کے علاقے بھی سیراب ہوتے تھے۔ روبی کو اودھ پور بہت اچھا لگا تھا۔

روبی نے بھرت لینڈ کے اس تیسرے بڑے شہر کے بین الاقوامی ائرٹرمینل سے اپنے ٹریولز چیک کیش کرائے اور باہر نکل آئی البتہ اس نے اس رقم کو ہاتھ نہیں لگایا تھا جو خفیہ طور پر اس کی جیکٹ میں پوشیدہ تھی۔ اس کے پاس فی الوقت کوئی ہتھیار نہیں تھا۔ بہرام کی ہدایات کے مطابق اس نے ایک ناخن تراش تک اپنے ساتھ نہیں رکھا تھا لیکن اسے جلد ہی اس سلسلے میں کچھ نہ کچھ کرنا تھا۔

کسٹم کلیرنس کی لائن میں روبی سے ایک امریکی ٹکرا گیا تھا جو بری طرح اس پر فریفتہ لگتا تھا لیکن اس نے کوئی ایسی حرکت نہیں کی تھی جس کی سزا اسے دی جاتی۔ اس نے روبی کے حسن کی شان میں زمین و آسمان ایک کر دیے تھے اس نے روبی کو یہ پیش کش بھی کی تھی کہ وہ اگر چاہے تو اسے ہوٹل چھوڑ سکتا ہے۔ امریکی نے اسے بتایا تھا کہ بھرتی زبان میں بھی خاصی شُدبُد رکھتا ہے جبکہ روبی نے اپنا نام ڈائنا میکس ویل ہی بتایا تھا اور یہی ظاہر کیا تھا کہ وہ بھرتی سے واقف نہیں ہے۔

روبی نے کچھ دیر سوچا اور پھر اس نے گنجے امریکی کی پیش کش قبول کرنے کا فیصلہ کر لیا وہ ہوٹل جیل میں ٹھہرنے جا رہا تھا جس کا مطلب بقول اس کے خوب صورت ہوٹل تھا۔ اس نے اپنا نام ہیری بتایا . . . وہ بوسٹن کا رہنے والا تھا اور سالانہ مچھلیوں میں

مشرق کی سیاحت کرنے یہاں آیا تھا۔

ہوٹل میں کچھ دیر آرام کرنے کے بعد وہ ضروری اشیاء کے حصول کے لیے چل دی۔ اُس نے کپڑے تبدیل کر لیے تھے۔ بھرت لینڈ کی لڑکیاں اب خاصی جدت پسند ہو گئی تھیں اور وہ بلا تکلف پینٹ اور اسکرٹ زیب تن کرتی تھیں اس لیے روبی کو کپڑوں کے سلسلے میں کسی خاص پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔ اُس نے [illegible] جانے کا راستہ معلوم کیا اور پیدل ہی اس طرف چل دی۔

جلد ہی وہ اپنے مطلب کی پہلی شے حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی۔ یہ ایک چھڑی تھی جو عموماً بوڑھے لوگ سہارے کے لیے استعمال کرتے تھے۔ چھڑی مقامی طور پر تیار شدہ اور خاصی خوبصورت تھی۔ اُس نے آٹھ روپے ادا کیے اور آگے بڑھ گئی۔ دوسری دکان سے اُس نے ایک چھوٹا چاقو خریدا۔ اگلی شے خریدنے کے لیے اُسے کوئی نصف گھنٹہ بازار میں پھرنا پڑا تھا۔ بالآخر اُسے ایک دکان نظر آ گئی جہاں سے وہ اپنی مطلوبہ شے خرید سکتی تھی۔ مچھلی پکڑنے کے آلات کی دکان سے اُس نے پچاس گز لمبی ڈوری خریدی اور واپس ہوٹل میں آ گئی۔

کمرے میں پہنچ کر وہ خریدی ہوئی چیزوں کی مدد سے اپنا ایک مخصوص ہتھیار بنانے میں مصروف ہو گئی۔ نصف گھنٹے کی جدوجہد کے بعد وہ ایک پھندا تیار کرنے میں کامیاب ہو گئی جسے وہ چھڑی کی حرکت کے ساتھ استعمال کر سکتی تھی لیکن کمال کی بات یہ تھی کہ چند فٹ کے فاصلے سے بھی یہ اندازہ نہیں لگایا جا سکتا تھا کہ چھڑی میں کوئی تبدیلی کی گئی ہے۔

کچھ دیر آرام کرنے کے بعد اُس نے کاغذ کا وہ پرزہ نکالا جس پر احمد حسن نے اپنا پتا لکھ کر اُسے دیا تھا۔ اُس نے ہوٹل سے نکل کر ایک ٹیکسی روکی اور اُسے پتا تھما دیا۔ ڈرائیور نے بھرتی میں اُس سے کچھ کہا، روبی اُس کی بات کا مطلب سمجھ گئی تھی لیکن اُس نے ظاہر یہی کیا تھا کہ اُسے بھرتی نہیں آتی۔

ڈرائیور نے کندھے اچکائے اور ٹیکسی اسٹارٹ کر کے اودھ پور کی معروف شاہراہوں پر نکل آیا۔ اودھ پور کی آبادی پندرہ لاکھ سے زیادہ تھی یوں لگتا تھا کہ سب کے سب کاروں، ٹرکوں، بائیکوں اور گدھا گاڑیوں پر ایک دم سڑکوں پر نکل آئے ہوں۔ روبی کے لیے یہ سب اجنبی نہیں تھا کیونکہ اُس کے اپنے ملک میں بھی سب کچھ ہوتا تھا۔

کچھ دیر ایسی ہی سڑکوں پر سفر کرنے کے بعد وہ ایسی گلیوں میں نکل آئے تھے جہاں ٹریفک کم تھا۔ ٹیکسی ڈرائیور نے ایک گلی میں ٹیکسی روکی اور اُسے اُترنے کا اشارہ کیا۔ روبی نے ادائیگی کی اور نیچے اُتر آئی۔

روبی نے احمد حسن کے کاغذ پر نظر دوڑائی اور پھر سامنے والی عمارت کی جانب دیکھا وہ کسی قسم کا کوئی دفتر نظر آتا تھا۔ بغیر کسی جھجک کے اُس نے دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گئی۔

[illegible] سے وہ حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکی، باہر کے شور کی کوئی آواز بھی [illegible] سنائی نہ دے رہی تھی وہ دس ضرب دس کے ایک ایسے کمرے میں موجود تھی جس میں انتہائی دبیز و نازک قالین بچھا ہوا تھا۔ پیر دھنس رہے تھے۔ سامنے کے کونے میں پڑی ہوئی میز کے عقب میں بیٹھی ایک بھرتی لڑکی نے کاغذات پر سے نظریں اُٹھا کر اُسے مخاطب کیا۔

"میں آپ کی کیا خدمت کر سکتی ہوں؟" اُس نے بھرتی میں ہی کہا۔

"کیا تم انگریزی بول سکتی ہو؟" روبی اُس کا جملہ سمجھنے کے باوجود بولی۔

"ہاں، کیوں نہیں۔" لڑکی نے کہا اور پھر انگریزی میں اپنا کہا ہوا جملہ دُہرا دیا۔

روبی نے اُس کا جائزہ لیا، وہ خاصی خوبصورت تھی اور مشرقی حسن کا جیتا جاگتا نمونہ تھی۔ اُس نے سیاہ بال کھلے چھوڑے ہوئے تھے جو اتنے لمبے تھے کہ زمین چھو رہے تھے۔

"مجھے احمد حسن سے ملنا ہے۔" روبی نے بلا جھجک کہا۔ "میں اُس سے چند دن پہلے اسلام آباد میں ملی تھی، اُس نے کہا تھا کہ اگر کبھی مجھے اودھ پور میں کوئی کام کرنا ہو تو اُس سے رابطہ قائم کروں اُس نے کہا تھا کہ وہ مجھے کوئی کام ضرور دے گا۔"

"مسٹر حسن تو یہاں نہیں۔" لڑکی نے جواب دیا۔ "ہمیں گزشتہ کچھ دنوں سے اُس کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں ملی لیکن اگر تم اُس سے ملنا چاہتی ہو تو اپنا نام اور ہوٹل کا پتا یہاں چھوڑ جاؤ، ہم تمہیں مطلع کر دیں گے۔"

"گڈ، میرا نام ڈائنا میکس ویل ہے اور میں ہوٹل جمیل میں ٹھہری ہوئی ہوں۔"

اُس نے اپنے سامنے پھیلے ہوئے کاغذات پر کچھ لکھا اور پھر روبی سے مخاطب ہوئی۔

"شکریہ، مس ڈائنا، میں کوشش کروں گی کہ کسی طرح مسٹر حسن کو تمہارا پیغام مل جائے۔"

روبی باہر نکل آئی، خلاف توقع وہ ٹیکسی ابھی تک سامنے موجود تھی وہ بیٹھی اور اُسے واپس ہوٹل چلنے کو کہا۔

اب اُسے انتظار کرنا تھا کیونکہ اودھ پور میں اُس کے پاس کچھ اور کرنے کو نہیں تھا۔ سہ پہر چار بجے وہ دوبارہ ہوٹل سے نکلی اور ٹیکسی لے کر دوبارہ اُس دفتر کی طرف روانہ ہو گئی جہاں وہ پہلے گئی تھی۔ اس مرتبہ اُس نے ٹیکسی کافی پہلے چھوڑ دی اور پیدل آگے بڑھی۔ وہ دُور ٹھہر کر دفتر کی نگرانی کرنا چاہتی تھی ٹھیک پانچ بجے دفتر کا دروازہ کھلا اور وہی خوبصورت بھرتی لڑکی باہر نکلی۔

روبی فاصلہ رکھ کر اُس کے پیچھے پیچھے چلنے لگی۔ وہ بے پروائی سے چلتی جا رہی تھی اور اُسے اس بات کی کوئی پروا نہیں تھی کہ کوئی اُس کا تعاقب کر رہا ہے یا نہیں۔ روبی نے بھی اِدھر اُدھر دیکھ کر اندازہ کر لیا تھا کہ اُس کے علاوہ اور کوئی شخص لڑکی میں دلچسپی نہیں لے رہا تھا۔ لڑکی پیدل سفر کرتی رہی حتیٰ کہ کچھ دیر بعد وہ شہر کے ایک نسبتاً بہتر علاقے کے رہائشی اپارٹمنٹ میں داخل ہو گئی۔ روبی نے کچھ قریب ہو کر اُس کے فلیٹ کا نمبر دیکھا اور ایک دروازے کی آڑ میں ہو گئی۔

دو گھنٹے تک عمارت کے آس پاس منڈلاتی رہی لیکن اندر جانے والی بھرتی لڑکی باہر نہ نکلی۔ روبی کو بھوک بھی محسوس ہو رہی تھی لیکن اس مرحلے پر وہ اِدھر اُدھر ٹلنا نہیں چاہتی تھی اُسے جلد از جلد احمد حسن کو تلاش کرنا تھا ورنہ بہت تاخیر ہو جاتی اور معاملات اُس کے ہاتھ سے نکل جاتے۔ اُسے توقع تھی کہ بھرتی کے قریب کار گیس ہاتھ میں آنے کے بعد منصوبے پر عمل کرنے میں تاخیر نہیں کریں گے۔ وہ لوگ طویل عرصے سے فردوس والوں سے اِس طرح کا انتقام لینے کے موقعے کی تلاش میں تھے اور اب اُن کے پاس ایک صحیح اور مؤثر ہتھیار موجود تھا۔

روبی پلٹی اور اِس کوشش میں وہ ایک عورت سے ٹکرا گئی جو نسبتاً چھوٹے قد، صاف رنگت اور سیاہ بالوں کی مالک تھی، اُس نے ایک بڑا سا دھوپ کا چشمہ پہن رکھا تھا۔ جبکہ اُس کا لباس سفید تھا۔

اُس نے مسکرا کر روبی کو دیکھا اور اُس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اپنے قریب کر لیا۔

"مجھے ڈر ہے کہ تم ساری شام یونہی اِدھر اُدھر چکراتی رہو گی۔" آنے والی نے بدستور مسکراتے ہوئے کہا۔ "لیکن احمد حسن کے بارے میں جاننے کا صرف یہی ایک طریقہ نہیں ہے۔ تم وہی امریکی لڑکی ہو نا جو صبح دفتر میں احمد حسن کا پتا کرنے آئی تھی۔ اور جو ہوٹل جمیل میں ٹھہری ہوئی ہے۔ میں بھی غیر ملکی ہوں لیکن یہاں کی زبان کسی مقامی کی طرح بولتی ہوں۔ تم ڈائنا میکس ویل کا نام استعمال کر رہی ہو جو ظاہر ہے کہ تمہارا اصل نام نہیں ہے۔" وہ چند ثانیے رُکی اور پھر بولی۔ "آؤ، کچھ کھاتے ہیں۔"

روبی پہلے تو سٹپٹا کر رہ گئی لیکن پھر اُس نے بھی جواب میں مسکرانے کی کوشش کی۔ وہ لڑکی کی موجودگی پر حیران رہ گئی تھی اور اس سے زیادہ حیرت کی بات یہ تھی کہ وہ اُس کے بارے میں خاصی معلومات رکھتی تھی۔

"تم غلط سمجھی ہو مس!" روبی نے دوستانہ انداز میں کہا۔ "میرا نام ڈائنا میکس ویل ہی ہے۔ میں پیوریا کی ایک پلاسٹک سیلز وومین ہوں، البتہ تمہارا یہ اندازہ درست ہے کہ میں مقامی زبان نہیں بول سکتی، یہ حسن کا کیا قصہ ہے؟"

اُس نے سر اُٹھا کر روبی کو دیکھا اور پھر اپنا چشمہ اُتار کر اُسے پرس میں ڈال لیا۔

"پہلے ہم ڈنر کریں گے، میں ایک مخصوص جگہ جانتی ہوں۔ اگر تم چاہو گی تو تمہارے لیے ہمبرگر بھی مل جائے گا۔ ہم راستے میں اور وہاں بیٹھ کر باتیں کر سکتے ہیں، غلط اندازے مت قائم کرنا میں اُس وقت سے تمہارا تعاقب کر رہی ہوں جب سے تم صبح احمد حسن کی تلاش میں دفتر گئی تھیں۔ میں تمہیں یہ مشورہ بھی دوں گی کہ بھاری رقم جیکٹ میں لے کر گھومنے کی بجائے اسے کسی مناسب جگہ رکھ دو۔"

روبی نے نظر بھر کر اُسے دیکھا اور ہنس دی، اِس مرتبہ اُس کی ہنسی جاندار تھی۔ اُسے یاد تھا کہ وہ ہوٹل واپس جا کر دس منٹ سے زیادہ اپنے کمرے سے باہر نہیں رہی تھی اِس کا مطلب یہ تھا کہ کوئی اور بھی اُس کے کمرے میں آ کر گیا تھا۔

"بھوک تو مجھے بھی لگ رہی ہے۔" روبی نے کہا۔ "ویسے تمہارا کوئی نام یا عرفیت تو ہو گی؟"

"ہاں، کیوں نہیں، میرا نام ٹینا ہے، میں جرمن ہوں اور... باقی باتیں اُس وقت کریں گے جس وقت دیواروں کے کان نہیں ہوں گے۔"

اُس نے ہاتھ سے اشارہ کیا اور ایک ریناالٹ کی طرف بڑھی روبی اُس کے ساتھ تھی۔ کار اسٹارٹ ہونے کے ساتھ ہی اُس کی زبان کی قینچی بھی اسٹارٹ ہو گئی وہ تیز تیز بول رہی تھی۔

"میں خود احمد حسن کی تلاش میں ہوں۔" اُس نے روبی کو بتایا۔

Uploaded By Nadeem

"میری کوشش ہے کہ وہ خود یا اُس کے کوئی دوست مل جائیں۔ میری آخری معلومات کے مطابق وہ اس وقت ملک کے مغرب میں موجود ہے۔"

"تم کون ہو؟"

"میں ہمدرد دوستوں کے لیے کام کرتی ہوں۔" اُس نے جواب دیا۔ "ہم لوگ مل کر دنیا کی تعمیر کے لیے کام کرتے ہیں اُس کی تخریب کے لیے نہیں۔"

"سی آئی اے؟"

"اِس سلسلے میں۔ میں ہاں یا نہیں کہہ سکتی لیکن ہم اکٹھے کام ضرور کرتے ہیں۔ میرا پہلے یہ خیال تھا کہ خود تمہارا تعلق سی آئی اے سے ہے لیکن ایسا کوئی ثبوت نہیں مل سکا تمہارے بارے میں ہماری تحقیقات خاموش ہیں۔"

وہ مسکرا دی، اُس کی براؤن آنکھیں چمک اٹھیں۔

کار ایک جگہ رُکی اور وہ دونوں اُتر کر ایک نیم تاریک گلی میں داخل ہو گئیں۔ ذرا دیر چلنے کے بعد ٹینا اُسے لے کر ایک ایسے ریسٹورنٹ میں داخل ہو گئی جہاں بہت کم روشنی تھی لیکن وہاں صفائی بہت نظر آ رہی تھی۔ روشنی بھی موم بتیوں سے کی گئی تھی۔ اندرونی ماحول کسی سلطان کے صحرائی خیمے یا اُس کی عزیز بیوی کی خواب گاہ جیسا تھا۔

ایک ویٹر نے نیم اندھیرے میں میز کی جانب اُن کی رہنمائی کی دونوں آمنے سامنے بیٹھی تھیں۔

"ایک بات یاد رکھنا۔" ٹینا نے ویٹر کو کوئی آرڈر دینے سے پہلے روبی کو مخاطب کیا۔ "یہ مشرقی ہے، یہاں لڑکی تیسرے درجے کی شہری ہوتی ہے مرد اُسے پیر کی جوتی سمجھتا ہے اور اپنے مال و اسباب کو اُس پر ترجیح دیتا ہے۔"

"میں اِس فرسودگی کو تسلیم نہیں کرتی۔" روبی نے کہا۔

"گڈ۔" ٹینا نے ہنستے ہوئے کہا۔ "یہ جگہ محفوظ نہیں ہے اِس لیے اپنے مسائل کے بارے میں ہم یہاں گفتگو نہیں کریں گے، یہاں ہم صرف کھانا کھائیں گے اور کچھ دیر بیٹھنے کے بعد روانہ ہو جائیں گے۔ باقی ہم بعد میں کریں گے۔"

ٹینا نے بھرتی میں ویٹر سے مینیو کا پوچھا اور پھر کچھ کھانے کا آرڈر دیا۔ کھانے تمام مشرقی تھے لیکن ٹینا نے مرچوں کے بارے میں ویٹر کو خصوصی طور پر ہدایت دی تھی۔

روبی کھانے کے دوران مسلسل ٹینا کا جائزہ لیتی رہی وہ جب بھی اُس سے کوئی سوال پوچھتی ٹینا خاموشی سے نفی میں سر ہلا دیتی حالانکہ اُن کی قریبی میزوں پر کوئی اور موجود نہیں تھا۔

دونوں نے کھانا کھایا اور باہر نکل آئیں۔ وہ اِس بار بھی ریسٹالٹ کی طرف بڑھی تھیں لیکن وہاں اب ڈرائیور بھی موجود تھا۔ روبی نے اُس کی طرف کوئی توجہ نہیں دی تھی۔

جونہی کار آگے بڑھی اُس نے سنجیدگی سے بولنا شروع کر دیا۔

"حسن، اودھ پور واپس آ گیا ہے، مجھے آج صبح ہی اِس بارے میں معلوم ہوا ہے، وہ ایک روسی کے ساتھ سفر کر رہا ہے جس کے پاس سفارتی پاسپورٹ ہے۔"

"روسی کا نام الیگزینڈر گالکن ہے اور وہ کے جی بی کا ایجنٹ ہے میں اُس سے اسلواڈور میں مل چکی ہوں۔" روبی نے جواباً بتایا۔ "کیا تمہیں زہریلی گیس کے اُن سلنڈروں کے بارے میں علم ہے جن کا تجربہ انھوں نے وہاں کیا تھا۔"

"ہر شخص اُن کے بارے میں جانتا ہے، ریڈیو اور اخبارات کی خبروں کا عنوان ہی وہ حادثہ ہے، سارا الزام امریکہ کے سر جا رہا ہے۔"

"اور تم حسن کو کیوں تلاش کر رہی ہو؟" روبی نے پوچھا

"ہم ہمیشہ اُسے نظروں میں رکھتے ہیں۔ وہ لوگ مجھ پر اعتماد کرتے ہیں اُن کا خیال ہے کہ میں بھرتی ہوں لیکن میں جانتی ہوں کہ صرف ایک چوتھائی مگرتمہ اُنھیں بتاتا نہیں۔"

"اِس طرح تو بھرت لینڈ کے فوجی انٹیلی جنس ونگ میں بھی تمہارا عمل دخل ہو گا۔"

"ہاں، لیکن اتنا زیادہ نہیں۔"

"کیا بھرت لینڈ والوں نے فردوس کے خلاف جنگ کی کوئی منصوبہ بندی کر رکھی ہے؟ میں نے سُنا ہے کہ وہ فردوسیوں کو سمندر میں غرق کر دینا چاہتے ہیں؟"

وہ ہنسی۔ "بھرت لینڈ کے رہنے والے ہر باشندے کی یہی خواہش ہے، لیکن ضروری تو نہیں کہ ہر خواہش پوری بھی ہو جائے۔"

"کیا اس خواہش میں کسی زہریلی گیس کے استعمال کا منصوبہ بھی شامل ہے؟"

اُس نے روبی کا بازو تھام لیا۔

"میرے ساتھ کھیل کھیلنے کی کوشش مت کرو، ہمارے اندازے کے مطابق روسیوں نے امریکہ سے زہریلی گیس چوری کی ہے اس کے بعد گیس کو اسلواڈور میں استعمال کیا گیا تاکہ اس کا الزام امریکیوں کے سر جائے، اب تم بھی یہاں ہو، تم خود بھی

من اور کے جی بی کے ایجنٹ کو جانتی ہو، تم آخر بھرت لینڈ کیوں آئی ہو؟ کیا یہ گیس کی ہی کوئی کڑی ہے؟"

اُس نے تیزی سے پیچھے جاتی ہوئی عمارتوں کو دیکھا اور پھر روبی سے مخاطب ہوئی۔ "کیا گیس کے ایک سے زائد سلنڈر چوری کیے گئے ہیں؟"

"ہاں!" روبی نے جواب دیا۔ "اسٹور کیپر فیکٹری سے چھ سلنڈر چُرائے گئے ہیں۔ اُن میں سے دوبارہ کوئی حاصل نہیں ہو سکا، جبکہ ایک استعمال ہو چکا ہے۔"

کار ایک کم بلند عمارت کے سامنے رُک گئی تھی جو اس وقت تاریک پڑی ہوئی تھی۔

"اوہ!" ٹینا نے روبی کو اُترنے کا اشارہ کیا۔ "ابھی مجھے اور نہیں مل کر بہت سا کام نمٹانا ہے، میں تمہیں کچھ لوگوں سے متعارف کراؤں گی اور اُس کے بعد ہم باتیں کریں گے اور منصوبے بنائیں گے، ہمیں ایک پوری قوم کو تباہی سے بچانا ہے۔"

✠

"نہیں ڈاکٹر بہرام — یہ محض اتفاقی حادثہ نہ تھا۔" صدر مملکت نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "یہ واضح طور سے تخریب کاری ہے۔ ایسی مکروہ نوعیت کی تخریب کاری جس کا مقصد صرف اور صرف بے گناہ عام شہریوں کا قتل عام ہے۔ تمہیں اندازہ ہے کہ اب تک کتنے لوگ مر چکے ہیں۔"

"جی ہاں۔" بہرام نے خشک لہجے میں جواب دیا۔ "پہلے جب بھی فردوسی ایوان صدر میں آیا تھا تو یہاں رونقیں ہوتی تھیں لیکن آج ویرانی تھی خود صدر مملکت اسپتالوں کا دورہ کر کے آئے تھے۔ ایوان صدر میں سفارتی نمبر پلیٹوں کی کاروں کی آمد و رفت خاموشی سے ہو رہی تھی۔ وہ اہم غیر ملکی مہمان بھی صدر سے ملاقات کی تھی مگر میزبان کی طرح مہمانوں کے چہرے بھی اُترے ہوئے تھے۔

"آپ اس کی ذمہ داری کس پر عائد کرنا چاہتے ہیں؟" بہرام نے پوچھا۔ وہ مسلسل دو روز سے جاگ رہا تھا اور اس نے جو مناظر دیکھے تھے وہ اس کے لیے قیامت سے کم نہ تھے۔

"میں آن دی ریکارڈ کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

"آف دی ریکارڈ؟"

"پڑوسی ملک کی انٹیلی جنس کا۔"

"تو آپ کی اعلیٰ تربیت یافتہ انٹیلی جنس کو کیا ہوا تھا؟ وہ لوگ کیا کرتے رہے؟ آپ کے دوست ملک کے مصنوعی سیاروں نے آپ کو کیا معلومات فراہم کیں؟"

"یہ سوال تم ہر نریب نہیں دیتے ڈاکٹر۔؟" صدر نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "تمہارا بازو بھی تو یہاں موجود تھا بلکہ میری معلومات کے مطابق وہ تو اس یونین کا ایک انتہائی اہم عہدیدار بھی بن گیا تھا....."

"جی ہاں۔ ہمیں آپ نے ایک انتہائی گھٹیا کام کے لیے یہاں بلایا تھا۔ آپ نے یہ اشارہ بھی نہیں کیا تھا کہ تخریب کاری کے کچھ واقعات کا امکان ہے۔ آپ نے تو ہمیں ایک نشے باز لڑکی کی حفاظت کا کام سونپا تھا۔ لیکن پھر پے در پے تخریب کاری کے کئی واقعات رونما ہوئے اور ان کی کڑیاں کئی نئے واقعات کو جنم دے رہی ہیں۔ آپ کو علم ہے کہ ہم اب تک پہلے کیس کی نکلنے والی شاخوں کو ہی کاٹتے پھر رہے ہیں۔"

"کیا اس کے لیے اپنے آدمیوں کو استعمال کرو گے... میرا مطلب ہے کہ خاص آدمیوں کو۔؟"

"نہیں۔ وہ فردوس میں رہ کر ایک اور مشن مکمل کریں گے۔ میں اُن باقی بچ جانے والے لوگوں کو بہر حال کیفر کردار تک پہنچاؤں گا جو تخریب کاری کے ان منصوبوں کے خالق تھے۔"

چاہ بابل

دیو تاؤں کے شہر بابل کی کہانی

جسے مصنف نے 35 سال کی ریسرچ کے بعد قلمبند کیا۔

800 صفحات

قیمت -/400

ناشر: مکتبہ القریش

اردو بازار لاہور

Uploaded By Nadeem

لیکن میرا مشورہ ہے کہ آپ بھی انکوائری کمیٹی قائم کریں اور اس کی تحقیقات کی روشنی میں عملی اقدامات کریں۔"

"میں اس کا تہیہ کر چکا ہوں۔" صدر نے ٹھوس لہجے میں جواب دیا۔ "لیکن تم خاص لوگوں کے لیے جس نئے مشن کا ذکر کر رہے تھے وہ کیا ہے؟"

"اس کا علم آپ کو جلد ہو جائے گا۔ میں اس وقت صرف یہ عرض کر سکتا ہوں کہ ملک کے اندر غیر ملکی ایجنٹوں کے علاوہ انتہا پسند گروہ بھی سرگرم ہیں اور ان سے شعوری یا لاشعوری طور سے پڑوسی ملک بھرت لینڈ کو ہی فائدہ ہو سکتا ہے۔ اب مجھے اجازت دیں۔"

"رابطہ رکھنا ڈاکٹر بہرام۔" صدر نے سر جھکا کر کہا اور پھر جب سر اٹھایا تو بہرام جا چکا تھا۔

☆

احمد حسن اس وقت اودھ پور شہر سے کچھ فاصلے پر ایک فوجی ہوائی اڈے کے انتہائی خفیہ دفتر میں موجود تھا اس نے مسکرا کر ان چھ افراد کی طرف دیکھا جو وہاں جمع تھے یہ لوگ بھرت لینڈ کی فوج کے اعلیٰ ترین اور ماہر ترین منصوبہ ساز تھے۔ حسن نے اپنے بریگیڈیر کی یونیفارم پہن رکھی تھی جس کے کندھوں پر ستارے چمک رہے تھے۔ یہ وردی فردوس سے اس کی غداری کا انعام تھی جو بھرت لینڈ نے اسے دیا تھا۔ کمرے میں اس کے علاوہ دو تھری اسٹار جنرل۔ ایک اور بریگیڈیر اور دو کرنل موجود تھے۔ ایگزیکٹو گاکن کچھ فاصلے پر موجود تھا۔

"گڈ ایوننگ دوستو!" حسن نے وہاں موجود لوگوں کو مخاطب کیا۔ "تمام معاملات طے کر لیے گئے ہیں۔ ہم نے اپنے صدر، وزیراعظم اور فوجی کونسل سے حتمی منظوری حاصل کر لی ہے اور اب سارا معاملہ صرف اور صرف ہمارے ہاتھوں میں ہے۔ اس کے لیے جو ابھی ماسکو سے آنے والے ہمارے دوست سے نہیں ملے.... ایگزیکٹو گاکن آپ کے سامنے موجود ہیں جن کا شمار کے جی بی کے سربرآوردہ لوگوں میں ہوتا ہے اور ممکن ہے کہ جلد ہی سوویت یونین کا انتظام چلانے والے پولٹ بیورو میں ان کا انتخاب ہو جائے۔"

گاکن اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا، اس نے سر کو ہلکے سے خم کر کے لوگوں کو تعظیم دی۔

"مجھے یہاں جو عزت دی گئی ہے اس کے لیے میں آپ لوگوں کا بے حد شکور ہوں، میں ہر ممکن طریقے سے آپ کی مدد کروں گا۔"

وہ دوبارہ بیٹھ گیا اور حسن نے اس کا شکریہ ادا کیا۔

"ہمیں معلوم ہوا ہے کہ ہمارے خصوصی کارگو اٹر نے دوسرے مرحلے پر ونکورد، برٹش کولمبیا، کینیڈا سے پرواز شروع کر دی ہے اور اب پروگرام کے مطابق وہ لنزبن (پرتگال) جائے گا اور وہاں سے ری فیولنگ کے بعد براہ راست اودھ پور آ جائے گا۔ ہمیں امید ہے کہ اگر صورتحال میں تبدیلی نہ ہوئی تو ہمارا مطلوبہ سامان آج رات گئے کسی وقت یہاں پہنچ جائے گا۔"

"کس قسم کی تبدیلی ہو سکتی ہے؟" ایک کرنل نے پوچھا۔

"میں نے ابھی اس بارے میں سوچا نہیں ہے کرنل۔ ہم نے ہیلی فاکس ائرسپیس کو عبور کر لیا ہے اور اب طیارہ بین الاقوامی پانیوں پر پرواز کر رہا ہے۔ خطرے کا سب سے بڑا مرحلہ طے ہو چکا ہے، لنزبن میں معمول کے اسٹاپ کے بعد ہمارا خصوصی طیارہ اپنے پانچ پیکیٹوں کے ساتھ اپنے وطن کی طرف پرواز کر جائے گا۔"

"اب ہمیں آپریشن ڈیتھ رین کے آخری اور حتمی زینے کے بارے میں سوچنا ہے۔ ہمارے منصوبے کے مطابق تمام انتظامات مکمل کر لیے گئے ہیں اور سارے مراحل ایک کے بعد ایک، طے ہوتے چلے جائیں گے، کیا مجھے تفصیلی رپورٹ مل سکتی ہے؟"

ایک بریگیڈیر اپنی جگہ سے اٹھ کر ٹرن اوور چارٹ کی طرف بڑھ گیا۔

"مختصر طور پر.... چھ جہاز بالکل تیار اور منتظر ہیں، ان جہازوں میں تیاری ہدایات کے مطابق خصوصی طور پر کچھ تبدیلیاں کی گئی ہیں تاکہ یہ سلنڈر لے جا سکیں۔ پائلٹ رضاکار ہیں، ٹارگٹ وہی ہیں جن کے بارے میں کچھ عرصہ قبل فیصلہ کیا گیا تھا۔ ایک سلنڈر ماردن آباد پر پھینکا جائے گا، ایک مسلم آباد پر، ایک کوہستان پر اور دو فردوس کے سب سے بڑے شہر گلستان پر گرائے جائیں گے۔"

کیمیکل گرائے جانے کی کارروائی ٹارگٹ پر ہوا کی مخالف سمت ہو گی اور اس کا دارومدار ہوا کی رفتار اور رخ پر ہو گا.... زمین سے طیارے کی بلندی ایک ہزار فٹ پر ہو گی

تاکہ اسپرے سے خود پائلٹ متاثر نہ ہو۔ اندازہ لگایا گیا ہے کہ ہر شہر پر پائلٹ کو ٹینک خالی کرنے کے لیے دس میل کے دائرے میں دو چکر لگانا ہوں گے۔ دورانِ پرواز ٹینکوں کے نوزل کھولے جانے کی کارروائی کے بارے میں کرنل فرگس آپ کو بہتر طور پر بتا سکیں گے۔"

کمرے میں موجود سب سے چھوٹے قد کا آدمی اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ کچھ بیزار سا محسوس ہو رہا تھا لیکن پھر اس نے جلدی جلدی اس امر کی وضاحت کرنی شروع کر دی کہ کس طرح پرواز کے دوران گیس ٹینکوں کے نوزل کھولے جائیں گے۔ اس کے مطابق ایک بار نوزل کھلنے کے بعد انھیں بند کرنے کا کوئی راستہ نہیں ہو گا۔ وہ بات ختم کر کے جلدی اپنی کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس کے چہرے اور وردی پر پسینے کی بھلک صاف نظر آ رہی تھی۔

"کوئی سوال؟" حسن نے پوچھا۔

اس نے ایک لمحے کے لیے انتظار کیا اور پھر سلسلۂ کلام جاری رکھتا ہوا بولا۔ "میں آپ لوگوں کو یقین دلاتا ہوں کہ جونہی شہروں پر گیس کا چھڑکاؤ مکمل ہو گا، سرحدوں پر متعین فوج کو حکم دے دیا جائے گا کہ فردوس پر دلاتا بول دیں۔ ہمارے لڑاکا طیارے اس کے ساتھ ہی اپنے اپنے اڈوں سے پرواز کر کے فردوس پر چھا جائیں گے اور اس کے فوجی ہوائی اڈوں پر موجود جہازوں کو پرواز سے پہلے ہی خاک میں ملا دیں گے۔ ہم اپنے اسپرے کرنے والے جہازوں کی حفاظت کے لئے لڑاکا طیارے بھی استعمال کریں گے۔ ہم جانتے ہیں کہ بعض فردوسی طیاروں کا ہمارے مقابلے پر آنے کا امکان ہے لیکن ہم ہر حال میں اپنے اسپرے کرنے والے جہازوں کا تحفظ کریں گے۔"

اس نے کمرے میں موجود افراد کا جائزہ لیا۔

"میرے دوستو! ہم سالوں سے اس وقت کا انتظار کر رہے ہیں۔ اور اب یہ لمحہ ہماری گرفت میں آنے والا ہے مجھے اس میں کوئی مشکل یا رکاوٹ نظر نہیں آتی۔ فردوس کی تباہی کے ساتھ ہی بھرت لینڈ اس خطے کی سب سے بڑی فوجی قوت بن جائے گا کیونکہ صرف فردوس ہی وہ واحد ملک ہے جو بھرت لینڈ کی برتری کو تسلیم کرنے سے گریزاں ہے ہم نے ذاتی طور پر اس سے پہلے بھی دو کوششیں کی تھیں لیکن وہ یکے بعد دیگرے ناکام ہو گئی ہیں۔ ہمارے ایک بہترین ایجنٹ ماریو سلوا اور شبا کا کو فردوسی پولیس نے گرفتار کر لیا۔ ہمارا دوست گاکن ایک نیا منصوبہ لے کر فردوس کی حدود میں داخل ہوا لیکن اسے بہت عجلت میں وہاں سے فرار ہونا پڑا۔ اس کے بعد فردوس میں انٹرنیشنل براڈ کاسٹنگ ڈرائیورز کے صدر علی جواد کے ذریعے ایک اور منصوبہ بنایا گیا لیکن تازہ ترین اطلاعات کے مطابق وہ بھی مارا گیا ہے اور اس کی مدد کے لیے جانے والے نوبک ناشوا نامی غیر ملکی کا بھی کوئی پتا نہیں.... لیکن اب مجھے یقین ہے کہ فردوسی کسی صورت بھی نہیں بچ سکیں گے۔ کیونکہ ہم ایک کے بعد ایک منصوبہ بناتے رہیں گے جب تک فردوس کی اینٹ سے اینٹ نہیں بجا دیتے۔"

تمام فوجی افسران اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ انھوں نے حسن کو مبارکباد دینی شروع کر دی۔ حسن نے کسی سیاسی لیڈر کے انداز میں دونوں ہاتھ سر سے بلند کر لیے۔

"فردوس کی موت قریب ہے۔" وہ چلایا۔

"ہم اسے سمندر میں غرق کر کے دم لیں گے۔" ایک دوسری آواز سنائی دی۔

کمرے میں طوفانِ بدتمیزی مچ گیا حتیٰ کہ حسن کو بلند آواز سے سب کو خاموش ہو جانے کی تلقین کرنی پڑی۔

"ایک معزز مہمان ہمارے درمیان موجود ہے، میں چاہوں گا کہ وہ اپنی رائے کا اظہار کرے۔"

تمام لوگوں کی نگاہوں کا رخ ایگزیکٹو گاکن کی طرف ہو گیا۔ جو اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"تاریخِ عالم میں کسی قوم پر ہونے والا یہ سب سے خطرناک حملہ ہو گا۔" اس نے اپنی بات شروع کی۔ "میں اس منصوبے کی تیاری پر آپ لوگوں کو مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ میرے پاس اس سلسلے میں اگر کوئی بہتر طریقہ کار، ہتھیار یا ذرائع ہوتے تو میں آپ کو فراہم کرتے ہوئے قطعاً نہیں ہچکچاتا لیکن میں اس کی ضرورت محسوس نہیں کرتا کیونکہ میں اندازہ لگا چکا ہوں کہ ان تمام جگہوں پر جہاں گیس کے سلنڈر اتریں گے اور ذخیرہ کیے جائیں گے آپ لوگوں نے زبردست حفاظت کا انتظام کر رکھا ہے۔ ایک بات میں آپ لوگوں پر ضرور واضح کر دوں گا کہ جب تک یہ سلنڈر بھرت لینڈ کی سرزمین پر موجود رہیں گے یہ مقامی سرزمین

کے لیے انتہائی خطرناک ہوں گے اس لیے ان سے جلد از جلد چھٹکارا حاصل کرنے کی کوشش کیجئے گا۔ میں ایک بار پھر آپ لوگوں کو مبارک باد پیش کرتا ہوں، جونہی یہ سلنڈر آپ کی سرزمین چھوڑیں گے یہ آپ کی ملکیت اور ذمہ داری ہو جائیں گے۔"

حسن نے سر ہلایا۔ اس کی نظروں میں وہ رقم گھوم گئی جو اس کے عوض گاکن کو دی جا رہی تھی۔ وہ اتنی تھی کہ گاکن بغیر ہاتھ ہلائے زندگی بھر اسے کھا سکتا تھا۔ کوئی شخص بھی پچاس لاکھ امریکی ڈالروں .... تقریباً سات کروڑ پچاس لاکھ بھرت لینڈ روپے .... سے کچھ بھی کر سکتا تھا۔ اس نے حکومت سے دو سوٹ کیسوں میں ایک سو پونڈ سونے کی سلاخوں، چھ سے آٹھ فیراٹ کے ہیروں جن کی مالیت پانچ لاکھ ڈالر تھی اور ۳۰ لاکھ ڈالر کے امریکی فرموں کے حصص طلب کیے تھے۔ جبکہ باقی کے پندرہ لاکھ ڈالر اسی روز، سوئٹزر لینڈ کے ایک خفیہ بنک اکاؤنٹ میں جمع کرائے جانے تھے۔ حسن نے حکومت بھرت لینڈ کی طرف سے ان شرائط کو قبول کیا تھا۔ پانچوں سلنڈر اس سے کہیں زیادہ قیمتی تھے۔ بھرت لینڈ کی حکومت اس کو اس کے مطالبے سے دس گنا زیادہ دینے کو تیار تھی۔

"دوستو!" حسن نے فوجی افسروں کو مخاطب کیا "ہماری رسمی میٹنگ کا اختتام ہوتا ہے، ہمارا سارا پروگرام مقررہ حکمت عملی کے عین مطابق ہے لیکن اگر تم لوگوں کو کسی قسم کی رکاوٹ، پریشانی یا مسئلے کا سامنا کرنا پڑے تو جلد از جلد مجھے اس سے آگاہ کیا جائے۔ آپریشن ڈیتھ رین سے زیادہ اہم منصوبہ اس وقت پورے بھرت لینڈ میں اور کوئی نہیں ہمیں صرف اور صرف فتح چاہیئے، مکمل فتح ... شکریہ۔"

اجلاس برخاست ہو گیا۔ دو افراد آپریشن کی مزید تفصیلات دیکھنے کے لیے چلے گئے جبکہ باقی بڑی میز کے گرد جمع ہو کر باتیں کرنے لگے۔

حسن، کے جی بی کے ایجنٹ کو ایک طرف لے جا کر سرگوشیوں میں باتیں کرنے لگا۔

"تم نے مجھے بتایا تھا کہ تمہارے پاس ان پرگراموں پر عمل درآمد کے لیے تمہاری حکومت کا اجازت نامہ موجود ہے۔ لیکن آج تمہاری وزارت خارجہ نے مجھے بتایا ہے کہ سوویت حکومت کو اس منصوبے کے بارے میں کچھ بھی علم نہیں، تم نے مجھ سے جھوٹ کیوں بولا؟"

"اپنے الفاظ کا صحیح انتخاب کرو احمد۔ میں نے تمہیں کوئی جھوٹ نہیں بولا۔ میں نے تمہیں بتایا تھا کہ اگر میری حکومت نے اس منصوبے پر کوئی پابندیاں لگائیں تو میں تمہیں آگاہ کر دوں گا، لیکن اب تک آپریشن ڈیتھ رین کے سلسلے میں کسی قسم کا کوئی اعتراض نہیں ہوا اور نہ ہی مجھ سے رابطہ کیا گیا ہے۔"

"کیونکہ تم نے انہیں اس بارے میں بتایا ہی نہیں۔ تمہارے جھوٹ کی وجہ سے میں گردش میں آ گیا ہوں کیا تم نے کسی اور شے کے بارے میں بھی مجھ سے جھوٹ بولا ہے؟ کیا سلنڈر بالکل ویسے ہی ہیں جیسا السلواڈور میں استعمال ہوا تھا؟ یہ وہ اہم ترین سوال ہے جس کا تمہیں فوری جواب دینا ہے۔"

"اس کا جواب تم بھی دے سکتے ہو احمد، تم نے خود ونکوور میں سلنڈر دیکھے تھے۔ دھات پر لکھی ہوئی تحریر تم نے پڑھی تھی اگر تم چاہو تو ہر سلنڈر کو ٹیسٹ کر سکتے ہو۔ مجھے اس بارے میں کوئی شک نہیں کہ وہ پہلے سلنڈر جیسے ہیں۔"

"اس سے ہمیں ایک دن کی تاخیر ہو گی، لیکن ہم ہر حال میں انہیں ٹیسٹ کریں گے۔"

"جہاں تک میری حکومت کا تعلق ہے میں نے اب تک انہیں اس معاملے سے مطلع نہیں کیا۔ بہت جلد ماسکو کو السلواڈور میں میری موت کی اطلاع مل جائے گی۔ میں شدید زخمی تھا اور کسی قسم کی طبی امداد ملنے سے پہلے ہی چل بسا۔ جلنے کی وجہ سے میرا چہرہ ناقابلِ شناخت ہو گیا تھا چنانچہ مجھے وہیں جنگلوں میں دفن کر دیا گیا۔ باغی جنرل بذاتِ خود یہ ٹیلیگرام ماسکو روانہ کرے گا۔ تم سلنڈر ٹیسٹ کر کے جونہی مجھے اوکے کرو گے میں اپنے الگ راستوں پر روانہ ہو جاؤں گا۔ پہلے میں لندن میں رکوں گا کیونکہ یہ آزاد شہر ہے جہاں ہر شخص اپنی مرضی کی شے حاصل کر سکتا ہے۔"

وہ چند ثانیے خاموش رہا اور پھر گویا ہوا۔

"میں اب بھی اپنے ملک کے لیے جی رہا ہوں لیکن اپنے عوام کے لیے ایک الگ تاریخ بھی مرتب کر رہا ہوں۔ میرا یقین کرو جنرل حسن، میں تم سے جھوٹ نہیں بول رہا۔ کون جانتا ہے کہ کل کو تم اس ملک کے کسی اعلیٰ عہدے پر جا بیٹھو!"

"کون جانتا ہے؟" حسن نے اس کا جملہ دہرایا اور پھر مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھا دیا "آل رائٹ الیگزینڈر، میں تم پر اعتماد کرتا ہوں۔"

*

بھرت لینڈ کی فضائیہ کا طیارہ ایک اڈے سے اڑا ابھی وہ بلند ہو ہی رہا تھا کہ اچانک اس میں خوفناک دھماکا ہوا اور وہ نارنجی رنگ سے گولے میں بدل کر قلابازیاں کھاتا ہوا تیزی سے گرنے لگا۔ وہ ٹھیک اس جگہ پر گرا جہاں فوجی طیاروں کے لیے تیل کا ذخیرہ تھا۔ ذخیرے میں طیارے کے گرتے ہی کئی دھماکے ہوئے اور تیل نے آگ پکڑ لی۔ یہ آگ بہت تیزی سے پھیلی، اس نے پیٹرول کے پورے ذخیرے کو اپنی لپیٹ میں لیا اور پھر اسلحہ ڈپو میں بھی جا پہنچی۔

اس کے بعد جو دھماکے ہوئے وہ بیس میل دور شہری آبادی میں بھی سنے گئے۔

اور شعلوں کا رقص اس نوجوان نے بھی دیکھا جو چار سال سے بھرت لینڈ میں فردوس کی ایک تجارتی کمپنی کا نمائندہ تھا۔ سرخ اور نارنجی شعلوں کا یہ رقص دیکھتے ہوئے اس کے چہرے پر ایک آسودہ سی مسکراہٹ تھی۔ اور اسے یہ فکر نہ تھی کہ شعلے جلد ہی اسے بھی چاٹ لیں گے۔ اسے ایک خاص نمبر پر یہ اطلاع دینے کی بھی ضرورت نہ تھی کہ اس نے اپنا کام مکمل کر لیا ہے۔

"نہیں ٹائیگر۔" اوشان اب بھی ساکت تھا "میری ابھی تک تسلی نہیں ہوئی۔"

"مگل قادر۔ ان کا وہ ذخیرہ تباہ ہوا ہے جو جنگ کے دوران مسلسل ایک ماہ تک ان کے کام آ سکتا تھا۔"

"ہاں۔ لیکن میری نظروں میں بچوں کے وہ اعضا جو ہیلی کاپٹر میں نے اس دن ادھر ادھر بکھرے ہوئے دیکھے تھے۔"

"اس طیارے میں ان کا کور کمانڈر، تخریب کاری کے منصوبے کا خالق اور ایک درجن اعلیٰ افسران بھی تھے۔"

"وہ سب ٹھیک ہے۔ لیکن یہ انتقام کسی اور ہیلی کاپٹر نے لینا ہے۔ اس میں ہم شامل نہ تھے میرے بچے۔"

"وہ وقت آ رہا ہے جب ہم اپنے مشن کے لیے پھر نکلیں گے۔" ٹائیگر نے اوشان کے دونوں کندھوں پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ اور اوشان سر جھکا کر کچھ سوچنے لگا۔

"کیا آپ کو علم ہے کہ اصل لڑائی اب شروع ہو گی؟" ٹائیگر نے سرسراتے ہوئے لہجے میں کہا۔

اوشان نے کوئی جواب نہ دیا۔

+

روبی جب مینا کے ساتھ ادھ پور کی ایک اندھیری گلی کے ایک اندھیرے مکان میں داخل ہوئی تو اس کے ذہن میں دھیرے سے یہ شک سر سرایا کہ وہ مینا کو بہت کم جانتی ہے کہیں یہ سب اسے پھانسنے کے لیے نہ ہو۔ لیکن پھر اس نے خود ہی اپنے خیال کو ذہن سے نکال دیا مینا نے اسے بتایا تھا کہ اس کا اصل نام عابدہ ہے اور وہ فردوسی فوج کے انٹیلی جنس ونگ کی اہم رکن ہے۔ لیکن گزشتہ کافی عرصے سے وہ اپنی خدمات کے سلسلے میں بھرت لینڈ میں ہے۔ لیکن روبی نے ابھی تک اسے یہ نہیں بتایا تھا کہ اس کا تعلق بھی فردوس سے ہی ہے۔

"پندرہ!" مینا نے اندھیرے میں دھیرے سے سرگوشی کی۔ وہاں روشنی کا کوئی ہلکا سا نشان بھی نہیں تھا۔

چند لمحوں کے توقف کے بعد اندھیرے سے ہی جواب ملا۔

"اوہ، پندرہ .... یہ تم ہو خوبصورت مینا.... آؤ ہم تمہارے منتظر ہیں۔"

ساتھ ہی روشنیاں جل اٹھیں۔ یہ ایک چھوٹا کمرہ تھا اس کی حالت بتاتی تھی کہ اس کی تعمیر کو صدیاں بیت چکی ہیں۔ درمیان میں ایک میز پڑی تھی جس کے گرداگرد چھ افراد کرسیوں پر بیٹھے تھے جبکہ ایک عورت بڑا سا کافی پاٹ لیے دروازے سے اندر داخل ہو رہی تھی۔

"انگلش!" میز کے آخری سرے پر بیٹھے ہوئے شخص نے دریافت کیا۔

"امریکن!" روبی نے جواب دیا۔ "انتظامیہ کی ایک مہمان!" وہ مینا کی طرف مڑی اور اس نے اس کے شانے چھو کر اثبات میں سر ہلا دیا اور پھر ایک خالی کرسی پر بیٹھ کر ملی جلی اردو اور ہندی میں جلدی جلدی بولنے لگی۔ وہ الفاظ ادا نہیں کر رہی تھی بلکہ چارے کی طرح گتر رہی تھی روبی اسے یوں حیرت سے دیکھنے لگی جیسے وہ کسی اور سیارے کی مخلوق ہو۔

Uploaded By Nadeem

اُن میں سے دو آدمی اُٹھے اور انھوں نے آپس میں جرمن میں بلند آواز سے بولنا شروع کر دیا اور پھر یک لخت خاموش ہو گیا۔ میز کے آخری سرے پر بیٹھے ہوئے شخص نے پھر روبی کو مخاطب کیا۔

"کیا تم السلواڈور میں جنرل احمد حسن سے ملی تھیں؟ کیا باغیوں کے قتلِ عام کے وقت تم بھی وہاں موجود تھیں؟"

"میں اُسی ٹرک پر سوار تھی جس پر زہریلی گیس کا سلنڈر لدا ہوا تھا۔ میں نے اپنی آنکھوں سے انھیں سلنڈر کو ایک پہاڑی ڈھلوان سے نیچے لڑھکاتے دیکھا تھا۔ میں نے اپنے کانوں سے باغیوں کے خوشی کے بلند ہوتے نعرے سنے تھے، کیا تم نے اس سانحے کی تصویریں نہیں دیکھیں؟"

"ایسی تصویریں جھوٹی بھی تو ہو سکتی ہیں!"

"لیکن وہ نہیں تھیں، اور مجھے یقین ہے کہ بھرت لینڈ یہ سلنڈر فردوس کے بڑے بڑے شہروں پر گرانا چاہتا ہے کیا گزشتہ کچھ ہفتوں کے دوران بھرت لینڈ نے اس سلسلے میں کوئی خفیہ مشقیں کی ہیں؟"

"بہت سی، مس ڈائنا۔ وہ لوگ اس وقت حالتِ جنگ میں ہیں۔ ہماری اطلاع یہ ہے کہ زہریلے سلنڈر فوجی ہوائی اڈے پر پہنچیں گے۔ اُن کا خصوصی کارگو جہاز کینیڈا سے لزبن کے راستے یہاں پہنچنے والا ہے۔ جونہی طیارہ یہاں پہنچے گا ہم مسلم آباد کو اس کی اطلاع دے دیں گے۔"

روبی نے تائید میں سر ہلایا۔ اس سے پہلے کہ گیس کے سلنڈروں کو فردوس لے جانے والے طیاروں میں لوڈ کیا جائے انھیں تباہ کرنا یا ان پر قبضہ کرنا شدید ضروری ہے۔"

"میں تم سے اتفاق کرتا ہوں۔" میز پر بیٹھے ہوئے شخص نے کہا اور اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ "میرا نام ہیوگ ہے اور تم ڈائنا میکس ویل ہو، جو ہم سے بن پڑے گا ہم کریں گے میں جانتا ہوں کہ تم اپنی قوم کی سرکاری نمائندہ نہیں ہو۔ نہ تم سی آئی اے کی رکن ہو اور نہ ایف بی آئی کی، لیکن اس کے باوجود ہم تمہارے ساتھ مل کر کام کریں گے۔ ہم نے سلنڈروں پر قبضہ کرنے کے لیے ایک منصوبہ تیار کر رکھا ہے۔ ہم کوشش کریں گے کہ انھیں فضا میں تباہ کیا جا سکے۔ ابھی ہمارے پاس کرنے کو بہت کام باقی ہے۔ تمہاری آمد کا شکریہ مس ڈائنا!"

روبی نے ہلکے سے سر کو خم دیا اور ٹینا کے ساتھ کمرے سے باہر نکل آئی۔ تھوڑی دیر بعد وہ دوبارہ گل میں موجود تھیں۔

"ہیلو ٹائیگر۔" بہرام کی آواز پورے تین دن بعد سنائی دی تھی۔ "کیا تم تیار ہو؟"

"ہم تین روز سے تیار بیٹھے ہیں۔" ٹائیگر کا جبڑا بھنچا ہوا تھا۔

"میں تم لوگوں سے تفصیلی بات کرنا چاہتا ہوں۔ بہتر یہ ہے کہ تم دونوں چارہ گر آ جاؤ۔ معاملہ بہت اہم ہے۔"

"ان الیوں سے بھی اہم؟"

"ہاں۔ یہ ایسے تو دراصل ایک مکمل منصوبے کے پہلے حصے تھے۔ میں چاہتا ہوں کہ باہر کے اخبارات میں جو کچھ شائع ہوا ہے وہ تم لوگ بھی پڑھ لو اور جو کچھ میرے اطلاعات ہیں وہ تم بھی ذہن نشین کر لو۔ معاملہ اب بہت آگے بڑھ گیا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ وقت؟"

"دو افراد سے نمٹنے کے بعد تمہیں چارہ گر پہنچنا ہے۔" بہرام بھی سپاٹ لہجے میں بات کر رہا تھا۔ "یہ افراد اب تک کے منصوبوں میں اہم کردار ادا کر چکے ہیں ان میں سے ایک اب فردوس سے فرار ہونے کی کوشش کر رہا ہے اور۔۔۔"

بہرام اُسے بہت کچھ بتاتا رہا، ٹائیگر سُنتا رہا۔ یہ موقع تھا کہ ٹائیگر نے بہرام کی پوری گفتگو کسی شوخی کے بغیر سُنی تھی۔ اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ اسے سکون محسوس ہو رہا تھا کہ اب ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھے رہنے کا وقت ختم ہو چکا ہے۔

●

روبی اور ٹینا کی نئی منزل ایک چار منزلہ عمارت تھی جو گارے اور اینٹوں سے بنائی گئی تھی وہ دونوں عقبی سیڑھیوں سے دوسری منزل پر پہنچی تھیں۔

پہلے ٹینا کمرے میں گئی اور اس نے جُھک کر دروازہ کراس کی وہ پر پس میں ہاتھ ڈالے تیزی سے اردگرد کا جائزہ لے رہی تھی۔ لیکن جب اُسے کوئی نظر نہیں آیا تو اس مطمئن ہو کر دروازہ بند کر دیا۔

"یہ میرا گھر ہے، مہربان گھر۔" اس نے روبی کو بتایا۔

کل ہندوانہ ذکا ہے کیونکہ تمام لوگوں کا یہی خیال ہے کہ میں فی میں سے ہوں۔"

"تم میرے یہاں ٹھہرنے پر معترض تو نہیں ہو گی؟"

"کیسی باتیں کرتی ہو۔" اس نے اپنی جیکٹ اُتارتے ہوئے کہا۔ "میں تمہیں یہاں لائی بھی اس لیے ہوں۔" روبی خاموش رہی تھی۔ "تم یہیں قیام کرو گی جبکہ میں تیار ہو کر دوبارہ باہر جاؤں گی۔" ٹینا نے اُسے بتایا۔ "میں نے ابھی بھرت لینڈ کے ایک اعلیٰ افسر سے ملاقات کرنی ہے۔ وہ ان کے انٹیلی جنس آپریشن میں نمبر ٹو ہے لیکن زیادہ محتاط آدمی نہیں۔"

"کیا تم رات باہر گزارو گی؟"

"حالات پر منحصر ہے۔" ٹینا کپڑے بدلنے کے لیے دوسرے کمرے میں جاتے ہوئے بولی۔

تھوڑی دیر بعد وہ واپس آئی تو اس نے ساڑھی باندھ رکھی تھی۔

"یہ ایک پتا ہے۔ جس کی تم نگرانی کر سکتی ہو۔" اس نے کاغذ کا ایک ٹکڑا روبی کو تھمایا۔ "یہاں سے اگر کوئی روابط ہو تو تم ان کا تعاقب کر سکتی ہو۔ یہاں سے تمہیں ہو سکتا ہے کچھ بھی حاصل نہ ہو اور شاید بہت کچھ مل جائے۔" اس کے بعد ٹینا نے اپنا پتا لکھ کر اسے تھما دیا۔

"اسے بھی یاد کر لو۔۔۔ تاکہ واپسی میں آسانی ہو۔ کوئی ناکام نہ کرنا جو خطرناک ثابت ہو۔۔۔ پہلے والے پتے سے ایک قریبی قامت جس نے داڑھی رکھی ہو گی روابط ہو گا تمہیں اسی کا تعاقب کرنا ہے لیکن محتاط رہنا تاکہ اُسے تمہارا پتا نہ چل سکے۔"

"میں نے جاسوسی کا بنیادی کورس کر رکھا ہے۔"

ٹینا ہنسی۔ "گڈ، پھر تو کوئی مشکل نہیں ہو گی۔" وہ دروازے کی طرف بڑھی۔ "آؤ چلیں۔"

●

زاہد کبیر علی نے چالیس سال قبل اپنے انتہا پسند گروہ کی آڑ میں فردوسی شہریت اختیار کی تھی اس کا مقصد یہ تھا کسی نہ کسی مرحلے پر نوزائیدہ فردوس کو پنپنے نہ دیا جائے۔ زاہد کا یہ کام جو کچھ بھی تھا۔۔۔ زاہد بہرحال نہ تھا وہ یعنی جناب چالیس سال کے بعد تو اس نے خود اپنی اصلیت فراموش کر دی تھی۔ وہ بہت اچھا تاجر تھا، اونچے حلقوں میں اس کا بڑا احترام کیا جاتا تھا۔ یہ بات کسی کو نہ معلوم تھی کہ اس کے اکاؤنٹس کا بڑا حصہ فردوس میں فسادات کرانے پر خرچ ہوتا ہے اور نہ ہی کسی کو یہ علم تھا کہ وہ حفاظتی ایجنٹوں میں کس قدر عمل دخل اختیار کر چکا ہے۔ وہ فردوس نے بے پناہ محبت کا اظہار کرتا تھا، لیکن اس کا اصل کام فردوس کی جڑیں کاٹنا تھا۔

بہرام کو اس کا علم ایک سال قبل ہوا تھا جب روبی نے بہرام کو یہ اطلاعات فراہم کی تھیں کہ زاہد تخریبی سرگرمیوں میں ملوث ہے۔ روبی ان دنوں بھرت لینڈ کے دارالحکومت اودھ پور میں سافیات کے شعبے میں ریسرچ کر رہی تھی روبی نے بہرام کو ایک اور نام بھیجا تھا۔۔۔ یہ نام کسی ابراہیم احمد کا تھا اور یہ دونوں فردوس کے سابق وزیراعظم گلشن آباد میں رہتے تھے۔ روبی اس کے سوا اور کوئی اہم اطلاع فراہم نہ کر سکی تھی کہ تخریب کاری کا منصوبہ بنانے والے میجر جنرل کا بھرت لینڈ سے براہِ راست گلشن آباد کے ان دونوں افراد سے رابطہ تھا۔ روبی نے ایک سال قبل اس میجر جنرل کے قتل کا منصوبہ بنایا تھا لیکن بعض وجوہات کے باعث اُسے مؤخر کر دیا گیا تھا۔ اب بھرت لینڈ کی فضائیہ کے جس طیارے کو چارہ گر کے ایجنٹ نے تباہ کیا تھا اس میں وہی میجر جنرل سوار تھا۔

۔۔۔ تو اس وقت زاہد کبیر علی اپنے لیے سبزی خود پکا رہا تھا۔ اسے آلو کی بھجیا بہت پسند تھی اور وہ آلوؤں کو فرائی کرنا بہت پسند کرتا تھا۔ اس نے تقسیم کے وقت درجنوں افراد کو زندہ جلایا تھا مگر اب وہ آلوؤں کو فرائی کر کے ہی تسکین حاصل کر لیتا تھا۔ ہم جب بھی اسے فردوس کے کسی علاقے میں آتشزنی، قتل و غارت گری اور گروہی فسادات کی اطلاع ملتی اس کا چہرہ دمکنے لگتا اور وہ فوراً بھرت لینڈ فون کر کے ان کارروائیوں کی اطلاع کر دیتا۔

۔۔۔ اس وقت بھی زاہد کبیر علی آلو فرائی کر رہا تھا جب آلو اچھی طرح فرائی ہو گئے تو اس نے انھیں لائن میں رکھ کر چھری سے کاٹنا شروع کر دیا۔ وہ آلوؤں کی ٹکیاں بنا رہا تھا۔ ٹکیاں بنانے کے بعد اس نے ترکاری میں نمک ڈالی کراسے چولھے پر چڑھا دیا اور پھر سبزیوں کو اُبلتے اور پکتے ہوئے دیکھتا رہا۔

تب ہی اسے فیروزہ یاد آ گئی۔ فیروزہ اس کی ہم مذہب تو نہ تھی لیکن اس میں اور زاہد کبیر علی میں قدر مشترک صرف اور صرف فردوس دشمنی تھی۔ آلو کی بھجیا فیروزہ کو بھی پسند تھی وہ کئی مرتبہ عالمی کانفرنس برائے امن و ترقی میں شرکت کے

Uploaded by Nadeem

لیے بھرت لینڈ جا چکی تھی اور فردوس میں ایک رفاہی ادارے کی سربراہ تھی۔

آج ناشتے کے بعد فیروزہ اور زاہد علی کی ملاقات طے تھی تاکہ وہ سلم آباد کے مشن کے بارے میں حکمتِ عملی وضع کر سکیں۔

ناشتے کی بجائے کھانا کھا کر زاہد نے دھوتی اور بنیان کی جگہ شاندار تھری پیس سوٹ پہنا، سنہری فریم کی عینک لگائی، اور انٹر کام پر اپنی شاندار عمارت کے بیرونی حصے کی انیکسی میں سکریٹری کو اطلاع دی کہ وہ روانگی کے لیے تیار ہے۔

زاہد عمارت کے جس حصے میں رہتا تھا وہاں ملازموں تک کا داخلہ منع تھا صرف انیکسی ہی میں وہ لوگوں سے ملاقاتیں کرتا تھا۔ اس ضمن میں اس کا یہ فلسفہ بہت مقبولیت اختیار کر گیا تھا کہ میں جہاں سوتا اور کھاتا ہوں صرف وہ جگہ میری ہے اور اس میں کسی کو مداخلت کا حق نہیں کیونکہ کھانا اور سونا میرا ذاتی مسئلہ ہے۔

وہ بریف کیس لے کر اپنے "تخلیہ" سے نکلا، پیدل انیکسی تک پہنچا وہاں ایک شاندار سیاہ انگیز کیٹو کار اس کی منتظر تھی۔

"نہیں سر۔" اس نے شوفر کو دیکھ کر کہا۔ "کفایت شعاری کا تقاضا یہ ہے کہ ہم چھوٹی کار استعمال کریں۔ آٹھ سو سی سی کی۔"

"یس سر۔" شوفر نے مستعدی سے جواب دے کر گاڑی ریورس کی اور بارہ گاڑیوں والے گیراج میں لے جا کر بند کر دی۔ چند لمحے بعد وہ سفید رنگ کی کھلونا کار میں زاہد کے سامنے کھڑا ہوا تھا۔ یہ بات الگ تھی کہ خود اُسے یہ کار پسند نہ تھی۔

ایک خوبصورت ریستوران میں زاہد بریف کیس میز پر رکھ کر بیٹھ گیا۔ اور توقع کے عین مطابق محض دس منٹ بعد فیروزہ بھی وہاں پہنچ گئی۔ وہ درمیانی عمر کی دبلی پتلی عورت تھی اُس کے چہرے پر عجیب سی معصومیت تھی لیکن آنکھوں میں دُنیا جہاں کے تجربات نظر آ رہے تھے اور اس وقت بھی اُس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔ زاہد کا قد فیروزہ سے کوتاہ تھا اور جب بھی وہ ساتھ ساتھ چلتے تھے تو زاہد کو اپنی اس کوتاہ قامتی کا شدت سے احساس ہوتا تھا۔ "ہیلو زاہد۔" وہ مسکراتی ہوئی اپنا خوبصورت

ہرس میز پر رکھ کر بولی۔ "[illegible] ین ہے کہ تم ناشتا کر چکے ہو گے۔"

"اوہ یس۔ مادام۔" زاہد نے قہقہہ لگا کر کہا۔ "اور تم؟"

"میں ناشتا نہیں کرتی۔" فیروزہ نے جواب دیا۔ "صرف اورنج جوس لیتی ہوں۔ اور وہ تمہارے ساتھ ہی پینے پر مزہ آتا ہے۔"

"اگر اورنج جوس میں انسانی خون بھی شامل ہو جائے تو کیا بات ہے۔" زاہد کا لہجہ بہت عجیب سا تھا لیکن مطلب واضح تھا۔ فیروزہ بھی اس سے خوب لطف اندوز ہوئی۔ "ویسے میں آج آئس کریم لوں گا۔"

"ضرور۔" فیروزہ نے ویٹر کو اشارے سے بلا کر آئس کریم اور اورنج جوس کا آرڈر دیا اور پھر دونوں ادھر اُدھر کی باتیں کرنے لگے۔ فیروزہ کو آج پہلی بار احساس ہوا کہ چالیس سال قبل والا روسی شنکر نہ جانے کیوں بوڑھا ہوتا جا رہا ہے۔ کل تک وہ اس میں جوانی کے آثار دیکھ چکی تھی۔

"کیا بات ہے۔ کچھ پریشان سے لگ رہے ہو۔" اس نے زاہد کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔ عمروں کا فرق دونوں کے ہاتھوں سے صاف ظاہر تھا۔

"ہاں۔ کل سے اپنے آدمی سے رابطہ قائم نہیں ہوا۔ نہ ہی ڈی ڈے کے بارے میں کوئی اطلاع ہے۔"

"فکر مت کرو۔ وہ پیشگی اطلاع ضرور دیں گے۔ یہ ہمیشہ سے روایت رہی ہے۔" فیروزہ نے اسے تسلی دی۔ اُسی لمحے ریستوران کے باہر سے اخبار فروخت کرنے والے کی چیخ و پکار سنائی دی جو اتنا شور مچا رہا تھا کہ اندر شیشے کے اس گھر میں بھی اس کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ شاید کوئی ضمیمہ شائع ہوا تھا۔

"فیروزہ۔" زاہد پہلو بدل کر بولا۔

"ہاں کوئی خاص بات ہے۔ تم بیٹھو۔ میں اخبار لے کر آتی ہوں۔" فیروزہ نے پرس سے ایک نوٹ نکالا اور باہر لپک گئی۔ دس منٹ بعد وہ واپس آئی تو اس کی حالت غیر تھی۔ اس نے اخبار زاہد کے سامنے رکھ دیا۔ اور اخبار میں صرف ایک خبر تھی۔ دھماکوں تباہی بربادی اور اموات کی خبر۔

زاہد کے چہرے کی رنگت اڑ گئی۔ نہ جانے کیوں وہ خوش ہونے کی بجائے خوف زدہ ہو گیا شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ اسے اس واقعے کی پیشگی اطلاع نہیں ملی تھی جبکہ عام طور پر اسے یہ معلوم ہوتا تھا کہ دھماکا کب اور کہاں ہونا ہے۔

اس نے سر ہلاتے ہوئے آئس کریم ایک طرف رکھ دی۔ واقعے کی اطلاع ریستوران کے اندر بھی آ چکی تھی اور سب ہی خوف زدہ تھے۔

"یہ کیا ہو گیا صاب۔" ویٹر نے بل رکھتے ہوئے گلوگیر لہجے میں پوچھا۔

"دشمن وار کر گیا۔" زاہد نے دانت پیس کر بڑے دکھے کے عالم میں کہا۔ . . . "اور ہمارے لوگ دیکھتے ہی رہ گئے۔ یہ لوگ اس وقت حرکت میں آتے ہیں جب سانپ گزر چکا ہوتا ہے۔" زاہد نے واقعی وار کر دیا تھا لوگ جلد ہی المیے پر سوگ کی بجائے اس پر احتجاج کرنے لگے کہ خفیہ ادارے اتنے غافل کیوں تھے۔

فیروزہ اور زاہد تیزی سے نکلے، زاہد نے شوفر کو چھٹی دے دی اور خود کار ڈرائیو کرنے لگا۔ اس کا رُخ ساحلی علاقے کی طرف تھا جہاں اس نے ایک شاندار اپارٹمنٹ بھی لے رکھا تھا۔ فیروزہ بھی خاموش تھی وہ جانتی تھی کہ زاہد ساحلی علاقے کی رہائش گاہ سے کس سے رابطہ کرے گا۔

... مگر زاہد کو ناکامی ہوئی۔ شاید تمام رابطے اپنی اپنی جگہ سے غائب ہو چکے تھے۔

وہ اُس رات گھر نہیں گیا۔ دوسرے روز بھی گھر نہیں گیا۔ وہ ہمہ وقت ٹیلی فون کے سامنے بیٹھا رہا اور پھر جب اگلے روز اسے بھرت لینڈ کی فضائیہ کے طیارے کی تباہی اور اسلحہ ڈپو کی تباہی کی اطلاع ریڈیو فردوس سے ملی تو وہ سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔

"جوابی کارروائی۔؟"

"ہاں۔ اور بہت مؤثر۔" زاہد نے جواب دیا۔ اس کے چہرے کی رنگت فق ہو رہی تھی اور وہ جلد از جلد اس بارے میں مرنے والوں کے نام جاننا چاہتا تھا۔ شام کو اس نے ہمت کر کے براہ راست بھرت لینڈ فون کیا۔ اور پھر اسے وہاں سے جو اطلاع ملی اس کے باعث وہ سُن ہو کر رہ گیا۔ مرنے والے تمام فوجی افسر وہی تھے جو سلم آباد پر بربادی کے منصوبہ ساز تھے اور اس کا مطلب یہ تھا کہ فردوس کی کسی ایجنسی کو حقیقتِ حال کا علم ہو گیا ہے۔

"اگر ایسا ہے تو پھر ہم بھی خطرے میں ہیں فیروزہ۔" زاہد گھبرا کر بولا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ اسے اپنی ذات کے بارے میں خطرے کا احساس ہوا تھا اسے زندگی اچانک ہی پیاری لگنے لگی۔

"ہم حالات نارمل ہونے تک یہیں رہیں گے۔" اس نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ "ممکن ہے کہ باہر ہمیں بھی خطرہ ہو انٹیلی جنس والے بھرپور مہم شروع کر چکے ہیں۔"

دونوں بہت دیر تک خاموش رہے اور پھر فیروزہ ہی تھی جس نے کوئی اور موضوع چھیڑا۔ "روی۔ تمہیں علم ہے کہ میں تم سے کتنی محبت کرتی ہوں۔"

روی شنکر نے فیروزہ کی نیلگوں آنکھوں میں بھانک کر دیکھا اور وہ اپنا نچلا ہونٹ چبانے لگی۔ اس وقت وہ انیس بیس سال ایسی لڑکی لگ رہی تھی جس نے پہلی بار اظہارِ محبت کی جرأت کی ہو۔ "میں تمہیں ٹوٹ کر چاہتی ہوں روی۔"

"ہاں۔" روی عرف زاہد نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ وہ اسے ایک نئے انداز سے دیکھ رہا تھا۔ چالیس سالہ تنہا زندگی کی محرومیاں اچانک ہی عود کر آئیں۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ "حالات ٹھیک ہوتے ہی ہم شادی کر لیں گے۔ باقاعدہ شادی۔ اور پھر ہمارے بچے ہوں گے۔ ہم ان بچوں کو۔"

اسی لمحے دروازے پر دستک ہوئی۔

دونوں چونک پڑے۔ روی نے فیروزہ کو دیکھا، وہ خوف زدہ نہیں بلکہ حیرت زدہ تھی۔ "ممکن ہے کہ رابطے کا کوئی آدمی ہو۔"

"آں۔ ہاں۔" روی نے سر ہلا دیا۔ شاید اُنھوں نے فون پر بات کرنا مناسب نہ سمجھا ہو۔ "یہ کہہ کر وہ دروازے کی طرف چلا گیا۔ اس نے دروازہ کھول دیا۔

"ہیلو۔" دروازے پر ایک خوبصورت نوجوان کھڑا ہوا تھا۔ اس کی کلائیاں موٹی موٹی تھیں اور اس کے چہرے پر اگرچہ مسکراہٹ تھی لیکن آنکھوں میں بجلیاں بھری ہوئی تھیں۔ روی کانپ کر رہ گیا۔ یہ رابطے کا آدمی نہ تھا۔

"فردوس کے نام پر میں تمہاری جان لینا چاہتا ہوں۔" اس شخص نے بدستور مسکراتے ہوئے کہا۔

"کون ہو تم۔" فیروزہ سرسراتے ہوئے لہجے میں بولی۔

UPaded by Nadeem

"کہاں سے آئے ہو سے؟"

"میرا نام شہزاد ہے۔ اور میرا تعلق اسی مٹی سے ہے۔ اور میں نے تمہیں اپنا نام اس لیے بتایا ہے کہ میں تمہیں بھی ہلاک کرنا چاہتا ہوں۔ اجازت ہے؟"

اس سے قبل کہ فیروزہ اپنے گریبان سے پستول نکالتی، ٹائیگر نے بھاری بھرکم روی شنکر کو اٹھا کر فیروزہ پر اچھال دیا۔ وہ فیروزہ کی گردن سے ٹکرایا۔ چٹاخ کی آواز بہت واضح تھی۔ فیروزہ کی گردن ٹوٹ گئی اور روی شنکر کی پتلون خراب ہو گئی۔ ٹائیگر نے اس کے بعد صرف اتنا کیا کہ پہلے روی شنکر کے دونوں ہاتھ توڑے، پھر ٹانگیں توڑیں اور اس کے بعد کنپٹی پر وار کر کے چل دیا۔ وہ جانتا تھا کہ اس کا شکار تیس منٹ تک کرب کا شکار رہے گا اور پھر موت اسے دبوچ لے گی۔ اُسے یہ بھی اندازہ تھا کہ اس دوران اگر اسے طبی امداد مل گئی تب بھی وہ زندہ نہیں رہے گا۔

*

گلی میں پہنچ کر دونوں کے راستے الگ الگ ہو گئے روبی نے الگ ٹیکسی لی اور مینا نے الگ۔ مطلوبہ ایڈریس پر پہنچنے کے بعد بھی روبی ٹیکسی سے نہیں اتری بلکہ اس نے ڈرائیور کو کچھ آگے چلنے کے لیے کہا۔ وہ اس وقت ادھے پور کے ایک نسبتاً جدید علاقے میں موجود تھی جہاں کی سڑکیں کشادہ اور اطراف میں سروس روڈ موجود تھے۔ روبی نے کرایہ ادا کیا اور اتر کر سایوں کے عقب میں غائب ہو گئی

تھوڑی دیر بعد وہ اس مکان کے بالکل سامنے موجود تھی جہاں مینا کے بقول شکار رہتا تھا۔ سامنے روشنی ہو رہی تھی۔ کھڑکی میں سے روشن جگہ کوئی ٹیلونگ یا، فیبرک اسٹور نظر آ رہی تھی۔

وہ دوبارہ اندھیرے میں ہو گئی۔ یہ پورے منصوبے کا سب سے غلط اور خطرناک حصہ تھا کیونکہ وہ بالکل نہتی تھی۔ اس کا خود ساختہ ہتھیار یعنی چھڑی بھی اس کے پاس نہیں تھی۔ تین آوارہ گرد اس کے قریب سے گزرے انھوں نے اسے دیکھ کر دیکھ بھی کیے لیکن آگے کوئی نہیں آیا۔ دو نے نیلی جینز کی اور تیسرے نے سفید رنگ کی پینٹیں پہن رکھی تھیں۔ تینوں نشے میں دھت نظر آتے تھے۔

وہ ایک گھنٹہ قیامت کا تھا۔ کیونکہ بھرت لینڈ جیسے ملک میں ایک نوجوان اور تنہا لڑکی کا یوں دبک کر کھڑا ہونا بہت سے لوگوں کے لیے حیرت اور اچنبھے کی بات تھی۔ کچھ شکوک نگاہیں اس کی طرف اٹھی بھی تھیں لیکن دیکھنے والے کوئی تعرض کیے بغیر نکلتے چلے گئے تھے۔ بالآخر ایک گھنٹے بعد روشنیاں گل ہو گئیں اور سامنے کے دروازے سے ایک شخص باہر نکلا۔ مینا کے کہنے کے مطابق وہ طویل قامت تھا۔ اس کی داڑھی سفید تھی۔ چابیوں کا گچھا اس نے جیب میں ڈالا اور پھر مخالف سمت کو چل پڑا۔

اندھیرے میں اس کا تعاقب کرنا روبی کو بچوں کا کھیل محسوس ہوا تھا۔ پہلے تو طویل قامت دوسری سمت کے فٹ پاتھ پر چلتا رہا لیکن پھر سڑک پار کر کے روبی والے فٹ پاتھ پر آ گیا۔ اس نے ایک بار پلٹ کر بھی دیکھا لیکن روبی اس سے پچاس فٹ دور تھی اس لیے وہ اسے نہ دیکھ سکا۔

اگلے بلاک کو طے کرتے ہوئے اس نے دو بار پلٹ کر دیکھا تھا، لیکن تب تک روبی سڑک پار کر کے اس کے برابر چلنے لگی تھی ایک لمحے کے لیے وہ چھ فٹ چوڑی ایک ایسی گلی میں داخل ہو گیا جہاں اتنا اندھیرا تھا کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا تھا۔

روبی فوری طور پر کوئی فیصلہ نہ کر سکی کہ اب وہ کیا کرے لیکن تقریباً اسی وقت گلی میں کوئی دروازہ کھلا اور پیلی روشنی کی لکیر گلی میں در آئی۔ دروازہ بند ہو گیا تو روبی بھی اندھیری گلی میں داخل ہو گئی۔ جو دروازہ کھلا تھا وہ کوئی ریسٹورنٹ تھا۔ بھرت لینڈ سے وہ پوری طرح واقف نہیں تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ ریسٹورنٹ کیسا ہے اور اس کے اندر کا ماحول کیا ہے؟ مغرب کا کوئی ملک ہوتا تو وہ بے دھڑک اندر گھس جاتی لیکن مشرق کی پابندیاں اور روایتیں بہرحال اپنی جگہ تھیں۔

وہ ایک لمحے کے لیے دروازے پر ٹھٹکی اور پھر آگے بڑھتی چلی گئی لیکن فوراً ہی اُسے احساس ہو گیا کہ کوئی اس کے عقب میں موجود ہے۔ اس کی تصدیق شکاری چاقو کھلنے کی آواز سے بھی ہو گئی۔ وہ تیزی سے پلٹی، ایک بہت ہی لمبا تڑنگا شخص شکاری چاقو کھولے پوری گلی گھیرے کھڑا تھا۔ وہ الٹے قدموں پیچھے ہٹی تو وہ موٹا تازہ شخص دو قدم آگے بڑھ آیا اس کے تیور کسی طور بھی دوستانہ نہیں تھے۔

روبی اُسے دھوکا دینے کے لیے پھر دو قدم پیچھے ہٹی۔ چاقو بردار بھی آگے بڑھا لیکن اس بار روبی کی دائیں ٹانگ اٹھی اور پاؤں کی بھرپور ٹھوکر چاقو بردار کے دائیں ہاتھ پر پڑی۔ شاید اسے لڑکی سے ایسے جواب کی توقع نہیں تھی اس لیے چاقو پر اس کی گرفت کچھ زیادہ مضبوط نہیں تھی۔ چاقو پُرشور آواز کے ساتھ گلی کے پختہ فرش پر گر پڑا۔ موٹے نے بلند آواز سے ہندی میں گالی دی اور دایاں ہاتھ تھام کر چاقو اٹھانے جھکا۔ بس یہی اس کی غلطی تھی۔ روبی کی دوسری ٹھوکر اس کی کنپٹی پر پڑی اور وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔ روبی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اپنے قد اور جسامت کے برعکس وہ انتہائی بودا ثابت ہوا تھا۔

روبی نے جلدی جلدی اس کی جیبوں کی تلاشی لی اُسے ایک شناختی کارڈ اور ایک چھوٹا سا آٹومیٹک پستول ہی مل سکا تھا اس نے دونوں چیزیں سنبھالیں اور تیزی سے آگے چل دی۔

تھوڑی دُور چلنے کے بعد اُسے ایک ٹیکسی مل گئی۔ اس نے مینا کے فلیٹ کا ایڈریس بتایا اور عقبی سیٹ پر نیم دراز ہو گئی اب اسے مینا کا انتظار کرنا تھا۔ کیونکہ اب موجودہ مشن کی کامیابی کا دارومدار مینا پر ہی تھا لیکن وہ جانتی تھی کہ مینا اتنی جلدی گھر نہیں لوٹے گی۔

*

اور اسی روز جب اس کی انگلیوں کے ناخنوں میں زنگ بھر گیا تو اسے بہت غصہ آیا۔ زنگ تکلیف دہ نہ تھا لیکن اتنا زیادہ تھا کہ جب بھی وہ ہاتھوں کی مدد سے اوپر چڑھتا زنگ اکھڑ کر انگلیوں میں گھس جاتا تھا وہ مسلسل تار پر چڑھے جا رہا تھا پہلے اس کے ہاتھ اوپر اٹھتے اور پھر اس کا جسم ہاتھوں کی تقلید کرتا۔

وہ مسلسل چڑھ رہا تھا۔ لیکن انداز میں تیزی نہ تھی وہ گہری سانس لے کر اگلے مرحلے کے لیے خود کو تیار کرتا اور آکسیجن پھیپھڑوں میں محفوظ کر لیتا۔ اس کی ٹانگیں اکڑی ہوئی نہ تھیں لیکن مسلسل حرکت میں تھیں، وہ اوپر جانے کے لیے کششِ ثقل سے لڑنے کی بجائے اسے نظرانداز کر رہی تھیں۔ ان میں توازن اور تناسب تھا۔

انگلیاں مزید اوپر، سر کے اوپر پہنچیں، ٹانگیں اوپر اٹھیں اور بازو پھر پھیل گئے۔

اسے بلندی پر معاً ہی سردی کا احساس ہونے لگا تو اس نے فوراً جسم کا درجۂ حرارت متناسب کر لیا۔ نیچے گلشن آباد، بجلی اور ٹیلی فون کے تاروں کے جال سے بھی نیچے اونچی نیچی عمارتوں کا ڈھیر لگ رہا تھا۔

اس کے بازو سر سے اوپر پھر پھیلے اور اس مرتبہ اس کی انگلیوں کو ایک افقی آہنی سریے پر ہلکی سی نمی کا احساس ہوا۔ اس نے ہلکا سا جھٹکا دے کر جسم کے باقی حصے کو بھی اس سریے پر کر لیا۔ وہ عجلت میں نہ تھا کیونکہ اسے یہ بات اچھی طرح معلوم تھی کہ جلد بازی توازن کو بگاڑ دے گی۔

موٹے آہنی سریے کے ذریعہ وہ ایک پلیٹ فارم پر پہنچ گیا۔ جہاں کھڑے ہو کر اس نے ٹاور کی ڈھلان کو دیکھا۔

"یہ بات کسی نے نہیں جانی تھی کہ یہ ٹاور زنگ آلود ہے۔" اس کے لہجے میں برہمی تھی۔

"جج۔ جی ہاں۔ جی ہاں۔" ٹائیگر کے ساتھی نے جواب دیا۔

"میں نے سنا ہے کہ یہاں کے لوگ آلوؤں میں مکھن لگا کر کھاتے ہیں۔؟"

"کھاتے ہیں۔ بالکل کھاتے ہیں۔" ابراہیم نامی شخص نے فوراً تاکید کی کیونکہ وہ اس شخص کو اس مرحلے پر بھی ناراض کرنا نہیں چاہتا تھا جو اُسے اپنی ٹانگوں میں پکڑ کر یہاں اتنے اوپر تک لے آیا تھا۔

"کیا تمہیں علم ہے کہ گزشتہ دس برسوں میں میں نے کبھی آلو نہیں کھایا۔"

"آپ جیسے لوگوں کو ہی آلو کے نقصانات کا علم ہو سکتا ہے۔" ابراہیم نے فوراً کہا۔ "آلو انتہائی خراب چیز ہے۔"

"ہاں۔" ٹائیگر نے ابراہیم کی موٹی گردن کے گرد ہاتھ ڈال کر کہا۔ "آلو اسٹیک بہترین غذا ہے۔"

"انتہائی شاندار غذا ہے یہ اسٹیک۔" ابراہیم بولا اسے اتنی بلندی سے خوف کے باعث متلی ہو رہی تھی۔

"لیکن میں اب اسٹیک بھی نہیں کھاتا۔"

"آپ... آپ... جو کچھ بھی کھاتے ہیں؟ میں آپ کو کھلانے کے لیے تیار ہوں۔ آپ چاہیں تو ہم اس ملک

سے بھی باہر جا کر کھانا کھایا کریں گے ۔۔ بس ۔۔ بس آپ مجھے چھوڑ دیں، میں خود اوپر چڑھ سکتا ہوں ۔ آپ کی ٹانگوں میں پھنس کر اوپر چڑھنا خطرناک لگتا ہے ۔۔۔"

"لیکن نیچے جانا اور زیادہ آسان ہوگا!" ٹائیگر نے جواب دیا۔ "کوشش کرو۔" ساتھ ہی اس نے گردن چھوڑ دی۔ اور ابراہیم پانچ فٹ نیچے ایک کراس بار پر گر گیا۔ اس نے کراس بار کے گرد ہاتھ ڈال کر توازن برقرار رکھنے کی کوشش کی لیکن زنگ آلود ٹکڑے اس کے ہاتھوں اور جسم کے کھلے حصّوں میں چبھنے لگے۔ اس کے وہ بازو اور ہاتھ جن کو وہ لاکھوں کلو ہیروئن کی اسمگلنگ کے لیے استعمال کرتا تھا، اس مشقت اور تکلیف کے عادی نہ تھے۔ اس نے مزید نیچے نہ گرنے کی کوشش میں کچھ پکڑنے کی کوشش کی لیکن اس کی ہر حرکت رائیگاں گئی پھر وہ پھسلنے لگا۔ اس کے ہاتھوں نے کام چھوڑ دیا۔ اس کی ٹانگیں اس کا ساتھ دینے سے انکار کر گئیں، صرف حلق کام آیا اور ایک زوردار چیخ فضا میں بلند ہوئی لیکن اسی لمحے ٹائیگر نے جھک کر اسے ایک ہاتھ سے پکڑ لیا اب وہ فضا میں معلق تھا۔

"دیکھا۔ اگر میں نہ پکڑتا تو تم نیچے گر چکے ہوتے۔" ٹائیگر نے چہک کر کہا۔ "اور میں نہیں چاہتا کہ تم نیچے گرو اگر چاہتا تو گر چکے ہوتے۔ دراصل میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ تم کو میں خود نیچے گراؤں۔"

ابراہیم یا مدن لال کا چہرہ ست گیا۔ "ارے تم نوجوان تو ہا۔ ہا۔ ہمیشہ ہی مسخرہ پن کرتے رہتے ہو۔" اس نے بظاہر مذاق کے انداز میں کہا لیکن اس کی پتلون بہرحال بھیگ چکی تھی۔

"نہیں ۔۔" ٹائیگر نے ایک ناخن سے زنگ صاف کرتے ہوئے کہا۔

"نہیں۔ میں جانتا ہوں کہ آج کل کے نوجوان کتنے خوش دل اور معاملہ فہم ہیں۔" مدن لال اب بھی اپنی جان بچانے کے لیے کوشش کر رہا تھا۔ "ایک لڑکا تو خاص طور سے مجھے یاد ہے۔ اس نے میری انگلیوں پر اپنا پیر رکھ دیا لہٰذا میں نے اس کی درخواست قبول کرتے ہوئے اسے ایک کلو ہیروئن دے دی۔ میں تمہیں اس سے بھی زیادہ دوں گا۔ کتنی چاہتے ہو۔ ڈیڑھ کلو ۔۔ دو ۔۔"

ٹائیگر سر ہلا کر اور اوپر چڑھنے لگا۔ اس دوران گھبراہٹ اور خوف سے دوچار مدن لال مسلسل بکواس کرتا رہا۔ بالآخر وہ اصلی ہیروئن فراہم کرنے پر راضی ہو گیا تھا۔ ایسی ہیروئن جو چلتی پھرتی ناچتی گاتی اور محبت میں پہل کرتی ہے۔

ٹائیگر کو اس کی باتوں سے غرض نہ تھی اور نہ ہی وہ اس شخص کا پس منظر جاننے کا خواہاں تھا اسے تو صرف یہ بتایا گیا تھا کہ ابراہیم نامی یہ شخص منشیات کا بہت بڑا اسمگلر ہے اور یہ کہ کیمپ میں تباہی میں اس کا بھی بڑا عمل دخل ہے۔ اگر ٹائیگر کو صرف یہ ہی پتا ہوتا کہ یہ منشیات کا اسمگلر ہے اور فرودسی نوجوانوں میں ہیروئن کی لت پھیلا رہا ہے تو صرف اور صرف یہی وجہ اس شخص کو ٹاور سے گرانے کے لیے کافی تھی۔

ٹائیگر اب ٹاور کے اس پلیٹ فارم پر پہنچ گیا تھا جسے سیاحوں کے لئے دوسرا مرحلہ کہا جاتا تھا فی الوقت ٹاور پر بنے ہوئے ریستوران بند پڑا ہوا تھا۔ ویسے بھی اب رات ہو چکی تھی اور ٹاور پر چڑھنے کی یہ مشق تین گھنٹے سے جاری تھی۔

پھر جب وہ تیسرے مرحلے پر پہنچا تو مدن لال یہ کہہ رہا تھا کہ میری ساری جائیداد لے لو۔

وہ اس وقت سطح سمندر سے نو سو پچاس فٹ کی بلندی پر تھے۔ نیچے روشنیاں ہو گئی تھیں۔ کلب، ہوسکو، تھیٹر وغیرہ کھل چکے تھے۔ یہاں سے شہر کا ہر پلب جلتا ہوا نظر آ رہا تھا۔

خوف کے عالم میں موت کے تاجر نے کوئی گانا گانے کی کوشش کی اس کی آواز خوف کی شدت کے باعث نکل ہی نہ سکی جو چند الفاظ نکلے تقریباً ایک ہزار فٹ کی بلندی پر چلنے والی تیز ہوا ہنکال کر لے گئی۔

"قومی ترانہ سناؤ ۔۔" ٹائیگر نے کہا۔

"قومی ترانہ ۔۔ ہاں ۔۔ سنو ۔۔" اسمگلر اب ہر حکم ماننے کو تیار تھا۔ ٹائیگر نے اس کی گردن اپنی بغل میں دبا رکھی تھی اور ایک ہاتھ سے آہنی سریا پکڑ رکھا تھا۔

جونہی اکھنڈ بھارت سینا کے اس پرانے دلال نے قومی ترانے کا ایک مصرعہ غلط سنایا ٹائیگر نے اپنی بغل کھول دی اور موت کا تاجر اتنی تیزی سے ایک ہزار ایک فٹ نیچے آ گرا جیسے کوئی بجلی چمکی ہو۔

گرنے کی آواز ان لوگوں نے بھی سنی جو ٹاور کے اردگرد پارک میں خوش گپیاں کر رہے تھے۔ انھوں نے اوپر سر اٹھا کر دیکھا تو وہاں انھیں بہت بلندی پر کسی کا ہیولا

نظر آیا لیکن پھر وہ سب گرنے والے کی طرف لپک گئے۔

اُدھر ٹاور پر وہ ہیولا ابھی موجود تھا۔ اس نے آخری والا مصرعہ دو مرتبہ پڑھا اور حیرت انگیز تیزی سے نیچے اترنے لگا اس سے قبل کہ پولیس وہاں پہنچتی ٹائیگر ٹاور سے اتر کر ایک عوامی بیت الخلا میں اپنے ہاتھ دھو رہا تھا جو زنگ کے باعث سرخ لگ رہے تھے۔ پھر وہ نکل کھڑا ہوا۔ اُسے راستے میں ایسے درجنوں جوڑے ملے جو امریکی بننے کے شوق میں جینز پہنے ہوئے تھے ہم برگر کھا رہے تھے یا ڈسکوتھیک جا رہے تھے۔

وہ گلیوں سے گزرتا ہوا شاہراہ پر آیا اور مطمئن انداز میں گلشن آباد ہلٹن میں داخل ہو گیا۔

ہیروئن کے اسمگلر کو اس طرح سرعام موت کی سزا دینے سے اس کے بے قرار دل کو کچھ قرار سا آ گیا تھا وہ ہلٹن کی راہداریوں سے گزرا جہاں بیل بوائز مسکراتے ہوئے آ جا رہے تھے تاہم راہداریوں میں ان ملازموں کے سوا اور کوئی نہیں تھا۔ وہ نویں منزل پر پہنچا۔ یہاں ایک شاندار ایگزیکٹو سوئٹ میں اُوشان موجود تھا اور اس کے چہرے پر مسکراہٹ نظر آ رہی تھی۔ وہ نہ جانے کب مسلم آباد سے واپس آیا تھا۔

"شہزاد ۔۔" وہ بچوں کے سے انداز میں کھلکھلا کر ہنس پڑا۔ "شہزاد کو اُس کے والدین مل گئے ہیں۔"

"کیا؟" ٹائیگر کا دل خوشیوں کے تمام جذبوں سے لبریز ہو گیا ایک لمحے کو تو وہ یہی سمجھا کہ اُوشان اس کے اپنے والدین کی بات کر رہا ہے لیکن بہرحال یہ ناممکن تھا۔

"ہاں ۔۔ میں آج امدادی کیمپ گیا تھا۔" اُوشان نے جواب دیا۔ "وہاں وہی بچہ جو دودھ سے بلکتا ہوا ملا تھا اپنی ماں کی گود میں دودھ پی رہا تھا۔"

"شاندار ٹل فادر ۔۔" ٹائیگر کی آنکھیں چمکنے لگیں۔

"اور اس کا نام بھی شہزاد ہے۔"

"واہ۔" ٹائیگر ہنس پڑا۔ "آپ نے اس کے والدین سے باتیں کیں؟"

"ہاں بہت سی باتیں۔ میں نے انھیں سانجو میں رہنے کی دعوت دی جہاں نہ تو بم پھٹتے ہیں اور نہ ہی ڈاکے پڑتے ہیں۔ وہ نہ مانے تو میں نے ان سے درخواست کی کہ شہزاد کو ہمیں دے دیں، ہم اسے ماسٹر بنائیں گے مگر وہ ہنس کر خاموش ہو گئے پھر میں بچے کو پیار کر کے واپس چلا آیا۔"

ٹائیگر کی طرح اُوشان کے لیے بھی یہ مشن ایک عجیب سی جذباتی کیفیت پیدا کر چکا تھا۔ ایسا بہت کم ہوا تھا کہ وہ مشن کے دوران جذباتی ہوتے ہوں لیکن یہاں تو آغاز ہی تمناک آنکھوں سے ہوا تھا وہ اب تک اتنے لوگوں کو قتل کر چکے تھے کہ خود انھیں مقتولین کے چہرے تو کیا گنتی بھی یاد نہ رہی تھی لیکن وہ اس بچے کے چہرے اور اس کی خون خاں کو شاید زندگی بھر فراموش نہیں کر سکتے تھے جو انھیں تباہ شدہ علاقے میں گھٹنوں کے بل چلتا ہوا ملا تھا وہ عام انسانوں سے مختلف تھے۔ عام انسانوں سے مختلف کھاتے پیتے تھے انھیں نیند اور محبت جیسی خواہشات کبھی شدت سے محسوس نہ ہوئی تھیں۔ اور اُوشان نے اپنی انتھک کوششوں سے ٹائیگر کو بھی اپنے جیسا ہی بنا لیا تھا سخت دل، سنگ دل، جلاد صفت ۔۔۔ لیکن بم پھٹنے کے بعد انھوں نے بھی یہی محسوس کیا تھا جیسے ان کے دل پھٹ گئے ہوں۔

انھیں صرف یہ پچھتاوا تھا کہ اگر بہرام بکا سا بھی اشارہ کر دیتا تو شاید وہ اس بربادی کو ٹال سکتے تھے۔

ٹائیگر باتھ روم میں چلا گیا۔ اور پھر جب واپس آیا تو اُوشان کوئل کے آتش میں آنکھیں بند کیے ہوئے بیٹھ گیا تھا "شہزاد کیا تم آ گئے؟" اُوشان کا لہجہ اس مرتبہ بے زار سا تھا۔

"یس ٹل فادر ۔۔" ٹائیگر نے مسکرا کر کہا اُسے اندازہ ہو چکا تھا کہ اُوشان اپنے خاص موڈ میں واپس آ گیا ہے۔

"رہے کوئی رحم کھانے والا اس بوڑھے کو رہائی پر جس نے دنیا بھر کا بوجھ اپنے نحیف کندھوں پر اٹھا رکھا ہے اس کا بیٹا اس بوجھ کو خود سنبھالنے کے لیے تیار نہیں ہے۔"

"جسے کوئی یہ حقیقت تسلیم کرنے والا ایک نوجوان نے اپنی ساری جوانی ایک کوریائی بزرگ کی خدمت میں گزار دی اور وہ کوریائی ابھی تک اس کے لیے ایک حرف تشکر بھی ادا نہ کر سکا۔" ٹائیگر نے فوراً ہی اُوشان ہی کے سکے میں جواب دیا۔

"آہ ۔۔ یہ ناانصافیاں کہاں ختم ہوں گی۔ کب انصاف ملے گا۔ اس بوڑھی روح کو کب سکون ملے گا۔"

"کیا بات ہے ٹل فادر ۔۔" ٹائیگر اس کے قریب بیٹھ کر بولا۔ "کیا اس بار سونے کی کھیپ سانجو نہیں پہنچی۔"

"میں نے اس لفنگے بہرام سے درخواست کی تھی کہ اس بار کی کھیپ کے برابر کھانے پینے کا سامان یہاں کے بے گھر

Uploaded By

اور بے خانماں لوگوں میں تقسیم کر دیا جائے لیکن اس نے یہ کہہ کر صاف انکار کر دیا کہ مکھیپ روانہ ہو چکی ہے اور وہ ایڈوانس مکھیپ نہیں دے سکتا۔"

"آپ فکر نہ کریں فادر۔" ٹائیگر نے اسے تسلی دی۔ "یہ کام سرکاری اور نجی سطح پر بھرپور انداز میں جاری ہے اور میرا خیال ہے کہ ان لوگوں کے لیے اتنا امدادی سامان حکومت نے فراہم کر دیا ہے کہ وہ بعد میں بچ رہے گا۔"

"بچ رہے گا!" اوشان تڑخ کر بولا۔ "تب پھر ضائع بھی ہو جائے گا۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ یہ فاضل سامان سناخو بھیج دیا جائے جہاں بچے بھوک سے ۔۔۔"

"بس ۔۔۔ بس ۔۔۔" ٹائیگر نے گھبرا کر کہا اور ہاتھ بھی کیا اوشان اسی انداز میں بیٹھا رہا لیکن اس بار اس کا چہرہ دائیں طرف جھکا ہوا تھا اور آنکھیں شرربار سی تھیں۔

"شہزادے!" اس بار اس کا لہجہ متفکر سا تھا۔ "مجھے پتا ہے کہ تمہاری قوم اس موقع پر کسی کنجوسی سے کام نہیں لے گی ۔۔۔ لیکن کیا مستحقین تک امداد پہنچ جائے گی؟"

"یہ کام اعلیٰ سطح پر ہو رہا ہے۔"

"نہیں۔ یہ ہمارے سپرد نہیں کیا گیا۔" اوشان نے کہا۔

"میرا مطلب یہ ہے کہ اس ملک کے اعلیٰ حکام امدادی سامان کی مناسب تقسیم کا خیال رکھ رہے ہیں۔"

اس لمحے ٹائیگر کی نظریں بائیں طرف ٹی وی سیٹ وی سی آر کے قریب رکھے ہوئے کیسٹوں پر پڑی۔ یہ نئے کیسٹ تھے اور مطلب صاف ظاہر تھا کہ بہرام یہاں خود آیا تھا۔

"بہرام کب گیا فادر ۔۔۔؟"

"وہ جب آیا تو میں تباہی میں گزرے ہوئے لوگوں کی روحوں کو ابدی سکون کی دعا کرنے کے لیے عبادت میں مصروف تھا اور جب وہ چلا گیا تو تب ہی مجھے خیال آیا کہ وہ آیا تھا۔ اور پھر جب میری نظر ان کیسٹوں پر پڑی تو میرے دل سے آہ نکلی کہ میں خود دھماکوں میں تباہ کیوں نہیں ہو گیا۔ تم نے دیکھا ۔۔۔ یہ وڈیو کیسٹ دو دیوانے کے ہیں جبکہ میں نے دراصا افق کے پار کے کیسٹ منگوائے تھے۔ آخر وہ مجھے کیا سمجھتا ہے ۔۔۔" اوشان کے چہرے پر واقعی غصہ جھلک رہا تھا۔ "مجھے حسن دیکھنے کی خواہش رہتی ہے اور تم لوگ مجھے محض شور شرابے میں غرق کر دینا چاہتے ہو۔"

"مسٹر فادر ۔۔۔ فادر ۔۔۔" ٹائیگر اسے پچکارتا ہوا بولا۔ "ممکن ہے کوئی غلطی ہو گئی ہو اور افق کے پار کی جگہ یہ کیسٹ آپ کو پہنچا دیے گئے ہوں ۔۔۔"

"ہاں ۔۔۔ غلطی! غلطی تو ہوتی ہی رہتی ہے ۔۔۔" اوشان نے تیز آواز میں کہا۔ "انھوں نے غلطی سے پہلے تمہیں میری شاگردی میں دیا اور تم سراپا غلطی نکلے ۔۔۔ نہیں ۔۔۔ میں یہ کیسٹ نہیں دیکھوں گا۔ میرے پرانے کیسٹ ہی کافی ہیں ۔۔۔"

یہ کہہ کر اوشان اپنے صندوقوں کی طرف پلٹا اس نے غالباً غلطی سے غلط صندوق غلط وقت پر کھول لیا۔ اور پھر غلطی کا احساس ہوتے ہی اسے بند کرنا چاہا مگر غلطی ہو چکی تھی۔

"ایک منٹ فادر ۔۔۔ ذرا دیکھیں تو ۔۔۔ اس میں کیا کیا ہے؟"

اس صندوق میں بہت سی چیزیں تھیں۔ "جونی واکر بلیک ایسٹرن اسٹرلائن ۔۔۔ یہ کیا ہے مسٹر فادر؟" ٹائیگر کو شراب کی بوتل دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی۔ "ہم تو شراب نہیں پیتے ۔۔۔" یہ کہہ کر وہ صندوق میں سے اور سامان نکالنے لگا۔ "ماچس کی ڈبیاں ۔۔۔ ہارورڈ جانسن کے ٹوتھ پک ۔۔۔ ٹافیاں ۔۔۔"

"یہ تحفے مجھے پیش کیے گئے تھے ۔۔۔ اور انھیں قبول نہ کرنا انسانیت کے اصولوں کے منافی ہوتا۔" اوشان کا غصہ بھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔

"اور یہ ایش ٹرے ۔۔۔؟"

"ایش ٹرے ۔۔۔" اوشان نے بڑے غور سے بلور کی ایش ٹرے کا معائنہ کیا۔ "نہیں ۔۔۔ یہ میری نہیں ۔۔۔ کیا تم بھی میرے خزانے میں کاٹ کباڑ ڈالتے رہتے ہو؟"

"اب مجھ میں آیا کہ ان صندوقوں میں زیادہ تر کیسی چیزیں ہیں ۔۔۔" ٹائیگر مسکرا کر بولا۔ "یہ پتا آج چلا کہ میں اتنے برسوں سے گوڑ کباڑ اٹھائے گھومتا رہا ہوں ۔۔۔"

"میں تحفے کی ناقدری نہیں کرتا ۔۔۔" اوشان نے شاہانہ انداز میں جواب دیا۔ "جب تحفہ قبول کر لیتا ہوں تو اس کی قدر تلوار کی طرح کرتا ہوں ۔۔۔"

"آہا ۔۔۔" ٹائیگر نے چٹخارہ لیا۔

"میں اب واضح طور سے چاہتا ہوں کہ سناخو کو جو نذرانہ

پیش کیا جاتا ہے اس میں اضافہ کیا جائے ۔۔۔ اور صرف اصلی وڈیو کیسٹ پیش کیے جائیں ۔۔۔"

"اصلی؟"

"ہاں ۔۔۔ دو دیوانے کے بیبل کے اندر جو فلم ہے وہ افق کے پار ہی کی ہے لیکن مطلب یہ ہوا کہ بہرام نے پرانے کیسٹ پر میری فرمائش ریکارڈ کر کے بھیج دی ہے ۔۔۔"

"ہوں ۔۔۔ مگر نذرانے میں اضافے کی کیا ضرورت ہے؟"

"پچاس سال قبل جو طوفان سناخو سے گزرا تھا اس کی تباہ کاریاں آج بھی جاری ہیں اور وہاں لوگوں کی بحالی کے لیے اقدامات کی ضرورت ہے ۔۔۔"

ٹائیگر نے مصنوعی جماہی لی اور اسے مصنوعی انداز سے چھپانے کی بھی کوشش کی ۔۔۔ اس کا مقصد بہرحال پورا ہو گیا

"ٹھیک ہے ۔۔۔" اوشان نے سر ہلا کر کہا۔ "جاؤ ۔۔۔ سو جاؤ تم تو برسوں سے نیند کے مارے ہوئے ہو ۔۔۔"

✣

روبی سو گئی۔

شاید رات کے تین بجے تھے کہ ایک ہلکے سے شور کے باعث اس کی آنکھ کھل گئی، اسے لاک میں چابی گھمانے کی آواز سنائی دی تھی۔ اس نے موٹے سے چھینا ہوا پستول تکیے کے نیچے رکھا ہوا تھا۔ وہ فوراً ہی مکمل بیدار ہو گئی اگلے ہی لمحے وہ پستول نکال کر اس کا سیفٹی کیچ نکال چکی تھی۔

دروازہ کھلا اور کوئی چھوٹے قد والا اندر داخل ہوا دروازہ پھر بند ہو گیا اور کسی نے سوئچ دبا کر روشنی کر دی

"گڈ مارننگ ٹینا!" روبی بستر سے اٹھ بیٹھی۔

ٹینا پلٹی، پہلے اس کے چہرے پر خوف کے آثار ظاہر ہوئے لیکن پھر ان کی جگہ مسکراہٹ نے لے لی۔

"تم محفوظ ہو، گڈ، میرے پاس تمہیں بتانے کے لیے بہت کچھ ہے، لیکن پہلے چائے ۔۔۔" اور وہ کپڑے تبدیل کیے بغیر چائے بنانے چلی گئی۔

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں گرم گرم چائے کے کپ سامنے رکھے بیٹھی باتیں کر رہی تھیں۔

"مسٹر بن [illegible] مارے ۔۔۔ ایجنٹ جہاز تباہ کرنے میں ناکام ہو گئے ہیں ۔۔۔ ٹینا نے بتایا [illegible] کو پہلی مرتبہ محسوس ہوا کہ فرد [illegible] وہ تنہا نہیں ہیں۔

"اب یہ جہاز اور [illegible] زہے ۔۔۔" ٹینا بتا رہی تھی۔ "لزبن ائرپورٹ پر موجود افسران کو جہاز یا اس کے کارگو پر کسی قسم کا کوئی شک نہیں ہوا، یہ ایک پرانا بوئنگ ۷۰۷ طیارہ تھا جسے پسنجر ائر میں تبدیل کیا گیا ہے، میں نے اپنے آدمیوں سے بات کی ہے اور اس سلسلے میں متعدد کارروائیاں شروع کر دی گئی ہیں۔ سب سے پہلے تو ہم سلنڈروں پر قبضہ کریں گے اور انھیں دھماکی دیں گے کہ اگر ہمیں ملک سے باہر جانے کے لیے ٹرانسپورٹ مہیا نہ کی گئی تو سلنڈر ائرپورٹ پر ہی تباہ کر دیے جائیں گے۔ میرے خیال میں یہ دھمکی کارگر ۔۔۔ ثابت ہو گی اور اگر یہ پلان جیسے پلان اے کا نام دیا گیا ہے کامیاب نہ ہوا تو پھر یکے بعد دیگرے پلان بی، سی اور ڈی پر عمل کیا جائے گا۔"

"تم تھکی ہوئی لگ رہی ہو۔"

"ہاں!" وہ افسردہ ہو گئی۔ "میں نے اپنے ملک کی خاطر اپنا سب کچھ تج دیا ہے، جب کبھی ملک کی یہ ضرورت پوری کرتی ہوں تھک جاتی ہوں اور پھر یوں بھی کسی کو بولنے پر آمادہ کرنا کوئی آسان کام نہیں، خیر پھر وہ ان باتوں کو یہ تمہارے مطلب کی نہیں!" اس نے ذو معنی انداز میں کہا۔

"سلنڈر یہاں کب پہنچ رہے ہیں؟" روبی نے اس کا معنی خیز انداز قطعی نظر انداز کر دیا تھا۔

ٹینا نے گھڑی دیکھی۔ "مقررہ پروگرام کے مطابق جہاز کو نصف گھنٹے قبل شہر سے باہر واقع فوجی ہوائی اڈے پر پہنچنا تھا۔"

"وہ لوگ سلنڈروں کو کہاں رکھیں گے؟"

"اگر تمام کارروائی معمول کے مطابق رہی تو سلنڈر ہنگر نمبر ۱۲ میں رکھے جائیں گے۔ بس یہ وہ ساری معلومات تھیں جو میں نے اس کہنے سے حاصل کی ہیں۔"

روبی اٹھ کھڑی ہوئی۔ "میں وہاں جا رہی ہوں اگر وہ سلنڈر جعلی ہوئے تو ان پر قبضہ کرنے کی کوشش کا کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔"

"میں تمہارے ساتھ چل رہی ہوں۔"

"نہیں، تم تو اپنے پیروں پر کھڑی بھی نہیں ہو پا رہیں!"

"تمہیں ایک ترجمان کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔"

روبی ہنس دی۔ اس نے ٹینا کو اب تک نہیں بتایا تھا کہ وہ یہاں کی زبان نہ صرف سمجھ سکتی ہے بلکہ بول بھی سکتی ہے۔

Uploaded By Nadeem

"محبت اور جنگ کے لیے کسی زبان کی ضرورت نہیں پڑتی مینا!" اس نے اپنا ننھا منا پستول لہرایا۔ "میں نے یہ ایک گلی میں ایک موٹے سے حاصل کیا ہے۔ میں نے اس طویل قامت کا ایک چھوٹے سے ریسٹورنٹ تک تعاقب کیا تھا۔ لیکن ایک موٹے نے مجھے مارنے کی کوشش کی گڑبڑ کی بجائے میں کامیاب ہو گئی۔ میں اس کا شناختی کارڈ لے آئی ہوں ایرلو۔"

"مینا نام دیکھ کر مسکرا دی۔ "چھوٹے قد اور بھاری جسم والا؟" اس نے دریافت کیا۔

"ہاں۔"

"گڈ، میں اس شخص اور اس جگہ کو جانتی ہوں۔ مجھے ہر حال میں اپنے آدمیوں کو اس کے بارے میں مطلع کرنا ہوگا۔"

روبی خاموش رہی۔ اس نے ہاتھ میں پکڑے ہوئے پستول کو دیکھا جس میں صرف سات گولیاں تھیں۔ اسے انہی سات گولیوں پر گزارہ کرنا تھا۔ اس نے کندھے اچکائے اور دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ مینا نے اس کی تقلید کی تھی۔

دونوں نے ٹیکسی لی۔ سب سے پہلے تو روبی نے اپنے ہوٹل سے وہ چھڑی لی جس پر اس نے پھندا تیار کیا تھا۔ اس کے بعد روبی نے مینا کو اس جگہ چھوڑا جہاں وہ ایک بار پہلے گئی تھیں۔ مینا نے ٹیکسی ڈرائیور کو بتا دیا تھا کہ اسے روبی کو کہاں اتارنا ہے۔ اس نے الوداعی انداز میں ہاتھ ہلایا اور ٹیکسی آگے بڑھ گئی۔

روبی نے ٹیکسی مٹری امبریس سے خاصے فاصلے پر ہی رکوا لی تھی۔ ذرا فاصلے پر ہوائی اڈے کی روشن باڑھ اور چار دیواری نظر آ رہی تھی۔ وہ نصف میل تک باڑھ کے ساتھ ساتھ چلتی رہی۔ بالآخر اسے ایک ایسی جگہ نظر آ گئی تھی جہاں سے ورکرز اندر باہر جا رہے تھے۔ یہ دیکھ کر اسے بے انتہا خوشی ہوئی تھی کہ چار دیواری سے باہر نکلنے والوں میں عورتیں بھی شامل تھیں۔ اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ اب اس کا اندر داخل ہونا مشکل ثابت نہیں ہوگا۔

اس نے ایک جگہ کچی زمین پر جھک کر اپنے چہرے اور ہاتھوں پر مٹی ملی اور باڑھ کے اندر داخل ہوتی چلی گئی۔ کسی نے اس کی طرف توجہ نہ دی اور نہ ہی کوئی تعرض کیا۔ کچھ ہی دیر بعد وہ ہینگر نمبر چار تلاش کرنے میں کامیاب ہو گئی۔ اور اس کے بعد نمبروں کی ترتیب سے ہینگر نمبر بارہ کی طرف چل دی۔ مذکورہ ہینگر روشنیوں میں نہایا ہوا تھا۔

ایک مسلح جیپ عمارت کے چاروں طرف گشت کر رہی تھی لیکن اس کا رخ زیادہ تر رن وے کی طرف تھا۔ روبی ذرا دیر کھڑی کسی اندھیرے کونے کی تلاش میں نظریں دوڑاتی رہی۔ پھر اسے ایک ایسی نیم تاریک جگہ نظر آ گئی تھی جو نسبتاً ہینگر کے زیادہ قریب تھی۔ وہ محتاط انداز میں وہاں جا پہنچی اور محافظوں کا جائزہ لینے لگی۔ اس کی نظر جہاں تک کام کر رہی تھی دونوں اطراف چھ محافظ اسے نظر آ رہے تھے۔ پانچ ادھر سے ادھر گشت کر رہے تھے جبکہ شاید سارجنٹ تھا کیونکہ وہ وقتاً فوقتاً ان پر چڑھائی کر رہا تھا۔

ابھی صبح ہونے میں دو گھنٹے باقی تھے۔ روبی نے دل میں حساب لگایا کہ ابھی بہت وقت ہے۔ ہینگر کی تیسری سمت روبی کو ایک اور اندھیرا کونا نظر آیا جہاں ایک محافظ کھڑا تھا۔ روبی کو اپنے کام کے لیے وہی کونا مناسب نظر آیا اور وہ اسی سمت رینگ گئی۔ کیونکہ محافظ چہل قدمی کرتا ہوا دور تک چلا جاتا تھا اور چند منٹوں کے لیے اندھیرے میں اس کا ہیولا تک غائب ہو جاتا تھا۔ محافظ جونہی دوسری طرف پلٹا، روبی فوراً اس کی پشت پر جا پہنچی۔ اس نے اپنے لباس میں چھپی ہوئی وہ چھڑی نکال لی تھی جس کے سرے پر پھندا بنا ہوا تھا۔ اس سے پہلے کہ محافظ پلٹتا موت کا پھندا اس کی گردن میں پڑ چکا تھا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے گردن تھام کر پلٹنے کی کوشش کی لیکن روبی نے اپنی پوری قوت صرف کر دی۔ پھلی پکڑنے کی باریک ڈوری اس کی گردن میں کھب گئی تھی۔ چند ہی سیکنڈ میں وہ زمین پر گر کر بے حس و حرکت ہو گیا۔

روبی نے پھندا اس کی گردن سے نکالا اور لاش کو کھینچ کر مزید اندھیرے میں لے گئی۔ چند منٹ بعد جب وہ نسبتاً تاریک حصے میں آئی تو اس کے جسم پر مقتول گارڈ کی یونیفارم اور کندھے پر اس کی خودکار رائفل لٹک رہی تھی۔ اس نے اپنے بوائے کٹ بالوں کو پوری طرح فوجی ٹوپی میں چھپا لیا تھا۔

روبی نے کن انکھیوں سے دوسرے محافظوں کا جائزہ لیا لیکن تمام لوگ اپنی اپنی جگہوں پر الرٹ تھے۔ اس نے رائفل اتار کر ہاتھ میں پکڑی اور محتاط قدموں سے بڑے ہینگر کے بغلی دروازے کی طرف بڑھی۔

دروازہ مقفل نہیں تھا لیکن جب اس نے اسے کھولا

تو کہیں بھی کوئی الارم سنائی نہیں دیا۔ اندر اندھیرا تھا۔ روبی نے ایک لمحے کے لیے سوچا اور پھر اندر داخل ہوتی چلی گئی۔ ہینگر اندر سے خاصا وسیع تھا۔ اسے ایک طرف دو طیارے کھڑے نظر آئے تھے جبکہ بوئنگ ۷۰۷ درمیان میں تھا۔ اس کی ایک سمت بھرت لینڈ کی قومی فضائی کمپنی کا لوگو بنا ہوا نظر آ رہا تھا جس کے چاروں طرف مسلح افراد نے گھیرا ڈال رکھا تھا۔

دوسری جانب کے دروازے سے کسی نے چیخ کر کوئی حکم دیا اور نصف کے قریب آدمی بھاگتے ہوئے ادھر چلے گئے۔ دوسرے آدمیوں نے اپنا گھیرا وسیع کر دیا تھا۔ روبی نے بغور دیکھا لیکن جہاز کے قریب جانے کا اسے کوئی موقع نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس نے فائرنگ کے امکان کا بھی جائزہ لیا۔ وہ ہاتھ میں پکڑی ہوئی آٹومیٹک رائفل سے درجن بھر افراد کو بھون سکتی تھی۔ لیکن پھر وہ اس چوہے دان سے باہر نکلنے میں کبھی کامیاب نہ ہو سکتی تھی۔

ایک ہلکی سی آہٹ سن کر روبی پلٹی تو ایک محافظ پستول اس کی طرف تانے کھڑا تھا۔ اس نے گاڑھی ہندی میں کچھ کہا لیکن روبی کے پلے ایک لفظ نہیں پڑ سکا تھا۔ روبی نے کندھے اچکائے اور یہ ظاہر کیا کہ وہ ہتھیار ڈال رہی ہے البتہ یہ کھدبد، کھدبد اس کے ذہن میں ضرور ہو رہی تھی کہ وردی کے باوجود اسے اس کے جعلی ہونے کا شبہ کیونکر ہوا۔ روبی نے اطمینان کے ساتھ رائفل کندھے سے اتاری اور اپنا پھندا نیچے رکھ کر کمزور سے قدموں سے فوجی کی طرف بڑھی جس کے کندھے پر چمکتے ہوئے ستارے اس کے آفیسر ہونے کی نشاندہی کر رہے تھے۔

آفیسر نے پھر کچھ کہا جس کے جواب میں روبی جھکی اور پھندا اٹھا کر اس تیزی سے اس کی گردن میں ڈالا کہ ایک لمحے کے لیے تو آفیسر کی آنکھیں بھی پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اگلے جھٹکے سے پھندا تنگ ہوتا چلا گیا۔ آفیسر نے پستول پھینک کر دونوں ہاتھ حلق پر رکھ لیے۔ اس نے چیخنے کی کوشش بھی کی لیکن تنگ پھندے کی وجہ سے اس کے گلے سے خرخراہٹ کے سوا کوئی آواز نہ نکل سکی۔ چند ہی سیکنڈ میں اس کا مردہ جسم زمین پر پڑا تھا۔

روبی نے خودکار رائفل اٹھائی اور اس دروازے کی طرف بھاگی جس سے وہ اندر داخل ہوئی تھی۔ اس کی خوش قسمتی تھی کہ ابھی تک کسی نے مرنے والے محافظ کی کمی محسوس نہیں کی تھی۔

لیکن جلد ہی اس کی خوش قسمتی اس کا ساتھ چھوڑ گئی۔

دروازے سے باہر نکلتے ہی اسے دو فوجی نظر آ گئے ان میں سے ایک اسی طرف دیکھ رہا تھا جہاں اس نے مردہ محافظ کی لاش پھینکی تھی جبکہ دوسرا رائفل لیے کسی بھی نظر آنے والی شے پر گولی چلانے کے لیے تیار کھڑا تھا۔ اتنا وقت نہیں تھا کہ انھیں کسی اور طرح مطمئن کیا جاتا۔ روبی نے خودکار رائفل سیدھی کی اور اس سے پہلے کہ وہ دونوں صورت حال کو سمجھتے گولیاں ان کے جسموں میں کئی کئی سوراخ کر چکی تھیں ادھر وہ زمین پر گرے اور ادھر روبی نے دوڑ لگا دی۔

دور کسی کونے سے جوابی فائرنگ شروع ہو گئی۔ کوئی چیخا۔ ایک پستول سے دوسری گولیاں چلائے جانے کی آواز بھی سنائی دی۔ اسے ہینگر کی دوسری جانب بہت سے شعلے لپکتے نظر آئے تھے ایک شعلہ اسے اپنی جانب لپکتا دکھائی دیا۔ اس کے بائیں بازو کو ایک جھٹکا لگا۔ جھٹکا اتنا شدید تھا کہ وہ اپنے قدموں پر پوری گھوم گئی۔ اس نے توازن برقرار رکھنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہی اور پرشور آواز کے ساتھ زمین پر گر پڑی۔

دور سے چیخنے چلانے کی آوازوں میں شدت آ گئی تھی اور بہت سے بھاری قدم اس کی طرف بڑھتے چلے آ رہے تھے۔



سلطان نورالدین زنگی
الماس ایم اے قیمت:-/250

ٹیلیفون کی گھنٹی بجنے لگی اور ٹائیگر کو تیسری گھنٹی پر بھی یہ احساس نہ ہُوا کہ کون سے فون کی گھنٹی بج رہی ہے کیونکہ رات بھر مختلف کمروں سے ٹیلیفون کی گھنٹیاں، انٹرکنڈیشنرز کی گھوں گھوں اور ہوٹل کی دیواروں میں یا باتھ رُوم گٹروں میں زیرِ زمین دَوڑنے والے چوہوں کی آوازیں آتی رہتی تھیں۔

یہ بات الگ تھی کہ جو لوگ رات کو خاموش کہتے ہیں، ٹائیگر ان میں شامل نہ تھا۔ گزشتہ ایک عشرے میں وہ رات کو بھی آوازیں سُننے کی صلاحیت حاصل کرنے کے بعد ان آوازوں کا عادی ہو چکا تھا۔ اُوشان کہتا تھا کہ گوشت خور اور جنگجو سوتے وقت ذہن پر کمبل نما غلاف چڑھا لیتے ہیں۔ لیکن درحقیقت وہ سوتے نہیں۔ وہ تو شعور سے لاشعور کی منزل تک پہنچتے ہیں اور حقیقی نیند بہت لطیف ہوتی ہے۔ اس میں ذہن کو پُرلطف تھکن کا احساس ہوتا ہے۔ اُوشان نے حقیقی نیند کا ایک نیا فلسفہ اور فارمولا وضع کیا تھا جس پر ٹائیگر بھی برسوں سے عمل کر رہا تھا۔ وہ گہری نیند سوتا تھا۔ اگر کوئی اجنبی اُسے سوتے میں دیکھ لے تو یہی سمجھے کہ ایک لاش پڑی ہے لیکن اس گہری اور لطیف نیند کے باوجود اُس کے کان سب کچھ سُنتے رہتے تھے۔ لہٰذا جونہی ٹیلیفون کی گھنٹی بجی اُس نے آواز سے اپنے فاصلے کا اندازہ لگا کر آنکھیں کھول دیں۔ یہ آواز اُسی کے کمرے سے آئی تھی۔

ریسیور اُٹھاتے ہوئے اُسے اُوشان کی بڑبڑاہٹ بھی سُنائی دے رہی تھی۔ "کیا یہ ضروری تھا کہ تم ڈھائی گھنٹی بجنے کے بعد ہی ریسیور اُٹھاؤ۔ دُنیا میں کہیں انصاف نہیں۔ لوگ دوسروں کی نیند کا خیال ہی نہیں رکھتے۔"

ٹائیگر نے ریسیور کان سے لگانے سے قبل اُوشان کی طرف دیکھا۔ وہ اپنے قدیم اور شاید آبائی نمدے پر گہری نیند سو رہا تھا۔

"ہیلو۔ یہ میں ہوں۔" دوسری طرف سے بہرام کی آواز سُنائی دی۔ صاف ظاہر تھا کہ وہ نہ صرف پوری طرح بیدار ہے بلکہ چوکس بھی ہے۔

"مبارک ہو۔ آپ نے میری رات خوشگوار بنا دی۔ گھنٹی سُن کر مجھے ایسا لگا جیسے ہر طرف جلترنگ بج اُٹھے ہوں۔"

"جھوٹا کہیں کا۔" اُوشان ایک بار پھر بُدبُدایا۔

"مجھے یہ توقع نہ تھی کہ تم اس بُری طرح جھنجلائے ہوئے ہو گے ٹائیگر۔" بہرام کے لہجے میں واقعی مایوسی تھی۔

"ہم چوبیس گھنٹے دستیاب ہیں۔ یہ تمنّی میں نے کسی قبہ خانے میں لگی ہوئی دیکھی تھی۔"

"بس۔ بہت ہو گیا۔ تم نے ان دونوں کا مسئلہ حل کر دیا۔" بہرام دراصل زاہد کبیر علی اور ابراہیم کے بارے میں پوچھ رہا تھا کیونکہ ٹائیگر نے اُسے رپورٹ نہیں دی تھی۔

"دونوں کے تمام مسئلے حل ہو گئے۔"

"کیا تم نے اُن سے کچھ پوچھ گچھ بھی کی تھی؟"

"مجھے صرف یہ حکم ملا تھا کہ ان دونوں سے نمٹنا ہے۔ لہٰذا میں نے صرف حکم پر عمل کیا۔"

"ٹھیک ہے۔ اب اصل مسئلے کی طرف آؤ۔" بہرام نے اس مرتبہ خوشگوار لہجے میں کہا۔

"اصل مسئلہ نیند ہے۔ سویٹ ہارٹ۔"

"ٹائیگر! ایک اہم مشن درپیش ہے۔"

"کیا کسی ایسی لڑکی کا مسئلہ درپیش ہے جس کے چہرے پر اَن گنت بھورے بھورے تِل ہوں جو رات میں..."

"پلیز۔"

"اس وقت ہم اپنے کان تک بند کر لیتے ہیں سوئیٹ ہارٹ۔" ٹائیگر نے کہا۔ "لیکن خیر... اب کس کو مارنا ہے؟"

"ٹیلیفون پر نہیں۔ ہوٹل کے شمالی حصّے میں آؤٹ ڈور کیفے ہے۔ بیس منٹ بعد۔" کلک کی آواز کے ساتھ ہی لائن ٹون آنے لگی۔ ٹائیگر مایوسی سے گدّی پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ اُسے معلوم تھا کہ بہرام نے شروع ہی میں کسی خاص مشن کا ذکر کیا تھا اور ساتھ ہی یہ بھی کہا تھا کہ پہلے دو افراد کو ٹھکانے لگایا جائے۔ اس کے بعد اس خاص مشن کی تفصیلات بتائی جائیں گی۔

"یقیناً وہی کابل الوجود اور خبطی شخص ہو گا شہزاد۔" اُوشان نے آنکھیں کھولے بغیر کہا۔

"ظاہر ہے اس وقت اور کون ہو سکتا ہے؟"

"گڈ۔ تب پھر مجھے اور اُسے ضروری بات کرنی ہے۔"

"اگر آپ اس سے ضروری بات کرنا چاہتے تھے تو پھر فون آپ نے خود کیوں نہیں اُٹھایا؟"

"اس لیے کہ ریسیور اُٹھانا خادموں کا کام ہے۔" اُوشان نے شاہانہ انداز میں جواب دیا۔ "اور ہاں، کیا تم نے میرا پیغام دے دیا ہے؟"

"کیسے بٹل فادر؟"

"اداکار مِل برائنر کو..."

"کیسا پیغام؟"

"میں نے تم سے کہا تھا کہ اُسے یہ پیغام دینا کہ چیچنیا اور سُلطانہ ڈاکو میں اُس کی اداکاری میں کئی نقائص موجود تھے۔ لہٰذا آئندہ وہ..."

"آپ نے مجھے ایسا کوئی پیغام نہیں دیا بٹل۔"

"اور میں نے یہ بھی کہا تھا کہ وہ راکیل ویلچ کی ایک تصویر سانجو کی نذر کرے۔"

"کیا صوفیہ لارین کی تصویر سے کام نہیں چل سکے گا؟" ٹائیگر نے تقریباً کراہتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں اب میں کوئی رعو کا نہیں کھاؤں گا۔ اُفق کے پار کی بجائے دو دیوانے کا کیسٹ اور راکیل ویلچ کی بجائے صوفیہ لارین کی تصویر... نہیں... ہرگز نہیں۔ اپنے میں تم پر اعتماد کر ہی نہیں سکتا۔ تم کبھی ڈھنگ کا کوئی کام نہیں کر سکو گے۔ تمہیں میرا پیغام اب تک پہنچ جانا چاہیے تھا۔ جو وقت آنے کا انتظار کرتے ہیں، وہ وقت گزرنے کے بعد بھی انتظار کرتے رہتے ہیں۔"

⁂

روبی نے اپنے بائیں بازو کا جائزہ لیا اور یہ دیکھ کر اُسے شکر ادا کیا کہ کوئی ہڈی نہیں ٹوٹی تھی۔ بس گولی گوشت کو چھیلتی ہوئی گزر گئی تھی۔ فوجی یونیفارم کی آستین ضرور اُدھڑ گئی تھی اور بازو سے بہنے والا خون مشرط کے باقی حصّے کو سُرخ کر رہا تھا۔

روبی ہمت کر کے اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اُسے یہاں سے نکلنا تھا۔ خون بہتا ہے تو بہتا رہے، کم از کم یہ رائفلوں کی گولیوں سے چھلنی ہونے سے تو بہتر تھا۔ اُس نے اندھیرے میں دَوڑ لگا دی۔ جونہی وہ روشنی میں آئی کسی نے چیخ کر اُسے کچھ کہا۔ روبی رُکی، پیچھے اور اپنے عقب میں اشارہ کر کے پھر بھاگ کھڑی ہوئی۔ تین اور فوجی اُس کی طرف بڑھے۔ کسی نے ان کے ساتھ بھی وہی تکنیک استعمال کی اور انھیں بھی آگے کی طرف دَوڑنے کا اشارہ کیا۔

تبھی اُسے اندازہ ہُوا کہ اُس نے جو یونیفارم پہن رکھی تھی وہ کیپٹن کے رینک کی تھی۔ یعنی بوٹنگ ۔۔۔ اس قدر اہمیت اختیار کر گیا تھا کہ فوج کا ایک اعلیٰ عہدیدار رائفل اُٹھائے خود اندھیرے میں کھڑا پہرہ دے رہا تھا۔ اُس نے اپنی رفتار سُست کر دی اور نسبتاً کم رفتار سے باڑھ کے اُس شگاف کی طرف بڑھنے لگی جہاں سے وہ اندر داخل ہوئی تھی۔ اب تو یقینی طور پر وہاں محافظ تعینات ہو چکے ہوں گے لیکن اس کی تصدیق کا اُس کے پاس کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ اُس نے مزید فوجیوں کو ہینگر کی طرف بھاگتے دیکھا تھا۔

جب روبی نے محسوس کیا کہ اب وہ خطرناک علاقے سے باہر نکل آئی ہے تو وہ ایک آڑ میں رُک گئی۔ اُس نے زخمی بازو کی آستین پھاڑ کر اپنے زخم پر باندھ لی۔ اُسے بے انتہا درد محسوس ہُوا لیکن اس طرح کم از کم خون کا بہاؤ کم ہو گیا تھا۔ اُس نے دانتوں پر دانت جمائے اور باڑھ کے شگاف کی طرف بڑھ گئی۔

شگاف پر ابھی تک محافظ تعینات نہیں ہوئے تھے۔ وہ اطمینان سے گزرتی چلی گئی لیکن اُس نے رائفل کی بیرل زمین کی طرف کر کے اُنگلی ٹریگر پر رکھی ہوئی تھی۔ سیٹی بج رہا تھا اور پوزیشن ایسی تھی کہ بہ وقتِ ضرورت پلک جھپکتے ہی وہ رائفل سیدھی کر کے فائر کر سکتی تھی۔ وہ نصف میل تک اسی طرح کیپٹن کی یونیفارم پہنے چلتی رہی۔ دن کا اُجالا ہو گیا تھا لیکن دُور سے اُسے ایک ٹیکسی آتی نظر آئی۔ اُس نے اُسے رُکنے کا اشارہ کیا۔ ایک کیپٹن کو سامنے دیکھ کر ڈرائیور نے فوراً بریک لگائے تھے۔ روبی نے اُسے پتا بتایا اور مطمئن ہو کر عقبی نشست سے ٹیک لگا لی۔

ٹینا کے فلیٹ سے تین بلاک کے فاصلے پر اُس نے ٹیکسی رُکوائی اور نیچے اُتر آئی۔ اُس نے پلٹ کر ڈرائیور کو دیکھا اور بغیر ادائیگی کیے آگے چل دی۔ ڈرائیور کو اُس احتجاج کیے بغیر ٹیکسی موڑ کر واپس چل دیا۔ روبی نے رائفل کو اپنی ٹانگ کے ساتھ لگا لیا اور چھوٹے چھوٹے قدم اُٹھاتی عمارت کی عقبی سیڑھیوں کی طرف چل دی۔

ٹینا فلیٹ پر موجود اُسی کی منتظر تھی۔ دروازہ اُسی نے کھولا اور فوراً اُس کے زخم کی طرف لپکی۔ اُس نے کچھ پوچھنے سے پہلے اُس کی عارضی پٹی کھولی اور زخم صاف کرنے لگی۔ تب اُس نے دریافت کیا کہ اُس پر کیا گزری؟

روبی نے جلدی جلدی اُسے پوری کہانی سُنا دی۔

ٹینا نے کوئی مائع شے زخم پر ڈالی تو روبی کے جیسے

Uploaded By

پورے بدن میں آگ بھر گئی۔ اُس کے مُنہ سے بے اختیار سسکاری نکل گئی۔ ہونٹ دبا کر اُس نے بڑی مشکل سے چیخ کو روکا تھا۔

"لڑکی ہو کر بھی تم بہت بہادر ہو۔" ٹینا نے تبصرہ کیا۔ "میں نے تو مرد فوجیوں کو دھاڑیں مارتے دیکھا ہے۔"

ٹینا نے زخم پر پاؤڈر چھڑکا اور پھر پٹی باندھنے لگی۔

"زخم کسی ڈاکٹر کو دکھانے جیسا ہے۔ اس کے بغیر چارہ نہیں۔"

"اور میرے پاس اتنا وقت نہیں۔" روبی نے جواب دیا۔ "بعد میں دکھا دیں گے۔ میں اس زخم کے ساتھ بہتر گھنٹوں تک زندہ رہ سکتی ہوں۔ میں انھیں مکمل طور پر استعمال کرنا چاہتی ہوں۔"

ٹینا محض سر ہلا کر رہ گئی تھی۔ اُس نے روبی کی ضدی طبیعت کا اندازہ کر کے مزید کچھ نہیں کہا۔

"تمہاری ٹیم کیا کر رہی ہے؟" روبی نے ذرا دیر رُک کر پوچھا۔

"ہم بھی حرکت میں آچکے ہیں۔ فردوس انٹیلی جنس بیورو نے دشمن کو اسے وُن قرار دے دیا ہے۔ بھرت لینڈ والے سلنڈر یا جہاز کو جہاں بھی منتقل کریں گے ہمیں پتا چل جائے گا۔"

"مجھے تو جنگ کے آثار نظر آتے ہیں۔" روبی نے کہا۔

"جنگ کے آثار۔" ٹینا نے روبی کے الفاظ دُہرائے۔ اور پھر بڑھ کر اُس کا رُخسار چوم لیا۔ "فی الحال اسے بھول جاؤ۔ تم رات بھر کی جاگی ہوئی ہو۔ چلو سو جاؤ۔"

روبی مسکراتے ہوئے اُٹھ پڑی۔ اس بار اس نے کسی فرمانبردار بچی کی طرح ٹینا کا حکم مانا تھا۔

بہرام اس کیفے میں اس وقت بیٹھا ہوا بڑا عجیب سا لگ رہا تھا۔ خود وہ بھی بے چینی محسوس کر رہا تھا۔ کیونکہ اس کے سوا ہر میز پر جوڑے بیٹھے ہوئے تھے۔ لہٰذا جب ٹائیگر اُس کے برابر والی کرسی پر آکر بیٹھا تو اُس نے سکون کی سانس لی۔ بہرام نے اب بھی کل کا پہنا ہوا لباس ہی زیب تن کر رکھا تھا جس پر جگہ جگہ سلوٹیں پڑی ہوئی تھیں۔

پھر اُوشان بھی آیا اور دوسری میز پر بیٹھ گیا۔ خوش قسمتی سے یہ میز خالی تھی۔ ورنہ اُوشان کو میز خالی کرانے کے لیے کچھ کرنا پڑتا اور فی الوقت بہرام اس کے متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔ وہاں موجود لوگوں نے بہرحال ان تینوں کو دیکھا۔ کسی نے اپنی ساتھی کو بتایا کہ یہ چینی بوڑھا دراصل پوپ ایلی ہیں حصہ لینے والا سنگ مون ہی ہے۔ تاہم ایک ویٹر کا خیال تھا کہ اکیس سالہ پُرانے فیشن کا سُوٹ پہننے والا شخص فلم پروڈیوسر ہے۔ سیاہ ٹی شرٹ والا ڈائریکٹر ہے اور بوڑھا فلم میں فوٹو کا اہم کردار ادا کرنے والا ہے۔

"اب بتائیے مجھے اس وقت گہری نیند سے کیوں بیدار کیا آپ نے؟" ٹائیگر نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ بہرام نے جواب دینے سے قبل ملی ہوئی میز پر اُن کی طرف دیکھا جس نے فوراً سر خم کر دیا اور سر جھکنے سے لگتے لگتے بچا۔ "عظیم شہنشاہ کو عظمتیں ملیں۔ عظیم شہنشاہ کی دانش ابھی جوان ہے۔ تجربات، صد سالہ تجربات کا نچوڑ ہیں اور اس کی طاقت کا کوئی اندازہ نہیں۔"

"ماسٹر اب کیا چاہتا ہے؟" بہرام نے سرگوشی میں ٹائیگر سے پوچھا۔ "یہ جب بھی مجھے شہنشاہ اعظم کہتا ہے تو مجھے ڈر لگنے لگتا ہے کہ اب کوئی نئی فرمائش آنے والی ہے۔"

"فرمائش تو وہ خود کرے گا۔" ٹائیگر نے دھیرے سے کہا۔ "آپ بتائیں کیا مسئلہ ہے؟"

پھر بہرام مسلسل بارہ منٹ تک بولتا رہا۔ اس دوران ٹائیگر کی سمجھ میں صرف اتنا آیا کہ حال ہی میں روسی فردوسیوں کی موت واقع ہوئی ہے لیکن یہ عام فردوسی نہ تھے۔ ان کا تعلق کسی بڑے سلسلے سے تھا اور ان کی اموات یکے بعد دیگرے الگ الگ مقامات پر ہوئی تھیں۔

"تو پھر؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"ان علاقوں سے موصولہ اطلاع میں ایک ایسے شخص کا بھی ذکر ہے جس کا حلیہ تم سے ملتا جلتا ہے۔"

"پھر؟" ٹائیگر نے کسی ردِ عمل کا اظہار نہ کیا۔

"مقتولین کی لاشیں بھی مسخ کر دی گئی تھیں۔" بہرام نے اس بار پہلو بدل کر کہا۔

"کم آن چیف۔" ٹائیگر نے ناک کر سر اُٹھایا۔ "میں اس طرح کام نہیں کرتا اور ویسے بھی میں فری لانس تو ہوں نہیں، آپ پہلے بھی کئی بار اُوشان کو میرے قتل کا حکم دے چکے ہیں۔"

"اوہ۔ سوری۔ ویری سوری ٹائیگر۔ میرا مطلب یہ ہرگز نہیں تھا۔" بہرام کے چہرے پر ندامت کے آثار پیدا ہو گئے۔ "اصل مسئلہ یہ ہے کہ ہمیں یہ پتا چلا ہے کہ دونوں مقتول ایٹمی شعبہ میں ملوث تھے۔"

"کیا؟" ٹائیگر نے بہرام کو بغور دیکھ کر پوچھا۔

"ہمارے پاس یہ یقین کر لینے کے لیے جواز موجود ہے کہ ان اموات کو فردوسی اسلحہ خانہ میں ایک نئے اضافے کے خلاف حملے کا سگنل سمجھنا چاہیے۔" بہرام نے رُک رُک کر اور بہت محتاط الفاظ میں مافی الضمیر بیان کرنا چاہا۔

"ہُوں۔" ٹائیگر نے اس طرح ہاتھ ہلایا جیسے وہ چہرے کے سامنے سے کوئی مکھی اُڑا رہا ہو۔ "ایک بار پھر کہیں لیکن سلیس فردوسی میں۔"

"ان اموات کا تعلق براہِ راست فردوس کے ان نئے اور جدید ترین ہتھیاروں سے ہو سکتا ہے جن کے باعث دُنیا خطرے میں پڑ سکتی ہے۔"

"میں سمجھ گیا۔" ٹائیگر اس طرح بولا جیسے کسی بچے نے دو کا پہاڑا ازبر کر لیا ہو۔ "آپ ایٹم بم کی بات کر رہے ہیں۔" ساتھ ہی اُس نے اُوشان کو اشارے سے قریب بُلا کر بٹھایا اور اس سے کہا۔ "یہ ایٹم بموں کی بات کر رہے ہیں۔ ٹائیل فادر۔"

"شش۔" بہرام نے گھبرا کر اِدھر اُدھر دیکھا۔

"ہاں۔ شش۔" اُوشان نے بھی ٹائیگر کو گھورا۔ "اگر شہنشاہِ معظم ایٹم بموں کی بات کرنا چاہتے ہیں تو میں ایسا کرنے کے لیے ان کے حق کا تحفظ کروں گا۔ آپ بات جاری رکھیں عالی مرتبت! ایٹم بم کی بات کریں۔ میں موجود ہوں۔ کوئی آپ کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔"

بہرام نے طویل سانس لے کر اس طرح چھت کی طرف دیکھا جیسے وہ چھت پھاڑ کر یہاں سے بھاگ نکلنا چاہتا ہو۔

"تب ہمیں کیا کرنا ہے؟" ٹائیگر نے اس مرتبہ سنجیدگی سے مشن کے بارے میں پوچھا تھا۔

"ہمہ وقت چوکس اور برسرِ عمل۔" بہرام نے چند لفظوں میں حکمتِ عملی بیان کر دی۔ "یہ سب کچھ جنگِ عظیم کا ابتدائیہ ہو سکتا ہے۔ دونوں مقتول فردوسی ایٹمی پروگرام سے البتہ تھے اور اب جبکہ یہاں دہشت گرد بے سونڈ کے خطرناک ہاتھیوں کی طرح جھومتے ہوئے پھر رہے ہیں۔ نہ جانے کیا کچھ اور ہو جائے۔ چھوٹا سا واقعہ بھی اس پورے خطے کو اُڑا سکتا ہے... اور اس خطے ہی کو کیا پوری دُنیا کو بھسم کر سکتا ہے۔ یہ پڑھو۔" بہرام نے ایک اخبار کا تراشا ٹائیگر کو دیا۔ یہ کسی انگریزی اخبار کی کٹنگ تھی۔

وادیٔ زرنگار: اسٹاف رپورٹر) نوجوان ماہرینِ آثارِ قدیمہ کو یہاں اس وقت ایک مسخ شدہ لاش ملی جب وہ قدیم آثار کی تلاش میں کھدائی کرا رہے تھے۔ لاش پر ایک پڑوسی مُلک کی انتہا پسند تنظیم کا نشان بھی کھودا گیا تھا۔ اگرچہ فردوسی حکام اس ضمن میں مسلسل خاموشی اختیار کیے ہوئے ہیں لیکن پتا چلا ہے کہ یہ لاش صادق آباد کے ایک ممتاز صنعتکار سلیم احمد کی ہے۔ ایک سرکاری ترجمان شاہ حمید نے بتایا ہے کہ امکان غالب ہے کہ یہ لاش غیر مُلکی انتہا پسندوں یا دہشت گردوں نے کسی حملے کے بعد یہاں پھینک دی ہو۔ اس صورتِ حال سے بہرحال نئے آثار کی تلاش کی مہم خطرے میں پڑ گئی ہے۔ فردوسی حکومت نے قتل کی وجہ اور مقصد پر تو کوئی خیال ظاہر کیا ہے اور نہ ہی کسی کو گرفتار کیا ہے۔

ٹائیگر نے پورا تراشا ذہن نشین کر لینے کے بعد بہرام کو واپس کر دیا۔

"اور یہ دوسرا قتل نیویارک میں ہوا ہے۔ مقتول کا نام محمد کفیل ہے۔" بہرام نے جواب دیا۔

"تب پھر ہم کہاں جائیں، نیویارک یا وادیٔ زرنگار؟" ٹائیگر نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا۔

"وادیٔ زرنگار۔" بہرام نے ایک طویل سانس لے کر جواب دیا۔ "میری اطلاعات کے مطابق جو کچھ ہو رہا ہے وہ فردوس ہی میں ہوگا اور وادیٔ زرنگار کے قریب تو ایٹمی مرکز بھی ہے۔"

"ویسے روبی نے اپنا کام شاندار طریقے سے مکمل کیا ہے چیف۔" ٹائیگر کھوئے کھوئے سے لہجے میں بولا۔

"ہاں۔ وہ۔" بہرام نے فوراً سختی سے مُنہ بند کر لیا۔ کیونکہ بہرحال وہ یہ تصدیق کرنا نہیں چاہتا تھا کہ بھرتلینڈ میں اسلحہ ڈپو کی جوابی تباہی روبی کی بھرپور منصوبہ بندی کا ہی نتیجہ ہے۔

"واہ ری زرنگار!" اُوشان چہک کر بولا۔ "میں کتنی بار فردوس آیا ہوں لیکن وہاں کبھی نہیں گیا مگر میری کتابوں میں لکھا ہے کہ ایک ماسٹر نے وہاں کا دورہ بھی کیا ہے۔ سُنا ہے کہ اس وقت کے شہنشاہ نے جس کو نئی تاریخ نے مسخ کر کے پیش کیا ہے۔ بروقت ادائیگیاں کیں اور مقررہ نذرانے سے بڑھ کر نذرانے پیش کیے۔ اس نے دوسروں بادشاہوں کے برعکس کبھی وعدہ خلافی یا کنجوسی نہیں دکھائی۔"

بہرام، اُوشان کی ان شکایتوں کو نظر انداز کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کھڑا ہو گیا۔ "ایگزالپوری کوشش کر کے یہ معلوم کرو کہ کیا ہونے والا ہے اور جو ہونے والا ہے اُسے ہر قیمت پر روکو۔" پھر وہ ہمت کر کے اُوشان کی طرف پلٹا۔ "خدا حافظ ماسٹر۔ خدا آپ کو تندرست اور توانا رکھے۔"

وہ پلٹا ہی تھا کہ اُسے اُوشان کی مخصوص آواز سُنائی دی۔ "میں آپ کی اس دُعا کے بعد مالا مال ہو گیا ہوں میرے آقا۔ میرا دل خوشی سے پھٹا جا رہا ہے۔ میرے جسم میں نئی توانائی دوڑ گئی ہے۔ میں آپ سے معاوضہ میں اضافے کے لیے کبھی خود نہیں کہوں گا حالانکہ آج کل مہنگائی چوبیس اعشاریہ تین چار تین دو فیصد بڑھ گئی ہے۔"

"آپ کو اُفق کے پار کے نئے وڈیو کیسٹ کل ہی مل جائیں گے ماسٹر۔" بہرام نے ٹائیگر کے اشارے دیکھ کر حقیقت حال سمجھتے ہوئے یقین دلایا۔

"شہنشاہ عظیم ہے۔"

"اور تمام قسطیں ملیں گی۔ بارہ کیسٹوں میں۔"

"شہنشاہ عظیم تر ہے۔" اُوشان سرنگوں ہو گیا۔

☆

آنکھ کھلتے ہی روبی کو پہلا احساس خوشبو کا ہوا۔ اُس نے نتھنے پھلا لیے۔ انڈے تلے جانے کی خوشبو تھی۔ جو یقینی طور پر ٹینا کے چھونے سے باورچی خانے سے آ رہی تھی۔ اُس نے اُٹھنے کی کوشش کی لیکن نقاہت کے باعث اپنی اس کوشش میں کامیاب نہ ہو سکی۔

اُس کے حلق سے یقینی طور پر کراہ بھی خارج ہوئی تھی کیونکہ ٹینا فوراً ہی باورچی خانے سے نکل کر اُس تک پہنچی تھی۔ اُس نے ہاتھ سے روبی کے رُخسار کو چھُوا۔

"مائی گاڈ!" اُس نے فوراً ہی ہاتھ اُٹھا لیا۔ "تمہیں کم از کم ۱۰۲ ڈگری بخار ہے۔ میں ابھی ڈاکٹر کو بُلواتی ہوں۔ ہم تمہارے خون میں زہر پھیلنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے۔"

روبی نے نفی میں سر ہلایا اور دوبارہ اُٹھنے کی کوشش کی لیکن اس سعیٔ لاحاصل میں ساری دُنیا اُس کی نگاہوں کے سامنے گھوم گئی اور اُس نے دوبارہ اپنا سر تکیے پر ٹکا دیا۔

"وہ ڈاکٹر ہمارا اپنا آدمی ہے۔" ٹینا نے اُسے بتایا۔ "وہ پولیس کو رپورٹ نہیں کرے گا کہ تم گولی لگنے سے زخمی ہوا اور پھر اُس کے پاس مناسب ادویات بھی موجود ہیں۔"

روبی نے محض سر ہلا دیا۔ وہ خود نہیں سمجھ پائی تھی کہ یہ اثباتی جنبش تھی یا انکاری۔ اُسے یُوں لگا جیسے کوئی اُس کے سر پر ہتھوڑے چلا رہا ہو۔ پورا جسم بھی آگ میں جلتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ اُسے اس بات پر حیرت تھی کہ آخر ایک گولی کے زخم سے یہ سب کچھ کیوں ہو رہا ہے؟

ٹینا باورچی خانے سے ٹرے اُٹھا لائی اور پھر اُس نے سہارا دے کر روبی کو نیم دراز پوزیشن میں بٹھا دیا۔ اُسی وقت اُس کے فون کی گھنٹی بجی تو وہ اُس کی طرف بڑھ گئی۔

"یس۔" وہ ماؤتھ پیس میں گنگنائی اور پھر دوسری طرف موجود شخص کی بات سُننے لگی۔ چند ہی لمحوں بعد اُس نے یہ کہہ کر کہ وہ سمجھ گئی ہے۔ ریسیور واپس رکھ دیا اور اس کی طرف دیکھا اور پھر آہستہ آہستہ ناشتا کرنے لگی۔

"بیس منٹ میں یہاں سے روانہ ہو رہی ہوں۔" ٹینا نے اُسے آگاہ کیا۔ "بعض نئی باتیں سامنے آئی ہیں۔ دس بجے یہاں آئے گا۔ اس کا بندوبست کر لیا گیا ہے۔ میں کھلا چھوڑ جاؤں گی۔ جب وہ چلا جائے تو اندر سے مستقل کر لینا۔" اس نے ایک ذمہ دار ماں کی طرح ہدایات دیتا کی۔ ٹینا نے آگے بڑھ کر دونوں ہاتھوں میں اُس کا چہرہ تھام لیا۔

"جب تک پیسلین اثر نہیں کرتی، تم بستر سے قدم نہیں اُتارو گی جان، سمجھیں؟" روبی نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

بھرت لینڈ کے بعض فوجی اڈوں پر زہریلی گولیاں موجود ہیں اگر وہ کسی کے جسم میں گھس جائیں یا زخمی کر جائیں تو چار گھنٹوں میں موت واقع ہو سکتی ہے لیکن اگر گولی محض رگڑ کھاتے ہوئے گزر جائے، جیسا تمہارے ساتھ ہُوا ہے تو مضروب کو شدید بُخار ہو جاتا ہے۔ جو کم و بیش ایک ہفتہ جاری رہتا ہے اس لیے احتیاط کرنا۔"

"شکریہ۔" روبی نے آہستگی سے کہا۔ اُسے بولنے میں بھی دقت محسوس ہو رہی تھی۔

ٹینا نے اُس کے رُخسار پر اپنی محبت کا نشان ثبت کیا اور اُسے ناشتا ختم کرنے کا اشارہ کر کے خود کچن میں گھس گئی۔

پانچ منٹ بعد جب وہ باہر نکلی تو مختلف لباس پہنے ہوئے تھی۔ اس مرتبہ اُس نے گہرے سبز رنگ کا اسکرٹ اور فوجی طرز کی شرٹ پہن رکھی تھی۔ سر پر گہرے رنگ کا ہیٹ اور شرٹ پر سبز رنگ کا ہی بلیزر تھا۔

"میں جنرل بھگت راؤ سے ملنے جا رہی ہوں۔ وہ بہت پُرجوش ہے اور اس کی خواہش ہے کہ میں آج شرمیں پر ہونے والا ایک تجربہ دیکھوں۔ غالباً کوئی ٹیسٹ ہے۔ میں تمہیں چھوڑ کر کبھی نہ جاتی لیکن اُس نے بے حد اصرار کیا ہے۔ پھر بھی دو بجے تک میں لوٹ آؤں گی۔" وہ جملہ ناتمام چھوڑ کر رُکی اور پھر گویا ہوئی۔ "تم بستر سے اُترو گی نہیں۔"

روبی نے سر ہلا دیا۔ وہ جانتی تھی کہ کوشش کے باوجود بھی فوری طور پر وہ حرکت کے قابل نہیں تھی۔

☆

اودھ پُور کے اسٹریس پر ٹینا نے اس سے پہلے اتنا بڑا اجتماع کبھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ اس سے قبل بھی اس طرح کی تین چار نمائشیں دیکھ چکی تھی۔ ایک مشین گن فائرنگ کی تھی جبکہ دوسری نئے دھماکہ خیز مادے کا ٹیسٹ رن تھا۔ جنرل بھگت راؤ نے نہ صرف اُسے اپنے پہلو والی کرسی پر بٹھایا تھا بلکہ وہ اُسے خود پارکنگ سے اسٹریس کی حدود کے فاصلے پر لایا تھا۔ جنرل کے ساتھ ہونے کی وجہ سے اُس کی تلاشی بھی نہیں لی گئی تھی بلکہ گیٹ پر متعین سنتریوں نے سلامی بجا کر جنرل کو اور اُسے سلیوٹ کیا تھا۔

اُن کی آمد سے پہلے ہی مختلف ہتھیاروں کی نمائش لگی تھی۔ جن میں کندھے پر رکھ کر چلائے جانے والے راکٹوں اور ٹینکوں کی کارکردگی کا مظاہرہ بھی شامل تھا۔ یہ راکٹ لانچر بھرت لینڈ کی اسلحہ ساز فیکٹریوں کے تیار کردہ تھے۔ اس کے بعد وہ شفاف پلاسٹک بکس لائے گئے۔ جن میں سے ایک میں ایک مل جُل نسل کا کُتا اور دوسرے میں ایک چُوہیا بند تھی۔

جنرل احمد حسن اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑا ہُوا وہ بظاہر اپنے ہاتھوں سے پایۂ تکمیل تک پہنچانا چاہتا تھا۔

"خواتین و حضرات! اس وقت ہم مادی اور کیمیائی جنگی ہتھیاروں کی ٹیسٹنگ کے آخری مراحل میں ہیں لیکن یہ ہتھیار صرف اُسی صورت میں استعمال کیے جائیں گے جب فردوس یا اس کا کوئی اور حلیف مُلک ہم پر حملے میں پہل کرے گا۔ اگر کسی بھی دُشمن نے یہ حماقت کی تو ہم دوسری جنگِ عظیم میں استعمال ہونے والی زہریلی گیس سے زیادہ مُہلک گیس استعمال کریں گے۔ اب آپ شیشے کے شفاف بکس میں موجود چُوہیا کو دیکھیں۔ ٹیکنیشن ایک والو کے ذریعے ایک بے رنگ بے ذائقہ گیس اندر انجیکٹ کریں گے۔ جونہی گیس اندر داخل ہو گی۔ چند ہی سیکنڈ میں چُوہیا مر چکی ہو گی۔ آیئے دیکھیں۔"

"میرا خیال ہے مجھے چلنا چاہیے۔" ٹینا نے جنرل بھگت سے کہا۔ وہ ایک عورت ہونے کے ناتے اپنی فطری لیکن مصنوعی بُزدلی کا مظاہرہ کر رہی تھی۔

"ہش۔" جنرل نے اُسے چُپ کرا دیا۔ "دیکھو اور کچھ سیکھو۔" ٹیکنیشن نے اپنا ہاتھ جھکایا اور سیکنڈ گننے شروع کر دیے۔

"ایک، دو، تین، چار۔۔۔" وہ رُک گیا۔ بکس میں موجود چُوہیا مر چکی تھی۔

"چار سیکنڈ۔" جنرل حسن چلایا۔ "کیا آپ لوگوں نے دیکھا؟ گیس نے چار سیکنڈ میں اس ننھے مُنے جانور کو موت کے گھاٹ اُتار دیا لیکن بڑے جانور پر اس کے کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟ دو مختلف نسل کا یہ کُتا گلیوں سے پکڑا ہے اور اس کا وزن ساٹھ پاؤنڈ ہے۔ ہم اس پر بھی یہی طریقہ کار آزمائیں گے۔"

والو پھر کھولا گیا اور سفید اوورآل پہنے ہوئے شخص نے گنتی شروع کی۔ اس بار اُس نے نوٹنکی کُتا اور کُتا اپنی زندگی کی جنگ ہار کر ایک جانب لڑھک گیا۔

Uploaded By Nadeem

ٹینا کو عورتوں کی فطری بزدلی کا مظاہرہ کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی لیکن یہ بھی اُس کی بے داغ اداکاری کا ایک حصّہ تھا۔ اُس نے اپنا منہ جنرل کے شانے میں چھپا لیا۔ جنرل نے ہنس کر اُس کے بالوں کو بے ترتیب کیا اور اُسے لے کر تجرباتی ہینگر سے باہر نکل آیا۔

"میرے پاس کچھ خبریں ہیں جو میں جلد ہی تمہیں بتاؤں گا۔" جنرل بھگت نے کہا۔ "اہم خبریں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مجھے دوسرا اشارہ مل جائے۔"

ٹینا نے انتہائی لگاوٹ کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایک دوسرے ہینگر کی طرف اشارہ کیا۔

"یہ تمام فوجی اس عمارت کے گرد کیوں کھڑے ہیں۔ وہاں اتنی قیمتی شے کیا ہے؟ صدرِ مملکت یا وزیرِ اعظم؟" جنرل ہنس دیا۔

"وہاں جو کچھ ہے وہ کسی بھی سیاستدان یا حکومت کے اعلیٰ عہدیدار سے زیادہ قیمتی ہے۔ وہاں ایک ایسا ہتھیار ہے جو فردوس کے خلاف جنگ میں ہماری کامیابی کی ضمانت ہوگا۔ اس کے استعمال سے ہم مملکت فردوس کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے صفحۂ ہستی سے مٹا دیں گے۔"

"میں جنگ سے نہیں ڈرتی بس جنگ سے اس لیے خوف آتا ہے کہ آپ مجھ سے دُور چلے جائیں گے، ویسے میرے خیال میں یہ جلد ہی شروع ہونے والی ہے۔"

جنرل دوبارہ ہنسا۔ ساتھ ہی اُس نے نفی میں سر ہلا دیا۔ "یہ میں تمہیں نہیں بتا سکتا۔ اب میں تمہیں ایک ٹیکسی میں گھر بھجوا دیتا ہوں کیونکہ مجھے کل صبح سے پہلے بہت سارے کام نمٹانا ہے، اب تم جاؤ۔"

وہ مُڑا اور پیچھے دیکھے بغیر آگے بڑھتا چلا گیا۔ ٹینا نے زبان نکال کر عقب سے اُس کا مُنہ چڑایا۔ حالانکہ وہ جانتی تھی کہ دوسرے لوگ اُسے دیکھ رہے ہیں۔

جلد ہی وہ ایک ٹیکسی لے کر واپس اپنے اپارٹمنٹ پر پہنچ گئی۔ جب اُس نے دروازہ کھولا تو اُس وقت دوپہر کے دو بجنے والے تھے۔

"گولی مت چلانا۔ میں یہیں رہتی ہوں۔" اُس نے اندر داخل ہوتے ہوئے بلند آواز میں کہا۔

"میں گولی نہیں چلاؤں گی، چلی آؤ۔" روبی نے جواب دیا جو ایک کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی۔

"میں نے تمہیں بستر پر لیٹے رہنے کے لیے کہا تھا۔" ٹینا نے اُسے آنکھیں دکھائیں۔

"ڈاکٹر نے مجھے معمولی نقل و حرکت کی اجازت دی تھی نانی اماں۔" روبی نے ہنستے ہوئے کہا۔ "اُس نے اپنی لمبی سی سرنج سے مجھے تین انجکشن دیے ہیں۔"

"یہی تو میں چاہتی تھی۔" ٹینا نے آگے بڑھ کر اُسے چپڑایا اور اس کا بہ نظرِ غائر جائزہ لیا۔ وہ پہلے سے بہتر لگ رہی تھی پھر بھی صبح سے پہلے اُس کے صحت یاب ہونے کے امکانات کچھ کم ہی تھے۔ ٹینا اُس کے برابر بیٹھ گئی اور پھر اُن تجربات کے بارے میں بتانے لگی جو وہ دیکھ کر آئی تھی۔

روبی نے کرسی سے اُٹھنے کی کوشش کی لیکن ہلکی سی نقاہت کے دوبارہ بیٹھ گئی۔

"رات کو میں سہارا دے کر تمہیں چلاؤں گی۔ اس وقت تمہیں نیند اور آرام کی ضرورت ہے۔ لہٰذا چلو بستر پر آرام کرو۔"

روبی نے اثبات میں سر ہلا دیا کیونکہ وہ خود بھی صبح تک محوِ خواب ہونا چاہتی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ ٹینا کے ساتھی جب حملہ کریں تو وہ اُن کے شانہ بشانہ ہو۔ یعنی صبح دو بجے تک اُسے ہر حال میں اپنے قدموں پر کھڑا ہوا تھا اور دو بجنے میں صرف بارہ گھنٹے باقی تھے۔

روبی بستر پر لیٹی تو ٹینا فون کی طرف بڑھ گئی۔ تھوڑی دیر بعد وہ اُس تک پہنچی۔ ہیٹ ابھی تک اُس کے سر پر موجود تھا۔

"آخری اجلاس۔" اُس نے روبی کو آگاہ کیا۔ "بعض اہم اور اہم فیصلے کرنے ہیں جو فون پر نہیں ہو سکتے۔ میں ایک گھنٹے سے زیادہ دیر غائب نہیں رہوں گی۔ تم آرام کرو۔" وہ اُس پر جھک آئی اور اُس کے ماتھے اور آنکھوں کا بوسہ لے لیا۔ "سو جاؤ تاکہ رات کے حملے کے وقت تم تازہ دم ہو کر ہمارا ساتھ دے سکو۔"

ٹینا دروازے کی طرف بڑھ گئی اور روبی پیار بھری نظروں سے اُس کا جائزہ لیتی رہی۔ وہ نرس سے زیادہ ایک اچھی دوست ثابت ہو رہی تھی۔

تھوڑی دیر وہ چھت کو گھورتی رہی اور پھر اُس نے آنکھیں بند کر لیں۔ چند لمحوں میں وہ سو چکی تھی۔

✣

وادیٔ زرفشاں کے پہاڑی علاقے میں دو شہر ناظم آباد اور کہکشاں واقع تھے۔ یہاں فردوسی زمینیں سونا اگلتی تھیں، ریوڑ پالتے تھے اور سنگترے کے باغوں سے کثیر سرمایہ حاصل کرتے تھے۔ یہاں کے لوگوں کی خوش حالی مثالی تھی جبکہ خلیجِ آدم علاقے کی مصروف ترین بندرگاہ تھی۔ خرید و فروخت کے اہم مراکز یہیں تھے اور بندرگاہ کے بعد دُور دُور تک گودام، فاؤنڈریز، تیل صاف کرنے کے کارخانے، کھاد بنانے کی فیکٹریاں، ٹیکسٹائل ملز اور گلاس پلانٹوں کی چمنیاں نظر آتی تھیں۔ اس پورے علاقے کو صادق آباد ڈویژن قرار دیا گیا تھا۔ یہاں خوش حالی اور بود و باش میں فرق ہونے کے باوجود ذہنی ہم آہنگی تھی۔ صادق آباد کے لوگ نئے اور پرانے علاقوں میں تقسیم ہونے کے باوجود متحد تھے۔

ادھر وادیٔ زرنگار بھی کوئی چھوٹی بستی نہیں تھی بھرپور شہر پر مشتمل تھی۔ یہیں ایک دفتر میں لوگوں کا ایک گروپ فردوس کے ایٹم بموں کی حفاظت اور ضرورت کی صورت میں ان کے استعمال کا ذمے دار تھا۔ یہ نہ صرف پڑوسی بھرت لینڈ سے تھی جس کو امریکی اثرات فردوس کا بہترین دوست پڑوسی ملک قرار دینے کی کوشش کرتے تھے لیکن انہی اخباروں میں فردوس میں ہونے والے ایسے دھماکوں کی خبریں بھی شائع ہوتی تھیں جن میں بچے، بوڑھے، عورتیں اور مرد بھی مرتے تھے۔ آخری خبر مسلم آباد میں بربادی سے متعلق شائع ہوئی تھی۔ دفتر میں ایک دروازے پر ایک طرف تختی پر لکھا تھا "مسلم آباد کی بربادی کو فراموش نہ کیا جائے۔" اس کے نیچے تنظیم کا نام "تحفظِ آزادی" لکھا تھا۔

دفتر میں کام کرنے والا گروپ بظاہر آثارِ قدیمہ کا مطالعہ کرنے والی ٹیم تھی لیکن اس کا اصل کام یہ یقینی بنانا تھا کہ خود فردوس کو آثارِ قدیمہ میں بدلنے کی سازشیں کامیاب نہ ہو سکیں۔

اندر ایک شخص میز پر پیر رکھے ہوئے بیٹھا تھا۔ اس کی کوشش شاید یہ تھی کہ اس کے چہرے کا دایاں حصّہ نظر آئے۔ اسے اُسی حصّے میں کھجلی ہو رہی تھی لیکن اس نے کہا تھا کہ ڈاکٹر زبیری بس کھجانا مت! نظری اعتبار سے تمہارے چہرے کا دایاں حصّہ ہے ہی نہیں۔ وہاں تو بس گوشت کے اُبھرے، دبے اور بے ہنگم لوتھڑے تھے۔ اُس کی دائیں آنکھ بھی غائب تھی۔ اُس کی جگہ آنکھ کے کاسے میں شیشے کی ایک چمکدار گولی رکھ دی گئی تھی جو بعض اوقات اصلی آنکھ سے بھی زیادہ چمکتی تھی۔ ناک، دایاں نتھنا کسی ڈھیر پر سوراخ ہی لگتا تھا۔ جب کہ مُنہ کے دائیں حصّے کو پلاسٹک سرجری کے ذریعے ٹھیک کیا گیا تھا۔

وہ دراصل صوتی بم کا شکار ہوا تھا۔ کسی نے ایک سال قبل دفتر کے باہر کاٹھ کباڑ میں ایک خراب صوفہ ڈال دیا تھا اور جونہی ڈاکٹر زبیری دفتر سے نکل کر بائیں طرف پلٹا تو صوفہ دھماکے سے پھٹ گیا تھا۔ بارود، پلاسٹک اور پیتل کے بہت سے ٹکڑے چہرے کے دائیں حصّے سے لگ کر گزر گئے تھے۔ اس کے باوجود وہ یقینی موت سے بچ گیا تھا جب کہ اس کے ارد گرد چلنے والے بارہ افراد اجل کے مضبوط ہاتھوں کی گرفت میں آ گئے تھے۔ وزیرِ اعظم نے اس حملے کو معصوم شہریوں پر بزدلانہ حملہ قرار دیا اور صدر نے بھی دل کھول کر اس کی مذمت کی تھی۔ امریکی سفیر نے جو عالمی منڈی میں تیل کی قیمتوں کے مسئلے اور سیاستدانوں سے تعلقات بہتر بنانے کے مسائل ورثے میں لے کر آیا تھا۔ اس دھماکے پر کسی قسم کا ردِ عمل ظاہر نہیں کیا۔ لیسیا نے اُسے مایوس کُن صورتِ حال قرار دیا۔ جبکہ بھرت لینڈ نے خاموشی اختیار کیے رکھی۔

زبیری نے چرمی کرسی کی بھوری پُشت گاہ سے سر لگا دیا اور بالوں میں اُنگلیاں پھیرنے لگا کہ اُس کا فرسٹ ڈپٹی شاہ حمید اپنی یومیہ رپورٹ کے ساتھ داخل ہوا۔

"آہ۔ تم۔ تمہیں دفتر میں پھر سے دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ چھٹیاں کیسی گزریں؟"

"بہت بہترین جناب۔" شاہ حمید نے جواب دیا۔ "آپ بھی بہت بہتر لگ رہے ہیں۔"

"تم کہتے ہو تو یقین کیے لیتا ہوں۔" زبیری نے جواب دیا۔ زبیری تنظیم تحفظِ آزادی کا ڈائریکٹر، ایٹمی توانائی کے شعبے کا کنٹرولر اور اس کے آثارِ قدیمہ والے بہروپ کا سربراہ بھی تھا۔ "میں نے ابھی آئینہ میں دیکھنے کی کوشش کی تھی۔ خود کو بہت اچھا لگا لیکن صرف دائیں گال پر سُرخ

Uploaded by Nadeem

سُرخ گوشت بھلا نہ لگا۔"

شاہ حمید ہنس پڑا۔ پھر اُس نے گرین ڈیسک کے برابر والی آرام دہ کرسی سنبھال لی۔ "گھر میں سب خیریت ہے؟"

"ہاں۔ ہمیشہ کی طرح۔ دراصل گھر والوں کی خوشیاں ہی میرے لیے جینے کا سامان پیدا کرتی ہیں۔ میری بیوی کی آنکھوں کی روشنی کبھی نہیں بجھتی۔۔۔ اور میری سب سے چھوٹی بیٹی کو اس ساہ کتھک ڈانس سیکھنے کا جنون چڑھ گیا ہے۔ یہ اب تک کی مجموعی رپورٹ ہے۔ باقی۔۔۔ باقی۔۔۔"

زبیری کی نرم گوئی اس کے چہرے کی تمام خامیوں کو چھپا لیتی تھی۔ وہ سپاہی تھا، جاسوس تھا۔ ایک جنگ کا ہیرو تھا۔ ایک مشاق قاتل تھا اور انتہائی جنونی فردوسی تھا۔ ساتھ ہی اس میں بہترین شوہر، مشفق باپ اور عوامی دلکشی کی خصوصیات بھی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھیں دھماکے سے منہ کو بھی نقصان پہنچا تھا لیکن وہ بآسانی اپنا مفہوم بیان کر دیا کرتا تھا اور سب سے بڑی بات یہ کہ اُسے کسی قسم کا احساسِ کمتری نہیں تھا۔

"میرا خیال ہے کہ تم بھی شادی کر لو شاہ۔" زبیری نے مسکرا کر کہا۔ "میں نے کہیں پڑھا تھا کہ آدمی اس وقت تک آدمی نہیں بنتا جب تک وہ بیوی بچوں والا نہ ہو جائے۔"

"لیکن میں نے بھی کہیں پڑھا تھا کہ بے وقوف لوگ جلدی شادی کر لیتے ہیں۔"

"خیر۔" زبیری قہقہہ لگا کر ہنسا تو اس کا چہرہ اور ریگزار گیا۔ "اب تم سناؤ کیا کیا خبریں لائے ہو؟"

"ہمارے سمندر پار ایجنٹوں کی رپورٹیں موصول ہوئی ہے۔" شاہ حمید نے ایک فولڈر کھول کر کہا۔ "دو غیر ملکی ایجنٹ ملک میں داخل ہوئے ہیں۔"

"تو اس میں نئی بات کیا ہے۔ سرحد پار سے ایسے ایجنٹ آتے ہی رہتے ہیں۔"

"ایجنٹوں کا خیال ہے کہ وہ دونوں انتہائی غیر معمولی اہلیت کے حامل ہیں۔" شاہ حمید نے جواب دیا۔

"ہوں۔" زبیری بہت سنجیدہ ہو گیا۔ "ان کا مشن کیا ہو سکتا ہے شاہ؟"

"ہمیں یہ علم نہیں ہو سکا۔"

"ان کا تعلق کس ایجنسی سے ہے؟"

"یہ بھی پتا نہیں۔"

"وہ کہاں سے آئے ہیں؟"

"اس بارے میں ہم معلومات حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں لیکن بظاہر وہ اچانک ہی نظر آنے لگے ہیں۔"

"ان کی دو آنکھیں ہیں یا تین؟"

"دو، دو۔" شاہ حمید نے بھی بھرپور سنجیدگی سے جواب دیا۔ "اس طرح کل ملا کر چار آنکھیں ہوئیں۔"

"واہ۔" زبیری ہنس پڑا۔ "ٹھیک۔ بالکل ٹھیک۔ اب یہ تو بتاؤ کہ ہمیں ان کے بارے میں کیا کچھ معلوم ہے؟"

"ان میں سے ایک نام شہزاد ہے۔ یہ پتا نہیں کہ یہ نام اصل ہے یا عرفیت۔ رنگت امریکیوں کی طرح سُرخ و سپید ہے۔ دوسرا اُدھان ہے۔ ہماری اطلاع کے مطابق وہ کل یہاں پہنچ رہے ہیں۔ واشنگٹن میں ہمارے سفیر نے کل ہی صدر سے ملاقات کی تھی اور اسی ملاقات میں یہ انکشاف ہوا کہ وہ دونوں یہاں ہیں۔"

"امریکی صدر نے بھلا یہ کیوں بتایا؟"

"محض یہ ثابت کرنے کے لیے کہ وہ ہمارے ملک کا کس قدر مخلص دوست ہے۔" شاہ حمید نے جواب دیا۔

"ہوں۔" زبیری نے ہنکارا بھرا۔ "ہمارا مسئلہ یہ ہے کہ زیادہ ایجنٹوں کے آجانے سے ہمیں یہ اندازہ نہیں ہو پاتا کہ ان کی آمد معنی خیز ہے یا انتہائی اہم۔"

شاہ حمید نے سر اُٹھا کر دیکھا۔ زبیری کے چہرے پر سنجیدگی طاری تھی۔ "یہ لوگ یقیناً وہیں سے آئے ہیں جہاں محمد کفیل کا قتل ہوا ہے۔"

زبیری سے دائیں گال کا گوشت اور زیادہ سُرخ ہو گیا اور ہم یہاں دادیٔ زرنگار میں بیٹھے ہیں، جہاں ڈاکٹر سلیم احمد جیسے قابل شخص کو شہید کر دیا گیا ہے۔" میں سمجھ گیا شاہ اور اس بات کو ذہن میں بھی رکھوں گا۔ ان دونوں افراد پر ایک ایجنٹ لگا دو۔ میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ وہ یہاں کیا گل کھلانے آئے ہیں؟"

"مجھے ریت پر کوئی چیز چلتی ہوئی نظر آ رہی ہے۔" شاہ حمید نے کہا۔ وہ حالات کی سنگینی کا اظہار کرنے کے لیے بالعموم یہی محاورہ استعمال کرتا تھا۔ "پہلے ہمارے دو آدمی کا قتل ہوا پھر بھرت لینڈ اور کیونسٹ بلاک کے دو ایجنٹ نقل و حمل میں اضافے کی اطلاعات ملیں۔ پھر یہ شہزاد اور اُدھان نمودار ہوئے۔ میرا تجزیہ یہ ہے کہ ان تمام

واقعات کے ڈانڈے آپس میں ملتے ہیں۔"

زبیری کا ہاتھ داہنے گال تک گیا لیکن اُس نے فوراً ہی ہاتھ ہٹا بھی لیا۔ "میں ان باتوں سے اعلم بھی نہیں ہوں۔ ہم ہر راستے کی نگرانی کریں گے ان دونوں کا تعاقب کریں گے۔ اگر یہ ہمارے سامان کے لیے خطرہ ثابت ہوئے تو پھر ان سے نمٹنے میں کوئی تساہل نہیں برتا جائے گا۔"

"بہت بہتر۔" شاہ حمید نے سر ہلا دیا۔

"ہاں۔ اور سناؤ۔ تم نے کوئی نئی نظم یا غزل لکھی شاہ؟"

شاہ حمید کا چہرہ خوشی سے گلنار ہو گیا۔

*

جب روبی کی آنکھ کھلی تو اُس وقت کچن سے برتنوں کے بجنے کی آوازیں سُنائی دے رہی تھیں۔ وہ بڑی گہری نیند سوئی تھی۔ اُس نے سر گھما کر دیوار گیر گھڑی کی جانب دیکھا شام کے چھ بج رہے تھے۔ آہستہ آہستہ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

وہ پہلے کی نسبت اب خود کو خاصا بہتر محسوس کر رہی تھی۔ بخار بھی ہلکا تھا اور اُٹھتے وقت اُس کا سر بھی نہیں چکرایا تھا۔ اُس نے پہلو بدل کر اپنے پیر بستر سے نیچے لٹکا کر فرش پر جمائے اور اٹھنے کی کوشش کرنے لگی۔ ایک لمحے کے لیے تو کمرہ اُسے گھومتا ہوا محسوس ہونے لگا لیکن پھر ہر شے اپنی جگہ پر واپس آ گئی۔ وہ اپنے پیروں پر کھڑی ہونے میں کامیاب ہو گئی تھی۔

"جاسوس لڑکی۔" روبی نے ٹینا کو پکارا اور ٹینا فوراً ہی روشن روشن آنکھیں لیے کمرے میں آموجود ہوئی۔

"ونڈر فل۔" ٹینا چہکی اور آگے بڑھ کر روبی کے پہلو میں آ گئی۔ پہلے چند قدم تو روبی نے اُسی کے سہارے سے اُٹھائے لیکن پھر اُسے کسی سہارے کی ضرورت نہ رہ گئی اور وہ اپنی قوتِ ارادی کے بل بوتے پر پورے کمرے میں گھومتی رہی۔

کچھ دیر بعد وہ تھک کر کرسی پر جا بیٹھی۔ ٹینا اُسے دیکھ کر یوں خوش ہو رہی تھی جیسے سال بھر کے بچے کو پہلی بار قدم اُٹھاتے دیکھ کر ماں خوش ہوتی ہے۔

"تمہاری فائٹنگ بریفنگ کیسی رہی؟"

"ٹھیک ٹھاک تھی۔" ٹینا نے جواب دیا۔ "تفصیل تمہیں میں کھانے کے بعد بتاؤں گی۔ فی الحال اسی قدر سن لو کہ ہم اٹھارہ میں پر اپنا پہلا حملہ صبح چار بجے کریں گے۔"

"میں تیار رہوں گی۔"

"کیا؟" ٹینا نے حیرت سے اُسے دیکھا۔ "تم بھلا کیسے تیار ہو سکتی ہو، چلو تم سے جاتا نہیں۔ میں تمہیں کسی خطرے میں جھونکنے کے لیے ہرگز ہرگز تیار نہیں ہوں۔"

"ارے۔ تم بھی کمال کرتی ہو، صبح چار بجے تک تو میں دس سیکنڈ میں سو گز کی دوڑ جیتنے کے قابل ہو جاؤں گی۔ تم میرے ساتھ دوڑ لگاؤ گی؟"

"پہلے ہم چلنے کی مشق۔۔۔"

"تم تو یوں سمجھ رہی ہو جیسے میں ابھی ابھی چلنا سیکھی ہوں۔" روبی نے ہنستے ہوئے اُس کا جملہ کاٹ دیا۔ "یہ سب مجھ پر چھوڑ دو۔ تم یہ بتاؤ کہ تمہارے پاس انٹرفیلڈ کا کوئی نقشہ ہے، جس میں اہم جگہوں اور ٹارگٹس کی نشاندہی کی گئی ہو اور کیا یہ بات کنفرم ہے کہ گیس ابھی تک ہینگر نمبر بارہ میں ہی موجود ہے؟"

"ہم نے اپنی ساری محکمہ عملی طے کر لی ہے، آپریشن میں ہمارے ساتھ سے زیادہ افراد حصہ لیں گے۔ تازہ ترین معلومات کے مطابق گیس سلنڈروں کو ایک بڑے ٹرک میں منتقل کر دیا گیا ہے اور اسے ایک خصوصی علاقے میں زبردست حفاظت کے ساتھ رکھا گیا ہے۔ پرواز کے وقت سے پہلے یہ ٹرک باری باری چاروں جیٹ طیاروں تک جائے گا اور یہ سلنڈر لوڈ کرے گا۔"

"کیا ہم جانتے ہیں کہ ٹرک کہاں ہے؟"

"ہاں، انٹرفیلڈ کے آخری سرے پر ارتھ شیلٹرز کے درمیان کھڑا ہے۔"

"وقت کیا ہے؟"

"لوڈنگ ٹائم صبح ساڑھے چار بجے مقرر کیا گیا ہے۔ جبکہ ہماری کارروائی کا وقت تین بج کر ۵۵ منٹ ہے۔ جب ٹرک ہنوز انٹرفیلڈ کے آخری سرے پر کھڑا ہو گا۔"

"ٹرک پر حملہ کون کرے گا؟"

"میرے علاوہ انیس افراد ہوں گے۔ ہم سب کے پاس خودکار رائفلیں اور ہر ایک کے پاس چار چار دستی بم ہوں گے۔"

"گڈ، تو تم نے واقعی زبردست تیاری کی ہے۔"

Uploaded by

میں فرد دسیوں کی منصوبہ بندی کی تو شروع سے ہی قائل رہی ہوں۔ آؤ اب ذرا بھاگیں دوڑیں۔"

"پاگل ہو گئی ہو؟" ٹینا نے دیدے پھاڑ کر کہا۔ "تم سے صحیح طرح سے چلا بھی نہیں جاتا اور تم بھاگنے دوڑنے کو تیار بیٹھی ہو؟"

"میں ہی نہیں تم بھی بھاگو گی لیکن کسی بوائے فرینڈ کے ساتھ نہیں بلکہ میرے ساتھ۔" روبی نے مسکراتے ہوئے کہا اور ٹینا کھلکھلا کر ہنس دی۔

"ٹھیک ہے لیکن پہلے کھانا۔"

ہلکے سے کھانے کے بعد اُن کی ورزش شروع ہو گئی لیکن وہ بھاگنے کے لیے کہیں باہر نہیں گئیں۔ بلکہ درمیانے سائز کے لونگ روم کو ہی فٹبال گراؤنڈ تسلیم کر لیا گیا۔ شروع شروع میں تو روبی کو مارے تکلیف کے ٹائیگر سے لے کر دوڑ تک کے سارے "خونی" اور "بے خونی" رشتے دار اور چچی ماؤں سے لے کر بارہویں چودھویں تک کا دودھ یاد آ گیا۔ وہ کراہتے ہوئے اپنی نانی سے لے کر سات پشتوں کی نانیوں کو یاد کرتی رہی اور ورزش کرتی رہی۔ بہت جلد وہ عام انسانوں کی طرح چلنے پھرنے کے قابل ہو گئی تھی۔

"آؤ اب سیڑھیاں اُترنے اور چڑھنے کی مشق کریں۔" روبی نے کہا اور ٹینا اُس کے ساتھ باہر کی طرف بڑھ گئی۔ یہ ایک دوسری جنگ تھی۔ پہلی مرتبہ سیڑھیاں چڑھنے سے تو روبی آدھی رہ گئی لیکن نوبار مزید چڑھنے سے صورت حال کچھ بہتر ہو گئی۔ جہاں تھکتی وہیں ڈھیر ہو جاتی۔ ایک آدھ بار تو وہ لمبی کمبی لیٹ گئی تھی۔ یہ بھی اچھی بات تھی کہ اندھیرے کی وجہ سے کوئی اُسے دیکھ نہیں پا رہا تھا ورنہ ایک نوجوان لڑکی کو آڑا ترچھا سیڑھیوں میں لیٹا دیکھ کر جانے کون کیا سمجھتا؟

سیڑھیوں کے بعد وہ دونوں چہل قدمی کے لیے گلی میں اُتر گئیں۔ جلد ہی یہ چہل قدمی جوگنگ میں تبدیل ہو گئی۔ روبی اُس وقت تک اُچھل کود کرتی رہی جب تک اُس کی ٹانگوں نے مزید ظلم سہنے سے انکار نہیں کر دیا۔ ٹینا اُسے واپس اپارٹمنٹ میں لے آئی تھی۔

"میں اب پھر سوؤں گی اور دو بجے بیدار ہوں گی۔" روبی نے بستر پر بیٹھتے ہوئے ٹینا کو آگاہ کیا۔ "تم اپنے لیے الارم لگا لو، مجھے اس کی ضرورت نہیں۔"

ٹینا نے ہوائی بوسہ اُس کی طرف اُچھالا اور دوسرے کمرے میں چلی گئی۔

☆

چار سائے جب اودھم پور اسٹریٹس کے جنوبی کونے پر ایک کار سے اُترے تو رات کی تاریکی ابھی تک بھرتھلینڈ کے دارالحکومت پر مسلط تھی۔ چاروں محتاط انداز میں اُس عمارت کی طرف بڑھ گئے جو اسٹرفیلڈ کے کنارے بنی ہوئی تھی۔ ہر سائے کے بعد روسی ساختہ شولڈر راکٹ لانچر اور پانچ پانچ راؤنڈ تھے۔ دو آدمی وہیں دُبکے رہے جبکہ باقی دو ساتھ والی گلی میں رینگ گئے۔

ٹھیک تین بج کر ۵۵ منٹ پر ایک سائے نے اپنے کندھے سے ایک راکٹ لانچر اُتار کر لوڈ کیا اور اُس ٹرک کا نشانہ لیا جو خاردار باڑھ کی دوسری جانب کوئی سو گز کے فاصلے پر موجود تھا۔ اُس نے مُنہ ہی مُنہ میں دس تک گنا اور فائر کر دیا۔ راکٹ ٹرک کے ڈرائیونگ کیبن پر لگا ایک دھماکا ہوا اور ٹرک نے آگ پکڑ لی۔ ذرا ہی دیر میں آگ ٹرک کے فیول ٹینک کو بھی اپنی لپیٹ میں لے چکی تھی۔

فائر کرنے والا سایا ایک جانب رینگ گیا۔ جب کہ اُس کے عقب میں موجود دوسرا سایا اُس اسٹرفیلڈ جیل فائٹر کا نشانہ لینے لگا جو تین سو گز دُور رَن وے کے آخری سرے پر کھڑا تھا۔ اُسے رات کی فلائٹ کے لیے ضروری تیاریوں کے مراحل سے گزارا جا رہا تھا۔ دوسرے سائے نے جونہی اپنے لانچر کا بٹن دبایا، راکٹ تیر کی طرح جیٹ کی جانب بڑھا۔ طیارے کے بائیں ونگ کے پرخچے اُڑ گئے اور ونگ فیول ٹینک نے آگ پکڑ لی۔

چاروں راکٹ فائر ہوئے۔ ان کی ترتیب بالکل فوجی انداز میں تھی۔ ان چاروں راکٹوں نے دو مزید طیاروں، ایک ٹرک اور لینڈنگ لائٹ کنٹرول اسٹیشنوں کو جلتے ہوئے جہنم میں تبدیل کر دیا تھا۔ ایک راکٹ رَن وے کے اردگرد بنی ہوئی باڑھ پر فائر کیا گیا جس سے اُس میں ایک بڑا سوراخ پیدا ہو گیا تھا۔

چاروں افراد کے پاس بیس راکٹ تھے۔ جن میں سے سات فائر کیے جا چکے تھے۔ مزید نو راکٹ اسٹریٹس کی مختلف تنصیبات پر فائر کیے گئے۔ حتیٰ کہ چاروں کے پاس صرف

ایک ایک راؤنڈ بچ رہا۔

اسٹرفیلڈ خطرے کے سائرنوں کی کرخت آوازوں سے گونج اُٹھا تھا۔ شمال کی جانب سے فوجی دستوں نے جنوبی سمت بڑھنا شروع کر دیا تھا جہاں یہ اچانک دھماکے ہوئے تھے۔ ان میں سے پندرہ فوجی خاردار باڑھ کے اُس سوراخ تک آ پہنچے جو راکٹ سے پیدا ہوا تھا۔ چار میں سے ایک سائے نے اپنا آخری راؤنڈ لانچر میں لوڈ کیا اور ان کا نشانہ لے کر داغ دیا۔ لحظہ بھر بعد فضا مرنے والوں کی آخری چیخوں سے بھاری ہو گئی تھی۔ خون کے لوتھڑے اور لاشوں کے چھوٹے بڑے چیتھڑے دُور دُور تک پہنچے تھے۔

دوسری جانب تین بج کر پچاس منٹ پر ایک ٹرک اسٹریٹس کے مرکزی دروازے پر رُکا۔ ڈرائیور نے نیچے اُتر کر عقبے میں ٹرک کے فینڈر کو ایک ٹھوکر رسید کی اور گیٹ کی چیک پوسٹ پر موجود سارجنٹ کے پاس پہنچا۔ اُس نے سارجنٹ کو بتایا کہ وہ جمپر کیبل لے کر ابھی واپس آ رہا ہے۔ دو آدمیوں نے رضاکارانہ طور پر اس چھوٹے ٹرک کو نیچ سڑک سے دھکیل کر ایک جانب کر دیا تھا تاکہ آنے جانے والے ٹریفک میں خلل نہ پڑے۔

ٹرک کا ڈرائیور جب اپنے ٹرک سے دو سو گز دُور پہنچا تو اُس نے اپنی جیب سے سُرخ رنگ کا ایک چھوٹا سا باکس نکال کر اُس کے ایک بٹن پر اُنگلی رکھ لی اور اپنی رسٹ واچ دیکھنے لگا۔ جب گھڑی نے ٹھیک تین بج کر ۵۵ منٹ بجائے تو اُس نے بٹن دبا دیا۔

پورا اسٹرفیلڈ خوفناک دھماکے سے بُری طرح لرز اُٹھا۔ ٹرک میں رکھا ہوا سو پونڈ وزنی دھماکا خیز مادہ پھٹ گیا تھا۔ ٹرک کو دھکیل کر ایک طرف لے جانے والے دونوں سپاہیوں کے چیتھڑے اُڑ کر سامنے والی دیوار سے جا چپکے۔ چیک پوسٹ منہدم ہو گئی اور اس میں موجود سارا حفاظتی عملہ دب کر مر گیا۔ اسٹریٹس کے اندر جانے کے لیے قطار میں کھڑی بارہ کاریں اور ٹرک، لوہے، خون اور گوشت کے ڈھیروں میں تبدیل ہو گئے۔

مزید سائرن چیخنے لگے تھے۔

اسٹریٹس سے خاصے فاصلے پر واقع آفیسرز کی رہائش گاہوں کی چار دیواری کے قریب ایک پک اَپ آ کر رُکی۔ اُس کے اوپر دھماکے کی ایک مشین گن فٹ تھی جس کے پیچھے ایک گنر موجود تھا۔ جونہی اسٹرفیلڈ کی جنوبی سمت سے دھماکوں کی آوازیں سنائی دیں، گنر نے مشین گن کا رُخ بیرکس کی طرف کر کے فائر کھول دیا۔

چار افراد نے بیرکس کی کھڑکیوں سے باہر جھانکنا چاہا لیکن ان میں سے تین کے سر فوری طور پر ٹوٹے ہوئے گلاس کی کرچیوں کی طرح نیچے زمین پر آ رہے۔ پوری دیوار اُن کے لہو اور گوشت کے ننھے منے لوتھڑوں سے بھر گئی۔ ان کے سر بریدہ جسم پیچھے کی جانب کمرے میں گرے تھے۔

چھ آدمی بھاگتے ہوئے نزدیکی دروازے سے باہر نکلے لیکن باہر موت منہ کھولے منتظر تھی۔ تمام چھ افراد نے اپنا اپنا حصہ وصول کیا اور ہمیشہ ہمیشہ کی نیند سو گئے۔ پچاس کیلی بر کی گولیوں نے اُن کے جسم کو کمروں کے روشندانوں میں تبدیل کر دیا تھا۔

ملٹری پولیس کی ایک جیپ سامنے والے کونے سے فائروں کی آوازوں کی سمت بڑھی۔ مشین گن کے عقب میں کھڑے ہوئے شخص نے گن ہیرل گھما کر جیپ کا نشانہ لیا اور فائرنگ بٹن دبا دیا۔ گولیوں نے پہلے تو جیپ کی ونڈ شیلڈ کو ٹکڑوں میں تبدیل کیا اور اس کے بعد جیپ کے ڈرائیور اور ساتھ بیٹھے ہوئے فوجیوں کو کٹی پھٹی لاشوں میں تبدیل کر دیا۔ جیپ بے قابو ہو کر دیوار سے ٹکرائی اور پھر شعلوں میں گھر گئی۔

پچاس کیلی بر کی مشین گن سات منٹ تک موت بانٹتی رہی۔ حتیٰ کہ پک اپ پر رکھے ہوئے ایمونیشن کے چاروں بکس ختم ہو گئے۔ اُس کے کریو پر ایک گولی بھی نہیں چلائی گئی تھی۔

اسٹرفیلڈ کی شمالی جانب، ایمونیشن ڈمپ بنکرز کے قریب روبی، ٹینا اور بیس تربیت یافتہ کمانڈوز باڑھ کے ساتھ ڈرینج لائن میں اُترے۔ دو افراد سگنل ملتے ہی باڑھ کاٹنے کے انتظار میں تھے۔ سامنے والے بنکرز تیس فٹ چوڑے اور سو فٹ لمبے تھے۔

جونہی اُن کی گھڑیوں نے تین بج کر ۵۵ منٹ بجائے جنوب میں دھماکے ہوئے جو راکٹوں کے چلنے کے تھے۔ اس کے ذرا دیر بعد اُنھیں مشین گن فائر سنائی دیے۔ باڑھ اُڑانے پر متعین افراد نے بھی فوراً اپنا کام

شروع کر دیا۔ دھماکے کے ساتھ ہی باڑھ میں چھ فٹ چوڑا سوراخ ہو گیا اور تمام کمانڈوز فوجی ترتیب میں ایک دوسرے کے پیچھے اُس مقام کی طرف بڑھے۔ جہاں زہریلی گیس والا ٹرک کھڑا ہو سکتا تھا۔

سامنے سے رائفل فائر سُنائی دیا تو سارا گروپ زمین پر لیٹ گیا۔ کمانڈر نے جو ایک کیپٹن تھا۔ سامنے والے چھوٹے سے ٹیلے پر چار آدمیوں کا ایک دستہ اور ایک ہلکی مشین گن بچھا دی تھی۔

روبی، مشین گنرز کے ساتھ ڈھلان کی طرف بڑھ رہی تھی۔ اُن کے پاس ایک چھوٹی بائی پاڈ ماؤنٹڈ مشین گن تھی اور اُسے ایک ہی آدمی چلا اور اُٹھا سکتا تھا۔ دوسرے آدمی کے پاس ایمونیشن بیلٹ تھا۔ رُوبی کو علم تھا کہ گن ایک منٹ میں پانچ سو گولیاں فائر کر سکتی تھی۔

ٹیلے کے اوپر سے وہ اسٹرفیلڈ کا دفاع کرنے والوں کا زیادہ صحیح طور پر جائزہ لے سکتے تھے۔ خاموشی کے ساتھ اُنھوں نے ٹیلے پر مشین گن نصب کی اور دس سیکنڈ کے اندر اندر بھرت لینڈ کے تین فوجیوں کو ہلاک کر ڈالا۔ اب اُنھیں ایک ٹیلے کے پاس ٹریکٹر ٹرالر نظر آ رہا تھا جس میں زہریلی گیس کے تینوں سلنڈر موجود تھے۔

کمانڈوز نے ٹرک کی جانب پیش قدمی شروع کی تو اِدھر اُدھر چھپے ہوئے محافظ فوجیوں نے اُن پر فائرنگ شروع کر دی۔ روبی کے پیچھے آنے والے ایک کمانڈو کے سینے پر گولیوں کی پوری باڑھ پڑی اور وہ فوراً ہی گر کر اگلے جہان سدھار گیا۔ موت نے اُسے چیخنے کی مہلت بھی نہیں دی تھی۔ تین اور کمانڈو اس وقت اجل کا لقمہ بن گئے جب ٹرک کے نچلے حصّے سے مشین گن فائر ہوئے۔

ٹینا، روبی کی دوسری جانب تھی۔ وہ ٹرک کی جانب مسلسل گولیاں برسا رہی تھی اور ساتھ ہی ساتھ پیش قدمی بھی جاری رکھے ہوئے تھی۔ اُس نے چند ثانیوں کے لیے فائرنگ موقوف کر کے دوستی بم روبی کو تھما دیے۔

"انھیں اِن کھائیوں کی طرف اُچھال دو۔" اُس نے ایک طرف گڑھوں کی طرف اشارہ کیا جہاں سے فائرنگ ہو رہی تھی۔

روبی نے ایک دستی بم کی حفاظتی پن کھینچی اور اُسے سو فٹ آگے کچھ گڑھوں کی جانب اُچھال دیا۔ بم زمین پر گرا اور پھر لڑھکتا ہوا ایک گڑھے میں غائب ہو گیا۔ دھماکے کے ساتھ ہی ایک کربناک چیخ اُن کے کانوں سے ٹکرائی۔ روبی نے فوراً ہی دوسرا گرنیڈ بھی پھینک دیا اور پھر اپنی خودکار رائفل سنبھال کر ٹرک کے ٹائروں پر فائرنگ کرنے لگی۔ تیس گولیاں ٹائروں میں لگیں تو بھاری بھرکم ٹریکٹر ٹرالر ایک دھماکے کے ساتھ آگے کی طرف بیٹھتا چلا گیا۔

روبی نے فائرنگ کی نئی آوازیں سُنیں جو جنوب کی سمت سے آ رہی تھیں۔ یُوں لگ رہا تھا جیسے انفنٹری ٹروپس بھی جنگ میں کُود پڑے ہوں اور پھر چند ہی ثانیوں بعد ہی مارٹر گولے اُن کے آس پاس گرنے لگے۔

روبی فوراً ہاتھوں اور گھٹنوں کے بل جُھک کر اسی بنکر کی طرف بھاگی جہاں اُس نے ذرا دیر پہلے ٹینا کو دیکھا تھا۔

"کیا ہمارے پاس کوئی ریڈیو ہے؟" اُس نے ٹینا سے دریافت کیا۔

اُس نے مٹی سے لتھڑا ہُوا سر اثبات میں ہلایا۔ "ہم اسے اُسی وقت استعمال کرتے ہیں جب اس کی ضرورت ہوتی ہے۔"

"جنوبی سمت ایک کمپنی موجود ہے جو ہم پر مارٹر گولے برسا رہی ہے۔ صورتِ حال یہی رہی تو وہ جلد ہی ہمیں چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم کر دیں گے۔"

فیلڈ میں مزید دھماکے ہوئے تھے۔ بھرت لینڈ کا ایک جیٹ ٹیک آف کرنے والا تھا کہ ایک میزائل نے اُسے جا لیا۔ پروں کے نیچے بنے ہوئے فیول ٹینک اور جہاز کا ڈھانچہ پورے ایک منٹ تک دھماکوں سے پھٹتا رہا تھا۔

"کیا فردوس کی جانب سے ہمیں کوئی فضائی مدد ملے گی؟" روبی نے دوبارہ پوچھا۔

ٹینا نے محض سر ہلانے پر اکتفا کیا تھا۔

"اس سے ہمیں جنوبی بیچ سے نمٹنے میں خاصی مدد ملے گی۔ کیا ہمارے پاس مارکر فلیئرز ہیں؟"

ٹینا نے جواب دینے کے بجائے ایک چھوٹا سا ریڈیو نکال لیا اور ٹرانسمٹ بٹن دبایا۔

"ہیل بی، دِس از ایگل۔ ہمیں خانے کو ڈھایا۔" اسٹرفیلڈ کی شمالی جانب ٹرک کے بالکل قریب مدد کی درخواست ہے۔ سُرخ فلیئر کے ساتھ نشاندہی کی جائے گی، جلدی!!"

ٹینا نے ریڈیو آف کر کے ریڈ فلیئر روبی کو تھما دیا۔ جس نے اُسے ٹھیک اُس جگہ فائر کیا جہاں بھرت لینڈ کے تازہ دم فوجی آگے بڑھنے میں مصروف تھے۔

"میں اگلے بنکر کی چھت پر جا رہی ہوں۔"

"میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گی۔" ٹینا کی آنکھوں کے تاثرات ایسے تھے جیسے کہہ رہی ہو کہ انکار مت کرنا۔ روبی جانتی تھی کہ وہ اپنی حفاظت خود بھی کر سکتی تھی۔

دونوں نے اکٹھے پیش قدمی کی۔ تیس فٹ کی بلندی سے اب وہ زیادہ بہتر انداز میں فیلڈ کا جائزہ لے سکتی تھیں۔

روبی نے فائرنگ کر کے ٹرک کو اس قابل نہیں چھوڑا تھا کہ وہ آگے بڑھ کر بھرت لینڈ کے جیٹ طیاروں کو زہریلی گیس کے سلنڈر فراہم کر سکتا۔ اس کے اگلے دونوں ٹائر پنکچر ہو گئے تھے لیکن فوجی اب اس صورتِ حال سے نمٹنے کی تیاری کر رہے تھے۔

روبی اور ٹینا ابھی صحیح طور پر پوزیشنیں ہی سنبھال پائی تھیں کہ دُور سے اُنھیں جیٹ طیاروں کی آواز سنائی دی۔ دونوں نے بیک وقت سر اوپر اُٹھایا۔ فردوسی طیارے آن پہنچے تھے۔ فردوس کا سرحدی اسٹریس وہاں سے دو میل سے بھی کم فاصلے پر تھا اور انھیں وہاں تک پہنچنے میں چند منٹوں سے زیادہ وقت نہیں لگا تھا۔

آنے والے طیارے امریکی ساختہ ایف فور فینٹم جیٹ اور ان پر فردوسی نشانات صاف نظر آ رہے تھے۔ ایک نے اسٹرفیلڈ کے اوپر تین میل قطر کا دائرہ بنایا۔ چھ ونگ راکٹ اُس کے پروں کے نیچے سے نکل کر ٹھیک اُس مقام کی طرف بڑھے جہاں ریڈ فلیئر اب بھی جل رہا تھا۔ پھر یکے بعد دیگرے کئی کان پھاڑ دھماکے ہوئے اور مارٹر گولوں اور مشین گن کی گولیوں کے چیتھڑے اُڑ گئے۔

"شکریہ، ہیل بی۔ یہ ایگل گڈ نائٹ۔ گاڈ بلیس یو۔ آل ہیل از ہیپی۔" ٹینا نے ریڈیو میں سرگوشی کی۔

روبی نے ٹینا کی طرف دیکھا لیکن بدستور اپنی خودکار رائفل میں مصروف رہی جو اپنے دہانے سے موت اُگل رہی تھی۔ صبح ہونے والی تھی۔ خطرہ بڑھتا جا رہا تھا کیونکہ سلگتی روشنی میں اب اُن کے دیکھ لیے جانے کے امکانات زیادہ ہو گئے تھے۔

جنوب کی سمت سے مزید فردوسی جیٹ طیاروں نے فوجی عمارتوں، بیرکس اور فیلڈ پر موجود طیاروں کو نشانہ بنایا۔ روبی کو کم از کم چھ جیٹ جلتے ہوئے نظر آئے تھے۔

بھرت لینڈ کے دو ہاف ٹریکس، بھاری مشین گنوں کے ساتھ بنکرز کی طرف بڑھتے نظر آئے۔ وہ اُس جگہ گولیاں برسا رہے تھے جہاں روبی، ٹینا اور اُن کے ساتھی موجود تھے۔

"پیچھے رہو۔" روبی نے چیخ کر تمام لوگوں کو مطلع کیا۔ ٹینا نے ریڈیو اُٹھایا تاکہ فضا میں موجود فردوسی طیاروں کو ہاف ٹریکس کی بھاری مشین گنوں اور اینٹی ائرکرافٹ کے بارے میں آگاہ کرے لیکن اُس کی کسی کارروائی سے قبل ہی ایک جیٹ ہاف ٹریکس کا نشانہ بن گیا۔ جہاز نے کئی قلابازیاں کھائیں اور زمین پر گرنے سے پہلے ہی فضا میں پھٹ گیا۔ اُس کے ٹکڑے بلا مبالغہ کئی میل تک پھیل گئے تھے۔

"ویری مینڈ۔" روبی نے افسوس کے ساتھ گردن ہلائی۔ اُسے فردوسی جہاز کی تباہی کا دُکھ ہُوا تھا۔

ٹینا کے ساتھی اب ٹریکٹر ٹرالر کی طرف پیش قدمی کر رہے تھے اور وہ زہریلی گیس والے ٹرالر کی دونوں جانب پہنچ گئے تھے۔ اب صرف آخری ہلے کی ضرورت رہ گئی تھی۔

روبی اور ٹینا نے بھی ٹیلے کے اوپر سے ٹرک کو دیکھا۔ اب اُنھیں اس کی باڈی پر لکھے ہوئے یونیٹی ٹریڈ لیبل کے الفاظ بھی صاف دکھائی دے رہے تھے۔

"ٹینا، مجھے کور دو۔" اچانک روبی نے اپنی ساتھی کو مخاطب کیا۔ "نہیں یہ یقین کرنا چاہتی ہوں کہ یہی صحیح ٹرالر ہے۔"

✦

"سینکڑوں سال قبل وادیٔ زرنگار کے علاقے کو گھاٹیوں کی بستی کہا جاتا تھا۔ یہاں ہر طرف پہاڑ تھے۔ ملنے والے آثار بتاتے ہیں کہ مکمل پہاڑی سلسلہ ہونے کے باوجود زرنگار میں قابلِ کاشت زمین کی کوئی کمی نہ تھی۔"

اسٹرجوسٹس سیاحوں کو وادیٔ زرنگار کے بارے میں انٹرپریٹر کمیونیکیشن سسٹم پر تفصیلات بتا رہی تھی۔ "یہاں نہریں بھی تھیں اور چشمے بھی۔ گندم اور جَو کاشت کی جاتی تھی۔ انگور کی کاشت بھی کی گئی اور کامیاب رہی تھی۔ زیتون کا تیل اس علاقے کی مقبولیت میں اضافے کا باعث بنا۔

"ٹیل..." اُوشان نے کچھ کہنا چاہا مگر ٹائیگر نے ہاتھ دبا کر اُسے خاموش کر دیا۔ اس وقت طیارہ زرنگار ائرپورٹ پر چکر لگا رہا تھا اور ائرہوسٹس مسلسل گائیڈ بک سے اقتباسات پڑھ کر سُنائے جا رہی تھی۔

"شاہ زرنگار سوئم کو دراصل شاہ کلیم اوّل کے دَور میں بہت بدنام کر کے پیش کیا گیا۔" اُوشان نے ٹائیگر کو بتایا۔ "اور شاید تمہیں یہ نہیں معلوم کہ شاہ کلیم اوّل کے دَور میں ایوانِ سانجو کو کوئی بھی مشن نہیں سونپا گیا۔ اسی باعث اس کا زوال بھی ہو گیا۔"

"ایوانِ سانجو کا؟" ٹائیگر نے مُسکرا کر پوچھا۔

"نہیں۔ ایوانِ کلیم کا۔ ایوانِ سانجو کے لیے باعثِ زوال تم ثابت ہو گے۔" اُوشان کا لہجہ بگڑ گیا۔

"لیکن خاندانِ کلیمی میں بہت سے بزرگ بھی تو گزرے ہیں بشل فادر۔"

"شیطان کے گھر میں ولی بھی پیدا ہوتے ہیں اور ولی کے گھر میں شیطان بھی... اور تم!"

"میں بہرحال شیطان نہیں، آپ کا شاگرد ہوں بشل فادر۔" ٹائیگر نے فوراً دفاعی بند باندھ لیا۔

"کیا تم نے راکیل ویلیج کی کسی تصویر کا بندوبست کیا؟" اُوشان کی ذہنی رَو پھر بہک گئی۔

"نہیں۔ ابھی نہیں، لیکن آج ضرور کر دوں گا۔" ٹائیگر نے بڑے خوف کے عالم میں جواب دیا۔ اُسے خطرہ یہ تھا کہ تصویر کے مسئلے پر اُوشان یہیں کوئی ہنگامہ کھڑا نہ کر ڈالے۔

طیارہ اب اُتر کر رَن وے پر دوڑنے لگا تھا۔

☆

ٹائیگر نے اوشان کو بمشکل اس تجویز پر رضامند کیا تھا کہ وہ صرف دو صندوق لے کر چلے لہٰذا اُسے طیارے تک صرف دو صندوق اُٹھا کر لے جانے پڑے کیونکہ حسبِ توقع اُوشان نے پورٹروں کو صندوقوں کو ہاتھ بھی لگانے کی اجازت نہیں دی تھی اور اب وہ اُس بس میں ان صندوقوں کے درمیان ہی بیٹھا ہُوا ہچکولے کھا رہا تھا جو انھیں وادیٔ زرنگار لے جا رہی تھی۔ ائرپورٹ شہر سے دس میل دور واقع تھا۔ سڑکوں پر مشعل نما لائٹس لگی ہوئی تھیں اور ان سڑکوں کے دونوں طرف سبزہ ہی سبزہ تھا۔ درخت بھی جھوم رہے تھے۔

"ہچکولے مت کھاؤ۔ تم عام مسافر نہیں ہو۔" اُوشان نے ٹائیگر کو تنبیہ کی اور پھر ٹائیگر کا جسم واقعی ساکت ہو گیا۔

اب پوری بس میں صرف وہ دو ایسے تھے جو ساکت بیٹھے ہوئے تھے۔ باقی افراد دائیں بائیں آگے پیچھے ہچکولے کھا رہے تھے۔

"انھوں نے تو اس علاقے کو بالکل اُجاڑ کر رکھ دیا ہے۔" اُوشان نے شکایت کی۔

"اُجاڑ!" ٹائیگر حیرت زدہ رہ گیا۔ اِدھر اُدھر دیکھیں۔ "میں نے سُنا ہے کہ چند برس قبل تک یہاں صرف ریت اور خودرَو پودوں کا راج تھا۔ اب ہر طرف کھیت زرعی زمینیں اور عمارتیں نظر آ رہی ہیں۔"

"لیکن جب یہاں شاہ زرنگار کا راج تھا تو یہ علاقہ عمارات اور باغات سے سجا رہتا تھا۔" اُوشان نے جواب دیا۔ اس پر ٹائیگر نے مزید بحث نہ کرنے کا فیصلہ کر لیا اور وہ ان کلیوں سے آنے والی پھولوں کی مہک محسوس کرتا رہا جن کے قریب سے بس گزر رہی تھی۔

بس میں گانے بج رہے تھے۔ مگر یہ بول کا دھوں تھا اور لوگ مقامی زبان میں گفتگو کر رہے تھے۔ اس زبان کو زرنگاہی زبان کہا جاتا تھا۔

پھر قریب ہی سے دوسری سڑک پر ایک فوجی ٹرک بھی گزرتا ہُوا نظر آیا تو اردگرد کی عمارتوں کی بالکونیاں عورتوں اور بچّوں سے بھر گئیں۔ یہ قدیم شہر تھا جس کے فٹ پاتھوں پر بھی مقامی باشندے دُکانیں لگائے ہوئے تھے۔

نئے شہر میں داخل ہوتے ہی نیون سائین کی روشنیوں نے ان کا خیر مقدم کیا۔

ہوٹل کے سامنے بس رُکی تو اُوشان پچھلے دروازے سے اُتر گیا جبکہ ٹائیگر کو سیاحوں کے ہجوم میں سے اپنے لیے جگہ بنانی پڑی۔ سیاح تو اُترتے ہی غیر ملکی سامان کی دُکانوں پر ٹوٹ پڑے کیونکہ فری پورٹ ہونے کے باعث یہاں انھیں سامان بہت سستا ملتا تھا۔

ٹائیگر نے دونوں صندوق فٹ پاتھ پر رکھ کر زرنگار شیرٹن کی طرف دیکھا کہ اچانک تین خلیق اور مستعد نوجوان اس کی طرف لپک کر آ گئے۔

"اوہو۔ ہیلو۔ ہیلو۔ مسٹر شہزاد!" ان میں سے ایک نے جو قدرے پکی رنگت کا تھا مسکرا کر کہا۔ "زرنگار میں خوش آمدید!"

"اوہ۔ یس۔ مسٹر شہزاد!" دوسرے نے بے تکلفی سے

اس کے اور اُوشان کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "آپ سے اور آپ کے... میرا مطلب ہے مسٹر اُوشان سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔"

"ہمیں امریکی قونصلیٹ نے ہدایت کی تھی کہ آپ کا استقبال کیا جائے اور قونصلر صاحب سے ملاقات کے لیے سیدھا وہیں لے جایا جائے۔" تیسرے نے کہا۔

"بالکل۔ بالکل درست۔ اگلے کار نہار کار آپ کی منتظر کھڑی ہے۔" پکی رنگت والے نے لقمہ دیا۔

"جی ہاں۔ دوسرا بلا۔ براہِ مہربانی اس طرف تشریف لے چلیے۔"

ٹائیگر اپنی جگہ سے نہیں ہلا بلکہ تیسرے شخص سے بولا۔ "اب تمہاری باری ہے۔"

وہ تینوں مسکراتے رہے لیکن ان کی آنکھیں اِدھر اُدھر کچھ دیکھتی رہیں۔ ان میں سے کوئی بھی سفید فام نہیں تھا اور وہ سب مقامی افراد تھے۔ انھوں نے اسپورٹس شرٹس اور جینز پہن رکھی تھیں۔

"ذرا جلدی کریں۔" تیسرے نے جواب دیا۔ "امریکی سفیر آپ کا منتظر ہے۔"

وہ غالباً اسی تاثر میں تھے کہ یہ دونوں امریکی ایجنٹ ہیں اور امریکی سفیر کا نام سُن کر خود کو ان کے حوالے کر دیں گے۔

"ازراہِ کرم کار کی طرف چلیں۔" دوسرے نے کہا۔

"کونے پر ہی کھڑی ہے۔" پہلے نے کہا۔

"میرے صندوقوں کا کیا ہو گا؟" اُوشان نے پہلی بار اس گفتگو میں پورا ایک جملہ ادا کیا۔ ان سب کی آنکھیں ایک بار پھر اِدھر اُدھر دیکھنے لگیں۔ ٹائیگر آسمان کو گھورنے لگا تھا۔

"اوہ۔ ضرور۔ ضرور۔ صندوقوں کا خاص طور سے خیال رکھا جائے گا اور اگر امریکی سفیر یا قونصلر ہم سے ملنا چاہتے ہیں تو پھر ہم بھلا کیوں معترض ہوں!"

"جی ہاں۔ جی ہاں۔ یہی بات ہے۔ بالکل درست فرمایا آپ نے..." تینوں ایک ساتھ بولے۔ "چلیں۔"

وہ مثلث کی شکل میں ان کے آگے پیچھے ہو کر انھیں کونے کی طرف لے جانے لگے۔

"ہاں۔ لیکن یہ افراد میرے صندوقوں کا خیال نہیں رکھیں گے۔ اتنا مجھے یقین ہے۔" اُوشان نے سرگوشی کی۔

"ششش۔ یہ ایک موقع ملا ہے بشل فادر۔" ٹائیگر نے بھی سرگوشی میں کہا۔ "ہم ان کے ذریعے اُن لوگوں تک پہنچ سکتے ہیں، جنھوں نے ایٹمی سائنسدانوں کو قتل کیا ہے۔ ویسے بھی میں یہ نہیں چاہتا کہ اس ہجوم میں یہ لوگ فائرنگ شروع کر دیں اور معصوم شہری مارے جائیں۔"

"یہ کچھ بھی اہمیت نہیں رکھتے۔" اُوشان نے مُنہ بنا کر جواب دیا۔ "ان سے کچھ پوچھو گے تو یہ لاشوں کی طرح ہو جائیں گے لیکن اگر میرے صندوق گم ہو گئے تو تم زندگی بھر ضمیر کی خلش سے دوچار ہو گے۔"

ان کے اردگرد وہ تینوں بھی گفتگو کر رہے تھے۔

"اوہ! تم لوگ کون ہو؟" ٹائیگر نے اچانک ہی ان تینوں سے کہا۔ "تم زرنگاہی یا فردوسی نہیں بول رہے ہو۔ تمہاری فردوسی میں بھرتی زبان کے الفاظ بھی شامل ہیں۔ کیا تم بھرتی ہو؟"

"ارے نہیں۔ نہیں۔" پہلا شخص بولا۔

"ہمارا تعلق نیویارک سے ہے۔"

"ہاں۔ ہم امریکی ہیں۔" پہلے نے کہا۔ ٹائیگر اُوشان کو معنی خیز انداز میں دیکھ کر مسکرایا۔ "یہ امریکی ہیں بشل فادر۔"

"جب کہ تم انسان ہو۔" اُوشان نے جواب دیا۔

"امریکہ میں کون سی زبان بولی جاتی ہے فادر؟"

"انگریزی لیکن لہجہ انگریزوں سے مختلف ہوتا ہے۔" اُوشان نے سر ہلا کر جواب دیا۔

"اور یہ کون سی زبان بول رہے ہیں؟"

"بھرتی جس میں فردوسی کے الفاظ بھی شامل ہیں۔" پھر اُوشان نے اچانک ہی فرّاٹے سے بھرتی بولنی شروع کر دی۔ وہ تینوں مضطرب ہو گئے۔

"آپ نے ان سے کیا کہا ہے؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"میں نے اپنی توہین پر احتجاج کیا ہے۔" اُوشان نے کہا۔ "یہ چند لمحے قبل ہمیں قتل کرنے کی گفتگو کر رہے تھے۔"

"اور اب؟"

"اب کہہ رہے ہیں کہ ابھی قتل کر دو۔"

"پھر کیا کیا جائے؟"

"ان کا خیال ہے کہ ہم بھی دو امریکی ہیں اور مجھے بھی امریکی کہے جا رہے ہیں۔ یہ میری کھلی توہین ہے۔"

Uploaded By

"واقعی لٹل فادر! لیکن یہ آپ کی توہین نہیں ہے... سناجو کی توہین ہے۔" اب وہ کوریائی میں گفتگو کر رہے تھے۔

"درست!" اوشان کی مونچھیں بھی غصّے کی وجہ سے ہلنے لگیں۔ "اب مجھ پر سناجو کے شریف النفس شہریوں کی طرف سے یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ میں ان کی عزت وقار، انا، احترام اور اُن کی عظمتوں، بلندیوں اور رفعتوں کا تحفظ کروں۔"

اس دوران تینوں بھرتی، ان دونوں کی طرف پُشت کیے بغیر اُلٹے پیروں آہستہ آہستہ ان سے دُور ہو رہے تھے۔ ساتھ ہی ان کے ہاتھ شولڈر ہولسٹروں سے ریوالور بھی نکال رہے تھے لیکن ٹائیگر نے سب سے طویل القامت شخص کو زیادہ مہلت دینی مناسب نہ سمجھی اُس نے لینٹ لیگ بک استعمال کی جو دراز قامت شخص کے پہلو میں لگی اور وہ گلی میں اوندھے منہ دُور جا گرا۔ ریوالور اُس کے ہاتھ سے نکل گیا تھا۔ باقی دونوں اپنے جنگجو ساتھی کے اس اچانک انجام پر دم بخود رہ گئے۔ اسی حیرت کے باعث صرف ایک لمحے کے لیے ان کی نظریں اوشان سے ہٹیں اور اگلے ہی لمحے انھوں نے خود کو گندی گلی کے کوڑے کرکٹ میں اوندھے منہ پایا۔ کیونکہ اوشان نے ایک ہی فلائنگ کک میں دونوں ٹانگیں ایک ساتھ مگر الگ الگ استعمال کی تھیں۔

"یہ کیسا تارکین المیہ ہے اس دور میں کوئی بوڑھا بھی محفوظ سفر نہیں کر سکتا۔" اوشان نے کہا۔ "ہر سفر پُرخطر ہوتا ہے۔ میں اپنے مسندوقوں کی حفاظت کے لیے انھی پر جا کر بیٹھوں گا کیونکہ ان ڈھور ڈنگروں کی وجہ سے میری ملکیت کو بھی خطرہ لاحق ہو گیا ہے۔"

اوشان ہٹ گیا اور ٹائیگر گلی میں داخل ہو گیا جہاں اب ایک شخص اُٹھنے کی جدوجہد کر رہا تھا۔ پستول اُس کے ہاتھ میں موجود تھا پھر اُس نے کھڑے ہو کر فاتحانہ انداز میں پستول کی نال ٹائیگر کے سینے کی طرف کر دی۔ اُس کے چہرے پر مسکراہٹ بھی تھی لیکن اُسے ایک بار پھر صدمے سے دوچار ہونا پڑا۔ اس صدمے سے دوچار ہونے سے قبل اُس نے محض ایک ہیولے کو حرکت میں دیکھا تھا۔ پھر گولی چلا دی تھی۔ تاہم گولی سے خود اس کی قمیص کا اگلا حصّہ اُڑ گیا تھا۔ وہ بھرتی زبان میں اپنے خود تراشیدہ خداؤں کو پکارتا ہوا گر کر تڑپنے لگا۔

ٹائیگر نے اس کی طرف توجہ نہیں دی۔

لیکن اب وہ دونوں بھی سنبھالے لے رہے تھے جو کہ اوشان کی لات نے گلی میں گرایا تھا۔ وہ اپنے ریوالور بھی سنبھال رہے تھے۔ لیکن ٹائیگر نے فرنٹ ورٹیکل جمپ لگاتے ہوئے پہلے ان کو نہتا کیا اور پھر اُس شخص کی طرف پلٹا جو اُس کے خیال میں اس سہ رکنی گروہ کا سرغنہ تھا۔ پلٹنے سے قبل اُس نے ایک ریوالور بھی اُٹھا لیا تھا جس کی نال اب سرغنہ کے مُنہ میں تھی۔

"تم نے ہری کے ساتھ کیا کیا؟" سرغنہ کو شاید اپنے اس ساتھی کے انجام پر ابھی تک حیرت تھی جس کا پیٹ اُس کی اپنی گولی سے پھٹ گیا تھا۔ "تم اس سے پانچ فٹ دُور تھے اور وہ تمہیں گولی مارنے والا تھا لیکن پھر اس کی اپنی گولی اُسی کے پیٹ میں اُتر گئی۔"

"اب سوالات میں کروں گا اور تم جواب دو گے۔" ٹائیگر نے غرا کر کہا۔ "تمہارا نام؟" ریوالور کی نال اب سرغنہ کے دانتوں سے ٹکرا رہی تھی۔

"کروشی نانا نا۔" وہ کانپتا ہوا بولا۔

"گڈ! کری ٹی نانا!" ٹائیگر نے کہا۔ "تو میسٹ؟" اس کا لہجہ نرم تھا۔

کرشنا لال ڈنڈوتی رام سنگھ نے معاً ہی اپنے ساتھی کو ٹائیگر کے عقب میں اُٹھتے ہوئے دیکھا اور مسرت سے اُس کا دل دو گز کا ہو گیا کیونکہ اس نے اپنے ساتھی کے ہاتھ میں ٹوٹی ہوئی بوتل بھی دیکھ لی تھی۔

"جیسا کہ میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں... میرا تعلق نیویارک سے ہے۔" کرشنا میں اعتماد بحال ہو گیا۔

"غلط!" ٹائیگر نے اپنا انداز بدلتے ہوئے کہا۔ اس کی پُشت بدستور بوتل والے شخص کی طرف تھی اور پھر قوراً ہی اس نے بیک لگ استعمال کی۔ ٹوٹی ہوئی بوتل فضا میں اُچھل کر دُور گلی میں جا گری۔ ریت میں گرنے کے باعث آواز پیدا نہیں ہوئی لیکن بوتل والے کا جسم گلی میں گرنے سے واضح طور پر آواز سنائی دی۔

کرشنا نے گلی میں اپنے ساتھیوں کی لاشوں کی طرف دیکھا تو اس کی حالت ابتر ہو گئی۔ وہ اعتماد جو بوتل دیکھ کر پیدا ہوا تھا ہوا کے بلبلے کی طرح بیٹھ گیا۔ اُسے اب اس شخص سے خوف محسوس ہو رہا تھا جس نے دیکھے بغیر بیک کک

استعمال کی تھی اور پیٹ پھاڑ دیا تھا۔ "بھ... بھرتی۔" وہ ہکلاتے ہوئے بولا۔ "ہم... نہیں بھرتی ہوں۔ ہر سوال کا ج... جواب دوں گا۔"

"گڈ! تمہیں کس نے بھیجا تھا؟"

"کسی نے نہیں۔ کسی نے بھی نہیں۔ ہم تو عام سے چور اُچکے ہیں۔ جوا مرتجی سیاحوں کو لوٹتے ہیں۔"

"آخری موقع!" ٹائیگر نے اُسے خبردار کیا۔ "تمہیں کس نے بھیجا تھا؟"

کرشنا جواب دینے ہی والا تھا کہ اُس کا چہرہ پھٹ گیا۔ اُس کا مُنہ کھُل گیا، جبڑے ڈھلک گئے، بالوں کا بڑا حصّہ اور بایاں کان غائب ہو گیا۔

اور اوشان صندوقوں پر نہیں رہا تھا۔

ٹائیگر نے کرشنا کی لاش دیکھی پلٹ کر دیکھا۔ اُس کی نظریں ایک سانولی سلونی مگر حسین ترین لڑکی پر ٹھہریں جو اگرچہ خاکی وردی میں تھی لیکن وردی کے باعث اُس کی نسوانیت اور زیادہ نمایاں ہو رہی تھی۔

"شہزاد!" لڑکی نے اس کا نام سوالیہ انداز میں لیا تھا۔

"شاید نہیں ہی شہزاد ہوں کیونکہ باقی مر چکے ہیں۔" ٹائیگر نے سر سراتے ہوئے انداز میں جواب دیا۔ لڑکی نے اپنی سب مشین گن بائیں کندھے پر ڈال لی اور ہاتھ ملانے کے لیے آگے بڑھا دیا۔

"میں عصمت سلطان ہوں۔ میرا تعلق داخلی دفاعی ادارے سے ہے۔ خوش آمدید یہاں تم کس مشن پر آئے ہو؟"

"تم لوگوں کی میزبانی کا جائزہ لینے کے لیے۔" ٹائیگر نے اُس کا بڑھا ہوا ہاتھ تھام لیا لیکن وہ ہاتھ جو ابھی ایک شخص کی پوری نہیں تو آدھی کھوپڑی اُڑا چکا تھا، غیر معمولی طور پر ٹھنڈا تھا۔ ہاتھ کی نرمی بھی سنسنی خیز ثابت ہو سکتی تھی۔

"میرا خیال ہے کہ یہ وقت مذاق کا نہیں۔" عصمت سلطان نے کہا۔ "تمہارا مشن کیا ہے؟"

"کیا تم بچپن ہی سے اتنی رُوکھی اور سخت لہجے والی ہو عصمت سلطان؟"

"میرے پاس ایسی باتوں کا وقت نہیں مسٹر شہزاد۔" عصمت سلطان نے ٹائیگر کی آنکھوں سے آنکھیں ہٹاتے ہوئے کہا کیونکہ سامنے والے کی آنکھوں میں دیکھتے ہی اُسے اپنے پگھلنے کا احساس ہونے لگا تھا۔ "میرا خیال ہے کہ میں تمہاری محسن ہوں کیونکہ اگر میں دخل نہ دیتی تو وہ شخص تمہیں ہلاک کر دینے والا تھا۔ یہ تمہاری خوش قسمتی ہے کہ میں بروقت پہنچ گئی۔"

"یہ تو اپنا اپنا خیال ہے۔" ٹائیگر مسکرانے لگا۔ "لیکن کیوں نہ ہم اس جگہ سے کہیں اور چلیں، جہاں تم عورتوں والا لباس پہن کر آرام سے باتیں کر سکو۔"

عصمت سلطان نے اس پر ایک طویل سانس لی تو اس کی وردی کھال کی طرح فٹ لگنے لگی۔ "میری وردی بہت آرام دہ ہے۔" وہ بولی۔

"لیکن مجھے بے چین کیے دے رہی ہے۔"

"بہرحال۔" وہ پہلی مرتبہ مسکرائی تھی۔ "تمہارے مسٹر اوشان ہوٹل میں جا چکے ہیں، شاید ہمارے ہی منتظر ہیں۔ وہاں ہم گفتگو کر سکیں گے۔"

"تب پھر جلدی کرو۔ اوشان زیادہ انتظار نہیں کر سکتا۔" ٹائیگر نے جواب دیا لیکن اُسے یہ بات بہت پُراسرار لگی تھی کہ اس لڑکی کو اُن کے نام معلوم ہیں۔

☆

روبی نے اپنی دائیں ٹانگ کے بالائی حصّے میں آگ دہکتی ہوئی محسوس کی لیکن اُس نے جھک کر نہیں دیکھا۔ کوئی ٹکڑا رگڑ کھاتا ہوا گزر گیا تھا۔ اس نے وردی پر بنا کیے بغیر چھلانگ لگائی اور دفاع کرنے والوں کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئی۔

ٹریلیکا کا عقبی حصّہ مقفل تھا ایک بڑا سا تالہ روبی کا منہ چڑا رہا تھا۔ وہ چند قدم پیچھے ہٹی۔ خودکار زائل سیدھی کی اور تالے پر گولیاں برسا دیں۔ تالہ ٹوٹ کر نیچے گرا اور اس نے آگے بڑھ کر دروازہ نیم وا کر دیا۔

پانچ سلنڈر اُسے سامنے ہی پڑے ہوئے نظر آ گئے ہر ایک کو بڑی احتیاط سے رکھا گیا تھا اور ایسا انتظام کیا گیا کہ چند سیکنڈ کے نوٹس پر انھیں مشتعل کیا جا سکے۔ روبی باہر نکل آئی دروازہ اُس نے دوبارہ بند کر دیا تھا۔

فردوسی جیٹ محلے کے لیے دوبارہ لوٹ آئے تھے۔ ایک طیارے نے اُس کمپنی پر گولیاں برسائیں جو ٹریلیکا کا دفاع کر رہی تھی اُن میں سے کئی ایک گاجر مولی کی طرح کٹ گئے تھے۔ روبی نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ وہ بروقت پیچھے ہٹ گئی تھی ورنہ اس وقت اُن کے ساتھ اس کے جسم کے ٹکڑے بھی اِدھر اُدھر تڑپ رہے ہوتے۔

Uploaded By Nadeem

"ٹرک میں اصل سلنڈر موجود ہیں۔"

ٹینا نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ روبی نے سر گھما کر دیکھا نیچے گڑھوں کے آس پاس ٹینا کے ساتھی آخری اور بڑے گڑھے میں مصروف تھے۔ کمار کم بیس دستی بم یکے بعد دیگرے پھینکے تھے۔ ساتھ ہی سولکما نڈوز نے چھوٹے چھوٹے ٹیلوں کے عقب سے نکل کر گڑھوں کی جانب بڑھنا شروع کر دیا صرف ایک جانب سے اُن پر فائر ہوا اور وہ بھی ایک چیخ پر ختم ہو گیا۔

روبی نے ٹینا کو ساتھ لیا اور ڈھلان کی طرف دوڑ لگا دی اُن کی منزل وہ گڑھے تھے جو ٹریلر کے سامنے کی طرف پندرہ بیس فٹ دُور تھے۔ دونوں جونہی ایک گڑھے میں کودیں وہاں موجود ایک زخمی فوجی نے اُن پر رائفل تان لی لیکن ٹینا اُس سے زیادہ پھرتیلی ثابت ہوئی۔ اُس کی کلاشنکوف کے ایک ہی برسٹ نے فوجی کے جسم میں کئی سوراخ بنا دیے۔

آس پاس کے گڑھوں میں کئی لاشیں موجود تھیں۔ دونوں نے اُن کا جائزہ لیا اور اُن کی رائفلیں جمع کر لیں۔

"ہم اس ٹریلر کو یہاں سے چلا کر نہیں لے جا سکتے تم لوگوں نے سلنڈر فردوس منتقل کرنے کا کیا پروگرام بنایا ہے؟" روبی نے فارغ ہونے کے بعد ٹینا سے دریافت کیا۔

"پروگرام تو یہی تھا کہ انھیں بذریعہ ہوائی جہاز لے جایا جائے لیکن شرط یہ ہے کہ ہم صحیح طور پر رابطہ قائم کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔" ٹینا نے ریڈیو لگاتے ہوئے جواب دیا۔

"بگ برڈ علاقہ محفوظ ہے میں دُہرا رہی ہوں علاقہ محفوظ ہے۔ کیا بگ برڈ پرواز کر سکتا ہے۔ میں اسٹیلہ بول رہی ہوں۔" ریڈیو سے چند لمحے گھر گھر کی آواز سنائی دی اور پھر وہ جاگ اٹھا۔ "جواب منفی ہے اسٹیلہ کارروائی جاری رہے دوبارہ کال کرو۔"

دو فردوسی جیٹ اُن کے سروں پر سے شور مچاتے گزرے لیکن کسی نے فائر نہ کیا انھوں نے ایک غوطہ لگایا اور جنوب مغرب کی طرف پرواز کر گئے۔

"مشکل آسان۔" روبی نے اچانک زیر لب کہا جنوب کی سمت سے ایک ہاف ٹریک بھاری مشین گن سے گولیاں برساتی اُن کی طرف بڑھ رہی تھی۔ روبی فوراً زمین پر گر گئی۔ گولیاں اُس کے آس پاس زمین اور بھرت لینڈ کے فوجیوں کی لاشوں میں پیوست ہو گئیں لیکن ٹرک کو کوئی گولی نہیں لگی۔

"وہ ہمارے دوست طیارے کہاں گئے؟" روبی نے لیٹے لیٹے ٹینا سے دریافت کیا جو اُس کے قریب ہی زمین پر گری پڑی تھی "ہمیں پھر اُن کی مدد کی ضرورت ہے۔"

"ہمیں اپنے ساتھ ایک شولڈر راکٹ لانچر لانا چاہیے تھا۔" ٹینا نے بُرا سا منہ بنایا۔

اُس نے دوبارہ ریڈیو اُٹھایا لیکن بیل بی نے فوری طور پر کوئی جواب نہ دیا۔ ہاف ٹریک اب قریب آتا جا رہا تھا اور روبی کو اُس کے عقب میں چلتے ہوئے فوجیوں کے چہرے بھی صاف دکھائی دے رہے تھے۔

"ٹینا سوچنے کا وقت نہیں ہے، مجھے اپنے چار آدمی اور ایک مشین گن دو، جلدی کرو۔"

ٹینا فوراً اپنے ساتھیوں کی سمت بھاگی۔

تین منٹ بعد روبی اپنے ساتھیوں کے ہمراہ پوزیشن لینے کے لیے تیار تھی اُسے باقی لوگوں کی جانب سے کور فائر کا انتظار تھا۔ روبی نے اپنے ساتھ جانے والوں کو ہدایت کی تھی کہ جب تک وہ خود فائر نہ کرے باقی لوگ ایک گولی بھی نہیں چلائیں گے اب ہاف ٹریک تیس فٹ کے فاصلے پر تھی لیکن وہ چونکہ گڑھوں میں چھپے ہوئے تھے اس لیے گنر کی توجہ اُن کی جانب نہیں تھی اُس کے پیچھے پیچھے بیس فوجی ہلکے ہتھیار اٹھائے چل رہے تھے۔

جب انفنٹری اُن کے قریب سے آگے گزر گئی اور ہاف ٹریک کی پشت اُن کی جانب ہو گئی تو روبی چلائی۔

"فائر" اور اُس کے ساتھ ہی ہاف ٹریک کے کیبن پر قیامت ٹوٹ پڑی۔ ہر شخص کا ٹارگٹ الگ الگ تھا۔ دو آدمی انفنٹری کے آدمیوں پر گولیاں برسا رہے تھے۔ ایک مشین گن ہر اور روبی ہاف ٹریک پر۔

پہلے ہلے میں اُنھوں نے دس فوجی گرا لیے لیکن روبی نے دیکھا کہ تیس چالیس گولیوں کا ہاف ٹریک کے کیبن پر کوئی اثر ہی نہیں ہوا تھا۔ اُنھوں نے اپنی فائرنگ کا رُخ موڑ کر ہاف ٹریک کے پہلو پر گولیاں برسانی شروع کر دیں حتیٰ کہ اُس کے انجن میں سے دُھواں نکلنے لگا اور ہاف ٹریک جھٹکے لے کر رُک گئی۔ تھوڑی دیر تک انجن بند رہا لیکن پھر اسٹارٹ ہو گیا اور ہاف ٹریک جھٹکے سے آگے بڑھی مگر اس بار اُس کی رفتار پہلے کی نسبت بہت کم تھی۔

روبی نے دوبارہ فائر کرنے کا اشارہ دیا لیکن ہاف ٹریک

ایک دم بگڑا۔

"گرنیڈ!" روبی نے نیا حکم دیا اور چند ہی لمحوں بعد یکے بعد دیگرے کئی گرنیڈ ہاف ٹریک پر پھٹے۔ اس بار انھیں کامیابی ہوئی تھی۔ فضا میں متعدد چیخیں بھی اُبھریں۔ روبی اپنی منصوبہ بندی میں کامیاب ہو گئی تھی۔

چند منٹ بعد روبی اپنے ساتھیوں کے ہمراہ دوبارہ گڑھوں میں موجود تھی۔ جو ٹریلر کے بالکل قریب تھے۔

"اب تک ہمارے کتنے آدمیوں کا نقصان ہو چکا ہے؟"

"چار مارے گئے ہیں اور تین معمولی زخمی ہیں۔" ٹینا نے اُسے آگاہ کیا۔

"بگ برڈ کہاں ہے؟ ہم اس مقام کا پورے دن تحفظ نہیں کر سکتے۔"

"میں نے دوبارہ کال کیا ہے، بگ برڈ اگلے چار منٹ بعد ہمارے سروں پر ہو گا۔"

"لیکن ہم انھیں لوڈ کیسے کریں گے؟ ہر سلنڈر کم از کم ایک ٹن وزنی ہو گا۔"

ایک جیٹ انھیں شمال کی جانب سے آتا دکھائی دیا اور جب تک وہ اُس کی آواز سنتیں طیارہ اُن کے سروں پر سے گزر چکا تھا۔

"ہمیں کم از کم مزید ایک گھنٹے تک فضائی تحفظ درکار ہو گا۔" ٹینا نے جواب دیا۔

"یہ بھی تو سوچو کہ عام جیٹ فائٹر تین منٹ میں ساٹھ میل پرواز کرتا ہے اگر یہ ۱۲۰ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے پرواز کرے گا تو اس کا مطلب ہوا کہ ایک منٹ میں بیس میل۔"

"بگ برڈ اتنا تیز رفتار نہیں ہے۔"

روبی اب بھی کچھ نہ سمجھ سکی کہ ٹینا کیا کہہ رہی ہے لیکن دو منٹ بعد اُسے سب کچھ پتا چل گیا۔

ایک بہت بڑا سی ایچ ۵۳ تارا ہی اسکائی کرین ان کی طرف بڑھ رہی تھی یہی بگ برڈ تھا۔ بگ برڈ دور سے ایک فضائی کرین لگ رہا تھا جس کے اگلے سرے پر ایک کیبن بنا ہوا تھا۔ پیچھے ایک بڑا روٹر تھا جس سے ٹرک یا ٹینک کنٹینر اُٹھائے جا سکتے تھے۔

"زبردست۔" روبی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی ٹینا نے فخریہ انداز میں روبی کو دیکھا لیکن خاموش رہی۔

دو منٹ بعد بگ برڈ ٹریلر کے بالکل اوپر معلق تھا۔

ٹینا کے ساتھیوں نے ٹریلر کے کیبن کو عقبی حصے سے الگ کر دیا تھا۔ زیادہ دیر بعد ہی بگ برڈ سے لوہے کے بھاری بھرکم اور موٹے موٹے رسّے نیچے گرائے گئے ساتھ ہی دو افراد رسّیوں کی مدد سے نیچے اُتر آئے۔ ٹینا نے اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا اور وہ بڑے ٹریلر کو آہستہ نہ نجیروں اور رسّوں کے کڑوں میں پھنسانے میں مصروف ہو گئے۔

روبی کو ایک اور آواز سنائی دی اُس نے چونک کر جنوبی سمت دیکھا دو اور ہاف ٹریک گرد اُڑاتی اُن کی طرف بڑھ رہی تھیں۔

اُس نے قریب ہی موجود مشین گنر کو اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا اور پھر ٹینا سے مخاطب ہوئی۔

"تم اسی بگ برڈ کے ذریعے یہاں سے نکل جاؤ اب تم سب کی نظروں میں آ چکی ہو اور آج کے بعد اودھ پور میں کوئی شخص تم پر اعتماد نہیں کرے گا۔"

ٹینا نے سر ہلایا اور روبی نے ہاف ٹریک کی طرف دوڑ لگا دی۔

ہاف ٹریک جونہی فائرنگ رینج میں آئی اُس پر گولیوں کی بارش شروع ہو گئی لیکن اُسے کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ روبی نے فوراً پچھلی تیکنیک استعمال کی۔ دستی بموں کی مدد سے وہ ایک ہاف ٹریک کو بے کار کرنے میں کامیاب ہو گئی لیکن دوسری مصیبت ابھی باقی تھی۔ جو مسلسل فائرنگ کرتی آگے بڑھ رہی تھی۔ ایک برسٹ روبی کے ساتھی مشین گنر کو لگا اور اس کا سر کندھے سے کٹ کر دُور لڑھک گیا۔ ایک گولی روبی کا شانہ چیرتی ہوئی نکل گئی اور وہ کئی فٹ دُور جا گری۔

درد کی ایک ٹیس روبی کے پورے جسم میں سرایت کر گئی لیکن اُس نے اپنے حواس معطل نہ ہونے دیے۔ اُس نے پلٹ کر ٹریلر کی طرف دیکھا۔ فضائی کرین اب اوپر کی جانب اُٹھ رہی تھی۔ بھاری بھرکم ٹریلر اُس کے مضبوط رسّوں سے بندھا ہوا تھا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے پورا ٹریلر فضا میں بلند ہو گیا ایک مخصوص بلندی پر پہنچ کر بگ برڈ نے رُخ بدلا اور جنوب مغرب کی سمت پرواز کر گیا۔

فوراً ہی ایک چھوٹا ہیلی کاپٹر فضا میں نمودار ہوا اور لینڈ کر گیا۔ یہ یو ایچ آئی ڈی قسم کا کاپٹر تھا اور اس میں کریو کے علاوہ چودہ افراد کی گنجائش تھی۔ گرد کا ایک طوفان اُٹھا اور پھر اس طوفان میں روبی نے لوگوں کو کاپٹر میں سوار ہوتے دیکھا اُس نے سوار ہونے والے آدمیوں کو گننے کی کوشش کی۔ اُن

کے چار آدمی مر چکے تھے، پندرہ باقی تھے۔ ایک اُس کے ساتھ ابھی ابھی مارا گیا تھا یوں چودہ بچے... نہیں... ٹینا پندرھویں تھی لیکن وہ یقینی طور پر اُسے بھی سوار کرائیں گے۔ روبی کی گنتی ابھی لفٹ تک ہی پہنچی تھی کہ ایک لمحے کے لیے اُس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔

اُس نے زور زور سے سر جھٹک کر اپنے حواس قائم رکھنے کی کوشش کی اور پھر کاپٹر کی طرف دیکھا۔

کاپٹر میں لوڈنگ مکمل ہو چکی تھی اور وہ اُوپر اُٹھ رہا تھا پھر وہ جنوب مغرب کی سمت چل دیا۔ اُس کے حلق سے اطمینان کی سانس خارج ہو گئی۔ ٹینا محفوظ ہو گئی تھی۔

اب روبی اپنے شانے کی طرف متوجہ ہوئی۔ خون اُس کے بازو اور آستینوں کو بھگو رہا تھا۔ اب ایک ہی چارہ تھا کہ وہ کسی طرح باڑھ تک پہنچ کر باہر نکلنے کی کوشش کرتی۔

اُس نے اُٹھ کر چلنے کی کوشش کی۔ قدم اُس کے یوں لڑکھڑا رہے تھے جیسے بچے کے پہلی بار چلتے وقت لڑکھڑاتے ہیں۔ وہ دوبارہ زمین پر بیٹھ گئی اور بیلٹ سے فرسٹ ایڈ پاؤچ اُتار کر اپنے زخم کی ہینڈ ٹیج کرنے لگی لیکن خون کا روکنا فرسٹ ایڈ کے بس کی بات نہیں تھی۔ البتہ یہ ہوا تھا کہ اس کے بہنے میں خاصی کمی واقع ہو گئی تھی۔

روبی نے دانتوں پر دانت جمائے اور دوبارہ اُٹھ کھڑی ہوئی خود کار رائفل کو وہ سہارے کے لیے لاٹھی کے طور پر استعمال کر رہی تھی۔ اُس نے پلٹ کر گڑھوں کی طرف دیکھا لیکن وہاں کوئی نہیں تھا۔

ابھی اُس نے مڑنے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ کوئی شخص اُسے ہاتھ ہلاتا ہوا نظر آیا اور پھر اُس نے روبی کی طرف دوڑ لگا دی۔ روبی نے فوراً اُسے پہچان لیا۔

وہ ٹینا تھی۔

روبی دوبارہ بیٹھ گئی۔ ٹینا اُس پر تقریباً گر سی گئی۔ روبی کو اُس کی آنکھوں میں آنسو نظر آ رہے تھے۔ اُس نے جلدی جلدی روبی کو بتایا کہ کاپٹر میں چودہ افراد کی گنجائش تھی جب کہ زخمیوں کے لیے زیادہ جگہ درکار تھی چنانچہ میں ایک اور آدمی کے ساتھ یہیں رُک گئی ہو سکتا ہے وہ ہمارے لیے لوٹ کر آئیں۔

روبی نے جنوب کی سمت نگاہیں گاڑ دیں لیکن آسمان صاف تھا۔ اُس نے پلکیں جھپکائیں۔ اُسے گڑھوں کے پاس بنکر کے سامنے ایک اور آدمی نظر آیا تھا یا شاید یہ اُس کی نظروں کا دھوکا تھا۔

اُسی وقت ٹینا کا باقی بچ جانے والا ساتھی چھلانگ لگا کر باہر نکلا اُس نے چلا کر انھیں کچھ کہنے کی کوشش کی لیکن عقب سے آنے والے مشین گن برسٹ نے اُس کے الفاظ کو آخری چیخ میں تبدیل کر دیا۔

روبی اور ٹینا فوراً زمین پر لیٹ گئیں۔ پھر ٹینا نے رائفل اُٹھا کر بیٹھنا چاہا تو روبی نے اُسے پکڑ کر دوبارہ نیچے گرا لیا۔ اُسی لمحے مشین گن دہاڑی اور گولیاں اُن کے سروں پر سے گزر گئیں۔

روبی نے اپنی رائفل اُٹھائی اور رینگتی ہوئی اُس سمت بڑھنے لگی جدھر سے فائرنگ ہوئی تھی۔ اُس کا خون بہنا مزید کم ہو گیا تھا اور اب وہ اُس تنہا آدمی سے نمٹ سکتی تھی جو اس فائرنگ کا ذمے دار تھا۔ باقی تمام لوگ مارے جا چکے تھے اور وہ اکیلا رہ گیا تھا۔ تھوڑی دیر میں ہی فیصلہ ہونے والا تھا کہ دونوں میں سے زندہ کس کو رہنا تھا اور مرنا کس کو تھا؟

❀

"میں اُسے بچانے کے لیے پہلے ہی پہنچ جاتی لیکن میں میگزین ایک بُک اسٹال پر چھوڑ آئی تھی۔" عصمت سُلطان نے اوشان کو بتایا۔

"کون سا میگزین خرید رہی تھیں، نیشنل جیوگرافک یا پلے گرل" ٹائیگر نے بڑی دلچسپی سے پوچھا۔

"نہیں مسٹر شہزاد۔ یہ والا میگزین۔" عصمت نے سب مشین گن کے کلپ کو ہاتھ لگا کر جواب دیا جو اب بھی اُس کے نازک شانے پر موجود تھی۔

چھوٹا سا ریستوران سبز اور سنگترے کے رنگ میں بہت بھلا لگ رہا تھا اُس کے میز پوش بھی گہرے سُرخ رنگ کے تھے جن پر گرنے والا خون نظر نہیں آ سکتا تھا۔ یہ عجیب بات تھی۔ کم از کم ٹائیگر کو احساس تھا کہ مُسلم آباد، گلشن آباد یا ایسے ہی کسی دوسرے شہر میں اگر کوئی سپاہی سب مشین گن لے کر ہوٹل میں داخل ہو تو ہنگامہ ہو جاتے لیکن وادیٔ زرنگار میں ایسی صورتِ حال نظر نہیں آ رہی تھی۔ یہاں تو لوگوں نے عصمت سُلطان کو وادی میں دیکھ کر بھی اُس پر کوئی خاص توجہ نہ دی جب کہ قرودس کے دوسرے علاقوں میں مجھ

اُس کی ایک جھلک ٹریفک جام کر سکتی تھی، وادیٔ زرنگار واقعی مختلف تھی۔ سب سے مختلف۔

"کیا میں آپ کی کوئی خدمت کر سکتا ہوں جناب!" ویٹر بولا۔ اُس کا لہجہ زرنگاہی زبان کا تھا۔

"اوہ... شاید تم واحد آدمی ملے ہو جو مجھ سے واقف نہیں ورنہ اب تک ملنے والے تمام افراد نے میرا نام لے کر مخاطب کیا ہے۔" ٹائیگر ہنس کر بولا۔

"کیا تمہارے پاس بہت اچھی مچھلی ہے؟" اوشان نے ویٹر کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

"یس سر..." ویٹر نے فوراً جواب دیا اور آرڈر پیڈ پر لکھنے لگا... "بہت اچھی فرائیڈ فش...؟"

"نہیں..." اوشان نے اس بار سر اُٹھایا تھا "میں نے تم سے یہ نہیں پوچھا تھا کہ تم گریس استعمال کرتے ہو یا گھی۔ جب میں مچھلی کہتا ہوں تو میری مُراد مچھلی ہوتی ہے۔ فرائیڈ وغیرہ نہیں۔"

"آپ اُس کو چھیل کر کھا سکتے ہیں جناب!" ویٹر جو اوشان کی بات پر ہکا بکا رہ گیا تھا سنبھل کر بولا۔

"ٹھیک ہے۔" اوشان نے کہا۔ "تم مجھے فرائیڈ کر لا دو گے تو میں اُسے چھیل کر ساری کی ساری مچھلی یہیں پلیٹ پر ڈال دوں گا اور پھر کھانے کے خاتمے پر تم مجھے مچھلی چھیلنے کا معاوضہ دو گے۔"

"تمہارے پاس منرل واٹر اور صاف گلاس ہوں گے؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"یس سر۔"

"تب پھر دو گلاس پانی۔"

"اور میرے لیے کچھ نہیں۔" عصمت سُلطان نے کہا اور ویٹر بھاگتا ہوا چلا گیا۔

"ہاں۔ یہ بتاؤ کہ فرودسی سائنسدانوں کو کس نے قتل کیا ہے؟" ٹائیگر نے اچانک ہی عصمت سے پوچھا۔

"اگر تم حملہ آور افراد کے ساتھ ذرا سی بھی احتیاط برتتے تو میں یہ بھی معلوم ہو جاتا۔"

"سوری۔ میں آئندہ حملہ آوروں کا مقابلہ نہیں کیا کروں گا۔" ٹائیگر نے بڑی سنجیدگی سے جواب دیا۔ اس پر عصمت نے بڑی گہری نظروں سے ٹائیگر کی طرف دیکھا لیکن اس دوران دونوں کی نظریں چار ہوئیں ٹائیگر حیرت زدہ رہ گیا کیونکہ اُس نے عصمت کے ملیح چہرے پر حیا کی سُرخی دیکھ لی تھی۔ وہ خالصتاً مشرقی انداز میں سر جھکا کر نیچین مروڑنے لگی۔

"سوری!" وہ بہت نرم لہجے میں بولی۔ "میں جانتی ہوں کہ سارا قصور میرا ہے اگر میں فائرنگ میں عجلت سے کام نہ لیتی تو... تو پھر... وہ زندہ بچ سکتا تھا اور ہم اس نتیجے کی تہ تک پہنچ سکتے تھے۔" یہ کہہ کر وہ تیزی سے اُٹھی اور لیڈیز باتھ روم کی طرف تقریباً دوڑ سی گئی۔ راستے میں وہ ویٹر سے بھی ٹکراتے ٹکراتے بچی۔ ٹائیگر نے اوشان کی طرف دیکھا جو چور نظروں سے دونوں طرف صفائی کا جائزہ لے رہا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ بے چاری اس واقعے سے بہت دل گیر ہو گئی ہے، اپنی گن بھی یہیں چھوڑ گئی ہے۔"

سب مشین گن اس وقت کرسی کے ہتھے پر لٹکی ہوئی تھی۔

"بہت چالاک لڑکی ہے... اور مجھے اسے دیکھ کر اُس مُنہ چھٹ لڑکی کی یاد آ جاتی ہے جو بہت اچھی ہے اور جس کے بارے میں میری خواہش ہے کہ وہ تمہاری مدد سے میرا جانشین پیدا کرے۔"

"روبی۔"

"ہاں۔" اوشان نے جواب دیا۔ "وہ بھی ان دونوں بھرت لینڈ میں ہی ہے۔"

"جی ہاں۔" ٹائیگر نے یہ کہہ کر خاموشی اختیار کر لی۔ اسی دوران ویٹر نے بڑی احتیاط سے ٹائیگر اور اوشان کی طرف دیکھتے ہوئے چم چماتے ہوئے صاف گلاسوں میں پانی سرو کیا۔ ٹائیگر عصمت سُلطان کی گن چیک کرتا رہا لیکن اس وقت اُس میں میگزین کلپ نہیں تھا۔ وہ ایک طویل سانس لے کر رہ گیا۔ اس نے کن انکھیوں سے اِدھر اُدھر دیکھا تو اُسے احساس ہوا کہ چار سپاہی دوسری میزوں پر بیٹھے ہوئے اسی کو دیکھے جا رہے ہیں اُن کے ہاتھ ہولسٹروں پر تھے۔ اُس نے گن واپس ہتھے پر رکھ دی تو چاروں سپاہیوں کے چہرے پُرسکون ہو گئے۔

اوشان نے اپنا گلاس اُٹھا کر اُس کا بغور معائنہ شروع کر دیا جب کہ ٹائیگر نے اُس دروازے کی طرف دیکھنا شروع کر دیا۔ جہاں سے عصمت سُلطان اندر گئی تھی۔ اُسے عصمت ایک پُراسرار کردار لگنے لگی تھی۔ اس لڑکی نے ایک شخص کو ابھی ہلاک کیا تھا اور پھر بچوں کی طرح روتی ہوئی بھاگ بھی گئی تھی۔ یا تو وہ انتہائی غیر متوازن لڑکی تھی یا پھر ایسی کمسن لڑکی

تھی جو خود کو بہادر فوجی بنا کر پیش کرنا چاہتی تھی۔ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ وہ اُن کی ہمدردی حاصل کرنے کی کوشش کر رہی ہو۔ فرار چاہتی ہو یا پھر اُن سے چھپ کر کسی کو حالات کی رپورٹ بھیج رہی ہو۔

ٹائیگر نے جلد ہی ان خطوط پر سوچنا بند کر دیا کیونکہ یہ سب کچھ اُسے بہت زیادہ منتشر کر رہا تھا۔

لیکن دو باتیں بہت واضح تھیں۔ پہلی یہ کہ اُس نے ایک ایسے شخص کو قتل کر ڈالا تھا جس سے ٹائیگر بہت کچھ اُگلوا سکتا تھا اور دوسری یہ کہ وہ گلی کے لفنگوں کرشنا وغیرہ کی طرح ٹائیگر کے نام سے بھی واقف تھی۔

پھر اُس نے عصمت کو ڈریسز باتھ روم سے نکلتے ہوئے دیکھا اُس کی آنکھیں خشک تھیں اور سر بلند۔ جب آدشان نے پانی کا پہلا گھونٹ لیا تو اُس کی نظریں چھت کی طرف تھیں اُس نے پانی چند لمحوں تک منہ ہی میں رکھا اور پھر کلی کر دی۔ اس کے بعد ویٹر کی طرف دیکھتے ہوئے پانی کا گلاس فرش پر خالی کر دیا۔

عصمت میز تک پہنچی تو ٹائیگر نے اُسے سب نشستیں گن پیش کر دی۔ "غالباً یہاں کا پانی بہت خراب ہے چشمے بہت جلد خشک ہو جاتے ہیں۔" ٹائیگر نے اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"اگر تمہیں کہیں سے اچھا پانی مل جائے تو مجھے ضرور لا دینا۔" آدشان نے ٹائیگر سے فرمائش کی۔

"میرا خیال ہے کہ اس سازش کے پس پشت... میرا مطلب ہے کہ ایٹمی سائنسدانوں کے قتل کے پیچھے بھرتی انتہا پسند تنظیم بھرتیہ فرنٹ کا ہاتھ ہے۔" عصمت سلطان بولی۔

"تب پھر اور کس کا ہاتھ ہو سکتا ہے۔" ٹائیگر نے بڑے وثوق سے جواب دیا حالانکہ اُس کے فرشتوں کو بھی علم نہ تھا کہ وہ کس تنظیم کے بارے میں بات کر رہی ہے۔ "میں کب سے کہتا رہا ہوں کہ یہ کام گھر گرہستی فرنٹ کا ہے۔ آؤ ذرا باہر چلیں۔ آدشان! آپ سے پھر ملاقات ہو گی۔"

"بھرتیہ فرنٹ۔" عصمت نے تصحیح کی۔ "یہ تنظیم پورے علاقے کو ایک متحدہ ریاست کی شکل میں دیکھنا چاہتی ہے تاکہ ایک جنونی مذہبی گروہ حکمرانی کر سکے۔" وہ اُٹھ گئی پھر دونوں عین روڈ کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے جس کے ساتھ ایک سو سے زیادہ بک اسٹورز تھے اور اُن کے سامنے سیاہی، عام شہری، زندنگاری شہری، اطالوی، امریکی اور سوئس سیاح مٹر گشت کر رہے تھے۔ اُن کی باتوں کی آوازیں بھی بلند تھیں۔

"میں تمہیں وہ کچھ بتا سکتا ہوں جس کا تجھے علم ہے۔" ٹائیگر نے رضا کارانہ طور پر گواہی دینے کے انداز میں کہا۔ "لگتا ہے جیسے اِس ملک میں ہر ایک مجھ سے واقف ہے۔ بعض لوگ تو مجھے قتل کرنے کی کوشش بھی کر چکے ہیں اب میرا خیال ہے کہ سیکرٹ بزنس وہ نہیں رہا جو پہلے ہوا کرتا تھا!"

"لیکن مجھے اب بھی علم نہیں کہ تم کون ہو..." عصمت سلطان نے سنجیدگی سے کہا۔

"میں وہی شخص ہوں جو تمہارے ایٹم بموں کو تحفظ دینے کے لیے آیا ہے۔"

"ایٹم بم — یہ کیا ہوتے ہیں؟"

"ان کے بارے میں، میں نے ٹائم میگزین میں پڑھا تھا۔"

"ٹائم میگزین کی کسی بات پر یقین کرنا زیادہ مناسب نہیں۔" وہ منہ بنا کر بولی۔

"بہر حال — کیا تمہارے پاس ایٹم بم نہیں؟"

"کیا نہیں؟" عصمت سلطان نے سپاٹ انداز میں پوچھا۔

"کمال ہے — میں نے تو سنا تھا کہ صرف ایک خاص ملک کے لوگ سوال کا جواب سوال سے دیتے ہیں۔" ٹائیگر کی اس بات پر وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ "وہ کون سا علاقہ ہے؟" اس نے پوچھا۔

"یہ کون پوچھنا چاہتا ہے۔" ٹائیگر نے ہنس کر پوچھا اور دونوں ہی کھلکھلا کر ہنس پڑے۔ "پتا نہیں۔" عصمت بولی۔

"تب پھر ہمیں کیا پروا۔" ٹائیگر کی اس بات پر عصمت اس بُری طرح قہقہے لگانے لگی کہ اُس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ وہ اگر بیٹی ہوتی تو لوٹ پوٹ ہو جاتی لیکن چونکہ وہ مٹر گشت کر رہے تھے لہٰذا وہ ایک پول سے ٹیک لگا کر ہنستی رہی۔ یہی ٹائیگر کے لیے سنہری موقع تھا۔ وہ اُس کے بہت قریب آ گیا۔

"میں تمہارے بموں کی حفاظت کے لیے بھیجا گیا ہوں۔"

"تم میرا سیکرٹ کارڈ دیکھنا چاہتی ہو۔" یہ جملہ اس انداز میں کہا گیا تھا کہ وہ تو ہنستے ہنستے سُرخ ہو گئی اور قریب سے گزرنے والے بھی اِس جوڑے کو دیکھ کر مسکرانے لگے۔

پھر اچانک ہی وہ خاموش ہو گئی۔ وہ ایک بار پھر [illegible] والی عصمت سلطان بن چکی تھی۔

"تو.... پھر ڈیٹ رہی۔ میں آج شام تم سے تمہارے

ہوٹل میں ملوں گی۔" یہ کہہ کر اُس نے ٹائیگر کو مسکرا کر دیکھا اور پھر سیاحوں، سپاہیوں اور شہریوں کے ہجوم میں گھس کر غائب ہو گئی۔ ٹائیگر سر ہلاتا ہی رہ گیا لیکن سر ہلانے کے انداز سے صاف ظاہر تھا کہ وہ سوچ رہا ہے۔

⁂

بنکر سے کچھ فاصلے پر اُس نے ایک شخص کو حرکت کرتے دیکھا۔ روبی نے خود کو فوراً زمین پر گرا لیا۔ ساتھ ہی ایک گولی چلی جو روبی کے سر پر سے گزر گئی۔

اُس کا دشمن قریب میں تھا۔ روبی نے رائفل قل آؤٹ مشک پر کی اور سامنے والے کا نشانہ لیا۔ درد کی ایک لہر پورے جسم میں سرایت کر گئی لیکن اُس نے کسی نہ کسی طرح رائفل سیدھی کر ہی لی اِس سے پہلے کہ وہ فائر کرتی دشمن گڑھوں میں غائب ہو گیا۔

روبی نے اپنی جگہ سے حرکت نہیں کی بلکہ وہیں دبکی رہی البتہ آنکھیں اُس کی مسلسل اُسی جانب نگراں تھیں۔ تھوڑی دیر بعد دشمن نے دوبارہ سر نکالا اِس بار وہ روبی سے بہت قریب تھا اور وہ اُسے بخوبی پہچان سکتی تھی۔

دشمن بھرت لینڈ کا کوئی فوجی نہیں تھا۔ وہ رُوسی ایجنٹ ایگزینڈر گالکن تھا جس نے زہریلی گیس کے ذریعے امیر ہونے کا پروگرام بنایا تھا۔ گالکن، فردوس میں ٹائیگر کے ہاتھوں بچ نکلا تھا لیکن اب روبی نے فیصلہ کیا تھا کہ اُسے کسی قیمت پر نکلنے نہیں دے گی۔

گالکن کے ہاتھوں میں رائفل تھی لیکن وہ فائرنگ پوزیشن میں نہیں تھی وہ روبی سے بیس فٹ دُور تھا۔ روبی نے بیرا کیگی کی اور ٹریگر دبا دیا۔ گولیاں چلیں اور تمام کی تمام گالکن کے اردگرد زمین میں پیوست ہو گئیں کوئی گولی نشانے پر نہیں لگی تھی۔

گالکن نے فائرنگ کا جواب نہیں دیا اور روبی کو پہلی مرتبہ احساس ہوا کہ اُس کے پاس ایمونیشن ختم ہو چکا تھا وہ گڑھوں میں گولیاں تلاش کرتے کرتے روبی کے قریب آ پہنچا تھا۔

روبی اپنی جگہ سے اُٹھی اور رُوسی کی طرف بڑھی۔ اُس نے اپنا شکاری چاقو بھی نکال لیا تھا۔ آہٹ پر رُوسی نے چونک جانے والے انداز میں سر اُٹھا کر دیکھا اور رائفل پھینک کر اپنا چاقو نکال لیا۔

"تو یہ تم تھیں، امریکی چوہیا!" اُس نے روبی کو دیکھتے ہی تبصرہ کیا۔

"ہم دونوں یہاں تنہا ہیں گالکن، کوئی بھرت لینڈ کا فوجی، کوئی رُوسی اور کوئی دوسرا امریکی یہاں موجود نہیں صرف دو افراد اور دو چاقو ہیں۔"

"چاقو ہمیشہ سے میرا پسندیدہ ہتھیار رہا ہے۔"

روبی نے گالکن کا جائزہ لیا وہ اُس سے دو تین انچ چھوٹی تھی البتہ گالکن جسامت میں اُس سے مضبوط تھا۔ روبی نے اُس کا جائزہ لیتے ہوئے اُس کے قدموں کی طرف دیکھا تو ایک بریف کیس اُسے وہاں پڑا نظر آیا۔

"تمہارے پاس لاکھ ڈالر؟"

"نہیں، اس کا ایک حصہ، سلنڈروں کی دھمول کے ساتھ ہی اُنھوں نے مجھے ادائیگی کر دی تھی اِس کے بعد سلنڈروں کے ساتھ جو بھی ہوتا اُن کا مسئلہ تھا۔"

"میں چاہتی تو ایڈاہو میں ہی تمہیں موت کے گھاٹ اُتار سکتی تھی لیکن میں تمہاری جڑیں تک کاٹنا چاہتی تھی۔"

"کیا؟" گالکن نے حیرت سے کہا اور ایک قدم آگے بڑھ آیا۔ روبی نے دیکھا کہ وہ لنگڑا رہا تھا اور اُس کی ٹانگ بُری طرح زخمی تھی۔ "تو وہاں تم تھیں؟"

"نہیں وہ محافظ یاد نہیں جسے کُتوں نے چیر پھاڑ دیا تھا۔" روبی نے اُسے یاد دلایا۔

گالکن نے جواب دینے کی بجائے آگے بڑھ کر اُس پر حملہ کرنا چاہا لیکن یہی اُس کی غلطی تھی۔ وہ یہ بھول گیا تھا کہ بریف کیس اُس کے پیروں میں ہے۔ ٹھوکر لگتے ہی وہ لڑکھڑایا اور روبی کا چاقو اُس کے نرخرے کے آر پار ہو گیا۔ گالکن نے چاقو والا ہاتھ لہرایا لیکن روبی اُچھل کر پیچھے ہٹ گئی۔ گالکن نیچے گرا اور دوبارہ اُٹھ نہ سکا۔

روبی نے اُس کی لاش پر نفرت سے تھوکا اور بریف کیس اُٹھا کر ٹینا کی طرف چل دی جو اُس کی منتظر تھی۔

"اسے کھولو۔" روبی نے بریف کیس اُسے تھما دیا۔

اُس نے فوراً تعمیل کی۔ اندر کئی بڑے بڑے لفافے پڑے تھے جو نوٹوں سے بھرے ہوئے تھے۔ ایک تھیلی میں ہیرے تھے۔ ٹینا نے ایک ہیرا نکال کر ہتھیلی پر رکھ لیا۔

"مائی گاڈ!" ٹینا کا منہ مارے حیرت کے پھیلا رہ گیا۔ "اس کی قیمت ایک لاکھ ڈالر تو ضرور ہو گی۔"

"ہاں میری جان۔" روبی نے ہنستے ہوئے کہا اور پھر اپنے

ہاتھ اُس کے کندھے پر رکھ دیے۔ "یہ سب تمہارے ہیں، تمہارا انعام، آؤ چلیں۔"

ٹینا حیرت سے اُسے دیکھتی رہ گئی تھی۔

*

"ایک کتاب میں لکھا ہے کہ جب شیر مطمئن ہو تو وہ دہاڑتا ہے اور انسان اُس وقت گناہ کرتا ہے جب اُس کے پاس بہت کچھ ہوتا ہے۔"

"تم نے ایک بار پھر مجھے اسٹمپ آؤٹ کر دیا ہے۔" ڈاکٹر زبیری نے ہنس کر کہا۔ "لیکن یہ تو بتاؤ کہ ہماری ایجنٹ عصمت سلطان کی رپورٹ کیا ہے؟"

"زیادہ کچھ نہیں۔" شاہ حمید نے جواب دیا۔ "صرف اتنی پیش رفت ہوئی ہے کہ اُس نے شہزاد سے ایک اور ملاقات طے کر لی ہے۔ اُسے یقین ہے کہ اُس سے وہ مزید معلومات حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے گی۔"

دونوں اپنی معمول کی جگہ پر بیٹھے ہوئے تھے۔ سفید بلی کی گود میں کا غذات رکھے ہوئے تھے اور زبیری ایک پلاسٹک فوٹو گرافک کیوب سے کھیل رہا تھا جو اُس نے امریکہ میں خریدی تھی۔ اس کیوب کے چاروں طرف زبیری کے بچوں کی تصویر تھی اُس کے اُوپر بیگم زبیری کی ہنستی مسکراتی رنگین تصویر۔ ڈاکٹر زبیری جب بھی کسی اہم موضوع پر گفتگو کرتا یہ کیوب اُس کے ہاتھ میں ہوتی اور وہ تصویر گھما کر دیکھتا رہتا تھا۔

"عصمت بہت اچھی ایجنٹ ہے اس مشن کے بارے میں وہ کیا سوچتی ہے؟"

"امریکی اور مشرقی دونوں کے بارے میں اُس کا خیال ہے کہ دونوں تباہ کن حد تک صلاحیتوں کے حامل ہیں لیکن بظاہر بوڑھا اپنی چڑچڑاہٹ سے۔"

"میں نے یہ نہیں پوچھا تھا۔" زبیری نے ایک بچے کی تصویر پر نظر جما کر کہا۔ "میں تو اُس کی ذاتی کیفیت پوچھ رہا ہوں۔ کیا وہ ایک بار پھر جاسوسی کے کام کے لیے تیار ہے؟"

"اگر آپ کو میرے انتخاب پر شک ہے تو پھر میں۔" شاہ حمید نے جان بوجھ کر جملہ ادھورا چھوڑ دیا اور کاغذات کا معائنہ کرتا رہا۔

"ہرگز نہیں شاہ۔" زبیری نے فوراً جواب دیا۔ "میں نے تمہارے طریقوں پر کبھی اعتراض نہیں کیا۔۔ بات صرف یہ ہے کہ وہ پہلے ہی ایک بڑا نقصان اُٹھا چکی ہے۔"

"اور میرا خیال ہے کہ یہ مشن اُس کے لیے بہت مناسب ہوگا اور وہ کام کرتے ہوئے بہت اطمینان محسوس کرے گی۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو۔" زبیری نے کہا۔ "کیا تمہیں مقتول فردوسیوں اور اُن تین دہشت گردوں کے درمیان کسی ربط ضبط کا علم ہوا جنہوں نے شہزاد ولیرہ پر حملہ کیا تھا؟"

"نہیں۔" شاہ حمید نے جواب دیا۔

"کسی تعلق کا علم نہیں ہوا؟"

"نہیں۔" شاہ حمید نے پھر جواب دیا۔ زبیری پھر گہری ہو گیا اُس کا چہرہ دمکنے لگا۔ "یہ بہت بُری بات ہے۔ بہت ہی بُری۔ یہ حملہ یا تو کسی جنونی گروہ کی طرف سے ہو رہے ہیں جو ہمارا دشمن ہے اور ہمارے دشمن ہمیں تباہ کرنے کی بھرپور کوشش کر رہے ہیں۔" وہ چند لمحوں تک کمرے میں گھومتا رہا اور پھر اُس دیوار کو گھورنے لگا جس پر اُس کی ڈگریاں اور ایوارڈز خاندانی تصویریں وغیرہ لگی ہوئی تھیں۔ زبیری نے ایک بار پھر فیملی فوٹو گراف کیوب اُٹھا کر اُسے گھما کر دیکھا۔ پھر وہ ایک ایسی دیوار کے سامنے رُک گیا جس پر راکٹ کا بڑا سا ڈیزائن بنا ہوا تھا اور راکٹ پر قومی نشان بنا ہوا نظر آ رہا تھا۔ راکٹ ایسا تھا جیسے تصویر اُسے فائر کرنے کے بعد بنائی گئی ہو۔ تصویر کے نیچے لکھا ہوا تھا "امن عالم کا پیامبر"۔ اُس کے نیچے غالباً اسکول ٹیچر نے سُرخ پنسل سے A+ کی مارکنگ کی تھی۔

"تم کام جاری رکھو، ممکن ہے کہ ربط و ضبط سے متعلق میرا شُبہ درست ثابت ہو شاہ حمید۔" اُس نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔

"بہتر۔" شاہ حمید نے جواب دیا۔ "لیکن میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ ہمیں ساری توجہ اُن دو نئے جاسوسوں پر مرتکز رکھنی چاہیئے۔ مجھے یقین ہے کہ یہی ہمیں ہمارے مشن کی کامیابی تک لے جائیں گے۔ کوئی نہ کوئی کلیدانہی دو کے ذریعے معلوم ہوگی۔ جہاں تک دہشت گردوں کا تعلق ہے تو اُن کی یہاں کوئی کمی نہیں۔ اگر میں نے دہشت گردوں سے متعلق کام جاری رکھا تو یہ محض وقت کا زیاں ثابت ہوگا۔ اس بات کی کوئی ضمانت نہیں کہ اس طرح ہم کامیاب ہو سکیں گے۔"

"درست۔" زبیری نے کہا۔ "لیکن زندگی کے اس کھیل میں کسی بھی چیز کی کوئی ضمانت نہیں۔ کام جاری رکھو شاہ حمید میری چھٹی حس مجھے دہشت گردوں کے خلاف تفتیش پر اُکسا رہی ہے۔ جہاں تک ان دو کا تعلق ہے تو تم پہلے ہی کہہ

چکے ہو کہ وہ خود ہمارے قابو میں ہیں۔ عصمت سُلطان کو معلوم ہے کہ وہ کیا کر رہی ہے اگر اُسے کسی مدد کی ضرورت ہوگی تو وہ تم اُسے فراہم کر سکتے ہو۔"

دونوں مزید بیس منٹ تک باتیں کرتے رہے لیکن اب موضوع گفتگو آثارِ قدیمہ اور قانونی مسائل تھے ساتھ ہی وہ نئے سیکورٹی سسٹم پر بھی تبادلہ خیال کر رہے تھے پھر شاہ حمید معذرت کر کے باتھ روم چلا گیا اور زبیری اپنے چہرے کے بائیں حصے پر ہاتھ پھیر کر داڑھی چھوڑنے کے بارے میں سوچنے لگا۔

*

"تھینک یو شہزاد۔" اُوشان نے دو ہیڈز کے درمیان سے کہا وہ دونوں ہیڈز کے درمیان خالی جگہ پر نمدہ بچھائے لیٹا تھا۔

اُنھوں نے سوٹ یا شاہانہ بڑے ہوٹلوں کے کسی اور سوٹ کی طرح تھا ڈبل روم ٹائیگر کی مخالفت کے باوجود لینا پڑا تھا اُس نے سنگل روم کی بات کی تھی لیکن ریزرویشن ڈیسک کلرک نے اُس کی ایک نہ سُنی تھی۔

ٹائیگر نے رجسٹر میں اپنے نام جان بوجھ کر ناصر لیئر ہنٹر اور نارمن لیئر جونیئر لکھوائے وہ چاہتا تھا کہ اُن کو ایسی کمپنی والے اسی چکر میں پھنسے رہیں۔

"شکریہ۔۔ بہت بہت شکریہ شہزاد۔۔ تم نے یہاں آمد کے بعد پہلی مرتبہ میرے لیے نیک اور بہتر الفاظ استعمال کیے ہیں۔" اُوشان نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا تھا۔

"کیا مطلب؟ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں مسٹر فادر۔" ٹائیگر نے ہلکے نیلے رنگ کی آدھی آستین والی قمیص اور پتلون پہنتے ہوئے پوچھا۔

"میں جانتا ہوں کہ تم نے مجھے اس عظیم امریکی کا نام دیا ہے جو کثافت پھیلانے والوں کے درمیان تیزی سے گھومتا اور ختم کر دیتا تھا لیکن اگرچہ یہ زیادہ بڑا اظہار تحسین نہیں لیکن پھر بھی تم جیسے لاعلم شخص کے مُنہ سے یہ سُن کر خوشی ہوتی ہے۔"

ٹائیگر کو ایسا لگا جیسے اب اُس کی کھوپڑی بھی گھومنے والی ہے۔ "میرے پاس آپ کے لیے بڑی خبر تھی مسٹر فادر لیکن پتا نہیں آپ کیا اور کیوں فلٹر کر رہے ہیں۔"

"میں تمہارا شکریہ ادا کر رہا ہوں کہ تم نے مجھے کثافت دشمن قرار دیا ہے۔ خیر تم خبر سناؤ۔"

"وہ لڑکی۔۔ عصمت سُلطان فردوسی ایجنٹ ہے۔"

"کیا وہ ویسی ہی ایجنٹ ہے جیسی ہالی وڈ میں ہوتی ہیں؟" اُوشان نے پوچھا۔

"نہیں، وہ فلموں میں کام نہیں دلاتی۔" ٹائیگر نے مُنہ بنا کر جواب دیا۔ "وہ سیکرٹ ایجنٹ ہے۔"

"تب پھر وہ کام کی ایجنٹ نہیں۔" اُوشان نے بے زاری سے جواب دیا اور ٹائیگر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ "میں باہر سے فون کرنے جا رہا ہوں کیونکہ ممکن ہے کہ کمرے کے فون سننے جانے کا بھی انتظام کر لیا گیا ہو۔ آپ کو کسی چیز کی ضرورت تو نہیں؟"

"نہیں۔" اُوشان ٹی وی کی طرف بڑھ گیا۔ "لیکن اگر کہیں سے خالص پانی اور ایسا پینا مل جائے جو باپ کا احسان مند ہو تو ساتھ لیتے آنا۔"

*

ٹائیگر ایسی سڑک پر نکل آیا جو تمام ساحلی ہوٹلوں کے لیے سروس فرنٹ ڈائیووے کا کام دیتی تھی۔

بہار کے اس موسم میں ہزاروں افراد فردوس کے تیمائی پر موجود تھے۔ لہٰذا ٹائیگر سیاحوں کے گروپوں، ہاکروں، بچوں اور نوجوانوں کو دیکھتا رہا۔ چوڑی رہ گزر سے قدرے ہٹ کر چند سپاہی بھی ریگ کی گیند سے کرکٹ کھیل رہے تھے۔

ٹائیگر اس دوران کسی پبلک بوتھ کو بھی تلاش کرتا رہا اس نے جان بوجھ کر ہوٹل گرینڈ فارن ہائیکٹ کے باوجود اپنے جسمانی درجہ حرارت کو تبدیل نہیں کیا تھا کیونکہ تبدیلی کے باعث پسینہ نہیں آتا۔۔ اور وہ چاہتا تھا کہ پسینہ آئے تاکہ گزشتہ ایک ہفتے کے دوران ورزش سے ناغہ کے باعث جو زہریلا مواد جسم میں جمع ہو گیا ہے وہ نکل جائے۔

وہ پیشانی سے پسینہ پونچھتے ہوئے ساحل کی مرکزی پختی شاہراہ ابن بلطوطہ پر چلا آیا۔ یہاں آس پاس کی شاہراہیں ممتاز مسلم سیاحوں اور سائنسدانوں خاص طور سے ملاحوں کے نام سے منسوب تھیں مگر اُسے یہاں بھی فون نظر نہیں آیا وہ مزید آگے بڑھ گیا اور پھر ایک جگہ رُک کر ٹیلی فون کے بارے میں پوچھنا ہی پڑ گیا۔ "یہاں آس پاس کوئی پبلک بوتھ ہے کیا؟" اُس نے ایک بوڑھے شخص سے پوچھا جو مقامی ہی تھا۔ بوڑھے نے اپنا نحیف بازو اُٹھا کر شاہراہ ابن بلطوطہ کے ساتھ ساتھ پہاڑی سلسلے کی طرف اشارہ کیا اور ٹائیگر اُسی سمت بڑھ گیا۔ بالآخر اُسے ایک

بوتھ میں ہی گیا۔

ٹائیگر نے ریسیور اُٹھا کر سکے ٹیوب میں ڈال دیے۔ ایک لمحہ بعد ہی ڈائل ٹون سنائی دینے لگی اس نے صفر ڈائل کیا اور پھر چند لمحے تک انتظار کرتا رہا۔

"فرمائیے۔ میں آپ کی کیا مدد کر سکتی ہوں؟" ایک عورت کی آواز سنائی دی۔

"کیا؟" ٹائیگر جس نے کود کر ملاکر ایریے سے نکلنے کی کوشش کی تھی اُچھل پڑا۔

اسی وقت عصمت سلطان ایک جیپ میں ٹیلی فون بوتھ کے باہر پہنچی۔ "میں تمہیں تلاش کرتے کرتے تھک چکی ہوں شہزاد۔" اس نے شکایت بھرے لہجے میں کہا۔

"تم اندر آؤ۔ اور پہلے فون ملانے میں میری مدد کرو۔" ٹائیگر نے کہا۔ "آپریٹر کچھ کہہ رہی ہے۔"

عصمت سلطان نے ریسیور لیا۔ لائین منقطع ہو گئی۔ مزید سکے استعمال کیے اور انتظار کرنے لگی اس دوران ٹائیگر نے اس کا بغور جائزہ لیا۔ اس وقت وہ خاکی قمیص اور اسکرٹ پہنے ہوئے تھی۔ زلفیں شانوں پر بکھری ہوئی تھیں اور ہونٹ لپ اسٹک کے بغیر گلاب کی پتیوں کی مانند گلابی لگ رہے تھے۔ وہ تازہ اور حسین لگ رہی تھی۔ مکمل اور بھرپور عورت شاید اسے ہی کہتے ہیں۔ ٹائیگر سوچ رہا تھا۔

"لو۔ اب بات کرو۔" عصمت سلطان نے کہا۔ ڈائل ٹون اب مسلسل بج رہی تھی اور زیرو ڈائل کرتے ہی کٹ کی آواز کے ساتھ آپریٹر لائن پر آ گئی۔

"یس سر۔ ایس ٹی ڈی آپریٹر۔ اینی سروس سر؟"

"یس۔" ٹائیگر خوش ہو گیا پھر اس نے ایک ہفتے کے لیے مخصوص نمبر بتا دیا۔

عصمت سلطان باہر جا کر بوتھ سے ٹیک لگا کر کھڑی ہو گئی۔ وہ بہت حسین لگ رہی تھی۔

"ہیلو۔" فون کے اسپرفون میں آواز آئی۔ اگرچہ یہ آواز بہت دور سے آتی ہوئی لگ رہی تھی لیکن ٹائیگر کو یقین تھا کہ آواز گلستان سے آ رہی ہے۔

"ہیلو ڈاکٹر بہرام سپر سیکرٹ آرگنائزیشن آف چارگ کے سربراہ۔" ٹائیگر تو ابھی تک عصمت سلطان میں گم تھا اپنی دھن میں کہتا چلا گیا۔ دوسری طرف اچانک خاموشی چھا گئی اور کچھ دیر بعد بہرام کی بھرائی ہوئی آواز سنائی دی۔ "ناقابل یقین۔" اس کے لہجے میں غصہ بھی تھا اور حیرت بھی۔

"فکر نہ کریں بہرام اگر کوئی ہماری گفتگو سن بھی رہا ہے تو بھی یقین نہیں کرے گا۔ ویسے یہ پبلک بوتھ ہے اور گفتگو سنے جانے کا امکان نہیں ہے۔"

"کیا بات ہے؟" بہرام کا لہجہ خشک تھا۔

"ان افراد کے ناموں کا علم جنہوں نے ہم پر حملہ کیا تھا۔"

"اوہ۔ میرے خدا۔ وہ کون تھے؟"

"ایک منٹ۔" ٹائیگر نے ہولڈ کر دیا اور پھر عصمت سے پوچھا۔ "کیا نام تھا اس تنظیم کا۔ گھر گرہستی فرنٹ؟"

"بھرتیہ فرنٹ۔" عصمت سلطان نے منہ بنا کر تصحیح کی ٹائیگر نے اسی طرح دہرا دیا۔

"یہ آواز کس کی تھی؟" بہرام تک عصمت کی آواز پہنچ گئی تھی اور وہ واضح طور سے پریشان تھا۔ "اوشان کی آواز تو نہیں تھی؟"

"ہاں۔ یہ اوشان کی آواز نہیں کیونکہ وہ یہاں موجود ہی نہیں ہے۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ "یہ فردوسی ایجنٹ ہے جسے یہ علم تھا کہ وادیٔ زرنگار پہنچتے ہی مجھ سے کہاں ملاقات ہو گی اور یہ بھی علم تھا کہ میرا نام کیا ہے۔ اب میرا کام پوچھ رہی تھی کیا بتاؤں؟ لائن میں رکھو؟"

"نہیں چیف۔ میرا نام معدودے چند افراد کو ہی معلوم ہے خیر۔ میرے لیے کوئی اطلاع؟"

"یس۔" بہرام نے ایک طویل سانس لے کر جواب دیا۔ "ہم نے جس خاص آلے کے بارے میں بات کی تھی وہ تمہیں احمر آباد کے قریب صحرائے احمر میں ایک سلفر ایکسٹریشن پلانٹ کے نیچے ملے گا اس پر نظر ڈالو تو بہتر ہے اور میں ان تینوں افراد کے بارے میں معلومات حاصل کروں گا جنہوں نے تم پر حملہ کیا تھا۔" یہ کہہ کر بہرام نے ریسیور رکھ دیا۔ ٹائیگر نے مسکرا کر عصمت سلطان کو دیکھا اور بوتھ سے نکل آیا۔

"تم نے ٹیلی فون پر جو کچھ کہا ہے کیا وہ درست ہے؟" عصمت واضح طور سے مضطرب تھی۔ "سیکرٹ سروس!!"

"ہاں۔ میں ایک سپر سیکرٹ ایجنٹ ہوں اور اوشان دنیا کا سب سے عظیم جاسوس اور جب ہم دونوں ملتے ہیں تو ایٹم بم محض چنگاری رہ جاتا ہے۔"

"اوہ۔" عصمت سلطان مسکرانے لگی اس کی یہ مسکراہٹ فوراً ہی سرد ہو گئی کیونکہ ایک غنڈہ بگڑے ہوئے تیور لیے ہوئے

خطرناک انداز میں ان کی طرف آ رہا تھا اس کے دونوں ہاتھوں میں کھلے ہوئے چاقو تھے۔

"شہزاد۔ یہ لفنگا ہے اس سے بچو۔"

"کون؟" ٹائیگر اس غنڈے کو دیکھ چکا تھا۔ اچانک ہی غنڈے نے ایک شاندار انداز میں زقند بھری اس کے دونوں ہاتھ بلند ہوئے اور دونوں چاقو ٹائیگر کے جسم میں پیوست ہونے کے لیے نیچے آنے لگے۔

"اے ہٹ۔" ٹائیگر نے دونوں کلائیوں کو استعمال کرتے ہوئے یہ وار روکا اور ایک جھٹکے سے کلائیاں کھینچ لیں۔ دونوں چاقو فضا میں بلند ہوئے اور پھر ایک ٹمرف ریت پر گر گئے۔ لفنگا پہلے حیرت زدہ رہ گیا لیکن پھر اس نے قلابازی کھائی اور ٹائیگر سے دور ہو گیا۔

"ویری گڈ۔" ٹائیگر نے مسکرا کر کہا لیکن اسی لمحے لفنگا ایک بار پھر اس کے سر کے اوپر تھا وہ فلائنگ کِک مارکر ٹائیگر کو گرانا چاہتا تھا لیکن ٹائیگر کے ایک طرف ہو جانے سے وہ خود اپنی ہی جھونک میں ریت پر گر گیا۔

"ایک۔ دو۔ تین۔" ٹائیگر گنتی گننے لگا تاہم چار کہنے سے پہلے ہی لفنگا اٹھ گیا۔ اب وہ یقیناً متوقع نوٹوں کو بھول کر ٹائیگر کو قتل کرنے کا ارادہ کر چکا تھا۔ اس نے ہاتھوں کی کلیوں کو لوگ دار کیلوں کی شکل دے کر حملہ کرنا چاہا وہ ٹائیگر کے بہت قریب تک آ گیا تھا اور یہی اس کی غلطی تھی۔ ٹائیگر نے اسے دونوں ہاتھوں سے روکا پھر گھٹنا استعمال کیا ساتھ ہی اسے اچھال دیا۔ اب غنڈہ مخالف سمت میں فضا میں تیر رہا تھا اس کے چاروں ہاتھ پیر فضا میں ہل رہے تھے پھر وہ ایک کھمبے سے ٹکرا کر گر گیا۔ چند لمحوں تک اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا پھر جو آیا وہ یہ تھا کہ بھاگ کھڑا ہو۔ اور وہ بھاگ کھڑا ہوا۔

"کمال ہے۔" عصمت سلطان نے ٹائیگر سے کہا۔ "تم تو کمال کے آدمی ہو۔"

*

ان کی جیپ صحرائے احمر کے میلوں کے قریب سے گزرتی ہوئی مسلسل آگے بڑھ رہی تھی۔ رُخ سمندر کی طرف تھا لیکن سمندر بہت دور تھا۔ عصمت سلطان ہچکولوں سے بچنے کی مسلسل کوششیں کر رہی تھی اور اکثر کوششیں ناکام ثابت ہو رہی تھیں ان کوششوں کے باعث وہ یہ نہ دیکھ سکی کہ جیپ میں موجود اوشان اور ٹائیگر اس کے برعکس اس طرح بیٹھے ہوئے تھے۔ جیسے وہ کسی بہترین سڑک پر سفر کر رہے ہوں۔

"انتہائی نامعقول۔" اوشان نے عقبی سیٹ سے کہا جیپ فوج کی تھی اور عصمت سلطان کو دی گئی تھی وہ اسی جیپ کو استعمال کر رہے تھے۔ پہلے تو ایک آدمی انگریزی جیسی احمق زبان میں چیخا رہا اور پھر ایک احمقانہ گانا شروع ہو گیا۔

"میرا خیال ہے کہ آپ نے ٹی وی پر انگریزی زبان کے سبق کا پروگرام دیکھ لیا ہے۔" عصمت سلطان بولی۔ "میری مانیں تو آپ بھی کمرشیل اسپاٹ لے کر ٹی وی سے اپنی زبان کی تدریس شروع کر دیں۔"

"میری زبان۔" اوشان نے کہا۔ "توہین آمیز انداز میں میری زبان کا ذکر مت کرو۔"

"اصل بات پر آئیں لٹل فادر۔" ٹائیگر نے کہا۔ "اس شو میں کیا خرابی ہے؟"

"ہاں۔ کندھے اچکا کر سنانجو کی قدیم دانش اور بصیرت کا مذاق اڑا لو۔" اوشان نے زہریلے انداز میں کہا۔

"ہم آپ کا مذاق نہیں اڑا رہے لٹل فادر۔" ٹائیگر نے اسے تسلی دلاسا۔

"لیکن دنیا کو ایسے بے تُکے گانوں سے بھر دینا چاہتے ہو جیسے یہاں کا ٹی وی دکھاتا ہے۔"

"لیکن ان پروگراموں کی مقصدیت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔" عصمت نے اس بار بحث کرنے والے انداز میں کہا تھا۔

"کیا؟ کیسی مقصدیت۔ ہڑبونگ پر مشتمل پروگراموں میں کوئی مقصدیت نہیں ہوتی۔ اور سنو۔ کئی ملک تمہارے ملک کو تباہ کرنے کے لیے متحد ہو چکے ہیں۔ تم دنیا کو اب تک محبت اور امن کا پیغام دیتے رہے ہو لہٰذا دنیا نے تمہیں بزدل سمجھ لیا ہے۔ تمہارے بچے ایک صحرا میں رہتے ہیں جسے تم باغ میں بدل دینے کے خواہاں ہو۔ تم ایسی خوب صورت لڑکی ہو جس کی گود میں بچہ اور جسم پر قبا ہونی چاہیے لیکن تم نے نسوانیت کی مقصدیت فراموش کر دی ہے۔ تمہارے مرد جوا کھیلتے ہیں اور تم مشین گن اٹھائے بازاروں میں گھومتی ہو تم سب اپنا ابتدائی مشن فراموش کر چکے ہو تم نے اپنی نئی نسل کی تربیت ٹی وی کے کمرشیل پروگراموں کے ذریعہ کی تو آنے والے اگلے پچاس برسوں کے بعد سکڑ سکڑ رہ جاؤ گے۔"

عصمت نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا لیکن پھر سختی سے بند کر لیا۔ اب وہ ناک کی سیدھ میں دیکھ رہی تھی اور

اُوشان صحرا کو گھورے جا رہا تھا۔

پھر ٹائیگر بھی وادیٔ اُحمر تک خاموشی سے گاڑی ڈرائیو کرتا رہا۔

سمندر کے جنوب مشرقی حصے میں انھیں سلفر پلانٹ مل گیا۔ یہ پلانٹ حجم میں ایک قلعے سے بھی زیادہ تھا۔ جس میں سیکڑوں میل لمبے پائپ تھے۔ کیمیکل ٹینک نظر آ رہے تھے۔ اُن گنت گاڑیاں کھڑی تھیں۔ بیچ کہ وسط میں ایک ایمرجنسی ایکیٹر تھا جس کے اندر فیوزن ایبل سینٹر بھی بنایا گیا تھا تاہم اُس کی تعمیر صحرا کے بیس فٹ نیچے کنکریٹ سے ہوئی تھی۔

وہ... اُوشان اور ٹائیگر اس عظیم الشان پلانٹ کے پہلے پائپ کے قریب ایک ٹیلے پر کھڑے ہوئے تھے۔

"ہم یہاں کیا کر رہے ہیں؟" اُوشان نے پوچھا۔

"یہ دیکھ رہے ہیں کہ کیا یہ پلانٹ محفوظ ہے؟"

"کیوں؟"

"اس لیے کہ اگر یہ پلانٹ محفوظ نہیں تو پھر دُنیا محفوظ نہیں رہ سکے گی۔"

"لیکن ہمیں یہ کیسے معلوم ہوگا کہ پلانٹ محفوظ نہیں؟" آج شاید اُوشان سوال پر سوال کرنے کے موڈ میں تھا۔

"اس میں داخل ہو کر۔"

"یقیناً یہی ایک دانش مندانہ طریقہ ہوگا۔" اُوشان نے سر ہلا کر تبصرہ کیا۔ "اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ پانچ میل کا یہ فاصلہ میں نے ایک زیرک شخص کے ساتھ پیدل طے کیا ہے۔"

"آپ پھر طنز کر رہے ہیں لٹل فادر! کوئی خاص بات ہے؟"

"کھیل عجیب سا ہے اگر تم پلانٹ میں گھسنے کی کوشش میں کامیاب ہو گئے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ علاقہ محفوظ نہیں اگر تم کامیاب نہیں ہوئے تو اس کا مطلب موت ہوگا کیونکہ تم صرف موت آنے کے باعث کامیاب نہیں ہو سکو گے۔ اب یہ بتاؤ تم یہ کھیل کس طرح جیتنے کا پروگرام بنا رہے ہو؟"

ٹائیگر نے صحرا میں سلفر پلانٹ کی طرف دیکھا اس کی آنکھوں کی پھیلی ہوئی پتلیوں نے ڈھلتی ہوئی شام کے وقت پلانٹ کا بغور جائزہ لیا۔

"یہ المیہ ہے کہ آپ کو ہر چیز مکمل ملنی چاہیئے۔ پکا ہوا حلوہ کھانا چاہتے ہیں۔" اُس نے کہا۔

ٹائیگر پلانٹ کے قریبی احاطے تک گیا۔ اُوشان اُس کے پیچھے پیچھے تھا۔ وہ بڑبڑا بھی رہا تھا۔ "المیہ یہ ہے کہ ماسٹر بھی کسی نام نہاد کو شیر کی کھال پہنا کر اُسے شیر نہیں بنا سکتا۔"

ٹائیگر باڑ کے قریب کھڑا ہو گیا۔ "یہ غالباً الیکٹرک سٹی ٹیکٹر ہے۔" یہ کہتے ہوئے وہ تار آگے کی رکاوٹوں کا جائزہ لے رہا تھا۔

"یعنی یہ بجلی کو تلاش کرتی ہے۔" اُوشان نے پوچھا شاید وہ اب پھر سوالوں کی بھرمار کرنے والا تھا۔

"نہیں۔ یہ اُن لوگوں کو تلاش کرتی ہے جو بجلی کی رَو میں سے گزرتے ہیں۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ "پچاس میٹر دور آہنی کھمبے لگے ہوئے تھے اُن کے درمیان تین تین گز کا فاصلہ تھا لیکن یہ آپس میں تاروں سے منسلک نہیں تھے۔

"آہ۔" اُوشان نے ایک طویل سانس لے کر چھوڑ دی۔ "یہ الیکٹرک سٹی ٹیکٹر نہیں۔ ذرا مختلف عدد سہ تو دو۔ اس کے پاس بھی نہیں ہوگا۔ لہٰذا یہ اموبی ڈاسٹائل کا ڈی ٹیکٹر نہیں۔"

"سُراغ رساں کی بات نہیں ہو رہی لٹل فادر۔" ٹائیگر نے جھلا کر کہا۔ "آیئے۔" یہ کہہ کر ٹائیگر نے اُٹھنی جست لگائی اور پھر فضا ہی میں پوزیشن بدل کر باڑ کے اُوپر سے ہوتا ہوا دوسری طرف پہنچ گیا۔ اُوشان اب بھی اپنی جگہ پر کھڑا ہوا تھا۔ "میں نہیں آؤں گا۔" وہ باڑ کے پار کنول کا آسن بنا کر بیٹھ گیا۔ بہت ہو گیا۔ پیدل چلا مارا۔ مذاق اُڑایا۔ اب میں نہیں آؤں گا۔ تم خود جو چاہو کرو۔"

ٹائیگر بحث کر سکتا تھا لیکن یہ محض وقت کا زیاں ہوتا۔

"جیسی آپ کی مرضی۔"

"تم ہونے کے لیے جتنا چاہو وقت لگاؤ۔" ٹائیگر کو اُوشان کی آواز سُنائی دی۔ "میں تمہاری واپسی تک اندازہ لگانے کی کوشش کروں گا کہ کیا یہ باڑ مجھے تلاش کر لیتی ہے یا نہیں۔" وہ اس آواز کو نظر انداز کر کے دوسری باڑ کی طرف چل دیا لیکن اس کی آنکھیں ایک سو میٹر دُور تیسری بڑی رُکاوٹ پر مرتکز تھیں۔ یہ رُکاوٹ بظاہر تین عام سے تاروں پر مشتمل تھی جن میں کانٹے نکلے ہوئے تھے۔ یہ تار آہنی ڈھانچوں سے منسلک تھے اور اُن کے پیچھے ایک گہری قولادی خندق نظر آ رہی تھی۔ ایسی خندقیں ہلکے ہتھیاروں سے لیس فوجی استعمال کرتے ہیں۔ تاہم خندق میں اس وقت کوئی بھی فوجی نظر نہیں آ رہا تھا۔ تعمیراتی کارکنوں کا ایک گروپ بہرحال نظر آیا جو خندق کے اُس پار موجود تھے۔ رات کا وقت تھا اور یہ کارکن سنانجو کی عشروں پر محیط تربیت سے لیس نہ تھے۔ اُن کی آنکھیں بھی سنانجو کے فنون میں تربیت یافتہ نہیں تھیں لہٰذا وہ اس شخص کو نہیں دیکھ سکے جو بظاہر عام جسم

کا مالک تھا لیکن جس کی کلائیاں غیر معمولی تھیں اور وہ شخص نیلی قمیص کالی پتلون پہنے ہوئے برہنہ پا انھی کی طرف بڑھ رہا تھا۔

ٹائیگر کو وہ بارہ ٹرانسپورٹ ٹرک بھی نظر آ گئے جن کا رُخ اُسی کی طرف تھا پھر وہ اُن کھمبوں کے قریب رُک گیا جو آپس میں تاروں سے منسلک نہ تھے۔

ٹائیگر سر اُٹھا کر سلفر پلانٹ کی طرف دیکھنے لگا جو اُسے ایک خوفناک اور محو خواب عفریت کی مانند لگ رہا تھا۔ سلفر پلانٹ اور اس لوڈنگ ایریا کے درمیان صرف سو میٹر کا فاصلہ تھا اس کے نوکدار سلاخوں جیسے ٹاور آسمان سے باتیں کر رہے تھے۔

ٹائیگر نے دوسری طرف دیکھا جہاں اُسے بڑی احتیاط سے بنائے گئے سوراخ نظر آ رہے تھے اور اُن سوراخوں کے درمیان انتہائی شدید پالش شدہ دھاتی مشقیں نظر آ رہی تھیں۔

ٹائیگر نے ایک قدم پیچھے ہٹا کر پورے علاقے کا جائزہ لیا وہ یہ فیصلہ بھی کر رہا تھا کہ وہ کیا کرے... وہ ان کھمبوں کے اُوپر سے چھلانگ لگا کر گزر سکتا تھا لیکن غالباً کھمبوں کے اُوپر لگی ہوئی پتلی پتلی سلاخیں ایئر ڈیٹکٹر تھیں۔ وہ دو کھمبوں کے درمیان پتھر یا مٹی پھینک کر نتیجہ بھی دیکھ سکتا تھا لیکن اس کا نتیجہ یہ بھی نکل سکتا تھا کہ کھمبوں سے اُس کی سمت میں اچانک گولیوں کی بارش ہو جائے... وہ ان کھمبوں کے درمیان سے اس طرح گزر سکتا تھا جیسے اُس کا وجود ہی نہ ہو لیکن اس کا نتیجہ وہی نکل سکتا تھا جو اُوشان کو فی دیکھنے سے روکنے کی صورت میں نکل سکتا ہے۔

اِدھر ٹائیگر صورتِ حال پر غور کر رہا تھا اور اُدھر اُوشان پہلی باڑ کے باہر بیٹھا ہوا اپنے شاگرد پر نظر رکھے ہوئے تھا۔ اُس نے ٹائیگر کو کھمبوں کے اُوپر سے گزرنے کے لیے چھلانگ لگانے کی تیاری کرتے ہوئے دیکھ کر اثبات میں سر ہلایا۔ مثبت اقدام ہوگا۔ وہ بڑبڑایا۔ یہاں سے استاد کو وہاں کا منظر بہت واضح نظر آ رہا تھا۔ اُسے تمام کھمبے نظر آ رہے تھے ساتھ ہی وہ انفراریڈ لینز شعاعوں کا جال بھی نظر آ رہا تھا۔ اُسے نہ صرف ٹرک اور کارکن نظر آ رہے تھے بلکہ اُسے ٹرکوں کے نیچے وہ چھوٹے ہتھیار بھی نظر آ رہے تھے جو سایوں میں پوشیدہ تھے۔ وہ مکینکوں کے اوزار اور اُن میں سے جھانکنے والے فوجی بوٹ بھی دیکھ سکتا تھا۔

ٹائیگر نے انفراریڈ شعاعوں کو چیک کرنے کا بھی خیال رکھا جو دوسری باڑ کے ایک کھمبے سے دوسرے کھمبے تک مسلسل حرکت میں تھیں۔ اُس نے اپنا دایاں پیر اُٹھایا۔ بائیں پیر کے محض عضلات کو حرکت دی اور پھر فضا میں بلند ہو گیا۔

"غلط جمپ۔" اُوشان نے مُنہ بنا کر اپنے آپ سے کہا۔ ٹائیگر نے سادہ سی اُفقی چھلانگ لگانے کے بجائے قدرے ترچھی زقند بھری تھی جس کے باعث بائیں پیر کے نیچے سے ریت اُٹھی اور شعاعوں کی زد میں آ گئی۔

یہاں اس وقت صرف ایک پرندے کی چہچہاہٹ کی آواز سُنائی دے رہی تھی اور پورے ماحول میں ٹائیگر کی زقند کے بعد صرف ایک اور حرکت دکھائی دی — یہ اُوشان کے ٹیک آف کی حرکت تھی۔

پھر اچانک ہی ریفائنری میں زندگی دھماکے کے ساتھ بیدار ہو گئی۔ پرندے کی وہ چہچہاہٹ دراصل ایک ریکارڈیڈ سگنل تھا جسے سنتے ہی تمام کارکن منتشر ہو گئے اور فوراً ہی چار انتہائی طاقتور انفراریڈ شعاعوں نے ٹاوروں کو گھیرے میں لے لیا۔ اب ہر طرف ہلونگ جیسی روشنی پھیل گئی — اور اس روشنی میں ٹائیگر بھی نہا گیا... لیکن اُس سے یہ غلطی محض ایک سیکنڈ کے لیے سرزد ہوئی اور اس کے بعد وہ غائب ہو گیا۔ اس کے بعد طاقتور اسپاٹ لائٹس کے دائروں میں وہ چھ ہائیڈرولک لفٹیں نظر آنے لگیں جن پر پچاس کلیبر کی سب مشین گنیں نصب تھیں وہ ریت سے نصف میٹر کی بلندی پر تھیں — اور اسی روشنی میں سنہری قبا پہنے ہوئے اُوشان کفر و اُڑتا ہوا مشین گنوں کی طرف آ رہا تھا۔

تمام گنوں نے اپنے خود کار نظام کے تحت فائرنگ شروع کر دی۔ یہ کراس فائرنگ تھی۔ گولیوں کی آوازیں بہت خوفناک تھیں لیکن اُن آوازوں میں ٹائیگر کو اُوشان کی للکار بھی سُنائی دی۔ "بلفع کہ پرے۔" اسی کے ساتھ وہ فضا میں بلند بھی ہو گیا۔

بلفع کے پرے دراصل ایک امن پسندانہ اصطلاح تھی جو سنانجو کے فنون میں اہمیت کی حامل تھی اس کا مطلب یہ تھا کہ امن کا پسندہ کسی بھی تناظر کے اُوپر سے گزر سکتا ہے اور اس طرح خود کو زخمی ہونے سے بچا سکتا ہے۔

ٹائیگر کے لیے اُس کی تیکنک مختلف تھی لیکن نتیجہ ایک جیسا تھا۔ پہلی گولی چلتے ہی ٹائیگر نے فائرنگ کا انداز ذہن نشین کر لیا اور وہ اس قدر بلند ہو گیا کہ گولیاں اُس کے جسم سے چند انچ نیچے سے گزرنے لگیں۔

انگریزی کے حرف "ایل" کے انداز میں پہلا سرکٹ مکمل ہوتے ہی اُسے اُوشان کی للکار پھر سُنائی دی "ڈاؤن۔"

ٹائیگر اس طرح ریت پر اُتر گیا جیسے وہ کوئی پرندہ ہو۔ اس کے بہت قریب اُوشان بھی موجود تھا۔

"آپ جیسا نفیس انسان یہاں کیا کر رہا ہے لیجنڈ فادر؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"میں وہ زیادتیاں دیکھ رہا تھا جو تم اپنے ساتھ کر رہے ہو۔" اُوشان نے سرد لہجے میں جواب دیا۔ "تم نے انتہائی غلط چھلانگ لگائی تھی... میں تم سے بہتر کارکردگی کی توقع فضول ہی میں رکھتا ہوں۔"

ایک گولی سنسناتی ہوئی آئی اور ٹائیگر نے بروقت ریت میں منہ چھپا لیا۔ گولی اُوپر سے گزر گئی۔

"مجھے پتا ہی نہ تھا کہ یہاں الفرایڈ شعاعوں سے نگرانی کی جا رہی ہے۔" گولی اُوپر سے گزر گئی۔

"کیا تمہاری آنکھیں نہیں شہزاد...؟" اُوشان نے سرد لہجے میں پوچھا۔ "تم نے آج کتنی غلطیاں کی ہیں؟"

اُن کی اس گفتگو کے دوران لوگوں کی ایک معقول تعداد ٹرکوں کے اُوپر سے کینوس کے پردے ہٹاتی رہی۔ وہ بھی دیکھتے رہے کہ ٹرک ڈرائیور اپنے ٹرالر میکنزم چلا رہے ہیں اور ٹرالر بلند ہونے لگے ہیں پھر اچانک ہی انھیں اُن بلند ٹرالروں پر راکٹ نما اسلحہ نظر آنے لگے جن کے ساتھ ٹی وی کیمرے بھی لگے ہوئے تھے۔ تمام ٹریلر اپنی زیادہ سے زیادہ بلندی پر پہنچ گئے تو عملہ بھاگ کر خندقوں میں گھس گیا۔

معاً بہی نشین گنوں نے خاموشی اختیار کر لی۔ ہر طرف خوفناک سناٹا چھا گیا۔

"اب... اب کیا ہونے والا ہے؟" ٹائیگر نے توہمانی کے انداز میں کہا۔

"مجھ سے کیوں پوچھتے ہو؟" اُوشان نے کسی جل کٹے کے سے لہجے میں جواب دیا۔ "میں تو تمہارے نزدیک ثانوی حیثیت کا مالک ہوں۔ کھڑکی کر دیکھو اب کیا ہوتا ہے۔"

"سوری... سوری لیجنڈ فادر۔" ٹائیگر نے جیسے اگر آپ ہمارا نہ مانیں تو میں یہاں سے نکلنا چاہتا ہوں۔"

"بھلا میں کیوں برا مانوں گا۔" اُوشان نے سرد "میں تو ثانوی حیثیت رکھتا ہوں لوگ میری بات ہی نہیں ہے میں سوری کہتا ہوں یہ کہہ اُٹھ کر دوڑنا شروع کر دیا۔

اچانک ہی سب سے قریب موجود ٹرک فٹ لمبا میزائل اُگل دیا اور میزائل ٹائیگر کا تعاقب

کا کیمرا بھی ٹائیگر پر فوکس ہو گیا۔

ٹائیگر زگ زیگ انداز میں دوڑنے لگا مگر کیمرے نے اُس کا تعاقب نہ چھوڑا۔ کیمرا یقیناً میزائل کو رہنمائی بھی فراہم کر رہا تھا اور میزائل کی نارنجی روشنی ہر طرف پھیل گئی تھی۔ ٹائیگر نے رفتار تیز کر دی وہ سمجھ گیا تھا کہ یہ کس قسم کا میزائل ہے۔ بہرام سے دنوں پہلے امریکی ہتھیاروں سے متعلق بریفنگ کر چکا تھا لیکن وہ یہ بتانا بھول گیا تھا کہ اس قسم کے میزائل فردوس کو بھی فراہم کر دیے گئے ہیں ٹائیگر اگر چاہتا تو میزائل کو احمر آباد تک لے جا سکتا تھا لیکن اس کا مطلب [redacted] علاقے کی تباہی ہوتا۔ لہٰذا وہ کسی بجلی کی طرح پلٹا اور اُس کا رُخ میزائل فائر کرنے والے ٹرک کی طرف ہو گیا۔

لیکن اُسے ٹرک تک پہنچنے کے لیے تیسری باڑ کو عبور کرنا تھا اُس نے چھلانگ لگا کر جب باڑ پار کی تو میزائل اُس سے صرف ۵۰ فٹ دُور تھا اور میزائل کی ہوا کا دباؤ اُسے اپنی پشت پر محسوس ہو رہا تھا۔

ٹائیگر اب غیر انسانی رفتار سے ٹرک کی طرف دوڑ رہا تھا۔ اس دوران اُس نے یہ کامیابی حاصل کر لی تھی کہ اُس کی رفتار میں کمی نہیں ہوئی تھی۔

اگر کوئی اُسے دیکھ رہا تھا تو اُسے یقین تھا کہ اب وہ میزائل اور ٹرک کے درمیان سینڈوچ بن جائے گا۔

آخری لمحے میں ٹائیگر نے اپنے جسمانی درجۂ حرارت کو اچانک گھٹانا شروع کر دیا اور اس قدر نیچے لے آیا کہ اُس کے جسم سے حرارت کا اخراج بند ہو گیا اور وہ ریت پر گر گیا۔

ٹرک کے انجن کی حرارت نے میزائل کو خود کشی کرنے پر مجبور کر دیا۔ حرارت کا متلاشی میزائل ٹرک کے انجن میں گھس گیا اور پھر ٹرک نارنجی شعلوں کا گولہ بن کر پھٹ گیا۔ ٹرک کا ملبہ اُڑ کر میلوں دُور تک جا گرا۔

سلفر پلانٹ کے سنتری نے جن کی کوشش یہ تھی کہ آگ پھیلنے نہ پائے اسے ایک معجزہ قرار دیا۔ فردوسی فوج نے اسے احمقانہ بین قرار دیا کیونکہ اُسے وہاں کسی کھنڈر کی لاش کا کوئی ٹکڑا تک نہیں ملا تھا۔ زبیری اور شاہ حمید نے جو گہری نیند سے بیدار ہوئے تھے فوج کو پوری طرح جوکس کر دیا۔ اُن کے پاس تبصرے کے لیے لفظ نہیں تھے۔

اور اُوشان نے جو پہلی باڑ کے باہر تھا یہ سب کچھ دیکھا اُس

کے چہرے پر مسکراہٹ تھی اور وہ کہہ رہا تھا "ماسٹر عظیم ہے۔"

✦

"ونڈر فل روبی!" بہرام کی خوشی سے لبریز آواز ہیڈ فون میں بھری۔ "تنہا پہلا کارنامہ کامیابی سے مکمل کرنے پر میری جانب سے مبارک باد قبول کرو۔"

"شکریہ سر۔" روبی نے جواب دیا وہ اس وقت اودھ پور میں واقع فردوسی سفارت خانے کے خصوصی فون پر چارہ گر سینی ٹوریم بات کر کے اپنی رپورٹ پیش کر رہی تھی۔

روبی گزشتہ کئی روز سے سفیر فردوس کی خاص اور ذاتی مہمان تھی۔ ائیر فیلڈ سے نکلنے کے بعد مینا بمشکل تمام اُسے اپنے فلیٹ پر لے آئی تھی لیکن اب وہ اُن کے لیے غیر محفوظ ہو گیا تھا۔ مینا اُس کی وجہ سے اُس ہیلی کاپٹر کے ذریعے واپس نہیں گئی تھی جو دوبارہ اُسے لینے آیا تھا کیونکہ روبی نے بہرام کو رپورٹ دے دی تھی بھرت لینڈ کی سرزمین سے نہ جانے کا فیصلہ کیا تھا۔

فلیٹ پر پہنچ کر مینا نے نئے سرے سے اُس کی بینڈیج کی۔ روبی کو علم تھا کہ کچھ ہی دیر میں حالات اتنے مخدوش ہو جائیں گے کہ اُن کے لیے فلیٹ سے نکلنا ناممکن ہو جائے گا اُس نے فوری طور پر ایک فیصلہ کیا اور فردوسی سفیر کو فون کر کے ساری صورت حال سے آگاہ کر دیا۔ دس منٹ بعد سفارت خانے کی سیاہ شیشوں والی لانچ انھیں لینے کے لیے عمارت کے سامنے موجود تھی۔ مینا نے فلیٹ سے ضروری کاغذات سمیٹ لیے تھے تاکہ اُن کی عدم موجودگی میں کسی قسم کا کوئی ثبوت نہ مل سکے۔

روبی نے اپنے گرد چادر لپیٹ لی تھی۔ زخم کی وجہ سے وہ ایسے ہی زیادہ تیزی سے نہیں چل سکتی تھی۔ وہ خود کو ایک بوڑھی عورت ظاہر کر رہی تھی جب کہ مینا نے بھی اپنے حلیے میں حتی المقدور تبدیلی کر لی تھی۔ میز پر ہیلمٹ اُس نے [illegible] کا سہارا دے کر اُتر دائیں۔ جونہی دونوں کار میں بیٹھیں کار جھٹکے سے آگے بڑھ گئی۔

روبی کے خدشات درست ثابت ہوئے کیونکہ جونہی سفارتی لانچ بڑی شاہراہ پر پہنچی اُنھوں نے متعدد فوجی گاڑیوں کو اُس چھوٹی سڑک پر مڑتے دیکھا جس پر مینا کا فلیٹ واقع تھا۔

سفارت خانے پہنچنے پر دونوں کو ایک محفوظ حصے میں منتقل کر دیا گیا تھا۔ سفیر فردوس نے فوری طور پر دونوں سے ملاقات کی اور سفارت خانے کے ایک مخصوص ڈاکٹر کو روبی کی دیکھ بھال کرنے کی ہدایت کی۔

اگلے روز مینا کو فردوس انگل کر دیا گیا کیونکہ اُس کا اب مستقل طور پر بھرت لینڈ میں رہنا خطرے سے خالی نہیں تھا اُس نے روبی کے ہمراہ کچھ ہی وقت گزارا تھا لیکن روانگی کے وقت مینا یوں پھوٹ پھوٹ کر روئی تھی جیسے وہ جنم جنم کے ساتھ کے بعد بچھڑ رہی ہو۔ خود روبی کی آنکھیں بھی بھر آئی تھیں لیکن وہ خود پر قابو کیے رہی تھی۔ تین دن تک روبی کو بستر سے اُٹھنے نہیں دیا گیا حتیٰ کہ اس کا زخم بالکل درست ہو گیا۔ صحت یاب ہوتے ہی اس نے پہلی فرصت میں بہرام کو اپنے مشن کی رپورٹ دی تھی جس پر چارہ گر کے سربراہ نے اُسے مبارکباد پیش کی تھی۔

"اب میرے لیے کیا حکم ہے سر؟" روبی نے ذرا توقف کے بعد دریافت کیا۔ اُس کی خواہش تھی کہ وہ جلد واپس چارہ گر جا پہنچتی کیونکہ وہاں شہزاد سے ملاقات کا امکان تھا۔

"تمہارے زخم کیسے ہیں؟"

"اب میں بالکل ٹھیک ہوں سر۔"

"فی الحال آرام کرو اور بھرت لینڈ میں ہی رکو۔" بہرام نے اُسے ہدایت کی۔

"کیوں سر؟" روبی نے احتجاج کیا۔ "میں اب بالکل ٹھیک ہوں۔"

ایک ایسی عورت کی کہانی
جو مردوں کے معاشرے میں
ملکہ بن کر جینا چاہتی تھی
ناگ رانی
دو جلدوں میں
جلد اول =/145
جلد دوئم =/145
مکتبہ القریش سرکلر روڈ اردو بازار لاہور
فون 7668958

"مجھے معلوم ہے۔" بہرام نے جواب دیا۔ "تمہیں شہزاد کے ساتھ بھرت لینڈ میں ہی ایک اور مشن پایۂ تکمیل تک پہنچانا ہے۔"

روبی کے انگ انگ میں مسرتیں پھوٹ پڑیں۔

"ٹھیک ہے سر۔" وہ گنگنائی اور خدا حافظ کہہ کر ریسیور رکھ دیا۔

چارہ گر کے مخصوص کمرے میں بیٹھے ہوئے بہرام نے ریسیور کریڈل پر ڈالا اور مسکرا دیا۔

"یہ تمہارا بونس ہے ٹائیگر پرنس!"

فردوسی شب اور فردوسی آسمانوں میں ایک سیاہ رنگ کا ہیولا بھرت لینڈ کی حدود چھوڑ کر داخل ہوا۔ اس کی پرواز نیچی اور جھک تھی۔ یہ ہیولا کسی جیٹ کا نہ تھا کیونکہ جیٹ کی آواز دور تک سنائی دے سکتی ہے جبکہ اس کی آواز نہ ہونے کے برابر تھی۔ یہ جنگوار یا مگ بھی نہ تھا جو فردوسی سرحدی نگہبانوں کی طیارہ شکن توپوں کا بآسانی نشانہ بن سکتے تھے۔

نہیں... یہ جیٹ، جنگوار یا مگ نہ تھا، جو کچھ تھا وہ خاموش ہوا کی مانند تھا اور دیکھنے والے اسے ٹرانسپورٹ گلائیڈر ہی کہہ سکتے تھے جس کی کوئی آواز نہ تھی۔ وہ اتنا نیچے اڑ رہا تھا کہ اس کے ریڈار کے زد میں آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اس کو کئی بار سیاہ پینٹ سے اتنا کالا کیا گیا تھا کہ اس کا رنگ رات کے رنگ میں مل گیا تھا اور اس وقت وہ وادیٔ اخگر میں داخل ہو چکا تھا۔

کرشن داس ہری داس لال چند گنگوانی مخصوص کمانڈو فورس میں اپنے آدمیوں کے سامنے ٹہل رہا تھا۔ یہ سب کے سب اسی قسم کے مخصوص لباس میں تھے جبکہ گنگوانی کے سینے پر ایک میڈل بھی نظر آ رہا تھا۔

"وہ طوطا آگیا ہے۔" گنگوانی نے اپنے ماتحتوں سے کہا۔ اس نے یہ جملہ شستہ انگریزی میں ادا کیا تھا۔ اس کے ماتحت گلائیڈر کے دروازے پر قطار بنائے موجود تھے۔ پیراشوٹ ان کی پیٹھ پر نظر آ رہے تھے۔ "ابھی تک فردوسی پیٹرول دستوں نے ہمیں نہیں دیکھا ہے۔ ہم ان کے سمندروں میں اتریں گے اور کوشش کریں گے کہ ان کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں قتل کر سکیں پھر ہم سمندر میں تیر کر واپس چلے جائیں گے۔"

اس کے تینوں ساتھی مسکرانے لگے۔ انھیں گنگوانی کی ہمت اور حوصلے پر بڑا اعتماد تھا۔ مسلم آباد کے کامیاب مشن کے بعد انھیں بچا کر واپس لے جانا صرف اور صرف گنگوانی کا ہی کارنامہ تھا اور اس بار بھی انھیں اپنے مشن کی کامیابی کا بھرپور یقین تھا۔ ان میں سے ایک

پراسرار علوم کے ماہر
نوجوان امجد علی کی
پراسرار اور عبرت انگیز
داستان
روگی
م۔ الف صدیقی کے پراسرار قلم سے
5 حصوں میں شائع ہو گئی ہے
قیمت فی حصہ -/60 روپے
قیمت سیٹ -/300 روپے
ناشر
مکتبہ القریش، سرکلر روڈ
اردو بازار، لاہور 2

سفید فام تھا جو خاص طور سے فردوس دشمن سپر طاقت کا ایجنٹ اور وہیں کا تربیت یافتہ تھا۔

"سامان نیچے..." گنگوانی نے ہاتھ اٹھا کر حکم دیا اور دروازے کے قریب موجود کمانڈو نے پلاسٹک بیگ نیچے دھکیل دیا۔

"ناؤ... وی گو..." گنگوانی دہاڑا اور پہلے خود اس نے چھلانگ لگا دی۔ وہ پلاسٹک سے جکڑے ہوئے سینے سے پلاسٹک میں ملفوف سب مشین گن چپکائے ہوئے تھا۔ باقی تینوں نے اس کی نقل کی... پھر فردوسی آسمانوں میں چار افراد اور ایک تھیلے کا ہیولا جھولنے لگا۔

سب سے پہلے سامان والے پلاسٹک بیگ کا پیراشوٹ کھلا تھا پھر ہر شخص نے اپنی اپنی زپ کھینچ کر پیراشوٹ کھول لیے۔ اس دوران میں ہر کمانڈو کے ذہن میں اس خوں ریزی کا تصور کر کے ہی ہلکا سا خوف ابھر رہا تھا جو نیچے ہونے والی تھی۔ ادھر گنگوانی کے ذہن میں وطن واپسی پر استقبال اور رینک میں ترقی کے خیالات رقصاں تھے۔ اس کے ٹروپک مشن کا سب سے کٹھن مرحلہ یعنی فردوسی حدود میں بغیر نظر آئے گھس جانا پورا ہو چکا تھا اور اب محض معمولی مسئلے باقی تھے۔ انھیں قتل عام کر کے واپس جانا تھا۔

تین ہزار فٹ کی بلندی سے سامان والا تھیلا سمندر میں گرا۔ اس کے گرنے سے جو آواز پیدا ہوئی، وہ دستی بم پھٹنے کی آواز سے زیادہ نہ تھی۔

اور اسی دھماکے کے باعث وہ بیدار ہو گئی۔ اگلے دھماکوں کے بعد اس نے پھرتی سے جیپ اسٹارٹ کی اور ساحل کی طرف دوڑا دی۔ وہ پریشان تھی۔

گنگوانی اور اس کے ساتھی نمکین پانی میں ڈبکیاں لگا رہے تھے۔ وہ جب وہاں پہنچی تو اس نے ایک ہیولے کو دو ہیولوں سے باتیں کرتے سنا۔

عصمت سلطان لرز کر رہ گئی۔ وہ ان کی زبان اور لہجے کو پہچان گئی تھی۔ وہ جیپ کے ڈیش بورڈ سے آٹومیٹک پستول نکالنے کے لیے جھکی لیکن اسی لمحے اس کی گردن پر کسی ہتھیار کی سرد نال جم گئی۔ ساتھ ہی کسی کا ہلکا سا قہقہہ بھی سنائی دیا۔

"کمانڈر!" کسی نے کہا۔ "سنسد ناری ہے۔" اس کی بات سنتے ہی گنگوانی نے ان کی طرف پلٹ کر دیکھا اور پھر انھی کی سمت میں آنے لگا۔ باقی دو افراد بھی اس کے پیچھے تھے۔

"میں اسے تمہارے نام پر قربان کر دوں گا کمانڈر!"

عصمت سلطان نے اپنے عقب سے آواز سنی۔ "کاش اسے معلوم ہو جائے کہ یہ کس کے ہاتھوں موت کا جام پی رہی ہے۔"

"ایک منٹ صبر کرو۔" گنگوانی نے ہلکی سی ہنسی کے ساتھ اسے حکم دیا۔ اس دوران میں عصمت سلطان ساکت کھڑی رہی۔ اسے سانس لینا بھی ناگوار لگ رہا تھا۔

گنگوانی نے اس کا بغور جائزہ لیا اور اس کی کالی آنکھیں کسی شیطانی جذبے کے تحت چمکنے لگیں۔

"واہ... مورت ہے مورت۔" گنگوانی نے ایک ہاتھ سے اس کی پشت تھپتھپائی۔ عصمت کا ذہن سلگ اٹھا۔ اس نے حرکت کرنے کی کوشش کی لیکن نال اور سختی سے چبھنے لگی۔

"ذرا سی بھی حرکت کی یا آواز نکالی تو تمہارا گلا کاٹ دوں گا۔" گنگوانی نے غرا کر کہا پھر اس کا لہجہ اور انداز بدل گیا۔ اس کا ہاتھ عصمت کے شانے پر آ گیا۔ "آج کی رات ہمارا پہلا شکار یہی ہوگی۔" یہ کہتے ہوئے اس نے اپنے سر سے ربر کی ٹوپی اتار دی۔ باقی دونوں نے بھی اس کی تقلید کی۔ عصمت کی سانس پھولنے لگی پھر اسے گردن سے نال ہٹنے کا احساس ہوا لیکن ساتھ ہی اسے کپڑوں کی سرسراہٹ بھی سنائی دینے لگی۔ ایک مکروہ خوف نے اس کا دل ہی کیا، جسم تک مفلوج کر ڈالا۔

"لیکن پہلے تم..." گنگوانی عصمت سے کہہ رہا تھا۔ "مرنے سے پہلے تم ہمارے لیے نشاط کا باعث بنو گی۔"

عصمت کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا۔ کیونکہ اس نے مزاحمت کی کوشش کی تو پستول کی نال فوراً ہی اس کے حلق پر آ جمی۔ اس نے گھٹنوں نے ہاتھوں کا لمس محسوس کر کے زور دار چیخ ماری۔

پہلے اسے یہی احساس ہوا تھا کہ یہ چیخ اس کی اپنی تھی لیکن پھر اسے احساس ہوا کہ اس پر گنگوانی کے ہاتھوں کا دباؤ کم... بلکہ ختم ہو گیا ہے۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔ ایک دہشت گرد گھٹنوں کے بل بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ غائب تھے۔ یہ وہی ہاتھ تھے جو عصمت سلطان کی بے حرمتی کرنا چاہتے تھے... عصمت سب مشین گن کی خاموش آواز نہیں سن سکی تھی۔

دوسرا دہشت گرد بھی دونوں ہاتھوں سے اپنے حلق کو دبائے شاید حلق میں سے نکلنے والا خون روکنے کے لیے کوشاں تھا۔

عصمت سلطان نے ان دونوں دہشت گردوں کے درمیان ایک زرد دھبا سا دیکھا جو گنگوانی کی طرف بڑھ رہا تھا۔

عصمت پھرتی سے اٹھی اور اس نے ڈیش بورڈ سے ریوالور نکال کر گنگوانی پر فائر کر دیا اور اس کا پہلا پھٹ پڑا اور وہ جوابی حملے کے خواب دیکھ رہا تھا، منہ کے بل زمین پر گر گیا۔

عصمت نے سفید فام کمانڈو کی طرف دیکھا جس کے ہاتھ

میں سب مشین گن تھی اور وہ اُس کی نال اپنے مُنہ میں رکھ کر خود ہی فائر کر رہا تھا۔ اُس نے جیپ کی طرف دیکھا۔ وہاں اُوشان اور ٹائیگر موجود تھے۔ اُوشان کے دونوں ہاتھ سینے پر بندھے ہُوئے تھے۔ ٹائیگر ہُڈ سے ٹیک لگائے کھڑا اپنے ناخن دیکھ رہا تھا۔

عصمت کو پہلی بار اپنی حالت کا خیال آیا تو وہ ڈرائیونگ سیٹ پر ڈھے سی گئی۔ "ویل کم بیک۔" اُس نے پُژمردہ لہجے میں کہا اور وہ دونوں سر ہلاتے ہوئے جیپ میں بیٹھ گئے۔ عصمت نے ایک طرف کھسک کر ٹائیگر کے لیے جگہ بنائی تاکہ ٹائیگر جیپ ڈرائیو کر سکے۔ اس کے بعد وہ دیر تک خاموش رہی۔ وادیٔ زرنگار کے مضافات میں آنے کر ہی اُس نے طویل سانس لی۔ "آپ دونوں تو خیریت سے ہیں نا؟" اُس نے پُوچھا۔

"بالکل۔" اُوشان نے جواب دیا۔

"میں گھنٹوں قبل ہونے والی گفتگو پر غور کر رہی تھی... اور اس نتیجے پر پہنچی ہُوں کہ آپ درست کہتے تھے۔"

اُنھوں نے روانگی سے قبل 'کمانڈوز کی لاشیں' ایک چھاؤنے کی مدد سے منوں ریت کے نیچے دبا دی تھیں اور اب وہ احمر آباد سے کوسوں دُور نکل آئے تھے۔

"اور میں بھی گھنٹوں قبل ہونے والی گفتگو پر غور کر رہا تھا، لٹل فادر!" ٹائیگر نے لقمہ دیا۔ "آپ کا خیال درست ہے کہ کسی کو بھی احمقانہ پروگرام ٹی وی پر دکھانے کا حق نہیں۔"

"اس جاہل کی باتوں کو نظر انداز کر دو میری بچی!" اُوشان نے عصمت سلطان سے کہا۔ "یہ شخص سنانجو کی دانش کو سمجھ ہی نہیں سکا۔"

"سنانجو کی دانش' اُبلے ہُوئے چاول' بطخ کے گوشت اور اُبلی ہُوئی مچھلی کا نام ہے۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔

"ویسے حقیقت کا اعتراف کر لینا ہی کافی نہیں اچھی لڑکی! اس کے لیے معذرت خواہانہ انداز بھی کافی نہیں۔"

"کیوں... میں نے کیا کیا ہے؟"

"تم نے اس سیاہ پوش گنگوانی کے ساتھ جو سلوک کیا ہے' وہ انتہائی نامناسب تھا۔"

"کیا...؟" عصمت سلطان چونک پڑی۔ اُس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ "کیا آپ کو اس بات پر حیرت ہے کہ میں نے اُسے قتل کر دیا؟ اس خبیث کے قتل پر آپ کو ملال ہے؟"

"نہیں..." اُوشان نے جواب دیا۔ "لیکن گولی سے مارنا قتل کرنے کا درست طریقہ نہیں۔ سنانجو کے طریقے بھی تو موجود ہیں۔ مجھے بہرحال بہت مایوسی ہُوئی۔ تم نے پستول کا استعمال کر کے اپنی صلاحیتوں کو داغ دار بنا لیا ہے۔"

"ہُوں..." عصمت سلطان نے صحرا کی طرف دیکھتے ہُوئے ہنکارا بھرا۔ "ہاں' آپ درست کہتے ہیں۔ میں نے اُسے اپنے ہاتھوں سے قتل کیوں نہیں کیا؟ گن ہاتھوں کی کارکردگی اور صلاحیت کو زنگ آلود کر دیتی ہے۔" وہ باہر کی سمت دیکھتی رہی۔ "یہ میرا گھر ہے، میرے والد کی زمین ہے۔ اُس نے اس زمین کو قابلِ کاشت بنایا اور اس کے لیے جنگ لڑی لیکن اسی جدوجہد میں وہ مارا گیا، زمین کو سجانے اور بچانے کی جدوجہد میں۔"

ٹائیگر نے جیپ روک دی۔

"اور یہی جدوجہد میری ماں کو بھی ختم کر گئی۔" عصمت سلطان نے بھرائی ہُوئی آواز میں کہا۔ "وہ بہت مضبوط عورت تھی... اور اُس کی واحد غلطی یہ تھی کہ اُسے اپنے شوہر سے والہانہ محبت تھی۔ اتنی محبت اُسے وطن سے بھی نہ تھی اور جب ایک روز دُشمن کے ٹینک یہاں داخل ہُوئے اور ایک گولے نے یہاں کا دفاع کرنے والوں میں سے میرے والد کو بھی گوشت کے لوتھڑوں میں بدل دیا تو میری ماں گندم کی خالی بوری کی طرح ہو گئی اور تین ماہ بعد میرے باپ سے جا ملی۔" یہ کہہ کر عصمت سلطان نے عجیب سے اور اجنبی انداز میں قہقہہ لگایا۔ "لل... لیکن میں یہ باتیں تمہیں کیوں بتا رہی ہُوں۔ یہ تو انتہائی خفیہ اطلاعات قرار دی جاتی ہیں۔"

وہ دونوں خاموش رہے۔

عصمت چند لمحوں تک جیپ کی چھت کو گھورتی رہی اور پھر خود کلامی کے انداز میں بولنے لگی۔ "اور میرا منگیتر... ہم بچپن ہی سے ساتھ کھیلے کُودے تھے' ساتھ پلے بڑھے تھے۔ گزشتہ ماہ ایک بم کے دھماکے نے اُس کو بھی مجھ سے جُدا کر دیا۔ میں نے جس سے بھی محبت کی اُسے بم نے نگل لیا۔ لہٰذا میں نے تہیہ کر لیا کہ میں اپنی زندگی..." پھر وہ اس طرح چونکی جیسے گہری نیند سے بیدار ہُوئی ہو۔ "سوری... میں تو مسلسل بکے ہی جا رہی ہُوں۔" اب اُس کے چہرے پر پُژمردہ سی مُسکراہٹ تھی۔

"تم اپنی زندگی' ایٹم بموں کے تحفظ کی خاطر وقف کرنے کا عہد کرنے والی تھیں نا؟" ٹائیگر نے عجیب سے لہجے میں کہا۔ "لیکن تم نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ ویسے فکر مت کرو۔ بم پوری طرح محفوظ ہیں۔"

"تم لوگوں کو بھلا کیا معلوم۔" وہ اچانک ہی مشتعل ہو گئی۔ "تم تو امریکی ہو۔ تم نے ہر بیس سال بعد کسی نہ کسی جنگ میں ٹانگ ضرور

لڑائی ہے اور وہ جنگ تم نے اپنی سرزمین پر نہیں' غیروں کی سرزمین پر لڑی ہے۔ خود آرام گرسیوں پر بیٹھے رہتے ہو اور دوسروں کی بستیاں اُجڑتی رہتی ہیں لیکن ہمارے لیے جنگ حیات کا حصہ ہے، زندگی کا جزو لاینفک بن چکی ہے۔ ہم زندگی اور موت کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ ہماری تعداد تین کے مقابلے میں ایک ہے۔ جنگ ہماری سرزمین پر ہوتی ہے اور... اور ہمارے بھائی اس جنگ میں جل جل کر مر رہے ہیں۔ اگر میرے بس میں ہو تو میں سب کو ختم کر کے اس جنگ کا خاتمہ کر دوں۔"

عصمت سلطان کی اُونچی آواز آہستہ آہستہ سسکیوں میں بدل گئی۔

"تم پریشان ہو۔ سیٹ پر لیٹ جاؤ۔" اُوشان نے بڑی ہمدردی سے کہا... اور عصمت سلطان نے ایسا ہی کیا۔ وہ سیٹ پر لیٹ کر لمبے لمبے سانس لینے لگی۔ اُوشان نے پلٹ کر اُس کی آنکھوں پر ہاتھ رکھ دیا۔ "سو جاؤ... سو جاؤ' میری بچی! اور یہ یاد رکھو کہ مشرق میں کسی جگہ بھی جنت نہیں ہے۔ پُورا مشرق جہنم بنا ہُوا ہے اور مغرب میں بھی سکون نہیں۔ پہلے اپنے اندر سکون پیدا کرو۔"

ٹائیگر مضافات میں گاڑی چلاتا رہا۔ اب گاڑی شمالی احمر کی بلند چوٹیوں کے نیچے سے گزر رہی تھی۔ یہاں چاندنی بہت لطیف لگ رہی تھی۔ وہ ایک ایسے علاقے سے گزرا جو چاندنی کے باعث وادیٔ قزح کے رنگ پیش کر رہا تھا۔ ٹائیگر نے ایکسیلیٹر پر دباؤ بڑھاتے ہُوئے دل ہی دل میں فیصلہ کیا کہ اب وہ اس لڑکی کو نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دے گا۔

✠

یہ آسان بات نہ تھی اور نہ ہی ایسی باتیں کبھی آسان رہی ہیں۔ اس کے لیے ایک عرصہ درکار ہوتا ہے لیکن اُسے معلوم تھا کہ وہ جلد ہی کامیابی حاصل کرے گا۔ اُسے صرف وقت اور انتظار کی ضرورت تھی' جو وہ کرتا چلا آ رہا تھا۔ وہ اس خاص مقصد کی خاطر کام کر رہا تھا' منصوبہ بندی کرتا رہا تھا اور لوگ اُس کے مقصد کی بھینٹ چڑھتے رہے تھے۔

الماری کے قدِ آدم آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر اُس نے لمحاتی تلخ انداز میں سر ہلایا۔ پلاسٹک سرجری نے اُس کے چہرے کو بہت باوقار بنا دیا تھا۔ اس طرح اُس کی آنکھوں کے نیچے وہ لکیریں بھی ختم ہو گئی تھیں جو اُس کی سفاکی کا نشان تھیں... ورزش کے باعث اُس کا جسم پہلے کی طرح چوکس تھا۔ بازو اور ٹانگیں مضبوط تھیں۔ کمر سیدھی اور طاقت ور تھی۔

یہ اکھنڈ بھارت لبریشن تنظیم کے عسکری شعبے کا میجر نریندر سنگھ تھا۔ اُس نے لباس بدلا۔ اُسے اپنے وطن کی یاد بہت شدت سے آ رہی تھی' جہاں اُس کی بہت قدر کی جاتی تھی اور خاص طور سے اس باعث کہ اُس نے فردوسی حکومت میں ایک اہم منصب پر قبضہ کر رکھا تھا۔ فردوسیوں کو کچھ پتا نہ تھا کہ اُس کی اصلیت کیا ہے۔

تقسیم کے وقت قتل و غارت گری میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے والے نریندر سنگھ نے کپڑے پہن کر اپنے آپ کا جائزہ لیا اور مطمئن انداز میں سیٹی بجانے لگا۔ کمرے سے نکلنے سے قبل وہ سونے کی وہ زنجیر پہننا نہیں بھولا تھا جو اُس کے خاندانی نشان سے مزین تھی۔ وہ زنجیر پہنتا ضرور تھا لیکن اُسے چھپا کر رکھنے کی کوشش بھی کرتا تھا... پھر وہ جیپ میں بیٹھ کر وادیٔ زرنگار کے جنوبی قصبے رمات کی طرف روانہ ہو گیا۔

وہاں پہنچ کر وہ ایک بڑی بھوری عمارت کے سامنے رُک گیا۔ گاڑی پارکنگ فیلڈ میں کھڑی کی اور اُتر کر عمارت کے اندر داخل ہو گیا۔

اب وہ نفرت سے مُنہ بناتا ہُوا تہ خانے کا زینہ اُتر رہا تھا۔ اُس کے جسم پر جلد ہی پسینہ بہنے لگا پھر وہ بند دروازوں کے سامنے سے گزرنے لگا... پھر جُونہی اُس نے ایک کمرے سے نوجوان قہقہوں کی آواز سُنی تو وہ بھی مُسکرانے لگا۔ "ہنسو' جب تک ہنس سکو..." اُس نے زیرِ لب کہا۔

وہ شخص جو کبھی نریندر سنگھ ہُوا کرتا تھا' اب مستقبل کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ دُنیا تاریک ہو جائے گی' قومیں افراتفری کا شکار ہو جائیں گی' ایٹمی تابکاری ہر طرف ہو گی۔ اس بربادی کا تصور کرتے ہی وہ خوش ہو گیا۔

اُسے مطلوبہ کمرا دائیں طرف مل گیا۔ اُس نے دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گیا۔ اب وہ ایک ایسے کمرے میں کھڑا ہُوا تھا جس میں لیب ٹیبلز لگی ہُوئی تھیں' جن کے اُوپر کیمسٹری کے سامان کے شیلف تھے۔ ہر میز کے ساتھ ایک سنک بھی تھا۔ قدرے دُور والی میز کے سنک میں ایک شخص سر دیے ہُوئے تھا۔ اُسے اُلٹیاں ہو رہی تھیں اور اُس کا نام بابر تھا۔ نریندر سنگھ نے فرش پر ایڑیاں بجائیں لیکن بابر مسلسل اُلٹیاں کرتا رہا۔ میزوں پر سرجیکل آلات رکھے ہُوئے تھے جن میں تیز چاقو کے علاوہ ربر کے دستانے اور معائنے کے لیے استعمال ہونے والا آلہ بھی شامل تھا۔ اس سامان کے ساتھ ہی ایک ٹرے میں کسی جانور کا گوشت رکھا ہُوا تھا۔ بظاہر یہ جانور ہی کا گوشت لگتا تھا۔

"اب مجھ سے برداشت نہیں ہوتا۔" بابر نے حلق صاف کرتے ہوئے کہا۔ وہ سنک سے ہٹ کر فرش پر ہی بیٹھ گیا تھا۔ وہ موٹا اور گنجا شخص تھا اور اُس کی قمیص کے اگلے حصے پر گزشتہ رات کے ڈنر کا ہضم شدہ حصہ واضح طور پر نظر آ رہا تھا۔ اُس کی ٹھوڑی بھی فلاکت سے اٹی ہوئی تھی۔

"کیا کوئی ہماری گفتگو سن سکتا ہے؟" نریندر سنگھ نے پوچھا

"نہیں، ہرگز نہیں۔" بابر نامی شخص نے جواب دیا۔ اُس کے سینے پر نام کی چھوٹی سی تختی پر بہرحال یہی نام لکھا ہوا تھا۔

"تب پھر اپنی زبان میں بات کرو۔" نریندر سنگھ نے کہا جس کے سینے پر جلال احمد کے نام کی تختی لگی ہوئی تھی۔ "اور یہ خیال رکھا کرو کہ جب بھی کوئی بڑا افسر سامنے آئے تو کھڑے ہو کر اُسے تعظیم پیش کی جاتی ہے۔"

"اوہ... ہاں... یس..." موٹا بابر بوکھلا گیا۔ وہ بمشکل اُٹھا۔ اُس کا قد چھوٹا تھا اور بال سفید تھے۔ تیس سال قبل وہ یقیناً دلکش شخصیت کا مالک تھا۔ تیس سال پہلے اُس کا نام ڈاکٹر ساندھو تھا اور وہ ایک کالج میں اُستاد تھا لیکن پھر اُسے ایک خاص مشن کے لیے منتخب کیا گیا تو اُس نے بابر بن کر فردوس میں درس و تدریس کا کام شروع کر دیا۔

"جوئے بھرت لینڈ۔" موٹے ساندھو عرف بابر نے کہا۔

"جوئے بھرت لینڈ۔" نریندر سنگھ نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔ "یہ سب کیا ہے؟"

"ڈس سیکشن۔" بابر کا لہجہ تُرش ہو گیا۔ "میں اس کام کے لیے تو نہیں آیا تھا۔ میں تو دلی عزیز میں فزکس پڑھا رہا تھا۔ اب ... مجھے مینڈکوں، لال بیگوں اور ایسے ہی جانوروں کا پوسٹ مارٹم کرنے اور دوسروں کو بتانے میں کوئی دلچسپی نہیں رہی۔"

"تم بہرحال وہی کام کرو گے جو تمہیں سونپا گیا ہے۔" نریندر سنگھ نے شاطرانہ انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔ "اور میں تمہاری چھوٹی موٹی باتوں میں وقت ضائع کرنا بھی نہیں چاہتا۔ سمجھ گئے نا؟" اُس کا لہجہ صرف ایک حد تک تلخ تھا۔

موٹے بابر نے مُنڈیا ہلا دی۔ وہ تو اُس شخص کے کندھوں تک بھی نہ تھا۔ اُس کا حکم ٹالنا ویسے بھی ضابطوں کی خلاف ورزی ہوتا۔

"ہاں، میں سمجھ گیا۔ مجھے اپنے کام سے کام رکھنا ہے اور یہی وجہ ہے کہ میں یہاں ہوں اور..."

"بس..." نریندر سنگھ نے ہاتھ اُٹھا کر کہا۔ "کام میرے پاس لاؤ۔ زیادہ وقت نہیں ہے۔"

"یس... یس۔" موٹا بوکھلا گیا... پھر اپنی ڈیسک کی طرف گیا جبکہ نریندر سنگھ گوشت کو گھورتا رہا پھر اس کا ہاتھ بڑی خاموشی سے اسکیپل کی طرف رینگ گیا اور پھر یہ چاقو اس کی آستین میں چھپ گیا۔

وہ شخص جو اَب ڈاکٹر بابر تھا، ایک چھوٹا سا بلیک باکس نکال رہا تھا۔ اُس نے بڑی احتیاط سے اس صندوقچی کو اُٹھایا اور اتنی ہی احتیاط سے لانے لگا۔ اُس کے موٹے اور بھرے بھرے چہرے پر لمحہ بہ لمحہ مسکراہٹ تھی۔ اُس نے صندوقچی بلند کر کے نریندر سنگھ عرف جلال کو دکھائی۔

"کیا یہی ہے؟" نریندر سنگھ نے پوچھا۔

"ہاں۔" موٹا سرگوشی میں بولا۔ "میں نے ممکنہ حد تک اسے چھوٹا رکھا ہے لیکن اگر اسے مناسب طریقے سے منسلک کر دیا جائے تو یہ ریڈیو سگنل یا انفرنگ ڈیوائس کے ذریعے ایٹم بم کا دھماکا کر سکتا ہے جو اس طرف ... یہ ... لگی ہوئی ہے۔ یہ تمام سیٹلائٹ کنٹرولز کو شکست دے سکتا ہے۔ ایک بار اسے ٹرن آن کر دیا جائے تو پھر یہ ٹرن آف نہیں ہوگا۔"

نریندر سنگھ نے وہ آلہ اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔

"زیادہ احتیاط سے اُٹھانے کی ضرورت نہیں۔" بابر نے ہنس کر مشورہ دیا۔ "یہ مستحکم فولاد سے بنایا گیا ہے۔"

"گڈ... تو یہ صندوقچی کام دکھا سکتی ہے؟" نریندر سنگھ نے عجیب سے لہجے میں پوچھا۔

"ہاں..." موٹے بابر نے جواب دیا۔

نریندر سنگھ کو بہت عجیب سا لگ رہا تھا۔ تیس سال کی مسلسل محنت اور منصوبہ بندی کے بعد ایک بڑی کامیابی اُس کے ہاتھوں میں تھی۔ وہ سوچنے لگا کہ میں بہت جلد ایک بار پھر نریندر سنگھ بن جاؤں گا۔ جلال احمد کا چوغہ اُتار پھینکوں گا۔

"گڈ..." اُس نے مسکرا کر کہا۔ "تم نے ایک عظیم کارنامہ کر دکھایا ہے ڈاکٹر ساندھو! ہمارا منصوبہ اب مزید بلا کسی تاخیر کے تکمیل کے مراحل سے گزر سکتا ہے۔"

"ایکسکیوزمی۔" موٹے بابر نے اچانک ہی کہا۔ "میں نے پوری دیانت داری سے اپنا کام مکمل کر لیا ہے لیکن اب سوال یہ ہے کہ اگلا سگنل ملنے تک میں کیا کروں گا؟"

"سنو دوست!" نریندر سنگھ کا لہجہ بہت میٹھا تھا۔ "اگر تم اس وقت یہاں سے نکلے تو لوگ شک و شبہ کرنے لگیں گے۔ فکر مت کرو۔ آخری مرحلے کے آغاز پر ہی تمہیں پہلے سے طے شدہ سگنل مل

جائے گا۔ اب میں چلتا ہوں۔ مجھے زندگی کے عظیم ترلمحے کی تیاری بھی کرنی ہے۔"

"ٹھیک ہے، میں سمجھ گیا۔" موٹے نے شکست لہجے میں کہا۔ اس نریندر سنگھ نے ایک خاص انداز میں الوداعی سلام کے لیے ہاتھ اٹھایا اور اسی لمحے آستین میں چھپا ہوا سرجیکل اسکیپل، ساندھو کے پیٹ میں اُترتا چلا گیا۔

ساندھو کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا، چیخ بھی حلق میں پھنس کر رہ گئی، آنکھیں پھٹی رہ گئیں اور پھر وہ آگے کی سمت گر گیا۔ خون بہل بہل بہہ رہا تھا۔

"جلد ہی بھرت لینڈ کی دھرتی پر خوشیوں کے پھریرے لہرا رہے ہوں گے۔" نریندر سنگھ نے ساندھو کی لاش کو یقین دلایا۔ "اور تمہارا نام بھی دھرتی کے سپوتوں کی فہرست میں شامل ہوگا۔ تقسیم کے وقت سے بے چین روحیں جلد ہی پُرسکون اور خوش ہو جائیں گی... اور ظلم فردوسی ختم ہو جائیں گے۔"

نریندر سنگھ نے ربڑ کے دستانے پہن لیے۔ "اب مجھے منصوبے کے آخری حصے پر عمل کرنے سے قبل اُن دونوں امریکی ایجنٹوں سے چھٹکارا حاصل کرنا ہے۔" وہ لاش سے کہہ رہا تھا... پھر وہ شیلف کی طرف بڑھ گیا۔ اب اُسے کسی سرجیکل سوئے کی تلاش تھی۔

*

عصمت سلطان ایک زوردار آواز سن کر بیدار ہو گئی۔ جیپ اب بھی چل رہی تھی۔ "گگ... کیا ہوا؟ ہم کہاں ہیں؟"

"عظیم شہنشاہ زرنگار کے دل میں۔" اوشان نے بڑی عقیدت سے کہا۔ "ڈرو مت، میری بچی!"

"لیکن ہم کس مقام پر ہیں؟"

"نقشے کے مطابق ہم لاٹران میں ہیں۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔

"گڈ..." عصمت خوش ہو گئی۔ "میں تو ڈر رہی تھی کہ کہیں ہم راستہ نہ بھٹک جائیں۔ رودات کی طرف جانے والے موڑ کا خیال رکھنا۔"

"ہاں! میں تمہیں یہ بتانا تو بھول ہی گئی تھی کہ جن لوگوں نے تمہیں اغوا کرنا چاہا تھا، ان کے بارے میں علم ہوا ہے کہ وہ انفنٹی ٹیوٹ آف فزکس میں موجود ہیں۔"

انفنٹی ٹیوٹ پہنچ کر انھیں وہ کمرہ بلا کسی سے پوچھے مل گیا جس کی انھیں تلاش تھی۔ کمرے ویران تھے اور اُن پر کسی قسم کا سراغ دستیاب نہ تھا۔

میرے لوگوں نے پہلے ہی ان کمروں کی بھرپور تلاشی لے لی ہے۔" عصمت نے بتایا۔ "لیکن ایسی کوئی چیز نہیں ملی جس کے ذریعے ہم اُن کے سرغنہ تک پہنچ سکیں۔"

اوشان ہال میں گھوم رہا تھا اور ٹائیگر ایکسرسائز کر رہے تھے۔ اچانک ہی اوشان بھی کمرے کی چوکھٹ پر نمودار ہوا۔ اُس کے دونوں ہاتھوں میں دو کتابیں تھیں۔

"دیکھو، میں نے تمہارا کام کر دیا ہے۔" اُس نے دونوں کتابیں فرش پر ڈال دیں۔

"اچھی اور نئی کتابیں ہیں لٹل فادر!" ٹائیگر نے مسکرا کر کہا۔ "لیکن انفنٹی ٹیوٹ یہ کتابیں آپ کو لے جانے کی اجازت نہیں دے گا۔ کہنے ٹیریا والے بہرحال آپ کو کچھ نہ کچھ دینے پر ضرور تیار ہو جائیں گے۔"

"تم تو نورِ چشم کھو چکے ہو۔" اوشان نے جل کر کہا۔ "تمہیں کچھ نظر نہیں آتا۔"

"ایک منٹ۔" عصمت نے گھٹنوں کے بل بیٹھ کر کتابیں دیکھتے ہوئے کہا۔ "کیا یہ کتابیں باقی دو کمروں سے ملی ہیں؟"

"درست، بہت ذہین ہو تم۔ کیا تمہارے اغوا کا تعلق کوریا سے تھا میری بچی؟"

"اُفوہ! کیا مصیبت ہے۔" ٹائیگر کُنکنایا۔ "آخر کتابوں کو اتنی اہمیت کیوں دی جا رہی ہے؟"

"اس کا مطلب ہے کہ یہاں رہنے والے طالب علم ایک ہی کلاس اور ایک ہی اُستاد کے شاگرد ہیں۔"

"اوہ... تمہارا خاندان یقیناً کسی کوریائی خاندان کا علم زاد ہوگا میری بچی! ذرا سی خام ہو لیکن اچھی تربیت مل جائے تو کندن ثابت ہو جاؤ گی۔" اوشان نے کہا۔

اس پر ٹائیگر نے اوشان کو گھور کر دیکھا اور پھر گھٹنوں کے بل بیٹھ کر کتابوں کی ورق گردانی کرنے لگا۔ لیکن ابھی ایک کتاب کا پہلا ورق ہی پلٹا تھا کہ وہ چونک پڑا۔ "ہائیولوجی... بی۔ ۲۷۔ معلم ڈاکٹر بابر۔"

وہ اُٹھ گیا۔ "چلو! اب ذرا ڈاکٹر بابر سے بھی ملاقات کر لیں۔" اُس نے کہا۔ اس پر وہ دونوں اس کے ساتھ ہو لیے۔ کمرہ نمبر بی ۲۷، دائیں طرف انڈر گراؤنڈ فلور پر تھا۔

صبح کا وقت ہونے کے باوجود وہاں کافی گہما گہمی تھی۔ انھیں ایک گروپ نظر آیا جس میں شامل ہر شخص وردی پوش تھا۔

"میرا خیال ہے کہ ہم فوجی پریڈ میں آ گئے ہیں۔" ٹائیگر نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"نہیں، یہ فوجی نہیں، پولیس والے ہیں۔" عصمت سلطان نے سرگوشی کی... پھر انھیں بی ۲۷ کے باہر بھی لوگوں کا جمگھٹا نظر آیا۔ ساتھ

Uploaded By Nadeem

ہی ٹائیگر نے ایک خاص قسم کی بُو محسوس کی۔ اُس نے فوراً ہی اندازہ لگا لیا کہ یہ بُو کس چیز کی ہے۔ یہ موت کی بُو تھی۔ "آپ یہیں ٹھہریں۔" اُس نے اُوشان سے کہا۔ "میں دیکھ کر آتا ہوں کہ کیا چکر ہے۔"

"مجھے تو لہو اور خنزیر کی بُو آ رہی ہے۔" اوشان نے اپنی چھوٹی سی ناک سکیڑ کر کہا۔ "میں اس بُو کو برداشت نہیں کر سکتا۔ لہٰذا گاڑی میں جا کر بیٹھ رہا ہوں۔"

اس دوران میں ٹائیگر، اسامدہ اور طلباء کے درمیان سے گزر کر ایک موٹے پولیس والے کے قریب پہنچا۔ پولیس والے نے پلٹ کر اُسے گھورا اور زرنگاری زبان میں کچھ کہا جس کا جواب ٹائیگر نے کھائی زبان میں کچھ کہہ کر دیا۔ غالباً اس کا مفہوم تھا کہ پولیس والے کی ماں بہت نیک خاتون ہے۔ ابھی ان دونوں کے درمیان دونوں کے لیے اجنبی زبانوں میں مزید لایعنی کلمات کا تبادلہ ہونا تھا لیکن اسی لمحے عصمت سلطان بھی اُن تک پہنچ گئی۔ اُس نے پولیس والے کی ناک کے سامنے اپنا کارڈ لہرایا اور جلدی جلدی زرنگاری میں کچھ کہا جس کا جادوئی اثر ہوا اور پولیس والا راہ سے ہٹ گیا۔

وہ دونوں کمرے میں داخل ہوئے لیکن چوکھٹ سے ایک فٹ آگے پہنچ کر رک گئے۔ کیونکہ اگر وہ مزید ایک قدم آگے بڑھاتے تو اُن کے جوتے خون سے تر ہو جاتے۔

خون نے فرش پر قالین سا بچھا دیا تھا... اور ایک طرف لاش کے قریب بندوق پڑی ہوئی تھی۔ لاش مکمل نہ تھی بلکہ اس کے اعضا بکھرے ہوئے تھے۔ کسی نے شاید بڑے اطمینان سے اعضاء کو الگ الگ کر کے ایک خاص ترتیب سے سجا دیا تھا۔ ایک طرف خنزیر کے ٹکڑے پڑے ہوئے تھے۔

عصمت سلطان میں مزید ہمت نہ تھی لہٰذا وہ کمرے سے نکل گئی اور ٹائیگر لاش کے سینے پر جھک گیا، جہاں اُسے ڈاکٹر بابر کے نام کی پلیٹ مل گئی۔ وہ اُٹھا اور واپس عصمت کے پاس آ گیا۔

"ذرا کسی سے ٹیلی فون بوتھ کا پتا تو پوچھو۔" ٹائیگر نے عصمت سلطان کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "مجھے رپورٹ بھیجنی ہے۔"

"مجھے بھی۔" عصمت نے مسکرا کر کہا۔ پھر ایک پولیس والے سے زرنگاری میں اپنا مدعا بیان کیا جس پر انھیں فرنٹ آفس لایا گیا۔ دونوں نے ٹاس کیا۔ جیتنے والا ٹائیگر تھا لہٰذا اُسی نے پہلے کال کی۔ ظاہر ہے کہ اُس نے بہرام کو فون کیا تھا۔

ڈاکٹر بہرام نے ڈاکٹر بابر کے قتل کی خبر سُنی تو خوش نہیں ہوا... "تم بہت تیزی سے کام کر رہے ہو۔ فردوس میں ہر طرف لاشیں بچھی پڑی ہیں اور تم نے دس لاکھ ڈالر کا ایک میزائل بھی تباہ کر ڈالا ہے۔"

"ارے! کیا آپ تک اس کی اطلاع بھی پہنچ گئی سوئٹ ہارٹ؟" ٹائیگر بہرام کی جھنجلاہٹ سمجھ رہا تھا۔

"محاذ پر خبریں ذرا تیزی سے پھیلتی ہیں۔" بہرام کا لہجہ خشک تھا۔ "میزائل کا مسئلہ تو عالمی تنازعہ بننے والا تھا لیکن شکر ہے کہ کسی کو یہ علم نہیں کہ تم اس کے ذمے دار ہو۔"

"تب میں بھی کسی کو یہ راز نہیں بتاؤں گا۔" ٹائیگر نے شوخ لہجے میں جواب دیا۔

"لیکن تمہارا کور تو اب کا ختم ہو چکا ہے۔ بہت سے لوگوں کو تمہارا نام تک معلوم ہو گیا ہے۔"

"سُنیے چیف!" ٹائیگر بھی سنجیدہ ہو گیا۔ "مجھے کچھ پتا نہیں کہ کیا ہو رہا ہے۔ ویسے بھی یہ میرا کام نہیں آپ کی ذمے داری ہے۔ آپ ہی پتا چلائیں کہ آخر کس وجہ سے میری شناخت طشت از بام ہوئی ہے۔"

"دھیرج... دھیرج..." بہرام نے گھبرا کر کہا۔ "ٹائیگر! میری بات سنو۔ مت ہوا کرو۔ کام کرتے رہو، سوچتے رہو۔ میں تم سے پھر رابطہ کروں گا۔"

"لیکن جلد۔" ٹائیگر نے عجیب لہجے میں کہا۔ "اب میں مزید انتظار نہیں کر سکتا۔ اور ہاں، کیا آپ نے اُوشان کے لیے نئے کیسٹ خرید لیے ہیں؟ وہ یہاں کے ٹی وی پروگراموں سے بُری طرح اُکتا چکا ہے۔"

"ٹھیک ہے، پھر رابطہ ہو گا۔" بہرام کے اس جواب پر ٹائیگر نے خراب موڈ کے ساتھ ریسیور رکھ دیا۔ بہرام نے سوچنے کے لیے کہا تھا۔ اب تک اُس نے ہر کام سوچے سمجھے بغیر کیا تھا اور سوچنے سمجھنے کا سارا کام چارہ گر کمپیوٹر کے لیے چھوڑ دیا تھا۔

لیکن سوچنے کی زیادہ ضرورت بھی نہ تھی۔ عصمت سلطان نے اُس پہلے شخص کو قتل کر دیا تھا جس سے ٹائیگر کچھ اگلوا سکتا تھا پھر جہاں بھی وہ گئی وہاں بتانے کے لیے کوئی زندہ نہیں بچا۔ اس کا کردار مشکوک تھا بلکہ وہ خود مشکوک ہو گئی تھی۔

وہ فرنٹ آفس سے مارچ کرنے والے انداز میں نکلا...

"ہیلو..." اُس نے عصمت سے کہا۔

"رپورٹ بھیج دی؟" عصمت نے مسکرا کر پوچھا۔

"ہاں، اب تمہاری باری ہے۔"

"تو پھر میں ابھی آئی۔" وہ فرنٹ آفس کی طرف بڑھ گئی۔

اسی لمحے ٹائیگر نے اُسے بڑے پیار سے پکارا۔ "عصمت..."

"کیا ہوا؟" وہ پلٹ کر حیرت سے دیکھنے لگی۔

"کچھ دیر قبل پولیس والے سے تمہاری کیا گفتگو ہو رہی تھی؟"

ٹائیگر نے پوچھا۔

"کوئی خاص نہیں۔ کیوں کیا بات ہے؟"

"بتا بھی دو۔" وہ اُس کی طرف بڑھ آیا۔

"وہ مجھ سے یہ پوچھ رہا تھا کہ کیا تم مجھ سے قبل یہاں پہنچے تھے۔ اُس کا خیال تھا کہ اُس نے پہلے بھی تمہیں دیکھا تھا۔"

ٹائیگر کو یقین تھا کہ وہ بات بنا رہی ہے۔ ویسے اگر وہ چاہتا تو اُسے فرنٹ آفس میں لے جا کر حقیقت اُگلوا لیتا لیکن یہ موقع مناسب نہ تھا۔ "اچھا، تو پھر تم نے کیا کہا؟"

"میں نے کہا کہ نہیں، تم میرے ساتھ آئے تھے۔" یہ کہہ کر وہ اپنے بالوں کو جھٹک کر فرنٹ آفس کی طرف بڑھ گئی۔

ٹائیگر ہیرو بنتے بنتے رہ گیا۔ ویسے اُسے یقین تھا کہ اس بار اُس کے لیے اہم شخصیت کو قتل کرنے والی عصمت بہرحال نہیں ہو سکتی کیونکہ مسلسل اُس کے ساتھ رہی تھی... پھر صحرا میں چار افراد نے اُس پر حملہ بھی کیا تھا۔ ٹائیگر نے سر جھٹک دیا۔ اُس نے سوچنے کا ارادہ ایک بار پھر ترک کر دیا۔ وہ باہر نکل گیا جہاں جیپ کی سیٹ پر اُوشان براجمان بیٹھا ہوا تھا۔ سورج اب طلوع ہونے کے لیے اپنی لگامیں ڈھیلی چھوڑ رہا تھا جس کے باعث پانی سے بھرے ہوئے بادل اور صحرا کی ریت چمک رہی تھی۔

ٹائیگر نے جیپ سے ٹیک لگا لی۔ اُسی لمحے اسے عرصے بعد ایک بار پھر تمباکو کی طلب محسوس ہوئی۔ سگریٹ پینا، وہ کافی عرصے قبل ترک کر چکا تھا لیکن کبھی کبھار یہ خواہش شدت سے عود کر آتی تھی۔

پھر سورج پوری طرح طلوع ہو گیا اور صحرا سونے کے تھال کی طرح چمکنے لگا۔

"تم مایوس سے لگ رہے ہو میرے بچے!" اُوشان نے پُرشفقت لہجے میں کہا۔

"ہاں، اس جگہ ہر طرف مایوسی ہی ہے۔"

"میں سمجھ گیا۔ جہاں حسن نہ ہو وہاں کام کرنا ذرا مشکل ہی ہوتا ہے۔" یہ کہتے ہوئے اُوشان نے چاروں طرف دیکھا جہاں صبح کی نرم روشنی پھیلی ہوئی تھی اور بادلوں پر قوسِ قزح کے رنگ نمودار ہو رہے تھے۔

"بات یہ نہیں لٹل فادر! اصل مسئلہ یہ ہے کہ میں ابھی تک اپنی ڈھنگ کا کام نہیں کر سکا۔"

"کام نہیں کر سکا!" اوشان کے لہجے میں حیرت تھی۔ "کل تم نے دو شیطانوں کو ہلاک کیا۔ اگرچہ اُس وقت تمہاری کہنی کا وار سیدھا نہیں تھا لیکن تم نے دوسرے پر کلائی کا وار ترچھا ہونے کے باوجود مؤثر انداز میں استعمال کیا۔ تم کہتے ہو کہ تم نے کوئی ڈھنگ کا کام نہیں کیا لیکن تم نے اُن دونوں افراد کو ہلاک کیا جو میرے سامان کو بحفاظت پہنچانے کا وعدہ کرنے کے باوجود خراب نیت رکھتے تھے۔ تم نے اُن صلاحیتوں کا استعمال کیا جو میں نے تمہیں سکھائی تھیں۔ اگرچہ استعمال اچھا نہ تھا لیکن پھر بھی تم جیسے ناپختہ کار شخص نے انھیں استعمال کیا۔ کمال ہے، تم کہتے ہو کہ تم نے کچھ نہیں کیا لیکن مجھے یقین ہے کہ اگر تم مزید چند ہفتے یہاں رہ گئے تو یہاں کی حکومت کو درپیش آبادی میں اضافے کا سب سے بڑا مسئلہ حل کر دو گے اور آبادی کم ہو جائے گی۔"

ٹائیگر ہنکارا بھر کر رہ گیا۔

بہرام کا کہنا ہے کہ اُس نے کیسٹ روانہ کر دیے ہیں۔" وہ موضوع بدلنا چاہتا تھا۔

"وہ احمق ہے۔" اوشان نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "لیکن پھر بھی ہمیں ہوٹل چلنا چاہیے، ممکن ہے کیسٹ وہاں پہنچ گئے ہوں۔"

عصمت سلطان واپس آئی تو اُوشان بار بار ٹائیگر سے کہہ رہا تھا۔ "چلو... بس چلو... اب چلو نا۔"

"کیا بات ہے؟" عصمت نے مُسکرا کر پوچھا۔

"ہوٹل واپس جانے کے لیے بے تاب ہیں۔" ٹائیگر نے ہنس کر جواب دیا۔

"پھر کیا انھیں پولیس کے ساتھ واپس بھیج دیا جائے؟"

"ضرور... بشرطیکہ پولیس والے راستے بھر ڈراموں کے بارے میں ان کی رائے سنتے رہیں۔"

اور پھر ہوا بھی یہی۔ جب اوشان بخوشی ایک پولیس جیپ میں بیٹھ رہا تھا تو اُس کے لبوں پر ایک ڈرامے کے نقائص تھے... وہ شروع ہو چکا تھا۔

اچانک ہی سورج کالے بادلوں میں چھپ گیا۔ اور ہر طرف اندھیرا سا چھا گیا۔

"لگتا ہے بارش ہو گی۔" ٹائیگر نے کہا۔ "جیپ کی چھت لگا لی جائے تو بہتر ہے۔"

وہ جیپ کی طرف چل دیے تو اُس وقت بھی عصمت سلطان، ٹائیگر کو دیکھے جا رہی تھی۔ ٹائیگر کو بھی اس کا احساس تھا کہ اس کی آنکھوں میں کچھ ہے لیکن پھر اُسے اوشان کا کہنا یاد آ گیا کہ آنکھیں رُوح کی کھڑکیاں نہیں ہوتیں بلکہ گمراہ کرتی ہیں۔ رُوح میں جھانکنے کے لیے اصل کھڑکی معدہ ہے۔ معدے ہی سے زندگی شروع اور

Uploaded By Nadeem

وہیں ختم ہوتی ہے۔

اُنھوں نے جیپ ٹاپ لگایا ہی تھا کہ بارش شروع ہو گئی۔ ٹائیگر نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔ برابر والی سیٹ پر عصمت بیٹھ گئی تھی۔ جیپ قصبوں کے درمیان سے گزری' وہ ان بچوں کو دیکھتے ہوئے گزرے جو خندقوں میں بھرے ہوئے پانی سے کھیل رہے تھے۔ وہ زنگ آلود ٹینکوں کے قریب سے بھی گزرتے چلے گئے۔

"میرے لوگ..." عصمت سلطان بہت دیر بعد بولی۔ "وہ لوگ جن کے لیے میں کام کرتی ہوں' یہ خیال رکھتے ہیں کہ ایٹم بم کے خلاف کوئی سازش نہیں ہو رہی۔ وہ مرنے والوں کے درمیان کسی قسم کے تعلق کا بھی پتا نہیں چلا سکے۔ اُن کا کہنا ہے کہ کسی جنونی اور پاگل شخص نے انھیں قتل کیا ہے اور تفتیش پولیس ہی کر سکتی ہے کیونکہ یہ زیادہ سنجیدہ مسئلہ نہیں ہے۔"

"تمہارا اپنا کیا خیال ہے؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"میرا خیال ہے کہ وہ غلط خطوط پر سوچ رہے ہیں۔" عصمت بہت سنجیدہ انداز میں بولی۔ "مجھے تو ہر طرف خطرہ محسوس ہو رہا ہے۔ فکلت ہے، کوئی ہمہ وقت ہم پر نگاہ رکھے ہوئے ہے۔" وہ ایک لمحے تک خاموش رہی اور جب ٹائیگر کچھ نہ بولا تو وہ دوبارہ کہنے لگی۔ "لیکن خیر' میرے لوگ محض احساسات و جذبات کی بنیاد پر کوئی کام نہیں کرتے۔ وہ تم سے ملنا چاہتے ہیں تاکہ تمہارے خیالات بھی سُن سکیں۔"

"نہیں..." ٹائیگر چونک پڑا۔ "میں نئے لوگوں سے ملنا نہیں چاہتا۔"

"میری خاطر مل لو۔" عصمت نے زور دیا۔ "مجھے یقین ہے کہ تم ہماری مدد کرنے کے لیے ہی آئے ہو۔ سنو شہزاد! میں انٹیلی جنس یا فوج کی ایجنٹ نہیں ہوں۔"

"تو پھر...؟" ٹائیگر نے حیرت سے اُس کی طرف دیکھا۔

"میں تنظیم تحفظِ آزادی کی ایجنٹ ہوں۔" وہ سرسراتے ہوئے لہجے میں بولی۔

"یہ کیا چیز ہے؟"

"بنیادی طور سے یہ نیوکلیئر سیکورٹی کی ایجنسی ہے' اس کا نعرہ ہے 'مسلم آباد کی تباہی کو یاد رکھو۔'"

ٹائیگر نے ایک طرف جیپ روک دی۔ یہاں ہر طرف پھول ہی پھول کھلے ہوئے تھے اور بہت بھینی خوشبو آ رہی تھی۔

"واہ..." عصمت سلطان کا موڈ اچانک ہی بدل گیا۔ "دیکھو، شہزاد! بارش کے بعد کتنے پھول کھل گئے ہیں۔"

یہاں بارش نے واقعی جادوئی عمل کیا تھا۔ صحرا میں ہر طرف سُرخ' لال' نیلے' پیلے' اودے اور سفید پھولوں کا قالین بچھا ہوا تھا۔ عصمت جیپ سے اُتر گئی اور پھر ٹائیگر کو بھی اُترنا پڑا۔ دونوں شاداب پھولوں کی طرف بڑھ گئے۔ عصمت ایک کنج کے قریب گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی۔ بھیگی ہوئی نرم ہوا اُس کے رخساروں کو گدگدانے لگی۔

ٹائیگر نے اُس کی آنکھوں میں جھانکا۔ اس بار اُسے یہ آنکھیں گمراہ کن نظر نہیں آئیں۔ اُس کی آنکھوں میں وہ خود تھا۔ اُسے اُن آنکھوں میں ردبلی نظر آ رہی تھی۔ عصمت بھی ردبلی کی طرح بہادر' مخلص سخت جان' ایمان دار اور خوبصورت تھی۔ وہ جانتا تھا کہ اُسے ردبلی سے محبت ہے۔

وہ سوچوں میں گم ہو گیا۔

"شہزاد..." عصمت کی آواز نے اُسے چونکا دیا۔ وہ بہت جذباتی ہو رہی تھی۔ ٹائیگر نے اُن پھولوں کی طرف دیکھا جنھوں نے صحرا کو چھپا لیا تھا۔ اُسے یہ عجیب سا احساس بھی ہوا کہ وہ دونوں چند دنوں بعد کسی نامعلوم آگ میں جھلس کر مر سکتے ہیں اور دوسرا دل کہہ رہا تھا کہ آج کے حسن کو غارت نہ کیا جائے۔ لہٰذا اُس نے عصمت کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

"تمہارا کوئی بھائی بھی تھا نا؟" اُس کی آواز بھرائی ہوئی تھی اور یہ جملہ اتنا مؤثر تھا کہ عصمت سلطان کے چہرے پر کئی رنگ آ کر گزر گئے پھر اُس کی آنکھیں چمکنے لگیں لیکن اُن آنکھوں میں آنسو بھی تھے۔

"سنو عصمت!" وہ کہہ رہا تھا۔ "مجھے کبھی بہن کا پیار نصیب نہیں ہوا۔"

عصمت نے اُس کے شانوں پر سر رکھ دیا اور رونے لگی۔ پھر روتی چلی گئی۔

"ہم ایک گھنٹے سے باتیں کر رہے ہیں۔" ٹائیگر نے کچھ دیر بعد کہا۔ "ہم نے یہ ایک گھنٹہ انتہائی مقدس رشتے کو مضبوط بنانے میں صرف کیا ہے۔ اب اس ایک گھنٹے کو ہمیں برسوں پر محیط کرنا ہے۔ اس دوران میں کیے ہوئے وعدوں کو قسموں کے تحفظ کے لیے استعمال کرنا ہے۔ تم نے جو عزم کیا ہے' اُس کو سجا کر رکھنا' یہ عزم دشمن کے ہاتھوں تاراج نہ ہو جائے۔ اس عزم سے نئے پھول کھلانے ہیں' اس عزم سے تاریک بادلوں کو ختم کرنا ہے تاکہ ہمارے بچوں کا مستقبل محفوظ ہو سکے۔" ٹائیگر کی آواز تھرا رہی تھی۔ وہ رک گیا۔ اس نے اپنے جذبات کو مجتمع کیا اور عصمت کی طرف دیکھا۔ اس کا نرم و شگفتہ چہرہ مسکرا رہا تھا۔ اُس کی آنکھیں خالی نہیں تھیں۔

جمیل خان نے پہلے اپنے پیٹ اور پھر بازوؤں کو تھپتھپایا۔

ناشتے کے بعد گھٹنوں کو دونوں ہاتھوں سے پیٹنے لگا۔ وہ یہ یقین کر لینا چاہتا تھا کہ اس کا خون بہتر طریقے سے دوڑ رہا ہے۔ جب اُسے یہ یقین ہو گیا تو اس نے کمرے کی دیواروں پر مُکّے برسانے۔ اُس کے بعد دیوار پر دونوں ہاتھوں سے بکس لگائی اور پھر کمرے میں پچاس چکر لگانے کے بعد پچاس ڈنڈ پیلے۔ ڈنڈ پیلنے کے بعد اُس نے اتنی ہی مرتبہ اُٹھک بیٹھک کی اور اس سے فارغ ہو کر ایک بار پھر پیٹ پر ہاتھ مارنے لگا۔

'میں تیار ہوں!' اُس نے سوچا۔ ساتھ ہی وہ ایک پرانے لاکر کی طرف بڑھ گیا جو اُس نے ایک ایسے مرچنٹ شپ سے چوری کیا تھا جس میں وہ پندرہ سال قبل سوار ہو کر فیض آباد کی بندرگاہ پر اُترا تھا۔ لاکر میں بھرتی اداکاروں کی قابلِ اعتراض تصویریں لگی ہوئی تھیں۔ مُنہ کالا ڈائقہ بدلنے کے لیے اُن میں فردوسی اداکاروں کی تصویریں بھی تھیں۔ وہ ان تصویروں کو دیکھتا ہوا لباس بدلنے لگا۔ اُس نے اپنے چوڑے شانوں پر کاٹن کی قمیص ڈالی اور پھر پتلون چڑھالی۔ ٹائی کی گرہ باندھتے ہوئے اُس نے کئی بار دیوار پر کِک ماری... پھر جیکٹ پہن لی۔

"کیا کر رہے ہو جمیل؟" باورچی خانے سے ایک تیز نسوانی آواز آئی۔

"بس' تیار ہوں اماں!" اُس نے اعلان کرنے والے انداز میں کہا۔ اس کے بعد اُس نے میز کے اُوپر سے چھلانگ لگا کر دوسری طرف پڑے ہوئے ٹینس شوز پہنے' تسمے باندھے اور پھر قدِ آدم آئینے کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

"دوپہر کو کیا کھاؤ گے؟" باورچی خانے سے پھر آواز آئی... یہ سُن کر جمیل نے اپنے فردوسی لفوش کا جائزہ لیا کہ ان میں کوئی خامی تو نہیں اور پھر خاص انداز میں جواب دیا۔

"بازار میں کچھ کھا لوں گا اماں!" وہ اس وقت ٹوٹی ہوئی ناک اور رخساروں کو دیکھ رہا تھا۔ آنکھوں کی رنگت بھی کالی تھی۔ بھوئیں بھی ہو بہو وہی تھی اور یہ سارا کمال پلاسٹک سرجری اور کنٹیکٹ لینس کا تھا۔

"کیا مسئلہ ہے جمیل؟" باورچی خانے میں موجود عورت نے پھر پوچھا۔ "میں سمجھ گئی۔ تم کسی نئی لڑکی کے چکر میں پھنس گئے ہو' اُس کے ساتھ کھانا کھاؤ گے لیکن اگر اُسے گھر لے آؤ تو مجھے زیادہ خوشی ہو گی۔"

"نہیں اماں! لڑکی کا چکر وکر نہیں۔ مجھے ایک فروری کام ہے۔"

"اچھا..." اماں کی آواز میں اس بار مایوسی تھی۔ "تو کیا اسی نیک آدمی سے کام ہے جو حکومت کے لیے کام کرتا ہے؟"

"ہاں..." جمیل نے جواب دیا۔ ساتھ ہی عقبی دروازے سے باہر جانے کے لیے آگے بڑھ گیا۔

سڑک پر پہنچتے ہی اس کا دل گزبھر کا ہو گیا۔ آج پورے تیس سال بعد وہ عمل کرنے والا تھا۔ تیس سال تک کی محنت، سخت تربیت اور نفرت کے بعد آج اُسے موقع ملنے والا تھا۔ اُسی نے اصل جمیل کو قتل کیا تھا اور وہ بھی صرف ہاتھوں سے۔ وہ اکھنڈ بھرت لینڈ کی مسلح تنظیم میں کرنل کے عہدے پر فائز تھا... اور آج مادرِ وطن کی پکار پر لبیک کہہ رہا تھا۔

خوشی سے اُس کی حالت غیر ہو رہی تھی کیونکہ اُسے جو احکام ملے تھے' وہ بہت واضح تھے اور یہ احکام بھی کسی ذریعے سے نہیں براہِ راست اُوپر سے ملے تھے۔ اُسے علم تھا کہ اُن میں سے اب صرف دو باقی بچے تھے۔ ایک وہ خود تھا۔ باقی نے یا تو فرار ہونے کی کوشش کی تھی یا پھر کمزور پڑ گئے تھے۔ اُسے علم تھا کہ دوسرا نریندر سنگھ ہے جو جلال احمد کے نام سے برسوں سے کام کر رہا ہے۔

تیس سال تک اُس نے کوشش کی تھی کہ فردوسی ایک ایسی رسّی تیار کر لیں جس سے وہ خود اپنے آپ کو پھانسی دے سکیں۔ وہ کئی برس تک جمیل نہ تھا بلکہ اشوک ملہوترا ہی تھا پھر اُسے حکم ملا کہ اندر گھس جاؤ۔ لہٰذا اصل جمیل خان کو ختم کر کے اشوک ملہوترا، جمیل خان بن گیا۔ جو جنگ کے دوران لاپتا ہو گیا تھا۔ اشوک ملہوترا بنا دیا گیا اور یہاں اُس نے اپنے باپ کی بڑی دکان سنبھال لی۔ گھر میں پکا ہوا ہر قسم کا کھانا کھایا اور ساتھ ہی اُس نفرت کو پروان چڑھاتا رہا جو اُس کے دل میں موجود تھی۔

لیکن اب وقت آ گیا تھا۔ اُسے صرف دو افراد کو قتل کر کے بھرت لینڈ کی راہ لینی تھی اور وہاں پہنچ کر فردوس کی تباہی کی خبریں اُسے اخبار میں پڑھنی تھیں۔

اس مشن میں صرف دو افراد حائل تھے۔ دو امریکی ایجنٹ... اُن کے نام کیا ہیں؟ اُس نے ذہن پر زور دیا۔ 'ہاں... شہزاد اور اُوشان... اُنھیں انتہائی مہلک قرار دیا جاتا ہے!'

اُسے پسلیوں سے لگا ہوا آٹومیٹک اچانک ہی بہت گرم محسوس ہونے لگا۔ اُسے یقین تھا کہ اس کے استعمال کا وقت بہت قریب آ چکا ہے۔

وہ شاہراہ ابن بطوطہ پر چلنے لگا۔ اُسے گرمی کا احساس ہو رہا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ یہ گرمی اتنی بڑھے کہ اردگرد کی تمام خوبصورت عمارتیں جل اُٹھیں اور سمندر تک میں آگ لگ جائے، فردوسی ایک دوسرے کو کھا جائیں۔ 'پھر مزہ آئے گا!' وہ سوچ رہا تھا۔

ایک عمارت میں پہنچ کر اُس کی لفٹ میں داخل ہونے کے

Uploaded By Nadeem

بعد آٹھویں منزل کا بٹن دباتے ہوئے اُس کا ذہن کسی بھی حکمت عملی سے خالی تھا۔ اُس نے صرف یہ فیصلہ کیا تھا کہ اُوپر جائے گا۔ مناسب وقت کا انتظار کرے گا پھر دروازہ توڑ کر اندر داخل ہوگا اور دونوں کو گولی مار دے گا۔ سب کچھ اُسے اتنا ہی آسان لگ رہا تھا۔

لفٹ سے نکل کر وہ اُس کمرے کے دروازے تک گیا جہاں اُسے بتایا گیا تھا کہ وہ دونوں امریکی موجود ہوں گے۔ اُس نے اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر کان دروازے سے لگا دیے۔ اندر فردوسی زبان میں کوئی کچھ بول رہا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ دونوں اندر ہیں۔ اُس نے اُچھل کر دروازے کو ٹکر ماری۔

دروازہ قلابوں سے اُکھڑ کر اندر جا گرا۔

اشوک ملہوترا بلّی کی طرح تیزی سے اندر داخل ہُوا۔ اُس کا خوبصورت اور خطرناک آٹومیٹک اب ہاتھ میں تھا۔ اُسے صرف دس فٹ دُور ایک شخص ساکت بیٹھا ہُوا نظر آیا۔

اُس نے شست لی۔ اُنگلی لبلبی پر پہنچ گئی۔ اُس نے ایک ہی نظر میں دیکھ لیا تھا کہ بُوڑھا پیلا لبادہ پہنے ہُوئے ہے۔

لبلبی دو مرتبہ دبی۔ سامنے والے ٹی وی سیٹ میں دو بڑے بڑے سُوراخ ہو گئے۔ ریوالور بے آواز تھا۔

تب ہی اُسے دائیں طرف سے بُوڑھے کی آواز سُنائی دی۔

"تم شہنشاہ بہرام سے جا کر کہہ دو کہ نیا ٹی وی سیٹ دینے کا مطلب یہ نہیں کہ پُرانے سیٹ کو اتنی بے دردی سے تباہ کر دیا جائے۔"

اشوک نے دائیں طرف دیکھا۔ بُوڑھا بستر پر آلتی پالتی مارے بیٹھا ہُوا تھا۔

"ٹی وی پر ریاضی کا سبق پڑھایا جا رہا تھا۔" اوشان نے اُس کو بتلایا۔ "میں اُکتا چکا تھا۔ اب ازراہِ کرم مجھے کیسٹ دے دو۔"

اس بار اشوک نے دیکھ بھال کر نشانہ لیا۔ نال اس طرح رکھی کہ بُوڑھے کی ناک پر رہے۔

لبلبی ایک بار پھر دبی۔ ہلکی سی آواز کے ساتھ ہی اُس نے ری کوائل کا جھٹکا بھی محسوس کیا۔ نشانہ بہت شاندار تھا اور اشوک کو یقین تھا کہ اب کی مرتبہ یہ گولی زدوردُ بُوڑھے کے مغز کو ہر طرف بکھیر دے گی۔

لیکن ایسا نہیں ہُوا۔

"اس کا مطلب یہ ہے کہ تم بہرام کے آدمی نہیں ہو۔" اشوک کو اس بار بائیں طرف سے بُوڑھے کی آواز سُنائی دی تھی۔ "شاید تم بھی کرائے کے ٹٹو ہو۔ ایسے ٹٹو آج کل اس علاقے میں بہت زیادہ نظر آ رہے ہیں۔"

اشوک، بیڈ میں ہونے والے سُوراخ کو دیکھ کر سٹپٹا گیا۔ اُس نے تیزی سے ریوالور کا رُخ اوشان کی طرف کیا اور تقریباً دہاڑ کر بولا۔

"یہ کیا شعبدہ بازی ہے؟"

اس بار اُس نے پیٹ کا نشانہ لیا تھا۔ لبلبی تین مرتبہ دبی۔

اس بار پہلی گولی رائٹنگ ڈیسک کے اُوپر شیشے پر لگی جو ایک چھناکے سے ٹُوٹ گیا۔

اوشان ایک طرف آرام کُرسی پر بیٹھا ہُوا تھا۔ "کمال ہے..." وہ کہہ رہا تھا۔ "عجیب آدمی ہو، تمہاری آنکھوں میں پلاسٹک کے ٹکڑے ہیں اور گردن پر چہرے کی پلاسٹک سرجری کا نشان۔ ہاتھ میں گن ہے۔ تم آخر میرے کمرے کے فرنیچر کے پیچھے کیوں پڑ گئے ہو...؟ دیسے تمہیں اپنا کام مکمل کرنے کے لیے بڑی مار والی بندوق کی ضرورت ہوگی، بدصورت آدمی!"

اشوک ملہوترا کا دماغ چکرا کر رہ گیا۔ سوال صرف یہ تھا کہ بُوڑھے کو پلاسٹک سرجری کا علم کیسے ہُوا؟ کیا یہ چال ہے؟ اُسے یہی فکر دامن گیر ہو گئی۔ "مر جاؤ۔" اُس نے ریوالور سیدھا کر کے کہا اور پھر فائر کر دیا۔ ساتھ ہی آنکھیں بھی بند کر لیں۔

پھر جب اُس نے آنکھیں کھولیں تو بُوڑھا زندہ تھا۔

"بھرت لینڈ کے نام پر مر جاؤ۔" اُس نے پھر گولی چلا دی لیکن اس بار بھی بُوڑھا بجلی کی طرح تڑپ کر ایک طرف ہو گیا۔

"بھرت لینڈ کے نام پر..." اوشان نے مُسکرا کر کہا۔ "نہیں میں اس نام پر نہیں مر سکتا کیونکہ وہاں ایک راجواڑے نے میرے خاندان کی خدمات کا معاوضہ نہیں دیا تھا۔ کیا تم یہ دردناک کہانی سُننا چاہتے ہو؟"

ملہوترا گنگ ہو گیا۔ وہ ساکت نظارہ کر کمرے میں ہونے والے نقصانات کا جائزہ لیتا رہا۔ بیڈ کو نقصان پہنچا تھا، ٹی وی میں دو سُوراخ تھے، رائٹنگ ڈیسک برباد ہو گئی تھی، کُرسی کی پشت گاہ درجنوں حصّوں میں تقسیم ہو چکی تھی لیکن بُوڑھا مسلسل مسکرائے جا رہا تھا۔

اشوک ملہوترا پاگل ہو گیا۔ اُس نے لپک کر ریوالور کی نال بُوڑھے کے مُنہ پر رکھی اور لبلبی دبا دی لیکن اب چیمبر خالی تھا۔ اُس نے ریوالور پھینک دیا... پھر اُس کے دونوں ہاتھ آگے بڑھے۔ انگلیاں خطرناک سریوں کی طرح بن گئیں اور وہ بُوڑھے کا حلق نوچنے کے لیے تیار ہو گیا۔

لیکن اس سے قبل کہ اُس کی اُنگلیاں اوشان کے نرخرے تک پہنچتیں اُس کی اپنی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا... پھر اُسے احساس ہُوا کہ وہ اُن ہاتھوں سے محروم ہو گیا ہے جن پر اُسے ناز تھا۔

اُس نے گھبرا کر بازو اُٹھائے۔ کلائیوں کے بعد والا حصّہ غائب تھا اور اس کی جگہ گوشت کے لوتھڑوں نے لے لی تھی۔ اُس نے بھاگنے کی کوشش کی لیکن ایک بار پھر اُسے چکر آ گیا۔ اُسے شانوں پر دو ضربوں کا احساس ہُوا۔ اُس نے آنکھیں بند کر لیں۔ اُسے ایسا لگا جیسے وہ فضا میں تیر رہا ہو پھر وہ موٹے اور دبیز قالین پر گر گیا۔ اب اُسے سوائے شدید ترین درد کے کوئی اور احساس نہ تھا۔

اوشان نے فیصلہ کیا کہ وہ وڈیو کیسٹ لانے والے شخص کا انتظار اب باہر لابی میں کرے گا۔

*

"شہزاد..." عصمت سلطان نے تعارف کراتے ہُوئے کہا۔ "یہ ڈاکٹر زبیری ہیں، انجمن تحفظِ آزادی کے سربراہ... اور یہ مسٹر شاہ حمید ہیں میرے باس۔"

"خوش آمدید، مسٹر شہزاد۔" ڈاکٹر زبیری نے مُسکراتے ہُوئے کہا۔

وہ اس وقت نیو کلیئر سیکیورٹی ایجنسی کے دفتر کی تیسری منزل پر کھڑے تھے۔ یہاں تک پہنچنے کے لیے ٹائیگر اور عصمت کو خوشبوؤں اور پھولوں کے صحرا میں ساڑھے تین گھنٹے تک سفر کرنا پڑا تھا۔ یہ خوشبو ابھی تک اُن میں رچی بسی ہُوئی تھی۔

"تشریف رکھیے۔" زبیری نے کُرسیوں کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"عصمت! تم بہت تر و تازہ لگ رہی ہو۔ مسٹر شہزاد آپ سے مل کر قلبی مسرت ہُوئی۔"

ٹائیگر نے تقریباً آدھے چہرے والے اُس شخص کا بغور مطالعہ کیا لیکن وہ فوری طور پر کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکا۔

"... اور یہ سوچ کر بھی مسرت ہو رہی ہے کہ تم جیسا خطرناک شخص ایسی جگہ پر ہے جہاں اگر میں چاہوں تو اُسے قتل کیا جا سکتا ہے..." ڈاکٹر زبیری کا لہجہ عجیب سا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ آپ بھی ہم کا شکار ہو چکے ہیں۔" ٹائیگر نے بیٹھتے ہُوئے کہا۔ "ویسے میں راستے بھر یہی سوچتا رہا ہوں کہ آپ حضرات کس قسم کا مُلک چلا رہے ہیں؟"

ان جملوں کے تبادلوں پر عصمت سلطان سُرخ ہو گئی۔ غالباً اُسے دونوں کے جُملے بُرے لگے تھے۔

"میں نے سُنا تھا کہ تم صاف گو بھی ہو۔" زبیری نے کہا۔ اُس کے چہرے پر مُسکراہٹ تھی۔ "ایک بات واضح کر دوں۔ یہاں تمہیں جس قسم کے مسائل کا سامنا کرنا پڑا، اُن کے ذمّے دار ہم نہیں ہیں۔ بہتر ہو کہ تم خود ہی محتاط رہنا چاہیے۔ ایک مقولہ ہے کہ انسان آج یہاں ہے کل قبر میں ہوگا۔"

"اوہ..." ٹائیگر مُسکرانے لگا۔ "سنا نجو کی کتاب میں کہیں لکھا ہے کہ میں پچاس سال سے زندہ ہوں تاکہ تمہاری انچاس سال کی غلطیوں کا اندازہ کر سکوں۔"

"واہ..." زبیری کی دائیں آنکھ چمکنے لگی۔ "کسی کا کہنا ہے... کہ اللہ تعالیٰ کو اُس سے نفرت ہے جس کے قول و عمل میں تضاد ہو۔"

"ہم رات کو جب سوتے ہیں تو سچائی کی چادر ہم پر تنی ہوتی ہے۔ ہم ہر قسم کے مکر و فریب سے پاک ہوتے ہیں۔" ٹائیگر نے بھی مُسکراتے ہُوئے جواب دیا۔

"کہا جاتا ہے کہ جو شخص ایجنٹ کی حیثیت سے جُرم کرتا ہے وہ خود بھی مُجرم ہوتا ہے۔"

"بالکل درست۔ سنا نجو کا کہنا ہے کہ مکمل انسان اپنے عمل کا کوئی ثبوت نہیں چھوڑتا۔"

"ہُوں..." ڈاکٹر زبیری ایک لمحے تک سوچتا رہا اور پھر بولا... "پریشانیاں، انسان کو، طاقت ور ترین انسان کو بھی قتل کر دیتی ہیں۔"

"تربیت علم نہیں اور علم قوت نہیں لیکن یہ دونوں صلاحیتیں جب مل جاتی ہیں تو قوت بن جاتی ہے۔ غالباً سنا نجو کی پُرانی کتاب میں یہی لکھا ہے۔"

"واہ..." زبیری نے ایک آنکھ سے ٹائیگر کو بغور دیکھا اور میز پر جُھک گیا۔ "ناپختہ گفتگو، جُھوٹوں کو جنم دیتی ہے۔" اب اُسے سوچنا پڑ رہا تھا۔

"دوبارہ سوچو... اور ایک بار بھی مُنہ نہ کھولو۔" ٹائیگر نے اوشان کا مقولہ دُہرا دیا۔

عصمت سلطان اور شاہ حمید کی حالت غیر ہو رہی تھی۔ دونوں کی گردنیں دائیں بائیں حرکت کر رہی تھیں۔ ٹائیگر جواب دیتا تو وہ اُسے دیکھنے لگتے اور زبیری کچھ کہتا تو وہ اُس کی طرف دیکھنے لگتے۔

اب زبیری کی باری تھی۔ "چور بھی اپنی کامیابی کے لیے دُعا کرتا رہتا ہے۔" اُس نے کہا۔

"کسی کو الفاظوں سے کاٹنے کی کوشش مت کرو۔ بعض اوقات الفاظ خود تمہارے خلاف اسلحہ بن جاتے ہیں۔"

عصمت اور شاہ حمید کے سر زبیری کی طرف جُھک گئے۔

"خاموشی قابلِ انسان کا جوہر ہے لیکن اس کی زیادہ ضرورت احمقوں کو ہے۔" زبیری نے کہا۔

"لوگوں کو اپنی آنکھوں سے کاٹنا سیکھو۔ بعض اوقات آنکھیں ہتھیاروں سے زیادہ مؤثر ہوتی ہیں۔"

"بچہ بند مُٹھیاں لے کر پیدا ہوتا ہے۔ وہ پوری دُنیا کو اپنی مُٹھیوں میں بھر لینا چاہتا ہے لیکن جب مرتا ہے تو اُس کے ہاتھ خالی ہوتے ہیں۔" زبیری نے کہا۔

Uploaded By

"لیکن سمجھنے والے شخص کے ہاتھ میں ہر چیز کارگر ہتھیار ہوتی ہے۔" ٹائیگر اوشان کے مقولے دُہرا تا رہا۔

"میرے خُدا..." زبیری نے قہقہہ لگا کر شاہ حمید کی طرف دیکھا "بخدا! یہ تو ہم میں سے ہی ہے۔"

عصمت سلطان کھل اُٹھی۔

"آپ کو خوش دیکھ کر مجھے بڑی مسرت ہُوئی۔" ٹائیگر نے کہا۔

"ایک مقولہ اور یاد رہ گیا ہے۔ بہار میں گھاس اُگتی ہے۔"

زبیری اور زیادہ زور زور سے ہنسنے لگا۔ "مجھے بھی صرف ایک قول یاد رہ گیا تھا شہزاد! اور وہ یہ کہ باپ کو چاہیئے کہ وہ اپنے بچّے کو کوئی پیشہ اور خاص طور سے پیراکی سکھائے۔"

پھر وہ تینوں ہنسنے لگے۔ حتیٰ کہ شاہ حمید نے مصنوعی انداز میں کھانس کر اُن کی توجہ اپنی طرف مبذول کرائی۔

"سوری شاہ!" زبیری نے اپنی واحد آنکھ سے پانی صاف کرتے ہُوئے کہا جو قہقہوں کے باعث آگیا تھا۔ "لیکن تم جانتے ہو کہ اس قسم کے مقولوں کی جنگ مجھے کتنی پسند ہے۔ ہاں تو مسٹر شہزاد!" وہ ٹائیگر کی طرف پلٹ گیا۔ "ہم نے چیک اور ڈبل چیک کیا لیکن ہمیں اس کا کوئی ثبوت نہیں ملا کہ تم امریکی ایجنٹ ہو۔"

ٹائیگر پوچھنا چاہتا تھا کہ اُنھیں یہ اندازہ کیسے ہُوا تھا کہ وہ ایجنٹ ہے لیکن اُس نے یہ سوال نہیں کیا۔ "میرا خیال ہے کہ اس چیک اور ڈبل چیک سے بہت کچھ واضح ہو گیا ہو گا ڈاکٹر زبیری؟"

زبیری نے شاہ حمید کی طرف دیکھا جو اثبات میں سر ہلا رہا تھا۔ "منصفانہ بات ہے۔" زبیری نے کہا۔ "تم جہاں بھی گئے ہو، وہاں دونوں طرف کے افراد کو تباہی و بربادی دیکھنی پڑی ہے... چار سیاحوں کی موت کے بعد سلفر پلانٹ میں دھماکا بھی ہُوا۔ ہماری اطلاع کے مطابق اس وقت تم بھی اُسی علاقے میں موجود تھے۔ ہم اس حُسنِ اتفاق کو نظر انداز تو نہیں کر سکتے۔"

عصمت نے زبیری کو اس طرح دیکھا جیسے وہ اس تجزیے پر احتجاج کر رہی ہو۔

"میرا خیال ہے، اس ملاقات کا مقصد مجھ پر جرح کرنا نہیں، خیالات کا تبادلہ کرنا ہے ڈاکٹر زبیری!" ٹائیگر نے خُشک لہجے میں جواب دیا۔

"کیا تمہارے لوگ کسی قسم کا تعلق تلاش کرنے میں کامیاب ہُوئے ہیں مسٹر شہزاد؟"

"نہیں..." ٹائیگر نے اُن کے چہروں کو بغور دیکھتے ہُوئے جواب دیا۔ عصمت سلطان کے چہرے پر کسی قسم کے تاثرات نہیں تھے۔ اس جواب پر زبیری نے کُرسی کی پُشت گاہ سے ٹیک لگا لی اور شاہ حمید نے ایک طویل سانس لی۔

"تب پھر کیا ہو رہا ہے؟" زبیری نے پوچھا۔ "تمہارا کیا خیال ہے؟"

"میرا خیال ہے کہ بھرتی کسی قسم کی اجارہ داری قائم کرنا چاہتے ہیں۔"

"میں بھی یہی کہہ رہا تھا۔" شاہ حمید نے پہلی مرتبہ اپنے طور پر کچھ کہا۔ "فردوس میں غیر ملکی ایجنٹوں کی بھرمار لگی ہُوئی ہے لیکن مسئلہ یہ ہے کہ قتل کی وارداتوں، شہزاد پر حملے اور اس سلامتی کے دستیاں کوئی تعلق نہیں جس کی ذمے داری اس دفتر پر عائد ہوتی ہے۔"

"میں تم سے متفق ہُوں شاہ!" زبیری نے کہا اور پھر ٹائیگر کی طرف دیکھا۔ "جن لوگوں نے تمہیں قتل کرنے کی کوشش کی تھی، اُن کا خیال یہ تھا کہ تم صرف امریکی ایجنٹ ہو۔ اس کا تعلق ہماری ایجنسی یا پروجیکٹ سے نہیں۔" زبیری نے جان بوجھ کر پروجیکٹ کا نام استعمال نہیں کیا تھا۔ حالانکہ کمرے میں موجود ہر فرد کو علم تھا کہ پروجیکٹ سے اُس کی مُراد ایٹمی منصوبے سے ہے۔

شاہ حمید نے گھڑی دیکھ کر زبیری کو اشارہ کیا۔

"ہاں، ضرور... شاہ!" زبیری بولا۔ "آج غالباً رمضان کی آخری شب ہے۔ ممکن ہے کل عید ہو جائے۔ لہٰذا ہمیں گھریلو کام بھی دیکھنے ہیں۔" یہ کہہ کر وہ اُٹھ گیا۔ شاہ حمید بھی کھڑا ہو گیا۔ عصمت کے ساتھ ٹائیگر بھی اُٹھ کھڑا ہُوا۔

"ویسے میں تمہیں ایک مشورہ دوں گا کہ تم اپنی لائن آف ایکشن تبدیل کر دو۔" زبیری نے ٹائیگر سے ہاتھ ملاتے ہُوئے کہا۔ "وجہ یہ ہے کہ تمہاری شناخت اب سامنے آگئی ہے۔ میرا خیال ہے کہ تم سنا نجو کی کتاب کا مزید مُطالعہ کرو۔"

"سنا نجو..." ٹائیگر نے تصحیح کی۔

"ہاں... سنا نجو۔ اور اگر تم فردوس میں اپنے اجداد سے جا ملے تو مجھے اس کا دُکھ ہو گا۔"

بات دھمکی آمیز تھی۔

"آپ میری فکر نہ کریں۔ سنا نجو کا ایک مقولہ یہ بھی ہے کہ موت سے مت ڈرو، نہ ڈرے تو وہ تمہاری دُشمن بھی نہیں بنے گی۔"

وہ دونوں کمرے سے نکلے تو زبیری کچھ سوچ کر سر ہلائے جا رہا تھا۔

* عید آنے کے باعث عصمت سلطان کو بھی اپنے گھر جانا

تھا۔ اُس نے ٹائیگر کو اپنا فون نمبر دیا۔ وہ اپنی دادی کے ساتھ رہتی تھی۔ وہ چلی گئی تو ٹائیگر اپنے ہوٹل واپس آگیا۔ عید اور یومِ آزادی ساتھ ساتھ آنے تھے لہٰذا زبیری اور شاہ حمید کو ایک بریڈ میں بھی شرکت کرنی تھی۔ دو خوشیاں ایک ساتھ آئی تھیں۔

دونوں اس پہاڑی علاقے میں گئے جسے دشتِ آزادی کہا جاتا تھا پھر ایک مثلث نما عمارت کے سامنے رُک گئے... جو ناتراشیدہ پتھروں اور اسٹیل سے بنائی گئی تھی۔ یہ آزادی کے لیے جان دینے والوں کی یادگار تھی۔

فردوسی فوج یہاں سلامی پیش کر رہی تھی۔ ایک کم عُمر بچّے نے جسے ابھی تک تاریخ کا کوئی علم نہ تھا، یہاں مشعل روشن کی۔ اس کے بعد مرنے والوں کے لیے دعائیں شروع ہو گئیں۔

ہجوم میں موجود بعض لوگوں کو علم تھا کہ آزادی کے لیے کتنی قُربانیاں دی گئی ہیں، لہٰذا اُن کی آنکھیں پُرنم تھیں۔

ہجوم میں بعض لوگ ایسے بھی تھے جنھیں فردوس سے نفرت تھی۔ اُن میں سے ہر شخص کو علم تھا کہ اگر وہ قتل و غارت گری میں حصّہ نہ لیتا تو یہ یادگار بھی نہ بنتی۔ اُن ہی میں سے ایک نریندر سنگھ بھی تھا۔ وہ جانتا تھا کہ وقت آگیا ہے۔

وزیرِ داخلہ نے تقریر شروع کی تو میجر نریندر سنگھ ہجوم میں سے نکل کر یادگار کے اندر داخل ہو گیا۔ اُسے یقین تھا کہ عصمت سلطان سمیت کوئی بھی اُسے ہجوم سے نکلتے ہُوئے نہیں دیکھ سکا ہے۔ زبیری کو تو وہ احمق ہی سمجھتا تھا۔

اِدھر شاہ حمید کو بھی یقین تھا کہ کسی نے بھی اُسے ہجوم سے نکلتے ہُوئے نہیں دیکھا۔ وہ یادگار کے ایک کمرے میں پہنچ گیا اور سنگی کمرے میں بڑے فخریہ انداز میں کھڑا ہو گیا۔ یہاں مشعل کی روشنی اُس کے اُٹھے ہُوئے رُخساروں پر پڑ رہی تھی۔

باہر فوجی فائرنگ کر کے سلامی دے رہے تھے۔ شاہ حمید کی نظریں سنگِ مرمر کی اس بڑی تختی پر تھیں جس پر قربانی دینے والوں کی یاد میں عبارت لکھی ہُوئی تھی۔

یہی حال نریندر سنگھ کا تھا۔ فردوسیوں میں گھس کر انھیں تباہ کرنے کا منصوبہ بہت پہلے آزادی کے وقت ہی بنا تھا اور اب اُس کے آخری مرحلے پر عمل ہونے والا تھا۔ نریندر سنگھ کی گردن اکڑ گئی۔

"بس، کچھ دیر کی بات ہے۔" شاہ حمید بڑبڑایا۔ وہ اچانک ہی اپنی شکل بدل چکا تھا۔ اس شکل پر زاہد نام کو نہ تھی۔ اُسے یقین تھا کہ یہ اس نوعیت کا آخری اجتماع ہے۔ اسے سب کچھ یاد تھا۔ ایک گروپ فردوس کو تباہ کرنے کے لیے منتخب کیا گیا تھا... سامدھو، جوزف برائنگم، یوسف بن گیا تھا اور وہ خود... خود وہ رام چندر تھا جس نے شاہ حمید کا نام اختیار کر لیا تھا۔

اُس نے جیکٹ کے اندر جیب میں ہاتھ ڈالا اور ایک تکونا بلیک باکس نکال لیا۔ وہ تیار تھا۔ اُسے علم تھا کہ تباہی کمزور اقوام کا مقدر ہوتی ہے۔ اُسے اُن دو امریکیوں کی بھی فکر نہیں تھی جن میں سے شہزاد اُسے سب سے زیادہ خطرناک نظر آیا تھا لیکن اب وہ سب تباہ ہونے والے تھے۔ کم از کم شاہ حمید، رام چندر کو اس کا یقین تھا۔

رام چندر نے بلیک باکس جیب میں رکھا اور باہر نکل گیا۔

*

"کمال ہے، آپ یہ کیسا مذاق کرتے ہیں ٹیل فادر؟" ٹائیگر نے لابی میں واپس آکر احتجاج کیا۔ "کمرے میں لاش پڑی ہے۔ آپ نے خون تک صاف نہیں کیا۔"

اوشان خاموش بیٹھا رہا۔

"میں لاشوں کو ٹھکانے لگا لگا کر تھک گیا ہُوں۔ آپ کی حرکتیں مجھے تھکا کر مار ڈالیں گی۔"

"وہ تمہاری ہی تلاش میں آیا تھا۔ میں تو ثانوی حیثیت کا مالک ہُوں، لہٰذا وہ تمہاری ذمّے داری ہے۔"

ٹائیگر کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن وہی ریسپشن کلرک آدھمکا جس نے ٹائیگر کو دھمکی دی تھی کہ اگر اُس نے اپنے ضعیف باپ سے بدتمیزی کی تو وہ اُس کا حشر فشر کر دے گا۔

"شہزاد..." اوشان نے پلٹ کر ٹائیگر کی طرف دیکھا... "یہ احمق کون ہے؟"

"آپ اسے نظر انداز کر دیں ٹیل فادر!" ٹائیگر نے فاتحانہ انداز میں کلرک کی طرف دیکھا۔ "اس پر ڈنڈے کا دورہ پڑنے والا ہے۔"

"بکواس..." کلرک نے کہا۔ "بہت دنوں سے مجھے..." وہ اتنا ہی کہہ پایا تھا کہ اُس کا چہرہ سُرخ ہو گیا، سانس رُکنے لگی اور گھٹنے لگا۔ اُس کی حالت غیر ہو گئی، وہ جھک گیا۔ ٹائیگر نے اُسے بٹا کر اُس کے سینے پر ہاتھ رکھ دیا۔ اور دوسرا ہاتھ اُس کے دائیں شانے پر جما دیا۔

"فکر مت کرو۔ ابھی ٹھیک ہو جاؤ گے۔"

ریسپشن کلرک کی حالت میں واقعی نمایاں افاقہ ہُوا تھا۔ اُس نے آنکھیں کھول دیں اور اب وہ سانس بھی بہتر طریقے سے لے رہا تھا۔

"مم... میری آواز..." کلرک سرگوشی میں بولا۔ ٹائیگر کے بائیں ہاتھ نے سانس بحال کی تھی تو دائیں ہاتھ نے حلق کے صوتی غدود متاثر کر دیے تھے۔

Protected By Nadeem

"تین ہفتے بعد ٹھیک ہو جائے گی۔ اس کی فکر مت کرو ایسے شدید دورے میں عام طور سے آواز پر بھی بڑا اثر پڑتا ہے۔"

اگلے چند منٹ میں کرک اپنے پیروں پر چلتا ہوا ڈیک کی طرف چلا گیا۔

"ہم اپنے کمرے میں چل کر باتیں کیوں نہ کریں لیل فارا؟" ٹائیگر نے تجویز پیش کی۔

"نہیں۔ میں تو یہاں بیٹھ کر ڈراموں کے کیسٹ کا انتظار کر رہا ہوں۔" اُوشان نے جواب دیا۔

"ممکن ہے کہ بہرام فون کر رہا ہو۔"

"کرنے دو۔ میں دن میں صرف ایک ہی خبطی سے نمٹ سکتا ہوں۔ دوسرے کی گنجائش نہیں۔"

"تب پھر میں تصویریں تقسیم کرنے والے پبلشر کو خط نہیں لکھوں گا۔"

"لیکن میرا خیال ہے کہ تم کمرے کی صفائی کرو اور میں اس کام کی نگرانی کرتا ہوں۔" اُوشان نے فوراً پٹڑی بدل لی۔ "ویسے بھی تم میری نظروں میں رہے بغیر درست کام نہیں کرتے۔"

کمرے میں جانے سے پہلے ٹائیگر نے گفٹ شاپ سے نائیلون کی رسّی اور کچھ دوسرا سامان خریدا۔ پھر وہ اپنے خون آلودہ کمرے میں آ گئے۔ جب ٹائیگر اشوک ملہوترا کو رسیوں سے باندھ کر پارسل کی طرح پیک کر رہا تھا تو فون کی گھنٹی بج اُٹھی۔

"اسپیشل سروس جناب!" ٹائیگر نے ریسیور اُٹھا کر کہا۔

"آپ قتل کریں ہم کمرہ صاف کریں۔"

ریسیور کے دوسری طرف ایک لمحہ تک خاموشی رہی پھر بہرام کی آواز سنائی دی۔

"کمال ہے چیف۔ آپ کی خاموشی تک میں بے زاری ہے۔" ٹائیگر نے کہا۔

"اگر میں تمہیں اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھتا تو مجھے یقین ہی نہیں ہوتا کہ تمہارا کوئی وجود بھی ہے۔"

"کیا مسئلہ ہے سوئیٹ ہارٹ! میں ذرا مصروف ہوں۔" ٹائیگر نے کہا۔ ساتھ ہی لاش کی ٹانگ موڑی تاکہ ٹرالی بیگ میں سما سکے۔

"ممکن ہے کہ کوئی مسئلہ ہو اور ممکن ہے اہم مسئلہ ہی ہو۔ میں نے یہ بتانے کے لیے فون کیا تھا کہ جن لوگوں نے یہاں آ کر پر تم پر حملہ... میری مُراد ہے کہ تمہارا استقبال کیا تھا وہ سب کے سب سول جنگی قیدیوں کے گروپوں میں یہاں آئے تھے۔"

"پھر؟"

"انھوں نے صنعت کار صابر کے علاوہ ایٹمی سائنسدانوں کو بھی قتل کیا ہے۔" بہرام کا لہجہ سپاٹ تھا۔

"اوہو۔" ٹائیگر ہونٹ سکیڑ کر بولا۔ "اور ڈاکٹر بابر کا قتل بھی انھی کے کھاتے میں ڈالا جائے گا؟"

"ہاں۔"

"کیا آپ کو یقین ہے؟"

"بالکل۔" بہرام گلستان میں بیٹھا ہوا تھا اور یہ معلومات اُس نے عظیم الجثہ کمپیوٹر کے مسلسل استعمال سے حاصل کی تھیں۔ اس نے رُوبی کو بھی اطلاع دے دی تھی کہ فی الوقت وہ بھرت لینڈ ہی میں ٹھہرے اور تاجکستانی کوئی نئی کارروائی نہ کرے کیونکہ اس کی چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ اس مرتبہ اُوشان اور ٹائیگر کو لازمی رُوبی کے مشن میں شریک ہونا پڑے گا۔

"مجھے ان اطلاعات پر بھرپور یقین ہے لیکن تم مشکوک کیوں ہو رہے ہو؟"

"ایک منٹ ہولڈ کریں۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ لاش سے بھرا ہوا ٹرالی بیگ کھولا اور لاش کی کھلی ہوئی خوف ناک آنکھوں کو نظر انداز کر کے ایک ٹانگ نکالی پھر ہاتھ ڈال کر ہپ پاکٹ سے پرس نکال لیا۔ اس میں سے نیشنل سکیورٹی کا کارڈ نکالا جو خون سے لتھڑا ہوا تھا لیکن ٹائیگر نے کارڈ پر درج نام پڑھ لیا۔

"ہاں۔" ٹائیگر نے ریسیور اُٹھا لیا۔ "ایک اور نام چیک کر لیں جمیل خان۔"

"ہولڈ کرو۔" بہرام نے حکم دیا۔

اُسی لمحے اُوشان کمرے میں آ گیا اور پھر بہرام کی حیرت زدہ آواز بھی آئی۔ "یس ٹائیگر!" اُس نے کہا۔ "یہ نام بھی واپس آنے والے قیدیوں میں سے ایک کا ہے۔ ولدیت بتا ڈگے؟"

"راجا حق نواز۔"

"درست۔ جمیل خان ولد راجا حق نواز۔ شہری جنگی قیدیوں کے گروپ میں واپس آیا تھا۔"

"ابھی وہ اُوشان سے ملنے آیا تھا سوئیٹ ہارٹ۔" اُس

نے چہک کر کہا۔ "میں اب بعد میں گفتگو کروں گا۔" یہ کہہ کر اُس نے ریسیور رکھ دیا۔ اُسے ایسا لگ رہا تھا جیسے دریچوں بند راستے کھل گئے ہوں۔

"تم اداس نظر آ رہے ہو میرے بچے؟" اُوشان نے دھیمے لہجے میں پوچھا۔ "کیا بہرام نے کیسٹ بھیجنے سے انکار کر دیا ہے؟"

"نہیں۔" ٹائیگر مسکرا دیا۔ ساتھ ہی وہ ایک اور نمبر ڈائل بھی کر رہا تھا۔ "کیسٹ عید کی تعطیلات کے بعد مل جائیں گے۔"

"آہ! مجھے تو اب ایسا لگ رہا ہے جیسے میں صبح کے وقت ناشتے کے لیے بیٹھا ہوں اور اورنج جُوس سامنے نہیں۔"

"ہیلو۔" دوسری طرف سے فون اٹھتے ہی ٹائیگر نے کہا۔ "کیا میں عصمت سلطان سے بات کر سکتا ہوں۔ پلیز! جی... کیا کروں۔ زرنگار ہی میں۔ فرودسی سمجھ میں نہیں آ رہی اوہ... اب..."

اُوشان نے اُس کے ہاتھ سے ریسیور لے لیا۔ "سارا کام مجھے ہی کرنا پڑتا ہے۔"

پھر اُس نے دوسری طرف موجود عورت سے زرنگاری میں گفتگو شروع کر دی اور تقریباً دس منٹ بعد ریسیور ٹائیگر کو دے دیا۔ "وہ اُسے بُلا رہی ہے۔"

"آپ نے اتنی دیر تک کیا باتیں کیں؟"

"عالمی مسئلے پر۔"

"بچوں کے نالائق اور بے پروا ہونے کا مسئلہ۔"

"اوہ شہزادِ تم۔ اس وقت؟" دوسری طرف سے عصمت سلطان کی مترنم آواز سنائی دی۔

"ہاں! لیکن بات بہت اہم ہے۔" اُس نے عصمت سے کچھ نہ چھپایا۔ بلکہ بہرام کی فراہم کردہ تمام اطلاعات اس کو بتا دیں۔

"لیکن شاہ حمید کا کہنا ہے کہ ملزموں اور مقتولوں کے درمیان کوئی تعلق ثابت نہیں ہو سکا ہے۔" عصمت سلطان نے گمبھیر لہجے میں کہا۔

"تم مجھے یہ بتا سکتی ہو کہ جنگ کے دوران شاہ حمید کہاں تھا؟"

"یہ سبھی جانتے ہیں کہ وہ جنگی قیدیوں کے کیمپ میں سخت اذیتیں اُٹھاتا رہا ہے۔"

"میرا بھی یہی خیال تھا۔" ٹائیگر نے ہنس کر کہا۔

"اس کا مطلب یہ ہے کہ میری چھٹی حس بار بار بالکل درست طور پر خبردار کر رہی ہے شہزاد! کوئی گڑبڑ ہو رہی ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ وہ ان دو خوشیوں کے ایام میں کوئی بڑی گڑبڑ کرنا چاہیں گے۔"

"میں سمجھ گئی۔" اب عصمت سلطان کے لہجے میں کسی شیرنی جیسی غراہٹ تھی۔ "تم مجھ سے فوراً ملو۔"

"کہاں؟"

"شاہ حمید کے گھر پر۔ ابھی۔" یہ کہہ کر عصمت سلطان نے پتا بتایا اور ریسیور پٹخ دیا۔

"تمہارے چہرے پر اب بھی بیماروں جیسے تاثرات ہیں میرے بچے! شاید پانی راس نہیں آیا۔"

"کھیل ختم ہو رہا ہے وائسن۔" اُس نے بھی ہلکے پھلکے لہجے میں کہا۔ "میرے ساتھ چلیں گے؟"

"ہم میں سے وائسن کون ہے؟" اُوشان نے گھور کر پوچھا لیکن ٹائیگر نے کوئی جواب نہیں دیا۔

* وادیٔ زرنگار شہر کے مضافات میں شاہ حمید کا چھوٹا سا گھر تھا۔ یہ مکان سُرخ اینٹوں سے بنایا گیا تھا۔ اس میں بڑی سی ایک لائبریری تھی۔ ایک بیڈ روم تھا۔ فائل پورچ تھا اور باتھ روم گیلا تھا۔

عصمت سلطان طوفانی رفتار سے وہاں پہنچی تو اُوشان اور ٹائیگر ایک اُونچی جگہ پر بیٹھے ہوئے کچھ پڑھ رہے تھے۔ دونوں پُرسکون لگ رہے تھے لیکن ننگے پیر تھے اور ٹائیگر کی سیاہ پتلون کے پائنچے پر ریت لگی ہوئی تھی۔ جبکہ اُوشان نے سُرخ رنگ کی قمیض زیب تن کی ہوئی تھی۔

"ارے تم لوگ اتنی جلد یہاں پہنچ گئے؟" عصمت سلطان نے حیرت سے کہا۔ "میں تو دیوانوں کی طرح ڈرائیو کرتی ہوئی آئی ہوں۔"

"ہم دوڑ کر آئے ہیں۔" ٹائیگر نے بڑی سادگی سے جواب دیا۔ "اور جلد پہنچ جاتے۔ لیکن اُوشان نے کپڑے بدلنے میں کئی منٹ ضائع کر دیے۔"

"میں نے مناسب سمجھا کہ دوڑنے والے لباس میں چلوں حمام رنگ کے لباس میں دوڑنا اصولوں کے خلاف ہے۔" اُوشان نے وضاحت پیش کی۔

عصمت کار سے اُتر کر دوڑتی ہوئی ان کے قریب پہنچ

Uploaded By Nadeem

گئی "شاہ حمید اندر ہی ہے نا؟"

"نہیں" ٹائیگر نے جواب دیا لیکن اس کی نظریں کاغذ کے ٹکڑے سے نہیں ہٹیں جو وہ دونوں پڑھتے ہوئے نظمہ آئے تھے۔

"یہ کیا ہے؟" عصمت بے چین ہو گئی۔

"نظم"

"اور ایسی نظموں سے اس کے باتھ روم کی دیواریں رنگین سی ہیں۔ دیکھو شاید تمہیں بھی دلچسپی ہو۔ ترجمہ کرتی رہنا" لاؤ" عصمت سلطان نے نظم لے لی۔ یہ غیر ملکی زبان میں تھی۔

جب میدانوں میں پہاڑ لرزیں گے۔
تب ہی وہ عظیم درد پیدا ہو گا۔
دھماکا خیز سورج، شمسی طوفان . . .
فردوسیوں کو نگل لے گا۔
آنکھیں جل جائیں گی اور پیر جھلس جائیں گے۔
سر پھٹ جائیں گے لیکن . . .
محض یہی نہیں۔ بلکہ صحرا مر جائیں گے
شہر کھلونوں کی طرح ٹوٹ جائیں گے
آسمان گر پڑے گا۔ قہر بن کر۔
دیوتاؤں کی روحیں خوش ہو جائیں گی۔

"سنو" عصمت بہت زور سے چلائی "یہ وہ . . . وہ ایٹم بم استعمال کرنا چاہتا ہے اور ہمیں یہ بھی پتا نہیں کہ اس وقت وہ کہاں ہے کس جگہ ایٹم بم استعمال کرنے کی منصوبہ بندی کر رہا ہے۔ زرفشاں، درخشاں اور فیض آباد میں ہماری اہم ترین تنصیبات ہیں"

ٹائیگر اٹھ گیا "غور سے نظم پر حواس میں پہاڑوں کا ذکر ہے اور صحراؤں کے مرنے کا ذکر ہے۔ اب پہاڑ کی نشاندہی کرنی ہے"

"پہاڑ" وہ چونک پڑی "پہاڑ دراصل اصطلاح ہے۔ جو احمر کے علاقوں کے لیے استعمال ہوتی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ احمر آباد والی تنصیبات کی طرف ہی گیا ہے"

"گڈ" اوشان نے سر ہلا دیا۔

"عصمت! تم فوراً زبیری . . ."

"زبیری"

"ہاں۔ زبیری کو لے آؤ۔ ہم سمندر کے ساحل پر چلیں گے" ٹائیگر نے اس بار تیزی سے کہا۔ عصمت نے وقت ضائع نہ کیا اور اس کی جیپ فراٹے بھرنے لگی۔

"لٹل فادر" ٹائیگر نے بڑی سنجیدگی سے کہا "سراغ رسانی کا کام تو بہت آسان ہے"

"شاندار" اوشان نے طنزیہ انداز میں بیٹھے بیٹھے ہی کہا "تمہاری دانش کا کیا کہنا۔ تم نے وہ واحد گاڑی بھی جانے دی جس سے ہم سفر کر سکتے تھے"

"نہیں" بھلا ٹائیگر کہاں چوکنے والا تھا "مجھے آپ کی صلاحیتوں کا اعتراف ہے اس لیے میں نے گاڑی جانے دی کہ میں آپ کی تقلید کرتا ہوا پیدل دوڑوں گا۔ یہ طریقہ گاڑی کو بھی شکست دے سکتا ہے۔ آخر سکھانے والے تو آپ ہیں" یہ کہہ کر ٹائیگر دوڑنے لگا اور اوشان مسکرا کر اس کے پیچھے لپک گیا۔

عصمت کی سانس پھولی ہوئی تھی۔ وہ جب زبیری کے گھر میں داخل ہوئی تو وہاں نماز کے بعد عیدی تقسیم ہو رہی تھی۔

"کیا ہوا عصمت؟" ڈاکٹر زبیری نے کسی گڑبڑ کے امکان کا احساس کر لیا تھا۔

عصمت نے لوازمات سے بھری اور موم بتیوں سے سجی میز کی طرف دیکھا۔ اسے اچھی طرح علم تھا کہ آج کا دن خوشیوں کا دن ہے اس نے بچوں کو دیکھا وہ سب نئے لباس میں تھے۔ ان کی آنکھوں میں محبتیں تھیں اور پھر یہ سوچ کر ہی کانپ اٹھی کہ شاہ حمید ان معصوم کونپلوں کو بھی مسل دینا چاہتا تھا۔

"ہیلو عصمت۔ عید مبارک" بیگم زبیری نے اسے گلے لگا لیا "اب بتاؤ کہ اتنی گھبرائی ہوئی کیوں ہو؟"

"بہت اہم مسئلہ ہے جناب" عصمت نے بیگم زبیری سے نظریں چراتے ہوئے کہا "آپ کو چلنا ہو گا"

زبیری نے اس کی آنکھوں میں جھانکا اور پھر لوازمات سے بھری ہوئی میز کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کے بعد اس نے بچوں کو اور پھر بیوی کو بغور دیکھا "ٹھیک ہے۔ میں جا رہا ہوں عائشہ" اس نے کہا۔

"ظاہر ہے کہ جانا ہی ہو گا" عائشہ نے بڑے حوصلے سے کہا "اچھا بچو! میں ذرا دوسروں سے عید مل آؤں تو چلوں

واپس آ جاؤں گا" زبیری نے بچے کو خوشگوار رکھنے کی کوشش کی تھی۔ پھر وہ بچوں کے احتجاج کے باوجود عصمت سلطان کے ساتھ گھر سے نکل آیا۔

"کیا تم پارٹیوں کی ان بھول بھلیوں میں جانا چاہتے ہو تاکہ ایک بار پھر گم ہو جاؤ" اوشان نے پوچھا۔

"نہیں اس بار رولنگ کروں گا" ٹائیگر نے جواب دیا اور دونوں دوڑتے رہے۔ ٹائیگر کے قدم لمبے اور متوازن تھے۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ کنویئر بیلٹ پہ چل رہا ہو اس کے بازو بھی پہیوں کی طرح متوازن انداز میں حرکت کر رہے تھے۔

اس کے برعکس اوشان کے دونوں ہاتھ قبا کی آستینوں میں اندر بندھے ہوئے تھے۔ قبا کا آخری حصہ ریت پر دوڑ رہا تھا۔ خود اوشان آگے کی طرف ہلکا سا جھکا ہوا تھا۔ قبا ہوا کی وجہ سے پھولی ہوئی تھی۔ جس کے باعث اس کی متحرک ٹانگیں نظر نہیں آ رہی تھیں۔

"شہزاد" اس نے کہا "مجھے یہ کہتے ہوئے خوشی ہو رہی ہے کہ تم نے بہت ذہانت سے کام لیا ہے"

"شکریہ لٹل فادر"

"ہاں میرے بچے! تربیت علم نہیں اور علم طاقت نہیں لیکن اگر دونوں کو یکجا کر لیا جائے تو انسان بہت طاقتور ہو جاتا ہے"

"آپ یقین کریں کہ اس اصول کا مجھے بھی پتا ہے" ٹائیگر نے مسکراتے ہوئے تبصرہ کیا۔

دونوں ریت پر دوڑتے رہے۔

"میں دراصل یہ کہنا چاہ رہا تھا کہ اب تم ماسٹر کی طرح کام کرنے لگے ہو" اوشان نے کہا۔ ظاہر ہے کہ اس خراج تحسین پر ٹائیگر کا دل بڑا ہو گیا۔ اس کے قدم اور بڑے ہو گئے۔ تھینک یو ماسٹر۔ میں کیا کہوں مگر . . ."

"اگر مگر کچھ نہیں" اوشان نے اس کی بات کاٹ دی "تم میں صرف ایک خرابی ہے کہ تم ٹھیک سے جھپ نہیں لگا سکتے۔ گاڑی ڈرائیو کرنا تمہیں نہیں آتی۔ تم بے ہودہ ہو۔ اور تم ایسے ماسٹر کی طرح ہو جو کم عقل اور کمزور ہوتا ہے"

"فادر" ٹائیگر نے پُرزور احتجاج کیا "آپ نے صرف ہمیں پرتاں توڑنے کے لیے اتنی لمبی تمہید باندھی تھی لیکن دیکھیں" وہ اوشان سے آگے نکل گیا "ریس میں مجھ سے مقابلہ کر لیں"

اوشان نے ایک بار ٹائیگر کو جا لیا تھا۔ اس کی بات جاری تھی۔ اور دونوں شانہ بشانہ دوڑ رہے تھے۔

*

پہلی حد کا گارڈ کار کو قریب ہی رُکتے دیکھ کر اس وقت حیرت زدہ رہ گیا جب اسے شاہ حمید کی منڈیا نظر آئی۔ دوسری باڑ کا گارڈ بھی ششدر رہ گیا اور تیسری باڑ کا محافظ تو گنگ سا رہ گیا۔ انھیں حیرت تھی کہ تحفظ آزادی کے لیے وقف اس پلانٹ میں اس وقت اور عام سی کار میں شاہ حمید خود آیا تھا اور اس نے سخت توہین گرمی کے باوجود انتہائی گرم اور بھاری کپڑے پہن رکھے تھے۔

اور کیونکہ شاہ حمید نے ان سب کو یہ ہدایت کی تھی کہ اگر وزیر اعظم یا صدر بھی یہاں داخل ہونے کی کوشش کریں تو انھیں بھی روک لیا جائے۔ لہٰذا گارڈ مستعد ہو گئے تھے۔ وہ شاہ حمید کے احکام کی تعمیل میں موت کو گلے لگانے کے لیے بھی تیار تھے۔

تاہم تینوں گارڈ یہ سوچے بنا نہ رہ سکے کہ آج شاہ حمید کا طرز عمل عجیب سا ہے۔

شاہ حمید نیوکلیئر تنصیبات کے قلب میں داخل ہو گیا اس کے لیے اس نے ایک عام سا فولادی دروازہ استعمال کیا تھا۔ اور اندر آتے ہی اس نے دروازہ اندر سے بند بھی کر لیا تھا۔

اب وہ نیچی چھت والے ایک ایسے ہال وے میں کھڑا تھا جو نیچے ایک کمرے میں لے جاتا تھا اس کمرے سے نکلنے کا کوئی دوسرا راستہ نہ تھا اور اس کی تعمیر مستحکم کنکریٹ اور فولاد سے ہوئی تھی اس نے جیکٹ کی جیب پر ہاتھ لگایا۔ بھاری لباس کے باوجود اس نے احساس کر لیا کہ بلیک باکس موجود ہے۔

"تیس سال" اس نے ایک طویل سانس لی "اب خاتمہ قریب ہے لیکن تیس سال کم تو نہیں ہوتے۔ پہلے میں جوان تھا اب بوڑھا ہو چکا ہوں ساری زندگی رام چند رہا لیکن فردوسیوں کے لیے شاہ حمید" اس نے چشم تصور میں لاکھوں لاشوں کے ڈھیر دیکھے۔ لوگوں کی چیخ پکار سنی وہ سن رہا تھا کہ لوگ دعائیں مانگ رہے ہیں مگر تڑپ

Uploaded By Nadeem

تڑپ کر مر بھی رہے ہیں اور ان کے اوپر ایٹمی بخارات دخانات کی ایک مہیب چھتری تنی ہوئی ہے۔

❊

ٹائیگر نے پہلی بار اس طرح عبور کی جیسے وہ ہر ڈلز یس میں حصّہ لے رہا ہو اور اوشان نے کسی کھلونے پیراشوٹ کی طرح اس کی تقلید کی۔

"ہم میدان کے کسی مختلف حصّے میں ہیں!" ٹائیگر نے کہا

"ہم پھٹنے والے میدان میں کھڑے ہیں لا!" اوشان نے مسکرا کر جواب دیا۔

"اوہ مائین فیلڈ!" ٹائیگر بڑبڑایا۔ "جب ہی تو سوچ رہا تھا کہ میدان دوسرے میدانوں سے مختلف کیوں ہے!"

"گڈ۔ تم سوچتے رہو۔ تم سے جنت ہی میں ملاقات ہو گی۔ اور ہاں۔ وہاں پہنچتے ہی میرے اجداد کو میرا سلام کہہ دینا!"

"چلیں فادر۔ زیادہ وقت نہیں ہے!" ٹائیگر نے منہ بنا کر کہا۔

"تو پھر چلو۔ لیکن یاد رکھنا کہ اگر تم نے جمپ لگانے کی طرح چلنے میں بھی غلطی کی تو پھر ہم دونوں ہی اپنے اپنے اجداد سے جا ملیں گے!"

دونوں نے زمین پر کم سے کم وزن ڈالنے کی ترکیب اختیار کرتے ہوئے پیر اٹھانے شروع کر دیے اب باڑ سامنے آ گئی تھی جہاں الفا ریڈ شعاعوں کا پہرہ تھا۔

"اب یہ دیکھنا ہے کہ تم نے پچھلی غلطی سے کیا سیکھا" اوشان بولا۔

"یہ سیکھا!" ٹائیگر نے خود کو کمی ہلکے پھلکے پر کی طرح بلند کیا اور دوسری طرف پہنچ گیا اوشان اس کے پیچھے تھا

"شاندار!" اوشان نے کہا "اب تم صحیح معنوں میں بندے بن گئے ہو!"

"سوری۔ جمپ لگاتے وقت میرا منہ کھل گیا تھا!" ٹائیگر نے اپنی غلطی کا خود ہی اعتراف کر لیا۔

"منہ تو میرا بھی کھل گیا تھا!" اوشان مسکرا دیا۔

میدان صاف تھا۔ ابھی تک نہ تو الارم کی آواز سنائی دی تھی اور نہ ہی گولی چلی تھی۔ انھوں نے تیسری باڑ بھی آسانی سے عبور کر لی اور پھر وہ عظیم الجثہ پلانٹ اور اس کی مشینری کے سامنے پہنچ گئے۔

"یہ لیجیے۔ ہم پہنچ گئے!" ٹائیگر نے کہا "لیکن کوئی ایٹم بم تو نظر نہیں آ رہا ہے!"

اوشان ساکت کھڑا ہوا مشینری کو دیکھتا رہا۔ ٹائیگر نے ایک بند فولادی دروازے سے ٹیک لگائی ساتھ ہی وہ ارتعاش بھی محسوس کرنے لگا۔ تو دروازے کے دوسری طرف پیدا ہو رہا تھا۔ "شاید سلفر پلانٹ کی کوئی مشین چل رہی ہے" اس نے سوچا۔

"میرا خیال ہے کہ ہم ابھی تک پلانٹ سے دور ہیں اور نیوکلیئر ایریا دسویں حصّے کے قریب ہو گا۔ شاید اس سمت میں دو میل دور!"

اوشان نے ٹائیگر کی بتائی ہوئی سمت کی طرف بغور دیکھا اور پھر اس دروازے پر ہاتھ رکھ دیا جس سے ٹائیگر نے ٹیک لگا رکھی تھی۔

"جب ارتعاش پیدا ہو تو تم اس کی زبان بھی سمجھا کرو!" اوشان نے کہا ساتھ ہی آہنی دروازے میں سوراخ کرنے یہ سب کچھ اس طرح ہوا تھا جیسے دروازہ کاغذ کا بنا ہو ہیٹ ٹائیگر نے اس سوراخ سے اندر جھانکا وہاں سرخ لفظوں میں لکھا تھا "خطرہ۔ تابکاری۔ کسی غیر متعلقہ شخص کو اس جگہ سے آگے جانے کی اجازت نہیں!"

ٹائیگر نے سوراخ میں ہاتھ ڈال کر اندر سے کنڈی کھولی اور پھر دونوں ہال وے پر پہنچ گئے جہاں خطرے والے نشان کے ساتھ ایک شاندار دروازہ نظر آ رہا تھا۔

"ہوں!" ٹائیگر نے ہنکارہ بھرا وہ دروازے کو بغور دیکھ رہا تھا ساتھ ہی دروازہ کھولنے کے لیے کئی آلات کو بھی چھیڑ رہا تھا لیکن اسے ناکامی ہوئی۔

"یہ اسپیشل اور کمبینیشن لاک لگتا ہے لٹل فادر۔ جو ٹائم لاک میکنزم سے منسلک ہے اور جس کی حفاظت ایک خصوصی لاک گارڈ کر رہا ہے!"

"اچھا!" اوشان دروازے کے قلابے تلاش کرنے لگا پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس کے ناخنوں نے قلابے اکھاڑ پھینکے "دیکھا کتنا ناقابل تسخیر دروازہ ہے!" اب اتنی جگہ بن گئی کہ وہ دروازے کے ایک پٹ کو ترچھا کر کے اندر جا سکتے تھے۔

"چلیں!" ٹائیگر نے کہا۔

وہ ایک ایسی راہداری میں پہنچے جہاں ہتھیار بند

بھول بھلیوں کی شکل میں رکھے ہوئے تھے۔ ان میں محسوس کرنے والے آلات، محسوس کرنے والے پنیل آٹومیٹک ڈارننگ سرکٹس، وڈیو ٹیپ کیمرے اور الفا ریڈ آلات شامل تھے۔ لیکن اس وقت کوئی آلہ کام نہیں کر رہا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ شاہ حمید نے یہاں آنے کے بعد ان سب کے سوئچ آف کر دیے ہیں!"

وہ راہداری سے آگے بڑھے تو ایک دروازہ راستہ میں مزاحم ہو گیا۔ ٹائیگر نے کان دروازے سے لگا دیا۔ "کچھ سنائی دے رہا ہے لٹل فادر!" اس نے کہا۔

"گڈ۔ نیک شگون ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ تم بہرے نہیں ہوئے ہو!"

"نہیں۔ اس کا مطلب یہ کہ شاہ حمید موجود ہے!" ٹائیگر نے جھینپ کر جواب دیا۔

ٹائیگر تین قدم پیچھے گیا اور ابھی وہ زقند بھر کر دروازہ توڑنا ہی چاہتا تھا کہ دروازہ خود کھل گیا۔ ٹائیگر نے اوشان کو اور اوشان نے ٹائیگر کو دیکھا اور پھر اندر گھس گئے۔ اب وہ ایک چکر دار زینے پر تھے جو کسی بدرنگ نیلی دھات کے کمرے کے گرد لپٹا ہوا تھا۔ ہر طرف ایسا جدید ترین سامان موجود تھا جو امریکہ ہی فراہم کر سکتا تھا۔

اس کمرے کے وسط میں ایک شخص بھرتی فوج کی مکمل وردی میں سر اٹھائے کھڑا تھا اس کے سینے پر متعدد میڈل بھی چمک رہے تھے۔ اور یہ شاہ حمید یا رام چند تھا۔

وہ دونوں بھی وہاں پہنچ گئے۔

"تم نے وردی کس سے سوائی ہے!" ٹائیگر نے پوچھا شاہ حمید نے کوئی جواب نہ دیا بلکہ اس نے قریب ہی پڑے ہوئے بارہ فٹ لمبے ایک سلنڈر کی طرف دیکھا۔ یہ ایک طرف سے گول تھا جب کہ دوسری طرف سے سپاٹ تھا اور اس کے اوپر لگی ہوئی ایک تکونی چیز ٹک ٹک کر رہی تھی۔

رام چند نے چھت کی طرف دیکھا اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں "تم دیر سے آئے ہو!" اس کا لہجہ پُرجوش تھا۔

❊

ڈاکٹر زبیری پہلے گارڈ کو راستے سے ہٹنے پر قائل نہ کر سکا۔

"بھلا مجھے کیسے معلوم ہو آپ ڈاکٹر زبیری ہیں!" گارڈ نے سوچا "آپ پہلے یہاں کبھی نہیں آئے اور شاہ حمید صاحب ہدایت کر گیا ہے کہ صدر تک کو اندر نہ آنے دیا جائے!"

"میں صدر نہیں ہوں احمق!" زبیری چلایا "اور شاہ حمید غدار ہے۔ تم مجھے نہیں جانتے۔ لعنت ہو تم پر۔ تم نے میری تصویریں تو دیکھی ہوں گی۔ بھلا میرے چہرے کی نقل کون کر سکتا ہے!" وہ اپنے چہرے کے دائیں طرف بدنما حصّے کی طرف اشارہ بھی کر رہا تھا۔

"مجھے پتا نہیں!"

"تمہیں پتا نہیں!" زبیری چیخ رہا تھا۔ گارڈ کو یقین تھا کہ تنظیم تحفظِ آزادی والے ایک بار پھر حفاظتی انتظامات کی آزمائش کر رہے ہیں۔ لہٰذا شاہ حمید کی ہدایت پر عمل کرنا ضروری ہے اگر اس نے ذرا سی بھی نرمی دکھائی تو برطرف کر دیا جائے گا۔

"سوری سر۔ لیکن آپ کو اس وقت تک انتظار کرنا ہو گا جب تک اتھارٹی سے اجازت نہ مل جائے!"

"بہت دیر ہو جائے گی بدبخت!" زبیری دانت پیس کر بولا "اور پھر کوئی اتھارٹی اجازت دینے کے قابل نہیں ہو گی.. اور اب...!"

عصمت سلطان نے جیپ کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے بیٹھے صورتحال کا اندازہ لگا لیا۔ اس نے زبیری کو پہلے کبھی اتنے طیش میں نہیں دیکھا تھا۔

گارڈ کو علم تھا کہ وفاداری کا امتحان ہو رہا ہے لیکن اتنی شدت سے۔ اس کا اسے یقین نہیں رہا تھا۔

"سر!" گارڈ نے کچھ کہنا چاہا لیکن اس لمحے زبیری کا گھونسا اس کی گردن پر پڑا۔ کاری وار تھا ضائع نہ گیا اور زبیری اچھل کر جیپ میں بیٹھ گیا "چلو!" وہ کسی زخمی شیر کی طرح غرایا تھا۔

جیپ تیزی سے آگے بڑھ گئی ساتھ ہی زبیری نے ڈیش بورڈ سے آٹو میٹک نکال لیا۔

دوسری باڑ کا محافظ اپنے ہتھیار کی سیفٹی ہٹا ہی رہا تھا کہ زبیری نے اس کی ٹانگ پر گولی ماردی۔ جیپ کی رفتار اور تیز ہو گئی اور وہ بے ہوش ہو کر گر گیا۔

تیسرا گارڈ مشین گن سنبھال رہا تھا۔

"جیپ سے گرا دو!" زبیری نے حکم دیا۔

"کیا مطلب!" عصمت نے پوچھا۔

"اسے اس طرح سے ٹکر مارو کہ بے ہوش ہو جائے مرے نہیں!" زبیری نے کہا ساتھ ہی اس نے مشین گن کا استعمال

روکنے کے لیے فائرنگ شروع کر دی۔

عصمت نے جیپ گھمائی اور بھاگتے ہوئے گارڈ کے دائیں پہلو پر ٹکرا دی۔ گارڈ فضا میں بلند ہوا اور پھر تین بار قلابازیاں کھاتا ہوا زمین بوس ہو گیا۔

زبیری کے چہرے کی کھال تن گئی اور عصمت سلطان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہ محض دس سیکنڈ میں نیوکلیئر ایربانک پہنچ گئے ... دس سیکنڈ گزر چکے تھے۔

✣

ٹائیگر اس کمرے میں چلا آیا جہاں ایٹم بم رکھا ہوا تھا۔

"میں نے ٹیکنیشنوں کو چھٹی پر بھیج دیا ہے۔" شاہ حمید نے فاتحانہ انداز میں کہا۔ "ایٹم بم کو پھٹنے سے روکنے والے تمام آلات بند کر دیے ہیں۔ کوئی الارم بھی نہیں بج سکتا۔ بم کو ناکارہ بھی نہیں بنایا جا سکتا۔ اب صرف چند لمحوں کی بات ہے اور بس ..."

ٹائیگر نے بم کے بالائی حصے پر لگے نے آلے کو دیکھا۔ یہ الیکٹرانک کاؤنٹر تھا۔ جس میں ہر گزرنے والے سیکنڈ کا حساب ریکارڈ ہو رہا تھا۔

"۱۸۰۰، ۱۷۹۹، ۱۷۹۸، ۱۷۹۷"

"تمہارا نام کیا ہے؟"

"رام چند۔"

"شری رام چند۔ کیا ارادے ہیں؟"

"صرف انتظار۔" رام چند مسکرانے لگا۔ "تیس سال بعد یہ منزل ملی ہے۔ بم پھٹنے میں صرف چند منٹ باقی ہیں۔"

اوشان بھی بم کے قریب آ گیا۔

"۱۶۰۰، ۱۵۹۹، ۱۵۹۸ ..."

"وقت کے ساتھ فراڈ کرنا حماقت ہو گی حضرات۔" رام چند نے اعلان کیا۔ "اگر بم پھٹنے سے روکنے کے لیے اس کو چھیڑا گیا تو یہ پھٹ پڑے گا، وقت سے پہلے ہی۔ اور تم لوگ ... جو اب تک میرے آدمیوں کو شکست دیتے رہے ہو شکست کھا جاؤ گے۔"

"یہ بعد کی بات ہے۔" ٹائیگر نے کندھے اچکا کر کہا۔ لیکن یہ بتاؤ کہ تم ہی نے فردوس کے ایٹمی سائنسدانوں سلیم احمد اور محمد کفیل کو قتل کیا تھا؟"

"ہاں۔"

اور تم ہی نے ان غنڈوں اور اشوک ملہوترا کو ہمارے قتل کی ذمہ داری سونپی تھی؟"

"ہاں۔" وہ مسکرایا تھا۔ "اور یہ سب کچھ میں نے ایک عظیم قوم کی برتری کے لیے کیا تھا۔" رام چند نے کہا۔ "وہ برتری جو خواب تھی اب حقیقت بننے والی ہے۔"

"۱۴۶۰ ... ۱۴۵۰ ... ۱۴۴۰ ..."

"اشوک ملہوترا بے وقوف نکلا۔" رام چند نے کہا۔ "لیکن میں اکھنڈ بھارت ایمپائر کی تخلیق کرنے والا ہوں۔"

"یہ تمہارا مسئلہ ہے لیکن یہ بتاؤ کہ تم لوگ ان لیے والوں کو اپنے ساتھ کس طرح شامل رکھ سکو گے جنہوں نے تمہاری زندگی جہنم بنا رکھی ہے۔"

ٹائیگر کے ہاتھ بہت آہستگی سے حرکت کر رہے تھے۔

"ہاں۔ مجھے مار ڈالو۔" رام چند نے دعوت دی۔ "اب مرنے کی پروا نہیں۔ ویسے بھی مرنا تو ہے۔ بم پھٹنے سے یا تمہارے ہاتھوں۔"

"۱۳۲۰ ... ۱۳۱۰ ... ۱۳۰۰ ..."

"شاٹ۔" ایک آواز آئی۔

رام چند اور ٹائیگر دونوں نے پلٹ کر دیکھا۔ اس میں بہت درد تھا اور یہ زبیری کی دکھی روح کی آواز تھی جس میں فریاد بھی شامل تھی۔ وہ عصمت سلطان کے دروازے کی چوکھٹ پر کھڑا تھا۔

"شاہ ... یہ تم نے کیا کیا ..." زبیری نے شکستہ لہجے میں کہا۔ "ہم نے ایک ساتھ کیا کیا کارنامے انجام دیے تھے اب تم تمام کارناموں پر پانی پھیر رہے ہو۔"

"تم فردوسی لوگ کبھی کچھ نہیں سیکھ سکے۔" رام چند نے مسکرا کر جواب دیا۔ "میں تو صرف وہی کر رہا تھا۔ جس کی تم سے توقع کی گئی تھی۔ تم لوگ اپنے عقیدے کی بنیاد پر تباہی کا رہے ہو لیکن اس میں تمہارا اپنا کوئی کردار اور عمل دخل نہیں ہوتا ... لیکن اب تمہارا عقیدہ بھی تمہیں نہیں بچا سکے گا۔"

"۱۱۴۰ ... ۱۱۲۰ ... ۱۱۱۰ ..."

"تم نے دنیا کی ترقی روک رکھی ہے اور اب دنیا اس وقت ترقی کرے گی جب تم اور تمہاری نمائندہ ہر چیز فنا ہو جائے گی۔"

"نہیں۔ ایسا کبھی نہیں ہو گا منحوس۔" عصمت سلطان پھٹ پڑی۔ "ہمارے اتحادی ہمیں فنا نہیں ہونے دیں گے اور اگر ہمیں نقصان پہنچا تو اس کا خوفناک انتقام لیں گے۔"

"بے وقوف لڑکی۔" رام چند نے استہزائی انداز میں ہنستے ہوئے اس کی طرف دیکھا اور وہ اس جگہ کے قریب آ گیا جہاں عصمت اور زبیری کھڑے تھے۔ "کیسے اتحادی تمہارا کوئی دوست نہیں۔ سب تمہارے دشمن ہیں کچھ کھلے اور کچھ پوشیدہ۔ تمہارے دشمن دشمن منافق بھی ہیں۔ مجھے بتاؤ کہ جنگ کے دوران تمہارے یہ دوست کہاں تھے؟ اس وقت کہاں تھے جب ہمارا بازو کٹ گیا۔ سنو۔ غور سے سنو۔ میں فردوسیوں کو اس لیے قتل کر رہا ہوں کہ دنیا انھیں زندہ دیکھنا نہیں چاہتی۔ ویسے ... میں تو صرف حکم کا غلام ہوں۔"

کمرہ اچانک ہی ہل کر رہ گیا۔ کیونکہ زبیری نے دہاڑتے ہوئے لپک کر رام چند کا گلا دبوچ لیا تھا۔ زبیری کا سنجیدہ چہرہ شدید غصے اور نفرت کی وجہ سے اس وقت اور زیادہ بھیانک لگ رہا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھوں کے انگوٹھے رام چند کے نرخرے کو دبا رہے تھے اور رام چند کی بجھتی ہوئی آنکھیں زبیری کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھیں۔

"بھرتی زندہ رہیں گے۔ میں مر گیا ... تو کیا ہوا۔" رام چند نے مشکل کہا۔ پھر اس کی زبان منہ سے باہر نکل آئی آنکھیں پھیل گئیں۔ اس کے بعد پہلے اس کا دماغ، پھر دل کی حرکتیں بھی بند ہو گئیں۔

رام چند ... شاہ حمید ... مر گیا۔

"۸۵ ... ۸۴ ... ۸۲ ..."

زبیری لاش پر تھوک کر اٹھ گیا۔ "خدایا! میں نے اس فریت کو پالنے کی خاطر کتنے لوگوں کو ناراض کیا ... کاش مجھے پہلے روز ہی اس کی حقیقت معلوم ہو جاتی ..." اس نے ٹوٹے پھوٹے لہجے میں کہا۔ عصمت سلطان نے اسے دلاسا دینے والے انداز میں اس کی کمر پر ہاتھ رکھا لیکن خود بھی رونے لگی۔ زبیری کے چہرے پر اب بھی خوفناک تاثرات تھے اس کے ہاتھ اب بھی اسی طرح پھیلے ہوئے تھے جیسے وہ دوبارہ رام چند کی گردن دبوچ لے گا۔

ٹائیگر اوشان کی طرف پلٹ گیا جو اب بھی بم کے سامنے کھڑا ہوا ٹکر ٹکر موت کے اس پیغامبر کو گھورے جا رہا تھا۔ اوشان کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔

"۷۸ ... ۷۷ ... ۷۶ ..."

"بس خاتمہ قریب ہے۔" ٹائیگر نے شکستہ انداز میں سوچا اس وقت ٹائیگر کا مقابلہ ٹیکنالوجی سے ہے اور میرے پاس ایسا کوئی طریقہ نہیں کہ اس بم کو پھٹنے سے روک سکوں۔"

وہ مشین سے زیادہ تیز میزائل سے زیادہ مؤثر ہوا ہے وہ برق رفتار طوفانوں سے زیادہ خطرناک اور زہر سے زیادہ سریع الاثر تھا ... لیکن اس وقت اسے ایسا لگ رہا تھا۔ جیسے وہ شکست کھا چکا ہے۔

وہ عجیب سے انداز میں چلتا ہوا اوشان تک گیا۔

"لٹل فادر! آپ کے اجداد بھی آپ کا انتظار کر رہے ہوں گے ... مجھے افسوس ہے کہ اب ہم کچھ نہیں کر سکتے۔"

"کیوں؟ کیوں نہیں کر سکتے۔" اوشان غرایا۔ "کچھ کیے بغیر ہی شکست تسلیم کر رہے ہو۔ تم مشین کی کمزوری سے واقف نہیں ... ہٹو ... پیچھے ہٹو ..." اور یہ کہتے ہی ماسٹر نے جو برکاہ سے زیادہ ہلکا نظر آ رہا تھا بم کا بالائی حصہ کھولنا شروع کر دیا۔ اسے دیکھتے ہی زبیری سمجھ گیا کہ کیا حرکت کر رہا ہے۔ وہ دوڑا ہوا اس کے قریب آیا۔ "رکو ... ایک منٹ۔ تم کیا کر رہے ہو؟"

"صبر مسٹر زبیری۔" ٹائیگر نے اسے اپنی طرف کھینچ لیا۔ "ماسٹر جو کر رہا ہے اسے کرنے دو۔ تمہارے پاس اب کھونے کے لیے باقی ہی کیا رہا ہے۔"

زبیری ایک لمحے تک سوچتا رہا۔ ٹائیگر کی باتوں میں وزن تھا۔ پھر وہ اس وزن کو محسوس کر کے ایک طرف ہٹ گیا ادھر اوشان نے بم کا بالائی حصہ کھول لیا اور کچھ بھی نہیں ہوا۔ "میں پہلے ہی یہ کام کر لیتا لیکن ہر شخص مسلسل باتیں کر کے میرے ارتکاز کو خراب کر رہا تھا۔"

عصمت سلطان سجدے میں گر کر دعائیں مانگنے لگی۔

"۵۲ ... ۵۱ ... ۵۰ ..."

"لٹل فادر۔"

"اندھیرا ہے۔" اوشان نے بم کے سلنڈر میں جھانکتے ہوئے تبصرہ کیا۔

"خدا کے واسطے مسٹر اوشان۔" زبیری بلک اٹھا تھا۔

"۴۵ ... ۴۴ ... ۴۲ ..."

"سنا نجو کی تاریخ بتاتی ہے کہ ..."

"لٹل فادر۔ یہ مسئلہ تاریخ کا نہیں بلکہ اس بم کا ہے جو پھٹنے والا ہے۔" ٹائیگر بھی اب ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی محسوس کر رہا تھا کیونکہ بم کے پھٹنے میں صرف ۴۲ سیکنڈ رہ گئے تھے۔ "دیر ہو رہی ہے۔" اس نے کہا۔

Uploaded By Nadeem

"زندگی کے کسی بھی حصے میں آدمی سیکھ سکتا ہے۔ اس کام میں دیر کو دیر نہیں کہتے میرے بچے!"

۳۰ ... ۲۹ ... ۲۸ ...

اُوشان سنانجو کی باتیں کرتا رہا... "اور پھر قدیم ماسٹر کو اسی سرزمین میں صحرا میں سپردِ خاک کر دیا گیا!"

۹۰۰ ... ۸۰۰ ... ۷

"اُوشان... پلیز..." ٹائیگر گڑگڑانے لگا۔

"خدائے لازوال کے نام پر..." اُوشان اچانک ہی چلایا اس کا چہرہ سُرخ ہو گیا اس نے بم کے اندر ہاتھ ڈالا اور تاروں کو مٹھی میں بھر کر کھینچ لیا۔

"ٹک ٹک کی آواز اب بھی آ رہی ہے!" عصمت سلطان نے خوف زدہ لہجے میں کہا۔

۳۰۰ ... ۲۰۰ ... ۱۰۰ ... زیرو...

بم نہیں پھٹا۔

"ہاں میری بچی! مجھے افسوس ہے کہ میں نے بم کو ناکارہ کر دیا ہے لیکن گھڑی چل رہی ہے!"

ان کے چہرے کھل اٹھے اور آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

*

انھیں نئے مشن پر جانے سے پہلے کسی نے خدا حافظ نہیں کہا۔ لیکن ڈاکٹر زہیری نے فردوس کے ساتھ ساتھ جزیرہ سنانجو سے بھی وفاداری کا عہد کیا۔ عصمت سلطان نے زندگی کی آخری سانس تک ٹائیگر کو بھائی کہنے کے عہد کی تجدید کی مگر اس سے قبل شاہ حمید... رام چند کی لاش پر مشین گن سے گولیوں کی بوچھار کر کے لاش کو دشمن کی سرحدوں کے اندر پھینک دیا گیا۔ دشمنوں کی طویل بڑی سازش جو برسوں پر محیط تھی ناکام ہو گئی اور فردوس زندہ رہا۔ لیکن سب کو علم تھا کہ جوابی کارروائی ضرور ہو گی اور سب سے زیادہ باخبر روبی تھی جسے چند روز پہلے ہی بہرام نے بھرت لینڈ میں واقع فردوسی سفارتخانے فون کر کے اسپیشل گروپ کے چند نوجوان افسروں کے ساتھ کام کرنے کی ہدایت دی تھی اس کی تمام اطلاعات براہ راست بہرام تک پہنچ رہی تھیں اور بہرام دن رات مصروف تھا لہٰذا اس نے اُوشان اور ٹائیگر کو سانس لینے کی بھی فرصت نہیں دی۔

"اب تم لوگ یقیناً کسی اور اہم مشن پر جا رہے ہو!" عصمت سلطان نے ان سے کہا تھا "میں اس چکر میں نہیں آؤں گی کہ تم لوگ آرام کرنے کے لیے کہیں جا رہے ہو۔ تم لوگ نچلے بیٹھ ہی نہیں سکتے!"

"اس ملک میں آرام نام کی کوئی چیز ہی نہیں!" اُوشان نے منہ بنا کر کہا تھا "آرام و سکون ویسے بھی ذہنی کیفیت کا نام ہے!"

"اب چلنا ہے لٹل فادر!" ٹائیگر نے کہا۔

"نہیں۔ میں نے بم ناکارہ بنایا ہے لہٰذا اس کے جواب میں تم بھی میرا ایک کام کر دو!"

وہ باہر نکل آئے اور صحرا میں ایک کارواں کے متوازی چلنے لگے۔

"کیسا کام ہے!" ٹائیگر نے پوچھا "آپ کے لیے ڈراموں کے بہت سے کیسٹ پہنچ چکے ہیں اور میں راکیل ویلیج کا خط لکھنے والا ہوں۔ اب کیا کام کرنا ہے!"

"کیسٹ۔ خط۔ بھلا یہ بھی کوئی کام ہیں کام ہوا!" اُوشان نے بڑی حقارت سے جواب دیا "یہ کام نہیں ذمہ داریاں تھیں میرے بچے! لیکن تم زیادہ فکر مت کرو۔ یہ صحرائے اعظم ہی ہے نا! ہاں۔ تو پھر میں صرف ایک نشان کی تلاش کر رہا ہوں جس کا ذکر عظیم ماسٹر نے اپنی وصیت میں کیا تھا!"

"تب پھر جلدی کریں ورنہ طیارہ نکل جائے گا!" ٹائیگر نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"مجھے بھی اب مزید یہاں رہنے کی کوئی خواہش نہیں لیکن کام پھر کام ہے!" اُوشان نے جواب دیا۔

اُوشان ایک پگڈنڈی پر چند لمحوں کے لیے رُکا اور پھر اس نے دائیں طرف والی پگڈنڈی پر قدم رکھ دیے۔

"وہ رہا!" اُوشان نے اچانک ہی نعرہ لگایا۔ ٹائیگر نے جواب تک بم کے بارے میں سوچتا رہا تھا۔ چونک کر اُوشان کی طرف دیکھا۔ وہ ایک پہاڑی کے قریب جھکا ہوا تھا پھر اچانک ہی وہ تقریباً چھلانگیں لگانے لگا۔

ٹائیگر بھی اس کے پیچھے لپکا۔ اُوشان ایک بڑے اور منقش پتھر کے قریب رک گیا "خداوند تم پر اپنی رحمتیں نازل کرے شہنشاہ زرنگار!" اُوشان پتھر پر جھکا ہوا کہہ رہا تھا "تمہیں آگ اور عذاب سے محفوظ رکھے۔ تمہارا وعدہ سیکڑوں برس بعد بھی وفا ہو رہا ہے!"

ٹائیگر اپنی جگہ پر ساکت کھڑا ہو گیا۔ پتھر پر لکھا تھا...

"اُوشان!..."

"یہی اُوشان ہے جس کا ذکر سنانجو کی قدیم وصیتوں میں درج ہے!" ٹائیگر نے اُوشان کی آواز سُنی "آؤ میرے بچے۔ آؤ!"

"مگر اب کہاں؟" اس نے پوچھا۔

"ایک پرانا قرضہ واپس لینے کے لیے!" عظیم ماسٹر نے جواب دیا۔ یہ کہہ کر وہ تیزی سے چلنے لگا ریت اڑنے لگی۔ ٹائیگر نے آنکھیں بند کر کے تیزی سے قدم اٹھانے شروع کر دیے۔ پھر جب اس نے ریت محسوس نہ کی تو آنکھیں کھول دیں۔ اُوشان ایک چھوٹے سے غار کے قریب کھڑا ہوا تھا۔ اُوشان اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا اور پھر اندر چلا گیا۔ ٹائیگر کو غار میں داخل ہونے کے لیے جھکنا پڑا۔ اسے یہ سب کچھ عجیب سا لگ رہا تھا۔

"آہ۔ دیکھا تم نے!" اُوشان فاتحانہ انداز میں اس سے کہہ رہا تھا۔

غار کے اندر ایک چھوٹا سا کمرہ تھا جو ان سوراخوں کی وجہ سے روشن ہو رہا تھا جو غار کی دیواروں میں کسی نے بنائے تھے۔ کمرے میں ایک چھوٹے بوسیدہ قالین کے اوپر ایک قدیم آرم تصویر لیٹی ہوئی تھی جو کسی مصور نے انمٹ سیاہی سے بنائی تھی تصویر پر ایک شاہی قبا پڑی ہوئی تھی اور ساتھ ہی انتہائی قیمتی جواہر رکھے ہوئے تھے۔ دیوار پر ریشمی پردا لگا ہوا تھا اور حیرت کی بات یہ تھی کہ سیکڑوں برس گزر جانے کے باوجود یہ سب کچھ اپنی جگہ پر موجود تھا۔

"یہ آپ کا دوست ہے؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"شہنشاہ زرنگار اپنے وعدے کا پکا ہے!" اُوشان نے قریب انداز میں سر اٹھا کر جواب دیا۔

"اب؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"اب ہم سنانجو کے حصّہ کا سونا اور جواہر لے جائیں گے۔ آؤ!" اُوشان نے تصویر کے قریب رکھا ہوا ایک ریشمی تھیلا اُٹھا کر ٹائیگر کو دیا "یہ سنانجو کے ایک قدیم ماسٹر کا قرض تھا جو شہنشاہ نے واپس کرنے کا وعدہ کیا تھا!"

"تب پھر آپ ہی اُٹھائیں!" ٹائیگر نے جواب دیا۔ مگر اُوشان نے اسے تھیلا تھما دیا اور اس میں سونے کے زیورات بھرنے لگا۔ اس وقت ٹائیگر کو صرف یہ فکر تھی کہ یہ سارا سامان سنانجو کس طرح پہنچے گا۔

*

روبی نے پورا میگزین اس لیفٹیننٹ پر خالی کر دیا جس نے بھرت لینڈ ایک فوجی اڈے کے قریب ان کی راہ روکنے کی ہمت کی تھی اس کی لاش کو نہر میں ڈال دو!" روبی نے اپنے ساتھی میجر افتخار سے کہا! "لیکن میجر! پلیز۔ پتھر باندھ کر ڈالنا!"

میجر افتخار نے جیپ سے کود کر لاش کو گھسیٹا نہر تک لے گیا اور پھر واپس آ کر جیپ سے ریشم کی ایک ڈوری نکالی پھر اس نے دو بڑے بڑے پتھر لاش پر رکھ کر پتھروں کو جسم کے ساتھ باندھ دیا پھر لاش کے نہر برد ہونے میں زیادہ وقت نہیں لگا۔ وہ مسکراتا ہوا جیپ کی ڈرائیونگ سیٹ پر واپس آ کر بیٹھ گیا۔ بات صرف یہ تھی کہ میجر افتخار میک اپ کے ذریعے میجر تلونڈی بنا ہوا تھا اور میجر تلونڈی کو انھوں نے چند روز قبل ہی ہلاک کر کے اس کی وردی اور شناختی کارڈ حاصل کیے تھے۔ میجر تلونڈی کی لاش ایک پہاڑی غار میں پھینک دی گئی تھی۔ اور افتخار کو ایک ماہر پلاسٹک سرجن نے تلونڈی بنا دیا تھا۔ اور میجر تلونڈی بھرت لینڈ ڈیفنس اینڈ ریسرچ انسٹی ٹیوٹ میں پی ایچ ڈی۔ ڈائریکٹر کے عہدے پر فائز تھا۔ روبی کا مقصد یہ تھا کہ وہ انسٹی ٹیوٹ میں ہونے والی سازشوں کی سُن گُن لے سکے اسے جلد ہی یہ اطلاعات بہرام کو بھیجنی تھیں۔ وہ گزشتہ دو روز سے مسلسل انسٹی ٹیوٹ آ رہے تھے اور افتخار پر ابھی تک کسی کو شبہ نہیں ہوا تھا لیکن یہ کم بخت لیفٹیننٹ اس وقت مزاحم ہوا جب کوئی خطرہ باقی نہ رہا تھا لیفٹیننٹ، تلونڈی کا دوست تھا اور جب افتخار اسے پہچاننے میں ناکام رہا تو ظاہر ہے کہ مسئلہ اور پیچیدہ ہو گیا لہٰذا روبی نے مسئلہ کو جڑ سے ختم کرنے کے لیے سب مشین گن خالی کر دی۔

"میجر!" روبی نے افتخار سے کہا "میرا خیال ہے کہ کافی دن لگ گئے ہیں۔ برسوں تک وہ دو آدمی بھی وہاں پہنچنے والے ہیں جو اس مشن کے مرکزی کردار ہیں لہٰذا ہمیں زیادہ سے زیادہ آج رات تک تمام معلومات حاصل کر لینی ہیں!"

"آئی سی میڈم!" افتخار نے مسکرا کر کہا۔ وہ زبردست لڑاکا اور بہت شوخ تھا شاید یہ اس کی ذہنی صلاحیت ہی تھی کہ اسے اتنی جلد میجر کا رینک مل گیا اور پھر اس مشن کے لیے اُس کا انتخاب ہوا تھا۔

روبی کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ افتخار کی یہ بات اسے بہت اچھی لگتی تھی کہ وہ کسی بھی بارے میں کریدنے کا قائل نہ تھا شاید وہ بھی اس اصول پہ عمل کرتا تھا کہ جب وقت ہوگا تفصیلات خود اس کے سامنے آجائیں گی اس طرح اس نے ان دو مرکزی کرداروں کے بارے میں بھی کچھ نہ پوچھا تھا جن کا ذکر روبی کم از کم تین مرتبہ کر چکی تھی۔

روبی نے میجر افتخار کو انسٹی ٹیوٹ کی بلڈنگ کے سامنے اترنے کا اشارہ کیا اور خود جیپ لے کر واپس چلی گئی۔ وہ اس حد سے آگے نہیں جانا چاہتی تھی اور ویسے بھی آج فیصلہ کن رات تھی۔ روبی کو یقین تھا کہ آج کے بعد زیادہ بھاگ دوڑ نہیں کرنی پڑے گی۔

ہجرت لینڈ میں اسے ایک ماہ سے زائد ہو گیا تھا کچھ دن تو اس نے سفارت خانے میں مہمان کی حیثیت سے گزارے اور پھر ہمرام نے اُسے یہیں ایک اور مشن سونپ دیا جس کا اختتام اوشان اور ٹائیگر کے ہاتھوں ہونے والا تھا۔ روبی کو بتایا گیا کہ اس مشن کا تعلق تقریباً اُسی میجر جنرل سے ہے جس کے قتل کا منصوبہ اس نے ایک سال قبل تیار کیا تھا اور جو بعد ازاں ایک ہوائی حادثے کا شکار ہو گیا تھا۔

ہمرام نے روبی کو یہ بھی بتایا کہ فردوس کی ملٹری انٹیلی جنس کا ایک اسپیشل گروپ بھی ہجرت لینڈ پہنچ چکا ہے اور وہ سفارت خانے میں ہی اس سے ملاقات کرے گا دو دن بعد ہی میجر افتخار ایک ہندو نوجوان کے روپ میں اس سے آملا تھا۔ اور دونوں نے مل کر نئے منصوبے پر کام شروع کر دیا تھا۔

✣

میجر افتخار نے جب معمول ڈائریکٹر کے کمرے کے برابر والے کمرے میں اپنی نشست سنبھال لی اور کام میں مصروف ہو گیا۔ یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ آج ڈائریکٹر دفتر ہی نہیں آیا تھا۔ ابھی وہ ان فائلوں کو دیکھ رہا تھا جو اسے ڈائریکٹر کے کمرے میں بھیجی تھیں کہ اچانک فون کی گھنٹی بج اٹھی۔

"میجر تلونڈی سر!" اس نے مخصوص انداز میں کہا۔

"دس از آفس آف دی چیف آف دی اسٹاف!" دوسری طرف سے بھرائی ہوئی آواز آئی۔ "چیف آف اسٹاف ڈی جی سے بات کرنا چاہتے ہیں نجمہ تلونڈی!"

میجر افتخار کے بدن میں سنسنی دوڑ گئی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ اس نے ایسا فون ریسیو کیا تھا۔

"وہ موجود نہیں سر!" اس نے مؤدبانہ لہجے میں جواب دیا۔

"ہولڈ آن پلیز!" دوسری طرف سے جواب ملا اور پھر چند لمحوں بعد دوبارہ آواز آئی۔ "ان کو یہ پیغام دے دیا جائے کہ فائل نمبر ۱۲ آج شام تک پہنچ جائے۔"

"یس سر!" میجر افتخار نے فوراً جواب دیا اور پھر رابطہ منقطع ہو گیا۔

"فائل نمبر ۱۲!" افتخار نے زیر لب کہا اور فائل نمبر ۱۲ اس کے سر پر ہتھوڑے برسانے لگی۔

"فائل نمبر ۱۲!" وہ چند فائلیں رکھنے کے بہانے ڈی جی کے کمرے میں چلا گیا اور پھر اس کا دل دھک سے رہ گیا ڈی جی کی میز پر سب سے اوپر فائل نمبر ۱۲ رکھی ہوئی تھی۔ افتخار کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا اس نے کن انکھیوں سے فوٹو کاپیٹر کی طرف دیکھا اور پھر پھرتی سے کام کرنے لگا۔ اس کو شک تھا کہ اس دوران کوئی کمرے میں آجائے گا لیکن یہ واحد موقع تھا کہ وہ کوئی ٹھوس بات حاصل کر سکتا تھا اس کے بعد شاید اسے دوسرا موقع نہیں مل سکتا تھا۔

فوٹو کاپیٹر نے گرم ہونے میں جو چند لمحے لیے وہی بھاری تھے اور اس کے بعد سارا کام آسان ہوتا چلا گیا وہ جب اپنے کمرے میں واپس آیا تو اس کی وردی پسینے سے شرابور ہو رہی تھی اور سانس بے ترتیب تھی۔ اس نے ٹائینٹ دو گلاس پانی انڈیلا اور پھر کرسی پر بیٹھ گیا۔ تب ہی اچانک گھنٹی بجی اور وہ اس طرح اچھل پڑا جیسے چوری پکڑی گئی ہو۔

"یس سر!" اس نے فوراً احساس کر لیا کہ یہ انٹرکام کی گھنٹی ہے ریسیور اٹھاتے ہوئے اس کا ہاتھ کانپ رہا تھا۔ یہ تمام کیفیات بزدلی کی علامت نہ تھیں بلکہ اس کی اس باطنی فکر کی مظہر تھیں کہ فائل کی فوٹو کاپیاں جلد از جلد روبی تک پہنچ جائیں۔

"کوئی خاص بات تلونڈی!" ڈی جی نے پوچھا۔ "میں ابھی آیا ہوں!"

"یس سر۔ ایک فون آیا تھا۔ سی او ایس کا!"

"اوہ!" ڈی جی نے صرف اتنا ہی کہا۔

"ان کا پیغام میں آپ کو کمرے میں آکر دوں گا سر!" میجر افتخار کا اعتماد عود کر آرہا تھا۔

"ڈیوائے!" ڈی جی نے ریسیور رکھ دیا اور میجر افتخار اس بجاتا ہوا ڈی جی کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

✣

انسٹی ٹیوٹ کا ڈائریکٹر ادھیڑ عمر شخص تھا اس کے بارے مشہور تھا کہ وہ فردوس کے خلاف منصوبہ بندی اور ہر ش کا خالق ہے اس کا کام ہی صرف یہ رہ گیا ہے کہ وہ فردوس کے خلاف نت نئی منصوبہ بندیاں کرتا رہے اُسے ومت نے کھلا ہاتھ دیا تھا اس کے پاس بے پناہ وسائل اور فوجی حکام اس کے منصوبوں کو پسند کرتے ہوئے بھی ان پر عمل کرنے پر مجبور تھے۔ فوجیوں کا کہنا تھا کہ فردوس کے خلاف ساری منصوبہ بندی کا اختیار صرف انھیں ہے۔ لیکن بعض دوحکومتیں یہ منصوبہ بندی سول ذہن سے کرانا چاہتی تھیں ڈی جی لامحدود اختیارات کے ساتھ کام کرتا رہا اور اب بھی کام کر رہا ہے

میجر افتخار سلوٹ کر کے مؤدب کھڑا ہو گیا۔

"بیٹھو تلونڈی!" ڈی جی نے کھپٹی مسلتے ہوئے کہا ت عموماً میگرین کا درد ہوتا تھا اور اس کا فلسفہ یہ تھا کہ درد صرف ذہین اور پیدائشی ذہین افراد کو ہوتا ہے کیا م ہے؟" اس کا لہجہ شکستہ تھا

"فائل نمبر ۱۲ آج شام تک مانگی گئی ہے!" میجر افتخار نے جواب دیا۔

"اوہ!" ڈی جی اچھل پڑا اس نے دونوں ہاتھ سامنے رکھی ہوئی فائل پر رکھ لیے یہی فائل نمبر ۱۲ تھی۔ اس کے چہرے پر اچانک اداسی طاری ہو گئی۔ "ابھی تو میں اس فائل پر کام کر رہا تھا۔ لیکن کیوں؟" ڈی جی اُٹھ کر ٹہلنے لگا۔ وہ بہت پریشان ہو گیا تھا اور میجر افتخار کو یہ اندازہ لگانے میں ذرا بھی دقت نہیں ہوئی کہ کوئی بڑی گڑبڑ ہو گئی ہے۔ "تلونڈی!" ڈی جی اچانک میز کے قریب رک گیا۔ "تمہیں علم ہے کہ فائل نمبر ۱۲ کی طلبی کا کیا مطلب ہے؟"

"آپ مجھے جتنا بتاتے ہیں مجھے اتنا ہی علم ہوتا ہے سر!" میجر افتخار نے بڑی خوبصورتی سے بات بنائی۔

"ہاں۔ اور تم جانتے ہو کہ میں تمہیں ضرورت سے زیادہ کچھ بتاتا ہوں!" ڈی جی کے چہرے پر عجیب سی مسکراہٹ دوڑ گئی۔ "شاید اس لیے کہ تم میرے ہونے والے داماد ہو!" میجر افتخار پہلو بدل کر رہ گیا۔ اپنا نیا کردار اسے پہلی مرتبہ معلوم ہوا تھا۔

"تمہیں آپریشن ڈومز ڈے کی تفصیلات تو معلوم ہی ہوں گی!"

"یس سر!" افتخار نے بے دھڑک کہہ دیا کیونکہ ڈی جی کا انداز ہی ایسا تھا جیسے اس نے اُسے پہلے ہی اس مشن کے بارے میں بتا دیا ہو۔

"تو فائل نمبر ۱۲ کی طلبی کا مطلب یہی ہے کہ آپریشن ڈومز ڈے ناکام ہو گیا ہے!"

"اوہ!" میجر افتخار نے شدید صدمے کا اظہار کیا حالانکہ اسے اس بات پر شدید ترین مسرت ہوئی تھی کہ فردوس کے خلاف کوئی اور مشن ناکام ہو گیا ہے۔

"اور ناکامی بھی کیسی؟ رکو، میں تفصیلات لے لوں!" ڈی جی نے سرخ رنگ کے ٹیلی فون سیٹ کا ریسیور اٹھا لیا یہ شاید ہاٹ لائن تھی اور جب میجر افتخار نے اسے صرف دو نمبر ملاتے ہوئے دیکھا تو اسے اس کے ہاٹ لائن ہونے کا یقین بھی ہو گیا۔

"ڈی جی آف ناٹ!" ڈی جی نے کوڈ دہرایا۔ "جنرل صاحب سے بات کراؤ!" یہ کہہ کر وہ ایک لمحہ تک خاموش رہا شاید لائن ملائی جا رہی تھی غالباً جنرل ہاٹ لائن پر موجود نہ تھا پھر ڈی جی نے کہا۔ "کیا ہوا جنرل وکرم!"

وہ دیر تک سنتا رہا۔ اس کے چہرے پر لرزے کی سی کیفیت پیدا ہو گئی اور پھر وہ اپنی کرسی پہ بیٹھ کر پسینہ پونچھنے لگا۔ "او کے جنرل وکرم۔ میں فائل بھیج رہا ہوں!"

ریسیور رکھ کر اس نے میجر افتخار کو دیکھا "بہت برا ہوا تلونڈی!" اس نے دونوں ہاتھ کنپٹیوں پر رکھ کر کہا۔ "رام چندر آخری اُمید تھا۔ اس کی لاش گولیوں سے چھلنی ملی ہے اور لاش کو سرحد کے اس پار دھکیل دیا گیا ہے تاہم پوسٹ مارٹم کے مطابق اس کی موت گلا گھونٹنے سے ہوئی ہے!"

"اوہ!" میجر افتخار صرف یہی کہہ سکتا تھا۔

"مقررہ وقت پر ایٹم بم کا دھماکا بھی نہیں ہوا اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ دو افراد جو فردوس میں حال ہی میں نظر آئے تھے ہمارے مشن کو ناکام بنا چکے ہیں!"

افتخار بمشکل خود پر قابو پا سکا۔ وہ اتنا سمجھ گیا تھا کہ فردوس کو ایٹم بم سے تباہ کرنے کی سازش کی تھی جو دو افراد نے ناکام بنا دی۔ اور وہ دو افراد . . . اُسے روبی

کی بات یاد آ گئی کہ ان کے مشن میں دو افراد کو مرکزی کردار حاصل ہو گا۔

"بہ بہت بُرا ہوا تلونڈی۔ میرا دوسرا منصوبہ بھی ناکام ہو گیا۔ اب مشن لاسٹ لائٹ باقی ہے لیکن اس کے بعد کھلی جنگ کا خطرہ بڑھ جائے گا۔ بہرحال" ڈی جی نے فائل نمبر ۱۳ پر دونوں ہاتھ رکھ لیے "اب یہی تُرپ کا پتا باقی رہ گیا ہے۔"

ڈی جی کا چہرہ سُلگ گیا تھا جب کہ میجر افتخار کا دل پلیٹیں اُچھل رہا تھا۔ اسے ایک طرف تو یہ مسرت تھی کہ آپریشن ڈومز ڈے ناکام رہا اور دوسری طرف یہ فکر تھی کہ کہیں آپریشن لاسٹ لائٹ کا آغاز فوراً ہی نہ ہو جائے۔

"ٹھیک ہے تلونڈی۔ اب تمہاری شادی اس مشن کی تکمیل تک نہیں ہو سکتی کیونکہ میں بہت مصروف رہوں گا۔"

"مگر سر!" افتخار نے مصنوعی انداز میں احتجاج کیا۔

"کچھ نہیں۔ میں وجیتا سے بھی کہہ دوں گا وہ مزید کچھ دنوں صبر کر لے۔ اسے میں سمجھا لوں گا۔ تم فکر مت کرو۔"

٭٭٭

"میں تو یہاں بچا ہوں میڈم۔" افتخار نے غار کی گپھاؤں میں داخل ہونے کے بعد ایک چھوٹے سے کمرے میں پہنچتے ہی کہا۔ یہ ان کی کمیں گاہ تھی۔ یہاں وائرلیس کا ایک بہت چھوٹا سا مگر انتہائی طاقتور سیٹ بھی موجود تھا۔ اور دستی بم سے لے کر راکٹ لانچر اور میزائل بھی یہاں اتنا اسلحہ تھا کہ وہ اس سے ایک پورے ڈویژن بیڑے کو بار گرا سکتے تھے روبی کو یقین تھا کہ یہ سامان انہیں کبھی نہ کبھی استعمال کرنا ہو گا۔

"کیوں کیا ہوا؟" روبی نے پوچھا۔

"شادی ہوتے ہوتے رہ گئی۔"

"ہیں۔ وہ کیسے؟" روبی نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا اور جب میجر افتخار اسے ساری تفصیلات بتا چکا تو وہ ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو گئی۔

"میرے خدا!" وہ آنکھیں پونچھ کر بولی "میری مانو۔ تم شادی کر لو اور زندگی بھر عیش کرو۔"

"عیش!" افتخار منہ بنا کر بولا "مگر فردوس میں رابعہ میری جان ہی نہیں کھلے گی بلکہ مجھے زندہ جلا دے گی میڈم۔"

"گڈ۔" روبی ہنس پڑی "اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہیں رابعہ سے محبت نہیں بلکہ خوف محسوس ہوتا ہے۔"

"پلیز میڈم۔ وہ سُن لے گی۔" افتخار نے روبی کے انداز میں کہا۔ انداز ایسا تھا کہ روبی ہنستے ہنستے رُک گئی۔

"خیر اب کام کی بات کرو۔"

"کام کی بات۔ یہ لیں۔" افتخار نے فائل ۱۳ کی پوری نقل اس کے سامنے رکھ دی اور وہ اس مرتبہ اُچھل پڑی۔

"آپریشن لاسٹ لائٹ۔" وہ سرسراتے ہوئے لہجے میں بولی "میجر! شاندار۔۔۔ بہت شاندار۔" اس کی نظریں ان جرمن فل اسکیپ صفحات پر تھیں جو افتخار ساتھ لایا تھا۔

پھر افتخار نے اسے آپریشن ڈومز ڈے کی ناکامی کے بارے بتایا تو اس کے چہرے پر عجیب سی مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"تم نہیں جانتے میجر کہ وہ دونوں کیسی خوفناک کتابوں کے نام ہیں۔" اس کے لہجے میں طنز کا عنصر صاف موجود تھا۔ "یہ موت کا رقص کرتے ہیں تو فوجیں بھاگ کھڑی ہوتی ہیں اور جب مہربان ہوتے ہیں تو محبتوں کی بارش شروع ہو جاتی ہے۔"

"میں سمجھ چکا ہوں کہ وہ بہت عظیم ہیں۔"

"ہاں! اور تمہاری خوش قسمتی ہے کہ وہ دونوں کرنل یہاں پہنچنے والے ہیں۔ ان سے ملنا افتخار۔ ان سے سیکھنا اور پھر دیکھنا کہ تم کہاں سے کہاں پہنچے ہو۔"

"آپ ان کے ساتھ کام کر چکی ہیں؟"

"ہاں! کئی بار۔" روبی مسکرا دی "تم ان سے ملو گے تو خوش ہو جاؤ گے۔ میں کل ہی ممباٹی جانا ہے ان کو ریسیو کرنا ہے اور پھر سب کچھ ان پر چھوڑ دینا ہے۔ لیکن نہیں سب سے پہلے آپریشن لاسٹ لائٹ کے بارے میں چیف کو بتانا ہو گا۔"

میجر افتخار گپھا سے نکل آیا تاکہ روبی اطمینان سے رپورٹ پیش کر سکے۔

٭

"کیا ہوا روبی؟" بہرام کی بھرائی ہوئی آواز سنائی دی "ایک اور آپریشن کی تفصیلات ملی ہیں سر۔" روبی نے جواب دیا۔ اس کا لہجہ دھیما تھا۔

"تفصیلات؟" بہرام بے چینی سے بولا "لیکن اس سے قبل یہ سُن لو کہ وہ کسی بھی وقت وہاں پہنچ رہے ہیں۔"

"کیا مطلب؟ انہیں تو کل عام طیارے سے آنا تھا۔"

"ہاں! لیکن ٹائیگر اور اُوشان کو کوئی عام طریقہ پسند نہیں۔ وہ پیراشوٹ کے ذریعہ اُتریں گے۔"

"رائٹ سر!" روبی ایک طویل سانس لے کر بولی اور پھر اس نے تفصیلات بتانی شروع کر دیں۔ اس مشن کا مقصد گلستان میں سمندر کے ساحل پر واقع سب سے اہم ری پروسیسنگ پلانٹ کی تباہی اور صحرائے احمر میں ایٹمی پلانٹ کی بربادی تھا۔

اگیرہ کے بریفنگ روم میں ایک نوجوان بریگیڈیئر جس کو صرف چھ روز قبل ترقی دی گئی تھی فردوس کے ایٹمی پروگرام کی تباہی کے مشن سے متعلق بریفنگ کر رہا تھا۔ وہ جوائنٹ ٹاسک فورس کمانڈر برائے آپریشن لاسٹ لائٹ تھا۔

٭

دوسری طرف ایک ہلکا طیارہ سبک خرامی کے انداز میں بھرت لینڈ کی حدود میں داخل ہوا اس پر بھرتی فضائیہ کا نشان بنا ہوا تھا اور اس کی پرواز بہت نچلی تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ بھرتی نشان کے باوجود بھرتی ریڈار سے بچنا چاہتا ہے۔

اور اس طیارے میں اُوشان اور ٹائیگر سوار تھے۔ بات پیراشوٹ باندھنے کی ہو رہی تھی۔

"میں ایسے ہی کود جاؤں گا۔" اُوشان نے بڑے اعتماد کے ساتھ کہا "بھلا جب یہ طیارے پرواز کر سکتے ہیں تو انسان کیوں نہیں کر سکتا۔"

"نہیں۔ آپ پیراشوٹ باندھیں گے۔"

"تم بھی نہیں باندھو گے۔" اُوشان نے غرا کر فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"لٹل فادر۔" ٹائیگر خوشامد کرنے لگا "آپ بات کو سمجھیں ہمیں بہت بلندی سے کُودنا ہے۔"

"مگر مجھے پیراشوٹوں پر اعتماد نہیں۔ ممکن ہے کہ عین وقت پر دھوکا دے جائیں۔" اُوشان نے کہا۔

"نہیں۔ یہ پیراشوٹ سنا نجو کے کپڑے کے بنے ہوئے ہیں۔"

"جھوٹ۔" اُوشان نے مشکوک انداز میں کہا "تم جھوٹے ہو۔ ناشکرے ہو۔ احسان فراموش ہو۔ میں نے سنا نجو میں ٹیکنالوجی مل لگانے کی کسی کو اجازت نہیں دی۔"

"میری مراد کوریا ہے ہے لٹل فادر۔" ٹائیگر نے اپنی صفائی پیش کی۔

"واقعی۔" اُوشان کا لہجہ اب بھی غیر یقینی تھا۔

"کیا آپ کو مجھ پر یقین نہیں۔"

"کوریا کے بنے ہوئے پیراشوٹ۔" اُوشان نے ایک پیراشوٹ اُٹھا کر سونگھا اور پھر مطمئن انداز میں سر ہلانے لگا۔

ہوا باز نے مسکراتے ہوئے طیارے کو ۴۵ کے زاویے پر گھمایا اور پھر طیارہ ممباٹی کے ساحل کے متوازی پرواز کرنے لگا۔ نیچے جہازوں کی روشنیاں نظر آ رہی تھیں پھر اچانک ہی یہ روشنیاں ختم ہو گئیں اور جنگل شروع ہو گیا۔

"ہم بھرتی انسٹی ٹیوٹ کے قریب ہیں جناب۔" ہوا باز نے کہا۔ اس کے ساتھ ہی اُوشان اور ٹائیگر نے پیراشوٹ باندھ لیے۔

اسی لمحہ وائرلیس پر کھڑکھڑاہٹ ہوئی "گاڈ ائیں طرف ۵۵ اینگل۔ اوور۔"

یہ روبی کی آواز تھی جسے سن کر ٹائیگر نے ایک طویل سانس لی اور اُوشان سر ہلانے لگا۔

"ٹائم" ہوا باز نے کہا۔ دروازہ کھلا اور "گھڑ" کی آواز کے ساتھ ہی دونوں کود گئے۔ اُوشان کودتے وقت ٹائیگر کو دھمکی دے رہا تھا کہ اگر پیراشوٹ کوریا کے نہ ہوئے تو وہ اسے دیکھ لے گا۔

طیارہ بے ضرر سے انداز میں پرواز کرتا ہوا فردوس کی سمت میں روانہ ہو گیا۔

٭٭٭

نوجوان بریگیڈیئر جس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی اور وہ ان سو افسروں سے مخاطب تھا جو اس کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔

"میرا خیال ہے کہ آپ لوگ مجھ سے اس حد تک واقف ہو چکے ہوں گے کہ جتنا اپنی بیویوں سے بھی واقف نہیں۔" اس کی اس بات پر زبردست قہقہہ بلند ہوا "لیکن ایک بار پھر تعارف ہو جائے۔ میں آپریشن لاسٹ لائٹ کی قیادت کروں گا جس کے دو مقاصد ہیں۔ پہلا یہ کہ گلستان کے ساحل پر ری پروسیسنگ پلانٹ کو تباہ کیا جائے یہ ذمہ داری صرف اور صرف فضائیہ کی ہے۔ آپ حضرات میں نمبر ۱۵ اور ۱۱ اسکواڈرن کے بارہ بہترین ہوا باز موجود ہیں۔ آپ میں سے آٹھ پلانٹ پر پہلی پرواز کر کے ٹھیک ٹھیک نشانوں پر بم گرائیں گے۔ ہمارے طیارے چار ہزار پونڈ وزنی بم گرا سکتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ بم گرانے میں آپ کی رہنمائی لیزر گائیڈ نس

Uploaded By Nadeem

سسٹم کرے گا۔ اہم بات یہ بھی ہے کہ آپ بھرتی فضائیہ میں شامل، اسٹرائیک پائلٹس ہیں اور آپ کو مشق کے لیے تین روز بھی دیے گئے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ مشقوں کے دوران آپ اتنا نقصان پہنچائیں گے کہ ہماری وزارت خزانہ بھی چیخ پڑے گی۔" اس کی اس بات پر ایک بار پھر قہقہے لگے۔

"دوسرا مقصد صحرائے احمر میں سنیئر ی فیوج پلانٹ کی تباہی ہے اور یہ کام میکنیائزڈ انفنٹری رجمنٹ سے لیے گئے پیرا کمانڈوز کریں گے ان کے ساتھ بحریہ کی انڈر واٹر ڈیمولیشن ٹیم بھی ہوں گی۔ میرا خیال ہے کہ بحریہ کو اس مشن میں اس لیے شامل کیا گیا ہے کہ صحرائے احمر والے پلانٹ میں سوئمنگ پول ہے جہاں حسینائیں موجود ہیں!"

فوجی افسر بے ساختہ ہنسنے اور تالیاں بجانے لگے۔

"تو ہمارا یہ آپریشن اتنا جرأت مندانہ ہوگا اس کی تکمیل کے بعد اسرائیلی بھی اپنے دشمنوں کے خلاف ہماری خدمات حاصل کیا کریں گے ہم چھ مگ ۲۴ ہیلی کاپٹروں کے ذریعہ احمر کے ائرپورٹ پر قبضہ کریں گے یہ ہیلی کاپٹر ایک منظم منصوبے کے تحت فردوس میں داخل ہوں گے یہ ہیلی کاپٹر آئی آئی ۷۶ طیاروں کے علاوہ ہوں گے!"

بریگیڈیئر بریفنگ کرتا رہا۔ ماحول بہت سنجیدہ ہوگیا ہر شخص بغور سنتا رہا۔

"لٹل فادر!" روبی لپک کر ان کے قریب آگئی اس کے ہاتھ میں ٹاسٹ تھی۔ اور اس نے مکمل سیاہ لباس پہن رکھا تھا اس کے ساتھ ایک نوجوان بھی تھا جس نے بھرتی فوجی وردی پہن رکھی تھی۔ "خوش آمدید!" روبی کا لہجہ مسرتوں سے بھرپور تھا۔

"شکریہ میری بچی، مگر یہ بچہ!"

"میجر افتخار سر!" افتخار نے عجیب سے اور قدرے حیرت زدہ انداز میں ان دونوں کو دیکھا وہ اسے سو فیصد عام سے افراد نظر آرہے تھے۔

"اور میں اوشان ہوں میرے بچے!" اوشان نے اپنا استخوانی ہاتھ اس کے شانے پر رکھ کر کہا۔ "یہ شہزاد ہے... اس کا کہنا ہے کہ ہم جس پیراشوٹ سے نیچے کودے تھے وہ کوریا کے بنے ہوئے ہیں اس میں کہاں تک صداقت ہے میرے بچے!"

"جی!" افتخار گڑبڑا کر رہ گیا۔

"آپ کو علم ہے کہ اس دہقانی کی معلومات کتنی محدود ہیں ماسٹر!" روبی نے چہک کر کہا۔ "لیکن میرا خیال ہے کہ اس بار اس نے درست ہی کہا ہوگا کہ پیراشوٹ کوریا کے بنے ہوئے ہیں...!"

"کمال ہے!" اوشان نے سر ہلایا۔ "تم اس کی حمایت کر رہی ہو!"

"نہیں فادر!" روبی ہنس پڑی۔ "میں تو آپ کو یہ بتا رہی تھی کہ بعض اوقات اجڈ اور گنوار بھی درست بات کہہ دیتے ہیں!"

اس دوران ٹائیگر لاتعلق سے انداز میں کھڑا ہوا ادھر ادھر دیکھتا رہا۔ اس کا انداز ایسا ہی تھا جیسے اسے اردگرد کھڑے ہوئے لوگوں کی فکر نہیں۔

"چلیں فادر۔ آپ کو اپنی کمین گاہ دکھاؤں... لیکن نہیں۔ پہلے میجر افتخار کے بارے میں سن لیں کہ یہ...!"

"اپنے آدمی ہیں اور پلاسٹک سرجری کے ذریعہ بھرتی بن کر ایک بڑے حساس ادارے میں ہمارے لیے کام کر رہے ہیں۔" ٹائیگر نے پہلی مرتبہ گفتگو میں حصہ لیا اور اس کی بات سن کر افتخار سن ہو کر رہ گیا۔ اسے یہ یقین ہی نہ آیا کہ اتنے اندھیرے میں بھی اس نوجوان نے جس کی کلائیاں غیر معمولی ہیں پلاسٹک سرجری کا اندازہ لگا لیا ہے۔ روبی بھی خفیف سی ہوگئی اور اوشان زیر لب مسکرانے لگا۔ اسے خوشی تھی کہ ٹائیگر بھی اسی نتیجہ پر پہنچا ہے جو اس نے میجر افتخار کو دیکھ کر اخذ کیا تھا۔

روبی غاروں کی طرف چل دی اور وہ اس کے پیچھے چلنے لگے۔

"آپ سے ملنے کا بہت اشتیاق تھا محترم بزرگ!" افتخار نے اوشان سے کہا۔ "آپ دونوں کا ذکر میں کئی بار سن چکا ہوں!"

"ہمارا ذکر!" اوشان نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا "مگر ہم نے تو کسی اخبار کو انٹرویو نہیں دیا۔ ویسے بھی میں اخبار والوں کو زیادہ گھاس نہیں ڈالتا۔ گزشتہ دنوں ٹائم کے نمائندے نے انٹرویو کی درخواست کی تھی مگر...!"

"میں نے آپ کا ذکر روبی اور دشمنوں سے سنا ہے محترم!"

"اوہ! اچھا۔ ہاں۔ ہمارے کئی دشمن ہیں۔ ایک دشمن

بدنوجوان ہے جو شاہانہ بشانہ چل رہا ہے!"

"اور ایک دشمن نوگان تھا ان کا سگا بھتیجہ جس کو میں نے ایسے عالم میں قتل کیا جب یہ کھڑے تماشا دیکھ رہے تھے!" ٹائیگر نے ہنس کر کہا۔ "اور پھر جب وہ ادھ موا ہو گیا تو اس کے سینے پر موم بتی رکھ کر بیٹھ گئے تھے!"

"اور دوسرا نوبک تھا جس نے اسے کسی لڑکی کی طرح اٹھا کر دور پھینک دیا تھا!" اوشان نے جل کر جواب دیا۔

"افتخار!" روبی نے اسے بروقت تنبیہہ کی۔ "ان دونوں کی باتوں کو سنجیدگی مت لینا ورنہ سر پکڑ کر رونا پڑے گا!"

"پھر ایک دشمن ڈوج مین تھا جو آنکھیں دکھاتا تو طوفان آجاتا تھا۔ اس نے انھیں ہوا کے ایک جھونکے میں دبا دیا اور یہ بے بس ہوگئے لیکن میں نے اسے ختم کر ڈالا!"

"جھوٹ بالکل جھوٹ!" افتخار بے ساختہ طور پر بولا۔ "آنکھیں دکھانے سے طوفان کب آتا ہے!"

"یہ سچ ہے!" اوشان نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "مگر اس کا یہ دعویٰ واقعی جھوٹ ہے کہ اس نے ڈوج مین کو مار ڈالا تھا۔ وہ تو وھیل اور دوسری خطرناک مچھلیوں کو ہلاک کرتا ہوا زار ہو گیا تھا!"

"وھیل کو ہلاک کرکے!" میجر افتخار اب واقعی سر پکڑ کر رونے کے موڈ میں تھا لیکن اس نے فوراً ہی طویل سانس لے کر اپنی اس کیفیت پر قابو پایا۔

پھر وہ خاموش ہوگئے اور غار میں پہنچ کر ہی انھوں نے اندر کی روشنی میں ایک دوسرے کو بغور دیکھا اور ٹائیگر، افتخار کی آنکھیں دیکھ کر مطمئن ہوگیا۔ یہ آنکھیں ایک ایماندار، بہادر، رحمدل، اور محب وطن شخص کی آنکھیں تھیں اُدھر ٹائیگر کو دیکھ کر افتخار نے ایسا محسوس کیا جیسے اس کا آئیڈیل سامنے کھڑا ہو۔

"کیا حالات ہیں؟" ٹائیگر نے روبی کے ہاتھ سے چائے کا مگ لے کر کہا جس میں چینی اور دودھ نام کو نہ تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ اوشان کو اس وقت کسی بحث میں نہ گھسیٹا جائے کیونکہ اس طرح فضول وقت ضائع ہوتا۔ اور بہرام نے اس سے کہا کہ ان کے پاس صرف دو تین دن ہیں۔

روبی نے بھی اس کی سنجیدگی محسوس کرلی اور خود بھی اداس سی ہوگئی۔ وہ چاہتی تھی کہ ٹائیگر کبھی اتنا سنجیدہ نہ ہو اکیسے بہرحال اس نے اسے سب کچھ بتا دیا۔ اور جب اس نے یہ بتایا کہ فائل نمبر ۱۳ کس طرح اس تک پہنچی تو ٹائیگر نے مسکرا کر افتخار کی طرف دیکھا۔ "شاندار!" اس کے خراج تحسین پر افتخار کو ایسا لگا جیسے اس کی ساری محنت وصول ہوگئی ہے۔

"سنو!" ٹائیگر نے اوشان کی طرف دیکھتے ہوئے ان دونوں سے کہا۔ "میں فائل نمبر ۱۳ کے سلسلے میں نہیں آیا ہوں لیکن اگر تمہیں میری یا اوشان کی ضرورت ہو تو کہہ دینا ہم تمہارے ساتھ ہیں لیکن فائل نمبر ۱۳ کے توڑ کے مشن کی کمان روبی تم ہی نے کرنی ہے اور ظاہر ہے کہ افتخار تمہارے ساتھ ہوگا!"

"تب پھر تم یہاں کیوں آئے ہو؟" روبی نے جل کر پوچھا۔ اس کا موڈ اچانک خراب ہوگیا تھا۔

"تفریح کرنے کے لیے!" ٹائیگر نے اسی لہجے میں جواب دیا۔

"میں کہتی ہوں کہ اگر تمہیں مشن میں حصہ لینا نہیں تھا تو یہاں آنے کی ضرورت کیا تھی؟" روبی کی آواز اونچی ہونے لگی۔

"میں بتا چکا ہوں!" ٹائیگر کے ہاتھ اپنے کانوں کی طرف بڑھنے لگے۔

"بکتے ہو تم جنگلی اجڈ دہقانی!" اس بار روبی چلا پڑی اور ٹائیگر نے دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں کانوں پر رکھ لیں۔

اوشان نے اتنی زور سے قہقہہ لگایا کہ افتخار گھبرا کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ اسے شک ہوا تھا کہ کئی بطخیں بھرا مار کر غار میں گھس آئی ہیں لیکن جب اسے یہ اندازہ ہوا کہ یہ آواز اوشان کے قہقہے کی تھی تو وہ خود ہی جھینپ سا گیا۔

اگلے روز وہ دونوں اودھ پور چلے گئے جو بھرت لینڈ کا دارالحکومت تھا۔ روبی اور افتخار جہاں تھے وہیں رہ گئے کیونکہ بہرام کی طرف سے بھی یہی ہدایت ملی تھی کہ ٹائیگر اور اوشان ان کے ساتھ کام نہیں کریں گے روبی اب فائل ۱۳ سے توڑ کے لیے متفکر تھی جب کہ افتخار کو اس بات پر قلق تھا کہ وہ ان دونوں کے ساتھ کام نہیں کر سکا۔

اودھ پور پہنچتے ہی انھیں پہلا احساس یہ ہوا کہ وہ ایک مشرقی شہر میں آگئے ہیں۔ لیکن پھر دوسرا احساس یہ بھی ہوا کہ وہ ایک مغربی

زدہ شہر میں ہیں۔ ان کا قیام سب سے بڑے ہوٹل میں تھا جہاں وہ امریکا سے آئے ہوئے سولارز اور سولارز جونیئر کے نام سے مقیم تھے۔

پہلی رات ٹائیگر تاڑ بھاڑ لینے کے لیے دارالحکومت گھومنے کے لیے نکلا تو شہر میں کرفیو تھا۔ ہر طرف جوڑے گھوم رہے تھے۔ قدیم شہر میں زیادہ تر آبادی مسلمانوں کی تھی لیکن وہ ناگفتہ بہ حالت میں ہونے کے باوجود متحد تھے جبکہ نیا شہر بلند و بالا عمارتوں اور خوش حالی کا مظہر تھا۔

ابھی وہ ایک گلی سے گزر رہا تھا کہ اچانک کئی افراد اس کے سامنے آ گئے۔ وہ چھ تھے اور ان کے تیور خطرناک تھے۔

"کیا بات ہے بھائی؟" وہ اردو میں بڑے نرم انداز سے پوچھنے لگا۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ بھی تھی۔

"ابے۔ یہ تو اپنی زبان بولتا ہے سالا۔" ان میں سے ایک نے حیرت سے کہا۔ "میں تو سمجھا تھا کہ باہر والا ہے۔"

"کچھ بھی ہو۔" دوسرے نے کہا۔ "کوئی فرق نہیں پڑتا۔"

"مال نکال بھئی۔" تیسرے نے غرا کر حکم دیا۔

"کیسا مال؟"

"ڈالر۔" چوتھا دانت پیس کر بولا۔

"میرے پاس ڈالر تو ہیں لیکن دینے کے لیے نہیں۔" ٹائیگر نے دونوں ہاتھ سینے پر باندھ کر کہا۔

"ابے مارا جائے گا۔ بکے جا رہا ہے۔ مال نکال مال۔ فضول میں مارا جائے گا سالا۔"

"نکال لو۔ جیب سے مال نکال لو۔" ٹائیگر کے ہاتھوں میں بھی کئی دنوں سے کھجلی ہو رہی تھی۔

"بکے جا رہا ہے۔ بکے جا رہا ہے۔" ایک شخص چاقو کھول کر اس کی طرف بڑھا۔ اس کا انداز واقعی خطرناک تھا۔ اس نے دائیں پہلو سے حملہ کیا، مقصد یہ تھا کہ چاقو پیٹ کے دائیں طرف لگے اور اوپر تک کاٹتا چلا جائے۔

لیکن معاً ہی ٹائیگر کی کہنی حرکت میں آئی اور وہ شخص کراہتا ہوا ایک طرف جا گرا لیکن پھر تو گلی میں طوفان سا آ گیا وہ چھ کے چھ اس پر ٹوٹ پڑے اور پھر ٹائیگر زندہ ہو گیا۔ اسے اندازہ تھا کہ یہ عام لٹیرے نہیں قاتل بھی ہیں اور قاتل کو قتل کرنا اس کا سب سے بڑا مشغلہ تھا۔

ہاتھ پکڑنے والوں نے زور لگایا مگر ٹائیگر کے دونوں ہاتھ مچھلیوں کی طرح پھسل کر نکلے اور دونوں کے کندھوں پر پڑے۔ وہ چیخ مار کر گرے اور تڑپنے لگے۔ تیسرے کے پیٹ پر کہنی کی ضرب لگی وہ ڈکرایا تو بیک کک نے اس کا کولھا توڑ دیا وہ بھی ڈکراتا ہوا گر گیا۔ اب تین بچے تھے اور تینوں کے ہاتھوں میں لمبے لمبے چاقو تھے۔ تینوں ایک ساتھ حملہ آور ہوئے لیکن لمبے قد والے کی کلائی ٹائیگر کے ہاتھ میں آ گئی اور اس کا اپنا چاقو اپنے ہی پستہ قد ساتھی کے سینے میں پیوست ہو گیا ساتھ ہی چٹاخ کی آواز سنائی دی۔ چاقو والے کی کلائی کئی جگہ سے ٹوٹ چکی تھی۔

بچنے والا ایک شخص واقعی خطرناک تھا۔ وہ جوڈو کے انداز میں کھڑا تھا۔ اس نے دونوں ہاتھ سامنے کرتے ہوئے فرنٹ کک لگائی لیکن ٹائیگر ایک طرف ہو گیا اور اس سے قبل کہ فرنٹ کک لگانے والے کو دوبارہ سنبھل چکا تھا۔ حملہ آور نے اس بار فلائنگ کک استعمال کی اور یہی اس کی غلطی تھی۔

اس کی دونوں ٹانگیں ٹائیگر کے ہاتھوں میں آ گئیں۔ ٹائیگر نے ہاتھوں پر زور لگایا تو پنڈلیوں کی ہڈیاں جگہ جگہ سے چٹخ گئیں۔ گلی میں اور زیادہ چیخیں گونجنے لگیں۔

پھر ٹوٹی ہوئی پنڈلیوں والے سے ایک غلطی ہو گئی۔ اس نے ماں کی گالی دی اور ٹائیگر جو واپسی کے لیے مڑ گیا تھا غرا کر پلٹا۔ اس نے دونوں ہاتھ اٹھائے اور پھر دونوں ہاتھ گالی دینے والے کے منہ پر پڑے۔ ضرب کاری تھی، مٹر ٹھی، گالی دینے والی زبان میں جگہ جگہ دانت گھس گئے بڑا جگہ جگہ سے ٹوٹ گیا۔ کنپٹی پچک گئی، ناک سپاٹ ہو گئی اور ہونٹ کٹ گئے۔

تب ہی ٹائیگر کو لوگوں کا شور سنائی دیا، وہ چیخیں سن کر ادھر آ رہے تھے۔ اس نے خونی ہاتھ مرنے والے کی قمیص پر صاف کیے اور مخالف سمت میں بڑھ گیا۔

لیکن پھر اسے ٹھٹک کر رک جانا پڑا کیونکہ گلی پولیس وین کو ترچھے انداز میں کھڑی کر کے بند کر دی گئی تھی اور وین پر نصب مشین گن کی نال خوف ناک انداز میں اسے گھور رہی تھی۔

اب پیچھے ہجوم تھا اور آگے مشین گن۔ ٹائیگر کو درمیانی راہ نکالنی تھی لہٰذا اس نے سانسوں کو یکجا کیا اور پھر اسپرنگ کی طرح اچھل کر پولیس وین کی چھت پر جا گرا۔ یہاں اس نے وقت اور رفتار کا بھرپور خیال رکھا تھا ورنہ مشین گن کے دہانے سے نکلنے والا برسٹ اسے چھلنی کر دیتا۔ برسٹ ہجوم میں جا کر گلا سات آٹھ افراد کھیت رہے جبکہ ٹائیگر کا ایک ہاتھ مشین گن پر تعینات پولیس والے کے ٹینٹوے پر پہنچ گیا۔ دوسرے ہاتھ نے دوسرے پولیس والے کے سر پر ضرب لگائی تو سر خربوزے کی طرح پھٹ گیا اور گودا ادھر ادھر بکھر گیا۔ دائیں ٹانگ نے پھرتی سے حرکت کی اور اس پولیس افسر کے سینے پر لگی جو ڈرائیونگ سیٹ

پر اوپر چڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ سینے کی کئی ہڈیاں ایک ساتھ صاف آواز پیدا ہوئی۔ یہ آواز ایسی ہی تھی جیسے کسی لکڑی والا چاقو کھولا ہو۔

پھر ہر طرف سائرن سنائی دینے لگے۔ یہاں کی پولیس بہت مستعد تھی اسی باعث آناً فاناً ہر طرف سے پولیس گاڑیاں دوڑنے لگیں لیکن اب ٹائیگر مزید کوئی خطرہ مول لینا نہیں چاہتا تھا لہٰذا وہ برابر والی گلی میں گھس گیا اور پھر اس کی رفتار بڑھنے لگی۔

*

روبی اور افتخار اپنا کام کر رہے تھے لیکن انہیں ابھی مزید وقت کی ضرورت تھی اور یہ مہلت انہیں صرف اسی طرح مل سکتی تھی کہ آپریشن لاسٹ لائٹ کچھ دنوں کے لیے ملتوی ہو جائے اور اسے ملتوی کرانے کے لیے روبی کو صرف نوجوان لیڈر کو قتل کرنا تھا۔ وہ قتل کا پورا منصوبہ تیار کر چکی تھی لیکن وہ نہیں چاہتی تھی کہ میجر تونڈی کا بھانڈا پھوٹ جائے لہٰذا افتخار کو اضافی اسٹنٹ شوٹ جانا پڑا اور روبی نے دو دستی بم، لائٹ مشین گن اور دھوئیں والے دو بم لے کر کینٹ کا رخ کیا۔ اسے صرف ایک بات پر جھنجلاہٹ تھی کہ ٹائیگر ساتھ نہ تھا اگر وہ ساتھ ہوتا تو صرف ساتھ جاتی اتنے ساز و سامان کی کبھی ضرورت نہ پڑتی۔

چھاؤنی کے علاقے میں زیادہ حفاظتی انتظامات نہ تھے۔ عام طور سے رہائشی علاقے میں تو عام قسم کا پہرا بھی نہ تھا۔ جانے دن کا وقت اسی لیے منتخب کیا تھا کہ سورج کی روشنی میں محافظ غافل رہتے ہیں وہ یہ بھی جانتی تھی کہ بریگیڈیئر پی کے ٹھہرا کے پاس زیادہ سے زیادہ گن مین ہو گا جس کو وہ باآسانی نمٹا سکتی تھی۔

ایک خوب صورت بنگلے پر اسے بریگیڈیئر پی کے مہرا کی نیم پلیٹ نظر آئی تو وہ سر ہلانے لگی۔ فوری نوعیت کے مشن کی منزل سامنے تھی۔ وہ بے دھڑک پھاٹک سے اندر داخل ہو گئی۔

"کیا بات ہے؟" سرخ آنکھوں والے ایک شخص نے اس کا راستہ روک لیا اور جونہی اس کی نظر روبی کی لائٹ مشین گن پر پڑی وہ اچھل پڑا لیکن اس سے قبل کہ وہ اپنے طاقتور ہاتھوں سے روبی کو پکڑتا وہ اچھل اور اس کی دونوں ٹانگیں محافظ کے سینے پر پڑیں وہ اٹ گیا۔ روبی کے لیے اتنی ہی مہلت کافی تھی اس نے لائٹ مشین گن کو لاٹھی کی طرح گھما کر سرخ آنکھوں والے کی کنپٹی پر رسید کیا تو وہ آنکھیں بند ہو گئیں۔ محافظ کی ہلکی سی چیخ بھی نکلی تھی لیکن اتنی اونچی نہ تھی کہ دوسرے ہوشیار ہو جاتے۔

روبی نے تیزی سے بے ہوش جسم کو کھینچ کر ایک بڑے کنج کی آڑ میں کر دیا اور خود دوڑتی ہوئی اندر گھس گئی۔

ڈرائنگ روم کا منظر دیکھ کر خوشی سے اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ اندر کئی افراد بیٹھے تھے۔ سب نے وردیاں پہن رکھی تھیں۔ دو کرنل تھے، پانچ کیپٹن، ایک بریگیڈیئر اور دو ساقی۔ ناؤ نوش کا دور چل رہا تھا۔ روبی کو توقع نہ تھی کہ آپریشن لاسٹ لائٹ کے سارے دماغ یہاں مل جائیں گے۔

پھر اس نے مزید انتظار نہ کیا۔

سب مشین گن قہقہے لگانے لگی۔ اندر جسم اچھلنے اور تڑپنے لگے مشین گن خاموش ہوئی دو دستی بم کمرے میں گرے۔ بم پھٹتے ہی روبی وہاں سے دوڑ گئی اسے یقین تھا کہ کمرے میں موجود ہر شخص مر چکا ہو گا۔ اس نے بنگلے کی دیوار عین اس وقت پھلانگی جب دھماکے ہوئے ساتھ ہی اس نے دونوں اسموک بم بھی بنگلے کی طرف اچھال دیے جس کے نتیجے میں پورا بنگلہ دھوئیں کے مرغولوں میں چھپ گیا۔

اب وہ جنگل کی سمت دوڑ رہی تھی۔ اسے خوشی تھی کہ اس نے یہ معرکہ ٹائیگر کی غیر موجودگی میں سر کیا ہے۔

*

ٹائیگر اور اوشان نے ادھر ادھر کا جائزہ لیا۔ پرائم منسٹر ہاؤس کی دیواریں بلند تھیں اور ان پر سرچ لائٹ نصب تھیں ہر طرف روشنی تھی۔ محافظ چوکس تھے لیکن اندر خاموشی کا راج تھا شاید وزیر اعظم خواب گاہ میں جا چکا تھا۔

"اب... قتل فادر؟"

"اب کیا، تم یہاں آئے ہی کیوں ہو؟" اوشان نے اسے گھور کر پوچھا۔

"اوہ۔ میں بتانا بھول گیا تھا۔ دراصل راجہ بھرت نے میرے خاندان سے ایک خدمت لی تھی لیکن اس نے صدیاں گزر جانے کے باوجود اس کا معاوضہ ادا نہیں کیا۔ اب وقت آ گیا ہے کہ میں یہ قرضہ اس سے واپس لے سکوں۔"

"جھوٹا کہیں کا۔" اوشان نے زیر لب کہا۔ "اچھا چلو۔ چلتے ہیں۔"

"دیواریں پھاند کر؟"

"ظاہر ہے۔" اوشان نے منہ بنا کر جواب دیا اور پھر دونوں ایک دیوار سے چپک کر چھپکلی کی طرح اوپر جانے لگے۔ ان کی رفتار بھی چھپکلی کی رفتار سے کم نہ تھی۔ دونوں عین اس جگہ پہنچے جہاں واچ ٹاور پر ایک سنتری موجود تھا لیکن اس سے قبل کہ وہ ذرا بھی احتجاج کرتا ٹائیگر اس کا زخمہ دبا چکا تھا اس کے

Uploaded by Tahaan

ہاتھ پیر پھیل گئے اور زبان باہر آگئی۔

سرچ لائٹ اب واچ ٹاور کے اوپر سے گزرنے والی تھی لہٰذا دونوں دبک گئے اور سرچ لائٹ کے گزرتے ہی دونوں ایک بار پھر دیوار سے چپک کر اترنے لگے اس مرتبہ ان کی رفتار تیز تھی اور وہ سرچ لائٹ کی واپسی سے قبل نیچے پہنچ جانا چاہتے تھے۔

چند ہی لمحوں بعد جب وہ ایک گنج کی آڑ میں اترے تو سرچ لائٹ، ٹاور کو روشن کرتی ہوئی گزر رہی تھی۔

دونوں وہ قدموں عمارت کی طرف بڑھنے لگے لیکن ابھی چند ہی قدم چلے تھے کہ ایک مسلح محافظ انہیں دیکھ کر ٹھٹک گیا اس کی یہی حرکت مہنگی ثابت ہوئی اگر وہ چلا اٹھتا تو شاید بچ جاتا لیکن وہ خاموش رہا یہ مہلت غنیمت تھی ٹائیگر کسی چیتے کی طرح لپکا اور اس کے دائیں ہاتھ کی ضرب نے محافظ کا منکا توڑ دیا لیکن اوشان اس قتل سے بے نیاز ایک پھول توڑ کر اسے دیکھ رہا تھا۔

"فادر!" ٹائیگر نے سرگوشی کی "چلیں۔"

"چلو۔" اوشان نے پھول گنج پر واپس رکھ کر مرکزی عمارت کی طرف چلنا شروع کر دیا اب وہ ثور در ہنمائی کر رہا تھا۔ دونوں عمارت کے عقبی حصے میں آئے یہاں عقبی راستہ پر کوئی پہرہ نہ تھا۔ شاید محافظوں کو یقین تھا کہ مرکزی گیٹ اور چار دیواری پر سخت ترین حفاظتی اقدامات کے باعث کوئی بھی اس طرف نہیں آسکتا۔ وہ بڑے سکون سے اندر داخل ہو گئے۔ کسی نے بھی مزاحمت نہ کی۔

اندر ... کا ماحول نہایت شاندار تھا۔ غالباً غریب فوج کی ساری آمدنی ایوان وزارت عظمیٰ کو سجانے پر ہی خرچ کر دی گئی تھی۔ وہ قدم بہ قدم آگے بڑھتے گئے۔ ان کا مسئلہ وزیر اعظم کی خواب گاہ تلاش کرنا تھا اور یہ مسئلہ بھی اوشان نے حل کر دیا۔

سرتاپیر مسلح ایک گارڈ جس کے سینے پر درجنوں میڈل اور شانوں پر کیپٹن کے نشانات تھے اچانک سامنے آگیا۔

"کون ہو تم؟" گارڈ نے غرا کر پوچھا۔

"خدائی فوج دار۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔

"خود کو خواست میں سمجھو۔" گارڈ نے پھر کتھئے کے سے انداز میں کہا۔

"نوجوان!" اوشان اس کے قریب پہنچ گیا۔ "ہمیں وزیر اعظم کی خواب گاہ کی تلاش ہے۔ وہاں تک لے چلو تو ہم تمہیں کچھ نہیں کہیں گے۔"

"کیا بکواس ہے۔" گارڈ کا ہاتھ آٹو میٹک نکالنے کے لیے پہلو کی طرف رینگنے لگا لیکن اوشان نے پھرتی سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ "نہیں نوجوان! ہم بکواس نہیں کرتے۔"

اوشان کے ہاتھ کا لمس اپنی کلائی پر محسوس کرتے ہی گارڈ کو ایسا لگا جیسے اس کے دل کی دھڑکن رک رہی ہو۔ وہ یکلخت پسینے پسینے ہو گیا۔ اوشان نے زیادہ کچھ نہیں کیا تھا صرف پہنچی کلائی پر ایسی جگہ دباؤ ڈالا کر دل کی طرف جانے والے خون میں رکاوٹ پیدا ہونے لگی۔ وہ بے حال ہونے لگا اگر اسے کوئی اور سے یہی مار دیتا تو وہ اسے ان حالات میں خواب گاہ کی طرف نہ لے جاتا لیکن یہاں مسئلہ خوفناک اذیت کا تھا۔ اس کی ہوا غیر ہو رہی تھی۔

اس کی نظریں سامنے والے کمرے کی طرف اٹھ گئیں۔

"شکریہ۔" اوشان نے اس کی کلائی چھوڑ دی۔ "لیکن تم بھی ہمارے ساتھ چلو گے۔"

گارڈ نے خود دروازہ کھولا اور تینوں ایک ساتھ اندر داخل ہوئے جہاں ایک ادھیڑ عمر خاتون ٹیلی فون پر کسی سے باتیں کر رہی تھیں۔ یہ بھرتی وزیر اعظم تھیں۔

"سب مر گئے!" وزیر اعظم نے جن کی نظر ابھی تک انہیں نہیں پڑی تھی کھوکھلے لہجے میں کہا۔ "مگر کیسے؟"

پھر چند لمحوں بعد وہ تھکے تھکے سے انداز میں ریسیور رکھ کر پلٹیں تو اچھل ہی پڑیں۔ "کیپٹن! یہ کون ہیں؟"

"میں ماسٹر ہوں میڈم۔" اوشان نے خود اپنا تعارف کرایا۔ "اور یہ میرا شاگرد ہے۔ نا خلف اور نافرماں بردار۔"

"مگر ..."

"ہم وہ قرضہ واپس لینے آئے ہیں جو صدیوں قبل میرے نا خلف شاگرد کے خاندان نے آپ کو دیا تھا میڈم۔"

"کیا بکواس ہے یہ .... اور تم کیپٹن ...."

"یہ بکواس نہیں محترم وزیر اعظم ..." ٹائیگر نے غرا کر کہا۔ "کیا آپ کو ان لاشوں کی تعداد یاد ہے جو آپ کے لوگوں نے فوجی میں گرائی تھیں۔"

"میں ... تمہیں ..."

"یہ دھمکیوں کا وقت نہیں ..." ٹائیگر نے میز پر ایک ہاتھ رکھ کر کہا۔ دراصل اس وقت اس کا پورا بدن ہل رہا تھا۔ "ہم اس وقت کچھ بھی کر سکتے ہیں لیکن میں صرف معاوضہ لینے آیا ہوں ان لاشوں کا جو فرودی میں بموں کے باعث فضا میں اڑی تھیں۔"

"وہاں کے دھماکوں سے ہمارا کوئی تعلق نہیں۔" وزیر اعظم نے کہا۔

"جھوٹ نہیں چلے گا میڈم۔" اوشان نے مسکرا کر کہا۔

"خلف ضرور ہے لیکن پاگل نہیں۔" اس کے لہجے میں نہ جانے کتنی دھمکیاں تھیں جنہیں محسوس کر کے فوجی اعتبار سے طاقتور ترین ملک کی سربراہ حکومت کانپ کر رہ گئیں۔ "معاوضہ..... کس شکل میں؟" انہوں نے پوچھا۔

"فون آپ کے سامنے ہے آپریشن لاسٹ لائٹ کی ہمیشہ کے لیے منسوخی کا حکم دیں۔" ٹائیگر نے کہا۔

"وہ تو ملتوی ہو ہی چکا ہے۔ آپریشن لاسٹ لائٹ کے کمانڈر اور اس کے ساتھیوں کو کسی نے قتل کر دیا ہے۔"

"اور آپ کو یہ سن کر حیرت ہوگی کہ یہ کارروائی محض ایک عورت نے کی ہے۔" ٹائیگر کی آنکھیں چمکنے لگیں۔

"بہت نفیس لڑکی ہے وہ۔" اوشان نے جواب دیا۔

"میں نے منسوخی کے لیے کہا ہے محترم وزیر اعظم۔" ٹائیگر نے غرا کر کہا۔ "التوا کی بات نہیں کی۔"

"میں ابھی منسوخ کر دینے کا حکم دیتی ہوں۔" وزیر اعظم نے بڑی فراخدلی کا مظاہرہ کیا۔

"منسوخی کی زبانی بات نہیں ہوگی۔" ٹائیگر نے کہا۔ "گھاؤں کے اس پار فوجی اڈے میں موجود ہر وہ طیارہ، ہیلی کاپٹر اور پرسنل کیریئر تباہ کیے جائیں گے جو اس آپریشن میں استعمال ہونے والے ہیں۔"

"مگر ..."

"اگر مگر نہیں عزت مآب وزیر اعظم۔" ٹائیگر نے ایک قدم آگے بڑھایا۔ گارڈ نے ٹائیگر کی طرف لپکنا چاہا مگر اوشان نے کھڑی انگلی مار کر اس کا سر پھوڑ دیا۔ یہ منظر خوفناک تھا کیوں کہ گارڈ کا سر دو حصوں میں تقسیم دیکھ کر وزیر اعظم کے ہوش اڑ گئے تھے۔ وہ سوچ رہی تھیں کہ اگر محض انگلی یہ کارنامہ دکھا سکتی ہے تو ہاتھ کیا کچھ کر سکتا ہے۔

وہ فون کی طرف بڑھ گئیں۔ پھر انہوں نے وہ احکامات دیے جن پر عمل درآمد کے بعد ان کی فوجی برتری پر کاری ضرب پڑ سکتی تھی جن پر عمل درآمد کے بعد ان کی فوجی برتری پر کاری ضرب پڑ سکتی تھی۔

وہ ریسیور رکھ کر خاموش کھڑی ہو گئیں۔

"اب ہم جا رہے ہیں۔" اوشان نے سرخم کر کے کہا۔ "لیکن اگر ہم نے کل وہاں تباہی نہ دیکھی تو پھر آئیں گے اسی طرح آئیں گے اور آپ کو قتل کرنے کے لیے آئیں گے میڈم۔"

اور اس سے قبل کہ وزیر اعظم محافظوں کو طلب کرتیں وہ ایوان وزیر اعظم سے اسی طرح نکل گئے جس طرح آئے تھے۔ کچھ دیر تک وہ باہر سڑک پر ایک لیمپ پوسٹ کے قریب کھڑے رہے لیکن جب ایوان وزیر اعظم کے سائرن بجے تو انہیں یقین ہو گیا کہ بھرتی وزیر اعظم نے انہیں گرفتار کرانے کے لیے کوئی کوشش نہیں کی اور یہ کہ وہ اڈے کی تباہی کے بارے میں اپنے وعدے پر قائم ہیں۔

★

روبی اور افتخار اچھل پڑے کیوں کہ انہوں نے ابھی اڈے کے گرد بم بھی نہ لگائے تھے مگر دھماکے شروع ہو گئے تھے۔ یہ دھماکے کان پھاڑ دینے والے تھے اور رات کی تاریکی میں ہر طرف بنفشی و آتشیں شعلے اور گہرا دھواں نظر آرہا تھا۔

"وہ پھر بازی لے گیا۔" روبی نے دانت پیس کر کہا۔

"کون؟" افتخار نے جو فوجی انداز میں سینے کے بل لیٹا ہوا تھا پوچھا۔

"شہزاد۔"

"وہ کیسے؟" افتخار نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ "وہ تو یہاں موجود بھی نہیں ہیں۔"

"ہاں ... یہی تو مسئلہ ہے میرے بھائی۔" روبی ایک ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔ "وہ اودھ پور میں ہے اور ہم یہاں ... لیکن یقیناً اس نے کوئی ایسی کارروائی کی ہے جس کا نتیجہ ان دھماکوں کی صورت میں سامنے آرہا ہے۔"

آسمان اب روشن ہو چکا تھا۔ بھرتی وزیر اعظم نے اپنی جان کے خوف سے خود اپنے اوپر کاری وار کر ڈالا تھا۔ اس اڈے پر مگ جنگجو طیارے، ٹرانسپورٹ طیارے، ہیلی کاپٹر اور ٹینک اور سیکڑوں بم تھے جو یکے بعد دیگرے پھٹ رہے تھے ... ہر طرف دھماکوں کی آواز آرہی تھی اور مبصر افتخار کی حساس سماعت ان دھماکوں میں ایسی آوازیں بھی سن رہی تھی جو طیاروں اور ہیلی کاپٹروں کے تباہ ہونے کی تھیں۔

تب ہی روبی نے طاقتور ترین ٹرانسمیٹر پر بہرام سے رابطہ قائم کیا۔ وہ ایک ہی سانس میں سب کچھ بتا گئی۔

"گڈ۔" بہرام کے لہجے میں سکون ہی سکون تھا۔ "لیکن کیا واقعی وہ اودھ پور گیا ہوا ہے؟"

"جی ہاں اور اس نے وہیں سے سب کچھ کرایا ہے۔ میرا خیال ہے کہ کسی کو یرغمال بنا کر اس سے یہ کام لیا ہے۔"

"گڈ، روبی! تمہیں اندازہ نہیں کہ یہ کتنا اہم کام ہوا ہے مجھے یقین ہے کہ بھرتی اب دوبارہ منصوبہ بندی کریں گے لیکن انہیں نئی منصوبہ بندی اور اس پر عمل کی تیاریاں کرنے میں کم از کم ایک سال ضرور لگ جائے گا۔"

"یس سر!" وہ جھینپی ہوئی سی تھی کیوں کہ جو کام اسے کرنا تھا وہ "دشمن جاں" نے کر دکھایا تھا۔

"اب تم اپنے ساتھی کے ساتھ سفارت خانے پہنچو تمہیں

فردوس پہنچانے کے انتظامات مکمل ہیں۔"

"اور وہ دونوں؟" روبی بے اختیار پوچھ بیٹھی۔

"کیا وہ دونوں تمہارے محتاج ہیں روبی؟" بہرام نے سپاٹ لہجے میں پوچھا اور پھر خود ہی بولا۔ "نہیں وہ دونوں اپنا انتظام خود کرلیں گے۔ میجر افتخار!"

"یس سر۔"

"تم وطن پہنچ کر سب سے پہلے مجھ سے ملوگے، روبی تمہاری رہنمائی کرے گی مجھے تم سے تمہارے مستقبل کے بارے میں باتیں کرنی ہیں۔"

"یس سر!" افتخار کے لہجے سے خوشی پھوٹی پڑ رہی تھی۔

*

ٹائیگر اور اُدشان دونوں نے اپنے امریکی پاسپورٹ امریکی سفارت خانے کے بجائے فردوسی قونصلیٹ سے حاصل کیے۔ فردوس جانے کے لیے ٹکٹ بک کرائے اور پھر اگلی پرواز سے گلستان روانہ ہوگئے۔

انھوں نے یہ تصدیق کرلی تھی کہ مسبائی کا فضائی مستقر تباہ ہو چکا ہے لیکن بھرتی اخبارات کوئی اور ہی کہانی سنا رہے تھے۔

"مسبائی کے اہم ترین فوجی اڈے پر غیر ملکی تخریب کاروں کا حملہ... کئی طیارے ہیلی کاپٹر اور گن شپ تباہ.... دشمن سے سازباز کے الزام میں تین اعلیٰ افسر گرفتار۔ سرسری سماعت کے بعد تینوں کو فائرنگ اسکواڈ کے حوالے کر دیا گیا۔ حملے کے وقت عملہ اڈے پر موجود نہ تھا... وزیر اعظم نے مکمل تحقیقات کا حکم دے دیا۔

ٹائیگر مسکرانے لگا۔ اسے یقین تھا کہ وزیر اعظم نے جن افسروں کو تباہی کا حکم دیا تھا انھی کو قربانی کا بکرا بنا دیا گیا۔ بہرحال وزیر اعظم کی اپنی حکمت عملی تھی۔

اسی اخبار میں ایک کونے میں ایک چھوٹی سی خبر بھی تھی۔

"دفاعی تحقیقاتی انسٹی ٹیوٹ کے ڈائریکٹر جنرل کا قتل۔ پرنسپل سکریٹری اور ہونے والا داماد میجر تونڈی فرار۔"

ٹائیگر ہنس پڑا۔ افتخار نے بھی اپنا کام کر دکھایا تھا۔ اسے یہ لڑکا اچھا لگنے لگا تھا اور اسے یقین تھا کہ عصمت سلطان اور افتخار مل کر بہت اچھی ٹیم بنا سکتے ہیں۔

"ناشکرا۔" اوشان نے غرا کر کہا۔ "اکیلے ہی اکیلے ہنسا جا رہا ہے۔"

"بٹل فادر۔" ٹائیگر مسکرا کر بولا۔ "میں سوچ رہا تھا کہ اگر روبی اور افتخار کی شادی ہو جائے تو کیا ہوگا۔"

"سنا نجو کا جانشین پیدا نہیں ہو سکے گا۔" اوشان نے جواب دیا اور پھر نئی نسل کے خلاف اس کی زبان چلنے لگی برابر والی نشست پر بیٹھا ہوا بوڑھا شخص سر ہلا ہلا کر اس کی تائید کرنے لگا اور ٹائیگر نے آنکھیں بند کر کے نشست گاہ سے ٹیک لگا لی۔

سرخ رنگ کے ٹیلی فون کی گھنٹی بجی تو بہرام نے چونک کر ریسیور اٹھا لیا۔ اُسے علم تھا کہ دوسری سمت کون ہو سکتا ہے۔

"یس سر!" اس کا لہجہ مؤدب تھا۔

"ہمیں ایک بار پھر تمہاری خدمات کی ضرورت ہے ڈاکٹر۔" دوسری جانب بہرام کی توقعات کے عین مطابق ریاستہائے متحدہ امریکہ کے صدر ہی تھے۔

"ہم آپ کے ماتحت تو نہیں پھر بھی آپ کے ڈسپوزل پر ہیں۔"

"میں زیادہ تفصیل میں نہیں جاؤں گا۔" صدر امریکہ کی نرم آواز سنائی دی۔ "جانا نیک نیول ویپنز سنٹر کے بارے میں کیا جانتے ہو ڈاکٹر؟"

بہرام ذومعنی انداز میں مسکرایا۔ "یہی کہ وہاں بعض حساس قسم کے آلات تیار ہوتے ہیں اور آزمائش کی جاتی ہے۔"

"درست، ان دنوں ہم ایک ایسے ہتھیار پر کام کر رہے ہیں جس کی کامیابی کے بعد امریکہ نہ صرف دنیا کا طاقت ور ترین ملک بن جائے گا بلکہ اگلے سو سال تک امن عالم کی ضمانت دینے کے قابل بھی ہو جائے گا۔"

"میں سن رہا ہوں سر!"

"ہم ایک لیزر بیم ایجاد کر رہے ہیں جس کے ذریعے امریکہ کی جانب آنے والے کسی بھی میزائل یا طیارے کو تباہ کیا جا سکے گا۔ ہمارا ارادہ ہے کہ اس بیم کو زمین سے بائیس ہزار فٹ کی بلندی پر مصنوعی سیاروں میں اسٹور کریں اور اس کا ایسا کمپیوٹرائزڈ کنٹرول سسٹم ترتیب دیں کہ جونہی دنیا کے کسی بھی حصے سے امریکہ کے لیے کوئی میزائل بلند ہو یہ لیزر بیم اُسے جلا کر بھسم کر دے۔ بیم تیار ہو چکی ہے اس وقت اس کے تجربات ہو رہے ہیں۔ اب تک کی صورت حال تو تسلی بخش ہے لیکن مستقبل قریب میں بعض پیچیدگیاں پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔"

"کیسی پیچیدگی سر؟"

"ہم لیزر فیلڈ میں اپنے قریبی حریف یعنی روس سے بیس سال آگے ہیں۔ اس لیے فطری طور پر اُس کی خواہش ہے کہ وہ

ہمارے تجربات کو ناکام بنا دے یا ہماری ٹیکنالوجی اُڑا لے جائے اس کا توڑ ایجاد کر سکے۔ ہمیں چانا نیک کے آس پاس بعض مشکوک چیزوں کی رپورٹیں ملی ہیں۔ اپنے طور پر ہم نے ان کی چھان بین کی کوشش بھی کی لیکن ناکام رہے اس لیے فیصلہ کیا گیا ہے کہ کیوں نہ چارہ گر کے اس آہنی آدمی کو آزمایا جائے جسے تم ٹائیگر کہتے ہو، کیا ایسا ممکن ہے؟"

"میں کوشش کر دوں گا سر!"

"تو پھر میں کیس فائل ایک خصوصی طیارے کے ذریعے تمہیں بھجوا رہا ہوں۔ مطالعہ کرنے کے بعد فوری طور پر مشن کا آغاز کر دینا کیونکہ ہم کوئی بڑا نقصان برداشت کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔ میں چانا نیک کے قصبے ریچ کریسٹ کی انتظامیہ کو تمہارے آدمی کے ساتھ ہر ممکن تعاون کے احکامات جاری کروا دیتا ہوں اور کوئی بات؟"

"وہاں کوئی رابطہ، جو آپ تجویز کریں۔"

"ڈاکٹر ہیری پیٹرسن، امریکہ کا نامور سائنسدان اور این ایس اے کی بیوی کا نمبر دو۔"

"ٹھیک سر، کوئی اور بات؟"

صدر امریکہ نے شکریہ ادا کیا اور ریسیور رکھ دیا۔ بہرام نے اس کی تقلید کی مگر ذرا دیر بعد وہ انٹرکام پر اپنی سکریٹری سے مخاطب تھا۔ "گلستان کے ہوٹل پلازہ میں مقیم ٹائیگر اور اُدشان سے کہو کہ فوری طور پر ہیڈ کوارٹر پہنچیں۔"

وہ بائیں کندھے میں ہونے والی عجیب سی چبھن ہی تھی جس سے ٹائیگر فوراً اس نتیجے پر پہنچ گیا کہ اس جانب کوئی نہ کوئی آدمی موجود ہے۔ اضطراری اقدام کے طور پر وہ فوراً پختہ دیوار کی آڑ میں ہو گیا کیوں کہ اس کے حساس کانوں نے سرسراہٹ کی وہ آواز سن لی تھی جو ریوالور کو ہولسٹر سے نکالتے وقت پیدا ہوتی تھی۔

"اُلّوؤں کو ریوالور نکالنا بھی نہیں آتا۔" ٹائیگر بڑبڑایا۔ خود وہ جانتا تھا کہ اگر اُدشان اس موقع پر موجود ہوتا تو سنا نجو کے اڑتالیسویں ماسٹر کے حوالے سے ریوالور نکالنے کے فن پر ایک سیر حاصل تبصرہ کرتا اور جوش میں یہ بھی بھول جاتا کہ ریوالور تو کیا اُس کا بٹ بھی اڑتالیسویں ماسٹر کے عہد میں ایجاد نہ ہو سکا تھا۔

ابھی دیوار کی آڑ میں ہوئے چند ثانیے ہی گزرے تھے کہ کسی سائیلنسر شدہ پستول سے فائر ہوا۔ ٹائیگر کے لیے یہ آواز بھی کسی دھماکے سے کم نہ تھی بلکہ وہ تو یہ بھی بتا سکتا تھا کہ حملہ آور کے ہاتھ میں ریوالور نہیں بلکہ پستول ہے اور کس ماڈل کا ہے۔

دوسرا فائر ہوا اور ٹائیگر نے گردن ذرا سی باہر نکال دی۔ مقصد میدانِ جنگ کا جائزہ لینا ہی رہا تھا۔ پوری گلی اندھیرے میں ڈوبی ہوئی تھی اور ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دیتا تھا لیکن ٹائیگر نے لکڑی کے اُس صندوق کو بخوبی دیکھ لیا تھا جو گلی کے بیچوں بیچ رکھا گیا تھا۔

حملہ آور اسی صندوق کے عقب میں موجود تھا۔

ٹائیگر نے دل ہی دل میں اُس کی مغفرت کی دُعا کی کیوں کہ وہ جانتا تھا کہ حملہ آور کو اپنی پوزیشن بدلنے کے لیے لازمی طور پر صندوق کے عقب سے نکلنا ہوگا اور آڑ سے نکلنے کا مطلب صرف ٹائیگر ہی جانتا تھا۔

ٹائیگر اُس وقت کیلی فورنیا کے دیہی علاقے ریچ کریسٹ میں موجود تھا۔ وہ ایک مکان پر نظر رکھنے کے لیے یہاں آیا تھا لیکن جلد ہی اُسے محسوس ہو گیا کہ کوئی اور اُس پر نگاہ رکھے ہوئے ہے۔ بلی اور چوہے کا یہ کھیل اُس وقت خطرناک صورت اختیار کر گیا جب ٹائیگر نے جان بوجھ کر سامنے آنے کا فیصلہ کیا۔ حملہ آور نے اس صورت حال سے فائدہ اٹھانے کی کوشش بھی کی لیکن ضروری نہیں تھا کہ تدبیر اور تقدیر میں دوستی ہو۔

"پستول پھینک دو نوجوان۔" ٹائیگر نے حملہ آور کو مشورہ دیا۔ "بہتر یہ ہے کہ سامنے آ کر مجھ سے بات کرو، شاید اس طرح تمہاری جان بخشی....."

ٹائیگر کو سر دائیں طرف جھکانا پڑا۔ سائیلنسر لگے ہوئے پستول سے اوپر تلے دو خاموش فائر ہوئے۔

گولیاں ٹائیگر کے عقب میں مکان کی دیوار پر لگیں اور تھوڑا سا پلاسٹر اڑ کر زمین پر گر گیا۔

حملہ آور نے یہ سمجھ کر کہ اُس نے سامنے والے کو خوف زدہ کر دیا ہے اٹھ کر بھاگنے کی کوشش کی۔

ٹائیگر نے اسے صندوق کے عقب سے نکل کر دوڑتے دیکھا لیکن بدستور اپنی جگہ کھڑا رہا۔ جب اُس نے دیکھا کہ حملہ آور گلی کی نکڑ پر پہنچنے والا ہے تو اُس کے دائیں پیر نے حرکت کی۔ گلی میں پڑا ہوا ایک پتھر گولی کی رفتار سے اٹھا اور چشم زدن میں بھاگنے والے کی کمر سے ٹکرایا۔

ضرب اتنی شدید تھی کہ حملہ آور منہ کے بل زمین پر آ رہا۔ پستول اُس کے ہاتھ سے چھوٹ کر دور جا گرا۔ اس سے پہلے کہ وہ یہ کہہ سکتا

کہ اُسے کس شے نے چوٹ لگائی ہے اُس کی رُوح قفسِ عنصری سے پرواز کر چکی تھی۔

ٹائیگر اطمینان سے آگے بڑھا۔ اُس نے مرنے والے کو بیکٹ سے پکڑ کر اٹھالیا۔ انداز ایسا تھا جیسے کار سے گر جانے والے پھول کو اٹھا رہا ہو۔ وہ اُسے لے کر وہاں پہنچا جہاں صندوق رکھا ہوا تھا۔ اُس نے صندوق کا ڈھکن اُٹھایا اور عملہ آور کی لاش اس میں ڈالدی۔

چند لمحے قبل تک جو صندوق اُس کی پناہ گاہ تھا اب تابوت بن چکا تھا۔

ٹائیگر نے ہاتھ جھاڑے اور اپنے عقب میں کسی کو اشارہ کیا۔ ایک مکان کی آڑ سے نکل کر ایک سایہ اُس تک پہنچا۔ یہ ڈاکٹر ہیری پیٹرسن تھا جو ایک نامور ماہرِ طبیعات اور حکومتِ امریکہ کے خفیہ ترین لیزر پروجیکٹ "اسکائی سوپیپر" کے لیے کام کرنے والے ہیڈ سائنسدانوں میں سے ایک تھا۔

"مگ ... کیا یہ مر گیا ہے؟" صورتِ حال کے لحاظ سے ڈاکٹر کا سوال سراسر بے وقوفانہ تھا۔

"اگر تم نے شہنشاہ جہانگیر کے دور میں یہ سوال کیا ہوتا تو وہ انارکلی کی جگہ تمہیں دیوار میں چنوا دیتا۔" ٹائیگر نے پیچ و تاب کھاتے ہوئے جواب دیا۔

"وہ کون تھا؟" ڈاکٹر پیٹرسن نے معصومیت سے پوچھا۔

"تمہارا باپ!" ٹائیگر فرودسی میں بڑبڑایا۔

"کیا؟"

"کچھ نہیں۔" ٹائیگر کا موڈ ہنوز خراب تھا۔ "میں نے تمہیں دوپہر کو ہی خطرے سے آگاہ کیا تھا۔"

"اوہ، آئی ایم سوری۔" ڈاکٹر نے فوراً معذرت کی۔ "اگر میرے والدین روسیوں کے قبضے میں نہ ہوتے تو یہ مجھے کبھی اس کام پر مجبور نہ کر سکتے تھے۔"

ٹائیگر کا غصہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔ اُس نے اس حقیقت کو تسلیم کر لیا کہ اُس کا ساتھی ہوالدین، اپنی زندگی، فرائض اور پناہ دینے والے ملک کی محبتوں کے درمیان سینڈوچ بن کر رہ گیا ہے۔

"والدین!" ٹائیگر نے زیرِ لب دُہرایا۔ لفظ نیا نہیں تھا لیکن اس کی گہرائی کا اُسے اندازہ نہیں تھا۔ والدین تو اُس کے بھی تھے لیکن جانے کون تھے، کہاں تھے۔ والدین پیار کرتے ہیں ناں؟ اس نے خود سے سوال کیا، شاید ہاں! لیکن وہ تو صرف چار ایسی ہستیوں کو جانتا تھا جو اُس سے پیار کرتی تھیں ... بہرام، اُوشان، سروش اور وہ پرکٹی ... لیکن نہیں .... چار نہیں صرف ایک ...

بہرام اور اُوشان مطلب کے بندے تھے اگر آج وہ اُن کے مفادات کے خلاف ہو جائے تو چارہ گر سے بلا تاخیر اُس کے قتل کے احکامات جاری کر دیئے جائیں گے۔ ممکن ہے اُوشان اُس پر ہاتھ اٹھانے والا دُنیا کا سب سے پہلا شخص ہو لیکن وہ لڑکی ... روبی ... اُس پر جان دے تو سکتی تھی اُس کی جان لے نہیں سکتی تھی۔

"لعنت ہو!" ٹائیگر نے سر جھٹکا۔ "جانے کون کی نفسیاتی سوچیں ذہن میں در آئی ہیں۔ ماسٹر سیج کہتا ہے کہ خالی ذہن شیطان کا گھر ہوتا ہے۔"

وہ ڈاکٹر پیٹرسن سے مخاطب ہوا۔

"میں انہیں روک لوں گا لیکن اگر تم چاہو تو اسکائی سوپیپر پروجیکٹ کو خدا حافظ کہہ سکتے ہو اور مجھے یہ بتانے کی قطعی کوئی ضرورت نہیں کہ وہ تمہارے ماں باپ کا کیا حشر کریں گے؟ کیا تم کام جاری رکھنا چاہتے ہو؟"

"ہاں، میں مجبور ہوں۔" ڈاکٹر پیٹرسن کا انداز الجھا الجھا تھا۔ "تم کیا کرنا چاہتے ہو؟"

ٹائیگر نے مختصراً اسے اپنا منصوبہ سمجھا دیا۔

ڈاکٹر نے اپنی گردن اثبات میں ہلائی اور دونوں پھر مکان کی طرف متوجہ ہو گئے۔

مکان ایسا تھا کہ کے جی بی کی دلچسپی کا باعث بن سکتا تھا۔ ٹائیگر کا اندازہ تھا کہ سامی اسمتھ ہی وہ غدار امریکی ہوگا جسے کے جی بی نے اس ڈیل کام کے لیے بھرتی کیا تھا۔

لیکن وہ اِس نتیجے پر بھی پہنچا تھا کہ اسمتھ اس گتھی میں کی ایک چھوٹی سی مچھلی ہوگا۔ اُس کی ڈور ہلانے والے بھی یقیناً تھے۔ وہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ اصل لوگ کون ہیں؟

دونوں دس منٹ تک گلی میں رہے۔ مکان کی تمام روشنیاں بدستور جلتی رہیں۔ اس عرصے میں کوئی آیا نہ گیا۔

ٹائیگر نے فوری طور پر ایک بچکانہ کھیل کھیلنے کا فیصلہ کیا۔ وہ آگے بڑھ کر دروازے پر دستک دے ڈالی۔ انداز ہو بہو وہی تھا جو اس سے پہلے یہاں آنے والے نے اپنایا تھا۔

پہلے والا آدمی باہر نکلا۔ وہ چالیس کے پیٹے میں تھا لیکن سر کے بال ابھی تک سیاہ ہی تھے۔ ٹائیگر اُسے پہلے بھی دیکھ چکا تھا۔

وہ دو دن سے اس قصبے میں تھا اور دو دن سے ہی اسمتھ کی نگرانی کر رہا تھا۔ وہ جانتا تھا یہ نیول ویپنز سنٹر کا ایک اعلیٰ ترین سائنسدان تھا۔ یہ سنٹر ایک بہت بڑا ادارہ تھا جہاں سائنسدان اور آرائنڈی کے لوگ اپنی ایجادات کا تجربہ کیا کرتے تھے۔ ریچ کرائیٹ

بہ فوجی حدود سے باہر واقع تھا لیکن ان تنصیبات کے باعث اہمیت اختیار کر گیا تھا۔

"کیا میں تم لوگوں کو جانتا ہوں؟" دروازہ کھولنے والے نے حیرت سے پلکیں جھپکائیں۔

ٹائیگر نے سر ہلایا۔ "میری تم سے صرف فون پر بات ہوئی ... جو کچھ تم یہاں کر رہے ہو میرے ہی حکم سے ہو رہا ہے۔ ... دوسروں کے ذریعے ... اگر تمہاری پروگریس اتنی خراب نہ ہوتی تو میں کبھی یہاں نہ آتا۔ تمہارے آدمی ہو لیکن مجھے بتاؤ کہ اس کے باوجود ہم آپریشن اسکائی سوپیپر کے بارے میں زیادہ کیوں نہیں جانتے؟"

اسمتھ کو حیرت کا ایک شدید جھٹکا لگا۔

"میں تمہارے آدمیوں میں سے بھی ایک کو ساتھ لایا ہوں۔" ٹائیگر نے ڈاکٹر پیٹرسن کی طرف اشارہ کیا۔ "یہ بھی تمہاری کار کردگی سے خوش نہیں۔"

اسمتھ جھجکا لیکن اُس نے خاموشی سے ایک طرف ہٹ کر اندر آنے کا راستہ دے دیا لیکن اُس کا انداز بتاتا تھا کہ وہ پیٹرسن کو مشتبہ نگاہوں سے دیکھ رہا ہے۔

"ڈاکٹر کی وفاداری پر شک نہ کرو اسمتھ۔" ٹائیگر اُس کے خیالات جان گیا۔ "پچھلے کئی ماہ سے یہی تمہاری سرگرمیوں کی نگرانی دے رہا ہے۔"

اسمتھ کے ماتھے پر پسینے کی ننھی ننھی بوندیں چمکنے لگیں۔

"اور اب بنیادی لیزر ریسرچ۔" ٹائیگر نے اُسے سنبھلنے کا موقع نہیں دیا۔ "کیا تمہارے پاس اپ ٹو ڈیٹ کاپیاں موجود ہیں؟"

"ن ... نہیں۔" اسمتھ ہکلا گیا۔ "لیکن ہمارے پاس نصف سے زیادہ موجود ہیں۔"

"نصف کے بارے میں تو ہر کوئی جانتا ہے۔ اس کے علاوہ ہے تو بتاؤ، جلدی۔"

"کامپلکس کی لیبارٹری اور ایکسپریمنٹل شافٹس میں ہمارے ہی موجود ہیں۔" اسمتھ نے کہنا شروع کیا۔ "ایک آدمی کیونیکیشنز سیٹلائٹ اور ایک سے زائد اسکائی سوپیپرز جہان میں کام کر رہے ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ وہ کہاں تک کامیاب ہیں۔ وہ مجھے تمام ٹیسٹوں کے بارے میں بھی آگاہ کر رہے ہیں لیکن بنیادی ریسرچ خاصی پیچھے رہ رہی ہے۔ ہمارا ایک آدمی لنچ بکس میں ان کے پلان اسمگل کرتے ہوئے پکڑا جا چکا ہے۔"

"بے وقوفی کی انتہا ہے۔" ٹائیگر نے خالصتاً افسرانہ رعب جھاڑا۔ "ہم تمہیں اس لیے رقم نہیں دیتے کہ فیل ہو جانے کی رپورٹس دو۔"

"لیکن ہماری کڑی نگرانی ہو رہی ہے۔" اسمتھ نے احتجاج کیا۔ "میں نے زندگی میں کبھی اتنی سخت سیکورٹی نہیں دیکھی۔"

"تمہیں خطرات سے کھیلنے کی ہی تو ادائیگی کی جاتی ہے۔ اگر تم اپنے کام سے ناخوش ہو تو ہم تمہاری جگہ کسی اور کا تقرر کر سکتے ہیں۔"

"نہیں ... نہیں، یہ معمولی سی تاخیر ہے۔" اسمتھ بوکھلا اٹھا۔ "بنیادی ریسرچ میٹریل کے لیے ہم نے ایک نیا ذریعہ ڈھونڈ نکالا ہے۔ اس میں زیادہ سے زیادہ ایک ہفتہ لگے گا۔"

"فوری طور پر مائیکرو فلمیں بناؤ اور روانہ کر دو۔"

"بالکل، ایسا ہی ہوگا۔"

"اگر ناکام رہے تو انجام ذہن میں رکھنا۔" ٹائیگر نے اُسے دھمکایا۔ "چلو، مجھے اپنا سیف دکھاؤ، میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ شپمنٹ کے لیے تم نے کیا تیار کر رکھا ہے؟"

اسمتھ نے غور سے ٹائیگر کو دیکھا۔ وہ شاید انکار کرنا چاہتا تھا لیکن جونہی اُس کی نگاہیں ٹائیگر کی آنکھوں میں پیوست ہوئیں اُس نے ایک جھٹکا لیا اور سیف کی طرف بڑھا۔

سیف عقبی بیڈ روم میں تھا۔

ٹائیگر نے ایک نظر میں ہی کمرے کا جائزہ لے لیا۔ اُسے علم ہو گیا کہ اسمتھ اپنا ریوالور کہاں چھپا سکتا ہے۔

اسمتھ نے نظریں جھکا کر سیف کا تالا کھولا لیکن اُس کا ہاتھ اندر جانے کی بجائے سائیڈ پر لگے ہوئے ڈراور کی طرف بڑھا۔ اگلے ہی لمحے ایک خوفناک بیرل والا سیاہ ریوالور اُس کے ہاتھ میں تھا۔

"اٹھاؤ اور اٹھا لو۔" وہ غرایا۔ "تم میرے کانٹکٹ نہیں ہو سکتے۔ اُس نے آج تک میرا سیف دیکھنے کی خواہش کا اظہار نہیں کیا۔ کون ہو تم؟"

ٹائیگر چند لمحے اپنی جگہ پر کھڑا رہا لیکن پلک جھپکنے کی دیر میں وہ اسمتھ کے سر پر نظر آیا۔ پھر ڈاکٹر پیٹرسن اور اسمتھ نے اپنی زندگی کا سب سے حیرت ناک منظر دیکھا۔ اسمتھ کا دایاں ہاتھ کہنی کے وسط میں پڑا نظر آ رہا تھا۔ ریوالور اب بھی مٹھی میں دبا ہوا تھا۔

اسمتھ کو اتنا یاد تھا کہ اُس نے ریوالور کی نلی دبانی چاہی تھی لیکن جعلی کانٹکٹ نے کس تیز دھار شے سے اُس کی کلائی پر وار کیا اور ہاتھ کٹ کر دُور جا گرا۔

لیکن وہ تیز دھار شے ٹائیگر کا دایاں ہاتھ تھا۔ کھڑی انگلی کے ایک وار نے اُس کی کلائی کو ہاتھ اور ریوالور کے بوجھ سے آزاد کر دیا تھا۔

Uploaded By Nadeem

اسمتھ کے حلق سے ایک کریہہ چیخ نکلی۔ اُس نے بائیں ہاتھ سے دائیں بازو کو تھام لیا جس سے خون کا دریا رواں تھا۔ درد سے بے تاب ہو کر وہ وحشیوں کے سے انداز میں ٹائیگر کی طرف بڑھا۔

ڈاکٹر پیٹرسن نے دوبارہ حیرت سے پلکیں جھپکائیں۔ اُس کے نادرِ روزگار ساتھی نے اسمتھ کو گریبان سے پکڑ کر کسی کھلونے کی طرح اُٹھایا اور سامنے والی دیوار پر دے مارا۔

ٹائیگر نے ڈاکٹر پیٹرسن کو حیران ہی رہنے دیا اور خود مکان کی تلاشی لینے میں مصروف ہو گیا۔ اسمتھ کا قصہ پاک ہو چکا تھا۔ فوری طور پر کسی کے آنے کا خطرہ نہیں تھا پھر بھی وہ جلد از جلد یہاں سے نکل جانا چاہتا تھا۔

بیڈ روم میں اُسے اسمتھ کے کپڑوں کے ساتھ کچھ زنانہ ملبوسات اور باتھ روم میں میک اپ کا سامان بھی نظر آیا۔ اس کا مطلب تھا کہ اسمتھ کے ساتھ وہاں کوئی لڑکی بھی مقیم تھی۔ مکان کی تلاشی سے فارغ ہو کر ٹائیگر نے سیف سے نکلنے والی چیزیں کاغذ کے ایک تھیلے میں ڈالیں اور ڈاکٹر پیٹرسن کو لے کر باہر نکل آیا۔

بظاہر گلی پُرسکون تھی۔ ٹائیگر چند قدم ہی آگے بڑھا تھا کہ اُس کے حساس کانوں نے کسی کے پیروں کی دھمک محسوس کر لی۔ چلنے والا بڑی احتیاط سے قدم رکھ رہا تھا لیکن ٹائیگر یہ بھی بتا سکتا تھا کہ متقاطب بائیں سمت ایک مکان کی آڑ لے کر آگے بڑھ رہا ہے۔

ٹائیگر کو اپنی تو کوئی پروا نہیں تھی مگر اُسے بڈھے ڈاکٹر کی تھی جو کسی یتیم بچے کی طرح اُس کے سہارے کا محتاج تھا۔ اُس نے جی ہی جی میں بہرام اور اوشان کو بے نقط سنائیں جنھوں نے یہ مصیبت اس کے گلے ڈالی تھی۔ اُس کا جی تو چاہا کہ بڈھے کو اُٹھا کر دیوار پر دے مارے لیکن پھر اپنا ارادہ ملتوی کر کے اُس نے دھیرے سے دھکیل کر آڑ میں کیا اور عود دیوار کے ساتھ چپک گیا۔

ٹھیک اُسی وقت گلی کے دوسرے سرے سے ایک خاموش پستول دھیرے سے کھانسا اور گولی ٹائیگر کے شانے سے ایک انچ اوپر دیوار کا پلستر اُدھیڑتی ہوئی نکل گئی۔

امریکی ائر فورس کے پائلٹ، فرسٹ لیفٹیننٹ رُتھ لنڈ لوف نے ویت نام کی لڑائی سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کی تھی۔ لام بندی کے وقت وہ کالج میں تھا۔ اچانک ہی اُسے نفسیات کے ریزرو آفیسرز ٹریننگ کالج میں داخلہ مل گیا لیکن جب وہ فزکس میں گریجویشن کر کے فارغ ہوا تو امریکی ائر فورس نے کالج سے فارغ التحصیل ہونے والے نان پائلٹ افراد کو کمیشن دینے سے انکار کر دیا مگر قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ دو ہی ہفتوں میں ویت نام کا پانسہ پلٹ گیا۔ ویت نام میں امریکی ائر فورس کے طیارے دھڑا دھڑ تباہ اور پائلٹ ہلاک ہونے لگے چنانچہ تمام ریزرو افسران کو حکم دیا گیا کہ فلائٹ ٹریننگ سمیت اپنی پسند کے کسی بھی شعبے میں کمیشن کی درخواستیں دے سکتے ہیں۔

رُتھ لنڈ لوف نے یہ سوچ کر فلائٹ ٹریننگ کا فارم پُر کر دیا کہ اُس کی جان بچ جائے گی لیکن ایسا نہ ہوا۔ لنڈ لوف منتخب ہو گیا اور ایک سال کی تربیت کے بعد اُسے ویت نام روانہ کر دیا گیا۔

رُتھ لنڈ لوف اُس وقت اپنے فائٹر طیارے کے کاک پٹ میں بیٹھا نیچے تاحدِ نظر نگاہ پھیلے ہوئے گھنے جنگل کا نظارہ کر رہا تھا۔ ایک امریکی کمپنی ویت کانگی گوریلوں کے ہتھے چڑھ گئی تھی اور ان نے امریکیوں کو ایک پہاڑی پر محصور کر دیا تھا۔ رُتھ اور گرین ایف ۔ ۱۰۰، سپر سیبر فائٹرز کو کمپنی کی ممکنہ مدد کے احکامات ملے اُن کا مشن یہ تھا کہ وہ ہلکی پھلکی بمباری سے گوریلوں کی توجہ اپنی جانب مبذول کرا لیں تاکہ امریکی کمپنی ان کے حصار سے نکل سکے۔

مگر ان گوریلوں کے ساتھ ایک بڑا مسئلہ تھا۔ بقول رُتھ کے مارنا آسان تھا لیکن ڈھونڈنا مشکل۔ جنگل پر اُس کا تیسرا چکر تھا لیکن ابھی تک اُسے گوریلوں کے آثار نظر نہیں آئے تھے۔ اس نے ریڈیو پر مزید احکامات لینے کا فیصلہ کیا لیکن اُسی وقت اُسے درختوں کے ایک گھنے جھنڈ سے دھوئیں کے پیلے پیلے مرغولے بلند ہوتے دکھائی دے گئے۔

رُتھ کا جہاز درختوں کی چوٹیوں سے محض ڈیڑھ سو فٹ بلند تھا لیکن درخت اتنے گھنے تھے کہ اُن کے نیچے کچھ بھی نظر نہیں آتا تھا۔ پیلے رنگ کا دُھواں دوستوں یعنی امریکی کمپنی کے ٹھکانے کی نشاندہی کر رہا تھا۔ اُسے بتایا گیا تھا کہ کانگ گوریلے کمپنی کے بائیں سمت والی پہاڑی پر قابض ہیں۔ ذرا سی کوشش پر اُسے وہ پہاڑی بھی نظر آ گئی۔ اُس نے طیارے کا رُخ اُسی سمت موڑا اور اسی وقت زمین سے گولیوں کا گویا سیلاب آ گیا۔

کانگ گوریلوں نے دشمن طیارے کو آگے بڑھتا دیکھ کر شدید فائرنگ شروع کر دی۔ رُتھ نے اپنے ساتھی پائلٹوں کو اپنی پوزیشن سے آگاہ کیا اور فائرنگ کی پروا نہ کرتے ہوئے گولیاں برساتا ہوا پہاڑی کے اوپر سے گزرتا چلا گیا۔ اس کی خوش قسمتی کہ طیارہ گولیوں کا سمندر بحفاظت پار کر گیا تھا۔ اُس نے ایک چکر لیا اور دوبارہ نشانے کی طرف بڑھا۔

ابھی وہ پہاڑی سے چند سو گز دور ہی تھا کہ جہاز کو زبردست جھٹکا لگا۔ سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں لنڈ لوف کو علم ہو گیا کہ پچاس کیلبر کی کئی گولیاں جہاز کے پروں سے ٹکرائی ہیں۔ اُس نے جہاز کو اوپر اٹھانے کی کوشش کی لیکن درجن بھر گولیاں جہاز کے نچلے حصے میں سوراخ کرتی چلی گئیں۔

رُتھ نے گھبرا کر آئل پریشر نیڈل کی طرف دیکھا جو لرزتی ہوئی صفر کی طرف بڑھ رہی تھی۔ ساتھ ہی انجن نے ایک جھٹکا لیا اور خاموش ہو گیا۔ فوری طور پر اُس نے ہنگامی طریقہ کار کا جائزہ لیا وہ اس وقت ۲۵ سو فٹ کی بلندی پر تھا۔ اُس نے ریڈیو آن کیا اور اپنے ساتھی پائلٹوں کو کال کرنے لگا۔

"میں کُود نے جا رہا ہوں" رُتھ نے اپنے ڈپٹی مشن کو آگاہ کیا۔ "میرے اسپاٹ کو نظر میں رکھ کر کارپٹ کال کر دو"

رُتھ نے جواب کا انتظار نہیں کیا۔ ریسیور پھینک کر اُس نے ریجیکٹ بٹن دبا دیا اور اُس کی نشست ہوا میں تیر گئی۔ اُس کا ایف ۔ ۱۰۰، اُس کی نظروں کے سامنے کسی بھاری پتھر کی طرح لمحہ بہ لمحہ زمین کے قریب ہوتا جا رہا تھا اور پھر وہ کچھ فاصلے پر گر کر تباہ ہو گیا۔ دھماکے کے ساتھ ہی شعلے بھڑکے اور درخت دھڑا دھڑ جلنے لگے۔

رُتھ کا پیراشوٹ کھل گیا تھا۔ اُس نے آسمان کی جانب نگاہ دوڑائی۔ تین سیبر طیارے اُسے اردگرد پرواز کرتے نظر آ رہے تھے۔ اُسے یقین تھا کہ انھوں نے امدادی ہیلی کاپٹر بھیجنے کی درخواست کر دی ہو گی۔ رُتھ نے الوداعی انداز میں اُن کی طرف ہاتھ ہلایا اور نیچے جنگل کی طرف متوجہ ہو گیا۔

اُس کا ذہن مختلف خیالات کی آماجگاہ بن گیا۔ پہلی سوچ یہ ابھری کہ اگر وہ گوریلوں کے ہتھے چڑھ گیا تو کیا ہو گا؟ اُسے موجودہ پوزیشن کا کوئی اندازہ نہیں تھا۔ اُس نے آنکھیں بند کر کے دل ہی دل میں یسوع مسیح کو یاد کرنا شروع کر دیا۔ خود کو اُس نے حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دینے کا فیصلہ کیا تھا۔ شاید وہ زمین پر پہنچنے سے پہلے کبھی آنکھیں نہ کھولتا لیکن رائفل کی ایک گولی اس کے پیراشوٹ میں سوراخ کرتی دوسری جانب نکل گئی۔ پیراشوٹ نے جھٹکا لیا اور تیزی سے نیچے اُترنے لگا۔ رُتھ نے سنبھلنے کی کوشش کی لیکن اس سے قبل ہی پیراشوٹ ایک بلند و بالا درخت کی چوٹی میں اٹک گیا۔ اب رُتھ ہوا میں معلق تھا۔ اُس کے جسم نے ایک زبردست جھٹکا کھایا لیکن غنیمت تھا کہ اُس کے شانوں کے جوڑ نہیں اُکھڑے تھے۔

کچھ دیر تو وہ یونہی زمین و آسمان کے درمیان معلق رہا۔ پھر اُس نے اپنے جسم کو اِدھر اُدھر ہلانا جُلانا شروع کیا اور بالآخر درخت کی ایک شاخ کو پکڑنے میں کامیاب ہو گیا۔ بڑی مشکل سے اُس نے خود کو بندشوں سے آزاد کرایا اور پنجوں میں چُھپ کر بیٹھ گیا۔

پھر اچانک اُسے یاد آیا کہ کاپٹر کے اُترنے کے لیے اُسے کوئی مسطح جگہ بھی تلاش کرنی تھی جہاں سے وہ اشارہ دے سکتا۔ اُس نے اپنے ہپ ہولسٹر میں لگے ہوئے اعشاریہ پینتالیس کے پستول کو تھپتھپایا اور دھیرے دھیرے درخت سے نیچے اُترنے لگا۔

جونہی اُس کے قدم زمین سے لگے تین گولیاں اُس کے دائیں بائیں درخت کے تنے میں پیوست ہو گئیں۔ لمحہ بھر کے لیے وہ وہیں منجمد ہو گیا اُس نے صورتِ حال کا جائزہ لینے کے لیے لڑنے کا ارادہ کیا لیکن اُسی وقت قریبی درختوں سے تین باوردی کانگ گوریلے کود کر اُسے گھیرے میں لے چکے تھے۔

نصف گھنٹے بعد سات اور گوریلے اُس کے اردگرد جمع ہو چکے تھے۔ رُتھ کو لباس سے محروم کر دیا گیا اور ایک رسّی اُس کی گردن کے گرد لپیٹ کر اُس کے ہاتھ پُشت پر باندھ دیے گئے تھے۔ اپنے سر پر اُسے کوبرا ہیلی کاپٹر کی آواز سنائی دے رہی تھی لیکن وہ اس پوزیشن میں قطعی نہیں تھا کہ کسی بھی طرح پائلٹ کو اپنی موجودگی سے آگاہ کر سکتا۔ چھ گوریلے اس کے آگے اور چار پیچھے چل رہے تھے۔ جہاں کہیں اُس کی رفتار سُست پڑتی عقب سے اُسے گوریلوں کے سربراہ کی ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں گالیاں سُنائی دیتیں ساتھ ہی لکڑی کی پھڑی اُس کی ننگی پیٹھ پر پڑتی۔ بار بار ایک ہی مقام پر چھڑی لگنے سے خون رسنا شروع ہو گیا تھا۔ کئی بار تو وہ مارے درد کے چیخ اٹھا تھا۔

ایک مرتبہ وہ پیٹھ پر چوٹ کھا کر مُنہ کے بل زمین پر آرہا تو سب کے سب اُس پر ٹوٹ پڑے۔ رائفل کے بٹوں نے اُسے بُری طرح توڑ پھوڑ دیا۔ وہ بہ دقت تمام اپنے قدموں پر کھڑا ہوا اور پھر آگے گھسٹنے لگا۔

اُس کا تکلیف دہ سفر پانچ میل پر محیط تھا حتیٰ کہ وہ ایک چھوٹے سے گاؤں میں پہنچ گئے۔ رُتھ کو لکڑی کی ایک کھولی میں پھینک دیا گیا جو تین فٹ لمبی، تین فٹ چوڑی اور تین ہی فٹ بلند تھی۔ وہ اس میں بیٹھ تو سکتا تھا لیکن ٹانگیں دراز نہیں کر سکتا تھا۔ اُس کی گردن سے رسّی کھول دی گئی تھی مگر ہاتھ بدستور پُشت پر بندھے ہوئے تھے۔

Uploaded By Nadeem

ٹھاک ہے اور وہاں موجود قیمتی دستاویزات موجود ہیں یا نہیں۔

مکان کا دروازہ کھلا تھا۔ وہ تقریباً بھاگتا ہوا بیڈ روم میں داخل ہوا لیکن پھر ٹھٹک کر اپنی جگہ رُک گیا۔ ایک دیوار کے ساتھ اسمتھ کا کچومر اُس کا منتظر تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے کوئی روڈ رولر اُسے کچلتا ہوا گزر گیا ہو۔

اُس نے وقت ضائع کیے بغیر فون کا رسیور اٹھا کر ایک مقامی نمبر ڈائل کیا۔ دوسری جانب سے رسیور اُٹھتے ہی اُس نے کوڈ ورڈز میں ساری صورت حال کہہ سُنائی۔ دوسری جانب سے اُسے کچھ ہدایات دی گئیں اور پھر رابطہ منقطع ہو گیا۔

نصف گھنٹے کے اندر اندر بروس تینوں لاشیں اپنی کار کی ڈکی میں لوڈ کر چکا تھا۔ اب اُس کی کار کا رُخ نزدیکی صحرائی علاقے کی طرف تھا۔ ایک مناسب سی جگہ دیکھ کر اُس نے ریت کھودی اور باری باری تینوں کو دفن کر کے اُن کے اوپر بھاری پتھر رکھ دیے تاکہ ریت اُکھڑ نہ جائے۔ فارغ ہو کر وہ دوبارہ شہر پہنچا اور ایک بوتھ سے پہلے والے نمبر پر فون کر کے اُس نے بتایا کہ تینوں لاشیں ٹھکانے لگا دی گئی ہیں۔ گلی اور مکان میں کسی قتل کا کوئی نشان باقی نہیں رہا اور اسمتھ کا مکان مقفل کر دیا گیا ہے۔

☆

جوزف درسکوف نے ریسیور کریڈل پر ڈالا اور ٹھوڑی کھجاتے ہوئے صورت حال پر غور کرنے میں مصروف ہو گیا۔

یہ ڈاکے کی کوئی عام واردات نہ تھی بلکہ قاتلوں نے اسمتھ کے مکان میں جانے سے پہلے لوئیس کو قتل کیا اور واپس آ کر ہیری کو جان سے مار ڈالا۔ انھیں علم تھا کہ سیف میں بعض خفیہ دستاویزات موجود ہیں لیکن قاتل تھے کون؟ سی آئی اے یا ایف بی آئی؟ ذرا دیر بعد اُس نے خود ہی اس خیال کو مسترد کر دیا۔ ایف بی آئی کو قاتل بھیجنے کی بظاہر کوئی ضرورت نہ تھی جبکہ سی آئی اے امریکہ میں کوئی کارروائی نہیں کرتی۔

اُس نے کرسی سے اُٹھ کر کمرے میں ٹہلنا شروع کر دیا۔ کیا وہ بیس سکیورٹی کے آدمی تھے؟ یا مقامی پولیس؟ وہ ایک ایک کے انداز سے لگاتا اور پھر خود ہی مسترد کر دیتا۔

جوزف بظاہر کے جی بی کا اعلیٰ فیلڈ ایجنٹ نظر نہیں آتا تھا لیکن وہ سوویت یونین کا انتہائی بااختیار اور قابل ترین ایجنٹ تھا۔ وہ چھوٹے قد، گول چہرے، سرخ و سفید گالوں اور گنجے سر کا مالک تھا۔ ہونٹوں پر ہمیشہ مسکراہٹ چپکی رہتی تھی۔ سی آئی اے کے لوگ اُسے ایک مسخرے کی حیثیت سے جانتے تھے مگر اس وقت جوزف کے ہونٹ مسکراہٹ سے قطعی طور پر عاری تھے۔

وہ اس وقت اپنے انتہائی خفیہ ترین آپریشن کے افشا ہونے پر غور کر رہا تھا۔ اسمتھ اُس کا چیف آپریٹو اور اُن چند امریکیوں کا سربراہ تھا جو امریکہ کے انتہائی خفیہ "آپریشن اسکائی سوپر" کے بارے میں معلومات اور ممکنہ طور پر حاصل ہونے والی دستاویزات کے فراہم کر رہے تھے۔ انھیں پروجیکٹ ختم ہونے سے پہلے اگلے دو ہفتوں کے دوران اُسے مکمل تفصیلی پلان فراہم کرنے تھے۔

لوئیس، ہیری اور اسمتھ کی جگہ دوسرے آدمی بھی آ سکتے تھے لیکن اس تبدیلی میں بہرصورت کچھ وقت لگتا اور اُسے ایک اور امریکی کے سامنے خود کو عریاں کرنا پڑتا۔ وہ پس منظر میں رہ کر اپنی کٹھ پتلیوں کو نچانے میں دلچسپی رکھتا تھا۔ رہ گئی رقم تو اس کا کوئی مسئلہ نہیں تھا اسمتھ کے سیف سے جو کچھ نکلا تھا وہ اُس کے نزدیک نہایت کم تھا۔

جوزف نے الماری کھول کر واڈکا کی بوتل نکالی اور گلاس میں انڈیل کر اس کی چھوٹی چھوٹی چسکیاں لینے لگا۔ متبادل کا مسئلہ بدستور اُس کے ذہن میں تھا۔ اُسے اُن چار افراد میں سے کوئی ماتحت ڈھونڈنا تھا جو اسمتھ چھوڑ گیا تھا۔

اوہ، کارا یقیناً ایک اچھی ماتحت ثابت ہو سکتی تھی لیکن ابھی اس فیصلے کے مضمرات کا جائزہ لینا باقی تھا۔ اُس نے واڈکا کا ایک اور گھونٹ لیا۔ اُسے ہر حال میں امریکہ کے نئے انٹی میزائل وپن، اسکائی سوپر کے نقشے اور پلان لے کر روس واپس لوٹنا تھا، کیوں کہ اسکائی سوپر روسی سائنسدانوں سے بیس سال آگے کی چیز تھی۔

جوزف کو یقین تھا کہ اسکائی سوپر ٹیکنالوجی کے حصول میں کامیابی کے ساتھ ہی دربدری ختم ہو جائے گی اور اُسے کے جی بی ہیڈ کوارٹرز میں کسی اعلیٰ عہدے پر تعینات کر دیا جائے گا۔

کارا۔ یہی لڑکی اب اس کی پروموشن کی سیڑھی بن سکتی تھی۔ اُس نے کارا کو ملاقات کے لیے بلانے کا حتمی فیصلہ کیا۔ جوزف نے گھڑی دیکھی۔ وقت خاصا گزر چکا تھا۔ کل سہی، اُس نے سوچا پہلے کارا سے بات کر لوں پھر اسمتھ کے قاتلوں سے نمٹوں گا۔

☆

ٹائیگر جب ڈاکٹر پیٹرسن کے ہمراہ کمرے میں داخل ہوا اُدھشان دیوار کی طرف مُنہ کیے اپنے مخصوص صوفے پر لیٹا تھا۔

لکڑی کی اس کابک میں چھوٹے چھوٹے روشن دان بنے ہوئے تھے۔ ابھی اُسے اُس میں بیٹھے کچھ ہی دیر ہوئی تھی کہ کمرے کے کونے میں تیز دھار چیز چبھی۔ ایک بوڑھا اُسے خنجر سے کچوکے لگا رہا تھا۔ اچانک اُس نے دوسری جانب کھڑی ہوئی عورت سے ایک موٹی گالی اُس کے جسم میں گھونپ دی۔ وہ پھر چیخا جس کے جواب میں عورت نے بلند آہنگ قہقہہ لگا کر گالی دوبارہ چبھو دی۔ چند ثانیوں میں کوئی درجن بھر بچے اچھلتے کودتے جھونپڑی میں داخل ہوئے۔ اُن کے ہاتھوں میں لوہے کی لکڑیاں تھیں جو انھوں نے رُتھ کے بدن میں چبھونی شروع کر دیں۔ رُتھ چیختا رہا اور شیطان کے بچے قہقہے لگاتے رہے۔

کوئی نصف گھنٹے بعد ایک شخص جھونپڑی میں داخل ہوا اس وقت تک رُتھ کے جسم کا شاید کوئی ایسا مقام باقی نہ بچا تھا جہاں کوئی زخم نہ ہوتا۔ آنے والے کو انگریزی میں کچھ شدید بدھی۔ اُس کی آنکھوں میں بھی رُتھ کو نفرتوں کے سمندر ٹھاٹھیں مارتے نظر آئے تھے۔

وہ گاؤں کا والنٹی چیئرمین تھا۔ آہستہ روی سے وہ رُتھ کے نزدیک پہنچا۔ رُتھ نے رحم کی اپیل کرنے کے لیے مُنہ کھولنے کا ارادہ کیا لیکن وی سی نے اُس کے چہرے پر تھوک دیا۔

"تمہارے ملیا دے نے آج میرے بھائی کی جان لے لی ہے۔" وی سی نے رُتھ کو بتایا۔ "اگلے تین دنوں میں تم یہ کہنے پر مجبور ہو جاؤ گے کہ کاش میں پیدا نہ ہوا ہوتا۔"

☆

ٹائیگر نے گولی بالکل قریب دیوار میں پیوست ہونے کے باوجود کوئی حرکت نہ کی بلکہ اُس کی نگاہیں اندھیرے کو چیرتی ہوئی پستول بردار پر مرکوز تھیں جو پستول ہاتھ میں تھامے شاید اس بات پر غور کر رہا تھا کہ دوسرا فائر کرے یا نہ کرے۔ یقیناً اُس نے دونوں کو اسمتھ کے گھر سے نکلتے دیکھا تھا اور جانتا تھا کہ وہ یہاں کے مکین نہیں۔

"اسٹاپ!" کچھ سوچ کر ٹائیگر نے روسی زبان میں تیز سرگوشی کی۔

ایک لفظ کا جواب دو گولیوں کی صورت ملا جو پہلے بعد دیگرے ٹائیگر کے سر سے ذرا اوپر دیوار میں پیوست ہو گئیں۔

ٹائیگر نے ایک اور خطرہ مول لینے کا فیصلہ کر لیا

"تم کیا کرنے کی کوشش کر رہے ہو، سُور کے بچے؟" ٹائیگر نے آواز بلند رکھی تھی لیکن اس انداز سے بولا تھا کہ آواز پوری گلی میں گونجتی محسوس ہوئی تھی۔

گلی میں خاموشی چھائی رہی چند ثانیوں بعد حملہ آور کی آواز دوبارہ اُبھری۔

"مجھے اس کے احکامات ملے ہیں، چونکہ تم اپنے آدمیوں میں سے نہیں ہو اس لیے میں...."

جملہ ادھورا رہ گیا کیوں کہ رات کے اندھیرے میں ایک سیاہ بھوت تیز رفتاری سے اُسے اپنی طرف بڑھتا محسوس ہوا۔ حملہ آور نے پہلے کسی شے کو اتنی تیزی سے حرکت کرتے نہیں دیکھا تھا۔ اُس نے گھبرا کر ٹرائیگر دبانا چاہا لیکن آنے والا اُس کی اُنگلی کی رفتار سے بھی تیز تھا۔

پلک جھپکنے میں نہ صرف اُس کا پستول ہاتھ سے نکل گیا بلکہ اُس سیاہ بھوت نے اُسے دونوں ہاتھوں میں تھام کر کسی فٹ بال کی طرح اوپر اُچھال دیا۔ حملہ آور کے ہوش و حواس جواب دے گئے لیکن اُسے اتنا یاد تھا کہ اُس نے دائیں ہاتھ والے مکان کی تیسری منزل کی کھڑکی سے ایک خوب صورت لڑکی کو انگڑائی لیتے دیکھا تھا۔ اُس کے بعد اُس نے واپس زمین کی طرف گرنا شروع کیا۔ وہ زور سے چیخا لیکن شاید چیخ بھی ادھوری رہ گئی تھی کیوں کہ زمین پر گرنے سے پہلے ہی وہ چکا تھا۔

دائیں جانب، مکان کی تیسری منزل کی شیشے کی کھڑکی کھلی اور پھٹی آنکھوں اور کھلے مُنہ کے ساتھ ایک خوب صورت سی لڑکی نے نیچے جھانکا۔ اندھیرے میں اُسے اور تو کچھ نظر نہیں آیا بس وہ اتنا دیکھ سکی کہ اندھیرے کی طرح سیاہ انسان بلکہ دیو ہاتھ ہلا کر اُسے الوداع کہہ رہا ہے۔

لڑکی کی ایک تیز چیخ فضا میں گونجی اور وہ اُلٹ کر واپس اپنے کمرے کے فرش پر جا گری۔

☆

اندھیرے میں کھڑے بروس مارٹن نے اپنے ساتھی کو فضا میں بلند ہوتے دیکھا۔ پھر اُس کی نگاہ اُس دیوزاد پر پڑی جس نے ہیری کو کسی فٹ بال کی طرح اچھال دیا تھا۔ پہلے بروس نے سوچا کہ وہ بھی پستول نکال کر اُس دیو پر فائر کرے لیکن جب ہیری کی آخری چیخ اور ہڈیاں ٹوٹنے کی آوازیں اُسے سُنائی دیں تو اُس نے ارادہ ملتوی کر کے مزید آگے بڑھنے کا فیصلہ کر لیا۔

دیوزاد نے کھڑکی میں نمودار ہونے والی لڑکی کو ہاتھ سے الوداعی اشارہ کیا اور واپسی کے لیے مڑ گیا۔ جونہی وہ نظروں سے اوجھل ہوا بروس نے بھی اپنی جگہ چھوڑ دی۔ اس کا رُخ اسمتھ کے مکان کی طرف تھا۔ وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ اسمتھ ٹھیک

زرد رنگ کی قبا قرمزی کے پروں کی طرح اس کے چُوتڑ سے جیسے جسم پر سایہ کیے ہوئے تھی۔ ٹائیگر کو دروازہ قدرے مقفل ملا تھا۔

"تھینک فادر .....!"

"میں نے لفٹ کی آواز سے ہی اندازہ لگا لیا تھا کہ اس میں کوئی جانور ہو سکتا ہے۔" اوشان نے بدستور دیوار کی طرف مُنہ کیے کہا۔ "سو میں نے دروازہ کھول دیا۔"

ڈاکٹر پیٹرسن کی پہلے آنکھیں پھیلیں پھر مُنہ کھلا۔ اس عجیب و غریب ہستی سے اُس کی یہ پہلی ملاقات تھی۔ اُس نے شاید کچھ کہنے کا ارادہ بھی کیا لیکن شہزادے نے مُنہ پر اُنگلی رکھ کر اُسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

"بجا فرمایا آپ نے۔" ٹائیگر نے اوشان کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ "لیکن تھینک فادر....!"

"دُور رہو مجھ سے۔" اوشان نے لیٹے لیٹے دوبارہ ناک سکوڑی۔ "تمہارے جسم سے خون کی بو آ رہی ہے، جاؤ پہلے نہا کر آؤ پھر مجھ سے بات کرنا۔"

اب کے تو ڈاکٹر کا جی چاہا کہ دیوار سے سر دے مارے۔ وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا تھا کہ بوڑھا کوئی عجیب دان ہے۔

"اور یہ ساتھ کیا چیز لے آئے ہو؟" اوشان نے مُنہ بدل کر ڈاکٹر پیٹرسن کو گھورا۔

بوڑھا سائنسدان سمٹ کر کچھ بن گیا یوں جیسے کسی کنواری کنیا کو پہلی بار کسی نامحرم نے دیکھ لیا ہو۔

"عظیم امریکہ کی جانب سے عظیم تر سانجو کے لیے نایاب روزگار تحفہ۔"

"بکواس۔" اوشان نے بُرا سا مُنہ بنایا۔ "سانجو میں ہر قسم کے حشرات الارض کا داخلہ ممنوع قرار دے دیا گیا ہے۔"

"خدا کا خوف کریں تھینک فادر۔" شہزادے نے دُہائی دی۔ "لال بیگ سے چھوٹا جانور سانجو کی سرزمین پر نہیں پایا جاتا۔" اوشان اپنی بات پر اڑا ہوا تھا۔ "ایسے مچھروں کی وہاں کوئی گنجائش نہیں۔"

"اور وہ جو سانجو کی شہزادیوں کے سروں میں منوں جُوئیں ہیں وہ کس کھاتے میں جائیں گی۔"

ڈاکٹر پیٹرسن نے بھیگی بھیگی آنکھوں سے اپنے ہمراہی کو دیکھا جس کے چہرے یا باتوں سے بالکل نہیں لگتا تھا کہ وہ ابھی ابھی تین قتل کر کے آیا ہے۔

"میں تو سانجو کی ایک ہی شہزادی کو جانتا ہوں۔" اوشان نے زیرِ لب مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "وہ ابھی ابھی بھوت لینڈ سے واپس آئی ہے، ہو سکتا ہے وہاں سے یہ تحفہ لے آئی ہو مگر تم پر بتاؤ کہ تمہیں اپنی ہونے والی ساسیاں آج اتنی کیوں یاد آ رہی ہیں۔"

"لاحول ولا قوۃ۔" ٹائیگر نے ناک بھوں چڑھائی۔ "اچھا خاصا موڈ آپ نے غارت کر دیا تھینک فادر۔"

"سروں میں جُوئیں پڑنے کے بہت سے فائدے ہیں میرے بچے!" اوشان نے ناصحانہ انداز میں کہا۔ "تم جانتے ہو نا کہ اللہ تعالیٰ نے عورت کو پرلے درجے کی عیار اور مکار بنایا ہے اگر اس کے سر میں جُوئیں نہ ہوں تو اپنی عیاری اور مکاری سے پوری دُنیا کو نچا کھائے، یہ جُوئیں ہی تو ہیں جو اُس کے مغز کو چاٹ چاٹ کر کمزور کر دیتی ہیں اور وہ بے چاری سر کھجاتے کھجاتے بوڑھی ہو جاتی ہے میرا مشورہ ہے کہ جب روبی سے تمہاری شادی ہو تو تم افشاں کی بجائے چکی بھر جُوئیں اُس کی مانگ میں ڈال دینا، زندگی بھر عیش کرو گے....."

ٹائیگر نے اوشان کے جملے کا آخری حصہ نہیں سنا تھا بلکہ فضیحت بھی سمجھا تھا کہ باتھ روم میں گھس کر دروازہ بند کر لے۔

دس منٹ بعد جب وہ نہا کر باہر نکلا تو اوشان دوبارہ لیٹ کر دیوار کی طرف مُنہ کر چکا تھا۔ ڈاکٹر پیٹرسن ایک جانب صوفے پر دبکا ہوا تھا۔ وہ یوں ٹائیگر کو دیکھ رہا تھا جیسے اُسے اُس کی صحیح الدماغی پر شبہ ہو۔

شہزادے نے مُسکرا کر سر ہلایا اور قریب پڑا ہوا وہ لفافہ اٹھا لیا جس میں اسمتھ کے سیف کی اشیاء بند تھیں۔ اُس نے سب کچھ میز پر اُلٹ دیا۔

"کسی چیز کو پہچانتے ہو ڈاکٹر؟"

ڈاکٹر نے "ٹاپ سیکرٹ" لکھی ہوئی ایک دستاویز اٹھالی۔ "مائی گاڈ!" سرورق پر نگاہ پڑتے ہی وہ بڑبڑانے لگا۔ "میرے تصور میں بھی نہیں تھا کہ وہ یہ چُرا چکے ہیں لیکن کوئی مسئلہ نہیں، بنیادی ڈیزائن مکمل طور پر تبدیل کر دیا گیا ہے۔"

شہزادے نے کاغذات ڈاکٹر کے ہاتھ سے لے لیے۔ وہ پورے لیزر ٹیکنالوجی کے فارمولوں سے بھرے پڑے تھے۔ اعداد و شمار اتنے ایڈوانس تھے کہ بہت سی چیزیں اُس کے پلّے بھی نہیں پڑی تھیں۔

"یہ دیکھو۔" ڈاکٹر نے اُسے ایک دُوسرا کاغذ دکھایا۔ "چھ فون نمبروں کی فہرست۔ کم از کم میرا نمبر ان میں موجود نہیں۔"

ٹائیگر نے کوئی جواب دیے بغیر ڈالروں کی دو گڈیاں اٹھا

[illegible] طور پر چالیس ہزار ڈالر تھے۔

[illegible] فادر! سانجو کے لیے حقیر سا تحفہ قبول کریں۔"

[illegible] یوں، مسکینوں سے چندہ نہیں لیا کرتے۔" اوشان [illegible] جواب دیا۔ "اُسے اپنے سویٹ ہارٹ کو دے [illegible] یا، دہائی کرا دینا کہ آبدوز کو اگلے ماہ کی چھ تاریخ تک [illegible] روانہ ہو جانا چاہیئے۔"

[illegible] ہاں، میں نے بھی کل رات سانجو کے ساحل پر بہت سے [illegible] کشتیوں لیے کھڑے دیکھا تھا۔"

[illegible] جانتے ہو کہ وہاں فقیر نہیں ہوتے۔"

"کیا زرد رنگ پہن کر آدمی سچ بولنا چھوڑ دیتا ہے؟" [illegible] نے طنزاً پوچھا۔

"مؤدب۔" اوشان بلبلا اٹھا۔ "ولی عہد سلطنت کو [illegible] سے بات کرتے وقت انتہائی محتاط لب و لہجہ [illegible] چاہیئے۔"

"مجھے افسوس ہے، شہنشاہِ معظم!" ٹائیگر نے ہنستے ہوئے [illegible] ڈاکٹر کی طرف متوجہ ہو گیا۔ "کیا تم جانتے ہو کہ اسمتھ کے رپورٹ [illegible] نہیں، لیکن میرا اندازہ ہے کہ اُس کا رابطہ کسی سفارت خانے [illegible]

"خیر، وہ میں دیکھ لوں گا۔" شہزادے نے کاغذات ہاتھ میں [illegible] لے۔ "ان میں سے کون کون سے ضمائم کرنے ہیں؟"

"سب جلادو، ان کی اصل کاپیاں محفوظ ہیں۔"

شہزادے نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"مجھے اسکائی سوپر کے بارے میں بتاؤ ڈاکٹر۔"

"کیوں نہیں۔" ڈاکٹر نے کندھے اُچکائے۔ "ریسرچ کا [illegible] کام مکمل ہو چکا ہے۔ ڈاکٹر تھالڈلوف جو پروجیکٹ کا [illegible] ڈاکٹر اس ریسرچ کو عملی شکل دینے اور میزائل بنانے [illegible] کا ذمے دار ہے۔ جب یہ پروجیکٹ مکمل ہو جائے گا [illegible] کہ دس سے پندرہ لیزر سٹیلائٹ خلا میں چھوڑے گا جو [illegible] ہزار میل کی بلندی پر رہ کر کام کریں گے اور اگر روس کی جانب [illegible] امریکہ کے لیے ایک بھی میزائل فائر میں بلند ہوا تو یہ لیزر [illegible] چشم زدن میں اسے تباہ کر دیں گے۔ ہم ایک بار اُسے [illegible] کر لیں پھر ہم کرۂ ارض پر آئندہ سو سال کے لیے امن کی [illegible] دے سکیں گے۔ لیزر ٹیکنالوجی میں ہم روس سے بیس [illegible] سال آگے ہیں اس لیے وہ ہماری ریسرچ کے نتائج اور ٹیسٹ پروجیکٹ کو تباہ کرنے کے درپے ہیں۔ ہم نے مجموعی طور پر بائیس تجربے کیے اُن میں سے ایک اُن کے ہاتھوں تباہ ہوا ہے۔"

"یہ ڈاکٹر تھالڈلوف کون ہے؟ کیا ہم اس پر اعتماد کر سکتے ہیں؟" شہزادے نے دریافت کیا۔

"میں اُس کی وجہ سے تو اس پروجیکٹ پر کام کرنے کے لیے رضامند ہوا تھا۔ رُتھ تھالڈلوف ایک عظیم انسان ہے۔ میں اُسے اپنا حقیقی دوست سمجھتا ہوں اگر میں یہ کہوں کہ اس وقت وہ امریکہ کی تمام تر دفاعی تنصیبات کا مہنگا ترین آدمی ہے تو بے جا نہ ہو گا۔ وہ ویت نام میں ائر فورس پائلٹ تھا۔ وہ ایسا آدمی نہیں جو کسی لالچ میں آ جائے۔ وہ ایک خوب صورت اور دلفریب بیوی کا شوہر اور دو پیارے پیارے بچوں کا باپ ہے میں نہیں سمجھتا کہ اسمتھ یا اُس کے آدمی اُسے بلیک میل کرنے اُسے جھکانے یا اُس کے قریب ہونے میں بھی کامیاب ہو سکے ہوں۔"

"تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ڈاکٹر رُتھ ہمارا مسئلہ نہیں۔"

"وہ دُنیا کا واحد آدمی ہے جس کے لیے میں یہ دعویٰ کر سکتا ہوں کہ وہ اس چکر میں ملوث نہیں۔"

یو ایس ائر فورس کا فرسٹ لیفٹیننٹ رُتھ لڈلوف ہنوئی کے جنوب میں آباد کاری کے ایک خصوصی کیمپ کے چھوٹے سے سیل میں موجود تھا۔ زندگی اب کچھ بہتر ہو گئی تھی ورنہ گرفتاری کے بعد تو اُس نے کئی مرتبہ خودکشی کے بارے میں سوچا تھا۔

پہلا ایک مہینہ تو بدترین تھا۔ اُسے پنجرے میں ایک سے دوسرے گاؤں میں منتقل کیا جاتا رہا۔ کانگ گوریلوں نے اُسے ہی غاصب امریکہ سمجھ لیا تھا اس لیے ہر گاؤں کے باسی اُس سے اپنے نقصان کا بدلہ لیتے تھے۔ وہ اُس پر تھوکتے، اُسے چھو کے لگاتے حتیٰ بچے اور بوڑھے اُس کے چہرے پر غلاظت پھینکنے سے بھی نہیں چوکتے تھے۔

آخر کار اُسے ایک جیل میں منتقل کر دیا گیا جہاں اُسے رہنے کو ایک کوٹھری اور پہننے کو کپڑے دیے گئے۔ پہلے چوبیس گھنٹے اُس سے مسلسل پوچھ گچھ ہوتی رہی لیکن وہ ٹوٹا نہیں۔ اُس نے انہیں اپنا نام، رینک اور نمبر بتایا اور پھر جھوٹی سچی کہانیاں سناتا رہا لیکن جونہی انہیں جھوٹ کا احساس ہوا زندگی اُس پر پھر تنگ کر دی گئی۔

دو بار اُس کی ناک توڑی گئی، بازو اُس وقت تک مروڑے

گئے جب تک ہڈیوں نے چٹخنا شروع نہیں کر دیا۔ یہی حال اُس کی ٹانگوں کا تھا جن کے جوڑ اصلی جگہ سے ہل گئے تھے۔

اس جیل میں وہ چار ماہ رہا حتیٰ کہ اُسے اور اُس کے ساتھ رہنے والے چار دوسرے قیدیوں کو جیل سے باہر لا کر نہلانے اور بال وغیرہ ترشوانے کے لیے کہا گیا۔ انھیں نئے کپڑے اور جوتے بھی فراہم کیے گئے۔ اپنی گرفتاری کے بعد آج پہلی مرتبہ اُسے جوتے پہننے نصیب ہوئے۔

جیل سے لائے جانے والے پانچوں آفیسرز تھے ان میں چار پائلٹ اور ایک انفنٹری کیپٹن تھا۔ پانچوں کو ایک ٹرک میں ہنوئی لایا گیا جہاں الگ الگ اُن سے پوچھ گچھ ہوئی۔ اُس دن کے بعد لڈلوف نے انھیں کبھی نہ دیکھا۔ لڈلوف سے ایک ویت نامی آفیسر نے بات کی جو امریکیوں کی طرح انگریزی بولتا تھا اُس نے پائلٹ کی خوب خاطر و مدارات کی اور کافی دیر اُسے پاس بٹھائے رکھا۔

رُتھ خاصا حیران ہوا لیکن اگلے روز ہی اُس کی حیرت ہوا ہوگئی۔ اُس نے ذہنی و نفسیاتی تشدد کے بارے میں بہت کچھ سُن رکھا تھا بعض لوگ اسے برین واشنگ کا نام دیتے تھے۔ اس کا آغاز اندھیرے سے ہوا۔ چھبیس گھنٹوں تک وہ روشنی کی ایک کرن دیکھنے کو ترس گیا۔ اس دوران وہ ایک لمحے کے لیے سو نہ سکا اور اس کے بعد سوالات و ہدایات کا سلسلہ شروع ہوا۔

دس روز کے اندر اُس کی یہ حالت ہوگئی کہ اگر اسے غلاظت کھانے کو بھی کہا جاتا تو وہ انکار نہ کرتا۔ وہ اُس کے سر پر آہنی خود چڑھا دیتے اور پھر لوہے کی چھڑی سے اُس وقت تک اُس پر ضربیں لگاتے جب تک وہ چیخ نہ اُٹھتا۔

ایک روز انھوں نے اُسے ایک ریوالور دیا اور اسے دکھایا کہ اس کے تمام چیمبرز خالی تھے۔ پھر انھوں نے ایک گولی اس میں ڈالی اور چیمبر کو گھما دیا۔ اُنھوں نے اُسے ریوالور اپنی کنپٹی پر رکھ کر ٹرائیگر دبانے کو کہا لیکن اُس نے انکار کر دیا چنانچہ اُسے بُری طرح مارا گیا حتیٰ کہ وہ بے ہوش ہو کر گر گیا۔ دس منٹ بعد جب اُسے ہوش آیا تو اُس نے فائر کرنے پر آمادگی ظاہر کر دی۔

فائر ہوا لیکن ریوالور محض کھانس کر رہ گیا، چیمبر خالی تھا لیکن اس دوران وہ جس قدر خوف زدہ رہا اتنا زندگی میں پہلے نہیں رہا تھا۔

ایک روز اُسے سخانوف سے ملوایا گیا۔ روسی فوج کے اس کرنل سے لڈلوف کی یہ پہلی ملاقات تھی۔ رُتھ لڈلوف کا خیال تھا کہ وہ خفیہ پولیس میں ہے لیکن وہ یہ سوچے بغیر نہ رہ سکا روسی اُس سے کیا چاہتے ہیں؟"

دو مہینوں تک سخانوف سے اُس کی روزانہ ملاقاتیں ہوتی رہیں، اُنھوں نے عالمی طاقت کے توازن، اس جنگ عظیم اور امریکہ کے موضوع پر بہت سی باتیں کیں نے واشنگٹن کے روسی سفارتخانے میں تین سال گزارے

کرنل سخانوف ایک ماسٹر سائیکالوجسٹ اور ہپناٹسٹ تھا۔ اُس کا 'مول' بننے والوں کو اندازہ نہ ہو پاتا تھا کہ وہ ہپناٹائز ہو رہے ہیں۔ اپنی اہلیت کر جلد ہی اُس نے لڈلوف کے بارے میں بھی ایک کر لی۔

مزے کی بات یہ تھی کہ رُتھ لڈلوف جب کرنل واپس لوٹتا تو اُسے ان ملاقاتوں میں ہونے والی بات مشکل یاد رہتی تھی۔ کرنل سے دو ماہ تک مسلسل رُتھ کو ایک اور کمرے میں منتقل کر دیا گیا جہاں پہلے امریکی کارپورل قید تھا۔ وہ اپنی موجودہ زندگی سے تھا اور جیل کے وارڈن اور جیلر کو قتل کر نا اپنی زندگی بڑی خواہش قرار دیتا تھا۔

ایک روز رُتھ معمول کے مطابق کرنل سخانوف گیا تو خلافِ معمول میز پر پھلوں کی پیٹ اور کوکا کولا کی موجود تھی۔

"اپنی مدد خود کرو کیپٹن" کرنل کی آواز اُبھری "میں تمہیں ترقی دے دی ہے۔ ہم نے ریڈیو پر سُنا ہے کہ گرفتار والے تمام امریکی پائلٹوں کو کیپٹن کے رینک پر ترقی دے گئی ہے۔ چنانچہ میں نے تمہیں بھی کیپٹن بنا دیا ہے۔ مبارک

کرنل نے ہمیشہ کی طرح موٹے شیشوں کی عینک رکھی تھی اور اُس کی آنکھیں رُتھ کو اپنے دل و دماغ میں محسوس ہو رہی تھیں۔ ذرا ہی دیر میں اُسے نیند آنے لگی ایسے بہت دور سے بول رہا تھا۔

"یہ درست ہے، رُتھ تم سو رہے ہو جب بھی میں تمہارا نام کا پہلا حصہ ادا کروں گا تم چونکنا ہو جاؤ گے لیکن بعد میں تمہیں ملاقات کا ایک لفظ بھی یاد نہیں رہے گا اب گڈ مارننگ

"مارننگ، کرنل۔ کیا میں کوک پی سکتا ہوں؟"

"کیوں نہیں، یہ تمہارے ہی لیے ہے رُتھ، تمہاری تربیت میں بہت اعلیٰ جا رہے ہو اور اب میں تمہیں ایک خوش

ہیں۔ ہمنے سُنا ہے کہ تمہارا ایک ہم وطن دشمنوں ہے اور اپنے ملک سے غداری کر رہا ہے ہم چاہتے ے سزا دو۔"

زاری!" رُتھ نے کرنل کی بات دُہرائی: "ملٹری جسٹس کو ڈیں اس کی سزا تو موت ہے۔"

رُتھ۔ اُس کا جُرم ثابت ہو گیا ہے اب اُسے موت نا رہتا ہے۔ قیدیوں کی کمیٹی نے یہ ذمہ داری تمہارے ہے۔"

تیار ہوں سر!"

نے اُسے ایک چھ انچ پھل والا چاقو تھما دیا۔

ہو روانی تم رات کے کھانے پر کرو گے جونہی کھانا لانے اپنی زبان سے کھانا کہے تم اپنے ساتھی کارپورل پر ٹوٹ تک یہ چاقو چھپا کر رکھنا۔ اُسے قتل کرنے کے بعد ے کمرے میں منتقل کر دیا جائے گا۔"

نے اثبات میں سر ہلایا۔

کرنل ذرا دیر مسکراتا رہا اور پھر اُس نے وہ لفظ ادا کیا جو اُسے واپس لانے کے لیے استعمال کرتا تھا یعنی بیس بال"

گیا میں جاؤں سر!" رُتھ نے گویا ہوش میں آنے کے بعد کہا۔

کرنل نے اثبات میں سر ہلایا۔

اُس رات رُتھ نے اپنے ساتھی کارپورل کا نرخرہ کاٹ ڈالا کے مطابق اُسے دوسرے کمرے میں منتقل کر دیا گیا بظاہر کہ اس واقعے کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا مگر وہ یہ ضرور سوچتا رہا تھا کہ کرنل اُس سے کیا چاہتا ہے؟

پہلے پہلے رُتھ کا خیال تھا کہ کرنل اُسے امریکی ائر فورس کا ایسا کرنے پر اکسا کر چین لے جانے کو کہے گا لیکن ابھی تک کرنل نے ایسی کوئی بات نہیں کی تھی۔

اگلے روز کرنل کے کمرے میں میز پر کوک کی دو بوتلیں موجود تھیں رُتھ کرنل سے بیس بال پر تبادلہ خیال کرتا رہا اور اس دوران دونوں بوتلیں چڑھا گیا۔

ذرا دیر بعد ہی اُس پر رونما ہونے والا انشطاری ہونے لگا۔ اس صوف کرنل کی آواز اُسے سنائی دے رہی تھی۔

"رُتھ لڈلوف، کرنل سخانوف نے آگے کو جھکتے ہوئے کہا تمہاری ضرورت ہے، تم یہ جملہ ۲۵ بار ادا کرو کہ ہمیں ضرورت ہے۔"

رُتھ شروع ہو گیا۔ کرنل نے کرسی کی پُشت سے ٹیک لگا لی اور سگار سُلگا کر اُس کے کش لینے لگا۔ اُسے گننے کی ضرورت نہیں تھی جونہی مطلوبہ تعداد پوری ہوتی رُتھ خود بخود رک جاتا اور ایسا ہی ہوا۔ پچیس جملے پورے ہوتے ہی رُتھ خاموش ہو گیا۔

"گڈ، کرنل دوبارہ آگے کو جھک آیا۔" اب میں جو جملہ بھی کہوں تم اُسے ادا کرو گے، میں ہر وقت تیار رہوں گا جب بھی میری ضرورت ہو گی۔ میں معمول کی زندگی گزاروں گا اور اپنے پروفیشن کو جاری رکھوں گا لیکن جب بھی مجھے کال ملے گی جس کی ورڈز 'بیس بال' کو رُتھ لڈلوف کی ضرورت ہے، ہوں گے میں ہر حکم کی تعمیل کروں گا۔"

رُتھ نے ہر جملہ دو دو سو بار دُہرایا اور پھر اُس کی چھٹی کر دی گئی۔

اگلے ایک ماہ تک روزانہ اُس کے ساتھ یہی ہوتا رہا اور پھر ایک روز کرنل نے اُسے بتایا کہ وہ محاذِ جنگ کے قریب ایک کیمپ میں منتقل کیے جا رہے ہیں۔

رُتھ کو بڑی خوشی ہوئی۔ محاذِ جنگ سے قریب ہونے کی بنا پر وہ کسی بھی وقت فرار ہونے کی کوشش کر سکتا تھا۔

منتقلی کے دن رُتھ کو علم ہوا کہ اُس کے ہمراہ تین آفیسرز اور بھی تھے۔ چاروں کو امریکی فوج کی مخصوص سبز رنگ کی وردیاں فراہم کی گئیں جن کے کالروں پر اُن کے رینک لگے ہوئے تھے۔ رُتھ کے کالر پر کیپٹن اسٹار تھے۔ انھیں ایک ایک کٹ بیگ بھی دیا گیا جن میں صابن، ریزر، کپڑے، تولیے، گولیاں اور کپڑوں کا ایک ایک جوڑا تھا۔ فوجی بوٹ بھی انھیں فراہم کیے گئے۔ یہ چیزیں مہینوں کے بعد انھوں نے دیکھی تھیں۔

کرنل نے انھیں خدا حافظ کہا اور ٹرک انھیں لے کر محاذِ جنگ کی طرف روانہ ہو گیا۔ ایک دن اور رات وہ مسلسل سفر میں رہے۔ دوسرے دن صبح ایک جنگل سے گزرتے ہوئے ٹرک کا اگلا ٹائر پنکچر ہو گیا۔ ٹرک پر موجود فوجی وہیل بدلنے کے لیے اُترے تو چاروں امریکی موقع غنیمت جان کر بھاگ نکلے انھوں نے اپنے پیچھے شور اور گولیوں کی آوازیں بھی سنیں لیکن کسی دیت نامی محافظ نے اُن کے تعاقب کی زحمت نہ کی۔

ایک ہفتے بعد امریکہ کی ایک کھوجی پارٹی نے ان چار مفرور انسان کو ڈھونڈ نکالا۔ قید سے فرار ہونے والے ان امریکیوں کے جسم بخار میں تپ رہے تھے اور وہ بھوک سے نڈھال تھے انھیں پہلے ہوئے اور پھر سائیگون بھیج دیا گیا۔ وہاں اُن سے ضروری معلومات حاصل کی گئیں اور چار دن کے بعد انھوں نے

لاس اینجلس میں امریکی سرزمین پر قدم رکھا۔

رُتھ لڈلوف جہاز سے اُترتے ہی ائرپورٹ کے پختہ فرش پر گر پڑا۔ اُس نے امریکی سرزمین کو ایک طویل بوسہ دیا۔

"میں آئندہ کبھی ریاستہائے متحدہ امریکہ سے باہر نہیں جاؤں گا۔" اُس نے ہنستے ہوئے آنسوؤں کے درمیان کہا۔

☆

ہوٹل سی بریز کا بہترین سوئٹ اُن کے لیے بُک تھا۔ شہزاد نے ڈاکٹر پیٹرسن کو بھی اپنے پاس ہی روک لیا تھا۔ اوشان کو اُس کے کمرے میں چھوڑ کر وہ ڈاکٹر کو لے کر اپنے کمرے میں لے آیا تھا۔ پیٹرسن نے اپنی مرضی سے سونے کے لیے صوفہ منتخب کیا۔

صبح جب شہزاد کی آنکھ کھلی تو پیٹرسن اتنے مضحکہ خیز انداز میں سو رہا تھا کہ وہ مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔ اُس کے خراٹوں کی آواز نے اوشان کے کمرے سے آنے والی ٹی وی کی آواز بھی سن لی تھی۔ اس وقت اُس نے ماسٹر کو چھیڑنا مناسب نہ سمجھا اور اپنے معمولات میں مصروف ہو گیا۔

اُس نے روم سروس سے کافی منگوائی اور پیٹرسن کو جگا کر اپنے ساتھ شریک ہونے کی دعوت دی۔ ساتھ ہی اُس نے اُن ٹیلی فون نمبروں کی فہرست دوبارہ اُس کے سامنے رکھ دی جو اسمتھ کے سیف سے برآمد ہوئے تھے۔

"ان میں سے کس نمبر کو پہچانتے ہو؟"

ڈاکٹر پیٹرسن نے فہرست اٹھا کر اس کا جائزہ لینا شروع کر دیا۔ "آخری نمبر تو این ڈبلیو سی یعنی نیول ویپنز سنٹر کا نمبر ہے۔ اور... یہ جیم کا ہے۔ یہاں کچھ کوڈ نیمز وغیرہ بنے ہوئے ہیں۔"

"جیم، یہ کہاں ہے؟"

"کمشنری کے قریب بنڈی اور ڈیب اسٹریٹ پر۔"

"کوئی اور نمبر جانا پہچانا ہے؟"

"نہیں، لیکن یہ سارے نمبر جاسوسی کے سنٹر یا رنج کریسٹ کے ہیں۔"

ٹائیگر خاموش ہو گیا۔ کافی پینے کے بعد ڈاکٹر اپنے دفتر روانہ ہو گیا جانے سے پہلے اُس نے ٹائیگر کو اپنے دفتر کا فون نمبر دے دیا تھا۔

ٹائیگر اٹھ کر اوشان کے کمرے کی طرف بڑھا لیکن وہاں سے ہنوز ٹی وی کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔ لہٰذا اُس نے تنہا ہی نکلنے کا ارادہ کر لیا۔

کاؤنٹر پر فون کر کے اُس نے کرائے کی کار کے لیے کہا اور دس منٹ کا وقفہ دے کر نیچے اُتر آیا۔ تھوڑی دیر ہی میں اُس کی کار رنج کریسٹ کی سڑکوں پر تھی۔ کچھ دیر ادھر اُدھر گردی کرنے کے بعد اُس نے کار ایک فلنگ اسٹیشن پر روکی اور ایک فون بوتھ میں گھس گیا۔

سب سے پہلے اُس نے جیم کا نمبر ملایا۔

"جیم آفس، پارنیسلی۔"

"ولبر ماسکوٹی یہاں کام کرتا ہے؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"پچھلے تین سال سے میں اس نام کے کسی شخص کو نہیں جانتا، یہاں کا انچارج پارنیسلی ہے سر! آپ جانیں ان کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔"

"ماسکوٹی کا پتا بتاؤ، اُس نے اسمتھ سے ملاقات کے بارے میں کچھ کہا تھا۔"

دوسری جانب والا شخص پہلے تھوڑا سا جھجکا پھر اُس نے ایک بلند آہنگ قہقہہ لگایا۔

"میرے خیال میں ہزاروں، بلکہ لاکھوں اسمتھ ہوں گے سوری سر! میں آپ کی کوئی مدد نہیں کر سکتا۔"

ٹائیگر نے ریسیور رکھ دیا۔ بہرحال پارنیسلی کے قہقہے کا بہانہ پیدا ہو گیا تھا۔ اگلے نمبر پر کم از کم چھ بار گھنٹی بجی لیکن کسی نے فون نہیں اُٹھایا۔ تیسرے نمبر پر ریسیور پہلی گھنٹی پر اٹھا لیا گیا۔

"لوئیس پول روم، لیکن ابھی کاروبار شروع نہیں ہوا۔"

"لوئیس ہے؟"

"بول رہا ہوں۔"

"اسمتھ نے مجھے تم سے بات کرنے کو کہا تھا۔"

"میں سن رہا ہوں۔"

"باہر کے آدمیوں کے بارے میں کوئی بات تھی۔"

"میں کسی چیز کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔"

"اسمتھ کا فون کوئی اٹھا نہیں رہا۔"

"تو مجھے بتا دو، ہو سکتا ہے دو گھنٹے بعد مجھے فون کرے۔"

"کوئی اور نمبر جس پر میں کسی بڑے شخص سے بات کر سکوں۔"

"میں کسی کو نہیں جانتا۔" لوئیس نے چڑ کر جواب دیا۔ "مجھ سے ہی بات کرو، وہی تمہیں بتائے گا اور ہاں مجھے دوبارہ فون مت کرنا۔" ساتھ ہی ریسیور رکھنے کی آواز شہزاد کے کانوں سے ٹکرائی۔

زبردست، لوئیس فہرست پر تھا۔

اگلی کال کا جواب کسی نوجوان لڑکی نے دیا۔

"گڈ مارننگ، یہ نیول ویپنز سنٹر سکیورٹی ہے، میں آپ کی کیا خدمت کر سکتی ہوں؟"

"سکیورٹی، اوہ میں نے تو سنٹر کمانڈر کا دفتر ملایا تھا۔"

"سوری سر!" لڑکی نے کہا اور ساتھ ہی اُس نے کمانڈو کے دفتر کا نمبر بھی اُسے بتا دیا۔

ٹائیگر نے ریسیور رکھ دیا۔

سکیورٹی؟ اسمتھ کے پاس یہ نمبر کیوں تھا؟ اس کا مطلب تھا کہ سکیورٹی اسٹاف میں بھی اس کا کوئی ایجنٹ موجود تھا۔

ٹائیگر نے اگلا نمبر ڈائل کیا لیکن کوئی جواب نہ ملا۔ آخری نمبر ڈیکرلڈلوف کی سیکرٹری کا تھا۔ ٹائیگر نے رانگ نمبر کہہ کر ریسیور رکھ دیا لیکن اُس نے سوچا ضرور کہ ڈاکٹر لڈلوف کی سیکرٹری کا نمبر کیوں؟ کیا وہ بھی اسمتھ کی ایجنٹ تھی۔

وہ دوبارہ اپنی کار میں آ بیٹھا۔ اُس کا رُخ اب اسمتھ کے مکان کی طرف تھا۔ وہ وہاں کی صورتِ حال کا جائزہ لینا چاہتا تھا۔ وہاں اُسے کوئی پولیس کار نظر نہ آئی۔ ایک بلاک آگے جانے کے بعد اُس نے یُو ٹرن لیا اور واپس اسمتھ کے مکان کی طرف آیا۔ حالات بتاتے تھے کہ کے جی بی نے سارے نشانات مٹا ڈالے ہیں۔

اچانک ٹائیگر کو اسمتھ کے گھر میں موجود زنانہ کپڑے یاد آ گئے۔ ابھی وہ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ ایک نوجوان لڑکی اسمتھ کے گھر سے نکل کر اُسے کے آگے گلی میں دوڑی۔ ٹائیگر نے نظروں نظروں میں اُسے تولا۔ بڑا خوب صورت اور دلکش جسم تھا۔ عمر کوئی تیس کے لگ بھگ تھی۔ بھورے بال۔ بھوری آنکھیں۔ دبلی پتلی۔ اُس نے پلٹ کر ٹائیگر کی طرف دیکھا اور پھر بھاگنے لگی۔ وہ اتنی بدحواس تھی کہ اُس نے فٹ پاتھ پر پڑا ہوا وہ پتھر بھی نہیں دیکھا جو اُس کی راہ میں حائل تھا۔ اُس نے پتھر سے ٹھوکر کھائی اور ہلکی سی چیخ کے ساتھ زمین پر آ رہی۔

ٹائیگر نے فوراً کار اُس کے برابر روکی اور اُتر کر اُس کی مدد کو لپکا۔ چند ہی سیکنڈ میں وہ اس کے نازک وجود کو اُس کے قدموں پر کھڑا کر چکا تھا۔

"چوٹ تو نہیں آئی؟"

لڑکی نے جھٹکے سے اپنا بازو اس کی گرفت سے آزاد کرا لیا۔ اُس کے چہرے پر خوف ہی خوف تھا۔ ٹائیگر کے سوال پر اُس نے نفی میں سر ہلایا۔

"میں ٹھیک ہوں، پلیز مجھے تنہا چھوڑ دو۔"

"میں صرف تمہاری مدد کرنا چاہتا ہوں۔ میں سمجھا شاید تمہیں چوٹ لگ گئی ہے۔" وہ واپس مڑا۔

"ٹھہرو!" لڑکی نے اُسے پکارا۔ اُس کی آنکھوں میں اب ندامت کے آثار تھے۔ "کیا تم مسٹر اسمتھ کو جانتے ہو؟"

ٹائیگر نے نفی میں سر ہلایا۔ "سوری، میں یہاں نیا ہوں۔ صرف ایک شخص میرا شناسا ہے اور اس کا نام بھی اسمتھ ہے بہرحال نہیں۔"

"تو اس کا مطلب ہے کہ تمہیں میرے باہر آنے کا بھی انتظار نہیں تھا؟"

"کیا مطلب؟" ٹائیگر کمال کی اداکاری کر رہا تھا۔

"میں یہاں سے دُور جانا چاہتی ہوں... م... م... میرا خیال تھا کوئی میری نگرانی کر رہا ہے۔ کیا تم... تم مجھے سینٹر ٹک لفٹ دے سکتے ہو؟"

"کیوں نہیں!" ٹائیگر نے سہارے کے لیے ہاتھ آگے بڑھا دیا جسے لڑکی نے کسی ہچکچاہٹ کے بغیر تھام لیا۔ ٹائیگر نے اُسے پسنجر سیٹ پر بٹھایا اور پھر کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔

لڑکی کا سر جھکا ہوا تھا اور اس کی آنکھوں میں اندیشے ٹھاٹھیں مار رہے تھے۔

"کیا تم کسی مصیبت کا شکار ہو گئی ہو، پیاری لڑکی؟" ٹائیگر نے اپنے لہجے میں مٹھاس گھولتے ہوئے پوچھا۔ "کیا تم اس مسٹر اسمتھ کو جانتی ہو جس کے بارے میں مجھ سے پوچھ رہی تھیں؟"

"ہاں!" اب لڑکی بالکل نہیں جھجکی تھی۔ "میں اپنے کچھ دوستوں کے ساتھ لاس اینجلس میں تھی۔ آج صبح جب میں واپس آئی تو اسمتھ موجود نہیں تھا۔ میں نے اُس کے دفتر فون کیا تو وہ وہاں بھی نہیں تھا۔"

"اب تم کیا کرو گی؟"

"میں نہیں جانتی۔ سامی کی کچھ بڑے لوگوں سے دوستی تھی۔ میرا خیال ہے مجھے کسی موٹل میں ٹھہرانا چاہیے۔"

"تمہارا مطلب ہے اُس کے دوست کوئی خطرناک قسم کے لوگ تھے؟"

"اُن میں سے ایک ہمیشہ مسلح ہوتا تھا۔ وہ مکان کے باہر رہتا تھا اور کہتا تھا کہ سامی کی حفاظت اُس کی ذمہ داری ہے جب میں نے اُس سے اس کا مطلب پوچھا تو اُس نے مجھے کوئی

جواب دیا۔"

"یہ تو عجیب سی بات ہے۔"

"سالی آدھی آدھی رات تک اُن کے ساتھ ملاقاتیں کیا کرتا تھا۔ ایک بار میں رات کے پچھلے پہر اُٹھ کر باتھ روم گئی تو وہاں تین اجنبی آدمی کھڑے مجھے گھور رہے تھے۔"

"تو اب تمہیں سینٹر تک لفٹ چاہیئے؟"

"نہیں، میرے خیال میں مجھے ملازمت بدل جانا چاہیئے۔" اُس نے ٹائیگر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "مجھے اگلے کارنر پر ڈراپ کر دینا میں کلینسی میں ہوسٹس کی حیثیت سے ملازمت کرتی ہوں۔ اگر رات کو بھینگے کا اچھا ڈنر کھانا چاہو تو ضرور آنا۔"

"میں ضرور آؤں گا۔" شہزاد نے ہاتھ بڑھایا۔ "میرا نام شہزاد ہے۔"

"اور میں مالیا ہوں۔"

"خوب صورت نام ہے۔"

ٹائیگر نے کونے پر کار روکی اور وہ اُتر کر بھاگتی ہوئی چھوٹے سے ریسٹورنٹ میں داخل ہو گئی۔

ٹائیگر تھوڑی دیر اُسے دیکھتا رہا پھر خود بھی کار آگے بڑھا لے گیا۔ تو یہ تھی وہ لڑکی جو اسمتھ کے ساتھ رہ رہی تھی وہ اسمتھ کے بارے میں جانتی تھی کہ وہ کیا کرتا پھر رہا ہے لیکن ظاہر اُس نے یہی کیا تھا کہ اُسے کچھ پتا نہیں۔ لیکن خیر اُس نے کہا تھا کہ وہ کچھ بات کرنا چاہتی ہے اور وہ شام چھ بجے اُس سے ملنے ضرور جائے گا۔

اب ٹائیگر کی منزل نیول ویپنز سینٹر تھا اُس نے این ڈیو سی کے مرکزی گیٹ پر کار روکی اور باوردی میرین گارڈ کو بتایا کہ وہ میں سکیورٹی سے اپنا شناختی بیج اور پاس حاصل کرنا چاہتا ہے۔ سنتری نے شہزاد کو راستہ بتایا اور کہا کہ وہ فون پر انھیں اس کی آمد سے مطلع کر رہا ہے۔

سکیورٹی آفس میں ٹائیگر نے اپنی شناختی دستاویزات پیش کیں۔ نصف گھنٹے بعد اُسے ٹاپ سیکرٹ کلیرنس کا بیج فراہم کر دیا گیا۔ اُس نے بیج اپنی جیکٹ پر لگایا اور کار میں واپس آ گیا۔ اب سے پہلے وہ بیم کو چیک کرنا چاہتا تھا ہو سکتا تھا وہاں سے آگے کا کوئی اشارہ مل جاتا۔

اُس نے انفارمیشن فولڈر کو کھول کر دیکھا جو محافظ نے اُسے دیا تھا۔ نیول ویپنز سینٹر کوئی اٹھارہ مربع میل پر پھیلا ہوا تھا۔ پانچ ہزار سے زائد سویلین اور آٹھ سو کے قریب فوجی وہاں کام کرتے تھے۔ این ڈبلیو سی میں مکمل طور پر آراستہ ایک ائیر فیلڈ بھی تھی جس پر کسی بھی قسم کا ائیر فورس یا نیول جیٹ اُتر سکتا تھا۔ سینٹر میں ہوائی حملوں سے بچ کر زمینی گولہ باری تک الگ الگ فائرنگ رینجز تھیں۔ گو وہاں دیگر سہولتیں بھی بہم پہنچائی گئی تھیں لیکن اس کا اصل کام بحریہ کے لیے نئے ہتھیاروں کی ریسرچ اور اُن کی ڈویلپمنٹ تھا۔

شہزاد نے معلومات دیکھ کر ذومعنی انداز میں سر ہلایا اور کار جیم کی طرف موڑ لی۔

٭٭٭

ڈاکٹر رتھ لڈلوف جانسن ایک نیول ویپنز سینٹر میں اپنے دفتر میں موجود تھا۔ آج صبح سے ہی وہ تناؤ کا شکار تھا۔ مگر اُس اس گھبراہٹ کی وجہ معلوم نہ تھی۔ اُس کی نظر میں کوئی بات بھی خلاف معمول نہیں تھی۔

اسکائی سوپر پروجیکٹ پر کام کی رفتار انتہائی تسلی بخش تھی۔ وہ اب ٹیسٹنگ کے مرحلے میں تھے۔ نتائج بھی بہتر تھے اور اُس کی توقعات کے عین مطابق تھے۔ یہ منصوبہ کلی طور پر اُس کے اپنے ذہن کی پیداوار تھا جو تین سال پہلے تک محض اُس کے دماغ تک محدود تھا۔ پھر اُس نے دو سال اپنی تھیوری کو ثابت کرنے میں گزارے اور اب وہ اسکائی سوپر پروجیکٹ سے پوری طرح مطمئن تھا۔

رتھ نے اپنی فیملی کے بارے میں سوچا۔ ایسا کوئی مسئلہ نہیں تھا جو اُس کے تناؤ کی بنیاد بنتا۔ اس کا بیٹا اِس سال چھٹے گریڈ میں جانے والا تھا۔ کمپیوٹر اُس کا پسندیدہ شعبہ تھا۔ رتھ اُس کے بارے میں سوچ کر مسکرا دیا۔ اُسے اُمید تھی کہ بیٹا باپ کے نقشِ قدم پر چلے گا۔

اُس کی دس سالہ بیٹی کے شوق نرالے تھے۔ وہ ابھی سے بیلے رقص میں دلچسپی رکھتی تھی اور اس سال اسکول میں ہونے والے مقابلوں میں شریک ہونا چاہتی تھی۔

اُس کی بیوی بیتھ ایک خوبصورت اور جٹان کی طرح سخت عورت تھی۔ رتھ سے وہ بے تحاشا پیار کرتی اور اُس کی ذرا ذرا سی خواہش پر جان چھڑکتی تھی۔

سب کچھ معمول کے مطابق تھا۔ مالی مسئلہ بھی کوئی نہیں تھا۔ وہ سینیئر سال کا تھا۔ اعلیٰ عہدے پر فائز تھا بعض ایسے منصوبوں میں سرمایہ کاری کر رکھی تھی جہاں سے ہر ماہ معقول آمدنی ہوتی تھی۔ مزید خوشی کی بات یہ تھی کہ اُس کا نام نوبل..

پرائز کے لیے تجویز کیا گیا تھا۔

سوچ سوچ کر جب وہ تھک گیا تو اُس نے اُٹھ کر پھیپھڑے بھر بھر کھولا اور کوکا کولا کا ٹن نکال لیا۔ ٹن کھول کر اُس نے دو تین گھونٹ بھرے اور پھر واپس اپنی کرسی کی طرف پلٹا لیکن اُسے یاد نہیں کہ وہ کرسی تک پہنچا بھی تھا یا نہیں،

شاید چکرا آ گیا تھا، نہیں بلکہ کوک کے گھونٹ بھرتے ہی اس کے ذہن میں ویت نام جاگ اُٹھا تھا۔ کرنل سخانوف کی شبیہہ اُبھر آئی تھی۔ وہ کارپورل یاد آ گیا تھا جس کا گلا اُس نے بزدھار چاقو سے کاٹ ڈالا تھا۔ اُسے محسوس ہو رہا تھا کہ وتنامی اُس پر ظلم کر رہے ہیں۔ خنجروں سے کچوکے لگا رہے ہیں۔ آہنی پھڑیوں سے مار رہے ہیں۔ وہ چیختا رہا، سسکتا رہا اور پھر بے دم ہو گیا۔

"رتھ... رتھ، اٹھو، کیا کر رہے ہو؟" رتھ کو یہ آواز دور سے آتی لگ رہی تھی۔ کوئی اُس کے شانوں کو جھنجھوڑ رہا تھا۔

"رتھ، تم ٹھیک تو ہو؟"

اُس نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھول دیں۔ ڈاکٹر ہیوی ہیڑسن اُس پر جھکا ہوا تھا۔

"اوہ سوری ڈاکٹر۔" رتھ کہتے ہوئے جھٹکا ہوا فرش سے اُٹھ بیٹھا۔ "پتا نہیں کب وہ نیچے گر گیا تھا۔" مجھے پھر ویت نام یاد آ گیا۔"

"کوئی بات نہیں۔" ہیڑسن نے اُسے تسلی دی۔

اس نے اُسے سہارا دے کر اُس کی کرسی پر بٹھایا اور تسلی تشفی دے کر اپنے دفتر میں چلا گیا۔

رتھ اب بہتر محسوس کر رہا تھا۔ اُس نے دیوار پر بنی ہوئی ڈرائنگ کو دیکھا۔ یہ زمین کی شبیہہ تھی جس میں امریکہ کے اردگرد پچیس سٹلائیٹ دکھائے گئے تھے جو اپنی اپنی جگہوں پر ساکت تھے۔ ہر سٹلائیٹ میں پاور کے اُس کے اپنے ذرائع اور ایک سادہ لوح بیم تھی جو ایک ہلکے ترین لیزر ہتھیار تھا۔ رتھ لڈلوف نامی یہ لیزر ہتھیار ایک سیکنڈ میں ایک پلیٹ فارم سے ایک سو شاٹ فائر کر سکتا تھا۔ یہ راڈار لیس اور کمپیوٹرائزڈ کنٹرول کے تابع تھے۔ فائرنگ سسٹم بھی مکمل طور پر کمپیوٹرائزڈ تھا۔ خاص بات یہ تھی کہ فائر ہونے والے سو کے سو شاٹ ایک میزائل پر پھینکے جا سکتے تھے یا بیک وقت انھیں سو لگ بھگ میزائلوں پر پھینکا جا سکتا تھا۔

وہ مسکرا دیا۔ ایک بار لڈلوف بیم بالکل صحیح طور پر تیار ہو جائے باقی راڈار اور کمپیوٹر تو اُس کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھے۔ اس ٹیکنالوجی کی بیس وہ پہلے ہی تیار کر چکا تھا اپنے کمپیوٹرائزڈ راڈار کے ذریعے سٹلائیٹ کو فوراً پتا چل جاتا کہ دشمن کہاں ہے۔ سٹلائیٹ کے پلیٹ فارم کا رُخ موڑتا اور پھر خود بخود لیزر شعاعیں میزائل یا میزائلوں کا احاطہ کر لیتیں۔

سینٹ کی آرمڈ فورسز کمیٹی نے اپنے ایک خفیہ اجلاس میں ان تباہ کن مصنوعی سیاروں کو خلا میں بھیجنے کی منظوری دی تھی۔ اب وہ رتھ کے تھنک پروگرام کے منتظر تھے۔

ایک لمحے کے لیے اُس کے ذہن کے کسی گوشے میں ہنوئی کا وہ کمرہ روشن ہو گیا جہاں کرنل سخانوف اُس سے ملا کرتا تھا وہ کرنل کو بھولا نہیں تھا۔ لیکن سالوں سے اُس نے اُسے یاد بھی نہیں کیا تھا۔ اُسے اپنے ذہن میں کبھی کبھار محسوس ہونے والی اجنبی لہروں کا اندازہ تھا۔ لیکن اُس نے کبھی کسی سائیکاٹرسٹ یا سائیکالوجسٹ کے پاس جانے کی زحمت نہیں کی تھی۔ وہ مسکرا دیا۔ اُس نے اٹھ کر کوک کا دوسرا کین نکالا اور غٹا غٹ کئی گھونٹ پی گیا۔

میز پر بیٹھتے ہی اُس کی نظر اُن مصروفیات کی فہرست پر پڑی جو آج ضروری تھیں۔ اُس نے وال کلاک کی طرف دیکھا۔ گیارہ بج چکے تھے اور ابھی اُسے بہت سے کام نمٹانے تھے اُس نے کوک کا کین واپس میز پر رکھا اور سیکرٹری سے بات کرنے کے لیے انٹر کام اٹھا لیا۔

٭٭٭

ڈیب اسٹریٹ پر پہنچ کر شہزاد نام جاننے کے لیے بائیں جانب مڑ گیا۔ دفتر، داخلی دروازے کے ساتھ ہی تھا۔ وہ جونہی اندر داخل ہوا ایک شخص نے کسی بیل کی طرح کمرے سے باہر جھانکا۔

"یس سر؟"

"پارٹنر؟" ٹائیگر نے مختصر سا جواب دیا۔

"وائٹ سر؟"

پارٹنر نے ایک پرانی چیز ہمیشہ کہی تھی۔ ٹائیگر کے خیال میں وہ سابق فوجی تھا مگر اس وقت وہ خاصا پھیل چکا تھا

"اس وقت والی بال کا کیا سیٹ اَپ ہے؟" ٹائیگر نے اُس سے دریافت کیا۔ "کوئی ٹیم ایلیگ؟ وغیرہ"

"نہیں سر۔ والی بال ایک آدھ ماہ میں شروع ہو گا۔

فی الحال ہینڈ بال ہو رہا ہے؟"

"لعنت ہو!" ٹائیگر بڑبڑایا۔ "مگر سامی اسمتھ نے تو کہا تھا کہ میں اس میں شمولیت اختیار کر سکتا ہوں۔"

"سامی اسمتھ؟"

"ہاں، تم اُسے جانتے ہو؟"

"سنٹر میں آنے والے تقریباً ہر شخص کو جانتا ہوں۔"

"ویسے اُس نے تمہاری تعریف کی تھی۔"

پارنیلی چونکا۔ "کیا کبھی اسمتھ سے تمہاری ملاقات ہوئی تھی؟ اُس نے آج مجھ سے بات نہیں کی۔"

"آج نہیں، کل میں نے اُسے فون کیا تھا۔" ٹائیگر نے پارنیلی کو غور سے دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ "میں سمجھا نہیں لیکن تمہارے پاس میرے لیے کوئی پیکٹ یا لفافہ وغیرہ ہے؟"

پارنیل کا رنگ ایک لمحے کے لیے پھیکا پڑ گیا۔ "مجھے نہیں علم تم کیا بکواس کر رہے ہو۔ میں صرف جمنازیم چلاتا ہوں۔"

ٹائیگر نے ہاتھ بڑھا کر پارنیلی کو گریبان سے پکڑا اور اُسے اُس کے قدموں سے اٹھا لیا۔ اب وہ کسی پہنڈولم کی طرح ٹائیگر کے ہاتھوں میں جھول رہا تھا۔

"جاؤ جا کر اسمتھ کو فون کرو اور اُس سے میرے بارے میں دریافت کرو۔"

پارنیل کی ساری بہادری ہوا ہو گئی۔

"ٹھیک ہے، ٹھیک ہے۔ میں ابھی اُسے فون کرتا ہوں لیکن سامی نے اس سے پہلے فون کیے بغیر کسی کو میرے پاس نہیں بھیجا۔"

ٹائیگر نے اُسے زمین پر اُتار دیا۔ پارنیلی تیر کی طرح فون کی طرف بڑھا۔ اُس نے نمبر ڈائل کیا لیکن دوسری جانب سے کسی نے فون نہیں اٹھایا۔

پارنیلی نے دوبارہ نمبر ڈائل کیا لیکن وہاں کوئی ہوتا تو جواب دیتا۔ ٹائیگر اُسے فون سے اُلجھا چھوڑ کر باہر نکل آیا۔ نصف میل آگے آنے کے بعد وہ فون بوتھ میں گھس گیا اور وہ نمبر ڈائل کیا جس سے پہلے جواب نہیں ملا تھا۔ اس بار دوسری ہی گھنٹی پر فون اٹھا لیا گیا۔

"گڈ مارننگ، دس از بک ریک۔"

"مجھے ایک کتاب کی تلاش ہے۔" ٹائیگر نے اُسے ایک مشہور مصنف کا نام بتا دیا۔

"ہاں، میرے پاس ہے تمہیں کتنی چاہئیں؟"

"صرف ایک۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ "تمہارا اسٹور کہاں ہے؟" بک اسٹور کے مالک نے اُسے پتا لکھوا دیا اور ٹائیگر نے کہا کہ وہ جلد ہی اسٹور پر آئے گا۔

ریسیور رکھ کر اُس نے فون ڈائریکٹری اٹھالی اور اس میں لوئیس کے پول روم کا پتا تلاش کرنے لگا۔ ٹائیگر نے پتا ذہن نشین کیا اور ریچ کریسٹ قصبے میں جانا ایک بولیورڈ اور ہائی وے ۸۰ کے سنگم کی طرف روانہ ہو گیا جہاں پول روم واقع تھا۔

بیرونی دروازے پر کوئی ڈور مین موجود نہیں تھا۔ ٹائیگر نے شیشے کے دروازے دھکیلے اور اندر داخل ہو گیا۔ دوسرے کمرے میں دو آدمی ایک میز کے گرد پول کھیلنے میں مصروف تھے۔

"لوئیس؟" ٹائیگر کی بلند آواز نے دونوں افراد کو اپنی اپنی کیو میز پر رکھ کر اپنی طرف دیکھنے پر مجبور کر دیا۔ دونوں کی آنکھوں میں حیرت کے آثار تھے۔

"میرا نام لوئیس ہے۔" نسبتاً طویل قامت شخص نے جواب دیا۔

"تم مجھ سے بات کرنا چاہتے ہو؟"

"میں چاہتا ہوں۔" لوئیس نے تضحیکی انداز میں کہا۔ "دوست میں کھیل میں مصروف ہوں۔"

"ہم بھی بات کریں گے۔" ٹائیگر نے کہا۔ اُس کی آواز پہلے کی نسبت نرم لیکن سخت تھی۔

لوئیس کے ساتھی نے اپنی کیو دونوں ہاتھوں میں تھامی اور ٹائیگر کی طرف بڑھا۔

"سر! میرا خیال ہے آپ سمجھے نہیں۔ لوئیس نے کہا کہ وہ کھیل رہا ہے، بعد میں بات کرے گا۔"

ٹائیگر نے دونوں ہاتھ اُس کے کندھوں پر رکھے اور اٹھا کر پول ٹیبل پر بٹھا دیا۔ سارے پول بال اِدھر اُدھر منتشر ہو گئے۔

لوئیس نے فوراً اپنی کیو میز پر ڈال دی۔ "چلو مسٹر میں اپنے دفتر میں تم سے بات کروں گا۔"

ٹائیگر نے اثبات میں سر ہلایا اور لوئیس کے پیچھے پیچھے دروازے کی طرف بڑھا۔ اتنی دیر میں دوسرا آدمی اپنا بریف کیس اٹھا کر خارجی دروازہ پار کر چکا تھا۔

"مجھے بتاؤ کہ اسمتھ کو کیا ہوا ہے؟" ٹائیگر نے مطالبہ کیا۔ "میں نے فون کیا تو مجھے کوئی جواب نہیں ملا جب میں

نے ایک آدمی بھیج کر اُس کا مکان چیک کروایا تو مجھے اس کا سیف ٹوٹا ہوا اور خالی ملا اور یہ سب کچھ تمہاری صحت کے لیے انتہائی مضر ہے، لوئیس۔"

"دیکھو، مسٹر، میں کسی چیز میں ملوث نہیں۔ اور میں یہ بھی نہیں جانتا کہ تم کون ہو؟"

"یہ کوئی اہم بات نہیں، تم نے آخری بار اسمتھ سے کب بات کی تھی؟"

"گزشتہ روز صبح، اُس نے دفتر سے فون کیا تھا۔"

"کیا وہ پریشان تھا؟"

"نہیں۔"

"تو پھر میرا خیال ہے کوئی اُسے باہر لے گیا ہے۔"

"کون؟" لوئیس نے پُراشتیاق انداز میں پوچھا۔

"ممکن ہے تمہیں علم ہو؟"

"مجھے؟" لوئیس کے لہجے میں دنیا بھر کی حیرت سمٹ آئی تھی۔ "وہ پول کھیلنا پسند کرتا ہے سو اُس کے آنے پر ہم ایک دو گیم کھیلتے تھے زیادہ سے زیادہ پچاس ڈالر کی شرط پر۔ دو ایک بار اُس نے تین چار آدمیوں سے ملاقات کی تھی۔ لیکن وہ عقبی دروازے سے آئے تھے اور وہیں سے گئے تھے۔ ہو سکتا ہے وہ منشیات فروش رہے ہوں۔"

ٹائیگر نے جیب سے پچاس ڈالر کا ایک نوٹ نکال کر لوئیس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔

"اُس پول گیم کے بے جوڑ نے خراب کیا۔" ٹائیگر نے اُسے بتایا۔ "یہ بھول جانا کہ میں کبھی یہاں آیا تھا۔ میرا خیال ہے کہ میں غلط آدمی تک پہنچا ہوں۔ اور ہاں جب میں اندر آیا تھا تو تمہارے ساتھ کون تھا؟"

"منشیات کا ایک تاجر۔"

ٹائیگر نے اثبات میں سر ہلایا اور کوئی تبصرہ کیے بغیر باہر آ کر اپنی کار میں بیٹھ گیا۔ اُس نے غور کیا کہ لوئیس کھڑکی میں سے اُسے روانہ ہوتے دیکھ رہا تھا لیکن یہ کوئی خاص بات نہ تھی۔

دو بلاک کا فاصلہ طے کرنے کے بعد وہ پھر ایک فون بوتھ پر رُکا۔ پچھلے نمبر سے اب بھی کوئی جواب نہیں آیا تھا۔ چنانچہ وہ بک اسٹور کی طرف روانہ ہو گیا۔

اسٹور ایک بڑی سپر مارکیٹ اور بیوٹی پارلر کے درمیان سینڈوچ بنا ہوا تھا۔ چھوٹی سی دکان کتابوں سے اٹی پڑی تھی اندر ائر کنڈیشنر بھی نہیں چل رہا تھا۔ ایک چھوٹا سا پنکھا تھا جو گنجے منیجر کے سر پر دھاڑ رہا تھا جبکہ گنجا منیجر خود پورٹیبل ٹی وی سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ اُس کا چہرہ گول مول لیکن رخسار سرخ و سفید تھے۔ ٹائیگر کے قدموں کی چاپ سن کر اس نے ٹی وی سے نگاہیں ہٹائیں۔

"گڈ مارننگ، سر!"

"میں نے ذرا دیر پہلے ایک کتاب کے لیے فون کیا تھا۔" ٹائیگر نے اُسے ناول اور مصنف کا نام بتایا۔

منیجر نے چند ہی ثانیوں میں کتاب نکال کر اُس کے ہاتھ پر رکھ دی۔ "پسندیدگی کی کوئی خاص وجہ؟" اُس نے پوچھا۔

"سامی اسمتھ نامی میرے ایک دوست نے اس کی تعریف کی تھی۔" ٹائیگر نے نظریں گنجے کے چہرے پر جما کر جواب دیا۔ "وہ تمہیں بھی جانتا ہے۔" دکاندار کے چہرے پر اسمتھ کا نام سُن کر ذرہ برابر بھی ردِ عمل ظاہر نہیں ہوا تھا۔

"ایک اسمتھ کو میں جانتا ہوں لیکن وہ سامی تو تو نہیں لکھتا۔"

ٹائیگر نے کتاب کی قیمت ادا کی اور اسٹور سے باہر نکل آیا۔ اُسے یقین نہیں تھا کہ اُس نے صحیح آدمی پر ہاتھ ڈالا ہے یا نہیں۔ ممکن تھا گنجا اس سارے شاخسانے میں کوئی اہم کردار ہو۔ ٹائیگر نے ذرا دیر رک کر اپنا شک دُور کرنے کی ٹھان لی۔ وہ سُپر مارکیٹ کے ایک شوکیس کے سامنے کھڑا ہو گیا لیکن آنکھوں کے گوشے کتابوں کی دکان پر جمے ہوئے تھے۔

چند ہی ثانیوں بعد نیلی شرٹ پہنے ہوئے ایک شخص اسٹور سے باہر نکلا۔ ٹائیگر پر نظر پڑتے ہی وہ ایک لمحے کے لیے ٹھٹکا پھر مخالف سمت چل دیا۔

ٹائیگر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اس کا مطلب تھا کہ گنجا صحیح ہدف تھا۔ اُس نے شانے اچکائے اور نیلی شرٹ کے تعاقب میں روانہ ہو گیا۔ جو چند قدم دور ایک مکان کے سامنے رک گیا تھا۔ مقصد اُس کا یہی تھا کہ ٹائیگر اُس کے قریب سے گزر کر آگے نکل جائے تو تعاقب دوبارہ شروع کرے۔

ٹائیگر نے اُسے مایوس نہیں کیا۔ لاتعلق سے انداز میں وہ اُس کے قریب سے گزرتا چلا گیا لیکن موڑ مڑنے کے بعد وہ آگے نہیں بڑھا بلکہ وہیں سمٹ کر کھڑا ہو گیا۔ اُسے یقین تھا کہ نیلی شرٹ والا پیچھے ضرور آئے گا۔ ہوا بھی یہی۔ نیلی شرٹ تیزی سے موڑ گھومی۔ ٹائیگر نے اپنا دایاں پاؤں آگے بڑھا دیا اور وہ

Uploaded By Nadeem

لڑھکنیاں کھاتا ہوا دور جا گرا۔

اُس نے اٹھنے کی کوشش کی لیکن ٹائیگر نے اُسے زمین سے ایک انچ اُوپر نہیں اُٹھنے دیا۔ دونوں ہاتھ آگے بڑھے اور سیکنڈ کے ہزارویں حصّے میں نیلی شرٹ والا بے ہوش ہوگیا ٹائیگر نے اُس کی کنپٹی مسل دی تھی۔

بیس منٹ بعد ٹائیگر نے اپنی کراٹ کی فورڈ قبضے سے بیس میل دور تپتے صحرا کے دامن میں روکی۔ سایے میں درجۂ حرارت ۱۱۰ فارن ہائیٹ تھا۔ ریت تپ کر جہنم بنی ہوئی تھی۔ ٹائیگر نے بے ہوش شخص کو پسنجر سیٹ سے دھکیل کر گرم گرم ریت پر گرا دیا۔ تپش اتنی تھی کہ وہ فوراً اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ ٹائیگر بھی انجن بند کر کے اُس کے سر پر پہنچ گیا۔

"بولنے کے لیے تیار ہو؟" ٹائیگر نے اُس کے اوپر کھڑے ہو کر دریافت کیا

"ہاں"

"بک اسٹور کے مالک کا نام کیا ہے؟"

"جوزف درشکوف"

"اُس نے تمہیں میرے پیچھے کیوں بھیجا ہے؟"

"وہ چاہتا ہے کہ تمہاری کچھ ہڈیاں توڑ کر تمہیں ہسپتال بھیج دیا جائے"

"کیوں؟"

"اس کا مجھے کوئی علم نہیں، میں تو حکم کا بندہ ہوں"

"کیا تم جانتے ہو کہ وہ روسی جاسوس ہے؟"

"جاسوس؟ وہ تو بک اسٹور کا مالک ہے"

"تم میری توقع سے زیادہ بڑے بے وقوف ہو" ٹائیگر نے پیر سے ہلکی سی ٹھوکر اُسے رسید کی "تم زندہ رہنا چاہتے ہو یا اس ریت میں دفن ہونا پسند کرو گے؟"

"زندگی کسے پسند نہیں؟"

"تو پھر یہاں سے دفع ہو جاؤ۔ آئندہ مجھے اگر تم قصبے کے اس پاس نظر آئے تو یہ سوال نہیں کروں گا"

نیلی شرٹ والے نے خوف زدہ انداز میں سر ہلا دیا۔

ٹائیگر نے اُسے وہیں چھوڑا اور خود کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ واپس ریسٹ کریسٹ جا رہا تھا۔ وہ لنچ سے پہلے پہلے ڈاکٹر تھ لڈلوف کی سیکرٹری سے بات کرنا چاہتا تھا۔

☆ ☆

جب اُس نے بارہ بجے کے بعد نیول وینپز سینٹر فون کیا تو اُسے علم ہوا کہ کارا رالسٹن لنچ پر جا چکی ہے۔ چنانچہ ایک گھنٹے بعد اُس نے دوبارہ فون کیا۔

"کارا رالسٹن؟"

"بول رہی ہوں"

"میرا نام شہزاد ہے۔ سامی اسمتھ نے کہا تھا کہ میں تمہیں فون کر لوں۔ میں ایک کاروباری سلسلے میں چند دنوں کے لیے یہاں آیا ہوں"

ٹائیگر کو ایک طویل سانس لینے کی آواز ہیڈ فون میں سنائی دی لیکن جب وہ دوبارہ بولی تو خود پر قابو پا چکی تھی۔

"اوہ اچھا، تم سامی کے کوئی دوست ہو۔ کیا آج تمہاری اُس سے کوئی بات ہوئی ہے؟ اُس نے مجھے فون کرنا تھا لیکن میں ایسٹک منتظر ہوں"

"نہیں۔ میں نے آخری بار ایک ہفتہ پہلے اُس سے بات کی تھی۔ اُس نے مجھے ملنے کو کہا تھا لیکن بارہا باوجود کوشش کے میں اُس سے رابطہ نہیں کر سکا"

"کیا ہم ڈرنک کے لیے مل سکتے ہیں؟ میں چار بجے دفتر سے فارغ ہوتی ہوں" انداز ایسا ہی تھا جیسے یہ کوئی خاص بات نہ ہو۔ "مانٹا لیک بولیوارڈ پر ہائیڈ آوے نامی بار ہے۔ سوا چار بجے مناسب رہے گا؟"

"اوکے" شہزاد نے جواب دیا "میرے بال کالے ہیں اور میں نے براؤن کلر کی اسپورٹس شرٹ پہن رکھی ہے"

"فائن، میں تمہیں ڈھونڈ لوں گی۔ اوہ، میرا قد ۵ فٹ ۵ انچ ہے بال کٹے ہوئے سنہری، بائی"

ٹائیگر نے ایک بار پھر فون نمبروں کی فہرست پر نظر دوڑائی اب بھی ایک نمبر ایسا تھا جس سے کوئی جواب نہیں ملا تھا۔ اُس نے آپریٹر کو کال کیا۔ اس بار جب ٹائیگر بولا تو اس کی آواز بدحواسی کا شکار محسوس ہوتی تھی۔

"آپریٹر، میں سارجنٹ اسٹریب بول رہا ہوں۔ رینچ کریسٹ پولیس سے۔۔۔ میرا ہارٹنر شدید مصیبت میں ہے لیکن میرے پاس محض ایک فون نمبر ہے۔ مجھے فوری طور پر اس نمبر کا ایڈریس دو۔۔۔ کوئی سوال نہیں۔۔۔ دو مسلح افراد نے اُسے یرغمال بنا رکھا ہے۔۔۔ جلدی" ٹائیگر نے مذکورہ فون نمبر آپریٹر کو بتایا۔

"آئی ایم سوری، لیکن یہ۔۔۔"

"آپریٹر!" ٹائیگر نے اس کا جملہ پورا نہیں ہونے دیا۔

"میرا پارٹنر مر رہا ہے اور تم معذرتیں کر رہے ہو۔ اُسے کچھ ہو گیا تو میں تمہارے پورے دفتر کو تہس نہس کر کے رکھ دوں گا۔ جلدی سے نمبر دو"

آپریٹر خاموش ہو گیا لیکن چند ثانیوں بعد ہی وہ اُسے ایڈریس بتا رہا تھا۔

"۴۴۴۱۴، ونڈ وارڈ اسٹریٹ"

ٹائیگر نے فکر بردار کے ریسیور رکھا اور ونڈ وارڈ اسٹریٹ کی طرف بڑھ گیا۔ پندرہ منٹ بعد وہ مکان نمبر ۴۴۴۱۴ پر دستک دے رہا تھا۔ ایک عورت نے دروازہ کھولا تو ٹائیگر نے پیش کش کی کہ وہ تین سو ڈالر میں پورے گھر میں رنگ کر سکتا ہے۔ عورت نے مُنہ سے کچھ کہنے کی بجائے اتنی زور سے دروازہ بند کیا کہ ٹائیگر اگر فوراً مُنہ نہ ہٹا لیتا تو آج آپ بیتی کے بجائے کی کہانی پڑھ رہے ہوتے۔

ناک تو اس نے بچا لی لیکن اتنی دیر میں وہ اس بات کا جائزہ لے چکا تھا کہ ۴۴۴۱۴ خالی پڑا ہے۔ پھر بھی اُس نے مطلوبہ مکان کے دروازے پر دستک دی۔ کافی دیر بعد ایک میکسیکن عورت نے آ کر دروازہ کھولا۔ وہ ٹائیگر کو دیکھ کر مسکرائی ضرور لیکن جو کچھ اُس نے کہا وہ ٹائیگر کے پلّے نہیں پڑا عورت نے کچھ ایسا، کاٹا بولا، کیا کہ وہ دونوں ہاتھ باندھ کر آگے بڑھ گیا۔

جب وہ اپنی کار میں آ کر بیٹھا تو اسے اسی مکان کے اندر سے دو کتوں کے بھونکنے کی آوازیں بھی سنائی دیں۔ یعنی وہاں حفاظت کا یہ انتظام بھی تھا۔ وہ شاید اُس جیسی خاتون کو نظر انداز کر دیتا لیکن اب اُس نے مکان پر نظر رکھنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

قصبے کے مرکزی علاقے میں واپس آ کر وہ کچھ دیر بک اسٹور کی نگرانی کرتا رہا۔ لیکن کوئی قابلِ ذکر سرگرمی نظر نہ آئی۔ دو بوڑھیا کتابیں لے کر دُوکان سے نکلی تھیں ایک بوڑھی قبا دیکھ کر اُسے بے اختیار اُوشان یاد آ گیا جو یقیناً صبح سے اُسے ننانوے کروڑ ننانوے لاکھ ننانوے ہزار نو سو ننانوے گالیاں تو دے ہی چکا ہو گا لیکن ابھی واپسی کا وقت نہیں ہوا تھا۔

چار بج گئے تھے اور سوا چار بجے اُسے کارا سے ملنا تھا چنانچہ وہ ہائیڈ آوے کی جانب روانہ ہو گیا۔ کار کھڑی کر کے جب وہ بار میں داخل ہوا تو گھڑی چار دس بجا رہی تھی۔ اُس کے خیال میں کارا چند منٹ میں پہنچنے والی تھی۔ لیکن غیر متوقع طور پر وہ پہلے سے وہاں موجود تھی۔ بائیں ہاتھ والے پہلے بوتھ میں اُس نے اُسے دیکھا اور بوتھ کی طرف بڑھ گیا۔

"مس رالسٹن؟"

"یس، مسٹر شیفرڈ؟"

شہزاد کا دماغ گھوم گیا لیکن یہ مسئلہ اب پرانا ہو چکا تھا۔ ان سالے امریکیوں اور انگریزوں کو الف اور ہ سے جانے اتنی چڑ کیوں تھی۔ پھر بھی شہزاد نے ٹھکرا دیا کہ لڑکی نے اُسے شیفرڈ بنا دیا اور نہ جاپان اور امریکہ کے درمیان حقوقِ ملکیت کا جھگڑا کھڑا ہو جاتا۔

ٹائیگر دل پر جبر کر کے مسکرایا اور اُس کے سامنے بیٹھ گیا۔ وہ اپنا گلاس سے ہلکی ہلکی چُسکیاں لے رہی تھی۔

کارا بھی جواباً مُسکرا دی۔ مسکراہٹ اُس کے بھرے بھرے چہرے پر خوب سج رہی تھی۔ اُس کی آنکھیں گہری سبز تھیں۔ ٹائیگر نے اندازہ لگایا کہ وہ تیس سے کم نہیں تھی۔

ویٹر کے آنے پر جب شہزاد نے اپنے لیے جُوس کا آرڈر دیا تو کارا نے حیرت سے دیکھا ضرور لیکن مُنہ سے کچھ نہیں بولی۔

"اسمتھ کی کوئی خبر ملی؟ بات چیت میں پہل شہزاد نے ہی کی تھی۔

اُس نے ناگواری سے مُنہ دوسری طرف پھیر لیا۔ پھر اُس کی سبز آنکھیں اُس پر مرکوز ہو گئیں۔

"براہِ راست نہیں۔ تم اُسے کتنی اچھی طرح جانتے ہو مسٹر شیفرڈ؟"

"میرا اور اُس کا تعلق محض کاروباری تھا"

"تم قریبی دوست تو نہیں تھے؟"

"نہیں" شہزاد نے اعتراف کیا "ہم صرف دو بار ملے ہیں"

"دیکھو، میں تمہیں کوئی صدمہ نہیں پہنچانا چاہتی لیکن میرا خیال ہے کہ مسٹر اسمتھ اب اس دنیا میں نہیں۔ کسی نے مجھے فون پر بتایا ہے کہ اُسے کوئی حادثہ پیش آ گیا ہے مگر مجھے لگتا ہے کہ وہ کہیں فرار ہو گیا ہے"

شہزاد خاموشی سے جُوس کی چُسکیاں لیتا رہا۔ اُس کی تمام تر توجہ لڑکی کے چہرے پر تھی۔

"تم نے بتایا ہے کہ تم سامی کے لیے کاروبار کر رہے تھے" کارا نے دوبارہ کہنا شروع کیا "کیا مجھے بتاؤ گے کہ اس کاروبار کی نوعیت کیا تھی؟"

"میں ایک اسپیشلسٹ ہوں، لانگ رینج اور شارٹ

Uploaded By Nadeem

ریشنگ ایکویپمنٹس کا۔"

"اوہ" لڑکی کے چہرے کے تاثرات ایک دم بدل گئے۔ وہ ٹینگ سے بوتھ میں کھسک کر ٹائیگر کے مزید قریب ہو گئی۔ بوتھ مزید تنگ ہو گیا تھا۔ "میں ایسے لوگوں کو بے حد پسند کرتی ہوں۔" ٹائیگر بھلا کب چوکنے والا تھا۔ اُس نے پسندیدگی کا خراج فوراً ہی وصول کر لیا۔

"میں تم پر اعتماد کرنے لگا ہوں۔" ٹائیگر نے تپا چھنکا۔

"واقعی۔" لڑکی نے سُرور میں بند آنکھیں کھول دیں۔ "پھر تو مجھے بھی تمہارے لیے کوئی کام ڈھونڈنا پڑے گا۔ کیا تم شام کے بعد فارغ ہو؟"

"کل رات، جہاں تم کہو۔"

"یہیں پر، شام ساڑھے چار بجے۔ ہم صحرا میں ڈرائیونگ کے لیے چلیں گے۔" اُس نے گھڑی پر نگاہ ڈالی۔ "میرا خیال ہے مجھے چلنا چاہیئے۔" لڑکی نے اپنا میک اَپ درست کیا۔ گلاس کا باقی ماندہ مشروب حلق میں انڈیلا اور اُٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

"یہی وقت، یہی جگہ۔" بوتھ کے دروازے پر پہنچ کر وہ گنگنائی اور پھر باہر نکل گئی۔

ٹائیگر نے اُس وقت تک انتظار کیا جب تک وہ پارکنگ لاٹ میں نہیں پہنچ گئی۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اُسے اپنے تعاقب کا احساس ہوا۔ ٹائیگر کا اندازہ تھا کہ وہ آج شب اسمتھ کے شیڈو ایجنٹ سے مل کر اُسے اپنے نئے رابطے سے ضرور آگاہ کرے گی۔

اور پھر اُس کے ذہن میں ایک نیا مسئلہ در آیا۔ یہاں اگر اُس نے سب کو اپنا شہزاد ہی بتایا تھا۔ کار اسے تعارف بھی اسی نام سے ہوا اور جس انداز میں وہ اُس کے ساتھ کچھ دیر گزار کر گئی تھی وہ کئی سال تک نہ بھولنے کے لیے کافی تھی اگر اس نے کسی ایسے شخص کو رپورٹ دی جس سے شہزاد پہلے ہی اپنے نام کے ساتھ مل چکا تھا تو صورت حال خراب ہو سکتی تھی۔ لیکن اَب ایک حماقت تو ہو چکی تھی۔

اُس نے ڈرنکس کی ادائیگی کی اور کار سنبھال کر کلینسی کی طرف چل دیا۔ جہاں مالیا ہوسٹس کی حیثیت سے کام کرتی تھی وہ اُسے دروازے پر ہی مل گئی۔

"گڈ ایوننگ سر۔ بار یا ریسٹورنٹ؟"

"جہاں ہم آرام سے بات کر سکیں۔"

وہ اُسے بار میں لے گئی۔ اپنی جگہ اُس نے ایک دوسری ہوسٹس سے آرڈر سرو کرنے کی درخواست کی اور خود اُسی کی میز پر بیٹھ گئی۔

"کوئی شخص مجھے یہاں فون کر رہا ہے۔" مالیا نے فوراً ہی باتوں کا آغاز کر دیا۔ "تین بار اُس کا فون آ چکا ہے۔ اُس کا کہنا ہے کہ سامی مجھ سے ملنا چاہتا ہے۔"

اُس کی آنکھوں میں خوف تو نہیں تھا لیکن اعتماد بھی نہیں تھا۔ ٹائیگر نے فیصلہ کیا کہ وہ صبح کے اندازے سے کہیں زیادہ خوب صورت ہے۔

"تمہیں سامی اسمتھ کے معاملے میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، وہ مر چکا ہے۔ یہ بات میں نے اُس کے چھوٹے سے گروپ کے ایک آدمی سے سُنی ہے۔" اُس نے جس انداز میں چونک کر اُسے دیکھا وہ بہت کچھ بتا دینے کو کافی تھا۔

"چنانچہ اَب ہم یکساں حالات کا شکار ہیں۔" ٹائیگر نے اپنی بات جاری رکھی۔ "اسمتھ کسی روسی ایجنٹ کے لیے کام کر رہا تھا۔ کوئی اُس کی پشت پناہی کر رہا تھا اور ہمیں یہی پتا چلانا ہے کہ وہ پشت پناہ کون ہے۔ ہو سکتا ہے وہی تمہیں فون کر رہا ہو اس لیے بہتر ہے کہ تم یہ ملازمت چھوڑ کر لاس اینجلس چلی جاؤ۔"

"مجھے نہیں علم کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ میں تو یہاں صرف ایک ہوسٹس ہوں میرا قصور صرف یہ ہے کہ میں سامی اسمتھ کے ساتھ رہتی تھی اَب تم مجھے کس جاسوس۔۔۔"

"میں کچھ دیر سے اس پر کام کر رہا ہوں۔" ٹائیگر نے جھوٹ بولا۔ "اگر تم اُن ظالموں کے ہاتھوں اپنی زندگی بچانا چاہتی ہو تو عقبی دروازے سے باہر آ جاؤ۔ میں کار لے کر چند سیکنڈ میں پچھلی گلی میں پہنچتا ہوں۔"

مالیا کچھ دیر سوچتی رہی بالآخر اُس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اُسے واقعی احساس ہو گیا تھا کہ وہ خطرے میں ہے۔ یہ احساس اتنا شدید تھا کہ اُس نے فوری طور پر اس اجنبی پر اعتماد کا فیصلہ کر لیا۔ اُس نے منیجر کو بتایا کہ وہ جا رہی ہے اور ہو سکتا ہے واپس نہ آئے۔ اس کے بعد اُس نے اپنا پرس اٹھایا اور کچن کی طرف بڑھ گئی۔ جس کا دروازہ اندھیری گلی میں کھلتا تھا۔

پانچ منٹ بعد دونوں شہر کے مضافاتی علاقے کی طرف جا رہے تھے۔

"تم نے کبھی کارا رامشن کا نام سُنا ہے؟" مالیا نے نفی میں سر ہلایا۔ "اور جوائے در شکوف؟"

"ہاں، وہ بک اسٹور کا مالک ہے، چھوٹے قد کا بھی گٹھیلا سا آدمی ہے۔"

"وہ اس معاملے میں کہیں نہ کہیں ملوث ہے۔" ٹائیگر نے اُسے بتایا۔ "لوئیس پول روم کے بارے میں سنا ہے؟"

"سامی ہفتے میں دو ایک بار وہاں جاتا تھا۔"

"تم کبھی ساتھ گئی تھیں؟"

"نہیں۔" مالیا نے جواب دیا اور خاموش ہو گئی۔ ٹائیگر نے بھی کوئی مزید سوال نہیں کیا تھا۔

نصف گھنٹے بعد وہ ایک موٹل کی سیڑھیاں چڑھ رہے تھے۔ ٹائیگر نے خود کو میاں بیوی ظاہر کر کے دوسری منزل پر ایک کمرہ حاصل کیا تھا۔ کاؤنٹر پر اس نے ایک فہتے کی پیشگی ادائیگی کی اور بہت سے نوٹ مالیا کے پرس میں ڈال دیے۔

کمرے میں پہنچ کر مالیا بستر پر بیٹھ گئی۔ اَب وہ چہرے سے ہی نروس لگ رہی تھی۔ شاید وہ یہ سوچ کر پریشان ہو رہی تھی کہ اُس نے ایک اجنبی کے ساتھ آ کر کوئی غلطی تو نہیں کی۔

"تم یہاں رکو گی۔" ٹائیگر نے اُسے بتایا۔ "میں دن میں دو تین بار تمہیں فون کر لوں گا۔"

"میں نہیں جانتی کہ تم پر اعتماد کیوں کر رہی ہوں حالانکہ تم نے اپنی شناخت بھی نہیں کرائی۔"

"اگر تم خوش رہنا چاہتی ہو تو مجھ پر اعتماد کرو۔ میرے جانے کے بعد دروازہ بند کر لینا اور میرے یا روم سروس کے سوا کسی کے لیے نہ کھولنا۔"

مالیا نے اثبات میں سر ہلایا اور ٹائیگر باہر نکل آیا وہ چند ثانیے وہیں ٹھہرا تاکہ تالے کی کلک کی آواز سُن سکے۔ جب مالیا نے دروازہ مقفل کر لیا تو وہ اپنے ہوٹل کی طرف چل پڑا۔ جہاں اوشان یقیناً اُس کا منتظر تھا۔

✣

"آ گئے لاڈلے؟" ٹائیگر کی توقع کے عین مطابق اوشان کی ناراض ناراض آواز نے اس کا خیر مقدم کیا۔

"آپ نے خود ہی کہا تھا کہ میں یہ مشن تنہا انجام دوں گا اور آپ آرام کریں گے۔"

"لیکن میں نے یہ نہیں کہا تھا کہ تم مجھے استعمال شدہ جوتوں کی طرح کوڑے کے ڈھیر پر پھینک کر بھول جاؤ۔"

"مجھے افسوس ہے لٹل فادر! دراصل مصروفیات ہی کچھ اس تسلسل سے رہیں کہ میں جلدی آ نہ۔۔۔"

"مجھے علم ہے تمہاری مصروفیات کس قسم کی ہوں گی۔" اوشان نے ناک سکوڑی۔ "نسوانی خوشبو نے تمہارے جسم کا احاطہ کر کھا ہے۔"

"وہ مشن کا حصہ ہے، لٹل فادر۔"

"جو بھی ہو لیکن میں تمہیں یہ اجازت نہیں دے سکتا کہ تم امریکی دوشیزاؤں سے ملاقاتیں کرتے پھرو۔ فوری طور پر مشن مکمل کرو۔ واپسی پر گھر میں تمہارا چاہنے والا تمہارے لیے ایک نیا کام ڈھونڈے بیٹھا ہے۔"

"مگر، لٹل فادر۔۔۔!"

"اگر مگر کچھ نہیں، مجھے سنا نجو کے ایک قدیم ماسٹر کا قول یاد آ رہا ہے جس میں اُس نے کہا تھا کہ سورج ڈھلنے کے بعد اپنے ٹھکانے سے باہر رہنے والے آوارہ افراد کے زمرے میں آتے ہیں۔"

"یہ سنا نجو کے ماسٹر کا قول تو نہیں۔" ٹائیگر نے احتجاج کیا۔ "بلکہ یہ تو۔۔۔"

"خاموش۔" بے ادب اوشان نے ہاتھ اٹھا کر اسے خاموش کرا دیا۔ "سنا نجو کے ماسٹر کو جھٹلانے ہوئے تمہیں شرم آنی چاہیئے۔ ایسا نہ ہو کہ میں تمہیں کوئی سزا دے کر یہ یاد دلاؤں۔ کہ تم کوئی عام شخص نہیں بلکہ سنا نجو کے ولی عہد ہو۔"

"سزا کی نوعیت کیا ہو گی، لٹل فادر؟"

"روبی سے شادی۔۔۔"

"میں اپنے تمام اقدامات کی غیر مشروط معافی مانگتا ہوں لٹل فادر۔" شہزاد نے فوراً کانوں کو ہاتھ لگا دیے۔

✣

ڈاکٹر پیٹرسن کے گھر کی طرف جاتے ہوئے خلاف معمول دونوں ہی خاموش تھے۔ ٹائیگر اپنے حالیہ مشن پر غور کر رہا تھا اور اوشان کے پیش نظر وہ آبدوز تھی جو چند دنوں میں خزانہ لے کر سنا نجو کے ساحلوں کو کوچ کرنے والی تھی۔

ہوٹل میں کچھ وقت گزارنے کے بعد شہزاد نے ڈاکٹر پیٹرسن کے گھر جانے کا ارادہ ظاہر کیا تو اوشان بھی اُس کے ساتھ ہو لیا تھا

ڈاکٹر پیٹرسن نے بڑی حیرت سے اس غیر متوقع جوڑے کا خیر مقدم کیا لیکن اوشان اُس سے کچھ زیادہ خوش نظر نہیں آ رہا تھا۔

"اچھی خبر ہے میں مسٹر شیزڈ!" ڈاکٹر پیٹرسن کی آواز خوشی سے لبریز تھی۔ "کل ہم اگلے فلائٹ ٹیسٹ پر جا رہے ہیں بعض لوگوں

Uploaded By Nadeem

کا کہنا ہے کہ صدر کی یہاں موجودگی کے باعث اس ٹیسٹ کو بہت زیادہ پبلسٹی ملے گی۔ صدر امریکہ کل صبح ائر فورس کے طیارے کے ذریعے یہاں پہنچ رہے ہیں۔"

"ٹیسٹ کی نوعیت کیا ہے؟"

"میزائل دوران پرواز ہوگا، ہم دو سو میل کے فاصلے سے ایک سائیڈ وائنڈر میزائل کو فضا سے فضا میں نشانہ بنائیں گے تجربہ سمندر کے اوپر ہوگا۔ پہلے راڈار کے ذریعے پورے علاقے کا جائزہ لیا جائے گا کہ وہاں کوئی فضائی یا بحری جہاز تو موجود نہیں۔ اس سے پہلے اتنے بڑے پیمانے پر ہم نے کوئی تجربہ نہیں کیا۔"

"اسمتھ کے آدمی تمہیں روکنے کی کوشش کر سکتے ہیں۔"

"یہی وجہ ہے کہ شیڈول حتی المقدور محدود اور خفیہ رکھا گیا ہے۔ لڈلوف ٹیسٹ کی کامیابی کے لیے ہر ممکن کوشش کر رہا ہے۔"

"کیا تم لیزر ہیلمٹ پر مجھے ساتھ لے جا سکتے ہو؟"

"ہاں، تمہارے پاس سیکرٹ کلیرنس موجود ہے لیکن تم ساتھ کیوں جانا چاہتے ہو؟"

"بس میری چھٹی حس کہہ رہی ہے کہ مجھے بھی وہاں موجود ہونا چاہیئے۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ "کیا ٹیسٹ میں شرکت کرنے والے تمام افراد کو ٹاپ سیکرٹ کے لیے چیک کر لیا گیا ہے؟"

"دس مرتبہ، ہم ہر تین ماہ بعد بیس اہم ترین ہدفوں پر فائر افراد کی بریفنگ کرتے ہیں اور ان عاملوں کا بڑے قریب سے مشاہدہ کرتے ہیں۔"

"لیکن اس کے باوجود میں ساتھ جانے کا خواہش مند ہوں کیونکہ اگر ٹیسٹ کو سبوتاژ کرنے کی کوئی کارروائی ہوئی تو وہ جہاز پر ہی ہوگی۔"

"درست۔" ڈاکٹر پیٹرسن نے اس سے اتفاق کیا۔ "ممکن ہے ان کا کوئی آدمی ہمارے کریو میں گھس آیا ہو۔ چار افراد میری براہ راست ماتحتی میں ہیں میں انھیں کسی بھی وقت کسی وجہ سے تبدیل کر سکتا ہوں۔ میں تمہیں بالکل آخری وقت میں کسی ٹیکنیکل فرد کی جگہ دے دوں گا۔"

"کارا رالسٹن کے بارے میں تم کیا جانتے ہو؟ میرا خیال ہے کہ وہ بھی اسمتھ کے گروپ میں شریک ہے۔"

"کارا؟"

"میں آج سہ پہر اس سے مل چکا ہوں، تمہیں سیف سے حاصل ہونے والی فہرست یاد ہے نا؟ اس میں اس کا براہ راست نمبر بھی تھا لیکن چونکہ نمبر ذاتی تھا اس لیے تم اسے پہچان نہیں سکے۔"

"مائی گاڈ!" ڈاکٹر سفید پڑ گیا۔ "میں فوری طور پر اس سے بات کرتا ہوں۔"

"نہیں۔" ٹائیگر نے اس کی مخالفت کی۔ "کچھ دن اسے شبہ میں رہنے دو۔ ہم نہیں چاہتے کہ وہ ہماری طرف سے ہوشیار ہو جائے فی الوقت یہ کوشش کرو کہ کوئی حساس چیز اس کے ہاتھ نہ لگے۔"

"یہ تو مشکل ہے۔"

"ناممکن تو نہیں۔" ٹائیگر نے زور دے کر کہا۔ "مجھے یقین ہے کہ میں صبح طیارے پر کس طرح سوار ہوں گا۔"

"ویسے تو تمہارا بیج ہی کافی ہے رہ گئی ٹیم میں شمولیت تو وہ میرا مسئلہ ہے تم فکر نہ کرو۔ ہمارے ساتھ تمہارے قد و قامت کا ایک ریڈیو آپریٹر بھی جا رہا ہے تم اس کی جگہ بھی لے سکتے ہو۔"

"ٹیک آف کا وقت کیا ہے؟"

"آرمیچ فیلڈ سے صبح ساڑھے پانچ بجے۔"

"صدر کب تشریف لا رہے ہیں؟"

"سرکاری طور پر ہمیں کچھ نہیں بتایا گیا لیکن مجھے علم ہوا ہے کہ تقریباً سات بجے۔ پروگرام کے مطابق ہمیں لیزر بیم ان کی آمد سے کوئی پندرہ منٹ پہلے فائر کرنی ہے۔"

دس منٹ بعد ٹائیگر اور اوشان اس دکان کے سامنے کھڑے تھے۔ جہاں دن میں اس نے ایک میکسیکن عورت کو دیکھا تھا۔ مکان تاریک پڑا تھا۔ اندرونی کمرے بھی اندھیرے میں ڈوبے ہوئے تھے۔ اردگرد خاردار باڑھ لگی ہوئی تھی۔

"اندر تو مجھے شکاری کتوں کی موجودگی محسوس ہو رہی ہے۔" اوشان کے تیز کانوں کو کتوں کے قدموں کی آواز سنائی دے گئی تھی۔

"ہاں لٹل فادر! ایک نہیں دو کتے ہیں۔"

"یہ تو کوئی مسئلہ نہیں، دنیا میں پیدا ہونے والے ہر ذی روح کی ایک قیمت مقرر کر دی گئی ہے۔ انسان ہو یا حیوان ہر کسی کو خریدا جا سکتا ہے۔ انسان کے ساتھ مسئلہ یہ ہے کہ وہ اپنی قیمت کئی اقسام میں وصول کرتا ہے لیکن جانور بے چارے صرف پیار و پیٹ کے پیچھے بک جاتے ہیں۔"

"کیا سانجو میں کوئی فلاسفر بھی پیدا ہوا تھا؟"

"ہاں، دو صدی پہلے ایک فلاسفر..."

"اور شاید اسے قتل کر دیا گیا تھا۔" ٹائیگر نے اوشان کا جملہ کاٹا۔

"دخل اندازی مت کیا کرو۔" اوشان نے اسے ٹوکا۔

"میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ تو شخص قتل ہو جائے۔ اس کی روح، بھوت بن کر زندہ لوگوں کے جسم میں حلول کر جاتی ہے۔" ٹائیگر نے ہونٹ دبا کر کہا۔

"تم انتہائی بدتمیز ہوتے جا رہے ہو۔" اوشان نے برا مانتے ہوئے انداز میں کہا۔ "بکواس چھوڑو اور جس کام کے لیے آئے ہو۔ جلدی کرو۔ میری عبادت کا وقت ہونے والا ہے۔"

ٹائیگر نے بیلٹ میں اڑسا ہوا ہیچ کش نکال لیا۔ ابھی وہ دانے دار باڑھ کی طرف پھینکنا ہی چاہتا تھا کہ ایک زوردار تھپڑ اس کی گدی پر پڑا۔

"تم بدتمیزی کے ساتھ ساتھ ناکارہ بھی ہوتے جا رہے ہو کیا تمہاری رگوں میں برقی رو دوڑتی ہوئی محسوس نہیں کر رہے؟"

ٹائیگر کھسیا گیا۔ اس نے ہیچ کش فوراً بیلٹ میں اڑس لیا۔ دل ہی دل میں اس نے دس ہزار بار خود کو لعنت ملامت کی اور بھنبھناتا ہوا کار کی طرف بڑھ گیا۔

✦

ائر فورس کے نشانات سے آراستہ کے سی ۱۳۵ طیارہ ٹینکوں و ہینگر سینٹر کے آرمیچ ائر فیلڈ کے رن وے پر تیار کھڑا تھا۔ جب ٹائیگر اور ڈاکٹر پیٹرسن وہاں پہنچے تو انھیں دیکھ کر درجنوں میں بسے زندگی کی نئی لہر دوڑ گئی تھی۔

جہاز کو ضروری تبدیلیوں کے بعد کثیر المقاصد بنا دیا گیا تھا۔ یہ فلائنگ فلنگ اسٹیشن، ٹرانسپورٹ جہاز اور اس طرح کے مختلف تجربات کے لیے ایک پلیٹ فارم کا کام کرتا تھا۔ یہ ضروری تبدیلیاں بوئنگ کمپنی نے ائر فورس ڈیزائن کے مطابق کی تھیں گیٹ پر انھیں کوئی مشکل پیش نہ آئی۔ ڈاکٹر پیٹرسن واقعی وہاں کا بادشاہ تھا۔ وہ فیلڈ جنرل تھا جبکہ ڈاکٹر تھ لڈلوف کرسی پر بیٹھ کر محض نتائج کا جائزہ لیتا تھا۔

ٹائیگر نے نظر بھر کر کے سی ۱۳۵ کو دیکھا۔ جو عام طیاروں سے قدرے مختلف تھا۔ اس کے پروں سے ذرا پیچھے درمیان میں دونوں جانب پلیکسی گلاس لگے ہوئے تھے۔ پینل چار مربع فٹ کے تھے جو شیشے کے اندر تھے۔ اینٹینا گھسے ہوئے تھے۔ پینل ان کو ادھر ادھر موڑنے کے کام آتے تھے۔ شیشے کی تنصیب میں اس بات کا خیال رکھا گیا تھا کہ گن بیرل میں ہوا داخل نہ ہونے پائے۔

پینل کا زیادہ تر حصہ ایک باکس میں پوشیدہ تھا جو پہلی نظر میں اسٹین لیس اسٹیل کا لگتا تھا لیکن وہ جس دھات سے بھی بنا تھا وہ اسٹیل سے کہیں زیادہ مضبوط تھی۔

ڈاکٹر پیٹرسن، ٹائیگر کو ریڈیو ڈیک پر لے گیا تاکہ اسے آپریشن کے بارے میں بتا سکے۔ پھر اس نے ٹائیگر کو ریڈیو آپریٹر سے ملوایا اور اسے بتایا کہ ایک ریگولر آدمی کو ڈراپ کر کے شہزاد کو اس کی جگہ وی جا رہی ہے۔

ڈاکٹر اس ریگولر آدمی کی آمد کا انتظار کرتا رہا جبکہ ٹائیگر نے جہاز کا اندرونی سروے شروع کر دیا۔ پورے جہاز میں آلات ہی آلات بکھرے ہوئے تھے۔ عقبی حصے میں ایک بائی پاور جنریٹر چل رہا تھا۔ ایک طرف بڑی اسکرین تھی جس کے عقب سے بہت سی تاریں نکل کر سامنے پڑے پینل میں غائب ہو رہی تھیں۔ بڑی اسکرین کے پہلو میں کئی چھوٹی چھوٹی اسکرینیں بھی تھیں۔ اسکرینوں کے سامنے دوسری جانب کرسیوں کی قطار تھی۔ باقی ماندہ جگہ مختلف سائنسی اوزاروں اور بڑے بڑے سیاہ صندوقوں سے بھری ہوئی تھی۔

جونہی آپریشنل اسٹاف جہاز میں داخل ہوا جہاز کے دونوں اطراف لگے ہوئے پلیکسی گلاس پینل بند اور مقفل کر دیے گئے۔ ڈاکٹر پیٹرسن نے خود ہر شخص کو چیک کیا۔ وہ اس سے چند لمحے بات کرتا اور پھر اسے اس کی ڈیوٹی پر روانہ کر دیتا۔ بہ ظاہر طور پر آٹھ افراد تھے۔ ایک کے پاس وڈیو میں ٹارگٹ اسکرینوں کا ایک سیٹ اور راڈار میں کار سپنڈنگ سیٹ تھا۔ ٹارگٹ کے اردگرد پرواز کرنے والے طیارے تعاقب کی وڈیو فلمیں، میزائل کی فلائٹ اور بعد ازاں لیزر بیم کے ذریعے اس کی تباہی کی تصاویر ارسال کرتے جو یہاں محفوظ کر لی جاتیں۔

دو افراد لیزر وپن کنٹرول پر تھے۔ ٹائیگر کے اندازے کے مطابق یہ لیزر وپن نسبتاً چھوٹا تھا۔ شاید اعشاریہ پچاس کیلی بر کی مشین گن کے برابر۔ اس کا آپریشن ٹورٹ ٹائپ یعنی چاروں طرف حرکت کرنے والا تھا۔ اس طرح یہ کے سی ۱۳۵ کی کسی بھی سمت فائر کر سکتا تھا۔ دو میں سے ایک آپریٹر کو ٹارگٹ دے کر فائرنگ بٹن دبانا تھا۔

ٹیم میں شامل دیگر افراد ریڈ آؤٹ اسکرینوں، پاور سپلائی کی گیجز، پیک آؤٹ پٹ ریڈی نیس، سمت اور فاصلے بتانے

Uploaded By Azeem

والے ڈاٹلوں کے ساتھ مصروف تھے۔ ایک اسکرین پر ٹارگٹ لاک آن دکھایا جاتا تھا۔

یہ ایک ٹیم آپریشن تھا۔ تمام ٹیکنیشن سویلین تھے لیکن اُن کے درمیان کچھ ایسا فوجی تعاون تھا جو اس سے پہلے کم از کم ٹائیگر کی نظروں سے نہیں گزرا تھا۔

ڈاکٹر پیٹرسن لاؤڈ اسپیکر پر مجموعی طور سے مخاطب تھا۔

"گڈ مارننگ، ایوری ون۔ سرکاری وقت صبح پانچ بج کر ۲۹ منٹ ہے۔ ہم اپنے مقررہ وقت پر ٹیک آف کریں گے۔ تمہارا آپریشن ہے کیپشن کرانسٹی!"

سسٹم پر ایک اور آواز سنائی دی۔ "راجر، ڈاکٹر پیٹرسن، ہم اُس رن وے پر ہیں جو چیک کرنے کے لیے ہمیں دیا گیا ہے۔ جونہی ہمیں کلیرنس ملی ہم ہواؤں کے دوش پر ہوں گے!"

اگلا ایک گھنٹہ انھوں نے تیول ویپنز سینٹر کے اُوپر ممنوعہ فضائی علاقے پر پرواز میں گزارا۔ اس عرصے میں راکٹ لانچنگ فائرنگ اور تعاقب کرنے والے طیارے اپنی اپنی منزلوں کی جانب پرواز کر گئے تھے۔ کے سی ۱۳۵ تین سو میل دُور سے ریڈار اور ویڈیو اسکرینوں پر ان طیاروں کی نقل و حرکت دیکھ رہا تھا۔

بالآخر ڈاکٹر پیٹرسن مطمئن ہو گیا۔ اُس وقت سات بجنے میں چند ہی لمحے باقی تھے۔

"کام کا آغاز کر دیا جائے!" ڈاکٹر پیٹرسن نے مائیک کے ذریعے اپنے اور سمندر کے اُوپر پرواز کرنے والے دوسرے طیاروں کے کریو کو مخاطب کیا۔ "یہ ایک مہلک تجربہ ہے!"

"سمندری علاقے کو صاف کرا دیا جائے! اسکینر چلا دیے جائیں!"

"کلیئرنگ!" ایک ٹیکنیشن کی آواز اُبھری۔

"کیپٹن کرانسٹن، ہم لو پاک اور پوائنٹ کانسیپشن سے ساحل عبور کر کے فائرنگ پوزیشن میں آئیں گے۔ اور ساحل کے ساتھ ساتھ ایک میل کے علاقے میں اپنا ٹیسٹ کو ریڈار استعمال کریں گے۔ ہماری ای ٹی اے کیا ہے؟"

"بارہ منٹ بیس سیکنڈ، ڈاکٹر پیٹرسن!"

"لیزر باور کی مقامی ہیکنگ کر دی جائے۔ آپریشن فائرنگ کاؤنٹ ڈاؤن کے طریقہ پر ہو گا اور منفی پندرہ سیکنڈ تک جاری رہے گا!"

ٹائیگر جہاز میں چکرا رہا تھا۔ یہ صورت حال اس کے لیے نئی ضرور تھی۔ لیکن حیران کن نہیں تھی۔ اُس نے لیزر ویپن کی

پراسرار اور خوفناک کہانیاں جنہیں
پڑھتے ہوئے آپ چونک اٹھیں گے
انوار صدیقی کے پراسرار قلم سے

آسیب زدہ — قیمت =/110

دستک — قیمت =/100

مکتبہ القریش سرکلر روڈ اردو بازار لاہور

فون 7668958

منزل تبدیل ہو چکی ہے اور اب اٹرفورس ون ایڈورڈ ائر بیس کی بجائے لیکس، لاس اینجلس انٹرنیشنل پر لینڈ کرے گا۔ ایڈورڈ کے رن وے پر کوئی حادثہ ہو گیا تھا۔ جس کی وجہ سے صدارتی طیارے کی منزل تبدیل کر دی گئی تھی۔

اُس وقت کے سی ۱۳۵ کے ریڈار پر ایک نئی بلپ اُبھری۔ ٹائیگر نے فوراً ڈاکٹر پیٹرسن کو متوجہ کیا۔

"ڈاکٹر، ہمارے نیچے ایک اور طیارہ پرواز کر رہا ہے!" ٹائیگر تقریباً چیخ اٹھا تھا۔ "میرے خیال میں یہ اٹرفورس ون ہے!"

اُس کا جملہ بم کی طرح پھٹا۔ پورے جہاز میں زلزلہ سا آ گیا۔ شاید صدارتی طیارہ لینڈنگ پیٹرن میں داخل ہو گیا تھا۔

ڈاکٹر پیٹرسن چند ثانیوں میں ہر جگہ گھوم گیا۔ اُس نے اسکرین بلپ کا گہری نظروں سے مطالعہ کیا۔ بلپ اُن کی اپنی پوزیشن سے دو ہزار فٹ نیچے لیکس انٹرنیشنل ائرپورٹ کی طرف بڑھ رہی تھی۔

اُس نے اپنے انٹر کام مائیک کو چھوا۔ "کیپٹن! کیا تم ممنوعہ علاقے میں دو ہزار فٹ نیچے محو پرواز طیارے کو شناخت کر سکتے ہو؟"

"راجر!"

ڈاکٹر پیٹرسن کی پیشانی سوچ آلود ہو گئی۔ اُسے صدر امریکہ کی ایڈورڈ ائر بیس پر آمد کے بارے میں بتایا گیا تھا لیکن یہ یقین دہانی بھی کرائی گئی تھی کہ اس سے اسکائی سوپر ہیوی جیکٹ پر اثر نہیں ہو گا کیونکہ دونوں طیاروں کا درمیانی فاصلہ سو میل سے زیادہ ہو گا لیکن اب صدارتی طیارہ لیکس کی جانب پرواز کر رہا تھا۔ اور لیزر بردار طیارے سے بہت زیادہ قریب تھا۔ اس کے باوجود کہ اسکرین پر نظر آنے والا طیارہ اب بھی محفوظ تھا لیکن اُس نے فیصلہ کیا کہ وہ اپنے کاؤنٹ ڈاؤن میں ذرا سی تاخیر کر دے گا تاکہ اس سے زیادہ محفوظ مقام تک پہنچ جائے اور خطرے کا علاقہ صاف ہو جائے۔

چند لمحوں بعد کیپٹن کی آواز دوبارہ سنائی دی۔

"یہ صدارتی طیارہ ہے جس کی منزل ایڈورڈ کے رن وے پر ہونے والے حادثے کی وجہ سے تبدیل کر دی گئی ہے۔ وہ تین منٹ کے اندر اندر ممنوعہ علاقہ خالی کر دے گا!"

"شکریہ کیپٹن کرانسٹن، ہم ٹیسٹ جاری رکھیں گے!" ڈاکٹر پیٹرسن نے اپنے کریو کی طرف دیکھا۔ "آل رائٹ، ٹیسٹ پروسیجر جاری رکھا جائے!"

ٹارگٹ ریڈار آپریٹر نے فوراً جواب دیا۔ "سائیڈ وائنڈر فائرنگ ایف ۱۴ میرے ریڈار پر ہے۔ جونہی کاؤنٹ ڈاؤن پورا ہو گا اُسے فائر کے احکامات دے دیے جائیں گے!"

ڈاکٹر پیٹرسن نے اثبات میں سر ہلایا۔ "تمام مانیٹرز چیک کر لیے جائیں۔ ہر شخص فائرنگ کاؤنٹ ڈاؤن کے لیے تیار ہو جائے۔ جس کا وقفہ پندرہ سیکنڈ ہو گا!" وہ پندرہ سیکنڈ دوبارہ مخاطب ہوا۔ "ریڈیو! سائیڈ وائنڈر کو میزائل فائر کرنے کے احکامات دے دیے جائیں!"

چند لمحوں کے توقف کے بعد آپریٹر کی آواز ابھری "سائیڈ وائنڈر فائر کر چکا ہے، سر!"

"میزائل پر نگاہ رکھی جائے!" ڈاکٹر چیخا۔

"ریڈی ٹو لیزر فائر!" ایک دوسرا شخص بولا۔

ڈاکٹر پیٹرسن نے اپنی اسکرین چیک کی۔ اُن سے دو سو میل مغرب کی جانب ٹام کیٹ میزائل فائر کر چکا تھا۔

"فائرنگ کاؤنٹ ڈاؤن!" ڈاکٹر کی آواز کے ساتھ ہی گنتی شروع ہو گئی۔

ٹائیگر لیزر ویپن کی طرف متوجہ تھا۔ اُس نے اندازہ لگایا کہ اُس کی بیرل بہت نیچے تھی۔ اس زاویے پر اگر لیزر بیم فائر کی جاتی تو وہ کبھی بھی دو سو میل کا فاصلہ طے کر کے میزائل سے نہیں ٹکرا سکتی تھی۔ اُس نے فوراً مارگٹ اسکوپ کی طرف دیکھا اور راڈار اسکوپ پر میزائل کی پوزیشن دیکھی۔ اُس نے دوبارہ لیزر ویپن کی بیرل کو نظروں میں تولا۔

بیم فائر ہونے میں محض پانچ سیکنڈ باقی تھے۔ ٹائیگر نے آپریٹر کو ویپن کی بیرل مزید نیچے کرتے دیکھا۔ اُس کی نگاہ دوبارہ اسکرین پر گئی۔ یہ دیکھ کر وہ اپنی جگہ سُن ہو گیا کہ لیزر ویپن کی بیرل نے صدر امریکہ کے طیارے کو نشانے پر رکھا تھا۔

فائر ہونے میں محض تین سیکنڈ رہ گئے تھے۔

گنگا کے پجاری ناگ

اے حمید ○ قیمت ۳۵۰/۰۰ روپے

"گنتی بند کرو۔" ٹائیگر حلق کے بل دہاڑا۔ ساتھ ہی اُس نے ایک لمبی چھلانگ لگائی اور لیزر گن کے گنر کو ساتھ لیتا ہُوا فرش پر ڈھیر ہو گیا۔ جو محض تین سیکنڈ قبل امریکی صدر کے جہاز کو نشانے پر لیے بیٹھا تھا۔

"کیا بکواس ہے؟" گنر نے پیچھے مڑ کر سیدھا ہونے کی کوشش کی لیکن ٹائیگر کی آہنی گرفت سے آزاد ہونا کسی کے بس کی بات نہ تھی... اُس نے بایاں ہاتھ بڑھا کر فائرنگ بٹن کو ڈھانپ دیا تاکہ کوئی اور اُسے چھو نہ سکے۔

ڈاکٹر پیٹرسن اگلے ہی لمحے وہاں آن موجود ہُوا۔

"پاگل ہو گئے ہو شیرخہ!"

"گن کا زاویہ چیک کرو۔" ٹائیگر نے اُٹھ اُسے حکم سُنایا۔ "وہ غلط ٹارگٹ پر ہے۔ اُس نے سائیڈ وائنڈر میزائل کی بجائے امریکی صدر کے طیارے کو نشانے پر لے رکھا تھا۔"

پیٹرسن بوکھلا گیا۔ وہ فوراً اسکرین کی طرف متوجہ ہو گیا۔ واقعی گن کا رُخ اُن کے نیچے نظر آنے والی "بلیپ" پر تھا، نہ کہ دو سو میل دُور سمندر پر پرواز کرنے والے میزائل کی جانب۔

ڈاکٹر پیٹرسن نے کھا جانے والی نگاہوں سے گنر کو دیکھا اور پھر ایک دوسرے شخص کو گن سنبھالنے کا اشارہ کیا اور اُسے بحرالکاہل پر محوِ پرواز میزائل کو فوری طور پر نشانے پر لینے کو کہا۔

پیٹرسن، ٹائیگر کی جانب مُڑا۔ "شیرخہ! اس غدار کو سنبھالے رکھو۔ ہم ذرا اس شاٹ سے فارغ ہو جائیں پھر میں اسے سیرا خوٹ کے بغیر جہان سے دھکا دیتا ہُوں۔"

چند ہی سیکنڈ میں نئے گنر نے نشانہ درست ہونے کی رپورٹ دے دی۔

"ٹارگٹ ایکوریٹ، سائیڈ وائنڈر لاکنگ آن۔ چیک اِٹ پلیز، ڈاکٹر پیٹرسن!"

ٹائیگر اُس وقت تک سابق آپریٹر کو الیکٹریکل ٹیپ کی مدد سے بے بس کر چکا تھا۔ اُس نے ڈاکٹر پیٹرسن کو اثبات میں سر ہلاتے ہُوئے دیکھا۔

"فائرنگ کاؤنٹ ڈاؤن دوبارہ شروع کیا جائے۔ میری گنتی ... پانچ... چار... تین... دو... ایک... فائر۔"

ٹائیگر نے گنر کو انگوٹھے سے سوئچ دباتے دیکھا۔ ایک ہلکی سی الیکٹریکل سیٹی کلک سُنائی دی اور بس، کوئی دھماکا نہیں ہُوا اور نہ ہی کوئی آواز سُنائی دی۔

گنر نے دو سیکنڈ تک اپنی آنکھ نرم ربر سائٹ کے ساتھ لگائے رکھی اور پھر پیچھے ہٹ گیا۔

ڈاکٹر پیٹرسن وڈیو اسکرین کی طرف متوجہ تھا، ٹائیگر بھی اُدھر دیکھنے لگا۔ اگلے ہی لمحے سائیڈ وائنڈر میزائل ٹکڑے ٹکڑے ہو کر پوری اسکرین پر پھیلتا نظر آیا۔ کریو نے خوشی کے مارے ایک بلند نعرہ لگایا۔ تجربہ کامیاب رہا تھا۔

عقب میں آنے والے طیارے نے میزائل کی تباہی کی جگہ کا ایک چکر لگایا۔ اُس کے کیمرے میزائل کے ٹکڑوں کے بحرالکاہل میں گرنے کی کارروائی کی فلم بندی کر رہے تھے۔

ڈاکٹر پیٹرسن، ٹائیگر کی سمت بڑھا۔

"تمہیں کیسے علم ہُوا تھا کہ یہ سُوٹر لیزر گن کو صدر کے طیارے پر لگس کیے بیٹھا ہے؟"

"زاویہ..." ٹائیگر نے جواب دیا۔ "کسی نے اس جانب توجہ نہیں دی تھی کہ گن کا زاویہ ۴۵ ڈگری ہے۔ میں نے اندازہ لگایا کہ اس زاویے سے تمہاری بیم کے دو سو میل دُور جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

پیٹرسن نے مطمئن انداز میں سر ہلایا اور ٹیپ سے جکڑے ہُوئے آدمی کی طرف بڑھا۔

"گدھے کی اولاد! تم نے تو صدر کو تقریباً ہلاک ہی کر دیا تھا گراؤنڈ پر جاتے ہی میں تم سے طویل بات چیت کروں گا اور تمہیں بتانا ہوگا کہ تم کس کے لیے کام کر رہے ہو اور یہ کہ تمہیں اس بات کا علم کیسے ہُوا کہ صدر کا طیارہ ایڈورڈز کی بجائے لیکس پر لینڈ کرے گا۔"

آپریٹر نے کندھے اُچکا کر ایک قہقہہ لگایا۔ ڈاکٹر پیٹرسن نے مشتعل ہو کر اُس کے پیٹ میں ٹھوکر رسید کر دی اور جھک کر ایک زوردار تھپڑ اُس کے مُنہ پر دے مارا پھر وہ مائیک ہاتھ میں لے کر کریو سے مخاطب ہُوا۔

"جہاز پر موجود تمام افراد کو علم ہے کہ ابھی ابھی یہاں غداری کی ایک سازش ہوئی ہے۔ لینڈ کرنے کے بعد کسی کو جہاز سے اُترنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ ہم سیدھے ہینگر نمبر ۲۷ میں جائیں گے، وہاں میں قیدی کو ملٹری پولیس، نیول انٹیلی جنس، سیکرٹ سروس اور ایف بی آئی کے حوالے کرنے سے قبل ایک گھنٹے تک خود اس سے پوچھ گچھ کروں گا۔

شام پانچ بجے آج کے کامیاب تجربے کی خوشی میں میرے دفتر میں ایک پارٹی کا اہتمام ہے۔ میں سب لوگوں کو شرکت کی دعوت دیتا ہُوں۔ شکریہ۔"

ڈاکٹر پیٹرسن، ٹائیگر کی طرف مُڑا۔ "مجھے اُمید ہے کہ قیدی سے سوالات کے دوران تم میری مدد کرو گے!"

کے سی ۱۳۵ کے لینڈ کرنے کے بعد، اُس کے ہینگر نمبر ۲۷ کے بند و بالا دروازوں کے عقب میں جاتے ہی ٹائیگر نے قیدی کی ہتھ شیر

کھول دیں اور سہارا دے کر جہاز سے اُتار لیا۔ کیپٹن کرانسٹن خود آ کر دروازے پر کھڑا ہو گیا تاکہ کوئی جہاز سے اُتر نہ سکے۔ ڈاکٹر نے اُسے بیس سیکورٹی اور نیول انٹیلی جنس سے رابطہ کر کے اُنہیں ٹاپ سیکرٹ سیکورٹی خلاف ورزی کی اطلاع دینے کی ہدایت کی۔ اُس نے ہانلٹ سے یہ بھی کہا کہ وہ فوری طور پر ایک تحقیقاتی ٹیم ہینگر میں بھجوا لے۔

ڈاکٹر، ٹائیگر اور قیدی کو بیس ہائی بیس کے ایک دُور اُفتادہ کمرے میں لے آیا جو کبھی انجن ٹیسٹنگ روم کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ ساؤنڈ پروف کمرے میں اگر آسمان بھی ٹوٹ کر گر پڑتا تو کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوتی۔

اندر داخل ہو کر ڈاکٹر نے کمرہ مقفل کیا اور پھر ٹائیگر سے مخاطب ہُوا۔

"اس غدار کا نام لیفٹیننٹ ہرین ہے اور یہ میرے یہاں آنے سے پہلے سے یہاں موجود ہے۔" ہرین کی جانب سے کسی ردِ عمل کے بغیر ڈاکٹر نے دائیں ہاتھ کا زوردار تھپڑ اُس کے بائیں رخسار پر جڑ دیا۔ اس سے پہلے کہ وہ سنبھلتا ڈاکٹر نے ایک سخت قسم کا ہاتھ قیدی کے پیٹ میں مارا اور وہ کراہتا ہُوا زمین پر ڈھیر ہو گیا۔ ڈاکٹر پیٹرسن نہیں اُس کے اُوپر کھڑا ہو گیا جیسے اُس نے ابھی ابھی شیر کا شکار کیا ہو۔

ٹائیگر، ڈاکٹر کی حرکتیں دیکھ دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ ڈاکٹر نے جھک کر دو اور تھپڑ قیدی کو مارے۔ اُس کی زبان بھی چل رہی تھی اور قیدی اور اُس کی سات پشتوں کی شان میں گستاخیاں کر رہا تھا لیکن قیدی نے اب تک اپنی زبان سے ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا۔

جب ڈاکٹر اُسے مار مار کر تھک گیا تو ٹائیگر آگے بڑھا۔ پہلے اُس نے ڈاکٹر کو الگ کیا پھر قیدی سے مخاطب ہُوا۔

"ہرین! اسمتھ نے اس کام کے لیے تمہیں کتنی رقم دینے کا وعدہ کیا تھا؟"

"کم از کم دس لاکھ ڈالر... وہ..." اچانک ہی اُسے احساس ہُوا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔

"تو سامی اسمتھ نے تمہیں ٹارگٹ تبدیل کرنے کے لیے دس لاکھ ڈالر دینے کا وعدہ کیا تھا۔" ٹائیگر نے اُس کی دُکھتی رگ پکڑ لی تھی۔ "لیکن تمہیں اس بات کا علم کیسے ہُوا کہ صدارتی طیارہ ایڈورڈز کی بجائے لاس اینجلس میں لینڈ کرے گا؟"

ٹائیگر کی آنکھوں کا کمال تھا کہ ہرین نے ایک بار اُن میں جھانکا اور دوسرے ہی لمحے وہ فر فر بولنے لگا۔

"اسمتھ نے ایڈورڈز پر ایک حادثے کا بندوبست کیا تھا۔ وہ اور اُس کے دوست جانتے تھے کہ صدر آج آ رہے ہیں۔ یہ سُن پوچھا کہ انہیں کیسے علم ہُوا؟ انہوں نے ایڈورڈز کے دونوں رن وے بند کرنے کے لیے دو حادثات کا انتظام کیا تھا۔ یہ ایک دوسرے مشن کا حصہ تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ صدر لاس اینجلس میں لینڈ کریں اور پھر اس آپریشن کے دوران یہ کارروائی مجھے کرنی تھی لیکن یہ سب چانس پر منحصر ہے۔"

"کیا جہاز پر سب لوگوں کو اس کا علم نہ ہو جاتا؟"

"سب لوگ اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے۔" ہرین نے جواب دیا۔ "صرف تمہاری عقابی آنکھیں مجھے دیکھ رہی تھیں۔ میں شاٹ فالی جانے کا بہانہ کر کے دوبارہ فائرنگ بٹن دبا دیتا۔ یوں صدارتی طیارے کے ساتھ ساتھ میزائل بھی ٹھکانے لگ جاتا اور جب تک ہم لینڈ نہ کرتے کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہونے پاتی۔"

"کیا ریڈیو آپریٹر بھی تمہارا ساتھی تھا؟"

"نہیں..." ہرین نے جلدی سے کہا۔ ٹائیگر نے یہ بات بطورِ خاص نوٹ کی تھی۔

"اُس نے تو یونہی ریڈیو آن کر رکھا تھا۔"

"ٹائیگر ایک قدم آگے بڑھ آیا۔ "اسمتھ کا کے جی بی ایجنٹ کون ہے؟"

"میں نہیں جانتا۔"

ابھی اُس کے الفاظ ختم ہُوئے ہی تھے کہ ٹائیگر کا اُٹھا ہاتھ اُس کے مُنہ پر پڑا۔ یہ ڈاکٹر کا ہاتھ نہیں تھا جسے وہ برداشت کر جاتا۔ وہ زُلکنیاں کھاتا دُور جا گرا۔ اُس کے مُنہ سے خُون بہنے لگا تھا، دو دانت ٹوٹ گئے اور دایاں رُخسار پھٹ گیا تھا۔

"ایک چانس اور..." ٹائیگر نے درندگی سے کہا۔ "اسمتھ کس کو رپورٹ دیتا تھا؟"

"مجھے علم نہیں۔"

ٹائیگر آگے بڑھا۔ ابھی وہ چند قدم دُور ہی تھا کہ ہرین نے ہاتھ اُٹھا دیے۔

"مسیح کی قسم! میں سچ کہتا ہُوں۔" وہ بلبلا اُٹھا۔ "مجھے علم نہیں کہ اسمتھ کس کے لیے کام کرتا تھا۔ مجھے صرف اپنا کام نمٹانے کے دس لاکھ ڈالر اور نیو ہیون امریکی پاسپورٹ دیے جانے کا وعدہ کیا گیا تھا۔"

"میری نیم کا اور کون سا آدمی تمہارا ساتھی تھا؟" اس بار سوال ڈاکٹر پیٹرسن نے کیا تھا۔

"کوئی نہیں۔" ہرین جلدی سے بولا۔ "مجھے کسی کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ وِل کی ذمے داری صرف ریڈیو آن کرنا تھا۔ وہ میرا ساتھی نہیں تھا۔"

ٹائیگر نے اُس کا چہرہ دیکھ کر اندازہ لگایا کہ وہ سچ کہہ رہا ہے۔ اُس نے ڈاکٹر کو واپس چلنے کا اشارہ کیا۔

جب وہ جہاز پر واپس پہنچے تب تک میرین گارڈز جہاز کو اپنے

Uploaded By Nadeem

حصار میں لے چکے تھے۔ تمام کے تمام ایم سولہ آٹومیٹک رائفلوں سے مسلح تھے۔ ایک لیفٹیننٹ نے آگے بڑھ کر ڈاکٹر کو سلوٹ کیا۔ اُس نے زبانی رپورٹ دی اور ڈاکٹر نے جواب میں اُسے اچھی خبر سُنائی۔ اس نے لیفٹیننٹ کو جہاز پر رُونما ہونے والے واقعے کی تھوڑی سی تفصیل بتائی۔

جہاز کے کریو نے نیچے اُتر کر ایک میز اور کوئی درجن بھر کُرسیاں لگادی تھیں۔ دو آدمیوں نے باری باری کریو کے تمام اراکین سے ابتدائی پوچھ گچھ کی جو ٹیپ ریکارڈر میں محفوظ کرلی گئی۔ ٹائیگر اور ڈاکٹر پیٹرسن آخری افراد تھے جنہیں پوچھ گچھ کے لیے پکارا گیا۔ ٹیسٹ ڈائریکٹر نے ٹائیگر کا تعارف شہزاد کے نام سے ہی کرایا تھا۔

"دوستو! بظاہر یہ ایک غیر معمولی سی بات ہے۔ مسٹر شیرڈ ہماری ٹیم کے باقاعدہ رُکن نہیں۔ انہیں صبح ہی ایک ریڈیو آپریٹر کی جگہ عارضی طور پر رکھا گیا۔ تاکہ ائربورن سیکورٹی کو مزید مستحکم بنایا جاسکے۔ میں انہیں اپنی ذمے داری پر ساتھ لے گیا تھا اور اسی آدمی نے صدر کو آج کے یقینی قاتلانہ حملے سے بچایا ہے۔ اِن کا تعلق بھی آپ جیسی کسی خفیہ برانچ سے ہے لیکن بعض مجبوریوں کی بنا پر ظاہر نہیں کیا جاسکتا۔ ہم اس کے لیے انھیں مجبور نہیں کررہے کیونکہ مشن کے نتائج بھی اطمینان بخش طور پر حاصل ہوگئے ہیں۔ تجربہ کامیاب رہا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ صدرِ مملکت کی زندگی محفوظ ہے۔ میں درخواست کروں گا کہ مسٹر شیرڈ سے سوالات کے وقت مجھے بھی موجود رہنے دیا جائے۔"

اس کے بعد کی کارروائی معمول کے مطابق تھی۔ انٹیلی جنس کے افسران نے ڈاکٹر پیٹرسن کے فیصلے سے اتفاق کیا تھا۔ انہوں نے ٹائیگر سے اُس کی اصل شناخت کے بارے میں کوئی سوال نہیں کیا تھا۔ محض یہ دریافت کیا گیا تھا کہ اُس نے کس طرح صدرِ مملکت کی زندگی بچائی۔

"ایک سوال۔" ڈاکٹر پیٹرسن "تحقیقاتی افسر نے ڈاکٹر کو مخاطب کیا۔ "ہمارے آنے سے پہلے تھوڑی بہت تحقیقات ہوئی ہے۔ کیا آپ بتائیں گے کہ قیدی کے رخسار اور گنبد پر زخم کس طرح آئے ہیں؟"

"اوہ..." ڈاکٹر کی تمام حسیں بیدار ہوگئیں۔ "وہ جہاز کی سیڑھیوں سے گر گیا تھا۔"

دونوں افسران نے معنی خیز انداز میں سر ہلائے لیکن مسکرانے کے علاوہ کوئی ردِ عمل ظاہر نہ کیا۔

تحقیقات ختم ہونے کے بعد ٹائیگر، ڈاکٹر پیٹرسن کے ہمراہ اُسی کے دفتر میں جا بیٹھا۔ ابھی انہوں نے نئے ٹیسٹوں کی سیریز کے بارے میں جائزہ لینا شروع ہی کیا تھا کہ فون بج اُٹھا۔ ڈاکٹر پیٹرسن نے ریسیور اُٹھا کر جواب دیا اور پھر اُسے ٹائیگر کی طرف بڑھا دیا۔

"یس...؟"

"کارا رالسٹن بول رہی ہوں۔ ہمیں اب تک کسی مالیا نامی لڑکی کے تین فون موصول ہو چکے ہیں۔ اُس کا اصرار ہے کہ تم فوری طور پر اُس سے رابطہ قائم کرو۔ کیا تم اُسے جانتے ہو؟"

ٹائیگر کے لیے یہ افتاد اچانک تھی لیکن اُس نے آواز نارمل ہی رکھی تھی۔ "ہاں، کیا اُس نے کوئی نمبر چھوڑا ہے؟"

"ہر بار اُس کی آواز خاصی بوکھلائی ہوئی بلکہ خوفزدہ سی لگ رہی تھی۔" کارا نے ٹائیگر کو نمبر بتاتے ہوئے کہا۔

"شکریہ...!"

"ہماری ڈیٹ شام چار بجے ہے نا؟"

"اب مشروط ہے۔" ٹائیگر نے محتاط انداز میں جواب دیا۔ "ممکن ہے مالیا نامی یہ لڑکی کسی مشکل میں گرفتار ہوگئی ہو۔ بہتر یہ ہے کہ اسے فی الحال منسوخ کردیں۔ میں بعد میں فون کرلوں گا۔"

"ٹھیک ہے، مجھے فون کرلینا۔"

دونوں نے ایک دوسرے کو خدا حافظ کہا اور ریسیور رکھ دیے۔

اس کا مطلب تھا کہ مالیا ہوٹل سے نکلی تو اُسے کسی نے دیکھ لیا تھا۔ کارا کو نہ صرف اس بات کا علم تھا کہ شہزاد کہاں مل سکتا ہے بلکہ وہ یہ بھی جانتی تھی کہ مالیا اغوا ہوگئی ہے۔

"کوئی مسئلہ؟" ڈاکٹر پیٹرسن نے پوچھا۔

"ہاں۔" ٹائیگر نے اثبات میں سر ہلایا۔ "لیکن مجھے امید ہے کہ اتنا بڑا نہیں ہوگا۔ کیا میں تمہارا فون استعمال کرسکتا ہوں؟"

ٹائیگر ریسیور کان سے لگائے دوسری جانب گھنٹی بجنے کی آواز سُنتا رہا۔ ریسیور اُٹھائے جانے سے پہلے دس بار گھنٹی بجی تھی... بالآخر ایک مرد کی آواز سُنائی دی۔

"یس...؟"

"میں مالیا سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ اُس نے مجھے اس فون نمبر پر رنگ کرنے کو کہا تھا۔"

"اوہ، وہ فاکسی لیڈی جو ہمارے قبضے میں ہے۔ اُس کا کہنا ہے کہ وہ تمہیں جانتی ہے۔ اُس کے چھوٹے چھوٹے براؤن بال، بڑی بڑی بھوری آنکھیں اور ہوائن ٹائپ کا گول چہرہ ہے۔ نام مالیا ہے، تم اُسے جانتے ہو؟"

"ہاں، تو کیا ہوا؟ میں اور بھی بہت سی لڑکیوں کو جانتا ہوں۔"

"درست، میرے دوست! ہمارا خیال ہے کہ وہ ہمارے کسی خوبصورت سے ٹھکانے پر پیار و محبت کے لیے موزوں رہے گی... وہ

کوئی ایسی خاص تو نہیں کہ تم..."

"جانتے کیا ہو؟" ٹائیگر نے غراتے ہوئے اُس کی بات کاٹ دی۔

"دس ہزار ڈالر۔" مرد نے جواب دیا۔ "وہ اپنے پورے اعضا کے ساتھ تمہیں مل جانے گی، ورنہ پکانے کے لیے قیمے کی صورت میں دستیاب ہوگی۔"

"میں اتنا امیر آدمی نہیں ہوں۔"

دوسری جانب خاموشی چھا گئی۔ چند ثانیوں بعد آواز دوبارہ اُبھری۔ "تو پھر پانچ ہزار ڈالر لے آؤ۔ ہم لڑکی تمہیں دے دیتے ہیں لیکن اس سے کم نہیں۔"

"میں تو اس شہر میں نیا ہوں۔" ٹائیگر نے اپنی مجبوری ظاہر کی۔ "کل رات جوئے میں تین سو ڈالر جیتا تھا، وہی جیب میں پڑے ہیں۔"

"ہماری بلا سے۔" اُسے جواب ملا۔ "میں تمہیں ایک پتا بتا رہا ہوں رقم لے کر شام پانچ بجے تک وہاں پہنچ جاؤ اور لڑکی لے جاؤ۔ ورنہ خون آلود پارسلوں کے لیے تیار ہوجاؤ۔"

ٹائیگر کو ایک پتا بتا دیا گیا جو اُس نے ذہن نشین کرلیا لیکن اس سے پہلے کہ وہ کوئی اور بات کرتا، دوسری جانب سے سلسلہ منقطع کردیا گیا۔

"انہوں نے کیسے پکڑ لیا ہے؟" ڈاکٹر پیٹرسن نے فکرمندی سے دریافت کیا۔

"مالیا..." ٹائیگر نے جواب دیا۔ "وہ ایک سرکاری ایجنٹ ہے جو ساحلی نشے کے سوداگروں کی نگرانی کررہی تھی۔ اب وہ دھمکی دے رہے ہیں کہ اُسے ہلاک کردیں گے۔ اُس کا تعلق ڈیفنس انٹیلی جنس ایجنسی سے ہے۔"

"میں کہیں مددگار ثابت ہوسکتا ہوں؟"

"مجھے علاقے کا ایک نقشہ چاہیے۔"

ڈاکٹر پیٹرسن نے فوراً انٹرکام پر اپنی سیکرٹری کو کال کیا۔ چند ہی منٹ بعد علاقے کا نقشہ اُسے فراہم کردیا گیا۔ جس جگہ ٹائیگر کو پہنچنے کے لیے کہا گیا تھا، وہ نورانا سے بیس میل شمال میں پینامنٹ رینج کے سرے پر واقع تھا جہاں سے وادیٔ موت کا آغاز ہوتا تھا۔

طے کا مقام میں بانی وے سے ذرا ہٹ کر تھا جو ایک چٹان کی آڑ میں ہونے کے باعث شاہراہ سے نظر نہیں آتا تھا لیکن وہاں پینامنٹ رینج کی طرف جانے کا ایک اشاراتی بورڈ نصب تھا جس کی مدد سے ٹائیگر وہاں تک پہنچ سکتا تھا۔

ٹائیگر نقشے کا مطالعہ کرتے ہوئے متواتر ذہن میں ایک منصوبہ ترتیب دے رہا تھا۔ ڈاکٹر پیٹرسن کی نگاہیں بھی مسلسل نقشے پر جمی ہوئی تھیں۔

"میں اس علاقے کو اچھی طرح جانتا ہوں شیرڈ!" بالآخر ڈاکٹر نے کہا۔ "یہ وادیٔ موت کے دہانے پر واقع ہے۔ خاصی دشوار جگہ ہے۔ تم وہاں بذریعہ کار جانا اور میں ہیلی کاپٹر کے ذریعے وہاں پہنچوں گا تاکہ مشترکہ کارروائی کرسکیں۔ ہمارے پاس ٹرانسمیٹر ہوں گے جن کے ذریعے ہم..."

ٹائیگر نے ہاتھ اُٹھا کر سائنس دان کو خاموش کرادیا۔

"شکریہ! لیکن یہ سو فی صد میرا معاملہ ہے۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ لڑکی کو میرے حوالے سے کوئی نقصان پہنچے۔ اس لیے میں تنہا جاؤں گا۔ ہاں، اگر میری واپسی نہ ہوسکے تو بے شک ہیلی کاپٹر یا طیارے لے کر وہاں دھاوا بول دینا۔"

ڈاکٹر نے کچھ کہنے کی کوشش کی لیکن ٹائیگر اُٹھ کر دروازے کی سمت بڑھ چکا تھا۔ وہ مالیا کی رہائی کے لیے جانے سے پہلے اوشان سے ملاقات کا ارادہ رکھتا تھا۔

✵

اوشان نے ٹائیگر کو تنہا مالیا کی تلاش میں نہیں جانے دیا تھا۔

"میں کوئی دودھ پیتا بچہ تو نہیں لٹل فادر!" ٹائیگر نے احتجاج کیا۔

"بعض اوقات بالغ مرد، شیر خوار بچے سے بھی بدتر ہوجاتا ہے، میرے بچے!" اوشان نے حسبِ معمول فلسفہ بگھارا۔

"کس وقت لٹل فادر؟"

"جب معاملہ صنفِ نازک کا ہو۔" اوشان نے جواب دیا۔ "تمہیں علم ہے کہ عورت نے ایک ایسی شخصیت کو گھوڑا بننے پر مجبور کردیا تھا جو سنانجو کے شاہی..."

"اُس شخصیت کا سنانجو سے کوئی تعلق نہ تھا۔"

"میں نے کتنی مرتبہ تمہیں سمجھایا ہے کہ بیچ میں مت بولا کرو۔" اوشان نے ٹوکا۔ "وہ شخصیت سنانجو..."

"وہ ارسطو تھا لٹل فادر!"

"ایک تو تم بڑے ناسمجھ ہو۔ ارے بے وقوف! دُنیا کی ہر مشہور اور نامور ہستی کا تعلق صرف اور صرف سنانجو سے ہوسکتا ہے جیسے میں۔"

"یہ تو بڑی گڑبڑ ہوگئی لٹل فادر!"

"کیا مطلب؟"

"انگریزوں کی ساری تحقیق کا تو آپ نے بیڑہ غرق کردیا۔" ٹائیگر نے فکرمندی سے کہا۔ "وہ تو آج تک ابوالہول اور اہرامین مصر سے برآمد ہونے والی خوفناک ممیوں کو مصر کی رہنے والیاں سمجھتے رہے۔"

"یہ ابوالہول اور ممیوں کا ذکر یہاں کیسے آگیا؟"

"وہ بھی تو مشہور ہستیاں ہیں لٹل فادر! جب آپ کا تعلق سنانجو سے ہوسکتا ہے تو اُن کا کیوں نہیں ہوسکتا؟"

"میرا خیال ہے کہ رفتار آہستہ کرلو، ورنہ کسی گڑھے میں سے

Uploaded By Nadeem

دھول مٹی سے اَٹے برآمد ہو رہے ہوں گے۔" اوشان نے رفتار پیما کی سُوئی پچاس پر ٹھہرکتے دیکھ کر ٹائیگر سے کہا۔

وہ لوگ اس وقت مطلوبہ جگہ تک پہنچ چکے تھے۔ سڑک اب اُونچی نیچی پہاڑیوں کے گرد گھوم رہی تھی اور بعض موڑ اتنے خطرناک تھے کہ ذرا سا ہاتھ بہکے تو کار، سوار سمیت تین چار سو فٹ نیچے جا پڑے۔ بائیں ہاتھ کو گہرے گڑھے اور دائیں ہاتھ کو صحرا تھا۔

ٹائیگر کو جس بورڈ کی نشانی بتائی گئی تھی، وہ ذرا دیر پہلے ہی گزرا تھا اور اب اُسے توقع تھی کہ کسی بھی چٹان کی آڑ سے اُس کے مطلوبہ افراد سامنے آسکتے ہیں... پھر ہُوا بھی یہی۔ وہ جُونہی ایک چٹان کی آڑ سے نکل کر دوسرے موڑ پر پہنچا، عقب سے اُسے کسی کے چلّانے اور گولی چلنے کی آواز سنائی دی۔

"بے وقوف" اوشان بڑبڑایا۔ "بڑے بڑے ہاتھوں سے ننھا مُنّا پستول چلے تو ایسی ہی آوازیں برآمد ہوتی ہیں۔" ٹائیگر نے اوشان کی بات پر کوئی توجہ نہیں دی کیونکہ وہ جانتا تھا کہ تبصرہ کس کے لیے ہُوا ہے۔

اُس نے بریک پیڈل دبا کر عقب نُما آئینے میں دیکھا۔ چٹان کی دائیں سمت اب ایک کنوٹیبل نظر آرہی تھی جس کے قریب طویل قامت شخص ہاتھ میں پستول لیے موجود تھا۔ فائر اُسی نے کیا تھا۔

ٹائیگر نے کار روکی اور ریورس گیئر لگا کر اُسے پیچھے لے گیا۔ انجن بند کیے بغیر اُس نے اپنی سمت کا شیشہ نیچے اُتارا اور طویل قامت سے مخاطب ہُوا جس سے اُس کا فاصلہ تیس گز سے زیادہ نہیں تھا۔

"لڑکی کہاں ہے؟"

چٹان کی آڑ سے ٹائیگر کو رائفل کی ایک نال جھانکتی نظر آئی لیکن اُس نے کوئی خاص توجّہ نہیں دی۔

"نہیں ہے لڑکے!" طویل قامت نے دانت نکالے۔ "وہ ننھی مُنّی سی گڑیا بالکل صحیح سلامت اور محفوظ ہے۔ کیا رقم لائے ہو...؟ اے، واہ!" اُس نے جملہ ادھورا چھوڑ کر ٹائیگر کے برابر بیٹھے ہُوئے اوشان کی طرف دیکھا۔ "رقم کے ساتھ ساتھ سرکس سے کچھ اور بھی لائے ہو؟"

اوشان نے دروازہ کھولا اور اُتر کر سڑک پر کھڑا ہو گیا۔ ہوا سے اُس کی قبا پھڑپھڑانے لگی تھی۔ یُوں لگتا تھا جیسے سبز رنگ کا کوئی شتر مُرغ پرواز کے لیے پَر پھڑپھڑانے کی ناکام کوششوں میں مصروف ہو۔

"لڑکی دکھاؤ۔" ٹائیگر نے ان ریمارکس کو نظر انداز کر دیا تھا۔ "اور وہ مسلّح افراد بھی دکھاؤ جو تم نے اس پہاڑی اور کار کے عقب میں چھپا رکھے ہیں۔"

طویل قامت ذومعنی انداز میں مُسکرایا۔ شاید وہ انکار کرنا چاہتا تھا... لیکن جُونہی اُس نے اوشان کی طرف دیکھا، اُسے یُوں لگا جیسے غلطی سے اُس نے بجلی کا ننگا تار چھُو لیا ہو۔ وہ فوراً گھوما اور اُسی لمحے چٹان کے عقب سے مالیا نکل کر سامنے آگئی۔ وہ اپنی کلائیوں کو یُوں مسل رہی تھی... جیسے بندھی رہی ہوں۔

"اور اب مسلّح افراد۔" ٹائیگر نے مطالبہ کیا۔

طویل قامت نے ہنس کر کندھے اُچکائے لیکن ساتھ ہی اُس نے اپنے دونوں ہاتھ فضا میں لہرائے اور تین رائفل بردار، چٹان اور کار کے عقب سے نکل کر سامنے آگئے۔

"رقم کہاں ہے؟"

ٹائیگر نے تین سو ڈالر کے چھوٹے نوٹوں کو رول کر کے ڈرائیونگ بورڈ پر رکھا ہُوا تھا۔ اُس نے اپنی سمت کا دروازہ کھول کر ایک قدم زمین پر رکھ لیا۔

"رقم موجود ہے۔" اُس نے طویل قامت کو مخاطب کیا۔ "میں اسے سڑک پر پھینکوں گا۔" ٹائیگر نے نوٹوں کا رول بلند کر کے طویل قامت کو دکھایا۔ "لڑکی اسے اُٹھائے گی اور تمہاری طرف پھینک دے گی پھر وہ کار کی سمت آجائے گی۔"

"ٹھیک ہے برادر! لیکن کوئی گڑبڑ نہیں ہونی چاہیے۔"

ٹائیگر نے اثبات میں سر ہلا کر طویل قامت کی تائید کی، لمحے بھر کے لیے مالیا کی طرف دیکھا اور نوٹوں کا رول سڑک کی طرف اُچھال دیا جو ٹھیک اُس جگہ گرا، جہاں وہ چاہتا تھا۔

وہ ایک چھوٹا سا گڑھا تھا۔ ٹائیگر کا خیال تھا کہ جب مالیا رول اُٹھانے کے لیے گڑھے میں اُترے گی تو رائفل برداروں کی نظروں سے اوجھل ہو جائے گی اور صورتِ حال سمجھتے نہ سمجھتے وہیں دبک جائے گی۔ اس قلیل سے عرصے میں وہ اور اوشان اپنی کارروائی کر گزریں گے۔

"یہ تم نے...؟" طویل قامت نے نوٹوں کو گڑھے میں گرتا دیکھ کر اعتراض کرنا چاہا۔

"کوئی فرق نہیں پڑتا۔" ٹائیگر نے ہاتھ لہرایا۔ "لڑکی کو بھیجو کہ اُسے اُٹھا لائے۔"

طویل قامت نے اپنی قیدی کو آگے بڑھنے کا اشارہ کیا اور مالیا آہستہ روی سے گڑھے کی طرف بڑھی۔ اُس نے گڑھے میں اُتر کر رول اُٹھایا اور کن انکھیوں سے ٹائیگر کی طرف دیکھا۔

"اسے اُن کی طرف پھینک دو۔" ٹائیگر نے بہ آوازِ بلند اُس سے کہا لیکن ساتھ ہی اُس نے مالیا کو نیچے جھک جانے کا اشارہ بھی کیا... جو طویل قامت کی نظروں سے پوشیدہ نہ رہ سکا۔

"دھوکا..." وہ بلند آواز میں دہاڑا۔

اُس کے ساتھیوں نے رائفلیں سیدھی کر لیں لیکن قبل اس کے کہ وہ ٹرائیگر دباتے، وہاں موت کا رقص شروع ہو گیا۔

پہلے رائفل بردار نے گن سیدھی کر کے کندھے سے لگائی اور اُس بُوڑھے کا نشانہ لیا جو بڑے اطمینان سے کار کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ اُسے بُوڑھا بس ایک سیکنڈ کے لیے وہاں نظر آیا اور پھر غائب ہو گیا۔ اُس نے پلک جھپکی تو ایک سبز رنگ کا لبادہ گولی سے زیادہ تیز رفتاری سے اپنی جانب بڑھتا نظر آیا۔ اُسے یاد تھا کہ اُس کی انگلی کا دباؤ نصف کے قریب ٹرائیگر دبا چکا تھا کہ رائفل اُس کے ہاتھ سے نکل گئی۔ اُس نے رائفل پکڑنے کے لیے دونوں ہاتھ اُوپر اُٹھائے لیکن پھر فوراً ہی اُس کے پہلوؤں میں جھول گئے۔ رائفل کسی تناور درخت کی مانند اُس کے سر پر پڑی اور وہ پتھر کی طرح سیدھا سخت زمین سے ٹکرایا لیکن اُس کی رُوح زمین چھُونے سے پہلے ہی جسم کا ساتھ چھوڑ چکی تھی۔

دوسرے رائفل بردار نے کار میں بیٹھے ہُوئے شخص کو نشانہ بنانے کی کوشش کی۔ اُسے صرف اتنا یاد تھا کہ رائفل کا رُخ اُس نے کار کی جانب کیا۔ ٹھیک اُسی لمحے کار میں بیٹھے ہُوئے شخص کا دایاں ہاتھ حرکت میں آیا اور کوئی تیز دھار شے اُس کی بائیں آنکھ میں اُترتی چلی گئی۔ بعد میں اُسے احساس ہوا کہ وہ کار کی چابیاں تھیں جو اُس جذباتی کلائی والے نے اگنیشن سے نکال کر بڑی پھرتی کے ساتھ انسس کی طرف پھینکی تھیں۔ اُس نے رائفل پھینک کر دونوں ہاتھ آنکھ پر رکھ لیے پھر اُس نے خود کو زمین سے بلند ہوتا محسوس کیا۔ کار میں بیٹھے ہُوئے شخص نے اُسے اپنے دونوں ہاتھوں میں اُٹھا رکھا تھا۔ اُس نے اُسے کسی کھلونے کی مانند ایک طرف اُچھال دیا۔ وہ اپنے تیسرے رائفل بردار ساتھی پر گرا اور اسے لیتا ہُوا دو سو فٹ گہری کھائی میں جا گرا لیکن کھائی کے کنارے پہنچتے ہی اُس کی آنکھیں بند اور ذہن خاموش ہو گیا تھا۔ ظاہر ہے جب رُوح جسم کا ساتھ چھوڑ جائے تو آنکھیں اور دماغ بھلا کس کام کے۔

اوشان دوبارہ کار کے قریب جا کر فکر مند ہوا جبکہ ٹائیگر اُن کے سرغنہ کی طرف بڑھا۔ طویل قامت اپنے تین ساتھیوں کا حشر دیکھ چکا تھا۔ وہ فوراً چیخ اُٹھا۔

"میں ہتھیار ڈالتا ہوں، تم جیت گئے۔"

ٹائیگر نے اُس گڑھے کی طرف دیکھا، جہاں مالیا اب بھی مُنہ کے بل پڑی پھٹی پھٹی نگاہوں سے اُس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اُس نے اشارے سے اُسے اپنی سمت بُلایا تو وہ یُوں اُٹھ کر آگے بڑھی جیسے نیند میں چل رہی ہو۔

"کیا تم نے مالیا کے ساتھ زیادتی کی تھی؟"

"اس سے اب کیا فرق پڑتا ہے؟" طویل قامت نے یُوں بوکھلا کر جواب دیا جیسے یہ سوال اُس کی توقّع کے خلاف رہا ہو۔

"سوال کا جواب دو۔" ٹائیگر غرّایا۔

"ہاں..." طویل قامت نے کہا۔ "وہ راضی نہیں تھی لیکن تم جانتے ہو نا کہ ان خواتین کے ساتھ کیا مسئلہ ہے۔ جب یہ نہیں کہتی ہیں تو اس کا مطلب ہاں ہوتا ہے۔"

"میں جانتا ہُوں۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ طویل قامت کے دیکھتے ہی دیکھتے ٹائیگر آگے بڑھا۔ اُس نے دائیں ہاتھ کی درمیانی انگلی سیدھی کی اور طویل قامت کے حلق پر وار کیا۔ انگلی یُوں اُس کے حلق میں تازہ ہو گئی جیسے وہ کوئی تیز دھار خنجر رہا ہو۔ طویل قامت اگلا سانس لیے بغیر زمین پر ڈھیر ہو گیا۔ اُس کی آنکھیں اس طرح کھُلی کی کھُلی رہ گئی تھیں جیسے وہ رقم سے نہیں بلکہ حیرت سے مرگیا ہو۔

ٹائیگر نے انگلی طویل قامت کے لباس سے صاف کی اور مالیا کی طرف مُڑا جو خوف زدہ نگاہوں سے اُس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"تم ٹھیک ہو؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"ہاں..." اُس نے مشینی انداز میں سر ہلایا۔

"آؤ چلیں۔" اُس نے خوف زدہ لڑکی کو بازو سے پکڑ کر کھینچا اور کار کی طرف لے چلا۔

واپسی کے سفر کے دوران اوشان کی زبان مسلسل چلتی رہی تھی لیکن مالیا یُوں خاموش تھی جیسے وہ کار میں موجود ہی نہ ہو۔ پہلی بار وہ اُس وقت بولی جب کار ریسٹ کریسٹ کے مضافات میں پہنچ گئی۔ وہ بھی ٹائیگر نے اُس سے پوچھا تھا کہ وہ اُن لوگوں کے ہتھے کس طرح چڑھ گئی تھی۔

"دراصل میں تمہیں فون کرنے کے لیے ہوٹل سے باہر نکل گئی تھی۔" مالیا نے عقبی نشست سے جواب دیا۔ "بس اسی مختصر سے وقفے میں اُنہوں نے مجھے دیکھ لیا اور پھر وہ مجھے کہے سے زبردستی نکال لائے۔"

"خیر، اب اس کی کوئی اہمیت نہیں۔" ٹائیگر نے اُس کے احساسِ ندامت کو کم کرنے کی کوشش کی۔

"مگر غلطی تو بہرحال تھی۔" مالیا نے اصرار کیا۔ "تم بتاؤ، ٹیسٹ کامیاب رہا؟"

"ہاں..." ٹائیگر نے جواب دیا۔ "اگلا تجربہ بھی ہونے والا ہے... ڈاکٹر رتھ کی سیکرٹری کامارالسٹن، انتھ کی ایجنٹ ہے۔ سیف میں موجود فہرست میں اس کا نمبر بھی تھا اور وہ اب بھی اس معاملے میں پوری طرح ملوث ہے۔ آج شام چار بجے مجھے اُس سے ملنا تھا لیکن ظاہر ہے اب وقت گزر گیا۔ خیر، یہ تو بعد کی باتیں ہیں، فی الحال تو ایک اور مسئلہ سامنے ہے اور وہ یہ کہ اب تمہیں کہاں چھپائیں؟"

"کسی اور موٹل میں۔"

"نہیں..." ٹائیگر نے کار ایک فلنگ اسٹیشن پر لیتے ہُوئے کہا۔ "کوئی اور بندوبست کرنا ہوگا۔"

Uploaded By Nadeem

اُس نے کار روکی اور ٹیلی فون بوتھ کی طرف بڑھ گیا۔ چند منٹ اُس نے ڈاکٹر پیٹرسن سے باتیں کیں اور واپس آگیا۔ مالیا پُرامید نگاہوں سے اُسے دیکھ رہی تھی جبکہ اوشان شاید فینڈ کی گیارہویں منزل میں تھا۔

"اگلے چند دن تم ٹیول ویلیز سینٹر کی غیر شادی شدہ خاتون افسران کے ہاسٹل میں گزارو گی۔"

نصف گھنٹے بعد تینوں ڈاکٹر پیٹرسن کے دفتر میں موجود تھے۔ ڈاکٹر خود جا کر مالیا کو اُس کے کمرے میں چھوڑ آیا۔ وہ ایک الگ تھلگ جگہ تھی جہاں مالیا مکمل طور پر آزاد تھی لیکن ڈاکٹر نے اُسے اپنے کمرے میں محدود رہنے کی ہدایت کی تھی۔

جب وہ دفتر واپس پہنچا تو ٹائیگر اور اوشان روانگی کے لیے تیار تھے۔ "مجھے تو تم سے ایک اہم معاملے پر بات کرنی تھی۔" ڈاکٹر نے ٹائیگر کو بتایا۔ "کیا تم رُک نہیں سکتے؟"

"فی الحال نہیں۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ "میں واپس آجاؤں گا... لیکن فیل فلور کو چھوڑنے کے بعد، کیونکہ انہیں ایک بہت ضروری کام ہے اور وہ ضروری کام سوائے ٹی وی دیکھنے کے اور کوئی نہ تھا۔

☆

دو گھنٹے بعد ٹائیگر ایک بار پھر ڈاکٹر پیٹرسن کے رُوبرو تھا۔

"ہم اپنا نائم شیڈول کم کر رہے ہیں۔" بوڑھے سائنس دان نے اُسے بتایا۔ "اور فائنل تجربہ ایک ہفتے پہلے رُو بہ عمل لا رہے ہیں اور یہ آخری تجربہ کل ہوگا۔"

"اتنی جلدی؟"

"ہاں، بعض واقعات کی وجہ سے یہ فیصلہ کیا گیا ہے۔ کل دوپہر کو ویسٹرن برگ ائربیس سے میزائل فائر ہوگا اور ہم اُسے فضا سے فضا میں مار گرائیں گے۔ اس بار میزائل تین سو میل بلند اور ہمارا کابل پر دو سو میل کے فاصلے پر ہوگا۔"

"اس کا مطلب ہوا کہ یہ اہم ترین تجربہ ہوگا۔"

"درست..." ڈاکٹر نے اُس سے اتفاق کیا۔ "لیکن مجھے اب تک یقین نہیں کہ ہمارا منصوبہ محفوظ ہے، مجھے توقع ہے کہ ہمتھ کے گروپ اس کو بھی سبوتاژ کرنے کی کوشش کریں گے۔"

ٹائیگر کرسی سے اُٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگا۔ "پہلے انہوں نے اندر سے ہم پر حملہ کیا لیکن ناکام رہے اور اب میرا اندازہ ہے کہ وہ باہر سے کارروائی کریں گے۔"

ڈاکٹر پیٹرسن بے قرار سا ہو گیا۔ "یہ کیسے ممکن ہے؟"

ٹائیگر نے اثبات میں سر ہلایا۔ "اگر وہ تمہارے کے سی ۱۳۵ کو نقصان پہنچا دیں تو تجربہ خود بخود ملتوی ہو جائے گا۔"

ڈاکٹر پیٹرسن نے فون اُٹھا کر کھڑے طیارے کے گرد محافظوں کی تعداد تین گنا کر دینے کے احکامات صادر کر دیے پھر بڑی فساتماز نگاہوں سے ٹائیگر کو دیکھا۔

"تعاقب..." ٹائیگر نے ڈاکٹر کی نگاہوں کو نظر انداز کر دیا... "دو ٹام کیٹ طیارے تمہارے فضائی تحفظ کے لیے اُوپر پرواز کریں گے۔ وہ تمہاری رفتار کے حساب سے اپنی رفتار کم کر کے اردگرد کے علاقے کی دیکھ بھال کریں گے۔"

ڈاکٹر پیٹرسن نے سر ہلایا اور دوبارہ فون اُٹھا لیا۔ دو منٹ بعد اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔

"دس ہزار فٹ کی بلندی پر پہنچنے کے بعد دو ٹام کیٹ ہمارے تحفظ کے ذمے دار ہوں گے۔"

ٹائیگر نے کھڑکی کی طرف دیکھا۔ کچھ فاصلے پر آر مشیج ائر فیلڈ کے رن وے سے ایک طیارہ ٹیک آف کر رہا تھا۔ گرد و غبار کے بادل چند لمحے اُس مقام پر چھائے رہے پھر چھٹ گئے۔

"ڈاکٹر پیٹرسن!" وہ اچانک بوڑھے سائنس دان کی طرف مڑا... "تم نے ابھی کہا ہے کہ ٹام کیٹ دس ہزار فٹ کے بعد تمہیں فضائی تحفظ دیں گے لیکن گراؤنڈ سے دس ہزار فٹ کی بلندی تک پہنچنے کے دوران کیا ہوگا؟ اس عرصے میں کوئی بھی گولی، زمین سے فضا میں مار کرنے والا میزائل یا مسلح ہیلی کاپٹر اُسے نشانہ بنا سکتا ہے۔ کیا کوئی ہیلی کاپٹر دستیاب ہے؟"

"ہاں، لیکن وہ غیر مسلح ہوگا۔"

"کیا کل صبح تک ائر فورس کو براگن شپ کا بندوبست ہو سکتا ہے؟"

"مشکل ہے۔" ڈاکٹر پیٹرسن نے بے بسی سے کہا۔ "یہاں کوبرا گن شپ کوئی نہیں، ایڈورڈز سے..."

"ختم کرو، میں ہیلی کاپٹر میں تمہیں کور دینے کے لیے پرواز کروں گا اور تمہارے ٹیک آف سے قبل فضا میں موجود رہوں گا۔"

"کیا تم غیر مسلح ہو گے؟"

"نہیں، مجھے ایک مشین گن درکار ہے، پچاس کیلی بر کی۔"

ڈاکٹر پیٹرسن نے حیرت سے ٹائیگر کی طرف دیکھا۔ "میں نے تو اب تک تمہیں کوئی اسلحہ استعمال کرتے نہیں دیکھا۔"

"وہ میری ذمے داری ہے۔" ٹائیگر نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "تم اسلحے کا انتظام کرو اور ہاں مجھے ہیلی کاپٹر کے پائلٹ کی ضرورت نہیں، اُسے میں خود اُڑاؤں گا۔"

مارے حیرت کے ڈاکٹر کرسی سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ ٹائیگر نے مسکرا کر اُسے دوبارہ بیٹھنے کا اشارہ کیا اور ڈاکٹر کا فون اپنی طرف گھسیٹ لیا۔ پہلا فون اُس نے ہونل کیا اور ریسپشن گرل... کو ہدایت

کی کہ ٹھیک دو گھنٹے بعد کمرہ نمبر ۹ میں اطلاع دے دی جائے کہ وہ رات باہر گزارے گا۔ اُسے علم تھا کہ اوشان واپسی پر اُسے آڑے ہاتھوں لے گا لیکن فی الحال مجبوری تھی۔

دوسرا فون غیر شادی شدہ خاتون آفیسرز کے ہاسٹل میں کیا گیا۔ ہر کمرے میں الگ کنکشن تھا۔ دوسری گھنٹی پر ہی ریسیور اُٹھا لیا گیا۔ فون پر مالیا خود تھی۔

ٹائیگر کی آواز سن کر وہ بے حد خوش ہوئی تھی۔

"کوئی دقت تو پیش نہیں آرہی، ڈیئر؟"

"نہیں..." مالیا نے مختصر سا جواب دیا۔

"صبح ایک مشن پر چلنا ہے۔" ٹائیگر نے بتایا۔

"تمہارے ساتھ؟ لیکن ڈاکٹر نے تو مجھے کمرے میں بند ہو جانے کو کہا تھا۔"

"پروگرام تبدیل ہو گیا ہے۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ "تم یہ بتاؤ کہ کبھی مشین گن چلائی ہے؟"

"ہاں..." مالیا نے جواب دیا۔ "بہت بار۔"

"تو بس پھر مسئلہ حل ہو گیا۔ اب سو جاؤ۔ صبح ساڑھے پانچ بجے تیار رہنا اور ہاں، پہننے کے لیے جینز وغیرہ کا انتخاب کرنا... تاکہ دقت نہ ہو۔"

"جانا کہاں ہے؟"

"صبح بتاؤں گا۔ اب تم سو جاؤ۔ خدا..."

"ایک منٹ، شیزو!"

"کہو..."

"تم نے صحرا میں میری زندگی بچائی جس کے لیے میں تمہارا شکریہ بھی ادا نہیں کر سکی۔"

"فی الحال سو جاؤ۔" ٹائیگر ہنسا۔ "ابھی اس کے لیے بہت وقت پڑا ہے۔ شکریہ اپنی پسند کے مطابق وصول کروں گا۔"

☆

جس وقت ٹائیگر، ڈاکٹر پیٹرسن اور مالیا، ائربیس پہنچے۔ صبح کے چھ بج رہے تھے۔ فلائیٹ کا وقت صبح پونے نو بجے تھا لیکن وہ اردگرد کا جائزہ لینے کے لیے جلدی پہنچ گئے تھے۔ پیٹرسن نے اُسے وہ ہیلی کاپٹر دکھایا جس میں اُسے پرواز کرنی تھی۔ وہ ہوف او۔ ایچ ۶ ٹائپ کا نیول کاپٹر تھا جس کا کام بنیادی طور پر نگرانی کرنا تھا۔ پائلٹ کا لباس بھی اُسے وہیں مل گیا تھا۔

"ہم تمہارے جہاز کے ٹیک آف سے بیس منٹ پہلے پرواز کریں گے اور ایک ڈیڑھ میل کا راؤنڈ کر کے تمہیں پرواز کے لیے سگنل دیں گے۔" ٹائیگر نے مالیا کی طرف دیکھا جو نیوی بلو کلر کی جینز اور لائٹ اسکائی بلو کلر کا بلاؤز پہنے ہوئے تھی۔ "تم تیار ہو، پارٹنر؟"

"ہر طرح سے۔" مالیا نے شوخ انداز میں جواب دیا۔ ٹائیگر کی رفاقت سے اُس کے چہرے کی شادابیاں لوٹ آئی تھیں۔

ڈاکٹر پیٹرسن نے [illegible] کہ اس بات کو یقینی بنایا جائے [illegible] جہاز پر موجود [illegible] نے اُسے مطلع کیا کہ میزائل کاؤنٹ ڈاؤن شیڈول کے مطابق ہے اور بلاسٹ آف کے لیے ایک گھنٹے بعد کا وقت مقرر کیا گیا ہے۔

ڈاکٹر پیٹرسن نے ٹائیگر کو ٹیک آف کے لیے او کے سگنل دیا اور بتایا کہ کے سی ۱۳۵ پندرہ منٹ بعد ٹیک آف کرے گا... ٹائیگر نے پہلے مالیا کو کاپٹر میں سوار ہونے کا اشارہ کیا اور پھر خود پائلٹ سیٹ پر جا بیٹھا اور انجن اسٹارٹ کر دیے۔

ایک طویل عرصے کے بعد وہ اس آہنی پرندے کے کنٹرول پر بیٹھا تھا لیکن اُسے یقین تھا کہ کاپٹر اُڑانے میں اُسے کسی قسم کی دقت کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ اُس نے پلٹ کر مالیا کی طرف دیکھا... جو مشین گن لوڈ کرنے میں مصروف تھی۔

ریڈیو آن کر کے اُس نے کنٹرول سے کلیرنس حاصل کی۔ او کے سگنل ملتے ہی اُس نے تھروٹل کھینچا اور کاپٹر ایک ہلکے سے جھٹکے سے فضا میں بلند ہوتا چلا گیا۔

زمین سے کوئی دو سو گز بلند ہونے کے بعد ٹائیگر نے کاپٹر کا رُخ اُس رن وے کی طرف موڑ دیا جسے تھوڑی دیر بعد کے سی ۱۳۵ کو استعمال کرنا تھا۔ کنٹرول ٹاور کی اجازت سے اُس نے دو مرتبہ رن وے پر چکر لگایا لیکن بظاہر کوئی مشکوک چیز اُسے دکھائی نہ دی۔

ٹائیگر نے ریڈیو پر ڈاکٹر پیٹرسن کو "سب ٹھیک ہے" کا پیغام دیا۔ چند ہی منٹ بعد ویلیز سینٹر کے سی ۱۳۵ نے ٹیک آف کے لیے رن وے پر دوڑنا شروع کر دیا۔

ٹائیگر کا کاپٹر اُس وقت ایک ہزار فٹ کی بلندی پر تھا۔ اُس نے آنکھوں پر دوربین لگا رکھی تھی اور بغور اردگرد کا جائزہ لے رہا تھا۔ اچانک اُسے بائیں جانب کوئی دو میل کے فاصلے پر گرد و غبار سا نظر آیا۔

"ہوشیار، مالیا!" وہ انسٹرکام پر دہاڑا۔ "تم بھی اُدھر دیکھنے کی کوشش کرو، مجھے کچھ گڑبڑ نظر آرہی ہے۔"

"راجر..." مالیا نے "بہتر ہے" کا کوڈ دُہرایا اور گلے میں جھولنے والی دوربین آنکھوں سے لگا لی۔

"کسی بھی صورتِ حال کے لیے تیار رہو۔" ٹائیگر نے کاپٹر کی بلندی کم کرتے ہوئے اگلا حکم دیا۔

"اوہ..." چند ہی ثانیوں کے بعد ٹائیگر کی آواز دوبارہ انٹرکام پر ابھری۔ "یہ تو کوئی دوسرا ہیلی کاپٹر ہے۔"

"وہ ٹیک آف کر رہا ہے۔" مالیا نے جواباً تصدیق کی۔

دوسرے کاپٹر نے ٹائیگر کی نگاہوں کے سامنے ٹیک آف کیا۔ کچھ بلندی پر آکر پائلٹ نے اُس کا رُخ ائرفیلڈ کی طرف موڑ دیا پھر ٹائیگر نے جو کچھ دیکھا اُس سے دوربین پر اُس کی گرفت کچھ اور سخت ہو گئی۔

کاپٹر کے لینڈنگ اسکڈز کے ساتھ کوئی چیز بندھی ہوئی تھی۔ وہ یقینی طور پر زمین سے فضا میں مار کرنے والا میزائل تھا۔ ٹائیگر نے کاپٹر کی رفتار بڑھا دی۔

اُسے کے سی ۱۳۵ طیارہ صاف نظر آ رہا تھا جو رن وے پر دوڑتا ہوا اُنہی کی سمت آ رہا تھا۔ وہ تقریباً تین میل دُور تھا۔ ٹائیگر نے کاپٹر کو ذرا سا بلند کر لیا تاکہ نسبتاً بڑے سویلین کاپٹر کا راستہ روک سکے۔

ٹائیگر نے دوبارہ دُوربین سے سویلین کاپٹر کے لینڈنگ اسکڈز کا جائزہ لیا۔ وہ بیٹ سیکنگ میزائل تھا۔ اُس نے کے سی ۱۳۵ کو متنبہ کرنے کے لیے مائیک اُٹھایا کہ وہ ٹیک آف موقوف کر دے لیکن اُسے تاخیر ہو چکی تھی۔ دیوہیکل طیارہ زمین چھوڑ چکا تھا اور اب پوری رفتار سے اُن کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ساتھ ساتھ اُس کی بلندی میں بھی اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

"طیارے کو بالکل سیدھا رکھو کیپٹن۔" ٹائیگر نے مائیک میں غرایا۔ لیکن اُسے اُمید نہیں تھی کہ پیغام پائلٹ کی سمجھ میں آ گیا ہوگا۔ طیارہ دائیں یا بائیں، جس سمت بھی مڑتا، سویلین کاپٹر سے میزائل فائر ہو کر اُس کے پرخچے اُڑا دیتا۔

"فائر، مالیا۔" طیارے کی طرف سے مایوس ہو کر ٹائیگر انٹرکام پر دہاڑا۔

مالیا نے فوراً تعمیل کی۔ کاپٹر کے کھلے دروازے میں ٹرائی پاڈ پر فکس مشین گن نے فوراً ایک برسٹ اُگل دیا۔ مالیا نے نشانہ تو سویلین کاپٹر ہی کا لیا تھا لیکن فاصلہ خاصا تھا، اس لیے کسی گولی کے نشانے پر لگنے کا کوئی امکان نہ تھا۔

ٹائیگر نے دوبارہ طیارے کی طرف دیکھا جو اپنے چار جیٹ انجنوں کے ساتھ غرّاتا اور دہاڑتا ہوا رفتہ رفتہ بلند ہو رہا تھا... پھر اُس کی سمت میں تبدیلی پیدا ہوئی۔ ٹائیگر نے اندازہ لگایا کہ جب وہ مکمل طور پر مڑنا شروع کرتا، اُس وقت دشمن کاپٹر سے اُس کا فاصلہ محض نصف میل رہ جاتا۔

"فائر..." وہ پھر چیخا اور مالیا نے اس بار بھی اُسے مایوس نہیں کیا لیکن فائرنگ کا کوئی فائدہ نہیں ہوا تھا۔

ٹائیگر جانتا تھا کہ سامنے یا بائیں سے دشمن کاپٹر کے سامنے جانا موت کے منہ میں چھلانگ لگانے کے مترادف تھا۔ اُس نے فوری طور پر ایک فیصلہ کیا اور کاپٹر کو بلند کر لیا۔ اب کاپٹر، دشمن کاپٹر سے کوئی سو فٹ کی بلندی پر محوِ پرواز تھا۔

مالیا۔" ٹائیگر نے انٹرکام پر اپنی گنر کو مخاطب کیا۔ "میں کاپٹر کو دشمن کے بالکل اُوپر لے جا رہا ہوں۔ جونہی فائر کنوں، مشین گن کا رُخ نیچے کر کے ٹرائیگر دبا دینا۔"

"یس، ڈیئر!"

ٹائیگر نے اثبات میں سر ہلایا اور کنٹرول کے ساتھ مصروف ہو گیا۔ دو منٹ بعد کاپٹر، دوسرے کاپٹر کے بالکل اُوپر پہنچ چکا تھا۔ اب دونوں کی درمیانی بلندی پچاس فٹ رہ گئی تھی لیکن اب بھی خطرہ تھا۔ ٹائیگر نے ایک اور خطرناک حرکت کی۔ اُس کا کاپٹر مزید تیس فٹ نیچے آ گیا۔ دشمن کاپٹر کا پنکھا صرف بیس فٹ نیچے خطرناک حد تک تیز رفتار کے ساتھ گھوم رہا تھا اور خود ٹائیگر کو کاپٹر کی باڈی پر لکھے ہوئے نشانات اور عبارت صاف دکھائی دے رہی تھی۔

"فائر، مالیا!" ٹائیگر نے تیسری بار اُسے فائر کرنے کا حکم دیا۔

مالیا پہلے کی طرح بالکل تیار تھی۔ اُس نے گن کا رُخ نیچے کی طرف کیا اور پوری قوت سے ٹرائیگر دبا دیا۔

پچاس کیلی بر کی گولیاں سیدھی دشمن کاپٹر کی چھت میں جا گھسیں۔ اچانک ہی سویلین ہیلی کاپٹر بائیں سمت کو جھکا اور پھر بے قابو ہو کر تیز رفتاری سے زمین کی جانب گرنے لگا۔

ٹائیگر نے اپنا کاپٹر بلند کر لیا۔ ابھی وہ تین سو فٹ کی بلندی پر ہی پہنچا تھا کہ دشمن کاپٹر ایک دھماکے سے زمین پر گرا۔ اگلے ہی لمحے اُسے آگ لگ چکی تھی۔

ٹائیگر کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ اُس نے ہاتھ بڑھا کر مائیک اُٹھایا اور ایک بٹن دبایا۔

"کے سی ۱۳۵، پیٹرسن... کاپٹر فون نمبر میں کلیرنس دیتا ہے۔ مشن جاری رکھو۔ ہم واپس جا رہے ہیں، جلد ہی ٹام کیٹ تمہیں حفاظت میں لے لیں گے۔"

"ماجر ہوف ون! ہم ایک کاپٹر جلتا ہوا دیکھ رہے ہیں۔" کپتان کرانسٹن کی آواز ٹائیگر کو سنائی دی۔

"صرف کاپٹر ہی نہیں، اُس کے ساتھ میزائل بھی جل رہا ہے۔" ٹائیگر نے ہنس کر کہا۔ "او۔ کے اینڈ آل۔"

بٹن آف کر کے وہ مالیا کی طرف متوجہ ہو گیا جو معاون پائلٹ کی نشست پر آ بیٹھی تھی۔

"تھینک یو، مالیا!" ٹائیگر نے تشکر یے کا عملی مظاہرہ کیا اور مالیا کی طرح جھینپ گئی۔

"ارے، ایسا بھی کیا شرمانا۔" ٹائیگر نے اُس کے بال بگاڑتے ہوئے کہا۔ "یہ شکریہ میرا تھا، تم اپنے شکریے کے وقت شرمانا۔"

ٹائیگر دوبارہ کنٹرول کے ساتھ مصروف ہو گیا۔ اُس نے مائیک پر کنٹرول ٹاور کو نیول کریش سائٹ ٹیم، تباہ شدہ ہیلی کاپٹر پر بھیجنے کو کہا۔ تحقیقات کا آغاز ہو سکے۔

ایک گھنٹے بعد وہ ڈاکٹر پیٹرسن کے دفتر میں بیٹھا تھا۔ مالیا کچھ دیر پہلے ہی اُس کے نئے ٹھکانے پر چھوڑ کر آیا تھا۔ ریڈیو پر اشارہ وصول ہوا تو وہ اُدھر متوجہ ہو گیا۔

"ابھی ابھی تجربہ مکمل ہوا ہے۔" پیٹرسن نے خوشی سے معمور لہجے میں اُسے آگاہ کیا۔ "راڈار نے سو فی صد صحیح نتیجہ دیا اور ٹارگٹ ۳۴ میل بلندی اور ۲۵۶ میل کے فاصلے سے تباہ کیا گیا۔"

ٹائیگر کو اسی پیغام کا انتظار تھا۔ اُس نے دفتر کے لوگوں کو تالیاں بجاتے ہوئے چھوڑا اور خود آہستگی سے کھسک لیا۔

باہر آ کر وہ کار میں بیٹھا اور ہوٹل چل دیا۔ وہ اس بات پر غور کر رہا تھا کہ اُس کا مشن مکمل ہو گیا ہے یا نہیں... اُسے دوسرا خیال زیادہ قرین قیاس تھا جو اُس سارے شاخسانے کی پشت پناہی کر رہا تھا۔

لیکن اُس کی تلاش سے پہلے وہ بہرام کو فون کر کے اب تک کی رپورٹ دینا چاہتا تھا۔

✦

جوزف درشکوف وِنڈورو اسٹریٹ پر اپنے گھر میں پریشانی کے عالم میں ٹہل رہا تھا۔ چار گھنٹے قبل اُس نے سنا تھا کہ اُس کا وہ ہیلی کاپٹر مار گرایا گیا ہے جسے اُس نے کے سی ۱۳۵ کو اُس کے کریو اور دوسرے عملے کے ساتھ تباہ کرنے کو بھیجا تھا۔ اگر کے سی ۱۳۵ تباہ ہو جاتا... تو مشن اسکائی سویپر ایک سال پیچھے چلا جاتا لیکن اب نہ صرف آخری تجربہ کامیاب ہو چکا تھا بلکہ اُس کے دو بہترین آدمی اور ہیلی کاپٹر تباہ ہو گیا تھا۔ اُسے پروگرام کی ایسی کی تیسی ہو گئی تھی۔

مگر اب بھی وہ مایوس نہیں تھا۔ ابھی اُس کے پاس بہت سے پتے تھے جن کے ذریعے وہ اس طویل پروگرام میں رخنے ڈال سکتا تھا۔

وہ ٹہلتا ہوا سیڑھیاں اُتر کر ایک تہ خانے میں پہنچ گیا۔ اُس کا رُخ ایک فکس ایک خفیہ سیف کی طرف تھا۔ اُس نے ایک بٹن دبایا اور سیف کا آہنی دروازہ کھل گیا۔ درشکوف نے ہاتھ بڑھا کر اوپر رکھی ہوئی سرخ فائل اُٹھائی جس کا کور پیلے رنگ کا تھا۔

اُس نے فائل کھول کر اُس کا مطالعہ شروع کر دیا۔ یہ ویت نام کی جنگ میں قیدی بننے والے ایک لیفٹیننٹ رُتھ کی کیس فائل تھی جس میں ایک ایک تفصیل درج تھی۔

رُتھ لڈلوف اس پروگرام کا سب سے ذہین ترین طالب علم تھا، جس میں دو سو سے نائد امریکی افسران کو جبری طور پر شریک کیا گیا تھا... درشکوف نے فائل میں درج "کی ورڈز" پڑھے اور مسکراتے ہوئے فائل بند کر کے دوبارہ سیف میں رکھ دی۔

اُوپر آ کر اُس نے وقت دیکھا، شام کے پانچ بجے تھے... رُتھ یقینی طور پر اپنے دفتر میں تھا۔ وہ عموماً چھ سات بجے تک دفتر میں مصروف رہتا تھا۔ درشکوف نے شیطانی مسکراہٹ کے ساتھ ریسیور اُٹھایا اور نمبر ڈائل کیا۔

"گڈ آفٹرنون، ڈاکٹر لڈلوف آفس۔"

وہ کارا تھی۔ درشکوف کی مسکراہٹ مزید گہری ہو گئی۔ "میں ڈاکٹر رُتھ لڈلوف سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"یس سر! ابھی ملاتی ہوں۔"

جوزف درشکوف نے چند ایک کلک کی آوازیں سُنیں اور پھر ہر ہیلی ہی گھنٹی پر ریسیور اُٹھا لیا گیا۔

"لڈلوف ہیئر۔"

"بیس بال کو رُتھ لڈلوف کی ضرورت ہے۔" درشکوف نے وہ کی ورڈز دُہرائے جو رُتھ لڈلوف کے لاشعور میں سالوں پہلے ہپناٹزم میں بٹھانے گئے تھے۔

"تم نے کیا کہا؟"

"بیس بال کو رُتھ لڈلوف کی ضرورت ہے۔" جوزف درشکوف نے جملہ دُہرایا۔ "تم ٹھیک دو گھنٹے بعد فون نمبر ۴۴۴-۳۷۵ پر رنگ کرو گے۔ نمبر یاد رکھنا۔" جوزف نے نمبر دُہرائے اور جواب سُنے بغیر رابطہ منقطع کر دیا۔

✦

رُتھ لڈلوف نے ابھی پیڈ پر ۴۴۴-۳۷۵ ہی لکھا تھا کہ رابطہ منقطع ہو گیا۔ جب اُس نے ریسیور رکھا تو اُس کا ہاتھ کانپ رہا تھا۔

اُس نے آہستگی سے الفاظ دُہرائے۔ "بیس بال کو رُتھ لڈلوف کی ضرورت ہے۔" اُس نے یہ الفاظ کوئی دس بار دُہرائے اور پھر کار کو انٹرکام پر آگاہ کیا کہ وہ گھر واپس جا رہا ہے۔ آج روانگی اُس نے عقبی دروازہ استعمال کیا تھا۔

راستے میں کئی بار اُس نے وہ پُراسرار جملہ دُہرایا۔ ہر بار جملے

Uploaded By Nadeem

کے ساتھ ہی اُس کے ذہن میں ویت نام تازہ ہوجاتا اور اس پر گھبراہٹ حملہ آور ہوجاتی۔

گھر پہنچ کر وہ اپنے کمرے میں چلا گیا اور صوفے پر بیٹھ کر نگاہیں دیوار پر جمادیں۔ دیوار کچھ دیر تو سفید رہی لیکن پھر ویت نام کے ایک قبائلی گاؤں میں ہونے والے مظالم کی فلم چل نکلی جس کا دردناب بھی کبھی اُسے اپنے جسم میں محسوس ہوتا۔ جب مظالم حد سے گزرے تو رُتھ چیخ اٹھا۔

"لڈلوف کے لیے نہیں... میں ویت نام میں نہیں ہوں۔ میں ڈیج کرلیٹ کیلی فورنیا میں ہوں، میں نیول وپنز سینٹر میں کام کرتا ہوں اور آپریشن اسکائی سوپر کا سربراہ ہوں۔"

دروازہ کھلا اور اُس کی خوبصورت بیوی بیتھ اندر داخل ہوئی۔ اُس نے شوہر کے چلانے کی آواز سُنی تھی۔ پہلے پہل تو رُتھ کو کوئی کمی بیتھ نظر آئیں لیکن پھر وہ پُرسکون ہوتا چلا گیا۔

بیتھ اپنے شوہر کی اس کیفیت سے آگاہ تھی۔ اس قسم کے دورے اُس پر پہلے بھی پڑ چکے تھے لیکن وہ انہیں کام کی زیادتی کا ردِعمل تصور کرتی تھی۔ وہ خود ایک تربیت یافتہ سائیکالوجسٹ تھی اور اسے علم تھا کہ ان حالات میں کیا کرنا چاہیئے۔ اُس نے آگے بڑھ کر اسٹریو آن کیا اور خاموشی سے باہر نکل گئی۔ وہ جانتی تھی کہ رفتہ رفتہ رُتھ کی کیفیت اعتدال پر آجائے گی۔

رُتھ نے بہ قائمی ہوش و حواس اپنی بیوی کو کمرے سے باہر جاتے دیکھا لیکن جونہی دروازہ بند ہُوا، اُس کے ذہن میں ہنوئی کا قیدخانہ اُبھر آیا جہاں تیرہ سال پہلے اُس نے بہت ہی کٹھن اور صبر آزما وقت گزارا تھا پھر قیدخانے میں ایک انسانی چہرے کا اضافہ ہوگیا۔ رُتھ کو چہرہ پہچاننے میں ذرا دیر نہ لگی وہ کرنل سخانوف تھا۔

"بیس ہال کو رُتھ لڈلوف کی ضرورت ہے۔" رُتھ کے ذہن میں دوبارہ فقرہ گونجا اور گویا سب کچھ اُسے یاد آگیا۔ سب سے پہلے روسی کرنل نے یہ الفاظ ادا کیے تھے۔ وہ فوراً کرسی سے اُٹھ کھڑا ہُوا۔ اُس کا رُخ ٹیلی فون کی طرف تھا۔

"یس...؟" مطلوبہ نمبر پر گھنٹی بجی اور فوراً ہی ریسیور اُٹھا لیا گیا۔

"میرا نام رُتھ لڈلوف ہے، فرسٹ لیفٹیننٹ، یونائیٹڈ اسٹیٹس ائرفورس، سیریل نمبر ۶۷۷-۲۴-۵۴۲- ایف آر۔"

"ویری گڈ، لڈلوف!" دوسری جانب والے نے جواب دیا۔ "تم ابھی گھر سے نکلو۔ لیفٹیننٹ لڈلوف! بیوی کو بتاؤ گے کہ میڈیکل اسٹور سے کچھ دوائیں خریدنے جارہے ہو۔ سیدھے ۴۴۴۳ وُڈورڈ اسٹریٹ پر آجاؤ اور دروازے کی گھنٹی تین بار بجاؤ جو بھی شخص دروازے پر ملے، اُس کے ساتھ اندر چلے آؤ... یاد رکھو لیفٹیننٹ! فوری طور پر گھر سے نکل کھڑے ہو۔ بیوی سے بہانہ کرو اور آجاؤ۔ ہمیں ابھی ایک طویل سفر کرنا ہے۔"

دس منٹ بعد لڈلوف کی کار مطلوبہ مکان کے سامنے کھڑی تھی۔ دروازے پر ایک شخص نے اُس سے کار کی چابیاں لیں اور اُس کی کار کو لان کے گوشے میں بنے گیراج میں کھڑا کر دیا۔ اس کے بعد وہ اُسے اندر لے گیا۔

ایک چھوٹے قد کے گنجے شخص نے اس کا استقبال کیا۔

"میرا نام سخانوف ہے۔" موٹے نے اپنا تعارف کرایا۔ "مجھے یقین ہے کہ تم میرا نام نہیں بھولے ہوگے۔"

جواب دِرشکوف نے اپنے تعارف کے لیے روسی کرنل کا نام اس لیے استعمال کیا تھا کہ لڈلوف کو گزرا ہُوا وقت یاد آجائے۔

ڈاکٹر رُتھ نے اثبات میں سر ہلانے کے علاوہ کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

دِرشکوف اُسے لے کر تہ خانے میں پہنچا۔ دونوں کُرسیوں پر بیٹھ گئے۔ کمرے کی روشنی گُل ہوگئی اور پھر سامنے کی سفید دیوار پر متحرک فلم چلنی شروع ہوگئی۔

فلم ویت نام کے جنگلوں اور وہاں امریکی افسروں پر ڈھائے جانے والے مظالم سے متعلق تھی۔ کئی چہرے دیکھ کر لڈلوف کو اپنے آپ یاد آگیا۔ پندرہ منٹ بعد وقفہ ہُوا اور اُسے کوکا کولا اور بھُنے ہوئے بادام پیش کیے گئے۔

چند منٹ بعد فلم دوبارہ شروع ہوگئی۔ اس مرتبہ ہنوئی کا قیدخانہ تھا۔ لڈلوف کو اس بار بھی اپنی ہی تصویر نظر آئی تھی۔ یہ فلم پانچ منٹ سے زیادہ کی نہیں تھی۔

"لیفٹیننٹ لڈلوف!" فلم ختم ہوتے ہی دِرشکوف کی آواز اُبھری۔ "تم ایمان داری کے ساتھ مندرجہ ذیل سوالوں کے جواب دو گے اور کچھ بھی نہیں چھپاؤ گے۔ آج کی میزائل ٹیسٹنگ کا نتیجہ کیا رہا؟"

"کامیاب..." ڈاکٹر رُتھ نے میکانیکی انداز میں جواب دیا۔ "ہم نے وہ تمام مقاصد حاصل کرلیے ہیں جن کے لیے یہ تجربہ ترتیب دیا گیا تھا۔"

"آپریشن اسکائی سوپر کا اگلا قدم کیا ہوگا؟"

"ہم ہتھیاروں کو آخری شکل دیں گے، لیزر نوزل میں کچھ ردّوبدل کریں گے اور اسے بہتر بنانے کے اقدامات جاری رکھیں گے۔"

"تمہارے خیال میں اسکائی سوپر نامی یہ مہلک سیارے کب تک خلا میں چھوڑے جائیں گے؟"

"یہ میری ذمے داریوں میں شامل نہیں لہٰذا میں کچھ نہیں بتا سکتا۔"

"تمہارے ساتھ کام کرنے والا شہزاد نامی شخص درحقیقت کون ہے؟"

"میں نہیں جانتا لیکن یہ طے ہے کہ اس کا تعلق نہ سی آئی اے

سے ہے اور نہ ہی ڈی آئی اے سے، شاید پیٹرسن کچھ جانتا ہو؟"

"وہ کہاں ٹھہرا ہُوا ہے؟"

"مجھے علم نہیں۔"

"شکریہ لیفٹیننٹ! تم بہتر انداز میں کام کر رہے ہو۔ اب میں تمہیں کچھ تجاویز اور احکامات دوں گا... تم انہیں پوری توجہ کے ساتھ سنو گے اور ذہن نشین کرلو گے۔ تم کل اپنے دفتر جاؤ گے اور وہاں جو بھی ضروری ہوگا، اُٹھا لاؤ گے لیکن تم اپنے آپ کو بالکل نارمل ظاہر کرو گے۔ ہر کام ہدایات کے مطابق کرنا۔"

"یس، سر!"

"فائن... سب سے پہلی بات کہ کل صبح تم شیو بناؤ گے اور یہاں موجود کپڑے زیب تن کرو گے۔ اس کے بعد تم مقررہ وقت پر اپنے دفتر روانہ ہوجاؤ گے۔ کسی کو شک بھی نہ ہو کہ کوئی غیر معمولی بات ہے پھر..."

☆

ڈاکٹر رُتھ لڈلوف معمول کے مطابق اپنی کار روک کر اُترا اور نپے تُلے قدموں سے چلتا ہُوا اپنے کمرے میں داخل ہوگیا۔

اُس کی سیکرٹری کارا کے ہونٹوں پر آج معمول سے زیادہ جاندار اور شاندار مُسکراہٹ تھی۔ اُس نے سر کے اشارے سے کارا کی مُسکراہٹ کو شرفِ قبولیت بخشا اور کُرسی کی طرف بڑھا۔

چند ہی ثانیوں کے بعد وہ اُٹھا اور تین انتہائی خفیہ الماریوں کو کھول ڈالا جہاں انتہائی حساس دستاویزات مقفل تھیں۔ فائلوں کے پلندے اُس کے سامنے تھے۔

اُس نے فائلوں کو دیکھ کر سر ہلایا اور انٹرکام پر اپنی سیکرٹری کو طلب کرلیا۔

"کارا..." اُس نے انتہائی میٹھے لہجے میں اُسے مخاطب کیا۔ "میں پورے اسکائی سوپر پروجیکٹ پر ایک جامع حائل مرتب کر رہا ہُوں۔ تم میری مدد کرو اور نہایت اہم کاغذات کو ایک جگہ اکٹھا کرتی جاؤ۔ ہمارے پاس صرف دو گھنٹے ہیں جو اس کام کے لیے بہت کم ہیں لہٰذا فوراً شروع ہوجاؤ۔"

☆

دفتر کے باہر ٹائیگر کرانے کی فورڈ کار میں بیٹھا، ڈاکٹر کے دفتر کے خارجی دروازے کی نگرانی کر رہا تھا۔

گزشتہ شام اُس نے مالیا کے ساتھ گزاری تھی۔ دو گھنٹے تک وہ ایک ہوٹل کے نیم تاریک گوشے میں دل کے پھپھولے پھوڑتے رہے تھے۔ تب اُس نے مالیا کو اُس کے کمرے میں چھوڑ کر اپنے ہوٹل کے کمرے کا دروازہ پار کیا تو اوشان نے اُس کے سر پر انڈے پھوڑے تھے لیکن وہ جلد ہی اُس سے جان چھڑا بھاگا تھا۔ اُس کا رُخ ڈاکٹر لڈلوف کے گھر کی جانب تھا۔

وہ پروجیکٹ ڈائریکٹر سے بات کرنے آیا تھا۔ کوئی چیز اُس کے ذہن کو اتھل پتھل کر رہی تھی لیکن جب اُس نے ڈاکٹر رُتھ کے دروازے پر دستک دی تو دروازہ اُس کی بیوی نے کھولا جو پہلے ہی سسک رہی تھی۔ رات کے نو بج رہے تھے لیکن ڈاکٹر رُتھ گھر پر موجود نہیں تھا۔

اُس نے ٹائیگر کو بتایا کہ اُس کے شوہر نے شام کو کسی سے فون پر بات کی اور پھر دفعتاً خریدنے کا کہہ کر باہر نکل گیا تھا۔ اب دو گھنٹے ہونے کو آئے تھے لیکن وہ واپس نہیں آیا تھا۔

ٹائیگر نے وہ میز دیکھنے کی خواہش ظاہر کی جس پر ڈاکٹر رُتھ بیٹھ کر کچھ لکھ رہا تھا اور پھر پیڈ پر اُس نے ۴۴۴۳-۵۷۳ لکھا دیکھ لیا تھا۔ یہ اسپیشل کے جی بی ہاؤس کا نمبر تھا۔ اُس نے مسز رُتھ کو بتایا کہ وہ خود ڈاکٹر کو تلاش کرنے کی کوشش کرے گا۔

باہر نکل کر اُس نے کار سیدھی ونڈورڈ اسٹریٹ پر ڈال دی کیونکہ جو نمبر اُس نے ڈاکٹر کے پیڈ پر لکھا دیکھا تھا، وہ پہلے سے اس کے پاس موجود تھا۔ مطلوبہ مکان کے پاس پہنچ کر وہ ایک مناسب جگہ سے مکان کی نگرانی کرنے لگا لیکن اُسے وہاں کوئی چہل پہل دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

رات اُس نے وہیں کار میں بیٹھے بیٹھے گزار دی لیکن مجال ہے کہ ایک جماہی بھی آئی ہو۔

صبح آٹھ بجے کے قریب اُس نے حیرت سے ڈاکٹر رُتھ کو مکان سے تنہا باہر آتے دیکھا۔ اُس نے خود گیراج کا دروازہ کھولا، کار نکالی اور ایک سمت روانہ ہوگیا۔ ٹائیگر اپنی فورڈ میں اُس کے پیچھے پیچھے تھا...

بالآخر ڈاکٹر کی کیڈی نیول وپنز سینٹر میں اس کے لیے مخصوص پارکنگ لاٹ میں جا رکی اور ڈاکٹر اُتر کر اپنے دفتر کی سمت چل دیا۔

سب سے پہلے ٹائیگر نے نزدیکی فون سے ڈاکٹر رُتھ کی بیوی کو مطلع کیا کہ اُس کا شوہر زندہ سلامت اپنے دفتر میں موجود ہے۔ دوسرا فون اُس نے ڈاکٹر پیٹرسن کو کیا۔

"مجھے ایک پالمٹ اور بیسی کا پٹر فوری طور پر درکار ہے۔" ٹائیگر نے کوئی تمہید باندھے بغیر کہا۔

"پالمٹ؟" ڈاکٹر کو بیسی کاپٹر سے زیادہ پالمٹ کے مطالبے پر حیرت ہوئی تھی۔

"ہاں..." ٹائیگر نے جواب دیا۔ "ویسے تو فلائی میں خود کروں گا لیکن ممکن ہے اس کی ضرورت بھی پڑ جائے اور ہاں اُسے ایک اچھا نشانے باز بھی ہونا چاہیئے۔"

Uploaded By Nadeem

"اسکمہ...؟"

"صرف ایک سب مشین گن۔ وہ بھی پائلٹ کے لیے۔"

"میں خود تمہارے پاس آرہا ہوں۔" ڈاکٹر نے اُسے آگاہ کیا...

"کھڑکی سے مجھے تمہاری کار صاف دکھائی دے رہی ہے۔"

ٹائیگر واپس اپنی کار میں آگیا۔ فوراً دیر بعد ہی اُسے ڈاکٹر رتھ نظر آیا۔ اُس نے ایک کارڈ بکس اُٹھا رکھا تھا۔ کار اُس کے پیچھے پیچھے تھی۔ اُس کے ہاتھوں میں بھی گتے کا ایک بڑا ڈبہ تھا جو اُس کے ہاتھوں سے پھسلا جا رہا تھا۔

انہوں نے دونوں بکس کینڈی کی ڈکی میں رکھے پھر ڈاکٹر رتھ کار میں سوار ہوا اور فوراً ہی روانہ ہوگیا۔

ٹائیگر کو جانے کیوں یقین سا تھا کہ ان ڈبوں میں آپریشن اسکائی سوپر کے بارے میں حساس دستاویزات ہیں۔ اُسے یہ بھی اطمینان تھا کہ وہ اب تب میں اس سارے فساد کی جڑ کو بے نقاب کردے گا۔

اُسی وقت ڈاکٹر پیٹرسن ایک سمت سے بھاگتا ہوا آیا۔ اُس نے ٹائیگر کو چلنے کا اشارہ کیا اور اچھل کر اگلی نشست پر ڈھیر ہوگیا۔ ٹائیگر نے فوراً کار آگے بڑھادی۔

"کچھ نہ کچھ ضرور ہو رہا ہے ٹیسٹر!" ڈاکٹر پیٹرسن نے بے چینی سے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔ "رتھ نصف سے زیادہ فائلیں اپنے ہمراہ لے گیا ہے جو انتہائی غیر معمولی بات ہے۔"

ٹائیگر نے محض سر ہلا دیا اور خاموشی کے ساتھ آگے جانے والی کار کا تعاقب کرتا رہا جو آر ٹیچ ائرفیلڈ جانے والی سڑک پر مڑ چکی تھی۔

ٹائیگر کا خیال تھا کہ وہ ڈاکٹر کو جا لے گا لیکن شناختی کارروائی میں اتنی تاخیر ہوگئی کہ ڈاکٹر رتھ کو خاصا آگے نکلنے کا وقت مل گیا۔ ٹائیگر کو کینڈی، ائرفیلڈ کے سرے پر کھڑے ایک نیلے اور سفید رنگ کے ہیلی کاپٹر کی جانب دوڑتی نظر آئی جس کا انجن پہلے سے اسٹارٹ تھا۔ وہاں جانا فضول تھا کیونکہ جب تک وہ وہاں پہنچتے، کاپٹر پرواز بھی کر چکا ہوتا۔

"وہ کاپٹر کہاں ہے جو کل میں نے استعمال کیا تھا؟" ٹائیگر نے فوری فیصلہ کیا۔

ڈاکٹر پیٹرسن نے ایک جانب اشارہ کیا اور ٹائیگر نے کار اُدھر موڑ دی۔ جب تک وہ اپنے ہیل کاپٹر تک پہنچے، سفید اور نیلا ہیلی کاپٹر ہوائی اڈے سے پرواز کر چکا تھا۔

ٹائیگر نے ڈاکٹر کو وہیں چھوڑا اور خود بھاگتا ہوا کاپٹر میں داخل ہوگیا۔ پائلٹ نے انجن اسٹارٹ کر دیا۔ جب تک ٹائیگر نے ضروری کارروائیاں مکمل کیں، کاپٹر پرواز کے لیے تیار تھا۔ ٹائیگر پائلٹ سیٹ پر بیٹھا اور کنٹرول ٹاور کو ایمرجنسی ٹیک آف کی اطلاع دے کر جواب کا انتظار کیے بغیر کاپٹر کو لے اُڑا۔

اگلا ہیلی کاپٹر بائیں سمت پرواز کر رہا تھا۔ ٹائیگر نے بلندی پر جاتے ہی اپنا رُخ اُدھر موڑ دیا اور دونوں کاپٹر آگے پیچھے پرواز کرنے لگے۔

ڈاکٹر رتھ کا ہیلی کاپٹر نیول سینٹر کی حدود پار کر کے پہاڑی علاقے میں داخل ہو چکا تھا۔ ٹائیگر کو اندازہ ہوگیا کہ وہ اگلے پانچ منٹ میں اُسے جالے گا کیونکہ ڈاکٹر کے ہیلی کاپٹر کا انجن، ٹائیگر کے کاپٹر سے نسبتاً کمزور تھا۔ درمیانی فاصلہ کم ہو کر اب نصف میل کے قریب رہ گیا تھا۔ ٹائیگر کو امید تھی کہ وہ کسی نہ کسی طرح دشمن پائلٹ کو لینڈ کرنے پر مجبور کر دے گا۔ وہ چاہتا تو کوئی ایسی کارروائی کر سکتا تھا جس سے کاپٹر فضا ہی میں تباہ ہو جاتا لیکن وہ یہ خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا کیونکہ اس طرح ڈاکٹر رتھ ہلاک ہو جاتا اور تمام دستاویزات ضائع ہو جاتیں۔

ٹائیگر نے اپنے ذہن میں ایک منصوبہ ترتیب دے لیا جس پر عمل کرنا اس قدر خطرناک تھا کہ ایک انچ کا ہیر پھیر بھی ہو جاتا تو ٹائیگر کی لاش کے ٹکڑے بھی دستیاب نہ ہوتے۔

"کاپٹر میں نائلون کی کوئی رسّی تو موجود ہوگی؟" ٹائیگر نے اپنے ساتھی پائلٹ سے دریافت کیا۔

"یس سر!" جانسن نامی پائلٹ نے جواب دیا۔

"تم کنٹرول سنبھالو۔ میں دوسرے محاذ پر جا رہا ہوں۔" ٹائیگر نے اُسے آگے آنے کا اشارہ کیا۔ "اور ہاں، رسّی کہاں ہے؟"

پائلٹ نے اشارے سے اُسے آگاہ کیا۔ "لیکن سر! آپ کیا کرنے جا رہے ہیں؟"

"اگلے چند منٹوں میں ہم دشمن کاپٹر کو پکڑنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔" ٹائیگر نے مسکراتے ہوئے اُسے بتایا۔ "تمہیں اس وقت اپنی انتہائی پیشہ ورانہ مہارت کا ثبوت پیش کرنا ہے۔"

"میں کوشش کروں گا۔"

"اس وقت مخالف کاپٹر پندرہ سو پچاس فٹ کی بلندی پر پرواز کر رہا ہے جبکہ ہم پندرہ سو پچاس فٹ پر پرواز کریں گے۔" ٹائیگر نے اُسے آگاہ کیا۔ "میں اسکنڈ بے رسّی باندھنے جا رہا ہوں اور پھر اس رسّی کے ذریعے نیچے لٹکوں گا۔ تمہیں دوسرے کاپٹر کے اُوپر اس طرح پرواز کرنا ہے کہ میں رسّی کے ذریعے اُس کی ٹیل پر اُتر سکوں۔"

"لک... کیا... سر؟" پائلٹ یوں اُچھلا جیسے اچانک ہی کسی کونے سے سانپ برآمد ہوگیا ہو۔

"تم نے جو کچھ سنا ہے، میں نے وہی کہا ہے۔" ٹائیگر نے رُکھائی سے جواب دیا۔ "میری جان کی فکر نہ کرو۔ کہو تو میں اپنی خودکشی کی تحریر بھی لکھ دوں۔"

"پھر بھی... میں شاید نہ..."

"اگر تم نے اب نہ کہی تو میں تمہیں اُٹھا کر پھینک دوں گا۔" ٹائیگر غرایا۔ "جو کہہ رہا ہوں، وہی کرو۔"

چند منٹ بعد ٹائیگر رسّی کے ذریعے کاپٹر کے اسکڈ سے لٹک رہا تھا۔ جانسن، پائلٹ سیٹ پر بیٹھا تھر تھر کانپ رہا تھا...

پندرہ سو پچاس فٹ تھی اور دشمن کا کاپٹر عین اُس کے نیچے پرواز کر رہا تھا۔ اُسے کچھ پتا نہیں تھا کہ نیچے کیا ہو رہا ہے۔ وہ دل ہی دل میں اللہ کو یاد کر رہا تھا کہ رسّی سے لٹکنے والا پاگل زندہ بچ جائے۔

ٹائیگر رسّی کے ذریعے لٹک تو آیا تھا لیکن دو چیزیں اُس کی سب سے بڑی رُکاوٹ پیدا کر رہی تھیں۔ ایک تیز ہوا کے تھپڑے اور دوسرا نچلے کاپٹر کا پنکھا جو تقریباً پوری چھت پر پھیلا ہوا تھا۔ اگر جہاز کا اندازہ بھی غلط ہو جاتا تو اُس کے ننھے منّے لوتھڑے اس زمین پر بکھر جاتے جیسے کسی نے زمین پر بیج چھڑک دیے ہوں۔

زوردار ہوا اُسے کبھی دائیں بائیں اور کبھی آگے پیچھے جھولا دے رہی تھی۔ وہ محض اپنی کلائیوں کے زور سے خود کو قابو سے باہر ہو جانے سے روکے ہوئے تھا۔ وہاں سے وہ چیخ کر جانسن کو کاپٹر دائیں بائیں لے جانے کے لیے کہنے کو نہیں کہہ سکتا تھا۔ بس اُس کے اپنے ہی اندازے تھے جن کی مدد سے وہ ٹیل سے لپٹ سکتا تھا۔ ایک بار اُس کے مضبوط ہاتھ کاپٹر کی فولادی چادر پر جم جاتے تو وہ دوڑ جام کر کے کاپٹر کو لینڈنگ پر مجبور کر سکتا تھا۔

اچانک ہی اُوپر والے کاپٹر نے ایک جھٹکا لیا اور ٹائیگر پورے کا پورا ہل کر رہ گیا۔ اُس کے جوتے کی ایڑی اڑ گئی حالانکہ کاپٹر کا پنکھا ابھی تک اُس کے سر سے نہیں ٹکرایا تھا بس قریب سے گزرا تھا۔ ایک لمحے کے لیے تو ٹائیگر کو پسینہ آگیا۔ اگر محض وہ ایک انچ اور آگے ہو جاتا تو پیر یا شاید پوری ٹانگ کھو چکا تھا۔

اُس نے فوراً کلائیوں کے بل خود کو اُوپر اُٹھا لیا۔ اب نچلے کاپٹر کا پنکھا اُس کے پیروں سے محض چند انچ کے فاصلے پر پوری رفتار سے گھوم رہا تھا۔

اوپر شاید جانسن کو بھی احساس ہوگیا تھا کہ کوئی گڑبڑ ہوگئی ہے۔ اس نے رفتار کچھ کم کی تو نچلے کاپٹر کی ٹیل ٹائیگر کے پیروں سے چھونے لگی۔ اُسے اسی موقع کا انتظار تھا۔ وہ فوراً نیچے کھسک آیا۔ اگلے ہی لمحے وہ دونوں ہاتھ ٹیل پر جما چکا تھا رسّی اُس نے چھوڑ دی تھی۔ چند ثانیے وہ اپنا توازن درست کرتا رہا اور پھر اسکڈ تک پہنچنے کے لیے مختلف رُخ کا جائزہ لینے لگا جو دُور تک کاپٹر کی باڈی کے ساتھ لگے ہوئے تھے۔

ٹائیگر کی جگہ کوئی اور شخص ہوتا تو شاید کبھی یہ ہمت نہ کرتا لیکن اگر وہ بھی یہاں سے واپس چلا جاتا تو اُسے ٹائیگر کون کہتا۔ وہ آہستگی کے ساتھ رُخ کا سہارا لیتا ہوا آگے بڑھتا رہا۔ سارا زور اُس نے اپنی کلائیوں پر ڈال رکھا تھا جبکہ پیر اُس کے فضا میں جھول رہے تھے۔ بالآخر وہ ایک ایسی جگہ پہنچ گیا جہاں وہ اسکڈ پر پیر جما سکتا تھا۔

ایک ہاتھ سے اُس نے ورواز کے ہینڈل کو تھاما، اور اپنی نگاہیں روٹر پر جما کر دوسرے ہاتھ کو اُس کے ساتھ ساتھ حرکت دینی شروع کر دی تاکہ دونوں کی رفتار میں یکسانیت پیدا ہو سکے۔ محض ایک منٹ کے بعد ہی ٹائیگر کے ہاتھوں کی حرکت روٹر سے مطابقت پیدا کر چکی تھی۔ اُس نے فوراً ہاتھ بڑھا کر روٹر پر جما دیا۔

فوری طور پر روٹر کی حرکت میں سکوت آیا۔ کاپٹر کو ایک جھٹکا لگا اور وہ کئی فٹ نیچے اُتر آیا۔

ٹائیگر نے ہاتھ کو پوری قوت سے روٹر پر جما رکھا تھا حتیٰ کہ وہ اُس کی رفتار کو خطرناک حد تک کم کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ کاپٹر کی رفتار کم ہو چکی تھی اور وہ تیزی سے زمین کی طرف بڑھ رہا تھا۔

ٹائیگر نے نیچے دیکھا زمین کوئی سو فٹ دُور رہ گئی تھی۔ اُس نے گرفت ڈھیلی کی تو کاپٹر نے ایک اور جھٹکا لیا۔ وہ بدستور نیچے کی طرف گر رہا تھا لیکن گرنے کی رفتار کم ہو گئی تھی۔

کاپٹر کا پائلٹ اُس آہنی پرندے کو کنٹرول کی ہر ممکن کوشش کر رہا تھا لیکن پھر بھی وہ اُسے زمین سے ٹکرانے سے باز نہ رکھ سکا۔

کاپٹر پہلو کے بل زمین پر گرا۔ بلندی کم ہونے کی وجہ سے اُس میں آگ تو نہیں لگی لیکن اب وہ پرواز کے قابل نہیں رہ گیا تھا۔ ٹائیگر چھلانگ لگا کر نیچے اُتر آیا۔ اُس نے آسمان کی طرف دیکھا وہ جس کاپٹر سے کُودا تھا وہ اب بھی اُس

Uploaded By Nadeem

کے سر پر پرواز کر رہا تھا۔ چند ثانیوں بعد وہ ایک سمت پرواز کر گیا۔ ٹائیگر کو علم تھا کہ وہ کچھ دیر بعد اُسے پک کرنے کے لیے واپس آئے گا۔

ٹائیگر گرنے والے کاپٹر کے دروازے کی طرف بڑھا۔ جونہی وہ قریب پہنچا کاپٹر کا دروازہ کھلا اور کاپٹر کا پائیلٹ پستول لہراتا ہوا برآمد ہوا لیکن اِس سے پہلے کہ پائیلٹ اُس پر فائر کرتا اُس نے اُس کا بڑھا ہوا ہاتھ تھام کر اِس زور سے جھٹکا دیا کہ پائیلٹ اُوندھے مُنہ دُور جا گرا۔

وہ بُری طرح چلّایا لیکن یہ چیخ و پُکار گرنے کی وجہ سے نہیں تھی بلکہ دایاں ہاتھ کندھے کے جوڑ سے اُکھڑنے کی تکلیف کے باعث تھی۔ ٹائیگر نے اِس زور سے جھٹکا دیا تھا کہ اُس کا بازو کندھے سے اُکھڑ کر اُس کے ہاتھ میں رہ گیا تھا۔

ٹائیگر نے ایک نظر اپنے ہاتھ میں پکڑے ہوئے بازو پر ڈالی اور اُسے پائیلٹ کے قریب پھینک دیا جو تڑپتا ہوا شاید زندگی کی آخری سانسیں لے رہا تھا۔

ٹائیگر اُسے اُس کے حال پر چھوڑ کر کاپٹر میں داخل ہو گیا۔ سامنے ہی ڈاکٹر رُتھ لڈلوف پسنجر سائیڈ پر موجود تھا۔ حفاظتی بیلٹ کی وجہ سے وہ زخمی ہونے سے بچ گیا تھا لیکن اس کی حالت بتا رہی تھی کہ وہ اپنے ہوش و حواس میں نہیں۔

ٹائیگر نے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر اُسے جھنجوڑا تو اس نے آنکھیں کھول دیں۔

"کیا بات ہے؟" وہ یوں گنگنایا جیسے ڈھیروں پی گیا ہو۔

"ڈاکٹر رُتھ، میں تمہارے ..."

"ارے میں کہاں ہوں؟" ڈاکٹر کو اچانک جیسے ہوش آ گیا "تم کون ہو؟"

اس سے پہلے کہ ٹائیگر کوئی جواب دیتا رائفل فائر کی آواز سُنائی دی اور نصف درجن کے قریب گولیاں کاپٹر کی باڈی میں پیوست ہو گئیں۔

ٹائیگر ڈاکٹر کو چھوڑ کر دروازے کی طرف بھاگا۔ اُس نے دیکھا کہ نیلے اور سفید رنگ کا ایک اور ہیلی کاپٹر کوئی سو گز دور ہوا میں معلق تھا۔ فائرنگ اُسی سے کی گئی تھی۔

وہ واپس ڈاکٹر کے پاس آیا۔

"کیا یہاں کسی سے تمہاری ملاقات طے تھی؟"

"میں نہیں جانتا، مجھے کچھ یاد نہیں ... مجھے تو یہ بھی یاد نہیں کہ میں آج دفتر بھی گیا تھا یا نہیں۔"

"کیا تم ویتنام میں تھے؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"ہاں میں ائر فورس پائیلٹ تھا۔" رُتھ لڈلوف نے جواب دیا۔ "مجھے گرفتار کر لیا گیا تھا لیکن میں وہاں سے بھاگ نکلا تھا۔"

"کیا تم ہنوئی ہلٹن میں تھے؟"

"ہاں۔" رُتھ نے بتایا۔ "لیکن تمہیں کیسے علم ہوا؟"

ٹائیگر نے جواب دینے کے لیے مُنہ کھولا لیکن دوبارہ فائرنگ ہوئی۔ اس بار دو رائفلیں گرجی تھیں۔ ٹائیگر نے اندازہ لگایا کہ کاپٹر اب پچاس فٹ سے زیادہ بلندی پر نہیں تھا۔

ٹائیگر نے ایک بار پھر باہر کی صورتِ حال کا جائزہ لیا اور واپس آ گیا۔

"ڈاکٹر! تم اپنے دفتر سے کچھ باکس لے کر آئے ہو، اُن میں کیا شے ہے؟"

ڈاکٹر نے ایک لمحے کے لیے گردن جھٹکی پھر گویا ہوا۔ "آپریشن اسکائی سوئیپر کی مکمل فائل۔ لیکن یہ یہاں کیا کر رہی ہے؟"

"اسے تم لائے ہو لیکن میرا خیال ہے کہ تم کسی طرح کے ٹرانس میں تھے ... خیر جو بھی ہوا اب تجھے کاپٹر میں موجود ان افراد سے نمٹنا ہے جو یقیناً انہی فائلوں کے حصول کے لیے آئے ہیں۔"

ڈاکٹر خالی خالی نگاہوں سے اِدھر اُدھر دیکھتا رہا۔

ٹائیگر چند لمحے صورتحال پر غور کرتا رہا۔ اگر وہ باہر والوں سے نمٹنے جاتا تو ڈاکٹر سیفٹی بیلٹ کھول کر فرار ہو سکتا تھا جبکہ وہ اُسے صحیح سلامت واپس ریچ کر لیسٹ لے جانا چاہتا تھا۔ اگر وہ کاپٹر کے اندر ہی اُس سے چمٹا رہتا تو باہر والے گولیوں سے اُن دونوں کو بھون ڈالتے۔

اُس نے فوری فیصلہ کیا اور ڈاکٹر کی کنپٹی مسل دی۔ وہ فوراً دنیا و مافیہا سے بیگانہ ہو گیا۔ ٹائیگر اب اطمینان سے دشمنوں کے ساتھ نمٹ سکتا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ ڈاکٹر اب دو گھنٹے سے پہلے ہوش میں نہیں آ سکتا تھا۔

✣

چار سیٹوں والا بیل سو مین ہیلی کاپٹر، کرنے والے کاپٹر کے اوپر پانچ ہزار فٹ کی بلندی پر چکرا رہا تھا۔ جوزف درشکوف نے طاقتور دُوربین سے زمین کا جائزہ لیا اور ذومعنی انداز میں سر ہلا دیا۔

"میرے خیال میں ہمیں نیچے اُترنا چاہیئے، کامریڈ جنرل۔" اُس نے اپنے پہلو میں بیٹھے اعلیٰ فوجی افسر کو آگاہ کیا۔ "میرے خیال میں پائیلٹ کو ہلاک کیا جا چکا ہے جبکہ ڈاکٹر رتھ بھی شاید

زخمی ہے۔ میں نے دروازے پر ایک اور قوی ہیکل شخص کی جھلک بھی دیکھی ہے۔ میں نہیں جانتا کہ ڈاکٹر رتھ کس حال میں ہے۔ بہتر یہ ہے کہ ہم نیچے اتریں، دونوں امریکیوں کو موت کے گھاٹ اتاریں جس کے بعد آپ اطمینان کے ساتھ کاغذات لے کر اپنی آبدوز پر واپس جا سکتے ہیں۔"

ہیلی کاپٹر کا دوسرا مسافر ایک طویل سانس لے کر رہ گیا۔ وہ چوڑے چکلے شانوں والا ایک توانا شخص تھا۔ عمر پچاس سال سے زائد تھی اور سر کے بیشتر بال سفید ہو چکے تھے۔ جو فوجی انداز میں کٹے ہوئے تھے۔

وہ کے جی بی کے خطرناک ترین چودھویں سیکشن کا سربراہ میجر جنرل گریب استراخوف تھا جو آپریشن اسکائی سوئیپر کی اہمیت کے باعث خود کاغذات وصول کرنے امریکہ آیا تھا۔ وہ تقریباً کامیاب ہو چکا تھا۔ اب صرف کاپٹر کو نیچے اُتار کر کاغذات لینے تھے اور اُس کے بعد وہ اسی ہیلی کاپٹر میں ساحلِ سمندر کی طرف روانہ ہو جاتا جہاں کوئی بارہ میل کے فاصلے پر اُس کی آبدوز لنگر انداز تھی۔

جنرل استراخوف چند لمحے سوچتا رہا اور پھر اُس نے پائیلٹ کو نیچے اُترنے کے احکامات دے دیے۔

وہ دائرے کی شکل میں نیچے آئے تھے۔ سو گز کے فاصلے پر آ کر انہوں نے کاپٹر پر پہلی مرتبہ فائرنگ کی جس کے جواب میں درشکوف کے ان خدشات کی تصدیق ہو گئی کہ وہاں کوئی اجنبی شخص موجود تھا۔ کاپٹر کے پائیلٹ کی لاش کچھ فاصلے پر ریت پر اوندھی پڑی تھی۔

پچاس فٹ کے فاصلے سے جنرل استراخوف اور درشکوف نے دوبارہ فائرنگ کی۔ اس بار بھی وہ قوی ہیکل شخص کاپٹر کے دروازے پر نظر آیا اور پھر غائب ہو گیا۔

جنرل نے پائیلٹ کو ذرا دُور لینڈ کرنے کی ہدایت کی۔

درشکوف نے حیرت سے جنرل کی طرف دیکھا۔

"ہم پیدل کاپٹر کی طرف جائیں گے۔" جنرل نے اپنے حیران ماتحت کو بتایا۔

"لیکن میں کبھی سپاہی نہیں رہا، کامریڈ جنرل۔" درشکوف نے احتجاج کیا۔

"تب تو صرف تمہیں ہی اس معرکے میں شریک ہونا ہے ... اِسے نیچے اُتارو، پائیلٹ ... میں اور پائیلٹ کاپٹر میں ہی رُکیں گے اور تم کاپٹر کی جانب جاؤ گے۔ وہاں نظر آنے والا امریکی اگر مزاحمت کرے تو بلا تاخیر اُسے گولی مار دینا کاغذات لے کر فوراً یہاں پہنچو تاکہ میں روانہ ہو سکوں۔"

درشکوف نے بے بسی سے جنرل کی طرف دیکھا لیکن وہ جانتا تھا کہ اُسے ہر حال میں جنرل کے احکامات تسلیم کرنے ہوں گے ورنہ ممکن تھا کہ جنرل اُسے ابھی اور اسی وقت گولی مار کر ہلاک کر دیتا۔

✣

ٹائیگر کی تیز نگاہیں کاپٹر کے عقب سے دشمن کا جائزہ لے رہی تھیں۔ انہوں نے اپنا کاپٹر کوئی سو گز کے فاصلے پر ایک چھوٹے سے ٹیلے کے عقب میں اُتارا تھا۔

چند ہی ثانیوں بعد کاپٹر کا دروازہ کھلا اور ایک گنجا اور پست قامت شخص نیچے اُترا۔ ٹائیگر نے فوراً اُسے پہچان لیا۔ وہ ریچ کر لیسٹ میں واقع بک شاپ کا مالک جوزف درشکوف تھا۔ اس وقت درشکوف کے ہاتھ میں ایک خودکار رائفل تھی اور وہ رُک رُک کر کاپٹر کی طرف فائرنگ کر رہا تھا۔

وہ کاپٹر کی طرف بڑھ رہا تھا اور خود ٹائیگر دائیں جانب چھوٹے چھوٹے ٹیلوں کی آڑ لے کر اُس کے عقب کی جانب پیش قدمی کر رہا تھا۔ جب درشکوف کاپٹر سے کوئی چالیس فٹ دور تھا تو صورتحال یہ تھی کہ آگے آگے درشکوف تھا اور اس کے بالکل عقب میں ٹائیگر چل رہا تھا۔

اچانک درشکوف نے پلٹ کر دیکھا تو وہ ایک لمحے کے لیے ششدر ہو گیا۔ جس شخص کو وہ مارنے جا رہا تھا وہ اُس کے پیچھے پیچھے چلا آ رہا تھا۔

اُس نے فوراً اپنی رائفل سیدھی کی لیکن فائر کرنے کی اُسے حسرت ہی رہ گئی۔ اُس سے پندرہ فٹ دُور موجود شخص نے ایک طویل جست لگائی اور پلک جھپکنے میں اُس کے سر پر آ پہنچا۔ درشکوف نے اُس طویل قامت اور چوڑی کلائیوں والے شخص کے دائیں ہاتھ کو حرکت کرتے دیکھا اور رائفل اُس کے ہاتھ سے چھن گئی۔

وہ پاگلوں کی طرح آگے بڑھا لیکن ٹائیگر نے رائفل سر سے بلند کر کے اُس کے مُنہ پر دے ماری۔ درشکوف کے چہرے کا اوپری حصہ الگ ہو کر ریت پر جا گرا۔ اُس کے حلق سے ایک کریہہ چیخ برآمد ہوئی اور وہ لہرا کر زمین پر گر گیا۔ اُس کا جسم چند ثانیے تڑپا اور پھر ساکت ہو گیا۔

ٹائیگر نے رائفل پھینکی اور پلٹ کر کاپٹر کی طرف دوڑ

لگادی لیکن شاید کاپٹر والے کسی بھی غیر متوقع صورتِ حال کے لیے تیار تھے۔ ابھی ٹائیگر نے چند گز کا فاصلہ ہی طے کیا تھا کہ کاپٹر فلیک آف کر گیا۔

ٹائیگر اپنی جگہ رُک گیا اُس نے مُٹھیاں بھینچ کر انتہائی غصّے کے عالم میں کاپٹر کی طرف دیکھا جو اب جنوب کی سمت پرواز کر رہا تھا۔

✣

تھوڑی دیر بعد ہی نیلا اور سفید ہیلی کاپٹر آسمان پر مکھی بن گیا۔ ٹائیگر نے آخری بار اُس کی جانب دیکھا اور سر جُھکا کر واپس گرنے والے کاپٹر کی طرف چل دیا۔

اُسی وقت اُس کے سر پر ایک اور کاپٹر گرجا۔ اُس نے سر اُٹھا کر دیکھا نیوی کا سبز ہیلی کاپٹر جس سے وہ اُترا تھا اُس کی سمت بڑھ رہا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ کوئی بیس گز دُور اُتر گیا۔ ریت کا ایک طوفان اُٹھا جس نے ٹائیگر کو بھی اپنی زد میں لے لیا لیکن وہ اُس کی پروا نہ کرتے ہوئے کاپٹر کے کھلے دروازے کی طرف بھاگ کھڑا ہوا۔

جونہی وہ پسنجر سیٹ پر بیٹھا جانسن نے کاپٹر اٹھا لیا۔ اُس کا رُخ اسی طرف تھا جدھر دُشمن کا پٹرگیا تھا۔

"تم تو دماغ پڑھتے ہو جانسن" ٹائیگر نے اپنے مُنہ اور آنکھوں پر سے ریت جھاڑتے ہوئے کہا۔

جانسن نے دانت نکال دیے "نہیں سر! بس میرا اندازہ تھا کہ آپ اُس کے تعاقب میں جانا پسند کریں گے"

وہ متوجہ تو سامنے تھا لیکن کن انکھیوں سے اس محیّر العقول شخص کا جائزہ لے رہا تھا جسے اُس نے اپنی آنکھوں سے ایک ایسا کارنامہ انجام دیتے دیکھا تھا جو دُنیا میں شاید اُس کے علاوہ کوئی اور شخص انجام ہوسکتا۔

"میرا اندازہ ہے کہ کاپٹر میں کے جی بی کی کوئی اہم ترین شخصیت سوار ہے" ٹائیگر نے جانسن کو بتایا "میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ وہ کس طرح امریکہ میں داخل ہونے میں کامیاب ہوا ہے؟"

دس منٹ بعد وہ اگلے کاپٹر کے خاصے قریب ہو چکے تھے۔

"ہم اُسے پکڑ سکتے ہیں، لیکن اس میں کوئی ایک گھنٹہ صرف ہوسکتا ہے"

"ہمیں اُسے ہر حال میں نیچے اُتارنا ہے" ٹائیگر نے جواباً کہا۔ اُس کی نگاہیں بدستور کاپٹر پر مرکوز تھیں جو اَب جنوب مغرب کی سمت محوِ پرواز تھا۔

"یہ کہاں جا رہا ہے؟" ٹائیگر بڑبڑایا۔

"میرا اندازہ ہے کہ بارہ میل کی سمندری حدود کے باہر کوئی فرینڈلی آبدوز لنگر انداز ہے اور ظاہر ہے کہ ہم ان فوجی حدود کے باہر اُن کی موجودگی کو چیلنج نہیں کر سکتے"

"تو پھر ریڈیو پر رابطہ قائم کر کے نیوی فائٹرز سے کہو کہ اُسے سمندر میں پہنچنے سے پہلے روکیں"

"ہم خود اسے بارہ میل سے پہلے جالیں گے" جانسن نے رسٹ واچ دیکھی "میرے حساب کے مطابق ہم ٹھیک چھتیس منٹ بعد اُسے اوور ٹیک کر جائیں گے"

"ہم ساحل سے کتنے فاصلے پر ہیں"

"ایک سو چالیس میل" جانسن نے بتایا "اس روٹ پر چلتے ہوئے ہم پوائنٹ کانسپشین پر بحرالکاہل میں داخل ہوں گے"

ٹائیگر خاموش ہو گیا۔ اُسے کوئی شے پریشان کر رہی تھی۔ ہچرلیشن اسکائی سوپر کے سارے پلان، ڈیزائن اور خفیہ دستاویزات صحرا کے وسط میں بے یار و مددگار پڑی تھیں۔ ڈاکٹر لڈلوف بے شک بے ہوش تھا لیکن کسی بھی وقت ہوش میں آکر نئی مشکلات کھڑی کر سکتا تھا۔

"واپس چلو، جانسن!" اچانک اُس نے حکم دیا۔

"کیا؟" پائلٹ نے حیرت سے اپنے ساتھی کو دیکھا "آپ تو اس کاپٹر کا تعاقب کر رہے تھے"

"چاہتا تو میں یہی تھا لیکن میں دنیا کے سب سے بڑے لیزر سائنٹسٹ کی زندگی اس کے لیے داؤ پر نہیں لگا سکتا۔ اِس سے پہلے کہ وہ ہوش میں آکر کوئی غلط حرکت کر بیٹھے میں اُس تک پہنچنا چاہتا ہوں"

"جو حکم سر!"

کاپٹر نے ایک لمبا چکر لیا اور واپسی کا سفر شروع ہو گیا۔ ٹائیگر نے پلٹ کر سفید اور نیلے کاپٹر کو دیکھا اور پھر پائلٹ کی طرف متوجہ ہو گیا جو ریڈیو پر نیوی کے طیاروں سے کاپٹر کو روکنے کی درخواست کر رہا تھا۔

"سر!" بات چیت ختم کر کے اُس نے ٹائیگر کو مخاطب کیا "میں نے بیس سے درخواست کر دی ہے۔ اُن کا کہنا ہے کہ وہ کسی اعلیٰ سطحی اور مجاز حکم کے بغیر کسی سویلین پائلٹ کو مار گرانے کے مرتکب نہیں ہو سکتے۔ کیا ہمارے پاس اس قسم کا

کوئی اختیار ہے؟"

"اختیار! تو بہت سے ہیں لیکن اُن سے کہو کہ فی الحال ڈاکٹر پیٹرسن سے رابطہ قائم کر لیں"

پانچ منٹ بعد وہ دوبارہ اُسی مقام پر لینڈ کر رہے تھے جہاں سے انہوں نے پرواز کی تھی۔

ٹائیگر ایک بار پھر ریت پھانکتا ہوا نیچے اُترا اور گرے ہوئے کاپٹر میں گھس گیا۔ ڈاکٹر رُتھ ہنوز بے ہوش تھا۔ اگلے پانچ منٹ کے اندر ٹائیگر بے ہوش ڈاکٹر اور آپریشن اسکائی سوپر کی دستاویزات نیول کاپٹر میں منتقل کر چکا تھا۔

کام مکمل ہوتے ہی جانسن انہیں لے اُڑا جبکہ ٹائیگر، ڈاکٹر کو ہوش میں لانے میں مصروف ہو گیا۔ پانی کے دو چار چھینٹے ہی اُسے ہوش میں لے آئے تھے۔

چند لمحے وہ خالی خالی نگاہوں سے اِدھر اُدھر دیکھتا رہا لیکن پھر اُسے احساس ہو گیا کہ وہ کہاں ہے؟

ٹائیگر کے سوالات کے جواب میں وہ بتدریج بتاتا رہا کہ اُس پر کیا گزری؟ اُس نے اُسے وہ تمام حالات سنائے جن سے وہ ویت نام کی قید کے دوران گزرا تھا۔ اُسے یہ بھی یاد تھا کہ ایک روسی کرنل نے اُسے ہپناٹائز کیا تھا۔

ٹائیگر نے اُس سے اسکائی سوپر کے بارے میں پوچھا۔

"یہ کبھی بھی مکمل طور پر اطمینان بخش نہیں ہوگا" ڈاکٹر نے اُسے بتایا "وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس میں ضروری تبدیلیاں ہوتی رہیں گی۔ اِس وقت اِس کا ایک مرحلہ مکمل ہو چکا ہے۔ ہم نے جو شروع کیا تھا اُسے ختم کر چکے ہیں۔ جب ہم نے پہلی بار چاند کی طرف لیزر بیم روانہ کی تو اُس نے محض دو میل کا فاصلہ طے کیا تھا لیکن اب ہم اسے دو ہزار میل دُور تک بھیجنے کے قابل ہو گئے ہیں۔ پہلی بار بیم کی چوڑائی بھی کم و بیش دو میل تھی جبکہ اب یہ صرف ایک فٹ چوڑی ہے۔ تحقیق اب بھی جاری ہے۔ جوں جوں وقت گزرتا جائے گا یہ بہتر سے بہتر ہوتی جائے گی"

پھر اچانک ڈاکٹر رُتھ کو یاد آیا کہ وہ ایک اجنبی سے اتنے اہم منصوبے پر بات کر رہا ہے۔

"میرا خیال ہے کہ ہم پہلے کبھی نہیں ملے۔ میں نہیں سمجھتا کہ ہمارے پروگرام کے بارے میں تمہارے کیا فرائض ہیں؟"

"ڈاکٹر پیٹرسن تمہیں میرے بارے میں تفصیلات بتا سکتا ہے" ٹائیگر نے اُسے اطمینان دلایا، پھر وہ پائلٹ سے مخاطب ہوا "جانسن! تعاقب کرنے والے طیاروں سے کوئی رپورٹ موصول ہوئی؟"

جانسن نے آرمیچ ائر فیلڈ کنٹرول ٹاور سے رابطہ قائم کیا کچھ دیر وہ دوسری جانب سے موصول ہونے والی رپورٹ سُنتا رہا پھر اُس نے ائر فون اُتارے اور ٹائیگر سے مخاطب ہوا۔

"ہم ٹربیس سے دو طیاروں نے ہیلی کاپٹر کے تعاقب میں پرواز کی تھی لیکن وہ اُس کی فلائٹ میں دخل اندازی کا اختیار نہیں رکھتے تھے۔ طیاروں نے ساحل سمندر اور پھر سمندر کے اُوپر کاپٹر کا تعاقب کیا۔ کاپٹر ساحل سے پندرہ میل دور گہرا ایک فرینڈلی پر لینڈ کر گیا جس پر سوویت پرچم لہرا رہا تھا۔ معلوم ہوا ہے کہ کاپٹر میں کوئی روسی جنرل سوار تھا۔ سویلین کاپٹر کا این سی نمبر لے لیا گیا ہے اور اُس کے مالک سے پوچھ گچھ کی جائے گی۔ ائر فورس پائلٹوں نے اطلاع دی ہے کہ ہماری واپسی تک کاپٹر جہاز پر موجود تھا"

ٹائیگر محض سر ہلا کر رہ گیا تھا۔

●

ٹائیگر کے کاپٹر نے جب اڈے پر لینڈنگ کی، ڈاکٹر پیٹرسن وہاں استقبال کو موجود تھا۔ اپنی نگرانی میں اُس نے کاپٹر سے خفیہ دستاویزات ایک کار میں منتقل کروائیں جس کے بعد وہ انہیں لے کر واپس سنٹر روانہ ہو گیا۔

ائر فیلڈ پر ایک ایمبولینس بھی موجود تھی۔ ڈاکٹر رُتھ کو اُس کے احتجاج کے باوجود ایمبولینس پر ایک آبزرویشن کلینک بھیج دیا گیا۔

ٹائیگر کی کرائے کی فورڈ کار بھی ہوائی اڈے پر موجود تھی۔ اُس نے کار لی اور ڈین آفیسرز کے ہاسٹل کی جانب روانہ ہو گیا۔

راستے میں ایک جگہ رُک کر اُس نے فون بوتھ سے مالیا کا نمبر ڈائل کیا۔ پہلی ہی گھنٹی پر فون ریسیو کر لیا گیا۔

"یس؟"

"مالیا، شہزاد بول رہا ہوں"

"اوہ، تھینک گاڈ تمہارا فون تو آیا، خیریت تو تھی؟"

"لنچ پر سب کچھ بتا دوں گا" ٹائیگر نے جواب دیا "دس منٹ میں سامان لے کر اور تیار ہو کر نیچے آجاؤ"

ٹائیگر نے رابطہ منقطع کر کے ڈاکٹر پیٹرسن کا نمبر ڈائل کیا۔

"سب کچھ محفوظ ہو گیا؟" ٹائیگر کا انداز سوالیہ تھا۔

Uploaded By Nadeem

"ہاں، کارا بھی گرفتار کر لی گئی ہے۔"

"فوراً ان فون نمبر والے لوگوں کو بھی دیکھ لو۔" ٹائیگر نے اپنے پاس موجود فون نمبر اُسے لکھوا دیے۔ "میرے خیال میں تم اُس مکان پر چھاپہ تو مارو گے جس میں ڈاکٹر رُتھ کو ایک رات رکھا گیا تھا۔ اُس کی بیوی کو فون کر کے بتا دو کہ وہ صحیح سلامت ہے۔"

"ہم مسز رُتھ کو مطلع کر چکے ہیں۔" ڈاکٹر نے بتایا۔ وہ چند ثانیے خاموش ہوا پھر گویا ہوا۔ "شیرڈ! میں اپنی اور آپریشن اسکائی سوپر کی زندگی بچانے پر زندگی بھر تمہارا احسان مند رہوں گا۔"

"اس کی ضرورت نہیں۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ "میں دوبارہ کبھی تم سے نہیں مل سکوں گا، خدا حافظ۔"

ٹائیگر ویمنز ہاسٹل روانہ ہو گیا جہاں مالیا اُس کی منتظر تھی۔ اُس نے مالیا کو آگاہ کیا کہ وہ اسمتھ کے مکان سے اپنی باقی چیزیں لے سکتی ہے۔

ایک گھنٹے بعد ٹائیگر اور ڈی آئی اے کی ایجنٹ ڈینزرٹ ان میں داخل ہوئے جو قصبے کے مضافات میں واقع تھی۔ انہوں نے کمرہ فرضی نام سے حاصل کیا تھا۔

شروع میں تو مالیا بے حد خوش تھی لیکن جب ٹائیگر نے اُسے بتایا کہ وہ تھوڑی دیر بعد ہمیشہ کے لیے اُس سے رخصت ہو رہا ہے تو وہ اداس ہو گئی مگر ٹائیگر پر اُس کی اُداسی کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ وہ ایسے اداس چہرے پہلے بھی دیکھ چکا تھا۔

"میں صرف دو گھنٹے تمہارے پاس ٹھہروں گا۔" ٹائیگر نے اُس کی ٹھوڑی اٹھاتے ہوئے اُسے بتایا۔

"یہ مہربانی بھی کیوں؟"

"تاکہ وعدے کے مطابق تم اپنے انداز میں میرا شکریہ ادا کر سکو۔" ٹائیگر نے بازو پھیلا دیے۔

ٹائیگر کو علم تھا کہ جب وہ اوشان کے پاس واپس پہنچے گا تو وہ بُری طرح خار کھائے بیٹھا ہو گا۔ ہوا بھی یہی، ہوٹل کی راہداری میں داخل ہوتے ہی اُس نے خطرے کی بُو سونگھ لی۔

کمرے کا دروازہ کھولتے ہی اُس کی نظر اُن صندوقوں پر پڑی جو مقفل تھے۔ اوشان روانگی کے لیے تیار بیٹھا تھا۔ اُس کے مُنہ کے زاویے خطرناک حد تک بگڑے ہوئے تھے۔ جب اُس کی نظر ٹائیگر پر پڑی تو چہرے کی رگیں تن گئیں۔ ٹائیگر نے فوراً ہاتھ باندھ دیے۔

"رحم، لٹل فادر!"

"میری لُغت میں اس قسم کا کوئی لفظ نہیں۔" اوشان نے روہلی بیوی کی طرح مُنہ پھُلا کر کہا۔ "میں تمہارے لیے سزائیں تجویز کر چکا ہوں۔"

"کیا میں سزاؤں کی تفصیل پوچھنے کی جسارت کر سکتا ہوں؟" ٹائیگر نے انتہائی مؤدبانہ انداز میں پوچھا۔

"پہلی سزا یہ ہے کہ سنا بُجو کو دلی عہد بنایا کرو۔" اوشان نے ایک ایک لفظ چبا چبا کر ادا کیا۔

ٹائیگر نے مُنہ بسورنا شروع کر دیا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے اُس نے کوئی کڑوی گولی نگل لی ہو۔

"اور اگر میں یہ سزا بھگتنے سے انکار کر دوں تو؟"

"تو پھر یاد رکھو میں۔۔۔"

اوشان کا جملہ ادھورا رہ گیا۔ کمرے میں گھنٹی کی آواز گونجنے لگی تھی۔

ٹائیگر نے اُسے غیبی امداد جان کر فوراً ریسیور اُٹھا لیا۔

"اوہ، سویٹ ہارٹ!" وہ ماؤتھ پیس میں چہکا۔ اوشان بھنّا کر اپنے ایک صندوق پر براجمان ہو گیا۔ اُسے علم ہو گیا تھا کہ دوسری جانب سے بولنے والا ڈاکٹر بہرام تھا۔

"رپورٹ؟" بہرام نے جذبات سے عاری لہجے میں کہا۔

اور جواب میں ٹائیگر کی زبان قینچی کی طرح چلنے لگی۔

"میں ابھی ابھی ڈاکٹر رُتھ کو پیٹرسن کے حوالے کرنے کے بعد یہاں پہنچا ہوں۔" رپورٹ کے اختتام پر ٹائیگر نے کہا۔ "مشن اسکائی سوپر اب مکمل طور پر محفوظ ہے۔"

"اور کوئی بات؟"

"کچھ نہیں۔"

"جھوٹ بولتا ہے۔" اوشان نے ہانک لگائی۔ "اس میں وہ دو گھنٹے شامل نہیں جو یہ مالیا نام کی لڑکی کے ساتھ گزار کر آیا ہے۔"

ٹائیگر نے فوراً ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ لیا۔

"ماسٹر کیا کہہ رہے ہیں؟" بہرام نے پوچھا۔

"وہ کہہ رہے ہیں کہ اُن کی داڑھ میں درد ہے اس لیے اگلے ایک ہفتے وہ فاقہ کریں گے۔"

"یہ کیا بات ہوئی؟"

"آپ کو تو پتا ہے کہ وہ سر کے درد کا علاج بدھی کی

دوا سے کرتے ہیں۔"

"اچھا فضول باتیں مت کرو، یہ بتاؤ اب کیا پروگرام ہے؟"

"میں تو میامی جانا چاہتا ہوں۔"

"کیوں؟"

"ایک ایسی لڑکی ڈھونڈنے جس کے چہرے پر بھورے تِل۔۔۔"

"ماسٹر کا کیا پروگرام ہے؟"

"وہ مویشیوں کے اسپتال جا رہے ہیں۔"

"پھر وہی بکواس۔"

"داڑھ کا علاج نہیں کرائیں گے کیا؟"

"پہلے تم دونوں پہنچو اُس کے بعد بے شک تم میامی چلے جانا اور ماسٹر اسپتال۔" بہرام نے مُسکراہٹ ضبط کرتے ہوئے رابطہ منقطع کر دیا۔

ٹائیگر نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور ریسیور رکھ کر سر کے بل اُلٹا کھڑا ہو گیا۔ کیونکہ اُسے علم تھا کہ اگر وہ خود ایسا نہیں کرے گا تو اوشان کوئی زیادہ سخت سزا تجویز کر دے گا۔

امریکہ کے ایک لوہا بنکر نے اپنے مُلک کی ساکھ کو بچانے کے لیے جو کچھ کیا تھا اگر اُس کا علم دُنیا کو ہو جاتا تو اُسے ایک ایسا دھبا کا قرار دیا جا سکتا تھا جس کی بازگشت کم و بیش دو سو سال تک سنائی دیتی رہتی۔

اُس نے لوسرنے، سوئٹزرلینڈ سے ایک بھاری بھرکم لفافہ واشنگٹن ڈی سی میں واقع اپنے دفتر کو ارسال کیا تھا۔

یہ کوئی غیر معمولی طور پر بڑا لفافہ نہیں تھا اور نہ ہی اس کے مندرجات عام لوگوں کے لیے اہم تھے۔ لفافے میں ٹائپ شدہ دس کاغذ تھے جو اُس نے صبح ہوٹل میں ٹائپ کیے تھے۔ کئی الفاظ کے ہجے غلط تھے کیونکہ کئی سالوں سے اُس نے ٹائپ رائٹر کو ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا۔

اُن دس صفحات کے مطابق امریکہ کے پاس اپنے بچاؤ کا ایک راستہ موجود تھا لیکن اس کے امکانات بھی کچھ زیادہ نہ تھے۔ اُس نے اپنے مُلک اور اپنی ذات کو دو پلڑوں میں رکھ کر تولا تو پتا چلا کہ دونوں کی زندگی غیر یقینی ہے۔

وہ دس صفحات، صدر ریاستہائے متحدہ امریکہ کے نام ایک یادداشت تھی لیکن بنکر نے اُسے براہ راست صدر کو ارسال نہیں کیا اور نہ ہی اس نے مروجہ دفتری طریقِ کار کے مطابق اپنے باس کو بھجوایا تھا جو مُلک کے سیکرٹری خزانہ کے عہدے پر فائز تھا۔

لفافہ بھیجنے والے جس کا نام کالوس پورٹر تھا اور جو وزارتِ خزانہ میں امورِ خارجہ کے لیے انڈر سیکرٹری کے عہدے پر فائز تھا کو یقین تھا کہ یہ کبھی بھی صدر تک نہیں پہنچ پائے گا۔ حالانکہ جو راز اُس نے حاصل کیا تھا وہ اُس وقت دنیا کا مُہلک ترین راز تھا جس اتفاق سے قابل سے قابل سیکرٹ ایجنٹ بھی اُس کی تہ تک نہ پہنچ پائے تھے وہ کالوس پورٹر نے عیاں کر دیا تھا۔ اُس کی وجہ شاید یہ رہی ہو کہ وہ بذاتِ خود ایک بنکر تھا اور اس ناتے وہ اس معاملے کی اہمیت سے بخوبی واقف بھی تھا۔ لیکن اس کوشش میں وہ خود غیر محفوظ ہو گیا تھا اور اب اُسے یقین تھا کہ مُلک میں کوئی ایسا شخص نہیں تھا جو اُسے بچا سکتا۔

کالوس پورٹر نے ایک اور خط بھی ارسال کیا تھا۔ وہ بھی ایک اہم پیغام تھا لیکن ظاہر وہ یہی کر رہا تھا کہ یہ ایک معمول کی کارروائی ہے۔ ایک خاص امر کا خیال اُس نے یہ رکھا تھا کہ ہوٹل سے لے کر ڈاکخانے تک اُس نے ہر ملنے والے شخص کو بتایا تھا کہ وہ سوئٹزرلینڈ میں مزید دو تین ہفتے قیام کا ارادہ رکھتا ہے۔

دوسرا خط اُس نے اپنی سیکرٹری کو لکھا تھا جس میں صرف یہ تحریر تھا کہ وہ ایک الگ خط اُسے لکھے گا جس قسم کی حرکتیں وہ کر رہا تھا کوئی بھی شخص بآسانی اُن کی روشنی میں اسے سنکی قرار دے سکتا تھا۔

خط پوسٹ کرنے کے بعد وہ واپس ہوٹل آیا اور اپنی بیوی کے لیے ایک کال بک کرائی جو شکاگو میں موجود تھی۔ کال کے انتظار میں اُس نے پیڈ نکالا اور اُس نوجوان شخص کے نام پیغام لکھنے لگا جو تین ماہ قبل اُسے لینگلے، ورجینیا میں ملا تھا۔

پیغام کچھ یوں تھا:

مسٹر اے سی جانسن،
۱۷۵ ار کور میڈ روڈ،
لینگلے، ورجینیا۔

ڈیئر مسٹر جانسن! رقم کی بڑے پیمانے پر نقل و حرکت مارکیٹ کے اتار چڑھاؤ کی باعث بن رہی ہے۔ کوئی غیر معمولی بات نہیں۔ میں دو ہفتوں کی چھٹیاں منا رہا ہوں۔ مجھے افسوس ہے کہ میں کوئی معمول سے ہٹی ہوئی بات نہیں کھوج سکا۔ تین ماہ ضائع کرنے کا بے حد افسوس ہے۔

سی پورٹر۔

کالوس پورٹر نے اپنا گرے کوٹ اٹھایا اُسے اچھی طرح اپنے بوڑھے بدن کے گرد لپیٹا اور لابی میں اُتر آیا۔ مینجر کو اُس نے پورا پیغام سنایا۔ آواز اُس کی اتنی بلند تھی کہ برابر کھڑے ہوئے تمام لوگوں نے سُن لیا تھا کہ اُس نے پیغام میں کیا لکھا ہے۔

"یہ ہنگامی ٹیلی گرام ہے۔" چلتے چلتے اُس نے مینجر کو بتایا۔ آواز اِس بار بھی خاصی بلند تھی۔

کاؤنٹر سے وہ سیدھا ٹیلیگراف کارنر آیا اور کلرک کو مطلوبہ رقم دے کر ٹیلی گرام بُک کروا دیا۔

وہ واپس اپنے کمرے میں آیا اور شکاگو سے رابطہ ہونے کا انتظار کرنے لگا۔ بالآخر اُس کے من کی مراد بر آئی۔ گھنٹی بجتے ہی اُس نے ریسیور اٹھا لیا۔ دوسری جانب اُس کی بیوی ہی تھی۔

"تم گھر کب آ رہے ہو، کالوس؟" ملڈرڈ نے سارے ابتدائی اور تمہیدی جملوں پر لعنت بھیجتے ہوئے پوچھا۔

"دو ہفتوں میں۔" کالوس نے جواب دیا۔ "تم کیسی ہو؟ بچے خیریت سے ہیں نا؟ میں تمہاری بہت کمی محسوس کرتا ہوں۔"

"میں بھی۔" ملڈرڈ نے جواب دیا۔ "ہو سکتا ہے میں سوئٹزر لینڈ ہی آ جاؤں۔"

"نہیں، نہیں۔"

"کالوس!" ملڈرڈ کا لہجہ استعجابیہ تھا۔ "تم اچھے تو ہو۔ اگر میں تمہیں اچھی طرح جانتی نہ ہوتی تو تم کھا کر کہہ سکتی تھی کہ تمہارا کسی عورت کے ساتھ کوئی چکر چل رہا ہے۔"

"بے وقوفی کی باتیں مت کرو۔"

"کچھ بھی ہو میں بڑی شدت سے تمہاری کمی محسوس کر رہی ہوں۔"

"میں جلد آؤں گا۔" کالوس نے اُسے اطمینان دلایا۔ "تم نے بتایا نہیں، بچے کیسے ہیں؟"

"وہ اچھے ہیں، جرمن کی ملازمت شاندار جا رہی ہے۔ اور کلاڈیا کے ہاں نومبر کے آخر میں ولادت ہونے والی ہے، تم جلد آنے کی کوشش کرو۔"

"ہاں، میں جلد آؤں گا، خدا حافظ۔"

مزید سوالوں اور وضاحتوں سے بچنے کے لیے اُس نے فون رکھ دیا۔ تھوڑی دیر وہ بیٹھا لمبے لمبے سانس لیتا رہا۔ پھر وہ ہوٹل سے نکلا اور اپنے کرائے کی مرسڈیز میں بیٹھ کر کوہ الپس کے دامن میں گاؤں گھن کی طرف روانہ ہو گیا۔

بڑھاپے میں اُسے صاف ستھری ہوا کی ضرورت تھی جو ظاہر ہے اُسے کسی اور مقام پر ہی میسر آ سکتی تھی۔

راستے بھر وہ اُس لفافے کے بارے میں سوچتا رہا جو اُس نے عام طریقۂ کار سے ہٹ کر اپنی سکریٹری مس ٹی ایل ولکنز کے نام ارسال کیا تھا اور اُس سے کہا تھا کہ وہ یہ لفافہ بذاتِ خود صدرِ امریکہ کو پہنچا دے۔

اسے وہ دن بھی یاد آیا جب وہ لینگلے، ورجینیا میں ایک نوجوان شخص سے ملا تھا۔ اُس کا نام اے سی جانسن تھا جانسن کا پہلا سوال تمام تر جزئیات کے ساتھ اب بھی اُس کے ذہن میں گردش کر رہا تھا۔

"ایک ارب ڈالر کی تمہارے نزدیک کیا حیثیت ہے؟" اُس نے کالوس سے پوچھا تھا۔

"کس شکل میں؟" کالوس نے پُرسوچ انداز میں پوچھا "ڈالرز، زمین یا کسی پروجیکٹ، بجٹ کی صورت میں؟"

"سونے کی شکل میں۔"

"اس کی کوئی خاص اہمیت نہیں۔" کالوس نے محتاط انداز میں جواب دیا۔ "صرف چند ملکوں کے پاس ایک ارب ڈالر کے مساوی سونے کے ذخائر موجود ہیں اور بدقسمتی یہ ہے کہ انہیں یہ علم نہیں کہ اس سے فائدہ کس طرح اٹھائیں۔ انہوں نے کسی بہت ہی محفوظ جگہ پر اس کا ذخیرہ کر رکھا ہے اور اُس کی مدد سے اپنی کرنسی کی حیثیت میں اضافہ کرتے رہتے ہیں۔"

"کوئی ملک اتنی مالیت کا سونا کیوں حاصل کرتا ہے؟" نوجوان نے اگلا سوال کیا۔

"بس یونہی۔" کالوس نے کہہ تو دیا لیکن سوال بڑا اہم تھا۔ "لیکن دو ملکوں کے مابین معاملات کے لیے ڈالر اتنا ہی بہتر ہے جتنا کہ سونا۔ اس کے باوجود لوگ بس اپنی عادت سے مجبور ہو کر سونا اکٹھا کرتے ہیں اور یہی حال ملکوں کا بھی ہے۔"

"اگر کسی ملک کے پاس ایک ارب ڈالر کا سونا ہو تو وہ کیا کچھ حاصل کر سکتا ہے؟"

"وہ کیا حاصل نہیں کر سکتا؟" کالوس نے جواباً سوال کیا۔ "کیا اتنی مالیت کا لین دین خفیہ رہ سکتا ہے؟"

"قطعی نہیں۔" کالوس نے حتمی انداز میں کہا۔ "اگر بھرپور موسمِ گرما میں کہیں برفباری ہو جائے تو دنیا بھر میں بھونچال آ جائے، یہی حال سونے کا ہے۔"

اور پھر اُس نوجوان نے ایک ذمے داری اُس کے سپرد کر دی تھی۔ کالوس پورٹر خود بھی واشنگٹن کی محدود زندگی سے

تنگ آ گیا تھا چنانچہ وہ مارکیٹ میں نکل کھڑا ہوا اور یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ بہت سے ملکوں نے اچانک ہی اپنے سونے کے ذخائر میں اضافہ کرنا شروع کر دیا تھا۔

وہ چونکہ ایک بنکر تھا اِس لیے اُسے اس بات کا پتا چلانا بھی بہت آسان سا لگا کہ وہ یہ سونا کیوں خرید رہے ہیں۔

وہ ایک نیلام میں بولی دینے والے تھے جس کا آغاز ہی ایک ارب مالیت کے سونے سے ہونا تھا۔ اگر وہ اپنے اس مقصد میں کامیاب ہو جاتے تو امریکہ ایک ایسے بحران میں مبتلا ہو جاتا جس سے بچ نکلنا ایک معجزہ ہی ہوتا۔

یہ سب اُس نے ذاتی طور پر معلوم کیا تھا۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ اگر اس کام پر اُس کی ذمے داری لگانے والوں کو اُس کی اِن معلومات کی بھنک بھی پڑ گئی تو وہ فوراً اُس کو قتل کروا دیں گے لیکن اس کے باوجود اُس نے بہت بڑا خطرہ مول لیا تھا۔

یہ معلومات اُس نے ایک لفافے کی صورت میں ٹی ایل ولکنز کو روانہ کر دی تھیں اور اس کے بعد وہی علاقے میں نکل آیا تھا تاکہ اگر وہ چاہیں تو اُسے مار سکیں۔ اُسے امید تھی کہ اُس کی اِس حرکت سے اُس کا خاندان کم از کم ضرور بچ جاتا کیونکہ اسے مارنے والے اگلا قدم اُس کے خاندان کی گردن پر رکھ سکتے تھے۔

اُسے یقین تھا کہ اُس کی لاش تین دن بعد کسی گٹر سے برآمد ہوتی۔ مرنے کی وجہ بھی ڈوبنا ہی بتائی جاتی۔ کچھ گواہ بھی ہوتے جو اُسے پیر پھسل کر گہرے گٹر میں گرتا دیکھتے۔ تھوڑی بہت تفتیش ہوتی اور اس کی لاش واپس امریکہ بھجوا دی جاتی جہاں دوسروں کے علاوہ مس ٹی ایل ولکنز، پھپھی و دو بہنوں سے اپنے سر پر مسلط باس کو آخری خراجِ عقیدت پیش کرتی اور پھر اُسے منوں مٹی کے نیچے دبا دیا جاتا۔

مگر ٹی ایل ولکنز کو واپس گھر جانا نصیب نہ ہوتا کیونکہ جس قسم کی معلومات سے وہ واقف ہو گئی تھی اُن کے پیشِ نظر خود اسے اپنی جان کے لالے پڑے ہوتے۔

پھر ایسا ہی ہوا۔ کالوس کو سوئٹزرلینڈ سے واپس آنا نصیب نہ ہوا لیکن یہ بھی علم نہ ہوا کہ اُس پر کیا بیتی؟

البتہ مس ٹی ایل ولکنز کو اُس کا ایک فون ضرور موصول ہوا جو کسی سے بھی اُس کا آخری رابطہ تھا۔

جس وقت کالوس کا فون موصول ہوا اُس وقت مس ولکنز اپنے کمرے میں تنہا تھی۔ فون کی پہلی گھنٹی پر ہی اُس نے ریسیور اٹھا لیا۔ دوسری جانب کالوس تھا۔

"کیا وہ لفافہ تمہیں مل گیا جو میں نے پوسٹ کیا تھا؟" کالوس نے پوچھا۔

"یس سر! آج ہی ملا ہے۔"

"گڈ، وہ کچھ دفتری ہدایات تھیں لیکن میں سوچ رہا ہوں کہ اُن پر نظرِ ثانی کروں اس لیے تم ایسا کیوں نہیں کرتیں کہ انہیں پھاڑ کر پھینک دو میں واپس آ کر انہیں دوبارہ لکھ لوں گا، ٹھیک ہے؟"

مس ٹی ایل ولکنز نے ایک لمحہ سکوت اختیار کیا اور پھر بولی "یس، مسٹر پورٹر۔ میں ابھی اسے پھاڑ رہی ہوں۔ کیا آپ اس کی آواز میں سُنیں گے؟"

"کیا تم نے اسے پڑھا ہے؟"

"نہیں سر!" مس ولکنز نے کہا اور کالوس کے حلق سے اطمینان کی ایک سانس خارج ہو گئی۔

"ٹھیک ہے، اسے فوراً پھاڑ دو۔"

مس ولکنز نے اپنے دراز سے کچھ سادہ کاغذ نکالے اور انہیں ماؤتھ پیس کے سامنے کر کے یوں پھاڑا کہ کالوس بخوبی اس کی آواز سن سکتا تھا۔

"شکریہ۔" کالوس نے کہا۔ "جلد ہی تم سے ملاقات ہو گی۔"

اور چونکہ مس ولکنز ان صفحات کا مطالعہ کر چکی تھی اِس لیے وہ ریسیور کریڈل پر رکھتے ہی ۱۶۰۰ نیسلوینیا ایونیو پہنچی اور رات گیارہ بجے تک صدرِ امریکہ کے آؤٹر آفس میں بیٹھی رہی کیونکہ اُس کا اصرار تھا کہ وہ صدر سے مل کر جائے گی۔ بالآخر صدرِ مملکت نے وزارتِ خزانہ کے انڈر سکریٹری کی پرسنل سکریٹری سے دو منٹ کی ملاقات پر رضامندی ظاہر کر دی۔ یہ الگ بات ہے کہ پھر وہ دو گھنٹوں تک اُس سے باتیں کرتے رہے۔

"میری خواہش ہے کہ میں وائٹ ہاؤس کی طرف سے تمہیں تحفظ کی پیش کش کر دوں۔" صدرِ امریکہ نے بات چیت کے اختتام پر کہا۔ "لیکن شاید تمہیں علم نہ ہو کہ یہ سب سے بُری جگہ ہے۔"

مس ولکنز نے کچھ سمجھنے اور کچھ نہ سمجھنے کے انداز میں گردن ہلا دی۔

صدرِ امریکہ نے میز کی دراز کھول کر ایک بھاری بھرکم لفافہ نکالا اور اُسے مس ولکنز کے حوالے کر دیا۔

"اس میں چند ہزار ڈالر موجود ہیں۔" انہوں نے لفافے

کی طرف اشارہ کیا۔ "یہ دوایک ماہ تمہاری ضروریات کے لیے کافی ہوں گے۔ اُس کے بعد جو کچھ ہوگا دیکھا جائے گا۔"

"مگر... سر!"

"تم معاملے کی نوعیت کو نہیں سمجھ پا رہیں مِس۔" صدر نے حیران و پریشان عورت سے کہا۔ "فوراً منظر سے غائب ہو جاؤ، ورنہ ممکن ہے تمہیں زبردستی گم کر دیا جائے۔ ہم تو یہ جنگ جیت جائیں گے لیکن مجھے ڈر ہے کہ تم نہ جیت پاؤ گی۔"

صدر نے اُسے رخصت کیا اور سیدھے اپنے بیڈروم کی طرف بڑھے۔ اندر داخل ہو کر انہوں نے اپنے ڈریسر سے ایک سُرخ ٹیلی فون نکالا اور سات ہندسوں کا ایک نمبر ڈائل کیا۔ تیسری گھنٹی پر فون ریسیو کر لیا گیا۔

ایک موٹی لیکن قدرے نشیلی آواز نے جواب دیا۔

"ڈاکٹر بہرام اسپیکنگ۔"

"تم جلد از جلد مجھ سے ملو، ڈاکٹر۔" امریکی صدر نے اپنا تعارف کرانے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ "میں اپنے عملے کو ہدایت کر دوں گا کہ تم جیسے ہی پہنچو مجھ سے ملوا دیے جاؤ۔"

"یہ بہتر نہیں ہوگا۔" ڈاکٹر بہرام نے جواب دیا۔ "اس سے ہمارا کور متاثر ہوتا ہے۔"

"یہ کوئی مسئلہ نہیں۔" امریکی صدر کے لہجے میں بے چینی تھی۔ "تمہارا گروپ اس وقت میری حکومت کی آخری اُمید ہے۔"

"اوہ!"

"میرا خیال ہے کہ تم اپنے آہنی آدمی کو تیار کر لو۔"

"پہلے مجھے معاملے کی اہمیت کا تو پتا چلنا چاہیے۔"

"یہ ایک انتہائی اہم معاملہ ہے جس میں قومی سلامتی داؤ پر لگی ہوئی ہے، تمہیں اس کا اندازہ مجھ سے ملاقات کے بعد بخوبی ہو جائے گا لیکن تم اپنے اُس آدمی کو تیار رکھو۔"

"آپ کس سے بات کر رہے ہیں سر؟" بہرام کا لہجہ اکھڑا اکھڑا سا تھا۔ "میں آپ کا ملازم تو نہیں، ہمارے درمیان جو معاہدہ موجود ہے اُس کی رُو سے آپ مجھے کوئی حکم نہیں دے سکتے۔"

"مجھے علم ہے کہ معاملے کی نوعیت سُننے کے بعد تم رضامند ہو جاؤ گے۔" صدر کے لہجے میں نرمی آ گئی۔

"ٹھیک ہے، میں چند گھنٹوں میں آپ کے پاس پہنچ رہا ہوں۔" بہرام نے جواب دیا۔ "یہاں سے میں فوری طور پر روانہ ہو رہا ہوں، کوئی اور بات؟"

"نہیں۔" صدر نے جواب دیا اور دوسری جانب سے کچھ کہے بغیر سلسلہ منقطع ہو گیا۔

صدر کو یقین تھا کہ جب ڈاکٹر بہرام کو یہ علم ہوگا کہ امریکہ کے ساتھ کیا ہو چکا ہے اور مستقبل میں کیا ہونے والا ہے تو وہ فوری طور پر اپنے اس آدمی کو استعمال کرنے پر رضامند ہو جائے گا۔

صدر نے فون واپس ڈرائر میں رکھا اور بستر پر جانے کے بجائے صوفے پر براجمان ہو گئے۔ جیب میں ہاتھ ڈال کر انہوں نے کچھ نکالا اور اس کا مطالعہ کرنے لگے۔

وہ ٹائپ شدہ دس صفحے تھے جو مِس ولکنز نے چند منٹ پہلے ان کے حوالے کیے تھے۔

*

ٹائیگر اُس وقت میامی کے گریک کنٹری کلب میں گولف کھیلنے میں مصروف تھا۔

کل رات سے اُس پر ٹھنے کا جو بھوت سوار تھا وہ گولف کی بال پر اتار رہا تھا۔ ہٹ کرتے وقت اُس کا مُٹھیاں بھنچ جانا جیسے اپنے کسی دشمن کا سَر پھاڑ رہا ہو۔ اوشان نے حالانکہ اُسے سمجھا بجھا کر بھیجا تھا لیکن اُس کا غصہ کم ہونے کا نام نہیں لے رہا تھا۔

ٹائیگر کا مددگار لڑکا کیڈی بھی اس کے موڈ سے خوفزدہ ہو رہا تھا۔ وہ اس کے زیادہ قریب بھی نہیں آتا تھا جیسے اُسے خدشہ رہا ہو کہ کہیں ٹائیگر اسٹک اُس کے سر پہ ہی نہ دے مارے۔

لیکن اس میں اُس بے چارے کا تو کوئی قصور نہ تھا۔ غصہ تو اُسے بہرام پر آ رہا تھا جس نے عادت کے مطابق ایک بار پھر اُس کی چھٹیاں غارت کر دی تھیں۔

کل شام کی بات تھی، ٹائیگر بیڈ پر لیٹا سستا رہا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی۔ ٹائیگر کا کوئی ارادہ نہ تھا کہ فون کا جواب دے لیکن دوسری جانب والا ڈھیٹ بنا رہا تو اُسے چار و ناچار فون اٹھاتے ہی بنی۔ کیونکہ اب بھی وہ فون نہ اٹھاتا تو پھر اوشان کو آندھی و طوفان کی طرح کمرے میں داخل ہونے سے کوئی نہ روک سکتا تھا۔

"شہزاد؟" دوسری جانب سے بہرام کی آواز سنائی دی اور ٹائیگر اُسی وقت سمجھ گیا کہ گڑبڑ ہو گئی۔

"یس!" اُس نے بیزاری سے کہا۔

"میں کل رات دس بجے ڈلاس ائرپورٹ واشنگٹن کے مین ریسٹورنٹ میں تم سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"میں نہیں آ سکتا۔" ٹائیگر نے جھٹ سے جواب دیا۔ "یہاں آنے سے پہلے ہی میں نے تمہیں بتا دیا تھا کہ ایک ماہ سے پہلے مجھے ڈسٹرب نہ کیا جائے۔"

"مجبوری ہے شہزاد۔" بہرام نے کہا۔ "بہت اہم معاملہ ہے۔"

"تمہارے اہم معاملوں کی بابت میں خوب جانتا ہوں۔ کسی نشے کی عادی لڑکی کی تلاش، کسی لنگڑے کی حفاظت اور کبھی کسی..."

"اس بار ایسا نہیں ہے۔"

"کچھ بھی ہو، میں اپنی چھٹیاں برباد نہیں کر سکتا۔"

"یہ کسی ملک کی سلامتی کا معاملہ ہے ٹائیگر۔" بہرام کا لہجہ بدل گیا۔ "کل رات دس بجے میں واشنگٹن میں تمہارا منتظر ہوں گا۔"

ٹائیگر خاموش رہا۔ ساتھ والے کمرے سے ٹیلی ویژن چلنے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ اوشان اب تک اپنے پسندیدہ پروگرام سے چپٹا ہوا تھا۔

"اگر تم کہو تو میں اس سلسلے میں ماسٹر سے بات کروں؟"

"نہیں۔" ٹائیگر نے انکار کر دیا۔

"تو پھر کل رات دس بجے، واشنگٹن میں۔"

کلک کے ساتھ ہی رابطہ منقطع ہو گیا۔ ٹائیگر اب بھی ریسیور تھامے ہوئے تھا لیکن اب اُس کی گرفت اُس پر سخت ہوتی جا رہی تھی۔ اُس کی اُنگلیوں میں تھوڑی سی سختی آئی اور پھر کمرے میں پلاسٹک ٹوٹنے کی آواز آنے لگی۔ جب ریسیور بالکل ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا تو ٹائیگر نے انہیں زمین پر پھینک دیا اور دوسرے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

اوشان اپنے مخصوص نمدے پر براجمان ٹی وی دیکھ رہا تھا۔ ٹی وی اُس سے محض دو فٹ دور تھا جس پر ڈاکٹر لارنس والٹرز سائیکالوجی کا درس دے رہا تھا۔

"لٹل ماسٹر!" ٹائیگر نے اُسے مخاطب کیا۔ "کیا یہ ضروری ہے کہ میں بہرام کے ہر حکم کی تعمیل کروں؟"

اوشان نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اُس کے استخوانی ہاتھ ہنوز اُس کی گود میں موجود تھے۔

"بہرام نے مجھے کل رات دس بجے واشنگٹن میں بلایا ہے۔" ٹائیگر نے دوبارہ کہا۔

اب بھی اوشان کے ہونٹوں میں کوئی جنبش نہ ہوئی تھی۔

"میں ٹی وی کا پلگ کھینچنے جا رہا ہوں، لٹل فادر۔"

اوشان نے فوراً گود میں سے دایاں ہاتھ اٹھایا اور درمیانی انگلی ہونٹوں پر رکھ لی۔

"شش۔" اشارہ خاموش رہنے کا تھا۔

ٹائیگر خاموش ہو گیا۔

اوشان نے اطمینان کے ساتھ پروگرام ختم کیا اور پھر ٹائیگر سے مخاطب ہوا۔

"کیا کہہ رہے تھے میرے بچے؟"

"آپ سُن چکے ہیں، لٹل فادر۔"

"غصہ انسان کی عقل سلب کر لیتا ہے، میرے بچے۔" اوشان نے اُسے سمجھایا۔ "یہ وہ عفریت ہے جو چپکے چپکے انسان کو اندر سے کھوکھلا کر دیتا ہے۔ اگر تم غصہ کرتے رہو گے تو مجھے ڈر ہے کسی دن اپنی طاقت و قوت سے محروم نہ ہو جاؤ۔"

ٹائیگر خاموش رہا۔

"بہرام نے تمہیں کیا کہا ہے؟"

"کل رات دس بجے واشنگٹن بلایا ہے۔"

"تو پھر ورزش کرو۔" اوشان نے اُسے نصیحت کی۔ "جانے سے پہلے غصے کی کیفیت کو ختم کرنا بے حد ضروری ہے۔"

ٹائیگر اپنے کمرے میں آ گیا۔ اور پھر اُس نے وسیع کمرے میں دوڑنا شروع کر دیا۔ پہلے وہ پوری رفتار کے ساتھ ایک دیوار کی طرف جاتا پھر اُلٹے قدموں واپس آتا۔ رفتہ رفتہ اُس کی رفتار بڑھتی جا رہی تھی۔ ایک وقت ایسا آیا کہ وہ پورے کمرے میں چکر لگا رہا تھا لیکن اُس کے پیر زمین کو چھو نہیں رہے تھے بلکہ تیر رہے تھے۔

ورزش اچھی تھی۔ اُس کی قوت کو جِلا تو ملی لیکن غصہ ختم نہیں ہو سکا تھا۔

اور اب وہ گولف بال پر اپنے غصے کا اظہار کر رہا تھا۔

گزشتہ شب کا خیال ایک بار پھر اُس کے ذہن میں آیا تو اُس نے بال کو زوردار ہٹ لگائی۔ بال زمین سے خاصی بلندی پر گئی اور پھر درختوں کے جھنڈ میں جا گری۔ ہول کہیں پیچھے رہ گیا تھا۔

کیڈی دوسری بال رکھنے کے لیے آگے بڑھا۔ ساتھ ساتھ وہ ٹائیگر کے چہرے کی طرف بھی دیکھتا جا رہا تھا۔ اچانک ہی ٹائیگر نے اُس کی آنکھوں کو ساکت ہوتا محسوس کیا۔ اور پھر اُن سے خون اُبل پڑا۔

ٹائیگر کے حساس کانوں نے اس گولی کی آواز سُن لی تھی جو سامنے والے درختوں کے عقب سے سائیلنسر شدہ پستول سے

Uploaded By Nadeem

چلائی گئی تھی۔

کیڈی کے ہاتھ سے کلب بیگ گر گیا اور گولف کی چھڑیاں اِدھر اُدھر بکھر گئیں۔ لڑکے کا جسم ذرا دیر لہرایا اور پھر زمین پر آرہا۔

گولی دوبارہ چلی لیکن ٹائیگر نے خود کو بھی لڑکے کی لاش کے عقب میں گرا لیا۔ اُسی وقت دو اور گولیاں مرنے والے لڑکے کے جسم میں پیوست ہوگئیں۔ ٹائیگر اُس کے عقب میں ہونے کی وجہ سے محفوظ رہا۔ اُس نے اندازہ لگایا کہ فائرنگ ۳۵۷ میگنم سے کی گئی ہے۔

ٹائیگر نے لاش کے عقب سے سر نکال کر صورتحال کا جائزہ لیا اور پھر اُٹھ کر درختوں کی طرف بڑھا۔ وہ اتنی تیز رفتاری سے آگے بڑھ رہا تھا کہ اُس پر نظر ٹھہرنا مشکل تھی۔ پہلے اُس کا خیال تھا کہ فائرنگ کرنے والا کوئی ایک شخص ہے لیکن وہاں جا کر اسے علم ہوا کہ حملہ آور تین ہیں۔

ایک گولی اُس کے پیروں کے قریب لگی اور دو آدمی جھاڑیوں کے عقب سے نکل کر سامنے آگئے۔ درمیان والے کے پاس رائفل تھی جبکہ ایک ایک اُس کے دائیں بائیں تھا۔ اُن کے چہرے کمانڈوز کی طرح سخت گیر، یونیفارم سبز اور جوتے بھاری بھرکم لیکن ملبے میں اَٹے ہوئے تھے۔ انہوں نے سیاہ رنگ کی فوجی ٹوپیاں پہن رکھی تھیں۔

ایک شخص نے سامنے آتے ہی ٹائیگر پر پستول تان لیا۔ ٹائیگر نے نظروں ہی نظروں میں اُسے تولا اور پھر ایک طویل چھلانگ لگائی اُس کے جوتے کی دونوں ایڑیاں بیک وقت اُس کے سینے پر پڑیں اور وہ اُچھل کر تیس فٹ دُور جا گرا۔ اُس کی ایک کربناک چیخ فضا میں اُبھری اور پھر خاموشی چھا گئی۔ اُس کے سینے کی ہڈیاں اور کئی پسلیاں ٹوٹ گئی تھیں۔ جبکہ گرنے کی وجہ سے اُس کی ریڑھ کی ہڈی بے کار ہوگئی تھی۔

دوسرے آدمی نے آگے بڑھنے کی کوشش کی لیکن یہی اُس کی غلطی تھی۔ ٹائیگر کا سیدھا پیر پھر حرکت میں آیا۔ پستول بردار کا دایاں ہاتھ کلائی سے اُکھڑ کر دُور جا گرا۔ وہ بھیانک انداز میں چیخا اور زمین پر گر کر تڑپنے لگا۔ ٹائیگر دو قدم آگے بڑھا اور اُس نے اپنے اُلٹے پیر کی ایڑی اُس کے سر پر دے ماری۔ دشمن کا سر کسی تربوز کی مانند دو ٹکڑے ہوگیا تھا۔

ٹائیگر تیسرے شخص کی طرف مُڑا لیکن یہ دیکھ کر اُسے خاصی حیرت ہوئی کہ اُس نے اپنی رائفل زمین پر پھینک دی اور کراٹے سانچن ڈاشی کی پوزیشن لے کر کھڑا ہوگیا۔ کراٹے کی اِس پوزیشن میں پیر اندر کی طرف ہوتے ہیں جبکہ بازو سامنے کی جانب ذرا سے موڑ کر ہتھیلیاں سخت کر لی جاتی ہیں۔

ٹائیگر نے مدِمقابل کا جائزہ لیا۔ اُس کی وردی پر کرنل کے بیج لگے ہوئے تھے۔ چہرے مُہرے سے وہ ٹیکساس کا رہنے والا لگتا تھا۔ اور اب وہ ٹائیگر کی جانب سے کسی حملے کا منتظر تھا۔

"آج تو واقعی مزا آئے گا۔" ٹائیگر زیرِلب بڑبڑایا۔

"آگے بڑھو، ننھے لڑکے۔" کرنل نے اُسے تاؤ دلایا۔ "تمہارا آخری وقت اب آچکا ہے۔"

ٹائیگر نے اپنے دونوں ہاتھ کولہوں پر رکھ کر بہ آوازِ بلند ایک قہقہہ لگایا۔ کچھ دیر وہ کرنل کی آنکھوں میں جھانکتا رہا پھر ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔ کرنل نے اُسے ٹائیگر کی شکست پر محمول کیا اور ایک قدم آگے بڑھ آیا۔

"تمہیں بے وقوفی کی یہ باتیں کس نے سکھائی ہیں؟" ٹائیگر نے کرنل کی مضحکہ خیز حرکتوں کی ہنسی اُڑائی کیونکہ وہ اگر دائیں سمت ہوتا تو کرنل اُس کی تقلید کرتا، بائیں ہوتا تو کرنل بھی اِدھر کھسک آتا تھا۔

"بکواس بند کرو۔" کرنل نے جز بز ہو کر کہا۔ "ابھی تھوڑی ہی دیر میں امریکہ تمہارے ناپاک وجود سے پاک ہو جائے گا۔"

"لیکن مجھے جانے کیوں یقین ہے کہ یہ تمہارے بس کی بات نہیں ہے۔"

"اگر ایسی بات ہے تو پھر خاموش ہو کر مجھ سے لڑو۔"

"پہلے یہ بتاؤ کہ یہ سب کچھ تم نے کہاں سے سیکھا ہے؟" ٹائیگر اپنی بات پر مُصر تھا۔

"ٹھیک ہے۔" کرنل نے ایک طویل سانس لی۔ "یو ایس اسپیشل فورسز۔" اور پھر اُس نے آگے بڑھ کر دائیں ہاتھ سے ٹائیگر کے چہرے پر وار کیا لیکن اُس کی بدقسمتی تھی کہ ٹائیگر اُس سے اچھا فائٹر اور بڑا منصوبہ ساز تھا۔

اُس نے کرنل کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو پکڑ کر آگے کی طرف جھٹکا دیا اور کرنل اُس کے سر پر سے اُڑتا ہوا دُور جا گرا۔ کرنل کے حلق سے بے اختیار ایک چیخ آزاد ہوگئی۔ مُنہ کے گرنے سے اُس کے چہرے پر گہرے زخم آئے تھے۔ اُس نے اُٹھنے کی کوشش کی لیکن ٹائیگر اُس کے سر پر پہنچ چکا تھا۔ ٹائیگر کی

کھڑی ہتھیلی کا وار اس کی گردن پر پڑا اور اگلے ہی لمحے اُس کا جسم اپنے سر سے محروم ہو چکا تھا۔

ٹائیگر نے اطمینان کے ساتھ اپنے ہاتھ کرنل کے لباس سے صاف کیے، اپنے کپڑوں کی نادیدہ گرد جھاڑی اور کیڈی کی طرف روانہ ہوگیا۔ وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ اُس میں زندگی کے کوئی آثار ہیں یا نہیں، لیکن اُسے یہ دیکھ کر مایوسی ہوئی کہ کیڈی اپنی زندگی کی جنگ ہار چکا تھا۔

اُس کی آنکھوں کے سامنے ابھی ابھی چار افراد ملکِ عدم کو سدھار چکے تھے لیکن خود ٹائیگر کا صرف اتنا سا نقصان ہوا تھا کہ اُس کے بلیو رنگ کی جیکٹ کندھے سے ذرا اُدھڑ گئی تھی۔ مگر وہ اِسی چھوٹے سے نقصان پر بہت برافروختہ تھا۔

اوشان کو ایک بار پھر اُسے ورزش کا مشورہ دینا پڑا۔

مگر ٹائیگر کا غصہ کم نہ ہو سکا۔ حتیٰ کہ اُس نے واشنگٹن میں اپنے چیف سے ملاقات کر کے اُسے بتایا کہ اُن کی خفیہ تنظیم چار ہ گر اب بہت سے لوگوں کے لیے خفیہ نہیں رہی اور نہ ہی شہزاد کا وجود جسے ٹائیگر کہا جاتا ہے مخفی رہا ہے۔ ثبوت کے طور پر اُس نے اپنی وہ جیکٹ پیش کی جس کا کندھا اُدھڑ گیا تھا۔

☆☆☆

۴ جولائی کو جب امریکہ ایک کرم ویک اینڈ منا رہا تھا اور سیاستدان مفت بیئر حاصل کرنے کے لیے قطار میں کھڑے لوگوں کو آزادی کی اہمیت پر درس دے رہے تھے امریکی ائر فورس کے ایک ۴۸ سالہ جنرل بلیک ڈورف ویل نے آزادی کی اِس "ٹھوک قیمت" کا ایسا فائدہ اُٹھایا جس کے لیے اُس نے خصوصی تربیت حاصل کی تھی۔

اُس نے ایک شہر پر بم گرا دیا۔

سینٹ لوئیس۔

اُس نے دس میگا ٹن کا بم جو سینٹ لوئیس جیسے چار شہروں کو تباہ کر سکتا تھا شہر پر گرایا لیکن اتفاق سے اس بم سے صرف یہ نقصان ہوا کہ ایک بہت بڑے ٹینٹ میں سوراخ ہوگیا اور زمین میں ہلکا سا گڑھا پڑ گیا۔

ائر پولیس، ملٹری پولیس اور ایف بی آئی نے اس بم کو یہاں سے اٹھایا اور اسے ناکارہ بنانے میں اٹامک انرجی کمیشن کے افسران کی مدد کی۔

ذاتی طور پر میجر جنرل بلیک ڈورف ویل نے اپنے بم سے زیادہ نقصان کیا۔ اُس نے ایک گھر کا ٹیلی ویژن انٹینا توڑا۔ ایک بورچ کی چھت میں سوراخ کیا اور نیچے کھڑی کار کی چھت میں ڈینٹ ڈال دیا۔

جب مالک مکان کو علم ہوا کہ فضا سے آکر اُس کے گھر پر گرنے والی آفت ائر فورس کا ایک جنرل ہے تو اُس نے اپنے ہونے والے نقصان کے دُگنے ہرجانے کا مطالبہ کر دیا جس میں انٹینا نہ ہونے کے باعث ایک ہفتے تک اُس کے خاندان کو پیش آنے والی متوقع زحمت اور کوفت کا معاوضہ بھی شامل تھا۔

یہ دیکھ کر اُسے خوشی ہوئی کہ نقصان کا معاوضہ فوری طور پر اُسے ادا کر دیا گیا مگر پھر اُسے افسوس ہونے لگا کہ اُسے پانچ گنا زیادہ معاوضے کا تقاضا کرنا چاہیے تھا۔

مگر اب کیا ہو سکتا تھا۔ جنرل اُسے معاوضہ دے کر اور اپنا پیراشوٹ سمیٹ کر وہاں سے جا چکا تھا۔

☆

جنرل کے بمبار طیارے کے معاون پائیلٹ لیفٹیننٹ کرنل لیف اینڈرسن نے ایف بی آئی، اپنے کمانڈنگ آفیسر، اُس کے کمانڈنگ آفیسر، سنٹرل انٹیلی جینس ایجنسی اور صدرِ امریکہ کے اسٹاف میں حال ہی میں شامل ہونے والے ڈاکٹر بہرام کو بتایا کہ جنرل ڈورف ویل نے واشنگٹن کے نزدیک اینڈریوز ائر بیس سے ایک ٹریننگ جہاز میں اُس کے ساتھ فلائی کیا تھا۔

کرنل اینڈرسن کے مطابق جنرل نے اس کے کسی سوال کو درخورِ اعتنا نہیں سمجھا اور جہاز کو بدستور سینٹ لوئیس کی طرف اُڑاتا رہا جہاں اُس نے بم پھینک دیا۔ کرنل نے انکشاف کیا کہ بم کو چلانے کے لیے دو افراد درکار تھے لیکن اس نے جنرل کی کوئی مدد نہیں کی۔

"کیا تم سے کہا گیا تھا؟" ڈاکٹر بہرام نے پوچھا۔

میز کی دوسری جانب بیٹھے ہوئے ائر فورس کے ایک جنرل نے تیکھی نگاہوں سے اس سویلین کو دیکھا لیکن اُس سویلین کو اس بات کا کوئی احساس نہ تھا۔ "کیا تمہیں کہا گیا تھا؟" اس نے اپنا سوال دہرایا۔

"نہیں۔" کرنل نے جواب دیا۔

"کیا جنرل نے تمہیں بتایا تھا کہ وہ رُخ کیوں تبدیل کر رہا ہے؟" ڈاکٹر بہرام نے پوچھا۔

اس بار ائر فورس جنرل خاموش نہ رہ سکا۔ اُسے اِس سویلین کی عقل پر افسوس ہو رہا تھا جو ایک ماتحت سے پوچھ رہا تھا کہ اُس کے افسر نے اس سے کچھ پوچھا یا نہیں۔

Uploaded By Nadeem

"نہیں" کرنل نے اس بار بھی نفی میں جواب دیا۔
"فلائٹ کے دوران اُس نے کچھ کہا؟"
"نہیں" اینڈرسن نے کہا "وہ گنگنا رہا تھا"
"وہ کیا گنگنا رہا تھا؟"
فوراً سٹار جنرل پھر پھٹ پڑا "اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ وہ کیا گنگنا رہا تھا۔ ایک امریکی شہر پر ایٹمی صلاحیت کا حامل بم پھینکا گیا ہے اور ہم یہ پتا چلانے کی کوشش کر رہے ہیں کہ یہ کیسے ہوا تاکہ آئندہ اس کی روک تھام کر سکیں لیکن میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ گنگناہٹ سے متعلق ڈاکٹر بہرام کے سوال کا کیا مطلب ہے؟"
بہرام نے جنرل کے ریمارکس پر کوئی توجہ نہیں دی۔
"کرنل!" اُس نے کہا "جنرل کیا گنگنا رہا تھا؟"
کرنل نے بے بسی سے اپنے اعلیٰ افسر کو دیکھا جو اُسی کی طرح بے بس نظر آ رہا تھا۔
"جواب دو" جنرل نے کندھے اُچکا کر تھکی تھکی آواز میں اُسے ہدایت دی۔
"ڈاڈا ڈاڈا ڈاڈم ڈم ڈاڈم ڈم ڈاڈا ڈاڈا ڈاڈم ڈم" اینڈرسن نے رُک رُک کر بتایا۔
ہر شخص ڈاکٹر بہرام کو دیکھنے لگا لیکن اُس نے ان نظروں سے بے نیاز ہو کر اپنی جیب سے پیڈ نکالا اور لکھنے لگا۔
"ہاں کیا کہا تم نے؟ ڈاڈا ڈاڈا ڈاڈم ڈاڈم ڈم ڈاڈا ڈاڈا ڈاڈم ڈم؟" اُس نے پوچھا۔
"بہت ہو گئی" جنرل نے بآواز بلند کہا۔
"یہ تو سراسر بے وقوفی ہے" ایف بی آئی کے آدمی نے رائے دی۔
لیکن ڈاکٹر بہرام لکھنے میں مصروف تھا۔
"کیا تمہارا تعلق صدرِ مملکت کے دفتر سے ہے؟" جنرل نے ڈاکٹر بہرام سے دریافت کیا۔
"ہاں" بہرام نے جواب دیا لیکن اُس نے سر اُٹھا کر جنرل کو دیکھا نہیں تھا "آیئے ہم گانا دوبارہ سنتے ہیں"
"میں نے اس سے پہلے تو تمہیں کبھی وائٹ ہاؤس میں نہیں دیکھا" جنرل نے کہا۔
"کیا تم نے میرا تصدیق نامہ نہیں دیکھا؟"
"دیکھا ہے" جنرل نے اعتراف کیا۔
"تو بہتر ہے کہ اس سلسلے میں صدر سے بات کر لو، ہاں تو کرنل وہ گانا ذرا دوبارہ گنگنانا"
کرنل نے رد و بدل والی نگاہوں سے حاضرین کو دیکھا اور پھر وہی گانا گنگنانے لگا۔
"تھینک یو" ڈاکٹر بہرام اب مطمئن تھا "اچھا یہ بتاؤ کہ ماضی میں جنرل نے کبھی تمہیں یہ بتایا تھا کہ ایئر ریزائر فورسز بیس پر اُس کا تبادلہ کس نے کیا تھا؟"
"اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟" جنرل کی آواز اِس بار کسی غراہٹ سے مشابہ تھی "میں نے تبادلہ کیا تھا"
"اوہ! تمہارا نام کیا ہے، جنرل؟"
"جنرل وینس ویتھرز"
"تم سے کہاں ملاقات ہو سکتی ہے؟"
"یہیں، نیشنل گون میں"
"اور رہتے کہاں ہو؟"
"الیگزینڈریا، ورجینیا"
"گڈ، کیا میں رات کو تمہیں وہاں فون کر سکتا ہوں؟" ڈاکٹر نے پوچھا۔ ساتھ ہی وہ اس بات پر خوش ہو رہا تھا کہ ٹائیگر کو اُس کا پتا ڈھونڈنے میں کوئی دقت نہیں ہو گی۔
"ہاں۔ کوئی اور بات؟"
"نہیں" بہرام نے کہا اور دوبارہ کرنل کی طرف مڑا۔
"جب جنرل نے اپنا پیراشوٹ اٹھایا اُس وقت تم نے کوئی احتجاج کیا تھا؟"
"وہ ایک جنرل تھا ڈاکٹر"
بہرام نے پیڈ پر کچھ لکھا "کوئی اور بات جو جنرل نے دورانِ پرواز کہی ہو؟"
"نہیں" کرنل نے کہا اور بہرام نے نوٹ بک بند کر کے جیب میں رکھ لی۔
جب وہ کمرے سے باہر نکلا تو جنرل نے طنزیہ انداز میں اُس کی طرف اشارہ کیا "صدرِ مملکت نے بھی کس بے وقوف کو اس اہم کام کے لیے منتخب کیا ہے"
ایف بی آئی کے آدمی نے فوراً اُس کی حمایت کی۔
جنرل وینس ویتھرز نے سر ہلا کر شکریہ ادا کیا اور پھر اپنی پیشہ ورانہ انکوائری میں مصروف ہو گیا۔ اُس نے فلائٹ پوزیشن، ریڈیو کمیونیکیشن اور آپریشنل آرڈر کے بارے میں اہم سوالات کیے سوالات کرتے ہوئے اُس کا چہرہ جوش سے تمتما رہا تھا۔
اور یہ تمتماہٹ اگلے چوبیس گھنٹوں تک برقرار رہی تھی۔

اُس کے اپنے گھر میں اور اپنے بیڈ کے تکیے پر اُس کا خاتمہ ہو گیا۔ یہ بھی اس طرح ہوا کہ اُس کی بیوی کو اپنے کندھے پر کوئی گیلی گیلی شے محسوس ہوئی تو اُس نے یہ کہنے کے لیے اپنے شوہر کو جگانے کی کوشش کی تھی کہ وہ بچوں کی طرح رالیں تو نہ ٹپکائے۔
جنرل وینس ویتھرز نے کوئی جرم نہیں کیا تھا۔ اس کا قصور صرف اُس لڑی میں ارادتاً یا غیر ارادتاً ملوث ہو جانا تھا جسے چارہ گر نامی ایک تنظیم ہر حال میں توڑنا چاہتی تھی۔ جنرل ڈورف ویل کی ٹرانسفر کے کاغذات پر اُس کے دستخط اُس کے لیے ڈیتھ وارنٹ ثابت ہوئے تھے۔
اُس کے دستخط ڈاکٹر بہرام کے انکوائری روم چھوڑنے کے پینتالیس منٹ کے اندر اندر شناخت کر لیے گئے تھے۔ اگلے ڈیڑھ گھنٹے کے اندر ڈاکٹر بہرام نے ۱۶۔ ایم ایم کی ایسی تصاویر حاصل کر لی تھیں جن میں ایک شخص کو طیارے سے گرتا دکھایا گیا تھا۔ تصویریں کسی اور جہاز سے اُتاری گئی تھیں۔
جب ایک محدب عدسے کی مدد سے تصاویر کا معائنہ کیا گیا تو یہ بات سامنے آئی کہ گرنے والے آدمی کے ہونٹ اس انداز میں سکڑے ہوئے تھے جیسے وہ کچھ گنگنا رہا ہو۔
چند گھنٹوں کے اندر اندر تمام رپورٹیں جمع کر کے چارہ گر سینی ٹوریم کے ویڈیو سیل کمپیوٹر میں فیڈ کر دی گئیں جس نے چند سیکنڈ میں یہ دھماکا خیز انکشاف کیا کہ کالوس پورٹر قتل کیا جا چکا ہے اور دنیا میں بعض ایسے لوگ پیدا ہو گئے ہیں جن پر چارہ گر کا راز فاش ہو گیا ہے۔
کمپیوٹر نے بتایا کہ ایسے لوگوں میں ایک نوجوان یورپین بلکہ ہے جو اس بات کی کھوج لگا رہا تھا کہ کالوس پورٹر مرنے سے چند لمحے قبل کیا کر رہا تھا؟

لیکن اُس رات واشنگٹن میں کالوس پورٹر یا اُس کی موت زیرِ بحث نہیں تھی۔
واشنگٹن کے شہری ائر فورس کا ایک سرکاری اعلان سُن رہے تھے جس کے مطابق ایک طیارے کے فاضل ایندھن کی ٹینکی کسی فنی خرابی کے باعث سینٹ ٹومس کے ایک کباڑ خانے پر گر پڑی تھی۔ ائر فورس نے اعتراف کیا کہ یہ ٹینکی جس طیارے کی تھی وہ ایٹمی ہتھیار لے جا رہا تھا لیکن گرنے والی شے کوئی ایٹمی ہتھیار نہیں تھا۔
اعلان میں مزید کہا گیا تھا کہ اس حادثے کے بعد پائلٹ نے خود کو موت کے گھاٹ اُتار لیا۔ امریکی شہریوں کو یہ بھی یاد دلایا گیا تھا کہ وہ وعدہ اب بھی اپنی جگہ قائم تھا کہ امریکی شہروں پر کوئی طیارہ ایٹمی ہتھیار لے کر پرواز نہیں کرے گا۔
ٹیلی ویژن کے جس اناؤنسر نے یہ اعلان پڑھ کر سُنایا وہ بھی پکا تخریب کار تھا کیونکہ اُس نے رپورٹ کے آخر میں یہ سوال کیا تھا کہ ان سب باتوں کے باوجود آخر یہ طیارہ جو ایٹمی ہتھیار لے جا سکتا تھا کیوں سینٹ لوئیس پر پرواز کر رہا تھا۔
کیا وہ راستہ بھٹک گیا تھا؟
کیا یہ واقعہ دوبارہ بھی ہو سکتا ہے؟
جواب ہاں یا نہیں، جس میں بھی ہو اس امر کی مکمل تحقیقات ہونی چاہیئے
ابھی اناؤنسر یہیں تک پہنچا تھا کہ واشنگٹن ڈی سی کی آدم اسٹریٹ پر واقع مکان کے اس بڑے سے لونگ روم میں بٹلر نے ٹی وی کا سوئچ آف کر دیا لیکن اس میں اُس کی اپنی مرضی کا دخل نہ تھا بلکہ اس کا اشارہ اسے سفیر نے کیا تھا۔
ٹی وی آف ہوتے ہی جام چلنے لگے اور کرسٹل گلاسوں کے ٹکرانے اور قہقہوں کی کھنکھناہٹوں سے بھر گیا۔
"سفید جھوٹ" فرانسیسی سفیر نے ائر فورس کے اعلامیہ پر تبصرہ کرتے ہوئے شراب کا پہلا گھونٹ لیا۔
"یہ امریکی ایسا ہی کرتے ہیں" برطانوی ائر اٹیچی نے قریب بیٹھے ہوئے ایک امریکی ایڈمرل کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تو وہ بھڑک گیا۔
"اس میں ناراضی کی کوئی بات نہیں" سفیر نے بوڑھے جرنیل کو ٹھنڈا کیا "اس کا اعتراف تو تمہیں بھی کرنا ہو گا کہ اپنے ہی شہروں پر جوہری بم لے کر پرواز کرنا پرلے درجے کی بے وقوفی ہے"
"اوہ!" ایڈمرل کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا "مجھے اس بات کا علم نہیں تھا"
سفیر کی خوبصورت بیوی نے موضوع تبدیل کرنے کی کوشش کی۔ اُس نے پوچھا تھا کہ یونیفارم پہننے والے عورتوں کو زیادہ پسند کیوں ہوتے ہیں؟
"اس لیے کہ وہ خوبصورتی کو زندگی کا حقیقی رُخ تصور کرتے ہیں" کرنل نے جواب دیا۔
"ونڈر فل!" سفیر کی بیوی نے زندگی سے بھرپور قہقہہ

Uploaded By

لگایا۔ اس عالم میں وہ پہلے سے زیادہ اچھی لگنے لگی تھی۔

لیکن اُس کا قہقہہ ادھورا ہی رہ گیا۔ ہال میں ایسی ہستی داخل ہو رہی تھی جسے واقعی خوبصورتی کا مکمل شاہکار کہا جا سکتا تھا۔ آنے والی کے چہرے کے تاثرات پہلے سپاٹ تھے لیکن پھر اُس کے ہونٹ مُسکراہٹ کے انداز میں یوں سُکڑ گئے جیسے کمان کھنچ گئی ہو۔

کمرے میں موجود دوسری عورتوں نے ایک نظر آنے والی کو دیکھا اور پھر اُن کی نگاہیں اپنے اپنے شوہروں کے چہروں کا طواف کرنے لگیں جو مُنہ کھولے آنے والی حسین چہرے کو دیکھ رہے تھے۔ بعض نے ہونٹوں پر زبان پھیری اور ایک آدھ کے حلق سے تو سسکاری بھی خارج ہو گئی تھی۔

"یہ حُور شمائل کون ہے؟" برطانوی کرنل نے بے اختیاری کے عالم میں پوچھا۔

"ڈاکٹر سارا فورسٹر۔" سفیر کی بیوی نے تیز سرگوشی میں جواب دیا۔

"میں نے اس جیسی خوبصورت لڑکی آج تک نہیں دیکھی۔" برطانوی کرنل نے تبصرہ کیا۔

"صحت مند بھی ہے۔" امریکی ایڈمرل نے اپنا حصّہ ادا کیا۔

"صحت مند؟ تمہارے پاس تعریف کے لیے کچھ اچھے الفاظ نہیں، ایڈمرل۔" برطانوی نے اُس کا مضحکہ اُڑایا۔

ایڈمرل نے جواب دینے سے پہلے اپنی سارٹینی کے گلاس کو دیکھا اور پھر کرنل سے مخاطب ہوا۔ "اگلے بیس سال میں یہ پھول کر کُپا ہو چکی ہو گی۔"

"غلط!" کرنل نے جھوم کر کہا۔ "بیس سال بعد بھی وہ دنیا کی خوبصورت ترین عورت ہو گی اور میں واشنگٹن یا لندن کی بات نہیں کر رہا بلکہ پوری دنیا کی بات کر رہا ہوں۔"

"ہاں، لیکن قبر میں پہنچ کر سب برابر ہو جاتا ہے۔"

"مگر اس وقت ہم قبروں میں تو نہیں سر!" کرنل نے جل کر جواب دیا۔ "کم از کم ہم سب نہیں؟"

"اوہ، وہ ہماری طرف آ رہی ہے۔" فرانسیسی سفیر کی بیوی نے ہولے سے کہا۔

"ہیلو، ڈیئر۔" اُس کے قریب آنے پر سفیر کی بیوی نے اُس سے مصافحہ کیا، کرنل نے اپنی ٹائی کی ناٹ درست کی جبکہ ایڈمرل نے جلدی سے گلاس اُٹھا کر اُوپر تلے کئی گھونٹ بھر لیے۔

"آؤ میں تمہیں اپنے دوستوں سے متعارف کراؤں۔" سفیر کی بیوی نے ڈاکٹر سارا کو مخاطب کیا۔ "ڈاکٹر سارا فورسٹر ہمارے سفارت خانے کے دوستوں میں شامل ہے، ڈاکٹر یہ برطانوی سفارت خانے کے اٹارنی کرنل سر ڈلزی رمزی پکٹ ہیں اور یہ ... ایڈمرل، معاف کرنا، مجھے ان کا نام نہیں آتا۔"

"جیمز بنٹین کریسٹ۔" ایڈمرل نے فوراً اپنا تعارف کرایا۔

"تم مجھے ایڈمرل کہہ سکتی ہو۔"

سفیر کی بیوی، کرنل اور سارا نے بیک وقت قہقہہ لگایا۔ سارا نے سہارے کے لیے غیر ارادی طور پر ایڈمرل کے بازو کو چھُو لیا تھا۔

"تم سے مل کر خوشی ہوئی، ایڈمرل!" اُس کی نغموں جیسی سُندر آواز اُبھری۔

"تم مجھے جم کہہ سکتی ہو۔" ایڈمرل سمٹ گیا۔ "لیکن مجھے چھُو ڈو مت۔"

سارا دوبارہ ہنسی اور سارے کمرے کی خفیہ نگاہیں اُس پر مرتکز ہو گئیں۔ خفیہ اس لیے کہ مردوں نے اپنی بیویوں کی آنکھوں میں چھپی دھمکیاں صاف طور پر پڑھ لی تھیں۔ سارا ذرا آگے کو جھکی اور اُس کے ہونٹوں کا بادل ایڈمرل کے رخسار کی سرزمین پر برسا۔

"اِسے چھُونا تو نہیں کہتے نا، جم؟"

"نہیں، اس کی اجازت ہے۔" ایڈمرل نے جواب دیا۔

سارا نے اُسی کو مرکزِ نگاہ بنا لیا۔ سفیر کی بیوی نے صورتحال کو دیکھتے ہوئے اُن سے معذرت کی اور آگے کھسک لی۔ برطانوی کرنل کچھ دیر کباب میں ہڈی بنا رہا لیکن پھر وہ بھی یونین جیک سرنگوں کر گیا۔

وہ الگ ہٹ گیا لیکن کان بدستور سارا اور ایڈمرل کے نگران تھے۔ اُس نے دونوں کی بات چیت کا رُخ میجر جنرل ڈورف ویل کی طرف بدلتے سُنا جو بقول سارا کے اُس کے تھراپی انسٹی ٹیوٹ میں اُس کے زیرِ علاج رہا تھا۔ سارا کے کہنے کے مطابق وہ 'پاور سینڈرم' نامی بیماری میں مبتلا تھا۔

کرنل نے اُس کی وضاحت بھی سُنی وہ کہہ رہی تھی، "ٹیٹانس ایک فٹبالر کے گھٹنے سے بخوبی سمجھی جا سکتی ہے۔ فٹبالر صحت مند ہے، گھٹنا بھی ٹھیک ٹھاک ہے لیکن اُسے اپنا گھٹنا زخمی محسوس ہوتا ہے کیونکہ وہ دس سیکنڈ میں سو گز بھاگنے کے دوران ۲۵ پونڈ کا بیریئر برداشت نہیں کر سکتا۔"

وہ کچھ دیر خاموش رہی اور پھر دوبارہ گویا ہوئی۔ "اس

وقت ہماری قوم کی حالت بھی فٹبالر کے گھٹنے سے مختلف نہیں۔"

وہ اچانک مُڑی اور خدا حافظ کہے بغیر خارجی دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ وہ دل ہی دل میں سوچ رہی تھی کہ اگر جنرل ڈورف ویل کچھ دن اور اُس کے ساتھ رہ جاتا تو وہ اُس کو رتحال کبھی پیدا نہ ہوتی۔

باہر نکل کر سارا اپنی رولز رائس کی عقبی نشست پر براجمان ہو گئی۔ ڈرائیور نے ایک نظر پلٹ کر اُسے دیکھا اور گاڑی کو آگے بڑھا دیا۔ کچھ دیر بعد وہ واشنگٹن کے مضافات سے نکل کر میری لینڈ کے دیہی علاقے میں داخل ہو چکے تھے۔ ایک جگہ ڈرائیور نے کار کو مین ہائی وے سے بائیں سمت ایک نیم پختہ سڑک پر موڑ لیا۔ چھ میل کے مزید سفر کے بعد رولز رائس 'ہیومن اوئیر نیس لیبارٹریز الکار پوریٹڈ' کے آہنی دروازے میں داخل ہو رہی تھی۔

ڈاکٹر خاموشی سے اُتری اور دس منزلہ عمارت کی طرف بڑھ گئی۔ اگلے پانچ منٹ بعد وہ ایلیویٹر کے ذریعے اپنے پالر ٹائپ انتہائی آرام دہ کمرے میں پہنچ گئی۔

جب اُسے یقین ہو گیا کہ وہ تنہا ہے تو اس نے اپنے لباس کے اوپر پہنا ہوا سیاہ رنگ کا باریک لبادہ اتار کر ایک طرف پھینک دیا اور میز کے عقب میں پڑی کرسی پر بیٹھ گئی۔

سب سے پہلے اُس کے ذہن میں جنرل ڈورف ویل کا خیال ہی آیا لیکن اُسے جنرل کے کھونے کا کوئی غم نہیں تھا۔ کیونکہ یہ منصوبے کا ایک حصّہ تھا۔ اُسے بہرحال میں مرنا تھا کیونکہ وہ اپنے پروگرام میں ناکام ہو گیا تھا۔

کالوس پورٹر کے جبڑے میں بھی صرف موت آ سکتی تھی اور وہ آ گئی کیونکہ وہ بھی آتا عرصہ جھٹکے مارنے کے باوجود کچھ حاصل نہ کر پایا تھا۔

لیکن اسپیشل فورسز کے کرنل کی موت کو سارا نے اپنی غلطی قرار دیا تھا، نہایت قیمتی غلطی، لیکن اس غلطی کے نتیجے میں سارا کو جو کچھ حاصل ہوا تھا وہ بھی کچھ اتنا ہی قیمتی تھا۔

اُس نے ہاتھ بڑھا کر دراز سے پیلے رنگ کا ایک پیڈ نکالا اور اس پر ایک ڈایاگرام بنانے لگی جس کے گرد نقطوں کی ایک قطار اور تیر کا ایک نشان بھی تھا۔

پہلا نقطہ ٹیلی فون کمپنی کے سیکورٹی مین کی نشاندہی کرتا تھا جس نے چارہ گر سینی ٹوریم کا خفیہ ٹیلی فون نمبر ڈھونڈ نکالا تھا دوسرا نقطہ اس امر کی علامت تھا کہ صدر امریکہ نے اُس شب، جب پورٹر کی سیکرٹری نے اُن سے ملاقات کی۔ انہوں اُس فون نمبر کو استعمال کیا تھا۔

پھر اُسی خصوصی آدمی کے بارے میں ہونے والی بات چیت تھی۔ آخری نقطہ اُس خصوصی آدمی کی جانب اشارہ تھا جو میامی بیچ پر تعطیلات منا رہا تھا۔ شاید وہ کسی قسم کا کوئی تفتیشی افسر تھا اور یہی وہ مقام تھا جہاں وہ غلطی کر گئی۔

جب سے پروگرام شروع ہوا تھا وہ اُس شخص کو نظر انداز کرتی چلی آئی تھی لیکن اُس نے اسپیشل فورسز کے کرنل کو استعمال کر کے ایک بڑی حماقت کی تھی۔ وہ ہلاک ہو گیا تھا اور اُسے ہلاک کرنے والے کا نام شہزاد ٹائیگر تھا۔

وہ جھٹکے سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"تو مسٹر شہزاد ٹائیگر!" وہ دھیرے سے بڑبڑائی۔ "تم نے بے شک میرے بہترین آدمیوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا ہے لیکن اب تم ایک ایسی شخصیت سے ملنے والے ہو جو کبھی ناکام نہیں ہوتی۔"

اُس نے جھک کر پیلے رنگ کے پیڈ پر آخری نقطے پر بڑا سا کراس کا نشان بنا دیا۔ سیدھی کھڑی ہو کر اس نے اپنے سر کے اُوپر پھیلے شیشے کے اہرام کو دیکھا جو اُس کے خیال میں دنیا کی جدید ترین رہائش گاہ تھا۔

وہ جانتی تھی کہ یہ جدید ترین ہے کیونکہ اِسے اُس نے خود ڈیزائن کیا تھا اور وہ یہ بھی جانتی تھی کہ اُس نے آج تک کوئی ایسی چیز ڈیزائن نہیں کی اور نہ ہی کوئی ایسا پروگرام بنایا ہے جس میں وہ ناکام ہوئی ہو۔

ایک پراسرار مورتی کے حصول کے لئے ہونے والے خوفناک معرکے کا احوال

نیا ایڈیشن تیار ہے

خبیث

انوار صدیقی کے پراسرار قلم سے

5 حصوں میں، مکمل سیٹ =/200 روپے

مکتبہ القریش سرکلر روڈ اردو بازار لاہور

فون 7668958

ڈاکٹر سارا فورسٹر نے اپنے پیڈ پر جس شخص کے نام کو نشان زد کیا تھا وہ اس وقت واشنگٹن کے لوناح میں واقع ڈلاس انٹرنیشنل ائرپورٹ کے ریسٹورنٹ میں موجود تھا۔ سامنے والی نشست پر ایک باوقار شخص بیٹھا تھا جس نے اپنا بریف کیس میز پر رکھ کر یوں کہنی ٹکائی ہوئی تھی۔ جیسے اسے بریف کیس کے از خود بھاگ جانے کا خطرہ ہو۔

دائیں جانب موٹے شیشے کی دیوار کے اس پار ٹارمک تھا جس پر دیو ہیکل طیاروں کی آمد و رفت جاری تھی۔ وہ گزشتہ نصف گھنٹے سے یہاں بیٹھے تھے اور اس دوران کم و بیش دس طیاروں نے لینڈنگ یا ٹیک آف کیا تھا۔ چند سیکنڈ قبل بھی ایک بوئنگ ۷۴۷ نے رن وے چھوڑا تھا۔

"اس بار امریکہ پر کیا مصیبت نازل ہونے والی ہے؟" ٹائیگر نے لمبی چوڑی تمہید سے تنگ آ کر دریافت کیا۔

ڈاکٹر بہرام میز پر سے ٹائیگر کی طرف جھکا۔ اس کی آواز سرگوشی سے بلند نہیں تھی۔

"حکومت امریکہ فروخت کی جا رہی ہے۔"

ٹائیگر نے بوتل اٹھا کر گلاس میں پانی انڈیلا اور دو گھونٹ لینے کے بعد برا سا منہ بنا کر گلاس واپس رکھ دیا۔

"تو اس میں نئی بات کیا ہے؟" اس نے اطمینان سے جواب دیا "امریکیوں پر ہر بار کوئی نہ کوئی مصیبت آتی ہی رہتی ہے کبھی کوئی ٹیکس چرانے کی فکر میں ہوتا ہے۔ تو کبھی لیزر بیم کے لالے پڑے ہوتے ہیں اب میں نے ان گوروں کا ٹھیکہ . . ."

"میرا مطلب ہے امریکہ بین الاقوامی مارکیٹ میں فروخت ہو رہا ہے۔"

"صدی کے آخری پچیس سالوں میں ایسے ہی واقعات رونما ہونے کی پیش گوئی کی گئی ہے۔"

"سنیدہ رہو شہزاد" بہرام نے زچ ہو کر کہا۔ "کسی شخص نے پیش کش کی ہے کہ وہ حکومت امریکہ کے اہم ادارے فروخت کرنا چاہتا ہے وزارت دفاع، قومی سلامتی، خلائی نظام اور وزارت خزانہ کے علاوہ متعدد اہم محکموں کی فروخت کی پیش کش کی گئی ہے۔"

"تم فریدلو۔"

"پھر وہی مسخرہ پن" بہرام چڑ گیا۔ "معاملے کی اہمیت کو سمجھنے کی کوشش کرو۔"

"دیکھو، سویٹ ہارٹ، ناراض ہونے کی ضرورت نہیں" ٹائیگر نے سمجھانے کے سے انداز سے کہا۔ "دنیا میں ایسا شخص بھی گزرا ہے جس نے پیرس کا ایفل ٹاور، لندن کا بکنگھم پیلس اور نیویارک کا مجسمہ آزادی تک بیچ کھایا تھا۔"

"لیکن اس وقت معاملہ پورے ملک کا ہے۔" بہرام نے زور زور سے سر ہلایا۔ "میں کالوس پورٹر نامی ایک شخص کے بارے میں تم سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"تو کرو۔"

"آؤ چلتے ہیں باقی باتیں گاڑی میں ہوں گی۔" بہرام نے اشارے سے ویٹر کو بلایا۔ اور بل کی ادائیگی کر کے دونوں پارکنگ لاٹ کی طرف بڑھ گئے۔ جہاں سرکاری گاڑی موجود تھی۔

عقبی نشست پر بیٹھ کر بہرام نے اپنا بریف کیس کھولا۔ اور فائل نکال کر ٹائیگر کو تھما دی۔ وہ خاموش رہا۔ بہرام بولتا رہا اور وہ فائل کی ورق گردانی کرتا رہا۔ بالآخر فائل بند کر کے اس نے واپس بہرام کو تھما دی۔

"کالوس پورٹر کی جان محض اس وجہ سے گئی کہ اس نے اس سارے شاخسانے کا پتا چلا لیا تھا۔" بہرام نے ٹائیگر کو بتایا۔ "شاید اس کا خیال رہا ہو کہ امریکہ کی سلامتی اس کی جان سے زیادہ عزیز ہے۔"

"مجھ سے کیا چاہتے ہو؟"

"میں یہ کیس تمہیں دے رہا ہوں۔"

"لے لیا، آگے چلو۔"

بہرام نے جواب دینے کے بجائے دوبارہ بریف کیس کھول لیا۔ ساتھ ہی اس نے بٹن دبا کر ڈرائیور اور عقبی نشستوں کے درمیان ساؤنڈ پروف گلاس کی پلیٹ اٹھا دی۔ اس نے بریف کیس میں ہاتھ ڈالا اور ایک مینی ٹیپ ریکارڈر باہر نکال لیا۔ ٹائیگر خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ بہرام نے کیسٹ ری وائنڈ کی اور ریکارڈر کا پلے بٹن آن کر دیا۔ چند لمحے شوں شاں کی آوازیں سنائی دیتی رہیں اور پھر ایک مرد کی آواز واضح ہوتی گئی۔

یہ کالوس پورٹر کی آواز تھی۔

✦

مسز وینس وتھیر نے پوچھنے والوں کو سب کچھ نہیں بتایا تھا۔ اس نے صرف یہ بتایا تھا کہ رات کے وقت جب اس کی آنکھ کھلی تو اس کے شوہر کی سر بریدہ لاش اس کے پہلو میں موجود تھی۔ لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ اسے کسی قسم کی کوئی آواز سنائی نہیں دی تھی۔

"تمہارا مطلب ہے کہ کوئی تمہارے شوہر کو قتل کر گیا اور تمہیں خبر تک نہ ہو سکی؟"

پکچتر ڈالر کا سوٹ پہنے ہوئے ایک سراغ رساں اس کے اضافہ سوٹ ڈالر کے دیوان پر براجمان تھا۔ اس سارجنٹ ٹائپ شخص نے گود میں ایک نوٹ بک رکھی ہوئی تھی جس پر گاہے بگاہے کچھ لکھتا

جا رہا تھا۔

"کیا تمہارے کرنل کو اس بات کا علم ہے کہ تم لوگوں سے اس بدتمیزی سے بات کرتے ہو؟" جنرل کی تازہ تازہ بیوہ نے جبڑے بھینچ کر پوچھا۔

"میں سراغرساں ہوں، فوجی نہیں خاتون۔"

"مگر جنرل وتھیر ایک فوجی تھا۔" مسز وتھیر کا لہجہ بے حد سرد تھا اسے سارجنٹ کا وجود ایک آنکھ نہ بھایا تھا۔ اس کے خیال میں وہ آنجہانی جنرل وینس وتھیر کی شان میں گستاخی کا مرتکب ہو رہا تھا۔

اسی وقت سفید یونیفارم پہنے ہوئے دو افراد جنرل کی لاش کو ایک اسٹریچر پر ڈال کر باہر لے گئے۔

"یس لیڈی، مجھے علم ہے کہ جنرل ایک فوجی تھا۔" سارجنٹ پر اس کے لہجے کا کوئی خاص اثر نہیں ہوا تھا۔ "جس وقت جنرل کو قتل کیا گیا اس وقت صرف تم اس کے قریب موجود تھیں اس لحاظ سے تمہارا شمار بھی مشتبہ افراد میں ہوتا ہے۔"

"زیادہ پھیلنے کی ضرورت نہیں۔" مسز وتھیر نے اسے ڈانٹ دیا۔ "جنرل وتھیر ایک فور اسٹار جنرل تھا۔ اور جلد ہی اسے ترقی ملنے والی تھی، پھر میں بھلا اسے کیونکر قتل کرتی؟"

"صرف ریک ہی رشتے داری کی بنیاد نہیں ہوتا۔ خاتون بعض اوقات سرد اور عورت کے درمیان کچھ دوسرے واقعات بھی رونما ہو جاتے ہیں۔"

"تم واقعی فوجی نہیں ہو۔" مسز وتھیر نے جل کر کہا۔

"کیا تم اب بھی اس بات پر مصر ہو کہ تم نے کوئی آواز نہیں سنی؟" سراغ رساں شاید بہرا تھا۔

"یہی درست ہے۔" مسز وتھیر نے اپنا باریک گلابی لباس اپنے جسم کے گرد لپیٹتے ہوئے جواب دیا۔ وہ درمیانی عمر کی ایک نہایت خوبصورت عورت تھی۔ جس کا قرب حاصل کرنے کے لیے کوئی بھی شخص جنرل کو موت کے گھاٹ اتار سکتا تھا۔

مسز وتھیر نے سراغ رساں سے ایک بات چھپائی تھی۔ اس کا ارادہ تھا کہ وہ یہ بات کسی سے بھی نہیں کہے گی۔ چند گھنٹے قبل وہ اپنے بستر پر سکون کی نیند لے رہی تھی۔ اچانک ہی اسے اپنے ماتھے پر کسی کا ہاتھ محسوس ہوا۔ اسے علم تھا کہ اس کا شوہر قریب ہی بے خبر سو رہا ہے یہ اس کا ہاتھ نہیں ہو سکتا تھا۔ بس اجنبی تھا لیکن حالتِ نیند میں اسے یہ برا نہیں لگا۔ ماتھے پر رکھا جانے والا ہاتھ اس کی آنکھوں پر اتر آیا۔ انداز ایسا تھا جیسے اسے آنکھیں بند رکھنے پر مجبور کیا جا رہا ہے۔ اس نے آنکھیں بند ہی رکھیں لیکن رفتہ رفتہ اس کی تمام حسیات بیدار ہوتی گئیں ہاتھ کا سفر جاری رہا۔ اور مسز وتھیر نیم خوابی کے عالم میں اسے محسوس کرتی رہی۔

جانے کب تک یہ سلسلہ جاری رہا پھر وہ پرسکون ہو گئی یا شاید نیند کا تصور ٹوٹ گیا تھا۔ وہ دوبارہ سو گئی تھی پھر اس کی آنکھ اس وقت کھلی جب اسے محسوس ہوا کہ جنرل اس کے شانے پر وال ٹپکا رہا ہے۔

وہ اپنے شوہر کی طرف مڑی مگر اب وہاں اس کا شوہر نہیں خون اور گوشت کا ایک ڈھیر تھا۔

"اوہ، نو" وہ بے اختیار چیخ اٹھی تھی۔

اور پھر اس نے پولیس کو فون کیا۔ جس کا ایک سارجنٹ اس وقت اس کے قریب بیٹھا اسے تنگ کر رہا تھا۔

"میں ایک بار پھر اپنا سوال دہراؤں گا، مسز وتھیر" سارجنٹ دوبارہ کہہ رہا تھا۔ "تمہارے شوہر کا سر اس کے تن سے جدا کر دیا گیا لیکن تم انتہائی قریب ہونے کے باوجود اس کی چیخ تک نہ سن سکیں؟"

"میں نے کچھ نہیں سنا" مسز وتھیر نے خائب دماغی سے جواب دیا "ہاتھوں کی حرکت محسوس کی جا سکتی ہے، سنی نہیں جا سکتی۔"

"تمہیں کیسے پتا چلا کہ وہ ہاتھ تھے؟" سراغرساں نے حیرت سے دریافت کیا۔

"اوہ۔" اس نے دل ہی دل میں سوچا، غلطی ہو گئی۔

"ہمارے خیال میں انسانی ہاتھ یہ کام انجام نہیں دے سکتے" سراغ رساں نے اپنی بات جاری رکھی۔

مسز وتھیر نے اس کے جواب میں محض کندھے اچکانے پر ہی اکتفا کیا تھا۔ البتہ دل ہی دل میں وہ اس سراغرساں کو پاگل پن کی آخری ڈگری پر فائز کر چکی تھی۔

✦

صدیوں پرانی حویلی رافن برگ کے بنکر کی کانفیڈینشل سیکرٹری کو لاتعداد فوائد حاصل تھے تنخواہ بہترین تھی۔ سفر کے خاصے مواقع تھے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس کی عزت بھی بہت زیادہ تھی۔

ایک چوبیس سالہ امریکی لڑکی کے لیے یہ جاب اس کی توقعات سے کہیں زیادہ اہم تھا۔ جو زیورچ سے اسکاٹنگ کے لیے آئی تھی . . . ایلین ہیملن نے گزشتہ تین ماہ کا جائزہ لینے کے بعد فیصلہ کیا تھا کہ یہ عرصہ بہت اچھا گزرا تھا۔

حالانکہ گزشتہ تین ماہ سے اس نے کوئی سفر نہیں کیا تھا۔ وہ اپنے آپ کو تھوڑی سی اپ سیٹ بھی محسوس کر رہی تھی۔ لیکن اتنی زیادہ پریشان نہیں تھی۔ اس کا باس امیڈس زیرل گزشتہ تین ماہ سے زیورچ میں مقیم تھا اور ایلین کو یہ عرصہ ایک ہی میز سے چپکے رہنے

Uploaded By Nadeem

مسٹر رینزل پہلی بار یہ جملہ سنا تھا کہ بنکنگ کا جاب کچھ بور بھی ہے۔

مسٹر رینزل بہت مہربان افسر تھے انہوں نے نہ صرف ایلین کا بھرپور خیال رکھا تھا بلکہ اُسے بنکنگ کے اسرار و رموز سمجھانے کی کوشش بھی کی تھی گزشتہ تین ماہ سے وہ اپنی میز پر زیادہ تر وقت کیش کے چارٹوں اور سونے کے اتار چڑھاؤ کی خبریں سُن سُن گزار رہے تھے ایلین نے اس کام میں اُن کی بھرپور معاونت کی تھی

اُسے اپنی ملازمت کا وہ دن یاد تھا جب یہ سارا چکر شروع ہوا تھا مسٹر رینزل اپنے دفتر سے نکل کر اس سے مخاطب ہوئے تھے ...

"نیویارک اسٹاک ایکس چینج میں سونے کے ذخائر کم ہو رہے ہیں۔"

"یہ تو بہت اچھا ہے" ایلین نے جواب دیا تھا۔

"اچھا ہے؟" مسٹر رینزل کی آنکھوں میں حیرت تیر گئی "یہ بہت خوفناک بات ہے۔"

"کیا ہم اس سلسلے میں کچھ کر سکتے ہیں؟" ایلین نے اپنی خفت مٹانے کے لیے سوال کیا۔

"کچھ نہیں" انہوں نے مایوسی سے سر ہلایا اور واپس اپنے دفتر میں چلے گئے۔

اُس دن سے دنیا کی بڑی بڑی مارکیٹوں میں سونے کے اتار چڑھاؤ کی چیکنگ اُس کے فرائض میں شامل ہو گئی تھی۔ گزشتہ ماہ سے ان ذخائر میں اضافہ ہو رہا تھا۔ اور اس کے ساتھ ساتھ مسٹر رینزل کے حوصلے بھی بڑھتے جا رہے تھے۔

پھر اچانک ہی مسٹر رینزل مشہور ہو گئے۔ پہلے وہ ایلین کے ہمراہ دنیا بھر کا سفر کیا کرتے تھے تاکہ اپنے مؤکلوں سے مل سکیں لیکن اب یہ گاہک اور مؤکل خود چل کر ان سے ملنے کے لیے آ رہے تھے جن میں اقوامِ متحدہ سے لے کر روس اور برطانیہ سے لے کر مشرقی ممالک کے افراد شامل تھے۔

آج بھی ایک شخص آیا تھا۔ اُس کے کارڈ پر اُس کا نام "مسٹر جونز" تحریر تھا۔ ایلین نے ایک محتاط مسکراہٹ کے ساتھ اُس کا خیر مقدم کیا۔

اِس وقت مسٹر جونز، مسٹر رینزل کے دفتر میں موجود تھا۔ اور گود میں رکھے ہوئے سیاہ بریف کیس پر پریشانی کے عالم میں طبلہ بجا رہا تھا۔

"مجھے خوشی ہے کہ تمہارے ملک نے بولی دینے کا فیصلہ کیا ہے" مسٹر رینزل نے اُسے بتایا۔

رینزل کی عمر پچاس سال تھی لیکن وہ اپنی عمر سے کم نظر آتا تھا۔ اس کے بال مٹیالے اور چہرہ جھریوں سے پاک تھا۔ یہ طویل قامت شخص دنیا کے بہترین بنکروں میں شمار ہوتا تھا۔

اُس کا مخاطب مسٹر جونز ایک چھوٹے قد کا موٹا اور گنجا آدمی تھا۔ اور اس نے آنکھوں پر چشمہ بھی لگا رکھا تھا۔ موٹے موٹے شیشوں کے عقب سے وہ یوں رینزل کا جائزہ لے رہا تھا جیسے کوئی قصاب کسی جانور کو ذبح کرنے سے قبل اُس کا معائنہ کرتا ہے۔

"کیا خیال ہے، سینٹ لوئیس پر بم گرائے جانے کا واقعہ متاثر کن نہیں تھا؟" اچانک ہی رینزل نے کہا۔

جونز کے چہرے کے تاثرات فوری بدلے۔ اُس نے جواب دینے میں بھی کچھ توقف کیا تھا۔ لیکن جب وہ بولا تو اُس کے جملے کا رینزل کی کہی ہوئی بات سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ "میں رقم لے کر آیا ہوں" اُس نے کہا تھا

"ڈالرز میں؟"

"ہاں"

"کیا تم قواعد سے واقف ہو؟"

"براہ کرم دہرا دو" جونز نے کہا اور کوٹ کی جیب میں لگا پین نکالنے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔

رینزل نے ہاتھ اٹھا کر اُسے رکنے کا اشارہ کیا "پلیز، تم کچھ نہیں لکھو گے" جونز نے مردہ سے انداز میں ہاتھ دوبارہ بریف کیس پر رکھا

"تمہارے بیس لاکھ ڈالرز، تمہارے ملک کے ڈپازٹ کے طور پر اپنے پاس رکھوں گا" رینزل نے بات شروع کی "بولی آج سے ٹھیک سات دن بعد دلی بروک ایکویٹی ایسوسی ایٹس کے نیویارک آفس میں ہو گی"

"میں نے اس فرم کا نام پہلے کبھی نہیں سُنا"

"یہ اُن کے معیار کا کوئی ثبوت تو نہیں" رینزل نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "وہ بنکر ہیں۔ تعلقات عامہ کے کسی دفتر کے مالک نہیں۔ بہرحال بولی میں خود لگاؤں گا۔ ہر ملک کو صرف اور صرف ایک بولی دینے کی اجازت ہو گی۔ کم از کم قیمت، جیسا کہ تم جانتے ہو ایک ارب ڈالر ہو گی۔ سونے میں ایک ارب ڈالر سے زیادہ بولی دینے والا جیت جائے گا"

"ایک ارب ڈالر" جونز نے حیرت سے کہا "یہ رقم بہت زیادہ نہیں؟"

"جو چیز فروخت کے لیے پیش کی جا رہی ہے۔ وہ بھی بہت قیمتی ہے" رینزل مسکرایا "دنیا کی تاریخ کے سب سے طاقتور ملک کی حکومت کا کنٹرول" وہ چند ثانیے رکا اور دوبارہ گویا ہوا "میرا اندازہ ہے کہ تمہارے ملک کے علاوہ روس، چین، اٹلی، فرانس اور برطانیہ بولی دینے والوں میں شامل ہوں گے، اور ہاں۔ سوئٹزرلینڈ بھی ہو گا"

"تم سوئس لوگ تو ہمیشہ سے ہی دوسروں پر حکمرانی کے خواب دیکھتے رہے ہو" رینزل نے ترکی بترکی جواب دیا "خیر بولی تحریر میں اور بند لفافے میں دی جائے گی۔ ناکام بولی دہندگان کو میں اُن کا ڈپازٹ واپس کر دوں گا۔ تمہاری موجودہ رقم کی رسید بھی میں تمہیں دے دیتا ہوں"

"کسی حکومت کو فروخت کرنا بذاتِ خود ایک دلچسپ کام ہے" جونز نے کہا "خاص طور پر اُس آدمی کے لیے جو یہ کام کر رہا ہو، ہمارے خیال میں یہ کام سوائے صدرِ مملکت کے اور کوئی نہیں کر سکتا"

"یہ بات قطعی غیر اہم ہے کہ اس کے پیچھے کس کا ہاتھ ہے" رینزل نے بُرا سا منہ بنا کر کہا "مجھے صرف اپنے مؤکل سے غرض ہے۔ سینٹ لوئیس پر بم گرائے جانے کا واقعہ تو تم سُن چکے ہو، لیکن کل ہونے والا حادثہ اس سے کہیں زیادہ اہم ہو گا۔ اس میں سنٹرل انٹیلی جنس ایجنسی کو ملوث کیا جائے گا۔ تم سُنو گے تو حیران رہ جاؤ گے۔ اگر تم کامیاب بولی دہندہ رہے تو ان واقعات کی اہمیت کا بھی تمہیں ضرور احساس ہو گا"

"لیکن ایک ارب ڈالر کا سونا! تم جانتے ہو کہ اس کی مقدار کتنی ہو گی؟"

"ایک ہزار ٹن" رینزل نے جواب دیا "لیکن فکر نہ کرو، ہمارے پاس سوئٹزرلینڈ میں اُسے ذخیرہ کرنے کی گنجائش موجود ہے ہمارے مؤکل بھی ہم پر اعتماد کرتے ہیں"

"ہو سکتا ہے ہم بولی نہ دیں" جونز نے اچانک ہی کہا۔ اُسے یہ آدمی پسند نہ آیا تھا جس کے پاس ہر بات کا گھڑا گھڑایا جواب موجود تھا

"تمہارا ہی نقصان ہو گا" رینزل نے مطمئن انداز میں جواب دیا۔ "دوسری حکومتیں تو منصوبہ بنائے بیٹھی ہیں" یاد رکھو کہ سونے کی کانوں میں سونے کی مانگ بڑھنے والی ہے"

وہ مسکرا دیا۔ جونز جانتا تھا کہ رینزل جو بھی میں سونے کی قیمتوں میں اضافے سے واقف ہے۔ اُسے یہ بھی علم تھا کہ جرمنی نے بولی میں شریک ہونے کے لیے سونے کو ذخیرہ کرنے کا کام شروع کر رکھا ہے۔

"ٹھیک ہے ہم دیکھیں گے" جونز کے لہجے میں کوئی خاص گرم جوشی نہ تھی۔ لیکن بائیں ہاتھ سے اُس نے اٹیچی کیس اٹھا کر میز پر رکھا "کیا میں اسے ..."؟

"اس کی ضرورت نہیں" رینزل نے اُس کی بات کاٹ دی "ایسے معاملات میں ہم کوئی غلطی نہیں کرتے"

اُس نے کھڑے ہو کر جونز سے ہاتھ ملایا اور وہ فوراً ہی رخصت ہو گیا۔ رینزل نے بریف کیس کھول کر اندر نگاہ دوڑائی۔ بیس لاکھ ڈالر کے نئے نوٹ گڈیوں کی صورت اندر رکھے ہوئے تھے۔

پیشہ ور بنکر ہونے کے باوجود اُس نے بریف کیس کھلا چھوڑا اور بیرونی دفتر میں نکل آیا جونز جا چکا تھا اور اُس کی سیکرٹری سر جھکائے ناخن کُرید رہی تھی۔

قدموں کی آہٹ سن کر اُس نے سر اٹھایا "یس سر"

"پیرس اور لندن میں سونے کے اتار چڑھاؤ پر کڑی نگاہ رکھو"

اُس نے سیکرٹری کو ہدایت کی اور مسکرایا "اور ہاں آج کی رات نیویارک کے لیے میری اور اپنی سیٹ بُک کرا لو" اُس کے جواب کا انتظار کیے بغیر وہ مڑا اور واپس اپنے دفتر میں داخل ہو گیا۔

❀

"گڈ ایوننگ بورٹن!" ڈاکٹر سارا نوئر اپنی نقرئی آواز میں گنگنائی۔

دروازے پر سینڈل، گہرے رنگ کی پتلون اور کھلے گلے کی شرٹ پہنے ایک مضبوط کاٹھی کا شخص کھڑا تھا۔ اُس کی آنکھیں چھوٹی اور ماتھا چوڑا تھا۔

"گڈ ایوننگ" مرد نے آہستگی سے جواب دیا۔

"کیا اندر نہیں آؤ گے؟"

"کیوں نہیں! میں اور کس مقصد کے لیے یہاں آیا ہوں ڈاکٹر سارا!"

ڈاکٹر نے آگے بڑھ کر سی آئی اے کے آپریشنز چیف بورٹن ہیرٹ سے ہاتھ ملایا اور اُس کے عقب میں کھلا دروازہ بند کر دیا۔ بورٹن ہیرٹ پندرہ سال سے سی آئی اے میں تھا اور اب ایک مریض کی حیثیت سے ہیومن انٹیلی جنس لیبارٹریز آیا تھا۔

"بیٹھو گے نہیں، بورٹن؟"

"نہیں، ڈاکٹر! میں تمہارے حضور سر کے بل کھڑا رہنا زیادہ پسند کروں گا"

سارا نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلایا اور اپنی میز کے عقب میں بیٹھ گئی بورٹن بھی تھوڑی دیر کھڑا رہا پھر آگے بڑھ کر چمڑے کی آرام دہ کاؤچ پر نیم دراز ہو گیا۔ لیکن اُس کی نگاہیں ڈاکٹر پر نہیں صاف شفاف آسمان پر جمی تھیں جو شیشے کی چھت سے صاف دکھائی دے رہا تھا۔

"آنے کا کوئی خاص مقصد، بورٹن!"

"نہیں، ڈاکٹر! بس یونہی ... دراصل آج میں اپنے آپ کو جارج تصور کر رہا ہوں"

"یہ ضروری ہوتا ہے، بورٹن"

لیکن مجھے تو کوئی ضرورت نہیں، ڈاکٹر" بورٹن نے فوراً تردید کی "میں کہ جس کا نام بورٹن ہیرٹ ہے ایک اعلیٰ افسر ہوں، امیر ہوں، خوبصورت ہوں، پھر بھلا مجھے کس شے کی ضرورت ہو سکتی ہے؟ مجھے کسی ہمدردی، محبت یا اخلاقی مدد کی ضرورت نہیں ہاں طاقت کے حصول کا میں خواہاں ہوں" وہ خاموش ہو گیا۔ لیکن یہ خاموشی زیادہ طویل نہ تھی، چند ہی ثانیوں بعد وہ دوبارہ بول اٹھا تھا "ضرورت؟" اُس نے پھر وہی لفظ دہرایا "مجھے کسی شے کی ضرورت نہیں۔ بورٹن ہیرٹ کے پاس سب کچھ ہے۔ مجھے کسی دوست کی ضرورت نہیں ..."

Uploaded By Wadeem

"اور اب شاید تمہیں روزانہ یہاں آنے کی ضرورت بھی نہ رہے" ڈاکٹر سارا نے اُس کا جُملہ پورا نہیں ہونے دیا۔ "لیکن تمہیں باقاعدگی سے یہاں آنا ہوگا۔"

"یہ تو کافی نہیں ہوگا۔"

"ہم اسی میں بہتر سے بہتر نتائج کے حصول کی کوشش کریں گے۔"

"اوہ" بورٹن نے اپنی ہتھیلی زور سے کاؤچ کے ہتھے پر ماری۔ "میں تم سے پیار کرتا ہوں سارا! تمہارے بغیر پورا ہفتہ کس طرح گزاروں گا؟"

"یہ بھی ممکن ہے۔" سارا نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"میں اس سے پہلے بھی ایک تھراپسٹ کے زیرِ علاج رہا ہوں ڈاکٹر فیلسٹن کے، لیکن اُس سے میں نے کبھی پیار نہیں کیا۔"

"ہم تمہاری محبت کی ضروریات کے بارے میں بھی بات کریں گے۔" سارا نے اُسے یقین دلایا۔ "ڈاکٹر فیلسٹن کا معاملہ دوسرا ہے۔ وہ بھی تمہاری طرح ایک مرد تھا جبکہ میں عورت ہوں۔"

"درست کہتی ہو۔ تمہارے جیسی عورت میں نے روئے زمین پر کہیں نہیں دیکھی۔ میں نے تمہارے بارے میں خواب دیکھے ہیں اور ہمیشہ یہی دیکھا ہے کہ تم میری زندگی میں شامل ہو گئی ہو۔"

"خواب دیکھنا احساسِ ضرورت کی نشانی ہے۔ تم یہ بتاؤ کہ سب سے پہلے تمہیں کب احساس ہوا تھا کہ تمہاری محبت کی ضروریات پوری نہیں ہو پا رہیں؟"

بورٹن نے آنکھیں بند کر لیں۔ شاید وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے آنکھیں کھول دیں۔ "شاید ماں کے مرنے کے بعد۔" اُس نے جواب دیا۔

"اس کا مطلب ہے کہ تم مجھ سے اس لیے پیار کرتے ہو کہ مجھ میں تمہیں کسی کا عکس نظر آتا ہے؟"

"شاید۔" بورٹن نے مختصر سا جواب دیا۔

"کیا تمہاری ماں خوبصورت تھی؟"

"نہیں، وہ میری ماں تھی۔"

"لیکن اس کے خوبصورت ہونے یا بدصورت ہونے سے کیا فرق پڑتا ہے؟"

"میرے خاندان میں مردوں نے ہمیشہ بدصورت عورتوں سے شادیاں کی ہیں۔ میں نے بھی ایسا کیا ہے ورنہ مجھے نیویارک کی اُس آرٹسٹ سے محبت کا ڈرامہ رچانے کی کیا ضرورت تھی؟"

"تمہارا کیا خیال ہے اگر میں تم سے محبت کروں تو کیا تمہارے مسائل کا خاتمہ ہو جائے گا؟" سارا نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

بورٹن ایک دم سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ اُس نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر سارا کو دیکھنا شروع کر دیا۔ "کیا واقعی؟"

"میری بات کا جواب دو۔" سارا نے اُس کے کلمۂ حیرت پر کوئی توجہ نہ دی تھی۔ "کیا اس سے تمہارے مسائل ختم ہو جائیں گے؟"

"ہاں۔" بورٹن نے جواب دیا۔

"لیکن اس سے پہلے تمہیں میرے کچھ مطالبات ماننے ہوں گے۔"

سارا نے گرم لوہے پر چوٹ لگائی۔

"کہو۔" بورٹن نے بے قراری سے جواب دیا۔

"پہلے ہم شراب پئیں گے اور پھر تم میرے ساتھ مل کر ایک چھوٹی سی دُھن گنگناؤ گے۔"

"کون سی دُھن؟"

"دُما دُما دُم دُم دُما دُم دُما دُما دُم دُم۔"

"ارے اسے تو میں نے پہلے بھی سن رکھا ہے۔" بورٹن گرم جوشی سے بولا۔ اور پھر وہ یہی دُھن گنگنانے لگا۔

"ونڈرفل۔" سارا نے کہا اور اٹھ کر اُس کاؤچ کی طرف بڑھی جس پر بورٹن نیم دراز تھا۔

*

اگلی صبح جب وہ واشنگٹن ڈی سی کے نیشنل پریس کلب ہیڈ کوارٹرز میں داخل ہوا تو وہی دُھن گنگنا رہا تھا۔ وہ کود کر ایک اسٹیج پر چڑھا اور وہاں موجود اخباری نمائندوں کو بتانے لگا کہ وہ بعض باتیں انہیں بتانا چاہتا ہے۔

اور اُس کے بعد اُس نے اعلان کیا کہ حکومتِ امریکہ نے جنوبی امریکہ میں سات سابق نازیوں کو سی آئی اے پے رول پر رکھا ہوا ہے تاکہ انہوں نے اخباری نمائندوں کو اُن کے اصل نام، موجودہ نام اور گھروں کے پتے بھی بتائے اور وعدہ کیا کہ وہ انہیں اُن لوگوں کی تصویریں بھی فراہم کرے گا۔

اُس نے کیوبا میں خفیہ طور پر کام کرنے والے چار ایجنٹوں کے نام بھی بتائے۔ جب اخباری نمائندوں نے اُس کی ذہنی حالت کے بارے میں تبصرے کیے تو اُس نے کہا کہ وہ اس وقت مکمل ہوش و حواس میں ہے۔ ساتھ ہی اُس نے اپنا شناختی بیج اگلی قطار میں بیٹھے ہوئے ایک صحافی کی گود میں پھینک دیا جس کا تعلق واشنگٹن پوسٹ سے تھا۔

"مگر تم ان باتوں کا انکشاف کیوں کر رہے ہو؟ کیا تمہیں اس کی ہدایت کی گئی ہے؟" ایک رپورٹر نے پوچھا۔

"بس میرا جی چاہ رہا تھا۔" بورٹن نے جواب دیا۔ "لیکن یہ معلومات سو فیصد درست ہیں مگر اب میں زیادہ دیر یہاں نہیں رک سکتا۔

کیونکہ جلد ہی میرے محکمے کے لوگ میرے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑنے والے ہیں۔"

وہ چھلانگ لگا کر اسٹیج سے اترا اور ان رپورٹروں سے بدقت تمام جان چھڑا کر بھاگا جو اُس سے سوالات کرنے کے لیے اُس کی طرف لپکے تھے۔ رپورٹروں نے یہ بات بطورِ خاص نوٹ کی تھی کہ وہ جاتے وقت ایک عجیب سی دُھن گنگنا رہا تھا۔

بورٹن ہیرٹ کا اندازہ درست تھا۔ سی آئی اے فوراً ہی اُس کے تعاقب میں لگ گئی تھی لیکن وہ انہیں کہیں نہیں ملا۔ نہ لینگلے ورجینیا کے اپنے دفتر میں، نہ اپنے اپارٹمنٹ میں اور نہ ہی ہیومن اوٹرنیس لیبارٹریز میں۔

اندھیرا پھیلنے کے بعد وہ واشنگٹن پبلک لائبریری کی مرکزی عمارت کے ایک چھوٹے سے کمرے میں دیکھا گیا۔ اُس کے ہاتھ میں ٹوٹے باندھنے کے کئی تسمے تھے۔ اُس نے ان تسموں کو اکٹھا کر کے ایک لمبی رسی تیار کی اور اسے پانی میں بھگوتا رہا۔ پھر اُس نے یہ رسی اپنی گردن کے گرد کس کر باندھ لی۔ چند منٹ بعد چمڑے کے یہ تسمے خشک ہو کر اکڑنے لگے۔ کچھ دیر کے اندر اندر بورٹن ہیرٹ دم گھٹنے کے باعث مر چکا تھا۔

میڈیکل شاہدوں کے مطابق مرتے وقت وہ پُرسکون تھا۔ گلے کے گرد رسی باندھنے کے باوجود وہ بیٹھا ایک کتاب پڑھتا رہا۔ اور ایک عجیب سی دُھن گنگناتا رہا۔ ٹھیک ساڑھے چار بجے وہ میز پر گرا اور مر گیا۔

بورٹن ہیرٹ کی خودکشی نے اخباری دنیا میں تہلکہ مچا دیا۔ واشنگٹن کے تمام اخبارات نے یہ خبر اپنے اوّلین صفحات پر شائع کی۔ امریکی حکومت کو نہ صرف اسرائیل بلکہ جنوبی امریکہ کے متعدد ممالک کی طرف سے بھی احتجاجی مراسلے موصول ہوئے جہاں سات سابق نازی مقیم تھے۔ جبکہ کیوبا میں چاروں امریکی ایجنٹوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔

زیورخ میں رافن برگ کے بنکر نے بھی یہ خبر سنی لیکن اس کے علاوہ ایک خبر اور بھی اُسے موصول ہوئی تھی وہ یہ کہ فرانس نے بولی میں شریک ہونے کی تصدیق کر دی تھی۔

چارہ گر سینی ٹوریم کے میں کمپیوٹر میں جب بورٹن ہیرٹ کا نام فیڈ کیا گیا اور اُسے کاوس پورٹر اور جنرل ڈورف ویل کی ہسٹری کے ساتھ مکس کیا گیا تو اُس نے پرنٹر پر ایک جملہ لکھا۔

"ممکنہ رابطے کے لیے ہیومن اوٹرنیس لیبارٹریز کو چیک کیا جائے۔"

*

شہزاد نے بہرام کو فون کرنے کے لیے ریسیور اٹھایا ہی تھا کہ دروازے پر دستک سنائی دی۔ ابھی وہ ریسیور واپس کریڈل پر رکھ کر دروازہ کھٹکھٹانے والے کو اندر آنے کے لیے کہنے ہی والا تھا کہ دروازہ کھلا اور اوشان اپنے سامان سمیت اندر داخل ہوا۔ اُس کے تین بھاری بھر کم صندوق ہوٹل کے پورٹروں نے اٹھا رکھے تھے۔

اگر اوشان چاہتا تو وہ ایک ننھے مُنّے سے لفافے کے ساتھ ایک سال تک سفر کر سکتا تھا۔ لیکن اُس کا اصرار ہوتا تھا کہ وہ جہاں جائے گا۔ اُس کا سامان ساتھ ہوگا۔ جو کم از کم دو ٹرکوں میں پورا آتا تھا۔ شہزاد نے جب اُسے بلانے کے لیے میامی فون کیا تو اُس نے بطورِ خاص سامان کم کر دینے کی درخواست کی تھی۔ پہلے تو اوشان نے اس درخواست کو یکسر مسترد کر دیا لیکن جب شہزاد کا اصرار حد سے بڑھا تو اُس نے صندوقوں کی تعداد کم کر کے تین کر دینے پر اپنی رضامندی ظاہر کر دی۔

اوشان نے ٹائیگر سے یہ وعدہ بھی کیا تھا کہ وہ اِس بار اپنا مخصوص ٹی وی سیٹ اور بندہ ساتھ نہیں لائے گا۔ چنانچہ جب وہ اپنے تین صندوقوں سمیت ہوٹل کے کمرے میں داخل ہوا تو شہزاد نے اس کی درخواست پر عمل کرنے کی وجہ سے باقاعدہ جُھک کر اُس کا شکریہ ادا کیا۔

پورٹروں نے بھاری صندوق زمین پر رکھ کر یوں اطمینان کا سانس لیا جیسے عُمر قید سے رہائی پا کر غیر متوقع طور پر جیل سے باہر آ گئے ہوں۔ اُس نے انہیں پانچ ڈالر بطور ٹپ دیئے تو اوشان نے بڑی ناپسندیدہ نگاہوں سے اُسے دیکھا۔ شہزاد نے جلدی سے انہیں رخصت کر دیا کیوں کہ اُسے ڈر تھا کہ کہیں اوشان اُن سے ٹپ واپس نہ لے لے۔

اُس نے اوشان کو صندوقوں کے پاس چھوڑا اور خود بہرام سے رابطہ کرنے لگا۔

"یس۔" نمبر مکمل ہوتے ہی بہرام کی آواز سنائی دی۔

"شہزاد بات کر رہا ہوں۔"

"میرا خیال ہے تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔" بہرام نے بغیر کسی تمہید کے کہا۔ "اور آرام کے لیے بہترین جگہ اس وقت بالٹی مور سے پچاس میل کے فاصلے پر واقع ہیومن اوٹرنیس لیبارٹریز ہے۔ وہاں جاؤ اور آرام کرو۔ میرا خیال ہے وہ تمہیں مریض کی حیثیت سے بہ خوشی قبول کر لیں گے۔"

"کچھ اور سوئیٹ ہارٹ۔" ٹائیگر ہنسا۔ لیکن اُس وقت اُس کے چہرے پر مایوسی پھیل گئی جب دوسری طرف سے اُس نے رابطہ منقطع ہونے کی کلک سنی۔ وہ جھلا کر پلٹا لیکن یہ دیکھ کر مر کر پڑے بغیر نہ رہ سکا کہ اوشان صندوق کھول کر اپنا سامان نکال رہا تھا اور سب سے پہلی جو شے صندوق سے برآمد ہوئی وہ اُس کا مخصوص ٹی وی

سیٹ تھا۔

*

دروازے پر دوبارہ دستک ہوئی۔ شہزاد نہا رہا تھا اور اوشان ایک صندوق پر چڑھا بیٹھا سامنے ٹی وی رکھے اپنا پسندیدہ .. پروگرام دیکھ رہا تھا۔ اُس نے دستک کے جواب میں پلٹ کر دیکھنے کی زحمت بھی گوارا نہ کی تھی۔

دستک دوبارہ ہوئی تو ٹائیگر کو ہی کمر کے گرد تولیہ لپیٹ کر باہر نکلنا پڑا۔ "یس" اُس نے دروازے کی طرف ہانک لگائی۔

"الف بی آئی" دروازے کی دوسری سمت سے ایک مردانہ آواز سنائی دی۔

شہزاد نے ایک نظر پلٹ کر اوشان کو دیکھا۔ وہ اس وقت اُسے کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ ورنہ ممکن تھا کہ اُسی کی آنکھیں دیوار سے چپکی نظر آتیں وہ دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

"میں نہا رہا ہوں۔" اُس نے دروازے کا پٹ ذرا سا کھول کر باہر والوں کو اپنا گیلا بدن دکھایا۔ "کیا تم ایک گھنٹے بعد دوبارہ آسکتے ہو؟"

باہر تین آدمی موجود تھے۔ تینوں نے گرے رنگ کے لائٹ سمر سوٹ پہن رکھے تھے جبکہ سر پر ہیٹ موجود تھے اُن میں سے ایک شخص نے بٹوا نکال کر شہزاد کی آنکھوں کے سامنے لہرایا جس میں اُس کا شناختی بیج لگا ہوا تھا "کیا ہم اندر آسکتے ہیں؟" ٹائیگر کی درخواست کے جواب میں اُن میں سے ایک نے کہا۔

"وارنٹ لے کر آؤ۔" شہزاد کو ہلکا سا تاؤ آیا۔

"ہمارے پاس ہے۔" ایک شخص نے جس کا نام اُس کے بیج پر سپروائزر بنین درج تھا، کہا۔

شہزاد کندھے اُچکا کر ایک طرف ہٹ گیا "اوکے" لیکن ... خاموش رہنا۔"

تینوں اندر داخل ہو گئے بنین آگے تھا جبکہ باقی دونوں اس کے عقب میں تھے۔ شہزاد کو اُن کی آنکھوں میں عجیب طرح کی وحشت نظر آرہی تھی۔ اُن میں سے ایک کا نام ونارسکی اور دوسرے کا ٹریسی تھا۔ وہ پہلے شہزاد کو دیکھتے رہے اور پھر اُن کی نگاہیں اوشان پر جم گئیں۔

"یہ آدمی ایشیائی ہے؟" بنین نے دریافت کیا۔

"ششش" اوشان کے ہونٹوں سے آواز برآمد ہوئی جو سپروائزر بنین سے دوگنا دور بدستور صندوق پر بیٹھا ٹی وی دیکھنے میں مگن تھا۔ شہزاد نے ہاتھ کے اشارے سے بنین سے کہا کہ اپنی آواز دھیمی رکھو۔

"کیا تم شہزاد ہو؟" اس بار ونارسکی بولا تھا۔

"ہاں" شہزاد نے دھیمی آواز میں کہا۔

"شہزاد" بنین نے اُسے مخاطب کیا "تم نے فلوریڈا میں اسپیشل فورسز کے لوگوں کو کیوں قتل کیا؟ اور جنرل ویگر کو کیوں مارا؟"

شہزاد نے کندھے اُچکا کر ونارسکی اور ٹریسی کی طرف دیکھا۔

"ہمارے پاس ایسے شواہد موجود ہیں جن سے فلوریڈا میں سرکاری آدمیوں کی ہلاکت سے تمہارا تعلق ثابت ہوتا ہے۔" ونارسکی نے وضاحت کی "ہم اس بارے میں تم سے بات کرنا چاہتے ہیں۔"

"ہم انصاف چاہتے ہیں۔" بنین نے کہا "بس اس کے علاوہ کچھ نہیں۔"

"انصاف دینا عدالتوں کا کام ہے" شہزاد کا لہجہ بدستور دھیما تھا۔

"سر" ونارسکی نے بنین کو مخاطب کیا "میرے خیال میں ہم ٹریسی کو یہاں چھوڑیں اور واپس ہیڈ کوارٹر جا کر انہیں اس قاتل کی موجودگی کی اطلاع دیں۔"

"نہیں" بنین نے کہا اور بیلٹ میں لٹکا ہوا پستول نکال کر ہاتھ میں لے لیا۔

"ششش" اوشان کے ہونٹوں سے دوبارہ آواز برآمد ہوئی۔ بنین کا لہجہ اس بار بلند ہو گیا تھا۔

"اسے خاموش کرو۔ ہمیشہ کے لیے۔" بنین نے غصے سے اکھڑ گیا۔ اُس نے اپنے تیسرے ساتھی ٹریسی کو بوڑھے کی طرف بڑھنے کا اشارہ کیا۔ کیونکہ وہی اوشان سے زیادہ قریب کھڑا تھا۔

"ایک منٹ" شہزاد نے ہاتھ اٹھا کر اُسے روکا "بوڑھے کے قریب نہیں جانا ورنہ ..."

شہزاد کا جملہ ادھورا رہ گیا۔ بنین اور اُس کے ساتھی ونارسکی نے صرف یہ دیکھا تھا کہ ٹریسی کا ہاتھ بوڑھے کے سر سے مس ہوا اور پھر انہوں نے ٹریسی کو فضا میں بلند ہوتے محسوس کیا۔ بوڑھا بدستور اپنی جگہ پر بیٹھا ٹی وی دیکھنے میں مصروف تھا۔ صرف اُس کا ہاتھ حرکت میں آیا تھا۔ ٹریسی کے قدم اپنی جگہ سے اکھڑے اور وہ اڑتا ہوا سامنے کی دیوار سے ٹکرایا۔

ٹریسی کی کھوپڑی ٹوٹنے اور اُس کے چیخنے کی آواز بیک وقت کمرے میں گونجی۔ ٹریسی کا بدن دیوار کے ساتھ پڑی کاؤچ پر گرا لیکن اُس کی روح اس سے پہلے ہی جسم کا ساتھ چھوڑ چکی تھی۔

بنین نے فوراً اپنے پستول کا رُخ اوشان کی طرف کر لیا۔ وہ ٹریسی کے انجام سے دہشت زدہ ہو گیا تھا۔ اُس نے اوشان کے سر کا نشانہ لے کر گولی چلانی چاہی لیکن بوڑھے کے سر کے عقبی حصے میں

بھی شاید آنکھیں لگی ہوئی تھیں وہ پیچھے دیکھے بغیر بیٹھے بیٹھے اپنی جگہ سے اچھلا اور اگلے ہی لمحے وہ بنین کے عین سامنے کھڑا تھا۔

بنین نے دوبارہ ٹریگر دبانے کی کوشش کی لیکن بوڑھے نے اپنا دایاں بازو بلند کیا اور اُسے گریبان سے پکڑ کر یوں اُوپر اچھال دیا جیسے وہ زمین پر پڑا کوئی ننھا منا مردہ ہو لیکن چھت تک پہنچنا اُسے نصیب نہ ہوا۔ چھت پر لگے پنکھے نے چشم زدن میں اُس کے جسم کو، سر کے بوجھ سے آزاد کر دیا۔

بنین کا سر بریدہ جسم ٹھیک اُسی مقام پر گرا جہاں وہ چند ثانیے قبل کھڑا تھا۔ اُس کا سر پنکھے نے دور اُچھال دیا۔ پہلے وہ ایک دیوار سے ٹکرایا اور پھر زمین پر گر کر لڑھکتا ہوا۔ بیرونی دروازے تک جا پہنچا۔ شکر تھا کہ کمرے کی دیواروں پر سُرخ رنگ کے پردے پڑے تھے ورنہ اوشان نے انہیں خون میں رنگنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی اب ایک آدمی بچا تھا۔ اُس نے اپنے دو ساتھیوں کو انتہائی خوف ناک انداز میں مرتے دیکھا تھا۔ اُس کے ہوش و حواس اُس کا ساتھ چھوڑتے جا رہے تھے۔ اُس نے اپنی نیم وا آنکھوں سے بوڑھے کا دایاں ہاتھ اپنے چہرے کی طرف بڑھتا محسوس کیا۔ لیکن پھر وہ احساس کی دنیا سے دور نکل گیا۔

اوشان کا ہاتھ جونہی اُس کے چہرے سے مس ہوا اُس نے فوراً ہاتھ واپس کھینچ لیا

"کیا ہوا؟" شہزاد نے اوشان سے دریافت کیا۔

"میں مُردوں پر تشدد نہیں کیا کرتا۔" اوشان نے اطمینان سے کہا۔ اور دوبارہ صندوق پر جا بیٹھا۔

شہزاد کچھ دیر کھڑا کمرے کا جائزہ لیتا رہا۔ اور پھر کپڑے پہن کر باہر نکل آیا۔ اُسے تین لاشوں کو ٹھکانے لگانے کے انتظامات کرنے تھے

*

سب سے پہلے شہزاد نے ایف بی آئی ہیڈ کوارٹرز کے نمبر ڈائل کیے اور خود کو نیویارک کا سپروائزر ظاہر کرتے ہوئے سپروائزر این جے بنین کے لیے دریافت کیا۔ اُس کی سیکرٹری نے شہزاد کو بتایا کہ وہ لنچ پر گیا ہے۔

"ایجنٹ ونارسکی اور ٹریسی کہاں ہیں؟"

"اُسی کے ساتھ گئے ہیں؟"

"کیا تم بتا سکتی ہو کہ میں انہیں کہاں تلاش کروں؟ مجھے اُن سے بہت ضروری کام ہے"

"یس" سیکرٹری نے جواب دیا "پلائی ماؤتھ لنچ ہاؤس"

"تھینک یو" شہزاد نے ریسیور رکھ دیا۔ اس کا مطلب تھا کہ ایف بی آئی کے ایجنٹوں نے اپنے ڈپارٹمنٹ کو اُس کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔ یہ بات اس کے حق میں جاتی تھی۔

اُسی وقت شہزاد نے ایک اور نمبر ڈائل کیا۔ یہ ایک سپلائی اسٹور کا نمبر تھا۔

"مجھے تین صندوق چاہئیں" ٹائیگر نے فون ریسیو کرنے والے کو بتایا "ہر ایک کی کم از کم گنجائش دو سو پچاس پونڈ ہو"

"یس سر" جواب ملا۔ "ایڈریس بتائیے، دو گھنٹے کے اندر اندر پہنچا دیے جائیں گے"

شہزاد نے جواب میں اُسے ہوٹل کا نام اور کمرے کا نمبر بتایا دو گھنٹے بعد چھ افراد تین بھاری بھرکم صندوق لیے کمرے کے دروازے پر موجود تھے۔

*

ہیوسٹن اوٹرنیس لیبارٹریز (ہال) کی استقبالیہ کلرک نے مسٹر شہزاد ٹائیگر اور اُس کے بوڑھے فزیکل انسٹرکٹر کو بتایا کہ وہ انہیں یہاں رجسٹر نہیں کر سکتی کیونکہ ہال اگلے تین سالوں کے لیے بُک ہے۔

دونوں اس وقت ہال کی مرکزی لابی میں موجود تھے۔ شہزاد نے ایف بی آئی کے تینوں ایجنٹوں کو صندوقوں میں منتقل کیا اور پھر شہر سے کچھ فاصلے پر ایک غیر آباد جگہ پھینک آیا اور اب وہ بہرام کی ہدایت کے مطابق بالٹی مور سے پچاس میل دور ہال میں موجود تھا۔

استقبالیہ کلرک نے شہزاد کے استفسار پر اُسے بتایا کہ اگر وہ چاہے تو دفتری اوقات کے بعد اُس سے مل سکتا ہے وہ اُسے دوسرے اوٹرنیس انسٹی ٹیوٹ کے بارے میں بہت سی معلومات بہم پہنچا سکتی ہے شہزاد نے گرم جوشی کے ساتھ اُس کی پیشکش قبول کی تو وہ خطرناک حد تک خوبصورت تھی۔ اور عمر بھی بیس بائیس سے زیادہ نہیں تھی۔ اُس نے بلو کلر کا اسکرٹ اور سفید بلاؤز پہن رکھا تھا جس میں اُس کا حسن نکھرا نکھرا لگ رہا تھا۔ اُس نے دوبارہ نظریں اٹھائیں اور شہزاد کے ہونٹوں کی طرف دیکھا۔ وہاں ایک ایسا مسکراہٹ تھی کہ لڑکی کی نظریں واپس نہ لوٹ سکیں وہ پلکیں جھپکانا بھی بھول گئی تھی۔

شہزاد میز پر آگے جھکا۔ لڑکی پہلے گھبرا کر ذرا پیچھے کو سرکی لیکن پھر پُرسکون ہو گئی۔ شہزاد اپنا منہ اُس کے کانوں تک لے گیا "دیکھو تم نہیں رجسٹر کر سکتی ہو" اُس نے سرگوشی کی۔

وہ ایکدم پیچھے ہٹ گیا۔ لڑکی کا چہرہ پہلے سُرخ ہوا۔ لیکن پھر معمول پر آتا چلا گیا۔

"کاش میں ایسا کر سکتی۔" اُس نے کمزور سے لہجے سے کہا "لیکن نئے آنے والوں کو ڈاکٹر فورسٹر خود رجسٹر کرتی ہیں۔"

Uploaded By Nadeem

"تو پھر میری اس سے بات کرادو۔"

"اُس سے مل کر تو تم میری جانب دیکھو گے بھی نہیں۔"

"میں اُس کی طرف نہیں دیکھوں گا وعدہ۔"

"واقعی؟" لڑکی کے لہجے میں حیرت تھی "تم دونوں سامنے بیٹھو میں ڈاکٹر سے فون پر بات کرتی ہوں۔"

شہزاد اور ادشان دیوار سے لگے صوفوں پر آ بیٹھے۔ شہزاد کی نگاہیں اب بھی لڑکی کے چہرے پر مرکوز تھیں جس کا رنگ بدستور بدل رہا تھا۔

"ندیدہ۔" ادشان نے آہستگی سے کہا۔

"میں جو چاہتا تھا مجھے حاصل ہو گیا۔" شہزاد نے بھی دھیرے سے ہی جواب دیا۔

"تم کسی اور طرح سے بھی اپنی بات منوا سکتے تھے۔"

شہزاد خاموش رہا۔ لڑکی اب نمبر ڈائل کر رہی تھی۔

جس وقت فون کی گھنٹی بجی ڈاکٹر سارا فوجی اپنے چیمبر میں تھی جب پہلی مرتبہ فون چیخا تو اُس نے کوئی توجہ نہیں دی۔ وہ سمجھی کہ سوئچ بورڈ سے حادثاتی طور پر اُس کا نمبر ڈائل ہو گیا ہے اور دوسری گھنٹی نہیں بجے گی لیکن جب فون مسلسل چیختا رہا تو اُسے احساس ہوا کہ گھنٹی حادثاتی طور پر نہیں بجی۔ اُس نے بڑھ کر ریسیور اٹھا لیا۔

"میں نے تمہیں بتایا تھا کہ جب میں چیمبر میں اپنے کسی مریض کے ساتھ موجود ہوں تو کبھی ڈسٹرب نہ کیا جائے۔" اس نے غصیلی آواز میں اپنی سیکرٹری کو آگاہ کیا۔ "تم جانتی ہو کہ ہمارے ہاں لگے تین .. سالوں کے لیے کوئی گنجائش . . . اوہ . . . شہزاد . . . شہزاد ٹائیگر! بس میں اُس سے ملاقات کروں گی پندرہ منٹ بعد اُسے اوپر بھیج دو۔"

اُس نے کپکپاتے ہاتھوں سے ریسیور واپس کریڈل پر رکھا شہزاد کی غیر متوقع آمد نے اُس کے تن بدن میں ہلچل پیدا کر دی تھی۔ "وہ یہاں ہے . . . وہ یہاں ہے" سارا زیر لب بڑبڑائی

"کون یہاں ہے؟" اُس کے مریض نے دریافت کیا۔

"ایک ایسا شخص جس کے بارے میں، میں سوچ رہی تھی کہ اُسے یہاں کس طرح لاؤں۔" سارا نے غائب دماغی کی کیفیت میں جواب دیا۔ "وہ ایک ایسا شخص ہے جو پورا منصوبہ تباہ کر سکتا ہے اور اب وہ خود چل کر یہاں آ گیا ہے۔"

مریض نے دوبارہ کچھ کہنے کی کوشش کی لیکن سارا نے ہاتھ سے اُسے باہر جانے کا اشارہ کیا۔ وہ شہزاد کی آمد سے قبل کچھ دیر حالات کا جائزہ لینا چاہتی تھی۔

صرف ایک گھنٹہ پہلے جب بنین معمول کے مطابق اُسے رپورٹ دینے میں ناکام رہا تو اُس نے سمجھ لیا تھا کہ وہ مارا گیا۔ وہ ڈاکٹر کا بڑا قابلِ اعتماد شخص تھا اور بہت سے مریضوں کو اُس کے پاس بھیج چکا تھا لیکن اب وہ خود مارا جا چکا تھا۔ ظاہر ہے کہ اُس کے باقی دونوں آدمی بھی نہ بچے ہوں گے۔

جنرل دینس دیتھرز بھی مارا گیا تھا۔

اسپیشل فورسز کا کرنل بھی اسی شخص کے ہتھے چڑھا تھا اور اب یہی شخص شاید اس توقع پر یہاں آیا تھا کہ ڈاکٹر سارا پر قابو پانے میں کامیاب ہو جائے گا لیکن وہ نہیں جانتا تھا کہ جس سے ٹکرانے جا رہا ہے وہ اُسے تباہ کر دے گی۔ ٹائیگر ایک انسانی ہتھیار ضرور تھا لیکن وہ اُسے استعمال کرنے کی صلاحیت رکھتی تھی۔ اُس نے جب پہلی بار بنین کی موت کا اندازہ قائم کیا تھا تو تھوڑی سی خوفزدہ ہوئی تھی لیکن اس وقت اُس کے چہرے پر خوف نام کی کوئی شے نہ تھی۔

نیچے استقبالیہ لابی میں لڑکی شہزاد سے مخاطب تھی "تم اُوپر جا سکتے ہو مسٹر شیزوڈ۔ لیکن میرے بارے میں اپنا وعدہ نہیں بھولنا۔"

شہزاد نے اس کے گال تھپتھپا کر یقین دلایا اور ادشان کو وہیں چھوڑ کر سیڑھیاں چڑھنے لگا۔

سیڑھیاں چڑھ کر جب وہ پہلے دروازے میں داخل ہوا۔ تو اس نے اپنے سامنے دنیا کی خوبصورت ترین لڑکی کو کھڑے دیکھا جو قدرت کی صناعی کا بہترین نمونہ تھی

خوبصورت لڑکی اُس سے ملنے کے لیے آگے بڑھی "ہیلو، شہزاد! میں تمہارا انتظار کر رہی تھی۔"

✠

ہیومن اڈمنیس لیبارٹریز انسانی ذہن تبدیل کرنے کی ایک ورکشاپ تھی جس میں نفسیات کی روشنی میں مختلف مشینوں سے مدد بھی لی جاتی تھی۔ ابھی شہزاد، ادشان کو ڈاکٹر سارا سے ہونے والی گفتگو کے بارے میں بتا ہی رہا تھا کہ چھوٹے سے کمرے میں رکھے فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ شہزاد نے بڑھ کر ریسیور اٹھا لیا۔

"یس۔ شہزاد اسپیکنگ"

ایک زنانہ آواز نے اُسے بتایا کہ ڈاکٹر سارا فورسٹر فوری طور پر اُس سے ملنا چاہتی ہے۔

جب شہزاد دوبارہ ڈاکٹر سارا کے چیمبر میں داخل ہوا اُس وقت شام جھک آئی تھی۔ وہ اپنی میز کے پاس اُس کی طرف پشت کیے کھڑی تھی۔ قدموں کی آہٹ پر اُس نے سر گھمایا اور شہزاد

کو دیکھ کر اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ اتر آئی۔

"بیٹھو شہزاد!" اس نے اپنا دودھیا بازو لہرایا۔

شہزاد سامنے رکھے ایک صوفے پر بیٹھ گیا تو اُس نے میز سے چند کاغذات اٹھائے اور صوفے پر اُس کے برابر آ بیٹھی "میں تمہیں تمہاری ٹیسٹ رپورٹ بتانا چاہتی ہوں۔"

وہ بتاتی رہی اور شہزاد اُس کی خوشبو سونگھتا رہا۔ سارا نے ایک آدھ مرتبہ اُس کی طرف دیکھا لیکن شہزاد تو آنکھیں نیم وا کیے اُس کی بھینی بھینی اور سہانی مہک میں کھویا ہوا تھا۔

"میرا خیال ہے تمہیں اب آرام کرنا چاہیے۔" بالآخر سارا کا فوج سے اٹھ کھڑی ہوئی "ہم بعد میں بات کریں گے۔"

"تم بولو میں سُن رہا ہوں۔" ٹائیگر نے خواب زدہ لہجے میں کہا۔

سارا پلٹ کر مسکرائی اور میز کے عقب میں رکھی کرسی پر جا بیٹھی "میں تم سے چند سوال کرنا چاہتی ہوں۔"

"بولو۔"

"تم نے کبھی کسی آدمی کو قتل کیا ہے؟"

"اتنے کہ مجھے تعداد یاد بھی نہیں رہی۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔

"اوہ۔" سارا اپنی چوکڑی بھول گئی "ہم نے تمہارا ریکارڈ چیک کیا ہے شہزاد اور حیرت کی بات یہ ہے کہ کوئی کام کی بات معلوم نہیں ہوئی۔ یہ بات تمہارے علم میں ہو گی کہ اس طرح کی لیبارٹریز سرکاری اداروں سے رابطہ رکھتی ہیں۔ ہمارا بھی ہے اور ہم ہر مریض کے بارے میں مکمل چھان بین کرتے ہیں۔ لیکن کسی ریکارڈ میں تمہارا کوئی نام نہیں ملا۔ حتیٰ کہ تمہاری انگلیوں کے نشان بھی کہیں نہیں پائے گئے۔"

"تو میں کیا کر سکتا ہوں؟" شہزاد نے کہا۔

"تم نے اپنا نام رجسٹر کراتے وقت خود کو پیشہ ور گواہ بتایا ہے لیکن پورے امریکہ میں شہزاد ٹائیگر نام کا کوئی پیشہ ور گواہ نہیں۔ تم نے بتایا کہ تم ویت نام بھی جا چکے ہو۔ لیکن ملٹری ریکارڈ میں بھی تمہارا نام شامل نہیں۔ اس لیے میرا اگلا سوال یہی ہے کہ تم کون ہو؟"

شہزاد مسکرایا۔ وقت آ گیا تھا کہ وہ سارا پر اپنی اصلیت کھول دیتا۔ "میں وہ آدمی ہوں جو تمہیں قتل کرنے کے لیے آیا ہے۔" وہ غور سے سارا کی شکل دیکھ رہا تھا لیکن وہاں خوف کی بجائے اُسے مسکراہٹ نظر آئی۔

"میرا خیال ہے کہ تم خود سے خوفزدہ ہو۔ یہ بتاؤ کہ تم مجھے قتل کیوں کرنا چاہتے ہو؟" اس نے اطمینان سے پوچھا۔

"تمہیں کس نے کہا ہے کہ میں تمہیں قتل کرنا چاہتا ہوں۔ بلکہ میں تو تمہیں قتل کرنے والا ہوں۔"

"تمہارا مطلب ہے کہ تم یہ کام نہیں کرنا چاہتے؟"

"ابھی نہیں بلکہ کچھ دیر بعد۔"

"کیوں؟" سارا نے آنکھیں مٹکائیں۔

"کیونکہ تمہیں مر جانا چاہیے۔"

"تم پہلے سے ہٹ لسٹ پر ہو۔" سارا نے اُسے آگاہ کیا۔

"اس کا فیصلہ کون کرے گا کہ کون ہٹ لسٹ پر ہے اور کون نہیں؟" شہزاد نے پوچھا۔

"میں" سارا نے اپنی انگلی سے اشارہ کیا۔

"تم اپنے شکاروں کے بارے میں کیا محسوس کرتے ہو؟"

"تم اپنے مریضوں کے بارے میں کیا محسوس کرتی ہو؟" شہزاد نے جواباً دریافت کیا۔

"میں اُن سے نفرت نہیں کرتی۔"

"میں کرتا ہوں لیکن کبھی کبھی۔"

"تم نے اب تک کتنے افراد کو قتل کیا ہے شہزاد؟"

"تم نے کتنے آدمیوں کے ساتھ محبت کا ڈرامہ رچایا ہے؟"

"اوہ" سارا نے ہونٹ سکوڑے "تو کیا تمہارے معاملات میں ایسے جذبوں کو بھی دخل رہا ہے؟"

"نہیں"

"تو پھر جب تم کسی کو قتل کرتے ہو تو کیا محسوس کرتے ہو؟"

"ایک پیشہ ورانہ دلچسپی"

"کوئی خلش"

"نہیں" شہزاد نے جواب دیا "میں قاتل ہوں ضمیر کا .. مجرم نہیں۔"

"لوگوں کو قتل کیوں کرتے ہو؟"

"یہ میرا پیشہ ہے اور اپنے پیشے میں بہت اچھا ہوں۔"

"تمہاری روحانی زندگی کیسی ہے؟"

"زبردست"

"اپنے والدین کے بارے میں کیا محسوس کرتے ہو؟"

"میں اس نام کی کسی چیز کو نہیں جانتا" شہزاد نے جواب دیا لیکن اس کے دل میں ایک ہوک سی اٹھی تھی۔

"کیا وہ کوریائی تمہارا باپ ہے؟"

"نہیں"

"کیا اُس نے تمہاری پرورش کی ہے؟"

"میرا جواب ہاں میں ہے لیکن بچے کی حیثیت سے نہیں۔"

Uploaded By Nadeem

"کیا تم اس سے پیار کرتے ہو؟"

"تمہیں اس سے مطلب؟" شہزاد نے کڑے تیوروں سے اُسے گھورا۔

"اوہ!" سارا نیرلب بولی۔ "تمہارا یہ روپ پہلی مرتبہ .. سامنے آیا ہے۔ میں اس نتیجے پر پہنچی ہوں کہ تم دراصل دُہری شخصیت کے مالک ہو۔ ان میں سے ایک شخصیت اُس بے رحم قاتل کی ہے جو قتل کرتے وقت بالکل اندھا اور بہرا بن جاتا ہے اور دوسری شخصیت اس بچے کی ہے جسے کسی کا پیار نصیب نہیں ہوا۔ میری تھراپی کا .. مقصد یہی ہے کہ مریضوں کی شخصیت کا کوئی ایک رُخ متعین کیا جائے اور ان کے اندر پیدا ہونے والی جارحانہ موجوں کا سدباب کیا جائے۔ کیا تم بتا سکتے ہو کہ تمہارے اندر جو قاتل چھپا ہوا ہے اُس کا نام کیا ہے۔؟"

"ٹائیگر" شہزاد نے جواب دیا۔

"گڈ، تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم دونوں کو مل کر ٹائیگر کو قتل کرنا ہے۔ اُس کا خاتمہ کرنا ہے۔ وہ چند ثانیے کے لیے رُکی پھر گویا ہوئی۔ لیکن میرا خیال ہے کہ وقت خاصا گزر گیا ہے باقی .. باتیں بعد پر اُٹھا رکھتے ہیں۔"

"جو کہو" شہزاد نے کاؤچ پر سے اُٹھتے ہوئے کہا۔ "ویسے سن رکھو کہ اس سے پہلے بھی کئی لوگوں نے ٹائیگر کو مارنے کی کوشش کی ہے لیکن خود ہی ذلیل و خوار ہوئے ہیں۔"

سارا کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ کھیل گئی۔ "وہ اور ہوں گے، اس بار تمہارے مقابلے پر سارا فورسٹر ہے۔" اُس نے یہ جملہ دل ہی دل کہا وہ اس وقت اسے بآواز بلند دُہرا کر کوئی خطرہ مول نہیں لے سکتی تھی۔

✠

شہزاد کے جانے کے بعد سارا کافی دیر اپنی آرام دہ کرسی پر دراز سوچوں میں گم رہی۔

پھر وہ سیدھی ہوئی اور اس نے ہیومن اوئرنیس لیبارٹریز کے اندرونی رابطے کے فون پر باری باری تین نمبر ڈائل کیے۔

"یس" ایک اکتائی ہوئی آواز نے جواب دیا۔

"وہ ابھی یہاں سے روانہ ہوا ہے سارا ماؤتھ ہیں ہیں .. بولی۔ "اس میں کوئی شک نہیں کہ اُسے ہمارا منصوبہ ناکام بنانے کے لیے یہاں بھیجا گیا ہے۔"

"تو پھر اُسے مار ڈالو۔" آواز نے تجویز پیش کی۔

"اُسے بالکل مرنا چاہیے" سارا نے اُس کی تائید کی۔ "لیکن ہیں اُسے یہاں نہیں مارنا چاہتی۔ بہت سے لوگ ہمارے منصوبے کی جانب متوجہ ہو جائیں گے۔"

"تو پھر جہاں تم پسند کرو، لیکن اس کام کو ہر حال میں ہونا چاہیے۔"

"ایسا ہی ہوگا" سارا نے کہا اور چند لمحوں کے لیے خاموش ہو گئی۔ جب وہ دوبارہ بولی تو اُس کے لہجے میں دنیا بھر کا پیار تھا۔ "کیا میں بعد میں نیچے آسکتی ہوں؟ اب تو ایک طویل عرصہ گزر گیا ہے۔"

"آج نہیں، میں تھکا ہوا ہوں۔"

"پلیز!" سارا نے درخواست کی۔

دوسری جانب خاموشی رہی پھر ایک طویل سانس لینے کی آواز آئی۔ "ٹھیک ہے۔ اگر تمہاری خواہش یہی ہے تو۔ . . ."

سارا کا سنہرا چہرہ چاند کی مانند دمک اٹھا۔ "اوہ۔ تھینک یو ڈارلنگ۔"

"آتے ہوئے آلو کے چپس اور پیاز کی چٹنی لانا مت بھولنا۔" آواز نے نصیحت کی۔

"میں لاؤں گی جان" سارا نے کہا۔ دوسری جانب سے فوری طور پر کلک کی آواز سنائی دی۔ سارا نے ریسیور کریڈل پر رکھنے کی بجائے یوں اپنے ساتھ بھینچ لیا جیسے کوئی نوجوان لڑکی اپنے محبوب کے خط کو بھینچتی ہے۔

✠

بولی میں فرانس کی شرکت کی تصدیق اُس وقت ہوئی جب یہ خبریں موصول ہوئیں کہ وہ دنیا بھر سے اپنی کرنسی کے عوض سونے کے ذخائر خرید رہا ہے۔

سب سے پہلا ملک جنوبی افریقہ تھا جس سے فرانس نے ۳۰ ملین ڈالر کا سونا خریدا۔ فرانسیسی وزیر خزانہ نے اس کی وجہ فرانسی کے بعض اندرونی معاشی مسائل قرار دیے تھے لیکن اخباری نمائندوں کے دریافت کرنے پر وہ یہ کہہ کر اس معاملے سے مکمل طور پر پہلو تہی کر گئے تھے کہ ان مسائل کی تفصیلات نہیں بتائی جا سکتیں۔ انہوں نے اسے ایک عارضی تبدیلی قرار دیا تھا اور یقین ظاہر کیا تھا کہ صورتِ حال جلد بہتر ہو جائے گی۔ اخباری نمائندوں نے دریافت کیا کہ کیا فرانس مزید سونا خریدنے میں دلچسپی رکھتا ہے یا نہیں تو انہوں نے اس سوال کا جواب دینے سے بھی گریز کیا لیکن جلد ہی فرانس نے مزید دو سو ملین ڈالر کا سونا خریدا جس سے ایک بار پھر عالمی منڈی میں تہلکہ مچ گیا۔

فرانس کی حکومت کے نقطۂ نظر سے یہ تبدیلی مسٹر رینزل

سے بھی چھپی نہ رہ سکی تھی۔ انہیں اس خبر سے خوشی ہوئی لیکن فون میں یہ الجھاؤ بدستور موجود تھا کہ برطانیہ اور روس نے اب تک بولی میں کوئی دلچسپی ظاہر نہ کی تھی۔

مسٹر رینزل نے اپنے طور پر اس غیر متوقع صورتِ حال کے بارے میں معلومات شروع کر دیں اور جو جواب ملا وہ اُن کے لیے خاصی دلچسپی کا باعث تھا۔ انگلینڈ اور روس بھی بولی میں شریک ہونا چاہتے تھے۔ ایٹم بم گرانے جانے اور سی آئی اے کے آفیسر کے منحرف ہو جانے میں انہوں نے گہری دلچسپی ظاہر کی تھی۔ لیکن ساتھ ہی یہ سوال بھی کیا تھا کہ بحری قوت کا کیا ہوگا؟ وہ اس بات کی ضمانت چاہتے تھے کہ حکومتِ امریکہ کے کنٹرول میں بحری افواج کو بھی شامل ہونا چاہیے جبکہ مسٹر رینزل نے اس سے قبل بحری افواج کو اس فہرست میں شامل نہیں کیا تھا۔

انہوں نے اُسی شب طویل فاصلے کے فون پر امریکہ بات کی۔ "جان بُل اور ایوان اُس وقت تک بولی نہیں دیں گے جب تک امریکہ کی بحری قوت کو بھی نیلامی میں شامل نہیں کیا جائے گا۔"

اکتائی ہوئی آواز نے فوراً جواب دیا۔ "اب وہ ہم سے کیا چاہتے ہیں؟ کیا وہ اٹر فورس اور سی آئی اے سے مطمئن نہیں ہیں؟"

"میں اس کی وضاحت کر چکا ہوں۔" رینزل نے جواب دیا۔ "لیکن وہ بحری قوت بھی چاہتے ہیں۔"

دوسری جانب خاموشی چھا گئی جیسے بولنے والا کوئی جملہ ادا کرنے سے قبل کسی فیصلے پر پہنچنے کی کوشش کر رہا ہو۔ "ٹھیک ہے۔" بالآخر وہ بولا۔ "ہم جلد از جلد کچھ کرنے کی کوشش کرتے ہیں باقی ملک تو تیار ہیں نا؟"

"یس سر!" رینزل نے مستعدی سے جواب دیا۔ "مالیاتی صفوں میں ردِ عمل کی خبروں سے آپ نے اندازہ لگا لیا ہوگا۔"

"بالکل، بالکل" دوسری جانب سے فوری طور پر تصدیق کی گئی۔ "ہم کوشش کرتے ہیں کہ بحری قوت کے بارے میں اُن کے مطالبے کو عملی شکل دے سکیں۔"

✠

ڈاکٹر سارا فورسٹر ہیومن اوئرنیس لیبارٹریز میں زیرِ علاج ... مریضوں کے اجلاس میں شرکت کے بعد ابھی ابھی دسویں منزل پر واقع اپنے دفتر میں لوٹی تھی۔ اس وقت وہ اپنی مخصوص کرسی پر بیٹھی اس بات پر غور کر رہی تھی کہ شہزاد کو یہاں سے چلا جانا چاہیے، لیکن اس کا جواب اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیسے؟

اچانک ہی اس کی میز پر رکھے ہوئے مخصوص [illegible]

نے جلنا بجھنا شروع کر دیا۔ سارا نے چونک کر ریسیور اٹھا لیا۔ "یس"

"نیوی کے سلسلے میں کچھ کرو۔"

"مثلاً؟" سارا نے حیرت سے پلکیں جھپکائیں۔

"مثلاً جو تم کر سکتی ہو، کتیا" دوسری جانب سے بولنے والے کا انداز ڈانٹنے جیسا تھا۔ "لیکن جو بھی کرنا ہے فوری طور پر کرو کیونکہ یہ بے حد اہم ہے!"

"یس ڈیئر" سارا خود کو کتیا کا خطاب ملنے پر بالکل ناراض نہیں تھی۔ بلکہ اس کے ہونٹوں پر طمانیت بھری مسکراہٹ کھیل گئی تھی۔ "کیا آج رات ہم مل رہے ہیں؟" اُس نے ذرا سے توقف کے بعد دریافت کیا۔

"اگر تمہارے سر پر سوار محبت کا بھوت اتر جائے تو ہم اپنے منصوبے پر زیادہ بہتر انداز میں توجہ دے سکیں گے۔"

"یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی" سارا نے احتجاج کیا۔ "میں نے وہ سب کچھ کیا ہے جو میں کر سکتی تھی۔ وہ سب کچھ جو تم نے مجھ سے چاہا ہے۔ کیا اس کے بدلے میں تم تنہائی میں کچھ وقت میرے ساتھ نہیں گزار سکتے؟"

"فی الحال پیار و محبت کو ایک طرف اٹھا رکھو۔ نیوی کے سلسلے میں کچھ کرو، پھر بات کریں گے۔"

اس سے پہلے کہ سارا کوئی جواب دیتی اُسے رابطہ منقطع ہونے کی آواز سنائی دی۔ اُس نے آہستگی سے ریسیور کریڈل پر ڈالا اور ایک بار پھر آرام کرسی پر نیم دراز ہو گئی۔

وہ بولی کے بارے میں سوچنے لگی، صرف تین دن رہ گئے تھے بولی ہونے میں، اُس کے بعد یقیناً وہ اپنے محبوب سے مل سکے گی۔ لیکن نیوی کے بارے میں وہ کیا کرے؟ کوئی بہت بڑا اور تیز قسم کا فیصلہ، لیکن کیا؟

اور اُس کے دوسرے مسئلے شہزاد کا کیا بنے گا؟

کیا اس کا کوئی امکان ہے کہ وہ ایک تیر سے دو شکار کر سکے؟

وہ سوچتی رہی اور وقت گزرتا رہا۔ اُس کے سر میں درد ہونے لگا لیکن دونوں مسائل کا حل اس کی سمجھ میں نہ آیا تھا۔

*

ڈاکٹر سارا نے اگلے روز صبح مریضوں کے ہونے والے معمول کے اجلاس میں شرکت نہیں کی۔

اوشان اور ٹائیگر نے البتہ بطورِ خاص اس میں شرکت کی تھی۔ دوسرے مریض تو اپنی اپنی دلچسپیوں میں مگن تھے۔ لیکن شہزاد صورتحال کا تجزیہ کرنے میں مصروف تھا۔

Uploaded By Nadeem

دونوں کی جیومن اور مرنیس لیبارٹریز میں آئے چھتیس گھنٹے ہو چکے تھے لیکن کوئی اہم بات دو ٹوک نہ ہوئی تھی۔ شہزاد نے پہلی ہی ملاقات میں سارا کو یہ بتا کر کہ وہ اُسے قتل کرنا چاہتا ہے اپنے خلاف کچھ کرنے کی دعوت دی تھی لیکن اب تک اُس نے کچھ نہیں کیا تھا۔ اور شہزاد اب مزید انتظار نہیں کر سکتا تھا۔ اب وہ چاہتا تھا کہ سارا کو توڑ ڈالے اگر ضروری ہو تو قتل کر دے۔

مگر سارا کو مارنے سے قبل منصوبے سے آگاہی ضروری تھی اور پھر خود سارا بھی اُس کے ذہن میں پنجے گاڑ رہی تھی وہ اُس کے سرو قامت، خوبصورت اور قابل پرستش وجود کو یاد کر رہا تھا۔ اُس نے فیصلہ کیا کہ وہ اُسے قتل ضرور کرے گا لیکن اپنانے کے بعد!

جانے وہ کب تک ایک کونے میں بیٹھا سوچتا رہتا کہ ایک گانا اُس کے کانوں میں رس گھولتا چلا گیا۔ کوئی ایک دھن گنگنا رہا تھا۔ اُس نے نظریں اٹھا کر مریضوں کی طرف دیکھا وہ ایک... دوسرے میں گھسے بیٹھے تھے۔ اس لیے فوری طور پر شہزاد کو پتا نہ چل سکا کہ یہ گنگناہٹ کس کی ہے۔ البتہ اس نے یہ اندازہ ضرور لگایا تھا کہ یہ دھن وہی ہے جو ہنیں گنگنا رہا تھا۔ یہ دھن اُس نے اسپیشل فورسز کے اُس کرنل کے منہ سے بھی سُنی تھی جسے گولف کورس میں اُس نے مارا تھا۔

شہزاد کی تمام حسیات بیدار ہو گئیں اور اُس کی آنکھیں ایک ایک شخص کے چہرے کا جائزہ لینے لگیں تاکہ پتا چلا سکے کہ دُھن کون گنگنا رہا ہے۔

لیکن اچانک ہی آواز آنی بند ہو گئی۔ شہزاد اس بات کا پتا نہ چلا سکا تھا کہ گنگناہٹ کس کی تھی؟

ڈاکٹر سارا اس لیے مریضوں کے اجلاس میں شرکت نہ کر سکی تھی کہ وہ سرے سے لیبارٹریز میں موجود ہی نہیں تھی وہ اس وقت واشنگٹن کے ایک ہوٹل کے کمرے میں ایڈمرل جیمز بنٹین کریسٹ کو بہت ہی اہم نوعیت کی معلومات بہم پہنچا رہی تھی۔

ایڈمرل کریسٹ اُس حور شمائل کو بھولا نہیں تھا جو چند راتیں قبل اُسے فرانسیسی سفیر کی رہائش گاہ پر ملی تھی۔ گزشتہ چار دنوں سے وہ مسلسل اُس کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ حالانکہ گذشتہ کئی سالوں سے اس نے اپنے ذہن میں کسی لڑکی کا خیال تک نہ آنے دیا تھا۔

چنانچہ آج صبح اُس قتالہ نے جب پنٹاگون میں واقع اُس کے دفتر فون کیا تو اُسے لڑکی کو یاد کرنے میں کوئی دقت نہ ہوئی وہ اس سے بات کر کے بہت خوش ہوا لیکن جب لڑکی نے اُس سے واشنگٹن کے مضافات میں ایک غیر معروف ہوٹل کے تنہا کمرے میں ملنے کے لیے کہا تو اُس کے دل نے معمول سے دُگنی رفتار سے دھڑکنا شروع کر دیا۔ لڑکی کا کہنا تھا کہ اس ملاقات کا مقصد کسی ایسے ہی کمرے میں پورا ہو سکتا ہے۔

ایڈمرل نے اپنے سرخ پڑ جانے والے چہرے کو جھکا کر ریسیور کریڈل پر ڈالا، اور دفتر سے نکل آیا۔ راستے میں اُس نے بالکل نوجوانوں جیسی ایک حرکت کی۔ اُس نے ایک اسٹور سے بوربن کی بوتل خریدی اور اسے اپنے بریف کیس میں رکھ لیا۔

جب ایڈمرل ہوٹل کے کمرے میں داخل ہوا۔ ڈاکٹر سارا پہلے سے وہاں موجود تھی۔ وہ سڑک کی جانب کھلنے والی کھڑکی میں کھڑی واشنگٹن کی مصروف دوپہر کا جائزہ لے رہی تھی۔ اس نے کسی قسم کا کوئی موٹا روشیمی لباس پہن رکھا تھا جس میں وہ تصورات سے کہیں زیادہ خوبصورت نظر آ رہی تھی۔ جب وہ ایڈمرل کا استقبال کرنے کے لیے مڑ کر اُس کی طرف بڑھی تو بوڑھا ایڈمرل دُگمگا گیا اُس کا بدن قیامت خیز انداز میں لچک رہا تھا۔ ظالم اُسے قتل کرنے کے تمام ہتھیاروں سے لیس ہو کر آئی تھی۔

جب وہ قریب آئی تو ایڈمرل کو پورا کمرہ اندھیرا محسوس ہوا جس میں صرف اُسی کا چہرہ کسی چاند کی مانند جگمگا رہا تھا۔ وہ مسکرائی تو ایڈمرل کو یوں لگا جیسے اُس کے ہونٹ ہی نہیں بلکہ اس کی آنکھیں اور خوبصورت بدن بھی مسکرا اٹھا ہو۔ اُس نے اپنے بازو یوں پھیلا رکھے تھے جیسے پوری کائنات کو اُن میں سمیٹ لینا چاہتی ہو۔

"جم! تمہیں دیکھ کر مجھے بے حد خوشی ہوئی ہے۔" وہ اپنی نقرئی آواز میں گنگنائی۔

ایڈمرل پہلے تو نظریں جھکائے رہا جیسے اُسے ڈر ہو کہ سارا کی نگاہوں میں دیکھے گا تو کہیں اُن کی گہرائی میں ڈوب ہی نہ جائے لیکن بالآخر اُس نے سر اُوپر اٹھایا۔ "سارا! تم کیسی ہو، میری پیاری؟"

سارا نے جواب دینے کی بجائے ایڈمرل کے رُخسار پہ استقبال کا لعلیں نشان ثبت کیا اور اُسے لے کر اٹھلاتی ہوئی صوفے کی طرف بڑھی۔ ایڈمرل کو اُس نے صوفے پر بٹھایا اور خود ایک کرسی کھینچ کر اُس کے سامنے براجمان ہو گئی جس کے آگے ایک کافی ٹیبل موجود تھی۔

"جم! میں جانتی ہوں تم کس قدر مصروف رہتے ہو اس لیے مجھے افسوس ہے کہ میں نے تمہیں ڈسٹرب کیا۔" وہ چنبیلی کے پھولوں کی طرح مسکرائی۔ "لیکن یہ ضروری تھا جان! کیونکہ

میرے خیال میں تمہاری زندگی خطرے میں ہے۔"

ایڈمرل کریسٹ نے بے ساختہ قہقہہ لگایا۔ "میری زندگی خطرے میں ہے؟ کس سے؟"

"کس سے؟" سارا نے زیر لب اُس کے الفاظ دُہرائے۔ "میرے ایک مریض سے، شہزاد ٹائیگر نام ہے اُس کا اور اُس نے تمہیں قتل کر دینے کی دھمکی دی ہے۔"

"شہزاد ٹائیگر؟ میں نے کبھی اس کا نام نہیں سُنا۔ وہ مجھے کیوں قتل کرنا چاہتا ہے؟"

"میں نہیں جانتی، اور اسی بات سے میں خوفزدہ ہوں۔" سارا نے کُرسی پر آگے کو کھسکتے ہوئے کہا۔ "لیکن میرے خیال میں وہ کسی دُشمن مُلک کا ایجنٹ ہے۔"

کریسٹ مُسکرا دیا لیکن سارا نے اُسے کچھ کہنے کا موقع نہیں دیا۔ "جم، تم اسے معمولی بات نہ سمجھو، کیا تمہیں اس بات کا اندازہ نہیں کہ میں نے یہاں آ کر اُس روحانی رشتے کی توہین کی ہے جو ایک ڈاکٹر اور اُس کے مریض کے مابین استوار ہوتا ہے۔"

وہ کُرسی سے اُٹھی اور میز کے اُوپر سے گھوم کر اُس کے برابر آ بیٹھی۔

"مجھے احساس ہے سارا۔" ایڈمرل فوراً اُس کے قرب کی گرمی سے پگھل گیا۔ "لیکن پوری بات تو بتاؤ۔"

"وہ چند دن پہلے میرے پاس آیا تھا۔" سارا نے فوری طور پر بات شروع کر دی۔ "اُس نے وہاں داخل ہونے کے لیے کچھ جھوٹ بھی بولے تھے لیکن میری نظریں یہ غیر اہم سی بات ہے۔ بہت سے لوگ ایسا کرتے ہیں لیکن گزشتہ شب اُسے میں نے ہپناٹائز کر کے سچ اُگلوا لیا۔" اُس نے رُک کر ایڈمرل کی آنکھوں میں جھانکا اور پھر اپنی بات جاری رکھی۔ "بقول اُس کے وہ ہمیشہ ور قاتل ہے اور اُس کا اگلا نشانہ تم ہو۔"

"تو اس میں پریشانی کی کیا بات ہے؟" ایڈمرل نے عام سے لہجے میں کہا۔ "ایف بی آئی کو کال کر کے اُسے اُن کے حوالے کر دو۔" سارا نے نفی میں سر ہلایا تو وہ پھر بولا۔ "اگر تم نہیں کر سکتیں تو میں انہیں فون کیے دیتا ہوں۔"

"نہیں۔" اس بار سارا بول اُٹھی۔ "اُسے میرے لیے چھوڑ دو لیکن اس عرصے میں تم اپنی حفاظت کا مناسب بندوبست کر لو۔ آج شب میں دوبارہ اُس سے ملنے والی ہوں اور مجھے یقین ہے کہ میں اُس سے بہت کچھ اُگلوا لوں گی۔"

ایڈمرل نے احتجاج کی کوشش کی لیکن سارا اُس کے کچھ اور قریب آ گئی اور پھر اس کی گنجائش ہی نہ رہ گئی تھی کہ وہ کسی قسم کا کوئی اعتراض یا احتجاج کرتا۔ بعد میں انہوں نے اور بہت سی باتیں کیں۔

دونوں اس بات پر متفق ہو گئے تھے کہ ایڈمرل کریسٹ خود کو جیسا پیک بے میں لنگر انداز جنگی جہاز الباما کا کیپٹن مقرر کر کے اُس پر منتقل ہو جائے گا۔ وہ نیوی کا چیف آف آپریشنز تھا اور ایسے احکامات جاری کرنا اُس کے لیے کوئی اہمیت نہ رکھتے تھے۔ سارا کے اصرار پر وہ اس بات پر بھی رضامند ہو گیا تھا کہ اس جنگی جہاز پر وہ اپنے خصوصی باڈی گارڈ متعین کرے گا جو چوبیس گھنٹے اُس کی حفاظت کا فریضہ انجام دیں گے۔

تمام انتظامات کا فیصلہ ہونے کے بعد بھی ایڈمرل، سارا کے ہمراہ کوئی تین گھنٹے تک وہاں موجود رہا تھا لیکن اس عرصے میں دونوں نے بہت کم باتیں کی تھیں۔ سارا نے ایڈمرل کو اُس کا وہ جملہ بھی یاد دلایا تھا کہ بیس برس بعد یہ بھی بھول کر کیا ہو جائے گی۔ ایڈمرل کو اس بات پر حیرت تھی کہ اتنی دُور ہونے کے باوجود سارا نے یہ بات سُن کیسے لی تھی۔ لیکن اب تین گھنٹے اُس کی معیت میں گزارنے کے بعد ایڈمرل جب باہر نکلا تو اُسے یقین تھا کہ سارا چالیس سال بعد بھی اسی قدر خوبصورت ہو گی جتنی آج ہے۔

* * *

یوں تو شہزاد اس وقت اوشان کی ہدایت پر چھ میل دوڑ لگانے کے لیے ہیومن اور نیس لیبارٹریز سے باہر نکلا تھا لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ کسی پبلک فون سے بہرام سے رابطہ بھی قائم کرنا چاہتا تھا اور بالآخر اُسے ایک ایسا بوتھ نظر آ گیا تھا جہاں سے وہ چارہ گر فون کر سکتا تھا اس وقت دوپہر کا ایک بجا تھا اور شہزاد لیبارٹریز سے کوئی چار میل دُور مین شاہراہ پر موجود تھا۔

دوسری جانب سے فون حسب معمول بہرام نے ہی اُٹھایا تھا۔ "کوئی رپورٹ؟" اُس نے عادتاً خشک لہجے میں دریافت کیا۔

"کچھ نہیں۔" شہزاد نے جواب دیا۔ "میں نے پہلی ہی ملاقات میں اُس خوبصورت بلا کو سب کچھ بتا دیا تھا اپنے بارے میں لیکن ابھی تک اُس طرف سے خاموشی ہے۔"

"مجھے تمہارے جُملے سے اُس کی طرف جھکاؤ کی خوشبو آ رہی ہے۔" بہرام نے معنی خیز انداز میں کہا۔ "خیر، خبر یہ ہے کہ فرانس بھی بولی دینے والوں میں شامل ہوا چاہتا ہے ہم یہ

پتا چلانے کی کوشش کر رہے ہیں کہ یہ بولی کب اور کہاں ہو رہی ہے۔ دوسرے مُلک بھی اس میں ملوث نظر آتے ہیں کیونکہ وہ دھڑا دھڑ سونا خرید رہے ہیں لیکن حیرت انگیز طور پر رُوس اور برطانیہ نے ابھی تک کوئی دلچسپی ظاہر نہیں کی۔"

"تم اپنا کام کرو اور مَیں اپنا۔" شہزاد نے جواب دیا۔

"کیا مطلب؟"

"گھبراؤ نہیں سویٹ ہارٹ۔" ٹائیگر نے اُسے تسلی دی۔ "مَیں سارا سے صرف معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں اُس سے شادی کر کے گھر بسانے کی خواہش نہیں ہے۔"

"مَیں یہ تو نہیں کہہ رہا تھا بس ذرا محتاط رہنا کیونکہ معاملہ خاصا نازک اور اہم ہے۔"

"مَیں جانتا ہوں، ویسے تم یہ بتاؤ کہ میوزک کے بارے میں کیا کچھ جانتے ہو؟"

"کیسا میوزک؟" بہرام نے حیرت سے پوچھا۔ ساتھ ہی یہ سوچے بغیر نہ رہ سکا کہ آج ٹائیگر کو کیا ہو گیا ہے؟

"یہ تو مَیں بھی نہیں جانتا۔" ٹائیگر نے اعتراف کیا۔ "لیکن ذرا اتفاقات پر غور کرنا۔ ایف بی آئی کا بیسن مرنے سے پہلے ایک خاص قسم کی دُھن گنگنا رہا تھا۔ کم و بیش یہی دُھن اسپیشل فورسز کے کرنل کے ہونٹوں پر بھی تھی اور آج یہی گیت میں نے یہاں بھی سُنا ہے۔"

"تم اپنی معلومات میں تھوڑا سا اضافہ کر لو۔" بہرام نے ہنستے ہوئے کہا۔ "جنرل ڈورف ویل نے جب سینیٹ لوئیس پر بم گرایا اُس وقت وہ اسی قسم کی کوئی دُھن گنگنا رہا تھا اور لائبریری میں خودکشی سے قبل سی آئی اے ایجنٹ بیرٹ بھی یہی گیت گا رہا تھا۔"

"میرے ذہن میں ایک تجویز آئی ہے۔"

"بولو۔" بہرام نے بے تابی سے کہا۔ وہ سمجھا تھا کہ شہزاد کوئی سنجیدہ بات کہنے جا رہا ہے۔

"شوبزنس کیریئر کے بارے میں تم نے کبھی سوچا ہے؟" شہزاد نے بات شروع کی۔ "ہم یوں کرتے ہیں کہ چار رہ گرو میوزیکل گروپ بنا لیتے ہیں اور صرف یہی دُھن بجایا کریں گے۔ تم بانسری بجانا اور لٹل فادر سے ڈھول بجواؤ۔ مَیں گے پارٹ ٹائم۔۔۔"

"کبھی سنجیدہ رہ کر بھی بات کیا کرو۔" بہرام تلملا اُٹھا۔ "جہاں موقع ملا تم پٹڑی سے اُتر گئے، خدا حافظ۔"

"سُنو تو سویٹ ہارٹ! ابھی مَیں نے ایک لڑکی کو ڈھونڈنا..." شہزاد کہتا رہا لیکن بہرام فون رکھ چکا تھا۔

شہزاد نے مسکراتے ہوئے ریسیور کریڈل پر ڈالا اور باہر نکل آیا۔ چند منٹ وہ سڑک کے کنارے کھڑا کچھ سوچتا رہا اور پھر واپس لیبارٹریز کی طرف چل دیا۔

ابھی وہ چند سو گز دُور ہی گیا تھا کہ عقب سے آنے والی ایک سیاہ رولس رائس کار اُس کے برابر آ رُکی۔ شہزاد کی طرف کا عقبی دروازہ کھلا اور ڈاکٹر سارا فورسٹر کی آواز اُسے سُنائی دی۔

"مسٹر شہزاد! آؤ بیٹھو، مَیں بھی لیبارٹری جا رہی ہوں۔"

شہزاد بغیر کچھ کہے عقبی نشست پر سارا کے برابر بیٹھ گیا۔ کار دوبارہ چل دی۔ اُس نے سارا کو دیکھا اُس کے خوبصورت سنہرے بال بکھرے ہوئے تھے جب کہ اُس کا ریشمی لباس سلوٹوں سے بھرا ہوا تھا۔

"یوں لگتا ہے جیسے تمہیں کسی نے تازہ تازہ تاخت و تاراج کیا ہو۔" شہزاد کہے بغیر نہ رہ سکا۔

"خاصے عقل مند ہو۔" سارا مسکرائی۔ "کوئی اور تبصرہ؟"

"تمہاری آنکھوں میں ہنوز چمک موجود ہے۔ ایک روشنی ٹھاٹھیں مار رہی ہے اور اس روشنی کا مقصد یہ ہے کہ تم مطمئن نہیں۔۔۔"

"مجھے لگتا ہے کہ تم روشنی بجھانے کے خاصے ایکسپرٹ ہو؟" سارا نے اُس کا جملہ کاٹ کر سوال کیا۔

"وہ تو ہیں ہوں۔"

"تو پھر آج ڈنر کے بعد اپنے دفتر میں، مَیں تمہارا انتظار کروں گی۔"

"اوہ، یہ تو ڈیٹ ہو گئی۔" شہزاد نے ہاتھ پر ہاتھ مارا۔ "میرے لیے روشنیاں جلا کر رکھنا۔"

"اور تم واحد آدمی ہو گے جسے مَیں انہیں گُل کرنے کی اجازت دُوں گی۔" سارا نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ممکن تھا شہزاد بھی جواب میں کچھ کہتا لیکن اُس وقت تک کار لیبارٹریز کے وسیع و عریض پارکنگ لاٹ میں رُک چکی تھی۔ اُس نے الوداعی انداز میں ہاتھ ہلایا اور کار سے اُتر آیا۔

شام سات بجے جب اُس نے سارا کے دفتر کے دروازے پر دستک دی تو اندر سے سارا کی آواز ہی سُنائی دی۔

"اندر آ جاؤ۔"

شہزاد نے دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گیا۔ سارا نے بالوں کو سلیقے سے باندھ لیا تھا اور اِس وقت سُرخ رنگ کے انتہائی خوبصورت گاؤن میں ملبوس اپنی ریوالونگ چیئر پر نیم دراز اُسی کی جانب متوجہ تھی۔ اُس کے سامنے میز پر دو گلاس رکھے ہوئے تھے جن میں سُرخ رنگ کا کوئی مشروب تھا۔ شہزاد نے دروازے سے ہی اندازہ لگا لیا کہ اُن میں کم از کم شراب نہیں ہے۔

"شہزاد۔" وہ گنگنائی۔ "مجھے خوشی ہے کہ تم آئے۔" اُس نے سیدھی ہو کر دونوں گلاس اُٹھائے اور اُٹھ کر اُس کی طرف بڑھی۔ "روشنیاں گُل کرنے۔" اُس نے قریب آ کر گلاس شہزاد کو تھما دیا۔

"یہ میرا خاص مشروب ہے۔" سارا نے شہزاد کو آگاہ کیا۔ "اور تم دُنیا کے تیسرے مرد ہو جسے مَیں نے اپنے ہاتھوں سے یہ مشروب پیش کیا ہے۔"

"تھینک یو۔" شہزاد نے گلاس لے کر دیوار کے ساتھ پڑے کاؤچ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ اُس نے گلاس ہونٹوں کی طرف بڑھایا لیکن مشروب اُس کے مُنہ میں جانے کی بجائے کاؤچ کے ساتھ رکھے گلدان میں منتقل ہو گیا تھا۔ سارا کے فرشتوں نے بھی شہزاد کے ہاتھ کی حرکت نہیں دیکھی تھی۔ وہ یہی سمجھی کہ شہزاد نے اُس کی محبت کے نشے میں نصف گلاس ایک ہی گھونٹ میں چڑھا لیا ہے۔

شہزاد نے دوبارہ یہی حرکت کی اور مزید مشروب گُل دان میں منتقل ہو گیا۔ سارا اٹھلاتی ہوئی آگے بڑھی اور اُس کے برابر براجمان ہو گئی۔ اُس نے ہاتھ بڑھا کر شہزاد کے ہاتھ سے گلاس لیا اور تپائی پر رکھ دیا۔ مشروب میں انسان کو ہوش و حواس سے بے گانہ کرنے کے لیے جو سریع الاثر دَوا اُس نے ملائی تھی وہ سیکنڈوں میں اثر کرتی تھی اور وہ نہیں چاہتی تھی کہ شہزاد کے اچانک بے ہوش ہو جانے سے مشروب اِدھر اُدھر چھلک جائے۔

شہزاد کو خود بھی علم تھا کہ گلاس میں خواب آور دَوا موجود ہے۔ وہ یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ سارا اُس کے ساتھ کیا کھیل کھیلنا چاہتی ہے چنانچہ اُس نے لڑکھڑانا اور جھومنا شروع کر دیا۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ نشے میں دُھت ہو گیا ہو۔ سارا نے اپنا گلاس بھی تپائی پر رکھا اور پھر سہارا دے کر جھومتے ہوئے شہزاد کو کاؤچ پر لٹا دیا۔ شہزاد نے فوراً آنکھیں بند کر لیں۔

سارا یہی سمجھی کہ وہ مشروب پی کر بے ہوش ہوا ہے چنانچہ اُس نے فوری طور پر اپنی کارروائی شروع کر دی۔ سب سے پہلے اُس نے شہزاد کی شرٹ کے بٹن کھول دیے اور یوں اُس کے سینے پر مساج کرنے لگی جیسے شہزاد سینے کے شدید درد میں مُبتلا رہا ہو۔

"تمہیں میری آواز سُنائی دے رہی ہے۔" سارا نے ذرا دیر رُک کر شہزاد کو مخاطب کیا۔ "تم صرف وہی سُنو گے جو میں کہوں گی۔"

شہزاد دھیرے سے کسمسایا اور پھر اُس نے سارا کا جملہ من و عن دُہرا دیا۔

"تمہارا نام کیا ہے؟" سارا نے مطمئن ہو کر اگلا سوال کیا۔

"شہزاد۔" ٹائیگر نے ہولے سے جواب دیا۔

"کس کے ایجنٹ ہو؟"

"سی آئی اے۔" شہزاد کا انداز بالکل ایسا تھا جیسے نیند میں بول رہا ہو۔

"یہاں کیوں آئے ہو؟"

"امریکہ کے دُشمن کا پتا چلانے۔"

"کیا تمہیں علم ہے کہ اس منصوبے کی پشت پناہی کون کر رہا ہے؟"

"نہیں۔" شہزاد کا جواب بے حد مختصر تھا۔

"سُنو، شہزاد۔" سارا نے اپنا لہجہ بدلا۔ "میری بات غور سے سُنو، مَیں تمہاری مدد کرنا چاہتی ہوں۔"

"ہاں کہو۔"

"مجھے اپنی قوم کے خلاف ایک پلاٹ کا علم ہوا ہے۔ امریکہ پر قبضہ کرنے کا منصوبہ ہے وہ اور ایڈمرل جیمز بینن کریسٹ نامی ایک شخص اُس کا خالق ہے۔ وہ شیطان اس مُلک کا کنٹرول حاصل کرنا چاہتا ہے لیکن ہماری خواہش ہے کہ اُسے کسی طرح روک دیا جائے اور اُسے تم نے روکنا ہے۔"

"...روکنا ہے؟" شہزاد نے جُملے کا آخری حصہ سوالیہ انداز میں دُہرایا تھا۔

"وہ جیسا پیک بے میں البامانامی جنگی جہاز پر موجود ہے۔" سارا نے اُسے آگاہ کیا۔ "اگلے چند گھنٹوں میں وہ امریکہ فتح کرنے کے اپنے مذموم منصوبے پر عمل شروع کر دے گا۔ اس لیے میں چاہتی ہوں کہ تم البامانا پر جا کر ایڈمرل کو قتل

Uploaded By Nadeem

کر دو۔"

"ایسا ہی ہوگا، ڈاکٹر۔"

"یہ کام آج رات ہونا چاہیئے۔"

"حکم کی تعمیل ہوگی۔" شہزاد نے کسی معمول کی طرح جواب دیا۔

سارا، بے ہوش ٹائیگر پر جھکی اور پھر اُس کی ہلکی سی سرگوشی ٹائیگر کے کانوں سے ٹکرائی۔ "کیا تم مجھ سے پیار کرتے ہو، شہزاد؟"

"بہت زیادہ۔" شہزاد نے جواب دیا۔ "میں تمہیں اپنا حقیر سا ناتا چاہتا ہوں۔"

سارا کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ "اب تم سو جاؤ۔" اُس نے ٹائیگر کے گال تھپتھپائے۔ "جب تم سو کر اُٹھو گے تو تمہیں محسوس ہوگا کہ ہم نے بہت سے محبت بھرے لمحات ایک دوسرے کی معیت میں گزارے ہیں۔"

ٹائیگر خاموش رہا لیکن اُس کا ذہن تیزی سے نتائج مرتب کر رہا تھا۔ اُس کے خیال میں کریسٹ، سارا کا باس تھا اور اب کسی وجہ سے وہ کریسٹ کا خاتمہ کرانا چاہ رہی ہے۔

اچانک ٹائیگر نے سارا کے جسم کی خوشبو دُور ہوتی محسوس کی۔ اُس نے اپنی دائیں آنکھ کی جھری سے دیکھا وہ اپنی میز کی طرف واپس جا رہی تھی۔ ٹائیگر بدستور اُس کا نگراں تھا اور پھر سارا نے ایک ایسی حرکت کی جس سے ٹائیگر کا یہ اندازہ فوری طور پر غلط ثابت ہو گیا کہ کریسٹ اُس کا باس ہے۔

سارا نے فون اُٹھایا اور تین ہندسوں کا کوئی نمبر ڈائل کیا۔

"ڈنر کیسا رہا؟" سارا نے پوچھا اور خاموش ہو گئی۔ یقیناً وہ دوسری سمت سے آنے والا جواب سُن رہی تھی۔ یہ بھی طے تھا کہ دوسری جانب جو کوئی ہے اسی عمارت کی حدود میں موجود ہے۔

"فکر نہ کرو، جو کچھ تم چاہتے ہو وہی ہوگا۔" سارا نے یہ بھی ثابت کر دیا کہ دوسری طرف موجود شخص اُس کا باس یا پارٹنر ہے۔

"ہاں کل۔" سارا نے دوبارہ کہا۔ چند ثانیے رُک کر وہ دوبارہ بولی۔ "میں تم سے پیار کرتی ہوں۔" اُس نے ریسیور کو چُوما اور اُسے کریڈل پر ڈال دیا۔

اُس نے نگاہیں اُٹھا کر صوفے پر لیٹے ہوئے ٹائیگر کو دیکھا اور مسکراہٹ ایک بار پھر اُس کے ہونٹوں سے چپک گئی۔ آج رات ٹائیگر، ایڈمرل کریسٹ کے محافظوں کے ہاتھوں مارا جاتا اور کل خود ایڈمرل کریسٹ اپنے انجام کو جا پہنچتا جس سے رُوس اور برطانیہ بھی بولی دینے والوں میں شامل ہو جاتے۔

وہ سوچتی رہی اور پھر اُس کی مسکراہٹ ایک بلند آہنگ قہقہے میں بدل گئی۔ قہقہہ لگا کر اُس نے وہ دُھن گنگنانی شروع کر دی جو ٹائیگر نے گزشتہ کئی دنوں میں متعدد بار سُنی تھی۔ وہ دُھن جو موت کی دُھن تھی۔

پھر ٹائیگر نے سارا کے قدم کاؤچ کی طرف بڑھتے محسوس کیے۔ قریب آ کر وہ ایک بار پھر اُس پر جُھک گئی۔ اب وہ بہت سی مصنوعی بندشوں سے آزاد تھی۔

"شہزاد۔" وہ اُس کے کانوں پر چہکی۔ "اب اُٹھ جاؤ۔"

اور ٹائیگر نے کسمسا کر آنکھیں کھول دیں۔ وہ ہنوز اُس پر جُھکی ہوئی تھی۔ ٹائیگر نے دونوں ہاتھ اُٹھا کر اُسے اپنی طرف کھینچا تو وہ کسی پھُول کی طرح اُس پر آ گری۔

"میری آنکھیں دیکھو شہزاد۔" سارا نے سرگوشی کی۔ "اب تمہیں ان میں وہ روشنیاں نظر نہیں آئیں گی۔"

ٹائیگر نے باقاعدہ اُس کی آنکھوں میں جھانکا۔

"سچ کہتی ہو جان۔" اُس نے ہلکی آواز میں کہا۔ "جب بھی تمہیں میری ضرورت ہو پُکار لینا، میں تمہاری روشنی گُل کرنے کے لیے ہر وقت تمہارے قریب موجود رہوں گا۔"

شہزاد نے اُسے ایک طرف ہٹایا اور اُٹھ بیٹھا۔

"کہاں چلے؟" سارا نے ہاتھ بڑھا کر اُس کا دامن پکڑ لیا۔

"مجھے ابھی بہت سے ضروری کام نمٹانے ہیں۔" شہزاد نے جواب دیا اور اُس کا ہاتھ جھٹک کر بیرونی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

✦

الباما ساحلِ سمندر سے چار سو گز دُور اندھیرے پانیوں میں کسی عفریت کی مانند کھڑا تھا۔ اُس پر کوئی روشنی نہیں تھی لیکن شہزاد کی تیز آنکھیں اتنے فاصلے سے بھی عرشے پر محافظوں کی آمد و رفت دیکھ رہی تھیں۔ اُس کی چھوٹی سی کشتی اب الباما سے بمشکل دو سو گز دُور رہ گئی تھی لیکن اُسے کوئی ایسا شخص دکھائی نہ دیا تھا جسے وہ ایڈمرل کریسٹ سمجھ سکتا۔

اور ایڈمرل کریسٹ عرشے پر تھا بھی نہیں۔ وہ اس وقت اپنے محفوظ کیبن کے آرام دہ گدے پر لیٹا سارا فورسٹر کے بارے میں سوچ رہا تھا جو پانچ سال کے دوران اُس کی زندگی میں آنے والی پہلی لڑکی تھی۔ وہ بہت دیر سے سارا کا خوبصورت چہرہ تصوّر میں سجائے اُس کے ساتھ گزارے ہوئے رنگین لمحات یاد کر رہا تھا۔ اُسے یقین تھا کہ وہ سارا سے محبت کرنے لگا ہے۔

ایڈمرل کے کیبن سے ساٹھ فٹ نیچے، ایک چھوٹی پاور بوٹ جہاز کے لنگر کے قریب پہنچ چکی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے ایک سایا بوٹ سے اُٹھا۔ اُس نے لنگر کی زنجیر دونوں ہاتھوں میں تھامی اور پھر وہ اتنی تیزی سے اُوپر چڑھا کہ اُس پر انسانی نگاہ نہ جمتی تھی۔ پلک جھپکنے میں وہ سایا عرشے پر موجود تھا۔

عرشے پر پہرہ دینے والوں نے بھی کسی سیاہ پوش کو لنگر کی بھاری بھرکم زنجیر کے ذریعے اُوپر آتے دیکھا لیکن دوبارہ انہیں کوئی نقل و حرکت نظر نہ آئی تو وہ اسے نظر کا دھوکا سمجھ کر دوبارہ گشت میں مصروف ہو گئے۔

عرشے پر آنے والا سایا ٹائیگر تھا۔ وہ اس وقت برج کی طرف جانے والی سیڑھیوں کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اُس کی چال میں کسی چیتے کی سی پھُرتی تھی۔ نگاہ جما کر اُسے دیکھنے والا دعوے سے کہہ سکتا تھا کہ وہ چل نہیں رہا بلکہ ہوا میں تیرتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ چند ہی سیکنڈ میں وہ اُس کوریڈور کے ایک سرے پر موجود تھا جس کے دوسرے کونے پر بنے ہوئے دروازے کے پیچھے ایڈمرل کریسٹ لیٹا اپنی تازہ ترین [redacted] کے خواب بُن رہا تھا۔

دروازے کے باہر ایک مسلّح فوجی پہرا دے رہا تھا۔ وہ کوریڈور کے گشت پر تھا جس وقت ٹائیگر کوریڈور کے سرے پر پہنچا پہرے دار کا رُخ دوسری جانب تھا اور وہ مُڑنا شروع کر رہا تھا۔ صرف ڈیڑھ سیکنڈ بعد اُس کا رُخ ٹائیگر کی طرف ہو جاتا۔

لیکن ٹائیگر کے پیر پہرے دار کی حرکت سے زیادہ تیز تھے۔ سوا سیکنڈ کے اندر وہ ساٹھ فٹ کا فاصلہ طے کر کے پہرے دار کے سر پر پہنچ چُکا تھا۔ ٹائیگر کا دایاں ہاتھ اُٹھا اور اُس کی درمیانی اُنگلی سنار کی چھوٹی سی ہتھوڑی کی طرح پہرے دار کی کنپٹی پر لگی۔ پہرے دار اچانک ہی لڑکھڑایا اور زمین پر گرنے لگا۔ اُس بے چارے کو یہ علم بھی نہ ہو سکا تھا کہ اُس پر کیا آفت آئی ہے۔ ٹائیگر نے اُسے گرنے نہیں دیا بلکہ آرام سے دونوں ہاتھوں میں تھام کر زمین پر لٹا دیا اور ایڈمرل کے کیبن کے دروازے کی طرف مُڑا۔

کیبن میں ایڈمرل اب بستر پر اُٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔ وہ سارا کو فون کرنے جا رہا تھا مگر اُسی لمحے کیبن کا دروازہ دھڑاک سے کھلا اور ایک اجنبی شخص اندر آ گیا۔

"ایڈمرل کریسٹ؟" آنے والے کا انداز سوالیہ تھا۔

"تم بغیر دستک دیے مُنہ اُٹھائے چلے آ رہے ہو کیا یہاں تمہیں میری بجائے جیمز بانڈ کے ملنے کی توقع تھی؟" ایڈمرل اُلٹا اُس پر برس پڑا۔

"میں تمہیں یہ بتانے آیا ہوں کہ تمہاری زندگی خطرے میں ہے۔"

"مگر تم کون ہو؟"

"یہ اتنی اہم بات نہیں۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ "تم بتاؤ کہ کسی ڈاکٹر سارا فورسٹر کو جانتے ہو؟"

"ہاں۔" ایڈمرل نے اعتراف کیا۔

"گڈ، اُس نے تمہیں قتل کرنے کا منصوبہ بنایا ہے اور اس وقت وہ یہ سمجھے بیٹھی ہوگی کہ میں تمہیں مارنے کے لیے آیا ہوں۔"

"میں سارا سے محض دو بار ملا ہوں اور ان دو ملاقاتوں میں کوئی ایسی بات نہیں ہوئی جس سے وہ مجھے قتل کرانے کا فیصلہ کرتی۔"

"وہ امریکہ کے خلاف کسی بہت بڑی سازش میں شریک ہے ایڈمرل، میں اُس کی تفصیلات تو نہیں جانتا لیکن یہ ضرور پتا ہے کہ تم اُس کے راستے کی رکاوٹ ہو اور اسی لیے وہ تمہیں اپنے راستے سے ہٹانا چاہتی ہے۔"

"تو پھر میں کیا کروں؟" ایڈمرل نے استہزائیہ انداز میں پوچھا۔

"دو ایک دن محتاط رہو پھر..."

"کیا دو ایک دن میں حالات معمول پر آ جائیں گے؟" ایڈمرل نے ٹائیگر کا جُملہ کاٹا۔

"دو ایک دن میں یہ صورتِ حال ہی ختم ہو جائے گی۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ "میرا مشورہ ہے کہ دو ایک دن سارا سے دُور رہو اور اپنی حفاظت..."

ٹائیگر کا جُملہ ادھورا رہ گیا۔ بیک وقت دو تبدیلیاں رُونما ہوئیں۔ کیبن کے دروازے سے تین سب مشین گن بردار محافظ اندر آ گئے اور ایڈمرل کے بیڈ کے ساتھ رکھا فون چیخ اُٹھا۔

ایڈمرل نے آنے والے تینوں محافظوں کو ٹائیگر کے گرد گھیرا ڈالنے کا اشارہ کیا اور ہاتھ بڑھا کر ریسیور اُٹھا لیا۔

"یس... اوہ سارا!" ایڈمرل کا بھرّیوں بھرا چہرہ مارے خوشی کے گلال ہو گیا۔ "ایک منٹ۔" وہ مُسکرایا اور تینوں مسلح محافظوں سے مخاطب ہوا۔ "مجھے اطلاع ملی ہے کہ آنے والے کا نام شہزاد ہے، اسے بہ حفاظت جہاز سے اُتار دو۔" ایڈمرل دوبارہ فون کی طرف متوجہ ہو گیا۔ وہ گنگنا رہا تھا۔

تینوں محافظ ٹائیگر کی طرف بڑھے۔

"لعنت ہو۔" ٹائیگر زیرِ لب بڑبڑایا اور خود ہی مُڑ کر دروازے کی طرف چل دیا۔ تینوں پہرے دار اُس کے پیچھے تھے۔

عرشے پر پہنچ کر ٹائیگر رُک گیا۔ تینوں پہرے داروں نے بھی اُس کی تقلید کی تھی۔ ابھی تک انہوں نے اپنی زبان سے ایک لفظ بھی ادا نہیں کیا تھا۔ ٹائیگر نے ایک لمحے کے لیے ساحل پر نظر آنے والی روشنیوں کو دیکھا اور پھر اس سے پہلے کہ تینوں میں سے کوئی کچھ سمجھ سکتا اُس کا دایاں ہاتھ قریب ترین محافظ کی پسلیوں پر پڑا۔

محافظ کی کربناک چیخ سناٹے میں دُور تک گُونجی۔ سب مشین گن اُس کے ہاتھ سے چھُوٹ کر عرشے پر گری۔ اُس کے مُنہ سے اچانک ہی خون کا فوّارہ اُبل پڑا تھا۔ وہ ایک لمحے کو لڑکھڑایا اور پھر بُلند آواز سے فرش پر آ رہا۔ اگلے ہی لمحے وہ ساکت ہو چُکا تھا۔ دُنیا کا کوئی بھی ڈاکٹر سرسری معائنے سے بھی بتا سکتا تھا کہ کسی نے سخت قسم کے آلے سے اُس کی ساری بائیں پسلیاں توڑ ڈالی ہیں۔

دوسرے محافظ نے گن ٹائیگر کی طرف سیدھی کی۔ وہ ٹریگر دبانا چاہتا تھا لیکن اس کی نوبت ہی نہیں آئی۔ ٹائیگر ایک قدم آگے بڑھا۔ اُس نے دایاں ہاتھ کھول کر پہرے دار کے پیٹ پر رکھا۔ پہرے دار بُری طرح چیخا۔ اُسے محسوس ہوا جیسے پانچ چاقو بیک وقت اُس کے جسم میں داخل ہوئے ہوں۔ ٹائیگر کے ہاتھ کی پانچوں اُنگلیاں اُس کے پیٹ میں گڑ گئی تھیں۔ اُس نے محافظ کو اُوپر اُٹھایا اور سمندر کی طرف اُچھال دیا۔ محافظ کے مُنہ سے ایک آخری چیخ نکلی اور پھر چھپاک کی آواز سُنائی دی۔ وہ اپنی سب مشین گن سمیت سمندر کی تہ میں جا سویا تھا۔

تیسرے محافظ نے اپنے دو ساتھیوں کا حال دیکھا تو اُس نے زندگی میں شاید پہلی بار ایک اچھا فیصلہ کیا۔ وہ پلٹا اور برج کی طرف بھاگ کھڑا ہوا۔ ٹائیگر چاہتا تو محض دو قدم بڑھا کر محافظ کو پکڑ لیتا۔ وہ بدحواس پہرے دار کو دیکھ کر دھیرے سے مُسکرایا اور لنگر کی طرف بڑھ گیا۔

ابھی وہ ساحل سے کچھ دُور ہی تھا کہ اُسے ایک تیز آواز سُنائی دی۔ اُس نے پلٹ کر دیکھا، بحری جہاز البامائے انجن اسٹارٹ ہو گئے تھے۔ جب ٹائیگر ساحل پر پہنچا تو الباما کھلے سمندر کی طرف اپنے سفر کا آغاز کر چُکا تھا۔

✦

مین ہٹن کے جزیرے پر سورج پوری آب و تاب کے ساتھ چمک رہا تھا اور امریکی بحریہ کا جنگی جہاز البامائے پوری رفتار کے ساتھ بحرالکاہل سے نیویارک خلیج کی طرف بڑھ رہا تھا۔

جہاز کا کپتان ایڈمرل جیمز مین کریسٹ مسلسل ایک اجنبی دُھن گنگنا رہا تھا لیکن وقفے وقفے سے وہ جہاز کی رفتار مزید تیز کرنے کے احکامات بھی دے رہا تھا۔ مگر انجن رُوم میں موجود انجینئر اور تکنیکی عملہ اُس کے احکامات پر عمل کرنے سے معذور تھے کیونکہ البامائے پہلے ہی پوری رفتار سے جزیرہ مین ہٹن پر آباد امریکہ کے سب سے بڑے شہر نیویارک کے قریب ہوتا جا رہا تھا۔

ایڈمرل عرشے پر کھڑا جزیرہ مین ہٹن کا نظارہ کر رہا تھا۔ بائیں جانب دُور آئل ریفائنریوں کا دُھواں نظر آ رہا تھا جب کہ دائیں سمت بروکلین تھا۔ ساتھ ہی لبرٹی آئی لینڈ تھا جس پر مجسمۂ آزادی اپنے ہاتھ میں پیتل کی بنی ہوئی مشعلِ آزادی بُلند کیے ہوا تھا۔ اُس کے پیچھے جرسی کا شہر تھا جہاں کے باسیوں کے کرتوت ایسے تھے کہ مجسمۂ آزادی نے اُن کی طرف پیٹھ کرنا ہی مناسب سمجھا تھا۔

ایڈمرل نے میگا فون اُٹھا لیا۔ رفتار مزید بڑھاؤ۔ اُس نے کوئی سوویں مرتبہ اپنا حکم دُہرایا۔

جہاز کے پندرے میں موجود ٹیکنیشنز نے ایڈمرل کا حکم سُن کر پریشانی سے ایک دوسرے کو دیکھا لیکن ظاہر ہے وہ کیا کر سکتے تھے۔

ایڈمرل نے اپنا حکم دوسری مرتبہ دُہرایا اور کنٹرول رُوم

میں پہنچ گیا۔ باقی لوگوں کو اُس نے باہر جانے کا حکم دیا اور خود جہاز کا وہیل سنبھال لیا اور آہستہ آہستہ اُسے بائیں رُخ پر موڑنے لگا۔ جہاز کا رُخ جنوب کی طرف ہو گیا جو اُس کے مجوّزہ روٹ سے قدرے ہٹ کر تھا۔ جہاز اب مجسمۂ آزادی کی طرف بڑھ رہا تھا۔

ہزاروں گز کا فاصلہ دیکھتے ہی دیکھتے سینکڑوں گز میں سمٹنے لگا۔ مجسمۂ آزادی کو اس طرح جہاز کے قریب آتا دیکھ کر ایڈمرل کے ہونٹوں پر مُسکراہٹ دوڑ گئی مگر ساتھ ہی اُس کے ہونٹوں پر وہ پُراسرار دُھن دوبارہ آ گئی۔ کچھ دیر وہ گنگناتا اور مُسکراتا رہا اور پھر اُس نے اُچھل اُچھل کر رفتار اور تیز کرنے کا حکم دینا شروع کر دیا۔

جہاز تیزی سے مجسمۂ آزادی کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اُس کے اُوپر پرواز کرنے والے نیوی کے طیاروں نے البامائی اِس پُراسرار نقل و حرکت کو بطورِ خاص محسوس کیا تھا۔ طیارے کل رات سے اس پر نگاہ رکھے ہوئے تھے۔ راستے میں الباما کو کئی بار رُکنے کے احکامات دیے گئے تھے لیکن کنٹرول رُوم سے کسی پیغام کا جواب نہیں دیا گیا۔ امریکی بحریہ چونکہ اپنے ایک قیمتی جہاز کا نقصان نہیں کرنا چاہتی تھی اس لیے اُس کے بڑے جہاز کے کسی اقدام کے منتظر تھے اور اب انہیں البامائی منزل کا اندازہ ہو گیا تھا اس لیے طیاروں نے فوری طور پر نزدیکی نیول اِسٹیشن کو اس امر سے آگاہ کر دیا تھا۔

مجسمۂ آزادی محض دو سو گز دُور رہ گیا تھا۔ بھاری بھرکم جہاز گہرے پانی کو عبور کر کے اب اُتھلے پانی میں سفر کر رہا تھا۔ اُس کی نوکیلی پرواب تہ میں موجود کیچڑ میں دھنس رہی تھی لیکن چونکہ جہاز کی رفتار بہت زیادہ تھی اس لیے وہ کیچڑ کی موٹی تہ کو کاٹتا مسلسل آگے بڑھ رہا تھا لیکن اب وہ پھسلتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ رفتہ رفتہ اُس کی رفتار میں بھی کمی آتی جا رہی تھی لیکن اب بھی وہ جس شے سے ٹکراتا اُسے جڑوں سے اُکھاڑ سکتا تھا۔

اور پھر جہاز جزیرہ لبرٹی سے ٹکرا گیا۔ مجسمۂ آزادی ایک لمحے کے لیے بُری طرح لڑکھڑایا محسوس ہوتا تھا کہ دو سو سال سے امریکہ کی آزادی کی نشانی زمین بوس ہو جائے گی لیکن جہاز اب اس قدر کیچڑ میں دھنس چُکا تھا کہ وہ ایک انچ بھی آگے نہیں بڑھ سکتا تھا۔

جہاز کے انجن بدستور گرج رہے تھے لیکن اُس کی نوکیلی پرواب کیچڑ کاٹنے کے قابل نہیں رہ گئی تھی۔ اگر وہ محض چند گز بھی آگے بڑھ جاتا تو مجسمۂ آزادی کئی ٹکڑوں میں تقسیم ہو چُکا ہوتا۔

جزیرے پر اودھم مچ گیا۔ لوگ خوفزدہ ہو کر اِدھر اُدھر بھاگ نکلے تھے۔ جب کہ ایڈمرل کریسٹ اُن سے بے پروا کنٹرول رُوم سے نکل کر جہاز کے نچلے حصّے میں واقع انجن رُوم کی طرف جا رہا تھا۔ ملاح خوفزدہ ہو کر دوڑ رہے تھے لیکن کسی نے بھی اُس پر کوئی توجّہ نہیں دی تھی۔ اُن میں سے بعض جزیرے پر کُود گئے تھے اور اس کے باوجود کہ جہاز کے ڈُوبنے کا دُور دُور تک کوئی امکان نہ تھا خطرے کے سائرن بجا دیے گئے تھے جنہیں سُنتے ہی علاقے میں موجود بہت سے جہازوں اور کشتیوں نے اپنا رُخ البامائی کی طرف کر لیا تھا۔

"تمام لوگ باہر نکل جائیں۔" ایڈمرل نے انجن رُوم میں داخل ہوتے ہی وہاں موجود عملے کے ارکان کو حکم دیا۔ تمام افراد نے فوری طور پر تعمیل کی۔

"ایڈمرل سر!" انجن رُوم کے انچارج سینئر لیفٹیننٹ نے اپنے کمانڈنگ آفیسر کو مخاطب کیا۔ "کیا میں آپ کی مدد کے لیے رُک جاؤں؟"

"نہیں، تم بھی ان کے ساتھ دفع ہو جاؤ۔" ایڈمرل نے کرخت لہجے میں کہا۔

"یس سر۔" لیفٹیننٹ بوکھلا اُٹھا۔ "لیکن آپ سر؟"

"ایڈمرل جدید ترین بحریہ کو یہ بتانے جا رہا ہے کہ ایک اصل ملاح اپنے جہاز کے ساتھ کس طرح موت کو گلے لگاتا ہے۔" اُس نے لیفٹیننٹ کو دروازے سے باہر دھکیلا اور اُسے اندر سے مقفل کر لیا۔

ایڈمرل چند ثانیے دروازے کے قریب کھڑا گنگناتا رہا اور پھر وہ والو کھولنے کے لیے آگے بڑھا جن کی مدد سے سمندری پانی کو اندر داخل ہونے سے روکا جاتا تھا۔

والو کھلتے ہی تیل ملا کیچڑ زدہ پانی پوری رفتار سے انجن رُوم میں آنا شروع ہو گیا۔ پانی جونہی ڈیزل موٹروں پر پڑا وہ بند ہو گئیں اب انجن رُوم میں پانی کی آواز کے سوا کوئی آواز سُنائی نہیں دے رہی تھی۔

باہر لیفٹیننٹ دروازہ کھٹکھٹا رہا تھا لیکن ایڈمرل سب باتوں سے بے نیاز پانی میں کھڑا مسلسل گنگنا رہا تھا۔ پانی اُس کی گردن تک آ پہنچا تھا اور صرف چند منٹ بعد

Uploaded By Nadeem

سر سے بُلند ہونے والا تھا لیکن وہ اب بھی مخصوص دُھن گنگنا رہا تھا۔

ٹیلی فون کی گھنٹی بجی تو ٹائیگر نے کروٹ بدل کر تکیے کو اور زور سے کانوں پر دبا لیا لیکن وہ کسی عام آدمی کے نہیں ٹائیگر کے کان تھے پھر بھلا گھنٹی کی آواز کیسے کم ہو جاتی۔ اُس نے دل ہی دل میں فون کرنے والے کو کوسا جس نے صبح ہی صبح فون کر کے اُس کی نیند میں خلل ڈالا تھا۔ تھوڑی دیر وہ یونہی کان لپیٹے پڑا رہا لیکن گھنٹی مسلسل بجتی رہی۔

"لٹل فادر!" وہ کراہا لیکن اُسے اپنی بات کا کوئی جواب نہ ملا تو اُس نے تکیہ ایک طرف پھینک کر آنکھیں کھول دیں۔ اوشان کمرے میں موجود نہیں تھا شاید وہ صبح کی ورزش کرنے جا چکا تھا۔

بالآخر بڑے بُرے مُنہ بناتا ٹائیگر تھوڑا سا آگے کھسکا اور اُس نے ریسیور کو کریڈل سے اُٹھایا نہیں بلکہ نوچ لیا۔

"بولو!" وہ ماؤتھ پیس میں غُرایا۔

"بہرام بول رہا ہوں۔"

"اوہ، سویٹ ہارٹ!" ٹائیگر نے فوراً بیئرا بدلا۔ "ایک مقعد تو حل کر دو۔"

"میں تمہیں انتہائی اہم خبر..."

"لعنت بھیجو!" ٹائیگر نے اُس کا جملہ کاٹا۔ "ایک خوبصورت اور نوجوان لڑکی، دُبلی پتلی اُس کی پہچان یہ ہے کہ چہرے پر بھورے..."

"شہزاد، خدا کے لیے!" بہرام پھٹ پڑا۔ "کیا تم نے ایڈمرل کریسٹ کا نام سُنا ہے؟"

"سُنا تو ہے لیکن تم اس غیر محفوظ فون پر مجھ سے کیا پوچھنا چاہتے ہو؟" خلاف توقع ٹائیگر نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"اب اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔" بہرام نے ایک طویل سانس لی۔ "آج صبح اُس نے اپنا جنگی جہاز مجسمۂ آزادی سے ٹکرا دیا ہے اور اُس کے بعد اُس نے انجن رُوم میں بند ہو کر خودکشی کر لی۔ اہم بات یہ ہے کہ وہ اس تمام عرصے میں وہی مخصوص دُھن گنگنا رہا ہے۔"

"بدقسمت!" ٹائیگر بڑبڑایا۔ "میں کل رات اُسے متنبہ کرنے گیا تھا لیکن وہ لوگ پہلے ہی اُسے مکمل طور پر قابو کر چکے تھے۔"

"خیر چھوڑو اُسے۔" بہرام نے موضوع بدلا۔ "آج مجھے لولی کے بارے میں معلومات حاصل ہو گئی ہیں۔"

"ویری گڈ!" شہزاد چہکا۔ "میں تمہیں بعد میں فون کر لوں گا۔"

اُس نے خدا حافظ کہہ کر ریسیور کریڈل پر ڈال دیا۔ ساتھ ہی اُسے سارا یاد آ گئی۔ ظالم نے اُس کے لیے کیا جال بچھایا تھا لیکن ایڈمرل کریسٹ ہی قربانی کا بکرا بنا تھا۔ شہزاد جب کل رات جہاز سے واپس لوٹا اُس وقت سارا اپنے کمرے میں نہیں تھی۔ ممکن ہے کہیں شہزاد کی موت کا جشن منا رہی ہو کیونکہ اُسے یقین ہو گا کہ شہزاد مارا جا چکا ہے۔ وہ چند لمحے سارا کے بارے میں سوچتا رہا اور پھر اُٹھ کھڑا ہوا۔ وہ اُس سے ملنے جا رہا تھا۔

کپڑے بدل کر جب وہ دسویں منزل پر اُس کے دفتر پہنچا تو اُس کی سکریٹری ابھی تک اپنی سیٹ پر نہیں پہنچی تھی۔ اُس نے دستک دینے کی زحمت بھی گوارا نہ کی اور دروازہ کھول کر دفتر میں داخل ہو گیا۔

کمرے میں کوئی روشنی نہیں جل رہی تھی لیکن سورج کی کرنوں نے اُسے خوب منور کر رکھا تھا۔ دفتر خالی تھا۔ سارا کی ریوالونگ چیئر کے بالکل عقب میں ایک اور دروازہ تھا ٹائیگر نے وہ بھی کھول ڈالا لیکن وہ جس کمرے میں داخل ہوا وہ بھی خالی تھا۔

اُس کے حساس کانوں نے اس کمرے میں کھُلنے والے ایک دروازے کے عقب سے کوئی آواز سُنی تو وہ دائیں سمت بڑھ گیا۔ دروازہ کھول کر وہ جس کمرے میں داخل ہوا وہ بھی پہلے کمروں کی طرح خالی تھا لیکن ان میں ایک بُنیادی فرق یہ موجود تھا کہ اس کمرے کی ہر شے سیاہ تھی۔ کھڑکیوں پر پڑے ہوئے پردوں سے لے کر قالین تک ہر طرف سیاہی ہی سیاہی تھی جس کی وجہ سے سورج کی ایک کرن بھی اندر داخل نہیں ہو پا رہی تھی۔

ٹائیگر نے گنگنانے کی جو آواز سُنی تھی وہ بیڈ رُوم کے باتھ رُوم سے آ رہی تھی۔ زنانہ آواز کے ساتھ شاور سے پانی گرنے کی آواز مل کر عجیب سا سماں پیش کر رہی تھی۔ گانے والی کی آواز بڑی مدھر اور سُندر تھی۔

شہزاد آرام سے اُس کے بیڈ پر بیٹھ گیا۔ اُس کی نگاہیں باتھ رُوم کے دروازے پر تھیں جو ذرا سا کھُلا ہوا تھا۔ انداز بڑا چوکنا تھا اور ذہن اُس کا یہ سوچ رہا تھا کہ قصاب بھی اپنے کام سے پوری طرح لُطف اندوز ہوتے ہیں۔

سارا بھی ایک قصاب ہی تھی۔ کالوس پورٹر، جنرل ڈورف ویل، ایڈمرل کریسٹ اور بیرٹ اُس کی بھینٹ چڑھ گئے تھے اس کے علاوہ بھی کئی لوگ ایسے ہوں گے جن کے بارے میں شہزاد نہیں جانتا تھا۔ اُس نے اپنی زندگی کے بدلے امریکہ کو گہری رکھ دینے کا پورا پروگرام بنایا تھا۔

شاور گرنے کی آواز تھم گئی اب سارا کی گنگناہٹ مزید واضح ہو گئی تھی۔ شہزاد کو اُس کے بول اب یاد ہو گئے تھے اُس نے بھی سارا کے ساتھ گنگنانا شروع کر دیا۔

آواز بلند ہوئی تو سارا نے بھی اُسے سُن لیا کیونکہ اُس نے گنگنانا بند کر کے دروازہ ایک دم کھول دیا تھا۔

پہلے وہ ستائشی انداز میں مُسکرا رہی تھی لیکن جونہی اس کی نگاہ شہزاد پر پڑی مُسکراہٹ دم توڑ گئی۔ ٹائیگر کو محض آٹھ فٹ دُور دیکھ اُس کی آنکھیں اور مُنہ خوف سے پھٹ گئے۔

"کسی اور کا انتظار تھا؟" شہزاد نے ہنستے ہوئے دریافت کیا۔

جواب دینے کی بجائے وہ سُرخ ہو گئی۔ اُس نے تھوڑا سا مُڑ کر دروازے کے پیچھے چھپنے کی کوشش کی۔

"شرمانے کا وقت گزر گیا، جان!" شہزاد نے آہستگی سے اُسے مخاطب کیا۔ "یاد ہے میں نے گزشتہ شب بھی تمہاری روشنیاں گُل کی تھیں اور میں اب بھی انہیں گُل کرنے آیا ہوں۔"

سارا جھجکی لیکن پھر آڑ سے نکل کر ٹائیگر کے سامنے آ گئی۔ "مجھے یاد ہے شہزاد!" اُس کی آواز سسکاری سے مشابہ تھی۔ "روشنی واقعی گُل ہو گئی تھی اور میں چاہتی ہوں کہ اب بھی ایسا ہی ہو۔"

وہ شہزاد کی طرف بڑھی تو اُس نے بھی اُٹھ کر اپنے بازو وا کر دیے۔ اب وہ یک جان دو قالب تھے۔ سارا بے شک اس وقت اُس کے قبضے میں تھی لیکن شہزاد جانتا تھا کہ موقع ملتے ہی وہ وار ضرور کرے گی۔

بقا ہر وہ ایسی کیفیت میں تھی کہ شہزاد کی جگہ کوئی اور ہوتا تو ہوش و حواس کھو بیٹھتا لیکن اُس کا ذہن جاگ رہا تھا۔ سارا بڑے ہی غیر محسوس طریقے سے اُسے دیوار گیر ڈریسر کے پاس لے آئی تھی۔ اُس کا ہاتھ کھُلے ڈریسر کے اندر گیا اور جب باہر نکلا تو اُس میں ایک تیز دھار قینچی دبی ہوئی تھی۔

آہستہ آہستہ اُس نے دوسرا ہاتھ بھی بُلند کیا اور قینچی کو دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔ اب اُس کی نوک شہزاد کی گردن سے محض چند انچ دُور تھی۔ وہ چند لمحے بے حس و حرکت کھڑی رہی تاکہ شہزاد مکمل طور پر بیگانہ ہو جائے۔ جب اُسے یقین ہو گیا کہ وہ اب اُس کے جال میں جکڑا جا چُکا ہے تو اُس نے دونوں ہاتھ انگڑائی لینے کے انداز میں اُٹھائے اور پھر قینچی کی نوک بڑی تیزی کے ساتھ ٹائیگر کی گردن کی طرف بڑھی۔

شہزاد لاعلم نہیں تھا اُس کی ہزار آنکھیں تھیں۔ وہ سارا کی آنکھوں میں نہ صرف اپنا عقبی منظر دیکھ رہا تھا بلکہ لوہے پر انسانی ہاتھوں کی خفیف سی رگڑ کی آواز بھی سُن رہا تھا۔ قینچی جونہی شہزاد کی گردن کے قریب پہنچی وہ پھسل کر اُس کے بازوؤں کے حلقے سے نکل گیا۔ سارا بروقت اپنے نیچے آتے ہوئے تیز رفتار ہاتھوں کو کنٹرول نہ کر سکی۔ وہ قینچی سمیت شہزاد کے سر پر سے گزرے اور اگلے ہی لمحے قینچی کی تیز نوک نصف سے زیادہ اُس کے سینے میں پیوست ہو چکی تھی۔

غیر متوقع درد سے وہ بُری طرح چیخی۔ اُس کی آنکھیں پھٹ گئیں۔ سینے کے زخم سے تیزی کے ساتھ خون بہنے لگا۔ اُس نے قینچی کو نکالنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہی۔ چند ثانیے وہ ڈولتی رہی اور پھر اپنے بیڈ پر جا گری۔ خون سیاہ چادر میں جذب ہونے لگا تھا۔

"تمہاری روشنی گُل کرنے سے پہلے میرا مطلب تھا جان!" شہزاد نے اُس کی طرف جھکتے ہوئے سرگوشی کے سے انداز میں کہا اور پھر واپسی کے لیے مُڑ گیا۔

سارا نے اُسے آواز دینے کی کوشش کی لیکن اس کے لب خاموش تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے اُس نے ایک جھٹکا لیا اور ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گئی۔

ڈاکٹر بہرام کو فون کا انتظار کرتے ہوئے اتنی دیر ہو گئی تھی کہ اب اُسے اُونگھ آنے لگی تھی لیکن اس سے پہلے کہ وہ آنکھیں موند کر فون کی تیز گھنٹی نے اُسے دوبارہ الرٹ ہو

جانے پر مجبور کر دیا۔

"یس؟" اُس نے بوجھل پن سے ماؤتھ پیس میں کہا۔

"وہ مر چکی ہے۔" دوسری طرف شہزاد تھا۔ اُس نے اپنا نام بتانے یا کوئی تمہید باندھنے کا تکلف نہیں کیا تھا۔

"اور نیلامی کل ہونے والی ہے۔" بہرام نے یوں کہا جیسے ٹائیگر کا ادھورا جملہ مکمل کر رہا ہو۔

"کہاں؟"

"یہ میں نہیں جانتا۔" بہرام نے جواب دیا۔ "کیا اُس کے مرنے سے نیلامی ملتوی ہو سکتی ہے؟"

"میرا خیال ہے کہ نہیں۔" ٹائیگر نے بتایا۔ "کیونکہ اُس کے ساتھ کوئی اور بھی شامل تھا۔"

"کون؟"

"میں ابھی تک اُسے تلاش کر رہا ہوں۔"

"پھر کیا ہو گا؟"

"سویٹ ہارٹ!" ٹائیگر بالکل بدلے ہوئے لہجے میں بولا۔ "تمہارا یہ جملہ مجھے پسند نہیں آیا۔ کل ابھی بہت دُور ہے اور میں اس سے پہلے بہت کچھ کر سکتا ہوں۔ تم نیلامی بھول جاؤ اسے مجھ پر چھوڑ دو۔"

اور بہرام نے مطمئن ہو کر فون رکھ دیا۔ اُسے سو فیصد یقین تھا کہ ٹائیگر ہر حال میں کامیاب ہو گا۔ وہ کچھ دیر بیٹھا کیس کا جائزہ لیتا رہا اور پھر اُٹھ کھڑا ہوا۔ ابھی وہ دروازے سے دو قدم دُور ہی تھا کہ فون پھر چیخ اُٹھا۔ بہرام نے پہلے تو سوچا کہ اسے نظر انداز کر دے لیکن پھر اُس نے بڑھ کر ریسیور اُٹھا لیا۔

"ہیلو۔" اُس نے تھکے تھکے سے لہجے میں کہا۔

لیکن پھر دوسری جانب سے جو آواز اُسے سنائی دی اُس نے اُس کی تمام حسیات بیدار کر دی تھیں۔ صدرِ امریکہ اُس سے مخاطب تھے۔

*

ٹیلی فون پر اتنے اعتماد سے گفتگو کرنے کے باوجود ٹائیگر ابھی تک کوئی کامیابی نہیں ہوئی تھی۔ وہ تین بار سارا فورسٹر کی دفتری فائلوں کو کھنگال چکا تھا لیکن کوئی کام کی بات معلوم نہ ہو سکی تھی۔ غصے میں آ کر اُس نے تمام کاغذات کو پورے کمرے میں اِدھر اُدھر پھیلا دیا اور اُس کاؤچ کی طرف بڑھا جس پر اُس نے سارا فورسٹر کی سکریٹری کو باندھ کر ڈال رکھا تھا۔ وہ صبح تو نیچے کے قریب جب دفتر آئی تو اُسے شہزاد، ڈاکٹر سارا کی مدد کے قریب کاغذوں سے اُلجھا ہوا نظر آیا تھا۔

چیخنے یا بھاگنے کی بجائے اُس نے اُس شخص سے بات کرنے کا فیصلہ کیا تھا اور نتیجے کے طور پر اس وقت ہلنے جُلنے یا بات چیت کرنے سے بھی معذور تھی۔

شہزاد کو اپنی اور اوشان کی فائلیں مل گئی تھیں لیکن اُن میں سوائے مختلف ٹیسٹوں کے نتائج کے کچھ نہ تھا۔ ڈورف ویل، ہیرٹ یا پورٹر کے نام کی کوئی فائل وہاں موجود نہ تھی۔

شہزاد کا خیال تھا کہ کوئی نہ کوئی پرائیویٹ فائل ضرور ہو گی مگر فی الوقت یہ معلوم نہ تھا کہ وہ پرائیویٹ فائل تھی کہاں؟ تین بار وہ ناکام ہو چکا تھا اور اب چوتھی بار وقت ضائع کرنے کے بجائے اُس نے سارا کی سکریٹری سے بات کرنے کا فیصلہ کیا۔

وہ کاؤچ کی طرف بڑھا۔ سکریٹری ہوش میں تھی لیکن اُس کے مُنہ میں کپڑا ٹھونسا ہوا تھا۔ اُسے اپنی طرف آتا دیکھ کر لحظہ بھر کے لیے اُس کی آنکھیں خوف سے پھیلیں لیکن پھر وہ معمول پر آ گئیں۔ شہزاد نے اُس کے مُنہ سے کپڑا نکالا اور اپنی مخصوص مسکراہٹ ہونٹوں پر سجا کر اُس کی طرف دیکھا لڑکی کا تمام خوف زائل ہو گیا۔ اب وہ ہر قسم کے تعاون پر تیار تھی۔

"تم جانتی ہو کہ میں کون ہوں؟" اُس نے لڑکی کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔

لڑکی نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"میں ایک قاتل ہوں۔" شہزاد نے بتایا۔ لڑکی کے چہرے پر پھر خوف کی زردی جم گئی۔ "تم نے میری فائل نہیں دیکھی؟" شہزاد نے سوال کیا۔

اُس نے سر نفی میں ہلایا۔

"میری فائل کہاں ہے؟"

"میں نہیں جانتی۔" لڑکی نے جواب دیا۔ وہ اس عرصے میں پہلی مرتبہ بولی تھی۔

"ڈاکٹر سارا اپنی پرائیویٹ فائلیں کہاں رکھتی تھی؟"

"اگر میں نے بتایا تو مجھے گولی مار دی جائے گی۔"

"بے فکر رہو سارا ایسا نہیں کرے گی۔" شہزاد نے اُسے تسلی دی۔ "وہ مر چکی ہے۔"

"کیا؟" لڑکی چیخ اُٹھی۔

"میں نے اُسے مارا ہے اور اگر تم نے مجھے فائلوں کے بارے میں نہ بتایا کہ میں تمہیں بھی مار ڈالوں گا۔"

لیکن لڑکی مرنے کو تیار نہ تھی اُس نے فوراً شہزاد کو بیڈ روم میں ایک خفیہ الماری کے بارے میں بتا دیا۔ شہزاد نے مسکرا کر اُس کا شکریہ ادا کیا اور اپنا دایاں ہاتھ آگے بڑھایا۔ لڑکی سمجھی کہ وہ اُس کی بندشیں کھولنے جا رہا ہے لیکن شہزاد نے دھیرے سے اُس کی کنپٹی مسل دی اور وہ فوراً ہی ہوش و حواس سے بیگانہ ہو گئی۔

الماری کا تالا گو نمبروں سے کھلتا تھا لیکن شہزاد کی انگشتِ شہادت بڑے سے بڑا تالا کھول سکتی تھی۔ صرف پانچ منٹ بعد وہ اپنے سامنے مزید فائلوں کا ڈھیر لگائے بیٹھا تھا۔ یہ فائلیں صرف سرکاری محکموں کے اعلیٰ افسروں کی تھیں۔ عمومی طور پر تہہ در تہہ فائلیں تھیں لیکن اُن میں ایک لفظ بھی ایسا نہیں تھا جس سے شہزاد کو کسی قسم کی کوئی مدد مل سکتی۔

مگر ابھی ایک فائل باقی تھی۔ اس پر کوئی نمبر درج نہ تھا۔ شہزاد نے فوراً اُسے کھولا۔ یہ دیکھ کر اُسے خوش گوار سی حیرت ہوئی کہ وہ کسی مریض کی فائل نہیں تھی۔

سارا کی اپنی ہینڈ رائٹنگ میں لکھے ہوئے چھ صفحے تھے جن پر سرکاری افسروں کے نام لکھے ہوئے تھے۔ شہزاد نے پہلا صفحہ اُلٹا تو اُسے پتا چل گیا کہ یہ انہی افسروں کے نام ہیں جن کی فائلیں وہ دیکھ چکا ہے۔ ہر صفحے پر چند کالم بنے ہوئے تھے۔ پہلے کالم میں نام دوسرے میں سرکاری عہدہ پھر اُس کا فون نمبر اور آخر میں فیس درج تھی۔

فیس کی مالیت دیکھ کر شہزاد کے ہونٹ بے اختیار سیٹی بجانے کے انداز میں سُکڑ گئے۔ افسروں نے سارا کو ایک دن کے دو دو سو ڈالر دیے تھے اس کا مطلب تھا کہ اب تک وہ خوبصورت لڑکی حکومت کو چار سو اب ڈالرز کا نقصان پہنچا چکی تھی۔

ہر نام کے سامنے مختصر ترین الفاظ میں وہ معلومات بھی درج تھیں جو اُس سے حاصل کی جا سکتی تھیں۔ انہیں پڑھ کر شہزاد کا دماغ گھوم گیا۔ سارا نے بے شک امریکہ کو کنگال کرنے کا بے داغ منصوبہ تیار کیا تھا بشرطیکہ اُس کی ملاقات شہزاد سے نہ ہوئی ہوتی۔

اس فائل میں اُسے اُن تمام افراد کے بارے میں معلومات مل گئیں جو اُسے درکار تھیں لیکن ایک چیز پر آ کر وہ اٹک گیا کہ اس میں کل بہتر نام لکھے ہوئے تھے جب کہ اُس نے بہتر فائلیں دیکھی تھیں۔ اُن پر نمبر بھی درج تھے اس لیے غلطی کا کوئی احتمال نہیں تھا۔

کون سا نام شامل نہیں تھا؟

اُس نے دوبارہ فہرست چیک کرنی شروع کی اور بالآخر ایک فائل ایسی مل گئی جس کی انٹری فہرست میں نہ تھی۔ اُس نے فوراً فائل کھول کر اُس کے مندرجات پڑھنے شروع کر دیے۔ وہ جو چاہتا تھا اُسے مل گیا تھا۔ اُس نے فائلیں وہیں چھوڑیں اور ضروری کاغذات جیب میں ٹھونستا ہوا اُٹھ بیٹھا۔

بیرونی کمرے سے گزرتے ہوئے اُس نے کاؤچ پر بندھی ہوئی سکریٹری کو دیکھا لیکن اُسے نظر انداز کرتے ہوئے خارجی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

*

شہزاد چھٹی منزل کے ایک کمرے کے سامنے رُکا جو اُس کی معلومات کے مطابق مریضوں کے لیے مخصوص تھا۔ مگر اس کمرے میں ذرا سا فرق رکھا گیا تھا۔ باقیوں کے دروازے گرے رنگ کے تھے جب کہ اس کا سیاہ تھا۔ اندر سے ٹھک ٹھک کی آواز سنائی دے رہی تھی لیکن

ڈائجسٹوں کے مقبول سلسلے

سرکش	(۱۲ حصے)	محمود احمد مودی	۷۲۰/-
ٹائیگر	(۱۳ حصے)	مشتاق احمد قریشی	۶۵۰/-
خبیث	(۵ حصے)	انوار صدیقی	۲۲۵/-
درخشاں	(۲ حصے)	انوار صدیقی	۱۰۰/-
روگی	(۵ حصے)	م الف صدیقی	۲۷۰/-
دہشت گرد	(۴ حصے)	سلیم فاروقی	۲۰۰/-
سرفروش	(۲ حصے)	اظہر کلیم	۱۲۰/-
شہباز	(۲ حصے)	اظہر کلیم	۱۲۰/-
انسان اور شیطان	(۲ حصے)	محمد فراز	۱۵۰/-

ناشر

مکتبہ القریش سرکلر روڈ، اردو بازار
لاہور فون: ۷۶۶۸۹۵۸

شہزاد یہ اندازہ نہ لگا سکا کہ یہ کیوں اُبھر رہی ہے۔ اُس نے دروازے کو ہاتھ لگا کر دیکھا وہ دوسرے مرہنوں کے کمروں کے دروازوں کے برعکس مقفل تھا۔ اُس نے اپنی انگشتِ شہادت سیدھی کر کے قفل کے بولٹس پر اُس کا دباؤ ڈالا۔ اگلے ہی لمحے پورا تالا دروازے سے الگ ہو کر نیچے جا گرا۔

اُس نے دروازے کا پٹ دھکیلا اور اندر داخل ہو گیا۔ وہ ایک بہت بڑا کمرہ تھا جس کے سامنے والی دیوار پر ایک قد آدم تصویر آویزاں تھی جب کہ اُس سے ذرا فاصلے پر ایک شخص دروازے کی طرف پُشت کیے کھڑا تھا۔

"دفع ہو جاؤ۔" وہ شخص پلٹا تو شہزاد نے فوراً اُسے پہچان لیا۔ ڈاکٹر لارنس گرانڈ کو امریکہ کا بچہ بچہ جانتا تھا۔ وہ سیاہ فام تھا لیکن ریٹمی فیصلے پر اُسے اتھارٹی تسلیم کیا جاتا تھا اُسے امریکہ کا سب سے مہنگا اور قیمتی آدمی قرار دیا جاتا تھا۔ "میں مصروف ہوں۔" وہ چند ثانیے توقف کے بعد بولا۔

وہ پیروں سے ننگا تھا اور اس وقت اُس کے ہاتھ میں چھوٹے چھوٹے تیر تھے جو وہ باری باری سامنے والی تصویر کے مختلف حصّوں پر برسا رہا تھا۔

شہزاد نے ڈاکٹر کو کوئی جواب دینے کی بجائے تصویر کو دیکھا۔ وہ سارا فورسٹر تھی لیکن اس وقت اُس کے بدن کے مختلف حصّے چھوٹے چھوٹے تیروں سے اٹے ہوئے تھے جو ڈاکٹر لارنس گرانڈ نے پھینکے تھے۔

"میرا خیال ہے میں نے تمہیں یہاں سے چلے جانے کو کہا ہے۔" ڈاکٹر لارنس دوبارہ گویا ہوا۔

"میں سُن چکا ہوں۔" شہزاد نے بے نیازی سے کہا اور بدستور سارا فورسٹر کی تصویر دیکھتا رہا۔

"تم نے مجھے آنے کا مقصد نہیں بتایا۔"

"کھیل ختم ہو گیا، لارنس۔"

"تو اُس کتیا نے زبان کھول دی۔" ڈاکٹر کا اشارہ واضح طور پر سارا کی طرف تھا۔

"نہیں۔" شہزاد نے جواب دیا۔ "اگر یہ تمہاری تسلی کے لیے کافی ہے تو میں صرف یہی کہوں گا کہ اُس نے کچھ کہے بغیر موت کو گلے لگایا ہے۔"

"اوہ، اچھا ہوا۔" ڈاکٹر کو سارا کے مرنے کا قطعی کوئی دُکھ نہیں ہوا۔ "میں جانتا تھا کہ وہ کتیا راز کو راز رکھنا جانتی ہے۔"

"مجھے پتا چلا کہ نیو جرسی میں ایک بار تمہیں ٹریفک کی خلاف ورزی کے الزام میں گرفتار کیا گیا تھا۔" شہزاد نے ڈاکٹر کو آگاہ کیا۔ "اور اُس دن سے امریکہ کے لیے تمہارے دل میں نفرت کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے کیا تم نے یہ سارا منصوبہ محض اُس چھوٹے سے واقعے کا بدلہ لینے کے لیے ترتیب دیا تھا؟"

"نہیں، مسٹر شہزاد۔" ڈاکٹر نے براہِ راست اُسے اُس کے نام سے مخاطب کیا مطلب یہی بتانا تھا کہ وہ اُس کے بارے میں سب کچھ جانتا ہے۔ "وہ تو واقعی ایک چھوٹا سا واقعہ تھا۔ اصل بات یہ ہے کہ تمہارا مُلک غاصب ہے یوں سمجھ لو کہ اس مُلک نے میرے لوگوں کے ساتھ جو کچھ کیا ہے میں اس کا بدلہ لے رہا ہوں۔"

"تمہارے لوگ؟" شہزاد نے حیرت سے پوچھا۔ "اگر تمہارے منصوبے کامیاب ہو جائیں تو ساٹھ وہ بھی مارے جائیں گے۔"

"ظاہر ہے، گندم کے ساتھ گھن بھی تو پستا ہے۔"

"یہ آئیڈیا کس کا تھا، تمہارا یا سارا کا؟"

"میرا۔" ڈاکٹر نے فخریہ انداز میں کہا۔ اس بے وقوف کے پاس اتنا بڑا دماغ نہیں تھا کہ اس قسم کا منصوبہ بنا سکتی لیکن جب میں یہاں آیا تو مجھے اپنے منصوبے کے تمام لوازمات یہاں نظر آئے۔ میں بھی تھراپی کے لیے آیا تھا لیکن جب میں نے دیکھا کہ اُس خوبصورت ناگن نے بڑے بڑے سرکاری افسروں کو اپنی زُلف کا اسیر بنا رکھا ہے تو میں نے اُسے بھی اپنے ساتھ شامل کرنے کا فیصلہ کر لیا کیونکہ وہ اُن سے ہر طرح کا کام لے سکتی تھی۔"

"لیکن تم نے سارا پر کس طرح قابو پایا؟" شہزاد نے بدشکل اور بدہیئت نیگرو سے پوچھا۔

"ممکن ہے تم اس پر یقین نہ کرو لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ مجھ سے پیار کرتی تھی۔"

"باقی لوگ کس طرح اُس کے یا تمہارے احکامات کی تعمیل کرتے تھے؟"

"ہپناٹزم۔" ڈاکٹر نے جواب دیا۔ "سب سے پہلے وہ اپنے مریضوں کو یہ یقین دلا دیتی تھی کہ وہ جو کچھ کر رہے ہیں وہی دُرست ہے، اب اُس کرنل کو لے لو، اُسے یقین تھا کہ تم رُوسی جاسوس ہو۔ جنرل ڈورف ویل کو پُورا اعتماد تھا کہ

وہ سنیٹ لوئیس پر نہیں بلکہ پیکنگ پر ایٹم بم گرا رہا ہے اور ایڈمرل کریسٹ نے مجسمۂ آزادی سے اپنا جہاز اُسے ایفل ٹاور سمجھ کر ٹکرایا تھا یہ سب سارا کا کمال تھا کہ وہ ۔۔۔ کسی بھی انہیں کنٹرول کرتی تھی۔ وہ ایک بار انہیں اپنا کمال دکھاتی تھی اور پھر اُن کا کمال ۔۔۔"

"اور وہ گیت؟"

"وہ بھی میرا تخیل تھا۔" ڈاکٹر مُسکرایا۔ "ہپناٹزم میں ہمیشہ ایک کی ورڈ ہوتا ہے، جب بھی معمول کے سامنے وہ لفظ دُہرایا جاتا ہے وہ ٹرانس میں آ جاتا ہے۔ بس کسی طرح معمول کو یہ گیت یاد دلایا جاتا تھا اور باقی کام وہ خود کر گزرتا تھا۔"

"زبردست۔" شہزاد نے باقاعدہ تالی بجائی۔ "اب صرف یہ بتا دو کہ بولی کہاں ہو رہی ہے؟"

لارنس مُسکرایا۔ اُس نے شہزاد کے سوال کو یکسر نظر انداز کر دیا۔ "ایک چیز مجھے پریشان کر رہی ہے شہزاد۔" اُس نے بدستور مُسکراتے ہوئے کہا۔ "میں نے منصوبہ بناتے وقت تمہارے علاوہ ہر شے ذہن میں رکھی تھی۔ یہ حکومت کو صدیوں تھیقات کرتی رہتی تب بھی ہم تک نہ پہنچ سکتی تھی لیکن پھر جانے کہاں سے ایک تنظیم پیدا ہو گئی جو سب پر بھاری پڑی اُس کے بعد تم آ ٹپکے ۔۔۔" ڈاکٹر ایک لمحے کے لیے رُکا لیکن جب دوبارہ بولا تو اُس کا انداز بدل چُکا تھا۔ "۔۔۔ میرے ہاتھ میں پکڑے ہوئے یہ تیر یا ڈارٹس زہر آلود ہیں۔ اس سریع الاثر زہر کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ اگر ایک بار یہ جسم میں داخل ہو جائے تو انسان دوسرا سانس نہیں لے سکتا لہٰذا اگر تم یہ چاہتے ہو کہ یہ زہریلا تیر تمہارے جسم سے دُور رہے تو مجھے بتاؤ کہ تمہارا تعلق کہاں سے ہے؟"

یہ کہتے ہی لارنس کئی قدم پیچھے ہٹ گیا تاکہ ٹائیگر پر ڈارٹ پھینک سکے۔

"اور اگر میں نہ بتاؤں تو؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"تو ۔۔۔" ڈاکٹر لارنس نے صرف ایک لفظ کہا اور چشم زدن میں ایک ڈارٹ شہزاد کی طرف پھینک دیا۔

ڈاکٹر کا خیال تھا کہ شہزادہ تیر سے بچنے کے لیے اِدھر اُدھر جھکائی دے گا۔ قلابازیاں لگائے گا یا زمین پر بیٹھ جائے گا لیکن یہ دیکھ کر وہ بڑا حیران ہوا کہ ان میں سے کوئی واقعہ بھی نہ ہوا۔ شہزاد کا دایاں ہاتھ اُوپر آیا درمیانی اُنگلی اور انگوٹھا آگے بڑھے اور اُس نے تیز رفتار تیر کو چٹکی میں پکڑ لیا۔

مارے حیرت کے ڈاکٹر کی آنکھیں پھیل گئیں۔ ایسا مافوق الفطرت آدمی اس سے پہلے اُس کی نظروں سے نہیں گزرا تھا۔

اُس نے دوسرا تیر پھینکا لیکن اُس کا حشر بھی پہلے تیر جیسا ہی ہوا تھا البتہ شہزاد نے اس بار بایاں ہاتھ استعمال کیا تھا۔

شہزاد نے دونوں تیر نیچے پھینکے اور قدم بہ قدم آگے بڑھنا شروع کر دیا۔ لارنس نے دو اور تیر پھینکے لیکن جب کوئی بھی تیر شہزاد کے جسم سے مَس نہ ہوا تو اس نے خوفزدہ ہو کر ہٹنا شروع کر دیا۔

ابھی اس نے چند قدم ہی اٹھائے تھے کہ اس کا پیر قالین سے اُلجھا اور وہ پشت کے بل زمین پر آ رہا۔ اس نے دوبارہ اُٹھنے کی کوشش کی، لیکن تب تک شہزاد اس کے سر پر پہنچ چکا تھا۔

سب سے پہلے اُس نے پیر کی ہلکی سی ٹھوکر لارنس کے اُس ہاتھ پر رسید کی جس میں اب بھی تین تیر باقی تھے۔ تیر اُس کے ہاتھ سے نکل کر دور جا گرے۔ جبکہ لارنس مارے درد کے چیخ اُٹھا۔

شہزاد مزید آگے بڑھا اب وہ اس طرح لارنس کے جسم پر کھڑا تھا کہ اس کا چہرہ شہزاد کے دونوں پیروں کے درمیان پھنسا ہوا تھا۔

"ہاں جان! اب بتاؤ، نیلامی کہاں ہو رہی ہے؟"

ڈاکٹر نے جواب دینے کی بجائے نفی میں سر ہلا دیا۔

شہزاد نے دونوں ایڑیوں کا تھوڑا سا دباؤ اُس کے جبڑوں پر ڈالا تو وہ بلبلا اُٹھا۔

"جلدی بتاؤ، نیلامی کہاں ہو رہی ہے؟"

"ولی بروک ایکو پٹی ایسوسی ایٹس۔" بالآخر ڈاکٹر پھوٹ پڑا۔ "کل دوپہر کو شو پارک میں۔"

"میرا خیال ہے کہ اب جدائی کا وقت آ گیا ہے۔"

"تم مجھے نہیں مار سکتے۔" ڈاکٹر اُس کے جملے کا مطلب سمجھ کر چیخ اُٹھا۔ "میں ایٹمی فضلے کا مشہور ترین ماہر ہوں اس لیے مجھے زندہ رہنا چاہیے۔"

"کیوں نہیں۔" شہزاد نے اس سے اتفاق کیا۔ "کالوس پورٹر جنرل ڈورف ویل اور دوسرے لوگ بھی اپنے اپنے شعبوں

کوئی خاص حفاظتی انتظامات نہیں کیے گئے تھے۔ شاید اس طرح وہ یہ تاثر دینا چاہتے تھے کہ یہاں کوئی غیر معمولی سرگرمی نہیں ہو رہی ہے۔

اس نے اطمینان سے مرکزی دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گیا۔ دائیں جانب ایک ہال دے تھا۔ اس کے حساس کانوں نے اسی طرف سے بعض آوازوں کی بھنبھناہٹ سنی تو وہ اُدھر ہی بڑھ گیا۔ ہال کے آخری سرے پر ایک دروازہ نیم وا تھا۔ آوازیں وہیں سے آ رہی تھیں۔ شہزاد دروازے کے قریب جا کھڑا ہوا۔

اندر ایک شخص بول رہا تھا۔ لہجہ اس کا یورپین تھا لیکن انگریزی برطانوی ہرگز نہیں تھی۔ "تمام افراد قواعد سے متفق ہو چکے ہیں۔ اب میں آپ حضرات کی سربمہر پیش کشیں وصول کروں گا اور انہیں دوسرے کمرے میں جا کر کھولوں گا۔ واپس آ کر میں کامیاب بولی دہندہ کے نام کا اعلان کروں گا۔ ناکام رہنے والے بولی دہندگان اگلے ہفتے زیورچ میں میرے دفتر سے اپنا سکیورٹی ڈپازٹ واپس لے سکتے ہیں جبکہ کامیاب بولی دہندہ میرے باس سے بات کرے گا اور بعد ازاں سودے اور اطلاعات کے تبادلے عمل میں آئیں گے۔"

تمام افراد نے بیک زبان اس سے متفق ہونے کا اعلان کیا۔

لیس منٹر ریتیزل:

"براہ مہربانی اپنے اپنے لفافے میرے حوالے کر دیں۔"

پہلی آواز دوبارہ سنائی دی۔

شہزاد کو کاغذوں کی سرسراہٹ سنائی دی اور پھر ایک کرسی دھکیلی گئی۔ "اب میں پیش کشوں کا جائزہ لینے کے لیے دوسرے کمرے میں جا رہا ہوں۔"

قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ آواز اسی جانب آ رہی تھی جدھر وہ کھڑا تھا۔ وہ پھرتی سے قریب ہی نظر آنے والا ایک دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا لیکن اسے لفافے بردار شخص کی بدقسمتی ہی کہا جائے گا کہ اس نے بھی بولیوں کا معائنہ کرنے کے لیے اسی کمرے کا انتخاب کیا تھا جس میں شہزاد داخل ہوا تھا۔

لیکن آنے والا شخص شہزاد کو دیکھ نہیں سکا تھا کیونکہ وہ کھلنے والے دروازے کی اوٹ میں ہو گیا تھا۔ وہ اس وقت چونکا جب شہزاد نے نیم وا رہ جانے والا دروازہ بند کیا تھا۔

سینکڑوں انسانوں کے
خوفناک قاتل

مشہورِ زمانہ ٹھگ امیر علی کی
سنسنی خیز داستان

انسان
اور
شیطان

محمد فراز

2 حصوں میں شائع ہو گئی ہے

قیمت فی حصہ -/75 روپے
مکمل سیٹ -/150 روپے

ناشر
مکتبہ القریش۔ سرکلر روڈ
اُردو بازار لاہور۔2

کے ماسٹر تھے انہیں بھی زندہ رہنے کا حق حاصل تھا۔"

"تو پھر پولیس کو کال کر لو۔" لارنس نے ملتجیانہ انداز میں کہا۔ "میں اگر سفید فام ہوتا تو تم مجھے مارنے کا فیصلہ کبھی نہ کرتے۔"

"تم کسی بھی رنگ کے ہوتے میں تمہیں کبھی زندہ نہ چھوڑتا۔" ٹائیگر نے سفاکی سے کہا۔ ساتھ ہی وہ پنجوں کے بل ذرا سا اُٹھا اور پھر اپنی ایڑیوں کو سلیوٹ کے انداز میں ایک دوسرے سے ملانے کی کوشش کی، لیکن درمیان میں لارنس کا سر تھا۔

ایڑیاں بجنے کی آواز تو نہ آ سکی لیکن لارنس کی آخری چیخ اور اس کے جبڑے اور کھوپڑی ٹوٹنے کی آواز ضرور سنائی دی تھی۔

✿

شہزاد جب اپنے کمرے میں واپس آیا اُوشان اس وقت ہیڈ فائی وی دیکھ رہا تھا۔ ادھر شہزاد نے بولنے کے لیے منہ کھولا اور اُدھر اُوشان نے ہاتھ اُٹھا کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

شہزاد وہیں ساکت ہو گیا لیکن اُسے زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑا۔ دو منٹ میں ہی میونہ لکل پروگرام ختم ہو گیا۔ اُوشان نے ٹی وی آف کیا اور شہزاد کی طرف رُخ کر لیا۔

"ہمیں روانہ ہونا ہے، لٹل فادر۔"

"وہ تو سب کو ہونا ہے میرے بچے۔" اُوشان نے خاص فلاسفرانہ جواب دیا۔

"میرا مقصد دُنیا سے روانہ ہونے کا نہ تھا لٹل فادر۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ ہمیں یہاں سے روانہ ہونا ہے۔"

"کیا سارا اُسے ساری دلچسپی ایک دم ختم ہو گئی ہے؟" اُوشان کا انداز خاصا معنی خیز تھا۔

"میں اُس کی روح کو سانجو پہنچا آیا ہوں۔"

"خبردار۔" اُوشان نے فوراً اسے خاموش کر دیا۔ "وہ روح نہیں، بدروح ہے اور بدروحوں کا داخلہ سانجو کی حدود میں ممکن نہیں۔"

"اور وہ جو شاہی قبرستان میں اتنی ساری بدروحیں جمع کر رکھی ہیں وہ...؟"

"میں نے تمہیں کتنی مرتبہ سمجھایا ہے کہ سانجو کے محترم ماسٹروں کی شان میں گستاخی نہ کیا کرو۔ وہ تمہارے..."

"اور تم ان کے ولی عہد ہو۔ اس بات کو ہر وقت ذہن میں رکھا کرو۔"

"آپ نے خود ہی ایک بار..."

"جھوٹے پر لعنت۔ میرے نام کے ساتھ ایسی خرافات منسلک کرنے کی ضرورت نہیں۔"

"آپ پتا نہیں کیسی کیسی جھوٹی سچی باتیں ماسٹروں سے منسوب کرتے رہتے ہیں تو کیا مجھے اتنا بھی حق نہیں۔"

"ذرا مشن ختم ہوتے وہ پھر میں بتاؤں گا کہ کس کو کتنا حق حاصل ہے۔"

"ہمارا یہاں کا کام ختم ہو گیا ہے۔" شہزاد نے موضوع بدلتے ہیں ایک ثانیے کی تاخیر نہیں کی۔ "اب ہمیں کہیں اور اپنی صلاحیتوں کے جوہر دکھانے ہیں۔"

"میں ہمیشہ لمحوں میں تیار ہو جایا کرتا ہوں۔" اوشان نے جواب دیا۔

حالانکہ شہزاد جانتا تھا کہ کئی لمبے تو بعض تیرہ صندوقوں کو منتقل کرنے کے لیے درکار ہوتے ہیں۔ اس نے خاموش رہنا ہی بہتر سمجھا کیونکہ وہ نہیں چاہتا تھا کہ کسی اور بحث میں وقت کو ضائع کیا جائے۔

نیویارک پہنچ کر شہزاد نے ڈائریکٹری مسیں سے ولی بروک ایکوٹی ایسوسی ایٹس کا نمبر اور پتا لیا اور پھر فون ملایا۔ جواب نسوانی آواز نے دیا۔ شہزاد نے اُسے بتایا کہ وہ ایک انویسٹر ہے اور ٹیکس کے سلسلے میں مشاورت کے لیے فوری طور پر کسی سے ملنا چاہتا ہے۔

"آج تو آپ کسی سے نہیں مل سکتے سر!" نسوانی آواز نے جواب دیا۔ "ہمارے دفاتر اب سے تین بجے تک کے لیے بند ہیں ہاں کل کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"ٹھیک ہے، میں کل فون کروں گا۔" شہزاد نے فون رکھ دیا۔ اس کا مطلب تھا کہ امریکہ کو نیلام کرنے کی بولی دوپہر کے بعد ہونے والی تھی اور اُسے یقین تھا کہ ایک بولی دہندہ کی گنجائش تو مزید نکل ہی سکتی ہے۔

✿

دوپہر کے فوراً بعد وہ آٹھویں منزل پر ولی بروک ایسوسی ایٹس کے دفتر کے باہر موجود تھا۔ ورکروں کا ہجوم لنچ پر جانے کے لیے اس کے سامنے ہی ہال وے سے نکل کر ایلیویٹرز کی طرف بڑھا تھا۔ آنے جانے والے کسی بھی شخص نے شہزاد سے کوئی تدخل نہ کیا تھا۔ اس نے یہ بات بھی بطور خاص نوٹ کی تھی کہ دفتر میں

Uploaded By Nadeem

"کون ہو تم؟" ہاؤس آف رافن برگ کے مسٹر رنیزل نے بدحواس ہو کر پوچھا۔

"میں کار خریدنے کے لیے قرضہ لینے آیا ہوں۔" شہزاد نے اطمینان سے جواب دیا۔

"دفتر بند ہو چکا ہے اس لیے اس سے پہلے کہ میں پولیس طلب کروں یہاں سے بھاگ جاؤ۔"

"کوئی بات نہیں۔" شہزاد مسکرایا۔ "تم کار خریدنے کے لیے رقم نہیں دینا چاہتے تو میں کچھ اور خرید لیتا ہوں۔ مثلاً کوئی حکومت۔ ویسے کوئی حکومت فروخت کے لیے موجود ہے؟"

رنیزل نے کندھے اچکائے۔ "میں تمہاری بکواس کا ایک لفظ بھی نہیں سمجھ سکا۔"

"تو پھر لوں سمجھ لو کہ میں بھی بولی دینے آیا ہوں۔"

"کس ملک سے؟" رنیزل نے روانی سے پوچھا۔ "اور تمہارے ملک نے سیکورٹی ڈپازٹ کیوں جمع نہیں کرایا؟"

"ملک ہے ریاستہائے متحدہ امریکہ۔ کالوس پورٹ، ٹیکسل ڈورف ویل، لوئر ٹن ہیرٹ اور ایڈمرل کریمٹ کا ملک۔ میری بول کی رقم ان کی زندگیاں ہیں جو پہلے ہی ادا کی جا چکی ہے اور اس کے ہوا کسی ڈپازٹ کی ضرورت نہیں ہے۔"

رنیزل لمحہ بھر کے لیے شہزاد کی آنکھوں میں دیکھتا رہا لیکن وہاں اسے سختی اور گہرائی کے علاوہ کچھ نظر نہ آسکا تھا۔ اسے فوراً ہی یقین ہو گیا کہ یہ شخص جھوٹ نہیں بول رہا اور کھیل ختم ہو گیا ہے۔

وہ لڑکھڑانے کے سے انداز میں آگے بڑھ کر ایک کرسی پر ڈھیر ہو گیا۔ "میرے باس کا کیا بنا؟" اس نے ہلکی آواز میں دریافت کیا۔ "وہ شخص جس کی میں نمائندگی کر رہا ہوں۔"

"مر چکا ہے۔"

"وہ کیسا آدمی تھا۔ میں اس سے کبھی نہیں ملا۔"

"پاگل کتا۔" اس بار بھی شہزاد کا جواب مختصر ہی تھا۔

"اور اب میرے ساتھ کیا ہو گا؟"

"میں تمہارے قتل کی خواہش لے کر یہاں نہیں آیا مسٹر رنیزل۔" شہزاد نے جواب دیا۔ "آج کے بعد تم امریکہ میں نظر نہیں آؤ گے۔ سوئٹزرلینڈ جاؤ اور شریف بینکروں کی طرح باقی زندگی گزارو۔"

رنیزل کے تپھڑے کی رونق واپس لوٹ آئی۔ "کیا میں باہر موجود لوگوں کو بتا دوں کہ نیلامی ختم ہو گئی ہے؟"

"نہیں۔" شہزاد نے نفی میں سر ہلایا۔ "بعض کام میں نے اپنے ذمے لے رکھے ہیں۔"

وہ آگے بڑھا۔ رنیزل نے اس کا دایاں ہاتھ کنپٹی کی طرف بڑھتا محسوس کیا۔ اس نے پیچھے ہٹنے کی کوشش کی لیکن اس وقت تک وہ سرد انگلیاں کنپٹی سے مس ہو چکی تھیں۔ اگلے ہی لمحے وہ ہوش و حواس سے بیگانہ ہو گیا۔

شہزاد نے پیش کشوں کے لفافے اس کے ہاتھ سے لیے اور اس کمرے کی طرف بڑھا جہاں بولی دہندگان رنیزل کی واپسی کے منتظر تھے۔ انکھوں کے سات جوڑوں نے اسے اندر داخل ہوتے دیکھا۔

"مسٹر رنیزل کہاں ہیں؟" ایک بولی دہندہ نے دریافت کیا۔

"وہ کچھ دیر کے لیے باہر چلے گئے ہیں لیکن میرے پاس باقی کام نمٹانے کے اختیارات موجود ہیں۔"

بولی دہندگان خاموش ہو گئے۔

شہزاد اس کرسی کی جانب بڑھا جس پر پہلے رنیزل بیٹھا ہوا تھا لیکن وہ اس پر بیٹھا نہیں بلکہ اس نے کھڑے رہنے کو ہی ترجیح دی تھی۔ تمام لوگ اشتیاق سے اس کے فیصلے کے منتظر تھے۔

"اس سے پہلے کہ میں کامیاب بولی دہندہ کے نام کا اعلان کروں چاہتا ہوں کہ اس بولی کے بارے میں کچھ باتیں آپ کو بتا دوں۔" شہزاد نے دونوں ہاتھ میز پر جما کر بات شروع کی۔ "اس بات کا اعلان کیا گیا تھا کہ پیش کش صرف سونے کی صورت ہو گی لیکن کامیاب بولی دہندہ نے سونے سے بڑھ کر فہمت اور مالیت پیش کی ہے اس نے عزم و حوصلے اور خون کے ساتھ ساتھ وفاداریاں بھی پیش کی ہیں۔ لہٰذا اسے کامیاب قرار دے دیا گیا ہے۔"

"مگر کامیاب بولی دہندہ ہے کون؟" ایک بے تاب شخص نے سوال کیا۔ ٹائیگر کے خیال میں وہ حکومت فرانس کا نمائندہ تھا۔

"معزز حضرات!" ٹائیگر نے حاضرین کا بغور جائزہ لیتے ہوئے دوبارہ بات شروع کی۔ "کامیاب بولی دہندہ کا نام ہے... ریاستہائے متحدہ امریکہ..."

وہاں بیٹھے ہوئے تمام افراد کو سانپ سونگھ گیا تھا۔

✦

شہزاد جب ہوٹل واپس پہنچا تو اوشان ٹی وی بند کر رہا تھا۔ شاید اس کا پسندیدہ پروگرام ابھی ختم ہوا تھا اور نہ وہ

اتنا نیک ہرگز نہ تھا کہ شہزاد کی خاطر ٹی وی بند کر دیتا۔

اس نے محض ایک اچٹتی ہوئی نگاہ شہزاد کے چہرے پر ڈالی اور کامیابی کی مبارکباد دے ڈالی۔ اتنی ضرورت اسے ہرگز نہ تھی کہ وہ شہزاد سے پوری رام کہانی پوچھتا۔ اس کے چہرے کے تاثرات نے ہی پوری داستان سنا ڈالی تھی۔

"اپنے تاثرات پر قابو پانا سیکھو۔" اوشان نے اگلے ہی لمحے اسے نصیحت کی۔ "بولنے والی آنکھیں اور باتیں کرتے ہوئے چہرے ہمیشہ نقصان کا باعث ہوتے ہیں۔"

"یس، اٹل فادر۔" خلاف توقع شہزاد نے فوراً ہی اس کی بات تسلیم کر لی۔

"مشن مکمل ہو گیا ہے اور میں نے تمہیں بتایا تھا کہ اس کی تکمیل پر تمہاری خبر لی جانے والی ہے۔" اوشان نے اسے یاد دلایا۔

"مجھے یاد ہے، اٹل فادر۔" شہزاد نے جواب دیا۔ "لیکن پہلے میں سویٹ ہارٹ کو رپورٹ دے لوں۔"

"اس سے یہ بھی پوچھنا کہ کیا اس ماہ آبدوز سنابخور روانہ ہوئی ہے یا نہیں؟"

"یہ آپ کے اپنے بکھیڑے ہیں، آپ خود نمٹا لیجیے گا۔" شہزاد نے ٹیلی فون کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ "سونے کی اس غیر قانونی نقل و حمل اور ان بھوکے ننگوں سے میرا کیا واسطہ۔"

"بکواس۔" اوشان نے اس کا جملہ کاٹ دیا۔ "تم سنابخور کے دلی مہد ہو اور جنہیں تم بھوکے ننگے کہہ رہے ہو، وہ تمہاری قابلِ قدر رعایا ہیں۔ ان کا احترام کرنا سیکھو۔"

شہزاد نے جواب دیے بغیر ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کرنے شروع کر دیے۔

"اپنے سویٹ ہارٹ سے کہنا کہ میں بعض کاروباری معاملات پر اس سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

شہزاد نے محض سر ہلانے پر اکتفا کیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اوشان کے کاروباری معاملات کیا ہو سکتے ہیں۔ سونے کی مقدار بڑھوانی ہو گی یا تنخواہ میں اضافے کا مطالبہ کرنا ہو گا۔

دوسری جانب گھنٹی بجی تو فوراً ہی ریسیور اٹھا لیا گیا۔

"بہرام اسپیکنگ۔"

"میری خواہش رہی ہے کہ میں کبھی تمہیں فون کروں اور تم اپنی میزبدہ ملوتو میں محکمہ آثارِ قدیمہ اور عجوبوں کی نگہداشت کے محکمے کو فون کروں تاکہ..."

"میں اس وقت مذاق کے موڈ میں بالکل نہیں۔" بہرام کی سنجیدگی میں ڈوبی ہوئی آواز سنائی دی۔ "مجھے تمہارے فون کا انتظار تھا۔ بتاؤ کیا ہوا؟"

"نیلامی ختم ہو گئی، ہم جیت گئے۔"

"تھینک گاڈ۔" بہرام ایک تنفس کے لیے رکا اور پھر بولا۔ "کوئی نقصان... میرا مطلب ہے کتنے افراد شیر کا شکار ہو گئے؟"

"کوئی نہیں۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔

"یہ بھی بہتر ہوا۔" بہرام نے طویل سانس لی۔ "اب تم ایسا کرو کہ ماشر کے ساتھ فوری طور پر چارہ گر..."

"سوری، سویٹ ہارٹ۔" شہزاد نے اس کی بات پوری نہیں ہونے دی۔ "ماشر بے شک ایک گھنٹے کے اندر اندر چارہ گر پہنچ جائے گا لیکن میں نہیں آ رہا۔"

"کیوں؟"

"تمہیں یاد ہے کہ یہ کیس جب شروع ہوا تھا، اس وقت میں میامی میں چھٹیاں منا رہا تھا لہٰذا میں چھٹیاں گزارنے واپس میامی جا رہا ہوں۔"

"لیکن میرے پاس ایک انتہائی اہم کیس موجود..."

"اس وقت کوئی کیس نہیں سویٹ ہارٹ۔" شہزاد نے اس کا جملہ پورا نہیں ہونے دیا۔ "میں اس وقت صرف اور صرف چھٹیاں منانے کے موڈ میں ہوں۔"

"جو خبر میں تمہیں سنانے جا رہا ہوں، وہ بے حد اہم ہے۔"

"مجھے دنیا کی کوئی طاقت اپنے ارادے پر عمل کرنے سے نہیں روک سکتی۔"

"شہزاد!" اس بار بہرام کا لہجہ بدلا ہوا تھا۔ اوشان کے ساتھ فوری طور پر سینی ٹورینم بانچو۔ رُوبی کو اغوا کر لیا گیا ہے۔"

اس کے بعد

ٹائیگر کے گیارہویں حصے کا مطالعہ کریں۔

Uploaded By Nadeem

ٹائیگر

ڈاکٹر ایم اے قریشی

گیارھواں حصّہ

ناشر

مکتبہ القریش ◎ سرکلر روڈ

اردو بازار، لاہور ۲۔ فون: ۷۶۶۸۹۵۸

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ندیم

"کیا؟" شہزاد کو اپنی سماعت پر یقین نہیں آیا تھا۔

"میں دوبارہ دُہرائے دیتا ہوں" بہرام نے جواب دیا۔ "روبی کو اغوا کر لیا گیا ہے۔"

"اور تم دیکھتے رہے" ٹائیگر کے حلق سے آواز کی بجائے غراہٹ اُبھری تھی۔ اس کا جی چاہ رہا تھا کہ جو سامنے آئے اُس کا گلا دبا دے۔

وہ روبی سے پیار کرتا تھا لیکن نہ صرف اس کے اظہار سے کتراتا تھا بلکہ کوشش کرتا تھا کہ وہ کبھی اس کی سوچوں اور خوابوں میں بھی آئے۔ وہ اُسے یاد ضرور کرتا تھا لیکن دماغ کی طرح دل بھی اُس کے تابع تھا اور اس نے دل کو بھی سختی سے ہدایت دے رکھی تھی کہ اُسے یاد نہ کیا جائے لیکن ہے دل کی کیا بات کریں دل تو ہے ناداں جاناں

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

والا حساب تھا۔ وہ اُسے جس قدر بھلاتا تھا اُسی قدر یاد آتی تھی۔

جب وہ سامنے ہوتی تو ہمیشہ اُس سے لڑتی جھگڑتی رہتی تھی۔ حیلے بہانوں سے اُسے غصّہ دلاتی تھی۔ اُس لمحے ٹائیگر کا جی چاہتا تھا کہ وہ اس کا گلا گھونٹ دے، اسے ہمیشہ کے لیے خاموش کر دے لیکن آج تک اس ارادے پر عمل نہ کر پایا تھا کیونکہ وہ اُسے دل کی گہرائیوں سے چاہتا تھا جب وہ دُور چلی جاتی تو اُسے یاد کیا کرتا تھا لیکن اس طرح کہ دل و دماغ کو خبر نہ ہونے پائے۔

اوشان اور بہرام کی وہ ٹائیگریس تھی اور دونوں ہی چاہتے تھے کہ شیروں کی اس جوڑی کو یک جا کر دیا جائے لیکن وہ چاہنے کے باوجود ابھی تک خود کو اس کے لیے تیار نہ کر پایا، بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ اُس نے اس بارے میں سنجیدگی سے سوچا ہی نہ تھا۔ اوشان اور بہرام کا استدلال یہ تھا کہ اُسے اپنی زندگی میں شامل کر لو لیکن وہ اکثر خود سے سوال کیا کرتا تھا کہ جو پہلے سے زندگی میں شامل ہو اُسے بھلا اور کس طرح شامل کیا جا سکتا ہے؟

اور اب بہرام اُسی ہستی کے اغوا کی خبر سُنا رہا تھا جس کے لیے وہ امریکہ تو کیا پوری دنیا کی اینٹ سے اینٹ بجا سکتا تھا۔

"وہ اُس وقت چارہ گر میں موجود نہیں تھی۔" ٹائیگر کو بہرام کی آواز کہیں دُور سے آتی سنائی دے رہی تھی۔

"یہ سب کیسے ہوا؟"

"یہیں فون پر کیا بتاؤں، اسی لیے کہہ رہا ہوں کہ یہاں آ جاؤ۔"

"ٹھیک ہے میں آ رہا ہوں۔" شہزاد بھرّایا۔ "لیکن شہنشاہ، یاد رکھو اگر روبی کو کچھ ہو گیا تو پھر نہ چارہ گر باقی رہے گا نہ تم....!"

ریسیور اُس نے اتنی زور سے کریڈل پر پٹخا کہ دونوں کرچی کرچی ہو گئے۔

"غصّہ انسان کی عقل سلب کر لیتا ہے۔" عقب سے اوشان کی آواز سنائی دی۔ ٹائیگر ابھی تک ٹیلی فون اسٹینڈ کے پاس ہی کھڑا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ اوشان کی طرف مڑا۔ اس کا چہرہ غصّے کی شدّت سے لال بھبوکا ہو رہا تھا۔ آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے اور نتھنے زور زور سے پھول پچک رہے تھے۔

"غصّے سے انسان کی قوتِ فیصلہ بھی متاثر ہوتی ہے۔" اوشان نے دوبارہ اُسے مخاطب کیا۔ "اس لیے کہا گیا ہے کہ جو بھی فیصلہ کیا جائے، ہمیشہ سوچ سمجھ کر کیا جائے تاکہ نقصان کا احتمال نہ رہے۔"

"کیا میرا ردِعمل فطری نہیں، اٹل فادر؟"

"ہے! میرے بچّے، بالکل ہے۔" اوشان نے اثبات میں سر ہلایا۔ "وہ تمہیں ہی نہیں مجھے بھی بے حد عزیز ہے۔ اُس کے ساتھ جو ہونا تھا وہ ہو چکا، تم اگر غصّہ دکھاؤ گے تو اسی کمرے کی دیواروں سے سر ٹکرا ٹکرا کر ختم ہو جاؤ گے اس لیے بہتر یہ ہے کہ شہنشاہ کی بات پر عمل کیا جائے تاکہ صحیح صورتِ حال کا علم ہو سکے۔"

ٹائیگر نے خاموشی سے سر جھکا دیا۔

"ہم چارہ گر چل رہے ہیں۔" اوشان نے اعلان کیا "لیکن اس سے پہلے تمہیں نارمل ہونا ہے۔ انٹرکام پر روم سروس کو کال کرو۔"

ٹائیگر نے بغیر کسی اعتراض کے تعمیل کی تھی۔

تھوڑی دیر بعد ویٹر کمرے میں موجود تھا۔

"مجھے فوری طور پر برف کی ایک سل درکار ہے۔" اوشان نے ویٹر کو بتایا۔

"جی...؟" اُس نے حیرت سے اس منحنی بوڑھے کو دیکھا۔ اس سے پہلے کسی گاہک نے ایسی کوئی فرمائش نہیں کی تھی۔

"پانچ منٹ کے اندر اندر۔" اوشان نے حکم سُنایا۔

"جی بہتر سر!" ویٹر دروازے کی طرف مڑ گیا لیکن بوڑھے کی دماغی حالت کے بارے میں وہ اپنے طور پر فیصلہ کر چکا تھا۔

"یہ کس لیے، اٹل فادر؟" شہزاد کے لیے بھی یہ فرمائش نئی تھی لیکن اوشان نے خاموشی اختیار کیے رکھی تھی۔

پانچ منٹ بعد ایک ٹرالی پر برف کی ایک مکمل سل اوشان اور ٹائیگر کے کمرے میں پہنچا دی گئی۔ اوشان نے اُسے وسیع و عریض باتھ ٹب میں رکھوا دیا۔ ویٹرز کے جانے کے بعد وہ ٹائیگر سے مخاطب ہوا۔

"برہنہ بدن اس پر لیٹ جاؤ اور اُس وقت تک نہیں اٹھو گے جب تک یہ ختم نہیں ہو جاتی۔"

ٹائیگر نے چونک کر اوشان کو دیکھا لیکن وہ جانتا تھا

کہ حکم کی تعمیل کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔

ٹائیگر اس وقت امریکہ کی سرحد پر واقع جھیل سپیریئر کے ساحلی کینیڈین شہر پورٹ آرتھر کے ایئرپورٹ پر اپنے دو انجنوں والے بیچ کرافٹ ڈیوک ائرکرافٹ کے سامنے موجود تھا۔ اُس نے یہ طیارہ نیویارک سے کرایے پر حاصل کیا تھا اور اوشان کے اصرار کے باوجود تنہا کینیڈا روانہ ہوا تھا۔ البتہ اُس نے یہ وعدہ ضرور کیا تھا کہ وہ پہلی فرصت میں اوشان کو آنے کے لیے کہے گا۔

تنہا سفر کرنے کی کوئی اور وجہ نہیں تھی بس اُس کے ذہن میں یہ بات تھی کہ وہ اکیلا روبی کو اغوا کرنے والوں کا پتا چلائے گا۔

چارہ گر آنے کے بعد وہ بہرام پر بے حد برہم ہوا تھا۔ کہ اُس نے روبی کی حفاظت کا مناسب بندوبست نہیں کیا۔

"اس سے پہلے بھی تو وہ تنہا سفر کرتی رہی ہے۔" بہرام نے اپنا دفاع کیا۔ "نہ صرف یہ بلکہ دنیا کے دور دراز حصّوں میں مختلف جان لیوا مشن اس نے تنہا انجام دیے ہیں پھر کیا میں بالٹی مور تک کے سفر میں اُسے حفاظتی اسکواڈ فراہم کرتا؟"

"تم ویسے بھی گوشت پوست کے نہیں پتھر کے انسان ہو۔" ٹائیگر اُس کی گرفت میں مچلتا ہوا تھا۔ "تمہیں صرف اپنے مشن اور آپریشن پورے کرنے سے غرض ہے، تمہاری بلا سے کوئی مرے جیے یا اغوا ہو، اگر روبی نہ ملی تو اس کے ذمّے دار صرف اور صرف تم ہو گے اور یاد رکھو بہرام میں اُس کا انتقام لیتے وقت یہ نہیں دیکھوں گا کہ اس کی زد میں کون کون آ رہا ہے۔"

"یہ واقعہ ہوا کیسے؟" اوشان نے دخل اندازی کی۔

"روبی! چارہ گر کے ایک کام کے سلسلے میں اپنی ہیلن میں بالٹی مور روانہ ہوئی تھی لیکن وہاں نہیں پہنچی۔" بہرام نے دھیمے لہجے میں کہا۔ "اُس کی کار بالٹی مور سے تیس میل اِدھر سڑک کے کنارے بے یار و مددگار کھڑی پائی گئی۔"

"اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ اُسے اغوا ہی کیا گیا ہے؟" اس مرتبہ بھی اوشان نے ہی پوچھا تھا۔

سرزمین نیپال کا سچا واقعہ

درندہ

یعقوب جمیل کے ہوشربا قلم سے

دو جلدوں میں

مکمل سیٹ =/300 روپے

مکتبہ القریش سرکلر روڈ اردو بازار لاہور

فون 7668958

"سیڈان کا عقبی بایاں ٹائر برسٹ پایا گیا ہے۔ اُسے گولی سے چھاڑ گیا ہے لیکن کار میں کسی قسم کا خون یا مزاحمت کے آثار نہیں ملے۔ ایسا لگتا ہے کہ کار رکنے کے بعد کار کے اندر کسی قسم کی گیس چھوڑ دی گئی ہے، روبی کا پرس اور دوسرا تمام سامان کار میں ہی موجود تھا۔ اس سے اس بات کی تقویت ملتی ہے کہ اُسے اغوا کیا گیا ہے۔"

"یہ بھی تو ممکن ہے کہ اُسے گولی مار دی گئی ہو؟"

"پانچ مربع میل کا علاقہ پوری طرح چھانا گیا ہے۔ لیکن ایسے کسی واقعے کے کوئی آثار نہیں ملے۔"

"کہیں چارہ گر کا راز پھر فاش تو نہیں ہو گیا۔" ٹائیگر نے دریافت کیا۔

"اس کا بھی کوئی امکان نہیں۔" بہرام نے نفی میں سر ہلایا۔ "کار میں بے شک ایسے کاغذات موجود تھے لیکن ان پر سوائے روبی کے کسی کی انگلیوں کے نشانات نہیں پائے گئے اس لیے یہ طے ہے کہ انہیں کسی نے چھوا بھی نہیں اور پھر اب تک کسی نے اس سلسلے میں چارہ گر یا پولیس سے بھی رابطہ قائم نہیں کیا۔"

"کمپیوٹر کی اطلاع کیا ہے؟"

"وہاں کی کہانی کچھ مختلف ہے، ان دنوں امریکہ کے طول و عرض سے خوبصورت لڑکیوں کا اغوا جاری ہے۔ مختلف مقامات سے اس قسم کی متعدد شکایات ملی ہیں۔ امکان ہے کہ روبی کا اغوا بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔"

"اغوا کے مقاصد کا علم ہوا؟"

"اس سلسلے میں ابھی تک کوئی اطلاع نہیں۔"

"اغوا کرنے والوں کے بارے میں کوئی رپورٹ؟"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ٹائیگر ایک ماہر پولیس آفیسر کی طرح سوال کر رہا تھا۔ شاید اس کے اندر کا سابق آفیسر جاگ اٹھا تھا۔

"صرف یہ کہ اُن کا تعلق کینیڈا سے ہے۔" بہرام نے بتایا۔ "نہ اُن کی کوئی شناخت ہو سکی ہے اور نہ ہی اس سلسلے میں کوئی شہادت ملی ہے۔"

ٹائیگر نے اس کے بعد بھی بہت سے سوالات کیے تھے۔ بہرام نے حتی المقدور اسے مطمئن کرنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن صورت حال اس وقت ایسی تھی کہ اسے کوئی اطمینان بھی مطمئن نہ کر سکتا تھا۔ بالآخر اس نے تنہا کینیڈا جانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

اوشان نے ساتھ جانے کی انتہائی کوشش کی تھی لیکن ٹائیگر اُس وقت کسی کی کوئی بات سننے کو تیار نہ تھا چنانچہ دونوں نے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا تھا۔

اُس نے نیویارک سے دو انجنوں والا ایک چھوٹا طیارہ کرایے پر حاصل کیا اور ایئرپورٹ آرتھر جا پہنچا۔ ذہن میں کوئی خاص پروگرام یا نکتہ نہ تھا بس چند حرامزادے پیشہ ور لوگ اُس کی فہرست میں شامل تھے اور وہ انہی سے ابتدا کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔

اُسے پورٹ آرتھر پر لینڈ کیے ایک گھنٹہ ہو چکا تھا جہاز کی سروس مکمل ہو گئی تھی۔ اس عرصے میں ٹائیگر اپنا سامان کرایے کی گرنیاڈا کار میں منتقل کر چکا تھا جو اس نے ٹریفک سے حاصل کی تھی۔ سامان کیا تھا ایک چھوٹا سا اٹیچی کیس تھا جس اُس کے کپڑے اور بعض دوسری چیزیں تھیں۔

وہ سروس کرنے والے شخص کا جائزہ لے رہا تھا جو طویل قامت اور خاکستری سے بالوں والا ایک مضبوط کاٹھی کا نوجوان تھا۔ عمر اُس کی انیس بیس سے زیادہ نہیں تھی لیکن کام کا وہ ماہر دکھائی دیتا تھا۔

ٹائیگر کو جو چیز پریشان کر رہی تھی وہ یہی نوجوان تھا۔ اس وقت اس کا ذہن پراگندہ تھا لیکن وہ چیخ چیخ کر اعلان کر رہا تھا کہ ٹائیگر پہلے بھی اس نوجوان سے مل چکا ہے۔ وہ طویل عرصے بعد کینیڈا آیا تھا اور اُس کے ذہن کے کسی خانے میں کینیڈا کے حوالے سے کوئی ایسی بات نہ تھی جس میں وہ نوجوان فٹ ہو سکتا مگر یہ طے تھا کہ ٹائیگر نے اُسے دیکھا ضرور تھا۔ مگر کہاں؟ یہ وہ سوال تھا جس کا فوری جواب اُس کے پاس نہیں تھا۔

لڑکے نے سروس کے بعد جہاز کی چابیاں اُسے تھمائیں اور ٹائیگر نے پچاس ڈالر کا ایک نوٹ اس کی طرف بڑھا دیا۔ لڑکے نے نوٹ کو چوم کر جیب میں ڈالا اور شکریہ ادا کر کے ہینگر کی طرف چل دیا۔

ٹائیگر مزید نصف گھنٹے تک وہاں موجود رہا لیکن وہ خاکستری بالوں والا اُس کے ذہن سے محو نہیں ہوا۔ آخر اُس نے اُس پر لعنت بھیجی اور ایئرپورٹ انٹرنس کی طرف بڑھ گیا۔ گرنیاڈا بالکل نئی تھی اور اس کا انجن درست حالت میں تھا۔

شام کے تین بج رہے تھے۔ ٹائیگر نے پہلے سوچا کہ ایئرپورٹ کے ڈائننگ روم میں ہی کچھ کھا لے لیکن پھر اُس نے پہلے ہوٹل جا کر شاور لینے اور بعد میں لنچ کرنے کا فیصلہ کیا۔

چند ہی لمحوں بعد اُس کی کار شہر جانے والی شاہراہ پر دوڑ رہی تھی۔

ایئرپورٹ سے چند میل آگے آ کر اس نے کار ایک ٹریفک سگنل پر روکی تو بلا ارادہ اُس کی نگاہ بیک ویو مرر پر چلی گئی۔ ہلکے نیلے رنگ کی ایک کیڈلک عقب میں موجود تھی۔ جانے کیوں اُسے شبہ ہوا کہ کیڈی اس کا تعاقب کر رہی ہے۔

سگنل کھلنے کے بعد اُس نے کار آگے بڑھائی اور کم رفتار والی اسٹرپ پر چلنے لگا تاکہ کیڈی کو آگے نکلنے کا راستہ مل سکے لیکن کیڈی نے اُسے اوورٹیک نہیں کیا جس سے یہ شبہ یقین میں بدل گیا کہ وہ اُس کے تعاقب میں ہے۔

اس نے دوبارہ عقب کا جائزہ لیا کیڈی تین کاروں کے فاصلے سے ہنوز پیچھے پیچھے چلی آ رہی تھی۔

ٹائیگر کا ذہن فوراً خاکستری بالوں والے لڑکے کی طرف پہنچا تو اس کا مطلب ہے کہ وہ افسر صرف تھا اور اُس کے پیچھے لگی ہوئی کار کے مسافر سیر کرنے نہیں نکلے تھے۔ اُس نے رفتار اچانک پچپن میل فی گھنٹہ کر دی۔ کیڈی نے اس کی تقلید کی اور جب اُس نے کم کر کے پچیس میل کی تو کیڈی کے ڈرائیور نے بھی اُسے آہستہ کر لیا۔ اس کا مطلب تھا کہ کیڈی والے ہر صورت میں اُسے انجام تک پہنچانا چاہتے تھے۔

ٹائیگر نے اپنے سامنے کا جائزہ لیا۔ ذرا آگے دائیں جانب پانی کا ایک بڑا سا تالاب تھا جو قدرے گہرائی میں واقع تھا۔ اُس نے فوری فیصلے کے تحت گرنیاڈا کو ایک دم سڑک سے اتارا تو کیڈی کا ڈرائیور اس دھوکے کو نہ سمجھ سکا۔ وہ ذرا سا آگے آئی تو ٹائیگر کو اس میں بیٹھے ہوئے

تینوں افراد دکھائی دے گئے لیکن وہ کسی کو پہچانتا نہیں تھا۔

کیڈی کے ڈرائیور نے بریک لگا دیے۔ ٹائیگر نے اپنی کار اور کیڈی کے درمیان چلنے والی تین کاروں کو گزر جانے دیا اور پھر ایک دم گرنیاڈا کی اسپیڈ بڑھا دی۔ کیڈی نے بھی اس کی تقلید کی۔

سو گز آگے آنے کے بعد ٹائیگر نے سامنے کا جائزہ لیا۔ سڑک دور دور تک سنسان تھی۔ ایکسی لیٹر سے اُس کا پیر ہٹ کر بریک پر آیا اور ساتھ ہی اُس نے پوری قوت سے اسٹیرنگ بائیں سمت کاٹا۔ گرنیاڈا کے ٹائر چرچرائے اور وہ پوری طرح گھوم گئی۔ اب اُس کا رُخ عقب سے آنے والی کیڈی کی طرف تھا۔

شہزاد کا پیر دوبارہ ایکسی لیٹر پر پہنچ گیا۔ گیئر نہ بدلے جانے کی وجہ سے انجن نے ذرا سا احتجاج کیا لیکن پھر کار گولی کی طرح کیڈی کی طرف بڑھی۔

کیڈی والوں کو بھی احساس ہو گیا تھا کہ گرنیاڈا کا ڈرائیور کیا کرنا چاہتا ہے۔ فرنٹ اور عقبی سیٹ پر بیٹھے ہوئے دونوں افراد نے سب مشین گنیں سیدھی کیں اور اگلے ہی لمحے گرنیاڈا کے سامنے کا حصہ چھلنی ہو گیا۔ بتیسیوں گولیاں ونڈ شیلڈ اور باڈی میں لگیں لیکن ٹائیگر پہلے ہی نیچے بیٹھ چکا تھا۔ اگر گرنیاڈا کا انجن اُس کا محافظ نہ ہوتا تو گولیاں یقینی طور پر اُسے چھید چکی ہوتیں۔

کیڈی کے ڈرائیور نے گولیاں لگنے کے باوجود گرنیاڈا کو آندھی اور طوفان کی طرح اپنی جانب بڑھتے دیکھا تو اُس نے چیخ کر اسٹیرنگ دائیں سمت کاٹا اور یہی اس کی غلطی تھی۔

گرنیاڈا کا اگلا حصہ پوری قوت سے پسنجر سائیڈ پر لگا اور کیڈی ٹرھکنیاں کھاتی سوفٹ گہری کھائی میں جا گری۔

کار گرنے سے پہلے ٹائیگر اس کا نمبر دیکھنا نہیں بھولا تھا۔ وہ امریکی ریاست فلوریڈا میں رجسٹرڈ تھی اور اس کا نمبر ایف اے ۹۵۱۰ تھا۔

ٹائیگر نے گرنیاڈا کو فوراً بریک لگائے، اپنا چھوٹا سا اٹیچی کیس ڈکی سے نکالا اور پھر اُسے گیئر میں ڈال کر اس کا رُخ کھائی کی طرف کر دیا۔

کار تیزی سے نشیب میں الٹی گری ہوئی کیڈی کی طرف بڑھی۔ ٹائیگر نے الٹی ہوئی کار کے عقبی دروازے سے ایک مشین گن بردار کو باہر نکلنے کی جدوجہد میں مصروف دیکھا۔ گرنیاڈا کے نیچے گرنے سے شور ہوا تو سب مشین گن بردار نے بھی اوپر نگاہ کی اور یہ دیکھ کر اُس کی روح فنا ہو گئی کہ دوسری کار تیزی سے اُسی جانب آ رہی ہے۔

وہ فوراً کار کے اندر ہو گیا اور ٹھیک اُسی لمحے گرنیاڈا تیز رفتاری سے کیڈی کے ساتھ ٹکرائی۔ ایک زوردار دھماکا ہوا اور دونوں گاڑیوں میں آگ لگ گئی۔

ٹائیگر نے بے نیازی سے اپنے بالوں میں ہاتھ پھیرا اور سڑک سے اتر کر ایک سمت چل دیا۔

نصف میل کے بعد اُسے سڑک پر ایک فلنگ اسٹیشن نظر آیا تو وہ دوبارہ سڑک پر آ گیا۔ ٹیلی فون پر اس نے کرایے کی ایک اور کار کا بندوبست کرنے کا حکم دیا۔ اُس نے کار کمپنی کو بتایا کہ وہ نصف گھنٹے میں ایئرپورٹ سے کار وصول کرے گا۔ اس بار اُس نے ایلوس کاؤنٹر کو اپنا نام اور شناخت بھی دوسری بتائی تھی۔

ایئرپورٹ پر کار کے حصول میں اُسے کوئی دقت نہیں ہوئی۔ اس نے ایک باتھ روم میں گھس کر کپڑے تبدیل کیے اور نئی کار ڈاج مونکو میں بیٹھ کر اسی سمت روانہ ہو گیا جہاں اس کا کیڈی سے ٹکراؤ ہوا تھا۔

کھائی کے کنارے اس وقت لوگوں کا ہجوم تھا جو نیچے پڑی ادھ جلی کاروں کا نظارہ کر رہا تھا۔ ٹائیگر نے موٹا کو کئی درجن بھر کاروں کے پیچھے کھڑی کی اور پیدل وہاں تک پہنچا جہاں پولیس والے لوگوں کو دور رہنے کی ہدایات دے رہے تھے۔

"ہماری اطلاع کے مطابق ان میں سے ایک کار میں اسلحہ بھی موجود تھا۔" پولیس افسر لوگوں سے کہہ رہا تھا۔ "اور وہ ابھی تک بجھا نہیں۔ کسی وقت بھی آگ کی گرمی کسی شیل تک پہنچ کر تباہی مچا سکتی ہے لہٰذا دور دور رہیں۔"

لوگ پیچھے ہٹ گئے لیکن اس عرصے میں ٹائیگر دیکھ چکا تھا کہ کیڈی اب چھت کی بجائے پہلو کے بل کھڑی تھی جبکہ گرنیاڈا چھت کے رُخ پر تھی۔ دونوں ہنوز سلگ رہی تھیں اور آثار بتاتے تھے کہ کسی نے آگ بجھانے کی کوئی کوشش نہیں کی۔

ٹائیگر کو سب سے زیادہ حیرت اس بات پر تھی کہ

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

وہ پہلی مرتبہ پورٹ آرتھر آیا تھا اور کوئی اس کے استقبال کو تیار بیٹھا تھا۔ کوئی نہیں جانتا تھا کہ اس کی منزل کیا ہے، کہاں مطلب تھا کہ اُسے ائیرپورٹ پر اترنے کے بعد شناخت کیا گیا تھا لیکن کس نے شناخت کیا تھا؟

کار کا ڈرائیور پر بیٹھی ہوئی لڑکی؟ مشکل تھا۔

ائیرپورٹ نادر؟ اس کا بھی کوئی امکان بظاہر نظر نہیں آتا تھا۔

خاکستری بالوں والا وہ لڑکا؟ اُس کے بارے میں ٹائیگر کوئی بات وثوق سے نہیں کہہ سکتا تھا۔

وہ لڑکا ٹرانزٹ ہینگر میں کام کرتا تھا اور روزانہ کئی پرائیویٹ جہاز ایندھن، اسروسنگ یا لے اوور کے لیے وہاں رکتے تھے چنانچہ کوئی شخص نیویارک سے آنے والے کسی طیارے اور مضبوط جبڑوں اور چوڑی کلائیوں والے کسی شخص کا منتظر تھا۔

ٹائیگر نے سب باتوں پر لعنت بھیجی اور موٹر کار میں بیٹھ کر کسی اچھے سے موٹل کی تلاش میں چل پڑا۔ جھیل کے کنارے اُسے اپنے مطلب کا موٹل مل گیا۔ اس نے وہاں اپنا نام جانی ڈیمور لکھوایا اور کمرہ حاصل کر کے بیڈ پر دراز ہو گیا۔ ذرا سا سکون ہوا تو اُس نے اپنے دماغ کا کمپیوٹر آن کر دیا۔ وجہ وہی لڑکا تھا جو اسے ہینگر میں ملا تھا۔

ٹائیگر نے مختلف شہروں کے حوالے سے اپنی یادداشت کے خانے کھنگالنے شروع کر دیے۔

جونہی وہ لاس ویگاس پر پہنچا اُسے فرالین اور نیک کیسینو یاد آ گئے۔ لاس ویگاس میں چھوٹی گھمکے بچے کو نہ ہی کلبوں میں آنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ ان کی لم تمری سے باہر یہ کوئی غیر قانونی کام نہ تھا۔

تب ٹائیگر کو یاد آیا کہ نیک کیسینو کے ایک کیس کے سلسلے میں اُس نے دو تین بار ایسے ہی ایک چھوٹے بچے کو دیکھا تھا۔ دیکھا نہیں بلکہ شاید مارا بھی تھا کیونکہ اس نے ٹائیگر کا چاقو نکال لیا تھا۔ اگر اس کی عمر کچھ زیادہ ہوتی تو وہ اس وقت شاید جہنم میں چاقو زنی کی پریکٹس کر رہا ہوتا لیکن ٹائیگر نے کم عمری کے باعث اُسے بخش دیا تھا۔

مگر اُس نے لڑکے کو جو ہلکا سا تھپڑ رسید کیا تھا، اسی نے اُس کے منہ سے خون جاری کر دیا تھا۔

تو یہ لڑکا وہی تھا۔ یعنی اب ٹائیگر کو پورٹ آرتھر میں دو باتوں کا پتا چلانا تھا کہ یہ لڑکا یہاں کیا کر رہا ہے اور کس کے لیے کام کر رہا ہے اور دوسری بات یہ کہ پریچر مین کہاں ہے؟ جو کسی نہ کسی طرح روبی کے اغوا میں ملوث ہو سکتا تھا۔

اپنے دفتر کی بلند و بالا عمارت کے دسویں فلور پر واقع کمرے میں موجود پریچر مین اس وقت ڈرے سہما تھا جو صرف سبزیوں پر مشتمل تھا۔ وہ بنیادی طور پر سبزی خور تھا اور اس نے سبزیاں پکانے کے لیے باورچی بھی ایسا ہی رکھا تھا۔ جو خود بھی صرف سبزی ہی کھاتا تھا۔

پریچر کا اصل نام پیٹر ڈالس فورڈ پریچر تھا۔ وہ ترسٹھ سال اور دو سو چالیس پونڈ کا چھ فٹ چار انچ لمبا ایک قد آور ہیبت ناک دیو تھا۔ دن میں چھ بار کھانا کھاتا تھا۔ روزانہ ایک میل پیراکی کرتا تھا اور ایک گھنٹے تک پنچنگ بیگ پر باکسنگ کی مشق کرتا تھا۔

ڈنر کرنے کے بعد اُس نے ایک لمبی ڈکار لی، ٹرے ایک طرف کھسکائی اور سامنے کھڑے ملازم کو قریب آنے کا اشارہ کیا۔

"لاس ویگاس کے اس گدھے کو اڑھائی جسے گزشتہ کئی ماہ سے میں گھاس فراہم کر رہا ہوں۔" اُس نے اپنی بھاری بھرکم آواز میں حکم دیا۔

سیاہ فام ملازم نے اثبات میں سر ہلایا اور باہر چلا گیا۔ جبکہ پریچر کرسی سے اٹھ کر قریب پڑی ایک کاؤچ پر نیم دراز ہو گیا۔

چند ثانیوں بعد اُس کے سامنے والا دروازہ کھلا اور خاکستری بالوں اور چہرے پر جا بجا زخموں کے نشانات والا ایک نوجوان اندر آ گیا۔

پریچر نے ہاتھ کے اشارے سے اُسے بیٹھنے کو کہا۔

"تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ تم نے اُس آہنی آدمی کو مرتے دیکھا ہے؟" پریچر نے فوراً ہی دریافت کیا۔ "اُسے قتل کرنا ذرا ٹیڑھ کو آن کرنا ہے... جیفرسن کا سب سے مشکل ترین کام ہے۔"

ایک تیس سالہ سفید فام شخص جو کمرے میں موجود تھا۔ ایک بیٹا مکس کی طرف بڑھا اور اُسے آن کر دیا۔ ایک جھماکے سے اڑتالیس انچ اسکرین کافی دیر روشن ہو گئی۔ وہ شام

پانچ بجے کی خبروں کی ویڈیو فلم تھی۔

فلم میں کھائی کے کنارے دو جلتی ہوئی کاریں دکھائی جا رہی تھیں جبکہ پس منظر سے اناؤنسر کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

"پورٹ آرتھر ائیرپورٹ پر واقع کار رینٹل ایجنسی کا کہنا ہے کہ ان دو میں سے ایک کار اس کی ملکیت تھی۔ گرے ڈیلا ٹائپ کی یہ کار حادثے سے کوئی ایک گھنٹہ قبل گہرے بالوں اور چوڑی کلائیوں والے ایک قوی ہیکل شخص نے کرایے پر حاصل کی تھی۔ ڈرائیور کا نام جان جانسن تھا اور اس نے خود کو نیویارک، نیو جرسی (امریکہ) کا باشندہ بتایا تھا۔ وہ ایک سیزین تھا۔ دوسری کار کے بارے میں صرف یہی معلوم ہو سکا ہے کہ وہ ہلکے نیلے رنگ کی ایک کیڈلاک تھی جس میں تین افراد سوار تھے۔ کار امریکی ریاست فلوریڈا میں رجسٹرڈ تھی۔ پولیس کے ذرائع کے مطابق گرنیڈ کاریں گولیوں کے درجنوں سوراخ تھے جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ نیلی کیڈی سے فائرنگ کی گئی تھی۔ ابھی تک فائرنگ کی وجہ معلوم نہیں ہو سکی تاہم پولیس اس بات پر حیرت کا اظہار کر رہی ہے کہ کیڈی پہلے حادثے کا شکار کیونکر ہوئی۔ پولیس نے یہ بھی بتایا ہے کہ نیلی کیڈی میں دھماکہ خیز مادے کی موجودگی کے امکانات کو رد نہیں کیا جا سکتا اس لیے جب تک آگ مکمل طور پر بجھ نہیں جاتی جلی ہوئی کاروں کا تفصیلی معائنہ نہیں ہو سکتا۔ ابھی تک یہ علم نہیں ہو سکا کہ دونوں کاروں کے سوار مارے گئے ہیں یا زندہ ہیں لیکن حادثے کے فوراً بعد علاقے کو محاصرہ میں لیے جانے کے باوجود کوئی ایسا شخص سامنے نہیں آیا جس پر حادثے میں ملوث ہونے کا شبہ کیا جا سکتا ہے۔"

اگلے مزید چند سیکنڈ تک اسکرین پر نظر آتی رہی اور بالآخر ٹیپ بند ہونے کے ساتھ ہی بجھ گئی۔

"تو سٹرلی!" پریچر مین نے خاکستری بالوں والے کو مخاطب کیا۔ "میرے تین آدمیوں اور ایک کار کا نقصان ہوا لیکن اس کے باوجود تمہارا اصرار ہے کہ تم جیت گئے ہو؟ تم چاہتے ہو کہ میں تمہیں وہ بونس دے دوں جو ایک ایسے آدمی کی ہلاکت پر میں نے تمہیں دینے کا وعدہ کیا تھا جو ٹائیگر سے ملتا جلتا ہو؟"

"مجھے یقین نہیں کہ وہ بچ نکلا ہوگا۔" ٹی نامی نوجوان کا لہجہ بے حد محتاط تھا۔ "گرنیڈ ایسے قابو ہو کر نیچے گری ہے اور اس میں اتنی گولیاں لگی ہیں کہ کار میں موجود کسی بھی شخص کا بچ نکلنا ناممکنات میں....!"

پریچر نے ہاتھ اٹھا کر نوجوان کو خاموش ہو جانے کا اشارہ کیا۔

"میری معلومات کے مطابق ٹائیگر نامی اُس شخص کو کوئی گولی نہیں لگی۔" پریچر نے اُسے بتایا۔ "میں سو ڈالر کی شرط لگانے کو تیار ہوں کہ تمہارا وہ ٹائیگر کار کے جلے ہوئے ڈھانچے میں موجود نہیں تھا۔"

ریڈلی نے جواب دینے سے پہلے سو ڈالر کا ایک نوٹ نکال کر میز پر ڈال دیا۔ "اور میں شرط لگاتا ہوں کہ وہ بچ نہیں سکا۔ وہ مر چکا ہے۔"

"تم اتنے یقین سے کس طرح کہہ سکتے ہو؟"

"اس لیے کہ میں ایک طاقتور دوربین کے ذریعے دونوں کاروں پر نگاہ رکھے ہوئے تھا اور میں نے گرنیڈ میں سے کسی شخص کو نکلتے نہیں دیکھا۔"

"وہ چلا دا ہے۔" پریچر نے نوجوان کا مضحکہ اڑایا۔ "تمہاری نظروں کے سامنے سے گزر جائے گا اور تم اُس کی خوشبو بھی محسوس نہ کر سکو گے۔ سو ڈالر تو کیا میں ایک لاکھ ڈالر کی شرط بھی لگانے کو تیار ہوں کہ وہ زندہ ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" ریڈلی نے بادلِ نخواستہ کہا۔ "میں مان لیتا ہوں۔"

"اس طرح نہیں۔" پریچر نے نفی میں سر ہلایا۔ "تمہارے سو ڈالر محفوظ ہیں، اُس وقت تک جب تک یہ فیصلہ نہیں ہو جاتا کہ درحقیقت انہیں کس کی ملکیت بننا چاہیے۔"

ریڈلی نے اثبات میں سر ہلایا اور اٹھ کر تھکے تھکے قدموں سے خارجی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

دل ہی دل میں وہ پریچر مین کو برا بھلا کہہ رہا تھا حالانکہ یہ بات وہ بھی جانتا تھا کہ اگر وہ جیتا تو پریچر شرط کی رقم اُسے دینے میں ایک لمحے کی تاخیر بھی نہیں کرے گا کیونکہ وہ کنجوس بہرحال نہیں تھا۔

پریچر نے کسی کالج سے ماسٹر ڈگری حاصل کر رکھی تھی اور اُس کی بات چیت کا انداز بالکل پروفیسروں جیسا تھا۔ اُس کے اردگرد رہنے والے لوگ ایسے سوٹ پہنتے تھے جن کی صرف سلائی تین سو ڈالر ہوتی تھی۔ اسی ڈالر سے کم کا کوئی جوتا کسی کے پیر میں نہیں تھا۔ وہ بھی ایسے ہی بات

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کرتے تھے جیسے کسی کالج میں کلاس لے رہے ہوں۔

ریڈلی کی مایوسی کی وجہ صرف یہ تھی کہ اُس نے آدمی پہچاننے میں کوئی غلطی نہیں کی تھی۔ وہ نہ تھیٹر بھولا تھا اور نہ اسے مارنے والے چوڑی کلائیوں کے حامل شخص کو فراموش کر سکا تھا۔ اُس کی یادداشت بہترین تھی اور پہلی ہی نظر میں پتا چل گیا تھا کہ یہی ٹائیگر ہے۔

تھیٹر کو ایک معمولی سی بات تھی لیکن جانے کیوں اُس نے بنی اس توہین کو اَنا کا مسئلہ بنا لیا تھا۔ اس نے ٹائیگر کی تلاش میں شہر شہر خاک چھانی تھی۔ کئی جرائم پیشہ گروہوں میں شامل ہوا تھا اور کئی جگہوں پر ملازم رہا تھا تاکہ ٹائیگر کو تلاش کر سکے۔

پورٹ آرتھر آنے اور پریچر مین کی ملازمت اختیار کرنے کے پیچھے بھی اُس کا انتقام کارفرما تھا۔

وہ پریچر مین کو سالوں سے جانتا تھا۔ پریچر نے اپنے جرائم کا آغاز منشیات سے کیا تھا اور اسی سہارے وہ رفتہ رفتہ اس زیرِ زمین دنیا میں آگے بڑھتا چلا گیا۔ بُری صحبتیں اُسے ہائی اسکول سے ہی لگ گئی تھیں اور اس نے اسی زمانے میں ایک ایسی عورت کے پاس جانا شروع کر دیا جو کسی طرح بھی نیک نام نہ تھی جب اُسے ہائی اسکول سے نکالا گیا تو اس کی اسی قماش کی تین عورتوں سے دوستی تھی۔ جن میں سے دو سیاہ فام اور ایک سفید فام تھی۔

تین سال بعد وہ ہیروئن کا سپلائر بن کر اُبھرا اور آہستہ آہستہ ڈسٹری بیوٹر بن گیا اور اپنی کارروائیوں کے لیے امریکہ چھوڑ کر کینیڈا میں آبسا۔

لیکن پریچر مین کا تعارف صرف اتنا ہی نہیں تھا بلکہ وہ ہمیشہ سے اسمارٹ اور تعلیم یافتہ لوگوں کو پسند کرتا رہا تھا۔ اسی لیے اٹھارہ سال کی عمر میں اس نے نائٹ اسکول میں داخلہ لیا اور ڈپلومہ حاصل کرنے کے بعد سٹی کالج نیویارک میں داخل ہو گیا۔ وہاں سے اُس نے تاریخ اور مشرقی یورپین ہسٹری میں ڈگری لی۔

اُس کے بعد وہ کینیڈا چلا آیا کیونکہ اُس کی غیر قانونی سرگرمیاں جاری تھیں جو اب اُس کی راہ کی رکاوٹ بنتی جا رہی تھیں۔ پہلے وہ محدود پیمانے پر کاروبار کیا کرتا تھا لیکن اب اس نے اِدھر اُدھر پَر پرزے پھیلا لیے وہ میکسیکو سے براہِ راست ہیروئن حاصل کرتا اور پورٹ آرتھر میں بیٹھ کر امریکہ اور کینیڈا میں سپلائی کرتا۔

پریچر کا نام اُس نے امریکہ میں اُس وقت اختیار کیا جب اُس نے گوشت کھانا بالکل چھوڑا۔ نہ صرف یہ کہ اس نے خود سبزیاں کھانی شروع کیں بلکہ یار دوستوں کو بھی اس کی ترغیب دی چنانچہ احباب نے اُسے پریچر یعنی مبلغ کہنا شروع کیا۔ جو آہستہ آہستہ اُس کے نام کا حصّہ بن گیا۔

اب اُسے پورٹ آرتھر میں دس سال ہو گئے تھے اور اس عرصے میں اس نے اپنی پوزیشن اتنی مستحکم کر لی تھی کہ کوئی شخص اُسے ہلانے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اُسے بلاواسطہ اور بالواسطہ قانون کا تحفظ حاصل تھا اور اب تک پورے کینیڈا میں اُس کے خلاف کوئی کیس رجسٹرڈ نہیں ہوا تھا اگر اُس کا کوئی شخص کسی جرم میں دھر لیا جاتا تو پریچر وقت سے پہلے اُسے رہا کرا لیتا تھا اور اس سلسلے میں ایک خاص بات یہ تھی کہ ہر بار ایک نیا وکیل یہ کام سرانجام دیتا تھا۔ مقدمات بے جا طوالت اختیار کر جاتے اور بعض اوقات شہادتیں نہ ملنے کی وجہ سے انہیں خارج کر دیا جاتا۔

اُس کے بعد خبر ملی کہ پریچر مین، بین الاقوامی جرائم میں داخل ہو گیا ہے۔ اُس نے انٹیلی جنس کے لوگوں کے ساتھ مل کر کام کرنا شروع کر دیا اور حساس معلومات کے ساتھ ساتھ دفاعی آلات، ہتھیار اور میزائل وغیرہ ایک ملک سے دوسرے ملک منتقل کرنے کے کام کا آغاز کیا اور اس وقت اس شعبے میں بھی اُس کی ٹکر کا کوئی آدمی نہ تھا۔

ریڈلی، آئی لینڈ آپریشن کے بارے میں تھوڑا بہت جانتا تھا۔ پریچر نے وہاں کسی قسم کی مشینوں، انجنیئروں اور تعمیر پر کوئی بیس لاکھ ڈالر خرچ کیے تھے لیکن ریڈلی کو یہ علم نہ تھا کہ درحقیقت وہاں ہے کیا؟ ریڈلی نے ایک آدھ مرتبہ اس بارے میں دریافت کیا تھا لیکن اُسے جواب دیا گیا کہ اس سے اُس کا کوئی سروکار نہیں لہٰذا اُسے بتایا نہیں جا سکتا۔

لیکن ایک پروجیکٹ ایسا تھا جس کے بارے میں پریچر مین نے کوئی بات خفیہ نہیں رکھی تھی اور وہ پروجیکٹ تھا۔ لڑکیاں .... پریچر نہ سگریٹ پیتا تھا نہ شراب، نہ گوشت کھاتا تھا اور نہ منشیات استعمال کرتا تھا بس اُسے نت نئی لڑکیوں سے دوستی کا شوق تھا اور اس سلسلے میں وہ درجنوں لڑکیوں کو ماہانہ تنخواہ دیتا تھا۔

بزنس سائیڈ پر لڑکیوں کا شعبہ ایگزیکٹو آؤٹ کال

اسکورٹ سروس کہلاتا تھا اور پورے شعبے میں کوئی ایسی خاص لڑکی نہ تھی جسے پریچر اچھے داموں کے عوض کسی کو پیش کرنے میں ہچکچاہٹ کا مظاہرہ کرتا۔ اس شعبے میں ہر قسم کی لڑکیاں تھیں جن میں جمناسٹر، رسّی پر چلنے والیاں، اوپیرا سنگرز، وائلن نواز، ٹینس اسٹارز اور ٹی وی اور فلم اسٹارز شامل تھیں۔

ریڈلی، پریچر کے کمرے سے نکلا تو خاصا مایوس تھا چند لمحے وہ سوچتا رہا کہ اب کیا کرے۔ بالآخر اُس نے پریچر کے ذخیرے سے فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کیا۔ وہ گیارہویں فلور پر پہنچا اور مینیجر مونیک سے ملا۔ اُس نے فوراً ان کال چارٹ اُس کے حوالے کر دیا۔ ریڈلی نے ایک لمبی سی جمناسٹر کو پسند کیا اور مونیک کو اپنا پتا فراہم کر کے ہدایت کی کہ اسے ایک گھنٹے کے اندر وہاں بھیج دے۔

اپنے تئیں وہ ٹائیگر کو مار چکا تھا اور اب جمناسٹر کے ساتھ مل کر اپنے پرانے دشمن کی موت کا جشن منانا چاہتا تھا۔

سی بریز موٹل میں رجسٹریشن کے بعد ٹائیگر جھیل کے کنارے ٹہلنے نکلا۔ کچھ دور جانے کے بعد اُسے ایک ٹیلی فون بوتھ نظر آیا تو وہ اس میں جا گھسا۔ ڈائریکٹری سے اُس نے پولیس کے ڈیپارٹمنٹ برائے کرمنل انویسٹی گیشن کا نمبر حاصل کیا اور مطلوبہ سیکٹ ڈائل کر نمبر ڈائل کرنے لگا۔

"دس از سی آئی ڈی" ایک بورسی نسوانی آواز نے جواب دیا۔

"بیٹی بول رہی ہے؟" ٹائیگر کا انداز سوالیہ تھا۔

"نہیں! وہ یہاں کام نہیں کرتی"

"سوری ہنی" ٹائیگر نے اپنی آواز کو مزید میٹھا بنا لیا۔ "میرے پاس ایک کار کی نمبر پلیٹ موجود ہے اور مجھے وارنٹ جاری کرنے کے لیے اُس کا پتا درکار ہے۔ کار فلوریڈا میں رجسٹرڈ ہے لیکن ذرا تم دیکھ کر بتاؤ کہ یہاں کسی سلسلے میں اس کی کوئی انٹری ہے۔ نمبر کلمو فرینک (ایف) البرٹ (اے) یعنی الیف اے زیرو نائن فائیو وون"

"ہولڈ کر دیا دوبارہ فون کرو"

"میں ہولڈ کرتا ہوں ہنی، ویسے بائی دا وے تمہارا نام کیا ہے؟"

"میرا کوئی نام نہیں، صرف فون نمبر ہے ۷۹۱۰۔۔۔ ۵۴۶، اب ہولڈ کرو"

ٹائیگر خاموش رہا، چند ثانیوں بعد لڑکی کی آواز دوبارہ سنائی دی۔

"۷۸ ۱۹۷۶ ماڈل کیڈلاک، چار دروازوں والی، رنگ نیلا، ہمارے ریکارڈ کے مطابق وہ بیبکو لیزنگ کی ملکیت ہے اور کچھ؟"

"تھینک یو ہنی! بس اب میں یہ پتا چلاؤں گا کہ تم کون ہو اور کہاں رہتی ہو؟"

"میں انتظار کروں گی" لڑکی نے جواب دیا اور ریسیور رکھ دیا۔

ٹائیگر نے ڈائریکٹری دوبارہ اٹھالی۔ اب وہ بیبکو کا نمبر اور پتا ڈھونڈ رہا تھا۔ پتا موجود تھا، ۶۹۱۵ مارلینڈ اسٹریٹ، ٹائیگر نے ڈائریکٹری بند کی اور واپس موٹل کی طرف چل دیا۔ وہ کسی مشن پر نکلنے سے پہلے ڈنر لینا چاہتا تھا۔

کمرے میں بیٹھ کر اُس نے ٹی وی آن کیا تو خبریں نشر ہو رہی تھیں۔ سب سے پہلی خبر اس کے ساتھ پیش آنے والے حادثے کے بارے میں تھی۔ خبریں سن کر اس نے روم سروس کو ڈنر کے لیے کہا اور خود پریچر مین کی فائل اٹھا کر بیڈ پر آ بیٹھا۔ یہ فائل چارہ گر کے سپر کمپیوٹر نے تیار کی تھی۔ وہ فائل کا تیسری بار مطالعہ کر رہا تھا۔

کمپیوٹر کے مطابق پریچر مین مستند جرائم پیشہ افراد میں شمار ہوتا تھا لیکن حیرت اور تعجب کی بات یہ تھی کہ کسی بڑے جرم سے بچ کر اوورٹائم پارکنگ کی چھوٹی سی غلطی کے الزام میں بھی کبھی گرفتار ہوا تھا نہ پولیس کو مطلوب تھا۔

اُس کی سرگرمیوں کا مرکز گو پورٹ آرتھر کا چھوٹا سا شہر تھا لیکن پورے ملک میں اس کے درجنوں قانونی کاروبار پھیلے ہوئے تھے۔ اُس نے اپنے کاروبار کو مختلف چھوٹے چھوٹے شعبوں میں تقسیم کر دیا تھا لیکن وہ براہِ راست مرکزی فرم کی سرپرستی میں کام کرتے تھے۔ متعدد شعبوں میں کام کرنے والے سو فیصد نئے آدمی تھے لیکن اُسے ان سے کبھی کوئی شکایت نہیں ہوئی تھی۔

اسی اثنا میں ڈنر آ گیا تو وہ فائل رکھ کر ڈائننگ ٹیبل پر جا بیٹھا لیکن اس عرصے میں بھی وہ پریچر مین میں ہی اُلجھا رہا۔

اُس کے خیال میں تھکن تھکاوٹ دوپہر کو اس پر ہونے والے قاتلانہ حملے کا محرک پریچر مین ہی ہو لیکن ابھی اس سلسلے میں وہ کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکا تھا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کھانے کے بعد اُس نے کپڑے تبدیل کیے اور اپنی ڈاج مونا کو سنبھال کر ہارلینڈ اسٹریٹ روانہ ہوگیا جہاں بیکو لیزنگ کمپنی واقع تھی۔

وہ ایک تین منزلہ عمارت تھی جس کی پہلی اور دوسری منزل پر اسپتال کے بستروں سے لے کر کھیلوں کے سامان تک لیز پر دینے کے انتظامات تھے۔ ڈنر اور پارٹیوں کے لیے برتن وغیرہ بھی فراہم کیے جاتے تھے اور اس کے ساتھ ساتھ وہ کاریں اور ٹرک بھی لیز پر دیتے تھے۔

ٹائیگر نے اپنی گاڑی عمارت کے عقب میں کھڑی کی، اور پیدل عمارت کا طواف کرنے لگا۔ مقصد وہاں موجود پہرے داروں کی روٹین کا مطالعہ کرنا تھا۔ صرف ایک ہی پہرے دار وہاں موجود تھا جو نہ صرف عمارت کے چاروں اطراف بلکہ اندرونی حصّوں میں بھی نگرانی کے فرائض انجام دیتا تھا۔

ٹائیگر اطمینان سے ایک عقبی دروازے پر پہنچا۔ اس نے دروازے کے لٹو کو مخصوص انداز میں صرف ایک بار حرکت دی۔ نہ صرف دروازہ کھل گیا بلکہ ٹوٹ کر اُس کے ہاتھ میں آگیا۔ اُس نے لٹو کو وہیں پھینکا اور اندر داخل ہوگیا۔ خلافِ توقع الارم وغیرہ کی کوئی آواز سنائی نہ دی تھی۔

ٹائیگر کو سیڑھیاں ڈھونڈنے میں کوئی دقت پیش نہ آئی۔ وہ سب سے پہلے اُوپری منزل کا جائزہ لینا چاہتا تھا۔ اور اس کے بعد نیچے آنا چاہتا تھا۔ اُس نے سیڑھیاں چڑھنی شروع کیں لیکن وہ وسط میں ہی پہنچا تھا کہ عقب سے اُسے پہرے دار کے قدموں کی آواز سنائی دی۔

"یہیں تک جاؤ دوست!" پہرے دار نے نیچے سے پکار کر کہا۔ "تمہارا کام ختم ہوا!"

ٹائیگر نے پلٹ کر محافظ کو دیکھا۔ ایک نوجوان شخص اعشاریہ ۳۸ کا پستول تھامے اُسے نشانے پر لیے ہوئے تھا۔

"نیچے اترو!" محافظ نے اُسے اگلا حکم سنایا۔

ٹائیگر دھیرے سے مسکرایا اور نیچے اترنے لگا۔ تیسری سیڑھی پر پہنچ کر اس کا دایاں پیر معمول سے ذرا زیادہ اٹھا اور چمڑے کا جوتا پیر سے نکل کر پوری رفتار کے ساتھ محافظ کی طرف بڑھا۔

محافظ اس افتاد کے لیے قطعی طور پر تیار نہ تھا جو اُس کے پستول والے ہاتھ پر لگا۔ پہلے تو محافظ کو کسی بات کا احساس نہ ہوا لیکن جب خون پوری رفتار کے ساتھ زمین پر گرنے لگا تو اس نے چونک کر اپنے ہاتھ کو دیکھا۔ صرف پستول ہی نہیں دائیں ہاتھ کی پانچوں انگلیاں بھی غائب تھیں جوتے کی نوک انگلیاں اڑا لے گئی تھی۔

بغیر انگلیوں کی ہتھیلی دیکھ کر بے اختیار اس کے حلق سے ایک کربناک چیخ برآمد ہوگئی۔ مارے تکلیف کے اس کا چہرہ بگڑ گیا تھا۔ اُس نے بائیں ہاتھ سے اپنا دایاں ہاتھ دبا کر خون روکنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔

ٹائیگر تیسری سیڑھی پر کھڑا اطمینان کے ساتھ اُسے دیکھ رہا تھا۔ چند لمحوں بعد زخمی پہرے دار لڑکھڑا کر زمین پر آرہا۔ ٹائیگر جانتا تھا کہ زخم اتنا کاری نہیں جو اُس کی موت کا باعث بن جاتا بس ایک خوف تھا جس کی وجہ سے وہ بے ہوش ہوگیا تھا۔ اس نے زخمی کو وہیں چھوڑا اور خود سیڑھیاں چڑھ گیا۔

اگلے دس منٹ کے دوران وہ دونوں منزلوں پر مختلف دفاتر، اسٹور روم، ویئر ہاؤس اور ورک شاپس کھنگالتا رہا لیکن کوئی شے ایسی دستیاب نہ ہوئی تھی جسے وہ غیر معمولی قرار دے سکتا۔

لیکن بالآخر تیسری منزل کے ایک کمرے میں اُسے اپنی مطلوبہ شے مل ہی گئی تھی۔ کمرہ دوسرے کمروں سے بالکل الگ تھلگ بنا ہوا تھا اور اصولی طور پر اسے تیسری منزل میں شمار بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اس مقفل کمرے میں ایک جدید ترین کمیونیکیشن روم موجود تھا جس میں ایک شارٹ ویو ٹرانسمیٹر سمیت بہت سا الیکٹرانک سامان موجود تھا۔ ریڈیو کے ساتھ ایک پرنٹنگ مشین منسلک تھی جس کے ذریعے دنیا کے کسی بھی شہر میں پیغام بھیجا اور تحریری طور پر وصول کیا جاسکتا تھا۔ ٹائیگر کو ایک نظر دیکھ کر ہی اندازہ ہوگیا کہ ان میں سے بعض آلات مصنوعی سیاروں کو پیغامات بھیجنے اور وصول کرنے کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ دو ایسی جیپیں بھی موجود تھیں جن پر باقاعدہ کمپیوٹر کنسول بنا ہوا تھا اور اس کے ساتھ ایک اسکرین نصب تھی۔ اسے صرف اس بات پر حیرت تھی کہ تمام آلات ڈیڈ تھے۔ وہاں کوئی کام بھی نہیں کر رہا تھا اور یہ بھی طے تھا کہ یہ سارا سامان کرایے پر دینے کے لیے ہرگز نہیں تھا۔

کچھ آلات کے قریب اُسے الیانک الیکٹرونکس کے ریپئر آرڈر کی ایک کاربن کاپی ملی جس میں باقاعدہ

ایکٹرونکس مینٹی نینس اور ریپئر کے آرڈرز کی چھ کاپیوں کا اندراج تھا۔ چھ کے چھ پتے مختلف تھے۔ تمام اخراجات کی ذمّے دار بیکو خود تھی۔ ٹائیگر نے فہرست اٹھا کر جیب میں ڈالی اور سیڑھیاں اتر کر ہال میں آگیا جہاں وہ بے ہوش محافظ کو چھوڑ گیا تھا۔

اُس نے دیوار کے ساتھ پڑا ہوا پستول اٹھا کر محافظ کے سلامت ہاتھ میں تھمایا اور خارجی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

ٹائیگر نے آرڈر میں درج چار پتوں کے بارے میں تحقیقات کی لیکن کوئی ایسی شے نظر نہ آئی جسے مشکوک قرار دیا جاسکتا۔ تمام فرمیں چھوٹی چھوٹی اور بظاہر بے ضرر دکھائی دیتی تھیں۔ اُسے حیرت تھی کہ یہ بیکو کے مشکوک کاروبار میں کیسے اور کیونکر ملوث ہوگئی تھیں۔

ان فرموں میں ایک چھوٹی ٹریکنگ کمپنی ایک میرین کنسٹرکشن آؤٹ فٹ اور چھ فشنگ بوٹس پر مشتمل ایک فلیٹ شامل تھا اور کوئی بات تو اُسے وہاں نظر نہ آئی البتہ ایک بات مشترک تھی کہ تمام میں ریڈیو موجود تھے۔

ٹائیگر نے دل ہی دل میں ان پر لعنت بھیجی اور آخری کمپنی کے بارے میں تحقیقات کے لیے روانہ ہوگیا۔ نام تھا اُس کا ڈینیمیر ویئر ہاؤس کمپنی۔ وہ بھی محض ایک ویئر ہاؤس ثابت ہوا۔ ٹائیگر کو اندر بھی کوئی خاص شے نظر نہ آئی۔ احاطے میں خاموشی تھی۔ چاروں طرف سے بند عمارت کے اردگرد چوکیدار بھی پہلی نظر میں دکھائی نہ دیا تھا۔

رات کے دو بجے تھے اور ایک آدمی کی بلندی کے برابر دروازے کے ساتھ صرف ایک بلب جل رہا تھا۔ اُس کے ساتھ بنی ہوئی رولنگ ڈاکس اور ٹرک اسٹینڈ تاریک پڑا تھا۔

اُس نے اپنی کار ایک محفوظ مقام پر کھڑی کی اور دروازے پر جا کر نائٹ بزر دبا دیا۔ دُور کہیں گھنٹی بجنے کی آواز سنائی دی اس نے دوبارہ بٹن دبا دیا اور جواب میں دروازے کے اوپر نصب ایک مائیکروفون جاگ اٹھا۔

"کیا چاہیے... ہ؟" کسی نے بدتمیزی سے دریافت کیا۔

"میرے پاس ایک خصوصی اٹرشپمنٹ موجود ہے..." ٹائیگر نے مائیکروفون میں جواب دیا۔ "ایک پیکٹ ہے، پائلٹ نے مجھے کہا تھا کہ یہ پیکٹ اس ایڈریس پر دن اور رات کے کسی بھی وقت میں ڈلیور کیا جاسکتا ہے، لہٰذا اسے وصول کرکے دستخط کر دو، تاکہ میں بھی گھر جا کر اطمینان کی نیند سو سکوں۔"

"ہم یہاں پیکٹ وصول نہیں کرتے۔"

"اسے وصول کر لو، ورنہ میں اسے پولیس کے حوالے کر رہا ہوں۔ پائلٹ کے مطابق اس میں میکسیکو سٹی سے کوئی ایسی شے آئی ہے جس کے گم والوں کو دلچسپی ہو سکتی ہے۔ اس لیے مجھے بتاؤ کہ کیا کروں؟"

جواب ملنے کے بجائے ٹائیگر کو انٹرکام پر کچھ کھٹ پٹ کی آواز سنائی دی اور پھر دروازہ کھل گیا۔ جونہی دروازہ کھولنے والا آگے آیا، ٹائیگر نے ایک ہلکا سا ہاتھ اُس کے دائیں شانے پر رسید کر دیا۔ محافظ لڑکھڑایا اور اس سے پہلے کہ زمین پر گرتا ٹائیگر اُسے ہاتھوں پر سنبھالتے ہوئے اندر داخل ہوگیا۔ محافظ کے ہاتھ میں پستول موجود تھا جسے ٹائیگر نے بڑے اطمینان کے ساتھ لے کر اس میں سے گولیاں نکالیں اور اسے ایک طرف پھینک دیا۔ اب محافظ اُس کی گرفت میں پڑا یا کے کسی بچے کی طرح بچھڑ بچھڑا رہا تھا۔

ٹائیگر نے اُسے بے ہوش کرنے کا ارادہ کیا لیکن اس وقت اندھیرے ویئر ہاؤس کا ایک حصّہ روشنی میں نہا گیا۔

"کوئی شکل، ول!" ویئر ہاؤس کے اندر سے ایک آواز سنائی دی۔ بولنے والا یقینی طور پر اپنے ساتھی کو پکار رہا تھا۔

ٹائیگر روشنی کے دائرے سے نکل کر دوبارہ اندھیرے کونے میں ہوگیا جہاں لکڑی کے بڑے بڑے کرٹ دیوار کے ساتھ رکھے ہوئے تھے۔ محافظ اب بھی اس کی گرفت میں تھا۔

جب تیس سیکنڈ تک بولنے والے کو کوئی جواب نہ ملا تو شاید اُسے صورتِ حال کا اندازہ ہوگیا تھا۔

"ول...!" اُس نے دوبارہ اپنے ساتھی کو پکارا۔ "میں نے تمہیں دروازہ کھولنے سے منع کیا تھا لیکن لگتا ہے کہ تم ایک بار پھر خلافِ ورزی کے مرتکب ہوئے ہو۔"

ٹائیگر کو قدموں کی آہٹ سنائی دی جو رفتہ رفتہ قریب آتی جارہی تھی لیکن آنے والے روشنی میں آنے کی کوشش نہیں کی مگر ٹائیگر دیکھ سکتا تھا کہ وہ نوجوان اور اسمارٹ ہے۔

ٹائیگر نے اُسے کوئی جواب دینے سے پیشتر اپنی گرفت میں موجود محافظ کی ایک رگ مسل دی اور وہ بغیر کوئی آواز نکالے ڈھیلا پڑ گیا۔

Uploaded By Muhammad Nadeem

"تم جو کوئی بھی ہو مسٹر، میرے پستول کی زد پر ہو۔" آنے والے نے دوبارہ ٹائیگر کو للکارا۔ "اندر آ کر دوبارہ زندہ باہر کوئی نہیں جا سکتا۔ اس لیے مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔"

ٹائیگر خاموش کھڑا رہا۔

اندھیرے میں کھڑا شخص کچھ دیر اس کے بولنے کا انتظار کرتا رہا لیکن جب اسے کوئی جواب نہ ملا تو اس نے اندھیرے کا فائدہ اٹھا کر ٹائیگر کے عقب میں آنے کی کوشش کی۔ اپنے خیال میں وہ بے آواز چل رہا تھا لیکن ٹائیگر کے کان اس کے قدموں کی خفیف سی آواز کو ہتھوڑے کی مانند محسوس کر رہے تھے۔ اس کا رُخ دیوار کے ساتھ رکھے کریٹوں کی طرف تھا۔

پھر ٹائیگر کو مکڑی پر چلنے کی آواز سنائی دی۔ وہ شخص اب کریٹوں پر چڑھ گیا تھا اور قدم بہ قدم ٹائیگر کے عقب میں رکھے کریٹوں کی طرف بڑھ رہا تھا۔

جونہی ٹائیگر نے محسوس کیا کہ اب وہ شخص اس کے قریب پہنچ چکا ہے۔ اس نے پلٹ کر ایک کریٹ کو ٹھوکر رسید کی۔ تین انچ موٹی لکڑی سے بنا ہوا کریٹ کانچ کے کسی کھلونے کی مانند ٹوٹا اور اگلے ہی لمحے اس کے اوپر اور اِرد گرد رکھے ہوئے تمام کریٹ دھماکے سے زمین پر آ رہے۔

کریٹوں کے اوپر موجود شخص اس آفت کے لیے تیار نہیں تھا۔ خوف کے مارے اس کے حلق سے ایک چیخ آزاد ہو گئی۔ اس کے پیروں تلے موجود کریٹ نے اپنی جگہ چھوڑی تو وہ بھی اس کے ساتھ لڑھکتا ہوا نیچے آ رہا۔ ایک کریٹ اس کی ٹانگوں پر گرا تو وہ ایک بار پھر چیخا لیکن اس کے بعد وہاں خاموشی چھا گئی۔ وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔

ٹائیگر کو اس کی نبض پر ہاتھ رکھ کر کسی نتیجے پر پہنچنے کی ضرورت نہ تھی۔ اس کے حساس کانوں نے اس کی سانسوں کے زیر و بم سے ہی اندازہ لگا لیا کہ وہ دنیا و مافیہا سے بیگانہ ہو چکا ہے۔

ٹائیگر نے اُسے وہیں چھوڑا اور وئیر ہاؤس کی تلاشی میں مصروف ہو گیا۔ اس کا زیادہ تر حصّہ خالی پڑا تھا۔ ایک طرف چھوٹے اور ایک طرف بڑے بڑے بکسوں کے انبار لگے ہوئے تھے۔ ان پر "ریفریجریشن اسپیشلسٹس" کے الفاظ درج تھے۔

ایک کونے میں اُسے درجن بھر مزید باکس نظر آئے۔ ان پر بنی ہوئی تصویروں سے لگتا تھا کہ ان میں کسی قسم کے پیپے بھرے ہوئے ہیں لیکن وہ خلائی سیٹوں سے مشابہ لگ رہے تھے۔

ٹائیگر ان کے معائنے میں مصروف تھا کہ عقب سے اُسے ایک کراہ سنائی دی، وہ پلٹا، پہلے والا محافظ ہوش میں آ رہا تھا۔ وہ فوراً اس تک پہنچا۔ محافظ لمبے لمبے سانس لے رہا تھا اور اٹھنے کی جدوجہد میں مصروف تھا۔

ٹائیگر اس پر جھک گیا۔ "تمہارا نام کیا ہے دوست؟"

محافظ اس شخص کی قوت دیکھ چکا تھا۔ اور اب کسی قسم کی مزاحمت کے موڈ میں نہیں تھا۔

"وِل لابسکی۔" اس نے کراہنے کے انداز میں جواب دیا۔

"تم کس کے لیے کام کرتے ہو؟"

"ڈینس میرو ئر ہاؤسنگ!" وہ بڑی مشکل سے بول رہا تھا۔ "مجھے رات کی ڈیوٹی دیتے دس سال ہو گئے ہیں لیکن آج تک کسی نے مجھ سے ایسا سلوک نہیں کیا... آہ... تم کون ہو؟"

"یہ ایک راز ہے، تم بتاؤ ڈینس میرو ئر ہاؤسنگ کا مالک کون ہے؟"

"مسٹر ڈینس میر۔"

"کبھی بیکو کا نام سنا ہے؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"ہاں! وہ ایک لیزنگ کمپنی ہے، اس کے ٹرک مال لے کر ہمارے ہاں بھی آتے جاتے ہیں لیکن اس میں میرے خیال سے کوئی خاص بات نہیں۔"

"وہ نہ صرف ڈینس میرو ئر ہاؤسنگ بلکہ نصف درجن دوسری کمپنیوں کے بھی مالک ہیں۔" ٹائیگر نے اسے بتایا۔ "جب بیکو کے ٹرک یہاں آتے ہیں تو کیا غیر معمولی حفاظتی انتظامات کیے جاتے ہیں؟"

"ایسا تو کبھی نہیں ہوا۔" محافظ نے جواب دیا۔ "بس ایک بار....!" وہ رک گیا، شاید اسے احساس ہوا تھا کہ وہ جلدی میں غلطی کر گیا ہے۔

"ہاں! کیا ہوا تھا؟" ٹائیگر نے اسے شہ دی۔

"کچھ نہیں!"

ٹائیگر نے غور اً ہاتھ اس کی گردن کی طرف بڑھایا۔

"بتاتا ہوں... بتاتا ہوں۔" محافظ خوفزدہ ہو گیا۔ "ایک بار سامان کے ساتھ ایک ایسا شخص ساتھ آیا تھا جو رات گئے تک یہاں موجود رہا۔ جاتے ہوئے اس نے مجھے ایک فون نمبر دیا اور ہدایت کی کہ اگر کوئی گڑبڑ ہو جائے تو مجھے فون

کر لینا۔"

"اس کا نمبر کیا تھا؟"

گارڈ نے جیب سے پلاسٹک کی ایک چھوٹی سی نوٹ بک نکالی اور اس کے صفحات الٹنے پلٹنے لگا۔

"اس بات کو چھ ماہ ہو گئے ہیں۔" محافظ نے ٹائیگر کو بتایا اور ساتھ ہی ڈائری پر درج ایک فون نمبر دہرا دیا۔

"تھینک یو!" ٹائیگر نے نمبر حفظ کر کے محافظ کا شکریہ ادا کیا۔ "اب میں تمہیں باندھ رہا ہوں۔ تمہارے مددگار صبح سات بجے آ کر تمہیں کھول لیں گے۔ اپنے دوست کی فکر نہ کرنا وہ بھی تمہاری مدد کے قابل نہیں ہو گا اور ہاں صبح اپنے باس کو اپنے ساتھ پیش آنے والا واقعہ ضرور بتا دینا۔"

پانچ منٹ بعد ٹائیگر دوبارہ اپنی مونا کو میں موجود تھا۔ وئیر ہاؤس سے ایک میل آگے آنے کے بعد اس نے کار دوبارہ روکی اور سڑک کے کنارے موجود ایک اندھیرے ٹیلی فون بوتھ میں داخل ہو گیا۔ اس نے آپریٹر کا نمبر ڈائل کیا تھا۔

"یہ پولیس بزنس ہے۔" اس نے سپروائزر کو آگاہ کیا۔ "میں تمہارے سپروائزر سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

چند ثانیوں بعد وہ ایک نئی آواز سے مخاطب تھا۔

"میرا نام ڈیلمٹو ہربنسن ہے۔" اس نے سپروائزر کو آگاہ کیا۔ "مجھے افسوس ہے۔ فی الحال میرے پاس قواعد پر عمل کرنے کا وقت نہیں، میرا پارٹنر ایک جگہ مشکل میں پھنس گیا ہے اور صرف ایک فون نمبر میری جیب میں موجود ہے جسکو میں فوری طور پر اس کی مدد کرنا چاہتا ہوں۔"

"یہ غیر قانونی ہو گا۔" خاتون سپروائزر نے نرمی سے ٹائیگر کو آگاہ کیا۔

"میں جانتا ہوں، ہنی۔" ٹائیگر کا انداز خالص پولیس والوں جیسا تھا۔ "میرا نام سارجنٹ ایڈون ایل ہربنسن ہے۔ بیج نمبر ۴۵۶، پورٹ آرتھر پی ڈی۔ مجھے فون نمبر والے کا پتا درکار ہے اور اس وقت میرے پاس دوسرا کوئی ذریعہ نہیں، اگر ناخیر ہو گئی تو میرا دوست خون ضائع ہونے سے مر بھی سکتا ہے۔"

"ٹھیک ہے، میں بتا دیتی ہوں لیکن صبح تمہیں ضابطے کی کارروائی پوری کرنی ہو گی۔"

دو منٹ بعد ٹائیگر تا ئسن رہا تھا۔ ۱۲۶۳ براڈوے۔ لیس لگتا تھا کہ یہ شہر کے زیریں حصّے میں ہے مگر وہ یہ بات سپروائزر سے نہیں پوچھ سکتا تھا۔ اس نے لڑکی کا شکریہ ادا کیا اور یہ سوچتا ہوا بوتھ سے باہر نکل آیا کہ اگر واقعی پورٹ آرتھر پولیس میں کوئی سارجنٹ ہربنسن ہوتا تو کتنا مزا آئے گا؟

ٹائیگر مطلوبہ پتے پر پہنچا تو یہ دیکھ کر اس کے ہونٹ سیٹی بجانے والے انداز میں سکڑ گئے کہ وہ پورٹ آرتھر ہوم سیونگز اینڈ لون بلڈنگ تھی جو نصف بلاک پر پھیلی ہوئی تھی۔ ٹائیگر نے ایک نظر اس گیارہ منزلہ عمارت کو دیکھا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ محافظ نے اُسے غلط نمبر دے دیا ہے۔

اپنے اطمینان کے لیے اس نے اِرد گرد کا جائزہ لیا تو اُسے علم ہوا کہ براڈوے پر ۱۲۶۳ ہی نمبر ہے۔ اس نے مونا کو ایک جانب کھڑی کی اور عمارت کے سامنے آ گیا۔

سیونگ اور لون کے ساتھ ساتھ باقی دس منزلوں پر دوسرے دفاتر بھی واقع تھے ٹائیگر سوچ رہا تھا کہ یہ سب بیکو کی ملکیت ہے یا ان میں سے کوئی ایک اس کی ملکیت ہے۔ ممکن ہے وہی ان سب کے پس منظر میں ہو اور یہ بھی ہو سکتا تھا کہ بیکو اس پوری زنجیر کی محض ایک کڑی رہا ہو جس کی تعمیر برجمین نے کی تھی۔

جاسوسی ڈائجسٹ کے مقبول سلسلے

ناگ بھون — اقلیم علیم
(دو جلدیں) قیمت =/300 روپے

سنگتراش — اقلیم علیم
(دو جلدیں) قیمت =/300 روپے

برہمچاری — انوار صدیقی
قیمت =/150 روپے

سرکش — محمود احمد مودی
(12 حصے) مکمل سیٹ =/600 روپے

مکتبہ القریش
سرکلر روڈ اردو بازار لاہور
فون 7668958

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ٹائیگر نے عمارت کا جائزہ لیا نیچے سے اوپر تک ہر شے نے تاریکی کا لبادہ اوڑھ رکھا تھا۔ صبح کے تین بجے تھے اس لیے کسی روشنی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اُس نے پہلے عمارت میں داخل ہونے کے بارے میں سوچا لیکن پھر وہ واپس مڑ گیا۔ اُس کا خیال تھا کہ صبح کے وہ دن کی روشنی میں اندر داخل ہوگا۔

ٹائیگر آہستہ روی سے چلتا ہوا اپنی کار کے قریب آیا اور ڈرائیونگ سائیڈ کا دروازہ کھول کر سیٹ پر جا بیٹھا لیکن اُس کے ہونٹوں پر بڑی معنی خیز مسکراہٹ تیر رہی تھی۔ اُس نے دونوں ٹرگرز مرک کر اگنیشن میں چابی لگائی جیسے کسی کا انتظار ہو۔

جونہی چابی گھومی، عقب سے ایک آواز سنائی دی "انجن بند کر دو دوست"

ٹائیگر کی مسکراہٹ کچھ اور گہری ہوگئی۔ اُس نے عقب نما آئینے میں دیکھا۔ اعضار یہ پیٹالیس کے ایک آٹومیٹک کی سیاہ بیرل اُس کی گدی سے لگی ہوئی تھی۔

ٹائیگر مسکراتا رہا لیکن اس نے ریوالور بردار کے کہنے پر عمل کرنے کے بجائے کار کو گیئر میں ڈالا اور آگے بڑھا دیا۔ ریوالور بردار نے اُس کی گدی پر ریوالور کا دباؤ کچھ اور بڑھا دیا تھا۔

"بہتر ہے کہ اس سیٹ پر آجاؤ دوست۔" ٹائیگر نے سر موڑ کر اُسے مخاطب کیا۔ "اور ہاں اپنے اس کھلونے کو ذرا ڈھیلا رکھو ورنہ اگر یہ تمہارے ملق میں ترازو ہوگیا تو دنیا کا کوئی سرجن بھی اسے نکال نہیں سکے گا۔"

ریوالور بردار اچھل کر اگلی نشست پر آگیا لیکن ریوالور بدستور اُس کے ہاتھوں میں تھا۔

"ہم گزشتہ کئی منٹ سے تمہاری حرکات و سکنات کا جائزہ لے رہے ہیں۔" ریوالور بردار نے کہا۔ "تین بجے تم عمارت میں داخل ہوئے تھے۔ تم عمارت کی نگرانی کر رہے تھے۔ صبح کے تین بجے یہ سب مشکوک سرگرمیوں میں آتا ہے اور پھر تمہاری شکل ایک ایسے آدمی سے ملتی ہے جس کی ہمیں ضرورت ہے لیکن اگر تم غیر مسلح ہو اور تم سے ہمارے آدمیوں کو کوئی خطرہ نہیں تو تمہیں چھوڑ دیا جائے گا۔"

"اوہ۔" ٹائیگر نے سیٹی بجانے والے انداز میں ہونٹ سکیڑے اور کار کی رفتار کچھ اور بڑھا دی۔ ذرا ہی دیر میں وہ قانونی حدود سے تجاوز کر گئی۔

ریوالور بردار ٹائیگر کو بھول کر سامنے سڑک کی طرف متوجہ ہوگیا۔ اب اسے اپنی فکر لاحق ہوگئی تھی اُس کے خیال میں وہ کسی جنونی کی گاڑی میں چڑھ آیا تھا۔ وہ کبھی سامنے دیکھتا اور کبھی اسپیڈو میٹر پر رکتا دوڑتا تاجس کی سوئی مسلسل آگے کی طرف بڑھ رہی تھی۔

اُسے علم تھا کہ سامنے ایک چوراہا ہے۔ اگر ٹائیگر اسی رفتار سے چلتا رہا تو حادثہ ضرور ہوگا۔ گو رات کا آخری پہر تھا لیکن امکان تھا کہ ہائی وے پر ٹریفک اس وقت بھی موجود ہوگا۔

اور پھر اُسے چوراہا نظر آنے لگا۔ وہ تو قف لگا ہوں سے ٹائیگر کی طرف دیکھنے لگا کہ شاید وہ رفتار کم کرلے لیکن کار بدستور تو بے میل فی گھنٹہ کی رفتار سے بھاگ رہی تھی۔ اُس نے سوچا کہ وہ ٹائیگر کو بریک لگانے کے لیے کہے لیکن سامنے کی طرف دیکھ کر اس کی سانس حلق میں اٹک گئی۔

دائیں جانب سے ایک بھاری بھرکم ٹریلر آرہا تھا۔ اُس کی رفتار بھی خاصی تیز تھی۔ ریوالور بردار کا اندازہ تھا کہ اگر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا ہوا شخص بریک بھی لگا دے تب بھی کار ٹریلر سے ٹکرائے بغیر نہ رہتی۔

ٹائیگر اپنے دشمن کے چہرے کے بدلتے ہوئے تاثرات سے بخوبی آگاہ تھا۔ اُس کی تمام تر توجہ اب بھی چوراہے پر تھی۔ ٹریلر دائیں طرف سے بڑھتا ہوا اُسے بھی صاف دکھائی دے رہا تھا۔ اُس کی نگاہیں چوراہے سے اُس کا فاصلہ ناپ رہی تھیں۔ اس کا اندازہ تھا کہ کار اور ٹریلر بیک وقت سڑک عبور کریں گے۔

جب کار چوراہے سے پچاس گز کے فاصلے پر رہ گئی تو ٹائیگر نے ہاتھ اسٹیئرنگ سے ہٹا کر اپنی سمت کا دروازہ کھولا اور اس سے پہلے کہ ریوالور بردار کوئی اندازہ لگا سکتا وہ چلتی کار سے باہر کود گیا۔

ریوالور بردار کے حلق سے ایک طویل چیخ نکلی لیکن وہ رفتار دھماکے میں دب گئی۔

کار پوری رفتار سے ساتھ ٹریلر کے درمیانی حصے سے ٹکرائی۔ بھاری بھرکم ٹریلر کا تو کچھ زیادہ نہیں بگڑا لیکن کار مکمل طور پر تباہ ہوگئی فوراً ہی دوسرا دھماکا ہوا اور کار میں آگ لگ گئی۔

ٹائیگر کو یقین تھا کہ کار میں رکھی ہوئی سوئی بھی سلامت نہ رہی ہوگی۔

وہ کچی زمین پر سے یوں اٹھا جیسے پیر پھسل کر زمین پر گر پڑا ہو۔ اُس نے کپڑوں پر سے گرد جھاڑی اور مسکراتا ہوا سڑک پر آگیا۔

ٹریفک بند تھا اور اُس میں سے کئی افراد اُتر کر جلتی ہوئی کار کی طرف بڑھ رہے تھے۔ وہ تو ٹائیگر کو نظر آرہے تھے لیکن اُسے یقین تھا کہ اُن کی آنکھیں اُس کی طرح تیز و ہر گز نہیں ہوں گی۔

اُس نے یک بارگی پلٹ کر کار کی طرف دیکھا اور پھر پیدل مخالف

سمت چل پڑا۔ ابھی اس نے دس ہی قدم اٹھائے تھے کہ دھماکوں کی تڑتڑاہٹ سے گونج اٹھی۔ ساتھ ہی کسی کار کے بریک چرچرانے کی آواز سنائی دی۔ اُس سے کوئی دس فٹ کے فاصلے پر ایک سیڈان کار ٹکرا رکی تھی۔

فوری طور پر ٹائیگر کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکا کہ فائر اُس پر ہوئے ہیں یا کار پر۔

فائرنگ وہ بارہ ہوئی اور اس بار ٹائیگر کو اندازہ ہوگیا کہ کم از کم تین اطراف سے خود کار رائفلوں کے ذریعے اس پر گولیاں چلائی گئی ہیں لیکن گولیاں اس کے سر سے خاصی بلندی پر سے گزری تھیں۔

وہ سکون سے چلتا ہوا اگلے تک پہنچا پسنجر سائیڈ کا دروازہ کھولا اور اندر بیٹھ گیا۔

"چلو۔" اُس نے سر گھما کر ڈرائیور کو دیکھتے ہوئے حکم دیا۔ "فکر نہ کرو گولیاں تم پر نہیں مجھ پر چلائی جا رہی ہیں۔" اُس نے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھی ہوئی لڑکی کو تسلی دی۔

لڑکی نے زرد چہرے اور پھٹی ہوئی آنکھوں سے ٹائیگر کی طرف دیکھا لیکن کچھ کہنے کے بجائے کار آگے بڑھا دی۔

"اگلے موڑ سے بائیں جانب۔" ٹائیگر نے اسے اگلا حکم دیا اور اس نے خاموشی سے اُس کی بھی تعمیل کی۔

تین موڑ اور مڑنے کے بعد وہ ہائی وے پر پہنچ گئے۔

"اگلی گلی میں موڑ لو اور آخری سرے پر لے جا کر کار روک دو۔" لڑکی نے ایسا ہی کیا۔

جونہی اُس نے کار روکی۔ اُس نے لڑکی کو لائٹس بجھا دینے لیکن انجن اسٹارٹ چھوڑ دینے کو کہا۔ لڑکی نے اس حکم کی بھی تعمیل کی۔ ٹائیگر نے اپنا رُخ موڑا اور لڑکی کا جائزہ لینے لگا۔

وہ اب کپکپا رہی تھی۔

"تمہارا نام کیا ہے؟"

"کرسٹی۔"

"دیکھو کرسٹی، تم آرام سے بیٹھ سکتی ہو۔" ٹائیگر کے لہجے میں اُس کا مخصوص پیار سمٹ آیا تھا۔ "مجھ سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ میں تمہیں لوٹوں گا۔ نہ نقصان پہنچاؤں گا۔ اگر تم چاہتی ہو تو میں ابھی اور اسی وقت کار سے اتر کر چلا جاتا ہوں تاکہ تم سکون سے گھر جا سکو۔"

اُس نے کار کی اندرونی روشنی میں لڑکی کو غور سے دیکھا۔ وہ نوجوان، خوبصورت اور کم عمر تھی۔ عمر جس بائیس کے لگ بھگ تھی۔ اُس کے براؤن بال فرنچ اسٹائل کے کٹے ہوئے تھے۔ آنکھیں بھی بھوری تھیں۔ خوف کے باوجود اُس کی آنکھوں میں ذہانت کی چمک تھی۔

اب تک اُس نے سوائے اپنا نام بتانے کے اور کوئی بات نہیں کی تھی۔ وہ ہاتھ باندھ کر گود میں رکھے ہوئے مسلسل سامنے دیکھ رہی تھی۔ بالآخر اُس نے ایک طویل سانس لی اور ٹائیگر سے مخاطب ہوئی۔

"میرے اشارے کے مطابق آج کا دن میرے لیے اچھا نہیں تھا لیکن مجھے اُمید نہیں تھی کہ یہ خرابی اس نوعیت کی ہوگی۔"

اُس کی آواز نرم اور لہجے میں نغمگی تھی اُس کے حوصلے واپس آرہے تھے وہ رُخ موڑ کر ٹائیگر کی جانب رُخ کر کے بیٹھ گئی۔

"مجھے لگتا ہے کہ تمہارا اسٹار سنبلہ ہے۔" وہ مسکرائی۔ "کیونکہ تم مخاطب کو قائل کر لینے کی صلاحیت سے مالا مال ہو۔ سنبلہ ٹوٹ واقعی بڑے ڈیشنگ ہوتے ہیں اور وہ دوسروں سے اپنی بات منوا لیتے ہیں، لیکن تم میری خاموشی کا کوئی اور مطلب نہ لینا۔ میں خوف زدہ ہوں نہ نروس بلکہ۔۔۔"

"اسکول ٹیچر ہو؟" ٹائیگر نے اُس کی بات کاٹی۔

"ہاں۔" وہ بدستور مسکرا رہی تھی۔ "اور کل اسکول میں، میں اپنے طلبہ کو ایک مضمون لکھنے کے لیے کہوں گی جس کا عنوان ہوگا، جب پہلی بار مجھے اغوا کیا گیا۔"

اب لڑکی کی حالت کافی سنبھل گئی تھی۔ اُس کی گلابی رنگت بحال ہوگئی تھی اور آنکھوں سے خوف کے سائے بھی چھٹ گئے تھے اُس کے جملے پر ٹائیگر ہنسے بغیر نہ رہ سکا۔ "لیکن کسی جگہ، ڈرنک، ڈرگز یا اسنیک کے بارے میں کیا خیال ہے؟" اُس نے ماحول کا بوجھل پن دور کرنے کی مزید کوشش کی۔

"صبح کے ساڑھے تین بجے؟" لڑکی نے اک ادا سے آنکھیں پٹپٹا کر پوچھا۔

"اوہ۔" ٹائیگر نے مصنوعی حیرت ظاہر کی۔ "یہ تو واقعی عجیب سا لگے گا۔"

"کیا وہ جانتے ہیں کہ تم زندہ ہو اور کہاں رہتے ہو؟" لڑکی نے اچانک ہی موضوع بدل دیا۔ اُس کا اشارہ یقینی طور پر فائرنگ کرنے والوں کی جانب تھا۔

"میرا خیال ہے کہ ہاں۔" ٹائیگر بھی لطف لے رہا تھا۔

"تو پھر کیا یہ بہتر نہیں کہ تم میرے اپارٹمنٹ پر چلو اور وہاں سو جاؤ۔ طلوع ہونے تک کافی وغیرہ سے شغل کرو۔" لڑکی نے تجویز پیش کی پھر شاید خود ہی اس پیش کش پر شرما گئی۔ "میرا مطلب کچھ اور نہیں تھا۔" اُس نے جلدی سے وضاحت کی۔ "وہاں ایک بڑی آرام کرسی اور کاؤچ موجود ہے، تم تھوڑی دیر اُس پر آرام بھی کر سکتے ہو۔"

ٹائیگر جواب میں خاموش رہا۔

لڑکی نے اپنی پلکوں کی جھالر اٹھائی اور دوبارہ اُس سے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

مخاطب ہوئی: "مجھے تمہارے نام کا بھی علم نہیں؟"

"جان" ٹائیگر ہونٹ دبا کر مسکرایا۔ اُس کا مقصد انگریزی کے جان نہیں، اُردو کے جان سے تھا۔

"اوہ، اچھا نام ہے" لڑکی نے بلاوجہ تائید میں سر ہلایا "کیا تم ورکو ہو؟"

"مجھے علم نہیں۔"

"کوئی بات نہیں، تم اپنا فیصلہ دو، کیا تم ایک پرانے ذہن کی اسکول ٹیچر کے ساتھ کافی پینا پسند کرو گے جان؟"

"کیوں نہیں۔"

لڑکی نے فوراً کار گیئر میں ڈالی اور آگے بڑھا دی۔

تھوڑی دُور جانے کے بعد اس نے کرسٹی کو پہلے سی بریز موٹل چلنے کی ہدایت کی۔ وہ ڈرامے میں حقیقت کا رنگ بھرنے کے لیے وہاں سے اپنا سامان اٹھانا چاہتا تھا۔ ٹائیگر نے اسے پارکنگ لاٹ کے بالکل عقبی حصّے میں کار کھڑی کرنے کو کہا اور خود اندر کمرۂ موٹل کے اندر چلا گیا۔

اُس کا کمرہ اُسی حالت میں تھا جس حالت میں وہ چھوڑ کر گیا تھا۔ یعنی اُس کی عدم موجودگی میں کوئی بھی وہاں نہیں آیا تھا۔ اُس نے اپنا سامان اُٹھایا اور حساب کتاب کر کے واپس آگیا۔ سارے کام میں صرف پانچ منٹ لگے تھے۔

کرسٹی سیٹ کی پُشت سے سر ٹکائے آنکھیں بند کیے بیٹھی تھی ٹائیگر نے آہستہ سے شیشہ کھٹکھٹایا تو وہ بُری طرح چونکی لیکن کچھ کہے بغیر اُس نے پسنجر سائیڈ کا دروازہ کھول دیا۔

دس منٹ بعد دونوں کرسٹی کے اپارٹمنٹ پر تھے۔

اپارٹمنٹ جھیل کے ساحل پر تھا اور بقول اُس کے اُس نے ایک سال قبل یہاں منتقل ہو کر اسے نئے سرے سے ڈیکوریٹ کیا تھا۔ اس میں تین کمرے اور ایک باتھ روم تھا۔ کرسٹی ٹائیگر کو ایک ایک کمرے میں لیے پھری تھی۔

جب "دورہ" ختم ہوا تو وہ اسے کچن میں لے گئی اور کافی بنانے لگی۔

"کچھ لوگ واقعی نہیں مل کر دینا چاہتے ہیں؟" کرسٹی نے پیر اسی دلچسپ انداز کا ذکر کیا۔

"ہاں، کوشش تو ان کی یہی تھی۔"

کرسٹی نے ایک طویل سانس لی "کیا تم نے بھی اُن میں سے کسی کو مارا ہے؟"

اُس کی آنکھیں شعلوں سے قدرے پھیل گئی تھیں لگتا تھا وہ پہلی بار کسی کی موت کے بارے میں بات کر رہی ہے۔

"ہاں، کار اور ٹریلر کا حادثہ میری ہی وجہ سے ہوا تھا" ٹائیگر نے کافی کا مگ اٹھاتے ہوئے کہا۔

"کیسے؟"

"میں نے چلتی کار میں سے چھلانگ لگا دی تھی جبکہ دوسرا شخص کار ٹکراتے وقت اسی میں موجود تھا۔"

کرسٹی کے چہرے کے تاثرات بتاتے تھے کہ اُسے ٹائیگر کی بات ہضم نہیں ہوئی۔ اُس کی آنکھیں بے قراری سے ٹائیگر کے بدلتے پروفیسر رہی تھیں۔ یقیناً وہ گہرائے سے آنے والی چوٹوں کو ڈھونڈ رہی تھی لیکن وہاں چوٹیں تو درکنار گرد تک کے آثار نہیں تھے۔

"لوسٹ یا ہام چلے گا؟" لڑکی نے کہہ کر آنکھیں جھکا لیں۔ اُس نے وہ جھوٹ بھی ترک کر دیا "ظاہر ہے ناشتے کا وقت ہونے والا ہے۔"

"نہیں" ٹائیگر نے جواب دیا "میں اتنی صبح ناشتا لینے کا عادی کبھی نہیں رہا۔"

کرسٹی دوبارہ ٹائیگر کو پڑھنے لگی "میرا خیال ہے میں اب بھی خوفزدہ ہوں" اس نے سرگوشی کے انداز میں کہا "یا وہ بارہ خوفزدہ ہو گئی ہوں۔" وہ "ڈائننگ ٹیبل کے قریب رکھی کرسی پر بیٹھ گئی "میرے اپارٹمنٹ میں آج سے پہلے کبھی کوئی موجود نہیں رہا اور وہ بھی تمہارے جیسا خوبصورت اور پُرکشش آدمی۔ اس لیے میری میزبانی میں کوئی کمی محسوس کرو تو معاف کر دینا۔"

وہ چند ثانیے رُکی اور دوبارہ گویا ہوئی "میں کچھ دیر سونا چاہتی ہوں کیونکہ اگر جاگتی رہی تو صبح کا سارا دن کو ہی پیٹ دام سمجھ لوں گی۔ اب میں اپنے دانت برش کروں گی۔ سارا گھر تمہارے حوالے۔ میں تو چلی۔"

اُس نے اپنا مگ ٹیبل پر رکھا اور باتھ روم میں جا کر دروازہ بند کر لیا۔

ٹائیگر کچھ دیر بیٹھا صورتِ حال کا جائزہ لیتا رہا۔ پورٹ آرتھر میں اتنی ہنگامہ خیزی کے باوجود اب تک وہ کسی شخص تک نہیں پہنچا تھا اور یہ پہلا موقع تھا۔ وجہ شاید یہ بھی ہو کہ اس بار اُس کے پاس معلومات زیادہ نہ تھیں اور دوسری وجہ ممکن ہے یہ ہو کہ خود اُس کے لیے نیا تھا لیکن اب نہیں ہوا تھا۔ ایک بار نقشہ دیکھ کر اُسے یہاں کے تمام راستے اور اہم مقامات ازبر ہو گئے تھے۔

اچانک ہی اُس کی رو، روبی کی طرف پھر گئی، جانے وہ کس حال میں تھی اور کہاں تھی؟ کیپٹن نے صرف کینیڈا کی نشاندہی کی تھی اس بات کا کوئی ثبوت نہیں تھا کہ وہ پورٹ آرتھر میں موجود بھی ہے یا نہیں۔ اس لڑکی سے وہ ہمیشہ الجھتا تھا، خار کھاتا تھا لیکن اُس سے پیار بھی کرتا تھا۔ جب وہ دُور چلی جاتی تو ہمیشہ اُسے اُس کی اہمیت کا احساس ہوتا تھا۔

ایک آدھ بار پہلے بھی روبی پر بُرا وقت آیا تھا تو اُس وقت

ٹائیگر پوری دُنیا کو تہس نہس کرنے پر تیار ہو گیا تھا۔ صورتِ حال اب بھی ویسی ہی تھی۔ روبی غائب تھی اور ٹائیگر کو ہنوز علم نہیں تھا کہ وہ کہاں ہے؟

اُس نے اپنی اسپورٹس جیکٹ اُتار کر کرسی کی پُشت پر ٹانگ دی۔ وہ فوری طور پر کچھ نیند لینا چاہتا تھا تاکہ صبح نئے سرے سے کام کا آغاز کر سکے۔ اس کے بعد اس نے اپنے جُوتے اُتارے۔ جس وقت کرسٹی اندر داخل ہوئی اس وقت ٹائیگر اپنی شرٹ کے بٹن کھول رہا تھا۔

"میرے پاس ایک نیا آئیڈیا تھا۔۔۔" ٹائیگر کو دیکھ کر اُس کا جملہ حلق میں ہی گھٹ گیا "۔۔۔تم پہلے شخص ہو جس نے میرے اپارٹمنٹ میں اپنی شرٹ کے بٹن کھولے ہیں، ممکن ہے تم اسے اعتراف سمجھو یا شکنی لیکن حقیقت یہی ہے۔" اُس نے ایک پلاسٹک کیس ٹائیگر کی طرف بڑھایا "یہ ایک نیا ٹوتھ برش ہے اگر ضرورت ہو تو استعمال کر لو۔"

وہ پلٹ کر دوبارہ باتھ روم کے دروازے کی طرف بڑھی۔

"ممکن ہے جان! تم ان باتوں کو میری قدامت پسندی قرار دو، لیکن میں خوف سے یہ کہہ سکتی ہوں کہ میں پرانے خیالات کی لڑکی ہوں بہت سی باتوں سے خوفزدہ لاحق ہوں لیکن اس کے باوجود میں نے تم پر اعتماد کیا ہے اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ تم مجھے پسند آئے ہو مگر میرا یہ سمجھنا کہ میں کسی سے متاثر ہو کر اپنا آپ اُس کے حوالے کر دیتی ہوں۔ میں اُن لڑکیوں میں سے نہیں ہوں۔" کرسٹی یک دم خاموش ہو گئی پھر اُس نے ایک قہقہہ لگایا "ممکن ہے ایسی باتوں پر تمہیں حیرت ہو رہی ہو تم ان باتوں کو میرا پاگل پن بھی کہہ سکتے ہو میرا نفسیاتی گریڈ ویسے بھی بہت بہتر نہیں۔"

اُس نے باتھ روم کا دروازہ بند کیا اور خارجی دروازے کی طرف بڑھی ٹائیگر خاموشی سے اُس کی حرکات و سکنات کا جائزہ لے رہا تھا۔

"ٹھیک ہے جان" کرسٹی نے دروازے پر پہنچ کر اُسے مخاطب کیا "اب سو جاؤ، گڈ نائٹ۔"

"کرسٹی" اس سے پہلے کہ وہ باہر نکلتی ٹائیگر نے اسے آواز دی "اگر میں اپنا سوٹ کیس یہاں چھوڑ جاؤں تو کوئی قباحت تو نہیں ہو گی؟ ممکن ہے جب تم سو کر اٹھو میں یہاں سے جا چکا ہوں۔"

"کیوں نہیں، چاہو تو سامان یہاں چھوڑ جاؤ اگر کل شام تم واپس کے لیے آنا چاہو تو بتا دو تاکہ میں تمہارے لیے کچھ تیار کر رکھوں۔ میں دُنیا کی عظیم ترین کک نہیں ہوں لیکن پھر بھی کچھ نہ کچھ ضرور کر سکتی ہوں۔"

"شکریہ میں آنے کی کوشش کروں گا۔"

اُس نے ہاتھ ہلایا اور کرسٹی باہر نکل گئی۔

ٹائیگر اب [illegible] کرسٹی [illegible] کیا سکتا تھا۔ وہ کم عمر تھی، خوبصورت تھی لیکن پختہ کردار کی لڑکی تھی۔ ٹائیگر نے فیصلہ کیا کہ وہ کرسٹی کو کسی مصیبت میں مبتلا نہیں کرے گا۔ یہ دوست تھا کہ کرسٹی کو کچھ ہونے کی صورت میں ٹائیگر اس کی مدد کو آسکتا تھا لیکن اس میں تاخیر ہو سکتی تھی اور وہ فی الحال صرف روبی کے منسلک کو اپنے ذہن میں رکھنا چاہتا تھا۔

اُس نے فیصلہ کیا کہ وہ اپنا اٹیچی کیس کسی بس ڈپو کے لاکر میں رکھوا دے گا یا کوئی مناسب رقم لے کر کرسٹی سے دوبارہ کبھی ملاقات نہیں کرے گا۔ اُس کے دشمنوں کی تعداد بڑھتی جا رہی تھی اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ اسے کوئی کرسٹی کے ساتھ دیکھ کر اُس کے پیچھے لگ جائے۔

وہ کاؤچ پر لیٹ گیا۔ ٹھیک دو گھنٹے بعد اسے بیدار ہونا تھا اور بیدار ہونے کے بعد سب سے پہلا کام ہیسرام کو خون کرنا تھا۔ اوشان کے بغیر وہ اداس ہو گیا تھا۔

— — ✕ — —

مالیا ٹیلر گوشتہ رات پورٹ آرتھر پہنچی تھی۔ وہ اتنی تھکی ہوئی تھی کہ اپنے ہوٹل کے کمرے میں آتے ہی بستر پر گر پڑی اور سو گئی۔ اسی لیے وہ ٹی وی پر رات گیارہ بجے والی خبریں نہیں سُن سکی تھی جس میں اسی سمپسر کرانے کی کار کی تباہی کی خبر ٹیلی کاسٹ کی گئی تھی۔

اگلی صبح اُس کا الارم اُسے ساڑھے سات بجے جگانے میں ناکام رہا تھا۔ مالیا کا ذہن اتنا طاقت ور نہ تھا کہ وہ وقت کو سوچ کر سوتی اور اٹھ جاتی۔ شاید اُس نے ہوٹل کلرک کو ہدایت کی تھی کہ اُسے جگا دے چنانچہ جب وہ سو کر اٹھی تو گھڑی ساڑھے آٹھ بجا رہی تھی۔ وہ اچھل کر بستر سے اُتری۔

ٹھیک دس بجے اُسے ڈاؤن ٹاؤن میں ایک شخص سے ملاقات کرنی تھی چنانچہ وہ بھاگم بھاگ تیار ہو کر نیچے آئی اور ڈیسک کی طرف دوڑی۔ راستے میں اس کی نظر اخبار کی سرخیوں پر پڑی۔ کسی کار کے جلنے کا تذکرہ تھا لیکن وہ پوری خبر پڑھنے کے لیے رُکی نہیں۔ اگر وہ چند سیکنڈ وہاں رُک جاتی تو یقیناً اسے پتا چل جاتا کہ ٹائیگر یہاں پہنچ چکا ہے اور وہ اسے ڈھونڈنے کی کوشش کرتی۔

مالیا ٹیلر ریچ کریسٹ سے آئی تھی۔ بظاہر وہ کوئی سرکاری ایجنٹ معلوم نہ ہوتی تھی۔ ہوائی کی رہنے والی یہ لڑکی ریچ کریسٹ میں ٹائیگر سے مل چکی تھی۔ اُس نے مالیا کی جان بچائی تھی اور اُسے خوفناک گان کے چنگل سے چھڑا لایا تھا۔ پھر مالیا نے لیزر بیم کے باقی پروجیکٹ میں ٹائیگر کے شانہ بشانہ کام کیا تھا۔

اُس وقت مالیا کا کور ایک ہوسٹس کا تھا اور وہ ایک نجی ہوٹل میں ملازمت کرتی تھی مگر لیزر بیم پروجیکٹ ختم ہوتے ہی اُسے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

اپنے کہہ کو خیر باد کہنا پڑا اور یوں اٹھائیس سالہ مالیا ماڈل گرل بن گئی اس نے اپنے بھورے بال اس طرح سیٹ کروائے تھے کہ ہر وقت ایسا لگتا جیسے وہ ابھی ابھی بیوٹی پارلر سے نکلی ہے۔

وزارتِ انصاف نے اسے نیویارک بھیج دیا تھا جہاں وہ ایک خوبصورت ترین دفتر میں سکریٹری کی حیثیت سے ملازمت کرتی تھی اور ایک پرائیویٹ فون پر واشنگٹن میں اپنے باس سے رابطہ رکھتی تھی۔

مالیا صرف قبول صورت ہی نہیں، خوبصورت اور ذہین بھی تھی اسی لیے اسے جے سکس ایجنٹ کا عہدہ دیا گیا تھا۔ جو کسی ایجنٹ کے بلند ترین مرتبے سے صرف دو قدم پیچھے تھا۔ اس وقت اس کے پرس میں اعشاریہ ۲۸ کا ریوالور بھی موجود تھا۔

ٹیکسی سے اتر کر اُس نے سامنے والی عمارت پر نگاہ ڈالی۔ یہی ۱۲۱۳ براڈوے تھی۔ اُس نے فوراً ڈرائیور کو ادائیگی کی اور گھڑی دیکھی وہ دو منٹ لیٹ ہو چکی تھی چنانچہ وہ مزید کچھ سوچے سمجھے بغیر لیفٹ لیٹر کی طرف دوڑی چند ہی منٹ بعد وہ نویں منزل پر موجود تھی۔

تین سال قبل پہلی مرتبہ یہ کیس وزارتِ انصاف کے علم میں آیا تھا۔ اُس وقت بھی مالیا نے اس پر تھوڑا سا کام کیا تھا۔ اب ایک ماہ پہلے یہ کیس پھر زندہ ہو گیا تھا اور اب وزارتِ انصاف نے اسے پورٹ آرتھر بھیجا تھا۔

اُس نے ایک روز پہلے ایک جاب کے لیے یہاں فون کیا تھا اُس نے نیویارک سے ڈائریکٹ ڈائلنگ پر بات کی تھی لیکن اُسے یقین تھا کہ بات کرنے والا یہ فرق محسوس نہ کر پایا ہوگا کہ فون نیویارک سے کیا گیا ہے یا یہیں پورٹ آرتھر سے۔ اُسے کمرہ نمبر ۹۲۸ میں صبح دس بجے مسٹر بوم سیرو سے رابطہ قائم کرنے کی ہدایت دی گئی تھی۔

وہ جس کمرے کے دروازے پر پہنچی اس پر بکو لیٹنگ کے الفاظ کندہ تھے۔ مالیا نے ایک نظر نام پر ڈالی اور اپنے ہونٹوں پر پرسین ماڈل مسکراہٹ سجا کر اندر داخل ہو گئی

"مس!" اس نے ریسپشن کاؤنٹر پر بیٹھی لڑکی کو مخاطب کیا "میرا مسٹر بوم سیرو سے وقت طے ہے براہِ کرم انہیں اطلاع دے دیں۔"

لڑکی نے کوئی جواب دیے بغیر انٹر کام اٹھایا اور کسی سے بات کرنے لگی لیکن مالیا اُس کا ایک لفظ بھی نہ سن سکی۔ چند ثانیوں بعد لڑکی مالیا سے مخاطب ہوئی۔

"اس کوریڈور میں دائیں جانب تیسرے کمرے میں ان کی سکریٹری سے مل لو۔"

"تھینک یو سو مچ!" مالیا نے پھر مسکراہٹ ہونٹوں پر سجائی اور کھٹ کھٹ کرتی کوریڈور کی طرف چل دی۔

ذرا دیر بعد وہ تیسرے کمرے کے دروازے سے اندر داخل ہو رہی تھی ایک ادھیڑ عمر عورت نے اُس کا استقبال کیا اور سامنے رکھی ایک کاؤچ پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ پہلے والی کی طرح بداخلاق نہیں تھی بلکہ اس نے مالیا سے موسم پر اور ادھر اُدھر کے موضوعات پر باتیں شروع کر دیں۔

کوئی پانچ منٹ بعد اُس کی میز پر رکھے انٹر کام کی سُرخ بتی جل اٹھی۔ سکریٹری نے اٹھ کر انٹر کام نہیں اٹھایا بلکہ فوراً ہی کھٹاک کھٹاک کی آوازیں آئیں اور اُس میں سے ایک ٹائپ شدہ کاغذ باہر نکل آیا اُس نے پیغام پڑھا اور مالیا سے مخاطب ہوئی۔

"مسٹر بوم سیرو نے آپ کو اندر طلب کیا ہے، مس مارٹن۔"

سکریٹری ساتھ ہی اپنی نشست سے کھڑی ہو گئی۔ اس نے اپنے ہاتھ میں پکڑی ہوئی ایک گول آہنی پلیٹ دروازے سے مس کی اور دروازہ بے آواز کھلتا چلا گیا۔

مالیا پتلے قدموں سے اندر داخل ہو گئی جبکہ سکریٹری واپس اپنی نشست پر چلی گئی۔

کمرہ دوسرے دفاتر سے قطعی مختلف تھا۔ فرش پر قالین نہیں تھا بلکہ سفید رنگ کے خوبصورت ٹائل لگے ہوئے تھے میز کے سامنے صرف دو کرسیاں رکھی تھیں جبکہ میز کے عقب میں رکھی ریوالونگ چیئر پر ایک عدد ادھیڑ عمر شخص موجود تھا۔

قدموں کی آواز پر اُس نے سر اٹھایا اور مُنہ میں دبے سگار کو نکال کر ہاتھوں میں پکڑ لیا۔

"مس میلوڈی مارٹن؟" اس کا انداز سوالیہ تھا۔

"یس سر!" مالیا نے جواب دیا "میں نے پرسوں جاب کے سلسلے میں فون کیا تھا۔"

"بیٹھ جاؤ، مس مارٹن!" بوم سیرو نے اسے ہدایت کی اور میز پر رکھے کاغذ کھنگالنے لگا۔

مالیا خاموش بیٹھی اسے دیکھتی رہی۔ کوئی پانچ منٹ بعد بوم سیرو دوبارہ اُس کی طرف متوجہ ہوا۔

"میلوڈی مارٹن! تمہیں دیکھ کے پتا چلا کہ ہمارے ریسرچ ڈیپارٹمنٹ میں ایک آسامی خالی ہے۔"

"میری ایک روم میٹ نے بتایا تھا۔ وہ چونکہ میری ایک دوست کی دوست ہے اس لیے میں اُس کا نام نہیں جانتی۔"

"لیکن یہاں ریسرچ ڈیپارٹمنٹ میں تمہارے مطلب کا کوئی کام نہیں۔ جو کام ہمارے پاس ہے وہ قطعی مختلف نوعیت کا ہے۔ ہم اپنا ایڈورٹائزنگ ڈیپارٹمنٹ شروع کر رہے ہیں اور اس کے لیے

فرض کیجئے، میر جمشید عالم کی جگہ آپ ہوتے!

"امبر بیل"

- حالات کے بھنور میں پھنسے ایک شوریدہ بخت کی الم انگیز آپ بیتی۔
- وقت کی گردش نے اسے سر سے کفن باندھنے پر مجبور کر دیا تھا وہ انسان تھا جنونی بن گیا۔
- میر جمشید عالم پر جو گذری ... اگر آپ پر گزرتی ..؟؟

"امبر بیل"

- کیچو، ایک پراسرار طاقت — ایک سایہ — ایک بیولہ —
- وہ کون تھی؟ میر جمشید عالم سے کیا چاہتی تھی؟؟
- ریاستی محلوں میں خون چکاں جوڑ توڑ — سیاست کی ریشہ دوانیاں
- راج گدی کے حصول کے لیے خونی رشتوں کی خون ریز کشمکش
- جہاں دن سوتے راتیں جاگتی تھیں۔
- نوجوان خدمت گاروں پر راجکماریوں کی نوازشیں
- محبت اور جنگ میں سب جائز ہے؟؟

"امبر بیل"

- سب رنگ ڈائجسٹ کا سب سے مقبول سلسلہ
- کرشن چندر جیسا بڑا افسانہ نگار بھی امبر بیل کے سحر کا اسیر تھا۔
- معروف مصنف انوار صدیقی کا ایک اور ناقابل فراموش شاہکار
- ۲۵ سال کے بعد پہلی بار کتابی شکل میں۔ آپ کے اصرار پر۔

خوبصورت سرورق، سفید کاغذ پر چار جلدوں میں شائع ہو گئی ہے۔

قیمت مکمل سیٹ: -/۱۰۰۰ روپے

اسٹاکسٹ: مکتبہ القریش، اُردو بازار، لاہور

- Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem -

ماڈل گرل درکار ہے کیا تم نے کبھی ماڈلنگ کی ہے؟"

مالیا نے فوری طور پر صورتحال کی تبدیلی کو قبول کر لیا۔

"مَیں نے تین سال ماڈلنگ کی ہے، نیویارک میں بہت سے فیشن شوز کیے ہیں، لیکن اب میں ان چیزوں سے تنگ گئی ہوں اور چاہتی ہوں۔۔۔"

"تمہاری عمر کیا ہے، مس مارٹن؟"

"اٹھائیس سال۔"

"غیر شادی شدہ ہو؟ مجھے تمہاری انگلی میں کوئی انگوٹھی نظر نہیں آ رہی۔"

"یس سر!"

"گڈ، اس بوجھ سے نجات حاصل کرو۔" بوم سیرو نے اُس کے لباس کی طرف اشارہ کیا۔

مالیا کے لیے یہ حملہ اتنا اچانک تھا کہ وہ ہکلا کر رہ گئی۔

"ایک ماڈل گرل کے لیے ضروری ہے کہ وہ مناسب جسم کی مالک ہو۔" بوم سیرو اپنی رو میں بولے جا رہا تھا۔ "ہم چونکہ فقر ترین لباس میں تم سے ماڈلنگ کرائیں گے اس لیے مَیں چاہتا ہوں کہ تمہیں اصل حالت میں دیکھوں۔"

"مَیں شاید یہ نہ کر پاؤں۔"

"کیوں، تم ایک ماڈل تھیں، تم نے پہلے بھی تو ایسی ماڈلنگ کی ہوگی، اب کیا قباحت ہے؟ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ جسم پر زخم وغیرہ کا کوئی نہ مٹنے والا داغ ہو جو بعد میں تمہاری راہ میں رکاوٹ بن جائے۔"

"مَیں یہ فیصلہ تمہیں سے کہہ سکتی ہوں کہ میرے بدن پر ایسا کوئی نشان نہیں۔"

"مجھے کہہ رہا ہوں، دیکھ کر، ورنہ میرے پاس تمہارے لیے کوئی جاب نہیں، مَیں نے کبھی ایسا گھوڑا نہیں خریدا جو کمبل میں چھپا ہوا ہو، کوئی کار نہیں خریدی جسے مَیں نے چلا کر نہ دیکھا ہو۔ اسی طرح مَیں نے کبھی لڑکیوں کی کسی گھنٹی کو مارم نہیں رکھا۔"

"ٹھیک ہے۔" مالیا نے مُردہ دلی سے کہا اور اپنے بلاؤز کی طرف ہاتھ بڑھا دیے۔

بوم سیرو بڑے غور سے اُسے دیکھ رہا تھا جبکہ مالیا خود کو بڑے دھچکے کا بیوقوف سمجھ رہی تھی۔ جب وہ بوم سیرو کی تیز نگاہوں سے پگھلنے لگی تو اُس نے رُخ موڑنا چاہا لیکن اسی وقت عقب سے دو مضبوط ہاتھ آگے اور انہوں نے اُسے جکڑ لیا۔

مالیا نے بدقت تمام سر گھما کر پیچھے دیکھا لیکن اسے کوٹ والی دو آستینیں ہی نظر آئی تھیں۔ وہ جو کوئی بھی تھا بہت بڑا اور طاقتور تھا

"اب ہم سوال و جواب کا ایک کھیل کھیلیں گے۔" بوم سیرو نے مالیا کی حالت سے محظوظ ہوتے ہوئے کہا۔ "مجھے بتاؤ کہ امریکی حکومت نے تمہیں کس مشن پر یہاں بھیجا ہے اور تم نے اپنا اصل نام مالیا اسٹیبلر استعمال کیوں نہیں کیا؟"

مالیا حیران رہ گئی اُس کا خیال تھا کہ کوئی اس کی اصلیت نہ جان پائے گا لیکن پہلے ہی قدم پر اُس کا پول کھل گیا تھا۔

"مالیا!" بوم سیرو نے دوبارہ اُسے مخاطب کیا۔ "تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔ مَیں نے تم سے پوچھا تھا کہ یہاں تمہارا مشن کیا ہے۔۔۔ اوہ ہاں۔۔۔ ہم یوں بھی تمہارے بارے میں بہت کچھ جانتے ہیں، وزارتِ انصاف کی بے سکس ایجنٹ ہو تم سے پہلے جو ایجنٹ یہاں آئے تھے وہ بے تھری اور بے فور تھے۔ دونوں بہت تجربے کار تھے لیکن ان میں ذہانت کی کمی تھی کیا تم ہماری تنظیم تباہ کرنے کے مشن پر آئی ہو؟ شرم کی بات ہے یہ کوئی اچھا کھیل نہیں، مَیں ابھی واشنگٹن فون کر کے تمہارے باس سے بات کرتا ہوں۔"

مالیا کو اس تفصیل سے ایک جھٹکا سا لگا کہیں نہ کہیں کوئی غلطی ہو گئی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ اس کیس پر پہلے دو ایجنٹوں کو تعینات کیا گیا تھا لیکن بعد میں دونوں کے بارے میں کوئی خبر موصول نہیں ہوئی اسے ان دونوں کے رابطوں کے متعلق بھی کچھ نہیں بتایا گیا تھا کیا انہیں ختم کیا جا چکا ہے؟ مگر وہ اب بھی اس بات پر حیران تھی کہ انہیں اصلیت کا پتا کیسے چلا؟

وہ دس منٹ تک باہر منتظر رہی تھی ممکن تھا کہ ان دس منٹوں میں وہ خفیہ کیمروں کے ذریعے اس کا مشاہدہ کرتے رہے ہوں۔ وہ گئے انگلیوں کے نشانات تو اس نے بہت سی چیزوں کو چھوا تھا کسی بھی چیز سے حاصل کیے جا سکتے تھے۔

"مسٹر بوم سیرو!" اس نے خود کو مجتمع کرنے کی کوشش کی۔ "مَیں نہیں جانتی، تم کیا کہہ رہے ہو، مَیں اس گومیلے سے بے حد خوفزدہ ہوں جس نے مجھے پکڑ رکھا ہے اسے کہیں کہ مجھے چھوڑ دے ورنہ میں اتنی زور سے چیخوں گی کہ آدھا پورٹ آرتھر سُنے گا۔"

"نہیں میری پیاری، ہمارے دروازے اور دیواریں ساؤنڈ پروف ہیں۔" بوم سیرو نے کہا اور ہاتھ بڑھا کر اس کا پرس اٹھا لیا جو میز کی دوسری جانب رکھا ہوا تھا۔

جلدی سے پرس کھول کر وہ اس کی تمام چیزیں نکال کر باہر ڈھیر کر چکا تھا سب سے پہلے اس کا ریوالور نکلا۔ اُس نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اس کا اصل شناختی کارڈ اور جسٹس ڈیپارٹمنٹ کا کارڈ اس میں نہیں تھا۔

بوم سیرو اب اُس کے کاغذات کا معائنہ کر رہا تھا۔ "ویری گڈ، سیلوڈی مارٹن کے نام کا شناختی کارڈ، جس پر انگوٹھے کا نشان بھی ثبت ہے ہر تھری فیکٹ بھی ہے لیکن ان سے ہمیں دھوکا نہیں دیا جا سکتا ہم جانتے ہیں کہ حکومت اس سے بڑھ کر جعل سازی کر سکتی ہے۔"

مالیا نے سر گھما کر کھڑکی کی طرف دیکھا۔ سامنے جھیل کا پانی چمک رہا تھا۔ اُس کا جی چاہا کہ گورِیلا اُسے چھوڑ دے تو وہ انجام کی پروا کیے بغیر جھیل میں چھلانگ لگا دے۔ اُس کے بچاؤ کی اب بظاہر کوئی صورت نہ تھی۔ اُسے امید نہ تھی کہ اُسے کوئی بچانے آئے گا۔ اُسے بے اختیار شہزاد یاد آ گیا۔۔۔ ربیع کریسٹ میں ملنے والا شرمیلا نوجوان جس کے ساتھ اُس نے کئی یادگار لمحے گزارے تھے۔

کاش، اُس کے دل سے بے اختیار آواز نکلی۔ "شہزاد اُسے یہاں اگر بچا لے۔"

لیکن وہ جانتی تھی کہ یہ محض تصور ہی ہے، عملی طور پر یہ بات ناممکن تھی۔ اُس سے ملاقات کو کئی مہینے گزر چکے تھے اور اُس سے کوئی دوسری ملاقات نہ ہوئی تھی۔ اُس نے اپنے تمام ذرائع استعمال کیے لیکن شہزاد کی کوئی خبر موصول نہ ہوئی تھی۔ امریکہ کے تمام خفیہ اداروں نے اس نام کے کسی بھی شخص کی موجودگی سے انکار کیا تھا۔

"مَیں نے تمہیں بتایا تھا نا کہ ہم تمہارے بارے میں سب کچھ جانتے ہیں۔" بوم سیرو کی آواز اُسے دوبارہ حال میں لے آئی۔ "ہم نے سب سے پہلے تمہارا کور اُس وقت توڑا تھا جب تین سال پہلے یہاں آئی تھیں۔ ہم نے تمہاری تصاویر اُتاریں، فنگر پرنٹس لیے اور دیگر تفصیلات حاصل کیں جو تمہارے جسم کے تلوں کے سوا ہر لحاظ سے مکمل تھیں۔"

مالیا خاموشی سے سُنتی رہی۔

"پھر تم ربیع کریسٹ چلی گئیں، اسمتھ نامی ایک نوجوان کے ساتھ رہنے لگیں وہاں تم جن سرگرمیوں ملوث رہیں، ان کے بارے میں بھی مکمل تفصیلات کا علم ہے۔ وہاں شہزاد نامی ایک نوجوان سے بھی تمہاری ملاقات ہوئی، تم دونوں جس موٹل میں ٹھہرے اُس کا پورا ریکارڈ ہمارے پاس موجود ہے۔ یقین کرو میلوڈی مارٹن، ہم اپنے کام میں ماہر تصور کیے جاتے ہیں۔"

وہ چند ثانیے رُکا پھر اُس نے مالیا کے عقب میں کھڑے شخص کو مخاطب کیا۔

"کوفو! اس چڑیا کو اپنے کمرے میں لے جا کر زمانے کے سرد و گرم بتاؤ۔" بوم سیرو کے ہونٹوں پر شیطانی مسکراہٹ تھی۔ "اسے اُس طرح چیک کرنا جس طریقے کے تمہارا جی چاہے، یقین ہے کہ یہ ہمارے اندرونی انتظامی پول میں شاندار اضافہ ثابت ہوگی بشرطیکہ وہ اسے اپنے تجربے میں استعمال نہ کریں۔ جو سلوک اس کے ساتھ کرنا چاہو کرو پھر دو پہر کے بعد اسے جزیرے پر روانہ کر دیا جائے گا۔"

"یس سر!" کوفو نے کہا اور مالیا کو گود میں اٹھا لیا۔

"نہیں کوفو!" بوم سیرو نے ہاتھ اٹھا کر اُسے روکا۔ "پہلے معزز خاتون سے کہو کہ وہ مکمل لباس میں تمہارے ساتھ جائے، مَیں نہیں چاہتا کہ ہم دونوں کے علاوہ کوئی اور بھی اس کے رازوں کا امین بنے۔"

کوفو نے سر جُھکا کر بوم سیرو کے حکم کی تعمیل کی۔

لیکن پانچ منٹ بعد مالیا ایک بار پھر بے یار و مددگار ایک چھوٹے سے کمرے کے بستر پر دراز تھی۔ اس کی دزدیدہ نگاہیں کوفو نامی اُس بھیڑیے پر جمی ہوئی ہیں جو اپنے جسم سے لباس نوچ نوچ کر الگ کر رہا تھا۔



صبح کے چھ بجے تھے۔

کرسٹی ابھی خواب خرگوش کے مزے لوٹ رہی تھی لیکن ٹائیگر تیار ہو کر بلیک ٹیلی فون آفس کی طرف جا رہا تھا۔ صبح اٹھنے کے بعد ایک بار پھر اُس نے اپنا سامان کرسٹی کے ہاں چھوڑنے یا نہ چھوڑنے کے بارے میں غور کیا اور اس بار ووٹ کرسٹی کے حق میں آیا تھا۔ چنانچہ اُس نے اپنا اٹیچی کیس وہیں چھوڑ دیا تھا۔

کرسٹی کے اپارٹمنٹ سے نصف میل کے فاصلے پر ایک فلنگ اسٹیشن موجود تھا جس پر اس وقت کوئی کار وغیرہ موجود نہیں تھی۔ ٹائیگر اطمینان سے ٹیلی فون بوتھ کی طرف بڑھا اور چند سیکنڈ بعد وہ ڈائریکٹ ڈائلنگ پر چارہ گر کے نمبر ملا رہا تھا۔

"ہیلو، سویٹ ہارٹ۔" ٹائیگر چہکا۔ "کیا ہو رہا ہے؟"

"کم از کم تمہارے بارے میں فکرمند نہیں تھا۔"

"مَیں جانتا ہوں۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ "تم پتھر دل کسی کے بارے میں بھلا کیوں فکرمند ہو گے؟"

"میرا یہ مقصد نہیں تھا۔" بہرام کو جملے کے غلط ہونے کا احساس ہو گیا تھا۔ "میرا مطلب یہ تھا کہ مَیں بعض اطلاعات موصول کرنے میں مصروف تھا۔"

"روبی کا کچھ پتا چلا؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"یہ سوال کرنے کا حق مجھے ہے کیونکہ اُس کی تلاش پر مَیں نہیں تم نکلے ہو۔"

"تمہارا سپر کمپیوٹر کیا کہتا ہے؟" ٹائیگر کا لہجہ طنزیہ تھا مگر

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ہے کچھ فضولیات ....»

"کارلوس بلینکو نامی ایک شخص کی نشاندہی ہوئی ہے۔" بہرام نے اُس کی بات کاٹی۔

"کیا روبی کے اغوا کا ذمے دار کارلوس ہے؟"

"اس سلسلے میں ابھی کوئی حتمی بات معلوم نہیں ہو سکی۔" بہرام نے جواب دیا۔ "لیکن میرا خیال ...."

"جہنم میں گئے تم اور تمہارا خیال۔" ٹائیگر ہتھے سے اکھڑ گیا۔ "روبی نہ ملی تو اتنے لوگ میرے ہاتھوں قتل ہوں گے کہ ایک نیا عالمی ریکارڈ قائم ہو جائے گا۔"

"مگر وہ تمہاری لگتی کیا ہے؟" بہرام نے اچانک سوال کیا۔

"جب تمہیں اُسے اپنانے کو کہا جاتا ہے تو یوں کئی کترا جاتے ہو جیسے جانتے نہیں، اب اگر وہ اغوا ہو ...."

"وہ میرا مسئلہ ہے کہ میں کسے اپنی زندگی میں شامل کرتا ہوں اور کسے نہیں کرتا۔" ٹائیگر کا لہجہ پھاڑ کھانے والا تھا۔ "فی الحال تمہے روبی چاہیئے۔"

"اور میں تمہیں ابھی سوائے دعاؤں اور نیک تمناؤں کے کچھ بھی نہیں دے سکتا۔"

"ٹھیک ہے، اب میں اُسی وقت رابطہ قائم کروں گا جب روبی بازیاب ہو جائے گی۔"

"سنو۔" بہرام چیخا۔ "فون بند نہیں کرنا، ماسٹر سے بات کرو۔"

"ٹیل فلور سے کہو کہ دوپہر تک پورٹ آرتھر پہنچ جائیں رائل ہوٹل میں ملاقات ہو گی۔"

اس سے پہلے کہ بہرام کچھ کہتا ٹائیگر نے کھٹ سے ریسیور رکھ دیا۔

وہ چند ثانیے بوتھ میں بے حس و حرکت کھڑا رہا اور پھر باہر نکل آیا۔ اُس نے ایک ٹیکسی روکی اور اسے رائل ہوٹل چلنے کا کہہ کر عقبی نشست پر نیم دراز ہو گیا۔

رائل ہوٹل میں اُس نے اپنے اور اوشان کے لیے ایک ڈبل روم بک کروایا اور کاؤنٹر کلرک کو ہدایت کی کہ دوپہر کے وقت جو بوڑھا بھی آکر اپنا نام اوشان بتائے کوڈ کی چابی اُس کے حوالے کر دی جائے۔

باہر نکل کر اُس نے ایک بار پھر ٹیکسی لی۔ اس بار اُس کی منزل پورٹ آرتھر ٹریفک ریجسٹریشن کا دفتر تھا۔ وہاں سے اُس نے بارہ ڈالر روزانہ کے کرایے پر ایک تین سالہ پرانی مستانگ حاصل کی۔ انہوں نے نہ ٹائیگر کے شناختی کاغذات مانگے نہ ٹائیگر نے دیے۔ کالے کرتہ دھر کی سڑکوں پر نکل آیا۔ وہ دراصل اپنا موڈ بحال کرنا چاہتا تھا جو بہرام سے بات چیت کے بعد خراب ہو گیا تھا۔

پندرہ بیس منٹ بعد اس نے مستانگ کا رُخ پورٹ آرتھر ہوم بلڈنگ کی طرف موڑ دیا۔ جس وقت وہ اُس کے مرکزی دروازے پر پہنچا اس کی گھڑی آٹھ بجنے میں پانچ منٹ بتا رہی تھی۔

عمارت کی لابی میں خاصی رونق تھی۔ سکریٹریز، جونیئر مینیجرز اور سیلز مین قہقہے لگاتے ہوئے ایلیویٹرز کے ذریعے مختلف فلورز پر جا رہے تھے۔

آٹھواں فلور آخری تھا۔

کسی ایلیویٹر پر نویں، دسویں یا گیارہویں منزل کا نمبر دبانا نہیں تھا۔ ٹائیگر کے لیے یہ کوئی نئی بات نہ تھی چنانچہ اُس نے ایک اور ایلیویٹر ڈھونڈھ نکالا جو عقبی سمت تھا۔ قطار کے اُس آخری ایلیویٹر پر ایک سے نو۔ منزل تک کے نمبر درج تھے۔

لیکن وہ ایلیویٹر سے اوپر نہیں گیا بلکہ اُس نے سیڑھیاں پر چڑھنی شروع کر دیں۔ اپنے اس سفر کے دوران وہ ہر منزل کے کوریڈور اور بعض کمرے بھی چیک کرتا جا رہا تھا مگر ابھی تک اُسے سوائے بے حد دفاتر، میڈیکل ڈینٹل سوسٹس، چھوٹی تجارتی اور لٹریری ایجنسیوں اور کچھ سیلز آرگنائزیشنوں کے کچھ نہ ملا تھا۔

وہ واپس گراؤنڈ فلور پر آکر سیونگز اینڈ لون آفسز کی طرف بڑھ گیا۔ گروہ وہاں بھی کچھ نہیں تھا وہ بھی اُسے عام دفاتر ہی محسوس ہوئے تھے۔

●●

اسی عمارت کے دسویں فلور پر کارلوس بلینکو ایک ٹی وی مانیٹرنگ سسٹم کے عقب میں براجمان تھا۔ اُس کے سامنے نو اسکرینیں تھیں لیکن وہ صرف اسکرین نمبر سات کو دیکھ رہا تھا۔

اس وقت جو شخص اسکرین پر نمودار ہوا تھا وہ طویل قامت اور مضبوط جثے کا مالک تھا۔ سب سے اہم بات یہ تھی کہ اُس کی بالوں بھری کلائیاں خاصی چوڑی تھیں۔ اُس نے تاریک شیشوں کا ایک چشمہ پہن رکھا تھا جس کی وجہ سے بلینکو اب تک یہ اندازہ نہیں کر پایا تھا کہ درحقیقت وہ کون ہے؟

اس نے اپنی تنظیم کے ہر شخص کو ٹائیگر کی تلاش اور نگرانی کے لیے چوکس کر دیا تھا۔ اس نے اعلان کیا تھا کہ اُسے موت کے گھاٹ اُتارنے والے کو پچاس ہزار ڈالر بطور بونس ادا کیے جائیں گے۔

کارلوس تو ابھی اپنے مانیٹر پر چوکس بیٹھا تھا۔ اُسے رپورٹ ملی تھی کہ ٹائیگر سے ملتی جلتی جسامت کا ایک شخص عمارت کے باہر دیکھا گیا ہے۔ کارلوس نے بھی اُس جیسا ایک شخص دوسری اسکرین پر ڈھونڈ نکالا تھا۔ پچھلے ایک گھنٹے کے دوران وہ اس آدمی کو مختلف فلورز کے کوریڈورز اور لابیوں میں کوئی درجن بھر مرتبہ دیکھ چکا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ ہر فلور کا مکمل دورہ کرنے آیا ہے۔ کارلوس نے ایک لمحے کے لیے سوچا کہ کہیں وہ سٹی انسپکٹر نہ ہو لیکن پھر اُس نے خود ہی اپنے اس خیال کو مسترد کر دیا اگر سٹی انسپکٹر نے دورہ کرنا ہوتا تو کئی سرکاری نوٹسوں کے ذریعے اس کی پیشگی اطلاع دی جاتی۔

کارلوس نے اپنے سامنے رکھے ایک پنسل اسکیچ کا جائزہ لیا۔ یہ ایک ایسے شخص نے بنایا تھا جو کئی بار اس مشکوک شخص کے پاس سے گزرا تھا لیکن کارلوس نے اسکیچ دیکھ کر عین شاہد کو تیسرے بلکہ چوتھے درجے کا آرٹسٹ قرار دینے میں کسی ہچکچاہٹ کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔

اب وہ آدمی لابی کے محافظ سے باتیں کر رہا تھا۔ کارلوس اسکرین پر یہ منظر دیکھتا رہا اور پھر اُس نے محافظ کا نمبر ڈائل کیا۔ محافظ نے فوراً بات چیت ختم کی اور ڈھونڈ کر ریسیور اٹھا لیا۔

"یہ کون تھا؟" کارلوس نے کیوبن لہجے میں ہسپانوی زبان بولی تھی۔

"یہ تو اُس نے نہیں بتایا۔" محافظ نے جواب دیا۔ "بس اُس نے یہ پوچھا تھا کہ دسویں اور گیارہویں منزل پر جانے کا کیا طریقہ ہے۔ میں نے اُسے بتایا ہے کہ دونوں فلورز ایک پرائیویٹ ریسرچ فرم نے لے رکھے ہیں اور ان کے داخلے کا راستہ بھی الگ ہے، وہی پرانا بہانہ۔"

"کیا اُس نے تمہاری بات پر یقین کر لیا؟"

"شاید نہیں۔" محافظ نے کہا۔ "اُس کی آنکھوں میں کچھ ایسی چمک دکھائی دی ہے جو تاریک شیشوں کے چشمے کے باوجود بڑی واضح تھی۔"

کارلوس نے رابطہ منقطع کیا اور وہ بارہ اسکرین کی طرف متوجہ ہو گیا۔

یونیفارم میں ملبوس دو محافظ اُس چوڑی کلائیوں والے کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ایک لمحے کے لیے کارلوس کو خیال گزرا کہ محافظ اُسے پکڑ لیں گے لیکن وہ اس کے قریب سے گزرتے چلے گئے جبکہ وہ مشکوک شخص ایک ساٹھ سالہ بوڑھے کو روک کر کھڑا ہو گیا اور اُس سے باتیں کرنے لگا۔

بوڑھا خاصے ڈھنگ کے کپڑے پہنے ہوئے تھا اور اس بات نے کارلوس کو شبے میں مبتلا کر دیا تھا۔ ممکن ہے وہ شخص کسی دوست کی تلاش میں ہو؟ یا یہی بوڑھا اُس کے شناساؤں میں شامل رہا ہو اور وہ اس سے ملنے آیا ہو؟ دونوں کے باتیں کرنے کا انداز ایسا تھا جیسے وہ ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔

کارلوس نے فوراً ٹین دباکر بنڈی کو بلوایا۔

"جلدی سے اگریبوڈ کا چارج سنبھالو۔" اُس نے ہنڈی کو حکم دیا۔ "اور نمبر آٹھ پر نظر رکھنے والے چوہے کو دیکھتے رہو۔ مجھے بتانا کہ یہ کہاں جاتا ہے اور کیا کرتا ہے؛ میں ریڈیو پر تم سے رابطہ رکھوں گا۔ اوور اینڈ آئیوٹ۔"

کارلوس نے اپنی ٹائی کی گرہ درست کی اور ایلیویٹر کی طرف بڑھا۔

●●

نیچے لابی میں ان سب باتوں سے بے نیاز ٹائیگر اس ساٹھ سالہ شخص کو یقین دلانے میں مصروف تھا کہ وہ دونوں ایک دوسرے کے بڑے پرانے شناسا ہیں جبکہ بوڑھا اس بات پر بضد تھا کہ وہ پہلی مرتبہ ملے ہیں۔

ٹائیگر کچھ دیر بوڑھے سے سر کھپاتا رہا۔ مقصد صرف وقت گزارنا اور بوڑھے کے ماحول کا جائزہ لینا تھا۔ بالآخر اُس نے خود ہی بوڑھے کی طرف دوستی مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھا دیا۔ بوڑھے نے ہاتھ ملایا اور یوں رخصت ہوا جیسے جیل سے رہا ہوا ہو۔ اُس نے جاتے ہوئے ایک بار بھی پلٹ کر نہیں دیکھا تھا۔

ٹائیگر ہونٹوں کے گوشے دبا کر زیرِ لب مسکراتا رہا۔ اُسے اب تک کوئی ایسا شخص نظر نہیں آیا تھا جو بطور خاص اُس کی نگرانی پر مامور ہوتا۔ اُس نے ایک بار پھر لابی کا جائزہ لیا اور اس دروازے کی طرف بڑھ گیا جو ایلیش فورڈ اسٹریٹ پر کھلتا تھا۔

کارلوس بلینکو ذرا فاصلے پر موجود ٹائیگر کو باہر جاتے دیکھ رہا تھا۔ اُس نے بوڑھے کو رخصت ہوتے ہوئے بھی دیکھا تھا جس کے چہرے پر حیرت کے آثار آخر وقت تک ہویدا رہے تھے۔ اُس نے دونوں کی گفتگو کے کچھ الفاظ بھی سُنے اور اس نتیجے پر پہنچا کہ کسی سے مل کر پھول جانا کوئی غیر معمولی بات نہیں تھی یہ واقعہ اُس کے ساتھ بارہا پیش آچکا تھا۔

لیکن چوڑی کلائیوں والا اب بھی مشتبہ تھا۔

اُس نے نقاہتا سا ریڈیو اٹھایا اور ایلیش فورڈ اسٹریٹ پر متعین میٹ اور جوائے کو خبردار کر دیا۔

"قد درمیانہ، آنکھوں پر چشمہ، کلائیاں موٹی اور اُن پر گھنے بال ..... ہاں وہ ایسا ہی ہے ..... اُس کا پیچھا کرو اور پکڑ کر پوچھ گچھ کرو۔ تشدد کی اجازت ہے۔"

میٹ نے ریڈیو پر اپنے باس کا پیغام سُنا اور اُسے جیب میں رکھتا ہوا اُس کے تعاقب میں باہر نکل آیا۔ اُس نے گلی کی دوسری جانب کھڑے جوائے کو بھی اشارے سے آگے بڑھنے کو کہا تھا۔

ٹائیگر ابھی عمارت کے دروازے سے محض بیس فٹ ہی آگے گیا تھا کہ اُسے تعاقب کا علم ہو گیا۔ اُس کے کانوں نے زیرِ سول کے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

جوتوں کی ٹھوکریں اُس تک پہنچا رہی تھیں۔ اُس کے ہونٹوں پر کراہ تیر گئی۔ آنے والے دو تھے مگر یہ اُس کے ناشتے کے لیے بہت کم تھے لیکن دن کے آغاز کے طور پر بُرے نہیں تھے۔

ٹائیگر نے سر کو ہلکی سی جنبش دی اور آنکھوں کے گوشوں سے آنے والوں کا جائزہ لیا۔ دونوں قد کاٹھ میں اُس کے برابر تھے لیکن اس سے کوئی فرق نہ پڑتا تھا۔ وہ اگر بیس بھی ہوتے تو ٹائیگر کو کیا پروا تھی؟

وہ نادیل رفتار سے آگے بڑھتا رہا اور میٹ اور جوانے اپنے تئیں دبے قدموں اس کا پیچھا کرتے رہے۔ ٹائیگر عمارت سے کوئی پچاس فٹ کے فاصلے پر آگیا تھا۔

اچانک وہ اپنی ایڑیوں پر گھوما اور تعاقب کرنے والوں کی طرف رُخ کر کے کھڑا ہو گیا۔ دونوں اس ردِ عمل کے لیے تعلقی تیار نہیں تھے۔ وہ ایک لمحے کے لیے سٹپٹائے اور ٹھٹک کر رک گئے۔

"کیا چاہتے ہو؟" ٹائیگر نے آواز نادیل ہی رکھی تھی۔

فوری طور پر دونوں میں سے کسی کو کوئی جواب نہ سوجھا بالآخر میٹ نے ہمت کی۔ "تم کون ہو اور یہاں کیا کرتے پھر رہے ہو؟"

"میں ایک شہری ہوں اور اس گلی میں چہل قدمی کر رہا ہوں، کوئی اعتراض؟"

"بہت سے، تمہاری شناخت کیا ہے؟"

"ابھی بتا تا ہوں۔" ٹائیگر نے کہا اور ان دونوں کی طرف بڑھا اُس کے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ وہ انہیں مزید موقع فراہم کرتا۔ میٹ تو سکون سے آگے بڑھتا دیکھتا رہا لیکن جوانے نے فوراً پستول نکال لیا۔

"رک جاؤ۔" اُس نے چیخ کر ٹائیگر کو حکم دیا جواب اُس سے صرف پانچ قدم دور تھا۔

جوانے نے گھبرا کر ٹائیگر دبا دیا لیکن اپنی حماقت کا اُسے فوراً ہی احساس ہو گیا وہ سیفٹی کیچ ہٹانا بھول گیا تھا اُس نے ہاتھ سیفٹی کیچ کی طرف بڑھایا لیکن اب اُسے تاخیر ہو چکی تھی۔

ٹائیگر کا داہاں ہاتھ اُس کے حلق کو گرفت میں لے چکا تھا۔ دباؤ بڑھا تو جوانے چیخا۔ اُس نے پستول پھینک کر دونوں ہاتھ ٹائیگر کے بازو پر ڈال دیے وہ اُسے اپنا گلا دبانے سے روکنا چاہتا تھا جوانے نے اپنا پورا زور لگا دیا تھا لیکن وہ ٹائیگر کا ہاتھ ہلانے میں بھی ناکام رہا تھا۔ بالآخر اُس نے اپنے قدم زمین سے اکھڑتے محسوس کیے۔ ٹائیگر نے اُسے حلق سے پکڑ کر اوپر اُٹھا لیا تھا۔

میٹ اس عرصے میں بالکل ساکت کھڑا یہ تماشا دیکھ رہا تھا۔ وہ اس قدر حیران ہوا تھا کہ اُسے اپنے ساتھی کو بچانے کا خیال تک نہ آیا تھا۔ جوانے قد اور وزن میں اُس سے زیادہ تھا اور وہ اسے ایک ہاتھ سے تو گویا دونوں ہاتھوں سے بھی نہیں اٹھا سکتا تھا جبکہ اس اجنبی نے اسے بوں لگا کر رکھا تھا جیسے درخت سے سیب لٹک رہا ہو۔ جوانے اس کے ہاتھوں کی گرفت میں بُری طرح تڑپ رہا تھا۔

ٹائیگر نے جوانے کو زمین سے تین فٹ اوپر اٹھا رکھا تھا۔ وہ چند لمحے اُسے جھولا جھلاتا رہا اور پھر اُس نے جوانے کو بائیں جانب والی دیوار پر دے مارا تھا۔

جوانے بُری طرح چیخا لیکن اُس کی چیخ ادھوری رہ گئی تھی۔ وہ اس بُری طرح دیوار سے ٹکرایا کہ فوراً ہی اگلے جہان سدھار گیا۔ میٹ نے کن انکھیوں سے اُسے دیکھا یوں لگتا تھا جیسے اُس کے جسم کو کسی شکنجے میں کس کر اُس کی ہڈیاں توڑ دی گئی ہوں۔ جوانے کے جسم سے خون کا سمندر بہ نکلا تھا جس نے گلی کے پورے فرش کو سُرخ کر دیا تھا۔

میٹ نے ایک جھرجھری لی اور بھاگنے کے لیے دو قدم پیچھے ہٹا۔ اُس نے پلٹنے کی کوشش کی لیکن ٹائیگر کی کھڑی ہتھیلی اُس کے بائیں بازو پر گری۔ وہ بُری طرح چیخا اور لڑکھڑا کر دیوار سے جا ٹکرایا۔ اُس کے بل دیوار سے گرنے کھانے کی وجہ سے اُس کے ناک کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی جبکہ کلہا پھٹ گیا تھا۔ اُسے مُنہ میں بھی خون کا ذائقہ محسوس ہوا تھا۔ شاید کوئی ایک آدھ دانت بھی ٹوٹ گیا تھا۔

پھر اُس کی نگاہ اپنے بائیں بازو پر گئی۔ کہنی سے نیچے حصّہ غائب تھا۔ اد ھوری آستین خون میں سرخ ہو گئی تھی۔ اُس کا ادھورا بازو گلی کے فرش پر پڑا تھا بے اختیار اُس کے حلق سے ایک چیخ آزاد ہو گئی۔ وہ لڑکھڑایا اور زمین پر بیٹھتا چلا گیا۔

ٹائیگر ایک قدم آگے بڑھا اور پھر وہ میٹ پر جھک گیا جو نیم بے ہوش ہو چکا تھا۔

"میں تمہیں صرف اس لیے زندہ چھوڑے جا رہا ہوں تاکہ تم میرے پیغام رساں کے فرائض انجام دے سکو۔ اپنے باس سے کہنا کہ اس نے پہلے دو دنوں میں بھیجے گئے قاتلانہ حملے کرائے ہیں لیکن وہ ناکام رہے ہیں مگر جب میں حملہ کرتے کیا تو اُسے کوئی نہیں بچا سکے گا۔ میرا شکار آخر تک پہنچ کر رہتا ہے اور پھر میں سے کہنا کہ مرنے کے لیے تیار ہو جائے، میں اُسے بھی بخشنے کا نہیں جانے دوں گا۔"

●●

ٹائیگر یہیں اور نہیں گیا بلکہ دوسری گلی سے گھوم کر دوبارہ دروازے کے سامنے آگیا اور ایک ریسٹورنٹ میں بیٹھ کر دروازے کی نگرانی کرنے لگا۔ اُس نے وہسکی سے بلیک کافی منگوائی اور پھر دھیرے دھیرے اُس کی چسکیاں لینے لگا۔

ابھی تک کوئی اور شخص اُس کے تعاقب میں نہیں آیا تھا اور شاید کوئی آنا بھی نہیں کیونکہ فوری طور پر انہیں اپنے ایک آدمی کو دفنانے اور دوسرے کو اسپتال لے جانے کی فکر لاحق ہو گئی ہو گی۔

اُسے عمارت سے اور تو کچھ نہیں ملا تھا لیکن یہ ثابت ہو گیا تھا کہ سارے فساد کی جڑ یہی عمارت تھی۔

اُسے یقین تھا کہ پیٹرسن نے اپنے تمام تر معاملات بلائی تین منزلوں پر پھیلا رکھے ہیں۔ اب اُسے ان منزلوں پر کاری ضرب لگانی تھی لیکن وہ اوشان کا انتظار کرنا چاہتا تھا۔ اس سے پہلے اُسے اور بہت سے کام کرنے تھے۔

ایک اخباری ہاکر دروازے پر نمودار ہوا تو ٹائیگر نے اُسے اپنے پاس بلایا اور دو مین اخبار خرید لیے۔ صبح کے اخبارات کا مرکزی ایڈیشن مارکیٹ میں آ چکا تھا۔ ٹائیگر نے اخبارات کی اوٹ لی اور خبروں پر نظریں دوڑانے لگا۔

سارے اخبارات اُس کے ذکر سے بھرے پڑے تھے لیکن کوئی اخبار اُس کی اصلیت تک نہ پہنچ سکا تھا۔ تمام رپورٹروں نے اُسے متفقہ طور پر "نامعلوم حملہ آور" قرار دیا تھا۔ وہ اس بات پر بھی متفق تھے کہ یہ نامعلوم شخص بہرحال جرائم پیشہ افراد کا دشمن تھا۔

بعض رپورٹروں نے اپنے طور پر اندازے قائم کیے تھے انہوں نے اُسے امریکی سی آئی اے کا ایجنٹ قرار دیا تھا اور حکومت کینیڈا پر زور دیا تھا کہ وہ سرکاری طور پر امریکی حکومت سے اس مداخلت بے جا پر احتجاج کرے۔

ایک اخبار نے ہوائی اڈے جانے والی شاہراہ پر جلتی ہوئی کار کے ساتھ ساتھ براڈوے کے چوراہے پر ہونے والے حادثے کے شکار ٹرالر اور کار کی تصاویر بھی شائع کی تھیں۔ کار کی باڈی پر گولیوں کے نشانات بھی پائے گئے تھے۔ چنانچہ اخبار نے اس کار کا مالک بھی اس نامعلوم شخص سے جوڑنے میں کسی ہچکچاہٹ کا مظاہرہ نہیں کیا تھا البتہ یہ اس نے بھی لکھا تھا کہ کار سے ملنے والی لاش اُس نامعلوم شخص کی ہرگز نہیں ہو سکتی۔

اخبارات دیکھ کر اُس کا ذہن فوراً کرسٹی کی طرف گیا۔ وہ یہ پڑھ کر ایک لمحے میں سمجھ جائے گی کہ اُس نے جس شخص کو پناہ دی تھی درحقیقت وہ کون تھا؟

ٹائیگر نے اٹھ کر کافی کا بل دیا اور کار لے کر کرسٹی کے گھر کی طرف چل پڑا۔ باہر اُسے ایسے کوئی آثار نظر نہ آئے جن سے کسی دشمن کی آمد کا پتا چلتا۔ وہ داخل ہونے پر کسی قسم کی کارروائی ہوتی تھی کرسٹی اسکول میں تھی اُس نے اپنا سوٹ کیس اٹھا کر مستانگ کی ڈکی میں ڈالا اور وہ وہاں سے لاک کر کے واپس چل پڑا۔ اب اسے اُمید تھی کہ خوبصورت اسکول ٹیچر محفوظ رہے گی۔

مستانگ ایک بار پھر سڑکوں پر دوڑ رہی تھی۔ اب اُس کا رُخ ائرپورٹ کی جانب تھا

پسنجر ٹرمینل کے سامنے سے گزر کر وہ کمرشل فلائنگ سائیڈ پر جا نکلا۔ وہاں دو ہیلی کاپٹر سروسز کے دفتر واقع تھے۔ دونوں ہی بڑے اور اڈے لگتے تھے کیونکہ نہ صرف ان کے دفتر بہترین حالت میں تھے بلکہ پیڈ زیر کئی کئی کاپٹرز بھی کھڑے تھے لیکن یہ ٹائیگر کے مطلب کی چیزیں نہ تھیں۔ وہ کسی ایسے اڈے کی تلاش میں تھا جو چھوٹا ہو۔

ایک ورکر سے اس نے پتا کیا تو اُس نے ٹائیگر کو ایک ایسی فرم کے بارے میں بتایا جس کے پاس ایک ہی کاپٹر تھا۔

"وہ ایک بہت اچھا پائلٹ ہے۔" ورکر نے ٹائیگر کو بتایا تھا۔

"اور دیت نام میں بھی ہیلی کاپٹر اڑا چکا ہے۔ (رم کا نام ہے رالسٹن فلائنگ سروس اور اس کا دفتر بلڈنگ نمبر چوبیس اے میں واقع ہے۔ اگر وہاں کوئی نہ ملے تو اپنا پیغام چھوڑ دینا وہ ہر کام تنہا کرتا ہے۔"

ٹائیگر نے ورکر کا شکریہ ادا کیا اور ائرپورٹ کے آخری کونے کی طرف چل دیا جہاں رالسٹن کا دفتر واقع تھا۔

بلڈنگ چوبیس اے پر رالسٹن فلائنگ سروس کا نام اُسے دُور ہی سے نظر آگیا تھا۔ اُس کے سامنے ایک ہیلی کاپٹر بھی کھڑا تھا یہ آہنی پرندہ اس قدر پرانا ہو چکا تھا کہ اسے مکمل سروس کی فوری ضرورت تھی۔

ٹائیگر نے پہلے کاپٹر کا جائزہ لیا پھر ہینگر ٹائپ عمارت میں داخل ہو گیا۔ آخری کونے پر دفتر واقع تھا۔ ٹائیگر اسی طرف بڑھا دفتر کیا ایک چھوٹے سے مکان کا لونگ روم تھا جس میں رکھی واحد میز کے عقب میں ایک پچیس تیس سالہ نوجوان بیٹھا اونگھ رہا تھا لیکن اُس نے جونہی ٹائیگر کو اندر داخل ہوتے دیکھا چونک کر سیدھا ہو گیا۔

"کیا کاپٹر کرائے پر چاہیے؟ تمہیں پسند تو نہیں آیا ہو گا؟ وہ آہ بھر تو نہیں لیکن اس کا انجن اب بھی بہت طاقتور ہے۔" وہ ایک ہی سانس میں سب کچھ کہہ گیا تھا۔

ٹائیگر نے محض اثبات میں سر ہلانے پر ہی اکتفا کیا تھا۔

"میرا نام بڈ رالسٹن ہے۔" اب اسے اپنا تعارف کرانے کا

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

خیال آیا تھا۔

"مجھے ایک چھوٹی سی چارٹرڈ فلائٹ کے لیے کاپٹر درکار ہے؟" ٹائیگر نے اپنا مطلب بیان کیا۔

"میں رقم کے بے کسی بھی وقت کہیں بھی جا سکتا ہوں۔"

"اور میں بہت سی رقم دوں گا" ٹائیگر نے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔

ولسن کا ہاتھ جتنی تیزی سے آگے آیا اتنی ہی تیزی سے واپس گیا تھا۔

اُس نے اپنے خیال میں کسی انسان سے ہاتھ ملایا تھا لیکن یوں لگا تھا جیسے اُس نے ہاتھ کسی آہنی شکنجے میں دے دیا ہو۔ بے اختیار اس کے مُنہ سے ایک سسکاری سی آزاد ہو گئی۔ اُس نے حیرت بھری نگاہوں سے ٹائیگر کو دیکھا اور پھر ہاتھ جھٹکنے لگا۔

"مجھے ہیری نے فون کر کے بتا دیا تھا کہ تم میری تلاش میں ہو۔" ہیری یقیناً اس ورکر کا نام تھا جس نے ٹائیگر کو یہاں بھیجا تھا۔ ولسن اب بھی ہاتھ جھٹک رہا تھا۔ "اس کا کہنا تھا کہ تم کسی سستی فلائٹ کی تلاش میں ہو لیکن مجھے تو ایسا نہیں لگتا بلکہ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے یہ کوئی خطرناک یا غیر قانونی فلائٹ ہے؟"

"یہی سمجھ لو۔" ٹائیگر نے کندھے اچکائے۔ "مگر تمہیں صرف یہ کرنا ہے کہ مجھے ڈاؤن ٹاؤن کی ایک بلند عمارت کی چھت پر اتار دو اور تھوڑی دیر بعد سگنل کے جواب میں وہاں سے اٹھا لو۔"

"پرمٹ کے بغیر؟"

"میں تمہاری پولیس فورس میں زیادہ شہرت نہیں رکھتا۔"

"مگر غیر قانونی لینڈنگ پر بھاری جرمانہ کیا جاتا ہے۔" ولسن نے چوڑی کلائیوں والے کے چہرے پر نگاہیں جما کر جواب دیا لیکن وہ اُسے پسند بھی بہت آیا تھا کیونکہ اُس نے کوئی گِلی لپٹی رکھے بغیر کھل کر بات کی تھی۔ اس کے باوجود کہ یہ ایک غیر قانونی فلائٹ تھی اور ولسن کو اس پر جانے سے پہلے بہت کچھ سوچنا تھا۔

"کیا اس مشن کے دوران کسی کو نقصان بھی پہنچے گا؟" ولسن نے زبانی توقف کے بعد سوال کیا۔ "میرا مطلب ہے کہ مجھے لینڈنگ پر کوئی اعتراض نہیں، لیکن میں نہیں چاہتا کہ کسی جرم میں ملوث کیا جاؤں۔"

"یس سر۔" ولسن، وہاں کسی نہ کسی کو نقصان تو پہنچے گا لیکن شوٹ یہ ہے کہ اگر انہوں نے پہل کی تو۔۔۔"

"اسی سے میں خوفزدہ ہوں۔"

جاسوسی ڈائجسٹ کے مقبول ترین سلسلے
جن کا آپ کو انتظار تھا
کتابی شکل میں شائع ہو گئے ہیں

سرکش (۱۲ حصے)	محمود احمد مودی	۷۲۰/۰۰
ٹائیگر (۱۳ حصے)	مشتاق احمد قریشی	۷۸۰/۰۰
خجلیث (۵ حصے)	انوار صدیقی	۲۵۰/۰۰
درخشاں (۲ حصے)	انوار صدیقی	۱۰۰/۰۰
روگی (۵ حصے)	م۔ الف صدیقی	۳۰۰/۰۰
دہشت گرد (۴ حصے)	سلیم فاروقی	۲۰۰/۰۰
سرفروش (۲ حصے)	اظہر کلیم	۱۲۰/۰۰
شہباز (۲ حصے)	اظہر کلیم	۱۲۰/۰۰
انسان اور شیطان (۲ حصے)	محمد فراز	۱۵۰/۰۰

مکتبہ القریش اردو بازار لاہور
فون: 7668958

"ولسن، کیا تم نے کبھی پرچرڈ بین کا نام سُنا ہے؟"

"ہاں۔" ولسن کی آنکھیں پھیل گئیں۔ "اُسے بگ ڈیڈی کہا جاتا ہے، ایک ایسا کالا جو جانتا ہے کہ وہ باس ہے۔ وہ جو کچھ چاہتا ہے حاصل کر۔۔۔" ولسن ایک لمحے کو رُکا۔ "۔۔۔ تو تم ایسے اُس سے لڑنے جا رہے ہو؟"

"یہ دوستانہ ملاقات ہو گی۔" ٹائیگر ہنسا۔

"چھت کے ذریعے؟" ولسن بھی مسکرا دیا۔ "وہاں گولیاں بھی برس چلیں گی۔"

"اگر وہ سامنے آئے تو ضرور چلائیں گے لیکن میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ میری طرف سے ایسا نہیں ہو گا۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب چھوڑو، وقت پر تمہیں خود ہی پتا چل جائے گا، تم یہ بتاؤ تمہاری فیس کتنی ہے؟"

"پانچ سو ڈالر۔"

ٹائیگر نے اثبات میں سر ہلایا، چونکہ یہ ایک جنگی مشن ہے اس لیے میں تمہیں تین ہزار دوں گا، اسعاد رفیق لے لو یا مشن چھوڑ دو۔"

"ت۔۔۔ تت۔۔۔ تین ہزار۔" ولسن ہکلانے لگا۔ "تم اوور کانفڈنٹ تو نہیں؟"

"نہیں۔"

"تم مجھے مافیا والے بھی دکھائی نہیں دیتے۔"

"میں فری لانسر ہوں تمہاری طرح۔"

"ٹھیک ہے۔" ولسن نے زور زور سے اثبات میں سر ہلایا۔ "مجھے رقم کی ضرورت ہے اور تمہیں کاپٹر کی۔ یہ بتاؤ کہ ہم روانہ کب ہوں گے؟"

"رات کے دوسرے پہر، میں نصف شب کو یہاں آ جاؤں گا اور ہاں میرے ساتھ ایک بوڑھا بھی ہو گا لیکن اُس کے تخلیے یا سماعت کے بارے میں کوئی تبصرہ نہیں ہو گا ورنہ میں تمہاری جان کی ضمانت نہیں دے سکوں گا۔" ٹائیگر نے اپنی جیب سے سو سو ڈالر کے نوٹوں کی ایک نئی گڈی نکالی اور اس میں سے تیس نوٹ نکال کر ولسن کے حوالے کر دیے۔

"میں نے کبھی اس سے پہلے اتنی زیادہ رقم نہیں دیکھی۔" ولسن نے کپکپاتے ہاتھوں سے نوٹ پکڑے۔

"لیکن ان کے بارے میں اِدھر اُدھر باتیں مت کرتے پھرنا۔" ٹائیگر نے اسے نصیحت کی۔ "ممکن ہے جب ہم لوگ واپس آئیں تو تمہاری بیوی تمہاری منتظر ہو، تمہیں اُن کے سامنے یہ بیان دینا ہو گا کہ تم نے ہمارے خاندان کو اغوا کر لیا تھا یا اس کی دھمکی دی تھی، رات تک اچھی سی کہانی تیار کر لینا، اس صورت میں تمہیں کوئی کچھ نہیں کہے گا۔"

ٹائیگر نے اس سے ہاتھ ملایا اور اس سے پہلے کہ ولسن اپنا ارادہ بدلتا وہ وہاں سے روانہ ہو گیا۔

ماسٹے میں ایک جگہ رُک کر اُس نے کھانا کھایا اور پھر ایک ٹیلی فون بوتھ میں گھس گیا۔ وہ کرسٹی کو فون کرنا چاہتا تھا۔ وہ اُس کے گھر سے واپس پر اُس کا فون نمبر لے آیا تھا اور اب چاہتا تھا کہ فون کر کے بُرنر پر سنڈ آنے کی معذرت کر لے۔

گھنٹی تین مرتبہ بجی اور پھر کسی نے فون اٹھا لیا۔

"ہیلو؟" دوسری سمت سے کوئی نسوانی آواز سُنائی دی تھی۔

"کرسٹی؟" ٹائیگر کا انداز سوالیہ تھا۔

"یس، کرسٹی اسپیکنگ، تم کون ہو؟"

"جان۔"

اُسے کرسٹی کے سسکنے کی آواز سُنائی دی۔ "یہاں مت آنا۔" اُس نے سرگوشی کی۔ "یہاں کچھ لوگ موجود ہیں جو۔۔۔"

اُس کی آواز ایک چیخ میں بدل گئی، فون پر ایک لمحے کے لیے خاموشی چھا گئی جس کے بعد ایک مرد کی آواز سُنائی دی۔

"اگر تم جان بول رہے ہو تو توجہ سے سُن لو، تمہاری ننھی مُنی سی دوست کرسٹی اس وقت سخت مشکل میں ہے۔ اس نے گزشتہ شب تمہیں فرار ہونے میں مدد دی تھی اور اب اُس کا نتیجہ بھگت رہی ہے، تم سمجھ رہے ہو نا جان؟ میرا کیا مطلب ہے؟"

ٹائیگر غصے سے پاگل ہو گیا۔ ساتھ ہی اُس نے خود کو لعنت ملامت

ایک بے بس نوجوان کی حیرت انگیز داستان
جسے اپنی موت کا وقت معلوم ہو گیا تھا
مظلوم
یعقوب جمیل کے ہوشربا قلم سے
جس کا قارئین کو برسوں سے انتظار تھا
مکتبہ القریش سرکلر روڈ اردو بازار لاہور
فون 7668958

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

بھی کی کہ چند گھڑیوں کی ملاقات نے ایک بے قصور لڑکی کو بلاوجہ مصیبت میں مبتلا کر دیا تھا۔ وہ چند سیکنڈ خاموش رہا تاکہ اپنے غصّے کو کنٹرول کر سکے لیکن پھر بھی وہ جب بولا تو اُس کی آواز میں تلوار کی سی کاٹ تھی۔

"مَیں نہیں جانتا کہ تم کیا بکواس کر رہے ہو لیکن یہ یاد رکھو کہ اگر اس لڑکی کو کسی بھی صورت میں نقصان پہنچا تو میں تم سب کی کھال کھنچواؤں گا اُسے چھوڑ دو۔"

زیادہ غصّے میں آنے کی ضرورت نہیں مسٹر جن"۔ دوسری سمت سے کہا گیا۔ "لڑکی کا کہنا ہے کہ اُس نے گزشتہ شب سے پہلے ہمیں کبھی نہیں دیکھا اور یہ کہ تم نے اُسے اپنی مدد پر مجبور کیا تھا۔"

اسی وقت فون پر ایک چیخ سُنائی دی جو یقینی طور پر کرسٹی کی تھی۔

"اوگدھے کے بچے"۔ ٹائیگر فون پر دھاڑا۔ "اسے چھوڑ دو ورنہ مَیں تمہیں تو پاتڑ پاڑ کر ماروں گا۔"

"مَیں تمہارا انتظار کر رہا ہوں"۔ کرسٹی کے فون پر موجود شخص نے کہا اور ریسیور رکھ دیا۔

ٹائیگر ریسیور ہاتھ میں پکڑے چند لمحوں کے لیے بوتھ کی دیوار کو گھورتا رہا۔

کرسٹی اُس کی کچھ نہیں لگتی تھی۔ وہ کچھ ہی دیر اُس کے ساتھ رہی تھی۔ اُس سے ایسا کوئی جذباتی لگاؤ نہیں ہوا تھا کہ وہ اُسے بچانے کے لیے جاتا مگر وہ احسان فراموش نہیں تھا۔ کرسٹی سے بے شک اُس کا کوئی رشتہ نہیں تھا لیکن وہ اُس کی مدد گار ضرور رہی تھی اور اُسے بچانا اُس کا فرض تھا کیونکہ وہ اسی کی وجہ سے مصیبت میں مبتلا ہوئی تھی۔

وہ بوتھ سے باہر نکلا اور کار میں آ بیٹھا۔ چند ہی ثانیوں بعد کار کرسٹی کے گھر کی طرف رواں دواں تھی۔

* * *

کرسٹل کا فلیٹ چوتھی منزل پر تھا۔ اس اپارٹمنٹ ہاؤس میں فلیٹ واقع تھا اُس کے دو دروازے تھے لیکن حسنِ اتفاق سے دونوں ہی مرکزی شاہراہ پر کھلتے تھے۔ عقبی گلی میں کوئی دروازہ نہ تھا۔ صرف فلیٹوں کی کھڑکیاں کھلتی تھیں۔

عمارت سات منزلہ بلند تھی جبکہ بیس فٹ چوڑی گلی کی دوسری جانب ایک تیرہ منزلہ عمارت واقع تھی۔ جس کی وجہ سے عقبی گلی میں شاید سورج کی روشنی کبھی داخل نہیں ہوئی تھی۔ گلی عموماً سنسان رہتی اور وہاں آمد و رفت نہ ہونے کے برابر ہوتی تھی۔

ٹائیگر کو یقین تھا کہ کرسٹی کے گھر آنے والے سامنے کے دروازوں پر تو پہرہ دے رہے ہوں گے لیکن عقبی گلی کی طرف اُن کا دھیان نہیں ہوگا کیونکہ اُن کے تصوّر میں بھی نہیں ہوگا کہ کوئی شخص سپائڈر دیواریں پھلانگ کر چمگادڑ کی مانند فلیٹ میں داخل ہو جائے گا۔

ٹائیگر نے اپنی مستانگ کچھ فاصلے پر چھوڑی اور سیدل اپارٹمنٹ ہاؤس کی جانب بڑھا۔ اُس نے دُور ہی سے اُن پانچ افراد کو دیکھ لیا جو لاتعلق انداز میں مرکزی دروازوں پر ٹہل رہے تھے۔ اُن کی جیکٹوں کی پھولی ہوئی جیبیں یہ بتانے کو کافی تھیں کہ اُن کے پاس پستول وغیرہ موجود ہیں۔

ٹائیگر گھوم کر عقبی گلی میں آ گیا۔ اُس نے اِدھر اُدھر کا جائزہ لیا لیکن کوئی بھی اس جانب نگران نہیں تھا اور نہ ہی کوئی بطورِ خاص متوجہ تھا۔ سامنے سے ایک جوڑا ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے خراماں خراماں چلا آ رہا تھا۔ ٹائیگر اُن کے قریب سے آگے نکل گیا۔ ذرا دیر بعد اُس نے پلٹ کر دیکھا جوڑا بائیں جانب مڑ کر نگاہوں سے اوجھل ہو گیا تھا۔

ٹائیگر نے سر اٹھا کر اپارٹمنٹ ہاؤس کا جائزہ لیا۔ کئی فلیٹوں کی کھڑکیاں کھلی ہوئی تھیں لیکن ان میں کوئی شخص نظر نہیں آ رہا تھا۔ ٹائیگر نے حساب لگا کر کرسٹی کے فلیٹ پر نگاہ دوڑائی۔ اُس کی کھڑکی کھلی ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا کھڑکی بند تھی اور یقیناً اُس پر بھاری پردے بھی پڑے ہوئے تھے۔

وہ کرسٹی کے فلیٹ کے عین نیچے آ گیا۔ اپنے جوتے اُتار کر ایک طرف رکھے اور دونوں پیروں کو ایک ایک جھٹکا دیا یہی عمل اُس نے اپنی انگلیوں کے ساتھ دُہرایا۔ اس وقت اگر کوئی اُس کے ہاتھ یا پیروں کی انگلیاں چھوتا تو اُسے یہی لگتا کہ اُس نے لوہے کی سلاخیں پکڑی ہیں۔ اُس نے اپنی تنی ہوئی انگلیاں دیوار پر رکھیں اور اگلے ہی لمحے وہ کسی مکڑی کی مانند سپائڈر دیوار پر چڑھ رہا تھا۔

چوتھی منزل تک پہنچنے میں اُسے ایک منٹ بھی نہیں لگا لیکن اس عرصے میں اُسے کم از کم تین فلیٹوں سے دیکھ لیا گیا تھا اوپر کچھ اور کھڑکیاں بھی کھلی تھیں۔

"ارے اسے دیکھنا"۔ اُسے ایک مردانہ آواز سنائی دی۔

"مائی گاڈ آدمی ہے یا مکڑی"۔ دوسری آواز آئی جو کسی خاتون کی تھی۔

"پولیس کو فون کرو، کوئی چور لگتا ہے"۔ کسی نے مشورہ دیا اور دوسرے نے ہاں میں ہاں ملائی۔

ایک طویل چیخ میں اُبھری جو نسوانی ہی تھی شاید چیخنے والی کو یہ منظر کچھ زیادہ ہی تو خوفناک لگا تھا۔

کھڑکی سے ابھرا ہوا تھا وہ چاہتا تھا کہ کم از کم اس کے اندر پہنچنے تک کیمرے کو نہ جانے چلے۔

کھڑکی کے دو پٹ تھے جن میں تاریک شیشے لگے ہوئے تھے ٹائیگر نے ایک ہاتھ سے کھڑکی کی لگر تھامی اور دوسرے ہاتھ سے جیب میں رکھی اسکاچ ٹیپ نکال لی۔ ایک ہی ہاتھ کی مدد سے اُس نے ٹیپ کو ذرا جگہ جگہ سے چپکا دی۔ مقدر یہی تھا کہ جب وہ شیشہ توڑے تو شیشہ گرنے کی آواز پیدا نہ ہو۔

ٹیپ چپکا کر اُس نے شیشے پر اپنا ناخن پھیرا اور وہ یوں کٹتا چلا گیا جیسے وہ ناخن نہیں بلکہ ہیرے کی کنی ہو جس سے شیشہ کاٹا گیا ہو۔ ٹائیگر نے شیشے کو ہلکا سا جھٹکا دیا اور کٹا ہوا ٹکڑا ٹیپ کے ساتھ لٹک گیا۔ ٹائیگر نے ہاتھ بڑھا کر ٹیپ کھینچی اور اُسے شیشے سمیت گلی میں پھینک دیا۔

کھڑکی کے سامنے واقعی بھاری پردے تھے لیکن اتنی جگہ بن گئی تھی کہ ٹائیگر اندر ہاتھ ڈال کر کھڑکی کی چٹخنی کھول لیتا۔

نیچے گلی میں اب کچھ لوگ جمع ہو گئے تھے۔ ان کی نگاہیں چوتھی منزل پر کودتی تھیں جہاں ایک انسان بندر کی طرح سے کھڑکی سے لٹکا ہوا تھا۔ ٹائیگر نے ان کی طرف دیکھ کر ایک دوستانہ مسکراہٹ اچھالی اور پھر کھڑکی کی طرف متوجہ ہو گیا۔

اُس نے ہاتھ اندر داخل کر کے کھڑکی کی چٹخنی گرائی اور پٹ کھول کر پردہ ہٹا دیا۔

وہ کچن تھا۔ ایک شمس کھڑکی کی طرف پُشت کیے کھڑا تھا شاید وہ چائے یا کافی تیار کر رہا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ لوگ پوری تسلّی کے ساتھ وہاں براجمان تھے۔

اس شخص کو ابھی تک کچھ خبر نہیں تھی کہ اُس کی پُشت پر کیا ہو رہا ہے۔ ٹائیگر نہایت اطمینان کے ساتھ کھڑکی سے اُتر کر اُس کی پُشت پر جا پہنچا۔

وہ کافی بنا رہا تھا۔ پانی کیتلی میں اُبل رہا تھا۔

"ایک کپ میرے لیے بھی بنانا"۔ ٹائیگر نے اُس کے کان میں سرگوشی کی تو وہ یوں پلٹا جیسے اُسے بچھو نے ڈنک مار دیا ہو۔

ایک اجنبی شخص اُس کے سامنے تھا۔

فوری طور پر اُس کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا کہ وہ کیا کرے۔ اُس کے پاس پستول موجود تھا لیکن وہ ہولسٹر میں لگا ہوا تھا۔ اتنا وقت نہیں تھا کہ وہ ہولسٹر میں لگا پستول نکال سکتا۔ فوری طور پر یہی ہو سکتا تھا کہ وہ چیخ کر اپنے باقی تین ساتھیوں کو خبردار کرتا اور خود

اُس نے یہی کرنے کی کوشش کی لیکن ٹائیگر بھی اُس کا ارادہ بھانپ چکا تھا۔ ادھر اُس کا مُنہ کھلا اور اُدھر ٹائیگر کا ہاتھ اُس کے حلقوم میں پیوست ہو گیا۔

چیخ اُس کے حلق میں ہی گھٹ گئی۔ اس کے بجائے عجیب سی خرخراہٹ برآمد ہوئی تھی جو اتنی مدھم تھی کہ دروازے پر کھڑا ہوا آدمی بھی نہ سن سکتا۔

اُس شخص کی آنکھیں حلقوں سے اُبل پڑی تھیں۔ اُس کی سانس رُک گئی تھی اور سارا خون چہرے پر سمٹ آیا تھا۔ اُس کے دونوں ہاتھ ٹائیگر کو پیچھے دھکیلنے میں مصروف تھے لیکن وہ کسی چٹان کی مانند ایک ہی جگہ تنا کھڑا تھا۔

ٹائیگر نے اُس شخص کو دھکیل کر دیوار کے ساتھ لگا دیا اور دوسرے ہاتھ سے وہ کیتلی اٹھائی جس میں پانی کھول رہا تھا۔

حملہ آور کی جدوجہد اور تیز ہو گئی وہ سمجھ گیا تھا کہ ٹائیگر کیا کرنے جا رہا ہے۔ اس نے اپنی پوری قوت صرف کر دی تھی لیکن اس گرفت سے نکلنا اُس کے بس کی بات نہیں تھی۔ ٹائیگر اُس کی بے مقصد جدوجہد پر بڑے سفاک انداز میں مسکرا رہا تھا۔

ساتھ ہی اس کے ذہن میں یہ بات بھی تھی کہ لوگوں نے یقیناً پولیس کو فون کر دیا ہوگا اور وہ چند ہی منٹوں میں پہنچنے والی ہوگی۔ وہ چاہتا تھا کہ پولیس کے آنے سے پہلے ہی یہاں سے نکل جائے۔

اس نے کھولتے ہوئے پانی کی کیتلی اس شخص کے مُنہ پر خالی کر دی۔ اُس کے حلق سے ایک زوردار قسم کی خرخراہٹ خارج ہوئی جب کہ جسم نے شدید جھٹکے لیے۔ فوراً ہی اُس کے پورے چہرے پر آبلے اُبھر آئے۔ اُس نے ایک دو بار گردن پٹخی اور پھر ساکت ہو گیا۔

ٹائیگر نے سہارا دے کر اُسے زمین پر لٹا دیا۔ وہ مر چکا تھا۔

کھولتے ہوئے پانی نے اس کی رہی سہی جان بھی نکال لی تھی۔

ٹائیگر ہاتھ جھاڑتا ہوا کچن کے دروازے پر آ گیا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ اندر مزید کتنے آدمی ہیں۔ اُس نے سوچا کاش وہ دشمن کو سامنے سے پہلے اُس سے باقی ساتھیوں کے بارے میں ہی پوچھ لیتا لیکن اب وقت گزر چکا تھا۔

کچن کے ساتھ دوسرے اور سامنے ٹی وی لاؤنج تھا۔ فلیٹ ٹائیگر کا دیکھا بھالا تھا۔ پہلا کمرہ لونگ روم تھا جب کہ دوسرا کرسٹی کی خواب گاہ تھا۔

اُس نے پہلے لونگ رُوم میں جھانکا۔ ایک سیاہ فام صوفے پر بیٹھا غالباً پستول صاف کر رہا تھا۔ ٹائیگر نے پہلے اُسی سے نمٹنے کا

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

فیصلہ کیا۔ یہی سوچ کر وہ اندر داخل ہو گیا لیکن سیاہ فام بھی خاصا چوکنا تھا۔ جونہی ٹائیگر نے کمرے میں قدم رکھا۔ اُس نے سر اُٹھا کر دروازے کی طرف دیکھا اور پھر اُچھل کر کھڑا ہو گیا۔

وہ پستول کا کلپ نکال چکا تھا۔ اُس نے جلدی سے کلپ پستول میں فٹ کیا اور سیفٹی کیچ ہٹا کر ٹائیگر کو نشانے پر رکھ لیا لیکن اُس کی انگلی کبھی ٹریگر تک نہ پہنچ سکی۔

ٹائیگر ایک ہی جست میں اُس کے سر پر تھا۔ اُس کا دایاں ہاتھ اٹھا اور پوری قوت کے ساتھ پستول بردار کے سر پر پڑا۔ سر لوہے سے ٹکرائے ہو گیا جیسے کسی نے پتھری سے تربوز کاٹ دیا ہو۔

سیاہ فام کٹے ہوئے درخت کی طرح دھڑام سے صوفے پر آ رہا۔ اُسے چیخنے کی مہلت بھی نہ ملی تھی۔ پورا صوفہ اُس کے خون سے سُرخ ہو گیا۔ عقبی دیوار پر اُس کا لہو لیوں برسا جیسے کسی شریر بچے نے سُرخ روشنائی کا قلم دیوار پر جھٹک دیا ہو۔ ٹائیگر وہیں سے پلٹ آیا۔ اُسے اپنی کاری ضرب کے بعد یہ دیکھنے کی ضرورت قطعی نہیں تھی کہ سیاہ فام زندہ ہے یا مر چکا ہے۔

اب صرف ایک کمرہ رہ گیا تھا۔ کرسٹی اور باقی دشمن یقینی طور پر وہیں تھے جب کہ دو کو اُس نے بے آواز ٹھکانے لگا دیا تھا۔

وہ بیڈ روم کی طرف بڑھا جس کا دروازہ بند تھا۔ اُس نے یہ دیکھنے کے لیے کہ دروازہ مقفل ہے یا نہیں، اُس پر ہلکے سے دباؤ ڈالا تو وہ چرچراہٹ کے ساتھ تھوڑا سا کھل گیا۔

اندر سب سے پہلی شے جو ٹائیگر کو نظر آئی وہ کرسٹی تھی۔ اُسے غالموں نے بیڈ پر لٹا کر اُس کی مشکیں کس رکھی تھیں۔ کرسٹی کے جسم پر برائے نام لباس تھا۔ چند ثانیے تو وہ مبہوت ہو کر اُس حُسنِ جہاں سوز کو دیکھتا رہا۔ کوئی اور موقعہ ہوتا تو وہ خوبصورتی کے سارے الفاظ اُس اسکول ٹیچر پر نچھاور کر دیتا لیکن اس وقت صورت حال مختلف تھی۔

کمرے میں کرسٹی کے علاوہ دو آدمی موجود تھے۔ ایک کرسٹی پر جھکا ہوا تھا جب کہ دوسرا اُس کے قریب کھڑا سارے عمل کا معائنہ کر رہا تھا۔

"کافی بے آئے وی؟" اُن میں سے ایک نے پلٹے بغیر سوال کیا۔ وہ یہی سمجھا تھا کہ دروازہ کھول کر اُس کا ساتھی ہی اندر داخل ہوا ہے۔

"کافی تو نہیں بنی، میں موت لے آیا ہوں۔" ٹائیگر چھنکارا تو بولنے والا پلٹا۔ کرسٹی پر جھکا ہوا شخص بھی سیدھا ہو گیا تھا۔

"جان!" کرسٹی کے حلق سے سسکاری آزاد ہو گئی۔

"اچھا تو یہ تم ہو؟" پہلے والا دوبارہ بولا۔ "آ ہی گئے ہو تو بچ کر نہیں جاؤ گے۔" اُس کے ذہن میں یہ بات نہیں آئی تھی کہ وہ اُس سے یہ تو پوچھتا کہ آئے کس راستے سے ہو؟

"درست کہا تم نے۔" ٹائیگر سفاکی سے بولا۔ "لیکن گزشتہ کی غلطی کو کر گئے، میں تو انشاء اللہ بچ کر چلا جاؤں گا لیکن تم یقیناً اسٹریچر پر جاؤ گے۔"

"ابھی پتا چل جاتا ہے۔" اُس نے کہا اور فوراً ہی ہاتھ میں پکڑے ہوئے ریوالور کا ٹریگر دبا دیا۔ مگر گولی نے محض ٹائیگر کی عقبی دیوار کا پلاسٹر ہی اتارا تھا۔

پستول بردار نے حیرت سے پہلے ٹائیگر کو اور پھر اپنے پستول کو دیکھا۔ دونوں چیزیں ہی اپنے اپنے مقام پر تھیں۔ اُس کا نشانہ بھی بھلا کا تھا۔ پھر یہ کیسے ہوا؟ اُس نے دوبارہ گولی چلائی لیکن ٹائیگر ایک قدم ہٹ کر مسکرا رہا تھا جب کہ دیوار پر ایک نشان کا اور اضافہ ہو گیا تھا۔

اب پستول بردار بھلا گیا۔ غصے میں وہ ٹائیگر دبا تا چلا گیا۔ مگر گولی ٹائیگر کو چھو بھی نہ سکی تھی۔ ہر بار وہ نئی جگہ کھڑا مسکرا رہا ہوتا۔ وہ ٹائیگر دبا رہا حتیٰ کہ اب ریوالور سے صرف کلک کلک کی آواز نکلنی شروع ہو گئی۔ اُس کا چیمبر خالی ہو گیا تھا۔

"اب میری باری ہے۔" ٹائیگر نے کہا اور آگے بڑھا۔ پستول بردار نے غصے میں پستول ہی ٹائیگر پر کھینچ مارا جسے ٹائیگر نے اطمینان کے ساتھ کیچ کر کے ایک طرف ڈال دیا۔

"میں نے کہا تھا کہ تمہیں تڑپا تڑپا کر ماروں گا لیکن افسوس کہ میرے پاس اتنا وقت نہیں ہے۔" ٹائیگر نے اپنے دائیں ہاتھ کی دونوں انگلیاں سیدھی کرتے ہوئے کہا۔ "لیکن پھر بھی تمہیں ایسی سزا دے جاؤں گا کہ تم تڑپ تڑپ کر موت کی آرزو کرو گے۔"

انگلیاں دو تیروں کی طرح پستول بردار کی آنکھوں کی طرف بڑھیں۔ پھپاک کی آواز اور اس کی تیز چیخ بیک وقت ہی بلند ہوئی تھی۔ انگلیوں نے پستول بردار کی آنکھوں کی جگہ دو گڑھے پیدا کر دیے۔ وہ لڑکھڑایا اور چیختے ہوئے پیچھے ہٹا۔ اُس نے دونوں ہاتھ اپنی آنکھوں پر رکھ لیے جن سے خون کے چشمے پھوٹ پڑے تھے۔ ٹائیگر نے ایک گھونسا اس کے پیٹ پر رسید کیا اور وہ دہرا ہو کر پہلے گھٹنوں پر کے بل گرا اور پھر زمین پر آ رہا۔

اُس نے دوسرا وار کرنا مناسب نہ سمجھا۔ ٹائیگر کو علم تھا کہ وہ مر چکا ہے۔ یقین اُسے تھا کہ کسی کی بھی مدد کو نہ آ سکے گا۔

ٹائیگر سے پہلے وہ جہنم کے سفر پر روانہ ہو چکا ہو گا۔ انگلیوں نے اُسے آنکھوں سے محروم کر دیا تھا جب کہ گھونسے نے یقیناً اُس کی انتڑیاں تہ و بالا کر دی تھیں۔

ٹائیگر چھ تھے اور آخری دشمن کی طرف متوجہ ہوا جو گم سم کھڑا دیدے پھاڑے دنیا کے اس آٹھویں عجوبے کو دیکھ رہا تھا۔

"ہم... مجھے معاف کر دو۔" وہ گھگھیایا۔ "ہم... میرا کوئی قصور نہیں۔"

"تم نے میری دوست کے ساتھ زیادتی کی ہے نا؟"

"نہیں۔" وہ بلبلا اٹھا۔ "میں یسوع مسیح کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ جیسی ہمیں ملی تھی ویسی ہی ہے۔"

"تمہارے ہاتھوں نے اسے چھوا تو ہے نا؟" ٹائیگر کے لہجے میں سوال تھا۔ "کیا یہ زیادتی کے زُمرے میں نہیں آتا؟"

"یہ میری ب... بہن..."

"بکواس بند کرو۔" ٹائیگر چیخا۔ "یہ تو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔" اُس نے ہاتھ بڑھا کر سائیڈ ٹیبل سے ٹیبل لیمپ اٹھا لیا جس کی ہلکی روشنی پورے کمرے میں پھیلی ہوئی تھی۔

"میں زندگی بھر تمہارا غلام رہوں گا۔"

"افسوس کہ مجھے گدھے اور سور پالنے کی عادت نہیں۔" ٹائیگر نے ٹیبل لیمپ کا اگلا حصہ دیوار سے مار کر توڑ ڈالا۔ بلب اور پنکھ کرچی کرچی ہو گیا اور اُس کے نیچے سے بجلی کے ننگے تار جھانکنے لگے جن میں دو سو بیس وولٹ کی برقی رو دوڑ رہی تھی۔

"مجھے مت مارو، میں سارے راز تمہیں..." اُس کا جملہ چیخ میں بدل گیا۔ ٹائیگر نے بجلی کے ننگے تار اُس کے جسم سے مَس کر دیے تھے۔

وہ صرف ایک لمحے کے لیے بُری طرح کپکپایا اور دو سو بیس وولٹ کا جھٹکا کھا کر دور جا گرا۔ اُسے دوسری بار چیخنے کی مہلت نہیں ملی تھی۔ اُس کا جسم نیلا پڑنا شروع ہو گیا جس سے فوراً ہی سیاہی جھلکنے لگی تھی۔

ٹائیگر، کرسٹی کی طرف متوجہ ہوا جو پلنگ پر بے یار و مددگار پڑی بے بسی سے اُسے دیکھ رہی تھی۔

"جان!" وہ کراہی اور پھر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"فکر نہ کرو ہنی، اب تم آزاد ہو۔" ٹائیگر نے جھک کر اُس کی بندشیں کاٹ ڈالیں۔

وہ خاصی دیر سے بندھی ہوئی تھی۔ اس لیے فوری طور پر اُٹھ نہ سکی، ٹائیگر نے اُس کے پھول سے بدن کو بیڈ سے اٹھایا اور اپنے دور کر لیا۔ کرسٹی پھولوں سے لدی شاخ کی مانند اُس پر آ گئی۔

ٹائیگر نے فوراً ہی اُسے خود میں جذب کر لیا۔ کرسٹی کی آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑی بہہ رہی تھی جسے ٹائیگر اپنے ہونٹوں کی زینت بنا رہا تھا۔ کرسٹی اس قدر پُرجوش اور بے قرار ہو رہی تھی کہ اُسے اپنے بگڑوں حالت کا احساس بھی نہیں ہو رہا تھا۔

"خود کو سنبھالو ہنی۔" ٹائیگر نے اُس کے کان میں سرگوشی کی۔ "ہمیں پولیس کے آنے سے پہلے یہاں سے نکلنا ہے۔ جلدی سے تیار ہو جاؤ۔"

اُس نے کرسٹی کو خود سے علیحدہ کیا اور پلٹ کر کمرے سے نکل گیا۔

"تمہارے پاس صرف ایک منٹ ہے ہنی۔" اُس نے لاؤنج سے ہانک لگائی اور کچن کی طرف بڑھا۔ وہ عقبی گلی کی صورتحال دیکھنا چاہتا تھا۔

نیچے میدان صاف تھا۔ شاید وہاں جمع ہونے والے پولیس کے استقبال کے لیے سامنے کی جانب آ گئے تھے۔ ٹائیگر بھی یہی چاہتا تھا کیونکہ اُس نے فرار ہونے کے لیے اسی راستے کو استعمال کرنا تھا۔

وہ واپس لاؤنج میں آیا۔ ٹھیک اُسی وقت کرسٹی بھی بیڈ روم سے باہر آ گئی۔ اُس نے ہلکے نیلے رنگ کی ایک میکسی پہن لی تھی۔ جس میں اُس کا حسن اور دوبالا ہو آیا تھا۔ انہوں نے کرسٹی پر تشدد کیا تھا جس کے آثار اُس کے چہرے سے عیاں تھے۔ اُس کے بال بھی بکھرے ہوئے تھے لیکن اتنا وقت نہیں تھا کہ وہ اُسے اپنی حالت سدھارنے کے لیے کہتا۔

"آؤ چلیں۔" اُس نے کرسٹی کا بازو پکڑ کر کچن کی طرف دھکیلا۔

"ادھر سے؟" کرسٹی کی آنکھوں میں حیرت امڈ آئی۔

"ہاں۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ "تم میرے کندھے پر سوار ہو جاؤ، باقی کام میرا ہے۔"

جونہی وہ کچن میں داخل ہوئے، فلیٹ کا خارجی دروازہ زور زور سے دھڑ دھڑایا جانے لگا۔

"پولیس... دروازہ کھولو... پولیس..."

رائل ہوٹل میں عجیب افراتفری کا عالم تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے کسی پڑوسی ملک نے صرف اسی ہوٹل پر حملہ کیا ہو۔ ہر شخص ادھر سے اُدھر بھاگ رہا تھا۔ ویٹر بوکھلائے ہوئے تھے جبکہ گاہک ٹولیوں کی صورت میں یہاں وہاں بکھرے سرگوشیاں کر رہے تھے۔

"کیا ہوا؟" ٹائیگر نے قریب سے گزرتے ہوئے دو آدمیوں

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

سے دریافت کیا۔

"کوہ قاف کا حسن آج رائل ہوٹل کا مہمان ہے۔" اُس نے بڑے پُرجوش انداز میں جواب دیا۔

"ہشت" دوسرے نے اپنے ساتھی کو کہنی ماری۔ "میں نے تو سُنا تھا کہ حسن بڑے موٹے تازے ہوتے ہیں۔ وہ تو ایسا مریل ہے جیسے مہینوں کے فاقے سے ہو۔ مجھے تو وہ کوہ قاف کے جن کے بچے کو پڑا گھر کا بھوت نظر آتا ہے۔"

"اُس کے کسی مصاحب نے سن لیا تو قیامت آجائے گی۔" وہ ٹائیگر کو بھول کر آپس میں ہی اُلجھ گئے تھے۔ "تم نے اُس کا سامان نہیں دیکھا، کم از کم میں نے تو اپنی زندگی میں اتنے بڑے بڑے صندوق نہیں دیکھے۔"

یہ تو ٹائیگر ہنگامی حالت دیکھ کر ہی سمجھ گیا تھا کہ اوشان آ پہنچا ہے لیکن یہ سن کر کہ وہ معہ صندوقوں کے آیا ہے۔ اُس کا مُنہ بن گیا تھا۔

وہ انہیں وہیں چھوڑ کر کرسٹی کو ساتھ لیے ریجسٹریشن کاؤنٹر کی طرف بڑھا۔ کلرک کے بجائے ہوٹل کا منیجر خود وہاں موجود تھا۔ کلرک اُس کے پہلو میں یوں سراسیمہ کھڑا تھا۔ جیسے مرغی کے پہلو میں کوئی ننھا منا سا چوزہ بلی کو اپنی طرف بڑھتے دیکھتا ہے۔

ٹائیگر کو دیکھتے ہی کلرک نے منیجر کو ٹائیگر کی طرف متوجہ کیا اور وہ چونک کر نووارد کو دیکھنے لگا۔

"کمرہ نمبر ۱۰۱۔ آپ نے ہی بُک کروایا تھا۔" منیجر نے کرخت لہجے میں دریافت کیا۔

"جی ہاں۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ "لیکن کیا آپ کے ہال جاہلوں سے بات کرنے کا ڈھنگ یہی ہے۔"

"جو وبالِ جان بن جائیں اُن کے لیے یہی لہجہ ہے۔" منیجر غرّایا۔ ٹائیگر کا جی چاہا کہ اُسے کاؤنٹر کے عقب سے کھینچ کر چھت میں فانوس کی جگہ فٹ کر دے۔

"اس میں اُس کا یا میرا کیا قصور ہے؟"

"یہ سارا ہنگامہ آپ کے مہمان کی وجہ سے ہی ہے۔" منیجر منہ بسورتے ہوئے بولا۔ "موصوف اپنے ساتھ کنگ سائز کے چودہ صندوق لائے ہیں اور ان میں سے ایک صندوق الیویٹر میں پھنس گیا ہے۔"

ٹائیگر زیرِ لب مسکرا دیا۔ "تو اس میں ہنگامے کی کیا بات ہے، فی الحال دوسری لفٹ استعمال کرلیں۔"

"ہمارے ہاں کارگو الیویٹر ایک ہی ہے۔" منیجر نے بتایا۔ "ہوٹل کا مینٹی نینس سپروائزر صندوق نکالنے میں ناکام ہو چکا ہے اور ستم یہ ہے کہ اوشان نامی اُس شخص نے دھمکی دی ہے کہ اگر پانچ منٹ کے اندر اندر صندوق اُس کے کمرے میں نہ پہنچا تو کھانجو ... یا کھانجو نامی بلائیں ہوٹل پر حملہ کر دیں گی۔"

"اچھا میں دیکھتا ہوں۔" ٹائیگر کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔ "جسے آپ کھانجو یا کھانجو کہہ رہے ہیں۔ وہ درحقیقت سناجو ہے جس کا وہ ماسٹر ہے۔"

"خیر جو بھی ہو آپ سنبھالیں۔"

"کمرہ نمبر ۱۰۲ خالی ہے۔" ٹائیگر نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے سوال کیا۔

"جی ہاں۔" کلرک نے ریزرویشن کارڈ دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

"مسٹر اینڈ مسز وانفریڈ کے نام بُک کر دیں۔" ٹائیگر نے کلرک کو ہدایت کی۔ کرسٹی نے چونک کر ٹائیگر کو دیکھا لیکن مُنہ سے کچھ نہیں بولی البتہ اُس کا رنگ گلابی ہو گیا تھا۔

منیجر اور کلرک کو بھی پہلی بار اُس کی موجودگی کا احساس ہوا تھا۔ دونوں نے بیک وقت کرسٹی کے مسلے ہوئے چہرے کو دیکھا۔ کئی سوال ان کے ذہنوں میں کلبلائے لیکن انہوں نے فی الحال خاموش رہنا ہی بہتر سمجھا تھا۔

ٹائیگر نے پیشگی ادائیگی کی اور کرسٹی کو لے کر الیویٹر کی طرف بڑھ گیا۔ کچھ ہی دیر بعد وہ چھٹی منزل پر موجود تھے۔

الیویٹر کے بالکل سامنے کمرہ نمبر ۱۰۱ تھا اور اس کے ساتھ ۱۰۲ واقع تھا۔ ۱۰۱ کے سامنے سے گزرتے ہوئے ٹائیگر نے قدموں کی چاپ کو مزید دھیما کر لیا لیکن اُسے یقین تھا کہ اوشان کو اس کی آمد کا پتا ضرور مل جائے گا۔

کمرے میں خاموشی تھی۔ خلاف توقع ٹی وی چلنے کی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ ممکن ہے اوشان آرام کر رہا ہو۔ ٹائیگر فی الحال وہاں نہیں جانا چاہتا تھا۔ وہ پہلے کرسٹی کو کمرے تک پہنچانا چاہتا تھا۔

۱۰۲ کے سامنے ایک لیوٹرمان کا منتظر تھا۔ اُس نے دروازہ کھولا اور ٹائیگر نے دس ڈالر کا ایک نوٹ اُس کی ہتھیلی پر رکھ کر اُسے جانے کا اشارہ کیا۔

کرسٹی تب تک کمرے کے وسط میں پہنچ کر در و دیوار کا جائزہ لے رہی تھی۔ رائل کا شمار شہر کے اعلیٰ ہوٹلوں میں ہوتا تھا۔ اس لیے اس کے کمروں کی آرائش اور سجاوٹ بھی دیدنی تھی۔ کرسٹی بغور ایک ایک شے کو دیکھ رہی تھی اور ٹائیگر اُسے گھور رہا تھا۔

اچانک ہی کرسٹی کی رنگت گلابی ہو گئی۔ ٹائیگر نے اُس کی نظروں کا تعاقب کیا اور پھر وہ بھی مسکرا دیا۔ کمرے میں عام طور پر دو الگ الگ بستر ہوتے ہیں لیکن بڑے ہوٹلوں میں عموماً ایک ہی ڈبل بیڈ ہوتا ہے۔ کرسٹی اُسی کو دیکھ کر گلابی ہوئی تھی۔

"فکر نہ کرو، میں صوفے پر سو جاؤں گا۔" ٹائیگر نے آگے بڑھ کر اُس کے کان میں سرگوشی کی۔

وہ جانے کن خیالوں میں تھی، سرگوشی بھی اُسے بم کا دھماکا محسوس ہوا۔ وہ گھبرا کر ایک قدم پیچھے ہٹی جہاں ٹائیگر پہلے سے موجود تھا۔ اُس نے فوراً اُس رد پہلے پیچھی کو اپنی بانہوں میں قید کر لیا۔ پہلے تو کرسٹی کسمسائی لیکن پھر اُس نے خود کو ڈھیلا چھوڑ دیا۔

"تمہارا شکریہ جان!" کرسٹی کو اچانک خیال آیا کہ اُس نے اپنی مدد کو آنے پر جان کا شکریہ ادا نہیں کیا اور اس سے بہتر موقع اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔

"کس بات کا شکریہ۔" ٹائیگر نے اُس کے بھورے بال آہستہ سے کھینچے۔ "تم نے میری مدد کی تھی میں نے تمہاری کر دی۔"

"نہ نہ آتے تو جانے کیا ہوتا۔" کرسٹی کا بدن کپکپا اُٹھا۔ "وہ وحشیوں سے بھی بدتر تھے۔"

"اب تم محفوظ ہو، بے فکری سے یہاں رہو، میں ابھی جا رہا ہوں، تم دروازہ اندر سے مقفل کر لو اور میری آواز سنے بغیر دروازہ نہیں کھولنا۔"

"تم کہاں جا رہے ہو؟" کرسٹی اب ننھی منی سی بچی بن گئی تھی "اور مجھے کب تک یہاں رہنا ہوگا؟"

"میں اسی ہوٹل میں ہی ہوں، تمہارے برابر والے کمرے میں، وہاں میرا دوست ٹھہرا ہوا ہے رہ گئی یہ بات کہ کب تک یہاں رہنا ہے تو شاید صرف آج کی رات، پھر یہ شہر پہلے کی طرح ہی تمہارے لیے محفوظ ہوگا۔"

"مجھے ڈر لگ رہا ہے۔"

"ارے۔" ٹائیگر نے اُسے سامنے کر لیا۔ "میری اسکول ٹیچر تو بڑی بہادر ہوا کرتی تھی۔ وہ کہا کرتی تھی کہ بزدل لڑکیوں کو استانیاں بننے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔"

کرسٹی مسکرا دی۔ ٹائیگر نے اُس کے رخسار تھپتھپائے اور بیرونی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

ٹائیگر جب دستک دے کر کمرے میں داخل ہوا تو اوشان کسی بھوکے شیر کی طرح کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ ٹائیگر کو دیکھتے ہی وہ طرّا اٹھا تھا۔

"تمہارے جسم کی خوشبو پر اب نسوانیت غالب آ چکی ہے۔" اوشان کا لہجہ خاصا کرخت تھا۔

"یہ بندۂ ناچیز، ماسٹر آف سناجو کے حضور سلام پیش کرتا ہے۔" ٹائیگر نے باقاعدہ جھک کر اوشان کو آداب کہا۔ وہ اُس کے جملے کا مطلب سمجھ گیا تھا لیکن جان بوجھ کر اُسے نظر انداز کر گیا تھا۔

"میں نے تمہیں کتنی بار سمجھایا ہے کہ اپنے رتبے سے مت گرا کرو۔" اوشان اب بھی برہم تھا۔ "میں نے برابر والے کمرے میں ہونے والی بات چیت سُنی ہے اور اس نتیجے پر..."

"اُس نے میری مدد کی تھی مثل فادر۔" ٹائیگر نے صفائی پیش کی۔

"یعنی سناجو کے ہونے والے ماسٹر کی۔" اوشان کے لہجے میں کاٹ تھی۔ "اُس کمزور سی لڑکی نے موجودہ زمانے کے ٹائیگر کی مدد کی تھی۔ شہزاد! تمہاری صلاحیتوں کو زنگ لگتا جا رہا ہے اس لیے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ اس کیس کے اختتام پر تم مسلسل تین ماہ تربیت میں گزارو گے اور اس کے بعد ہم سناجو کا سفر اختیار کریں گے تاکہ وہاں کی سنگلاخ زمینوں کی سختی تم میں مثل ہو سکے۔ ویسے بھی مجھے سناجو بہت یاد آ رہا ہے۔" اوشان اصل مسئلہ بھول گیا تھا۔ "مجھے اپنی رعایا بہت یاد آ رہی ہے عرصہ دراز ہو گیا ہے کہ میں نے اُن کی خبر نہیں لی جانے..."

"کرسی کا نشہ اسی کو کہتے ہیں، لٹل فادر۔"

"میری بات مت کاٹا کرو۔" اوشان غرّایا۔

"میں سچ کہہ رہا ہوں، لٹل فادر۔ کرسی پر بیٹھنے سے قبل میں، وہاں میرا دوست ٹھہرا ہوا ہے رہ گئی یہ بات کہ کب تک یہاں رہنا ہے تو شاید صرف آج کی رات، پھر یہ شہر پہلے کی طرح ہی تمہارے لیے محفوظ ہوگا۔"

"مجھے ڈر لگ رہا ہے۔"

"ارے۔" ٹائیگر نے اُسے سامنے کر لیا۔ "میری اسکول ٹیچر تو بڑی بہادر ہوا کرتی تھی۔ وہ کہا کرتی تھی کہ بزدل لڑکیوں کو استانیاں بننے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔"

کرسٹی مسکرا دی۔ ٹائیگر نے اُس کے رخسار تھپتھپائے اور بیرونی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ہمائیاں کی ہیں کہ روس والے امریکہ کی بھی نہیں کرتے۔"

"بزدلوں کا مذاق نہیں اڑایا کرتے۔" اوشان نے اسے نصیحت کی۔ "آؤ میں تمہیں بتاؤں سنا بجو کے عظیم شاعر اور چودھویں ماسٹر فائٹنگ تھانگ پھوچی تنگ...؟"

"کیا یہ نام کچھ چھوٹا نہیں ہوسکتا، لٹل فادر۔"

"خاموش! ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ سنا بجو کے عظیم شاعر..." اوشان نئے سرے سے شروع ہوگیا۔ اس بار ٹائیگر خاموش ہی رہا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ جتنی بار اوشان کو ٹوکے گا وہ اتنی ہی بار نئے سرے سے شروع کرے گا چنانچہ وہ پوری توجہ سے ماسٹر کی شاعری سننے لگا۔

مگر وہ ساحر لدھیانوی کی شاعری نہ تھی اور نہ ہی ٹائیگر کوئی مایوس عاشق تھا کہ بور نہ ہوتا۔ اوشان بیچ میں کورمیائی زبان بھی شروع کر دیتا تھا اُس وقت ٹائیگر کو یوں لگتا تھا جیسے کوئی ٹین کے ڈبے میں چھوٹے چھوٹے کنکر ڈال کر بجا رہا ہو۔ اسی لیے اُسے جلد ہی جمائیاں آنی شروع ہوگئیں مگر اوشان اس سے بے نیاز اپنی ہانکے جا رہا تھا۔

جانے کتنی دیر گزر گئی۔ ٹائیگر نے آنکھیں بند کرلیں اور اوشان بغیر فل اسٹاپ کامے کے بولتا رہا۔ مگر پھر اچانک خاموشی چھا گئی۔ ٹائیگر نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں۔ اوشان کچھ سوچ رہا تھا۔ شاید کوئی نظم۔

"لٹل فادر، آپ ٹی وی کیوں نہیں دیکھ رہے۔" ٹائیگر نے خاموشی کا فائدہ اُٹھا کر اوشان کو یاد دلایا۔

"مینجر کو فون کرو کہ میرا صندوق اب تک کیوں نہیں پہنچا؟" اوشان ایک دم غضب ناک ہوگیا۔

"مگر لٹل فادر، میرے سوال کا صندوق سے کیا تعلق ہے؟"

"اس لیے کہ میرا ٹی وی اسی صندوق میں بند ہے جو تمہارے ایلیویٹر میں پھنس گیا ہے۔"

کوئی اور موقع ہوتا تو ٹائیگر باقاعدہ ہاتھ اٹھا کر اللہ کا شکر ادا کرتا لیکن اس وقت وہ صندوق اُس کے بچاؤ کا واحد راستہ تھا۔ چنانچہ وہ خاموشی سے اُٹھ کر فون کی طرف بڑھ گیا۔

مینجر نے اُسے یقین دلایا کہ صرف چند منٹ کی بات ہے ابھی صندوق اوپر پہنچائے دیتے ہیں۔

ٹائیگر دوبارہ آکر اوشان کے سامنے بیٹھ گیا جو اب قالین پہ بیٹھی مالے جپ رہا تھا۔

"روبی کے بارے میں بہرام کو کوئی خبر ملی؟" ٹائیگر نے اس بار اوشان کی پسند کا موضوع چھیڑا تھا کیونکہ وہ ماسٹر کو بے حد عزیز تھی۔

"آہ میری بچی!" اوشان نے کسی غم زدہ ماں کی طرح ٹھنڈی آہ بھری۔ "اُس کی کوئی اطلاع نہیں ملی۔" وہ پھر خاموش ہوگیا لیکن چند ثانیوں بعد دوبارہ گویا ہوا۔ "بہرام نے تمہارے لیے ایک پیغام بھیجا ہے، کیا تم امریکی محکمۂ انصاف کی ایجنٹ مالیا ٹیمبلر کو جانتے ہو؟"

ٹائیگر کے دماغی کمپیوٹر پر فوراً ایزی بیم پروجیکٹ اور ریسچ کرسیٹ ابھر آئے۔ "ہاں! وہ مجھے ریسچ کرسیٹ میں ملی تھی۔" اُس نے جواب دیا۔

"وہ بھی غائب ہوگئی ہے۔" اوشان نے بتایا۔ "پریچرمین امریکی محکمۂ انصاف کو بھی مطلوب ہے اور انہوں نے مالیا ٹیمبلر نامی ایک ایجنٹ کو پورٹ آرتھر روانہ کیا تھا لیکن اُس نے انہیں کوئی رپورٹ یا پیغام روانہ نہیں کیا۔ صدر امریکہ نے ذاتی طور پر بہرام سے درخواست کی تھی کہ مالیا کی تلاش میں امریکہ کی مدد کی جائے۔"

"مگر انہوں نے اُسے یہاں بھیجا ہی کیوں تھا؟" ٹائیگر نے جز بز ہو کر پوچھا۔ اُس کے دل و دماغ میں ریسچ کرسیٹ کے ایک ہوٹل میں گزارے ہوئے خوبصورت لمحات تازہ ہوگئے تھے۔

"پریچرمین کی تنظیم میں نقب لگانے کے لیے۔"

"اور اس چکر میں مالیا بھی ہاتھ سے گئی۔" ٹائیگر نے برا سا منہ بنایا۔ "میں آج رات پریچرمین کی کچھار میں داخل ہونے والا ہوں دیکھتے ہیں کیا ہوتا ہے؟"

"پریچرمین کے بارے میں ایک خبر اور ملی ہے۔" اوشان کو جیسے رہ رہ کر یاد آرہا تھا۔ "ابھی تک افواہ ہی ہے کہ ایک نہایت اعلیٰ پیمانے کا جینٹ سیٹ کال گرل آپریشن ہو رہا ہے جس کا مالک پریچرمین ہے۔ یہ شخص دنیا کے کسی بھی حصے میں ہر عمر، رنگ، نسل اور مذہب کی لڑکیاں خواہ وہ اوپیرا اسٹار ہو یا عام سی اسکول ٹیچر اپنے گاہکوں کو فراہم کرتا ہے۔ یہ لڑکیاں تیز رفتار طیاروں کے ذریعے دنیا کے ہر حصے میں بھجوائی جاتی ہیں۔"

"اوہ۔" ٹائیگر کے ہونٹ سیٹی بجانے والے انداز میں سکڑ گئے۔ "روبی کا افواہیں اسی سلسلے کی کڑی تو نہیں؟"

"ممکن ہے۔" اوشان نے اُس کی تائید کی۔ "لیکن یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ چارہ گر کے حوالے سے کوئی...؟"

ٹھیک اسی لمحے دروازے پر دستک سنائی دی۔ "کم ان۔"

ٹائیگر نے وہیں سے پکار کر کہا۔

دروازہ کھلا اور کئی ویٹر ایک بھاری بھرکم صندوق لے کر اندر آگئے۔ اوشان یوں کھل اٹھا جیسے بچہ اپنا پسندیدہ کھلونا دیکھ کر کھل اٹھتا ہے۔ اُس نے صندوق کو پہلے سے رکھے دوسرے صندوقوں پر رکھنے کا اشارہ کیا۔

جونہی صندوق رکھا گیا اوشان فوراً اُس کی طرف بڑھ گیا۔ ٹائیگر نے تمام ویٹروں کو پانچ پانچ ڈالر ٹپ دی اور اوشان کی طرف متوجہ ہوگیا جو اب صندوق سے اپنا ٹی وی سیٹ نکال رہا تھا۔

ⓐⓐ

رات کو ساڑھے گیارہ بجے جب ٹائیگر، اوشان کے ہمراہ ہوٹل سے ائرپورٹ روانہ ہوا تو پوری طرح چوکس تھا۔

پچھلے چار گھنٹے اُس نے حسین کرسٹی کی خوشگوار رفاقت میں گزارے تھے۔ کرسٹی نے اُسے بتایا تھا کہ وہ دوست کی حیثیت سے اُس کی زندگی میں داخل ہونے والا پہلا مرد ہے۔ اس نے پریچرمین کے وحشیوں سے اپنی جان بچانے کے صلے میں اپنا سب کچھ ٹائیگر پر نچھاور کر دیا تھا۔

چلتے وقت ٹائیگر نے اُس خوب صورت لڑکی کو تسلی دی تھی کہ وہ صبح دم واپس آجائے گا۔ تب تک وہ ایک بار پھر خود کو کمرے میں بند کرلے۔ اُس نے اُسے یقین دلایا تھا کہ دشمن اب یہاں تک نہیں پہنچیں گے۔

واپسی پر اوشان نے اُسے بڑے کڑے تیوروں سے گھورا تھا لیکن زبان سے اس لیے کچھ نہیں کہا کہ وہ پہلے ہی اُسے تین ماہ کی تربیت کا حکم دے چکا تھا۔ وہ یہی سوچ رہا تھا کہ ان تین ماہ میں ٹائیگر کے اس طرح کس بل نکالے گا کہ ٹائیگر، کرسٹی کو تو کیا روبی کو بھی بھول جائے گا۔

ٹائیگر نے بھی اوشان کے چہرے پر برہمی کے آثار دیکھ لیے تھے لیکن چپ سادھے رہا تھا وہ اس وقت ماسٹر کو چھیڑ کر بے وقت نہیں سننا چاہتا تھا۔ ائرپورٹ اور پھر ائرلائن فلائنگ اسٹوں کے دفتر تک وہ خاموش ہی رہے تھے۔ ٹائیگر نے دفتر کے سامنے کار روکی اور اندر جھانکا۔ پائلٹ اندر تنہا بیٹھا تھا۔

ٹائیگر نے اوشان کو ساتھ آنے کا اشارہ کیا اور بغیر دستک دیے اندر داخل ہوگیا۔

ائرلائن میز پر ٹانگیں رکھے بیٹھا تھا اُس نے ٹائیگر اور ایک مغنی سے بوڑھے کو اندر آتے دیکھا تو چونک کر سیدھا ہوگیا۔ اُس کی نگاہ جب اوشان پر پڑی تو کئی جملے اُس کے ذہن میں کلبلانے لگے لیکن اس سے پہلے کہ وہ ان میں سے کوئی جملہ زبان سے ادا کرتا اُسے ٹائیگر کی وارننگ یاد آگئی جو اُس نے دوپہر کو دی تھی۔

اُس نے بڑے ادب سے دونوں کو کرسیاں پیش کیں اور پھر خود بھی میز کے عقب میں براجمان ہوگیا۔

"کیا تیاری کریں؟"

"ابھی نہیں۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ اُس نے رالسٹن اور اوشان کا تعارف کرانا ضروری نہیں سمجھا تھا۔ "ہم یہاں سے ٹھیک ایک بجے روانہ ہوں گے۔ تم تب تک آرام کرلو۔"

رالسٹن نے مسکرا کر ٹانگیں دوبارہ میز پر رکھ لیں اور آنکھیں بند کر کے دھیرے دھیرے گنگنانے لگا۔

ٹائیگر، اوشان کو مشن کی تفصیلات سے آگاہ کرنے لگا۔ اُسے امید تھی کہ عمارت کی چھت پر اُس کا استقبال کرنے والے ضرور موجود ہوں گے۔ ممکن تھا کہ جونہی کاپٹر ٹیک آف کرتا ائرپورٹ سے ہی کوئی شخص پریچرمین کو فون کر کے اس سے آگاہ کر دیتا۔ فون بہرحال کاپٹر سے زیادہ تیز رفتار تھا۔

لیکن یہ سب کچھ ٹائیگر کے لیے پریشان کن نہیں تھا۔

ایک بجنے میں پانچ منٹ پر اُس نے رالسٹن کو جگا دیا۔ "ٹائم ٹو ہٹ پارٹنر۔"

پندرہ منٹ بعد وہ ٹیک آف کر چکے تھے۔ ٹیک آف میں انہیں کوئی مسئلہ پیش نہیں آیا تھا۔ ائرپورٹ کے آخری سرے سے انہوں نے بغیر روشنیوں کے ٹیک آف کیا اور شہر کے دوسرے سرے کی طرف روانہ ہوگئے۔

"اب تک میں تین جہازوں کا مشترکہ ہو چکا ہوں۔" ذرا دیر بعد رالسٹن نے اُسے آگاہ کیا۔ "رینگ لائٹس نہیں جل رہیں۔ غیر قانونی ٹیک آف اور بغیر پرمٹ لینڈنگ۔"

"اس علاقے میں کوئی پولیس کا پٹرول موجود ہے؟"

رالسٹن نے انسٹرومنٹ پینل سے اٹھنے والی ہلکی روشنی میں نفی میں سر ہلایا۔ "ایئرپورٹ آرتھر اتنا امیر شہر نہیں۔"

"گڈ۔" ٹائیگر نے جواب میں دیا۔ "سیونگز اینڈ لون بلڈنگ کی چھت پر اسٹروب لائٹ جلتی رہے گی تاکہ تمہیں ٹارگٹ کا اندازہ رہے۔ اس طرح پرواز کرنا کہ ہر دس منٹ بعد عمارت کے اوپر سے گزرو۔ جب میں عمارت سے نکلنا چاہوں گا تو سرخ روشنی سے اشارہ دوں گا۔"

"ٹھیک ہے۔" رالسٹن نے جواب دیا اور دوبارہ انسٹرومنٹس

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کی طرف متوجہ ہوگیا۔

مطلوبہ عمارت پر پہنچ کر ٹائیگر نے رائفل کو کاپڑ کی بلندی کم کرنے کو کہا۔ اُس نے کاپڑ کا بیرونی دروازہ کھول کر اُس کے لیٹنگ اسکڈ پر پیر رکھ دیا تھا۔ جونہی کاپڑ چھت سے آٹھ فوٹ کی بلندی پر پہنچا اُس نے چھت پر چھلانگ لگادی۔ دو سیکنڈ بعد کاپڑ سے ایک اور سایا کودا۔ یہ اوشان تھا۔ اُس کی ریشمی قبا تیز ہوا میں پھڑپھڑا رہی تھی جسے اُس نے دونوں ہاتھوں سے سنبھال رکھا تھا۔

"اسی دن کے لیے کہا تھا کہ کبھی پروں کے بغیر بھی سفر کیا کریں، لٹل فادر۔" ٹائیگر نے اوشان کی قبا پر چوٹ کی۔

"یہ میری شاہی پوشاک ہے۔" اوشان نے برا مانتے ہوئے کہا۔ "مت بھولو کہ تمہیں بھی ایک دن یہی پہننی ہے۔"

ٹائیگر نے کانوں کو ہاتھ لگایا۔ "اللہ سے دعا ہے کہ وہ یہ دن دکھانے سے پہلے ہی اٹھالے۔"

"وہ خواہش تو ابھی بھی پوری ہو سکتی ہے۔" اوشان نے جواب دیا اور چھت پر نظر آنے والے دروازے کی طرف چل دیا۔

"اتنی جلدی بھی کیا ہے، لٹل فادر۔" ٹائیگر نے ہانک لگائی اور سر اٹھا کر کاپڑ کی طرف دیکھا جو تیزی سے بلند ہوتا جا رہا تھا۔

اُس نے بیٹری سے چلنے والی اسٹروب لائٹ چھت پر رکھ دی تاکہ رائفل کو دوبارہ لینڈنگ میں آسانی رہے۔ پھر وہ بھی اوشان کی طرف بڑھا جو دروازے کے قریب کھڑا اُس کا منتظر تھا۔

"یہ لو۔" اوشان نے اُس کے قریب جاتے ہی کوئی شے اُسے تھما دی۔

ٹائیگر نے بھی بے اختیار ہاتھ بڑھا دیا۔ وہ دروازے کا نوب تھا۔ اوشان نے اُسے تالے سمیت اکھاڑ لیا تھا۔

"زندہ باد ماسٹر۔" ٹائیگر نے دھیرے سے نعرہ لگایا اور دروازہ کھول دیا۔

وہ اب گیارہویں فلور پر تھے۔

جس کمرے میں دروازہ کھلا تھا۔ وہ کوئی ہال تھا۔ اس میں ہلکی ہلکی روشنی ہو رہی تھی لیکن انہیں کوئی ذی روح وہاں نظر نہ آیا تھا۔ ٹائیگر کو ایک دیوار پر لگا ہوا سوئچ بورڈ نظر آیا تو اس نے یکے بعد دیگرے تمام بٹن آن کر دیے۔ ہال روشن ہو گیا۔

"اس سے بہتر تھا کہ پرسچر مین کو تحریری دعوت نامہ روانہ کر دیا ہوتا۔" اوشان بڑبڑایا۔

ٹائیگر ہنس کر بغلی دروازے کی طرف بڑھ گیا جو میٹنگ روم میں کھلتا تھا۔ دروازہ کھول کر وہ جونہی اندر داخل ہوا اُسے رُک جانا پڑا۔ سامنے سے ایک مسلح محافظ اُسی جانب چلا آ رہا تھا۔

محافظ بھی انہیں دیکھ کر ساکت رہ گیا لیکن یہ سکتہ زیادہ طویل نہیں تھا فوراً ہی اُس نے اپنی گن سیدھی کی اور دونوں کو نشانے پر لے لیا۔

ٹائیگر ابھی اُس پر چھلانگ لگانے کی تیاری کر ہی رہا تھا کہ اُسے پہلو میں قبا کی پھڑپھڑاہٹ سنائی دی۔ دوسرے ہی لمحے اوشان محافظ کے عین سامنے نظر آیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اوشان کا دایاں ہاتھ اٹھا اور محافظ چیخ کر قریب رکھی کرسی پر جا پڑا۔ اچانک آمد سے خوش نہ ہوئی اور وہ زمین پر ڈھے گئی۔ محافظ بھی نیچے بڑھک گیا لیکن وہاں صرف جسم ہی تھا۔ روح پہلے ہی جہنم واصل ہو چکی تھی۔

اُس کی بندوق بھی دو ٹکڑے ہو کر دور زمین پر جا گری تھی۔

"سست الوجود۔" اوشان نے وہیں کھڑے کھڑے تبصرہ کیا۔ "پہلے سوچو پھر عمل کرو کی کہاوت تمہارے لیے تو نہیں ہے۔"

"کہاوت غلط ہے لٹل فادر۔" ٹائیگر ہاتھ جھاڑ کر بولا۔ "کہا یہ جاتا ہے پہلے سوچو پھر بولو۔"

"سنا تو میں ویسی ہی ہے جیسی میں نے سنائی ہے۔"

"لگتا ہے کہ دنیا والے اپنی متروک اور گلی سڑی چیزیں ہمارے لیے بھجوا دیتے ہیں۔"

"جیسے تم۔" اوشان نے فوراً چوٹ کی اور ٹائیگر کھسیانا ہو گیا۔

محافظ کو ٹٹولنے پر نکلا لیکن اُس سے ریڈیو ٹاپ کا کوئی آلہ برآمد نہیں ہوا تھا اور نہ ہی اُس کے پاس بزریا سیکیورٹی سینسنگ ڈیوائس موجود تھی۔

اگلے کمرے میں بھی کوئی کام کی چیز نہیں تھی۔ ٹائیگر اور اوشان نے اسے سرسری انداز میں دیکھتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔ پھر انہوں نے سات دفتر دیکھ ڈالے لیکن ابھی تک ایک تنکا بھی برآمد نہ کر سکے۔

ٹائیگر کو یہ امید تو ہرگز نہیں تھی کہ وہ اس عمارت میں جائے گی لیکن وہ یہ توقع لے کر آیا تھا کہ یہاں سے کوئی نہ کوئی ایسا ضرور مل جائے گا جس کی مدد سے وہ اُس تک پہنچ سکتا ہے۔

ایک لمحے کے لیے اُس کے ذہن میں خیال آیا کہ اگر وہ کسی طرح انٹرنیشنل کال گرل سیٹ اپ کے تحت کہیں روانہ کیا جا چکا ہو تو کیا ہوگا۔ یہ سوچ کر ہی اُس کی کنپٹیاں آگ اگلنے لگیں۔

"پراگندہ سوچوں کو ذہن میں جگہ دینے سے انسان کی قوتِ مدافعت اور قوتِ فیصلہ متاثر ہوتی ہے۔" اوشان فوراً اُس کی کوفت بھانپ گیا تھا۔ اُسے ٹائیگر کے چہرے کے بدلتے ہوئے انداز سے

مصنف: ایم اے راحت

کالا کفن

تجسس سے معمور ایک ایسے بہادر نوجوان کی سرگزشت ہے۔ جسے جادوئی دنیا کے پُراسرار واقعات سے نہ صرف رغبت تھی بلکہ اُسے اس پوشیدہ دنیا کا ایک حصہ بن کر اسکی حقیقت جاننے کا جنون کی حد تک شوق تھا۔ پھر اسے یہ مواقع حاصل بھی ہو گئے۔ جہاں اس کا واسطہ بدی کی انتہائی طاقتور طاقتوں سے پڑا، جو اُسے مادی دنیا کی ہر آسائش اور عیش و عشرت کے دلفریب اور زہد شکن ماحول میں جکڑ کر اپنی راہ پر ڈالنا چاہتی تھیں۔ مگر آفرین سچائی کے اس پرستار پر اور قوتِ ایمان کی پختگی کے مالک اس نوجوان پر جس کے پائے استقلال میں لغزش تک نہ آئی اور اس نے قدم قدم پر ثابت کیا کہ سچائی کے راستے کے مسافر بدی کی بھول بھلیوں کی چال میں نہیں آسکتے۔ نیکی اور بدی کی کشمکش کے دلچسپ واقعات سے بھرپور ایک ایسی کہانی ہے، جو آپ کو ایک ہی نشست میں پڑھنے پر مجبور کر دے گی۔

خوبصورت سرورق، عمدہ طباعت و کتابت، سفید کاغذ پر ۲ جلدوں میں شائع ہوگئی ہے

قیمت: جلد اوّل: -/200، جلد دوم: -/200، مکمل سیٹ: -/400

اسٹاکسٹ: مکتبہ القریش اُردو بازار لاہور ۲

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ساری کہانی بتا دی تھی۔

ٹائیگر نے پلٹ کر گہری نگاہ سے اوشان کو دیکھا اور آگے بڑھ گیا۔ اُس کی آنکھوں میں ایسے شیر کی سی چمک تھی جس کی شیرنی کو شکاری نے ہلاک کر ڈالا ہو۔

وہ اگلے کمرے میں داخل ہو گیا۔ یہ کوئی چھوٹا سا دفتر تھا یہاں بعض گھریلو آلات اور ایک مقفل دراز بھی موجود تھا۔ ٹائیگر نے دراز کا تالا توڑا تو اندر سے تین چھوٹے چھوٹے لیجر نکل آئے۔ ٹائیگر نے انہیں فوراً اپنی کمر کے ساتھ باندھ لیا۔

اُسے امید تھی کہ ان لیجروں سے اُسے کچھ نہ کچھ ضرور مل جائے گا۔

"واپس چلیں لٹل فادر" اس نے پکار کر اوشان سے کہا جو بعض گھریلو آلات کو الٹ پلٹ رہا تھا۔

دونوں جب واپس ہال میں پہنچے تو انہیں دو مسلح افراد مرنے والے محافظ پر جھکے نظر آئے۔ دروازہ کھلنے کی آواز پر دونوں بیک وقت پلٹے اور اجنبیوں کو دیکھ کر اُن کے ہاتھ ہولسٹروں کی طرف بڑھے۔

لیکن پستول نکالنے کی حسرت اُن کے دل میں ہی رہ گئی۔ ٹائیگر ایک ہی جست میں اُن کے سر پر تھا جب کہ اوشان کمر پہ ہاتھ رکھے اطمینان سے دروازے کے بیچوں بیچ کھڑا رہ گیا تھا۔

ٹائیگر نے دونوں کے سروں کو ایک ایک ہاتھ سے پکڑا اور پوری قوت سے انہیں آپس میں ٹکرا دیا۔ سر ٹکرانے کی آوازیں دونوں کی چیخوں میں دب گئی تھیں۔ وہ فرش ہوتے ہوئے بکروں کی طرح ڈکرائے۔ دونوں کے سروں کی ہڈیاں چور چور ہو گئیں اور ان کے بھیجے، خون کے ساتھ ادھر اُدھر بہ نکلے۔

ٹائیگر نے دونوں کو دھکیل کر مردہ محافظ پر پھینکا اور ان سے پرے کی طرف دوڑا جو دسویں فلور کی طرف جاتی تھیں۔ وہ پرنسپل مین کو ڈھونڈنا چاہتا تھا تاکہ اُس کا قصہ تمام کر سکے۔

ابھی وہ اور اوشان سیڑھیوں تک ہی پہنچے تھے کہ نیچے سے آٹومیٹک ہتھیاروں سے فائرنگ شروع ہو گئی۔ ٹائیگر نے اندازہ لگایا کہ گولیاں چلانے والے دو ہیں اور آہستہ آہستہ اوپر آ رہے ہیں۔

اوشان اور ٹائیگر سیڑھیوں کے دونوں جانب مورچہ سنبھال کر کھڑے ہو گئے۔ جونہی دونوں رائفل بردار آگے جانے کے لیے اُن کے قریب سے گزرے انہوں نے ایک ایک کو قابو میں کر لیا۔ دو سیکنڈ بعد دو بار ہلکی ہلکی کلک کی آواز ابھری اور اُن کے ہاتھوں سے خود کار رائفلیں چھوٹ کر زمین پر جا گریں۔ اُن کی گردن کی ہڈیاں ٹوٹ گئی تھیں۔

ٹائیگر اور اوشان نے انہیں وہیں چھوڑا اور سیڑھیاں اُتر دسویں فلور پر آ گئے۔

اب کئی اطراف سے گولیاں چل رہی تھیں۔ وہ اندھا دھند فائرنگ کر رہے تھے جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ اُن کی ایک کثیر تعداد یہاں موجود تھی۔

ٹائیگر اور اوشان جیسے ہی ایک راہداری میں مڑے انہیں ایک مسلح شخص ہینڈ گرینڈ کی پن نکالتا دکھائی دیا۔ اس سے پہلے کہ گرینڈ اُن پر پھینکتا۔ اوشان نے لمبی جست لگائی۔ وہ اُس کے عین سامنے زمین پر اترا۔ ہینڈ گرینڈ والے نے بوکھلا کر پیچھے ہٹنا چاہا لیکن اوشان نے اُسے دونوں ہاتھوں پر اٹھایا اور گرینڈ سمیت باقی ماندہ ایک کھلے ہوئے دروازے سے اندر پھینک دیا۔

فوراً ہی ایک زوردار دھماکا ہوا اور متعدد چیخوں کی آوازیں ابھریں۔ یقیناً اندر اور لوگ بھی موجود تھے۔ گرینڈ شاید فاسفورس کا تھا کیونکہ دھماکے کے فوراً بعد کمرے میں آگ بھڑک اٹھی جو لحظہ بہ لحظہ پھیلتی جا رہی تھی۔

ٹائیگر نے جلدی جلدی دوسرے کمرے دیکھ ڈالے۔ لیکن پرنسپل مین اُسے کہیں نظر نہ آیا۔ البتہ مزید گیارہ افراد اُن دونوں کی جھپٹ میں آ گئے تھے۔

نویں فلور پر بھی کچھ نہیں تھا۔ وہ چند اور افراد کو جہنم کی طرف روانہ کر کے واپس آ گئے تھے۔

گیارہویں فلور سے چھت پر کھلنے والا دروازہ اب بھی کھلا ہوا تھا۔ ٹائیگر نے پٹ پر ہاتھ رکھا تو دوسری جانب سے پورا ہیوی دروازے پر پڑا۔ گولیاں ٹائیگر کی انگلیوں سے محض چند انچ دور دونوں میں پیوست ہو گئی تھیں۔

اُس نے ہاتھ ہٹا کر باہر جھانکا۔ ایک عورت مشین گن کے ساتھ ٹیک لگائے سب مشین گن لوڈ کر رہی تھی۔

ٹائیگر پھرتی سے باہر نکلا۔ عورت نے اُسے اپنی طرف لپکتے دیکھا تو سب مشین گن کو پرل کی طرف سے پکڑ کر گویا مقابلے کے لیے تیار ہو گئی لیکن پہلی ہی کوشش میں گن ٹائیگر کے ہاتھوں میں منتقل ہو چکی تھی۔

عورت نے خوفزدہ ہونے کے بجائے کرائے کا کیشن لے لیا۔

"اوہ" ٹائیگر نے سیٹی بجائی "تنہا ہی جگہ کوئی اور ہوتا تو میں اُسے گیارہویں منزل سے نیچے پھینک چکا ہوتا لیکن میں عورتوں کو بلاجواز سزا دینے کا قائل نہیں ہوں۔"

وہ آگے بڑھا۔ عورت کا بھرپور ہاتھ اُس کے بائیں شانے

پر پڑا لیکن اُسے اتنی تکلیف بھی نہ ہوئی تھی جتنی کسی کو مچھر کے چٹکی سے ہوتی ہے۔

وہ مسکرایا۔ اُس کے دونوں ہاتھ اٹھے اور تالی بجانے کے انداز میں عورت کی کنپٹی پر پڑے۔ وہ جھومی لیکن اس سے پہلے کہ پختہ فرش پر گرتی، ٹائیگر نے اُسے تھام لیا۔ وہ ہوش و حواس سے بیگانہ ہو چکی تھی۔

"سب کو ایک آنکھ سے دیکھا کرو شہزادہ" اوشان کی نصیحتیں قدم قدم پر اُس کے ساتھ تھیں۔

اور ٹائیگر نے فوراً ایک آنکھ بند کر لی۔

"لیکن اس میں تو بڑی گڑبڑ ہے، انکل فادر" اُس نے عورت کو زمین پر لٹاتے ہوئے کہا۔

"کیا ہوا؟" اوشان سمجھا کہ شاید وہ عورت کے بارے میں کچھ کہہ رہا ہے۔

"آپ مجھے تین چوتھائی نظر آ رہے ہیں۔"

نیچے ایک زوردار دھماکا ہوا جس کی وجہ سے اوشان کا دیا ہوا جواب اُسی میں دب گیا تھا۔

ٹائیگر نے موقع غنیمت جانا اور ایک ہائی ڈے فیوز جلا کر جلنے والی اسٹروب لائٹ کے قریب ڈال دیا۔ سرخ سرخ روشنی پوری چھت پر پھیل گئی تھی۔

اب گیارہویں فلور کے ہال میں فائرنگ ہونے لگی تھی۔ شاید مزید مسلح افراد طلب کر لیے گئے تھے اور وہ یہ دیکھے بغیر کہ اُن کا نشانہ محض خالی دیواریں بن رہی ہیں یا کوئی ذی روح، فائرنگ کیے چلے جا رہے تھے۔

ٹائیگر نے چھت پر کھلنے والا دروازہ بند کر دیا۔ اس کا لاک پہلے ہی اوشان کی نذر ہو چکا تھا۔ اس لیے وہ مقفل نہیں ہو سکتا تھا۔ اُس نے چھت پر رکھے ہوئے سیمنٹ کے دو بڑے بڑے بلاک اٹھائے اور انہیں دروازے کے سامنے ڈال دیا۔ اب وہ لوگ دروازہ توڑ کر ہی چھت پر آ سکتے تھے۔

اُسی وقت انہیں اپنے سر پر ہیلی کاپٹر کی تیز آواز سنائی دی۔ دیکھتے ہی دیکھتے کاپٹر چھت پر لینڈ کر گیا۔

فائرنگ کی آوازیں مزید قریب آ گئی تھیں۔ کئی گولیوں نے دروازے میں سوراخ کر دیے تھے۔

ٹائیگر نے اوشان کو کاپٹر میں سوار ہونے کا اشارا کیا اور خود دروازے کی طرف رُخ کر کے کھڑا ہو گیا۔

اب آنے والے دروازے پر مُکے مار رہے تھے۔ اب تب میں دروازہ ٹوٹنے والا تھا۔ ٹائیگر کو اپنی اور اوشان کی اس قدر فکر نہیں تھی لیکن وہ چاہتا تھا کہ کم از کم رالسٹن کے وارثین کاپٹر کو کوئی نقصان نہ پہنچے تاکہ وہ اس ذریعہ معاش سے محروم نہ ہو جائے۔

وہ خود بھی تیزی سے کاپٹر کی طرف بڑھا۔

گولیوں کے ایک برسٹ نے اُس کا تعاقب کیا۔ مسلح افراد اب چھت پر آ چکے تھے۔ وہ تعداد میں آٹھ نو تھے۔ گولیوں کا برسٹ ٹائیگر کے پہلو سے گزرتا ہوا فضاؤں میں کہیں کھو گیا۔

فوراً ہی دوسرا برسٹ فائر ہوا۔ ٹائیگر اُس وقت تک لینڈنگ اسکڈ پر پاؤں رکھ چکا تھا۔ کچھ گولیاں اُس کے سر کی سمت آئیں لیکن اُس نے جھکائی دے کر خود کو ان سے محفوظ رکھا تھا۔

گولیاں اُس کے سر کے اوپر سے گزر کر کاپٹر کے اندر داخل ہوئیں لیکن کوئی چیخ نہ ابھرنے کے سبب اُس نے اندازہ لگایا کہ رالسٹن اور اوشان بھی محفوظ ہیں۔

اُس نے دوسرا پاؤں اٹھایا اور اگلے ہی لمحے وہ کاپٹر کے اندر تھا۔

ٹھیک اُسی وقت تیسرا برسٹ فائر ہوا لیکن کاپٹر زمین چھوڑ چکا تھا۔ گولیاں اسکڈ کے نیچے سے نکلتی چلی گئی تھیں۔

"گڈ بوئی" ٹائیگر نے دروازہ بند کرتے ہوئے رالسٹن کو مخاطب کیا جو کاپٹر کو اوپر اٹھانے چلا جا رہا تھا۔ "بالآخر ہم کامیاب لوٹے ہیں۔"

رالسٹن نے کوئی جواب نہیں دیا۔

ٹائیگر بھاگ کر رالسٹن تک پہنچا۔ وہ اپنی نشست پر سیدھا بیٹھا تھا۔ اُس کا دایاں ہاتھ مخدوش حد تک ڈھیلا ہو اور بایاں اپنے سینے پر تھا۔

"تم زخمی ہو؟" ٹائیگر کا لہجہ سوالیہ تھا۔

رالسٹن نے بدقت تمام اثبات میں سر ہلایا۔ ٹائیگر نے آہستگی سے اُسے پیچھے بٹایا اور خود پائلٹ سیٹ پر آ گیا۔ کاپٹر اب تک ہزار فٹ بلند ہو چکا تھا۔ اُس نے کنٹرول سنبھال کر اُس کی بلندی کم کی اور رالسٹن سے مخاطب ہوا۔

"ہم بہ حفاظت لینڈ کر جائیں گے دوست، تم راستہ بتاؤ کہ کدھر جانا ہے؟"

اس بار رالسٹن سر بھی نہیں ہلا سکا تھا۔ ٹائیگر نے فوراً مینوئل کو آٹو میٹک پر کیا اور یہ دیکھنے کے لیے رالسٹن پر جھک گیا کہ وہ زندہ ہے یا مر گیا؟

نواب حیدر علی
الماس ایم اے ۔ قیمت:-/200

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"فکر نہ کرو، یہ زندہ ہے۔" اُسے اوشان کی آواز سنائی دی۔ "ہاں اگر جلد ہی اس کا علاج نہ کیا گیا تو پھر اس کی دھڑکن کی خفیف سی آواز بھی ختم ہو جائے گی۔"

ٹائیگر نے اثبات میں سر ہلایا اور دوبارہ کاپٹر کے کنٹرول پینل کی طرف متوجہ ہو گیا۔

وہ پائلٹ ضرور تھا لیکن اُسے بین الاقوامی یا اندرون ملک روٹس کا اندازہ نہیں تھا۔ اِس وقت صورتِ حال اِس لحاظ سے بھی خطرناک نہیں تھی کیوں کہ وہ کسی روٹ پر نہیں بلکہ ایک شہر پر پرواز کر رہا تھا جہاں ائرپورٹ کی تلاش کوئی زیادہ مشکل کام نہ تھا۔

وہ کاپٹر کو ڈائرے کی صورت شہر پر گھما رہا تھا۔ اُس کی نگاہیں شہر کی روشنیوں پر جمی تھیں۔ رن وے کی مخصوص روشنیاں دُور سے ہی نظر آجاتی ہیں اور ٹائیگر کو انہی روشنیوں کی تلاش تھی تاکہ کاپٹر اُتار سکے۔

بالآخر اُسے اپنی دائیں جانب ذرا فاصلے پر رن وے لائٹس نظر آ ہی گئیں۔ اُس نے کاپٹر کا رُخ اُسی طرف موڑ دیا۔

اُس کا ذہن عمارت کی طرف چلا گیا۔ اوشان نے جس ہینڈ گرنیڈ بردار کو کمرے میں پھینکا تھا اُس نے وہاں خاصی تباہی پھیلائی تھی۔ گرنیڈ پھٹنے سے جو آگ لگی تھی وہ یقیناً اب تک پھیل چکی ہو گی۔ فائر بریگیڈ اور پولیس کا عملہ وہاں پہنچ چکا ہو گا اور پریجرین کے ہیڈ کوارٹر کا راز طشت از بام ہو گیا ہو گا۔ وہاں پولیس کو بہت سے ایسے شواہد ملے ہوں گے جن سے پریجرین کی اصلیت کھل کر سامنے آسکتی تھی۔

پولیس کو اُس ہیلی کاپٹر کا علم بھی ہو گیا ہو گا جس نے ہوم سیونگز اینڈ لون بلڈنگ کی عمارت پر دوبارہ لینڈنگ کی تھی۔ وہ علاقے میں موجود اسکواڈ کاروں کی مدد سے کاپٹر کے تعاقب کی کوشش بھی کریں گے۔

ٹائیگر کا اصل مسئلہ پولیس نہیں تھی۔ اُسے تو وہ کسی بھی وقت بچہ دے سکتا تھا بلکہ اُس کے پیشِ نظر رالسٹن تھا جو اس وقت بے ہوش تھا۔ اُس نے ٹائیگر کا ساتھ دیا تھا اس لیے وہ چاہتا تھا کہ رالسٹن کو جلد از جلد کسی ایسی جگہ پہنچا دے جہاں سے اُسے طبی امداد کے لیے لے جایا جائے۔

کاپٹر اب ائرپورٹ پر پہنچ چکا تھا۔ وہ رالسٹن فلائنگ سروس کا ہیلی پیڈ بھی دیکھ چکا تھا لیکن اُس وقت وہ کاپٹر کو وہاں نہیں اُتارنا چاہتا تھا۔ پیڈ ائرپورٹ کی مرکزی عمارت سے کافی دُور تھا اور اس صورت میں امدادی جماعتوں کو وہاں تک پہنچنے میں کافی وقت لگ سکتا تھا جو رالسٹن کی زندگی کے لیے خطرناک ثابت ہوتا۔

اُس نے کاپٹر کا رُخ ائرپورٹ کے مرکزی ٹاور کی طرف موڑ دیا۔ وہاں لینڈنگ کی صورت میں کاپٹر فوری طور پر کنٹرول ٹاور کی نظر میں آجاتا اور وہاں سے غیر قانونی طور پر لینڈ کرنے والے کاپٹر کے لیے کوئی نہ کوئی گاڑی روانہ کر دی جاتی۔

اُس نے یہی کیا۔ کاپٹر ٹارمک اور ٹیکسی وے کے عین سنگم پر اُترا۔ انجن ٹائیگر نے زمین سے چند فٹ کی بلندی پر ہی بند کر دیے تھے۔

"لٹل فادر! بھاگیں۔" لینڈنگ اسکڈز نے جونہی زمین کو چھوا ٹائیگر پائلٹ سیٹ سے اُٹھ کھڑا ہوا۔

"بزدل۔" اوشان نے زیرِ لب کہا اور خارجی دروازے کی طرف بڑھا۔ ٹائیگر نے اپنی شان میں اوشان کا تبصرہ سن لیا لیکن یوں بن گیا جیسے اُسے اِس کا علم ہی نہ ہوا ہو۔

ٹائیگر اور اوشان تیز تیز قدموں سے رالسٹن کے ہیلی پیڈ کی طرف بڑھ رہے تھے جہاں اُن کی کار موجود تھی۔ ابھی وہ دو سو میٹر کے فاصلے پر ہی پہنچے تھے کہ اُنہیں سائرنوں کی کریہہ آوازیں سنائی دینے لگیں۔ ٹائیگر نے گردن موڑ کر دیکھا ائرپورٹ انتظامیہ کی تین گاڑیاں فلیش لائٹس جلائے سائرن بجاتی کاپٹر کی طرف بڑھ رہی تھیں جس نے روشنیوں، ریڈیو کانٹیکٹ اور اجازت کے اُس مقام پر لینڈ کیا تھا جہاں سے طیارے پرواز کے لیے روانہ ہوتے تھے۔

▬

ابھی ٹائیگر اور اوشان، مستانگ سے کچھ دُور ہی تھے کہ انہیں اندھیرے میں کوئی شخص کار کے نیچے گھستا نظر آیا۔ اتنے فاصلے سے وہ یہ تو نہ دیکھ سکے تھے کہ وہ کون ہے لیکن اوشان نے ٹائیگر کو بتا دیا تھا کہ وہ کوئی طویل قامت نوجوان ہے۔

"میں اُسے پہچانتا ہوں۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔

"مجھے علم نہیں تھا کہ تم پورٹ آرتھر آتے ہی اتنے رشتے دار پیدا کر لو گے۔" اوشان نے چوٹ کی۔

"رشتہ تو اب تک میں نے صرف کرسٹی سے ہی استوار کیا ہے۔" ٹائیگر نے معنی خیز انداز میں کہا۔

"اور اُس رشتے پر تمہیں ذرا بھی شرم نہیں آئی؟" اوشان نے طنز کیا۔ "ممکن ہے کار کے نیچے گھسنے والا اُسی کا کوئی غیرت مند بھائی ہو۔"

"یہ کینڈا ہے لٹل فادر، سنا نجو نہیں، انگریزوں نے اپنی ڈکشنری میں سوائے غیرت کے ہر لفظ کو شامل کیا ہے اس لیے اس کا امکان نہیں کہ وہ کرسٹی کا بھائی ہو، ہاں روبی کا بھائی ہو تو میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

ٹائیگر جواب دے کر فوراً آگے بڑھ گیا کیوں کہ اُسے علم تھا کہ اوشان اس کے جملے کا جواب ضرور دے گا جو سخت بھی ہو سکتا ہے۔

دونوں اُس شخص کے عین عقب میں جا کھڑے ہوئے تھے جو پُشت کے بل کار کے نیچے لیٹا تھیلے میں سے کسی قسم کے اوزار نکال رہا تھا۔

ٹائیگر نے نیچے جھک کر اُس کی دونوں ٹانگیں پکڑیں اور اُسے باہر گھسیٹ لیا۔

"اوہ!... سینڈی، مجھے ڈھونڈ رہے تھے؟" ٹائیگر نے خاکستری بالوں والے کو مخاطب کیا جو پورٹ آرتھر پہنچنے کے پہلے روز اُسے ائرپورٹ پر ملا تھا۔

"کون بے وقوف...؟" خاکستری بالوں والے نے غصے سے کہا لیکن جونہی اُس کی نظر ٹائیگر پر پڑی وہ اسپرنگ کی طرح اُچھل کر کھڑا ہو گیا۔ "اوہ... تم... ب... باس تم سے ملنا چاہتا ہے اس لیے میں تمہاری واپسی کا انتظار کر رہا تھا۔"

"کار کے نیچے لیٹ کر؟"

"وہ تمہیں ملازمت کی پیش کش کرنا چاہتا ہے۔" سینڈی نے اُس کے طنز پر توجہ نہیں دی۔ اُس نے کچھ اور کہنے کے لیے مُنہ کھولا لیکن پھر رُک گیا۔ اُسے اچانک یاد آگیا کہ ٹائیگر نے ذرا دیر پہلے اُسے اُس کا نام لے کر مخاطب کیا تھا۔

"تت... تم نے مجھے پہچان کیسے لیا؟"

"تم اگر مجھے نہیں بھول سکے تو کیا میں تمہیں کھانے والے کو بھول جاؤں گا۔" ٹائیگر مُسکرایا۔ "مجھے پنک پسی کیسینو کے فٹ بالچہ والا بچہ یاد ہے۔"

"مگر اب یہاں کیا کرنے آئے ہو؟"

"اس بار تمہیں صرف تھپڑ نہیں ماروں گا، کیوں کہ اب میرے واجب الادا قرضے کی رقم اور مالیت بڑھ گئی ہے۔" ٹائیگر نے ہاتھ بڑھا کر اُس کی گردن تھام لی۔ "اِس شہر میں سب سے پہلا حملہ تم نے مجھ پر کرایا تھا لیکن میں بچ نکلا۔ اب میری باری ہے اور مرنے سے پہلے میں تمہیں یہ بتا دوں کہ جس پر میں حملہ کرتا ہوں وہ بچ نہیں سکتا۔"

سینڈی نے کچھ کہنا چاہا لیکن ٹائیگر نے دُوسرا ہاتھ بھی اُس کے حلق پر جما دیا اور اس سے پہلے کہ نوجوان اپنی مدافعت میں ہاتھ چلاتا ٹائیگر نے ایک جھٹکے سے اُسے زمین سے اُٹھایا اور یوں گھما کر زمین پر دے مارا جیسے دھوبی کپڑے دھونے کے لیے کپڑے کو گھاٹ پر پٹختے ہیں۔

سینڈی کے حلق سے ایک طویل چیخ نکلی اور پھر سناٹا چھا گیا۔ زمین پر گرنے سے اُس کا نچلا دھڑ ٹکڑوں میں تقسیم ہو گیا تھا۔ ٹائیگر نے اُس کی گردن ایک طرف پٹخی اور کار کی طرف بڑھا۔

"تم قتل کے طریقے بھی بھولتے جا رہے ہو۔" اوشان نے پسنجر سائیڈ کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھتے ہوئے تبصرہ کیا۔ "میں غلط نہیں کہتا کہ تمہاری صلاحیتوں کو زنگ لگتا جا رہا ہے۔"

"آپ تو کہتے ہیں کہ سنا نجو میں سوائے سونے کے کچھ اور پایا ہی نہیں جاتا پھر زنگ کہاں سے آگیا؟" ٹائیگر نے کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھائی۔

"کیلوں کے ڈھیر میں کوئی ایک آدھ کیلا گلا سڑا بھی نکل ہی آتا ہے۔" اوشان کا انداز فلسفیانہ تھا۔ "ممکن ہے امریکیوں نے سونے کی ڈلیوں کے ڈھیر میں کوئی ڈلی لوہے کی بھی ڈال دی ہو؟"

"تو لاوٹ سنا نجو تک بھی جا پہنچی؟" ٹائیگر نے جواب دیا اور کار کا ریڈیو آن کر دیا۔ فوراً ہی مغربی موسیقی کار میں گونجنے لگی۔ اوشان کے چہرے پر کبیدگی کے تاثرات پھیل گئے۔

"موجودہ نسل کی تباہی کی بنیادی وجہ یہی موسیقی ہے جس میں وہ بزرگوں کی باتوں سے دامن چھڑا کر پناہ حاصل کرتے ہیں۔"

"درست کہا آپ نے۔" ٹائیگر نے اوشان سے اتفاق کیا۔ "لیکن جس نسل کے بزرگ ہر وقت ٹی وی میں گھسے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

رہیں گے وہ موسیقی نہیں سُنے گی تو اور کیا کرے گی؟"

"بدتمیز۔" اوشان خود پر براہِ راست تنقید سے کھسیا گیا ٹائیگر بھی مُسکرائے بغیر نہ رہ سکا تھا۔

کوئی دو چار منٹ تک ریڈیو سے موسیقی کی آواز اُبھرتی رہی۔ پھر ایک اناؤنسر نے مقامی خبروں کا اعلان کیا چند ہی ثانیوں بعد ایک لڑکی خبریں پڑھ رہی تھی۔

"رات کے دوسرے پہر رپورٹ آرتھر ہوم سیونگز اینڈ لون بلڈنگ کی دسویں منزل پر آگ، دھماکوں اور فائرنگ کے واقعات ہوئے لیکن پولیس اب تک جھیل کے مغربی کنارے پر واقع اِس عمارت میں ہونے والے ان واقعات کی وجہ معلوم نہیں کر سکی۔" نیوز ریڈر نے بتایا۔ "فائرمینوں کے مطابق بڑی حد تک آگ پر قابو پا لیا گیا ہے لیکن بالائی تینوں منزلیں آگ سے بُری طرح مُتاثر ہوئی ہیں۔ پولیس اور فائرمینوں کو تینوں منزلوں تک پہنچنے میں خاصی مُشکلات کا سامنا کرنا پڑا کیوں کہ وہاں تک جانے کا براہِ راست کوئی ذریعہ نہ تھا۔ فائرمینوں کو آگ تک پہنچنے کے لیے سیڑھیوں کے مُقفل دروازے توڑنے پڑے موقع پر موجود اسٹاف کے ارکان نے بتایا ہے کہ فائر بریگیڈ کے پہنچنے سے قبل ہی آگ کو پھیلنے سے روک دیا گیا تھا جبکہ ایک فائر آفیسر نے کہا ہے کہ یہ بعض حقائق کو چھپانے کی کوشش ہے۔ لیکن فائر ڈپارٹمنٹ اپنے طور پر تحقیقات کرے گا کہ آگ لگنے کی وجہ کیا تھی؛ پولیس رپورٹ کے مطابق موقع پر بہت سی جائیں بھی ضائع ہوئی ہیں۔ ایک رپورٹر کا کہنا ہے کہ اُس نے کم و بیش چھتیس لاشیں دیکھی ہیں لیکن عجیب بات یہ ہے کہ اُن میں سے کسی کے جسم پر گولی کا کوئی زخم نہیں بلکہ یوں لگتا ہے کہ انہیں خالی ہاتھوں سے تشدد کے ذریعے موت کے گھاٹ اُتارا گیا ہے، پولیس نے اس رپورٹ کی تصدیق یا تردید نہیں کی۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے پولیس حقائق پوشیدہ رکھنا چاہتی ہو۔ بعض عینی شاہدوں کے مطابق جب گیارہویں اور دسویں منزل پر آگ بھڑکی ایک ہیلی کاپٹر کو جس کی روشنیاں نہیں جل رہی تھیں عمارت کی طرف بڑھتے دیکھا گیا۔ عینی شاہد لڑکی کے مطابق اُس کے خیال میں کاپٹر نے ہوم سیونگز اینڈ لون بلڈنگ کی عمارت پر لینڈ کیا تھا لیکن وہ اس بارے میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتی۔"

نیوز ریڈر نے دُوسری خبریں پڑھنی شروع کر دیں تو ٹائیگر نے ریڈیو بند کر دیا۔

"ماشاءاللہ، ہمارا بیٹا کتنا ہونہار ہو گیا ہے۔" اوشان نے ٹائیگر کے شانے پر تھپکی دی لیکن ٹائیگر کچھ اور سوچ رہا تھا۔ وہ اُن تین کاپیوں کا مطالعہ کرنا چاہ رہا تھا جو وہ بنگلے سے لے کر آیا تھا۔

ہوٹل میں پہنچ کر دونوں کمرہ نمبر ۶۰۱ کی طرف بڑھے ٹائیگر نے دروازہ کھولا لیکن اندر داخل نہیں ہوا۔

"تم یقیناً ۶۰۲ میں جانا چاہ رہے ہو۔" اوشان نے دریافت کیا۔

"میں دراصل اُن تین کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہتا ہوں جو ساتھ لایا ہوں۔" ٹائیگر نے جواز پیش کیا۔ "میری خواہش ہے کہ آپ بے آرام نہ ہوں۔"

"تم نے میرا خیال کب سے رکھنا شروع کر دیا؟" اوشان نے پوچھا۔ "لڑکی کے کمرے میں جانے کا جواز بہت کمزور ہے۔"

"میں واقعی اُن تین کاپیوں کا مطالعہ..."

"تین نہیں چار۔" اوشان نے اُس کا جملہ کاٹا۔ "ایک کاپی وہاں بھی تو موجود ہے جسے تم پڑھنا چاہتے ہو۔"

ٹائیگر نے شرمندہ سی مُسکراہٹ سے اوشان کو دیکھا اور چابی اُسے تھما کر آگے بڑھ گیا۔

*

کرسٹی اُس کے انتظار میں جاگ رہی تھی۔ ٹائیگر کی دستک کے جواب میں اُس نے فوراً دروازہ کھول دیا۔

"ارے، تم تو فرمانبردار بیویوں کی طرح میری منتظر تھیں۔" ٹائیگر نے فقرہ چست کیا تو کرسٹی شرما کر اُس کی بانہوں میں سمٹ گئی۔

ٹائیگر یہ سوچے بغیر نہ رہ سکا کہ اگلی صبح جب وہ ہمیشہ کے لیے کرسٹی سے بچھڑ جائے گا تو وہ کیا کرے گی، لیکن یہ ٹائیگر کا دردِ سر نہیں تھا۔ وہ ہر کسی کو آگاہ کر دینا تھا کہ ہوا کا ایک ایسا جھونکا ہے جو گزر جائے تو واپس نہیں اور اگر کبھی آ بھی جائے تو اسے تقدیر کی مہربانی کے سوا کوئی نام نہیں دیا جا سکتا۔

ٹائیگر اُسے پھولوں کی طرح اُٹھا کر اندر لے آیا۔ "اب تم سو جاؤ، رات بہت گزر چکی ہے۔"

"اور تم، جان؟" کرسٹی نے لجا کر پوچھا۔

"مجھے ابھی بہت سے کام کرنے ہیں۔" ٹائیگر اُسے بستر پر فگر خود صوفے پر آ بیٹھا۔

کرسٹی چند لمحے محبت پاش نگاہوں سے اُسے دیکھتی رہی پھر اُس نے کروٹ لے کر آنکھیں مُوند لیں۔ ٹائیگر نے مطمئن انداز میں سر ہلایا اور اپنی کمر سے بندھی ہوئی تینوں کاپیاں کھول لیں۔

پہلی کاپی پے رول ریکارڈ تھا جس میں ورکروں کے نام اور اُن کی ہفتہ وار تنخواہوں کے اندراجات تھے۔ رقوم سے اندازہ ہوتا تھا کہ یہ مجرمانہ نوعیت کا کوئی کام تھا۔

اگلی کاپی میں میکسیکو سے خام ہیروئن کی درآمد سے لے کر مال گرل آپریشن تک مختلف کاموں اور آپریشنز کی تفصیلات درج تھیں۔

آخری لیجر کسی "آپریشن کرائیٹو" کے بارے میں تھا۔ شروع میں تو ٹائیگر کو یہ نام خاصا عجیب سا لگا لیکن پھر وہ اس کی تفصیلات پڑھتا چلا گیا۔ اُس میں ہر طرح کے کاموں اور اشیا کا اندراج تھا اور ٹائیگر کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ مختلف نوعیت کی یہ چیزیں کسی ایک ہی مقصد کے لیے کیوں کر خریدی گئی ہیں؛

پہلے صفحے پر ایک وضاحت بھی درج تھی کہ آپریشن کرائیٹو کا آغاز یکم جولائی کو ہوا اور تین سال کی مُدت میں مکمل ہو گا۔ اس میں لوکیشن بھی دی گئی تھی، ہوب آئی لینڈ جو رپورٹ آرتھر سے پانچ سو کلو میٹر دُور خلیج ہڈسن میں ساحلِ سمندر سے سات میل پرے واقع تھا۔ ہوب آئی لینڈ کے بالکل سامنے ساحل پر لارنس نامی شہر آباد تھا۔

خریداری کی فہرست میں ٹوتھ پیسٹ کے ڈبوں سے لے کر کپڑوں تک کے آئٹمز شامل تھے۔ ہر صفحے پر خرچ ہونے والی رقم کا میزان بھی تھا جس کے مطابق ان تمام اشیا پر تیس لاکھ ڈالر سے زائد رقم خرچ ہوئی تھی۔

ایک صفحے پر اُسے بعض لڑکیوں کے نام بھی نظر آئے تھے۔ باقی نام تو اُس کے لیے نئے تھے لیکن دو نام ایسے تھے جن پر اُس کی نگاہیں مرتکز ہو کر رہ گئی تھیں۔ ان میں سے ایک مالیا ٹیلر کا نام تھا اور دُوسرا ڈائنا میکسویل کا۔ دونوں کو ہی وہ جانتا تھا۔ مالیا کا نام ریچ کریسٹ کی رنگینیوں کے حوالے سے اُسے یاد تھا۔ اور وہ اُس کے بارے میں یہ بھی جانتا تھا کہ وہ وزارتِ انصاف کی جاسوس ہے جبکہ ڈائنا میکسویل روبی کا کوڈ نیم تھا جو وہ مختلف معرکوں میں استعمال کر چکی تھی۔

لڑکیوں کے ناموں کے ساتھ کسی قسم کی کوئی تفصیل درج نہیں تھی بس ٹائیگر نے خود ہی اندازہ لگایا تھا کہ یہ لڑکیاں اغوا ہونے والوں میں شامل ہوں گی۔ یہ پہلا کلیو تھا جو اب تک اُسے ملا تھا۔

اس نے کاپی بند کر کے میز پر رکھی اور کرسٹی کو دیکھا اس کی سانسوں کا زیر و بم بتاتا تھا کہ وہ بے خبر سو رہی ہے۔ ٹائیگر اُٹھ کر فون تک گیا اور آپریٹر سے ڈائریکٹ لائن مانگی۔ اگلے ہی لمحے وہ نمبر ڈائل کر رہا تھا۔

اُس نے تین مختلف نمبر ملائے بالآخر وہ صحیح ہسپتال تلاش کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

"یس، مسٹر رالسٹن کو آج رات داخل کیا گیا ہے؟" ہسپتال آپریٹر کی آواز اُسے سُنائی دی۔ "ابھی کچھ ہی دیر پہلے اُسے زخمی حالت میں یہاں لایا گیا تھا۔ میں اُس کے فلور کی نرس سے ملاتی ہوں۔"

"یس، دِس از فلور سکس۔" تھوڑی دیر بعد ایک نئی آواز آئی۔ "نرس لارا اسپیکنگ۔"

"میں الی نوائس سے ہڈ رالسٹن کا بھائی بات کر رہا ہوں۔" ٹائیگر آہستگی سے بولا۔ "ہم پریشان ہیں کہ رالسٹن کا کیا حال ہے۔ میری بھابی نے فون کر کے بتایا تو ہے لیکن اُس بے چاری کو خود زیادہ تفصیلات کا علم نہیں، وہ کیسا ہے؟"

"ہم آپ کو کچھ نہیں بتا سکتے سر!"

"ایسا کیوں؟ آخر کو میں اُس کا بھائی ہوں، اگر اُس کی حالت زیادہ خراب ہے تو ہم ہوائی جہاز کے ذریعے وہاں پہنچنے کی کوشش کریں۔"

"میرا خیال ہے کہ اتنا کچھ تو میں آپ کو بتا ہی سکتی ہوں۔" نرس نے جواب دیا۔ "گولی اُس کے سینے میں بائیں جانب لگی ہے اور اہم وریدوں کو نقصان پہنچاتی ہوئی شانے تک پہنچی ہے۔ اُس کا خون خاصی مقدار میں ضائع ہوا ہے لیکن اب اُس کی حالت خطرے سے باہر ہے۔ اُسے تین چار دن میں ڈسچارج کر دیا جائے گا لیکن کم از کم تین ہفتے وہ بستر پہ گزارے گا۔"

"تھینک یو لیڈی۔" ٹائیگر نے ریسیور کو چُوم کر شکریے کا اظہار کیا۔ "میں ایک آدھ روز میں فون کر کے اُس کی خیریت معلوم کر لوں گا۔"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ٹائیگر نے ریسیور کریڈل پر رکھا اور گھڑی کی جانب دیکھا صبح کے پانچ بج رہے تھے۔ کرسٹی ہنوز بے سُدھ سو رہی تھی اور اُسے یقین تھا کہ کوئی گڑبڑ نہ ہوئی تو وہ دوپہر تک سوتی رہے گی اور اُس وقت تک ٹائیگر، لارنس پہنچ چکا ہوگا۔

اُس نے کاغذ قلم لے کر کرسٹی کے نام الوداعی پیغام لکھا اور جیب سے تین ہزار ڈالر نکال کر میز پر رکھ دیے۔ اُس نے کرسٹی پر اک آخری نگاہ ڈالی اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

رات کے ایک بجے ٹائیگر اور اوشان کرائے کی کار میں لارنس کے ساحلی علاقے کی طرف بڑھ رہے تھے۔

دونوں دوپہر کو بیچ کرافٹ سے لارنس کے چھوٹے سے ائرپورٹ پر اُترے تھے۔ اوشان ٹائیگر کے اصرار پر اپنے صندوق رائل ہوٹل میں چھوڑنے کو تیار ہو گیا تھا لیکن اپنا ٹی وی اُس نے ساتھ لے لیا تھا۔

یہاں اُنہوں نے بیچ کرافٹ ہی موٹل میں کمرہ بک کروایا اوشان تو فوراً ٹی وی کھول کر بیٹھ گیا کہ یہ اُس کی تفریح کا وقت تھا لیکن ٹائیگر شہر گھومنے اور ساحلی علاقے کا جائزہ لینے باہر نکل گیا تھا۔ دو گھنٹے بعد جب وہ لوٹا تو بندرگاہ کا پورا نقشہ اُس کے ذہن میں تھا۔

"ہم ٹھیک ایک بجے موٹل سے ساحل کی جانب روانہ ہوں گے۔" ٹائیگر نے اوشان کو آگاہ کیا۔ "اور پھر وہاں سے لانچ کے ذریعے ہوب آئی لینڈ جائیں گے۔"

"لانچ حاصل کر لی؟" اوشان نے دریافت کیا۔

"وہ فوری طور پر حاصل کی جا سکتی ہے۔"

"کرائے پر؟"

"نہیں، چرائیں گے۔" ٹائیگر نے جواب دیا اور اوشان نے چونک کر اُسے دیکھا۔

"میں ایسے غلط کاموں میں تمہارا ساتھ نہیں دے سکتا۔" اُس نے فیصلہ کُن انداز میں کہا۔

"نوسوچو ہے کہ اگر جی جج کو چلی والی حکایت غالباً آپ کے بارے میں ہی ہے، رشل فادر!" ٹائیگر نے جل کر کہا۔

"تم ماسٹر آف سنانجو کو چوہوں اور بلیوں سے تشبیہ دے رہے ہو، میں اس بدتمیزی ..."

"میں نے تو صرف یہ کہا تھا آپ خود چوہوں سے رشتے داری پر تلے بیٹھے ہیں تو میں کیا کر سکتا ہوں؟" ٹائیگر نے کندھے اُچکائے۔ "اور پھر وہ تو ایک مثال تھی جس کا مقصد ہے کہ آدمی بہت سے گناہ کر کے توبہ کی طرف رجوع کرے۔"

"میں تمہیں اکثر و بیشتر سنانجو کی تاریخ کے بارے میں بتاتا رہتا ہوں۔" اوشان نے کہنا شروع کیا۔ وہ فوری طور پر بلیوں اور چوہوں کا تذکرہ بھول گیا تھا۔ "یہ تاریخ ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے جن میں گناہوں اور ثواب کے ساتھ ساتھ توبہ کا ذکر بھی ملتا ہے۔ اب یہی لے ماسٹر....."

"اُس کا نام ہوگا، بولنے والے کو سو دُرّے لگائے جائیں گے۔" ٹائیگر نے مجملہ اُچکا۔

"خاموش، بے اَدب، یہ کیا نام ہوا؟"

"کوریائی زبان میں می یونی چنگ تی تو کا مطلب یہی نکلے گا کہ بولنے والے کو سو دُرّے لگائے جائیں گے۔" ٹائیگر نے ہنس کر کہا لیکن اوشان کر کرا ہونے والوں میں سے نہیں تھا۔ اُس نے چند ثانیے توقف کے بعد داستان دوبارہ شروع کر دی۔ ٹائیگر کو یوں بھی رات ایک بجے تک وقت گزارنا تھا۔ اُس نے یہی سوچا کہ یونہی سہی وقت تو گزر ہی جائے گا خواہ جمائیاں لیتے ہوئے ہی کیوں نہ گزرے۔

جب ٹائیگر نے ساحل پر کار روکی اُس وقت ایک بج کر پندرہ منٹ ہو چکے تھے۔ اُس نے کار لاک کی اور اوشان کے ساتھ گودی کی طرف بڑھا جہاں بھانت بھانت کی کشتیاں اور موٹر بوٹس کھڑی تھیں۔

اوشان تو ایک جانب کھڑا ہو گیا لیکن اُس نے پیشہ ور چوروں کی مانند جھک جھک کر کشتیاں اور موٹر بوٹس کا جائزہ لینا شروع کر دیا۔ بالآخر پندرہ منٹ بعد وہ اپنے مطلب کی کشتی ڈھونڈنے میں کامیاب ہو گیا۔ کشتی تلاش کر کے وہ اوشان کو بُلانے لوٹا تو اُس کے بالکل قریب ایک شخص بے حس و حرکت زمین پر گرا ہوا تھا

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"کیا مطلب؟"

"مطلب تو سیدھا سادا ہے، میں یہاں صرف آپ کو چھوڑ کر گیا تھا لیکن واپس آیا تو آپ ایک سے دو ہو چکے ہیں مگر رشل فادر، مجھے حیرت ہے، بظاہر ایسے آثار تو نظر آتے تھے، پھر ٹیک بریک....."

"بکومت۔" اوشان نے بُرا سا منہ بنایا۔ "یہ گودی کا چوکیدار ہے جو تمہیں تلاش کرتا پھر رہا تھا۔ اس نے تمہیں لانچوں کی سمت جاتے دیکھ لیا تھا۔ اس لیے میں نے اُسے خاموش کر دیا۔"

"اچھا کیا آپ نے وضاحت کر دی۔" ٹائیگر نے بڑے بوڑھوں کے انداز میں سر ہلایا۔ "ورنہ میں تو سمجھا تھا کہ خُدانخواستہ جنس کی تبدیلی کے اثرات آپ تک بھی پہنچ گئے۔ خیر اللہ کا شکر ہے کہ حالات کنٹرول سے باہر نہیں ہوئے ... میں اسے ٹھکانے کر ایک جانب ڈال دیتا ہوں، آپ تشریف لے چلیں۔" اُس نے موڑ لانچ کی طرف اشارہ کیا جسے اُس نے اپنے سفر کے لیے منتخب کیا تھا۔

وہ ایک چوبیس فٹ لمبی اسپیڈ بوٹ تھی جس میں ایک پلاننگ ہل اور ایک چھوٹا سا فلائنگ برج بھی تھا اس کا اندازہ تھا کہ اس کی رفتار کم و بیش اڑتیس ناٹ ضرور ہو گی۔ ٹائیگر نے بوٹ پر سوار ہو کر پہلے فیول چیک کیا۔ ٹینک نصف سے زیادہ بھرا ہوا تھا جو آنے جانے کے لیے کافی تھا۔

بوٹ اسٹارٹ کرنے میں اُسے بمشکل ایک منٹ لگا۔ دو منٹ تک اُس نے انجن کو وارم اَپ کیا اور اُس کے بعد اُسے خلیج ہڈسن کے پانیوں کی طرف چلانے لگا۔

اُسے ہوب آئی لینڈ کی صحیح لوکیشن کا علم نہیں تھا۔ اس لیے پہلے وہ دو میل تک شمال کی جانب گیا اور پھر اُس نے نوّے کے زاویے پر ایک ٹرن لیا اور جنوب کی سمت چل پڑا۔ اس طرح وہ گھنٹے بھر تک سمندر میں پھرتا رہا لیکن ابھی تک اُسے کچھ بھی نظر نہ آیا تھا۔

جزیرہ ڈھونڈنے کا طریقہ اُس نے یہی نکالا تھا کہ پہلے وہ ایک سمت میں کشتی لے جاتا اور پھر اُسے موڑ کر مخالف سمت لے جاتا۔ اُس وقت بھی اُس نے یہی کیا۔ جونہی اُس نے کشتی کو مشرق کی طرف موڑا اوشان ایک دم چلّا اٹھا۔

"روکو!"

"کیا ہوا رشل فادر؟" اُس نے مڑ کر اوشان کو دیکھا۔

"جزیرہ آ گیا ہے۔" اوشان نے اُسے سامنے کی طرف متوجہ کیا۔

ٹائیگر نے آنکھیں پھاڑ کر دیکھا۔ اندھیرے میں ایک سیاہ سی لکیر نظر آ رہی تھی۔ اُس نے بوٹ کا انجن فوراً بند کر دیا اگر وہ تھوڑی سی تاخیر بھی کرتا تو بوٹ سیدھی جزیرے سے جا ٹکراتی۔

وہ تھا تو ساحل ہی لیکن ٹائیگر کو اُسے دیکھ کر بڑی مایوسی ہوئی تھی۔ اُسے توقع تھی کہ جزیرے پر روشنی ہو گی۔ عمارتیں، خاردار باڑیں اور سرچ لائٹس نصب ہوں گی لیکن وہاں تو ان میں سے کچھ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔

آسمان پر چاند روشن تھا لیکن پورا جزیرہ دُھند میں لپٹا ہوا تھا اس لیے چاندنی بھی کوئی خاص مددگار ثابت نہ ہو رہی تھی۔ ساحل کے اردگرد اُتھلے پانی میں نرسل کے قدِ آدم پودے اُگے ہوئے تھے جن کے باعث ساحل کی زمین نظر نہ آتی تھی۔

ٹائیگر نے انجن دوبارہ اسٹارٹ کیا اور جزیرے کے گرد ایک چکر لگایا۔ اُسے ایک ایسی جگہ نظر آ گئی جہاں سے بوٹ کو ساحل کے زیادہ سے زیادہ قریب پہنچایا جا سکتا تھا۔ اُس نے بوٹ اس تنگ سے چینل میں کھڑی کر دی اور اوشان کو پانی میں کُودنے کا اشارہ کیا۔

"چلیے، رشل فادر! کبھی سال میں ایک آدھ بار نہا بھی لیا کریں۔"

"تمہارے ساتھ رہوں گا تو یہی کرنا پڑے گا۔" اوشان نے قبا اُٹھائی اور گھٹنے گھٹنے پانی میں کُود گیا۔ ٹائیگر اُس کے ساتھ ساتھ تھا۔ چند منٹ بعد دونوں خشکی پر موجود تھے۔

جزیرے پر دُھند کی تہ اتنی موٹی نہیں تھی۔ چند گز کے فاصلے تک بخوبی دیکھا جا سکتا تھا۔ ٹائیگر کو ابھی تک صرف پہاڑی چٹانیں ہی نظر آئی تھیں۔ وہ کچھ اور آگے بڑھے تو دُھند کی چادر مزید ہلکی ہو گئی۔ اَب جزیرے کا ماحول واضح دکھائی دے رہا تھا۔

"کیا بھوتوں کے بسیرے میں لے آئے ہو؟" اوشان نے ایک چٹان کو پھلانگتے ہوئے کہا۔

"آپ کا اپنا گھر ہے مسٹر فادر۔" ٹائیگر نے عادت کے مطابق طنزیہ جواب دیا۔ "آپ کو تو میرا شکر گزار ہونا چاہیئے کہ میں آپ کو آپ کے گھر واپس لے آیا ہوں۔"

اوشان جواب میں خاموش رہا۔ اس وقت اُس کا ذہن صورتِ حال کا تجزیہ کر رہا تھا۔ ٹائیگر بھی یہی سوچنے لگا کہ تیس لاکھ ڈالر اس جزیرے پر خرچ کیے گئے ہیں لیکن ابھی تک ایک ڈالر کے خرچ کا بھی ثبوت نہیں ملا تھا۔

جزیرے پر سکیورٹی ہونی چاہیئے تھی مگر خفیہ یا باقی سنسرز کے کوئی آثار نظر نہیں آئے تھے۔ اگر برقی باڑ ہوتی تو اوشان اور ٹائیگر کے حساس کان برقی رو کی آمد درفت ضرور محسوس کر لیتے۔ یہ بھی ممکن تھا کہ اجنبی آوازوں کو گرفت میں لینے والے آلات یہاں نصب کیے گئے ہوں لیکن ابھی تک ان کے بھی آثار نہیں ملے تھے۔

تھوڑی تھوڑی دیر بعد ٹائیگر اور اوشان رُک کر آہٹ لینے کی کوشش کرتے لیکن فضا میں اُن کی اپنی سانسوں کے علاوہ کوئی آواز نہ تھی۔

ایک چٹان کی آڑ سے جونہی وہ سامنے آئے دائیں جانب سے ایک جسم بے آواز اوشان پر کُودا۔ ٹائیگر نے لمبے بالوں اور اندھیرے میں چمکتے ہوئے سفید سفید دانتوں سے اندازہ لگایا کہ وہ کوئی خونخوار گتا ہے جس نے براہِ راست اوشان کے نرخرے پر حملہ کیا تھا، لیکن گتا جتنی تیزی سے اوشان کی طرف گیا اُتنی ہی تیزی سے واپس چٹان کے ساتھ جا ٹکرایا۔

اوشان ذہنی اور جسمانی طور پر کسی بھی واقعہ کے لیے پوری طرح تیار تھا۔ جونہی گتے نے اُس پر چھلانگ لگائی اُس کا دایاں ہاتھ حرکت میں آیا۔ کھڑی ہتھیلی کی ضرب اُس کی گردن پر پڑی اور گتا بے آواز چٹان سے جا ٹکرایا۔ اُس کی گردن جسم سے الگ ہو کر دُور جا گری تھی۔

ٹائیگر نے قریب جا کر گتے کا معائنہ کیا وہ جرمن شیفرڈ تھا۔ اوشان کی جگہ کوئی اور ہوتا تو اس وقت اُس کے ٹکڑے اِدھر اُدھر بکھرے ہوتے۔

ٹائیگر نے دوبارہ ارد گرد کا جائزہ لیا۔ اوشان ذرا فاصلے پہلے کی مانند ایستادہ تھا۔ اُس کے کسی انداز سے یہ ظاہر نہیں ہو رہا تھا کہ ابھی ابھی اُس نے ایک خوفناک

کتے کو موت کے گھاٹ اُتارا ہے۔ اُس کے علاوہ ہنوز کسی کی موجودگی کے آثار نہیں تھے۔ کتے کو یقیناً زیرِ زمین پناہ گاہ سے خفیہ اور خودکارانہ طریقے سے آزاد کیا گیا تھا۔ اُسے تربیت ہی اس امر کی دی گئی ہوگی کہ ہر اجنبی شے کو تباہ کر دو۔

اس کا مطلب تھا کہ جزیرے پر کسی قسم کے خفیہ سنسرز موجود تھے۔ اُن کی یہاں آمد محسوس کر لی گئی تھی۔ لیکن سوال تھا کہ کس طرح؟ اُس نے جُھک کر درمیانے سائز کا ایک پتھر اُٹھایا اور اُسے سامنے کی سمت اچھال دیا۔ کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ اُس نے کچھ اور پتھر اُٹھائے اور یکے بعد دیگرے مختلف سمتوں میں اُچھالتا چلا گیا۔

اوشان خاموشی سے اُس کی کارروائی دیکھ رہا تھا۔ اُس کی نگاہیں بھی سامنے کی چٹانوں کا وقتاً فوقتاً جائزہ لے رہی تھیں۔ ابھی تک کچھ بھی ظاہر نہیں ہوا تھا۔

ذرا سے توقف کے بعد ٹائیگر نے دوبارہ کچھ پتھر اُٹھائے اور انہیں دائیں سمت اُچھال دیا۔ ایک سیکنڈ سے بھی کم وقفے میں سامنے کی بلند و بالا چٹان میں دو مربع فٹ کا ایک پتھر اُوپر اُٹھا اور اُس کے عقب سے سیاہ رنگ کا ایک کتا نکل کر اُس طرف لپکا جدھر پتھر گرے تھے۔

کتے نے اُس مقام کو سونگھا۔ پھر اُس نے گردن اُٹھائی اور چاروں طرف کسی کی موجودگی محسوس کرتا رہا۔ بالآخر وہ اُس سمت چلا جدھر ٹائیگر اور اوشان موجود تھے۔ وہ چند قدم آگے بڑھا۔ ٹائیگر پوری طرح تیار تھا لیکن حیرت انگیز طور پر وہ نصف راستے سے ہی پلٹا اور اُس سوراخ میں غائب ہو گیا جس سے برآمد ہوا تھا۔ سنگی سلیب دوبارہ اپنی اصل حالت میں واپس آ گئی۔ یقیناً اُسے کسی میکنزم سے آپریٹ کیا جاتا تھا۔

ٹائیگر کو حیرت تھی کہ اگر کتے نے اُس کی بُو محسوس کر لی تھی تو وہ اُس پر حملہ آور کیوں نہیں ہوا؟ ممکن ہے اُسے یعنی کتے کو کسی ذریعے سے واپسی کی ہدایت کی گئی ہو اور کتے نے اس ہدایت پر عمل کیا ہو؟ اگر ایسی بات تھی تو جانوروں کو تربیت دینے والا شخص اپنے فن میں واقعی باکمال تھا۔

ٹائیگر اور اوشان ابھی کتے میں ہی اُلجھے ہوئے تھے کہ بائیں جانب سے ایک سرچ لائٹ روشن ہو گئی۔ وہ بھی یقینی طور پر زمین سے اُبھری تھی اور دونوں کو ارد گرد کا اچھا خاصا علاقہ روشن کر دیا تھا۔ ٹائیگر نے سرچ لائٹ کا جائزہ لیا۔ اوشان کی نگاہیں بھی اُس کی جانب اُٹھ گئی تھیں۔

سرچ لائٹ کے باوجود پہلے نظر نہیں آئی تھی۔ سرچ لائٹ باقاعدہ گھوم رہی تھی اور دُور دُور تک اس کی روشنی جا رہی تھی۔ ٹائیگر نے اس قدر طاقتور سرچ لائٹ پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ بلا مبالغہ اُس کی روشنی دس لاکھ موم بتیوں کی روشنیوں کے برابر تھی۔

اس بار اوشان نے جُھک کر ایک پتھر اُٹھایا اور سرچ لائٹ کی طرف دے مارا۔ اگلے ہی لمحے شیشہ ٹوٹنے کی آواز سُنائی دی۔ سرچ لائٹ کرچی کرچی ہو کر اِدھر اُدھر بکھر گئی اور جزیرہ ایک بار پھر اندھیرے میں ڈوب گیا۔

ابھی دونوں کی نگاہیں اندھیرے کی عادی ہوئی ہی تھیں کہ بالکل سامنے واقع ایک چٹان پھٹی اور دو افراد مکمل جنگی لباس میں نمودار ہوئے۔ وہ ٹائیگر اور اوشان سے کوئی پچاس میٹر دُور تھے۔ دونوں نے باہر نکلتے ہی خود کو زمین پر گرا لیا لیکن اُن کی رائفلوں کی نالیاں ٹائیگر اور اوشان کو سامنے دکھائی دے رہی تھی۔

ابھی تک اُن کی جانب سے کوئی ردِعمل نہیں ہوا تھا۔ شاید وہ باہر سے آنے والوں کی جانب سے کسی عمل کے منتظر تھے۔ لیکن ٹائیگر اور اوشان خاموش ہی رہے۔ کوئی حرکت کرنے کے بجائے دونوں نے خود کو ایک چٹان کے پیچھے کر لیا۔

چٹان سے باہر نکلنے والے کچھ دیر انتظار کرتے رہے لیکن جب اِدھر خاموشی رہی تو وہ آگے بڑھے۔ انہیں علم نہیں تھا کہ ٹائیگر اور اوشان کس جگہ چھپے ہیں۔ رائفلیں اُنہوں نے تان رکھی تھیں اور اُنگلیاں ٹرائیگر پر تھیں تاکہ فوری طور پر فائرنگ ہو سکے لیکن اس کی نوبت ہی نہ آئی۔ جوں ہی وہ رینگتے ہوئے ٹائیگر اور اوشان کے قریب سے گزرے دونوں بیک وقت آگے بڑھے اور اگلے ہی لمحے رائفل بردار اُن کے ہاتھوں میں پتوں کی مانند پھڑپھڑا رہے تھے۔

ٹائیگر اور اوشان نے صرف ایک ایک چٹکا دیا اور دونوں رائفل برداروں کی گردنیں بغیر آواز نکالے جھول گئیں۔ اُن کی گردنوں کی ہڈیاں ٹوٹ گئی تھیں۔ رائفلیں اُنکے ہاتھوں سے چھوٹ کر چٹانوں پر گر پڑی تھیں۔

اُنہوں نے رائفل برداروں کے مُردہ جسم ایک جانب دھکیلے اور آگے بڑھے۔ ٹائیگر نے ایک بار پھر پتھر پھینکنے کی تکنیک استعمال کی تھی۔ غور آ ہی ایک جانب بلند چٹان میں دو مربع فٹ کا ایک روزن نمودار ہو گیا جس

تصویر

قسط نمبر 150

میں سے بھاری مشین گن کی بیرل جھانک رہی تھی۔ ساتھ ہی طاقتور لاؤڈ اسپیکر آن ہونے کی کلک اُبھری تھی۔

"تمہارے مشن کی کامیابی کا کوئی امکان نہیں۔" لاؤڈ اسپیکر پر ایک بھاری بھرکم مردانہ آواز سُنائی دی۔ "ہم اندازہ لگا چکے ہیں کہ جزیرے پر لینڈ کرنے والی فورس کی تعداد کتنی ہے، تمہیں مکمل طور پر گھیرے میں لیا جا چکا ہے اپنے آدمیوں سے کہو کہ وہ ہتھیار پھینکا لیں اور انہیں نیلی روشنی کے سامنے ڈال دیں جو ابھی ذرا دیر میں تمہارے سامنے روشن ہو گی ہم نے تمہاری فوج کے ہر ہر آدمی کی کوشن الیکٹرک سنسرز اور انفراریڈ ریڈار اسکینرز کی مدد سے ڈھونڈ نکالی ہے اور ہر شخص کو کمپیوٹر کی مدد سے چلنے والے خودکار ہتھیاروں نے اپنے نشانے پر لے رکھا ہے۔ اگر تیس سیکنڈ کے اندر اندر تم نے ہتھیار نہ ڈالے تو خودکار رائفلوں اور بھاری مشین گنوں کی مدد سے علاقے پر گولیوں کی بارش کر دی جائے گی جس میں کوئی شخص زندہ نہ بچ سکے گا۔"

ٹائیگر اور اوشان کی نگاہیں سامنے والی بلند چٹان پر مرکوز تھیں جس پر اچانک ہی نیلی روشنی نظر آنے لگی تھی۔

* ٹائیگر کو یقین تھا کہ فائرنگ کی دھمکی محض مرعوب کرنے کی ایک کوشش ہے۔ ظاہر ہے پورے جزیرے پر فائرنگ ناممکن سی بات تھی کیوں کہ جزیرہ اونچی نیچی چٹانوں سے بھرا ہوا تھا۔ وہ خاموش رہ کر تیس سیکنڈ گزارنا چاہتا تھا تاکہ ہتھیار نہ ڈالنے کا ردِعمل دیکھ سکے۔ ویسے اُسے بولنے والے کی اس بات پر ہنسی ضرور آئی تھی کہ حملہ آور فوج کے ہر رُکن کو نشانے پر لیا جا چکا ہے۔

جُونہی تیس سیکنڈ ختم ہوئے فضا فائرنگ سے گونج اٹھی کئی گولیاں اُن چٹانوں میں بھی آ کر لگی تھیں جن کے عقب میں ٹائیگر اور اوشان موجود تھے۔ ٹائیگر نے دیکھا کہ چٹان میں ایک اور روزن نمودار ہو گیا تھا۔ فائرنگ باری باری

Scanned with CamScanner

دونوں سوراخوں سے ہوئی اور تقریباً تیس سیکنڈ جاری کے بعد بند ہوگئی۔

ٹائیگر نے چٹان کے عقب سے نکل کر دوبارہ سامنے کا جائزہ لیا۔ ایک چٹان میں سے کوئی آٹھ فٹ اونچی سلیب ایک جانب ہٹی اور دس مسلح افراد بھاگتے ہوئے باہر نکلے۔ ابھی وہ چند قدم آگے ہی بڑھے تھے کہ ٹائیگر نے عقب سے ایک سایہ اُن میں سے ایک شخص کی طرف بڑھتے دیکھا۔ قبا سے ٹائیگر نے پہچان لیا کہ وہ اوشان تھا۔

اوشان نے عقب سے اُس شخص کو پکڑا اور اُٹھا کر اُس کے باقی ساتھیوں پر دے مارا۔ اتفاق سے وہ اُس شخص پر جا گرا جو عین اُس وقت ہینڈ گرنیڈ کی حفاظتی پن نکال رہا تھا۔ وہ ہینڈ گرنیڈ سمیت ڈھلوان پر لڑھک گیا۔ ٹھیک اُسی لمحے کان پھاڑ دینے والا ایک دھماکہ ہوا اور فضا چیخوں سے بھر گئی۔ گرنیڈ پھٹ گیا۔ تین افراد کے چیتھڑے اُڑ گئے جن میں گرنیڈ کی پن نکالنے والا اور اُس پر گرنے والا بھی شامل تھے۔ دو افراد شدید زخمی ہو کر چٹان پر لڑھک گئے۔ جبکہ باقی باغیوں نے چٹان کے عقب میں پناہ لے لی۔ وہ بالکل خاموش تھے، شاید مزید ہدایات کا انتظار کر رہے تھے۔

ٹائیگر بڑے بڑے پتھروں کی آڑ لیتا انداز سے مسلح افراد کے عقب میں جا پہنچا۔ اُس نے چند ثانیے اِرد گرد کا جائزہ لیا اور پھر اُس کی عقابی آنکھوں نے دو رائفل برداروں کو پیٹ کے بل لیٹے دیکھ لیا۔ انہوں نے اپنی رائفلیں اُس جانب تان رکھی تھیں جہاں کچھ دیر قبل ٹائیگر موجود تھا۔

ٹائیگر کے ہونٹوں پر سفاکانہ مسکراہٹ تیر گئی۔ اُس نے ذومعنی انداز میں سر ہلایا اور آگے بڑھا۔ اب وہ اُن دونوں کے عقب میں نسبتاً بلند چٹان پر موجود تھا۔ اس نے پانچ میٹر نیچے لیٹے رائفل برداروں پر ایک نگاہ ڈالی اور نیچے چھلانگ لگا دی۔

اُس کے دونوں پیر بیک وقت دونوں رائفل برداروں کی کمروں پر پڑے۔ اُن کی کریہہ چیخوں کے ساتھ ہی پسلیاں کی آوازیں اُبھریں۔ اُن کی ریڑھ کی ہڈیاں ٹوٹ گئی تھیں۔ اُن کا خون اور گوشت کے لوتھڑے اِدھر اُدھر چٹانوں پر بکھر گئے۔ ٹائیگر کے جوتے اور پتلون کے پائنچے بھی خون میں لتھڑ گئے لیکن اِس وقت اُسے ان چیزوں کی پروا نہیں تھی۔

ابھی وہ الگ ہٹ کر باقی تین افراد کی تلاش میں نگاہیں دوڑا ہی رہا تھا کہ اُسے دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں سُنائی دیں۔ یقینی طور پر باقی تینوں مسلح افراد اپنی زیرِ زمین کمین گاہ میں واپس جا رہے تھے۔ ممکن ہے انہیں واپسی کی ہدایات دی گئی ہوں۔

اُسی وقت ایک گڑگڑاہٹ کی آواز سُنائی دی۔ ٹائیگر نے دائیں جانب دیکھا۔ ایک اور پتھریلی سلیب اپنی جگہ سے کھسک گئی تھی۔ ساتھ ہی اِرد گرد کی چٹانوں پر کئی سرچ لائٹس جل اُٹھیں۔ ٹائیگر فوراً ایک چٹان کی آڑ میں ہو گیا لیکن وہ پچاس کیلبر کی اُس مشین گن کی جھلک دیکھ چکا تھا۔ جو نمودار ہونے والے نئے مورچے سے باہر جھانک رہی تھی۔

دو سیکنڈ بعد ہی پورا علاقہ مشین گن فائر سے گونج اُٹھا۔ گنر شاید پاگل ہو گیا تھا یا شاید فائرنگ بٹن پر اُنگلی رکھ کر اُٹھانا بھول گیا تھا۔ فائرنگ تسلسل کے ساتھ تین منٹ جاری رہی۔ پھر خاموشی چھا گئی۔ ٹائیگر نے گردن نکال کر مشین گن کی طرف دیکھا۔ اُسے مشین گن اور اُس کا گنر تیزی سے نیچے لڑھکتے نظر آئے۔ گنر کے حلق سے بے اختیار بلند چیخیں برآمد ہو رہی تھیں۔ مشین گن کے پتھروں سے ٹکرانے کی آواز بھی خاصی بھیانک تھی۔ گنر کی چیخیں محض چند ثانیے جاری رہیں اور پھر خاموشی فضا پر مسلط ہو گئی۔ یقیناً گنر کی رُوح جہنم کی طرف سفر کا آغاز کر چکی تھی۔

ٹائیگر کو اُس جگہ جہاں ذرا دیر پہلے گن نصب تھی ایک قبا ہوا میں پھڑپھڑاتی نظر آئی۔ وہ اوشان تھا جس نے گن اور اُس کے گنر کو اُٹھا کر چٹان سے نیچے پھینک دیا تھا۔

ٹائیگر آڈے نکل کر اوشان کی طرف بڑھا اور اُسی وقت اِرد گرد کی چٹانوں پر روشن ہو جانے والی تمام سرچ لائٹس بیک وقت بجھ گئیں۔

"اب کیا، کیا جائے بسمل فادر؟" ٹائیگر نے اوشان کے قریب پہنچ کر سوال کیا۔ اُس نے یہ سوچ کر رہیل کی تھی کہ اوشان اُسے سُست قرار دے کر کہیں اُس کی گوشمالی نہ شروع کر دے مگر اوشان کہاں بھولنے والا تھا۔

"اگر میں نہ ہوتا تو اب تک تم بھوننے جا چکے ہوتے؟" اوشان کا انداز طنزیہ تھا۔

"یہ بھی اچھا ہوتا۔" ٹائیگر نے طویل سانس لے کر بہ ظاہر بے پروائی سے کہا۔ "میں نے سُنا ہے کہ جزیرے کے باسی بھنی ہوئی انسانی رانیں بڑے ذوق و شوق سے کھاتے ہیں اور پھر میری ....."

"لیکن سنا بجو میں ایسی بھنی ہوئی رانیں گتوں کے آگے ڈال دی جاتی ہیں۔" اوشان نے بات کاٹی۔

"ساتھ دہی بھی ضرور ہوتی ہو گی؟"

"ہاں، لیکن زہر آلود۔" اوشان نے زہر خند سے جواب دیا تو ٹائیگر بغلیں جھانکنے لگا۔ اوشان اُسے کچھ اور لتاڑتا لیکن اللہ بھلا کرے لاؤڈ اسپیکروں کا کہ وہ آن ہو گئے۔

"حملہ آور فورس کے لیے یہ آخری وارننگ ہے۔" کرخت مردانہ آواز سُنائی دی۔ "تمہارا گروپ ہمارے مقابلے میں بہت چھوٹا ہے، ہم کہیں زیادہ تعداد میں سکیورٹی فورس بھیج کر تم لوگوں کو سمندر میں دھکیل سکتے ہیں لیکن فی الحال ایک اور طریقہ آزمانے کا فیصلہ کیا گیا ہے کیوں کہ ہم مکمل طور پر محفوظ ہیں اور اس بات کا کوئی امکان نہیں کہ تم ہماری زیرِ زمین پناہ گاہ میں داخل ہو سکو اور پھر ہم نہیں ہلاک کرنے کی بھی کوئی خواہش نہیں رکھتے....." بولنے والا چند ثانیوں کے لیے خاموش ہو گیا۔ ذرا دیر بعد اُس کی آواز پھر اُبھری۔

"....اس لیے تم لوگوں کو جزیرے سے نکلنے کے لیے پانچ منٹ کا وقت دیا جا رہا ہے۔ جس کے بعد پورے جزیرے کی فضا میں ایک بے رنگ اور بے بو گیس چھوڑ دی جائے گی جسے میتھا سائنا کلورائیڈ کا نام دیا گیا ہے۔ گیس سونگھنے کے پندرہ سیکنڈ کے اندر اندر جزیرے کے اُوپر، اس کی فضا اور اِرد گرد کے سمندر میں موجود ہر ذی رُوح مر جائے گا۔ یہ اعصابی گیس نہایت تیزی سے اثر کرتی ہے اور ایک بار اس کی تھوڑی سی مقدار بھی اگر نتھنوں میں پہنچ جائے تو زندہ رہنے کے امکانات قطعی طور پر ختم ہو جاتے ہیں۔ اس لیے بادر کھو کہ جزیرہ چھوڑنے کے لیے صرف پانچ منٹ تمہارے پاس ہیں جس کے بعد ہم ذمے دار نہیں ہوں گے۔"

لاؤڈ اسپیکر آف ہو گئے۔

"جھوٹا۔" اوشان نے زیرِ لب کہا تو ٹائیگر سوچوں کے دائرے سے نکل کر اُس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"وہ کیسے بسمل فادر؟"

"اگر واقعی اسے اعصابی گیس چھوڑنی تھی تو اتنی لمبی چوڑی تشریح کرنے کی ضرورت کیا تھی؟" اوشان نے بُرا سا منہ بنایا۔ "یہ طے ہے کہ ہم ان کے دشمن ہیں اور دشمن کو کبھی موقع نہیں دیا جانا چاہیے اور اتنے سارے نقصان کے بعد تو یہ ناممکن سی بات ہے۔"

"میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔" ٹائیگر نے اوشان کی بات سے اتفاق کیا۔ "یہ محض دھوکا ہے کیوں کہ قدرتی دھند کے علاوہ جزیرے کی فضا کو کسی قسم کی گیس سے ڈھانپ دینا عملاً ناممکن ہے۔ یوں بھی یہاں ہوا چل رہی ہے۔ اس لیے اگر یہ گیس چھوڑی بھی جائے گی تو وہ ایک جگہ ٹھہر نہیں سکے گی۔ اس کے علاوہ میں نے میتھا سائنا کلورائیڈ گیس کے بارے میں کبھی نہیں سُنا۔ اگر یہ میتھین سائنائیڈ اور کلورین سے بنائی گئی ہے تو بھی ناممکن ہے۔ یہ تینوں چیزیں اکٹھی ہو ہی نہیں سکتیں۔"

"واہ، واہ، واہ۔" اوشان نے باقاعدہ تالی بجائی۔ "تم تو سائنس دان بھی ہو گئے شہزاد!"

"آپ کی صحبت کا اثر ہے بسمل فادر، ورنہ بندہ کس قابل ہے۔" ٹائیگر نے باقاعدہ خم ہو کر اوشان کو تعظیم دی۔ "فوری طور پر سیدھے ہو جاؤ ورنہ یہیں پتھر کے کر دیے جاؤ گے۔"

"اوہ ... اب سمجھا۔" ٹائیگر جلدی سے سیدھا ہو گیا۔ "دادی اماں بچپن میں ایک کہانی سُنایا کرتی تھیں کہ ایک جن نے کوہ قاف کی سبز پری کو قید کر لیا تھا جو بھی اُسے چھیڑنے جاتا وہ اُسے پتھر میں تبدیل کر دیا کرتا تھا... بسمل فادر! کہیں وہ آپ....."

"بجو ہت۔" اوشان نے اُس کا جملہ پورا نہیں ہونے دیا۔ "پانچ منٹ پورے ہونے دو پھر پتا چل جائے گا کہ کون کیا کر سکتا ہے... چلو آگے بڑھو۔"

دونوں سامنے نظر آنے والی بلند پہاڑی پر چڑھنے لگے۔ ٹائیگر وقفے وقفے سے پتھر اُٹھا اُٹھا کر اِدھر اُدھر

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

پھینکتا جا رہا تھا تاکہ کوئی ردِ عمل ظاہر ہو لیکن اس بار نہ تو کسی پتھریلی چٹان سے کوئی مسلح شخص برآمد ہوا، نہ گھٹا نکلا اور نہ ہی ابھی تک گیس چھوڑی گئی تھی۔

ابھی وہ پہاڑی کی چوٹی سے کوئی دس میٹر نیچے ہی تھے کہ لاؤڈ اسپیکر دوبارہ آن ہو گئے۔

"مہلت کا ایک منٹ باقی ہے، تم لوگوں کو اس وقت اپنی کشتیوں میں یا اُن کے نزدیک ہونا چاہیے تاکہ وقت ختم ہوتے ہی ڈیتھ زون خالی ہو سکے، براہ کرم جلدی کریں۔"

ٹائیگر مسکرا دیا۔ موت اُن کی طرف نہیں بلکہ بولنے والے کی طرف بڑھ رہی تھی اور وہ انہیں جلدی چلنے کا مشورہ دے رہا تھا۔

وقت پورا ہوا۔" بولنے والے کی تیز آواز اُبھری "صرف چند سیکنڈ یہ بتانے کے لیے کہ اگر تم لوگوں کا تعلق امریکی حکومت کے محکمہ انصاف یا نیویارک کے قریب موجود ایک خفیہ تنظیم سے ہے تو ہمارے پاس تمہاری جزیرے سے روانگی کے زیادہ اہم جواز موجود ہیں۔...."

ٹائیگر نے ایک طویل سانس لی، خفیہ تنظیم سے اُس کی مُراد یقیناً جارج گرتھا۔

"... ہمارے پاس دو لڑکیاں موجود ہیں۔" بولنے والے کی آواز مسلسل سُنائی دے رہی تھی۔ "ان میں سے ایک امریکی محکمہ انصاف کی جے سکس ایجنٹ مایا ٹیلر ہے جو ہماری تنظیم میں نقب لگانے کے لیے پورٹ آرتھر پہنچی تھی، جب کہ دوسری لڑکی کا نام روبی ہے۔ ہم نے اُسے ڈائنامیکس ویل کی حیثیت سے بالٹی مور کے قریب سے اغوا کیا تھا۔ اُس وقت اُس کی حیثیت ایک عام سی لڑکی کی تھی لیکن بعد میں پتا چلا کہ اُس کا اصل نام روبی ہے اور وہ ایک خفیہ تنظیم میں نہایت اہم عہدے پر فائز ہے۔ فی الحال دونوں لڑکیاں زندہ سلامت جزیرے پر موجود ہیں لیکن اگر حملہ آور فوری واپس نہ گئے تو انہیں فوری طور پر موت کے گھاٹ اُتار دیا جائے گا میں دوبارہ دہراتا ہوں کہ جزیرہ خالی نہ کرنے کی صورت میں دونوں لڑکیوں کو قتل کر دیا جائے گا...."

لاؤڈ اسپیکر خاموش ہو گئے۔

ٹائیگر کے ذہن میں آندھیاں سی چلنے لگیں۔ بالآخر یہ راز کھل گیا تھا کہ روبی اسی جزیرے پر موجود ہے۔ ساتھ ہی مایا لیا کے بارے میں بھی پتا چل گیا تھا۔ اُسے چارہ گر کا راز فاش ہونے پر کوئی حیرت نہیں تھی۔ اُسے اس بات کا یقین تھا کہ روبی نے اپنے ہوش و حواس میں اس قسم کا کوئی راز نہ اُگلا ہو گا۔ اغوا کرنے والوں نے اُس پر تشدد کی عمل کیا ہو گا یا ایسا کوئی انجکشن دیا ہو گا جس سے وہ اپنی اصلیت بتانے پر مجبور ہو گئی ہو گی۔

اُس نے گردن گھما کر اِدھر اُدھر دیکھا لیکن اُس کے تعفنوں نے کوئی غیر معمولی بات محسوس نہ کی تھی۔ ابھی تک کوئی گیس نہیں چھوڑی گئی تھی۔ اوشان بھی پُرسکون لیکن خاموش تھا۔

دونوں چند لمحے وہیں رُکے رہے اور پھر چوٹی کی طرف بڑھنے لگے۔ ٹائیگر کے قدموں سے ایک باریک سا تار ٹکرایا تو وہ فوراً ایک طرف جھک گیا۔ وہ یہ سمجھا تھا کہ تار کسی بارودی سُرنگ سے منسلک ہے لیکن یہ بارودی سُرنگ نہیں تھی۔ تار جونہی کھینچی گیا ایک طاقتور فلیئر فضا میں بلند ہو گیا۔ اُس کے روشن ہونے سے پورا جزیرہ روشنی میں نہا گیا۔ فلیئر سوفٹ کی بلندی پر کچھ دیر جلتا رہا بالآخر بجھ کر نیچے گر گیا۔

ٹائیگر کی سمجھ میں نہیں آیا کہ اس فلیئر کا کیا مقصد تھا؟ اُس نے اوشان کی طرف دیکھا لیکن وہ سامنے کی جانب متوجہ تھا۔

دونوں اب چوٹی تک پہنچ چکے تھے۔ یہ وہ جگہ تھی جہاں سب سے پہلے سنگی سلیب ہٹی تھی اور ایک کُتا برآمد ہوا تھا اب وہاں سپاٹ دیوار اور ایک خفیہ دروازہ نظر آ رہا تھا۔

ٹائیگر نے دروازے کا بغور جائزہ لیا۔ اُس میں کوئی ہینڈل یا قفل نہیں تھا لیکن ٹائیگر کو ان چیزوں کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ اُس نے ایک قدم پیچھے ہٹ کر دائیں پیر کی زوردار ٹھوکر دروازے پر رسید کی۔ ایک لمحے کے لیے اُس کے ذہن میں آیا کہ اگر دروازہ کسی بوبی ٹریپ سے منسلک ہوا تو کیا ہو گا؟ لیکن اوشان چونکہ مطمئن تھا اس لیے ٹائیگر کو اندازہ ہو گیا کہ دروازے سے ایسا کوئی میکنزم منسلک نہیں ہے۔

ٹھوکر پڑتے ہی دروازے کا بھاری بھرکم پٹ اُکھڑ کر دور جا گرا۔ وہ اپنے ساتھ دیوار کا کچھ حصہ بھی

اُکھاڑ لے گیا تھا۔ دروازہ ایک سُرنگ میں گرا جو دُور تک تاریک تھی لیکن ٹائیگر کی عقابی نگاہوں نے دیکھ لیا کہ سُرنگ رفتہ رفتہ نیچے کی طرف جا رہی تھی۔

دونوں نے قدم آگے بڑھا دیے۔ ان کے قدموں تلے دروازے کا اُکھڑا ہوا پٹ چرچرایا لیکن اس کا کوئی ردِ عمل نہ ہوا۔

بیس فٹ آگے نہیں ایک اور دروازہ ملا۔ یہ لکڑی کا نہیں بلکہ لوہے کا تھا۔ اس میں ہینڈل اور قفل بھی موجود تھا۔ ٹائیگر نے اس پر بھی اپنا دایاں پیر آزمایا اور آہنی دروازہ زمین بوس ہو گیا۔ آگے سنگی فرش تھا کچھ اس کی وجہ سے اور کچھ سُرنگ بند ہونے کی وجہ سے دروازہ گرنے کا شور اتنا بلند ہوا جیسے کوئی بم پھٹ گیا ہو مگر اس بار بھی دوسری جانب خاموشی ہی رہی تھی۔

وہ ایک چھوٹا سا ہال تھا جس کے آخری سرے پر ایک اور دروازہ موجود تھا جو کھلا ہوا تھا۔ فرش نہایت چکنا اور چمک دار تھا۔ اوشان جیسے کچھ سُننے کی کوشش کر رہا تھا لیکن پھر اُس نے مطمئن انداز میں سر ہلا دیا۔

"فرش میں کوئی برقی رَو نہیں ہے۔" اُس نے ٹائیگر کو آگاہ کیا۔

"آپ اسی ہال میں رکیں، ٹیل فادر۔" ٹائیگر نے آگے بڑھنے سے پہلے اوشان سے کہا۔

"کیوں؟" اوشان کا انداز لڑاکا بیوی جیسا تھا۔

"دروازے کی دوسری جانب جانے کیا صورتِ حال ہو۔" ٹائیگر نے کھلے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔ "ایسا نہ ہو کہ میں کہیں اور مصروف رہوں اور وہ روبی اور مالیا کو لے بھاگیں۔"

اوشان نے اثبات میں سر ہلا کر گویا اپنی رضامندی کا اظہار کر دیا۔

ٹائیگر نے اوشان پر الوداعی نگاہ ڈالی اور آگے بڑھ گیا۔ اُس کا رُخ کھلے دروازے کی طرف تھا۔ اوشان کی آنکھیں اُس کے قدموں کے ساتھ ساتھ فرش کا جائزہ لے رہی تھیں اور پھر اُس کے لبوں پر مُسکراہٹ تیر گئی۔ وہ دروازہ کھلا چھوڑنے کا مقصد سمجھ گیا تھا۔

لیکن ٹائیگر اوشان کی مُسکراہٹ سے بے خبر قدم بہ قدم آگے بڑھ رہا تھا۔ ابھی وہ دروازے سے کوئی بارہ پندرہ فٹ دُور ہی تھا کہ فرش کا دس فٹ لمبا اور اتنا ہی چوڑا حصہ اُس کے قدموں تلے سے یکدم نکل گیا۔ اس سے پہلے کہ ٹائیگر سنبھلنے کی کوشش کرتا اُس کے قدم اُکھڑ گئے اور وہ خلا میں غائب ہوتا چلا گیا۔

اوشان کی مُسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔

ٹائیگر کے ہاتھ بے اختیار اوپر کو اُٹھے لیکن وہاں ایسی کوئی شے نہیں تھی جسے وہ تھام سکتا۔ اُس نے فرش پر ہاتھ ٹکانے کی کوشش کی لیکن وہ اس بُری طرح چکنا تھا کہ وہ اس میں بھی کامیاب نہ ہو سکا۔ شاید اس پر موم مل دیا گیا تھا۔

تنگ آ کر ٹائیگر نے تمام کوششیں ترک کر دیں اور خود کو اُس تنگ سی جگہ میں پھسلنے دیا جو اُسے تیزی سے نیچے لے جا رہی تھی۔

مگر اُس کا یہ سفر زیادہ دیر جاری نہ رہا۔ بمشکل ایک منٹ ہی گزرا تھا کہ اُس کے پیر زوردار طریقے سے پانی سے ٹکرائے اور پھر وہ پانی میں ڈوبتا چلا گیا۔

وہ اتنی رفتار سے پانی میں گرا تھا کہ اُس کے قدم سطحِ زمین سے جا لگے جو کم و بیش بیس فٹ نیچے تھی۔ اُس کے لیے اتنا گہرا پانی ایک عام سی بات تھی۔ اوشان نے تو اُسے اس سے تین گنا زیادہ گہرے پانیوں میں غوطے دلوائے تھے۔ اُس نے سانس روک لی اور پھر سطح کی جانب تیرنا شروع کر دیا۔ چند ہی منٹ بعد وہ پانی کے اُوپر تھا۔

اُس نے اِرد گرد کا جائزہ لیا۔ وہ زیرِ زمین غاروں میں بنا ہوا ایک وسیع و عریض سوئمنگ پول تھا جس میں یقینی طور پر سمندری پانی کو ذخیرہ کیا گیا تھا۔ غار کی دیواروں سے روشنی پھوٹ رہی تھی جس سے وسیع تالاب کا ذرہ ذرہ بقعۂ نور بنا ہوا تھا۔

اچانک اُسے اپنے قریب ہی پانی میں زبردست ہلچل کا احساس ہوا۔ تھرتھراہٹ اُس نے پہلے بھی محسوس کی تھی لیکن وہ یہ سمجھا تھا کہ شاید یہ زیرِ آب کہیں سمندر اور تالاب کے آپس میں ملاپ کے باعث یہ تھرتھراہٹ پیدا ہو رہی ہے، لیکن یہ تھرتھراہٹ جب زلزلے میں بدلی تو اُس نے چونک کر شفاف پانی کے اندر دیکھا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ایک تیس فٹ لمبی سفید رنگ کی شارک مچھلی اپنا بھیانک مُنہ کھولے پوری رفتار سے اُس کی جانب بڑھ رہی تھی۔ فاصلہ ہونے کے باوجود ٹائیگر کو اُس کی آنکھوں میں بھوک اور غصّے کے آثار صاف دکھائی دے رہے تھے۔

٭ ٹائیگر نے صرف ایک لمحے کے لیے سوچا اور پھر اس سمندری دیو سے مقابلے کے لیے تیار ہوگیا۔

شارک اندھوں کی طرح اُس کی طرف بڑھ رہی تھی اور وہ اطمینان سے کھڑا تھا جب شارک اُس سے دو تین فٹ دُور رہ گئی۔ ٹائیگر تیز رفتاری سے دائیں جانب کھسک گیا۔

مچھلی کو اپنے شکار کے ایک طرف ہٹ جانے کا احساس بروقت ہوگیا لیکن جب تک وہ اپنی رفتار کنٹرول کرتی شکار پیچھے رہ گیا۔

وہ ٹائیگر کے جسم سے تقریباً رگڑتی ہوئی گزری تھی اگر ٹائیگر کے قدم زمین پر ہوتے تو وہ اپنی جگہ سے ایک انچ بھی نہ ہلتا لیکن پانی میں معلق ہونے کے باعث مچھلی سے پیدا ہونے والے مدّ و جزر نے اُسے کچھ دُور دھکیل دیا لیکن اب بھی وہ ہاتھ بڑھا کر مچھلی پر حملہ کر سکتا تھا۔

اُس نے یہی کیا جونہی مچھلی اُس کے سامنے سے گزری، ٹائیگر کا زوردار ہاتھ اُس کی پُشت پر پڑا۔ مچھلی تڑپ اُٹھی۔ کوئی ٹھوس چیز ہوتی تو چوٹ کھا کر اُس کے اتنے ٹکڑے ہو چکے ہوتے کہ گنے نہ جاتے لیکن مچھلی کا لچکیلا جسم چوٹ برداشت کر گیا تھا۔ البتہ اُس کے اُچھلنے سے تالاب میں جیسے زلزلہ آگیا۔

مچھلی نے اپنی دُم کو کوڑے کے انداز میں لہرایا لیکن ٹائیگر کا جسم اُس کی دسترس سے دُور تھا۔ دُم پانی میں کچھ اونچی نیچی لہریں پیدا کر کے ہی رہ گئی تھی۔

وہ کسی زخمی ناگن کی طرح پٹخی۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ ٹائیگر کو سُرمے کی طرح پیس کر رکھ دے گی۔ اس بار ٹائیگر نے سامنے سے ہٹنے کی کوشش نہیں کی بلکہ اُس نے دونوں ہاتھ آگے کر لیے۔ یوں اُس کے بدن کو ڈھال مل گئی تھی۔ اَب مچھلی اُس کے بدن سے ٹکرانے سے قبل اُس کے آہنی ہاتھوں سے ٹکرائی۔

غضب ناک مچھلی جونہی ٹائیگر کی دسترس میں پہنچی اُس کے دونوں ہاتھ آہنی کنڈوں کی مانند مچھلی کے جبڑوں پر جم گئے اور پھر ایک لمحے کی تاخیر کے بغیر اُس نے مچھلی کے جبڑے چیر ڈالے۔ مچھلی درد کی شدّت سے بُری طرح تڑپی لیکن پھر ایک دم ساکت ہوگئی۔ اُس کا جبڑا چیر کر ایک جانب لٹک گیا تھا۔ جس میں سے تیزی کے ساتھ خون بہ کر تالاب کو سُرخ کرنے لگا۔

ٹائیگر نے جونہی مچھلی کے جبڑوں سے گرفت ختم کی وہ ڈوبنا شروع ہوگئی۔ ٹائیگر خون آلود پانی سے فوراً پیچھے ہٹ گیا۔ اُس نے الوداعی نگاہ اپنے نوالے دشمن پر ڈالی اور تالاب کے کنارے جو قدرتی چٹانوں کو کاٹ کر بنایا گیا تھا، کی طرف بڑھا۔

ابھی وہ چٹان کے اُوپر پہنچا ہی تھا کہ تالاب میں ایک بار پھر زلزلہ آگیا۔ اُس نے سُرخ ہوتے ہوئے پانی پر نگاہیں جمادیں۔ کوئی نصف درجن شارک مچھلیاں تیزی سے اُس سمت بڑھ رہی تھیں جہاں سفید شارک کا جسم ڈوبا تھا۔

دیکھتے ہی دیکھتے انہوں نے بڑی شارک کی بوٹی بوٹی کر دی۔ اُنہوں نے اپنے تیز دھار دانتوں سے اُس کا جسم اُدھیڑ ڈالا۔ اُس کے گوشت کے ننھے منّے پارچے اَب تالاب کی سطح پر تیرنے لگے تھے۔ سارا پانی شارک کے خون سے سُرخ ہوگیا تھا۔ چند ہی منٹوں میں تالاب کسی مذبح کا منظر پیش کرنے لگا تھا۔

ٹائیگر نے اپنے ہار دگرد کا جائزہ لیا۔ زیرِ زمین تالاب قدرتی دکھائی دیتا تھا صرف اُس کے کناروں کو تراشا گیا تھا تاکہ انسانی قدم اُن پر جم سکیں۔ ٹائیگر نے اندازہ لگایا کہ زیرِ زمین پانی کے اس ذخیرے میں پانی کی آمد کا انحصار سمندر کے مدّ و جزر پر تھا۔ ممکن ہے لہروں نے ہی چٹانوں سے ٹکرا ٹکرا کر ہزاروں سالوں میں اسے تالاب کی صورت دے دی ہو یا پھر جزیرے کے ظہور کے وقت ہی یہ مقام کھوکھلا رہ گیا ہو۔

اُس کی نظریں تالاب کے دُوسرے کنارے پر جم گئیں جہاں چٹانی دیوار میں ایک دروازہ نمودار ہوا اور اُس میں سے ایک شخص باہر نکلا۔ اُس نے اسکیوبا ٹائپ فرہار کا پہن رکھا تھا۔ وہ قدم بہ قدم چلتا ہوا تالاب کے کنارے پہنچا۔ لیکن پانی میں اُس وقت جو کچھ ہو رہا تھا اُس منظر نے اُسے

ساکت کر دیا۔ وہ محویت کے عالم میں گرد و پیش سے بے نیاز شارک مچھلیوں کو اپنی ہی ہم جنس کا جسم اُدھیڑتے دیکھ رہا تھا۔

ٹائیگر اپنی جگہ سے اُٹھا اور بے آواز قدموں سے چلتا ہوا اُس شخص کے عین عقب میں جا پہنچا لیکن وہ اپنے مشغلے میں اس بُری طرح محو تھا کہ اُسے کسی غیر معمولی شے کا احساس نہیں ہوا تھا۔

ٹائیگر نے اندازہ لگایا کہ وہ یقینی طور پر شارک کے ہاتھوں اس کی موت کا منظر دیکھنے آیا ہوگا۔ بس یہ خیال آتے ہی ٹائیگر کی ٹانگ گھوم گئی۔ پار کا پہنے ہوئے شخص کی ایک کریہہ چیخ اُبھری اور وہ اُچھل کر تالاب میں جا گرا لیکن تالاب میں گرنے سے پہلے ہی اُس کی ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ چکی تھی۔

ایک بڑی شارک اُس وقت مُنہ کھولے کنارے کے قریب تیرنے والے گوشت کے کچھ پارچوں کی طرف بڑھ رہی تھی۔ ٹائیگر کا شکار سر کے بل عین اُس کے سامنے گرا۔ اگلے ہی لمحے اُس کا سر شارک کے کھلے ہوئے مُنہ کی گرفت میں تھا۔ شارک نے اُسے لقمۂ غیر مترقبہ کچھ کر مُنہ بند کیا تو پار کلوالے کا سر اُس کے مُنہ میں غائب ہوگیا۔ اُس کا سر بریدہ جسم سطحِ زمین کی طرف جانے لگا لیکن اس سے پہلے کہ وہ زمین سے ٹکرا تا دو اور شارک مچھلیاں اُس پر ٹوٹ پڑیں۔ انہوں نے اُس کی ہڈیاں بھی نہیں چھوڑی تھیں۔

ٹائیگر نے آدمی کو غائب ہوتے دیکھا اور پلٹ کر دروازے کی طرف چل دیا۔ جو اَب بھی کھلا تھا۔ کسی نے اُس سے کوئی تعرّض نہیں کیا اور وہ بلا رکاوٹ دروازے کی دوسری جانب آنکلا۔

یہ ایک ہال تھا جو بظاہر کوئی بزنس بلڈنگ یا ریسرچ سنٹر دکھائی دیتا تھا۔ اس کا فرش، دیواریں اور چھت سفید رنگ کی تھی۔ دونوں سمت کئی دروازے تھے لیکن تمام شیشے کے بنے ہوئے کیبنوں میں کھلتے تھے جن میں سے ہر ایک چار سے چھ مُربّع فٹ رقبے اور آٹھ فٹ بلندی کا حامل تھا۔ تمام کیبن خالی تھے۔

ٹائیگر کو ہال میں سے کوئی آواز سُنائی نہیں دے رہی تھی۔ اُس نے گھڑی دیکھی صبح کے تین بجکر بیس منٹ ہوئے تھے۔ اس لمحے کسی آواز کی توقع رکھنا حماقت ہی تھی۔ ٹائیگر اس کوریڈور نما ہال کمرے میں آگے بڑھنے لگا اُسے شیشے کے کئی اور کیبن دکھائی دیے لیکن اَب اُن میں سے کئی ایک منجمد تھے۔ یہاں فرش کچھ ڈھلوانی ہوگیا لیکن ذرا سے فاصلے کے بعد دوبارہ بلند ہونا شروع ہوگیا۔

یہاں شیشے کے صندوق نما کیبن نسبتاً بڑے تھے۔ ٹائیگر آگے بڑھتے بڑھتے ایک کیبن کے سامنے رُک گیا۔ اُسے اُس کے وسط میں ایک جرمن شیفرڈ کھڑا دکھائی دیا۔ کُتّا بے حس و حرکت کھڑا تھا اور پہلی ہی نظر میں اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ اُسے منجمد کر دیا گیا ہے۔

وہ چند لمحے کُتّے کا جائزہ لیتا رہا پھر آگے بڑھ گیا۔ اَب اُسے ہر کیبن میں کوئی نہ کوئی جانور ملنے لگا۔ کچھ کھڑے تھے بعض بیٹھے ہوئے تھے، ایک آدھ کو کونے میں لٹا دیا گیا تھا۔ اُن میں ہر طرح کے جانور تھے، گِدّے اور بلّیوں کے علاوہ ایک گدھا۔ ایک ٹٹو اور ایک گھوڑا بھی دکھائی دیا۔

ٹائیگر اپنے طور پر سوچ رہا تھا کہ یہ کس مقصد کے لیے ہو سکتا ہے۔ کہ ازکم یہ کوئی فوڈ اسٹور تھا نہیں۔ یہاں اس سے آگے کی چیزیں نظر آرہی تھیں اور اُنہوں نے پُورے پُورے جانوروں کو منجمد کر دیا تھا۔

"کرائیو..."

اچانک اُسے وہ لفظ یاد آگیا جو اُس نے لون بلڈنگ سے حاصل ہونے والی کاپیوں میں پڑھا تھا لیکن یہ لفظ وہ پہلے بھی سُن اور پڑھ چکا تھا... مگر کہاں، وہ سوچتا رہا اور پھر اُس کے ذہن میں جھماکا سا ہوا... کرائیوجینکس جس کا مطلب تھا کم درجۂ حرارت والے۔ کرائیوجینکس کا لفظ فی زمانہ آپریشن سے قبل جسمانی درجۂ حرارت کو کم سے کم کرنے سے لے کر منجمد فوڈ انڈسٹری اور کرائیو سرجری و کرائیو بائیولوجی تک متعدد جگہ استعمال کیا جارہا تھا۔ کرائیو جینکس کا مطلب ہی یہ تھا کہ جسمانی درجہ حرارت کو منکمنہ حد تک کم کر دینا۔ تو کرائیو کا لفظ اسی کا مخفف تھا۔

مگر منجمد جانور ہی کیوں؟

ٹائیگر کے ذہن میں سوال اُبھرا لیکن اُسی وقت کوریڈور کے دُوسرے سرے پر قدموں کی آہٹ سُنائی دی تو وہ ایک قریبی دفتر میں داخل ہوگیا۔

کچھ لوگ اسی جانب آرہے تھے۔ وہ ایک وہیل سٹریچر کھینچ رہے تھے جس پر کوئی جسم پڑا تھا۔

"مجھے تمہاری بات پر قطعی اعتماد نہیں۔" ٹائیگر کو

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ایک بھاری آواز سنائی دی: "کوئی نہ کوئی غلطی ایسی ہوئی ہے جو اب تک ہمارے علم میں نہیں تھی لیکن ابھی بھی کچھ نہیں بگڑا، ہم اس سے مزید تجربہ حاصل کر سکتے ہیں۔"

"بلڈ پلازمہ صحیح نہیں تھا۔" ایک اور آواز سنائی دی۔ "ہمیں کام کے دوران ڈی ایم ایس او استعمال کرنے کی ہدایت دی گئی تھی، تمہارا کیا خیال ہے یہ کوئی باقاعدہ منصوبہ ہے یا محض تفریح کا ایک ذریعہ ہے۔"

ٹائیگر کو اُن کے جملوں کا سر پیر معلوم نہیں ہو سکا۔ مگر وہ انہیں دیکھنے میں کامیاب ضرور ہو گیا تھا۔ وہ تعداد میں چار تھے۔ ٹائیگر کے دیکھتے ہی دیکھتے وہ شیشے کے ایک کیبن میں داخل ہوئے۔ چند منٹ بعد جب وہ باہر نکلے تو وہیل اسٹریچر خالی تھا۔ وہ پہلے کی طرح بلند آواز میں باتیں کرتے ٹائیگر کے سامنے سے نکلتے چلے گئے۔

جوں ہی وہ موڑ پر غائب ہوئے ٹائیگر اُس کیبن تک پہنچا جس میں وہ داخل ہوئے تھے۔ اُس کے سامنے ایک گوریلا موجود تھا جسے میز پر لٹایا گیا تھا۔ یقینی طور پر اُسے بھی منجمد کر دیا گیا تھا۔

وہ گوریلے کا جائزہ لے کر گھوما تو سفید کوٹ پہنے ہوئے ایک شخص اُس کے سامنے کھڑا تھا۔

"تم یہاں کیا کر رہے ہو؟" سفید کوٹ والا کرخت لہجے میں بولا۔ "یہاں کلاس ون میڈیکل کے علاوہ کوئی داخل نہیں ہو سکتا، تمہیں علم ہے اس کا؟"

ٹائیگر نے اُس تیس سالہ شخص کا جائزہ لیا جس کی آنکھوں میں غصے کے آثار تھے۔

ٹائیگر نے کندھے اُچکائے۔ "میں جانتا ہوں، بس تجسس کھینچ لایا۔"

اُس کا لہجہ نارمل تھا۔ ڈاکٹر نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا لیکن پھر اُسے بند کرنا نصیب نہ ہوا۔ ٹائیگر کا دایاں ہاتھ تیزی سے اُس کے حلقوم کے گرد کس گیا تھا۔

ڈاکٹر کی آنکھیں مارے تکلیف کی شدت کے حلقوں سے اُبل پڑیں۔ اُس نے تکلیف کی شدت سے چیخنا چاہا لیکن ٹائیگر کی گرفت اس قدر سخت تھی کہ اُس کے حلق سے خرخراہٹ کی آواز بھی نہ نکل سکی۔ اُس نے دونوں ہاتھوں سے حلقوم میں پیوست ہاتھ ہٹانے کی کوشش کی لیکن اس میں بھی اُسے ناکامی ہی ہوئی تھی۔

ٹائیگر نے اُس کے جسم کو ہلکا سا جھٹکا دیا اور پھر زمین سے چند انچ بلند کر لیا۔

ڈاکٹر اب زمین سے چھ انچ کی بلندی پر آگ پر جھکے جانے والی بکری کی ران کی طرح معلق تھا۔ اُس کا جسم دو بار ہلکے سے تڑپا اور پھر ساکت ہو گیا۔

ٹائیگر اُسے اِسی طرح اُٹھائے اُس دفتر میں لے آیا جہاں سے وہ ابھی ابھی نکلا تھا۔ اُس نے ڈاکٹر کو ایک میز کے عقب میں لڑھکا دیا اور جھک کر اُس کی جیبوں کی تلاشی لینے لگا۔

اُس کی جیبوں سے سوائے ایک شناختی کارڈ کے کچھ بھی برآمد نہ ہوا تھا۔ کارڈ پر کچھ مقناطیسی کوڈ درج تھے جو ٹائیگر کی سمجھ سے باہر تھے۔ اس نے کارڈ جیب میں ڈالا اور دفتر سے باہر نکل آیا۔

کوریڈور میں پہنچ کر اور آگے جانے پر اُسے شیشے کے کئی مزید منجمد کیبن نظر آئے۔ پھر ہال ختم ہو گیا۔ سامنے کی دیوار میں اُسے ایک دروازہ نظر آیا تو وہ اُسی سمت بڑھا۔ دروازہ بند تھا لیکن جب اُس نے نوب گھمایا تو وہ بلاکسی رکاوٹ کے کھلتا چلا گیا۔

دوسری جانب سیڑھیاں تھیں۔ ٹائیگر فوراً نیچے اُترنے لگا۔ میڈیکل فلور وہ اُوپر چھوڑ آیا تھا۔ اب وہ نٹ اور بولٹس کے درمیان تھا۔ پورے علاقے کو بڑی بڑی مشینوں اور بڑے بڑے پائپوں نے گھیر رکھا تھا۔

جونہی وہ نیچے پہنچ کر دائیں سمت گھوما اُسے عقب میں خفیف سی آہٹ سنائی دی۔ وہ فوراً پلٹ پڑا۔

ایک نوجوان دبے قدموں اُس کی طرف بڑھ رہا تھا اُس نے کوئی فٹ بھر لمبا ریچھ اُٹھا رکھا تھا جس سے وہ ٹائیگر کے سر پر ضرب لگانا چاہ رہا تھا۔

نوجوان حملے کے لیے ریچھ سر سے بلند کر چکا تھا۔ ٹائیگر نے اُس کا دایاں بازو ہاتھ پر روکا اور اُسکے ساتھ ہی ریچھ اُس کے ہاتھ میں منتقل ہو چکا تھا۔

"لعنت ہو۔" نوجوان بے بسی سے بڑبڑایا۔ "ایک موقع ملا تھا، وہ بھی ضائع ہو گیا۔"

"کس چیز کا موقع؟" ٹائیگر نے اطمینان سے پوچھا۔

"اس جہنم سے بھاگنے کا۔" نوجوان نے غصیلے لہجے میں جواب دیا۔ "میں نے ایک اشتہار کے جواب میں

ریفریجریشن کے آلات پر کام کرنے کا معاہدہ کیا تھا۔ اُنہوں نے پہلے اس بات کا اطمینان کیا کہ میں پوری طرح گوالیفائڈ ہوں یا نہیں اور پھر لاکر یہاں پھینک دیا۔ اب تم لوگ مجھے یہاں سے جانے نہیں دے رہے۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ میں سات میل تک سمندر میں تیر نہیں سکتا، تم تیر سکتے ہو؟" نوجوان چڑ کر بولا پھر اچانک جیسے اُس کچھ یاد آ گیا۔ "تم کون ہو؟ ڈاکٹر تو نہیں لگتے۔"

"میں تمہیں اس جہنم سے نکالنے کے لیے آیا ہوں، تم مجھے اس جگہ کے بارے میں کیا بتا سکتے ہو! یہ لوگ یہاں کیا کر رہے ہیں؟"

"کاش میں جانتا! مجھے اُنہوں نے صرف مشینیں چلانے کو کہا تھا، سودہ میں چلا رہا ہوں، چوبیس گھنٹے میں انہیں حرکت میں رکھتا ہوں، تم جانتے ہو کہ ان کا کولنگ پلانٹ نیویارک کی ایمپائر اسٹیٹ بلڈنگ سے بھی بڑا ہے اُوپر اُنہوں نے کچھ کیبن بنا رکھے ہیں جن کا درجہ حرارت نقطۂ انجماد سے بھی کم ہے۔ نقطۂ انجماد سے چار سو ساٹھ فارن ہائیٹ نیچے۔۔۔۔"

"کیا اوپر والے تمام سائنسدان ہیں؟"

"یہ میں نہیں جانتا۔" نوجوان نے کندھے اُچکائے۔ "مجھے تو وہ پاگل پروفیسر لگتے ہیں، میں صرف ایک بار اُوپر گیا تھا اور انہیں کام کرتے دیکھا تھا۔ انہوں نے ایک خوب صورت اور نوجوان لڑکی کو میز پر لٹا رکھا تھا۔ وہ بندھی ہوئی تھی اور اُس کے جسم پر وہ لباس تھا جس میں وہ پیدا ہوئی تھی۔ وہ ہوش و حواس سے بیگانہ تھی۔ درحقیقت ان پاگلوں نے سب لوگوں کے سامنے وہیں اُسے مار ڈالا تھا۔ اُنہوں نے اُس کی آکسیجن بند کر دی۔ جب وہ مر گئی تو پھر وہ دل اور پھیپھڑوں کی ایک مشین کے ذریعے جس میں بہت سے گیج اور سوئیاں لگی ہوئی تھیں، اُس کا نظام تنفس بحال کرنے میں لگ گئے۔ پھر انہوں نے مجھے کمرے کا ٹمپریچر کم کرنے کے لیے مشینیں چلانے کی غرض سے نیچے بھیج دیا۔ بعد میں مجھے پتا چلا کہ وہ لڑکی یوں منجمد ہو گئی جیسے برف کی کوئی سل رہی ہو۔"

"مگر وہ منجمد جانور، وہ کس مقصد کے لیے ہیں؟"

"تجربات کے لیے، مگر یہ میرا خیال ہے۔ اُن کے اس کام کو ایک سال ہو گیا ہے اور وہ مسلسل جانوروں کو منجمد کر رہے ہیں۔ وہ انہیں دوبارہ زندہ کرنا چاہتے ہیں۔۔۔ میں اس سے زیادہ کچھ نہیں جانتا لیکن خدا کے لیے یہاں سے نکلنے میں میری مدد کرو۔"

ٹائیگر نے اُس کا ریچھ واپس اُسے تھما دیا۔

"ٹھیک ہے میں تمہاری مدد کروں گا لیکن تم اُوپر موجود کمروں کے بارے میں مجھے کیا بتا سکتے ہو؟"

"کچھ نہیں۔" نوجوان نے مایوسی سے کہا۔ "مجھے وہاں جانے کی اجازت نہیں، اگر کبھی ضرورتاً وہ لوگ خود مجھے وہاں لے گئے ہیں تو آنکھوں پر پٹی باندھ کر۔"

"ٹھیک ہے۔" ٹائیگر نے اپنی واٹر پروف، شاک پروف گھڑی پر نگاہ دوڑائی۔ "اس وقت تین بج کر پچیس منٹ ہوئے ہیں، تم اس مشینری میں ایسی کوئی خرابی پیدا کرنے کی کوشش کرو کہ ٹھیک چار بجے ریفریجریشن یونٹ کی کارکردگی نصف رہ جائے، کیا تم ایسا کر سکتے ہو؟"

"ہاں کیوں نہیں۔" نوجوان سوچ میں پڑ گیا۔ "لیکن وہ مجھے مار دیں گے، پہلے بھی ایک بار وہ ایسا کر چکے ہیں۔"

"مگر اس وقت نہیں۔" ٹائیگر نے اُسے تسلی دی۔ "میں صبح کا سورج طلوع ہونے سے قبل شیطان کی اس جنت کو تباہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں، کیا تم اس میں میرا ساتھ دو گے؟"

"دل و جان سے۔"

"تو پھر چار بجے کا وقت یاد رکھنا، میں اوپر جا کر مزید مہلک اور خطرناک چیزیں تلاش کرنے کی کوشش کرتا ہوں، مجھے بتاؤ کہ پاور پلانٹ کہاں ہے؟"

نوجوان نے نفی میں سر ہلا دیا۔

ٹائیگر نے اُس کا شانہ تھپتھپایا اور سیڑھیاں چڑھ کر دوبارہ ہال میں آ گیا۔

اب بھی وہاں کوئی ذی روح نہیں تھا۔ وہ مین کوریڈور میں آگے بڑھنے لگا۔ اس بار وہ چھپنے کی کوشش بھی نہیں کر رہا تھا۔

اُسے بائیں جانب ایک دفتر نظر آیا تو وہ اُس میں گھس گیا مگر وہ خالی تھا۔ صرف لکڑی کا فریچر اس کا منہ چڑا رہا تھا۔ ٹائیگر نے طیش میں آ کر ایک کرسی اُٹھائی اور باہر نکل کر اُسے چند گز دُور نظر آنے والے شیشے کے ریک

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کیبن پر دے مارا۔

شیشہ ٹوٹا اور اُس کے ساتھ ہی ایک زور دار دھماکہ ہوا۔ روشنیاں ایک لمحے کے لیے کم ہوئیں مگر پھر اصل حالت میں لوٹ آئیں۔ فوراً ہی کریہہ سائرن کی آواز کوریڈورز میں گونجنے لگی اور ہر جگہ سے آدمی نکل کر اِدھر اُدھر بھاگنے لگے۔

بدحواسی میں کسی نے ٹائیگر پر کوئی توجہ نہیں دی اور وہ اطمینان سے چلتا ہوا اُن کے ہجوم سے نکل آیا۔ کوریڈور کی ہیئت اَب بدل گئی تھی۔ قدموں کے نیچے فرش کے بجائے قالین آگیا تھا جبکہ دیواروں پر آئل پینٹنگز آویزاں دکھائی دے رہی تھیں۔

کوئی پندرہ فٹ کے فاصلے پر ایک ری سیپشن ڈیسک موجود تھی جس کے عقب میں اسمارٹ سا نوجوان بیٹھا تھا۔ آہٹ پر اُس نے سر اُٹھا کر دیکھا۔

"یس سر!" وہ مستعدی سے بولا۔ "ہمیں ہدایت کی گئی ہے کہ آپ کو گائیڈ کے آنے تک یہاں روکا جائے، آپ ہمارے کیوباسے آنے والے مہمان ہیں نا، مسٹر وہائٹ لیبنڈر۔ چند ہی ثانیوں میں یہاں پہنچنے والے ہیں۔"

ٹائیگر نے وہاں رُک کر تماشا دیکھنے کا فیصلہ کرلیا۔

"ٹھیک ہے۔" اُس نے بے نیازی سے کہا۔ "میں یہاں رُک کر مسٹر وہائٹ لیبنڈر کا انتظار کرتا ہوں۔"

اُسی وقت ایک بغلی دروازہ کُھلا اور شاٹ گنوں سے مسلح دو افراد نکل کر اُس کے سر پر مسلط ہوگئے۔

ٹائیگر نے ہلکی سی مسکراہٹ سے انہیں دیکھا اور میز کے سامنے رکھی کُرسی پر براجمان ہوگیا۔

*

وہائٹ لیبنڈر جلد ہی وہاں پہنچ گیا۔ اُس نے پہلے محافظوں سے بات چیت کی اور پھر ٹائیگر کی طرف متوجہ ہوا۔

"تو تم ہو جس نے ہماری پناہ گاہ میں نقب لگائی ہے۔" اُس نے ٹائیگر کا اُوپر سے نیچے تک جائزہ لیا۔ "لیکن ہم تو کسی بہت بڑی شے کے منتظر تھے۔"

اُس نے اشارا کیا اور ایک دروازہ کُھل گیا۔ اس سے کوئی کہا ٹائیگر خود ہی دروازے میں داخل ہوگیا۔

"ہم تمہارے ساتھ کچھ باتیں کرنا چاہتے ہیں۔" اندر پہنچ کر وہائٹ لیبنڈر نے اُسے کہا۔

اُس نے آنکھ سے اشارہ کیا اور ایک محافظ جیب سے آہنی ہتھکڑی برآمد کرکے ٹائیگر کی طرف بڑھا۔

ٹائیگر کے جی میں آئی کہ وہ فوری طور پر تینوں کو موت کے گھاٹ اُتار دے لیکن وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ اس کے ساتھ کرنا کیا چاہتے ہیں؟ اس لیے جب محافظ نے اُسے ہاتھ پُشت پر کرنے کو کہا تو ٹائیگر نے ایک فرمانبردار بچے کی طرح اُس کے حکم کی تعمیل کی۔ محافظ نے فوراً ہی ہتھکڑی اُس کے ہاتھوں میں پہنا دی۔

"اب ہم ماسٹر سے ملنے جارہے ہیں، وہی تمہاری زندگی اور موت کا فیصلہ کرے گا۔" وہائٹ لیبنڈر کے لہجے میں بھرپور نفرت تھی۔

ٹائیگر نے اثبات میں سر ہلایا اور اُس محافظ کے پیچھے پیچھے چل دیا جو ایک دوسرے دروازے کی طرف بڑھا تھا۔

ایک کوریڈور میں سے گزر کر وہ ایک کچن میں داخل ہوئے جس کے بعد ایک پُرتکلف اپارٹمنٹ موجود تھا۔ کمرے انتہائی خوبصورت تھے۔ دیواروں پر جابجا آرٹ کے شاہکار آویزاں تھے۔ جس کمرے میں اُسے لے جایا گیا اُس کے فرش پر دبیز قالین بچھا ہوا تھا جب کہ سامنے والی دیوار میں ایک بہت بڑا ٹیلی ویژن نصب تھا۔ کمرے کے تقریباً وسط میں ایک میز تھی جس کے عقب میں ایک بھاری بھرکم شخص موجود تھا جو یقینی طور پر پریچر مین تھا۔

طویل قامت اور قوی الجثہ ٹیگرو عورت سے ٹائیگر کا جائزہ لے رہا تھا۔ محافظ اُسے چھوڑ کر الگ ہٹ گئے تاکہ اگر ٹائیگر پر فائرنگ کی ضرورت پڑ جائے تو اُن کا سربراہ اس کی زد میں نہ آئے۔

پریچر مین کُرسی سے اٹھا اور آہستہ آہستہ قدم اُٹھاتا ٹائیگر کے قریب آگیا۔

"تم تو ایک عام سے آدمی ہو جسے لوگوں نے بلاوجہ ہوا بنا رکھا ہے۔" اس کے لبوں پر مسکراہٹ تھی۔ "میں سمجھ رہا تھا کہ تمہارا قد کوئی بیس فٹ تو ہوگا اور تمہارے ہاتھوں میں طوفان جنم لے رہے ہوں گے لیکن یہاں تو کچھ بھی نہیں لیکن پھر بھی تم مائٹی ٹائیگر ہو؟"

تورو بی نے اُسے یہ بھی بتا دیا تھا۔ مگر اُس کے دل میں روبی کے لیے غصّے کا شائبہ تک نہ تھا۔ یقیناً اُسے اس کے لیے مجبور کیا گیا ہوگا۔

اُس نے پریچر مین پر نظریں گاڑ دیں۔ وہ سر سے گنجا تھا لیکن چہرہ کوئی چھ انچ لمبی داڑھی میں چھپا ہوا تھا طویل قامت اور بھاری بدن ہونے کی وجہ سے وہ خاصا بھیانک نظر آتا تھا۔

"تم نے میرے ساتھ بہت بڑی ناانصافی کی ہے۔" پریچر مین چند ثانیے رُک کر دوبارہ بولا۔ "میرے ڈاؤن ٹاؤن ہیڈکوارٹر پر تمہارا حملہ قطعی غیر متوقع تھا۔ اگر بتا کر آتے تو اچھا استقبال کیا جاتا۔ مگر کیا نتیجہ نکلا اُس تباہی کا؟ صرف یہ کہ ہماری کاپیوں سے تمہیں اس جزیرے کا پتا چلا اور تم یہاں چڑھ دوڑے۔"

وہ پیچھے ہٹ کر کمرے میں ٹہلنے لگا۔

"میرے خطرناک قیدی۔" وہ پھر ٹائیگر سے مخاطب ہوا۔ "تم نہیں جانتے کہ تمہیں بے بس کرکے مجھے کتنی خوشی حاصل ہوئی ہے، میں نے سُنا ہے کہ تم جرأت مندی اور حوصلے کے شاہکار ہو اس لیے میں اب تک فیصلہ نہیں کر پایا کہ مجھے تمہارے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہیے، تمہیں کھلونے کی طرح اپنے پاس رکھوں؟ تمہارا سر امریکی تاجروں کو روانہ کردوں تاکہ وہ اسے نیلام کردیں؟ یا تمہیں اپنے پرائیویٹ ایکسپرٹ کی حیثیت سے بھرتی کرلوں؟"

"میں وہ ہیرا ہوں پریچر مین جو کسی کے تاج میں سج کر اُسے زندگی نہیں، موت کا تحفہ دیتا ہے۔" ٹائیگر اس عرصے میں پہلی مرتبہ بولا تھا۔ "اس لیے کوئی خطرہ مول لینے سے پہلے خوب سوچ سمجھ لینا۔"

"اوہ۔" پریچر مین چلتے چلتے رُک گیا۔ "بہادر ہی نہیں زندہ دل بھی ہو اور میں ایسے لوگوں کی بے حد قدر کرتا ہوں۔"

وہ دوبارہ اپنی کُرسی پر جا بیٹھا۔ اُس نے میز کی دراز کھول کر اعشاریہ چوالیس کا ریوالور نکالا اور اُسے ٹائیگر پر تان لیا۔

"اس کھلونے کو فی الحال اندر ہی رکھو پریچر مین، یہ ایک بار چل گیا تو میری لغت میں سے رعایت کا لفظ مٹ جائے گا۔"

"میرے گھر میں بیٹھ کر مجھ ہی کو دھمکیاں دے رہے ہو؟" پریچر مین کے لہجے میں حیرت تھی۔ لیکن تمہارا انداز مجھے بے حد پُراعتماد لگا ہے، بات شاید میں ہی کوئی غلطی کر بیٹھا ہوں۔ تم نے میرے ایسے حفاظتی انتظامات میں شگاف ڈالا ہے جسے دُنیا کا ذہین سے ذہین آدمی بھی توڑ نہیں سکتا تھا۔ میں خصوصی طور پر یہ جاننا چاہتا ہوں کہ تم شارک مچھلی کے ٹینک سے کس طرح باہر نکلے؟ پہلے دروازے سے اندر آنے کے بعد میرے ٹی وی کیمرے تمہاری ایک ایک حرکت مجھ تک پہنچا رہے تھے لیکن اس کے باوجود میں سمجھ نہیں سکا کہ تم نے مچھلی کو کس طرح ہلاک کیا؟"

"اس طرح۔" ٹائیگر نے پُشت پر ہتھکڑی میں بندھے ہاتھوں کو ایک جھٹکا دیا۔ زنجیر ٹوٹ گئی اور اُس نے دونوں ہاتھ پریچر مین کے سامنے کر لیے۔

نہ صرف موٹے ٹیگرو بلکہ دونوں محافظوں کی آنکھیں بھی مارے حیرت کے پھٹنے کو آگئی تھیں۔

"اوہ نو!" پریچر مین نے جھٹکے سے اُٹھنا چاہا۔

"ابھی نہیں پریچر مین۔" ٹائیگر نے ہاتھ سے اُسے دوبارہ بیٹھنے کو کہا۔ "ایک منٹ رُک جاؤ۔"

ٹائیگر نے بائیں ہاتھ کی درمیانی انگلی، دائیں کلائی کو گرفت میں لینے والے کڑے میں پھنسائی۔ محض ایک اشارے سے آہنی کڑا ٹوٹ کر فرش پر جا گرا۔ یہی حرکت اُس نے بائیں کلائی کے کڑے کے ساتھ دُہرائی۔

پریچر مین ادھ کھلے مُنہ اور پھٹی ہوئی آنکھوں سے اس حیرت ناک منظر کو دیکھ رہا تھا۔

"ناممکن۔" اُس کے حلق سے بے اختیار آواز نکلی۔ "میں نہیں مان سکتا۔"

"نہ مانو۔" ٹائیگر نے بے پروائی سے کہا۔ "مجھے منوانا بھی نہیں ہے، میں تو صرف یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ تم جانوروں کو منجمد کیوں کر رہے ہو؟"

پریچر مین جلدی جلدی پلکیں جھپکانے لگا۔ وہ مسلسل ٹائیگر کو گھور رہا تھا۔ بالآخر اُس نے اپنی حالت پر قابو پالیا۔

"وہ میرے تعمیری آپریشنوں کا ایک حصّہ ہیں۔" پریچر مین نے کہا اس بار اس کا لہجہ دوستانہ تھا۔ "میں مختلف شعبوں میں تحقیق کر رہا ہوں جس کے لیے جانور استعمال کیے جارہے ہیں لیکن یہ بعد کی باتیں ہیں، فی الحال میں تمہیں یہ بتانے جارہا ہوں کہ میں ہمیشہ سے غیر معمولی لوگوں کی تلاش میں رہا ہوں اور تم ہر لحاظ سے اس پر پورے اُترتے ہو اس لیے میں تمہیں اپنے اسٹاف میں شامل کرکے اور

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

تمہاری وفاداریاں جیت کر خوشی محسوس کروں گا۔"

"ایک قاتل کی حیثیت سے؟"

"یہ بہت ثقیل لفظ ہے۔" پریچر مین نے نفی میں سر ہلایا۔ "ضروری نہیں کہ تم سے یہی کام لیا جائے لیکن اگر کبھی اس کی ضرورت پڑی تو ظاہر ہے یہ بھی کرنا ہوگا۔ پھر بھی اور بہت سے کام تمہارے کرنے کو ہوں گے... ہمارے موجودہ منصوبے کو ہی لے لو۔ درحقیقت اس جزیرے پر ہم باقی دنیا میں کرائیوبائیلوجی کی انتہائی ترقی سے بھی دس پندرہ سال آگے ہیں۔ ہم نے ایسی ایسی کامیابیاں حاصل کی ہیں جن پر تمہیں یقین نہیں آئے گا۔ کیا تم جانتے ہو کہ ہم نے پہلے ایک کتے کو منجمد کیا اور پھر اُسے دوبارہ زندہ کر دیا گیا؟ مگر یہ کامیابی ہمیں فوراً ہی نہیں مل گئی۔ اس کے لیے ہمیں کئی تجربات کرنے پڑے۔ ناکامیاں بھی بہت سی ہوئیں لیکن اب ہم ان میں سے بہت سی پر قابو پا چکے ہیں اور ہم نے بلا مبالغہ تمام مسائل کا حل دریافت کر لیا ہے۔"

"میں نے بھی راستے میں کچھ منجمد جانور دیکھے تھے، کیا وہ اسی سلسلے کی ایک کڑی ہیں؟"

"ان [illegible] ایسے تجربات، جن سے ہم نے بہت کچھ سیکھا۔ جب ہم نے دیکھا کہ ہمیں اس میں کامیابی نہیں ہوئی تو ہم نے مزید بہتری کی کوشش کی اور جیت گئے، اب جلد ہی ہم ایک اور کامیابی حاصل کرنے والے ہیں، ہمارے ڈاکٹر لوتھرین نے اس بات کا سراغ لگایا ہے کہ مچھلی برسہا برس پانیوں میں کس طرح زندہ رہتی ہے۔ بقول ڈاکٹر اُس کے جسم میں ایسا کیمیائی مادہ پایا جاتا ہے جو پانی کا درجہ حرارت کم ہوتے ہی مچھلی کے جسم سے رسنا شروع کر دیتا ہے۔ یہی مادہ مچھلی کے جسم کو منجمد ہونے سے بچاتا ہے۔ جوں جوں سردی بڑھتی ہے مادے کے رسنے کی رفتار میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ اب ہم اسی مادے پر تحقیق کر رہے ہیں کہ اسے دوسرے جانداروں پر کس طرح آزمایا جائے۔ اگر ہم اس میں کامیاب ہو گئے تو پھر کسی کو بھی مار کر زندہ کیا جا سکے گا۔ ہے نا عظیم ترین کامیابی؟"

"بشرطیکہ مرنے والا شخص، لاش کی صورت میں ہی نہ رہ جائے۔" ٹائیگر نے گمبھیر انداز میں کہا۔ "میں نے سنا ہے کہ تم زندہ انسانوں پر تجربے کر رہے ہو؟"

"سائنس کے بہترین مفاد میں ہم نے کچھ تجربات کیے ہیں۔" پریچر مین نے فخریہ انداز میں ٹائیگر کو آگاہ کیا۔ "بات ہے کہ شروع میں ہم سو فی صد درست نتائج کی ضمانت تو نہیں دے سکتے تھے۔ انسان صدیوں سے امر ہونے کا خواب دیکھ رہا ہے اور ہماری کوشش اب تک کی کوششوں میں سب سے بہترین اور کامیاب ہے۔"

"میں نے امریکہ سے بہت سی خوبصورت لڑکیوں کے غائب ہو جانے کی رپورٹیں پڑھی ہیں کیا تم اپنے ان منحوس سیلوں کے لیے خوبصورت لڑکیوں کا کوئی گروپ تشکیل دے رہے ہو؟"

"فی الحال نہیں۔" پریچر مین مسکرایا۔ "لیکن حسن میری خصوصی دلچسپی کسی سے ڈھکی چھپی بات نہیں۔ مجھے ہر وقت حسین اور خوبصورت لڑکیوں کی ضرورت رہتی ہے لیکن ابھی تک ہم کسی ایسی شے کو مارکیٹ میں دینے کے قابل نہیں ہوئے جس پر عبور نہ حاصل کر چکے ہوں۔ اس سلسلے میں حائل رکاوٹوں میں سے نصف پر ہم قابو پا چکے ہیں لیکن باقی نصف کے لیے ابھی انتظار کرنا ہوگا۔"

"لیکن میرے خیال میں تو جب آدمی مر جاتا ہے تو وہ محض ایک لاش ہوتا ہے۔" ٹائیگر بولا۔ "یہ ایک ایسی طویل نیند ہوتی ہے جس پر تمہارے تجربے اور علم اثر انداز نہیں ہو سکتے۔"

"میں اس وقت تو اس مسئلے پر قطعی بحث نہیں کروں گا۔" پریچر مین نے جواب دیا۔ "جو کچھ میں کرنا چاہ رہا ہوں وہ یہ ہے کہ آدمی کو اس کی مصروف زندگی سے نکال کر ایک طویل عرصے کے لیے سلا دیا جائے اور جب ضرورت ہو اسے جگا لیا جائے۔ ہمارے ہاں اس نیند کو موت کی نیند نہیں کرائیوجنیکس نیند کا نام دیا گیا ہے۔"

"میں اُس وقت یقین کروں گا جب اپنی آنکھوں سے دیکھ لوں گا۔" ٹائیگر نے پہلی چال چلی۔

"کیوں نہیں۔" پریچر مین اُس کی پہلی گولی نگل گیا تھا۔ "ابھی تو یہ میری ذمے داری ہے کہ میں ایک اچھا میزبان ہونے کا ثبوت دوں اور اپنی بادشاہت تمہیں دکھاؤں۔ ویسے چلتے چلتے میں تمہیں یہ بتا دوں کہ دروازے سے اندر داخل ہونے کے بعد میں جب چاہتا تمہیں ہلاک کر سکتا تھا تم ہر وقت کیمرے کی زد میں رہے... آؤ اب چلتے ہیں۔"

ٹائیگر کو اس بات پر حیرت تھی کہ پریچر مین نے دو بار اُسے جتایا تھا کہ ٹی وی کیمرے مسلسل اس کی تصویریں اُتار رہے

ایک پُراسرار مُورتی کے حصول کی خاطر ہونیوالے خوفناک معرکے کا احوال

اِلکا

اقابلا

سونا گھاٹ کا پجاری

اور غلام روحیں

جیسی لازوال

کہانیوں کے خالق

سحر و اسرار کی رونگٹے کھڑے کر دینے والی داستان

انوار صدیقی

کے ایک نئے پُراسرار اور چونکا دینے والے کہانی

کتابی سائز میں پانچ حصوں میں

مکمل سیٹ 250 روپے

کتاب اپنے قریبی بک سٹال سے طلب فرمائیں یا ادارے کے نام مکمل پتہ کا منی آرڈر آنسال فرمائیں

کتاب آپ کو بذریعہ رجسٹری ارسال کر دی جائے گی

خط و کتابت کے لئے

مکتبہ القریش سرکلر روڈ، اُردو بازار، لاہور ۲، فون ۷۲۲۴۶۵

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

رہے تھے لیکن اُس نے اوشان کا ذکر نہیں کیا تھا حالانکہ اندر وہ اکٹھے ہی داخل ہوئے تھے۔ ممکن ہے وہ نظروں میں نہ آیا ہو یا پھر سرنگ میں اندھیرے کے باعث دونوں کی ہی تصویر بریں نہ لی جا سکی ہوں اور پہلی بار ٹائیگر اُس وقت ایکسپوز ہوا ہو جب ہال میں داخل ہوا تھا۔ مگر اُس لمحے بھی اوشان ساتھ تھا، پھر کیوں؟

اُس نے سر جھٹک کر گویا ذہن صاف کیا۔ یہ اُس کا دردِ سر نہیں تھا۔ یہ یقین اُسے تھا کہ اوشان جہاں بھی ہوگا سو فیصد محفوظ و مامون ہوگا۔

پریچرین اُسے لے کر ایک دوسرے دروازے کی طرف بڑھا۔ جلد ہی وہ اسپتال جیسے ایک کمرے میں موجود تھے متعدد میڈیکل ٹیکنیشنز اور سفید گاؤن پہنے ہوئے چند ڈاکٹرز ایک میز کے گرد کھڑے تھے جس پر ایک لڑکی لیٹی ہوئی تھی۔ لڑکی خوبصورت، لباس سے بے نیاز اور یقینی طور پر منجمد تھی۔ کمرے میں موجود دوسرے لوگوں نے بھاری پیڑے پہن رکھے تھے۔

"اس کیس میں معمول کو ہمارے جدید ترین اور بہترین سائنٹفک ڈیٹا کے مطابق تیار کیا گیا ہے۔" پریچرین نے ٹائیگر کو آگاہ کیا۔ "لڑکی کا جسم اس کی موت کے فوراً بعد انتہائی فریزر سالوشن اور پلازما کے ذریعے محفوظ کر لیا گیا تھا۔ مجھے افسوس ہے کہ میں اس کیپسول ٹنڈ کا لفظ ادا نہ کر پاؤں گا۔"

ٹائیگر کو اس کے لہجے پر غصہ تو بے حد آیا لیکن وہ پی گیا کیونکہ ابھی وہ مزید تماشے دیکھنا چاہتا تھا۔ اُسے یقین تھا کہ لڑکی کو تجربے کی بھینٹ چڑھانے کے لیے جان بوجھ کر مارا گیا ہوگا۔

وہ دوبارہ پریچرین کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"اس چیمبر کو اس وقت تک دو ڈگری فی گھنٹہ کے حساب سے گرم رکھا جاتا ہے جب تک معمول کی جلد اس کا تقاضہ کرتی ہے لیکن اس مرحلے پر..." وہ اُس نے اُنگلی سے لڑکی کی طرف اشارا کیا۔ "... گرمائش بڑھا دی جاتی ہے تاکہ جسم کے بیرونی حصے زیادہ گرم ہو کر کام کرنا نہ چھوڑ دیں۔ مجھے یقین ہے کہ بہت سے آلات تمہارے جانے پہچانے ہوں گے جونہی معمول کے محفوظ جسم میں خون اور پلازما اس کی وریدوں کے ذریعے پمپ کرنے کی ضرورت پیش آئی یہ کام شروع کر دیں گے، یہ چند ہی لمحوں کی بات ہے۔"

ٹائیگر لڑکی کا جائزہ لینے لگا۔ وہ بہ مشکل بیس برس کی تھی۔ لمبے بھورے بال، خوبصورت چہرہ اور متناسب جسم لیکن ان ظالموں نے وقت سے پہلے ہی اُسے موت کے منہ میں دھکیل دیا تھا۔

دیوار پر لگا ہوا ایک ڈائل انہیں لڑکی کے جسم کے گرم ہونے سے آگاہ کر رہا تھا۔ پریچرین آگے پیچھے ٹہل رہا تھا جب کہ ٹائیگر اور اُس کے ساتھ آنے والے محافظ ابھی تک پوری طرح چوکس تھے۔

مشین خودکارانہ طور پر اسٹارٹ ہو گئی۔ کوئی تیس سیکنڈ یہ چلتی رہی اور پھر خود بخود بند ہو گئی۔ وہ لڑکی کے پھیپھڑوں میں ہوا داخل نہیں کر پائی تھی۔

دو منٹ بعد مشین پھر چلنے لگی۔

اردگرد کھڑے لوگوں نے اپنے بھاری کوٹ اُتار دیے۔ چیمبر کا درجہ حرارت ۹۸۰۶ ڈگری ہو گیا تھا۔

مشین کے چلنے کے دوران ایک اور مشین لڑکی کے منجمد جسم میں خون داخل کرنے لگی۔ ایک ڈاکٹر نے کسی خصوصی آلے سے لڑکی کی آنکھوں کا جائزہ لیا۔

لڑکی کے دل کو زبردستی حرکت کرنے پر مجبور کیا جا رہا تھا۔ خون وریدوں میں داخل کیا جا رہا تھا جب کہ پھیپھڑوں کو مجبور کیا جا رہا تھا کہ وہ خون کو گردش دیں۔

ٹمپریچر چارٹ کے اوپر ایک بہت بڑا لیکن حساس پریشر ویو میٹر نصب تھا۔ سائنسدان مسلسل اُسے دیکھ رہے تھے لیکن سوئی ساکت تھی۔ اُس کے دماغ کی لہروں میں کوئی حرکت نہیں تھی لیکن وہ مسلسل کوششوں میں مصروف تھے۔

انچارج ڈاکٹر نے اب ایک الیکٹرک شاک مشین منگوائی۔ الیکٹروڈز لڑکی کے جسم سے منسلک کر دیے گئے۔ پھیپھڑوں کی مشین بند کر کے لڑکی کے جسم کو برقی جھٹکے دیے گئے لیکن کوئی ردِعمل ظاہر نہیں ہوا۔

مختلف ادوات میں لڑکی کے دل کو مزید برقی جھٹکے دیے گئے لیکن اُس کا جسم بے حس و حرکت رہا۔ اُس نے خون کی پمپنگ شروع نہیں کی۔

پھیپھڑوں کی مشین ایک بار اسٹارٹ ہوئی لیکن پھیپھڑوں نے ہوا کا دباؤ قبول کیا نہ ہی پریشر ویو میٹر نے کوئی حرکت ہوئی۔

ٹائیگر نے طنز کیا تھا لیکن پریچرین اسے تعریف سمجھ کر کچھ اور پھول گیا تھا۔

"یہ آپ خاص تو نہیں؟" اُس نے روبی کی طرف اشارہ کیا۔ "لیکن چونکہ یہ ہمارے لیے مشکلات پیدا کر رہی تھی اس لیے ہم نے اسے تجربے کے لیے استعمال کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس کا تعلق امریکہ کے محکمہ چارہ گر سے ہے، تم جانتے ہو اسے؟"

ٹائیگر اس سوال کا منتظر تھا۔

"میں ایسی لڑکیوں سے کوئی تعلق رکھنا پسند نہیں کرتا کیونکہ میرا راستہ الگ ہے اور وہ میں خود بناتا ہوں مجھے کسی کی مدد کبھی راس آئی ہے نہ پسند۔۔۔"

"رائٹ، مسٹر ٹائیگر! میں خود بھی اسی مسلک کا آدمی ہوں۔ اسی لیے کامیاب رہتا ہوں۔"

"مجھے تمہارا طریقہ پسند آیا ہے۔" ٹائیگر نے زبردستی مسکراتے ہوئے کہا۔ "صرف یہی ہے یا اور بھی ہیں؟"

"درجنوں۔" پریچرین نے فخریہ انداز میں کہا۔ "آؤ تمہیں اپنا ذخیرہ دکھاؤں۔"

کوریڈور میں چلتے ہوئے وہ ایک اور کمرے میں داخل ہوئے جسے پہلے کمرے کی طرح دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ یہ خاصا بڑا کمرہ تھا اور اس میں فریزر وغیرہ بھی موجود تھا۔ کمرے میں مختلف لباس پہنے ہوئے دس مختلف لڑکیاں موجود تھیں۔ تمام کی تمام دُبلی پتلی، سرو قد اور انتہائی خوبصورت تھیں۔

ٹائیگر نے سب کے چہروں کا جائزہ لیا لیکن اُن میں اُسے مالیا نظر نہیں آئی۔

خدا جانے اس شیطان نے اُسے کس کھوہ میں ڈال رکھا تھا۔

"یہ میرا تجرباتی خزانہ ہے، مسٹر ٹائیگر! ان تمام لڑکیوں کو میں عالمی مارکیٹ میں اچھے داموں بیچ سکتا ہوں لیکن میں ان کی قیمت کا کرایہ وصول کرتا ہوں۔ میرے پاس پرائیویٹ جیٹ طیارہ ہے جس کے ذریعے میں انہیں بوقتِ ضرورت دُنیا کے کسی بھی خطے میں مطلوبہ گاہک کو بھجوا تا ہوں میری سروس سب سے بہترین ہے لیکن میں اپنے کاروبار میں ورائٹی اور انفرادیت چاہتا ہوں۔ میرے کئی ذاتی مسائل ہیں۔ لڑکیاں تھک جاتی ہیں۔ بیمار ہو جاتی ہیں یا سب سے گندی بات یہ کہ موٹی ہو جاتی ہیں اور میں اس طرح

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کی مایوس تجارت کے خلاف ہوں۔"

اُس نے کوریڈور کی طرف ہاتھ ہلایا۔ "انہی کی وجہ سے تو میں اپنے کرائیو ٹائیلو جسٹوں کو مجبور کر رہا ہوں۔ جب وہ کامیاب ہو گئے تو میرے مسائل کا خاتمہ بھی ہو جائے گا۔ لڑکیوں کو منجمد کر کے محفوظ کر لیا جائے گا۔ جس لڑکی کا آرڈر ملا اُس میں زندگی کی حرارت دوڑا کر اُسے گاہک کے پاس روانہ کر دیا جائے گا۔ دُنیا کے کسی بھی حصّے میں، چین، انگلینڈ، سوڈان، برونائی، ارجن ٹائن، سب کچھ میری دسترس میں ہے۔ کام ختم ہونے کے بعد انہیں واپس لا کر دوبارہ منجمد کر دیا جائے گا اور یہ عرصہ اُس وقت تک کا ہو گا جب تک دوبارہ اُس کی ضرورت نہیں پڑتی، یہی میری زندگی کا مقصد ہے اور یہی میرا انتخاب ہے۔"

ٹائیگر اُس کے الفاظ بہ مشکل ہضم کر رہا تھا۔ وہ ساکت و جامد روبی کو دیکھ چکا تھا اور یہ بھی سُن چکا تھا کہ اگلا تجربہ اُسی پر ہونے والا ہے۔ اُس کا جی چاہ رہا تھا کہ پریچر کو انہی قدموں پر زمین میں گاڑ دے لیکن ابھی مایا کا فیصلہ باقی تھا۔

"آؤ میرے اچھے آدمی، چلیں۔" پریچرین نے ٹائیگر کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "میرے ساتھ شامل ہو کر تم عیش کرو گے۔ بہت سی اضافی مراعات، جیسے دنیا کی خوبصورت ترین لڑکیوں سے دوستی، دُنیا بھر کا سفر اور اس جیسی اور کئی رعائتیں بھی ہوں گی۔"

"مجھے یہ سب منظور ہے۔" ٹائیگر نے دفعتہً کہا۔ "لیکن ایک شرط پر۔"

"وہ کیا؟"

"پہلے تم کسی مقابلے میں مجھے شکست دے دو۔"

"ارے!" پریچرین قہقہہ لگا کر ہنسا، اُس کا بھاری بھرکم جسم بُری طرح ہلنے لگا تھا۔ "میں تمہاری شرط سمجھ رہا ہوں۔ تمہارا خیال ہے کہ میں اپنے جثّے کے باعث زیادہ آسانی سے بھاگ دوڑ نہیں کر سکوں گا اور تم جلد ہی مجھ پر قابو پا لو گے... نہیں اچھے آدمی... یہ ممکن نہیں ہے... میں کم از کم تمہارے لیے تو ناقابلِ شکست ہوں۔"

"کیوں کہو کہ میرے مقابلے پر آنے سے بچنا چاہتے ہو؟" ٹائیگر نے اُسے ناؤ دلایا۔

"ایسی کوئی بات نہیں۔" پریچرین سنجیدہ ہو گیا۔ "میں تو اس لیے کہہ رہا تھا کہ تمہاری خدمات سے میں فائدہ اُٹھانے کا خواہش مند تھا اور نہیں چاہتا کہ کسی کو شکار کرنے سے پہلے تم میرا ہی شکار بن جاؤ، لیکن اگر تمہاری یہی خواہش ہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں... پچاس فٹ کے فاصلے سے اعشاریہ ۴۵ کے ریوالور سے نشانہ لگانے کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

ٹائیگر نے نفی میں سر ہلایا۔ "کرانے کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"پھر سوچ لو نوجوان، تم اُس میں بھی مجھ سے نہیں جیت سکو گے، جب تم جزیرے پر پہنچے میں معمول کی نیند سو رہا تھا اور تمہاری آمد کے باعث میری نیند خراب ہوئی جس کے اثرات اب بھی مجھ پر طاری ہیں لیکن اس کے باوجود میں محض دو منٹوں میں تم پر قابو پا سکتا ہوں اس کے بعد میں دوبارہ سونے جانا چاہتا ہوں، وہ ننھی منی سی چینی لڑکیاں میری منتظر ہیں۔"

ٹائیگر نے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ پریچرین کو فی الحال مارنا نہیں چاہتا تھا۔ اُس کا پروگرام یہ تھا کہ پہلے وہ اُس کے اِس سیٹ اپ کو تباہ کرے گا اور اُس کے بعد پریچرین کو ٹرتھ پائر پا کر مارے گا تاکہ دوسروں کو اُس سے عبرت ہو۔

روبی کے اغوا کے حوالے سے وہ چونکہ ٹائیگر کا ذاتی مجرم تھا اس لیے وہ اطمینان سے بدلہ لینا چاہتا تھا۔ یہی سوچ کر اُس نے پریچرین کو مقابلے کی دعوت دی تھی کہ وہ اِس بہانے اُسے بے ہوش کر کے روبی کو کسی محفوظ مقام تک پہنچائے گا اور پھر مایا کو تلاش کر کے اس سیٹ اپ کو اُڑا دے گا۔

پریچرین اُسے ایک چھوٹے سے جمنازیم میں لے آیا تھا اُس نے ٹائیگر کو بتایا کہ جمنازیم اُس نے اپنے اور کام پر جانے والی لڑکیوں کی ورزش کے لیے بنوایا ہے۔ اِس وقت جمنازیم خالی پڑا تھا۔

ایک ملازم نے دونوں کو کوارٹر اسٹاف لا کر دیے۔ انہیں جنوبی افریقہ کے درختوں کی سخت لکڑی سے بنایا گیا تھا۔ یہ کسی رولر کی طرح چار فٹ لمبی اور کوئی ایک انچ موٹی چھڑیاں تھیں۔ اس کا ایک وار کسی آدمی کا بازو، ریڑھ کی ہڈی حتیٰ کہ گردن تک توڑ سکتا تھا۔

ٹائیگر نے جمنازیم کا جائزہ لیا۔ یہ دو منزلہ بلند تھا اور اس کا رقبہ تیس مربع گز تھا۔ کوئی تماشائی وہاں موجود نہ

تھا۔ ملازم چھڑیاں دے کر واپس جا چکا تھا بس دونوں شاٹ گن بردار دو دروازوں پر تنے کھڑے تھے۔

"کیا تم تیار ہو، میرے ننھے دشمن؟" پریچر نے تھرکتے ہوئے کہا۔ "میری کوشش ہو گی کہ میں تمہیں اتنا زخمی نہ کروں کہ مرمت کی ضرورت پڑ جائے۔ میرا خیال ہے کہ جو دوسرے کی ٹانگ یا ہاتھ توڑ ڈالے اُسے فاتح تصوّر کر لیا جائے۔"

"درست۔" ٹائیگر نے فوراً اُس سے اتفاق کیا۔

"ریڈی۔" پریچر تمام جنگی اصولوں کا خیال رکھ رہا تھا اور ٹائیگر کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ رہی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ لڑائی کا فیصلہ ہونے میں محض چند سیکنڈ لگیں گے لیکن پریچرین یوں تیار ہو رہا تھا جیسے گھنٹوں لڑنے کا پروگرام ہو۔

وہی ہوا جو ٹائیگر نے سوچا تھا۔

اُس نے پریچر کو پہلے حملہ کرنے کی دعوت دی۔ پریچر چند قدم پیچھے ہٹا اور پھر چھڑی لہراتا آگے بڑھا۔

ٹائیگر نے چھڑی دائیں ہاتھ میں پکڑ رکھی تھی لیکن وہ اس کے استعمال کا کوئی ارادہ ہی نہیں رکھتا تھا کیونکہ اس کی قطعی ضرورت نہیں تھی۔

جونہی پریچرین قریب آیا ٹائیگر نے بڑی رفتار سے اُس کی چھڑی پر ہاتھ ڈال دیا۔ پریچر کی گرفت کافی سخت تھی لیکن ٹائیگر کے لیے وہ کسی کمزور سے بچے کی گرفت سے زیادہ نہ تھی۔ اگلے ہی لمحے چھڑی ٹائیگر کے دائیں ہاتھ میں منتقل ہو چکی تھی جہاں پہلے سے ایک چھڑی موجود تھی۔

پریچرین کو حیرت کا ایک شدید جھٹکا لگا۔ کوئی شخص آج تک اُس کی گرفت میں آئی ہوئی شے چھڑا نہ سکا تھا اور ٹائیگر نے یوں چھڑی کھینچ لی تھی جیسے مکھن سے بال نکال رہا ہو۔

پریچرین اپنی رو میں آگے آیا تو ٹائیگر کے بائیں ہاتھ کی درمیانی اُنگلی دروازے پر دستک دینے کے سے انداز میں اُس کی کنپٹی پر پڑی اور پریچرین کوئی آواز نکالے بغیر زمین پر ڈھے گیا۔

ٹائیگر نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی دونوں چھڑیاں باری باری محافظوں کی طرف اُچھال دیں۔

دائیں دروازے والے محافظ کو بس اتنا یاد تھا کہ اُس نے چھڑی کو اپنی جانب آتے دیکھا تھا لیکن پھر وہ تیز رفتاری کے ساتھ کسی چاقو کی مانند اُس کے سینے میں ترازو ہو گئی تھی۔ اُس نے چیخنے کی کوشش کی لیکن چھڑی سیدھی اُس کے دل میں پیوست ہو گئی اور وہ انہی قدموں پر نیچے گر پڑا۔

دوسرے محافظ نے جب اپنے باس کو زمین پر گرتے دیکھا تو اپنی شاٹ گن سیدھی کرنی چاہی لیکن صرف دو ہی سیکنڈ بعد اُس نے کوئی تیرتی ہوئی شے اپنی جانب آتے دیکھی۔ آخری چیز جو اُس نے دیکھی وہ یہی چھڑی تھی۔ اُس نے جھکائی دے کر بچنے کی کوشش کی لیکن یوں لگتا تھا کہ چھڑی کوئی مزاحمت ہو کہ جھکنے کے باوجود سیدھی اُس کے ماتھے پر لگی۔ اس سے آگے کا حال وہ کسی کو بھی بتانے سے قاصر تھا کیونکہ چھڑی اُس کے ماتھے میں گھس کر گدی سے باہر نکل آئی تھی۔ اُسے اپنے سر کی ہڈیاں ٹوٹنے کی آواز بھی سُنائی نہیں دی تھی کیونکہ اس سے پہلے ہی اُس کی روح جسم کا ساتھ چھوڑ چکی تھی۔

جب تک وہ نیچے گرتا، ٹائیگر اُس کا جسم پھلانگ کر باہر راہداری میں آ چکا تھا۔ اُس کا رُخ اُس کمرے کی جانب تھا جہاں روبی کو قید کیا گیا تھا۔

دروازہ مقفّل تھا لیکن ٹائیگر کے مضبوط ہاتھوں نے ہینڈل گھمایا تو لاک کلک کی آواز کے ساتھ ٹوٹ گیا۔

تالا کھلنے کی آواز سُن کر روبی نے چونک کر سر اُٹھایا اور پھر اپنے سامنے ٹائیگر کو دیکھ کر اُس کی آنکھیں اُبل پڑیں۔ اُس نے پلکیں جھپکائیں کہ کہیں یہ خواب تو نہیں لیکن وہ شہزاد ہی تھا۔

وہ چند ثانیے قبل ہی ہوش میں آئی تھی۔ شام کے وقت اُسے کوئی نشہ آور دوا دے کر بے ہوش کر دیا گیا تھا۔ اُس کو ایک ڈاکٹر نے بتایا تھا کہ کل اُس پر ایک تجربہ کیا جانے والا ہے اس لیے وہ چاہتے ہیں کہ آج وہ مکمل نیند لے لے جب اُس کی آنکھ کھلی تو اُس نے خود کو اس کرسی پر بیٹھا پایا تھا۔ اُس کے ہاتھ پیر آزاد تھے لیکن وہ تھوڑی سی نقاہت محسوس کر رہی تھی، جانے وہ کون سی دوا تھا؟

پھر اچانک اُسے ڈاکٹر کی بات یاد آ گئی کہ اُس پر کوئی تجربہ کیا جانے والا ہے۔ وہ سوچنے لگی کہ پتا نہیں وہ تجربہ کیسا ہو؟ اغوا ہونے کے بعد سے اب تک اُسے کوئی نقصان

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

نہیں پہنچایا گیا تھا اور نہ ہی اغوا کنندگان نے اُس سے کسی قسم کی کوئی زیادتی کی تھی۔

البتہ اُسے شک تھا کہ وہ ایک طویل عرصے تک تنویمی عمل میں رہی ہے اور اغوا کرنے والوں نے اِس عالم میں اُس سے متعدد سوالات بھی کیے تھے۔ اُس نے انہیں اپنا نام ڈائنا میکس ویل بتایا تھا لیکن بے ہوشی کے ایک طویل وقفے کے بعد اُسے اُس کے اصل نام روبی سے پکارا جانے لگا تھا اور اُسے یاد تھا کہ عالمِ ہوش میں اُس نے کسی کو اپنا اصل نام نہیں بتایا تھا۔

روبی کے حوالے سے وہ یقیناً چارہ گر کے بارے میں بھی جان گئے ہوں گے۔ بہرام، اوشنان اور ٹائیگر کی ذات بھی اُن سے چھپی نہیں رہ سکی ہوگی۔

ٹائیگر کا خیال آتے ہی وہ بے چین ہوگئی۔ اتنے دنوں میں اُس کا دل جتنی بار دھڑکا تھا اُس نے شہزاد کو یاد کیا تھا۔ جب وہ اغوا ہوئی اُس وقت ٹائیگر ایک مشن میں مصروف تھا لیکن واپسی پر تو اُسے اغوا کا پتا چل ہی گیا ہوگا پھر وہ اب تک اُس کی مدد کو کیوں نہیں آیا؟

وہ دل کے متضاد جذبوں پر غور کرنے لگی۔ جب وہ سامنے ہوتا تو اسے بے تحاشا تنگ کرتی، پریشان کرتی لیکن یہ بھی اُس کی محبت کا ایک انداز تھا۔ وہ اُسے دل و جان سے چاہتی تھی لیکن تنگ اس لیے کرتی تھی کہ شاید وہ بھی کسی مرحلے پر کھل کر سامنے آجائے لیکن وہ تو اُس کے سایے سے بھی بدکتا تھا۔ وہ ایک ظالم شخص تھا جو نہ دلوں کی اہمیت جانتا تھا نہ کسی کا دل رکھنا اُسے آتا تھا۔

اُس نے دل ہی دل میں عہد کیا کہ ایک بار وہ اُسے بچانے آجائے پھر زندگی بھر اُسے تنگ نہیں کرے گی۔ کاش ایک مرتبہ وہ آجائے... صرف ایک بار...

اُس کی سوچوں کا تسلسل ٹوٹ گیا۔ دروازے کی کلک پر وہ چونکی تو سامنے شہزاد کھڑا تھا۔ اُسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا تھا لیکن بار بار پلکیں جھپکا کر دیکھنے پر بھی وہ اُسے شہزاد ہی نظر آیا تھا۔

"شہزاد...!" اُس کے ہونٹوں سے سرگوشی سی خارج ہوئی۔ اُس کی آنکھیں نمناک تھیں اور آواز رندھی ہوئی تھی "میں نے تمہارا بہت انتظار کیا۔"

وہ نقاہت کے باوجود اُٹھ کر شہزاد کی طرف بڑھی وہ اُس کے گلے لگ کر رونا چاہتی تھی اُسے اپنی محبت کا یقین دلانا چاہتی تھی اور بتانا چاہتی تھی کہ اب وہ اسے کبھی تنگ نہیں کرے گی۔

لیکن جونہی وہ لڑکھڑاتی ہوئی شہزاد کے قریب پہنچی وہ دُور ہٹ گیا۔

"مجھ سے پرے رہو!" اُس نے خشک انداز میں کہا تو روبی کے تمام ارمانوں پر اوس پڑ گئی۔

"تم جنگلی، وحشی، جاہل، تم کیا جانو کہ میں نے یہ دن تمہارے انتظار میں کس طرح گزارے ہیں؟" وہ باقاعدہ رو دی "تم نہ آتے تو شاید میں مر گئی ہوتی۔"

"میں اللہ کا شکر ادا کرتا کہ بغیر جادو ٹونے کے ہی بچ گئیں سے جان چھوٹ گئی۔"

"شہزاد...!" روبی نے کچھ کہنا چاہا لیکن ٹائیگر نے ہاتھ اُٹھا کر اُسے بولنے سے منع کر دیا۔

"ٹسوے بہانے کے لیے بہت وقت پڑا ہے۔" اُس کا انداز اب بھی جارحانہ تھا "فی الحال یہاں سے نکلو۔"

روبی ساکت ہوگئی، وہ یک ٹک اس ظالم شخص کو دیکھ رہی تھی اور وہ لاتعلق سا ایک کونے میں کھڑا تھا۔

"میں نے کہا ہے باہر چلو۔" ٹائیگر سخت لہجے میں بولا۔

"مگر مچھ کے یہ آنسو کسی اور کو دکھانا۔"

روبی اب بھی اپنی جگہ پر گم صم کھڑی تھی۔ ٹائیگر نے آگے بڑھ کر اُس کا ہاتھ پکڑا اور اُسے کھینچتا ہوا راہداری میں لے آیا۔

راہداری خالی پڑی تھی۔ دُور دُور تک کوئی شخص نہیں تھا۔ ٹائیگر تیز قدموں سے ایک جانب بڑھا۔ روبی کا ہاتھ اب بھی اُس نے تھام رکھا تھا اور اس بے چاری کو اُس کا ساتھ دینے کے لیے باقاعدہ بھاگنا پڑ رہا تھا۔

کراٹیو جنگ سیلوں تک انہیں کوئی نظر نہیں آیا لیکن پھر انہیں کچھ لوگ نظر آئے جو افراتفری کے عالم میں اِدھر اُدھر بھاگ رہے تھے۔ ٹائیگر اور روبی اطمینان سے اُن کے درمیان سے نکلتے چلے گئے۔

وہ ایسے علاقے میں جا نکلے تھے جہاں سیلوں میں انہیں منجمد انسانی جسم نظر آرہے تھے۔ ٹائیگر نے سامنے نظر دوڑائی چوڑی راہداری کا آخری سرا ویران تھا۔

راہداری کی چھت میں ہر بیس فٹ کے فاصلے پر

نصب لاؤڈ اسپیکر زجاگ اُٹھے تھے اب اُن میں سے مختلف آوازیں برآمد ہو رہی تھیں۔

ٹائیگر نے اردگرد کا جائزہ لیا۔ یہ حصہ اُس کے لیے نیا تھا۔ وہ اندر داخل ہوتے وقت یہاں سے نہیں گزرا تھا۔ ایک جگہ "سے، لیول بی، ایزل تھری، کے الفاظ لکھے نظر آئے تھے۔ پھر اچانک ہی اُن کے سروں پر نصب لاؤڈ اسپیکر سے ایک بھاری بھرکم آواز سُنائی دینے لگی۔

"مبارک ہو، مسٹر ٹائیگر!" بولنے والا پریسجر مین کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا "بہت اچھے رہے تم، تمہاری پھرتی اور ذہانت واقعی قابلِ تعریف ہے لیکن سچ مانو کہ مجھے اس کی توقع بالکل نہیں تھی اسی لیے میں نہیں ایک آسان لقمہ سمجھ رہا تھا..."

وہ چند ثانیوں کے لیے رُکا اور پھر گویا ہوا۔

"... یقیناً تمہیں حیرت ہوگی کہ تم نے مجھے بے ہوش کیا تھا اور محض چند ہی منٹ کے اندر میں ہوش میں آگیا۔ تم سے مخاطب کس طرح ہوں تو اس کا جواب صرف یہ ہے کہ ہم لوگ اتنی ترقی کر چکے ہیں کہ انسانوں کو منجمد کر کے انہیں دوبارہ زندگی دینے کے تجربات میں مصروف ہوں، ان کے لیے یہ کوئی بڑی بات نہیں۔ یہ بھی میرے لیے ایک کھیل تھا لیکن تمہارا کھیل اب ختم ہو چکا ہے، یا تو تم مجھے رپورٹ دو کہ تم میرا ساتھ دینے کا فیصلہ کر چکے ہو یا پھر اپنی خوبصورت محبوبہ روبی کے ساتھ مرنے کو تیار رہو جاؤ اور یہ میں بتا دُوں کہ تم دونوں چند منٹ سے زیادہ زندہ نہ رہ سکو گے۔ بدقسمتی سے تم جس علاقے میں موجود ہو وہاں کسی قسم کا خودکار ہتھیار نصب نہیں کیونکہ حساس کراٹیو جینکس رون اور ایزل تھری لیول بی پر ہتھیار لے جانے کی اجازت نہیں مگر تم سے نمٹنے کے ابھی ہمارے پاس اور بہت سے طریقے ہیں۔ اس وقت میری گھڑی کے مطابق ٹھیک تین بج کر اٹھاون منٹ ہوئے ہیں اور محض دو منٹ بعد نہ صرف تمہارے علاقے کو آکسیجن کی فراہمی روک دی جائے گی بلکہ اس سیکٹر میں موجود باقی ماندہ ہوا کو بھی پمپوں کے ذریعے نکال لیا جائے گا۔ تمام اسٹاف کو محفوظ مقام پر منتقل کر دیا گیا ہے اور ایریا کلیئر ہونے میں مزید چھ منٹ لگیں گے۔ اس لیے مجھے اپنے فیصلے پر عمل کرنے میں کسی قسم کی ہچکچاہٹ نہیں ہوگی۔"

روبی سنے سے کبھی خوفزدہ نہیں ہوئی تھی لیکن اس طرح مرنا بھی اُسے قبول نہیں تھا اُس نے چونک کر شہزاد کو دیکھا لیکن وہ پُرسکون انداز میں لاؤڈ اسپیکر سے سُنائی دینے والی آواز کی طرف متوجہ تھا۔

"ہر اسپیکر کے نیچے راہداری کی دیوار پر ٹیلی فون نصب ہیں۔ کسی بھی کمیونیکیشن پر مجھ سے رابطہ قائم کرو تم دونوں کی

ایک نوجوان کی عجیب داستان
جو اپنی یادداشت کھو بیٹھا تھا
گم کردہ
یعقوب جمیل کے قلم سے
خوبصورت سرورق، بہترین طباعت و کتابت
قیمت =/100 روپے
مکتبہ القریش
سرکلر روڈ اردو بازار لاہور
7668958

الف لیلہ ڈائجسٹ کا مقبول سلسلہ
انسان اور شیطان
مصنف محمد فراز
امیر علی خان کی خوفناک آپ بیتی
مکتبہ القریش سرکلر روڈ اردو بازار لاہور
فون 7668958

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

جاں بخشی کر دی جائے گی، یاد رکھو مسٹر ٹائیگر اگر تم نے ابھی مجھے فون نہ کیا تو تمہارے پاس زندہ رہنے کے لیے صرف سات منٹ باقی ہیں۔"

* ٹائیگر نے بے یاری سے سر جھٹکا اور روبی کا ہاتھ تھام کر پہاڑی کے آخری سرے کی طرف بڑھا۔ پچاس فٹ کا فاصلہ اُس نے پلک جھپکنے میں طے کر لیا تھا لیکن روبی بے چاری کا بُرا حال تھا وہ اُس کے ساتھ باقاعدہ گھسٹ رہی تھی۔

یہاں فرار کے وہ راستے ہونے چاہئیں تھے جن پر ٹائیگر اور اوشان پر فائرنگ ہوئی تھی۔ پتھریلی سلیبیں بے شک خود کار راستہ تھے سے ہٹی تھیں لیکن وہ کھلتی تو نہ تھیں۔ مگر وہ سوراخ کہاں تھے؟ وہ کس طرح نمودار ہوتے تھے؟ ٹائیگر یہی سوچ رہا تھا لیکن ابھی تک اُسے کوئی ایسی شے نظر نہ آئی تھی جس پر خفیہ میکنزم کا شبہ ہو سکتا۔

پہاڑی کا آخری سرا بھی سپاٹ تھا۔ نہ کوئی دروازہ اور نہ کوئی سوراخ، صرف ایک چٹان تھی جسے تراش کر دیوار کی صورت دی گئی تھی۔

ٹائیگر واپس مڑا۔ اب وہ پہاڑی کی دیواروں کو ٹھونک بجا کر دیکھ رہا تھا۔ اُسے کسی قسم کی ٹیوبوں اور تاروں کی تلاش تھی لیکن دونوں سمت صرف اور صرف مضبوط قسم کی چٹانیں تھیں۔ ٹائیگر نے گھڑی دیکھی۔ ٹھیک چار بجے تھے۔ اُسی وقت سروں پر لگے اسپیکر زدوبارہ آن ہو گئے۔

"ٹھیک چار بجے ہیں۔" بولنے والا اس بار بھی پریچر مین ہی تھا۔ "مسٹر ٹائیگر اور مس روبی! میں نہایت افسوس کے ساتھ یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ ابھی تک تمہاری طرف سے ایسی کوئی کارروائی نہیں ہوئی جس سے میں یہ اندازہ لگاتا کہ تم میرے ساتھ شامل ہو رہے ہو۔ چنانچہ خدا حافظ۔۔۔ آکسیجن کی فراہمی منقطع کر دی گئی ہے اور ہوا کھینچنے والے پمپ محض پندرہ سیکنڈ بعد اسٹارٹ کر دیے جائیں گے۔"

چند ثانیے خاموشی رہی جس کے بعد اسپیکر سسٹم پر ایک نئی آواز سنائی دی۔

"اٹینشن، اٹینشن! کرائیو جینکس سیکشن میں فرسٹ کلاس ریڈ الرٹ کا اعلان کیا جاتا ہے۔ تمام کوالیفائیڈ ریفریجریشن ٹیکنیشنز ہر فلور کے ریفریجریشن سیکشن میں رپورٹ کریں، ہمارے آلات ایک بہت بڑے بریک ڈاؤن کی نشاندہی کر رہے ہیں۔

مقبول مصنف

علیم الحق حقی

کی

لازوال اور خوبصورت تحریریں

جن کو آپ کبھی فراموش نہ کر سکیں گے

***

مٹی کی امانت (۲ جلدیں)	۳۰۰/۰۰
وقت کے فاصلے	۲۲۵/۰۰
پروانہ	۱۷۵/۰۰
حجِ اکبر	۱۵۰/۰۰
بیلے کا سیاہ پھول	۱۵۰/۰۰
کان کن	۱۰۰/۰۰
بالائے ستم	۹۰/۰۰
اُمید کا دیا	۱۰۰/۰۰
جانم جانِ جہاں	۹۰/۰۰
دادا چوزی اور نوذی	۱۳۵/۰۰

مکتبہ القریش سرکلر روڈ اردو بازار لاہور ۲

فون ــــ 7668958

اس لیے جلد پہنچیں۔"

ٹائیگر نے ایک طویل سانس لی۔ "تو اس کا مطلب ہے۔ میرے نئے دوست نے کارروائی کا آغاز کر دیا۔" اُس کا انداز خود کلامی کا سا تھا۔ "اس سے یقیناً ان کے لیے مزید مشکلات پیدا ہوں گی۔"

وہ روبی کو ساتھ لے کر پھر چل پڑا۔ کوریڈور میں ہوا کی کمی محسوس ہونی شروع ہو گئی تھی۔ ٹائیگر تو ابھی تک ٹھیک ٹھاک تھا لیکن روبی کو سانس لینے میں دشواری ہو رہی تھی۔ ٹائیگر کی کوشش تھی کہ ہوا مزید کم ہونے سے پہلے کم از کم روبی کو کسی محفوظ ٹھکانے تک پہنچا دے۔

روبی خاموشی کے ساتھ، ٹائیگر کا ساتھ دے رہی تھی۔ اس کے دل میں متضاد جذبوں کی جنگ ہو رہی تھی۔ ایک جانب تو وہ سخت دل ہونے کے ناتے اُسے بُرا بھلا کہہ رہی تھی لیکن دوسری جانب اس کی مشکور بھی تھی کہ اُس نے اُسے درندوں کے چنگل سے نجات دلا دی تھی۔

ٹائیگر بائیں جانب کے ایک کوریڈور میں مڑا۔ اُسے اُمید تھی کہ شاید یہاں باہر نکلنے کا کوئی راستہ دکھائی دے اور اس بار اُس کی توقعات نے اُسے مایوس بھی نہیں کیا۔ کوریڈور کے آخری سرے پر اُسے سیڑھیاں نظر آئیں جو نیچے اتر رہی تھیں۔ اُسے یہ بھی علم نہیں تھا کہ سیڑھیاں کہاں جاتی ہیں لیکن اس وقت روبی کی جان بچانی مقصود تھی۔ وہ خود اُسے سیڑھیاں اترنے لگا۔

دو جا سیڑھیوں کے بعد ہی اُسے مشینوں کی گڑگڑاہٹ سنائی دینے لگی۔ نیچے شاید ڈیزل یا ٹربائن انجن چل رہے تھے۔ کوئی ڈیڑھ منزل نیچے پہنچ کر اُس کے شبہات کی تصدیق ہو گئی۔ بہت بڑے ہال میں پائپوں، بڑے بڑے انجنوں، ٹربائنوں اور برقی تاروں کا جال بچھا ہوا تھا۔ یہ مشینیں ایک چھوٹے موٹے شہر کو بجلی فراہم کر سکتی تھیں۔

ٹائیگر ان میں سے کئی چیزوں کو پہچانتا تھا۔ تین بڑے بڑے گیس ٹربائن انجن پوری رفتار سے چل رہے تھے۔ وہ ابھی اُن کا جائزہ ہی لے رہا تھا کہ ایک آدمی کونے سے اُن کی طرف بڑھا۔ وہ شاید پہلے کسی بڑے سے انجن کی آڑ میں تھا۔

"کون ہو تم لوگ؟" آنے والے نے کرخت آواز میں پوچھا۔ روبی غیر ارادی طور پر ٹائیگر کی آڑ میں ہو گئی۔ اس کی سانس کا زیر و بم اب ختم ہو گیا تھا اور وہ مکمل طور پر نارمل تھی۔

"ہم اس سسٹم کو تباہ کرنے آئے ہیں۔" ٹائیگر نے نہایت اطمینان سے جواب دیا۔ "تم کہو! یہاں کام کرتے ہو؟"

"ہاں!" آنے والے نے اثبات میں سر ہلایا۔ اس کا لہجہ بھی اب بدل گیا تھا۔ "میں محافظ اور ٹیکنیشن کی دہری ذمے داریاں ادا کرتا ہوں۔ میرا کام ڈائلوں اور گیجوں پر نگاہ رکھنا اور یہاں کا کام انجام دینا ہے۔"

"تم جانتے ہو، اوپر کی منزلوں پر کیا ہو رہا ہے؟"

"یقیناً! وہ لوگ کتے بلیوں کو منجمد کر کے دوبارہ زندہ کرنے کے تجربات کر رہے ہیں۔ ہر کوئی جانتا ہے۔"

"اور اب وہ انسانوں کو بھی منجمد کر رہے ہیں۔ کیا تم یہ بات جانتے ہو؟"

"اوہ! ناممکن۔۔۔!"

"یہی حقیقت ہے۔" ٹائیگر نے مجرمانوں اور جنیٹر سیڈ کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ "کیا تم نے کبھی انہیں تباہ کرنے کا سوچا ہے؟" اُس نے تاروں اور مشینری کی طرف اشارہ کیا۔

"نہیں! وہ مجھے بہت اچھی تنخواہ دیتے ہیں۔"

"کیا تم کوئی کریمنل ریکارڈ رکھتے ہو؟"

"نہیں بھئی! میں صرف ایک ٹیکنیشن ہوں۔"

ٹائیگر پھر الیکٹریکل آؤٹ پٹ اور پمپوں کی لائن کی طرف متوجہ ہو گیا۔ انہیں سمندری پانی کو جوس کر اندر آجاتا تھا، نکالنے کے لیے پمپوں کی ضرورت تھی۔ تقریباً نصف سے زیادہ کمپلیکس سطح سمندر سے نیچے تھا۔ اس لیے یہ پمپ اُن کے لیے نہایت اہم حیثیت رکھتے تھے۔

"یہ پمپ کس طرح آپریٹ ہوتے ہیں؟" ٹائیگر نے پوچھا۔ "کیا ان کی پاور کے ذرائع الگ ہیں؟"

"نہیں! یہ بھی مین پاور سپلائی سے ہی چلتے ہیں۔"

"ریچ لے کر آؤ۔" ٹائیگر کا لہجہ ایک دم بدل گیا۔ نوجوان ٹیکنیشن نے صرف ایک لمحے کے لیے ٹائیگر کی طرف دیکھا دونوں کی نگاہیں ملیں اور ٹیکنیشن الٹے قدموں واپس چل دیا۔ دو منٹ بعد جب وہ لوٹا تو اُس کے ہاتھ میں ایک بڑا سا ریچ موجود تھا۔

ٹائیگر ریچ لے کر اُس چھوٹے سے پوائنٹ تک پہنچا۔ جہاں سے تینوں جنریٹروں کے تار ٹرانسفارمر میں داخل ہوتے تھے۔ ٹائیگر نے پوائنٹ کا جائزہ لیا اور پھر ریچ کے ایک ہلکے سے وار سے آدمی کی ٹانگ جتنے موٹے تینوں تار ٹوٹ گئے۔ بجلی کے تاروں کے ٹوٹنے سے ہلکا سا دھماکہ ہوا۔ ٹائیگر کو

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

بجلی کا ایک جھٹکا بھی لگا لیکن وہ انتہائی اعتماد کے ساتھ اپنی جگہ کھڑا رہا۔ ٹیکنیشن حیرت سے اس عجوبے کو دیکھ رہا تھا جس پر بجلی نے بھی اثر نہیں کیا تھا۔

ٹربائن اب بھی چل رہے تھے لیکن ان سے بجلی ٹرانسفارمر میں منتقل نہیں ہو رہی تھی۔

"بہتر ہے کہ تم اوپر چلے جاؤ۔" ٹائیگر نے ٹیکنیشن کو مخاطب کیا۔ "یہ جگہ تھوڑی ہی دیر میں خلیج ہڈسن کے پانیوں میں غرق ہونے والی ہے... کیا تم یہاں سے جلد از جلد نکلنے کا راستہ جانتے ہو؟"

"ہاں! یہ راستہ، یہ بھی سمت نکلتا ہے۔"

ٹیکنیشن آگے بڑھ کر وہی سیڑھیاں چڑھنے لگا جن سے اتر کر وہ کچھ دیر پہلے ہی نیچے پہنچے تھے۔ ٹائیگر اور روبی اس کے پیچھے پیچھے تھے۔ ٹیکنیشن بھاگ کر دیوار پر لگے ایک لاؤڈ اسپیکر کے پاس پہنچا اسے ایک طرف کیا اور اس کے عقب میں نصب خفیہ ہینڈل کھینچ لیا۔

کوریڈور کا چار ضرب چار فٹ ٹکڑا ایک جانب کھسک گیا۔ ٹھیک اسی وقت فلور کی آدھی روشنیاں گل ہو گئیں۔

"بیٹریاں کمزور پڑ رہی ہیں۔" ٹیکنیشن نے ٹائیگر کو بتایا اور ساتھ ہی اس راستے کی طرف اشارہ کیا جو ہینڈل کھینچنے سے نمودار ہو گیا تھا۔

"یہ تہہ خانے کا سب سے نچلی علاقہ ہے۔" ٹیکنیشن کہہ رہا تھا یہاں سے پانی کی گہرائی تیس میٹر ہے۔"

ٹائیگر نے جلب دیلے بغیر روبی کو باہر نکلنے میں مدد دی لیکن وہ خود اسی سوراخ میں کھڑا رہا تھا۔

"تم میری واپسی تک یہیں ٹھہرنا۔" ٹائیگر نے روبی کو کہا انداز ایسا ہی تھا جیسے ڈانٹ رہا ہو۔ "میں پریچر سے نمٹ کر واپس آتا ہوں۔"

روبی نے نہ چاہتے ہوئے بھی اسے پکارنا چاہا لیکن ٹائیگر دوبارہ شگاف میں گم ہو گیا۔

"تم اس جگہ کے بارے میں کیا جانتے ہو؟" ٹائیگر اس بار ٹیکنیشن سے مخاطب تھا۔

"میں اس کی تعمیر میں شامل رہا ہوں۔ مجھے یہاں دو سال کا عرصہ ہو گیا ہے۔"

"گڈ! اب تم مجھے وہ جگہ دکھاؤ جہاں ہنگامی حالات پیش آنے کی صورت میں پریچر مین پناہ لے سکتا ہے۔ کیا یہاں کوئی خفیہ سرنگ یا بوٹ ہاؤس بھی موجود ہے جسے وہ استعمال کر سکتا ہے؟"

"میں نے سوائے بڑے دفتر کے اس کا کوئی حصہ نہیں دیکھا۔" ٹیکنیشن نے کندھے اچکائے۔

"مجھے راستہ دکھاؤ۔"

ٹیکنیشن فوراً چل پڑا۔ ٹائیگر اس کے ساتھ ساتھ تھا۔ مختلف جگہوں پر انہیں متعدد افراد دکھائی دیے لیکن وہ اپنی ہی پریشانی میں مبتلا نظر آتے تھے۔ انہوں نے دونوں سے کوئی تعرض نہیں کیا۔

کرائیو جینکس سیل بھی اب نیم تاریک سے نظر آ رہے تھے یوں لگ رہا تھا جیسے ان کا ریفریجریشن سسٹم بھی ناکارہ ہو گیا ہو لیکن ان کا درجہ حرارت اس حد تک کم تھا کہ وہ ابھی کئی گھنٹوں تک محفوظ رہ سکتے تھے۔

ٹائیگر کو سفید کپڑوں میں ملبوس ایک ڈاکٹر نظر آیا لیکن وہ انہیں دیکھتے ہی ایک سمت بھاگ نکلا۔ ٹائیگر محض مسکرا کر رہ گیا تھا۔

ٹیکنیشن اسے لے کر چند سیڑھیاں چڑھ گیا۔ اب وہ ایک دوسرے کوریڈور میں موجود تھے۔ کوریڈور کی خاصی روشنیاں بجھ چکی تھیں اور وہاں نیم تاریکی سی تھی۔

"یہاں دہرا برقی نظام ہے۔" ٹیکنیشن نے ٹائیگر کو بتایا "بیک وقت دو بیٹریاں کام کرتی ہیں، اگر ایک بیٹری خراب ہو جائے تو دوسری بیٹری خود بخود کام شروع کر دیتی ہے۔ اس طرح نصف روشنیاں ہر وقت جلائی جا سکتی ہیں لیکن ٹربائن جنریٹر کے بغیر ان کی عمر بیس منٹ سے زائد نہیں۔"

سامنے سے کسی نے فائر کیا۔ ٹائیگر نے ایک شعلہ سا اپنی جانب لپکتے ہوئے دیکھا۔ وہ ذرا سا لیٹر تھا ہوا اور شعلہ اس کے قریب سے گزرتا ہوا ایک دیوار میں گھس گیا۔ اسے حیرت تھی کہ فائر کس نے کیا ہے کیونکہ یہ کرائیو جینکس ایریا تھا جہاں فائرنگ کی سخت ممانعت تھی۔

ٹیکنیشن حیرت سے ٹائیگر کو دیکھ رہا تھا۔ گولی سے یوں بچ جانے والا اس کی زندگی کا یہ پہلا شخص تھا۔

"تم جانتے ہو کہ دس خوبصورت لڑکیوں کو کہاں قید رکھا گیا ہے؟" ٹائیگر نے دھیرے سے اس کے کندھے پر تھپکی دے کر مخاطب کیا تو وہ چونک پڑا۔ اس نے فوراً اثبات میں گردن ہلا دی۔ "تب پھر جاؤ اور دروازہ توڑ کر انہیں رہا کراؤ۔ انہیں کہو کہ فوری طور پر یہاں سے نکل جائیں، ورنہ ان کی سلامتی

کی ضمانت نہیں دی جا سکتی۔"

ٹیکنیشن نے اثبات میں سر ہلایا اور سامنے کی طرف دوڑ پڑا۔

ٹائیگر اسے جاتے دیکھتا رہا وہ نظروں سے اوجھل ہوا تو وہ بھی آگے بڑھ گیا۔ یہ علاقہ اس نے پہچان لیا تھا۔ اس کوریڈور کے اختتام پر دائیں جانب ایک راستہ جاتا تھا جس کے آخری کونے پر وہی ریسپشن ڈیسک تھی جو پریچر مین کے سیکریٹری کی تھی۔

چند ہی ثانیوں بعد لاؤڈ اسپیکر جاگ اٹھے مگر آواز سے لگ رہا تھا کہ بولنے والے کا پیغام پہلے ریکارڈ کیا جا چکا ہے۔

"وارننگ... وارننگ! الیکٹریکل سسٹم ایمرجنسی بائی پر ہے۔ ہمارے ویٹ سیل بیٹری بینکس میں صرف دس منٹ کی پاور موجود ہے۔"

اسپیکر آف ہو گئے۔

ابھی ٹائیگر چند قدم ہی آگے بڑھا تھا کہ اسپیکر دوبارہ آن ہو گئے۔

"خدا کے لیے کوئی نیچے سب لیول سی پر آئے۔ یوں لگتا ہے کسی پاگل نے اسے تباہ کر دیا ہے۔ دانو کھلے ہوئے ہیں اور لائنیں ٹوٹ گئی ہیں۔ یوں لگتا ہے کہ اسے دوبارہ کام کے قابل بنانے میں چھ ماہ تو ضرور لگیں گے۔ جلدی سے کوئی نیچے آ کر میری مدد کرے۔"

ٹائیگر نے اعلان سنا اور خالی کوریڈور میں آگے بڑھتا چلا گیا۔ جونہی وہ دائیں جانب مڑا، دور سے ریسپشن ڈیسک نظر آنے لگا۔ وہ آہستہ روی سے اس طرف چلنے لگا۔ ارد گرد کوئی شخص دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

اسپیکر پھر زندہ ہو گئے۔

"پمپ سی لیول سے کھاری پانی خارج کرنے میں ناکام ہو رہے ہیں۔ خطرہ ہے کہ کرائیو جینکس سیلوں سمیت سارا سی لیول سمندر میں ڈوب جائے گا لیکن اگر سمندری پانی ان مخصوص سیلوں سے ٹکرایا تو یہ طاقت ور بموں کی طرح پھٹیں گے۔ براہ کرم تمام باقی ماندہ پاور سی لیول کو منتقل کر دیا جائے۔"

جونہی اس کی بات ختم ہوئی کوریڈور میں سائرن گونج اٹھا ٹائیگر کو ریسپشن ڈیسک کے قریبی دفتروں سے لوگ باہر نکلتے دکھائی دیے۔ ڈیسک پر موجود شخص بھی چہرے پر حیرت سجائے اٹھ بیٹھا۔

پھر لوگوں نے افراتفری کے عالم میں ادھر اُدھر بھاگنا شروع کر دیا۔ ٹائیگر کا اندازہ تھا کہ وہ لوگ عقبی دروازے کی طرف بڑھ رہے ہیں۔

سائرن کی آواز کم زیادہ ہو رہی تھی۔

مزید لوگ ایک سمت بھاگتے نظر آئے لیکن وہ سارے مرد تھے۔ یوں لگتا تھا کہ وہی عورتوں کے سوا جزیرے پر کوئی اور عورت نہیں تھی۔

اسے حالیا یاد آئی۔ یہاں ہنگامی صورت حال کا آغاز ہو چکا تھا اور وہ نہیں جانتا تھا کہ مالیا کہاں ہے؟

اسپیکر سے ایک بار پھر آواز آنی شروع ہو گئی۔ اس بار آواز میں تحکمانہ انداز تھا۔ یقینی طور پر بولنے والا پریچر مین تھا۔

"کوئی اپنی جگہ نہیں چھوڑے گا۔ سائرن بلا اجازت بجائے گئے ہیں۔ ایمرجنسی ضرور ہے لیکن کوئی جان کا حادثہ نہیں ہوا۔ تمام افراد اپنی اپنی جگہوں پر واپس چلے جائیں۔ ہم کوشش کر رہے ہیں کہ جلد از جلد خرابی دور ہو جائے۔ ہم نے بیٹریوں کی قوت کو بحال کر دیا ہے اور اب پاور مزید تیس منٹ تک میسر ہو گی۔ سوائے کرائیو جینکس کے تمام سسٹم معمول کے مطابق کام کر رہے ہیں۔ تمام لوگ محفوظ ہیں اور کسی کی جان کو کوئی خطرہ نہیں، تمام لوگ اپنی اپنی جگہوں پر رہیں۔"

لاؤڈ اسپیکر آف ہو گئے اس کے ساتھ ہی ٹائیگر نے زیر زمین دنیا کی مہ کریاں معمول پر آتی محسوس کیں۔ وہ بڑھ کر ریسپشن ڈیسک تک جا پہنچا۔ کھرل نے اس کا راستہ روکنا چاہا لیکن ٹائیگر کے ایک ہی تھپڑ نے اسے دیوار کے ساتھ چسپاں کر دیا۔ اس نے ایک آدھ مرتبہ خون تھوکا اور بے حس و حرکت ہو کر زمین پر لڑھک گیا۔

ٹائیگر نے آگے بڑھ کر پریچر مین کے کمرے کا دروازہ کھول دیا۔

پریچر مین سامنے ہی کھڑا تھا۔

"آؤ دوست!" اس نے خوش دلی سے کہا۔ "میں تمہارا ہی انتظار کر رہا تھا۔"

جونہی اس کا جملہ ختم ہوا۔ روشنیاں گل ہو گئیں۔

ٹائیگر کو کوئی شے گرنے کی آواز سنائی دی اور پریچر مین اپنی جگہ سے غائب ہو گیا۔ ٹائیگر اندھیرے میں صاف طور پر دیکھ سکتا تھا لیکن اب وہ جگہ خالی تھی جہاں چند ثانیے قبل پریچر مین کھڑا تھا۔ یقینی طور پر فرش میں ہی کوئی سوراخ ہوا تھا جس سے وہ آناً فاناً غائب ہو گیا تھا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ٹائیگر اندھیرے میں ہی دروازے کی طرف بڑھا۔ اگلے ہی لمحے وہ دوبارہ کوریڈور میں پہنچ چکا تھا۔ ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ کہیں کوئی چنگاری تک بھی نظر نہیں آ رہی تھی البتہ اُسے اپنے اردگرد آدمیوں کا ایک ہجوم دکھائی دے رہا تھا جو خوفزدہ انداز میں اِدھر اُدھر بھاگ رہا تھا۔ وہ شاید باہر جانے کے لیے راستہ تلاش کر رہے تھے۔

اچانک روشنیاں لوٹ آئیں۔

کوریڈور میں کوئی درجن بھر افراد موجود تھے۔ انہوں نے اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیے تاکہ روشنی میں دیکھنے کے قابل ہو سکیں۔

ٹائیگر نے اپنے قریب ترین آدمی کو پکڑ لیا۔

"پریچر مین اِس راستے سے بھاگا ہے؟" ٹائیگر کو یقین تھا کہ وہ لوگ اپنے باس کے خفیہ راستے سے ضرور واقف ہوں گے

آدمی نے ایک لمبے ہال دے کی طرف اشارہ کیا۔ ٹائیگر نے تین اور افراد سے پوچھا اور انہوں نے بھی یہی جواب دیا تو وہ آگے بڑھ گیا۔

پچاس فٹ دور سیڑھیاں تھیں۔ وہاں دو آدمی ٹائیگر کو ملے۔ انہوں نے بتایا کہ پریچر مین چند ثانیے قبل سیڑھیاں اتر رہا تھا۔

ٹائیگر فوراً نیچے کی سمت دوڑا۔ اُس نے نچلا دروازہ کھولا اور کوریڈور میں داخل ہو گیا۔ یہی لیول سی تھا۔

پانی کوریڈور میں آ چکا تھا اور اس کی اونچائی ابھی دو انچ تھی لیکن اس کی بلندی میں اضافہ ہو رہا تھا۔

ٹائیگر نے پلٹ کر کرائیو جینکس سیلوں کی طرف دیکھا لیکن وہ زمین سے ایک فٹ بلند تعمیر کیے گئے تھے چنانچہ ابھی پانی اُن سے دس انچ نیچے تھا۔

ٹائیگر کو پریچر مین کوریڈور کے آخری سرے پر نظر آیا۔ اُس نے بھی پلٹ کر ٹائیگر کو دیکھا اور اور ایک کھلے دروازے میں ہاتھ ڈال کر کوئی شے باہر گھسیٹ لی۔

سوفٹ کے فاصلے سے بھی ٹائیگر بخوبی پہچان گیا کہ وہ مالیا ٹیلر تھی۔

"تم مجھے کبھی نہیں پکڑ سکو گے، مسٹر ٹائیگر!" پریچر مین نے چیخ کر کہا۔ "آگے بڑھے تو اس لڑکی کی گردن توڑ دوں گا۔" اس نے دونوں ہاتھ مالیا کی خوب صورت گردن کے گرد کس لیے۔

ٹائیگر وہیں رُک گیا۔

سوفٹ کا فاصلہ اُس کے لیے دو سیکنڈ سے بھی کم وقت کا متقاضی تھا لیکن پریچر مین کا ڈیل ڈول ایسا تھا کہ وہ ایک سیکنڈ میں مالیا کو گردن سے محروم کر سکتا تھا۔

مالیا کا چہرہ خوف سے سفید پڑ گیا تھا۔ اُس کے جسم پر برائے نام لباس تھا۔ اُس کی نگاہوں میں ٹائیگر کو بہت سی التجائیں نظر آئی تھیں۔

"تمہاری دوسری محبوبہ میرے قبضے میں ہے۔" پریچر مین دوبارہ بولا۔ "جب پانی کی سطح مزید ایک فٹ بلند ہو گی تو یہ تیزی جگر کسی ایٹم بم کی طرح پھٹے گی۔ میرے ماہرین نے مجھے بتایا ہے کہ سمندر کا نمکین پانی جونہی ان سیلوں سے ٹکرائے گا۔ یہ مضبوط سیل دھماکے سے پھٹ جائیں گے اور تم جانتے ہو کہ جب باری باری سیل پھٹیں گے تو یہاں کیسی قیامت برپا ہو گی؟ اس وقت پانی انتہائی کم رفتار سے اندر داخل ہو رہا ہے لیکن میں جانتے ہوئے ایک ایسا والو کھول جاؤں گا جس سے پانی انتہائی تیز رفتاری سے اندر داخل ہو گا اور چند ہی ثانیوں میں یہ جگہ چھت تک پانی میں ڈوب جائے گی۔ تم جانتے ہو کہ اس وقت ہم سطح سمندر سے بھی بیس فٹ نیچے ہیں۔"

ٹائیگر نے قدم آگے بڑھانا چاہا لیکن پریچر مین نے فوراً مالیا کو ڈھال بنا لیا۔

"نہیں! میرے پیارے دشمن، اس کی زندگی تمہارے آگے نہ بڑھنے سے مشروط ہے۔"

"اسے چھوڑ دو پریچر! ورنہ میں کرائیو جینکس سیل توڑ رہا ہوں گیس خارج ہوتے ہی ...!"

"تم بھول رہے ہو میری جان! یہ پریچر مین نے اُس کا مضحکہ اڑایا۔ "ایسا کرنے سے تمہاری یہ نوجوان محبوبہ بھی زندہ نہیں بچے گی۔ اِسے بچانے کے لیے تمہیں یہاں تک آنا ہو گا اور پھر اسے بچا کر اس تہ خانے سے نکلنے کی کوشش کرنی ہو گی۔ اگر ایسا نہیں کرو گے تو دونوں مارے جاؤ گے۔ لیکن اگر تم ابھی گیس خارج کرنا چاہتے ہو تو شوق سے کر دو گیس یہاں تک پہنچنے سے پہلے ہی میں یہاں سے نکل چکا ہوں گا لیکن مالیا کی گردن توڑنے کے بعد ...!"

پریچر مین مالیا کو چھوڑ کر ایک قدم پیچھے ہٹ گیا لیکن ہاتھ اُس کا اب بھی مالیا کی گردن کے گرد موجود تھا۔

مالیا اب دروازے کے ہینڈل سے بندھی ہوئی تھی۔

اُس شیطان کے بچے نے مالیا کے جسم کی آڑ لے کر اس عرصے میں اُسے باندھ دیا تھا۔

"یس جارہا ہوں مسٹر ٹائیگر۔" پریچر مین نے قہقہہ لگایا۔ "مجھے روک سکتے ہو تو روک لو۔"

وہ فوراً دروازے میں غائب ہو گیا۔

ٹائیگر تیزی سے آگے بڑھا لیکن اُسی وقت سمندری پانی اتنی تیزی سے اندر داخل ہوا کہ خود ٹائیگر بھی حیران رہ گیا یوں لگتا تھا جیسے کسی نہر کا بند توڑ دیا گیا ہو۔

وہ بھاگتا ہوا مالیا تک پہنچا۔ اُسے بہ مشکل دو سیکنڈ لگے تھے لیکن پانی اس عرصے میں نو انچ تک بلند ہو چکا تھا۔ اگلے ایک آدھ سیکنڈ میں پانی کرائیو جینکس سیلوں تک پہنچ جاتا اور پورا سیٹ اپ دھماکے سے اڑ جاتا۔

اُس نے پریچر مین پر لعنت بھیجی اور مالیا کو پکڑ کر اپنی طرف گھسیٹ لیا۔ اُس کے ہاتھ تو نہ کھل سکے لیکن دروازے کا ہینڈل اُس کی بندشوں سمیت اکھڑ آیا۔

مالیا درد سے چیخی۔ اُس نے شکایت آمیز نگاہوں سے ٹائیگر کی طرف دیکھا۔

ٹائیگر کو بھی افسوس ہوا لیکن یہ اظہار کا وقت نہیں تھا۔ اُس نے مالیا کو دروازے کی دوسری طرف دھکیلا اور دروازہ بند کر کے آگے بڑھا۔

لیکن چند قدم بڑھنے کے بعد ہی رُک گیا۔

"کیا ہوا؟" خوفزدہ مالیا نے پوچھا۔

"مجھے یقین نہیں کہ کرائیو جینکس سیل، سمندری پانی میں ڈوبتے ہی پھٹ جائیں گے۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ "اب تک کسی نے اس کا تجربہ نہیں کیا۔ ممکن ہے یہ دھمکی کے سوا کچھ بھی نہ ہو۔"

اس نے مالیا کی بندشیں کھول ڈالیں۔ اس کے دونوں ہاتھ آزاد ہو گئے۔

پانی اب اُن کے گھٹنوں تک آ پہنچا تھا۔

وہ آہستہ روی سے آگے بڑھنے لگے لیکن ابھی وہ چند فٹ ہی آگے بڑھے تھے کہ اُن کے عقب میں زوردار دھماکہ ہوا۔ پورا کوریڈور لرز کر رہ گیا۔

"بھاگو مالیا!" ٹائیگر نے اُس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا۔ "سیل پھٹ رہے ہیں۔"

مالیا نے دوڑنے کی کوشش کی لیکن تیز رفتاری سے راستے میں حائل ہو جانے والے پانی میں گر پڑی۔

ٹائیگر نے فوراً اُسے سہارا دیا۔

"ہر ف بند رہ گز اور مالیا...!" اُس کے باقی الفاظ دوسرے دھماکے میں دب گئے۔

اس نے مالیا کو بازوؤں میں اٹھا لیا اور دوڑ پڑا۔ وہ چند ہی فٹ آگے گیا تھا کہ تیسرا دھماکہ ہوا جس کے ساتھ ہی سرنگ نما غار تاریک ہو گیا۔

اب تسلسل کے ساتھ دھماکے شروع ہو گئے تھے۔ ہر دھماکے پر سرنگ یوں لرزتی جیسے چھت ابھی پانی میں آگرے گی۔

ٹائیگر کو اندھیرے میں کچھ فاصلے پر سیڑھیاں نظر آئیں جو اوپر کو جا رہی تھیں۔ وہ فوراً سیڑھیوں کی طرف بھاگا جونہی وہ اوپری کوریڈور میں پہنچا۔ سیڑھیوں کی چھت دھماکے سے نیچے آ رہی۔

سیڑھیوں کا راستہ بند ہو گیا تھا۔

لیول سی پوری طرح پانی میں ڈوب چکا تھا۔

یہاں نیم تاریکی تھی۔ ٹائیگر نے ادھر اُدھر دیکھا۔ یہ لیول بی تھا۔ اُسے یاد آیا کہ اس لیول کی دیواروں پر جگہ جگہ نصب لاؤڈ اسپیکرز دراصل باہر نکلنے کے خفیہ راستوں کے میکنزم ہیں۔

دھماکے اب لیول بی پر بھی ہونے لگے تھے اور کوریڈور کی جنوبی سمت زمین بوس ہو چکی تھی۔

وہ مالیا کو اٹھائے اٹھائے ایک لاؤڈ اسپیکر کی طرف بڑھا۔ ایک ہاتھ سے اُس نے مالیا کو سہارا دیا اور دوسرے سے لاؤڈ اسپیکر ایک جانب سرکا دیا۔

سامنے ہی خفیہ راستے کا ہینڈل موجود تھا۔

ٹائیگر کھلی فضا میں کھڑا تھا۔

زیر زمین دھماکوں میں شدت پیدا ہو چکی تھی اور چٹانوں کا ایک بڑا حصہ زمین بوس ہو چکا تھا

مالیا بدستور اُس کی باہنوں میں تھی لیکن اُس کی شوخی اب لوٹ آئی تھی۔ کھلی فضا کو دیکھتے ہی اس کے کھوئے ہوئے حواس بحال ہو گئے تھے۔

اُس نے بازو اٹھا کر ٹائیگر کی گردن میں حمائل کر دیے اور پھر اپنا چہرہ اٹھا کر ٹائیگر کے چہرے تک لے آئی۔

"ایک لڑکی اپنی زندگی بچانے کا شکریہ کس طرح ادا کرتی ہے؟" اُس کے ہونٹوں نے ٹائیگر کے رخساروں اور

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

گردن سے پوچھا۔

"ریچ کریلٹ میں تمہیں بتایا تو تھا!" ٹائیگر نے بھی مالیا کے رخساروں کو بتایا جو اندھیرے کے باوجود گلابی ہو گئے تھے۔

"میں سمجھی تھی کہ اب تو تم نے بے شرمی کی باتیں چھوڑ دی ہوں گی!"

"ہم پیدائشی ہیں!" ٹائیگر مسکرایا۔ "اور پیدائشی لوگ کبھی اپنی عادتیں ترک نہیں کرتے ... ویسے بے شرم میں نہیں! تم ہو ..... ذرا اپنی حالت پر غور تو کرو!"

مالیا اچھل کر اُس کی باہنوں سے نکل گئی۔

"آؤ چلیں!" ٹائیگر نے ہنس کر اُسے دیکھا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر ایک سمت کھینچا۔ "کچھ اور لوگ بھی ہمارے منتظر ہوں گے!"

*

روبی اسی جگہ موجود تھی جہاں ٹائیگر اُسے چھوڑ کر گیا تھا مگر اب وہ تنہا نہیں تھی۔ ایک اڑتی ہوئی قبا ٹائیگر کو دور سے ہی نظر آگئی تھی۔

مالیا کو ٹائیگر کے ساتھ دیکھ کر روبی نے بُرا سا منہ بنایا اور پھر اوشان کی طرف رُخ کر کے کھڑی ہو گئی۔

"آپ نے کبھی بندر دیکھا ہے، ماسٹر؟" اُس نے مڑے بغیر ہاتھ سے ٹائیگر کی طرف اشارہ کیا جو پانی میں نشر ابور تھا۔ اُس کے بال اور کپڑے گیلے ہو کر جسم سے چمٹ گئے تھے۔

اس سے پہلے کہ اوشان بولتا، ٹائیگر بول اٹھا۔

"دیکھیں، انٹل فادر! اس چڑیل نے آپ کو مداری بنا ڈالا ہے؟"

"کیا کہہ رہے ہو گنوار؟" روبی کسی ناگن کی طرح بل کھائی اور ٹائیگر ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔

"ظاہر ہے بندر مداری کے ساتھ ہی تو ہوتا ہے!" ٹائیگر بغلیں جھانکنے لگا۔

مالیا حیرت سے اُسے دیکھ رہی تھی۔ موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھنے والا ایک لڑکی کے سامنے بھیگی بلی بنا ہوا تھا۔ وہ پوچھنا چاہتی تھی کہ ایسا کیوں ہے لیکن اُسے ہمت نہ ہوئی تھی۔

"اِدھر آؤ میرے بچے!" دفعتہً اوشان نے ٹائیگر کو اپنے قریب بلایا۔ "میرے پاس تمہارے لیے ایک تحفہ موجود ہے!" اوشان نے ایک چھوٹی سی چٹان کے عقب میں اشارہ کیا۔ ایک انسانی جسم سینکڑوں ٹکڑوں میں تقسیم چٹان پر بکھرا ہوا تھا۔

ٹائیگر کو منہ سے یہ کہنے کی ضرورت نہیں تھی کہ وہ پہچان گیا ہے جو اُس کے جال سے نکل کر بھاگ آیا تھا۔

اُس نے ایک نظر پریچر مین کے ٹکڑوں کی سمت دیکھا اور پھر ندامت سے سر جھکا لیا۔ وہ جانتا تھا کہ اب سزا اُس کا مقدر ہو چکی ہے۔

"میں شرمندہ ہوں انٹل فادر!" چند ثانیوں بعد ٹائیگر نے اپنی ندامت کا اظہار کیا۔

"سو درّے لگائے بغیر معذرت قبول نہ کیجیے گا ماسٹر!" روبی نے شہ دی۔

ٹائیگر نے یوں آنکھیں نکال کر روبی کو گھورا کہ وہ وہیں منجمد ہو گئی۔

"اس بار تمہاری سزا ٹائیگر لیس تجویز کرے گی!" اوشان نے مسکراتے ہوئے مذاقاً کہا۔ "کیوں، میری بچی؟"

اس سے پہلے کہ روبی کچھ کہتی، ٹائیگر بول اٹھا۔

"اور میں اسے زندہ زمین میں گاڑ دوں گا!"

روبی فوراً اوشان کی آڑ میں ہو گئی جیسے ٹائیگر واقعی اپنے فیصلے پر عمل کرنے جا رہا ہو۔

آپریشن کرائیو جینکس ختم ہوئے ایک ہفتہ گزر گیا تھا۔ اوشان، ٹائیگر اور روبی اس وقت بہرام کے کمرے میں بیٹھے تھے۔

ٹائیگر اور باقی تمام لوگ ہوب آئی لینڈ سے اُسی کشتی کے ذریعے واپس لارنس پہنچے تھے جس میں وہ اور اوشان جزیرے پر گئے تھے۔ لارنس سے وہ پورٹ آرتھر آئے تھے۔ جس کے بعد ٹائیگر نے روبی اور اوشان کو نیویارک روانہ کر دیا اور خود مالیا کو ساتھ لے کر واشنگٹن چلا گیا۔

جب روبی کو یہ پتا چلا کہ ٹائیگر، مالیا کے ساتھ جا رہا ہے تو اُس کا چہرہ لال بھبوکا ہو گیا تھا۔ اُس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ بڑھ کر مالیا کا منہ نوچ لے لیکن وہ جانتی تھی کہ اس صورت میں اُسے ٹائیگر کے غیظ و غضب کا نشانہ بننا پڑے گا۔

نیویارک کے سفر کے دوران بھی وہ منہ پھلائے بیٹھی رہی تھی جبکہ اوشان بار بار اُسے پُرسکون رہنے کی تلقین کر رہا تھا۔

ٹائیگر تھوڑی دیر پہلے ہی چارہ گر پہنچا تھا اور اب بھی

روبی اُسے کھا جانے والی نگاہوں سے گھور رہی تھی لیکن وہ یوں اُس سے لاتعلق بیٹھا تھا جیسے کمرے میں اُس کا وجود ہی نہ ہو۔ اُس نے ایک بار بھی روبی کی طرف نہ دیکھا تھا۔

روبی نے دو مرتبہ کمرے سے اٹھ جانا چاہا تھا لیکن بہرام کسی نہ کسی بہانے اُسے روک لیتا تھا۔ شاید وہ بھی روبی کے اندرونی جذبات سے آگاہ تھا۔

"ایک چھوٹا سا کیس آن پڑا ہے!" بہرام نے گلا کھنکار کر دھیمے لہجے میں کہا۔ "میں سوچ ...!"

توقع کے عین مطابق ٹائیگر نے اُس کی بات کاٹی۔ "میں فی الحال کسی کیس ویس کے موڈ میں نہیں!"

"کیوں؟" بہرام نے پوچھا۔

"انٹل فادر نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ ہوب آئی لینڈ سے واپسی پر مجھے چھٹیوں پر بھیجا جائے گا۔"

"جھوٹ!" اوشان نے فوراً وضاحت کی۔ "میں نے یہ کہا تھا کہ ہوب آئی لینڈ سے واپسی پر ہم منا نجو چلیں گے اور ظاہر ہے منا نجو ہم تعطیلات پر تو نہیں جا رہے تھے۔"

"جھوٹوں کا منہ کالا کر کے، گدھے پر بٹھا کر پورے شہر میں گھمانا چاہیے، ماسٹر!" روبی نے تجویز پیش کی۔

"تم چپ رہو، چڑیل!" ٹائیگر لڑاکا عورت کی طرح اس کی طرف پلٹا۔ "اب بولیں تو پنکھے کی جگہ لٹکا دوں گا۔... ہاں تو میں کہہ رہا تھا منا نجو...!"

"میں منا نجو جانے کے احکامات منسوخ کرتا ہوں!" اوشان نے اُس کا جملہ اُچکا۔

"مگر میں تعطیلات کا پروگرام منسوخ نہیں کر سکتا!" ٹائیگر نے جواب دیا۔

"تمہیں صرف راہب بن کر ایک اصلاح خانے میں جانا ہے!" بہرام نے اُسے بتایا۔ "ایک سازش کا پتا چلانا ہے اور بس ... اُس کے بعد تم بیشک تعطیلات پر چلے جانا!"

روبی کھلکھلا کر ہنس دی۔

ٹائیگر نے کھا جانے والی نگاہوں سے اُسے دیکھا تو وہ یک دم خاموش ہو گئی۔ اُسے ٹائیگر کی ایسی نگاہوں سے ہمیشہ ہی خوف محسوس ہوتا تھا۔

"ٹھیک ہے، شہنشاہ!" اس سے پہلے کہ ٹائیگر کچھ کہتا اوشان بول اٹھا۔ "شہزادہ پہلے اصلاح خانے جائے گا۔ باقی پروگرام اس کے بعد ہوں گے۔"

"واپسی پر اُسے وہیں چھوڑ آئیے گا!" روبی نے ہانک لگائی۔ ٹائیگر پھر اُس کی طرف گھوما لیکن وہ تیزی سے اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گئی۔

قدیم کتابوں میں یہی لکھا تھا کہ جب بھی کسی لب مرگ سے ملنے کے لیے جاؤ تو تمہارے ساتھ ہاتھی کی دُم سے بٹی ہوئی رسّی ضرور ہونی چاہیے۔ لہٰذا جب صدارتی محافظ نے اُسے یہ بتایا کہ اب صدر اس سے ملاقات کریں گے تو نائب صدر الیسپر اس وقت تک منتظر رہا جب تک بادردی محافظ سیلوٹ کر کے نہ چلا گیا۔ الیسپر جیب میں ہاتھ ڈال کر رسّی کی موجودگی کا احساس کرنے کے بعد تیزی سے اپنے دفتر سے نکلا اور محافظ کے پیچھے چلنے لگا۔ وہ خود بھی وردی میں تھا اور اس کے شانوں پر تارے جگمگا رہے تھے۔ اس وقت ان دونوں کی ایڑیوں کے بٹنے کی آوازوں سے راہداری گونج رہی تھی۔

الیسپر نے منقش ڈبل اوک ڈور کے سامنے رُک کر دو تین طویل سانسیں لیں اور پھر دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ دروازہ خود ہی بند ہو گیا۔

اسکوما کا صدر اس وقت کھڑکی سے باہر کا نظارہ کر رہا تھا۔ بیرونی منظر اتنا دلکش نہ تھا لیکن اُسے دلکش بنانے کی ہر ممکن کوشش کی گئی تھی۔ صدارتی محل کسی سلیٹ کی طرح ہموار اور سپاٹ سنگی قطعہ اراضی پر کھڑا کیا گیا تھا۔ یہ پتھر اسکوما نامی اس چھوٹے سے اور نوزائیدہ ملک کی کانوں میں ملتے تھے۔ صدارتی محل کے احاطے پر نیلے رنگ کے پتھر لگا کر اُسے خوبصورت بنانے کی کوشش کی گئی تھی۔ احاطے کے اندر پھولوں بھلیوں کے اندر زمین سوئمنگ پول، باغ اور باڑیں بنائی گئی تھیں... پول کا پانی بھی گہرا نیلا نظر آ رہا تھا کیونکہ اس تالاب کو بناتے ہوئے اس کی دیواروں اور فرش پر نیلے پتھر لگائے گئے تھے۔

ہر طرف نیلا رنگ حاوی تھا۔

محل کے محافظوں کی وردی بھی نیلی تھی۔ صدر کو یہ رنگ بہت پسند تھا۔ اس نے اسے قومی رنگ قرار دیا تھا۔

اچھی نیلگوں ماحول میں صرف ان لوگوں کی وردیاں زرد رنگ کی تھیں جو زیر زمین سیوریج لائنیں ڈال رہے تھے۔ یہ لوگ محل کے مشرقی حصّے میں مصروف تھے۔ زرد رنگ دیکھ کر صدر کا خون کھولنے لگا۔ دراصل خون تو مسلسل چار ہفتے سے کھول رہا تھا جب سے سیوریج لائن پر کام شروع ہوا تھا لیکن وہ اس پر

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

اعتراض بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ بھنگیوں کی وردیاں قومی رنگ کی نہیں ہونی چاہئیں۔

صدر دشتی نے پلٹ کر اپنی نیلی میز کے دوسری طرف کھڑے ہوئے نائب صدر الیسپر کو دیکھا۔ اس نے کھڑکی بند کرنے کا ارادہ ترک کر دیا تاکہ نائب صدر کے جسم سے اٹھنے والی بدبو اس راستے سے باہر نکلتی رہے۔

نائب صدر کی وردی گہرے سُرخ گبرڈین کی تھی جس کی سلائی پر سنہری جھالر بنی ہوئی تھی۔ یہ وردی پیرس میں سِلی تھی اور پیرس کا ماہر خیاط بھی اپنی مہارت کے باوجود الیسپر کی بدذوقی کو چھپانے میں ناکام رہا تھا۔

الیسپر کا جسم 'چوڑا' تھا۔ پہلی ملاقات میں کوئی بھی نائب کو موٹا نہیں سمجھتا تھا۔ پہلا تاثر یہی ہوتا تھا کہ اسکومبا کا نائب صدر کریہہ صورت ہے۔ اس کے چہرے کی رنگت سیاہی مائل نیلی تھی۔ ناک چھوٹی، پیشانی کسی سپاٹ میدان کی طرح تھی اور اور تو کیلے سر سے مل رہی تھی۔ سر اور پیشانی کی یہ بدصورتی وہ فوجی کیپ پہن کر دُور کر لیا کرتا تھا۔

صدر دشتی تین ہفتے تک مسلسل غور و فکر کے بعد اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ اس کے نائب صدر کا سر، کرکس کے منحنے کے سر کی طرح ہے۔ چہرہ قبل از تاریخ کے انسان کا ہے اور جسم اکھاڑے سے ریٹائر ہونے والے پہلوان کا۔

سب سے اہم بات یہ تھی کہ نائب صدر الیسپر فوجی تھا۔ نائب صدارت کے لیے اسے جنرلوں ہی نے منتخب کیا تھا لہٰذا اسے برداشت کرنا صدر دشتی کی مجبوری تھی۔

لیکن وہ جنرل الیسپر پر اعتماد بہرحال نہیں کرتا تھا۔ وہ کسی بھی ایسے شخص پر اعتماد کا قائل نہ تھا۔ جو چوبیس گھنٹے پسینے میں تر رہتا ہو۔ اس وقت بھی پسینہ نائب صدر کی کنپٹیوں سے جبڑوں تک دانستہ بہ رہا تھا اور ہاتھوں کی پشت پر بھی بوندیں چمک رہی تھیں۔ اس وقت صدر اور نائب دونوں کی ملاقات کے اکجٹے پر صرف ایک نکتہ تھا۔ الیسپر کی تعطیلات ....!

"روسی سفارت خانے جانا مت بھولنا۔" صدر دشتی نے کہا۔ "اس کے بعد امریکی سفارت خانے ضرور جانا اور انہیں بتا دینا کہ تم روسی سفارتخانے سے ہو کر آئے ہو۔"

"میں ایسا ہی کروں گا... لیکن اس حکمتِ عملی کی کوئی خاص وجہ؟" نائب صدر الیسپر نے ہتھیلیوں سے چہرے کا پسینہ پونچھتے ہوئے پوچھا۔

"اس حکمتِ عملی پر عمل کر کے ہمیں روسیوں سے توقع سے بھی زیادہ اسلحہ اور امریکیوں سے توقع سے بھی زیادہ رقم اور گرانٹ مل سکے گی۔"

نائب صدر کے چہرے پر کبیدگی کے آثار فوراً ہی نمایاں ہو گئے اور لاشعوری طور پر اس کا دایاں ہاتھ پہلو پر پہنچ گیا۔ وہ انگوٹھے سے ہاتھی کی دم سے بٹی ہوئی رسی کا لمس محسوس کرنے لگا۔

"کیوں جنرل؟ کیا یہ بات تمہیں پسند نہیں آئی؟" صدر دشتی نے اس کے تاثرات کو فوراً بھانپ لیا۔ "کیا تم اس تجویز کو رد کرتے ہو؟"

"کسی تجویز کو منظور یا مسترد کرنا میرا منصب نہیں جناب صدر!" الیسپر بولا۔ اس کی آواز بھاری تھی اور لہجہ چغلی کھا رہا تھا کہ اس نے سینڈ ہرسٹ میں تعلیم حاصل نہیں کی۔ "لیکن مجھے یہ اچھا نہیں لگتا کہ ہم دوسروں کی مدد پر زندہ رہیں۔"

صدر دشتی نے ایک طویل سانس لی، سر ہلایا اور صوفے پر بیٹھ گیا۔ ساتھ ہی اس نے الیسپر کو بھی سامنے والی کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے ایک اور طویل سانس لی۔ "تم درست کہتے ہو جنرل! لیکن ہم اس کے سوا اور کر بھی کیا سکتے ہیں۔ ہمیں اکھڑی ہوئی قوم کہا جاتا ہے۔ میری طرح تم بھی اچھی طرح جانتے ہو کہ ہم نے جہالت اور پسماندگی کی گندگی سے جنم لیا ہے۔ پھر ہم نے اسی جہالت اور پسماندگی کی گندگی میں آکودہ قوم پر حکمرانی کا آغاز ہی کیا ہے۔ ہمارے پاس ابھی کئی سال ہیں اور اس عرصے کے بعد ہی یہ ممکن ہو سکے گا کہ ہماری قوم اپنے ہی اُگائے ہوئے درختوں کا پھل کھائے۔" یہ کہہ کر صدر نے نائب صدر کے جواب یا ردِعمل کا انتظار کرنے کے لیے وقفہ دیا لیکن جب الیسپر خاموش رہا تو اس نے پھر کہا۔ "یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ ہمارے ملک میں تیل نہیں صرف نیلے پتھروں کی کانیں ہیں۔ ان میں سے ہم کتنا پتھر فروخت کر سکتے ہیں۔ ہمارے لوگ اس فروخت سے ہونے والی آمدنی پر کب تک گزر بسر کر سکیں گے؟ لیکن نہیں... ہمارے وسائل صرف پتھروں تک محدود نہیں... ہمارا سب سے اہم ذریعہ ہماری جغرافیائی پوزیشن ہے۔ یہاں اس جزیرے پر رہتے ہوئے ہم موزمبیق چینل کو کنٹرول کر سکتے ہیں۔ اسی راستے سے دنیا والے جہاز رانی کرتے ہیں۔ اس طرح ہر اس طاقت کا فائدہ ہو گا جو ہماری دوست ہو۔ اب ہمارا فیصلہ یہ ہے کہ ہم غیر جانبدار رہیں گے کسی ایک قوت سے وابستہ نہیں ہوں گے۔ سب سے گفتگو ہو گی اور اس دوران ہم سب سے امداد لیتے رہیں گے حتیٰ کہ ایک

روز خود کفالت کی منزل تک پہنچ جائیں گے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہمیں فی الوقت یہی کھیل کھیلنا ہے۔ لہٰذا تم سوئٹزرلینڈ میں قیام کے دوران ان دونوں بڑی طاقتوں کے سفارت خانے ضرور جاؤ گے۔" یہ کہنے کے بعد صدر دشتی نے اپنی پستلون کی دھار دار کریز پر انگلی پھیر کر نائب صدر کو غور سے دیکھا۔

"یقیناً محترم صدر! میں آپ کے حکم پر عمل کروں گا۔" الیسپر نے فوراً جواب دیا۔ "اب مجھے اجازت دیں۔" اس نے اٹھ کر ہاتھ بڑھایا۔

"خوب تفریح کرنا اور لطف اٹھانا جنرل...!" صدر نے مسکرا کر کہا۔ "کاش میں بھی تمہارے ساتھ چل سکتا۔" صدر کی مسکراہٹ میں گرم جوشی تھی لیکن ہاتھ تھامتے ہوئے اُسے کراہت بھی محسوس ہو رہی تھی۔ دونوں نے ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے مصافحہ کیا پھر صدر ہی نے ہاتھ چھوڑا تو الیسپر سرخم کر کے ایڑیوں کے بل گھوم گیا اور بارہ فٹ بلند دروازے کی طرف مارچ کر گیا۔

اس وقت اس کے چہرے پر مسکراہٹ کا نام و نشان تک نہ تھا۔ نیلی وردی والے دو فوجی فٹوں کے قریب سے گزرتے ہوئے بھی اس کے چہرے پر مسکراہٹ نہ تھی لیکن ہال سے لفٹ کی طرف جاتے ہوئے وہ زیرِ لب مسکرا رہا تھا۔ لفٹ سے نکل کر لیموزین کی طرف بڑھتے ہوئے اس کا چہرہ کھل اٹھا تھا۔ گاڑی کی عقبی نشست پر بیٹھنے کے بعد اس کے دانت نظر آنے لگے تھے اور اسی انداز میں وہ شوفر سے کہہ رہا تھا۔ "ائرپورٹ!"

گاڑی بہت دھیمی رفتار سے صدارتی محل کی دائرہ نما ڈرائیو سے نکلی تو سامنے جھنگی آئے۔ گاڑی کی رفتار اور کم ہو گئی۔ "یہ خبیث ہمیشہ سے کھڈا ئی کر رہے ہیں۔" ڈرائیور نے دانت پیس کر دھیمے لہجے میں کہا لیکن الیسپر کو کام کی اس رفتار پر بہت خوشی تھی لہٰذا وہ پیلے کپڑوں والوں پر برہم نہ ہوا اس وقت رسّی کی گرہ اس کے پیٹ میں چبھ رہی تھی لہٰذا اس نے رسّی باہر نکال کر ہاتھ میں لے لی اور ہاتھی کی کھال کی مضبوطی کا اندازہ کرنے لگا۔

اس وقت وہ یہ سوچ رہا تھا کہ صرف سات روز بعد صدر بننے کے بعد وہ اپنی پہلی تقریر میں کیا کہے گا۔

صدر دشتی نے کھڑکی سے نائب صدر کی کار کی رفتار کم ہوتے دیکھی تھی اور پھر جب گاڑی الیوان صدر سے ائرپورٹ جانے والی واحد پختہ سڑک پر پہنچ کر فراٹے بھرنے لگی تھی تو اس نے سر کو جھٹکا سا دیا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ الیسپر جیسے جنرلوں پر اعتماد کرنا خطرناک ہوتا ہے۔ ایسے لوگ صرف اقتدار کے بھوکے ہوتے ہیں۔ یہ اچھا ہی ہے کہ ایسے عناصر کو صرف جنگ و جدل کے فرائض سونپے گئے ہیں اور دشتی کے نزدیک جنگ کے فرائض انتہائی غیر اہم تھے۔

وہ اپنی ڈیسک کی طرف بلٹا جس پر غیر ملکی امداد کے لیے اسکومبا قوم کی درخواست پر اسے دستخط کرنا تھے۔

اس وقت الیسپر یہ سوچ رہا تھا کہ بس اب چند ہی روز باقی ہیں۔ اس کے بعد اسکومبا کو کسی غیر ملکی خیرات کی ضرورت نہیں ہو گی بلکہ اسکومبا ناقابلِ تسخیر قوت بن جائے گا۔ اس کے جھنڈے کا نہ صرف ہر قوم احترام کرے گی بلکہ اس سے خوف بھی کھائے گی۔

"اب مجھے کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔" الیسپر نے ایک طویل سانس لے کر رسّی کو مضبوطی سے تھامتے ہوئے سوچا۔

ٹائیگر راہوں کے مخصوص لبادے میں خود کو انتہائی تنہا محسوس کر رہا تھا لیکن وہ یہی سوچ رہا تھا کہ اس کی کمر پر لبادے کی جو ڈوری موجود ہے۔ وہ کسی کا گلا گھونٹنے کے لیے انتہائی موزوں ثابت ہو سکتی ہے۔

وہ اس وقت ولیسٹ سائیڈ فیڈرل اصلاح خانے کے صدر دروازے کے سامنے کھڑا اس کے کھلنے کا منتظر تھا۔ اس کی ہتھیلیوں پر پسینے کی وجہ سے نمی تھی جس کو وہ بار بار اپنے بھورے لبادے سے صاف کر رہا تھا۔ اس نے ایک بار پھر دائیں طرف لگے ہوئے بٹن کو دبایا۔ پھر دروازے پر لگے ہوئے شیشے سے اندر جھانکا۔ اندر گارڈ نہ صرف موجود تھا بلکہ غصّے سے دروازے کی طرف ہی دیکھے جا رہا تھا۔ گارڈ نے جھنجلاہٹ کے عالم میں اپنی ڈیسک پر لگے ہوئے بٹن پر ہاتھ مارا تو دروازہ اپنی جگہ سے ہل کر بہت آہستہ آہستہ ہٹنے لگا اور دیوار کے خلا میں جانے لگا۔ اس کے ہٹنے کی رفتار بہت سُست تھی بس ایسا لگ رہا تھا جیسے کوئی روڈ رولر سڑک پر چل رہا ہو۔ پھر تقریباً بیس انچ ہٹنے کے بعد دروازہ رک گیا۔ یہ جگہ تنگ تھی لہٰذا ٹائیگر نے ترچھے انداز میں اندر جانے کی کوشش کی۔ اسے احساس ہوا کہ دروازے کی موٹائی دو انچ ہے۔ دروازہ لکڑی کا نہیں فولاد کا تھا۔ ابھی وہ چوکھٹ سے گزر ہی رہا تھا کہ دروازہ اس کے پیچھے ایک زوردار آواز سے بند ہو گیا۔

ٹائیگر نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ وہ ایسے ریسپشن روم میں تھا

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

جہاں نصف درجن عورتوں کی بارہ نیلی، بھوری اور کالی آنکھیں اس پر گہری کی جمی رہ گئی تھیں۔ وہ سوچنے لگا کہ کیا اس کے چہرے پر کچھ لکھا ہے لیکن پھر سر جھٹک کر موٹے بلٹ پروف شیشے تک پہنچا۔ صاف ظاہر تھا کہ شیشہ ایک انچ موٹا ہے اور اس میں سوراخ کرنے کے لیے طاقتور ہتھیار کی ضرورت ہوگی۔

گارڈ نے اس کی طرف دیکھے بغیر ایک لیور دبا کر فرنٹ ڈور کو ڈبل لاک کر دیا۔ اب اگر ٹائیگر کو عمارت میں واپس جانے کی ضرورت محسوس ہوتی تو اُسے شیشے کی ایک انچ موٹی چادر اور دو انچ موٹے آہنی دروازے کو توڑنا پڑتا۔ اس نے شیشے پر دستک دی جس پر گارڈ نے سر اٹھا کر دیکھا اور پھر اشارے سے ٹائیگر کو ہدایت کی کہ وہ باہر رکھے ہوئے انٹر کام کے ذریعہ گفتگو کرے۔ اس نے ایسا ہی کیا۔

"یس فادر ڈک ہوں۔" اس نے لہجہ نرم رکھنے کی کوشش کی تھی۔ "ایک قیدی ڈیلون سے میری ملاقات کا وقت طے ہے۔"

"ایک منٹ فادر!" گارڈ نے بڑی کاہلی سے اپنا ریسیور رکھنے سے قبل کہا۔ ساتھ ہی وہ ایک فہرست اٹھا کر دیکھنے لگا۔ حتیٰ کہ ایک نام پر پہنچ کر رک گیا۔ "ڈیلون برنارڈ، فادر ڈک...!"

گارڈ نے ریسیور پھر اٹھا لیا۔ "او کے فادر! دروازہ اس طرف ہے۔" اس نے اشارہ بھی کیا۔ یہ دروازہ اسی کمرے کے ایک کونے میں تھا۔

"شکریہ میرے بچے!" ٹائیگر گارڈ کی ہدایت پر عمل کرتا ہوا ایک اور آہنی دروازے تک پہنچ گیا۔ اس پر "پش" لکھا ہوا تھا۔ ٹائیگر کو تازہ پینٹ کی خوشبو محسوس ہوئی تو اس نے اندازہ لگا لیا کہ اس پرانے دروازے پر یہ لفظ حال ہی میں شاید دو، تین ہفتے قبل لکھا گیا ہے۔ اس نے ہتھیلی رکھ کر دروازے کو دھکا دیا تو معاً ہی اُسے بجلی کی سنسناہٹ محسوس ہوئی۔ شاید ہتھیلی کے دباؤ سے کوئی الیکٹرک سوئچ آن ہوا تھا۔ اس نے پھر دھکا دیا اس مرتبہ دروازہ کھل گیا۔

اس کے اندر آتے ہی وہ دروازہ از خود بند ہو گیا۔ اب وہ ایک چھوٹے کمرے میں تھا اور اس کے دائیں طرف شیشے کے ایک اور گھر میں تین قیدی اپنی رہائی کا انتظار کر رہے تھے اور ایک گارڈ ان کی نگرانی کر رہا تھا۔ بائیں طرف ایک دروازہ زینے کی سمت تھا۔ اس نے عقب میں دیکھا گارڈ ایک قیدی سے گفتگو کر رہا تھا۔ ٹائیگر نے آسودہ سے انداز میں سر ہلایا کہ اس طرف قدم بڑھا دیے اور شیشے پر دستک دی۔ گارڈ نے بھی سر اٹھا کر دیکھا، تاہم کوئی بات کیے بغیر ایک بٹن دبا دیا۔ اس کے بعد ہی اس نے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔ ٹائیگر نے مجہول سے انداز میں دروازے پر پہنچ کر ہتھیلی سے دباؤ ڈالا اور زینے چڑھنے لگا۔ یہاں ایک مخصوص انداز سے شیشہ لگا ہوا تھا۔ وہ اوپر چڑھتا رہا، اسے ایسا ہی شیشہ اُوپر دیوار کے ساتھ بھی لگا ہوا ملا۔

اس کا مطلب یہ تھا کہ گارڈ نیچے بیٹھے بیٹھے زینے کا پورا منظر دیکھ سکتا ہے۔

"دھت تیرے کی!" اُسے فردوس کا مخصوص ہنکارا یاد آگیا کیونکہ اب پسینے کی وجہ سے اُسے خود جھنجلاہٹ سی محسوس ہونے لگی۔ پھر معاً اسے وہ کال کوٹھری یاد آگئی جس میں اسے انسپکٹر شہزاد کے طور پر پھانسی دینے کے لیے رکھا گیا تھا۔

وہ اس وقت بھی کال کوٹھری کی طرف ہی جا رہا تھا۔

زینے کے اُوپر ایک اور دروازہ دیکھ کر اُسے جزیرہ فردوس کی وہ کال کوٹھری اور شدت سے یاد آنے لگی جہاں جانے اس کے ساتھ کیا کچھ ہوا تھا؟

اب وہ اگلے کمرے میں داخل ہو رہا تھا جہاں ایک مالخوردہ میز پڑی تھی۔ میز کے پیچھے بیٹھے ہوئے شخص کے سینے پر اس کے نام کی پٹی لگی ہوئی تھی۔ "او برائن...!" ٹائیگر نے یہ اندازہ لگانے میں دیر نہ لگائی کہ گارڈ او برائن کا ایک بازو، دوسرے بازو سے چھوٹا ہے۔ کلائیاں زیادہ ہی موٹی ہیں۔ اس وقت او برائن کی نیلی آنکھوں میں نرمی بے زاری تھی اور ناک ایک بار ٹوٹنے کی وجہ سے پھیلی ہوئی تھی۔

"یس فادر ڈک ہوں۔ مجھے قیدی ڈیلون سے ملنا ہے۔"

"اتنی گرمی کیوں لگ رہی ہے فادر!" بے زار او برائن نے اسے پسینے میں دیکھ کر پوچھا۔

"او برائن، پلیز!"

او برائن کچھ زیادہ ہی کاہل تھا۔ اس نے انگڑائی لی اور پھر بہت آہستہ آہستہ کرسی سے اٹھا۔ اس کے بعد اس نے پادری کو بغور دیکھا۔ اس بار اس کی آنکھوں میں کاہلی کا نام و نشان تک نہ تھا۔ یہی بات یہ بھی کہ سامنے والا شخص اسے کسی طرح بھی پادری نہیں لگ رہا تھا۔ اس نے جتنے بھی پادری دیکھے تھے، اُن کے ہاتھ کے ناخن بڑھے ہوئے اور گندے ہوتے تھے۔ چہرے پر چمک نہیں ہوتی تھی۔

ٹائیگر کو او برائن کی آنکھوں سے اندازہ ہو گیا کہ وہ کیا سوچ رہا ہے۔ اس وقت ٹائیگر ہاتھ پیر چلانے کے موڈ میں نہ تھا لیکن مجبوری تھی۔ شاید دو افراد کو اس دنیا سے جانا تھا۔

ریٹائرڈ ڈی ایس پی ملک صفدر حیات کی ڈائری
قیمت فی کتاب -/90 روپے
ایک ریٹائرڈ ڈی ایس پی کی پیشہ ورانہ زندگی کے
پیچیدہ کیسوں کی روداد، جرم و سزا کی ناقابل فراموش
کہانیاں جو انسانی حرص و ہوس کا آئینہ ہیں
سزا یافتہ | ستم نصیب | جرمِ بے گناہی | بے فیض
ہوس زادہ | فرعون صفت | بنائے فساد | نامراد
مرزا امجد بیگ (ایڈووکیٹ) کی یادداشتیں
قیمت فی کتاب -/90 روپے
قانونی پیچیدگیاں، عدالتی کارروائی کے اہم رموز و نکات
زن، زر اور زمین کے تنازعوں سے جنم لینے والے مقدمات
آئینہ خانہ | ابنِ الہوس | زر پرست | خود گرفتہ
سفید خون | بازگشت | ڈراپ سین | آتشِ زر
اسٹاکسٹ
مکتبہ القریش ◎ سرکلر روڈ
اردو بازار۔ لاہور۔ فون: 7668958
E.mail: al_quraish@hotmail.com

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

تاہم ادبرائن نے کچھ نہ کہا۔ وہ اسے ایک چھوٹے کمرے میں لے گیا۔ یہاں دیواروں پر آلاتِ کشی ٹنگے ہوئے تھے۔ "آپ یہیں تشریف رکھیں فادر!" اس نے بہت نرم لہجے میں کہا۔ پھر وہ چلا گیا۔ پانچ منٹ بعد ہی ڈیون آگیا۔

"میٹھو ڈیون...!"

ڈیون سر جھکا کر بیٹھ گیا۔ وہ دراز قد تھا۔ اس کے بال کالے اور گھنگریالے تھے۔ جیل کا نیلا لباس اس پر فٹ تھا۔ اس کی عمر تیس سال کے قریب تھی۔ چہرے پر اعتماد تھا۔ آنکھوں میں ذہانت کی چمک تھی۔

ٹائیگر خاموشی سے ادبرائن کے چلے جانے کا انتظار کرتا رہا، اور جب گارڈ چلا گیا تو دروازہ بھی بند ہوگیا۔ مطمئن ہو کر ٹائیگر ایک ڈیون کے سامنے بیٹھ گیا۔ "ہاں! اب ذرا بات ہو جائے...!" اس نے خوش گوار انداز میں کہا۔

ڈیون بولنے لگا۔ مگر وہ کیا کہہ رہا تھا اس کا ٹائیگر کو علم نہیں ہو سکا کیونکہ وہ صرف اپنے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اسے بھی ایک روز اسی طرح کال کوٹھری میں بند کر کے ٹائیگر سنایا گیا تھا۔

اس پوری گفتگو میں وہ جو چند لفظ سن سکا، وہ اسکومیا کے بارے میں تھے جس کو بین الاقوامی جرائم پیشہ گروہوں کا مرکز بنانے کی تیاری ہو رہی تھی۔ اس منصوبے کے تحت وہاں کے صدر کو قتل کیا جانا تھا اور نائب صدر کو صدر بنانے کی تجویز تھی۔

"اس منصوبے کے پس پشت کون ہے؟" ٹائیگر نے اکتا کر پوچھا کیونکہ اس قسم کی پوچھ گچھ کا وہ عادی نہ تھا۔

"اس کا مجھے کوئی علم نہیں...!"

"ممکن ہے کہ نائب صدر ایسپرہی منصوبے کا خالق ہو؟"

"نہیں... ایسا ممکن نہیں ہے۔"

"تمہیں اس سازش کا علم کیسے ہوا؟"

"میں وہاں ایک ایسے شخص کے لیے کام کرتا تھا جسے ایسے واقعات میں دلچسپی تھی۔ اسی کے ذریعہ میں اس نتیجے پر پہنچا کہ کوئی سازش ہو رہی ہے۔ میں نے تحویلِ مجرمان کے قانون سے متعلق اس کے لیے ریسرچ کی تھی۔"

"میں جانتا ہوں کہ تم مافیا کے وکیل ہو۔ ٹیکنیکل موشگافیوں کا سہارا لے کر مقدموں اور قاتلوں کو جیل سے نکال لیتے ہو۔"

"ہر شخص کو دفاع کا حق حاصل ہے۔" ڈیون نے جواب دیا۔

"اب تم پھیل رہے ہو!" ٹائیگر نے اکتا کر کہا۔ "تم صرف یہ چاہتے ہو کہ یہاں سے نکل سکو۔"

"ہاں! میں یہاں سے نکل کر کسی محفوظ جگہ پہنچنا چاہتا ہوں۔" ڈیون نے غصہ بنا کر کہا۔ "اب میں خود بھی یہاں آنے والے ہر شخص کو اپنی کہانی سناتے سناتے بے زار آچکا ہوں فادر۔"

"کوئی بات نہیں! اب میں آخری شخص ہوں جس کو تم یہ کہانی سنانے پر مجبور ہو رہے ہو۔" یہ کہہ کر ٹائیگر نے کی ہول میں جھانک کر دیکھا۔ ادبرائن اپنی کہ سی پر نیم دراز اخبار کے مطالعہ میں مصروف تھا۔ اس کے قریب ہی ریڈیو بج رہا تھا۔

"اب سوال یہ ہے کہ میں یہاں سے کیسے نکل سکوں گا۔" ڈیون نے ٹائیگر کے بیٹھتے ہی پوچھا۔

"اس کی فکر مت کرو۔ اس کا ہم نے مکمل بندوبست کر لیا ہے۔" ٹائیگر نے جیب سے لکڑی کی صلیب نکالتے ہوئے جواب دیا۔ "اسے دیکھو اس کے نچلے حصے میں سیاہ رنگ کی ایک گولی جیسی چیز ہے جب گارڈ اندر آئے گا تو تم صلیب کو بوسا دو گے اور دانت سے یہ گولی منہ میں رکھ لو گے جب تمہیں تمہاری کوٹھری میں واپس لے جایا جائے گا تو تم وہاں اس گولی کو نگل لو گے۔ اس کا جلد ہی اثر ہوگا اور تم بے ہوش ہو جاؤ گے۔ ہمارے آدمی جیل کے اسپتال میں موجود ہیں، ظاہر ہے کہ انہیں فوراً بلا لیا جائے گا اور تمہارا معائنہ کرنے کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ تمہیں ایمبولنس کے ذریعہ کسی بڑے اسپتال لے جایا جائے۔ ایمبولنس یہاں سے روانہ ہوگی، لیکن اسپتال نہیں پہنچے گی... سمجھ گئے...؟"

"یہ تو سب کچھ بظاہر بہت آسان لگ رہا تھا۔" ڈیون نے سر ہلا کر جواب دیا۔ "لیکن شاید یہ منصوبہ قابلِ عمل نہ ہو۔"

"سنو! یہ منصوبہ ایک سو سے زیادہ مرتبہ کامیاب ہوا ہے میں پہلی مرتبہ اس چکلے کو استعمال نہیں کر رہا ہوں۔" یہ کہہ کر ٹائیگر اٹھ گیا۔ "اب میں گارڈ کو بلا رہا ہوں... بہت دیر ہو چکی ہے۔"

ٹائیگر نے دروازے پر دستک دی جس کی بازگشت اسے کئی بار سنائی دی پھر ادبرائن دروازہ کھول کر اس کے سامنے آگیا۔

"تھینک یو...!" ٹائیگر نے کہا اور لبادہ سمیٹتا ہوا ڈیون کی طرف پلٹا جو اب بھی بیٹھا ہوا تھا۔ "خداتم پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے میرے بچے۔" ٹائیگر نے صلیب اس کی طرف بڑھا کر کہا لیکن ڈیون نے صلیب کو بوسا نہیں دیا۔ ٹائیگر کو معلوم تھا کہ اگر ڈیون نے صلیب نہیں چومی تو پھر وہ اسی کمرے میں اسی کے ہاتھوں مارا جائے گا۔

"خداوند تم کو اپنی حفاظت میں رکھے گا۔" اس نے صلیب ڈیون کے چہرے کے بالکل سامنے لہرائی۔ "تم ابدی زندگی حاصل کر لو گے۔"

ڈیون نے اب بھی صلیب کو بوسا نہیں دیا۔

"تم خداوند کی قربت حاصل کر لو گے۔" ٹائیگر نے اس بار گھور کر کہا۔ لیکن جونہی ٹائیگر نے اسی کمرے میں قتل کرنے کا ارادہ کیا، ڈیون نے چہرہ آگے بڑھا کر صلیب چوم لی۔

"الوداع میرے بچے!" ٹائیگر نے اسے آنکھ مار کر کہا اور دروازے کی طرف پلٹ گیا۔

"کیا آپ کو واپسی کا راستہ یاد ہے فادر؟" ادبرائن نے اس سے پوچھا۔

"ہاں... کیوں نہیں۔"

"تب پھر آپ خود ہی چلے جائیں۔ میں قیدی کو اس کی کوٹھری میں لے جاتا ہوں۔"

"خدا تمہیں حفظ و امان میں رکھے۔" ٹائیگر بڑبڑاتا ہوا، زینے کی طرف بڑھ گیا۔ وہ اپنے مخصوص انداز میں زینہ اتر رہا تھا اس کے قدموں کی آہٹ کم نہیں ہو رہی تھی بلکہ جب وہ نچلی منزل کے محافظ تک پہنچا تو اسے کھنکارنا پڑ گیا۔

"ارے فادر آپ... میں نے تو آپ کے قدموں کی چاپ بھی نہیں سنی۔" محافظ واقعتاً اچھل پڑا تھا۔

"اچھا...!" ٹائیگر کو مسکرانا پڑا پھر جب وہ جیل کے سیکورٹی سسٹم سے گزر کر باہر نکلا تو پسینے میں تر تھا۔ جیل سے جلد از جلد دور ہونے کی کوشش میں وہ یہ بھی نہیں دیکھ سکا کہ سڑک کے پار دو افراد ایسے بھی ہیں جو متوازی چل کر اس کا تعاقب کر رہے ہیں۔



وہ ہوٹل بلانزو کے کھونے والے دروازے سے گزر کر سنگ مرمر کی غلام گردش میں لفٹ کا انتظار کرنے لگا۔ تب ہی ایک بیل بوائے کی نظر اس پر پڑی۔ "سوری فادر! مگر یہاں آپ کا کیا کام؟"

"میرا کام...!" ٹائیگر ایک طویل سانس لے کر بولا۔ "میں آخری رسوم ادا کرنے کے لیے آیا ہوں۔"

"اوہ... سوری... مگر کون مر گیا؟"

"تم بھی مر سکتے ہو اگر تم اپنے اس بدصورت چہرے سمیت میری راہ میں حائل ہوئے۔"

بیل بوائے نے اس بار غور سے دیکھا۔ "فادر" کے چہرے پر نہ تو تبسم تھا اور نہ ہی نرمی۔ اس کی جگہ سفاکی نے لے لی تھی۔ بیل بوائے کو دفعتاً ہی احساس ہوا کہ اگر وہ اس جگہ سے نہ بھاگا تو یہ پادری اس کو قتل کر ڈالے گا۔ پھر بیل بوائے نے وہاں سے ہٹنے میں ذرا بھی دیر نہ کی۔

ٹائیگر گیارہویں منزل تک جانے والی لفٹ میں سوار ہوگیا اس نے ساتویں منزل سے آٹھویں منزل تک جانے والی ایک بوڑھی عورت کو بہت سی دعائیں دیں اور پھر گیارہویں منزل پر اتر کر غلام گردش کے بائیں طرف واقع پُرتعیش اور مہنگے سوئٹس کی طرف بڑھ گیا۔ ایک دروازے پر رک کر دستک دی۔ کان لگا کر اندر سے آنے والی بے معنی آوازیں سنیں۔ پھر دروازہ کھول کر اندر داخل ہوگیا۔ سوئیٹ کے چھوٹے سے ہال وے کے اختتام پر کمرے میں ایک بوڑھے کی پشت نظر آرہی تھی جو کنول کے آسن میں بیٹھا ٹی وی دیکھ رہا تھا۔

"ہیلو لٹل فادر...!" ٹائیگر ادشان کے عین سر پر پہنچ کر جھکتا ہوا چلایا۔ لیکن ادشان نہ تو اچھلا اور نہ ہی اس کے کسی عضو نے حرکت کی... لیکن چند لمحے بعد اس نے بہت آہستہ آہستہ سر اٹھایا تھا کہ ٹی وی کے اسکرین پر اس کی اور ٹائیگر کی نظریں مل جائیں۔ "فوج نجات کا مشن تمہیں اگلی طرف پر ملے گا۔" یہ کہنے کے بعد وہ ایک بار پھر ٹی وی دیکھنے لگا۔ ٹائیگر کو علم تھا کہ اس وقت ادشان اس سے بات نہیں کرے گا۔ لہٰذا وہ لباس بدلنے کے لیے اپنے کمرے میں چلا آیا۔

ٹائیگر نے لبادہ اتار کر گیند کی شکل میں گول کیا۔ اسے اسی کی ڈوریوں سے باندھا اور ردی کی ٹوکری میں ڈال دیا۔ دیوار میں نصب الماری سے اس نے بھورے رنگ کی پتلون پہنی، ہلکی سی نیلی قمیص چڑھائی اور چرمی جوتے اتار کر کینوس کے جوتے پہن لیے۔ غسل خانے میں جا کر اس نے منہ ہاتھ دھویا اور پھر ٹی وی روم میں آگیا جہاں ٹیلی فون کی گھنٹی مسلسل بج رہی تھی۔ اور ایسا لگ رہا تھا جیسے ادشان کے کان پر بھی کوئی جوں نہ رینگ رہا ہو۔

"بلانزو کا معبد...!" ٹائیگر نے ریسیور اٹھا کر اپنا مخصوص جملہ ادا کیا۔ وہ اس کمرے کو معبد ہی کہنے لگا تھا۔

"زیادہ ہوشیار بننے کی کوشش مت کرو ٹائیگر۔" دوسری طرف سے ڈاکٹر بہرام کی آواز آئی۔ "تم بلانزو میں کیوں ٹھہرے ہوئے ہو؟"

"ان میں کوئی کمرہ خالی نہ تھا۔" ٹائیگر نے چہک کر جواب

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

دیا۔" دوسری وجہ یہ کہ یہاں قیام وطعام کی ادائیگی اپنی جیب سے نہیں کرنی اور تیسری وجہ یہ کہ ان میں ایسی کوئی لڑکی نہیں تھی جس کے چہرے پر ستاروں کی طرح بکھرے ہوئے بھورے تل..."

"کمال ہے۔ آج بہت شوخ ہو رہے ہو۔" بہرام نے بھی خلافِ معمول بھورے تلوں والے جملے پر چڑنے کے بجائے تربت حملہ کر دیا... لیکن اس کے باوجود ٹائیگر کو یقین تھا کہ اس وقت بہرام اپنے سامنے رکھے سستے سے کلکولیٹر پر یہ حساب لگا رہا ہوگا کہ پلازو میں ان کے قیام سے کتنا خرچا آئے گا۔

"نہیں! میں آج شوخ نہیں ہوں سوئیٹ ہارٹ...!" ٹائیگر نے جواب دیا۔ "بات یہ ہے کہ اگرچہ میں چھٹی پر ہوں لیکن اس کے باوجود مجھ سے کام لیے جا رہے ہیں۔ مجھے ڈرایا جا رہا ہے اور...!"

"اس سے قبل کہ تم غیر محتاط ہو جاؤ... احتیاطی تدبیر اختیار کر لو۔" بہرام کی آواز معاً ہی دھیمی اور بھرخشک ہو گئی۔

"یقیناً...!" ٹائیگر نے ریسیور رکھ کر دراز کھولی، دو عجیب سی شکل کے مختصے نکالے ان میں سے ایک ماؤتھ پیس پر اور دوسرا ایئر پیس پر لگا کر سر ہلایا۔ اب کوئی ان کی گفتگو نہیں سن سکتا تھا۔ "او کے چیف... احتیاطی تدبیر اختیار کر لی گئی ہے۔"

"نہیں! ابھی کام مکمل نہیں ہوا۔ اب تمہیں ڈائل کو نمبر فورٹین پر سیٹ کرنا ہے۔ اس کے بعد یونٹ ٹرن کرنے ہیں۔"

"آئی سر...!" ٹائیگر نے دانت پیستے ہوئے کہا لیکن بہرحال اسے یہ کام بھی کرنا تھا۔ اس نے ماؤتھ پیس پر چودہ نمبر کا بٹن دبایا، ساتھ ہی ڈائل پر ایک اور چار کا ہندسہ گھمایا۔ اب چار کر کے ایجاد کردہ یونٹ نے اس لائن کو باقی ایکسچینج سے کاٹ دیا تھا۔ "آل رائٹ سویٹی...!" ٹائیگر نے ایک طویل سانس لے کر خارج کرتے ہوئے کہا۔ "اب میں تیار ہوں۔"

لیکن دوسری طرف سے اسے محض ہلکی سی گڑگڑاہٹ سنائی دی۔

"ہیلو... میں یونٹ سیٹ کر چکا ہوں۔ اب تو بولیں۔" ٹائیگر نے غصیلے انداز میں کہا لیکن دوسری طرف سے بہرام کی آواز کے بجائے گڑگڑاہٹ سنائی دیتی رہی۔ وہ یہ سمجھنے پر مجبور ہو گیا کہ شاید یہی بہرام کی آواز کا نیا انداز ہے۔

"کیا یہ آپ ہی کی آواز ہے چیف؟"

"گڑگڑ... بڑ... بڑا... ہٹ...!"

"کیا آئینی ملی بھی اسی طرح بولتی ہیں؟"

"برگڑ... گڑ... شوں...!"

"کیا مصیبت ہے؟" اب ٹائیگر کو تاؤ آنے لگا تب ہی اسے بہرام کی آواز سنائی دی... "کیا تم لائن پر ہو؟"

"اور پھر کہاں ہوں گا؟" ٹائیگر بھڑک اٹھا۔

"سوری۔ مجھے اپنا یونٹ سیٹ کرنے میں دشواری ہو رہی تھی۔" بہرام نے جواب دیا۔

"آگ لگا دیں ایسے یونٹ کو! بہتر ہوگا کہ اس کے موجد کو ہی قتل کر ڈالیں۔ میں اپنی چھٹیوں کی بارے میں کہہ رہا تھا کہ...!"

"چھٹیوں کو بھول جاؤ...!" بہرام نے خشک لہجے میں جواب دیا۔ "ڈیلون کے بارے میں بتاؤ۔ اس نے کیا کہا ہے؟"

"ڈیلون ہمارا نہیں سی آئی اے کا مسئلہ ہے۔" ٹائیگر بھی اب ڈاکٹر بہرام کو تپانا چاہتا تھا۔ "یہ کیس سی آئی اے کے حوالے کرنا بہتر ہوگا۔"

"نہیں...!" بہرام نے سخت لہجے میں کہا۔ "سی آئی اے والے پہلے ہی تین بار اس سے پوچھ گچھ کر چکے ہیں۔ تین مختلف ایجنٹوں نے اس کو گرفتار کیا اور ان تینوں کو قتل کیا جا چکا ہے۔ میں تمہیں یہ مشورہ دے رہا ہوں کہ بہت محتاط رہو۔"

"بہت شکریہ!"

"کوئی بات نہیں۔ تمہیں خبردار کرنا میرا اخلاقی فرض تھا۔ اب بتاؤ کہ اس نے کیا کچھ کہا۔"

ٹائیگر نے وہی کچھ بتایا جو ڈیلون نے بتایا تھا۔ اسکوبا کے صدر کے قتل کا منصوبہ... دنیا بھر کے جرائم پیشہ افراد کے لیے اسکوبا کو جنت بنانے کی سازش...

"اور اس کھیل میں نائب صدر اپولو کا بھی ملوث ہے۔" ٹائیگر نے بڑے اطمینان سے مطلع کیا۔

"ایسپیر!" بہرام نے فوراً تصحیح کی۔

"ہاں... اسپیرو... لیکن یہ اسپیرو، اپولو کا یا ایسپیر اس منصوبے کا سرغنہ نہیں۔ خود ڈیلون کو نہیں معلوم کہ یہ سازش کسی کی ہدایت پر تیار کی گئی ہے؟"

"عمل درآمد کے لیے کیا مدت رکھی گئی ہے؟"

"کس پر عمل درآمد کے لیے؟"

"منصوبے پر...!" بہرام نے اس بار غصہ واقعتاً بمشکل ضبط کیا تھا۔

"ایک ہفتہ...!" ٹائیگر کو پہلی بار یقین ہو رہا تھا کہ اس کی مجوزہ چھٹیاں بھی کسی مہم کی نذر ہونے والی ہیں۔

"ہوں...!" بہرام نے ہنکارا بھر کر خاموشی اختیار کی۔ یہ ہنکارا ٹائیگر کو دوسری مرتبہ چند سیکنڈ بعد پھر سنائی دیا۔

"اور اس ہوں کی وضاحت کریں گے آپ؟"

"یہ انتہائی سنجیدہ مسئلہ ہے ٹائیگر... بہت سنجیدہ!"

"یقیناً... مگر یہ اتنا سنجیدہ مسئلہ کیوں ہے؟"

"کیا تم نے کبھی ڈیج مین کا نام سنا ہے؟"

"ڈیج مین...!" ٹائیگر نے چونکتے ہوئے کہا۔ اسے سب کچھ یاد آ گیا۔ آنکھوں سے دیکھ کر جلا دینے والا انسان... طوفان پیدا کر کے اوشان کو بے بس کرنے والا آدمی... اور اس کے ہاتھوں بُری طرح پٹنے کے باوجود، وہیل کی غذا بنے بغیر فرار ہو جانے والا ڈیج مین۔ "ہاں... آپ جانتے ہیں کہ!"

"میں جانتا ہوں... اور اسی ڈیج مین کے ایک خاص آدمی نے آج کل الجزائر میں ایک شخص کو مہمان رکھا ہوا ہے۔"

"وہ کون ہے؟" ٹائیگر نے سرسراتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"نائب صدر ایسپیر...!"

"پھر..." ٹائیگر کے ذہن میں آندھیاں سی چلنے لگیں۔ "پھر یہ کہ ڈیج مین اس کھیل میں ملوث ہے۔"

"وہ خود کہاں ملے گا؟"

"اس کا کوئی علم نہیں۔"

"ٹھیک ہے! مطلب یہ ہوا کہ معاملہ ڈیج مین کا نہیں صرف اس کے خاص آدمی کا معاملہ ہے... اس کا نام کیا ہے؟"

"سابوکا... ایسپیر اسی کا مہمان ہے۔"

"مجھے سابوکا اور ایسپیر سے کوئی دلچسپی نہیں۔" ٹائیگر کو یہ سوچ کر اکتاہٹ سی ہونے لگی کہ ڈیج مین کی تلاش ابھی تک ناکام رہی ہے۔

"تم اس کیس میں ڈیج مین کے خاص آدمی تک پہنچ کر اس سے پوچھ سکتے ہو کہ ڈیج مین کہاں ہے۔" بہرام نے ٹائیگر کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا۔

"ہوں...!" اس بار ٹائیگر نے ہنکارا بھرا تھا۔ "پھر بھی یہ کیس سی آئی اے کا ہے۔"

"تم غالباً اپنے اس بنیادی مشن کو فراموش کر رہے ہو کہ ہمیں جرائم کے خلاف جنگ کرنی ہے۔" بہرام کا لہجہ عجیب سا ہو گیا۔ "اگر سابوکا اور ایسپیر، اسکوبا کو جرائم کے بین الاقوامی اڈے میں بدلنے میں کامیاب ہو گئے تو ہمارے مشن کو سخت ترین دھچکا پہنچے گا ٹائیگر...!"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کام کے لیے مجھے منتخب کیا جا چکا ہے۔" ٹائیگر نے روکھے انداز میں کہا۔

"ہاں...!" بہرام بولا۔

"اور میری چھٹیوں کا کیا ہوگا؟"

"ٹھیک ہے! اگر تم اس مسئلے پر بحث کرنا ہی چاہتے ہو تو کر لو۔" بہرام نے غالباً نیا جال خود تیار کر لیا۔ "تمہاری کتنی چھٹیاں جمع ہوئی ہیں؟"

"سروس ریکارڈ کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے تقریباً چار ہفتوں کی چھٹیاں جمع ہوئی ہیں۔"

"درست! اب یہ بتاؤ کہ تم نے گزشتہ ماہ کے تین ہفتے کہاں گزارے تھے؟"

"میامی میں! لیکن درمیان میں سارا فور سٹار آپریشن تھی۔"

"یہ بھی تسلیم... اور اس سے پہلے تم نے جو چار ہفتے ایک شطرنج ٹورنامنٹ دیکھنے کے لیے ہیوسٹن آفرس میں گزارے تھے۔ وہ کس کھاتے میں جائیں گے؟"

"شطرنج کے اس ٹورنامنٹ میں شرکت کا مقصد اپنی ذہنی صلاحیتوں کو دوچند کرنا تھا کہ میں چارہ گر کے کام کا رہ سکوں۔ وہ بھی فرائض کی ادائیگی کا حصہ تھا۔"

"لیکن تم نے وہاں دوسرے نام سے حصہ لیا تھا۔" بہرام جھلا کر بولا۔

"ایک منٹ سوئیٹ ہارٹ!" ٹائیگر خاتمانہ انداز میں بولا۔ "آپ جھلا گئے نا؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے پاس تمام دلائل ختم۔ اب میں کسی مجبور آدمی سے بحث نہیں کر سکتا۔ میری تجویز یہ ہے کہ فی الوقت میں اس مشن کو قبول کر لوں اور پھر اس کی تکمیل کے بعد تعطیلات کا مسئلہ پیش کر دوں۔"

"ٹھیک ہے...!" بہرام کا لہجہ اس بار شکست خوردہ سا تھا۔ "تمہیں اس بارے میں سب کچھ بتا دیا جائے گا لیکن جہاں تک تعطیلات کا سوال ہے تو...!"

ٹائیگر نے ڈائل پر اچانک ہی ایک اور دو کے ہندسے گھما دیئے اور بہرام کی آواز ایک مرتبہ پھر گڑگڑاہٹ میں تبدیل ہو گئی۔

"سوری ڈاکٹر... یونٹ میں پھر خرابی ہو گئی ہے۔" اس نے کسی کی آواز سنی اور پھر ڈائل پر ایک اور ہندسہ گھما کر لطف

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

لینے لگا۔ وہ چشم تصور میں دیکھ رہا تھا کہ بہرام اس کی آواز سننے کے لیے کیا کچھ کر رہا ہوگا۔ اس نے ماؤتھ پیس بہت قریب کرکے الٹی سیدھی باتیں شروع کر دیں۔ "ڈائر... رومیل، اسکین، ہینڈ برگ، مرغ کا گوشت، ہٹین، ٹھنڈے زخم، ایک ڈارنی پونڈ، بیل کو بے قابو مت ہونے دو، ڈوج مین...!" پھر اس نے مسکراتے ہوئے ریسیور رکھ دیا۔ وہ بہت خوش تھا کیونکہ یہ بات یقینی تھی کہ اب تک بہرام نے کئی بار اپنی میز پر مکے مارے ہوں گے۔ ٹیلی فون کے ریسیور سے یونٹ علیحدہ کرتا ہوا وہ سوچ رہا تھا کہ اسے چارہ گر سے آنے والے کسی ممکنہ پرنٹ آؤٹ کی ضرورت نہیں۔ اسے صرف ہدف کے جائے وقوع کے بارے میں معلوم کرنا تھا۔ پھر سابوکا اور رالیسیر کی خبر لینی تھی ویسے وہ یہ تہیہ کر چکا تھا کہ سابوکا کو مارنے سے قبل وہ ڈوج مین کا پتا ضرور پوچھے گا۔

یونٹ دراز میں واپس رکھ کر اس نے جوتے اتار پھینکے اور اوشان کے سر کو کھورنے لگا۔ وہ اُسے یہ بتانا چاہتا تھا کہ جیل میں اسے کس قسم کے احساسات ہوئے۔ وہ کس طرح پسینے پسینے ہوا، اسے صرف موقعہ کا انتظار تھا اور یہ موقعہ صرف اس صورت میں آسکتا تھا جب اشتہارات اسکرین پر دکھائے جانے لگیں۔

لیکن ڈراما چلتا رہا اور اوشان دیکھتا رہا حتیٰ کہ ٹائیگر مایوس ہو کر یہ فیصلہ کرکے اٹھ گیا کہ وہ اوشان کو کچھ نہیں بتائے گا۔

✤

"فادر... کیا آپ چڑیا گھر کی سیر کرنا چاہتے ہیں؟" ٹائیگر نے ایک گھنٹے بعد اچانک ہی کمرے سے ٹی وی روم میں آتے ہوئے پوچھا۔ اس وقت اوشان ٹی وی آف کرکے وی سی آر کی لیڈ بھگا رہا تھا تاکہ اپنا ریکارڈ کیا ہوا ادھیرا پھر دیکھ سکے۔ اس نے پلٹ کر ٹائیگر کو گھورا... پھر اس کے ہونٹ ہلنے لگے۔

"یہ دنیا خود چڑیا گھر ہے شہزادے...!" اس نے دھیمے لہجے میں کہا۔ "چڑیا گھر کی سیر کرانے کی پیشکش پر تمہارا بہت شکریہ... لیکن میں نہیں جاؤں گا۔ تم چلے جاؤ۔ شاید تم جینس کو ڈھونڈ سکو۔"

ٹائیگر کندھے اچکا کر رہ گیا۔ اسے یقین ہو گیا کہ اوشان میں بہت زبردست تبدیلی آچکی ہے۔ شاید سنائجو کا ماسٹر شعشر سنائجو کا محافظ، دنیا کا سب سے عظیم جنگجو اب بوڑھا ہونے لگا ہے۔ اس کا دل دُکھنے اور ڈوبنے لگا۔ اسے عظیم اوشان سے بے حد محبت تھی اور وہ یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ماسٹر بوڑھا بھی ہو جائے گا۔

وہ دروازے کی طرف پلٹ گیا لیکن پھر کچھ سوچ کر رکا۔ اور بولا۔ "سٹل فادر! میں واپسی پر آپ کے لیے کیا لاؤں۔ کوئی کتاب یا اخبار یا رسالہ...؟"

"اگر کہیں سے شریانیں مل سکیں تو پانچ فٹ لے آنا!" یہ کہنے کے بعد اوشان پھر ٹی وی کی طرف پلٹ گیا۔

✤

غلام گردش کی انتظار گاہ کے آمنے سامنے والے صوفوں پر بیٹھے ہوئے دونوں افراد بہت نمایاں تھے۔ دونوں سر جوڑے باتیں کر رہے تھے اور جب بھی لفٹ کا دروازہ کھلتا چونک کر لفٹ کی طرف دیکھتے تھے لیکن پھر مایوسی سے گردن جھٹک کر باتیں کرنے لگتے تھے۔ اس بار جب ٹائیگر لفٹ سے نکلا تو دونوں چونک پڑے، انہوں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے سے کچھ کہا۔

ٹائیگر نے بھی لفٹ سے نکلتے ہی انہیں تاڑ لیا۔ اس کا پہلا تاثر یہ تھا کہ دونوں پولیس والے ہیں لیکن سوال یہ تھا کہ آخر پولیس اس کی نگرانی کیوں کرے گی؟ دوسرا خیال یہ آیا کہ شاید دونوں عام سے ٹھگ یا غنڈے ہیں... جو کچھ بھی تھا۔ یہ حقیقت تھی کہ وہ اُسے دیکھ کر چونکے تھے اور اب ٹائیگر کنکھیوں سے دیکھ رہا تھا کہ وہ ایک دوسرے کو اشارے کر رہے ہیں۔ اس نے انہیں اٹھتے ہوئے بھی دیکھا۔ شاید وہ اس کی راہ میں حائل ہونے کا فیصلہ کر چکے تھے۔

ٹائیگر سگار اسٹینڈ کی طرف بڑھ گیا۔ اس نے ایک پیکٹ خریدا۔ ساتھ ہی اُسے یہ شدید خواہش محسوس ہوئی کہ موقعہ پاتے ہی وہ سکون سے ایک سگار پی لے... اس نے عرصہ سے تمباکو کا ذائقہ نہیں محسوس کیا تھا۔ پھر اس نے شام کا ایک اخبار خریدا جو سرخیوں سے بھرویوں کا ترجمان لگتا تھا۔ اس نے نیوز پیپر اسٹال کی بوڑھی خاتون کو ایک ڈالر دینے کے بعد اخبار کو اس کی لمبائی ہی میں گول کرکے لپیٹا اور ایک گملے کے قریب کھڑا ہو گیا۔ اب وہ اخبار کھول کر سرخیوں کا صفحہ دیکھ رہا تھا۔

اسے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔

دونوں پہلو بہ پہلو چلتے ہوئے اس کی طرف آنے لگے۔ تو اسے اندازہ ہو گیا کہ یہ پولیس والے نہیں۔ ان کی چال بہت مختلف تھی۔

ایک دراز قامت اور بظاہر اطالوی تھا۔ دوسرے کا جسم

فربہ تھا۔ جلد کی رنگت پیلاہٹ مائل سُرخ تھی اور اس کی آنکھوں پر چشمہ تھا۔ ان کے چہرے سپاٹ تھے۔ یہ سپاٹ پن یا تو مجرموں کے چہروں پر نظر آتا تھا یا مجرموں کا قلع قمع کرنے والوں کا طرۂ امتیاز تھا۔

اچانک ہی ٹائیگر نے اپنے پہلو پر کسی چیز کا دباؤ محسوس کیا

"سنو! کوئی احمقانہ حرکت مت کر بیٹھنا۔" ٹائیگر نے مسکرا کر ان سے کہا۔ "میں جانتا ہوں کہ میری پسلیوں میں چبھنے والی ریوالور کی نال ہے۔"

دراز قامت شخص اس کے بائیں سامنے اور فربہ آدمی اس کے دائیں طرف کھڑا ہوا تھا۔

"تم یقیناً بہت عقل مند ہو۔" فربہ آدمی نے بھی مسکرا کر جواب دیا۔ "اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں کوئی بھی بات دہرانی نہیں پڑے گی۔"

"تم کیا چاہتے ہو؟"

"صرف یہ کہ تم کس کے لیے کام کر رہے ہو۔" اس بار دراز قامت شخص نے پوچھا۔ اس کی آواز بھی منحنی سی تھی۔

"رنگو رولر اسکیٹ اینڈ سرف بورڈ کمپنی کے لیے...." ٹائیگر نے خوشگوار لہجے میں جواب دیا تو ریوالور کی نال کا دباؤ بڑھ گیا

"تم حماقت کر رہے ہو۔" موٹے نے غرا کر سرگوشی کی۔

"تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے دوست۔ میں رنگو رولر اسکیٹ اینڈ سرف بورڈ کمپنی کا ہی کارندہ ہوں۔"

"کیا تمہارے فرائض میں پادری کا لباس پہن کر جیل کا دورہ کرنا بھی شامل ہے؟" موٹا طنزیہ انداز میں بولا۔

ٹائیگر محض گھور کر رہ گیا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ اس کے بارے میں بہت کچھ جان چکے ہیں اور اس کا مطلب یہ بھی تھا کہ وہ پولیس والے نہیں تھے۔ ان دونوں باتوں کا مطلب یہ تھا کہ ان کے انجام سے کسی کو کوئی فکر نہ ہوگی۔

"چلو ٹھیک ہے! میں تسلیم کرتا ہوں کہ میں پرائیویٹ جاسوس ہوں۔" ٹائیگر نے سر جھٹک کر اس طرح کہا جیسے وہ اس انکشاف سے بہت اُداس ہو۔

"تمہارا نام؟"

"راجر ولس!"

"کسی پرائیویٹ جاسوس کے لیے یہ نام بڑا مضحکہ خیز ہے۔"

"یہ نام ہر کس و ناکس کے لیے مضحکہ خیز ہے۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔

للہ رخ
قمر اجنالوی قیمت:-/200

"انتہائی احمقانہ نام ہے۔" دراز قامت شخص نے کہا۔

"کیا تم یہاں میرا مذاق اڑانے کے لیے آئے ہو؟" ٹائیگر نے غصہ میں آنے کا تاثر دینے کی کوشش کی۔

"نہیں! یہ پوچھنے کے لیے آئے ہیں کہ تم کس کے لیے کام کرتے ہو۔"

"وہ روسی نژاد یورپی ہے۔"

"اس کا نام؟"

"وہ سابوکا کہلاتا ہے۔" جواب دے کر ٹائیگر نے اُن کا ردِ عمل دیکھنا چاہا لیکن ان کے چہرے سپاٹ رہے۔ اس کا واضح مطلب یہ تھا کہ دونوں نچلی سطح کے کارندے تھے۔ اچانک ہی اسے اکتاہٹ محسوس ہونے لگی۔ وہ اس کا وقت ضائع کر رہے تھے۔

"اس نے تمہیں کیوں طلب کیا ہے؟"

"بتا نہیں! اس نے مجھے ایک چیک کے ساتھ خط بھی بھیجا تھا لیکن خط میں یہ نہیں لکھا کہ کیا کام کرنا ہوگا۔"

"وہ خط تمہارے پاس موجود ہے؟"

"ہاں! اوپر کمرے میں ہے۔ سنو دوستو! میں کسی مسئلے میں گھرنا نہیں چاہتا۔ میرا کام محض چھوٹے موٹے امور نمٹانا ہے۔ لیکن اگر اس کے علاوہ اور کوئی کام ہے تو تم اس کی وضاحت کر دو میں اس کے لیے کام کرنے سے توبہ کر لوں گا۔ بھلا مجھے کسی کے پھٹے میں ٹانگ اڑانے کی کیا ضرورت ہے۔" ٹائیگر حیرت انگیز طور پر گفتگو کو طول دے رہا تھا۔

"تب پھر اپنے کمرے میں چل کر وہ خط دکھاؤ۔" فربہ آدمی نے نال کا دباؤ کچھ اور بڑھا دیا۔ ٹائیگر نے دونوں کو بغور دیکھا۔ موٹے نے اب چشمہ اتار لیا تھا۔ ان کی آنکھیں پڑھ کر اسے علم ہو گیا کہ وہ اسے قتل کرنے کے درپے ہیں۔ موٹے کی آنکھیں شریر تھیں اور بینات ٹائیگر کے لیے بہت دلچسپ تھی۔ ادھر وہ خود بھی یہی چاہتا تھا کہ اس پُرہجوم لابی سے نکل کر کمرے میں جانے کا موقعہ مل جائے تاکہ اگر کچھ ہو تو ہوٹل کی انتظامیہ کو

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کسی قسم کی شکایت نہ ہو۔ وہ پلٹ کر لفٹ کی طرف بڑھنے لگا۔ اس نے لفٹ کا بٹن دبایا تو موٹا اس کی پشت پر اور دراز قامت شخص اس کے دائیں طرف تھا۔

سب سے پہلے خود ٹائیگر لفٹ میں داخل ہوا اور پھر وہ دونوں اس کے دائیں بائیں کھڑے ہو گئے۔

شربتی آنکھوں والا اس کے دائیں طرف تھا اور ٹائیگر کو اسی میں زیادہ دلچسپی تھی۔

"شاید یہ کوریائی باشندہ ہے۔" ٹائیگر نے سوچا۔

گیارہویں منزل پر لفٹ سے اُتر کر وہ انہیں اپنے کمرے کی طرف لے چلا۔ دروازے پر پہنچ کر اس نے پہلے چابی نکالی اور پھر مصالحانہ انداز میں بولا۔ "سنو! میں کسی بھی نوعیت کی گڑبڑ نہیں چاہتا۔ میں چاہتا ہوں کہ اندر پہنچ کر تم کسی غلط فہمی کے شکار نہ ہو جاؤ۔ دراصل اندر میرا ایک ساتھی موجود ہے۔"

"وہ مسلح تو نہیں ہے؟"

"مسلح؟" ٹائیگر ہنس پڑا۔ "وہ اسی سالہ کوریائی بوڑھا ہے مسٹر۔" اس نے شربتی آنکھوں والے کی طرف بغور دیکھتے ہوئے کہا۔ "اور میرے دادا کا دوست بھی۔"

کوریا کا نام سنتے ہی زرد جلد والے کی شربتی آنکھیں ایک لمحے کے لیے سکڑ گئیں اور ٹائیگر اپنی کوشش میں کامیاب ہو گیا۔ وہ یہی یقین کرنا چاہتا تھا کہ یہ شخص بھی کوریا سے تعلق رکھتا ہے۔ اب وہ یہ سوچ رہا تھا کہ اسے مقابل پا کر اوشان کس حد تک آگے بڑھ جائے گا۔

"ٹھیک ہے چلو...!" اطالوی شخص نے سر کی جنبش سے حکم دیا۔ کوریائی نے چابی لے کر بڑی خاموشی سے قفل کھولا اور پھر ہاتھ سے دروازے کو دھکا دے کر اچھل پڑا۔ دروازہ بہت تیزی کے ساتھ کھلتا ہوا دیوار سے جا ٹکرایا تھا۔

اس آواز کے باوجود سفید بے داغ لبادے میں ملفوف اوشان کنول کے آسن ہی میں ساکت و بے حرکت بیٹھا رہا۔ اس نے پلٹ کر بھی نہ دیکھا، نہ ہی کوئی آواز نکالی بس ٹی وی دیکھتا رہا۔

"یہ وہی ہے؟"

"ہاں! اور بالکل بے ضرر!" ٹائیگر نے جواب دیا۔

"مجھے کوریائی باشندوں سے نفرت ہے۔" زرد جلد والے شخص نے منہ بنا کر بڑی نفرت سے کہا۔ پھر سب سے پہلے وہی اندر داخل ہوا، ٹائیگر اس کے پیچھے تھا جبکہ اطالوی اس کے عقب میں!

ان کی حرکتیں دیکھ کر بہرحال ٹائیگر کو افسوس ہو رہا تھا کہ کیسے احمقوں سے واسطہ پڑ گیا ہے۔ انہوں نے نہ تو بیڈ روم کی تلاشی لینے کی زحمت گوارا کی تھی، نہ ہی غسل خانوں اور الماریوں میں جھانکا۔ اس کے بجائے شربتی آنکھوں والا ٹی وی روم کے وسط میں جا کھڑا ہوا۔ ٹائیگر اس کے پیچھے تھا اور ٹائیگر پر نظر رکھنے کے لیے اطالوی اس کے عقب میں!

"بوڑھے...!" کوریائی نے اوشان کی طرف دیکھ کر پکارا لیکن اوشان نے جنبش بھی نہ کی تاہم صرف ایک لمحے کے لیے ٹائیگر نے ماسٹر کی آنکھیں اٹھتی ہوئی دیکھیں... ان چھوٹی چھوٹی آنکھوں نے پل بھر میں آئینہ میں دیکھا اور پھر ٹی وی کی اسکرین کو گھورنے لگیں۔

"میں تم سے مخاطب ہوں بڈھے!" کوریائی اس بار کسی کٹکھنے کتے کی طرح غرا کر بولا تھا پھر اس نے اپنی زندگی کی آخری غلطی کرتے ہوئے وی سی آر سے کیسٹ کھینچ کر فرش پر پٹخ دیا تھا۔

اوشان کسی طوفانی موج کے بھرپور وقار اور قہر کی طرح اٹھا۔ اس نے شربتی آنکھوں والے کو گھورا اور پھر ہم وطن کو سامنے پا کر شاید ٹھٹک سا گیا۔

"میرا کیسٹ جوڑ کر اس کی اصل حالت میں مجھے واپس کر دو۔" اوشان کا لہجہ نہ تو کرخت تھا اور نہ ہی غصہ تھا۔

"اوہو...!" کوریائی ہنسنے لگا پھر اس نے کوریائی زبان میں اتنی تیزی سے کچھ کہا کہ ٹائیگر بھی مفہوم نہ سمجھ سکا۔ اوشان نے اسے بولنے دیا اور جب شربتی آنکھوں والے کی زبان رکی تو ماسٹر نے انگریزی میں اس سے کہا۔ "تم کتے کے گوشت! اپنی رگوں میں دوڑنے والے لہو کو ناپاک کرنے والے! میرا کیسٹ جوڑ کر واپس کر دو... سنو! میں سانجو کی شمشیر کا وارث ہوں۔"

کوریائی کا چہرہ ایک لمحہ کے لیے سُست سا ہو گیا لیکن اس نے فوراً ہی سنبھل کر جواب دیا۔ "سانجو کی شمشیر کا اب کوئی وارث نہیں۔"

"احمق!" اوشان نے غرا کر اسے گھورا۔ "دوغلی نسل کے بن مانس! میرے قہر کو آواز نہ دے۔"

کوریائی نے غصے میں آ کر ٹی وی پر رکھا ہوا دوسرا کیسٹ بھی اٹھایا اسے گھٹنے پر مار کر توڑا اور فرش پر پھینک دیا۔

لیکن اس سے قبل کہ دوسرا کیسٹ فرش پر گرتا۔ کوریائی

فرش پر پڑا ہوا تھا۔

اوشان نے یہ کارروائی محض ایک سیکنڈ میں کی۔ یوں لگا جیسے بجلی سی چمکی ہو۔ وہ غرّایا، فضا میں بلند ہوا۔ اس کی دونوں ٹانگیں ایک ساتھ حرکت میں آئیں۔ وہ سیدھی ہوئیں اور پھر دونوں پیروں کی ایڑیاں کوریائی کے نرخرے پر جمی تھیں شربتی آنکھوں والا کسی ڈھیر کی مانند فرش پر گرا اور اب اس کے ہاتھ بُری طرح ہل رہے تھے۔ شاید جسم کے بعد اب ہاتھوں کی جان نکل رہی تھی۔

ٹائیگر نے اپنے عقب میں اسی لمحے اطالوی کا ہنکارا سُنا۔ اس نے کپڑوں کی سرسراہٹ بھی سنی، شاید وہ پستول نکال رہا تھا۔

"نہیں فادر...!" ٹائیگر نے اوشان کو اطالوی کی طرف متوجہ دیکھ کر فوراً کہا۔ "یہ میرا حصّہ ہے۔"

پستول بہت تیزی سے باہر آیا تھا لیکن اس سے زیادہ پھرتی سے ٹائیگر کی کہنی حرکت میں آئی تھی اور ٹھیک سینے کی ہڈی پر لگی تھی۔ ہڈی ٹوٹنے کی آواز کے ساتھ ہی اطالوی کی کراہ بھی گونجی لیکن اس کے بعد اطالوی کوئی آواز نہیں نکال سکا کیونکہ وہ گرنے سے قبل ہی اس جہانِ فانی سے رخصت ہو چکا تھا۔ گرنے کے بعد اس کے ہاتھ کی انگلیاں بے جان ہو گئیں اور پستول ان کی گرفت سے نکل گیا۔ آنکھیں خوف زدہ انداز میں کھلی رہ گئیں۔ گرتے ہوئے اس کا سر دیوار سے بھی ٹکرایا لیکن اُسے کوئی تکلیف نہیں ہوئی کیونکہ وہ مر چکا تھا۔

ٹائیگر نے خاص انداز میں اوشان کے سامنے کھڑے ہو کر سر خم کیا اور سفید لبادے والے ماسٹر نے بھی اسی انداز میں جواب دیا۔

"میرا خیال ہے کہ یہ شخص آپ کا تعارف سُن کر بھی آپ سے متاثر نہیں ہوا، اٹل فادر!" ٹائیگر نے مُردہ کوریائی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"بے وقوف تھا۔" سانجو کے ماسٹر نے جواب دیا۔ "اس کی رگوں میں کوریائی عورت اور سفید فام مرد کا خون تھا۔ ایسے لوگ بے وقوف ہی نکلتے ہیں۔" اوشان نے یہ کہہ کر ٹائیگر کو اور پھر اطالوی لاش کو گھورا۔ "آج میں نے خود کو بے حد بے بس محسوس کیا ہے شہزاد!"

"آپ نہ صرف بے بس بلکہ کاہل بھی ہو گئے ہیں اٹل فادر! یہ دونوں آپ کے حصّہ میں آنے تھے لیکن مجھے سنبھالنا پڑ گیا۔"

"لیکن میرے والے کا جثہ بھی تو دیکھو!" اوشان نے احتجاج کیا۔ "کتنا لحیم شحیم ہے۔"

"یہ صرف بہانے ہیں۔" ٹائیگر نے کندھے اچکا کر کہا۔ درحقیقت وہ اوشان کا اصل روپ دیکھنا چاہتا تھا۔ وہ اوشان کی ڈانٹ کھانے کے لیے بے چین تھا۔

"میں اُداس بھی بہت ہوں۔" اوشان نے عجیب سے لہجے میں کہا۔ "مجھے آج پھر یہ احساس ہو رہا ہے کہ اتنے برسوں کی محنت کے باوجود میں ایسا شاگرد تیار نہ کر سکا جو میرے لیے دردِ سر نہ بنتا ہو۔"

ٹائیگر مسکرانے لگا۔ اوشان کے ہونٹ بھی مسکرانے لگے جو نوکدار لہراتی ہوئی مونچھوں کے چند بالوں میں گھرے ہوئے تھے۔

تب ہی ٹائیگر کو کچھ یاد آ گیا۔

"آپ یہیں ٹھہریں!" اس نے کہا۔

"کیا مجھے یہاں کسی بیوٹیشن سے ملنا ہے؟"

"پلیز فادر... یہیں ٹھہرے رہیں۔"

"ٹھیک ہے! اب میں اسی وقت یہاں سے ہلوں گا جب سانجو کی گزری ہوئی روحیں میرے بدن سے میری روح لے جانے کے لیے آئیں گی۔" اوشان کے اس جواب پر ٹائیگر مطمئن ہو کر ہال میں آیا اور اسے جلد ہی لانڈری کی باسکٹ ٹرالی مل گئی۔ اس نے اِدھر اُدھر دیکھ کر خالی باسکٹ اپنے کمرے میں کھینچ لی۔

اوشان نے ٹرالی دیکھی تو وہ پھر مسکرانے لگا۔ "گڈ...! اب تم ان دونوں کو ٹھکانے لگا سکتے ہو۔"

"آپ میری نیک سیرت اور بہترین کردار سے ہمیشہ ہی فائدہ اٹھاتے ہیں فادر!" ٹائیگر نے شکوہ بھرے انداز میں کہا۔ "آپ کے ضائع کیے ہوئے کھلونوں کا کباڑ مجھے ہی اُٹھانا پڑتا ہے۔"

"یہ کوئی بڑی بات نہیں!" اوشان نے جھک کر ٹوٹے ہوئے کیسٹوں کے ٹکڑے اٹھانے کے بعد بڑے اُداس انداز میں سر ہلا کر کہا۔ "یہ کوریائی تھا اور یہ اس کی بدقسمتی تھی کہ میرے ہاتھوں سے مارا گیا۔ میں نے درگزر کرنے کی بہت کوشش کی تھی۔"

"آپ کبھی میری باتوں کو بھی درگزر کر دیا کریں۔"

"نہیں! میں تمہاری غلطیوں سے کبھی چشم پوشی نہیں کر سکتا کیونکہ مجھے تم سے نفرت نہیں۔ صرف ایسے لوگوں کی باتوں سے درگزر کیا جاتا ہے جن سے نفرت ہو۔ تم جلد ورنگت

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

سے نہ سہی... دل سے صرف کورنائی ہو۔ ایسے عظیم شریف اور شاندار کورنائی ہو جو اپنے استاد کا اٹھا کیا ہوا کپڑ اٹھانے لگا ہے۔"

اب ٹائیگر کے پاس اس کے سوا اور کوئی راستہ نہ تھا کہ وہ دونوں ہی لاشوں کو باسکٹ ٹرالی میں بھر دے۔ اس نے بستر کی چادریں اٹھا کر لاشوں کے اوپر ٹھونس دیں اور ٹرالی کو ہال میں لے گیا۔ ہال کے آخری سرے پر لانڈری کی خاص لفٹ تھی اس نے ٹرالی اس میں خالی کر دی۔ چادریں اور لاشیں ایک دوسرے میں مل کر بہت نیچے جا گریں جب اس نے گرنے کی آواز سن لی تو وہ مطمئن ہو گیا۔ اسے علم تھا کہ اب ایک ہفتے بعد ہی لاشوں کا انکشاف ہو گا جب لانڈری کی گاڑی میلی چادریں لے جانے کے لیے تہ خانے میں داخل ہو گی۔ ٹرالی ایک طرف دھکیل کر وہ کمرے میں واپس آ گیا۔ اب وہ خوشگوار موڈ میں سیٹی بجا رہا تھا۔ اُسے خوشی تھی کہ گزشتہ چند منٹ کے واقعات نے اوشان کی زندہ دلی واپس دلا دی ہے اور وہ یہی چاہتا بھی تھا کہ اوشان خاموش نہ رہے۔

ماسٹر اس کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ ٹائیگر کو گاؤچ پر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے خود فرش پر بیٹھ گیا۔ "تم میرے بارے میں متفکر رہتے تھے؟"

"ہاں...!" ٹائیگر جھوٹ نہ بول سکا۔ "مجھے ایسا لگتا تھا جیسے آپ زندگی کا ولولہ اور جوش کھوتے جا رہے ہیں۔"

"اور تم پریشان تھے؟"

"یس لٹل فادر...!"

"میں اس پریشانی کا باعث بنا... اس پر مجھے افسوس ہے۔" اوشان کا لہجہ بہت عجیب تھا۔ "شہزاد! تمہیں علم ہے کہ میں گزشتہ نصف صدی سے سناگو کا ماسٹر ہوں؟"

"جی ہاں! اور میں جانتا ہوں کہ آپ اگلی نصف صدی تک بھی ماسٹر رہیں گے۔"

"مگر اب میں شمشیر سناگو ایک نوجوان کو دینا چاہتا ہوں۔ تاکہ مجھ سے بہتر شخص اس کی حفاظت کر سکے۔"

ٹائیگر نے کچھ کہنا چاہا مگر اوشان نے اشارے سے اُسے خاموش کر دیا۔

"میں سوچتا رہا کہ یہ اعزاز کس کو ملے۔ ایسا کون سا شخص ہے جو میرے بعد سناگوؤں کا خیال رکھے تاکہ سناگو کے غریبوں کو روٹی کپڑا مل سکے... میرے ذہن میں کوئی کورنائی نہیں آیا۔ میں سوچتا ہوں کہ صرف تم ہی اس اعزاز کے مستحق ہو سکتے ہو۔"

"یہ میری عزت افزائی ہی نہیں بلکہ...!"

"خاموش...!" اوشان نے سر جھٹک کر کہا۔ "تم تقریباً کورنائی ہو۔ جسم سے نہیں دل و دماغ کے اعتبار سے۔ اگر تم اپنی بھوک پر قابو پا سکو تو بہت اچھے ماسٹر بن سکتے ہو۔"

"میں...!"

"سنتے رہو...!" اوشان نے پھر جھڑک دیا۔ "میں اس بارے میں کئی ہفتوں سے غور کر رہا تھا۔ میں نے خود سے کہا کہ اوشان تم بوڑھے ہوتے جا رہے ہو۔ بہت برس بیت گئے بہت سی جنگیں لڑیں۔ اب بہت سے برس باقی ہیں، بے شمار جنگیں دیکھنی ہوں گی... شہزاد تمہارے برابر کا ماسٹر بن چکا ہے... خاموش رہو! سنتے رہو... میں نے کہا کہ شہزاد برابری کر سکتا ہے۔ اور سوچتے ہوئے مجھے بے حد دکھ ہوا کہ اب کسی کو میری ضرورت نہیں۔ کسی کو یہ پروا نہیں کہ سناگو کا ماسٹر میں ہوں۔ میں نے کہا کہ شہزاد زیادہ بہتر کام کر سکتا ہے۔" اوشان کا لہجہ بہت سنجیدہ تھا... "ہاں! میں نے یہ تمام باتیں خود سے کیں!"

ٹائیگر نے محض پل بھر کے لیے اوشان کی آنکھوں میں ایک مخصوص چمک دیکھی تو اس نے اس سنجیدہ تقریر کا لطف لینا شروع کر دیا۔ اوشان ایک بار پھر پرانا مذاق کر رہا تھا۔

"اور اب میں فیصلے پر پہنچ چکا ہوں۔"

"مجھے یقین ہے کہ یہ فیصلہ صرف اور صرف دانش فہم و فراست اور انصاف پر مبنی ہو گا۔" ٹائیگر نے بہت محتاط انداز میں جواب دیا۔ وہ کسی نئے جال میں پھنسنے کے لیے تیار نہ تھا۔

"میں اس فیصلے پر اس وقت پہنچا جب تم نے اپنی کہنی سے اس بندر کو ختم کیا۔" اوشان کا اشارہ الطالوی کی موت کی طرف تھا۔

"فیصلہ کیا ہے...؟" ٹائیگر سنبھل کر بیٹھ گیا۔ وہ جانتا تھا کہ اوشان اب واقعی اوشان بن چکا ہے۔

"کیا تمہیں اُس وقت یہ احساس تھا کہ ضرب لگاتے ہوئے تمہاری مٹھی تمہارے سینے سے پورے آٹھ انچ کے فاصلے پر تھی؟"

"نہیں! مجھے یہ احساس نہیں ہوا۔" ٹائیگر سمجھ گیا کہ بس اب ڈراپ سین ہونے والا ہے۔

"ہاں! تمہیں اس کا اندازہ نہیں ہو سکتا تھا۔ بہر حال اس لمحے دانش نے میری رہنمائی کی۔"

"کیسی رہنمائی؟"

تاریخ کے صفحات میں محفوظ سرزمین پنجاب کی وہ دلگداز داستان، جو کلاسک داستانوں میں شمار ہوتی ہے!

جگت سنگھ جگا

مصنف: شمیم نوید

- وہ کیوں ایک شریف شہری سے ڈاکو بن گیا؟
- اُسے ڈاکو بننے پر کس نے مجبور کیا؟
- وہ کس طرح انتقام کی آگ میں سلگتا رہا؟

اور سب سے بڑھ کر "جگت سنگھ جگا" کے کردار کا رومانی پہلو جو شروع سے آخر تک "چندن" اور "ویرو" کی صورت میں اس کہانی میں رچا بسا نظر آتا ہے، اس بات کا گواہ ہے کہ لطیف جذبات رکھنے والا یہ نوجوان جسے دنیا خطرناک ڈاکو کے نام سے جانتی تھی، اُس کا دل عشق کے گداز سے خالی نہیں تھا۔

30 سال قبل شائع ہونے والا اپنے وقت کا مقبول سلسلہ
پہلی بار کتابی شکل میں شائع ہو گیا ہے

دو جلدوں میں مکمل سیٹ -/400 روپے۔

اسٹاکسٹ: مکتبہ القریش اُردو بازار لاہور-2 فون: 7668958

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"عقل نے مجھے سمجھایا کہ اوشان تم سنابنجو کی بہبود کا عظیم فرض کسی ایسے شخص کو کیوں کر سونپ سکتے ہو جسے بیک ایلیو تھرسٹ کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہ بھی علم نہ ہو کہ اس کی مٹھی سینے سے کتنی دُور ہے... کیا میں کسی ایسے شخص کو یہ اہم منصب سونپ سکتا ہوں؟ تم ہی جواب دو۔"

"نہیں...!!" ٹائیگر نے مُنہ بنا کر جواب دیا۔ "آپ کسی ناکارہ آدمی کو یہ اہم کام نہیں سونپ سکتے۔"

"درست...!" اوشان کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ "تمہاری غیر تسلی بخش کارکردگی دیکھتے ہوئے مجھے معاً ہی احساس ہوا کہ اوشان ابھی اتنا بوڑھا نہیں ہوا ہے کہ شمشیر سنابنجو کسی نااہل ماسٹر کو سونپ دے۔ ابھی اوشان کی جگہ لینے کے لیے تمہیں کئی برس درکار ہیں شہزاد...!" اوشان نے فیصلہ سنانے کے انداز میں کہا۔

"آپ کا ہر فیصلہ درست ہوتا ہے۔" ٹائیگر نے گردن پر ہاتھ پھیر کر کہا۔

"ہاں... اور میرا فیصلہ یہ ہے کہ ہم تربیت کا پھر آغاز کریں گے تاکہ تمہیں شمشیر سنابنجو کے لیے تیار کیا جا سکے۔ شاید اس کام میں پانچ چھ سال لگ جائیں۔"

"تربیت...؟" ٹائیگر گھبرا کر بولا۔

"ہاں... ہم بیک ایلیو تھرسٹ کی مشق کریں گے۔ تم نے اس کا استعمال کسی نابالغ بچے کے سے انداز میں کیا ہے۔ تم نے میری تربیت اور میرے نام کو بٹا لگایا ہے۔ تمہاری یہ کارکردگی میرے اجداد کی توہین ہے۔ تم میرے لیے باعثِ توہین ہو شہزاد...!"

اوشان اب فل فارم میں آ چکا تھا اور ٹائیگر جو محض ایک گھنٹے قبل اوشان کی خاموشی کے باعث پریشان تھا۔ اب اس وجہ سے پریشان تھا کہ اوشان بولنے لگا ہے۔

"ٹھیک ہے فادر... ہم تربیت کا آغاز ضرور کریں گے لیکن فی الحال میں ایک اہم کام کرنے جا رہا ہوں۔" ٹائیگر نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ اوشان کو ساتھ لے کر نہیں جائے گا۔

"ضرور جاؤ... لیکن اس اہم کام میں تمہیں میری مدد کی بھی ضرورت محسوس ہوگی۔ تم بیک ایلیو تھرسٹ کے وقت اپنی مٹھی سینے سے اتنی دور رکھتے ہو تو کامیابی کیا خاک حاصل کرو گے۔"

"نہیں اوشان! یہ اتنا خطرناک مشن نہیں ہوگا۔ میں بس گیا اور آیا۔ آپ سامان پیک کر لیں، کام مکمل ہوتے ہی ہم چھٹیاں گزارنے کے لیے روانہ ہو جائیں گے۔"

"اور پھر ہم بیک ایلیو تھرسٹ کی بھی مشق کریں گے نا؟" اوشان نے مشکوک انداز میں پوچھا۔

"بالکل... کیوں نہیں!!" ٹائیگر بڑے پُرزور انداز میں بولا۔

اوشان نے کوئی جواب نہ دیا لیکن اس وقت، اس کا چہرہ خوشی سے کھلا پڑ رہا تھا۔



بیرن اسحاق سابوکا نے الجزیرہ کے اسٹون وال ہوٹل کا پورا پینٹ ہاؤس فلور کرائے پر لے رکھا تھا۔ یہ بات ایک ایسے شخص کے لیے غیر معمولی ہی تھی جو اس کارپوریشن کا مالک ہو جس کی ذیلی کارپوریشن ہوٹل کی مالک ہو۔ اس نے ہوٹل کی انتظامیہ کو بذریعہ تار مطلع کیا تھا کہ وہ چھ ماہ کے لیے اس فلور کی لیز چاہتا ہے۔ پھر اس نے ممتاز اور ماہر ڈیکوریٹرز اور ہولڈنگ ایڈوائزر کو بذریعہ تار ہی ہدایت کی تھی کہ وہ پینٹ ہاؤس میں تبدیلی و آرائش کا کام کریں۔ ٹیلی فون کمپنی سے کہا گیا تھا کہ وہ فلور پر ٹیلی فون سسٹم کی تنصیب کی بجائے وائرلیس کنکشن کے لیے اس کے نمائندے سے ملاقات کرے۔ اس سسٹم میں خصوصی کانفرنس لائنز اور اسکریمبر ڈیوائسز بھی شامل تھیں۔ اس نے پینٹ ہاؤس کے سینٹرل سیکشن کو اس قابل بنانے کے لیے روم کے ماہرین کی خدمات حاصل کی تھیں کہ اس سیکشن میں ہونے والی کوئی بات باہر نہ نکل سکے اور اس نے اس سینٹرل سیکشن کو کانفرنس روم قرار دیا تھا۔ اس پورے کام میں صرف تین ہفتے لگے اور تیسرا ہفتہ ختم ہونے کے بعد الجزیرہ کے ایک انگریزی اخبار میں چند سطر کی خبر شائع ہوئی۔

"یہ کسی کو علم نہیں کہ ارب پتی سابوکا کیا کرنا چاہتا ہے۔ اس نے اسٹون وال ہوٹل کا پورا پینٹ ہاؤس لیز پر حاصل کر لیا ہے۔ وہاں تبدیلیاں کی گئی ہیں اور سکیورٹی کا ایسا نظام اختیار کیا گیا ہے جو امریکن سیکرٹ سروس کے نظام کو بھی شرما دے گا۔ یہ امر یقینی ہے کہ سابوکا کچھ کرنا چاہتا ہے۔"



سابوکا نے یہ خبر صبح کے ناشتے پر پڑھی۔ اس کا ناشتہ اسکاچ اور انگور کے جوس، چار انڈوں، چاکلیٹ کی لمبی تلی، کافی اور شکر کے چار چمچوں پر مشتمل ہوتا تھا۔ اس وقت وہ اپنی عظیم الشان

سٹ فلیٹ کے سب سے بلند مقام پر بیٹھا ہوا شہر کا پورا منظر دیکھ رہا تھا۔ خبر پڑھتے ہوئے اس کے گال پھڑک رہے تھے اور سراثبات میں ہل رہا تھا۔ پوری خبر پڑھ لینے کے بعد اس نے اخبار بڑی احتیاط سے تہ کر کے ان گلابوں کے ساتھ رکھ دیا جن میں چند لمحے قبل تک گلنگتوں اور انگور رولا کا جوس لبالب بھرا ہوا تھا۔ اس نے ریشمی رومال سے اپنا مُنہ صاف کرتے ہوئے جاکٹ کا بڑا سا ٹکڑا انگلیوں کی مدد سے اٹھا کر مُنہ میں بھر لیا جونہی یہ ٹکڑا اس کی انگلیوں سے چھوٹا، سابوکا مسکرانے لگا اس کی ہنسی خوفناک تھی۔ ایسی جیسے کسی کتے نے خوشی کا اظہار کیا ہو۔ اس کا چہرہ کسی ہوئے تازے گوشت کی طرح تھا۔ سر لمبوترا بلکہ تکونا تھا۔ پیشانی ڈھلان نما تھی۔ کھوپڑی پر ایک جگہ بالکل وسط میں بالوں کا گچھا تھا۔ آنکھیں بڑی اور عمودی تھیں۔ یرقان جیسے رنگ والے چہرے پر لمبی سی ناک تھی جس کا اگلا حصہ پھولا ہوا تھا۔

سابوکا کی قامت چھ فٹ آٹھ انچ تھی۔ وزن ۱۵۶ پونڈ تھا۔ اسے وزن برقرار رکھنے کے لیے دن میں چھ مرتبہ کھانا کھانا پڑتا تھا۔ جسم ہر وقت متحرک رہتا تھا اور پیٹ میں پڑنے والی نمایاں جلد بدل ہو جاتی تھی۔ نشست کی حالت میں اس کا ایک پیر ہلتا رہتا تھا۔ گفتگو کرتے ہوئے اس کے دونوں ہاتھ ہلتے رہتے تھے اور سوتے ہوئے اُچھلتا رہتا تھا۔ اُسے پتا تھا کہ اگر ۴ گھنٹے تک اُسے کھانے کے لیے کچھ نہ دیا جائے تو وہ مر جائے گا۔

ناشتے سے پیٹ بھرنے کے بعد ہی وہ مسکرایا۔ پھر اس کا قہقہہ بلند ہوا۔ اس قہقہے کی وجہ سے اس کا پورا جسم مختل مختل ہلنے لگا اور اس میں ناشتے سے جو توانائی پیدا ہوئی تھی۔ وہ ضائع ہونے لگی۔

سابوکا نے اپنی بالکونی سے الجزیرہ کا طائرانہ جائزہ لیا جہاں سے اسٹون وال ہوٹل سمیت تمام بلند و بالا عمارتیں نظر آ رہی تھیں۔ اس نے پینٹ ہاؤس کے بارے میں جو سوچا تھا، وہ پورا ہوا لہٰذا وہ بہت خوش تھا۔ اسے یہ بھی مسرت تھی کہ اب دنیا بھر کی انٹیلی جنس کے لوگ یہ جاننے کی سر توڑ کوشش کریں گے کہ اسٹون وال ہوٹل کی پینتیسویں منزل پر کیا ہو رہا ہے۔ اس کے لیے وہ ایک دوسرے کے راز چوری کرنے سے بھی گریز نہیں کریں گے۔

اس نے ایک بار پھر جاندار قہقہہ لگایا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر جاسوس اس سے یہ پوچھ لیں کہ پینٹ ہاؤس میں کیا ہو رہا ہے۔ تو وہ جھوٹ نہیں بولے گا۔ انہیں سچ سچ بتا دے گا کہ وہاں کچھ بھی نہیں ہو رہا۔

پینٹ ہاؤس دراصل ایک نقاب کے طور پر استعمال کیا جا رہا تھا۔ سابوکا کی کوشش تھی کہ سب کی توجہ پینٹ ہاؤس پر مرکوز ہو جائے اور اس کی اس عظیم الشان رہائش گاہ پر کوئی توجہ نہ دے۔ یہیں... اسی عمارت میں... آئندہ چند روز میں بہت اہم کاروبار ہونے والا تھا۔

قہقہہ ختم کرنے کے بعد اس نے اپنے ناشتے پر موجود دھان کی طرف توجہ دی جو پسینے سے شرابور ہو رہا تھا اور اسی شخص کو جلد ہی اسکوبا کا صدر بننا تھا۔

نائب صدر الیسپر کو تعجب تھا کہ سابوکا کیوں ہنسا تھا وہ اس کے قہقہے کی وجہ معلوم کرنے کے لیے بے چین تھا لیکن اس میں اتنی جرأت نہ تھی کہ وہ یہ سوال کر سکتا۔

"پیارے نائب صدر!" سابوکا نے خود ہی کہا۔ "سب کچھ منصوبے کے مطابق ہو رہا تھا۔" اس کی آواز اونچی اور گرجدار تھی۔ "میرے اس طرح ہنسنے پر حیرت ماننا لیکن میں یہ سوچ کر ہنس رہا تھا کہ وہ لوگ کتنے احمق ہوں گے جو ہمیں روکنے کی کوشش کریں گے اور ہم کس طرح ہوشیاری سے ان کی تمام کوششیں ناکام بنا دیں گے۔"

"اور آپ کے مہمان کب آئیں گے؟" الیسپر نے کیریمز کی پلیٹ سامنے سے ہٹاتے ہوئے پوچھا۔ وہ ناشتے میں کافی کے ساتھ صرف بسکٹ ہی کھاتا تھا۔

"اگلے روز سے اُن کی آمد شروع ہو جائے گی... آؤ... میں تمہیں انتظامات دکھاؤں...!" یہ کہہ کر سابوکا کھڑا ہو گیا۔ وہ الیسپر کے چہرے پر مایوسی کی تحریر نہ دیکھ سکا۔ نائب صدر اس کے پیچھے چلتا ہوا، بالکونی کے کونے تک پہنچ گیا۔ پھر اس نے سابوکا کو دیکھا۔ وہ ایک طرف ہاتھ سے اشارہ کر رہا تھا۔ "دیکھو اس ولا کی طرف صرف ایک ہی سڑک آتی ہے۔ اس پوری سڑک پر مسلح گارڈ تعینات ہیں۔ اور جو آنے والا ہر شخص چیک کیا جاتا ہے اور جس کو میں کہوں صرف اُسی کو آنے کی اجازت ملتی ہے۔" سابوکا کا دایاں ہاتھ گرا اور پھر بایاں حرکت میں آ گیا... اب یہ ہاتھ اس سڑک کے درختوں کی طرف اشارہ کر رہا تھا جو پہاڑی پر نظر آ رہے تھے۔ "ان تمام ڈھلانوں پر بھی ہمارے لوگ تعینات ہیں جو کسی بھی گھس بیٹھنے والے سے نمٹنا جانتے ہیں پھر کتے بھی ہیں جو کسی بھی ناپسندیدہ شخص کو سالم ہڑپ کرنے کے لیے بے تاب رہتے ہیں۔ الیکٹرانک کے آلات الگ رہے... یہاں برقی آنکھ بھی ہے۔ انفرا ریڈ

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ٹیلی ویژن کیمرے بھی ہیں۔ خفیہ مائیکروفون بھی... جو چھپ کر آنے والے کسی بھی شخص کی خبر دے سکتے ہیں۔"

سابو کا بہت جوش میں بول رہا تھا۔ اس کا تھوک اسپیر کے پسینے سے تر چہرے پر اُڑ اُڑ کر آ رہا تھا... وہ بولتے بولتے پلٹا اور اس بار اس نے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا دیے۔ "اور ہاں... اس قلعے کے اوپر ہمارے ہیلی کاپٹر ہر وقت چکر لگاتے رہتے ہیں۔" اسپیر نے اسی لمحے ایک طیارے کو دیکھا جو بڑے کاہلانہ انداز میں قلعہ کے اوپر پہنچ کر چکر لگا رہا تھا۔ سابو کا ریلنگ سے ہٹ کر ایک قدم بڑھا۔ اس نے اپنے بھاری بھرکم ہاتھ اسپیر کے کندھوں پر رکھ کر کہا۔ "سب کچھ فول پروف ہے۔ ہمیں کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔" یہ کہتے ہوئے وہ اسپیر کو شیشے کے دروازوں کی طرف لے آیا جو قلعے میں لے جاتے تھے۔

"آؤ... میں اجلاسوں کے انعقاد کے انتظامات کے بارے میں بھی بتا دوں اور تم بھی مجھے یہ ضرور بتانا کہ سوئٹزرلینڈ سے آنے والی پرواز میں ایئر ہوسٹس کیسی تھی؟"

وہ بہت توجہ سے اس ایئر ہوسٹس کے بارے میں سنتا رہا جس نے طیارے میں اسپیر کو مسکرا کر دیکھا تھا۔

سابو کا نے اس وقت سفید لباس پہن رکھا تھا۔ اس کے جوتے تک سفید تھے۔ اسپیر کے سیاہ سوٹ کے مقابلے میں سابو کا کا سوٹ بہت نفیس اور خوبصورت تھا۔ اس سیاہ سوٹ میں نائب صدر کو اور زیادہ پسینہ آ رہا تھا اور اب بغلوں کے نیچے نمک کے گول گول دھبے پڑ گئے تھے۔

وہ دونوں ایک قدِ آدم آئل پینٹنگ کے سامنے رُک گئے۔ رُکا تو سابو کا تھا اور اسپیر کو اُسے دیکھ کر رُک جانا پڑا تھا۔

"اس قلعے میں ۴۲ کمرے ہیں۔" سابو کا نے کہا۔ "مہمانوں کی تعداد کمروں سے کم ہی رہے گی۔" اس نے پینٹنگ کے فریم کے نیچے لگا ہوا ایک بٹن دبانے سے قبل کہا۔ تصویر آواز نکالے بغیر ایک طرف سرک گئی اور اس کے پیچھے سے لفٹ کا دروازہ سامنے آ گیا۔ وہ لفٹ میں گھس گئے۔ سابو کا نے ایک بٹن دبایا جس پر ۵ لکھا تھا اور لفٹ بے آواز اُوپر اٹھنے لگی۔ جلد ہی لفٹ کا دروازہ کھل گیا۔ اب وہ ایک سوفٹ لمبے اور چالیس فٹ چوڑے ایک شاندار ہال میں تھے۔ اس کی دیواریں بھی اسی پتھر سے بنی ہوئی تھیں جو قلعے کی تعمیر میں استعمال کیا گیا تھا ہال کے بالکل وسط میں مہاگنی کی بنی ہوئی خوبصورت اور شاندار کانفرنس ٹیبل بچھی ہوئی تھی جس کے گرد چالیس کرسیاں تھیں۔ کرسیوں پر بھی آرائش کی گئی تھی۔ ہر کرسی کے سامنے خوبصورت ڈیسک بلوٹر، پیڈ، پنسلوں سے بھری ہوئی نقرئی ٹرے اور دوسرا سامان رکھا ہوا تھا۔

"ہمارے اجلاس یہیں ہوا کریں گے۔" سابو کا نے زوردار لہجے میں کہا۔ "اسی کمرے میں اگلے تین روز کے دوران ہم وہ فیصلے کریں گے جن کی رو سے تم اپنی قوم کے صدر مقرر کیے جاؤ گے۔"

اسپیر بہت دیر بعد پہلی مرتبہ مسکرایا۔

"اور تمہاری قوم طاقت ور اقوام کی صف میں نمایاں مقام حاصل کرے گی۔" سابو کا نے دونوں ہاتھوں سے اشارہ کر کے کہا۔ اس کا لہجہ بہت پُرجوش تھا۔ "ذرا سوچو!" اب وہ بُھل بُھل کر ہاتھ ہلا رہا تھا۔ "سوچو اسپیر! تمہاری قوم جرائم سے پاک مگر دنیا بھر کے مجرموں کی جنت ہوگی۔ وہ ان مظلوموں کے لیے ماں کی گود ثابت ہوگی جو اپنے ملک کی پولیس کے مظالم سے گھبرا کر یہاں آئیں گے۔ یہاں انہیں کوئی ہاتھ بھی نہیں لگائے گا اور تم اس قوم کو کنٹرول کرو گے۔ تم مردوں میں مرد ہو گے اسپیر! دنیا کے سب سے طاقت ور مرد بن جاؤ گے۔" سابو کا مسکرا کر اسے دیکھنے لگا۔ اس کی مسکراہٹ بہت کچھ کہہ رہی تھی کہ اسپیر اس مسکراہٹ کا مفہوم نہیں سمجھ سکا۔ اس کی نظریں تو اس گنبد پر تھیں جو ہال کی چھت پر تھا اور نیچے سے خالی ڈھول کی طرح نظر آ رہا تھا۔ اسی گنبد سے سورج کی روشنی کانفرنس روم پر پڑ رہی تھی۔ گنبد دھاتی شیشے کا تھا اور اس پر جگہ جگہ نقش و نگار بنے ہوئے تھے۔

سابو کا نے اس کی نظروں کا تعاقب کیا۔ "یہ بلٹ پروف گنبد ہے میرے دوست!" وہ سینہ پھلا کر دونوں ہاتھوں کو لہراتے ہوئے بولا۔ "کتنا حسین ہے یہ... اور اس کے اُوپر چار ہیلی کاپٹر پیڈز ہیں۔"

"تو مہمان کل آئیں گے۔" اسپیر کے لہجے میں اضطراب تھا

"ہاں! ہمارے کاروباری مہمان کل آئیں گے۔" سابو کا نے جواب دیا۔ "ویسے یہاں بعض مہمان... خاص مہمان... پہلے ہی سے موجود ہیں ان میں سے ایک سے میں تمہاری ملاقات ضرور کراؤں گا تاکہ تمہارے سفر کی تھکن دُور ہو سکے۔"

اسپیر ہنس پڑا۔ اس کے دل میں گدگدی سی ہونے لگی۔

وہ دوبارہ لفٹ میں آئے۔ اس مرتبہ سابو کا نے چھ نمبر کا بٹن دبایا۔ دروازے بند ہوئے اور پھر کھل گئے۔ اس بار بھی اسپیر

نے لفٹ کے چلنے کی مخصوص تھرتھراہٹ محسوس نہیں کی۔ وہ ایک طویل اور چوڑی غلام گردش میں آ گئے جس پر جانوروں کی کھال کی قالین بچھی ہوئی تھی دیواروں پر نہ جانے کون سا رنگ کیا گیا تھا کہ وہ طلائی رنگ میں جھلمل کر رہی تھیں۔۔ دیواروں کے ساتھ ساتھ برہنہ مجسمے سجے ہوئے تھے جن میں فنکار کی فنکاری کی انتہا جھلک رہی تھی۔ دیوار کی تعمیر میں جو سنگ مرمر استعمال ہوا تھا وہ سابو کا نے اپنے دھن اُگی سے منگوایا تھا۔

"آؤ...!" سابو کا نے مجسموں کی طرف دیکھے بغیر اسپیر سے کہا۔ وہ چل دیئے اور پھر راہداری میں ایسے کمرے کے سامنے رُک گئے جس پر کوئی نمبر نہیں پڑا تھا۔ اس کا دروازہ دوسرے دروازوں سے مختلف نہیں تھا۔ سابو کا نے ہلکے سے دستک دی پھر خود ہی دروازے کو دھکیل کر اندر چلا گیا۔ اسپیر اس کے پیچھے تھا۔

یہ بیڈ روم تھا۔ بیڈ بہت نفیس بہت عریض اور بہت شاندار تھا۔ اس کے چاروں کونوں پر سُرخ ستون تھے لیکن اوپر بیڈ کی چھت نہیں تھی۔ اس طرح شیشے کی چھت سے بیڈ کا منظر صاف نظر آ سکتا تھا۔

اور اس بستر پر ایک نوجوان لڑکی لیٹی ہوئی تھی۔ اس دراز قامت لڑکی کی رنگت ایسی تھی جیسے وہ کبھی دھوپ میں نہ نکلی ہو۔ اس نے ایک لمبی نائٹی پہنی ہوئی تھی جس کے آر پار دیکھا جا سکتا تھا۔ نائٹی کی ڈوریاں بھی کھلی ہوئی تھیں۔ اس کے بال بالکل سفید تھے۔ جنہوں نے شانے اور اس کے نیچے کے حصے کو ڈھانپ رکھا تھا۔ آہٹ پر وہ اٹھی اور اپنی ڈوریاں باندھے بغیر دروازے کی طرف آ گئی۔ اسپیر کو دیکھ کر اس کا چہرہ کھل اٹھا۔ مُنہ سنسنی خیز انداز میں کھل گیا اور آنکھیں چمکنے لگیں... ایسا ہی لگا تھا جیسے وہ اسپیر ہی کی منتظر تھی۔

"دیکھا تم نے...!" سابو کا ہنس کر بولا۔ "یہ تمہارا ہی انتظار کر رہی تھی میرے دوست!"

اسپیر تھوک نگل کر رہ گیا۔ وہ بہ مشکل تھینک یو ہی کہہ سکا۔

"کیا یہ خوبصورت نہیں؟" سابو کا نے اسکو مبا کے نائب صدر سے رائے طلب کی۔ "دیکھو! اسے غور سے دیکھو۔"

اسپیر اُسے غور سے دیکھنے کی کوشش کرنے لگا اور سابو کا کسی بھی جھجک کے بغیر لڑکی کے سراپے کی تعریف کرنے لگا۔

"یہ تمہاری ہے۔" سابو کا نے آخر میں دونوں ہاتھوں سے لڑکی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "یہ صرف تمہاری خدمت کے لیے ہے۔ تمہاری ہر خواہش پوری کرنے کی منتظر ہے۔"

"ہر خواہش...؟" اسپیر کی پیشانی سے اب پسینے کی بوندیں ٹپک رہی تھیں۔ اس کی سانس بھی بے ترتیب ہونے لگی تھی۔

"ہاں! اور اگر یہ تمہیں خوش نہ کر سکی تو پھر دوسری عورتوں کو تمہاری خدمت کا فرض سونپا جائے گا۔" سابو کا نے یہ کہتے ہوئے عورت کی طرف دیکھا اس عورت کی آنکھوں میں پل بھر کے لیے نفرت نظر آئی۔ لیکن فوراً ہی معدوم ہو گئی۔ اسپیر کو تو یہ بھی محسوس نہ ہوا کہ عورت اُسے کن نظروں سے دیکھ رہی ہے۔ وہ نظریں محبت بھری ہیں یا نفرت بھری۔ وہ تو صرف اس کے سراپے میں ڈوبا ہوا تھا۔

"اب میں چلتا ہوں تاکہ تم دونوں تنہائی میں زیادہ تفصیلی طور پر متعارف ہو سکو۔" سابو کا نے مخصوص انداز میں کہا۔ اسپیر کو عورت کی طرف دھکیلا اور دروازہ بند کرتا ہوا واپس نکل آیا۔

اب وہ بہت تیزی سے قدم اٹھا رہا تھا۔ اس نے لفٹ میں گھس کر تین نمبر کا بٹن دبایا۔ دروازہ جب کھلا تو سابو کا اسی قسم کی غلام گردش میں تھا جسے چھوڑ کر وہ آیا تھا لیکن یہاں صرف ایک دروازہ تھا جو ان کمروں کی طرف لے جاتا تھا جو سابو کا کے زیرِ استعمال تھے۔ وہ ڈرائنگ روم اور بیڈ روم سے گزرتا ہوا اسٹڈی میں چلا آیا۔ یہاں اس نے دروازہ مقفل کیا اور ایک وال کیبنٹ کی طرف بڑھ گیا۔ اس نے کیبنٹ کے دروازے کھینچ لیے۔ اس جگہ ۳۶ انچ کا ٹی وی سیٹ نصب تھا جس کے پینل پر بٹن اور وائس طرف کنٹرول تھا۔ سابو کا نے چار نمبر والا ڈائل گھما دیا۔ اس کے بعد وہ ڈائل گھمایا جس پر اے لکھا تھا۔ اس کام سے فارغ ہو کر اس نے ایک طویل سانس لی چند لمحے انتظار کیا اور پھر ایک بٹن دبا کر فوم کی آرام دہ کرسی پر نیم دراز ہو گیا۔ ٹیلی ویژن کا اسکرین اگلے ہی پل روشن ہو گیا پہلے نیلی لکیریں نظر آئیں اور پھر ایک واضح و روشن تصویر نظر آنے لگی۔

یہ اسپیر اور عورت کی تصویر تھی۔

سابو کا کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ اسے عجیب سی سنسنی محسوس ہونے لگی۔ پھر جونہی اسپیر اور عورت بیڈ کی طرف بڑھے۔ وہ مُسکرانے لگا۔ اس نے آگے جھک کر وہ بٹن دبایا جس پر ٹیپ لکھا تھا اور کرسی میں دھنس کر اپنا سب سے پسندیدہ شو دیکھنے لگا جو اس کے اسکرین پر براہِ راست ٹیلی کاسٹ ہو رہا تھا

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

* ٹائیگر بھی اڑتے ہوئے عظیم الشان پرندے کی آرام دہ کرسی میں دھنسا ہوا تھا۔ یہ بات اسے معلوم تھی کہ طیارہ جان ایف کینڈی ایئرپورٹ چھوڑ چکا ہے۔ اس نے سیٹ آف کے فوراً بعد اپنے جوتے اتار کر پیر پھیلاتے ہوئے ایک میگزین اٹھا لیا تھا لیکن اس کی نظریں بظاہر ہی میگزین پر تھیں وگرنہ وہ ایئر ہوسٹس کو دیکھ رہا تھا۔

یہ بات آج تک اس کی سمجھ میں نہیں آئی تھی کہ لوگ ایئر ہوسٹس کے پیچھے کیوں بھاگتے ہیں جبکہ ہر ایئر ہوسٹس گوشت پوست کے روبوٹ سے زیادہ کچھ نہیں ہوتی جس کا کام صرف مسکانا اور کترا کر گزر جانا ہوتا ہے۔

اس کی نظریں ایک دوسری ایئر ہوسٹس کی طرف ہو گئیں جو تین قطاریں چھوڑ کر چوتھی قطار میں بیٹھے ہوئے ایک مسافر کو سمجھا رہی تھی کہ سگریٹ پینا منع ہے۔

"میں آتش زنی کا شوق نہیں رکھتا۔" مسافر نے جھلا کر کہا۔ ساتھ ہی اس نے ایک مخصوص انداز میں سگریٹ لڑکی کے چہرے کے سامنے لہرایا۔ ٹائیگر کو اسی وقت یہ انداز شناسا سا لگا۔

"سوری سر! مگر آپ کو ضابطوں کی پابندی کرنی ہو گی، وگرنہ میں پائلٹ کو بلا لوں گی۔"

"تم پائلٹ ہی کو نہیں پوری فضائیہ کو بھی طلب کر لو۔ میں تو سگریٹ پی رہا ہوں۔" مسافر نے جواب دیا اور ایک بار پھر ٹائیگر کو یہ لگا جیسے یہ آواز اس نے پہلے بھی کہیں سنی ہے۔

وہ مرد کو اچھی طرح دیکھنے کے لیے آگے کی طرف جھکا۔ لیکن اُسے فوراً ہی کچھ یاد نہ آیا۔ مسافر درمیانی قامت کا تھا۔ اس دبلے پتلے شخص کا چہرہ کسی بچے کی طرح تھا جس پر چشمہ سجا ہوا تھا۔ اچانک مسافر ذرا سا مڑا، اتنا کہ ٹائیگر کو اس کا چہرہ زیادہ بہتر طور پر دیکھنے کا موقعہ مل گیا۔ مسافر کی آنکھوں کے گرد اسے نشو کی باریک لکیر نظر آئی۔ یہی تکیہ اس کی ناک کے نتھنے چھپتی

ٹائیگر نے اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرا اور سوچنے لگا کہ اس کی اپنی پلاسٹک سرجری کتنی بار ہو چکی ہے اور وہ کتنی مرتبہ چہرے بدل چکا ہے۔ وہ سوچنے لگا کہ مسافر جو کوئی بھی ہے۔ اس کا اصل چہرہ مصنوعی کھال کے نیچے ہے۔

مسافر اب بھی ایئر ہوسٹس سے الجھ رہا تھا۔ تب ہی اچانک ٹائیگر کے ذہن میں جھماکا ہوا... وہ لہجہ پہچان گیا۔ مسافر فرد دیسوں کے لہجے میں انگریزی بول رہا تھا۔ اس نے ایک بار پھر سگریٹ سے لڑکی کی طرف اشارہ کر کے کچھ کہا۔

"میں نے یہ انداز کہاں اور کس کا دیکھا ہے۔" ٹائیگر سوچنے لگا۔ ایئر ہوسٹس اور مسافر کی لڑائی اس وقت ختم ہو گئی کیونکہ "نو اسموکنگ" کی سرخ روشنی بجھ گئی تھی۔

"بس... اب تو مطمئن ہو۔" مسافر نے تلخ انداز میں کہا۔ ایئر ہوسٹس نے پلٹ کر دیکھا۔ نو اسموکنگ کی تنبیہہ غائب ہو چکی تھی لہٰذا وہ بے بسی سے مسافر کی طرف دیکھ کر مسکرائی اور پھر کمر درد سے انداز میں چلتی ہوئی کیبن کے اندر چلی گئی۔

مسافر نے ایک طویل سانس لے کر ادھر اُدھر دیکھنا شروع کیا تو ٹائیگر نے کھڑکی کی طرف مُنہ کر لیا۔ اب وہ نظر میں آئے بغیر مسافر کو کھڑکی کے شیشے میں گھور سکتا تھا جس پر اس کا عکس پڑ رہا تھا۔ آخرکار اس شخص نے بڑی اکتاہٹ کا اظہار کرتے ہوئے سگریٹ ایش ٹرے میں مسل دیا اور پھر طیارے کے عقبی حصے کی طرف چل دیا۔ ٹائیگر ایک بار پھر میگزین کو دیکھنے لگا لیکن اس وقت بھی وہی شخص اس کے اعصاب پر سوار تھا۔

"کہاں، کب؟" یہی دو سوال اس کے ذہن میں گونج رہے تھے۔ تب ہی ایئر ہوسٹس کیبن سے نکل کر عقبی حصے کی طرف جانے لگی تو ٹائیگر نے اسے اشارہ سے بلا لیا۔

"یس سر...!" وہ جھک کر مسکراتی ہوئی بولی۔

"وہ مُنہ پھٹ کون تھا؟" ٹائیگر نے پوچھا۔ ایئر ہوسٹس نے احتجاج کرنا چاہا لیکن اس سے قبل ہی سانجو کے فنکار نے اپنی مخصوص مسکراہٹ اچھالی اور ایئر ہوسٹس پگھلنے لگی۔ "وہ... وہ مسٹر جانسن تھے سر!"

"جانسن!" ٹائیگر نے سر کھجاتے ہوئے بولا۔ "پورا نام کیا ہے؟"

"صرف پی کے جانسن ہی لسٹ پر ہے۔"

"اوہ اب پھر کوئی ہو گا۔ مجھے ایسا لگا تھا جیسے میں نے اسے پہلے کہیں دیکھا ہے۔" ٹائیگر بدستور مسکرا رہا تھا۔

"بہت بہت شکریہ...!"

"کوئی بات نہیں سر!" وہ کچھ اور جھک گئی۔ "میں آپ کی کوئی اور خدمت کر سکتی ہوں؟"

"ہاں ضرور! میرے ساتھ اس دُعا میں شریک ہو جاؤ کہ طیارے کے پُرزے گر جائیں۔"

ایئر ہوسٹس یہ فیصلہ نہ کر سکی کہ وہ مذاق کر رہا ہے یا سنجیدہ ہے لیکن بہرحال وہ مزید کھلنے کے بجائے سیدھی ہو گئی۔ اس نے

ٹائیگر کو بغور دیکھا۔ اس بار اس دجیہہ انسان کے چہرے پر مزید دلکش مسکراہٹ تھی۔ ایئر ہوسٹس کا دل بے قابو ہونے لگا۔ اس سے قبل کہ وہ خود بے قابو ہوتی دوسری طرف چلی گئی۔ ٹائیگر نے پھر پشت گاہ سے ٹیک لگا لی۔

یہ کون ہے؟ وہ سوچتا رہا۔ اسے یہ تو یقین تھا کہ پی کے جانسن جعلی نام ہے تو پھر اصل نام کیا... پی کے جون... پی کے... کے پی... پی جے کے... جون پی... جانسن پی کے... پی جے کے... پی جے... پی جے کینی...!

"وہ مارا...!" ٹائیگر نے دل ہی دل میں نعرہ لگایا۔ وہ اپنی کوشش میں کامیاب رہا تھا۔ اسے وہ شخص یاد آ گیا جس کو اس نے ایک بار کیلیفورنیا کے انسپکٹر جوا کھیلنے کے الزام میں گرفتار کیا تھا۔ وہی شخص انگوٹھے اور انگشت شہادت کے درمیان سگریٹ پکڑ کر بار بار مخاطب کی طرف سگریٹ سے اشارہ کرتا تھا۔

ان دنوں وہ صرف انسپکٹر شہزاد تھا۔ گلستان کے ایک علاقے میں گشت پر تھا اور کسی سوشل ایتھلیٹک کلب کے دفتر کے سامنے سے گزر رہا تھا کہ اچانک اُسے اندر کے کمرے میں ٹیوب لائٹ روشن نظر آئی۔ اس نے کھڑکی سے اندر جھانکا تو وہاں میز پر جوا ہو رہا تھا اور نوٹوں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔ فردوس میں جوا ممنوع تھا لہٰذا وہ اندر گھس گیا اور جب اس نے اپنی آمد کا اعلان کیا تو تب ہی وہ لوگ اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ "حضرات! آپ یا تو یہ کھیل بند کر دیں یا پھر عقبی کمرے میں چلے جائیں تاکہ لوگ آپ کو نہ دیکھ سکیں۔"

اس وقت میز پر چھ جواری موجود تھے۔ ایک کے سوا سب کے سامنے نئے نوٹوں کی گڈیاں رکھی ہوئی تھیں اور یہ ایک شخص وہ تھا جس کی دونوں آنکھوں کے نیچے سفید دھبے تھے۔ اس کے سامنے چند نوٹ پڑے تھے۔ پانچ افراد نے پلٹ کر شہزاد کی طرف دیکھا۔ لیکن اس شخص نے پہلے بڑی احتیاط سے اپنے کارڈ دیکھے اور پھر انسپکٹر کی طرف پلٹا۔ "بھاگ جاؤ لڑکے...!" اس کا لہجہ سنجیدہ تھا۔

"یہ کھیل بند کر دیا جائے تو بہتر ہے۔" نوجوان شہزاد اس کے رعب میں نہیں آیا۔

"میں نے کہا نا کہ دفعان ہو جاؤ...!"

"تمہاری زبان شاید مُنہ میں نہیں رہ سکتی مسٹر...!"

نوجوان انسپکٹر کا خون کھول اٹھا۔

"میں دوسروں کی زبان کھینچ لیتا ہوں۔" اس نے سگریٹ سے ٹائیگر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا، ساتھ ہی وہ کھڑا ہو گیا۔ "بھاگ جاؤ...!" اس بار وہ غرایا تھا۔

"میں تمہیں گرفتار کرتا ہوں۔"

"کس الزام میں؟"

"جوا کھیلنے اور سرکاری کام میں مداخلت بے جا کے الزام میں...!"

"لڑکے! تم نہیں جانتے کہ میں کون ہوں؟"

"نہیں! اور مجھے اس کی پروا بھی نہیں کہ تم کون ہو۔"

"میرا نام کینی ہے اگر تم نے مزید بدتمیزی کی تو تم صحرائے احمر کی کسی گندی بستی کے پسماندہ تھانے میں کام کرتے نظر آؤ گے۔" یہ دھمکی اس نے سگریٹ سے شہزاد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے دی تھی۔

"ٹھیک ہے... تم میرا تبادلہ کرا دینا لیکن یہ کام تمہیں جیل میں رہ کر ہی کرنا ہو گا۔" شہزاد نے جواب دیا تھا۔

"تم پچھتاؤ گے!" کینی نے بڑی دھمکیاں دیں لیکن انسپکٹر شہزاد نے اسے قمار بازی کے الزام کے ساتھ ساتھ دخل در کار سرکار کے الزام میں بھی گرفتار کر لیا... پھر ٹھیک اڑتالیس گھنٹے بعد شہزاد ایک پسماندہ بستی میں تھانیداری کا چارج لے رہا تھا۔

اسے یہ واقعہ اس وقت بھی جہاز میں سفر کرتے ہوئے اچھی طرح یاد تھا۔ اسی واقعے نے اس کو پولیس کے محکمے سے مایوس کیا تھا۔ اس کے بعد ہی اس پر قتل کا الزام لگا تھا۔ پھانسی کی سزا ہوئی تھی اور اسے سرکاری طور پر لٹکا دیا گیا تھا... لیکن پھر وہ ٹائیگر بن گیا تھا اور اب یقیناً پی جے کینی نے بھی بہت ترقی کر لی تھی۔

کینی جرائم کی دنیا میں بہت مقبول ہو چکا تھا۔ اُسے پیشہ ور قاتل کی حیثیت حاصل ہو گئی تھی۔ ہر گروپ اس کی خدمات حاصل کرنے کے لیے بے چین رہتا تھا۔ وہ ایسا شخص تھا جس نے کبھی ناکامی کا مُنہ نہیں دیکھا تھا... لوگ جانتے تھے کہ کینی خود غرض نہیں۔ وہ کبھی ذاتی دشمنی کے باعث کسی کو قتل نہیں کرتا... وہ مکمل پروفیشنل ہے۔ کبھی ایک گروپ کا آدمی کینی کے ہاتھوں مارا جاتا تو وہ گروپ اس کو کینی سے دشمنی نہیں سمجھتا بلکہ دوسرے گروپ کے خلاف کینی کی خدمات حاصل کرنے کے لیے کوشاں ہو جاتا۔ کینی نے جرائم سے وابستہ مختلف

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

گروہوں کی طرف سے منقل تعلق کی درجنوں پیش کشیں مسترد کی تھیں۔ غالباً اس کی کامیابی کا بھی راز تھا کہ وہ کسی کا ماتحت نہیں تھا۔ وہ کسی گروپ کے نہ تو خلاف تھا اور نہ ہی کسی کی حمایت کرنا اس کی سرشت تھی۔ وہ پیسہ پھینک تماشا دیکھ کے اصول پر عمل کرتا تھا۔

ایک بار اس نے ایسے شخص کے پورے خاندان کو قتل کر دیا تھا جس نے اسے دھوکہ دینے کی کوشش کی تھی۔ مافیا کے اس سربراہ کو نہ صرف خود قتل ہونا پڑا تھا بلکہ اس کا باپ، بیوی بیٹیاں اور دونوں بیٹے بھی بم کے ایک دھماکے میں مارے گئے تھے۔ صرف اسی ایک کیس میں کینی کے ذاتی جھگڑے کی چھاپ تھی۔

اچانک ہی چند ماہ قبل دھوکہ دہی، لوٹ مار اور جرائم کے خلاف فرد جرم سینٹ نے تفتیش شروع کر دی۔ اس سلسلے میں کمیٹی نے کینی کو بھی طلب کیا لیکن وہ حاضر نہیں ہوا اور روپوش ہو گیا۔ ٹائیگر نے اس سلسلے میں خبریں اخبار میں پڑھی تھیں اور اس کی خواہش تھی کہ کم از کم یہ کیس جادہ گو کو مل جائے تاکہ وہ کینی سے پرانا قرضہ وصول کر سکے لیکن ایسا نہ ہوا۔ سینٹ کی تفتیش فائلوں میں دب گئی اور کینی بدستور منظر سے غائب رہا۔

اب یہ پہلا موقعہ تھا کہ کینی اپنے نئے چہرے کے ساتھ الجزیرہ جا رہا تھا۔ بہرام کی اطلاع یہ تھی کہ مافیا کے کئی سرکردہ افراد اپنے اپنے ملکوں سے الجزیرہ کے لیے روانہ ہو چکے ہیں۔

اس کا مطلب یہی ہوا کہ کینی بھی کسی مشن پر سفر کر رہا ہے۔ کیونکہ سیاح الجزیرہ نہیں جاتے۔

طیارہ بھرا دقیانوس پرواز کرتا رہا اور ٹائیگر سوچتا رہا۔ جب اس نے عقب میں قدموں کی چاپ سنی تو سر اٹھا کر دیکھا۔ کینی جھومتا ہوا اپنی نشست کی طرف جا رہا تھا۔ وہ مسلسل سات گھنٹے سے لاؤنج کے بار میں پیتا رہا تھا۔

کینی نے اپنی نشست پر تقریباً گرتے ہوئے اِدھر اُدھر دیکھا اس بار ٹائیگر نے منہ نہیں پھیرا لہٰذا دونوں کی نظریں ملیں۔ کینی جارحانہ انداز میں اسے گھورتا رہا لیکن جب تھک گیا تو اس نے پشت گاہ سے ٹیک لگا لی۔ اسی لمحے ہوسٹس کیبن سے نکلی اور دائیں بائیں دیکھتی ہوئی آگے آنے لگی۔ وہ کسی بھی مسافر کے اشارے کی منتظر تھی لیکن شاید اس وقت کوئی بھی مسافر کھانے پینے کے موڈ میں نہیں تھا۔

"اِدھر آؤ...!" اچانک ہی کینی نے ہوسٹس کو آواز دی۔

"فرمایئے! میں آپ کی کیا خدمت کر سکتی ہوں؟" سنہری زلفوں والی ہوسٹس نے کینی کی نشست کے قریب پہنچ کر پوچھا۔ ٹائیگر یہ سب کچھ دیکھ اور سن رہا تھا۔ ہوسٹس مسکرا رہی تھی۔

"ہاں... قریب آؤ۔" کینی نے اُسے بُلا کر کان میں کچھ کہا جس کے بعد ہوسٹس کا چہرہ شرمندگی کے باعث سُرخ ہو گیا اور پھر فوراً ہی اس کے چہرے پر درد کی لہر سی دوڑ گئی۔ کینی نے اس کی ٹانگ پر چٹکی لی تھی... اور اب وہ اس کی ٹانگ پکڑے ہوئے تھا۔ ہوسٹس نے یقیناً بہت کوشش کر کے اپنی چیخ روکی تھی۔

کینی نے بہرحال اپنا قہقہہ نہیں روکا بلکہ ہنستے ہوئے ہوسٹس کی کلائی پر دوسرا ہاتھ ڈال دیا۔ اس نے لڑکی کو اپنے اوپر گرانے کی کوشش کی۔ کان میں پھر کچھ کہا اور پھر ٹائیگر کو ہوسٹس کی گہری نیلی آنکھوں میں آنسو نظر آنے لگے۔

وہ اٹھا... کینی کی نشست کے سامنے پہنچا جہاں ہوسٹس کینی کی قید میں تھی۔

"جانسن...!" ٹائیگر نے نرم لہجے میں اُسے متوجہ کیا کینی نے چونک کر سر اٹھایا۔

"کیا بات ہے!" اس نے غرا کر پوچھا۔

"لڑکی کو چھوڑ دو اور مجھ سے باتیں کرو۔"

"میں کسی سے بات کرنا نہیں چاہتا۔" کینی نے سر جھٹک کر جواب دیا۔ "میں لڑکی کو بھی چھوڑنا نہیں چاہتا۔"

"اس لڑکی کو چھوڑ دو، ورنہ میں تمہارے چہرے کی کھال اتار کر تمہارے حلق میں ٹھونس دوں گا۔" اس مرتبہ ٹائیگر نے جھک کر کینی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

اس بار کینی کے چہرے پر بوکھلاہٹ کے آثار بہت نمایاں ہو گئے وہ کچھ حیرت زدہ بھی تھا۔ اس نے لڑکی کو چھوڑ دیا اور ٹائیگر نے لڑکی کا ہاتھ تھام لیا۔ "سوری مس!"

آنسو چھم چھم برسنے لگے

"مسٹر جانسن نے بہت پی لی ہے میرا خیال ہے کہ یہ آئندہ ایسی حرکت کبھی نہیں کریں گے۔" ٹائیگر نے اس خوف زدہ چڑیا کو تسلی دینے کی کوشش کی

"یہ کیا بکواس ہے۔" کینی کو اسی وقت احساس ہوا کہ اس کی توہین ہو رہی ہے۔

"کچھ نہیں... اور ہاں... تم جاؤ۔" ٹائیگر نے ہوسٹس کے

شانے پر تھپکی دے کر کہا پھر جب وہ کیبن میں چلی گئی تو وہ کینی کے برابر والی نشست پر بیٹھ گیا۔ "تمہارا چہرہ بہت اچھا لگ رہا ہے۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہوں... اور اپنے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے۔" کینی نے مشکوک انداز میں اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"ظاہر ہے کہ میرا چہرہ تمہارے چہرے سے اچھا نہیں اسی لیے میں تمہارے پلاسٹک سرجن کا نام و پتا حاصل کرنا چاہتا ہوں ممکن ہے کہ وہ مجھے بھی تمہاری طرح خوبرو بنا دے۔"

"سنو مسٹر!" کینی پہلو بدل کر بولا۔ "میں تمہیں نہیں جانتا تم کیا ہو اور کیا چاہتے ہو اس کا مجھے کوئی علم نہیں اور نہ ہی اس سے دلچسپی ہے۔ بس اب تم دفعان ہو جاؤ۔"

"سنو! میرا تعلق سالوکا سے ہے۔" ٹائیگر نے کہا۔

"سالوکا! کون سالوکا؟"

"مجھ سے ہوشیار بننے کی کوشش مت کرو۔" ٹائیگر اس کا چہرہ پڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ "تم اچھی طرح جانتے ہو کہ سالوکا کون ہے۔ یہ وہی شخص ہے جس کے کہنے پر تم یہ طویل سفر کر رہے ہو۔"

"سنو دوست!" کینی زچ ہونے والے انداز میں بولا۔ "میں تمہیں نہ تو جانتا ہوں، نہ ہی تم سے بے تکلف ہوں اور نہ ہی تمہیں پسند کرتا ہوں لہٰذا مجھے مجبور نہ کرو، ورنہ میں ایسی کوئی حرکت کر بیٹھوں گا جو مجھے بھی پسند نہیں۔ بس اب چلے جاؤ۔"

"میں ضرور چلا جاتا لیکن نہیں جا سکتا کیونکہ میں بھی تمہارے رابطے کا آدمی ہوں۔ میرا کام تمہیں صحیح سلامت سالوکا تک پہنچانا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ تمہیں کسی اور ہوسٹس کے ہاتھوں پٹائی سے بچانا بھی میرا فرض ہے۔ میرا یہ بھی فرض بنتا ہے کہ تمہیں ائرپورٹ پولیس سے بچاؤں جو غیر قانونی پاسپورٹ بڑی خوبی سے پہچان لیتی ہے۔"

"تم کون ہو؟" کینی اچانک نرم پڑ گیا لیکن اس کی آنکھوں میں سختی برقرار رہی۔

"راجر ولس...!"

"میں نے تمہارا نام پہلے کبھی نہیں سنا۔"

"میں نے تو سنا ہے اور سالوکا نے بھی۔ اسی باعث اس نے مجھے بھیجا ہے تاکہ میں آسانی سے تمہیں پہچان لوں اور تمہیں کسی دشواری میں مبتلا نہ ہونے دوں۔"

"تمہارے پاس کوئی شناخت ہے؟"

"ہاں! بریف کیس میں...!" ٹائیگر نے جواب دیا۔

"لے آؤ...!" کینی بولا۔ اس پر ٹائیگر نے اُسے گھورا، پھر اُوپر لگے ہوئے آئینہ ماسک کی طرف دیکھ کر پل بھر کے لیے سوچا کہ یہ ماسک کینی کے چہرے پر چڑھا کر آئینہ کی طرف کاٹ دی جائے تاکہ گفتگو طویل نہ ہو پائے لیکن اس میں خطرہ یہ تھا کہ لوگ اسی پر ٹوٹ پڑتے۔

"تم واقعی بہت کند ذہن ہو گئے ہو جانسن۔" ٹائیگر نے اپنے غصے کو ایک طویل سانس لے کر تحلیل کرتے ہوئے کہا۔ "تم یہ چاہتے ہو کہ میں اتنے لوگوں کے سامنے بریف کیس کھول کر خود بھی بے نقاب ہو جاؤں اور تمہیں بھی مصیبت میں گرفتار کرا دوں۔ بہرحال شناخت ضروری ہے۔ میں پانچ منٹ بعد باتھ روم کے بائیں کیبن میں ملوں گا۔ پہلے تم وہاں جاؤ گے اور دروازہ کھلا چھوڑ دو گے ایک منٹ بعد میں وہاں پہنچ کر تمہاری تسلی کرا دوں گا۔" یہ کہنے کے بعد ٹائیگر جواب کے لیے نہیں رُکا بلکہ اپنی نشست پر واپس چلا آیا۔ اس نے گھڑی کی طرف دیکھا۔ طیارہ چند ہی منٹ بعد اپنی منزل پر پہنچنے والا تھا اور وہ یہ چند منٹ کسی تفریح میں گزارنا چاہتا تھا۔

جونہی ٹائیگر کے اعصاب کی گھڑی نے پانچ منٹ گزر جانے کا اعلان کیا تو ٹائیگر نے کینی کی طرف دیکھا۔ وہ اُٹھ رہا تھا۔ ٹائیگر زیر لب مسکرانے لگا۔ کینی قریب سے گزرا تو ٹائیگر اثبات میں سر ہلانے لگا اور ٹھیک ایک منٹ بعد وہ بھی باتھ روم کی طرف بڑھ گیا۔

وہ کیبن نما باتھ روم میں داخل ہوا تو کینی مُنہ پر پانی کے چھپاکے مار رہا تھا۔ دونوں کی نظریں شیشے کے ذریعہ ملیں۔ کینی کی گہری پرُاسرار ٹائیگر کو کسی چیز کی چمک نظر آئی تو اُسے یاد آگیا کہ فردوس کا یہ جواری اور قاتل آستین میں سانپ نہیں خنجر رکھتا ہے کینی بے نیازانہ انداز میں تولیہ سے مُنہ خشک کرنے لگا۔ اس نے چشمہ پہلے ہی اتار رکھا تھا۔ پھر تولیہ اسٹینڈ پر ڈال کر وہ ٹائیگر کی طرف پلٹا۔ "ہاں! اب اپنا شناخت نامہ تو دکھاؤ۔" اس کا لہجہ بڑا عجیب سا تھا۔

لڈو
قمر اجنالوی قیمت:-/90

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"یہ رہی میری شناخت۔" ٹائیگر کے بائیں ہاتھ کی ایک انگلی تیزی سے لپکی۔ اس انگلی نے کینی کی بائیں آنکھ کے نیچے ہلکا سا کھرونچا مارا اور ساتھ میں معمولی کھال کا ایک ٹکڑا کھینچ لائی کینی کی بائیں آنکھ کے نیچے سے لہو بہنے لگا۔ "یہ ایک ایسے شخص کی شناخت ہے جو عورتوں سے بدسلوکی پسند نہیں کرتا کینی۔" ٹائیگر کا لہجہ بہت ہلکا پھلکا تھا۔

"حرام زادے۔" کینی نے اپنا بازو بہت تیزی سے ہلایا تو خنجر پل جھپکنے میں اس کے ہاتھ میں آگیا۔ خنجر کی نوک ٹائیگر کے پیٹ کی طرف تھی۔ "جب میں تمہیں ختم کر دوں گا تو پولیس والے جلد ہی اس نتیجے پر پہنچ جائیں گے کہ میری شناخت کیا ہے میں اپنے شکار کے پیٹ پر اسی خنجر کی نوک سے آٹوگراف دیتا ہوں۔"

"تم سابو کا کو بھول رہے ہو کینی۔ میں اسی کا آدمی ہوں۔" ٹائیگر نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

"... جہنم میں گیا سابو کا۔ اس نے مجھے صرف اس وجہ سے کرائے پر بلایا تھا کہ جب بھی میری ضرورت پڑے گی مجھ سے کام لے گا۔ اس لیے نہیں بلایا تھا کہ کوئی کوڈنڈا میری توہین کرتا پھرے۔"

"ٹائیگر نے متوقع حملے سے بچنے کے لیے صرف پیروں کو جنبش دے کر محض چند انچ حرکت کی۔" کیا کسی ہمدم دیرینہ سے اسی طرح ملا جاتا ہے کینی۔۔؟" اس کا انداز بہت مخلصانہ اور دلسوز بھرا تھا۔

"پرانا دوست؟ کیسا دوست؟" کینی ایک بار پھر تذبذب کا شکار ہو گیا۔

"ہماری ملاقات گلستان میں ہوئی تھی۔ شاید دس بارہ برس قبل۔ تمہیں یاد نہیں رہا؟"

"نہیں۔"

"میں نے تمہیں جوا کھیلنے کے الزام میں گرفتار کیا تھا اور پھر تم نے میرا تبادلہ کرا دیا تھا۔ یاد آیا۔؟"

کینی کی آنکھیں چشمے کے عدسوں کے پیچھے پھیل سی گئیں اس کو یقیناً سب کچھ یاد آگیا تھا۔ "تو تم وہی انسپکٹر ہو۔ وہی ایماندار افسر۔"

"اب تم مجھے غور سے دیکھو نالی کے کیڑے۔" ٹائیگر معاً غرانے لگا تھا۔ "تم یہ آخری چہرہ دیکھ رہے ہو۔"

تب ہی کینی نے وار کر ڈالا بے شک ٹائیگر اس حملے کے لیے پہلے ہی تیار تھا وہ محض چند انچ اور ہٹا۔ بجلی کی طرح اس نے حرکت کی اور خنجر اس کے پیٹ میں گھسنے کے بجائے دروازے سے ٹکرا کر فریم اور دیوار کے درمیان خالی جگہ میں اندر گھستا چلا گیا۔ ٹائیگر نے دروازہ پورا کھول دیا۔ اس طرح خنجر کا دستہ اور پھل دونوں الگ الگ ہو گئے۔ اسی لمحے ٹائیگر کی ہتھیلی کی گگر کینی کے چہرے سے جا ٹکرائی۔

کینی کسی گیند کی طرح اچھل کر کوڈ کی سیٹ پر بیٹھنے کے انداز میں جا گرا۔ مگر ٹائیگر نے اسے سنبھلنے کا موقعہ نہ دیا اس نے کینی کی بغل میں ہاتھ ڈال کر اسی ہاتھ کی ہتھیلی سے گردن کے عقبی حصے پر ضرب لگائی اور پھر اسی ضرب کو دہراتا ہی چلا گیا۔ ہوا کینی کے سر کو جھکانے لگا پھر جونہی سر کو ڈیش میں گھسا گیا ٹائیگر نے سنک کا لیور کھینچ کر پانی بہانا شروع کر دیا۔ چند ہی لمحے بعد کوڈ پانی سے بھر گیا اور اس پانی میں کینی کا جسم ایک لمحہ کے لیے کانپا پھر خاموشی چھا گئی۔ اب بلبلوں کی آواز بھی آنا بند ہو گئی۔

"یہ سفر تو کامیاب رہا۔" ٹائیگر نے سر جھٹک کر سوچا۔ "اب پی جے کینی کا پاسپورٹ سابو کا تک پہنچنے کا ذریعہ بنا سکے گا۔" اس نے کینی کی جیکٹ میں ہاتھ ڈال کر پرس اور پاسپورٹ نکال لیا۔ کینی کا سر اب بھی پانی میں ڈوبا ہوا تھا اور ٹائیگر ایک ہی ہاتھ کی مدد سے پاسپورٹ کھول رہا تھا۔ یہ پاسپورٹ جانسن کے نام پر تھا۔ اس پر کینی کے نئے چہرے کی تصویر لگی ہوئی تھی۔ اس نے اپنا پاسپورٹ نکال کر کینی کی جیب میں ڈال دیا۔ اب یہ لاش کسی راجر ولس کی لاش کے طور پر شناخت ہو سکتی تھی۔

اس نے چند لمحے بعد کینی کا سر کوڈ سے نکالا، اس کا چشمہ اتار کر ایک طرف رکھا۔ پھر دیر تک کینی کے بال اور چہرہ تولیے سے خشک کرتا رہا۔ مطمئن ہونے کے بعد اس نے کینی کو کوڈ پر بٹھا دیا، لاش دیوار سے ٹک گئی۔ ٹائیگر کو یقین تھا کہ وہ محض چشمہ لگا کر پاسپورٹ چیک کرنے والوں کو دھوکہ دے سکتا ہے جن کے لیے ہر چہرہ ایک سا ہوتا ہے۔ نکلنے سے پہلے اسے معاً ہی یہ کھٹکا ہوا کہ ایئر ہوسٹس کینی کی شکل نہ پہچان لے۔ لہٰذا اس نے اپنی انگلیوں کی مدد سے چہرے کی ہر شناخت ختم کر دی۔ اب اسے یقین تھا کہ اس لاش کو ایئر ہوسٹس بھی کینی کی لاش نہیں کہے گی۔ اس نے اپنی خون آلود انگلیاں اچھی طرح دھوئیں اور پھر باہر نکلتے ہوئے دروازے کے قلابوں پر دو دھبے لگا دیں اب دروازہ عام سے دھکے سے نہیں کھل سکتا تھا۔

کینی کی لاش کا انکشاف ہونے سے بہت پہلے وہ ایئر پورٹ

سے نکل سکتا تھا۔ اسے یہ بھی یقین تھا کہ شناخت ہونے سے قبل ہی وہ سابو کا اور نائب صدر الیپرا سے نمٹ ہو چکا ہو گا۔

وہ باتھ روم سے نکلا تو کوئی فضائی میزبان سامنے موجود نہ تھی۔ لہٰذا اسے کینی کی نشست کے پیچھے سے اس کا بریف کیس نکالنے میں بھی کوئی دشواری نہ ہوئی۔ جونہی وہ اپنی نشست پر بیٹھا حفاظتی بیلٹ باندھنے کی درخواست نشر ہونے لگی۔

ایئر ہوسٹس اپنے مخصوص دلکش اور دلربا انداز میں نمودار ہوئی وہ حفاظتی بیلٹ چیک کرتی ہوئی ٹائیگر کے قریب سے گزری تو وہ مسکرا دیا۔ ایئر ہوسٹس کی آنکھوں میں اب ایک بھی آنسو نہ تھا۔ ہاں۔ مسکراہٹ ضرور تھی اور ٹائیگر کی طرف دیکھتے ہوئے یہ مسکراہٹ حقیقی مسکراہٹ میں بدل گئی تھی۔

وہ سوچ رہا تھا کہ جب یہ انکشاف ہو گا کہ کوڈ پر بیٹھی ہوئی لاش مسٹر یا جوولس کی ہے تو کیا یہ ایئر ہوسٹس تب بھی مسکرائے گی اسے یقین تھا کہ وہ پھر بھی مسکرائے گی کیونکہ اسے مسکرانے کا ہی معاوضہ ملتا ہے۔

سابو کا نے دنیا بھر کے مخصوص افراد کو دعوت نامے بھیجے تھے اور دنیا بھر میں موجود یہ خاص لوگ آنے کی تیاری کر رہے تھے ان میں امریکی مافیا کے اونچے خاندانوں کے علاوہ ممتاز فلمساز عرباں فلموں کے "مقبول" ہدایت کار، قحبہ خانے اور عصمت فروشی کے اڈوں کی ایک پوری زنجیر کا مالک جاپانی، پندرہ سے زیادہ ملکوں میں فلم پروسسنگ کے پلانٹوں کا مالک اور افیون کاشت کرنے والا زمیندار بھی شامل تھا۔ جہازوں میں جوئے کے اڈے چلانے والے بھی تھے۔ سوئٹزرلینڈ سے بہتر سال کا ایسا بوڑھا بھی آرہا تھا جس کا نام صرف سابو کا کو معلوم تھا۔ یہ شخص جعلی کرنسی چھاپنے کے کاروبار میں "مرد آہن" تھا۔ ان کے علاوہ اسمگلر تھے، ہتھیاروں کی خرید و فروخت کرنے والے تھے، دھوکہ باز بھی تھے اور زیورات کے چور بھی۔ ان سب میں صرف ایک قدر مشترک تھی وہ یہ کہ یہ سب جرائم پیشہ تھے اور سابو کا کی دعوت مسترد نہیں کر سکتے تھے۔

ان میں سے جسٹیر کو یہ علم بھی نہ تھا کہ سابو کا نے انہیں کیوں بلایا ہے۔ صرف چند ہی ایسے تھے جن سے سابو کا کی پہلے ملاقات ہوئی تھی سابو کا ویسے بھی لوگوں سے ملنا جلنا پسند نہیں کرتا تھا۔ اخبارات میں اس کا ذکر اس وقت تک نہیں آتا تھا جب تک خود اس کی خواہش نہ ہو۔ وہ خود کو نود لیتے کے روپ میں پیش کرنے سے گریز کرتا تھا۔ اس کی عمر ابھی صرف چھیالیس برس تھی۔ وہ ایک فرانسیسی حسینہ اور روسی مرد کی محبت کا شاہکار تھا۔ اس میں فرانسیسیوں کی حسن پرستی اور روسی طرّاروں کی بربریت دونوں کا امتزاج تھا۔ نوجوان سابو کا کی پیدائش پیرس میں ہوئی تھی۔ اسے جنم دینے کے بعد اس کی فرانسیسی ماں مشکوک حالات میں مر گئی لیکن سابو کا سینئر کو جو کاؤنٹ تھا اپنی بیوی کی موت کے بارے میں کوئی شبہ نہ تھا۔ یہ بات کاؤنٹ کے علم میں تھی کہ اس کی بیوی آوارہ عورت ہے اور اسی لیے اس نے اپنی بیوی کو خاموشی سے زہر دے دیا تھا۔

حالات عتاب ہوتے تو کاؤنٹ جلد ہی قلاش ہو گیا تاہم اس کے پاس ابھی آبائی بیوی کا دیا ہوا اثاثہ موجود تھا لیکن کاؤنٹ کو یہ بات اچھی نہیں لگی کہ وہ اس عورت کی چھوڑی ہوئی دولت پر زندگی بسر کرے جسے اس نے خود زہر دے مارا ہے لہٰذا اس نے خانہ بدوشوں کی زندگی گذارنے کا فیصلہ کیا سابو کا جو نیز اس کے ساتھ تھا۔ وہ برسوں تک یوں ہی سفر کرتے رہے۔ ہر جگہ کاؤنٹ سابو کا سینئر کو تتلیوں کی طرح حسین عورتیں ملتی رہیں۔ کاؤنٹ کو ان عورتوں سے جتنی رغبت تھی اتنی ہی نفرت سابو کا کو تھی۔ وہ ان کے مترنم قہقہے سن کر الٹیاں کرنے لگتا تھا۔ اسے ان کی شفاف جلد سے کراہت محسوس ہوتی تھی۔ وہ اس نتیجہ پر پہنچ چکا تھا کہ صرف ان ہی عورتوں کی وجہ سے وہ باپ کی توجہ حاصل نہیں کر پاتا۔ اسے یہ بھی علم تھا کہ یہی عورتیں اس کے باپ کی جیب میں لفافے ڈالتی ہیں اور جب اس کا باپ اس کے سامنے ان لفافوں سے نوٹ نکال کر گنتا تھا تو اسے ایسا لگتا تھا جیسے وہ کسی عصمت فروش مرد کا بیٹا ہے

سابو کا آٹھ سال کا تھا جب اس نے پہلی چوری کی۔ اس نے جلد ہی اندازہ لگا لیا کہ کرنسی نوٹوں اور زیورات کے مقابلے میں ہیروں کی چوری زیادہ منفعت بخش ہے۔

اب جس گھر میں اس کا باپ عصمت فروشی کے لیے جاتا تھا۔ اسی گھر میں اسی وقت سابو کا بھی کہیں چھپا ہوتا تھا جب اسے کمرے سے لقمۂ قہقہوں کی آواز آتی تھی تو وہ اندر گھس کر پوری عمارت کا جائزہ لینے لگتا تھا، کہیں سے اسے انگوٹھی مل جاتی تھی، کہیں سے بندے۔ وہ نیکلس اٹھانے سے گریز کرتا تھا کیونکہ یہ بات اس کے علم میں تھی کہ نیکلس کی چوری جلد پکڑی جاتی ہے۔ مسروقہ مال وہ اپنے صندوق میں چھپا دیا کرتا تھا۔

سابو کا ذرا بڑا ہوا تو اس نے ایک سوئس بینک میں لاکر

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

حاصل کرلیا اب مسروقہ مال چھپانے میں اسے کوئی خوف نہ رہا جب بھی اسے رقم کی ضرورت ہوتی، وہ بنک جاتا، لاکر کھول کر زیور توڑتا، اس میں سے ہیرا نکالتا اور فروخت کردیتا۔

بارہ سال کی عمر میں اس کا قد چھ فٹ ہوگیا۔ اس کے کپڑے ہر گزرتے ہوئے مہینے تنگ ہونے لگے۔ اسے یہ بھی احساس ہونے لگا کہ اس کی کلائیاں غیر معمولی طور پر موٹی ہیں۔

اسے وہ بوڑھا جوہری ہمیشہ یاد رہا جس نے ایک بار اس کے تراشے کیرے دیکھ کر اس کی عزت کا مذاق اڑاتے ہوئے اسے دکان سے نکال دیا تھا۔ برسوں بعد سابو کا نے یہ دکان زیور سازی کی فرم سمیت خرید لی، حسابات میں گڑبڑ دیکھنے کے لیے عملہ مقرر کیا اور سابق مالک کو اتنا پریشان کیا کہ اس نے غبن کے الزامات میں مقدمہ کا سامنا کرنے کے بجائے خودکشی کرلی۔

وہ اس جوہری کو بھی کبھی نہیں بھولا جس نے ایک ہیرے کے عوض اسے دس ہزار امریکی ڈالر دیے تھے۔ اگرچہ یہ قیمت اصل قیمت کا دسواں حصہ تھی۔ لیکن پھر بھی سابو کا خوشی سے پاگل ہوگیا تھا اور یہ آمدنی اس نے بنک اکاؤنٹ میں جمع کرادی تھی۔

چودہ سال کی عمر تک وہ دس لاکھ ڈالر سے زیادہ مالیت کے ہیرے جواہر چوری کرچکا تھا اور اس کے اکاؤنٹ میں ایک لاکھ ڈالر سے زیادہ کی رقم موجود تھی۔

ادھر اس کا باپ اب بھی عیاش عورتوں کی ضروریں پوری کرکے اپنا پیٹ پال رہا تھا اسے یہ دکھ ہوتا تھا کہ وہ سابو کا کو سہولتیں فراہم نہیں کرسکا۔ جب بھی کاونٹ اس دکھ کا اظہار کرتا سابو کا محض مسکرا دیتا تھا۔

جلد ہی سابو کا مجرموں کی ٹولی میں شامل ہوگیا اور پھر ایک روز ایسے شخص نے اس کو اپنی سرپرستی میں لے لیا جس کو اس نے کبھی نہ دیکھا اور نہ یہ اندازہ لگایا کہ وہ کون ہے۔

وہ خود کو ڈچ مین کہتا تھا۔

ڈچ مین سے سابو کا کا رابطہ کسی خاص جرم نہیں ہوا۔ بس ڈچ مین نے اسے تلاش کیا اور پالیا۔

ٹیلی فون پر گفتگو کے باوجود ان کی کبھی ملاقات نہیں ہوئی۔ لیکن سابو کا کو جلد ہی علم ہونے لگا کہ ڈچ مین کتنا زیرک آدمی ہے۔ اس نے ایک بار سابو کا کو ہدایت کی کہ وہ مسروقہ زیورات کس جگہ فروخت کرسکتے ہیں۔ سابو کا کو نہ صرف ہاتھوں ہاتھ لیا گیا بلکہ اس کے زیورات کی وہی قیمت لگائی گئی جو مارکیٹ میں تھی۔ یہ زیورات یہ کہہ کر نہیں لیے گئے کہ چوری کے ہیں۔

ایک بار ڈچ مین نے اس سے کہا کہ وہ کوئی بڑا کام شروع کرے۔ ٹیلی فون پر گفتگو کے دوران نہ جانے کیوں سابو کا کو یہ احساس ہوتا تھا کہ وہ کسی ایسے شخص سے گفتگو کررہا ہے جو برف کے میدان میں کھڑا ہے۔

"میں کیا کام کرسکتا ہوں۔ سوائے چوری کے۔" سابو کا نے ایک پھریری لے کر جواب دیا تھا۔

اور پھر ڈچ مین نے اسے بتایا تھا کہ وہ کیا کام کرسکتا ہے۔ اس نے سابو کا سے کہا تھا کہ وہ ایک دن بہت بڑا آدمی بنے گا۔ اتنا بڑا کہ مجرموں کی ٹولیاں اس کے زیر نگیں ہوں گی۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ڈچ مین کی ساری قوت اس کے ساتھ ہوگی۔ اس نے صرف ایک تنبیہہ کی تھی اور وہ یہ کہ موٹی کلائی والے نوجوان اور منحنی جسم والے بوڑھے کو ریائی سے بچے رہنا۔ "یہ موت کے ہرکارے ہیں سابو کا۔ موت بھی ان سے پناہ مانگتی ہے میری خواہش ہے کہ زندگی کے کسی موڑ پر تمہارا اور ان کا آمنا سامنا نہ ہونے پائے۔"

سابو کا کو یہ عجیب سا لگا تھا لیکن اس نے یہ نصیحت گرہ میں باندھ لی تھی۔ اب وہ خود کو ڈچ مین کے کہنے کے مطابق بدلنے میں مصروف ہوگیا تھا۔

سابو کا نے چوریاں کرنا چھوڑ دیں۔ اس کے لیے اس کی ٹولی کے لوگ ہی کافی تھے۔ پھر وہ ہرکارہ بن گیا۔ اس کے بعد غائب کے فن میں طاق ہوگیا اور دیکھتے ہی دیکھتے جرائم کی دنیا کے متحارب گروہوں کے درمیان اس نے ثالث کی حیثیت اختیار کرلی۔

اس نے اسلحہ کی اسمگلنگ شروع کردی، وہ اسلحہ کی ایک ہی کھیپ دو مختلف فریقوں کو فروخت کرنے لگا۔ اس کے لیے وہ صرف اتنا کرتا تھا کہ اسلحہ مقررہ مقام پر پہنچا دیتا تھا۔ اور اس سے قبل دونوں فریقوں کو اطلاع کردیتا تھا کہ وہ اس مقام سے اس وقت اسلحہ اٹھالیں۔ ظاہر ہے کہ پھر دونوں فریقوں میں اسلحہ لینے کے لیے باقاعدہ لڑائی ہوتی تھی۔ اس نے ڈچ مین کی ہدایت پر افیون بھی یورپ اسمگل کرنی شروع کردی۔ اس نے اطالوی حکومت کا شیرازہ بکھیرنے کے لیے امریکی مافیا سے ہاتھ ملا لیا۔ انہی دنوں اس کے باپ کا انتقال ہوگیا اسے پتا نہیں تھا کہ اس کے بیٹے نے وہ تمام تر بلندیاں حاصل کرلی ہیں جو کسی کاونٹ کو نصیب ہوتی ہیں۔ باپ کے مرنے کے بعد سابو کا کے ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی کہ اب کسی نہ کسی طرح اقتدار حاصل کرنا ضروری ہے۔ اس نے اس خواہش کا ذکر ڈچ مین سے بھی کیا جس نے فوراً اس تجویز کی حمایت کردی۔ "تم ٹھیک کہتے ہو۔ میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ کبھی متمدن دنیا کی طرف لوٹ آؤں لیکن اس کے لیے ایک مستقل علاقے کی ضرورت ہے جہاں صرف تمہاری حکمرانی ہو سابو کا!"

"تو کیا آج کل آپ متمدن علاقے میں نہیں رہتے۔؟"

"نہیں۔" ڈچ مین کا جواب دوٹوک تھا۔ "لیکن بہرحال میں نے یہاں بھی زندگی گزارنے کے لیے ہوٹلیں حاصل کرلی ہیں۔ تم نے میرے کہنے پر ایریکنڈیشنگ یونٹ بھیجا تھا وہ مجھے مل گیا ہے اور مجھے خوشی ہے کہ یہ پلانٹ گیارہ ملکوں سے گزرنے کے باوجود سلامت ہے۔"

سابو کا جانتا تھا کہ اس نے یہ پلانٹ سوازی لینڈ کے پتے پر بھیجا تھا لیکن پلانٹ کن دس ملکوں سے گزر کر کہاں پہنچا اس کا اسے کوئی علم نہیں تھا۔

"میرا مشورہ مانو سابو کا اور کسی ملک پر اقتدار قائم کرنے کی کوششیں شروع کردو۔" ڈچ مین کی برف جیسی آواز آتی رہی۔ "لیکن اس کے لیے تمہیں زینہ بہ زینہ چڑھنا ہوگا۔ تیز چلنا خطرناک ثابت ہوسکتا ہے۔" اس کے بعد ڈچ مین کے مشورے بغور سنتا رہا۔

اس نے جلد ہی منصوبہ کے مطابق فرانسیسی حکومت کے لیے جاسوسی کا ایک کام کیا اور اس کے عوض ایک کیمیکل فیکٹری کے غالب حقوق طلب کیے۔ یہ فیکٹری دراصل بہت حساس نوعیت کا کیمیکل بناتی تھی جس کی طلب بہت زیادہ تھی۔ یہ حقوق اسے مل گئے۔ ادھر اس نے فیکٹری چلانے کے لیے خام مال کا انتظام بھی کرلیا۔ اسی طرح جرمنی میں بھی اس نے گولہ بارود بنانے والی فیکٹری کے حقوق حاصل کرکے اپنے اثر و رسوخ کا دائرہ اور وسیع کرلیا۔

وہ ترقی کرتا رہا۔ انیس برس کی عمر میں وہ ارب پتی بن چکا تھا لیکن ابھی اسے بہت کچھ کرنا تھا۔ بہت کام باقی تھا۔

ڈچ مین نے اسے بتایا تھا کہ جلد ہی اسے فرانس والی کیمیکل فیکٹری کو ہیروئن سازی کی فیکٹری میں بدلنا ہوگا اور جرمنی والی فیکٹری دنیا بھر میں باغیوں کو اسلحہ فراہم کرے گی اور اس اسلحہ کی قیمت سابو کا خود مقرر کرے گا۔ اسے یہ بھی ہدایت کی گئی تھی کہ بننے والے ہتھیاروں پر فیکٹری کا کوئی نشان نہ لگایا جائے۔

ادھر خود سابو کا دولت کمانے کی جستجو میں لگا ہوا تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ وہ اتنا امیر ہوجائے کہ پھر کبھی غریب نہ ہو بدقسمتی بھی اس سے اس کی دولت نہ چھین سکے۔ وہ اپنے امیر باپ کا انجام دیکھ چکا تھا۔ جس نے محض پیٹ پالنے کے لیے خود کو عیاش عورتوں کے ہاتھوں میں کھلونا بنا دیا تھا۔ وہ کسی عورت سے لفافہ لینا نہیں چاہتا تھا۔

جلد ہی وہ جرائم کی دنیا کا بے تاج بادشاہ بننے لگا۔ حکومتوں نے اس کی بلیک لسٹنگ کے آگے جھکنا بند کیا تو وہ پریشان نہیں ہوا۔ وہ تو اب خود جرائم کی دنیا میں برسر اقتدار تھا۔ جرائم کے مختلف گروہوں کا محاسبہ تھا جب بھی کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو سابو کا سے کہا جاتا اور سابو کا اس مسئلے کو دونوں فریقوں کی نسل کی حد تک حل کردیتا تھا۔

اگر اسلحہ کی ضرورت ہوتی تو وہ اسلحہ سازی کے لیے تیار تھا۔ اگر سیاسی اثر و رسوخ کے استعمال کی ضرورت پڑتی تو ایسے سیاست داں موجود تھے جو سابو کا کے طفیلی تھے۔ اگر معاملات سے کوئی فیصلہ لینا ہوتا تو سابو کا ججوں کو اپنے موقف پر جلد قائل کرلیتا تھا۔

وہ جرائم میں ملوث نہ تھا لیکن از خود جرم تھا اس نے مجرم کا لیبل کبھی قبول نہیں کیا ہاں خود کو مینجمنٹ انالسٹ کہنے میں اسے فخر محسوس ہوتا تھا۔ وہ نیلام گھر کا نگراں تھا جہاں کا سامان سب سے زیادہ اونچی بولی دینے والے کو دے دیا جاتا تھا۔

ایک عجیب بات یہ تھی کہ ڈچ مین نے کبھی اس سے ذاتی ملاقات نہ کی تھی۔ اور دوسری عجیب بات یہ تھی کہ سابو کا کبھی کسی مجرم سے نہیں ملا تھا۔ یہ امر واقعہ تھا کہ اسے دنیا میں ہونے والے ہر جرم کا علم رہتا تھا اور اس کام کے لیے درجنوں ملکوں میں اس کے ایجنٹ اور دفاتر موجود تھے۔ عام طور سے ایسا ہوتا تھا کہ کوئی اسمگلر ہیروئن کی کھیپ حاصل کرنے کے لیے فن لینڈ کے ادارہ میں پہنچتا، اس ادارہ کا مالک اس کی گفتگو سنتا اور اسے ایک گھنٹے بعد رابطہ کرنے کی ہدایت کرکے جانے دیتا، پھر ٹھیک ایک گھنٹے بعد اسمگلر کو بتایا جاتا کہ عظیم سابو کا نے فیصلہ کیا ہے کہ تمہیں یہ کھیپ لندن ہی میں مل جائے گی۔ تاکہ تمہیں تقسیم میں دشواری نہ ہو۔

"عظیم سابو کا کون ہے؟" ایک بار اس کے ایسے ہی ایک

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

اسمگلر نے ڈنمارک والے دفتر کے انچارج سے پوچھا۔

"وہی جو تم جیسیوں کے مسئلے چٹکی بجاتے حل کر دیتا ہے۔"

دفتر کے نوجوان انچارج نے مسکرا کر جواب دیا۔

سابو کا واقعی مسائل چٹکی بجاتے حل کرنے کا ماہر ہو گیا تھا ایک بار واشنگٹن آفس کو ایسے اسمگلر کا کیس ملا جسے منشیات فروشی کے الزام میں الیف بی آئی نے چاروں طرف سے جکڑ لیا تھا۔ عمر قید یقینی تھی۔ اسمگلر کے آدمیوں نے بھاگ دوڑ کی تو عظیم سابو کا کی طرف سے انہیں یقین دلایا گیا کہ یہ انسانی ہمدردی کا مسئلہ ہے عظیم سابو کا اسے حل کر دے گا۔ تین روز بعد اسمگلر مسکراتا ہوا جیل سے نکل رہا تھا۔

پھر وہ وقت آگیا جب سابو کا کو کسی ملک پر اقتدار کی زیادہ ضرورت محسوس ہونے لگی۔ وجہ یہ تھی کہ پوری دنیا میں جرائم کے خلاف ایک لہر سی اٹھی تھی۔ مختلف حکومتوں نے باہمی تعاون کے ذریعہ کارروائی کا آغاز کیا تھا اور خاص طور سے مغربی ملکوں میں مجرموں کی زندگی اجیرن ہو گئی تھی۔ اب سابو کا کے پاس ایسے افراد کی طرف سے پناہ کی درخواستیں آرہی تھیں جو بہت پریشان ہو چکے تھے۔

ڈچ مین نے اس سے کہا کہ اب وہ کسی مملکت پر اقتدار کی منصوبہ بندی شروع کر دے۔ اسی نے سابو کا کو بتایا کہ وہ اس منصوبہ بندی کا آغاز لندن کمیشنر میں ایک شخص ایسپرا سے ملنے کے بعد آسانی سے کر سکتا ہے۔ "ایسپرا اسکوبیا کا نائب صدر ہے۔ کام کا آدمی ہو سکتا ہے۔ لیکن اس کے پاس اتنی رقم نہیں کہ کسینو کا خرچہ برداشت کر سکے۔ لہٰذا یہ کام تم ہی کرو گے اس طرح اس کا اعتماد بھی حاصل کر لو گے۔" ڈچ مین نے کہا۔

سابو کا نے ایسپرا کو وہاں کسی قسم کی کوئی کمی محسوس نہیں ہونے دی، یوں ایسپرا اس کے مدار میں گردش کرنے لگا۔ سفید چمڑی والی عورتیں ایسپرا کی کمزوری تھیں۔ اور سابو کا نے ایسی عورتوں کا بڑا گروہ جمع کر دیا تھا۔ یہی عورتیں تھیں جنہوں نے ایسپرا کو ہمیشہ کے لئے سابو کا کا غلام بنا دیا۔ اب سابو کا کے پاس ایسے تین درجن وڈیو کیسٹ تھے۔ جن میں ایسپرا اور عورتوں کے تمام کھیل موجود تھے۔

منصوبہ مکمل کرنے میں سابو کا کو چھ مہینے لگ گئے۔ مزید تین ماہ ایسپرا کو قائل کرنے میں لگے۔ یہ منصوبہ بہت سادہ سا تھا۔ صدر وشنی کا قتل، اس کی جگہ نائب صدر ایسپرا کی حیثیت صدر حلف برداری ادا سکوبیا کو جرائم کی دنیا کے پریشان حال لوگوں کے لیے کھلا علاقہ قرار دینا۔

اب منصوبہ پر عمل ہونا باقی تھا اور سابو کا اسی کی تیاری کر رہا تھا۔ اس نے چالیس ٹیلی گرام بھیجے تھے۔

"فوری نوعیت کے ہنگامی اجلاس میں شرکت کرو۔ اجلاس ۱۷ جولائی کو اسٹون وال ہوٹل الجزیرہ میں ہوگا۔ سابو کا۔"

یہ ٹیلی گرام دنیا کے مختلف خاندانوں، جو جرائم سے تعلق رکھنے والی انجمنوں کے سربراہ اور سرغنوں کو ملے تو انہوں نے فوراً سفر کی تیاری شروع کر دی۔

اکتالیسواں ٹیلی گرام پی جے کینی کو فروڈس میں بھیجا گیا تھا۔ جس کی صلاحیتوں سے سابو کا واقف تھا۔ اسے علم تھا کہ کینی کی موجودگی میں فروڈس والے گروہ کیا محسوس کریں گے۔

✣✣

ٹائیگر اسٹون وال ہوٹل کی راہداری میں داخل ہوا تو اس کے چہرے پر کوئی تاثر نہ تھا اور اس کی آنکھیں بھی بے جان نظر آرہی تھیں اس نے سرسری انداز میں راہداری کا جائزہ لیا جو ہوٹل کی پہلی تین منزلوں کو ملاتی تھی۔ اس میں چھت پر ایک عظیم الشان فانوس لگا ہوا تھا اور رنگیلے رنگ کی پرتعیش مسندیں نوکر ادھر ادھر آجا رہے تھے۔ ایسا ہی ایک شخص اس کی طرف لپکا تو ٹائیگر نے ہاتھ کے اشارے سے جھڑک دیا اس نے وہ چرمی بیگ کسی کو دینا مناسب نہیں سمجھا جس میں پی جے کینی کا بریف کیس موجود تھا۔

اس کی توقع کے عین مطابق حالات اب تک موافق رہے تھے۔ کسٹم والوں نے بھی اسے پریشان نہ کیا، کلرک نے صرف پاسپورٹ پر نظر ڈالی، چشمے والی تصویر دیکھی، نام پڑھا پھر ٹائیگر پر نظر ڈالی جس نے وہی حلیہ لکھوایا تھا جو لکھا تھا۔ اس کے بعد کلرک نے پاسپورٹ پر ٹھپا لگا کر ٹائیگر کے حوالے کر دیا۔

راہداری بھی خالی تھی اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ قبل از وقت یہاں پہنچا ہے اس کو توقع تھی کہ سارا دنیا بھر کے جرائم پیشہ افراد کا مجمع ہوگا جو ریشمی سوٹ، سفید ٹائیوں اور ہیٹ میں ایک دوسرے کو گھور رہے ہوں گے۔ اپنی اپنی اہمیت جتانے کے لیے ہر قسم کے ہتھکنڈے استعمال کر رہے ہوں گے۔ لیکن فی الوقت یہاں کوئی نہیں تھا۔ صرف ایک عورت نظر آرہی تھی۔ نظر بھی کیا۔ ... محض قیاس کی بنیاد پر یہ کہا جا سکتا تھا کہ وہ عورت ہے جو ڈیسک کی طرف منہ کئے۔ دروازے کے قریب کرسی پر

بیٹھی اخبار پڑھ رہی ہے۔ اس کا عورت پن اس کے نازعجی اور مختصر سے اسکرٹ سے ظاہر ہو رہا تھا۔ ٹائیگر نے اپنی نظر کا زاویہ قدرے بدل کر اس کا مزید جائزہ لیا۔ اس کی زلفیں گہری بھوری تھیں۔ جن پر سیاہ رنگ کا گمان ہو رہا تھا ٹانگوں کی رنگت سفید تھی لیکن یہ واضح تھا کہ وہ غسل آفتابی کی بہت شوقین ہے۔ تب ہی عورت نے اخبار ایک طرف ہٹایا لیکن اس کی نظریں اخبار پر جمی رہیں۔ اس کی آنکھیں چشمہ کے باوجود دور ہی سے حسین و دلکش بلکہ سحر انگیز لگ رہی تھیں ان بڑی بڑی آنکھوں کی رنگت سبز تھی۔ سُرخ و سفید چہرے پر یہ سبز آنکھیں عجیب سا جادو جگا رہی تھیں۔ اس نے لپ اسٹک کے بجائے وہ سفید لپ گلوس استعمال کیا تھا جس سے ہونٹ سنسنی خیز، ضدی اور دلکش ہو جاتے ہیں۔ سبز آنکھیں ایک لمحہ کے لیے ٹائیگر کی آنکھیں سے ملیں اور پھر اخبار پر مرتکز ہو گئیں۔ اب اس کے ان دلکش لبوں پر ہلکی سی مسکان بھی تھی۔

ٹائیگر کو اس سراپے سے آنکھیں ہٹانا مشکل لگا۔ مگر بہرحال وہ ڈیسک کی طرف بڑھ گیا۔

موٹے چشموں اور سُرخ چہرے والے کلرک نے بڑھ کر اس کا استقبال کیا۔ وہ مسکرا رہا تھا مگر اس کی مسکراہٹ پیشہ ورانہ تھی

"یس سر۔ ایٹ یور سروس۔" کلرک کی آواز مشکے سے نکلتی ہوئی آواز سے مختلف نہ تھی۔

"میں پی جے کینی ہوں۔" ٹائیگر نے ہا آواز بلند کہا تاکہ کرسٹی بھی سُن لے۔ "میرا کمرہ یقیناً ریزرو ہوگا۔" یہ کہتے ہوئے اس نے ڈیسک کی دیوار پر لگے ہوئے شیشے میں دیکھا، لڑکی کی سبز آنکھیں اس کے سر پر جمی ہوئی تھیں۔

کلرک ڈیسک پر رکھی ہوئی فہرست دیکھنے لگا۔

"اوہ! یس۔ یس سر۔" لمحہ بھر کے بعد اسے پی جے کینی کا نام مل گیا۔ "کیا عزت مآب کچھ عرصہ قیام فرمائیں گے؟"

"ممکن ہے کہ عزت مآب قیام نہ فرمائیں۔ یہ بتاؤ کمرہ کیسا ہے؟"

"بہت شاندار۔ بہت عمدہ۔ بہت آرام دہ سر۔"

"ہاں۔ میں جانتا ہوں کہ تمام ہوٹلوں میں کمرے ایسے ہی بتائے جاتے ہیں۔" ٹائیگر اس انداز میں محض اس خیال سے گفتگو کر رہا تھا کہ شاید کینی کا طرز کلام ابھی تک یہی ہو۔

"کیا کمرہ ایر کنڈیشن ہے؟" اس نے بدستور اکھڑے ہوئے

لازوال کہانیوں کے خالق
انوار صدیقی
کے
شاہکار ناول

تارِ عنکبوت	(۲ جلدیں)	۴۰۰/۰۰
خبیث	(۵ حصے)	۲۵۰/۰۰
برہمچاری		۱۷۵/۰۰
درخشاں	(۲ حصے)	۱۰۰/۰۰
رقصِ ابلیس		۱۵۰/۰۰
آسیب زدہ		۱۱۰/۰۰
دستک		۱۰۰/۰۰
ننکا		۱۷۵/-
طاغوت		۲۰۰/۰۰
امبربیل	(۴ جلدیں)	۱۰۰۰/۰۰
برق پاش		۲۰۰/۰۰

مکتبہ القریش اردو بازار لاہور
فون: 7668958

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

لہجے میں پوچھا۔

"جی ہاں۔"

"قالین پڑا ہے؟"

"بس سر۔" اب کلرک کو بھی تاؤ سا آنے لگا تھا لیکن اس کا یہ احساس صرف آنکھوں میں تھا۔ لبوں پر ابھی تک وہی خالص کاروباری بلکہ خوشامدانہ مسکراہٹ تھی۔

"میں اس اکھڑپن پر معذرت چاہتا ہوں لیکن میرا یہی انداز گفتگو ہے مسٹر۔ ویسے میں صرف بہترین ہوٹلوں میں ٹھہرنا پسند کرتا ہوں۔"

"یہ بہت ہی شاندار ہوٹل ہے جناب۔" کلرک نے اب آگے جھک کر زور دیا۔ "آپ کا کمرہ ہیرن سا یو کا نے بک کرایا ہے اور ظاہر ہے کہ ہیرن کے کسی بھی دوست کو۔" کلرک نے جملہ مکمل کرنے کے بجائے چاندی کی خوب صورت گھنٹی بجا ڈالی۔

"نہیں۔ کسی کو مت بلاؤ بس چابی دے دو۔" ٹائیگر نے اس بار نرم لہجے میں کہا ساتھ ہی ایک بار پھر شیشے میں دیکھا جو اس وقت عقب نما کا کام کر رہا تھا۔ وہ حسین اور سنسنی خیز آنکھیں اب بھی اس کی پشت کو دیکھے جا رہی تھیں۔ وہ سوچنے لگا کہ اس عورت کو کس میں دلچسپی ہے مجھ میں یا پی بے کینی میں۔۔! اسی لمحے دو ملازم آگئے مگر ٹائیگر نے انہیں تکلیف نہ دی۔ "اپنا کام خود کرنے کا عادی ہوں لڑکو! تم تکلیف نہ کرو۔"

"کمرہ نمبر ۲۵۱ سر۔" کلرک نے اُسے تھامنے کی چابی دیتے ہوئے کہا جو ایک خوب صورت زنجیر میں تھی۔

"شکریہ۔ لیکن اگر کمرہ اچھا نہیں ہوا تو اس کے بارے میں تمہیں جلد ہی اطلاع مل جائے گی۔" ٹائیگر نے چابی لیتے ہوئے کہا۔ اصولی طور پر اب اسے لفٹ کی طرف جانا چاہیئے تھا مگر وہ چابی اچھالتا ہوا پلٹ کر لڑکی کی طرف بڑھ گیا تھا۔ وہ اس کے بالکل سامنے رُکا۔ اتنا قریب کہ لڑکی کا پیرا اس کے پیر کے محض چند انچ دور رہ گیا۔ لڑکی نے اخبار سے نظریں ہٹا کر اسے دیکھا۔ "فرمایئے؟" اس کی آواز بھی بہت میٹھی تھی۔

"سوری مس۔ لیکن مجھے ایسا لگتا ہے جیسے میں نے آپ کو پہلے بھی کہیں دیکھا ہے! کیا آپ ہمیشہ اخبار اسی طرح اُلٹا پکڑ کر پڑھتی ہیں؟"

ٹائیگر نے سوالیہ اور سپاٹ انداز میں پوچھا۔ اس سوال پر لڑکی کے چہرے نے معاً ہی رنگ بدل لیا۔ وہ تقریباً اچھل کی گئی لیکن جلد ہی اس نے اپنے اعصاب پر قابو پالیا۔ "اخبار الٹا نہیں۔" اس نے سرد لہجے میں کہا لیکن بہرحال وہ بھی جانتی تھی کہ نقصان ہو چکا ہے۔ ایک لمحہ کے لیے وہ بھول گئی تھی کہ اخبار سیدھا ہے اور اس ایک لمحے میں بوکھلاہٹ ظاہر ہو گئی تھی۔ یہ واضح ہو چکا تھا کہ وہ اخبار نہیں پڑھ رہی تھی۔

ٹائیگر دھیرے سے مسکرایا، شاید وہ اس مسکراہٹ سے لڑکی کو یہ بس کرنا چاہتا تھا۔ "میں جانتا ہوں کہ اخبار الٹا نہیں لیکن لوگوں کو حقیقی دنیا میں واپس لانے اور انہیں چونکا دینے کے لیے یہ حربہ استعمال کرتا رہتا ہوں۔"

"ممکن ہے کہ فردوس میں تمہارا یہ حربہ کامیاب رہتا ہو مسٹر کینی۔" اگر کارروائی گئی۔ اس کا طرز تکلم برطانوی تھا آواز میں اتار چڑھاؤ واضح تھا۔ لہجہ میں سپاٹ پن نہیں تیکھا پن تھا اور ٹائیگر کو پوری دنیا میں اگر کہیں کی باتونی عورتیں پسند تھیں تو وہ برطانیہ تھا۔

"میں نے فردوس میں ایک اور بات بھی سیکھی ہے۔" وہ بدستور مسکرا رہا۔ "وہ یہ کہ محض فضول میں کچھ نہ کچھ دو تو ہیں میرا نام اور وطن معلوم ہے لیکن مجھے تمہارے بارے میں کچھ نہیں معلوم سوائے اس کے کہ۔"

"سوائے کس کے؟"

"اس کے کہ تم بہت خوب صورت ہو۔"

"واہ!" وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی اس کی حسین آنکھیں چمکنے لگیں اور چہرہ گلنار ہو گیا۔ "واقعی؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ مجھے بھی توازن برقرار رکھنا چاہیے۔ کینی، میرا نام مارگریٹ واٹرز ہے، میں لندن سے تعلق رکھتی ہوں۔ اگر واقعی تم مجھے حسین سمجھتے ہو تو میگی کہہ کر پکار سکتے ہو۔"

"آہ۔ وہی لندن جہاں پامیلا جیسی حسینہ نے تہلکہ مچا رکھا ہے۔" ٹائیگر اب زیر لب مسکرا رہا تھا۔

"یقیناً وہی لندن۔ لیکن پامیلا کا تعلق برطانیہ سے تو نہیں کینی۔ وہ بھارت نژاد ہے۔"

".... لیکن تم سے حسین نہیں۔ کیا تم چھٹیاں گزارنے کے لیے یہاں آئی ہو میگی؟"

"اے نہیں۔" وہ منہ بنا کر بولی۔ "بھلا یہاں تعطیلات گزارنے کے لیے کون آئے گا۔ میں آثار قدیمہ کے شعبے میں ہوں اور اسی سلسلے میں یہاں آنا ہوا ہے۔"

"میں آثار جدید کے شعبہ سے تعلق رکھتا ہوں اور محض سیر سپاٹے کے لیے آیا ہوں۔"

"کمال کے آدمی ہو۔" وہ پھر ہنس پڑی۔ "حاضر جواب بھی اور۔۔۔"

"اگر تم میرے خرچے پر رات کا کھانا کھانے پر تیار ہو سکو تو میں اس سے زیادہ زندہ دلی کا مظاہرہ کر سکتا ہوں میگی۔"

"واقعی کمال ہے۔" اس بار میگی کے لہجے میں گرم جوشی تھی۔ "تم کینی فگ ہی نہیں ہے جو چند لمحے قبل کلرک سے روکھے اور غصیلے لہجے میں بات کر رہا تھا۔"

"وہ لہجہ میں نے دہشت گردی کی بھارتی فلموں سے سیکھا ہے۔ ڈنر کی بات گول مت کرو۔ کیا کسی رائمس دوم سے وقت طے ہے۔۔؟"

"نہیں۔ ابھی تک میں رائمس دوم سے کوئی رابطہ نہیں کر سکی ہوں لہٰذا تمہاری دعوت منظور۔ رات نو بجے ملاقات ٹھیک رہے گی نا۔۔؟"

"گڈ۔ یہیں۔۔؟"

"نہیں۔ ہوٹل کے سامنے۔" میگی نے اخبار ایک طرف ڈال کر کہا اور اب پہلی بار ٹائیگر نے اس کے پورے پیکر کو دیکھا وہ ہر اعتبار سے قیامت تھی۔ قامہ تھی۔ اور نہ جانے کیا کیا تھی۔

"او کے میگی۔ رات نو بجے تک کے لیے الوداع۔" ٹائیگر نے مسکراتے ہوئے سر خم کیا اور پلٹ کر لفٹ کی سمت چل دیا۔ الجزیرہ کا یہ سفر واقعی بہت کامیاب ثابت ہو رہا تھا اور اسے سب سے زیادہ خوشی یہ تھی کہ اوشان یہاں اس کے ساتھ نہیں ہے ورنہ یہ بہت ممکن تھا کہ وہ میگی سے تعارف کی نوبت ہی نہیں آنے دیتا۔

ٹائیگر کمرے میں داخل ہوا تو پہلا قدم رکھتے ہی اسے اندازہ ہو گیا ہے کہ قالین کی موٹائی چھ انچ ضرور ہے۔ ایک دیوار پوری کی پوری شیشے کی تھی جس سے شہر کا منظر صاف نظر آ رہا تھا تاہم اس شیشے پر ایک دیوار بھی تھی جو وقت ضرورت خود کار نظام کے تحت شیشے پر گرائی جا سکتی تھی۔ ٹائیگر نے شہر کا جائزہ لیا یہاں روشنیاں کم تھیں۔ کم از کم کسی امریکی شہر کے مقابلے میں یہاں کی رات بہت تاریک تھی۔

بیڈ فرش سے منسلک کر کے بنایا گیا تھا۔ ٹائیگر اس پر دراز ہو گیا۔ بستر بہت آرام دہ، بہت نرم مگر یکساں تھی۔

اس اپارٹمنٹ نما کمرے کا ڈرائنگ روم فرنیچر بائیں طرف تھا۔ دائیں طرف ڈائننگ ٹیبل اور چھوٹا سا کچن تھا۔ یہاں کی ہوا صاف ستھری تھی اور ائیر کنڈیشن چل رہا تھا۔ یہ بات طے شدہ تھی کہ یہ ہوٹل نیویارک کے ہوٹل پلازہ سے بدرجہا بہتر اور نفیس تھا ٹائیگر سوچنے لگا کہ اگر اس کی جگہ کینی یہاں آتا تو کیا کرتا؟ وہ بھی میگی کو ڈنر کی دعوت ضرور دیتا۔ اسے اس وقت صرف یہی سمجھ میں آیا تھا۔

اچانک ہی اسے جھنجھلاہٹ سی ہونے لگی۔ اسے یاد آ گیا کہ وہ میگی کی طرف اتنی پیش قدمی کے باوجود زیادہ کچھ نہیں کر سکے گا اوشان کی تربیت یہی تھی کہ محض انتہائی ضرورت کے وقت وہ حد سے تجاوز کر سکتا ہے اور یہ اجازت بھی مشن کے تعلق سے مشروط تھی۔

اس نے ایک طویل سانس لے کر گھڑی دیکھی۔ نیویارک کے وقت کے مطابق ڈیڑھ بجے تھے۔ یہ ہیرام کو فون کرنے کا وقت تھا اس نے ہوٹل آپریٹر کو سیکوئس میں ہندسے والی اپنی آئی مارتھا کا نمبر دیا۔ یہ نیوجرسی کا ایک خاص نمبر تھا۔ جہاں گھنٹی بجتے ہی اس ٹیلی فون سیٹ کی خاص لائٹیں فوراً حرکت میں آتیں۔ اور یہ کال نیویارک منتقل کر دیتیں۔ اور نیویارک کے لانگ آئی لینڈ کی ایک عمارت میں بیٹھے ہوئے ہیرام کی ڈیسک پر فون کی گھنٹی بج اٹھتی ٹھیک آدھے گھنٹے بعد ٹائیگر کے کمرے میں گھنٹی بجی، ریسیور اٹھاتے ہی اسے بھاری آواز سنائی دی۔ "بات کریں اس کے ساتھ ہی کلک کی تین آوازیں آئیں اور پھر ہیرام کی ہیلو سنائی دی۔

"اوہ انکل ہیری۔ میں آپ کا بھتیجا بول رہا ہوں۔ بالکل خیریت سے پہنچ گیا ہوں۔ اور کمرہ نمبر ۲۵۱ سٹون وال ہوٹل میں مقیم ہوں۔" ٹائیگر تیزی سے بولنے لگا۔ "اگر آنٹی گھر پر نہیں تو کیا میں کال فون کر لوں؟"

"ہاں۔ وہ کل دوپہر کو مل جائے گی۔" ہیرام نے جواب دیا "تب پھر میں کل ہی بات کروں گا۔ لیکن آپ انہیں میری خیریت سے ضرور مطلع کر دیں۔"

"اسے تمہاری آواز سن کر ہی چین آئے گا۔ تم کل ضرور فون کر لینا۔" ہیرام نے کہا۔ "تمہارا سفر کیسا رہا؟"

"بہت اچھا۔ لیکن ایک مسافر جو رولس کو جاہ شوچیں آ گیا۔"

"ہاں۔ میں اس کے بارے میں سُن چکا ہوں اور مجھے تشویش بھی لاحق ہوئی تھی۔"

"ارے نہیں۔ یہ سفر تو بے کینی کے لیے بہت خوشگوار رہا انکل ہیری۔" ٹائیگر نے اسے نام بھی بتا دیا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

اچھا بس۔ انکل اوشا ... او شار پر کو ہیلو کہہ دیجئے گا۔"

"کیوں نہیں۔ وہ بھی متفکر تھا۔"

ٹائیگر ہوٹل کے سامنے کھڑا ہوا شہر کی مرکزی شاہراہ کو دیکھ رہا تھا۔ گرمی بڑی شدید تھی اور وہ سوچ رہا تھا کہ اگر اس شہر میں بہنے والا پسینہ صحرا میں آب پاشی کے لیے استعمال کیا جائے تو صحرا زرخیز ہو جائیں وہ سر جھٹک کر ایک کھمبے سے ٹیک لگا کر ہوٹل کے صدر دروازے کی طرف دیکھنے لگا اسے شدت سے میگی کی آمد کا انتظار تھا۔ وہ سفید سوٹ میں تھا اس کے دونوں ہاتھ جیکٹ کی جیب میں تھے اور انتظار کر رہا تھا۔

اسی لمحے قریب سے ایک ٹیکسی گزری اور ٹائیگر کو اس کی عقبی سیٹ پر گہرے بھورے بال چمکتے ہوئے نظر آئے ٹیکسی اس سے چالیس فٹ دور جا کر رک گئی۔ جہاں اسٹریٹ لیمپ کی روشنی پڑ رہی تھی ٹیکسی کا عقبی دروازہ کھلا۔ پہلے لانبی سی ٹانگ برآمد ہوئی اور ٹائیگر نے اسے فوراً پہچان لیا۔ یہ میگی کی ٹانگ تھی۔ لیکن نہ جانے کیوں وہ ابھی تک پوری طرح ٹیکسی سے نہیں نکلی تھی۔ اس کی صرف ایک ٹانگ باہر تھی جس کا سرخ سینڈل سنہری جلد پر بہت سج رہا تھا۔ تب ہی ٹائیگر کو اندازہ ہوا کہ وہ ٹیکسی کی اگلی نشست پر بیٹھے ہوئے کسی شخص سے گفتگو کر رہی ہے۔ ٹائیگر نے نظروں پر زور دیا تو اسے اس شخص کا چہرہ بھی نظر آنے لگا۔ اس سخت چہرے پر کٹی لکیریں یا سلوٹیں تھیں بال کالے تھے۔ اور وہ میگی سے بڑی شدومد سے کچھ کہہ رہا تھا۔ بظاہر ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ میگی کو حکم دے رہا ہو۔ ٹائیگر سوچنے لگا کہ یہ نیا کردار کون ہو سکتا ہے۔ تب ہی میگی نے ہاتھ کا وہ اشارہ کیا جو عالمی سطح پر تسلی دینے کا اشارہ سمجھا جاتا ہے وہ اس شخص کی کسی بات سے اتفاق کر رہی تھی۔ پھر وہ ٹیکسی سے پوری کی پوری نکل آئی۔ ٹائیگر تو صیغی انداز میں اسے دیکھنے لگا، وہ دراز قامت بھی تھی اور ناقابل یقین حد تک متناسب بھی۔ اس نے شارٹس کے ساتھ بے آستین ڈریس پہن رکھا تھا۔ جو اس کی سرخی مائل سنہری جلد پر بہت سج رہا تھا اس نے ٹیکسی سے اترتے ہی ہاتھ پھیر کر کپڑوں کی سلوٹیں دور کیں۔ تب ہی اس کی نظر ٹائیگر پر پڑی اس نے پلک جھپکتے ٹیکسی کا دروازہ بند کر دیا۔ ٹیکسی زمل سے روانہ ہو گئی اور وہ مسکراہٹیں بکھیرتی ہوئی ٹائیگر کی سمت میں آنے لگی۔

"ہائے۔" میگی نے ایک ادائے دلبرانہ سے کہا۔

"ہیلو۔ میں سوچ رہا تھا کہ تم ہوٹل کے اندر سے نکلو گی۔ کیا وہ کوئی خاص دوست تھا۔"

"نہیں۔" لیمپ پوسٹ کی روشنی میں اس کے روشن سفید تر اور موتیوں جیسے دانت چمکنے لگے۔ "وہ رائمس روم کا نمائندہ تھا میں اسے بتا رہی تھی کہ آج کی شام مصروف ہوں۔ تمہیں ٹیکسی روک رکھنی چاہیے تھی۔"

"نہیں۔ ہم پیدل چلیں گے۔ آج کی رات بے حد خوب صورت ہے اور ایسے ماحول میں پیدل چلنے کا لطف ہی کچھ اور ہے۔"

"یہ الجزیرہ ہے ہنی ممکن ہے کہ آثار قدیمہ سے کوئی روح نکل کر ہمیں غلامی کے دور میں واپس لے جائے۔"

"مسٹر کہنی۔"

"صرف پی جے کہو نا۔"

"او کے پی جے۔ اگر ہمارا یہ ساتھ غلاموں کے زمانے میں بھی ہوتا تب بھی میں تمہارے ساتھ رات کو پیدل گھومتے ہوئے ذرا سا خوف محسوس نہیں کرتی۔" یہ کہہ کر اس نے ٹائیگر کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالا اور ٹیکسی کی مخالف سمت میں چلنے لگی۔ "یہ بیماروں کا علاقہ نہیں۔" وہ چہک کر بولی۔ "عمارتیں یہاں سے زیادہ دور نہیں ہیں۔"

"... اب تم کہو گی تو میں جہنم میں بھی چھلانگ لگانے کو تیار ہوں۔ میگی ڈارلنگ! لیکن اگر تم مجھے کسی بیلے ڈانسر کے اڈے پر لے گئیں تو میں تمہارے بارے میں زیادہ اچھی رائے برقرار نہیں رکھ سکوں گا۔"

"مجھے خود ایسے کلبوں سے نفرت ہے۔"

"گڈ۔" ٹائیگر کو واقعی اس کا ساتھ بہت اچھا لگ رہا تھا۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ اب محض مشین نہیں انسان بن گیا ہے۔ گوشت پوست کا وہی حقیقی انسان جس کے سینے میں دل بھی دھڑکتا ہے۔ لیکن اسے یہ بات اچھی طرح یاد تھی کہ وہ ایسا شخص ہے جو پھانسی پا چکا ہے۔ جس کے فنگر پرنٹ کسی بھی جگہ دستیاب نہیں۔ جس کا ماضی حرف غلط کی طرح مٹا دیا گیا ہے۔ جس کا حال بے حال ہے اور مستقبل کوئی نہیں۔

مگر اس وقت وہ میگی کی رفاقت میں مگن تھا۔

وہ اسے پسند تھی اور ٹائیگر کے لیے زیادہ دل چسپی کی بات یہ تھی کہ وہ اس میں اتنی دل چسپی کیوں لے رہی ہے

جیسی کی اگلی نشست پر بیٹھا ہوا شخص کون تھا؟ وہ سالبو کا کے بارے میں کیا جانتی ہے؟ مجوزہ اجلاس سے متعلق اسے کس حد تک علم ہے؟ اور یہ کہ اگر وہ اپنے بیڈ روم میں اپنی انا کی قربانی دے کر اس سے کچھ اگلوانا چاہے تو کیا کامیاب ہو سکے گا۔ کیا وہ اس کے جال میں پھنس جائے گی جو اوشان نے ڈالنا سکھایا ہے۔

وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتے رہے۔ دونوں کو قربت کا احساس تھا۔ لیکن دونوں کی زبانیں خاموش تھیں وہ اس طرح چل رہے تھے جیسے بہت پرانے اور باعتماد دوست ہوں۔

آگے ایک سو فٹ دور کونے پر ٹائیگر کو ایک سیاہ لیموزین کھڑی ہوئی نظر آئی۔ ٹائیگر کی سماعت نے فوراً ہی اسے مطلع کر دیا کہ گاڑی کا انجن چل رہا ہے۔ اچانک ہی لیموزین درجنوں گاڑیوں کے درمیان سے ریورس کی گئی اور پھر سڑک پر پہنچ گئی جہاں ٹریفک نہ ہونے کے برابر تھا۔ گاڑی جس تیزی سے ریورس کرکے سڑک پر لائی گئی تھی۔ اس سے ٹائیگر نے یہی اندازہ لگایا تھا کہ اب یہ گاڑی ہوا ہو جائے گی۔ لیکن جب اس نے اسے بہت سست رفتاری سے اپنی سمت آتے ہوئے دیکھا تو محض ابرو کو جنبش دے کر رہ گیا۔ اگلے ہی لمحہ اس نے گاڑی کی اپنی طرف والی کھڑکی میں گن کی آہنی نال کی چمک دیکھی۔ اور اسی لمحے ٹائیگر نے اپنی سمت بدل دی۔ اس کا جسم میگی سے ٹکرایا اور میگی الٹے پیروں چلنے لگی کیونکہ وہ الٹے قدموں چل رہا تھا۔ ٹائیگر نے صرف یہ احتیاط کی تھی کہ اب کار اور میگی کے درمیان وہ خود رہے چند ہی لمحے بعد وہ کھلے علاقے سے نکل کر ایک کھڑی ہوئی کار کے عقب میں آ گئے۔ ٹائیگر ہاتھ کی مدد سے میگی کو کار کے پیچھے پہنچاتے ہوئے خود کھڑا رہا۔ اب وہ فائرنگ سے میگی کو بڑی حد تک بچا سکتا تھا۔ اگلے ہی منٹ گولیاں برسنے لگیں۔ یہ ان گنت گولیاں تھیں مگر وہ ٹائیگر کو نظر انداز کر رہی تھیں۔ ان کا نشانہ وہ کار تھی جس کے عقب میں میگی موجود تھی۔ گاڑی چھلنی ہونے لگی ہر طرف کار کے شیشے اڑنے لگے۔ گولیاں سڑک پر بھی لگیں۔ لہٰذا چھوٹے چھوٹے پتھر بھی اچھلنے لگے۔ ٹائیگر کو صرف غصہ آ رہا تھا کیونکہ بندوقچی نے اس کی رات غارت کر ڈالی تھی۔

اس نے لیموزین کی طرف دیکھا تو اس بار کار کی کھڑکی میں ایک چمکدار اور سیاہ فام شخص سب مشین گن سنبھالے ہوئے نظر آیا۔

اور پھر ٹائیگر کو ناوٹ سا آ گیا۔

وہ براہ راست اسی کار کی سمت میں بڑھنے لگا جس کے عقب میں میگی موجود تھی۔

ایک اور گولی چلی، سنگی فٹ پاتھ پر لگی اور اس بار پتھر ٹوٹ کر ٹائیگر کی طرف اڑا۔ ٹائیگر نے سر کو جنبش سی دی، پتھر کا ٹکڑا قریب سے گزر گیا۔ ٹائیگر اب صرف اوشان کے بارے میں سوچ رہا تھا جس کا ہمیشہ ہی یہ کہنا تھا کہ شہر! تم کسی اکٹ کی رفتار کا کبھی اندازہ نہیں لگا سکو گے۔ اگر تمہیں یہ اندازہ لگانا آ جائے تو میزائل سے بھی بچ سکتے ہو لیکن ٹائیگر کو یہ بات اچھی طرح معلوم تھی کہ کچھ عرصہ قبل اس نے فردوس کے صحرائے احمریں میزائل سے بچ کر اوشان کی بات غلط ثابت کر دی ہے۔ یہ بات الگ ہے کہ اوشان اپنی رائے کبھی نہ بدلے۔

یہیں اس سے غلطی ہو گئی۔ وہ عقب میں برسنے والی گولیوں کی آواز پر توجہ نہ رکھ سکا۔ اسے اوشان یاد آ گیا۔ اور اسی لمحے اسے ایسا لگا جیسے کوئی گولی اس کی پشت پر آ رہی ہو۔ اس نے آواز سن کر ایک طرف ہٹنے کی کوشش کی۔ لیکن اسے دیر ہو چکی تھی کنپٹی کے قریب سے نیلا شعلہ گزرا۔ اسے کوئی درد محسوس نہ ہوا۔ لیکن لاشعوری طور پر اس نے ہاتھ کنپٹی پر رکھ لیا۔ اسے خون کی چپچپاہٹ سی محسوس ہوئی اور پھر درد کا ہلکا، پھر شدید احساس ہوا۔ شدید غصے کے عالم میں وہ درد رفع کرنے کی ترکیب پر بھی عمل نہ کر سکا۔ وہ کار کے پچھلی طرف لپکا مگر اب اسے مرنا تھا۔ ہر قیمت پر مرنا تھا۔ کیونکہ اس نے سنائجو کی تعلیمات پر عمل نہ کیا تھا۔ وہ گرنے لگا۔ اس نے آخری لمحے میں فن سنائجو کا سہارا لینے کی کوشش کی لیکن وہ ذہن کو یکجا کرنے میں ناکام رہا اور بھربھری کے قریب ڈھیر ہو گیا۔

ایک آرام دہ بیڈ پر اس کی آنکھ کھلی۔ ایک لڑکی اس پر جھکی ہوئی تھی۔ وہ بے حد حسین تھی اس حسینہ کے ہاتھ میں گیلا کپڑا تھا جو وہ اس کی دکھتی ہوئی پیشانی پر رکھ رہی تھی۔

"تم ٹھیک ہو پی جے۔" لڑکی نے اسے آنکھیں کھولتے ہوئے دیکھ کر جھٹ سے کہا۔

"پی جے۔؟" اس نے ایک لمحے کے لیے سوچا اور پھر فوراً بولا۔ "ہاں۔ مگر میرے سر میں شدید تکلیف ہے۔"

"ہونی بھی چاہیے۔" سفید لباس والی حسینہ نے کہا۔ اس کے بال بھورے تھے اور آنکھیں سبز تھیں۔ کاش یہ صرف نرس نہ ہو۔ ٹائیگر نے سوچا۔ اسے کچھ احساس تھا کہ اس نے اس نرس

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کچھ پہلے بھی کہیں دیکھا ہے۔ شکل سے یہ میری بیوی یا دوست ہو وہ سوچتا رہا پھر اس نے چونک کر پوچھا۔ "مجھے کیا ہوا تھا؟"

"کیا تمہیں یاد نہیں؟" لڑکی نے اس بار بڑی حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

"نہیں۔ مجھے کچھ بھی یاد نہیں۔"

"ہم چہل قدمی کر رہے تھے کہ کسی نے تم پر فائرنگ کر ڈالی ایک گولی تمہاری کنپٹی کو چھوتی ہوئی گزر گئی۔"

"مجھ پر فائر کئے گئے تھے۔؟"

"ہاں۔" لڑکی نے جواب دیا۔

"مگر کیوں؟"

"مجھے بھی پتا نہیں۔ میں تو خود یہی سوچ رہی تھی کہ تمہیں اس کا علم ہوگا کہ تمہارا دشمن کون ہے؟"

"نہیں۔ مجھے کچھ نہیں معلوم۔" وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ کنپٹی میں ہونے والے شدید درد کو اس نے فراموش کر دیا۔ اس نے کمرے کا جائزہ لیا۔ یہ کسی ہوٹل کا شاندار کمرہ تھا۔ وہ سوچنے لگا کہ آخر اس ہنگامے ہوٹل کا بل کون ادا کرے گا۔ "یہ کون سی جگہ ہے؟" اس نے پوچھا۔

"اب تم مجھے پریشان کر رہے ہو۔" وہ اٹھلا کر بولی۔

"نہیں۔ ہرگز نہیں۔" اس کا لہجہ بہت مخلصانہ تھا۔ اس میں سنجیدگی کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ "مجھے کچھ پتا نہیں۔"

"یہ ہوٹل اسٹون وال ہے۔ الجزیرہ کا ہوٹل اسٹون وال اور یہ تمہارا کمرہ ہے۔"

"الجزیرہ؟" ٹائیگر نے ذہن پر زور دیا۔ "مگر میں یہاں کیا کر رہا ہوں۔" وہ ایک لمحہ کے لیے رکا اور پھر اس کی پیشانی پر کئی سلوٹیں نمودار ہو گئیں۔ "اور میں کون ہوں۔؟ کون ہوں میں۔؟"

لڑکی مسلسل دس سیکنڈ تک اپنی سبز آنکھوں سے اسے گھورتی رہی ان آنکھوں میں اب شوخی نہ تھی۔ کچھ دیر بعد اس نے ٹائیگر کے سر سے کپڑا ہٹا کر زخم دیکھا۔ "اتنا گہرا زخم تو نہیں" وہ دھیرے سے بولی۔ "معمولی بینڈیج سے ٹھیک ہو جائے گا۔"

"تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔ میں کون ہوں۔" اس بار ٹائیگر کا لہجہ جارحانہ تھا۔

"تمہارا نام پی جے کینی ہے۔" لڑکی نے جواب دیا۔

"اور میں الجزیرہ میں ہوں۔؟"

"ہاں۔" لڑکی نے کہا۔

"لیکن میں یہاں کیا کر رہا ہوں؟"

"مجھے کچھ پتا نہیں۔" لڑکی کے اس جواب پر ٹائیگر نے ایک بار پھر کمرے کا جائزہ لیا۔ نام معلوم ہو گیا تھا لیکن صرف نام پتا چل جانے سے کوئی حاصل نہ تھا۔ اس نام کے ساتھ کچھ اور بھی درکار تھا۔ پس منظر درکار تھا۔ "پی جے کینی کون ہے؟" اس نے عجیب سا سوال کیا۔

"تم ہو۔"

"نہیں۔ میرا مطلب یہ نہ تھا۔ میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ میں کون ہوں، کیا کام کرتا ہوں۔"

"کیا تمہیں واقعی کچھ نہیں معلوم؟"

"نہیں۔ یقین کرو کہ مجھے یاد نہیں۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ اب یہ بات بہت واضح ہو گئی تھی کہ وہ اپنی یادداشت کھو چکا ہے۔ یہ عجیب سی بات تھی۔ اوشان کا شاگرد، شمشیر سنانجو کا ولی عہد، دنیا کا خطرناک ترین انسان، موت کا ہرکارہ، چارہ گر کی زندگی، بہرام کی امید، روبی کی محبت، مجرموں کے لیے تازیانہ..... شہزاد..... اپنی یادداشت کھو بیٹھا تھا۔

..... اور یہ انتہائی خطرناک بات تھی۔

❁

وہ اپنی یادداشت کھو بیٹھا تھا۔ لڑکی ایک لمحہ کے لیے کھڑی رہی پھر بیڈ سے دور چلی گئی، ٹائیگر بے بسی سے بستر پر ڈھیر سا ہو گیا۔ اسے اس طرح لیٹنے سے شدید درد محسوس ہوا لیکن پھر بھی اس نے کروٹ لی اور اس طرح لیٹ گیا کہ لڑکی کو دیکھتا رہے جو اس وقت چل رہی تھی۔ وہ بہت خوب صورت تھی مگر ٹائیگر سوچ رہا تھا کہ وہ کون ہے؟ اس کا نام کیا ہے۔ یہاں اس کے ساتھ کیوں ہے؟۔

بستر کی پائنتی پہنچ کر وہ پلٹی اور پھر جھک کر بولی۔

"مجھے خود علم نہیں کہ تم کون ہو۔ ہماری بس ایک ہی ملاقات ہوئی تھی۔ میں تمہاری ہر ممکن مدد کروں گی۔ تم لیٹے رہو، میں کمرے کی تلاشی لیتی ہوں تاکہ کوئی شناخت وغیرہ مل سکے، شاید تم سب کچھ بھول چکے ہو۔"

"یادداشت گم ہو گئی۔ میرا خیال ہے کہ یہ محض وقتی کیفیت ہے۔" ٹائیگر نے کہا۔

"نہیں۔" لڑکی نے جواب دیا۔ "یہ بہت تکلیف دہ مگر حقیقی صورت حال ہے۔ میں نرس رہ چکی ہوں اور میں نے ایسے کئی کیس دیکھے ہیں۔ عام طور پر یہ کیفیت چند گھنٹے تک ضرور

رہتی ہے۔"

"چند گھنٹے۔" وہ بے اختیار مسکرا اٹھا۔ "اگر تم میرے ساتھ رہو تو میں یہ چند گھنٹے بڑے سکون سے گزار دوں گا۔"

"میں ذرا تلاشی تو لے لوں پھر دیکھا جائے گا۔" لڑکی نے درازوں کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ اس کا انداز بہت ماہرانہ تھا وہ بہت تفصیلی تلاشی لے رہی تھی۔ بات موزوں سے زیر جاموں قمیص اور پتلون تک پہنچی لیکن اسے کچھ نہ ملا۔ پتلی دراز کھولتے ہوئے وہ چونک پڑی۔ وہاں بریف کیس موجود تھا اس نے بریف کیس باہر کھینچ کر دراز پر رکھا اور اسے محض انگلیوں کی جنبش سے کھول دیا۔

ٹائیگر اسے توصیفی نظروں سے دیکھتا رہا۔

اب وہ کچھ گنگنا بھی رہی تھی اور اس کے ہاتھ پھرتی سے حرکت کر رہے تھے۔ "یہ کیا کر رہی ہے۔" ٹائیگر نے سوچا اور پھر اٹھ گیا۔ اسے درد تو محسوس ہوا لیکن وہ بیڈ سے اتر کر اس کی طرف بڑھ گیا۔

بریف کیس میں نوٹ بھرے ہوئے تھے۔ وہ محض اندازے کی بنیاد پر کہہ سکتا تھا کہ کم از کم ۲۵ ہزار ڈالر ہیں۔

"واہ۔ یہ پی جے کینی امیر آدمی ہے۔" ٹائیگر نے مسکرا کر کہا۔

"اس میں ایک پستول گرام بھی ہے۔" لڑکی نے زرد رنگ کا ایک کاغذ نکالتے ہوئے کہا۔

"ذرا پڑھو تو۔ کیا لکھا ہے۔"

"یہ ہوٹل لارڈ شن گلستان فردوس کے پتے پر پی جے کینی کو بھیجا گیا تھا۔" لڑکی نے زرد کاغذ کو الٹ پلٹ کر پڑھتے ہوئے کہا اس میں لکھا ہے۔ "اسٹون وال ہوٹل میں قیام کرو۔ بکنگ کرا دی گئی ہے۔ بہت سود مند کاروبار کی توقع کر سکتے ہیں سابوکا۔"

سابوکا کون ہے؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"سابوکا۔" وہ محض ایک لمحہ کے لیے ہچکچائی۔ اور پھر بڑے اعتماد سے بولی۔ "پتا نہیں۔ لیکن یہ ثابت ہو گیا کہ تم اسی کی دعوت پر یہاں آئے ہو۔" یہ کہنے کے بعد وہ الماری کی طرف گئی، اس نے اسے کھول کر اندر جھانکا۔ ٹائیگر اس کے پیچھے پیچھے تھا۔ اس نے آنکھوں کے گوشے سے شیشے میں اپنا عکس دیکھا۔ اور پھر شیشے کی طرف پلٹ گیا۔

ایک اجنبی چہرہ اس کے سامنے تھا۔ ایک بدنما چہرہ جس کی کنپٹی پر ایک بدنما زخم تھا۔ لیکن ایک اور خاص بات بھی تھی۔ اس کے بال چھوٹے اور لہردار تھے، آنکھوں میں سختی تھی۔ ہونٹ لمبے اور پتلے تھے۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے چہرے کی ہڈیوں پر کھال منڈھ دی گئی ہو۔ جیسے گوشت گل گیا ہو۔ یہ صاف ظاہر تھا کہ پی جے کینی اچھا آدمی نہیں، اس کی آنکھوں کے نیچے اور داہیں بائیں کھال کی کیفیت پلاسٹک کی سرجری کی جعلی کھا رہی تھی۔

لڑکی الماری کی تلاشی لینے کے بعد اب اس کو دیکھے جا رہی تھی۔ "کیوں؟ آئینے میں خود کو کیسے لگ رہے ہو؟" اس نے مسکرا کر پوچھا۔

"بہت عجیب سا، بالکل اجنبی۔ کیا تمہیں اپنی اس تلاش کی مہم میں کوئی کامیابی ہوئی۔"

"صرف یہ ملا ہے۔" اس کے ہاتھ میں ایک خنجر تھا۔ جس کی دھار دور ہی سے بہت تیز۔ لگ رہی تھی۔ ٹائیگر نے خنجر لڑکی کے ہاتھ سے لے کر اپنی ہتھیلی پر رکھ لیا۔ اس کی لمبائی آٹھ انچ تھی۔ اس کا لمس بھی انتہائی پیشہ ور دادھا لیکن یہ لمس بھی اس کے لیے اجنبی سا تھا۔ اس نے الٹ پلٹ کر دیکھا، یہ دو دھاری خنجر تھا۔ وہ اسے بہت دیر یونہی الٹتا

ڈائجسٹوں کے مقبول سلسلے

سرکش ـــــ (۱۲ حصے)	محمود احمد مودی	۷۲۰/-
ٹائیگر ـــــ (۱۳ حصے)	مشتاق احمد قریشی	۶۵۰/-
خبیث ـــــ (۵ حصے)	انوار صدیقی	۲۲۵/-
درخشاں ـــــ (۲ حصے)	انوار صدیقی	۱۰۰/-
روگی ـــــ (۵ حصے)	م الف صدیقی	۲۷۰/-
دہشت گرد ـــــ (۴ حصے)	سلیم فاروقی	۲۰۰/-
سرفروش ـــــ (۲ حصے)	اظہر کلیم	۱۲۰/-
شہباز ـــــ (۲ حصے)	اظہر کلیم	۱۲۰/-
انسان اور شیطان ـ (۲ حصے)	محمد فراز	۱۵۰/-

ناشر ـــــ

مکتبہ القریش سرکلر روڈ، اردو بازار
لاہور فون: ۷۶۶۸۹۵۸

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

پلٹتا رہا اور پھر لاشعوری طور پر سر سے بلند کر کے پھینک دیا خنجر کسی تیر کی طرح تیرتا ہوا کمرے کے لکڑی کے دروازے میں پیوست ہو گیا۔ خنجر کی نوک کم از کم دو انچ تک پیوست ہوئی۔ اور پھر خنجر لرزتا رہا۔ جب اس کا لرزنا کم ہوا تو تب ہی لڑکی نے ٹائیگر کی طرف دیکھا۔ ٹائیگر مسکرانے لگا۔ "آخر پتا چل گیا کہ میں کون ہوں۔" اس نے کہا۔

"اچھا!" لڑکی کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں۔ میں یقیناً کسی سرکس میں خنجر زنی کا مظاہرہ کرتا رہا ہوں اتنا اچھا نشانہ کسی ایسے ہی شخص کا ہو سکتا ہے۔"

وہ ایک طویل سانس لے کر بیڈ کی کگر پر بیٹھ گئی اور اس نے ٹائیگر کے ہاتھ تھام لیے "سنو۔ صرف وہی شخص اب تمہارے بارے میں کچھ بتا سکتا ہے۔ جس نے تمہیں یہاں بلایا۔ ؟ میرا مطلب ہے تار بھیجنے والے سابو کا سے ہے میں چند منٹ کے لیے باہر جا کر اس کے بارے میں کچھ پتا چلانے کی کوشش کرتی ہوں کہ وہ کون ہے کہاں ہے۔ اس کے بعد ہی ہم یہ فیصلہ کر سکیں گے کہ ہمارا اگلا قدم کیا ہونا چاہیے۔" یہ کہہ کر اس نے ٹائیگر کے ہاتھوں کو محبت بھرے انداز میں دبا کر چھوڑ دیا۔ "تم تنہائی میں پریشان تو نہیں ہو گے۔؟"

"تمہارے بغیر؟ پتا نہیں۔" ٹائیگر کا لہجہ عجیب سا اور شاید اداس تھا۔

"فکر مت کرو۔ واپسی پر میں تمہاری ساری اداسی دور کر دوں گی۔" وہ مسکرا کر بولی پھر اس نے وہ حرکت کی تھی جس کے باعث ٹائیگر نے بڑے بے مزے پن کا مظاہرہ کیا۔

"بس ابھی آئی۔" وہ واقعی بہت تیزی سے اٹھ کر کمرے سے نکل گئی۔ اس نے نکلتے ہوئے دروازہ بند کیا تو خنجر ایک بار پھر تھرتھرانے لگا۔ ٹائیگر بیڈ پر لیٹ کر خنجر کی تھرتھراہٹ دیکھتا رہا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ آخر میں کون ہوں۔؟

بیگی واٹرز نے بڑے مجلت بھرے انداز میں لفٹ کا بٹن کئی بار دبا دیا، ساتھ ہی اضطراری کیفیت میں اپنی ہیل سے قالین کریدتی رہی وہ اس وقت اسٹون ہال ہوٹل کے ۲۵ ویں فلور پر تھی۔ لفٹ آ گئی تو اس نے سکون کی سانس لی وہ بارہویں منزل پر اتری اور اس نے پرس سے چابی نکال کر کمرہ نمبر ۱۲۲ کا دروازہ کھولا۔ کمرے میں پہنچتے ہی اس کے چہرے پر بدمزگی کے تاثرات ابھر آئے۔ کیونکہ یہ کمرہ ٹائیگر والے کمرے سے بہت گھٹیا تھا۔ اس کے پڑے ہلکے اور رنگ اڑے تھے۔ فرنیچر پرانا اور سستا سا تھا اور بیڈ بھی اب بہت برا لگ رہا تھا۔ بیگی نے دروازہ اچھی طرح بند کر کے ٹیلی فون کی طرف دوڑ لگا دی۔

"یس۔" دوسری طرف سے ایک ایسے برطانوی مرد کی آواز سنائی دی جو یقیناً شدید ترین کوفت میں مبتلا تھا۔

"بیگی بول رہی ہوں۔" وہ اس شخص کی آواز سن کر مشتعل سی ہو گئی۔

"اوہ۔ ہاں۔ کیا حال ہے بیگی؟ تمہارا دوست کیسا ہے؟"

"اس کے سر میں گولی لگی ہے، لیکن کمال کا شخص ہے۔ زندہ ہے گولی کنپٹی کو چھو کر گزر گئی۔"

"اچھا۔" مرد نے اس طرح کہا جیسے آگے کی سننا چاہتا ہو۔

"اب وہ یادداشت کھو بیٹھا ہے۔" بیگی نے اسے بتایا "اسے یاد نہیں کہ وہ کون ہے۔"

"یہ دلچسپ صورت حال ہے۔ سابو کا کے بارے میں کیا کہتا ہے۔"

"اس کا کہنا ہے کہ اس نے یہ نام پہلے کبھی نہیں سنا۔" بیگی نے جواب دیا۔ "میں نے کئی مرتبہ اسے اس بارے میں ٹٹول کر دیکھ لیا ہے۔"

"یہ انتہائی دل چسپ موڑ ہے بیگی۔" مرد کے لہجے میں اب اکتاہٹ نہ تھی۔ "سابو کا نے ایک پروفیشنل قاتل کو معاوضہ پر طلب کیا اور اب اس قاتل کا کہنا ہے کہ وہ سابو کا سے واقف نہیں وہ یقیناً یہ بھی کہہ رہا ہو گا کہ وہ قاتل نہیں۔" یہ کہہ کر وہ ہنسا تو بیگی نے ایسا منہ بنایا جیسے وہ کوئی کڑوی گولی نگل رہی ہو۔ "کیوں بیگی؟ یہ ہے نا دل چسپ صورت حال؟"

"ہاں۔" بیگی کا منہ اب بھی بنا ہوا تھا۔ "سوال یہ ہے کہ جب سابو کا اسے طلب کرے گا یا اس سے ملنے کے لیے آئے گا تو کیا ہو گا؟"

"تب تمہیں موقعہ مل جائے گا اور تم سابو کا کی قربت حاصل کر سکو گی مائی ڈیئر۔" وہ پھر ہنسا۔ "تم خود کو پی جے کینی کی پرائیویٹ نرس ہی کہنا۔ کیا تم اس کی نرس بننا پسند کرو گی بیگی؟"

"اس کی نرس بننا زیادہ بہتر ہے کیونکہ شاید وہ تمہاری طرح نشے میں بدمست ہونے کا عادی نہیں۔"

"بیگی۔ ہم ڈیوٹی پر ہیں۔" اس بار وہ شخص بہت سنجیدہ تھا۔

"مجھے یہ سوچ کر ہی حیرت ہوتی ہے کہ ہر مجسٹی کی سیکرٹ سروس کا ٹاپ ایجنٹ پانچ شلنگ کی عورتوں کو اپنے فرائض میں کس طرح شامل کر لیتا ہے۔"

"میں نے تمہیں کیریئر بنانے کا سنہرا موقعہ دیا ہے۔"

"میں شکریہ ادا کروں؟"

"نہیں۔" مرد کا لہجہ اب بہت خشک تھا۔ "کینی کے ذریعہ سابو کا تک پہنچنے کی کوشش کرو۔ اسکومبا پلان ہر قیمت پر روکنا ہے۔ سابو کا کو روکو اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو پھر پی جے کینی کو قتل کر ڈالو۔"

وہ خاموش رہی۔

"اگر تم نے اسے قتل نہیں کیا اور اس کی یادداشت واپس آ گئی تو وہ تمہیں مار ڈالے گا۔ وہ بہت خوفناک قاتل ہے۔ خنجر کے استعمال کا ماہر ہے۔ اس سے قبل کہ وہ تمہیں قتل کر دے۔ تم اسے مار ڈالو، کسی قسم کی ہچکچاہٹ کا مظاہرہ مت کرنا۔ کاش میں تمہاری جگہ ہوتا بیگی۔"

"کاش تم میری جگہ ہوتے۔" وہ سرد لہجے میں بولی۔

"بدقسمتی سے میری جسمانی حالت ....." مرد نے بات جان بوجھ کر مکمل نہیں کی۔

"کمال ہے سیکرٹ سروس اتنی بددل ہو چکی ہے کہ اب اس کا ٹاپ ایجنٹ اپنی بے بسی کا اعلان کرتا پھر رہا ہے۔"

"جہنم میں گئی سیکرٹ سروس۔ میں بیمار ہوں۔"

"اوکے!"

"سنو۔" مرد نے اسے فون بند کرنے نہیں دیا۔ "یہ بہت اہم مشن ہے۔ اگر ان کا منصوبہ کامیاب ہو گیا تو دنیا میں مجرموں کی ایک سلطنت قائم ہو جائے گی۔ اس وقت شیطان سابو کا اور اس کے منصوبے کو ہر قیمت پر ناکام بنانا ہے یہ صرف تمہاری زندگی..... میری زندگی اور....."

"باقی باتیں کسی نصابی کتاب میں لکھنے کے لیے بچا رکھو۔" بیگی نے یہ کہہ کر ریسیور پٹخ دیا۔ وہ کچھ دیر تک ٹیلی فون کو گھورتی رہی اور کندھے اچکا کر دروازے کی سمت چل دی۔ وہ جانتی تھی کہ اس کھیل میں ذاتی جذبات کی گنجائش نہیں۔ وہ ایجنٹ ہے اور اسے وہی کرنا ہے جو اس کے باس نے کہا ہے۔

پھر اچانک اس کے آزردہ چہرے پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ اسے اس لمحے یہ خیال آیا تھا کہ اب وہ کینی سے ملنے کے لیے جائے گی۔ وہ پوری طرح اس کی خدمت کے لیے تیار تھی۔ اس کی آنکھوں کی چمک بڑھ گئی اور اس کے قدم تیزی سے اٹھنے لگے۔

ڈاکٹر بہرام نے بے چینی سے پہلو بدلتے ہوئے ٹیلی فون کو گھورا۔ ٹائیگر کا فون ابھی تک نہیں آیا تھا اور یہ غیر معمولی بات تھی۔

بہرام کو معاً ہی شدید ترین اضطرار نے آگھیرا۔ اس نے سامنے رکھے ہوئے گلاس سے پانی کا ایک گھونٹ لیا اور ٹائیگر کی پوری زندگی لمحہ بھر میں اس کے سامنے فلم کی طرح چلنے لگی۔

وہ جانتا تھا کہ انسانیت کی بقا اور جرائم کے خلاف جدوجہد میں ٹائیگر کا کردار کتنا کلیدی رہا ہے۔

اس وقت سوال یہ تھا کہ ٹائیگر کہاں ہے؟ ابھی تک الجزیرہ سے اس کا فون نہیں آیا تھا۔ ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا تھا کہ ٹائیگر نے فون کرنے کے لیے کہا ہو اور بروقت فون نہ کیا ہو۔ یہ انہونی سی بات تھی۔

اور اس کا مطلب یہ تھا کہ کہیں کوئی ایسی گڑبڑ ضرور ہوئی ہے جس کے باعث ٹائیگر کو فون کرنے کا وقت نہیں ملا۔ مہلت نہیں ملی یا موقعہ نہیں ملا۔

بہرام کو یقین تھا کہ سابو کا کیس میں مغربی سیکرٹ سروس کا کوئی ایجنٹ کامیاب نہیں ہو سکے گا۔ اسی باعث اس نے یہ مشن اپنے سب سے مہلک ہتھیار ٹائیگر کو سونپا تھا۔ اسے کھلی چھوٹ دی تھی اور اسے یقین تھا کہ اس کھلی چھوٹ کے بدلے سے ٹائیگر کا ہاتھ سابو کا کی گردن تک پہنچ جائے گا۔

سابو کا کا نام چارہ گر کے کمپیوٹر میں گزشتہ چھ ماہ کے دوران بارہ مرتبہ آیا تھا۔ کمپیوٹر نے یہ بھی بتایا تھا کہ سابو کا نے کتنا زبردست تیز قانونی اثر و رسوخ حاصل کر لیا ہے یہ بھی اطلاع دی تھی کہ فرد وس کے ایٹمی پروگرام کے خلاف سابو کا کیا حرکتیں کر رہا ہے۔ وہ ان گروہوں کے خلاف سرگرم ہے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

جو فردوسی ایٹم بم کے بیلے پرزے اسمگل کرتے ہیں۔ درحقیقت فردوسی ایجنٹ پروگرام کے قابل فخر اور فردوس کے عظیم سپوت ڈاکٹر فہیم خان نے از خود ڈاکٹر بہرام سے درخواست کی تھی کہ وہ سابو کی مرکتوں کا سدباب کرے۔ ڈاکٹر فہیم کی یہ درخواست بہرام کے لیے حکم کا درجہ رکھتی تھی۔

بہرام، ٹائیگر کو یہ بھی بتانا چاہتا تھا کہ اس کے اس مشن کا تعلق فردوس کی سلامتی سے بھی ہے کیونکہ سابو کالنے بھرت لینڈ سے خفیہ ساز باز کر رکھی ہے۔ فردوس نے حال ہی میں جن جدید ہتھیاروں اور میزائلوں کے سرعام تجربات کیے تھے۔ ان کے بعد سابو کا کی الجزیرہ میں موجودگی اور اجتماع مجرمین کی طبعی ایک انتہائی خطرناک معاملہ نظر آ رہی تھی۔

فردوس کے ایجنٹ پروگرام کو بچانے، اسکومیا کو مجرموں کی جنت بننے سے روکنے کا واحد طریقہ یہ تھا کہ سابو کا کو قتل کر دیا جائے۔

بہرام کو تازہ ترین اطلاع یہ ملی تھی کہ ڈچ مین نے سابو کا کو اعتماد میں لیے بغیر اسے صرف یہ ہدایت کی ہے کہ وہ شہزاد اور اوشان نامی دو افراد کو قتل کر ڈالے۔ اس نے سابو کا کو یہ نہیں بتایا تھا کہ دونوں کون ہیں۔ بہرام کے ذہن میں ایک بات بہت واضح تھی اور وہ یہ کہ ایجنٹ پروگرام کے خلاف ڈچ مین نے کوئی ہدایت نہیں دی، صرف یہ حکم دیا ہے کہ اسکومیا کو مجرموں کی جنت بنایا جائے اور اس جنت کو برقرار رکھنے کے لیے اوشان اور ٹائیگر کو قتل کر دیا جائے۔

بہرام کو یاد آیا کہ پہلے بھی ایک مرتبہ ٹائیگر اپنی علاقوں میں گیا تھا اور اس نے وعدہ کے برخلاف فون نہیں کیا تھا وہاں وہ اپنی یادداشت کھو بیٹھا تھا۔ کیا یہ کہانی ایک بار پھر دہرائی جا رہی ہے؟ بہرام سوچنے لگا۔ پھر اس نے تقریباً چونک کر رسیور اٹھا لیا۔ سیکرٹری کو ایک نمبر بتایا اور رسیور کریڈل پر رکھ کر کھڑکی سے باہر ذرا ہی دور سر پٹخنے والے پانیوں کو دیکھنے لگا۔

محض دو تین سیکنڈ بعد گھنٹی بجی۔ اس نے رسیور اٹھا لیا۔ "ہیلو ماسٹر۔ میں بہرام بات کر رہا ہوں۔" اس نے لہجہ نرم رکھتے ہوئے کہا۔

"یس۔" اوشان کی آواز سنائی دی۔ اب تک شاید تین چار مرتبہ ہی ہوا تھا کہ بہرام نے براہ راست اوشان کو فون کیا ہو۔ اوشان نے جس لہجے میں یس کہا تھا۔ وہ ایسا ہی تھا جیسے اوشان کسی دیوار سے مخاطب ہو۔

"آپ کے شاگرد نے مجھے ابھی تک کوئی اطلاع نہیں دی ہے ماسٹر۔" بہرام نے کہا۔

"نہ ہی مجھے اس کی کوئی اطلاع ہے۔ شہنشاہ اعظم۔"

"اس نے دوپہر کو فون کرنے کا وعدہ کیا تھا۔"

"تب پھر اس نے فون نہیں کیا۔؟"

"ہاں۔ جب وہ آپ سے رخصت ہو کر گیا تھا تو اس کا کیا موڈ تھا ماسٹر؟"

"وہ بغاوت یا فرار کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا تھا۔" اوشان کا لہجہ معاً ہی تلخ ہو گیا۔

"کیا آپ کو یقین ہے؟"

"مجھے یقین ہے۔ میں نے جاتے ہوئے اس سے کہا تھا کہ ایک عظیم اعزاز اس کا منتظر ہے۔"

"ممکن ہے کہ کہیں پی کر مدہوش ہو گیا ہو۔"

"میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتا۔" اوشان کا لہجہ خشک تھا۔ اور پھر یکدم کچھ کہنے سننے پوچھنے کی کوئی گنجائش نہ تھی تو دونوں نے رسیور رکھ دیے۔ بہرام نے ایک بار پھر انٹرکام استعمال کیا۔ سیکرٹری سے بات کی اور اگلے ہی لمحے اس طویل ٹیل کا آغاز ہو گیا۔ جس کا مقصد اسٹون وال ہوٹل الجزیرہ میں پی جے کینی کے بارے میں معلومات حاصل کرنا تھا۔

سورج غروب ہونے لگا تو جواب بھی آ گیا۔ پی جے کینی۔ بھی وہیں مقیم ہے۔ گزشتہ شام گولیاں چلنے سے وہ زخمی ہو گیا تھا۔ زخموں کی نوعیت کا کوئی علم نہیں لیکن کمرے میں نہ تو ڈاکٹر طلب کیا گیا ہے اور نہ ہی پی جے کینی کو اسپتال لے جایا گیا ہے۔ خود وہ بھی کمرے سے نہیں نکلا۔"

"تھینک یو۔" بہرام نے اپنے ایجنٹ کو جواب دے کر رسیور رکھ دیا اس کے بعد اس نے خود ہی ہوٹل پلازہ کے نمبر ملائے۔ اب وہ اوشان سے مشورہ لینا چاہتا تھا

"روم ایلون سیون۔" اس نے ہوٹل پلازہ کے ٹیلیفون آپریٹر سے کہا۔ آپریٹر ایک لمحہ کے لیے ہچکچایا لیکن پھر بہرام کو لائن ملائے جانے کی مخصوص آواز سنائی دینے لگی۔

"فرنٹ ڈیسک۔" اس مرتبہ بھاری بھرکم آواز سنائی دی

"میں نے کمرہ ۱۱۷ مانگا تھا مسٹر۔" بہرام کو جھنجلاہٹ ہونے لگی۔

"آپ کس سے بات کرنا چاہتے ہیں جناب۔" فرنٹ ڈیسک کلرک کا لہجہ شستہ تھا۔

"مسٹر پارک۔"

"سوری سر۔ لیکن مسٹر پارک یہ کہہ گئے ہیں کہ چند روز میں واپس آ جائیں گے۔"

"اوہ۔" بہرام کا سر چکرا گیا لیکن اس نے جلد ہی سنبھل کر پوچھا۔ "کیا انہوں نے یہ بتایا تھا کہ وہ کہاں جا رہے ہیں۔؟"

"جی ہاں۔ ان کی منزل الجزیرہ ہے۔"

"تھینک یو۔" بہرام کی جان میں جان آ گئی۔ اس نے رسیور رکھ دیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ ٹائیگر نے یقیناً اوشان کو اپنی مدد کے لیے طلب کیا ہے۔ اور اوشان روانہ ہو چکا ہے۔

ادھر ہوٹل پلازہ کی فرنٹ ڈیسک پر سنہرے بالوں والا کلرک بوڑھے اوشان کی چھوٹی چھوٹی آنکھوں میں دیکھ کر مسکرا رہا تھا اوشان کے چہرے پر بھی بچوں جیسی مسکراہٹ تھی۔

"تم نے میرا کام بہت آسان کر دیا میرے بچے۔" اوشان نے مسکراتے ہوئے نوجوان سے کہا۔

"یہ تو میرا فرض تھا محترم بزرگ۔"

"مجھے یہ دیکھ کر بڑی مسرت ہوئی کہ اس دنیا میں ابھی ایسے نوجوان موجود ہیں جو فرض کو فرض سمجھتے ہیں۔ کیا طیارے میں نشست ریزرو کرا دی گئی ہے نوجوان۔"

"جی ہاں جناب۔"

اور ٹیکسی میری منتظر ہے۔"

"کیا میرے اسٹریٹرنکس بروقت ہوائی اڈے پر پہنچ جائیں گے؟"

"یقیناً جناب۔"

"شاندار۔ بہت شاندار۔ میں تمہیں اس شاندار کارکردگی پر انعام دینا چاہتا ہوں۔"

"نہیں جناب۔" نوجوان کلرک نے سر اور ہاتھ ہلا کر بڑی شدت سے انکار کیا۔ ادھر اوشان کے ہاتھ میں ایک بہت ہی چھوٹا سا بٹوہ آ گیا۔ "نہیں جناب۔ یہ تو میرا فرض تھا جو میں نے ادا کیا۔" نوجوان نے پھر کہا۔

"اچھا" اوشان نے بٹوہ واپس رکھ لیا۔ وہ جانتا تھا کہ اگر نصف ڈالر بچ جائے تو یہ نصف ڈالر کمانے کے برابر ہے۔ اس نے ایک بار پھر نوجوان کو مسکرا کر کہا۔ دیکھا ٹھیک دو گھنٹے بعد جب وہ مسٹر سی ایچ پارک کے پاسپورٹ پر الجزیرہ جانے والے طیارے میں سوار ہو رہا تھا تو تب بھی اس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔ کھڑکی کے قریب والی نشست پر بیٹھتے ہوئے وہ سنجیدہ ہو گیا اب اس کی نظریں سرپہر کے اڑتے ہوئے بادلوں پر تھیں۔ وہ سوچ رہا تھا کہ میری پوری زندگی دوسروں کی غلطیوں کی اصلاح میں گزر رہی ہے اور اب مجھے صرف اس لیے الجزیرہ جانا پڑ رہا ہے کہ وقت پر فون نہ کرنے والے شہزاد کی گوشمالی کر دوں۔ اس نے فون نہ کر کے غلطی ہی تو کی ہے۔ اسے صرف ایک بار یہ شک سا ہوا تھا کہ شہزاد کسی دشواری میں مبتلا ہو گیا ہے۔ لیکن اس نے اس شک کو بڑی حقارت سے مسترد کر دیا۔ "شہزاد کو کسی دشواری میں پڑنے کا کوئی حق نہیں۔" اس نے دل ہی دل میں کہا۔ "وہ تو موت کا ہرکارہ ہے۔ میرے بھتیجے کا قاتل اور ڈچ مین کو کسی کتے کی طرح پیٹ کر سمندر میں پھینک دینے والا درندہ۔ اسے کسی دشواری میں مبتلا ہونے کا ذرا سا بھی حق نہیں۔ وہ تو ایک روز سنائیجو کا ماسٹر بنے گا۔"



خود کو پی جے کینی سمجھنے والے ٹائیگر کو ابھی تک اپنے ماضی کے بارے میں کچھ بھی یاد نہیں آیا تھا۔ لیکن اسے اتنا یقین ضرور تھا کہ اس کا ماضی بھی حال کی طرح خونسگوار ہو گا اس نے انگریز لڑکی کی تیز موجودگی میں اپنے پرس کا جائزہ لیا تھا۔ جس میں چار ہزار ڈالر موجود تھے۔ پی کے جانسن کے نام پر ایک پاسپورٹ کے سوا کوئی اور کاغذ نہیں ملا۔ یہ وجہ بھی نہیں معلوم ہوئی کہ اس پر گولیاں کس نے چلائیں اور سابو کا کی طرف سے ملنے والا برقبھی یہ نہیں بتا پا رہا تھا کہ پی جے کینی کون ہے۔

پھر جب وہ لڑکی واپس آئی تو ٹائیگر سب کچھ بھول کر اس میں گم ہو گیا۔ وہ میگی والٹرز تھی۔ اس نے پہلی بار بتایا کہ وہ میگی ہے آثار قدیمہ کی ماہر ہے اور یہ کہ اس کی پہلی ملاقات ہوٹل کی لابی میں ہوئی تھی اور اب وہ اسے خوش رکھنا اپنا فرض سمجھ رہی تھی۔

اس نے یہ فرض کئی کئی بار بہت خوبی سے ادا کیا۔

وہ دن بھر رات بھر اور پھر اگلی صبح تک ساتھ رہے اس دوران میگی نے کمرے سے باہر نکلنے کا سوچا تک نہیں کیونکہ پی جے کینی بہت عجیب معمولی ثابت ہو رہا تھا۔ میگی

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

اسی کی ہو رہی تھی۔ انہوں نے صبح کا ناشتہ بیڈ میں کیا۔ دوپہر کا کھانا بستر پر ہی کھایا اور رات کا کھانا بھی وہیں کھایا گیا۔

میں بہت خوش ہوں۔" میگی دالٹرز گنگنائی۔" میں اتنی خوش پہلے کبھی نہ تھی۔"

"مجھے اس بارے میں یاد نہیں کہ میں پہلے کبھی اتنا خوش رہا ہوں یا نہیں۔" ٹائیگر نے مسکرا کر کہا۔

"مجھے پتا چل گیا ہے کہ تم محض عجوزن نہیں ہو۔"

"تب پھر اور کیا ہوں۔" ٹائیگر نے پوچھا جس کا جواب کان میں ملا جس پر وہ ہنس کر بولا۔" سلو۔ ممکن ہے کہ عجوزنی میرا پیشہ اور یہ میرا شوق رہا ہو۔"

تب پھر تم انتہائی غلط پیشے میں ہو۔ تمہارا شوق ہی تمہارا پیشہ ہونا چاہیئے تھا۔"

تب ہی دروازہ دھڑ سے کھلا۔ چوکھٹ پر ایک لانبے قامت گوریلا نما شخص کھڑا ہوا نظر آیا۔ اس نے قمیص کی جگہ صرف بنیان پہن رکھی تھی۔ اس کا وزن کم سے کم دو سو پچاس پونڈ تھا۔ اس کی سرخ آنکھیں چمک رہی تھیں۔

وہ طاقت کی بہترین مثال تھا۔ اس کی نظریں ان دونوں پر جمی ہوئی تھیں۔

"ٹائیگر کو وٹ لے کر بیڈ سے اتر گیا اور میگی نے اپنے گرد چادر لپیٹ لی۔

"تم سے ایک غلطی ہو گئی ہے دوست۔ تم تیرتے ہوئے ایپارٹ اسٹیٹ بلڈنگ سے پانچ ہزار میل دور نکل آئے ہو۔" ٹائیگر نے انگوٹھے سے گوریلے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔" ویسے اگر کوئی تم پر حملہ کرے تو مجھے آواز دے لینا۔ اب جاؤ۔ شاباش۔" ٹائیگر اسے بچوں کی طرح پچکار رہا تھا۔

"تم پی جے کینی ہو؟" گوریلا کھردرے لہجے میں بولا۔ لیکن اس کی آواز بہت باریک تھی۔ ٹائیگر کو اس کا جثہ دیکھ کر اور آواز سن کر بے اختیار ہنسی آ گئی۔" ہاں میں ہی پی جے کینی ہوں۔" اس نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔

"بیرن سابو کا نے تمہیں طلب کیا ہے۔"

"اس وقت۔" ٹائیگر نے ہلکے پھلکے لہجے میں پوچھا ساتھ ہی اس کو یہ اطمینان محسوس ہوا کہ وہ اب یہ پتا چلانے لگا کہ وہ خود کون ہے؟" اس نے بڑھ کر الماری کھولی۔ اس دوران میگی بھی اٹھ کر تیار ہونے لگی تھی۔" چلو پی جے۔ اس نے مترنم لہجے میں کہا۔" بیرن کو انتظار کرانا مناسب نہیں۔" یہ کہتے ہوئے اس نے بلاؤز پہن لیا۔ اس کی یہ ادا دیکھ کر ٹائیگر کو ایسا لگا جیسے اس وقت جانا مناسب نہیں۔" چلو۔" وہ لپ اسٹک لگاتے ہوئے تیار ہو گئی۔

"تم نہیں۔" گوریلے نے میگی کی طرف اشارہ کر کے کہا" بیرن نے صرف کینی کو طلب کیا ہے۔"

"ہم ہر جگہ ساتھ جاتے ہیں۔" میگی اس بار ترش لہجے میں بولی۔

"نہیں تم نہیں جاؤ گی۔" گوریلا بولا۔ اس دوران ٹائیگر یہ سوچتا رہا کہ اس نے اس گوریلے کے بازو اور ہاتھ کو حال ہی میں کہاں دیکھا ہے۔ اسے بہت سوچنا پڑا۔ لیکن اسے کچھ نہیں آیا۔

"تم فکر نہ کرو میگی۔" وہ سر جھٹک کر بولا۔" میں تنہا جاؤں گا اور سیدھا واپس آؤں گا۔"

میگی کے کندھے جھک گئے۔ ٹائیگر اسے خدا حافظ کہہ کر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ خدا حافظ کہتے ہوئے میگی نے اس کے کان میں کہا تھا کہ وہ سابو کا سے بہت ہوشیار رہے اور یہ ظاہر نہ کرے کہ اپنی یادداشت کھو بیٹھا ہے۔

دروازے پر پہنچ کر ٹائیگر کو احساس ہوا کہ گوریلا ابھی تک اپنی جگہ سے نہیں ہلا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔ اور پھر غصے کی لہر اس کے جسم میں سرایت کر گئی۔ گوریلا دونوں ہاتھ پھیلا کر میگی کی طرف بڑھ رہا تھا۔ میگی بوکھلا کر بیڈ کے دوسری طرف کود گئی تھی۔ گوریلے کے چہرے پر بدنما سی مسکراہٹ تھی۔ اور آنکھیں کسی بھی تاثر سے عاری تھیں۔ میگی کے چہرے پر خوف کے تمام تاثرات تھے۔ اسی لمحے گوریلا لپکا۔ بیڈ کے اوپر سے کود اور اس نے نرم و نازک میگی کو دبوچ لیا۔ لیکن اسی لمحے ایک غضبناک سنسناتا ہوا بیڈ پوسٹ میں عین اس جگہ پیوست ہو گیا جہاں گوریلے کی پشت تھی۔ گوریلا اچھل پڑا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا اس وقت ٹائیگر کا ہاتھ جیب میں واپس جا رہا تھا۔" اگلی بار ایسی حرکت کرو گے تو خنجر کی نوک تمہارے حلق میں اتر چکی ہو گی سانڈ کی اولاد۔" ٹائیگر کا لہجہ خود اس کے لیے بھی اجنبی تھا۔

سرخ آنکھیں پی جے کینی پر جم گئیں ایسے لگا جیسے گوریلا واقعی کسی سانڈ کی طرح حملہ کر بیٹھے گا۔ لیکن اس نے کچھ سوچ کر میگی کو چھوڑ دیا۔

"ڈیسک کو فون کر کے اس کمرے کا قفل بدلوا دو جسے

اس شخص نے کمرے میں داخل ہونے کے لیے توڑا ہے۔" ٹائیگر نے خوف زدہ میگی سے کہا اور پھر جب گوریلا ایک قدم آگے نکل گیا تو وہ بھی کمرے سے چلا گیا۔

❖

"او سنو علی بابا! اگر تم کبھی امریکا آؤ تو ٹیکسی ڈرائیور بن جانا وہاں کے لوگ گونگے ٹیکسی ڈرائیوروں کو بہت پسند کرتے ہیں۔"

ٹائیگر نے یہ کہہ کر ٹیکسی کی پشت گاہ سے ٹیک لگا لی۔ کیونکہ گوریلا اب بھی کچھ نہیں بولا تھا۔ ٹائیگر نے اسے چھیڑنے اور بولنے پر اکسانے کی ہر ممکن کوشش کر ڈالی تھی۔ لیکن اب ایسا لگ رہا تھا جیسے گوریلے کے منہ میں زبان ہی نہ ہو۔ خود ٹائیگر کو اس شخص سے نفرت سی محسوس ہونے لگی تھی۔ کیونکہ اس نے میگی سے زیادتی کی کوشش کی تھی اور یادداشت کھول جانے والا ٹائیگر اب میگی کو صرف اور صرف اپنی ملکیت سمجھنے لگا تھا۔

ٹیکسی الجزیرہ سے گزرتی رہی۔ سڑکوں کے دونوں طرف سبزہ تھا ہر طرف نفاست اور حسن نظر آ رہا تھا۔ شاہراہیں اور گلیاں صاف ستھری تھیں۔ ٹیکسی پہاڑیوں کی طرف رواں دواں تھی۔ کچھ دیر بعد ٹیکسی صاف ستھری سیاہ سڑک چھوڑ کر بھوری سڑک پر چلنے لگی جہاں سامنے ایک پہاڑی پر قلعہ نظر آ رہا تھا یہ سفید قلعہ بادلوں میں چھپے ہوئے سفید آسمان کے نیچے بہت اچھا لگ رہا تھا۔ اس کی بڑی بڑی کھڑکیاں بہت نمایاں تھیں ٹائیگر پشت گاہ سے ٹیک لگائے اس سہلی کاپٹر کو گھورنے لگا جو قلعہ پر چکر لگا رہا تھا۔ ایسا لگا جیسے شہد کی مکھی کسی پھول پر بیٹھنے کے لیے پر تول رہی ہو۔ قلعہ کی چھت پر ایک ہیلی کاپٹر موجود تھا۔ جس کے پر نظر نہیں آ رہے تھے۔

"اس کا مطلب یہ ہے کہ سابو کا نے اپنی فضائیہ بھی بنا رکھی ہے۔"

ٹائیگر نے کھڑکی سے دیکھا۔ اب گاڑی جس نیم پختہ سڑک پر دوڑ رہی تھی۔ اس کے دونوں طرف گھنی جھاڑیاں تھیں۔ اور ایک باوردی مسلح شخص کچھ فلاج اسٹائل میں مشین گن سنبھالے ہوئے تھا۔ دوسری طرف بھی یہی صورتحال تھی۔ ڈرائیور اس وقت بہت مہارت سے گاڑی چلا رہا تھا گاڑی گھماتے ہوئے اس کا ایک بازو اس پوزیشن میں آیا کہ کہنی صاف نظر آنے لگی۔ ایک بار پھر ٹائیگر کے ذہن میں سرسراہٹ ہونے لگی۔ وہ کچھ یاد کرنے کی کوشش کرنے لگا۔" کیا یہ بازو میں نے پہلے بھی دیکھا ہے۔" لیکن اسے کچھ یاد نہیں آیا۔" شاید سابو کا اس بارے میں کچھ بتا سکے۔"

اس کے لیے سب سے دلچسپی کی بات یہ تھی کہ پی جے کینی کے بارے میں سب کچھ معلوم ہو سکے۔ اسے یقین تھا کہ یادداشت کی یہ محرومی عارضی ہے لیکن اس وقت وہ پی جے کینی سے متعلق معلومات میں زیادہ دلچسپی لے رہا تھا۔

سڑک اب صرف اتنی چوڑی رہ گئی تھی کہ ایک ہی کار گزر سکے۔ گاڑی جلد ہی ایک موڑ پر پہنچی اور موڑ سے گزرتے ہی ایک گیسٹ ہاؤس کے سامنے پہنچ گئی۔ راستے بھر دو مسلح افراد کھڑے ہوئے تھے۔ ان کی بغلوں میں اٹالین نظر آ رہی تھیں۔

جونہی انہوں نے کار اور اس کے ڈرائیور کو دیکھا فوراً راستے سے ہٹ گئے۔ گاڑی کی رفتار میں بھی کمی نہ ہوئی۔ کچھ ہی دور بعد چڑھائی آ گئی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ قلعہ کے قریب پہنچ چکے ہیں۔ اسی لمحے ایک جیٹ قلعہ پر نمودار ہوا۔ غالباً یہ طیارہ الجزیرہ ائیرپورٹ پر لینڈنگ کی تیاری کر رہا تھا۔ ٹائیگر نے سر اٹھا کر طیارے کو دیکھا اور نہ جانے کیوں سوچنے لگا کہ جن لوگوں کو الجزیرہ نہیں آنا چاہیئے وہ کیوں آ رہے ہیں؟

ایک اور موڑ سے گزر کر گاڑی بھربھری پر دوڑنے لگی اور پھر ایک کھلے حصے میں پہنچ گئی۔ یہاں وہ سنگی زینہ نظر آیا جو قلعہ کی پہلی منزل تک لے جاتا تھا۔ پارکنگ ایریا مختلف رنگوں کے پتھروں کا تھا۔ اور اس میں پچاس ساٹھ گاڑیاں کھڑی کرنے کی کافی گنجائش تھی۔ گاڑی سے بریک لگے۔ گوریلا گاڑی سے اتر گیا اور ٹائیگر کو پیچھے آنے کا اشارہ کرتا ہوا سنگی کی طرف بڑھ گیا۔ ٹائیگر کو بھی ایسا ہی کرنا پڑا۔ اوپر سنگ مرمر کا ایک کاؤنٹر بنا ہوا تھا۔ اور چوڑی بے چھت والی راہداری میں لوہے کی میزیں پڑی ہوئی تھیں۔ ایک طرف سلائیڈنگ گلاس ڈور کسی اسٹڈی نما کمرے میں کھل رہے تھے۔ راہداری سے ایک اور زینہ دوسری منزل کی طرف جا رہا تھا۔ جہاں ایک اور ایسی ہی چوڑی راہداری تھی۔

"تم یہیں انتظار کرو۔" گوریلے نے اپنی باریک آواز میں حکم دیا۔ یہ آواز سنتے ہی ٹائیگر پھر مسکرانے لگا۔ وہ گوریلے کے جانے کے بعد راہداری کی سنگی دیوار پر بیٹھ گیا۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا تو اندازہ ہوا کہ پہاڑیوں میں ایک نہیں بلکہ بے شمار لوگ چھپے ہوئے ہیں یہ سب شکاریوں کی وردیوں میں تھے مگر

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کو مجرموں کی جنت بنانے کے منصوبے ہیں تمہارے ملک کی مافیا میری رکاوٹ ہے وہ خود پھیلنا چاہتی ہے میں دیکھ رہا ہوں کہ فردوسی مافیا امریکی مافیا کے اشتراک سے اسکو مبا پر اپنے تسلط کی خاطر مجھ سے بہت طول و عرض جنگ کرے گی۔ اگرچہ مجھے اس جنگ سے کوئی خوف نہیں لیکن اس میں صرف وقت ضائع ہو گا پر لیشانیاں الگ ہوں گی اور میں خاص طور سے وقت کا زیاں اچھا نہیں سمجھتا۔"

"اصول کی بات ہے۔" ٹائیگر نے مبہم سے انداز میں کہا۔

"اس صورت حال کے پیش نظر میں نے اِدھر اُدھر دیکھنا شروع کیا۔ پھر تمہارا نام اور کام علم میں آیا۔ فردوس میں تم پر بہت اعتماد کیا جاتا ہے۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ لوگ تم سے خوف زدہ رہتے ہیں۔ لہٰذا جب اسکو مبا کے اقتدار کے سلسلے میں تمہارا نام کئے گا تو وہاں کی مافیا ہاتھ ڈالتے ہوئے محتاط ہو جائے گی کوئی بھی تختہ الٹنے کی تجویز پر عمل نہیں کرے گا۔ پھر وہاں کے نائب صدر ایسپرا کو بھی زیادہ ہمت ملے گی۔ ساتھ ہی وہ یہ سوچ کر خوف زدہ بھی رہے گا۔ کہ میرا ایک ایجنٹ اس کی گردن پر بیٹھا ہے اور اگر اس نے چال بازی کی تو اس کا ٹھکانہ بنا دیا جائے گا۔ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ تمہارے اپنے مفاد میں بھی ہے کیونکہ فردوس میں تمہارے سر کی قیمت لگی ہوئی ہے۔ میرے کہنے پر عمل کرنے سے تم زندگی کے ایک نئے درخشاں باب کا آغاز کرو گے۔ بے اندازہ دولت بے تحاشا اختیارات تمہارے قدموں میں ہوں گے۔ بس یہ سمجھ لو کہ تم بادشاہ ہو گے۔"

"بادشاہ۔" ٹائیگر نے کانٹا رکھ کر بڑی سنجیدگی سے کہا۔ "نہیں۔ لیکن تم نے دولت کا ذکر کیا ہے۔ کتنی دولت ہو گی؟"

"تم واقعی بہت عملی آدمی ہو۔" سابو کا آسودہ سے انداز میں مسکرانے لگا۔ "مجھے ایسے ہی لوگ پسند ہیں۔ جو دو ٹوک بات کرنا جانتے ہوں۔ بس یہ سمجھ لو کہ اسکو مبا میں جو کچھ بھی آئے گا اس کا دس فیصد تمہارا ہو گا۔"

"پھر بھی کتنی رقم بن جائے گی؟"

"سال بھر میں لاکھوں۔" سابو کا نے جواب دیا۔ ٹائیگر کو عجیب سی بے چینی محسوس ہوئی۔ وہ یقیناً قاتل تھا اور سابو کا اسے جیک پوٹ کی پیش کش کر رہا تھا۔ وہ یہ بھی محسوس کر رہا تھا جیسے اس کی تخلیق کا مقصد ہی تباہی ہو۔ لیکن اس کی خواہش تھی کہ اسے قاتلوں کی تیکنیک کے بارے میں معلوم ہوتا

"تم نے کچھ دیر قبل کہا تھا کہ میرا کام اب یہ ہو گا کہ ان لوگوں کو روکنے کی کوشش کروں جو تمہیں روکنے میں دلچسپی رکھتے ہیں۔ یہ کون لوگ ہیں؟" ٹائیگر نے بھیگی چبھتی گالی کا گھونٹ لیتے ہوئے بڑے کاروباری انداز میں پوچھا۔

"اس کا مطلب یہ ہے کہ میں نے جو تجاویز رکھی ہیں وہ تمہیں منظور ہیں کینی؟"

"یقیناً۔"

"تب بڑھاؤ ہاتھ۔" سابو کا قہقہہ مار کر کھڑا ہو گیا ساتھ ہی اس نے اپنا ہاتھ بڑھا دیا۔ ٹائیگر کو ایک بار پھر ایسا لگا جیسے سابو کا اس کے ہاتھ کو سختی کا قائل سمجھ بیٹھا ہو کامیابی کے لیے صرف تمہاری شراکت درکار تھی کینی۔"

سابو کا نے پُرجوش لہجے میں کہا۔ "چلو۔ اب میرے اسٹور روم میں چلو۔ وہاں تمہیں ہر قسم کا اسلحہ مل جائے گا۔ اس کے بعد ہم ان مسائل پر تبادلہ خیال کریں گے جن سے تم کو اگلے چند روز میں نمٹنا ہو گا۔"

اسلحہ خانہ قلعہ کے تہ خانے میں تھا۔ وہ وہاں تک لفٹ کے ذریعے پہنچے اور پھر ایک مقفل آہنی دروازے نے ان کی راہ روک لی۔ سابو کا نے جتنی دیر میں چابی نکالی اتنی دیر میں ٹائیگر نے بارود کی بُو محسوس کر لی۔ اسے ایسا لگا جیسے یہ شناسا سی بو ہے۔

اس دروازے سے گزر کر سابو کا نے لائٹ سوئچ آن کیا تو کمرہ نرم روشنی میں نہا گیا۔ یہ روشنیاں اوپر دیوار میں پوشیدہ تھیں۔

کمرہ پچاس فٹ لمبا اور اتنا ہی چوڑا تھا۔ اس میں سینٹ کی چھوٹی چھوٹی دیواریں کھڑی کر کے اس کے چھ خانے بنا دیے گئے تھے۔ اور ہر خانے کے آخری حصے پر قدِ آدم پتلے کھڑے ہوئے تھے۔

یہ شوٹنگ گیلری ہے۔" سابو کا نے اسے بتایا۔ "اور میرا اسلحہ یہاں ہے۔" اس نے ایک اور دروازہ کھولا ساتھ ہی لائٹ بھی جلا دی۔ کمرے میں درجنوں ریک تھے۔ بے شمار مشین گنیں ان پر سجی ہوئی تھیں۔ آٹومیٹک رائفلوں بندوقوں، پستول، چاقوؤں، تلواروں وغیرہ کا تو کوئی شمار ہی نہ تھا۔

"گڈ۔" ٹائیگر زیرِ لب مسکرانے لگا۔ وہ جانے کیوں اسے ایسا لگ رہا تھا۔ جیسے یہ سب کچھ پہلے بھی اس کے ساتھ

ہو چکا ہے۔

"یہ سامان بعض میرا شوق ہے۔" سابو کا نے کہا۔ "مغربی جرمنی میں ایک فیکٹری جتنا چاہوں اسلحہ فراہم کر سکتی ہے۔ تم اپنی پسند کی چیز خود منتخب کر لو۔"

ٹائیگر نے ایک رائفل کے قریب پہنچ کر ہینڈ گنز کا معائنہ کیا جو صاف ستھری اور رسٹی تھیں۔ کسی پر بھی ریت کا کوئی ذرہ تک تھا۔ اس نے ریک سے ۳۵۷ میگنم اور جرمن لیوگر منتخب کیا۔ لیوگر کو ہاتھوں میں تولا اور پھر واپس رکھ دیا۔ اس کے بعد اس نے ۳۸ کلیبر اسمتھ اینڈ ویسن پولیس ریوالور اٹھایا تو اسے ایسا لگا جیسے وہ اسے پہلے بھی استعمال کر چکا ہے۔

"میں خود بھی یہ ریوالور ہی پسند کرتا ہوں۔" سابو کا نے کہا۔ "آؤ۔ گولیاں فائرنگ لین میں چل کر تم ذرا اپنی مہارت کا مظاہرہ تو کرو۔" وہ ٹائیگر کا بازو پکڑ کر اسے گن اسٹال پر لے گیا جہاں اس نے ایک بٹن دبایا تو فائرنگ پینل سے آواز ہٹ گیا اور ایمونیشن کے ریک نظر آنے لگے۔ "خود نکال لو۔" سابو کا نے اسے دعوت دی اور خود لوڈنگ ٹیبل سے پانچ فٹ دور کرسی پر ڈھیر ہو کر ٹائیگر کو دیکھنے لگا جو پورا بازو پھیلا کر میگزین سے ایک پتلے کا نشانہ لے رہا تھا۔ اس نے لمبی دبائی تو پتلا اچھل کر ایک طرف جا گرا اور اس کی جگہ دوسرے پتلے نے لے لی۔ اس پتلے کے دل کے نیچے سرخ بتی جل رہی تھی اور یہ اس بات کا اشارہ تھا کہ پہلے پتلے کے گولی کہاں لگی ہے۔

"مشاقانہ۔" سابو کا اپنی رائے پیش کرنے لگا۔ "بہت اعلیٰ۔ اور وہ بھی کسی دوسرے کے ہتھیار سے۔ ایسا نشانہ کیا کہنے۔"

لیکن ٹائیگر کو اس بات پر طیش آ رہا تھا کہ گولی دل میں کیوں نہیں لگی۔ اس نے دل کا نشانہ لیا تھا۔ اسی طیش کے عالم میں اس نے تابڑ توڑ تین گولیاں چلائیں۔ تو پیشانی پر تین سُرخ روشن نشان نظر آنے لگے۔ ہر نشان کا دوسرے نشان سے فاصلہ محض ایک انچ تھا۔

"واہ۔" سابو کا اور زیادہ پُرجوش ہو گیا۔ "تمہیں یقیناً میگنم کے استعمال پر مہارت حاصل ہے۔ تمہارے لیے یہی بہترین ہتھیار ہے کینی۔"

تب ہی ٹائیگر کو احساس ہوا کہ اس کی پشت پر سابو کا کے سوا اور کوئی بھی ہے۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔ گوریلا نامو بھی سابو کا کے ساتھ کھڑا ہوا تھا۔ اس کے ہاتھ میں مونگ پھلیوں کے دانوں سے بھری ہوئی ٹرے تھی اور سابو کا سب کچھ بھول کر دانے مٹھیوں میں لے کر منہ میں بھر رہا تھا۔

نامو کی نظریں ٹائیگر پر جمی ہوئی تھیں۔

"کیوں گوریلے؟ کیا ہوا؟ کیوں گھور رہے ہو۔"

میرا نشانہ پسند نہیں آیا۔" نفرت کی ایک لہر ٹائیگر کو مشتعل سی کر گئی۔

نامو خاموش رہا۔

"سوری سابو کا۔ میں یہ بھول گیا تھا کہ جب تک تم اس کی زنجیر نہ ہلا دو۔ اس وقت تک یہ نہیں بولتا۔" یہ کہہ کر وہ پھر ٹارگٹ کی طرف پلٹ گیا۔ اس بار اس نے پولیس اسپیشل ہاتھ میں لیا۔ بہت تیزی اور مہارت سے اس میں گولیاں بھریں "یہ تمہارے اعزاز میں نامو۔" یہ کہہ کر اس نے پیچھے کی چھ گولیاں پتلے کے پیٹ میں مار دیں۔ اسپیشل رکھ کر وہ پلٹا۔ اس نے نامو کو گھورا۔ اس بار خاموش نامو کی آنکھوں میں نفرت کے سوا کچھ نہ تھا۔

"ویری گڈ۔ بہت اچھے کینی۔" سابو کا مونگ پھلی کے دانے منہ میں چباتا ہوا بولا۔

"لیکن مجھے یہ ہتھیار پسند نہیں ہیں۔" ٹائیگر نے خشک لہجے میں مطلع کیا۔

"پھر؟" سابو کا مجسم سوال بن گیا۔ اور ٹائیگر کو شدت سے یہ احساس ہوا کہ اس سوال کا جواب اس کے پاس نہیں اسے صرف یہ اندازہ ہوا تھا کہ آتشیں اسلحہ کا استعمال ضروری ہے۔ کسی نے اسے منع کیا ہے اور پابندی لگائی ہے کہ وہ گولہ بارود استعمال نہیں کرے گا کسی نے اسے بتایا تھا کہ وہی ہتھیار قابلِ بھروسا ہوتا ہے جو جسم کا حصہ محسوس ہو اور اسے یہ تمام ہتھیار جسم کا حصہ نہیں لگ رہے تھے۔

وہ اسٹور روم میں واپس گیا اس بار نامو اس کے پیچھے تھا لیکن خواہ مخواہ سر اور دروازے پر ہی رک گیا اس کی نظریں، ٹائیگر پر جمی رہیں۔ جو چاقوؤں کے ریک کے قریب کھڑا تھا۔ اس نے ہر چاقو اٹھا کر دیکھا۔ ان کے دستے اور ان کی دھار دیکھی۔ جو چاقو اچھا نہ لگا وہ واپس رکھ دیا۔ آخر چار چاقو اسے پسند آئے۔ اس نے یہ انتخاب لاشعوری طور پر محض احساس کی بنیاد پر کیا تھا۔ لیکن اسے یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ چاروں چاقو ایک ہی قسم کے تھے۔ وہ چاروں

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

اسی قسم کے تھے جس قسم کا خنجر اسے ہوٹل کے کمرے میں ملا تھا۔

وہ ناموکو تقریباً گھسیٹتا ہوا باہر نکلا، سابوکا کے قریب سے گزرا۔ اسے اندازہ تھا کہ سابوکا کو ناموسوالیہ نظروں سے دیکھ رہا ہے۔ پھر اس نے ناموکا سر بھی ہلتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔

اس کمرے سے قدرے دور دائیں طرف ایک گلیارہ تھا جس میں ٹارگٹ صرف بیس فٹ کے فاصلے پر تھا۔ ٹائیگر چاروں چاقو بائیں ہاتھ میں لے کر وہیں آگیا۔ اس نے ایک چاقو دائیں ہاتھ میں منتقل کیا۔ دایاں ہاتھ سر سے بلند کیا اور پھر پتلے کی طرف چاقو پھینک دیا۔ چاقو کی نوک پتلے کی کمر میں پیوست ہوئی اور پھر پورا چاقو اندر گھس گیا۔ لگے ہی لمحے دوسرا، پھر تیسرا چاقو پتلے کے لگا۔ چوتھا اس کے بائیں ہاتھ میں اس طرح تھا کہ اس کی نوک فرش کی طرف تھی۔ باقی تینوں چاقوؤں نے پتلے کی کمر پر شلٹ نما نشان بنا دیا تھا۔ ٹائیگر نے محض ایک لمحہ توقف کے بعد چوتھا چاقو ہاتھ نیچے کر کے ہی پھینکا اور وہ شلٹ کے وسط میں ترازو ہو گیا۔

"کیا کہنے کینی۔ بہت ہی اعلیٰ۔ کمال ہے۔ کمال کر ڈالا کینی۔" سابوکا اچھلنے لگا۔

لیکن ٹائیگر کو اس بار بھی وہی احساس ہوا کہ چاقو بھی اس کے لیے مناسب ہتھیار نہیں۔

"کمال ہے گن اور نائف دونوں میں بے مثال ہو۔" سابوکا اب بھی اچھل اچھل کر کہہ رہا تھا۔

ٹائیگر ٹارگٹ کی طرف بڑھ گیا۔ اس کے عقب میں ناموفائرنگ لین پر آگیا اس کی آنکھیں سابوکا پر مرتکز تھیں جو ایک کرسی پر ڈھیر ہو چکا تھا۔ معاً ہی سابوکا نے اثبات میں سر کو جنبش دی۔

اس نے ٹائیگر ڈمی کی کمر سے ایک چاقو نکالنے کے لیے ہاتھ بڑھا چکا تھا۔ اس نے معاً ہی ایک آواز سنی۔ یہ زناٹے کی آواز تھی، وہ ساکت ہو گیا اور ایک چاقو عین اس جگہ آکر ترازو ہوا جہاں سے ٹائیگر اپنا چاقو نکالنا چاہتا تھا۔

اس نے پلٹ کر دیکھا۔ ناموفن بیس فٹ کی دوری پر تھا۔ اس کے ہاتھ میں مزید تین چاقو تھے۔

"ناموکو بھی چاقو زنی میں اپنی مہارت پر ناز ہے کینی۔" سابوکا نے مسکرا کر کہا۔ "اب اس کا خیال ہے کہ اس فن میں اس کی مہارت کو تم چیلنج کر رہے ہو۔"

"بات ہتھیار کی نہیں ماسٹر۔" ناموئے پہلی بار گفتگو میں حصہ لیا۔ "بات دل کی ہے۔"

"وضاحت کرو ناموہ۔" سابوکا نے حکم دیا۔

"میرا نشانہ بزدلی کی طرف ہے میرے آقا۔" ناموکے بھاری لہجے میں جواب دیا۔ "یہ بزدلی ہے جس نے مسٹر کینی کو اچھا منتخب کرنے سے متعلق کشمکش میں ڈال رکھا ہے۔ میں نے خبر میں بلیک پینتھرز کو یہ کہتے سنا ہے کہ ایسے تمام لوگ بزدل ہوتے ہیں جو صرف فوج میں شامل ہو کر ہی جنگ لڑ سکتے ہیں۔"

ٹائیگر نے زور دار انداز میں قہقہہ لگایا۔ سابوکا نے اپنا بڑا سا منہ اٹھا کر اسے دیکھا۔ سابوکا پھر بولا۔ "میں مسٹر کینی کی آزمائش کرنے کی اجازت چاہتا ہوں ماسٹر۔"

"ناموہ۔ تم یہ بھول رہے ہو کہ مسٹر کینی ہمارے مہمان ہی نہیں بلکہ شریک بھی ہیں۔ تم اپنی اوقات بھول رہے ہو۔"

"اوہ نہیں۔" ٹائیگر نے ہلکے پھلکے انداز میں پیرن سابوکا سے کہا۔ "اگر پینتھرز نے اس کی تربیت کی ہے تو پھر مجھے فکر کی کوئی ضرورت نہیں۔ تم اجازت دے دو۔"

"ٹھیک ہے۔" اس نے ناموکی طرف دیکھ کر سر ہلایا۔ اس کے ساتھ ہی گردیلے نے دایاں ہاتھ سر سے بلند کر لیا۔ جس میں چاقو تھا۔

"ایک منٹ۔ کینی کو تو اپنی پسند کا اسلحہ لینے دو۔" سابوکا نے چلا کر کہا۔

"نہیں میرے پاس ہتھیار موجود ہیں۔"

"کہاں؟" سابوکا کا بڑا سا منہ کھلا رہ گیا۔

"میرے ہاتھ میرے ہتھیار ہیں۔" ٹائیگر کو یوں لگا تھا جیسے وہ گھنٹوں سے یہی جملہ کہنا چاہتا تھا۔ جونہی اس نے یہ جملہ ادا کیا اس کا دل و دماغ ہلکا پھلکا ہو گیا۔

"ناموسے ہاتھوں کے ذریعے دفاع کرو گے؟" سابوکا غیر یقینی کیفیت میں پوچھنے لگا۔

"تم شروع کرو رات کی اولاد۔ مجھے جلدی ہے۔ شہر میں ایک لڑکی سے بھی ملنا ہے۔" ٹائیگر ہنس کر استہزائیہ انداز میں بولا۔

"اسی انگریز بیسلوا سے۔" ناموکا لہجہ بھی زہریلا تھا اب اس کا ہاتھ پھر بلند ہو رہا تھا۔ "یہ محض اتفاق ہی ہے کہ وہ اب تک زندہ ہے۔" یہ کہتے ہی اس نے چاقو دے مارا۔ ٹائیگر تیار تھا۔ زناٹے کی خاص آواز سنتے ہی اس کے قدم ساکت ہو گئے نظریں چاقو پر جمی رہیں اور پھر جونہی چاقو اس سے صرف ایک

فٹ کے فاصلے پر رہ گیا تو اس نے صرف کمر ہی ذرا سی ادھر چاقو کے قریب سے گزر گیا وہ کندھے اچکا کر دو قدم آگے بڑھ گیا۔ "شاید ٹارگٹ زیادہ دور تھا ناموہ۔" کیا تمہیں تمہارے پینتھرز نے یہ نہیں بتایا تھا کہ موت کے ہرکارے کو کس طرح شکست دی جاتی ہے۔"

خبیث۔" ناموئے دانت پیستے ہوئے دوسرا چاقو بھی دے مارا۔ اس بار ٹائیگر اپنی جگہ پر ساکت نہیں ہوا وہ تو ناموکی طرف بڑھ رہا تھا۔ اور اس بار بھی چاقو ٹائیگر کے کندھے کے اوپر سے گزر گیا۔ ناموکے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ اس کے بائیں ہاتھ میں اب صرف ایک ہی چاقو باقی بچا تھا۔ اس نے وہ چاقو بھی سیدھا کیا، ہاتھ سر سے بلند کیا۔ اس دوران ٹائیگر اس کے اور قریب آچکا تھا۔ تب ہی ناموئے اس یقین کے ساتھ چاقو پھینکا کہ اس بار نشانہ خطا نہیں ہوگا۔ چاقو ٹائیگر کی کمر کی طرف تیرتا ہوا گیا۔ اور پھر ناموکو خوف زدہ ہو جانا پڑ گیا۔ کیونکہ چاقو ہاتھ بڑھا کر ٹائیگر نے فضا ہی سے اچک لیا تھا۔ ٹائیگر نے چاقو کو حقارت آمیز لہجے میں دیکھا۔ "اگر تم مرد ہوتے تو میں یہ چاقو اس جگہ مارتا جہاں تمہیں تکلیف محسوس ہوتی ناموہ۔" یہ کہتے ہوئے اس نے چاقو فرش پر پھینک دیا۔

وہ اور آگے بڑھا۔

"میں تمہارا بازو پہچان گیا ہوں ناموہ۔ تم ہی نے مجھ پر گولی چلائی تھی نا؟ اب وہ ناموسے صرف پانچ فٹ دور تھا۔

"میں نے لڑکی پر گولی چلائی تھی لیکن یہ میری بدقسمتی ہے کہ تم دونوں ہی بچ گئے۔" ناموغرا کر بولا اور پھر کسی چیتے کی مانند فضا میں بھر کر اس نے ٹائیگر کی کمر اپنے دونوں بازوؤں میں جکڑ لی۔ لیکن اگلے ہی لمحے ٹائیگر اس کے حصار سے نکل کر ایک گز دور کھڑا تھا۔ جبکہ ناموایک طرف گرا ہوا تھا۔ لیکن وہ بہت پھرتی سے اٹھا۔ وہ ایک خاص انداز میں ٹائیگر کی طرف بڑھ رہا تھا لیکن جوں ہی وہ ٹائیگر کے قریب پہنچا اس کے بائیں پیر کی پنڈلی پر ٹائیگر نے جوتے کی ایڑی سے ضرب لگائی اور ناموپھر گر گیا اس بار وہ چلایا بھی تھا۔ "سامراجی کتے۔" ساتھ ہی اس نے اٹھ کر ریلیس سپیشل اور میگنم کی طرف دوڑ لگائی تھی لیکن اس کی رفتار ٹائیگر کی رفتار سے بہت سست تھی۔ اس نے ایمونیشن کی دراز کھول کر اس میں ہاتھ بھی ڈال دیا تھا۔ تاہم ایمونیشن نکالنے کی حسرت دل ہی میں رہ گئی۔ کیونکہ ابھی اس کا ہاتھ اندر ہی تھا کہ ٹائیگر نے وہاں پہنچ کر دراز بند کر دی ہڈیاں چٹخنے کی آواز سب ہی کو بہت واضح طور پر سنائی دی۔ ناموو ہیں ڈھیر ہو گیا۔ ٹائیگر نے میگنم اٹھا کر باقی بچی ہوئی گولیاں دراز پر داغ دیں۔ گولیاں تختے میں گھسیں تو کرچیاں ناموکے پیوست ہونے لگیں اور وہ درد کے مارے ڈکرانے لگا۔ اس کے سر تھ ایک گولی کے اندر گھس کر پھٹنے سے دوسری گولیاں بھی پھٹنے لگیں۔ تو ناموبری طرح تڑپنے لگا۔ وہ اس بار چیت گرا تھا اور اس کے ہاتھ آہستہ آہستہ از خود دراز سے باہر نکل رہے تھے۔ ان ہاتھوں کے نیچے شاید دراز ہی میں رہ گئے تھے۔

"یہ لو۔" ٹائیگر نے خالی میگنم ناموکے سینے پر ڈال کر کہا۔ "اسے کہتے ہیں کھیل۔ پھر وہ سابوکا کی طرف پلٹا۔ "اگر تم اسے شیپنٹرز سے ملنے سے روک لیتے تو اس کا یہ حشر نہیں ہونا سابوکا۔"

"لیکن سابوکا کو اپنے خواجہ سرا کے مرنے کی کوئی خلش نہ تھی وہ تو ٹائیگر کے ہاتھوں کا کمال دیکھ کر بے قابو ہو چکا تھا۔ اس نے دونوں ہاتھ تھام کر انہیں ہلانا شروع کر دیا۔ دم توڑتے ہوئے ناموکی طرف دیکھا تک نہیں۔

"تم نے کہا تھا کہ اسٹور روم کے بعد ہم بعض مسائل پر گفتگو کریں گے۔" ٹائیگر نے اپنے ہاتھ چھڑاتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔" سابوکا کی آنکھیں اب بھی چمک رہی تھیں۔

"تب پھر بتاؤ کہ مجھے کیا کرنا ہے۔"

"امریکہ ہمارے وزارع نے اطلاع دی ہے کہ دو امریکی ہمیں پریشان کر سکتے ہیں۔ ان میں سے ایک چینی ہے اور ایک امریکی۔"

"ان کے نام؟"

"امریکی نوجوان کا نام شہزاد ہے اور چینی کا نام اوشان۔"

"اور تم چاہتے ہو کہ میں۔۔۔۔"

"انہیں قتل کر دو۔ یہ کام پی جے کے لیے بچوں کا کھیل ہی ثابت ہوگا۔" سابوکا زور دار قہقہہ مار کر بولا۔

※

رات کے وقت ٹائیگر سابوکا کی دی ہوئی نئی چمچاتی ہوئی کار میں الجزیرہ کی آبادی والے علاقے میں پہنچا تو اس نے رفتار کم کر دی۔ وہ اپنی نئی حیثیت کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ یہ ایسا ہی تھا کہ کوئی رات کو سونے اور صبح بیدار ہونے پر اسے علم ہو کہ وہ انتہائی خطرناک قاتل ہے۔ اس وقت وہ اپنے پہلے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

مشن کے بارے میں بھی سوچ رہا تھا۔ دو افراد کو قتل کرنا تھا اور اسے یقین تھا کہ وہ یہ کام زیادہ آسانی سے کرلے گا۔

شہزاد اور اوشان۔ اسے دونوں نام سنے ہوئے لگ رہے تھے۔ خاص طور سے کسی امریکی کے لیے شہزاد ہونا اس کی سمجھ سے بالاتر تھا۔ پھر آہستہ سے نہ جانے کس سمت سے اس کے ذہن میں اس خدشے نے جنم لیا کہ یہ دونوں اس سے زیادہ ماہر نہ ہوں۔

اسے یہ اطمینان تھا کہ اس کی یاد داشت ایک آدھ روز میں واپس آجائے گی۔ اس کے بعد وہ زیادہ بہتر طور پر اپنے آپ کو سمجھ سکے گا۔

پھر اس کے لبوں پر عجیب سی مسکراہٹ دوڑ گئی۔ امریکہ کے دو ایجنٹ اس کے ہاتھوں قتل ہونے والے تھے۔

"ایجنٹ" اس نے زیر لب کہا۔ میگی والٹرز کا سراپا نظروں میں گھوم گیا۔ "وہ بھی تو ایجنٹ ہے۔ سابو کا کے کہنے کے مطابق نامو نے برطانوی ایجنٹ کو قتل کرنے کی کوشش کی تھی۔"

اسٹار کار اسٹون وال کے سامنے روک کر کھلی چھوڑ دی اور خود اتر کر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ اسی لمحہ عقب سے سیٹی بجائی گئی اسے پلٹنا پڑا۔ "کیا بات ہے؟" اس نے پولیس والے سے پوچھا۔

"یہ کار کس کی ہے؟"

"سابو کا کی۔ کہیں کیا ہوا؟" ٹائیگر نے مڑ کر پوچھا۔

"کک کچھ نہیں جناب۔" سابو کا کا نام سنتے ہی پولیس افسر بھیگی بلی بن گیا۔ "میں تو صرف یوں ہی پوچھ رہا تھا۔"

"گاڑی پر نظر رکھنا۔" اس بار ٹائیگر نے حکم دیا تھا۔

پھر وہ اندر چلا گیا۔ جہاں اب اچھی خاصی لوگوں کی بڑی تعداد موجود تھی۔ وہ سب آپس میں گفتگو کر رہے تھے۔ لیکن یہ بات واضح تھی کہ ہر کوئی دوسرے کو اپنے سے کم تر سمجھ رہا تھا۔ ٹائیگر کے اندر داخل ہوتے ہی تقریباً سب ہی نے پلٹ کر اسے دیکھا لیکن کسی چہرے پر کوئی تاثر نمودار نہ ہوا۔ ایک طرف اخبار سامنے کیے ہوئے افراد نے بھی اسے بغور دیکھا۔

لیکن کسی نے پی جے کینی کو تبدیل نہیں کیا۔

وہ سیدھا لفٹ کی طرف بڑھ گیا اس سے قبل اس نے ایک ایسی لفٹ کا دروازہ بند ہوتے دیکھا تھا جس میں ایک قبا نظر آرہی تھی۔

کمرے کا تالہ بدل گیا تھا۔ لہٰذا اس کے پاس موجود چابی بیکار ہو چکی تھی اس نے دستک دی تو اسے اگلے ہی لمحے ایسی آواز سنائی دی جیسے کسی نے ریسیور رکھا ہو۔ اس کے بعد میگی کی مدھم آواز آئی۔ "کون ہے؟"

"پی جے۔"

"اوہ جان۔" میگی نے فوراً دروازہ کھول دیا اور اس کی کھلی ہوئی باہنوں میں آگئی۔ "تم بہت دیر بعد آئے ہو۔" اس نے شکوہ کیا۔

"ہاں۔ لیکن فارغ ہوتے ہی آگیا ہوں۔" وہ ہنس پڑا۔

"ٹھیک ٹھاک لگ رہے ہو۔" وہ دو قدم دور ہٹ کر اس کا جائزہ لینے کے بعد بولی۔ "کوئی ٹوٹ پھوٹ نہیں ہوئی؟"

"ہاں۔ کوئی خاص بات نہیں ہوئی۔"

"دیکھو پی جے۔ میں میگی ہوں۔ تمہاری میگی۔ مجھے تاریکی میں مت رکھو۔"

میگی اس سے بہت سے کچھ اگلوانا چاہتی تھی۔ لیکن ٹائیگر نے اسے اس کا موقع ہی نہیں دیا اور میگی کو تاریکی میں رکھنے کے لیے لائٹ گل کر دی۔

کئی گھنٹے بعد میگی خود ہی سو گئی اس کے حسین چہرے پر ملیح سا تبسم تھا اور ہونٹ وا تھے۔ وہ مطمئن اور تھکی ہوئی تھی پھر ٹائیگر کی بھی آنکھ لگ گئی۔ لیکن ٹھیک آٹھ بجے ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے سے اس کی آنکھ کھل گئی۔

"یس" اس نے ریسیور اٹھا کر کہا۔

"میں بیل کیپٹن بول رہا ہوں سر۔ مجھے حکم ملا ہے کہ ہوٹل میں آنے والے ہر شخص کے بارے میں آپ کو بتاؤں۔"

"کون آیا ہے؟"

"ایک بوڑھا چینی۔ اس کا نام اوشان ہے۔ کمرہ نمبر ۲۵۲۷ میں مقیم ہے۔"

"اوہ۔" ٹائیگر چونک پڑا۔ "اس کے ساتھ کوئی اور بھی ہے۔"؟

"نہیں جناب۔"

"ہوٹل میں شہزاد نامی کوئی شخص مقیم ہے؟"

"نو سر۔" بیل کیپٹن نے غالباً فہرست دیکھنے کے بعد جواب دیا تھا۔

"تو وہ کمرہ نمبر ۲۵۲۷ میں ہے۔"

"یس سر۔"

"تھینک یو بیل کیپٹن۔" ٹائیگر نے ریسیور رکھتے ہوئے میگی کی طرف دیکھا جو اسی کی طرف کروٹ لیے محو خواب تھی۔ وہ دھیرے سے اٹھا۔ اس نے غسل کیا اور سیاہ قمیص، ٹینس شوز اور سیاہ پتلون پہن کر کمرہ نمبر ۲۵۲۷ میں جانے کے لیے باہر نکل آیا۔ اسے یقین تھا کہ اوشان نامی شخص یقیناً کوئی سوو ریسلر نکلے گا۔ لیکن نامو کو شکست دینے کے بعد اسے سوو میلوں کی بھی پروا نہ رہی تھی اسے ایک خوشگوار سا احساس ہوا تھا۔

کمرہ نمبر ۲۵۲۷ کے باہر وہ رک گیا اس نے دروازے سے کان لگایا تو اسے عجیب سی آواز سنائی دی، ایسا لگا جیسے کوئی گنگنا رہا ہو۔ تاہم کوئی لفظ اس کے پلے نہیں پڑا۔ صرف یہ احساس ہوا کہ اس نے یہ آواز اور یہ زبان پہلے بھی کہیں سنی ہے اس نے دروازے کی ناب پر ہاتھ رکھ کر اسے گھمایا تو بے آواز دروازہ کھلتا چلا گیا۔ پھر وہ سامنے کی دیوار میں کھلا اندر دیکھنے لگا اندر۔ قالین پر ایک بوڑھا اور تنحنی سا شخص دروازے کی طرف پشت کیے بیٹھا تھا۔ اگرچہ وہ بوڑھے کا چہرہ نہ دیکھ سکا لیکن اسے یہ اندازہ لگانے میں کوئی دقت نہیں ہوئی کہ وہ بوڑھا بہت ہی لاغر سا ہے۔ "اس کا وزن بمشکل سو پونڈ ہوگا۔" وہ سوچنے لگا۔ "اور عمر۔ ۸۰ سال سے تو زیادہ ہوگی۔"

بوڑھا اب بھی سر اٹھائے، کمرے کی کسی کھڑکی کو گھورتا ہوا گنگنا رہا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ گود میں تھے۔ ٹائیگر نے اندر داخل ہو کر احتیاط سے دروازہ بند کر دیا لیکن پھر اسے یہ اچھا نہ لگا کہ بوڑھے کے ہوشیار ہوئے بغیر اسے چھاپہ مارے لہٰذا اس نے دروازہ کھلا رہنے دیا اور اس بار دھمکے سے بند کر دیا۔ لیکن بوڑھے نے کوئی حرکت نہ کی۔ پلٹ کر بھی نہیں دیکھا یا تاثر ہی نہیں ملا کہ اس نے دروازہ بند ہونے کی زوردار آواز سنی ہے گو اب بھی گنگنانے کی آواز ٹائیگر کو سنائی دے رہی تھی تو وہ یہی سمجھتا کہ بوڑھا سو گیا ہے۔

"ممکن ہے بہرا ہو۔" ٹائیگر نے سوچا اور پھر آواز دی

"اوشان۔" یہ آواز سنتے ہی بوڑھا بہت پروقار انداز میں کھڑا ہو کر پلٹا اس کے چہرے پر انتہائی پرسکون مسکراہٹ ابھر آئی

"شہزاد کہاں ہے؟" اوشان نے پوچھا۔ اس کے لہجے کی تمکنت پی جے کینی سے چھپی نہ رہ سکی۔

"ڈیما بازی بند کرو۔ تم بتاؤ کہ شہزاد کہاں ہے؟"

ٹائیگر نے جھلا کر پوچھا۔ اسے پتا تھا کہ شہزاد نے اوشان سے ایسے لہجے میں خواب میں بھی بات نہیں کی ہے۔

"تم ماسٹر آف سناجو سے کس لہجے میں بات کر رہے ہو۔" اوشان کی پیشانی پر ایک رگ لمحہ بھر کے لیے پھڑکی اور پھر غائب ہو گئی۔

"یہ سناجو کیا بلا ہے؟ بانگ کانگ کا کوئی قصبہ؟"

تب ہی اوشان نے اسے بغور دیکھا۔ اس چہرے کو دیکھا جس کے پیچھے موت کے ہرکارے کا اصل چہرہ چھپا ہوا تھا۔ اس نے ٹائیگر کو لعنت ملامت کرنے کا ارادہ فوراً ترک کر دیا بلکہ خاموش رہنے کا فیصلہ کر لیا۔

ٹائیگر نے ایک اور قدم بڑھایا، اس کے چلنے کا انداز وہی پرانا تھا۔ اس نے دونوں ہاتھ کمر پر رکھ لیے۔ یہ حملہ کا انداز تھا۔ اور اوشان ٹائیگر کی طرف سے حملہ ہرگز نہیں چاہتا تھا۔

اسے موت کے ہرکارے سے محبت تھی۔ اس نے شہزاد کو ٹائیگر بنانے کے لیے صرف ذہن ہی سے نہیں دل سے بھی کام لیا تھا۔ اور وہ یہ نہیں چاہتا تھا کہ ٹائیگر اس پر ہاتھ اٹھائے۔

لیکن اسے سناجو کی بھی فکر تھی۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ اگر وہ مر گیا تو اس کے گاؤں کے باشندوں کا پیٹ کون بھرے گا؟ لہٰذا یہ حقیقت تھی کہ اگر ٹائیگر حملہ کرتا تو اوشان سناجو کو تباہی سے بچانے کے لیے مقابلہ کرتا اور مقابلے کا نتیجہ ٹائیگر کی موت ہوتا۔ اس موت کا مطلب اوشان کی موت کے سوا کچھ نہ ہوتا۔ وہ جانتا تھا کہ شہزاد کے مرنے کے بعد وہ پھر کبھی کسی کو تربیت نہیں دے سکے گا۔ موت کا ہرکارہ پھر کبھی جنم نہیں لے گا۔

اوشان کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ مگر اس نے طویل سانس لے کر فوراً ہی دل کی دھڑکنیں قابو میں کر لیں۔

خود کو پی جے کینی سمجھنے والا ابھی تک اوشان کو گھور رہا تھا اس کا ذہن ہمکنے پہ کام کر رہا تھا..... مگر دل کی عجیب کیفیت تھی اسے ایسا لگا کہ کہیں دور سے کوئی کہہ رہا ہو کہ بانس سے بھی

پراسرار اور خوفناک کہانیاں جنہیں پڑھتے ہوئے آپ چونک اٹھیں گے
انوار صدیقی کے پراسرار قلم سے
آسیب زدہ قیمت =/110
دستک قیمت =/100
مکتبہ القریش سرکلر روڈ اردو بازار لاہور
فون 7668958

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

پنج کر رہو۔ اس کی بھی توہین نہ کرو۔ اگرچہ بانس بھاری نہیں ہوتا ہے لیکن جب طوفان آتا ہے تو بھاری درخت گر جاتے ہیں اور بانس ان کے حشر پر جھوم جھوم کر قہقہے لگاتا رہتا ہے

اس کا دل کہہ رہا تھا کہ اس کے سامنے موجود بوڑھا طوفان ہیں قہقہے لگانے والے بانس کی طرح خطرناک ہے۔

اس کے پورے جسم میں سنسنی کی لہر سی دوڑ گئی۔

اسی لمحے وہ آگے بڑھا لیکن عقب سے آنے والی آواز نے اس کے قدم روک لیے اس نے پلٹ کر دیکھا۔ اسے یہ پروا بھی نہ رہی کہ اوشان عقب سے حملہ کر دے گا۔

چوکھٹ پر جیگی کھڑی ہوئی تھی۔ اس نے ہلکا آسمانی اور پاریک لباس پہن رکھا تھا اور شانے پر شولڈر بیگ جھول رہا تھا۔

"میں نے تم سے کہا تھا کہ کمرے ہی میں رہنا۔" ٹائیگر غصیلے انداز میں بولا۔

"ہاں۔ مگر آنکھ کھلی تو تم نہ تھے۔ میں گھبرا کر نکل آئی" جیگی نے ایک ادائے دل ربائی سے ٹھنک کر جواب دیا۔

"یہ گھبرانے کی کوئی بات نہیں تھی۔" ٹائیگر جھلا اٹھا۔

"چلو۔ اپنے کمرے میں چلو۔" جیگی پلٹی تو شولڈر بیگ ٹائیگر کی ران سے رگڑ گیا تب ہی اسے احساس ہوا کہ بیگ میں کوئی بھاری چیز موجود ہے یہ محض اس کا قیاس تھا کہ بیگ میں جیگی اعشاریہ ۳۲ رکھ کر نکلی ہے۔

"تم یہیں انتظار کرنا مسٹر۔" اس نے پلٹ کر اوشان سے کہا اور جیگی کو تقریباً کھینچتا ہوا اپنے کمرے میں لے آیا۔ "اب تم کمرے سے نہیں نکلو گی۔" اس کا لہجہ بگڑا ہوا تھا۔ جیگی سہم سی گئی۔ ٹائیگر نے دروازہ دھڑ سے بند کیا اور واپس کمرہ نمبر ۱۲۷ کی طرف بڑھ گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ شاید اوشان اس موقعہ سے فائدہ اٹھا کر نکل گیا ہو لیکن اس کی چھٹی حس اس سوچ کی تردید کر رہی تھی۔

اوشان اپنے کمرے میں جہاں کھڑا تھا وہیں کھڑا ہوا ملا تب ہی ٹائیگر کو اس پر رحم سا آنے لگا۔

"ٹھیک ہے بوڑھے۔" اس نے ایک طویل سانس لی "اب تم بے چوں و چرا میرے ساتھ چلو گے۔"

"مگر کہاں؟"

"اس سے تمہیں کوئی دلچسپی نہیں ہونی چاہیئے۔" ٹائیگر نے ترش انداز میں جواب دیا۔ "ویسے فکر مت کرو



جب تمہارے ساتھی شہزاد کو علم ہوگا کہ تم کہاں ہو تو وہ بھی وہیں پہنچ جائے گا اور پھر میں تم دونوں کا مسئلہ حل کر دوں گا۔"

"تم ہمیشہ ہی سے منطق کے ماہر رہے ہو۔" اوشان نے مسکرا کر کہا۔ اسے وہ مقدس روایت یاد آ گئی جب باپ کو حکم ملا تھا کہ بیٹے کو قربان کر دے۔

وہ بہرحال ویسا باپ نہ تھا اسے خوشی تھی کہ اب فی الحال ٹائیگر سے مقابلے کا خطرہ ٹل گیا ہے۔

وہ خاموشی سے ٹائیگر کے ساتھ کمرے سے نکل کر راہداری میں آ گیا۔ جہاں موجود لوگوں کے محافظ بھی کھڑے تھے ان سب کی نظریں انہی دونوں پر جم کر رہ گئیں۔ غالباً گزشتہ شب کچھ لوگوں کو علم ہو گیا تھا کہ جی کینی بھی ہوٹل میں موجود ہے۔

اوشان ٹائیگر کے پیچھے چلتا رہا۔ ٹائیگر کو خوشی تھی کہ اس بوڑھے نے مزاحمت نہیں کی۔ وہ اپنی نئی گاڑی میں ڈرائیونگ سیٹ سنبھالتے ہوئے بھی یہی سوچ رہا تھا کہ کاش بوڑھے پر ہاتھ اٹھانے کی نوبت نہ آئے۔

گاڑی جلد ہی سابو کا کے قلعے کی طرف دوڑنے لگی۔

اچانک اوشان اپنے مخصوص انداز میں ہنسنے لگا۔

"تم ہنس کیوں رہے ہو۔؟" ٹائیگر نے نرم لہجہ میں پوچھا

"یہ سوچ کر ہنس رہا تھا کہ ہم چڑیا گھر کی سیر کے لیے چلیں تو کتنا لطف آئے گا۔"

ٹائیگر کے ذہن میں جھماکا سا ہوا۔ یوں لگا جیسے اس نے کسی کو چڑیا گھر کی سیر کرانے کا وعدہ کر رکھا ہے۔

"... یہ تفریحی دورہ نہیں اوشان۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ "جونہی شہزاد یہاں پہنچے گا تو تم دونوں کو....." یہ کہنے کے بعد اس نے جملہ مکمل کرنے کی بجائے انگلی گردن پر اس طرح پھیری جیسے چاقو چلا رہا ہو۔

"ہم نے ایسا کیا قصور کیا ہے میں کی ہمیں اتنی کڑی سزا دی جانے والی ہے۔؟" اوشان نے پوچھا۔

"تم سے کوئی ذاتی پرخاش ہرگز نہیں۔ میرے باس سیرن سابو کا نے خاتمے کا حکم دیا ہے اور بس۔"

"تم کون سے ہتھیار استعمال کرتے ہو؟" اوشان نے پوچھا

"اپنے ہاتھ۔"

"بہت عمدہ۔ خالص آدمی خالص ہتھیار ہی استعمال کرتا ہے۔ اصلی پن فن کا طرۂ امتیاز ہوتی ہے۔ مجھے شہزاد ذرا بھی پسند نہیں۔ کہو تو اس کی کمزوریوں کے بارے میں بتا دوں؟"

"بتاؤ۔" ٹائیگر کو صرف یہ خوف تھا کہ کہیں اوشان اس کا ذکر چھیڑ نہ لے بیٹھے۔

"تم اس کے منہ پر ضرب لگانا۔ وہ ڈھیر ہو جائے گا"

"بس۔ منہ پر ضرب لگانے سے؟"

"ہاں۔ کیونکہ ممکن ہے کہ اس وقت اس کے منہ میں خون اور غذا بھری ہوئی ہو۔ مٹھائی۔ شراب اور گوشت خون کو فوراً خالص کر دیتی ہیں۔"

"ان چیزوں کے استعمال میں کوئی نقصان نہیں ویسے وہ اس کے علاوہ اور کیا کھا سکتا ہے۔"

"ابلے ہوئے چاول۔ ابلی ہوئی مچھلی۔"

"اوہ۔" ٹائیگر نے اوشان کو بغور دیکھا۔ "کل رات میں نے بھی ڈنر پر ابلے ہوئے چاول اور مچھلی کھائی تھی حالانکہ مجھے یہ چیزیں ذرا بھی پسند نہیں اور اس وقت میں جو چاہتا کھا سکتا تھا۔ پتا نہیں میں نے چاول اور مچھلی کا ہی انتخاب کیوں کیا؟"

"اس کا تمہیں جلد علم ہو جائے گا۔ میرے بچے۔" اوشان نے بڑی محبت سے جواب دیا۔ "ذرا یہ تو بتاؤ کہ قاتل کی اپنی زندگی کیسی ہوتی ہے۔ کیا بہت انعام واکرام ملتا ہے؟ تم یہ کام کیوں کرتے ہو؟"

"دولت کے لیے۔ بس اسے نوکری سمجھ لو۔"

"کیا معقول رقم مل جاتی ہے۔؟" اوشان نے پوچھا

"معقول کی حد سے بھی زیادہ۔ میں بہت امیر آدمی ہوں۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ اس وقت اسے یہ گفتگو بری نہیں لگ رہی تھی۔

"تم یقیناً بہت امیر آدمی ہو گے۔ تم دنیاوی اعتبار ہی سے نہیں بلکہ روح کی پاکیزگی کے معاملے میں بھی بہت امیر اور تمہاری ماں کو تم پر فخر ہوتا ہو گا۔"

"ماں۔" ٹائیگر کے دل نے ایک زبردست قلابازی کھائی اور پھر اس کا چہرہ سُست گیا۔ "اب تم فضول باتیں کرنے لگے ہو۔ لہٰذا منہ بند رکھو۔"

"میں معذرت خواہ ہوں میرے بچے لیکن یہ سچ کہہ رہا ہوں میرے اعصاب جواب دیتے جا رہے ہیں کہ دنیا میں واحد مکمل قاتل اور شریف النفس پی جے کینی کے ہاتھوں موت لکھی ہے۔" یہ کہہ کر اوشان نے بچے کی طرح ہنسنا شروع کر دیا لیکن اس کی اس عجیب ہنسی پر ٹائیگر کو کوئی اچنبھا نہ ہوا

"بس ایک منٹ کے لیے منہ بند رکھو۔" ٹائیگر نے یہ بات عقب نما میں کچھ دیکھ کر چونکتے ہوئے کہی تھی۔ "ہمارا تعاقب کیا جا رہا ہے۔" ساتھ ہی اس نے رفتار بڑھا دی اور گاڑی کا رخ بھی۔ کچھ ہی دیر بعد اسے یقین ہو گیا کہ ایک سیاہ جیگوار اس کے تعاقب میں ہے۔ تعاقب کا طریقہ بہت ماہرانہ تھا۔ گاڑی کبھی ٹائیگر کی کار کے بالکل پیچھے نظر آتی تھی تو کبھی دو تین کاروں کے بعد۔ ٹائیگر نے بائیں طرف گاڑی موڑ کر اس کی رفتار کم کر دی۔ جیگوار بھی اسی سمت میں آنے لگی لیکن ساتھ ہی ڈرائیور نے خود کو چھپانے کے لیے کار پارکنگ کی طرف گھما لی لیکن اس میں اسے ناکامی ہوئی۔

جیگوار جیگی کے سوا اور کوئی نہیں چلا رہا تھا۔

"یہ تعاقب کیوں کر رہی ہے۔" ٹائیگر نے بس یوں ہی پوچھ لیا۔

"اسے یہ اطلاع مل گئی ہو گی کہ تم اپنی طاقت کا مظاہرہ کرنے والے ہو۔" اوشان بہت میٹھے انداز میں بولا۔ "مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ میرا اور شہزاد کا حشر دیکھنے کے لیے پورا شہر اُمڈ آئے گا۔"

"اور میں ان لوگوں کو مایوس نہیں کروں گا۔" ٹائیگر نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

"تمہارے دل میں عوام کے لیے کتنا احترام ہے۔ میرے بچے۔" اوشان اپنے مخصوص نرم و لطیف انداز میں بولتا رہا۔ "کاش میرے دل میں بھی لوگوں کا اتنا ہی احترام ہوتا۔"

"میں جانتا ہوں کہ تم چینی لوگ بہت باتونی ہوتے ہو۔" ٹائیگر نے منہ بنا کر کہا۔

"میں کوریائی ہوں۔" اس بار اوشان کا لہجہ بہت سنجیدہ تھا

"ایک ہی بات ہے۔ کوریائی اور چینی فرسٹ کزن ہیں۔"

"اگر کوئی چینی کسی کوریائی کا کزن ثابت ہو جائے تو چینی

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کے پیٹ میں شدید ترین درد ہونے لگتا ہے۔"

چھوڑو۔ یہ تمہارے نسلی مسئلے ہیں۔ میں تو چینی اور کوریائی دونوں کی عورتوں سے بڑی محبت کرتا ہوں۔"

"کیسل نہیں۔ یقیناً ایسا ہی ہوگا۔" اونسان نے جواب دیا۔

اسی دوران ٹائیگر اپنی گاڑی مصطفےٰ کوارٹرز کی مختلف گلیوں سے نکال کر ایک بار پھر سڑک پر آ گیا تھا اور اب عقب میں جیگی کا نام و نشان تک نہیں تھا۔

جیگی کے بارے میں سابو کا نے صرف یہ بتایا تھا کہ برٹش ایجنٹ ہے لیکن اسے قتل کرنے کا حکم نہیں دیا تھا اور جب تک جیگی کے قتل کا حکم جاری نہیں ہوتا اس وقت تک خود کو پی جے کینی سمجھنے والا ٹائیگر جیگی کو زندہ رکھنے میں دلچسپی رکھتا تھا یہ دلچسپی قطعی ذاتی و جبلی نوعیت کی تھی۔

اس نے ایک بار پھر عقب نما میں دیکھا۔ اس کے عقب میں سڑک اب بالکل صاف تھی اور اس کی گاڑی پہاڑی علاقے کی سمت اڑی جا رہی تھی ساس نے اب قلعہ کی طرف جانے والی سڑک پر گاڑی ڈال دی تھی۔ اسے علم تھا۔ کہ آج کا دن کتنا اہم ہے۔ تمام مجرموں کا اجتماع ہونے والا تھا۔ جس کی صدارت سابو کا کو کرنی تھی۔ یہ اعلان ہونا تھا کہ پی جے کینی اسکوسیلے امور کا نگراں ہوگا۔ اور اسے اس اعلان کے وقت وہاں موجود ہونا چاہیئے۔

✣

قلعہ میں سابو کا ایک مہمان کو خدا حافظ کہہ رہا تھا وہ چھت پر ہیلی کاپٹروں کے پروں کے پنکھے نائب صدر ایسپرا کا ہاتھ پمپ کر رہا تھا۔ "مجھے یقین ہے کہ تم نے اپنے قیام کا بہت لطف اٹھایا ہوگا۔ نائب صدر۔" سابو کا کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔

"بہت زیادہ۔" ایسپرا کا چہرہ کھل اٹھا۔ پسینے کی بوندیں ٹپ ٹپ گرنے لگیں۔

"اور مجھے یہ بھی یقین ہے کہ تمہاری ساتھیوں کو بھی لطف آیا ہوگا۔"

"وہ مجھے کبھی نہیں بھول پائیں گی۔" ایسپرا نے سینہ پھلا کر جواب دیا۔ سابو کا کو یقین تھا کہ وہ عورتیں ایسپرا کو ہمیشہ یاد رکھیں گی جنہیں اب منشیات کا عادی بنا کر جسم فروشی کے اڈے پر ڈال دیا جائے گا۔ وہ یقیناً آرام دہ کمرے اور پرتعیش زندگی کے بارے میں سوچیں گی۔ انہیں کبھی یقین نہیں آئے گا کہ وہ محل میں رہ چکی ہیں وہ صرف یہ سوچ کر محظوظ ہوں گی کہ وہ اسکوسیلے کے نئے صدر کی محبوبہ رہ چکی ہیں لیکن جب وہ کسی سے اس کا ذکر کریں گی تو ان کا مذاق اڑایا جائے گا۔ سابو کا بھی ان عورتوں کو فراموش نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے پاس وڈیو موجود تھے۔

"اب ایوان صدر جا کر بس انتظار کرو۔" سابو کا نے اسے ہدایت کی۔ "اگلے ۴۸ گھنٹوں میں تم صدر بن جاؤ گے۔ پھر دنیا تمہارا نام بھی لے گی اور تمہاری قوت کو پہچان بھی لے گی۔"

ایسپرا پھر مسکرایا پھر ہیلی کاپٹر کی فرنٹ سیٹ پر براجمان ہو گیا۔ اسکوسیلے پہنچنے میں اسے صرف دس منٹ لگنے تھے۔

✣

ہیلی کاپٹر کو پرواز کرتے ہوئے ٹائیگر نے بھی دیکھا۔ اس وقت اس کی گاڑی قلعہ کی طرف جانے والی نیم پختہ سڑک پر دوڑ رہی تھی۔

سنتری پوسٹ کا گارڈ گاڑی دیکھتے ہی سنبھل گیا۔

"ہالٹ" اس نے حکم دیا تو گاڑی اس سے محض ایک فٹ دور رک گئی۔ باقی محافظوں نے اپنی گنوں کا رخ گاڑی کی طرف کر لیا۔ سنتری بوکس میں موجود کتے غرانے لگے وہ زنجیریں تڑا کر گاڑی پر حملہ کرنا چاہتے تھے۔

"تم مجھے نہیں جانتے۔ اس کار کو نہیں پہچان سکتے۔" ٹائیگر نے اپنی کھڑکی کا شیشہ نما تار کر غصیلے انداز میں کہا۔

"میں کار کو پہچانتا ہوں لیکن تم سے واقف نہیں۔" گارڈ نے بھی اسی کے انداز میں جواب دیا۔

"میں پی جے کینی ہوں۔"

"اور یہ بوڑھا چوہا کون ہے۔؟"

"میرا قیدی۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ اسے یہ بات بری بھی لگی کہ کوئی اس کے قیدی کو چوہا کہے۔ گارڈ سنتری بوکس میں جا کر ایک ٹیلی فون کا رسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کرنے لگا۔ اس دوران ٹائیگر کتوں کو گھورتا رہا۔ جواب حیرت انگیز طور پر خاموش ہو گئے تھے ان کی تھوتھنیاں اوپر کو اٹھی ہوئی تھیں اور دم نیچے تھیں۔ پھر اچانک ہی وہ کانپنے لگے اور پل بھر میں چیاؤں چیاؤں کرتے ہوئے زمین پر لیٹ گئے۔

"کمال ہے ان کتوں کو کیا ہو گیا؟"

"انہیں یہ علم ہو گیا ہے کہ بلی کا گھنٹہ قریب ہے۔"

"بلی کا گھنٹہ؟ اور بلی کون ہے؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

انوار صدیقی کے پرستار متوجہ ہوں!

- انوار صدیقی کا لازوال شاہکار..... "اِنکا"
- ہر دور کی لازوال کہانی
- آپ کی محبوب
- آپ کے دلوں کی دھڑکن
- آپ کی جانی پہچانی..... "اِنکا"

اب "اِنکارانی" کے رُوپ میں

نئی سج دھج، نئے بانکپن، نئی نئی شوخیوں اور ہنگامہ خیز شرارتوں کے ساتھ عنقریب جلوہ گر ہو رہی ہے

"اِنکارانی"

جو 28 سال سے آپ کے ذہنوں میں محفوظ ہے
جو 28 سال سے مصنف کے ذہن میں کلبلاتی رہی

جس کا نیا روپ..... نیا انداز..... نئی شوخیاں اور قدم قدم پر چونکا دینے والے ہنگامے آپ کو پھر اپنے حسن کی سحر کاریوں میں تسخیر کر لیں گے

مکمل سیٹ دو جلدیں قیمت -/400 روپے

اسٹاکسٹ: مکتبہ القریش سرکلر روڈ، اُردو بازار، لاہور فون: 7668958

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

اس سوال پر اوشان نے بہت آہستہ آہستہ اپنا چہرہ گھما کر ٹائیگر کی طرف دیکھا۔ پھر مسکرا کر بولا۔ "جلد معلوم ہو جائے گا۔"

"اسی اثنا میں گارڈ بھی واپس آ گیا۔ "آل رائٹ کینی! ہیرن کو تمہارا ہی انتظار ہے۔ تم جا سکتے ہو۔"

"شکریہ۔" ٹائیگر خشک لہجے میں بولا۔

"اے۔" گارڈ کی نظر اسی وقت بے حرکت اور خاموش کتوں پر پڑی۔ "انہیں کیا ہوا؟"

"کچھ نہیں لیکن کیا تمہیں معلوم نہیں کہ بلی کا گھنٹہ قریب آ چکا ہے۔"

"اگر کوئی بلی آس پاس ہوتی تو یہ کتے اب تک اس کی تکا بوٹی کر چکے ہوتے۔" گارڈ نے برا سا منہ بنا کر کہا مگر ٹائیگر نے اس کی بات پر کوئی توجہ نہیں دی اور گاڑی چلا دی جو اب بجری پر دوڑ رہی تھی۔

اس نے عقب نما میں دیکھا۔ کتے اب بھی بیٹھے ہوئے لیٹے تھے۔

ٹائیگر نے گاڑی اس وسیع و عریض صحن کی طرف گھمالی جو قلعہ کی پارکنگ کے لیے مخصوص تھا۔ یہاں پہلے ہی چھ کاریں موجود تھیں۔ سب کی سب سیاہ مرسیڈیز لیموزین تھیں۔ ایسی ہی ایک کار میں نامواسے یہاں لایا تھا۔ ان کاروں کی موجودگی یہ ظاہر کر رہی تھی کہ سابو گا کے مہمانوں کی آمد شروع ہو چکی ہے۔

ٹائیگر نے گاڑی سنگی زینے کے سامنے ہی چھوڑ دی۔ اس نے اوشان کو بھی اترنے اور ساتھ چلنے کا اشارہ کرتے ہوئے زینے پر قدم رکھا، پلٹ کر دیکھا اور مطمئن انداز میں سر ہلاتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ اوشان اب بھی واقعی بے چون و چرا اس کی تقلید کر رہا تھا۔ اس کی نیلی قبا ہوا میں ہلکورے لے رہی تھی

سابو کانے جونہی بے چھت والی راہداری کی نگر سے ٹائیگر کو دیکھا اس نے ہاتھ لہرا کر اسے اوپر آنے کی دعوت دی۔ ٹائیگر اوشان کے ساتھ اوپر پہنچا جہاں سابو کانا تنہا نوشنہ کر رہا تھا۔

"کھاؤ گے؟" سابو کانے منہ چلاتے ہوئے پوچھا

"نہیں شکریہ۔"

"یہ بڈھا کون ہے؟" سابو کانے اوشان کی طرف دیکھ کر سوال کیا۔

"ان دو میں سے ایک جن کی تمہیں تلاش ہے۔"

"تم نے اسے قتل کیوں نہیں کیا۔؟" سابو کانے ایک کیک منہ میں ڈال کر پوچھا۔

"یہ تو خود چلتی پھرتی لاش ہے سابو کا۔" ٹائیگر نے ہنس کر کہا۔ "جب چاہو گے مر جائے گا لیکن میں نے وقتی الحال چارہ سمجھ کر زندہ رکھا ہے تاکہ شہزادہ بھی اس کے تعاقب میں اور اسے بچانے کے لیے نکلے اور ہم اسے بھی پکڑ لے میں کامیاب ہو سکیں۔ وہ یقیناً کہیں روپوش ہے تاحال اس کا پتا نہیں چل سکا۔"

"سابو کا کیک نگلتے ہوئے کچھ سوچتا بھی رہا مگر اس سے قبل کہ وہ کچھ کہتا ٹیلی فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ "یس۔" اس نے رسیور اٹھا کر کہا اور پھر کچھ دیر سننے کے بعد مسکرانے لگا۔ "ٹھیک ہے۔ میں سمجھ گیا۔" وہ رسیور رکھ کر ٹائیگر کی طرف پلٹا "تمہارا مفروضہ نتیجہ خیز ثابت ہو رہا ہے کینی! گارڈ نے ایک ایجنٹ کو پکڑ لیا ہے۔"

"گڈ۔ ممکن ہے کہ وہی شہزادہ ہو۔" ٹائیگر بولا اور پھر زہر خند انداز میں اوشان کی طرف دیکھ کر اس نے پوچھا۔ "کیا تم اب بھی اپنے اس تجزیہ پر قائم ہو کہ بلی کا گھنٹہ ضرور آئے گا۔"

"ہاں۔" اوشان نے باوقار انداز میں جواب دیا۔ "لیکن بلی نے ابھی اپنے پنجوں کا استعمال شروع نہیں کیا ہے۔"

سابو کانے شاہانہ انداز میں تالی بجائی تو سفید سوٹ پہنے ہوئے ایک شخص راہداری میں آ گیا۔ "مسٹر کینی اس مہمان کو مہمانوں کے خاص کمرے تک لے جائیں گے تم ان کے ساتھ جاؤ گے۔"

"یس سر۔" وہ شخص معنی خیز انداز میں مسکرانے لگا۔

"اس کے بعد تمہیں دوسرے مہمانوں کا بھی خیال رکھنا ہے۔" سابو کانے حکم دیا۔ ... سفید سوٹ والا گارڈ پلٹ گیا اور ٹائیگر نے اوشان کا بازو پکڑ لیا۔ دونوں سفید سوٹ والے کے پیچھے پیچھے اسٹڈی سے گزر کر ہال میں پہنچے، وہ خفیہ لفٹ کے قریب سے گزرے اور پھر ایک زینے کے ذریعہ قلعے کے نچلے حصے میں پہنچ گئے۔ ہال کی سیڑھیوں پر نمی تھی۔ سنگی دیواریں اس طرح گیلی تھیں۔ جیسے انہیں پسینہ آ رہا ہو۔ زینہ از خود بھول بھلیوں سے کم نہ تھا۔ اس کے چار مرحلے تھے اور جو تھا مرحلہ تہ خانے میں ختم ہوتا تھا۔ یہ تہ خانے سابو کا کے اسلحہ خانے کے نیچے پر تھا۔ زینہ انہیں ایک تنگ راہ گزر تک لے گیا جس کے دونوں طرف لکڑی کے دروازے تھے۔ ہر دروازہ کھلا ہوا تھا اور

ہر کوٹھری خالی تھی۔ کوٹھریوں میں کھڑکیاں نہ تھیں اور روشنی کے لیے صرف ننگے بلب تھے جن کی یرقان زدہ روشنی بہت ناکافی لگ رہی تھی۔

"کیا میرا قیام یہیں ہوگا؟" اوشان نے پوچھا۔

"ہاں۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔

"یہاں تو مجھے گھٹن لگ جائے گی۔ میں اکڑ کر مر جاؤں گا" اوشان کا لہجہ سپاٹ تھا۔

"اس کا کوئی علاج نہیں لیکن مجھے یقین ہے کہ تمہیں مرنے سے قبل چھپکلیوں کے بھنگے برداشت کرنا نہیں پڑیں گے۔ تمہاری جان آسانی سے نکل جائے گی۔"

"تمہیں میری آسانی کا کتنا خیال ہے۔" اوشان نے مسکرا کر تشکر آمیز لہجے میں کہا۔ گارڈ اب انہیں لے کر ایک اندھیری کوٹھری کے دروازے پر کھڑا تھا۔ جس کے اندر محض راہ گزر کے بلب کی روشنی جا رہی تھی۔ اس نے اشارے سے اوشان کو اندر آنے کی ہدایت کی۔ ساتھ ہی اوشان کو ہلکا سا دھکا بھی دیا لیکن اوشان اپنی جگہ سے ہلا تک نہیں۔ گارڈ نے دوسری بار زور سے دھکا دیا لیکن اوشان جہاں تھا وہیں کھڑا رہا۔ گارڈ کوریں لگا جیسے اس نے دیوار کو ہٹانے کی کوشش کی ہو۔ اس نے تیسری مرتبہ ہاتھ بڑھایا تو اوشان غرا کر بولا۔ "بس بہت ہو گیا۔ اپنے ہاتھوں کو قابو میں رکھا کرو میں ہر ایرے غیرے کے نخرے برداشت نہیں کر سکتا۔ مسٹر کینی کو ہر طرح کی آزادی ہے لیکن تمہیں اپنی حدود میں رہنا ہوگا۔" یہ کہہ کر وہ کوٹھری میں داخل ہو گیا۔ جہاں ایک ڈھیلا ڈھالا، پلنگ ایک سنک اور کموڈ موجود تھا۔

"یہاں تو گھریلو آسائشیں موجود ہیں اوشان ــــ" ٹائیگر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تھینک یو۔ میں تمہاری ان مہربانیوں کو یاد رکھوں گا۔"

"اب تم یہ بتا دو کہ شہزادہ کہاں ہے؟" ٹائیگر نے پوچھا

"وہ بہت قریب ہے بہت ہی قریب۔" اوشان نے زیر لب مسکرا کر جواب دیا اس کی آنکھوں میں فاتحانہ چمک تھی۔ اسی لمحے انہیں زینے پر آہٹ اور پھر قدموں کی آواز سنائی دی۔ یہ آواز بتدریج قریب آنے لگی اور پھر سابو کا میگی کو تقریباً دھکیلتا ہوا نمودار ہوا۔ اس نیم تاریکی میں میگی گڑیا اور سابو کا کسی کہانی کا دیو لگ رہا تھا۔ اس نے میگی کو ایک اور دھکا دیا تو وہ ٹائیگر سے ٹکرا گئی۔

"تم حیرت زدہ لگ رہے ہو کینی؟" سابو کانے ہنستے ہوئے کہا۔ "یہ وہی ایجنٹ ہے جس کی گرفتاری کی اطلاع گارڈز نے اوپر دی تھی۔"

"اوہ۔ میں سمجھ رہا تھا کہ یہ میرے تعاقب میں ناکام ہو گئی ہے۔" ٹائیگر بولا اور پھر میگی سے کہنے لگا۔ "میرا خیال تھا کہ تم صرف میری وجہ سے مجھ پر مہربان ہوئی ہو میگی۔"

وہ خاموش رہی اور پھر اچانک ہی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ سابو کانے اسے پھر دھکا دیا اور اس بار گارڈ ٹنک پہنچا دیا۔ "بند کوٹھری میں بند کر دو..... اور ہاں اس کے آرام کا بہت خیال رکھنا۔"

گارڈ نے میگی کو دھکا دیا تو وہ ڈگمگاتی ہوئی بالکل سامنے والی کوٹھری کی چوکھٹ پر جا کر گر گئی لیکن پھر بہت ہی باوقار انداز میں اٹھی اور اس نے اپنا سر بلند کر لیا۔

"کیسا منہ پھولا ہوا ہے میری میگی کا۔" ٹائیگر نے چٹکی لیتے ہوئے کہا۔ میگی ذرہ برابر بھی متاثر نہ ہوئی بلکہ اس کی آنکھوں میں پہلے کبھی کے لیے دنیا جہاں کی نفرت سمٹ آئی۔ اسی دوران گارڈ نے دیوار کے ایک ہک میں لٹکی ہوئی زنجیریں اتار لیں جن کی آواز سے پوری راہداری گونجنے لگی۔ اس نے ایک زنجیر سے میگی کی کلائیاں اور دوسری سے پنڈلیاں باندھ دیں۔ ساتھ ہی وہ بڑبڑا بھی رہا تھا۔ "یہ ننھی سی عورت اس کھیل کو بہت پسند کرے گی۔ انگریز عورتیں تو اپنی خانش کی دلدادہ ہوتی ہیں۔ اب اس خوب صورت عورت کو نمائش کا پورا موقع ملے گا لیکن پتا نہیں کہ میں اس پیاری سی عورت سے بدتمیزی تو نہیں کر رہا ہوں۔"

گارڈ نے یہی کچھ کہتے ہوئے ہک سے ایک ایسی زنجیر اتاری جس کے ایک سرے پر قفل لگا ہوا تھا۔ "بس ذرا صبر۔" گارڈ نے زیر لب کہا۔ "میں اپنا کام مکمل کر لوں تو پھر اس انگلش حسینہ کو میرے منصوبے کا علم ہوگا۔" یہ کہہ کر اس نے میگی کی ہتھکڑی نیچے کی طرف کھینچی اور اسے کسی بکری کی طرح گھسیٹتا ہوا دیوار کے قریب اس جگہ لے گیا۔ جہاں ایک آہنی چھلا گڑا ہوا تھا۔ گارڈ نے میگی کا بالائی جسم نیچے کو جھکاتے ہوئے اس کی کلائیاں اس چھلے کے قریب کیں اور پھر زنجیر چھلے میں لپیٹ دی۔ ساتھ ہی پنڈلیوں والی زنجیر بھی اٹھا کر چھلے میں باندھ دی۔ اب میگی ناقابل برداشت ہتک آمیز صورت حال میں تھی۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

اور گارڈ کی جو اس جاری تھی۔ "مجھے یقین ہے کہ یہ پیاری سی عورت اپنے دوستوں کی خواہشات کا بہت احترام کرتی ہوگی۔"

گارڈ اب دست درازی پر اتر آیا تھا۔

"تم نے اس عورت کے ساتھ بہت اچھا وقت گزارا ہے کینی۔" سابو کا نے قہقہہ لگا کر ٹائیگر سے کہا۔ "لیکن اس کی موت سے قبل اس پر میرے دوسرے آدمیوں کا حق بھی تو ہے۔" "کیوں۔"؟

"خود کو پی جے کینی سمجھنے والا مسکرانے لگا۔

اور اب تمہارے چینی دوست کی باری ہے۔" سابو کا نے زہریلے انداز میں اوشان کو دیکھا۔ "اسے تم خود باندھو گے"

ٹائیگر آگے بڑھا تو اوشان خود ہی دیوار میں گڑھے ہوئے کھلے کے قریب چلا آیا۔ جب ٹائیگر نے دیوار سے زنجیر کھینچی تو تب بھی اوشان کے چہرے پر کسی قسم کے تاثرات نہیں ابھرے بس ٹائیگر کو اس کی سرگوشیاں ضرور سنائی دیں اس نے سوچا کہ شاید بوڑھا آخری دعائیں مانگ رہا ہے۔

وہ مسکرا کر زنجیر باندھنے لگا لیکن اچانک ہی بوڑھے کے الفاظ اسے واضح طور پر سنائی دینے لگے۔ "سانجو کے آقاؤ وہ جنہوں نے اس سرزمین پر حکمرانی کی! میری طرف دیکھو اور آنکھیں بند کر لو۔ ان جانوروں اور قصابوں کے سامنے میرے صبر پر مشتعل مت ہو جاؤ۔ میرے غیر فعال ہونے کی پروا مت کرو۔ بس یہ سمجھ لو میں یہ ذلتیں صرف اس وجہ سے برداشت کر رہا ہوں کہ میرے بعد آنے والے ماسٹر کی زندگی بچی رہے لیکن اب پیمانہ صبر لبریز ہونے والا ہے۔ بلی کا گھنٹہ بہت قریب آچکا ہے لہٰذا میری رہنمائی کرو۔ بالکل اسی طرح جس طرح میرا تجربہ میرے ہاتھ کی رہنمائی کرتا ہے۔"

"یہی دعا میرے لیے بھی کرو۔" ٹائیگر نے ہنس کر آخری زنجیر باندھنے کے بعد کہا۔ پھر وہ کوٹھری کے باہر آگیا جہاں سابو کا گارڈ کے ساتھ کھڑا ہوا تھا۔

"دونوں پر کڑی نظر رکھنا۔" سابو کا نے گارڈ کو حکم دیا اور پھر ٹائیگر سے کہا۔ "اب جب بھی چاہو تم یہاں آکر ان دونوں کو ختم کر سکتے ہو لیکن فی الحال میرے ساتھ آؤ۔"

"تمہارے مہمانوں کی آمد شروع ہو چکی ہے۔" ٹائیگر نے اس کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔" سابو کا بولا۔ "ہماری میٹنگ بہت جلد شروع ہو جائے گی۔ لیکن فی الوقت ایک خاص مہمان آیا ہوا ہے۔ اس کا تعلق نیویارک سے ہے وہ شہزاد کو پہچانتا ہے ممکن ہے کہ اس سے گفتگو کے بعد تمہیں شہزاد کو پکڑنے میں آسانی ہو۔"

"ممکن ہے۔ مگر وہ کون ہے؟"

"اور برائن نام ہے اس کا۔ وہ نیویارک کے دفاتی جیل خانے میں اب بھی گارڈ ہے۔ ہمارے لیے بہت سے اہم کام کر چکا ہے۔"

"گڈ۔ تب پھر اس سے ملنا یقیناً سود مند ہوگا۔" ٹائیگر سر ہلانے لگا۔

"

*

وہ دونوں تہ خانے سے پہلی منزل پر پہنچے تو چند لمحے تک بڑے ہال کے دروازے پر رکے رہے لیکن پھر سابو کا خود ہی آگے بڑھ گیا۔ "مسٹر میک! کیا حال ہیں؟" اس نے گرم جوشی سے کہا۔ "تمہیں دیکھ کر واقعی بڑی مسرت ہوئی۔"

ایک شخص پہلی منزل کی کھلی چھت سے اسی لمحے ہال میں داخل ہوا تھا۔ اس نے مافیا والوں کے مخصوص انداز میں سابو کا کو دیکھا اور پھر اس کے چہرے پر سابو کا کے لیے احترام نظر آنے لگا۔ اس نے اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیا۔ "یہ کون ہے؟" اس نے ٹائیگر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

سابو کا ہنس پڑا۔ "میں یہی چاہتا تھا کہ تم دونوں کی ملاقات ہو جائے۔" وہ میک کا ہاتھ تھام کر اسے ٹائیگر کے قریب لے آیا۔ باہر چھت پر میک کا باڈی گارڈ کرسی ڈالے بیٹھا تھا۔ اس کا انداز لاتعلقانہ تھا لیکن صاف ظاہر تھا کہ وہ اندر ہال میں ہونے والی سرگرمیوں پر کڑی نگاہ رکھے ہوئے ہے؟

پھر ٹائیگر کو بھی ہاتھ ملانا ہی پڑا۔

"یہ مسٹر میک ہیں۔ میں یہی چاہتا تھا کہ تم دونوں کی ملاقات ہو جائے۔" وہ میک کا ہاتھ تھام کر اسے ٹائیگر کے قریب لے آیا۔

"یہ مسٹر میک ہیں۔" سابو کا تعارف کرانے لگا۔ "امریکا میں بہت زبردست اجنبیت کے مالک۔" ٹائیگر نے میک کو بغور دیکھا۔ میک کے چہرے پر گوشت زیادہ تھا زخم کا ایک نشان بائیں آنکھ سے بائیں کان تک نظر آرہا تھا

اس کی جلد غیر معمولی حد تک سفید تھی۔

"اور یہ میرا ساتھی ہے پی جے کینی۔" سابو کا نے تعارف مکمل کیا۔ ٹائیگر کے ہاتھ پر میک کی گرفت اسی پل سخت ہوئی اور اس نے اسی لمحے کہا۔ "یہ پی جے کینی نہیں ہو سکتا۔"

"آہا۔" سابو کا قہقہہ لگا کر بولا۔ یہی انداز ٹائیگر نے بھی اختیار کر لیا اور سابو کا نے کہا۔ "گڈ! اس کا مطلب یہ ہے کہ پلاسٹک سرجری بہت کامیاب رہی ہے کینی۔"

میک کی چھوٹی چھوٹی آنکھیں ٹائیگر پر جمی تھیں ان آنکھوں میں حیرت اور بے یقینی تھی۔ "کیا یہ تم ہی ہو پی جے کینی۔؟" اس نے اس بار سرسراتے لہجے میں پوچھا۔

ٹائیگر نے اثبات میں سر کو جنبش دی۔ میک اسے گھورتا رہا اور پھر اس نے پرجوش انداز میں اپنا ہاتھ ٹائیگر کے کندھے پر رکھ دیا۔ "کمال ہے۔ ہم تو یہی سوچتے رہے تھے کہ تم فردوس سے کہیں گم ہو گئے۔"

میں چاقو کی نوک سے نیا چہرہ سنوار رہا تھا۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ ساتھ ہی وہ یہ سوچ رہا تھا کہ اگر میک پی جے سے بہت اچھی طرح واقف ہے تو پھر وہ اس کا طرز تکلم بھی بخوبی جانتا ہوگا۔" چہرہ بنوانے کے بعد میں آرام کر رہا تھا کہ ہیرن نے طلب کر لیا۔"

"کمال ہے۔ بالکل کمال ہے۔" میک نے سر ہلایا۔ "شاید سرجن نے تمہارے دماغ کا بھی آپریشن کر ڈالا ہے پی جے ..... کیونکہ تمہاری گفتگو کا پھونڈا انداز ختم ہو گیا۔"

"شکریہ۔" ٹائیگر نے فوراً سنبھالا لیا۔ "یہ سب کچھ نئے چہرے کے تقاضوں کے مطابق ہے میک۔"

"اور یہ سب کچھ تمہارے پرانے چہرے اور پرانے کردار سے قطعی مختلف ہے پی جے۔ تم دنیا کے بدصورت ترین انسان اور انتہائی بدگو تھے۔ میک نے ایک طویل سانس لی۔" اس کا مطلب یہ ہے اب تم ہیرن سابو کا کے ساتھ ہو۔"

"میں ہیرن کا دستِ راست ہوں۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔

"کینی اس معاہدے کے تحت ہمارے ساتھ شامل ہوا ہے کہ معاہدے پر ایمان داری سے عمل کیا جائے گا۔" سابو کا نے اس گفتگو میں دخل دیتے ہوئے کہا۔ "میں جانتا ہوں کہ پی جے کا نام کاروبار میں ایمان داری کی ضمانت ہے۔"

"درست ..... پی جے! یہ تو بتاؤ کہ تمہیں میرا بھائی میتی یاد ہے۔"

"ہاں۔ بڑا دل چسپ کام تھا وہ۔" ٹائیگر نے مبہم انداز میں جواب دیا۔

"دلچسپ کام۔" میک ہنس پڑا۔ "وہ لوگ مختلف ٹکڑوں میں اس کی بوٹیاں جمع کرتے رہے تھے۔"

"ہاں۔ میں نے میتی پر اپنے اس خصوصی چاقو کا استعمال کیا تھا جو بوٹیاں بنا ڈالتا ہے۔" یہ کہہ کر ٹائیگر نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔

میک بھی ہنسنے لگا۔ اسے میتی کے جسم کے ۲۷ ٹکڑے یاد آگئے تھے۔ میتی کا جرم یہ تھا کہ اس نے ایک گینگ لیڈر کے بیٹے کی توہین کی تھی۔

سابو کا بھی انہیں ہنستے دیکھ کر قہقہے لگانے لگا۔ پھر میک کی طرف پلٹ کر بولا۔ "آؤ چلو۔ ہمیں میٹنگ روم میں بعض ایسے دوستوں سے ملنا ہے جو ہمارے منتظر ہوں گے۔" یہ کہہ کر وہ دیوار پر لگی ہوئی تصویر کی طرف بڑھ گیا فریم کے نیچے اس نے ہاتھ ڈال کر ایک بٹن دبایا تو دروازہ کھلتا چلا گیا۔ سابو کا ایک طرف ہٹ گیا تھا کہ میک اور ٹائیگر اس سے پہلے اندر جا سکیں اور پھر خود بھی ٹائیگر کے پیچھے دروازے سے گزرتا ہوا بولا۔ "اوبرائن اسٹڈی میں ہے، ممکن ہے کہ وہ تمہیں شہزاد کے بارے میں زیادہ معلومات فراہم کر سکے۔ تم اس سے خود ہی مل لو۔"

سابو کا اور میک کے جانے کے بعد ٹائیگر ایک بڑے اور خوب صورت دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ دروازہ بھاری لگ رہا تھا لیکن وہ محض ہاتھ کے عام سے دباؤ سے کھلتا چلا گیا۔ کمرے میں نیم تاریکی تھی اور اس تاریکی میں ایک ہیولی نظر آرہا تھا جو پہلی منزل کی کھڑکی سے عمارت کی طرف دیکھ رہا تھا کھڑکی سے ایک سرخ ہیلی کاپٹر بھی نظر آرہا تھا اور یہ صاف ظاہر تھا کہ وہ شخص ہیلی کاپٹر کی اڑان دیکھ رہا ہے۔ دونوں کو یہ علم نہ تھا کہ اسکومیا کا نائب صدر ایسپیرا اسی ہیلی کاپٹر سے چند میل دور صدارتی محل جا رہا ہے۔ جہاں ۴۸ گھنٹے کے اندر اندر اسے صدر بننے کی توقع تھی۔

"اوبرائن۔" ٹائیگر نے اس کی پشت پر جا کر کہا۔ تب ہی وہ شخص پلٹا اور ٹائیگر کو دیکھتے ہی اس کے چہرے پر حیرت کے آثار بڑی شدت سے نمایاں ہو گئے۔ "تم ..... اتنی خاموشی سے اندر آگئے مجھے پتہ ہی نہ چلا۔" اوبرائن بولا

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"یہ میرے ٹینس شوز کا کمال ہے۔" ٹائیگر نے وضاحت کی۔ "ہیرن نے بتایا ہے کہ تم شہزاد کے بارے میں کچھ بتانا چاہتے ہو"

"ہاں۔ لیکن مجھے اس کے بارے میں زیادہ معلومات نہیں۔ میں نے اسے صرف ایک بار دیکھا ہے۔" اوبرائن یہ کہتا ہوا ٹائیگر کے قریب سے گزرا اور ڈیسک کے قریب کرسی پر بیٹھ گیا۔

"اس کا چہرہ کیسا ہے؟"

"میں نے جب اسے دیکھا تو وہ پادری کے لباس میں تھا۔" اوبرائن نے جواب دیا۔

"لیکن یہ کوئی بات نہیں ہوئی۔ اس سے مجھے کوئی مدد نہیں ملے گی۔" ٹائیگر روکھے لہجے میں بولا۔

"سنو۔ مجھے یاد ہے کہ اس کی آنکھیں کالی تھیں گہری کالی۔ بڑی بڑی۔" اوبرائن ذہن پر زور ڈالتے ہوئے بتانے لگا۔ "اس کا چہرہ بہت سخت تھا۔ پادری کا لباس اس چہرے پر جچ ہی نہیں رہا تھا۔ اس کی ناک ستواں تھی اور وہ گفتگو کرتے ہوئے مقابل کی آنکھوں میں دیکھتا رہتا تھا۔"

اوبرائن نے اپنے سامنے کھڑے ہوئے شخص کا چہرہ دیکھنے کے لیے کرسی پر پہلو بدلا لیکن روشنی کے زاویے کی وجہ سے صرف سر اور جسم ہی دیکھ سکا۔

"ٹھیک ہے۔ قد و قامت بتاؤ۔"

"قد آور تو تھا لیکن غیر معمولی طور پر لمبا نہیں۔ زیادہ سے زیادہ چھ فٹ ہوگا۔ موٹا بھی نہیں تھا۔ ہاں کلائیاں موٹی تھیں۔" ٹائیگر نے دو قدم آگے بڑھائے اور پھر ڈیسک پر جھک کر اوبرائن کی آنکھوں میں جھانکتا ہوا بولا۔ "ہاں — بولو۔ بولتے رہو۔"

اوبرائن نے سر اٹھایا لیکن اس کی نظریں چہرے کی بجائے ٹائیگر کی کلائیوں پر پڑیں۔ "ہاں بالکل درست اس کی کلائیاں تم جیسی ہی تھیں۔ لیکن اس کا منہ غیر معمولی تھا ایک لمحہ کو تو یوں لگا تھا جیسے اس کے ہونٹوں کا وجود ہی نہ ہو۔" اس بار اوبرائن کی نظروں ٹائیگر کے چہرے پر پڑیں تو وہ چونک اٹھا۔ "اس کا چہرہ بھی تمہارے چہرے کی طرح تھا۔" اوبرائن نے پہلو بدل کر کہا۔

"اور آنکھیں کالی تھیں۔ —؟"

"ہاں۔ تمہاری آنکھوں کی طرح۔"

"اور اس کے بال؟"

"تمہاری طرح..... کالے....." اوبرائن اس بار اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ ساتھ ہی اس کا ہاتھ تیزی سے پہلو تک گیا لیکن وہ پستول نہیں نکال سکا کیونکہ اگلے ہی لمحے وہ ایک بار پھر کرسی پر ڈھیر تھا اس کے دائیں ہاتھ میں شدید تکلیف ہو رہی تھی اور وہ محض جو خود کو پی جے کہتا تھا کہہ رہا تھا۔ "تم نے مجھ پر پستول نکالنے کی جرأت کیسے کی اوبرائن۔ —؟"

"تم..... تم..... یہاں تک کیسے پہنچ گئے؟" اوبرائن کی سانس پھولنے لگی تھی۔

"یہ کیسی بکواس کر رہے ہو۔ میں سابو کا خاص آدمی ہوں۔"

"یقیناً۔" اوبرائن کے چہرے پر پژمردہ مسکراہٹ نظر آنے لگی۔ "اور سابو کا نے اپنے دست راست کے منصب پر شہزاد کو رکھ لیا ہے۔"

"شہزاد؟ تم کیسی باتیں کر رہے ہو۔ یہاں شہزاد کہاں ہے؟" ٹائیگر نے اسے حیرت سے گھورا۔

"تم ہیرن کو بے وقوف بنا سکتے ہو۔ مجھے نہیں۔" اوبرائن نے جواب دیا۔ "شہزاد تم ہی ہو۔"

"تم پاگل ہو۔" ٹائیگر نے حقارت آمیز انداز میں کہا "مجھے تو شہزاد کو قتل کرنے کا مشن سونپا گیا ہے۔"

"تب پھر تم اپنی کلائیوں کی رگیں کاٹ ڈالو۔ مشن پورا ہو جائے گا اور شہزاد مر جائے گا۔"

"تم خواب دیکھ رہے ہو اوبرائن۔"

"سنو شہزاد۔ —" اوبرائن بہت سنجیدگی سے بولا "مجھے پتا نہیں کہ تم یہاں کس مقصد سے آئے ہو لیکن اپنے کام میں مجھے بھی شریک کر لو، فائدے میں رہو گے۔"

ٹائیگر سوچتا رہا کہ اوبرائن نے کیا کہا ہے اس نے ذہن پر زور دیا لیکن اسے کچھ بھی یاد نہیں آیا۔ صرف یہ احساس رہا کہ وہ ایسے مرحلے سے پہلے بھی کبھی گزر چکا ہے اس کی یادداشت پہلے بھی گم ہو چکی ہے۔ فی الوقت وہ خود کو پی جے کہنی سمجھ رہا تھا لیکن اوبرائن سے یہ سن کر کہ وہ پی جے نہیں ایک عجیب سی سنسنی محسوس کرنے لگا تھا

"سنو۔" ٹائیگر نے نرم لہجے میں کہا۔ "میں میک اپ میں ہوں اور میرے چہرے پر پلاسٹک سرجری کی گئی ہے لہٰذا یہ محض اتفاق سے....."

"نہیں۔ اب اس موضوع کو چھوڑو۔ معاملے کی بات کرو۔"

"معاملے کی بات۔ —؟" ٹائیگر سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔ ساتھ ہی اوبرائن کا سیدھا ہاتھ ایک بار پھر حرکت میں آیا اور ٹائیگر کو معاً ہی اس شخص سے شدید نفرت ہونے لگی جو اس کی پُرسکون زندگی میں ہل چل مچانے کے لیے آ کودا تھا۔ لہٰذا اس نے ہاتھ سر سے بلند کیا اور اپنا مکہ اوبرائن کی کھوپڑی پر دے مارا۔ کمرے میں ہڈیاں ٹوٹنے کی آواز ایسی لگی جیسے کوئی آئس کیوب توڑ کر گلاس میں ڈال رہا ہو۔ اوبرائن پستول نکال کر گولی چلانے کی سجھائے کرسی پر آگے کو ڈھیر سا ہو گیا۔

پھر اس کا جسم آہستہ آہستہ کرسی سے فرش پر منتقل ہو گیا۔

"میں پی جے کہنی ہوں۔" ٹائیگر زیر لب بڑبڑانے لگا "سابو کا مجھے جانتا ہے کہ میں پی جے ہوں۔ کیا اس شخص نے مجھے شہزاد کی حیثیت سے پہچان لیا تھا۔ یہ مجھے ہوٹل کے دروازے پر نظر آیا تھا۔ اس نے اس وقت کچھ کیوں نہ کہا۔ یہ وہاں ساکت کیوں کھڑا رہا۔ کیا یہ پی جے کے ہاتھوں اسی طرح مرنے کا منتظر تھا۔"

پھر اسے اوشان بھی یاد آیا جس نے خاموشی سے خود کو بندھوا لیا تھا۔ کیا وہ بھی خاموشی سے موت کا انتظار کر رہا ہے؟ اس سوال کا جواب اسے صرف اوشان سے مل سکتا تھا۔

اسی لمحے ٹیبل فون کی گھنٹی بجی۔ ٹائیگر نے ریسیور اٹھا لیا "سابو کہہ رہا ہوں۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "اوبرائن کام کا آدمی ثابت ہوا ہو گا۔ پی جے؟"

"ہاں۔ بہت۔ کام کا۔"

"کیا میں اس سے بات کر سکتا ہوں؟"

"سوری ہیرن! ٹائیگر نے لاش کی طرف دیکھ کر جواب دیا۔ "وہ نیچے لیٹا ہوا ہے۔" ٹائیگر نے خون آلود مغز پر نظر ڈال کر کہا۔ "اس کا کہنا ہے کہ دروازے اس کا سر پھٹ گیا ہے۔"

دوسری طرف ایک لمحہ کے لیے خاموشی رہی پھر آواز آئی۔ "آل رائٹ۔ میٹنگ شروع ہو رہی ہے پی جے! میرے آدمی اب برطانوی جبشہ سے ذرا دور رہنے پر مجبور ہوں گے کیا تم اسے اور بوڑھے کو دوسرے جہاں میں پہنچانے کے بعد میٹنگ میں شرکت کر سکتے ہو۔ ہم پانچویں منزل کے کانفرنس روم میں ہیں۔"

"یس سر۔" ٹائیگر نے چہک کر جواب دیا۔ "بس ابھی آیا۔" ریسیور رکھ کر اس نے ایک طویل سانس لی۔ نہ جانے کیوں بوڑھے کے سامنے جاتے ہوئے اسے وحشت سی ہو رہی تھی۔

سیلن زدہ تہ خانے کی راہ گزر خالی پڑی تھی وہ گارڈ بھی موجود نہ تھا جس کو سابو کا نے قیدیوں پر نظر رکھنے کی ہدایت کی تھی۔ یہاں چلتے ہوئے اسے خدشہ محسوس ہو رہا تھا کہ کہیں پھسل نہ جائے۔ وہ سب سے پہلے اوشان کی کوٹھری تک پہنچا دروازے پر چار پونڈ وزنی قفل پڑا ہوا تھا۔ ٹائیگر کے پاس اس قفل کی چابی نہ تھی لہٰذا اس نے قفل ہاتھ میں لے کر ادھر اُدھر دیکھا تاکہ گارڈ نظر آ جائے تو اس سے چابی کے لیے کہے لیکن نہ جانے کیوں اگلے ہی لمحے اس نے اپنا یہ ارادہ ترک کر دیا۔ اس نے قطعی لاشعوری طور پر تالے کو گھمانا شروع کر دیا۔ ذرا سا زور لگایا اور پھر یہ دیکھ کر اس کی مسرت کی انتہا نہ رہی کہ قفل ٹوٹ کر اس کے ہاتھ میں آ رہا تھا۔ اس نے خود کو شاباش دینے والے انداز میں سر ہلایا ساتھ ہی سماعت پر زور دیا۔ اسے میگی کی کوٹھری سے سسکیوں کی آواز آ رہی تھی اس کے سوا یہاں اور کوئی آواز نہ تھی۔

دوسرا نمبر میگی کا ہی ہو گا۔ اس نے فیصلہ کیا لیکن پہلے وہ اوشان سے نمٹنا چاہتا تھا۔ اس نے آہستہ سے دروازہ کھینچا اسے یقین تھا کہ اندر زنجیروں میں جکڑا ہوا بوڑھا اسے دیکھ کر رحم کی بھیک ضرور مانگے گا۔

دروازہ کھل گیا۔

اور اندر کا منظر دیکھ کر خود کو پی جے کہنی سمجھنے والے ٹائیگر کے اوسان خطا ہو گئے۔

اوشان دیوار سے پورے تین فٹ دور کمرے کے وسط میں اس چبوترے پر بیٹھا ہوا تھا جو قیدیوں کے لیے بطور پلنگ بنایا گیا تھا۔ آہنی کڑا نہ صرف ایک طرف پڑا ہوا تھا بلکہ ایک اینچ موٹے لوہے کی زنجیر کئی ٹکڑوں میں تقسیم ہو چکی تھی۔ یہی حال کلائی اور پنڈلیوں کی بندش کا ہوا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے کسی نے ان زنجیروں کو بھرپور قوت کے ساتھ آہنی ہتھوڑے کی ضربیں لگا کر توڑا ہو۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

اور اندر اوشان کے پاس اس قسم کے ہتھوڑے کی موجودگی کے بارے میں سوچنا بھی نری حماقت تھا۔

ٹائیگر جونہی کوٹھڑی میں داخل ہوا۔ اوشان کھڑا ہو گیا اس نے مخصوص انداز میں مسکراتے ہوئے اسے تعظیم دی۔

اسی لمحے خود کو پنجرے کینی سمجھنے والے کے ذہن میں جھماکا سا ہوا۔

"بوڑھے آدمی۔" وہ سب کچھ بھول گیا۔ "مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔" اس کی آواز پھنسی پھنسی سی تھی اور پیشانی پر پسینے کی بوندیں لرز رہی تھیں۔

"صرف یہ بتا دو کہ میں کیا خدمت کر سکتا ہوں۔" اوشان نے بڑے تحمل سے جواب دیا۔

"میں سمجھ چکا ہوں کہ میں کون ہوں لیکن مجھے اس پر یقین نہیں۔" ٹائیگر اس طرح بولا۔ جیسے وہ بہت الجھا ہوا ہو۔ "میری مدد کرو۔"

اوشان نے اس کی کنپٹی کو بغور دیکھا جہاں اب ہلکا سا پھپھولا لگا ہوا تھا۔ "کیا تمہارے سر پر چوٹ آئی تھی؟" اوشان نے ہمدردانہ لہجے میں پوچھا۔

"ہاں۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔

"اور اسی چوٹ کے بعد تم اپنی یادداشت کھو بیٹھے تھے؟"

"بالکل۔ مجھے ماضی یاد نہ رہا۔"

"تب پھر اسی قسم کی ایک اور چوٹ لگنی چاہیے۔" اوشان نے سرسری انداز میں کہا۔ اس سے قبل کہ ٹائیگر کچھ سوچتا یا کرتا اوشان کا دایاں ہاتھ بجلی کی طرح حرکت میں آیا اور ہاتھ کا انگوٹھا کسی چھوٹے پتھر کی طرح اس چوٹ سے محض نصف انچ دور زور سے لگا۔ ٹائیگر کو واقعتاً ستارے نظر آنے لگے۔ اس نے کئی بار سر جھٹکا۔ کئی بار پیچھے لیکن اچانک ہی اسے ایسا لگا جیسے اتھاہ گہرائیوں میں سے سورج نکلنے لگا ہو سب کچھ یاد آنے لگا۔ یہ یادیں کسی سیلاب کی طرح اس کے ذہن میں در آئیں۔

"میں جانتا ہوں۔" ٹائیگر اب بھی سر جھٹک رہا تھا لیکن اس بار اس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔ "میں جانتا ہوں کہ میرا نام شہزاد ہے۔"

"یہ سن کر مجھے خوشی ہوئی۔" اوشان نے روکھے لہجے میں کہا اس کا دایاں ہاتھ پھر حرکت میں آیا۔ اس بار حرکت بجلی کی رفتار سے بھی تیز تھی اور پھر اس کا بھرپور تھپڑ ٹائیگر کے گال پر چیک گیا۔

"اے..... رے..... یہ کیا ہے۔ لٹل فادر۔" ٹائیگر بوکھلا کر پیچھے ہٹ گیا۔

"یہ سزا ہے۔ تمہارے ایک حملے کی۔ تم نے سنا بجو کو ہانگ کانگ کا مضافاتی علاقہ کہا تھا۔ تم نے مجھے مینی کہہ کر میری توہین کی تھی تم نے ایک بزرگ کی بے عزتی کی تھی۔ یہ سزا ہے اس جرم کی جو تم نے اپنی خوراک کے بارے میں پابندیاں توڑ کر کیا تھا۔ یہ سزا ہے عورتوں سے گھلنے ملنے کی اور ڈاکٹر ہرام کو ٹیلی فون نہ کرنے کی۔"

"تو کیا آپ بھی میری وجہ سے پریشان ہو گئے تھے؟" ٹائیگر بدستور اپنا گال سہلا رہا تھا۔

"ہیں؟ اور تمہاری وجہ سے پریشان ہوں۔۔۔ ہنہ..... تم تو ایک حقیر سے آدمی ہو جو میرے بغیر ایک ہی ہفتے میں موت کے گھاٹ لگا سکتا ہے مجھے پریشان ہونے کی کیا ضرورت تھی۔"

چند لمحے قبل یہ سوچنے والا کینی کہ بوڑھے نے زنجیریں کیسے توڑ ڈالیں۔ اب پھر ٹائیگر بن گیا تھا۔ لہٰذا یہ سوال کرنا ہی غیر ضروری تھا۔ اس نے زنجیریں صرف اس باعث توڑ ڈالیں کہ وہ اوشان تھا۔ اس وقت اوشان کے گالوں پر سرخی تھی اور آنکھیں اس کی باطنی مسرت کی چغلی کھا رہی تھیں۔

"چلیں۔ ہمیں بہت سے کام نمٹانے ہیں۔" ٹائیگر نے کہا اور دروازے کی طرف پلٹ گیا۔

"یہ ہے ناشکرا پن۔ پہلے سنا بجو کو برا بھلا کہا، مجھ پر تہمتیں لگائیں۔ اپنا ہی پتا پوچھتے رہے اور اب حکم دیا جا رہا ہے۔" اوشان نے بھرکر کہا۔ "کیا میں کسی کا غلام ہوں؟ کیا میری عمر اتنی نہیں کہ لوگ میرے بڑھاپے کا احترام ہی کر لیں۔؟"

"فادر پلیز۔" ٹائیگر گڑگڑانے لگا۔ "اب میں رو پڑوں گا۔ اور ہاں۔ ایک بات دو ٹوک انداز میں کہنا چاہتا ہوں کہ اگر آپ نے کسی کو قتل کیا تو میں لاش کو ٹھکانے نہیں لگاؤں گا۔"

"احسان فراموش۔" اوشان پیر پٹخنے لگا۔ "تمہارا نہ تو دل گداز ہے اور نہ ہی تم کسی بوڑھے کا بوجھ ہلکا کر سکتے ہو۔"

دونوں اب راہداری نما گلیارے میں آ چکے تھے۔ دونوں کو میگی کی سسکیاں صاف سنائی دے رہی تھیں میگی کی کوٹھڑی کے دروازے پر قفل نہ تھا لہٰذا اسے کھولنے میں کوئی دقت نہ ہوئی۔

وہ زنجیروں میں قید تھی۔ گارڈ اس کے ساتھ ہی کھڑا تھا۔ اس کی پشت ٹائیگر کی طرف تھی۔ دائیں ہاتھ میں پستول تھا اور وہ اُسے تنگ کر رہا تھا۔

ٹائیگر اسے متوجہ کرنے کے لیے کھنکارا۔ گارڈ نے محض گردن گھمائی اسے صرف ٹائیگر نظر آیا کیونکہ اوشان اس کے پیچھے کھڑا ہوا تھا۔ گارڈ مسکرانے لگا۔ "یہ تمہیں بہت پسند کرتی ہے بی جے۔" اس نے قہقہہ لگا کر کہا "لیکن اب مجھے پسند کرنے لگی ہے۔ کیوں چڑیا۔ اب چہچہاؤ۔"

"میں تمہیں ترقی دیتا ہوں لڑکے۔" ٹائیگر نے شاہانہ انداز میں کہا۔

"واقعی؟" گارڈ نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

"ہاں۔ اب میں تمہیں اوپر بھیجنا چاہتا ہوں۔" یہ کہہ کر وہ آگے بڑھا اور اس نے گارڈ کا نرخرہ انگشت شہادت اور انگوٹھے کے درمیان پکڑ لیا۔ شوخ و شریر محافظ نے کھانسنے کی کوشش کی لیکن حلق میں کوئی رکاوٹ پیدا ہو گئی اس نے سانس لینا چاہی لیکن سانس درمیان میں ہی اٹک گئی۔ وہ کچھ بھی نہ سوچ سکا۔ یہ بھی نہ سوچ سکا کہ وہ مر رہا ہے..... اور مر رہا ہے۔

اوشان نے تیزی سے آگے بڑھ کر میگی کا لباس درست کر دیا۔

میگی کے چہرے پر پہلے تو سکون کے آثار نے جنم لیا اور پھر اچانک ہی اس کی آنکھیں شعلے برسانے لگیں۔

"تم مجھے تنہا چھوڑ دو۔" اس نے نفرت بھرے لہجے میں ٹائیگر سے کہا۔ "مجھے تمہاری کسی قسم کی مدد کی ضرورت نہیں ہے۔"

"سنو میگی۔" ٹائیگر نے نرم لہجے میں اسے مخاطب کیا۔ "میں اس وقت تفصیل و صراحت پیش نہیں کر سکتا اتنا بتا سکتا ہوں کہ ہم ایک کشتی میں سوار ہیں۔"

وہ پی جے کینی کے منہ پر تھوکنا چاہتی تھی لیکن پھر اس کی نظر اوشان پر پڑی جو ٹائیگر کے قریب کھڑا ہوا محبت بھری نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اسے ایسا لگا جیسے حالات قابو میں ہوں جیسے اب سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔

اس نے دونوں کو اپنی زنجیروں پر جھکتے ہوئے دیکھا پھر ان دونوں کے ہاتھ اٹھتے ہوئے دیکھے۔ یہ ہاتھ زنجیروں پر پڑے۔ پہلے اوشان کا ہاتھ پڑا اور پھر اوشان نے جس جگہ ضرب لگائی تھی اسی جگہ لگے ہی سیکنڈ ٹائیگر کا ہاتھ پڑا زنجیر ہلا اٹھی اور ٹوٹ گئی۔ میگی کو یوں لگا جیسے اس کی زنجیر میں قفل تھا ہی نہیں۔ کیونکہ اگلے ہی لمحے قفل ایک جھٹکے کے ساتھ نیچے گرا تھا وہ یہ بھی نہیں دیکھ پائی کہ تالا ان دونوں میں سے کس نے توڑا ہے۔؟

زنجیریں کسی اتارے گئے بوجھ کی طرح زمین پر گر پڑیں۔ میگی اپنی کلائیوں پھر پنڈلیوں کو ملنے لگی۔ اس نے غیر یقینی انداز میں ٹوٹی ہوئی زنجیروں کو دیکھا۔

"چلو۔" ٹائیگر نے اس کا بازو پکڑ لیا۔ "سابو کا ہمارا انتظار کر رہا ہے۔"

وہ اوشان اور ٹائیگر کے پیچھے چلنے لگی لیکن پھر پلٹی اور اس نے گارڈ کا پستول اٹھا لیا۔ "ممکن ہے مجھے اس کی ضرورت محسوس ہو۔" اس نے ٹائیگر سے کہا۔ اس کی خوب صورت آنکھوں میں نمی تھی۔

"ضرور۔ لیکن ہمارے راستے میں مت آنا۔ اس طرح تم زیادہ محفوظ رہو گی۔"

"مگر کس سے مسٹر کینی؟"

"ہم سب سے۔ اور ہاں۔ میں کینی نہیں ہوں۔" ٹائیگر نے مسکرا کر جواب دیا۔ اب وہ تیزی سے مین فلور کی طرف لے جانے والے زینے کی سمت جا رہے تھے۔

سب سے پہلے اوشان پہنچا اس نے لفٹ کا خفیہ بٹن دبا دیا اسی اثنا میں وہ دونوں بھی اوشان تک پہنچ گئے۔

"آپ کو اس بٹن کا علم کیسے ہوا فادر۔؟"

"یہ آواز پیدا کرتا رہا ہے۔ یوں سمجھ لو کہ پکارتا رہا ہے۔"

"میں نے تو کسی قسم کی آواز نہیں سنی۔" ٹائیگر نے کہا۔

"یقیناً نہیں سنی ہو گی۔ ایسی آوازیں ایسے لوگ ہی سن سکتے ہیں جو پاک صاف ہوں جن کا کردار بے داغ ہو۔" اوشان یہ کہتا ہوا لفٹ میں داخل ہو گیا۔ ٹائیگر بھی اس کے بعد آیا اور اس نے پانچ نمبر کا بٹن دبا دیا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ہر شخص کانفرنس روم میں موجود تھا۔

یہ لوگ دُنیا کے کونے کونے سے آئے تھے۔ ان میں گورے بھی تھے کالے بھی تھے۔ زرد چہروں والے بھی تھے اور سرخ چہروں والے بھی۔ سب اپنے اپنے ملک کے روایتی لباس میں تھے۔

ان تیس افراد میں سے بیشتر درجنوں قتل کر چکے تھے سب ہزاروں اموات کے ذمہ دار تھے۔ انہوں نے ہزاروں لڑکیوں کو عصمت فروشی کے جہنم میں دھکیلا تھا اور لاکھوں نوجوانوں، بچوں اور عورتوں کو ہیروئن کی لت ڈالی تھی۔

یہ سب مجرم تھے مگر خود کو تاجر سمجھتے تھے۔ یہ سب اپنے اپنے ملک کے شہری تھے مگر ان کی وفاداریاں بیرن سابو کا کے ساتھ تھیں اور اس کے ایک اشارے پر دُم ہلاتے ہوئے یہاں آ گئے تھے۔

اب وہ سابو کا کی تقریر سن رہے تھے۔

امریکی مافیا کا سرکردہ لیڈر میک پنسل سے کھیل رہا تھا۔ سابو کا نے جو منصوبہ پیش کیا تھا وہ نہ صرف اسے پسند آیا تھا بلکہ قابل عمل تھا۔

کبھی کبھی میک کی نظریں اٹھتیں اور دوسروں کے تاثرات دیکھنے لگتیں۔ کئی بار اس کی نظریں کیسل فورینا کے فورمنٹ اور نیویارک کے پیٹر وسبسکی سے ملیں۔ وہ آنکھوں ہی آنکھوں میں اس سے کچھ کہتے اور میک سر ہلانے لگتا۔ اس طرح جیسے سابو کا کی تائید کر رہا ہو۔

اس کے باوجود اسے کسی گڑبڑ کا شک ضرور ہو رہا تھا۔

سابو کا کی تقریر جاری تھی۔ منہ سے تھوک اڑ رہا تھا اور چہرہ سُرخ ہو رہا تھا۔ وہ بہت جوش میں تھا۔

"سوچو..... ذرا سوچو۔ ہماری اپنی قوم ہوگی اور ہمارا اپنا ملک ہوگا جس پر جرائم کا پرچم لہراتا رہے گا۔" سابو کا نے میز پر ہاتھ مار کر کہا۔ "وہاں بابے قوانین نہیں ہوں گے جو ہمیں پسند نہیں۔ کھیتوں میں انیفون کی کاشت کی جائے گی۔ فیکٹریاں ہیروئن بنائیں گی۔ جہاں دنیا کے کسی بھی گوشے سے آئے ہوئے مجرم کو پناہ مل سکے گی۔" یہ کہہ کر سابو کا نے سب کی طرف باری باری دیکھا۔ لوگ اثبات میں سر ہلا رہے تھے۔ صرف ایک شخص بولا۔ یہ پستہ قامت، دبلا پتلا، زرد رو اسپینڈ پوش، ڈونگ ہی تھا۔ مشرقی بعید میں مجرموں کا بے تاج بادشاہ

"ایسپیرا کی وفاداری کی کیا ضمانت ہے۔؟" اس نے بہت ہی مختصر سوال پوچھا۔

"ذرا پیچھے اسکرین پر دیکھو۔" سابو کا نے قہقہہ لگا کر اپنے سامنے لگا ہوا ایک بٹن دبا دیا۔ عقب میں چھوٹ کا ٹی وی رکھا ہوا تھا۔

اسکرین پر چوں ہی تصویر جھلملائی لوگوں نے اسکرین کی طرف چہرے کر لیے کئی تو کرسیاں گھما کر فلم دیکھنے لگے یہ ایسپیرا اور ایک لڑکی کی فلم تھی جس میں تمام تر لغویات پورے عروج پر نظر آ رہی تھیں۔

سابو کا نے یہ ٹوٹا پورے تیس سیکنڈ تک چلنے دیا۔ پھر آواز بند کر دی تاہم فلم چلتی رہی۔

"تو یہ ہے اسکو میا کا ہونے والا صدر۔" سابو کا نے فاتحانہ انداز میں کہا۔ "یہ ختنہ برسے کم نہیں۔ صرف عورت کی خاطر اپنی ماں کی قبر تک کھود سکتا ہے۔"

"درست۔" ڈونگ ہی کی انگریزی بہت شستہ تھی۔ "لیکن صدر بننے کے بعد یہ اپنی مرضی کی عورتیں منتخب کر سکتا ہے۔ اس کے پاس بہت دولت ہوگی۔"

دوسروں نے اس کا سوال بڑے غور سے سنا اور اثبات میں سر ہلاتے ہوئے جواب کے لیے سابو کا کی طرف دیکھنے لگے

"بہت اچھا نکتہ اٹھایا ہے مسٹر ہی۔" سابو کا مسکرا کر بولا۔ اس کے ساتھ اس کی نظر میک پر پڑی جس کے چہرے پر اضطراب کی نشانیاں تھیں۔ "تم نے بالکل درست کہا۔ صدر کی حیثیت سے ایسپیرا کو بعض اختیارات ضرور حاصل ہوں گے لیکن جہاں تک دولت کا تعلق ہے اس سلسلے میں اس کا خواب کبھی پورا نہیں ہوگا۔ گزشتہ پانچ ہفتے سے کارکنوں کی ایک ٹیم اسکو میا کے ایوان صدر میں سیوریج لائن ڈال رہی ہے۔ یہ ٹیم عام کارندوں پر مشتمل نہیں وہ سب کے سب فوجی ہیں۔ میرے آدمی ہیں۔ جب صدر دشمنی کو قتل کیا جائے گا تو قومی خزانہ المار یوں سے محل کے مشرقی حصے میں منتقل ہو جائے گا۔ پھر ہمارے دوست ایسپیرا کو علم ہوگا کہ وہ ایسے ملک کا صدر ہے جس کے خزانے میں پھوٹی کوڑی بھی نہیں، اتنی رقم بھی نہیں کہ صدر کی تدفین کی جا سکے۔ اس کے بعد ہم اس کی تنخواہ مقرر کر دیں گے۔"

لوگوں نے مسکرا مسکرا کر منصوبے کی تائید کی ان کے نزدیک اس منصوبے میں کوئی کمزور پہلو نہیں تھا۔

تب ہی میک نے وہ سوال کیا جو بہت دیر سے کرنا چاہتا تھا۔۔۔۔ "بی بے کینی کے بارے میں ابھی تک کچھ نہیں کہا گیا۔ وہ کہاں ہے؟"

"میں اسی موضوع پر آ رہا تھا مسٹر میک۔" سابو کا نے سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔ "بی بے کینی بذاتِ خود ایسپیرا کے لیے مشروط تعاون کی ضمانت ثابت ہوگا۔ فردوسی سے نئے ہونے حضرات نے یقیناً بی بے کینی کے بارے میں ضرور سنا ہوگا۔ میرا خیال ہے کہ دوسرے ممالک سے تعلق رکھنے والے دوست بھی اس کے کارناموں سے واقف ہوں گے میری تجویز ہے کہ ہم بی بے کینی کو اسکو میا میں اپنا پریذیڈنٹ منیجر مقرر کر دیں ساتھ ہی ایسپیرا پر واضح کر دیں کہ اگر اس نے ہماری بتائی ہوئی حدود سے تجاوز کیا تو کینی اس کا ٹینٹوا دبانے کے لیے وہاں موجود ہوگا۔ کینی کی موجودگی میں کسی دوسرے گروپ کو بھی ہماری حکومت کا تختہ الٹنے کی نہیں سوجھے گی۔" سابو کا نے یہ جملے بہت ہلکے پھلکے اور نرم لہجے میں ادا کئے تھے لیکن ان کا مفہوم واضح تھا۔ فردوسی مافیا کے سربراہ نے کرسی پر پہلو بدلا اور میک بھی پنسل سے کھیلنے لگا۔ ان دونوں کے لیے سابو کا کا پیغام بہت واضح تھا۔

"کیا آپ کو سوال کا جواب مل گیا مسٹر میک۔" سابو کا نے پوچھا۔

میک ہنکارا بھر کر رہ گیا۔

"مسٹر کینی اس وقت قلعہ ہی میں ہے اور کسی بھی وقت یہاں آ سکتا ہے۔ میں واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ وہ لوگ اسے دیکھ کر نہ چونکیں جنہوں نے اسے ماضی میں دیکھا ہے کیونکہ وہ بالکل نئے چہرے میں سامنے آ رہا ہے۔"

"لیکن اس کا کام ماضی کی طرح ہی مؤثر ہوگا؟" کسی نے پوچھا۔

"یقیناً۔" سابو کا نے بڑے اعتماد سے جواب دیا۔ "درحقیقت وہ قیامت بن چکا ہے۔ اس کا فن اور اس کی ایمان داری اسکو میا میں ہمارے بہت کام آئے گی"

امریکیوں نے جو ایک ہی جگہ بیٹھے ہوئے تھے اثبات میں گردن ہلائی لیکن میک اسکرین کی طرف دیکھتا رہا۔ وہ اس وقت صرف یہ سوچ رہا تھا کہ اسکرین پر قیامت بکھیرنے والی سنہری زلفوں والی حسینہ کون ہے؟ لڑکی اپنے فن میں طاق تھی۔ کیا یہ لڑکی قلعہ میں موجود ہوگی؟ میک نے سوچا اور پھر فیصلہ کیا کہ وقت ملتے ہی وہ اس بارے میں سابو کا سے ضرور بات کرے گا۔ "مالی بندوبست کس نوعیت کا ہے؟" اس نے جھجھری لے کر پوچھا۔

"یہاں ۲۲ ممالک کے نمائندے موجود ہیں۔" سابو کا نے جواب دینے کے لیے حسب عادت تمہید باندھی۔ "امریکا سے آٹھ اہم خاندانوں کی نمائندگی ہے۔ سابو کا کی خاندان سے مراد مافیا کے گروہ تھے۔ اس مشن کے لیے ہم ہر خاندان کو ایک الگ ملک کا نمائندہ تصور کریں گے۔ ہماری اس پراپرٹی ملک میں رکنیت کی فیس پانچ لاکھ ڈالر ہوگی۔" سابو کا یہ کہہ کر معنی خیز انداز میں مسکرانے لگا۔ تمام لوگ خاموش رہے کیونکہ انہیں علم تھا کہ سابو کا کی بات ابھی ختم نہیں ہوئی ہے۔ "اور ہر ایسا شخص جس کو ہمارے ملک میں پناہ کے لیے بھیجا جائے گا اس کو پناہ دینے کے عوض ۲۵ ہزار ڈالر لیے جائیں گے۔"

"لیکن ہمیں اس سرمایہ کاری سے کیا حاصل ہوگا؟" نیویارک کے پیٹر وسبسکی نے پوچھا۔

"مسٹر پیٹر وسبسکی۔" سابو کا کا انداز شاہانہ ہو گیا۔ "تم شاید اسی نتیجے پر پہنچے ہو کہ سابو کا کافی شخص پناہ کے ۲۵ ہزار ڈالر لے گا لیکن میرا کہنا یہ ہے کہ یہ رقم اسکو میا کے لیے کینی لے گا اور پھر یہ رقم مجھے ملے گی۔ یہ رقم صدر ایسپیرا کے توسط سے بھی بھیجی جا سکتی ہے۔ اس کے عوض تم اس شخص سے جو پناہ کا متلاشی ہو۔ پچاس ہزار ڈالر بھی لے سکتے ہو اور ایک لاکھ بھی۔ یعنی فرض کرو کہ تم نے پناہ کے متلاشی شخص سے دو لاکھ ڈالر لیے تو اس رقم میں سے تم صرف ۲۵ ہزار ڈالر اسکو میا کو ادا کرو گے اور یہ گھاٹے کا سودا نہیں۔"

"پانچ لاکھ ڈالر کی ابتدائی سرمایہ کاری کا مقصد؟"

"یہ رقم تمہیں اجارہ داری دلوائے گی۔ وہی گروپ۔ یا ملک کسی کو اسکو میا بھیجنے کے مجاز ہوں گے جو رکنیت کی فیس ادا کریں گے ان کے بھیجے ہوئے افراد ہی کو پناہ ملے گی۔ میرا خیال ہے کہ اس طرح تم لوگ اپنی ابتدائی سرمایہ کاری کی اصل رقم محض چند ماہ میں ڈبل حاصل کر لو گے۔"

فردوسی گروپ کے سربراہ نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ اس کے لیے یہ واقعی منافع کا سودا تھا۔ کیونکہ جعلی فنانس کمپنیوں کے درجنوں مالکان فردوس سے فرار اور کسی ملک میں پناہ کے لیے بے چین تھے۔ اس نے حساب لگایا تو فوری

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

طور پر اسے دس لاکھ ڈالر کے منافع کا یقین ہو گیا۔

"میں جانتا ہوں کہ اکثر لوگوں کے ذہن میں اور بھی دوسرے سوالات جنم لے رہے ہوں گے۔" سالبو کا نے کہا۔ "یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کے رکن ملک کسی ایسے شخص کو اسکو مبا بھیج دیں جس کی موت اس رکن ملک کے گروپ کو مقصود ہو۔ ایسی صورت میں وہ شخص اسکو مبا کی کسی بھی سڑک پر ٹرک یا کار کے پیچھے آ کر ہلاک ہو سکتا ہے۔ مثال کے طور پر پیٹرو وسیکی کو ایک شخص کے قتل کا کنٹریکٹ ملتا ہے اور پیٹرو اپنے علاقے میں قتل نہیں چاہتا۔ تب پھر صرف اتنا کرنا ہو گا کہ کسی طرح اس شخص کو اسکو مبا بھیج دیا جائے۔ باقی کام ریاست اسکو مبا کا ہو گا۔ کینی اس سلسلے میں پیٹرو کی مدد کرے گا۔"

امریکی مافیا کے لیڈروں نے ایک دوسرے کو معنی خیز نظروں سے دیکھا۔ وہ سب کچھ سمجھ گئے تھے اسی طرح ڈونگ ہی نے بھی ہر بات سمجھ لی اور میز پر موجود تمام افراد کے سر اثبات میں ہلنے لگے۔

"حضرات!" سالبو کا نے دونوں ہاتھ میز پر رکھ کر آگے کو جھکتے ہوئے کہا۔ "... میں فوری طور پر جواب کے لیے کسی پر کوئی دباؤ ڈالنا نہیں چاہتا تھا لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہمارے منصوبے پر اگلے ۴۸ گھنٹوں میں عمل ہونے والا ہے لہٰذا مجھے جواب ابھی درکار ہے۔"

"اگر ہمارا جواب نفی میں ہوا تو؟" ڈونگ ہی نے پوچھا

"تب پھر میں صرف یہی کہوں گا کہ اس انکار سے منصوبے پر کوئی اثر نہیں پڑے گا اگر کوئی اس میں حصہ لینا نہیں چاہتا تو یہ اس کی مرضی ہے۔ پھر میں اس ملک میں دوسرے گروپ سے سودا کرنے کے لیے آزاد ہوں گا۔"

"مگر اس پر خرچہ بہت آ رہا ہے۔" میک نے کہا۔ دراصل ہر بحث کے خاتمے پر وہ یہ جملہ کہنے کا عادی تھا۔ یہ بات جداگانہ کہ وہ جس تجویز پر زیادہ اخراجات آنے کا اعتراض کرتا تھا اس کی حمایت ضرور کرتا تھا۔ لوگوں نے فوراً ہی آپس میں مشورے شروع کر دیے۔ ادھر سالبو کا کو علم تھا کہ اس نے ڈونگ ہی کو دوسرے گروپ سے سودے بازی کی جو دھمکی دی ہے اس کا سب پر اثر ہوا ہے اور اب کوئی بھی منصوبے میں شامل نہ ہونے کی غلطی نہیں کرے گا۔ "چند منٹ بعد ڈونگ کھڑا ہوا۔" ہیرن سالبو کا!" اس نے اپنے مخصوص انداز میں کہا۔ "اس منصوبے میں شامل ہونا بڑے اعزاز کی بات ہو گی۔" اس نے اپنا اور دوسروں کا مختصر فیصلہ سنا دیا۔

تب ہی سالبو کا کو لفٹ رکنے کی مخصوص آواز سنائی دی۔ "تھینک یو مسٹر ہی۔" اس نے مسکرا کر کہا۔ "میرا خیال ہے کہ کینی آ رہا ہے ممکن ہے کہ بعض افراد ہمارے ریذیڈنٹ منیجر سے ملنے کے خواہشمند بھی ہوں۔" یہ کہہ کر وہ خود لفٹ کے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

پہلے کینی کی حیثیت میں متعارف ہونے والا ٹائیگر لفٹ کا دروازہ کھلتے ہی باہر نکلا۔ "کینی!" سالبو کا نے دھیرے سے کہا۔ "بعض لوگ تم سے ملنا چاہتے ہیں۔"

"اور میں بھی بعض لوگوں کو بلانے کے لیے آیا ہوں۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ اس کی نظریں میز پر تھیں اور میز والوں کی نظریں لفٹ کی طرف۔ تب ہی اوشان اور مینگی لفٹ سے نمودار ہوئے۔

"میرا خیال تھا کہ تم نے ان کا قصہ تمام کر دیا ہو گا۔" سالبو کا نے بڑی حیرت کا مظاہرہ کیا۔

"تمہارا خیال غلط تھا۔" ٹائیگر نے سرد لہجے میں جواب دیا۔ ساتھ ہی وہ سالبو کا کے قریب کھڑا ہو گیا۔ اسی جگہ وہ اسکرین تھا جس پر ایسپرانزا اور حسینہ کی خاموش فلم ابھی تک چل رہی تھی۔

"کیا بات ہے کینی! تم کچھ پریشان ہو حالانکہ منصوبے پر عمل کا وقت سر پر پہنچ گیا ہے۔" سالبو کا نے ٹائیگر کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بہت نرم لہجے میں پوچھا۔

"تم دو غلطیاں کر رہے ہو ہیرن۔" ٹائیگر کا لہجہ اس بار بالکل سپاٹ تھا۔ "پہلی یہ کہ تم مجھے پی ہے کینی سمجھ رہے ہو جبکہ میں کینی نہیں ہوں اور دوسرے یہ کہ منصوبے پر عمل کے سلسلے میں تم بہت پرامید ہو حالانکہ تمہارے کسی منصوبے پر عمل نہیں ہو گا۔" یہ کہہ کر اس نے ایک اور قدم اٹھایا اوشان بھی اس کے پیچھے بڑھا اس کی آنکھیں ڈونگ ہی پر جمی ہوئی تھیں جو لفٹ کے سامنے کھڑے ہوئے ان سایوں کو ہی دیکھ رہا تھا لیکن جونہی اس کی نظر اوشان پر پڑی اس کے اعصاب کشیدہ ہو گئے۔

"یہ کون ہے؟" اس نے بے اختیار سالبو کا سے پوچھا۔

سالبو کا نے اوشان کی طرف دیکھ کر کچھ کہنا چاہا مگر اسی لمحے اوشان کی آواز کانفرنس روم میں گونجنے لگی۔ "میں سانچو کا ماسٹر ہوں۔"

ڈونگ ہی بہت کریہہ انداز میں چیخا اس نے بھاگنے

تاریخ کے نامور مصنّف

اسلم راہی

کے ایمان افروز قلم سے ایک

خوبصورت تحفہ

ایم اے

ابلیکا

جسمیں حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر خاتم الانبیا حضرت محمّد صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تک دنیا کی مکمل تاریخ پیش کی گئی ہے۔

آپ کی ذاتی لائبریری کیلئے ایک انمول اور مستند اضافہ
جس کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔
خوبصورت سرورق، بہترین کتابت وطباعت
پانچ ہزار صفحات پر مشتمل،

مکمل سیٹ سات جلدوں میں دستیاب ہے اپنے آرڈر سے مطلع فرمائیں!

ناشر

مکتبہ القریش، سرکلر روڈ، اردو بازار، لاہور ۲

فون: ۷۶۶۸۹۵۸

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کی کوشش کی تو فرانسیسی سی بچ گئی۔ تربیت یافتہ قاتل ہاتھ خنجر ہولسٹروں کی طرف رینگ گئے۔ مگر اسی اثنا میں اوشان فضا میں معلق ہوا۔ ایسا لگا جیسے نیلی قبا ہوا میں تیر رہی ہو اور اگلے ہی لمحے وہ کانفرنس ٹیبل کے دوسرے سرے پر تھا اس کی للکار گونج رہی تھی۔ "انسانوں کو گمراہ کرنے والو انسانی گوشت خورو تمہارا خاتمہ قریب ہی ہے۔ بتی نے پنجے کھول لیے ہیں۔"

ڈونگ ہی نے کرسیوں کے درمیان سے نکلنے اور کسی شخص سے بچنے کی کوشش کی جس کی داستانیں وہ بچپن ہی سے سنتا آیا تھا۔ اس نے میز کے نیچے چھپنے کی کوشش کی لیکن اس سے قبل کہ وہ سر میز کے نیچے لے جاتا دنیا کے عظیم ترین جلاد کی کھڑی ہتھیلی اس کی گردن پر پڑی اور منکا چٹاخ کی آواز کے ساتھ ٹوٹ گیا۔

تب ہی کئی گولیاں ایک ساتھ چلیں لیکن ماسٹر ان گولیوں سے اس طرح بچا کہ لوگوں کو اپنی آنکھوں پر اعتبار نہ رہا ٹائیگر میگی کو دوسرے کمرے میں کھینچ کر لے گیا اس نے ایک دیوار کی آڑ لے لی اور میگی سے کہا۔ "اب تم اوشان کا کچھ تم نے ایسا فن پہلے کبھی نہیں دیکھا ہو گا۔"

اوشان اب بجلی کی طرح حرکت کر رہا تھا۔ اس کی رفتار گولیوں کی رفتار کو بھی مات دے رہی تھی۔ اس کے ہاتھ اتنی تیزی سے چل رہے تھے کہ انسانی آنکھ انہیں دیکھنے سے قاصر تھی۔

لاشیں گرنے لگیں۔

جو زندہ تھے وہ اوشان کو پکڑنے کی کوشش میں ایک دوسرے سے ٹکرانے لگے۔

چاقو نکلے مگر انہی لوگوں کے پیٹ میں گھس گئے جنہوں نے چاقو نکالے تھے۔ پنسل اور قلم اوشان کے ہاتھوں میں خطرناک میزائلوں سے بھی زیادہ خطرناک حیثیت اختیار کر چکے تھے بس ایک بار نشانہ خطا ہوا۔ اوشان کی پھینکی ہوئی پنسل کی جسم میں گھسنے کی بجائے میز میں گھستی چلی گئی۔

"لٹل فنادر۔ خیال سے۔ نشانہ خطا ہو رہا ہے۔" ٹائیگر نے للکارا اور پھر میگی سے بولا۔ "ابھی اوشان ورزش کر رہا ہے میگی! جب پوری طرح تیار ہو جائے گا تو پھر دیکھنا۔"

اور میگی کی آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں۔ وہ موت کا جیتی رقص دیکھ رہی تھی۔

پھر فوراً ہی اس نے کہا۔ "لیکن یہ فلم صرف بالغوں کے دیکھنے کی ہے تم مت دیکھو میگی۔"

میگی نے فوراً منہ پھیر لیا۔

"یہ سابو کا کہاں نکل گیا۔" ٹائیگر نے پلٹتے ہوئے کہا اس نے تیزی سے اوندھی پڑی ہوئی لاشیں سیدھی کرنی شروع کر دیں مگر ان میں سابو کا کی لاش نہیں تھی۔

"اگر تم محض مبصر بنے رہتے تو وہ کہیں نہیں جا سکتا تھا۔" اوشان نے تلخ لہجے میں کہا۔

"اسے پکڑنا بہت ضروری ہے۔ ڈرچ مین کا پتہ اسی سے ملے گا۔" ٹائیگر اضطراری کیفیت میں بولا لیکن جونہی اس کی نظر اوشان سے ٹکرائی اسے ایک لمبی سانس لے کر اس اضطراری کیفیت پر قابو پانا پڑا۔ ماسٹر اسے شعلہ گیں نظروں سے گھور رہا تھا۔

"یہ صرف نیس ہی تو تھے لٹل فادر۔" وہ مسکرا کر بولا "میں نے سوچا کہ انہیں آپ کے لیے چھوڑ دوں۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ وہ خبیث کہاں نکل گیا۔"

اسی لمحے قلعہ میں گڑگڑاہٹ کی آواز گونجنے لگی۔

"اوہ۔ اوپر چھت پر۔" ساتھ ہی اس نے ادھر ادھر دیکھا مگر اسے کوئی زینہ نظر نہیں آیا۔ "مگر کیسے گیا۔!"

اوشان نے اس کا جواب دیا۔

پہلے وہ فرش پر تھا، پھر اس نے زقند بھری اور میز پر پہنچ گیا اور پھر فضا میں اچھل کر اس نے گنبد پر ضرب لگائی ساتھ ہی اس نے قلابازی کھائی ایک شہتیر پکڑا اور شیشے کے گنبد کو توڑتا ہوا نکل گیا۔

اسی لمحے ٹائیگر کا جسم عمودی انداز میں بلند ہوا اور وہ بھی شہتیر پر جھولتا ہوا گنبد سے نکل گیا یہیں ٹھہرنا میگی۔ اس نے صرف اتنا کہا تھا اس نے اوشان کو جلد ہی جا لیا۔ لیکن غالباً انہیں دیر ہو چکی تھی۔ ایک سرخ ہیلی کاپٹر فضا میں بلند ہو رہا تھا۔

✣

دوسرا ہیلی کاپٹر جونہی بلند ہوا اوشان اور ٹائیگر ایک ساتھ اس کی طرف لپکے اور انہوں نے لمبی زقندیں بھر کر دائیں ونگ ہیل کی راڈ کو پکڑ لیا۔ انجن زور سے گرجا۔ ہیلی کاپٹر نے مزید بلند ہونے کی کوشش کی لیکن ایسا محسوس ہوا جیسے نیچے کوئی مقناطیس اسے کھینچ رہا ہو۔ ہیلی کاپٹر اس وقت چھت سے صرف چار فٹ کی بلندی پر تھا۔

تب ہی معاون ہوا یا زنے اپنی زندگی کی پہلی اور آخری غلطی کی۔ اس نے کھڑکی کھول کر اوشان کے پنجے مارنا چاہا لیکن اس کا ہاتھ اوشان کے بائیں ہاتھ میں آ گیا اور پھر وہ کھڑکی سے باہر نکلتا ہوا قلعہ کے میدان میں جا گرا۔ ادھر ٹائیگر نے راڈ کو دبانا شروع کیا ساتھ ہی وہ کھڑکی کے ذریعہ اندر کود گیا۔ اگلے ہی لمحے دوسرا ہوا یا زبھی اسی کھڑکی کے راستے نیچے گر رہا تھا۔ چند سیکنڈ بعد ہیلی کاپٹر چھت پر بیٹھ گیا۔ اور ٹائیگر نے جوں ہی انجن بند کرنے پنکھے بھی بند ہونے لگے "کیا تعاقب کریں؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"یقیناً۔" اوشان نے جواب دیا۔ اسی لمحے انہیں مشین کی گنگناہٹ جیسی آواز سنائی دی انہوں نے پلٹ کر دیکھا چھت کا ایک حصہ اٹھتا جا رہا تھا دیکھتے ہی دیکھتے میگی اس میں سے نمودار ہوئی۔ "یہ اس کا خفیہ راستہ تھا۔" میگی نے اپنی دریافت کا انکشاف کیا۔ "کہاں گیا وہ؟"

ٹائیگر نے اس سرخ ہیلی کاپٹر کی طرف اشارہ کیا جو اب آہستہ آہستہ دور ہوتا جا رہا تھا۔

"تب پھر اس کا تعاقب کیوں نہیں کرتے۔؟" وہ دوسرے ہیلی کاپٹر کی طرف ہاتھ اٹھا کر بولی۔

"میں آج ہیلی کاپٹر نہیں چلانا چاہتا۔"

"اور میں شاگرد کی موجودگی میں کسی مشین کو نہیں چلاتا۔" اوشان نے فوراً جواب دیا۔

"چلو۔ میں چلاؤں گی۔" میگی کسی بحث میں پڑنا نہیں چاہتی تھی۔ یوں ان دونوں کو بحث کا موقع نہ مل سکا میگی، ہوا باز کی سیٹ پر بیٹھ گئی اور ٹائیگر اس کے برابر میں — اوشان نے ٹائیگر کے برابر جگہ خود ہی بنالی۔ اگلے ہی لمحے ہیلی کاپٹر فضا میں بلند ہو رہا تھا۔ اوپر جا کر میگی نے رفتار بڑھا دی اور ہیلی کاپٹر تدریج سے پہلے ہیلی کاپٹر سے قریب ہونے لگا۔

"گڈ ورک میگی۔" ٹائیگر نے اس کی تعریف کی۔ "ہوٹل واپس چلنے پر میں تمہیں اس کا انعام ضرور دوں گا۔"

"سوری۔" وہ منہ بنا کر بولی۔ "آج کل میں پی ہے کینی کے سوگ میں ہوں۔"

ٹائیگر ہنس پڑا ویسے اسے خود معلوم تھا کہ اب ہوٹل کے کمرے میں رات اور دن اس طرح نہیں گزر سکیں گے کیونکہ اس کی یادداشت واپس آ چکی تھی اور وہ جانتا تھا

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کرنا ٹائیگر کے لیے بے حد اہم تھا۔

دونوں ہیلی کاپٹروں میں فاصلہ کم ہوتا رہا اور دونوں کا رُخ اسکوبا کی طرف تھا جبکہ سابو کا کے ہیلی کاپٹر سے اب اسکوبا کی سرزمین صاف دکھائی دے رہی تھی۔

ٹائیگر نے سابو کا کے ہیلی کاپٹر کی بلندی کم ہوتے دیکھی۔ اس سے قبل کہ وہ میگی کو ہدایت کرتا برطانوی ایجنٹ نے بھی اپنے ہیلی کاپٹر کی بلندی میں کمی شروع کر دی۔ اب ان کا ہیلی کاپٹر بھی جزیرہ نما اسکوبا کی فضاؤں میں داخل ہو چکا تھا انہیں بائیں پھیلے سے ملک کی اکلوتی بلند عمارت دور سے نظر آنے لگی۔ یہ نیلی عمارت باغات اور جھیلوں میں گھری ہوئی تھی سابو کا کے ہیلی کاپٹر کا رخ اسی عمارت کی طرف تھا۔ چند ہی لمحے بعد ہیلی کاپٹر عمارت کی چھت پر اتر چکا تھا اور اس سے تین افراد کود کر نکلے تھے۔ انہوں نے نکلتے ہی دوڑنا شروع کر دیا

میگی کے ہیلی کاپٹر کی رفتار اور بڑھ گئی ساتھ ہی بلندی کم ہوتی گئی اور محض ۴۵ سیکنڈ بعد یہ ہیلی کاپٹر بھی چھت پر لینڈ کر چکا تھا۔

"شاندار۔" ٹائیگر نے میگی کو شاباش دی ساتھ ہی ساتھ سابو کا کے ہیلی کاپٹر کی طرف دیکھا جس میں اب کوئی نہ تھا

"فادر۔! صدر کی حفاظت آپ کریں گے نا۔" ٹائیگر نے درخواست کرنے والے لہجے میں کہا۔ "نائب صدر اسے قتل کرنے کی کوشش کرے گا۔ میں اور میگی سابو کا کو دبوچنے کے لیے جا رہے ہیں۔"

"اس کا جملہ ختم بھی نہ ہوا تھا اور اوشان اپنے مشن پر روانہ ہو چکا تھا۔ وہ کسی بندر کی طرح اچھلا اور بلند درختوں کی ٹہنیوں پر جھولتا ہوا نیچے تک چلا گیا۔ اب اس کا رُخ محل کے سامنے والے حصے کی طرف تھا۔

دو محافظوں نے گھاس کے لہلہلانے کھیت سے اچانک ہی ایک بوڑھے کو نمودار ہوتے دیکھا تو وہ قدرے چوکنا ہو گئے انہیں حکم ملا تھا کہ وہ کسی کو بھی اندر نہ گھسنے دیں۔ یہ حکم نائب صدر نے خود دیا تھا۔

پل بھر میں اوشان ان کے بالکل قریب پہنچ گیا وہ نقلیں سیدھی کر کے اس کا راستہ روکنے لگے۔ لیکن جونہی انہوں نے رائفل کے بٹ مارنے کے لیے اٹھائے اوشان زقند بھر کر غائب ہو گیا۔

"کہاں گیا؟" ایک گارڈ نے پلٹ کر دوسرے سے پوچھا

"پتا نہیں۔ لیکن میں نے اس کی آواز ضرور سنی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا ایکسکیوز می۔"

"کمال ہے۔" گارڈ نے سر جھٹک کر کہا مگر اب ان کی نظریں ٹائیگر اور میگی پر تھیں جو محل کے مشرقی حصے کی طرف بڑھ رہے تھے۔

محل کے وسطی حصے میں پہلی منزل پر ایک اور گارڈ موجود تھا۔ اس نے اپنے کندھے پر کسی کا ہاتھ محسوس کیا۔ اسے پلٹنا پڑا۔ ایک بوڑھا اسے دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ "صدر مملکت کہاں تشریف فرما ہیں۔"

"تم یہاں کیسے گھس آئے۔" گارڈ نے غرا کر پوچھا۔ لیکن اوشان سے ایسی صورت حال میں سوال جواب کرنا اس کی غلطی ہی تھی۔ اس کے ایک ہاتھ پر اوشان نے ہاتھ رکھا اور اعصابی رگوں کو انگلیوں سے مسل دیا۔ گارڈ کو یوں لگا جیسے اس کی ریڑھ کی ہڈی میں کسی نے درجنوں سوئیاں چبھو دی ہوں۔

"صدر مملکت کہاں تشریف رکھتے ہیں۔ احمق۔" اوشان نے پھر پوچھا۔

"اوپر۔" گارڈ کو صرف جواب دینے کی جہت ہی اور پھر وہ بے ہوش ہو کر گرتا چلا گیا۔ اوشان زینے پر پہنچا۔ اگر اس وقت کوئی اسے دیکھ لیتا تو یہی کہتا کہ اوشان اڑ رہا ہے کیونکہ لمحے میں اس کے پیر نظر نہیں آ رہے تھے۔ صدر کے دفتر کی طرف لے جانے والے ڈبل ڈور پر کوئی محافظ نہیں تھا۔ لہٰذا اوشان نے دروازے کو دھکا دیا اور اندر گھس گیا

اندر ڈیسک پر صدر دشتی کام میں مصروف تھا اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ "پھر ایک لمحے کے لیے گنگ سے ہو گئے لیکن پھر بولے۔" معاف کیجیے گا۔ میں کمرے میں مشرقی لبادہ دیکھ کر حیرت زدہ ہو گیا تھا۔"

"اس دنیا میں کسی بات پر حیرت زدہ ہونے کی گنجائش نہیں۔" صدر دشتی کو دیکھتے ہوئے اوشان نے کہا۔

"درست۔" صدر کا ہاتھ سگنل بٹن کی طرف بڑھنے لگا "اس سے قبل کہ آپ یہ بٹن دبائیں میں یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ بعض لوگ آپ کو قتل کرنے کے لیے اس طرف آ رہے ہیں۔"

صدر کو یقین تھا کہ کوئی پاگل ان کے کمرے میں گھس آیا ہے۔

"آپ تشریف لے جائیں تو بہتر ہے محترم۔" صدر

نے کہا۔

"اگرچہ صدر کو اپنی جان کی پروا نہیں لیکن میں ان کی جان بچانے کے لیے یہیں ٹھہروں گا۔" اوشان نے ایک دیوار کو دیکھ کر کہا۔ تو صدر کا ہاتھ الارم بٹن کے اوپر پہنچ گیا

✣

نیچے ہال میں ایسپیرا اپنے دفتر میں کھڑا دو افراد سے محو گفتگو تھا۔ "ہیرن سابو کا آ چکا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں اپنا کام شروع کر دینا چاہیے۔" وہ دونوں یورپی لگ رہے تھے۔

"میں نے صدر کے دفتر سے محافظ ہٹا دیے ہیں تاکہ اندر جانے میں کوئی دشواری نہ ہو۔ بس صرف گولی چلانی ہے گولیوں کی آواز کے بعد ہی میں اس طرف آؤں گا اور تمہارے اس بیان کی تائید کروں گا کہ بعض ایسے افراد نے صدر کو گولی ماری ہے جو اندر آگے تھے اور تم نے انہیں روکنے کی ہر ممکن کوشش کی تھی۔"

وہ دونوں پروفیشنل تھے لہٰذا ان کی مسکراہٹ بھی پیشہ ور غنڈوں کی مسکراہٹ تھی۔

"بس۔ اب جلدی کرو۔ ممکن ہے کہ گارڈ واپس پہنچ جائیں۔" ایسپیرا نے حکم دیا جس پر وہ دونوں تیزی سے چلتے ہوئے کمرے سے نکلے اور صدارتی چیمبر کی طرف لپک گئے جبکہ ایسپیرا اپنے دفتر کے دروازے کی چوکھٹ پر کھڑا ہو گیا۔ اس نے اپنے دونوں آدمیوں کو صدر کے کمرے کا بھاری ڈبل ڈور دھکیلتے اور پھر اندر جاتے ہوئے دیکھا اب اسے شدت سے گولیوں کی آواز کا انتظار تھا وہ ان دونوں کو بہ حفاظت صدارتی محل سے نکالنا بھی چاہتا تھا لیکن اس طرح کہ ان کی لاشیں ہی بہ حفاظت جائیں۔ اس طرح وہ خود کو صدر دشتی کا وفادار بھی ثابت کر سکتا تھا جونہی ڈبل ڈور پھر بند ہوا اس نے اپنے پستول کا سیفٹی کیچ ہٹا لیا۔

✣

سابو کا نے ایوان صدر کی عمارت میں گھسنے کے بجائے مشرقی حصے کا رُخ کیا جہاں سیوریج لائن ڈالنے والے کام کر رہے تھے۔ کارکنوں کا فورمین سابو کا کو اس طرح بھاگتے ہوئے آتا دیکھ کر چوکنا ہو گیا۔

"چلو۔ جلدی کرو۔ ہمیں جلدی کرنی ہے۔" سابو کا نے پھولی ہوئی سانس کو قابو میں کرتے ہوئے حکم دیا۔ اس حکم کے ساتھ ہی فورمین نے سیوریج کے لیے کھودے گئے خندق نما گڑھے میں چھلانگ لگا دی۔ یہ خندق دراصل مشرقی دیوار کے ساتھ چالیس فٹ تک متوازی گئی تھی سابو کا کو نے بھی اس کی تقلید کی۔ اس دوران کارکن بھی منتشر ہونے لگے فورمین نے سابو کا کو وہ سرنگ دکھائی جو سیدھی محل کے اندر جا رہی تھی یہ سرنگ انسانی قد سے اونچی تھی۔ فورمین نے دیوار پر ٹارچ سے روشنی ڈالی۔ یہ بہاں کارندوں نے واقعی عمدہ کام کیا تھا اور محل کی دیوار کی ایڈیشن اس طرح مسئلے سے الگ کر دی تھیں کہ وہ ہلکے دھکے سے گر سکتی تھیں۔

"بس۔ ہتھوڑے سے ضرب لگانی ہو گی اور پوری دیوار گر جائے گی۔" فورمین نے کہا۔

"تب پھر ضرب لگاؤ۔" سابو کا بے صبرے پن سے بولا۔ "اب ایک ایک لمحہ قیمتی ہے۔" ساتھ ہی اس نے ایک شخص کو ہاتھ سے اشارہ کیا کہ وہ اپنا ٹرک خندق کے کنارے تک لے آئے۔ اسے یقین تھا کہ چند منٹوں کے بعد ایسپیرا صدر بن جائے گا ایسے ملک جس کا خزانہ خالی ہو گا پھر اس کا ملک میں صرف وہی کھیل ہو گا جس کے کھیلنے کی اجازت سابو کا دے گا۔

فورمین نے ہتھوڑا اٹھا لیا اور تاریک سرنگ کے اندر چلا گیا۔ کچھ ہی دیر بعد اندر سے سابو کا کو عجیب سی آوازیں سنائی دیں۔ اس کے بعد ایسا لگا جیسے فرش پر پتھر گر رہے ہوں ایک لمحہ بعد یہ آوازیں آنا بند ہو گئیں اور پھر فورمین واپس آ گیا۔ "کام ہو گیا۔"

"سابو کا پسکتا ہوا اندر گیا اسے علم تھا کہ عزانے کی دیوار ٹوٹ گئی ہے۔ اندر اس نے ہاتھ مارا۔ دیوار کے پتھر ٹوٹ کر الگ ہو چکے تھے اس نے ایک پتھر کھینچ لیا۔ پتھر آسانی سے گر گیا پھر سابو کا تیزی سے دوسرے پتھر گرانے لگا حتیٰ کہ دیوار میں ایک بڑا سا سوراخ بن گیا۔ اس نے مسکراتے ہوئے سوراخ میں جھانکا، پھر اندر قدم رکھا اب وہ ایک چھوٹے سے کمرے میں تھا۔ جو بمشکل بیس فٹ کا ہو گا اندر بہت اندھیرا تھا۔ اور سابو کا کی آنکھیں ابھی اتنے اندھیرے کی عادی نہیں ہوئی تھیں لیکن آہستہ آہستہ اس کی آنکھیں تاریکی میں دیکھنے کے قابل ہوتی گئیں۔ اب اسے بالکل سامنے ایک آہنی الماری نظر آنے لگی تھی اسے علم تھا کہ الماری میں برقی رو دوڑ رہی ہے اور اس کے دوسری طرف

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

محافظ موجود ہیں۔

کمرے میں دیواروں پر سینکڑوں خانوں میں اسے سونا نظر آنے لگا۔ سونے کی سلاخیں ایک دوسرے کے اوپر رکھی ہوئی تھیں۔ سونا کم از کم دس لاکھ ملین ڈالر کا تھا اور یہی اسکوبا کے عوام کا کل اثاثہ تھا۔

سابو کا ہنسی پڑا۔ اسے اچھی طرح احساس تھا کہ خزانہ خالی پا کر ایسپیرا کو حیرت ہوگی وہ اس خزانے کے بغیر سابو کا کے ہاتھ میں کسی چوزے کی طرح بے بس ہو جائے گا۔ وہ قوم کو صدمہ پہنچتے ہی خزانہ خالی ہونے کی نوید دے گا لیکن سابو کا جانتا تھا کہ مغربی دنیا اس دیوالیہ پن کو قبول کرے گی۔ ہر فوجی آمریت کے بعد آنے والا نیا حکمران خزانہ خالی ہونے کا ہی شکوہ کرتا ہے اور یہی تیسری دنیا کا مقدر ہے۔

وہ خواب دیکھنے لگا سابو برتری کے خواب اور اس نے وہیں کھڑے کھڑے فیصلہ کر لیا کہ امریکا اور روس میں سے جس نے بھی زیادہ معاوضہ کی پیشکش کی وہ اسی ملک کو اسکوبا میں ایٹمی میزائل نصب کرنے کی اجازت دے گا۔

"چلو۔ لائن لگا کر کھڑے ہو جاؤ۔" اس نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا۔ "سونے کی سلاخیں ٹرک میں منتقل کرتے رہو۔"

فورمین، جس کے ہاتھ میں اب بھی ہتھوڑا تھا اندھیرے میں چلا گیا۔ لیکن اسی لمحے ہر طرف روشنی ہو گئی سونا چمکنے لگا۔ آنکھیں خیرہ ہو گئیں، سابو کا نے حیرت سے ان روشنیوں کو دیکھا تو اس نے ایک لمحہ کے لیے آنکھیں بند کر لیں اور پھر جب آنکھیں کھولیں تو سونے کی سلاخوں پر اسے پی جے کینی اور میگی بیٹھے ہوئے نظر آئے۔

*

وہ دونوں صدارتی چیمبر میں داخل ہوئے تو صدر کی گھومنے والی کرسی کا رُخ کھڑکی کی طرف تھا اور صدر کرسی پر جھول رہے تھے۔ دونوں نے پستول نکال لیے اور ایک نے بلند بھی کر لیا مگر دوسرے شخص نے اشارے سے انتباہ کیا کہ اتنی دور سے فائر کرنا مناسب نہیں وہ دبے قدموں صدر کی ڈیسک کی طرف بڑھنے لگے تب ہی اچانک کرسی گھومی اور وہ اچھل پڑے۔ صدارتی کرسی پر صدر دشتی کے بجائے کوئی بوڑھا چینی بیٹھا ہوا تھا۔

اُدھر راہداری میں منتظر ایسپیرا نے وہ گولیاں چلنے کی آواز سنی تو اس نے اپنا پستول سیدھا کر کے صدر کے کمرے کی طرف دوڑ لگا دی۔

اندر پہنچ کر اسے بھی اچھلنے پر مجبور ہونا پڑا۔

اس کے دونوں آدمی صدر کی کرسی کے دائیں بائیں ضرور تھے۔ لیکن شاید ان میں جان نہ تھی اور وہ دونوں کرسی پر جھکے ہوئے تھے۔

.... اور کرسی پر ایک بوڑھا چینی بیٹھا ہوا تھا۔

اس بوڑھے نے دونوں کی گردنیں چھوڑ دیں تو وہ چھپکلیوں کی طرح پٹ سے گر پڑے۔

بوڑھا کھڑا ہو گیا۔ اس کی آنکھیں ایسپیرا کو اپنے جسم میں چبھنے لگیں۔ اس کا ہاتھ پھر اٹھنے لگا۔

"انہوں نے بھی کوشش کی تھی مگر دونوں ناکام رہے۔" بوڑھے نے شستہ انگریزی میں ایسپیرا کو متنبہ کیا اس کے ساتھ ہی وہ کسی پرکاہ کی طرح بلند ہوا۔ ایسپیرا پر آیا اور پھر ایسپیرا نے جو آخری جملہ سنا وہ یہ تھا۔ "ماسٹر آف سناجو کا وار کبھی خالی نہیں جاتا۔" ایسپیرا کو لبلبی دبانے کا موقع بھی نہ مل سکا۔ اس کا جسم شدت کے ساتھ تڑپا اور فرش پر گر گیا یوں لگا جیسے دبیز قالین پر کسی گدھے کے گرنے کی آواز آئی ہو۔

تب ہی الماری کا دروازہ کھلا اور صدر دشتی نمودار ہوئے انہوں نے پہلے تینوں لاشوں اور پھر اوشان کی طرف دیکھا۔

"میں اس احسان کا بدلہ کس طرح ادا کر سکوں گا۔" صدر دشتی کی آواز کانپ رہی تھی۔

"مجھے گھر واپسی کا طریقہ بتا کر اور گھر واپسی کے لیے ایک ہیلی کاپٹر دے کر۔" سناجو کے ماسٹر نے زیر لب مسکرا کر کہا۔

اسی لمحے دور سے پٹاخوں جیسی آوازیں سنائی دیں تو اوشان فوراً صدر کے کمرے سے نکل گیا۔

*

"اسے پکڑ لو۔" سابو کا نے چلا کر اپنے آدمیوں سے کہا یہ کہنے کے بعد وہ ایک طرف ہٹ گیا اور اس کے آدمی سرنگ سے کمرے میں داخل ہونے لگے۔

ٹائیگر سونے کی سلاخوں پر بیٹھا کوئی بے سُرا گنگناتا رہا۔

اس چھوٹے سے کمرے میں جلد ہی پانچ افراد گھس آئے وہ ساکت کھڑے ہو گئے ان کا فورمین بھی ہتھوڑا لیے اس طرح کھڑا ہو گیا جیسے اس نے رائفل تھام رکھی ہو پھر وہ ٹائیگر اور میگی کی طرف بڑھنے لگا۔ اس کے چہرے پر

مسکراہٹ تھی۔

ٹائیگر اس کا منتظر رہا پھر جوں ہی فورمین چند قدم آگے آ گیا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر لائٹ کا سوئچ آف کر دیا۔ کمرے میں ایک بار پھر گھپ اندھیرا چھا گیا۔

اس کے بعد سابو کا صرف ہتھوڑے کی آواز سنتا رہا آواز آئی اور پھر رُک گئی۔ آواز پھر آئی اس کے ساتھ ہی ایک کرب ناک چیخ بھی ہیرن سابو کا کے اوسان خطا کر گئی۔

"کیا تم نے اسے ختم کر دیا۔" اس نے خوف زدہ لہجے میں پوچھا۔

"نہیں ہیرن۔ اس کا وار خالی گیا۔ اب میری باری ہے۔" یہ پی جے کینی کی آواز تھی۔

کمرے میں فائرنگ بھی ہونے لگی۔ ننھے ننھے شعلے روشنی پیدا کرنے لگے اور اسی تیز اور روشنی میں سابو کا نے موت کا کھیل دیکھا۔

وہ جس کو پی جے کینی سمجھتا تھا اس نے ہتھوڑا بغل میں دبا رکھا تھا۔ سابو کا کے آدمی اس پر گولیاں چلا رہے تھے لیکن گولیاں جہاں پڑتی تھی وہ وہاں سے ہٹ چکا ہوتا تھا۔

آہستہ آہستہ گولیاں چلنے کی رفتار کم ہونے لگی اور لوگ گرتے ہوئے دکھائی دینے لگے۔ ان کی چیخوں سے اب کمرہ لرز رہا تھا۔ وہ ہتھوڑوں سے اس طرح کچلے جا رہے تھے جیسے کوئی کاکروچوں کو جوتے سے مسلتا ہے۔

سابو کا بھاگ کھڑا ہوا۔

وہ سرنگ کے راستے روشنی کی طرف دوڑا، وہ خندق سے اچھل کر باہر نکلا، اور گزنا چڑتا، سبزہ زار کی طرف بھاگنے لگا۔ اب وہ ہر قیمت پر چھت تک پہنچنا چاہتا تھا اسے یقین تھا کہ گولیوں کی آواز سن کر اس کے ہوا باز نے انجن اسٹارٹ کر لیا ہوگا۔

اندر خزانے میں۔ ٹائیگر نے ہتھوڑا پھینک دیا۔ اب اسے اس کی ضرورت نہ تھی۔ اندھیرے کے باوجود اس کی آنکھیں میگی کو دیکھ رہی تھیں جواب بھی سونے کے ڈھیر پر کسی مجسمے کی طرح ساکت بیٹھی ہوئی تھی۔ "کیا حال ہے میگی؟" اس نے پوچھا۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں۔" میگی نے پھریری لے کر جواب دیا۔ اس نے کئی افراد کا سر ہتھوڑے کی ضرب سے تربوز کی طرح پھٹتے ہوئے دیکھا۔

"میں اسے پکڑنے جا رہا ہوں۔" یہ کہہ کر ٹائیگر سرنگ میں کود گیا۔ میگی بھی اس کے پیچھے دوڑی اس کے ہاتھ میں ۴۵ بور کا آٹو میٹک تھا لیکن اس سے ابھی تک ایک بھی گولی چلانے کی نوبت نہیں آئی تھی۔

ٹائیگر نے چھت پر جاتے میں زیادہ وقت نہیں لیا لیکن اس وقت تک سابو کا ہیلی کاپٹر میں گھس چکا تھا اور ہیلی کاپٹر اڑنے لگا تھا تب ہی ٹائیگر نے عقب میں میگی کی کراہ سنی وہ پلٹا، اس نے چھوٹی سی چھلانگ لگائی اور گرتی ہوئی میگی کو سنبھال لیا۔ اسی اثنا میں ہیلی کاپٹر نے چھت چھوڑ دی۔

"جہنمی" ٹائیگر جھنجلا اٹھا۔ سابو کا پھر بچ کر نکل رہا تھا۔ اس نے میگی کو چھوڑ دیا اسی لمحے میگی کے جسم سے خون کا فوارہ بلند ہو گیا۔ ہیلی کاپٹر سے چلائی جانے والی گولی ٹائیگر کے بجائے میگی کے لگی تھی۔

ہیلی کاپٹر سے گولیاں برسنے لگیں مگر وہ میگی کو دیکھتا رہا جو مسکرا رہی تھی۔

تب ہی اس نے غرا کر میگی کے ہاتھ سے آٹو میٹک لے لیا۔

"... نکل چلو۔" سابو کا دہاڑا۔ اسے یاد تھا کہ پی جے کینی کا نشانہ کتنا سچا ہے۔

ٹائیگر نے آٹو میٹک دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔ بازو آگے کی طرف بڑھائے۔ لیکن گولی چلانے کی نوبت نہ آئی ہیلی کاپٹر فائرنگ رینج سے نکل چکا تھا۔

اوشان جو اب اوپر آ چکا تھا معنی خیز انداز میں سر ہلا رہا تھا۔

پھر جوں ہی ٹائیگر کو اوشان کی موجودگی کا احساس ہوا وہ پستول پھینک کر فوراً لڑکی پر جھک گیا۔

"یہ مر چکی ہے لٹل فادر۔" اس نے بھاری لہجے میں کہا۔

"ہاں — میرے بچے — ہر کسی کو مرنا ہے۔"

"یہ بہت اچھی تھی۔"

"مجھے علم ہے۔ مسکراتی ہوئی مری ہے میرے بچے۔" اوشان نے جواب دیا۔ پھر دونوں ایک دوسرے سے لگ کر کھڑے ہو گئے۔ دونوں کی نظریں سابو کا کے ہیلی کاپٹر پر جمی رہیں۔ جو آہستہ آہستہ دور ہوتا جا رہا تھا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"تو سنو اتمہارا مقدر ہوئی۔" اوشان نے خود کلامی کے انداز میں سرگوشی کی لیکن آواز اتنی بلند ضرور تھی کہ شہزاد کو جو برابر کی سیٹ پر بیٹھا ایک انگریزی میگزین کا مطالعہ کر رہا تھا سرگوشی کسی بم کا دھماکا محسوس ہوئی ہوگی۔

شہزاد نے اوشان کی بات کا جواب دینے کے بجائے بایاں ہاتھ کان کے سامنے یوں لہرایا جیسے کسی بھنبھناتے مچھر کو بھگا رہا ہو۔ وہ خوب سمجھ رہا تھا کہ اوشان کا اشارا کس طرف ہے لیکن ایسا بن رہا تھا جیسے اُس نے کچھ سُنا ہی نہیں۔

دونوں اس وقت بوئنگ امریکن کے جمبو جیٹ میں سوار تھے جو الجزیرہ سے ایک گھنٹہ پیشتر روانہ ہوا تھا۔ وہ پیرس اور ہیوسٹن کے راستے لاس اینجلز تک کی فلائٹ تھی۔ ٹائیگر نے اوشان سے دریافت بھی کیا تھا کہ وہ لوگ نیویارک کے بجائے لاس اینجلز کیوں جا رہے ہیں لیکن اوشان نے کوئی خاطر خواہ جواب نہیں دیا تھا۔

اوشان نے ٹائیگر پر پابندی عاید کر رکھی تھی کہ وہ اب زندگی میں کبھی آتشیں اسلحہ استعمال نہیں کرے گا لیکن الجزیرہ میں سابو کا کے خلاف مہم میں ٹائیگر نے آتشیں اسلحے کا استعمال کر کے ماسٹر آف سانجو کے احکامات سے سرتابی کی تھی۔ ٹائیگر اسلحے کے استعمال کے وقت اپنے ہوش وحواس میں نہیں تھا اور اُس نے یہ حرکت پی جے کینی کی حیثیت سے کی تھی لیکن وہ جانتا تھا کہ اوشان خود کو زنجیروں سے باندھے جانے کی کارروائی کو تو فراموش کر سکتا ہے لیکن یاد داشت کھو جانے کے باوجود اسلحے کے استعمال سے درگزر نہیں کرے گا۔

ٹائیگر نے اپنی اس حرکت کو اوشان سے پوشیدہ رکھنے کے لیے بڑے پاپڑ بیلے تھے لیکن باوجود کوشش کے وہ اوشان کی حساس ناک کا کوئی علاج دریافت نہ کر سکا تھا جس نے اُس کے ہاتھوں سے بارود کی بو سونگھ لی تھی۔ خشن کی تکمیل تک تو اُس نے خاموشی اختیار کی تھی لیکن اب جب کہ وہ واپس امریکہ جا رہے تھے اوشان نے اُسے یاد دلا دیا تھا کہ وہ ٹائیگر کی جانب سے اسلحے کے استعمال کو بھولا نہیں ہے۔

اسکو میاسے صدر دشتی نے انہیں اپنے خصوصی ہیلی کاپٹر کے ذریعے الجزیرہ بھجوایا تھا جہاں سے اوشان نے اپنے بھاری بھرکم صندوق لیے اور پہلی دستیاب پرواز سے دونوں واپس روانہ ہو گئے۔

"جُرم ہر حال میں جُرم ہوتا ہے، خواہ عالم ہوش میں کیا جائے یا بے ہوشی میں۔" اوشان نے دوبارہ سرگوشی کی۔

شہزاد نے اس بار بھی میگزین سے نگاہیں نہیں اُٹھائیں۔ البتہ کان اُس کے پوری طرح اوشان کی طرف تھے۔

"اڑتالیس ہزار فٹ کی بلندی سے اڑتالیس بار فری فال کے مظاہرے کے بارے میں کیا خیال ہے؟" اوشان مسلسل بولے جا رہا تھا۔

"آج موسم بہت خراب ہے۔" شہزاد کو بالآخر بولنا ہی پڑا۔ وہ جانتا تھا کہ جب تک وہ جواب نہیں دے گا اوشان بڑبڑاتا رہے گا۔ اب وہ مزاؤں کی نوعیت پر آ گیا تھا اور شہزاد کی خاموشی سزاؤں میں اضافے کا باعث ہی بنتی۔

"میں نے یہ تو نہیں کہا کہ اسی طیارے سے کود جاؤ۔" اوشان نے بُرا سا منہ بنایا۔ "بھلا میری بات کا موسم سے کیا تعلق؟"

"موسم خراب ہو تو مواصلاتی رابطے میں خلل پڑتا ہے اور آواز صاف سُنائی نہیں دیتی۔" ٹائیگر فلاسفرانہ انداز میں بولا۔ "یہی وجہ ہے کہ مجھے آپ کی باتیں صحیح طور پر سنائی نہیں دے رہیں۔"

اوشان نے معنی خیز انداز میں سر ہلایا اور اپنے ہونٹوں کو جنبش دی۔ "تمہاری مالیا جیلر لاس اینجلس ائرپورٹ پر تمہاری منتظر ہوگی۔" اس بار اوشان کی سرگوشی نہایت مدھم تھی۔

"کیا واقعی؟" ٹائیگر نے میگزین گود میں رکھ کر فوراً کہا۔ "شکر ہے موسم تو ٹھیک ہوا۔" اوشان نے طنزاً کہا۔ "اب تو مواصلاتی رابطے میں خلل پیدا نہیں ہوگا۔"

ٹائیگر جھینپ کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔

"اگلا پورا مہینہ ہمیں کوہ راکی کے دامن میں گزارنا ہے۔" اوشان نے ٹائیگر کو آگاہ کیا۔

"کیا کوئی مہم درپیش ہے لٹل فادر؟"

"نہیں۔"

"آپ راکی فائیو میں ولن کا کردار ادا کر رہے ہیں کیا؟" ٹائیگر نے دوبارہ پوچھا۔

"راکی فائیو میں صرف خانساماں کا کردار باقی رہ گیا ہے۔"

"مگر انہوں نے تو بوڑھے خانساماں کے لیے اشتہار دیا تھا۔" ٹائیگر نے فوراً چوٹ کی۔

"بکو مت۔" اوشان نے بُرا ماننے والے انداز میں کہا۔ "شمشیر سانجو کے وارث کو اس طرح کا مسخرہ پن زیب نہیں دیتا۔"

"تو پھر کس طرح کا زیب دیتا ہے؟"

"یہ میں اُس دن بتاؤں گا جس دن ہم لاس اینجلز سے واپس نیویارک روانہ ہوں گے۔"

✣

جب ایک ماہ پورا ہوا تو شہزاد کو اپنا ہوش نہیں تھا لیکن یہ کوہ اوشان سے مسخرے پن کی بابت دریافت کرتا۔ ایک ماہ کی ٹریننگ نے اُس کے سارے کس بل نکال دیے تھے۔ اوشان نے ٹائیگر کا جوڑ جوڑ ہلا دیا تھا۔

ٹریننگ کئی مرحلوں پر مشتمل تھی۔

سب سے پہلا مرحلہ کوہ پیمائی کا تھا۔ ٹائیگر کو بارہ ہزار فٹ سے زیادہ بلند کوہ راکی کو پانچ بار سر کرنا تھا۔ اوشان نے اُسے اس کام کے لیے محض پانچ دن دیے تھے۔ پورا امریکہ اُس وقت شدید برفانی ہواؤں کی زد میں تھا اور کوہ راکی کی برف پوش چوٹی پر کڑاکے کی سردی پڑ رہی تھی۔ ٹائیگر روزانہ صبح سردی سے بچاؤ کے مناسب کپڑوں کے بغیر اپنا سفر شروع کرتا۔ دوپہر تک وہ چوٹی پر پہنچتا اور پھر واپسی کے لیے روانہ ہو جاتا۔ اوشان کا حکم تھا کہ وہ چوٹی پر پہنچ کر دس منٹ سے زیادہ نہیں سستائے گا۔ گو اوشان اُس کے ساتھ نہیں ہوتا تھا لیکن ایک فوجہ دار شاگرد کی طرح وہ اس حکم کی یونہی تعمیل کرتا جس طرح اوشان خود سامنے موجود ہو۔

چوتھے روز شہزاد کو واپسی کے سفر کے دوران برفانی ریچھوں کی ایک ٹولی مل گئی۔ اُس نے گیارہ میں سے پھر ریچھوں کو مار گرایا جب کہ باقی پانچ بھاگ گئے۔ اس واقعہ کی وجہ سے وہ ڈیڑھ منٹ کی تاخیر سے کیمپ میں واپس پہنچا تو اوشان نے اُس کے خوب لتے لیے۔

"اس میں میرا کوئی قصور نہیں۔" ٹائیگر نے اپنی صفائی پیش کی۔ "وہ تعداد میں گیارہ تھے۔"

"پھر بھی ڈیڑھ منٹ کی تاخیر۔" اوشان انتہائی غصے میں دکھائی دے رہا تھا۔ "مجھے یقین ہے کہ تم نے لیفٹ ہک کا صحیح استعمال نہیں کیا ہوگا۔"

"کیا تھا لٹل فادر۔"

"تو پھر ڈیڑھ منٹ کیوں؟"

"میں باقی پانچ کو تلاش کر رہا تھا۔"

"اوہ!" اوشان اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ "یعنی تم نے گیارہ کو ہلاک کر دیا جب کہ باقی پانچ بھاگ جانے میں کامیاب ہو گئے۔"

"نہیں لٹل فادر۔" ٹائیگر نے سر جھکا لیا۔ "میں گیارہ میں سے صرف چھ کو گرا سکا، پانچ بھاگ۔۔۔"

"مجھے سانجو کا مستقبل خطرے میں نظر آ رہا ہے۔" اوشان نے ٹائیگر کی بات کاٹ کر فیصلہ سُنایا۔

"مگر بیچھوؤں کا سانجو کے مستقبل سے کیا تعلق ہے؟" ٹائیگر نے احتجاج کیا۔

"جو شخص محض گیارہ ریچھوں کا مقابلہ نہ کر سکے وہ سانجو اور اُس کی شمشیر کا محافظ کس طرح ہو سکتا ہے؟"

"مجھے افسوس ہے۔"

"لیکن وہ پانچ ریچھ جو بھاگ گئے۔۔۔ مجھے تم نے بہت مایوس کیا ہے۔"

"میں شرمندہ ہوں، لٹل فادر۔"

"تم ان کی کھالیں کیوں نہیں لائے؟" اوشان نے ہیٹر اہدلا۔

"کن کی؟"

"ریچھوں کی۔"

"اوہ!" ٹائیگر نے طویل سانس لی۔ "میرے آباؤ اجداد نے چار نسلیں پہلے قصائیوں کا پیشہ ترک کر دیا تھا اس لیے میں ان کی کھالیں نہ اُتار سکا۔"

"مجھے سانجو ڈوبتا دکھائی دے رہا ہے۔" اوشان نے زور زور سے نفی میں سر ہلایا۔

"کیا وہاں سیلاب آیا ہے؟"

"نہیں، وہ اس لیے ڈوب رہا ہے کہ سانجو کے وارث کو کھال اُتارنی نہیں آتی۔"

"آپ نے آج سے پہلے مجھے کبھی نہیں بتایا کہ سانجو کا ماسٹر بننے کے لیے اس فن میں بھی طاق ہونا ضروری ہے۔" ٹائیگر نے کہا۔ "ورنہ میں کوشش ضرور کرتا۔"

"تو آج سُن لو۔" اوشان نے ہاتھ لہرایا۔ "سات سو سال قبل مسیح میں، سانجو کے ایک ماسٹر کو محض اس وجہ سے دستبردار ہونا پڑا تھا کہ وہ ایک لال بیگ کی کھال اُتارنے میں ناکام ہو گیا تھا۔"

"لال بیگ کی کھال؟" ٹائیگر نے حیرت سے کہا۔

"ہاں، لال بیگ کی کھال۔" اوشان اپنی بات پر اڑا رہا۔ "ایک ماسٹر تو ایسا بھی گزرا ہے جو چیونٹی کی کھال اُتارنے کا نتیجہ تھا۔ اُس نے دُنیا بھر کو چیلنج دیا تھا کہ کوئی اور شخص اُس کے سامنے آ کر چیونٹی کی کھال کھینچنے کا مظاہرہ کرے لیکن کسی کو چیلنج قبول کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔ سات سو صدی میں۔۔۔"

اور اُس کے بعد ڈیڑھ گھنٹے تک ٹائیگر کو سانجو کے مختلف ماسٹروں کے مافوق الفطرت کارناموں کی تفصیل سننی پڑی تھی۔ اس عرصے میں ٹائیگر جمائیوں پر جمائیاں لیتا رہا لیکن اوشان بغیر

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

فل سٹاپ کامے کے بولتا جا رہا تھا۔

وہ اس وقت ایک ایسے ماسٹر کا کارنامہ بیان کر رہا تھا جس نے محض ڈیڑھ منٹ میں ہاتھی کی کھال اُتار لی تھی۔ اچانک اُسے یاد آگیا کہ یہاں بھی ڈیڑھ منٹ کا ہی قصہ تھا۔

"اے ہاں وہ ڈیڑھ منٹ" اوشان نے کہا تو ٹائیگر چونک کر سیدھا ہو گیا۔

"لاحول ولاقوۃ"، وہ زیر لب بولا۔

"تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ ایک ماسٹر نے ڈیڑھ منٹ میں ایک سالم ہاتھی کی کھال اُتار لی تھی اور ایک تم ہو کہ محض چھپر رنجھوں کی وجہ سے ڈیڑھ منٹ لیٹ ہو گئے۔"

"بارہ ہزار فٹ چڑھ کر واپس نیچے اُترنے میں ڈیڑھ منٹ کی تاخیر کوئی زیادہ تو نہیں"، ٹائیگر نے منہ بسورا۔ "آپ میری جگہ ہوتے تو آپ کو پتا چلتا کہ کوہ پیمائی کس قدر مشکل چیز ہے۔"

"اوہ"، اوشان بھنّا گیا۔ "کل ہم دونوں چلیں گے۔"

اور اگلے روز دونوں کوہ راکی کو سر کرنے نکلے۔ کیمپ سے وہ اکٹھے روانہ ہوئے لیکن واپسی الگ الگ ہوئی۔ ٹائیگر جس وقت چوٹی پر پہنچا اُس وقت اوشان واپس آکر اپنے کیمپ میں بیٹھا کی مدد سے اپنا ٹی وی آن کر رہا تھا۔ جب ٹائیگر کوہ پیمائی سے فارغ ہو کر آیا تب تک اوشان اپنی پسند کے چار پروگرام دیکھ چکا تھا۔

"تم خود ہی سوچو"، اوشان نے شرمندہ شرمندہ سے ٹائیگر کو مخاطب کیا۔ "میں سانجو کی شمشیر کسی ایسے شخص کو کیونکر سونپ دوں جسے کوہ پیمائی بھی نہ آتی ہو۔"

"میں سیکھ رہا ہوں، ٹسل فادر۔"

اوشان زیر لب مسکرایا۔ "انسان مرتے دم تک سیکھتا رہتا ہے، میرے بچے۔ جب وہ خود کو مکمل سمجھ لے اُس کی موت واقع ہو جاتی ہے۔ سیکھو، اتنا سیکھو کہ کوئی حسرت نہ رہ جائے لیکن یاد رکھو، کبھی ڈیڑھ منٹ کی تاخیر نہ ہونے پائے۔"

"میں کوشش کروں گا، ٹسل فادر۔"

اگلے روز سے ٹائیگر نے واقعی کوششیں شروع کر دیں۔ لیکن اس بار یہ کوششیں اڑتالیس ہزار فٹ کی بلندی سے فری فال کے مظاہرے کی صورت تھیں۔

اوشان نے ہرام کو کہہ کر حکومت امریکہ سے خصوصی طور پر ایک جیٹ طیارہ حاصل کیا تھا جو قریبی ائیربیس سے پرواز کر تا۔ ٹائیگر کو پیراشوٹ کی مدد سے اڑتالیس مرتبہ اس جہاز سے کودنا تھا۔

اگر بات صرف کودنے کی ہوتی تو اتنی خطرناک نہ تھی کیونکہ کودنے والا فوراً ہی پیراشوٹ کھول لیتا ہے اور پرسے آرام سے زمین کی طرف اُترنا شروع کر دیتا ہے لیکن فری فال میں، کودنے والا زمین سے پانچ چھ ہزار فٹ کی بلندی تک بغیر پیراشوٹ کھولے سیکنڈوں میل فی گھنٹہ کی رفتار سے نیچے گرتا ہے۔ پھر وہ جھٹکے سے پیراشوٹ کھولتا ہے اور آخری چند ہزار فٹ کا سفر پیراشوٹ کی مدد سے طے کرتا ہے۔

ٹائیگر کو بھی فری فال کا مظاہرہ کرنا تھا۔

پہلی چھلانگ پر تو اُسے دانتوں پسینے آگئے۔ جب اُس نے سینکڑوں میل کی رفتار سے زمین کی طرف گرنا شروع کیا تو موت سامنے نظر آنے لگی۔ اس کے باوجود کہ ہر ذی روح کو ایک نہ ایک دن موت کا ذائقہ ضرور چکھنا ہے، ہر شخص اس سے خوفزدہ رہتا ہے۔ بہادر سے بہادر آدمی بھی موت کو سامنے دیکھ کر ڈانواں ڈول ہو جاتا ہے۔ کچھ ایسی ہی صورت حال ٹائیگر کے ساتھ بھی درپیش تھی۔ گو اوشان نے اُس کی تربیت میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی اور اُس کا دل مضبوط کرنے کے لیے ہر ممکن کوشش کی تھی لیکن آخر کار وہ انسان تھا۔

موت کو سامنے دیکھ کر ٹائیگر بھی ایک لمحے کے لیے لرزا لیکن اگلے ہی لمحے وہ پھر سے ٹائیگر بن گیا۔ ساڑھے پانچ ہزار فٹ کی بلندی تک وہ تین سو میل فی گھنٹہ کی رفتار سے زمین کی طرف آیا لیکن پھر اُس نے کھٹکا دبا کر پیراشوٹ کھول لیا اور اطمینان کے ساتھ زمین پر اُترنے لگا۔

نیچے اوشان زمین پر دائرہ بنائے بیٹھا تھا۔ ٹائیگر کو اسی دائرے میں اُترنا تھا۔ وہ دائرے میں اُترا ضرور لیکن اُس کا ایک پیر دائرے سے باہر نکل گیا۔ پہلے تو اوشان بھنّا گیا لیکن پھر اُس نے یہ سوچ کر کہ یہ ٹائیگر کی پہلی چھلانگ ہے اُسے معاف کر دیا۔

یہ بھی شکر تھا کہ ٹائیگر زبردست جھٹکے سے زمین پر اُترنے کے باوجود گرا تھا نہ لڑکھڑایا تھا، ورنہ اوشان اُس کی خبر ضرور لیتا۔

ٹائیگر نے قدم زمین پر ٹکتے ہی پیراشوٹ کی بندشیں کھولیں۔ پیراشوٹ لپیٹا اور اُس تیز رفتار گاڑی میں جا بیٹھا جو اُسے دوبارہ اٹربیس لے جانے کے لیے تیار کھڑی تھی۔

نصف گھنٹے بعد وہ اٹربیس پر تھا اور مزید چالیس منٹ بعد وہ ایک بار پھر جہاز سے کود چکا تھا۔

اُس دن شہزاد نے سات مرتبہ فری فال کا مظاہرہ کیا۔ شام کو جب وہ بستر پر لیٹا تو اُسے شدید بخار آرہی تھی۔ تھکن کے

مارے بُرا حال تھا لیکن ابھی اُسے اوشان کا دو گھنٹے طویل لیکچر سُننا تھا جس میں اُس نے اُن کوتاہیوں اور خامیوں کی نشاندہی کرنی تھی جو اس دوران شہزاد سے سرزد ہوئی تھیں۔

ٹائیگر نے سوتے جاگتے اوشان کی نصیحتیں، ہدایتیں اور ڈانٹ ڈپٹ سُنی اور وعدہ کیا کہ اگلے روز وہ انہیں دہرائے گا نہیں۔ اوشان کا لیکچر کوئی ڈھائی گھنٹے جاری رہا۔ اتنا لیکچر اس کے باوجود ٹائیگر نے خدا کا شکر ادا کیا کہ سانجو کے قدیم ماسٹروں کے دور میں جہاز ایجاد نہیں ہوا تھا اور نہ ہی اُس وقت پیراشوٹ کا کوئی تصور موجود تھا ورنہ اُسے کم از کم ڈھائی سو ماسٹروں کی فری فال کے قصے تو ضرور ہی سُننا پڑتے۔

ٹائیگر سات روز تک مسلسل فری فال کا مظاہرہ کرتا رہا۔ بالآخر اوشان نے نیم دلی سے اپنے اطمینان کا اظہار کیا تو تربیت کا اگلا مرحلہ شروع ہو گیا۔

یہ مرحلہ بلند و بالا چٹانوں سے سمندر میں کودنے کا تھا۔

ٹائیگر دس روز تک لاس اینجلس کے قریب واقع پانچ ہزار فٹ بلند چٹانوں سے شمالی بحرالکاہل میں چھلانگیں لگاتا رہا۔

ٹائیگر ایک بار چھلانگ لگاتا تو فوراً ہی دوسری چھلانگ کے لیے چٹانوں پر چڑھنا شروع کر دیتا۔ ایک ایک دن میں وہ پندرہ پندرہ بار سمندر میں کود تا رہا۔ ہر دن کے اختتام پر حسب معمول اُسے اوشان کی نصیحتیں اور طویل لیکچر سُننا پڑتا جس میں ٹائیگر کی غلط چھلانگوں پر اُس کی گوشمالی ہوتی۔

اب تک تربیت کے بائیس روز مکمل ہو گئے تھے۔ اگلے پانچ دن ٹائیگر کو لوہے کے ایک بڑے سے گولے پر سمن میل کا سفر طے کرنا پڑا۔

ایک وسیع و عریض میدان میں ٹائیگر کو لوہے کا ایک گولہ دے دیا جاتا اور اوشان اُسے ہدایت کرتا کہ اس گولے پر میدان کے گرد چھ چکر پورے کرے۔ ہر چھ چکروں کے بعد ٹائیگر دس منٹ سستاتا اور پھر اگلے مرحلے کے لیے تیار ہو جاتا۔

پانچ دن میں اُس نے میدان کے کوئی چھ سو چکر لگائے لیکن اختتام پر اوشان پھر بھی مطمئن نہ تھا۔ ٹائیگر کا خیال تھا کہ شاید اوشان اُسے مزید چکر لگانے کی ہدایت کرے گا لیکن اُس نے اپنے بھاری بھرکم ہتھوڑے اٹھوائے اور وہ واپس چارہ گر روانہ ہو گئے۔

ٹائیگر کو حیرت تھی کہ تیس دن کے بجائے وہ محض ستائیس دن کے بعد ہی واپس کیوں جا رہے ہیں۔

"کیا ٹریننگ کی مدت کم کر دی ہے، ٹسل فادر؟" طیارے میں ٹائیگر نے اوشان سے دریافت کیا۔

"ابھی تین دن باقی ہیں"، اوشان نے جواب دیا۔ "اور تین روز تم چارہ گر میں گزارو گے۔"

"اب مجھے کیا کرنا ہوگا؟"

"یہ پہنچ کر بتاؤں گا"، اوشان نے کہا اور آنکھیں بند کر کے شاید آرام کرنے لگا۔

چھیسویں منزل میں داخل ہو کر ٹائیگر کے پاس سوائے خاموشی کے کوئی چارہ نہ تھا۔

چارہ گر پہنچنے کے بعد ٹائیگر کی تربیت کا آخری مرحلہ شروع ہوا جو تین دن پر محیط تھا۔ یہ سب سے مختصر مرحلہ تھا لیکن جب تین دن پورے ہوئے تو ٹائیگر نے محسوس کیا کہ سب سے مشکل اور کٹھن مرحلہ یہی تھا۔ وہ ستائیس دن بلند پہاڑوں پر چڑھنے، سمندر میں کودنے، جہازسے چھلانگیں لگانے اور آہنی گولے پر چلنے سے نہیں گھبرایا تھا لیکن ان تین دنوں نے اُسے نیم پاگل ضرور بنا دیا تھا۔ اگر اوشان اس مدت میں ایک دن کی توسیع بھی کرتا تو شاید ٹائیگر واقعتاً پاگل ہو کر کسی پاگل خانے میں داخل ہونے پر مجبور ہو جاتا۔

یہ تین دن اُس نے روبی کے ساتھ گزارے تھے۔

چارہ گر پہنچنے کے بعد اوشان نے جب ٹائیگر کو اس بارے میں آگاہ کیا تو وہ چونک اُٹھا تھا۔

"کیا یہ بھی تربیت کا ایک حصّہ ہے؟" ٹائیگر نے دریافت کیا۔

"نہیں"، اوشان نے نہایت اطمینان سے جواب دیا۔

"تو پھر مجھے اس چڑیل کے ساتھ رہنے پر کیوں مجبور کیا جا رہا ہے؟"

"تم میری بچی اور سانجو کے مستقبل کی ملکہ کے بارے میں بات کرتے ہوئے ادب آداب ملحوظ خاطر رکھا کرو"، اوشان نے اُسے سرزنش کی۔

"میں نے کہہ دیا ہے کہ میں اُس چڑیل کے ساتھ تین دن تو کیا تین گھنٹے بھی نہیں رہ سکتا۔"

"پھر وہی چڑیل"، اوشان نے فوراً اُسے ٹوکا۔ "کبھی کبھی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی کہی ہوئی باتیں پوری بھی کر دیتا ہے اور میں نہیں چاہتا کہ وہ واقعی چڑیل بن جائے۔ ایسا نہ ہو کہ سانجو کی ملکہ کے بطن سے انسانوں کے بجائے بھوت پریت جنم لیں۔ وہ سرزمین اس کی متحمل نہیں ہو سکتی۔"

"بھاڑ میں گئی وہ ملکہ اور اُس کی اولاد"، ٹائیگر کے تن بدن

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

آگ لگ گئی۔" میں ان تین دنوں کے بدلے میں مزید تین دن کوہ پیمائی، فری فال اور سمندر میں کُودنے کی تربیت حاصل کرنے کو تیار ہوں۔"

"تربیت ختم ہو چکی۔"

"تو پھر یہ کیا ہے؟" ٹائیگر نے چڑ کر پوچھا۔

"سزا۔"

"کس بات کی؟"

"انتشیں اسلحہ استعمال کرنے کی۔" اوشان نے کہا اور ٹی وی آن کرنے کے لیے آگے بڑھ گیا۔

ٹائیگر چند ثانیے اوشان کی پُشت کو گھورتا رہا اور پھر باہر نکل گیا۔ وہ جانتا تھا کہ اُسے ہر حال میں روبی کے ساتھ تین دن گزارنے ہیں۔ انکار کی صورت میں سزا کی مدّت میں اضافے کا احتمال تھا۔ اس میں کمی یا تبدیلی کا کوئی امکان نہ تھا۔

اوشان نے شاید روبی کے کان میں بھی کچھ پھونک دیا تھا اسی لیے اُس نے ان تین دنوں میں ٹائیگر کا ناک میں دم کر دیا تھا۔ ٹائیگر کو احساس ہوا کہ انگاروں پر لوٹنا شاید اسی کو کہتے ہیں۔ یہ محاورہ یقینی طور پر ٹائیگر کے لیے ہی بنایا گیا تھا کیونکہ یہ تین دن حقیقتاً اُس نے انگاروں پر لوٹتے ہی گزارے تھے۔

روبی نت نئے طریقوں سے اُسے پریشان کرتی اور وہ طوعاً و کرہاً اُسے برداشت کرتا۔ کئی بار اُس نے روبی پر ہاتھ اُٹھانے کا ارادہ بھی کیا لیکن فوراً اپنے خیال کو مسترد کر دیا کیونکہ اس صورت میں بھی سزا بڑھ سکتی تھی اور وہ اس موڈ میں قطعی نہیں تھا۔

خدا خدا کر کے تین دن پورے ہوئے اور ٹائیگر چیختا چلّاتا چارہ گر سے نکل بھاگا۔ دُنیا کے خطرناک سے خطرناک ترین لوگوں سے ٹکرانے اور مشکل سے مشکل ترین مہمات سر کرنے والا آہنی انسان ایک معمولی سی لڑکی سے ڈر کر بھاگ کھڑا ہوا تھا۔

اُس نے اوشان کو صرف یہی بتایا کہ وہ سات دن کے لیے فلوریڈا جا رہا ہے تاکہ وہاں تعطیلات گزار کر ان تین دنوں کی کوفت دُور کر سکے۔ اس بار اوشان نے بھی اُسے نہیں روکا کیونکہ وہ خود بھی محسوس کرتا تھا کہ ٹائیگر کو آرام کی ضرورت ہے۔ تیس دن کی کڑی تربیت کے بعد سات دن کا آرام کچھ زیادہ نہ تھا۔

ٹائیگر کی رُخصت ختم ہوئے آج پانچواں دن تھا اور وہ اس وقت نیو اورلینز میں موجود تھا۔

ان دِنوں نیو اورلینز میں مردی گراس نامی کارندوال ہو رہا تھا جس کی وجہ سے شہر کے گلی کوچے ہر وقت نظر آ رہے تھے۔ کارنیوال کا آغاز پانچ دن پہلے ہوا تھا اور اس کے پانچ ہی دن باقی تھے۔ طویل ویک اینڈ شروع ہونے والا تھا جس کی وجہ سے اسکول بند تھے جب کہ کاروبار بڑی حد تک معطل ہو گیا تھا۔ یہ سلسلہ جمعہ سے اتوار دس بجے تک جاری رہنا تھا۔

یوں تو سارا شہر ہی ایک عجیب بہار پر تھا لیکن کینال اسٹریٹ کی بات ہی کچھ اور تھی۔ دُور دُور تک انسانی سروں کا سیلاب نظر آ رہا تھا اور ایسے میں ایک طویل قامت اور مضبوط جسم والا شخص اپنا راستہ بناتا آگے ہی آگے بڑھ رہا تھا۔

اس انسانی سیلاب میں ایک سے ایک قوی الجثہ شخص دکھائی دے رہا تھا لیکن آگے بڑھنے والے اُس شخص کی مضبوطی کسی اور ہی رنگ کی تھی۔ اُس کا چہرہ مشرقی ٹائپ تھا۔ بدن پر تھری پیس سوٹ تھا جب کہ سب سے خاص بات یہ تھی کہ اُس کی کلائیاں غیر معمولی حد تک چوڑی تھیں جو پہلی نظر میں ہی بھلی لگتی تھیں۔

اُس کے انداز سے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اُسے کسی جگہ پہنچنے کی جلدی ہو اور تاخیر ہو گئی ہو۔

یہ ٹائیگر تھا۔

وہ مردی گراس کے رش میں سے اپنے کندھوں، کہنیوں اور کلائیوں کی مدد سے راستہ بنا رہا تھا لیکن اپنی اس کوشش میں وہ خاصا محتاط تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اُس کی معمولی سی غلط حرکت کسی کو بھی جان سے محروم کر سکتی ہے یا کسی کی پسلیاں وغیرہ توڑ سکتی ہے۔

سڑک پر چلتے ہوئے وہ دونوں اطراف بنی ہوئی عمارتوں کے نمبر بھی پڑھتا جا رہا تھا۔ وہ اُس پتے کی تلاش میں تھا جو اُسے ملنے والے خط میں درج تھا اور جس کی وجہ سے وہ نیو اورلینز میں آیا تھا۔

خط صدرِ امریکہ کے نام تھا جو ڈاکٹر بہرام کی معرفت اُس تک پہنچا تھا۔

فلوریڈا سے واپسی کے چوتھے روز بہرام نے ٹائیگر کو اپنے کمرے میں طلب کر کے پیلے رنگ کا ایک لفافہ تھما دیا تھا۔ ٹائیگر نے بغیر لفافہ کھولے اس بات کا اندازہ کر لیا تھا کہ کوئی نئی مہم درپیش ہے لیکن اُس نے کسی قسم کی جھجک یا حیل و حجت کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔ وہ اپنی مرضی سے تعطیلات گزار آیا تھا اور اب ذہنی و جسمانی لحاظ سے کسی بھی مشن پر جانے کے لیے تیار تھا۔

ٹائیگر نے ایک نظر لفافے کو اُلٹ پلٹ کر دیکھا اور پھر اُس کے اندر رکھے کاغذات نکال لیے۔

اندر سے بیس ڈالر کا ایک نوٹ اور فاؤنٹین پین سے لکھا ہوا ایک خط برآمد ہوا جو تین صفحات پر مشتمل تھا۔

محترم صدرِ امریکہ!

میں یہ خط اس اُمید پر لکھ رہا ہوں کہ آپ میری مدد کریں گے۔

خط کے ساتھ منسلک بیس ڈالر کا نوٹ درحقیقت ایک جعلی نوٹ ہے۔ مجھے اور دوسرے ماہی گیروں کو یہ نوٹ گلف لینڈ فشرمینز کارپوریشن کی جانب سے ادائیگی کی مد میں دیے گئے ہیں۔ جب میرے علم میں یہ بات آئی کہ ان نوٹوں میں کسی قسم کی کوئی گڑبڑ موجود ہے تو ہماری کارپوریشن کے سربراہ مارشل بوشے نے ان کی واپسی کا مطالبہ کر دیا۔ میرے پاس اب بھی بیس اور پچاس ڈالر کے بعض نوٹ موجود ہیں لیکن میں نے بوشے کو یہی بتایا کہ میں رقم خرچ کر چکا ہوں۔ میرے ایک دوست کا کہنا ہے کہ وہ لوگ بعض غلط قسم کی سرگرمیوں میں بھی ملوث ہیں لیکن یہ سرگرمیاں بہت ہی نفیس نوعیت کی ہیں اور نہیں انہیں سمجھ نہیں پا رہا۔

اس وجہ سے میرا اندازہ ہے کہ وہ لوگ میری نگرانی کر رہے ہیں۔ میں مقامی پولیس یا ایف بی آئی تک بھی نہیں جا سکتا۔ میرے علم میں یہ بات آئی ہے کہ بوشے اور اُس کے گُرگے اس جعلی کرنسی کے ذریعے ہمارے مُلک کی جڑوں کو کھوکھلا کرنے کی کوششیں کر رہے ہیں، چنانچہ میرے لیے سب سے بہتر صورت یہی تھی کہ میں آپ کو مطلع کروں۔

مجھے اور میری بیٹی کی زندگی کو خطرہ لاحق ہے، ہو سکتا ہے کہ کسی بھی وقت ہم دونوں کو قتل کر دیا جائے۔ آپ میری آخری اُمید ہیں۔ اگر آپ کو یہ خط مل جائے تو آپ کسی با اعتماد شخص کو جمعہ ۲۲ فروری شام سات بجے نیو اورلینز، ۲۳۷ کینال اسٹریٹ بھیج دیں۔ یہ پتا فرنچ کوارٹر نہ کے قریب کا ہے۔ میں وہاں ثبوت کے ہمراہ موجود رہوں گا۔

اس مُلک اور آپ کا خیر خواہ۔

پیری روبی ڈاکس۔

"کیا یہ نوٹ واقعی جعلی ہے؟" ٹائیگر نے خط کو تہ کر کے واپس لفافے میں رکھتے ہوئے بہرام سے پوچھا۔

"پیری روبی ڈاکس کے کہنے کے مطابق۔" بہرام نے ٹائیگر کے ہاتھ سے نوٹ لے کر ایک بار پھر روشنی میں دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

"کیا مطلب؟"

"اس نوٹ کے کئی ٹیسٹ کیے گئے ہیں اور ہر ٹیسٹ میں یہ اصل ہی ثابت ہوا ہے۔" بہرام نے جواب دیا۔ "اس کی روشنائی، کاغذ اور انگریونگ بظاہر ہر ستم سے پاک ہے۔"

"تو پھر کیا مسئلہ ہے؟"

"یہ کہ نوٹ جعلی ہے اور اس قسم کی جعلی کرنسی کثیر مقدار میں امریکہ میں پھیلائی جا رہی ہے۔"

"تم بھی کمال کرتے ہو، سویٹ ہارٹ!" ٹائیگر کُرسی سے اُٹھتا ہوا بولا۔ "کبھی کہتے ہو کہ نوٹ جعلی ہے اور کبھی کہتے ہو کہ یہ جعلی ثابت نہیں ہوا۔ اصل بات بتاؤ کہ کیا مسئلہ ہے؟"

"نوٹ بے شک تمام ٹیسٹوں میں اصل ثابت ہوا ہے لیکن ہمارے سپر کمپیوٹر نے اسے مشکوک قرار دے دیا ہے، لہٰذا یہ مشکوک ہے۔"

"تو اب کرنا کیا ہے؟"

"تمہیں نیو اورلینز جانا ہے۔"

"صرف مجھے؟"

"ہاں، صرف تمہیں۔" بہرام نے جواب دیا۔ "ماسٹر کا کہنا ہے کہ وہ اس مہم پر تمہارے ساتھ نہیں جائے گا۔ وہ چاہتا ہے کہ تربیت کے بعد یہ مشن تم تنہا انجام دو تاکہ تربیت کے مؤثر یا غیر مؤثر ہونے کا اندازہ ہو سکے۔"

"ٹھیک ہے۔" ٹائیگر نے زیرِ لب کہا اور دفتر سے باہر نکل آیا۔

ٹھیک چار گھنٹے بعد وہ نیو اورلینز کے لیے پرواز کر چکا تھا۔

✦

بالآخر وہ ایڈریس نظر آ ہی گیا۔ وہ ایک جاز پارلر اور ووڈو سپلائی شاپ کے درمیان واقع ایک پرانی عمارت تھی۔ سیڑھیاں بھی تنگ اور قدرے پرانی دکھائی دے رہی تھیں۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ٹائیگر نے باہر سے عمارت کا جائزہ لیا۔ تمام کھڑکیاں بند تھیں اور اُن کی بیرونی سمت آہنی جالیاں نصب تھیں۔ پہلی نظر میں عمارت غیر آباد اور سنسان دکھائی دیتی تھی لیکن ٹائیگر نے تو بہر حال میں داخل ہونا تھا۔

وہ تیزی سے سیڑھیاں چڑھتا اُوپر پہنچا اور پھر اُس نے ایک چوبی دروازے کے باہر لگی بیل بجا دی۔

خاموش فضا میں گھنٹی کی آواز کسی دھماکے کی طرح گُونجی لیکن کافی دیر تک دروازے کی دوسری طرف کوئی آہٹ نہ اُبھری جس سے اندازہ ہوتا کہ کوئی دروازہ کھولنے آ رہا ہے۔

ٹائیگر نے، ابھی ہینڈل پر ہاتھ رکھا ہی تھا کہ اُسے قدموں کی دھمک سُنائی دی۔ کوئی آ رہا تھا اور پھر دروازہ کھل گیا۔

اُس کے سامنے ایک دُبلی پتلی اور درمیانے قد کی خوبصورت سی لڑکی کھڑی تھی۔ اُس کے بال سیاہ اور آنکھیں بھوری تھیں جو خوف کے مارے اپنے حلقوں سے اُبلی پڑ رہی تھیں۔ وہ شاید دروازے سے بھاگنے کا ارادہ رکھتی تھی لیکن جب اُس نے ایک بھاری بھرکم شخص کو دروازے کے بیچوں بیچ کھڑے دیکھا تو خود کو بے بس محسوس کر کے بے اختیار رسک اُٹھی۔

لڑکی نے ذرا سا پیچھے ہٹ کر دروازہ بند کرنے کی کوشش کی لیکن ٹائیگر نے ہاتھ بڑھا کر پٹ تھام لیا اور لڑکی کی باوجود کوشش کے دروازے کو اِنچ بھر بھی نہ ہلا سکی۔

اِدھر سے ناکام ہو کر اُس نے ٹائیگر کے پہلو سے نکل بھاگنے کی کوشش کی لیکن ٹائیگر نے اسے بھی ناکام بنا دیا۔ اُسی وقت اُس کی نگاہیں لڑکی کے عقب میں اُٹھیں۔ دو قوی الجثہ افراد خوفناک چہرے لیے لڑکی کی طرف بڑھتے دکھائی دیے۔

ایک شخص نے ٹائیگر اور لڑکی کی طرف ہاتھ اُٹھا کر کچھ کہا جب کہ دوسرے نے سائلنسر لگے ریوالور سے فائر جھونک دیا۔ گولی دروازے کے پٹ میں لگی۔

ٹائیگر نے خوف سے کانپتی ہوئی لڑکی کو کمر سے پکڑ کر اُٹھایا اور دیوار کی آڑ میں کھڑا کر دیا۔ اب وہ پھر حملہ آوروں کی طرف متوجہ تھا۔ دونوں اب مزید آگے بڑھ آئے تھے۔ ریوالور بردار نے دوسرے فائر کے لیے ریوالور سیدھا کیا لیکن اب ٹائیگر تیار تھا۔ اُس نے لیفٹ ہک کا استعمال کیا اور ریوالور بردار اُچھل کر دس فٹ دُور ہال کی عقبی دیوار سے جا ٹکرایا۔ وہ بُری طرح ڈکرایا۔ دیوار سے ٹکرانے کے سبب اُس کی ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی۔ اُس کی چیخ آخری ہی ثابت ہوئی تھی کیونکہ چیختے ہی اُس نے گردن ڈال دی اور ساکت ہو گیا۔

اُس کا ساتھی حیرت سے آنکھیں پھاڑے دروازے میں موجود دیو زاد کو دیکھ رہا تھا۔ اِس سے پہلے کہ وہ کوئی حرکت کرتا ٹائیگر نے حیرت اُس کی آنکھوں میں منجمد کر دی۔ کہنی اس مرتبہ بھی اُس نے بائیں ہی استعمال کی اور پل بھر میں مخالف کی پسلیاں آپس میں گڈمڈ ہو کر رہ گئیں۔

ٹائیگر لڑکی کی طرف مڑا جو اب بھی دیوار کے ساتھ لگی تھر تھر کانپ رہی تھی۔ اُسے پلٹ کر یہ دیکھنے کی ضرورت نہ تھی کہ دونوں مر گئے ہیں یا نہیں۔

اُس نے لڑکی کا ہاتھ پکڑا اور اُسے تقریباً گھسیٹتا ہوا سیڑھیاں اُترنے لگا۔

وہ پیری روبی ڈاکس کے گھر میں دو اجنبیوں کی موجودگی پر غور کرنے لگا۔ اُس کے ذہن میں یہ بات پہلے ہی آئی تھی کہ کہیں یہ اُس کے لیے کوئی جال ہی ثابت نہ ہو۔ وہ بہت سی جرائم پیشہ تنظیموں کو مطلوب تھا ممکن تھا کہ مافیا نے یا کسی اور تنظیم نے ٹائیگر کو ہلاک کرنے کے لیے یہ سارا منصوبہ تیار کیا ہو۔

یہ بات سارے مجرموں کے علم میں تھی کہ جُرم جہاں بھی رونما ہوتا ہے ٹائیگر وہاں جا دھمکتا ہے اس لیے انہوں نے جعلی کرنسی کا کھٹرّاگ پھیلا کر اُسے نیو اورلینز بلایا ہوتا کہ اُسے گھیرا جا سکے۔

بہر حال اب وہ آگیا تھا، جو ہو گا دیکھا جائے گا اُس نے دل ہی دل میں کہا اور لڑکی کو ساتھ لیے سیڑھیاں اُتر کر کینال اسٹریٹ پر آگیا جہاں اب بھی ٹریفک کا بے ہنگم عالم تھا جو ذرا دیر پہلے تھا۔

اب ٹائیگر نے بغور لڑکی کا جائزہ لیا۔ وہ ہنوز خوفزدہ تھی۔ اُس کا چہرہ بتا رہا تھا کہ وہ خود کو دو شیطانوں کے درمیان گھرا محسوس کر رہی ہے۔ ایک شیطان کو ٹائیگر نے ٹھکانے لگا دیا تھا جب کہ دوسرا وہ خود تھا اور لڑکی اُس کے ساتھ آنے پر مجبور تھی۔

ٹائیگر کو اُس کے نقوش بھی جانے پہچانے لگ رہے تھے۔ پہلے وہ اسے اپنا وہم سمجھا لیکن جب اُس نے دوبارہ اُس کے چہرے کو بڑھاتو اُسے یہی محسوس ہوا کہ اُس کے ساتھ روبی چل رہی ہے۔

لڑکی حیرت انگیز طور پر روبی سے مشابہ تھی۔

ایک لمحے کے لیے ٹائیگر کے مُنہ کا ذائقہ کڑوا سا ہو گیا لیکن چند ہی ثانیوں میں اُس نے خود کو سنبھال لیا۔ روبی بے شک اُسے تنگ کرتی تھی لیکن اُس سے پیار تو کرتی تھی جب کہ وہ خود بھی نیو ہونے کے باوجود اُسے چاہتا تھا۔ لڑکی روبی سے مشابہ تھی تو کیا ہوا۔ کم از کم روبی کی طرح اُسے پریشان تو نہیں کرے گی۔

کینال اسٹریٹ سے وہ دونوں ایک گلی میں مڑ گئے یہاں رش تو درکنار کوئی ایک شخص بھی موجود نہ تھا۔ لڑکی چند قدم چلنے کے بعد ایک جگہ کھڑی ہو گئی۔ ٹائیگر کو بھی رُک جانا پڑا۔

"مم... میں... تت... تم نے میری زندگی بچائی ہے" اتنی دیر میں لڑکی پہلی مرتبہ بولی تھی۔ اُس کی آواز بھی اُس کی طرح خوبصورت تھی۔ "میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ کس طرح تمہارا شکریہ ادا کروں۔"

"تمہارا نام کیا ہے؟" ٹائیگر نے بھی پہلی مرتبہ ہی اُسے مخاطب کیا۔

"انجلیک روبی ڈاکس!"

"تب پھر تمہیں میرے کچھ سوالوں کے جواب دینے ہوں گے۔" ٹائیگر نے اُسے بتایا۔ "میں اُس گھر میں پیری روبی ڈاکس نامی ایک شخص سے ملنے گیا تھا۔"

"مم... مگر تم کون ہو؟" لڑکی کی آنکھوں میں ایک بار پھر خوف جاگ اُٹھا۔

"ڈرو مت، میں دُشمن نہیں دوست ہوں۔" ٹائیگر نے اُس کا کندھا تھپتھپایا۔ "میرا نام شہزاد ہے۔"

"کیا تم ایف بی آئی سے ہو؟"

"نہیں۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ "لیکن اور کچھ مت پوچھنا، میں جواب نہ دے پاؤں گا۔"

"تم نے کہا ہے کہ مجھ سے کچھ سوالات کرنا چاہتے ہو۔" لڑکی نے اُسے یاد دلایا۔

"ہاں، لیکن اس جگہ کھڑے کھڑے نہیں۔"

انجلیک نے بے تکلفی سے اُس کا ہاتھ تھام لیا اور آگے بڑھنے لگی۔ "میرے ساتھ آؤ۔"

دونوں ایک بار پھر کینال اسٹریٹ پر پہنچ گئے۔ اب اُن کا رُخ فرنچ کوارٹرز کی طرف تھا۔ جب وہ بورین اسٹریٹ پر پہنچے تو رُک گئے۔

"اس جگہ کے بارے میں کیا خیال ہے؟" ٹائیگر نے بورین اور سینٹ پیٹر اسٹریٹ کے سنگم پر واقع ایمبرز ریسٹورنٹ کی طرف اشارہ کیا۔ "ہم یہاں بیٹھ کر نہ صرف باتیں کر سکیں گے بلکہ خود کو ظاہر کیے بغیر ارد گرد کی گلیوں پر نگاہ بھی رکھ سکیں گے۔"

چند منٹ بعد ہی دونوں ریسٹورنٹ کی بالکونی میں موجود تھے۔ ٹائیگر نے اپنے اور لڑکی کے لیے لائم جوس کا آرڈر دیا تھا۔

"تت... تم نے اُن آدمیوں کے ساتھ کیا، کیا تھا؟" جوس کے چند گھونٹ لینے کے بعد انجلیک نے ٹائیگر کو مخاطب کیا۔ اُس کی بڑی بڑی آنکھیں ٹائیگر کے چہرے کا طواف کر رہی تھیں۔

"میں نے انہیں باہر بھیج دیا۔" ٹائیگر نے عام سے انداز میں کہا لیکن جب انجلیک کی استفہامیہ نگاہوں کو محسوس کیا تو اپنے جملے کی مزید وضاحت کر دی۔ "وہ ہم دونوں کو ہلاک کر دینا چاہتے تھے سو میں نے انہیں قتل کر ڈالا۔"

"ق... قتل... کر ڈالا؟" لڑکی نے تھوک نگلا۔

"ہاں۔" ٹائیگر نے جوس کا گھونٹ بھرتے ہوئے جواب دیا۔ "بہر حال، اسے چھوڑو... مجھے اس وقت تمہاری یا پیری روبی ڈاکس کی صفائی کی ضرورت ہے، میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا تم لوگوں نے میرے لیے کوئی جال بچھایا تھا؟"

"وہ نو!" لڑکی بے تابانہ انداز میں بولی۔ "میں سچ کہہ رہی ہوں۔ پیری روبی ڈاکس میرے والد تھے اور وہ مر چکے ہیں، ان لوگوں نے یا ان کے دوسرے ساتھیوں نے انہیں آج صبح قتل کر دیا ہے۔" انجلیک کی آنکھیں نمناک ہو گئیں لیکن اُس نے ہاتھ کی پُشت سے فوراً آنکھیں مل کر آنسوؤں کو بہنے سے روک دیا۔ "گلف لینڈ کے بعض افراد کا کہنا ہے کہ انہوں نے میرے والد کو پھلیوں کی آلائش سے پھسل کر ایک بلیے اور تیز دھار کیل پر گرتے دیکھا تھا۔ ممکن ہے ایسا ہی ہو لیکن جب میں نے انہیں دیکھا اُن میں تھوڑی سی زندگی باقی تھی انہوں نے مجھے بتایا کہ انہیں گلف لینڈ کے آدمیوں نے چہرے سے گھاؤ لگایا ہے۔ پولیس کے آنے سے پہلے ہی وہ انتقال کر گئے۔ میں نے اپنے طور پر انہیں بتانے کی کوشش کی لیکن کسی نے میری بات پر یقین نہیں کیا۔"

اب انجلیک کی آنکھوں سے آنسو بہہ کر رخساروں کو بھگو رہے تھے۔ اُس نے انہیں روکنے یا خشک کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی تھی۔

"یہ سب کیوں ہوا؟"

"اس لیے کہ باقی تمام لوگوں نے گواہی دی تھی کہ انہوں نے خود میرے والد کو پھسل کر گرتے دیکھا تھا۔" انجلیک نے جواب دیا۔ "لیکن پولیس خود بھی جانتی ہے کہ میرے والد، مارشل لوئسنے سے کس قدر نفرت کرتے تھے اور یہ کہ گلف لینڈ کے ساتھ کیا ہوا ہے؟ نیو اورلینز کا پولیس لیفٹیننٹ بھی یہ باتیں جانتا ہے لیکن اس کے باوجود وہ اسے ایک حادثہ ہی قرار دیتا رہا۔"

انجلیک خاموش ہو گئی۔ ٹائیگر نے بھی بولنے کی کوشش

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

نہیں کی، چند ثانیوں بعد خود انجلیک نے ہی بات شروع کی: "اس کے بعد وہ لوگ... جنہیں تم نے قتل کیا ہے میرے پیچھے پڑ گئے مجھے پتا تھا کہ ڈیڈی نے آج شام کسی کو بلوایا ہے چنانچہ میں چھپ کر وقت کا انتظار کرنے لگی۔ پھر میں چھپتے چھپاتے یہاں آگئی لیکن یقیناً انہوں نے میرا پیچھا کیا تھا۔ کیونکہ گھنٹی بجنے سے ذرا دیر پہلے ہی میں نے عقبی دروازے پر کچھ شور سنا تھا۔ اُسی وقت گھنٹی بج اُٹھی۔ ابھی میں دروازہ کھولنے کے بارے میں سوچ ہی رہی تھی کہ عقبی دروازہ ٹوٹ گیا اور میں بھاگ کھڑی ہوئی جب میں نے دروازہ کھولا وہ میرے عین پیچھے پہنچ چکے تھے۔ میں خوفزدہ تھی اس لیے تمہارے بارے میں بھی کوئی فیصلہ نہ کر پائی تھی۔ پہلے میں سمجھی کہ تم بھی انہی کے ساتھی ہو لیکن جب تم نے مجھے اُن سے بچا کر دیوار کے عقب میں کھڑا کر دیا تب میں سمجھی کہ تم اُن کے دوست نہیں بلکہ..."

"تمہارے والد نے جعلی کرنسی کے بارے میں خط میں جو کچھ تحریر کیا تھا تم اُس کے بارے میں کیا جانتی ہو؟"

"بہت زیادہ نہیں۔" انجلیک نے جواب دیا۔ "انہوں نے خط لکھنے سے پہلے رسماً ہی مجھ سے تذکرہ کیا تھا البتہ ان کا کہنا تھا کہ مارشل بوتھے نے گلف لینڈ کو محض اپنے بچاؤ کا راستہ بنایا ہے۔ درحقیقت وہ یعنی بوتھے جعلی کرنسی کے کسی گینگ سے وابستہ ہے اور وہ اسے پھیلانے کے لیے کارپوریشن کو استعمال کر رہا ہے۔ اُن کا یہ بھی کہنا تھا کہ یہ کام اتنے بڑے پیمانے پر ہو رہا ہے جس سے پورے ملک کی معیشت تباہ ہونے کا اندیشہ ہے۔"

"مگر وہ ثبوت کہاں ہے؟"

"میں نہیں جانتی۔ انہوں نے کل ہی اُسے کہیں چھپایا تھا۔ وہ کل تنہا ہی کشتی لے کر گئے تھے اور واپسی پر مجھے بتایا تھا کہ صدر کی طرف سے کسی فرد کے آنے تک وہ ثبوت کہیں چھپا آئے ہیں... انہوں نے مجھے جگہ کے بارے میں بالکل نہیں بتایا حتیٰ کہ مرتے وقت بھی نہیں۔"

ٹائیگر خاموش بیٹھا لائم جوس کی چسکیاں لیتا رہا اور انجلیک اُس کے چہرے پر نظریں جمائے یہ سوچتی رہی کہ کیا یہی وہ شخص ہے جو کچھ دیر قبل دو افراد کو موت کے گھاٹ اُتار چکا ہے۔

"تمہارا گھر اب محفوظ نہیں رہا۔" ٹائیگر نے خالی گلاس میز پر رکھتے ہوئے کہا۔ "کیا کوئی ایسی جگہ ہے جہاں تم اگلے چند دنوں تک رہ سکو؟"

"گاسٹن ریوی کا گھر ہے۔" انجلیک بلا جھجک بولی۔ "وہ میرے والد کے بہترین دوستوں میں سے تھا۔ وہ کرسٹی نالی لائنر کا کیپٹن ہے۔ ڈیڈی کی طرح وہ بھی شروع سے بوتھے کا مخالف رہا ہے اُس نے مچھلیوں کے فلیٹ پر گلف لینڈ کے قبضے کی مخالفت بھی کی تھی۔"

"اگر وہ تمہارے ڈیڈی کا دوست تھا تو کیا بوتھے یہ نہیں سمجھ جائے گا کہ تم اُس کے گھر رہ رہی ہو؟"

انجلیک نے لحظہ بھر کے لیے سوچا پھر بولی: "گاسٹن گرانڈ ہنڈل میں رہتا ہے جب کہ گلف لینڈ کے دفاتر، اُن کا پلانٹ اور ڈاکس، یعنی ہر چیز یہاں نیو اور لیزنر میں ہے۔ گرانڈ ہنڈل یہاں سے پچاس میل دور ہے اور اگر میں یہاں سے غائب ہو کر وہاں چلی جاتی ہوں تو کسی کے ذہن میں یہ بات نہیں آئے گی کہ میں ایک ایسے دیہہ میں چلی گئی ہوں جہاں ہر کوئی مجھے جانتا ہے۔"

"بہر-11، چلتے ہیں۔" ٹائیگر نے جوس کے بل کی رقم میز پر رکھتے ہوئے کہا۔ "تمہارا کیا پلان ہے ریوی جعلی کرنسی کے منصوبے کے بارے میں مجھے کچھ بتا سکے۔ وہاں راستہ کون سا جاتا ہے؟"

"شہر سے باہر جانے کے لیے بوالیس ٹائنٹی اور اُس کے بعد مغرب کی جانب اسٹیٹ ہائی وے ون..."

"... یہ میری بیوی روز ہے اور یہ میرے بچے ہیں: بابیش اور ڈیوزاد ماہی گیر کیپٹن گاسٹن ریوی نے اپنے خاندان کو شہزاد سے متعارف کرایا۔ "یہ ہیں پیٹر، نینسی، لوتھر، زینا، کارل..." اُس نے اپنے تیرہ بچوں کے نام بتائے۔ اختتام بوبی کے نام پر ہوا جو باہر سے ابھی ابھی گھر میں داخل ہوا تھا۔

شہزاد اُس تمام عرصے میں زیرلب مسکراتا رہا۔

"اور یہ میرا چیف انجینئر جگوز فلابرٹ ہے۔" اُس نے اپنے پہلو میں بیٹھے ایک چھوٹے قد کے موٹے شخص کی طرف اشارہ کیا۔

"میرا نام شہزاد ہے۔" ٹائیگر نے کچھ اس انداز میں اپنا نام بتایا کہ انجلیک قہقہہ لگائے بغیر نہ رہ سکی۔

تیرہ بچوں اور تین بڑوں کے تعارف کے بعد ظاہر ہے ٹائیگر کا انداز تبسمانہ ہی ہو سکتا تھا۔ انجلیک کے قہقہے پر ٹائیگر نے چونک کر اُسے دیکھا۔ اُس کے ہنسنے کا انداز بھی سوفی صد روبی جیسا ہی تھا۔

لعنت ہو، شہزاد نے دل ہی دل میں خود کو برا بھلا کہا، میں یہاں کام کرنے آیا ہوں، اگر اس لڑکی اور روبی کی مشابہت میں

پڑ گیا تو کہیں کا نہ رہوں گا۔

وہ کچھ دیر گاسٹن ریوی اور جگوز فلابرٹ سے اِدھر اُدھر کی باتیں کرتا رہا اور پھر اپنے مقصد پر آگیا۔

"پہلے تو میں تمہیں بتاتا ہوں کہ مجھے کس کس بات کا علم ہے اُس کے بعد تم مجھے گلف لینڈ اور جعلی کرنسی کے بارے میں جو جانتے ہو، بتانا۔" دونوں نے اثبات میں سر ہلایا لیکن مُنہ سے کچھ نہیں بولے۔

"مجھے پیری روبی ڈاکس کا ایک خط اور بیس ڈالر کا نوٹ ملا ہے۔ پیری نے خط میں لکھا ہے کہ یہ نوٹ جعلی ہے لیکن لیبارٹری ٹیسٹ اور بینک چیکنگ میں وہ نوٹ اصل ثابت ہوا ہے جب کہ پیری نے یہ بھی لکھا ہے کہ نوٹ کے جعلی ہونے کے سلسلے میں اُس کے پاس ثبوت بھی ہے۔" اُس کے بعد شہزاد نے انہیں اپنے یہاں آنے اور انجلیک پر حملے سمیت تمام تفصیلات بتائیں۔ "اب تم مجھے بتاؤ کہ اس بارے میں کیا کچھ جانتے ہو؟ میں چاہتا ہوں کہ میری مدد کرو۔"

گاسٹن ریوی ٹائیگر کے خاموش ہو جانے پر بھی چند لمحے بیٹھا رہا۔ اُس نے اپنے دونوں ہاتھ میز کی ٹاپ پر رکھے اور ان کو دیکھنے لگا۔ وہ بار بار ہونٹوں کو بھی دانتوں تلے دبا رہا تھا، صاف ظاہر تھا کہ وہ کچھ بتانے سے جھجک رہا ہے۔ ٹائیگر اُسے چھیڑنے کی بجائے چپ بیٹھا اُس کی حالت سے لطف اندوز ہوتا رہا۔

کئی منٹ کی خاموشی کے بعد گاسٹن خود ہی گویا ہوا: "میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ میں کہاں سے شروع کروں۔" وہ جھجکتے ہوئے بولا: "یہ کوئی دو سال پہلے کی بات ہے جب مارشل بوتھے گلف لینڈ کارپوریشن کا صدر بنا۔ اُس وقت تک یہ ایک چھوٹا سا ادارہ تھا جو رفتہ رفتہ ترقی کر رہا تھا لیکن اُس نے سب کچھ بدل ڈالا۔ اُس نے تمام ماہی گیروں کو کارپوریشن کا رکن بنانے کی مہم چلائی پھر اُس نے کارپوریشن کی رقم سے جینی الیوٹی نامی دس ہزار ٹن وزنی جہاز خریدا اور اُسے جدید ترین ماہی گیر جہاز میں تبدیل کر ڈالا۔ جلد ہی اُس نے بدمعاش پالنے شروع کر دیے۔ اُس نے ایسے ماہی گیروں کو قرضے دینے شروع کیے جنہیں بینک سے قرضے نہیں مل سکتے تھے۔ قرضہ دینے کے بعد وہ اپنے بدمعاش اُن لوگوں کے پاس بھیج کر انہیں ڈرا دھمکا کر انہیں کارپوریشن میں شامل ہونے پر مجبور کرتا۔ اگر وہ لوگ دائیگی نہ کرتے یا کارپوریشن میں شمولیت سے انکار کرتے تو بوتھے اُن کی کشتیوں پر قبضہ کر لیتا۔

"ہر شخص کارپوریشن میں شمولیت کے سرٹیفکیٹ آف اسٹاک یعنی ہر کسی کارڈ پر دستخط کرتا ہے جس کی وجہ سے بوتھے کو اس وقت گلف لینڈ کے ستر فی صد افراد پر کنٹرول حاصل ہے اور اگر وہ چاہے تو خود کو تاحیات صدر منتخب کروا سکتا ہے۔ کارپوریشن کے تحت صرف وہ کام ہوتا ہے جس کی اجازت بوتھے دے دے بصورت دیگر اس کام کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔"

گاسٹن تھوڑی دیر کے لیے خاموش ہو گیا۔ اُس نے اپنی بیوی کو بیئر کے کین لانے کے لیے کہا جو انجلیک کو اپنی بانہوں میں لیے تسلیاں دے رہی تھی۔ روز ریوی اُٹھ کر کچن کی طرف بڑھ گئی۔ جب وہ واپس آئی تو اُس کے ہاتھ میں بیئر کے کئی کین تھے۔ گاسٹن نے ایک کین اپنے لیے کھولا جب کہ دوسرا شہزاد کی طرف بڑھا دیا لیکن شہزاد نے جب یہ بتایا کہ وہ شراب یا بیئر نہیں پیتا تو گاسٹن نے حیرت زدہ نگاہوں سے اُسے دیکھا لیکن مُنہ سے کچھ نہیں بولا۔ انجلیک نے بھی اس انکشاف پر شہزاد کو سنسنی خیز انداز میں دیکھا تھا۔

گاسٹن نے بیئر کے دو تین لمبے لمبے گھونٹ لیے اور پھر بولنا شروع کیا: "اگر کوئی ریٹائر کارپوریشن میں شامل نہ ہو تو یہ غنڈے اُسے نقصان پہنچانے سے بھی باز نہیں آتے اور یہ نقصان کسی بھی صورت میں ہو سکتا ہے۔ کوئی حادثہ، آگ وغیرہ یا یہ بھی ہوتا ہے کہ اُس بے چارے کی کشتی ہی تباہ ہو جائے۔ کبھی کوئی ماہی گیر کسی گلی میں گھیر لیا جاتا ہے اور اُس کی ناک یا دانت وغیرہ توڑ دیے جاتے ہیں۔ تین چار ماہ پہلے تک تو صورتِ حال یہ تھی کہ خلیج کے ساحلوں پر صرف وہی شخص مچھلیاں پکڑ سکتا تھا جو کارپوریشن کا رکن ہو۔"

"کیا پیری روبی ڈاکس، کارپوریشن کا رکن تھا؟" ٹائیگر نے ریوی کے خاموش ہونے پر پوچھا۔

"وہ؟ ہاں، میں بھی اُس کا رکن ہوں، تم خود ہی بتاؤ ایسی صورت میں ہم بھلا بوتھے کی دشمنی کیسے اور کیونکر مول لے سکتے تھے۔ کارپوریشن میں شمولیت ہماری مجبوری تھی لیکن اس کے باوجود ہم لوگ بوتھے سے بے پناہ نفرت کرتے تھے۔"

"غیر قانونی پراکسی لیٹرز اور بدمعاشی تو ایک چیز ہے کیونکہ ان چیزوں کو ثابت کرنا مشکل ہے۔" ٹائیگر نے کہا۔ "کیا تم کوئی ایسی بات جانتے ہو جس سے بوتھے کا جعلی کرنسی کے کاروبار میں شامل ہونے کا ثبوت مل سکے؟ کیا تمہارے پاس بھی ایسا کوئی نوٹ ہے جو پیری نے خط کے ساتھ ہی بھجوایا تھا؟"

گاسٹن نے جواب دینے کی بجائے پہلے سگار سلگایا اور اُس کا گاڑھا دھواں اُگل کر ایک بلند آہنگ قہقہہ لگایا۔ "رقم کیا ہے، میں کچھ نہیں جانتا کیونکہ تیرہ بچوں کی موجودگی میں وہ ملنے سے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

پہلے ہی خرچ ہو جاتی ہے۔ اگر مجھے ایسا کوئی نوٹ ملا بھی تھا تو وہ نمبر دیکھنے سے پہلے ہی ختم ہو چکا۔" وہ اچانک خاموش ہو گیا جیسے کچھ سوچ رہا ہو۔ کچھ توقف کے بعد اُس نے دوبارہ اپنی بات شروع کی۔ "ویسے، ابھی چھ سات ماہ قبل بوٹسے کے کچھ غنڈے ہم لوگوں کے پاس آئے تھے۔ وہ ہمیں کہا تھا، اپنی کشتیاں فلاں جگہ لے چلو، اور "ایک کشتی سے ملو، جو لوگ وہاں گئے تھے انہیں اُس کشتی سے بعض پیکٹ ساحل تک لے جانے کے لیے دیے گئے تھے انہیں اس کام کا خاصا اچھا معاوضہ دیا گیا تھا۔ یہ اسمگلنگ ہے لیکن ذرا چھوٹے پیمانے پر۔ پیری کے نزدیک یہ بہت بڑی بات ہے، ممکن ہے اسی کے ذریعے کرنسی کا کوئی شاخسانہ ہو لیکن مجھے اس کا علم نہیں۔"

"اپنے نوٹ کے بارے میں پیری نے تمہیں کچھ بتایا تھا؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"پیری نے مجھے اپنے نوٹ دکھائے تھے اور پوچھا تھا کہ کیا مجھے بھی پے منٹ انہی نوٹوں میں کی گئی ہے۔ اُس نے کہا تھا کہ ان نوٹوں میں کوئی گڑبڑ ہے لیکن یہ نہیں بتایا کہ گڑبڑ کیا ہے؟ بقول اُس کے یہ نوٹ اُسے گلف لینڈ کی طرف سے ادا کیے گئے تھے۔ چند ہی دن بعد جب اُسے مچھلیوں کے بدلے دوبارہ ادائیگی کی گئی تو مارشل بوٹسے خود چل کر اُس تک پہنچا اور مطالبہ کیا کہ پہلے دیے جانے والے نوٹ واپس کر دے۔ میں اسی قدر جانتا ہوں، ہنوائے۔" وہ آگے کو جھکا۔ "یہ آج صبح پیری کسی بات کے بارے میں بڑا پُرجوش تھا۔ وہ فشنگ سے بھی جلدی واپس لگا تھا۔ پیر اُس کی عموت سے کوئی دو گھنٹے پہلے کی بات ہے۔ اُس نے مجھے بتایا تھا کہ اپنے ریڈیو پر اُس نے ایک خفیہ پیغام سُنا ہے کہ جس شب مودی گراس ختم ہو گا اُسی رات مارشل بوٹسے کو کوئی خصوصی شپمنٹ موصول ہو گی۔ مجھے افسوس ہے کہ میں اس شپمنٹ کی نوعیت نہیں بتا سکتا البتہ یہ علم ضرور ہے کہ شپمنٹ آج سے چار روز بعد بدھ کی دوپہر نیو اورلینز پہنچے گی۔"

ٹائیگر نے مزید کچھ سوالات کیے لیکن کوئی قابلِ ذکر بات معلوم نہ کر سکا۔ اُس کے بعد اُس نے گاسٹن کو بتایا کہ انجلیک کچھ دن اُس کے ہاں ٹھہرے گی کیونکہ وہ خود کو اپنے گھر کی نسبت یہاں زیادہ محفوظ تصور کرتی ہے۔ گاسٹن نے جواب دینے سے قبل اپنی فوجِ ظفر موج کو دیکھا اور پھر اثبات میں سر ہلا دیا۔ شاید وہ اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ اتنے بہت سارے محافظوں کی موجودگی میں ایک کے اضافے سے کوئی خاص فرق نہیں پڑے گا۔

"مودی گراس کے دوران فشنگ بہت کم ہو گی اس لیے آئندہ چھ دن تک میں بھی باہر نہیں جاؤں گا۔ تم فکر نہ کرو وہ یہاں محفوظ رہے گی اور اُس کی اچھی طرح دیکھ بھال کی جائے گی۔" ذہین ماہی گیر نے اپنے دیدے پٹپٹائے۔ "ویسے انجلیک ایک خوبصورت لڑکی ہے، نہیں؟ تم اُسے پسند کرتے ہو نا؟"

"شاید!" ٹائیگر نے فوراً اعتراف کر لیا، شاید اس طرح وہ اُس سے جان چھڑانا چاہتا تھا۔ "میں اٹرپورٹ کے قریب جنیلی بولیوارڈ پر بوتھراپ موٹل کے کمرہ نمبر اٹھاون میں مقیم ہوں۔" ٹائیگر اُٹھ کھڑا ہوا۔ "اگر کوئی بھی بات ہو، یا میری مدد کی ضرورت ہو تو مجھے کال کر لینا۔ فون پر صرف کمرہ نمبر بتا دینا۔ مجھے پیغام مل جائے گا۔"

ٹائیگر کیپٹن سے فارغ ہو کر انجلیک کے پاس پہنچا جو روز ریوی کے ساتھ دوسرے کمرے میں جا چکی تھی۔ اُس نے روبی کی ہم شکل اس خوبصورت لڑکی کو خدا حافظ کہا تو اُس کی نگاہوں میں اپنے لیے پسندیدگی کی جھلک صاف طور پر دیکھنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ خود ٹائیگر کو بھی وہ اچھی لگی تھی۔

حالانکہ وہ روبی کی ہم شکل تھی لیکن شاید اُسے اس لیے پسند آئی تھی کہ وہ روبی کی طرح شور نہیں مچاتی تھی۔

نیو اورلینز واپس آتے ہوئے ٹائیگر کا ذہن مسلسل صورتِ حال کا تجزیہ کرتا رہا۔ اُسے اچانک ہی احساس ہوا کہ اُس کے پاس وقت بے حد کم ہے اور یہ کہ ابھی اُسے بہت سا کام نمٹانا ہے۔

اُس نے فوری طور پر فیصلہ کیا کہ آج ہی رات اُسے گلف لینڈ فشریز مینز کارپوریشن کا اندرونی جائزہ لینا ہے۔ اُس نے گھڑی دیکھی، شب کا ڈیڑھ بج رہا تھا۔ اُسے علم تھا کہ کارپوریشن کا دفتر کس جگہ واقع ہے۔ اُس نے شہر کے پہلے پہور اہے سے اپنی کرایے کی کار کو دائیں جانب موڑ لیا۔

اُس کا رُخ اب ساحل کی طرف تھا جہاں گلف لینڈ کارپوریشن کے دفاتر واقع تھے۔

ہینڈل پر ہاتھ رکھنے کی دیر تھی کہ وہ گفل سمیت ٹوٹ کر ٹائیگر کے ہاتھ میں آگیا اس وقت شب کے دو بج کر دس منٹ آٹھ سیکنڈ ہوئے تھے۔

ٹائیگر اس وقت اندھیرے کا حصہ نظر آ رہا تھا۔ اس نے اندر داخل ہونے کی رفتار بھی اس قدر تیز رکھی تھی کہ بیرونی دروازے کے محافظ اور بار کے ساتھ گشت کرنے والے پہرے دار کو وہ محض ہوا کا ایک جھونکا ہی محسوس ہوا تھا۔ اس نے اندر داخل ہو

کر دروازہ بھیڑ دیا۔ اب وہ مقفل نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ ہینڈل اس کے ہاتھ میں موجود تھا۔

گلف لینڈ کامپلکس کا اندرونی حصہ خاموش اور تاریک تھا۔ یہ کامپلکس ایسٹ بنک پر متعدد ڈاکس اور ویئر ہاؤسز کے درمیان واقع تھا۔ یہاں فرنچ کوارٹر کے آس پاس دریائے مسسپی پر مصنوعی گودی بھی بنائی گئی تھی۔ گلف لینڈ کامپلکس دریا کے مین چینل پر سیٹلے اسٹریٹ وہارف اور اورینج اسٹریٹ کے درمیان تھا۔

اندر داخل ہونے کے بعد ٹائیگر چند سیکنڈ بے حس و حرکت کھڑا سن گن لیتا رہا لیکن کسی بات سے یہ ظاہر نہیں ہوا کہ اس کی آمد کو محسوس کر لیا گیا ہے۔ سامنے ہی سیڑھیاں نظر آ رہی تھیں ٹائیگر انہی کی طرف بڑھ گیا۔ ذرا دیر بعد ہی وہ ٹاپ فلور پر موجود تھا۔

اس نے فرسٹ فلور کے عام دفاتر، آڈیٹوریم اور سیکنڈ فلور پر بنے ہوئے میٹنگ ہالز کو نظر انداز کر دیا تھا۔ اس کے اپنے تجربے کے مطابق صرف ٹاپ فلور سے ہی کوئی مطلب کی چیز مل سکتی تھی۔

تیسری منزل کی راہداری میں سے گزرتے ہوئے وہ وائس پریس بنے ہوئے دفاتر کا جائزہ لیتا رہا تھا۔ چیف آف سکیورٹی انتھونی کوبرٹ، مارشل بوٹسے اور بزنس ایجنٹ فل ڈوبوئس کے دفاتر ساتھ ساتھ واقع تھے۔ ٹائیگر نے چند ثانیے سوچا اور سکیورٹی چیف کے دفتر سے اپنے کام کے آغاز کا فیصلہ کیا۔

دروازے کا لاک اس کے لیے کوئی اہمیت نہ رکھتا تھا۔ لیکن اس بار اس نے یہ احتیاط ضرور ملحوظ رکھی تھی کہ دروازے کا پورا ہینڈل ہی اس کے ہاتھ میں نہ آ جائے اس نے قفل کھولا اور اندر داخل ہو گیا۔

اسے ڈیوٹی روسٹر کی تلاش تھی تاکہ اپنے کام کے نام معلوم کر سکے یا پہرے داروں کے شیڈول دیکھ سکے تاکہ اپنے کام کی تکمیل کے لیے وقت کا تعین کر سکے۔ اس نے متعدد دراز یں اور میزیں دیکھیں لیکن اپنے مطلب کی کوئی شے حاصل نہ کر سکا۔ البتہ اسے یہ معلوم ہو گیا کہ عمارت کا رائونڈ ہر ایک گھنٹے بعد ہوتا تھا آغاز گراؤنڈ فلور سے ہوتا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ چوکیدار بالائی منزل پر آنے والا تھا۔

تلاش کے باوجود وہ ڈیوٹی روسٹر حاصل نہ کر پایا چنانچہ اس نے سارے کاغذات احتیاط کے ساتھ واپس انہی جگہوں پر رکھ دیے جہاں سے نکالے تھے اس کے بعد اس نے اپنے ناخن کی مدد سے کوریڈور کا ٹیلی فون کھول ڈالا۔ چند ہی ثانیوں بعد وہ ایک شارٹ رینج ڈیوائس اس میں فٹ کر چکا تھا۔ مزید دو منٹ بعد وہ اس کے دفتر سے نکل کر بوٹسے کے دفتر میں داخل ہو رہا تھا۔

بوٹسے کے دفتر کی سجاوٹ قابلِ دید تھی دیواروں کے ساتھ شیشے کے خوب صورت ریک بنے ہوئے تھے جن میں بحری جہازوں کے چینی مٹی اور شیشے کے بنے ہوئے ماڈل رکھے ہوئے

سرکش

محمود احمد مودی

کے ایڈونچرس قلم سے

12 حصوں میں شائع ہو گیا ہے

قیمت مکمل سیٹ -/720 روپے

مکتبہ القریش، سرکلر روڈ، اردو بازار
لاہور، فون: ۷۶۶۸۹۵۸

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

تھے۔ ہر ماڈل پر جہاز کی ضروری تفصیلات بھی درج تھی۔

ایک الگ شیلف میں اسے لکڑی اور تانبے کا بنا ہوا ایک ماڈل جہاز بھی نظر آیا۔ اس پر جیبی الیوٹی کے الفاظ کندہ تھے یہ وہی جہاز تھا جس کا تذکرہ گاسٹن ریوی نے کیا تھا۔

ٹائیگر نے پوری احتیاط کے ساتھ دفتر کی تلاشی لی۔ لیکن یہاں بھی اسے کوئی قابل ذکر شے حاصل نہ ہوئی۔ حتیٰ کہ وہ کسی خفیہ سیف تک کا پتا نہ چلا سکا۔

ٹائیگر اس وقت بوٹشے کی میز کے اوپر رکھے کاغذات کھنگالنے کی تیاری کر رہا تھا کہ سیڑھیوں پر کسی کے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ قدموں کی آواز ہال میں آئی پھر راہداری میں آئی اور بالآخر بوٹشے کے دفتر کے باہر رک گئی۔

ذرا دیر بعد باہر کھڑے ہوئے شخص نے دروازے کے ہینڈل کو گھمایا۔ دروازہ مقفل تھا چنانچہ وہ اطمینان سے آگے بڑھ گیا۔ رفتہ رفتہ چاپ معدوم ہو گئی۔

بوٹشے کی میز پر جمع شدہ کاغذات بھی بے کار ثابت ہوئے تھے۔

میز کے عین نیچے ٹائیگر کو ایک چھوٹا سا سیف نظر آیا تھا ٹائیگر نے سیف کا قفل کھول ڈالا لیکن وہاں سے جو کچھ نکلا تقریباً بے کار ہی تھا۔

کارپوریشن فنڈ اکاؤنٹ کی ایک چیک بک وہاں موجود تھی جس کے تحت عزیز معمولی رقمیں جمع کروائی اور نکلوائی گئی تھیں یہ اعداد و شمار کسی سرکاری ادارے کے لیے تو مفید ثابت ہوسکتے تھے لیکن خود ٹائیگر کے لیے ان کی کوئی اہمیت نہ تھی اور نہ ہی موجودہ مشن میں ان کی کوئی ضرورت پڑ سکتی تھی۔

تین سو ڈالر کی نقد رقم بھی سیف میں ایک جانب رکھی تھی لیکن ظاہر ہے کہ ٹائیگر کو اس میں بھی کوئی دلچسپی نہ تھی۔ اس نے سیف کو بند کیا بوٹشے کے نوٹ میں ڈیوائس نصب کر کے باہر نکل آیا۔

اس کی اگلی منزل فل ڈوبوئس کا دفتر تھا۔

ابھی وہ دروازے تک ہی پہنچا تھا کہ سیڑھیوں پر ایک بار پھر چاپ ابھری اور اگلے ہی لمحے دو افراد راہداری میں آ گئے۔

دونوں نے ایک اجنبی کو ڈوبوئس کے دفتر کے سامنے کھڑے دیکھا تو اسے للکارتے ہوئے دوڑے ان کا خیال تھا کہ وہ دونوں اطراف سے اجنبی کو چھاپ لیں گے لیکن یہی ان کی زندگی کی سب سے بڑی غلطی تھی۔

اجنبی انہیں دیکھتے ہی سیدھا ہو گیا اپنی وہ دوڑتے ہوئے اس کے قریب پہنچے اس نے اپنے دونوں بازو دائیں بائیں پھیلا لیے۔ دوڑتے ہوئے بیٹی اور جمی ان بازوؤں سے ٹکرائے۔۔۔ بازوؤں سے نہیں بلکہ شاید لوہے کے ستونوں سے ٹکرائے۔ لوہے کے دو ستون بیک وقت ان کے سینوں پر لگے۔ ان کے حلق سے بھیانک آواز نکل ہو گئی کیونکہ ان کے سینے کی ہڈیاں ٹوٹ گئی تھیں دونوں دھڑام سے گر گئے۔ گرنے سے پہلے ہی ان کی روحیں عالم بالا کو پرواز کر چکی تھیں۔

ٹائیگر نے اک نگاہ غلط انداز دونوں گرے ہوئے چوکیداروں پر ڈالی اور پلٹ دوبارہ دروازے کی طرف متوجہ ہو گیا۔ جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

ڈوبوئس کی میز کے ایک دراز سے اُسے بڑے پیمانے پر سی فارمنگ کے نقصانات کے بارے میں ایک رپورٹ ملی۔ جو گرین ارتھ پیپل نامی کسی گروپ نے ترتیب دی تھی اس کے ساتھ ایک خط کی کاربن کاپی منسلک تھی جس پر ڈوبوئس کے دستخط موجود تھے۔ خط کار لوسا لینی نامی کسی شخص کے نام تھا جو ظاہر ہے کہ ہائیڈر کے لیے اہمی تھا۔ اس میں سائنٹینی سے درخواست کی گئی کہ گرین ارتھ پیپل کے مظاہرے کے پیش نظر شیڈ کے روز سیکورٹی کے انتظامات مزید سخت رکھے جائیں۔ خط میں شیڈ کی تاریخ بھی لکھ دی گئی تھی جبکہ مجوزہ مظاہرہ بھی اسی تاریخ کو ہونا تھا۔

ٹائیگر نے اپنی جیب سے ایک ننھا سا کیمرہ نکالا اور خط اور رپورٹ کے دو دو فوٹو کر انہیں واپس رکھ دیا۔ اس نے کمرے پر ایک طائرانہ نظر ڈالی اور باہر نکل آیا۔

اسے علم تھا کہ بلڈنگ میں ہر ایک گھنٹے کے راؤنڈ کے بعد کلاک اسٹیشنوں کو چابی دینا تھا جس گھنٹے ان اسٹیشنوں کو چابی نہ دی جاتی خطرے کے الارم بج اٹھتے۔ ٹائیگر نے دونوں چوکیداروں کو ہلاک کر دیا تھا اس لیے کلاک اسٹیشن کو چابی دینے والا کوئی نہ تھا چنانچہ بیٹھے تھا کہ تھوڑی ہی دیر بعد چاروں طرف خطرے کے الارم بج اٹھتے۔

ٹائیگر عمارت سے نکل کر محض ایک بلاک کے فاصلے پر ہی پہنچا تھا کہ اندیشوں کی تصدیق ہو گئی۔

پہلا الارم بج اٹھا تھا۔

جب ٹائیگر کار میں بیٹھ کر اسے اسٹارٹ کر رہا تھا اس وقت دوسرا الارم بجنا شروع ہو گیا۔

جس وقت وہ دو بلاک کے فاصلے پر پہنچا اسے ہر بولیس

کی نین نیلی گاڑیاں سامنے کی سمت سے آتی نظر آئیں۔ ان کی چھتوں پر سُرخ روشنیاں جل رہی تھیں اور سائرن بج رہے تھے ہر دو کا رُخ اسی سمت تھا جدھر گلف لینڈ کے دفاتر واقع تھے۔

ٹائیگر نے اپنی کار موٹل کامپلکس کے عقبی پارکنگ لاٹ میں کھڑی کی اور انجن اور ہیڈ لائٹس آف کر دی۔

نیچے اترنے سے پہلے وہ چند ثانیے اندھیری کار میں بیٹھا کچھ سوچتا رہا۔ اچانک ایک بار پھر اس کی سوچوں میں در آئی تھی۔ بالآخر اس نے ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھولا اور باہر نکلنے کے لیے بایاں پاؤں زمین پر ٹکایا۔

ٹھیک اسی وقت بیس فٹ دور اگی ہوئی جھاڑیوں کے عقب سے ایک شاٹ گن نے شعلہ اگلا۔

گولی کی آواز سے ماحول کی خاموشی اچانک ہی منتشر ہو گئی تھی نشانہ ظاہر ہے کہ ٹائیگر ہی تھا۔

گولی سے ٹائیگر کو تو کیا کار تک کو بھی خراش نہیں آئی کیونکہ وہ کار کی چھت سے بھی کوئی دو فٹ اوپر سے گزری تھی شاید شاٹ گن کسی ناتجربے کار اور نروس شخص کے ہاتھوں میں تھی۔

دوسری گولی چلی اس مرتبہ ڈرائیونگ سائیڈ کی ونڈ کا شیشہ چکنا چور ہو گیا۔ گولی دوسری سمت کا شیشہ توڑتی باہر نکل گئی مگر اب ٹائیگر بھی وہاں موجود نہیں تھا وہ پہلے ہی باہر نکل کر خود کو محفوظ کر چکا تھا۔

فائرنگ کرنے والا شاید تجربے کار ہی نہیں بلکہ اندھا بھی تھا۔ اس نے کار میں ٹائیگر کی عدم موجودگی کو محسوس نہیں کیا اور تیسری بار فائر جھونک دیا۔

گولی اس بار کار کی چھت پر سے پھسلتی ہوئی دوسری جانب نکل گئی۔

گنر نے چوتھی بار ٹریگر دبانا چاہا لیکن اس وقت تک ٹائیگر اس کے سر پر پہنچ چکا تھا اس کا دایاں انگوٹھا ہلکے سے گنر کی بائیں کنپٹی سے مس ہوا اور وہ چیخ مار کر وہیں ڈھیر ہو گیا۔

اس کی کنپٹی میں نہ صرف ڈیڑھ انچ گہرا سوراخ ہو گیا بلکہ جبڑے کی کئی ہڈیوں نے بھی اپنی جگہ چھوڑ دی تھی اسے ٹائیگر کا انگوٹھا کسی تیز دھار سلاخ کی طرح لگا تھا اس نے صرف ایک بار آنکھیں کھول کر حیرت سے ٹائیگر کو دیکھا اور سر ڈال دیا۔

اسی لمحے ٹائیگر کو جھاڑیوں کے عقب میں کسی کے بھاگنے کی آواز سنائی دی۔ تب اسے علم ہوا کہ وہاں دو آدمی موجود تھے۔ ٹائیگر نے گردن موڑ کر دیکھا، پندرہ فٹ کے فاصلے پر ایک درمیانے قد کا شخص بگٹٹ بھاگا جا رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے کوئی بڑی مصیبت اس کے تعاقب میں ہو۔

اور ظاہر ہے ٹائیگر کسی مصیبت سے کم نہ تھا۔

اس نے مرجانے والے گنر کی شاٹ گن اٹھائی اور پہلوان کے انداز میں بھاگنے والے کی طرف پھینک دی۔ شاٹ گن اس کی کمر میں یوں ترازو ہو گئی جیسے کسی نے مسلم مرغ سیخ پر چڑھا دیا ہو۔ اس کے حلق سے ایک بھیانک چیخ آزاد ہوئی اور وہ منہ کے بل زمین پر آ رہا۔

ٹائیگر نے چند قدم آگے بڑھ کر مرنے والے کا جائزہ لیا تو وہ اسے بیس اکیس سال کا نوجوان لڑکا لگا۔ ٹائیگر کو بے حد افسوس ہوا کیونکہ وہ اتنے کم عمر لوگوں پر ہاتھ نہیں اٹھاتا لیکن ظاہر ہے اس میں اس کا کوئی قصور نہ تھا بلکہ اصل ذمے دار تو وہ مجرم تھے جنہوں نے اس عمر کے نوجوانوں کو بھی اپنی راہ پر لگا لیا تھا

وہ موٹل کے اندر جانے کے بجائے واپس کار میں آ بیٹھا۔ اس کی دو توں کھڑکیوں کے شیشے ٹوٹ گئے تھے لیکن یہ کوئی خاص بات نہ تھی اس نے ہینڈل گھما کر پیچھے کچھ حصے اندر کیے اور کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔

اس کا ذہن اس قاتلانہ حملے کے عقب محرک کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اس وقت صرف مارشل بوٹشے ہی ایک ایسا شخص تھا جسے اس کی موت سے کوئی دلچسپی ہو سکتی تھی لیکن اصل بات یہ تھی کہ اسے یہ علم ہوا کیسے اور کیوں کر ہوا کہ شہزاد ہوٹل میں ٹھہرا ہوا ہے؟ کہیں نہ کہیں کوئی لیکیج تھی جس کی وجہ سے مارشل بوٹشے کو اس بات کا علم ہو گیا تھا کہ شہزاد ابھیری روبی ڈاکس کے کیس کے سلسلے میں نیو اورلینز آیا ہے۔

وہ کچھ دیر گاڑی ادھر ادھر گھما دوڑاتا رہا۔ سڑکیں سنسان پڑی تھیں۔ ٹریفک نہ ہونے کے برابر تھا۔ ایک سڑک پر سے گزرتے ہوئے اس کو فٹ پاتھ پر لکڑی کے دو بڑے بڑے بکس پڑے نظر آئے۔ وہ کوئی ریسٹورنٹ تھا جو اس وقت بند تھا۔ یہ ڈبے ممکن ہے وہیں سے پھینکے گئے ہوں۔

ٹائیگر کو اچانک ہی ایک نئی ترکیب سوجھی۔ اس نے فوراً موٹل کی طرف موڑ دی۔

پچیس منٹ بعد جب وہ دوبارہ لکڑی کے ان بکسوں کے پاس پہنچا تو اس کی کار کی ڈکی میں ان دو افراد کی لاشیں موجود

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

تھیں جنہیں اس نے موٹل کے عقبی پارکنگ لاٹ میں موت کے گھاٹ اتارا تھا۔

اس نے ادھر ادھر کا جائزہ لیا۔ دور دور تک کوئی نہیں تھا۔ نہایت اطمینان کے ساتھ اس نے دونوں لاشیں بکسوں میں منتقل کیں پھر اس نے کار کی عقبی سیٹ پر رکھے اپنے بریف کیس سے ایک موٹا مارکر نکالا اور دونوں بکسوں پر ایک تحریر لکھ دی۔

"ضائع شدہ مال، گلف لینڈ کو واپس بھجوا دیا جائے۔"

پیغام لکھ کر وہ واپس کار میں آ بیٹھا اس کا رُخ اسی موٹل کی طرف تھا جہاں وہ ٹھہرا ہوا تھا۔

✦

چار گھنٹے کی نیند کے بعد جب ٹائیگر بیدار ہوا اس وقت بھی اس کے ذہن میں یہی بات تھی کہ مارشل بوشے کو اس کی رہائش گاہ کا علم کیونکر ہوا؟

ٹائیگر کل سہ پہر کے وقت نیو اورلینز پہنچا تھا اس کی طرح ہزاروں افراد مردی گرا اس میں شرکت کے لیے آئے تھے ایسی صورت میں مارشل بوشے کی طرف سے اس پر شک کا اظہار عجیب سی بات تھی۔ ظاہر ہے اُسے کسی نہ کسی پر پتا چلا تھا کہ شہزاد اس کے معاملات میں ٹانگ اڑانے کے لیے یہاں آیا ہے پیری روبی ڈاکس نے صدر امریکہ کو جو خط تحریر کیا تھا اس کی کوئی کاپی اگر مارشل بوشے کے پاس موجود تھی تب بھی ٹائیگر کی پیشانی پر یہ درج نہیں تھا کہ صدر نے اسی آدمی کو یہ معاملہ نمٹانے کے لیے بھجوایا ہے۔ شہزاد نے کار لیتے وقت اور موٹل میں رجسٹریشن کرواتے وقت فرضی نام استعمال کیا تھا۔ تب وہ کیا صورت ہے جس سے اس کی نیو اورلینز میں موجودگی کا راز فاش ہو گیا ہے صرف ریوی خاندان، جگنز فلابرٹ اور انجلیک روبی ڈاکس کو یہ علم تھا کہ وہ کہاں ٹھہرا ہوا ہے ممکن ہے انہی میں سے کوئی کالی بھیڑ ہو۔

اس نے فون پر کیپٹن ریوی کو آگاہ کیا کہ وہ دو گھنٹے بعد اس سے ملنے آ رہا ہے اس کے بعد ٹائیگر نے ناشتا کیا اور پھر موٹل کو خیرباد کہہ دیا۔

اب وہ بالی ڈے ان میں تھا۔ مردی گرا اس کے رش کی وجہ سے کمرے کا کرایہ نسبتاً زیادہ دینا پڑا تھا لیکن یہ کوئی خاص بات نہ تھی۔

اس نے اپنا مختصر سا سامان کمرے میں رکھا اور گراؤنڈ فلور پر واقع ریسٹورنٹ میں آ گیا۔ ناشتا کرتے ہوئے اس نے ریوی ہاؤس فون کیا۔ کیپٹن ریوی کی بیوی نے فون اٹھایا۔ ٹائیگر نے اپنا نام بتایا تو اس نے کہا کہ کیپٹن ریوی ابھی ابھی گھر سے روانہ ہوا ہے۔

ریوی ہاؤس میں ایک نئی صورت حال اس کی منتظر تھی۔ گاسٹن کا تیرہ سالہ بیٹا بوبی اس حال میں گھر آیا تھا کہ کسی نے اُسے بری طرح مارا تھا۔

انجلیک نے ٹائیگر کو بتایا کہ کارپوریشن کے بڑوں میں سے ایک کے بیٹے نے بوبی کی یہ درگت بنائی ہے اس کے ساتھ لڑکوں کا ایک پورا گروہ تھا۔ انہوں نے بے دردی سے بوبی کو مارا۔ یہ بوبی کی خوش قسمتی تھی کہ یہ واقعہ ڈاکس کے بالکل قریب پیش آیا تھا جگنز اس وقت کرسٹی پر موجود تھا شور سن کر جب وہ لوگ تک پہنچا تو اس نے بوبی کو بہت سے لڑکوں کے ہاتھوں پٹتے دیکھا جو اسے دیکھتے ہی بھاگ نکلے۔

ٹائیگر اندر پہنچا تو بوبی اسے ایک چارپائی پر لیٹا ملا اس کی ماں بھیگے کپڑے سے اس کے زخم اور خشک ہو جانے والا خون صاف کر رہی تھی۔ لڑکے کی حالت بے حد بری تھی۔ دونوں آنکھیں سوج گئی تھیں۔ ٹھوڑی، رخساروں اور ہونٹوں پر زخم آئے تھے سامنے والا ایک دانت بھی نصف سے زیادہ ٹوٹ گیا تھا۔

لیکن وہ ٹائیگر کو دیکھتے ہی نہ صرف اُٹھ بیٹھا بلکہ اس سے ہلکا پھلکا مذاق بھی کرنے لگا تب ٹائیگر نے اندازہ لگایا کہ وہ ایک بہادر لڑکا ہے بظاہر اس پٹائی کی کوئی وجہ نظر نہ آتی تھی۔

روز ریوی ٹھنڈا پانی لینے کے لیے اُٹھ کر کچن میں گئی تو گاسٹن نے ٹائیگر کو مخاطب کیا۔ "بزدلوں کے بچے تھے وہ۔" اس کے انداز میں کوٹ کوٹ کر نفرت بھری ہوئی تھی۔ "انہیں تو میرے پیچھے آنا چاہیے تھا... نہیں بلکہ لڑکی کو خوفزدہ کرنے کے لیے انہوں نے بچے کی پٹائی شروع کر دی۔"

"میں اتنا بھی بچہ نہیں پاپ!" بوبی بولی اٹھا۔ "میں نے بڑی گرانٹ کے پیٹ میں اس زور کی لات لگائی کہ وہ تڑپ اٹھا تھا۔ میرے خیال میں تو پیٹ لاقارگی کا بازو بھی ٹوٹ گیا ہوگا، وہ پیچھتا ہو بھاگا تھا۔"

"کیا تم ان لڑکوں کو جانتے ہو؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"کیوں نہیں!" بوبی کے بجائے گاسٹن نے جواب دیا۔ "ان میں سے کئی ایک اس کے ساتھ اسکول جاتے ہیں دیکھا تم نے کارپوریشن کے گرگوں کے کام کا انداز کیسا ہے؟ لیکن ایک بات سمجھ میں نہیں آئی، انہیں یہ پتا کیسے چلا کہ انجلیک ہمارے پاس موجود ہے؟"

"کیا مطلب؟" ٹائیگر بولا۔

"میں جاننا چاہتا ہوں کہ انہیں انجلیک کی یہاں موجودگی کا علم کیسے ہو گیا؟"

مگر کیا یہ ضروری ہے کہ انہوں نے بوبی کو انجلیک کی وجہ سے مارا ہو؟"

"اس لیے کہ جب وہ مجھے مار رہے تھے تو کہہ رہے تھے کہ ہم نے انجلیک روبی ڈاکس کو اپنے ہاں پناہ کیوں دی ہے۔" بوبی نے بتایا۔ "یہ اس کی سزا ہے۔ لڑکوں کے لیڈر نام گرڈ کا کہنا تھا زدہ اس طرح میرے باپ کو سبق سکھانا چاہتے ہیں۔" اس نے یہ بھی کہا تھا کہ اگر ہم نے انجلیک کو نکال باہر نہ کیا تو اس بار کوئی نہ کوئی قتل ہو جائے گا۔"

"اگر ڈیوڈ گاسٹن، ٹائیگر کی طرف متوجہ ہوا۔" وہ کارپوریشن کا ایک بڑا آدمی ہے۔ لاابالی نامی لانچ کا کپتان ہے۔ اس کا بیٹا تھامس ہمیشہ ہی غلط قسم کے کاموں میں ملوث رہتا ہے لیکن مارشل بوشے سے گرڈ کی دوستی اسے ہر باری بچا لیتی ہے۔" اس نے موضوع بدلا۔ "تو اس کا مطلب ہے کہ بوشے اس بارے میں جانتا ہے، مگر کیسے؟"

ٹائیگر نے فوری طور پر جواب نہیں دیا۔ وہ معاملے کا تجزیہ کر رہا تھا۔ انجلیک کے باپ کو بوشے نے قتل کروایا تھا اس لیے یہ ناممکن تھا کہ وہ اپنی موجودگی کے بارے میں خود ہی اپنے سب سے بڑے دشمن کو آگاہ کرتی۔ روز ریوی اس ٹائپ کی عورت تھی ہی نہیں۔ پھر تیو بچوں کی دیکھ بھال کے بعد وہ کسی اور کے لیے اور خاص طور پر اپنے شوہر کی مدد کے خلاف جاسوسی نہ کر سکتی تھی۔ کسی بچے کا اس معاملے میں ملوث ہونا قطعی خارج از امکان تھا۔ کچھ ایسی ہی صورت گاسٹن کے ساتھ بھی درپیش تھی بھلا وہ اپنے ہیرو دل پر کلہاڑی کیونکر مارنے لگا۔

اب لے دے کے جگنز رہ جاتا تھا لیکن اس نے جس طرح بوبی کی مدد کی تھی اس سے بھی یہی ظاہر ہوتا تھا کہ وہ اس خاندان کا خیر خواہ ہے دشمن نہیں۔

ممکن ہے کوئی پڑوسی ہو؟ ٹائیگر نے اس امکان پر بھی غور کیا لیکن یہ بات بھی اس کے دل کو نہ لگی۔

اچانک ہی اُسے ایک اور خیال آیا۔ وہ فوراً گاسٹن سے مخاطب ہوا۔ "جو ہونا تھا وہ تو ہو گیا۔" اس نے عام سے انداز میں کہا۔ "میں تمہارے لیے ایک چیز لایا ہوں۔ آؤ ذرا میری کار تک چلو۔"

حیران سا گاسٹن خاموشی سے اس کے ساتھ ہو لیا۔

کار کی ڈکی سے ٹائیگر نے ایک چھوٹا سا سیاہ بکس نکال کر

اس کے سامنے کر دیا۔ "میرے خیال میں تمہارے گھر میں ننھے منے ٹرانسمیٹر فٹ ہیں، اس بکس مدد سے میں ان کا سراغ لگا لوں گا۔"

گاسٹن نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"جب ہم اندر جائیں تو تم کسی اور موضوع پر بات شروع کر دینا، خاموش نہیں رہنا۔" ٹائیگر نے اسے ہدایت کی۔ "اگر ٹرانسمیٹر فٹ ہوئے تو ہماری خاموشی انہیں چوکنا کر دے گی۔"

ٹائیگر اپنے الیکٹرانک ڈیٹیکٹر کی مدد سے پورے گھر کی تلاشی لینے لگا۔

"میں اب تمہاری بات پر غور کر رہا ہوں گاسٹن!" ٹائیگر نے تلاشی کے دوران بات شروع کی۔ "بھلا بوشے کو انجلیک کی موجودگی کی خبر کیسے ہوئی؟ ممکن ہے کسی پڑوسی نے مخبری کر دی ہو؟"

گاسٹن نے طویل سانس لی۔ "ایسا نہیں ہے، میں اپنے پڑوسیوں کو عرصہ دراز سے جانتا ہوں لیکن انسان کا کیا بھروسا؟ میری طرح وہ بھی کارپوریشن کے ممبر ہیں ممکن ہے وہی اس میں ملوث ہوں۔"

ڈیٹیکٹر کی سوئی نے پہلی مرتبہ لونگ روم میں حرکت کی ٹائیگر فون کی طرف بڑھا تو سوئی کی حرکت تیز ہو گئی۔

"میں مشکوک افراد کی ایک فہرست بنانا چاہتا ہوں۔" ٹائیگر نے سوئی پر نگاہ رکھتے ہوئے گاسٹن کو مخاطب کیا۔ "یہ فہرست پولیس کو دی جائے اور اس سے اس معاملے کا جائزہ لینے کی درخواست کی جائے۔"

اسی اثنا میں اس نے ایک اور ڈیوائس ڈھونڈ نکالی جو بیرونی دیوار میں نصب تھی۔ گاسٹن اپنے گھر سے خفیہ ٹرانسمیٹر نکلتے دیکھ کر کچھ خاموش سا ہو گیا لیکن ٹائیگر نے ہاتھ کے اشارے سے اُسے بولتے رہنے کو کہا۔

دونوں آپس میں باتیں کرتے رہے اور ٹائیگر ڈیٹیکٹر کی مدد سے ڈیوائس تلاش کرتا رہا۔ کچن اور ریوی کے بیڈ روم سے بھی ایک ایک ڈیوائس کی نشاندہی ہو گئی۔

وہ انہیں اسی حالت میں چھوڑ کر لونگ روم میں واپس آ گیا۔ گاسٹن اس کے ساتھ تھا۔

"اس سلسلے میں جگنز کے بارے میں کیا کہتے ہو؟" ٹائیگر نے یہ سوال جان بوجھ کر کیا تھا کہ اگر ڈیوائسز کی مدد سے کوئی شخص ان کی گفتگو سن رہا ہے تو وہ یہ سمجھے کہ وہ خود اپنے ہی ایک آدمی پر شک کر رہا ہے۔

"لعنت ہو!" جگنز جو لونگ روم میں موجود تھا اچھل کر کھڑا ہو گیا اس کا چہرہ غصے کی شدت سے سرخ ہو گیا تھا۔ "تمہارا خیال

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ہے میں کسی اور کے لیے کام کر رہا ہوں۔۔۔ میں تمہارا مرتو دوں گا"

"آل رائٹ، آل رائٹ۔ میں معذرت خواہ ہوں" ٹائیگر فوراً بولا۔ "میں نے تو ایسے ہی کہہ دیا تھا"

"اگر اب کسی نے مجھ پر اس قسم کا الزام لگایا تو میں اس کے چھرا گھونپ دوں گا"

"بہری روبی ڈاکس کی طرح" ٹائیگر نے اسے چڑایا۔

"پھر وہی بات" جگز جھلا یا اور ٹائیگر پر حملہ کرنے کے ارادے سے آگے بڑھا لیکن اس سے پہلے کہ ٹائیگر کے قریب آتا انجلیک کی چیخ نے اس کے قدم روک دیے۔

"رک جاؤ" وہ آنسو بہاتی دونوں کے درمیان آگئی۔

"گاسٹن میرے لیے گارڈ فادر کی حیثیت رکھتا ہے اور وہ میرے خون اور گوشت کی طرح میرے قریب ہے جبکہ فلابٹ کو میں بچپن سے اپنا چچا سمجھتی آرہی ہوں میں کسی کو اس بات کی اجازت نہیں دوں گی کہ وہ دونوں میں سے کسی کے بارے میں کوئی غلط بات کہے۔۔۔ اور تم لاوہ ٹائیگر سے مخاطب ہوئی "تم اپنے آپ کو کیا سمجھتے ہو الٹے سیدھے سوالات کر کے تم کیا اگلوانا چاہتے ہو؟"

"انجلیک!" ٹائیگر نے اسے ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی "میں جگز سے معذرت کر چکا ہوں، کیوں جگز؟"

"ہاں!" جگز نے منہ بنایا "ویسے تم مجھے بہادر آدمی لگتے ہو ورنہ آج تک کسی نے جگز فلابرٹ کے منہ لگنے کی کوشش نہیں کی، میں اصلی شیر ہوں"

"میں بھی" بوبی نے بیڈ پر سے نعرہ لگایا۔ وہ اس وقت دیوار سے ٹیک لگائے کوک پی رہا تھا۔

ٹائیگر نے مسکرا کر بوبی کو دیکھا اور گاسٹن وغیرہ کو باہر آنے کا اشارہ کیا۔

"میں نے چار بڑا نسیموں کا پتا چلا یا ہے" اپنی کار کے قریب پہنچ کر ٹائیگر نے گاسٹن کو بتایا "ایک ڈیوانس فون میں، دوسری لونگ روم، تیسری کچن اور چوتھی تمہارے بیڈ روم میں موجود ہے"

"مائی گاڈ" گاسٹن چلا یا "میرے بیڈ روم میں ڈیوانس لگانے والا تو کوئی بہت ہی ذلیل شخص ہوگا"

ٹائیگر بے اختیار مسکرا دیا۔ اس نے کاغذ اور قلم نکال کر اپنے نئے ہوٹل کا نام اور کمرہ نمبر لکھ کر اسے دے دیا۔

"میں اب وہاں نہیں جہاں پہلے تھا" ٹائیگر نے اسے بتایا۔ "یہی وجہ تھی جو اس طرح کے الٹے سیدھے سوال کر رہا تھا اور ڈیوانسز تلاش کرتا پھر رہا تھا۔ کل رات جب میں ہوٹل پہنچا تو دو گن بردار میرے انتظار میں وہاں موجود تھے اور میں جانتا تھا کہ صرف اسی گھر میں پڑھ کر میں نے اپنے ٹھکانے کے بارے میں بات کی تھی، اس کا مطلب تھا کہ بات اسی گھر سے نکلی ہے۔۔۔"

"تو اکلانز نکلا؟ پھر کیا ہوا؟"

"دونوں اگلے جہان پہنچ گئے"

"اور؟"

"میں نے انہیں بکسوں میں بند کر کے مارشل بوشے کے پاس روانہ کر دیا"

"ونڈر فل" گاسٹن اچھل پڑا "مجھے تمہارا انداز پسند آیا بوشے تو اپنی ہی بوٹیاں نوچ لے گا"

ایک بات یاد رکھنا گاسٹن" ٹائیگر نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا "مجھ پر حملے یا میری نقل و حرکت کے بارے میں گھر کے اندر کوئی بات نہ کرنا اور نہ ہی اپنے فون سے مجھے کال کرنا۔ اگر کسی بھی وجہ سے تمہیں میری ضرورت پڑے تو گھر سے نکل کر کسی پبلک فون سے مجھے کال کر لینا ہر بار الگ فون استعمال کرنا"

گاسٹن نے فوراً اثبات میں سر ہلا دیا۔

"ایک اور بات اپنی بات چیت میں بھی محتاط رہنا میں یہ نہیں کہتا کہ گھر میں خاموش رہو لیکن جو کچھ بھی کہو خوب سوچ سمجھ کر کہنا۔ اگر انہیں یہی یقین دہانی کہ ہمیں ان کی ڈیوانسز کا پتا نہیں چلا تو اس کا فائدہ ہمیں ہی ہوگا۔ میں اب چل رہا ہوں، تم محتاط رہنا"

۲۲

ریوی کے گھر سے روانہ ہو کر ٹائیگر جب وہ بلاک کے فاصلے پر پہنچا تو ایک مشتبہ کار ایک کار سے نکل کر سڑک پر آئی اور ٹائیگر کی کار کے پیچھے روانہ ہو گئی۔

ٹائیگر اس تعاقب سے کلی طور پر بے خبر تھا۔

کار کا ڈرائیور ایک چینی تھا جس نے مغربی طرز کا ایک خوبصورت سوٹ پہن رکھا تھا۔ اس کی آنکھیں کسی شکرے کی مانند ٹائیگر کی مستانگ پر جمی ہوئی تھیں۔

ایک شخص ان کے برابر بیٹھا تھا۔ وہ بھی اپنی تیز نگاہوں سے ٹائیگر کی کار کو دیکھ رہا تھا لیکن کار سے زیادہ توجہ اس کی اسناٹ گن پر تھی جو اس نے گود میں رکھی ہوئی تھی۔

۲۲

اپنے کمرے میں پہنچ کر ٹائیگر نے اپنا حلیہ ذرا سا تبدیل کیا۔ اب وہ خاکستری بالوں والا ایک باوقار بوڑھا نظر آرہا تھا۔

اس نے دو شناختی کارڈ نکال کر جیب میں ڈالے۔ ایک

بلیک اس کا ڈرائیونگ لائسنس تھا جبکہ دوسرا گولڈ پاسپورٹ بلیک اس سے جاری ہونے والا ایک پریس پاس تھا۔ اس کے مطابق اس کا نام جوزف اسٹریٹر تھا اور وہ ایک اخباری رپورٹر تھا۔

اس نے اپنے تبدیل شدہ چہرے اور لباس پر آخری نگاہ ڈالی اور باہر نکل آیا۔ کار میں بیٹھ کر اس نے اگنیشن میں چابی گھمائی اور اسے آگے بڑھا لے گیا۔

اس کے سفر کا اختتام نمبر ون کینال اسٹریٹ پر ہاربر پولیس ہیڈ کوارٹر پر ہوا۔ کار کھڑی کر کے وہ زینے کے ذریعے دوسری منزل پر جا پہنچا۔

ہوٹل سے پولیس ہیڈ کوارٹرز آنے تک اس کی چھٹی حس مسلسل شور مچا رہی تھی کہ اس کا تعاقب ہو رہا ہے لیکن ایک دو اسی نہج پر سوچتا رہا جب کوئی خاص بات ظہور پذیر نہ ہوئی تو وہ مطمئن ہو گیا۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے پہچان چھپتے وقت پلٹ کر دیکھنے کی بھی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔

*

گرے کلر کی ایک سیڈان نے گرانڈ اینزل سے ہالی ڈے ان اور پھر وہاں سے پولیس ہیڈ کوارٹرز تک ٹائیگر کی کار کا تعاقب کیا تھا۔

"مسٹر سوور! ٹائیگر نامی اس آدمی کو تلاش کرنے پر کتنا وقت اور کتنے ہزار ڈالر خرچ ہوئے ہیں، یہ تو آپ جانتے ہی ہوں گے" چینی ڈرائیور نے ساتھ بیٹھے پسنجر کو آگاہ کیا۔ "ہمارا انٹیل جنس ڈپارٹمنٹ واقعی بہت باصلاحیت ہے لیکن میرا خیال ہے کہ آپ کو اپنے ٹاسک کے علاوہ باقی تفصیلات سے تو کوئی دلچسپی نہیں ہوگی؟"

ہاں" سوور نے جواب دیا "لیکن ہیں پھر مزید جاننا چاہوں گا کہ تم نے اس جوکر کو یہاں نیو اورلینز میں کیسے ڈھونڈ نکالا؟"

"ہم نے وائٹ ہاؤس سے بھیجے جانے والے ایک خط کے ذریعے اسے ٹریس کیا ہے" چینی نے جواب دیا "اسی خط سے ہمیں پتا چلا کہ یہ کپ اور کس وقت یہاں پہنچے گا؟"

"ونڈر فل" سوور بولا "تم اپنا کام کر گزرے اور اب میں اپنا کام کروں گا"

"یہاں نہیں مسٹر سوور! ہم اس کا تعاقب جاری رکھیں گے اس وقت تک، جب تک یہ خود ہمیں کوئی بہتر موقع فراہم نہیں کر دیتا"

*

پولیس ہیڈ کوارٹرز میں ٹائیگر کو کرمنل سائیڈ کے خاص طریقوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اسے میوزیکل چیئرز کے کھیل کی مانند ایک سے دوسرے میز پر بھیجا جاتا رہا اور اپنی عادت کے برخلاف وہ نہایت تحمل اور صبر سے اس عمل کو برداشت کرتا رہا۔

اس نے برنلٹ ہونے کی کہانی ڈیسک سارجنٹ کو سنائی جس نے اسے وارنٹ آفیسر کے پاس بھیج دیا۔ کیپٹن نے ٹائیگر کو ایک انفارمیشن آفیسر کے پاس بھیجا جس نے تجویز پیش کی کہ وہ لیفٹیننٹ سانٹینی سے بات کرے۔

سانٹینی! نام سنتے ہی ٹائیگر کے دماغ کا کمپیوٹر چیل پڑا۔ سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں اسے یاد آگیا کہ یہ نام وہ گلف لینڈ کے دفاتر میں پڑھ چکا ہے۔ سانٹینی کا نام اس لسٹ میں درج تھا جو فل ڈوبوئس کی میز سے ملا تھا مگر اس میں کوئی عہدہ درج نہ تھا محض کارڈ سانٹینی کے الفاظ لکھے تھے۔

اب ٹائیگر کے ذہن کی گرہ کھل گئی تھی اور اسے خط کے مقاصد کا علم ہو گیا تھا۔

پولیس ساحلی علاقوں میں امن و امان کے ذمے دار تھی اسی لیے سانٹینی سے درخواست کی گئی تھی کہ وہ مظاہرین سے نمٹنے کے انتظامات کرے۔

گاسٹن ریوی نے ۱۷ ستارہ بیگ کو شپمنٹ کے بارے میں ٹائیگر کو جو کچھ بتایا تھا اس کی روشنی میں یہ بات پورے وثوق کے ساتھ کہی جا سکتی تھی کہ سانٹینی جعلی کرنسی کے منصوبے میں پوری طرح شریک تھا جس کا انکشاف بہری روبی ڈاکس نے کیا تھا۔

کارپورل سانٹینی نے کرسی سے اٹھ کر ٹائیگر کا استقبال کیا۔

"تم سے مل کر خوشی ہوئی۔ جوانے" سانٹینی نے اس سے ہاتھ ملایا اور سامنے رکھی کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا "مجھے اخبار والوں کے لیے کام کر کے دلی مسرت ہوتی ہے، مجھے بتاؤ کہ میں تمہاری کیا خدمت کروں؟"

"میرا تعلق اس شہر سے نہیں ہے" ٹائیگر نے تمہید باندھی۔ "لیکن خبریں خاصی تیزی سے سفر کرتی ہیں ہمیں گلف لینڈ کارپوریشن کی بعض سرگرمیوں اور گرین ارتھ پیپل نامی ایک تنظیم کے مظاہرے کی افواہیں سننے کو ملی ہیں۔ تمہارا اس بارے میں کیا خیال ہے؟"

سانٹینی گھاگ پولیس آفیسر تھا۔ وہ فوراً چوکنا ہو گیا۔ شاید وہ جوانے اسٹریٹر کی اصلیت کی تہ تک بھی پہنچ گیا تھا۔

اسے ریوی ڈاکس کی مدد کے لیے آنے والے نوجوان کے بارے میں ڈوبوئس کی فون کال یاد آگئی جو آج صبح ہی کی گئی تھی۔ گلف لینڈ میں کل رات دو قتل بھی ہوئے تھے۔ سانٹینی غور سے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

جو اسے کو دیکھتا رہا۔ یہ کام کسی نوجوان کا ہی ہو سکتا ہے اس نے اپنے تئیں فیصلہ کیا یہ شخص تو چالیس سے بھی زیادہ عمر کا دکھائی دیتا ہے۔ اس نے فوراً ہی ٹائیگر کو شبہات سے بالاتر قرار دے دیا۔

"سارا جھگڑا فوڈ سپلائر کا ہے" بالآخر وہ مطمئن انداز میں گویا ہوا "وہ لوگ کہتے ہیں کہ سمندر سے خوراک حاصل نہ کی جائے اس میں آلودگی پیدا ہو جائے گی اور سمندری حیاتیات کو نقصان پہنچے گا۔ حالانکہ یہ ان کے باپ کا سمندر نہیں اور اگر سمندر سے خوراک حاصل کی بھی جائے تو اس میں حرج کوئی نہیں"

داب تک کوئی تصادم! بم وغیرہ کی دھماکی یا کوئی اور ہنگامہ؟"

"ہمارے علم میں تو نہیں۔ یوں بھی ان میں فوجی ذہنیت کا کوئی آدمی نہیں۔ ہماری انٹیلی جنس کے مطابق وہ لاپولا کے بعض طلبہ کا گروپ ہے لیکن ان میں کچھ نوجوان پروفیسر اور چند ایک بڈھے لوٹے بھی شامل ہیں"

"میں نے سنا ہے کہ انہوں نے ایک پروپیگنڈہ پمفلٹ بھی شائع کیا ہے"

"اوہ! تم نے کہاں دیکھا؟" سانٹینی چونکا۔

"اس کی ایک آدھ کاپیاں گلوریسٹن پہنچی تھیں" ٹائیگر نے جواب دیا۔

سانٹینی نے اثبات میں سر ہلایا گرگو اپنے اطمینان کا اظہار کیا لیکن ٹائیگر کے اگلے جملے سے ہی اس کا سارا اطمینان ہوا ہو گیا۔

"میں نے آج صبح کے اخبار میں دیکھا ہے کہ کوئی پیری روبی ڈاکس ایک حادثے میں ہلاک ہو گیا ہے۔ خبر میں کہا گیا ہے کہ وہ ماہی گیروں کو آرگنائز کرنے کی گلف لینڈ کارپوریشن کی کوششوں کے سراسر خلاف تھا کیا تم اس بارے میں کچھ جانتے ہو؟"

"میں بتاتا ہوں لیکن اس سے پہلے میں ایک کام نمٹانا چاہتا ہوں، کیا تم مجھے ذرا دیر کے لیے اجازت دو گے؟"

"کیوں نہیں، میں فارغ ہوں"

"کافی کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"چلے گی"

"میں ابھی لڑکی کے ہاتھ بھیجتا ہوں"

کافی لڑکی اور سانٹینی ساتھ ساتھ ہی واپس آنے والی پولیس وومن تھی۔ ٹائیگر نے شکریے کے ساتھ کپ اٹھا کر چسکی لی۔

"ہاں تو پیری روبی ڈاکس کو ویسے تو حادثہ پیش آیا تھا" سانٹینی نے بتانا شروع کیا "یہاں سے کچھ فاصلے پر گرانڈ ایزل نامی ایک قصبہ ہے جہاں زیادہ تر ماہی گیر ہی رہتے ہیں۔ وہاں کے کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ پیری کی موت کوئی اتفاقی حادثہ نہیں مرنے والا چونکہ گلف لینڈ کارپوریشن کا رکن تھا اس لیے قدرتی طور پر مزدور لیڈر کے تشویش ہوئی چنانچہ فل ڈولپس نے مجھے اس کا چارج لینے کے لیے کہا"

"اور؟"

"مگر یہ حادثہ ہی تھا۔ تم اسے فکشن کہہ سکتے ہو لیکن یہ حقیقت ہے کہ وہ ایک تیز رفتار سوا یا چھڑا ٹرالر میں ٹکر کھنے کے لیے جا رہا تھا۔ عرشے پر مچھلیوں کی چکنائی پھیلی ہوئی تھی چنانچہ وہ پھسل کر گر گیا۔ اس حادثے کے دو عینی گواہ بھی ہیں۔ ان دونوں نے اسے اپنی کشتی پر کام کرتے اور پھر پھسل کر گرتے دیکھا۔ جب وہ کچھ دیر تک نہیں اٹھا تو دونوں اس تک پہنچے۔ پیری پہنچے گرا ہوا تھا اور تیز دھار چھڑا اس کے سینے میں پیوست تھا اس کی موت زخم سے خون زیادہ مقدار میں بہہ جانے کے باعث واقع ہوئی"

یہ تمام باتیں وہ انجلیک کی زبانی پہلے بھی سن چکا تھا۔ اب اسے یقین ہو گیا تھا کہ پولیس جان بوجھ کر اس قتل کو حادثہ قرار دے رہی ہے۔

"ایک اور سوال لیفٹیننٹ" ٹائیگر اٹھ کھڑا ہوا "میں نے اب تک یہی سنا ہے اور دیکھا ہے کہ گرنے والا کسی سہارے کی تلاش میں اپنے ہاتھ پھیلا لیتا ہے۔ حیرت ہے کہ پیری نے ہاتھ پھیلانے کے بجائے انہیں سکیڑ لیا۔ کیا تم نے اپنے تحقیقاتی آفیسر کو اس نہج پر تحقیقات کرنے کی ہدایت کی تھی؟"

ٹائیگر کو جس ردِ عمل کی توقع تھی وہ اسے سانٹینی کے چہرے پر نظر آیا تھا، لیکن اس سے پہلے کہ پولیس لیفٹیننٹ اس کا اظہار کرتا ٹائیگر کمرے سے نکل کر سیڑھیوں تک پہنچ چکا تھا۔

جب وہ اپنی کار میں ہیڈ کوارٹر سے نکلا تو گاڑیوں کا پورا قافلہ اس کے تعاقب میں تھا۔

سب سے آگے چار دروازوں والی ایک گہری نیلی سیڈان تھی جس میں تین آدمی بیٹھے تھے اس کے بعد ہلکے گرے رنگ کی کار تھی جس میں چینی اپنے ہٹ مین کے ساتھ بیٹھا تھا۔

ٹائیگر کار رخ سیٹلے اسٹریٹ وہارف کی طرف تھا وہ اپنے آئندہ منصوبوں کے لیے دن کی روشنی میں اس جگہ کا جائزہ لینا چاہتا تھا۔ اس کے علاوہ اپنے ریسیونگ ایکوپمنٹ بھی نصب کرنا چاہتا تھا۔

ٹائیگر ابھی ایک چوراہے میں داخل ہی ہوا چاہتا تھا کہ ایک

بغلی گلی سے تیز رفتار ٹرک نمودار ہوا۔ ٹائیگر نے بائیں ہاتھ کو ٹائیگر کاٹا لیکن ٹرک اس کی مستانگ کی پسنجر سائیڈ سے ٹکرا ہی گیا۔ کار اچھل کر دور جا گری۔

ٹائیگر سائیڈ ڈور سے ٹکرایا۔ بیک ویو مرر ٹوٹ کر اس کی کئی کرچیاں اس کے رخسار میں گھس گئیں اور وہاں سے خون بہنے لگا۔ یہ بھی شکر تھا کہ کار الٹی نہیں تھی ورنہ گن بھا ٹرک، ٹائیگر پر ہی چڑھ دوڑتا۔

بریکوں کے چرچرانے کی آوازیں سنائی دیں۔ ٹرک اور عقب میں آنے والی گہری سیڈان کے ڈرائیوروں نے بریک وقت بریک پیڈل دبا دیے تھے۔

ٹائیگر نے خشمگیں نگاہوں سے ٹرک کی طرف دیکھا۔ وہ گلف لینڈ کارپوریشن کی ریفریجریٹڈ وین تھی۔ اسے ٹرک کا ڈرائیور اور ہیلپر ہاتھوں میں لمبے لمبے رنچ لیے اپنی طرف بڑھتے دکھائی دیے

ٹائیگر دروازہ کھول کار سے باہر نکل آیا اس پر یہ انکشاف بھی ہوا کہ عین پیچھے رکنے والی کار سے بھی تین آدمی اس کی طرف پیش قدمی کر رہے ہیں ان میں سے دو کے ہاتھوں میں پستول اور ایک کے ہاتھ میں شکاری چاقو تھا۔

دونوں پستول بردار ٹائیگر سے پچیس فٹ دور تھے دونوں نے بیک وقت پستول سیدھے کیے لیکن وہ کبھی ٹریگر دبانے میں کامیاب نہ ہو سکے۔

ٹائیگر اپنی جگہ پر کھڑے کھڑے کسی اسپرنگ کی طرح اچھلا پلک جھپکنے میں وہ دونوں پستول برداروں کے سامنے تھا۔ اس نے دونوں کے سر اپنے مضبوط ہاتھوں میں لیے اور انہیں زور سے آپس میں ٹکرا دیا ان کے سر کسی چٹان کے نیچے آجانے والے ناریل کی طرح پھٹ گئے تھے۔

اس سے پہلے کہ دونوں زمین پر گرتے، ٹائیگر تیسرے پر جا پڑا۔ وہ چاقو ہوا میں ہی لہرا تا رہ گیا اور ٹائیگر نے اسے اٹھا کر اسی کار کی چھت پر پھینک دیا جس سے وہ نکل کر آیا تھا۔ چاقو ونڈ اسکرین چھت توڑتا ہوا اندر جا گرا لیکن گرنے سے پہلے وہ لاش میں تبدیل ہو چکا تھا۔ اس کی ریڑھ کی ہڈی کی آٹھ کرچیاں ہوئی تھیں کہ آسمان کے تاروں کی مانند انہیں بھی گنا نہیں جا سکتا تھا۔

ٹائیگر اب ٹرک سے اتر کر آنے والوں کی طرف لپکا لیکن وہ وہ اتنے بہادر تھے کہ اپنے دو ساتھیوں کا حشر دیکھ کر پہلے ہی وہاں سے رفو چکر ہو چکے تھے۔

ٹائیگر نے اپنی مستانگ سے ضروری کاغذات نکال کر جیب میں رکھے۔ تینوں کی لاشیں اٹھا کر ٹرک کے عقبی ریفریجریٹڈ حصے میں ڈالیں اور خود ٹرک کی ڈرائیونگ سیٹ پر جا بیٹھا۔ تاریں جوڑ کر اس نے انجن اسٹارٹ کیا اور آگے بڑھ گیا۔

جونہی ٹرک نظروں سے اوجھل ہوا قریبی موڑ سے ایک کار نکل کر جائے حادثہ تک پہنچی۔ یہ وہی کار تھی جو صبح سے ٹائیگر کے تعاقب میں تھی۔

"اس ویلو کے بارے میں کیا خیال ہے؟" کار میں بیٹھے ہوئے چینی نے تباہ شدہ کار کو دیکھتے ہوئے اپنے ساتھی سے پوچھا۔

"میں نے اپنی زندگی میں کبھی کوا اتنا تیز اور طاقتور نہیں دیکھا دوسرے نے اعتراف کیا "اب کیا کرنا ہے؟"

"عافیا کی کونسل آف کاپوز کو یہ شخص زندہ مطلوب ہے" چینی نے اسے بتایا "لیکن اگر یہ زندہ نہ بچ رہ سکے تو کوئی خاص فرق نہیں پڑتا۔ جہاں تک کیا کرنے کا سوال ہے تو منطقی طور پر ظاہر ہے کہ ٹائیگر یہاں واپس آئے گا اس لیے ہمیں یہیں رک کر اس کا انتظار کرنا ہوگا"

ٹائیگر نے گلف لینڈ کارپوریشن کا ٹرک کارپوریشن کا مین گیٹ عبور کرنے کے بعد آفس بلڈنگ کے برابر میں روکا۔

حیران محافظ اس کی طرف بڑھا تو ٹائیگر بولا "فوری طور پر مسٹر بوشے کو کال کرو۔ عقب میں ایک سبت ہی اہم شے موجود ہے جو انہیں خود دیکھنی چاہیے"

محافظ نے احتجاج کے لیے منہ کھولا لیکن ٹائیگر نے ٹرک کی چابیوں کا گچھا اس کی طرف اچھالا اور پروسیسنگ پلانٹ کی بلڈنگ کی طرف بڑھ گیا۔

نزدیکی باتھ روم میں جا کر اس نے اپنے بالوں پر سے گرے پاؤڈر جھاڑا۔ ناک اور جبڑوں کے نیچے رکھے ہوئے ربر کے ٹکڑے نکال کر ڈسٹ بن میں اچھالے اور باہر نکل آیا۔ اب وہ پھر ایک جوان شخص تھا۔

پروسیسنگ پلانٹ کے اوپر سے چکر کاٹ کر وہ ڈاک پر آنکلا۔ سامنے ہی ایک بہت بڑا جہاز لنگر انداز تھا۔ ٹائیگر نے فوراً اسے پہچان لیا۔ وہ مارشل بوشے کے دفتر میں جینی الیوٹی کا ماڈل دیکھ چکا تھا۔

بہت سے مرد اور عورتیں وہاں کام کر رہے تھے۔ ٹائیگر ان کے درمیان سے گزرتا چلا گیا۔ چند ایک نے گردن موڑ کر اسے دیکھا

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

لیکن کوئی خاص توجہ نہیں دی۔

جہاز کی سیڑھیوں کے قریب رک کر اس نے ادھر اُدھر دیکھا اب بھی اس کی طرف متوجہ نہیں تھا۔ جہاز کے اوپر بھی اُسے کوئی خاص سرگرمی نظر نہ آئی تھی۔ وہ نہایت اطمینان کے ساتھ سیڑھیاں چڑھتا چلا گیا۔

مین ڈیک سے وہ ڈیک روم میں آیا اور پھر سیڑھیاں اتر کر انجینئرنگ سیکشن کی طرف بڑھ گیا۔ اب تک اسے کوئی شخص دکھائی نہ دیا تھا۔

جہاز خاصا بڑا تھا اور اس پر مچھلی پکڑنے سے لے کر اُسے محفوظ کرنے کی تمام تر سہولتیں موجود تھیں۔ اُسے کئی ایک فریزر روم بھی نظر آئے جن میں یقینی طور پر صاف شدہ مچھلیاں اسٹور کی جاتی تھیں ڈیک ہاؤس سے ہوتا ہوا وہ کریو کوارٹرز کی طرف نکل گیا۔

وہاں شپ کے آفیسرز اور پروسیسنگ فورمینوں کے لیے چھوٹے چھوٹے کیبن بنے ہوئے تھے۔ جلد ہی اُسے وہ چیز مل گئی جسے وہ تلاش کر رہا تھا۔

یہ جہاز کے مالک کا اسٹیٹ روم تھا۔ دروازے پر پیتل کے حروف سے مسٹر بوٹشے تحریر تھا ٹائیگر کا خیال تھا کہ جیلی فش کے بارے میں اگر کوئی ریکارڈ ہوگا تو بوٹشے کے ساحلی علاقے میں نہیں تھا تو جہاز کے دفتر میں ضرور موجود ہوگا۔ یہی سوچ کر اس نے دروازے کا مقفل لٹو گھمایا اور پٹ دھکیلتا ہوا اندر داخل ہو گیا

اس وقت راہداری میں قدموں کی آوازیں ابھریں اور ٹائیگر پلٹ پڑا۔ گلف لینڈ کے دو غنڈے اس کی طرف بڑھ رہے تھے ٹائیگر وقت ضائع کرنے کے موڈ میں قطعی نہیں تھا لیکن وہ اُن کے قریب آنے تک نہایت سکون سے کھڑا رہا۔ دونوں جونہی قریب آئے ٹائیگر کی دائیں لگ دائیں غنڈے کے پیٹ پر پڑی اور وہ اچھل کر پندرہ فٹ دور جا گرا۔ اس کے حلق سے ایک کربیہ چیخ بلند ہوئی۔ چیخ دوسرے غنڈے کی تھی جو ٹائیگر کی آواز سن کر آزاد ہوئی تھی۔ جو اس کے پیٹ سے بہ نکلی تھیں۔ وہ چند ثانیے تڑپتا رہا پھر بے حس و حرکت ہو گیا۔

دوسرا غنڈہ دونوں ہاتھ پھیلائے آگے بڑھا۔ ٹائیگر نے اس کے ہاتھوں کو تھامے جیسے اُسے سہارا دینا چاہا وہ رہا ہو۔ غنڈہ اگلے ہی لمحے زمین چھو چکا تھا۔ وہ کسی پرندے کی طرح تیرتا ہوا ٹائیگر کے سر کے اوپر سے گزر کر دوسری طرف جا گرا۔ وہ دوبارہ اٹھ نہیں سکا کیونکہ آج تک کبھی کوئی مردہ خود اٹھ کر کھڑا نہیں ہوا۔

ٹائیگر نے اِدھر اُدھر نگاہ دوڑائی۔ سامنے کی دیوار میں اسے ایک انسپکشن ہیچ کا دروازہ نظر آیا اس نے باری باری دونوں لاشیں اٹھائیں اور انہیں ہیچ میں ٹھونس کر دروازہ بند کر دیا۔

چند ثانیوں بعد وہ ایک بار پھر بوٹشے کے دفتر میں موجود تھا۔

سب سے پہلے اس نے بوٹشے کے ٹیلی فون اور اس کی میز کے نیچے دو ڈیوائس فٹ کیں پھر دراز وں کی تلاشی لینے لگا۔ اسے دیوار میں ایک سیف دکھائی دیا۔ ٹائیگر کی انگلی کے ایک اشارے سے سیف کا دروازہ کھل گیا۔ اگلے ہی لمحے ٹائیگر سیف میں رکھے کاغذات کا مطالعہ کر رہا تھا۔

مواد خاصا دلچسپ تھا۔

بوٹشے کے ان خطوط کی کاپیاں موجود تھیں جو اس نے کیوبا کے وزیر خزانہ روبن ڈی لا سنتوش کو ہوانا کے پتے پر تحریر کیے تھے۔ زیادہ تر خطوط شپمنٹ، ڈلیوری کی تاریخوں اور دیگر تفصیلات سے متعلق تھے لیکن ان میں ایسی کوئی بات نہ تھی جسے مشکوک ثبوت کہا جا سکتا۔

سنتوش کا ایک تازہ ترین خط بھی وہاں موجود تھا۔ اس میں تحریر تھا کہ اگلی شپمنٹ ۷ فروری اور ۱۴ فروری کی درمیانی شب گیارہ سے ڈیڑھ بجے کے درمیان اسٹیشن پر پہنچ جائے گی خط کا ابتدائی پیراگراف بھی ٹائیگر کے لیے خاصا دلچسپ تھا۔

"پیارے کامریڈ بوٹشے! میں نہایت مسرت سے تمہیں مطلع کر رہا ہوں کہ پروسیس کا عیب تلاش کر کے درست کر دیا گیا ہے آئندہ تمام شپمنٹس کسی بھی قسم کی غلطی سے پاک اور درست ہوں گی۔"

ٹائیگر کو وہاں بیس اور پچاس ڈالر کے نوٹوں کے کئی نئے بنڈل بھی نظر آئے جو بینک پیکنگ میں تھے۔ ہر پیکنگ پر "غلط" کے الفاظ تحریر تھے۔ ٹائیگر نے بیس اور پچاس ڈالر کا ایک ایک نوٹ گڈی میں سے نکال کر جیب میں ڈال لیا اس کے بعد وہ رائٹنگ ٹیبل کی طرف بڑھا اور ایک پین کی مدد سے مختصر سا پیغام تحریر کر کے دفتر سے باہر نکل آیا۔

اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ یہ مسکراہٹ بوٹشے کی اس حالت کے لیے تھی جو پیغام پڑھ کر اس کی ہوتی۔

مارشل بوٹشے بھنایا ہوا اپنے دفتر سے برآمد ہوا وہ اس وقت دو معزز افراد کے ساتھ مہمات چیت میں مصروف تھا جب محافظ نے اسے ٹرک کے بارے میں اطلاع دی۔ وہ اپنی بات چیت کا سلسلہ

منقطع ہو جانے پر خاصا چراغ پا تھا اور اس کی سرد نیلی آنکھیں محافظ کو اپنی ہڈیوں تک میں اترتی محسوس ہو رہی تھیں۔

بھلا مچھلیوں کے لوٹ میں ایسی کون سی خاص بات ہے، جسے میرا ذاتی طور پر چیک کرنا ضروری ہے؟" وہ اب بھی محافظ پر برس رہا تھا۔

"ہم... میں نہیں جانتا سر!" محافظ گھگھیایا۔ "ڈرائیور نے جو بیان مجھے تھما کر کہا تھا کہ میں فوری طور پر آپ کو بلا لاؤں اس کے بعد وہ پیکنگ ڈپارٹمنٹ کی طرف چلا گیا تھا۔"

اسٹون کو لبرٹ بھی اپنے باس سے اچھا خاصا تھا۔ اُس نے محافظ سے ٹرک کی چابیاں لے کر دیکھیں اور اُس کی طرف بڑھا۔

"ارے یہ تو وہی ٹرک ہے جسے ہم نے شہزاد نامی اُس جوان کے تعاقب میں بھیجا تھا جو روبی ڈاکس کی لڑکی کی مدد کر رہا ہے؟" اُسے اپنے باس کا استفہامیہ جملہ سنائی دیا۔

"میرے خیال میں وہی ہے۔"

محافظ اُس وقت تک ٹرک کا عقبی دروازہ کھول چکا تھا۔ اُس نے آگے بڑھ کر اندر کا جائزہ لیا لیکن پھر اُلٹے قدموں واپس مڑا اور دوپہر کو جو کچھ کھایا تھا قے کی صورت میں زمین پر اُگل دیا۔

اسٹون کو لبرٹ آگے بڑھا لیکن وہ بھی گھبرا کر پیچھے ہٹ گیا۔ اندر تین مسخ شدہ لاشیں موجود تھیں۔

"یہ ہو نہ ہو شہزاد کا ہی کارنامہ ہے۔" بوٹشے مٹھیاں بھینچ کر غرایا اور واپسی کے لیے مڑ گیا۔

• •

"یہ شہزاد آخر ہے کیا بلا؟" پیٹر کیو نے اپنے سُرخ بالوں میں اُنگلیاں پھیرتے ہوئے دریافت کیا۔

"مجھے حیرت ہے، پی کے!" کو لبرٹ نے ملامت آمیز نظروں سے اپنے چیف الفور سر کو دیکھا پورے امریکہ اور دُنیا بھر کی کون سی جرائم پیشہ تنظیم ایسی ہے جو شہزاد کے ہاتھوں پٹی ہو۔ لوگ اسے ٹائیگر کہتے ہیں، ٹائیگر۔ اور خطرناک بات یہ ہے کہ ٹائیگر اب ہمارے تعاقب میں ہے۔"

اپنے سیکنڈ ان کمانڈ کے مُنہ سے شہزاد کی تعریف سن کر مارشل بوٹشے جھلا گیا۔ "وہ ٹائیگر ہو یا جو کال، اُسے کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ میرے منصوبوں میں مداخلت کرے۔" وہ اپنے مُخ مُنہ کے ساتھ کیو کی طرف مڑا۔ "ہم نہیں ایسے ہی لوگوں سے نمٹنے کے پیسے دیتے ہیں، جاؤ یہاں سے دفع ہو جاؤ اور کہہ کر پہلی بار اپنی تنخواہ حلال کرو۔ اُس گدھے کے بچے کو روکو، پی کے، ورنہ میں نہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

بوٹشے کا لہجہ اور انداز سب کے لیے نیا تھا۔ وہ حیرت سے مُنہ پھاڑے اپنے باس کو دیکھ رہے تھے۔ بوٹشے نے کہا جانے والی نگاہوں سے انہیں گھورا اور پیر پٹختا کمرے سے باہر نکل گیا۔

بوٹشے کے جانے کے بعد وہ لوگ ٹرک لے کر آنے والے کے بارے میں معلومات حاصل کرنے لگے لیکن گیٹ کے محافظ نے جو حلیہ بتایا وہ شخص سرے سے کسی نے دیکھا ہی نہ تھا اُن لوگوں نے ایک ایک ورکر سے پوچھ گچھ کی لیکن کسی نے اعتراف نہ کیا کہ اُس نے اِس حُلیے کے کسی آدمی کو دیکھا ہے۔

ایک ورکر نے البتہ یہ ضرور بتایا کہ اُس نے دو ملاحوں کو ذرا دیر پہلے جینی الیوٹی پر جاتے دیکھا تھا لیکن اُن میں سے کوئی واپس نہیں آیا۔ مگر یہ کوئی غیر معمولی اور خاص بات نہ تھی۔

وہ سب لوگ جینی پر پہنچے لیکن اُن دو آدمیوں کا کہیں نام و نشان تک نہ تھا۔ پی کے جب اسٹاف کوارٹرز میں پہنچا تو اُس نے راہداری کے فرش کو خون آلود پایا یوں لگ رہا تھا جیسے کسی نے یہاں جانور لٹا کر ذبح کیے ہوں۔

خون آلود جگہ نظر آنے کے بعد انہوں نے دو ملاحوں کو نئے سرے سے تلاش کرنا شروع کیا لیکن انہیں ملنا تھا نہ وہ ملے البتہ یہ فرض کر لیا گیا کہ یہ بھی شہزاد کی کارروائی ہے۔

"جہاز سے اُتر کر پوری عمارت میں پھیل جاؤ۔" پی کے نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا۔ "وہ ابھی دُور نہیں گیا ہوگا۔"

لیکن وہ غلطی پر تھا۔ تلاش بے سود رہی۔

پی کے خود سکیورٹی گیٹ پر پہنچا اور دریافت کیا کہ کیا گورے بالوں والا کوئی شخص یہاں سے باہر گیا ہے۔ محافظ نے بتایا کہ ایک نوجوان، قوی الجثہ شخص یہاں سے باہر ضرور گیا ہے لیکن اُس کے بال گورے نہیں تھے اور نہ ہی وہ ادھیڑ عمر تھا۔ محافظ کے مطابق باہر جانے والے کی کلائیاں غیر معمولی طور پر چوڑی تھیں۔

پی کے کو یقین ہو گیا کہ جانے والا شہزاد ہی تھا۔ وہ پیدل یہاں سے نکلا تھا۔ پی کے اپنے آدمیوں کو لے کر شہزاد کے تعاقب میں نکلا لیکن ناکام واپس آ گیا۔

جس وقت بوٹشے، پی کے پر گرج برس کر اپنے دفتر میں واپس آیا، ٹائیگر دفتر کی عقبی کھڑکی کے نیچے موجود تھا۔ کھڑکی ذرا

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

سی گھلی ہوئی تھی اور اُس میں سے بولنے کا غصّے سے تمتماتا چہرہ اُسے صاف دکھائی دے رہا تھا۔

اُس نے اگر ایک نمبر ڈائل کیا اور پھر کسی سے باتیں کرنے لگا۔ شہزاد صرف وہی سُن سکا تھا جو بولنے کہہ رہا دوسری جانب سے کیا کہا گیا یہ اُسے علم نہ ہو سکا۔ اس موقع پر اُسے اوشان بہت یاد آیا۔ اگر وہ یہاں ہوتا تو دوسری جانب سے بولنے والے کی باتیں بھی سُن لیتا۔

بولنے کہہ رہا تھا "سانچینی؟ آنے والا وہی تھا... نہیں ہم اُسے پکڑ نہیں سکے، میرے تین بہترین آدمی مارے گئے ہیں۔ اُس نے اُن کا قیمہ بنا دیا ہے۔ کوبرٹ کا کہنا ہے کہ اُسے ٹائیگر کے نام سے بھی پکارا جاتا ہے... یہی تو میں نے کہا تھا... انہیں بھی پہلے دو کی طرح ہاتھوں سے ہی ہلاک کیا گیا ہے... بہرحال اگر یہ درست ہے تو مجھے مزید تحفظ کی ضرورت ہے..."

بولنے اسے بھی اتنے غصّے میں تھا کہ اُس نے رسیور کریڈل پر باقاعدہ پٹخا تھا۔

ٹائیگر نے مُسکرا کر اثبات میں سر ہلایا اور بیرونی گیٹ کی طرف بڑھ گیا۔

✤

حیرت انگیز طور پر ٹائیگر کی کار اُسی جگہ موجود تھی جہاں وہ اُسے چھوڑ کر گیا تھا۔

ابھی وہ کار کا جائزہ لے ہی رہا تھا کہ دو تیز رفتار کاریں وہاں آ کر رُکیں اور اُن میں سے پندرہ افراد نے اُتر کر ٹائیگر کے گرد گھیرا ڈال دیا۔ اُن کے ہاتھوں میں خودکار رائفلیں موجود تھیں۔

ٹائیگر فوراً سمجھ گیا کہ آنے والے کون ہیں اور ان کے ارادے کیا ہیں؟

دیکھتے ہی دیکھتے پندرہ افراد نے ٹائیگر پر فائر کھول دیا۔ وہ دائرے کی شکل میں ٹائیگر کے گرد کھڑے تھے اور ہر رائفل کا نشانہ ٹائیگر تھا لیکن اگر ایک بھی گولی اُسے چھو جاتی تو اُسے اوشان کا شاگرد کون کہتا؟

ٹائیگر کا رقص شروع ہو گیا۔

تیس منٹ کے اندر اندر تیرہ لاشیں گر چکی تھیں اور وہ سب اپنے ہی ساتھیوں کی گولیوں سے مرے تھے۔ ہر شخص قسم کھا کر کہہ سکتا تھا کہ اُس نے نشانہ ٹائیگر کا لیا تھا لیکن عین وقت پر وہ سامنے سے ہٹ گیا اور گولی اُس کے عقب میں موجود اپنے ساتھی کو جا لگی۔

چودھویں اور پندرھویں شخص نے بھاگنے کی کوشش کی لیکن ٹائیگر انہیں بخشنے کے موڈ میں نہ تھا ذرا ہی دیر میں وہ بھی لاشوں میں شامل ہو چکے تھے۔ دونوں ایک ہی طرح مارے گئے تھے۔ ٹائیگر کی ہتھیلی کے وار نے اُن کی گردنیں توڑ ڈالی تھیں۔

"مائی گاڈ!" ایک بلاک کے فاصلے پر موجود کار میں بیٹھے شخص کا مُنہ مارے حیرت کے کھلے کا کھلا رہ گیا تھا "تم کیا دیکھ رہے ہو؟" اُس نے اپنے ساتھی کو ٹہوکا دیا "وہ اِس وقت اُدھر مصروف ہے تم نشانہ لے کر گولی کیوں نہیں چلاتے؟"

"اس وقت نہیں" ہٹ مین بھی مُنہ اور آنکھیں پھاڑے ٹائیگر کے پیترے دیکھ رہا تھا۔

"یاد رکھو مسٹر سوورن!" چینی نے اپنے ساتھی کو مخاطب کیا۔ "اِس شخص پر اس کی لاعلمی میں حملہ کر کے ہی کامیاب ہوا جا سکتا ہے، اور نہ یہ پوری فوج کو اپنے ساتھ لے مرے گا۔"

"ایسا ہی ہوگا، گھبرو مت" سوورن نے یوں شاٹ گن پر ہاتھ پھیرا جیسے وہ بندوق نہ ہو کسی حسینہ کا چکنا اور ملائم رخسار ہو۔

✤

ٹائیگر نے ضروری سامان آنے والی دو میں سے ایک میں منتقل کیا۔ یہ گہرے نیلے رنگ کی ہیوک تھی وہ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا اور انجن اسٹارٹ کر کے کار آگے بڑھاتا چلا گیا۔ اُس نے ڈیش بورڈ کا جائزہ لیا کار میں ریڈیو فٹ تھا۔

اُسے اب کسی خالی عمارت کی تلاش تھی تاکہ وہ اُن ڈیوائسز کی بات چیت سُن سکے جو وہ گلف لینڈ کی عمارت کے مختلف مقامات پر نصب کر آیا تھا۔

مارکیٹ کے عقب میں اُسے ایک خالی اور تاریک عمارت نظر آ گئی۔ اُس نے کار روکی۔ عقبی سیٹ سے وہ آلات اُٹھائے جن کی مدد سے وہ گلف لینڈ میں ہونے والی بات چیت سُنتا اور باہر نکل آیا۔

ابھی وہ عمارت کی طرف چند قدم ہی بڑھا تھا کہ اُس کی چھٹی حس نے کسی خطرے کی نشاندہی کی۔ وہ چیتے کی سی پھرتی کے ساتھ پلٹا لیکن وہ دیر کر چکا تھا۔

عقب سے یکے بعد دیگرے تین گولیاں چلیں، دو گولیاں اُس کے بائیں بازو اور شانے کو ادھیڑتی نکل گئیں جب کہ تیسری گولی اُس کے سر کے اُوپر سے گزرتی ہوئی عمارت کے دروازے میں پیوست ہو گئی۔

ایک بلاک کے فاصلے پر کسی کار کے ٹائر چرچرائے۔ اُس نے یو ٹرن لیا اور ایک بغلی گلی میں مڑ کر غائب ہو گئی۔ ٹائیگر نے اُس

فرض کیجئے، میر جمشید عالم کی جگہ آپ ہوتے!

"امبر بیل"

- حالات کے بھنور میں پھنسے ایک شوریدہ بخت کی الم انگیز آپ بیتی۔
- وقت کی گردش نے اسے سر سے کفن باندھنے پر مجبور کر دیا تھا وہ انسان تھا جنونی بن گیا۔
- میر جمشید عالم پر جو گذری... اگر آپ پر گزرتی..؟؟

"امبر بیل"

- کیچو، ایک پراسرار طاقت — ایک سایہ — ایک بیولہ —
- وہ کون تھی؟ میر جمشید عالم سے کیا چاہتی تھی؟؟
- ریاستی محلوں میں خون چکاں جوڑ توڑ — سیاست کی ریشہ دوانیاں
- راج گدی کے حصول کے لئے خونی رشتوں کی خون ریز کشمکش
- جہاں دن سوتے راتیں جاگتی تھیں۔
- نوجوان خدمت گاروں پر راجکماریوں کی نوازشیں
- محبت اور جنگ میں سب جائز ہے؟؟

"امبر بیل"

- سب رنگ ڈائجسٹ کا سب سے مقبول سلسلہ
- کرشن چندر جیسا بڑا افسانہ نگار بھی امبر بیل کے سحر کا اسیر تھا۔
- معروف مصنف انوار صدیقی کا ایک اور ناقابل فراموش شاہکار
- ۲۵ سال کے بعد پہلی بار کتابی شکل میں۔ آپ کے اصرار پر۔

خوبصورت سرورق، سفید کاغذ پر چار جلدوں میں شائع ہو گئی ہے۔
قیمت مکمل سیٹ: -/۱۰۰۰ روپے

اسٹاکسٹ: مکتبہ القریش، اُردو بازار، لاہور

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کے تعاقب کے بارے میں سوچا لیکن پھر اپنا ارادہ ملتوی کر دیا اور دروازے کی طرف بڑھا۔

اُس کے بازو اور شانے پر سے شرٹ پھٹ گئی تھی اور گوشت اُدھڑ گیا تھا۔ خون بہہ بہہ کر اُس کی شرٹ اور پینٹ کو سُرخ کر رہا تھا۔ اُس نے زخموں کا جائزہ لے کر سر جھٹکا اور تالا توڑ کر اندر گھس گیا۔ کچھ ہی دیر بعد وہ عمارت کی چھت پر موجود تھا۔

بازو کے زخموں سے ہلکی ہلکی ٹیسیں اُٹھنے لگیں لیکن وہ اپنے ایجوٹیشن کو تیار کرنے میں لگا رہا۔ یہ دو بکس تھے۔ ایک میں چار واٹس ٹیپ ریکارڈرز تھے اُس نے اِس بکس میں سے نکلنے والے تار دوسرے بکس کے ساتھ منسلک کر دیے جو بیٹری سے چلنے والا ملٹی ٹیکنیکل چینل ایف ایم ریسیور تھا۔ اُس نے ریسیور کا انٹینا باہر نکالا اور ایک طرف پڑے اینٹوں کے ڈھیر میں چھپا کر نیچے اُتر آیا۔

اُس کی کار موجود تھی لیکن اُس کار کے دُور دُور تک کوئی آثار نہیں تھے جس پر سے گولیاں چلائی گئی تھیں اُس نے وہیل پر بیٹھ کر کار اسٹارٹ کی اور پبلک فون بوتھ کی تلاش میں چل دیا۔

فون اُسے دو بلاک کے فاصلے پر ملا۔ کار کھڑی کر کے وہ بوتھ کے اندر گیا اور مطلوبہ سکے ڈال کر نمبر ڈائل کرنے لگا۔ جونہی سلسلہ ملا وہ بول اُٹھا۔

"بونٹے؟ صرف سنو! میں تمہاری کوئی بات نہیں سننا چاہتا۔ میرا نام ٹائیگر ہے۔ اس وقت یہ اطلاع دینے کے لیے فون کیا ہے کہ اپنی عمارت سے پانچ بلاک کے فاصلے پر تمہارے پندرہ جیالے لاشوں کی صورت موجود ہیں انہیں اٹھوالے جاؤ اور ایک بات یاد رکھو، مزید آدمی بھیجنے کی حماقت نہ کرنا اُن کا حشر بھی ایسا ہی ہوگا میں تمہارے جعلی کرنسی کے کاروبار کی بھی اینٹ سے اینٹ بجانے والا ہوں اس لیے بہتر ہے کہ چوہیں گھنٹے کے اندر اندر بیگ اپ کرو اور شہر چھوڑ دو۔"

فوراً ہی مارشل بونٹے کی حیرت میں ڈوبی آواز ٹائیگر کے ہیڈ فون میں سُنائی دی۔ "اکیلے آدمی نے پندرہ افراد مار ڈالے؟" اُس کا اگلا سوال یہ تھا کہ کیا تم اس سے کوئی اچھا مذاق نہیں کر سکتے تھے؟

"ابھی تو تمہارے وہ دو ملاح یا غلط نے بھی غائب ہیں جو جھینی الیوٹی پر گئے تھے لیکن واپس نہیں آئے۔" ٹائیگر نے اُسے یاد دلایا۔ "اگر تمہیں اُن کی ضرورت ہے تو جہاز پر اپنا وال سیف دیکھنا مت بھولنا۔"

اس سے پہلے کہ مارشل بونٹے کچھ کہتا ٹائیگر ریسیور کریڈل پر ڈال کر بوتھ سے باہر نکل آیا۔

فون کال سے پہلے مارشل بونٹے، ٹائیگر نامی اس شخص سے قطعی خوفزدہ نہ تھا لیکن اب اُسے احساس ہونے لگا تھا کہ شاید اُس نے غلط آدمی سے دُشمنی مول لے لی ہے۔

فون بند ہو جانے کے بعد وہ سیدھا اپنے وال سیف تک پہنچا۔ ابھی وہ لاک کھولنے کے لیے نمبر سیٹ کر ہی رہا تھا کہ فون کی گھنٹی دوسری مرتبہ بج اُٹھی۔

دوسری جانب کارلوسانٹینی تھا۔ اُس نے بونٹے کو بتایا کہ باربر پولیس کو گلف لینڈ کے دفاتر سے پانچ بلاک کے فاصلے پر پندرہ افراد کی لاشیں ملی ہیں۔ پریس بھی وہاں پہنچ گیا ہے اور وہ اس فائرنگ کی وجہ معلوم کرنا چاہتے ہیں جو گلف لینڈ کے سیکیورٹی اسکواڈ نے کی تھی۔ قرائن یہ بتاتے ہیں کہ وہ لوگ اپنی ہی گولیوں سے ہلاک ہوئے ہیں۔

بونٹے نے بُرا سا منہ بنا کر ریسیور کریڈل پر ڈالا اور سیف کھولنے لگا۔ سامنے ہی کاغذ کا ایک ٹکڑا رکھا تھا جس پر بڑے بڑے الفاظ میں تحریر تھا۔

"تمہارے ملاح انسپکشن پلیٹ الیون کے پیچھے کام کر رہے ہیں، ٹائیگر۔"

مارشل بونٹے پھٹی پھٹی آنکھوں سے ہیخام پڑھ رہا تھا۔ اُسے یوں لگ رہا تھا جیسے ٹائیگر کے ہاتھ اُس کی گردن تک آپہنچے ہوں۔

بار دو انسانی خون میں مل جانے سے عام طور پر بلڈ پوائزن ہو جانے کا خطرہ ہوتا ہے۔ ٹائیگر کو یہ خطرہ تو درپیش نہ تھا لیکن وہ اپنا جسم ٹوٹتا ہوا اور رفتہ رفتہ گرم ہوتا محسوس کر رہا تھا۔

ہوٹل واپس آتے ہوئے اُس نے احتیاطاً کچھ اینٹی بائیوٹک خرید لی تھیں۔ کمرے میں پہنچ کر اُس نے زخم صاف کیے، دوا لگائی اور گولیاں کھا کر بستر پر لیٹ گیا۔

اُسے سب سے زیادہ پریشانی اس بات کی تھی کہ اگر اوشان کو اُس کے زخمی ہونے کا پتا چل گیا تو اس بار ترتیت اور سنڑوں کی مدت دو ماہ ہو گی لیکن اس بار اُس نے بیٹے کر لیا تھا کہ وہ دو کے بجائے تین ماہ کی سزا بھگت لے گا لیکن روبی کے ساتھ ایک دن بھی نہیں گزارے گا۔

اُس کا جسم اب باقاعدہ تپنے لگا تھا اور اُس میں سے آگ کے جیسے بھبکے اُٹھ رہے تھے۔ سامنے ٹی وی چل رہا تھا۔ اُسے صرف یہ یاد تھا کہ نیوز کاسٹر تازہ خبریں بتا رہی تھی۔ پندرہ افراد کی ہلاکت کی خبر تھی۔ بقول نیوز کاسٹر یہ اسٹیٹ کی تاریخ میں قتل عام کی سب سے بڑی اور دہشت ناک واردات تھی۔ اُس نے بتایا کہ ٹائیگر نامی ایک شخص نے اس قتل و غارت گری کی ذمے داری قبول کر لی ہے لیکن پولیس کا خیال ہے کہ کوئی فرد واحد پندرہ افراد کو بیک وقت موت کے گھاٹ نہیں اُتار سکتا۔ مزید دلچسپ بات یہ ہے کہ وہ تمام کے تمام اپنے ہی ساتھیوں کی گولیوں سے ہلاک ہوئے ہیں چنانچہ پولیس اس لیے بھی پریشان ہے کہ قاتل نے ایسا کون سا طریقہ استعمال کیا جس سے اُسے قتل کرنے کے لیے آنے والے خود اپنے ہی دُشمن ہو گئے تھے۔ مزید تحقیقات جاری ہے۔

ٹائیگر کا سر بھاری ہوتا جا رہا تھا اور اُسے کمرے سے نکلتا بھی محال معلوم ہو رہا تھا۔ اُس نے رُوم سروس کو فون کر کے ڈنر بھی کمرے میں ہی طلب کر لیا۔ جب تک کھانا آیا تب تک اُس کی حالت مزید خراب ہو گئی۔ اُس نے محض چند لقمے کھائے اور باقی وہیں کر ایک جانب کر دیا اُس کے ذہن میں فوری طور پر یہی بات آ رہی تھی کہ شاید وہ کوئی ایسی دوا کھا گیا ہے جس کی مدت ختم ہو چکی تھی۔

وہ ذہن بٹانے کے لیے ٹی وی کی طرف متوجہ ہو گیا جس پر سیٹرڈے نائٹ اسپیشل میں 'کریو آف انڈیمان' نامی فلم دکھائی جا رہی تھی۔ شروع کے چند منٹ تو اُسے سب کچھ نظر آتا رہا لیکن پھر چہرے اور لوگ ایک دوسرے میں گڈمڈ ہونے لگے۔

ٹی وی کی ایک بڑی اداکارہ نے فلم میں ملکۂ انڈیمان کا کردار ادا کیا تھا۔ ٹائیگر اپنے ذہن کے پردوں پر اُسے لہراتا دیکھ رہا تھا۔ اُس کا چہرہ کبھی غائب آ جاتا اور کبھی دوبارہ نمودار ہو جاتا۔ پھر وہ چہرہ روبی کے چہرے میں مدغم ہو گیا... نہیں، انجلیک روبی ڈاکس کے چہرے میں...

مگر روبی یہاں کہاں؟ ٹائیگر کے خمار آلود ذہن نے سوچا...

ہاں فون کال... اُس نے فون کر کے اُسے بلوایا تھا اور وہ تھوڑی دیر میں آ پہنچی تھی۔ ٹائیگر نے روبی کو نزدیک کرنے کے لیے اُس کے جسم کے گرد اپنی بانہوں کا حصار قائم کر لیا۔ نہیں یہ درست نہیں تھا... روبی سینکڑوں میل دُور نیویارک میں تھی۔ یہ وہی ٹی وی اسٹار تھی جو اُس کے زخم چہرے، ہونٹوں اور بدن کو بھیڑیوں کی طرح چوم رہی تھی... مگر یہ کیا... انجلیک خود کو چھڑانے کی جدوجہد کر رہی تھی اور اُسے بار بار بستر پر دھکیل رہی تھی... میرے قریب آؤ روبی، تم چلی جاؤ انجلیک! تم کہاں سے آ گئیں... روبی آ گئی تھی۔ اُس نے بڑے پیار سے ٹائیگر کو بستر پر لٹا دیا۔ وہ اُسے پیار کر رہی تھی، رو رہی تھی... روبی... میری پیاری روبی! ٹائیگر کے دل کی دھڑکن دھڑکن سے صدائیں دے رہی تھی... پھر روبی نے اُس کے زخموں کی مرہم پٹی کی اور وہ تمام وقت اُسے کے شانوں تک کٹے ہوئے بالوں میں اُنگلیاں پھیرتا رہا... "آئی لو یو، روبی!" ٹائیگر نے پوری شدت سے اُسے پکارا۔ "میں تم سے پیار کرتا ہوں، روبی... آؤ میرے قریب آؤ... میرے جسم کا حصہ بن جاؤ... آؤ روبی، میری جان...؟"

اور پھر روبی اُس کے بستر کے کنارے پر بیٹھ گئی اُس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے جو ٹپ ٹپ ٹائیگر کے چہرے پر گرنے شروع ہو گئے۔ وہ تڑپ اُٹھا۔ اُس نے بستر سے ذرا سا اُٹھ کر روبی کو خود سے لپٹا لیا۔ اس بار روبی نے کوئی احتجاج نہیں، کوئی دھکا نہیں دیا۔ بلکہ خوفزدہ چوزہ بن کر مرغی کی پناہ میں آ گئی۔

ٹائیگر کے دل و دماغ میں، جسم و جان میں اور اردگرد آندھیاں سی چلنے لگیں۔ اُس نے قدم جمانے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ اس طوفان میں روبی بھی اُس کے ساتھ تھی۔ اُس کی حالت بھی مختلف نہیں تھی۔ وہ بھی اِدھر اُدھر ڈول رہی تھی، لہرا رہی تھی اور ٹائیگر بار بار بڑھ کر اُسے تھام رہا تھا... جانے یہ سلسلہ کب تک چلتا رہا... پھر طوفان کی رفتار ہلکی ہونے لگی... ہواؤں کا زور ٹوٹ گیا... وہ طوفان میں بچھڑوں سے بچھڑ کر زمین پر گر جانے والے درخت بن گئے۔ دونوں کو ہی تکمیل کا ایک انجانا سا لیکن کیف آگیں سا سرور ملا تھا... اور پھر ٹائیگر کی آنکھیں بند ہونے لگیں... وہ بار بار آنکھیں کھولتا لیکن روبی کے ہونٹ انہیں پھر بند کر دیتے... روبی... مجھے ہی مانگے دو جان... میں تمہیں پیار کرنا چاہتا ہوں روبی... مجھے جاگ... ن... یے...

وہ سو گیا تھا۔

اگلی صبح ٹائیگر دن چڑھے حیران سا بیدار ہوا۔ اُسے آج تک کسی زخم نے اتنا پریشان نہ کیا تھا۔

اُسے وہ دوائیں یاد آئیں جو اُس نے کھائی تھیں یقینی طور پر وہ آؤٹ آف ڈیٹ تھیں۔ ٹائیگر کی جگہ کوئی اور ہوتا تو اتنے شدید ردِعمل سے مر گیا ہوتا۔

اچانک ہی اُس کی سوچوں کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ اُسے گرم کھانے اور تازہ کافی کی مہک محسوس ہوئی۔ اُس نے نہ صرف آنکھیں کھولیں بلکہ فوراً اُٹھ بیٹھا۔

"میں نے جان بوجھ کر تمہیں بیدار نہیں کیا۔" بستر کے برابر رکھی کرسی پر بیٹھی انجلیک روبی ڈاکس نے اُسے مخاطب کیا۔ "گزشتہ شب تم شدید بیمار تھے اس لیے تمہیں آرام کرنے دینا چاہتی تھی۔"

"کیا تم گزشتہ رات یہاں تھیں؟" ٹائیگر واقعی حیران ہوا تھا۔

"تمام رات!" انجلیک نے جواب دیا۔ "یوں تو تمہارے شانے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کا زخم خاصا خراب تھا لیکن ایک بات اُس سے بھی زیادہ خراب ہوئی۔"

"مگر تم یہاں کیسے پہنچیں؟ کیوں؟"

"تم نے خود تو ریوی کے گھر فون کیا تھا اور مجھ سے بات کی تھی، مگر تم مجھے صرف روبی کہہ کر پکار رہے تھے۔ تم نے کہا تھا کہ تم زخمی ہو گئے ہو اور میری ضرورت ہے۔"

ٹائیگر نے سر تھام لیا۔ "اوہ، مائی گاڈ!" تو وہ سب کچھ حقیقی تھا۔ "ہم... تم... میں..."

"ہاں، ہم..." انجلیک نے بھی جان بوجھ کر جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ "تم نے مجھے پکڑ لیا تھا۔ میں زندگی میں پہلے اس قسم کی کسی شے سے آشنا نہیں تھا اس لیے میں نے چھڑانے کی بہت کوشش کی لیکن تم نے... مگر خیر، اُس کے بعد تمہارا بخار ٹوٹ گیا، میں نے اندازہ لگایا کہ تم جو... رہے تھے تمہیں اُس کا ہوش نہیں تھا۔" ٹائیگر نے ایک گہری سانس لی لیکن انجلیک اپنی رو میں بولے جا رہی تھی۔

"اُس کے بعد مجھے یہ سب کچھ بہت خوبصورت لگا، تم اپنے آپ میں لوٹ آئے... نہیں... اس میں پچھتاوے کی کوئی بات نہیں تم نے مجھ سے پیار کیا اس لیے کہ تم خواہش مند تھے لیکن میں نے اس کا بُرا نہیں منایا تم رات بھر مجھے روبی کے نام سے مخاطب کرتے رہے لیکن مجھے اس کی بھی کوئی پروا نہیں، وہ روبی نہیں، میں تھی۔"

انجلیک نے مسکرا کر ٹائیگر کو دیکھا اور ٹرے میں سے ٹوسٹ نکالنے لگی۔

"کھاؤ۔" اُس نے ٹوسٹ ٹائیگر کی طرف بڑھایا۔ "تمہیں توانائی دوبارہ حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔" اُس نے معنی خیز انداز میں قہقہہ لگایا۔

"کافی تو دینا، انجلی! فی الحال تو میں اس کی ضرورت محسوس کر رہا ہوں۔"

"یس ڈارلنگ۔"

✦

ناشتے کے تھوڑی دیر بعد انجلیک چلی گئی۔

ٹائیگر خود کو اب مکمل طور پر چاق و چوبند محسوس کر رہا تھا۔ اُس نے شاور لیا اور پھر اخبار کا مطالعہ کرنے بیٹھ گیا۔ سنڈے ایڈیشن کا پہلا صفحہ مکمل طور پر اُس کی خبروں سے بھرا پڑا تھا۔

مارشل بوتھ نے فل ڈوبوس کے ذریعے ایک بیان جاری کیا تھا جس میں اُس نے کسی ایسی بات سے لاعلمی ظاہر کی تھی جسے بنیاد بنا کر ٹائیگر نے گلف لینڈ کے دفاتر پر حملہ کیا تھا۔ اُس نے ٹائیگر اور ماہی پروروں کی بعض مخالف قوتوں میں ناتا جوڑنے کی کوشش کی تھی۔ ایک جانب گرین ارتھ ہپی نامی تنظیم کا نمائندہ بھی تھا جو سمندر کی آلودگی کے خلاف تھی۔

اُس نے اخبار ایک طرف پھینکا اور کار لے کر ڈاکس کی طرف چلا آیا۔ اب اُس کا رُخ اُس عمارت کی طرف تھا جہاں اُس نے اپنے آلات نصب کیے تھے۔ چھت پر پہنچ کر اُس نے ریکارڈنگ میں سے پرانے ٹیپ نکال کر نئے ڈالے اور پرانے ٹیپ لے کر واپس ہوٹل آ گیا۔

تھوڑی ہی دیر بعد وہ ریکارڈ شدہ ٹیپ سُن رہا تھا۔

"... بہر حال ہم منگل کی شب کو بن جہاز سے مل لیں گے" ٹیپ سے بوتھ کی آواز اُبھری۔ یہ بات چیت جوبی الیوٹی پر بوتھ کے کیبن میں ہو رہی تھی جہاں ٹائیگر نے گزشتہ شب ڈیوائس نصب کی تھی۔

"ہم جینی کو کھلے سمندر میں کہوں لے جا رہے ہیں؟" فل چیمبرز نے پوچھا۔ "کیا اس سے بہت سے لوگ ہماری طرف متوجہ نہیں ہو جائیں گے؟"

"سراسر استعمال کر دفل۔" بوتھ کی ڈانٹ سُنائی دی۔ "یہ درست ہے کہ لوگ اس طرف متوجہ ہو جائیں گے لیکن جب ہم واپس آئیں گے تو پھیلی کا ٹوڈلے کر آئیں گے جینی کو لے جانے کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہم رقم جلد لوڈ کر لیں گے۔ اتنی ملین ڈالر کی رقم معمولی نہیں ہوتی ہم بین الاقوامی سمندر سے روانہ ہونے سے قبل اُسے نیچے پروپر ڈیک میں چھپا سکتے ہیں۔ وہاں ایسی جگہ ہے کہ اگر کسٹم اور کوسٹ گارڈ والے بھی چھاپہ ماریں گے تو نہیں پہنچ پائیں گے۔ وہ جہاز پر مچھلی کا سوپ تلاش کرنے کے لیے ہر کین تو کھولنے سے رہے۔"

"اب جو کچھ آ رہا ہے اُس میں غلطی کا کوئی امکان تو نہیں انٹون کولبرٹ نے دریافت کیا۔

"میرے خیال میں اب وہ غلطی کریں گے نہیں۔ پہلے وہ لوگ جو کاغذ استعمال کر رہے تھے وہ روس سے منگوایا گیا تھا۔ جس طرح نے اُسے پکڑ لیا تھا کوئی اور بھی اندازہ لگا سکتا تھا لیکن اب انہوں نے مجھے یقین دلایا ہے کہ کوئی خود بین بھی غلطی تلاش نہیں کر سکے گی۔"

دوسرے ٹیپ سے بھی ٹائیگر کو بڑی دلچسپ معلومات حاصل ہوئی تھیں۔ اس ٹیپ کی ڈیوائس کولبرٹ کے دفتر میں نصب تھی۔ ٹائیگر کو بات چیت سے پتا چلا کہ آج صبح کمپاؤنڈ میں سیکیورٹی فورس کی تعداد دُگنی کر دی گئی ہے جب کہ باقی تمام اسٹاف کو مردی گئی ہے میں شرکت کے لیے ساحل پر بھیج دیا گیا ہے۔

یہاں تک تو بات صحیح تھی لیکن جب ٹائیگر نے کولبرٹ کے

دینے والی دوسری بات چیت سُنی تو اُس کی تمام حسیات ایکدم چوکنی ہو گئیں۔ یہ سیکیورٹی ہیڈ اور اس کے چیف انفورسمنٹ کو کے بارے میں ہو رہی تھی۔

"میں چاہتا ہوں کہ اس بار کوئی غلطی نہ ہو، پی کے ہیکیوٹی نے اُسے ہدایت کی۔ "مسٹر بوتھ نے حکم دیا ہے کہ روبی ڈاکس والی کو آج ہر حال میں اغوا کر کے قتل کر دیا جائے۔ ہمیں یقین ہے کہ ٹائیگر اور اُس لڑکی کے درمیان رابطہ موجود ہے۔ وہ بہت جانتی ہے۔ مسٹر بوتھ کو یقین ہے کہ وہ اُن ثبوتوں کے بارے میں بھی ضرور جانتی ہو گی جو اُس کے باپ نے ہمارے خلاف اکٹھے کیے ہیں چھپا دیے ہیں۔ اُس نے اس بارے میں ابھی تک کسی کو نہیں بتایا، اس لیے موقع اچھا ہے، اُسے پکڑ لو۔"

"لیکن وہ کیپٹن ریوی کے گھر میں رہ رہی ہے" پی کے نے احتجاج کیا۔ "ہم اُسے باہر کیسے نکالیں گے؟"

"بے شک تمہیں اُسے بالوں سے پکڑ کر باہر لانا پڑے، لیکن ہمیں ہر حال میں انجلیک چاہیے۔"

"لیکن باس..."

"کوئی عذر نہیں، جاؤ۔"

ٹائیگر نے وقت دیکھا۔ بات چیت تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ پہلے ہوئی تھی۔ وہ جلدی سے کمرہ مقفل کر کے نیچے آ گیا۔ اُسے پہلے ہی بہت دیر ہو چکی تھی۔

پانچ منٹ بعد وہ پچاسی میل کی رفتار سے گرانڈ ایزل کی طرف اُڑا جا رہا تھا۔

لیکن جب وہ گاسٹن کے گھر پہنچا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ حالات معمول کے مطابق تھے۔ جب گاسٹن نے اُسے تفصیل بتائی تو وہ فوراً سمجھ گیا کہ یہاں سکون ہونے کا کیا مطلب ہے۔

"ناشتے کے فوراً بعد بچوں نے دوپہر کو مڈ نائٹ اور رات کو بتوس میں ہونے والی پریڈیں دیکھنے کا اصرار شروع کر دیا۔ انجلیک نے پیشکش کی کہ وہ اور بوبی بچوں کو لے جائیں گے۔ مجھے بھی اس میں کوئی خطرہ نظر نہیں آیا، چنانچہ میں نے انہیں اپنی پک اپ دے دی۔"

اب ٹائیگر سمجھ گیا تھا کہ پی کے اور اُس کا گروپ ریوی کے گھر کیوں نہیں آیا تھا۔ گاسٹن کے ہاں لگی ہوئی ڈیوائسز کے ذریعے انہوں نے سُن لیا ہو گا کہ انجلیک بچوں کے ساتھ شہر جا رہی ہے اس لیے وہ بھی نیو اورلینز میں ہی رُک گئے ہوں گے۔

"وہ لوگ یہاں سے کس وقت روانہ ہوئے ہیں؟" ٹائیگر نے فوراً دریافت کیا۔

"دوپہر سے ذرا پہلے کی بات ہے، پہلی پریڈ ڈیڑھ بجے اور دوسری شام ساڑھے چھ بجے ہونے والی تھی، مگر یہ ساتھی اہم کیسے ہو گئیں؟"

دونوں اُس وقت ٹائیگر کی کار کے نزدیک کھڑے تھے ٹائیگر نے سر سے مکان کی طرف اشارہ کیا۔ "بوتھ نے پیٹر کیو اور قاتلوں کے ایک دستے کو انجلیک کے تعاقب میں بھیجا ہے۔ چونکہ تمہارے گھر میں خفیہ ٹرانسمیٹر فٹ ہیں اس لیے انہیں پروگرام کا پتا چل گیا تھا اسی لیے وہ اُسے نیو اورلینز میں تلاش کر رہے ہوں گے انہیں انجلیک اور اُس کے راستے میں آنے والے ہر شخص قتل کرنے کے احکامات دیے گئے ہیں۔"

ٹائیگر نے نیو اورلینز کا سفر گرانڈ ایزل کے سفر سے کہیں زیادہ تیز رفتاری سے طے کیا۔ ایک پارکنگ لاٹ پر کار کھڑی کر کے وہ لوئیسیانا اور سینٹ چارلس کے سنگم پر پہنچا جہاں سے اُس نے اپنے لیے ایک ماسک خریدا اور اُس ہجوم میں شامل ہو گیا جو پریڈ دیکھنے کے لیے جمع ہو گیا تھا اُس کی عقابی نگاہیں چاروں طرف انجلیک کو تلاش کر رہی تھیں۔

✦

پریڈ شروع ہونے والی تھی اور پیٹر کیو غوطے پر تاب کھا رہا تھا۔

اُسے سب سے زیادہ غصہ مارشل بوتھ پر آ رہا تھا جس نے مطالبہ کیا تھا کہ اُسے انجلیک ابھی اور اسی وقت درکار ہے۔ ورنہ اس سے زیادہ آسان تو یہ تھا کہ وہ لوگ گرانڈ ایزل جا کر انجلیک کو پکڑ لاتے۔ اب انہیں ایک ایک شخص اور ایک ایک سیاح کو قریب سے دیکھنا تھا۔ یہ بھی ممکن تھا کہ وہ تمام تر تلاش بسیار کے باوجود انجلیک کو نہ ڈھونڈ سکیں۔

اور پھر پریڈ شروع ہو گئی۔ ایک کے بعد ایک فلوٹ گزرنے لگا لیکن پی کے اور اُس کے ساتھیوں کی توجہ پریڈ پر نہیں پریڈ دیکھنے والوں پر تھیں۔ یہ اور بات تھی کہ اب تک کسی لڑکی پر انہیں انجلیک کا شبہ تک نہ ہوا تھا۔

✦

یہ بھی ایک اتفاق تھا کہ ٹائیگر کو انجلیک اور ریوی کے بچے ۲۷۳، کینال اسٹریٹ کے عین سامنے کھڑے نظر آ گئے جہاں سے دو رائیں قبیل ٹائیگر کی بھاگ دوڑ کا آغاز ہوا تھا۔ وہ لوگوں کو دھکیلتا، ہٹاتا اُس کی طرف بڑھا۔ اُس سے ایک ہاتھ سے انجلیک کا بازو تھام لیا اور دوسرے ہاتھ سے ماسک ہٹانے لگا۔ پہلے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

تو انجلیک بُری طرح اُچھلی لیکن پھر اُس نے ٹائیگر کو پہچان لیا۔

"انجلیک، ہمیں فوری طور پر یہاں سے چلنا ہے بونشے نے تمہارے اور بچوں کے تعاقب میں اپنے قاتل بھجوائے ہیں۔۔۔ جلدی چلو۔"

اُسی وقت سڑک کی دوسری جانب سے ایک چنگھاڑ نما چیخ سُنائی دی۔ پی کے اور اُس کے گُرگے دوسری جانب موجود تھے اور انہوں نے انجلیک کو پہچان لیا تھا۔ وہ اپنے آدمیوں کو جمع کرنے کے لیے ہاتھ لہراتا سڑک پار کرنے لگا۔ ٹائیگر نے بھی اُسے دیکھ لیا۔ اُس نے فوراً سب سے چھوٹے بچے کو گود میں اُٹھایا اور ایک طرف چل دیا۔ انجلیک، بوبی اور دوسرے بچوں نے اُس کی تقلید کی تھی۔

ٹائیگر کو اب دائیں بائیں اور آگے پیچھے بہت سے ایسے چہرے دکھائی دے رہے تھے جو بونشے کے بھیجے ہوئے آدمی ہو سکتے تھے۔ پی کے کے چہرے پر غصہ ٹھاٹھیں مار رہا تھا اور اُس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ کسی طرح اُڑ کر انجلیک تک جا پہنچے۔

ٹائیگر، بچوں کے ہمراہ اب اُن فلوٹس تک پہنچ چکا تھا جو کے بعد دیگرے لوگوں کے سامنے سے گزر رہے تھے۔ اُس نے سب سے پہلے گود میں اُٹھائی ہوئی چھوٹی بچی کو گزرتے ہوئے فلوٹ پر بٹھایا اور اُس کے بعد بجلی کی سی تیزی سے۔ بوبی نے سوا تمام بچوں کو فلوٹ پر منتقل کر دیا۔

لوگوں کی ناراض آوازیں اُبھرنی شروع ہو گئیں، کچھ لوگ پی کے اور اُس کے آدمیوں کی دھکم پیل پر احتجاج کر رہے تھے اور بعض فلوٹ پر ہونے والی کارروائی سے پریشان تھے لیکن ٹائیگر اُن لوگوں کی طرف سے بے پروا اپنے کام میں مصروف رہا۔ بوبی اور انجلیک کے بعد وہ خود بھی فلوٹ پر سوار ہو گیا۔

ٹھیک اُسی وقت پی کے کے دو گرگے آگے پیچھے دوڑتے ہوئے فلوٹ تک آ پہنچے۔ ٹائیگر کی دائیں ٹانگ حرکت میں آئی آگے آنے والے گرگے کے چہرے کا سامنے والا حصہ کئی کرچیوں میں تقسیم ہو کر اِدھر اُدھر بکھر گیا۔ وہ چیخا اور اُچھل کر اپنے عقب میں آنے والے پر گرا۔ دونوں زمین پر ڈھیر ہو گئے۔ اُن میں کوئی بھی دوبارہ اُٹھنے میں کامیاب نہ ہو سکا تھا۔

نصف بلاک کا فاصلہ طے کرنے تک ٹائیگر چھ غنڈوں کو گرا چکا تھا۔ وہ لوگ جو پہلے اس لڑائی کو بھی پریڈ کا حصہ سمجھے تھے اب چیخ و پکار کر رہے تھے کیونکہ انہیں پتا چل گیا تھا کہ یہ پریڈ

ایک وطن پرست اور کفن بدوش نوجوان کی داستانِ لہو رنگ
جو محبِ وطن ہونے کے باوجود دہشت گرد کہلاتا تھا
معاشرے کے اُجلے لوگوں کی کہانی جن کے من کالے ہیں
دہشت گرد
سلیم فاروقی کے ایڈونچرس قلم سے
4 حصوں میں شائع ہو گیا ہے
قیمت مکمل سیٹ -/240 روپے
ناشر
مکتبہ القریش۔ سرکلر روڈ
اُردو بازار لاہور۔2

کا حصہ نہیں بلکہ اصل خونی ڈرامہ ہے۔ وہ چیخ چیخ کر پولیس کو طلب کر رہے تھے اور فلوٹ روکنے کے لیے کہہ رہے تھے جو اب بھی پوری رفتار سے آگے بڑھ رہا تھا۔

پی کے کے باقی آدمی کہیں پیچھے رہ گئے تھے۔ اپنے چھ آدمیوں کا حشر دیکھ کر باقی شاید بھاگ گئے تھے۔ ٹائیگر نے جب یہ دیکھا کہ خطرہ ٹل گیا ہے تو اُس نے باری باری سب کو فلوٹ سے نیچے اُتار دیا اور پھر خود بھی کود آیا۔ تھوڑی دیر بعد ہی وہ لوگ دوبارہ ہجوم میں غائب ہو چکے تھے۔

*

اُسی شب ٹائیگر نے ایک بار پھر بونشے کے جہاز جینی الیوٹی میں داخل ہونے کا فیصلہ کیا۔

اُسے پتا چلا تھا کہ جہاز کے آس پاس خشکی پر نہایت سخت حفاظتی انتظامات کیے گئے تھے۔ وہ چاہتا تو محافظوں کو موت کے گھاٹ اُتار کر جہاز پر پہنچ جاتا لیکن وہ کچھ دیر کے لیے جہاز پر اپنی آمد کو خفیہ رکھنا چاہتا تھا۔

اسی لیے اُس نے دریا کے ذریعے تیر کو جہاز پر پہنچنے کا فیصلہ کیا۔ جہاز سے دو میل کے فاصلے پر اُس نے اپنے کپڑے اُتار کر ایک طرف رکھے اور پانی میں کود گیا۔

محض پندرہ منٹ بعد ہی وہ لنگر کے ذریعے جہاز کے عرشے کی طرف جا رہا تھا۔ گزشتہ بار جب وہ جہاز پر آیا تھا تو اُس نے ایک راہداری کے آخری دروازے پر ممنوعہ علاقہ کے الفاظ کندہ دیکھے تھے۔ وہ اس بات کی کھوج لگانا چاہتا تھا کہ اس دروازے کے عقب میں کیا ہے۔

حسبِ سابق اس مرتبہ بھی جہاز پر اُسے کسی قسم کی مزاحمت کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ کوئی شخص بھی وہاں موجود نہ تھا۔ بونشے نے سارے انتظامات صرف ساحل تک ہی محدود رکھے تھے۔

وہ نہایت اطمینان سے اُس دروازے تک پہنچا اور پھر قفل توڑ کر اندر داخل ہو گیا۔

وہ کمرہ کیا، ایک جدید ترین اسلحہ خانہ تھا جس میں میزائل سے لے کر گولیاں تک موجود تھیں۔ ٹائیگر کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اُسے یہاں اسلحہ ملنے کی امید قطعی نہیں تھی۔ اُس کا خیال تھا کہ بونشے نے یہاں کسی قسم کی نفسیات جمع کر رکھی ہوں گی یا ممکن ہے کچھ دشمنوں کو قیدی بنا کر رکھا ہو۔

اسلحہ دیکھ کر ٹائیگر کے ذہن میں اچانک ہی ایک نئی ترکیب آگئی اور اس نے اسلحے کی الماریوں کی تلاشی لینی شروع کر دی۔

جلد ہی اُسے اپنی مطلوبہ شے مل گئی۔ یہ ڈیٹونیٹرز کے بکس تھے جن کے ساتھ اُن کے ریموٹ کنٹرول بھی موجود تھے۔ ٹائیگر نے ڈیٹونیٹرز کے بکس کھول کر دیکھے۔ ڈیٹونیٹرز کے فیوز نکلے ہوئے تھے۔ ذرا سی کوشش سے اُسے فیوز بھی مل گئے۔ ٹائیگر نے فیوز، ڈیٹونیٹرز میں نصب کیے اور انہیں وہیں پھوڑ کر باہر نکل آیا۔ ڈیٹونیٹرز کے ریموٹ کنٹرول اُس کے ہاتھ میں تھے۔

اپنی ہوک میں بیٹھنے کے بعد ٹائیگر نے ایک ننھی سی چابی کی مدد سے ریموٹ کنٹرول کا سیفٹی سرکٹ ختم کیا اور وقت دیکھ کر باری باری اُن کے بٹن دباتا چلا گیا۔

یکے بعد دیگرے کئی کان پھاڑ دینے والے دھماکوں کی آوازیں سُنائی دیں۔ ٹائیگر نے پلٹ کر اُس طرف دیکھا جہاں جہاز لنگر انداز تھا۔ اُسے راستے میں حائل رکاوٹوں کے باعث جہاز تو دکھائی نہیں دے رہا تھا البتہ وہ شعلے ضرور دکھائی دیے جو آسمان سے باتیں کر رہے تھے دھوئیں کا ایک بہت بڑا مرغولہ بھی بلندی کی طرف اُٹھتا نظر آ رہا تھا۔

ٹائیگر کو یقین تھا کہ طاقتور بموں کے دھماکوں نے صرف جہاز بلکہ اُس کے اردگرد موجود افراد اور دیگر چیزوں کے بھی چیتھڑے اُڑا دیے ہوں گے۔ اُس نے مطمئن انداز میں سر ہلایا اور ہوٹل کی طرف چل دیا۔

*

"ہمارے اسٹوڈیو میں وک بیری موجود ہیں جو آپ کو گلف لینڈ کارپوریشن دبارف پر تباہ ہونے والے جہاز کی رپورٹ بتائے گا۔۔۔ وک۔"

ٹی وی نیوز کاسٹر کا چہرہ غائب ہوتے ہی وک اسکرین پر نمودار ہوا۔

"تھینک یو، چیف!" اُس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "گلف لینڈ کے لاکھوں ڈالر مالیت کے عظیم الجثہ جہاز جینی الیوٹی سے اب بھی شعلے اُٹھ رہے ہیں۔ فائر چیف ڈیوما رگوس کا کہنا ہے کہ جہاز کی مکمل تباہی کا امکان ہے ابتدائی رپورٹوں کے مطابق آگ لگنے سے پہلے بموں کے زبردست دھماکے ہوئے تھے جن کے بارے میں غالب خیال ہے کہ ٹائم بموں کے تھے۔۔۔ جو کسی نامعلوم حملہ آور نے نصب کیے تھے۔۔۔" وک بیری سے ہٹ کر اُن فائر مینوں پر ساکت ہو گیا جو فوم کے ذریعے جہاز کی آگ بجھانے میں مصروف تھے۔ "۔۔۔ گلف لینڈ نے جہاز کی تباہی پر کوئی بھی تبصرہ کرنے سے انکار کر دیا ہے۔" بیری

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کی آواز بدستور سُنائی دے رہی تھی۔ فائر بریگیڈ کی بارہ گاڑیاں اور دو کشتیاں صبح تین بجے سے آگ بجھانے کی کوششوں میں مصروف ہیں۔ جونہی کوئی تازہ ترین رپورٹ موصول ہوئی کسی تاخیر کے بغیر آپ تک پہنچا دی جائے گی۔۔۔"

ٹائیگر نے ٹی وی آف کر دیا۔ اب اُس نے وہ ٹیپ ریکارڈرز نکال لیے جن پر مارشل بوٹسے اور اُس کے دوسرے ساتھیوں کے دفتروں میں ہونے والی بات چیت ریکارڈ ہوئی تھی۔

جینی البوٹی کی تباہی کے بعد اُن پر جس قسم کی باتیں ریکارڈ ہوئی تھیں اُن سے گالیوں پر مشتمل ایک نئی ڈکشنری بآسانی ترتیب دی جا سکتی تھی۔

مارشل بوٹسے کے دفتر میں نصب ڈیوائس سے ٹائیگر کو علم ہوا کہ جہاز کی تباہی کے باوجود جعلی کرنسی کے بارے میں اُن کا پروگرام چند ایک معمولی تبدیلیوں کے ساتھ جاری رہے گا۔ وہ اب جینی البوٹی کے بجائے کارپوریشن کے قابل اعتماد رُکن پال گرڈ کی سوئن ونڈ کشتی لا بیلا استعمال کریں گے۔ ٹائیگر کو پال گرڈ کا نام یاد تھا کیونکہ اسی کے بیٹے نے لڑکوں کے دوسرے گروپ سے مل کر بوبی ریوی کی پٹائی کی تھی۔

بوٹسے کو ایک فون کال بھی موصول ہوئی تھی۔ فون کرنے والا انٹون کولبرٹ تھا جس نے اپنے باس کو آگاہ کیا تھا کہ پی کے انجلیک کو نقصان پہنچانے میں ناکام رہا ہے اُس کے چند ساتھی مارے گئے ہیں جب کہ باقی جیل میں ہیں اور اُن کی ضمانت کا بندوبست کیا جا رہا ہے۔ انہیں پولیس نے کینال سٹریٹ پر غل غپاڑہ مچانے اور پریڈ میں خلل ڈالنے کے الزام میں گرفتار کیا تھا۔

یہ تمام معلومات ٹائیگر کے لیے بے حد مفید تھیں۔ پہلے اُس نے سوچا کہ وہ بوٹسے اور اُس کے ساتھیوں کو ہلاک کر ڈالے لیکن پھر یہ بات سامنے آئی کہ جینی البوٹی کی تباہی کی طرح یہ بھی ایک عارضی انتظام ہی ہوگا۔ اصل مسئلہ جعلی کرنسی تھی اور ٹائیگر کو اُس کی آمد پر کنٹرول کرنا تھا۔ یہ بات پہلے ہی ٹائیگر کے علم میں آ چکی تھی کہ جعلی کرنسی اتنی زیادہ مقدار میں اسمگل ہو رہی تھی جس سے پورے مُلک کی معیشت تباہ ہو جانے کا خطرہ تھا۔

اگر ٹائیگر بوٹسے اور اُس کے ساتھیوں کو قتل کر دیتا تو کوئی بھی جعلی کرنسی کے لیے کوئی اور شخص ڈھونڈ لیتے اور کرنسی کا خطرہ اپنی جگہ بدستور رہتا۔ ٹائیگر اس خطرے کی بنیاد ہی ختم کرنا چاہتا تھا۔

وہ یہ فیصلہ کر کے اُٹھ کھڑا ہوا۔ علاقے کا ایک اور چکر لگانا ضروری ہو گیا تھا۔

✦

گلف لینڈ ہاربر کے اردگرد پرل ہاربر جیسا منظر دکھائی دے رہا تھا۔

دو بیمبرز اور ایک فائر بوٹ کے سوا تمام چیزیں موقع سے ہٹائی جا چکی تھیں لیکن تباہی کے شواہد اب بھی موجود تھے۔ پیکنگ پلانٹ کا کوئی شیشہ سلامت نہیں رہا تھا۔ پروسیسنگ پلانٹ کے عقب سے، جہاں تباہ ہونے والا جہاز لنگر انداز تھا دھوئیں کے مرغولے اُٹھتے دکھائی دے رہے تھے۔

ٹائیگر نے ایک محفوظ مقام پر پوشیدہ ہو کر صورت حال کا جائزہ لیا۔ اُس نے محافظوں کی تعداد میں اضافہ بڑی شدت سے محسوس کیا تھا۔ اب خصوصی کتوں کو بھی پٹرولنگ میں ساتھ کر دیا گیا تھا۔

ٹائیگر کی آنکھیں بندرگاہ پر مرکوز تھیں جب کہ ذہن صورت حال کا تجزیہ کر رہا تھا۔ بوٹسے نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا تھا کہ وہ ہر حال میں ہیری روبی ڈاکس کی بیٹی انجلیک کو قتل کر دیں۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ بوٹسے یہ سمجھے بیٹھا ہے کہ انجلیک کوئی ایسی بات جانتی ہے جس سے بوٹسے اور گلف لینڈ کے دوسرے اراکین کے کیے باسے تعلق پر روشنی پڑتی ہو۔

مگر دوسری طرف ٹائیگر یہ جانتا تھا کہ انجلیک اس قسم کی کسی بھی بات سے لاعلم ہے۔ اس صورت حال کی روشنی میں یہ ایک معمّہ تھا کہ آخر بوٹسے جیسا کائیاں آدمی یہ اندازہ کیوں نہیں لگا پایا۔

دوسرا معمّہ وہ ثبوت تھا اور اس سلسلے میں سب سے اہم سوال یہ تھا کہ ثبوت آخر ہے کہاں؟ پھر یہ بات بھی تھی کہ لیبارٹری نے جن چیزوں کو اصل ثابت کر دیا تھا انہیں آخر ایک عام سے ملّاح نے کس طرح جعلی گردانا تھا۔ بس ڈالر کا وہ نوٹ جو پیری نے بھیجا تھا بینک اور لیبارٹری نے اصل بتایا تھا صرف چارہ گر کے سپر کمپیوٹر نے اُس پر شک کا اظہار کیا تھا لیکن ہیری روبی ڈاکس نے پورے یقین سے کہا تھا کہ نوٹ جعلی ہے اور اُس کے پاس ناقابل تردید ثبوت موجود ہے۔

پیری مر چکا تھا اور ثبوت غائب تھا۔ انجلیک سمیت کوئی شخص یہ بات نہیں جانتا تھا کہ اُس ثبوت کی نوعیت کیا ہے اور وہ کہاں پوشیدہ ہے۔ ٹائیگر کو کرنسی کی نقل و حمل روکنے کے ساتھ ساتھ ثبوت کا پتا بھی چلانا تھا۔

واپسی کے سفر کے دوران بھی ٹائیگر کا ذہن ایسی ہی باتوں میں اُلجھا رہا۔ کوئی دو بلاک کا فاصلہ طے کرنے کے بعد اُس نے فٹ پاتھ پر چند ایسے لوگوں کو کھڑے دیکھا جو ایک مخصوص فاصلے پر موجود

شاید مشرک کی نگرانی کر رہے تھے۔ اُن کے ہاتھوں میں وہ ٹاکی تھی جو وہ ٹائیگر کی کار کو دیکھتے ہی وہ ٹاکی کے ذریعے اپنی اگلی پوزیشن کو اُس کے بارے میں آگاہ کر دیتے تھے۔

ٹائیگر کو اُن کی حرکتیں مشکوک سی لگیں۔ اُس نے کار روک لی اور اُتر کر اُن کی طرف بڑھا لیکن ٹائیگر کو یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ اُن افراد نے ٹائیگر کے سامنے جھکنے کے بجائے ایک جگہ اکٹھا ہونا شروع کر دیا۔ اُن کے تیور بھی کسی طور جارحانہ دکھائی نہیں دے رہے تھے۔

*

ٹائیگر جب اُن کے قریب پہنچا تو اُن لوگوں نے نہایت معصومیت کے ساتھ اپنے ہاتھ سروں سے بلند کر لیے۔ ٹائیگر مسکراتے ہوئے آگے بڑھا اور باری باری اُن کی تلاشی لینے لگا لیکن اُن میں سے کسی کے پاس اسلحے کے نام پر کوئی ناخن تراش بھی برآمد نہیں ہوا۔

"کیا تمہارا تعلق نیو اورلینز پولیس سے ہے؟" ہاتھ بلند کرنے والوں میں سے ایک شخص نے دریافت کیا۔

"نہیں" ٹائیگر بولا۔

"کیا تم گلف لینڈ کے گرگے ہو؟"

"نہیں" ٹائیگر نے مُسکراتے ہوئے کہا۔ اُن کے غیر مسلح ہونے سے وہ یہ اندازہ لگا چکا تھا کہ یہ بوٹسے کے گرگے نہیں ہو سکتے۔ اب اُسے یہ تجسس تھا کہ آخر ان کا تعلق ہے کہاں سے؟

"تب پھر تم ہمیں جانے دو" پال نامی شخص بولا۔ "ہماری یہاں موجودگی سو فیصد قانونی ہے۔ ہمارے پاس پریڈ کا اجازت نامہ موجود ہے اور ہم ایک احتجاجی مظاہرہ کرنے جا رہے ہیں۔ اگر ہمارے ساتھ کوئی زیادتی کرو گے تو ہم پولیس سے رابطہ کریں گے۔"

"مگر تم لوگ ہو کون؟" ٹائیگر نے سخت لہجے میں دریافت کیا۔

گروپ میں سے دو افراد آگے بڑھ آئے۔

"میرا نام پال نیلسن اور اس کا نام گولڈن ہے" اُن میں سے ایک نے اپنا اور اپنے ساتھی کا تعارف کرایا۔ "ہمارا تعلق گرین ارتھ موومنٹ سے ہے، ہم گرین ارتھ کے ایک مظاہرے کے لیے یہاں جمع ہوئے ہیں۔"

"یہ درست ہے" اُس کے پارٹنر نے فوراً تائید کی۔

"پہلے ہمارا پروگرام مردی گراس ختم ہونے کے بعد بدھ کے روز کرنے کا تھا لیکن جہاز کی غرقابی کے بعد اس کے اوقات تبدیل کر دیے گئے۔ ہمارا خیال ہے کہ اس وقت ہمیں نسبتاً زیادہ کوریج ملے گی تم ہمارے پیغام کے بارے میں تو جانتے ہی ہو گے؟"

"وہ کیا ہے؟"

"یہ کہ گلف لینڈ یا کوئی اور شخص سی فارمنگ کے بارے میں اگر کوئی بات کرتا ہے یا جواز پیش کرتا ہے تو وہ غلط کہتا ہے" پال نے اپنی تنظیم کے پروگرام کی وضاحت کی۔ "یہ لوگ مچھلیاں پکڑ کر اور سمندری پانی میں مختلف کیمیاوی مادّوں کی آمیزش کے ذریعے سمندری زندگی کو تباہ کر رہے ہیں اور ایک دن ایسا آئے گا جب سمندر، خوراک کے سلسلے میں تہی دامن ہو چکا ہو گا۔"

"اس کے علاوہ" پال کے ساتھی نے فوراً بولنا شروع کر دیا۔ "اگر کسی پروڈکٹ پر گلف لینڈ کی طرح کسی ایک ہی ادارے کی اجارہ داری ہو گی تو قیمتیں خود بخود بڑھیں گی اور وہ شے غرباء کی دسترس سے دُور ہو جائے گی۔ یہ سرمایہ داری کا ایک اور نظام ہے جو ہم پر تھوپنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔"

"مظاہرہ کب شروع ہونے والا ہے؟" ٹائیگر نے پال سے دریافت کیا۔

پال نے گھڑی دیکھی۔ "اب سے کوئی گھنٹہ بھر بعد، لیکن کیوں؟"

ٹائیگر کے ذہن میں ایک اور منصوبہ پرورش پا رہا تھا جس کے ذریعے بوٹسے پر ایک اور ضرب لگائی جا سکتی تھی۔ "میں بھی تمہارے ساتھ شامل ہونے کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔"

✦

ٹائیگر کے اندازے کے مطابق مظاہرین کی تعداد دو سو سے زائد ہی تھی۔ تمام لوگوں نے مختلف رنگوں کے کپڑے اور ماسک پہن رکھے تھے تاکہ انہیں شناخت نہ کیا جا سکے۔ ٹائیگر نے اپنے لیے نپولین دَور کے جلاد کا لباس اور خوفناک چہرے کا ماسک پسند کیا تھا۔

ٹائیگر کا خیال تھا کہ مظاہرین نے ماسک پولیس سے شناخت کے ڈر سے پہنے تھے کیونکہ اُسے نیو اورلینز پولیس ڈپارٹمنٹ کے کئی پولیس مین وہاں گھومتے دکھائی دے رہے تھے۔ وہ اپنے طور سے مظاہرین پر نگاہ رکھے ہوئے تھے لیکن اب تک انہوں نے کسی کام پر معترض ہونے کی کوشش نہیں کی تھی۔

گرین ارتھ کے اراکین نے مختلف پلے کارڈز اور بینرز اُٹھا رکھے تھے جن پر گلف لینڈ کے خلاف نعرے درج تھے۔ ایک منچلے نے ٹائیگر کو بھی ایک احتجاجی پرچم پکڑنے کو کہا لیکن اُس نے اُن پمفلٹس کی تقسیم کو اپنے لیے بہتر پایا جو اس موقع کی مناسبت سے شائع کیے گئے تھے۔

پانچ راستوں والے چوک کو پار کر کے مظاہرین ریجس

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

اسٹریٹ پر داخل ہوئے۔ وہ ڈرم پیٹتے اور نعرے بجاتے سیشلے اسٹریٹ کی طرف جا رہے تھے جہاں سے وہ وہارف کی طرف پلٹ جاتے۔ بہت سے لوگ مظاہرین کو دیکھنے فٹ پاتھوں پر جمع ہو گئے تھے شاید اُن کے ذہن میں تھا کہ یہ بھی مروی گراس کی کوئی تقریب ہے۔

"ہمارے سمندروں کو بچاؤ... ہمارے سمندروں کو بچاؤ۔"

تھوڑی تھوڑی دیر بعد آواز اُبھرتی اور تمام مظاہرین بیک زبان اس کا جواب دیتے۔ اُن پر رفتہ رفتہ جیسے جنون سا طاری ہوتا جا رہا تھا۔

بالآخر جلوس گلف لینڈ فشریز کارپوریشن کے گزی دروازے تک پہنچ گیا۔ راستے میں انہیں کسی مزاحمت وغیرہ کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔ دروازے کے سامنے انہوں نے نیم دائرہ بنا لیا اور ایک پرجوش نوجوان بُل ہارن لیے کود کر اُن کے سامنے آ گیا۔

"تم لوگوں کے دن گنے جا چکے ہیں۔" وہ بُل ہارن میں بولا۔ ساتھ ہی اُس نے ہاتھ سے گلف لینڈ کے دفاتر کی طرف اشارہ کیا۔ "اپنے جوائم سے تائب ہو جاؤ اور یہ یاد رکھو کہ ہم تنہا نہیں۔ گزشتہ شب جو کچھ ہوا وہ محض ایک نمونہ تھا۔ سمندروں کی آبروریزی بند کرو ورنہ تباہ کر دیے جاؤ گے۔"

ٹی وی کیمرے آن تھے اور وہ اُس پرجوش نوجوان کے ایک ایک لفظ اور ایک ایک حرکت کو ریکارڈ کر رہے تھے اور وہ اچھل اچھل کر اپنے ساتھیوں کے جذبات بھڑکا رہا تھا۔

گلف لینڈ کے دروازے پر متعین محافظوں کی مدد کے لیے مزید مسلح افراد آ گئے تھے۔ انہوں نے موٹر سائیکل ہیلمٹ پہن رکھے تھے۔ اسلحہ کندھوں پر تھا جب کہ ہاتھوں میں بڑے بڑے پائپ تھے جن سے پانی اور بھاپ پورے پریشر کے ساتھ پھینکی جا سکتی تھی۔

انہوں نے مظاہرین پر آوازے کسنے شروع کر دیے اور سخت لہجے میں انہیں واپس جانے کے لیے کہنے لگے۔ مظاہرین میں سے اُن کی باتوں کا جواب دیا گیا اور بہت جلد نوبت تلخ کلامی اور گالم گلوچ تک پہنچ گئی۔

گرین ارتھ کے مظاہرین مشتعل ہو رہے تھے۔ عورتوں اور بچوں نے زوردار آوازوں میں چیخنا شروع کر دیا جب کہ مردوں نے زیادہ تواتر کے ساتھ نعرے لگانے شروع کر دیے۔

"انہیں ہلاک کر دو... ان کا گلا کاٹ دو... ان کا خون کر دو۔"

پورا مجمع طرح طرح کے نعرے لگا رہا تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے اُن کے جذبات اب قابو میں نہیں رہے۔ یہ صورتِ حال دیکھ کر پُرجوش نوجوان نے بُل ہارن ایک اور گروپ لیڈر کو تھما دیا۔

"یاد رکھو، دوستو! یہ ایک پُرامن مظاہرہ ہے۔ ہم یہاں اپنے سمندروں کو محفوظ رکھنے کے لیے آئے ہیں۔"

"سمندر کے دشمنوں کو مار ڈالو۔" مجمع نے جواب دیا۔

"سنو، دوستو! سنو!" اُس کی آواز لوگوں کے نعروں میں دبتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ "بعض دشمن قوتیں ہمارے درمیان موجود ہیں اور وہ ہمیں ہمارے نصب العین سے ہٹانے کی کوششیں کر رہی ہیں لیکن صبر و ضبط کا دامن ہاتھ نہ چھوڑیں۔ مظاہرے کو پُرامن رکھیں اور اپنے سمندروں کو بچائیں۔"

ایسے میں ٹائیگر اِدھر اُدھر لوگوں سے سرگوشیاں کرتا پھر رہا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے مجمع میں ابال اُسی کا پیدا کیا ہوا ہو۔ وہ اپنے گروپ لیڈر کی کوئی بات سننے کو تیار نہ تھے۔ گروپ لیڈر کو علم تھا کہ اگر ہنگامہ شروع ہو گیا تو عورتیں اور بچے کچلے جائیں گے اور یہ لوگ خود کو ہی نقصان پہنچا لیں گے۔

گروپ لیڈر کی بے چین نظریں اِدھر اُدھر گھومنے لگیں۔ وہ کسی ایسے شخص کی تلاش میں تھا جو صورتِ حال کو قابو میں کر سکتا۔ وہ تیزی سے اِرد گرد کا جائزہ لے رہا تھا اور بالآخر اُس کی نگاہیں طویل قامت اور قوی الجثہ نوجوان پر جا ٹکیں جس کی کلائیاں غیر معمولی طور پر چوڑی تھیں۔

اُس نے فوراً آگے بڑھ کر بُل ہارن ٹائیگر کو تھما دیا اور سرگوشی کے انداز میں اُسے کچھ کہنے لگا۔

"گرین ارتھ کے دوستو! سنو۔" ٹائیگر کی بھاری جھکم آواز اُبھری تو مجمع پر ایک لمحے کے لیے سکوت چھا گیا۔ "مجھے آپ کے جذبات کا اندازہ ہے، آپ جو بھی کرنا چاہتے ہیں میں اُس میں رکاوٹ نہیں ڈالوں گا لیکن میں درخواست کروں گا کہ اس سے پہلے عورتوں اور بچوں کو عقبی حصے میں بھیج دیا جائے تاکہ وہ کسی نقصان سے محفوظ رہ سکیں۔"

لوگوں نے حیرت انگیز طور پر ٹائیگر کی ہدایات کی پابندی کی۔

"گزشتہ رات..." ٹائیگر چند ثانیوں کے توقف سے پھر کہہ رہا تھا۔ "صرف آغاز تھا جس نے ہمیں آگے بڑھنے کا راستہ دکھایا ہے۔ ہم اتنی قوت و طاقت رکھتے ہیں کہ اپنے سمندروں کو تباہ کرنے والوں کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیں چلو دوستو! باڑ کی طرف بڑھو۔ گیٹ کی جانب..."

ٹائیگر کے الفاظ ابھی مُنہ میں ہی تھے کہ ہجوم کا پہلا ریلا مرکزی دروازے سے ٹکرایا۔ دوسری جانب کھڑے ہوئے محافظوں

نے کوشش کی کہ کسی طرح دروازہ کھلنے نہ دیا جائے لیکن ہجوم اُن سے کہیں زیادہ بپھرا ہوا اور مشتعل تھا۔ ذرا ہی دیر میں دروازے کی زنجیریں ٹوٹ گئیں اور ہجوم اندر داخل ہو گیا۔

"اُن وحشیوں کو ہلاک کر دو جنہیں ہم نے محافظوں کے طور پر بھرتی کیا تھا۔" انٹون کولبرٹ گارڈ کمانڈر برہ ہاڑ اجو اُس کے پاس یہ خبر لے کر آیا تھا کہ مظاہرین نے دروازے پر حملہ کر دیا ہے۔

گارڈ کمانڈر نے کچھ کہنے کی کوشش کی لیکن انٹون کولبرٹ نے ہاتھ اُٹھا کر اُسے بولنے سے منع کر دیا۔ "دفع ہو جاؤ۔" وہ حلق کے بل دہاڑا اور گارڈ کمانڈر مزید بے عزتی کروانے کے بجائے احکامات کی تعمیل کرنے چل دیا۔

کولبرٹ کا ذہن تیزی سے حالات کا جائزہ لے رہا تھا۔ پہلے ٹائیگر نامی چھلاوے نے اُن کے کئی آدمی ہلاک کر دیے تھے پھر رات تین بجے جہاز تباہ ہو گیا تھا۔ کہیں وہی شخص تو اس مظاہرے کو بھی آرگنائز نہیں کر رہا۔ کولبرٹ نے ایک لمحے کے لیے یہ بات سوچی لیکن پھر خود ہی اسے مسترد بھی کر دیا کیونکہ اُس کے خیال میں کوئی شخص اتنی جلدی اتنے سارے لوگوں کو اکٹھا نہیں کر سکتا تھا۔

"ایک منٹ سنو۔" کولبرٹ نے باہر جاتے ہوئے گارڈ کمانڈر کو آواز دی۔ "میں بھی تمہارے ساتھ چل رہا ہوں۔"

وہ تیزی سے سیڑھیاں اُترتا ہوا کارپوریشن کے وسیع و عریض صحن کی طرف بڑھا جہاں اب ایک دوسرے پر ٹوٹتی ہوئی اینٹیں، پتھر اور بوتلیں برسائی جا رہی تھیں۔ دو افراد زخمی ہو کر گر چکے تھے۔

اچھا ہوا میں آ گیا۔ کولبرٹ نے سوچا اور جلدی جلدی اپنے لوگوں کو ہدایتیں دینے لگا۔ اُس کی تیز نگاہیں مظاہرین پر مرکوز تھیں۔ اُس نے ایک طویل قامت شخص کو دیکھا جو ادھر اُدھر گھوم کر شاید لوگوں کو ہدایات دے رہا تھا۔ جانے کیوں کولبرٹ کو محسوس ہوا کہ یہی وہ شخص ہے جسے پی کے، ٹائیگر کے نام سے مخاطب کرتا ہے۔

اُسی وقت ایک محافظ نے اُسے پکارا۔ وہ چونک کر مڑا۔ محافظ اُس سے ہدایات لینے آیا تھا۔ کولبرٹ نے اُسے ایک جملہ کہا اور پھر اُدھر مڑا جدھر ذرا دیر پہلے ٹائیگر موجود تھا... لیکن یہ کیا؟ وہ شخص وہاں سے غائب ہو چکا تھا۔

کولبرٹ نے اِدھر اُدھر دیکھا لیکن وہ شاید کوئی چھلاوہ ہی تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے اُسے زمین نگل گئی ہو۔ وہ بے قرار نگاہوں سے ایک ایک چہرے کا جائزہ لے رہا تھا لیکن وہاں کچھ نہیں تھا۔

"میرے ساتھ آؤ، کولبرٹ!" دائیں جانب سے ایک بھاری بھرکم سرگوشی سنائی دی تو کولبرٹ یوں اُچھلا جیسے بچھو نے ڈنک مار لیا ہو۔

وہی شخص اُس کے ساتھ لگا کھڑا تھا۔

"مائی گاڈ!" کولبرٹ کے حلق سے کراہ سی خارج ہو گئی۔ اُس نے کچھ کہنا چاہا لیکن ٹائیگر نے کچھ اس انداز میں اُسے گھور کر دیکھا کہ وہ فوراً خاموش ہو گیا۔

"چلو!" ٹائیگر دوبارہ پھنکارا اور کولبرٹ بغیر کسی مزاحمت کے واپسی کے لیے مڑ گیا۔ ٹائیگر اُس کے پیچھے پیچھے تھا۔ دونوں کار رُخ پر وسیسنگ پلانٹ اور آفس بلڈنگ کے عقب میں واقع ایک سیکنڈری ڈاک کی طرف تھا جو گزشتہ دس سال سے استعمال میں نہیں تھا۔

کولبرٹ کے ذہن میں یہی تھا کہ اب ٹائیگر نامی شخص اُسے بھی ہلاک کر دے گا۔

"کہاں جا رہے ہو، باس؟" اچانک عقب سے ایک سکیورٹی مین کی آواز سنائی دی۔

"اپنے کام سے مطلب رکھو۔" کولبرٹ کے بجائے ٹائیگر نے پلٹ کر جواب دیا۔ "ہمیں وہاں کسی کی موجودگی کا شک ہوا ہے۔"

سکیورٹی مین خاموش ہو گیا اور دونوں آگے بڑھ گئے۔

"ہاں، کولبرٹ!" غیر استعمال شدہ شیڈ کے نیچے پہنچ کر ٹائیگر نے اپنے شکار کو مخاطب کیا۔ "مجھے ہیری مروی ڈاکس کے بارے میں معلومات درکار۔"

"میں لعنت بھیجتا ہوں۔" کولبرٹ نے تیزی سے اُس کا جملہ کاٹا۔ "ابھی چیخ کر محافظوں کو بلا لوں گا اور وہ تمہاری تکا بوٹی کر دیں گے۔"

ٹائیگر نے دائیں ہاتھ کی دو اُنگلیوں سے اس کی شہ رگ پکڑ لی۔ "صرف آنکھ کے اشارے سے تمہاری سانسوں کی ڈور کٹ سکتی ہے۔" وہ پھنکارا۔ "اپنے جبالوں کا انجام تم پہلے ہی دیکھ چکے ہو۔ اگر تم چاہتے ہو کہ کچھ دن اور زندہ رہو تو مجھے میرے سوالوں کا جواب دو۔"

کولبرٹ کا دم گھٹ رہا تھا۔ کہنے کو وہ دو اُنگلیاں تھیں لیکن اُسے یوں لگ رہا تھا جیسے دُنیا جہان کا بوجھ اُس کی گردن پر لاد دیا گیا ہو۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"ہم... میں نے اُسے نہیں مارا۔" کولبرٹ کراہا۔ "وہ... وہ... پی کے تھا۔"

ٹائیگر نے دھکا دے کر اُسے زمین پر گرا دیا۔ کولبرٹ گھٹنوں کے بل نیچے گرا۔ اُسے شدید چوٹ آئی تھی۔ اُس نے اُٹھنے کی کوشش کی لیکن ٹائیگر نے اُسے پھر زمین پر پٹخ دیا۔ "گلہ بولو۔" وہ دہاڑا۔

اور کولبرٹ کو اسی میں اپنی عافیت نظر آئی کہ وہ ٹائیگر کے سوالوں کے جواب دے دے۔

اُس نے بتایا کہ پیری روبی ڈاکس نے کرنسی کے جعلی ہونے کے بارے میں بعض باتوں کا پتا چلا لیا تھا اور وہ چاہتا تھا کہ اس بارے میں حکومت کو آگاہ کر دے۔ انہیں اس بارے میں پیری اور گاسٹن ریوی کے گھر میں نصب خفیہ ٹرانسمیٹروں کے ذریعے علم ہوا تھا۔ انہیں یہ بھی پتا چلا کہ اُس نے صدر رامریکے کے نام بھی ایک خط لکھا ہے جس میں اُن کی توجہ جعلی کرنسی کے شاخسانے کی طرف دلائی گئی ہے لیکن انہوں نے اسے کوئی خاص اہمیت نہیں دی تھی کیونکہ وہ جانتے تھے کہ صدر کے پاس ایک عام سے ملاح کی شکایت پر کان دھرنے کی فرصت نہیں ہے۔

اس کے باوجود پٹریکیو اور انٹون کولبرٹ نے پیری کا کانٹا نکالنے کا فیصلہ کر لیا۔ ان دونوں نے جمعہ کی صبح پیری کو اُس کی کشتی پر پکڑ لیا اور اُس کے سینے میں چھرا گھونپ کر غائب ہو گئے۔ دونوں کو اس بات کا قطعی علم نہیں تھا کہ پیری کی بیٹی انجلیک رات سے بوٹ پر موجود ہے اور اس وقت پچھلے حصے میں سو رہی ہے۔ ان لوگوں کے درمیان ہونے والی جدوجہد نے اُسے یقیناً جگا دیا تھا جب مقامی پولیس کشتی پر پہنچی تو وہ اپنے باپ کے پاس بیٹھی تھی۔ اُس نے بوٹسے اور گاف لینڈ کو اپنے والد کی موت کا ذمے دار قرار دیا۔

کارلوسانٹینی چونکہ بوٹسے کا تنخواہ دار اور وفادار شخص تھا اس لیے اُس نے جو تحقیقات کی اُس سے یہ حادثہ ثابت ہوا لیکن بوٹسے کو جانے کیوں یہ یقین سا ہو گیا کہ بوڑھا پیری مرنے سے پہلے اپنی بیٹی کو جعلی کرنسی کے بارے میں بعض اہم باتیں بتا گیا ہے اس لیے انجلیک کو قتل کرنے کی کوشش کی گئی۔

کولبرٹ نے اور بھی بہت سی باتیں بتائیں لیکن ان میں سے بیشتر پہلے سے ٹائیگر کے علم میں تھیں۔ جب اُس نے دیکھا کہ اب کولبرٹ کے پاس بتانے کو کچھ نہیں بچا تو وہ دوبارہ اُس پر جھکا۔

کولبرٹ اُسے دیکھتے ہی جی جان سے کانپ گیا۔ وہ سمجھ گیا کہ اُس کا آخری وقت آ پہنچا ہے۔

"نن... نہیں، خدا کے لیے..." وہ گھگیایا۔ "تت... تم نے وعدہ کیا تھا..."

"بعض اوقات میں جھوٹ بھی بولتا ہوں۔" ٹائیگر سفاکی سے مسکرایا۔

کولبرٹ ہمت کر کے زمین سے کھڑا ہو گیا۔ "ہم... ہم... میں تمہیں اور ہب... بھی... بتا سکتا ہوں... پپ... پلیز..."

"جلدی بولو!"

"وہ آج پیری کی تدفین کے موقع پر انجلیک کو گولی مارنے والے ہیں۔" کولبرٹ تیزی سے بولا۔ "پی کے اور چار دوسرے... بوٹسے نے حکم دیا ہے کہ انجلیک کو فوری طور پر گولی مار دی جائے... میں قسم کھاتا ہوں... میں نے سچ کہا ہے... پلیز مجھے مت مارو..."

"اس ریاست میں کسی کو قتل کرنے پر موت کی سزا دی جاتی ہے نا؟" ٹائیگر نے دریافت کیا۔

کولبرٹ نے غیر شعوری طور پر اثبات میں سر ہلا دیا۔

"بس تو پھر مسئلہ حل ہو گیا۔" ٹائیگر نے سفاکی سے کہا۔ "تم پیری کے قاتل ہو اور قاتل کی سزا موت ہے۔"

کولبرٹ کی آنکھیں اُس کے حلقوں سے اُبل پڑیں۔ اُس نے چیخنے کی کوشش کی لیکن چیخ حلق میں ہی گھٹ کر رہ گئی کیونکہ ٹائیگر نے ایک بار پھر اُس کی شہ رگ پکڑ لی تھی۔ دو سیکنڈ کے اندر اندر کولبرٹ مردہ جسم کی صورت زمین پر گر پڑا۔

ٹائیگر نے ہاتھ جھاڑے اور شیڈ کے دروازے کی طرف بڑھا۔ اُس نے دروازہ کھولا لیکن وہیں ساکت ہو گیا۔ اعشاریہ ۳۸ کے برٹیا کی سیاہ نال اُس کی طرف اُٹھی ہوئی تھی۔

اس ننھے سے لیکن مہلک پستول کی دوسری جانب اُس شخص کا بدصورت چہرہ تھا جسے وو فیٹ لنگز نامی چینی نے ٹائیگر کو زندہ پکڑنے کے لیے کرایے پر بلایا تھا اور وہ ایک بار ٹائیگر کو زخمی بھی کر چکا تھا۔

"میرے ساتھ آؤ پیارے! کرایے کے قاتل کے بدصورت ہونٹوں سے نرم آواز ابھری۔ "تمہاری زندگی اب اسی صورت میں باقی رہ سکتی ہے کہ تم میرے ساتھ چل دو۔"

"شاید میں ایسا نہ کر سکوں۔" ٹائیگر نے دونوں ہاتھ کمر پر رکھ

لیے۔ "میں بہت معروف آدمی ہوں اور اس وقت ایک تدفین میں شرکت کے لیے جا رہا ہوں۔"

"اور اگر میں اس کی اجازت نہ دوں تو..." چینی نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"تو...!" ٹائیگر نے اس کے جملے کا آخری لفظ دہرایا اور اس سے پہلے کہ وہ بدصورت قاتل صورتحال کا اندازہ کر سکتا۔ ٹائیگر کے دونوں ہاتھ اپنی کمر سے ہٹ کر اس کی کنپٹی آئے۔ ایک سیکنڈ کے لیے قاتل فضا میں نظر آیا اور پھر کمر کے بل پندرہ فٹ دور جا گرا۔ اُس کا بدبیٹا وہیں گر گیا تھا جہاں محض دو سیکنڈ قبل وہ ٹائیگر کو نشانے پر لیے کھڑا تھا۔

گرنے سے قاتل کے بالائی جسم کے گوشت اور ہڈیوں کا ملغوبہ سا بن گیا۔ وہ ذبح کیے جانے والے بھینسے کی طرح چیخا اور وہیں ساکت ہو گیا۔ ٹائیگر نے ہونٹ سکیڑ کر اُس کی طرف دیکھا اور پستول کو ٹھوکر مارتا ہوا اُس سمت بڑھ گیا جہاں اُس کی کار موجود تھی۔

**

ٹائیگر نے تدفین کی مناسبت سے سیاہ سوٹ زیب تن کیا اور ہر ممکن تیز رفتاری سے گرانڈ ایزل کی طرف چل دیا۔ کسے پہلے ہی تاخیر ہو چکی تھی اس لیے وہ ڈر رہا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ جب وہ پہنچے تو پیری روبی ڈاکس کی تدفین عمل میں آ چکی ہو۔

مذہب کا ٹائیگر کی زندگی میں کچھ زیادہ عمل دخل نہ تھا لیکن وہ اُس سے دور بھی نہیں تھا۔ کار دوڑاتے ہوئے اُسے بے اختیار پہلے موت اور پھر اوشان کے جملے یاد آ گئے جو وہ بیشتر مواقع پر اُس سے کہہ چکا تھا۔

"مذہب انسان کی اساس ہے، شہزاد۔" اوشان بالکل فلاسفروں والے انداز میں کہتا۔ "جو شخص مذہب سے دور ہوا، یوں سمجھو کہ وہ اپنی اساس کھو بیٹھا۔"

"مگر آپ بھی تو مذہب سے دور ہیں، ٹل فادر!" ٹائیگر اُسے یاد دلاتا۔

"تم مذہب کو سمجھے کیا ہو؟" اوشان چڑ سا جاتا۔ "عقائد اور رسوم کے مجموعے کا نام ہی مذہب ہے، ارے نامعقول! ان عقائد اور رسوم سے چمٹے رہنے والے ہی مذہب پرست نہیں

پُراسرار علوم کے ماہر

نوجوان امجد علی کی

پراسرار اور عبرت انگیز

داستان

روگی

م۔ الف صدیقی کے پراسرار قلم سے

5 حصوں میں شائع ہو گئی ہے

قیمت فی حصہ -/60 روپے

قیمت سیٹ -/300 روپے

ناشر

مکتبہ القریش، سرکلر روڈ

اُردو بازار، لاہور۔2

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ہوتے بلکہ ان کا احترام کرنے والے بھی مذہبی شمار ہوتے ہیں۔"

اور ظاہر ہے ٹائیگر کے پاس اوشان کی اس دلیل کا کوئی جواب نہیں ہوتا تھا لیکن وہ اتنا ضرور جانتا تھا کہ اوشان سچ کہتا ہے۔

اوشان یہ بھی کہا کرتا تھا کہ موت برحق ہے اور ہر وہ شخص جو اس دنیا میں آیا ہے، واپس جائے گا۔ اس جہان میں کسی کو ثبات نہیں۔ سب کچھ فانی ہے ہاں صرف ایک شے غیر فانی ہے اور وہ شے... وہ قوت ہے جسے ہم اور تم خالق کائنات کے نام سے پکارتے ہیں۔

مسلمان ہونے کے ناتے خود ٹائیگر کو بھی اس امر سے انکار نہ تھا بلکہ یہ تو اس کا ایمان تھا کہ ہر ذی روح کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔ آج پیری ریوی ڈاکس کی تدفین پر اُسے یاد آیا تھا کہ ایک دن اُسے بھی مٹی ہو جانا ہے۔

جب وہ سیمٹری پہنچا تو بادری، عبادت ختم کرنے والا تھا۔ ٹائیگر کی موجودگی میں اُس نے بس ایک آدھ جملہ ہی کہا اور پھر تدفین کی دوسری رسومات شروع ہو گئیں۔

ٹائیگر کی عقابی نگاہیں اردگرد کا جائزہ لے رہی تھیں۔ لیکن اب تک گلف لینڈ کے کسی بدمعاش کو وہ تلاش نہیں کر پایا تھا۔ البتہ گاسٹن ریوی نے اُسے آگاہ کیا کہ جنازے کے جلوس کا تعاقب ہو تا رہا ہے۔

انجلیک بھی اُسے دیکھ کر تیر کی طرح اُس کے پاس آئی اور چند باتیں کر کے واپس چلی گئی۔ ٹائیگر نے اُسے بطور خاص اپنی نگاہوں میں رکھا تھا کیونکہ آنے والوں کا اصل نشانہ وہی تھی۔

اب تابوت کو قبر کی طرف لے جایا جا رہا تھا۔

ٹھیک اُسی وقت ٹائیگر کی نگاہ اُن پر پڑی۔ وہ تعداد میں چار تھے اور اُن کی بغلوں کا ابھار بتا رہا تھا کہ اُن کے پاس ریوالور بھی ہیں۔ پیٹر گیولازمی طور پر وصیل مین کے فرائض انجام دے رہا تھا۔

ٹائیگر دھیرے سے مسکرایا اور بظاہر ٹہلتا ہوا اُن کی طرف بڑھا۔ "ہیلو دوستو!" اُس نے انہیں مخاطب کیا۔ "کیا تم مرنے والے کے دوست ہو؟"

"ہاں۔" ایک بدمعاش نے جواب دیا اور دوسری طرف دیکھنے لگا۔

ٹائیگر کو ذرا فاصلے پر ایک کھلا مقبرہ نظر آ رہا تھا۔ اُس نے اپنی آواز کو حتی المقدور دھیما کرتے ہوئے دوبارہ انہیں مخاطب کیا۔ "میرا نام ٹائیگر ہے۔ اگر تم چاروں اپنی زندگی چاہتے ہو تو اس مقبرے میں داخل ہو جاؤ۔" اُس نے ہاتھ سے اُن کی مخالف سمت اشارا کیا۔

ٹائیگر کا نام سنتے ہی چاروں کے چہرے کی رنگت اڑ گئی۔ وہ اِس نام سے اچھی طرح واقف تھے اور جانتے تھے کہ جب یہ شخص خالی ہاتھ اُن کے پندرہ بہترین افراد کو موت کے گھاٹ اُتار سکتا ہے تو یہ چاروں تو اُس کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھے۔

چاروں سر جھکوڑائے خاموشی کے ساتھ مقبرے میں داخل ہو گئے۔ ٹائیگر نے اُن کے ریوالور لے کر مقبرے کی چھت پر پھینک دیے اور باہر نکل کر دروازہ مقفل کر دیا۔ اُسے یقین تھا کہ آخری رسومات کی ادائیگی تک وہ باہر نہیں نکل سکیں گے۔

کچھ دیر بعد ٹائیگر جب دوبارہ قبر کی طرف جا رہا تھا تو اُسے ذرا فاصلے پر پیٹر گیو نظر آیا جو کار میں بیٹھا وہاں موجود ایک شخص کے چہرے کا جائزہ لے رہا تھا۔

ٹائیگر ذو معنی انداز میں مسکرا دیا۔ وہ جانتا تھا کہ پی کے ر اپنے آدمیوں کا انتظار کر رہا ہے۔ اُن آدمیوں کا انتظار جنہیں وہ مقبرے میں بند کر آیا ہے۔

**

تدفین سے فارغ ہو کر ریوی فیملی نے ایک ریسٹورنٹ میں کھانا کھایا جس کے بعد ٹائیگر انہیں لے کر ڈاکس روانہ ہو گیا تاکہ ریوی کی کشتی کرسٹی کا جائزہ لے سکے۔ جگر فلوبرٹ، لوبی ریوی اور انجلیک، اُن کے ہمراہ تھے۔

"یہ خلیج کی تیز رفتار کشتیوں میں سے ایک ہے۔" گاسٹن نے فخریہ انداز میں ٹائیگر کو بتایا۔ "اسے میں نے اور جگر نے اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے۔ یہ بہت بڑی تو نہیں لیکن ہے بہت ہی اچھی۔"

"یہ واقعی خوبصورت ہے، گاسٹن۔" ٹائیگر نے اُسے آگاہ کیا۔ "اس پر کتنا کروبوجھ ہے؟"

"ویسے تو اسے چار کی ضرورت ہے لیکن میں جگر کے ساتھ صرف ایک آدمی اور رکھتا ہوں۔"

ٹائیگر کی تجویز پر تمام افراد کشتی پر چلے گئے۔ ذرا دیر بعد ہی وہ نیٹ شیڈ کے نیچے کرسیوں پر بیٹھے آپس میں باتیں کر رہے تھے۔

"میں تم لوگوں کو یہاں اس لیے لایا ہوں کہ یہاں خفیہ ٹرانسمیٹر فٹ نہیں۔" ٹائیگر نے اپنے ساتھیوں کو آگاہ کیا۔ "میں سمجھتا ہوں کہ موجودہ قضیے کو ختم کرنے کا سب سے بہترین طریقہ یہ ہے کہ پیری نے جو کچھ کہا تھا اُس پر عمل کیا جائے۔ تم چاروں اس بارے میں

بہت کچھ جانتے ہو۔ اس نے کوئی نہ کوئی ایسا اشارا ضرور دیا ہو گا جس سے ہمیں آگے بڑھنے میں مدد مل سکتی ہے... انجلیک..." وہ لڑکی کی طرف مڑا۔ "اس بات میں اب کوئی شبہ نہیں رہ گیا کہ بوکشے ہر حال میں قتل کروانے کا خواہش مند ہے کیونکہ اُسے شک ہے کہ تم اُس مقام کے بارے میں جانتی ہو جہاں پیری نے اُس کے خلاف ثبوت چھپائے ہیں۔"

"لیکن میں اس بارے میں کچھ نہیں جانتی۔" اُس نے احتجاج کیا۔ "میں پہلے ہی تمہیں سب کچھ بتا چکی ہوں۔"

"میں جانتا ہوں۔" ٹائیگر نے اثبات میں سر ہلایا لیکن شاید کوئی اور اس بات پر یقین نہ کرے، ہم ایک بار پھر ساری امور تحمال کا جائزہ لیتے ہیں۔ اُس وقت سے جب اُس نے تمہیں صدر امریکہ کو خط لکھنے کے بارے میں آگاہ کیا تھا۔ کوئی لفظ... اشارا... یا کوئی ایسی بات جس سے پیری کی خفیہ جگہ کا پتا چل سکے؟"

انجلیک کا سر جھک گیا اور آنسو اُس کے دودھیا رخساروں پر بہنے لگے۔ "وہ... اُس... نے کبھی نہیں... حتیٰ کہ اُن لوگوں کے نام بھی نہیں بتائے جنہوں نے اُسے مارا تھا... وہ... صرف گزرے دنوں کے بارے میں باتیں کرتا رہا۔ تدفین کے دوران اُس نے صبر و ضبط کا جو بند باندھا تھا وہ بہ نکلا اور وہ بری طرح سسکنے لگی۔ اُس کا پورا جسم جھٹکے لے رہا تھا۔

ٹائیگر غور سے انجلیک کو دیکھتا رہا۔ اُس کے خیال میں اُس کی یہ حالت محض چند منٹ کے لیے تھی لیکن جب انجلیک کا رونا دھونا کچھ زیادہ ہی طویل ہو گیا تو وہ چیخ اٹھا۔ "بند کرو یہ رونا دھونا۔" اُس نے لڑکی کو بُری طرح ڈانٹ دیا۔ "فی الوقت جو میں نے پوچھا ہے وہ تمہارے آنسوؤں سے زیادہ قیمتی ہے۔ یاد رکھو اگر بوکشے اپنے منصوبوں میں کامیاب ہو گیا تو پورے ملک کی عیشت تباہ ہو کر رہ جائے گی۔ اس وقت ملک شدید بحران سے دوچار ہے اور اُس تین سالہ بچی کی طرح آنسو بہا رہی ہو جس کی ٹافی کھو گئی ہو۔ اپنے آپ کو سنبھالو اور ہماری مدد کرو۔"

انجلیک کے جسم نے کچھ اور جھٹکے لیے لیکن پھر اُس نے خود کو سنبھال لیا۔ اُس نے ہاتھ کی پشت سے آنسو صاف کیے اور بڑی بڑی آنکھیں اٹھا کر ٹائیگر کو دیکھنے لگی۔ اُس کی آنکھوں میں کوئی چمک سی اگر معدوم ہو گئی۔ یہ وہ چمک تھی جو اُس رات پیدا ہوئی تھی جب وہ ٹائیگر کے ساتھ اُس کے ہوٹل میں رہی تھی۔

ٹائیگر نے بھی انجلیک کی بدلتی ہوئی حالت دیکھی لیکن اُسے بھلا ایسی باتوں کی کیا پروا تھی۔ اُس کا جی تو چاہا کہ کوئی اور سخت بات کہے لیکن یہ سوچ کر خاموش ہو گیا کہ کہیں یہ اُلٹی سیدھی لڑکی کچھ اور ہی نہ کر بیٹھے۔

انجلیک ایسی نگاہوں سے ٹائیگر کی طرف دیکھ رہی تھی جیسے وہ بھی اُسے اپنی بانہوں میں بھرے گا اور اُن سخت الفاظ پر معذرت کرے گا جو اُس نے ابھی ابھی کہے تھے لیکن جب ٹائیگر کی طرف سے کوئی ردعمل ظاہر نہ ہوا تو انجلیک نے ایک طویل سانس لی اور دھیرے دھیرے بولنا شروع کیا۔

"وہ میرے بچپن کی باتیں کرتا رہا۔" انجلیک نے انہیں آگاہ کیا۔ "اُس نے بتایا کہ اسے گلف لینڈ کے آدمیوں نے مارا ہے لیکن اُس نے اُن میں سے کسی کا نام نہیں بتایا۔ اُس نے مجھے بھی محتاط رہنے کو کہا کہ کہیں اُسے مارنے والے میرے پیچھے نہ پڑ جائیں۔ اُس نے بتایا کہ ثبوت پوشیدہ ہے اور کوئی اس بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ اُس نے مجھے بتایا کہ وہ مجھ سے پیار کرتا رہا ہے۔ اُس نے مجھے اپنے لیے دعا مانگنے، رہنے کو کہا اور پھر مر گیا۔"

شیڈ میں کچھ دیر کے لیے خاموشی چھا گئی۔ کوئی کچھ نہ بولا۔ صرف لوبی نے سیٹی کے انداز میں وہ گیت گنگنانا شروع کر دیا جو سیمٹری میں پیری کی تدفین کے وقت بجایا گیا تھا۔

"یہ گیت وہی ہے نا جو پیری کی تدفین کے وقت بجایا گیا تھا۔" ٹائیگر نے دریافت کیا۔ "اس کے بول کیا ہیں؟"

لوبی ایک دم یوں خاموش ہو گیا جیسے اُس سے کوئی بہت بڑی غلطی سرزد ہو گئی ہو۔

"یہ اُس کا پسندیدہ گانا تھا۔" گاسٹن نے ٹائیگر کو بتایا۔

"یہ بچپن میں مجھے یہ گیت سنایا کرتا تھا۔" انجلیک بولی۔ "مرنے سے پہلے بھی وہ یہی گیت گنگنا رہا تھا۔ اُس نے مجھے تاکید کی تھی کہ میں اس گیت کو ہمیشہ یاد رکھوں، کیونکہ... کیونکہ یہ میرے لیے بہت اہم ثابت ہو سکتا ہے۔"

"لیکن اس کا نام کیا ہے؟"

"خلیج انجلیک۔" لوبی نے سہمے ہوئے انداز میں کہا۔

"اوہ!" ٹائیگر فوراً بول اٹھا۔ "میرا خیال ہے کہ میں نے وہ جگہ ڈھونڈ نکالی ہے جہاں پیری نے ثبوت چھپایا ہے۔"

**

وہ سب کے سب ناقابل یقین انداز میں ٹائیگر کو دیکھ رہے تھے اور پھر انہوں نے بیک وقت بولنا شروع کر دیا۔

ٹائیگر نے انہیں ہاتھ اٹھا کر خاموش ہو جانے کا اشارا

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کیا۔ "اس گانے کے بول کیا ہیں؟" اُن کے چپ ہو جانے پر اُس نے پوچھا۔ "ویسے تو یہ عجیب سی بات ہے لیکن جانے کیوں مجھے یقین ہے کہ خلیج انجلیک نامی گیت میں پیری کا کوئی اشارا چھپا ہوا ہے۔"

"اس کے بول تو فرانسیسی میں ہیں، میں تمہیں انگریزی میں اس کا مرکزی خیال بتاتا ہوں۔" گاسٹن نے کہا۔ "یہ ایک نوجوان مچھیرے کا گیت ہے جو کسی خوبصورت لڑکی سے پیار کرتا ہے۔ وہ چمکتے چاند اور اپنی روشن بخت کا تذکرہ کرتا ہے۔ یہ لڑکی خلیج کے ساحل کے پاس ایک چھوٹی سی جھیل کے کنارے رہتی ہے۔ جھیل کا پانی لڑکی کے چہرے کی مانند شفاف، اُس کے جسم کی طرح پیارا ہے اسی لیے پھر اجب بھی فارغ ہوتا ہے اُسی لڑکی کو دیکھتا رہتا ہے لیکن پھر اس خوشیوں بھرے گیت پر غم غالب آجاتا ہے۔ لڑکی بیمار ہو جاتی ہے۔ موجودہ دور میں تم اسے طبیریا کہہ سکتے ہو لیکن وہ لڑکی اس سے مرجاتی ہے۔ وہ اسے جھیل کے پہلو میں دفن کر دیتا ہے لیکن ہمیشہ اُسے یاد رکھتا ہے۔"

"کیا یہاں واقعی خلیج انجلیک جیسی کوئی جگہ موجود ہے؟" گاسٹن کے خاموش ہونے پر ٹائیگر نے پوچھا۔

"ہاں، ہے تو!"

"جب میں چھوٹی تھی تو ڈیڈی مجھے وہاں لے جایا کرتے تھے۔" انجلیک نے بتایا۔

"کیا تمہیں وہاں کی کوئی بات یاد ہے؟"

"بس صرف یہی کہ اُن دنوں جھیل کا پانی گیت میں بتائے گئے پانی کی طرح صاف اور شفاف تھا لیکن آج کل ایسا نہیں ہے۔" ماضی کو یاد کر کے انجلیک اتنی پُرجوش ہو گئی تھی کہ وہ اپنی ذرا دیر پہلے کی حالت بھی بھول گئی تھی۔

"یہ جگہ کہاں واقع ہے؟"

"یہاں سے شمال کی جانب۔" گاسٹن نے جواب دیا۔ "ڈیوا خلیج سے آگے۔"

"ہمیں وہاں پہنچنے میں کتنی دیر لگے گی؟"

"کشتی سے جانا پڑے گا۔" انجلیک نے بتایا۔

"کرسٹی پر دو گھنٹے کا سفر ہے۔" گاسٹن نے ٹائیگر کو آگاہ کیا۔ "جگز..!"

"میں کرسٹی کو تیار کرنے میں جگز کی مدد کرتا ہوں۔" ببی نے تیز درمیان سے ہی اُچک لیا۔ "اس طرح ہم جلد روانہ ہو سکیں گے۔"

"تم نہیں جا رہے، بیٹے۔" گاسٹن نے اُسے آگاہ کیا۔ بولٹنے کے آدمی یقیناً ہماری نگرانی کر رہے ہوں گے۔ اگر وہ واقعی ارد گرد موجود ہیں تو خاصی خطرناک بات ہے۔"

ببی کے چہرے پر مایوسی کی تاریکی پھیل گئی۔ وہ فوراً ٹائیگر کی طرف متوجہ ہوا لیکن اس سے پہلے کہ اُس سے کچھ پوچھتا، ٹائیگر نے نفی میں سر ہلا دیا۔

ببی نے مرجھکا لیا لیکن پھر اچانک ہی اُس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ "میں تم لوگوں کی واپسی تک پیری کے پاس ٹھہر جاؤں؟"

کسی کے جواب کا انتظار کیے بغیر وہ ایک سمت چل دیا۔

ٹائیگر اپنی جگہ سے اٹھ کر کشتی کا جائزہ لینے لگا۔ ایک کیبن کو دیکھنے کے بعد وہ پلٹا تو انجلیک اُس کے سامنے موجود تھی۔ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز تھیں اور یوں لگ رہا تھا جیسے دوبارہ رو دے گی۔ ٹائیگر مسکرایا اور آگے بڑھ کر اُس کے کندھوں پر ہاتھ رکھ دیے۔ اُس نے انجلیک کو قریب کرنے کی کوشش کی لیکن وہ ایک قدم پیچھے ہٹ گئی۔ "م... میں... یہ سب... ہم... م... مگر... کیوں؟"

انجلیک سے بولا نہیں جا رہا تھا۔ ٹائیگر کو افسوس سا ہوا کہ اُس نے ایک ننھی سی لڑکی کا دل توڑ دیا۔ اُس نے آگے بڑھ کر انجلیک کو پکڑا اور اپنے قریب کر لیا۔

"اوہ، انجل! آئی ایم سوری۔" ٹائیگر نے اپنے ہونٹ اُس کے بالوں پر رکھ دیے۔ "میں تم سے کچھ نہ کچھ کہلوانا چاہتا تھا۔ دراصل وقت بے حد کم تھا اور تم جانتی ہو کہ یہ مشن..."

"مشن!" انجلیک نے اُسے جملہ مکمل نہیں کرنے دیا۔ "تم نے ہر شے کو مشن پر قربان کر دیا؟ تمہیں دنیا کی کسی شے کا احساس نہیں رہ گیا؟ کیا تم جذبات سے بھی بے بہرہ ہو؟ کیا اُس رات ہوٹل کے کمرے میں جو کچھ ہوا وہ بھی مشن کا حصہ تھا؟"

ٹائیگر چند ثانیے خاموش کھڑا رہا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس پاگل سی لڑکی کو کیا جواب دے؟

"انتقام کے بارے میں کیا خیال ہے، انجل؟" ٹائیگر نے دھیرے سے کہا۔ "کیا تم اپنے والد کے قاتلوں سے بدلہ نہیں لینا چاہتیں؟ انہوں کو ببرٹ اور پی کے نامی دو افراد نے پیری کو ہلاک کیا تھا۔ میں جلد از جلد پیری کا بدلہ لینا چاہتا ہوں۔ اسی لیے تم سے سخت کلامی..."

انجلیک فوراً آگے بڑھ کر ٹائیگر سے لپٹ گئی۔ "اوہ مائی ڈارلنگ!" وہ سسکیاں لینے لگی۔ "م... میرا یہ مطلب نہ تھا... میں اب

بھی تم سے پیار..."

"اوہ بے وقوف!" ایک تیسری آواز سنائی دی اور انجلیک تڑپ کر ٹائیگر کے بازوؤں سے نکل گئی۔ آنے والا گاسٹن ہی تھا۔ "اتنی بے قراری بھی کیا ہے کوئی جگہ تو دیکھ لیا کرو۔"

انجلیک تو جھینپ کر فوری طور پر دوسری طرف چل دی۔ البتہ ٹائیگر مسکراتا رہا۔ "کیا پوزیشن ہے؟" اُس نے گاسٹن کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے پوچھا۔

"ہم روانہ ہو رہے ہیں۔" گاسٹن نے جواب دیا اور انجن روم کی طرف بڑھ گیا جہاں جگز انجن اسٹارٹ کر چکا تھا اور روانگی کے لیے سگنل کا منتظر تھا۔

اگلے پانچ منٹ بعد وہ پوری رفتار سے خلیج انجلیک کی طرف رواں دواں تھے۔

کوئی پانچ میل تک تو کوئی خاص بات نہ ہوئی لیکن پھر انہیں جگز کی آواز سنائی دی۔ "کلف لینڈ کی ایک بوٹ ہمارا پیچھا کر رہی ہے۔"

ٹائیگر یکلخت گلاس اونٹنگ پر جھک گیا۔ نیلے رنگ کی ایک بوٹ کچھ فاصلہ دے کر کرسٹی کے ساتھ ساتھ بھاگ رہی تھی۔

"مجھے پہلے ہی یقین تھا کہ وہ کرسٹی کی نگرانی کر رہے ہیں۔" گاسٹن منمنایا۔ "ارے جگز! ذرا اس کا نام تو دیکھنے کی کوشش کرو۔"

جگز نے اسٹار بورڈ انجن کے اوپر سے بوٹ کی طرف دیکھا۔ "ابیس۔" اُس نے چند ثانیوں بعد اعلان کیا۔

گاسٹن نے قہقہہ لگایا۔ "تب تو کرسٹی اُس کو بغیر ڈکار لیے ہضم کر جائے گی۔"

ٹائیگر جلدی جلدی انہیں ہدایات دینے لگا۔ اُس نے گاسٹن کو پیٹرول کے کین، لوہے کے راڈ اور ربڑ کے وہ تھیلے عرشے پر لانے کی ہدایت کی جن میں مچھلیاں بھری جاتی تھیں۔ خود اُسے ایک کونے میں شراب کی بہت سی خالی بوتلیں نظر آگئی تھیں۔

گاسٹن کو ان چیزوں کی طلبی پر بہت حیرت ہوئی لیکن اُس نے کسی اعتراض کے بغیر اس کی تعمیل کی۔ کچھ ہی دیر بعد بعد ٹائیگر کا مطلوبہ سامان اوپر پہنچ چکا تھا۔

گاسٹن اپنے ساتھ صرف سامان ہی نہیں ببی کو بھی لایا جو لیری کے پاس جانے کی بجائے مچھلیوں کے کنوئیں میں چھپ گیا تھا۔ گاسٹن اُس پر بے حد ناراض ہو رہا تھا لیکن ٹائیگر نے جب ببی کی طرف داری کی تو وہ خاموش ہو گیا۔

"کوشش کرو کہ جاتے ہوئے ابیس سے تصادم نہ ہو پائے۔" ٹائیگر نے جگز کو ہدایت کی۔ "واپسی پر ان سے نمٹیں گے۔"

جگز نے تائید ی انداز میں سر ہلایا اور انجن روم کی طرف چل دیا جبکہ ٹائیگر اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔

ابیس کچھ فاصلہ دے کر مسلسل اُن کے تعاقب میں تھی۔ ابھی تک اُس جانب سے کسی نے الجھنے یا راکاٹ ڈالنے کی کوشش نہیں کی تھی جگز یکساں رفتار سے کرسٹی کو چلا رہا تھا۔

دو گھنٹے بعد جب جگز نے اپنی منزل پر پہنچنے کا اعلان کیا تو ابیس بدستور تعاقب میں تھی۔ جگز لانچ کو ساحل پر لے آیا لیکن ابیس کچھ سمندر میں ہی رُک گئی تھی۔

ٹائیگر بھی اس اثنا میں اپنا کام مکمل کر چکا تھا۔ اُس نے بہت سے پٹرول بم بنائے تھے اور ربڑ اور لوہے کے راڈوں کی مدد سے تیر کمان تیار کیے تھے۔ وہ یہ سوچ رہا تھا کہ ابیس نے اگر اُن پر حملہ کرنے کی کوشش کی تو اُسے پٹرول بموں سے جواب دیا جائے گا۔

اُن کی مطلوبہ جھیل کے کنارے ایک جھونپڑی بنی ہوئی تھی۔ یہ ویسی ہی جھونپڑی تھی جیسی گیت میں کہی گئی تھی۔ ٹائیگر کچھ دیر تک جھونپڑی کے اردگرد کا جائزہ لیتا رہا۔ پھر اُس نے سب کو مختلف جگہوں پر کھدائی کا اشارا کیا اور خود بھی کام میں مصروف ہو گیا۔

ایک گھنٹے کے اندر اندر انہوں نے جھونپڑی کے چاروں طرف وہ ہر ممکن جگہ کھود ڈالی تھی جہاں کچھ دفن ہو سکتا تھا۔ لیکن ناکامی کے سوا کچھ نظر نہ آیا تھا۔

"مجھے اب بھی یقین ہے کہ گانا بے معنی نہ تھا۔" ٹائیگر نے تھکن سے چُور اور پسینے میں تر اپنے ساتھیوں کو آگاہ کیا۔ "تمہارا کیا خیال ہے؟" اُس نے گاسٹن سے پوچھا۔

"میرے نزدیک تو گانا صرف مچھلی کے شکار، اُن دونوں کی محبت اور چاندنی سے متعلق ہے۔" گاسٹن نے جواب دیا اور جگز نے فوراً سر ہلا کر اُس کی تصدیق کی۔

"نہیں، ایک منٹ ٹھہرو۔" انجلیک بولی۔ "گانے کے اگلے بول یہ ہیں کہ جب وہ اپنی محبوبہ کو مرے ہوئے دیکھتا ہے تو اسے دفنا نے لے جاتا ہے۔"

"کہاں؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"ناریل کے ایک بہت بلند درخت کے نیچے۔"

"اوہ!" ٹائیگر نے چاروں طرف کا جائزہ لیا۔ "ہر درخت

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کے نیچے کھدائی کی جائے۔"

اور تیسرے پڑے درخت کی تہ سے انہیں اپنی مطلوبہ شے مل گئی۔ یہ دس انچ کی گہرائی پر دفن کیا ہوا ایک چھوٹا سا پیکٹ تھا جسے سلوفین میں اچھی طرح لپیٹ دیا گیا تھا۔

ٹائیگر نے پیکٹ کھولا جبکہ باقی تمام لوگ شہد کی مکھیوں کی مانند اُس کے گرد جمع تھے۔ پیکٹ کے اندر بیس اور پچاس ڈالر کے پندرہ نئے اور کرارے نوٹوں کے علاوہ ان نوٹوں کے بعض حصوں کی اندرر جنٹیں اور پیری کی اپنی ہینڈ رائٹنگ میں ایک طویل تحریر موجود تھی۔

ٹائیگر نے تحریر کو پہلے خود پڑھا اور پھر بلند آواز سے دوسروں کو سنا دیا۔

پیری روبی ڈاکس نے لکھا تھا کہ وہ چونکہ ایک زمانے میں سکے جمع کرنے کا شوقین رہا تھا اس لیے اُس نے نوٹوں کے جعلی ہونے کا پتا چلا لیا تھا۔ پہلے پانچ نوٹ سو فیصد جعلی تھے۔ وہ بالکل نئے اور کرارے تھے۔ یوں لگ رہا تھا جیسے بینک سے براہِ راست اُس تک پہنچے ہوں۔ مگر یہ ۱۹۳۴ء کے چھپے ہوئے پرانے نوٹ تھے جب سلور سرٹیفکیٹ چلا کرتے تھے۔ ان دنوں جو نئے نوٹ چل رہے تھے۔ وہ ۱۹۵۰ء کی سیریز کے تھے۔ اس لیے اسے قدرتی طور پر حیرت ہوئی کہ اتنے پرانے ہونے کے باوجود نوٹ کھلی مارکیٹ میں نہیں گئے تھے۔ یہ بظاہر ناممکن سی بات تھی۔ دوسری بات جس سے وہ چونکا۔ وہ روشنائی تھی جس سے نوٹوں پر نمبر اور سیریل نمبر لگائے گئے تھے۔ ان نوٹوں پر بہت ہی ہلکے سبز رنگ سے ڈیزائن طبع کیا گیا تھا جبکہ گہرے سبز رنگ سے نمبر اور مہر لگائی گئی تھی جبکہ اس وقت مارکیٹ میں موجود نئے نوٹوں پر نمبر اور مہر پیلے رنگ کی تھیں۔ یہی وہ نوٹ تھے جن کی واپسی کا لوئنے نے تقاضا کیا تھا۔

مزید ایک ہفتے بعد پیری کو مچھلی پکڑنے کا معاوضہ انہی دس نوٹوں کی شکل میں ادا کیا گیا۔ وہ البتہ ہر لحاظ سے مکمل تھے لیکن اُن کی عبارت میں پیری کو کچھ گڑبڑ محسوس ہوئی تھی۔ یہی وہ نوٹ تھے جن میں سے ایک اُس نے صدر امریکہ کو بھجوایا تھا۔

پیری یہ نوٹ ایک فوٹوگرافر دوست کے پاس لے گیا جس نے ان کی تصویریں بنائی تھیں جب اُس نے نوٹوں کو انلارج کیا تو ان کی خامیاں ابھر کر سامنے آگئیں۔ ہر تصویر کی پشت پر فوٹوگرافر کا اپنا نوٹ درج تھا۔

ٹائیگر نے ایک تصویر کو پلٹا اور لکھی ہوئی عبارت بلند

سینکڑوں انسانوں کے
خوفناک قتل

مشہورِ زمانہ ٹھگ امیر علی کی
سنسنی خیز داستان

انسان
اور
شیطان

محمد فراز

2 حصوں میں شائع ہو گئی ہے

قیمت فی حصہ -/75 روپے
مکمل سیٹ -/150 روپے

ناشر
مکتبہ القریش۔ سرکلر روڈ
اردو بازار لاہور۔2

آواز سے پڑھنے لگا۔

"یہ نوٹ سو فیصد جعلی ہیں۔ انہیں آف سیٹ مشین پر چھاپا گیا ہے جبکہ امریکی حکومت اس مقصد کے لیے آف سیٹ مشینیں استعمال نہیں کرتی۔"

اُس کے بعد جان نامی اس فوٹوگرافر نے تفصیل کے ساتھ لکھا تھا کہ آف سیٹ سے نوٹ چھاپنے سے اُن میں کیا کیا خامی رہ سکتی ہے اور وہ تمام خامیاں ان نوٹوں میں نہ صرف پائی گئی تھیں بلکہ فوٹوگرافر نے ان کا سراغ بھی لگا لیا تھا۔

عبارت کے نیچے ایک بڑی ربڑ اسٹمپ کے نشان بھی تھے جس پر نیو اور لینز نیں اس فوٹوگرافر کی دکان کا پتا، نام اور فون نمبر درج تھا۔

"اب ہمارا مقصد حل ہوا۔" ٹائیگر نے اپنے ساتھیوں کو بتایا۔ "کل تم لوگوں میں سے دو افراد ہیلن روچ جائیں اور انارکی جنرل اور سیکرٹ سروس سے ملیں۔"

"نیو اور لینز کے دفتر میں کیوں نہیں جا؟"

"اس میں اس بات کا امکان ہے کہ لوئنے کے آدمی تمہیں دیکھ لیں گے اور گولی سے اڑا دیں گے۔ تم لوگ یہ کام کرو جبکہ میں گلف لینڈ سے مزید دو دو ہاتھ کر لوں۔"

ٹائیگر کو اطمینان تھا کہ جونہی وہ لوگ سیکرٹ سروس تک پہنچیں گے ایس ایس اپنا کام شروع کر دے گی اس صورت میں لوئنے کی بے گناہی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا کیونکہ لوئنے کے خط سمیت اُن کے پاس کافی ثبوت تھے کہ لوئنے کیوبا کے ساتھ مل کر بعض ملک دشمن سرگرمیوں میں ملوث ہے۔

"اب یہاں سے چلا جائے، ہمیں ابھی بہت سے کام نمٹانے ہیں۔" ٹائیگر نے انہیں ہدایت کی اور کرسٹی کی طرف بڑھا۔ باقی لوگوں نے اُس کی تقلید کی تھی۔

چند میل تک کچھ نہیں ہوا۔ ابیس البتہ بدستور کرسٹی کے تعاقب میں تھی۔ فاصلہ بھی پہلے جتنا ہی تھا لیکن پھر رفتہ رفتہ ابیس نے کرسٹی کے قریب آنا شروع کر دیا۔

جگر نے بڑے حواس باختہ انداز میں ٹائیگر کو اس سے آگاہ کیا لیکن وہ بڑے اطمینان سے کھڑا رہا۔ اُس نے جگر کو پوری توجہ کنٹرول پر رکھنے کی ہدایت کی اور خود اُس طرف چل دیا جہاں اُس نے اپنے تیر کمان اور ہیڑول بم رکھ چھوڑے تھے۔

"کرسٹی کے سوار متوجہ ہوں۔" دفعتہً ابیس سے ہیلن

کے ذریعے انہیں مخاطب کیا گیا۔ "میری ہدایات پر عمل کیا جائے ورنہ تم لوگوں کو مرنا ہو گا۔!"

"یہ فل ڈوبوٹس کی آواز ہے۔" گاسٹن چلا اٹھا۔

"بوٹ، ابیس کے قریب لے چلو۔" ٹائیگر نے بیچ کر جگر کو ہدایت دی۔ اُس نے فوراً عمل کیا۔

ابیس نے کرسٹی کو قریب آتے دیکھا تو اُس پر موجود گلف لینڈ کے غنڈوں نے فائر کھول دیا۔ بہت سی گولیاں تو ہوا میں اِدھر اُدھر منتشر ہو گئیں لیکن کچھ گولیاں کرسٹی کے اسٹرن بورڈ زاور فین ٹیل پر لگیں۔

جگر انجنوں کے درمیان بیٹھا اُن کا آئل لیول چیک کر رہا تھا۔ ابیس کی طرف اس کی پشت تھی۔ وہ جونہی اپنے کام سے فارغ ہو کر اٹھا۔ ابیس پر سے چلائے جانے والے ایک برسٹ نے اُس کے سر کے چیتھڑے اڑا دیے۔ گولیاں پیٹرکیو نے چلائی تھیں۔ جگر بُری طرح چیخا اور پُرشور آواز کے ساتھ عرشے پر گرا۔ اگلے ہی لمحے وہ بے حس و حرکت ہو چکا تھا۔ اُس کے سر کے ننھے منے چیتھڑے اور خون کے لوتھڑے زور زور سے رنگ پھیل گئے تھے۔

انجلیک جگر کو گرتے دیکھ کر بری طرح چیخی اور پلٹ کر بھاگنے پر تل گئی۔ گاسٹن جو انجن روم کے دوسری طرف موجود تھا۔ بھاگ کر جگر اور انجلیک کی مدد کو آیا لیکن پیٹرکیو کے دوسرے برسٹ نے اُسے راستے میں ہی گرا لیا۔ شکر ہوا کہ باقی برسٹ تو ہوا میں منتشر ہو گیا۔ صرف ایک گولی گاسٹن کے بائیں شانے کو ادھیڑتی گزر گئی۔

گاسٹن ہلکی سی چیخ کے ساتھ وہیں گر گیا۔

انجلیک بدستور چیخ رہی تھی۔ ٹائیگر بھاگ کر اُس تک پہنچا۔ اگلے ہی لمحے اُس نے انجلیک کو جھنجھوڑ ڈالا۔ وہ صورتحال کا اندازہ کر چکا تھا۔ جگر مر چکا تھا۔ گاسٹن زخمی ہو کر ناکارہ ہو چکا تھا جبکہ انجلیک اُس کے بازوؤں میں سسکیاں لے رہی تھی اور بوبی انسائر اڑا نہیں تھا کہ کوئی خاص کارنامہ انجام دے سکتا۔

کرسٹی اب بے قابو ہو رہی تھی۔ ابھی تک وہ ناک کی سیدھ میں بھاگ رہی تھی لیکن ٹائیگر جانتا تھا کہ جلد ہی لہریں اُسے بے جان تنکے کی مانند اِدھر اُدھر اچھالنے لگیں گی۔

"اگلی۔" اُس نے جھک کر انجلیک کے کان میں سرگوشی کی۔ "خود کو سنبھالو جان، نہیں تو ابیس والے ہمیں بھون کر رکھ دیں گے۔"

"میں کیا کروں۔" انجلیک سسکیوں کے درمیان بولی۔ "جگر مر

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

گیا اور گاسٹن..."

"کچھ نہیں ہوا، وہ ٹھیک ہے۔" ٹائیگر نے اُس کا جملہ کاٹ دیا۔ "تم صرف یہ کرو کہ وھیل سنبھال لو۔ کرسٹی کو ہمیں کے قریب لے چلو، باقی میں دیکھ لیتا ہوں۔" پھر وہ کچھ دور موجود لوبی کی طرف مڑا جو پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس سارے منظر کو دیکھ رہا تھا۔ "تم انجلی کی مدد کرو۔"

لوبی فوراً آگے بڑھ آیا اور انجلیک کو لے کر وھیل پر پہنچ گیا۔

ٹائیگر اُس حصے میں آگیا جہاں اُس نے اپنے خود ساختہ ہتھیار جمع کر رکھے تھے۔ اُس نے لوہے کی راڈ سے بنے ہوئے تیر کے ساتھ پٹرول بم باندھ لیا اور انجلیک کو ہدایات دینے لگا۔ انجلیک ہر ممکن طور پر کوشش کر رہی تھی کہ کشتی کو ہمیں کے اتنا قریب لے جائے کہ شہزاد اُس پر پٹرول بم پھینک سکے۔

ٹائیگر بھی اس تاک میں تھا کہ ہمیں اُس کی برچھی میں آ جائے اور بالآخر ایک مرحلے پر اُسے یہ موقع مل ہی گیا۔ اُس نے فوراً کمان سیدھی کی۔ تیر کے ساتھ بندھی بوتل گولی کی رفتار سے زیادہ تیزی کے ساتھ ہمیں کی طرف بڑھی۔

بم عرشے کے قریب گرا۔ دھماکہ ہوا اور وہاں آگ بھڑک اٹھی۔ ہمیں سے فائرنگ کرنے والے بوکھلا کر عرشے کی طرف بھاگے۔ ٹائیگر نے ان کی بوکھلاہٹ سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ ذرا ہی دیر میں سات پٹرول بم ہمیں کے مختلف حصوں کو آگ کے الاؤ میں تبدیل کر چکے تھے۔

ہمیں پر موجود افراد آگ بجھانے کی کوششوں میں مصروف تھے لیکن سمندر کی تیز ہوا ان کی تمام تدبیروں کو الٹنے میں مصروف تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے آگ ہمیں کے پٹرول ٹینکس تک جا پہنچی۔ کان پھاڑ دینے والا دھماکہ ہوا اور ہمیں کے چیتھڑے اڑ گئے۔

**

منگل کی صبح ٹائیگر، فوٹو گرافر سے ملا۔ جان نے انجلیک کے ساتھ ٹہلین روچ جا کر سیکرٹ سروس اور انٹارنی جنرل کو جعلی کرنسی کے بارے میں آگاہ کرنے پر آمادگی ظاہر کر دی۔

انجلیک نے فوٹو گرافر کے ساتھ جانے پر احتجاج کرتے ہوئے کیس ختم ہونے تک نیدا اور لینرز میں رُکنے پر اصرار کیا تھا لیکن ٹائیگر نے سختی سے اُسے جانے کی نہ صرف ہدایت کی بلکہ اپنے سامنے روانہ بھی کیا۔

گذشتہ شام گاسٹن کے فیملی ڈاکٹر نے اُس کی مرہم پٹی کر دی تھی اور اب اُس کی حالت خطرے سے باہر تھی۔ کندھے کا صرف

پرتھل

قمر اجنالوی قیمت:-/125

گوشت پھٹا تھا جبکہ ہڈی محفوظ تھی۔

بنگر کی لاش عارضی طور پر ایک مُردہ گھر میں رکھوا دی گئی تھی۔ گاسٹن فوری تدفین پر بضد تھا لیکن ٹائیگر نے اُسے مشن کے اختتام تک مؤخر کرنے پر رضامند کر لیا تھا۔

اس سے فارغ ہو کر ٹائیگر پھر گاسٹن کو ساتھ لے بیٹھا۔ اب مسئلہ کیوبا کے اُس جہاز کا تھا جو جعلی کرنسی لے کر آ رہا تھا اور جسے بوشنے کھلے سمندر میں جا کر حاصل کرنے والا تھا۔

"میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ یہ تبادلہ بین الاقوامی سمندر میں ہوگا۔" ٹائیگر نے گاسٹن کو بتایا۔ "جو جہاز وہ استعمال کریں گے اُس کا نام لاابیلا ہے۔ یہ طے ہے کہ وہ گلف لینڈ کی گودی سے روانہ ہوں گے لیکن یہ پتا نہیں کہ کب اور کس راستے سے روانہ ہوں گے۔"

"ہم مغربی کنارے کے ساتھ سفر کرتے ہوئے لاابیلا پر نگاہ رکھ سکتے ہیں۔" گاسٹن نے تجویز پیش کی۔

"اچھی تجویز ہے۔" ٹائیگر نے اثبات میں سر ہلایا۔ "تو پھر کرسٹی کو ہم ابھی سے مطلوبہ مقام پر لے جاتے ہیں۔"

نصف گھنٹے بعد وہ دونوں کرسٹی پر مغربی کنارے کے ساتھ ساتھ آگے بڑھ رہے تھے۔ دو گھنٹے بعد وہ لوگ گلف لینڈ ڈاکس سے پانچ میل دور ایک پرانا بوٹ جیٹی پر موجود تھے۔

سورج غروب ہونے میں تین گھنٹے باقی تھے جب لاابیلا نے گودی چھوڑ کر اپنے سفر کا آغاز کیا۔ انہوں نے کھلے سمندر میں جانے کے لیے ہارو کینال کا راستہ اختیار کیا جس کی وجہ سے وہ لازمی طور پر کرسٹی کے سامنے سے گزرتے۔ اس طرح ٹائیگر اور گاسٹن کو آسانی کے ساتھ اُن کا تعاقب کرنے کا موقع مل جاتا۔

لاابیلا اُن کے سامنے سے گزرا تو سمندر پر دور دور تک تاریکی اپنے پنجے گاڑ چکی تھی۔ گاسٹن نے کرسٹی کے انجن اسٹارٹ کیا اور مناسب فاصلہ رکھ کر لاابیلا کا تعاقب شروع کر دیا۔

پونے تین گھنٹے کے سفر کے بعد وہ بین الاقوامی سمندر تک پہنچنے کے لیے نصف فاصلہ طے کر چکے تھے لیکن ٹھیک اسی وقت گاسٹن نے محسوس کیا کہ لاابیلا نے زگ زیگ انداز میں آگے بڑھنا

شروع کر دیا۔

"میرے خیال میں انہیں ہمارے تعاقب کا پتا چل گیا ہے۔" اُس نے ٹائیگر کو آگاہ کیا۔

"تمام روشنیاں فوری طور پر گل کر دو۔" ٹائیگر نے ہدایت کی۔

گاسٹن نے تمام روشنیاں گل کر کے کرسٹی کو آگے بڑھانا شروع کر دیا۔

لاابیلا کچھ دیر تو زگ زیگ انداز میں آگے بڑھتا رہا لیکن پھر شاید انہیں یقین ہو گیا کہ تعاقب ختم ہو گیا ہے یا انہوں نے سوچا ہو کہ تعاقب والے پیچھے رہ گئے ہیں چنانچہ جہاز پھر سیدھا چلنا شروع ہو گیا۔

"کرسٹی کو زیادہ سے زیادہ قریب لے چلو۔" ٹائیگر نے گاسٹن کو آگاہ کیا۔

"شہزاد۔" اچانک گاسٹن نے ٹائیگر کو مخاطب کیا! "میرے پاس آنسو گیس کے کچھ شیل موجود ہیں، اگر وہ کسی کام آ سکیں تو بولو۔"

"آنسو گیس کے شیل؟" ٹائیگر نے حیرت سے پوچھا۔ "مگر تمہارے پاس کہاں سے آئے؟"

"دراصل وہ ہیری کی ملکیت تھے۔ حفاظتی نکتہ نگاہ سے اُس نے انہیں میرے پاس رکھوا چھوڑا تھا۔"

ٹائیگر کے دماغی کمپیوٹر نے فوراً ہی حکمت عملی ترتیب دے لی۔ "ٹھیک ہے، میں وھیل سنبھالتا ہوں، تم گرینڈ اور گن لے آؤ۔"

گاسٹن فوراً کھسک لیا جبکہ ٹائیگر نہایت احتیاط کے ساتھ کرسٹی کو لاابیلا کے قریب لے جانے میں مصروف ہو گیا۔ بالآخر وہ جہاز کے اتنی نزدیک پہنچ گئی کہ آنسو گیس کا شیل باآسانی عرشے پر پھینکا جا سکتا۔

تب تک گاسٹن بھی لوٹ آیا۔ اُس کے پاس ایک ایم ۷۹ رائفل اور ٹیر گیس شیلوں کا ایک تھیلا تھا۔

ٹائیگر نے سر کے اشارے سے اپنا کام کرنے کی ہدایت کی اور گاسٹن نے ایم ۷۹ میں پہلا شیل لوڈ کر لیا۔ ٹائیگر نے کرسٹی کا زاویہ درست کیا اور گاسٹن نے شیل فائر کر دیا۔ پہلا شیل بوٹ سائیڈ پر گرا جبکہ باقی تین پائلٹ ہاؤس اور عرشے پر گرے۔ ہلکے ہلکے دھماکے ہوئے اور پھر دھوئیں نے لاابیلا کے کچھ حصے کو گھیر لیا۔

ٹائیگر نے مطمئن انداز میں سر ہلایا اور گاسٹن کو دوبارہ وھیل سنبھالنے کا اشارہ کیا۔

"میری واپسی کا انتظار کرنا۔" ٹائیگر نے کہا اور کشتی کی ریلنگ کی طرف بڑھا۔ اس سے پہلے کہ گاسٹن اُس سے کچھ دریافت کرتا وہ سمندر میں کود چکا تھا۔

**

آنسو گیس کا پہلا شیل جس وقت بوٹ سائیڈ پر پھٹا کارلو سانٹینی لاابیلا کے ایک کیبن کے دروازے پر کھڑا تاحد نگاہ تاریک سمندر کو گھور رہا تھا۔ بلکے سے دھماکے پر اُس نے چونک کر اُدھر دیکھا اور بے اختیار چلا اٹھا۔ "آنسو گیس۔" پلٹ کر وہ کیبن کے اندر بھاگا اور اگلے ہی لمحے واش بیسن پر نظر آیا۔ اُس کے ہاتھ میں ایک تولیہ تھا جسے وہ آنکھوں پر رکھنے کے لیے بھگو رہا تھا۔ تولیہ بھگو کر اُس نے اپنی آنکھوں اور ناک کو گیلا کیا اور کوریڈور سے پائلٹ ہاؤس کی طرف بھاگا۔

لیکن اُس وقت تک آنسو گیس کے مزید شیل جہاز پر آ گرے تھے۔ ہر کوئی کھانس رہا تھا۔ لوگوں کی آنکھوں سے آنسو بہ رہے تھے اور انہیں نظر کچھ نہیں آ رہا تھا جس کی وجہ سے جہاز روک دیا گیا تھا۔

کارلو سانٹینی نے سب لوگوں کو عرشے پر جانے کا حکم دیا تاکہ کھلی ہوا میں گیس کے اثرات کم ہو سکیں۔

"یہ سب کیا ہے؟" سانٹینی کی اپنی حالت سنبھلی تو اُس نے جہاز کے کیپٹن گرڈ سے پوچھا۔

"ہمیں صرف اتنا ہی پتا ہے کہ ایک بوٹ روشنیاں جلائے بغیر ہمارے تعاقب میں تھی۔" گرڈ نے بوکھلائے ہوئے انداز میں جواب دیا۔ "اس کے بعد اچانک ہی آنسو گیس کے گولے گرنے لگے۔ ابھی ابھی یہ اطلاع بھی ملی ہے کہ فلین ٹیل سے کوئی شخص جہاز پر سوار ہوا ہے۔"

"اوہ!" سانٹینی کے ہونٹ سیٹی بجانے والے انداز میں سکڑ گئے۔ "مجھے یقین ہے کہ وہ ٹائیگر کے علاوہ کوئی نہیں ہو سکتا۔"

**

وہ ٹائیگر ہی تھا جو رات کی تاریکی میں ایک سایے کی مانند جہاز پر چڑھا تھا۔

ابھی وہ اوپر پہنچا ہی تھا کہ اُسے دو مسلح افراد نظر آئے جو کندھوں پر سب مشین گنیں لٹکائے گشت کر رہے تھے۔ کچھ فاصلے پر جا کر وہ پلٹے۔ اب اُن کا رُخ ٹائیگر کی طرف تھا۔

ٹائیگر نے یہ محسوس کر کے بھی کہ انہوں نے اُسے دیکھ لیا ہے، خود کو پوشیدہ کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ اُن دونوں نے بھی بیک وقت ٹائیگر کو دیکھا اور کندھے پر لٹکی ہوئی گنیں

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

اتارنے کی کوشش کی۔

لیکن ابھی اُن کے ہاتھ کندھوں تک بھی نہیں پہنچے تھے کہ ٹائیگر اُن کے سروں پر پہنچ گیا۔ اُس کے دونوں ہاتھوں نے خفیف سی حرکت کی اور دونوں کٹے ہوئے ٹہنیوں کی مانند خاموشی سے چوبی فرش پر آرہے۔

ٹائیگر نے دونوں کی لاشیں گھسیٹ کر ایک جانب ڈالیں اور دبے قدموں آگے بڑھا۔ اب کوئی شخص اُس کے قدموں کی آہٹ نہیں سن سکتا تھا۔ اُسے دیکھنے والا پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتا تھا کہ وہ چل نہیں رہا بلکہ ہوا میں تیر رہا ہے۔

چند ہی ثانیوں بعد وہ آفیسرز کوارٹرز کے درمیان ہی راہداری سے گزر رہا تھا۔ اچانک تین رائفل بردار موٹر مڑ کر اُس کے سامنے آگئے۔ دونے رائفلیں سیدھی کرنے کی کوشش کی جبکہ تیسرے نے چیخنے کے لیے مُنہ کھولا۔ ٹائیگر پہلے چیخنے والے کی طرف لپکا۔

اُس کی انگلی کھلے مُنہ کے اندر داخل ہو کر تالو سے ٹکرائی اور مُنہ کھولنے والا خون تھوکنے لگا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ لہرایا اور فرش پر گر پڑا۔ اُس کے دونوں ساتھی رائفلیں سیدھی کرنے کے بجائے حیرت سے مرنے اور مارنے والے کو دیکھنے لگے۔

ٹائیگر کو اُن کا انداز اچھا نہیں لگا۔

اُس نے بیک وقت دونوں کہنیں استعمال کیے اور گلف لینڈ کے دونوں حیران حیران عفریتے اپنی پسلیاں تڑوا کر راہداری کی دیواروں سے جا ٹکرائے۔ دونوں دیواروں سے ٹکرانے تک زندہ تھے لیکن جب وہ پھسل کر گرے تو اُن کی روحیں جسموں کا ساتھ چھوڑ چکی تھیں۔

ٹائیگر نے انہیں بھی گھسیٹ کر ایک طرف ڈالا اور اُن سیڑھیوں کی طرف بڑھا جو اوپر ڈیک اور پائلٹ ہاؤس کی طرف جاتی تھیں۔

**

کارلوسانیٹنی تھامسن سب مشین گن ہاتھوں میں تھامے پائلٹ ہاؤس کے دروازے پر کھڑا تھا۔

اُس کی نگاہیں اُن سیڑھیوں پر جمی ہوئی تھیں جیسے اُسے یقین ہو کہ ٹائیگر اسی راستے سے آئے گا۔

پھر اُس کے شبہات کی تصدیق ہو گئی۔

ایک سر سیڑھیوں پر نظر آیا۔ سانیٹنی نے تھامسن سیدھی کرلی۔ اُس کی اُنگلی فائرنگ بٹن پر تھی۔ وہ محض یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ آنے والا اپنا ساتھی ہے یا نہیں۔

سر کچھ اور اوپر آگیا۔ سانیٹنی فوراً پہچان گیا کہ آنے والا گلف لینڈ کا کوئی رکن نہیں۔

اُس نے فائرنگ بٹن دبا دیا۔

پورا برسٹ سیڑھیوں کی طرف بڑھا لیکن حیرت کی بات یہ تھی کہ گولیوں کے سیڑھیوں تک پہنچنے سے پہلے ہی وہ سر اپنی جگہ چھوڑ چکا تھا۔

سانیٹنی نے فائرنگ بٹن سے انگلی ہٹا کر ذرا غور سے سیڑھیوں کی طرف دیکھا . . اور یہی اُس کی زندگی کی سب سے بڑی غلطی تھی۔

وہ سَراب اُسے بالکل سامنے نظر آیا۔

مگر اب وہ صرف سر نہ تھا بلکہ مکمل جسم تھا اور یہ جسم ٹائیگر کا تھا۔

سانیٹنی نے دوبارہ فائرنگ بٹن دبانا چاہا لیکن وہ خود جیسے اڑ کر پائلٹ ہاؤس کی چھت سے جا ٹکرایا۔ اس نے ٹائیگر نامی اُس دیو کی صرف دائیں ٹانگ حرکت میں آتے دیکھی پھر وہ ٹانگ اُس کے پیٹ پر پڑی اور اُس کے بعد وہ اپنا انجام دیکھنے کے لیے زندہ نہیں رہا تھا۔

**

سانیٹنی کے مرنے کے بعد کام گویا آسان ہو گیا۔ جہاز کے کیپٹن گرڈ اور باقی ملاحوں نے غیر مشروط طور پر ٹائیگر کا ساتھ دینے کا عہد کیا۔ جب ٹائیگر نے بولنے کی اصلیت بتائی تو وہ اور زیادہ شد و مد کے ساتھ ٹائیگر کی حمایت کرنے لگے۔

انہوں نے ٹائیگر کو بتایا کہ رقم لے کر کیوبن جہاز کس وقت کہاں پہنچے گا۔ ٹائیگر اثبات میں سر ہلا کر دوسرے کاموں میں مصروف ہو گیا۔

سب سے پہلے اُس نے ملاحوں کی مدد سے کرسٹی کو لا بیلا سے باندھا اور پھر رسے کے ذریعے گاسٹن کو اوپر کھینچ لیا جہاز کا چارج اُس نے گاسٹن کو دے دیا اور خود رہینگ کے قریب آ کھڑا ہوا۔

لا بیلا اب معمولی رفتار سے آگے بڑھ رہا تھا چند ہی منٹ کے سفر کے بعد ٹائیگر کو سمندر میں ایک بہت بڑا ہیولی نظر آنے لگا۔ رفتہ رفتہ یہ ہیولی، کسی جہاز کی صورت اختیار کر گیا یہی کیوبن جہاز تھا جس سے جعلی کرنسی لا بیلا پر منتقل کی جانی تھی۔

گاسٹن نے پائلٹ ہٹ کی مدد سے کیوبن جہاز کو طے شدہ روشنی کے سگنل دیے جن کا فوری جواب دیا گیا۔ بل ہارن پر دوسری جانب سے مزید قریب آنے کے لیے کہا گیا۔

گاسٹن بڑی مہارت کے ساتھ لا بیلا کو کیوبن جہاز کے برابر لے گیا اور پھر دونوں جہازوں کو باندھ دیا گیا۔

"ہیلو کامریڈز!" کیوبا کے جہاز پر سے کسی نے پکارا۔ "تم لوگوں میں سے سینو سانیٹنی کون ہے جو اس تبادلے کا انچارج ہے؟"

"میں ہوں۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ "کارلو سانیٹنی۔"

کیوبا کے جہاز پر روشنی ہو گئی۔ ٹائیگر کو عرشے پر کیوبن فوجی صاف دکھائی دے رہے تھے۔ انہوں نے کندھوں پر خود کار اسلحہ لٹکا رکھا تھا اور کسی بھی ہنگامی صورتحال سے نمٹنے کے لیے پوری طرح تیار نظر آتے تھے۔ کئی ایک جہاز کی ریلنگ کے ساتھ آ کھڑے ہوئے تھے۔

"یہ کون سا جہاز ہے؟" کیوبن جہاز سے پوچھا گیا۔

"لا بیلا۔" ٹائیگر نے بتایا۔ "تم لوگوں کو تبدیلی کے بارے میں مطلع نہیں کیا گیا؟"

"یس۔" دوسری جانب سے جواب ملا۔

وہ کیوبن فوج کا کیپٹن تھا۔ اُس نے ہاتھ اٹھا کر اپنے عقب میں اشارہ کیا تو ڈیک پر نصب ایک چھوٹی سی کرین حرکت میں آ گئی۔ اُس نے ایک بنڈل اٹھایا اور پھر اسے لا بیلا کے کھلے عرشے پر رکھ دیا۔

اسی بنڈل میں جعلی کرنسی تھی۔

"اوہ!" اچانک ٹائیگر کو کیوبن فوجی افسر کی آواز سنائی دی۔ "میں اور میرے آدمی اتنے بوکھلائے ہوئے ہیں اور تم سے مخصوص کوڈ پوچھنا بھی بھول گئے۔"

ٹائیگر کے دماغ میں خطرے کی گھنٹی بجنے لگی۔

"ہاں تو درست۔" کیوبن افسر کہہ رہا تھا۔ "کیا میں کارلو سانیٹنی کی والدہ کا نام معلوم کر سکتا ہوں؟"

ٹائیگر کو اس جیسے سوال کی اُمید تھی۔ اُسے جہاز پر سے جو انسٹرکشن بک ملی تھی اُس میں پانچ متوقع کوڈ ورڈز درج تھے لیکن یہ سوال اُن میں شامل نہ تھا۔ اب ٹائیگر سوچ رہا تھا کہ کیا آنے والے واقعی سانیٹنی کی والدہ کا نام جانتے ہیں؟

"ماریا انجلیکا۔" بالآخر ٹائیگر بول اٹھا۔

"یہ فراڈ ہے۔" کیوبن افسر فوراً چیخا۔ "یہ سینور بولنے کے بھیجے ہوئے لوگ نہیں ہیں۔" اُس نے اپنے ہولسٹر سے پستول کھینچا۔ "فائر!"

کیوبن فوجیوں نے اپنی سب مشین گنیں سیدھی کیں اور ٹائیگر پر فائر کھول دیا۔

**

مگر ٹائیگر وہاں کہاں تھا؟

فوجیوں کی انگلیاں ٹرائیگروں پر پہنچنے سے پہلے ہی وہ کیوبن جہاز پر چھلانگ چکا تھا۔

اور پھر ٹائیگر کے اندر سویا ہوا شیر بیدار ہو گیا۔

کیوبن فوجی اپنی زندگی کا حیرت انگیز اور ناقابلِ یقین واقعہ دیکھ رہے تھے۔

ٹائیگر یوں حرکت کر رہا تھا جیسے آسمان پر بجلی چمک رہی ہو۔ وہ ایک لمحے کے لیے ایک جگہ نظر آتا اور اگلے ہی لمحے کئی گز دور موجود ہوتا۔ فوجی پوزیشن بدل بدل کر فائرنگ کر رہے تھے۔ وہ ٹائیگر کو نشانہ بناتے لیکن گولیاں چلنے تک وہ اپنی جگہ چھوڑ چکا ہوتا۔ فوجیوں نے اس کوشش میں اپنے ہی ساتھیوں کو بھون ڈالا۔ جو بچ رہے وہ موت کے ہرکارے کی نذر ہو گئے۔

بالآخر کیوبن جہاز پر خاموشی چھا گئی۔

کچھ دیر پہلے تک جو عرشہ زندگی سے بھرا ہوا تھا اب وہاں موت کی اداسی پھیل چکی تھی۔ دور دور تک لاشیں ہی لاشیں دکھائی دے رہی تھیں اور ان لاشوں کے درمیان صرف ایک بلند قامت شخص اپنے پیروں پر کھڑا تھا۔

وہ موت کا ہرکارہ تھا۔

موت کے ہرکارے نے پلٹ کر لا بیلا کی طرف دیکھا وہاں ہر شخص پتھر کے مجسمے کی طرح اُس کی طرف نگراں تھا۔

موت کا ہرکارہ مسکرایا اور دوستانہ انداز میں ان کی طرف دیکھ کر ہاتھ لہرایا۔

"فوری طور پر کرسٹی پر منتقل ہو جاؤ۔" اُس نے لا بیلا پر موجود گاسٹن اور دوسرے لوگوں کو ہدایت کی۔ "میں ان جہازوں کو آگ لگانے جا رہا ہوں۔"

وہ سیڑھیاں اتر کر انجن روم کی طرف چل دیا جتنے ہی لمحوں بعد وہ دیو ہیکل جنریٹروں کے درمیان کھڑا نظر آیا۔ اُس نے جنریٹروں کو ڈیزل فراہم کرنے والے پائپ کھینچ ڈالے ڈیزل فرش پر بہنے لگا۔ اُس نے اپنی جیب سے ماچس نکال کر ایک کپڑے کو آگ دکھائی اور اُسے بہتے ہوئے ڈیزل پر پھینک دیا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

بھنک کی آواز کے ساتھ ہی آگ نے پورے کمرے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

ٹائیگر مطمئن ہو کر دوبارہ لابیلا پر پہنچا۔ تمام لوگ اُس وقت تک کرسٹی پر منتقل ہو چکے تھے۔ اُس نے لابیلا کے ساتھ بھی وہی کچھ کیا جو کیوبن جہاز کے ساتھ کر آیا تھا۔

جب وہ کرسٹی پر پہنچا اُس وقت تک آگ دونوں جہازوں کے عرشے تک پہنچ چکی تھی۔

✣✣

مارشل بولٹنے شدید ذہنی دباؤ کا شکار تھا۔

اُس کے اردگرد جیسے جہنم اُبل رہا تھا اور وہ چومکھی لڑ رہا تھا۔ خطرات ہر جانب سے اُسے اپنی جانب بڑھتے محسوس ہو رہے تھے۔ سب سے زیادہ پریشانی اس بات کی تھی کہ صرف ایک شخص نے اُس کی برسوں کی سخت محنت کے بعد بنائی ہوئی مضبوط ترین بادشاہت کی دیواروں میں اس بُری طرح دراڑیں ڈالی تھیں کہ اب اس بادشاہت کے ساتھ ساتھ خود بولٹنے کا بچنا محال تھا۔

اِن پریشانیوں میں صرف ایک ڈھارس تھی جو اُسے سہارا دے رہی تھی اور وہ تھی جھلی کرنسی جو اُس کی توقع کے مطابق لابیلا پر محفوظ تھی۔ کرنسی کسی بھی وقت اُس تک پہنچنے والی تھی۔

اُسے سائینٹی کے پیغام کا انتظار تھا لیکن اب تک اُس نے بولٹنے سے کسی قسم کا کوئی رابطہ قائم نہیں کیا تھا۔ پھر اُسے یہ بھی خیال آیا کہ ممکن ہے سائینٹی نے اُسے بہتر محسوس نہ کیا ہو۔ یہی ایک موہوم سی اُمید تھی جسے وہ دل میں سمائے اِس وقت کارپوریشن کے محبوں کے اُس اجلاس میں بیٹھا تھا جو نئے عہدیداروں کی نامزدگی کے لیے منعقد ہو رہا تھا۔

گلف لینڈ آفس کے مین فلور پر واقع آڈیٹوریم ہی اس وقت تھکے ہوئے لیکن پرجوش چہروں سے بھرا ہوا تھا۔ وہ سیکرٹری کی طرف سے اجلاس کنڈکٹ کرنے کی کارروائیوں میں دلچسپی لینے کی بجائے آپس میں ہنسی مذاق کر رہے تھے اور اپنے روزمرہ کے معمولات پر بحث کر رہے تھے۔ آڈیٹوریم کی فضا سگار اور سگریٹ کے دھوئیں سے نیلی سی ہو گئی تھی۔

پھر سیکرٹری نے مائیک پر مارشل بولٹنے کی تقریر کا اعلان کیا۔ تمام چہرے یوں خاموش ہو گئے جیسے انہیں سانپ سونگھ گیا ہو۔

بھائیو اور دوستو!" بولٹنے کی آواز کا بھاری پن بخوبی محسوس کیا جا سکتا تھا جس میں فتح کی آمیزش بھی تھی۔ "ہم ایک نئے کے پہلے نکتے کی طرف آتے ہیں جس کے تحت ہمیں نئے عہدیداروں کا انتخاب کرنا ہے۔ یہ عہدے بعض شرپسندوں کی طرف سے بھائی کوبرٹ اور بھائی ڈوبوئس کی ہلاکت کے بعد خالی ہو گئے ہیں۔"

بولٹنے دونوں کی جگہ بنے لوگوں کی نامزدگی کے لیے اپنے قابل اعتماد افراد کے ناموں کا اعلان کرنے جا رہا تھا کہ اچانک اُس کی نگاہ آڈیٹوریم کے دروازے کی طرف اٹھ گئی اور اُس کا حلق خشک ہو گیا۔ آواز جیسے اُس کے مُنہ میں دم توڑ گئی۔

دروازہ کھلا اور اس میں سے انجلیک روبی ٹاکس اندر داخل ہوئی۔ آڈیٹوریم میں بیٹھے ہوئے چہروں کے سر گھومے اور انجلیک کو دیکھنے لگے جو نہایت متناسب چال سے روسٹرم کی طرف بڑھ رہی تھی۔

بولٹنے کو انجلیک کے ہاتھوں میں کاغذات کا ایک پلندہ بھی دکھائی دے رہا تھا جو انجلیک نے نہایت حفاظت کے ساتھ اپنے سینے سے لگا رکھا تھا۔

✣✣

جب ٹائیگر اور گاسٹن کیوبن جہاز کی تباہی کے مشن سے واپس آئے تو انجلیک نے انہیں آگاہ کیا کہ سیکرٹ سروس کے ایجنٹ گلف لینڈ پر چھاپہ مارنے کا منصوبہ بنا رہے ہیں۔ اُن کا کہنا تھا کہ گلف لینڈ کے دفاتر کی تلاشی کے لیے سرچ وارنٹ اور قتل وجعلی کرنسی کے الزامات میں بولٹنے کی گرفتاری کے لیے وارنٹس کے حصول میں کئی گھنٹے لگ جائیں گے جس سے بولٹنے خبردار ہو سکتا تھا۔

ٹائیگر اور گاسٹن بھی اس امر پر متفق تھے کہ بولٹنے حالات کی تبدیلی کے بارے میں فوراً اندازہ لگائے گا۔ اس لیے جو بھی کیا جائے فوری طور پر کیا جائے۔ ٹائیگر نے بولٹنے سے خود نمٹنے کا فیصلہ کیا۔ گاسٹن اپنے زخموں کی وجہ سے اُس کے ہمراہ آنے سے قاصر تھا لیکن ٹائیگر کو اُس کی کوئی خاص ضرورت بھی نہ تھی۔

انجلیک کے ذمے یہ کام لگایا گیا تھا کہ وہ خود اپنی زبان سے تمام باتیں کارپوریشن کے اراکین کو بتائے چنانچہ وہ اسی منصوبے پر عمل درآمد کے سلسلے میں اس وقت یہاں موجود تھی۔

✣✣

"مسٹر پریذیڈنٹ!" انجلیک کی سخت آواز مائیک پر سنائی دی۔ "میں فلور سے درخواست کروں گی کہ وہ مجھے ایک اہم اعلان کرنے کی اجازت دے جو تمام اراکین کے لیے یکساں اہمیت کا حامل ہے۔"

مارشل بولٹنے کے اعتماد کی عمارت لمحوں میں ڈگمگانے لگی۔

مالی گاڈ یہ کاغذات، وہی ہیں جو اُس بوڑھے نے مرنے سے پہلے چھپائے تھے اور وہ بے وقوف کا بچہ ٹائیگر ہی ہے جس کی شکل پر یہ یہاں تک آ بھی ہے لیکن ابھی بولٹنے اُسے روکنے کا جواز تھا۔

"اُم سوری!" بولٹنے نے جواب دیا۔ "تمہاری درخواست اِس وقت آؤٹ آف آرڈر ہے مس روبی ڈاکس۔"

انجلیک نے صدر کی طرف سے مُنہ پھیر لیا۔ اب وہ براہِ راست اراکین سے مخاطب تھی۔ "میں اپنے والد کے نام پر تم لوگوں سے درخواست کرتی ہوں کہ یہ کاغذات پڑھنے کی اجازت دے دی جائے۔ یہ تم سب کے لیے انتہائی اہم ہیں۔"

"آؤٹ آف آرڈر! آؤٹ آف آرڈر!" بولٹنے چلایا۔ اُس کی آواز غصے سے بھری ہوئی تھی۔ "مائیک سے ہٹ جاؤ لڑکی، ہمارے پاس بہت سے کام ہیں کرنے کو۔"

"اسے بات کرنے دو۔" ایک مچھیرے کی آواز اُبھری۔

"فلور پر کوئی قرارداد زیرِ بحث نہیں۔" ایک اور آواز سنائی دی۔

ایک اور مچھیرا جسے انجلیک اپنے والد کے دوست کی حیثیت سے جانتی تھی اُس کے برابر کھڑا ہوا۔ "یو انٹ آف... وہ کیا کہتے ہیں اُس کو... دھت تیرے کی... ہاں یاد آیا... پوائنٹ آف پرسنل پریویلج۔"

"لیکن یہ لڑکی رکن نہیں۔" بولٹنے نے کہا۔

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔" بہت سی آوازیں بیک وقت سنائی دیں۔ "اسے بات کرنے دو۔"

بولٹنے نے دوبارہ کچھ کہنے کی کوشش کی۔ "لیکن..."

"اسے بولنے دو!" آوازوں کے ایک شور نے بولٹنے کو کچھ زیادہ کہنے کی مہلت نہیں دی۔

"آل رائٹ! خاموش ہو جاؤ۔" بولٹنے نے دونوں ہاتھ اٹھا کر مچھیروں کو تلقین کی۔ اُسے اپنا عزت و وقار خطرے میں نظر آ رہا تھا۔ پریشانی اُس کے چہرے سے ظاہر ہو رہی تھی لیکن زبان اب بھی بچاؤ کی کوئی ترکیب سوچ رہا تھا۔ "یہ لڑکی کارپوریشن کی رکن نہیں اس لیے اسے بولنے کی اجازت دینا قواعد و ضوابط کی خلاف ورزی ہو گی۔" بولٹنے بولا تو جواب میں پھر بہت سی ناراضی آوازیں سنائی دیں۔ "ایک منٹ ٹھہرو!" وہ حلق کے بل دھاڑا۔ "اگر تم لوگ اس کی بات سننا ہی چاہتے ہو تو قواعد معطل کرنے کے لیے قرارداد پیش کرو۔ کیا کوئی پیش کر رہا ہے؟"

"میں کرتا ہوں۔" انجلیک کے پہلو میں موجود مچھیرے نے فوراً کہا۔

"تائید!" بولٹنے بولا۔

پورا آڈیٹوریم یک زبان ہو گیا۔ "ہم تائید کرتے ہیں، ہم تائید کرتے ہیں۔"

"مخالفت!"

"لعنت ہو تم پر۔" ایک نامعلوم مچھیرا چیخا اور بولٹنے کے ماتھے پر پسینہ چمکنے لگا۔ اُسے یہ اُمید نہیں تھی۔

"مس روبی ڈاکس!" بولٹنے نے مزید لعنت ملامت سے بچنے کے لیے انجلیک کو مخاطب کیا۔ "فلور تمہارا ہے جو کہنا ہے کہہ ڈالو۔"

انجلیک نے ہاتھ میں پکڑے ہوئے کاغذات روسٹرم پر پھیلا لیے۔

گلف کے ماہی گیرو!" اُس نے دھیمے لہجے میں بات کا آغاز کیا۔ "تمام لوگ میری بات غور سے سُنیں۔ تم لوگوں میں سے ممکن ہے بہت سے میری بات کا یقین نہ کریں لیکن یہ حقیقت ہے کہ میں جو کچھ کہنے جا رہی ہوں اُس کا ایک ایک لفظ سچ ہے۔" اُس نے کچھ کاغذات اٹھا کر لہرائے۔ "میرے پاس ثبوت موجود ہے کہ مارشل بولٹنے تم لوگوں کو استعمال کر رہا ہے وہ اپنے مذموم مقاصد کے لیے کور کے طور پر کارپوریشن کا سہارا لیے ہوئے ہے۔ وہ میرے باپ کا قاتل ہے جبکہ اُس کے آدمی مجھے قتل کرنے کی کوشش بھی کر چکے ہیں۔"

مارشل بولٹنے ہراساں نظروں سے انجلیک کو دیکھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ اب بھی نکل بھاگنے کا وقت ہے۔ اُس نے فوری طور پر اپنی اس سوچ پر عمل بھی کر ڈالا اور غیر محسوس انداز میں عقبی دروازے کی طرف بڑھا۔ اسے اپنے پیچھے مچھیروں کا شور اور غم و غصے میں ڈوبی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ اسی لیے بولٹنے نے سوچا کہ پہلے اس لڑکی کو خاموش کیا جائے تاکہ وہ مزید کچھ اس نہ کر سکے۔

"وہ کیوبا کے کمیونسٹوں سے ملا ہوا ہے اور امریکہ میں جھلی کرنسی پھیلانے کا ذمے دار ہے۔ اس کرنسی کی مقدار اتنی زیادہ ہے جس سے پورے ملک کی معیشت تباہ ہو سکتی ہے... اور وہ اپنے اس کام کے لیے کارپوریشن کو استعمال کر رہا ہے۔"

آڈیٹوریم میں مزید آوازیں سنائی دینے لگیں۔ متعدد لوگ اپنی سیٹوں سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ بولٹنے مزید پیچھے ہٹ گیا۔ اب وہ ایمرجنسی فائر والی میز کے قریب تھا۔

"ہیری، اس کا سوئچ نکال دو۔" اُس نے آپریٹر کو ہدایت کی۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"سوری۔" جواب ملا۔

اس سے پہلے کہ انکار پر بونٹے اُس کی گوشمالی کرتا اُس کی نگاہ پردوں کے پیچھے سے ظاہر ہونے والی دو کلائیوں پر پڑی جو غیر معمولی طور پر چوڑی اور بالوں سے بھری ہوئی تھیں۔ اُسے انکار کی وجہ سمجھ میں آ گئی۔

"انجلیک ابھی تمہیں بے نقاب کر دے گی۔" بونٹے نے کلائیوں والا شخص پردہ ہٹا کر باہر نکل آیا۔

وہ ٹائیگر تھا۔

بونٹے متوحش نگاہوں سے اُسے دیکھ رہا تھا۔ اُس کی فرار کی راہ مسدود ہو چکی تھی اور ہال میں انجلیک جیسے سب کچھ بتانے پر تلی بیٹھی تھی۔ اب وہ اپنے والد کا نوٹ پڑھ رہی تھی۔ جس کے ساتھ فوٹو گرافر جان کارپینٹر کی انلارجمنٹس منسلک تھیں۔

ہال سے آنے والی آوازیں اب بونٹے کے قتل کا مطالبہ کر رہی تھیں۔ وہاں افراتفری مچ گئی تھی اور لوگ بونٹے کو تلاش کرنے لگے تھے۔

"ہم... میرے پاس بہت رقم موجود ہے۔" اسٹیج پر پردوں کی آڑ میں بونٹے، ٹائیگر کو بتا رہا تھا۔ "اُس میں سے آدھی تمہاری۔" بونٹے نے پیشکش کی۔

ٹائیگر خاموش کھڑا رہا۔

"مجھے جانے دو... میں نصف رقم تمہیں دے دوں گا۔"

ٹائیگر اُسے گھورتا رہا۔

"تین چوتھائی۔" بونٹے نے بولی بڑھائی۔

ٹائیگر اب بھی پرسکون کھڑا رہا۔

"ساری رقم لے لو اور مجھے..."

الفاظ بونٹے کے حلق میں رہ گئے۔ باقی جملے کے بجائے اُس کے حلق سے خون کا فوارہ ابل پڑا۔ اور وہ خود دس فٹ دور اسٹیج کی دیوار سے جا ٹکرایا۔

ٹائیگر نے اُسے تھپڑ دے مارا تھا۔

بونٹے خاصے مضبوط جسم کا مالک تھا لیکن وہ یوں دیوار سے جا ٹکرایا تھا جیسے ہوا میں کوئی پتنگ اڑتا ہوا کہیں دور جا گرے۔

ٹائیگر کے تھپڑ نے اُس کے دونوں جبڑوں کو آپس میں ملا دیا تھا جبکہ دیوار نے اُس کی ریڑھ کی ہڈی کو کئی ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا تھا۔

بونٹے نے صرف ایک بار حیرت سے آنکھیں کھول کر ٹائیگر کو دیکھا اور پھر بے حس و حرکت ہو گیا۔

✠✠

اُسی شب ٹائیگر نیویارک جانے کے لیے فلائٹ کے انتظار میں نیوارک لبرٹی انٹرنیشنل ایئرپورٹ کے ڈومیسٹک لاؤنج میں موجود تھا۔ سامنے کی دیوار پر نصب ٹی وی تفریحی پروگرام نشر کر رہا تھا۔

ٹائیگر نیم دلی سے پروگرام کی طرف متوجہ تھا ورنہ وہ انجلیک کے بارے میں سوچ رہا تھا جس نے باقاعدہ روتے ہوئے اُسے رخصت کیا تھا۔

پروگرام ختم ہوا تو ملکی خبروں کا بلیٹن شروع ہو گیا۔ پہلی خبر ہی ایسی تھی کہ ٹائیگر کو سب سوچیں جھٹک کر نیوز کاسٹر کی طرف متوجہ ہونا پڑا۔

"آج صبح سیکرٹ سروس اور یونائیٹڈ اسٹیٹس گوسٹ گارڈ کی جانب سے ایک مشترکہ اعلان کیا گیا جس نے پوری قوم کو ہلا کر رکھ دیا۔" نیوز کاسٹر کی آواز میں دبا دبا سا جوش تھا۔ "یہ اعلان مقامی وقت کے مطابق ساڑھے نو بجے ریلیز کیا گیا۔ نیویارک میں جاری ہونے والے اس اعلان کے مطابق کوسٹ گارڈ نے لانگ آئی لینڈ کے ساحلوں کے قریب بین الاقوامی سمندر میں ایڈمرل برٹونامی کیوبن شپ کو جلتی ہوئی حالت میں اپنے قبضے میں لے لیا۔ عرشے پر ستر ملین ڈالر کی جعلی امریکی کرنسی موجود تھی جو جلنے سے بچ گئی تھی۔ جہاز کے تمام عملے کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا تھا۔ اس امر کی تحقیقات کی جا رہی ہے کہ کیوبن فوجیوں کو ہلاک کرنے والے کون ہیں۔ اس جہاز کے ساتھ ساتھ بیلانامی ایک جہاز بھی بندھا ہوا تھا۔ نامعلوم حملہ آوروں نے اُسے بھی آگ لگا دی تھی۔ اُس کے عرشے پر سے بھی پچاس ملین ڈالر کی جعلی امریکی کرنسی ملی ہے۔ سرکاری طور پر اس واقعے کے بارے میں کسی قسم کے تبصرے سے گریز کیا جا رہا ہے۔ البتہ واشنگٹن سے خبر ملی ہے کہ صدر نے ہوانا میں صدر فیڈل کاسترو کو ایک احتجاجی نوٹ بھجوانے کا فیصلہ کیا ہے جس میں ایسے واقعات دوبارہ رونما نہ ہونے کی ضمانت طلب کی گئی ہے۔ دوسری جانب بتایا جاتا ہے کہ گلف لینڈ فشر مینز کارپوریشن کے صدر مارشل بونٹے اور کیوبن حکام کے درمیان عرصے سے یہ کاروبار جاری تھا۔ سیکرٹ سروس نے بونٹے کی گرفتاری کے لیے چھاپا مارا لیکن بونٹے حیرت انگیز طور پر قتل کیا جا چکا تھا۔ ایس ایس نے بونٹے کی لاش پر قبضہ کر لیا ہے۔ بتایا جاتا ہے۔"

اُسی وقت لاؤنج کا پبلک ایڈریس سسٹم جاگ اٹھا۔

"خواتین و حضرات، توجہ فرمائیں، نیو اورلینز سے براستہ واشنگٹن، نیویارک تک جانے کے لیے یونائیٹڈ ائیر ویز کی پرواز ۵۰۲ روانگی کے لیے تیار ہے۔ مسافروں سے التماس ہے کہ وہ گیٹ نمبر ۳۶ سے جہاز پر تشریف لے جائیں۔"

ٹائیگر نے ایک آخری نظر ٹی وی پر ڈالی جہاں اب نیوز کاسٹر، رشل بونٹے کے دیگر جرائم کے بارے میں بتا رہی تھی اور گیٹ نمبر ۳۶ کی طرف بڑھ گیا۔

"تم نے سابوکا کے قتل میں کسی ڈونگ ہی کا قتل بھی کیا تھا کیا؟" ڈاکٹر بہرام نے کمپیوٹر کے پرنٹ آؤٹ دیکھتے ہوئے ٹائیگر سے پوچھا۔ جو دو دن پہلے ہی نیو اورلینز سے واپس آیا تھا۔ وہ دونوں اس وقت چارلز گرینی ٹورہم کی مرکزی عمارت میں موجود تھے۔ ابھی کچھ ہی دیر قبل فردوس سے صدر کا فون آیا تھا۔ جنہوں نے ڈاکٹر بہرام کو بتایا تھا کہ وہ فردوسی مافیا کے خاتمے پر بہت خوش ہیں خاص طور سے ملک کی نئی وزیر اعظم نے اس غیر متوقع کامیابی پر بڑی مسرت کا اظہار کیا ہے۔

"کیا آپ نے وزیر اعظم کو ہمارے بارے میں بتا دیا ہے صدر محترم؟" ڈاکٹر بہرام نے بے چینی سے پہلو بدلتے ہوئے پوچھا تھا۔

"نہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں۔ لیکن اب ملک کا نظم و نسق وزیر اعظم کو چلانا ہے۔ ان کی حکومت چار سے آٹھ ماہ پرانی ہونے دو تو پھر ان کو بھی اعتماد میں لیا جا سکتا ہے۔ وہ بہت پرجوش نڈر اور محب وطن خاتون ہیں۔ فردوس کی سرزمین سے تاریکیاں ختم کرنا ان کا مشن ہے۔ صاف گو بھی ہیں اور سیاسی مصلحتوں سے آشنا بھی لیکن ابھی ان کی حکومت جمی نہیں ہیں اور جب تک یہ یقین نہ ہو جائے کہ مستحکم ہو چکی ہے اس وقت تک انہیں تمہارے بارے میں بتانا قرین از مصلحت نہیں ہوگا۔"

"شکریہ... ۔" بہرام نے خشک لہجے میں جواب دیا تھا۔ "میری دعا ہے کہ آپ فردوس میں وزیر اعظم کے ساتھ مل کر نوزائیدہ جمہوریت کو مستحکم کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔ میں ہر حال اس لانے کا ہمیشہ سے مخالف رہا ہوں کہ ہمیں داخلی سیاست کے لیے استعمال کیا جائے۔"

"نہیں۔" صدر مملکت نے اپنے مخصوص انداز میں ہنس کر کہا۔ صدر مملکت اگرچہ خود بھی منصب صدارت پر حال ہی میں فائز ہوئے تھے لیکن بہرام کو علم تھا کہ وہ ملک میں آنے والے ہر صدر سے زیادہ جہاندیدہ اور تجربہ کار ہیں۔ ذاتی طور پر وہ معیشت کے بارے میں ان کی صلاحیتوں کا معترف تھا لیکن اسے ان سے اس باعث خصوصی عقیدت تھی کہ انہوں نے فردوس کی مسلح افواج کے بھرپور تعاون سے ملک میں انتخابات کرائے تھے اور عین اس وقت، بحران پر قابو پایا تھا جب ایک بار پھر منتخب اکثریتی جماعت کو اقتدار منتقل نہ کرنے کی سازشیں شروع ہو گئی تھیں۔ صدر نے قبل از وقت اکثریتی جماعت کی قائد کو وزیر اعظم نامزد کر کے ان سازشوں کو ناکام بنا دیا تھا۔ لیکن بہرام کو روبی نے فردوس سے جو اطلاعات دی تھیں ان کے مطابق ملک پر اب بھی اقتصادی اور سیاسی بحران کے بادل چھائے ہوئے تھے۔ اسمگلنگ عام تھی، ہیروئن کا دھندا عروج پر تھا، اسلحے کی تجارت بڑے پیمانے پر ہو رہی تھی۔ شہروں میں فسادات جاری تھے لیکن ان حالات میں ایک روشنی کی صرف ایک کرن پھوٹی تھی اور وہ یہ کہ فردوسی مافیا کے سرغنوں کا سابوکا کے ساتھ ہی خاتمہ ہو گیا تھا۔

صرف ایک سوال اب بہرام کو پریشان کر رہا تھا۔ وہ یہ کہ سابوکا کے قتل سے ہنگامے کے وقت جنگلوں کی طرف فرار ہونے والا کون تھا۔ دوسرا اہم مسئلہ فردوسی صدر نے اٹھایا تھا۔ "ڈاکٹر! آئی ایس آئی کی اطلاع یہ ہے کہ اگرچہ سابوکا کے تمام رفیق کار قتل ہو چکے ہیں اور مرنے والوں میں ڈونگ ہی بھی شامل ہے لیکن فردوسی مافیا کے سرغنہ اور ڈونگ ہی کے درمیان ایک معاہدہ بھی ہوا ہے جس پر ان دونوں کی موت کے بعد بھی عمل درآمد ہو رہا ہے۔ اس معاہدے کا مقصد فردوس کو اقتصادی اور سیاسی اعتبار سے مفلوج کر دینا ہے ہماری اطلاع یہ ہے کہ ڈونگ ہی کا معاون خاص چن الجنیرہ سے فرار ہو کر نیویارک پہنچا ہے، وہاں فردوسی دہشت پسندوں کے نمائندوں سے اس کی ملاقات طے ہے۔"

بہرام کو اندازہ تھا کہ جنگلوں کی طرف فرار ہونے والا کون ہو سکتا ہے۔ اس وقت وہ یہی عقدہ حل کرنے کے لیے کمپیوٹر کی مدد حاصل کر رہا تھا اور پرنٹ آؤٹ دیکھ کے بعد دیگرے اس کے سامنے آ رہے تھے۔

"تم نے سابوکا کے قتل میں کسی ڈونگ ہی کو بھی قتل کیا تھا؟" بہرام نے ایک بار پھر ٹائیگر سے پوچھا۔

"میں نے اسے ہاتھ نہیں لگایا۔ اس کے قتل کی ساری ذمہ داری اوشان پر عائد ہوتی ہے لہٰذا اوشان ہی کو فردوسی قانون تعزیرات کی دفعہ ۳۰۲ کے تحت گرفتار کیا جائے۔" ٹائیگر نے جواب دیا جس پر بہرام کا برفان زدہ چہرہ مسکرانے لگا۔ ایسا بہت کم ہوتا تھا کہ بہرام کے چہرے پر مسکراہٹ نظر آئے۔

"مسئلہ گمبھیر ہے ٹائیگر۔" اس نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "فردوس کے خلاف ایک اور سازش تیار ہو رہی ہے جس کا معاہدہ اسی ڈونگ ہی نے کیا تھا جو مر چکا ہے۔"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"فردوس کے خلاف سازش" ٹائیگر چونک پڑا۔ اسے یوں لگا جیسے اس کے جسم میں کسی نے چنگاریاں بھر دی ہوں۔ "کیا فردوس اب کسی اور سازش کا مقابلہ کرنے کی سکت رکھتا ہے؟"

"فردوس بہت سخت جان ہے ٹائیگر۔" بہرام نے بڑے یقین سے جواب دیا۔ "اسے اپنے وجود کو برقرار رکھنے کے لیے مسلسل قربانیاں دینی پڑ رہی ہیں لیکن میرا خیال ہے کہ اس بار فردوس کے خلاف نئی سازش کا مقابلہ ہمیں امریکہ میں کیا جائے گا اور ہم کریں گے۔"

"سوئٹ ہارٹ...!"

"سنتے رہو۔ میری اطلاع کے مطابق ڈونگ ہی کا شاگرد چن لی اب اپنے ماسٹر کی جگہ لے چکا ہے اور تمہیں یہ بتانا بے سود ہوگا کہ ڈونگ ہی کا گروپ نوگان کے نام سے بدنام زمانہ گروپ ہے۔ ڈونگ کو نوگان نے اور ڈونگ نے چن لی کو تربیت دی ہے۔"

"سنا نجو۔" ٹائیگر کی آنکھوں میں مسرت ناچنے لگی۔ "گویا اس بار پھر نوگان کی نسل سے واسطہ پڑے گا۔"

"ہاں۔"

"چن لی کے بارے میں کچھ پتا چلا...؟"

"صرف یہ کہ وہ نیو یارک کے کسی اسٹار کلب میں آتا جاتا ہے۔ یہ بھی یقینی نہیں کہ وہ چن لی ہو کیونکہ جاپانی ناموں میں درجنوں چن لی مل سکتے ہیں۔"

"سوئٹ ہارٹ۔" ٹائیگر نے چٹخارہ لے کر کہا۔ "بہت دنوں سے جسم اور فن کی آزمائش نہیں ہوئی۔"

"شاگرد کے شاگرد کا شاگرد...۔" اوشان نے چاولوں کا پیالہ صاف کر کے ایک طرف رکھتے ہوئے، سوتک گنتی گنی اور ایک گھونٹ پانی پی کر باقی پانی سنک میں ڈال دیا۔ "میں احمق نہیں ہوں شہزادے۔ میرے ساتھ یہ زیادتی نہیں چلے گی، اب مجھے شاگرد کے شاگرد کے شاگرد سے بھڑنا ہوگا۔ نہیں ہرگز نہیں۔ اور ہاں، ڈراما نیلے ہاتھ کا وڈیو ابھی تک کیوں نہیں آیا؟"

"ٹل فادر۔" ٹائیگر نے بہت محبت بھرے لہجے میں کہا۔ "ابھی تو آپ نے ڈش انٹینا کی مدد سے اس کی چین ہی تسطیں دیکھی ہیں جب ڈراما مکمل ہو جائے گا تو میں بہرام سے کہہ کر تمام کیسٹیں منگوا لوں گا۔"

"ڈراما قبل از وقت مکمل نہیں ہو سکتا۔" اوشان نے اس انداز میں سرگوشی کی، جیسے ٹائیگر سے کوئی راز کی بات پوچھ رہا ہو۔

"نہیں۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔

"تب پھر میں کسی شاگرد کے شاگرد کے شاگرد سے نہیں میں تمہارا ساتھ بھی نہیں دے سکتا میرے بچے۔"

"لیکن وہ ڈونگ ہی کا شاگرد ہے۔"

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔"



"ڈونگ ہی کا گروپ نوگان گروپ کے نام سے بدنام ہے ٹل فادر۔"

"کیا؟" اوشان کے ہاتھ میں موجود چمچہ دو حصوں میں بٹ گیا۔ اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات نے جنم لیا اور آنکھیں سکڑ کر مزید چھوٹی ہو گئیں۔ بس ایسا لگا جیسے اوشان کو کسی نے کوئی ناپسندیدہ منظر دکھا دیا ہو۔

"جی ہاں۔" ٹائیگر کی آنکھیں مسکرانے لگیں۔

"کیا یہ وہی ڈونگ ہی تھا جو چیوکا کے عمل میں مرا تھا؟" اوشان نے پوچھا۔

"سالبو کے عمل میں۔"

"کوئی فرق نہیں پڑتا۔ تمام مجرموں کے نام الگ الگ ایک جیسے ہوتے ہیں۔ یہ سلسلہ ان کی پیدائش سے جاری ہے۔ برائی مختلف چہرے سجا کر آتی ہے شیطان کے جبلوں کے چہرے لے کر نئے نئے نام سے لوگ آتے ہیں... مسئلہ صرف یہ ہے کہ اگر ڈونگ ہی نوگان کے سلسلے سے تھا تو اس نے مقابلہ نہیں کیا۔"

"وہ آپ کو اچانک سامنے پا کر اوسان کھو گیا تھا ٹل فادر۔"

"یا پھر اس نے موت کے آہٹی قدموں کی آواز سن لی تھی۔ جو سنا نجو میں آخری بار نوگان نے سنی تھی۔"

"مگر...؟"

"سنتے رہو شہزادے۔" اوشان کا لہجہ معاً ہی بہت سنجیدہ ہو گیا تھا۔ یہ ایسا لہجہ تھا کہ اب اوشان کی طرف سے اشارہ ملے بغیر ٹائیگر کو زبان ہلانے کی جرأت محسوس نہیں ہوئی۔ "سنتے رہو اور غور سے سنو عظیم وانگ نے ایک بار کہا تھا کہ شاگرد کے شاگرد کے شاگرد سے ہوشیار رہنا، دشمن کا پورا زہر اس کے شاگرد میں نہیں، شاگرد کے شاگرد میں منتقل ہوتا ہے... اور سنو... تم جانتے ہو کہ میں نے نوگان کو خود اپنے ہاتھوں سے قتل کیوں نہیں کیا... جانتے ہو نا میرے بچے۔ تو پھر یہ بھی جان رکھو کہ نوگان کے نام سے وابستہ کسی بھی قاتل کو قتل نہیں کر سکتا۔ میں روایتوں اور اصولوں کے جبر کے تحت ہوں۔"

"میں جانتا ہوں ٹل فادر۔"

"تب پھر تیاری کرو۔" اوشان کا لہجہ ایسا تھا کہ ٹائیگر کی ریڑھ کی ہڈی میں خوف کی ایک سرد لہر دوڑ گئی۔ "میں ثابت کر دوں گا کہ میرے معاملے میں عظیم وانگ کی پیش گوئی غلط ہے۔ میرا شاگرد، نوگان کے شاگرد کے شاگرد کو خاک میں ملا سکتا ہے تیار ہو جاؤ۔ اور اپنی تمام کمزوریاں دور کر دو۔ میری بات یاد رکھنا چن لی، اپنے استاد سے کہیں زیادہ خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔"

جب اوشان کا یہ حکم ہو کہ معرکہ کے لیے تیاری کی جائے تو وہ معرکہ یقیناً بہت زیادہ خطرناک ہی ہو سکتا ہے اور یہ بات ٹائیگر کو بہت اچھی طرح معلوم تھی۔ پھر اوشان نے اسے جو تیاریاں کرانی شروع کی تھیں تو ٹائیگر کے واقعی بارہ بج گئے تھے۔ صبح پانچ بجے سے بارہ بجے تک محض دفاعی حکمت عملی کا پریشن جاری رہا تھا۔ یہ وہ تمام مشقیں تھیں جن پر ٹائیگر کو عبور حاصل تھا لیکن اوشان کا کہنا تھا کہ وہ ابھی نو سیکھر ہے۔

"بیک لگ ڈھنگ سے استعمال کرو۔" ایک بار میدان کے بیچ میں کھڑے ہوئے اوشان نے چلا کر کہا تھا۔ بات صرف اتنی سی تھی کہ ٹائیگر جس درخت کے تنے پر بیک لگ کی مشق کر رہا تھا وہ چوتھی کوشش میں ٹوٹا تھا۔

اس کے بعد اگلے درخت پر ٹائیگر نے جب بیک لگ استعمال کی تو درخت درمیان سے جیٹھ گیا۔

اس روز شام تک یہی سلسلہ چلتا رہا اور اگلے روز کے اخبارات نے ایک پراسرار طوفان کی سرخیاں جمائیں جس کی نہ تو آواز سنائی دی اور نہ ہی گھن گرج۔ بس سینٹرل پارک کے درختوں درمیان سے دو ہو گئے۔ محکمہ موسمیات نے ایسے کسی بھی طوفان سے لاعلمی کا اظہار کیا تاہم اخبارات نے رسمی تصویریں شائع کر دیں جن میں سینٹرل پارک درختوں کے بیچ کاڈھیر لگ رہا تھا۔

"میں آج ہی جا کر اس کا ٹیٹوا دبا دیتا ہوں۔" ان ورزشوں سے پریشان ہو کر ایک روز ٹائیگر جھلا اٹھا۔

"نہ۔ نہیں۔" اوشان نے اس کی طرف انگلی سے اشارہ کر کے کہا۔ "تیاری سانس بے ترتیب ہے۔ اس وقت تم مجھے سانس کے پرانے مریض لگ رہے ہو لہٰذا وقت کا تقاضہ ہے کہ تم اپنی سانس پر قابو پانے کی مشق شروع کرو۔"

ٹائیگر عوامی زبان میں بھنوٹ ہو گیا۔

پھر سانس کی وہ مشق شروع ہو گئی جس سے ٹائیگر کی جان جاتی تھی۔ تین سے پانچ منٹ تک سانس روک کر بیٹھنا، اٹھنا چلنا، پھرنا اور چھلانگ لگانا ایک ایسا کام تھا جس سے ٹائیگر کو نفرت تھی لیکن نہ جانے کیوں وہ اوشان کی سنجیدگی دیکھ کر خود بھی دل لگا کر اس مشق میں حصہ لے رہا تھا۔

یہ مشقیں جاری رہیں اور جب بھی ٹائیگر چن لی کا نام لیتا تو

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

اوشان ابھی نہیں کہہ کر مشقوں کی شدت میں اضافہ کر دیتا۔

تیسرے روز فرنٹ کک استعمال کرتے ہوئے ٹائیگر نے ہی مٹی بلوز گانا چاہا تو اس کا پیر پھسل گیا۔ بس پھر تو قیامت ہو گئی۔

"ساری زندگی کی محنت اکارت کر دی۔" اوشان نے درشت لہجے میں کہا۔ "یہ جسم میں توازن ہے اور نہ ہی روح میں پاکیزگی۔ پہلے تین شاگرد کے شاگرد کا مقابلہ کرنے کے لیے۔ بس اب کل ہم جسم کے توازن کی مشق کریں گے۔"

ٹائیگر کو علی الصباح اٹھنا پڑا۔ اور پھر اس جگہ پہنچنا بھی بڑا جہاں بڑی ٹھنڈ تھی بحرالکاہل کی خلیج سے آنے والی ہوائیں انتہائی سرد تھیں جو کوڑوں کی طرح سے لگ رہی تھیں۔ اس کے سامنے گولڈن گیٹ تھا جو میرین کارنٹی کی طرف لے جا رہا تھا۔ پشت پر سان فرانسکو تھا اور مشرق میں امریکہ کے باقی علاقے۔

وہ اسی گارڈ ریل پر کھڑا تھا جس سے کود کر اب تک پانچ سو افراد خودکشی کر چکے تھے۔ اس موسم میں وہ برہنہ پا تھا اس نے عام پتلون اور ہلکی جرسی پہن رکھی تھی۔ وہ اس انداز میں دس منٹ سے کھڑا تھا۔ اس کی سیاہ پتلون اور اور جرسی تیز ہوا کے باعث پھڑ پھڑا رہی تھی پل کے نیچے سے ایک واکس ویگن گزری تھی لیکن نیم تاریکی اور اس کے سیاہ لباس کے باعث گاڑی چلانے والا اسے دیکھ نہیں پایا تھا۔

جہاں تک سردی کا تعلق تھا تو اسے اس کی پروا نہ تھی۔ اس نے جسم کے درجہ حرارت کو دسمبر کی اس سردی کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار کر لیا تھا حالانکہ اس موسم میں لوگ آتشدانوں کے سامنے بیٹھے تھے۔ تیز ہواؤں کا مقابلہ کرنے کے لیے بھی اس نے سانجو کا طریقہ اختیار کیا تھا۔ اب یہ تھا کہ اس کا جسم ہواؤں سے لڑ رہا ہو بلکہ ایسا لگ رہا تھا جیسے اس کا جسم ان تند و تیز ہواؤں کے مقابلے میں زیادہ مضبوط ہو۔

"کیا تم تالیاں سننے کے انتظار میں ہو؟" عقب سے اوشان کی آواز سنائی دی جو خود بھی ٹائیگر کے ساتھ اسی قسم کی مشق کر رہا تھا۔ "یا پھر تم ایک عام سی ورزش کو بہت بڑھا چڑھا کر پیش کرنا چاہتے ہو؟"

"میری توجہ ہٹانے کا شکریہ لٹل فادر۔" ٹائیگر نے ایک طویل سانس لے کر کہا ساتھ ہی جسم کا درجہ حرارت اتنا کر دیا کہ باہر جانے والی سرد ہوا اندرونی اعضاء اور ریشوں پر اثر نہ کر سکے۔ "میں اس وقت سمندر سے دو سو فٹ اوپر ایک آہنی پتلی پر کھڑا

ڈائجسٹوں کے مقبول سلسلے

سرکش	(۱۲ حصے)	محمود احمد مودی	۷۲۰/-
ٹائیگر	(۱۳ حصے)	مشتاق احمد قریشی	۶۵۰/-
خبیث	(۵ حصے)	انوار صدیقی	۲۲۵/-
درخشاں	(۲ حصے)	انوار صدیقی	۱۰۰/-
روگی	(۵ حصے)	م الف صدیقی	۲۷۰/-
دہشت گرد	(۴ حصے)	سلیم فاروقی	۲۰۰/-
سرفروشی	(۲ حصے)	اظہر کلیم	۱۲۰/-
شہباز	(۲ حصے)	اظہر کلیم	۱۲۰/-
انسان اور شیطان	(۲ حصے)	محمد فراز	۱۵۰/-

ناشر

مکتبہ القریش سرکلر روڈ، اردو بازار
لاہور فون: ۷۶۶۸۹۵۸

بھی سوچ رہا تھا کہ کوئی تو اس احمقانہ مشق سے میری جان چھڑائے۔ یہ کہہ کر وہ اوشان کی طرف پلٹا جس کا سیاہ لبادہ کسی بے بس پرندے کی طرح پھڑ پھڑا رہا تھا۔ اوشان کی فولادی لمبی مونچھیں بھی بری طرح لہرا رہی تھیں۔ وہ دونوں ہاتھ لبادے کے اندر باندھے ہوئے دو سو فٹ بلند گارڈ ریلنگ پر اس طرح کھڑا تھا جیسے کوئی بستر پر لیٹا ہوا ہو۔

"اگر تمہارا ذہن ہر کس و ناکس کی آواز سن کر بھٹک جاتا ہے تو پھر اس میں ابھی خامی برقرار ہے۔ شاید یادداشت کھو جانے کے بعد ذہن میں پیدا ہونے والے غلیظ خیالات کی غلاظت اب بھی دماغ میں موجود ہے۔ اسے بھی صاف کرنا ہو گا شہزاد۔"

"ضرور۔ میری کھوپڑی کھول کر کیڑے دھونے والے پانی سے کھنگال دینے کا مسئلہ حل ہو جائے گا۔"

"تمہیں اب پھر سکھانا ہو گا کہ ذہن انسان کا غلام کیسے بنتا ہے۔"

"شکریہ لٹل فادر۔ کرسمس مبارک ہو۔"

"اگر تمہارے ذہن میں سفید فاموں کی تعطیلات کے باعث کسی مسرت نے جنم لیا ہے تو پھر تمہاری دماغی کیفیت واقعی درست نہیں۔ اس کیفیت میں تمہارا یوں کھڑے رہنا مناسب نہیں شہزاد۔"

"میں خنزیروں سے بنی ہوئی غذا کے میلے میں شرکت کے لیے جانے کا ارادہ نہیں رکھتا۔" ٹائیگر نے اس کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا۔ "اوشان سینٹ آف پگ میں جانے کا ارادہ رکھتا تھا جہاں میڈونا نامی سؤر ہونے والی تھی۔"

"وہاں خنزیروں کی نمائش نہیں ہو گی۔" اوشان نے تحمل بھرے لہجے میں کہا۔

"میڈونا کی تو نمائش ہو گی ناں؟" ٹائیگر نے ایک بار پھر مسکرا کر کہا۔ "ہمیں ایسی عورتیں سے بچے رہنا چاہیے لٹل فادر۔"

"وہ ابھی عورت ہے۔ بچے پال سکتی ہے۔ تمہاری نااہلیت دیکھ کر اب تو مجھے احساس ہونے لگا ہے کہ ایوان سانجو کو ایک اور سرد کی ضرورت ہے۔"

"وہ سرد نہیں بچہ پیدا کرے گی لٹل فادر۔"

"وہ بچہ جوان تو ہو گا۔"

"لیکن وہ کوریائی نہیں۔ اس کا بچہ بھی کوریائی نہیں ہو گا۔"

"حسن کے پیش نظر بعض اسٹینڈرڈ بھی ہیں۔ بھر سانجو کا خون بچے کی رگوں میں دوڑے گا تو وہ گوری چمڑی کے تمام نقصانات اور گوروں کی تمام خامیوں کو دور کر دے گا۔ پھر میرے پاس ایسا شاگرد ہو گا جس کو میں برائیوں سے دور رکھوں گا۔ وہ نرم مٹی کی طرح ہو گا جس کو جس سانچے میں چاہوں ڈھال سکوں گا۔ خشک اور سخت مٹی کو سانچے میں ڈھالنا ممکن نہیں ہوتا۔"

ٹائیگر نے ہواؤں کی طرف رخ کر لیا۔ تند و تیز ہوائیں خوفناک سیٹیاں بجا رہی تھیں لیکن ٹائیگر نے اپنی سماعت کو محفوظ کر لیا تھا۔ اس کو پتا تھا کہ سردی بہت ہے بلکہ اسے سردی نہیں لگ رہی تھی۔ اسے احساس تھا کہ اس کے پیروں کے نیچے دو سو فٹ سمندر سینٹ لینے کے لیے تیار ہے لیکن اسے اس کی فکر نہ تھی۔ اب وہ تار جتنے پتلے گارڈ ریل پر چل رہا تھا اور ساری توجہ جسم کے توازن پر تھی۔ اس کے نیچے پل سے کاریں گزر رہی تھیں لیکن وہ ان دنیوں کی اس دنیا میں نہیں تھا۔ وہ تیزی سے دوڑا اور پھر آخری سرے پر پہنچ کر واپس پلٹ گیا۔ اب وہ اوشان کی طرف جا رہا تھا۔

"گڈ۔ اب تم ورزش کا آغاز کر سکتے ہو۔" اوشان نے مسکرا کر کہا۔

"آغاز؟ میں تو آخری مرحلہ بھی مکمل کر چکا ہوں۔"

"واقعی؟ کمال ہے۔ میں نے تو دیکھا ہی نہیں۔ میں تو سمندروں کے پار اپنے گھر کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ اگر اس وقت گھر میں ہوتا تو ایک تحفہ میرا منتظر ہوتا۔ یہ تحفہ کیا ہوتا۔ اس کا مجھے اندازہ نہیں لیکن اتنا ضرور ہے کہ وہ میڈونا کے حسن کی طرح حسین اور اس کی حشر سامانیوں کی طرح خوشگوار ہوتا۔

"اگر آپ کو حسن اور ترنم ہی درکار ہے تو میں آپ کی خدمت میں سفید گائے پیش کر سکتا ہوں لٹل فادر۔"

"گائے تو میرے سامنے کھڑی ڈکار بھی رہی ہے۔" اوشان نے برا سا منہ بنا کر کہا۔ اور ساتھ ہی اپنے مخصوص انداز میں مسکرایا نیچے کاروں میں سفر کرنے والوں نے اگر اس کے قہقہے کی آواز سنی ہو گی۔ تو وہ پریشان ضرور ہوئے ہوں گے۔ کیونکہ انہیں یقین ہو گا کہ آس پاس بطخیں بول رہی ہیں۔ ٹائیگر ایک بار پھر گولڈن گیٹ کی طرف دوڑ گیا اور جب واپس پلٹا تو اوشان اسے دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔

"گائے؟" اوشان نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "اس تربیت کے عوض پر شیا کا شہنشاہ مجھے اپنی لختِ جگر تحفہ میں دے سکتا تھا۔ روم والے بادشاہ نے تو ایک بار ایک ماسٹر کو مال غنیمت میں آئی ہوئی ملکہ دینے کی پیش کش کی تھی۔ مغلیہ دور میں مجھے ایک ریاست کی حکمرانی مل سکتی تھی لیکن یہاں۔ فرد و سیزن نے مجھے کیا دیا۔ ایک ڈکرانے والی گائے؟"

"کیا آج بھی کھانے میں مچھلی ہو گی؟" ٹائیگر نے دوپہر کا کھانا یاد آتے ہی پوچھا۔ وہ ویسے بھی اس گائے کے چکر سے نکلنا چاہتا تھا۔

"ہاں۔ کیونکہ مچھلی بڑوں کو جواب نہیں دیتی۔"

"اس لٹے ایک پٹرول کار سائرن بجاتی اور روشنیاں جلاتی ان کے پیچھے سے گزر گئی۔

اس ورزش کے بعد جب وہ میریٹا پارک پہنچے تو ٹائیگر کو تھکن کا احساس تک نہ تھا۔ یہ پارک ٹنٹ انہوں نے تعطیلات گزارنے کے لیے کرائے پر حاصل کیا تھا۔ تعطیلات بہرحال نام کو تھیں کیونکہ یہاں آنے کے بعد سے اب تک ٹائیگر کو مسلسل تیار کیا جا رہا تھا۔

لان میں داخل ہوتے ہی ٹائیگر کو اندازہ ہو گیا کہ ایک لوا کس نے جگہ سمیت گھیر لیا ہے اور جب وہ اوشان کے ساتھ ڈریسنگ روم میں پہنچا تو لوا وہاں قالین پر موجود تھا۔ اس کے ارد گرد مٹی پڑی ہوئی تھی۔ اس کی مٹھیوں میں شیشے کی دو بھٹی ہوئی گیندیں جھول رہی تھیں۔ ایک گالف بال منہ کھولے ہوئی تھی اور سیسہ کا ٹکڑا لوا پورے کے کاٹنے سے جڑا ہوا تھا۔ اور لوا کے اوپر مدقوق سا زر دلب لٹک رہا تھا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"یہ..." ٹائیگر نے اوشان کی طرف دیکھا

"یہ تمہارے لیے ہے کیونکہ تمہیں گوردں کے سیم درواج بہت پسند ہیں شہزادہ اوشان نے مسکرا کر بڑی شفقت سے کہا۔

"مگر یہ کیا ہے؟"

"میں نے بڑی محنت سے تیار کیا ہے۔"

"میں ابھی تک نہیں سمجھا!"

"زیادہ مت سوچو یہ کرسمس ٹری ہے۔ اس کو میں نے سجایا ہے" اوشان نے جواب دیا۔ "دکانوں پر ملنے والے کرسمس ٹری گھٹیا کوالٹی کے ہوتے ہیں۔ ان کی سجاوٹ بھی بہت بھونڈی ہوتی ہے لہٰذا میں نے خود بڑی محنت کر کے ایک درخت تلاش کیا اور اسے تمہارے خاطر بھجوا ڈالا۔"

"اگر آپ امریکی ہوتے تو اسے کرسمس ٹری کبھی نہیں کہتے۔"

اسی لمحے ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ ٹائیگر نے ریسور اٹھا لیا۔ فون ویسٹرن یونین کی طرف سے تھا اور پیغام یہ تھا کہ آنٹی ثمینہ صبح نو بجے پہنچ رہی ہیں گی۔ وہ روانہ ہو چکی ہیں۔

"پھر وہی مصیبت" ٹائیگر نے سر جھٹک کر کہا۔

"مصیبت نہیں... کرسمس ٹری۔ کہا زمانہ آگیا ہے۔ میں نے اتنی محنت سے اس پودے کو سجایا اور یہ نامشکرا اسے مصیبت کہہ رہا ہے۔ ایسے شخص کو سکھانے سے کیا حاصل۔ اگر اسے دکانوں پر بکنے والے بدصورت درخت پسند ہیں تو جا کر خود خرید لائے لیکن یہ ایسا ہی ہوگا جیسے بلغم کے عوض ہیرے چھوڑ دیے جائیں" اوشان کہتا رہا۔

"بہرام نے ہمیں پھر پکڑ لیا ہے اوشان" ٹائیگر نے جان بوجھ کر ٹل فادر نہیں کہا بصورت دیگر اوشان کی بڑبڑاہٹ کم نہیں ہوتی تعطیلات ختم ہونے والی ہیں۔ غالباً آنجہانی کے بارے میں بات کرنے آیا ہے۔"

"میں کسی خجالت کا جواب حماقت میں دینے کا عادی نہیں ہوں" اوشان کنول کے آسن میں بیٹھ گیا۔

"کرسمس ٹری کے لیے آپ کا بہت شکریہ ٹل فادر" ٹائیگر نے مسکرا کر کہا۔ "یہ آپ کی محبت اور مہربانیوں کا مظہر ہے۔"

✠✠

اس کی آنکھ کھلی تو دروازہ کھل رہا تھا۔ اور باہم ڈرائنگ روم میں باتوں کی آواز آرہی تھی۔ تب ہی یوتھان زرہ پہرہ لیے اپنے خاص پرانے بھورے سوٹ میں ملبوس ڈاکٹر بہرام اس کے کمرے میں داخل ہوا۔ بھٹا پرانا بریف کیس اس کے ہاتھ میں تھا۔

مشہور سلسلہ
سرکش
محمود احمد مودی کے ایڈونچرس قلم سے 12 حصوں میں شائع ہو گیا ہے
قیمت فی حصہ -/60 روپے
مکمل سیٹ -/720 روپے
ناشر
مکتبہ القریش
سرکلر روڈ، اردو بازار لاہور فون ۷۶۶۸۹۵۸

"اوشان کا کہنا ہے کہ تم نے بدتمیزی کی ہے" بہرام نے اسے بیدار دیکھتے ہی پوچھا۔

"میں نے کوئی بدتمیزی نہیں کی اور جہاں تک ہم دونوں کے درمیان تعلقات کا سوال ہے کہ یہ ہمارے مسئلے ہیں ان سے چارہ گر کا کوئی تعلق نہیں" ٹائیگر نے انگڑائی لی اور باتھ روم میں گھس گیا جہاں بہرام کی آواز اس کا تعاقب کرتی رہی۔ وہ جب باہر نکلا تو بہرام نے اسے پھر گھیر لیا "سنو ٹائیگر" اس کا لہجہ بہت سنجیدہ تھا "تم اور ماسٹر مل کر کام کرو گے تو اس میں ہم سب کا ہی بھلا ہے۔"

"کمال ہے۔ آپ نے پہلے تو کبھی ایسی بات نہیں کہی" ٹائیگر نے جواب دیا "خیر کیا مسئلہ ہے لیکن اس سے قبل کہ کوئی مسئلہ پیدا ہو کریں یہ سن لیں کہ ہم نے ابھی تک پہلے والے مسئلے پر کوئی پیش رفت نہیں کی ہے۔"

"اس وقت سب سے بڑا مسئلہ تمہارے اور ماسٹر کے تعلقات ہیں" بہرام نے بھی غالباً اوشان کی شکایت کو بہت سنجیدگی سے لیا تھا "میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ماسٹر نے تمہیں ایک انمول تحفہ دیا لیکن تم نے تحفہ نہ صرف قبول کیا بلکہ اس کے لیے تکریم کا

مظاہرہ بھی نہیں کیا۔"

"تحفہ؟" ٹائیگر نے بڑی حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

"کیا آپ اس خاردار پودے کو تحفہ قرار دے رہے ہیں جو ڈرائنگ روم میں پڑا ہوا ہے؟"

"پودا؟" اس بار بہرام کے حیرت زدہ ہونے کی باری تھی۔ "میں تم سے یہ پوچھنے والا تھا کہ یہ کمرے کی صفائی نہیں ہوتی۔ خیر۔ اگر ماسٹر نے وہ پودا پیش کیا ہے تو اس میں یقیناً کوئی خاص بات ہوگی۔"

"اور اس تحفہ کے عوض اوشان کیا چاہتے ہیں۔ آپ نے یہ بھی معلوم کیا؟"

"نہیں۔"

"سانجو کے ماسٹر کو میڈونا کی خواہش ہے" ٹائیگر نے ڈرامائی انداز میں جواب دیا۔

"اوہ" بہرام نے بے چینی سے پہلو بدلا "کیا یہ ممکن نہیں کہ ماسٹر کی خدمت کے لیے مس میڈونا نہ سہی کوئی ایسی ہی بلکہ مقامی حسین خاتون کو ملازم رکھ لیا جائے۔"

"ماسٹر کا کہنا ہے کہ وہ کوئی لڑکی کرائے پر حاصل نہیں کریں گے" ٹائیگر نے زیر لب مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"کیا شادی کرنا چاہتے ہیں؟"

"نہیں" ٹائیگر نے کہا۔

"تب پھر کیا چاہتے ہیں؟"

"اپنی نجی ملکیت میں شامل کرنا۔"

"یہ ناممکن ہے" بہرام نے فوراً انکار کر دیا۔

"گڈ۔ اب آپ ان باتوں پر قائم رہیئے گا۔ جو آپ سمجھ چکے ہیں۔"

"کیا مطلب؟" بہرام اچھل پڑا "کیا تم لوگ اسے اغوا کر کے لانا چاہتے ہو؟"

"نہیں۔ لیکن اب یہ مسئلہ ختم کریں۔ نیا مسئلہ کیا ہے" ٹائیگر سمجھ چکا تھا کہ بہرام کی آمد کی خالی از علت نہیں۔

بہرام اسے سمجھانے لگا۔ ٹائیگر کو وہ دن یاد آگیا جب ڈاکٹر بہرام نے اسے پہلی بار مشن سونپا تھا۔ اس دن کے بعد سے آج تک ٹائیگر نے کسی اور کے لیے کام نہیں کیا تھا اور اس دن کے بعد سے اوشان نے بھی کسی دوسرے "شہنشاہ" کے دربار سے وابستگی کا نہیں سوچا تھا۔ اسے یہ پروا بھی نہ تھی کہ وہ کس قسم کے کام کرتا ہے۔ بس یہ اطمینان تھا کہ اس کے گھاؤں کے اخراجات پورے ہو رہے ہیں اور یہ کہ وہ یقیناً دنیا کی بھلائی کے لیے کوئی کام کر رہا ہے۔ ایک عجیب بات تھی کہ اس نے کبھی یہ پتا چلانے کی کوشش بھی نہ کی تھی کہ چارہ گر کیا ہے اور بہرام کی آمدنی کا ذریعہ کیا ہے۔ وہ اپنی دنیا میں مست تھا لیکن جب وقت آتا تھا تو وہ دنیا کا سب سے خطرناک جلاد بن جاتا تھا اس کا یہ روپ ٹائیگر نے کئی بار دیکھا تھا اور کئی بار واقعی کانپ اٹھا تھا۔ بہرام جب بھی اس سے "نین" کے تحفظ کے ناتے کسی کام کے لیے کہتا تھا۔ تو اوشان کا مخصوص جواب یہ ہوتا تھا "مجھے نین سے نہیں آپ کی بادشاہت کے تحفظ سے تعلق ہے شہنشاہ اعظم۔"

اس وقت وہ ٹائیگر اور بہرام کی گفتگو سن رہا تھا۔

"ٹھیک ہے چیف" ٹائیگر نے ایک طویل سانس لے کر کہا "ایک وقت میں ایک کام۔ اب آپ خود بتا دیں کہ پہلے کس سے نمٹنا ہے۔ جن لی سے یا اس نئے مسئلے سے؟"

"پہلے جن لی سے نمٹنا ہے" اوشان نے لقمہ دیا اسے علم نہ تھا کہ دوسرا مسئلہ کیا ہے لیکن وہ صرف اتنا جانتا تھا کہ شاید دوسرے مسئلے میں زیادہ مزا آئے۔

"وہ تمہارے لیے کوئی مسئلہ نہیں بنے گا" بہرام نے بڑے یقین کے ساتھ کہا "اور چاہتا ہوں کہ تم جن لی سے نمٹ کر مجھے فوراً رپورٹ دو تاکہ میں نئے کیس پر تمہیں بریفنگ دے سکوں۔"

"آخری سوال" ٹائیگر نے مسکرا کر کہا۔

"روبی کہاں ہے؟"

"مقبوضہ فلسطین میں۔ انتقامہ نامی تحریک کے مضروب مجاہدوں کے لیے میڈیکل ایڈ لے کر گئی ہے" بہرام نے خلاف توقع کوئی بات چھپانے کی کوشش نہیں کی۔

"کیا امریکی صدر نے چارہ گر کے اس مشن کی مخالفت نہیں کی چیف؟"

"کی تھی۔ مگر وہ اس کے سوا اور کیا کر سکتے تھے۔ چارہ گر بہرحال ان کی تنظیم نہیں ہماری تنظیم ہے" یہ کہہ کر بہرام اٹھ گیا۔

✠✠

چائنا ٹاؤن کا اسٹار کلب جگمگا رہا تھا۔ جوانیاں بدمستی کے عالم میں اِدھر اُدھر بھٹک رہی تھیں۔ فٹ پاتھ پر درجنوں خالی بوتلیں لڑھک رہی تھیں اور کئی مقامات پر منہ کے بل لیٹے ہوئے افراد الٹیاں کر رہے تھے اس علاقے میں روایتی طور پر زرد چہروں اور چنٹی ناک والوں کا قبضہ تھا لیکن وہ سفید فام بھی آجایا کرتے تھے جن کو سلطی، جلگم، ہیروئین کے بھرے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ہوئے سگریٹ یا انجکشن سے عشق ہوتا تھا۔ دنیا بھر میں منشیات کے خلاف مہم چلانے والے امریکا کو اتنی فرصت نہیں تھی کہ وہ عین ناک کے نیچے منشیات کے اس بدنام اڈے کو دیکھ سکتا۔

مقامی پولیس والوں کا کہنا ہے کہ وہ اس اڈے کے خلاف کچھ نہیں کر سکتے کیونکہ جب وہ اس پر ریڈ کا منصوبہ بناتے ہیں تو محض کچھ دیر بعد ہی اطلاع ملتی ہے کہ اسٹار کلب میں اب کوئی شخص منشیات استعمال نہیں کر رہا ہے بس رقص ہو رہا ہے شراب پی جا رہی ہے اور جوا ہو رہا ہے۔ پولیس افسر یہ پتا چلانے میں ہمیشہ ناکام رہے کہ چند ہی لمحوں میں فٹ پاتھوں پر لیٹے ہوئے منشیات زدہ افراد کہاں چلے جاتے ہیں اور ہیروئین کہاں غائب کر دی جاتی ہے۔ سب سے بڑا سوال یہ تھا کہ پولیس کے منصوبوں کی مخبری کون کرتا ہے۔

ٹائیگر جب وہاں پہنچا تو اسے فٹ پاتھیں صاف نظر آئیں۔ کوئی بھی گڑبڑ میں الجھتا ہوا نظر نہیں آیا اور جب اسٹار کلب کے احاطے میں پہنچا تو وہاں بھی اسے ایسا کوئی شخص نظر نہیں آیا جو بدمست ہو۔ ٹائیگر کو یہ علم نہ تھا کہ محض ایک گھنٹے قبل کلب کی انتظامیہ کو پولیس ریڈ کی اطلاع ملی تھی تو درجنوں افراد نے بہت پھرتی کے ساتھ فٹ پاتھوں پر پڑے ہوئے جسم گھسیٹ گھسیٹ کر کلب کے تہ خانوں میں منتقل کر دیے تھے ہیروئین سے بھرے ہوئے سگریٹ اور انجکشن زیر زمین سٹور میں بے جائے گئے تھے اور پولیس ریڈ حسب معمول ناکام ہو چکا تھا۔

"مجھے جن لی سے ملنا ہے" ٹائیگر نے کلب کے ہال نما جوئے خانے میں داخل ہوتے ہی اعلان کیا۔

ہر طرف سناٹا چھا گیا۔

"مجھے جن لی سے ملنا ہے خاموش کتوں سے نہیں" ٹائیگر نے اس بار زوردار انداز میں کہا۔ اس براہ راست گالی پر کئی افراد نے بے چینی سے پہلو بدلا اور ایک لیم شیم شخص تو کرسی سے اٹھ بھی گیا۔ "کیا کہا تم نے؟" اس نے غرا کر پوچھا۔

"میں نے کہا کہ مجھے جن لی سے ملنا ہے خاموش کتوں سے نہیں لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ دم ہر پٹڑنے سے ایک کتا چیاؤں چیاؤں کرتا ہوا میری طرف آ رہا ہے"

اتنا کافی تھا۔ اس شخص نے ٹائیگر کو دبوچنے کے لیے دونوں ہاتھ پھیلا کر زقند بھری اور پھر دوڑتے ہوئے اس کی طرف آنے لگا۔ وہ بہت طاقتور تھا اس کی اس گرفت میں آ جانے والی کوئی بھی چیز سرمہ بن سکتی تھی۔ وہ ارنا بھینسا تھا۔ جنگلی ہاتھی تھا۔ مشتعل سانپ تھا۔

جونہی وہ قریب آیا ٹائیگر نے محض چھ انچ دائیں طرف حرکت کی اور ارنا بھینسا ڈکراتا ہوا اس کے قریب سے کسی طوفان کی مانند گزر گیا۔ ٹائیگر نے پلٹ کر نہیں دیکھا کیونکہ اب سامنے ایک اور شخص حملے کے لیے پر تول رہا تھا۔ ادھر عقب میں موٹے طاقتور شخص نے خود کو دونوں ہاتھ سامنے والی دیوار پر ٹکا کر مشکل روکا۔ وہ حیرت انگیز پھرتی کا مظاہرہ کرتا ہوا پلٹا اور اس بار مزید خونخوار انداز میں ٹائیگر کی طرف بڑھنے لگا۔

اب سامنے سے کراٹے کے ماہر کا حملہ ہونے والا تھا اور عقب سے پہلوان کا۔

ٹائیگر کے چہرے پر آسودہ سی مسکراہٹ دوڑ گئی۔ وہ کراٹیکا سے مقابلہ کرنے میں خوشی محسوس کرتا لیکن اس کی حسّاس خبردار کر رہی تھیں کہ اصل خطرہ عقب سے ہے۔

پھر اچانک ہی اس نے نہ لڑنے کا فیصلہ کر لیا۔

پہلوان اب کسی انجن کی طرح دھپ دھپ کرتا ہوا اس پر جھپٹ رہا تھا جب کہ کراٹیکا دونوں ہاتھ اور پیر نچاتا ہوا آگے آ رہا تھا۔ دونوں کی رفتار تیز تھی ٹائیگر اس وقت تک یونہی بیچ میں کھڑا رہا جب تک اس کے ذہن نے الگ ہٹنے کا اشارہ نہیں کیا۔ پھر جونہی وہ ہٹا پہلوان اور کراٹیکا دونوں اپنی ہی زد میں آ گئے۔ چیخے دونوں تھے لیکن کراٹیکا کی چیخ بہت کربناک تھی اس کی ہنسلی کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی جب کہ پہلوان اپنا دایاں ہاتھ دبائے تڑپ رہا تھا۔ وہ ضرب جو ٹائیگر کے لگنی تھی پہلوان کے لگی تھی کراٹیکا اپنا ہاتھ نہیں روک سکا اور پہلوان اپنے سینے کی ضرب پر قابو نہیں پا سکا تھا۔

"ایک" ٹائیگر نے کراٹیکا کی طرف اشارہ کر کے اعلان کیا "جن لی کو چھپا کر رکھنے کی کوشش میں مزید کتنے لوگ زخمی یا ہلاک ہونا چاہتے ہیں؟"

اس لمحے پہلوان نے اس پر حملہ کر دیا۔ یہ حملہ شدید تھا۔ ٹائیگر اس کے زور میں چند قدم ہٹتا چلا گیا لیکن پھر دیکھنے والوں نے ایک عجیب تماشا دیکھا۔

جن لی کے اڈے کا سب سے خوفناک پہلوان اور جن لی کا ذاتی محافظ چوہدری بشیر بڑی طرح ہانپ رہا تھا۔ سیدھا اس کے گلہ گدی کر رہا تھا۔ چوہدری بشیر کی حالت دیدنی تھی۔ وہ ہاتھ کی تکلیف بھول کر ہنسے جا رہا تھا۔ "اے چھوڑ" اس نے اچانک فریاد کی بولنی شروع کر دی "اے ہٹ" مگر ٹائیگر

اپنی انگشت شہادت اس کے پیٹ کے اوپر محض ایک انچ دور ہلاتا رہا یوں لگ رہا تھا جیسے اس انگلی سے برق رو نکل کر بشیر کو ہنسنے پر مجبور کر رہی ہے۔ اچانک ہی انگلی کی حرکت میں شدت آئی اور چوہدری بے حال ہونے لگا اب اس کے منہ سے ہنسی کی آواز بھی نہیں نکل رہی تھی صرف منہ کھلا ہوا تھا آنکھوں سے آنسو رواں تھے اور جسم بل کھا رہا تھا چند ہی لمحے بعد وہ دھپ سے گرا۔ اور بھرپور بے ہوش ہو گیا۔

"جن لی کہاں ہے؟" ٹائیگر نے ہاتھ جھاڑتے ہوئے کراٹیکا سے پوچھا۔ جو ایک طرف پڑا درد سے کراہ رہا تھا۔

"کون جن لی؟" کراٹیکا کے چہرے اور آنکھوں سے اب بھی بے خوفی ظاہر تھی۔

"تمہارا باپ" ٹائیگر نے پرسکون لہجے میں جواب دیا "وہی جن لی جو نوگان کے شاگرد ڈونگ ہی کا شاگرد ہے"

اسی لمحے اوپر سے گولی چلی مگر ٹائیگر کا جسم تیار نہ ہوتا تو یہ گولی اس کے سینے میں پیوست ہو سکتی تھی۔ وہ تیزی سے دائیں جانب جھک گیا تھا اور گولی بے ضرر انداز میں اس کے اوپر سے گزرتی ہوئی ایک میز میں پیوست ہو چکی تھی مگر اس سے قبل کہ دوسری گولی چلتی ٹائیگر کے قدم فرش چھوڑ چکے تھے وہ بہت تیزی سے دوڑ رہا تھا اتنی تیزی سے کہ لوگوں کی سانسیں تک رک گئی تھیں انہیں اس کے پیر زمین پر لگتے ہوئے دکھائی نہیں دے رہے تھے بس ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ زمین سے تین انچ اوپر تیرتا ہوا میں اڑ رہا ہے۔

گراؤنڈ فلور کے ہال کے اوپر بنی ہوئی دو چھتی بہت وسیع اور شاندار تھی۔ یہاں جام لنڈھائے جا رہے تھے اور ایک شخص دو چھتی کی چھوٹی سی دیوار کا سہارا لیے ہاتھ میں ریوالور تھامے اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

ٹائیگر کے وہاں پہنچتے ہی افراتفری مچ گئی۔

"برادر شی۔ دشمن" کسی نے لہک کر ریوالور بردار شخص کو خبردار کیا۔ وہ فوراً ہی ٹائیگر کی طرف پلٹا مگر اسے دیر ہو چکی تھی ٹائیگر نے ریوالور کی نال برادر شی کے منہ میں رکھ کر اسی کی انگلی سے لبلبی دبا دی۔ چھرّی چھ گولیاں حلق پھاڑ کر دماغ میں جا گھسیں اور پھر یکے بعد دیگرے کھوپڑی سے باہر نکل گئیں۔

"تت" تم کون؟" ایک خوبصورت سی چینی لڑکی نے پوچھا جو تھر تھر کانپ رہی تھی۔

"جن لی کہاں ہے اچھی لڑکی؟" وہ مسکرانے لگا۔

"جی... ل... وہ... وہ... تو چلے گئے"

"کب؟" ٹائیگر اب اپنے خاص انداز میں مسکرا رہا تھا۔

"ابھی۔ جب تم اندر داخل ہو رہے تھے"

"تم کون ہو پیاری لڑکی؟"

"میں" لڑکی کی آنکھوں میں سرخ ڈورے تیرنے لگے۔ اس کی سانس بھی تیزی سے چلنے لگی "میں اس کی بیٹی ہوں... کوئین"

"وہ کہاں گیا کوئن؟" ٹائیگر نے ہاتھ لڑکی کے شانے پر رکھ کر پوچھا لیکن اتنی احتیاط رکھی کہ اس کے ہاتھ کا بار و دوستانہ ہی رہے۔

"تم... میرے کمرے میں چلو۔ وہیں بتا سکوں گی" کوئین نے سرگوشی کی "ورنہ دوسرے بھی سن لیں گے اور پھر وہ مجھے سزا کے طور پر عصمت فروشی کے اڈے پر بھیج دے گا"

کوئین سینگ سے کہیں زیادہ بے مہری لگ رہی تھی لیکن ٹائیگر نے صبر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا اسے علم تھا کہ آج کل وہ جو درد شیں کر رہا ہے ان کے بیش نظر اتنی عیاشیوں کی گنجائش نہیں۔ وہ اسے تھپکتا رہا۔ بہلاتا رہا... اور کوئین محض امید پر اسے سب کچھ بتاتی رہی "وہ تمہاری آواز سنتے ہی عقبی زینے کے راستے فرار ہو گیا تھا ڈارلنگ۔ مجھے بڑی حیرت ہوئی۔ وہ بے حد نڈر اور پھرتیلا شخص ہے۔ اس نے آج تک کبھی راہ فرار اختیار نہیں کی لیکن شاید وہ تم سے خائف ہے۔ اس نے صرف اتنا کہا کہ وہ آگ اور بھرجوتے پہن کر تیزی سے دوڑ گیا تم سنجیدہ کیوں ہو... بس یوں ہی مسکراتے رہو"

ٹائیگر کو مسکرانا پڑا۔

"آہ" لڑکی نے مسکاری بھری لیکن ٹائیگر نے فوراً اس کا ہاتھ تھام لیا تو وہ پرسکون ہوتی چلی گئی "وہ چیانگ کے اڈے پر گیا ہو گا" کوئین نے کہا "جب بھی کوئی خطرہ ہوتا ہے تو وہ وہیں جاتا ہے۔ تم ٹھہرو۔ میں تمہارے لیے کچھ لاتی ہوں"

"نہیں۔ کچھ اور نہیں۔ تم ہی کافی ہو کوئین۔ چیانگ کا اڈہ کہاں ہے؟"

"نارتھ اسٹریٹ پر" وہ سرگوشی کرنے کی کوشش میں اس کے قریب آ گئی "کیا تم وہاں جاؤ گے؟"

"ہاں"

"ابھی مت جاؤ"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"کیوں؟"

"میں تمہارہ جاؤں گی؟"

"باہر بہت سے لوگ ہیں کوئین۔"

"وہ سب استعمال شدہ ہیں۔" کوئین نے بُرا سا منہ بنا کر کہا "اولڈ الوقت ہیں۔ استعمال کے لیے نہیں۔" ٹائیگر نے مسکرا کر جواب دیا "تمہارے جانے کے بعد تم اسے فون کر دو گی ناں؟"

"ہاں۔ اگر تم مجھے یونہی چھوڑ گئے۔"

"تب پھر میں جا رہا ہوں۔ اسے فون ضرور کر دینا۔" یہ کہہ کر ٹائیگر نے اس کے رخسار تھپتھپائے۔ کوئین پر ایک عجیب سی کیفیت طاری ہو گئی وہ بستر پر ڈھیر ہو اور جب تک ٹائیگر زینے پر پہنچا وہ ایک فیصلہ کرنا کے قابل ہو چکی تھی۔ اس نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ چن لی کو فون پر خبردار نہیں کرے گی۔

وہ بیڈ پر لیٹی لمبی لمبی سانسیں لیتی رہی۔

✣✣

چیانگ کا اڈہ بہت بڑا اور انتہائی فیشن ایبل تھا چیانگ کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ وہ امریکی مافیا کے متوازی حکومت چلا رہا ہے اور یہ حقیقت بھی تھی۔ ڈونگ ہی کی موت کے بعد چن لی نے تو امریکی مافیا کی پناہ لی تھی جب کہ چیانگ نے آزادی کا اعلان کر دیا تھا۔ اس وقت چیانگ یہی سوچ رہا تھا کہ اگر عظیم سنا نجو کے عظیم شمشیر زن کا بیٹا یہاں پہنچ گیا تو کیا ہو گا۔ اسے چن لی کی فکر نہ تھی۔ چن لی کو بچانے والے بہت تھے۔ پوری امریکی مافیا اس کی حفاظت کے لیے اسکتی تھی لیکن چیانگ نیا تھا۔ امریکہ میں اسے کسی دوسرے گروپ کی حمایت حاصل نہ تھی۔ نوگان گروپ پہلے ہی دو حصّوں میں تقسیم ہو چکا تھا۔ اور اب اگر سنا نجو سے بھی اس کی دشمنی ہو گئی ہو تو کیا ہو گا؟ یہی سوال اسے پریشان کر رہا تھا۔

ایک سیدھی سی بات یہ تھی کہ وہ سنا نجو سے دشمنی مول نہیں لے سکتا تھا۔

اس نے بچپن ہی میں سنا نجو کے ماسٹر کی کہانیاں سنی تھیں اور توہم پرست نہ ہونے کے باوجود اسے یقین تھا کہ سنا نجو کا مرحوم ماسٹر کہیں نہ کہیں موجود ہے وہ اپنے اجداد کی طرح اس ماسٹر کے ہاتھوں مرنا نہیں چاہتا تھا لیکن اس کی بیٹی کی عمر صرف دس سال تھی اور اس کے مرنے کی صورت میں اس کی بیٹی بے سہارا رہ جاتی۔

چیانگ اس تجربہ پر پہنچا کہ کسی دوست کی خاطر سنا نجو سے دشمنی مول لینا دانشمندی نہیں۔ تب وہ اس فیصلے پر پہنچا کہ اگر کوئی معرکہ ہوا تو وہ اس میں غیر جانبدار رہے گا۔

✣✣

رات کے پچھلے پہر چیانگ کے اڈے میں زلزلہ سا آگیا۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھا تو اسے کئی لوگوں کی چیخیں سنائی دیں۔ اس نے فوراً کمرے کی لائٹ جلائی گاؤن پہنا اور کمرے سے نکل آیا۔ بھرا ہوا ریوالور اس کے ہاتھ میں تھا کمرے کی رکھوالی سے پہلے ہال میں نظر پڑتے ہی وہ ٹھٹک کر رہ گیا۔ کسی شخص سے اس کے چار ساتھیوں کو تھام رکھا تھا لیکن اگلے ہی لمحے وہ اس شخص کو اس طرح چھوڑ کر فرش پر گرے اور تڑپنے لگے جیسے ان کو کرنٹ لگ گیا ہو۔ وہ نوجوان بہت وجیہہ تھا اس کے جسم پر مسلے کا لباس تک نہ تھا لیکن اس کی کلائیاں موٹی موٹی تھیں اس کے چہرے پر کوئی تاثر نہ تھا۔ بس وہ ان چاروں کو گھورے جا رہا تھا۔

اسی وقت عقب سے گھومے نے نوجوان پر حملہ کیا۔ نوجوان بجلی کی طرح گھوما اس نے حملہ آور ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں پکڑ کر انہیں زوردار جھٹکا دیا تو گھومے کی خارش زدہ کتے کی طرح بھونکنے لگا۔ چیانگ کو اپنی نظروں پر یقین نہیں آیا کیونکہ گھومے کے دونوں ہاتھ کلائیوں سے جدا ہو کر اب صرف کھال کے سہارے جھول رہے تھے۔

اب کی مرتبہ چیانگ نے ان چاروں کو بغور دیکھا جو فرش پر پڑے ہوئے تھے پھر اس کی آنکھیں خوف و دہشت سے پھیلتی چلی گئیں۔ وہ خود بھی اعضا کو ہتھیار بنانے کے فن سے شناسا تھا اس نے بھی کئی افراد کے ہاتھ پیر توڑے تھے مگر ان چاروں کی جو حالت تھی وہ کسی بھیانک خواب سے کم نہ تھی۔

ان میں ایک چہرہ صحیح سلامت تھا باقی ٹوٹ کر جھول رہی تھی۔ دوسرے کے دونوں کان کٹے ہوئے تھے۔ تیسرے کا سینہ ساکت تھا غالباً دل کچل گیا تھا اور چوتھا آنکھوں سے محروم ہو چکا تھا۔

"ماسٹر" چیانگ نے دل ہی دل میں کہا۔ اسے اپنی ماں کی بات یاد آگئی کہ موت سے دور رہنا اور موت سے دور رہنے کا مطلب ہے کہ سنا نجو کے ماسٹر سے دور رہنا۔

تب ہی ہال کے گلیارے کا دروازہ کھلا اور یوشی اندر آیا وہ غضب کا لڑاکا تھا اس کی رگوں میں بجلی بھری ہوئی تھیں لیکن حیرت کی بات یہ تھی کہ اس کا دایاں ہاتھ مفلوج تھا۔ غالباً ماسٹر نے اس کو گلیارے ہی میں دبوچ لیا ہو گا؟

"کیا بات ہے؟" ٹائیگر نے یوشی سے پوچھا۔ اسے گھیارے میں یوشی سے لڑنے میں لطف آرہا تھا مگر فی الحال وقت کی کمی کے باعث اس نے کھیل جلد ختم کرنے کے لیے یوشی کے دائیں ہاتھ کی کلائی پر گولی کو بے جان کر دینے والی ضرب لگائی تھی اور جب یوشی زیر ہو گیا تو اس نے پوچھا تھا کہ چن لی کہاں ہے۔

"چن لی اپنے سے کمرے میں نہیں ماسٹر" یوشی نے جواب دیا۔ صاف ظاہر ہے کہ اس کو کوئی درد محسوس نہیں ہو رہا بس دایاں ہاتھ مفلوج ہوا ہے۔

"مجھے ماسٹر کہو" ٹائیگر نے غرا کر کہا "میں ماسٹر کا فرستادہ ہوں۔ کہاں ہے چن لی؟"

"ماسٹر چیانگ کو علم ہو گا۔"

"چیانگ کہاں ہے؟"

"میں یہاں اوپر ہوں عظیم ماسٹر کے فرستادے" چیانگ نے پہلی بار ہمت کر کے زبان کھولی۔ وہ سمجھ چکا تھا کہ سنا نجو کے ماسٹر نے اپنے شاگرد کو بھیجا ہے۔

"اور چن لی؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"وہ عقبی راستے سے فرار ہو رہا ہے۔ میری تمہاری دشمنی نہیں گرینڈ میری عمارت کی حدود سے باہر قتل کرنا چاہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔"

ٹائیگر نے چیانگ کی طرف دیکھے بغیر دوڑ لگا دی۔ ہر دیکھنے والے کی طرح چیانگ بھی سکتہ میں رہ گیا کیونکہ ٹائیگر کے پیر اُسے اڑتے ہوئے نظر نہیں آرہے تھے۔

پائیں باغ میں ٹائیگر کو ایک سایہ نظر آیا "چن لی؟" اس نے للکارا "بھاگو مت چن لی۔ اپنے استاد کی تحقیر مت کرو ورنہ اس کی روح قبر میں بھی جلتی رہے گی" اس کا لہجہ اوشان کے لہجے سے مختلف نہ تھا اور سچی بات یہ تھی کہ وہ چن لی کو اس طرح چوہوں کی طرح بھاگتے اور فرار ہوتے دیکھنا نہیں چاہتا تھا کیونکہ نوگان خواہ کتنا ہی بدقماش کیوں نہ ہو بہادر ضرور تھا اور کسی بہادر کے شاگرد کے شایانِ شان یہ انداز اسے ملول کر رہا تھا۔

عین اسی وقت ٹائیگر کو عقب میں قدموں کی آہٹ سنائی دی اس کی حسیات خطرے سے بروقت خبردار کر دیا وہ کسی طرح گھوما اور اس کی بھرپور لات اسٹین گن سنبھالنے اور اس کا نشانہ لینے والے کے سینے پر پڑی۔ اس شخص کے سینے کی تمام ہڈیاں ٹوٹنے کی آوازیں واضح طور سے سنائی دیں اور وہ شخص اسٹین گن سمیت پائیں باغ کے سوئمنگ پول میں گر گیا۔

"چن لی" ٹائیگر نے رکے ہوئے سانس کو بھرپور کہا "مجھ سے مقابلہ کرو۔ میں تمہیں قتل کرنے آیا ہوں۔"

"میں تمہیں مار ڈالوں گا" چن لی کی پھنسی پھنسی سی آواز سنائی دی "تمہارے ماسٹر نے میرے ماسٹر کو قتل کیا ہے میں اس کا بدلہ لوں گا۔"

"اور میں نے تمہارے ماسٹر کو قتل کیا تھا چن لی" ٹائیگر کی آواز میں ہزاروں آندھیوں کی گرج تھی "وہ کتے کی موت مارا گیا تھا۔ اب میں تمہیں اس سے بھی بڑی موت سے ہمکنار کروں گا۔"

"میں عظیم ڈوگنگ ہی کا شاگرد ہوں" چن لی اب روایتی انداز میں بولنے لگا تھا۔ صاف ظاہر تھا کہ اب وہ فرار ہونا نہیں چاہتا تھا۔ غالباً مقابلے پر آمادہ تھا۔

"اور میں اس شیر کا شاگرد ہوں جس کا نام سن کر اس کے دشمن راتوں کی نیندیں حرام کر لیتے ہیں۔ وہ خوابوں میں بھی موت بن کر آتا ہے۔ میں ٹائیگر ہوں۔ عظیم اوشان کا عظیم شاگرد۔ میں رات کی خاموشیوں میں سرگرم رہنے والی موت ہوں۔ میں آندھی ہوں۔ میں طوفان ہوں۔ ہر چیز تہس نہس کر دیتا ہوں۔"

"میں تمہیں کچھ بھی نہیں سمجھتا" چن لی اب خاص انداز میں ایک طرف ہٹ کر دو قدم آگے آیا تھا۔ روشنی میں آتے ہی اس کا جسم چمکنے لگا۔ اس نے قمیص اتار پھینکی تھی۔ اس کے فولاد جیسے عضلات مچھلیوں کی طرح تڑپ رہے تھے۔ "میں تم سے عظیم نوگان کا بدلہ بھی لوں گا۔ میں پہلے تمہیں اور پھر اس بوڑھے کو قتل کروں گا۔"

"تم گندی نالی کے کیڑے ہو چن لی۔۔" ٹائیگر نے جواب دیا اس کے چہرے پر کوئی تاثر نہ تھا وہ دونوں ہاتھ نیچے گرائے کھڑا ہوا تھا۔ جب کہ چن لی مخصوص انداز میں پیروں کو جنبش دیتا ہوا اس کے قریب آرہا تھا اس کے دونوں ہاتھ بہت آہستہ آہستہ اٹھ رہے تھے انگلیاں مڑ رہی تھیں وہ یقیناً آئرن نیل نامی حربہ استعمال کرنے کی تیاریاں کر رہا تھا۔

پھر بس بجلی ہی سی بجلی تھی۔ چن لی نے پینترے کے سے انداز میں جست لگائی تھی۔ وہ کسی بھیڑیے کی طرح ٹائیگر پر جھپٹا تھا۔ اس کے دونوں پنجے فولادی کیلوں کی طرح سیدھے اور اکڑے ہوئے تھے۔ وہ اس وار سے ٹائیگر کی انتڑیاں نکال لینا چاہتا تھا۔ اس نے غضب کی پھرتی کا مظاہرہ کیا تھا اگر کوئی اور ہوتا تو اب تک اس کی انتڑیاں باہر پڑی ہوتی ہوتیں۔ خود ٹائیگر کو بھی اس پھرتیلے وار سے بچنے کے لیے پورے ایک فٹ دور تک ہٹنا پڑا تھا۔ اس بار ٹائیگر کی آنکھوں میں پل بھر کے لیے حیرت بھی نظر آئی تھی۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

وار خالی گیا تو چن لی کے عضلات بُری طرح تڑپنے اور بل کھانے لگے۔ وہ اپنے جھونک میں کئی فٹ دور تک نکل کر پلٹا اس بار اس کے چہرے پر خوفناک تاثرات تھے۔ چن لی پھر اسی انداز میں لپکا۔ اب ٹائیگر اس کی رفتار اور حملے کے زاویئے کا اندازہ لگا چکا تھا۔ بلند اچھلتے ہوئے وہ ٹائیگر کے قریب پہنچا۔ اس نے اچھلتی ہوئی بکری کی مانند پیر ہلائے۔ یہ خالصتاً دفاعی کارروائی تھی لیکن چن لی اسے نہ جانے کیا سمجھ کر قلابازی کھاتا ہوا دور ہو گیا۔ وہ دور گر دور جا کر اٹھا۔ اب اس کے چہرے پر غضب ناکی تھی جب کہ ٹائیگر مسکرا رہا تھا۔ وہ لطف لے رہا تھا۔ نوگان اور ڈپ مین سے مقابلے کے بعد اسے آج کوئی حقیقی مقابل ملا تھا۔

چن لی نے یک بار پھر پھر سے ہوئے سانڈ کی طرح کیا اور اس بار وہ دھوکہ دے کر جھپٹنے پر وار کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ ٹائیگر نے جھٹکے میں درد محسوس کیا تو اس کی شکر میٹھ اور گہری ہو گئی۔ اس نے بائیں کہنی استعمال کی جو چن لی کے بازو پر لگی لیکن چن لی چیخ کر گرا نہیں بلکہ کسی ہرن کی طرح قلانچ بھر کر دور ہو گیا۔ اس نے بازو کو دبایا تک نہیں مطلب واضح تھا۔ ٹائیگر کی طرح اس کا جسم بھی لڑائی کے دوران بے حس ہو سکتا تھا۔ ابھی چن لی نے قلانچ مکمل کی ہی تھی کہ وہ پھر اچھلا اس بار اس کا انداز بلندی سے کود دینے والے چیتے جیسا تھا۔ ٹائیگر کے دونوں ہاتھ فضا میں بلند ہوئے، چن لی ان ہاتھوں پر آیا اور پھر ٹائیگر کے ہاتھوں نے اسے اچھال دیا لیکن یہ دیکھ کر ٹائیگر کو بھی حیرت ہوئی اس عظیم جثہ بلا کے مالک نے فضا ہی میں کئی قلابازیاں کھائیں اور پیروں کے بل زمین پر آ گیا۔

ٹائیگر نے دماغ ٹھنڈا رکھا۔ اسے علم تھا کہ یہ لڑائی صرف دماغ ٹھنڈا رکھنے سے جیتی جا سکتی ہے۔ ویسے اب وہ جوابی کارروائی کے لیے تیار تھا۔ اس بار چن لی نے وہی کوشش کرنے کی غلطی کر ڈالی جو وہ مسلسل کر رہا تھا وہ لپکا، جھپٹا اور ٹائیگر پر آ رہا۔ شاید وہ ٹائیگر کو اپنے جسم سے بے بس کر سر سر بنا دینے کی کوشش کر رہا تھا مگر پھر جو کچھ ہوا وہ پل بھر میں ہوا اس سے قبل کہ چن لی دونوں ہاتھوں سے اس کی کمر پکڑ کر ریڑھ کی ہڈی پر دباؤ ڈالتا اس کا پیٹ صرف ایک ٹھوکر کے لیے ٹائیگر کی زد میں آیا اور ٹائیگر کی انگشت شہادت اس کی ناف میں کسی بڑی کیل کی طرح پیوست ہوتی چلی گئی۔ چن لی الٹی قلابازی کھا کر چند قدم دور گرا اور جب اٹھا تو اس کی ناف سے خون بہہ رہا تھا اور ٹائیگر کی خون آلود انگلی روشنی میں چمک رہی تھی۔ چن لی واقعی بہادر تھا۔ اس نے زخم کی پروا نہ کی وہ ایک بار پھر ٹائیگر پر حملہ آور ہوا لیکن جونہی حرکت کرنے سے ناف سے خون کی دھار بہنے لگی تو وہ بہت زور سے چلایا۔ اس کا خون اس کے پیروں کے قریب گر رہا تھا۔ اس نے جنونی انداز میں حملہ کیا۔ اس بار پھر انگشت شہادت کو موقع مل گیا اور وہ ناف سے ذرا نیچے پیٹ میں اتر گئی۔ تب ہی ٹائیگر کی کھوپڑی بھی گرم ہونے لگی۔ اس نے پہلی بار اپنی جگہ سے چھلانگ لگائی۔ اس کے دونوں ہاتھ ٹائیگر اسٹائل کی پوزیشن میں آ گئے۔ اب وہ ہاتھ بن چکے تھے جو گوشت کے لوتھڑے جسموں سے جدا کر سکتے تھے جو دل نکال سکتے تھے۔ ان ہاتھوں کی انگلیاں اُنگلیوں کی طرح مڑی ہوئی تھیں۔

چن لی، ٹھٹک کر پیچھے ہٹا۔ گھاس پر اس کا خون تیزی سے گر رہا تھا۔ دو سو راتوں سے بیک وقت خون گرتا دیکھ کر چن لی میں کمزوری پیدا ہونے لگی تھی۔ اسی لمحے ٹائیگر نے ہاتھوں کی پوزیشن بدلی اس نے دائیں ہاتھ سے چن لی کی پشت اور اسی کے سینے پر ضرب لگائی چن لی نے تیزی سے فرنٹ کک استعمال کرنے کی کوشش کی مگر اس کی ٹانگ ٹائیگر نے پکڑ لی اور خود اس پر گر گیا۔

اب وہ شاگرد کے شاگرد کو چھاپ چکا تھا۔ چن لی نے تڑپ کر اس کی گرفت سے نکلنے کی کوشش کی لیکن ٹائیگر نے دونوں کہنیاں اس کے پیٹ پر جما کر گھٹنے کی مدد سے چوٹیں لگانی شروع کر دیں۔ تب ہی چن لی نے اس کی آنکھوں کو نوچنے کے لیے ہاتھ استعمال کرنا چاہا۔ ہی اس کی بھیانک غلطی تھی۔ ٹائیگر اسے چھوڑ کر اٹھ گیا۔

چن لی پھر تیلے انداز کا مظاہرہ کرتے ہوئے کھڑا ہو گیا مگر میں اسی وقت ٹائیگر کی بھرپور کک اس کے دائیں پہلو پر لگی جس کی انگلیوں سے وہ ٹائیگر کی آنکھیں نکالنا چاہتا تھا۔ اس بار چن لی کی چیخ نکل گئی۔ پھر ٹائیگر نے اسے محور کروں پر رکھ لیا۔ ایک بھرپور سائیڈ کک چن لی کے دائیں بازو پر جوڑ کے قریب لگی تو اس کا جوڑ نہ صرف ٹوٹ گیا بلکہ پورا ہاتھ کٹ کر گر گیا۔

"نہیں ...." چن لی بہت زور سے چلایا۔

"مقابلہ کرو ...." ٹائیگر واقعی شیروں والے انداز میں غرایا۔ "مجھ سے لڑو ...."

چن لی نے دایاں ہاتھ گھمانے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا تھا۔ تب ہی اس نے ایک عجیب حرکت کی۔ وہ فضا میں بلند ہوا اس کی دونوں ٹانگیں متوازی رہیں وہ دونوں پیروں سے ٹائیگر کے چہرے کا بھرتہ بنانا چاہتا تھا۔ اب ٹائیگر کے پاس چن لی کی اس شاندار پرواز کی تعریف کے لیے وقت نہیں تھا وہ بھی اچھلا

فضا ہی میں دونوں کی ٹانگیں ٹکرائیں۔ فرق صرف یہ رہا کہ چن لی چیخ اٹھا جب کہ ٹائیگر ایک طرف گرتا ہوا سنبھل گیا۔

چن لی کے دونوں پیروں کی ہڈیاں پنڈلیوں تک کرچی کرچی ہو چکی تھیں اور پیر گوشت کا ڈھیر لگ رہے تھے۔

"اٹھو" ٹائیگر نے اسے پھر للکارا۔

"اب یہ نہیں اٹھے گا میرے بچے ...." عقب سے اچانک ہی اوشان کی آواز سنائی دی۔ ٹائیگر نے پلٹ کر نہیں دیکھا۔

اوشان چیانگ کے ساتھ کھڑا ہوا تھا اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں وہ اسٹار کلب سے سیدھا یہیں آیا تھا کیونکہ ایک خوفزدہ سی لڑکی نے اسے بتایا تھا کہ ایک قاتل چن لی کو قتل کرنے کے لیے گیا ہے۔

چن لی اب سسک رہا تھا۔ ٹائیگر نے آگے بڑھ کر اس پر جھک گیا۔ "شکریہ چن لی۔ تم بہت بہادر نکلے۔ تم نے راہ فرار اختیار نہ کی تو گرو نوگان کو ایک بار فرار بھی ہوا تھا۔" یہ کہہ کر اس نے چن لی کی گردن پر پیر رکھا اور پھر ہٹا لیا۔

نوگان کے شاگرد کا شاگرد لمحے ہی لمحے میں مر گیا۔ سر نے سے قبل اس کے جسم نے زوردار جھٹکا ضرور لیا تھا ایسا لگا تھا جیسے وہ ایک بار پھر اچھل کر حملہ کرنے والا ہو۔

"اوشان" ٹائیگر نے پلٹ کر کہا۔ "اپنے بدقماش بھتیجے کی باقیات کو سمیٹو اور کہنا نجو کے ماسٹر کے شاگرد سے مقابلہ کرنا کتنا مہلک ثابت ہوتا ہے۔"

"کیوں نہیں میرے بچے۔" اوشان نے اس کے قریب آ کر کہا۔ "میں ہواؤں سے کہہ دوں گا کہ وہ چن لی کی موت کی خبر وہاں تک پہنچا دیں جہاں اس کو خبر کی ضرورت ہے۔" اس کا لہجہ بہت تلخ بھرا تھا۔ آج اس نے کئی برسوں بعد ٹائیگر کا وہ پہلو دیکھا تھا۔ جس کو دیکھنے کی تمنا تھی۔ وہ جانتا تھا کہ اس لڑائی میں ٹائیگر نے کوئی غلطی نہیں کی۔ بس جبڑے تاثر ہوا ہے۔ ایسی لڑائی میں جبڑے پر ایک ضرب لگنا خاص بات نہ تھی لیکن دل ہی دل میں اوشان سوچ رہا تھا کہ ابھی شہزادو کو مزید تربیت کی ضرورت ہے ذرا سی خامی رہ جائے تو ماسٹر کو جبڑے پر ضرب کی ذلت اٹھانی پڑتی ہے۔

دروازے کی چوکھٹ پر پیٹرول مین نے الٹی کی تو پہلے کافی دیر بھونچکا سا۔ الٹی ہونی کافی کے چھینٹے اس کی نیلی وردی پر بھی گرے۔ وہ اب گرین بوچ ویلیج کے تہ خانے میں داخل ہونے کا نام بھی نہیں لے سکتا تھا لہٰذا نیویارک کا سراغ رساں سارجنٹ اسے سہارا دے کر اوپر سڑک کی سطح تک لے آیا جب کہ تہ خانے کے اندر شہر کا ڈاکٹر اس خون پر جھیل کر چاروں شانے چت گرا جو فرش پر پھیلا ہوا تھا اس نے اٹھنے کی کوشش کی تو گھٹنوں کے بل پھسل گیا خون سے وہ تالین سرخ ہو چکا تھا جو کبھی نیلا تھا خود ڈاکٹر کے سفید کوٹ کی پشت خون سے لتھڑی ہوئی تھی، پتلون پر اس جگہ خون کے دھبے تھے جہاں گھٹنوں کے ابھار تھے۔ ہاتھ بھی سرخ تھے اور وہ نوٹ بک بھی نہیں نکال سکتا تھا۔ کمرے میں ایسی بو تھی جیسے وہ کسی گائے کے پیٹ میں اتر کر خون میں ڈبکی مار رہا ہے ہر طرف اعضا بکھرے ہوئے تھے۔

ٹین ٹاؤن کے چیف آف ہومی سائیڈ جیک والڈمین نے اس نوجوان پیٹرول مین کو بغور دیکھا جواب بھی اپنے ساتھی کے سہارے کھڑا ہوا تھا۔ "کیا یہ برداشت نہیں کر سکا؟" اس نے سراغ رساں سے پوچھا۔

"نہیں۔ یہ ہی کیا کوئی بھی اندر کا منظر برداشت نہیں کر سکتا۔" سراغ رساں نے انسپکٹر کو جواب دیا۔

"بہر حال۔ تمہیں ذرا حوصلے سے کام لینا چاہیے تھا گڈ۔" انسپکٹر والڈمین نے پیٹرول مین کی پشت تھپتھپا کر کہا۔ وہ ایک بار انسپکٹر کو پہلے بھی بریفنگ کے دوران دیکھ چکا تھا اس وقت والڈمین کا منہ پیسٹری سے بھرا ہوا تھا اور ایک کونے میں جھکا ہوا سگار اٹکا ہوا تھا۔ وہ والڈمین کے پیٹ کو بوا لگر بلیٹ آئرن کہتے تھے۔ ایک بار والڈمین نے ایک لاش کا معائنہ کیا تھا۔ یہ لاش دلدل پر پیرس برگ کی تھی جس کی آنکھیں نکال لی گئی تھیں اور جب والڈمین کے پہنچنے کے بعد پوسٹ مارٹم کرنے والے نے لاش کا معائنہ کیا تھا تو اسے آنکھ کے خول سے کیک کے ٹکڑے ملے تھے۔ اسے علم نہ تھا کہ والڈمین نے لاش کا اس سے پہلے معائنہ کیا ہے لیکن وہ اس نتیجہ پر فوراً پہنچ گیا کہ اس سے قبل لاش دیکھنے والا والڈمین کے سوا اور کوئی نہیں۔

"فکر مت کرو۔" انسپکٹر والڈمین نے پیٹرول مین رو کی سے کہا۔ "میں تمہارے لیے ٹماٹو جوس اور سلاد منگواتا ہوں تم ابھی ٹھیک ہو جاؤ گے۔" اس وقت بھی اس کے منہ میں پیسٹری اور سگار تھا، لیکن اس کی اس مشفقانہ پیش کش کا الٹا اثر ہوا۔ روکی نے ایک بار پھر تے کر دی۔

جیک والڈمین کو خوشی تھی کہ اخبار والوں کی ٹولی ابھی تک نہیں آئی ہے۔

اس نے ڈاکٹر کو ڈگمگاتے ہوئے تہ خانے کے زینے سے اوپر آتے ہوئے دیکھا وہ خون میں لت پت تھا۔

"اے۔ ڈاکٹر کو بلاؤ۔" اس کی حالت دیکھ کر والڈمین چلا اٹھا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"مگر کیوں؟" روکی کو سہارا دینے والے سارجنٹ نے پوچھا۔
"ہمارا ڈاکٹر لہولہان ہے۔"

"یہ میرا خون نہیں۔" ڈاکٹر نے جھلا کر کہا۔ اسی لیے والڈین کی نظر پولیس کی گھڑی کی ہوئی رکاوٹ کے اس پار ایک پولیس کار پر پڑی تو اس نے تیزی سے ہیسٹری نکال لی کیونکہ اسے علم تھا کہ اگر اخبار والوں نے اس موقع پر اسے ہیسٹری کھاتے ہوئے دیکھ لیا تو وہ تحلل کے بجائے ہیسٹری کی سرخیاں جمائیں گے۔ پھر وہ تیزی سے آہنی زینہ اترنے لگا جس پر ڈاکٹر کے خون کی لت پت جوتوں کے نشانات تھے۔ والڈین نے سبز دروازے کو ہینڈل سے دھکا دیا تاکہ اس کی انگلیوں کے نشانات دروازے پر نہ آسکیں دروازہ کسی شدید کوشش کے بغیر کھل گیا۔ وہ منہ چلاتا ہوا اندر داخل ہوا تو اسے پتا چلا کہ اندر کوئی جزیرہ نہیں سارا فرش انسانی خون سے سرخ ہو رہا تھا بس یوں لگ رہا تھا جیسے سرخ قالین بچھا دیا گیا ہو۔ یہ سرخی ۱۵۰ واٹ کے بلب کی روشنی میں اور زیادہ چمک رہی تھی اس کے دائیں طرف بیڈ کے نیچے پر ایک انسانی سر نظر آرہا تھا۔ جس پر کٹی ہوئی کان کی جگہ بھی ایک بڑا سا سوراخ تھا کمرے میں ایک طرف استری کرنے والے اسٹینڈ پر خون آلود وہ کپڑے پڑے ہوئے تھے۔ والڈین نے بغور دیکھا مگر اسے ان کپڑوں میں کوئی جسم نظر نہیں آیا بس صرف تین ٹانگیں نظر آئیں جن کے جوتے مختلف تھے اس کا مطلب یہ تھا کہ یہاں کم از کم تین اموات ہوئی تھیں۔ اسے کمرے میں عجیب سی بساند محسوس ہوئی جس میں میتھی ٹیشس کی بو بھی شامل تھی۔ والڈین نے کراہیت آمیز انداز میں ایک طرف تھوک دیا۔

اس نے تجربہ کار آرٹ کے بے شمار نمونے دیکھے تھے لیکن وہ یہاں جو کچھ دیکھ رہا تھا وہ اس سے زیادہ کراہیت آمیز تھا۔

اس نے چوکھٹ کے اوپر دیکھا تو اس کا سر چکرا گیا وہاں سیمنٹ کی چھت پر چار دھڑ نظر آرہے تھے۔ تین مرد اور ایک عورت۔

اس کی آنکھوں میں تاریکی سی چھانے لگی اور وہ فوراً کمرے سے واپس نکل گیا۔ اس نے باہر جا کر دیر تک گہری گہری سانسیں لیں پھر آخر برسوں کی تربیت کام آئی اور اس کے اعصاب قابو میں آگئے اس نے پولیس فوٹو گرافر سے بہت تیزی سے کام مکمل کرایا۔ پھر وہ خود بھی اپنے کام میں لگ گیا اس نے بکھرے ہوئے اعضا جمع کیے۔ "اٹیچی کا ایک ڈبلا پلیو فلم بیگ میں رکھا اور اس پر پیپر پن لگا دی۔ دو افراد کو پوچھ گچھ کے لیے اس پڑوس میں بھیج دیا۔ باقی دو کو ہدایت دی کہ وہ مالک مکان کو تلاش کریں اور باقی افراد سے کہا کہ

دروازے دیوار پر چپکے ہوئے ٹوتھ پک کو الگ کر کے محفوظ کر لیں۔
یوں جسموں کے ٹکڑے مردہ خانے لے گئے اور اس کے بعد لاشیں بنانے کا کام شروع ہو گیا تاکہ مقتولین کی شناخت کی جا سکے کوشش یہی تھی کہ دھڑوں کے ساتھ اسی کی ٹانگیں اور سر لگیں۔ اسی دوران چیف کورونر نے وہ سوال پوچھا جس کی والڈین کو توقع نہیں تھی۔

"تمہارے آدمی وہاں کچھ بھول آئے والڈین۔" ڈاکٹر نے کہا۔
"کیا؟"
"لاشوں کی کھوپڑیاں دیکھو۔" ڈاکٹر کے کہنے پر والڈین نے کھوپڑیوں میں جھانکا تو وہاں مغز نہ دارد تھا۔ "اوہ!" اس کا منہ چلتے چلتے رک گیا۔ "میرا خیال ہے کہ دماغ ان ہی تھیلوں میں ہو گا۔"
"نہیں ہے۔ کیا تمہارے آدمی وہاں سے سب کچھ لے کر گئے ہیں؟"
"ہاں۔ اب تو وہاں دھلائی ہو رہی ہے۔"
"تب پھر دماغ غائب ہیں۔"
"او جھٹکوں والے تھیلے میں دماغ سے سوا کچھ ہے۔"
"اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ دماغ نکال کر لے گئے۔" والڈین کے چہرے پر اب تشویش کے سائے منڈلانے لگے تھے۔
"یس انسپکٹر والڈین۔" ڈاکٹر نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "کسی نے دماغ چوری کر لیے ہیں۔"

اس کے بعد اخبار والوں سے جان چھڑانا مصیبت ہی ہو گئی والڈین بمشکل تمام فارغ ہو کر اپنے پروموشن والے اپارٹمنٹ پہنچا تو اس وقت بھی مقتولین کے دماغوں کی چوری اس کے اعصاب پر سوار تھی۔

وہ اس نتیجہ پر پہنچا تھا کہ قاتلوں نے اپنا کام مکمل کرنے میں کم از کم چار پانچ گھنٹے لیے ہوں گے کیونکہ صرف دھڑوں کو ٹانگنے میں ہی دو گھنٹے لگے ہوں گے۔ سوال صرف یہ تھا کہ کسی قاتل کا فون یا لوونڈفٹ پر نٹ نہیں ملا جب کہ کمرے میں جانے اور واپس آنے والے ہر شخص کے جوتے خون سے لت پت ہو گئے تھے۔

"چیک۔ چلو آجاؤ۔ نیند آرہی ہے۔" اس کی بیوی نے بیڈ روم سے پکارا۔

اس وقت صبح کے ڈھائی بجے تھے۔

"اب سونے سے کیا فائدہ ایتھل؟" اس نے جواب دیا۔ "ڈھائی بج رہے ہیں۔"

"تھوڑی دیر کے لیے آرام کر لو۔"
والڈین سوچ رہا تھا کہ قاتلوں نے اتنی درندگی کا مظاہرہ کیوں کیا۔ یہی سوچتے ہوئے وہ ڈبل بیڈ پر کہنی کے نیچے سر رکھ گیا۔

صبح ناشتے پر اس نے کافی کے سوا کسی چیز کو ہاتھ نہیں لگایا۔
"کیا انڈے نہیں کھاؤ گے؟" ایتھل نے معصومانہ انداز میں پوچھا۔
"یہ تمہارے انڈے نہیں ورنہ کھا لیتا۔" والڈین نے جواب دیا۔
"کیا بکواس ہے۔ تم مسلسل کچھ سوچ رہے ہو۔ کیا کوئی دوسری عورت چکر چلا رہی ہے؟"
"کیسی دوسری عورت؟"
"میں جانتی ہوں کہ تم کسی دوسری عورت میں دلچسپی لینے لگے ہو۔ ٹھیک ہے اب وہاں جاؤ اسی سے دل بہلاؤ۔"

والڈین منہ بناتا ہوا اپارٹمنٹ سے نکلا تو ایتھل اس وقت بھی چلا رہی تھی۔

ڈوبزن ہیڈ کوارٹر پہنچا۔ تو وہاں ایتھل کا پیغام پہلے ہی موجود تھا کہ وہ اپنی ازدواجی زندگی بچانے کے لیے ہر قسم کی قربانی دینے کو تیار ہے۔ پھر ایتھل کا فون بھی آگیا۔ "میں سب کچھ فراموش کرنے کے لیے تیار ہوں ڈیک۔ اس فنکار کو بھول جاؤں گی۔"
"کون سی فنکارہ؟" والڈین نے کتا کر پوچھا۔
"پلیز ڈیک۔ دیکھو۔ اب جب کہ ہم غلط فہمیاں دور کر رہے ہیں تو پھر ہمیں ایمانداری سے کام لینا چاہیے۔"
"چلو ٹھیک ہے۔ بولو۔"
"کیا وہ بہت مشہور فنکارہ ہے۔"
"ایتھل!" اسے غصہ آنے لگا اور یوں بات آگے نہ بڑھ سکی پھر والڈین سے میئر آفس نے صورت حال پر تفصیلی رپورٹ طلب کر لی۔ کمشنر آفس والے بھی خصوصی رپورٹ کا تقاضہ کر رہے تھے۔ والنٹین کی کسی بالجھلی نے بھی واقعات کی تفصیلات طلب کی تھیں اور وائین یونیورسٹی کا ایک اہم نفسیات والڈین سے بات کرنا چاہتا تھا۔

"ان لوگوں کو مجھ سے دور رکھنا۔" اس نے ہدایت کی پولیس فوٹو گرافر نے خونی کمرے کی دیوار کا جو مکمل پرنٹ اتارا تھا وہ خاصا دلچسپ تھا۔ والڈین نے کمرے میں موجود رہنے کے باوجود یہ اندازہ نہیں لگایا تھا کہ دیوار کسی پوسٹر کی طرح لگ رہی ہے۔ تصویر سے یہ بہت واضح تھا کہ خون کی لکیروں سے دیوار پر کوئی ڈیزائن سا بنا ہوا ہے اور وہیں قریب ایک ہاتھ لٹک رہا ہے۔

"آپ کا کیا خیال ہے؟" فوٹو گرافر نے پوچھا۔
"میں نتیجہ پر آرہا ہوں۔" والڈین نے جواب دیا۔ اس کی مراد اسی مردہ خانے سے تھی جہاں یہ تصویر بنائی گئی تھی۔ وہاں اپارٹمنٹ کے گرد لوگوں کی ٹولیاں کھڑی ہوئی تھیں لیکن پولیس کی رکاوٹوں کے باعث یہ لوگ بلڈنگ میں داخل نہیں ہو سکے تھے۔ اٹھانے والے سیول مین کی حالت بہت بہتر تھی۔ وہ اسی کے ساتھ مردہ خانے کی طرف چل دیا۔ "میں نے کہا تھا نا کہ مردہ خانے میں کوئی خاص بات نہ تھی روکی۔" والڈین نے چلتے چلتے کہا۔

"یس سر۔ کوئی خاص بات نہ تھی۔" روکی نے تیز قدم اٹھاتے ہوئے مکمل یقین سے کہا۔

مردہ خانے کے اندر کا منظر اب دوسرا تھا۔ وہاں سے ایسی بو آرہی تھی جیسی کریم کش دواؤں کے ذخیرہ سے آتی ہے۔ قالین ہٹایا جا چکا تھا۔ والڈین نے اطمینان سے رنگین تصویریں نکالیں ایک تصویر خون سے آلودہ دیوار کی تھی۔ مگر اب اس دیوار پر بھی کوئی دھبا نہیں تھا۔

وہ تصویریں دیکھتا اور کمرے کا معائنہ کرتا رہا۔ وہ ایک قدم پیچھے ہٹا فرش کا ایک تختہ اچانک ہی اس کے بھاری قدموں کے نیچے چرمرایا۔ اس نے پھر پیر مارا تو تختے کا دوسرا سرا اٹھ گیا اس نے جھک کر اس تختہ کو مزید اٹھایا اندر اسے پلاسٹک کے تھیلے نظر آئے۔ اس بار والڈین کا منہ چلنا بند ہو گیا۔ اس نے ایک بیگ کھولا۔ اس میں خشیش بھری ہوئی تھی تب ہی وہ اس نتیجہ پر پہنچا کہ بخیہ فرش پر تختوں کی کیا ضرورت اس نے مزید تختے ہٹائے تو اسے مزید تھیلے ملے پھر اس کی آنکھیں پھٹی رہ گئیں تختوں کے نیچے کم از کم ۳۵ لاکھ ڈالر کی منشیات موجود تھیں۔ اس نے اشاروں طور سے ایک اور تختہ اٹھایا تو اس بار حیرت کا وہ رہ گیا نیچے ٹیپ ڈیک جس کے کنٹرول پینل کی پیلی روشنی صاف نظر آرہی تھی۔ اسپول مسلسل گھوم رہا تھا۔ مطلب صاف تھا۔ ریکارڈنگ جاری تھی۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر اسٹاپ ناب دبائی اسپول رکی ڈاؤنڈ کیا اور ٹیپ پھر چلا دی۔ اسے یہ یقین تھا کہ یہ ٹیپ بلیک میلنگ کے مقصد کے لیے رکھا گیا تھا۔

"ہیلو۔ ہیلو۔ ہیلو۔" ٹیپ کی آواز آئی۔ "مجھے خوشی ہے کہ تم سب لوگ یہاں جمع ہو۔" آواز ایسی مدہم اور مست تھی جیسے کوئی ملکہ خوب پینے کے بعد بول رہی ہو۔ "مجھے یقین ہے کہ تم لوگ یہی سوچ رہے ہو کہ میں تمہیں کیا کچھ پیش کر دوں گی۔"

"دولت۔" یہ آواز بھاری تھی۔ "بریڈ پٹ ہے نا؟"
"کیوں نہیں۔" مست بھری آواز سنائی دی۔ "میں تمہیں اس سے محروم تو نہیں کر سکتی۔"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"ڈیلر کو بھی زیب دیتا ہے۔" یہ ایک لڑکی کی آواز تھی۔

"سشش۔ میں ڈیلر نہیں کانٹرسٹ ہوں۔ دوسرے کا نقش زندہ رہنے کے لیے کرنے پڑتے ہیں۔ ویسے سنو۔ دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔"

"یہ کان تم نے ہی لگاتے ہوں گے شما!"

"ہش۔ میرے مہمانوں کے سامنے کوئی الٹی سیدھی بات مت کرو!"

"کیا یہی مہمان کچھ لینے آیا ہے؟"

"ہاں۔ اس کا نام مسٹر ریگل ہے اور اس نے تم سب کے لیے مجھے رقم دی ہے بہت سی رقم۔ سانوس سے جالنفر خوشبو والے نوٹ۔"

"اور ہمیں ان نوٹوں کا حشر عشیرہ بھی نہیں ملے گا۔"

"تمہارے لیے بھی بہت کچھ ہے۔ یہ اپنے سامنے تم سے کچھ کرانا چاہتا ہے۔ نہیں۔ تمہیں مارنا۔ بے لباس مت ہو۔ وہ اس خواہش کے تحت نہیں آیا۔ مسٹر ریگل خود بھی آرٹسٹ ہیں۔ اور تم لوگوں کی تخلیقی صلاحیتوں میں حصہ لینا چاہتے ہیں۔"

"پائپ سے کیا کر رہے ہیں یہ؟"

"میں نے انہیں بتایا ہے کہ خشش تخلیقی صلاحیتوں کو جلا بخشتی ہے۔" مست بھری آواز نے جواب دیا۔

"مگر یہ تو پورا ایک اونس استعمال کر چکے ہیں اب تک تو اندھے ہو چکے ہوں گے۔"

پھر ایک عجیب سی آواز سنائی دی۔ والڈین کو یوں لگا جیسے اس کی ٹانگیں کانپ رہی ہوں وہ سوچ رہا تھا کہ اس نے پہلے یہ آواز کہاں سنی تھی۔

"میں نشے میں نہیں چھلاورا تھا۔ میرے اعصاب اور عضلات اب بھی میرے قابو میں ہیں۔ خشیش میری رگ رگ میں ہے اسی لیے میں معمول سے زیادہ پتا ہوں۔"

"کمال ہے۔"

"میری توہین مت کرو۔"

"بس۔ بس میرے پیارو۔" مست بھری آواز نے پھر مداخلت کی۔ "محبت سے مل جل کر مسٹر ریگل کو اپنا فن دکھاؤ۔ ذرا یہ بھی تو دیکھیں کہ جب تم تخلیق کا مظاہرہ کرتے ہو تو کیسا لگتا ہے۔"

اس کے بعد ٹیپ میں صرف قدموں کی آواز رہ گئی۔ کچھ دیر بعد بہت مدھم سی آواز آئی۔ "دی ریڈ۔" غالباً کسی نے رنگ مانگا تھا۔ اس مرحلے پر کوئی مدھم آواز آئی گیت کے بول آزمودی موہوم سے متعلق تھے اس گیت کا وہ مصرع جس پر گانے والی بار بار زور دے رہی تھی یہ تھا مائی باڈی مائی بے بی۔

پھر اسی شخص کی آواز آئی جس کو نشے میں اندھا کیا گیا تھا۔ یہ آواز سپاٹ تھی۔ "میں نے نوٹ کیا ہے کہ پینٹنگ کرتے وقت پینٹر بہت پرسکون اور خاموش ہے جب کہ گاتے وقت اس میں جوش بھر جاتا ہے اس کی کیا وجہ ہے نیگوٹ؟"

"اس کی وجہ بہت آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ ہر نوعیت کی تخلیق کا سرچشمہ دل ہے مسٹر ریگل۔"

"غلط۔" ریگل نے فوراً جواب دیا۔ "تخلیق کے لیے تمام احکام دماغ سے جاری ہوتے ہیں۔"

"دل تو محض معاون ہے۔ عمل تخلیق کی روح ہے لیکن جہاں اعتبار دماغ ہی حکمران ہے۔"

"دماغ کا کون سا حصہ ہے؟"

"پتا نہیں۔"

"چلو۔ شروع ہو جاؤ۔" ریگل کی آواز اس کے بعد قدموں کی ایسی دھپ دھپ سنائی دی جیسے رقص کیا جا رہا ہو۔ اس کے دوران پائپ دینا جیسی آواز بھی آئی جو غالباً خشیش سے بھرا ہوا ہوگا۔

"دیکھا مسٹر ریگل۔" مست بھری آواز میں چمک تھی۔

"کیا دیکھا؟"

"رقص گیت۔ تصویر کشی مجسمہ سازی۔ اب شاید آپ وہ کر سکیں جو کرنا چاہتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ آپ کو یہ نکتہ بھی سمجھ میں آگیا ہوگا کہ تخلیق کار کو ہنسنے کے لیے کوئی اضافی سامان کرنا ہوتا ہے۔ فرق ہی عمل تخلیق کی روح ہے۔ آئیے مسٹر ریگل اب کوئی مختلف کام کریں۔"

"کیا کروں؟" ریگل نے پوچھا۔

"اس پاس دیکھیں۔ کسی چیز کو بدل دیں۔ اس نے نئی شکل دے دیں یہی مختلف یہی مختلف نوعیت کا عمل تخلیق ہوگا۔"

تب ہی اچانک چیخیں گونجنے لگیں ہڈیاں ٹوٹنے کی آوازیں آنے لگیں گھونگار کی آواز بھی کربناک چیخوں میں بدل گئی۔

کچھ دیر بعد ٹیپ خاموشی سے چلنے لگا چند ہی لمحے بعد ایسی آواز آئی جیسے پلاسٹر نیچے گرا ہو۔

"شاندار۔" ریگل کی آواز آئی پھر کمرے کا دروازہ بند ہونے کی آواز سنائی دی۔

والڈین نے تیزی سے ٹیپ ری وائنڈ کیا اور اس جگہ رک گیا جہاں چیخوں کی آواز شروع ہوئی تھی پھر ٹیپ چلاتے

ہی اس نے گھڑی پر نظریں جما دیں۔ چیخوں کی آواز ختم ہوئی تو صرف ڈیڑھ منٹ گزر گئے۔ والڈین نے ایک بار پھر ٹیپ ری وائنڈ کر کے پلے کر دیا اور سوچنے لگا کہ قاتل صرف ایک شخص تھا۔ ٹیپ میں چار دل متقولین کی آوازیں تھیں اور ان کے علاوہ مسٹر ریگل تھا۔

والڈین بہت غور سے آوازیں سننے لگا اسے اب ایسی آوازیں بھی سنائی دینے لگیں جیسے بجلی کے آلات چلنے سے پیدا ہوتی ہیں تاہم اسے کسی موٹر کی آواز کو کشش کے باوجود سنائی دے سکی پس ۸۵ سیکنڈ گزر گئے۔ والڈین نے جو ابھی تک گھٹنوں کے بل جھکا ہوا ٹیپ سن رہا تھا۔ سیدھا ہونے کی کوشش کی ۵۵ سالہ ڈھانچے پر اتنی دیر یوں کھڑے رہنے کے باعث اسے معاً ہی کمر میں تکلیف کا احساس ہوا۔ اسی لمحے ایک نوجوان پٹرول مین مسکراتا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔ "کیا بات ہے؟" والڈین نے اس سے پوچھا۔ اسے چہرہ شناسا سا لگا۔ لیکن بیج پر نظر پڑتے ہی وہ چونک اٹھا۔ پٹرول مین کے سینے پر جلی بیج لگا ہوا تھا۔ "تم کون ہو؟" والڈین نے تنفس لہجے میں پوچھا۔

"پٹرول مین گلبی سر۔" نوجوان نے جواب دیا اس بار والڈین کو شدید حیرت ہوئی۔ یہ مسٹر ریگل ہی کی آواز تھی۔

"گڈ۔" والڈین مسکراتے لگا۔ "ویری گڈ۔"

"میں نے سنا ہے کہ آپ اس کیس کے انچارج ہیں۔"

"یقیناً۔" اب وہ ملزم کو خوفزدہ کرنا نہیں چاہتا تھا ساتھ ہی اس کی کوشش یہ تھی کہ ملزم کو یہ اندازہ نہ ہونے پائے کہ وہ اس کو پہچان چکا ہے۔ اس کا پروگرام یہ تھا کہ اسے عالم طریقے سے پولیس اسٹیشن لے جائے اور پھر وہ ریوالور استعمال کر ڈالے جس کا استعمال اس نے کئی سال سے نہیں کیا ہے۔

"میں سوچ رہا تھا کہ آخر دہشت انگیز مناظر کیا ہو سکتے ہیں سر۔" پٹرول مین نے کہا۔ "آپ نے غالباً اخباری نمائندوں کے سامنے یہی حیلہ استعمال کیا تھا لیکن آپ نے تخلیق کا ذکر نہیں کیا کیا یہ سب کچھ تخلیق نہ تھا سر؟"

"یقیناً۔" والڈین نے سر ہلایا۔ "یقیناً تخلیق تھا۔ اناڑی پولیس والوں کا خیال ہے کہ یہاں اعلیٰ درجہ کی تخلیق کا مظاہرہ کیا گیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ ہم ان سے موضوع پر بات کریں۔" والڈین اب اپنے منصوبے پر عمل درآمد کے لیے تیار تھا۔

"آپ کا لہجہ چغلی کھا رہا ہے کہ آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں اس پر یقین نہیں رکھتے سر۔" پٹرول مین گلبی نے کہا۔

ڈائجسٹوں کے مقبول سلسلے

سرکش	(۱۲ حصے)	محمود احمد مودی	۷۲۰/-
ٹائیگر	(۱۳ حصے)	شمشاد لطیف قریشی	۶۵۰/-
خبیث	(۵ حصے)	انوار صدیقی	۲۲۵/-
درخشاں	(۲ حصے)	انوار صدیقی	۱۰۰/-
روگی	(۵ حصے)	م الف صدیقی	۲۷۰/-
دہشت گرد	(۴ حصے)	سلیم فاروقی	۲۰۰/-
سرفروش	(۲ حصے)	اظہر کلیم	۱۲۰/-
شہباز	(۲ حصے)	اظہر کلیم	۱۲۰/-
انسان اور شیطان	(۲ حصے)	محمد فراز	۱۵۰/-

ناشر

مکتبہ القریش سرکلر روڈ، اردو بازار
لاہور فون: ۷۶۶۸۹۵۸

"نہیں۔ میں جھوٹ نہیں بول رہا صرف تخلیق کی تعریف کر رہا ہوں۔"

"خیر۔ آپ بھی سچ بولنے پر مجبور ہو جائیں گے میں نے سنا ہے کہ لوگ درد اور اذیت سے دوچار ہونے کے دوران سچ بولتے ہیں۔" گلبی نے مسکراتے ہوئے کہا۔ والڈین نے ایک قدم پیچھے ہٹ کر گن نکالنے کی کوشش تب ہی اسے احساس ہوا کہ پٹرول مین نے اس کی آنکھوں کے ڈھیلے نکالنے کی کوشش کی ہے اس کا بس چلتا تو اپنی جگہ سے ہل بھی نہ سکتا اسے شدید درد کا احساس ہوا اور پھر چاروں طرف سرخ رنگ نظر آنے لگے۔ اس کیفیت میں وہ سچ بولنے پر مجبور ہو گیا۔

"تھینک یو سر۔" پٹرول مین کی آواز بہت دور سے آتی ہوئی محسوس ہوئی۔ "میں نے یہ بیج پوسٹ سے پھاڑا تھا لیکن میرا خیال ہے کہ کسی دوسرے کی تخلیق کی نقل کرنا فن نہیں۔ تھینک یو سر۔" یہ کہہ کر پٹرول مین گلبی نے سیدھا ہاتھ والڈین کے سینے پر کسی چاقو کی

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

طرح مارا تو ہاتھ والڈیمن کے دل کے اندر تک اتر گیا۔ بالکل یوں جیسے چاقو مکھن سے گزر جاتا ہے۔

"پریس کارڈ دکھاؤ۔" برادر جارج نے گلاشکوف کی نال ٹائیگر کی دائیں آنکھ پر رکھ کر غرا کر کہا۔ جبکہ سسٹر جولیانے ۴۵۔ کا آٹومیٹک اس کی کمر سے لگا دیا۔ برادر چی کمرے میں کھڑا ہوا تھا اور اس کے ساتھ ایشلن کی نال کا رخ ٹائیگر کی کھوپڑی کی طرف تھا۔

"اگر اس نے ذرا سی بھی ہوشیاری دکھائی تو ہم اسے تیمر گر کی طرح توڑ مروڑ دیں گے۔" سسٹر جولیا نے کہا لیکن ان میں سے کسی کو بھی ابھی تک یہ اندازہ نہ تھا کہ خود کو رپورٹر کہنے والا یہ شخص ہوٹل کے کمرے کا دروازہ کھلنے پر حیرت زدہ کیوں نہیں ہوا۔ ... بے اسٹیٹ موٹر ان ویسٹ اسپرنگ فیلڈ میسا چوسٹس کے اس کمرے میں ان تینوں کو اپنے ہی سانس کی آواز خود سنائی دے رہی تھی۔ اور وہ شخص بالکل عام سا لگ رہا تھا۔ بس اس کی کلائیاں اس کے طاقتور ہونے کی مظہر تھیں۔ دبلے پتلے بھورے پتلون، سیاہ قمیص نما سوئٹر اور نرم چمڑے کے جوتوں میں وہ سوفی صد بے ضرر لگ رہا تھا۔

"ابھی دیکھے لیتے ہیں۔" برادر چی نے برادر جارج کو کمرے کا دروازہ بند کرنے کا اشارہ کرتے کہا۔ "یہ کارڈ دکھاؤ۔" اس بار اس کا لہجہ زیادہ خطرناک تھا۔

"نہیں کہیں تھا۔" ٹائیگر نے دائیں جیب کی طرف ہاتھ لے جاتے ہوئے کہا۔ ساتھ ہی برادر جارج کی انگلی کا دباؤ لبلبی پر بڑھ گیا۔ لیکن جارج کے ماتھے پر پسینے کی دو جھلیں بوندیں بھی نمودار ہوئیں۔ اس کے ہونٹ خشک ہو گئے۔ وہ جلدی جلدی سانس لینے لگا۔ تب ہی ٹائیگر کا ہاتھ جیب سے نکلا تو اس کی انگلیوں میں پلاسٹک کارڈ تھا۔ یہ کارڈ نیویارک سٹی پولیس نے جاری کیا تھا۔

"فنگر پرنٹس والا کارڈ کہاں ہے؟" برادر جارج نے پوچھا۔ "یہ تو پولیس کارڈ ہے۔"

"نیویارک کے اخبارات حاصل کرو پولیس ہی کارڈ جاری کرتی ہے"... برادر چی نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

"تمام اخبارات پولیس کے کارندے ہیں۔" جارج نے بڑی حقارت سے ٹائیگر کی طرف دیکھا۔

"مجھے ایسے خبیثوں پر اعتماد نہیں۔"

"اسے جانے دو۔" سسٹر جولیا نے کہا۔ ٹائیگر کو ایک ہی لمحہ قبل احساس ہوا تھا کہ جولیا کی آنکھوں سے پیاس چھلکنے لگی ہے

کر بولا۔ "نہیں ایک بہت بڑی خبر ملنے والی ہے۔" اس کا چہرہ اس وقت باطنی جوش سے لال ہو گیا تھا۔ "یہ خبر وائٹ گیٹ اسکینڈل یا صدر کینیڈی کے قتل کی خبر سے بھی بڑی ہو گی۔ اسکوپ تو تم اچھی طرح سمجھتے ہی ہو میں جو خبر دوں گا وہ اسکوپ ہو گی۔"

"یہ خبر خرید نے ہی آیا ہے لہٰذا اسے قائل کرنے کی کوشش مت کرو۔" چی نے قدرے درشت لہجے میں کہا۔

"میں لاگ آئی لینڈ میں واقع ایک سینی ٹوریم میں کمپیوٹر آپریٹر ہوں جس کو چارہ گر کہا جاتا ہے۔ ممکن ہے تم نے اس کا کبھی نام بھی سنا ہو گا۔" ٹائیگر نے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔ سینی ٹوریم کا سن کر اس نے کسی بھی تاثر کا اظہار نہیں کیا تھا۔

"اس کی تصویریں اتارنا کوئی بڑی بات نہیں۔ وہاں سے گزرنے والا کوئی بھی شخص تصویر بنا سکتا ہے۔"

"عمارت کے بھی تصویر مت پڑو۔ اصل بات بتاؤ۔" چی نے ایک بار پھر کمپیوٹر آپریٹر سے تلخ لہجے میں کہا۔

"میں وہاں کئی برس سے ملازم ہوں۔" کمپیوٹر آپریٹر نے کہا۔ "اور میں نے چار سال قبل وہاں کسی قسم کی گڑبڑ محسوس کرنی شروع کی۔" ٹائیگر محض سر کو جنبش دے کر رہ گیا کیونکہ اسے یہ بتایا گیا تھا کہ آرنلڈ کیوٹ تین سال قبل چارہ گر میں ملازم رکھا گیا تھا۔ اس کی عمر ۳۵ سال تھی۔ وہ ۱۲۹۷ء ریورٹ اسٹریٹ ماماروینک کا رہنے والا تھا۔ اس کے تین بچے تھے اور اس نے چارہ گر کے کمپیوٹر ڈویژن میں بعض ایسی حرکتیں کی تھیں جن کے باعث اس کی نگرانی شروع کر دی گئی۔ اسے آرنلڈ کی تصویر بھی دی گئی تھی۔ لیکن تصویر میں آرنلڈ کا چہرہ شگفتہ تھا۔ جب کہ اس وقت وہ یقیناً زردہ نظر آ رہا تھا۔

"مجھے یہ یقین ہو گیا کہ مجھے کمپیوٹر فیڈنگ کے لیے بہت کم اطلاعات دی جا رہی ہیں۔" آرنلڈ نے کہا۔ "یہ انفارمیشن اتنی کم ہوتی ہیں کہ مجھے خود پتا نہیں چلتا کہ میں کیا کام کر رہا ہوں۔ پھر میں نے اپنے طور پر تفتیش کی تو مجھے پتا چلا کہ مجھ جیسے ہزار ہا افراد وہاں کام کرتے ہیں اور کسی کو بھی معلوم نہیں کہ وہ کمپیوٹر کو کیا فیڈ کرتا ہے۔ اس کی وجہ تقسیم کار ہے۔ مثال کے طور پر اگر تمہیں کمپیوٹر کو یہ جملہ فیڈ کرنا ہے کہ نیویارک میں دہشت گردوں کی آمد شروع ہو گئی تو ہو سکتا ہے صرف ایک آپریٹر ٹائپ نہیں کرے گا۔ اس کے تین ٹکڑے کیے جائیں گے۔ پہلا آپریٹر "نیویارک میں" دوسرا "دہشت گردوں کی" تیسرا "آمد شروع ہو گئی" فیڈ کرے گا۔ اور تیسرا آمد شروع ہو گئی کمپیوٹر کے حوالے کرے گا۔"

"ہوں..." ٹائیگر نے ہنکارا بھر کر جولیا کو دیکھا جو اب پر سکون ہو چکی تھی اگرچہ اس کی آنکھوں میں بھی پیاس نہ تھی۔

"ہم تمام آپریٹر ایک دوسرے سے زیادہ ہال کمرے میں تقسیم ہیں۔" آرنلڈ کہتا رہا۔ "ایک ہی پروگرام پر کام کرنے والے آپس میں بھی نہیں ملتے جلتے۔ میں نے فیصلہ کیا کہ لوگوں سے مل کر اصل معاملہ کی تہ تک پہنچنے کی کوشش کروں گا۔ میں نے ڈاکٹر بہرام کی سیکرٹری سے دوستی کرنا چاہی۔ مگر وہ برف کی سل ثابت ہوئی... ہاں... ڈاکٹر بہرام ہی وہاں کا ڈائریکٹر ہے۔"

"کیا تمہارے علاوہ کسی اور کو بھی یہ سب کچھ معلوم ہے؟" ٹائیگر نے پوچھا۔ "میرا مطلب ہے کہ کہیں تم لوگ میرے بعد یہی خبر دوسرے اخبارات کو تو فروخت نہیں کر دو گے۔"

"نہیں۔" برادر چی نے یقین دلایا۔

"اور ان پرنٹ آؤٹس کی فوٹو کاپیاں بھی نہیں نکلی ہیں۔" ٹائیگر نے کمپیوٹر پرنٹ آؤٹ کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔

"نہیں۔ اگر ان کی کاپیاں بنائی جائیں تو پھر پرنٹ آؤٹ کے... کو نے سرخ ہو جاتے۔"

"ٹھیک ہے۔ سعادتمند۔" ٹائیگر نے ہنس کر کہا اور پھر کمپیوٹر آپریٹر کی طرف پلٹا۔ "اور تم آرنلڈ اب سچی بات بتاؤ گے۔"

ٹائیگر کے منہ سے آپریٹر کا نام سنتے ہی جارج نے گلاشکوف کا ٹریگر دبا دیا۔ مگر ٹائیگر اب وہاں تھا ہی کہاں وہ پلک جھپکتے میں جارج کی پشت پر پہنچ گیا۔ اس نے گلاشکوف کا رخ چی کی طرف کر دیا۔ جس کا پورا سرسٹ چی کے چہرے پر لگا۔ جولیا نے ٹائیگر پر گولی چلانی چاہی۔ گولی چلی بھی لیکن اسی لمحے گلاشکوف بھی دہاڑی اور جارج رقصہ لگا... نہیں جولیا میں تمہیں نہیں مار سکتا... تم تو میری جان ہو۔ میری زندگی ہو۔" لیکن اس کی آنکھیں نہ جانے کیوں ٹمٹما کر بجھتی رہیں۔ پہلا برسٹ جولیا کے کندھے پر لگا تو جولیا نے بھی صورت حال محسوس کر لی اور جارج کا شانہ لے کر گولی چلا دی۔ اسی کے ساتھ جولیا کا سینہ بھی چھلنی ہو گیا۔

اب صرف آرنلڈ باقی تھا اور ایک کونے میں دبکا ہوا تھا۔

"آرنلڈ..." ٹائیگر نے جارج کی لاش کو گردن سے سنبھالتے ہوئے دوسرے ہاتھ سے گلاشکوف تھام لی۔ "اس پروگرام کی باقی تصویریں کہاں ہیں؟" اس نے احتیاطاً پوچھ لیا۔

"اس کی کوئی نقل نہیں۔"

"تباہ... ورنہ مارے جاؤ گے۔"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"میں حلفیہ کہتا ہوں کہ ان پرنٹ آؤٹس کے فولڈر میں نہیں بنائے گئے ہیں۔"

"شاندار۔" وہ مطمئن ہو گیا اور پھر کیونکہ برادر جارج کے جسم میں اب جان نہیں رہی تھی لہٰذا ٹائیگر نے لاش ایک طرف ڈال کر کلاشنکوف کی ایک گولی استعمال کی، کلاشنکوف پھینکی اور ساتھ ہی آرنلڈ بھی اس جہانِ فانی کے تمام رازاپنے سینے میں لیے رخصت ہو گیا۔

اسے اسلحے سے نفرت سکھائی گئی تھی۔ لیکن کام پھر کام تھا اور اسے حکم ملا تھا کہ کام اس طرح کیا جائے جیسے یہ قتل خود بخود کسی گیس ہو یا ایٹک جیسے برادر جارج نے جنونی کیفیت میں آ کر آرنلڈ سمیت سب کو قتل کر دیا۔ ٹائیگر نے کچھ سوچ کر کلاشنکوف جارج کے مردہ ہاتھ میں تھما دی۔ پرنٹ آؤٹ کا لفافہ اٹھا کر جیب میں رکھا۔ ویسے آرنلڈ کے انجام پر اسے دکھ تھا۔ اس کا جرم یہی ایسا تھا جس کی سزا موت تھی۔

احسان پرنٹ آؤٹس میں ٹائیگر سے متعلق مبہم سی معلومات تھیں۔ اسے یقین تھا کہ کلاشنکوف پر اس کی انگلیوں کے نشانات بھی ملیں گے۔ لیکن دنیا کی کسی بھی کرائم لیبارٹری میں ان نشانات کا کوئی ریکارڈ نہیں ملے گا۔ حقیقت یہ تھی ٹائیگر کی اپنی انگلیوں کے نشانات تو برسوں قبل کھرچ دیے گئے تھے۔ اب پلاسٹک سرجری کے ذریعے نئے نشانات بنائے جاتے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ پولیس نے ایک مجمعے سے ٹائیگر کی انگلیوں کے جو پرنٹ اٹھائے تھے۔ تفتیش کرنے پر ثابت ہوا تھا کہ یہ نشانات ویتنام کی جنگ میں مارے جانے والے ایک سارجنٹ میجر کے تھے۔

ٹائیگر کمرے سے تیزی سے نکلا۔ اور پھر اس نے قتل قتل کا شور مچا دیا۔ وہ تین لفٹ سے نیچے گیا اس میں رالف آرمنڈ نل اور لیری نامی چار افراد سوار تھے۔ جن کے کوٹ میں چھوٹے بٹن لگے ہوئے تھے۔

"کیا ہوا؟" آرمنڈ نے پوچھا۔

"بارہویں منزل پر خوفناک قتل۔"

"کیا کوئی جنسی تنازعہ تھا؟" رالف نے پوچھا جس کی عمر پچاس سال سے تجاوز کر چکی تھی۔

"ان میں سے دو ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے۔" ٹائیگر نے کہا۔ "تم جا کر لاشیں تو دیکھو سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔" لفٹ نیچے پہنچی تو ٹائیگر اتر گیا جبکہ وہ چاروں لفٹ میں رہے۔ اور رالف نے بارہویں منزل کا بٹن دبا دیا۔ ٹائیگر جب لابی میں داخل ہوا تو وہاں ایک پریشان حال نوجوان گھبرائے ہوئے لہجے سے کچھ پوچھ رہا تھا۔

"بارہویں منزل۔" ٹائیگر نے بڑے اطمینان سے کہا۔ "چار افراد فوتگی شاہد ہیں۔ انہوں نے ہی مجھے بتایا ہے۔"

"واقعہ کیا تھا؟"

"یہ تو نہیں۔ وہ صرف قتل کی بات کر رہے تھے۔" یہ کہہ کر وہ نکل گیا۔ ڈیڑھ گھنٹے کی مسافت پر کیپ کوڈ تھا جہاں ابھی پوری طرح سیاحتی کا سیزن شروع نہیں ہوا تھا۔ اس نے دور سے ہی دیکھ لیا کہ تاریک بحر الکاہل کی طرف منہ کیے ہوئے سفید کاٹیج کا ڈرائیو وے خالی پڑا ہے۔ اس نے بریک لگائے تو کار خود پھسلتی ہوئی ڈرائیو وے میں چلی آئی۔ اب وہ بہت کوفت محسوس کر رہا تھا۔ کیونکہ اس نے مزاحمت کے باوجود اسلحہ کا استعمال کیا تھا۔ اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ بیمار سا ہے۔ اس نے کاٹیج کا دروازہ کھولا تو اوشان اسے اپنی... خاص پوزیشن میں ملائی دی کھلا ہوا تھا۔ اور کوئی کلاسیکل ڈرامہ چل رہا تھا جو وہ صندوق اور تھیلے ایک طرف رکھے ہوئے تھے۔

"بے ہودگی۔" اوشان نے اشتہار آتے ہی کہا۔ "یہ لوگ بھی اچھے ڈرامے میں یہ لغویت ڈال دیتے ہیں۔"

"لٹل فادر۔" ٹائیگر نے تھکے تھکے سے لہجے میں کہا۔ "یہ آج... میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔"

"کیا تم نے آج صبح اٹھنے کے بعد سانس لی تھی۔" اوشان نے چونک کر پلٹتے ہوئے کہا

"جی ہاں۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔

"مناسب انداز میں سانس لی تھی؟"

"یقیناً۔"

"یہ لفظ یقیناً شک کو مزید ہوا دیتا ہے۔" اوشان نے کہا۔ "تم نے سانجھ کے انداز میں سانس کی مشق نہیں کی ہوگی اس لیے تم یقیناً کا لفظ استعمال کر رہے ہو۔"

"میں نے آج ایک گن استعمال کی ہے۔"

"وہ کیا شیلانفن برگ نے تمہیں ایک بار پھر ذلتوں میں دھکیل دیا ہے؟"

"اس کی یاد نہ دلائیں۔" ٹائیگر نے ایک جھرجھری سی لی۔ شیلانفن مرگ نے واقعی اسے کہیں کا نہ چھوڑا تھا۔

"تب پھر تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟" اوشان نے غرا کر پوچھا۔

"میں نے تمہیں ہیرے دیے تھے اور تم مٹی سے کھیل رہے ہو۔"

"میں اپنے احساسات میں آپ کو بھی شریک کرنا چاہتا ہوں لٹل فادر۔" ٹائیگر نے بے چارگی کا مظاہرہ کیا۔

"اپنے آلودہ احساسات اپنے تک ہی رکھو۔" اوشان نے... جواب دیا اور پھر کھوئی کھوئی نگاہوں میں تیزی سے شکوہ کرنے لگا کہ ماسٹر نے مٹی کی گولیوں کو ہیرے میں بدل ڈالا۔ اب جب یہی ہیرے مٹی کی گولیوں میں بدل دیے جائیں تو ماسٹر کا مقصد؟ اور پھر کہتا ہے کہ احساسات میں شرکت کرو۔ کیا کبھی کوئی کسی کے پیٹ کے درد میں شریک ہو سکتا ہے؟

اسی لمحے ڈراما پھر شروع ہو گیا اور ٹائیگر کو ایک بار پھر اس وقت کا انتظار کرنا پڑا جب اشتہارات شروع ہو جائیں اس نے کھڑکی سے جھانکا اور پھر چونک پڑا۔ دور ہی سے نیویارک کی نمبر پلیٹ والی کار نظر آ رہی تھی۔ کار کی دھیمی اور نہ بدلنے والی رفتار سے اندازہ ہو گیا کہ ڈرائیور کون ہے وہ باہر نکل آیا۔ عین اس وقت ڈاکٹر بہرام کار سے اتر کر دروازہ احتیاط سے بند کر رہا تھا۔ "ہیلو سوئیٹ ہارٹ۔" ٹائیگر نے کہا۔ بہرام نے اس سے ادھر ادھر کی چند باتیں کیں اور پھر اس کے ساتھ اندر چلا گیا۔ وہ اوشان کی موجودگی کا خیال کر کے بہت دبے قدموں چل رہا تھا۔ تاکہ ماسٹر ڈسٹرب نہ ہو۔ "کام ہو گیا؟" اس نے لان پر پہنچ کر ٹائیگر سے پوچھا۔

"پتا نہیں۔"

"سفر اگر کام سونی صد درست نہیں ہوا۔ تو پھر ہمیں اپنی دکان بڑھانی ہو گی۔"

"میں یہ جملہ گزشتہ بارہ سال سے سن رہا ہوں۔" ٹائیگر نے منہ بنا کر کہا۔ ساتھ ہی پرنٹ آؤٹ کا لفافہ بہرام کی طرف بڑھا دیا۔ "گڈ۔" بہرام نے محتاط انداز میں لفافہ جیب میں رکھ لیا۔ اسی لمحے اندر سے اشتہارات کی آواز سنائی دی تو وہ اندر چلے گئے۔ اوشان نے تعظیم دینے کے لیے کھڑے ہونے میں ذرا بھی دیر نہیں لگائی۔ "شہنشاہ کی شہنشاہیت تا ابد برقرار رہے۔" اس نے خالصتاً درباری انداز میں کہا۔

"شکریہ۔" بہرام جھینپ سا گیا۔ پھر اس نے صندوقوں کی طرف دیکھا۔ "تم لوگ سفر کے لیے تیار ہو۔ میں سفر بخیر کی دعا ہی کر سکتا ہوں۔ اب تم لوگوں سے دو ماہ بعد ہی ملاقات ہو گی۔"

"ان دو ماہ میں شہنشاہ سے ہماری وفاداریوں اور محبتوں میں دو سو گنا اضافہ ہو چکا ہو گا۔"

"مگر ہم جا کہاں رہے ہیں؟" ٹائیگر نے اس اچانک سفر پر لاعلمی ظاہر کی۔

"کسی مریض کو یہ معلوم کرنے کا کوئی حق نہیں کہ اس کے علاج کے لیے کس جگہ کا انتخاب کیا گیا ہے۔" اوشان نے درشت لہجے میں کہا۔

"تمہیں ہماری کی وجہ سے ہی بھیجا جا رہا ہے۔" بہرام نے لقمہ دیا۔

"کہاں اور کیسی ہماری؟"

"شاید تم بھول گئے کہ آج صبح تمہاری کیا حالت تھی۔ بھول جانا بھی ایک سنگین دماغی مرض ہے۔"

"اوہ... وہ تو میں گن کے استعمال کی وجہ سے کسلمندی سی محسوس کر رہا تھا۔" ٹائیگر نے گڑبڑا کر جواب دیا

"اپنے درد کو بھولپن کی نقاب میں مت چھپاؤ درد بیابانی صحراؤں کی مانند ہوتا ہے جہاں بھول بھی مشکل ہی سے اگتے ہیں۔ اپنے چشم کو یہ کہہ کر دھوکا مت دو کہ تم ٹھیک ہو۔" اوشان نے بہت سنجیدگی کے ساتھ کہا۔

"مگر اس سفر کا فیصلہ آج تو یقیناً نہیں ہوا ہے۔" ٹائیگر اوشان اور بہرام کو مشکوک انداز میں دیکھتے ہوئے بولا۔ پھر اس نے صندوقوں کی طرف اشارہ کیا۔ "یہ صندوق تو ایک ہفتے سے سفر کی حالت میں رکھے ہوئے ہیں لٹل فادر۔"

"میرا خیال ہے کہ ایمان کی سیر کرا دو۔" بہرام نے ایک نیا شوشہ چھوڑ دیا۔

"میں ایمان جانا نہیں چاہتا ہاں اگر اوشان پریشا جانا چاہتے ہیں تو یہ الگ بات ہے۔"

"سفر بخیر۔" بہرام نے پہلی بار مسکرا کر کہا۔ "ماسٹر کا پسندیدہ ڈراما ٹی وی پر شروع ہونے والا ہے۔"

"نہیں۔ اس ڈرامے میں اتنا وفا نہیں جتنا شہنشاہ اعظم میں ہے۔" اوشان نے خراج تحسین پیش کرنے والے انداز میں کہا۔

"شکریہ۔" بہرام جھینپ گیا۔ اسے سانجھ کے ماسٹر کی چرب زبانی کا کئی بار تجربہ ہو چکا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ یہ چرب زبانی سانجھ کے ہر ماسٹر کو ہر دعا کے لیے ورثے میں ملتی ہے۔ وہ چلا گیا تو ٹائیگر نے اوشان کی طرف دیکھ کر بہت بے چارگی سے پوچھا۔ "یہ کیا چکر چلایا جا رہا ہے لٹل فادر۔"

✣✣

بہرام پرنٹ آؤٹ جیب میں محفوظ کر کے کاٹیج سے نکلا اور ساحلی قصبے کے قلب میں پہنچ کر الومینم کے ایک مجسمے کے قریب اس نے گاڑی روک لی۔ اس مجسمے میں اسے عجیب سی کشش محسوس ہو رہی تھی۔ یہ انوکھا سا احساس ہو رہا تھا کہ اس مجسمے میں فنکار نے اپنی تمام تر تخلیقی صلاحیتوں کو سمو دیا ہے۔ وہ گاڑی سے اتر کر مجسمے کے قریب گیا اور پھر اسے صرف چمک کا احساس ہوا۔ اس نے مجسمے کو دھماکے سے بھٹتے ہوئے نہیں دیکھا۔ ان ٹکڑوں کو نہیں دیکھا جو اس کے جسم میں چاقوؤں کی طرح پیوست ہو گئے تھے۔ پھر وہ بے ہوش ہوتا چلا گیا۔

دھماکے کی آواز اس سفید کاٹیج میں بھی سنی گئی۔ جہاں... اوشان ٹی وی ڈراما دیکھ رہا تھا۔ اس وقت اشتہارات چل رہے تھے۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"کیا آج چار جولائی ہے شہزاد! اگر آج واقعی چار جولائی ہے تو پھر مجھے مولی شوتیں اور پھولوں کی کھیپ نظر کیوں نہیں آرہی۔"

"مجھے حیرت اس بات پر ہے کہ بہرام کی موجودگی میں آپ شور نہ دیکھ سکنے کے باوجود برہم نہیں ہوئے مثل فادر۔"

"میں کسی شہنشاہ سے شکوہ شکایتوں کا عادی نہیں ہوں"... اوشان نے جواب دیا۔ "اور یہ فرض تمہارا تھا کہ شور شروع ہونے سے قبل تم اس کو یہاں سے لے جاتے۔ بات یہ ہے کہ جب بھی مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہوتی ہے تو تم مدد نہیں کرتے۔"

"لیکن دس منٹ کا حصہ نہ دیکھنے سے کوئی فرق بھی تو نہیں پڑتا پانچ سال سے یہ شو جاری ہے اور پانچ سال بعد ریٹ گیس ایسا ہی رہے گا جیسے پانچ سال قبل تھا۔"

اوشان اچانک خاموش ہوگیا کیونکہ شہنائی کے وقفے کے بعد ڈرامہ پھر شروع ہوگیا تھا۔ اب شو کے دو اداکار دال دلالی اور ماٹ ہیگن بستر میں لیٹے راز و نیاز کر رہے تھے۔

"شرمناک" اوشان نے پھنکار کر کہا۔ پھر خاموشی چھا گئی۔ یہ خاموشی شو کے خاتمے پر بھی برقرار رہی۔ اس وقت تک ٹائیگر کو خبر کسی سے سن چکا تھا کہ شہر کے مرکزی چوک پر دھماکہ میں ایک شخص بری طرح زخمی ہوا ہے۔ "ڈاکٹر تھا۔" خبر لانے والے لڑکے نے پرجوش لہجے میں کہا۔ "پولیس کا کہنا ہے کہ وہ عین وقت سے آیا تھا اور وہاں کسی خبیث میں سینی ٹوریم لے جا رہا ہے۔"

ٹائیگر کو یوں لگا تھا جیسے کوئی پرانی فلم دوبارہ چلا دی گئی ہو۔ بہرام پہلے بھی زخمی ہو چکا تھا اور اس کے بچنے کی امید نہ تھی۔ لیکن وہ بچ گیا تھا لیکن اب صورت حال شاید مختلف تھی۔ لہٰذا ٹائیگر وقت ضائع کیے بغیر اسپتال چلا آیا۔ جہاں افراتفری ڈیک پر موجود عورت نے تصدیق کی کہ ایک زخمی شخص اسپتال میں داخل کیا گیا ہے۔ اس کا نام ڈاکٹر بہرام ہے۔ لیکن اس نے ٹائیگر کو بہرام سے ملاقات کی اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ "وہ آئی سی یو میں ہیں آپ ان سے نہیں مل سکتے جناب۔" چڑھتے ہوئے چاند کی طرح حسین اور بھرپور نرس نے اس سے کہا۔

"آپ کی آنکھیں بہت خوبصورت ہیں" ٹائیگر نے کاؤنٹر پر دونوں کہنیاں رکھ کر اس کی طرف جھکتے ہوئے کہا

اس کے ہونٹوں پر اداسی شان کی سکھائی ہوئی وہ قاتل... مسکراہٹ رقصاں تھی جو پتھر کو بھی موم بنانے کی طاقت رکھتی تھی۔

ساتھ ہی اس کا ہاتھ بھی تھام لیا اور اپنی ایک انگلی سے کلائی دبانے لگا۔ پھر دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں ڈوب گئے

موسم کی باتیں کر رہے تھے کہ نرس نے جھرجھری سی لے کر اس سے کہا کہ وہ ڈاکٹر مول والا کوٹ پہن کر اندر جا سکتا ہے۔ نرس نے خود ہی اسے نیچے الماری سے کوٹ لا کر دیا۔ "تم جلد واپس آجانا کیونکہ میری ڈیوٹی آٹھ بجے تک ہے" نرس نے معصومانہ انداز میں کہا۔ "ہم کسی ہوٹل میں چلیں گے اگر تم وہاں نہ بیٹھنا چاہو تو پھر کاریں ہی کسی پارک کے اندر بیٹھ جائیں گے۔ ویسے لفٹ میں ملاقات بھی ہو سکتی ہے۔"

ٹائیگر سفید کوٹ پہن کر آئی سی یو کی تلاش میں نکلا۔ اس تلاش میں اس نے لفٹ کی مدد لی جس میں اس کے ساتھ دو نرسیں اور ایک ایمرجنسی ٹیکنیشن بھی تھا۔ ایک نرس نے خاص انداز میں مسکرا کر دیکھا۔

آئی سی یو کے ایک ٹینٹ میں بہرام مل گیا۔ اس کے تھنھوں میں ربڑ کی نلکیاں گھسی ہوئی تھیں۔ سر کا بایاں حصہ رعنی میں چھپا ہوا تھا جس پر سفید ٹیپ چپکی ہوئی تھی۔ وہ بھاری سانسیں لے رہا تھا۔ لیکن صاف ظاہر ہے کہ اسے سانس لینے میں کوئی دشواری نہیں۔ "سرجیکل ہارٹ... مونیٹر۔" ٹائیگر نے بہت آہستہ سے کہا۔

"ہیلو" بہرام نے دائیں آنکھ کھول کر اسے دیکھا۔ کیونکہ بائیں آنکھ بھی پٹی میں چھپی ہوئی تھی۔

"یہ کیا کر لیا۔"

"پتا نہیں۔ لیکن میرے کپڑے کہاں ہیں؟"

"کپڑوں کی کیا ضرورت ہے چھپل قمیص کا ارادہ تو نہیں؟" ٹائیگر نے اسکیمو ٹینک میں جانے والی نالی تک دیکھ کر کہا۔ اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے بہرام اس بیڈ کا ایک حصہ بن چکا ہو اور اگر اسے بیڈ سے نکالا گیا تو وہ زندہ نہ بچ سکے گا۔

"پرنٹ آؤٹ میرے جیکٹ کی جیب میں ہے" بہرام نے سرگوشی کی۔

"وہ میں حاصل کر لوں گا۔ مگر یہ سب کچھ کیسے ہوا؟" ٹائیگر نے پوچھا تو بہرام نے اسے ساری تفصیلات بتا دیں۔

"کوئی مجال تھا۔" ٹائیگر نے سنتے ہوئے دھیمے لہجے میں کہا۔ "کیا اس مجمعے کا تعلق بے اسٹیٹ موٹل والے گروپ سے ہو سکتا ہے؟"

"نہیں۔ وہ ایک گراوعناصر کی ٹولی تھی اور بس۔ آرنلڈ ان کے ہاتھ آگیا تھا اور آرنلڈ کو راتوں رات لکھ پتی بننے کی خواہش تھی۔ نہیں وہ ٹولی اتنی گہرائی میں نہیں جا سکتی ہے۔"

"مگر وہ تو کیپوٹریں گھس بیٹھی تھی۔"

"نہیں۔ صرف آرنلڈ کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے۔ اسی نے اتفاقیوں کی اس ٹولی کو تلاش کر کے رام سیٹھ نے کا منصوبہ بنایا تھا۔"

"پرنٹ میڈیا آؤٹ میں کیا تھا؟"

"اسے چھوڑو۔ اس میں تین ایکٹوں کی تنخواہوں کا حساب تھا۔ اور بس۔ تم میرے کپڑے اور کیپوٹر پروگرام حاصل کر لو یہ کام بہت ضروری ہے..."

"کوئی دوائی؟"

"نہیں۔ آرام کے لیے مسکن دواؤں کا استعمال میرے بس کی بات نہیں۔" بہرام نے جواب دیا۔

"لیکن درد کم کرنے کے لیے کچھ کیا تو جا سکتا ہے۔ سوئیٹ ہارٹ" ٹائیگر کو احساس تھا کہ مسکن دوا کے بغیر بہرام کس قدر تکلیف سے دوچار ہو رہا ہوگا۔ اس نے بایاں ہاتھ بہرام کے پسینے سے تر سفید بالوں میں اس جگہ گھما دیا کہ جہاں اس کے ہاتھ میں آگ پھر جہاں پر ٹھہر کی ہڈی کھوپڑی سے ملتی ہے اس جگہ اس کی دو انگلیاں رک گئیں۔ اب وہ ان دو انگلیوں سے اسی جگہ دائرے بنا رہا تھا۔ "اب آہستہ آہستہ سانس لو۔" اس نے جھک کر کہا۔ "بہت آہستہ آہستہ۔ ایسے جیسے پھیپھڑوں میں ہوا بھر رہے ہو۔ سفید ہوا... دودھ کی طرح سفید ہوا۔ محسوس کرو کہ یہ دودھیا ہوا تمہاری رگوں تک میں اتر رہی ہے۔ محسوس کرو۔"

"بس" بہرام نے چند لمحوں بعد کہا۔ "اب بہت بہتر محسوس کر رہا ہوں۔"

"اور سوئیٹ ہارٹ" ٹائیگر نے اس کے چہرے کی بشاشت دیکھ کر مسرت بھرے انداز میں کہا۔ "پرنٹ کسی کمپیوٹر کے پاس نہیں۔ یہ ہارڈ کاپی پرنٹ آؤٹ میں نہیں ملے گا۔" یہ کہہ کر وہ ہال دے میں چلا آیا۔ وہاں ایک اور نرس کھڑی ہوئی تھی جس کی یونیفارم بے داغ جیسے شکن تھی چہرہ سپاٹ تھا جس پر جذبات کی ہلکی سی بھی رمق نہ تھی۔ وہ مسکرائی تو ایسا لگا جیسے پلاسٹک کی قدآدم گڑیا مشینی انداز میں مسکرائی ہو۔ اس کے دانت فوٹو پیسٹ کے اشتہار میں دکھائے جانے والے دانتوں سے زیادہ سفید تھے اور فری ہیئر یہ تھی کہ اس نے ڈاکٹر بہرام کے کپڑوں کا علم تھا۔ اسے یہ بات بھی معلوم تھی کہ ڈاکٹر کئی بار کپڑوں کا تقاضا کر چکا ہے یہ فری بات تھی کیونکہ کپڑے خون خون تھے اور اس... صورت حال میں اور زیادہ عجیب بات تھی جب ڈاکٹر بہرام کا پرس اور رقم سب اس کی تسلی کے لیے اس کے ٹیکہ کے ساتھ رکھ دی گئی تھی۔ اس کے باوجود کپڑوں کے لیے ڈاکٹر بہرام کا اصرار بڑھتا جا رہا تھا۔

"وہ جس چیز کی بھی فرمائش کرے اسے ضرور پورا کرنا۔" ٹائیگر نے اپنی مخصوص اداسی کر دینے والی مسکراہٹ اچھالی۔

"یقیناً" نرس نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔ وہ مسکرائی بھی تھی لیکن اس کی مسکراہٹ میں سنسنی خیزی نہ تھی۔ اس سپاٹ لہجے اور بے جان جسم پر ٹائیگر توجہ نہ دے سکا کیونکہ اسے اس وقت بہرام اور اس کے کپڑوں کی فکر تھی۔

کیپ کوڈ جنرل اسپتال کے بزنس روم میں بہرام کے کپڑے محفوظ تھے۔

"کیا ڈاکٹر کو کچھ اور درکار ہے؟" نرس نے پوچھا۔

"نہیں" تب ہی اسے یاد آیا کہ بہرام کے کمرے کے باہر ڈیوٹی پر موجود نرس نے اسے ڈاکٹر کہا تھا۔ وہ واپس نکلا اس نے زینہ کی دیوار کے پاس کھڑے ہو کر خون آلود کپڑوں کو پلاسٹک بیگ سے نکالا اس کی انگلیاں پرنٹ آؤٹ سے ٹکرائیں۔ اس نے شیٹ نکالی اور پھر چونک پڑا۔ پرنٹ آؤٹ کے کونے اب سرخ ہو چکے تھے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اس کی فوٹو کاپی تیار کی جا چکی ہے۔ ٹائیگر فوراً بہرام کے کمرے کی طرف لپکا۔ جوں ہی اس نے دروازہ کھولا۔ اسے ایک جھٹکے سا لگا کمرہ خالی تھا۔ بیڈ تک نہیں تھا بس کال بیل کی کالی تار جھول رہی تھی۔

"نرس"۔ اس نے باہر آکر اسی نرس کو متوجہ کیا جس کی مسکراہٹ مشینی سی تھی۔ "میرا مریض کہاں گیا ہے؟"

"اسے یہاں سے ہٹا دیا گیا ہے" نرس نے جواب دیا۔

"اب کہاں رکھا گیا ہے؟"

"نیچے والے ہال میں" نرس نے انگلی موڑ کر نیچے کی طرف اشارہ کیا۔ یہ اشارہ بھی عجیب سا تھا۔ کچھ ایسا جیسے موٹی جانے والی انگلی کا باقی جسم سے کوئی تعلق نہیں۔ ٹائیگر نے زیادہ دیر نہ لگائی۔ اس نے ہال میں آکر ایک کمرے کا دروازہ کھولا۔ لیکن وہاں ہزار بھر بیل والا ایک شخص زیر علاج تھا۔ وہ اور آگے گیا۔ اسی لیے اسے اسی نرس کی آواز سنائی دی "یہی ہے وہ" ٹائیگر نے پلٹ کر دیکھا۔ دو بھاری بھرکم پولیس والے اسے گھور رہے تھے۔ "ٹھہرو۔" ایک پولیس والے نے اسے ڈپٹا۔ "تم کون ہو؟"

"میں ایک مریض کو تلاش کر رہا ہوں۔"

"ہم بھی ایک مریض کی تلاش میں ہیں۔ اپنا شناختی کارڈ دکھاؤ" دوسرے نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔ وہ ادھیڑ عمر کا تھا۔

"تم نے پاسپورٹ سائز والا کوئی سپیڈ دیکھا ہے؟" ٹائیگر نے اس کا مطالبہ نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔

"تم کون ہو؟" وہ دونوں اس کی طرف بڑھے تو اس نے ان دونوں کے درمیان سے گزر کر ایک اور کمرے میں جھانکا۔

"ٹھہرو۔ اب آگے نہ بڑھنا۔ تم کیا کر رہے ہو۔ ہم پولیس افسر ہیں۔ بس اب مک جاؤ۔"

ٹائیگر نے ایک اور آئی سی یو میں جھانکا۔ وہاں ایک بچہ زیر علاج

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

علاج تھا۔

"تم گرفتاری پیش کردو۔" پولیس افسر نے اسے للکارا۔

"پھر کبھی۔" ٹائیگر نے جواب دے کر ایک اور کمرہ کا دروازہ... کھول کر اندر دیکھا... ایک عورت آکسیجن ٹینٹ میں زندہ تھی۔ پھر وہی خالی کمرہ آگیا جہاں پہنچ کر بہرام کو رکھا گیا تھا۔

"اب تم زیر حراست ہو۔" تعاقب کرنے والے نے بہت غصے سے کہا۔ اس کی سانس پھول چکی تھی۔

"گڈ۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ "ویری فائن۔" اس نے فرش کو تلاش کیا مگر زینے والی دیوار اب خالی تھی۔ آس پاس کوئی دوسری زینی بھی نہیں تھی تاہم سامنے ایک بھورا دروازہ تھا جو ایک اور راہداری میں کھلتا تھا۔ یہ زچہ خانہ تھا اور ظاہر ہے کہ بہرام یہاں کیسے آسکتا تھا۔

"اب اگر تم نہیں رکے تو میں گولی چلا دوں گا۔" ایک پولیس افسر نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ کیونکہ اس بھاگ دوڑ کی وجہ سے اس کی حالت بہت برہو چکی تھی۔ اس کا ساتھی دیوار سے ٹیک لگائے ہوئے... ہانپ رہا تھا۔ تب ہی ڈاکٹر کو ایک لفٹ نظر آگئی اس نے بٹن دبا دیا۔ دروازہ کھلا تو ایک اسٹریچر کے گرد سبز لباس والے دو ڈاکٹر نظر آئے مریض پر چادر پڑی ہوئی تھی۔ ٹائیگر نے چادر اتار پھینکی ڈاکٹر اس سے الجھ پڑے۔ مریض کا سر پٹیوں میں چھپا ہوا تھا۔ اور ٹائیگر تمام تر تیز و تیکھا کے باوجود اس وقت تک پٹیاں کھولتا رہا جب تک اسے یقین نہیں ہوگیا کہ مریض بہرام نہیں۔

اب پولیس افسر نے ریوالور نکال لیا تھا۔ تب ہی ٹائیگر کو اپنے کندھوں پر بوجھ سا محسوس ہوا۔ دوسرا پولیس افسر اسے چت کرنے کی کوشش کرنے لگا تھا۔ ٹائیگر نے اس افسر کو اٹھا کر لفٹ کے باہر پھینکنے کے بعد "اپ" والا بٹن دبا دیا۔ اور ڈاکٹروں سے پوچھ گچھ کرنے لگا۔ ڈاکٹر اس سے چڑے ہوئے تھے۔ لیکن انہیں واقعتاً علم نہ تھا کہ ادھیر عمر کا ایسا زخمی جو ہم کا شکار ہوا اب کہاں ہے۔

"میں سر جن ہوں۔ سیکنڈ فلور پر آنا روڈ۔ وہاں ایمرجنسی ہے۔" ایک ڈاکٹر نے کہا۔

"شٹ۔" ٹائیگر نے کہا۔ "میں معروف ہوں۔" جب اس نے چھٹا، ساتواں، آٹھواں، چوتھا اور تیسرا فلور بھی کھنگال ڈالا۔ اور لفٹ دوسری منزل پر پہنچی تو ڈاکٹروں کو مریض سمیت جانے دیا پھر اس نے تہ خانے کا راستہ لیا جہاں لانڈری تھی مگر بہرام نہ ملا۔ اس کے بعد جب وہ پارکنگ لاٹ کے ذریعہ نکلا تو دو جنرل اسکواڈ کاریں سائرن بجاتی ہوئی اسپتال کے احاطے میں داخل ہو چکی تھیں۔ ان سے اتر کر کئی پیٹرول مین پستول تھامے ہوئے اسپتال کی عمارت میں داخل ہو رہے تھے

ٹائیگر نے ایک ایسی ہی کار منتخب کی جس کا عملہ اسپتال میں جا چکا تھا جبکہ وہ کار میں اسپتال سے نکلا اسے دیکھ لیا گیا اور دوسری اسکواڈ کاریں اس کا تعاقب کرنے لگیں۔ ساحل پر پہنچ کر اسے ایک رکاوٹ نظر آئی مگر وہ کار کی ٹکر سے اسے توڑتا ہوا سمندر کے کنارے اس جگہ لے آیا... جہاں پانی کی جھاگ موجود تھی۔ یہاں کار سے پانی میں جلنے میں اس نے دیر نہ لگائی جلد ہی وہ ساحل سے دور زیر آب تیر رہا تھا سفید کوٹ اس نے اتار دیا تھا۔ اس کا رخ گہرے پانیوں کی طرف نہیں تھا۔ اس نے ساحل کے متوازی تیرنے کو ترجیح دی تھی۔ سر کو زور جھکا کر وہ سطح آب پر ابھرا تو یہ دیکھ کر مسکرانے لگا کہ لوگ اندھا دھند بہتے ہوئے کوٹ پر گولیاں برسا رہے تھے۔ اس طرف سے شارک، شارک کی آوازیں بھی آرہی تھیں۔

✣✣

"اہم ایک سنگین مسئلہ ہے دو چار میں نمٹ فادر۔" اس نے کالج میں پہنچ کر فوراً ہی اوشان کو مطلع کیا۔

"دیر سے آنے پر تمہیں معافی مل سکتی ہے۔ لیکن پہلے بازی مت کرو۔" اوشان نے ہاتھ ہلا کر جواب دیا۔ "میں بہت مدد کر سکتا ہوں اگر مجھ میں چشم پوشی کی صلاحیت نہ ہوتی تو اب تک تمہاری حرکتوں کے باعث دو جنرل مرتبہ خود کشی کر چکا ہوتا۔ لیکن میں خبردار کرتا ہوں کہ پرشیا کا کوئی شہنشاہ زیادہ دیر گزرنے کا کام نہیں لیتا۔ شہنشاہ فارس تو ہمیشہ سرعت سے کام دیکھنا چاہتے ہیں۔"

"اب ہم پرشیا ایران یا فارس نہیں جائیں گے۔" ٹائیگر نے جلا بھنا۔

"ایک منٹ ٹھہرو۔ تم گیگ کیوں ہو رہے ہو؟" اوشان نے اس کے کپڑے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"میں نے کہا نا کہ ہم ایران نہیں جا سکتے۔ بہرام بہت زبردست دشواری میں مبتلا ہے۔"

"کیا ہوا؟"

"اسے زخمی کر کے اغوا کر لیا گیا ہے۔"

"تب پھر ہمیں یہ ثابت کرنا ہوگا کہ ایران سنا نجو اس قسم کی کسی حرکت کو برداشت کر سکتا۔" اوشان نے انتہائی غصیلے انداز میں کہا "ہم پہلے شہنشاہ کے محافظوں کو سزائے موت دیں گے اور اس کے بعد سفر پر روانہ ہوں گے۔"

"بہرام کا محافظ کوئی نہیں۔"

"تب پھر تم اس صورت حال پر دل گرفتہ کیوں ہو؟" اوشان معاً ہی تلخ لہجے میں بولا۔ "اگر شہنشاہ بہرام نے محافظ نہیں رکھے تھے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ پاگل ہے اور اسے ایران سنا نجو بھی نہیں

چاہتا۔ اس صورت حال میں جب اس کے محافظ بھی نہیں تھے۔ اس کی حفاظت کی ذمہ داری ہم پر نہیں۔"

"تنظیم اب سربراہ کے بغیر ہے۔" ٹائیگر نے خشک لہجے میں کہا

"واہ تمہیں اس کی فکر کیوں لاحق ہوگئی۔ تم محض جلاد ہو شہنشاہ نہیں، یا خود شہنشاہ بن جانے کا ارادہ رکھتے ہو۔"

"میں بہرام کی جگہ نہیں لینا چاہتا۔"

"تب پھر تمہیں کیا پروا؟"

"مجھے چارہ گر کی فکر ہے۔"

"کیسل؟" اوشان بھی بجٹ کے موڈ میں تھا۔

"اس سے کریں اس تنظیم کا ایک حصہ ہوں۔ ٹیل فادر۔"

"بالکل درست! تم نے اس تنظیم کے حصے کے طور پر اپنا کردار بہت ہی بخوبی ادا کر دیا ہے۔ اس سے زیادہ کوئی توقع بھی نہیں کر سکتا۔" اوشان نے بڑے قطعی انداز میں کہا۔

"نہیں! اگر آپ ایران جانا چاہتے ہیں تو شوق سے جائیں مجھے بہرحال یہ کام کرنا ہے۔"

"آہ۔ پھول کا کام کھلنا ہے۔ پھول نہیں لگا سکتا۔" اوشان نے اسے شہنشاہ چانگ، مانگ اور ہونگ کے حوالے دے دے کر سمجھانا چاہا۔ لیکن ٹائیگر اپنے موقف سے ٹس سے مس نہیں ہوا۔ لہٰذا ماسٹر بیٹھ مجبور ہوگیا کہ یہیں رہ کر اپنے شاگرد کی نگرانی کرتا ہے کہیں اس جنگلی کیفیت میں ہم خود کو نقصان نہ پہنچا لو۔" اوشان نے کہا۔ صرف اسی خدشے کے پیش نظر میں ایران نہیں جاؤں گا۔"

✣✣

ڈاکٹر بہرام نے ٹائیگر کو کوٹ اٹھاتے ہوئے دیکھ لیا تھا اور اس کے فوراً بعد نرس اس کے کمرے میں داخل ہوئی تھی۔

"ہم تمہیں یہاں سے منتقل کر رہے ہیں۔" نرس نے کہا تب ہی بہرام نے اپنے بیڈ کو حرکت کرتے ہوئے محسوس کیا۔ ساتھ ہی پورا بیڈ سسٹم چلنے لگا۔ بیڈ غالباً بنا ہی اس لئے تھا کیونکہ صرف نرس ہی اسے چلا رہی تھی۔ آکسیجن ٹینٹ کی پلاسٹک سے ہال کی روشنیاں گہرے آلو لگ رہی تھیں۔ چند لمحوں بعد بہرام نے لفٹ کا دروازہ کھلنے کی آواز سنی۔ کچھ دیر بعد اس کے بیڈ کے اوپر لفٹ کی چھت نظر آنے لگی۔ اسے یوں لگا جیسے لفٹ نیچے جا رہی ہو۔

"کیا میرا آپریشن ہوگا نرس؟" بہرام نے پوچھا۔

"نہیں۔" اسے عقب سے سپاٹ اور مکینکل آواز سنائی دی۔

بہرام کو پہلے بھی آواز کے سپاٹ پن کا احساس ہوا تھا۔ لیکن یہ جنگ آزادی کے زمانے کی بات تھی جب لمبا ئیوں کے خوف سے وہ ایک کمرے میں چھپا ہوا تھا اور فردوس کی آزادی کے دشمن اس کو تلاش کرتے پھر رہے تھے۔ اس وقت اس کے پاس پستول تھا وہ ان کے ہاتھ آنے کے بجائے خود کشی کر سکتا تھا لیکن

اس وقت خود کشی کرنا بھی اس کے بس میں نہیں تھا۔ اس میں اتنی سکت بھی نہ تھی کہ اپنے بائیں ہاتھ کو حرکت ہی دے سکتا۔ اس کا سر پٹیوں میں جکڑا ہوا تھا۔ اور اس کی بائیں آنکھ میں شدید تکلیف ہو رہی تھی۔

کچھ دیر بعد اس نے دیکھا کہ لفٹ کی چھت ہٹ گئی ہے۔

اب وہ کسی تہ خانے نما ہال میں تھا۔ نرس لفٹ میں واپس چلی گئی اور وہ تنہا رہ گیا لیکن صرف چند منٹ بعد وہ واپس آگئی۔ اس نے بیڈ کو دھکا دیا تو بہرام کو احساس ہوا کہ وہ کھلی فضا میں آگیا ہے۔ معاً ہی اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس کا جسم کسی جھیل میں پھسل رہا ہو۔ اسی لمحے اس نے اسکواڈ کاروں کے ٹائروں کی چیخیں سنیں۔ پولیس سائرن کی آوازیں مدہم ہوگئیں پھر دروازہ بند ہوگیا۔ اس کے چاروں طرف تاریکی چھا گئی۔

اس کو یاد تھا کہ ایک بار وہ اسی طرح زخمی ہوا تھا اور ٹائیگر ہی نے اس کی زندگی بچائی تھی۔

غالباً تیز روشنی کے باعث ہی وہ ہوش میں آیا تھا۔ روشنی اتنی تیز تھی کہ اس کی بائیں آنکھ میں بھی چبھ رہی تھی میں پر پٹیاں بندھی ہوئی تھیں۔ اب اسے نہ تو سائرن کی آواز آرہی تھی اور نہ ہی ٹائروں کے چرچرانے کی۔ صرف یہ احساس ہوا تھا کہ اس کے قریب ہی تیل ہے یا پھر سمندری لہروں کی آوازیں سنائی دی تھیں۔ تیل کی خوشبو شدید تھی۔ اور اس سے زیادہ شدید درد جسم میں ہو رہا تھا۔

"ڈاکٹر بہرام! غالباً تمہیں درد ہو رہا ہے۔" یہ آواز نرس جیسی ہی تھی لیکن نرس اسے نظر نہیں آرہی تھی۔

"ہاں! تم کون ہو؟ میں یہاں کیسے لایا گیا ہوں۔" بہرام نے نقاہت بھرے لہجے میں پوچھا۔

"سوالوں کا جواب دینے کے لیے۔"

"میں سب کچھ بتا دوں گا لیکن تم نے میرا بیڈ یہاں سے کیوں ہٹایا...؟"

"سچائی معلوم کرنے کے لیے۔"

"کیا میں سچائی وہاں نہیں بتا سکتا تھا نرس؟"

"شہزادی کی وصیت بتاؤ۔"

"شہزاد۔ کون شہزادہ؟"

"شہزاد۔ تمہارا خاص آدمی۔ میں اوشان سے واقف ہوں۔"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

جو بوڑھا کہہ رہا ہے لیکن شہزاد کون ہے؟"

"کون شہزاد۔ کون اوشان؟" بہرام نے ابھی جملہ بھی مکمل نہ کیا تھا کہ درد کی شدید ترین لہر اس کے جسم میں بجلی کی طرح دوڑ گئی یوں لگا جیسے گرم گرم لوہے کی قینچی سے گوشت کاٹا جا رہا ہو۔ اس کی چیخ نکل گئی۔

"ٹھہرو۔" وہ تڑپ کر بولا "رک جاؤ۔ میں بتا دوں گا۔"

"کیا اب شہزاد اور اوشان کے بارے میں تمہیں سب کچھ یاد آ گیا ڈاکٹر بہرام؟" نرس کے لہجے میں نہ تو کاٹ تھی اور نہ ہی طنز۔ وہی... سپاٹ سا لہجہ تھا۔

"ہاں۔ میں نہیں جانتا ہوں۔"

"ٹائیگر شہزاد کی قومیت کیا ہے؟"

"مجھے پتا نہیں۔ وہ تو صرف اشوشس ایجنٹ ہے چارہ گر میں فائر کا اشوشس اسی نے کیا ہے۔" بہرام کے اس جواب پر ایک بار پھر اسے درد کی لہر دل کا شکار ہونا پڑا۔ یہ بڑا ہولناک درد تھا۔ "کوٹھہرو۔" بہرام نے بڑی بے چارگی سے کہا۔ "سنو۔ ہمارا تعلق سی آئی اے سے ہے۔ میں اور اوشان اور شہزاد سی آئی اے کے لیے کام کرتے ہیں۔ ہم تجارت اور اجناس کی صورت حال کے بارے میں۔" تب ہی وہ پھر دوسرے تڑپ اٹھا اس بار یوں لگا جیسے کوئی گندا ذرہ اس کلمہ سینہ پھیل رہا ہو۔

"ایک بار پھر یاد کرنے کی کوشش کرو ڈاکٹر بہرام۔" نرس نے کہا۔ "یہ تو مجھے بتا ہے کہ تم کچھ چھپانے کی کوشش کر رہے ہو۔ اور یہ بھی علم ہے کہ کیوں۔ لیکن مجھے ہم سے یا تمہاری تنظیم سے کوئی سروکار نہیں۔ میرا مقصد شہزاد اور اوشان کا قصہ تمام کر کے اپنی بقا، اپنا دوام ہے لیکن ان دو افراد کی موجودگی میں مجھے یہ مقصد حاصل نہیں ہو سکتا تمہیں شہزاد کے متبادل کی پیشکش کی جا سکتی ہے جو شاید شہزاد سے بھی بہتر ثابت ہو۔ یہ متبادل خود میرا وجود ہوگا۔ لیکن اس کے لیے... تمہیں مجھ سے تعاون کرنا پڑے گا ڈاکٹر بہرام۔"

"ٹھیک ہے۔ لیکن میرے بیٹے کو اب مت چھیلنا۔"

"تم مجھے بہت معقول پاؤ گے۔" نرس نے کہا۔

"ہمیں اس کا پتا نہیں کہ شہزاد کی قومیت کیا ہے۔ وہ یتیم تھا۔"

"یتیم۔؟ یتیم کیا ہوتا ہے؟" نرس نے پوچھا۔ لہجہ سوالیہ نہیں تھا۔

"بن ماں باپ کا بچہ۔"

"ناممکن۔ کوئی بچہ ماں باپ کے بغیر پیدا نہیں ہو سکتا۔"

"اسے یتیم خانے میں پالا گیا تھا۔ اس کے ماں باپ غالباً اس کے بچپن ہی میں مر گئے تھے۔"

"اس نے مہلک فن کہاں سیکھا؟"

"یتیم خانے میں۔" بہرام نے پھر جھوٹ بولا۔

"کس نے سکھایا۔؟"

"وہاں کے انسٹرکٹروں نے۔" بہرام نے جواب دیا۔ درد میں بہت کمی ہو گئی تھی۔ لیکن اس جواب کے ساتھ ہی درد خوفناک حد تک بڑھا اور بہرام کے منہ سے اوشان کا نام نکل گیا۔

"اوشان کے بارے میں بتاؤ۔"

"وہ سنا نجو کا ماسٹر ہے۔"

"کیا مطلب ہے؟"

"نہیں۔" بہرام نے جواب دیا۔

"اس کا جواب بہت بہتر ہے۔" نرس نے کہا۔ "سنا نجو کیا ہے؟"

"ایک کاٹل کا نام کوریا کے علاقے میں ہے۔"

"وہاں کا نام کیوں لیا جاتا ہے۔ ماسٹر آف سنا نجو کیوں کہا جاتا ہے؟"

"اس لیے کہ ماسٹر آف سنا نجو دنیا کا مہلک ترین شخص ہوتا ہے۔ مارشل آرٹ کا اصل سرچشمہ سنا نجو ہی ہے۔ وہاں کے ماسٹر صدیوں سے اپنی خدمات کرائے پر دیتے رہے ہیں۔"

"کیسی خدمات۔"

"قتل و غارت گری کے لیے۔ وہ شاہوں، فرعونوں، ظالم آمر دل، صدور، چیئرمین اور تمام حکمرانوں کی خدمت کرتے ہیں۔"

"کیا اوشان کی خدمات مجھے کرائے پر مل سکتی ہیں؟" نرس نے پوچھا۔ اس کا لہجہ اور آواز بے تاثر تھی۔

"اس کا مجھے علم نہیں۔"

"کیا اوشان تخلیقی نوعیت کا حامل ہے؟"

"غالباً نہیں۔"

"اور اوشان کیسا آرٹ پسند کرتا ہے؟"

"سوپ اوپیرا۔ ٹیلے۔ دن کے وقت ٹی وی کی فلمیں۔ تم غالباً امریکن نہیں ہو کیونکہ تمہارا لہجہ بہت مختلف ہے۔"

"سوپ اوپیرا تخلیقی ہوتے ہیں؟"

"نہیں۔ مجھے اس کا علم نہیں۔" بہرام نے سو فیصد سچائی کا مظاہرہ کیا تھا۔

"لیکن تمہاری نسل کا طرۂ امتیاز تخلیق ہی تو ہے۔ تم صفر سے ہزار لول تک پہنچ جاتے ہو جہاں کچھ نہیں ہوتا وہاں عمارتیں کھڑی کر دیتے ہو۔ تمہارے ذہن تخلیق کو جنم دیتے ہیں۔"

"تمہارے اپنے ملک میں بھی تو اداکار ٹیلے ہوگا۔ ہر ملک کو دوسرے میں فن ضرور ملتا ہے۔"

"تم چاپلوسی سے کام لے رہے ہو۔"

"ہاں۔" بہرام نے جھوٹ بولنا مناسب نہیں سمجھا۔ کیونکہ اب وہ مزید درد برداشت کرنے کی قوت نہیں رکھتا تھا۔

"تب پھر میں بھی سودے بازی پر آمادہ ہوں۔ یہ بتانا ہی تمہارے جھوٹ بولنے کا معاوضہ ہے کہ وہ مجسمہ جس کو دیکھ کر تمہیں نفرت کا احساس ہوا تھا میں نے تخلیق کیا تھا۔"

"مجھے مجسمے سے نفرت محسوس نہیں ہوئی تھی۔"

"تم جھوٹ نہیں بول رہے۔"

"تمہیں جھوٹ اور سچ کا علم کیسے ہو جاتا ہے؟" ڈاکٹر بہرام بھی اسے کریدنے کی پوری کوشش کر رہا تھا۔

"جھوٹ بولتے وقت آواز بدل جاتی ہے۔ غالباً اسی تبدیلی کا احساس تمہیں خود کبھی نہ ہو لیکن مجھے اندازہ ہو جاتا ہے۔"

"کیا تم بھی سنا نجو جیسے فن میں مہارت رکھتی ہو نرس؟"

"نہیں! لیکن میں ایسی چیزوں سے واقف ہوں جو مجھے... دوسری باتیں سکھاتی رہتی ہیں اگر مجھ میں صرف تخلیق کا عنصر ہوتا تو پھر مجھے کسی سے خوف نہ ہوتا۔"

"شاید میں تمہاری کچھ مدد کر سکوں۔" بہرام کو پہلی بار شک سا ہوا کہ نرس کون ہے اور کیا ہے۔

"نہیں! اب تم جھوٹ بول رہے ہو۔ تم میری مدد کرنے کی پیشکش دل سے نہیں کر رہے۔ تمہیں اس مجسمہ کے بارے میں کیا علم ہے؟"

"وہ متوازن تھا اور اس میں میرے لیے کشش تھی۔"

"دوسرے اسے منزد کی بے جان نقل کہتے ہیں۔"

"مگر میں نہیں کہتا۔ اس میں میرے لیے بے حد کشش تھی۔"

"مجھے یقین نہ تھا کہ تم مجسمہ دیکھنے کے لیے رکو گے۔ میں نے محض ایک امکان پر مجسمہ وہاں رکھا تھا۔ لیکن تم رک ہی گئے۔ تمہاری جیب سے ملنے والے پرنٹ آؤٹ میں کیا ہے؟"

"تنخواہ کا حساب۔"

"اگرچہ اس بار تم نے جھوٹ نہیں بولا ہے لیکن تمہاری آواز میں تبدیلی ضرور آئی ہے۔"

"وہ تنخواہ کا حساب ہی ہے۔" بہرام نے اصرار کیا۔

"چھوڑو کیا تم شہزاد سے یہ کہہ سکتے ہو کہ وہ اوشان کو قتل کر کے خودکشی کر لے؟"

"نہیں۔" بہرام نے ٹھوس لہجے میں کہا۔

"کوئی بات نہیں۔ لیکن تم بہرحال اس کام میں میری مدد کرو گے۔" اس کے ساتھ ہی روشنیاں گل ہو گئیں۔ بہرام نے ایک طویل سانس لی اور پھر بے ہوش ہو گیا۔ اس بار اس کی آنکھ ٹرک میں کھلی۔ کچھ دیر اور جب اسے خنک ہوا لگی تو اسپتال کی مخصوص بو اور خوشبو کا بھی اسے احساس ہوا۔ اس کے بعد لفٹ کی چھت نظر آئی۔ وہ پھر بے ہوش ہو گیا۔ ہوش میں آنے کے بعد اس نے ہر طرف سورج کی روشنی محسوس کی۔ ہال والی جگہ اس کے قریب ہی کھڑی تھی۔

"کیا حال ہے ڈاکٹر بہرام۔" نرس نے پوچھا۔ "کل رات تو تم نے ڈرا ہی دیا۔ کہاں چلے گئے تھے؟"

"کیا تمہیں نہیں معلوم۔" بہرام نے پوچھا۔

"نہیں! بالکل نہیں۔" نرس نے جواب دیا تو بہرام حیرت زدہ رہ گیا۔ یہ وہی نرس تھی۔ وہی نرس جس کی آواز غیر انسانی تھی۔ یہ مشین تھی۔ جس کا واحد مقصد اوشان اور ٹائیگر کا قتل تھا۔ بہرام کو جلد ہی احساس ہو گیا کہ کمرہ پہلے سے زیادہ صاف ہے۔ اور اس پر اس کی غیر موجودگی میں نیا رنگ و روغن کیا گیا ہے۔

"تم میری مدد کرو گے ڈاکٹر بہرام۔" نرس نے اچانک سپاٹ اور بے تاثر لہجے میں اس سے کہا پھر چل گئی۔

*

اس دوران ٹائیگر مختلف خدشوں سے دوچار رہا۔ اسے سب سے بڑی فکر یہ تھی کہ بہرام کہیں قبیلے تو پھر تنظیم کو نہ چلا رہا ہے۔ اس نے یہی سوال چارہ گر سینی ٹوریم کے گیٹ پر پہنچنے سے قبل اوشان سے بھی کیا جہاں حسب معمول زیادہ پہرہ نہ تھا۔ صرف ایک پولیس والا بیٹھا ہوا تھا جس نے ٹائیگر سے پاس طلب کیا۔

"کیا بکواس کر رہے ہو! کیا پاس؟" ٹائیگر نے غرا کر کہا۔

"چھوڑو دوست غصے میں مت آؤ۔" نے نرار سپاہی بولا۔ "یوں سمجھ لو کہ میں نے تم سے کوئی بات ہی نہیں کی۔" یہ کہہ کر وہ اپنے چوکی نما کمرے میں جا کر ٹی وی دیکھنے لگا۔

"آخر اب تنظیم کون چلا رہا ہے؟" ٹائیگر نے اوشان سے پوچھا۔ اب وہ قدیم ترین عمارت کے لان میں آ چکے تھے۔

"کوئی چلا رہا ہو لیکن میں اب اتنا گیا گزرا ہو چکا ہوں کہ چوکیدار کی طرح ٹی وی بھی نہیں دیکھ سکتا۔"

"کمال ہے۔ اس کی غیر موجودگی میں یہ عمارت کتنی غیر محفوظ لگ رہی ہے۔"

"اندھے کو باغ بھی ویرانے نظر آتے ہیں۔" اوشان نے منہ بنا کر کہا۔

"میں ابھی تک اس نتیجے پر نہیں پہنچ سکا ہوں کہ یہاں کیوں آیا ہوں لیکن فادر۔"

"منزل نامعلوم ہو تو انسان گدھے سے بھی بدتر ہو جاتا ہے۔"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

اوشان نے جواب دیا۔ "شاید تمہیں کوئی کشش یہاں کھینچ لائی ہے۔"

"شاید۔" ٹائیگر سر ہلانے لگا۔ پھر وہ اوشان کو لے کر ڈاکٹر بہرام کے دفتر کی طرف بڑھ گیا۔ اسی دوران اس نے اسپتال کے واقعے کے بارے میں بھی اوشان کو تفصیلات بتا دیں۔

"کیا تم نے نرس کو بغور دیکھا تھا؟"

"نہیں!" ٹائیگر نے سوچ کر جواب دیا۔ "میں صرف پرنٹ آؤٹ کے مسئلے میں گم تھا۔"

"تب پھر دیکھیں گے۔"

"کیا؟" ٹائیگر نے چونک کر پوچھا

"جو بھی بات سامنے آئے گی دیکھ لیں گے۔" اوشان نے جواب دیا۔ "ہم تلاش نہیں کریں گے بلکہ تلاش کرنے والوں کو موقع دیں گے کہ وہ ہم تک پہنچ جائیں۔"

"فادر یہ معمولی مسئلہ نہیں ہے۔" ٹائیگر نے کہا۔

"تمہارا اہم مسئلہ بہرام کی تنظیم نہیں تمہاری اپنی زندگی ہے... میرے بچے۔" اوشان نے جواب دیا۔ "اگر تنظیم کی بقا کی مدت ختم ہو گئی ہے تو اسے فنا ہونا پڑے گا۔ کیا تم نے شاہ فواد کی کتاب نہیں پڑھی؟ بہت عظیم بادشاہ تھا۔ لیکن کہاں گئی اس کی شہنشاہیت؟ کہاں گئے زار؟ فرعون کیسوں نہیں بچے؟ وہ مر گئے ختم ہو گئے۔ مگر ایوان سا نجو زندہ ہا صرف اس وجہ سے کہ ایوان سا نجو نے غیر ملکی جراثیم قبول نہیں کیے۔"

"مجھے بہت اہم کام درپیش ہے فادر۔"

وہ ریسپشن پر پہنچے جہاں ریسپشنسٹ نے انہیں بتایا کہ ڈاکٹر بہرام دفتر میں نہیں ہے۔

"کیا ان کے لیے کوئی فون آیا تھا؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"ہمیں ایسی باتوں سے کوئی سروکار نہیں جناب۔" ریسپشنسٹ نے جواب دیا۔ "وہ کیپ کوڈ اسپتال میں ہیں۔ آپ ان سے ٹیلی فون پر چاہیں تو گفتگو کریں۔" انہوں نے کہا تھا کہ وہ بعض اہم ٹیلی فون پر ہی انتظار کرتے رہتے ہیں۔ اگر آپ۔"

"ان کا فون کب آیا تھا؟" ٹائیگر نے پوچھا

"آج صبح۔"

"کیا مطلب؟" ٹائیگر کو واقعی اچنبھا ہوا تھا۔

"اسے معاف کر دو میرے بچے۔" اوشان نے فوراً مداخلت کی۔

"اسے پتا ہی نہیں کہ یہ کیا کر رہا ہے۔" بہرحال ٹائیگر نے اسپتال فون کیا۔ ریسپشنسٹ کی بات درست نکلی۔ اسپتال والوں نے بتایا کہ کل رات ایک ناخوش گوار صورت حال پیدا ہو گئی تھی۔ لیکن اس کا ذمہ دار اسپتال نہیں تھا۔ مریض بھی اس صورتِ حال پر برہم نہیں۔

ٹائیگر اور اوشان سہ پہر کے بعد اسپتال پہنچے۔ اوشان فوراً جانا چاہتا تھا مگر ٹائیگر نے منع کر دیا۔ "دن کے وقت گیا تو پولیس والے پکڑ لیں گے فادر! میں کل رات انہیں عجمہ دے کر آیا تھا۔"

"کیا مطلب؟" اوشان نے برہم ہو کر کہا۔ "کیا تم چوہدری کی طرح پولیس والوں سے چھپ رہے ہو؟ تم نے کوئی ڈاکہ ڈالا ہے؟ تم شہنشاہ بننا چاہتے ہو یا چور؟"

"میں وضاحت نہیں کر سکتا۔" ٹائیگر نے جواب دیا لہٰذا اوشان... خاموش ہو گیا۔ پھر اسپتال کے باہر پہنچ کر وہ اندھیرا ہونے کے منتظر رہے پھر اس کے بعد وہ تہ خانے کے ایک گلیارے کے ذریعے اسپتال میں داخل ہو کر بہرام کے کمرے والی راہداری میں پہنچ گئے۔

وہاں وہی نرس ڈیوٹی پر تھی۔

"میں تمہیں کچھ بات کرنا چاہتا ہوں۔" ٹائیگر نے اس سے کہا۔

"پہلے تم ڈاکٹر بہرام سے تو مل لو۔" نرس نے اس سے قبل کہ ٹائیگر اس کی پیشکش قبول کرتا۔ اوشان نے اسے رک جانے کا حکم دیا۔ "ایک قدم بھی آگے مت بڑھانا شہزاد۔" اوشان کا لہجہ عجیب سا تھا... "اس نرس سے بھی دور رہو۔"

"اوہ۔ تو تم مجھے پہچان گئے۔" نرس نے سپاٹ لہجے میں اوشان سے کہا۔ "لنسوانی میک اپ بھی بوڑھی آنکھوں نے پہچان لیا۔ کیا بوڑھی نظریں اتنی تجربہ کار ہوتی ہیں۔"

"یہ سب کچھ کیا ہے لٹل فادر؟" ٹائیگر نے حیرت سے ان... دونوں کو دیکھ کر اوشان سے پوچھا

"جاؤ۔ تم ڈاکٹر سے مل لو۔" نرس نے اسے پھر پیش کش کی۔

"شہزاد کیا تم رک گئے؟" یہ آواز بہرام کے سوا کسی اور کی نہ تھی اور کمرے سے آئی تھی۔

"میں اندر جا رہا ہوں۔" ٹائیگر نے ایک قدم ہی بڑھایا تھا کہ... اوشان نے اپنی دراز انگلیوں والا پنجہ اس کے شانے پر رکھ دیا۔ ٹائیگر نے اس گرفت سے نکلنا چاہا لیکن اسے ناکامی ہوئی اور وہ فائل پھسل کر فرش پر گر پڑا۔ اسی لمحے اس نے نرس کو حرکت کرتے ہوئے دیکھا... لیکن اوشان فوراً پلٹا اور اس نے دائرے کی شکل میں حرکت کر دی۔ نرس بھی اسی انداز میں چکر لگانے لگی اور ٹائیگر کو ایک اکھاڑہ یاد آ گیا جہاں پہلوان ایک دوسرے پر داؤ لگانے کی کوشش میں اسی طرح گھومتے ہوئے نظر آئے تھے۔

"کمال ہے۔" نرس نے بے تاثر لہجے میں اوشان سے کہا۔ "تم میری ہر حرکت سے پیشگی واقف ہو جاتے ہو بوڑھے۔"

"شہزاد۔ میری طرح اسے گھیرنے کی کوشش کرو۔ لیکن اس

معروف مصنف اقلیم علیم کے قلم سے لکھی گئی ایک پراسرار اور طلسماتی داستان

سنگتراش

ایک سنگتراش کی محبت کا دلگداز فسانہ
جس کی محبوبہ کی روح پر دیوت کے قبضے میں تھی

دو جلدوں میں۔ جلد اول -/175 جلد دوئم -/175 مکمل سیٹ -/350 روپے

معروف مصنف اقلیم علیم کے قلم سے ایک کی پہلی سلسلے وار کہانی
جس نے مقبولیت کے نئے ریکارڈ قائم کیے

ناگ بھون

انتقام پر تلی ہوئی زہریلی ناگنوں، جل کماری اور ناگ رانی کے طلسماتی تصادم میں گھرنے کے بعد ایک نئی زندگی حاصل کرنے والے محمد سلطان خان کی لرزہ خیز کہانی، جو اقلیم علیم نے اسی کے الفاظ میں بیان کی ہے۔

دو جلدوں میں۔ جلد اول -/175 جلد دوئم -/175 مکمل سیٹ -/350 روپے

اسٹاکسٹ
مکتبہ القریش ◎ سرکلر روڈ
اردو بازار، لاہور۲۔ فون: 7668958
E.mail: al_quraish@hotmail.com

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کے قریب نہ جانا۔" اوشان نے کوہیائی زبان میں کہا۔ تب ہی ٹائیگر کو احساس ہوا کہ سنانجو کا عظیم ترین ماسٹر۔ ماسٹروں کا ماسٹر۔ ایک نرس کے خلاف اس سے بھی مدد طلب کر رہا ہے۔

"کمال ہے فادر۔" ٹائیگر کھڑا ہو گیا۔ "آئندہ کسی اندھے اپاہج نے مجھ پر جھگڑا کیا تو میں بھی آپ سے مدد طلب کروں گا۔"

"مذاق مت کرو۔" اوشان نے غرا کر کہا۔ "اس کے قدموں کی حرکت غیر معمولی طور پر متوازن ہے۔ اس کے آگے پیچھے ہٹنے کا انداز غیر انسانی ہے شہزاد۔"

"ہاں۔" نرس بولی۔ "مجھے سو فیصد متوازن طور پر پروگرام کیا گیا ہے۔ اس کے باوجود مجھے شبہ ہے کہ میں تمہاری بعض حرکتوں کی نقل نہیں کر سکوں گی۔"

"یہ کون ہے؟" ٹائیگر نے اوشان سے پوچھا۔ اس وقت وہ نرس کے عقب میں تھا۔ سطحِ مکمل ہوتے ہی نرس نے سر گھما کر اسے دیکھا تو ٹائیگر کے ہوش اڑ گئے۔ اس کا سر اس طرح گھوما تھا جیسے کہ سر نہ ہو کوئی پھرکی یا پہیہ ہو۔ وہ ٹائیگر کی طرف دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔ اس کی ٹھوڑی پر ڈھلکی ہڈی کے عین اوپر تھی۔

"اوہ۔" ٹائیگر ہونٹ سیکیڑ کر رہ گیا۔

"شاید تم بھی سمجھ گئے ہو کہ میں کون ہوں۔" نرس بولی۔ "اگر میں تمہاری جگہ ہوتی تو اس وقت براہِ راست حملے کی حماقت نہیں کرتی کیونکہ ایسی صورت میں بہرام کی تباہی یقینی ہو جائے گی۔"

"ٹائیگر۔ باہر کون ہے؟" بہرام نے پوچھا۔ وہ ان کی گفتگو سن رہا تھا۔

"وہی جو پنجہ جھاڑ کر تمہارے پیچھے پڑی ہوئی ہے۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔

"اپنی جگہ سے حرکت بھی نہ فرمائیں شہنشاہِ اعظم۔" اوشان نے باآوازِ بلند بہرام کو مشورہ دیا۔

"یہ وہی نرس ہو گی۔" بہرام کی آواز سنائی۔ "اس سے ہوشیار رہنا۔"

"بہت شکریہ۔ اب میں واقعی ہوشیار رہوں گا۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔

"تم دونوں کی گفتگو سے وہ چار ہو۔" نرس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ تب ہی ٹائیگر کو احساس ہوا کہ اس کی مسکراہٹ بھی مشینی ہے۔

"باہر کیا ہو رہا ہے۔" بہرام نے چلا کر پوچھا۔

"کوئی فکر مت کرو سوئیٹ ہارٹ۔ دو گولیاں بھیج کر سو جاؤ۔ صبح بات کریں گے۔"

"تم بہرام کے کمرے میں کیوں نہیں جاتے؟" نرس نے پوچھا۔

"شہزاد۔ اسے وجہ مت بتانا۔" اوشان نے اس طرح کہا جیسے ٹائیگر کو وجہ معلوم ہو۔

"میرا خیال ہے کہ قصہ ختم کر دیں۔" ٹائیگر بولا۔

"نہیں۔" اوشان نے بہت تیزی سے کہا۔

"تم بہت خوبیوں ہو بوڑھے۔" نرس کے چہرے پر اب مشینی مسکراہٹ نہیں بلکہ فولاد جیسی سختی تھی۔

"تم کیا چاہتے ہو؟" اوشان نے پوچھا۔

"تمہاری تباہی۔"

"مگر کیوں؟" اوشان بہت چونکا لگ رہا تھا۔

"اس لیے کہ تمہاری زندگی میرے لیے مستقل خطرہ کا باعث ہے۔"

"ہم اس نرس پر مل کر حکمرانی کر سکتے ہیں۔" اوشان نے پیشکش کی۔

"میں کسی کو حصہ نہیں دیتی گی۔ میرا مقصد دوام ہے۔ اس کے لیے تمہیں اور تمہارے ساتھی کو تباہ کرنا ضروری ہے۔"

"میں تمہیں زندہ کھول یا مونث۔" ٹائیگر نے پوچھا مگر اسی لمحے اک اور نرس نمودار ہوئی۔ اوشان کے دریچے سے گزر کر بہرام کے کمرے میں چلی گئی۔ ٹائیگر نے کمرے کی طرف بغور دیکھا ایک منٹ بعد وہی... نرس واپس نکلی اور مشینی نرس کی طرف دیکھ کر مسکراتی ہوئی چلی گئی... غالباً اسے اپنی ساتھی کی اصلیت کا علم نہیں تھا۔

"دیکھا تم نے۔ کمرہ بالکل محفوظ ہے۔ تم بھی جا سکتے ہو۔" نرس بولی۔

"اس دروازے سے بھی دور رہنا شہزاد۔" اوشان نے چمک کر کہا۔ پھر نرس کی طرف پلٹا۔ "یہ تو بتاؤ کہ ہماری تباہی ضروری کیوں ہے؟"

"اس لیے کہ تم دونوں ایک ایسی قوت کے نمائندہ ہو جو صدیوں سے موجود ہے کیا یہ درست نہیں ہے۔"

"سو فیصد درست۔"

"لیکن اگر تمہیں تباہ نہ کیا گیا تو یہ قوت آنے والی کئی صدیوں میں بھی موجود رہے گی۔ میں پہلے بھی کئی شکلوں میں نمودار ہوئی۔ لیکن تم لوگوں نے ہمیشہ مجھے تباہ کر ڈالا۔ کبھی بھی چین کا سانس نہیں لینے دیا... شیلا نامی برگ کو مار ڈالا۔ ڈیوچ مین کو جھگا دیا۔ نوگان کو بے رحمی سے قتل کیا۔ ابسین کو ہلاک کیا، شعاعوت احمد کو ذہانت کا مظاہرہ نہیں کرنے دیا۔ تم نے کسی ایسی قوت کو زندہ نہیں رہنے دیا جو دنیا بھر پر حکومت کر سکتی ہو۔ اب وقت آگیا ہے کہ تمہارا قصہ تمام کر دیا جائے تاکہ صدیوں بعد بھی تم جیسا کوئی پیدا نہ ہو۔"

"کمال ہے تمہارے خیالات سپر قوت ہیں۔" ٹائیگر یہ کہتے ہوئے فوٹو لائین اسٹیک پوزیشن میں آگیا۔ ایسی پوزیشن میں ہر طرف پر قیامت خیز ضرب لگائی جا سکتی تھی۔ مسئلہ صرف موقع بنانے کا تھا۔ وہ اس قیامت خیز ضرب سے ناکارہ ہی نہیں تباہ و برباد بھی کر سکتا تھا۔

"ٹھہرو شہزاد۔ غلطی کی تو بہرام مر جائے گا۔"

"تم بہت خوبیوں ہو اوشان۔" اس نے پہلی مرتبہ اس کا نام لیا۔

"آخر باہر کیا ہو رہا ہے۔" بہرام نے پھر چلا کر پوچھا۔

"تم نے کیا حکمت عملی اختیار کی ہے مشین۔" اوشان نے کھردرے لہجے میں نرس سے پوچھا۔

"اس کا پتا تم خود چلاؤ۔ میں جا رہی ہوں سنو۔ میں تمہیں تباہ کیے بغیر چین سے نہیں بیٹھوں گی۔"

"اور تم بھی سن لو۔" اوشان نے بڑی متانت سے کہا۔ "انسان نے جو بھی بری ایجاد کی ہے وہ برباد کر دی گئی ہے لیکن انسان خود زندہ رہا ہے۔"

"میں مشین کی نئی نسل ہوں۔ یہ بات یاد رکھنا۔" نرس بولی اور پھر بیرونی دروازے کی طرف چلی گئی۔ اس کی چال میں کوئی قیامت نہ تھی لیکن فولاد بے مثال تھا۔

"فکر ہے کہ تم سماعت سے محروم نہیں ہوئے تھے"... اوشان نے ٹائیگر کو گھور کر کہا۔

"یہ کیا کہہ رہے ہو فادر۔؟"

"پہلے یہ بتاؤ کہ شہنشاہ کس طرح زخمی ہوا تھا؟"

"مجھے پھٹے جانے سے۔"

"دھماکا۔" اوشان نے پرتفکر انداز میں زیرِ لب کہا اور پھر بہرام کے دروازے کی باہر کھڑے ہو کر چلایا۔ "کمرے میں کوئی نئی چیز موجود ہے کیا؟"

"نہیں۔ کچھ بھی نہیں۔ کیا بات ہے ماسٹر؟" بہرام کی آواز آئی۔

"مجھے کسی چیز کی بو آرہی ہے شہنشاہِ اعظم۔"

"یہ تازہ پینٹ ہے۔"

"کیا پورے کمرے پر پینٹ کیا گیا ہے؟"

"ہاں۔" بہرام نے تصدیق کی۔

"اور پینٹ بہت سی چیزوں کو چھپا لیا کرتا ہے شہنشاہِ اعظم۔"

"کھول، کیا ہوا؟" بہرام بہت بے چین ہو رہا تھا۔

"کچھ نہیں۔ خوف زدہ ہونے کی کوئی بات نہیں۔ جلد از جلد صحت یاب ہو جائیں لیکن کسی بھی قیمت پر اس وقت تک کمرے سے نہ نکلیں جب تک ہم خطرہ ٹل جانے کا اعلان نہ کر دیں۔"

"اندر آکر تفصیلات بتائیں ماسٹر۔" بہرام نے جھلا کر کہا۔ "باہر کھڑے رہ کر کھول بات کر رہے ہیں!"

"اندر آنا ناممکن ہے عظیم شہنشاہ۔ آپ ایک جال میں ہیں... اس مخلوق نے ویسا ہی جال بنایا ہے جس سے پہلے زخمی ہو چکے ہیں۔"

"مجھے یہاں کوئی مجسمہ نظر نہیں آرہا۔"

"دیواریں، کمرہ، سب بم ہیں۔ اگر ہم کمرے میں داخل ہوئے تو شہنشاہ کے ساتھ اس کے وفادار خادم بھی ہلاک ہو جائیں گے۔"

"میرے خدا۔ اب کیا کیا جائے۔" بہرام گھبرا گیا۔

"کچھ نہیں آپ کچھ نہ کریں۔ بس کمرے میں سوئیں۔ کیونکہ اگر آپ نے کمرے سے نکلنے کی کوشش کی تو بم پھٹ سکتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ چاروں دیواروں پر تازہ پینٹ کے نیچے موت چھپائی گئی ہے۔"

"پینٹ تو چھت پر بھی کیا گیا ہے۔"

"تب پھر پانچ بم ہو گئے زیرک شہنشاہ۔" اوشان نے بصد احترام کہا۔ اس کا لہجہ اب ناخوش گوار نہ تھا۔

"میں لوگوں کو بلا کر بم ناکارہ بنا سکتا ہوں۔"

"اس کی کیا ضمانت ہے کہ ان لوگوں کی کسی حرکت سے بم نہیں پھٹے گا۔ آپ اپنے خادموں کے کہنے پر عمل کریں، سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔"

ٹائیگر کو بیگنی کا احساس اس وقت ہوا۔ وہ یہ سوچنے لگا کہ اگر وہ جذبات میں آکر کمرے میں داخل ہو جاتا تو کیا ہوتا۔

"یہ شمیم بھی کمال کی نکلی؟" اس نے دھیرے سے کہا۔

"شمیم۔ کون شمیم؟" اوشان نے پوچھا

"نرس اور کون۔"

"اس کا نام شمیم کیسے ہو گیا؟"

"بس ذہن میں یہی نام آیا تھا۔ میں نے فردوس میں ایک مچھر کو دیکھا تھا اس کا نام بھی شمیم تھا اور میں نرس کی جنس کا بھی تعین نہیں کر سکا ہوں۔"

ڈاکٹر رابرٹ کلیڈویل نشے کا عادی نہیں تھا کیونکہ نشے کا عادی کوئی بھی شخص میٹروپولیس آدھا گلاس چھوڑ کر نہیں آسکتا۔ وہ نشے میں چور نہیں رہتا تھا کیونکہ میڈیکل کالج میں نشے میں چور افراد تعلیم مکمل نہیں کر سکتے۔ وہ نشے کا عادی نہ تھا۔ کیونکہ نشے کا عادی کوئی شخص چار مغز ٹرے میں بھرا کوکین پر کلیڈویل کی طرح لیبل نہیں لگا سکتا۔ لیکن... بہرحال اسپتال کی انتظامیہ اس کے اتنے خلاف تھی کہ اس نے نشہ شروع کر دیا تھا۔

وہ ذہین تھا۔ اگر ذہین نہ ہوتا تو اس شخص سے ایسا معاہدہ نہ کرتا جس کا معاوضہ اس کی سال بھر کی آمدنی پر بھی بھاری تھا اور وہ شخص خود اس کے پاس آیا تھا۔ اس نے یقیناً کلیڈویل کی شہرت سن کر ہی اس سے رابطہ قائم کیا تھا۔ ڈاکٹر کلیڈویل خوب پینے کے باوجود

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

بھی بہترین خود سرجن ثابت ہوتا تھا۔ لیکن المیہ یہ تھا کہ امریکہ میں بہت عرصے قبل یہ پابندی لگ چکی تھی کہ سرجن شراب کو ہاتھ بھی نہیں لگائیں گے۔ یہ کلیڈیل ہی تھا جس نے پوری کی پوری بوتل پیٹ میں انڈیلنے کے بعد ایک شخص کے دماغ کا نازک ترین آپریشن سو فیصد کامیابی سے کیا تھا لیکن اسپتال کی انتظامیہ کو اس کی ان اصلاحیتوں سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ خود اس کے اپنے ساتھی بھی اس کے خلاف ہو گئے تھے اور پھر ایک روز ایک نوجوان ڈاکٹر نے اس کا منہ سونگھ کر اسے واقعتاً آپریشن تھیٹر سے دھکے دے کر نکال دیا تھا۔

ڈاکٹر کلیڈیل نیویارک سٹی کی ہیوسٹن اسٹریٹ کی جس عمارت میں داخل ہوا وہ اسپتال کی عمارت نہ تھی۔ یہاں حفظانِ صحت کے ضروری انتظامات بھی نہ تھے۔ ویسے بھی وہ چار مفرور اب ریت اور گرد کے تھپڑوں سے بے نیاز ہو چکے تھے انہیں اتنی بدتمیزی سے... کھوپڑیوں سے نکالا گیا تھا کہ ان کے بعض حصے پہچانے نہیں جب رہے تھے۔ وہ بالکل کچومر بن چکے تھے لہٰذا اس نے انہیں ایک ٹب میں رکھ کر ان پر کپڑا ڈال دیا تھا۔ اگرچہ وہ انہیں ریفریجریٹر میں رکھ سکتا تھا۔ لیکن اس نے ایسی کوئی ضرورت محسوس نہیں کی۔ پھر جب اسے یہ احساس ہوا تھا۔ کہ ان میں سے کوئی بھی آسکتا ہے۔ تب ہی اس نے انہیں اٹھا کر فرج میں رکھا تھا۔ لیکن وہ یہ تہیہ کر چکا تھا کہ اس شخص کو یہ ہرگز نہیں بتائے گا کہ انسانی ذہن کتنا طاقتور اور کتنا ناقابلِ تسخیر ہوتا ہے۔

اسے خوشی تھی کہ اوپر اس کے ریفریجریٹر میں شراب موجود ہے کیونکہ اس وقت وہ تھکاوٹ محسوس کر رہا تھا۔

کمرے میں داخل ہو کر اس نے دروازہ بند کیا اور بوتل ریفریجریٹر کی طرف بڑھ گیا۔ ریفریجریٹر کے اندر مغز موجود تھے چاروں الگ الگ روشنی میں چمک رہے تھے۔ اس کے کلائنٹ نے ان پر جو لیبل لگائے تھے وہ ڈاکٹر کلیڈیل نے بدل دیے تھے۔ اب بھلا کوئی یہ دعویٰ کر سکتا تھا کہ یہ مغز ڈاکٹر کا ہے، دوسرا پینٹر کا ہے، تیسرا گلوکار کا اور چوتھا نجومی ساز کا۔

کلیڈیل نے ایک گلاس نکال کر دھویا اور بوتل ریفریجریٹر سے نکال لی۔ اگر وہ بلا نوش ہوتا تو یقیناً براہِ راست بوتل سے پیتا۔

جب اس کا کلائنٹ مقررہ وقت پر آیا تو وہ تین گلاس پی چکا تھا اس نے کلائنٹ کو بھی پینے کی پیشکش کی جو مسترد کر دی گئی۔ کلائنٹ بہت سنجیدہ مگر کم عمر تھا۔ اس کی عمر تیس سال سے زیادہ نہ تھی۔ اس کی آنکھیں گہری نیلی اور بال براؤن تھے۔

"مجھے خوشی ہے کہ آپ وقت پر آگئے۔ مسٹر فیڈرک۔" کلیڈیل نے مسکرا کر کہا۔ "لیکن آپ کے والدین نے آپ کو شراب سے دور رکھ کر اچھا نہیں کیا۔"

"تم سب میرے والدین ہو۔" فیڈرک نے کہا۔ "انسانوں کی... سائنس ہی میری سرپرست و مربی ہے۔"

"شاندار۔" ڈاکٹر کلیڈیل نے کہا۔ "یہ اعلیٰ ظرفی ہے۔ کیا اسی اعلیٰ ظرفی کے نام پر ایک گلاس نوش فرمائیں گے؟"

"نہیں۔ میں اس کام کے لیے آیا ہوں جس کا معاوضہ ادا کیا جا چکا ہے۔"

"اور معاوضہ بھی بھرپور۔" کلیڈیل نے چبھتے لہجے میں کہا۔ "آپ کی دعیا دلی، فیاضی اور سخاوت کے نام پر۔" کلیڈیل پورا گلاس چڑھا گیا۔ "کیا کام مکمل ہو گیا ڈاکٹر؟"

"میں نے اوریجنیشن کا کام تو مکمل کر لیا ہے لیکن میں بعض فاضل پیرامیٹرز استعمال کرنا چاہتا ہوں۔"

"کس مقصد کے لیے...؟"

"اسی مقصد کے لیے جس کی خاطر آپ یہاں آئے ہیں اور جس کی خاطر آپ مغز کے کرتے تھے مسٹر فیڈرک۔"

"گڈ۔"

"لیکن کیا آپ یہ بتانا پسند فرمائیں گے کہ آپ کا مقصد کیا ہے۔ آپ مغز کے بارے میں کیا معلوم کرنا چاہتے ہیں۔؟" ڈاکٹر کلیڈیل نے پوچھا جو دماغ کا سرجن تھا اور جس کو بھولنے کا مرض نہیں تھا۔

"میں نے گزشتہ ملاقات میں بہت کھل کر بتایا تھا ڈاکٹر۔"

"ساتھ ہی آپ نے کہا تھا کہ عجائب گھر کا سو فیصد درست نتیجہ دکھا ہے۔" کلیڈیل بولا۔ اسے ایسے لوگوں سے نفرت تھی جو ہر چیز کا سو فیصد تعین چاہتے تھے لہٰذا اس نے بوتل کی طرف ہاتھ بڑھایا تاکہ اس کے منہ سے کوئی غلط بات نہ نکل جائے۔

"تم بہت غائب دماغ ہو ڈاکٹر۔" فیڈرک نے کہا۔

"اوہو۔ غصہ آگیا۔ لو پیو لو۔ یہ دماغ ٹھنڈا رکھتا ہے کلیڈیل نے گلاس آگے بڑھا کر کہا۔

"نہیں شکریہ۔ کیا تم نے کام مکمل کر لیا ہے؟"

"بات دراصل یہ ہے کہ آپ نے گزشتہ ملاقات میں زیادہ... وضاحت نہیں کی تھی مسٹر فیڈرک۔" ڈاکٹر اب کھڑے کھڑے تھک گیا تھا لیکن یہ بات اخلاق سے گری ہوئی ہوتی کو کلائنٹ کھڑا ہے اور وہ کرسی پر بیٹھ جائے۔ اسے اس پر حیرت تھی کہ پہلی ملاقات میں بھی دو گھنٹے جاری رہی تھی۔ فیڈرک کھڑا رہا تھا۔ وہ یہ سوچ کر میز کی گرفت پر تک گیا کہ شاید یہ ملاقات بھی طویل ہو جائے۔ لیکن معاً ہی اسے... احساس ہوا کہ وہ ایک مغز پر جھکا ہوا ہے۔ اسے پہلے تو کراہت محسوس

ہوئی لیکن پھر اس نے سر جھٹک دیا۔ "آپ فکر نہ کریں مسٹر فیڈرک! یہ مغز ضائع نہیں ہوا۔" اس نے وضاحت بھی پیش کی۔ "انسانی دماغ بہت زیادہ طاقتور ہوتا ہے بس بچ گیا ہوگا۔ ضائع بہرحال نہیں ہوا۔"

"میں نے تمہیں چار مغز دیے تھے ڈاکٹر۔ ان کے ساتھ ایک... آپٹیکل لوب بھی تھی، پیرٹل لوب کے علاوہ ٹیمپورل اور فرنٹ لوب بھی اور یہ سب صحیح وسالم تھے۔"

"درست۔" ڈاکٹر کو تاؤ آنے لگا کیونکہ وہ اس شخص سے میڈیکل کی اصطلاحات سننا نہیں چاہتا تھا۔ اس کی شکل دیکھ کر فیڈرک کو پہلے کی طرح اس بار بھی یہ شبہ ہو رہا تھا کہ یہ شخص اسغلاف اینمالے کرا رہا ہے۔

"میں نے آپٹیکل لوب کے بارے میں بڑی احتیاط کی تھی جو فوکر کو دہشت بخشتا ہے۔"

"گڈ۔ ویری گڈ۔ آپ اصطلاحات کا استعمال بہت اچھی طرح کرتے ہیں مسٹر فیڈرک۔ کیا آپ نے میڈیسن میں تعلیم حاصل کی ہے؟"

"میڈیسن میرے اندر ڈالی گئی ہے۔"

"بذریعہ شرنگ؟"

"نہیں۔ میں دعا نہیں علم کی بات کر رہا ہوں ڈاکٹر!" فیڈرک نے جواب دیا۔ "یہ مقولہ رسنا ہے کہ گھوڑا ڈالو گے تو گھوڑا بنے گا۔"

"اوہ۔ یہ تو کپوٹر کی زبان ہے۔"

"تقریباً۔" فیڈرک نے جواب دیا۔ "لیکن میں ابھی اس پر عادی نہیں ہوا ہوں۔"

"کوئی بات نہیں۔ کلیڈیل نے بڑے خلوص سے جواب دیا اور ایک لمبا گھونٹ حلق سے اتارنے لگا۔

"یہ بتاؤ کہ کیا تم نے مغز کے اس حصے کو الگ کر لیا ہے جو تخلیق کی لہریں پیدا کرتا ہے۔" فیڈرک نے پوچھا۔ "میں چاہتا ہوں جسم کے کمزور الیکٹرو کیمیکل سگنل کی جگہ وہ الیکٹرونک سگنل لے لیں جن کو استعمال کر سکوں۔ اس مقصد کے لیے ہمیں زندہ انسانوں کی ضرورت ہوگی۔"

"شاندار۔" ڈاکٹر نے پُرزور لہجے میں کہا۔ "آپ کی فہانت کے نام پر۔" اس نے پورا گلاس انڈیل لیا۔

"کیا تم نے یہ کام مکمل کر لیا ہے ڈاکٹر؟"

"نہیں۔" کلیڈیل نے دوسری بوتل نکالتے ہوئے جواب دیا۔ "کیوں نہیں کیا؟"

"میرا خیال ہے کہ ہم اس مسئلے کو غیر سائنسی انداز میں لے رہے ہیں مسٹر فیڈرک۔"

"تم خود کوئی تجویز پیش کرو۔"

"اس موضوع پر میٹرو میں گفتگو کی جائے تو بہتر ہے۔ وہاں اعلیٰ درجے کی شراب بھی ہوتی ہے اور ساز گار ماحول بھی۔"

"میں شراب نہیں پیتا اور جہاں تک تمہارا تعلق ہے تو گلاس تمہارے پاس ہے بوتل موجود ہے۔ ماحول بھی خراب نہیں۔"

"چلو ٹھیک ہے لیکن اب میں بڑے کھلے دل سے بات کروں گا۔" ڈاکٹر نے گلاس لبالب بھر کر منہ سے لگانے سے قبل دو تین گھونٹ لیے اور پھر کہا۔ "میں نے یہ کیس یہ سوچ کر لیا تھا کہ آپ کی مدد کر سکوں گا لیکن آپ نے میری کوئی مدد نہیں کی مسٹر فیڈرک۔"

"وہ کیسے؟"

"آپ نے بعض معلومات مجھے فراہم نہیں کیں اور اس طرح ایمانداری سے کام نہیں لیا۔"

"میں عام حالات میں بھی بے ایمانی کرنے کی صلاحیت سے محروم ہوں۔" فیڈرک نے جواب دیا۔

"تب پھر آپ کو میرے پاس آنے سے قبل کسی ماہر نفسیات سے رجوع کرنا چاہیے تھا۔" ڈاکٹر اب ترنگ میں آچکا تھا۔ "اس کی وجہ یہ ہے کہ صرف پاگل انسان بے ایمان نہیں ہوتا۔ نارمل انسان میں بے ایمانی ضرور ہوتی ہے اس طرح میرے نزدیک آپ نارمل نہیں۔ پہلے اپنا نفسیاتی علاج کرالیں۔ جب آپ نے پہلی بار شراب سے انکار کیا تھا تو میں سمجھا تھا کہ آپ تکلفاً منع کر رہے ہیں لیکن اب احساس ہوا کہ آپ پاگل ہیں۔ میں دماغ کا ماہر ہوں نفسیات کا نہیں۔ سرجن ہوں فزیشن نہیں۔ میرے پاس صرف وہ مریض آتے ہیں جن کا کیس بگڑ چکا ہوتا ہے کیا آپ کو پتا ہے کہ میں نے کتنے لوگوں کو یہ بتایا ہے کہ ان کے پیارے آپریشن میں بچ نہیں سکے۔"

"نہیں۔" فیڈرک نے جواب دیا ڈاکٹر کو یقین تھا کہ پاگل پن کے الزام پر کلائنٹ مشتعل ہو جائے گا لیکن فیڈرک کا لہجہ پہلے جیسا تھا۔

"ان گنت مسٹر فیڈرک۔ ان گنت اور میں نے ان مریضوں کے کیس بھی لیے ہیں جن کے دماغ کی رسولی ایکسرے میں نظر نہیں آتی۔ میں نے ایسے مغز بھی دیکھے ہیں جو نارمل نظر آنے کے باوجود نارمل نہیں ہوتے تھے۔ لیکن میں نے آپ جیسا مریض نہیں دیکھا جو نارمل ہونے کے باوجود یہ کہتا ہو کہ وہ بے ایمانی نہیں کر سکتا۔"

"میں کسی دماغی مرض کا شکار نہیں ہوں۔" فیڈرک نے جواب دیا۔ "بے ایمانی نہ کرنا میرے لیے دماغی خلل نہیں ایک سائنسی حقیقت ہے۔ جھوٹا اور بے ایمان شخص وہ ہوتا ہے جس کے دماغ میں تخلیق کرنے کا حصہ موجود ہو اور میں تو تخلیقی حصے کی تخلیق ہی کا متلاشی ہوں۔"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"تو آپ تخلیق کار بننا چاہتے ہیں مسٹر فیڈرک!" ڈاکٹر نے ایک اور گھونٹ لے کر پوچھا۔ "تب پھر آپ ہالی ووڈ جائیں۔"

"میرا خیال تھا کہ تم دماغ کا وہ حصہ تلاش کر سکو گے جو تخلیق پر آمادہ کرتا ہے۔"

"یہ حصہ آپریشن کل لوب میں ہوتا ہے۔ لیکن آپ کر بٹو لوبز کو ڈسفارم نہیں کر سکتے۔" ڈاکٹر کلیڈویل نے گلاس لہراتے ہوئے کہا۔ "اگر اعلیٰ درجے کی دماغی سرجری کی ضرورت ہو تو میری خدمات حاضر ہیں مسٹر فیڈرک! لیکن اگر تخلیق والے حصے کی ضرورت ہو تو میرے پاس کچھ بھی نہ آنا۔ میں بدنصیب سرجن ہوں اس کے سوا کچھ نہیں۔" تب ہی ڈاکٹر کلیڈویل پھسلنے لگا۔ اس نے بمشکل سنبھالا لیا لیکن اسے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ وہ خود نہیں سنبھلا تھا، مسٹر فیڈرک نے اس کی مدد کی تھی۔ اسے یہ بھی اندازہ نہیں ہو سکا کہ وہ کس چیز سے پھسلا تھا۔ ویسے فیڈرک کی گرفت محسوس کر کے وہ خوف زدہ بھی ہو گیا تھا، اب وہ مسٹر فیڈرک کی بات سن رہا تھا۔

"میں دو سال قبل پیدا ہوا تھا۔"

"دو سال قبل؟" ڈاکٹر کلیڈویل اچھل پڑا۔

"ہاں اور یہ کہنا بھی غلط ہے کہ میں پیدا ہوا تھا۔" فیڈرک کہتا رہا۔ "ڈاکٹر کو یقین ہو گیا کہ فیڈرک کسی خلائی سیارہ سے آیا ہے۔

"میرا خالق بہت عظیم انسان ہے۔" فیڈرک نے کہا۔ "وہ عظیم سائنسدان ہے۔ اسے لوگ ڈچ مین کہتے ہیں۔ اس نے بعض لوگوں کی اجارہ داری ختم کرنے کے لیے مجھے تخلیق کیا لیکن وہ میرے اندر قوتِ تخلیق پیدا کرنے میں ناکام رہا۔ اس نے میرا نام فیڈرک رکھا۔ اپنے دادا کے نام پر۔ مجھ میں صرف یہ کمی ہے کہ میں تخلیق نہیں کر سکتا۔ مشین ہوں۔ لیکن مجھ میں خود کو برقرار رکھنے کی صلاحیت موجود ہے۔ اس نے مجھے حکم دیا کہ میں اس کی لیبارٹری سے نکل کر دنیا میں گھوموں اور ان دو افراد کو تباہ کر دوں جنہوں نے میرے خالق کو دولت میں دھکیلا ہے ساتھ ہی مجھے حکم دیا کہ میں انسانی ذہن کی صلاحیت حاصل کرنے کی بھی کوشش کرتا رہوں۔ اسی لیے میں یہ مغز لے کر آیا تھا جو خطیر رقم دی تھی۔ سمجھ گئے؟"

"سس۔ سمجھ گیا۔" کلیڈویل کے ہوش اڑ گئے۔ "بس۔ اب جاؤ۔ کسی اور کے پاس جاؤ۔"

لیکن فیڈرک فوراً ہی نہیں گیا۔ اس نے پہلے مغز ریفریجریٹر میں رکھے اس کے بعد کلیڈویل کو ریفریجریٹر میں ٹھونسا اور اس کا دروازہ بند کر دیا۔

اندر تاریکی کے علاوہ بہت حبس بھی تھی لیکن کلیڈویل کو کوئی خوف محسوس نہیں ہوا کیونکہ اس کا ہاتھ ایک بھری ہوئی بوتل سے ٹکرایا تھا اور وہ بے بھی وہ بہت گہری نیند میں ڈوبتا چلا۔

☆☆☆

ٹائیگر نے آخری مشق کی اور بچہ پیٹ کے بل ہاتھ پاؤں پھیلا کر ساکت لیٹ گیا۔ پھیپھڑوں کی اس مشق کے بعد اس کے ذہن میں روشنی کے جھماکے ہونے لگے تھے اور خون کی گردش تیز ہو گئی تھی تاہم دل کی کیفیت وہی تھی جو ورزش سے قبل اس نے محسوس کی تھی۔

اب وہ دل کی دھڑکنیں سست کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ٹھیک پانچویں منٹ اسے دھڑکنوں کی رفتار میں کمی محسوس ہوئی آہستہ آہستہ اسے یہ احساس ہونے لگا کہ اب دھڑکنیں رک جائیں گی جونہی یہ کیفیت بڑھی اس نے سانس خارج کرنا شروع کر دی۔ محض تیس سیکنڈ بعد وہ معمول کے مطابق سانس لے رہا تھا۔

اوشان کی ساری توجہ ٹی وی کے اسکرین پر تھی۔ چارہ گر سنی ٹورم کے ایک خاص آلے کی وجہ سے اسے فردوسی ڈرامے پیش کی پہلی قسط مل گئی تھی اور وہ یہ دیکھ دیکھ کر تڑپ رہا تھا کہ فردوس میں تعلیمی اداروں کی کیا حالت ہے۔

"بکواس!" اس نے ڈرامے کی پہلی قسط کا خاتمہ ہونے کے بعد لان بنانے والوں کا ایک اشتہار دیکھتے ہی کہا۔ "یہ عورتیں تو نرس سے بھی زیادہ بدصورت ہیں۔ ان میں حسن و نزاکت کا نام تک نہیں۔ گزشتہ روز فردوسی وی ڈیو چلاتے وقت اس نے شکوہ کیا تھا کہ اسے جو وڈیو ملتے ہیں ان میں اشتہار بھی ٹیپ کر دیے جاتے ہیں اور ساتھ ہی اس بات پر بھی غصہ کا اظہار کیا تھا کہ ٹائیگر اس قسم کی لغویات کو ٹیپ ہونے سے روکنے کا فرض بھی ادا نہیں کر سکتا۔

"ہم پھر ویل کیوں آئے ہیں مسٹر فادر؟" ٹائیگر نے فرش سے اٹھتے ہوئے کہا اور وہ قالین دوبارہ بچھا دی جو ورزش کرنے سے قبل اٹھا دی تھی۔

"ہم اس مشین پر حملہ کریں گے۔" اوشان نے کہا۔

"یہاں۔ نہ اسکا کے اس شہر میں؟"

"نہیں۔ ہرگز نہیں۔ اسی وجہ سے تو ہم یہاں ہیں۔"

"لیکن ہمیں وہاں ہونا چاہیے جہاں وہ موجود ہے۔" ٹائیگر نے اعتراض کیا۔

"وہ کہاں ہے؟" اوشان نے پلٹ کر پوچھا کیونکہ اب اسکرین خالی ہو چکا تھا۔

"مجھے کیا پتا؟"

"تب پھر ہم وہاں کیسے جا سکتے ہیں؟" اوشان نے کہا پھر فوراً ہی نظریں اسکرین پر جما دیں کیونکہ اب اس کا پسندیدہ انٹرنیز ی سوپ اوپیرا شروع ہو رہا تھا جس میں وہ مسلسل دلچسپی لیتا رہا تھا۔

"ہم اس پر حملہ کیسے کریں گے ٹسل فادر؟"

"کیا تم نے اسپتال میں نہیں سنا تھا؟"

"کیا؟" ٹائیگر نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

"تمہارا مسئلہ یہ ہے کہ نقشہ موجود ہونے کے باوجود تم راستہ تلاش نہیں کر سکتے۔ سنو! ڈوبنے کی ضرورت اسے ہے۔ اسے وقت سے خوف آتا ہو گا لہٰذا وہ وقت ختم ہونے کے ڈر سے ہم پر حملہ ضرور کرے گا۔"

"اس طرح تو وہ پہل کر ڈالے گا۔ اسے برتری حاصل ہو جائے گی۔"

"نہیں۔ ہرگز نہیں۔ اسے علم ہی نہیں کہ ہم کہاں ہیں لہٰذا پہلے وہ ہمیں تلاش کرے گا۔ اسے اس میں ناکامی ہو گی لہٰذا وہ ہمیں متوجہ کرنے کی کوشش کرے گا اس طرح ہمیں علم ہو جائے گا کہ وہ کہاں ہے۔"

"اور پھر ہم اس کے ایک دوسرے جال میں پھنس جائیں گے۔" ٹائیگر نے تولیے سے چہرہ پونچھتے ہوئے کہا۔ پھر وہ خاموش ہو گیا کیونکہ اوپیرا شروع ہو چکا تھا۔ ٹھیک پانچ منٹ بعد جب سات منٹ کے اشتہارات شروع ہوئے تو اس نے پھر گفتگو شروع کی۔ "فادر! اسے وقت سے خوف کیوں ہو گا۔ دھات اور ٹرانسسٹر تو گوشت پوست کو فنا کر سکتے ہیں۔"

"اگر تم نے اسپتال میں ہونے والی گفتگو بغور سنی ہوتی تو تمہیں اندازہ ہو جاتا کہ میں نے اس مشین کے دماغ میں ایسی کون سی سمجھائی ڈالی تھی جس کو وہ خود بھی تسلیم کرنے پر مجبور رہے۔"

"میں نے تو کچھ بھی نہیں سنا۔"

"میں نے کہا تھا کہ انسان ہر اس چیز کو برباد کر سکتا ہے جسے اس نے خود تخلیق کیا ہو۔ تم نے فرعونوں کے اہرام نہیں دیکھے جو ریت میں بدل رہے ہیں۔ تم نے مملکت اسرائیل نہیں دیکھی جس کو انسانوں نے بنایا تھا جو اب تباہ ہو رہی ہے۔ تم نے قدیم تہذیبیں نہیں دیکھیں اور تم نے۔"

"سنا نجو کی تہذیب کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"اس کی بات نہ کرو۔ وہ فنا نہیں ہو گی۔ مشین کی بات کرو اسے کسی انسان ہی نے بنایا ہے تاکہ ہم تباہ ہو سکیں لیکن ہم اسے تباہ کر دیں گے کیونکہ ہم انسان ہیں۔"

"اس نے اس وقت مجھے ہلاک کیوں نہیں کیا جب وہ نرس کے بھیس میں تھا اور مجھے اس کی اصلیت معلوم نہیں تھی۔"

"غالباً اسے یہ شک تھا کہ تمہیں اس کی اصلیت معلوم ہے اس کا مطلب یہ ہو کہ کمپیوٹر اور مشین بھی غلطی کر سکتی ہیں۔ ممکن ہے کہ اسے یہ بھی خوف ہو کہ اگر ہم میں سے کوئی ایک مر گیا تو دوسرا کیا خوفناک انتقام لے سکتا ہے۔ وہ مشین غالباً ہم دونوں کو ایک ساتھ مارنا چاہتی ہے شاید اسی لیے بہرام کے کمرے میں بم رکھا گیا ہے۔"

"بہرام کو کس طرح بچایا جائے ٹسل فادر؟"

"اس کی فکر مت کرو۔ ہمیں ملازمت کے لیے دوسرے دربار بھی مل سکتے ہیں۔"

"مگر ایوان سانجو اپنی وفاداری کے لیے بہت مشہور ہے فادر!" ٹائیگر نے دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا۔

"ہاں۔ وفاداری بہت انمول ہوتی ہے لیکن عاقبت بہت سستی۔" اوشان نے ہاتھ ہلا کر جواب دیا۔ "ہم انوکھے لوگ ہیں، دنیا میں دو ہی ہیں لیکن باوثاقتیں نے شمار۔ ہماری پہلی وفاداری سانجو کے لیے ہے لیکن یہ بات تم ابھی تک سمجھ نہیں سکے ہو۔ تمہیں اس حقیقت کو جلد از جلد تسلیم کر لینا ہو گا کہ نوگان مر چکا میرے بعد تم ہی شمشیر سانجو کے وارث ہو گے۔"

"پھر بھی۔ ہمیں بہرام کے لیے کچھ کرنا چاہیے۔"

"ٹھیک۔ کچھ کریں گے۔ اسے بچالیں گے۔"

ڈائجسٹوں کے مقبول سلسلے

سرکش	(۱۲ حصے)	محمد احمد مروی	۷۲۰/-
ٹائیگر	(۱۳ حصے)	مشتاق احمد قریشی	۶۵۰/-
خبیث	(۵ حصے)	انوار صدیقی	۲۲۵/-
درخشاں	(۲ حصے)	انوار صدیقی	۱۰۰/-
روگی	(۵ حصے)	م الف صدیقی	۲۷۰/-
دہشت گرد	(۴ حصے)	سلیم فاروقی	۲۰۰/-
سرفروش	(۲ حصے)	اظہر کلیم	۱۲۰/-
شہباز	(۲ حصے)	اظہر کلیم	۱۲۰/-
انسان اور شیطان	(۲ حصے)	محمد فراز	۱۵۰/-

ناشر

مکتبہ القریش سرکلر روڈ، اردو بازار
لاہور فون: ۷۶۶۸۹۵۸

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"وہ کیسے؟"

"تم نے نرس دیکھی تھی۔ اصل... انسان نرس۔ وہ بہرام کے کمرے میں گئی تھی اور بم نہیں پھٹا تھا۔"

"جی ہاں۔ اس کو دیکھ کر میں بھی اندر جانا چاہتا تھا۔"

"تب پھر وہ بم پھٹ جاتا۔" اوشان نے فوراً جواب دیا۔ "وجہ یہ ہے کہ بم ہمارے لیے بنایا گیا ہے۔ ہم کمرے اور بم سے دور رہ کر بہرام کی حفاظت کریں گے۔" یہ کہہ کر اوشان پھر ٹی وی کی طرف دیکھنے لگا کیونکہ اوپیرا شروع ہو چکا تھا۔

وقفہ ہوا تو ٹائیگر پھر بحث کرنے لگا۔ "آخر وہ ہمارے خلاف کس قسم کا جال استعمال کر سکتا ہے؟"

"وہی جو ہم اسے بتائیں گے۔" اوشان نے جواب دیا۔ جب ٹائیگر نے مزید بحث کی تو اوشان نے یہ کہہ کر گفتگو ختم کر دی کہ ٹائیگر کچھ نہیں سمجھ سکے گا کیونکہ گیلے پتھر پر پانی ڈالنے سے پتھر خشک نہیں ہو جاتا۔

سہ پہر کو ٹائیگر نے ایک روڈ ہاؤس سے بہرام کو فون کیا۔ اس وقت وہاں موسیقی زوروں پر تھی۔ کالی جیکٹوں والے کئی موٹر سائیکل سوار بیئر پی رہے تھے ان میں سے کئی دوسرے لوگوں کو ستانے کا مشغلہ اپنائے ہوئے تھے بار مینیجر کو محض اپنی عافیت مطلوب تھی لہٰذا وہ ان کی حرکتوں سے چشم پوشی کر رہا تھا۔

"اب پہلے سے بہتر ہوں۔" بہرام نے اس کی بات سنتے ہی کہا۔ "اس ہفتے کے آخر تک آنکھ کی پٹی کھول دی جائے گی۔ ان کا کہنا ہے کہ اگلے ہفتے مجھے چہل قدمی شروع کر دینی چاہیئے۔"

"ہرگز نہیں۔" ٹائیگر نے اسے فوراً متنبہ کیا۔

"دیکھا جائے گا۔ تم کہو۔ کیا خبر ہے؟ تم جانتے ہو کہ میں ہسپتال میں رہ کر کام نہیں کر سکتا۔ یہاں خفیہ ٹیلی فون بھی نہیں اگر لائن ڈلوا لوں تو خطرہ ہے کہ ہم پکڑے جائیں۔ اگر تم نہ ہوتے تو شاید میں زندگی سے ہار چکا ہوتا۔"

"نہیں چیف۔ آپ فکر مت کریں۔" ٹائیگر کا حلق خشک سا ہونے لگا۔

"تم بھی فکر مت کرو۔" بہرام نے جذباتی انداز میں جواب دیا تو ٹائیگر نے ریسیور رکھ کر پانی مانگا۔

"یہ پیو۔" ایک لڑکے نے بیئر کا گلاس دور سے دکھاتے ہوئے کہا۔ اس نے ہیلمٹ پہن رکھا تھا جس پر سوستیکا کا نشان بنا ہوا تھا۔

"میں نہ تو شراب پیتا ہوں اور نہ ہی سگریٹ۔" ٹائیگر کو نہ جانے کیوں غصہ سا آگیا۔ "گوشت نہیں کھاتا، چاول کھاتا ہوں اور غصہ نہیں پیتا۔"

"تب پھر تم کیا کرتے ہو بھالو؟" ہیلمٹ والے نے اشتعال انگیز لہجے میں پوچھا ساتھ ہی اپنے دوستوں کی طرف پلٹا ہوا ٹائیگر کی طرف دیکھ کر تحقیر آمیز انداز میں قہقہے لگا رہے تھے۔

"میں ہیلتھ سرجن ہوں۔" ٹائیگر نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

"ہیلتھ سرجن؟ یہ کیا ہوتا ہے؟"

"میں ہاتھ کی مدد سے چہروں کی مرمت کرتا ہوں۔"

"آہا۔ واہ بھالو واہ۔ میرا چہرہ بھی ٹھیک کر دو۔" اس لڑکے نے کہا اور ساتھ ہی ہنس پڑا۔

"اس دعوت کا شکریہ۔ ہاتھ میں کئی دنوں سے کھجلی بھی ہو رہی ہے۔" یہ کہہ کر وہ بار سے لڑکے کے قریب پہنچ گیا۔ باقی لڑکے بھی وہیں آگئے۔ "حضرات!" ٹائیگر نے دونوں ہاتھ پھیلا کر کہا۔ "اب آپ دیکھیں گے کہ میں اپنی انگلیوں میں ناک کس طرح پکڑتا ہوں۔"

"یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی۔" ایک لڑکے نے اعتراض کیا "تم اس کی ناک پکڑ لو گے اور بس۔"

"ارے اسے کرنے تو دو۔" ہیلمٹ والا بولا۔ "اس کے بعد میں اسے دکھاؤں گا کہ جیٹروں کی سرجری کس طرح ہوتی ہے۔" اس نے ٹائیگر کو گھور کر کہا تو دوسرے قہقہے لگانے لگے۔

"یہاں کوئی گڑبڑ نہیں ہو گی۔" بار مینیجر نے معاملہ رفع دفع کرنے کی کوشش کی۔

"تم نے کچھ کہا؟" ہیلمٹ والا بار مینیجر کی طرف پلٹا۔ کھرایا تو وہ سہم کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔

"سنو۔ رونا مت۔" ٹائیگر نے کہا۔

"ہم روتے نہیں۔" ہیلمٹ والے کو تاؤ آگیا۔ "اس لڑکی سے پوچھو جس کو ہم نے کل رات اغوا کیا تھا۔"

"تم نے لڑکی اغوا کی تھی؟"

"ہاں اور پھر صبح ہونے پر اس کو جانے دیا تھا۔ وہ رو رہی تھی کہ اس کے ماں باپ کی ناک کٹ جائے گی۔" ہیلمٹ والا لڑکا بولا جس کا قد ٹائیگر سے بھی نکلتا ہوا تھا۔

"تب پھر تم ناک پکڑوانے کے لیے تیار ہو۔" ٹائیگر کو اب یقین ہو گیا کہ اس لڑکے کی ناک بہت اونچی ہے۔

"ہاں۔" ہیلمٹ والا اس کے قریب آکر سامنے کھڑا ہو گیا۔

"دیکھو۔ یہ میرا دایاں ہاتھ ہے۔" ٹائیگر نے اپنا ہاتھ سب کو دکھایا۔ "یہ دو انگلیاں ہیں، صرف یہی استعمال ہوں گی۔" اس کا ہاتھ اچانک اس طرح لپکا جیسے کسی سانپ نے ڈسا ہو۔ ہیلمٹ والے کو صرف ایسا لگا جیسے کسی نے اس کی ناک پر نوچا ہو۔ وہ پیچھے ہٹا

لیکن اب کوئی گنجائش نہیں تھی، ایک ہلکی سی آواز آئی اور پھر خون بھل بھل بہنے لگا۔ ٹائیگر کے ہاتھ میں ہیلمٹ والے کی ناک کا اٹھا ہوا حصہ تھا اور لڑکے کے چہرے پر ناک کی جگہ دو سوراخ نظر آرہے تھے۔ "یہ رہی ناک۔" ٹائیگر نے گوشت کا وہ ٹکڑا سب کو دکھاتے ہوئے کہا۔ پھر ہیلمٹ والے کے گلاس میں ڈال دیا تب ہی ہیلمٹ والے نے ایک دل دوز چیخ ماری وہ چہرے پر ہاتھ رکھ کر دہاڑنے لگا۔ باقی لڑکے ایک نصف دائرہ بناتے ہوئے ٹائیگر کی طرف لپکے۔ "سنو۔" ٹائیگر نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "میں ان دونوں انگلیوں کی مدد سے آنکھیں بھی نکال لیتا ہوں۔"

اس کا لہجہ اتنا بھیانک تھا کہ وہ جہاں تھے وہیں رک گئے۔ پھر ان میں ایک پیچھے ہٹا تو باقی نے بھی اس کی تقلید کی اس کے بعد وہ ناک کٹے ہوئے لڑکے کو لے کر چلے گئے۔ جو بے ہوش ہو چکا تھا۔

*

وانڈا ریڈیل کے پاس سب کچھ تھا، ہر وہ چیز تھی جو فلم سازی کے لیے ضروری ہوتی ہے لیکن سمٹ اسٹوڈیو والے اسے اجازت نہیں دے رہے تھے اس کے پاس اکیڈیمی ایوارڈ یافتہ ڈائرکٹر، یہی ایوارڈ حاصل کرنے والا رائٹر اور ایک ایسا اداکار بھی تھا جو اداکاری کے جوہر دکھا سکتا۔ وہ جانتی تھی کہ اسٹوڈیو کے بعض بااثر شیئر ہولڈر پہلی فلم اسٹوڈیو میں بنائے جانے پر معترض ہیں۔

"آخر خطرہ کس بات کا ہے؟" وانڈا نے اچانک ہی کہا اس کا سکریٹری فوراً اس پر جھک کر اس کے لہو رنگ ہونٹوں اور سرخ عارضوں کو دیکھنے لگا۔ وانڈا نے اپنی زلفوں کا نیا انداز بنوایا تھا جس کے بارے میں ہیئر ڈریسر کا کہنا تھا کہ یہ انداز وانڈا اسٹائل کہلائے گا۔

"خطرہ تم سے ہے انہیں جانِ عالم۔" سکریٹری نے جواب دیا وانڈا عرف اگنیسی نے مُنہ بنا کر زیورات پہنے۔ یہ زیورات بھی بہت مقبول تھے انہیں وانڈا کی ہدایت کے تحت رُوم کے جیولرز کی ایک ٹیم نے تیار کیا تھا اس کے بعد فلموں کی ہیروئن وانڈا اسٹائل جیکٹس کی فرمائشیں کرنے لگی تھیں۔

"میں کسی کے لیے کوئی خطرہ نہیں۔" وانڈا اگنیسی نے قدِ آدم آئینے میں اپنے حسین و لطیف سراپے کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ "میں تو دولت کمانے کا جادو جانتی ہوں۔ ہاں اگر کسی غلطی سے اسٹوڈیو کے حصص مالکان کی آمدنی کم ہوتی ہے تو اس میں میری کوئی کوتاہی نہیں۔" اس نے سن سیٹ بولیوارڈ کی رہائش گاہ کی کھڑکی سے باہر جھانکا وہ سوچنے لگی کہ کیا وہ تنزل کی طرف سفر کر رہی ہے؟ کچھ بھی ہو۔ سمٹ اسٹوڈیو سے کچھ ڈیل ہونا چاہیئے۔" اس نے کہا۔

"میرے پاس اکیڈمی ایوارڈ یافتہ ڈائرکٹر بھی ہے کہانی نویس بھی اور باصلاحیت اداکار بھی۔"

وانڈا کی بدقسمتی یہ تھی کہ کہانی لکھنے پر آمادہ رائٹر ایک ایجنٹ کا پابند تھا۔ ڈائرکٹر اس سے بات ہی کرنے کا روادار نہ تھا کیونکہ اسے صرف منرو نامی ہیروئن میں دلچسپی تھی۔ جیکی چن کو تھا کیونکہ وہ ہیرو لینا چاہتا تھا۔ منرو پہلے ہی بک تھی، جیکی چن مصروف تھا اور وہ بلف بیلن سے کام لینا نہیں چاہتا تھا۔ بول رائٹر نے اپنے ایجنٹ سے بات کرنے کے لیے کہا اور ڈائرکٹر نے معذرت کر لی۔ یہ بات اسٹوڈیو والوں کو معلوم تھی۔

وہ ڈرنک روم میں آگئی جہاں ایک لڑکے نے وانڈا کو دیکھتے ہی ڈینش کی بوتل ٹرے پر سجالی۔ اس لڑکے نے مخصوص سفید کوٹ پہن رکھا تھا جس پر نام کی تختی بھی لگی ہوئی تھی۔

"ٹھہرو۔ بوتل مجھے دے دو۔" سکریٹری نے لڑکے کی راہ روکنے کی کوشش کی لیکن لڑکا اسے جھانسہ دے کر وانڈا تک پہنچ گیا۔

"مس ریڈیل!" اس نے بوتل میز پر رکھنے سے قبل کہا۔ "میں آپ کے لیے کارنامے انجام دے سکتا ہوں۔"

"شاندار، بہت شاندار۔" وانڈا اگنیسی نے بڑی نفرت سے اسے دیکھا۔ "یہی ہالی وڈ کی شان کا ہے۔ اسٹوڈیو کا مالک ڈیل سٹی سرمایہ کاری کرنے پر تیار نہیں اور ایک ملازم میرے لیے کارنامے انجام دینے پر آمادہ ہے۔"

"چلے جاؤ۔" سکریٹری نے لڑکے کو گھرک دیا۔ "مس ریڈیل کو تم جیسے چھوٹے لوگوں سے نفرت ہے۔"

"نہیں۔ مجھے نفرت نہیں۔ لاؤ ڈسٹنش دو۔" وانڈا نے کہا سکریٹری نے بوتل خود لینے کی کوشش کی لیکن اسے ناکامی ہوئی لڑکا اپنے ہاتھ سے بوتل میز پر رکھ کر ہٹ گیا اور وانڈا بوتل پر ٹوٹ پڑی۔ جونہی وانڈا کا دماغ گرم ہوا اس نے سکریٹری کو گھورا۔ "دفعان ہو جاؤ۔" وہ چلائی ساتھ ہی اس نے اپنا سفید ہینڈ بیگ سکریٹری کے سر پر دے مارا۔ سکریٹری پھاگتا چلا گیا تب ہی وہ لڑکا پھر نمودار ہوا۔ "کیا بات ہے؟" وانڈا اسے بھی کاٹ کھانے کو دوڑی۔

"اگر تم میرا مسئلہ حل کر دو تو میں تمہارا مسئلہ حل کر سکتا ہوں۔"

لڑکے نے نرم لہجے میں کہا۔

"کیا زمانہ آگیا ہے۔ ایک ڈیلیوری بوائے میرا مسئلہ حل کرے گا ہونہہ۔" وہ نفرت سے بولی۔

"میں محض ڈیلیوری بوائے نہیں ہوں۔"

"تب پھر تم مستقبل میں یقیناً بہت بڑا پروڈیوسر بننے کا خواب

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

دیکھ رہے ہو۔"

"میں تو صرف اپنی بقا چاہتا ہوں۔"

"ہم سب کا مقصد یہی ہے لڑکے!" وانڈا اکتاہٹ بھری چڑ کر بولی "مگر تم کون ہو؟"

لڑکے نے میز پر ہاتھ رکھا تو میز بیٹھ گئی۔

"ٹھیک ہے۔ تم فرنیچر توڑ سکتے ہو۔ یہ کوئی کمال نہیں۔ اس طرح تو تم فرنیچر بنانے اور سجانے والے بھی نہیں بن سکتے۔"

لڑکے نے میز پر پھر ہاتھ رکھا تو میز کا وہ حصہ معمول پر آگیا جہاں سوراخ ہوا تھا۔

"یہ کمال ہوا۔" وانڈا اب اس میں دلچسپی لینے لگی "تم نے یہ کام کیسے سیکھا؟"

لڑکا ٹرانسمٹر سے سائنسی اصطلاحات استعمال کرنے لگا۔

"سنو۔" وہ فوراً اپنے مقصد پر آگئی۔ اسے ایک احساس تھا کہ یہ لڑکا شاید اس کی مدد کر سکے "میرا مسئلہ یہ ہے کہ مسٹر اسٹوڈیو والے میرے پروجیکٹ میں دلچسپی نہیں لے رہے۔ ڈیل تو کوئی بات سننے کے لیے تیار ہی نہیں۔ تم ہی اس کا کوئی حل بتاؤ۔"

"اس کو اذیت دی جانی چاہئے۔" لڑکے نے جواب دیا۔

"اوہ!" اکتاہٹ کی آنکھیں چمکنے لگیں "کیا تم مجھ پر عاشق ہو گئے ہو لڑکے؟"

"نہیں۔" لڑکے نے جواب دیا۔

"تب پھر سنو۔ اگر تم میرے لیے کام کرنا چاہتے ہو تو پھر یہ بھی یاد رکھو کہ بعض اوقات ایمانداری ضروری نہیں ہوتی۔"

"وہ اوقات کیا ہوں گے؟"

"ان کا اندازہ تم خود لگاؤ گے۔ ہاں۔ اب بتاؤ کہ اذیت سے تمہاری کیا مراد ہے؟"

"جسمانی تشدد۔ جب درد ہوتا ہے تو انسان ہر کام کرنے پر تیار ہو جاتا ہے۔ ڈیل کا ایک ہاتھ اتار دو پھر دیکھو کہ وہ کس طرح تعاون کی حامی بھرتا ہے۔"

وانڈا چشم تصور ہی میں ڈیل اسٹیکی کو تڑپتا ہوا دیکھنے لگی اس نے دیکھا کہ ڈیل کا ایک ہاتھ الگ پڑا ہے، ٹانگیں بھی جسم سے الگ ہیں اور دھڑ زمین پر تڑپ رہا ہے۔

"تم مسکرا رہی ہو۔" لڑکے نے کہا جس کے سینے پر اس کا نام لکھا تھا۔ فیڈرک "کیا میں نے کوئی مضحکہ خیز بات کہی ہے؟"

"نہیں۔ میں تو صرف سوچ رہی تھی۔ تم یہ بتاؤ کہ کوئی ایسا طریقہ ہے جس سے وہ محض دہشت زدہ ہو کر مجھ سے تعاون کرنے پر آمادہ ہو جائے؟"

"ہاں۔ میں دہشت زدہ بھی کر سکتا ہوں۔"

"مجھ پر کوئی الزام تو نہیں آئے گا؟" وانڈا کو یہ خوف بھی محسوس ہوا کہ کہیں وہ پھنس نہ جائے۔ پھر اس نے فیڈرک کو بتایا کہ اس کا حقیقی مشن کیا ہے۔ ڈائرکٹر بات نہیں کر رہا ہے۔ رائٹر مجبور ہے۔ منرو اس کی فلم میں کام نہیں کر سکتی۔ جیکی چن مصروف ہے جب کہ صرف بلف میرے ساتھ کام پر آمادہ ہے۔ اس نے فیڈرک کے کہنے پر ڈائرکٹر اور رائٹر کا پتا دیا جس کے بعد فیڈرک بغیر کچھ کہے اٹھ گیا۔

✣

والٹر میتھانس بلیک ڈین ہیور لے ہلز کے سورج کی تپش سے لطف اندوز ہونے کے ساتھ ساتھ ایک کتاب بھی پڑھ رہا تھا کہ اچانک اسے احساس ہوا جیسے کسی نے اس کے پیر پر شٹ شکی لی ہو۔ یہ پیر سوئمنگ پول میں بھول رہا تھا۔

"شٹ شکی مت لو ولاری۔" اس نے چلا کر کہا۔

"کیا کہا؟" اس کی بیوی نے اسکرپٹ سے نظریں ہٹا کر پوچھا۔ وہ تنقیدی انداز میں دیر سے اسکرپٹ پڑھ رہی تھی۔

"اوہ۔ تم تو پول سے باہر ہو۔ میرا خیال تھا کہ تم نے پول میں نہاتے ہوئے شٹ شکی لی ہے۔"

"میں تو باہر ہی ہوں۔" ولاری بولی تب ہی والٹر کو احساس ہوا کہ اب اس کا پیر حرکت بھی نہیں کر سکتا۔ اس نے پیر کھینچا تو اسے ایسا لگا جیسے پیر کسی نے پکڑ رکھا ہو "میری مدد کرو ولاری، پیر کسی چیز میں پھنس گیا ہے۔" اس نے بڑی بے بسی کے ساتھ کہا تو ولاری نے اسکرپٹ ایک طرف رکھا اور یہ دیکھ کر ہنس پڑی کہ والٹر کا پیر سوئمنگ پول میں جانے والی سیڑھی میں پھنسا ہوا ہے اس نے بہر حال پیر نکال دیا "یہ سیڑھی پہلے تو یہاں نہیں تھی۔" والٹر نے جھنجلا کر کہا۔

"تم غائب دماغ ہوتے جا رہے ہو ڈیئر۔" ولاری نے ہنس کر جواب دیا "سیڑھی یقیناً یہیں رکھی ہوگی۔"

"میں پچاس کا ضرور ہوں مگر غائب دماغ نہیں۔" والٹر کا لہجہ بھی غصیلا تھا "میری اگلی فلم ثابت کر دے گی کہ میں کتنا ذہین ہوں۔"

"اگلی فلم کو باکس آفس پر ہٹ ہونا چاہیے ڈارلنگ۔" ولاری بولی لیکن والٹر کو کوئی جواب نہیں دے سکا کیونکہ اس کی گردن اچانک ہی گرسی کی پشت گاہ کے ہتھے کی درمیانی نوار میں پھنس گئی تھی اور وہ بڑی طرح جدوجہد کر رہا تھا۔ ولاری نے اس کی گردن نکالنے

کی ناکام کوشش کی وہ جدوجہد کرتا رہا تب ہی اسے احساس ہوا جیسے کوئی اس سے مخاطب ہو "والٹر! وانڈا کو فون کرو۔" یوں لگا جیسے یہ آواز کرسی کی ٹانگوں سے آرہی ہو "اسے فون کرو گے نا والٹر؟"

"کروں گا۔ یس۔" والٹر بے بسی کے عالم میں چلایا اور اسی وقت ولاری اس کی گردن نوار سے نکالنے میں کامیاب ہو گئی۔

"کمال ہے تم اتنے احمق ہو دم گھٹ کر مر جاتے۔" ولاری نے اس بار درشت لہجے میں کہا۔

"مجھے کرسی نے پکڑ لیا تھا۔" وہ خوف زدہ لہجے میں بولا۔

"چلو۔ سورج کی وجہ سے تمہارے دماغ میں اثر ہو رہا ہے۔"

"میری بات سنو۔ کرسی نے مجھے دبوچ لیا تھا۔"

"ٹھیک ہے۔ بس اب چلو۔" ولاری نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

وہ اپنے شاندار ڈرائنگ روم میں آئے تو والٹر نے سب سے پہلے اسکاچ کا گلاس بھرا اور خوف کی شدت کم کرنے کے لیے پورے کا پورا انڈیل لیا۔ "نوکر کہاں ہے؟" اس نے جھنجلاتے ہوئے ولاری سے پوچھا۔

"دیکھو۔ وانڈا کا غصہ اس پر مت اتارنا۔"

"کیا مطلب؟" وہ اچھل پڑا "تم نے وانڈا کا نام لیا ہے ناں؟"

"ہاں۔ میں جانتی ہوں کہ وہ تمہارے اور اس مشہور کہانی نویس برٹرام کے ساتھ معاہدہ کرنے کی کوشش میں لگی ہوئی ہے اس نے ہچکاک کے ایک مرکزی خیال سے اسکرپٹ بنانے کی کوشش کی ہے جس میں فرنیچر کرداروں کو جکڑ لیتے ہیں۔"

"اس نے وعدہ کیا تھا کہ وہ منرو کو فلم میں لے گی لیکن پہلے ہی گیم ہے۔ وہ جیکی کی جگہ بلف سین کو لینا چاہتی ہے جب کہ جیکی کے بغیر فلم نہیں بنا سکتا اسی بات میں وانڈا سے بات کرنے کا بھی روادار نہیں۔"

"تم بہت ذہین ہو۔" ولاری کے اس جملے پر وہ کھل اٹھا، اس روز وہ اس وقت تک خوش و خرم رہا جب تک باتھ روم جانے کی ضرورت پیش نہیں آئی لیکن جونہی وہ باتھ روم میں گیا اس کی چیخ سی نکل گئی اور وہ تہہ برہنہ حالت میں بھاگتا ہوا ٹیلی فون تک پہنچ گیا اس نے وانڈا کے نمبر ملائے "ہیلو وانڈا ڈارلنگ۔ کیا تم نے مجھ سے فون پر بات کرنے کی خواہش ظاہر کی تھی؟" اس کی آواز میں دہشت بھری ہوئی تھی۔

ولاری نے چونک کر باتھ روم کی طرف دیکھا وہاں باتھ ٹب میں نوکر کی لاش نظر آئی جو پانی میں پھول چکی تھی ایک پائپ سے نوکر کا گلا بندھا ہوا تھا۔

"وانڈا کو میری طرف سے پیار کرنا والٹر۔" ولاری بھی دہشت زدہ انداز میں چیخ اٹھی۔

*

برٹرام میولر اس سہ پہر ٹائمز بلڈنگ کے لیے ایک اسکرپٹ کی نوک پلک درست کر رہا تھا کہ اچانک اسے سنگستروں کی ٹرے اپنی جگہ سے ہلتی ہوئی لگی۔ ٹائپ رائٹر پر برٹرام کی انگلیاں ساکت ہو گئیں ساتھ ہی اسے گردن پر دباؤ محسوس ہوا یہ دباؤ اتنا شدید تھا کہ اس کی آنکھوں میں اندھیرا چھانے لگا۔

"وانڈا کو فون کرو۔" کسی نے سپاٹ لہجے میں اس سے کہا پھر اسے جھٹکا لگا اور وہ زمین پر گر گیا۔ یہ پہلا واقعہ تھا اس کے بعد اسے علم ہوا کہ کسی نے گھاس کاٹنے کی مشین سمندر میں پھینک دی ہے جس کی لہروں اس کے کاٹیج کو چومتی رہی تھیں اس نے سمندر کی طرف دیکھا تو وہی آواز پھر سنائی دی "وانڈا کو فون کرو برٹرام۔" اس بار اس نے ٹیلی فون تک پہنچنے میں ذرا بھی دیر نہ لگائی۔

"کیا تم مجھ سے فون پر بات کرنا چاہتی تھیں وانڈا؟" اس نے پھولی ہوئی سانس قابو میں کرتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں۔" وانڈا چہک کر بولی "میں تمہیں ایک بار پھر اسکرپٹ لکھنے کی پیشکش کر رہی ہوں ڈارلنگ۔"

"اسی احمقانہ مرکزی خیال پر؟"

"ہاں۔ اسی شاندار مرکزی خیال پر۔ اور والٹر اس فلم کا ہدایت کار ہوگا۔" وانڈا کے لہجے میں شوخی تھی۔

"اوہ۔ وہ تیار ہو گیا؟" برٹرام حیرت سے اچھل پڑا "کیسے؟"

"جس طرح تم تیار ہوئے ہو۔"

"کیا تم نے میرے فرنیچر میں کوئی گڑبڑ کر ڈالی ہے؟" وہ پوچھے بغیر نہ رہ سکا۔

"تم مجھے اچھی طرح جانتے ہو برٹ! میں تو اپنے کلائنٹس کے لیے ہر کام کر گزرتی ہوں پھر تمہارا فرنیچر تو کارڈبورڈ کا ہے۔"

"اب لکڑی کا ہو گیا ہے۔"

"تب پھر میرے ساتھ کام کرو۔ تمہارا فرنیچر ولیوٹ کا ہو جائے گا۔" وانڈا نے ہنس کر پیشکش کی۔

"نہیں۔ راکٹ لوورز نامی فلم کا اسکرپٹ میں نہیں لکھ سکتا۔"

"دیکھو والٹر حامی بھر چکا ہے۔" وانڈا نے اسے سمجھانے کی بہت کوشش کی وہ معاوضہ بھی بڑھاتی رہی مگر برٹ تیار نہ ہوا اچانک اس کے منہ سے "بس" کی زوردار آواز نکلی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ کمرے کی الماری اپنی جگہ پر ہلنے لگی تھی۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

٭٭٭

اسی روز وانڈا اس ڈنر میں پہنچی جہاں وہ مدعو نہ تھی۔ خاتون میزبان اسے دیکھ کر شرمسار سی ہو گئی۔ اس نے دل کھول کر اس کا خیر مقدم کیا اور اس کا حال احوال پوچھنے لگی۔

"بس۔ ابھی برٹ، والٹر اور بلف ہلن سے فلم کا معاہدہ کر کے آ رہی ہوں۔" وانڈا نے چہک کر کہا۔

"اوہ کمال ہے۔ برٹ اور والٹر تیار ہو گئے؟" منرو نامی اس ہیرو ئن نے پوچھا اور پھر وانڈا کے سامنے بچھی بچھی گئی اور یوں وانڈا کو منہ مانگے گھر کا فرنیچر ہلائے بغیر مقصد حاصل ہو گیا۔

اس شب باڈی آئل کی مالش کرتے ہوئے وہ یہی سوچ رہی تھی کہ فیڈرک واقعی بہت کام کا لڑکا ہے۔ تب ہی اسے اچانک احساس ہوا کہ اس کے بیڈ روم کا دروازہ کھل رہا ہے اور پھر فیڈرک نمودار ہوا اس نے ہالی ووڈ طرز کا لباس پہن رکھا تھا۔ وانڈا کو اس بات پر حیرت نہیں ہوئی کہ فیڈرک الیکٹرونک سیکیورٹی سسٹم کے باوجود اس کے گھر میں کیسے داخل ہو گیا۔ وہ سمجھ چکی تھی کہ جو شخص کسی گھر میں داخل ہوئے بغیر وہاں کا فرنیچر الٹ پلٹ سکتا ہے وہ اس کے کمرے میں بھی داخل ہو سکتا ہے۔

"ہیلو ڈول۔" فیڈرک نے کہا۔

"تم یقیناً ہالی ووڈ کی زبان سیکھ چکے ہو۔" وہ ہنس پڑی۔

"میں ہر ماحول میں خود کو ڈھال لیتا ہوں۔ اب سنو۔ تمہارا کام تو ہو گیا تم میرا کام کر دو۔"

وانڈا فوراً تیار ہو گئی مگر وہ فیڈرک کو غلط سمجھی تھی لہٰذا اس نے مایوس ہو کر پیشین نائٹ گاؤن پہن لیا۔ "اب بولو۔ کیا چاہتے ہو؟"

فیڈرک نے اسے بھی اپنی کہانی سنائی۔

"اوہ۔ تو ایوان سانچو ہزار سال پرانا ہے۔" وانڈا نے حیرت کا اظہار کیا۔

"میرے علم میں یہی ہے۔" فیڈرک بولا۔

"تم نے ہرام نامی اس شخص کے ساتھ جو کچھ کیا وہ مجھے پسند آیا۔"

"لیکن خدشہ یہ ہے کہ یہ ترکیب وہ دونوں ناکام نہ بنا دیں۔"

"اوہ۔ نیچے کچن میں بیٹھ کر سوچتے ہیں۔" وانڈا، فیڈرک کو لیکن میں لے آئی اس نے ریفریجریٹر سے چاکلیٹ کی ٹرے نکالی اپنے سامنے رکھی اور پھر ڈسٹرکٹ امنٹہ میں گھلاتی ہوئی بولی۔ "اب تم تخلیقی صلاحیت کے حصول کی کوششیں کر رہے ہو۔ یہی بات ہے نا؟"

"ہاں۔" فیڈرک نے جواب دیا۔ "لیکن میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ تخلیقی صلاحیت صرف انسان میں ہو سکتی ہے۔ مجھے نہیں مل سکتی لہٰذا میں نے تخلیقی صلاحیت خود حاصل کرنے کی کوشش ترک کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ میں اس کی بجائے ایک ایسی شخصیت کو خود سے ملا لوں گا جو سوچ سمجھ سکتی ہو اور جو تخلیقی صلاحیتوں کی حامل ہو اور وہ شخصیت تم ہو۔"

"ظاہر ہے۔" وانڈا نے جواب دیا۔ "لیکن میری خدمات حاصل کرنے کے لیے تمہیں مجھ سے ایک معاہدہ کرنا ہو گا جانم۔" اس نے آنکھیں میچتے ہوئے فیڈرک کو دیکھا۔ وہ جانتی تھی کہ اگر فیڈرک گوشت پوست کا انسان ہوتا تو وہ بڑے سکون سے پندرہ منٹ میں وقت گزار رہی ہوتی۔ "میرا خیال ہے کہ یہ معاہدہ 5 سال کا ہونا چاہیے۔"

"منظور۔" فیڈرک نے جواب دیا۔ "لیکن تمہیں میری توقعات پر پورا اترنا ہو گا کیونکہ وہ آخری شخص جو میری توقعات پر پورا نہیں اترا شاید اب بھی ریفریجریٹر میں بند ہو۔"

"تم اس کی فکر مت کرو۔" وانڈا نے اٹھلا کر کہا۔ "اب تمہیں منصوبہ بندی کی ضرورت ہے۔ یہ بتاؤ کہ تم ان دونوں کو کیسے قتل کرو گے ڈارلنگ؟"

"یہی تو مسئلہ ہے۔"

"ان کے پیروں میں سیمنٹ کی بوریاں باندھ کر انہیں سمندر میں پھینک دو۔"

"وہ اتنے کمزور نہیں کہ سیمنٹ کی بوریاں انہیں ڈبو دیں۔"

"ان کی کار میں بم رکھ دو۔"

"یہ تو بہت عام سا طریقہ ہے۔ وہ بم ناکارہ بنا دیں گے۔"

"مشین گن استعمال کرو۔"

"وہ گولیوں کی بوچھاڑ سے بچ نکلیں گے۔" فیڈرک نے کہا۔

"کسی عورت تلاش کرو جو ان کو بے بس کر دے اور پھر انہیں زہر دے دے۔"

"میرا خیال ہے کہ عورت اور زہر کا ان پر اثر نہیں ہوتا۔"

فیڈرک نے یہ تجویز بھی مسترد کر دی۔

وانڈا نے ایک اور ٹکڑا منہ میں ڈال لیا جو فوراً گھلنے لگا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ کاش فیڈرک انسان ہوتا۔ "ان کا کاروبار کیا ہے فیڈرک؟" اس نے پوچھا۔

"جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے وہ خطرناک قاتل ہیں۔"

"ان کی عادتیں معلوم ہیں؟"

"نوجوان شہزادی کی کوئی عادت نہیں جب کہ بوڑھا تی دن بھر سوپ اور پیرا دیکھتا رہتا ہے۔ خاص طور سے ایرو می

پلانیٹ رسی والرز نامی اوپیرا اس کا پسندیدہ ہے جس میں ریڈرکس نامی اداکار کام کرتا ہے۔"

"ریڈرکس؟" وانڈا چونک پڑی۔ "چلو۔ کام بن گیا۔ اب میری ترکیب سنو۔ ہم انہیں ایک ساتھ نہیں الگ الگ ہلاک کریں گے۔ تم مجھے تھوڑا سا وقت دو۔ میرے ذہن میں منصوبہ کا خاکہ آ گیا ہے جس میں ریڈرکس کا مرکزی کردار ہو گا۔"

*

ریڈرکس اپنے بار میں جا کر گلاس تیار کرنے لگا اس وقت اس کے ذہن پر دولت نہیں صرف تھکن سوار تھی۔ شوٹنگ کے دوران مصنوعی مونچھیں لگانے کے باعث اس کے ہونٹ سوج گئے تھے اور مصنوعی وگ نے اس کے گنجے سر کو مسخ کر ڈالا تھا۔ اس نے ایک دراز سے مسکن جڑی بوٹیاں نکالیں اور انہیں وائبریٹر میں ڈال کر اسے اسٹارٹ کر دیا۔ "آہ۔ وائبریٹر ہی میری زندگی ہیں۔" اس نے ایک سرد آہ بھر کر کہا۔

"وائبریٹر زندگی نہیں ہو سکتے۔" اسے عقب سے کسی کی آواز آئی اس نے پلٹ کر دیکھا۔ مگر وہاں کوئی نہیں تھا۔ اس نے بوکھلا کر ہر طرف دیکھا لیکن پھر یہ سوچ کر مطمئن ہو گیا کہ شاید وہ آواز اس کا وہم ہو۔ اس نے وائبریٹر میں پھنسے والا مشروب شیمپین کے گلاس میں انڈیلا اور کاؤچ پر بیٹھ کر ایک گھونٹ لینے کے بعد سوچنے لگا اس مرتبہ وہ چھٹی ضرور لے گا۔ اس نے دوسرا گھونٹ لیا لیکن اگلے ہی لمحے اُلٹی کر دی۔ شراب اور جڑی بوٹیوں کا جلوس اس کے خوبصورت قالین اور شاندار سوٹ کو داغدار کر گیا۔

"تمہارے لیے ٹیلی فون پر ایک خاص پیغام ہے۔" یہ آواز اس بار بہت قریب سے آئی تھی۔ لہجہ سپاٹ تھا اس بار اس نے محض یہ سوچ کر پلٹ کر نہیں دیکھا کہ بات کرنے والا کہیں آہنی روبوٹ نہ ہو۔ اسے یہ آواز روبوٹ جیسی ہی لگی تھی۔ "تم کون ہو؟" اس نے ہمت کر کے پوچھا۔ اس کی نظریں بار کے بے داغ شیشے پر تھیں وہ اس توقع پر بغور دیکھ رہا تھا کہ شاید شیشے میں اسے عقب کی کوئی جھلک نظر آ سکے۔ "ٹیلی فون ٹیپ اٹھاؤ۔" وہی آواز پھر آئی۔ ریڈرکس نے بڑی احتیاط سے گلاس سنگِ مرمر کی ایک چھوٹی سی میز پر رکھا۔ پھر ٹیلی فون سے منسلک ریکارڈر کا بٹن دبا دیا۔ ٹیپ ریوائنڈ ہوتا گیا اور پھر رک گیا اس کا مطلب تھا کہ یہیں سے ٹیلی فون پیغام شروع ہوتا ہے۔ اس نے ٹاک بٹن دبا کر آلہ تیز کر دی۔

"ہے۔ ریڈ۔ جانی۔ تم نے آج کھانا بھی کھایا یا نہیں؟" ٹیپ سے وہی آواز نکلی جس کی مالکن سے اب اسے کوئی دلچسپی نہیں رہی تھی۔ وہ وانڈا کے جال سے نکل چکا تھا اور اب کھلے عام بدبودار چڑیل کہتا تھا۔ "میں وانڈا ہوں ڈارلنگ! وہی وانڈا جو تمہارے خوابوں میں بستی تھی میں تین روز سے تمہیں ٹیلی فون کر رہی ہوں لیکن تم نے پلٹ کر میری خیر تک نہ لی ایسا لگتا ہے جیسے تم مجھے بھول گئے ہو۔ خیر چھوڑو۔ میری شکایت بھلا دو۔ یہ تو ایک محبت بھرے دکھی دل کی پکار تھی۔ میں نے سنا ہے کہ تمہیں نئے معاہدے کرنے میں دشواری پیش آ رہی ہے۔ اگر ایسا ہے تو میں ہر خدمت کے لیے حاضر ہوں آخر تم پر مرتی ہوں تم سے محبت کرتی ہوں۔"

"اب غور سے سنو۔" وہی آواز عقب سے پھر آئی تو ریڈرکس توجہ سے سننے کی کوشش کرنے لگا۔ "میں تمہیں اپنی خدمات اور اپنا سب کچھ پیش کر رہی ہوں ریڈ جانی! سب سے پہلی بات یہ ہے کہ میں نیویارک ٹیلی ویژن مارکیٹ میں قدم رکھ رہی ہوں۔ پھر یہاں میرا کام ختم ہونے کے بعد تم میری نئی فلم میں کام کرو گے۔ آخر تک ٹی وی پر ایک ہی کردار ادا کرتے رہو گے۔ تمہاری منزل بڑا اسکرین ہونا چاہیے۔"

"جہنم میں جاؤ۔" ریڈرکس نے دھیرے سے کہا۔

"سنتے رہو احمق۔" اسی سپاٹ آواز نے اسے اس بار خوف زدہ کر دیا۔

"ڈارلنگ۔" وانڈا کی آواز آئی۔ "ہم ایک دوسرے کی مدد کر سکتے ہیں نیویارک مارکیٹ میں میرے آنے کے بعد تمہیں نہ صرف میری ضمانت حاصل ہو جائے گی بلکہ تم بہترین ایجنٹ بھی رکھ سکو گے۔ ایک بات یاد رکھو۔ تمہارا موجودہ پروڈیوسر تمہیں کبھی بہتر ہیرو کردار میں پیش نہیں کرے گا کیونکہ اس طرح اس کے اپنے چہیتوں کا کیریئر خطرہ میں پڑ جائے گا۔"

ریڈرکس پر یہ بات اثر کر گئی۔

"میں اپنا دست راست بھیج رہی ہوں ڈارلنگ۔" وانڈا کی آواز آئی۔ "مسٹر فیڈرک تم سے ملاقات کریں گے معاہدہ ان کے پاس ہو گا اس کے بعد دیکھنا کہ ٹی وی نیٹ ورک کے باس کس طرح تمہارے پیر چاٹتے ہیں۔ تمہاری فلم کے لیے تیاریاں میں شروع کر چکی ہوں۔ شہرت، دولت اور بہت سا پیار تمہارا منتظر ہے۔" اس کے بعد وانڈا کا مخصوص قہقہہ سنائی دیا پھر ٹیپ چلنا بند ہو گیا۔

"کمینی۔" ریڈرکس نے گلاس اُٹھاتے ہوئے کہا۔

"بری بات۔" عقب سے اسے پھر انتباہ کیا گیا۔ "وہ تمہاری

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

محسن ہے ریڈر ریکس۔"

"کیا تم ہی مسٹر فیڈرک ہو؟" ریڈر ریکس نے گھونٹ لیے بغیر گلاس میز پر رکھ دیا۔

"یس۔" اس جواب پر اس نے بڑی احتیاط سے پلٹ کر دیکھا لیکن جونہی وہاں کھڑے ہوئے شخص پر اس کی نظر پڑی وہ مسکرانے لگا۔ وہ شخص زیادہ سے زیادہ تیس سال کا تھا۔ اس کے بال سنہری تھے اس نے ٹین سوئیٹ جیکٹ اور سیاہ پتلون پہن رکھی تھی جیکٹ کے نیچے قمیص نہ تھی جہاں ایک بڑا الفرنی لاکٹ نظر آ رہا تھا اس نے ایک بڑی چابی پہن رکھی تھی اسی کو دیکھ کر ریکس مسکرایا تھا۔

"کیا آپ کچھ پئیں گے مسٹر فیڈرک؟" ریکس نے میزبانی کے آداب ملحوظ رکھتے ہوئے پوچھا۔

"میں پیتا نہیں۔" فیڈرک کے چہرے پر مسکراہٹ نہیں تھی۔ "وانڈا کا دیا ہوا کنٹریکٹ لایا ہوں۔"

"جہنم میں جاؤ۔" ریڈر ریکس نے برا سا منہ بنا کر کہا تب ہی فیڈرک نے سنگ مرمر کے خوبصورت گلدان کو دائیں ہاتھ میں اٹھا کر اتنا دبایا کہ چند ہی لمحے بعد گلدان سفوف میں بدل گیا۔ ریڈر ریکس کی آنکھیں مارے خوف کے پھیل گئیں۔ "یہی حال تمہاری کھوپڑی کا بھی ہو سکتا ہے احمق۔" فیڈرک نے سپاٹ لہجے میں دھمکی دی حالات ریڈر ریکس کے حق میں نہ تھے لہٰذا اس نے قلم اٹھا کر معاہدے کی تینوں کاپیوں پر دستخط کرنے میں ذرا بھی دیر نہ لگائی۔ اس دوران اس کی ہتھیلیاں تک پسینے سے بھیگ گئیں۔ اس نے ایک بار پہلے بھی دو غنڈوں کو آٹو گراف دیتے وقت یہی کیفیت محسوس کی تھی وہ اپنی اس تحریر کو پڑھ بھی نہ سکا تھا حالانکہ اس پر انتہائی بے ضرر سے جملے درج کرائے گئے تھے لیکن پڑھنے کے باوجود اسے وہ تحریر اچھی طرح یاد تھی۔

"اوشان کے لیے۔ جو انتہائی دانشمند، بہت عظیم الشان، انتہائی مہربان شخصیت کا مالک اور حساس انسان ہے۔ ناقابل شکست احترام کے جذبوں کے ساتھ۔ ریڈر ریکس۔"

*

"ہاں اب بولو کیا مسئلہ ہے؟" ٹی وی پر وہ منہ جیرالڈ نے نیپکن سے منہ صاف کرتے ہوئے پوچھا۔ وانڈا اس کے سامنے بیٹھی ٹانگ کے تین گلاس چڑھا چکی تھی اور اب مسکرا مسکرا کر دیکھ رہی تھی۔ "کوئی خاص مسئلہ نہیں۔" وانڈا نے ایک ادا سے بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ "بات صرف اتنی سی ہے کہ ریڈر ریکس کی نئی ایجنٹ میں خود ہوں۔"

"اوہ۔" جیرالڈ نے بڑی حقارت سے اسے دیکھا۔

"کیوں۔ کیا تمہیں خوشی نہیں ہوئی؟"

"یہ بات نہیں۔ مسئلہ یہ ہے کہ میں نے اس کے پرانے ایجنٹ ولیم سے بات کر لی ہے اور اب تم یہ کہہ رہی ہو کہ تم اس کی ایجنٹ ہو۔ نئے سرے سے سارا معاہدہ کرنا پڑے گا۔"

"نہیں۔ کوئی بڑا مسئلہ پیدا نہیں ہو گا جیری ڈارلنگ ولیم کیا مانگ رہا ہے؟" وانڈا نے پوچھا۔

"تین ہزار ڈالر فی ہفتہ۔ جب کہ میں نے ۲۲ سو ڈالر فی ہفتہ کی پیشکش کر دی ہے جس پر وہ غور کر رہا ہے۔"

"ہم بائیس سو ڈالر پر تیار ہیں۔" وانڈا نے ہنس کر کہا۔ "مسئلہ ختم۔ بس ایک چھوٹی سی بات اور ہے۔"

"تم نے مجھے بیچ ڈالا۔" ریڈر ریکس نے چلا کر کہا۔ وہ پلٹا۔ اس وقت وہ ٹی وی کے ڈریسنگ روم میں تھا۔ اس کے سامنے وانڈا کھڑی تھی۔ "تم نے مجھے فروخت کر دیا میں تمہیں برطرف کرتا ہوں۔"

"سوری ڈارلنگ۔" وانڈا نے مخمور انداز میں کہا۔ "تم مجھے برطرف نہیں کر سکتے کیونکہ کنٹریکٹ میں واضح طور سے لکھا ہے کہ میں تین سال کے لیے تمہاری ریحٹ ہوں۔ اگر میرے ذریعہ کام نہیں کرو گے تو خالی بیٹھے رہو گے۔" وانڈا نے دھمکی دی۔ "اور اگر تم نے زیادہ ہنگامہ کیا تو فی چارہ جوئی کی تو پھر باقی کام فیڈرک سنبھال لے گا۔ تمہیں زیادہ کام کرنا ہے اور اشتہار بھی پیش کرنے ہیں اتنی سی بات پر مشتعل ہو گئے ہو۔ فیڈرک۔"

"اس کا ذکر مت کرو۔" ریڈر ریکس نے ہاتھ ڈال دیے۔

*

بورو ویل نیراسکا کے ہوٹل میں ٹائیگر آرام کرسی پر نیم دراز تھا۔ ٹانگیں آگے کی طرف پھیلی ہوئی تھیں اور پوزیشن اس امر کی مظہر تھی کہ وہ بہت زیادہ بور ہو چکا ہے۔ آج صبح بھی اس نے ورزش کی تھی فلوٹر اسٹروک کئی بار آزمایا تھا۔ سانس کی مشق کی تھی۔ دل کی دھڑکنیں فی منٹ دو تک کرنے میں کامیابی حاصل کی تھی۔ نبض کی رفتار انتیس کر لی تھی اور پھر اسے ۹۶ تک لے گیا تھا۔ ذہنی ورزشوں میں اس نے جنگل والی ورزش مکمل کر لی تھی جس میں ذہن جنگل دیکھتا رہتا ہے لیکن اکتاہٹ تھی کہ مسلسل بڑھتی جا رہی تھی۔ بورویل میں سات دن گزر چکے تھے لہٰذا بوریت ایک فطری بات تھی۔

تب ہی اسے ٹی وی پر غصہ آنے لگا جہاں اسکرین اوپیرا میں ڈاکٹر ریاٹ مسٹر بریس کو بتا رہا تھا کہ ایلمورہ کا مرض مہلک ثابت ہو سکتا ہے۔ مسز بریس کو اپنے شوہر سے بڑی محبت تھی۔ وہ رونے لگی۔

"جہنم میں جاؤ۔" ٹائیگر نے غرا کر کہا۔ تب ہی اسکرین تاریک ہو گیا۔

"یہ تم نے کیا کیا؟" اوشان نے پلٹ کر پوچھا۔

"کیا ہوا؟" ٹائیگر نے ہاتھ نچا کر پوچھا۔

"تمہاری وجہ سے شو کے ٹائم میں تین منٹ کی کمی ہو گئی ہے۔" اوشان نے جواب دیا لیکن بجھ گیا ہونٹوں پر انگلی رکھ لی۔ اناؤنسر نے اعلان کیا کہ چند ہی لمحوں بعد اوپیرا کا اسٹار ریڈر ریکس خاص ناظرین کے لیے خصوصی جملے کہے گا لیکن پہلے آپ اشتہار دیکھیے۔

"ہم ہوا کو اس حال سے نکالنے کے لیے واپس چل رہے ہیں ٹل فادر۔" ٹائیگر نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"فیڈرک کا کیا ہو گا؟"

"وہ بھی جہنم میں گیا۔" ٹائیگر نے جھلا کر جواب دیا۔ "میں یوں پیچھے کر نہیں بیٹھ سکتا۔ ہم اسے خود تلاش کریں گے۔"

"بچوں کی طرح پیچھو کو پکڑنے کی کوشش کرو۔ اوشان نے کہا اور پھر فوراً ٹی وی کی طرف پلٹ گیا کیونکہ اسکرین پر ریڈر ریکس کا چہرہ نظر آنے لگا تھا۔

"حضرات۔" ریڈر ریکس نے بہت دھیمے لہجے میں کہا۔ "آپ کو یہ سن کر بہت خوشی ہو گی کہ میں اس اوپیرا میں ڈاکٹر ریاٹ کا کردار ادا کر رہا ہوں گا۔"

"شاندار۔" اوشان تالیاں بجانے لگا۔

"آپ کے گھروں میں ٹی وی کے ذریعہ مستقل آنا میرے لیے بڑے اعزاز کی بات ہے۔ میں آپ کے لیے حقیقی زندگی کی حقیقی کہانیاں لاتا رہوں گا۔ بعض لوگ اس ڈرامے پر منفی تنقید کرتے ہیں لیکن مجھے علم ہے کہ اس وقت بھی مجھے وہ عظیم ہستی دیکھ رہی ہے جو جرأت، سخاوت، شجاعت، دانش، قوت اور انکسار کے معاملے میں سب سے عظیم ہے اور جو میرے کام کو بہت سراہتی ہے۔ یہ پروگرام اسی عظیم ہستی کے لیے ہے اور میں اسی سے قوت حاصل کرتا ہوں میں کچھ دنوں کے لیے ہالی ووڈ جا رہا ہوں کیونکہ وہاں ایک فلم میں کام کرنا ہے لیکن ڈرامے پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ مجھے توقع ہے کہ ہالی ووڈ میں میری ملاقات اس عظیم ہستی سے ضرور ہو گی پھر میں اس کے قدموں میں بیٹھ کر اس سے دانش کی باتیں سنوں گا۔" یہ کہتے ہوئے ریڈر ریکس کیمرے کی طرف چہرہ کر کے مسکرایا۔ "عظیم ماسٹر! میں ہالی ووڈ میں آپ کا انتظار کروں گا۔"

اسکرین سے اس کا چہرہ غائب ہو گیا اور پھر اشتہارات کی لائن لگ گئی۔

"یہ کیا تھا؟" ٹائیگر نے بڑی حیرت سے اوشان کو دیکھا۔

"ہم اب ہالی ووڈ چلیں گے۔" اوشان بولا۔ "ریڈر ریکس وہاں ہمارا انتظار کر رہا ہو گا۔"

"کیا یہ پیغام آپ کے لیے تھا؟"

"ہاں۔ تم نے اس کے جملے نہیں سنے۔ اس نے عظیم ماسٹر کو مخاطب کیا ہے۔ ساتھ ہی ان خوبیوں کا ذکر بھی کیا ہے جو صرف مجھ میں ہیں۔" اوشان نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ وہ اٹھ گیا۔ "اب تم روانگی کے انتظامات کرو گے شہزاد اگر وہاں ریڈر ریکس سے ملاقات نہ ہو سکی تو تم ہی ذمہ دار ٹھہرائے جاؤ گے۔" پھر وہ ہوا کے جھونکے کی طرح کمرے سے نکل گیا۔ ٹائیگر نے اپنا سر کرسی کی پشت گاہ سے لگا دیا۔ "اوشان۔" اس نے چلا کر آواز دی۔

"کیا کسی نے میرا نام لیا۔" اوشان نے اندر جھانک کر پوچھا۔

"ریڈر ریکس نے پیغام آپ ہی کو کیوں بھیجا ہے؟"

"شاید اس نے میرے بارے میں کسی سے سنا ہو۔ دنیا میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں جو ماسٹر آف تنانجو سے واقف ہوں۔"

"مگر وہ آپ سے کیوں ملنا چاہتا ہے؟"

"غالباً یہ دیکھنے کے لیے کہ مکمل ماسٹر کیسا ہوتا ہے۔" اوشان کے اس جواب پر ٹائیگر بے بسی سے سر ہلانے لگا۔ لیکن اسے احساس تھا کہ ریڈر ریکس کا یہ پیغام نہیں ہالی ووڈ بلانے کی دانستہ کوشش ہے اور اس کوشش کے پس پشت صرف اور صرف مشین۔ فیڈرک کا ہاتھ ہو سکتا ہے۔

"ارے۔ دیکھو شہزاد۔ کلارک گیبل!" اوشان نے اس کا بازو تھام کر کہا۔

"کلارک گیبل۔" ٹائیگر نے تصحیح کی۔ اس وقت وہ ہالی ووڈ کے ریستوران میں کھانا کھا رہے تھے۔ اوشان نے چاولوں سے بھرا ہوا چمچہ پلیٹ میں واپس رکھ دیا۔

"اور اسے دیکھو۔" اوشان کے لہجے میں جوش تھا۔ "بار برا اسٹریسینڈ۔"

"نہیں۔ وہ تو ویٹرس ہے۔"

"ممکن ہے بار برا نے دوسری نوکری کر لی ہو۔" پچھلے ڈرامے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

میں تو وہ ٹیچر نہیں تھی۔" اوشان کا لہجہ اب بھی پُرجوش تھا۔

"تب پھر آپ خود جا کر اس سے گانے کی درخواست کریں۔" ٹائیگر نے پلیٹ ایک طرف ہٹاتے ہوئے کہا تو اوشان واقعی کھڑا ہو گیا۔ اس سے قبل کہ ٹائیگر اسے روکتا وہ ڈیئس کی طرف جا رہا تھا۔

بصورتِ حال دو روز سے تھی۔ دُنیا کا عظیم ترین ماسٹر فلمی اداکاروں کے چکر میں پاگل ہو رہا تھا۔

وہ بار بار کے نام پرویٹرس کے تاثرات دیکھنا نہیں چاہتا تھا لہٰذا اس نے مُنہ دوسری طرف پھیر لیا۔ اسے اب صرف یہ انتظار تھا کہ فیڈرک ان کی طرف کب متوجہ ہوتا ہے۔ ٹائیگر کو انسانوں سے نمٹنے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی تھی لیکن فیڈرک بہرحال مشین تھا لہٰذا اس کا مقابلہ کرنے کے لیے عام داؤ پیچ فضول تھے۔ ذہانت درکار تھی اور یہی سبب تھا کہ ٹائیگر کو اکتاہٹ ہونے لگی تھی۔ مسئلہ یہ تھا کہ فیڈرک کسی بھی شکل میں آسکتا تھا۔ کروں میں بند ہو سکتا تھا، کرسی بن سکتی تھی۔ سب سے خطرناک بات یہ تھی کہ اوشان کو ابھی تک یہ یقین نہیں تھا کہ ریڈر رکس نے انہیں فیڈرک کی ایما پر ہی بُلایا ہے۔

ٹائیگر کھڑکی سے نظر آنے والے ٹرانسمٹر اسٹیریو دیکھنے لگا تب ہی کسی عورت کے گانے کی آواز سُن کر وہ اُچھل پڑا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔ یکن گیت اس طرح اچانک ختم ہو گیا جس طرح شروع ہوا تھا۔ اوشان ڈیئس کے قریب کھڑا ہوا نظر آیا اس وقت اس کے چہرے پر مُسکراہٹ تھی وہ سر ہلا رہا تھا اور ڈیئس بھی سر ہلا رہی تھی۔ اوشان نے پُرشفقت انداز میں ہاتھ اٹھا کر ڈیئس کو داد دی اور پھر ٹائیگر کی طرف آنے لگا۔

ٹائیگر کو اب ویٹرس کو بغور دیکھنا پڑا۔ کیا یہ محض ڈیئس ہے اس نے سوچا اسی دوران اوشان کرسی پر بیٹھ کر چاولوں کی قاب پر جھک گیا تھا۔

"اس کی آواز تو بہت اچھی تھی مسٹر فادر!" اس نے اوشان سے کہا جو مسلسل زیرِ لب مُسکرائے جا رہا تھا۔

"واقعی؟"

"ہاں۔ معلوم ہے۔ کسی کی آواز سے ملتی جُلتی تھی؟"

"نہیں۔" اوشان نے نفی میں سر ہلایا۔

"اسی کی... آواز سے؟"

"ارے نہیں۔ یہ وہ نہیں ہو سکتی۔ یہ تو صرف ڈیئس ہے۔ تم

ایک بے بس نوجوان کی حیرت انگیز داستان
جسے اپنی موت کا وقت معلوم ہو گیا تھا
مظلوم
یعقوب جمیل کے ہوشربا قلم سے
جس کا قارئین کو برسوں سے انتظار تھا
مکتبہ القریش سرکلر روڈ اردو بازار لاہور
فون 7668958



ہی نے تو بتایا تھا کہ یہ صرف ڈیئس ہے۔"

"ہاں۔ ممکن ہے کہ یہاں آکر کوئی فلم بنا رہی ہو۔"

"تب پھر اسی سے پوچھ لو۔" اوشان نے تجویز پیش کی۔

"پوچھ تو لیتا لیکن خطرہ ہے کہ وہ مجھ پر ہنس پڑے گی۔"

"تم پر تو دُنیا جہاں ہنستا رہتا ہے۔"

"فادر۔ اپنا پیٹ بھر لیں۔ آپ کو بھوک لگ رہی ہے۔" ٹائیگر نے جھنجھلا کر جواب دیا۔

بہرام نے جب یہ سُنا کہ ٹائیگر اور اوشان دونوں ہالی وڈ میں ہیں تو اسے شدید حیرت ہوئی۔ "لیکن میرا کیا ہو گا؟" اس نے ٹائیگر سے پوچھا جس نے خیریت دریافت کرنے کے لیے اسے ٹیلی فون کیا تھا۔ "میں اس کمرے سے نکلنا چاہتا ہوں۔"

"ذرا ہولڈ کریں۔" ٹائیگر نے یہ کہہ کر اوشان کی طرف دیکھا جو

پردوں کی طرف رُخ کیے سوئمنگ پول کی طرف بھاگ رہا تھا۔

"فادر! بہرام اسپتال کے کمرے سے نکلنا چاہتا ہے۔"

"وہ جو چاہے کرے۔ ماسٹر اس وقت مصروف ہے۔" اوشان نے محض گردن موڑ کر جواب دیا۔ لیکن جونہی اس کی نظر ٹیلی فون کے کھلے ماؤتھ پیس پر پڑی جس کا رُخ ٹائیگر نے اسی کی طرف کر رکھا تھا تو وہ فوراً مضبوط لہجے میں بولا۔ "میں کمزوری محسوس کر رہا ہوں کیونکہ عظیم شہنشاہ اس وقت ہمارے درمیان نہیں۔ اس کا وجود ہی ہمارے لیے تقویت کا باعث ہوتا ہے میرے بچے! میں مسلسل اسی ادھیڑبُن میں ہوں کہ شہنشاہ کو کس طرح اس دھماکا خیز جال سے باہر نکالا جائے اس کا جواب یہیں کیلی فورنیا میں ہے۔ میں یہیں رہ کر شہنشاہ کی عظمت کا دفاع کروں گا۔"

"سُن لیا آپ نے۔" ٹائیگر نے ماؤتھ پیس مُنہ سے لگا کر بہرام سے پوچھا۔

"ہاں۔ لیکن میں اب تھک چُکا ہوں۔ تم لوگوں نے مجھے پابند کر دیا ہے کہ میں بستر سے بھی نہیں اُتروں گا لہٰذا بیڈ پین استعمال کر رہا ہوں۔ مجھے زیادہ فکر فکر کی ہے وہاں نہ جانے کیا ہو رہا ہو گا۔"

"چیف! صرف چند دن اور۔ میرا خیال ہے کہ فیڈرک یہاں پہنچ چُکا ہے۔ اس سے نمٹ کر سیدھے اسپتال آئیں گے۔"

"ٹھیک ہے ٹائیگر۔ لیکن جلدی کرو۔" بہرام نے ریسیور رکھ دیا۔ ٹائیگر نے دوسرا ٹیلی فون ہالی وڈ پارک کے ٹی وی نیٹ ورک پبلک ریلیشنز ایجنسی کو کیا جہاں اسے معلوم ہوا کہ ریڈر رکس کے جملہ حقوق وانڈا ریڈیل نامی عورت نے حاصل کر لیے ہیں لہٰذا دوسرا ٹیلی فون بھی کرنا پڑا۔

"مس ریڈیل آفس سپر۔"

"مجھے ریڈر رکس سے ملنا ہے۔" ٹائیگر نے کسی تمہید کی ضرورت محسوس نہیں کی۔

"آپ کون ہیں؟" سکریٹری کی آواز برف کی طرح سرد تھی۔

"میں ممکن ہے کہ سام گولڈ وائین ہوں۔" ٹائیگر مزید کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن سکریٹری کا لہجہ اچانک ہی نرم ہو گیا وہ معذرت کرنے لگی۔ "آپ فکر نہ کریں مسٹر گولڈ وائین۔" وہ ایک ہی سانس میں معذرت کرتے بولی۔ "مس ریڈیل سے آپ کی بات کراتی ہوں۔" اس کے بعد محض ایک دو سیکنڈ کا وقفہ آیا پھر ایک عورت کی آواز سُنائی دی۔ اس آواز میں مردانہ پن تو نہیں لیکن جارحانہ انداز نمایاں تھا۔ "ارے سام تم میری جان، کمال ہے۔ مجھے تو پتا ہی نہیں تھا کہ قبر میں بھی ٹیلی فون سسٹم فراہم کیا جاتا ہے۔"

"میں سام نہیں۔"

"میں جانتی ہوں کہ تم سام نہیں ہو ڈارلنگ۔" وہ چہک کر بولی۔ "اب سوال صرف یہ ہے کہ تم کون ہو؟"

"مجھے ریڈر رکس سے کام ہے۔"

"تمہارا نام ہنی؟"

"میرے بہت سے نام ہیں لیکن فی الوقت تم مجھے ماسٹر کہہ سکتی ہو۔" ٹائیگر نے کہا اس بُجھے پر اوشان نے گھور کر اسے دیکھا۔

"لیکن تمہارا لہجہ ماسٹر جیسا نہیں۔"

"ماسٹر کا لہجہ کیسا ہوتا ہے؟"

"تیز اور اُونچا۔ مشقی۔" وانڈا بولی۔

"درحقیقت میں ماسٹر کا نائب ہوں۔" ٹائیگر نے مُنہ بنا کر کہا جس پر اوشان کا چہرہ کھل اُٹھا۔

"اپنا نام تو بتاؤ ڈارلنگ؟"

"شہزاد کیسا نام ہے۔"

"بہت شاندار۔ اب میں تمہاری منتظر رہوں گی۔" اس کے ساتھ ہی بوسے کی آواز آئی اور رابطہ منقطع ہو گیا۔

اب وانڈا اور ٹائیگر کی ملاقات کی راہ میں صرف اوشان حائل تھا جو اس عورت سے خود ملنا چاہتا تھا جو ریڈر رکس سے اس کی ملاقات کا باعث بننے والی تھی لیکن ٹائیگر خلوت میں ملاقات چاہتا تھا۔ آخر ٹائیگر نے ایک ترکیب نکال ہی لی۔ اس نے اوشان کو ایک بس میں سوار کرا کے ڈرائیور کی جیب گرم کر دی اسے ہدایت کی کہ وہ اوشان کو ہالی وڈ کے تمام مقبول اداکاروں کے گھر دکھا لائے۔ "اس دوران میں یہ انتظامات کروں گا کہ ریڈر رکس سے آپ کی ملاقات کہاں ہو سکتی ہے۔" اس نے اوشان کو تسلی دی۔

*

وانڈا ریڈیل خوبصورت نہیں تھی لیکن اسے اپنے حُسن کا زعم تھا اس کی ہر حرکت احساسِ برتری کی مظہر تھی۔ کلائیوں میں قیمتی کڑے تھے اور اُنگلیوں میں انگوٹھیاں۔ وہ ٹائیگر کو غور نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔ "تم کیا چاہتے ہو اسمارٹی!" ٹائیگر اس کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ "تمہارا چہرہ بتا رہا ہے کہ تم اداکاری کر سکتے ہو۔"

"میں مسٹر فیڈرک سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"کس سے؟" وانڈا ایک ادا سے سر نیہوڑ کر بولی۔

"مُنہ ڈارلنگ! سوئیٹ ہارٹ، ہنی۔ ڈیئر۔ منافقانہ باتیں مت کرو۔ تم ریڈر رکس کی ایجنٹ ہو تم ہی نے اس کی زبان سے وہ جُملے ادا کرائے ہیں جن کو سُن کر میرا ساتھی اور میں یہاں آنے پر مجبور ہوا اور تمہیں ایسا کرنے کی ہدایت فیڈرک نے دی ہو گی

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کیونکہ وہی ہمارے پیچھے پڑا ہوا ہے۔"

"تمہیں علم ہے کہ تم بہت وجیہہ ہو۔" وانڈا بالوں کی ایک لٹ سے کھیلتی ہوئی بولی۔

"پتا نہیں۔ میں فیڈرک ۔۔۔"

"بس ایک اسکرین ٹیسٹ کافی ہوگا۔ تمہیں اداکاری کا شوق ضرور ہونا چاہیئے۔"

"یقیناً ہے۔" ٹائیگر نے اس کی ڈگر پر چلنے کا فیصلہ کر لیا۔ "لیکن جب انہوں نے مالٹیز فیلکون میں سڈنی گرین سٹریٹ کو لیا تو میرا دل ٹوٹ گیا اور میں نے وہی کام شروع کر دیا جو میں بہتر طریقے پر کر سکتا ہوں۔"

"وہ کون سا کام ہے جانم۔"

"اسے چھوڑو۔ فیڈرک کہاں ہے۔"

"اگر میں یہ کہوں کہ تم جس کرسی پر بیٹھے ہو وہی فیڈرک ہے تو تمہارے احساسات کیا ہوں گے؟" وہ مسکرا رہی تھی۔

"تب پھر میں یہ کہوں گا کہ تمہیں کانٹھ کباڑ جمع کرنے کا بہت شوق ہے۔"

"کیا تم فیڈرک سے واقعی واقف ہو ڈارلنگ۔"

"ہاں۔ جب وہ آس پاس ہوتا ہے تو مجھے ڈیزل کی بدبو آنے لگتی ہے الیکٹرک کنکشن کی کلک کلک سنائی دینے لگتی ہے۔ اس کی ٹونٹی کار جیسی ہوتی ہے لیکن اس وقت نہ تو بدبو آ رہی ہے، نہ ہی آوازیں۔ یہ بتاؤ کہ تم اس کے ساتھ کیا کر رہی ہو؟ کیا اس کو کسی فلم میں استعمال کرو گی۔"

"اسے۔" وانڈا نے جاندار قہقہہ لگایا۔ یہ قہقہہ اتنا زبردست تھا کہ وانڈا کے جسم کی پور پور ہلنے لگی۔ "نہیں ہرگز نہیں۔" وہ ہنسی روکتی ہوئی بولی۔ "فرائی کرنے کے لیے اور بھی دوسری مچھلیاں ہیں۔"

"کیا میں بھی ایسی ہی مچھلی ثابت ہو سکتا ہوں۔"

"انڈے کا آملیٹ اسی وقت بنتا ہے جب مرغی کے ساتھ زیادتی ہو ڈارلنگ۔"

"میں زیادتی سے نہیں موت کے بارے میں فکرمند ہوں۔"

"اور تمہیں علم بھی نہیں کہ موت کیا ہوتی ہے منی۔" وہ سنجیدگی سے بولی۔ "میں فیڈرک کے ساتھ مل کر موت پر ہی قابو پانے کے لیے کوشاں ہوں۔ میں چاہتی ہوں کہ جب ہالی ووڈ کے تمام ستارے بجھ جائیں تو میں تب بھی دمکتی رہوں۔"

"مجھے موت کے بارے میں بہت کچھ معلوم ہے۔" ٹائیگر خشک لہجے میں بولا۔ "آدمی اس وقت مُردہ ہوتا ہے جب اس کا گوشت کیڑے مکوڑے کھانے لگیں۔ جب اس کے بازو جسم سے الگ کر دیے جائیں اور ٹانگیں تن سے جُدا کر کے کسی الماری میں ٹھونس دی جائیں موت اس وقت آتی ہے جب کاسہ سر سے مغز نکال لیا جائے۔ موت۔ ٹوٹے ہوئے سر شکستہ ہڈیوں اور خون کے بہہ جانے کا نام ہے۔ موت ضرور آتی ہے اور فیڈرک تمہیں موت سے قریب تر لانے میں یقیناً کامیاب ہو جائے گا۔"

"کیا تم مجھے دھمکی دے رہے ہو سوئٹی۔" وانڈا نے ٹائیگر کی آنکھوں میں جھانک کر پوچھا۔

"نہیں۔" وہ ہنس کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے وانڈا کے کڑوں کو چھوا۔ وہ مسکرایا۔ اس نے وانڈا کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے دائیں ہاتھ کی ایک انگلی اس کی گردن پر پھیری۔۔۔ اور پھر جب وہ وانڈا کے دفتر سے نکلا تو وہ اسے بار بار یقین دلا رہی تھی کہ فیڈرک کا پتا چلتے ہی اسے اطلاع کر دے گی۔ اس نے ریڈ برکیں اور اوشان کی ملاقات کے لیے بھی وقت دے دیا تھا۔

ٹائیگر کے جانے کے بعد بھی وانڈا اپنے شاندار صوفے پر چت لیٹی یہی سوچ رہی تھی کہ شہزادہ تو دُنیا کا سب سے حسین وجیہہ اور شاندار مرد ہے۔

*

ٹائیگر ہوٹل کی طرف پیدل ہی چل دیا۔ اسے یقین تھا کہ اوشان واپس پہنچ چکا ہوگا۔ وہ اپنے خاص انداز میں چلتا ہوا ایک نیم تاریک علاقے میں پہنچا تو معاً ہی چھٹی حس نے خطرے کی بے شمار گھنٹیاں بجا دیں۔ وہ عین وقت پر جھک گیا ورنہ عقب سے حملہ کرنے والے کا خنجر اس کی گدی میں پیوست ہو چکا ہوتا۔ ٹائیگر کسی سانپ کی طرح بل کھا کر کھڑا ہوا تو حملہ آور نے پھر وار کرنا چاہا۔ حملہ آور بلا کا پھرتیلا تھا اور اس کے پیروں کی حرکت ٹائیگر کو خبردار کر رہی تھی۔ ٹائیگر نے دوسرا وار دائیں طرف گھوم کر خالی جانے دیا ساتھ ہی اس نے فرنٹ کک دائرہ کی شکل میں استعمال کی تو خنجر بکف سیاہ پوش کسی اسپرنگ کی طرح اچھل کر اس سے دور ہٹ گیا ٹائیگر نے فوراً جسم کو اپنے قابو میں کر لیا کیونکہ فرنٹ کک اس انداز میں خالی جانے سے اس کی ران کو شدید نقصان پہنچ سکتا تھا۔ اس بار سیاہ پوش اُٹھتا ہوا اس کے قریب پہنچا تھا۔ ٹائیگر نے اس مرتبہ اُلٹی قلابازی کھائی پھر اُچھلا اور سیاہ پوش کے ہاتھ سے خنجر چھین کر اس سے آگے نکل گیا۔

"غاؤں" سیاہ پوش کے حلق سے عجیب سی آواز نکلی غالباً یہ غصّے کا اظہار تھا۔ ٹائیگر نے چاقو پھینک دیا اب دونوں

ایک دوسرے کو گھور رہے تھے۔ ٹائیگر چاہتا تھا کہ سیاہ پوش پھر حملہ کرے اور وہ اپنی اس کوشش میں کامیاب ہو گیا۔ سیاہ پوش نے دونوں ہاتھ بلند کر کے تیزی سے حرکت کی یہ نیک لاک کی ابتدا تھی۔ اس لاک کو لگانے کی کوشش میں سیاہ پوش نے صرف ایک غلطی کی تھی اور وہ یہ کہ اس کا سینہ کھلا ہدف بن گیا تھا۔ وہ بجلی کی طرح ٹائیگر پر جھپٹا لیکن پھر اسے نیک لاک کے لیے دونوں ہاتھ استعمال کرنے کا موقع نہیں مل سکا۔ ٹائیگر کا دایاں ہاتھ سانپ کے پھن کی طرح آگے بڑھا، یوں لگا جیسے ہاتھ نہیں کوئی اسپرنگ ہو اور پھر سیاہ پوش کے دل میں گھستا چلا گیا۔ گرنے سے قبل سیاہ پوش کے حلق سے آہ کی جو آواز نکلی وہ قطعی انسانی تھی ٹائیگر نے ہاتھ کھینچ لیا جو خونم خون ہو رہا تھا۔ اس نے سیاہ پوش کو گرتے ہوئے دیکھا اور پھر عقب میں مزید آوازیں سُن کر پلٹ پڑا۔

سامنے سے چھ افراد جارحانہ انداز میں اس کی طرف بڑھ رہے تھے ان کے ہاتھوں میں خنجر صاف نظر آ رہے تھے۔ وہ کسی بھی صورتِ حال کے لیے تیار ہو گیا۔ اس نے کوشش کی۔۔۔ اور ان چھ کے چھ خنجروں کو نظر میں رکھنے میں کامیاب ہو گیا۔ اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ اب کیا ہوگا۔

جونہی اس نے ایک شخص کے ہاتھ کو مزید اُوپر اُٹھتے ہوئے دیکھا وہ کسی پھرتیلے ہرن کی طرح لیٹ گیا اور تمام خنجر عین اسی وقت سنسناتے ہوئے اس کے اُوپر سے گزرتے ہوئے سیاہ پوش کی لاش کے قریب گر گئے۔

حملہ آور دل نے محض ایک لمحہ توقف کیا اور پھر سب کے سب نے اس پر دھاوا بول دیا۔

ٹائیگر نے لیٹے لیٹے ہی کروٹ لی اور اس دوران ایک شخص کی ٹانگ اس کے ہاتھ میں آ گئی، پھر قیامت مچ گئی۔ اس نے اس شخص کو لاٹھی کی طرح گھمانا شروع کر دیا یہ لاٹھی اندھی تھی۔ ایک شخص کی کھوپڑی اندھی لاٹھی کے سر سے ٹکرائی تو وہ چیخ مار کر گرا گرا دوسرے شخص کے منہ پر لاٹھی کا جھولتا ہوا ہاتھ پڑا اور تیسرا ٹائیگر کی کک کا شکار ہوا۔ ٹائیگر نے انسانی لاٹھی پھینک کر بیک وقت دونوں ہاتھوں کا استعمال کیا۔ دایاں ہاتھ لاٹھی کا ٹھاپ کھانے والے شخص کی گردن پر پڑا اور بایاں ہاتھ نے چوتھے شخص کی کھوپڑی پر وہی ضرب لگائی جو مغز کا گودا باہر نکال دیتی ہے۔ پانچواں شخص عقب سے حملہ آور ہوا تو ٹائیگر نے اس کی کمر پکڑ لی ایک جھٹکا دیا اور وہ شخص پیڑھ کی ہڈی پکڑ کر تڑپنے لگا۔ اب چھٹا بدمعاش باقی رہ گیا تھا۔ اس کے چہرے پر خوف تھا۔ صورتِ حال یہ تھی اندھی لاٹھی جس کے سر پر پڑی تھی وہ ساکت تھا۔ ٹائیگر کی گرگ کاٹ کا نشانہ بننے والا آخری ساتھی رہ گیا تھا لاٹھی کا ٹھاپ کھا کر گردن پر ضرب لگانے والا ساکت تھا۔ ایک لاش کی کھوپڑی پھٹ گئی تھی سیڑھ کی ہڈی پر ضرب کھانے والا اب مر چکا تھا۔

"کون ہو تم۔" ٹائیگر نے چھٹے شخص سے پوچھا جو فرار کی راہ ڈھونڈ رہا تھا۔

"جی۔ جی کیں۔"

"جی کیں! تمہیں کس نے بھیجا تھا؟" ٹائیگر نے پوچھا مگر جی کیں اسے غلط سمجھا۔ اس نے ٹائیگر کو غافل سمجھ کر اس کی زیرِ ناف کک مارنے کی کوشش کی تاہم اس کی ٹانگ ٹائیگر کے ہاتھ میں آ گئی اور پھر چٹاخ کی وہی خاص آواز پیدا ہوئی جو ہڈی کے ٹوٹنے سے پیدا ہوتی ہے۔ وہ کسی بکرے کی طرح ڈکرانے لگا۔ خاموش۔ ٹائیگر نے خونخوار لہجے میں کہا۔ "بولو۔ تمہیں کس نے بھیجا تھا؟"

"ف۔ ف۔ فیڈرک نے۔"

"کہاں ہے وہ؟"

"پتا نہیں۔" حملہ آور نے جواب دیا۔ وہ سچ بول رہا تھا لہٰذا ٹائیگر نے اسے مزید اذیت دینی مناسب نہیں سمجھی اور اس کی

بغداد کی رات

قمر اجنالوی

الف لیلیٰ کی ایک ہزار راتوں سے زیادہ حسین و رنگین رات، دجلہ اور نیل کے دامنوں میں لپٹی ہوئی رات، جسے بے شمار کتابوں کے حوالوں سے آراستہ کیا گیا ہے

1200 سے زائد صفحات | قیمت -/600

ناشر مکتبہ القریش
اردو بازار لاہور

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

گردن پر سپیرر کھ کر آگے بڑھ گیا۔ چٹاخ کی آواز اس بار بھی بھیجی اس مرتبہ گردن ٹوٹنے کی آواز تھی۔ اس نے پلٹ کر نہیں دیکھا تھا۔

*

"میں نے انہیں دیکھ ہی لیا۔" اوشان نے ٹائیگر کے کمرے میں داخل ہوتے ہی فاتحانہ انداز میں کہا۔

"چلیں اچھا ہوا۔ ویسے اب دیکھنا یا نہ دیکھنا اہمیت نہیں رکھتا لٹل فادر! فیڈرک اسی شہر میں ہے۔"

"ایک منٹ۔" اوشان نے اپنی ایک انگلی فضا میں بلند کرتے ہوئے خاموشی کا اشارہ کیا۔ "تم نے میری بات کو اہمیت نہیں دی شہزاد! کیا یہ فیصلہ صرف تم ہی کر سکتے ہو کہ کیا چیز اہم ہے اور کون سی بات غیر اہم؟ میں نے تمہیں انسان بنانے کے لیے کیسی کیسی دشواریاں مول لیں، تکالیف اٹھائیں اور اب تم میری بات کو غیر اہم قرار دے رہے ہو؟"

"خیر۔" ٹائیگر نے ایک طویل سانس لے کر ہتھیار ڈال دیے۔ "اہمیت کا فیصلہ صرف آپ ہی کر سکتے ہیں۔ یہ بتائیں کہ آپ نے آج کسے دیکھ لیا؟"

"کسے نہیں... انہیں دیکھ لیا۔"

"ٹھیک۔ وہ انہیں کون ہیں؟"

"ڈورس ڈے کے گلگتے۔"

"اوہ۔ شاندار۔" ٹائیگر نے محض اوشان کا دل رکھنے کے لیے خوشی سے نعرہ لگایا۔

"ہاں۔" اوشان، ٹائیگر کی مسرت بھری چیخ سن کر نہال ہو گیا۔ "میں نے انہیں ہیورلے ہلز میں دیکھا تھا۔ کئی تھے وہ۔ ایک عورت انہیں ہنکا رہی تھی۔"

"کیا وہی ڈورس ڈے تھی فادر؟"

"اب بھلا مجھے اس کا کیا علم۔ اس نے بال شہد رنگ تھے اور جسم چھریرا۔ وہ سانجو کے ماہر رقاص کے انداز میں چل رہی تھی۔ ممکن ہے کہ وہ۔ وہی ہو۔ ہاں۔ شہزاد۔ وہ ڈورس ڈے ہی تھی۔ میں نے اسے کتوں کے جھرمٹ میں چلتے ہوئے دیکھا ہے۔"

"مجھے پتا تھا کہ بس کے سفر میں آپ کو فلمی ستارے ضرور نظر آئیں گے۔"

"ہاں۔ میں نے کئی اور ستارے بھی دیکھے۔" اوشان نے پرجوش لہجے میں جواب دیا لیکن اس بار نہ تو ٹائیگر نے پوچھا کہ اس نے مزید کون سے ستارے دیکھے اور نہ ہی اوشان نے رضاکارانہ طور پر یہ نام بتائے۔

کچھ دیر کی خاموشی کے بعد ٹائیگر نے پوچھا۔ "اور کچھ فادر؟"

"نہیں۔" اوشان نے خشک لہجے میں جواب دیا۔ "اب تم اپنی احمقانہ رپورٹ پیش کر سکتے ہو۔"

"فیڈرک اسی شہر میں ہے۔ ہم اس کے ٹارگٹ ہیں۔ کل ریڈ ریکس سے ہماری ملاقات ہو گی اور میرا خیال ہے کہ اسی موقع پر فیڈرک ہمیں ختم کرنے کی کوشش کرے گا۔" ٹائیگر نے اوشان کو اپنے اور پرتھلے کے بارے میں نہیں بتایا۔

"ریڈ ریکس سے ملاقات کل ہو گی؟" اوشان پھر خوش ہو گیا۔ "شاندار۔ یہ کام کیا ہے تم نے۔ کس وقت؟"

"گلوبل سٹوڈیوز میں۔ شام پانچ بجے۔"

"اوہ۔" اوشان کا چہرہ مرجھا سا گیا۔ "مگر میں نے تو کل چار بجے کا وقت دیا ہے۔ میری پانچ بجے تک واپسی ممکن نہیں ہو گی۔"

"کسے وقت دیا ہے؟"

"اسی بس کے ڈرائیور کو۔ وہ مجھے پھر سیر کرانے کے لیے لے جائے گا۔"

"تب پھر آپ چار بجے سیر کے لیے نہ جائیں۔"

"کیا مصیبت ہے۔" اوشان ہاتھ نچا کر بولا۔ "تمہاری غلطیاں مجھے بھگتنی پڑتی ہیں۔"

✦

"اچھا۔ تو پھر وہ پانچ بجے آئیں گے؟" فیڈرک نے وانڈا سے تصدیق چاہی۔

"ہاں۔" وانڈا کھلی پڑ رہی تھی۔ ٹائیگر سے چند منٹوں کی ملاقات کے بعد اس کا حسن نکھر آیا تھا۔

"تو پھر تم وہی کرو گی جو ہم نے طے کیا ہے۔ وہ تمہیں تلاش کرنے کی کوشش کرے گا۔ سمجھ گئیں۔"

"سمجھ گئی۔" وانڈا اپنے بالوں پر ہاتھ پھیر کر نخوت سے بولی۔ "لیکن اب بیٹے کر لو اس جگر ہم دونوں میں عقلمند کون ہے؟"

"یہ حقیقت ہے کہ میں نہ تو تخلیقی ذہن کا حامل ہوں اور نہ ہی عقلمند۔ تم عقلمند ہو۔ میں تسلیم کرتا ہوں اور اپنی بعض غلط فہمیوں پر معذرت خواہ ہوں۔"

"کوئی بات نہیں۔" وانڈا ایک ادا سے مسکرانے لگی لیکن اسے یہ بھی علم تھا کہ اس سنسنی خیز مسکراہٹ کا اس مشین پر کوئی اثر نہیں ہو گا۔

"تم یہی کوشش کرو گی کہ وہ تمہیں تلاش نہ کر سکے۔ پھر تم اس کمپیوٹر شیٹ کی انفارمیشن ریلیز کر دو گی جو میں نے تمہیں دی ہے۔ ہمارے منصوبے کے مطابق وہ تمہیں تلاش کرے گا اور اس کوشش

میں بوڑھے سے الگ ہو جائے گا جس سے میں نمٹ لوں گا اس کے بعد شہزاد کو تباہ کر دوں گا اس طرح تمہیں وہ پلسٹی بھی مل جائے گی جس کی تمہیں اپنے کیریئر کے لیے ضرورت ہے۔"

"میں سب کچھ سمجھ گئی۔" وانڈا فوراً بولی۔ "ویسے وہ بوڑھا تو بہت دست چیز ہو گا؟"

"انتہائی غیر معمولی انسان ہے وہ۔" فیڈرک نے جواب دیا۔ "اس میں نہ تو خوف کا عنصر ہے اور نہ ہی اس کی کوئی کمزوری ہے لیکن میں اچانک اسے حیرت زدہ کر کے اسے ختم کر سکوں گا۔ اب مجھے چند فون کرنے ہیں تاکہ کوئی پہلو اوجھل نہ رہے۔"

فیڈرک نے وانڈا کے بینڈ کٹ کینین پر واقع مکان کے سوئمنگ پول کے قریب رکھے ہوئے ٹیلی فون سیٹ پر نمبر ملائے وانڈا اپنی بیچ چیئر پر اوندھی لیٹی سیب کھانے لگی اور دوسرے ہاتھ سے جلد کو نرم و چمکدار بنانے والی کریم لگاتی رہی۔

"کیا تمہی کو بہرام کہتے ہیں... میں فیڈرک ہوں۔" دوسری طرف سے کچھ کہا گیا تو وہ فوراً ہی بول پڑا۔ "یہ معلوم کرنے سے تمہیں کوئی فائدہ نہیں ہو گا کہ میں کہاں ہوں۔ میں نے صرف یہ بتانے کے لیے فون کیا ہے کہ تمہاری خفیہ تنظیم سے متعلق کمپیوٹر رپوٹ اخبارات کو جاری کر دی جائے گی۔"

فیڈرک کچھ سنتا رہا... پھر بولا۔ "ہاں۔ آج شام پانچ بجے۔ وانڈا ریڈ ہیل سیریز پورٹ اپنی نئی فلم کا اعلان کرتے ہوئے اپنے دفتر سے پریس کو جاری کرے گی۔ یہ فلم تمہاری خفیہ سرکاری تنظیم کے بارے میں ہو گی "ڈاکٹر بہرام!" اور اس میں ریڈ ریکس بھی اداکاری کرے گا۔" بہرام نے دوسری طرف سے یقیناً کوئی ایسی بات کہی جو اس کورہ کنے سے متعلق تھی لیکن فیڈرک نے انکار کر دیا۔ "میں شہزاد اور بوڑھے کو تباہ کرنے کے لیے کام تمہارے ہمکنڈے استعمال کروں گا۔ میں نے بہت شاندار منصوبہ بنا لیا ہے۔ کیوں یہ ہے نا تخلیقی ذہن کی اختراع۔" اس کے بعد فیڈرک نے ریسیور رکھ دیا اس نے گالی بھی دی تھی۔

"کیا ہوا؟" وانڈا اپنے جسم کا جائزہ لیتے ہوئے بولی۔ "اس نے کیا کہا ہنسی؟"

"اس نے کہا کہ میں اندھے بھینسے کی طرح عقلمند ہوں۔" فیڈرک بولا۔ وانڈا ہنس پڑی۔ اس بے وقت قہقہہ پر فیڈرک نے اسے گھور کر دیکھا۔ "اگر میں نے تمہاری خدمات حاصل نہ کی ہوتیں تو اس قہقہے کو اپنی توہین سمجھتا وانڈا۔"

"اور یہ بھی مت بھولنا ہنی کہ میرے بغیر تم کچھ بھی نہیں ہو۔"

وانڈا نے کریم پیٹ پر تھپڑ مل کر اس کی مالش کرتے ہوئے تنک کر کہا۔ "آج تم جو کچھ ہو وہ میری ہی محنت ہے۔"

"غلط۔" فیڈرک نے تردید کرنے میں ذرا بھی دیر نہیں کی۔ "مجھے سانمداں نے ایک لیبارٹری میں بنایا ہے۔ تم اس سانمداں کی تخلیق پر حکم چلانے کا کوئی حق نہیں رکھتیں۔ میں جا رہا ہوں کیونکہ مقابلے سے قبل بعض اقدامات کرنے ہیں۔ پانچ بجنے میں ابھی دیر ہے۔" یہ کہہ کر وہ مشینی انداز میں پورا کا پورا پلٹا اور وانڈا کو پول سائڈ پر چھوڑ کر چلا گیا۔ ٹھیک پانچ منٹ بعد قریب رکھے ہوئے ٹیلی فون کی گھنٹی بج اٹھی۔

"ہیلو۔" یہ ٹائیگر کی آواز تھی جسے سن کر وانڈا کے پورے جسم میں سنسنی کی ایک لطیف سی لہر دوڑ گئی۔

"ہیلو جائم۔" وہ اٹھلا کر بولی۔

"میرا خیال تھا کہ تم مجھے آج فیڈرک کے بارے میں کچھ بتاؤ گی لیکن تم نے تو کسی فلم کا چکر چلا دیا۔ کیا قصہ ہے بہ؟"

"بالکل درست چکر ہے ڈارلنگ۔" وانڈا اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"مگر کیوں؟"

"اس لیے کہ یہ فیڈرک کی ہدایت ہے۔ پھر میں بھی تو خود فلم بنانا چاہتی ہوں۔ یہ فلم ریلیز ہونے کے بعد میرا نام گھر گھر لیا جائے گا لوگ میرے دروازے پر کنٹریکٹ لے کر لائن لگا کر لگیں گے اور میں..." وانڈا کچھ کہتے کہتے رک گئی اور پھر سانس لے کر بولی۔ "آج شام پانچ بجے۔ میرے دفتر میں بہت سا پیار۔" یہ کہہ کر وانڈا نے ریسیور رکھ دیا۔ دوسری طرف اسپورٹس مین لاج میں ٹائیگر نے بھی ریسیور رکھ دیا۔ "لٹل فادر!" وہ دھیمے لہجے میں بولا۔ "اب آپ کو ریڈ ریکس سے تنہا جا کر ملاقات کرنی ہو گی۔"

"میں بوڑھا ہو چکا ہوں۔ تنہا سفر نہیں کر سکتا میرے بچے۔"

"یہ سفر نہیں ہو گا۔ اسٹوڈیو کا کار آپ کو لینے کے لیے آئے گی لیکن میں ساتھ نہیں جا سکوں گا۔ میرا خیال ہے کہ فیڈرک نے ہمیں الگ کرنے کے لیے کسی منصوبے پر عمل شروع کر دیا ہے۔"

"دیکھا۔ میں نے کہا تھا نا کہ بعض ناقص مشینیں بھی جالا کی دکھا دیتی ہیں۔" اوشان نے جواب دیا۔

"میرا خیال ہے کہ وہ آپ کو انجن آئل میں بدل کر پی جائے گا۔"

"لیکن اس سے قبل میں ریڈ ریکس سے ضرور ملوں گا۔"

"میں وانڈا سے ملنے جاؤں گا اور آپ کار میں اسٹوڈیو جائیں گے۔ میں بھی بعد میں وہاں پہنچ جاؤں گا۔" ٹائیگر نے کہا۔ وہ پہلے ہی بہرام سے گفتگو کر چکا تھا اور اب اسے اپنی حکمت عملی

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

پر عمل کرنا تھا۔

*

گلوبل اسٹوڈیوز کے چوکیدار جوگلافر کے لیے لیموزین کار کوئی نئی چیز نہیں تھی۔ اس کے لیے لڑکیوں کے ہاتھوں کسی اداکار کا اغوا اور پھر زیادتی بھی کوئی نئی بات نہ تھی، جوگلافر کو یقین تھا کہ سامنے سے گارڈ بوتھ کی طرف آنے والی نقرئی رولز راٹس بھی اسی قماش کی لڑکیوں کی ہوگی، جو شکار کی تلاش میں رہتی ہیں لہٰذا اُس نے گاڑی کو روکنے کا اشارہ کیا۔

"گاڑی میں بس وانڈا کا مہمان ہے، جسے ریڈریکس سے ملنا ہے۔" بادر دی ڈرائیور نے اکتائے ہوئے لہجے میں اُسے بتایا۔ مگر جوگلافر نے اندر جھانکنا ضروری سمجھا تھا۔ عقبی نشست پر اُسے ایک نحیف و نزار بوڑھا براجمان نظر آیا۔ جوگلافر نے اُسے سوالیہ نظروں سے دیکھا تو بوڑھا مسکرا کر بولا۔

"ڈرائیور درست کہتا ہے نوجوان! میں ریڈریکس سے ملنے جا رہا ہوں۔"

ڈرائیور نے گاڑی آگے بڑھا دی۔

بنگلہ نمبر بی۔ 221 عقبی حصے میں تھا۔ ریڈریکس پہلے ہی وہاں موجود تھا۔ اُس نے ڈاکٹروں والا ہی لباس پہن رکھا تھا جس میں وہ ٹی وی پر نظر آتا تھا۔ اسے اس نوجوان کی قربت سے بھی کوفت ہو رہی تھی جس کو وانڈا نے اُس کے محافظ کی حیثیت سے بھیجا تھا۔

"کیا یہ حماقت نہیں کہ میں تیس ہزار میل دُور سے صرف اس لیے آیا ہوں کہ اس شخص سے ملوں جو میرے احمقانہ شو دیکھتا ہے۔" اُس نے اُکتا کر کہہ دیا۔ "کیا تم میرے شو دیکھتے ہو؟"

"نہیں۔" نوجوان نے کسی بھی ستائش کا مظاہرہ نہیں کیا۔ "جس وقت شو ہوتا ہے اُس وقت میں ڈیوٹی پر ہوتا ہوں مسٹر ریڈریکس!"

"تب پھر یقین رکھو کہ تم اپنے وقت کا بہت دُرست استعمال کرتے ہو۔ میرے شوز میں کچھ بھی نہیں ہوتا۔" ریڈریکس نے کہا۔ "کیا وانڈا تمہاری بھی ایجنٹ ہے؟"

"نہیں۔" نوجوان نے کھوکھلے انداز میں ہنس کر جواب دیا۔ "لیکن میری خواہش ہے کہ وہ میری بھی ایجنٹ ہوتی۔ اگر ایسا ہوتا تو محض سستے کیڑوں کی ماڈلنگ تک محدود نہ رہتا۔"

ریڈریکس اُٹھ کر آئینہ کے مقابل بیٹھ گیا تاکہ وانڈا کی ہدایت کے مطابق ڈاکٹر کا میک اَپ کر سکے۔ نوجوان نے کیوٹپ اُٹھا کر ریڈریکس کی پلکوں کا میک اَپ شروع کر دیا جس نے آنکھیں بند کر کے سر کرسی کی پشت گاہ سے ٹکا لیا تھا۔ "ممکن ہو تو میں تمہارے لیے اپنے شو میں کوئی کردار نکلواؤں گا مگر تم نیویارک کیسے آؤ گے؟" ریڈریکس نے نوجوان کی مایوسی دُور کرنے کی خاطر کہا۔

"میں تو سرکے بل پہنچوں گا۔" نوجوان نے پُرجوش لہجے میں جواب دیا۔

"تب پھر میں وانڈا سے بات کروں گا۔"

"تھینک یو... تھینک یو ویری مچ مسٹر ریڈریکس!"... نوجوان کی آواز بجھ سی گئی۔

"تب ہی دروازے پر دستک ہوئی۔

"خیال آپ کا مہمان آ گیا مسٹر ریڈریکس؟" نوجوان نے فوراً کہا۔

"اچھا؟" اداکار کے لہجے میں حقیقی مایوسی تھی۔ "مگر کیوں؟ آخر میرا ہی انتخاب کیوں کیا گیا ہے؟"

"اس لیے کہ آپ اسٹار ہیں۔" نوجوان نے جواب دیا۔

پھر دروازہ کھولنے کے لیے بنگلے کے اگلے حصے کی طرف جانے لگا۔ دروازہ کھولتے ہی اُسے ہنسی ضبط کرنی پڑی کیونکہ اُس کے سامنے سُرخ و سیاہ لبادے میں ملفوف ایک نحیف سا بُوڑھا کھڑا ہوا تھا۔

"تم ریڈریکس تو نہیں؟" اُوشان نے بڑے یقینی انداز میں کہا۔

"جی نہیں، وہ اندر ہیں۔"

"میں اُن سے ملنا چاہتا ہوں لڑکے!"

"تشریف لائیے۔" نوجوان نے اب ہنسی پر قابو پا کر خلیق بننے کی کوشش کی۔ وہ اُسے بیک رُوم تک لے کر آیا، جہاں ریکس ابھی تک آئینے کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ اُس نے اُوشان کو آئینے ہی میں دیکھا اور پھر مسکرانے کی کوشش کرتا ہوا کھڑا ہو گیا۔

"تم وہی ہو نا؟" اُوشان نے پُرجوش لہجے میں پوچھا۔

"میں ریڈریکس ہوں۔"

"میں یہ کبھی فراموش نہیں کر سکوں گا کہ تم نے ایک قسط میں میری ویڈیو کی زندگی بچائی تھی۔"

"میرا خیال ہے کہ اس قسط میں، میں نے بہترین کارکردگی کا مظاہرہ کیا تھا۔" ریڈریکس نے بدستور مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"اور تم نے جس طرح کوئین کے عادی ایڈم کا علاج کیا تھا وہ تو انتہائی قابلِ تعریف تھا۔" اُوشان نے کہا۔ وہ مسلسل اپنے پیر پر آگے پیچھے بھی ہو رہا تھا۔

"میں مشکل کام فوراً کر لیتا ہوں لیکن ناممکن کردار ادا کرنے میں مجھے ذرا وقت لگتا ہے۔" ریڈریکس نے متفکر انداز میں کہا۔

"تمہارا سب سے مشہور کیس کون سا ہے، مسٹر بنڈل بیک ماسٹرز کے نوزائیدہ بچے کی جان بچانا۔ یا جے سیکاونسٹن کے شوہر کا ایمرجنسی آپریشن؟ وہ ایسے حالات میں جب وہ تم پر مرمٹی تھی یا پھر واکر ولکنن کی بیٹی کا علاج، جو خون کے سرطان میں مبتلا تھی۔"

ریڈریکس کو بڑا عجیب سا لگا۔ اُسے یقین ہو گیا کہ سامنے کھڑا ہوا بوڑھا ٹی وی دیکھنے کے سوا کچھ اور نہیں کرتا۔ اُسے یہ بچہ بھی ہوتے لگا کہ کہیں وانڈا اس بُوڑھے کی آڑ میں کوئی اور کھیل نہ کھیل رہی ہو۔ "آپ کا نام کیا ہے؟" اُس نے اچانک ہی پوچھ لیا۔

"میں اُوشان ہُوں۔" سنانجو کے ماسٹر نے مسکرا کر جواب دیا۔

تب ہی ریڈریکس کو خوف سا محسوس ہونے لگا۔

"گگ... کیا آپ نے میری دستخط شدہ تصویر کبھی لی تھی؟" وہ بے اختیار پوچھ بیٹھا۔

اُوشان کی مسرت کا کوئی ٹھکانا نہیں رہا۔ ریڈریکس نے اتنا عرصہ گزر جانے کے باوجود اُسے یاد رکھا تھا۔ اُدھر مارے خوف کے ریڈریکس صوفے پر بیٹھ گیا۔ اُسے وہ شخص یاد آ گیا جس نے اُوشان نامی کسی شخص کے لیے اُس سے زبردستی تصویر پر آٹوگراف لیے تھے۔ "آپ تشریف رکھیے۔" اُس نے خود کو سنبھالتے ہوئے کہا۔ "اور مجھے اپنے بارے میں بتائیے۔"

"میرا خیال ہے کہ مجھے اجازت دی جائے۔" نوجوان نے اچانک ہی کہا۔ "میں آپ سے بعد میں ملوں گا مسٹر ریکس۔" وہ چلایا اور ریڈریکس یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ بُوڑھا ہوا کے جھونکے کی طرح اُس کے سامنے والے صوفے پر بیٹھا ہے۔

"میں اُوشان ہُوں۔" وہ بغور سُننے لگا۔ "ماسٹر آف سنانجو! میرا تعلق اُس گروہ سے ہے، جو دُنیا بھر میں آئین اور انسانی حقوق کے تحفظ کے لیے غیر آئینی اور غیر انسانی حرکتیں کرتا ہے۔ آج کل ہم امریکی آئین کا تحفظ کرنے کے لیے غیر آئینی اقدامات کرتے ہیں۔ اس کام میں مثبت پہلو یہ ہے کہ مجھے دن کے وقت ٹی وی دیکھنے کا موقع مل جاتا ہے۔"

"شاندار۔" ریڈریکس نے مسکرا کر کہا مگر اندر ہی اندر وہ اس خوف سے کانپ رہا تھا کہ یہ بُوڑھا مشرقِ بعید کی مافیا کا سربراہ نہ ہو۔ "آپ کی قومیت کیا ہے مسٹر اُوشان؟"

"میں کوریائی ہُوں۔" اُوشان نے سینہ پھُلا کر جواب دیا مگر لبادے کے باعث ریڈریکس کو اُس کا سینہ پھُولتا ہُوا نظر نہیں آیا۔ "ایک قدیم روایت یہ ہے کہ خدا نے جب انسان بنایا تو..."

*

فیڈرک کے جانے کے بعد وانڈا جری پول سائڈ کرسی پر لیٹ کر تیل ملنے لگی۔ اُس نے فیڈرک کا یہ مشورہ سُن لیا تھا کہ وہ شہزادے دُور رہے لیکن وہ اس مشورے پر عمل کرنے کا کوئی اِرادہ نہیں رکھتی تھی کیونکہ اُسے علم تھا کہ صرف شہزادہ ہی اُسے ہر قسم کی طمانیت دے سکتا ہے۔ وہ اُس سے دُور ہونے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔

وہ ایک طویل سانس لے کر گھٹنوں اور پنڈلیوں پر تیل کی مالش کرنے لگی۔ اُسے یقین آ گیا تھا کہ اس جیسی عورت کے لیے آخر کار ایک مرد آ گیا ہے۔

لہٰذا جب فیڈرک کے جانے کے بعد ٹائیگر نے فون کیا تو وانڈا نے یہ تاثر دینے کی کوئی کوشش نہیں کی کہ وہ موجود نہیں۔ وہ تو اُس کی جلد آمد چاہتی تھی تاکہ دونوں مل کر سوئمنگ پول میں، پول کے باہر اور گھر کے اندر محبتوں کی گرم جوش گود میں کھو جائیں۔ اس کے بعد وہ ٹائیگر سے مسٹر فیڈرک کے خاتمے کے منصوبے پر تبادلہ خیال کرنے کی خواہاں تھی۔

وہ سوچنے لگی۔ ٹائیگر کے بارے میں سوچتی چلی گئی۔

تب ہی اُسے عقب سے کھنکارنے کی آواز سُنائی دی۔ اُسے کوئی چاپ سُنائی نہیں دی تھی۔ لہٰذا وہ یہ سمجھ بیٹھی کہ فیڈرک پھر آ دھمکا ہے۔ "پریشان مت ہو..." اُس نے دیکھے بغیر دُرشت لہجے میں کہا۔ "میں جانے کے لیے ہی تیار ہو رہی ہُوں۔" اُسے توقع تھی کہ وہ فوراً چلا جائے گا کیونکہ وہ یہ نہیں چاہتی تھی ٹائیگر کی آمد پر وہ یہاں موجود ہو۔

"تم جانتے کیوں نہیں، میں کپڑے پہن لُوں، پھر چلی جاؤں گی۔" وانڈا نے پھر کہا۔

"تم اسی طرح اچھی لگ رہی ہو ڈارلنگ!" یہ فیڈرک کی آواز نہیں تھی، لیکن اس سے قبل کہ وہ اپنی مٹھیاں بھینچ اور سُن کرنے کے لیے جنبوبانہ اور دل کش انداز میں سانس لے کر پلٹتی

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

اُس نے اپنے وجود سمیت کُرسی بلند ہوتی ہُوئی محسوس کی اور پھر وہ کُرسی سمیت پول میں جا گری۔ اگلے ہی لمحے کُرسی اُس کے نیچے سے نکل گئی اور وہ بے تحاشا ہاتھ پیر مارنے لگی۔ پانی اُس کی ناک اور مُنہ میں داخل ہو گیا۔ اُسے زبردست کھانسی آنے لگی۔ اُس نے بہ مشکل تمام آنکھیں کھول کر دیکھا۔ ٹائیگر کنارے پر کھڑا مسکرا رہا تھا۔

"گدھے کے بچے!" وہ چلّا کر بولی۔ "میں تمہیں کبھی فلم میں چانس نہیں دُوں گی۔"

"آہ... میں نے ایک اور موقعہ گنوا دیا۔" ٹائیگر نے لمبی سی سانس لے کر اُداسی سے سر جھٹکا۔ "وہ کاغذات کہاں ہیں؟" دوسرا جُملہ بہت سنجیدہ لہجے میں ادا کیا گیا تھا۔

"کاغذات؟" وانڈا نے پول سے نکلنے کے لیے کنگر پر ہاتھ رکھتے ہُوئے پوچھا۔ "کیسے کاغذات؟" اُس نے دونوں ہاتھوں پر زور دے کر خود کو اُٹھانے کی کوشش کی مگر اسی لمحے ٹائیگر نے اپنا دایاں پیر ہلکے سے اُس کے سر پر رکھ کر دبا دیا۔

"کمپیوٹر پیپرز ڈارلنگ!" وہ مسکرا کر بولا۔ "اُسی خفیہ تنظیم سے متعلق کاغذات جس پر تم اور فیڈرک مل کر فلم بنانے والے تھے۔ وہی کاغذات جو فیڈرک نے تمہیں دیے تھے۔"

"مجھے کچھ پتا نہیں کہنے!" وانڈا حقارت آمیز لہجے میں بولی۔ "لیکن سُنو! وہ کاغذات ٹھیک ایک گھنٹے بعد پریس کو جاری کر دیے جائیں گے۔"

"اچھا!" ٹائیگر نے پیر کا دباؤ بڑھا دیا تو وانڈا اُچھل کر سوئمنگ پول کے وسط میں جا گری۔ اُس نے آنکھیں کھولیں تو اُسے کچھ نظر نہیں آیا۔ وہ زیرِ آب تھی اور آئی میک اَپ آنکھ کے اندر گھس کر تکلیف دہ ثابت ہو رہا تھا۔ وہ بہ مشکل ہاتھ پیر مار کر ایک بار پھر کنارے اور پھر کنگر تک پہنچ گئی۔

"کاغذات کہاں ہیں جانم؟" ٹائیگر نے پھر وہی سوال کیا۔ وہ مسکرا رہا تھا۔ مگر یہ مسکراہٹ بہت سفاکانہ تھی۔ اُس میں محبت کے نرم و گرم لطیف جذبوں کا کوئی شائبہ تک نہ تھا۔ یہ محبوب کی نہیں قاتل کی مسکراہٹ تھی۔

"میرے بریف کیس میں۔" وانڈا نے ٹائیگر کے تیور بھانپ کر اُگل دیا۔ اب وہ دُعا کر رہی تھی کہ فیڈرک یہاں آجائے۔ ٹائیگر اُسے گھورنے لگا۔ "بریف کیس اندر دروازے کے پاس ہی رکھا ہے۔" وہ بوکھلا کر بولی تو ٹائیگر اگلے ہی لمحے اُسے پیر سے پھر نیچے کی طرف دھکا دے کر دروازے کی طرف

ہولناک اور پُراسرار ماحول میں جنم لینے والی ایک
حقیقت جو کہانی بن گئی
ایک آشفتہ حال کی داستانِ عبرت جسے قانون نے
مجرم بنا دیا

رقصِ ابلیس

انوار صدیقی

قیمت:- 150/

ثمرت کتب القریشی

اردو بازار لاہور

دو ایک کے فرق سے تمہاری تجویز مسترد کی جاتی ہے۔

چلا گیا۔ اس بار وانڈا کے پیر سوئمنگ پول کے فرش کو چھونے لگے۔ اُس نے جُھک کر اُوپر اُٹھنے کی کوشش کی اور جیب سطحِ آب پر نمودار ہُوئی تو وہ دُشمنِ جاں کاغذات کا پلندا سنبھالے ہُوئے مکان سے نکل کر پول کی طرف آ رہا تھا۔

"ٹھیک ہے۔" ٹائیگر نے سر ہلا کر کہا۔ "وہی کاغذات ہیں۔ تم نے ان کی نقول کہاں تیار کی تھیں؟"

"فف... فیڈرک ہی نے کاپیاں بنوائی تھیں۔" وانڈا نے فوراً جواب دیا۔

"کتنی؟"

"اس کا مجھے علم نہیں۔ اُس نے مجھے اصل سمیت نو کاپیاں دی تھیں۔"

"پریس ریلیز تیار ہو گئی ہوگی۔ وہ کہاں ہے؟"

"نہیں۔" وانڈا نے نفی میں سر ہلایا۔ "میں یہ پریس سے زبانی بات کرتی ہُوں اور..." اچانک ہی وانڈا میں جانے کہاں سے جرأت آگئی۔ "آج بھی زبانی بات کروں گی۔"

"اب نہیں کرو گی!" وہ پھر مسکرانے لگا۔ اُس نے ایک بار پھر وانڈا کو زیرِ آب غوطہ دیا اور لان کے قریب اس اوون کی طرف بڑھ گیا، جو تقریبات میں کھانے گرم کرنے کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ اُس نے الیکٹرک سوئچ تلاش کر کے اُسے آن کیا۔ تندور کا دروازہ کھولا کاغذات اس میں ڈالے اور پھر انہیں جلتا ہُوا دیکھتا رہا۔ چند سیکنڈ بعد ہی اوون میں کاغذوں کی راکھ جمع ہو گئی۔ ٹائیگر نے اوون کو ٹائی پر کر کے دروازہ بند کر دیا۔ جب وہ پلٹا تو وانڈا اُس کے پیچھے کھڑی ہُوئی تھی۔

اس وقت اگر وانڈا خود کو آئینے میں دیکھ لیتی تو... ندامت اور احساسِ کمتری سے اُسی سوئمنگ پول میں ڈوب کر مر جاتی۔ اُس کے جسم کا گوشت لٹکا ہُوا تھا کیونکہ قیمتی تیل پانی نے دھو دیا تھا۔ اُس کے بال سُتلی کی طرح جھول رہے تھے۔ آنکھیں بے رونق تھیں۔ مصنوعی پلکیں اُتر چکی تھیں۔

...اور اُس کے ہاتھ میں پستول چمک رہا تھا۔

"خبیث... مردُود..." وہ غرّا کر بولی۔

"بالکل یہی سین میں نے ایک فلم میں بھی دیکھا تھا۔" ٹائیگر نے قہقہہ لگا کر کہا۔

"اب حقیقی زندگی میں آخری بار دیکھ لو... اس طرح۔" وانڈا نے پستول دونوں ہاتھوں میں تھام کر اپنی دائیں آنکھ کی سیدھ میں کر لیا۔ نال کا رُخ ٹائیگر کی طرف تھا۔ "اب تم مر جاؤ۔" وہ دانت پیس کر بولی۔ لبلبی پر اُس کا دباؤ بڑھ گیا لیکن اس سے قبل ہی ٹائیگر کے ہاتھ میں موجود راڈ نال میں داخل ہوئی، پھر گولی چلی۔ گولی راڈ سے ٹکرا کر مخالف سمت میں لپکی اور وانڈا کے چہرے میں گھس گئی۔ وہ دُگمگائی اور پھر پانی میں ڈھے گئی۔ راڈ اب بھی پستول کی نال میں تھی اور پستول اب بھی وانڈا کے ہاتھ میں تھا، لیکن وانڈا مر رہی تھی۔

کچھ ہی دیر بعد پستول اور راڈ پانی میں ڈوب گئے لیکن وانڈا کی لاش کھلی آنکھوں سے ٹائیگر کو گھورتی رہی۔

گفتگو اُکتاہٹ کا باعث بھی ہو سکتی تھی، لیکن ایسا نہ ہُوا کیونکہ اُوشان دُنیا کی سب سے اہم ترین شخصیت کے بارے میں اُس سے بات کر رہا تھا... اور وہ شخصیت خود ریڈ ریکس کی اپنی تھی۔

"لیکن تمہارے بعض پروگراموں میں تشدد بہت زیادہ ہوتا ہے ریڈ ریکس!" اُوشان نے اچانک ہی تنقیدی انداز میں کہا۔

"مثال کے طور پر؟" اداکار حیرت زدہ رہ گیا کیونکہ اُسے علم نہ تھا کہ اُوشان کس بات کو تشدد کہہ رہا تھا۔

"ایک شو میں نرس نے تمہارے تھپڑ مارا تھا۔"

"اوہ... وہ..." ریڈ ریکس نے سکون کا سانس لیا۔

"ویسے تم بہت اچھے اداکار ہو۔" اُوشان نے سر ہلا کر کہا۔ "میں جس علاقے سے آیا ہُوں، وہاں تمہارا بے حد احترام کیا جا سکتا تھا۔"

اسی لمحے ٹیلی فون کی گھنٹی بج اُٹھی اور ریڈ ریکس نے "یس" کہہ کر ریسیور اُٹھا لیا۔

دوسری طرف سے آنے والی آواز کسی اجنبی عورت کی تھی، برف کی طرح سرد... لہجے میں قومیت کا کوئی تاثر نہ تھا۔ "میں مس وانڈا کی طرف سے بول رہی ہُوں۔ تم کو جس سیٹ پر مہمان کو لے جانا ہے، وہ تیار ہے۔ اب تم اُسے وہاں لے جا سکتے ہو۔ یہ سیٹ مین بلڈنگ کے اندر آخری سرے پر ہے۔" اس کے ساتھ ہی رابطہ منقطع ہو گیا۔

"کمال ہے۔" ریڈ ریکس نے ٹیلی فون ریسیور رکھتے ہُوئے اُوشان سے کہا۔ "یہ عورتیں کہیں بھی پیچھا نہیں چھوڑتیں۔ نئے شہر میں تو ٹیلی فون کالز کا تانتا بندھ جاتا ہے۔"

"نئے شہروں میں یہی خرابی ہوتی ہے۔" اُوشان نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔ "اس لیے کہا جاتا ہے کہ آدمی اپنے گھر میں مطمئن رہتا ہے، وہاں اُسے اپنے اُوپر قابو بھی رہتا ہے بالکل اسی طرح جس طرح تمہیں اپنے رقص پر قابو پا..."

"رقص؟" ریڈ ریکس اُسے مُنہ پھاڑ کر ہونقوں کی طرح دیکھنے لگا۔

"ہاں، کرائے رقص کے سوا اور کچھ بھی نہیں ہے۔"

"مگر کرائے تو دُنیا کا سب سے مہلک فن ہے مسٹر اُوشان۔"

"اگر یہ بات میرا بیٹا کہتا تو شاید میں برداشت نہیں کر پاتا۔" اُوشان نے مُنہ بنا کر جواب دیا۔ "لیکن یہ بات تم جیسے غیر ہُنر مند شخص نے کہی ہے۔ اس لیے برداشت کر رہا ہُوں۔"

"اس میں بُرائی کیا ہے؟"

"یہی کہ قوت کی رہنمائی کے سوا کچھ اور نہیں سکھاتا۔"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

اُوشان نے جواب دیا۔ "اس طرح یہ ایک عام سی ورزش ہے جبکہ فن تخلیقی ہوتا ہے۔ ایسا تخلیقی فن جو توانائی اور قوت کی غیر موجودگی میں قوت اور توانائی پیدا کرتا ہے۔"

"اور کنگفو؟"

اُوشان ہنس پڑا۔ "تمہیں نام تو سب معلوم ہیں لیکن سب سے بڑا نام نہیں معلوم... سب سے بڑے آرٹ کا نام سنا نجو ہے۔ باقی سب کچھ کوڑا کرکٹ ہے۔"

"میں نے پہلے کبھی یہ نام نہیں سنا۔"

"کیونکہ تم ایک اچھے آدمی ہو اور تمہیں نرس کا مقابلہ کرنے کی ضرورت پیش آسکتی ہے۔ لہٰذا میں تمہیں سنا نجو کے بارے میں بتاؤں گا۔" یہ کہتے ہوئے اُوشان نے لکڑی کا ایک تختہ اُٹھا کر ریکس کو دے دیا۔ "اسے اس طرح پکڑے رہنا۔" اُس نے اداکار کو ہدایت دی۔ اگر اس وقت کوئی ریڈریکس کو دیکھتا تو یہی کہتا ایک ناڑی عورت بچے کو لیے کھڑی ہے۔

"اب تم سنا نجو کا فن دیکھو۔" یہ کہتے ہوئے اُوشان نے ہاتھ آہستگی سے بلند کیا اور مزید زیادہ آہستگی سے اسے نیچے لانے لگا۔ ہتھیلی کی گگر ہلکے سے لکڑی پر لگی۔ ہتھیلی نے ربر والے حصّے کو کاٹتے ہوئے زور لگایا اور پھر ہاتھ لکڑی کے تختے میں سے اس طرح گزرنے لگا، جیسے مکھن میں سے چاقو گزر رہا ہو۔ ہاتھ ریکس کی انگلیوں کے قریب سے گزرا تو ریکس کو ارتعاش سا محسوس ہوا۔ اگلے ہی لمحے تختہ بالکل درمیان سے اس طرح کٹ چکا تھا، جیسے آری مشین سے کاٹا گیا ہو۔ ریڈریکس کی حالت دیدنی تھی۔ اُس نے بغور کٹے ہوئے تختے کو دیکھا۔ اب اس کے چہرے پر خوف کی پرچھائیاں بھی لرز رہی تھیں۔

"یہ سنا نجو کے فن کا ایک انداز تھا۔" اُوشان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میں بھی سیکھوں گا۔"

"ضرور، ضرور سیکھنا، لیکن ریٹائرمنٹ کے بعد کیونکہ آج کل تمہارے پاس وقت نہیں اور اس فن کو سیکھنے کے لیے ساری عمر اس کے نام کرنی ہوتی ہے۔ ویسے اس مظاہرے کو اپنے لیے میری طرف سے تحفہ سمجھنا۔ آخر تم نے بھی تو مجھے دستخط شدہ تصویر دی تھی۔"

*

یہ کسی سوتے ہوئے شراب خانے کا سیٹ تھا۔ بار میں کئی بوتلیں موجود تھیں۔ چار گول میزیں ایک طرف پڑی ہوئی تھیں۔

"مجھے یہاں کیوں لائے ہو؟" اُوشان نے اِرد گرد کا بغور جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔

"اس لیے کہ مجھ سے یہی کہا گیا تھا۔"

"تم سے ایسا کرنے کے لیے کس نے کہا تھا؟"

"وانڈا کی ایک اسسٹنٹ نے۔" ریڈریکس نے بُرا سا منہ بنا کر جواب دیا۔

"کیا اُس کی آواز بے جان سپاٹ اور میکینکی تھی؟"

"سو فی صد دُرست۔" اداکار نے جواب دیا۔

"تب پھر تم یہاں سے فوراً نکل جاؤ۔" اُوشان نے اس بار تیزی سے کہا۔

"مگر کیوں؟" اُوشان کے اس انداز پر ریڈریکس حیرت زدہ رہ گیا۔

"جاؤ!" اُوشان ہاتھ ہلا کر بولا۔ "ممکن ہے کہ اب یہاں جو کچھ ہو اس میں تم پس جاؤ۔ میں نہیں چاہتا کہ دُنیا ایک اچھے اداکار سے محروم ہو جائے۔"

ریڈریکس نے ایک بار اُوشان کو بغور دیکھا اور پھر کندھے اُچکاتا ہوا اسٹوڈیو کے کھلے حصّے میں نکل آیا۔ اندر اُوشان نے میزوں کے قریب پڑی ہوئی ایک کرسی اُن سے دُور کی اور پھر اس پر ہلکے سے بیٹھ گیا۔ "اب تم سامنے آجاؤ، تین کے بجنے ہوئے آدمی!" اُس نے بلند آواز میں کہا۔ "یوں انتظار کرنے سے تمہیں کچھ حاصل نہیں ہوگا۔"

پہلے تو سناٹا چھایا رہا، پھر خراب خانے کا دروازہ کھلنے کی آواز سنائی دی۔ یوں فیڈرک نمودار ہوا۔ اُس نے بلیک کاؤ بوائے ڈریس اور بلیک ہیٹ پہن رکھا تھا۔ چاندی کے بٹن لگے ہوئے کالے جوتے بہت اچھے لگ رہے تھے۔ پہلوؤں میں دو دیوار نظر آرہے تھے۔ "میں آگیا ہوں بوڑھے اُوشان!"

"اور تم مجھے گولی مارنے کی نیت سے آئے ہو۔" اُوشان نے اپنے خاص انداز میں کھڑے ہوتے ہوئے پوچھا۔

"یقیناً اور تمہیں گولی مارنا میری نئی حکمتِ عملی کا ایک حصّہ ہے۔ میں تمہیں شہزاد سے الگ کر کے دونوں کو الگ الگ ہلاک کروں گا۔"

"تمہیں اپنے ہتھیاروں پر اتنا اعتماد ہے؟"

"ہاں... اور ریوالور نکالنے میں میری پھرتی کا دُنیا میں

کوئی ثانی نہیں۔" اس کے دونوں ہاتھ اتنی تیزی سے حرکت میں آئے کہ وہ محض دھتا ہی لگے۔ اُس نے دونوں ریوالوروں سے گولی چلا دی۔ اُس کا نشانہ اُوشان تھا، جو اُس سے محض فٹ دُور اُسی کی طرف رُخ کیے ہوئے کھڑا تھا۔

●●

ٹیکسی نے ٹائیگر کو گولڈ اسٹوڈیوز کے گیٹ پر ہی اُتار دیا۔ وہاں اُسے جو چیز سب سے پہلے نظر آئی، وہ جوگلا فر تھا۔ دوسری چیز ایک گولف کارٹ تھی، جس میں ایک نوجوان کچھ سامان رکھ رہا تھا۔ ٹائیگر نے اُس کی ڈرائیونگ سیٹ سنبھالنے میں ذرا بھی تاخیر نہ کی۔

"ارے... رُکو... رُکو..." جوگلا فر چلّا اُٹھا، لیکن ٹائیگر نے محض ہاتھ ہلا کر ٹاٹا کر دیا۔ کچھ دُور جا کر اسے ایک ننھا سا سی شکل نظر آئی۔ یہ شخص بہت آہستہ آہستہ چلتا ہوا سر جھٹک رہا تھا۔

"اُوشان کہاں ہے؟" ٹائیگر نے گاڑی اُس کے قریب روکتے ہوئے کہا۔

"بھاگ جاؤ!" ریڈریکس نے غصیلے انداز میں کہا۔ "میں سنا نجو جانتا ہوں۔"

تب ہی ٹائیگر نے گولف کارٹ کا اگلا بمپر ہاتھ میں لے کر اُس کے دو ٹکڑے کر دیے۔ "کیا سنا نجو ایسا ہوتا ہے؟" اُس نے غرا کر پوچھا۔ ریکس نے فائبر گلاس کے ٹکڑے دیکھے اور پھر ایک طویل سانس لے کر بولا۔

"وہ اندر ہے۔"

ٹائیگر نے فوراً ہی ریڈریکس کی بتائی ہوئی سمت میں قدم اُٹھا دیے اور ریکس اس فیصلے پر پہنچ گیا کہ اب وانڈا خواہ کچھ بھی کرے اور کہے، وہ واپس ضرور جائے گا۔

عمارت میں گھستے ہی ٹائیگر نے گولیاں چلنے کی آوازیں سُنیں اور پھر وہ آواز کی سمت لپک گیا۔

"ڈک... شہزاد..." اُسے اُوشان کی للکار سنائی دی۔

اس کے ساتھ ہی ٹائیگر فرش پر لیٹ کر کسی تیز رفتار رولر کی مانند فرش پر رکھے ہوئے ایک بڑے کریٹ کی طرف لڑھک گیا۔ چند لمحوں قبل وہ جہاں تھا، وہیں دو گولیاں آکر لگیں۔

"اگلا نشانہ تم ہو گے شہزاد۔" اُسے فیڈرک کی آواز سنائی دی۔ "میں پہلے اس بوڑھے کا قصّہ تمام کروں گا۔"

"یہ باتونی بہت ہے۔" اُوشان نے شکوہ کیا۔ ٹائیگر نے کریٹ کے سوراخ میں سے جھانک کر دیکھا۔ اس وقت فیڈرک، اُوشان پر مزید دو گولیاں چلا چکا تھا۔ اُوشان بظاہر اپنی جگہ پر ساکت کھڑا رہا، پھر اُس کی کمر ذرا سی ہلی اور گولیاں اُس کے لبادے کے قریب سے تقریباً چھوتی ہوئی گزر گئیں۔ دونوں ریوالور خالی ہو گئے۔

"اب میں تمہیں اپنے ہاتھوں سے تباہ کروں گا۔" فیڈرک نے اپنے خاص لہجے میں کہا۔ اُس نے دونوں ریوالور فرش پر ڈال دیے اور آہستہ آہستہ اُوشان کی طرف بڑھنے لگا۔ اُوشان نے اس بار بھی پرانی حکمتِ عملی پر عمل کرتے ہوئے دائرے کی شکل میں اُس کے گرد گھومنا شروع کر دیا۔ وہ غیر محسوس طور پر فیڈرک کو ٹائیگر سے دُور لے جا رہا تھا۔ تاکہ فیڈرک کا عقب ٹائیگر کے حملے کے لیے کھلا رہے۔

ٹائیگر اب تیزی سے حرکت کرنے لگا۔ راستے میں اُسے فائر فائٹنگ کا سلنڈر نظر آیا تو اُس نے اسے اُتار لیا۔ سلنڈر دائیں ہاتھ میں لے کر وہ پھر آگے بڑھنے لگا۔

اُوشان دائرے کی شکل میں گھومتے ہوئے اب اس جگہ پہنچ چکا تھا جہاں فیڈرک کے خالی ریوالور پڑے ہوئے تھے۔ اگلے ہی لمحے دونوں ریوالور اُس کے ہاتھ میں تھے۔

"یہ خالی ہیں احمق!" فیڈرک نے اُوشان پر نظریں جمائے رکھیں۔ اُسے عقب کا خیال نہ تھا جہاں ٹائیگر اب صرف پانچ فٹ پیچھے تھا۔

"سنا نجو کے لیے ناکارہ ترین چیز بھی ہتھیار بن جاتی ہے۔ کاٹھ کباڑ کے ڈھیر!" اُوشان نے کہا۔ تب ہی اُس نے دائیں ہاتھ والا ریوالور اُوپر اُچھالا مگر محض ایک فٹ بلند ہو کر کسی تیر کی طرح فیڈرک کے پیٹ سے ٹکرا گیا، لیکن اُوشان کو مایوسی ہوئی۔ ریوالور کے ٹکرانے سے کسی قسم کی... اسپارکنگ تک نہ ہوئی۔

"اس کے سرکٹ کنٹرول کہیں اور ہیں فادر!" ٹائیگر نے اپنی پوزیشن پر رہتے ہوئے کہا۔

"شکریہ۔" اُوشان خشک لہجے میں بولا۔ "اگر تم نہیں بتاتے تو میں کبھی اس حقیقت تک پہنچ نہیں پاتا کہ اس کے سرکٹ کنٹرول کہیں اور ہیں۔"

"تمہیں کچھ حاصل نہیں ہوگا۔" فیڈرک، اُوشان کی طرف ایک قدم اُٹھا کر کہا۔ "اب تمہارا خاتمہ قریب ہے بُوڑھے فنکار۔ تم جس طرح میری گولیوں سے بچ نکلے اس طرح مجھ

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

سے نہیں بچ سکو گے۔"

"اور تم مجھ سے نہیں بچ سکو گے لوہے کے پنجرا" عقب سے ٹائیگر نے کہا، ساتھ ہی سلنڈر آپ سائیڈ ڈاؤن کر دیا۔ اسی لمحے کیمیکل کی آواز سنائی دینے لگی۔ فیڈرک حسب معمول کسی پھرکی کی طرح ٹائیگر کی طرف پلٹا۔ اسی لمحے ٹائیگر نے سلنڈر کا ہینڈل دبا دیا۔ سلنڈر سے نکلنے والی فوم فیڈرک کے چہرے پر لگی۔ جلد ہی فیڈرک کا چہرہ چھپ گیا۔ اُدھر اُوشان نے دوسرا ریوالور مہلک فرسی کی طرح پھینکا۔ اس مرتبہ اُس نے فیڈرک کے دائیں پیر کی پنڈلی کا نشانہ لیا تھا۔

اچانک پنڈلی پر ہلچلیاں سی پھوٹنے لگیں۔ فیڈرک نے فوم کے جھاگ چہرے سے صاف کرنے کے لیے ہاتھوں کا استعمال کرنا چاہا، لیکن ٹائیگر نے ہینڈل دبائے رکھا اور چہرے پر کیمیکل کے جھاگ کی تہ بڑھتی چلی گئی۔ اب صورت حال یہ تھی کہ فیڈرک فوم صاف کرنے کے لیے کوشاں تھا، ٹائیگر اس کا مقدار بڑھاتا جا رہا تھا۔ ریوالور پنڈلی میں گھس چکا تھا۔ اور فیڈرک کی مشینی آواز جس میں کوئی تاثر نہ تھا، انہیں صاف سنائی دے رہی تھی: "تم مجھ سے بچ کر نہیں بھاگ سکتے۔" یہ آواز بلاشبہ بے تاثر تھی، لیکن اس میں بھاری پن کے ساتھ ساتھ اب سستی بھی آگئی تھی۔ بالکل ایسے جیسے کوئی ریکارڈ خراب ہو گیا ہو۔

"بنگو!" ٹائیگر نے چہک کر جانے کیا کہا۔ اُس نے سلنڈر کا رُخ فیڈرک کی طرف رکھا، جس کا پورا جسم اب جھاگوں میں چھپ چکا تھا، پھر جب سلنڈر خالی ہو گیا تو ٹائیگر نے اُسے اپنے عقب میں اُچھال دیا۔

تب ہی اچانک فیڈرک اس طرح گر گیا، جیسے کوئی بُت گرتا ہے۔ اُوشان نے قریب جا کر اپنے جوتے کی نوک سے اُسے چھوا مگر وہ ساکت رہا۔ اس کا قصہ تمام ہو چکا تھا۔

"آپ کو یہ علم کیسے ہُوا کہ کنٹرول سسٹم اس کی پنڈلی میں ہے؟"

"میں نے صرف یہ سوچا تھا کہ جب انسانی کنٹرول سسٹم سر میں ہوتا ہے تو مشینی کنٹرول سسٹم پیر میں ہونا چاہیے۔ اور کیونکہ اس کی پنڈلی دوسری سے موٹی تھی۔ لہٰذا میں سمجھ گیا کہ اس کا کنٹرول کہاں ہو گا۔"

"چلیں، اس سے نجات تو ملی۔" ٹائیگر نے اِدھر اُدھر دیکھ کر کہا اور پھر اُسے ایک کلہاڑی نظر آگئی جو یقیناً آتش زدگی کے دوران بجلی کے تار کاٹنے کے لیے رکھی گئی تھی۔ وہ کلہاڑی

اے حمید کے ایڈونچر قلم سے
شیوسینا کے دہشت گرد
چار جلدوں میں مکمل سیٹ -/700 روپے
ناشر: مکتبہ القریش
اردو بازار لاہور

لے کر فیڈرک پر پل پڑا۔ حتیٰ کہ مشین کے ٹکڑے درجنوں ٹکڑوں میں تقسیم ہو گئے۔

"بس کرو، اتنا کافی ہے۔" اُوشان نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"میں یہ یقین کر لینا چاہتا تھا کہ یہ مر چکا ہے۔" ٹائیگر نے کلہاڑی ایک طرف ڈالتے ہُوئے کہا۔

"یہ مر چکا ہے۔ ثابت یہ ہُوا کہ مشینیں بھی مر جاتی ہیں۔" اُوشان نے پُرتفکر انداز میں اُسے بتایا۔

"ارے ہاں، اب بہرام کو بھی تو نکالنا ہے ٹیل فادر!"

"یہ کوئی مسئلہ نہیں۔" اُوشان نے مسکرا کر جواب دیا۔ وہ واقعی خوش تھا کیونکہ اُس کی چھوٹی چھوٹی آنکھیں چمک رہی تھیں۔

✦

اُوشان نے اسپورٹس لاج کے ٹیلی فون سے ایک فیول فاصلے کی کال کر کے بہرام کو اسپتال کے کمرے سے نجات دلادی۔ لاج واپس آتے ہُوئے اُس نے ٹائیگر سے کہا کہ وہ کسی دُکان سے باتھ روم اسکیل خرید لائے، پھر کمرے میں آ کر اُس نے ٹائیگر کو ہدایت کی کہ وہ بہرام کو فون کرے۔ شہنشاہ اعظم سے کہنا کہ ایسا ہی ایک اسکیل منگوائے۔"

ٹائیگر اُس کی ہدایت کے مطابق عمل کرنے لگا، پھر جب

ٹائیگر نے اُسے اشارہ کیا کہ اسکیل آ چکا ہے تو وہ بولا: "اب شہنشاہ سے کہو کہ وہ اپنا وزن بتائے۔"

"ایک سو سینتالیس پونڈ۔" ٹائیگر نے اُسے بتایا۔

"اب شہنشاہ اعظم سے درخواست کرو کہ وہ اپنے اسپتال والے کوٹ کی جیبوں میں دس پونڈ وزن ڈال کر کمرے سے تشریف لے جائیں۔" اُوشان جان بوجھ کر اتنے احترام سے بول رہا تھا کیونکہ یہ بات اسے معلوم تھی کہ بہرام تک اُس کی آواز جا رہی ہو گی۔ ٹائیگر نے یہ پیغام بھی آگے بڑھا دیا۔

"کیا یہ ترکیب کارگر رہے گی ٹائیگر؟" اس بار بہرام نے پوچھ ہی لیا۔

"کیوں نہیں، تاریخ یہ بتاتی ہے کہ سنا جوکے ماسٹر کی... ہدایت پر عمل کرنے والا کوئی شہنشاہ ہلاک نہیں ہُوا۔"

"ٹھیک ہے۔ اگر ترکیب کارگر رہی تو پھر میں کمرے سے نکل کر تمہیں فوراً فون کروں گا۔" اُس نے رابطہ منقطع کر دیا۔ پھر وہ دونوں بھی گھنٹی بجنے کا منتظر رہے۔ حتیٰ کہ کئی منٹ گزر گئے۔

"کمال ہے، ابھی تک بہرام نے فون نہیں کیا۔" ٹائیگر نے قدرے گھبرائے ہُوئے انداز میں کہا۔

"فضول باتیں مت کرو۔ اپنا وزن تو کرو۔" اُوشان نے حکم دیا۔

"کیوں؟ کیا اس کمرے میں بھی بم ہے؟"

"اسکیل پر پیر رکھو!" اُوشان نے غرا کر کہا تو ٹائیگر کو اسکیل پر کھڑا ہونا پڑا۔ اُس کا وزن ایک سو پچپن پونڈ تھا۔ ابھی سُوئی ٹھہر ہی رہی تھی کہ گھنٹی بج اُٹھی۔

"یس۔" ٹائیگر نے لپک کر ریسیور اُٹھا لیا۔

"میں نکل آیا ہوں۔" بہرام کے لہجے میں بشاشت تھی۔ "مگر اب کیا کریں۔ کمرے کو ایسے تو نہیں چھوڑ سکتے۔"

"فادر۔" ٹائیگر نے اُوشان کی طرف دیکھ کر کہا: "چیف پوچھ رہے ہیں کہ اب کیا کریں؟"

"عظیم شہنشاہ سے درخواست کرو کہ وہ اپنے لیے ایک سو سینتالیس پونڈ کا وزن تیار کرائیں، پھر تمہارے لیے ایک سو پچپن پونڈ والا اور میرے لیے ۹۹ پونڈ کا وزن تیار کرایا جائے۔ ان تینوں اوزان کو روایر رکھ کر کمرے میں دھکیل دیا جائے۔ دھماکے کی شدت سے بچنے کے لیے دُور کھڑا رہنا بہت ضروری ہے۔"

✦

اگلی صبح بہرام نے فون کیا اور بتایا کہ سارا کام بخیر و خوبی انجام پا گیا۔ "کمرہ تو تباہ ہو گیا لیکن مزید کوئی نقصان نہیں ہُوا کیونکہ ہم نے برابر والے تمام کمرے خالی کرا لیے تھے۔ ہمارے ماہرین نے دھماکے کی آواز کم سے کم رکھنے کی جو کوشش کی تھی، وہ بھی کامیاب رہی۔ ماسٹر کا شکریہ ادا کرنا ٹائیگر۔" بہرام نے بھرپور لہجے میں کہا۔

"سوری چیف...!" ٹائیگر نے اُوشان کی طرف دیکھ کر کہا جو ٹی وی دیکھ رہا تھا۔ "فی الوقت تو یہ ممکن نہیں۔ وہ مصروف ہے، لیکن جونہی اُسے فرصت ملی میں آپ کا یہ پیغام پہنچا دوں گا۔"

اسی دوپہر اُس نے اُوشان کو بہرام کی کامیابی کے بارے میں مطلع کیا تو اُوشان محض سر ہلا کر رہ گیا۔

"لیکن آپ نے یہ اندازہ کس طرح لگایا تھا کہ دھماکا ہم تینوں کے وزن کے برابر کا بوجھ کمرے میں داخل ہونے سے ہو گا؟"

"میں نے تو محض ایک ترکیب پر عمل کیا تھا۔ نیز اُنے زمانے میں صرف ہم وزن پہلوان ہی اکھاڑے میں مقابلہ کرتے تھے۔"

"کیا میرے سوال کا صرف یہی جواب ہے ٹیل فادر؟"

"ہاں۔" اُوشان نے زیر لب مسکرا کر جواب دیا۔

۷۷

اگلے روز جب وہ ہالی وُڈ سے روانہ ہونے تھے تو اُن کی گاڑی دوسری گاڑیوں کی ایک طویل قطار میں پھنس گئی۔ یہ قطار بہت آہستہ آہستہ رینگ رہی تھی۔ دن کا وقت ہونے کے باوجود تمام گاڑیوں کی ہیڈ لائٹس کھلی ہُوئی تھی۔

"کیا مسئلہ ہے؟" ٹائیگر نے کھڑکی سے سر نکال کر ایک راہ گیر سے پوچھا۔ "یہ ٹریفک کیوں جام ہے؟"

"فائنڈ کا جلوس جنازہ جا رہا ہے۔" راہ گیر نے اُسے بتایا۔

ٹائیگر محض سر ہلا کر رہ گیا۔ اُوشان نے عقبی نشست پر آنکھیں بند کر لیں اور کوئی دُعا بڑبڑانے لگا۔

"بوسٹن جانے کا ارادہ ہو رہا ہے ٹیل فادر!" تھوڑی دیر کے بعد ٹائیگر نے اُوشان کو مخاطب کیا۔

"پھر؟"

"میں سوچ رہا ہوں کہ ایک چکر لگا ہی آؤں۔"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"اس سے تو بہتر ہے کہ کسی تھرڈ کلاس ہوٹل کے باتھ روم سے ہو آؤ۔" اوشان نے برا سا منہ بنایا۔

"میں امریکہ کے خوبصورت شہروں کی توہین برداشت نہیں کر سکتا۔"

"تو پھر کود کر جان دے دو۔" اوشان نے مشورہ دیا۔

"لیکن بٹل فادر! کار سے کود کر کم از کم میری جان تو نہیں نکلے گی۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔

"یہ بھی قربِ قیامت کی نشانیاں ہیں۔" اوشان نے ایک گہری سانس لی۔ "ورنہ پہلے تو آدمی چلو بھر پانی میں ڈوب مرا کرتے تھے۔"

"یہ صرف محاورہ ہے بٹل فادر!" ٹائیگر نے احتجاج کیا۔

"محاورے ہی زندگی کا حصہ بنا کرتے ہیں میرے بچے!" اوشان نامحانہ انداز میں بولا۔ "مجھے تو سنا نجو میں گزارے ہوئے دن..."

"میں نے بوسٹن کہا تھا، سنا نجو نہیں۔" ٹائیگر نے فوراً دخل اندازی کی، کیونکہ اسے علم ہو گیا تھا کہ اب اسے ایک لمبی تقریر سننی پڑے گی۔

"اجازت اسی وقت ملے گی، جب مجھے وجہ بتاؤ گے۔" اوشان ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولا۔ اسے ٹائیگر کا یوں ٹوکنا اچھا نہیں لگا تھا۔

"وہاں ایک میراتھن ریس ہو رہی ہے۔ میں اس میں شرکت کرنا چاہتا ہوں۔" ٹائیگر نے وجہ بتائی۔

"کیا دنیا بھر کے قاتل اس میں حصہ لے رہے ہیں؟"... اوشان نے دریافت کیا۔

"آپ میری توہین کر رہے ہیں بٹل فادر!" ٹائیگر فوراً بول اٹھا۔ "آپ نے مجھے بھی قاتل بنا دیا۔"

"قتل تو تم بھی کرتے ہو..." اوشان نے جملہ شروع کیا لیکن ٹائیگر پھر بول پڑا۔

"لیکن سرکاری لائسنس اور آپ کی آشیرواد کے ساتھ... آپ کی وجہ سے ہی تو میں موت کا ہرکارہ ہوں۔"

"مکھن لگانے کی ضرورت نہیں۔" اوشان نے اسے مزید بولنے سے روک دیا۔ "ایسا نہ ہو کہ اس کی بھی قلت ہو جائے اور ہمیں سونے کی بجائے مکھن سنا نجو..."

"بوسٹن بٹل فادر!" ٹائیگر نے پھر یاد دلایا۔

"اگر اب تم نے مجھے ٹوکا تو بوسٹن جانے کی اجازت ہرگز نہیں ملے گی۔" اوشان تیز لہجے میں بولا۔ "آؤ میں تمہیں مکھن اور سنا نجو کے ازلی رشتے کی داستان سناؤں۔"

ٹائیگر اب دم سادھے بیٹھا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اب کئی گھنٹوں تک اسے اوشان کا لیکچر سننا ہوگا۔

۲۲

"مرنے کو تو کوئی بھی مر سکتا ہے، لیکن زیادہ عمدہ بات یہ ہے کہ اچھی موت مر جائے۔" یہ الفاظ ڈاکٹر ولیم وبسٹ ہیڈلے کے تھے جو وہ ٹی وی اسکرین پر ادا کرتا ہوا نظر آ رہا تھا اور خود بھی ٹی وی کے سامنے بیٹھا ہوا اس فلسفیانہ جملے سے محظوظ ہو رہا تھا۔ اب ٹی وی کے انیس انچ والے اسکرین پر اس کے نشر پاتی عکس کے ہونٹوں پر خون کا ایک قطرہ نظر آیا، جو بتدریج واضح ہوتا گیا۔ اس کی سرخی نمایاں ہوتی چلی گئی۔ اس کی لاش ایک روشن لیبارٹری میں پڑی ہوئی تھی اور یونیورسٹی کے صدر کی نمناک آنکھیں ٹی وی پر نظر آ رہی تھیں۔ فیکلٹی کے دوسرے افراد بھی سر جھکائے ہوئے قریب کھڑے تھے۔

"ہم نے آج تک ڈاکٹر ولیم کی صلاحیتوں کا احساس ہی نہ کیا۔" مغموم لہجے میں یہ بات کہنے والا وڈی وُڈورڈ ڈائریکٹر آف کالج افیئرز تھا۔ اس نے اپنی سسکی بہ مشکل ضبط کی۔ اور پھر سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "ہمیں آج تک اس کی صلاحیتوں کا ادراک نہیں تھا۔ ہم اسے عام سا فزیشن سمجھتے رہے ایسا فزیشن جو بازار میں بآسانی دستیاب ہوتا ہے۔"

جینٹ بال دے بھی اسکرین پر نظر آ رہی تھی۔ اس کے بال ہمیشہ کی طرح سنہرے نظر آ رہے تھے۔ اس نے قدرے چست بلاؤز پہن رکھا تھا۔ وہ ہمیشہ کی طرح حسین لگ رہی تھی۔ اس کا بھرا بھرا جسم اسکرین پر بھی دل کش نظر آ رہا تھا... اور دم توڑتا ہوا ولیم اب بھی اس کے قرب کو ترس رہا تھا۔ تب ہی ایچ وُڈ یونیورسٹی کا عکس دھندلا نما لگا۔ خون کی سرخی ختم ہو گئی، منظر بدل گیا ایک بیڈ روم کا منظر سامنے آیا، جس میں ڈاکٹر ولیم اسموکنگ جیکٹ پہنے ہوئے پیپر پیڈ کے ساتھ دروازے پر دستک سن رہا تھا۔

اس وقت وہ جس بیڈ روم میں بیٹھا تھا۔ اسکرین پر ہو بہو ویسا ہی کمرہ نظر آ رہا تھا۔ فرق صرف یہ تھا، اس وقت ولیم کی کنپٹیوں پر الیکٹروڈ ٹیپ لگے ہوئے تھے، جن کی تاریں ٹی وی اسکرین سے منسلک تھیں۔

حسین دلربا، الھڑ، شوخ، دل کش شاندار اور جاندار جینٹ اسکرین پر ہوتی ہوئی اس کے کمرے میں داخل ہوئی، جسے ولیم نے فوراً اپنی آنکھوں میں لے لیا اور وہی کیا جو وہ کرنا چاہتا تھا۔ تب ہی اچانک پھر دستک کی آواز سنائی دی۔ اس بار آواز ٹی وی سے نہیں عقب سے آئی تھی اور مسلسل سنائی دے رہی تھی۔

"اگر تم نے دروازہ نہیں کھولا تو میں چلی جاؤں گی یا کسی عورت کی آواز تھی اور ولیم کو علم تھا، یہ دستک دینے والی جینٹ ہی ہے۔ اس نے فوراً مگر احتیاط کے ساتھ ایکٹروڈز ہٹائے تاروں کو ٹی وی کے اندر چھپا دیا۔ "ابھی آیا۔" اس نے جواب دینے میں تاخیر نہیں کی۔ ہینگر سے پتلون اتار کر پہنی۔ ایک پیلی قمیص ڈالی اور بال ٹھیک کرنے لگا۔

"دروازہ کھول رہے ہو یا نہیں ولیم!" جینٹ نے جھلکی آمیز لہجے میں پوچھا۔

"آیا۔ وہ آفٹر شیو لوشن گالوں پر مل کر بہت مسکراتا ہوا دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

"شرٹ کے بٹن تو لگا لو۔" جینٹ نے اسے دیکھتے ہی کہا۔ "تم نے کپڑے یقیناً ابھی پہنے ہیں اور اس کمرے کی حالت تو دیکھو، کتنا غلیظ ہو رہا ہے۔ میں یہاں ایک منٹ بھی نہیں بیٹھ سکتی۔ تمہیں یہاں سے لفٹ دینا بہت ناگوار ہے۔"

"تم صرف اس وجہ سے یہ ناگواری برداشت کرنے پر مجبور ہو کہ مجھے اپنے اپارٹمنٹ میں آنے نہیں دیتیں۔"

"اب تم سارا الزام مجھ پر لگا رہے ہو۔ یہ تمہاری پرانی عادت ہے۔" جینٹ نے کہا۔ وہ اپنے ٹی وی کے عکس کی طرح واقعی کسی پھول کی مانند تر و تازہ تھی۔ صاف ظاہر تھا کہ اسے خود بھی اپنے حسن کا بڑا احساس ہے۔ وہ پیلے بلاؤز اور اسکرٹ میں ملبوس تھی۔

"یہ پیلی قمیص اتار دو۔" وہ سر جھٹک کر ایک ادا سے بولی۔ "ورنہ لوگ ہمیں جڑواں سمجھ بیٹھیں گے۔"

"یہ لو..." ولیم نے قمیص اتار کر کھلی الماری میں پھینک دی۔

اچانک ہی جینٹ کی نظر اسکرین پر پڑ گئی۔ وہ واقعتاً اُچھل پڑی۔ "یہ کیا ہے؟" وہ اسکرین پر بالکل جھک گئی۔ "یہ... یہ تو میری تصویر ہے، عریاں... تم گندے آدمی ہو... تم نے میری بے خبری میں یہ تصویر اتار کر یہاں لگا دی ہے۔"

"نہیں! اس میں میرا کوئی قصور نہیں ڈارلنگ ایبٹی وی فلم نہیں۔ اسے ٹی وی فلم کہہ سکتی ہو، لیکن ٹی وی والے نہیں دکھا رہے ہیں۔"

جینٹ کو اپنا سراپا بہت اچھا لگا، لیکن اس تصویر میں بُری بات یہ تھی کہ اس کے ساتھ ولیم بھی نظر آ رہا تھا۔

"تم نے خود کو تصویر میں کرنے کے لیے جعل سازی کی ہے ولیم!" جینٹ نے گھور کر اسے دیکھ کر کہا۔

"ہرگز نہیں ڈیئر! ڈاکٹر ولیم مضطرب انداز میں اپنے گھٹنے بجانے لگا۔

"تب پھر تم نے کوئی ایسا آلہ ایجاد کر لیا ہے، جس سے تم دوسروں کے مخلیہ کا ٹارچ لیتے رہتے ہو؟" جینٹ اب قدرے بے چین لگ رہی تھی۔

"نہیں ڈارلنگ!" اس بار وہ مسکرا کر بولا۔ "میں تمہیں ایک اشارہ دے سکتا ہوں، لیکن تم سمجھ نہیں سکو گی۔" پھر جب اس نے بتانے سے گریز کیا تو جینٹ نے اسے دھمکی دی وہ خود کو ہاتھ لگانے نہیں دے گی۔ اس پر ولیم گھبرا کر اسے تفصیلات بتانے لگا۔

"سنو!" اس نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "دماغ سگنلز پر کام کرتا ہے۔ یہ برقی اشارے ہوتے ہیں، لیکن ٹی وی اسکرین کے اشاروں سے مختلف ہوتے ہیں۔ ذہن تصورات اور پیکروں کو جنم دیتا ہے مالیے پیکر ہوتے ہیں جو انسان اپنے تصورات میں دیکھتا ہے جبکہ ٹیلی ویژن جو پیکر پیش کرتا ہے، وہ لائٹ ویو یا الفاظ دیگر حقیقت سے لیے جاتے ہیں۔ میری اس ایجاد کا مقصد ذہنی خیالات اور پیکروں کو الیکٹرونک میم میں بدل کر ٹی وی پر چلانا ہے۔ اس کے لیے ٹی وی کی عام سی ٹیوب کام کرتی ہے، لیکن فلم ٹی وی اسٹیشن کے کسی بوسٹر سے نہیں، بلکہ ذہن کے سگنلز سے چلتی ہے۔ مختصراً یہ کہ اس ایجاد کے بعد تم ٹی وی پر وہی کچھ دیکھ سکو گی، جو تمہارے ذہن میں ہے۔" یہ کہتے ہوئے ولیم نے جینٹ کا ہاتھ پلاسٹک کیس پر رکھا، جو گرم ہو رہا تھا۔

"یہ اصل چیز ہے... ٹرانسلیٹر!" وہ سینہ پھلا کر بولا۔ اس کے بعد اس نے جینٹ کا ہاتھ الیکٹروڈز پر رکھا۔ "یہ چیز سر پر لگا دی جاتی ہے اور یہی سگنلز اٹھاتی ہے۔ اس طرح ذہن سے ملنے والا سگنل پہلے الیکٹروڈز میں جاتا ہے اور پھر اس سے گزرتا ہوا اسکرین پر صاف اور واضح تصویر کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"تمہیں اسکرین پر فحش فلمیں دکھانے کی اجازت نہیں ملے گی۔" جینٹ نے سر جھٹک کر کہا۔

"تم سمجھی ہی نہیں، یہ شمل ایرویز پر نہیں جائیں گے۔ صرف اس تار سے ٹی وی تک پہنچیں گے۔" ولیم نے تار دکھاتے ہوئے سمجھایا۔

"پھر بھی... تم نے فحش تصویر ساکت کر رکھی ہے"... جینٹ نہ چلا کر بولی۔ ویسے اس رات اس نے واقعی ولیم کو قریب نہیں آنے دیا۔ وہ تو اس نئے ٹی وی کے بارے میں سوچتی رہی۔ ولیم اُسے ہاتھ بھی نہیں لگا سکا۔

لیکن جب وہ اپنے اپارٹمنٹ پہنچی تو وہاں ہاتھ لگانے والا موجود تھا، تین کو جینٹ نے کئی ماہ سے کھل چھوٹ دے رکھی تھی۔ وہ اپارٹمنٹ پہنچی تو اس شخص نے جینٹ کو نوچنا کھسوٹنا شروع کر دیا۔ اُس کی چٹکیاں لیں... وہ ڈونالڈ تھا، جو اسے دیر سے آنے پر سزا دے رہا تھا۔

"تم اُس گدھے پروفیسر کے ساتھ وقت برباد کر رہی تھیں اور میں یہاں انتظار کر رہا تھا چڑیل!" ڈونالڈ نے اُس کے شانے پر چٹکی لے کر غصیلے انداز میں کہا۔ "تم دونوں اتنی دیر کیا کرتے رہے؟"

"میں نے بتایا نا۔" وہ فرش پر پڑے ہوئے بیئر کے پانچ خالی ڈبے اُٹھاتی ہوئی بولی۔ "میں صرف اس وجہ سے گئی تھی کہ شاید اُس سے کچھ رقم مل جائے۔"

"تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔ وہ تمہیں روند تا رہا ہوگا۔"

"نہیں۔" جینٹ کھل کھلا کر ہنس پڑی۔ "وہ صرف چھو کر دیکھتا ہے اور آج شب تو میں نے اُسے چھونے کی بھی... اجازت نہیں دی۔"

"آئندہ بھی مت دینا۔" ڈونالڈ نے درشت لہجے میں کہا۔ "مجھے یہ پسند نہیں کہ میری رکھیل کسی اور کی گود میں ہو۔"

جینٹ، ڈونالڈ سے اچھی طرح واقف تھی۔ اسے یہ بھی علم تھا کہ ڈونالڈ نکس باسموتھ ۲۳ مرتبہ گرفتار ہو چکا ہے اور ۱۹ مرتبہ اُسے عدالت نے ناکافی ثبوت کی بنا پر بری کیا ہے۔ وہ دیکھتا رہا۔ جینٹ کمرہ صاف کرتی رہی اور جب بیڈ بھی صاف ہو گیا تو ڈونالڈ نے مزید انتظار نہیں کیا۔

اُس کے سو جانے کے بعد بھی جینٹ سوچتی رہی۔ ابھی تک ڈاکٹر ولیم کی مشین اُس کے اعصاب پر سوار تھی۔ اُس نے اس بارے میں ڈونالڈ کو بتانے کا فیصلہ کیا اور اُسے اُٹھا دیا۔

"کیا بات ہے؟" ڈونالڈ پھر غرّانے لگا۔ اُس نے بایاں ہاتھ جینٹ کے کان پر رسید کیا اور پھر آنکھیں بند کر لیں۔ وہ چلانے لگی۔ لہٰذا ڈونالڈ نے ایک اور تھپڑ مارا لیکن جینٹ اور زور زور سے چلانے لگی۔ تب ڈونالڈ کو اُٹھ کر بیٹھنا پڑا۔ "ٹھیک ہے، میں تمہاری بات سُن لوں گا... بشرطیکہ تم ہیئر لے کر آؤ۔"

جینٹ کے لیے یہ شرط غیر معمولی نہ تھی۔ وہ ہیئر لے آئی اور پھر اُس نے ڈونالڈ کو ایسے ٹی وی کے بارے میں بتایا جس کی اسکرین پر سوچیں نظر آتی تھیں۔

"کیسی سوچیں؟"

"ہر قسم کی... گندی سے گندی..."

اب ڈونالڈ پوری طرح بیدار ہو چکا تھا۔ "قابلِ اعتراض مناظر بھی؟"

"ہاں!" جینٹ مسکرانے لگی۔

"راکیل ویلش... صوفیہ لارین کے ساتھ؟"

"ہاں۔ برٹ رینالڈز، رابرٹ ریڈفورڈ کے ساتھ..."

جینٹ نے فوراً اپنے مطلب کی بات کی۔

"اور... اور... میڈونا کے ساتھ...؟"

"ہاں... کلائنٹ ایسٹ وڈ، پال نیومین... کسی کے بھی ساتھ۔"

جینٹ کے اس جواب پر ڈونالڈ کو پھر غصہ آ گیا کیونکہ اسے اب کسی ہیروئن کا نام یاد نہیں آیا لیکن اس نے جینٹ سے کہا کہ وہ اسے تمام تفصیلات بتائے اس وقت اس کے ذہن میں صرف ایک بات تھی اور وہ یہ کہ اس طرح وہ بہت دولت کما سکتا تھا۔

اور جب اُس نے ایک بروکر سے اس نئی مشین کا ذکر کیا تو اس کا جوش دیدنی تھا۔ "دنیا کی سب سے آسان پروٹیشن ہو گی وہ۔"

"لیکن فروخت نہیں ہو سکے گی۔" بروکر نے دو ٹوک انداز میں جواب دیا اس نے بروکر کو دھمکیاں دینی شروع کر دیں لیکن بروکر کو معلوم تھا کہ ڈونالڈ نکس اسے نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

"اب تم چلے جاؤ نکس۔" بروکر نے کہا۔ "ورنہ محض ایک ڈالر دے کر تمہاری ہڈیاں توڑوا دوں گا۔"

ڈونالڈ مایوس ہو کر نیوز اسٹینڈ پر کھڑا ہو گیا تاکہ اگر کوئی خریدنے کے لیے ایک ڈالر نکالے تو وہ اس سے نوٹ چھین کر فرار ہو جائے۔ اس کا گزر بسر اسی طرح ہوتا تھا۔ یہاں کامیابی حاصل کرنے کے بعد چائے پینے کے لیے ایک ریستوران میں گھس گیا۔ اس نے جو میز منتخب کی اس کی ابھی صفائی نہیں ہوئی تھی اور جانے والا گاہک ٹپ میں پر ۲۳ سینٹ چھوڑ گیا تھا۔ ڈونالڈ نکس نے یہ ۲۳ سینٹ جیب میں رکھ کر چائے پینے کا ارادہ ترک کر دیا۔ وہ ہوٹل سے نکلا تو ایک سیاہ کیڈلاک پاس کھڑی تھی اور دو گوری ڈونالڈ ہی کو گھور رہی تھیں۔ ان کے چہرے سپاٹ تھے۔ ان پر کوئی تاثر نہیں تھا۔ ان کی جیبوں کے ابھار واضح تھے اور چہروں پر مسکراہٹ کا نام و نشان تک نہیں تھا

جونہی ڈونالڈ نے قدم بڑھائے کیڈلاک اس کے بالکل قریب آ گئی۔ "ہینڈز اگارڈس میں آجاؤ۔" ان میں سے ایک شخص نے دوستانہ لہجے میں حکم دیا۔

"مم... مم نے کچھ بھی تو نہیں کیا۔" ڈونالڈ گھبرا گیا۔ ڈرائیونگ سیٹ پر موجود گورے نما شخص نے اُسے گھورا تو وہ بے چون و چرا گاڑی میں بیٹھ گیا۔ گاڑی اب سینٹ نوئس پر اپر سے میپسی کے متوازی سڑک پر دوڑنے لگی۔ پھر ایک حاصل میں داخل ہو گئی۔ یہ کوئی سرد سا تھا جہاں ایک سفید بوٹ پائر سے بندھی ہوئی تھی۔

"میں نے کوئی جرم نہیں کیا۔" ڈونالڈ نے اُترنے سے قبل پھر صفائی پیش کرنی چاہی لیکن ڈرائیور نے اشارے سے اسے گینگ پلینک کی طرف جانے کا حکم دیا۔ اوپر ایک موٹے شخص نے اسے راہداری کی طرف چلنے کا اشارہ کیا تو ڈونالڈ نے پھر صفائی پیش کرنا چاہی لیکن موٹے نے اسے یہ کہہ کر خاموش کر دیا کہ وہ صرف بٹلر ہے۔ اب یہاں ڈونالڈ کی ٹانگیں کانپنے لگی تھیں۔ اسے ایک کمرے تک لایا گیا اور جب اندر جا کر اس نے صوفے پر بیٹھے ہوئے شخص کو دیکھا تو وہ خوفزدہ کانپنے لگا۔ اسے یکبارگی آگیا۔ اس کو اچانک ہی احساس ہوا کہ وہ چھت کی طرف دیکھ رہا ہے اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ بیڈ کے بل لیٹا ہوا ہے۔ کوئی اسے پانی پلا رہا تھا۔

پانی پلانے والا عام آدمی نہیں... ڈون سلواتورے ماسیلو خود تھا۔

"خداوندا!" ڈون سلواتورے ماسیلو کو اتنے قریب دیکھ کر اس کی گھگی بندھ گئی تھی۔ اس نے ڈون کو پہلی بار ٹی وی پر عدالت کے سامنے دیکھا تھا جہاں درجنوں وکیل اسے گھیرے ہوئے

تھے اور ڈون اخباری نمائندوں کے کسی سوال کا جواب نہیں دے رہا تھا۔

وہی نقرئی بال۔ پتلی سی ناک... گہرے رنگ دار ہر و... سیاہ آنکھیں اور اس وقت یہی آنکھیں براہ راست ڈونالڈ کو دیکھ رہی تھیں۔ "تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟" ڈون ماسیلو اس سے پوچھ رہا تھا۔

"جی ہاں... یس سر..." ڈونالڈ کو پسینہ آنے لگا۔

"میں تمہاری آمد پر تہ دل سے متشکر ہوں۔" ماسیلو نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"آپ... جب چاہیں... جہاں چاہیں... میں پہنچ جاؤں گا جناب!"

"تمہیں دیکھنا میرے لیے اعزاز سے کم نہیں مسٹر اسمائو... معاف کرنا مسٹر باسمو۔ میں تمہیں ڈونالڈ ہی کہوں گا۔" ڈون نے اسے سہارا دے کر اٹھایا پھر ایک شاندار آرام دہ صوفے پر بٹھا دیا۔ اس کے بعد وہ اس کے لیے خود گلاس بنانے لگا۔ ڈونالڈ کو تولیوں لگ رہا تھا جیسے وہ کوئی خواب دیکھ رہا ہے۔

ڈونالڈ، ماسیلو نے ہرے پیے۔ بک کی اسٹرینگا کا گلاس اس کی طرف بڑھا کر دوستانہ لہجے میں کہا۔ "آج کے دور میں ہر طرف خطرہ ہی خطرہ ہے۔"

"میں قسم کھاتا ہوں کہ میں نے آپ کے خلاف کوئی بات نہیں کہی سر۔" گلاس لیتے ہوئے ڈونالڈ کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔

"میں نے ایسی کوئی بات نہیں کہی ڈونالڈ۔" ماسیلو پُرشفقت انداز میں مسکرا کر بولا اور پھر اچانک ہی سنجیدہ ہو کر کہنے لگا۔ "آج کے دور میں عزت والوں کے لیے باعزت زندگی گزارنا بھی مسئلہ ہے ڈونالڈ! تم نے جو کچھ کیا اس پر مجھے فخر ہے۔ میں تمہیں اپنا دوست اپنا بھائی کہنے میں بہت فخر محسوس کروں گا۔"

تب ڈونالڈ شروع ہو گیا۔ اس نے ماسیلو کو اپنی خدمات پیش کر دیں۔ کسی نیوز اسٹینڈ کی کمائی لوٹنے سے لڑکیاں اغوا کرنے تک کی خدمات...

"نہیں۔" ڈون ماسیلو نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "یہ بڑے کام ہیں۔ فی الحال میں تمہیں اتنے بڑے مشن پر بھیج کر خطرے میں ڈالنا نہیں چاہتا۔ ہاں یہ تو بتاؤ کہ تم کون سائی وی فروخت کرنے کے لیے بروکر کے پاس گئے تھے؟"

ڈونالڈ کی زبان کھلتی چلی گئی۔

"یہ جینٹ کیسی لڑکی ہے؟ کہاں رہتی ہے؟" ڈون نے پوچھا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"وہ!" ڈونالڈ نے جینٹ کے بارے میں سب کچھ بتانے کے بعد بڑی حقارت سے کہا۔ "میں تو اُسے ذرا بھی اہمیت نہیں دیتا"

ڈونالڈ کے اس جواب سے ڈون ماسیلو کو یقین ہو گیا کہ وہ محض ایک اسکیٹ کی خاطر اپنی زندگی داؤ پر نہیں لگائے گا۔ بلند اجب ڈون اس کی حاصل کردہ معلومات سے مطمئن ہو کر اسے دروازے کی طرف لے کر چلا تو وہ اسے شاندار مستقبل کی یقین دہانی کرا رہا تھا۔ اس نے ڈونالڈ سے اپنی دوستی کا ثبوت دینے کے لیے اسے بوٹ پر ہی ایک شاندار کار کا فراہم کرنے کا حکم دیا۔ دو نوکر بھی ساتھ کر دیے اور یہ ہدایت کی کہ مسٹر ڈونالڈ کے ہر حکم پر بلا تاخیر عمل کیا جائے

ڈونالڈ تو آپے سے باہر ہو گیا۔ پہلے اس نے کھانا کھایا پھر شراب پی اور پھر دو لڑکیاں منگوائیں۔ اس کے بعد اس نے تہہ ہوا میں چہل قدمی کی خواہش ظاہر کی جو مسترد کر دی گئی۔

"آپ جو چاہتے ہیں۔ یہیں منگوا لیں سر" ایک خادم نے کہا۔ "باہر جانے کی اجازت نہیں ہے"

پھر اس رات ڈونالڈ کو گہری نیند سے بیدار کر کے بتایا گیا کہ اب وہ تازہ ہوا میں نکل سکتا ہے لیکن جب ڈونالڈ نے سونے کی خواہش ظاہر کی تو اسے زبردستی اٹھا کر باہر لایا گیا۔

اس وقت صبح کے سوا چار بجے تھے۔ باہر گھپ اندھیرا تھا۔ اسے ایک کار کی عقبی سیٹ پر بٹھایا گیا اور پھر جب وہ سیٹ ٹوپی کی سڑک پر آگے نکل گئے تو تب ہی اسے مہر بانا کی روشنیاں نظر آئیں۔ اسے کار سے اتار دیا گیا۔ اب وہ تنہا تھا۔

جینٹ کو یہاں دیکھ کر ڈونالڈ حیرت زدہ رہ گیا۔ اس نے پیلے رنگ کا پرنٹڈ ڈریس پہن رکھا تھا۔ نچلا دھڑ مٹی میں لتھڑا ہوا تھا۔ وہ آرام کر رہی تھی۔ ایک گڑھے کے قریب... اور اس کے سر پر بہت بڑا ڈینٹ نظر آ رہا تھا۔ تب ہی اچانک ڈونالڈ کے سر پر ضرب لگائی گئی۔ سر پھٹ گیا اور جونہی ڈونالڈ ہنستہ سڑک پر گرا تو اس کا سر ایک بار پھر زور سے ٹکرایا۔

ڈون ماسیلو یہ منظر دیکھنے کے لیے یہاں موجود نہ تھا اس وقت وہ نیویارک جانے والے طیارے میں بیٹھا سوچ رہا تھا کہ نیشنل میٹنگ میں اس کی رپورٹ کا کیسا شاندار خیر مقدم کیا جائے گا۔

ٹائیگر محض یونہی ریس میں شامل ہو گیا تھا۔ وہ جیمز میرک کے قریب سے بیس میل کی اس دوڑ میں تیسری مرتبہ گزرا تو جیمز میرک دانت پیس کر رہ گیا۔

"اوئے ٹی شرٹ والے" اس نے چلا کر کہا ٹی شرٹ ٹائیگر ہی پہنے ہوئے تھا۔ اس ٹی شرٹ پر کسی نمبر کے بجائے "سن" لکھا ہوا تھا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔ کیا مجھ سے کچھ کہا؟"

"ہاں تم سے "سن" ذرا ٹھہرو" جیمز میرک بھلا کر بولا۔ ٹائیگر نے رفتار کم کر لی مگر جیمز زیادہ تیز دوڑنے کے باوجود بھی اس کے قریب نہیں پہنچ سکا۔ دونوں کے درمیان فاصلہ وہی رہا۔ آہستہ چلو... ٹھہرو" جیمز نے دہرایا اور پھر حیرت زدہ رہ گیا کیونکہ اگلے ہی لمحے ٹائیگر اس کے شانہ بشانہ دوڑ رہا تھا۔ "کیا بات ہے؟" اس نے جیمز میرک سے پوچھا جو آج کی میراتھن جیتنے کے عزم کے ساتھ میدان میں آیا تھا۔ جیمز اسے دیکھ کر شششدر رہ گیا۔ اس کی آنکھوں میں مخالف ہوا کی وجہ سے پانی بھرا ہوا تھا۔ وہ پسینہ سے تر بتر ہو رہا تھا لیکن نوجوان کی قمیص پر پسینے کا کوئی نشان تک نہ تھا۔ آنکھیں صاف تھیں۔

"تمہارا نمبر کیا ہے؟"

ٹائیگر نے جواب نہ دیا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ دوڑتا رہا اب وہ ٹینور ٹاؤن لائن کی سمت دوڑ رہے تھے جیمز میرک یہی سوچے جا رہا تھا کہ اس شخص کو پسینہ کیوں نہیں آ رہا۔

"بروکھ رہے ہو" جیمز نے اپنے سینے پر چھ نمبر والا کپڑا دکھا کر کہا جو سیفٹی پن سے قمیص میں لگا یا گیا تھا۔

"ہاں... بہت اچھا نمبر ہے" ٹائیگر نے جواب دیا۔

"تمہارا کیا نمبر ہے؟" جیمز نے پوچھا۔ ٹائیگر نے اس بار بھی جواب نہیں دیا بلکہ دوڑتا رہا مگر اگلے ہی لمحے جیمز کو یوں لگا جیسے خنک ہوا اس کے سینے کے بالوں کو چھیڑ کر چلی گئی ہے اس نے سر جھکا کر دیکھا، اس کی قمیص میں عین اس جگہ بڑا سا چھید ہو گیا تھا جہاں نمبر منسلک تھا۔ اس نے فوراً ٹائیگر کی طرف چہرہ کیا مگر اب وہ یہاں کہاں تھا وہ بہت آگے نکل چکا تھا۔ اس کے ہاتھ قمیص کے اگلے حصے پر نمبر والا کپڑا لگا رہے تھے۔ جیمز سر پیٹ کر رہ گیا۔ اس کی چار سالہ محنت پر اس کی آنکھوں کے سامنے پانی پھر رہا تھا۔

جیمز میرک بچپن ہی سے بوسٹن میراتھن میں حصے لینے کا خواہاں تھا لیکن چار سال قبل اس نے باقاعدہ تیاری شروع کی تھی اس پر فٹ ہونے کا جنون سوار ہو گیا تھا۔ وہ ہر وقت دوڑتا رہتا تھا گھر میں بھی اور گھر کے باہر بھی حتیٰ کہ اس کا اپنا بیٹا بھی اس سے

بیزار ہو گیا تھا اور بیوی کا کہنا تھا کہ وہ ریس تو کبھی نہیں جیت سکے گا... ہاں خود کو مار ڈالے گا لیکن آج وہ جب تمام تر تیاریوں کے ساتھ ریس میں کودا تھا اور دوسروں سے آگے بھی نکل گیا تھا تو یہ نوجوان اسے ہرانے کے لیے اس کا نمبر چھین کر لے گیا تھا

ادھر ٹائیگر نے بھی محض اپنی بے زاری اور اکتاہٹ دور کرنے کے لیے دوڑ میں حصہ لیا تھا وہ بوسٹن آ تو گیا تھا لیکن ایک ہی ہوٹل میں مسلسل تین روز تک ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھنے سے اس کی اکتاہٹ دوچند ہو گئی تھی اوشان کی اپنی مصروفیات تھیں۔ ٹی وی دیکھنا اور پھر دری پر لیٹ کر سو جانا۔ ہاں اس کا موڈ ہوتا تو وہ ورزش پر زور دینے لگتا۔ بہانہ صرف یہ ہوتا کہ ٹائیگر سست کاہم چہرا اور کاہل ہوتا جا رہا ہے۔

اس روز خود کو شیشے میں دیکھتے ہوئے ٹائیگر کو معاً ہی یہ خیال آیا تھا کہ یہ اس کا اپنا چہرہ نہیں۔

اسے بہت عجیب سا لگا۔ اچانک غصے کی ایک لہر تیز تیز اس کے جسم میں تراز و ہو گئی۔ اس نے زور سے ہاتھ روم ڈور کو مارا اور اوشان کی طرف دیکھے بغیر فرنٹ ڈور کی طرف بڑھ گیا۔ یہ دروازہ اندر کی طرف کھلنے کے لیے بنایا گیا تھا لہٰذا جب اس نے اس دروازے کو باہر کی طرف کھولنے کے لیے زور لگایا تو دروازے نے ٹوٹ کر راستہ دیا۔ کھڑکی کے تختے لوہے کی جالیوں اور دروازے کی ناب میٹر کو پورے دو گھنٹے کی تلاش کے بعد دس گز دور ایک جگہ پڑی ہوئی ملی۔

"پارڈن می سر..." ایک سُریلی آواز نے اسے اپنی طرف متوجہ کیا۔

"مجھے پریشان مت کرو" ٹائیگر نے غرا کر کہا۔

"نہیں جناب، پریشانی کی کوئی بات نہیں" لڑکی نے فوراً جواب دیا۔ ٹائیگر نے اسے دیکھا۔ اس کے سینے پر ایک پیسٹ بورڈ بیج چپکا ہوا تھا جس پر لکھا تھا: "ہیلو! میرا نام کیٹی ہے اور میرا تعلق سکول آف ہاورلوجی سے ہے" اس کی زُلفیں کٹی ہوئی نہیں تھیں لیکن وہ اس کے چہرے کے بیضوی پیالے کے گرد موتیوں کی طرح تھول رہی تھیں۔ اس نے چشمہ لگا رکھا تھا جس کے شیشے گندے ہو رہے تھے اس کی آنکھوں کی رنگت بھورے پاؤڈر جیسی تھی۔ "کیا آپ اپنی شخصیت کا امتحان لینا پسند کریں گے سر؟" وہ اٹھلا کر بولی۔

"یقیناً۔ میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ میں پرفیکٹ کیوں ہوں" ٹائیگر نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"ہم آپ کو آپ کے بارے میں سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں اس کی فیس صرف ۵۰ سینٹ ہے"

"پارڈن؟"

"کیا آپ ٹیسٹ کے لیے تیار ہیں؟" لڑکی نے سر جھٹک کر مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"یس..."

"گڈ... میں جو وقت دوں گی اس کی فیس ۵۰ سینٹ ہے اور اس میں ٹیسٹ پیپر پر ہونے والا خرچہ بھی شامل ہے جناب"

"کیا تمہاری فیس دینی ضروری ہے" ٹائیگر نے اس بار زیر لب مسکرا کر پوچھا تب ہی لڑکی نے اس کے سراپے کا پہلی بار بھرپور جائزہ لیا۔ اس نے ہونٹوں پر زبان پھیری، مسکراہٹ اور پھر اس کی رنگت سُرخ سیب سے بھی زیادہ سُرخ ہو گئی۔

"ٹھیک ہے۔ میں اپنی فیس پھر کبھی لے لوں گی۔ آپ کا نام جناب؟"

"کے کیسر فرام دی کالج آف میوزک ناٹنج"

"ویری گڈ" کیٹی نے لوز لیف فولڈر کھولتے ہوئے کہا۔ "سوال نمبر ایک... کیا آپ خوش ہیں؟"

"نہیں"

"تب پھر آپ کو ہمارا کتابچہ ہاورلوجی اپنانا ہے خوش و خرم رہنے خریدنا چاہیے۔ قیمت صرف پونے چار ڈالر"

"اس پر سنجیدگی سے غور کروں گا، اور کوئی سوال؟"

"اوہ... یس..." کیٹی گڑبڑا کر بولی "سوال نمبر ۲ سر! یہ کہ آپ عورتوں سے گھل مل جاتے ہیں؟ کیا آپ عورتوں کے عادی ہیں؟"

"نہیں..." ٹائیگر نے جواب دیا۔

"اوہ یہ تو افسوس ناک صورت حال ہے لیکن اگر آپ ہماری کتاب ہاؤ ٹو پک گرلز خرید لیں تو یہ مسئلہ حل ہو جائے گا اس کی قیمت صرف دس ڈالر ہے۔ میں آپ کے کمرے میں آ کر یہ کتاب پیش کر سکتی ہوں"

"اب تم اپنا سائیکاٹک اسٹائل کھوریسی ہو کیٹی"

"ہنہ" وہ منہ بنا کر بولی "تم بھی مجھے پارسا نظر نہیں آتے۔ سب کچھ تمہاری آنکھوں میں موجود ہے"

"تمہیں میری آنکھوں میں اپنی پسند کے جذبات اس لیے نظر آ رہے ہیں کہ تمہارا چشمہ غلیظ ہے"

"سنو... میں ۵۰ سینٹ سروس چارجز بھی نہیں لوں گی"

"اب نہیں"

"میں آخری پیش کش... تمام کتابوں کو مفت میں لا دوں

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

گی تم صرف ڈنر کی ادائیگی کر دینا... تم کیا چاہتے ہو؟"

"تمہیں اپنی آنکھوں سے دور دیکھنا۔"

"میں نہیں تم پر منکشف بھی کرا سکتی ہوں۔ آزما کر تو دیکھو۔" کیٹی نے ہونٹوں پر زبان پھیر کر کہا۔ ٹائیگر کو اس پر افسوس ہونے لگا کیونکہ وہ پرفیکٹ نہیں تھی۔

"ٹھیک ہے، وہ ایک ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "دس بجکر سات منٹ پر سوٹ نمبر ۱۱ اپر آجانا۔ تمہیں کمرہ با سانی مل جائے گا کیونکہ اس کا دروازہ ٹوٹا ہوا ہے۔ اب جاؤ۔ اپنی سہیلیوں کو ساتھ لانا مت بھولنا۔"

کیٹی نے جاندار قہقہہ لگایا اور کسی راکٹ کی طرح کین مور اسکوائر کی طرف دوڑ گئی۔ ٹائیگر نے اسے جو ٹائم دیا تھا عین اسی وقت ٹی وی پر اُوشان کا پسندیدہ اوپیرا دکھایا جانے والا تھا۔

وہ ایک بار پھر بوسٹن کے دوسرے بڑے اسکائی سکریپر پروڈنشل بلڈنگ کی طرف بڑھ گیا جہاں سڑک پر سیکڑوں افراد موجود تھے جن کا اس نے کوئی نوٹس نہیں لیا۔ پھر جب ایک شخص سے ٹکرایا تو تب ہی اسے ہجوم کا احساس ہوا۔ "کیا ہو رہا ہے یہاں؟" اس نے معذرت کیے بغیر پوچھا۔ میسا چوسٹس

"ریس کی تیاری۔" ہم برکشن میسا چوسٹس تک جا کر واپس آئیں گے۔"

"اوہ۔" ٹائیگر کو دلچسپی محسوس ہونے لگی۔ "برکشن کتنی دور ہے؟"

"تیرہ میل۔"

"تب پھر میں ابھی آیا۔" یہ کہہ کر وہ سامنے والی دکان میں گھس گیا جہاں ریس کے لیے کٹ فروخت ہو رہی تھی۔ چند منٹ بعد وہ واپس نکلا تو سُرخ دھاری دار سفید نیکر، بھوری سوئیٹ شرٹ اور اڈیڈاس کے رننگ شوز میں تھا۔ وہ ریس میں شامل ہونے والوں کے ساتھ مل گیا۔ اچانک ہی پہلی گولی چلی اور لوگ بھیڑ بکریوں کی طرح بھاگنے کے لیے اچھل کود کے ذریعے خود کو وارم اپ کرنے لگے۔

"تم بھی ریس میں شامل ہو۔" عقب سے کسی نے ٹائیگر سے پوچھا۔ "اچھی بات ہے۔ ہارنے والوں میں ایک اور کا اضافہ ہو گیا۔ لیکن تم ہمت نہیں ہارنا۔ میرا نام جیمز میرک ہے اس بار تو میں ہی جیتوں گا اگلی مرتبہ کوشش کر کے تم جیت لینا... راستے میں گر کر بے ہوش نہ ہو گئے تو فنش پر تم سے پھر ملاقات ہو گی۔"

یوں ریس شروع ہو گئی۔

اور اب یہ دوسرا موقع تھا کہ ٹائیگر نے جیمز میرک کو کراس کیا تھا۔

جیمز میرک نے اور زور لگایا وہ چار سٹن لائن پر پہنچا تو اسے ٹائیگر پھر نظر آیا جس کے سینے پر چھ نمبر لکھا ہوا تھا۔ جیمز نے چلانے کی کوشش کی لیکن اس کی سانس پھول چکی تھی۔ جب ڈینور کراسنگ پر نوجوان اس کے قریب سے چوتھی بار گزرا تو جیمز کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اب وہ ٹائیگر سے گرگڑا کر یہ کہنا چاہتا تھا کہ وہ اس سے مقابلہ نہ کرے۔

آخر جیمز ایک بار پھر بوسٹن میں داخل ہو گیا۔ اس مرتبہ اس کی حالت بہتر تھی۔ وہ جیتنے والا تھا مگر اچانک ہی وہی نوجوان ایک بار پھر اس کے قریب سے گزرا۔

جیمز میرک سرد آہ بھر کر وہیں گر گیا۔ اسے علم نہ ہو سکا کہ وہ کتنی دیر وہیں پڑا رہا۔ اس کی قمیص پھٹی ہوئی تھی اور ٹخنے کو چوٹ لگی تھا۔ اس نے ہوش میں آنے کے بعد سر اٹھا کر دیکھا تو اسے اندھیرا ہی نظر آیا۔ اب آس پاس کوئی نہیں تھا، وہ لڑکھڑاتا ہوا بس اسٹاپ کی طرف بڑھ گیا۔ اسے صرف یہ فکر تھی کہ گھر والوں کو کیا منہ دکھائے گا۔

لیکن جونہی وہ گھر میں داخل ہوا۔ اسے جھٹکا سا لگا۔ گھر میں روشنیوں کا سیلاب آیا ہوا تھا۔ ٹی وی کمرے نصب تھے اور اس کی بیوی درجنوں مائیکروفونز سامنے رکھے ہوئے کہہ رہی تھی "جی کا جینا کوئی انوکھی بات نہیں۔ اس نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ یہ ریس ضرور جیتے گا۔ میں نے اس کی ہر ممکن مدد کی۔ کوشش یہ کی کہ وہ گھر کے کام سے بچا رہے تاکہ اسے ایکسرسائز کے لیے وقت ملتا رہے۔ اس کا کہنا تھا کہ اگر وہ جیتا تو انعام کی رقم مجھے دے گا۔"

جیمز کا سر جھکنے لگا۔ وہ بمشکل اندر پہنچا جہاں محلے کے تمام بچے اس کے بیٹے کے ساتھ جشن منا رہے تھے اور ٹی وی پر خبروں میں میراتھن کی فلم دکھائی جا رہی تھی۔

"ناظرین! ہمیں افسوس ہے کہ ہم جیمز میرک کی بھرپور تصویر نہیں دکھا سکتے کیونکہ فنش کے وقت اس کی رفتار اتنی زیادہ تھی کہ کیمرے اس کا ساتھ نہیں دے سکے۔ آپ کو صرف ایک دھندلا نظر آ رہا ہو گا جس کے سینے پر چھ نمبر بہت واضح ہے یہی جیمز میرک ہے نیا چیمپئن...!"

عین اسی وقت ٹائیگر، ڈاکٹر بہرام سے بحث کر رہا تھا۔ "کیا مصیبت ہے سوئیٹ ہارٹ۔" اس نے کہا۔ "اس بار بھی مافیا کا جگر نکل آیا۔ میرے خیال میں تو سب کے سب سالوکا کے محل میں مر گئے تھے۔"

"ہاں... لیکن ان کی تنظیم باقی رہی تھی۔ جڑ باقی رہی تو پتے اور شاخیں خود نکل آئیں۔ اب نیویارک کے ان کا اجلاس ہو رہا ہے۔ میں فی الوقت تمہیں کوئی کام نہیں سونپ رہا ہوں لیکن اتنا ضرور کہہ رہا ہوں کہ کسی بھی صورتِ حال کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار رہو۔"

✦

ڈون سلواتورے ماسیلو اپنی شوفرڈ لیموزین کی عقبی نشست پر بیٹھا ہوا بے چینی، مایوسی اور غصے سے بار بار پہلو بدل رہا تھا۔ گاڑی مین ہٹن میں سہ پہر کے خوف ناک ٹریفک میں پھنسی ہوئی رینگ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر بھی مایوسی تھی لیکن وہ پیشگار کے دھوئیں میں بار بار چھپ جاتی تھی۔ اسے آج سہ پہر کے واقعات پر قلق تھا مایوسی تھی اور غصہ تھا۔

ہوٹل پیریری کے شاندار سوئٹس میں جہاں سے سینٹرل پارک کا منظر صاف نظر آتا تھا، ۷ ارکنی مافیا ریڈنگ کونسل کے روبرو پیش ہوتے ہوئے ماسیلو کو خود پر بہت اعتماد تھا اور جب اس کی باری آئی تو اس نے بڑے پُراعتماد لہجے میں مڈویسٹ کی ترقی کی رپورٹ پیش کرنے کے بعد اس انوکھے ٹی وی کی طرف توجہ مبذول کرائی تھی جس پر سب کچھ دیکھا جا سکتا تھا۔ وہ صرف ایک محدود کی منظوری چاہتا تھا۔ ماسیلو اس ایجاد کو حاصل کرنے کے لیے جو چاہے خرچ کر ڈالے۔ اسے توقع تھی کہ اس کی رپورٹ سن کر کونسل اسے یہ اختیار دے دے گی لیکن جونہی نیویارک فیملی کے سن رسیدہ پیٹر سوبکسی نے کھنکار کر سر اٹھایا تو تب ہی ماسیلو کو مایوسی کا پہلا احساس ہوا۔ "رقم بہرحال رقم ہوتی ہے۔ ڈون سلواتورے۔" اس نے نرم لہجے میں کہا۔ "کتنی رقم؟"

"میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ اس نوعیت کی ایجاد صرف ہمارے قبضے میں ہونی چاہیے تاکہ اس پر صرف اور صرف ہمارا کنٹرول رہے اس کے لیے بڑی سے بڑی رقم بھی زیادہ نہیں ہو گی ڈون پیٹرو۔"

"ٹھیک ہے۔" سوبکسی بولا۔ "ڈون سلواتورے ماسیلو! تم ٹیلی وژن مشین حاصل کر لو لیکن اس کے لیے ہم لامحدود رقم کی اتھارٹی نہیں دے سکتے۔ کانگریس پروفیسر کے لیے پانچ لاکھ ڈالر کافی ہوں گے؟"

"مجھے علم ہے ڈون پیٹرو۔"

"اور اگر تمہارا پروفیسر ٹی وی سیٹ تمہارے ہاتھوں فروخت کرنے سے انکار کر دے تو پھر آرتھر ٹی وی سیٹ اس سے لے لے گا۔" آرتھر، سوبکسی کا بھتیجا تھا۔ یہ کہہ کر ۵۰ سالہ بوڑھے نے سب کو دیکھا۔ "منظور؟" اس نے رائے لینی ضروری سمجھی تھی کہ یہی دستور بھی تھا۔ اگرچہ کسی نے بھی ہاں نہیں کی لیکن تمام افراد کے سر اثبات میں ہلنے لگے۔ یوں اب ماسیلو ایک ایسے شخص سے ملاقات کے لیے ڈاؤن ٹاؤن کی طرف جا رہا تھا۔ جس سے آخری ملاقات کئی سال قبل ہوئی تھی۔ وہ اس شخص کو پسند نہیں کرتا تھا۔ اس کی حرکتیں اسے اچھی نہیں لگتی تھیں... اور اس شخص کا نام آرتھر گراسن تھا۔ نیشنل آرگنائزیشن کے افور سنٹ سیل کا انچارج!

✦

آرتھر گراسن ۱۹ سال کی عمر سے ٹی وی دیکھ رہا تھا اور ۱۸ سال کی عمر سے مافیا میں شامل تھا۔ اس نے اس دوران بے شمار کام کیے اور بے شمار شو دیکھے ان میں مکی ماؤز سے صدر کے قتل تک کے شو شامل تھے۔ اب اس کی عمر ۵۵ سال تھی اور وہ عرصہ قبل انسان کو چاند پر دیکھ چکا تھا ٹی وی کے ذریعہ...

درحقیقت ٹی وی ہی نے آرتھر کی تربیت کی تھی۔

۵۵ سال کی عمر میں پہنچنے کے بعد اس وقت وہ ٹی وی پر اپنے نایاب کے کاروبار کو تباہ ہوتے ہوئے دیکھ رہا تھا اور یہ چیز اسے ایک آنکھ نہیں بھا رہی تھی۔ اس کے سامنے اس کا مزاج شناس وائس مارینو بیٹھا ہوا تھا اور ٹی وی نیوز کاسٹر بتا رہی تھی کہ مین ہٹن ڈسٹرکٹ اٹارنی آفس نے آج جوئے کے کئی اڈوں پر چھاپے مار کر ان کو بند کرا دیا۔ گراسن نے مارینو کو گھور کر دیکھا۔

"تمہارے لڑکے بھی پکڑے گئے؟" اس نے میز پر گھونسا مار کر کہا۔ مارینو نے ٹی وی بند کر دیا لیکن اگلے ہی لمحے آرتھر گراسن نے ریموٹ کی مدد سے پھر کھول لیا۔ "گریس ہال!" آرتھر دہاڑا تھوڑی دیر کے بعد اس کی سیکٹ پر آگرا جو اس نے انار بھینکی اگریس ہال... کہاں مر گئے؟" وہ پھر چلایا۔

دروازہ کھلا اور چھوٹی قامت والا ایک چینی انتہائی کاہلانہ انداز میں کمرے میں داخل ہوا۔ اس نے میز پر پڑی ہوئی سیکٹ اٹھانے کی کوشش کی لیکن آرتھر کی ایک دھاڑ سن کر وہیں جامد ہو گیا۔ "اسے عام لانڈری کے حوالے مت کر دینا...

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

اطالوی لانڈری میں بھیجنا زرد پڑھے۔"

مارینو پہلو بدل کر رہ گیا کیونکہ آرتھر جب بھی ایڈورڈ لی ینگ کو برا بھلا کہتا تھا تو اسے برا لگتا تھا۔

"دستانے پہن کر جیکٹ اٹھانا خبیث پڑھے۔" آرتھر نے پھر چلا کر کہا۔ "... ورنہ میری جیکٹ زرد جراثیم سے آلودہ ہو جائے گی۔"

لی ینگ نے ایک طویل سانس لے کر جیب سے دستانے نکالے۔ انہیں پہن کر دو انگلیوں کی مدد سے جیکٹ اس طرح اٹھا لی جیسے کسی مردہ چوہے کو دم سے پکڑ کر اٹھایا جاتا ہے۔

"جاؤ۔ جلدی دھلوا کر لاؤ۔ آج ایک اہم مہمان آ رہا ہے میرے پاس کوئی دوسری جیکٹ بھی ہیں۔"

وہ بوڑھے چینی کو اس وقت تک گھورتا رہا جب تک وہ جیکٹ لے کر باہر نہیں چلا گیا۔

"ماسیلو کیا کرنا چاہتا ہے مارینو؟" آرتھر نے اس بار مارینو سے مسکرا کر پوچھا تھا اس کا موڈ بدل گیا تھا۔

"مجھے پتا نہیں چیف۔ محض قیاس کی بنیاد پر کہہ سکتا ہوں کہ وہ کسی کو مروانا چاہتا ہے۔"

آرتھر کھڑا ہو گیا اس کا قد ۵ فٹ ۹ انچ تھا۔ "درست۔" اس نے سلک کی ایک جیکٹ پہن کر کہا۔ "مگر اس کام کے لیے سینٹ لوئیس میں خود اس کے پاس کئی آدمی ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ کسی عام آدمی کے چکر میں نہیں۔"

"تب پھر کون ہو سکتا ہے؟"

"خاص الخاص شخص ہو سکتا ہے۔" آرتھر نے جواب دیا۔ "میں جانتا ہوں کہ ماسیلو بہت شاطر ہے اتنا چالاک ہے کہ بعض افراد ابھی سے یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ وہ کاپو آف کاپوز بن سکتا ہے۔"

"خاص الخاص۔" مارینو نے اپنے چیف کا لفظ دہرایا۔

"ہاں۔ ممکن ہے کہ وہ اس شخص کے چکر میں ہو جو ملک بھر میں ہنگامے کراتا پھر رہا ہے میری مراد اس شخص سے ہے جس نے جوئی ڈیوس اور دیلورے اور سلواتورے یولاسزو کو قتل کیا ہے۔ مارینو! یہ قاتل تو ہمیں برباد کیے دے رہا ہے۔"

مارینو سر ہلا کر رہ گیا۔

لیکن جب مارینو چلا گیا اور ماسیلو کمرے میں آیا اور اس نے آرتھر گراسن کو تفصیلات بتائیں تو آرتھر کو قدرتی طور پر بڑی مایوسی ہوئی۔ "ٹھیک ہے ڈون سلواتورے۔" اس نے اکتاہٹ بھرے انداز میں کہا۔ "ہم اسے قتل کر دیں گے۔"

"لیکن صرف اس وقت جب وہ ہم سے سودا کرنے سے انکار کر دے گا۔ یہ ڈون پیٹرو کی ہدایت ہے۔"

اس کی ہر ہدایت پر عمل کیا جائے گا اور تمہاری ہر خواہش پوری ہو گی۔"

"گڈ۔" ماسیلو نے مسکرا کر کہا۔ اس نے بعد میں آرتھر سے ملنے کے انتظامات کیے اور پھر تیزی کے ساتھ لوئیز برازڈو سے آفس سے نکل آیا۔ آرتھر نے سر جھٹک کر ٹی وی کی طرف دیکھا مگر وہاں بھی کسی احمقانہ ریس کی فلم دکھائی جا رہی تھی۔ جس میں جیتنے والا محض دھبہ نظر آ رہا تھا۔ اس نے ہنکارا بھر کر ٹی وی آف کیا اور بزر پر انگلی رکھ دی۔ اگلے ہی لمحے لی ینگ کسی جن کی طرح نمودار ہوا۔ "کوئی خاص جملہ سناؤں لی ینگ۔" آرتھر نے اپنی مخصوص فرمائش کی۔

"ہر شخص کی زندگی خوابوں میں گزرتی ہے اور موت پر منتج ہوتی ہے۔" لی ینگ نے فوراً کہا۔

"دفعان ہو جاؤ۔" آرتھر کا موڈ سخت نہیں تھا۔ "اپنا رکشا تیار کرو۔ ہم سینٹ لوئیس جا رہے ہیں۔"

ہوٹل میں اس کے داخل ہوتے ہی ۱۴ افراد اس پر برسے۔ ہوٹل واپسی سے قبل کئی عورتیں اس کے ساتھ ٹوئنگ کے انداز میں چلتی رہیں اور اپنے فون نمبر بتاتی رہیں۔ اس نے ایسی ہر عورت سے یہ کہہ کر چھٹکارا حاصل کیا کہ میری عورت کو یہ حرکتیں پسند نہیں اور میری عورت آوارہ عورتوں کی گرفتاری کے لیے تشکیل دی جانے والی خصوصی ایف بی آئی ٹیم کی سربراہ ہے۔ کئی عورتوں نے گاڑیاں چلاتے ہوئے اسے دیکھنے کی کوشش کی تو سرخ بریکوں کی چیخوں سے گونج اٹھی۔

اس کی رفتار تیز ہو گئی۔ وہ دوڑتا ہوا لابی میں ان چار لڑکیوں کے قریب سے گزرا جو نظریں ہی نہیں سب کچھ فرش راہ کر دینے کے لیے تیار تھیں مگر اس نے ان پر کوئی توجہ نہیں دی جونہی وہ اپنے کمرے میں داخل ہوا اسے اوشان کی آواز سنائی دی۔ "آہ۔ پرفیکٹ شخص آ ہی گیا۔"

"آپ نے ان کا کیا کیا لٹل فادر؟" ٹائیگر نے اوشان کا جملہ ایک کان سے سن کر دوسرے سے نکال دیا۔

"وہی... جس کی وہ مستحق تھیں۔" اوشان نے جواب دیا۔ "وہ اس دروازے کی چوکھٹ سے گزر کر آئی تھیں جسے پرفیکٹ

شخص توڑ گیا تھا۔ وہ خوبصورت اور وجیہہ کے لیسر سے ملنا چاہتی تھیں۔ ان کا کہنا تھا کہ وہ روندے جانے اور پامال ہونے کے لیے تیار ہو کر آئی ہیں۔ میں اس وقت ڈرامہ دیکھ رہا تھا۔ لیکن تم کہاں گئے تھے؟"

"آپ نے ان کا کیا انجام کیا لٹل فادر؟"

تب ہی اچانک ایک الماری سے کسی کے ممنانے کی آواز سنائی دی۔ ٹائیگر نے لپک کر الماری کھول دی۔ لڑکی نہ صرف زندہ تھی بلکہ مسکرا بھی رہی تھی۔ یہی حال باقی تین کا بھی تھا۔ ان میں کیٹی بھی تھی۔

"انہیں پرفیکٹ انداز میں الماری سے نکال پھینکو۔" اوشان نے بڑا سا منہ بنا کر کہا۔ "میں نہیں کوڑا کرکٹ اٹھانے کا کام پہلے ہی سونپ چکا ہوں۔"

ٹائیگر نے کیٹی کو اس کے اسکرٹ کی پیٹی سے پکڑ کر اٹھایا اور دروازے کے باہر رکھ دیا۔ ساتھ ہی ہلکا سا دھکا بھی دیا وہ بے چاری تقریباً دوڑتی ہوئی زینے کی طرف چلی گئی۔ باقی تین کا بھی یہی حشر ہوا۔

"آپ نے لڑکیوں سے زیادتی کی لٹل فادر۔"

"انہوں نے میرے مشغلے میں مخل ہو کر ناقابل معافی جرم کیا تھا میرے بچے!" اوشان نے فوراً جواب دیا۔ "آج تم نے کیا کیا؟"

"ایک فیصلہ۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ "میں ایک گھر چاہتا ہوں۔"

"گڈ... میں بھی گھر چاہتا ہوں اور الیکٹریکل واشنگٹن میں۔" اوشان نے فوراً علاقہ بھی منتخب کر لیا۔

"کیا؟ الیکٹریکل واشنگٹن؟"

"ہاں... تم ہی نے تو بتایا تھا بجلی دو قسم کی ہوتی ہے۔ واشنگٹن ڈی سی..."

"واشنگٹن ڈی سی کا بجلی سے کوئی تعلق نہیں۔" ٹائیگر نے ہاتھ ہلا کر کہا۔ "یہاں ڈی سی کا مطلب ڈائرکٹ کرنٹ نہیں۔"

"تم نے تو مجھے یہی بتایا تھا۔"

"ہی ہاں۔ لیکن واشنگٹن کے ساتھ لگنے والا ڈی سی بجلی کا نہیں۔"

"خیر۔ میں وہاں والا گھر لینا چاہتا ہوں۔ وہی بڑا گھر جس کو وہائٹ ہاؤس کہتے ہیں۔"

"اس گھر میں امریکا کا صدر رہتا ہے لٹل فادر..."

"اسے بے دخل کرنے میں کتنی دیر لگے گی؟"

"اسے بے دخل نہیں کیا جا سکتا۔"

"کیا وہ معقول نہیں؟ کیا وہ انکار کر دے گا؟"

"پتا نہیں۔ لیکن میں اس عمارت میں نہیں رہوں گا۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ "میں عام لوگوں کی طرح رہنا چاہتا ہوں۔"

"اوہ۔" اس بار اوشان چونک پڑا۔ "میں نے اس بلی کا قصہ تو سنا تھا جو بادشاہ بننا چاہتی تھی لیکن اس بادشاہ کا قصہ کبھی نہیں سنا جو بلی بننا چاہتا ہو۔ میں نے تمہیں سنا نجو دیا ہے اور تم عام آدمی بننے کی خواہش کر رہے ہو۔"

"کچھ نہیں۔ میں تو صرف اپنے گھر میں رہنا چاہتا ہوں۔ ایسے ہی گھر میں جیسا آپ نے سنا نجو میں بنا رکھا ہے۔" اس بار ٹائیگر نے جان بوجھ کر جھوٹ بولا تھا۔ وہ اوشان کے سنا نجو والے مکان میں ایک پل بھی رہنا نہیں چاہتا تھا مگر اس وقت اوشان کو راضی کرنے کے لیے سنا نجو والے مکان کی تعریف کرنا بہت ضروری تھا۔

"یہ ہوئی نا بات..." اوشان نے چہک کر کہا۔ "جیسے گھوڑوں میں اچھی روحیں ہی رہتی ہیں میرے بچے!"

ٹائیگر مسکرانے لگا۔

"اور پھر ایک روز ہم اپنے مکان میں بارہ بلاسٹر سینڈ کو مدعو کریں گے۔" اوشان منصوبے بنانے لگا۔ تب ہی ٹیلی فون چلا اٹھا فون کرنے والا ہرام تھا۔ "ہیلو سوئیٹی۔" ٹائیگر نے شوخ لہجے میں کہا۔ "کیا ایسی کسی حسینہ کی تلاش کامیاب ثابت ہوئی جس کے چہرے پر سینکڑوں بھورے تل ہیں اور جو..."

"ٹائیگر پلیز۔" ڈاکٹر بہرام نے یقیناً کوئی لمبا لیکچر دینے کے ارادے سے فون کیا تھا۔ "پہلے تم کچھ کہنا چاہتے ہو یا..."

"فون آپ نے کیا ہے لہٰذا پہل بھی آپ کریں۔" ٹائیگر نے فراخدلانہ انداز میں کہا۔ "ویسے بھی آپ میرے باس ہیں۔"

"ہر شخص تمہارا باس ہے۔" اوشان نے تھرکا دیا۔

"تمہیں یاد ہو گا کہ میں نے تمہیں نیویارک میں مافیا کے اجلاس کی اطلاع دی تھی۔"

"بالکل درست۔" ٹائیگر نے بڑے شرفیانہ لہجے میں جواب دیا۔ "ہمیں ابھی اطلاع ملی ہے کہ مافیا کا ہٹ مین آرتھر گراسن اور سینٹ لوئیس کا ڈون سلواتورے ماسیلو سینٹ لوئیس کے باہر واقع ایچ ووڈ یونیورسٹی جا رہے ہیں۔"

"ممکن ہے کہ انہوں نے توبہ کر لی ہو اور پھر دل بھی کے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ساتھ تعلیم حاصل کرنا چاہتا ہوں۔"

"نہیں۔ وہ ٹی وی کی کوئی نئی ایجاد کے حصول کے لیے جا رہے ہیں موجد کا نام ولیم ویلی یا وولی وائٹ . . . ویسٹ ہیڈ ہے۔" بہرام نے بتایا۔ "ماسیلو بنا مافیا ڈون ہے ممکن ہے آگے چل کر نیشنل باس بن جائے۔ اگر تم اسے روکنے کے لیے کچھ کر سکو تو . . ."

"ضرور کروں گا۔ کیا آپ کی بات ختم ہو گئی سویٹ ہارٹ؟"

"ہاں۔" بہرام نے مضطرب لہجے میں جواب دیا۔ کیونکہ اسے ٹائیگر کے انداز گفتگو سے احساس ہو گیا تھا کہ وہ کوئی غیر معمولی بات کہنے والا ہے۔

"مجھے ایک مکان کی ضرورت ہے۔" ٹائیگر نے فوراً کہا۔

"میں ہوٹلوں میں رہ رہ کر عاجز آ چکا ہوں۔ اب اپنا گھر چاہتا ہوں۔"

"اگر میں تمہیں مکان فراہم کر دوں تو کیا تم ماسیلو اور گراس کا مسئلہ حل کر دو گے اور کیا یہ پتا چلا سکو گے کہ وہ کیا چاہتے ہیں؟"

"... یقیناً!"

"تب پھر پہلے یہ کام کرو اس کے بعد ہم مکان کے بارے میں بات کریں گے۔" ڈاکٹر بہرام نے بظاہر بازی جیت لی تھی۔

"ٹھیک ہے۔" ٹائیگر رضامند ہو گیا۔

"مافیا کا نیا ریکٹ بہت اہم ہے ٹائیگر۔ . . اس کا خیال رکھنا۔"

"میرے لیے مکان کا مسئلہ بھی بہت اہم ہے سوئٹی . . . اس کا خیال رکھنا۔"

"شہزاد!" اوشان نے قریب آ کر سرگوشی کی۔ "اس سے کہہ دو کہ سانحے کے لیے تذلانے کی مالیت میں اضافہ کر دے۔"

"ٹھیک ہے چیف۔" ٹائیگر نے سنی ان سنی کرتے ہوئے کہا۔ "ہم سینٹ لوئیس میں مل کر اس مسئلے پر مزید گفتگو کریں گے۔"

"مگر میں سینٹ لوئیس نہیں جا رہا ہوں . . ."

"جانا پڑے گا تاکہ ہم مکان کے بارے میں گفتگو کر سکیں اور میں مافیا کا بندوبست کر سکوں۔"

"ٹھیک ہے۔" بازی اس بار ٹائیگر نے جیت لی تھی۔ بہرام سینٹ لوئیس جانے پر تیار ہو گیا تھا۔ "میں کل وہاں پہنچ جاؤں گا ٹائیگر۔" اس نے پژمردہ لہجے میں کہا۔

"گڈ . . . اور مکان خریدنے کے لیے رقم بھی ساتھ لے آنے گا۔" یہ کہتے ہوئے ٹائیگر نے ریسیور رکھ دیا۔ وہ اوشان کی طرف پلٹا۔ "اب ہم سینٹ لوئیس چل رہے ہیں مثل فادر!"

"گڈ۔ ابھی نکل چلو۔" اوشان فوراً تیار ہو گیا۔

"اتنی جلدی کیوں؟"

"اس لیے کہ میں اس پاس پاس ان چاروں گوشت خور بلیوں کی بو محسوس کر رہا ہوں جن کو میں نے الماری میں بند کر دیا تھا اور تم نے نکال دیا۔ بھلا مجھے چار نوکروں کی کیا ضرورت؟ تم ایک ہی کافی ہو۔"

بہرام نے صبح چھ بجے اٹھ کر سرخ گندم کا ایک پورا اسلائس کھایا۔ ڈھائی منٹ تک اُبلنے والا انڈا انگلا اور تھوڑے سے گلاس میں بھرا ہوا لیمن جوس پی کر تیار ہونے لگا۔ رات کو سوتے وقت ایچ ووڈ کے پروفیسر ولیم ویسٹ ہیڈ وولی کا نام اس کے اعصاب پر سوار تھا اسی باعث وہ بوقت چار بجے بیدار ہو گیا تھا اور اب وہ اپنی تسلی کے لیے آخری بار چیک کرنا چاہتا تھا۔

چارہ گر سینی ٹوریم میں داخل ہوتے ہوئے اس نے نیم بیدار گارڈ پر سرسری سی نظر ڈالی اور یہ سوچتا ہوا اندر چلا آیا کہ عمارت کی سکیورٹی کا نظام بہتر بنانا ہو گا۔ اپنے کمرے میں پہنچ کر اس نے تیزی سے کمپیوٹر کو کھلانے کے لیے مبہوتیار کیا وہ پروفیسر کے بارے میں تمام دستیاب معلومات چاہتا تھا۔

کمپیوٹر نے زیادہ دیر نہیں لگائی۔ رپورٹ چند لمحوں بعد اگل دی۔ یہ رپورٹ ایک ٹریڈ جرنل کی تھی جس میں لکھا تھا۔ . . اطلاع یہ ہے کہ ٹیلی ویژن ٹکنالوجی میں بہت بڑا انقلاب آ رہا ہے۔ اس بارے میں اعلان جلد متوقع ہے۔

"بس!" بہرام ہاتھ ملتے ہوئے اپنے آپ سے بولا۔ پھر اس کی نظر ایک پرنٹ آؤٹ پر پڑی جو رات کو کسی وقت اس کی میز پر پہنچا تھا۔ یہ روبی کی رپورٹ تھی۔ فردوس سے . . . اور اس میں روبی نے لکھا تھا کہ نئی جمہوریت ابھی گھٹنوں کے بل چل رہی ہے۔ بعض طاقتیں امن و امان کا مسئلہ کھڑا کر رہی ہیں پھر اس نے ان صنعت کاروں کی فہرست بھیجی تھی جنہیں تاوان حاصل کرنے کے لیے اغوا کیا گیا تھا۔ فردوس کے بارے میں یہ رپورٹ اس حقیقت کی مظہر تھی کہ فردوس ابھی پوری طرح پُرسکون نہیں ہوا ہے اور یہ کہ وہاں بھی کسی مشن کی ضرورت پیدا ہو سکتی ہے۔

"بعد کی بعد میں . . ." بہرام نے ایک طویل سانس لے

کر روبی کی رپورٹ کمپیوٹر میں محفوظ کر دی کمپیوٹر کو لاک کیا۔ روشنیاں گل کیں اور باہر نکل آیا۔

ائرپورٹ سے نیویارک ٹائمز کا شمارہ خرید کر وہ ٹھیک چھ بجے سینٹ لوئیس جانے والے پرندے پر سوار ہوا۔ سیٹ پر بیٹھ کر اس نے اخبار تفصیل سے پڑھنا شروع کر دیا۔

صفحہ نمبر ۳۲ پر ایک خبر نے اسے چونکا دیا۔ اس خبر میں بتایا گیا تھا کہ مڈویسٹ مافیا کے دو اہم کارندے ایک گمنام کالج کے پروفیسر سے ملنے کے لیے کیوں جا رہے ہیں؟

ادھر سینٹ لوئیس میں سلواتورے بھی یہی خبر پڑھ رہا تھا جس میں بتایا گیا تھا کہ ٹی وی نیٹ ورکس نے اپنے دو جنوں نمائندے ایچ ووڈ یونیورسٹی بھیجے ہیں جہاں ڈاکٹر ولیم ویسٹ ہیڈ وولی ٹی وی ٹکنالوجی کے عظیم ترین انقلاب کی تفصیلات ایک کانفرنس میں بیان کریں گے۔

کانفرنس اسی رات ہونی تھی۔

ڈون سلواتورے نے ایک طویل سانس لیا۔ اب اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ ڈاکٹر کے مذاکرات کے لیے وقت بہت کم رہ گیا ہے۔ اسے یہ بھی احساس تھا کہ اگر ٹی وی نیٹ ورکس نے اس مسئلے پر اتنی ہی دلچسپی لی تو ڈاکٹر ولیم اپنی ایجاد کی قیمت بڑھاتا رہے گا حتیٰ کہ قیمت سلواتورے کے بجٹ کی حدود سے نکل جائے گی۔

سلواتورے نے اخبار بند کر کے عقب نما میں جائزہ لیا۔ گراسن کی کار جو ایک زرد رو بوڑھا چلا رہا تھا۔ ڈون کی کار کے پیچھے آ رہی تھی۔ چند ہی منٹ بعد دونوں کاریں بند بوٹ یارڈ میں داخل ہو کر سلواتورے کی لانچ کے قریب رُک گئیں۔ اس نے گراسن اور اس کے ساتھی کو لانچ بطور ہنی مون استعمال کرنے کی پیش کش کی۔

"نہیں ڈون سلواتورے۔" گراسن اپنے مخصوص انداز میں ہنس کر بولا۔ "ہم فوراً کیمپس جا رہے ہیں تاکہ ہٹ کا پروگرام بنا سکیں۔" اس کا لہجہ خوفناک تھا۔

"بشرطیکہ ہٹ کی ضرورت پیش آئی۔" سلواتورے نے انہیں یاد دلایا کہ فی الوقت ڈاکٹر کو قتل کرنے کی ضرورت نہیں۔ گراسن نے سر ہلا کر ڈرائیور کو اشارہ کیا تو ان کی گاڑی واپس نکل گئی۔ گاڑی کی عقبی نشست پر دھنسا ہوا گراسن اس وقت سلواتورے کے بارے ہی میں سوچ رہا تھا۔ "بہت ذہین ہے۔" اس نے دل ہی دل میں اعتراف کیا۔ "لیکن بہت سی باتوں سے لاعلم بھی ہے۔" مثال کے طور پر اسے یہ نہیں معلوم تھا کہ مرحوم گراسن کے انکل ڈون پیٹرو سوکبھی نے ان کی سینٹ لوئیس روانگی سے قبل خود گراسن کے گھر آ کر اسے بتایا تھا کہ . . . ڈون سلواتورے ماسیلو اپنی حدود سے بڑھ رہا ہے اور یہ کہ اگر وہ کسی حادثے کا شکار ہو جائے تو نیشنل کونسل اس پر خاموش رہے گی۔

"نہیں۔ سلواتورے بہت سی باتوں سے بے خبر رہتا ہے۔" گراسن نے اپنے آپ سے کہا۔ "اسے یہ پتا ہی نہیں کہ ایک کے بجائے دو ہٹ کا پروگرام ہے . . . ایک تیر سے دو شکار کھیلنے کا حکم ہے . . . اسے کچھ پتا نہیں۔"

✦

نارمن لو لیوا دنیا میں سب سے زیادہ پریشان انسان تھا۔ فرانس میں پیدا ہونے کے باوجود وہ امریکا میں پروان چڑھا۔ اسے یہ پریشانی تھی کہ وہ کیسا لگتا ہے؟ اسے یہ پریشانی رہتی تھی کہ اس کے کپڑے اچھے لگ رہے ہیں یا نہیں اور یہ پریشانی بھی رہتی تھی کہ اس کا چہرہ بچکا ہوا تو نہیں۔

وہ عموماً بھاری جیکٹ اور اودی سرخ یا گلابی شرٹ

ڈائجسٹوں کے مقبول سلسلے

سرکش	(۱۲ حصے)	محمود احمد مودی	۷۲۰/-
ٹائیگر	(۱۳ حصے)	مشتاق احمد قریشی	۶۵۰/-
خبیث	(۵ حصے)	انوار صدیقی	۲۲۵/-
درخشاں	(۲ حصے)	انوار صدیقی	۱۰۰/-
روگی	(۵ حصے)	م الف صدیقی	۲۷۰/-
دہشت گرد	(۴ حصے)	سلیم فاروقی	۲۰۰/-
سرفروش	(۲ حصے)	اظہر کلیم	۱۲۰/-
شہباز	(۲ حصے)	اظہر کلیم	۱۲۰/-
انسان اور شیطان	(۲ حصے)	محمد فراز	۱۵۰/-

ناشر

مکتبہ القریش سرکلر روڈ، اردو بازار
لاہور فون: ۷۶۶۸۹۵۸

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

پہنتا تھا۔ اسے پہلی دھلائی کے بعد والی جینز بھی خریدنے کا شوق تھا اس کا خیال تھا بدرنگ جینز اس پر اچھی لگتی ہے لیکن اسے یہ پریشانی رہتی تھی کہ جینز پہن کر چلتے وقت کپڑے کی رگڑ سے سوئش سوئش کی جو آواز نکلتی ہے وہ لوگوں کو پسند بھی ہے یا نہیں۔

وہ بذاتِ خود پریشان شخصیت کا حامل تھا مگر اس وقت اسے ایک اہم کام کے سبب زیادہ پریشانی محسوس ہو رہی تھی۔ اسے کمروں کے بارے میں پریشانی لاحق تھی۔

اس کے نزدیک پروفیسر ولیم نے کانفرنس کے انعقاد کا پریشان کن فیصلہ کر کے اس کی پریشانی میں اضافہ ہی کیا تھا۔ اسے یہ فکر کھائے جا رہی تھی کہ اگر اس احمقانہ کانفرنس میں کوئی بھی نہیں آیا تو لوگ یونیورسٹی کا کتنا مذاق اڑائیں گے۔

لیکن جونہی اس نے کانفرنس کے شرکاء کی آمد کا احساس کیا۔ وہ پریشان سا ہو گیا۔ ان لوگوں کو کہاں رکھا جائے پھر تو صورت حال ایسی ہو گئی کہ اسے گیٹ گارڈ کو ہمایت کرنی پڑ گئی کہ اب مزید کسی شخص کو اندر آنے کی اجازت مت دینا۔ کیونکہ مزید کسی کے قیام کی گنجائش نہیں... لیکن گارڈ اسے پریشان بھی کرنے کے شوقین تھے اور جب ٹی وی رپورٹر پیٹی ٹسی آئی تو انہوں نے نارمن کا حکم بالکل فراموش کر دیا یا پھر نظر انداز۔

ویسے شی کے بارے میں نارمن بھی بہت کچھ سن چکا تھا۔ اس کی رپورٹنگ کی کاٹ دار اور جاندار زبان اسے بہت پسند تھی لیکن یہ حقیقت اس کی پریشانی کا باعث بنتی تھی کہ شی جیسی عام تعلیم یافتہ رپورٹر مختلف شہروں میں ہونے والی سائنس کانفرنس کی رپورٹنگ کیسے کر لیتی ہے۔

"بس ایک کمرہ دے دو۔" شی نے اپنی کنپٹیاں دباتے ہوئے کہا۔ "میرے سر میں شدید ترین درد ہو رہا ہے۔" یہ کہنے کے بعد شی بھرپور انداز میں مسکرائی پہلے چست بلاؤز کے باوجود اس نے ایسی سانس لی کہ نارمن گھبرا گیا۔ کہیں بلاؤز پھٹ نہ جائے۔ پھر دونوں ہاتھ سر پر رکھ ایسے انداز میں کھڑی ہو گئی۔ جیسے ماڈلنگ کر رہی ہو۔

نارمن نے فہرست پر نظر ڈالی، کمروں کی لسٹ دیکھی جہاں چند کمرے ابھی خالی تھے لیکن بولا۔ "بہت کم جگہ ہے یہاں!"

"تب پھر یہاں ایک کمرا دلا دو۔" شی نے اس سے لگ کر کھڑے ہوتے ہوئے کہا اس کی مخروطی انگلی ایک سفید کاٹج کی طرف اشارہ کر رہی تھی۔

نارمن نے فہرستیں بند کر دیں۔

"اوہ!" شی کے پُرمہک وجود سے وہ نشے میں آ گیا تھا۔ وہ خود کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا اور اسے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ ہوا میں اُڑ رہا ہو۔ "ہوں۔" اس نے ہنکارا بھرنے کی کوشش کی۔ "ٹھیک ہے شی۔ مجھے افسوس ہے۔" اس نے ہتھیار ڈال دیے کیونکہ شی نے اچانک ہی سوت درازی شروع کی تھی۔ ویسے بھی سفید کاٹج کسی غیر کا نہیں نارمن کا اپنا کاٹج تھا۔ وہ شی کو وہاں ٹھہرا کر خود کاٹج کے ہاسٹل کے کسی کمرے میں رہ سکتا تھا۔

یوں اس نے شی کو کاٹج دے دیا۔

لیکن اب صورت حال رُلانے کی حد تک پریشان ہو چکی تھی گیٹ سے اس کا ایک بار پھر بلاوا آیا تھا۔

اس نے جونہی گیٹ کے ہال میں ایک لمبی چیک دار کالی لیموزین دیکھی تو خوف کی ایک سرد لہر اس کے وجود کو لرزا کر گزر گئی۔ کار کے باہر ایک بوڑھا چینی کھڑا ہوا تھا جبکہ ایک بدشکل شخص گاڑی میں بیٹھا ہوا تھا۔

"تم نارمن ہو؟" غصیلے لہجے میں اس سے پوچھا گیا۔

"یس۔" نارمن نے تھوک نگل کر بمشکل جواب دیا۔

"تم؟" آرتھر گراسن نے بہت سیدھے سادے انداز میں کہا۔ "میرے اور میرے آدمیوں کے لیے کمروں کا انتظام کرو گے۔"

اب نارمن کو صرف یہ فکر تھی کہ مہمانوں کو کمرے پسند بھی آئیں گے یا نہیں۔

ڈاکٹر بہرام پب میں داخل ہوا تو بیئر کی زوردار بُو نے اس کا دماغ بھک سے اڑا دیا۔ اندر قدرے تاریکی کے باعث اسے ہال میں داخل ہونے کے بعد چند لمحوں تک کھڑے رہ کر اپنی آنکھوں کو اندھیرے کا عادی بنانا پڑا۔ "ارے..." اس سوٹ والے کو تو دیکھو۔" کسی نے بار سے چلا کر کہا۔ یہاں بہرام واحد شخص تھا جو گہرے تھری پیس سوٹ اور جنٹل مین ٹائی میں آیا تھا۔

بہرام سنی اَن سنی کر کے بیک روم کی طرف بڑھ گیا جہاں ٹائیگر اور اوشان ایک میز پر بیٹھے تھے۔ ٹائیگر اس وقت چھت کے ٹائلز گن رہا تھا جبکہ اوشان کی نظریں ڈارٹ گیم پر جمی ہوئی بڑی توجہ سے جاری تھا۔

"شہزاد!" اوشان نے سرگوشی کی۔ "شہنشاہ اعظم تشریف لا چکے ہیں شہزاد۔"

"کیا مکان خریدنے کے لیے رقم لائے ہیں آپ؟" ٹائیگر نے اس ٹائل پر نظریں جما کر کہا جس کو وہ گنتی میں شامل کرنے والا تھا۔

"رقم؟ یہاں لانا؟" بہرام نے دو ٹوک سوال کا مبہم سا جواب دیا۔ "پہلا میں مت، رقم لائے ہیں؟"

"دس منٹ میں یہاں پہنچ سکتی ہے۔" بہرام نے بے زاری سے کہا۔ "لیکن پہلے یہ بتاؤ کہ تمہارے اعصاب پر مکان کیوں سوار ہو گیا ہے؟" ٹائیگر اسے بتانے لگا تو اوشان ایک بار پھر ڈارٹ گیم دیکھنے لگا جس کا بورڈ پرانی طرز کا تھا اس پر بیس خانے تھے ہر خانے میں تین تین چھوٹے خانے بنے ہوئے تھے۔ سب سے بڑا خانہ بورڈ کے قطب میں تھا۔ اس کا ایک پوائنٹ تھا۔ اس کے بعد سُرخ خانے کے دو اور سب سے چھوٹے سفید خانے کے تین پوائنٹ تھے۔ دو افراد ڈارٹ کے ذریعے جوا کھیل رہے تھے۔ یہ بہت دبرے دوسروں کو مسلسل ہرا رہے تھے۔ ان میں سے ایک شخص شوٹنگ لائن پر جھکا ہوا ڈارٹ پھینکنے کی تیاری کر رہا تھا کہ اسے اچانک ایسا لگا جیسے کوئی اسے گھور رہا ہو۔ اس نے اوشان کی طرف پلٹ کر دیکھا اور پھر غصیلے انداز میں چلا کر بولا۔ "تم مجھے کیوں گھور رہے ہو؟"

"میں تمہیں سوئیاں پھینکتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔" اوشان نے ڈارٹ کے ایرو کو سوئی کہنے میں کسی تامل سے کام نہ لیا۔

وہ شخص سر ہلا کر ڈارٹ بورڈ کی طرف پلٹ گیا۔

"اور میں یہ بھی سوچ رہا تھا کہ آخر تم یہ کھیل کھیلنا کب تک سیکھ لو گے۔" اوشان نے اس بار سب کو سنانے کے لیے کہا۔

"دیکھا اس کو!" اس شخص نے اپنے ساتھی کی طرف دیکھ کر طنز کیا۔ "سنو۔" اس کا ساتھی اوشان کی طرف پلٹا۔ "ولیم کو چیلنج مت دو۔ یہ یہاں کا بہترین کھلاڑی ہے۔"

"... بلکہ اس شہر کا بہترین کھلاڑی۔" ولیم نے خود اضافہ کیا۔

"فادر پلیز! میں مکان کے بارے میں گفتگو کر رہا ہوں۔" ٹائیگر نے اوشان سے کہا جو ان دونوں کو جواب دینے والا تھا۔

"میرا اپنا مکان تو موجود ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ شہنشاہ اعظم سے گفتگو کر کے کچھ نہ کچھ ضرور حاصل کر لو گے۔"

"اگر مکان نہیں ملا تو بڑا مسئلہ ہو جائے گا چیف۔" ٹائیگر نے بہرام سے کہا۔

"لیکن کسی ایک جگہ رہنے سے تمہاری سلامتی کو خطرہ ہو

مشہور مصنف اظہر کلیم کے
مقبول سلسلے
کتابی شکل میں شائع ہو گئے ہیں

سرحد کے ایک جیالے نوجوان
شہباز منگولی کی ایک خونریز داستان

شہباز

دو حصوں میں مکمل سیٹ -/120 روپے

جان کی بازی لگانے والے ایک
نوجوان کی لہو رنگ داستان

سرفروش

دو حصوں میں مکمل سیٹ -/120 روپے

ناشر
مکتبہ القریش، سرکلر روڈ
اُردو بازار، لاہور -2

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

سکتا ہے ٹائیگر!" بہرام اسے سمجھانے لگا۔ "ہمارا منصوبہ شروع ہی سے یہ ہے کہ تم کسی ایک جگہ نہیں رہو گے۔ اس طرح کوئی بھی تمہیں تلاش نہیں کر سکے گا۔"

"اب صورتحال بدل گئی ہے۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ "فرض کریں کہ اگر کوئی مجھے تلاش کر بیٹھا تو کیا کرے گا؟"

"وہ تمہیں قتل کر ڈالے گا۔"

"مجھے کوئی قتل نہیں کر سکتا۔" ٹائیگر نے بہرام کو بڑی سنجیدگی سے جواب دیا۔ "یوں بھی میری سلامتی اب کوئی مسئلہ نہیں رہی۔ ہمیں تو تنظیم کو بچانا ہے۔ میرا تو کوئی مسئلہ بھی نہیں بس ایک مکان کی ضرورت ہے۔"

بہرام نے ایک طویل سانس لی اور اٹھ کھڑا ہوا۔

"گویا معاملہ طے ہو گیا۔" شہزاد نے کہا۔ اُس نے بھی بہرام کی تقلید کی تھی جواب خارجی دروازے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اوشان نے ایک نظر ڈارش کھیلنے والوں کو دیکھا اور پھر خود بھی ٹائیگر اور بہرام کے پیچھے چل دیا۔

کرائے کی واکس ویگن میں بیٹھنے کے بعد بہرام نے انہیں اپنا منصوبہ بتایا جو صرف یہ تھا کہ وہ خود ڈاکٹر ویبر کی کانفرنس میں شرکت کرے گا جبکہ وہ دونوں اس وقت تک منتظر رہیں گے جب تک وہ رابطہ قائم نہیں کرتا۔ اُس نے اُن کے قیام کا بھی بندوبست کر دیا تھا۔ انہیں اس بار بھی ہوٹل میں ٹھہرنا تھا۔

♦♦

ڈاکٹر ویلیم ویسٹ ہیڈ وڈی کی کانفرنس بہت زبردست ثابت ہوئی۔ ذرائع ابلاغ، سائنٹفک فاؤنڈیشنز، انڈسٹری اور آرگنائزیشنز سے تعلق رکھنے والے سینکڑوں افراد کانفرنس میں شرکت کے لیے امڈ آئے تھے جس کا آغاز ایک کاک ٹیل پارٹی سے ہوا تھا۔ پارٹی میں زیادہ گہما گہمی شروع ہو گئی۔ ڈاکٹر بہرام نے اس شخص کو خاص طور سے دیکھا جس کے ساتھ چھ فٹ چار انچ لمبا دو سو پچاس پونڈ وزنی عفریت نما شخص کے علاوہ بلیک سوٹ پہنے ہوئے ایک چینی بھی تھا۔ یہ شخص ڈاکٹر بہرام سے ارن بی سی۔ اے بی سی اور سی بی اے کی نشریات کے معیار پر تبادلہ خیال کرنے پر بضد تھا۔ ڈاکٹر بہرام اس بحث سے کترا رہا تھا۔ وہ وہاں سے ہٹنا ہی چاہتا تھا کہ یہ شخص خاموش ہو گیا۔

سب کی نظریں دروازے پر جم گئیں جس سے پیٹی شی اندر آ رہی تھی۔ مردوں کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے۔ وہ اودے رنگ کے گاؤن میں تھی جس میں جگہ جگہ گول، خروطی، بیضوی سوراخ تھے اس کی سنہری زلفیں کرنک کھول رہی تھیں۔ پیٹی شی نے اندر آتے ہی سنسنی خیز انداز میں سانس لی جس کے باعث اس کے گاؤن میں ہلچل سی مچ گئی۔ اسے دیکھ کر کئی عورتیں کرسیوں پر بیٹھ گئیں۔ اس کے میزبان نارمن نے ہونٹ چبا ڈالے اور ایک شخص نے دیوار کا سہارا لے لیا۔

وہ سراپا قیامت تھی۔

اس کی چال دلکش تھی انداز قاتلانہ تھا اور وہ اس وقت بہرام کے سوا ہر شخص کے دل کی دھڑکن تھی۔ جب وہ میز پر بیٹھ گئی تو لوگوں نے ایک بار پھر گفتگو شروع کر دی۔ اس کے باوجود بعض لوگ اس کے انداز نشست کو دیکھ کر ٹھنڈی آہیں بھرتے رہے۔ ان کی حالت زیادہ بُری تھی جو اس کے دائیں بائیں بیٹھے ہوئے تھے۔

تب ہی ڈی وڈور ڈ ہیڈ آف کالج افیئرز نے کھڑے ہو کر چلا کر کہا۔ "سٹ ڈاؤن... پلیز... تشریف رکھیے!" لوگوں کو اپنی نشستوں پر بیٹھنے میں دیر لگ گئی۔ پھر جب کوئی کھڑا نہ رہا تو وڈورڈ کھڑا ہوا اس نے کانفرنس کے لیے اپنی افتتاحی تقریر خود لکھی تھی لیکن اس تقریر میں ولیم کی ایجاد کے بارے میں کوئی ذکر نہ تھا کیونکہ ولیم نے اسے کچھ بھی بتانے سے انکار کر دیا تھا۔

ڈاکٹر بہرام ایک ایک لفظ غور سے سنتا رہا۔

آرتھر گراسن، ڈون سلواتورے ماسیلو کے سامنے والی کرسی پر بیٹھا مسکراتا رہا۔ اس کے دائیں بائیں وانیس مارینو اور ایڈورڈ ولی بیٹھے تھے۔ اب کمرے میں آہستہ آہستہ تاریکی ہونے لگی تھی۔ اچانک ہی کمرے کے سامنے والے حصے میں جھما کا سا ہوا جس نے کئی رنگوں کی مثلث کی شکل اختیار کر لی۔ پھر یہ مثلث چوکور ہو گئی اور جلد ہی کمرے میں بیٹھے ہوئے لوگ کسی گاؤں کے بارے میں فلم دیکھنے لگے۔ اسکرین پر گائے بیل نظر آئے۔ کسان مصروف عمل دکھائی دیے۔ پھر ایسا طویل القامت نوجوان نظر آیا جو چپاتی سے بھرے ہوئے کھیت میں کام کر رہا تھا۔ یہ جھکا ہوا نوجوان معاً ہی سیدھا کھڑا ہو گیا۔ اس کا چہرہ مسترق تھا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا اور زوردار قہقہہ لگا یا۔ اسی لمحے اسکرین پر ایک بوڑھی عورت نمودار ہوئی جو کسی زبان میں کچھ کہہ رہی تھی۔ لیکن جلد ہی یہ چہرہ بھی تحلیل ہو گیا اور اس کی جگہ گاؤں کے منظر نے لی جہاں کتے بھونک رہے تھے اور زرد رو بچے کھیل رہے تھے۔ ایک طرف چند آدمی گفتگو میں مصروف نظر آئے ان کے اردگرد سے مسکراتی ہوئی عورتیں گزر رہی تھیں۔ یہ

عورتیں محنت کش نظر آ رہی تھیں۔

منظر بدلا۔ اس بار درختوں کے جھرمٹ سے غروب آفتاب کا منظر نظر آیا۔ یہ منظر اتنا دلکش تھا کہ کمرے میں بیٹھے ہوئے ہر شخص کو عجیب سا سکون محسوس ہونے لگا۔

دیوار پر لگے ہوئے اسکرین پر علم جاری رہی اور پھر ایک آواز بھی سنائی دی۔ "یہ ویت نام کے مناظر ہیں۔ اس وقت نام کے جس کو ہم میں سے شاید کسی نے کبھی نہیں دیکھا۔ اس وقت نام سے تو شاید خود ویتنامی بھی واقف نہ ہوں کیوں یہ تصور الٰہی وہم ہے اور اس تصور نے میری بے پناہ ۱۹ سالہ بیٹی کے ذہن میں جنم لیا ہے۔"

پھر اچانک کمرا روشن ہو گیا۔ لوگوں نے ہیڈ ٹیبل کی ایک طرف پروفیسر ولیم ویسٹ ہیڈ وڈی کو کھڑے پایا۔ اس نے ایک بردہ کھینچا تو حاضرین نے ایک کم سن مشرقی لڑکی دکھی جو ٹی وی سیٹ کے سامنے بیٹھی ہوئی تھی اس کی آنکھیں بند تھیں۔ چہرے پر تبسم تھا اور اس کی کنپٹیوں اور حلق سے چار لمبی ڈسکس لگی ہوئی تھیں جن کے تار ٹی وی تک جا رہے تھے۔

"لیڈیز اینڈ جنٹلمین! میں ولیم وڈی ہوں۔" ڈاکٹر نے اعلان کیا۔ "اور یہ ڈریم کولائزر ہے۔ یہ آپ کی امنگوں اور خوابوں کو ٹی وی کے اسکرین پر دکھاتا ہے۔ ان تصورات کو اسکرین پر منتقل کر دیتا ہے جو آپ کے ذہن میں آتے ہیں یہ آپ کی سوچوں کو تصویر بنا کر پیش کر دیتا ہے۔"

ہال میں مکمل خاموشی رہی۔ ڈون سلواتورے ماسیلو اور جگ ہیڈ بھی اس کی نظریں اب بھی اسکرین پر تھیں جس پر اب کوئی تصویر نہ تھی۔ آرتھر گراسن نے بھی کچھ دیر تک فلم دیکھی تھی۔ پھر منہ موڑ لیا تھا۔ اسے یقین تھا کہ یہ ایجاد کبھی فروخت نہیں ہو سکے گی۔

اور پیٹی شی لمبی لمبی سانسیں لے رہی تھی۔

تب ہی کسی نے قہقہہ لگایا۔ ڈاکٹر بہرام نے قہقہہ لگانے والے کو دیکھا۔ وہ وڈورڈ تھا جو ہنسے جا رہا تھا۔ "بس بس!" اس نے ہنستے ہوئے ولیم سے پوچھا۔ "بس یہی دکھانا تھا ولیم اوہ۔ خواب وہ بھی کلر میں!"

"اسٹیریو فونک ساؤنڈ بھی دی جا سکتی ہے۔" ولیم نے خشک لہجے میں جواب دیا۔

"ولیم!" وڈورڈ نے معاً خشک لہجے میں اسے مخاطب کیا۔ "کیا تم نے اتنے لوگوں کو محض یہ شعبدہ دکھانے کے لیے مدعو کیا تھا؟"

اتنا سخت جملہ سن کر تمام ہی لوگ خاموش ہو گئے۔ لوگوں نے ایک دوسرے کو اس طرح دیکھا جیسے وہ کسی المناک سانحہ کے شاہد ہیں۔

"تب پھر تم بھی ایسا کوئی شعبدہ دکھاؤ وڈ۔" ولیم نے زہرخند لہجے میں اسے چیلنج کیا۔

"میرا خیال ہے کہ یونیورسٹی میں اب تمہارے فرائض کسی اور کو دینے ہوں گے۔" لی وڈی وڈورڈ نے اٹھتے ہوئے دھمکی دی۔

"آج شب کے بعد وہ فرائض تم خود بھی سنبھال سکتے ہو۔" ولیم نے جواب دیا۔ اس نے ٹی شرٹ پہنی ہوئی لڑکی کے شانے کو تھپتھپایا۔ "بیدار ہو جاؤ لی نورجہ۔" اس نے محبت بھرے لہجے میں کہا تو لڑکی نے فوراً آنکھیں کھول دیں۔ وہ ولیم کی طرف دیکھ کر مسکرائی جس نے لڑکی کی کنپٹیوں اور حلق سے ڈسکس علیحدہ کیں جونہی تار علیحدہ ہوئے ٹی وی اور بڑے اسکرین پر نظر آنے والی تصویر بھی تحلیل ہو گئی۔

"خواتین و حضرات۔" ولیم نے پلٹ کر کہا۔ "اس کی تیکنک صرف یہ ہے کہ ذہن کی سوچوں کو بے لگام چھوڑ دیا جائے۔ میں پروفیسر وڈورڈ سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ اس کرسی پر بیٹھ کر خود بھی اس ایجاد کی آزمائش کر لیں۔"

لوگوں نے زبردست تالیاں بجائیں تو وڈورڈ کو اس کرسی پر بیٹھنا ہی پڑا۔ ولیم نے وقت ضائع کیے بغیر اس کی کنپٹیوں پر ڈسکس لگانی شروع کر دیں۔ صرف اتنا کہا کہ "یہ ڈسکس کہیں بھی لگائی جا سکتی ہیں۔" وڈورڈ کی دائیں کنپٹی پر ڈسک لگاتے ہوئے اس نے وڈورڈ کو آنکھیں بند کرتے ہوئے دیکھا تو کہا۔ "نہیں ذہن پر زور ڈالنے کی بھی ضرورت نہیں۔ بس اپنی کسی پسندیدہ خواہش کے بارے میں سوچو۔"

تب ہی اسکرین پر ایک تصویر نمودار ہونے لگی بعض لوگ تو مارے تجسس کے اپنی کرسیوں پر آگے کی طرف جھک گئے اور پھر معاً ہی اسکرین پر ایک عورت کی حسین ترین سحر انگیز بڑی آنکھیں نظر آنے لگیں۔ تصویر اور واضح ہوئی تو یہ صاف ظاہر ہو گیا کہ ان دلکش آنکھوں میں خوف بھرا ہوا ہے اس کے ساتھ ہی عورت کا کلوز اپ نمودار ہوا۔ نتھنے پھڑک رہے تھے اور ہونٹوں پر کالے رنگ کا ٹیپ چپکا ہوا تھا۔

حاضرین کو سانپ سا سونگھ گیا۔ ہال میں صرف اسکرین والی عورت کی کراہوں اور بھاری سانسوں کی آواز سنائی دے رہی تھی اچانک اس کے منہ سے ٹیپ کے نیچے سے خون کا ایک

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

قطرہ پھسلنے لگا اس کی پیشانی پر پسینے کی ویسی ہی بوندیں لرزنے لگیں جیسی وڈورڈ کے ماتھے پر تھیں۔

اچانک ہی وڈورڈ کا منہ کھلا رہ گیا کیونکہ اب اسکرین پر عورت کے ہاتھ بھی نظر آ رہے تھے دونوں ہاتھ بندھے ہوئے تھے۔ ... یہ ہاتھ ایسی زنجیر سے باندھے گئے تھے جس کا دوسرا سرا فرش میں دفن تھا۔

بتدریج منظر پھیلتا گیا اور پھر عورت کا پورا سراپا نظر آنے لگا۔

اس کی دو ٹانگیں بھی زنجیروں میں جکڑی ہوئی تھیں تب ہی لی وڈورڈ تصویر میں نظر آیا۔ وہ عورت کی طرف بڑھ رہا تھا اور عورت اسے دیکھ کر بے بسی سے تڑپ رہی تھی۔

اچانک ہی لی وڈورڈ پی ایچ ڈی نے زوردار چیخ مار کر ڈسکس انار پھینکیں اسی لمحے تصویر تحلیل ہو گئی۔ وہ کھڑا ہو کر لمبی لمبی سانسیں لینے لگا۔

"ارے۔ تم نے فلم کیوں روک دی؟" اسٹیفنے ویم ڈائریکٹر ایڈمنسن نے جھنجلا کر کہا۔ "اصل فلم تو اب شروع ہوئی تھی۔"

وڈورڈ نے حاضرین کو دیکھا جو اسے دیکھ رہے تھے۔ پھر دائیں بائیں اس طرح دیکھنے لگا جیسے فرار کی راہ تلاش کر رہا ہو اس کی نظریں پروفیسر ولیم پر بھی پڑیں۔ "میں نے کہا تھا نا آواز بھی سنی جا سکتی ہے۔" پروفیسر ولیم نے عاجزانہ انداز میں اس سے کہا پھر وہ حاضرین کی طرف پلٹ گیا۔ "دیکھا خواتین و حضرات!" اس نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "یہ ہے ڈریم کولا منرز بکل میں آپ کے سوالوں کا جواب دینے کے لیے کیمپس میں اپنے گھر میں موجود رہوں گا۔"

یہ کہہ کر اس نے ٹی وی سیٹ کے عقب میں ہاتھ ڈال کر ایک چھوٹا سا بلیک بکس نکال لیا جس میں چار تاریں نظر آ رہی تھیں۔ پھر اس نے اپنی منہ بولی بیٹی کے کندھے پر ہاتھ رکھا دونوں مسکراتے ہوئے کھلے ٹیرس کے حصے کی دروازے کے راستے باہر جانے لگے۔

ادھر وڈورڈ کی حالت اب بھی ابتر تھی لیکن اب کوئی بھی اس کی طرف توجہ نہیں دے رہا تھا۔ لوگ آپس میں گفتگو کر رہے تھے شمی نے بھی تیزی دکھائی اور تقریباً دوڑتی ہوئی ایک ٹیلی فون تلاش کرنے چلی گئی۔

ماسیلو نے گراسن کو دیکھ کر گردن ہلائی جو مارنیو اور ریگ کو بعض احکامات دے رہا تھا پھر مارنیو اور ریگ دونوں عقبی دروازے کی طرف دوڑ گئے۔

ڈاکٹر بہرام یہ سب کچھ دیکھتے ہوئے ڈریم کولا منرز کی تجارتی

ایک وطن پرست اور کفن بدوش نوجوان کی داستانِ لہو رنگ
جو محبِ وطن ہونے کے باوجود دہشت گرد کہلاتا تھا
معاشرے کے اُجلے لوگوں کی کہانی جن کے من کالے ہیں
دہشت گرد
سلیم فاروقی کے ایڈونچرس قلم سے
4 حصوں میں شائع ہو گیا ہے
قیمت مکمل سیٹ
-/240 روپے
ناشر
مکتبہ القریش۔ سرکلر روڈ
اُردو بازار لاہور۔2

اہمیت پر غور کر رہا تھا لیکن اچانک ہی اسے یہ احساس ہوا کہ اس کی سب سے زیادہ اہمیت قانون نافذ کرنے والے اداروں کے لیے ہے۔ اگر ڈریم کولا منرز عام ہو گیا تو پھر کوئی راز، راز نہیں رہے گا۔

پھر یہ راز اسکرین پر آواز کے ساتھ نظر آیا کریں گے۔

•

ولیم بہت مطمئن تھا۔ آج اس نے بھرے مجمع میں وڈورڈ پر اپنی برتری ثابت کر کے اس سے انتقام لے لیا تھا کیونکہ پانچ سال قبل وڈورڈ نے لابنگ اور سازشوں سے کام لے کر وہ عہدہ حاصل کر لیا تھا جسے ولیم اپنا حق سمجھتا تھا گزشتہ پانچ برسوں میں وڈورڈ اس پر اعتراضات بھی کرتا رہا تھا اس نے ان برسوں میں ولیم کو کمپس کا مسخرہ بنا کر پیش کرنے کی کوشش کی تھی۔

یہ پانچ سال ولیم نے بہت صبر و سکون سے گزارے تھے۔ اور آج کی رات اس کی فتح کی رات تھی۔

وہ اپنی فاتحانہ مسکراہٹ پر قابو نہیں پا سکا اس کی بیٹی نے مسکراہٹ دیکھ لی۔ "آپ کس بات پر مسکرا رہے ہیں ڈیڈی؟" اس نے پوچھا تو ولیم نے اس کے ہونٹوں پر انگلی رکھ دی۔ پھر وہ کھلے ٹیریا کے اوپر تاریک کمرے میں بیٹھ گئے۔ نیچے سے ولیم کو قدموں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ یہ ان لوگوں کی چاپ تھی جو اس کا تعاقب کر رہے تھے جو اس سے گفتگو کرنا چاہتے تھے جو ڈریم کولا منرز خریدنے کے خواہاں تھے۔ اسے یقین تھا کہ یہ لوگ خریدنے میں ناکامی کے بعد ڈریم کولا منرز چوری کرنے کی کوشش کریں گے۔ اس نے لاشعوری طور پر اس ٹرانسمیٹر کو اپنے سینے سے لگا لیا جو ذہنی تصورات کو تصویر بنا کر ٹی وی پر پیش کرتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ یہ لوگ ساری رات بے چین رہیں کہ کل وہ اس ٹرانسمیٹر کی منہ مانگی قیمت وصول کر سکے۔

اس کی بیوی اس پانچ سالہ جدوجہد میں اس کا ساتھ نہ دے سکی تھی اور اس نے طلاق حاصل کر لی تھی۔ اسے یقین تھا کہ کل کے اخبارات پڑھ کر اس کی سابق بیوی بھی پچھتائے گی کہ افسوس مل کر رہ جائے گی۔

ولیم اور لین فورتھ اندھیرے کمرے میں اس وقت تک بیٹھے رہے جب تک قدموں کی دھمک ختم نہیں ہو گئی پھر کھلے ٹیریا سے بھی کسی قسم کی آواز نہیں آئی تو وہ خاموشی سے نیچی گلی میں نکل آئے۔ کچھ ہی دور ولیم کی کار کھڑی تھی جس میں دونوں تیزی سے بیٹھے اور گاڑی سینٹ لوئیس میں ولیم کے اپارٹمنٹ کی طرف دوڑنے لگی۔

جب اس نے چابی سے اپارٹمنٹ کے دروازے کا قفل کھولا اور اندر اس کی نظر پڑی تو اسے پہلا احساس یہی ہوا کہ کمرے میں ردی بڑھ گئی ہے اس کے ساتھ ہی اسے کمرے میں سگار کی خوشبو کا بھی احساس ہوا۔ وہ تیزی سے پلٹ کر چلا اس نے لین فورتھ کو تھام لیا لیکن تب ہی عقب میں ایک لیمپ نمودار ہوا اور لیمپ تھامنے والا شخص مسکرانے لگا۔ "آپ کو یہاں دیکھ کر بے حد مسرت ہوئی ڈاکٹر ولیم۔"

ولیم نے پلٹ کر دیکھا۔ کاؤچ پر ایک باوقار شخص بیٹھا ہوا تھا اس کے چاندی جیسے بال چمک رہے تھے۔ آنکھیں غیر معمولی طور پر سیاہ تھیں۔ وہ بہت قیمتی سوٹ میں ملبوس تھا۔ اس شخص کا وقار اور تمکنت اور اس کی خلوص بھری مسکراہٹ دیکھ کر ولیم کا خوف کم ہو گیا۔

پھر وہ شخص کھڑا ہو گیا۔

"میرا نام سوا تورے ماسیلو ہے ڈاکٹر!" اس نے بدستور مسکراتے ہوئے اپنا تعارف کرایا۔

•

"انطونا ٹائیگر! اٹھ جاؤ!" ہوٹل کے تاریک کمرے میں بہرام کی آواز کسی رسیا بسنہ ہوا کے طوفانی جھونکے سے کم نہ تھی۔ ساتھ ہی نیچے فرش پر لیٹے ہوئے اُدشان کی "اوں" بھی سنائی دی پھر کمرے میں ٹائیگر کی آواز گونج اٹھی۔ "آپ نے لنڈ کے بجائے زینہ کیوں استعمال کیا جیف! دوسرے زینے پر لڑکھڑائے تھے۔ قدموں کی آواز سے تو ایسا ہی لگتا تھا۔ فلور کا دروازہ کھولتے وقت آپ کو کھانسی آگئی تھی۔ دوا استعمال کیوں نہیں کرتے۔ کھانسی بھیجھڑوں کا بیڑا غرق کر دیتی ہے۔ پھر آپ نے چابیاں نکالنے کے لیے جیب میں ہاتھ ڈالا تو چابیوں نے بہت شور مچایا لیکن دروازہ آپ کو مقفل نہیں ملا۔ اتنے شور و غل کے بعد اب انطونا ٹائیگر کہنے کی کیا ضرورت رہی ہے؟"

"شہنشاہ پر کسی قسم کی الزام تراشی خلافِ ضابطہ ہے شہزادہ اوشان نے اُسے تنبیہ کی۔ "شہنشاہ معظم تو بہت خاموشی سے آئے تھے۔"

"تب پھر آپ کی آنکھ کیسے کھل گئی لٹل فادر؟"

"تمہاری سانس کی آواز سے۔ یہ آواز اچانک ہی اس طرح بدلی تھی جیسے تم پر کسی فلائنگ ہمبرگر نے حملہ کر دیا ہو۔ میں

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

تمہیں اس سے بچانے کے لیے اُکسا رہا تھا۔"

"چھوڑیں۔" ٹائیگر خفیف سا ہو گیا۔ "... اور جیف! آپ بتائیں... کیا مسئلہ ہے؟"

"لائٹ جلا لوں... اندھیرے میں ذرا بات کرنا مشکل ہے۔" بہرام نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔

"جلا لیں۔ میری نیند تو برباد ہی ہو گئی۔" ٹائیگر نے جمائی لیتے ہوئے کہا حالانکہ اس وقت جمائی لینے کا کوئی جواز نہ تھا۔ روشنی ہوتے ہی ٹائیگر اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اوشان بھی اپنے اونی نمدے سے اٹھا اور کنول کے آسن میں بیٹھ کر بہرام کی طرف دیکھنے لگا۔

"میں چاہتا تھا کہ تم ایک مکان چل کر دیکھ لو۔" بہرام نے دُکھتی رگ پر ہاتھ رکھنا چاہا۔

"اس وقت؟" ٹائیگر پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ "بھلا رات کے اس پہر کون بروکر مکان دکھا سکتا ہے۔"

"اس کا بروکر سے کوئی تعلق نہیں۔ مکان بھی ابھی تک فروخت کے لیے پیش نہیں کیا گیا ہے لیکن میرا خیال ہے کہ جلد ہی اس پر برائے فروخت کی تختی لگ جائے گی۔ ویسے میں یہ بھی دیکھنا چاہتا ہوں کہ تم کس قسم کے مکان میں دل چسپی لے رہے ہو؟" بہرام نے جان بوجھ کر بالواسطہ طور پر اپنا مقصد پورا کرنا چاہا۔

اس کی توقع کے عین مطابق وہ جلد ہی ٹائیگر اور اوشان کو لے کر ایچ وڈ یونیورسٹی کے گارڈ ہاؤس کی طرف جا رہا تھا... راستے ہی میں ٹائیگر کو احساس ہوا کہ بہرام کھیل کھیل گیا ہے۔

گارڈ ہاؤس پر گاڑی روک لی گئی۔

"ہمیں پروفیسر ولیم سے ملاقات کرنی ہے۔" بہرام نے گارڈ سے کہا۔

"سوری۔ اس وقت آپ اندر نہیں جا سکتے۔"

"گھر اؤ مت آفیسر!" ٹائیگر نے کھڑکی سے مُنہ نکال کر کہا۔ "یہ صاحب اس اعلیٰ ترین خفیہ ادارے کے سربراہ ہیں جس کا مقصد آدمیوں کو غیر آئینی طریقہ استعمال کر کے بچانا ہے اور..."

"ٹائیگر۔ پلیز!" بہرام گھبرا اٹھا اسے یہ احساس ضرور ہوا کہ ٹائیگر اس سے بدلہ لے رہا ہے۔

"اوہو!" گارڈ اس انکشاف پر حیرت زدہ رہ گیا۔

"اور میں اس ادارے کا سپر ایجنٹ ہوں اب تک ان گنت افراد کو قتل کر چکا ہوں۔"

"خاموش رہو۔" بہرام نے الٹ کر کہا۔

"میں ایک منٹ میں آیا۔" گارڈ گھبرا کر ٹیلی فون کی طرف لپکا۔

"ٹھہرو۔ ابھی تم نے اوشان کا تعارف نہیں سنا۔ یہ سنا تجھے موجودہ ماسٹر ہیں اور..."

"میرا خیال ہے کہ آپ لوگ خاموشی سے واپس چلے جائیں۔" گارڈ نے اس بار قدرے غصیلے انداز میں کہا اس کی عمر ۵۰ سال کے لگ بھگ تھی۔

"تو تم ہمیں اندر نہیں جانے دو گے۔" ٹائیگر بہرام سے دھوکہ دہی کا پورا پورا بدلہ لینا چاہتا تھا۔ "تم ماسٹر اسپائی، ماسٹر کلر اور ماسٹر کِچن کی توہین کر رہے ہو..."

"چلے جاؤ۔" گارڈ نے پیر پٹخ کر کہا۔

"بُری بات۔" ٹائیگر نے کہا اور پھر جب اگلے روز گارڈ بیدار ہوا تو اسے ان سے ہونے والی گفتگو کا بڑا حصہ یاد نہیں رہا اسے تو صرف یہ یاد تھا کہ اس نوجوان نے کھڑکی سے جسم نکال کر اس کے حلق پر اُنگلی ماری تھی اور پھر گارڈ کو نیند آنے لگی تھی۔

گارڈ کے گرتے ہی بہرام نے کار سے اُتر کر گارڈ کو اس کے بوجھ میں پہنچایا بیلسٹر پر لٹا کر لائٹ بند کی اور جب ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا تو اسے ٹائیگر کی کراہ سنائی دی۔ "نوچ کیوں رہے ہیں لٹل فادر؟" ٹائیگر کے لہجے میں احتجاج تھا۔

"تم نے ماسٹر کِچن کسے کہا تھا؟"

"اپنے آپ کو..." ٹائیگر نے فوراً ہی کہا۔ "سنگھ اب اُنگلی تو ہٹا لیں۔"

"سوری۔" اوشان نے اُنگلی ہٹا لی تو ٹائیگر کی ران میں تکلیف ختم ہو گئی۔ "تم درست کہتے ہو۔ کِچن ماسٹرز ہوتا تو نہیں بھی اتنی تکلیف نہیں ہوتی۔ ایسی تکلیف کِچن ماسٹر کو ہوتی ہے۔ لیکن اب رہ رہ کر خیال آ رہا ہے کہ تم اتنے برسوں کی مسلسل قربت کے باوجود بھی صرف کِچن ماسٹر بن سکے۔ اور وہ بھی کیسے؟ ایسے جیسے انڈا تلنا تک نہیں آتا۔ یہ کیسا المیہ ہے؟"

"کیا ہوا ماسٹر؟" بہرام نے پلٹ کر پوچھا۔

"بہت چھوٹی سی بات ہے شہنشاہ اعظم! آپ گاڑی چلائیں۔ اس مسئلے سے ہم خود آپس میں نمٹ لیں گے۔" اوشان نے بصد احترام جواب دیا۔

ڈریم کولائنرز کے مظاہرے کے بعد کیمپس سے نکلنے سے قبل بہرام نے ڈاکٹر ولیم کے گھر جانے کا فیصلہ کیا۔ ولیم کا گھر تلاش

ایک پُراسرار مُورتی کے حصول کی خاطر ہونیوالے خوفناک معرکے کا احوال

اُنکا

اقابلا

سونا گھاٹ کا پجاری

اور غلام روحیں

جیسی لازوال

کہانیوں کے خالق

سحر و اسرار کی رونگٹے کھڑے کر دینے والی داستان

نیش

انوار صدیقی

کے ایک نئے پُراسرار اور چونکا دینے والے کہانی

کتابی سائز میں پانچ حصوں میں

مکمل سیٹ 250/-

کتاب اپنے قریبی ہاکر سے طلب فرمائیں یا ادارے کے نام کا چیک یا منی آرڈر کے ذریعے رقم ارسال فرمائیں

کتاب آپ کو بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک ارسال کر دی جائے گی

خط و کتابت کے لئے

مکتبہ القریش سرکلر روڈ، اُردو بازار، لاہور ۲، فون ۷۲۲۴۶۶۵

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کرنے میں انہیں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔

"آخر آپ چاہتے کیا ہیں؟" گاڑی رکتے ہی ٹائیگر نے پوچھا۔

"صاف صاف بتادیں۔"

"یہ ڈاکٹر ولیم کا مکان ہے۔" بہرام نے بھی اس بار کوئی دھوکا دینے کی کوشش نہیں کی۔ "آج شب میں نے اس کی ایجاد کا مظاہرہ دیکھا ہے وہاں اور بھی بہت سے لوگ تھے اور مجھے یقین ہے کہ ولیم بہت سے لوگوں کا ہدف بن گیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ اس وقت تک زندہ رہے جب تک میں اس سے بات نہ کرلوں۔"

"تب پھر اندر چلیں اور اس سے بات کرلیں۔"

"نہیں۔ میرا خیال ہے کہ اس سے بات کرنے سے قبل بڑی رقم کا انتظار کرنا ہوگا اور یہ انتظام مجھے چارہ گر کے کمپیوٹر کھلنے سے قبل نہیں ہوسکے گا۔ ویسے ہم اندر چل کر دیکھیں گے ضرور۔۔۔"

تینوں ولیم کے دروازے کی طرف بڑھے لیکن چوکھٹ پر پہنچ کر اوشان نفی میں سر ہلانے لگا۔ "اندر کوئی بھی نہیں شہنشاہ۔" اس نے مایوس لہجے میں کہا۔

"آپ کو کیسے معلوم ہوگیا؟" بہرام نے پوچھا۔

"وائبریشن کے ذریعہ۔ چلیں اب ہوٹل چلتے ہیں۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔

"نہیں۔ ہمیں اندر کا جائزہ لینا ہے۔ ممکن ہے کہ کوئی اسے اغوا کرکے لے گیا ہو!" بہرام کی ہدایت پر ٹائیگر نے فرنٹ ڈور کا لاک انگشت شہادت اور انگوٹھے کو ملا کر کھولا۔ اندر واقعی کوئی نہ تھا اور نہ ہی کسی قسم کی کشمکش ہونے کے آثار تھے۔ بستروں پر ایک بھی شکن نہ تھی۔

"یہاں کسی قسم کی جنگ نہیں ہوئی۔" اوشان نے کہا۔ "کھڑکیوں کی مگر پر مٹی تک اپنی جگہ موجود ہے۔"

"گڈ۔" بہرام نے سر ہلا کر کہا۔ "آپ اور ٹائیگر دونوں یہاں رہ کر ڈاکٹر اور لڑکی کی حفاظت کریں۔ میں جارہا ہوں۔ آپ سے بعد میں رابطہ کروں گا۔"

☆

بیٹی شی کو ٹیلی فون پر اپنے باس سے ملنے والی ہدایت بہت واضح تھی۔ "مشین اور پروفیسر دونوں کو حاصل کرلو۔" شی نے وہ رات نارمن کے گھر میں گزاری تھی اس نے کئی مرتبہ ولیم کے گھر فون کیا تھا لیکن وہاں سے کسی نے فون نہیں اٹھایا۔ البتہ نصف شب کے بعد نارمن کا ٹیلی فون خود بج اٹھا تھا۔ کال نیویارک سے تھی۔ شی نے ریسیور اٹھانے سے قبل ٹی وی کی آواز کم کردی۔

ٹی وی نیٹ ورک کے باس کی ہدایت اس بار بھی بہت واضح تھی۔ "اس سے جو چاہو وعدہ کرلو۔ تمہاری مدد کے لیے ایک اور شخص بھیجا جارہا ہے۔"

ریسیور رکھ کر شی نے کندھے جھٹکے اسے معلوم تھا کیا کرنا ہے لیکن اسے اس بات پر حیرت تھی کہ آخر اس کا باس ڈریم کولا لمٹرز میں اتنی دلچسپی کیوں لے رہا ہے۔ وہ ٹی وی کی طرف دیکھنے لگی۔ تب ہی اچانک اسے احساس ہوا کہ نیٹ ورک والے اتنے بے چین کیوں ہیں؟ جب لوگوں کے پاس اپنے ڈریم کولا لمٹرز ہوں گے تو وہ ٹی وی کیوں دیکھیں گے؟ پھر لوگ "شی انڈر کور" کیوں دیکھیں گے جب وہ شی ان نیکڈ دیکھ سکیں گے۔

اسے اندازہ تھا کہ اس کی مدد کے لیے کس کو بھیجا جا رہا ہے۔ اسے خوشی تھی کہ وہ آرہا ہے۔۔۔ یہ پہلا موقع تھا کہ اسے باس کا فیصلہ اچھا لگا تھا۔

▲

کیفے ٹیریا میں بہت سے لوگ موجود تھے اور مارینو جو ابھی ابھی لی ینگ کے ساتھ آیا تھا گراسن اور ماسیلو کو بتا رہا تھا کہ وہ نکل گیا۔

"کمال ہے۔" ماسیلو کے چہرے پر غصے کے آثار نظر آنے لگے۔ "ایک بوڑھا اور ایک لڑکی تم انہیں پکڑ سکے۔"

"وہ تحلیل ہوگئے۔" مارینو نے جواب دیا۔

"ہوں۔" گراسن بھی اپنے ساتھیوں پر برسنا چاہتا تھا۔ لیکن ماسیلو کی موجودگی کے باعث وہ ایسا نہ کرسکا۔

"میں چلتا ہوں۔" ماسیلو نے کہا۔ "ولیم نے کہا تھا کہ وہ کل اپنے گھر میں ہوگا۔ میں اس سے وہیں مل لوں گا۔"

ماسیلو پلٹ کر چل دیا۔ اس کے دروازے سے نکلنے کے بعد ہی گراسن نے مارینو سے کہا۔ "اب تم پروفیسر کا گھر تلاش کرو اور یہ اندازہ لگاؤ کہ وہ وہاں ہے بھی یا نہیں۔"

مارینو یہ معلومات حاصل کرکے واپس آیا تو گراسن کے ساتھ دو ایسے افراد موجود تھے جن کا تعلق سینٹ لوئس سے تھا اور جو ماسیلو کرائم فیملی کے رکن نہیں تھے اس کے ساتھ موجود تھے۔ گراسن نے مارینو سے ان کا تعارف کرانا بھی ضروری

نہیں سمجھا۔

"تم لوگ خفیہ ولیم کے گھر کو کور کرو گے۔" اس نے ان دونوں سے کہا۔ "اگر کوئی اس کے مکان میں داخل ہو تو تم مجھے یہاں فون کرکے بتاؤ گے پھر میں تمہیں مزید ہدایات دوں گا۔" اس نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں چلے جانے کی ہدایت کی اور پھر اس طرح ٹی وی کی طرف دیکھنے لگا جیسے اسے کمرے میں مارینو اور لی ینگ کی موجودگی کا احساس ہی نہیں۔

"ایک عظیم شخصیت کے لیے یہ کمرہ شایان شان نہیں۔" ڈون سلواتورے ماسیلو کے لہجے میں ہمدردی تھی اس کا اشارہ ڈاکٹر ولیم کے بے ترتیب کمرے کی طرف تھا۔

"تم نے مجھے کیسے ڈھونڈ نکالا؟" ڈاکٹر ولیم نے پوچھا۔

"مجھے اس شہر کے بارے میں بہت کچھ معلوم ہے ڈاکٹر۔" ماسیلو بولا۔ "اور جو چیز مجھے معلوم نہیں ہوتی اسے معلوم کرلیا کرتا ہوں۔" ولیم ایک ٹیکنک ڈون کا چہرہ دیکھتا رہا پھر وہ لین فورتھ کی طرف پلٹا۔ "ایکسکیوز می۔۔۔" اس نے ماسیلو سے کہا۔ "میں ایک منٹ میں واپس آتا ہوں۔" لین فورتھ کو ایک اور بے ترتیب کمرے میں لے آیا جو بیڈ روم تھا۔ "کیا یہ آپ کا بیڈ روم ہے پاپا؟" لین نے کمرے میں گھستے ہی کہا۔

"ہاں۔۔۔ میرا خیال ہے کہ اب تم تھوڑی دیر کے لیے سو جاؤ۔" ڈاکٹر ولیم کا لہجہ مربیانہ تھا۔

"او کے پوپ۔" وہ ہنس کر بولی۔ "ویسے آپ نے آج رات ان کے دماغ ٹھیک سے اڑا دیے ہیں۔"

"ہاں!" ولیم نے منہ بولی بیٹی کو بڑی شفقت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ "اب فوڈ ورڈ کبھی مجھ پر قہقہہ نہیں لگایا کرے گا۔"

"گڈ۔" لین مسکرا دی۔ "گڈ نائٹ وہ۔۔۔ باہر بیٹھا ہوا شخص بہت نفیس انسان لگ رہا تھا پوپ!"

"غالباً وہ نفیس انسان ہی ہے۔" ولیم نے جواب دیا اس نے لین کے ماتھے پر پیار کیا اور جب وہ درجنوں سلوٹیں پڑے ہوئے بیڈ پر لیٹ گئی تو وہ ڈرائنگ روم میں واپس چلا آیا جہاں ڈون ماسیلو اب بھی کھڑا ہوا تھا۔ اسے دیکھتے ہی ماسیلو کرسی پر بیٹھ گیا۔ "شاید میں تمہیں یاد نہیں رہا پروفیسر؟"

ولیم محض اسے دیکھتا رہا۔

"ہماری ملاقات شاید دو سال قبل ہوئی تھی۔" ماسیلو نے کہا۔ "انڈو چائنا ریفیوجی ڈنر میں۔ میں بھی وہاں موجود تھا لیکن ظاہر ہے کہ وہاں اتنے لوگ تھے کہ تم نے مجھے یاد ہی نہیں رکھا ہوگا۔"

"اوہ۔۔۔ اچھا اب مجھے یاد آگیا۔" ڈاکٹر ولیم کو مہمان کا دل رکھنے کے لیے جھوٹ بولنا پڑا۔

"میں اس وقت بھی بزنس مین تھا اور اب بھی ہوں۔" ماسیلو نے کہا۔ "اور آج شب میں یونیورسٹی میں موجود تھا۔ جہاں میں نے تمہارے۔۔۔ وہ۔۔۔ کیا کہتے ہیں اسے؟"

"ڈریم کولا لمٹرز۔۔۔" ولیم نے جواب دیا۔

"ہاں۔ میں نے وہاں تمہارے ڈریم کولا لمٹرز کا مظاہرہ دیکھا۔ یقین کرو کہ میں اس سے بے حد متاثر ہوا۔ اتنا متاثر ہوا کہ اب میں اس کے سارے حقوق خریدنا چاہتا ہوں۔ اس کی تیاری سے لے کر فروخت تک کے حقوق۔ تمہیں اس سودے کا نہ صرف بھرپور معاوضہ ملے گا بلکہ میں بازار میں فروخت ہونے پر فی یونٹ کمیشن بھی دوں گا۔"

"میں اس وقت بزنس کے بارے میں گفتگو کرنا نہیں چاہتا۔" ولیم نے جواب دیا۔

جاسوسی ڈائجسٹ کا مقبول سلسلہ
سرکش
محمود احمد مودی کے شہکار قلم سے
12 حصوں میں شائع ہوگیا ہے
قیمت فی حصہ =/50 روپے
مکمل سیٹ =/600 روپے
مکتبہ القریش
سرکلر روڈ اردو بازار لاہور
فون 7668958

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"یقیناً۔ ظاہر ہے کہ تم بہت تھک چکے ہو گے۔ آج کی رات ہی کی تھکن کا کیا ذکر۔۔۔ تم تو برسوں سے اس پروجیکٹ پر محنت کر رہے ہو۔ یہ برسوں کی تھکن ہے۔ میں اس وقت تم سے صرف یہ کہنے آیا تھا کہ یہاں مظاہرہ دیکھنے کے لیے آنے والوں کی تعداد درجنوں سے بھی زیادہ تھی ان میں ایسے لوگ بھی شامل تھے جن کا مقصد صرف اور صرف تمہاری ایجاد کو چوری کرنا ہے۔"

"اس کے لیے انہیں پہلے ڈیم کو لاسٹر تلاش کرنا ہوگا۔" ولیم نے ہنس کر جواب دیا۔

"ہاں۔" ماسیلو نے سر ہلایا۔ "لیکن وہ بہت خطرناک لوگ ہیں ڈاکٹر! وہ اس ایجاد کو حاصل کرنے کے لیے سب کچھ کر گزریں گے۔"

"میں بہت محتاط رہوں گا۔"

"انتہائی احتیاط بھی ایسے معاملات میں کافی نہیں ہوتی ڈاکٹر! ڈون سلواتورے ماسیلو نے سر جھٹک کر خبردار کیا۔ "مثال کے طور پر۔۔۔ سنو ڈاکٹر! میں تمہیں شرمندہ کرنا نہیں چاہتا لیکن کیا یہ حقیقت نہیں کہ اس کمرے میں تم ایک عورت کی میزبانی کرتے رہے ہو۔"

"ہاں۔" ولیم نے بہت سنجیدگی سے ماسیلو کو گھورا۔

"اور کچھ دنوں سے اس سے تمہاری ملاقات نہیں ہوئی ہے۔"

"درست۔۔۔"

"یقین کرو کہ تم سے اب اس کی ملاقات کبھی نہیں ہو سکے گی ڈاکٹر ولیم۔" ماسیلو نے انکشاف کیا۔ یہ سن کر ولیم جیری کرسی پر ڈھیر ہو گیا۔ اس کے چہرے پر الم و حزن کے بادل چھا گئے۔

"سوری ڈاکٹر۔" ماسیلو نے غم زدہ انداز میں اسے تسلی دینے کی کوشش کی۔ "میں نے یہ انکشاف صرف اس لیے کیا ہے کہ تمہیں ان لوگوں کی سرشت کا اندازہ ہو سکے۔ نیویارک سے آنے والے یہ لوگ اپنی راہ میں کوئی رکاوٹ برداشت نہیں کریں گے۔"

جینٹ کے بارے میں سن کر ولیم کی حالت واقعی ابتر ہو گئی تھی۔ وہ دل گرفتہ تھا۔ ماسیلو اس کی کیفیت بھانپ کر اٹھا اور اس نے ولیم کے کندھوں پر ہاتھ رکھ دیا۔ "مجھے تم سے ہمدردی ہے پروفیسر۔۔۔ لیکن میں نے تمہیں انتباہ کر دیا ہے تاکہ تم اپنی بیٹی کو ان لوگوں کے ہتھے نہ چڑھنے دو۔ احتیاط سے کام لینا عقل و دانش کا تقاضا ہے۔"

"تشدد اور زہر کے بارے میں میں کچھ نہیں جانتا۔" ولیم نے شکستہ لہجے میں کہا۔ "مجھے تشدد پسند بھی نہیں اور میں لین کو ایسے خطرات سے دوچار کرنا نہیں چاہتا۔"

اس کی ضرورت بھی نہیں ہوگی ڈاکٹر۔" ماسیلو نے اسے یقین دلایا۔ "میرے بھی بہت سے دوست ہیں جنہیں یہ علم ہے کہ تمہیں اور تمہاری بیٹی کو کس طرح تحفظ فراہم کیا جا سکتا ہے۔"

شانے پر ماسیلو کی دوستانہ تھپکی، پُرخلوص لہجہ اور ہمدردی کام دکھا گئی۔ اس کی موجودگی میں ولیم کو اعتماد کا احساس ہوا۔ "واقعی۔" اس نے پوچھا۔

"سو فی صد واقعی۔" ماسیلو نے بہت سنجیدگی سے جواب دیا۔ وہ واقعی بہت سنجیدہ تھا۔

♠

گراسن کے بھیجے ہوئے آدمیوں نے اسے جلد ہی فون پر رپورٹ پیش کی۔ "ایک درمیانی عمر کا شخص اور ایک مشتبہ۔"

"یہی ہے۔" گراسن نے پوری رپورٹ نہیں سنی۔ "یہ وہی لوگ ہیں۔۔۔ سنو۔۔۔ بوڑھے آدمی نے کسی قسم کا ٹی وی آلہ ایجاد کیا ہے میں چاہتا ہوں کہ تم اس آلے کو لے آؤ۔"

"اور اس کے بارے میں کیا ہدایت ہے؟"

"اس کا جو چاہو کرو۔" گراسن نے کھلی چھوٹ دے دی۔ رپورٹ دینے والے ابھی ٹیلی فون بوتھ ہی میں تھے کہ ڈاکٹر بہرام ٹائیگر اور اوشان کو چھوڑ کر چلا گیا اور وہ دونوں ولیم کے گھر کی طرف آنے لگے۔

"کیسا آلہ؟" لمبے آدمی نے پوچھا۔

"پتا نہیں۔ لیکن ہم جلد ہی اس پروفیسر سے سب کچھ اگلوا لیں گے۔"

وہ ولیم کے دروازے پر پہنچے تو انہیں کھلا ہوا دیکھ کر شدید حیرت ہوئی۔ زیادہ حیرت کی بات یہ تھی کہ ڈرائنگ روم کے فرش پر دو افراد لیٹے ہوئے تھے۔

لمبے آدمی نے لائٹ سوئچ دبا دیا۔ روشنی ہوتے ہی اس نے گرجدار آواز میں پوچھا۔ "تم میں سے ولیم وولی کون ہے؟"

"وولی۔" ٹائیگر اٹھ بیٹھا۔ "اوشان زیادہ اونی ہے جبکہ میں واش اینڈ ویئر ہوں۔" اس جواب پر دونوں نے اوشان اور ٹائیگر کو بغور دیکھا۔

"تیسرا آدمی کہاں گیا؟" لمبے نے ۲۸ بور کا ریوالور نکال لیا۔ "بولو!"

"تیسرا آدمی نہ تو اونی تھا اور نہ ریشمی۔" ٹائیگر نے ہاتھ ہلا کر جواب دیا۔ "وہ تولیے کی طرح تھا۔ اب دفعان ہو جاؤ۔"

یہ کہہ کر وہ پیٹ کے بل لیٹ گیا۔

"ہوں۔" لمبا آدمی ہنکارا بھر کر ٹائیگر کے قریب پہنچا اس نے جوتے کی نوک سے ٹائیگر کے شانے پر ٹھوکا دیا۔ "مسخرہ پن کر رہے ہو۔" اس نے نوک سے شانہ دبانے کی کوشش کی لیکن یہ محسوس کر کے اسے بڑی حیرت ہوئی کہ گوشت دبا ہی نہیں۔۔۔ اور پھر نہ جانے کیا ہوا۔ وہ شخص بہت زور سے اچھلا ایک لمحے کے لیے فضا میں معلق رہا اور پھر ہوا میں چاروں شانے چت فرش پر گر پڑا۔

اس نے گرتے ہی اٹھنے کی کوشش کی اور ریوالور کی نال کا رُخ ٹائیگر کی پشت کی طرف کر دیا لیکن اس کے ساتھ ہی اوشان بھی کھڑا ہو گیا۔

"تم کیا چاہتے ہو؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"ٹی وی والا آلہ۔" وہ غرّا کر بولا۔ "کہاں رکھا ہے؟"

"وہاں۔" ٹائیگر نے ۱۹ انچ کے سلور سٹون کنسول کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "لیکن ٹی وی آن مت کرنا۔ اس وقت کوئی اچھا پروگرام نہیں آ رہا ہوگا۔"

"بس۔۔۔ اتنا کافی ہے۔" لمبے نے غرّا کر جواب دیا اسی لمحے اوشان اس کے قریب آیا تو اس نے لمبی دبانے کی کوشش کی مگر اچانک ہی ریوالور کی نال کا رُخ اس کے اپنے پیٹ کی طرف ہو گیا۔ انگلی اب بھی لمبی پر تھی اور وہ لمبی پر دباؤ ڈالنے پر مجبور تھا۔ ہلکی سی آواز کے ساتھ گولی چلی۔

پستہ قامت شخص نے بھی ریوالور نکال لیا تھا اس کی نال کا رُخ بھی ٹائیگر کی طرف تھا مگر اسی لمحے ٹائیگر نے قلابچ بھری فاصلہ کم ہوا۔ ابھی پستہ قامت شخص ٹائیگر دبانے کی کوشش ہی کر رہا تھا کہ اسے سینے میں شدید ترین درد کا احساس ہوا۔ ٹائیگر نے اپنی انگشت شہادت واپس کھینچی تو وہ خون آلود تھی۔ تب ہی اوشان نے پستہ قامت شخص کے شانے پر جھکی دی وہ کسی تیر کی طرح ٹی وی سیٹ کی طرف لپکا۔ اس کا سر اسکرین سے ٹکرایا اور ٹی وی ٹوٹ گیا۔

"اے۔۔۔ آپ نے اتنا اچھا سیٹ غارت کر دیا۔" ٹائیگر تاسف بھرے لہجے میں بولا۔

"نہیں۔" اوشان نے سر ہلا کر تردید کی۔ "ٹی وی توڑنے کی ذمے داری اس شخص پر ہے جس نے اندھے بھینسے کی طرح ٹکر ماری ہے۔"

"اب آپ ڈراما کیسے دیکھیں گے ٹبل فادر؟"

نگار خانوں کی پردوں میں ہونے والا تماشا ہے آہن و سنگ
دیکھ رہے کرداروں کی دانستان ہر رنگ

سرکش

محمود احمد مودی

کے

ایڈونچرس قلم سے

12

حصّوں میں شائع ہو گیا ہے

قیمت مکمل سیٹ

-/۷۲۰ روپے

مکتبہ القریش، سرکلر روڈ، اردو بازار
لاہور، فون: ۷۶۶۸۹۵۸

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"ایسے حالات کے لیے میں ہمیشہ تیار رہتا ہوں میرے بچے۔" اوشان نے زیرِ لب مسکراتے ہوئے کہا۔ "میرے کمرے میں موجود صندوق میں میرا اپنا سیٹ موجود ہے... لیکن ان جسموں کا کچھ کرو..." ٹائیگر نے احتجاج کرنے کا سوچا لیکن معاً ہی اسے خیال آگیا کہ کوڑا کرکٹ صاف کرنا اس کا ذمہ داری ہے لہٰذا وہ ایک طویل سانس لے کر تیار ہوگیا۔

● ابھی آسمان پر ہلکی روشنی نمودار ہوئی تھی اور ولیم اپنی بیٹی لین کے ساتھ ایج ووڈ یونیورسٹی کیمپس میں واقع اپنے مکان پر پہنچا تھا۔ اس وقت دونوں گن مینوں کی لاشیں مکان کے عقب میں کوڑے کے ڈھیر میں پڑی ہوئی تھیں۔

باپ بیٹی ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے تو انہیں ٹھٹک کر رُک جانا پڑا۔ وہاں اوشان کنول کے اسن میں فرش پر اور ٹائیگر صوفے پر بیٹھا ہوا تھا۔

"آپ یقیناً ڈاکٹر ولیم وولی ہیں؟" ٹائیگر نے اس سے پوچھا۔

"تم کون ہو؟" ولیم نے قدرے خوف زدہ لہجے میں پوچھا۔ مگر اوشان کو دیکھتے ہی لین فوراً حیرت سے اچھل پڑی۔ پھر جب اس نے ٹوٹا ہوا ٹی وی دیکھا تو اس کی آنکھوں میں بھی خوف اُتر آیا۔

"ٹی وی توڑنے کے بجائے تم مجھ سے بات کر لیتے تو بہتر ہوتا۔" ولیم نے قدرے درشت لہجے میں کہا۔ "تمہیں یہاں کچھ بھی نہیں ملے گا۔"

"ہم یہاں کسی چیز کی تلاش میں آئے بھی نہیں ہیں ڈاکٹر۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ "یہ حرکت ان دو افراد کی ہے جو تمہیں قتل کرنے کے لیے آئے تھے۔"

"تم نے ابھی تک میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔ تم کون ہو؟" ڈاکٹر ولیم کا حوصلہ اب بڑھتا جا رہا تھا۔

"ہمیں یہاں اس لیے بھیجا گیا ہے کہ جب تک تم ایک خاص شخص سے بات نہ کر لو اس وقت تک تمہاری حفاظت کی جائے۔"

"اور وہ کون ہے؟"

"اس بارے میں وہی تمہیں بتائے گا۔" ٹائیگر کے لہجے میں اب اکتاہٹ تھی۔ "تم دونوں اپنے معمولات ترک نہ کرو کہ ہماری موجودگی میں کوئی بھی تمہیں نقصان نہیں پہنچائے گا۔"

"تم لوگ بہت اچھے ہو۔" ولیم نے خشک لہجے میں کہا۔ پھر وہ کچن میں چلا آیا و ہاں اس نے لین کے کان میں سرگوشی کی۔ "اگر مجھے کچھ ہو جائے یا ایسا لگے کچھ ہونے والا ہے تو مسٹر ماسیلو سے اس نمبر پر رابطہ کرنا۔" اس نے لین کو نمبر دیا۔

"میں نے کہا تھا نا... ماسیلو بہت نفیس آدمی ہے پوپ۔" لین نے نمبر لے کر کہا۔ وہ رات بھر ماسیلو کے ساتھ رہے تھے۔

■

بہرام کچن میں ولیم سے مذاکرات کر رہا تھا اور باہر لوگوں کی تعداد بڑھتی جا رہی تھی۔ ڈرائنگ روم میں ٹائیگر سائنس کی مشق کر رہا تھا جبکہ اوشان، لین کو سنجیدگی سے آرٹ کا مظاہرہ دکھا رہا تھا۔ اس نے ایک چھوٹا سا کاغذ لے کر سر کے اُوپر اُچھالا اور جونہی کاغذ ہاتھ کی پہنچ میں آیا اس کی کھڑی تھیلی نے کاغذ پر مزید نشانی شروع کر دیں۔ کاغذ فرش پر گرنے سے قبل درجنوں ٹکڑوں میں تقسیم ہو گیا تھا۔

ادھر کچن میں حب الوطنی کی دلیل کافی کے پہلے کپ کے ساتھ ہی غیر مؤثر ثابت ہوئی تھی اور اب بہرام سماجی پہلو پر زور دے رہا تھا۔

"ڈریم کو لائنرز کے استعمال سے نفرت اور تشدد کے خاتمے میں مدد مل سکتی ہے ڈاکٹر ولیم!"

"میں یہ نہیں چاہتا کہ کالوں سے نفرتوں کا جذبہ ختم ہو جائے اور ان کے خلاف جائز تشدد کی لہر بیٹھ جائے۔"

"تب پھر آپ یہ بتائیں کہ ڈریم کو لائنرز کتنے میں فروخت کریں گے۔ میں منہ مانگی قیمت دینے کے لیے تیار ہوں۔" بہرام آخر کار مادی پہلو کی طرف آگیا۔

"آپ کو دیر ہو گئی۔" ولیم نے مسکرا کر جواب دیا۔ "میں سودا طے کر چکا ہوں۔"

کیا آپ کو یہ اندازہ نہیں کہ یہاں ایسے بھی لوگ ہیں جو اس آلے کو حاصل کرنے کے لیے آپ کو قتل بھی کر سکتے ہیں؟"

"مجھے علم ہے۔" ولیم نے جواب دیا۔ "میں اس بات پر مشکور ہوں کہ آپ نے میری اور لین کی حفاظت کے لیے اپنے آدمی بھیجے ہیں لیکن یقین کریں کہ میں اب خوف زدہ نہیں ہوں۔"

"نبو بارک سے گراسن نامی ایک خطرناک قاتل بھی یہاں آیا ہوا ہے ڈاکٹر ولیم!"

"میں نے اس کے بارے میں پہلے کبھی نہیں سنا۔"

"وہ یہاں ایک شخص کے لیے کام کر رہا ہے جس کا نام ڈون سنوا..."

"تھپوڑیں ڈاکٹر۔ یہ قصہ رہنے دیں۔ میں دہشت انگیز کہانیوں میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتا۔ مجھے کلاس لینی ہے لہٰذا..."

"آپ سنگین غلطی کر رہے ہیں۔" بہرام اُٹھ گیا۔

"شکر ہے کہ غلطی میں کر رہا ہوں۔" ولیم کا لہجہ بہت روکھا تھا۔

"آخری بات۔ وہ آلہ اس مکان میں تو نہیں ہے؟"

"نہیں۔" ڈاکٹر نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"گڈ۔" بہرام بولا۔ "میری تجویز یہ ہے کہ آپ اور آپ کی بیٹی دونوں ہی رات کو کہیں اور سویا کریں۔"

"اس ہمدردی کا شکریہ۔ میں پہلے ہی اس کا انتظام کر چکا ہوں۔" ڈاکٹر ولیم نے ہاتھ ہلا کر اکتاہٹ بھرے انداز میں جواب دیا۔ پھر وہ اس وقت تک بیٹھا رہا جب تک بہرام کچن سے نہیں نکل گیا۔ اس نے بہرام، ٹائیگر اور اوشان کو عقبی دروازے سے باہر جاتے ہوئے دیکھ کر سکون کی سانس لی پھر لوچ میں چلا آیا۔ جہاں اٹھارہ افراد اس کے منتظر تھے۔

"آئی ایم سوری۔" اس نے تقریر کرنے والے انداز میں کہا۔ "ڈریم کو لائنرز کے بارے میں میرا معاہدہ ہو چکا ہے لہٰذا میرے نزدیک آپ لوگوں سے اس معاملہ پر گفتگو فضول رہے گی۔"

تمام افراد احتجاج کرنے لگے مگر ولیم انہیں چیختا چلاتا چھوڑ کر اپنے گھر میں آگیا۔ اس نے دروازہ اندر سے مقفل کر دیا۔

"لین۔" اس نے چلا کر کہا۔ "مجھے کلاس لینے جانا ہے میں نہانے جا رہا ہوں۔"

"شاندار..." آواز اُوپر سے آئی تھی لین نے کچھ اور بھی کہا تھا لیکن اس کی آواز لاؤڈ اسپیکر پر کی آواز میں دب گئی۔

ولیم نے شرٹ اتار کر باتھ روم کا رُخ کیا اور پھر اسے دروازے پر ہی ٹھٹک کر رُک جانا پڑا۔

اندر وہی قتالۂ عالم میڈیسن بکس میں کچھ تلاش کر رہی تھی۔

"کیا یہاں اسپرین نہیں ہوتی۔" پیٹی شی نے ڈاکٹر کو دیکھتے ہی پوچھا۔ وہ گہرے گلے کے ایسے بلاؤز میں تھی جس سے آرپار دیکھا جا سکتا تھا۔

ولیم نے دروازہ بند کر لیا۔

"نہیں۔ اسپرین تو نہیں ہے۔" اس کی آواز حلق میں پھنس رہی تھی۔ پیٹی شی کی یہاں اور اس لباس میں موجودگی کے باعث وہ بہت زیادہ گہری گہری سانسیں لینے لگا تھا۔

"گھر اؤ مسٹ ٹارزن۔" وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ "میرے سر میں ویسے بھی سخت درد ہو رہا ہے۔"

پیٹی شی کے چہرے کے نقوش کم سن لڑکیوں جیسے تھے۔ لیکن جسم بالکل مختلف تھا وہ سر کے درد کا اظہار کرنے کے لیے دونوں کنپٹیوں کو دبانے لگی۔ "میں یہاں دو گھنٹے سے کھڑی ہوں۔" اس نے سنک سے ٹیک لگائی۔ یہ انداز ولیم کے ہوش اڑانے کے لیے کافی تھا۔ وہ وہیں لانڈری کے لیے رکھے ہوئے کپڑوں کے ڈھیر پر بیٹھ گیا۔

"سنو... ولیم۔" پیٹی شی اٹھلا کر بولی۔ "یہ سب کچھ نہایا دھویا جا سکتا ہے۔" اس نے اپنی ہی انگلی سے اپنی سمت اشارہ کر کے کہا۔

ولیم کا ہاتھ ملنے لگا۔

"اور... ٹی وی ورلڈ تمہارا غلام بن سکتا ہے۔" پیٹی شی اب اور زیادہ خطرناک انداز میں جھک کر بولی۔ "بھلا تمہاری ایجاد سے ٹی وی ورلڈ کے سوا اور کون بہتر فائدہ اٹھا سکتا ہے۔"

ولیم نے ایک طویل سانس لے کر نظریں جھکا لیں کیونکہ اب تاب نظارہ نہیں رہی تھی۔

وہ دیر تک ایسی ہی باتیں کرتی رہی لیکن ولیم خاموش رہا اور جب شی کو اندازہ ہو گیا کہ ان باتوں میں تیل نہیں تو وہ جھنجلا کر بولی۔ "کیا اسپرین نہیں مل سکتی؟"

"نہیں میرے گھر میں اسپرین نہیں ملتی۔"

"تم نے ڈریم کو لائنرز کہاں رکھا ہے؟"

"وہاں... جہاں کوئی بھی نہ پہنچ سکے۔"

"کس کے ہاتھ بھیجا ہے؟" شی نے اپنے بلاؤز پر ایک شال نما کپڑا ڈال کر پوچھا۔ اس کا لہجہ تلخ تھا۔

"میں چند دن میں تمام تفصیلات خود جاری کر دوں گا۔"

"تمہیں علم ہے کہ میں تمہاری ایجاد کو فراڈ قرار دے کر تمہیں بدنام کر سکتی ہوں۔" شی اب سیدھی کھڑی تھی۔

"مجھے ضرور کرنا لیکن جب ڈریم کو لائنرز استعمال ہونے لگے گا تو لوگ تمہیں احمق کہیں گے۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو۔" وہ سر جھٹک کر بولی۔ "لیکن کیا تمہیں یہ بھی معلوم ہے کہ محض ایک مشین کی وجہ سے بہت سے لوگ تمہاری جان کے درپے ہو چکے ہیں؟"

"یہ بات کئی افراد نے مجھے بتائی ہے۔" پروفیسر ولیم نے جواب دیا۔ "لیکن مجھے حیرت اس بات پر ہے کہ ہر شخص ڈریم کو لائنرز حاصل کرنے کی جدوجہد کیوں کر رہا ہے؟"

"ہم اسے حاصل کرنے کے بجائے دفن کرنے کی جدوجہد کر رہے ہیں۔" شی نے درشت لہجے میں کہا۔ "شاید تمہیں اندازہ نہیں کہ ڈریم کو لائنرز کرسٹل ٹی وی کا سیرا لعرق کر ڈالے گا۔"

"ممکن ہے کہ ایسا ہی ہو۔ ویسے اب مجھے اجازت دو۔"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

میں نہانا چاہتا ہوں۔"

"اپنی کمر کا مساج کرواؤ گے؟" شی نے معنی خیز لہجے میں پوچھا تو ولیم جھینپ سا گیا۔ مگر اگلے ہی لمحے شی نے قہقہہ لگا کر اس کی خفت کو دور کر دیا۔ "فکر مت کرو۔ تم بہت جلد امیر ہو جاؤ گے اور پھر مساج کے لیے نوکر بھی رکھ سکو گے۔" یہ کہہ کر اس نے زوردار جپھی لی۔ ابھی ولیم "سی" ہی کر رہا تھا کہ وہ باتھ روم سے نکل گئی۔ کچھ دیر بعد ولیم کو فرنٹ ڈور کھلنے اور بند ہونے کی آواز سنائی دی۔

شاور کے نیچے آتے ہوئے ولیم کو مسرت یہی سوچ رہا تھا کہ اس نے مسیلو سے ۵ لاکھ ڈالر کا سودا کر کے دانشمندی کا ثبوت دیا ہے اسے مسٹر مسیلو پر مکمل اعتماد تھا۔

وہ میری ویدر ہال میں اپنی کلاس کو لیکچر دینے کے لیے نکلا اور مسٹر گشت کے انداز میں کیمپس کی طرف چل دیا۔ اس وقت مارینو اس کا تعاقب کر رہا تھا۔

اور مارینو کو ٹارچر دینے والا ڈاکٹر ہبرام بھی موجود تھا۔ اس نے فوراً اوشان اور ٹائیگر سے کہا۔ "ولیم یقیناً بے حد احمق آدمی ہے لیکن بہرحال... ہاسٹر اب ٹائیگر کے ساتھ اس کی حفاظت کریں گے۔ اگر یہ زندہ رہا تو ممکن ہے کہ اپنا ذہن بدل ڈالے۔"

ٹائیگر نے ہنکارا بھرا اور اوشان پرندوں کو اڑتے ہوئے دیکھنے لگا۔

بیٹی شی اپنے اسائنمنٹس سے تنگ آ چکی تھی۔ اسے مسلسل سفر میں رہنا پڑتا تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ ایڈمیرل بچارج اسے دفتر میں رکھنا نہیں چاہتا تھا کیونکہ اسے شبہ تھا کہ اگر بیٹی شی نے ڈیسک پر کام کرنا شروع کر دیا تو پھر ایڈمیرل کی ساکھ بری طرح متاثر ہو گی۔

اس وقت وہ اپنے باس اور ولیم کو گالیاں دیتی ہوئی کالج میں آئی تو اسے ٹھٹک کر رک جانا پڑا۔ اس کی خوبصورت آنکھیں چندھیا سی گئیں کیونکہ ایک نوجوان جس کے بال ہلکے بھورے تھے جس نے بیگ کی سائنگ نکال رکھی تھی اور جو آرمی فیلڈ جیکٹ پہنے ہوئے تھا کچھ ٹیبل پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے ہاتھ میں دستی بم تھا جس سے وہ کھیل رہا تھا۔

بیٹی شی پہلے اسے بی بی نظروں سے دیکھتی رہی اور پھر اس نے لپک کر بم بردار نوجوان کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔

"اوہ! مائی ڈارلنگ! کیا یہ تم ہی ہو۔ دنیا کے بیہودہ ترین قاتل!" شی کے لہجے میں کھنک تھی شوخی تھی محبت تھی۔

"نیتیسواں۔" ٹی بی ڈوتل نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "دو افراد گزشتہ ہفتے مارے گئے۔" وہ شی کی گداز باہوں سے اس طرح دور ہونے لگا جیسے وہ صرف بستری خور ہو۔ وہ واقعی گوشت خور نہیں تھا کیونکہ جب شی نے اسے بھنا گوشت اور انڈا پیش کیا تو اس نے انکار کر دیا تھا۔ "نو تھینکس!" اس نے سگریٹ کا پیکٹ کھولتے ہوئے کہا۔ "میں محض سبزی خور ہوں۔" سگریٹ سلگاتے وقت اس نے ماچس بم کے اتنی قریب رکھی کہ شی کی چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔

"لگ... کمال ہے۔" شی نے تیلی بجھتے ہوئے دیکھ کر ایک طویل سانس لی۔

"اگر تم میرے بزنس میں شامل ہو جاؤ تو تمہیں بھی اندازہ ہو جائے گا کہ گوشت کی کوئی اہمیت نہیں۔"

شی کی ڈوتی سے پہلی واقفیت اس روز ہوئی تھی جب وہ مافیا کے ایک ہٹ مین کی بیوی سے انٹرویو کرنے گئی تھی۔ اس ہٹ مین کو عدالت نے سزا سنا دی تھی اور شی اس کے بارے میں تبصرہ لکھنے کے لیے مواد جمع کر رہی تھی۔ اس عورت کو بھی اپنے شوہر کے جیل جانے پر شدید دکھ تھا۔ وہ مافیا سے برہم تھی لیکن جب شی اس کے پاس پہنچی تو عورت کی ساری برہمی دور ہو چکی تھی بلکہ وہ قدرے خوف زدہ تھی اس کے ہاتھ میں ایک گریٹنگ کارڈ تھا جس پر ڈی بی کے الفاظ بہت نمایاں تھے۔

شی مایوس واپس چلی آئی... پھر تین روز بعد اس عورت کی لاش کے جلے ہوئے حصے اس سونخہ کان کے کنڈر سے ملے جس میں حکومت نے اسے اپنی حفاظت میں رکھا تھا۔ عورت کی جھلسی ہوئی مٹھی میں گریٹنگ کارڈ اس وقت بھی دبا ہوا تھا۔

تب ہی شی نے ٹی بی کی اصلیت تک پہنچنے کے لیے کام شروع کر دیا۔ اس نے قانون نافذ کرنے والی ایجنسیوں کا ریکارڈ کھنگال ڈالا اور تفصیلات کے علم میں آنے کے بعد ڈی بی کی تلاش میں نکل کھڑی ہوئی وہ جہاں بھی گئی وہاں اس نے ٹی بی کو ضرور تلاش کیا حتیٰ کہ ایک روز وہ اسے نیویارک ویسٹ سائیڈ کے ریستوران میں مل گیا۔

"میں تمہیں بے نقاب کرنے کے لیے تمہارا تعاقب کرتی رہی ہوں۔" شی نے اس کی میز پر بیٹھتے ہی اعلان کیا جس پر

ٹی بی بہت زور سے قہقہہ مار کر ہنس پڑا۔

"اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے؟"

"تم!" ٹی بی نے پھر قہقہہ لگا کر کہا۔

"میرے اوپر ہنس رہے ہو!" شی کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

"ہاں! اور اس لیے کہ تم جس نیٹ ورک کے لیے کام کرتی ہو میں بھی اس سے متعلق ہوں۔"

شی نے اسی وقت ٹی بی پر فیچر لکھنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ اور وہ اب ادھار کے کچھ میں بیٹھا ہوا بم سے کھیل رہا تھا اس وقت شی کو بتانا تھا کہ اس کا ٹارگٹ کیا ہے؟

لیکن کانٹا لیتے ہوئے شی اسے ٹارگٹ کے بارے میں بتا رہی تھی۔ یہ ٹارگٹ ولیم کے سوا کوئی اور نہ تھا۔ "اس وقت وہ کلاس لے رہا ہو گا۔" شی نے اپنے بڑے گلے کے بلاؤز پر سے سلوٹیں ہٹانے کے بہانے اسے اونچا کرتے ہوئے کہا۔ "اس کا نام ولیم ہے اور وہ میری ویدر ہال میں لیکچر دے رہا ہو گا۔"

ٹی بی گرینیڈ کی پن سے کھیلنے لگا جبکہ شی سب کچھ بھول کر اس کی اس انگلی کو خوف زدہ انداز میں دیکھنے لگی جو پن کے بالکل اوپر تھی۔

"کالج کا ٹی وی اسٹیشن ہال میں ہے۔" وہ کچھ دیر بعد بولی۔

"ہوں۔" ٹی بی نے ہنکارا بھر کر بم جیب میں ڈالا اور اٹھ گیا۔

"ہے۔" شی اسے جاتا ہوا دیکھ کر بے قرار ہو گئی۔ جونہی وہ دروازے کے قریب رکا وہ اس سے لپٹ گئی لیکن جیب میں بم کا احساس ہوتے ہی ایک قدم پیچھے ہٹ گئی۔ "تم واپس تو آؤ گے نا؟" اس وقت اس نے ٹی بی کی آرمی جیکٹ کا دامن پکڑ رکھا تھا۔

"ذرا خیال سے اظہار محبت کیا کرو شی۔" وہ سپاٹ لہجے میں بولا۔ "تمہارے گداز جسم کے دباؤ سے بم پھٹ بھی سکتا تھا۔"

شی نے جھجک کر دامن بھی چھوڑ دیا اور ٹی بی سفاکانہ انداز میں مسکراتا ہوا نکل گیا۔

وہ عام سے انداز میں کیمپس کی طرف بڑھ گیا جہاں اس کی کار کھڑی تھی۔ وہ اب دوسرا پیکٹ کھول کر سگریٹ سلگا ہی رہا تھا کہ سرگوشیاں شروع ہو گئیں۔

ایسی سرگوشیاں ٹی بی نے پہلے قتل سے قبل بھی سنی تھیں۔ پہلے قتل سے قبل صرف ایک آواز سنائی دی تھی۔ نرم و لطیف سی آواز "میری خاطر مار ڈالو۔" یہ جملہ سرگوشی میں ہوتا تھا پھر دوسرے قتل سے قبل اس نے دو آوازیں سنیں، چوتھے قتل کے وقت آٹھ سرگوشیاں سنائی دیں اور اس بار اس نے ضلعی سے پانچ افراد کو قتل کر دیا تھا۔ اسے یقین تھا کہ یہ سرگوشیاں ان تمام افراد کی ہیں جو اس کے ہاتھوں ہلاک ہو چکے ہیں۔

اور اس وقت یہ سرگوشیاں کورس کے انداز میں سنائی دے رہی تھیں۔

ٹی بی کو ان آوازوں سے محبت تھی اور قتل کرتے وقت وہ خود کو تنہا محسوس نہیں کرتا تھا۔

وہ وہیں گھاس پر بیٹھ کر سگریٹ پینے لگا جس کی راکھ اس کی جیکٹ پر گرتی رہی۔ طالب علم اس کے قریب سے گزرتے رہے بعض نے اس کی طرف دیکھ کر ہاتھ بھی ہلائے کیونکہ وہ اس کے لباس کی وجہ سے اسے بھی طالب علم سمجھ رہے تھے۔

تب ہی اس کی نظر موٹی کلائیوں والے ایک نوجوان اور ایک زرد رو بوڑھے پر پڑی جو ایک تیسرے شخص سے گفتگو کر رہے تھے لیکن اس نے ان تینوں کی طرف کوئی توجہ نہیں دی۔ کیوں کہ سرگوشیاں اب شدت اختیار کرنے لگی تھیں۔

پال مال کا تیسرا پیکٹ کھولنے کے بعد وہ کھڑا ہو گیا اس نے کار کا مقفل دروازہ کھولا۔ سیٹ کے نیچے سے کچھ نکال کر کوٹ میں چھپایا اب ہی دو چیزوں سرگوشیاں کورس کے انداز میں سنائی دیں۔ "ہماری خاطر قتل کر دو۔" وہ میری ویدر ہال کی طرف چل دیا۔ سرگوشیاں مزید بلند ہو گئیں۔ اس نے دو مرتبہ ہال کا چکر لگایا۔ نکلنے کے راستے دیکھے اور شیشے کے کلاس رومز کا جائزہ لیا۔

مین لیکچر ہال پہلی منزل پر تھا۔ ایک کلاس ابھی ہال سے نکلی تھی لہٰذا وہ خالی کمرے میں داخل ہو گیا۔ اس کمرے کی چھت اگرچہ بلند تھی لیکن اس میں کوئی کھڑکی نہ تھی۔ دو بغلی دروازے تھے جبکہ بلیک بورڈ کے دونوں طرف دو اسکرینز ڈور ز تھے۔ اس نے پورے ہال میں گھوم پھر کر جائزہ لیا وہاں ۴۲۵ نشستیں تھیں۔ پھر وہ ہال کے وسط میں بیٹھ گیا۔

پہلا طالب علم دس منٹ بعد داخل ہوا۔ اس وقت ٹی بی پیچین والی سگریٹ پی رہا تھا۔ کمرہ آہستہ آہستہ طلبا سے بھرنے لگا۔ کسی نے بھی ٹی بی پر کوئی توجہ نہ دی۔ اس کا نوجوان چہرہ آنکھوں پر اسٹیل فریم گلاس اور آرمی جیکٹ اسے طالب علم ظاہر کرنے کے لیے کافی تھی۔

ٹھیک بیس منٹ بعد ولیم نمودار ہوا۔ وہ آدھی آستین کی پولی قمیص پہنے ہوئے تھا جبکہ پتلون ڈٹ برنٹ بلیو تھی جونہی وہ بیک اگزٹ ڈور سے کلاس میں آیا تمام طالب علم کھڑے ہو کر زور زور سے تالیاں بجانے لگے۔ انہیں صرف یہ خوشی تھی

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کل رات ولیم نے لی وُڈ کو نیچا دکھا دیا تھا۔

لیکچر شروع ہوگیا۔ تب ہی ٹی بی کو اندازہ ہوا کہ ولیم بہت اچھا انسٹرکٹر بھی ہے اس نے لیکچر بغور سننے کی کوشش کی لیکن صرف پندرہ منٹ بعد ہی "ہماری خاطر قتل کردو" کی سرگوشیاں نعروں میں بدل گئیں۔ یہ نعرے صرف وہ سن سکتا تھا۔

اس نے سر جھٹک کر ولیم کو دیکھا جو اس وقت سب کے سامنے کھڑا ہوا تھا پھر اسے جیکٹ کے نیچے موجود چیز کے وزن کا احساس ہوا اس کی پیشانی پر پسینہ پھوٹنے لگا۔ حلق میں تھوک جمع ہونے لگا جسے اس نے کئی کئی بار نگلا۔ پھر اس نے سیاہ چربی دستانے پہن لیے۔

"ہماری خاطر قتل کردو" آوازیں اب بہت پُرجوش تھیں۔ ٹی بی نے اپنی گھڑی دیکھی۔ لیکچر کو پچیس منٹ گزر چکے تھے اور اب سرگوشیاں بہت تیز ہونے لگی تھیں۔

وہ کھڑا ہوگیا۔

"ہماری خاطر قتل کردو" یہ آوازیں اب فریاد کی شکل اختیار کر گئی تھیں۔

چند افراد نے گردن گھما کر اسے دیکھا پھر ان لوگوں کی نظریں ایک بغلی دروازے کی طرف ہوگئیں اور تقریباً تمام ہی افراد لی وڈورڈ کو دیکھ کر اچھل پڑے۔

چہ میگوئیاں شروع ہوگئیں۔

لی وڈورڈ کے کپڑے شکن آلود تھے اور پنڈلیوں پر دھبے پڑے ہوئے تھے۔

ٹی بی نے اسے نہیں دیکھا کیونکہ وہ تو ولیم کی طرف بڑھ رہا تھا جو اس وقت بلیک بورڈ پر کچھ لکھ رہا تھا۔ تب ہی کسی کی چیخ سن کر ٹی بی نے پلٹ کر دیکھا۔ لی وُڈورڈ کے ہاتھ میں پستول تھا اور وہ ولیم کی طرف دیکھ کر دہاڑ رہا تھا "گدھے کے بچے! تو نے مجھے تباہ کر ڈالا۔"

ولیم پلٹا۔۔۔ تو وڈورڈ نے پستول والا ہاتھ بلند کرنا شروع کر دیا۔

ٹی بی کا ہاتھ بہت تیزی سے جیکٹ کے اندر آگیا اور اسی تیزی سے اس نے قدیم طرز کا آہنی عصا نکال کر وڈورڈ کے ہاتھ پر دے مارا۔ وُڈورڈ کا پستول فرش پر گر پڑا۔ طلبہ نے اس پر زبردست تالیاں بجائیں لیکن جونہی اس عصا کی ضرب وُڈورڈ کی کھوپڑی پر پڑی۔ وہ سب کے سب گنگ اور ساکت ہوگئے۔

ولیم نے تشکر آمیز انداز میں ٹی بی کی طرف دیکھا لیکن اس کے چہرے پر تشکر کے آثار کے بجائے خوف نے لی کیوں کہ ٹی بی کا اعصاب ولیم کے چہرے پر مرعوب لگا رہا تھا۔ ضرب لگنے کے بعد ولیم کا چہرہ بے تاثر ہوگیا۔ پہلی ضرب دائیں سے بائیں تھی جس کے باعث ولیم کا ایک جبڑا ٹوٹ کر فرش پر گر گیا دوسری ضرب نے اس کا دماغ گھما دیا۔ پھیچے کے مکڑے اگلی قطار میں بیٹھے ہوئے طلبہ پر بھی جا گرے پھر تیسری ضرب لگی اور چوتھی ضرب کے بعد ولیم کے جسم سے خون کا فوارہ بلند ہوا۔ وہ گر گیا۔ اس وقت اس کی ٹوٹی ہوئی گردن کے نیچے عصا دبا ہوا تھا۔ ٹی بی نے مزید انتظار نہ کیا۔ وہ سب سے قریبی ایگزٹ ڈور کی طرف دوڑ گیا۔ اب اسے کوئی نعرہ سنائی نہیں دے رہا تھا لیکن اسے کئی کام نمٹانے تھے جن سے سب سے اہم کام گرین فرید نا تھا۔۔۔ تیسرا پیکٹ بھی خالی ہو چکا تھا۔

▲

"دیکھیں چیف!" ٹائیگر نے مصالحانہ انداز میں کہا "ہم اس شخص کی حفاظت ضرور کریں گے کیونکہ اس کے عوض آپ ہمیں مکان خرید کر دیں گے سوال صرف یہ ہے کہ اگر ولیم نامی کسی شخص نے کوئی نیا آلہ ایجاد کر لیا ہے تو اس کی اہمیت کیا ہے؟"

"اس کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔" ڈاکٹر بہرام نے جواب دیا۔ اس وقت گاڑی وہ خود چلا رہا تھا۔

"کمال ہے۔" ٹائیگر نے سر جھٹک کر کہا "آپ تو بہرام الٹی سیدھی چیز کو اہمیت دینے لگتے ہیں۔"

"اس آلے کی اہمیت پولیس کے لیے بھی بہت زیادہ ہوگی اور انٹیلی جنس کے لیے بھی۔ پوچھ گچھ کا روایتی نظام ختم ہو جائے گا ملزم پر تشدد کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ اسی طرح مجرموں اور مافیا کے لیے بھی اس کی بڑی اہمیت ہے۔"

ٹائیگر نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ تو صرف یہ سوچ رہا تھا کہ اس کے لیے نیا آلہ کس طرح اہم ثابت ہو سکتا ہے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ ایسے بڑے مکان میں رہنا کیسا ہوگا جو لکڑی کا بنا ہوا اور جس کے چاروں طرف گھاس کے تختے ہوں۔ چشم تصور میں اس نے خود کو اپنے لان پر دیکھا اس کے ہاتھ میں کوئی چیز تھی۔ کوئی چھوٹا سا جانور۔۔۔ اور سامنے ایک گلہری للچائی ہوئی نظروں سے جانور کو دیکھ رہی تھی۔ ٹائیگر نے اپنے لان پر آنے والی اس مہمان گلہری کا پیٹ بھرنے کے لیے جانور اس کی طرف بڑھا دیا۔ گلہری آگے بڑھی اور پھر ٹائیگر کو ایک لطیف

اہرام مصر سے جنم لینے والی ایک پراسرار، ایڈونچرس داستان
قدم قدم پر قہقہے بکھیرتی، سطر سطر تجسس جگاتی، ایک ایسی
تحریر جسے آپ کبھی فراموش نہ کر سکیں گے۔

فرعون کی رُوح

(چار جلدوں میں)
معروف مصنف ایم اے راحت کے قلم سے

- تابوت (اول) ۲۰۰/- روپے
- گریٹ اسکیپ (دوئم) ۲۰۰/- روپے
- ہمزاد کی تلاش (سوئم) ۲۰۰/- روپے
- ریڈ بون (چہارم) ۲۰۰/- روپے

خوبصورت سرورق، بہترین طباعت و کتابت۔ مضبوط جلد
مکمل سیٹ چار جلدوں میں قیمت ۸۰۰/- روپے

اسٹاکسٹ: مکتبہ القریش، اُردو بازار، لاہور

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

سی آواز سنائی دی۔

"شہزاد!" یہ آواز اسے تصور ہی میں سنائی دی تھی۔ گلہری اپنا نعام لے کر بھاگ گئی اور پھر ٹائیگر نے اسے دیکھا۔ اسی کو جو قتالہ عالم تھی، جس کی آنکھیں بڑی بڑی نشیلی، زلفیں کولہوں تک بکھری ہوئی تھیں جن میں بہت دلکش چمک تھی اس کے ہونٹ بھرے ہوئے تھے اس کا جسم کسی یونانی دیوی کے جسم سے بھی زیادہ سنسنی خیز تھا۔

وہ بہت خوبصورت تھی۔

وہ یہ اندازہ نہیں لگا سکا کہ اس نے کس قسم کا لباس پہن رکھا تھا۔

"ٹائیگر!" اسے پھر آواز سنائی دی۔ اس نے دائیں طرف دیکھا اور پھر مُنہ بنا کر رہ گیا۔ آواز بہرام کی تھی جو اسے سوچوں میں غلطاں دیکھ کر بار بار آواز دے رہا تھا۔ وہ سر جھٹک کر ایک بار پھر ایچ ڈبلیو یونیورسٹی کے کیمپس میں پہنچ گیا۔

بہرام گاڑی سے باہر کھڑا تشویش بھرے انداز میں اسے دیکھے جا رہا تھا۔

"تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے ٹائیگر؟" اس نے پوچھا۔

"ہاں۔ کیا ڈریم کولا منرز کوئی بھی استعمال کر سکتا ہے چیف؟" اس نے جواب دینے کے بجائے پوچھا۔

"یہ آلہ بدی کا نقیب ہے۔" اوشان نے اس کی کیفیت بھانپ لی تھی۔

"پلیز فادر۔ اس معاملے میں آپ نہ بولیں۔"

"خواب انسان کو کسی کام کا نہیں چھوڑتے میرے بچے۔" اوشان نے ایک بار پھر نرم لہجے میں کہا۔

"تب پھر آپ اپنے خوابوں کو اصل شکل میں دیکھنے کے لیے ادھیرا کیوں دیکھتے ہیں؟"

"ان میں صرف کہانیاں ہوتی ہیں خواب نہیں میرے بچے۔" اوشان نے سمجھانے کی کوشش کی۔

"بات صرف اتنی سی ہے کہ میں اپنا گھر چاہتا ہوں اور اس کے عوض میں اس پروفیسر کو تحفظ فراہم کروں گا۔ میں کسی غلط آدمی کو اس مشین تک نہیں پہنچنے دوں گا اور میں . . ."

"ایک منٹ صبر کرو۔" اوشان نے اس کی بات کاٹ دی۔ "کیا ہم برابر کے پارٹنر نہیں۔ تم صرف اپنی بات کر رہے ہو میں کیا کروں گا؟"

تب ہی بہت سے لوگوں کی آوازیں سنائی دیں۔ ٹائیگر اور اوشان دونوں کار سے اُتر آئے۔ اس وقت کیمپس میں بھگدڑ سی مچی ہوئی تھی۔ لوگ اِدھر اُدھر چیختے چلاتے بھاگ رہے تھے۔ ایک لڑکی ان کی سمت دوڑتی آ رہی تھی اس کے سُرخ بال ہوا میں اُڑ رہے تھے اس کے چہرے پر خوف تھا۔ وہ بے حال تھی اس سے قبل کہ وہ ٹائیگر سے ٹکرا جاتی، ٹائیگر نے اسے سنبھال لیا۔ لڑکی رونے لگی۔ "کیا ہوا؟ تم کیوں رو رہی ہو؟" ٹائیگر نے بہت نرم لہجے میں پوچھا۔

"خون!" لڑکی نے اسے دیکھنے کی کوشش کرتے ہوئے جواب دیا۔ ان آنکھوں میں خوف کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔

"خون؟"

"ہاں۔ چاروں طرف خون ہی خون ہے . . . میں نے آوازیں سنی ہیں۔ میں نے سر اٹھا کر دیکھا۔ میں کچھ نہ دیکھ سکی کیونکہ میری آنکھوں پر خون بہہ رہا تھا۔ میں نے چہرہ صاف کیا تو کسی کا کان ہاتھ میں آ گیا۔ جو . . . جو . . . میرے چہرے پر . . . چپک گیا۔" بے چارہ ولیم یہ کہہ کر وہ پھر رونے لگی۔

ٹائیگر نے اسے وہیں لٹا دیا۔ "آپ لوگ یہیں ٹھہریں میں دیکھ کر آتا ہوں۔" یہ کہہ کر وہ دوڑ گیا۔ اوشان نے لڑکی کو سنبھال لیا۔

جلد ہی ٹائیگر کو کیمپس کی عمارت نظر آ گئی جہاں زبردست شور ہو رہا تھا۔ طالب علم بے حد خوف زدہ تھے وہ ان کے درمیان سے گزرتا ہوا میری دیدر ہال میں داخل ہو گیا۔

پھر اس نے بھی خون ہی خون دیکھا۔ بلیک بورڈ کے قریب خون کے اس جوہڑ میں ایک ٹوٹی پھوٹی لاش پڑی ہوئی تھی اس نے لاش کو فوراً شناخت کر لیا۔ یہ ولیم کے سوا کسی اور کی لاش نہیں تھی۔ ایک طرف لی وڈورڈ کی لاش بھی خون میں نہائی ہوئی تھی پھر آہستہ آہستہ اور بھی لوگ وہاں آنے لگے۔ خون کے گرد جمع ہونے لگے پھر اچانک ہی سب ایک ساتھ بولنے لگے۔

"پولیس کو اطلاع کر دی ہے؟"

"پتا نہیں۔"

"قتل کس نے کیا ہے؟"

"کسی پاگل جنونی نے . . ." ایک شخص نے جواب دیا۔ "لی نے وِدلی کو قتل کرنے کی کوشش کی تھی لیکن اس جنونی نے آہنی عصا مار کر دونوں کو ہی ہلاک کر دیا۔"

"وہ کون تھا؟"

"پتا نہیں۔ آرمی جیکٹ اور اسٹیل فریم کے چشمے میں تھا۔ ہم میں سے ایک نظر آ رہا تھا۔"

ٹائیگر مجمع میں سے نکل آیا۔ وہ روتے پیٹتے ہوئے طلبا و طالبات کے درمیان میں سے گزرا۔ ایک طرف ایک لڑکی الٹی کرنے کے بعد دوسری الٹی کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ شاید وہ بھی اندر کا منظر دیکھ کر آئی تھی ایک لڑکا جس کے چہرے پر خوف کے تاثرات تھے ایک بلکتی ہوئی لڑکی کو تسلی دینے کی کوششیں کر رہا تھا۔

یہ کوئی خواب نہ تھا۔ قتل کا منظر دیکھنے والے طلبا و طالبات یقیناً اسے محض خواب سمجھ کر فراموش نہیں کر سکتے تھے۔

وہ واپس پہنچا تو اوشان اور بہرام اب بھی لڑکی پر جھکے ہوئے تھے۔

●

عام نظر صرف یہ کہہ سکتی تھی کہ اوشان اور ٹائیگر چہل قدمی کر رہے ہیں لیکن درحقیقت وہ بہت تیزی سے پروفیسر ولیم کے کاٹیج کی طرف جا رہے تھے۔

"سب سے پہلے ہمیں لڑکی کو بچانا ہے۔" ٹائیگر نے کہا۔ "اس کے بعد دیکھیں گے کہ ڈریم کولا منرز کہاں ہے اس سلسلے میں مجھے آپ کی مدد کی ضرورت ہو گی فادر . . ."

"کیوں؟"

"پروفیسر کی بیٹی وینا نامی ہے۔"

"اور تم جانتے ہو کہ وینا میوں کے بارے میں میرا رائے کیا ہے؟"

"جی ہاں۔ لیکن ممکن ہے کہ وہ آپ پر اعتماد کرے۔"

"کیا صرف اس وجہ سے کہ ہمارے نفوس ملتے جلتے ہیں؟" اوشان نے پوچھا۔

"جی ہاں۔" ٹائیگر اس وقت کسی بحث کے موڈ میں نہیں تھا۔

"لیکن اب تو ڈرامے کا وقت ہو رہا ہے۔"

"تب پھر . . . گڈ لک۔" ٹائیگر نے بہت ضبط سے کام لیا۔ ساتھ ہی وہ زیادہ تیزی سے لپکا اور ولیم کے گھر میں گھس گیا۔ اوشان اس کے پیچھے تھا۔ اندر اوشان نے ٹوٹے ہوئے ٹی وی کا معائنہ کیا۔

"وہ یہاں نہیں ہے۔" ٹائیگر نے ڈرائنگ روم میں واپس آ کر اعلان کیا۔

"اور ٹی وی کام نہیں کر رہا ہے۔ کل تمہاری حماقت کی وجہ سے ٹی وی ٹوٹ گیا تھا۔"

ایک پراسرار مورتی کے حصول کے لئے ہونے والے خوفناک معرکے کا احوال

خبیث

انوار صدیقی کے پراسرار قلم سے

5 حصوں میں، مکمل سیٹ =/200 روپے

مکتبہ القریش سرکلر روڈ اردو بازار لاہور

فون 7668958

ظہار

اظہر کلیم

دو جلدوں میں

جلد اول =/150 جلد دوئم =/150

مکتبہ القریش سرکلر روڈ اردو بازار لاہور

فون 7668958

"سوری سر۔" ٹائیگر بات بڑھانا نہیں چاہتا تھا۔

"تم کو میری کوئی فکر نہیں۔"

"مجھے اس وقت اس لڑکی کی فکر ہے جو ممکن ہے کہ ولیم کے قاتل کے ساتھ گئی ہو۔ مجھے ہر قیمت پر اسے تلاش کرنا ہے۔"

"تب پھر اپنی ناک سے مدد لو۔ وینا میوں کی لَو دُور ہی سے محسوس ہو جاتی ہے۔"

اوشان وہیں پورچ میں بیٹھ گیا اور ٹائیگر کیمپس کے لان پر دوڑنے لگا۔

●

آرتھر گراسن کو ایسے آدمیوں کی طرف سے آٹھ گھنٹے گزر جانے کے باوجود بھی کوئی اطلاع نہیں ملی تھی لہٰذا اس نے لی ینگ کو وہاں بھیجا لی ینگ نے اُسے واپس آ کر بتایا کہ ان دونوں کی لاشیں ولیم کے مکان کے عقب میں کوڑا اٹھر میں

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

پڑی ہوئی ہیں۔

"ان کی کئی ہڈیاں ٹوٹی ہوئی ہیں۔" لی ینگ نے اداس لہجے میں کہا۔

"اور کچھ؟"

"اور یہ کہ ان میں سے ایک اپنی ہی گولی کا شکار ہوا ہے۔ اس کی کھوپڑی اڑ گئی ہے۔ دوسرے کی موت کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی۔"

"یہ بھی ان واقعات سے مختلف نہیں۔" آرتھر گراسن نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔

"کن واقعات سے مختلف نہیں؟" مارینو نے پوچھا۔

"اب تک ہم نے جتنے لوگوں کو کھویا ہے وہ یا تو اپنی ہی گولی کا شکار ہوئے ہیں یا پھر ان کی موت کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی۔ ہمارے خلاف کوئی نہ کوئی ضرور سرگرم عمل ہے۔" گراسن نے سر اٹھا کر دیکھا تو اسے لی ینگ کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ نظر آئی۔ "مسکرانے کی کیا ضرورت ہے لی ینگ؟" اس نے غرا کر پوچھا۔

"کچھ بھی نہیں جناب۔"

"بولو... تم کیوں مسکرا رہے تھے؟"

"میں؟" لی ینگ نے ایک طویل سانس لی۔ میں مقدروں کا کھیل سمجھتا ہوں جناب لیکن آپ نے کبھی میری بات پر یقین نہیں کیا۔ میں نے آپ کو پہلے ہی خبردار کر دیا تھا۔ جو کچھ ہم کر رہے ہیں اس کا انجام موت اور خوابوں کے سوا کچھ نہیں۔"

"بلو...؟" گراسن نے بڑی حقارت سے اس کی طرف دیکھا۔ "مجھے پیش گوئیوں پر کبھی اعتماد نہیں رہا۔ اب تو یہ سوچتا ہوں کہ میں نے تمہیں اس سرکس میں کیوں نہیں چھوڑ دیا جہاں سے تمہیں لیا تھا۔" یہ کہہ کر وہ کھڑکی کی طرف بڑھا۔ باہر کہیں کی طرف دیکھا۔ اسے ایک دبلا شخص دوڑتا ہوا نظر آیا۔ اس کی موٹی کلائیاں گراسن کو اتنی دور سے بھی صاف نظر آ رہی تھیں۔ اسے یہ شخص شناسا سا لگا۔ ممکن ہے میں نے اسے پہلے بھی دوڑتے ہوئے دیکھا ہو۔ اس نے سوچا لیکن ذہن پر زیادہ زور نہیں دیا۔ تب ہی فون کی گھنٹی بج اٹھی۔

ڈون سلواتورے ماسیلو گراسن سے بات کرنا چاہتا تھا۔

"ہیلو!" گراسن نے تلخی سے کہا۔

"لیکچر ہال میں جو کچھ ہوا کیا اس کی ذمہ داری تم پر ہے گراسن؟" ڈون سلواتورے ماسیلو کا لہجہ بھی نرم نہیں تھا۔

"کیا ہوا کیا ہوا؟" اس بار گراسن نے تلخی دور کر لی۔

"پروفیسر ولیم جو بہادری شرائط قبول کر چکا تھا آج لیکچر ہال میں قتل کر دیا گیا۔"

"قتل؟" گراسن اچھل پڑا۔ "نہیں ڈون! اس میں میرا کوئی ہاتھ نہیں۔ قاتل کون ہے؟"

"مجھے خود پتا نہیں۔" ماسیلو نے جواب دیا لیکن عینی شاہدین کا کہنا ہے کہ اس نے بربریت کی انتہا کر دی۔ اسی باعث میں یہ سوچ رہا تھا کہ تم میں سے کسی شخص نے تو اسے قتل نہیں کر ڈالا۔"

اس توہین پر گراسن کا لہو کھول اٹھا۔ "نہیں۔" اس نے غرا کر جواب دیا۔ "ہم تو تمہاری ہدایت کے مطابق اس سے دور تھے۔ مشین کا کیا ہوا؟"

"میں پروفیسر کی بیٹی سے رابطہ میں ہوں وہ مشین لا رہی ہے لہٰذا ہمارا مسئلہ حل ہو جائے گا۔" ماسیلو نے جواب دیا۔

"گڈ... ویری گڈ۔" گراسن کو خود اندازہ نہ تھا کہ وہ اس اطلاع پر خوش کیوں ہوا ہے۔ ساتھ ہی اس نے رسمی جملوں کا تبادلہ کیے بغیر اچانک ریسیور رکھ دیا۔ "مارینو۔" اس نے تیز لہجے میں کہا۔ "چلو۔ جلدی کرو۔"

"مگر کہاں باس؟" مارینو اس اچانک فیصلے پر حیرت کا اظہار کیے بغیر نہ رہ سکا۔

"ولیم کے گھر۔" گراسن نے جواب دیا۔ "اگر لڑکی ابھی تک وہیں ہے تو ہم اس سے وہ مشین حاصل کرنے کی کوشش کریں گے اور اس کے بعد ڈون سلواتورے ماسیلو کا پتہ صاف کر دیں گے۔"

***

ایچ وڈ یونیورسٹی کے ایسے کیس طالب علم اپنے کمروں میں تھے جنہوں نے آرمی فیلڈ جیکٹس پہن رکھی تھیں اور اسٹیل فریم کا چشمہ لگا رکھا تھا۔ ان کا معائنہ کرنے والا ایک ایسا شخص تھا جس کی کلائیاں غیر معمولی طور پر موٹی تھیں اور وہ باری باری ہر کمرے میں جا کر اپنی بیحد بھیانک خطرناک انگلی ہر نوجوان کے شانے پر رکھ کر پوچھ رہا تھا۔ "کیا تم نے ولیم کو قتل کیا ہے؟"

لیکن ان میں سے کوئی بھی قاتل نہیں تھا۔ ان میں سے ہر نوجوان کو خوشی تھی کہ وہ قاتل نہیں کیونکہ ہر نوجوان کو احساس تھا کہ انگلی کا دباؤ اٹھے پیچھے تمام جرائم کا اقبال کرانے کے لیے کافی ہے۔

ٹائیگر کے پاس قاتل تک پہنچنے کے لیے کوئی بھی راستہ نہیں تھا اب اسے ولیم کے کاٹیج واپس جانا تھا جہاں اوشان اس کا منتظر تھا اچانک ہی اس کی نظر ایک ایسے شخص پر پڑ گئی جو تیز تیز بدبدے چیخی سے ٹہل رہا تھا۔ "میرے خدا!" اس نے کہا۔ اس کے لہجے میں ندامت تھی۔ پچھتاوا تھا اور غصہ تھا۔ "میرے خدا...!" اس نے پھر کہا۔ "اب اس یونیورسٹی میں کون داخلہ لے گا۔ ہم کیا کریں گے؟"

یہ نارمن تھا اور ہر بار وہ آسمان کی طرف اس طرح دیکھ رہا تھا جیسے اسے سوال کے جواب کی توقع ہو۔

"یہ احمقانہ اداکاری ترک کر دو۔" ٹائیگر نے اس کے قریب پہنچ کر کہا۔

"کیا؟" نارمن نے اس بار آسمان کی طرف دیکھنے کے بجائے ٹائیگر کی طرف دیکھا۔ "کیا بات ہے؟"

"مجھے ایک ایسے نوجوان کی تلاش ہے جس نے آرمی فیلڈ جیکٹ اور اسٹیل فریم کی عینک پہن رکھی ہو۔ تم نے اس حلیہ کا کوئی شخص دیکھا ہے؟"

"ایک!" نارمن نے طویل سانس لے کر کندھے اچکائے "ایک نہیں درجنوں نہیں سینکڑوں دیکھے ہیں۔ کیمپس میں ہر جگہ تمہیں ایسے حلیے کے لوگ مل جائیں گے جنہیں کیمپس کے تقدس کا خیال نہیں صرف فیشن کی فکر رہتی ہے۔"

"مگر شاید وہ طالب علم نہیں تھا۔"

"کیا مطلب؟" نارمن نے چونک کر کہا۔ "ٹھہرو۔ میں نے ایسے ہی حلیہ میں آج صبح ایک شخص کو دیکھا ہے۔ وہ پیٹی شی سے ملاقات کے لیے مجھ ہی سے میرے گھر کا پتا پوچھ رہا تھا۔ ظاہر ہے کہ وہ طالب علم نہیں تھا ورنہ میرے گھر کا پتا اسے اچھی طرح معلوم ہوتا اور اسے یہ بھی علم ہوتا کہ نارمن میں خود ہوں۔"

"تم بہت ذہین انسان ہو۔" ٹائیگر نے مسکرا کر اس کی تعریف کی۔ "تم کہاں رہتے ہو؟"

"وہاں۔" نارمن نے انگلی سے اشارہ کیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم بھی طالب علم نہیں ہو۔"

"نہیں۔" ٹائیگر یہ کہہ کر چل دیا۔ اسے یہ فکر نہ تھی کہ نارمن اب کیا سوچ رہا ہے۔

کاٹیج کا دروازہ نہ صرف غیر مقفل بلکہ کھلا ہوا بھی تھا لہٰذا ٹائیگر کو اندر جانے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی تاہم بیک بیڈ روم مقفل تھا لہٰذا ٹائیگر نے دروازے سے کان لگا دیے۔

"تم مجھے قتل کرنے آئے ہو نا؟" اسے ایک عورت کی آواز سنائی دی۔

"کیا؟" ٹائیگر نے پوچھا۔ "کیا کہہ رہی ہو؟"

"آجاؤ... اندر آجاؤ... میں تمہارا ہی انتظار کر رہی تھی۔" پیٹی شی نے دروازہ کھولتے ہوئے کہا وہ سینہ تان کر ٹائیگر کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ اس نے اس وقت ون پیس سوئم سوٹ پہن رکھا تھا جس کے پرمی تسمے سامنے دی کی شکل میں بندھے ہوئے تھے۔ "تم کون ہو؟" شی نے پوچھا۔

"وہ کہاں ہے؟" ٹائیگر نے جوابی سوال کیا۔

"اوہ تم تو ایسے لگ رہے ہو جیسے مجھے تسخیر کر کے ہی دم لو گے۔" شی پلٹ کر اپنے بیڈ میں دھنس گئی۔ بیڈ پر چمڑی بیلٹ، ہتھکڑی اور رسی کے علاوہ ایک کوڑا بھی پڑا تھا وہ کوڑا لے کر ہلکے ہلکے اپنے مارنے لگی۔ "کیوں کیا ہوا؟" اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔ "کیا مجھے سزا نہیں دو گے؟" یہ جملہ ادا کرتے ہوئے اس نے آنکھ مار کر انگڑائی لی تھی۔

ٹائیگر نے کمرے کا جائزہ لیا۔ کمرہ خود اذیت پسندی کی شکار عورت کا کمرا ہی لگ رہا تھا۔

"سنو۔" ٹائیگر نے سنجیدہ انداز میں کہا۔ "مجھے ایک شخص کی تلاش ہے۔ آرمی جیکٹ اور اسٹیل فریم گلاسز میں..."

ابلیکا
اسلم راہی
جس میں حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک دنیا کی تاریخ پیش کی گئی ہے
سات جلدوں میں مکمل سیٹ:- /1950 روپے
ناشر مکتبہ القریش
اردو بازار لاہور

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"میں ایسے تو ہرگز نہیں بتاؤں گی۔" وہ بُرا سا منہ بنا کر بولی۔ "اس کے بارے میں اگلوانے کے لیے تمہیں میری پٹائی کرنی ہوگی۔۔۔" یہ کہہ کر اس نے طویل سانس لی اور بیڈ پر لیٹ گئی۔ یہ دعوت عام تھی۔

"سنو ہیڈلی۔" ٹائیگر نے بڑی نفرت سے کہا۔ "میرے پاس فالتو باتوں کے لیے وقت نہیں۔ صرف اتنا بتا دو کہ آج صبح تم سے ملنے کے لیے جو شخص آیا تھا وہ کہاں ملے گا؟"

پٹی شی نے ایک آنکھ کھول کر اسے دیکھا۔ "تم کچھ بھی نہیں کر سکتے۔" اس کے لہجے میں مایوسی تھی۔ پھر وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ "تم ناکارہ ہو۔ مجھے تو ٹی بی کا انتظار تھا اور یہ ساری تیاریاں میں نے اس کے لیے کی تھیں۔" شی کا اشارہ کوڑے، رسی، ہتھکڑی اور بیلٹ کی طرف تھا۔

"وہ کہاں ہے؟"

"جہاں بھی ہے یہیں آئے گا۔۔۔ لیکن سنو۔۔۔ وقت ضائع مت کرو۔" شی کے لہجے میں اب درخواست سے زیادہ عاجزی تھی۔

"نہیں۔"

"پلیز۔۔۔" شی بے چین ہو گئی۔ اسی لمحے ٹائیگر کے حساس کانوں نے باہر ڈرائنگ روم میں قالین پر کسی کے قدموں کی آہٹ سن لی۔ وہ تیزی سے بیلٹا ڈرائنگ روم تک پہنچا تب ہی اسے آرمی فیلڈ جیکٹ اور اسٹیل فریم عینک والا وہ نوجوان نظر آ گیا۔ جسے ٹائیگر کے پیچھے پیچھے آنی تھی۔

آنے والے کی جیکٹ اور چشمہ کے شیشے پر خون کے دھبے تھے

"تم کون ہو؟" ٹی بی نے غرا کر پوچھا۔

"یہ۔۔۔ ٹی بی یہ۔۔۔ تم نے اپنا کیا نام بتایا تھا؟" شی نے ٹائیگر سے پوچھا۔

"میں نے اپنا نام بتایا ہی نہیں تھا۔"

"خیر۔۔۔ یہ ٹی بی ہے۔ دنیا کا بیہتیسواں عظیم قاتل۔" شی نے ایک ادا سے سر جھٹک کر تعارف کرایا۔

"تینتیسواں۔" ٹی بی نے فوراً تصحیح کی۔

"میرا نام شہزاد ہے۔ میں دنیا کا دوسرا سب سے بڑا قاتل ہوں اور تم مرنے والے ہو ٹی بی۔۔۔" ٹائیگر نے غرا کر کہا۔

"ایک منٹ۔" ٹی بی کو معاً اپنے پیٹ میں خوف کی انگلی سی محسوس ہوئی کیونکہ اسے ایک بار پھر سرگوشیاں سنائی دینے لگی تھیں تاہم یہ سرگوشیاں قتل کر دو کی نہیں خدا مختلف تھیں۔ ٹائیگر اس وقت شی سے کچھ کہہ رہا تھا مگر ٹی بی کو سننے کی فرصت نہ تھی وہ تو سرگوشیاں سمجھنا چاہتا تھا۔

"تم لوگوں نے دیم کو قتل کرانے کے لیے اس شخص کو معاوضہ پر رکھا تھا تاکہ ڈریم کو لائٹرز تمہیں مل جائے اور پھر کبھی کوئی ایسا آلہ تیار نہ کر سکے جس سے ٹی بی کی مقبولیت متاثر ہو۔"

"گڈ۔ تم سمجھ گئے۔" وہ ہنک کر بولی۔ "چلو اب تو اندر چلیں۔"

"نہیں۔ بہت دیر ہو چکی ہے اور مجھے افسوس ہے کہ ٹی بی بھی تمہارے کھیل میں شریک نہیں ہو سکے گا۔۔۔ خود تمہیں بھی دیر ہو گئی ہے۔" ٹائیگر کا لہجہ خلاف معمول مسلسل سخت تھا۔

تب ہی ٹی بی کو احساس ہوا کہ سرگوشیوں میں اس سے کیا کہا جا رہا ہے۔ اس بار اسے قتل کر دو ہمارے لیے کی جگہ ہمارے پاس آجاؤ کے نعرے سنائی دے رہے تھے۔

"میں جا رہا ہوں۔" ٹی بی نے بہت دھیمے لہجے میں کہا۔ اس نے تیزی سے جیب میں ہاتھ ڈال کر دستی بم نکالا اور دانتوں سے پن کھینچ لی اب وہ دستی بم کسی چاقو کی طرح ہاتھ میں رکھ کر کہہ رہا تھا۔ "میں جا رہا ہوں۔ اگر تم ذہین ہو تو میرے کام میں مداخلت مت کرنا۔"

ہمارے پاس آجاؤ ٹی بی کے نعرے اب زیادہ شدت اختیار کر چکے تھے۔ ٹی بی کے دماغ پر یہ نعرے ہتھوڑوں کی طرح ضربیں لگا رہے تھے۔ "بند کرو۔" وہ چلا اٹھا اور پھر اس نے بم ٹائیگر کی طرف زمین پر لڑھکا دیا۔ ساتھ ہی اس نے پلٹ کر دوڑ لگا دی لیکن پھر اسے ایسا لگا جیسے موٹی کلائیوں والا وہ نوجوان اس کے سر کے اوپر سے پرواز کرتا ہوا گزرا ہو جونہی وہ دروازے پر پہنچا۔۔۔ ٹائیگر وہاں اس کا منتظر تھا۔ ٹی بی کو یوں لگا جیسے کسی نے اس کو کمرے میں دھکا دے کر اس کا منہ کھولنے کے لیے حلق پر دباؤ ڈالا ہے۔ اس کا منہ بھاٹک کی طرح کھل گیا اور پھر دہشت کی ایک لہر کے باعث ٹی بی کا جسم کانپنے لگا۔ ٹائیگر نے دستی بم اس کے منہ میں ڈال دیا تھا۔ ٹی بی کو اپنی زبان پر سنسناہٹ محسوس ہونے لگی۔۔۔ یہ موت کی سنسناہٹ تھی۔

جلدی آؤ۔۔۔ جلدی آؤ۔۔۔ سرگوشیاں اب پھر بدل گئی تھیں اور اس کی بھی خواہش یہ تھی کہ ہم اپنے مقررہ وقت

سے قبل پھٹ جائے لیکن ایسا نہ ہوا۔ پن کھلنے کے بعد بم کو پھٹنے کے لیے جتنا وقت درکار ہوتا ہے، بم اتنا ہی وقت لے رہا تھا۔

تب ہی اسے ٹائیگر کی آواز سنائی دی۔

"شی! اپنی جان کے ہونٹوں پر زوردار بوسہ تو ثبت کرو۔" پھر اسے ایسا لگا جیسے اس کا سر اٹھایا جا رہا ہو اچانک شی اس کے اوپر گر گئی۔

"اب تو آجاؤ۔۔۔" یہ آخری نعرہ تھا اور پھر ٹی بی پھٹ گیا۔ دھماکا سنا تو شی کا چہرہ ٹی بی کے چہرے پر تھا لہٰذا دونوں کے چہرے کھوپڑیوں سمیت اڑ گئے۔

ٹائیگر نے دھماکے کی شدت سے بچنے کے لیے بروقت الٹی زقند لگائی تھی اور جس وقت دھماکا ہوا تھا اس وقت وہ ڈرائنگ روم کے دروازے سے کسی تیر کی طرح زناٹے کے ساتھ نکل رہا تھا۔ گھر سے اس کے باہر نکلنے سے قبل ہی آگ لگ گئی اسی وقت ایک اور دھماکا ہوا۔ یہ غالباً گھر کے گیس سلنڈر کا دھماکا تھا۔ وہ اس کے لیے تیار نہ تھا لہٰذا وہ اچھلا اور ایک دیوار سے ٹکرا گیا۔ ذہن میں اندھیرا چھانے سے قبل وہ صرف یہ سوچ رہا تھا کہ اب شاید مجھے کان کی کبھی ضرورت محسوس نہ ہو۔

5

کالی لیموزین رکی تو اوشان اس وقت بھی ولیم کے کاٹیج کی سیڑھیوں پر بیٹھا ہوا یہی سوچ رہا تھا کہ ٹائیگر کی وجہ سے کتنا اچھا ڈراما نکل گیا۔ اسے اس بات پر بھی غصہ تھا کہ جب سڑک پر جگہ جگہ پوسٹ بکس اور پبلک ٹیلی فون بوتھ لگائے گئے ہیں تو ٹیلی ویژن بوتھ کیوں نہیں لگائے جا سکتے۔ اسے حیرت ہونے لگی کہ آج سنا نجو کا ماسٹر بھی محض ایک ڈراما دیکھنے کی خواہش پوری نہیں کر سکتا۔ یہ بُری حماقت ہے، اس نے سوچا۔ لیکن انسان تو نرا احمق ہی ہے۔ کتنی بھی ترقی کر لے اس کی دنیا میں خامی رہے گی۔ یہ دنیا کی خامی نہیں تو اور کیا ہے کہ بجلی کے درجنوں کھمبے نظر آ رہے ہیں نہیں ہے تو ٹی وی سیٹ نہیں۔

اس نے بڑے کاہلانہ انداز میں سیاہ لیموزین سے اترنے والوں کو دیکھا۔ ان میں ایک مشرقی بھی شامل تھا۔ دوسرا آدمی قوی ہیکل تھا اور دونوں اسی کی سمت میں آ رہے تھے۔ اوشان نے مشرقی کی نسل کا اندازہ کرتے ہوئے ایک طرف تھوک دیا۔ تب ہی اسے ٹائیگر کا خیال آیا۔ یہ سوچ کر اس کا منہ بن گیا کہ وہ کہیں آوارہ گردی کر رہا ہوگا۔

مارٹینو اور لی ینگ اوشان کے سامنے رک گئے۔

"کیا اندر کوئی ہے؟" مارٹینو نے پوچھا۔ لیکن اوشان نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ کسی ریشمی لبادے کی طرح اٹھا اور لیموزین کے عقبی حصے کی طرف چلا آیا۔ یہ آواز اسے شناسا سی لگ رہی تھی۔

اس نے عقبی دروازہ کھول کر اندر دیکھا۔ تب ہی اس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ عقبی سیٹ کے سامنے اگلی سیٹ کی پشت پر ٹی وی فٹ تھا اور ایک شخص ٹی وی کر شیل پروگرام دیکھ رہا تھا۔

"کیا دیکھ رہے ہو؟" اوشان نے اس کے برابر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"کون ہو تم؟" گراسن غرانے لگا۔

"ماسٹر آف سناٹجو۔ تم کیا دیکھ رہے ہو؟" اس بار بھی اوشان کی نظریں ٹی وی پر رہیں۔ اس سے پہلے کہ گراسن کوئی جواب دیتا۔ اسکرین پر کمرشیل پروگرام ختم ہو گیا اور اس کی جگہ ڈسکوری چینل" کے ٹائٹل نے لے لی۔ اس پروگرام میں طلاق یافتہ جوڑے اپنے تجربات بتاتے تھے۔

"کیا تمہیں یہ شو بہت پسند ہے؟" اوشان نے گراسن سے پوچھا

"میں نے یہ شو کبھی مس نہیں کیا۔" گراسن نے ہونٹ چباتے ہوئے جواب دیا۔

"لیکن آج تمہیں مس کرنا پڑے گا۔" یہ کہتے ہوئے اوشان نے اپنی پتلی مگر لمبی سی انگلی کے نوکدار ناخن کی مدد سے چینل بدل دیا اور جونہی گیدرنگ کلاؤڈز نامی اوپیرا کی اڑگن موزک سنائی دی۔ اوشان نے مطمئن انداز میں پشت گاہ سے ٹیک لگائی۔ "اب میں تمہیں پچھلی قسطوں کا خلاصہ سناؤں گا تاکہ یہ قسط تمہیں سمجھ میں آ سکے۔" اوشان نے کہا۔ "قصہ یہ ہے کہ۔۔۔"

6

لین فورتھ ولیم بوٹ یارڈ کا گیٹ کھول کر اپنی گاڑی آہستہ آہستہ چلاتی ہوئی سفید لاٹ کی طرف لے گئی۔ اس نے گاڑی ایرنج کے سامنے پارک کی تو اسے مائیکولین ڈیک پر کھڑا ہوا نظر آیا۔ وہ مسکرا رہا تھا۔ پھر وہ اسے لینے کے لیے خود ہی گینگ پلانک کی طرف آ گیا۔

اسے سامنے پا کر لین فورتھ نے بہت دیر بعد سکون کی سانس لی۔ گاڑی کا انجن بند کرنے کے بعد اس نے ڈیش بورڈ کے نیچے ہاتھ ڈال کر ایک ایسی چیز کھینچ لی جیسے زیادہ سے زیادہ

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کارا سیڑیو ٹیپ پلیئر ہی کہا جاسکتا تھا۔ یہی ڈریم کولائنر تھا جسے لین فورتھ نے اپنے سینے سے لگالیا۔ اب وہ اپنے باپ کے دوست ڈون سلواتورے ماسیلو سے ملنے کے لیے تیار تھی۔

اس کی آنکھ کھلی۔۔۔ یا اسے ہوش آیا تو وہ گرج دار جہنم کے قلب میں تھا۔ اس کے اردگرد آگ سلگ رہی تھی۔ کمرے کی دیواریں جل رہی تھیں۔ باہر ایچ ووڈ یونیورسٹی کا پورا فائر ڈیپارٹمنٹ جو دو درجن افراد اور ایک ٹرک پر مشتمل تھا۔ آگ پر قابو پانے کے لیے پہنچ چکا تھا۔ دس منٹ کی زبردست جدوجہد کے بعد سینٹ لوئیس سے کمک پہنچ گئی جس نے آگ پر قابو پانے کے لیے تیکنیک اختیار کی۔ بحکام بالا بھی موقع پر پہنچ گئے انہیں ایچ ووڈ یونیورسٹی کیمپس میں اس نوعیت کے تشدد پر تشویش تھی۔ اخبار ایچ ووڈ کونٹل کا خصوصی ضمیمہ بھی شائع ہو چکا تھا۔ جس کی لیڈ اسٹوری ولیم اور ووڈورڈ کا قتل ہی تھی اڈیٹوریل اسٹاف کے اراکین خود یہ ضمیمہ فروخت کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

"مکان کو جلنے دو۔" سینٹ لوئیس کے فائر چیف نے اپنے عملے کو حکم دیا۔ "آگ پر قابو پانے کی یہ نئی حکمت عملی تھی۔ "صرف یہ خیال رکھو کہ آگ پھیلنے نہ پائے۔ اب اندر کوئی بھی نہیں ہے۔" یہ کہہ کر وہ اخبار خریدنے چلا گیا تاکہ جب تک فوٹو گرافر انہیں وہ اخبار پڑھتا رہے۔

اندر ٹائیگر کو ایسا لگ رہا تھا جیسے حدت اس کی پور پور کو جلا ڈالے گی اسے پھیپھڑوں تک میں آگ بھری ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ پیٹ کے بل لیٹ گیا اور اس نے سانس لینے کی رفتار کم کر دی تاکہ گرم ہوا کم سے کم مقدار میں اندر جائے اس نے اپنے جسم کا درجہ حرارت بھی بڑھانا شروع کر دیا تاکہ وہ شعلوں کی گرمی سے بچا رہے۔ پھر اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ وہ ایک کمرے میں تھا۔ اس کے چاروں طرف شعلے ناچ رہے تھے چھت تک جل رہی تھی جبکہ شعلے اب آہستہ آہستہ نارمن کے اس قالین کی طرف بڑھ رہے تھے۔ جو اس نے آٹھ ڈالر فی اسکوائر فٹ کے حساب سے خریدا تھا۔

ٹائیگر نے شعلوں کے درمیان راستہ تلاش کرنے کی کوشش کی لیکن وہ ناکام رہا۔ پھر اچانک ہی وہ اٹھ بیٹھا اور اس نے وہ کیا جو سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ وہ بھاگ نکلا۔ لیکن یہ بھاگ نکلنا صرف دماغ کی حد تک تھا۔ وہ چشم تصور میں ایک کمرے میں پہنچ گیا اور اس نے دروازہ بند کر لیا۔

اب وہ سکون سے سانس لے سکتا تھا۔

پھر اسے خیال آیا کہ اس نے اوشان کی آواز سنی ہے۔

"مجھے یہاں سے نکالیں فادر۔۔۔"

"کون ہو تم؟" اوشان نے پوچھا۔

"پہلے مجھے یہاں سے نکالیں۔ اور پھر بعد میں بھی دیکھ سکتے ہیں۔"

"اگر تم بچے ہوتے تو میں تمہیں گود میں بھر کر لے آتا۔" اوشان کی آواز سنائی دی۔ یہ آواز بھی اس کے ذہن میں آئی تھی۔ لیکن تم بچے نہیں ہو۔۔۔ کون ہو تم؟"

"شہزادہ۔ میں شہزادہ ہوں۔" ٹائیگر کے ذہن نے جواب دیا۔

"یہ تعارف کافی نہیں۔" اوشان کی آواز پھر آئی اور تب ہی اس کا ہیولیٰ دکھائی دیا۔ سفید روایتی لبادے میں ملبوس اوشان کمرے میں تھا اور اس کی آواز ایسی لگ رہی تھی جیسے کسی سرنگ سے آرہی ہو۔ "تم کون ہو؟" اوشان نے پھر پوچھا۔

"میں۔۔۔ شہزادہ ہوں۔۔۔ سنا نجو کا ایک ماسٹر۔" ٹائیگر چلانے لگا۔ اسے محسوس ہوا کہ آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے ہیں لیکن آنکھ سے نکلتے ہی بھاپ بن کر اڑ جاتے ہیں۔

اوشان کا چہرہ بہت سخت ہو گیا۔ پتھر کی طرح سخت۔۔۔ ٹائیگر نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں۔۔۔ چہرہ غائب ہو گیا اب ایک بار پھر ٹائیگر کو شعلوں کے سوا کچھ نظر نہیں آرہا تھا۔

اس نے ایک بار پھر آنکھیں بند کر لیں۔

"تم کون ہو؟" اوشان کا چہرہ پھر سامنے آگیا۔

"میں۔۔۔" ٹائیگر نے ایک طویل سانس لی۔ "میں ٹائیگر ہوں۔ راتوں کے سناٹے میں جنگلوں میں گھومنے والا شیر ہوں میں۔ میں موت کا ہرکارہ ہوں۔ میں ناقابل تسخیر ہوں۔"

"تب پھر اس آگ سے نکل چلو۔۔۔" اوشان نے چیلنج کرنے والے انداز میں کہا۔

ٹائیگر اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔ اس نے آنکھیں کھول دیں۔ اب سامنے پھر شعلے تھے۔ خوفناک شعلے۔ عمارت لرز رہی تھی۔ اور شعلوں کی غضب ناک آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔۔۔

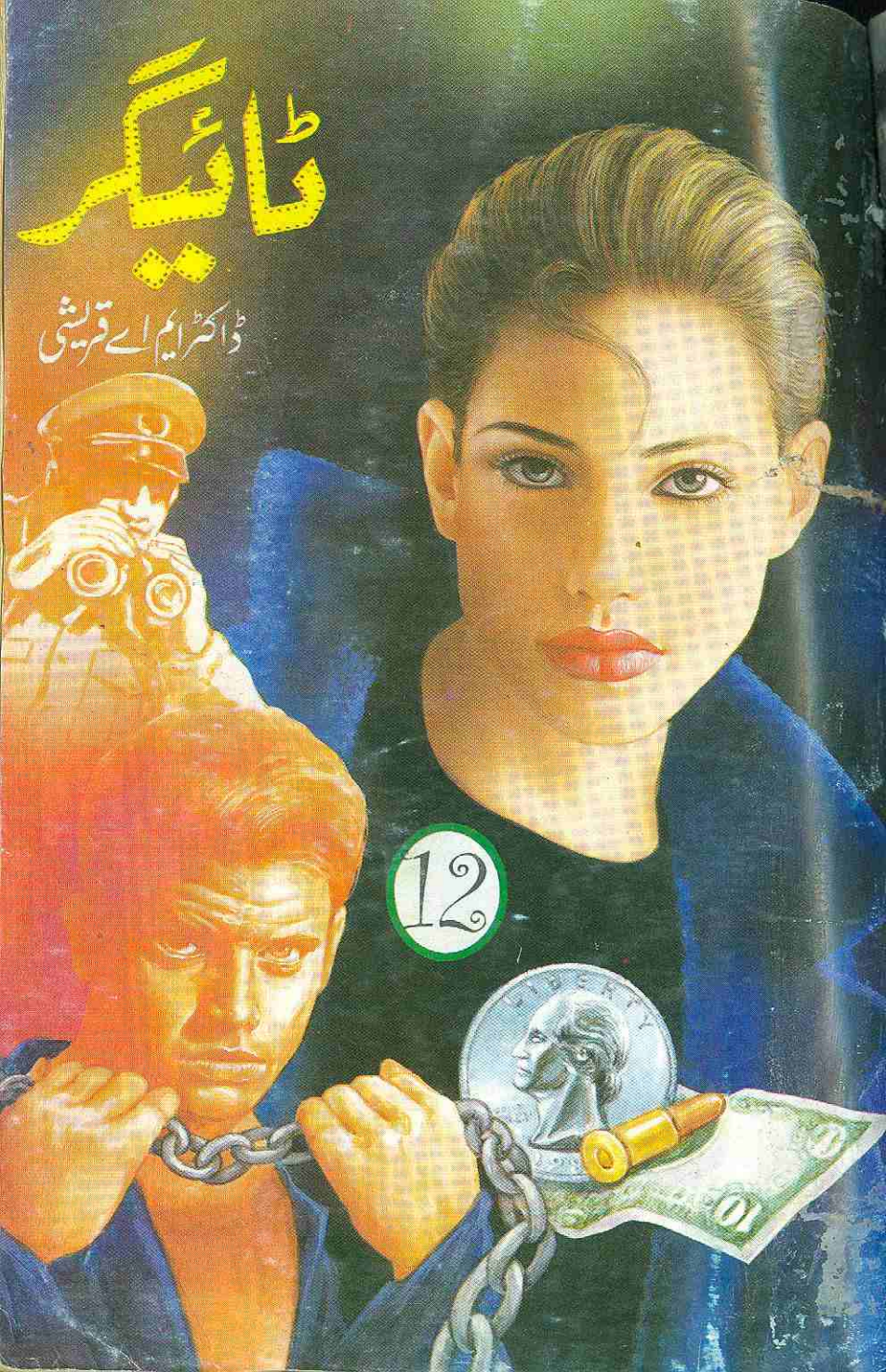
اس کے بعد

ٹائیگر کے بارہویں حصے کا مطالعہ کریں۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ٹائیگر

ڈاکٹر ایم اے قریشی



لیکن یہ آوازیں ٹائیگر کے ذہن میں جنم لینے والی آوازوں کے مقابلے میں ہیچ تھیں۔ اسے معاً ہی اندازہ ہوا تھا کہ وہ کون ہے کیا ہے اور کیا کچھ کر سکتا ہے۔

اس نے گہری سانس لی جسم کا درجہ حرارت بڑھایا اور شعلوں میں گھس گیا اسے ناگوں سے زیادہ مہلک شعلوں کی دیوار سے نکلنے میں محض ایک سیکنڈ لگا پھر وہ کھڑکی کے راستے لان میں کود گیا۔

اسے زندہ نکلتے دیکھ کر ایک فائر مین کا پائپ اس کے ہاتھ سے گر گیا۔

ٹائیگر مسکرانے لگا۔

"تمہاری پشت پر آگ لگی ہوئی ہے۔" فائر مین نے گھبرا کر کہا۔

"شکریہ دوست۔" ٹائیگر جواب دیتے ہی ایک الٹری کے بل گھوما تو فائر مین کی آنکھیں پھٹی رہ گئیں۔ ٹائیگر کے گھومنے کی رفتار بجلی کا پنکھے کی رفتار سے بھی زیادہ تھی یہی وجہ تھی کہ فائر مین کو ایک لمحہ کے لیے ٹائیگر دکھائی نہیں دیا۔ پیٹھ میں قمیص پر لگی ہوئی آگ بجھ گئی۔

"تم سکون سے کام کرو دوست۔" ٹائیگر نے رکنے کے بعد مسکرا کر کہا۔ "اندر کوئی بھی زندہ نہیں۔"

اس سے قبل کہ فائر مین کچھ کہتا ٹائیگر پروفیسر ولیم کے کاٹیج کی طرف دوڑنے لگا۔

اس نے اوشان کو وہیں زینے پر کنول کے آسن میں دیکھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔

"فادر۔" ٹائیگر نے ہولے سے کہا۔ اوشان نے آنکھیں کھولیں تو ان میں ایک عجیب سی چمک تھی۔ "تھینک یو سو مچ فادر۔" ٹائیگر نے بہت سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"ایسا لگتا ہے جیسے تم کسی جنگ سے لڑ کر آئے ہو شہزاد۔" اوشان نے زیر لب مسکراتے ہوئے کہا۔

"تھینک یو۔"

"اور تمہارے جسم سے بڑی خراب بو آ رہی ہے۔"

"تھینک یو فادر۔"

"اور اگر آج ایک نفیس شخص سے میری ملاقات نہ ہو جاتی تو میں دسی گیدر رنگ کلاؤڈز کی قسط دیکھنے سے محروم رہ جاتا۔"

"تھینک یو۔"

"کس بات کا بار بار شکریہ ادا کر رہے ہو؟"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"تھینک یو۔"

"آج" اوشان ہاتھ ہلا کر کھڑا ہوا اور چند قدم دُور جا کر کھڑا ہو گیا۔ اب اس کی پشت ٹائیگر کی طرف تھی۔ "کوئی بات نہیں" اس کا لہجہ بہت عجیب سا تھا۔ "لیکن اگلی بار اگر کبھی آگ میں گھر جاؤ تو خود نکلنا مجھے مت بُلانا شہزادہ۔"

جب ماریتو اور لی ینگ کو ولیم کے مکان میں کوئی چیز نہ ملی اور نہ ہی ڈریم کو لائٹنر ہاتھ آیا تو وہ تھر گراسن نے فوراً ڈون سلوا تورے، ماسیلو کی بوٹ پر دھاوا بولنے کا فیصلہ کر لیا لیکن اس کے ساتھ بیٹھے ہوئے بُوڑھے نے اس فیصلے کی مخالف کی۔ "صرف ایک منٹ کے لیے رُک جاؤ۔" اوشان نے اس سے کہا۔

"کیا ایک منٹ بعد یہ ڈراما ختم ہو جائے گا؟" گراسن نے اس سے پوچھا۔

"ہاں۔ اس کے بعد سرچ آف یسٹرڈے، پھر پرائیویٹ سینٹی ٹورِم۔ اس کے بعد دی ینگ اینڈ دی فوئش پھر آور ز آف آور سارو اور آخر میں اینڈ دی پلانیٹ ریولوز آئے گا۔"

"اس طرح تو پورا دن لگ جائے گا۔" گراسن نے غصیلے لہجے میں کہا۔ "میرے پاس ان حماقتوں کے لیے وقت نہیں ہے۔" ساتھ ہی اس نے اگلی نشست پر نظر ڈالی جہاں ماریتو ضرورت پڑنے پر اس کی مدد کے لیے موجود تھا۔

"کمال ہے، تم ریڈ ریکس کو دیکھے بغیر جانا چاہتے ہو؟" اوشان نے بڑی حیرت کا اظہار کیا۔

"ہاں۔" گراسن سیٹ پر ہاتھ مار کر بولا لیکن اس بار اسے جواب نہیں ملا کیونکہ اشتہارات کے بعد گیدرنگ کلاؤڈز پھر شروع ہو چکا تھا۔

ابھی گراسن، ماریتو کو یہ حکم دینے ہی والا تھا کہ وہ بُوڑھے کو کار سے نکال کر پھینک دے کہ اچانک ایک آواز آئی... یہ آواز قریب ہی ہونے والے دھماکے کی تھی۔

اوشان بالکل سیدھا ہو کر بیٹھ گیا اس نے ایک لمحے کے لیے اپنی آنکھیں بند کیں اور پھر تیزی سے کار سے اُتر گیا۔ "میں تمہارے ساتھ بیٹھ کر پورا ڈراما ضرور دیکھتا لیکن اس وقت میرے بچنے کو میری مدد کی ضرورت ہے۔" اوشان نے مغموم لہجے میں گراسن سے کہا۔

"دُرست۔ بچوں کی دیکھ بھال ہر چیز پر برتری رکھتی ہے۔" گراسن نے جواب دیا اگلے ہی لمحے اوشان غائب ہو گیا اس کی رفتار بہت تیز تھی لیکن اس رفتار پر گراسن نے غور نہیں کیا سارا زور جنبش سے گاڑی چلانے کا اشارہ کیا اسے احساس تھا کہ اگر دھماکا کیپس ہی میں ہوا ہے تو پھر اسے یہاں نہیں ہونا چاہیئے ورنہ پولیس اس کے لیے مشکلات پیدا کر دے گی۔

بوٹ یارڈ کی طرف جاتے ہوئے گراسن نے اپنے ساتھیوں کو اپنے منصوبے سے آگاہ کیا۔ "ہم ماسیلو اور لین فورتھ کو قتل کر کے ڈریم کو لائٹنر حاصل کر لیں گے اور پھر نیو یارک میں انکل کو تحفہ پیش کریں گے۔" گراسن کے لہجے میں جوش تھا۔

"کیوں نہیں باس۔" ماریتو نے بڑے یقین سے کہا مگر لی ینگ خاموش رہا۔

وہ بوٹ یارڈ کے گیٹ پر پہنچے تو وہاں ایک گارڈ موجود تھا اس نے مقبی سیٹ پر جھانک کر دیکھا جہاں گراسن ڈیتھ ویلی ڈے دیکھ رہا تھا۔ "ہیلو مسٹر گراسن!" گارڈ نے اسے سلام کیا۔

"ہیلو کڈ۔" گراسن مُسکرانے لگا۔ "ڈون کہاں ہیں؟"

"وہ آپ ہی کے منتظر ہیں۔ تشریف لے جائیں۔" گارڈ نے جواب دیا لی ینگ کو آدھی ہوئی سڑک پر کار احتیاط سے چلانی پڑی اس دوران گراسن نے ان دونوں کو بتا دیا کہ انہیں کیا کرنا ہو گا۔

"میں ڈون سلوا تورے، ماسیلو کو دیکھ لوں گا۔" اس کا لہجہ نیچا تھا۔ "تم اِدھر اُدھر ہو جانا لیکن گولی کی آواز سنتے ہی اس کے آدمیوں سے نمٹو گے۔ کام پھرتی اور سلیقے سے ہونا چاہیئے سمجھ گئے؟"

"یس باس۔" ماریتو بہت سنجیدہ تھا۔

"تم بھی تو کچھ بولو نجومی۔" گراسن نے لی ینگ پر پھر فقرہ چست کیا۔ "تمہاری کیا رائے ہے؟"

"جو زانے آپ کی ہے وہی میری بھی ہو گی۔" لی ینگ نے پژمُردہ لہجے میں جواب دیا۔

لانچ کے سامنے گاڑی رُکی تو تینوں اُتر گئے۔ گراسن اپنے دونوں ساتھیوں کو ڈیک پر بھیج کر ماسیلو کے دونوں محافظوں سے گفتگو کرتا ہوا جہاز میں اندر اُتر گیا۔

ڈون سلوا تورے، ماسیلو ایک بڑے سے لاؤنج میں بیٹھا ہوا تھا اس کے سامنے لین فورتھ بیٹھی ہوئی ہچکیاں لے رہی تھی۔ رونے کی وجہ سے اس کا چہرہ سُوجھ رہا تھا۔

میز پر ایک پلاسٹک بیگ رکھا ہوا تھا اس میں سے کئی تار نکل رہے تھے۔

"مل گیا؟" گراسن نے ڈکشنری نما بیگ دیکھتے ہی ماسیلو سے پوچھا۔ مگر ماسیلو نے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اس وقت وہ سلک اسموکنگ جیکٹ میں تھا۔ وہ کھڑا ہو گیا۔ "لین فورتھ!"

اس نے نرم لہجے میں کہا۔ "یہ مسٹر گراسن ہیں۔ میرے شریک کاروبار اور گراسی! یہ لین ہے۔ بے چاری تازہ صدمے سے نڈھال ہے آج اس کے والد انتقال کر گئے۔"

لین فورتھ نے اشکبار چہرہ اُٹھا کر گراسن کی طرف دیکھا تو گراسن کو پہلی بار احساس ہوا کہ وہ کتنی خوبصورت ہے۔

"مجھے یہ سُن کر بہت افسوس ہوا مس۔" گراسن نے تعزیت کرنے والے انداز میں کہا۔

"تھینک یو۔" لین فورتھ نے نظریں جھکا لیں۔

"تم ذرا ڈیک پر جا کر چہل قدمی کر لو دل بہل جائے گا۔" ماسیلو نے لین فورتھ کا شانہ تھپتھپا کر کہا۔ "جاؤ۔ شاباش!"

لین فورتھ اُٹھ گئی۔ اب گراسن کی نظریں اسی پر تھیں ان نظروں میں ایک نئی تپش تھی۔ بھوک تھی۔ وہ اسے اس وقت تک دیکھتا رہا جب تک وہ دروازے سے نہیں نکل گئی۔ دروازہ بند ہو جانے کے بعد ماسیلو نے مُسکرا کر کہا۔ "ہم جیت گئے گراسن! آگ اور لڑکی دونوں ہمارے قبضے میں ہیں۔ لڑکی وہی کرے گی جو میں کہوں گا۔"

"ہر کام کر سکتی ہے؟" گراسن نے ہونٹوں پر زبان پھیر کر پوچھا۔ "فحش کلامی مت کرو۔ وہ ابھی بچی ہے۔"

"لیکن تمہیں یہ بھی علم ہے کہ اس کا جس نسل سے تعلق ہے اس کی لڑکیاں دس گیارہ برس کی عمر میں جوان ہو جاتی ہیں۔"

"ہاں۔" ماسیلو نے سگار سلگا کر جواب دیا۔ "لیکن فی الوقت ہمیں جوان ہونے کی عمر پر بحث کرنے کی بجائے زیادہ اہم باتیں کرنی ہیں گراسی۔ میرا خیال ہے کہ اب تم نیو یارک واپس چلے جاؤ گے؟"

"یس۔" گراسن مُنہ پھیر کر لاؤنج کی آرائش کا جائزہ لینے لگا۔ "تمہارے انکل پیٹر و بہت خوش ہوں گے۔" ماسیلو نے کہا۔

"ہم نے اندازے کے برخلاف بہت کم قیمت ادا کی ہے۔"

"کم!" گراسن کا ہاتھ جیب میں رینگ گیا جو نہی ریوالور اس کے ہاتھ میں آیا ماسیلو کے چہرے پر کئی رنگ آ کر گزر گئے۔ "یہ کیا ہے گراسن؟"

"انکل کی طرف سے تحفہ۔ اسے لے کر جہنم رسید ہو جاؤ۔" گراسن نے لبلبی دباتے ہوئے کہا اعشاریہ ۴۵ کی گولی ماسیلو کے سینے میں لگی وہ لڑکھڑاتا ہوا دیوار سے جا ٹکرایا اور پھر نیچے گر گیا۔ "احمق۔" ماسیلو نے جھومتے ہوئے کہا لیکن دوسری گولی اس کے کھلے مُنہ کے آر پار ہو گئی اور وہ بولنے سے بھی محروم ہو گیا۔

ڈیک سے گراسن کو گولیاں چلنے کی آواز سُنائی دی وہ خاموش کھڑا رہا حتیٰ کہ گولیاں چلنے کی آواز آنا بند ہو گئی اس نے بڑھ کر ماسیلو کا سُلگتا ہوا سگار اُٹھا لیا۔ ایک طویل کش لے کر اس نے ڈریم کو لائٹنر کا جائزہ لیا پھر اچانک ہی اسے لین فورتھ کا خیال آ گیا اس نے سگار تیزی سے ایش ٹرے میں بجھایا اور ڈیک پر جانے کے لیے دروازے کی طرف لپک گیا۔

ماریتو اور لی ینگ نے ماسیلو کے دونوں محافظوں کو عین اس وقت گولی ماری جب وہ نیچے سے فائر کی آواز سُن کر لاؤنج میں جانے کے لیے زینے کی طرف لپکے تھے۔ پھر جب ماریتو لاشوں کو اُلٹ پلٹ کر دیکھنے لگا تو لی ینگ کی نظریں لین فورتھ پر پڑیں وہ اسی کو گھورے جا رہی تھی اس کی آنکھوں میں صدمہ تھا حقارت تھی اور غصہ تھا۔ تب ہی لی ینگ نے ایک فیصلہ کر لیا تھا۔

اس نے لین کو جھپٹ کر اُٹھایا اور لانچ کے دوسرے حصے کی طرف دوڑنے لگا۔

"لی ینگ۔" ماریتو نے اسے پکارا وہ چلّاتا رہا مگر لی ینگ نہیں رُکا اس نے لڑکی کو ایک دروازے میں دھکیلا تب ہی ایک گولی لی ینگ کے سر سے ایک انچ اُوپر لکڑی میں پیوست ہو گئی۔

اور اب وہ دونوں کریو لاکر زُوم کے شو روم کے ٹھنڈے ٹائلز پر بیٹھے ہوئے تھے۔

"بالکل خاموش رہنا۔" لی ینگ نے نصیحت کی۔ "گراسی بہت خبیث آدمی ہے اگر تم پکڑی گئیں تو وہ تمہیں قتل کر ڈالے گا۔ ہم اندھیرا ہونے تک یہاں انتظار کریں گے اور پھر نکل چلیں گے۔"

لین فورتھ رونے کے سوا کچھ نہ کر سکی۔ وہ لی ینگ کے بازوؤں میں ڈھے گئی۔ وہ دیر تک اسے بغور دیکھتا رہا اور جب لین نے سر اُٹھا کر اسے دیکھا تو وہ مُسکرانے لگا۔ وہ اسے اعتماد دینا چاہتا تھا۔

"واہ کمال ہے۔" تب ہی ایک آواز سُنائی دی۔ لی ینگ بہت پھرتی سے گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا اس نے لین فورتھ کے آگے خود کو ڈھال بنا لیا لیکن اس سے قبل کہ وہ ٹریگر دبا تا ریوالور پر کسی نے لات ماردی اور لی ینگ تنہا رہ گیا۔

آر تھر گراسن شو روم اسٹال کے داخلی دروازے پر کھڑا اسے گھور رہا تھا۔

"کیا میں اتنا ہی احمق ہوں کہ یہ نہ سمجھ سکوں کہ تم گندے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

مشرقی عمارتوں ہی میں پناہ لیتے ہو۔" گراسن دہاڑتا رہا تھا۔

لی ینگ کھڑا ہو گیا اس کا ارادہ یہ تھا کہ وہ پھلانگ لگا کر گراسن کا ٹینٹوا دبا دے لیکن گراسن تنہا نہیں تھا۔ مارینو اس کے بالکل پیچھے تھا۔

لین نے لی ینگ کی ٹانگوں کے بیچ میں سے ان دونوں کو دیکھا اس وقت اس کا چہرہ بے تاثر تھا۔

"تم نے تو اس لڑکی کے ساتھ بہت گلچھرے اُڑائے ہوں گے نجومی؟" گراسن نے کہا۔

"تم۔" لی ینگ تھوک نگل کر بولا۔ "تم احمق ہو گراسن نرے احمق۔" یہ کہتا ہوا وہ گراسن کی طرف بڑھنے لگا لیکن گراسن فوراً ایک طرف ہٹ گیا اور مارینو نے ریوالور کی نال لی ینگ کے سینے پر رکھ دی۔

"میں احمق ہوں؟" گراسن گرج کر بولا۔ "اور تم کیا ہو؟ تم جب سرکس میں مجھ سے ٹکراتے تھے تو دو ٹکے کے نجومی تھے تم نے آج تک کبھی کوئی ڈھنگ کا کام نہیں کیا۔"

اور کیونکہ لی ینگ کو علم تھا کہ وہ مرنے والا ہے ... اور یہ کہ گراسن کی موت اس کی موت سے زیادہ بھیانک ہو گی۔

"میں نہیں موت اور خوابوں کے بارے میں بتاتا رہا ہوں گراسن۔" لی ینگ کا لہجہ بہت سرد تھا۔ "اب تمہارے پاس خوابوں والی مشین بھی آگئی ہے لیکن میرا علم پھر بھی سچا رہے گا۔ تم گتے کی موت مرنے والے ہو آرتھر گراسن۔"

"اپنا منہ بند رکھو۔" گراسن نے چلا کر کہا پھر فرش پر پڑا ہوا ایک سریا اُٹھا کر بہت محتاط انداز میں لی ینگ کی طرف بڑھنے لگا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر لی ینگ کے بال پکڑے اور سر جھنجھوڑ ڈالا۔ لی ینگ نے صرف سسکی لی لیکن شدت درد کی وجہ سے اس کی آنکھیں بند ہو گئیں۔ وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا کیونکہ مارینو کے ریوالور کی نال اس کی گردن پر تھی۔

گراسن نے اور طاقت لگائی۔ لی ینگ جھکتا چلا گیا پھر اچانک اس کے پیٹ پر لات پڑی تو وہ پیٹ پکڑ کر فرش پر گر گیا۔ گراسن اب بھی اس کے بال پکڑے ہوئے انہیں جھنجھوڑ رہا تھا مگر لی ینگ کو صرف اور صرف ریوالور کی سرد نال کا احساس تھا۔

گراسن ایک گھٹنے کے بل بیٹھ کر اس کا سر جھنجھوڑنے لگا پھر اس نے دوسرے ہاتھ میں سریا پکڑ لیا۔ لی ینگ نے آخری بار لین فورتھ کی طرف دیکھا۔ وہ چلا کر کہنا چاہتا تھا کہ بھاگ جاؤ لیکن اس کی آواز نہیں نکل سکی۔

گراسن نے سریا لی ینگ کے دائیں کان میں گھسیڑ دیا سریا کان سے گزر کر مغز میں داخل ہوا لی ینگ کی بہت زوردار چیخیں نکلیں۔ اس کا جسم مچھلی کی طرح تڑپا لیکن مارینو اس کی پشت پر بیٹھ گیا اس نے لی ینگ کو دبوچ لیا۔ پھر گراسن نے اِدھر اُدھر دیکھا... اور ایک ہتھوڑا اُٹھا لیا۔ اس نے سریے پر ضرب لگائی تو سریا لی ینگ کے سر میں آر پار ہو گیا۔

لی ینگ کی آخری چیخ بہت دلدوز تھی۔

گراسن نے بڑی حقارت کے ساتھ لی ینگ کے سوٹ سے اپنے ہاتھ صاف کیے پھر کھڑا ہوا اور جیب سے رومال نکال کر پسینہ صاف کرنے لگا۔

اب اس کی نظریں لین فورتھ پر جمی ہوئی تھیں۔ وہ آہستہ آہستہ لڑکی کی طرف بڑھنے لگا۔ لین صرف ایک بار چیخ سکی تھی کیونکہ اس کے بعد گراسن نے اس کے منہ میں رومال ٹھونس دیا تھا اس کے بعد اس نے جنونی انداز میں لین کے گالوں پر طمانچے مارے تھے پھر اسے دیوار سے لگا دیا تھا اور اس کے بعد اس کے دونوں ہاتھ لین فورتھ کے کپڑے پھاڑنے لگے تھے۔

▬

"کاش مجھے پتا ہوتا کہ لڑکی کہاں ہے۔" ٹائیگر نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔

"وہ اس ریپس میں تو ملنے سے رہی۔" اوشان نے بڑے یقین کے ساتھ کہا۔

"فادر! ریپس نہیں کیمپس۔ ویسے آپ کو کیسے علم ہوا کہ وہ اب کیمپس میں نہیں؟"

"وہ کسی کی لاپنچ پر ہے اور مجھے اس کا پتا صرف اس وجہ سے چلا ہے کہ میں ماسٹر ہوں۔" اوشان نے سر ہلا کر کہا۔

"پھر بھی... آپ کو کیسے معلوم ہو گیا؟"

"ٹی وی کار والا نفیس انسان کچھ اس قسم کی باتیں کر رہا تھا۔" اوشان نے ہاتھ ہلا کر جواب دیا۔

"اس نفیس انسان کا کوئی نام تو ہو گا فادر۔"

"نام مجھے پتا نہیں ایسے لوگوں کے نام بھی ایک جیسے ہی ہوتے ہیں میرے بچے۔"

"تو لین فورتھ کس بوٹ پر ملے گی؟"

"پتا نہیں۔ لانچیں، بوٹ اور کشتیاں بھی ایک جیسی ہوتی ہیں۔" اوشان نے اس بار بڑی بے زاری سے کہا۔

"آپ کو کچھ اندازہ تو ہو گا۔" ٹائیگر اب اوشان سے سب

کچھ معلوم کر لینا چاہتا تھا۔ اس نے اِدھر اُدھر دیکھا گھاس کے تختوں کو سڑک سے الگ کرنے کے لیے جو درخت سفیدے باندھے کھڑے تھے وہ اسے بہت اچھے لگ رہے تھے۔ "ذہن پر زور دیں فادر! ممکن ہے اس بچی کو کوئی خطرہ لاحق ہو!"

"وہ وسینامی ہے زیادہ سے زیادہ شمالی وسینامی ہو گی لیکن اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ وہ شاید کسی مارشمیلو کی لانچ پر موجود ہو گی۔"

"مارشمیلو!"

"ہاں۔ کار والے آدمی نے یہی نام لیا تھا۔"

"مارشمیلو کہا ہو گا۔" ٹائیگر کو اُمید کی ایک کرن نظر آنے لگی۔

"ہاں۔ اس نے مارشمیلو ہی کہا تھا۔ ایک اور بات خوابوں والی مشین بھی لڑکی کے ساتھ ہی ہے۔"

"یہ بات اسی نفیس انسان نے آپ کو بتائی تھی؟"

"نہیں۔ میں تو ٹی وی دیکھ رہا تھا اور وہ اپنے ساتھیوں سے بات کر رہا تھا۔"

"اس نفیس آدمی کا نام گراسن تو نہیں؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"کچھ ایسا ہی نام تھا۔" اوشان نے گھاس کے تختوں کی طرف دیکھ کر جواب دیا۔

"ٹشل فادر! گراسن امریکی کرائم سنڈیکیٹ کا سب سے اہم کنٹریکٹ کلر ہے۔"

"ہاں۔ وہ لگتا تو ایسا ہی تھا۔ بڑا وقار تھا اس کے انداز میں۔" اوشان نے جواب دیا۔ اس کے بعد ٹائیگر کو مارشمیلو کی لانچ کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لیے مقامی یاٹ اسکوارڈرن فون کرنا پڑا جہاں سے اسے بتایا گیا کہ مسٹر مارشمیلو کی لانچ شہر کے جنوب میں پوائنٹ پریز کے قریب کیپٹن کو وہ میریینا میں لنگر انداز ہے چند ہی لمحے بعد وہ ایک 'اُدھار' لی ہوئی کار میں بہت تیزی سے روٹ نمبر ۵۵ پر جا رہے تھے۔

بوٹ یارڈ کا گیٹ بند ہی نہیں مقفل بھی تھا۔ اس وقت سورج نے اوشان اور ٹائیگر کی پشت پر پناہ لے رکھی تھی اور یہی سورج کی دم توڑتی ہوئی روشنی میں بہت پُرسکون لگ رہا تھا۔

اوشان نے گیٹ کا تالا توڑا پھر زنجیر الگ کی وہ تیزی سے اندر آئے۔ لانچ ان کے سامنے تھی جس پر اس کا نام لکھا تھا "الوا کاٹو"۔

"کمال ہے۔ لانچ کا نام پھر یہ رکھ دیا۔" اوشان نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"نہیں فادر۔ یہ اطالوی لفظ ہے اور اس کے معنی ہیں وکیل۔"

"الوا کاٹو انگریزی میں کسی فروٹ کو کہتے ہیں۔ اتنا تو مجھے بھی علم ہے۔" اوشان نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "تم مجھے گمراہ کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہو میں ابھی تک الیکٹریکل واشنگ مشین والی بات نہیں بھول سکا ہوں۔"

گیٹ پر تعینات گارڈ کو گراسن نے پہلے ہی یہ کہہ کر بٹا دیا تھا کہ ایک افسوس ناک واقعے میں مسٹر مارشمیلو اور ان کے دونوں محافظ ہلاک ہو چکے ہیں لہٰذا اب وہ مارینو کے ساتھ ڈیک پر پہرہ دے رہا تھا۔ اس نے سب سے پہلے ٹائیگر اور اوشان کو دیکھا جو گینگ پلانک کی سیڑھی پر چڑھ رہے تھے۔

"ہولڈ اٹ!" وہ گرج کر بولا۔ "تم اُوپر نہیں آسکتے۔"

"میں تو صرف تم سے مصافحہ کرنے کے لیے اتنی دُور سے آرہا ہوں دوست!" ٹائیگر نے مسکرا کر کہا۔

"دفع ہو جاؤ۔" گارڈ نے پھر خبردار کیا ساتھ ہی ریوالور نکال کر دھمکی آمیز انداز میں لہرانے لگا۔

"کیا بات ہے؟" مارینو بھی آوازیں سُن کر وہاں آگیا۔

"ٹریس پاسر مارینو۔" گارڈ نے اسے بھی خبردار کیا۔ مارینو ریوالور نکال کر ان کے قریب پہنچا۔ "ارے تم؟" اس کی نظریں اوشان پر تھیں۔ "تم یہاں بھی پہنچ گئے؟ کیا بات ہے؟"

"کیا لانچ پر اور کوئی نہیں۔" ٹائیگر نے نرم لہجے میں پوچھا۔

"بہتر یہ ہے کہ تم یہاں سے چلے جاؤ۔" مارینو نے ریوالور کی نال کا رُخ ٹائیگر کے پیٹ کی طرف تھا۔

"میں بھی یہی سوچ رہا تھا۔" ٹائیگر نے جواب دیا اور جُملہ مکمل ہوتے ہی اُچھلا۔ پورا زینہ اُس نے اسی طرح تقریباً اڑتے ہوئے انداز میں طے کیا پھر نوجوان محافظ کا چہرہ اس کے ہاتھ میں آگیا اس ضرب سے گارڈ پیچھے کی طرف گرا۔ اس کا ریوالور بھی دُور جا گرا۔ اس نے مارینو کی طرف دیکھا لیکن دیکھ نہیں سکا کیونکہ اسے کچھ نظر نہیں آرہا تھا ٹائیگر کی اُنگلیوں نے اس کی آنکھوں کے ڈھیلے نکال لیے تھے اس نے اُٹھنے کی کوشش کی مگر وہ ریلنگ سے ٹکرا کر سمندر میں جا گرا اور کسی بھاری پتھر کی طرح ڈُوب گیا۔

دوسری طرف مارینو نے ٹریگر دبانے کی کوشش کی لیکن لمبی پر اس کی اُنگلی حرکت ہی نہیں کر سکی کیونکہ اوشان نے بھی ٹائیگر کے انداز میں زقند بھر کر مارینو کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال دیا

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

تھا۔ اس کی ہڈیاں مارینو کے بازو میں چاقوؤں کی طرح پیوست ہوگئی تھیں۔ ہاتھ سُن ہو کر رہ گیا تھا اب وہ اس ہاتھ کی انگلی بھی نہیں ہلا سکتا تھا۔ اس نے گھبرا کر ریوالور کی طرف دیکھا تو اس کی آنکھوں میں اندھیرا سا چھانے لگا۔ اوشان کا انگوٹھا ریوالور کی نال پر تھا اور نال موم بتی کی طرح ٹوٹ کر جھک چکی تھی۔

"لڑکی کہاں ہے؟" ٹائیگر نے اس کے قریب آ کر پوچھا۔

مارینو غصے کندھے اُچکا کر رہ گیا۔

"آخری بار پھر پوچھ رہا ہوں، لڑکی کہاں ہے؟"

"مر گئی۔" مارینو بولا۔ "سب مر گئے۔ وہ بھی مر گئی۔" ساتھ ہی اس کی ہلکی سی چیخ بھی نکلی، کیونکہ وہ ہاتھ جو اوشان کی گرفت میں تھا اب بے حد اذیت سے گزر رہا تھا۔

"اسے کس نے قتل کیا؟" ٹائیگر نے غرا کر پوچھا۔

"باس نے۔" گراسن نے۔" مارینو کراہتا ہوا بولا۔

"کیا تم گراسن نہیں ہو؟"

"نن۔ نہیں۔ ہرگز نہیں۔"

"خوش قسمت ہو۔" ٹائیگر نے ایک جھٹکے سے کہا۔

"کیا مطلب؟" مارینو کو اُمید کی ایک کرن نظر آنے لگی۔

"مطلب یہ کہ تم اذیت ناک موت نہیں مرو گے۔" ٹائیگر نے یہ کہہ کر اوشان کی طرف دیکھا جس نے اپنے ہاتھ کو ذرا سی حرکت دی تو درد مارینو کے جسم میں سفر کرنے لگا۔ پہلے صرف ہاتھ میں تھا مگر اب تیزی سے شانے کی طرف دوڑ رہا تھا۔ شانے پر پہنچ کر درد دو لہروں میں تقسیم ہو گیا۔ درد کی ایک لہر پیٹھ کی طرف دوڑ گئی اور دوسری لہر سینے پر... دل کی طرف سفر کرنے لگی۔ جونہی اس دوسری لہر نے دل کو دبوچا مارینو کسی بھاری پتھر کی طرح اوشان کے قدموں میں گر گیا۔

"شاندار۔" اوشان نے خود ہی اپنے آپ کو داد دی۔

"میں گراسن کی تلاش میں جا رہا ہوں فادر۔" ٹائیگر نے کہا۔

"آپ اِدھر اُدھر نظر رکھیے گا۔"

"اور اگر گراسن تمہیں مل گیا تو...؟"

"تو؟"

"تو ٹی وی دکھانے پر اس کا شکریہ ضرور ادا کرنا۔" اوشان نے استہزائی ہاتھ ہلا کر اسے ہدایت کی۔

▼△

آدھر گراسن ڈریم کو لائسنر لیے ہوئے لاؤنج کے لاؤنج میں بیٹھا ہوا تھا وہ بالکل تنہا تھا اس کے قریب مائیسلو کی لاش پڑی ہوئی تھی۔

گراسن لاؤنج کے ٹیلی فون سے انکل پیٹرو کو کامیابی کی اطلاع کر چکا تھا۔ انکل پیٹرو کی خوشی کی انتہا نہ رہی تھی اور اس نے گراسن سے وعدہ کیا تھا کہ سینیٹ لوئس والوں کو خبردار کر دے گا کہ گراسن نے نیشنل کونسل کی ہدایت پر عمل کیا ہے لہٰذا گراسن پر کسی بھی قسم کا انتقامی حملہ نیشنل کونسل پر حملہ تصور کیا جائے گا۔

"میرے پاس مشین بھی ہے انکل۔" گراسن نے مطلع کیا تھا۔

"کیسی مشین؟"

"ٹی وی کی وہی مشین جسے ڈریم کولائسنر کہا جاتا ہے۔"

"اچھا! دیری گڈ۔ ویسے میں ٹی وی تو دیکھتا نہیں ہوں۔" انکل پیٹرو کے لہجے میں گرمجوشی نہیں تھی۔

"میرا خیال ہے کہ آپ یہ مشین ضرور دیکھیے گا اس سے کافی رقم بن سکتی ہے۔" پھر اس نے پیٹرو کو بتایا کہ کس طرح خوابوں کو اسکرین پر منتقل کرتی ہے۔

"یعنی... اس کا مطلب یہ ہوا کہ میں خود کو ایک بار پھر جوان دیکھ سکوں گا۔ تمہاری آنٹی ایک بار پھر اسی طرح نظر آنے لگے گی جس طرح سولہ سال کی عمر میں میرے ہاتھ آئی تھی؟"

"بالکل درست۔" گراسن نے قہقہہ لگا کر جواب دیا۔ "آپ اس مشین کے ذریعہ جو خواب چاہیں اسکرین پر دیکھ سکیں گے۔"

"تب پھر یہ مشین سیدھے گھر لے کر آنا گراسن۔" انکل پیٹرو نے بڑے اشتیاق سے کہا۔ پھر ریسیور رکھ دیا۔ اس نے ڈریم کولائسنر کا کنکشن، مائیسلو کے بڑے ٹی وی سے لگایا، الیکٹروڈز پیشانی اور کنپٹی پر لگائے پھر چرمی صوفے پر نیم دراز ہو کر ٹی وی کی طرف دیکھنے لگا اسے علم تھا کہ وہ کیا دیکھنا چاہتا ہے۔ وہ اس شخص کے بارے میں خواب دیکھنے کا خواہش مند تھا جو پورے ملک میں مافیا کے گرگوں کو قتل کرتا پھر رہا تھا۔

لیکن اچانک ہی اس کے ذہن میں لی رینگ کا خاص جملہ گونج اُٹھا۔ "زندگی خوابوں اور موت کا نام ہے۔"

اس نے اس سوچ کو ذہن سے جھٹکنے کے لیے سر ہلایا۔

"میں آرتھر گراسن ہوں اس شخص کو پکڑنا چاہتا ہوں جو ہمارے آدمیوں کو بے دریغ قتل کر رہا ہے۔ میں اسے قتل کرنا چاہتا ہوں۔"

آہستہ آہستہ اسکرین پر منظر نمودار ہونے لگا۔

ں کے ذہن میں سابو کا کے محل میں ہونے والا خونی ڈرا موجود تھا جہاں صرف دو افراد نے پوری تنظیم کا صفایا کر ڈالا تھا لیکن مسئلہ یہ تھا کہ وہ ان کو شکل سے نہیں پہچانتا تھا

اسے صرف تفصیلات بتائی گئی تھیں۔ اسے صرف یہ علم تھا کہ ان میں سے ایک کی کلائیاں غیر معمولی طور پر موٹی ہیں۔

اسکرین پر ایک روشن منظر نمودار ہوا ایک شخص کھلے میدان میں دوڑتا ہوا نظر آیا۔ وہ دبلا پتلا سیاہ بالوں والا نوجوان تھا اس کی کلائیاں موٹی تھیں۔ گراسن نے اسے پہلے بھی دیکھا تھا مگر کہاں؟ اس کا اسے علم نہیں تھا۔

پھر ذہن میں جھماکا ہوا۔ "میں نے اسے ایچ ووڈ یونیورسٹی کے کیمپس میں دیکھا تھا۔"

اسکرین پر وہ نوجوان دوڑتا رہا۔

"میں نے اسے کہیں اور بھی دیکھا ہے۔" گراسن سوچنے لگا۔

"اوہ۔ ہاں۔ میں نے اسے ٹی وی پر ہی دوڑتے ہوئے دیکھا تھا۔ بوسٹن میراتھن میں۔"

اب وہ شخص بہت تیز دوڑ رہا تھا لیکن اس کے ساتھ ہی ایک بہت بھاری اور دیوہیکل پیر بھی نظر آ رہا تھا جونہی اس شخص نے آخری قدم اُٹھایا وہ پیر اس کو کچل گیا اور اس شخص کا بھُرتہ بن گیا۔

گراسن کا زوردار قہقہہ لاؤنج میں گونج اُٹھا۔

تب ہی منظر تبدیل ہو گیا۔ اس بار بہت رومانٹک منظر تھا۔ ایک نیم روشن اپارٹمنٹ میں سیاہ بالوں والا نوجوان ایک میز پر بیٹھا ہوا ایک حسین ترین لڑکی کو گلاس پیش کر رہا تھا۔ لڑکی کوتاہ قامت کی تھی۔ تب ہی دروازہ کھلا اور گراسن درآتا ہوا اس کمرے میں داخل ہوا اس کے ہاتھ میں سب مشین گن تھی اور وہ فائرنگ کر رہا تھا۔

گراسن یہ منظر بہت خوشی کے عالم میں دیکھتا رہا۔

منظر پھر بدلا اور اسی روشن میدان کو اسکرین پر دیکھ کر گراسن کا مُنہ بن گیا۔ دیوہیکل پیر اب آہستہ آہستہ اُٹھ رہا تھا... اُٹھ نہیں رہا تھا اسے اُٹھایا جا رہا تھا اور اُٹھانے والا وہی نوجوان تھا اس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔ پیر پر اب خنگاف پڑنے لگے تھے۔ گراسن نے خواہش کی کہ پیر ایک بار پھر نوجوان کو کچل ڈالے مگر اسی لمحے وہ پیر اس طرح پھٹ گیا جیسے غبارہ پھٹتا ہے۔

"مشین گن سے ماروں گا۔" گراسن نے غرا کر کہا تو منظر پھر بدل گیا۔ اب ایک بار پھر اسی نیم روشن اپارٹمنٹ کا منظر آگیا یہاں گراسن کی فائرنگ جاری تھی لیکن تمام گولیاں ضائع جا رہی تھیں۔ لڑکی اب وہاں موجود نہ تھی۔

گراسن نے اسکرین پر اپنے ساتھ ایک نیلے سائے کو دیکھا پھر اچانک اس کی اپنی ہی مشین گن کی نال اس کے اپنے مُنہ میں گھس گئی اور درجنوں گولیاں مُنہ کے راستے پیچھے میں اُتر گئیں ہر طرف خون کے لوتھڑے بکھر گئے۔

گراسن چیخ اُٹھا چرمی کرسی پر وہ تڑپنے لگا تصویر بے ہنگم سی ہو گئی گراسن نے اُٹھنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔

تب ہی ایک نیا منظر نظر آیا۔

یہ ایک تباہ شدہ شہر کا منظر تھا۔ ہر عمارت گولیوں سے چھلنی تھی اور ان کھنڈرات میں درجنوں گراسن نازی وردی پہنے ہوئے زندہ لوگوں کی تلاش میں تھے۔ ان کے ہاتھوں میں آٹومیٹک رائفلیں تھیں۔ اچانک ایک چوہا دوڑتا ہوا آیا تو تمام گراسن پوزیشن لے کر اس پر فائرنگ کرنے لگے۔ وہ سب خوفزدہ نظر آ رہے تھے۔

چرمی صوفے پر ڈھیر گراسن پسینے سے تر ہو رہا تھا۔

ٹی وی اسکرین پر بہت تیزی سے جھماکے ہوئے اب جو تصویر آئی اس میں صرف گراسن تھا۔ خوف زدہ، سہما ہوا گراسن۔ وہ آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنے لگا اور یوں آہستہ آہستہ اسکرین پر ایک اور نوجوان نمودار ہوا اس کی کلائیاں غیر معمولی طور پر موٹی تھیں۔ ٹی وی پر نظر آنے والے گراسن نے بھاگنے کی کوشش کی لیکن نوجوان اس کے سر پر آ گیا... گراسن نے سر ہاتھوں میں چھپا لیا لیکن ایک ہی ضرب سے اس کا سر تربوز کی طرح پھٹ گیا۔

آخر گراسن چرمی صوفے پر دھاڑیں مار کر رونے لگا۔

اسکرین پر درجنوں لکیریں نمودار ہوئیں یہ لکیریں ان گنت رنگوں کی تھیں مگر ان میں سُرخ رنگ حاوی تھا آہستہ آہستہ ان کی رنگت سیاہ ہوتی چلی گئی۔ پھر اسکرین تاریک ہو گئی۔

گراسن نے اُٹھنے اور الیکٹروڈز الگ کرنے کی کوشش کی لیکن اسے ایسا لگا جیسے وہ چرمی صوفے پر باندھ دیا گیا ہے۔

معاً ہی اسکرین پر ایک اور تصویر واضح ہونے لگی۔ ڈارک اسکرین آئینہ بننے لگا گراسن نے خود کو چرمی صوفے پر بیٹھے ہوئے دیکھا لیکن اس کی کنپٹی پر صرف ایک الیکٹروڈ نظر آ رہا تھا ایک گردن سے منسلک تھا دوتار اس صوفے کے اُوپر جھول رہے تھے۔

گراسن اب زیادہ توجہ سے اسکرین پر دیکھنے لگا وہ قدرے جھک بھی گیا تاکہ وہ زیادہ بہتر طور پر تصویر دیکھ سکے۔

اور... صوفے کے عقب میں موٹی کلائیوں والا نوجوان موجود تھا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

گراسن کو بڑی حیرت ہوئی وہ عقب میں کھڑے ہوئے نوجوان کو اپنے اوپر جھکتا ہوا دیکھ رہا تھا تب ہی اسے سینے میں درد کا احساس ہوا۔ یوں لگا جیسے اس کے جسم سے جان نکل رہی ہو اس کی پسلیاں چٹخنے لگیں دل ریڑھ کی ہڈی میں دھڑکنے لگا اس کی شریانیں پوپنگ کورن کی طرح اچھلنے اور پھٹنے لگیں اور ذہن میں اندھیرے چھانے لگے۔ پھر اسے کچھ نظر نہیں آیا اسے کوئی آواز سنائی نہیں دی۔

ٹائیگر نے دونوں ایکسٹرا وڈز گراسن کی گود میں ڈال دیے۔

اچانک دروازے پر اوشان نمودار ہوا اس کا چہرہ بہت سنجیدہ تھا۔ "لانچ پر کوئی اور تو نہیں۔ اس نے لڑکی کے ساتھ بڑا ظلم کیا ہے"۔ اوشان نے کہا۔

"اور میں نے بھی اس کے ساتھ بہتر سلوک نہیں کیا ٹل فادر" ٹائیگر نے جواب دیا۔ پھر اچانک ہی اس نے مسکرا کر ٹی وی کی طرف اشارہ کیا۔ "آپ بھی تراٹی کریں گے؟"

"نہیں۔ انسان کو خوابوں کے اتنے قریب پہنچنے کا اختیار نہیں میرے بچے"۔ اوشان نے جواب دیا۔

"کیا آپ یہ دیکھنا نہیں چاہتے کہ چھوٹی چھوٹی آنکھوں والا ایک شخص بڑی بڑی آنکھوں والی حسیناؤں کے پیچھے بھاگ رہا ہے"۔

"نہیں"۔

"تب پھر آپ سناتجو کی کہانی کا پہلا باب اسکرین پر دیکھنا ضرور چاہیں گے"۔ ٹائیگر اس وقت خود کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا۔ "مگ ہونگ کا پہلا عشق تو دیکھ ہی سکتے ہیں"۔

"تم ایک گزرے ہوئے ماسٹر کا تمسخر اڑا رہے ہو"۔ اوشان نے غصیلے لہجے میں کہا۔ "بہت ناشکرے ہو"۔

"سوری فادر!" ٹائیگر کو معاً ہی احساس ہوا کہ اس نے اوشان کے جذبات کو مجروح کیا ہے۔

"تم ان خوابوں کے پیچھے مت بھاگو جنہیں اپنے بس میں کرنا تمہارے بس میں نہیں"۔ یہ کہہ کر اوشان پلٹ گیا ٹائیگر کو اس کے پیچھے چلنا پڑا۔ اسے واقعی افسوس تھا کہ وہ خوشی میں ایسے جملے بول گیا جو تضحیک آمیز تھے۔

اوشان اسے ریلنگ پر جھکا ہوا ملا وہ سمندر دیکھ رہا تھا۔

"گھر کی یاد آ رہی ہے ٹل فادر؟" ٹائیگر نے ہولے سے کہا۔

"ہاں"۔ اوشان نے پلٹے بغیر جواب دیا۔ "وہاں بھی ایسی ہی نم اور نمکین ہوائیں چلتی ہیں۔ جب میں لڑکا تھا تو اسی طرح گھنٹوں کھڑا رہ کر سمندر کا نظارہ کرتا رہتا تھا لاتعداد جہاز سے گزر کر سمندروں میں اوجھل ہوتی تھیں تو میں سوچتا تھا کہ یہ کہاں جا رہی ہیں... کیا ایک روز میں بھی ان کی منزلوں کو تسخیر کر سکوں گا"۔

"اب تو آپ درجنوں منزلیں تسخیر کر چکے ہیں"۔

"ہاں۔ لیکن کوئی بھی منزل میرے بچپن کے خوابوں کے مطابق نہیں ملی"۔ اوشان نے جواب دیا۔ "خواب ایسے ہی ہوتے ہیں میرے بچے"۔

ٹائیگر گزرتی ہوئی لانچوں کی روشنیوں کو دیکھتا رہا۔

"میں بہرام سے آج رات ہی فون پر بات کروں گا"۔ ٹائیگر نے دھیمے لہجے میں کہا۔ "اسے یہ بتانا ہے کہ گھر ایک خواب ہوتا ہے لہٰذا میں گھر نہیں چاہتا"۔

"ہاں اور ویسے بھی تمہارا ایک گھر موجود ہے شہزاد"۔ اوشان نے اس بار پلٹ کر کہا۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔ "یہ گھر مجھے میرے اجداد نے جس طرح دیا تھا، اسی طرح میں تمہیں دوں گا۔ سناتجو تمہارا گھر ہی تو ہے!"

ٹائیگر سر ہلانے لگا۔

"میری مُراد گاؤں سے نہیں میرے بچے"۔ اوشان نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "گاؤں تو محض ایک نقشے پر نکتہ ہے۔ میں تو تمہیں آرٹ، ہسٹری، سائنس سب کچھ دے رہا ہوں، یہی تمہارا گھر ہے"۔

ٹائیگر خاموش رہا۔

پھر جب وہ لانچ سے اُترنے کے لیے چلنے لگے تو ٹائیگر ایک دم پلٹا۔ نیچے لاؤنج میں گیا۔ وہاں اُس نے گراسن اور ماسیلو کو دیکھا۔ لاشوں کی صورت۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے اپنے خوابوں کو زبردستی شرمندۂ تعبیر کرنے کی کوشش کی تھی جو خوابوں کی دُنیا کے باسی تھے لیکن انہیں کسی خواب کی تعبیر نہیں ملی... ملی تو موت ملی...

وہ ڈریم کولاسُرر کی طرف بڑھ گیا۔ ایک لمحے تک اس آلے کو گھورتا رہا... وہ سوچنے لگا کہ صرف ایک شخص کے بنائے ہوئے اس آلے کی وجہ سے کتنے لوگ مر گئے... اس کے موجد نے خوابوں کی فصل کاٹنے کی کوشش کی تھی لیکن خود بھی مارا گیا۔ پھر وہ اوشان کے بارے میں سوچنے لگا۔ معاً اُسے اپنے گھر کے خواب سے کراہت محسوس ہونے لگی... اب اُسے یقین تھا کہ وہ آئندہ بھی اس قسم کی فرمائش نہیں کرے گا۔ خواب محض خواب ہی تو ہوتے ہیں۔

ٹائیگر نے اپنا ہاتھ ڈریم کولاسُرر کے پلاسٹک بکس پر رکھ دیا۔ اُس نے ایک گہری سانس لی اور پھر ڈریم کولاسُرر مونگ پھلی کی طرح کچلا اور ٹوٹتا ہوا مینہ کی سطح کے برابر ہو گیا۔

رات کو ایک محفوظ ٹیلی فون پر ٹائیگر نے جب بہرام کو اپنی تبدیل شدہ سوچ سے آگاہ کیا تو اُس نے بڑی خوشی کا اظہار کیا۔

"تو اس کا مطلب ہے کہ میں وہ نوٹ واپس بینک میں جمع کروا دوں؟" بہرام نے خوش ہو کر دریافت کیا۔

اس سے پہلے کہ ٹائیگر کچھ کہتا، اوشان بول اُٹھا۔ "بینک میں جمع کرانے کی ضرورت نہیں۔ اُس رقم سے سناتجو کے لیے مزید سونا خریدا جا سکتا ہے"۔

بہرام نے بے اختیار اپنا بایاں ہاتھ سر پر دے مارا۔ اگر اُسے معلوم ہوتا کہ ماسٹر قریب ہی موجود ہے اور اُس کے پیاز کے چھلکے سے بھی باریک کان ہینڈ فون میں آنے والی بہرام کی آواز سُن لیں گے تو وہ کبھی اُن نوٹوں کا تذکرہ نہ کرتا جو اُس نے ٹائیگر کے مکان کے لیے بینک سے نکلوائے تھے۔

"ماسٹر کو بتا دو کہ حکم کی تعمیل ہو گی"۔ بہرام نے گویا کڑوی گولی نگلی۔

"شہنشاہ کا اقبال بلند رہے"۔ اوشان نے کہا تو ٹائیگر نے جز بز ہو کر ماسٹر کی طرف دیکھا۔

"کیا یہ بہتر نہیں مسٹل فادر کہ آپ براہ راست شہنشاہ سے بات کر لیں"۔ وہ پڑ گیا۔ "میں مصاحب کا کردار ادا نہیں کر سکتا"۔

"صد افسوس میرے بچے!" اوشان نے ایک طویل سانس لی۔ "سناتجو کا ولی عہد حالاتِ حاضرہ سے اس قدر نابلد ہو گا، میں نے سوچا بھی نہ تھا"۔

"مگر اس بات سے حالاتِ حاضرہ کا کیا تعلق؟" ریسیور اب بھی ٹائیگر کے ہاتھ میں تھا جس کی وجہ سے دونوں کی بات چیت بہرام بھی سُن رہا تھا۔ اب اُس کے ماتھے پر تیوریوں کی تعداد میں اضافہ ہونے لگا تھا۔

"ہے، میرے بچے، ہے"۔ اوشان نے اپنی بات میں زور پیدا کرنے کے لیے اثبات میں سر بھی ہلایا۔ "یہ دور مصاحبوں اور وزیروں کا دور ہے۔ تمام تر فائدے انہی کے لیے ہیں غریب رعایا تو سمندر کی لہروں کی مانند بادِ شباہت کے ساحلوں سے سر ٹکرا کر واپس آ جاتی ہے۔ بادشاہ تک رسائی تو صرف مصاحبوں کی ہی ہوتی ہے"۔

ٹائیگر محض سر ہلا کر رہ گیا لیکن بہرام کی چھاتی کچھ اور چوڑی ہو گئی تھی۔ دل ہی دل میں وہ خوش بھی ہوا تھا کہ سناتجو کے لیے مزید سونے کی خریداری کا معاملہ موخر ہو گیا تھا۔

"لیکن ماسٹر کو پیغام دینا کہ شہنشاہ کے اقبال کا سورج ایک بار پھر گہنانے والا..."۔ بہرام نے بات شروع کی لیکن جانے کس طرح اُسے احساس ہو گیا کہ ٹائیگر ریسیور رکھنے والا ہے۔ شاید اُسے اندازہ ہو گیا تھا کہ بہرام کا اشارہ کسی نئے مشن کی طرف ہے۔

"ریسیور نہیں رکھنا شہزاد!" بہرام نے اپنا جملہ ادھورا چھوڑ کر ٹائیگر کو مخاطب کیا۔

"کیا بھورے تلوں والی لڑکی کا سراغ مل گیا سوئٹ ہارٹ؟"

ٹائیگر نے ایک ایک لفظ چبا چبا کر ادا کیا تھا۔

"نہیں"۔ بہرام نے کوشش کر کے اپنے لہجے کی ناخوشگوار تلخی ختم کی۔ "معاملہ دوسرا ہے۔ اگر تم سنجیدہ ہو تو میں بات آگے بڑھاؤں؟"

"ضرور بڑھاؤ، سوئٹ ہارٹ، بشرطیکہ وہ میرے رشتے کی نہ ہو"۔

"وسکانسن میں بڑے عجیب و غریب حالات پیش آ رہے ہیں"۔ ڈاکٹر بہرام نے سُنی ان سُنی کر کے اپنی بات شروع کر دی۔ بقول اُس کے اس ریاست کے دُودھ میں بعض زہریلے مواد کا پتا چلا تھا۔ امریکہ کی ہیلتھ سروسز کے ایک افسر ڈاکٹر گریگٹن تھورن نے خبردار کیا تھا کہ اگر جلد ہی دودھ میں پائے جانے والے اس نامعلوم اور خطرناک نامیاتی جسم کی شناخت نہیں کی گئی تو اس کے اثرات نہایت تباہ کُن ہوں گے۔ ڈاکٹر تھورن کے خیال میں اس کے فوری اثرات سے بچنے کے لیے ریاست وسکانسن کے تمام مویشیوں کو ہلاک کرنا اور ڈیری کی صنعت کو بند کرنا بے حد ضروری ہو گیا تھا لیکن اس سے ریاستی معیشت میں خطرناک بحران پیدا ہونے کا اندیشہ تھا۔ دوسری صورت میں ملک بھر کے لوگوں کا بہت سی بیماریوں میں مبتلا ہو جانا لازمی امر تھا۔

ریاست کے مویشی بانوں کے خیال میں بحران پیدا ہو چکا تھا کیونکہ اُن کی آنکھوں کے سامنے اُن کے سینکڑوں مویشی ہلاک کر دیے گئے تھے اور اس قتلِ عام کی وجہ محض شک تھا۔ ڈاکٹر تھورن کے خلاف اُن کے احتجاج مسترد کر دیے گئے تھے اور اُن کے دعوؤں کو خارج کر دیا گیا تھا کیونکہ ڈاکٹر پبلک ہیلتھ کا ایک اعلیٰ افسر تھا۔ ایک گروپ نے قانونی کارروائی شروع کر

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

دی تھی جب کہ دوسرا وائسگٹین روانہ ہو گیا تھا۔ اس معائنی مہم نے آغاز میں ہی ہزاروں لوگوں کو متاثر کیا ہے جب کہ پیئر کی صنعت تباہی کے دہانے پر پہنچ چکی ہے۔

"لیکن میں اس سلسلے میں کچھ نہیں کر سکتا۔" ٹائیگر نے ساری رام کہانی سننے کے بعد رکھائی سے کہا۔

"کیوں؟"

"اس لیے کہ سنانجو کو گایوں کی کھالوں کی درآمد سے بھی کوئی دلچسپی نہیں رہی۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ "ماسٹر کا کہنا ہے کہ سنانجو کا واحد غائب گھر بند کر دیا گیا ہے اس لیے گایوں کی کھالوں میں بھس بھروا کر وہاں نہیں رکھا جا سکتا بلکہ اب انہوں نے انسانی کھالوں میں بھس..."

"خدا کے لیے شہزاد، میں بالکل سنجیدہ ہوں۔" بہرام نے تلخ لہجے میں ٹائیگر کی بات کاٹی۔

"اور یقین کرو سنجیدہ ہارٹ، میرا تمہارا بھی کوئی مذاق نہیں۔" ٹائیگر بھی آج شاید بہرام کی جان جلانے پر تلا بیٹھا تھا۔ "میں یہ کہہ رہا تھا کہ انسانی کھالوں میں بھس..."

"جہنم میں گئی کھالیں اور بھاڑ میں گیا بھس۔" بہرام کا پیمانۂ صبر اب لبریز ہو گیا تھا۔

"تب پھر میں بھی گیا دوزخ میں۔" ٹائیگر سنجیدگی سے بولا۔ "میں فون بند کر رہا ہوں، تم اپنے لیے کوئی اور ٹائیگر تلاش کر لو۔"

"پلیز شہزاد، میں سنجیدہ ہوں۔"

"شہزاد!" ٹائیگر کے کچھ کہنے سے پہلے اوشان کی آواز ابھری۔ "اس سے پہلے کہ سنانجو، شہنشاہ کی اگلی کھیپ سے محروم ہو جائے، اُس کی بات اطمینان سے سنو۔"

شہزاد نے طویل سانس لے کر ریسیور کو دیکھا اور بولا۔ "فرمایئے، شہنشاہِ معظم!" انداز ایسا ہی تھا جیسے کہہ رہا ہو، بکو جلدی، بے وقوف!

"تمہیں یاد ہے کہ پیکرز کا ایک آدمی ہوتا تھا جس کا نام اولیو سوانسن تھا۔ وہ..."

"ایک بار فٹ بال میچ میں میرا اُس کا آمنا سامنا ہوا تھا۔" ٹائیگر نے اپنے دماغ کے کمپیوٹر سے حاصل ہونے والی معلومات فوراً بہرام تک پہنچائیں۔

"قصہ یہ ہے کہ گرین بے پیکرز کا دورہ کرنے کی دعوت موصول ہوئی ہے۔ اولیو سوانسن کو ڈیری فارمنگ کا خاصا تجربہ ہے۔ میرے خیال میں تم اور ماسٹر ذرا اُس سے مل آؤ اس کیس کے سلسلے میں وہ خاصا مفید ثابت ہو گا۔"

گولی نے دھماکے کے بنے ہوئے غلے کے گودا موں کے درمیان خاصی گونج پیدا کی تھی۔ اس کے ساتھ ہی ایک عورت کی سسکی بھی بلند ہوئی تھی۔ قریب کھڑے شخص نے کندھے جھٹکا کر اُسے تسلی دی یا کسی خود اُس کی ٹانگیں بھی کپکپا رہی تھیں، وہ وقفے وقفے سے اپنے ہاتھ بھی مل رہا تھا جیسے جو کچھ ہو رہا ہو اُس پر وہ بے بس ہو۔

ایک گائے جو چند ثانیے قبل اپنے پیروں پر کھڑی تھی اب زمین پر گری اپنے پیٹ اور نتھنوں سے خون اُگل رہی تھی۔ گلے کے دوسرے جانور بھی آہ وزاری کے انداز میں ڈکرا رہے تھے جیسے انہوں نے بھی موت کی بُو سونگھ لی ہو۔

"تم... مگر... تمہیں کوئی حق نہیں اس کا..." ہو نے ایک بار پھر ٹوٹے پھوٹے جملوں میں احتجاج کیا۔ اُس کے لہجے میں جرمن رنگ نمایاں تھا۔ "ہمارے پاس کاغذات موجود ہیں گزشتہ ہفتے انسپکٹر بھی آیا تھا۔ اُس نے کہا تھا کہ میرا گلہ بالکل صاف ہے اور اب... اب تم میری ساری گایوں کو ہلاک کرنے آ گئے ہو... ہم تباہ ہو جائیں گے... ہم نے سب کچھ قرضے پر حاصل کر رکھا ہے۔ وہ سب ڈوب جائے گا..."

دو اور آدمی اُس شخص کے قریب آ گئے جس کی رائفل کی بیرل سے اب بھی دھواں بلند ہو رہا تھا۔ انہوں نے پہلے کے ساتھ مل کر نشانے باندھے۔ تین گولیاں ایک ہی آواز کے ساتھ چلیں اور زمین نے تین مزید مردہ گایوں کے لیے جگہ فراہم کر دی۔ چوتھا آدمی، مویشی بان کے پاس پہنچا تھا۔

"تمہارا گلہ جراثیم زدہ ہے... مہلک ہے... خطرناک ہے مسٹر کروگر۔" یہ اُس نے مویشیوں کے مالک کو بتایا۔ "ضلع رہائشن لینڈ کا ہر گلہ جراثیم زدہ ہے۔"

"ل... لیکن..." ڈاکٹر تھورن! تم نے تو کہا تھا کہ ان جراثیم کی نشوونما کے لیے سات سے گیارہ دن درکار ہیں۔"

"میرے کسی فیصلے پر اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں تمہارے مویشیوں کے بارے میں ہمیں اطلاع ملی تھی چنانچہ ہم نے تحقیقات کی اور اس نتیجے پر پہنچے کہ ایسے جراثیم ان پر حملہ آور ہو چکے ہیں جو دودھ کو آلودہ کر رہے ہیں، کئی لوگ مر چکے ہیں۔ کیا اس سے تم کوئی نتیجہ اخذ نہیں کر سکے مسٹر کروگر؟"

"مگر میری گائیں بھی تو مر رہی ہیں ڈاکٹر تھورن، ایسی

صحت مند گائیں جو کسی کے لیے خطرے کا باعث بن ہی نہیں سکتیں تم نے محض شک کی بنا پر انہیں موت کے گھاٹ اُتار ڈالا ہے۔ کیا امریکہ میں بھی ہٹلر برسرِ اقتدار آ گیا ہے۔ ڈاکٹر... یہاں کا مشہورِ عالم انصاف کدھر چلا گیا ہے؟"

رائفلیں پھر گرجیں۔ سنہرے رنگ کی تین اور گائیں خون میں لت پت زمین پر تڑپنے لگیں۔ کارل کروگر ان گایوں سے خصوصی اور معیاری کریم حاصل کیا کرتا تھا۔ وہ مکمل طور پر صحت مند تھیں اور کروگر کو یقین تھا کہ کبھی کوئی بیماری انہیں چھو کر بھی نہیں گزری۔

کروگر خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا جب کہ اس کی بیوی کی سسکیاں کچھ اور بلند ہو گئیں۔ اُن کا سب سے چھوٹا تیرہ سالہ بیٹا اُن کے پہلو میں کھڑا آنسو بہا رہا تھا۔

"تیزی سے کام کرو، لڑکو!" ڈاکٹر تھورن اپنے آدمیوں سے بولا۔ وہ متاثرہ خاندان سے دُور ہٹ گیا تھا۔ "تین سو گائیں یہاں ہیں جب کہ ہمیں دو اور مقامات پر بھی جانا ہے ان گایوں کے لیے گڑھا کھودنے کی غرض سے بلڈوزر بھی یہاں پہنچنے والا ہو گا۔" وہ کروگر کی طرف پلٹا۔ "تمہیں خوش ہونا چاہیے کہ اُن کو زمین میں دبانے کے اخراجات سے بچ گئے۔"

جلادوں نے ایک گھنٹے کے اندر اندر کارروائی مکمل کر لی۔ تین سو گائیں بے ترتیبی سے دُور دُور تک پڑی تھیں۔ پبلک ہیلتھ سروسز کا آفیسر اور اُس کے آدمی اُچھل کر اپنی گاڑیوں میں بیٹھے اور اپنے عقب میں دھول اور مٹی کا ایک طوفان چھوڑتے ہوئے اگلے اسائنمنٹ کی طرف روانہ ہو گئے۔

کروگر اب مارے غصے کے کانپ رہا تھا۔ اُس کی بیوی سسکتی بلکتی گھر چلی گئی تھی جب کہ بیٹا اپنے آنسو چھپانے کے لیے باڑے کی دوسری سمت بھاگ گیا۔

"ہم کسی پولیس اسٹیٹ میں تو نہیں رہتے۔" کروگر خود کلامی کے انداز میں بولا۔ "تمہیں روکنا ہو گا... ڈاکٹر تھورن اور یہ کام میں خود کروں گا۔"

بھاری بوٹ پہنے ہوئے اُس کے قدم دھول اور مٹی سے اٹے ہوئے باڑے کی پرلی جانب کھڑی پک اپ کی طرف بڑھے۔ وہ پک اپ میں بیٹھا اور اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دیا۔

***

ڈاکٹر تھورن اپنے ماتحتوں کے ہمراہ مویشیوں کے قتلِ عام سے فارغ ہو کر جب وساؤ میں رہنجل پبلک ہیلتھ ہیڈ کوارٹرز پہنچا تو شام ڈھل کر رات میں تبدیل ہو چکی تھی اُس کی قیام گاہ یعنی میڈفورڈ موٹر لاج کی روشنی ہو چکی تھی لیکن فارم ہاؤس کی کھڑکیوں سے اس کا اندازہ نہیں ہوتا تھا۔

ڈاکٹر تھورن احاطے میں داخل ہو کر ایک باڑے کے قریب رُک گیا۔ اُس نے ہارن بجایا اور ٹھیک پانچ سیکنڈ بعد اپنے اس عمل کو دہرایا۔

باڑے کے سامنے کی سمت ایک چھوٹا سا دروازہ کھلا اور گٹھے ہوئے سر کے شخص کے باہر جھانکا وہ چند ثانیے روشنی سے اندھیرے میں آ جانے کے باعث پلکیں جھپکاتا رہا، پھر کار کی طرف بڑھا۔

"اوہ! یہ تم ہو ڈاکٹر! اندر آؤ۔ مسٹر وین پہلے سے یہاں موجود ہیں۔"

"تمہیں چوکنا دیکھ کر خوشی ہوئی ریڈی۔"

ریڈی نامی شخص نے مسکرا کر سر جھکایا اور ڈاکٹر اپنی کار کھڑی کر کے اندر داخل ہوتا چلا گیا۔ ایک سفید فام سامنے موجود تھا۔ ڈاکٹر کے ہونٹ مسکرانے کے انداز میں پھیل گئے "ارے تھیوفولس۔ میرے پرانے دوست تم؟"

"تمہیں دیکھ کر خوشی ہوئی تھورن۔ تمہارے آدمیوں نے ابھی ابھی اپنا ایک دورہ مکمل کیا ہے اس کے باوجود کہ میں پوری طرح اسے سمجھ نہیں سکا ان کا انداز مجھے بے حد اچھا لگا ہے۔"

تھیوفولس وین، اپنے چہرے مہرے سے اس قدیم عمارت کا اصل باسی دکھائی دیتا تھا اس کے گرد کاغذات اور دیگر چیزوں کے انبار لگے ہوئے تھے اور اس کا مشرقی چہرہ مسکرایا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ اس نے ہاتھ سے کیس جنریٹنگ پلانٹ اور ڈبوں کی قطاروں کی طرف اشارہ کیا جن کو سرکاری اشیاء کی حیثیت حاصل تھی اور ان پر "غبارے" میٹر ولوجیکل مارک فورتحریر تھا۔

چند افراد ایک سفید رنگ کی میز پر حفاظتی نقاب پہنے مصروف کار تھے جب کہ ان کے قریب ہی چھوٹے سے سلنڈر میں کوئی مائع شے موجود تھی۔

"تمہیں حفاظتی لباس میں ہونا چاہیے تھا، وین۔" ڈاکٹر تھورن بولا۔

"فکر نہ کرو میں ان کے قریب نہیں جاؤں گا۔ مجھے بتاؤ کہ اب تک کوئی حادثہ ہوا یا نہیں؟"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"نہیں، میرے پاس نہایت ذمے دار کریو موجود ہے۔"
ذرا سے فاصلے پر رکھے ہوئے ایک ریڈیو سے موسمیاتی نشر ہو رہی تھی۔ چند ثانیوں بعد ایک اناؤنسر کی آواز سنائی دی جس کے بعد ریڈیو رپورٹ شروع ہو گئی۔

"شمال مغرب کی طرف سے آنے والی ہوائیں دس سے پندرہ میل فی گھنٹے کی رفتار سے چل رہی ہیں جس سے یہ پیشگوئی صحیح ثابت ہو جائے گی کہ آج رات بوداا اور جنوبی الی نواس میں بارش ہو گی۔ آج رات ہواؤں کی رفتار بڑھ کر پچیس میل فی گھنٹہ ہو جائے گی جبکہ کل ان ہواؤں کی رفتار تیس میل تک کے ہونے کا امکان ہے البتہ کل بارش نہیں ہو گی۔ ہم یہ واضح کر دیں گے کہ ڈیلیو کے ای بی ہر ایک گھنٹے بعد عالمی اور نصف گھنٹے بعد مقامی موسمیاتی رپورٹ نشر کرے گا۔"

"پرفیکٹ!" ڈاکٹر تھورن نے ستائشی انداز میں اپنی ہتھیلیاں رگڑیں۔ "یہ موسمیاتی رپورٹ!" اس نے اپنے ملاقاتی کے لیے وضاحت کی۔ "کل اس وقت تک یہاں سے لمبا لالی نواس کے درمیان مونشی بیار ہو جائیں گے۔"

"اسموک اسکرین، وین!" ڈاکٹر تھورن نے جواب دیا۔ "یہ تو لوگوں کو بتانے جانے والے اندازے ہیں ہم نہایت سریع الاثر جراثیم استعمال کر رہے ہیں جو چوبیس سے اڑتالیس گھنٹوں کے درمیان اپنا اثر دکھاتے ہیں اس طرح ہم اکیس دنوں کے اندر اندر قریب و جوار کے تمام صحت مند مویشیوں کو بیمار کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ ایکیوبٹین اسٹوری ہم اپنے کور کے طور پر استعمال کریں گے اس طرح تمہارے موکل آسانی سے زمین خریدنے کے قابل ہو جائیں گے، کیا خیال ہے؟"

"درست!" وین نے اس کی تائید کی۔ "اور ہماری پیشکش بھی ایسی ہو گی کہ کوئی انکار کر ہی نہ سکے گا۔"

ڈاکٹر تھورن نے تقریباً تالی بجا کر اپنی خوشی کا اظہار کیا۔ اس کے چہرے پر اطمینان کی ایک لہر دوڑ گئی تھی۔ وہ ایک تیر سے دو شکار کرنے جا رہا تھا، ایک ہی جھٹکے میں انتقام اور منافع اس کی جھولی میں گرنے والا تھا اسے اپنے منصوبے پر فخر محسوس ہونے لگا۔ یہی وجہ تھی کہ جب وہ بولا اس کے لہجے میں کامیابی کی مسرت واضح طور پر محسوس ہو رہی تھی۔

"ان کا کہنا تھا کہ یہ ہو ہی نہیں سکتا۔ کسی قوم کو اس کی خوراک کی پروڈکشن، ٹرانسپورٹ اور پرچون فروخت کے ذریعے زیر دست نہیں بنایا جا سکتا۔ اسے فتح نہیں کیا جا سکتا۔ یہی

ٹائیگر
اظہر کلیم
دو جلدوں میں
جلد اول =/150 جلد دوئم =/150
مکتبہ القریش
سرکلر روڈ اردو بازار لاہور
فون 7668958

پروجیکٹ تھا جو انہوں نے سمجھ دیا۔ پھر وہ اسے روکنے کے لیے کہنے لگے۔ وہ بیک وقت ہلا اٹھے کہ فاقوں کی ماری ہوئی اس دنیا میں مہلک جراثیم نہ آزمائے جائیں لیکن میں ان دو غلے افراد کو بتا دوں گا۔ اگر وہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ ہتھیار دشمن پر استعمال کرنا کوئی غیر اخلاقی حرکت ہو گی لیکن جب میں یہی طریقہ کار اسی ملک پر آزماؤں گا تب دیکھیں وہ کیا کہتے ہیں۔" اس نے رک کر تھیوفوس وین کی طرف دیکھا۔ "لیکن میں دوبارہ خوار ہوتا ہوں۔ اوتھا کے خود ساختہ سائنسدانوں اور آرمی کے نکتہ نظر سے میری بے اطمینانی تمہارے لیے باعث فکر نہیں ہونی چاہیے۔"

"سچ کہتے ہو۔" وین نے زیر لب کہا لیکن اس کا یہ جملہ ڈاکٹر تھورن نہیں سن سکا تھا۔ وین سوچنے لگا کہ کیا ایک طاقتور قوم کو جراثیموں کی جنگ کے ذریعے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دینا واقعی اتنا آسان اور عام کام ہے کہ کسی کو اس کے بارے میں سوچنے کی ضرورت ہی نہ تھی خاص طور پر ان سات افراد کے لیے جو سوسائٹی آف انٹرنیشنل الیٹ (ایس آئی ای) کے بچے کھچے ارکین تھے ان میں وہ شامل نہیں تھا، کیونکہ اس بے وقوف نے اپنی چیو چاڈ ناہی سوسائٹی بنالی تھی۔

ان سات افراد نے خفیہ طور پر اپنے کام کا آغاز کیا اور کوئی ایسا منفرد طریقہ اختیار کرنے کے بارے میں سوچنے لگے جس سے امریکہ جیسے طاقتور ملک کو اپنی مرضی کے مطابق ڈھال سکیں۔

ڈاکٹر تھورن نے اس سلسلے میں واقعی ایک منفرد طریقہ انہیں بتایا اس کے منصوبے کے مطابق موسمیاتی غباروں

کے ذریعے مہلک اور انسانیت کے لیے مضر جراثیم فضاؤں میں بکھیر دیے جاتے جن سے انسان تو انسان حیوان تک بھی ہلاک ہو جاتے۔

امریکہ کی چونکہ تیس فیصد آبادی زراعت کے پیشے سے منسلک تھی اس لیے ایس آئی ای کے ارکان کو یقین تھا کہ اس طریقہ کار کے استعمال سے وہ اپنے مطلوبہ مقاصد حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے ان کے منصوبوں میں اولین ترجیح امریکہ کے مختلف علاقوں میں بڑے بڑے زرعی فارموں کا حصول تھی۔ جب جراثیموں سے مویشی ہلاک اور فصلیں تباہ ہو جاتیں تو کسان اور مویشی بان اپنی اپنی جائدادیں کوڑیوں کے مول فروخت کر دیتے تاکہ قحط سے بچ سکیں۔

یہ کرنے کے بعد وہ اگلے منصوبے پر عمل کرتے۔ بڑے بڑے شہروں پر مہلک جراثیموں کے حملے کی دھمکیاں دی جاتیں حکومت کو بلیک میل کیا جاتا اور اس کے بدلے میں وہ لوگ سیاسی طور پر قوت حاصل کر لیتے۔ یہ سب سوچ کر تھیوفوس وین کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی اس نے مارے جوش کے ڈاکٹر تھورن کا بازو تھام لیا۔

"مگر یہ تو بتاؤ کہ تمہارا سسٹم کام کیسے کرے گا؟" اس نے اپنا سلسلۂ کلام جوڑا۔ "اور یہ ہمارے لیے کس قدر محفوظ ثابت ہو گا؟"

"انتہائی محفوظ، جتنا تم تصور کر سکتے ہو۔" ڈاکٹر تھورن فخریہ انداز میں بولا۔ "بلاوجہ پریشان مت ہو، تمام اشیا متعلقہ سلنڈروں یا غباروں میں ہوں گی اس لیے کسی غیر متوقع سانحے کا کوئی امکان نہیں۔"

"میں اس وقت کے بارے سوچ رہا ہوں جب غبارے فضا میں چھوڑ دیے جائیں گے۔"

"اس میں بھی خطرے کی کوئی بات نہیں پھر بھی آؤ میں اپنے طریقہ کار کی وضاحت کرتا ہوں۔" ڈاکٹر تھورن اپنے مہمان کو اس سمت لے چلا جہاں حفاظتی نقاب پہنے ہوئے افراد ایک غبارے میں ہوا بھر رہے تھے۔ "یہ دیکھو میاں دو الگ الگ ان لٹش موجود ہیں ایک اس سلنڈر پر مشتمل ہے جس میں ہیلیم گیس ہو گی۔ اسے ہم نے اضافی ملٹری فیلڈ جنریٹنگ یونٹ سے ملا رکھا ہے جبکہ دوسرا اس سے کہیں چھوٹا کنٹینر ہے۔۔۔ جس میں کنسنٹریٹڈ سسپنشن ہو گا یہ اسے کنسنٹریٹڈ ہی کہوں گا حالانکہ یہ ایسی مائع کی شکل میں ہو گا کہ جو اخراج ہونے کے بعد انتہائی مہلک اور تباہ کن شہادت ہو گا۔ یہ سلنڈر پریشر کے تحت کام کرے گا اور ریگولیٹر کے ذریعے بآسانی غبارے میں پھیل جائے گا۔" وہ کام کرنے والے افراد کی طرف مڑا۔ "یہ لوگ اپنے کام میں بے حد ماہر ہیں۔ انہوں نے ایسے انتظامات کیے ہیں کہ غبارے انتہائی بلندی پر پرواز کریں اور ارلی نواس پہنچنے سے قبل نہ پھٹیں۔"

"کیا ان کے یہاں پھٹنے کا امکان بھی ہے؟" وین نے دل میں اچانک ہی در آنے والے خطرے کو تولہ ان دی۔

"بہت مشکل ہے، سلیم نہایت محفوظ گیس ہے اس لیے عادتاً طور پر ان کے پھٹنے کا کوئی امکان نہیں ان غباروں کو بطور خاص فوجی مقاصد کے لیے ڈیزائن کیا گیا تھا تاکہ یہ دشمن کے علاقے پر پرواز کر سکیں، چنانچہ ان میں سیلف ڈسٹرکٹ سسٹم بھی موجود ہے جو مقررہ فاصلے اور بلندی پر پہنچے بغیر کام نہیں کرے گا۔"

"ونڈرفل!" وین نے خوشی سے تالی بجائی۔ "ہمیں یقین ہے کہ تمہارا منصوبہ اسی طرح روبہ عمل ہو گا جس طرح تم نے بتایا ہے چنانچہ اس موقع پر میں تمہیں ایک خوش خبری سنا دوں کہ ریاست کے جنوب مشرقی حصے میں فارموں کی خریداری کے لیے تمہاری فہرست ضروری اسکروٹنی کے بعد منظور کر لی گئی ہے۔ ان کے استعمال کے لیے اگلے دو تین روز میں چار لاکھ بھیجر ہزار ڈالر کی خطیر رقم پہنچنے والی ہے تم اس رقم کے اس وقت تک ذمے دار ہو گے جب تک یہ تقسیم نہیں ہو جاتی اور فارم خرید نہیں لیے جاتے۔"

"تقریباً نصف ملین۔ میرے خیال میں یہ جگہ اتنی خطیر رقم رکھنے کے لیے بالکل محفوظ۔۔۔"

تھورن کا جملہ ابھی سے آنے والی ایک دہاڑ اور زور آزمائی کی آواز سے ادھورا رہ گیا۔ وہ اور وین ادھر مڑے اور اسی وقت کمرے کا دروازہ دھماکے سے کھلا۔ محافظ ایک طویل قامت شخص کے عقب میں کھڑا اسے اپنی رائفل سے آگے کی جانب ٹھوکا دے رہا تھا۔

"آہ! کارل کروگر!" تھورن کا لہجہ ناخوش گوار تھا کیونکہ اسے اپنی سیکورٹی ٹوٹنے کا ملال ہوا تھا۔

"تت۔۔۔ تم تھے اس سارے قتل عام کے روح رواں!" مونشی بان غصے سے بولا کیونکہ اس نے بھی اس شخص کو پہچان لیا تھا جس نے تین سو گایوں کو قصابوں کی طرح موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ "گایوں کا قتل، رقم کے لیے۔۔۔ لعنت ہو تم پر

دولت کے لیے اس سرزمین کو تباہ کرنے پر تل گئے جو ہماری ماں ہے اور جو ہمیں کھانے کو دیتی ہے میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

"موجودہ حالات میں تو یہ ممکن نہیں ہر کروگر۔ آگے آؤ تاکہ میں تمہیں اپنے شعبدے دکھا سکوں۔"

"میں ان سب کے بارے میں سن چکا ہوں مجھے علم ہو گیا ہے کہ تم کن مقاصد کی تکمیل کے لیے یہاں آئے ہو تم لوگ غدار ہو، پاگل ہو، وطن دشمن ہو، میں قانون نافذ کرنے والے حواریوں کو بتاؤں گا۔۔ پولیس آئے گی، پھر میں دیکھوں گا کہ تم اپنے منصوبے پر کس طرح عمل کرتے ہو؟"

کروگر کی بات چیت کے دوران محافظ رینڈی اپنی رائفل کی مدد سے اسے مسلسل آگے دھکیل رہا تھا۔ تھورن ایک کیبنٹ کی طرف بڑھ گیا جہاں سے اس نے ایک ویسا ہی کنٹینر اٹھا لیا جیسے ذرا دیر قبل اس نے وین کو دکھائے تھے اس نے کیبنٹ میں موجود سیال سے ایک گلاس میں انڈیلی اور اسے ہلانے لگا جب وہ آپس میں اچھی طرح مکس ہو گیا تو ایک ہائی پوڈرک نیڈل اٹھائی اور محلول سے سرنج بھر کر کروگر کی طرف بڑھا۔

"تم نے یقیناً سارا دن میرے تعاقب میں گزارا ہو گا کروگر۔ یہ کوئی اچھی بات تو نہ ہوئی۔ یہ بھی بہتر نہ ہوا کہ تم ہمارے منصوبوں کے بارے میں جان گئے ہو۔ اس لیے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ تم مویشیوں کے نئے طاعون کے سب سے پہلے شکار بنو گے میں یہ بات ثابت کروں گا کہ اپنے مویشیوں کے ساتھ تم بھی مہلک جراثیموں سے متاثر ہو گئے تھے تمہاری موت میری مہم کا ایک اہم حصہ ہو گی۔" وہ محافظ سے مخاطب ہوا۔ "اسے پکڑ لو۔"

مضبوط ہاتھوں نے کروگر کو تھام لیا اس کی آستین اوپر چڑھا دی گئی اور تھورن نے آگے بڑھ کر سرنج پوری قوت کے ساتھ اس کے بازو میں گھونپ دی۔ مویشی بان نے حتی المقدور جدوجہد کی لیکن بے فائدہ رہی۔

تیس منٹ کے اندر اندر کروگر کی آنکھیں سرخ ہو گئیں اس کے منہ اور ناک سے جھاگ نکلنے لگے۔ وہ زمین پر تڑپنے اور پچھاڑیں کھانے لگا۔ وہ اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر رہا تھا۔ اس نے بولنے کی کوشش بھی کی۔ "تت۔۔ تم۔۔ میرے ساتھ۔۔ کیا۔۔۔؟"

"ہم نے تمہیں مار ڈالا ہے بے وقوف کے بچے!" ڈاکٹر تھورن نے اس کا جملہ کاٹا۔ "تمہارے دو قصور تھے، ایک یہ کہ تم ڈیری فارمر ہو اور دوسرا یہ کہ تمہیں ہمارے منصوبوں کی بھنک پڑ گئی تھی جلد ہی تم ایک لاش میں تبدیل ہو جاؤ گے۔ میں امیر ہو جاؤں گا اور سٹرڈین اس ملک پر حکومت کرے گا!"

پورا کمرہ ڈاکٹر تھورن کے قہقہوں سے گونج اٹھا تھا۔

"آپ کے اس کاٹھ کباڑ میں تیز دھار چھریاں تو ضرور ہوں گی رئل فادر!" ٹائیگر نے اوشان کے ان بھاری بھرکم صندوقوں کی طرف اشارہ کیا جنہیں جہاز کے کارگو ہولڈ سے اتارا جا رہا تھا۔

دونوں اس وقت گرین بے ائرپورٹ پر موجود تھے۔ وہ ایک چارٹرڈ طیارے کے ذریعے یہاں پہنچے تھے معمول کے مطابق اوشان نے نہ صرف اپنے تیرہ بھاری بھرکم صندوق ہمراہ لیے تھے بلکہ اپنی نگرانی میں انہیں جہاز سے بھی اتروا رہا تھا۔

ٹائیگر نے اسے کہا تھا کہ ہوٹل کا اسٹاف صندوق پہنچا دے گا لیکن اوشان کا اصرار تھا کہ وہ انہیں ساتھ ہی لے کر جائے گا کیونکہ ٹھیک ڈیڑھ گھنٹے بعد اس کا پسندیدہ اوپیرا شروع ہونے والا تھا۔

"تمہیں چھریوں کی کیا ضرورت پڑ گئی میرے بچے؟" اوشان نے اس لوڈر کو گھور کر دیکھا جس نے ایک صندوق کو بے دردی کے ساتھ نیچے پٹخ دیا تھا۔

"آپ کو یاد ہے ایک بار آپ نے کہا تھا کہ سناتجو کے ماسٹروں کے لیے کھال اتارنے میں مہارت بھی اشد ضروری ہے۔" ٹائیگر عام سے لہجے میں بولا۔ "ہم جہاں جا رہے ہیں وہاں سینکڑوں کی تعداد میں مویشی مر رہے ہیں لگے ہاتھوں آپ بھی اپنا ہاتھ صاف کر لیجیے گا اور تھوڑی سی تربیت میسر بھی ہو جائے گی۔"

اوشان نے برا سا منہ بنا کر ٹائیگر کو دیکھا اور رخ پھیر کر کھڑا ہو گیا۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے نویلا ہتا پہلی بار اپنے دلہا کو دیکھ کر شرما گئی ہو، ٹائیگر مسکرا کر اس کی جانب دیکھنے لگا جہاں بہت سے لوگ اوشان اور اس کی ڈھیلی ڈھالی قبا کو دیکھنے جمع ہو گئے تھے۔

"آمدنی تو بہت ہو گی۔" ٹائیگر خود کلامی کے انداز میں بڑبڑایا۔ "سناتجو کے سارے دلدر دور ہو جائیں گے۔"

سناتجو کے نام پر اوشان نے فوراً پلٹ کر ٹائیگر کو دیکھا۔

"کیسی آمدنی، خنجر زاد؟" وہ پرانی بات بھول گیا تھا۔

"یہ لوگ دیکھ رہے ہیں، رئل فادر!"

"میں ان کے دلوں میں بھی جھانک رہا ہوں۔"

"نا ممکن۔" ٹائیگر نے اسے چڑایا۔ "کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ بائیں سے آٹھواں۔۔۔ وہ ہری جیکٹ والا اس وقت کیا سوچ رہا ہے؟"

"وہ سوچ رہا ہے کہ بروک شیلڈ، سوئمنگ کاسٹیوم میں کیسی لگتی ہے اور جوڈی فاسٹر۔۔۔"

"غلط۔" ٹائیگر نے قہقہہ لگایا اور پھر اوشان کی طرف جھک کر آہستگی سے بولا۔ "وہ سوچ رہا ہے کہ اس بوڑھے کو الی نواشس کے عجائب گھر میں ہونا چاہیے۔"

اوشان نے شکوہ بھری نگاہوں سے ٹائیگر کو دیکھا۔

"اور تم یہ سوچ رہے ہو کہ۔۔۔"

"آپ کی زیارت پر ٹکٹ لگا دیا جائے تاکہ سناتجو کے سارے دلدر دور ہو جائیں۔" ٹائیگر نے بڑی خوبصورتی کے ساتھ تماشی کے لفظ کو زیارت میں بدل دیا تھا۔

جواب دینے کی بجائے اوشان اس ٹرک کی جانب چل دیا جس پر ہیومل لے جانے کے لیے اس کے صندوق لوڈ کیے جا رہے تھے۔ ذرا دیر بعد ایوس سے کرائے کی کار بھی ائرپورٹ پہنچ گئی اور دونوں سافٹھ ویسٹ ہالی ڈے ان پہنچ گئے۔ دونوں کو گراؤنڈ فلور پر ساتھ ساتھ کمرے ملے تھے۔ ٹائیگر کو تو کمرے گراؤنڈ فلور پر ہونے سے کوئی خاص فرق نہیں پڑا تھا لیکن اسے یقین تھا کہ ہوٹل کے وہ لوڈر ضرور خوش ہوئے ہوں گے جنہوں نے اوشان کے صندوق ٹرک سے اتار کر کمرے تک پہنچائے تھے اور وہ اس مشقت سے یوں ہانپنے لگے تھے جیسے میلوں دوڑ کر آئے ہوں۔

ٹائیگر نے تو سب سے پہلے آکر غسل کی تیاری کی لیکن اوشان نے اپنا مخصوص ٹی وی نکال کر آن کیا اور کنول کے آسن میں بیٹھ کر سر بند اوپیرا دیکھنے لگا جس وقت ٹائیگر نہا کر نکلا اوشان اس وقت بھی ٹی وی دیکھ رہا تھا، وہ کافی دیر باتھ ٹب میں کھڑا اسامنے سوئمنگ پول میں نہانے والوں کو دیکھتا رہا اور پھر ایک پیڈ نکال کر اپنی مہم ترتیب دینے لگا لیکن اوشان بدستور ٹی وی سے چمٹا ہوا تھا۔

ٹائیگر نے ڈائریکٹری سے گرین بے سپیکنز آفس کا پتا تلاش کیا۔ ۱۱۶۵ ایوسا روڈ ایونیو۔ چند ہی ثانیوں بعد اس کی انگلیاں ڈائل سے کھیل رہی تھیں۔ دو غلط کالوں کے بعد اس کا رابطہ آرآرڈ پارٹمنٹ کی شریف لیونارڈ سے ہو گیا۔

"ہاں مشرے نے بتایا، اولیو سوالسن کو ابھی عمارت میں ہی ہونا چاہیے، کون بول رہا ہے؟"

"کیلی فورنیا کا ایک دوست۔ لاس انجلس میں وہ میرے ساتھ فٹ بال کھیلتا رہا ہے اس نے عرصے سے مجھے یہاں آنے کی دعوت دے رکھی ہے اور اب میں یہاں موجود ہوں۔"

"آئی سی؟" دوسری طرف سے آنے والی آواز قدرے پرجوش ہو گئی۔ "کیا میں آپ کا نام پوچھ سکتی ہوں؟"

"گلبرٹ لیتھم۔"

"کیا آپ کی کال کا تعلق جیم میں ایمپلائمنٹ سے ہے؟"

"نہیں۔" ٹائیگر نے قہقہہ لگایا۔ "میں چند دن کے لیے یہاں آیا ہوں۔"

"ٹھیک ہے، میں استقبالیہ کلرک اور ارل ڈوچیٹو کے پاس نوٹ چھوڑ دیتی ہوں دونوں میں سے ایک اولی سے رابطہ قائم کر لے گا۔"

"اوہ نو۔ میرا نام مت لینا میں اچانک اس سے ملنا چاہتا ہوں میں دس سے پندرہ منٹ میں وہاں پہنچ رہا ہوں۔" ٹائیگر نے الوداعی کلمات کہے اور ریسیور رکھ دیا۔

وہ بے قدموں دونوں کمروں کے درمیان کھلنے والے دروازے کی طرف بڑھا۔ اس نے ہینڈل کی طرف ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ وہ چوپٹ کھل گیا۔ اوشان فریم کے بیچوں بیچ کھڑا اسے گھور رہا تھا۔

"تم چوروں کی طرح میرے کمرے میں آنے کی عادت کب ترک کرو گے؟"

"جب آپ ہاتھوں میں ہیلن لے کر میرا استقبال کرنا چھوڑ دیں گے۔" ٹائیگر اطمینان سے بولا۔

"کیا مطلب؟" اوشان نے آنکھیں دکھائیں۔

"فردوس میں بیویاں چوروں کی طرح گھر واپس آنے والے شوہروں کی ٹھکائی بیلن سے کرتی ہیں۔"

"میں نے کتنی بار کہا ہے کہ مثال دیتے وقت صرف اور صرف سناتجو کا حوالہ دیا کرو تمہارا وطن اب وہی ہے۔"

"سناتجو میں بیلن ہی نہیں ہوتے تو کیا خاک حوالہ دوں اس کا۔ آپ ہی تو کہتے ہیں کہ میری رعایا فاقہ زدگی کا شکار ہے بھلا جن کے گھر میں آٹا نہیں ہو گا، وہاں بیلن کا کیا کام؟"

Scanned and Uploaded By Muhammad Nadeem

"وہاں یہ کام تلوار سے لیا جاتا ہے۔"

"شوہر کے استقبال کرنے کا یا روٹی کو گول بنانے کا؟" ٹائیگر بھلا کہاں چوکنے والا تھا۔

"آؤ میں تمہیں بتاؤں۔" اوشان نے جملہ شروع کیا لیکن ٹائیگر نے قوراً ہاتھ باندھ دیے۔

"رحم، لٹل فادر!" ٹائیگر کو علم تھا کہ اوشان شروع ہو گیا تو اولیو ہاتھ سے نکل جائے گا۔ "اس وقت ایک بہت اہم شخص سے ملنے جانا ہے۔ واپس آ کر سن لوں گا۔"

"میں بھی ساتھ چلوں گا۔" اوشان نے حکم سنایا۔

ٹائیگر نے اعتراض کرنے کے لیے منہ کھولا لیکن اوشان کی آنکھیں کہہ رہی تھیں اب مزید معترض ہوئے تو یہیں بٹھالوں گا۔ اس نے منہ قوراً بند کر لیا۔

اولیو سوانسن کا دفتر دراصل ہیلتھ کلب تھا۔ ارل نے ٹائیگر اور اوشان کا استقبال کیا اور انہیں اولی کے کمرے کی طرف لے چلا۔ راستے میں انہیں کئی لوگ ورزش میں مصروف نظر آئے تھے۔

"تم چلو، میں ابھی آ رہا ہوں۔" ایک جگہ اٹھانے کی پریکٹس ہوتے دیکھ کر اوشان بڑبڑایا۔

"یہ بچے ہیں، لٹل فادر!"

"بچوں کو سکھانا ہی بزرگوں کا کام ہے۔" اوشان نے فلسفیانہ انداز میں کہا۔ "تم جاؤ۔"

ٹائیگر تاسفانہ انداز میں گردن ہلاتا آگے بڑھ گیا جبکہ اوشان ان پہلوانوں کی طرف چل دیا جو وزن اٹھا اٹھا کر اپنی طاقت کا اظہار کر رہے تھے۔

اولیو سوانسن نے ٹائیگر کو پہچاننے میں کوئی غلطی کی نہ دیر لگائی۔ اسے وہ شخص اب تک یاد تھا جس نے کھیل کے پہلے ہاف میں اسے چھتیس گول مارے تھے لیکن اس کی ٹیم نے دوسرا ہاف کھیلنے سے انکار کر دیا تھا اور مطالبہ کیا تھا کہ جب تک شہزاد گراؤنڈ پر رہے گا کھیل نہیں ہوگا۔ ٹائیگر نے اس میچ میں شہزاد کے نام سے ہی شرکت کی تھی۔

دونوں کچھ دیر تک فٹ بال کے کھیل اور سیاست پر اس کھیل کے اثرات جیسے موضوعات پر باتیں کرتے رہے جس کے بعد اچانک اولی کو یاد آ گیا۔

"تم آج کھل کیا کر رہے ہو شہزاد؟" اس نے ٹائیگر سے دریافت کیا تھا۔

"فورٹ ہارورڈ پیپر کمپنی کی سیلز مین شپ۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ "میں اسی سلسلے میں یہاں آیا تھا۔ سوچا تم سے بھی ملتا چلوں۔ تم بھی تو عرصے سے مجھے آنے کی دعوت دے رہے تھے۔"

"آج سیزن کا آخری دن ہے اور میں اپنے گھر جانے کی تیاری میں مصروف تھا تو کم از کم طاعون کی وبا سے پہلے تو خاصا خوش و خرم تھا۔"

"طاعون!" ٹائیگر نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں یہ مویشیوں میں پھیلا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ دودھ جراثیم زدہ ہو گیا ہے میں بھی فلیمبیو ریور کے ساتھ ڈیری فارم چلا رہا ہوں۔ اسے مزید چلاتا اگر وہ گدھے کا بچہ تھورن میرے مویشیوں کے قتل کا فیصلہ نہ کرتا۔"

"یہ تھورن کون ہے اور مویشیوں کو ہلاک کرنے کی کہانی کیا ہے؟"

"اس کا پورا نام کیرنگٹن تھورن ہے۔" اولی نے اپنا غصہ کم کرنے کی ہر ممکن کوشش کی تھی۔ "یہ وساڈ میں بوا اسی پبلک ہیلتھ سروس آفس کا ریجنل ڈائریکٹر ہے لیکن درحقیقت وہ ایک قاتل سور ہے۔ وہ اب تک ریاست کے تیس گلوز کو ہلاک کر چکا ہے جن میں سے صرف پانچ جراثیم زدہ ثابت ہوئے ہیں اگر میرا بس چلے تو میں کسی ہتھوڑے سے اس کی کھوپڑی چیتھڑے دوں۔" جملے کے آخر پر اولی اپنا غصہ دبا نہیں سکا تھا۔

"غصہ نہیں، اولی، ٹائیگر نے اس کے شانے تھپتھپائے "مجھے تسلی کے ساتھ تفصیلات بتاؤ۔"

"میرے خیال میں یہ اس معاملے میں ذرا سا جذباتی ہو گیا ہے۔ اصل میں شہر کے لوگوں کا خیال ہے کہ دودھ وکیسڈ پیپر کارٹنز یا پلاسٹک تھیلی جگوں میں آتا ہے۔ انہیں یہ تمیز نہیں کہ دوساڈ کے لوگوں کے لیے ڈبہ بند فارمنگ کس قدر اہمیت کی حامل ہے۔ اس ریاست کی ایک تہائی آبادی کسی نہ کسی طرح دودھ یا دودھ سے بننے والی مصنوعات سے منسلک ہے، جیسے پنیر، آئس کریم، شیک، دودھ وغیرہ۔ اگر یہ لوگ والوں نے اس طرح ہماری گایوں کو ہلاک کرنا شروع کر دیا تو ریاست معاشی طور پر تباہ ہو جائے گی اور دودھ کی صنعت سے وابستہ افراد فاقوں پر مجبور ہو جائیں گے۔۔۔ لیکن چھوڑو ان باتوں کو، یہ تمہارا مسئلہ نہیں، تم بتاؤ میرے فارم پر آ رہے ہو؟ مجھے علم نہیں کہ یہ کہاں ہے اور پھر شاید میں اس کے لیے

وقت بھی نہ نکال سکوں۔"

اولی مایوس نظر آنے لگا تو اسے تلاش کرنا کوئی مشکل تو نہیں۔ یہ ایک ڈی فلیمبیو انڈین ریزرویشن کے قریب فی فیلڈ کے شمال میں دس میل دور فلیمبیو کے جنوبی کنارے پر واقع ہے تم ضرور آنا، جو ڈی تم سے مل کر بے حد خوشی ہو گی بلکہ لیکن وہ تو تمہیں نہیں جانتی۔۔۔"

"مگر وہ اس ہرکولیس کو ضرور جانتی ہے جس نے اس کے گول کیپر شوہر کو چھتیس گول مارے تھے۔" اولی نے قہقہہ لگایا۔ "میں اکثر اس سے تمہارا ذکر کرتا ہوں۔"

"وہ تو پرانی بات۔۔۔" ٹائیگر نے کہنا چاہا لیکن اسی وقت دروازہ ایک دھماکے سے کھلا اور ایک پہلوان، افتاں و خیزاں اندر داخل ہوا۔

"مسٹر اولی، غضب ہو گیا۔۔۔ جج۔۔۔ جلدی۔۔۔ یہ وہ اپنی پھولی ہوئی سانسیں درست کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"سکون سے بتاؤ، کیا ہوا ہے، ایرک؟" اولیو سوانسن نے تسلی دی لیکن خود مضطرب ہو کر اپنی سیٹ سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"ویٹ لفٹنگ روم پر ہیوی ویٹوں نے حملہ کر دیا ہے۔" پہلوان نے کہا اور ٹائیگر کے حلق سے بلند آہنگ قہقہہ آزاد ہو گیا وہ سمجھ گیا کہ ضرور اوشان نے کوئی گل کھلایا ہو گا۔

اولی نے حیرت سے اپنے مہمان کو دیکھا اس کے چہرے پر ناگواری کے تاثرات ابھر آئے شاید اسے اپنے پہلوان کی تھنیک اچھی نہیں لگی تھی یا ممکن ہے ٹائیگر کا انداز پسند نہ آیا ہو۔

"میرے ساتھ آؤ۔" ٹائیگر بھی اپنی نشست سے اٹھ کھڑا ہوا۔ "میرے پاس اس بدروح کا علاج موجود ہے۔"

تینوں آگے پیچھے ویٹ لفٹنگ روم میں داخل ہوئے تو وہاں کا منظر ہی بدلا ہوا تھا۔ ورزش کے آلات الٹی پلٹی ہوئی حالت میں ادھر ادھر بکھرے ہوئے تھے نصف درجن کے قریب پہلوان مختلف کونے کھدروں میں زخمی پڑے کراہ رہے تھے چند ایک دبک کر دیوار سے لگے ہوئے تھے وجود اوشان کمرے کے وسط میں موجود تھا لیکن اس طرح کہ اس کے دونوں ہاتھ سر سے بلند تھے اور ان پر کم و بیش ہاتھی کے ڈیل ڈول کے دو پہلوان کھلونوں کی طرح رکے ہوئے تھے اوشان ایک مخصوص دائرے میں رقص کر رہا تھا اور پہلوانوں نے چیخ چیخ کر پورا کمرہ سر پر اٹھا رکھا تھا کیونکہ اوشان کے انگوٹھوں کی ذرا سی جنبش کئی گز دور اچھال کر انہیں دیوار سے ٹکرا سکتی تھی اور یہ وہ دیکھ چکے تھے کہ اس مخنی سے بوڑھے نے جس کسی کو بھی اٹھا کر پھینکا تھا وہ اٹھ نہیں سکا تھا۔

"لٹل فادر!" ٹائیگر کی آواز گونجی تو اوشان یوں ساکت ہو گیا جیسے کسی چلتی ہوئی گاڑی کے وہیل اچانک جام ہو گئے ہوں وہ آہستہ آہستہ ٹائیگر کی سمت پلٹا لیکن پہلوان بدستور اس کے ہاتھوں پر موجود رہے۔ "انہیں نیچے رکھ دیجیے، لٹل فادر!"

اور اوشان نے کسی فرمانبردار بچے کی طرح اس کے حکم کی تعمیل کی تھی۔

"آپ نے مجھے شرمندہ کر دیا، ماسٹر!"

"اس میں میرا کوئی قصور نہیں۔" اوشان نے اپنی صفائی پیش کی۔ "میں ویٹ لفٹنگ کرنا چاہتا تھا لیکن ان میں سے کوئی گدھا یہ تسلیم کرنے کو تیار نہ تھا کہ میں دس کلو گرام بھی وزن اٹھا سکتا ہوں۔ میں نے انہیں یقین دلانے کی کوشش کی لیکن جب یہ نہیں مانے تو میں نے انہیں ہلکی پھلکی سی سزا دے دی۔ ہنہیں تو شکر یہ ادا کرنا چاہیے میرا کہ یہ سب زندہ ہیں۔" اوشان نے کمرے میں بکھرے ہوئے زخمی پہلوانوں کی طرف اشارہ کیا۔

"میں واقعی آپ کا شکر گزار ہوں، لٹل فادر!" ٹائیگر نے خلاف توقع پورے احترام سے کہا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اس موقع پر اوشان سے الجھنا اس کے غیظ و غضب کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔

اوشان بڑی اداسے چلتا ہوا ٹائیگر کے برابر آ کھڑا ہوا۔ اس کی قبا ہوا کے ان دیکھے جھونکوں سے پھر پھڑا رہی تھی۔

"بیمد قوی کون ہے اجو۔۔۔؟" اولی نے کچھ کہنا چاہا لیکن ٹائیگر نے ہاتھ اٹھا کر اسے مزید بولنے سے روک دیا۔

"اگر تم نے ایک لفظ بھی کہا تو میں تمہارے ہیلتھ کلب کی سلامتی اور یہاں موجود کسی شخص کی زندگی کی ضمانت نہ دے سکوں گا۔" ٹائیگر نے گھمبیر لہجے میں کہا۔

اولی نے سہمے ہوئے انداز میں چپ سادھ لی لیکن وہ حیرت سے اپنے شہزوروں کو دیکھ رہا تھا جن میں سے نصف کئی ہفتوں تک اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کے قابل نہیں رہ گئے تھے۔

"اگر آپ کے ہاتھ یونہی بیکنے لگے تو میں آئندہ کسی مشن پر آپ کو نہیں لے جاؤں گا۔" ہالی ڈے ان واپس آتے ہوئے ٹائیگر

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

نے کار میں اوشان کو آگاہ کیا۔

"اب تو تم جملے بھی غلط بولنے لگے ہو میرے بچے!" اوشان نے اُسے ٹوکا۔ "صحیح جملہ یہ ہے کہ اگر تم مجھے یونہی روکتے ٹوکتے رہے تو میں تمہیں ساتھ نہیں رکھوں گا اور یہ یاد رکھنا کہ اس جملے میں 'میں' سے مراد 'ماسٹر آف سنا' نجو ہے۔"

"اس طرح میں مشن زیادہ آسانی سے انجام دے سکوں گا!" ٹائیگر کھسیا سے بولا۔

"لیکن یہ بھی یاد رکھنا کہ میرے بغیر تم دو کوڑی کے نہیں اب اگر تمہاری یادداشت کھوئی یا مجرموں نے تمہیں کہیں بے بس کر دیا تو میں تمہاری مدد کے لیے نہیں آؤں گا۔"

ٹائیگر خاموش ہو گیا۔ وہ بے شک موت کا ہرکارہ تھا لیکن اس بات سے اچھی طرح آگاہ تھا کہ ٹائیگر، اوشان کے بغیر ایک بے معرف اور بے ضرر کیچوا تھا۔

"میں آپ کی بات کا جواب ضرور دیتا لیکن اس وقت میرا ذہن ڈاکٹر تھورن میں الجھا ہوا ہے۔" ٹائیگر نے اپنی خفت مٹانے کے لیے بات بنائی۔ "میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ وہ کون ہے اور کیا چاہتا ہے؟"

"وہ ہزار سال پہلے وما سٹر وچنگ ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔" اوشان نے کہا۔ "اگر کوئی بات سمجھ میں نہ آئے تو بہرام سے مشورہ کر لو۔"

ٹائیگر کو فوراً احساس ہو گیا کہ اسے بھی یہی کرنا چاہیے۔ وہ اوشان سے یہ پوچھنا بھی بھول گیا کہ دو ہزار سال پہلے جب ماسٹر وچنگ نجو نے یہ کہا تھا تو بہرام کہاں تھا؟ وہ اس کی بجائے یہ سوچ رہا تھا کہ ہوٹل واپس جاتے ہی بہرام سے بات کرے گا اور اس سے کہے گا کہ سپر کمپیوٹر سے ڈاکٹر تھورن کے بارے میں معلومات حاصل کرے۔

ٹھیک پندرہ منٹ بعد اوشان ایک بار پھر وی وی کھول کر اس کے سامنے بچھے نمدے پر بیٹھ گیا جبکہ ٹائیگر نے چار گز کے نمبر ڈائل کرنے شروع کر دیے۔

"اوہ! یہ تم ہو؟" سلسلہ ملتے ہی اسے دوسری جانب سے بہرام کی کھرکھراتی آواز سنائی دی تھی۔

"تو کیا آپ کو کسی اور کے فون کا انتظار تھا؟" ٹائیگر نے دریافت کیا۔

"ہاں بہرام نے جواب دیا۔ "فردوس سے اطلاع موصول ہوئی تھی کہ وہاں حالات خاصی خطرناک صورت اختیار کر گئے ہیں اور روبی اس سلسلے میں مجھ سے کوئی ضروری بات کرنا چاہتی ہے خیر اسے چھوڑو، تم اپنی بات بتاؤ۔"

ٹائیگر کا جی چاہا کہ روبی کی خیریت دریافت کرے لیکن پھر اپنی سوچ کا گلا دبا کر اس نے اولی سے ہونے والی بات چیت بہرام کو بتا دی۔ "مجھے ڈاکٹر کیرنگٹن تھورن کے بارے میں تمام دستیاب معلومات درکار ہیں۔" آخر میں اس نے کہا تھا۔

"ایک منٹ ہولڈ کرو۔" بہرام نے کہا اور خفیہ کیبنٹ کھول کر کمپیوٹر آن کر دیا۔ کی بورڈ پر اس نے چند نمبر اور حروف کو باری باری دبایا۔ محض بیس سیکنڈ بعد ایک ٹائپ شدہ شیٹ پرنٹر سے باہر نکل آئی اگلے ہی لمحے وہ شیٹ کے مندرجات سے ٹائیگر کو آگاہ کر رہا تھا۔

"کیرنگٹن لیونارڈ تھورن۔ پیدائش ۹ فروری ۱۹۲۶ء ہونولولی ہوائی۔ پانچ بچوں میں اس کا نمبر دوسرا تھا۔ نجی زندگی عام سی تھی۔ پرائیویٹ اسکولوں میں تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۴۴ء میں فوج میں شامل ہوا۔ ۱۹۴۴ء سے ۱۹۴۶ء تک آرمی میڈیکل میں خدمات انجام دیں جس کے بعد ہوائی واپس آ گیا۔"

"تعلیم کے بارے میں تفصیل؟" ٹائیگر نے بے صبرے پن سے دریافت کیا۔

"اگر ایک منٹ ٹھہر جاؤ تو کوئی حرج نہیں، میں ادھر ہی آ رہا ہوں۔" بہرام نے جواب دیا۔ "تھورن نے یونیورسٹی آف ہوائی اور یونیورسٹی میڈیکل اسکول میں بھی تعلیم حاصل کی۔ گریجویشن کے بعد اس نے انٹرنشپ حاصل نہیں کی بلکہ یونیورسٹی میں ہی ریسرچ کرتا رہا۔ اس کے مخصوص شعبے ہیرا سٹیالوجی اور بیکٹریالوجی تھے۔ وہ پروڈو، اوتھا کی سی بی آر فیسیلٹی میں ۱۹۵۶ء میں یو ایس آرمی کی سول سروس میں آیا اور ۱۹۶۳ء میں اس کا تبادلہ بعض وجوہات کی بنا پر ڈرگ وے کر دیا گیا جہاں میں ایک بات کی وضاحت کر دوں کہ سی بی آر این کیمیکل، بائیولوجیکل ریڈیالوجیکل کا نام ابدالآباد تبدیل کر کے اب سی بی ایم این (انامک بیکٹریالوجیکل کیمیکل) رکھ دیا گیا۔ اچھا اب میری بات غور سے سنو۔ تمہیں یاد ہو گا کہ چند برس قبل امریکہ کے چھ مختلف شہروں میں مہلک جراثیموں کے تجربے کرنے پر فوج میں اختلافات رونما ہوئے تھے؛ یہ وہی وقت تھا جب تھورن نے احتجاج کے طور پر اپنی نوکری چھوڑ دی تھی اور اخبارات نے اس معاملے کو بہت اچھالا تھا۔ اب یہ ہمیں معلوم نہیں کہ یہ تجربے مضر رساں تھے یا واقعی کوئی ایسی بات ہونے والی تھی جو تھورن نے فوج پر بعض الزامات بھی عائد کیے تھے اور انکشاف کیا تھا کہ کئی آدمی ان غیر انسانی تجربوں کی بھینٹ چڑھ چکے ہیں اس معاملے کی بازگشت سینیٹ اور کانگریس میں بھی سنی گئی تھی اور مکمل تحقیقات کا مطالبہ کیا گیا تھا۔

جب یہ معاملہ دب گیا تو یو ایس پبلک ہیلتھ سروس نے ڈاکٹر تھورن کی خدمات حاصل کر لیں وہ اس وقت سے اب تک انہی کے ساتھ ہے۔"

"تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اسے اپنے ہی لوگوں پر مہلک جراثیموں کے تجربے کا فیصلہ پسند نہیں آیا تھا؟"

"اس بارے میں سرکاری ریکارڈ خاموش ہے البتہ بعض غیر مصدقہ اطلاعات موجود ہیں۔"

"وہ بھی پڑھ ڈالیں۔"

"اس رپورٹ کا پہلا حصہ مصدقہ ہے تھورن ذاتی طور پر بے حد امیر شخص ہے۔ اس کے حصص کئی ملٹی نیشنل کمپنیوں میں موجود ہیں ایک ہولڈنگ کارپوریشن میں وہ پندرہ فیصد کا حصے دار ہے جو بہت سے گروسری اسٹورز، پیکنگ پلانٹس پر مشتمل ہول سیلرز کی مالک ہے۔"

"میری معلومات کے مطابق ڈاکٹر تھورن وہ آدمی تھا جس نے امریکی شہروں کو جراثیموں کے لیے استعمال کرنے کی تجویز پیش کی تھی لیکن فوج نے اسے اس کے پسندیدہ علاقے میں یہ تجربے کرنے کی اجازت دینے سے انکار کر دیا تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ آرمی کی طرف سے انکار ہونے سے پیشتر ہی وہ اس سلسلے میں اپنا پائلٹ پروجیکٹ مکمل کر چکا تھا۔ اس پروجیکٹ کو خفیہ رکھا گیا تھا چنانچہ اس سے پہلے کہ فوج اس پر ہاتھ ڈالتی وہ فوج چھوڑ گیا۔"

"خیر تازہ ترین حالات یہ ہیں کہ اس کے پاس باقاعدہ ایک جم موجود ہے جو علاقے کی گالیوں کو موت کے گھاٹ اتار رہی ہے اس سلسلے میں تھورن کسی قسم کے ٹیسٹ نہیں لے رہا بس اپنی مرضی سے وحشیوں کو جراثیم زدہ قرار دے کر گولی سے اڑا دیتا ہے۔"

"مجھے اس منصوبے میں پبلک ہیلتھ کا ہاتھ کہیں نظر نہیں آتا۔" بہرام بولا۔ "وہ لوگ اتنی تیزی سے کام ہرگز نہیں کرتے۔"

"اس سے بڑھ کر ایک اور بات اس کا ثبوت ہے۔" ٹائیگر نے اس کی تائید کی۔ "مرنے والے مویشیوں کا کوئی معاوضہ نہیں دیا جاتا۔ حکومت کی طرف سے ابھی تک مویشی پالنے والوں کی امداد کے لیے کوئی قدم نہیں اٹھایا گیا۔"

"معاملہ خاصا گمبھیر ہے، شاید۔۔۔"

"میں کل وساؤلیٹو ڈاکٹر تھورن سے ملنے والا ہوں۔" ٹائیگر نے بہرام کا جملہ کاٹا۔ "مجھے لگتا ہے کہ مویشیوں میں بیماری بھی مصنوعی ہے میرا مطلب ہے کہ جان بوجھ کر پھیلائی جا رہی ہے تم اپنے طریقوں کے بارے میں معلوم کرو جن سے میرے ٹیٹھے کو تقویت مل سکتی ہو۔ میں کل سہ پہر دوبارہ تمہیں فون کروں گا۔"

ٹائیگر نے خدا حافظ کہہ کر ریسیور رکھ دیا اس کی نظریں دیوار گیر گھڑی پر گئیں تو اندازہ ہوا کہ ڈنر کے اوقات گزرے جا رہے ہیں اس نے ڈائریکٹری اٹھا کر اپنے ہوٹل سے نزدیک ترین ریسٹورنٹ کا پتا معلوم کیا۔ وہ ریڈ لابسٹر ان تھا جو لوماباز وی ایکسس روڈ پر واقع تھا۔

پھر وہ اوشان کو اور اپنے کمرے کے درمیانی دروازے کی طرف متوجہ ہو گیا۔ دوسری جانب خاموشی تھی اس کا مطلب تھا کہ اوشان ٹی وی دیکھ چکا ہے وہ دروازے کی طرف بڑھا اور کسی قسم کی آواز پیدا کیے بغیر اسے کھول دیا لیکن وہ اوشان تھا۔ بھلا ٹائیگر کے چلنے اور دروازہ کھلنے کی آواز کیسے نہ سن لیتا۔

"زمین پر تمہارے قدموں کا دباؤ اعشاریہ صفر دو فیصد بڑھ گیا ہے!" اوشان گردن موڑے بغیر بولا۔ وہ بدستور اپنے نمدے پر کنول کے آسن میں بیٹھا تھا۔ ٹی وی کھلا ہوا تھا لیکن اس پر تصویر کی بجائے مکھیاں بھنبھنا رہی تھیں خود اوشان کی آنکھیں بند تھیں۔

"لیکن کل ہی تو آپ نے میری چال کو پرفیکٹ قرار دیا تھا۔" ٹائیگر نے بات بنائی۔

"وہ کل کی بات تھی۔" اوشان کی آنکھیں اب بھی بند تھیں۔ "آج یہ دباؤ زیادہ ہے لگتا ہے کہ اس وقت تمہارے ذہن پر کوئی بوجھ موجود ہے۔"

"میں ذرا دیر میں اس بوجھ کے بارے میں آپ کو بتا دوں گا، اٹس فادر۔"

"جس کے بعد میں اس بوجھ کو کم کرنے کا طریقہ بھی بتا دوں گا۔" اوشان بولا۔

"ابھی بتا دیں اٹس فادر!"

"نہیں، پہلے ایک شاندار ڈنر ہو گا۔"

"کیا میں اس شاندار ڈنر کا مینو پوچھ سکتا ہوں؟" ٹائیگر کی باچھیں کھل گئیں۔

"کیوں نہیں، ابلے ہوئے چاول اور مچھلی کا ایک ٹکڑا۔" اوشان نے نہایت اطمینان سے جواب دیا لیکن ٹائیگر یوں بُرے بُرے منہ بنا رہا تھا۔ جیسے کونین کی بہت سی گولیاں اس کے دانتوں تلے آ کر کچلی گئی ہوں۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

بہرام، چارہ گر سینٹی ٹوریم میں اپنے دفتر میں آرام دہ کرسی پر آنکھیں بند کیے نیم دراز تھا۔ ٹائیگر سے ذرا دیر پہلے ہی اس کی بات ہوئی تھی جس کی وجہ سے وہ الجھ کر رہ گیا تھا۔

یہ الجھن ٹائیگر یا الی نواٹس کے بارے میں نہیں تھی جہاں اس وقت وہ موجود تھا بلکہ الجھن کا اصل محور فردوس تھا جہاں روبی موجود تھی ذرا دیر پہلے اسے روبی کا ایک پیغام ملا تھا جس میں کہا گیا تھا کہ فردوس میں حالات ایک خطرناک صورت اختیار کرتے جا رہے ہیں جس کی وجہ سے وہاں ایکشن ضروری ہو گیا ہے۔

کچھ عرصہ قبل بھی روبی نے اسی قسم کی وارننگ دی تھی ان دنوں ٹائیگر ڈریم کو لاسٹر کے چکر میں تھا اس لیے بہرام نے فردوس کا معاملہ موخر کر دیا تھا کہ جونہی یہ مسئلہ نمٹے گا وہ ٹائیگر کو فردوس روانہ کر دے گا لیکن حالات نے ایک اور ہی رخ اختیار کیا تھا۔ ٹائیگر ایک ماسٹر مشن پر چلا گیا تھا اور فردوس سے روبی کی کال بھی آئی تھی۔

وہ سوچ رہا تھا کہ اب کیا کرے؟ کیا ٹائیگر کو موجودہ مشن ادھورا چھوڑ کر فردوس پہنچنے کی ہدایت کرے یا....

فون کی گھنٹی بجنے سے وہ چونک اٹھا اس نے ہاتھ بڑھا کر رسیور اٹھایا اور کان سے لگا لیا۔

"روبی اسپیکنگ سر!" دوسری سمت سے آواز آئی تو وہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

"کیا رپورٹ ہے، ٹائیگر یس؟"

"فردوس میں نئی جمہوری حکومت کو شدید خطرات لاحق ہیں سر!" روبی نے جواب دیا۔ "کئی شہروں سے منفی سرگرمیوں کی رپورٹیں موصول ہوئی ہیں۔"

"غیر ضروری باتیں نہیں، روبی!"

"سوری سر!" روبی نے فوراً معذرت کی۔ "روشن آباد میں ہارٹ ڈاک کالونی نامی ایک خفیہ تنظیم سامنے آئی ہے۔ جسے نارائن سرکاری افسران کی مکمل پشت پناہی حاصل ہے اور وہ دونوں مل کر متوازی حکومت بنانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ہارون آباد میں مجرموں اور بعض سیاستدانوں میں خفیہ رابطوں کا انکشاف ہوا ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ بعض سیاستدان صنعت کار اور نامی گرامی مجرم مل کر حکومت کا تختہ الٹنے کا پروگرام بنا رہے ہیں۔ سلم آباد سے جہاں فردوس کی سونے کی کانیں واقع ہیں انتہائی پراسرار حالات میں خطیر رقمیں سرکاری اہل کاروں میں تقسیم کی جا رہی ہیں۔ اس سارے منصوبے کو فوجی پاور کا نام دیا گیا ہے مختصر الفاظ میں کہا جا سکتا ہے کہ یہ غیر قانونی اتحاد ہر ممکن حربہ استعمال کر کے حکومت پر قبضہ کرنا چاہتا ہے تاکہ فردوس کی خارجہ پالیسی میں تبدیلیاں کر کے عالمی سطح پر اپنے مذموم مقاصد پورے کر سکے۔"

"کیا دارالحکومت ان سازشوں سے محفوظ ہے؟" بہرام نے پوچھا۔

"نہیں سر!" روبی نے جواب دیا۔ "سازش کے تمام ٹانکے وہیں مل رہے ہیں وہاں بھی بعض مشکوک سرگرمیاں دیکھنے میں آئی ہیں۔ مجرموں کی اصل آماجگاہ ہی وہی ہے وہاں حالات ایسی صورت اختیار کر گئے ہیں کہ اگر فوری طور پر کوئی کارروائی نہ کی گئی تو فردوس مکمل طور پر مجرموں کے زیر نگیں ہو جائے گا۔"

بہرام خاموش رہا۔ یہ وقفہ اتنا طویل ثابت ہوا کہ خود روبی کو ہی دوبارہ بولنا پڑا۔ "کیا آپ لائن پر موجود ہیں سر؟"

"ہاں!" بہرام نے طویل سانس لے کر جواب دیا۔ "تمہارے ذہن میں اس سے نمٹنے کی کیا تجویز ہے؟"

"فاد اور شہزاد کو فوری طور پر فردوس روانہ کر دیں۔ وہ اگر حالات کو سنبھال لیں گے۔"

"لیکن اگر دونوں میں سے کوئی بھی فی الحال وہاں نہ پہنچ سکے تو کیا تم صورت حال سے نمٹ لو گی؟" بہرام نے پوچھا۔

اب روبی کے خاموش رہنے کی باری تھی۔ "میں کوشش کروں گی سر!" اس نے قدرے توقف سے جواب دیا۔

بہرام کسی حد تک مطمئن ہو گیا۔ "تو میں فردوس کا مشن فی الحال تمہارے سپرد کرتا ہوں، روبی۔ اسے انجام دینے میں اپنی پوری صلاحیتیں بروئے کار لانا۔ جونہی ماسٹر اور شہزاد فارغ ہوئے انہیں تمہارے پاس بھیج دیا جائے گا لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ تمہیں آخر وقت تک تنہا ہی کام کرنا پڑے۔"

"آپ بے فکر رہیں سر!"

"میں ابھی فردوس کے صدر محترم سے بات کرتا ہوں اور انہیں ساری صورت حال سے آگاہ کر کے تمہاری ہر ممکن مدد کے لیے کہتا ہوں لیکن بہتر یہی ہو گا کہ تم سرکاری اداروں سے بچ کر کام کرنا۔"

"ٹھیک ہے سر!"

بہرام نے رسیور کریڈل پر ڈالا اور اپنی میز کی خفیہ دراز کھول کر سرخ ٹیلی فون نکال لیا۔ ذرا دیر بعد ہی وہ فردوسی صدر کے نمبر ڈائل کر رہا تھا۔

☆☆

اوشان اور ٹائیگر کو ریڈ لاسٹران پہنچے میں محض دس منٹ لگے تھے۔ ان دس منٹوں میں ٹائیگر نے اوشان کو ولیو سوانسن سے ہونے والی ملاقات اور بہرام کے ذریعے ڈاکٹر تھورن سے ملنے والی تفصیلات سے آگاہ کیا۔ خلاف توقع اوشان نے خاموشی سے ٹائیگر کی باتیں سنی تھیں۔

"تو اب تمہارے ارادے کیا ہیں؟" اوشان نے آخر میں دریافت کیا۔

"میں کل ڈاکٹر تھورن سے ملنے جاؤں گا۔"

"میں ساتھ؟" اوشان نے بات پکڑی۔

"دراصل میں آپ کو اپنی ذات سے الگ نہیں سمجھتا اس لیے واحد کا صیغہ استعمال کر گیا تھا۔" ٹائیگر نے صفائی پیش کی۔

"آئندہ یاد رکھنا کہ میں ماسٹر ہوں اور تم میرے شاگرد اس لیے میرے لیے ہمیشہ ہم کا صیغہ استعمال کرنا جبکہ تمہیں اپنے لیے کسی صیغے کے استعمال کی ضرورت نہیں۔"

"کیوں لٹل فادر؟"

"یہ صرف لوگوں کے لیے صیغے استعمال کرنا الفاظ کے ضیاع کے سوا کچھ نہیں۔"

ٹائیگر شاید اوشان کو کوئی جواب دیتا لیکن ریڈ لاسٹر ان کے پارکنگ لاٹ میں داخل ہوتے ہی اس نے ایک کار کو ڈاسن اسٹیشن ویگن کار استر روکتے دیکھا تھا۔

کاروں کے وسط میں ایک گنجا آدمی دو نوجوانوں سے گتھم گتھا تھا۔ ڈاسٹن کی ایک نشست پر ایک سفید فام خوف زدہ عورت بیٹھی تھی جس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا منہ دبا رکھا تھا۔ دو چھوٹی بچیاں جن کی عمریں بارہ سال سے زائد نہیں تھیں، عقبی سیٹ پر بیٹھی مادر سے خوف کے چیخ رہی تھیں۔

ٹائیگر نے ایک ہی نظر میں اندازہ لگا لیا تھا کہ دور و نزدیک سے کوئی ان کی مدد کے لیے آگے نہیں آیا تھا۔

ٹائیگر نے ایک جھٹکے سے گاڑی روکی اور اس سے پہلے کہ اوشان کچھ کہتا وہ انتہائی تیزی سے ان تین افراد کی طرف بڑھ گیا جو آپس میں گتھم گتھا تھے جونہی وہ ان کے قریب پہنچا ایک نوجوان نے ہاتھ میں پکڑا ہوا لمبا آہنی پائپ ٹائیگر کی طرف لہرایا۔ ٹائیگر نے ایک خفیف سی حرکت سے اس کا وار خالی دیا۔ نوجوان دوبارہ پائپ آزمانے کے لیے تول ہی رہا تھا کہ ٹائیگر کے دائیں ہاتھ کی دو انگلیاں حرکت میں آئیں اور پائپ اس کی گرفت سے نکل کر دور جا گرا۔ لوہے اور سیمنٹ کے فرش سے خاصی بلند آواز پیدا ہوئی تھی۔

"اسے چھوڑ دو دوستو!" ٹائیگر نے انگلی سے گنجے شخص کی طرف اشارہ کیا۔ اس سے مخاطب بظاہر تو عربی طور پر دکھائی دیتا تھا جو گنجے کو دبوچے ہوئے تھے۔

"ہیری، سنبھالنا اسے۔" وہ شخص چیخا جس کے ہاتھ سے پائپ نکل کر دور جا گرا تھا۔

اس کا جملہ ختم ہوتے ہی تیز دھار خنجر کی نوک ٹائیگر کی پسلیوں سے آ لگی۔

چاقو بردار کو اس بات کا قطعی علم نہیں تھا کہ اس نے چاقو کی نوک جس شخص کی پسلیوں میں چبھو رکھی ہے وہ دنیا کا خطرناک ترین شخص ہے۔ اگر اسے اس بات کا پتا ہوتا تو شاید وہ اپنی غلطی کبھی نہ دہراتا لیکن اب پچھتاوے کا وقت گزر چکا تھا۔

ادھر چاقو بردار نے چاقو کی نوک کا دباؤ بڑھایا اور ادھر ٹائیگر کی بائیں کہنی حرکت میں آئی۔ نوک نے ابھی اس کی جیکٹ کے موٹے کپڑے کو چیرا بھی نہیں تھا کہ کہنی کا بھرپور وار چاقو بردار کے پیٹ پر پڑا اور وہ اچھل کر کئی فٹ دور جا گرا۔ اسے یوں محسوس ہوا تھا جیسے کسی ارنے بھینسے نے ٹکر دے ماری ہو۔ اس کے حلق سے ایک کربناک چیخ خارج ہوئی جو اس آنتوں کو دیکھ کر بلند ہوئی تھی جنہوں نے اس کے پیٹ سے نکل کر انگور کی بیل کی طرح زمین پر ادھر ادھر پھیلنا شروع کر دیا تھا۔ اس کے جسم نے ایک جھٹکا لیا اور ساکت ہو گیا۔

چاقو بردار کے ساتھی نے فوراً گنجے کو چھوڑا اور ٹائیگر کی طرف بڑھا لیکن اسے دو سے زیادہ قدم اٹھانے نصیب نہیں ہوئے۔ ٹائیگر نے محض اپنی انگشت شہادت اٹھائی۔ وہ انگلی سے ٹکرایا اور انگلی کسی تیز دھار خنجر کی مانند اس کے سینے میں ترازو ہو گئی۔

ٹائیگر نے انگلی واپس کھینچی تو وہ کٹے ہوئے درخت کی مانند پُرشور آواز کے ساتھ زمین پر جا گرا۔ اس کے حلق سے آواز بھی خارج نہیں ہو سکی تھی کیونکہ ٹائیگر کی انگلی نے اس کے دل کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیا تھا۔

اسی وقت ایک تیسرا شخص کار سے اتر کر ٹائیگر کی طرف بڑھا۔ اپنے ساتھیوں کا حشر دیکھ کر مارے خوف کے اس کی آنکھیں پھٹی پڑ رہی تھیں۔

"تت... تم نے کروک اور ہیری کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے؟"

اس نے قریب آتے ہی پوچھا۔ "میں نے اس قدر ظالم پولیس مین..."

ٹائیگر کا ہاتھ حرکت میں آیا۔ اس کی ہتھیلی آنے والے کے چہرے سے محض ایک انچ کے فاصلے سے گزری اور وہ تیورا کر گنجے کے قدموں میں جا گرا۔ ٹائیگر قدم جما کر آگے بڑھا تو اس نے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

اپنے دونوں ہاتھ بچاؤ کے لیے آگے کر لیے۔

"مم... مجھے مت مارنا... میں... بے... قصور..." وہ ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں گھگیایا۔

"بکو مت!" ٹائیگر نے اُسے ڈانٹا۔ "گھٹنوں کے بل جھک کر اس شریف آدمی، نیک دل خاتون اور معصوم بچیوں سے معافی مانگو۔"

گرنے والا شخص جس کا نام پال تھا، جھکا تو ٹائیگر نے ہاتھ اُس کے بالوں کی طرف بڑھایا۔

"نن... نہیں۔" پال بُری طرح چیخا۔ وہ اپنے ساتھیوں کے انجام سے بے حد خوفزدہ تھا۔ اُس نے فوراً گھٹنے کے سامنے ہاتھ باندھ دیے۔ یہی عمل اُس نے باری باری ویگن میں بیٹھی ہوئی عورت اور بچیوں کے سامنے بھی دُہرایا۔

"اب فوری طور پر یہاں سے دفعان ہو جاؤ۔" ٹائیگر پھر سخت لہجے میں غرایا اور پال اس طرح سر پر پیر رکھ کر بھاگا کہ اُس نے پلٹ کر اپنی کار کی طرف بھی نہیں دیکھا۔ چند ہی ثانیوں میں وہ نظروں سے اوجھل ہو چکا تھا۔

گنجا اب خوفزدہ نگاہوں سے کبھی ٹائیگر کو اور کبھی اُن دو لاشوں کو دیکھ رہا جو چند ثانیے قبل ہٹے کٹے جاگتے انسان تھے لیکن اس شخص نے خالی ہاتھوں سے انہیں چشم زدن میں موت کے گھاٹ اُتار دیا تھا۔

"تت... تم کون ہو؟" وہ ہکلا کر بولا۔

"خدائی فوجدار۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ گنجے کو مزید کچھ پوچھنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ وہ چپ چاپ ویگن کی طرف چل دیا۔ "سنو، مسٹر!" ٹائیگر نے عقب سے اُسے پکارا۔ "اس واقعے کا کسی سے تذکرہ نہیں کرنا۔ ورنہ اپنے لیے ہی مصائب کھڑے کرو گے۔"

گنجے نے دھیرے سے اثبات میں سر ہلایا اور پلٹ پڑا۔ ٹائیگر نے جُھک کر ایک مرنے والے کے لباس سے اپنی اُنگلی صاف کی اور ہاتھوں کی نادیدہ گرد جھاڑ کر ریسٹورنٹ کے دروازے کی طرف بڑھا۔ دو قدم چلنے کے بعد اچانک ہی اُسے خیال آیا کہ وہ تنہا نہیں تھا۔

وہ اپنی کرایے کی کار کی طرف مُڑا۔ اوشان بدستور پسنجر سیٹ پر بیٹھا تھا۔ اُس کی آنکھیں بند تھیں۔ سر پُشت گاہ کے ساتھ ٹکا ہوا تھا اور ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بُدبُدا رہا تھا۔

"مجھے آپ کی بے حسی پر بے حد افسوس ہے۔" ٹائیگر نے اوشان کے قریب آ کر کہا۔

اوشان بدستور آنکھیں بند کیے بُدبُدا تا رہا۔

"میں تین کے مقابلے پر اکیلا تھا اور آپ مزے سے یہاں بیٹھے گنگناتے رہے۔" ٹائیگر دوبارہ بولا۔

اوشان نے اب بھی آنکھیں نہیں کھولیں۔

"آخر آپ کر کیا رہے ہیں؟" ٹائیگر جھلا گیا۔

"رُوحوں کو طلب کر کے تمہارے لیے چوڑیاں منگوا رہا ہوں۔" اوشان آنکھیں کھول کر بولا۔ "تین بچوں سے مقابلے کے لیے بھی اگر مجھے ہی آنا تھا تو میرے خیال میں سنانجو کی ولی عہدی کی تلوار بھی کہیں دفن کر دُوں۔"

"اچھا تحفہ ہے۔" ٹائیگر نے تائیدی انداز میں سر ہلایا۔ "ہمارے ہاں چوڑیاں محبت کی نشانی ہیں۔ مجھے یہ تحفہ قبول کر کے بے حد خوشی ہوگی۔"

"لیکن ہمارے ہاں انہیں چوہوں کو پہنایا جاتا ہے۔" اوشان تیکھے لہجے میں بولا۔

"توبہ... توبہ۔" ٹائیگر نے باقاعدہ اپنے رُخساروں پر چپت لگائی۔ "لیکن ٹسل فادر! آپ نے توبہ بھی بتایا تھا کہ ہر ماسٹر کو گدی نشینی کے وقت چوڑیاں بھی پہننی پڑتی ہیں۔ تو کیا سب ماسٹر چوہے..."

"میں نے یہ بھی بتایا تھا کہ چھ نسل پہلے یہ رسم موقوف کر دی گئی تھی۔" اوشان تیز لہجے میں بولا۔ "اور اب بس... اگر واقعی ڈنر کرنا ہے تو میرے لیے کار کا دروازہ کھولو اور مؤدب انداز میں میرے پیچھے پیچھے چلو۔"

ٹائیگر نے وہی کیا جو اوشان نے کہا تھا۔ کیونکہ اُسے خاصی تیز بھُوک محسوس ہو رہی تھی۔

نصف گھنٹے بعد دونوں ایک بار پھر پارکنگ لاٹ میں موجود تھے۔ ٹائیگر نے اوشان کی عقابی نگاہوں کی نگرانی میں محض اُبلے ہوئے چاول اور مچھلی کا ایک قتلہ کھایا تھا۔ مینو دیکھ کر اُس کے مُنہ میں پانی بھر آیا تھا لیکن اوشان نے اُس کے کچھ کہنے سے قبل ہی بیرے کو چاول اور مچھلی لانے کا حکم دے دیا تھا۔ خود اپنے لیے اُس نے بطخ کا گوشت منگوایا تھا۔

ٹائیگر نے کھانا خاموشی سے کھایا... بلکہ زہر مار کیا تھا۔ دل ہی دل میں البتہ وہ یہ ضرور سوچ رہا تھا کہ جب وہ سنانجو کا ماسٹر بن جائے گا تو کیا تب بھی اُسے اُبلے ہوئے ان چاولوں اور مچھلی کے ایک قتلے پر گزارا کرنا پڑے گا۔

اوشان کی قیں قیں کھانے کے دوران بھی جاری رہی تھی۔ ٹائیگر کو یوں لگ رہا تھا جیسے بطخ کا گوشت اوشان کے

معدے میں جا کر مجسم بطخ کی شکل اختیار کرتا جا رہا ہو اور اوشان کے مُنہ سے اُسی بطخ کی آوازیں خارج ہو رہی ہوں۔ اپنے منفرد لباس اور انوکھی آواز کے باعث وہ ریسٹورنٹ میں موجود سب لوگوں کی توجہ کا مرکز بنا ہوا تھا۔ بعض لوگ اُسے حیرت سے دیکھ رہے تھے اور کچھ اُس کی حرکتوں پر مُسکرا رہے تھے۔

قیں قیں کے ساتھ ساتھ اوشان کے ہاتھ بھی چل رہے تھے۔ ایک بار تو اُس نے یوں ویٹرس کی طرف ہاتھ بڑھایا جیسے اُسے نوچ ہی لے گا۔ ٹائیگر بے اختیار کھنکارنے لگا لیکن جب اوشان نے گھور کر اُسے دیکھا تو وہ خاموشی کے ساتھ کھانے میں مصروف ہو گیا۔

ریسٹورنٹ سے نکل کر پارکنگ لاٹ میں آتے ہی ٹائیگر نے خدا کا شکر ادا کیا اور یوں آسمان کی طرف دیکھا جیسے اُوپر والے سے شکوہ کر رہا ہو کہ اُس نے مصیبت میں پھنسا دیا۔ آسمان پر ستارے جگمگا رہے تھے لیکن اُس کی نگاہیں ستاروں کے پیش منظر میں ایک درخشندہ پیکر پر مرکوز ہو کر رہ گئیں۔

وہ ایک موسیماتی غبارہ تھا۔ اُس نے احتیاط کے ساتھ اِرد گرد کا جائزہ لیا تو دو غبارے اور نظر آ گئے۔

"وہ دیکھیں غبارے، ٹسل فادر!" ٹائیگر نے اوشان کی توجہ اُس جانب مبذول کرائی۔

اوشان نے ایک نظر غباروں پر ڈالی اور پھر کسی چھوٹے سے بچے کی مانند باقاعدہ تالیاں بجانے لگا۔

"فوراً شہنشاہِ معظم سے رابطہ قائم کرو۔" چند ثانیوں بعد اوشان نے ٹائیگر کو ہدایت کی۔

"مگر کیوں؟" ٹائیگر نے حیرت سے پوچھا۔

"اُسے کہو کہ ہم اس بار آبدوز کی بجائے غبارے سے سنانجو جانا پسند کریں گے۔"

"لاحول ولا قوۃ۔" ٹائیگر نے بُرا سا مُنہ بنایا اور دوبارہ غباروں کا جائزہ لینے لگا۔ وہ یہ سوچ رہا تھا کہ رات کے وقت وارننگ لائٹس جلائے بغیر غبارے اُڑانے کی کیا تُک تھی؟ اور پھر تین کیوں؟ چند ثانیے وہ اُن کے متعلق سوچتا رہا پھر سر جھٹک کر اوشان کے ساتھ کار کی طرف بڑھ گیا۔

اُسے پارکنگ لاٹ کی ایک جانب بہت سے لوگ بھی دکھائی دیے تھے۔ وہ جانتا تھا کہ لوگ کس شے کے گرد جمع ہیں لیکن اُس کے پاس اتنا وقت فالتو نہیں تھا کہ وہاں رُک کر صورتِ حال کا جائزہ لیتا۔ اس لیے وہ تیزی سے کار نکالتا چلا گیا۔

"بے حس!" اوشان نے دھیرے سے اُسے خطاب دیا لیکن خلاف توقع ٹائیگر خاموش ہی رہا تھا۔

کار ابھی پوری طرح رُکی بھی نہیں تھی کہ لڑکی اُچھل کر باہر نکلی اور گلستان کے بدنام زمانہ قاتلوں نوید ناجی اور سر کاجو سینڈین کی منتظر بانہوں کی جانب دوڑ کھڑی ہوئی۔ کسی استقبالیہ ہجوم کے بغیر ہی دونوں مجرموں نے بے تاب حُسن کو سمیٹا اور اُسے اپارٹمنٹ بلڈنگ کے سائے میں گھسیٹ لے گئے۔

روبی نے اپنی کار سڑک کی دوسری جانب چھوڑی اور عمارتوں کے سایوں کی آڑ لے کر ایسے مقام تک آ پہنچی جہاں سے انہیں دیکھ سکتی۔ دل میں کہیں نہ کہیں کالا ضرور تھا اور روبی اسی کالے پن کا سُراغ لگانا چاہتی تھی۔

وہ کوئی ہفتے بھر سے نیلوفر دنالی کا تعاقب کر رہی تھی جو اٹھارہ اٹھارہ گھنٹے گلستان کی سڑکوں پر آوارہ گھومتی رہتی تھی۔ روبی پر اسی دوران انکشاف ہوا تھا کہ نیلوفر نہ صرف ایک معروف لڑکی تھی بلکہ وہ گلستان کے جرائم پیشہ حلقوں میں بھی بے حد مقبول تھی۔

کبھی کبھار تو روبی کا جی چاہتا کہ اپنا پورا ریوالور نیلوفر دنالی پر خالی کر کے اُس کا قصہ تمام کر دے لیکن معاملہ ایسا تھا کہ اُسے اپنی خواہش پر قابو پانا ہی پڑا تھا۔ رات بھر نیلوفر بدنام زمانہ لوگوں کے ساتھ رہتی لیکن صبح کے آٹھ بجتے ہی وہ شرافت کا لبادہ اوڑھ لیتی اور فردوسی پارلیمنٹ کے رُکن اہرمن کی چیف ایڈمنسٹریٹو ایڈی کا رُوپ دھار لیتی۔

یہی وجہ تھی کہ روبی کی نظروں میں اُس کی اہمیت دو چند بلکہ سہ چند ہو گئی تھی۔

نیلوفر صرف اوباش لوگوں سے ملتی ہی نہیں تھی بلکہ انہیں خاص قسم کے لفافے بھی پہنچاتی تھی جو روبی کے خیال میں افسروں اور سیاستدانوں کے حلقے سے آتے تھے۔ روبی کی دلچسپی کا محور وہی لوگ تھے جو یہ لفافے وصول کرتے تھے۔ لیکن وہ اُس لڑکی کو بھی ہاتھ میں رکھنا چاہتی تھی جو ان لفافوں کی ترسیل کا ذریعہ بن رہی تھی۔

نیلوفر کا شمار گلستان کی چند خوبصورت ترین لڑکیوں میں کیا جا سکتا تھا۔ متناسب جسم، سیاہ بالوں، گوری رنگت، بلند قامتی اور تیکھے نقش و نگار نے اُسے ایسی حسینہ کا رُوپ دے رکھا تھا جسے دیکھ کر کوئی بھی اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

شام کے وقت جب وہ تیار ہو کر اور خود کو قاتلانہ ناز نخروں سے مسلح کر کے نکلتی تو گلستان کی وی آئی پی کال گرل دکھائی دیتی لیکن کبھی کبھی اُس کے رنگ ڈھنگ یوں ہوتے جیسے کسی ریاست کی شہزادی ہو۔

اُس کا تعاقب روبی کے لیے مشکل نہ تھا۔ ہفتے بھر میں وہ اُس کے متعدد ٹھکانوں سے واقف ہو چکی تھی کہ وہ رات کا کھانا کہاں کھاتی ہے؟ کس بار میں جاتی ہے؟ اور کس باغ میں جا کر وقت گزارنا پسند کرتی ہے؟ روبی متعدد بار نیلوفر کے اتنے قریب گئی تھی کہ اُسے۔ اُس کی سیاہ آنکھوں میں لہراتے واسے حزن و ملال کے سائے تک صاف دکھائی دیے تھے۔ تب روبی کو یوں لگا تھا جیسے وہ اپنی موجودہ زندگی سے بے حد بور، خوفزدہ اور افسردہ ہو۔

اور اس وقت روبی کے خیال میں نیلوفر پاگل ہو گئی تھی یا پھر حد درجہ بے وقوفی کا مظاہرہ کر رہی تھی۔

اس کی واضح وجوہات تھیں۔ روبی کی معلومات کے مطابق نیلوفر اس وقت جس افراد کے ساتھ موجود تھی وہ نہ صرف بدنام زمانہ مجرم تھے بلکہ اخلاق اور ضمیر تو انہیں چھو کر بھی نہیں گزری تھی اور وہ عورت اور جانور میں کوئی فرق روا نہ رکھتے تھے۔

وہ لڑکی کو عبادت کے مقصی حصار نے کی سمت لے گئے تھے روبی کو علم تھا کہ اُن کی منزل کیا ہے؟ وہ پلٹی اور بھاگتی ہوئی سامنے والے دروازے سے اندر داخل ہو گئی۔ ٹاپ فلور تک پہنچنے میں اُسے صرف سکیورٹی لاکس کھولنے کی تاخیر ہوئی تھی جس وقت وہ ایلیویٹر سے نکلی۔ لڑکی اور دونوں مرد نیلوفر کے اپارٹمنٹ میں داخل ہو رہے تھے۔

جس انداز سے کانجو نے لڑکی کو دروازے سے اندر دھکیلا تھا اُس سے روبی کو لڑکی کے ساتھ خاصی ہمدردی محسوس ہوئی تھی کیونکہ اُس کے چہرے پر مجبوری کی تحریر صاف پڑھی جا رہی تھی۔ روبی کا جی تو چاہا کہ وہ براہ راست ان پر ٹوٹ پڑے لیکن یہ اُس کی حکمت عملی کے خلاف تھا۔

وہ ایلیویٹر کے ذریعے واپس نیچے آئی اور عقبی دروازے سے باہر آ گئی۔ چند لمحے پورچ کی تاریکی میں رُک کر وہ اپنی مطلوبہ شے تلاش کرنے لگی۔ تھوڑی سی کوشش کے بعد وہ اُسے دکھائی دے گئی۔

پہرے دار!

وہ ایک پونٹیاک کی سیٹ پر تنا بیٹھا تھا۔ اُس موٹے کے مُنہ میں موٹا سا سگار دبا ہوا تھا۔ گاڑی کی پارکنگ لائٹس اور انجن آن تھا۔ یعنی فوری فرار کا پروگرام تھا۔

روبی کے ذہن میں جما کا سا ہوا۔ یہ تو صریحاً قتل کا پروگرام ہوا۔

روبی اُس وقت پینٹ اور ٹی شرٹ میں تھی۔ اُس نے ایک لمحے کے لیے سوچا اور پھر کار کی طرف بڑھ گئی۔ موٹے نے ایک لڑکی کو اٹھائے مٹکاتے اپنی طرف آتے دیکھا تو کالر پر لگی فرضی گرد جھاڑنے لگا۔ روبی نے بھی قاتلانہ مسکراہٹ اُس کی طرف اچھالی اور آگے بڑھ کر کھڑکی کے شیشے کو بجا دیا۔ موٹے نے کسی تاخیر کے بغیر شیشہ نیچے کر دیا۔

اور یہی غضب ہو گیا۔ روبی نے دایاں ہاتھ اپنی پُشت پر رکھا ہوا تھا۔ اُس نے وہی ہاتھ موٹے کے سامنے کر دیا۔ لیکن ہاتھ خالی نہیں تھا۔ اُس میں ایک سیاہ ریوالور موجود تھا جس کی نال موٹے کے ماتھے کی جانب اٹھی ہوئی تھی۔ موٹے نے آنکھیں پھاڑ کر ریوالور کو دیکھا۔ ٹھیک اُسی وقت روبی نے ٹرائیگر دبا دیا۔ گولی زناٹے کے ساتھ موٹے کے ماتھے میں لگی۔

اُس کا بھیجا اور کھوپڑی کی ہڈیاں کھرچی کھرچی ہو کر پوری گاڑی میں بکھر گئیں۔ اگلے ہی لمحے وہ اسٹیئرنگ پر اوندھا ہو گیا۔ وہ مرنے سے پہلے چیخ بھی نہیں سکا تھا۔

روبی نے نہایت اطمینان کے ساتھ فٹس اور انجن آف کیا۔ سارے دروازے مقفل کیے اور چابیاں جیب میں ڈال کر دوبارہ عمارت میں داخل ہو گئی۔

نیلوفر کے اپارٹمنٹ کا دروازہ غیر مقفل تھا۔ روبی کے ہلکے سے دھکے سے وہ کھلتا چلا گیا۔

اندر روشنی ہو رہی تھی اور لڑکی کا ہینڈ بیگ دروازے کے سامنے فرش پر پڑا تھا۔ روبی نے اپارٹمنٹ کا جائزہ لیا۔ وہ چھوٹا سا خوبصورت گھر تھا۔ پہلا کمرہ خالی تھا۔ روبی اِدھر اُدھر دیکھتی آگے بڑھ گئی۔

بیڈ روم کے کھلے دروازے سے تیز روشنی باہر آ رہی تھی۔ لڑکی کا گاؤن جو وہ پہن کر گاڑی سے اُتری تھی دروازے کے قریب ہی فرش پر پڑا تھا جب کہ اُس کی سینڈل بے ترتیبی سے باتھ روم کے دروازے کے سامنے تھی جو نیم وا تھا۔ اندر سے صرف باتھ ٹب بھرے جانے کی آواز باہر آ رہی تھی۔

روبی نے ریوالور ہاتھ میں لیا اور باتھ روم کا دروازہ ٹھوکر سے کھول ڈالا۔ دروازہ پوری قوت سے نوید ناجی کے مُنہ پر لگا اور وہ چلاتا ہوا سر کے بل باتھ ٹب میں جا گرا جو نصف سے زیادہ بھر چکا تھا۔

اُس نے اُٹھنے کی کوشش کی لیکن روبی کے ریوالور نے پے در پے دو گولیاں اُگلیں۔ اُس کی بر ہنہ کمر میں دو سوراخ ہو گئے اور خون بہہ بہہ کر پانی میں شامل ہونے لگا۔ وہ بُری طرح تڑپا جس سے خون آلود پانی اُچھل کر باتھ روم کے فرش اور دیواروں کو بھی سُرخ کر گیا۔ چند لمحوں کے بعد وہ ساکت ہو گیا۔

دوسرا غنڈہ نیلوفر دنیا سے اُلجھا ہوا تھا جو اپنی زندگی بچانے کی جدوجہد میں مصروف تھی۔ اُس نے لڑکی کے بال پکڑ رکھے تھے جب کہ نیلوفر اپنے لمبے لمبے ناخنوں سے اُس کا چہرہ نوچنے میں مصروف تھی۔ وہ کانجو سنڈیٹ مین تھا۔

اُس نے اپنے ساتھی کو باتھ ٹب میں گرتے دیکھا تو نیلوفر کو چھوڑ کر روبی کی طرف جھپٹا لیکن وہ پہلے سے تیار تھی ریوالور نے ایک شعلہ اور آگلا اور کانجو بھی اپنے ساتھی کے پاس پہنچ گیا۔ گولی سینے پر لگی اور وہ تیورا کر سفید ٹائلوں والے فرش پر جا گرا۔

روبی نے آگے بڑھ کر ٹونٹی بند کر دی۔

نیلوفر سامنے والی دیوار کے سہارے کھڑی تھی۔ اُس کی آنکھیں حیرت اور خوف سے اُبلی پڑ رہی تھیں۔ وہ تیز تیز سانس لے رہی تھی۔ "او گاڈ..." اُس نے بمشکل تمام کہا۔ وہ کچھ اور بھی بولنا چاہتی تھی لیکن زبان نے ساتھ نہیں دیا۔

"یہاں سے باہر نکلو۔" روبی نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

"انہوں نے... مجھے... مگ... گولیاں کھلائی تھیں۔" وہ ہکلاتے ہوئے بولی۔ "نیند کی گولیاں۔ تاکہ مجھے ڈبو کر مار سکیں... عادتاً موت... مم... مجھے لگتا ہے کہ گولیاں مجھ پر اثر کر رہی ہیں۔"

اچانک ہی اُس کی ٹانگیں کانپیں اور وہ گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھتی چلی گئی۔

روبی نے آگے بڑھ کر ایک تولیہ اُٹھایا اور اُسے نیلوفر کے کندھوں پر ڈال دیا۔ پھر وہ اُسے سہارا دے کر باہر لے آئی۔

"تم نے کتنی گولیاں کھائی ہیں؟" اُس نے پوچھا۔

"بہت سی۔" نیلوفر نے کمزور سی آواز میں جواب دیا۔

روبی اُسے کچن میں لے گئی اور اُس کا سر سنک پر جھکا دیا۔ "اپنے حلق میں اُنگلی ڈالو۔" اُس نے لڑکی کو حکم دیا لیکن وہ خاموش کھڑی رہی۔

"اگر تم اپنی اُنگلی نہیں ڈالو گی تو میں تمہارا حلق چیر کر رکھ دوں گی۔" روبی سفاک لہجے میں غرائی۔

نیلوفر نے سر اُٹھا کر اُسے دیکھا۔ "کیا میں تمہیں جانتی ہوں؟" اس نے شانوں کو حرکت دی تو تولیہ پھسل کر فرش پر آ گرا۔ روبی نے تولیہ اُٹھایا اور اس بار کمر سے باندھ دیا۔ "چلو اب حلق میں اُنگلی ڈالو۔ میرا نام روبی ہے۔"

نیلوفر نے ایسی نگاہوں سے اُسے دیکھا جیسے پہچاننے کی کوشش کر رہی ہو لیکن محض پلکیں جھپکا کر رہ گئی۔ پھر وہ نحیف سی آواز میں بولی۔ "میری ساری رات غارت ہو گئی ہے۔ میں شکر گزار ہوں کہ تم نے میری زندگی بچائی ہے لیکن اب تم جاؤ اور مجھے تنہا چھوڑ دو۔"

"اگر اُنگلی سے کام نہیں بنتا تو نلکیں پانی پی لو۔" روبی نے اُس کی بات پر کوئی توجہ نہیں دی تھی۔ "میں ہر حال میں تمہارا معدہ خالی کرنا چاہتی ہوں۔ اس کے بعد گرم گرم کافی پینا تاکہ تمہیں سکون مل سکے۔ اگر تمہیں نیند آ رہی ہے تو تولیہ بھگو کر اپنے مُنہ پر مارنا شروع کر دو اور زیادہ سے زیادہ کھڑی رہنے کی کوشش کرو۔"

"اوکے۔ اوکے۔" نیلوفر نے سرگوشی کی۔

روبی اُسے چھوڑ کر باتھ روم میں چلی آئی۔ جواب مذبح لگ رہا تھا۔ خون کے چھینٹے دیواروں پر موجود تھے جب کہ فرش پر تو جیسے خون کا دریا بہہ رہا تھا۔ اُس نے کچھ تولیے نیچے ڈال دیے۔ پھر بستر کی کچھ چادریں اُٹھائیں اُن پر سے لانڈری کے نشانات مٹائے اور لاشوں کو اُن میں لپیٹنے لگی۔ تھوڑی سی جدوجہد کے بعد وہ اُن کے ایسے بنڈل بنانے میں کامیاب ہو گئی جن سے خون بھی نہیں ٹپک رہا تھا۔

اگلا مرحلہ لاشوں کو نیچے پہنچانے کا تھا۔ وہ جس وقت نوید ناجی کی لاش گھسیٹ کر ایلیویٹر تک لا رہی تھی اُس وقت کچن سے اُسے نیلوفر کے قے کرنے کی آواز سُنائی دی۔ رات خاصی گزر چکی تھی اس لیے اس بات کا کوئی امکان نہیں تھا کہ کسی کی نگاہ پڑ جائے گی۔ روبی نے لاش کو ایلیویٹر میں رکھا اور نیچے لے آئی پھر گھسیٹتی ہوئی عقبی راستے سے پونٹیاک میں ڈال آئی۔

جب وہ دوسری لاش باتھ روم سے نکال رہی تھی تو اُس نے نیلوفر کو کچن کے دروازے پر کھڑے دیکھا۔ تولیہ اب بھی اُس کے جسم کے گرد لپٹا ہوا تھا۔ وہ برف کے ایک ٹکڑے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

سے اپنا چہرہ سہلا رہی تھی۔ اُس کی حالت پہلے سے خاصی بہتر دکھائی دے رہی تھی۔

"تم ان کے ساتھ کیا کر رہی ہو؟" اُس نے دھیمے لہجے میں روبی سے دریافت کیا۔

"انہیں گھر بھیج رہی ہوں۔" روبی نے اطمینان سے کہا اور لاش گھسیٹ کر باہر لے آئی۔

اُسے بھی پوٹیاک کی عقبی نشست پر ڈالنے کے بعد اُس نے ڈرائیور کو گھسیٹ کر پسنجر سیٹ پر کیا۔ خون آلود اسٹیئرنگ صاف کیا اور پوٹیاک اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔ چند بلاکس کا فاصلہ طے کرنے کے بعد اُس نے گاڑی کو نو پارکنگ زون میں کھڑا کیا اور چابیاں لیٹر بکس میں ڈال کر واپس آ گئی۔ ذرا دیر بعد وہ اپنی کار کو پوٹیاک کی جگہ کھڑی کر کے دوبارہ اُوپر جا رہی تھی۔

نیلوفر کے اپارٹمنٹ کا دروازہ بند تھا لیکن جب روبی نے دباؤ ڈالا تو دروازہ بے آواز کھلتا چلا گیا اور وہ دبے قدموں اندر داخل ہو گئی۔ نیلوفر بیڈ رُوم میں اپنے بیڈ پر بیٹھی مارے بیٹھی تھی۔ اُس کے ہونٹوں میں جلتی ہوئی سگریٹ اور ہاتھ میں ایک ننھا مُنا سا پستول تھا جس کی نال اُسی دروازے کی سمت اُٹھی ہوئی تھی جس سے روبی اندر داخل ہوئی تھی۔

"اوہ۔ تو یہ تم ہو۔" نیلوفر نے پستول کی نال جھکا لی۔ "میں سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا کہ تم مجھ سے کیا چاہتی ہو؟ جس طرح تم نے گلستان کے دو بدنام قاتلوں کو ہلاک کیا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ تم کوئی عام لڑکی نہیں۔"

روبی کے ہونٹوں پر خفیف سی مُسکراہٹ اُبھر آئی۔ اُس نے نیلوفر کو یہ بتانے کی کوئی کوشش نہیں کی کہ اُس کے ہاتھوں مرنے والے دو نہیں تین ہیں۔

"بے فکر رہو۔ میں تمہیں قتل کرنے نہیں آئی۔" روبی نے ذرا دیر بعد اُسے اطمینان دلانے کو کہا۔ "رہ گئی یہ بات کہ میں کون ہوں تو اسے چھوڑو۔ تمہیں میری شناخت یا اصلیت سے کوئی سروکار نہ ہونا چاہیئے۔" اُس کی نظر اچانک ہی اس سوٹ کیس پر پڑی جو بیڈ کے ساتھ ہی پیک رکھا ہوا تھا۔ "یہ اچھا کیا تم نے۔ اگر انہوں نے تمہیں ہلاک کرنے کا فیصلہ کر ہی لیا ہے تو وہ کسی بھی وقت اس پر عمل درآمد کر سکتے ہیں۔ میں بھی جانتی ہوں کہ وہ بہت خطرناک ہیں اس لیے تم یہی سمجھ کر جینا کہ اُن سے سانسیں چُرا کر جی رہی ہو۔"

"مگر تم یہاں کسے تلاش کرتی پھر رہی ہو؟" نیلوفر نے ایک طویل سانس لے کر پوچھا۔ اُس نے روبی کے جملوں پر کوئی ردِعمل ظاہر نہیں کیا تھا۔

"میں ایک شخص کو تلاش کر رہی ہوں۔"

"کون سا شخص؟"

روبی نے بھنویں اُچکا کر اُس کا سوال نظر انداز کر دیا۔ "یہ لڑکے تمہیں کیوں قتل کرنا چاہتے تھے؟" اُس نے نیا سوال داغ دیا۔

"کیا تم جانتی ہو کہ میں کون ہوں؟" نیلوفر بھی اُس سے کم دکھائی نہیں دیتی تھی۔ "میرا مطلب ہے۔۔۔"

روبی نے ہاتھ اُٹھا کر اُسے خاموش ہونے کو کہا۔ "میں اچھی طرح جانتی ہوں۔ گزشتہ پانچ دنوں سے میں تمہارے ساتھ ہوں۔"

نیلوفر کے چہرے پر ناگواری اُمڈ آئی۔ وہ کچھ دیر خاموش رہی پھر کمزور سی آواز میں بولی۔ "تم نے میری جان کیوں بچائی ہے؟"

"میں نہیں جانتی۔ وہ لوگ تمہیں قتل کیوں کرنا چاہتے تھے؟"

نیلوفر نے کندھے اُچکائے۔ "مجرموں کی لڑائی۔ لیکن کون جانتا ہے؟"

"جو لڑکے تمہارے تعاقب میں تھے۔ اُن کا تعلق تو پرویز گھمر کے گروپ سے تھا۔"

"میں اس کھیل سے اب تھکنے لگی ہوں۔" نیلوفر نے جھکتے ہوئے روبی کی آنکھوں میں جھانکا۔

"تب پھر مجھے یہ بتاؤ کہ رُکن پارلیمنٹ اہرمن کے علاوہ تمہیں کون احکامات دیتا ہے؟"

"اہرمن کو تو ایک طرف رہنے دو۔ اُس بُوڑھے نے سالوں سے کسی کو کوئی حکم نہیں دیا۔ اُسے تو یہ بھی علم نہیں ہوتا کہ آج دن کون سا ہے۔ ہم اُسے اُٹھاتے ہیں اور باہر لے جاتے ہیں۔ گھر بھیج کر ہم دُعائیں مانگتے ہیں کہ وہ ٹھیک ٹھاک واپس پہنچ جائے۔"

روبی یہ سب پہلے ہی جانتی تھی۔ "اور لوپو کون ہے؟"

لڑکی نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"اطالوی زبان میں لوپو۔ بھیڑیے کو کہتے ہیں۔ میں جانتی ہوں کہ یہ کوڈ نیم ہے۔ اس کی پُشت پر کون ہے؟"

نہایت تحمل اور اطمینان کے ساتھ لڑکی نے روبی کو جہنم میں جانے کا مشورہ دیا۔

اُس نے بُرا نہیں مانا اور دوبارہ گویا ہوئی۔ "میرے خیال میں تمہیں علم ہو گا کہ ایبل ۸۸ مر چکا ہے۔"

"ایبل کون؟"

"تم جانتی ہو کہ کون؟ انہوں نے چند روز قبل ہارون آباد میں اُسے دفن کیا ہے۔ اُس کی ذاتی ڈائری سے جو نام ملے ہیں اُن میں لوپو۔ اہرمن اور نیلوفر وتالی کے نام بھی شامل ہیں۔"

"پھر؟" نیلوفر نے پوچھا۔

"پھر۔۔۔ ایبل مر چکا ہے۔ نیلوفر نے قریب ہے اس طرح صرف لوپو اور اہرمن باقی بچتے ہیں۔ ان دونوں میں سے کسی ایک کے پاس وہ وجہ موجود ہے جو دوسرے کی موت کا سبب بن سکتی ہے۔"

"تم۔۔۔ مگر وہ اہرمن نہیں ہو سکتا۔ وہ تقریباً اسّی سال کا بُوڑھا ہے اور گزشتہ پانچ سال سے تو وہ اپنے طور پر سوچ بھی نہیں سکتا۔"

"تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم اُس کی پُشت پناہ قوت کے طور پر کام کر رہی ہو؟"

نیلوفر نے نفی میں سر ہلایا۔ "میرا کام کنٹرول تک کا ہے وہ بھی گزشتہ چند ماہ سے۔ مجھ سے پہلے اہرمن ایک اور بدنام شخص کے قابو میں تھا۔ میں نے تو جاب۔۔۔"

"اپنے شوہر کو گولی مارے جانے کے بعد جو اُس نے کیا تھا۔" روبی نے اُس کا جُملہ اُچکا۔

"ہاں۔" لڑکی کی آواز سرگوشی سے زیادہ بلند نہیں تھی۔ "اہرمن کو کنٹرول کرنے والا شخص بھی مارا گیا تھا۔ لوپو نے اُسی کی جگہ لی ہے۔"

"میری معلومات کے مطابق تو رمیش کو یہ تخت سنبھالنا تھا۔ پھر لوپو کیوں؟"

"سیاسی محاذ کا نہیں۔" نیلوفر نے نفی میں سر ہلایا۔ "یہ ڈوریاں تو وفاقی سطح پر کھینچی جاتی ہیں۔"

"برادرانہ لوپو؟"

"ہاں۔"

"تو مجھے بتاؤ کہ لوپو کون ہے؟"

"دیکھو میں تنظیم میں شامل نہیں۔ میں تو حکم کی بندی ہوں جو کہتے ہیں کر دیتی ہوں۔ وہ میرے جسم اور رُوح کے مالک ہیں۔"

"لوپو کون ہے؟"

"میں تمہیں یہی بتانے کی کوشش کر رہی ہوں کہ مجھے علم نہیں۔" نیلوفر نے جواب دیا۔ "میں نے صرف اُس کی آواز سُنی ہے۔ ٹیلیفون پر۔ بدلی ہوئی۔ یقین کرو اگر وہ میرا گاہک بھی بن کر آئے تو میں اُسے پہچان نہ پاؤں گی۔"

"کیا تم زندہ رہنا چاہتی ہو؟" روبی کا لہجہ ایک دم بدل گیا تھا۔

"ہاں۔"

"تب پھر مجھے سب کچھ صحیح صحیح بتا دو۔"

نیلوفر چند ثانیے خاموش رہی جیسے کوئی فیصلہ کر رہی ہو پھر وہ گویا ہوئی۔ "میں ایک مجرم تنظیم کی کال گرل ہوں لیکن میں نے خود کو حکومت کے ایک اعلیٰ اور باعزت عہدیدار کی آڑ میں چھپا رکھا ہے۔ میں اسی معیار کے شہرت یافتہ سرکاری افسران کو پھانستی ہوں۔ انہیں ورغلا کر لے جاتی ہوں اور پھر اُن کی ہر جائز و ناجائز خواہش پوری کرتی ہوں ایسی جگہوں پر خفیہ مووی کیمرے فٹ ہوتے ہیں جو اُن کی حرکات و سکنات کی مکمل فلم تیار کرتے ہیں۔۔۔ تم میری بات سمجھ رہی ہو نا؟"

روبی کو اس بات کا نیلوفر کے تعاقب کے تیسرے ہی دن علم ہو گیا تھا۔ "تو اس میں نئی بات کیا ہے؟" وہ بولی۔

نیلوفر مُسکرا دی۔ "لیکن یہ تمہارے لیے نئی بات ضرور ہو گی کہ قاتل آج رات میرے تعاقب میں کیوں تھے؟"

"بولتی رہو۔" روبی نے اُسے شہ دی۔

"لوپو کے پاس اُس کے اپنے افسر سرز موجود ہیں لیکن وہ عام بزنس کے لیے تنظیم کے لوگوں کو ہی استعمال کرتا ہے۔ میرے شکار کیے ہوئے افراد سے لوپو فائدہ اُٹھاتا ہے جب کہ میں پرویز گھمر کو رپورٹ کرتی ہوں۔ اس کارروائی کے باوجود کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ لوپو اس میں براہِ راست ملوث ہے۔ اُس کے متاثرین۔۔۔"

"جن میں تم بھی شامل ہو؟" روبی نے اُس کا جُملہ کاٹا۔

لڑکی نے اثبات میں سر ہلایا اور مُسکرانے کی کوشش کی لیکن ناکام رہی۔ "عام رُوٹین یہی ہے کہ میں اپنے شکار سے رابطہ قائم کرتی ہوں اور صورتِ حال بتا کر درخواست کرتی ہوں مجھے اسکینڈلز کی زد میں آنے سے بچا لے۔ یہ محض ایک پریشر پوائنٹ ہوتا ہے لیکن کبھی کبھار یہ ٹکا بھی چل جاتا ہے۔ بعض لوگ سادہ لوحی سے بلیک میل ہو جاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ واقعی وہ ایک عورت کی عزت بچا رہے ہیں بہرحال قصہ۔۔۔"

"لیکن گھمر کے آدمیوں نے تم پر حملہ کیوں کیا؟"

"میں اُسی طرف آ رہی ہوں۔ یہ سارا بزنس اُس وقت شروع

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ہوا جب لوپو سین میں آیا۔ اس سے پہلے میرا جاب سوفیصد ایڈمنسٹریٹو روٹین، رابطے۔ ادائیگی کرنے اور لابنگ پر مشتمل تھا لیکن لوپو اس شہر پر طاعون کی طرح حملہ آور ہوا۔ اُس نے یہ طریقہ اپنایا اور ایسے لوگوں کو اپنی لسٹ پر رکھا جنہیں وہ کسی اور طرح خرید نہیں پائے تھے۔ چھان بین کے بعد یہ فہرست میرے حوالے کر دی گئی۔

"اس میں کتنے لوگ شامل ہیں؟"

"پوری تعداد کا تو مجھے علم نہیں لیکن اب تک میں اپنی ذاتی صلاحیتوں سے اُن میں سے آٹھ کو ٹھکانے لگا چکی ہوں شروع شروع میں تو مجھے اندازہ نہیں تھا کہ اس سارے کام سے اُن لوگوں کا مطلب کیا ہے لیکن اب میں سمجھ گئی ہوں کہ وہ حکومت پر قبضہ کرنے کا منصوبہ بنائے بیٹھے ہیں۔"

روبی اس بارے میں تھوڑا بہت جانتی تھی لیکن مجرموں کی ایک خاص آئیڈیالوجی سے اس بارے میں سُن کر اُس کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ دوڑ گئی۔

"کیا ان آٹھ کے بعد تمہارا کام ختم ہو گیا تھا؟"

"نہیں۔ آج رات کے لیے مجھے کسی اور کی تجویز بننا تھا لیکن نہیں بن سکی۔"

"یہ شکار کون تھا؟"

نیلوفر نے جو نام بتایا اُسے سُن کر روبی کے دیدے پھیل گئے۔ "یعنی صدارتی محل والا...؟"

نیلوفر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ "انتظامیہ کا ایک اہم نوجوان۔ صدر کا پسندیدہ عہدیدار۔ ہم کوئی دو ہفتوں سے اُس پر کام کر رہے تھے۔ آج رات میں اُسے گھیرنے والی تھی لیکن جا نہیں سکی۔"

"کیا تم واحد لڑکی ہو جو اس مکروہ کھیل میں شریک ہے؟"

"مجھے یقین ہے کہ صرف میں نہیں۔ لیکن میرے ذمے صرف بڑے بڑے لوگوں کو سانچے میں اُتارنا ہے کیونکہ اپنی حیثیت کے لحاظ سے میں یہ کام بآسانی کر سکتی ہوں۔ دارالحکومت میں مجھے اہرمن کی وجہ سے عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے وہ لوگ بآسانی میرے جھانسے میں آ جاتے ہیں جو کسی پیشہ ور کال گرل کے پاس نہیں جانا چاہتے لیکن اپنا مقام برقرار رکھتے ہوئے عیاشی کرنا چاہتے ہیں۔"

"لیکن ان تمام باتوں میں تمہارے خلاف کارروائی کا کوئی ذکر نہیں۔" روبی نے کہا۔ "تمہاری باتوں سے یہی مطلب اخذ کیا جا سکتا ہے کہ تم بھی اس ٹیم کی ایک اہم رکن ہو۔ میں نہیں سمجھتی کہ وہ کسی عام سی وجہ کو بنیاد بنا کر تمہیں راستے سے ہٹانے پر تل گئے ہوں گے۔"

"معاملہ واقعی اتنا غیر اہم نہیں تھا۔" نیلوفر نے اُس سے اتفاق کیا تھا۔ "میں نے اپنے شکار کو پھنسایا ضرور تھا لیکن اُسے اپنے پچھلے آٹھ متاثرین کی فائل بھجوا دی تھی اور وہ فائل مکمل کے آدمیوں کے ہاتھ لگ گئی... باقی تم جانتی ہی ہو۔"

"ہوں۔" روبی خاموش ہو گئی۔ وہ اب بھی آئندہ حکمت عملی ترتیب دے رہی تھی۔

"ہم اب یہاں سے کہاں جائیں گے؟" خاموشی کا وقفہ طویل ہونے لگا تو نیلوفر نے ہی دریافت کیا۔

"بہت دُور۔" روبی نے جواب دیا۔ "تم تیاری کر لو۔"

نیلوفر نے اثبات میں سر ہلایا اور اُٹھ کر اپنے کپڑے وغیرہ سمیٹنے لگی جب کہ روبی کھڑکی کے پاس جا کر کھڑی ہو گئی۔ اُسے پارکنگ لاٹ یہاں سے صاف دکھائی دے رہا تھا۔

نیچے کچھ گڑبڑ تھی۔ روبی ابھی صحیح طور پر اندازہ بھی نہ لگا پائی تھی کہ نیلوفر بھی اُس کے برابر آ کھڑی ہوئی۔ اُس نے روبی کی نظروں کے تعاقب میں پارکنگ لاٹ کی طرف دیکھا لیکن پھر ایک جھٹکے سے پیچھے ہٹ گئی۔

ایک لمبی کار، پارکنگ میں آ کر رُکی اور اُس میں سے پانچ افراد نیچے اُترے۔ دو کے پاس تیز دھار خنجر اور ایک کے پاس شاٹ گن تھی۔

"کیا تم نے انہیں بُلایا تھا؟" روبی نے پوچھا۔

"اوہ نو!" نیلوفر نے فوراً جواب دیا۔

روبی نے اُس کی بات پر یقین کر لیا لیکن اُسے حیرت ضرور تھی۔ اُسے توقع نہیں تھی کہ حکومتی گروہ مکمل کے مکان کے سامنے چھوڑ آئی تھی اس کا اتنی جلدی ردِعمل ہو گا۔ اُسے یہ بھی یقین تھا کہ کار سے اُترنے والے نیلوفر کے لیے نہیں آئے ہوں گے۔

دوسری طرف... اگر نیلوفر نے اپارٹمنٹ سے اُس کی غیر موجودگی کے دوران واقعی انہیں نہیں بُلایا تھا تو انہیں روبی کی موجودگی کا علم نہیں ہو گا۔

تب پھر وہ کیوں اور کس کے لیے آ رہے تھے؟

روبی نے فوری فیصلے کے تحت لڑکی کا سوٹ کیس اُٹھایا اور اُسے ساتھ لے کر چھت پر آ گئی۔ نیلوفر اب بھی نائٹ کی لباس میں تھی۔ اُسے اُمید تھی کہ وہ اسی ہوشیاری سے وہ قاتلوں کی

ٹیم کے پہنچنے سے قبل ہی یہاں سے جا سکتی ہیں۔

لیکن کھیل تو ابھی شروع ہوا تھا۔ روبی رنگے ہاتھوں دھر لی گئی تھی اور اب اس کی زندگی کا تمام تر دارومدار فوری اور دُرست فیصلوں پر تھا۔

اُس کے ذہن میں فردوس کی سالمیت کا معاملہ بھی تھا۔ اُسے نیلوفر کی بات رہ رہ کر یاد آ رہی تھی کہ وہ لوگ اقتدار پر قابض ہونا چاہتے ہیں۔ روبی کو اس بارے میں کوئی شُبہ نہ تھا کیونکہ وہ دوسرے مصدقہ ذرائع سے پہلے ہی اس امر کی تصدیق کر چکی تھی۔

روبی نے کھینچ کر نیلوفر کو قریب کر لیا۔

"جو کہہ رہی ہوں اُسے غور سے سُننا کیونکہ اتنا وقت نہیں کہ میں ان ہدایتوں کو دُہراؤں۔ اسے یاد رکھنا کہ اسی بات پر ہم دونوں کی زندگیوں کا دارومدار ہے۔ سب سے پہلے تو یہ کرو کہ ہیگ میں سے کوئی ڈھنگ کا لباس نکال کر پہن لو اور اس کے بعد تم..."

روبی جلدی جلدی اُسے اپنے منصوبے کے بارے میں بتا رہی تھی۔

❀❀❀

اگلی صبح اوشان اور ٹائیگر کرائے کی کار میں ڈاؤن ٹاؤن روانہ ہوئے۔ گرانڈ ایونیو سے ٹائیگر نے گرین بے کراسکیل اور وساؤ ڈیلی ہیرالڈ نامی دو اخبار خرید لیے۔ اوشان نے نہیں دیکھتے ہی بُرا سا مُنہ بنایا تھا۔

"جھوٹ کے پلندے۔" اُس نے تبصرہ کیا۔ "ان میں سوائے قتل و غارت اور اُلٹ سلٹ خبروں کے ہوتا ہی کیا ہے؟"

"تب تو یہ ہمارے بہترین رفیق ہوئے۔" ٹائیگر نے جھٹ کیا۔ "ہمارا کام بھی قتل و غارت گری کے سوا کچھ نہیں اور یہ ہمارے کارناموں کو شائع کرتے ہیں۔"

"لیکن اگر سانجو میں کوئی اخبار نکالنے کی کوشش کرے تو میں اُسے زندہ زمین میں گاڑ دوں۔"

"سانجو کی پسماندگی کی واحد وجہ ہی یہ ہے کہ وہاں کوئی اخبار..."

"نہیں۔" اوشان نے اُس کا جُملہ کاٹا۔ "یہ چیتھڑے سوائے سیاست بازی اور منافقت و منافرت پھیلانے کے اور کچھ نہیں کرتے اور میں کسی کو اپنی سرزمین پر یہ کرنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔"

"تب آپ کو پتھر کے زمانے میں پیدا ہونا چاہیے تھا مائل فادر!" ٹائیگر نے کہا اور اوشان کی مزید بے پر کی سے بچنے کے لیے اخبار کھول لیا۔

دونوں اخبارات کی ہیڈ لائنیں کارل کروگر کی لاش کی دستیابی کے بارے میں تھیں۔ وہ وساؤ سے چند میل شمال میں کچھ فاصلے پر واقع رہائشی لینڈ ایریا کا ڈیری فارمر تھا۔ ڈاکٹر تھورن نے رائے ظاہر کی تھی کہ کروگر اُسی پُراسرار اور خطرناک بیماری کا شکار ہوا تھا جس نے علاقے کے مویشیوں کو نشانہ بنایا تھا۔ کروگر کی لاش اُس کے فارم سے ذرا دُور سڑک کے کنارے کھڑی اُسی کی پک اَپ سے ملی تھی۔

ڈاکٹر تھورن کے بیان کے مطابق بدقسمت ڈیری فارمر کے گلے کو گزشتہ روز ہی جراثیموں کی موجودگی کے باعث ہلاک کیا گیا تھا۔

ٹائیگر نے اخبار تہ کر کے ڈیش بورڈ پر ڈالے اور کار آگے بڑھا دی۔ اوشان نے آنکھیں بند کر کے جسم کو ڈھیلا چھوڑ دیا تھا۔ ٹائیگر نے کن انکھیوں کے ساتھ اُس کی طرف دیکھا لیکن خاموش رہا۔ وہ چاہتا تھا کہ اوشان چُپ ہی رہے تاکہ وہ اطمینان سے ڈاکٹر تھورن کا دفتر تلاش کر لے۔

یو ایس پبلک ہیلتھ سروس کا دفتر چھٹی اسٹریٹ پر جنگل کے قریب واقع تھا۔ عمارت کی دوسری منزل کا پورا کونا اُن کے قبضے میں تھا۔ جب اوشان اور ٹائیگر اندر داخل ہوئے تو استقبالیہ کلرک اُچھل کر اپنی سیٹ سے کھڑی ہو گئی۔ اُس کی نظریں اوشان پر جمی تھیں جو اپنی سبز قبا لہراتا بڑی شان سے اندر داخل ہوا تھا۔

"ایکسکیوزمی!" ٹائیگر نے اُسے اپنی طرف متوجہ کیا تو لڑکی کی نگاہیں اُسی پر جم کر رہ گئیں۔

"مم... معاف کیجیے گا۔ یہ کچھ ورنر کا دفتر نہیں۔" لڑکی نے چند ثانیوں بعد بدحواسی سے کہا۔

"کیا مطلب؟" ٹائیگر نے حیرت سے کہا تو لڑکی یہ سمجھی کہ وہ لوگ انگریزی نہیں سمجھتے۔ چنانچہ اس بار اُس نے نسبتاً آسان الفاظ استعمال کیے۔

"میرا مطلب ہے کہ ہم مُردوں کو دفنانے کا کام بالکل نہیں کرتے۔" لڑکی نے اوشان کو دیکھتے ہوئے کہا۔

ٹائیگر مُسکرا دیا لیکن اوشان نے گھور کر لڑکی کو دیکھا تو اُس نے نگاہیں جھکا لیں۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"کیا تم لوگوں کے ہاں مُردے اپنے قدموں پر چل کر گور کے پاس پہنچتے ہیں؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"نن... نہیں... ایسا تو نہیں ہوتا۔ لیکن ان صاحب کی شاندار صحت دیکھ کر تو یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اگلے کمرے پہنچنے تک یہ اللہ کو پیارے ہو جائیں گے۔"

"تم اس بارے میں فکر نہ کرو۔" ٹائیگر نے اُسے اطمینان دلایا۔ "یہ ماسٹر آف سنانجو ہیں اور پوری ریاست کو موت کے گھاٹ اُتار کر بھی زندہ رہیں گے۔"

"تھینک یو... تھینک یو..." لڑکی کا انداز ایسا تھا جیسے ریاست کو موت کے گھاٹ اُتارنے کی تجویز اُسے بے حد پسند آئی ہو۔

"میرا نام گلبرٹ لیتھم ہے اور میں ایک فری لانس رائٹر ہوں۔" ٹائیگر نے لڑکی کو بتایا۔ "مجھے ڈاکٹر تھورن سے ملنا ہے۔ آپ انہیں بتائیں۔"

"لیکن میری درخواست ہے کہ آپ تنہا ہی ڈاکٹر تھورن کے کمرے میں جائیے گا۔" لڑکی بولی۔

"کیوں؟"

"آپ جانتے ہیں ناکہ آج کل وہ ہلاک اور خطرناک جراثیموں پر ریسرچ کر رہے ہیں اور اب تک کئی سو گائیں ہلاک کر چکے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ وہ انہیں بھی جراثیم زدہ سمجھ لیں اور اُن کا پستول نکل آئے..."

"لڑکی!" اوشان پہلی بار بولا تھا۔ "اب اگر تم نے ایک لفظ بھی کہا تو پہلی موت تمہاری ہوگی۔"

لڑکی اوشان کی آواز سے خوفزدہ ہو کر فوراً کرسی پر بیٹھ گئی۔ اگلے ہی لمحے وہ انٹرکام پر ڈاکٹر تھورن کو ملاقاتیوں کے بارے میں آگاہ کر رہی تھی۔

ڈاکٹر تھورن نے بھی اوشان کو حیران کن نظروں سے دیکھا تھا۔ وہ پوچھنا چاہتا تھا کہ کیا یہ مرد بیچ سے آئے ہیں لیکن بڑی مشکل سے اُس نے اپنی خواہش پر قابو پایا البتہ وہ ٹائیگر کی چوڑی چوڑی کلائیوں اور مضبوط و توانا جسم سے بے حد متاثر ہوا تھا اور اُس نے اس کا اظہار بھی کر دیا تھا۔

"ویسے تم اپنے جثے سے رائٹر تو دکھائی نہیں دیتے مسٹر لیتھم!" اس نے کہا تھا۔

"کیا اس کے سر پر سینگ ہونے چاہئیں تھے؟" ٹائیگر کی بجائے اوشان نے دریافت کیا تھا۔

ڈاکٹر تھورن نے کچھ کہنے کو منہ کھولا لیکن ٹائیگر نے ہاتھ کے اشارے سے اُسے خاموش رہنے کو کہا تھا۔ "یہ میرے اُستاد ہیں اور ریاست سنانجو کے سب سے بڑے اخبار ماسٹر آف سنانجو کے چیف ایڈیٹر ہیں۔ میں نے جرنلزم انہی سے سیکھی ہے لیکن آج کل یہ کچھ سنکی ہو گئے ہیں۔ لہٰذا ان کی بات کا بُرا نہ مانیے گا۔"

اوشان نے کھا جانے والی نگاہوں سے ٹائیگر کو دیکھا کیونکہ ذرا دیر پہلے ہی وہ اخبارات پر اپنا غصہ اُتار چکا تھا اور ٹائیگر نے اُسی کو جرنلسٹ بنا ڈالا تھا۔

ڈاکٹر تھورن دھیرے سے مسکرایا اور ٹائیگر سے مخاطب ہوا۔ "میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں اور ہاں آپ آج کل کس اخبار کے لیے کام کر رہے ہیں؟"

"میں ان دنوں ڈیری کی صنعت کے بارے میں ایک تحقیقی مقالہ لکھ رہا ہوں اور آپ سے ریاست میں ہونے والے بعض موجودہ واقعات کے متعلق بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"مگر اس سلسلے میں پریشانی کی تو کوئی بات نہیں بس بعض مویشی کسی خطرناک بیماری کا شکار ہو گئے ہیں۔"

"ہں بیماری کی نوعیت کیا ہے؟"

تھورن نے کندھے اُچکائے اور دونوں ہتھیلیاں پھیلا کر لہراتا ہوا بولا۔ "سچی بات تو یہ ہے کہ میں اس بارے میں کوئی حتمی بات نہیں کہہ سکتا۔"

"لیکن کیا آپ نے ایسے نمونے حاصل نہیں کیے جن پر لیبارٹری میں تحقیقی کام ہو سکتا۔"

"ہاں، لیے تو ہیں۔ لیکن ابھی کسی قسم کے نتائج سامنے نہیں آئے۔ وہ کہتے ہیں کہ بیکٹریا کی کوئی قسم ہے مگر اُن کی شناخت نہیں ہو پائی۔" اُس نے قہقہہ لگایا جیسے کوئی مذاق کر رہا ہو۔ "بعض سائنسی ماہرین کا کہنا ہے کہ یہ جراثیمی جنگ کی کوئی شکل ہے۔"

تھورن نے غیر ارادی طور پر ٹائیگر کو ایک کلپ دے دیا تھا جس کا وہ متلاشی تھا۔ "آپ ڈوگ وے پر واقع جیکٹ سے بھی تو منسلک رہے ہیں؟"

کیرنگٹن تھورن ایک لمحے کے لیے ساکت ہو گیا۔ اُس نے آنکھیں سکیڑ کر ٹائیگر کو دیکھا اور سرد سی آواز میں بولا۔ "وہ میری جوانی کا زمانہ تھا۔ میں نے ڈوگ وے میں اے بی سی پریس جیکٹ کے لیے کام کیا تھا۔"

"کیا آپ کے موجودہ منصوبے کا سابقہ ذمے داریوں سے کوئی تعلق نہیں بنتا؟"

"ایسی کوئی بات کہی نہیں جا سکتی۔"

"تو پھر آپ ڈیری فارمرز کے اطمینان کے لیے کیا اقدامات کر رہے ہیں۔ انہیں خطرہ ہے کہ کہیں طاعون کی یہ وبا وسکانسن سے باہر نہ چلی جائے۔"

"اس کا کوئی امکان نہیں نوجوان۔ ہم اس سلسلے میں سخت اقدامات کر رہے ہیں۔"

"اوہ! اسی طرح کی معلومات کا تو میں متلاشی تھا۔ یہ فارمرز" ٹائیگر نے تھورن کو بے چینی سے پہلو بدلتے دیکھا۔ "کروگر؟ وہی جو اپنے ٹرک میں مُردہ پایا گیا ہے۔ آپ مجھے اس کے بارے میں کیا بتا سکتے ہیں؟"

ایک بار پھر تھورن کا جسم تن گیا۔ "نو کمنٹ۔" اُس کی غراہٹ سے مشابہ آواز اُبھری۔ "جو کچھ میں نے پریس کو ریلیز کیا ہے اُس سے زیادہ کچھ نہیں بتایا جا سکتا۔"

"لیکن یہ تو معلوم ہو سکتا ہے کہ کیا وہ ان جراثیموں کے براہِ راست حملے کا پہلا متاثرہ شخص ہے؟"

"نو کمن... اوہ میرا خیال ہے کہ اس سے کوئی خاص فرق نہیں پڑے گا۔ میری معلومات کے مطابق وہ پہلا آدمی ہی ہے لیکن ابھی ہم اس بارے میں کوئی اندازہ نہیں لگا پائے کہ وہ بھی اُسی طرح مارا گیا ہے جس طرح مویشی مرے ہیں۔ اس بارے میں البتہ کوئی شک نہیں کہ وہ لوگ گایوں کا دودھ استعمال کرتے تھے۔ اُس کے گلے کو گزشتہ روز ہی گولی ماردی گئی تھی۔"

ٹائیگر نے اتفاقی انداز میں سر کو جنبش دی۔ "کیا آپ نے ان امکانات کا جائزہ لے لیا ہے؟"

"میں نے آج وہاں جانے کا ارادہ کیا تھا لیکن..." تھورن نے رُک کر میز پر رکھے ہوئے کاغذات کے ڈھیر کی طرف اشارہ کیا۔ "کام اتنا زیادہ ہے کہ میں نے ایک نائب کو اس کے لیے مقرر کر دیا ہے۔"

"اوہ!" ٹائیگر نے لب بکیڑے۔

"کاہیاں آدمی ہے۔" اوشان نے سرگوشی کی لیکن اسے تھورن کے فرشتے بھی نہیں سُن سکے تھے۔

ٹائیگر نے سُنی ان سُنی کرتے ہوئے اور بھی بہت سے سوالات کیے تھے۔ نصف گھنٹے بعد وہ دونوں اُس کے دفتر سے روانہ ہو گئے۔

ڈائجسٹوں کے مقبول ترین سلسلے

جن کا آپ کو انتظار تھا

کتابی شکل میں شائع ہو گئے ہیں

سرکش (۱۲ حصے) محمود احمد مودی ۷۲۰/-

ٹائیگر (۱۳ حصے) مشتاق احمد قریشی ۷۸۰/-

خلیفہ (۵ حصے) انوار صدیقی ۲۵۰/-

درخشاں (۲ حصے) انوار صدیقی ۱۰۰/-

روگی (۵ حصے) م. الف صدیقی ۳۰۰/-

دہشت گرد (۴ حصے) سلیم فاروقی ۲۰۰/-

سرفروش (۲ حصے) اظہر کلیم ۱۲۰/-

شہباز (۲ حصے) اظہر کلیم ۱۲۰/-

انسان اور شیطان (۲ حصے) محمد فراز ۱۵۰/-

مکتبہ القریش اردو بازار لاہور

فون: 7668958

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"آپ کا تھورن کے بارے میں کیا خیال ہے؟" راستے میں ٹائیگر نے اوشان سے دریافت کیا۔

"جن تمہارے سسرالی رشتے داروں کا ذکر ہوں۔ ننھیالی رشتے داروں کا نہیں۔" اوشان نے بے رُخی سے جواب دیا۔

"میں نہایت سنجیدگی سے دریافت کر رہا ہوں۔"

"مجھے پہلے اس سوال کا جواب دو کہ تم نے جرنلسٹ کی حیثیت سے میرا تعارف کیوں کرایا تھا؟"

"یہ تو بڑے اعزاز کی بات ہے لٹل فادر!"

"جرنلسٹ ایڈز کے مریض سے بھی بدتر ہوتا ہے۔" اوشان نے کھٹ سے جواب دیا۔ "آئندہ اگر تم نے ایسی کوئی حرکت کی تو میں بھی تمہارا تعارف روبی کے ہونے والے شوہر کی حیثیت سے کراؤں گا۔"

روبی! ٹائیگر کو اچانک ہی وہ چُلبلی سی لڑکی یاد آگئی جو اُس کا ناک میں دم کیے رکھتی تھی۔ بہرام کے مطابق وہ فرودس میں تھی۔ جانے کس حال میں ہوگی؟ اُس نے سوچا کہ وہ بہرام سے پتا کرے گا لیکن پھر خود ہی اُس نے اپنا خیال مسترد کر دیا۔ وہ اسے اپنے دل و دماغ پر حاوی نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"اُس کا نام نہ لیں لٹل فادر! مجھے یوں لگ رہا ہے جیسے میری ناک میں مرچوں کا بُرادہ گھس گیا ہو۔"

"تمہارے چہرے کے تاثرات، دل و دماغ کا ساتھ نہیں دے رہے۔" اوشان نے غور سے اُسے دیکھا۔

ٹائیگر نے بُرا سا منہ بنایا۔ "اس وقت تو اُس کا نام بھی نہ لیں۔ مجھے ابھی بہت سے کام کرنے ہیں۔"

"لیکن میں فی الحال کوئی کام کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا۔"

"کیوں؟"

"میرا پسندیدہ اوپیرا شروع ہونے والا ہے۔ اس لیے مجھے ہوٹل چھوڑ دو۔"

ٹائیگر نے کسی اعتراض کے بغیر گاڑی کا رُخ ہوٹل کی طرف موڑ دیا۔ اوشان خاموش ہی تھا جب کہ ٹائیگر کا ذہن ڈاکٹر تھورن میں اُلجھا ہوا تھا۔ اُسے تھورن سے بات کر کے محسوس ہوا تھا کہ دال میں کچھ کالا ضرور ہے۔ جب اُس نے کروگر کا ذکر کیا تھا تو تھورن میں واضح تبدیلی پائی گئی تھی۔ ایک سرکاری ملازم کی حیثیت سے جو اپنے فرائض انجام دے رہا ہو۔ اُسے ایسے ردِعمل کا اظہار نہیں کرنا چاہیے تھا۔

ٹائیگر نے اوشان کو اُس کے کمرے میں چھوڑا اور اوشان نے فوراً ہی ٹی وی آن کر لیا۔ اوپیرا شروع ہونے میں چند ہی منٹ باقی رہ گئے تھے۔ ٹائیگر اپنے کمرے میں آیا اور سب سے پہلے چارہ گر کے نمبر ڈائل کیے۔ ڈاکٹر بہرام اپنی سیٹ پر موجود تھا لیکن وہ تھورن کے بارے میں کوئی نئی بات نہ بتا پایا تھا۔

البتہ شمال مغربی لوزیانا میں بھی گوالوں اور ان کے گوشت میں ایک قسم کی بیماری کی خبر ضرور ملی تھی۔ جنوبی الی نوائس سے بھی اسی طرح کی اطلاعات موصول ہوئی تھیں۔ ڈاکٹر تھورن نے ٹائیگر کو یقین دلایا تھا کہ طاعون پر قابو پا لیا گیا ہے اور اسے پھیلنے سے روک دیا گیا ہے۔ ٹائیگر کے ذہن میں یہی بات آئی تو وہ ڈاکٹر بہرام سے مخاطب ہوا۔

"کیا آپ کسی ایسے طریقے کی نشاندہی کر سکتے ہیں جس سے یہ بیماری فوری طور پر پھیل سکتی ہو؟"

"ابھی کچھ کہا نہیں جا سکتا۔"

"اس علاقے کے بارے میں کوئی اور اہم بات؟"

ڈاکٹر خاموش ہو گیا۔ شاید وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ چند ثانیے بعد وہ بولا۔ "اس علاقے کے بارے میں تو کوئی اہم بات نہیں۔ البتہ ایک مضمون میرے ذہن میں آ رہا ہے ممکن ہے اس سے تمہارے لیے کوئی خاص شے سامنے آ جائے۔ 1976ء میں امریکن ہسٹری اسٹریٹیڈ کے دسمبر/جنوری میں برٹ ویبر کا ایک مضمون شائع ہوا تھا جو دوسری جنگ عظیم میں جاپانیوں کے بم بردار غباروں کے بارے میں تھا۔ اگر تمہیں اس مضمون کی کوئی کاپی مل جائے تو شاید وہ تمہارے بہت سے مسائل حل ہو جائیں۔"

"غبارے؟" ٹائیگر نے حیرت سے دُہرایا۔ اُسے اچانک کل رات والا واقعہ یاد آ گیا تھا۔ "ایک منٹ، سویٹ ہارٹ! لیک ڈسٹرکٹ فلیمبو کے رہنے والوں نے آسمان پر بڑی تعداد میں موسمیاتی غبارے پرواز کرتے دیکھے ہیں۔ اخباری خبروں نے اس کی تصدیق کی ہے۔ گزشتہ رات میں نے بھی تین غباروں کو پرواز کرتے دیکھا ہے اور وہ مجھے عام سے غبارے نہیں لگ رہے تھے۔ پھر آج تھورن نے منستے ہوئے کہا تھا کہ کچھ لوگوں کے خیال میں اس بیماری کا تعلق جراثیمی جنگ سے ہے۔ اگر ایسی بات ہے بھی تو عجیب ہے۔ بھلا کوئی ایسا کیوں کرے گا؟ کیا یہ ممکن ہے؟"

"میں نے جس مضمون کا تذکرہ کیا ہے اُس کے مطابق جاپان سے چھوڑے جانے والے غباروں کو تیز رفتاری سے اوقیانوس عبور کرنے کے لیے استعمال کیا گیا تھا۔ کچھ تو گر کر تباہ ہو گئے

جب کہ بعض کو صحیح حالت میں تلاش کر لیا گیا تھا۔ سالوں تک یہ بات خفیہ رہی تھی لیکن مجھے افسوس ہے کہ میں اس بارے میں کچھ زیادہ نہ بتا پاؤں گا۔"

"بہرحال میرے لیے یہ ایک اسٹارٹ ہے۔ ڈاکٹر! ممکن ہے تھورن واقعی کسی ملک دشمن کارروائی میں ملوث ہو۔" ٹائیگر نے الوداعی کلمات ادا کر کے فون بند کر دیا۔

اس کا ذہن اب غباروں میں اُلجھ گیا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر وہ استعمال کیے جا رہے ہیں تو ان سے سمت کا اندازہ کس طرح لگایا جاتا ہوگا؟ امکان یہی تھا کہ تھورن اس میں ملوث ہے۔ اس نے اوشان کے کمرے میں جھانک کر دیکھا۔ وہ بدستور ٹی وی دیکھ رہا تھا۔ ٹائیگر چپکے سے باہر نکل آیا۔ اس کا رُخ وساؤ کے مرکزی علاقے میں واقع لائبریری کی طرف تھا۔ اُسے اُمید تھی کہ وہاں اُسے غباروں سے متعلق کوئی مواد ضرور مل جائے گا۔

توقعات کے عین مطابق اُسے وساؤ لائبریری میں امریکن ہسٹری اسٹریٹیڈ کی کاپی مل گئی۔ برٹ ویبر کا مضمون "دی بامبنگ آف نارتھ امریکہ" اس کے تصور سے بڑھ کر دلچسپ اور معلومات افزا ثابت ہوا تھا۔ جاپانیوں کے اس پروجیکٹ کا خفیہ نام فوگو یا ونڈ شپ دیا گیا تھا۔ اس مضمون کے ایک پیراگراف نے ٹائیگر کی توجہ اپنی طرف مبذول کرا لی تھی۔

"امریکہ کو ابتدائی دھمکیاں ملی تھیں اُن کے پیشِ نظر تحقیقات کرنے والوں کا خیال تھا کہ یہ غبارے بائیولوجیکل ایجنٹ ہیں۔ یعنی ان سے امریکہ میں بیماریاں پھیلانے کے لیے جراثیمی وارفیئر کا کام لیا جا رہا ہے۔ متعدد ویسٹرن (اور بم) ریکوری ٹیمیں بنائی گئیں جن میں انٹیلی جنس افسران، ڈیفنس اور کیمیکل وارفیئر ایکسپرٹس شامل تھے۔ یہ ٹیمیں خاص قسم کے غلافی سوٹوں میں ملبوس ہوتی تھیں اور ہر کام خاص قسم کے اوزاروں سے کرتی تھیں۔ ان غباروں سے ملنے والے تمام جاپانی شیرپل کو نہایت توجہ سے چیک کیا گیا حتیٰ کہ برفانی علاقوں سے ملنے والے غباروں میں بھی ہوئی برف کو بھی لیبارٹری میں بھیجا گیا لیکن ان میں کسی قسم کے جراثیموں کا سراغ نہیں مل سکا۔

اس کے بعد 1963ء میں جنرل کوساباوا م 1964ء اور 1965ء میں تنا کا سے ہونے والے انٹرویوز میں بھی یہ بات سامنے آگئی کہ جاپانیوں نے غباروں کو جراثیمی جنگ کے لیے استعمال نہیں کیا تھا لیکن آئیڈیا بُرا نہیں تھا۔ تنا کا کے مطابق اُس وقت تک کوئی ایسا طریقہ دریافت نہ کیا جا سکا تھا جس کے ذریعے اتنی زیادہ بلندی پر پرواز کرنے والے غباروں میں جراثیموں کو جنگ سے بچایا جا سکتا۔"

ٹائیگر کو یہ بتا بھی چلا کہ تقریباً چھ ہزار غبارے چھوڑے گئے تھے۔ ان میں سے 342 غبارے الاسکا، کینیڈا، امریکہ اور میکسیکو سے برآمد ہوئے تھے۔ جنگ کے بعد اس قسم کے تیرہ مزید واقعات ریکارڈ پر تھے۔

ایک لحاظ سے دیکھا جائے تو غباروں کے ذریعے بیماری پھیلانے کا پروگرام خارج از امکان تھا لیکن اگر 1944ء میں زیادہ بلندی پر پرواز کرنے والے غباروں میں جراثیم بھیجنے کا کوئی طریقہ دریافت نہیں ہو سکا تھا تو ضروری نہیں تھا کہ اس وقت جب کہ دُنیا کہیں زیادہ ترقی کر چکی تھی۔ کوئی طریقہ دریافت نہ کیا جا سکا ہو۔

ممکن ہے ڈاکٹر تھورن یا اُس کی ٹیم کے کسی رُکن نے اس منصوبے پر کام کیا ہو اور کامیاب ہو گیا ہو۔ نسبتاً کم بلندی پر پرواز کرنے والے غباروں کے ذریعے تو یہ کام ممکن تھا۔ ٹائیگر کو اپنا یہ خیال مستحکم محسوس ہوا۔ اُس نے رسالہ واپس لائبریرین کو دیا اور لائبریری سے باہر نکل آیا۔ اُس کا رُخ جیفرسن اسٹریٹ کی طرف تھا جہاں اُس نے اپنی کار پارک کی تھی۔

جونہی وہ پیدل چلنے والوں کے کراس وے میں داخل ہوا اُسے احساس ہوا کہ کوئی اُس کے تعاقب میں ہے۔ کون اُس کے تعاقب میں تھا اور کیوں؟ اُس نے اس راز پر سے پردہ ہٹانے کا فیصلہ کر لیا۔

ٹائیگر نے اپنا رُخ بدل دیا۔ اب وہ اپنی کار سے دُور ہوتا جا رہا تھا۔ ایک جگہ وہ چھوٹی سی دُکان میں داخل ہوا اور چند ہی ثانیوں بعد باہر نکل آیا۔ دو افراد جو عام سا لباس پہنے ہوئے تھے شاید اُس کی غیر متوقع واپسی کے لیے تیار نہ تھے۔ انہوں نے ٹائیگر کو دیکھتے ہی پیچھے کی کوشش کی لیکن وہ اُن کی جھلک دیکھ چکا تھا۔

*

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

وہ اپنے آپ کو بھیڑیوں کے نام سے مخاطب کرتے تھے اور جس طرح کا کام وہ انجام دیتے تھے اُس کی روشنی میں یہ نام ان پر بالکل فٹ بیٹھتا تھا۔ اُن کے سربراہ کا نام فرزند بہبلوان تھا۔ یہ اکتیس سالہ سابق فوجی تھا اور گلستان کے جرائم پیشہ حلقے میں اسے فرزی گنگو کے نام سے پہچانا جاتا تھا۔

یہ ایک جانا پہچانا گروہ تھا اور اس وقت بڑے اہم کام پر نکلا تھا۔ ان میں سے صرف فرزی گنگو ہی دارالحکومت کی جرائم پیشہ تنظیموں کا باقاعدہ رُکن تھا۔ باقی چار اُس کے ذاتی ملازم تھے اور صرف اُسی کو جوابدہ تھے۔

فرزی نے انہیں، اُن کے ذاتی تجربے، قابلیت اور ذہانت کی بُنیاد پر منتخب کیا تھا۔ اُن کا شمار ایسے قاتلوں میں ہوتا تھا جو کسی بھی سرحلے پر آپے سے باہر نہیں ہوتے تھے۔

وہ سب سابق فوجی تھے۔

رامن۔ جسے بندو کہا جاتا ہے۔ نیوی سے نکالا ہوا طاح تھا۔ اس کے علاوہ وہ اسلحے کا ماہر اور کار دوڑانے کا ماسٹر تھا۔ اٹھائیس سالہ بندو گردیپ کے ڈرائیور اور ماہر اسلحہ کی حیثیت سے خدمات انجام دیتا تھا۔

دوسرا شخص بلدیو تھا۔ بہت کم لوگ اُس کے اصل نام سے واقف تھے۔ اپنے حلقے میں وہ پاگل کے نام سے مشہور تھا۔ وہ کسی زمانے میں آرمی رائفل کمپنی میں ہوا کرتا تھا۔ وہ ایک ماہر نشانہ باز تھا اور زیادہ تر تنہا کام کرنے کا عادی تھا۔ اُس کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ وہ ایک بار جس شے کا نشانہ لے لے اُس کا بچنا محال ہوتا تھا۔

باقی دو کے نام بابی اور ڈانو تھے۔ ان کا تعلق ائر فورس سے رہا تھا۔ دونوں نے مشترکہ طور پر ائر فورس پولیس کی ٹریننگ لی تھی اور اس وقت سے ہی دوستی نبھا رہے تھے کیونکہ یہ خاصے طویل قامت اور شرزور تھے۔ وہ ہتھیاروں سے زیادہ اپنے بازوؤں پر بھروسہ کرتے تھے۔

گروہ فوجی انداز میں کام کرتا تھا اور ہر کوئی اپنی ذمے داریوں سے بخوبی آگاہ تھا۔ کسی مشن کے دوران زبانی ہدایات کی ضرورت نہیں پڑتی تھی بلکہ ہر شخص روبوٹ کے سے انداز میں کام کرتا تھا۔ ان کے ہر فعل میں تیزی ہوتی تھی تاکہ وقت بالکل ضائع نہ ہو۔ نیلوفر وتالی کے مکان پر اُن کے چھاپے میں بھی ان کی یہی کوشش تھی کہ وقت ضائع نہ ہو۔

بندو نے جونہی گاڑی کھڑی کی، چاروں دروازے بیک وقت کھلے اور تمام بھیڑیے باہر نکل آئے۔ فرزی گنگو اور بندو اگلے دروازوں سے اور باقی تین عقبی دروازوں سے نکلے تھے۔ بندو کے ہاتھ میں ڈبل بیرل شاٹ گن تھی جسے اُس نے خود تیار کیا تھا۔ وہ اندھیرے میں رینگ گیا اور دفاعی پوزیشن لے لی جہاں سے وہ اپنی گاڑی کی نگرانی کر سکتا تھا۔

گنگو اور پاگل بلدیو۔ تھا پسن سب مشین گنیں لیے مخالف سمتوں کو چل دیے جب کہ بن مانسوں کی جوڑی نے دونوں اطراف سے خود اندر داخل ہونے کا فیصلہ کیا۔

ان کے لیے یہ معمول کی کارروائی تھی۔

دو منٹ بعد بلدیو سامنے کے دروازے پر نمودار ہوا اور اُس نے ہاتھ کے اشارے سے اپنے چیف کو بُلایا۔ گنگو عمارت کے اندھیرے سائے میں سے نکل کر شیر بھیوں کی طرف بڑھ گیا۔

"وہ یہیں ہیں"۔ بن مانس نے سرگوشی میں اپنے باس کو بتایا۔ "لیکن اس وقت گھر میں نہیں۔ وہ خالی ہے۔ البتہ باتھ روم میں خون کا سمندر بہہ رہا ہے"۔

گنگو نے نروس سا ہو کر اپنے بالوں میں ہاتھ پھیرا اور جواب دیا۔ "لعنت ہو۔ بھلا اُسے ہمیں بھیجنے میں اس قدر تاخیر کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ ڈانو کہاں ہے؟"

"چھت کا جائزہ لینے گیا ہے۔ میرے نزدیک یہ وقت کا ضیاع ہے۔ وہ بہت دیر پہلے ہی یہاں سے جا چکے ہیں"۔

"تب تم بھی اُس کی مدد کو جاؤ۔ ہم تمہیں یہاں سے کور دیتے ہیں"۔ چیف نے اُسے حکم دیا۔

بن مانس نے اپنے سر کو اثباتی جنبش دی اور عمارت کے اندر داخل ہو گیا۔

بھیڑیوں کا سربراہ اپنی پوزیشن پر واپس آگیا اور اپنی ایس ایم جی عمارت کے دروازے کی طرف تان کر پہرہ دینے لگا۔ ابھی اُسے پوزیشن لیے چند سیکنڈ ہی گزرے تھے کہ بلندی سے کوئی شے گرتی دکھائی دی۔ فوراً ہی دھپ کی آواز سُنائی دی اور اُس کے عقب میں چند قدم کے فاصلے پر زمین سے آ ٹکرائی۔

گنگو نے کسی عقاب کی مانند اپنے دیدے اِدھر اُدھر گھمائے تاکہ کسی بھی غیر معمولی حرکت کا جائزہ لے سکے لیکن جب اُسے کچھ نظر نہیں آیا تو وہ گرنے والی شے کی طرف بڑھا۔ قریب جا کر ایک لمحے کے لیے تو وہ بالکل ساکت ہو گیا۔ زمین پر ڈانو بکھرا ہوا تھا۔

اُس کا سر پھٹ گیا تھا اور بھیجا دُور دُور تک بکھرا ہوا تھا۔ آنکھیں کھلی تھیں لیکن وہ کسی کو دیکھ نہیں رہی تھیں اور نہ ہی وہ آئندہ کسی کو دیکھ سکتی تھیں۔ گنگو نے اپنے ساتھی پر جُھک کر دیکھا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ اُس کی موت چھت سے گرنے کے باعث واقع نہیں ہوئی تھی۔ نائلون کی ایک پتلی سی رسّی اُس کی گردن میں پیوست تھی۔ اُسے گلا گھونٹ کر مارا گیا تھا اور پھر پانچ منزلہ عمارت کی چھت سے نیچے لڑھکا دیا گیا تھا۔

گنگو کو اُس کی موت پر حیرت تھی۔ اس بات پر نہیں کہ وہ مر گیا تھا۔ مرنا تو ہر ایک کو تھا۔ اُسے اس بات پر حیرت تھی کہ چھت پر کتنے افراد موجود ہیں جنہوں نے اس شرزور کو گلا گھونٹ کر ہلاک کیا اور پھر نیچے پھینک دیا۔

پیشہ ورانہ زندگی میں آنے کے بعد پہلی بار گنگو کو ایک عجیب طرح کا خوف محسوس ہوا تھا۔ بھیڑیوں کے سربراہ کو اپنا موجودہ مشن بھی مشکوک لگنے لگا تھا۔ وہ تیزی سے عمارت کے کونے کی طرف بڑھا اور بندو کو اشارے سے اپنی طرف بلانے لگا۔

"کسی نے ڈانو کو گلا گھونٹ کر مار ڈالا اور پھر چھت سے نیچے پھینک دیا"۔ گنگو نے اُسے بتایا۔ "دوسرا بن مانس ابھی وہیں ہے... زندہ یا مُردہ۔ میں نہیں جانتا۔ بلدیو کو بتاؤ کہ ہم اُوپر جا رہے ہیں۔ اُسے واپس لانے کے لیے۔ تم کار تیار رکھو"۔

بندو نے اثبات میں سر ہلایا اور عمارت کے عقبی حصے کی طرف دوڑ لگا دی جبکہ گنگو چیف کا حکم پہنچا کر واپس کار کے پاس آ گیا۔

گنگو اور بلدیو ابھی عمارت کے صدر دروازے پر ہی تھے کہ ایک عورت عقبی دروازے سے برآمد ہوئی۔ اُس نے جینٹ سوٹ پہن رکھا تھا جب کہ ہاتھ میں سوٹ کیس تھا۔ سر پر اسکارف تھا جس کی گانٹھ ٹھوڑی کے نیچے لگی تھی۔

بندو لڑکی کو غور سے نہیں دیکھ سکا تھا۔ نہ ہی وہ خاص طور سے اس میں دلچسپی لینا چاہتا تھا۔ لڑکی عقب میں کھڑی ایک کار تک پہنچی اور اُسے ڈرائیو کرتی ہوئی عمارت کے دُور افتادہ کونے کی طرف چل دی۔

کار کے قریب اندھیرے میں اُوپر سے کوئی شے گری کار کا دروازہ پھُرتی سے کھُلا اور بند ہوا اور کار بلا تاخیر آگے کی جانب روانہ ہو گئی۔

بندو نے ایک ثانیے کے لیے صورتِ حال پر غور کیا پھر اُچھل کر اُس کار میں بیٹھا جس میں وہ یہاں تک پہنچا تھا اور زور زور سے ہارن بجانے لگا۔

چند ہی سیکنڈ بعد فرزی گنگو اور پاگل بلدیو عمارت کے عقبی راستے سے باہر نکلتے دکھائی دیے۔ بندو نے انہیں وہیں سے لیا تھا۔

"کیا ہے؟" گنگو غرّایا۔ شاید وہ اس بے وقت مداخلت پر برہم تھا۔

"ایک لڑکی عمارت سے باہر آئی تھی"۔ بندو نے جلدی جلدی لفظ ترتیب دیے۔ "لیکن میں نے اس پر کوئی خاص توجہ نہیں دی۔ وہ اُدھر کھڑی پورشے میں جا بیٹھی اور اُسے چلا کر کونے تک لے گئی۔ کوئی شخص کہیں سے سڑک پر گودا اور کار میں بیٹھ گیا۔ کار انہیں لے کر فوراً ہی روانہ ہو گئی تھی اس لیے میں گھورنے والے کو صحیح طور پر نہیں دیکھ سکا لیکن یہ شک سا ضرور ہے کہ وہ بھی کوئی عورت ہی تھی"۔

"لیکن میں نے تو کسی لڑکی کو باہر آتے نہیں دیکھا"۔ بلدیو نے اپنی صفائی پیش کی۔ عقبی حصے کی حفاظت اُسی کے ذمے تھی اور وہ جانتا تھا کہ گنگو اُسی سے جواب طلبی کرے گا کہ لڑکی اُس کی نظروں میں آئے بغیر باہر کیسے نکلی؟

باقی عمارت کے سامنے والے حصے سے بھاگتا ہوا آیا اور عقبی سیٹ پر گر کر سانسیں درست کرنے لگا جہاں بلدیو پہلے سے موجود تھا۔

"میں نے ایک لڑکی کو چھت سے اُترتے دیکھا ہے"۔ اس کی سانسیں قدرے معمول پر آئیں تو وہ بولا۔ "وہ ایک کار میں سوار ہوئی ہے جس کا رُخ ڈاؤن ٹاؤن کی طرف تھا"۔

بندو گاڑی سے پہلے ہی آگے بڑھا چکا تھا۔ باقی کی رپورٹ سُن کر اُس کا جسم تن سا گیا۔ "ڈانو کے بارے میں کیا خیال ہے؟" اُس نے پوچھا۔

"سامنے روک لینا"۔ گنگو بولا۔

ڈانو کی لاش کے سامنے اُتر کر انہوں نے اپنے ساتھی کی باقیات جمع کیں اور انہیں کار کی ڈکی میں ڈال لیا جس کے بعد باقی ماندہ بھیڑیے آگے روانہ ہو گئے۔

"صرف ایک لڑکی؟" گنگو نے بابی سے دریافت کیا۔ "اُسے جانے کیوں اُس کی رپورٹ ہضم نہیں ہو رہی تھی۔

"میں نے یہی دیکھا ہے۔ درحقیقت میں اُسے پہچان نہیں پایا۔ بس تاریکی میں بڑھتے ہوئے جسم کو دیکھ کر اندازہ ہوا کہ وہ کوئی لڑکی تھی۔ وہ بندر یا پانچ منزلوں سے ڈرین پائپ

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کے ذریعے اُترتی ہے۔"

"ممکن ہے اور بھی ہوں۔" گنگو نے رائے دی۔ "صرف ایک لڑکی تو اتنی جلدی ڈانو کو ہلاک نہیں کر سکتی تھی۔"

"میں نہیں جانتا۔" بندو بولا۔ "بابی کی طرح میں نے بھی صرف سایہ ہی دیکھا تھا اور وہ لڑکی ہی تھی البتہ یہ میں ضرور کہہ سکتا ہوں کہ وہ تنہا تھی۔"

کار میں خاموشی چھا گئی۔ بندو خاموشی سے ڈرائیونگ کر رہا تھا جب کہ بابی کسی گہری سوچ میں مستغرق نظر آ رہا تھا۔ سب سے پہلے گنگو نے اُسی کو مخاطب کیا تھا۔ "تم کیا سوچ رہے ہو؟"

"میں سوچ رہا ہوں کہ گلستاں میں اتنی بہادر لڑکی کون سی ہو سکتی ہے جو تنہا کسی کو قتل کر سکے... میرے ذہن میں ایک نام آ رہا ہے..."

"ہاں میں نے بھی گزشتہ دنوں میں اُس کا خاصا تذکرہ سُنا ہے۔" گنگو نے اپنے ساتھی کی بات کاٹی۔ "مجھے اپنے ذرائع سے پتا چلا تھا کہ وہ ہماری راہ پر لگ چکی ہے لیکن میں نے اُسے درخورِ اعتنا نہیں سمجھا تھا۔ اب خیال آ رہا ہے کہ..."

"وہ روبی ہی ہو سکتی ہے۔" بابی نے اس کا جُملہ پورا کر دیا۔ "کیا خیال ہے؟"

"یہ روبی کون ہے؟" گنگو کے کچھ کہنے سے بندو بول اُٹھا تھا۔

"ایک خفیہ تنظیم کی اہم رُکن ہے۔ جس کا ہیڈ کوارٹر کم از کم فردوس میں نہیں۔" گنگو نے جواب دیا۔ "مقامی سیکرٹ سروس میں میرے بعض انفارمر موجود ہیں۔ اُن کے اعلیٰ ترین سرکاری حلقوں میں بھی خاصے روابط موجود ہیں۔ لیکن وہ بھی لڑکی کے بارے میں اس سے زیادہ نہیں بتا سکے کہ وہ ہے تو فردوسی لیکن صدرِ فردوس نے اُسے خصوصی اختیارات دے کر باہر سے بُلایا ہے تاکہ فردوس میں حکومت کے دشمنوں کو کچل سکے۔ ایک اُڑتی اُڑتی خبر یہ بھی ملی تھی کہ روبی نامی اس لڑکی کو ٹائیگرس بھی کہا جاتا ہے..."

"وہ شیرنی ہے یا بندریا۔" بابی پھٹ پڑا۔ "مجھے تو ہر حال میں اُس کی ضرورت ہے کیونکہ وہ ہمارے ایک ساتھی کی قاتل ہے۔"

"میں تمہارے جذبات کو سمجھ رہا ہوں بابی۔" گنگو نے اُسے سرزنش کی۔ "ڈانو ہم سب کا ساتھی اور ہمیں بے حد عزیز تھا لیکن تم ہمارے قواعد کے بارے میں بخوبی آگاہ ہو۔ ہم فیصلے دلوں سے نہیں دماغوں سے کرتے ہیں۔"

کار میں ایک بار پھر خاموشی طاری ہو گئی۔ بابی کو احساس ہو گیا تھا کہ وہ ڈانو کے معاملے پر ضرورت سے زیادہ جذباتی ہو گیا تھا۔ "مجھے افسوس ہے چیف!" اُس نے تھوڑی دیر بعد معذرت کی تو گنگو نے سرکو انسانی جنبش دے کر اُس کی معذرت قبول کر لی۔

"کیا کار چلانے والی لڑکی اسی شہر سے تعلق رکھتی ہے؟" بندو نے دریافت کیا۔

"ہاں۔" گنگو نے بھاری لہجے میں جواب دیا۔ "اُس کا شوہر ہارون آباد کا ایک بڑا مجرم تھا لیکن وہ ایک مقابلے میں مارا گیا تھا۔"

"تم کہیں سلمیٰ تالی کا ذکر تو نہیں کر رہے؟" بلدیو نے پوچھا۔

"ہاں۔" بھیڑیوں کے سربراہ نے کہا۔

"اوہ! تو وہ نیلوفر ڈنالی تھی۔" بندو نے کہا اور اُن بیک لائٹس پر نظریں جما دیں جو دُور اندھیرے میں چمکتی دکھائی دے رہی تھیں۔ "ارے! کار ورجینیا ایونیو پر مُڑ رہی ہے۔" دفعتاً ہی اُس نے چلا کر اپنے ساتھیوں کو آگاہ کیا۔ "اب دیکھو میں انہیں کس طرح پکڑتا ہوں۔" اُس نے چوراہے سے کار کو توے کے ناویے پر دائیں ہاتھ کو موڑ لیا۔ اندر بیٹھے ہوئے افراد بُری طرح ایک دوسرے سے ٹکرائے تھے۔

"جذبات میں آ کر کہیں انہیں کھو مت دینا۔" گنگو نے عقب پر دوبارہ جم کر بیٹھتے ہوئے تیز لہجے میں کہا۔

"فکر نہ کرو۔" بندو نے قہقہہ لگایا۔ "آج رات اُن دونوں کی آخری رات ہی ثابت ہو گی۔" اس نے چند ثانیے توقف کیا پھر بولا۔ "اسائنمنٹ کا کیا ہو گا؟ پرویز گھمر کے حملے کے بارے میں ہم کیا کریں گے؟"

گنگو غرایا۔ بابی نے مجھے بتایا تھا کہ باتھ رُوم میں خون ہی خون تھا۔ میرے خیال میں ہمیں وہ چوٹ روبی نے ہی دی تھی۔"

"جو کچھ ہوا اُسے بھول جاؤ۔" بابی تیز آواز میں بولا۔ "مجھے صرف ڈانو یاد ہے اور میری خواہش ہے کہ اُس کی قاتلہ کا سر قلم کروں۔"

گنگو اور بندو نے نگاہوں کا تبادلہ کیا۔ گنگو نے ایک طویل سانس لے کر گشت گاہ سے ٹیک لگا لی کیونکہ کار اب ایک اور موڑ مڑ رہی تھی۔ "اوکے بابی!" تھوڑی دیر بعد وہ بولا۔ "صرف سر ہی نہیں۔ وہ لڑکی پوری کی پوری تمہاری ہو

گی۔ اُس کے ساتھ جو چاہے سلوک کرنا۔"

"تم صرف دیکھنا کہ میں اُس کا کیا حشر کرتا ہوں۔" بابی نے ہنستے ہوئے کہا۔

کسی نے کوئی جواب نہیں دیا۔

کچھ دیر کے بعد بندو نے جیسے اعلان کیا۔ "میں نے انہیں پا لیا ہے۔ تم لوگ تیار ہو جاؤ۔"

گنگو کی سب مشین گن کی بیرل کھڑکی سے باہر نکل آئی۔ "مجھے کار سے دس فٹ کے فاصلے تک لے چلو۔" اُس نے ڈرائیور کو حکم دیا۔

"یاد رکھنا کہ وہ میری ہے۔" بابی نے اُسے یاد دلایا۔ "اُسے میرے لیے چھوڑ دو۔"

"اوکے، اوکے۔" گنگو جیسے لہجے میں غرایا۔ "لیکن جذبات میں آ کر اپنی پرانی کارکردگی بھول نہ جانا۔"

"مجھے دیکھتے رہنا۔" بابی نے اعشاریہ بیتالیس کا لوٹ نکال لیا۔ "اور یہ بھی دیکھنا کہ میں روبی کا حشر کیا کرتا ہوں۔"

گنگو کو بابی کی صلاحیتوں کے بارے میں کوئی شُبہ نہ تھا وہ آنکھیں بند کر کے اُس پر اعتماد کرتا تھا لیکن سیکرٹ سروس کے انفارمرز سے اُس نے روبی کے بارے میں جو کچھ سُنا تھا اُس کی روشنی میں گنگو کو یقین تھا کہ وہ بندریا اتنی آسانی سے دھر سکے گی جتنی آسانی سے بابی سمجھ رہا تھا۔

دونوں گاڑیوں کا درمیانی فاصلہ رفتہ رفتہ کم ہوتا جا رہا تھا لیکن بندو ابھی تک اپنی گاڑی کو پورے کے برابر لے جانے میں کامیاب نہیں ہوا تھا۔

"اور تیز کرو۔ گدھے کے بچے!" گنگو ایک دم ہی آپے سے باہر ہو کر دہاڑا۔ بندو نے حیرت سے اپنے باس کو دیکھا لیکن کچھ کہنے کی بجائے ایکسی لریٹر پر دباؤ بڑھا دیا۔

*

ٹائیگر ہونٹوں پر معنی خیز مُسکراہٹ سجائے اُس کونے کی طرف بڑھا جس کے پیچھے تعاقب کرنے والے دونوں افراد نے چُھپنے کی کوشش کی تھی۔ دیوار کے ساتھ لگ کر اُس نے اپنے دونوں ہاتھ آگے بڑھا دیے۔

ایک متعاقب کا گلا اور دوسرے کا بازو اُس کی گرفت میں آیا تھا۔ دونوں ذبح کیے جانے والے بچے کی مانند چلائے تھے۔ انہیں محسوس ہوا تھا جیسے لوہے کا کوئی شکنجہ انہیں جس ڈالنا چاہتا ہو۔ ٹائیگر نے بھی اپنی گرفت ڈھیلی ہی رکھی تھی ورنہ دونوں اگلے جہان کو سدھار ہی چکے ہوتے۔ پھر بھی وہ شخص جس کا گلا اُس کی گرفت میں آیا تھا بے ہوش ہو کر جھول گیا۔ ٹائیگر نے اپنا ہاتھ اُس کے گلے سے ہٹا لیا۔ وہ لہرا کر دیوار سے ٹکرایا اور پھر آہستہ آہستہ پھسلتا ہوا زمین پر آ رہا۔

دوسرے شخص نے خوفزدہ نگاہوں سے پہلے ٹائیگر کو دیکھا، پھر اپنے ساتھی کی طرف متوجہ ہو گیا۔ "تت... تم نے اسے... مم... مار ڈالا ہے نا؟" وہ دبے پھیلا کر بولا۔ "... ل... لارنز... اُٹھو..."

"خاموش رہو!" ٹائیگر نے اُسے ڈانٹا۔ "یہ مرا نہیں صرف بے ہوش ہے لیکن اگر تم نے مُنہ بند نہ کیا تو میں تمہیں فوراً اگلے جہان بھیج دُوں گا۔"

اُس نے یوں مُنہ بند کر لیا کہ اگر سانس بھی آزاد ہو گئی تو ٹائیگر اپنی دھمکی پر عمل کر گزرے گا۔

"تم لوگ میرا تعاقب کیوں کر رہے تھے؟" ٹائیگر نے اُس کا بازو چھوڑ کر اپنے سیدھے ہاتھ کی درمیانی اُنگلی اُس کی گردن پر پھیری۔

اُس شخص نے یوں جھرجھری لی جیسے انجانے میں کسی نے اُسے قطب جنوبی پر پھینک دیا ہو۔ اُسے اُنگلی اپنے گوشت میں چُبھتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔

"ہم فیڈرل آفیسرز ہیں۔" وہ منمنایا۔ اُسے احساس ہو رہا تھا کہ وہ اس پراسرار شخص سے جھوٹ نہیں بول سکے گا۔

ٹائیگر جانتا تھا کہ وہ سچ بول رہا ہے۔ پھر بھی اسے خوفزدہ کرنے کے لیے بولا۔ "اور اگر تم فیڈرل آفیسر ثابت نہ ہوئے تو یہاں تمہارے جسم کے اتنے ٹکڑے بکھرے ہوں گے کہ کوئی گن بھی نہ سکے گا۔"

"مم... میں سچ کہہ رہا ہوں۔" وہ دوبارہ ہکلایا۔ "میری جیب میں کارڈ فولڈر موجود ہے۔ میں اور لارنز بوالیس پبلک ہیلتھ سروس کے لیے کام کرتے ہیں۔ ہمیں ہمارے باس نے تمہارے تعاقب کا حکم دیا تھا۔"

"ڈاکٹر تھورن؟"

"ہاں۔ ڈاکٹر تھورن... یہ حکم تمہاری اُس سے ملاقات کے بعد دیا گیا تھا۔ وہ تمہارے بارے میں کچھ اور جاننے کا خواہشمند تھا کیونکہ اُسے تمہاری یہ بات ہضم نہیں ہو رہی تھی کہ تم ڈیری فارم کی صنعت کے بارے میں کوئی مضمون لکھ رہے ہو۔ اُس کا خیال ہے کہ وہ اس نوعیت کے تمام رائٹروں کو

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

جانتا ہے۔"

ٹائیگر نے اُس کا شناختی کارڈ دیکھا۔ اُس کا نام ڈیوڈ کالٹن تھا۔ "او کے ڈیوڈ! تم لوگوں نے لائبریری سے میرا تعاقب شروع کیا تھا لیکن مجھے ڈھونڈا کیسے؟"

"ہم دفتر سے زیادہ دُور نہیں تھے۔ ہم نے ہوٹلوں کا جائزہ لینے سے پہلے اردگرد کا علاقہ دیکھنا زیادہ مفید محسوس کیا تھا۔ ڈاکٹر تھورن نے اُس کار کا بھی نوٹس لیا تھا جس میں تم اپنے بوڑھے ساتھی کے ہمراہ اُس کے دفتر سے روانہ ہوئے تھے۔ ہم نے اُسے لائبریری کے باہر کھڑے دیکھا اور تمہارے منتظر رہے۔ وہاں تم کیا کر رہے تھے۔ اس بارے میں ہمیں کچھ پتا نہیں لیکن تم اکیلے ہی نکلے۔ تمہارا بوڑھا ساتھی جانے کہاں چلا گیا۔۔۔؟"

"یہ تمہارا دردِ سر نہیں۔" ٹائیگر نے رکھائی سے جواب دیا۔

"وہ بھی اسی شہر میں موجود ہے۔"

"لیکن تم نے میرے ساتھی کے ساتھ کیا کیا ہے؟"

"صرف اس کی ایک رگ مسلی ہے۔ ابھی ذرا دیر میں وہ ہوش میں آجائے گا۔ لیکن تم اُسے بھی میری طرف سے بتا دینا کہ میں جو کچھ کر رہا ہوں وہ صرف اور صرف میرا بزنس ہے تم دونوں کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔"

"ایسا ہی ہوگا۔" ڈیوڈ کالٹن نے جواب دیا۔

"اور اپنے باس کو میرے بارے میں یہی بتانا کہ میں ایک عام سا جرنلسٹ ہوں جو واقعی ڈیری فارموں کی صنعت کے بارے میں مضمون لکھ رہا ہے۔ اگر میں نے کوئی غلط سلط بات سُنی تو جانتے ہو تمہارا کیا حشر ہوگا؟"

ڈیوڈ نے اثبات میں سر ہلا دیا اور ٹائیگر اُسے وہیں چھوڑ کر اپنی کار کی طرف بڑھ گیا۔

نیلوفر تالی اُسی وقت تعاقب سے آگاہ ہوگئی تھی جب پہلی گاڑی پارکنگ لاٹ سے نکل کر مین سڑک پر آئی تھی اُس کے برابر بیٹھی ہوئی خوبصورت اور کٹے ہوئے بالوں والی لڑکی بھی یہ جانتی تھی۔ نیلوفر کئی بار کن انکھیوں سے اُس کی طرف دیکھ چکی تھی لیکن روبی کے چہرے پر پریشانی کے کوئی آثار نہیں تھے۔

ایک بار پھر نیلوفر نے بیک ویو مرر میں پیچھے آنے والی کار کا جائزہ لیا۔ دونوں گاڑیوں کے درمیان ہیڈ لائٹس کے تین سیٹ موجود تھے۔

"میرے خیال میں ہم انہیں نیچا دے سکتے ہیں۔" نیلوفر بڑبڑانے والے انداز میں بولی۔

"شاید یہ ممکن نہیں۔" روبی نے کہا۔ "اتنی تیز رفتاری نہ دکھاؤ کہ ٹریفک پولیس کا کوئی سارجنٹ بھی تعاقب کرنے والوں کے ساتھ مل جائے۔ کیا تم ان میں سے کسی شخص کو پہچانتی ہو؟"

اُس نے اثبات میں سر ہلایا۔ "میں نے ڈاکٹروں کے ایک گروہ کے بارے میں سُن رکھا ہے جو براہ راست لوپو کو جواب دہ ہے۔ میرے خیال میں اس گروہ کے ارکان کی تعداد پانچ ہے۔"

"لیکن اب صرف چار ہیں۔" روبی نے سرگوشی کی۔

"کیا تم۔۔۔؟"

برف جیسی سرد نسوانی آواز اُبھری۔ "اُن میں سے ایک نے مجھے تلاش کر لیا تھا۔"

نیلوفر کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ دوڑ گئی۔ وہ سینکڑوں بلکہ ہزاروں لڑکیوں کو جانتی تھی لیکن اس جیسی ایک بھی نظروں سے نہیں گزری تھی۔

"اب ہمیں کیا کرنا ہے؟" اُس نے پوچھا۔

"بھاگتی رہو!" روبی نے نرمی سے جواب دیا۔ "اُس وقت تک جب تک ہم انہیں پکڑنے کے قابل نہیں ہو جاتے۔"

وہ دوبارہ کانپ اُٹھی۔ "تو کیا تم واقعی ان سے اُلجھنے کا ارادہ رکھتی ہو؟"

"اس کے علاوہ کوئی راستہ نہیں۔" روبی نے بتایا۔ "یہ لوگ ایک بار پیچھے لگ جائیں تو جان چھڑانے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے۔"

نیلوفر بیک ویو مرر کے ذریعے تعاقب کا بدستور جائزہ لے رہی تھی۔ "وہ لوگ قریب آرہے ہیں۔" اُس نے اپنی ہم سفر کو بتایا۔

"جنوب میں شاداب نگر کی طرف مُڑ جاؤ۔" روبی نے اُسے ہدایت کی۔ "کسی ایسی کھلی جگہ پر پہنچو جہاں اردگرد کوئی آبادی نہ ہو۔"

رات کے اس وقت۔ گلستان جیسے شہر میں یہ بہت آسان تھا۔ نیلوفر نے گاڑی شاداب نگر جانے والی سڑک پر موڑ دی۔ عقبی روشنیاں ایک اور سڑک کے چوراہے پر غائب ہو گئیں۔ روبی کی نگاہیں انہی پر تھیں۔ وہ فوراً بول اُٹھی۔ "وہ ہمیں آگے سے گھیرنے کی فکر میں ہیں۔ گاڑی روک دو۔"

نیلوفر نے محض ایک ثانیے کے لیے روبی کی طرف دیکھا لیکن خاموشی کے ساتھ گاڑی ایک جانب روک دی۔

"اب تم فرش کے ساتھ دُبک جاؤ۔" روبی نے اگلا حکم دیا۔ "کم سے کم جگہ گھیرنے کی کوشش کرنا اور سانس بھی آہستہ آہستہ لینا۔"

نیلوفر جانتی تھی کہ کوئی بہت ہی بڑا سانحہ رُونما ہونے والا ہے لیکن وہ اس پوزیشن میں نہیں تھی کہ کوئی اعتراض کر سکتی یا کوئی تجویز دے سکتی۔ اُس نے وہی کیا جو روبی نے اُس سے کہا تھا۔

روبی کھسک کر ڈرائیونگ سیٹ پر آگئی اور کار کو اُسی سمت آگے بڑھا دیا جس طرف وہ جا رہی تھی۔ ساتھ ہی اُس نے کار کی سیٹ کے نیچے ہاتھ ڈال کر ایک ہتھیار نکال کر اپنی گود میں رکھ لیا۔ یہ ایک بڑا سا سلور پسٹل تھا جس کی بیرل ایک فٹ لمبی تھی۔ اس میں ہینڈل کی طرف سے کلپ لوڈ ہوتا تھا۔

"میری بات توجہ سے سنو!" روبی نے نیلوفر کو مخاطب کیا جو گٹھری بنی فلور بورڈ پر پڑی تھی۔ "جب میں کہوں جاؤ تو تم جھکے جھکے گاڑی سے نکلو گی اور سامنے کی سمت دوڑ لگا دو گی۔ اُس وقت تک محفوظ مقام پر ٹھہرنا جب تک میں تمہیں واپس طلب نہ کروں۔ سمجھیں؟"

نیلوفر سمجھ گئی تھی۔ وہ یہ بھی جانتی تھی کہ اس اجنبی لڑکی نے محض اس کی خاطر اپنی جان خطرے میں ڈالی تھی اس لیے اُس کے احکامات سے سرتابی کی کوئی گنجائش نہ تھی۔

"گڈ لک، روبی!" چلتی گاڑی سے فلور بورڈ سے نیلوفر نے اُسے دُعا دی۔ جو اس کے دل کی گہرائیوں سے نکلی تھی۔

اولیو سوانسن کا یو ایس پبلک ہیلتھ سروس سے ٹکراؤ اس نوعیت کا نہ تھا جس نوعیت کا ٹائیگر اور ڈاکٹر تھورن کے درمیان ہوا تھا۔ ڈاکٹر تھورن نے بطور خاص اپنا قابل دستہ اولی کے ریوڑ سے نمٹنے کے لیے بھیجا تھا۔ یہ وہ آدمی تھے جن کی تربیت کے فرائض اُس نے خود انجام دیے تھے اور ان کا کام ہی مویشیوں کو ہلاک کرنا تھا۔

بجارن سن کے پرانے فارم پر کام کرنے والے نصف درجن ماہرین، جو غباروں پر تحقیق کر رہے تھے۔ کے علاوہ یہی ڈاکٹر تھورن کے سارے آدمی تھے۔ وہ دوپہر کے بعد اولی کے فارم پر پہنچے تاکہ ڈاکٹر تھورن سے ملنے والے احکامات کی تکمیل کر سکیں۔

"میں تم لوگوں کو اپنی گایوں کو گولی نہیں مارنے دُوں گا۔" اولی نے آنے والوں کو سخت لہجے میں آگاہ کیا۔ "اسٹیٹ ہیلتھ انسپکٹر کل ہی یہاں آیا تھا اور اُس نے میرے سارے مویشیوں کو کسی بھی قسم کی بیماری سے پاک قرار دیا تھا۔ لہٰذا یہاں سے چلتے پھرتے نظر آؤ۔"

"ہمارے پاس احکامات موجود ہیں۔ مسٹر اولی اور ہم وہی کریں گے جس کے لیے ہمیں یہاں بھجوایا گیا ہے۔"

"تم یہ نہیں کر سکو گے۔ اُس وقت تک جب تک میں تمہارے باس کو اپنے کاغذات نہیں دکھا لیتا۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ کوئی بھی میرے گلے کو ہلاک نہیں کر سکتا۔ تم اپنا نام مجھے بتاؤ۔"

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہاں یہ ضرور بتاؤں گا کہ میرا تعلق وفاقی حکومت سے ہے اور میں وہی کرنے کے لیے یہاں آیا ہوں جو تمہیں بتایا ہے۔" وہ اولی کے غصے سے پھولے ہوئے چہرے کو نظر انداز کر کے دوسری سمت مُڑا اور اپنے آدمیوں سے مخاطب ہوا۔ "مویشیوں کو ہلاک کرنا شروع کر دو۔"

"ایک منٹ!" اولی چلا اُٹھا۔ "تم لوگوں نے اگر میری ایک گائے کو بھی ہلاک کیا تو میں تمہارا سر توڑ دوں گا۔"

وار اچانک اور غیر متوقع تھا۔ رائفل کا بٹ کان سے ذرا اوپر اولی کے سر پر پڑا۔ اولی کی آنکھوں کے سامنے ستارے ناچ گئے۔ وہ بھنا کر پلٹا لیکن اس سے پہلے کہ کوئی حرکت کرتا رائفل کے ایک اور بٹ نے اُس کے سر پر ضرب لگائی۔ تیسرا وار اُس کی پسلیوں پر ہوا اور وہ گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھتا چلا گیا۔ اُس نے آنکھیں کھول کر اردگرد کا جائزہ لینے کی کوشش لیکن سر کے عقبی حصے پر ایک اور چوٹ لگی اور وہ مُنہ کے بل زمین پر آرہا۔

جافی فاکس کلر اور جوائے گرین۔ گزشتہ پانچ سالوں سے اولی سوانسن کے لیے کام کر رہے تھے۔ یہ اُس وقت کی بات ہے جب اُس کے والدین فلیس منتقل ہوئے تھے۔ دوسری باتوں کے علاوہ اولی اُن کے لیے ایک آئیڈیل باس تھا۔

دونوں لڑکوں نے چودہ سال کی عمر میں اسکول کو خیرباد کہہ دیا تھا اور اولی انہیں اپنے ساتھ لے آیا تھا۔ اُس نے انہیں ڈیری بزنس کے بارے میں بتایا اور انہیں اس قابل کر دیا کہ وہ تنہا بھی فارم چلا لیتے جس وقت ڈاکٹر تھورن کے آدمیوں نے اولی سوانسن پر حملہ کیا دونوں لڑکے قریب ہی موجود تھے اور اُن میں سے کوئی بھی موقع سے دُور نہیں جانا چاہتا تھا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

جانی نے آگے بڑھ کر ایک حملہ آور کا نرخرہ پکڑ لیا اور پیر کی زوردار ٹھوکر اُس کے پیٹ میں رسید کی۔ وہ دونوں زور آزمائی کرتے ہوئے زمین پر آ گرے۔ جوائے نے دو دوسرے غنڈوں پر حملہ کر دیا اور انہیں بُری طرح نوچنے کھسوٹنے لگا۔

قاتلوں کے گروہ کا سربراہ اُس طرف بڑھا جدھر جانی ایک حملہ آور کے ساتھ گتھم گتھا تھا۔ ایک چاقو لڑکے کے آزاد ہاتھ پر لگا اور خون لپ لپ اُس کے ہاتھ سے بہنے لگا۔ رائفلوں سے مسلح دو اور آدمیوں نے اُس پر ہلہ بول دیا تھا۔

لڑائی فوراً ہی ختم ہو گئی۔ حملہ آور تربیت یافتہ تھے چنانچہ جلد ہی وہ لڑکوں کے بدن پر ایسے زخم لگانے میں کامیاب ہو گئے جن کے نشانات عرصہ دراز تک رہتے۔ اس کے بعد وہ گولیوں کو گولیوں سے اُڑانے میں مصروف ہو گئے۔

جوائے کا تیرہ سالہ بھائی کیون گریون اس ساری کارروائی کا پوشیدہ گواہ تھا۔ اس نے ڈاکٹر تھورن کے آدمیوں کے ظلم کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ وہ دُور کھڑا اُس وقت تک غصے کے کاہستار ہا جب تک آنے والوں کی توجہ کلی طور پر اولی کے مویشیوں کی طرف مبذول نہیں ہو گئی۔ اس کے بعد وہ اپنی پناہ گاہ سے نکلا اور ایک طرف دوڑ کھڑا ہوا۔ ایک آدمی نے اُسے دیکھ لیا اور بے وقوفوں کے سے انداز میں اُس کی طرف گولی داغ دی جس سے صرف اتنا ہوا کہ لڑکے نے اپنی رفتار تیز کر دی۔

کیون راستے میں کئی بار گرا۔ اُس کے گھٹنے پر خاصی چوٹ آئی لیکن اس کے باوجود وہ اسٹیٹ ہائی وے ۱۸۲ پر پہنچنے میں کامیاب ہو گیا جس سے بعد اُس نے پانچ میل دُور لیک فلیمبیو ریزرویشن پر واقع قبائلی کونسل آفس کی طرف دوڑ لگا دی۔ آخری ایک سو فٹ گز کا فاصلہ اُس نے گھسٹ گھسٹ کر طے کیا۔ بالآخر دفتر کی سیڑھیوں پر پہنچ کر وہ مُنہ کے بل گر گیا۔

چند ہی منٹ کے اندر اندر پورے قبائل میں یہ بات پھیل چکی تھی۔ اُن میں سے دو قبائل کے مویشی پہلے ہی ہلاک کیے جا چکے تھے۔ جن لوگوں نے مزاحمت کی کوشش کی تھی انہیں مجرم قرار دے کر جیل بھیج دیا گیا تھا۔ اس کے باوجود نوجوان ایک جگہ اکٹھے ہو گئے اور پُرجوش انداز میں باتیں کرنے لگے۔ بوڑھے بھی اُن میں شریک تھے۔

سہ پہر اور شام اسی طرح گزری لیکن جونہی رات ہوئی نزدیکی جنگلوں میں جنگی ڈرم بجنے شروع ہو گئے۔

*

ٹائیگر شاید مزید کچھ دیر تک سوتا رہتا لیکن اوشان شاید صبح صبح ہی ٹی وی کے سامنے جا بیٹھا تھا۔ بند دروازے سے اگرچہ خاصی دھیمی آواز ٹائیگر کے کمرے میں پہنچ رہی تھی لیکن وہ بھی اتنی زیادہ تھی کہ ٹائیگر کوشش کے باوجود دوبارہ سو نہ سکا تھا۔

اُسے اوشان پر غصہ آنے لگا۔ خود اُس نے ساری رات نیچے قالین پر سوتے ہوئے گزاری تھی۔ اُس کا ہوٹل تو نہایت اعلیٰ پائے کا تھا لیکن اُس کے بستر کے اسپرنگ کچھ ڈھیلے تھے وہ جونہی کروٹ بدلتا اسپرنگ ہلکی سی آواز میں چرچرا اُٹھتے۔ اُسے علم تھا کہ اگر یہ چرچراہٹ مسلسل ہوتی رہی تو اوشان اُٹھ کر اُس کے کمرے میں آ جائے گا اور اسے بستر سمیت اُٹھا کر کھڑکی سے باہر پھینک دے گا۔

اُس نے چادر اُٹھائی اور قالین پر آ کر لیٹ گیا تا کہ شور بند ہو جائے لیکن اوشان نے بلند آواز میں ٹی وی چلا کر اُس کی مہربانی اور خیال رکھنے کا یہ صلہ دیا تھا۔ وہ اس نیت سے اُٹھا کہ جا کر ٹی وی سیٹ توڑ دے اس طرح شاید وہ دوبارہ سونے میں کامیاب ہو جاتا لیکن اس سے پہلے کہ وہ درمیانی دروازے کی طرف بڑھتا۔ خارجی دروازے کے پاس اُسے ڈبلی ہیالڈ کا تازہ شمارہ پڑا دکھائی دیا۔ وہ پہلے اُسی جانب بڑھ گیا۔

اوّلین صفحے پر ہی ایک ایسی خبر موجود تھی جس نے اُس کی توجہ اپنی جانب مبذول کرا لی اور وہ بے یقینی کے سے انداز میں خبر پڑھنے لگا۔

خبر کے مطابق اولیو سوالنس اس وقت فلپس میں پرائس کاؤنٹی کمیونٹی اسپتال میں موجود تھا۔ اُس پر الزام تھا کہ اُس نے سرکاری افسران کے کام میں مداخلت کی اور اُن پر قاتلانہ حملے کی کوشش کی۔ پولیس پبلک ہیلتھ سروس کے ایک ترجمان نے بتایا تھا کہ اولیو سوالنس نے مویشیوں کو ریاست میں پھیلنے والی پُراسرار وبا کی بنا پر گولی مار کر ہلاک کر دیا گیا تھا۔ اولی یہی احکامات سُن کر آپے سے باہر ہو گیا اور اُن آدمیوں پر حملہ کر دیا جو اُس کے مویشیوں کو ہلاک کرنے آئے تھے۔ اُس کے ساتھ فارم پر کام کرنے والے دو لڑکے بھی تھے جن کے نام جانی فاکس کلر اور جوائے گریون بتائے جاتے ہیں۔ دونوں کا تعلق ایک ڈی فلیمبیو ریزرویشن سے ہے۔ امکان تھا کہ تینوں کو شام تک اسپتال سے جیل منتقل کر دیا جائے گا فی الحال

اُن کی حفاظت کے لیے خاصی تعداد میں پولیس اسپتال پر موجود تھی تا کہ کوئی ناخوش گوار واقعہ رونما نہ ہو۔

ٹائیگر نے اخبار تہ کر کے ایک جانب رکھا اور دوبارہ اوشان کے کمرے کی طرف بڑھا۔ ٹی وی خاموش ہو چکا تھا اس کا مطلب تھا کہ اس وقت اوشان سے بات کی جا سکتی تھی۔ ٹائیگر نے دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گیا۔ اوشان نمدے پر موجود تھا۔

"فلپس جانا ہے۔ لٹل فادر!" ٹائیگر نے بلا تمہید اوشان کو آگاہ کیا۔

"میرے پاس پہلے ہی فلپس کا ٹی وی موجود ہے!" اوشان نے اک شاہی بے نیازی سے جواب دیا۔

"میری مراد فلپس کے ٹی وی سے نہیں۔ یہ ایک شہر کا نام ہے!" ٹائیگر نے جز بز ہو کر کہا۔

"میں اب تمہارے کسی چکر میں آنے کا نہیں!" اوشان ہاتھ نچا کر بولا۔ "پہلے تم نے الیکٹریکل واشنگٹن کا چکر چلایا اور بعد میں اُس سے مکر گئے کہ وہ واشنگٹن ڈی سی ہے اب تم کہہ رہے ہو کہ فلپس ایک شہر کا نام ہے لیکن بعد میں کہو گے کہ میں نے ٹی وی کے بارے میں کہا تھا۔"

"نہیں لٹل فادر۔ ایسی کوئی بات نہیں۔ الیکٹریکل واشنگٹن نام کا کوئی شہر دُنیا کے نقشے پر موجود نہیں۔ لیکن فلپس نامی شہر ہے۔ اولیو سوالنس اُسی کے قریب رہتا ہے اور ہم اُس سے ملنے چل رہے ہیں۔"

"کیوں؟"

جواب میں ٹائیگر کو اخباری خبر مع اُس کے پس منظر کے بتانی پڑی تھی۔

"لیکن میں اپنا ٹی وی ساتھ لے جاؤں گا!" اوشان نے جانے کی حامی تو بھر دی لیکن بچوں کی طرح کھلونے ساتھ لے جانے کی شرط عائد کر دی۔

"وہاں بہت سی جگہوں پر آپ کو ٹی وی اور اپنے پسندیدہ پروگرام دیکھنے کو مل جائیں گے۔"

"مثلاً؟" اوشان نے بڑے اشتیاق سے پوچھا۔

"اسپتال، پاگل خانہ، مویشیوں کے باڑے۔۔۔"

اوشان یوں چونک کی طرف متوجہ ہو گیا تھا جیسے ٹائیگر سے اُس کا کوئی تعلق نہ رہا ہو۔

*

پرائس کاؤنٹی کمیونٹی اسپتال کے جس وارڈ میں اولی زیر علاج تھا۔ دو مسلح محافظ اُس کے دروازے پر پہرہ دے رہے تھے۔ ٹائیگر اور اوشان ٹہلتے ہوئے دروازے تک پہنچے تو دونوں نے یک وقت ششکلیں نگاہوں سے انہیں گھورا۔

"یہاں سے چلتے پھرتے نظر آؤ مسٹر!" اُن میں سے ایک نے کھردرے لہجے میں کہا۔

"میں اپنے دوست سے ملنے آیا ہوں!" ٹائیگر نے محافظ کی کیپ کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا جو ٹیڑھی تھی۔ اس سے ثابت ہوتا تھا کہ اُسے فوج سے پولیس میں آئے زیادہ عرصہ نہیں گزرا اور وہ ابھی تک ٹیڑھی ٹوپی پہننے کی عادت ترک نہیں کر سکا۔

"یہاں دوست نہیں، مریض ہوتے ہیں!" محافظ نے غیر شعوری طور پر ٹوپی درست کی۔ "یہ اسپتال ہے۔ قہوہ خانہ نہیں!"

"میں اولیو سوالنس سے ملنا چاہتا ہوں!" ٹائیگر دوبارہ بولا۔

"اور وہ ابھی کسی سے نہیں مل سکتا!" محافظ نے جواب دیا اور اوشان کی طرف متوجہ ہو گیا۔ "تم کیسے آئے ہو بڑے میاں؟"

"اسپتال کی حالت کس قدر ناگفتہ بہ ہے!" اوشان بڑبڑایا۔ "لگتا ہے سالوں سے اُس کی دیواروں پر رنگ روغن نہیں کیا گیا۔ گند گی بھی بہت ہے۔ کیا یہاں صفائی کرنے والے۔۔۔"

"کیا تمہارا تعلق آثارِ قدیمہ سے ہے؟" دوسرے محافظ نے اوشان کا ہلکہ کاٹ کر پوچھا۔

"یہ فلپس کے فوجی قبرستان کے گورکن ہیں!" ٹائیگر نے جواب دیا۔ "انہیں دو ایسے مُردوں کی تلاش ہے جو اپنی قبروں سے فرار ہو کر کمیونٹی اسپتال میں محافظ ہو گئے ہیں۔۔۔ کیا تم اپنے گھروں کو واپس جانا پسند نہیں کرو گے۔ دوستو؟"

ایک محافظ مسکرا دیا۔ جب کہ دوسرے کے چہرے پر زردی نے ڈیرے جما دیے۔

"ہم اولیو سوالنس سے ملنے آئے ہیں!" ٹائیگر نے دوبارہ اپنا مطالبہ دُہرایا اور اس بار کسی محافظ نے اُن کا راستہ روکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

ٹائیگر اور اوشان بغیر کسی رکاوٹ کے اُس کونے تک جا پہنچے جہاں اولیو سوالنس کا بستر موجود تھا۔ راستے میں بیڈز پر لیٹے ہوئے متعدد مریضوں نے حیرت بھری نظروں سے اس عجیب و غریب جوڑے کو دیکھا۔ اوشان اُن کے قریب سے گزرتے ہوئے اُن کا مُنہ چڑانا نہیں بھولا تھا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

اولیو سوانسن نے ٹائیگر کا خیر مقدم بڑی گرم جوشی کے ساتھ کیا لیکن اوشان کو دیکھتے ہی اُس کے چہرے پر خوف نے ڈیرا جما لیا۔

"یہ اس وقت بے ضرر ہیں۔" ٹائیگر نے مسکراتے ہوئے سرگوشی کی اور کن انکھیوں سے اوشان کی طرف دیکھا لیکن وہ اُس وقت سامنے والے بیڈ پر بیٹھے ہوئے ایک بچے کو بندر کی شکل بنا کر دکھا رہا تھا۔

ٹائیگر مزید کچھ کہے مطلب پر آگیا۔

"میری تمام گائیں پوری طرح صحت مند تھیں۔" اولیو سوانسن نے اُسے بتایا۔ "مویشیوں میں پھیلنے والی بیماری سے میں بھی خوفزدہ تھا اس لیے اس واقعے سے ایک دن پہلے ہی ریاستی حکام کو طلب کر کے اپنے گلے کا معائنہ کرایا اور انہوں نے میرے تمام جانوروں کو صحت مند قرار دیا تھا۔"

"یہ درست ہے مسٹر!" گہری بیڈ پر دراز جانی فاکس کلر نے اپنے آقا کی تائید کی۔ "اُن کے پاس ایسا کرنے کا کوئی جواز نہ تھا۔ اولی نے انہیں کاغذات بھی دکھائے تھے۔"

"کیا تمہارے پاس ریاستی حکام کے کاغذات اب بھی موجود ہیں؟"

"اگر انہوں نے اپنے عمل کو صحیح ثابت کرنے کے لیے انہیں ضائع نہیں کر دیا تو ہوں گے۔"

"تمہاری اس بات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس بیماری کے پیچھے اور بھی کچھ مقاصد ہیں۔ کیا کسی قسم کی غداری یا سازش ہے؟"

"میں اس بات پر یقین نہیں رکھتا کہ ہر سرکاری ادارہ ہماری طرز زندگی کو تباہ کرنے پر تلا بیٹھا ہے۔ ممکن ہے ان میں کچھ بھلے دھندے ہوں لیکن پبلک ہیلتھ سروس کو تو میں ہمیشہ اپنا مددگار سمجھتا رہا ہوں۔"

"مجھے ان لوگوں کے بارے میں بتاؤ۔"

اولی نے تفصیل سے اُسے بتایا۔ جانی اور جوائے نے بھی متعدد مقامات پر اُس کی مدد کی کہ کس طرح ہیلتھ سروس کے آدمیوں نے مویشیوں کو گولی ماری اور کس طرح زخمی کر کے سرکاری اہلکاروں پر حملے کے الزام کے تحت انہیں اسپتال میں داخل کرا دیا گیا۔

"کیا وہ لوگ تھورن کے دفتر سے آئے تھے؟ میرا مطلب ہے اُس کے براہِ راست ماتحت تھے؟"

"ہاں۔" اولی نے کچھ اور کہنے کے لیے مُنہ کھولا لیکن وارڈ کے دروازے کی طرف دیکھ کر خاموش ہو گیا۔ جو کھٹ میں ایک ڈپٹی کھڑا تھا جب کہ اُس کے عقب میں دو اور دلی دکھائی دے رہے تھے۔

"تم دونوں!" ڈپٹی نے آگے آکر جانی فاکس کلر اور جوائے گرین کی طرف اشارہ کیا۔ "تمہیں الگ کمروں میں منتقل کیا جا رہا ہے۔ احکامات یو ایس ٹارنی کی طرف سے ہیں۔" وہ ٹائیگر اور اوشان کی طرف مُڑا۔ "تم دونوں کس طرح اندر آئے۔ مجھے اس کا علم نہیں لیکن میں تمہیں آگاہ کر رہا ہوں کہ تم لوگوں کے پاس صرف دو منٹ باقی ہیں۔"

منتقلی مکمل ہونے کے بعد اولی نے ٹائیگر کو اپنے بیڈ کے قریب کر لیا۔ "بہت سی باتیں اب بھی وضاحت طلب ہیں۔ تم و سکانسن اُس وقت آئے جب یہ سب شروع ہوا تھا۔ تم نے اسی بارے میں مجھ سے سوالات پوچھے۔ کیٹ گٹن تھورن کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔ پھر تم یہاں بھی پہنچ گئے۔ تم انہیں کس طرح یقین دلانے میں کامیاب ہوئے کہ تمہارا تعلق پبلک اسٹاف سے ہے۔"

"میں نے کسی کو یہ نہیں کہا کہ میرا تعلق پبلک اسٹاف سے ہے۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔

"تب پھر انہوں نے تمہیں اندر کیسے آنے دیا؟"

ٹائیگر مسکرایا۔ "میں نے صرف ان بڑے میاں کا تعارف لیک گورکن کی حیثیت سے کرایا تو دونوں نے راستہ چھوڑ دیا۔"

زخمی ہونے کے باوجود اولی ہنس دیا۔ اوشان نے مڑ کر کڑے تیوروں سے اُسے گھورا۔ پھر وہ ٹائیگر سے مخاطب ہوا۔ "یہ تو میں تم سے بعد میں پوچھوں گا کہ تم نے مجھے گورکن کیوں کہاں تھا؟"

"کہیں تو میں اُن تمام لوگوں کے نام بتا دوں جنہیں آپ نے اب تک..." ٹائیگر نے جملہ ادھورا چھوڑ کر ہاتھ اپنی گردن پر پھیرا اور خاموش ہو گیا۔

"تب پھر میں بھی بتا دوں گا کہ تم..." اوشان نے جملہ شروع کیا لیکن ٹائیگر زیادہ تیز نکلا۔ اُس نے قہقہہ لگایا اور جملہ پورا کر دیا۔ "میرے شاگرد ہو۔" پھر وہ وقت ضائع کیے بغیر اولی کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"میرا تعلق کسی پبلک ویکر سے نہیں ہے بلکہ میں ایک ایسی تنظیم کا نمائندہ ہوں جو غیر قانونی اور غیر آئینی طریقوں سے لوگوں کو قانون اور آئین کا احترام سکھاتی ہے۔ لیکن میرے ان جملوں کو خفیہ رکھنا اور نہ تمہاری زندگی کی ضمانت نہیں دی جا سکتی

کسی سے ذکر بھی نہیں کرنا۔ حتیٰ کہ اپنی بیوی سے بھی نہیں۔ ورنہ..."

"میری بیوی!" اولی کو اچانک یاد آگیا۔ "جوڈی اور بچے میرے لیے بہت فکر مند ہوں گے۔"

"اگر تم چاہو تو میں اُس سے ملنے چلا جاؤں۔" ٹائیگر نے دریافت کیا۔ "میں یہ بھی جاننے کا خواہشمند ہوں کہ آخر تھورن ایسی گایوں کو ہلاک کیوں کر رہا ہے جو پوری طرح صحت مند ہیں اس دوران میں تمہاری بیوی کو یہ بھی بتا دوں گا کہ تم روبہ صحت ہو اور گھبرانے کی کوئی بات نہیں اور ہاں، تم بھی فکر مند مت ہونا۔ اگر تمہارے پاس کاغذات موجود ہیں تو جلد ہی تمہیں بھی آزاد ہونا پڑے گا۔"

پانچ منٹ بعد ٹائیگر اور اوشان دوبارہ کار میں موجود تھے۔ اوشان، ٹائیگر کو اسپتال میں ہونے والے تجربات سے آگاہ کر رہا تھا۔

"کتنے آرام سے تھے وہ لوگ۔ میرا بھی جی چاہتا ہے کہ کچھ دن اسپتال میں گزاروں۔ اس طرح کم از کم کچھ عرصے تک اس بھاگ دوڑ سے نجات تو ملے گی۔"

"آپ سینی ٹوریم میں داخل کیوں نہیں ہو جاتے؟" ٹائیگر نے کار کے ریڈیو کی سوئی گھماتے ہوئے پوچھا۔

"میں نے سُنا ہے کہ وہاں صرف ٹی بی کے مریض ہوتے ہیں۔" اوشان نے کہا۔

"اسی لیے تو کہہ رہا ہوں۔" ٹائیگر نے کہا اور سوئی ایک جگہ ایڈجسٹ کر دی۔

اوشان شاید کچھ کہتا لیکن اُسی وقت مقامی خبریں شروع ہو گئیں اور وہ خاموش ہو گیا۔

خبروں کے مطابق لیک ڈی فلیسبیور یزرویشن پر حالات نگرگاری پائی جاتی تھی۔ قبائلی نوجوان اولی اور اُس کے دو ملازموں کو زبردستی طاقت جیل سے رہا کرانے کی منصوبہ بندی کر رہے تھے۔ اس سلسلے میں گزشتہ شب ایک جنگی رقص بھی ہوا تھا۔ مقامی حکام اُن سے مقابلے کے لیے گرین بے سے پبلک سیفٹی کونسلس اور اُس کی کمانڈو ٹیم طلب کرنے پر غور کر رہے تھے۔ اس کا مطلب تھا کہ حالات قابو سے باہر ہونے والے تھے۔

"ابھی اس کی ضرورت نہیں دوستو!" اوشان لیک ڈی فلیسبیور کے نوجوان لڑکا افراد سے مخاطب تھا۔ جنگلی دو مخالف قوتوں کے مابین لڑی جاتی ہیں لیکن آپس میں اس طرح کے لڑائی جھگڑوں کا مقصد سوائے نفرتیں بڑھانے کے اور کچھ نہیں ہوتا جب کہ ان کا انجام تباہی ہوتا ہے۔"

اوشان اور ٹائیگر اس وقت تین بوڑھے افراد کے ساتھ اُس دائرے کے بیچوں بیچ کھڑے تھے جو جنگی قافلوں نے اُن کے گرد بنا لیا تھا۔ ان میں سے کئی ایک رات بھر کی سردیاں سے تھک ہار کر زمین پر لیٹے ہوئے تھے۔ انہوں نے اوشان اور ٹائیگر کا بڑی گرم جوشی سے خیر مقدم کیا تھا۔ خاص طور پر وہ اوشان کے کھلے سے بے حد متاثر ہوئے تھے اور اُسے بھی اپنی طرح کا کوئی قبائلی ہی سمجھے تھے۔

ٹائیگر نے ریڈیو پر متوقع بلوے کی خبر سُن کر سب سے پہلے یہیں آنے کا فیصلہ کیا تھا کیونکہ اگر قبائلی نوجوان اسپتال داخیل پر ہلہ بول دیتے تو شاید اُس کا کام کچھ مشکل ہو جاتا۔ اُس نے اوشان سے اس خیال کا اظہار کیا اور خلافِ توقع اوشان نے بغیر کسی اعتراض کے اُس سے اتفاق کیا۔

اُسے خدشہ تھا کہ شاید وہ لوگ توجہ سے اُس کی بات نہ سُنیں لیکن اوشان نے اپنے شیریں لب و لہجے سے انہیں اس بات پر رضامند کر لیا تھا کہ وہ مزید ایک روز تک اس سلسلے میں کچھ نہیں کریں گے۔ نوجوانوں نے اسے اس امر کا یقین دلایا لیکن ساتھ ہی اس عزم کا اظہار بھی کیا کہ ایک دن بعد وہ اس معاہدے کی پابندی سے آزاد ہو جائیں گے۔

سفید کوٹ والا جونہی اندر داخل ہوا پبلک اٹارنی کا وہ نئی شیرف ڈپارٹمنٹ کے ڈپٹی کلاسن نے ہاتھ اُٹھا کر اُسے رُکنے کا اشارہ کیا۔

"سوری!" اُس کے جسم کی طرح لہجہ بھی تناؤ کا شکار ہو گیا تھا۔ "اس کمرے میں موجود شخص قانون کی تحویل میں ہے۔ متعلقہ ڈاکٹر، یو ایس اٹارنی اور اس کے اپنے وکیل کے علاوہ کسی کو اس سے ملاقات کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔"

"میرا نام ڈاکٹر گریگ ٹھورن ہے اور میں یو ایس پبلک ہیلتھ سروس سے وابستہ ہوں۔" آنے والے نے اپنا تعارف کرایا۔ "مسٹر سوانسن کے گھٹنے کو لگی چوٹ کی موجودگی کے باعث گولی ماری گئی تھی۔ کارل کروگر کی موت کے بعد یہ ضروری ہو گیا ہے کہ میں ضلع رہائن لینڈ کے تمام ڈیری فارمرز کے خون کے نمونے حاصل کروں۔ اولف سوانسن، جانی فاکس کلر اور

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

جوانے گریون کے خون کے نمونے حاصل کرنا بے حد ضروری ہے تاکہ ہمیں پتا چل سکے کہ کہیں وہ اس بیماری سے متاثر تو نہیں ہوئے۔"

کلاسن نرم پڑ گیا۔ "کیوں نہیں ڈاکٹر۔ جو چاہو کرو میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے بیماری پھیلے۔ باقی دو ہال کی پرلی جانب رُوم نمبر ۲۰۹ اور ۲۱۴ میں ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ان میں جراثیم موجود نہیں ہوں گے۔"

ڈاکٹر تھورن کا ایک ہاتھ جیب میں تھا جس سے وہ اندر پڑی ہوئی ہائپوڈرمک سرنج کو تھپتھپا رہا تھا۔ اُس نے کلاسن کی طرف مسکراہٹ اُچھالی اور اندر داخل ہو گیا۔

ٹائیگر نے کار اولی کے فارم ہاؤس کے سامنے روکی تو صحن خالی پڑا تھا۔

"کہاں بھوت بنگلے میں لے آئے ہو؟" اوشان نے چاروں سمت پھیلی خاموشی اور ویرانی کو دیکھ کر تبصرہ کیا۔

"یہ بھوت بنگلہ پہلے تو ایسا نہیں تھا۔ شاید آپ کے قدموں سے بہار آ گئی ہو۔ لٹل فادر!" ٹائیگر نے جملہ کسا اُس کی نگاہیں دو منزلہ جاجین فارم ہاؤس کا جائزہ لے رہی تھیں۔ بیرونی حصہ ویران تھا لیکن وہ کن انکھیوں سے دائیں جانب والی کھڑکی کا ذرا سا کھسکا ہوا پردہ اور اُس کے عقب میں ایک عورت کا چہرہ دیکھ چکا تھا۔

"تم پر کئی قرض واجب ہوتے جا رہے ہیں شہزاد۔" اوشان کار سے اُترتے ہوئے بولا۔ "پہلے تم نے مجھے گورکن بنا دیا۔ حالانکہ گوڑا کرکٹ ٹھکانے لگانے کی ذمے داری تمہاری ہے میری نہیں۔ پھر تم نے مجھے قاتل بنانے کی کوشش کی اور اب بھوت کہہ رہے ہو۔"

ٹائیگر جواب میں خاموشی سے مسکراتا رہا۔ اُس کے حساس کان فارم ہاؤس کی طرف سے آنے والی آہٹیں سُن رہے تھے۔

"آنے والی دُبلی پتلی ہے۔" اوشان نے اُسے آگاہ کیا۔ "اُس کا وزن ایک سو پونڈ سے زیادہ نہیں۔ لیکن اُسے بائیں ایڑی گھسیٹ کر چلنے کی عادت ہے۔ تمہیں پتا ہے کہ بائیں ایڑی کو گھسیٹ کر چلنے والے ذہین ہوتے ہیں۔"

"لیکن آپ تو بائیں ایڑی گھسیٹ کر نہیں چلتے۔"

"میں چلتا ہی کب ہوں بے وقوف! بھلا ہوائوں کی ایڑیاں بھی ہوتی ہیں؟"

ٹائیگر پھر مسکرا دیا۔ اوشان دُرست ہی تو کہہ رہا تھا۔ وہ واقعی ہواؤں کی مانند تھا جو سرسراتی تھیں۔ ایڑیوں کے بل چلتی نہیں تھیں۔

اسی وقت فارم ہاؤس کا دروازہ کھل گیا۔

"تم لوگ کون ہو؟" ایک عورت نے باہر جھانکا۔ "کیا چاہیئے؟" اُس نے سخت لہجے میں پوچھا اور بارہ بور کی ایک شاٹ گن اُن کی طرف تان لی۔

"میں نے کہا تھا نا کہ اس کا وزن سو پونڈ سے زیادہ نہیں ہے۔" اوشان نے ٹائیگر کو یاد دلایا۔ "دیکھو۔ یہ دُبلی پتلی بھی ہے اور بائیں ایڑی گھسیٹ کر چلتی ہے۔"

"لیکن آپ نے یہ نہیں کہا تھا کہ اس کے ہاتھ میں شاٹ گن بھی ہو گی۔"

"شاٹ گن دروازے کے پاس رکھی ہوئی تھی۔ اس نے بعد میں اُٹھائی ہے۔"

دروازہ کھولنے والی اُلجھی ہوئی نگاہوں سے اس عجیب جوڑے کو دیکھ رہی تھی۔ "میں نے پوچھا تھا کہ تم لوگ کون ہو؟"

"اوہ!" اوشان جیسے چونکا۔ "تم ہم سے مخاطب ہو نیک دل خاتون؟"

"آپ کا انداز ایسا ہے جیسے آپ بھیک مانگنے آئے ہوں لٹل فادر!" ٹائیگر نے سرگوشی کی اور پھر بلند آواز میں عورت سے مخاطب ہوا۔ "جوڈی سوانسن؟ میں تمہارے شوہر کا ایک دوست ہوں۔ ہم دونوں اکٹھے فٹ بال کھیلتے رہے ہیں۔"

"میرے شوہر کا کوئی دوست نہیں۔ وہ اس وقت جیل میں ہے۔"

"نہیں۔" ٹائیگر نے نفی میں سر ہلایا۔ "میں چار گھنٹے پہلے ہی اسپتال میں اُس سے مل کر آیا ہوں۔"

ٹائیگر نے سوچا کہ وہ اُسے گلبرٹ لیتھم کی حیثیت سے اپنا تعارف کرائے لیکن پھر اُس نے اپنا ارادہ ملتوی کر دیا یقیناً جوڈی اس نام کے کسی شخص سے واقف نہ ہو گی۔

"میری بات اطمینان سے سُنو خاتون۔" چند ثانیوں کے توقف کے بعد وہ دوبارہ گویا ہوا۔ "میرا نام شہزاد ہے اور یہ میرے اُستاد ہیں۔ ماسٹر اوشان!"

اوشان کا سینہ پھول گیا۔

لیکن عورت نے شاٹ گن کی بیرل نہیں جھکائی تھی۔

"اول نے مجھے بتایا ہے کہ تم مجھ سے واقف ہو۔ میں

ایک بیچ میں اُس کے خلاف چھتیس گول کیے تھے۔"

"اوہ۔ شہزاد۔ تم؟" جوڈی نے بے یقینی کے انداز میں اُسے دیکھا۔ پھر اُس کے حلق سے سسکیاں اُبل پڑیں۔

شاٹ گن کی بیرل جھک گئی اور دروازہ کھل گیا۔

شہزاد اور اوشان آگے پیچھے اندر داخل ہو گئے۔

"مم... مجھے... معاف کر دینا۔" جوڈی اب بھی سسک رہی تھی۔ "میں اپنے آپ میں نہیں... جب سے یہ سانحہ ہوا ہے۔" اُس نے مسکرانے کی ناکام کوشش بھی کی تھی۔

اوشان نے سر ہلا کر اُسے تسلی دی تھی۔

اندر روئی کی طرح کے سفید بالوں والے دو لڑکے ٹیبل کے گرد بیٹھے تھے۔ اُن کے سامنے سینڈوچ اور دودھ کے گلاس موجود تھے۔ دونوں نے بیک وقت نظریں اُٹھا کر آنے والوں کو دیکھا تھا۔

"ٹومی اور نیل۔" جوڈی نے اُن کا تعارف کرایا۔ "اور یہ شہزاد ہے۔ ڈیڈی کے دوست اور یہ ماسٹر... اوشان ہیں۔ بیٹھیں آپ لوگ۔"

وہ لوگ ایک صوفے پر بیٹھ گئے۔ اوشان حسب عادت ماحول سے بے گانہ ہو گیا جب کہ ٹائیگر، جوڈی سے باتوں میں مصروف ہو گیا۔ ٹومی اور نیل بھی اُن لوگوں کے قریب چلے آئے تھے۔

"میں نے اولی کو ہر ممکن تعاون کی پیشکش ہے۔" ٹائیگر نے جوڈی کو بتایا تو اوشان نے گھور کر اُسے دیکھا۔ "م... میرا مطلب ہے ہم نے۔" ٹائیگر نے فوراً جملے کو جمع میں کر دیا۔

"تمہارا شکریہ۔ لیکن اب کیا ہو سکتا ہے؟" جوڈی کے لہجے میں مایوسی تھی۔

"اولی نے بعض کاغذات کا تذکرہ کیا تھا۔ جو اسٹیٹ انسپکٹر نے اُسے دیے تھے۔ کیا وہ تمہارے پاس ہیں؟"

"ہاں۔ کیوں؟ لیکن اب ان کا کیا فائدہ؟ تمام مویشی کو مارے جا چکے ہیں اور اولی... جیل جا رہا ہے۔" اُس کی آنکھیں دوبارہ بھر آئیں۔

"اُس صورت میں نہیں۔ اگر ہم ثابت کر دیں کہ تمام مویشی صحت مند تھے مستغاثہ کو یہ ثابت کرنا ہو گا کہ اولی اور اُس کے لڑکوں نے سرکاری فرائض کی انجام دہی کے لیے آنے والوں پر حملہ کیا تھا۔ دفاقی ہیلتھ ڈپارٹمنٹ والوں کا کہنا ہے کہ جراثیم پھیلنے میں سات سے چودہ دن کا وقت ہوتا ہے لیکن اگر ہم ثابت کر دیں کہ مارے جانے کے وقت اور اُس کے چوبیس گھنٹے بعد تک مویشی صحت مند تھے تو اولی کے خلاف کیس اپنی موت آپ مر جائے گا۔"

جوڈی نے ہتھیلی کی پُشت سے اپنی آنکھیں صاف کیں لیکن جب وہ بولی تو اُس کے الفاظ میں بدستور مایوسی کی جھلک نمایاں تھی۔ "کیا تم کوئی وکیل ہو؟"

"نہیں۔ لیکن میں یہ ثابت کرنے میں تمہاری مدد کر سکتا ہوں کہ مارے جانے والے تمام جانور صحت مند تھے۔"

"کیسے؟ وہ تمام مارے جا چکے ہیں۔ وہ لوگ بلڈوزر بھی اپنے ساتھ لائے تھے۔ انہوں نے فوراً ہی مویشیوں کو گڑھوں میں دبا بھی دیا تھا اب..."

"ایک راستہ ہے ممی!" دفعتاً ٹومی کی آواز اُبھری۔ "بچھڑے... یاد ہے؟"

جوڈی نے سر اُٹھا کر اُسے دیکھا۔ "مجھے حیرت ہے کہ میرے ذہن میں یہ بات کیوں نہیں آئی۔ ہاں شہزاد ہمارے پاس بچھڑے موجود ہیں۔ اُن کی عمر صرف تین دن ہے اور وہ ابھی تک دودھ پیتے ہیں۔ اگر وہ دودھ جراثیم زدہ تھا تو جراثیم اُن کے جسموں میں بھی ہونے چاہئیں۔"

"ونڈر فل!" ٹائیگر نے جواب دیا۔ "میں اُن کے اور تم لوگوں کے خون وغیرہ کے نمونے حاصل کرنے کے انتظامات کرتا ہوں جس سے یہ بات ثابت ہو جائے گی کہ کوئی جانور یا انسان جراثیم زدہ نہیں... تم مجھے یہ بتاؤ کہ نزدیک ترین زرعی اسٹیشن کہاں ہے؟"

"وساؤ میں۔"

"تب پھر ہم وہاں سے ہو کر واپس آتے ہیں تاکہ ضروری سامان لے آئیں۔"

ایک گھنٹے بعد شہزاد وہ تمام نمونے حاصل کر چکا تھا جن کی اُسے ضرورت تھی۔ نمونے ریفریجریٹر میں رکھ دیے گئے تاکہ رواں تک محفوظ رہیں۔ اس کے بعد وہ تمام باڑوں، فیڈ بنکس، گوداموں اور دودھ کی ذخیرہ گاہوں میں طاقتور ڈس انفیکٹنگ سالوشن چھڑکنے میں مصروف ہو گیا جو ڈاکٹر تھورن کے آدمی فارم پر چھوڑ گئے تھے۔

تین گھنٹے بعد جب وہ واپس آیا تو دروازے کے باہر سے ہی اُسے جوڈی کی سسکیاں سُنائی دیں۔ وہ لقریباً دوڑتا ہوا اندر داخل ہوا۔

"اوہ! نو ووو وو... نو... نو... نو... اوہ گاڈ!... نو... نہیں، اولی۔" جوڈی سوانسن ہیسٹیریکل انداز میں چیخ رہی تھی۔ وہ

Scanned And Uploaded By Muhammad Naeem

ایک دیوار سے ٹیک لگائے فرش پر بیٹھی تھی۔ اُس نے دونوں ہاتھوں سے مُنڈ ڈھانپ رکھا تھا اور اُس کا بدن ہچکولے کھا رہا تھا۔ اُس کے شانے کے پاس ٹیلی فون کا ریسیور اِدھر اُدھر جھول رہا تھا۔

"جوڈی! کیا ہوا ہے؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"اولی... اولی۔ اوہ مائی ڈیئر گاڈ۔ مائی اولی!"

وہ کوئی درست جواب دینے کی پوزیشن میں نہیں تھی۔

فون پر ایک تیز قسم کی سیٹی سُنائی دے رہی تھی۔ ٹائیگر نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور تھاما اور اُسے کان سے لگا لیا۔

"ہیلو! میں سوانسن فیملی کا ایک دوست بول رہا ہوں۔ تم نے اس خاتون کو کیا بتایا ہے جس سے وہ بُری طرح چیخنے چلانے لگی ہے؟"

چند ثانیوں کے لیے دوسری طرف خاموشی چھائی رہی پھر ایک نسوانی آواز سُنائی دی۔

"میں... کک... کیوں... ہم... و... وہ... یہ پرائس کاؤنٹی کمیونٹی اسپتال ہے۔ میں نے صرف یہ بتانے کے لیے ٹیلی فون کیا تھا کہ ان خاتون کے شوہر مسٹر اولیو سوانسن ذرا دیر پہلے مویشیوں کو متاثر کرنے والی مہلک بیماری کے نتیجے میں ہلاک ہو گئے ہیں۔"

ریسیور پر ٹائیگر کی گرفت سخت ہو گئی تھی۔

"میں صبح تو اُس سے مل کر آیا ہوں۔" ٹائیگر اپنی حیرت چھپا نہ سکا تھا۔

"لیکن اب وہ مر چکا ہے۔" دوسری طرف سے بولنے والی لڑکی نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ یوں لگتا تھا جیسے موت کی اطلاع دینا اُس کا خاندانی پیشہ رہا ہو۔

"صبح کے بعد اُس سے کس کس نے ملاقات کی تھی؟"

بولنے والی چند ثانیوں کے لیے جھجکی۔ ٹائیگر محسوس کرنے لگا کہ اُس نے اولی کو تنہا چھوڑ کر غیر ذمے داری کا ثبوت دیا ہے۔ پتا چلنے پر یقیناً اوشان اس کی خوب خبر لیتا۔

"میرا تعلق پیکر زکے آرٹرڈ پارٹمنٹ سے ہے نرس۔" ٹائیگر نے اُسے بتایا۔ "مجھے سوال کا جواب چاہیے۔"

"کسی نے نہیں، سر!" نرس فوراً بولی۔ "صرف پبلک ہیلتھ کے ڈاکٹر تھورن نے اُس سے ملاقات کی تھی۔ وہ آپ کے جانے کے تقریباً تین گھنٹے بعد آئے تھے۔ موت کی وجہ بھی انہوں نے ہی بتائی ہے، مم... مجھے افسوس ہے... ہم سب... پرائس کاؤنٹی والے اولی کو مقامی ہیرو سمجھتے تھے۔" نرس کی آواز بھرا گئی تھی۔

"تھینک یو نرس، میں سمجھ رہا ہوں۔ کیا تمہیں یقین ہے کہ صرف ڈاکٹر کیرنگٹن تھورن ہی اولی کا واحد ملاقاتی تھا۔ اس کے علاوہ کوئی شخص کمرے میں نہیں گیا؟"

"یس، سر!"

"شکریہ!" ٹائیگر نے ریسیور کریڈل پر ڈالا اور جوڈی کو اُس کے قدموں پر کھڑا کرنے کے لیے جھک گیا۔ وہ بالکل ٹوٹ پھوٹ کر رہ گئی تھی اور اس وقت کسی بے جان گڑیا کی مانند دکھائی دے رہی تھی۔ اُس نے جوڈی کو لونگ رُوم کی ایک کُرسی پر بٹھایا اور اُسے گرم گرم کافی کا کپ تھما دیا۔

"مبارک ہو!" دروازے سے اوشان کی آواز آئی تو ٹائیگر پلٹا۔ "بالآخر تم سکھڑ ہو ہی گئے۔ اب مجھے روبی کا مستقبل خاصا تابناک دے رہا ہے۔"

ٹائیگر آہستگی کے ساتھ پلٹا۔ اس وقت اُسے روبی کے ذکر پر بھی کوئی کوفت نہیں ہوئی تھی۔

"جوڈی کو اس کی ضرورت تھی۔ ٹِل فادر!" اُس نے اپنی صفائی پیش کی۔

"ہر عورت کو مرد اور اُس کی خدمات کی ضرورت ہوتی ہے میرے بچے! اور پھر تم تو صنفِ نازک پر خاصے مہربان رہے ہو، لیکن میں نہیں سمجھتا کہ اب..." اوشان کا لہجہ رفتہ رفتہ سخت ہوتا جا رہا تھا۔

"دراصل، ٹِل فادر... جوڈی کا شوہر..." ٹائیگر نے کہنا شروع کیا لیکن اوشان نے ہاتھ اُٹھا کر اُسے خاموش کرا دیا۔

"جو کہانی تم مجھے بتانے جا رہے ہو میں اُسے تمہارے اور اس معزز خاتون کے چہرے سے پڑھ چکا ہوں۔" اوشان نے کڑے تیوروں سے اُسے گھورا۔ "مجھے افسوس ہے کہ اس معاملے میں تم ایک چوہے سے بھی زیادہ ناکارہ ثابت ہوئے ہو؟"

ٹائیگر کے چہرے پر سُرخی اُمڈ آئی۔ کوئی اور موقع ہوتا تو وہ خود کو چوہا کہے جانے پر اوشان سے بھڑ جاتا لیکن اس وقت اُس کی اپنی خواہش تھی کہ ماسٹر کا سارا غصہ الفاظ کے ذریعے خارج ہو جائے۔

اور اوشان نے اُس کا کوئی لحاظ نہیں کیا تھا۔ شاید پہلی بار ٹائیگر کو کسی عورت کے سامنے بے نقط سُننا پڑی تھیں لیکن اُس نے چُوں بھی نہیں کی تھی۔

"میں نے کہا تھا نا شہزاد!" اوشان کا پارہ بدستور بلند تھا۔ وہ لوگ اس وقت کار کے ذریعے وساؤ جا رہے تھے۔ کاغذات اور نمونے ٹائیگر نے اپنے ہمراہ لے لیے تھے۔ "میرے بغیر تم ناکارہ ہو... دُنیا تمہیں موت کا ہرکارہ کہتی اور سمجھتی ہے لیکن انہیں علم نہیں کہ موت کے اس ہرکارے کی پُشت پر ایک منحنی سا بوڑھا ہے جو سانجو کی بجائے اگر امریکہ میں پیدا ہوا ہوتا تو تم اب تک اُسے اولڈ ایج ہاسٹل بھجوا چکے ہوتے۔"

ٹائیگر خاموش تھا۔ اُس کا ذہن ڈاکٹر تھورن کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ ڈاکٹر نے ہی کروگر کی گائیوں کا صفایا کیا اور پھر اولی کی گائیوں کو مار ڈالا۔ کروگر اُسی کے ہاتھوں قتل ہوا اور اولی زخمی ہو کر اسپتال پہنچ گیا۔ اُس پر یہ الزامات بھی عاید کیے گئے کہ وہ سرکاری کاموں میں دخل اندازی کا مرتکب ہوا ہے۔ ڈاکٹر تھورن نے آج صبح اولی سے ملاقات کی جس کے بعد وہ اپنے کمرے میں مُردہ پایا گیا۔

اولی سے ٹائیگر کا کوئی براہِ راست تعلق نہیں تھا لیکن وہ خود کو اُس کا مجرم سمجھ رہا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اُس نے دل ہی دل میں فیصلہ کیا کہ اب ڈاکٹر کو مزید مہلت دینا خطرے سے خالی نہیں۔

⚜

ہوٹل واپس آتے ہی اوشان یوں ٹی وی سے لپٹا جیسے اپنی محبوبہ سے سالوں کے فراق کے بعد ملا ہو۔ ٹائیگر خاموشی سے اپنے کمرے میں چلا آیا۔ اُسی وقت ہوٹل کے ٹی بورڈ سے اُس کے لیے پیغام آیا کہ نیویارک سے کسی انکل جانسن نے فون کیا تھا اور ہدایت کی تھی کہ واپس آتے ہی اُن سے رابطہ قائم کرے۔

ٹائیگر نے فوراً انکل جانسن کے نمبر ڈائل کیے۔

"اس سلسلے میں مزید پیش رفت ہوئی ہے۔ شہزاد۔" دوسری جانب سے بہرام کی گھمبیر سی آواز سُنائی دی۔ "مجھے یقین ہے کہ تم انہیں ضرور سُننا چاہو گے۔"

"اوہ بھی بہت سے واقعات رونما ہوئے ہیں۔" ٹائیگر نے جواب دیا اور بہرام کو اولی کی موت کی بابت آگاہ کر دیا۔

"یہ بُری معلومات سے خاصی ملتی جلتی رپورٹ ہے۔" بہرام نے جواب دیا۔ "بہرحال سُنو! پہلی بات یہ ہے کہ مرنے والے ڈیری فارمر کا۔ ل کروگر کی لاش اُن کئی فارموں میں سے ایک کے قریب پائی گئی تھی جو تھیوفولس وین کی ملکیت ہیں۔ کمپیوٹر کے مطابق وین کئی ملٹی نیشنل کمپنیوں کا حصّے دار ہے لیکن فی الوقت اُس کی ساری توجہ جرثوموں سے متاثر ہونے والے علاقوں میں فارم خریدنے پر ہے۔ اس کے علاوہ چھوٹی چیز کمپنیاں۔ ملک پروسیسنگ پلانٹ اور اس ٹائپ کے چھوٹے چھوٹے کاروبار بھی اُن کی توجہ کے مرکز ہیں اور یہ بات یقیناً تمہارے لیے نئی ہو گی کہ وین انہی کمپنیوں کا حصّے دار ہے جن میں ڈاکٹر تھورن کے حصص بھی موجود ہیں۔"

ٹائیگر نے ہونٹ سکوڑ کر باقاعدہ سیٹی بجائی تھی۔

"تم اس میں بھی دلچسپی رکھتے ہو گے..." بہرام نے دوبارہ بات شروع کی۔

"جو بتانا ہے، ایک ہی بار بتاؤ سوئٹ ہارٹ!" ٹائیگر نے جملہ کاٹا۔ "ایسا نہ ہو کہ میری دلچسپیاں تمہاری طرف والی لڑکی کی طرف منتقل ہو۔"

"تھیوفولس وین پر شُبہ ہے کہ وہ ایک ریڈیکل تنظیم میں بھی ملوث ہے۔" بہرام نے اپنی بات شروع کر دی۔ "وہ سوسائٹی انٹرنیشنل ایسٹ کی باقیات میں سے ہے۔"

"لیکن میرے خیال میں تو وہ فیٹ لنگ واحد آدمی تھا۔" ٹائیگر نے کہا۔

"ایسی بات نہیں، شہزاد۔ بڑی مچھلیوں کے ساتھ ساتھ کئی چھوٹے چھوٹے کیچوے بھی وہاں موجود تھے جو عدلِ انصاف کے جال سے بچ نکلے تھے۔ میرے خیال میں حکومت فرار ہونے والوں سے زیادہ اُن لوگوں میں دلچسپی رکھتی تھی جو اُس کے قبضے میں تھے، اسی وجہ سے بچ جانے والے اب بھی آزاد ہیں۔ وین بھی انہی میں سے ایک ہے۔ وہ اور تھورن باہمی کاروباری مفادات میں بھی منسلک ہیں۔ ممکن ہے تھورن خود بھی ایس ٹی ای میں شامل رہا ہو، دونوں ہی مختلف حیثیتوں میں آرمی کے لیے خدمات انجام دیتے رہے ہیں۔ اس بارے میں تم پہلے ہی جانتے ہو۔"

"اور کچھ؟" ٹائیگر نے دریافت کیا۔

"فی الحال یہی ہے۔" بہرام نے جواب دیا۔

ٹائیگر نے وین کے فارم کے بارے میں مزید تفصیلات معلوم کیں تو اُسے پتا چلا کہ یہ فارم درحقیقت جونسن نامی ایک خاندان کی ملکیت تھا جو چھ ماہ پہلے فروخت کر کے ٹوماہاک چلا گیا تھا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ٹائیگر نے ریسیور رکھ دیا۔ اب وہ تھورن سے پہلے وین کے فارم پر جانے کا خواہشمند تھا۔ وہ اُس دروازے کی طرف بڑھا جو اوشان کے کمرے میں کھلتا تھا لیکن دوسری جانب سے اوپر اچلنے کی آوازیں سُنائی دیں تو وہ رُک گیا۔

اُس نے سوچا تھا کہ وہ اوشان کو ساتھ لے کر وین کے فارم پر جائے گا لیکن پھر اُسے اوشان کے الفاظ یاد آ گئے کہ اُس کے بغیر وہ ناکارہ جوہے سے بھی بدتر ہے۔ اُس نے رُخ بدلا اور بیرونی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ اب وہ تنہا ہی وین کے فارم پر جا رہا تھا۔

پورے پورے رفتار کے ساتھ گلستان سے باہر جانے والی مرکزی شاہراہ پر دوڑ رہی تھی جو دُور دُور تک سنسان تھی۔ بڑی کریو کار کے ڈرائیور رامن بندو کو اُس کا تعاقب کرنے میں دُشواری پیش آ رہی تھی کیونکہ چھوٹی سی اسپورٹس کار فٹ پاتھ کے بالکل ساتھ لگی دوڑ رہی تھی۔

رات کا وقت تھا اس لیے شتر بے مہار کی طرح دوڑتی ہوئی ان گاڑیوں کو روکنے ٹوکنے والا کوئی نہ تھا۔

"گاڑی کے قریب ہونے کی کوشش کرو۔" گروپ کے لیڈر فرزی گنگو نے بندو کو حکم دیا۔

ڈرائیور نے ایکسی لریٹر کو فلور بورڈ کے ساتھ ملا دیا وہ گن کمان میں سے نکلے ہوئے تیر کی طرح آگے بڑھی۔

ٹھیک اُسی لمحے پورشے کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھی ہوئی روبی نے کار اسٹیئرنگ خطرناک حد تک دائیں سمت کاٹا اور لہراتی بل کھاتی کار کے سامنے آ گئی۔

"لعنت ہو۔" بندو نے باآواز بلند کہا اور کار کو فٹ پاتھ کی طرف موڑا۔ روبی نے اب اسپورٹس کار کو دوبارہ فٹ پاتھ کی طرف دبانا شروع کر دیا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بندو کا ذہن پریشان ہو گیا۔ اُسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے؟

اُس نے کار مزید بائیں سمت کی۔ روبی نے مزید سائڈ دبائی۔ بندو نے کار سنبھالنے کی کوشش کی لیکن وہ بلند فٹ پاتھ سے جا ٹکرائی۔ کچھ دیر تک کار فٹ پاتھ سے رگڑتی ہوئی چلتی رہی۔ بندو اسٹیئرنگ کے ساتھ کشتی لڑ رہا تھا لیکن وہ ناکام رہا۔ کار نے بُری طرح دو جھٹکے لیے اور اُس کے بائیں ٹائر زمین سے اُٹھ گئے۔

چند ہی ثانیوں بعد وہ چھت کے بل چکنی سڑک پر پھسل رہی تھی۔

اندر بیٹھے ہوئے قاتلوں کا حشر خراب ہو گیا تھا۔ بس اتنا ہوا کہ اُن میں سے کوئی ہلاک نہیں ہوا تھا۔ انہوں نے اپنے اپنے طور پر شکر ادا کیا تھا کہ انہیں کوئی خاص چوٹ بھی نہیں آئی تھی۔

لیکن صورت حال اب پہلے کی نسبت زیادہ خراب ہو گئی تھی۔ اسپورٹس کار یوٹرن لینے کے بعد اُن سے ذرا فاصلے پر رُک چُکی تھی۔

سب سے پہلے بندو کھڑکی کے راستے باہر نکلا اور اُسی نے سیاہ لباس والی اُس لڑکی کو دیکھا جو دونوں ہاتھوں میں ریوالور تھامے انہی کی طرف بھاگ رہی تھی۔

فرزی گنگو نے اپنی سمت کا دروازہ کھولا لیکن جب تک وہ باہر نکلتا دوسری جانب سے گولیاں چلنی شروع ہو گئی تھیں۔

پہلی دو گولیاں اُسی کو لگیں اور وہ اُلٹ کر سڑک پر جا گرا۔ اُس کے اردگرد کی زمین خون کا تالاب بن گئی تھی۔ اُس کی شاٹ گن جسے وہ سیاہ لباس والی کو گولی مارنے کے لیے اُٹھا لایا تھا۔ وہ دُور جا گری تھی۔

عقبی دروازے سے باگل بلدیو برآمد ہوا۔ اُس کے ہاتھ میں تھامپسن تھی۔ اُس نے سب مشین گن اُٹھائی اور سیاہ لباس والی کو گولی مارنی چاہی لیکن اُس کے ریوالور کی دو گولیوں نے بلدیو کی خواہش کو حسرت میں بدل دیا اور وہ تھامپسن پھینک کر دونوں ہاتھوں سے سینہ دبائے زمین پر ڈھیر ہو گیا۔

ایک گولی نے بابی کے سر کے چیتھڑے اُڑا دیے۔ وہ ابھی کار سے باہر نکلنے کی جدوجہد میں ہی مصروف تھا کہ قیامت ٹوٹ پڑی۔ اُس کا بھیجا کار کے اندرونی حصوں پر چسپک کر رہ گیا تھا۔

شاید بندو بھی کام آ جاتا لیکن اُس نے ذرا سی حاضر دماغی سے کام لیا اور بہادری دکھانے کی کوئی کوشش نہیں کی جس بگ کار اُلٹی اُس کے ساتھ ہی درختوں کا ایک جھنڈ تھا۔ وہ کار کی آڑ میں رینگتا ہوا درختوں تک جا پہنچا۔ جس وقت روبی باقی تینوں سے نمٹ کر اس کی طرف متوجہ ہوئی وہ درختوں کے عقب میں غائب ہو چکا تھا۔

خود بندو کو بھی اپنے فرار پر کوئی افسوس نہ تھا۔ وہ ایک مقصد لے کر وہاں سے فرار ہوا تھا۔

اُس کے نزدیک سب سے اہم بات لوپو کے پاس جانا اور اُسے بتانا تھا کہ کھیل بدل گیا ہے۔ وہ بھڑیے کو بتانا چاہتا

تھا کہ ٹائیگر اب شہر میں آ گئی ہے۔

روبی، نیلوفر وتالی کی مدد یا کسی اندھا دھند لڑائی میں شرکت کے لیے فرد وس نہیں آئی تھی۔ نیلوفر وتالی تو اتفاقاً ہی اُس کی نگاہوں میں آ گئی تھی۔

وہ درحقیقت اپل اٹھاسی کی تلاش میں تھی کہ اچانک اُسے علم ہوا کہ یہاں کوئی اور ہی کھیل کھیلا جا رہا ہے۔ سرکاری اداروں نے اس کی تصدیق کی تھی اور روبی نے یہ اطلاع ہیڈ ہرام کو پہنچائی تھی جس نے اُسے فوری طور پر اس سے نمٹنے کی ہدایت کر دی تھی۔

اور اس وقت وہ اپنے پہلے معرکے سے فارغ ہو کر آگے بڑھنے کی تیاریاں کر رہی تھی جب کہ نیلوفر وتالی اُس کے پہلو میں بیٹھی مسلسل معذرتیں کر رہی تھیں کہ اُس نے بلاوجہ اپنے مسائل میں اُلجھا کر اُسے پریشان کیا۔

"مت کرو معذرتیں!" بالآخر تنگ آ کر روبی بول پڑی تھی۔ "میں نے تمہیں ذاتی وجوہات کے باعث بچایا ہے۔ میں اپنے مقاصد کے لیے یہاں آئی تھی۔ اس لیے اگر تم میرا ساتھ دینا چاہتی ہو تو بہتر ورنہ یہیں سے اپنا راستہ الگ کر لو۔"

نیلوفر نے فوری طور پر ہی اپنا مستقبل اُس سے وابستہ کر لیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اگلے تیس منٹ تک وہ روبی کو مختلف مفید معلومات فراہم کرتی رہی تھی۔

"یہ وہی پرانا کھیل ہے جو بعض نئے قواعد و ضوابط کے تحت کھیلا جا رہا ہے۔" نیلوفر نے اُسے بتایا تھا۔ "گندی سیاست ڈرائنگ روم سے نکل کر قومی سطح پر آ پہنچی ہے۔ دھمکیاں، ہنگامے، بلیک میل ہر دفتر، ہر ہر سرکاری افسر اور اسمبلی کے ہر رکن کے لیے ضروری قرار پا رہا ہے۔ وہ لوگ اپنے طور پر ملک کا قانون بنا رہے ہیں۔ اسمبلی میں ایسے بل منظور کرائے جا رہے ہیں جن سے براہ راست یا بالواسطہ طور پر مجرموں کو فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ ان میں سے کچھ بل تو بڑی مجرم تنظیموں کے مخصوص ماہرین قوانین سے بھی تیار کرائے جا رہے ہیں۔ وہ لوگ ہر ایک کو خرید لیتے ہیں لیکن ہر شخص کی قیمت الگ ہے۔ کسی کو اُس کا سیاسی کیریئر ختم کرنے کی دھمکی دی جاتی ہے تو کسی کو قتل سے خوفزدہ کر دیا جاتا ہے۔ میں بھی انہی کی آلۂ کار تھی۔ تم نے مجھے جو لفافے دوسروں کو دیتے دیکھا ہو گا اُن میں رقم نہیں تھی بلکہ وہ دھمکیاں تھیں۔ بلیک میل کے خطوط تھے اور اسی طرح کی چیزیں تھیں جن سے کسی بھی شخص کو اپنی مٹھی میں قید کیا جا سکتا ہے جب سے لوپو سامنے آیا ہے کسی کو خریدنے کے لیے رقم استعمال نہیں کی گئی بلکہ اسی طرح کے ذرائع استعمال کیے گئے ہیں کیونکہ وہ اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ جو شے پہلے ہی اپنی ہو اُسے خریدنا بے وقوفی ہے۔"

روبی خاموشی سے یہ سب سُنتی رہی۔ نیلوفر نے اس کے بعد اور بھی بہت کچھ بتایا تھا جس سے روبی کے لیے کئی آسانیاں پیدا ہو گئی تھیں۔ نیلوفر اپنی ذات میں کردار کے حساب سے جیسی بھی تھی روبی کے لیے ایک نعمت ہی ثابت ہوئی تھی اور اب روبی کو دیکھنا تھا کہ وہ ان معلومات کی روشنی میں دُشمنوں پر کیا کاری ضرب لگا سکتی ہے۔

⬇

ٹائیگر نے اپنی کریا ڈاوین کے فارم سے کوئی نصف میل کے فاصلے پر کھڑی کی اور پھر قریب سے جائزہ لینے کی غرض سے پیدل آگے بڑھا لیکن یہ فاصلہ طے کرنے میں اُسے محض ڈیڑھ منٹ لگا تھا۔ دیکھنے والے دعویٰ کر سکتے تھے کہ وہ چل نہیں رہا تھا بلکہ دوڑ رہا تھا۔ ممکن ہے بعض یہی کہہ دیتے کہ وہ اُڑ رہا تھا۔

لیکن اگر خود اوشان وہاں موجود ہوتا تو وہ تعریف کرنے کی بجائے ٹائیگر کو ڈانٹتا کہ اُس کی رفتار پہلے سے کم کیوں ہو گئی ہے۔ شاید ٹائیگر اسی لیے اُسے پیچھے چھوڑ آیا تھا کہ وہ ذرا دیر کو تنہا رہ کر اُس پر ثابت کر سکتا کہ اُس کی صلاحیتوں کو زنگ نہیں لگا اور وہ اکیلا بھی معرکے سر انجام دے سکتا ہے۔

پرانے ڈیری فارم کے اردگرد سوگوار کا خطہ بالکل ویران پڑا تھا۔ عمارت اور اُس کے گردونواح میں زندگی کی کوئی علامت

ٹائیگر
اظہر کلیم
دو جلدوں میں
جلد اول =/150 جلد دوئم =/150
مکتبہ القریش
سرکلر روڈ اردو بازار لاہور
فون 7668958

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

نہیں تھی۔

لیکن تاریکی میں کسی انفراریڈ کیمرے کی آنکھ کی طرح ٹائیگر کی آنکھیں اس غبار دار تارا کی باڑ کو بآسانی دیکھ رہی تھیں جس نے عمارت کا احاطہ کر رکھا تھا۔ البتہ اب تک کوئی آدمی نظر نہیں آیا تھا۔

ٹائیگر کو کوئی پانچ سات منٹ انتظار کرنا پڑا جس کے بعد اُسے عمارت کے ایک کونے پر نقل و حرکت نظر آئی۔ وہ محافظ تھا جو ایک سرے سے دوسرے سرے تک ٹہلتا ہوا پہرہ دے رہا تھا۔ ٹائیگر بغور اُسے دیکھ رہا تھا اور ذہن میں اپنا منصوبہ تشکیل دے رہا تھا۔ کمپیوٹر کی طرح تیز رفتار دماغ فوری فیصلے کر رہا تھا لیکن ٹائیگر جلد بازی سے کام نہیں لینا چاہتا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اوشان کو کچھ اور کہنے کا موقع ملے۔

پہرے دار اچانک ہی ایک ایکومینٹ شیڈ کے سامنے رُک گیا۔ فوراً ہی ایک شعلہ بھڑکا۔ اُس نے سگریٹ سلگانے کے لیے لائٹر جلایا تھا۔ ایک طویل کش لینے کے بعد پہرے دار نے کندھے اُچکائے اور دوسری طرف مڑ گیا۔

ٹائیگر نے اپنی پیش قدمی شروع کر دی۔ پہرے دار ایک چوتھائی سگریٹ بھی نہ پی سکا تھا کہ وہ باڑ پر موجود تھا۔ سامنے ہی بغلی دروازہ دکھائی دے رہا تھا جو ٹائیگر سے محض چند فٹ کے فاصلے پر تھا۔ دروازہ بند تھا لیکن اُس کے حساس کان اندر سے آنے والی آوازیں بخوبی سن رہے تھے۔ ٹائیگر یہ بھی بتا سکتا تھا کہ بولنے والے تین ہیں۔

"میرے خیال میں ڈاکٹر کے لڑکے آج رات کئی اور غبارے پھینکنے کے چکر میں ہیں۔ مگر شاید موسم ساز گار نہ رہے طوفانی ہواؤں کی پیش گوئی کی گئی ہے۔ ہو سکتا ہے سارے غبارے جھیل منشی گن میں جا گریں لیکن ہمیں کیا۔ ڈاکٹر نے خود ہی فٹ بال کے پلینہ کو مار کر اپنے لیے ایک نئی مصیبت کھڑی کر لی ہے۔"

"تمہارا خیال واقعی درست ہے ہال!" دوسری آواز ٹائیگر کے کانوں سے ٹکرائی۔

"مشکلات ابھی اور بڑھیں گی ایڈ۔ مجھے تو خطرہ ہے کہیں انر فورس والے غباروں کا تعاقب۔۔۔ ع کر دیں۔"

تیسرا آدمی بولا: "دیکھو ہال ذرا ایڈ! ہمیشہ روشن پہلو پر نگاہ رکھا کرو۔ کوئی بھلا کیسے جان سکتا ہے کہ ہم غبارے استعمال کر رہے ہیں! اور پھر کسی کو یہ علم کس طرح ہو سکتا ہے کہ جو بیماری ہم پھیلا رہے ہیں وہ قدرتی نہیں!"

"تصویر کے بہر حال دو رُخ ہوتے ہیں ٹرنر۔ اب ہی دیکھ لو۔"

"میں تاریک رُخ پر نگاہ نہیں رکھنا چاہتا۔" ٹرنر نے تیز لہجے میں اُس کی بات کاٹی۔ "بے شک ہم جانتے ہیں کہ کیا ہو رہا ہے لیکن یہ بات بھی مدِنظر رکھو کہ ڈاکٹر تھورن اس بارے میں مکمل طور پر پُر اعتماد ہے کہ اس منصوبے کا علم۔ کھٹکے والے یا مر چکے ہیں یا ہمارے ساتھ ہیں۔ پھر پریشانی کی کیا بات ہے؟ میرا مشورہ ہے کہ خاموشی سے وہ کام انجام دو جو ہمارے ذمے لگایا گیا ہے۔"

"میں پھر اپنی بات پر زور دوں گا کہ وہ جھیل منشی گن کے پانیوں میں غرق ہو جائیں گے۔ یا ممکن ہے جھیل پار کر کے کینیڈا یا آرکٹک سرکل کی طرف نکل جائیں۔ پولر بیئر تو اس سے بیمار نہیں پڑ سکتے۔"

"اپنا سر استعمال کرو۔ اگر کسی کو پتا چل گیا کہ غبارے بیماری کے پھیلاؤ کے لیے استعمال ہو رہے ہیں تو کیا ہو گا؟"

"پھر بھی یہ پتا نہیں چل سکے گا کہ یہ غبارے کس نے فضا میں چھوڑے ہیں۔"

"میں تو کہتا ہوں، یہ ساری باتیں ہی فضول ہیں ہال!" ایک بولا۔ "ڈاکٹر تھورن نے یہ یقین دہانی کرائی ہے کہ راز افشا ہونا ناممکن ہے۔"

"مگر ڈاکٹر کہاں ہے؟ اُسے اب تک یہاں پہنچ جانا چاہیے تھا۔ ہم تعداد میں پہلے ہی کم ہیں اور میرے خیال میں وہ پروگرام کا التوا کبھی پسند نہ کرے گا۔"

"ممکن ہے اُس نے خود ہی غبارے چھوڑنے میں تاخیر کر دی ہو۔" ٹرنر بولا۔

"جو بھی ہو، ہمیں اپنا اپنا کام بہر حال کرنا چاہیے۔" ہال نے گویا حکم دیا۔

دروازے سے باہر کھڑا ٹائیگر یہ سوچ رہا تھا کہ اب اس جگہ کو تباہ کرنا ضروری ہو گیا ہے تاکہ نہ صرف غبارے بلکہ بیماری کے جراثیم اور یہ ٹیکنیشن بھی ختم ہو جائیں۔ وہ جانتا تھا کہ تھورن جلد ہی یہاں پہنچ جائے گا۔ وہ خود بھی اُس کا منتظر تھا کیونکہ اُسے اپنے چند سوالوں کے جواب درکار تھے جو صرف ڈاکٹر دے سکتا تھا۔

ٹائیگر کو اپنے کام کی اشیا تلاش کرنے میں کسی دقت کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ باڑ کی دوسری جانب خشک پھوس کا

ایک ڈھیر موجود تھا۔ ٹائیگر نے لمحوں میں گھاس کو عمارت کے گیراج میں منتقل کر دیا اور پھر جیب سے ماچس نکال کر گھاس پھوس کو آگ لگا دی۔

ننھی سی چنگاری نے جلد ہی بھڑکتے شعلوں کی صورت اختیار کر لی۔ ٹائیگر نے خشک لکڑی کے کچھ ٹکڑے اُٹھا کر گھاس کے ڈھیر پر پھینکے اور واپسی کے لیے مڑا۔

ٹھیک اُسی لمحے اُسے دو افراد سامنے سے آتے دکھائی دیے۔ وہ ہال اور ایڈ تھے۔

ایڈ نے ٹائیگر کو دیکھ کر چیخنے کے لیے منہ کھولا لیکن ٹائیگر ایک ہی زقند میں اُس تک پہنچا۔ ٹائیگر نے اپنی انگشت شہادت سیدھی کی جو ایڈ کے بائیں بازو پر لگی۔ اُسے یوں لگا جیسے وہ انگلی نہ ہو کوئی تیز دھار چاقو ہو۔ ایڈ ذبح ہوتے ہوئے بکرے کی طرح چلایا۔ ٹائیگر نے انگلی کو حرکت دی اور وہ پھسلتی ہوئی اُس کے دل کے مقام تک آ پہنچی۔ اب درد ایڈ کے دل میں ہو رہا تھا۔

ایڈ نے درد سے بچنے کے لیے پیچھے ہٹنے کی کوشش کی لیکن ٹائیگر نے انگلی پر دباؤ بڑھا دیا اور وہ کسی تیز دھار چاقو کی مانند اُس کے دل میں اُتر گئی۔

ایڈ کی آخری چیخ بے حد کرناک تھی۔

وہ فرش پر گرا تو ٹائیگر نے انگلی یوں اُس کے سینے سے نکالی جیسے شیمپین کی بوتل سے کارک اُڑایا گیا ہو۔

ہال واپس بھاگا۔

"آگ... آگ...!" وہ چیخ رہا تھا۔ ٹائیگر نے قدم آگے بڑھایا تاکہ اُس کی چیخ و پکار کا گلا گھونٹ سکے لیکن کچھ سوچ کر رُک گیا۔

وہ چاہتا تھا کہ ڈاکٹر تھورن کو اُس کے بارے میں تفصیلی رپورٹ ملے۔

*

پرویز گھر جُرم کی ایک لمبی زنجیر سے منسلک تھا۔ وہ اپنی تنظیم کا انڈر باس اور رمیش گوپی کو جوابدہ تھا جو اُسی کی طرح تنظیم کا نیا سربراہ بنا تھا۔

بعض رپورٹوں کے مطابق کئی ماہ کا عرصہ گزرنے کے باوجود رمیش گوپی مجرموں کے تمام گروہوں پر مکمل گرفت نہ کر پایا تھا شاید اس کی وجہ وہ سرکاری اقدامات تھے جنہوں نے مجرموں کا جینا حرام کر رکھا تھا لیکن کچھ عرصے سے حالات نے جو پلٹا کھایا تھا اُس نے فردوس کو مجرموں کی جنت بنا کر رکھ دیا تھا۔

پرویز گھر رمیش گوپی کا ایک فرمانبردار ماتحت تھا۔ اُس نے گلستان اور اس کے اردگرد کئی ایسے ایکٹ بنا رکھے تھے جو کسی نہ کسی صورت رمیش کا دم ہی بھرتے تھے۔ اُس نے سیاسی اور سرکاری معاملات میں کبھی مداخلت نہ کی تھی بلکہ اُس کے خصوصی ٹیلنٹ میں لڑکیاں، منشیات، جوا، ویڈنگ مشینیں، قرض کا ادارہ اور کئی کی جوائنٹ شامل تھے۔ وہ دو بار، رومز، ایک پول ہال اور ایک بہت بڑی ایسٹیٹ ایجنسی کا خاموش پارٹنر تھا۔

اپنے اس کاروبار اور ان انویسٹمنٹ کی نگرانی کے لیے پرویز کا اپنا کریو تھا جو نسبتاً مختصر تھا۔ گلستان میں روبی کی آمد کے وقت اس جنوب مغربی باس کے پاس دس فوجی تھے جو سرکاری طور پر گالوں کی اُس فوج کے انفورسرز اور کنٹرولرز تھے جو درحقیقت ریکٹ چلاتے تھے۔ ان دس افراد کے علاوہ چار آدمی اُس کی حفاظت پر مامور تھے۔ یہی چودہ آدمی پرویز کی اصل طاقت تھے۔

لیکن روبی نے پہلے ہی ہلے میں ان چودہ میں سے تین ستونوں کو گرا دیا تھا۔

مگر پرویز گھر کے لیے اس وقت روبی ہی سب سے بڑا مسئلہ نہیں تھی۔

بلکہ سب سے بڑا مسئلہ لوپو تھا۔

اور پرویز کو لوپو سے نفرت تھی۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ لوپو نے اپنا جو گروہ ترتیب دیا تھا وہ پڑھے لکھے اور اعلیٰ سوسائٹی سے تعلق رکھنے والے نوجوانوں پر مشتمل تھا۔ اُس نے اپنے ان پڑھے لکھے مجرموں کی مدد سے تنظیم میں اختیارات کے توازن کو بھی ڈانواں ڈول کر دیا تھا۔

پرویز نے لوپو کی ان زیادتیوں کے خلاف ہائی کمان کو درخواست کی تھی... احتجاج کیا تھا... لیکن اُس کی شنوائی نہیں ہوئی تھی۔

بلکہ اس کے برعکس لوپو کو کھلی چھٹی دے دی گئی تھی۔

یہی وجہ تھی کہ پرویز کو لوپو سے نفرت تھی۔

وہ قوم پرست تھا۔

اور پرویز گھر قوم پرستوں کو بھی پسند نہیں کرتا تھا۔

صرف یہی نہیں، رمیش گوپی بھی لوپو کو پسند نہیں کرتا تھا لیکن وہ بھی اُنہا ہی مجبور تھا جس قدر پرویز۔ تنظیم کے بڑوں نے رمیش جیسے بوڑھوں کی بات سُننی چھوڑ دی تھی۔ اب وہ

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

لوپو کا ساتھ دیتے تھے۔

اگر لوپو کہتا کہ کچھ دنوں کے لیے ایکشن سُست کر دیا جائے... تو تنظیم کی سرگرمیاں کم ہو جاتیں۔ اس سے تنظیم کے مالی وسائل پر ضرب پڑتی لیکن یوں لگتا تھا جیسے کسی کو بھی مالی معاملات میں دلچسپی نہ رہی ہو۔

اور اگر لوپو کہتا کہ اُسے مسیح دستہ بھیجا جائے... تو وہ اُسے مسیح دستہ بھیجنے کے پابند تھے... لیکن مزے کی بات یہ تھی کہ اِس مسیح دستہ کو ادائیگی لوپو نہیں کرتا تھا۔

یوں اس شخص نے پورے فروس کے مجرموں کو اپنے انگوٹھے تلے داب رکھا تھا۔

اسی وجہ سے پرویز گھر اُس سے نفرت کرتا تھا۔

رمیش گوپی کے جذبات بھی اُس کے لیے ایسے ہی تھے۔

اور اس وقت لوپو کے بارے میں ایک سے جذبات رکھنے والے بیس میل لمبی ٹیلی فون وائر کے ذریعے ایک دوسرے سے بات چیت کر رہے تھے۔

"سُنا تم نے رمیش... وہ تینوں... ہارس، ٹومی اور جو کا... گھر کے سامنے موجود ہیں۔ مردہ حالت میں۔ بھیڑیوں کا دستہ تھا۔ میں جانتا ہوں۔ ظالموں نے اُن کی لاشیں کہیں اور نہیں پھینکیں بلکہ عین میرے گھر کے دروازے پر ڈال کر چلتے بنے ہیں... کسی نے کال بیل بھی نہیں بجائی۔ اسی لیے ہم سے پہلے قانون اُن تک پہنچ گیا۔ اب بتاؤ میں قانون کے ان غنڈوں کو کیا بتاؤں؟"

"تمہارے لڑکوں کے پاس شناختی کاغذات تھے؟" رمیش نے غراہٹ آمیز لہجے میں پوچھا۔

"یقیناً، لیکن اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟ لاش تو لاش ہے۔ میں نے قانون کے لیے ایک کہانی گھڑ لی ہے۔"

رمیش نے ایک طویل سانس لی۔ "تم نہیں کوئی کہانی نہیں سناؤ گے کیونکہ تم اس بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ یہ بہت آسان سی بات ہے کہ تمہارے لڑکے۔ تمہارے جنوب مغربی ایریا منٹ کے سیکیورٹی ایجنٹ تھے۔ اس لحاظ سے اُن کے دشمن بھی ہوں گے۔ وہ ایک سیاہ پوش کے شکار ہیں... اور بس۔"

زوار یرغمالوں کی رہی پھر پرویز بولا۔ "میں اس سے پریشان نہیں ہوں رمیش۔ ہم اُس سیاہ پوش کو یہ سب کرنے کی اجازت نہیں دے سکتے۔ ہمارے لڑکوں کی عزت اور دہشت ختم ہو کر رہ گئی ہے۔"

"یہ تمہاری غلطی تھی پرویز۔" رمیش کسی لحاظ کے بغیر بول اٹھا۔ "مجھے یہ کہتے ہوئے دُکھ ہو رہا ہے لیکن یہی درست ہے۔ یہ سب کچھ تم نے شروع کیا تھا اور یہیں تم غلطی کر گئے اب اگر ہم نے اس بحران سے نکلنے کی کوشش نہ کی تو بہت بڑی مشکل میں پھنس جائیں گے۔ لوپو اور میں بھی اسی بحران سے نمٹنے کی کوششیں کر رہے ہیں۔ ہمیں افسوس ہے کہ تمہارے لڑکوں کو بھاری قیمت ادا کرنی پڑی ہے۔"

"میں جانتا ہوں... میں جانتا ہوں۔" پرویز گھر نے فوراً اُس کی تائید کی۔ "لیکن میں اب بھی کہتا ہوں کہ اس بحران میں ہمیں لوپو نے ہی دھکیلا ہے لیکن تم جو کہو گے وہی کروں گا میرے گھر کے سامنے موجود لاشیں میرے لیے انتباہ ہیں... ایک واضح انتباہ... تمہارا کیا خیال ہے؟"

"میں تم سے متفق ہوں۔" رمیش بولا۔ "لیکن ذرا ٹھنڈے دماغ سے... پریشان مت ہو۔ لوپو کی باری بھی آئے گی... اُس کی گڈمی اس وقت چڑھی ہوئی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اس کوشش میں اُس نے اپنے بہت سے دشمن پال لیے ہیں۔"

"اُسے میرے لڑکوں کو ہلاک نہیں کرنا چاہیے تھا۔"

"ممکن ہے اُس نے یہ نہ کیا ہو۔ تم اپنے لڑکوں کو مجھ سے زیادہ بہتر طور پر جانتے ہو، کیوں صحیح ہے نا؟"

پرویز گھر نے ہنکارا بھرا۔ "ممکن ہے یہ اُسی کی کارستانی ہو۔ میں نہیں سمجھتا کہ دُنیا کی کوئی طاقت میرے لڑکوں پر بھاری ہو۔"

"اُس کا یقین کر لو اور بھول جاؤ۔"

"یقین تو کر سکتا ہوں، بھول نہیں سکتا۔"

"بھول جاؤ۔ پرویز، کم از کم کچھ وقت کے لیے۔"

"ٹھیک ہے۔ بھول گیا۔"

"پولیس کو وہی بتاؤ جو میں نے کہا ہے اور پریشان نہیں ہونا۔ میں حالات سے پوری طرح باخبر ہوں۔"

"مجھے یہ سُن کر خوشی ہوئی۔"

رمیش نے سلسلہ منقطع کیا تو پرویز نے بھی رسیور کریڈل پر ڈال دیا۔ وہ یوں فون کو گھور رہا تھا جیسے اُس کے لڑکوں کے قتل کا ذمے دار یہی رہا ہو۔

وہ بستر سے اُترا اور گاؤن پہننے لگا۔ پھر ریشمی یا جامے کے گرد بیلٹ کستا ہوا وہ کریو روم کی طرف بڑھا تو اُس کے ذاتی محافظوں کا لاؤنج ایریا تھا۔

صرف راکی موجود تھا... وہی راکی جو اُسے بستر پر یہ بُری خبر سُنانے کے لیے آیا تھا... وہ اب بھی کھڑکی کے پاس کھڑا نیچے کا نظارہ لے رہا تھا۔

کئی گاڑیاں کھڑی تھیں جن میں سے کئی ایک پر پولیس کے نشانات تھے جب کہ متعدد ایسی سرکاری گاڑیاں تھیں جن پر کوئی سرکاری نشان موجود نہ تھا۔ فوٹو گرافروں کی فلیش گنیں چمک رہی تھیں۔ کئی ایک گھر کی تصاویر اُتار رہے تھے۔ سڑک ٹریفک کے لیے بند کر دی گئی تھی اور پولیس والے چھوٹے سے ہجوم کو منتشر کرنے کی کوششوں میں مصروف تھے۔

راکی چیف ہاؤس مین تھا۔ وہ سابق فوجی تھا اور عرصہ دراز سے پرویز کی ملازمت میں تھا۔ اسی لیے وہ پرویز کا ذاتی دوست اور شاید دُنیا کا واحد آدمی تھا جس پر پرویز کو اعتماد تھا۔

"یوں لگتا ہے جیسے باہر سرکس لگا ہو۔" راکی بڑبڑایا۔ "ہر کوئی اس طرح کے ہنگامے کیوں دیکھنے آتا ہے؟"

"یہ سب بے وقوف ہیں۔" پرویز نے کھڑکی میں سے نیچے جھانکا اور پیچھے ہٹ آیا۔ ایک کیمرے کی فلیش گن براہ راست مکان پر چمکی تھی۔ "وقت کیا ہوا ہے؟"

"تقریباً پانچ۔" باڈی گارڈ نے جواب دیا۔ "رمیش نے کیا کہا ہے؟"

"پرانی باتیں... وقتی طور پر ٹھنڈے رہو۔"

"تو۔ تمہارا کیا خیال ہے؟"

"وہی جو رمیش نے کہا ہے۔ وہ باس ہے... فریم کہاں ہے؟" پرویز نے اِدھر اُدھر دیکھا۔

راکی نے سر سے کھڑکی کی طرف اشارہ کیا۔ "وہاں... ریٹر کے ساتھ... ایک معزز شہری کی حیثیت سے ریٹر سب سے پہلے وہاں گیا تھا۔ وہ پولیس والوں کو بُرا بھلا کہہ رہا تھا۔"

پرویز کچھ کہے بغیر کمرے کے کونے میں رکھی میز کی طرف بڑھا۔ اُس نے جگ میں سے کافی انڈیلی اور ٹی وی آن کر دیا۔ ایک چینل منتخب کر کے وہ سادہ اسکرین کو گھورنے لگا۔

چند ثانیوں بعد وہ غرایا۔ "ارے۔ ابھی اتنی صبح ہے کیا؟"

"میں نے کہا تھا۔ صبح کے پانچ بجے ہیں۔" باڈی گارڈ نے اُسے یاد دلایا۔ "اُس آزاد اسٹیشن کو ٹرائی کرو... اُس کا چینل..."

ہال کا دروازہ کھلا اور ایک دوسرا آدمی اندر داخل ہوا۔ "سادہ لباس والے اندر آنا چاہتے ہیں۔" اُس نے رپورٹ دی۔ "وہ کہتے ہیں یہ معمول کی کارروائی..."

"اُسے کہہ دو۔" راکی۔ "زخمی کاٹا یہ کسی نے کچھ نہیں دیکھا۔"

"لیکن وہ مسٹر پرویز سے ملنا چاہتا ہے۔"

"اُسے بتاؤ کہ مسٹر پرویز اتنے پریشان ہیں کہ اس وقت کسی سے نہیں مل سکتے۔ جونہی انہوں نے بہتری محسوس کی فون کر لیں گے... وہ پولیس والے مرنے والوں کے بارے میں کیا محسوس کر رہے ہیں؟"

آنے والے نے کوئی جواب نہیں دیا لیکن اُس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آگئی اور وہ باہر چلا گیا۔

چیف باڈی گارڈ اپنے باس سے مخاطب ہوا۔ "ہم انہیں کیا بتائیں گے۔ پرویز؟ ہمیں جلد یا بدیر اُن کا سامنا تو کرنا ہی ہوگا۔"

"کالوں نے کیا ہے؟" پرویز نے اطمینان سے کہا۔

"یعنی تینوں قتل انہوں نے کیے ہیں... اوہ! یہ تو سب سے بہتر بیان ہے۔"

"یقیناً! ہمارا بیان یہی ہوگا کہ ان کالے گدھوں نے حملہ کیا، لوٹا اور پھر مار کر لاشیں میرے گھر کے سامنے ڈال کر چلتے بنے۔"

راکی نے اثبات میں سر ہلایا۔

بیرونی دروازہ دوبارہ کھلا اور غنڈے نے اندر جھانکا اس بار اس کے چہرے پر سختی تھی۔ "اس شخص کے پاس جان کا وارنٹ موجود ہے۔" اُس نے باآواز بلند کہا۔

اس کے پیچھے پیچھے ایک اور شخص اندر آگیا۔ طویل قامت نوجوان اور سیاہی مائل رنگت والا۔

"مجھے افسوس ہے کہ میں نے اس وقت آپ کو پریشان کیا مسٹر پرویز!" اُس نے نرم لہجے میں کہا۔

"تو اب مسٹر جان کو پریشان کرو۔" پرویز نے جواب دیا لیکن نظروں اُٹھا کر اُسے دیکھا نہیں۔

"ہم جانتے ہیں کہ آپ تعاون کے خواہش مند ہیں۔" وہ دوبارہ بولا۔ "آپ کے لڑکوں کے ساتھ جو کچھ ہوا بے حد ظالمانہ فعل ہے۔"

"ملازمین۔" پرویز نے اُس کی تصحیح کی۔ "اور تم بھول جاؤ کہ میں تعاون کروں گا۔ اگر چوبیس گھنٹے کے اندر اندر اصل ملزمان گرفتار نہ ہوئے تو پھر میں خود اُن سے نمٹوں گا۔"

"کون سے ملزمان؟"

"تم جانتے ہو میں کن کی بات کر رہا ہوں... وہی کالے جو ہمارے لیے عذاب بنے ہوئے ہیں۔"

سراغ رساں مُسکرا دیا۔ "ممکن ہے آپ درست کہتے ہوں۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

لیکن میرے پاس کہانی کچھ اور ہے۔ میں آپ کو سناتا ہوں۔ شاید آپ بھی دلچسپی لیں۔" اُس نے ذومعنی انداز میں کہا اور پرویز ٹھوک نکل کر رہ گیا۔

ہال اور رنڈی شعلوں پر قابو پانے کی جستجو کرنے لگے اور ٹائیگر ذرا فاصلے پر کھڑا ہو کر یوں اُن کی بوکھلاہٹوں سے لُطف اندوز ہونے لگا جیسے سرکس کا کوئی شو دیکھ رہا ہو۔ اُس کے ہونٹوں کے گوشے مُسکراہٹ کے انداز میں پھیلے ہوئے تھے۔

شُعلے مدھم پڑ گئے تھے لیکن عمارت اب بھی ان کی زد میں تھی۔ جب لیبارٹری کے دونوں آدمیوں نے دیکھا کہ وہ مکمل طور پر آگ بجھانے میں ناکام رہیں گے تو انہوں نے بیرونی چہار دیواری کی مدد سے اپنے آلات کو بچانے کی کوششیں شروع کر دیں۔

ٹائیگر کا اندازہ تھا کہ وہ لوگ ہیلیم جنریٹنگ پلانٹ، غباروں کے کئی بکس اور ایک ریفریجریٹر بچانے میں کامیاب ہو جائیں گے جس میں یقینی طور پر بکٹیریا تھے۔

ہوا بھی یہی۔ جب عمارت کی بچھت منہدم ہوئی ہال اور رنڈی ضروری سامان اُس کی زد سے نکال لے جا چکے تھے۔

ٹھیک اُسی وقت فارم کی مشرقی جانب سڑک پر دو ہیڈ لائٹس دکھائی دیں، وہ کوئی کار تھی۔ ڈرائیور کی نظر جونہی شعلوں پر پڑی اس نے فوراً ایک دم بریک دے دی۔ ٹائیگر نے کار کی طرف دیکھا فارم کی آگ کی مدھم سی روشنی میں اُس نے ڈرائیور کو پہچان لیا۔ وہ ڈاکٹر تھورن تھا۔

ٹائیگر کا ارادہ تھا کہ وساؤ واپس جا کر اوشان کو ساتھ لے آئے لیکن صورتِ حال جو رُخ اختیار کر گئی تھی اُس کے پیشِ نظر اتنا وقت ضائع کرنا مناسب نہ تھا۔ چنانچہ اُس نے روانگی ملتوی کر دی۔ وہ چاہتا تو سارے قضیئے کو یہیں نمٹا سکتا تھا لیکن وہ اس ڈرامے کے سارے کرداروں کو موت کے گھاٹ اُتارنا چاہتا تھا۔ چنانچہ انتظار کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔

"تم لوگ پرلے درجے کے بے وقوف اور گدھے کے بچے ہو۔" ڈاکٹر کیمگن تھورن کار سے اُترتے وقت کسی بھیڑیے کی طرح غرا رہا تھا۔ غصّے کے مارے اُس کا جسم کانپ رہا تھا۔

ہال نے وضاحت کرنے کی کوشش کی: "ہم... ہم جانتے ہیں کہ آگ کس نے لگائی ہے؟"

"کوئی پولیس میں تھا؟ اُس کا خاتمہ کیا تھا؟"

ہال نے ٹائیگر کا حلیہ بتا دیا۔

"اوہ... یہ تو وہی ہے۔" ڈاکٹر تھورن چیخ اُٹھا: "وہ گدھا پورے جو آج ہی میرے دفتر میں آیا تھا... تو وہ پولیس والا نکلا۔ میں پہلے ہی اُس کی طرف سے مشکوک تھا لیکن وہ یہاں تک پہنچا کیسے؟"

ہال: "ڈاکٹر کے ہیجے سے مزید خوفزدہ ہو گیا تھا: "اُس نے ایڈ کو بھی مار ڈالا ہے... نہ... خالی ہاتھ سے... اُس نے اپنی دریائی اُنگلی ایڈ کے سینے میں گھونپ دی تھی۔"

تھورن کا ساتھی جیمز نوٹس وین بھی کار سے اُتر کر اُن کے قریب آ گیا تھا۔ وہ ہال کا جُملہ سُن کر بُری طرح چونکا: "کک... کیا کہا تم نے؟" وہ اٹک اٹک کر بولا۔

"اُسی شخص نے اُنگلی گھونپ کر ایڈ کو مار ڈالا ہے۔" ہال نے اپنی بات دہرائی۔

"ٹائیگر...!" وین خوفزدہ انداز میں کراہا: "وہ... وہ ٹائیگر ہے۔"

"کیا؟"

"ہاں، ڈاکٹر... بدقسمتی سے ٹائیگر کو ہمارے آپریشن کی بھنک پڑ گئی ہے۔ اس سے پہلے کہ وہ واپس آئے ہمیں جلد از جلد اپنے سامان کو یہاں سے منتقل کرنا ہوگا۔"

"لیکن یہ ٹائیگر ہے کیا بلا؟"

جواب میں وین نے وہ تمام باتیں تھورن کو بتا دی تھیں جو اُسے ٹائیگر کے بارے میں معلوم تھیں۔

"وہ موت کا ہرکارہ ہے۔" وین نے آخر میں کہا: "چوڑی چوڑی کلائیوں والا... ایک کورپائی اُس کا اُستاد ہے..."

ڈاکٹر تھورن کو رپورٹر کا جثہ یاد آ گیا۔ اُس کا جسم مضبوط اور کلائیاں موٹی موٹی تھیں۔ بُوڑھا بھی اُس کے ساتھ موجود تھا۔ وہ یقیناً ٹائیگر اور اُس کا اُستاد ہی تھا۔

"ہمیں انتہائی تیز رفتاری کے ساتھ یہاں سے منتقل ہونا ہے۔" وین اپنی بات پر مصر تھا: "میں کسی اور ٹرک کی تلاش کے لیے ریڈیو فون مستعمل کرتا ہوں۔ اس سے پہلے کہ مقامی فائر ڈیپارٹمنٹ یہاں تک پہنچے ہمیں تمام قابلِ اعتراض اشیا یہاں سے لے جانی ہیں۔"

"فکر نہ کرو۔" ڈاکٹر تھورن نے اُسے تسلی دی: "فارم کے اردگرد چار میل کے فاصلے تک کوئی رہائشی عمارت نہیں اور یوں بھی مجھے اُمید نہیں کہ رات کے اس پہر کسی نے آگ دیکھی ہو اور فائر ڈیپارٹمنٹ کو فون کیا ہو... ہم لوں بھی اس کی رپورٹ درج نہیں کرائیں گے۔ ہم نہایت اطمینان کے ساتھ یہاں سے منتقل

ہو سکتے ہیں۔"

"پھر کہاں کے ارادے ہیں؟" وین نے پوچھا۔

"تمہاری دوسری جگہ... رابن لینڈر کے نزدیک۔"

"گڈ... لیکن یاد رکھو کہ رقم کل یہاں پہنچے گی۔ ہم چار لاکھ پچھتر ہزار ڈالر یا عباروں کے آس پاس کسی قسم کی تفتیش پسند نہیں کریں گے۔ پھر اب ٹائیگر بھی میدان میں آ گیا ہے۔ اُس کا ریکارڈ ہے کہ جب وہ کسی کام میں ہاتھ ڈالتا ہے تو مطمئن ہوئے بغیر اسے چھوڑتا نہیں۔ اس لیے جو کرنے کا ارادہ ہے اُسے بھی جلد از جلد نمٹا دو۔"

"اب دوسرے مرحلے کی باری ہے لیکن یہ اگلے ہفتے سے پہلے ممکن نہیں۔" ڈاکٹر تھورن نے جواب دیا۔

ہال اوپن شیڈ سے ایک ٹن کا ٹرک ڈرائیو کر کے لے آیا ٹرک اُس نے ان کے نزدیک کھڑا کر دیا اور خود عقبی حصّے کی طرف بڑھا جہاں رنڈی اور ٹرنر اپارٹمنٹ سائز ریفریجریٹر اُٹھانے کی کوشش کر رہے تھے۔

"کیا تم روبی نام کی کسی لڑکی کو جانتے ہو؟" سراغ رساں بدستور طنزیہ انداز میں مُسکرا رہا تھا۔

پرویز گھر کی نگاہیں جُھک گئیں۔ اُس کا دل بھی ایک بار کی دھڑکا تھا: "میں اس نام کی متعدد لڑکیوں کو جانتا ہوں۔" اُس نے بات کترا کر کہا: "کئی ایک تو مختلف موقعوں پر میری مہمان بھی رہ چکی ہیں... اب جاؤ... یہ وقت لڑکیوں کے بارے میں باتیں کرنے کا نہیں۔ میرے عزیز ترین لڑکے مارے گئے ہیں۔ براہ کرم مجھے اُن کا سوگ منانے دو۔"

"یقیناً۔" سراغ رساں طنز میں غرّایا: "لیکن یہ نام بار بار سامنے آ رہا ہے۔ آج صبح ہی ہمیں مزید چار لاشیں ملی ہیں... تمام مرد ہیں... اور اُن میں سے ایک تمہارا خاص آدمی ہے۔ مسٹر پرویز!"

"کون؟" نہ چاہتے ہوئے بھی لفظ اُس کی زبان سے پھسل گیا تھا۔

سراغ رساں نے کندھے اُچکائے: "فنگر پرنٹس کی رپورٹ آنے تک شناخت تو ممکن نہیں لیکن ہمیں یقین ہے کہ وہ فرزی گنگو عرف فرزند پہلوان ہے۔"

پرویز گھر صرف آنکھیں ٹمٹما کر رہ گیا تھا۔

سراغ رساں دوبارہ مسکرایا اور باہر چل دیا۔ جاتے ہوئے وہ اپنے عقب میں دروازہ بند کرنا نہ بھولا۔

جونہی دروازہ بند ہوا راکی پھٹ پڑا: "مرنے والے فرزی اور اُس کے آدمی ہیں پرویز!"

پرویز نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ اُنگلیوں کے ساتھ اپنی کنپٹی بجا رہا تھا۔ چند ثانیے وہ اسی طرح کھڑا رہا۔ پھر فون کی طرف بڑھا۔

"تو روبی کی موجودگی کُھل گئی۔" وہ ریسیور اُٹھاتے ہوئے بڑبڑایا: "اُسی نے میرے دروازے کے سامنے لاشیں چھوڑی ہوں گی۔"

"اب کسے فون کر رہے ہو؟" راکی نے پوچھا۔

"ریش گوئی کو... تمہارے خیال میں اس سارے عذاب کو میں تنہا برداشت کروں؟"

"لیکن یہ پاگل اور خون آشام لڑکی شہر میں کیا کرتی پھر رہی ہے؟" چیف باڈی گارڈ نے آواز بلند حیرت کا اظہار کیا۔

"میں تمہارے اس سوال کے بیس مختلف جواب دے سکتا ہوں۔" پرویز نے جواب دیا۔ اُس نے فون کرنے کا ارادہ ترک کر کے ریسیور دوبارہ کریڈل پر ڈال دیا: "تم کال کرو۔" اُس نے راکی کو اشارہ کیا: "انہیں وہی سب کچھ بتا دو جو ہم جانتے ہیں۔ ساتھ ہی ریش کو کہلوا دینا کہ میں باہر آ رہا ہوں۔" وہ اپنے بیڈ روم کی طرف بڑھا: "میں شیو کرنے اور کپڑے بدلنے جا رہا ہوں... ہم لنکن لے کر نکلیں گے۔ اسے تیار کروا دو۔"

راکی نے ریسیور اُٹھا لیا اور پرویز بیڈ روم میں داخل ہو گیا جب کہ تیسرا غنڈہ باہر نکل گیا۔

پرویز نے سلیپنگ سوٹ کے اُوپر پہنی ہوئی عبا اُتاری تبھی اُسے اپنا تک ہی اپنے عقب میں کسی کی موجودگی کا احساس ہوا۔ اس سے پہلے کہ وہ کوئی ردِعمل ظاہر کرتا، پستول کی سخت اور سرد نال اُس کے سر کی پُشت سے آ لگی۔

"اطمینان سے پرویز۔" آواز نسوانی تھی: "کوئی حرکت نہ کرنے کی صورت میں کم کچھ دیر مزید زندہ رہ لو گے۔"

بولنے والی کا لہجہ برف کی طرح سرد تھا۔ پرویز پلٹے بغیر بتا سکتا تھا کہ وہ کون ہے... وہ ساکت ہو گیا۔

یہ ڈاکٹر تھورن کی بدقسمتی تھی کہ اپنے ساتھی مجرم کی طرف سے بتائے جانے سے قبل وہ ٹائیگر کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا۔ جب کہ وین نے اس کے بارے میں بہت سی کہانیاں سُن

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

رکھی تھیں۔

جس گزرے فاصلے پر ٹائیگر تاریکی کی چادر اوڑھے لیب ٹیکنیشنز کو سیلیم جیز ٹریٹنگ پلانٹ اُگھاڑتے اور ٹرک پر لوڈ کرتے دیکھ رہا تھا۔ جونہی وہ انہوں نے اپنا کام مکمل کیا ایک اور ٹرک بارڈ کے اندر داخل ہوا۔ ہال اور اُس کے آدمیوں نے جلدی جلدی پہلے ٹرک کی ٹوٹ پھوٹ پوری کی تھی جونہی وہ روانہ ہوا دوسرے پر موسمیاتی غبارے لادے جانے لگے۔

ٹائیگر جس مقصد کے لیے رُکا تھا۔ وہ پورا ہو گیا تھا۔

وہ کرنیا ڈا کی طرف بڑھا اور اُسے اسٹارٹ کر کے ایسی جگہ لے آیا جہاں سے دوسرے ٹرک کی روانگی دیکھ سکتا اُس نے کار کی کوئی لائٹ روشن نہیں کی تھی۔

دوسرا ٹرک بھی حرکت میں آ گیا۔ اُس نے وہی سمت اختیار کی تھی جدھر پہلا ٹرک گیا تھا۔

ٹائیگر نے بھی کار آگے بڑھا دی۔ لائٹ اس مرتبہ بھی اُس نے کوئی نہیں جلائی تھی۔ دونوں ہاتھ اسٹیئرنگ پر جمائے وہ دُور تاریکی میں گھور رہا تھا۔ اُس کا اندازہ تھا کہ ٹرک دریائے فلیمبو کے پار جاتی ہے۔

ٹرک آگے بڑھتا رہا۔ حتیٰ کہ وہ راستے میں آنے والے تمام قصبوں اور دیہاتوں کو نظر انداز کرتا ہوا رائن لینڈ کے علاقے میں پہنچ گیا... بالآخر ٹرک کی عقبی روشنیاں ایک تنگ اور نسبتاً غیر ہموار راستے پر مڑ گئیں۔

ٹائیگر نے کار فارم سے خاصے فاصلے پر روکی اور اُتر کر پیدل روانہ ہوا۔

فارم کے بیرونی حصے میں دوسرے لوگ بھی پہنچ چکے تھے ان میں ڈاکٹر تھورن کا تخصوصی تفتیشی دستہ بھی شامل تھا جو مویشیوں کو گولی مار کر موت کے گھاٹ اُتارتا تھا۔

ٹائیگر اس وقت اُس کے اس قدر قریب موجود تھا کہ واپس میں ہونے والی اُن کی بات چیت صاف طور پر سُن سکتا تھا۔ وہ لوگ شاید اتنے مطمئن تھے کہ انہوں نے کسی پہرے دار کو تعینات کرنے کا کوئی تکلف نہیں کیا تھا۔

"میں سوچ رہا ہوں"۔ ڈاکٹر تھورن کی آواز ہوا کے دوش پر تیرتی ٹائیگر کے کانوں تک پہنچی۔ "اگر ٹائیگر واقعی اتنا خطرناک شخص ہے تو ہم اپنے پروگرام کی رفتار کیوں نہ تیز کر دیں"۔

"میں نہیں جانتا"۔ وین نے جواب دیا۔ "زمین کی خریداری میں تیزی بہت سے لوگوں کی توجہ اپنی جانب مبذول کرا لے گی"۔

"غیر ضروری توجہ؟ کیا مطلب ہے تمہارا؟" ڈاکٹر اپنے ساتھی پر برس پڑا۔ "میں آف آپریشنز کو جلا کر خاکستر کیے جانے کے بارے میں تم کیا کہو گے... اس پلے میں مزید ایک ہفتہ انتظار کرنے کی بجائے فوری طور پر دوسرا مرحلہ مکمل کرنے جا رہا ہوں"۔

"مجھے اس وقت تم بالکل نپٹے نظر آ رہے ہو"۔ وین بولا۔ "گراؤنڈ ورک کر چکے ہو؟"

"دوسرا مرحلہ نان لیتھل وائرل انجنٹوں پر مشتمل ہو گا جو سارے ملک میں انفلوئنزا پھیلا دیں گے رہ گئی بیک گراؤنڈ کی بات تو ۷۶ ۔ اور ۷۷ میں جو بیماری ملک کے کونے کونے میں پھیلی تھی۔ ہمیں سہارا دینے کو کافی ہو گی مجھے یقین ہے کہ چند ایک کیسوں کی تشخیص کے بعد ہم لوگوں کو یہ باور کرانے میں کامیاب ہو جائیں گے کہ کسی خطرناک قسم کے جراثیم ملک پر حملہ آور ہو گئے ہیں جن کے باعث چاروں جانب انفلوئنزا پھیل گیا ہے... اور وین صرف ایک ہی ہفتے میں پوری قوم ہمارے دائیں بازو کے انتہا پسند گروپ کے الٹی میٹم کے لیے تیار ہو جائے گی"۔

ڈاکٹر تھورن کا لہجہ یوں ہذیانی تھا جیسے وہ پاگل ہو گیا ہے۔ ٹائیگر اُن کے اس قدر قریب تھا کہ کچھ نہ سُن سکنے کا کوئی خطرہ نہ تھا۔ البتہ اُس کے ذہن میں دو اہم سوال کروٹیں لینے لگے تھے۔ ڈاکٹر تھورن و سکانسن سے کس طرح بیماری پورے ملک میں پھیلا دے گا؟ اور کس قسم کا الٹی میٹم دیا جانے والا ہے؟

ڈاکٹر کچھ اور کہنے والا تھا کہ ہال اُن کے نزدیک آ پہنچا۔ اُس نے جاری کام کی طرف اشارہ کیا۔ "کام تقریباً ختم ہو گیا ہے۔ ڈاکٹر!"، وہ بولا۔ "کیا تم لانچ کرنے سے پہلے میٹ لینا چاہتے ہو؟"

"مجھے لگتا ہے کہ آج رات شاید ہم اپنا کام مکمل کرنے میں کامیاب نہ ہو سکیں"۔ ڈاکٹر بولا۔ "جس قسم کی ہوا چل رہی ہے اُس کے پیش نظر ٹارگٹ ایریا تک پہنچنا تقریباً ناممکن ہے... تم اپنی تیاری مکمل رکھو اور تمام آلات چیک کر لو۔ اگر ہوا کی سمت بدل گئی تو نصف شب کے قریب غبارے چھوڑے جا سکیں گے"۔

ہال اپنے کام کی طرف واپس چل دیا۔ وین دوبارہ ڈاکٹر تھورن سے مخاطب ہوا۔ "میں اب تک نہیں سمجھ سکا کہ تم دوسرے مرحلے کو اتنی آسانی کے ساتھ کیسے مکمل کرو گے؟"

"میں آج ہی کیلی فورنیا روانہ ہو رہا ہوں۔ گرین بے سے منگلا گو کے لیے صبح سویرے ایک فلائٹ روانہ ہو گی میں وہاں

سے نئی ڈلیوا کے ذریعے اینجلس چلا جاؤں گا اور رات ہونے تک جزیرے پر پہنچ جاؤں گا۔ جونہی دستہ وہاں اکٹھا ہو گیا ہم کسی وقت بھی لانچنگ کر سکیں گے"۔

کیلی فورنیا... ٹائیگر کے ذہن میں جما کا سا ہوا۔ اُسے اس سوال کا جواب مل گیا تھا کہ ڈاکٹر تھورن کس طرح بیماری پورے ملک میں پھیلانے میں کامیاب ہو گا۔ وہاں ہوائیں تیز رفتاری سے چلتی تھیں... اُن کا رُخ مغرب سے مشرق کی طرف ہوتا تھا... اور غبارے بآسانی تیس ہزار فٹ کی بلندی پر پرواز کر سکتے تھے... لیکن اتنی زیادہ بلندی پر درجۂ حرارت منفی دس سے منفی چالیس کے درمیان ہوتا تھا اس صورت میں جراثیم منجمد ہونے سے کس طرح بچ سکیں گے؟

ٹائیگر شاید کچھ اور بھی سوچتا لیکن اُسی وقت ڈاکٹر کی آواز دوبارہ سُنائی دی۔

"فکر نہ کرو ہمارے پاس اس کام کے لیے خاصی مقدار میں کنٹینر موجود ہیں۔ اگلے ہفتے ۲۵۰ اور مل جائیں گے... اور اگر ہم نے تیسرے مرحلے کا فیصلہ کیا۔ تب بھی ہم اپنا ٹارگٹ حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے"۔

"تو... تو کیا تیسرا مرحلہ بھی وہیں سے شروع کرو گے؟" وین نے دریافت کیا۔

"تیسرا مرحلہ...؟ دونوں جگہ سے ہو گا۔ ویسے ہماری بنیادی توجہ مشرقی ساحل پر ہو گی۔ نیویارک، واشنگٹن بوسٹن... بیور وکریٹس کو اس بات سے کوئی غرض نہیں ہو گی کہ مغربی کنارے پر کیا ہو رہا ہے؟ اور انہیں فکر ہو گی بھی کیوں؟ اُن کی ملازمتیں تو محفوظ ہیں۔ اُن کی توجہ حاصل کرنے کا واحد طریقہ یہی ہے کہ انہیں نمونہ دکھایا جائے اور یہ اسی طور ممکن ہے کہ ہم مشرقی ساحل کو نشانہ بنائیں۔ اسی سے ہمیں مطلوبہ مقاصد حاصل ہوں گے"۔

اب ٹائیگر کے حرکت کرنے کا وقت آ گیا تھا۔

اُسے مہلک بیکٹیریا فضا میں پھیلے جانے سے قبل ہی لانچنگ اسٹیشن کو تباہ کرنا تھا... جو ایک نامعلوم جزیرے پر واقع تھا... ابھی اس بارے میں کچھ پتا نہ تھا کہ یہ جزیرہ کہاں ہے اور ڈاکٹر تھورن فلو کے وائرس کے علاوہ اور کون سی شے فضا میں پھیلانا چاہتا ہے؟ اسے ہر حال میں تلاش کر کے تباہ کیا جانا تھا... صرف ڈاکٹر تھورن ہی اسے منزل تک پہنچا سکتا تھا۔

"کیا یہ بہتر نہیں کہ تم روانہ ہو جاؤ؟" وین نے پوچھا۔ "صبح کے دھندلکے والے ہیں اور گرین بے یہاں سے خاصے فاصلے پر ہے"۔

"ہاں... ہاں... میں جا رہا ہوں"۔ ڈاکٹر ہنس دیا۔ ٹائیگر کو اُس لمحے یہ ہنسی مکروہ ترین لگی تھی۔

ڈاکٹر ایرنگٹن تھورن کو گرین بے کے آسٹن اسٹرابل انٹرنیشنل ایئر پورٹ کے نارتھ سنٹرل ایئر لائنز ٹکٹ ڈیسک پر طویل خاصے کی ایک کال موصول ہوئی۔

"اُس نے ہم پر دوبارہ حملہ کیا ہے... ٹائیگر"۔

"کیا مطلب ہے تمہارا۔ وین؟"، تھورن نے یک دم ہراساں ہو کر پوچھا۔

"کسی نہ کسی طرح اُس نے نئی جگہ کا پتا چلا لیا اور پہلے کی طرح اسے بھی جلا ڈالا... ایک محافظ بھی مارا گیا... ہم صرف چند کریٹ اور کیس جنریٹر بچا سکے ہیں"۔

"لعنت ہو... صرف ایک آدمی مارا گیا ہے؟ اگر ٹائیگر ہمارے کہنے کے مطابق بے حد خطرناک شخص ہے تو اُس نے سب کو ختم کیوں نہیں کر دیا؟"

تھیوفلوس وین واقعتاً خوفزدہ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ بولنا بھی بھول گیا تھا۔ "میں نہیں جانتا۔ سب کچھ اتنی تیزی سے ہوا۔ خاموشی کے ساتھ... وہ آدمی نہیں بھوت ہے۔ پورا فارم تباہ کر دیا ہے اُس نے ہر جگہ ٹوٹے ہوئے شیشے بکھرے پڑے ہیں... اور ہاں ہم کچھ عرصے کے لیے کچھ بھی فضا میں بھیج سکنے کے قابل نہیں رہ گئے"۔

"تم... میں واپس نہیں آ سکتا... اب دوسرا مرحلہ زیادہ ضروری ہو گیا ہے۔ میں کیلی فورنیا جا رہا ہوں۔ کسی محفوظ جگہ پہنچنا ہماری مجبوری ہے"۔

ٹائیگر ہوٹل پہنچا تو اوشان بیتابی سے اُس کا منتظر تھا۔

"تم آوارہ ہو گئے ہو"۔ اوشان نے اُسے دیکھتے ہی فتویٰ صادر کیا۔

"اور آپ بے کار!"، ٹائیگر نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ "خود ٹی وی سے لپٹے بیٹھے ہیں اور میں غباروں کے پیچھے بھاگتا پھر رہا ہوں"۔

"میں تو سمجھ رہا تھا کہ اب تمہارا بچپن گزر گیا ہے"۔

"میں موسمیاتی غباروں کی بات کر رہا ہوں"۔

"اوہ! تو تم نے محکمہ موسمیات میں ملازمت کر لی ہے... چلو یہ بھی اچھا ہوا... مجھے اب سانجو کے لیے نیا ولی عہد

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

اور روبی کے لیے نیا شوہر تلاش کرنا ہوگا۔"

"دوسرا کام تو فوری طور پر کرلیں شمل فادر!" ٹائیگر کراہ کر بولا۔ "اُس پر کٹی فاختہ نے تو میرا ناک میں دم کر رکھا ہے۔"

"اب اگر تم نے اُسے فاختہ کہا تو میں... تو میں... بتو میں..."

"ریکارڈ پر آنا ہوگیا ہے شمل فادر!" ٹائیگر نے دھیمی آواز میں کہا۔ "آپ جو بھی چاہے کریں پہلے میری پوری بات سُن لیں۔"

اور پھر اس سے پہلے کہ اوشان کچھ اور بولتا۔ ٹائیگر نے اُسے پوری رام کہانی کہہ سُنائی۔

"میں شہنشاہ کو فون کرنے جارہا ہوں۔" ٹائیگر نے آخر میں کہا۔

"وہ بہت مصروف آدمی ہے۔ تمہارے نکاح میں شریک نہ ہو سکے گا۔"

"لاحول ولاقوۃ۔" ٹائیگر نے بُرا سا منہ بنایا۔ "مجھے دولہا سے درکار ہیں..."

"بارات لے جانے کے لیے... چھوڑو... ہم دو سمائی غباروں میں چلیں گے... دیکھو نا کوئی تو جدت ہونی چاہیئے... پرانے زمانے میں لوگ دُلہا کے لیے گھوڑے استعمال کرتے تھے لیکن کچھ لوگ اعتراض کرتے تھے کہ بھلا گدھے کو گھوڑے پر بٹھانے کی کیا تُک ہے سو یہ رسم ترک کر دی گئی اور گدھے کو پیدل چلانا شروع کر دیا گیا لیکن ہم گدھے کو... میرا مطلب ہے دُلہا کو غبارے پر بٹھا کر لے جائیں گے... بڑا مزا آئے گا... دیکھو نا..."

"خدا کے لیے شمل فادر!" ٹائیگر نے دانت کچکچائے۔ "امریکہ تباہی کے دہانے پر ہے... کچھ دن بعد آپ کو یہ مہذب قوم گدھوں کی طرح اغلو تنزانیہ بھیجا فرما دے گی۔ الٹی میٹم کا ہتھوا الگ ہے... مجھے فوری طور پر ڈاکٹر تھورن کا تعاقب کرنا ہے..."

ٹائیگر نے ریسیور اُٹھالیا۔

اوشان اُس کے بعد بھی جانے کیا کیا کہتا رہا لیکن ٹائیگر بہروں کی طرح اُس کی ہر بات نظر انداز کرتا چلا آرہا تھا۔

جونہی چارہ گر سے رابطہ قائم ہوا۔ ٹائیگر ہرام کو اب تک کی کارروائی سے آگاہ کرنے لگا۔

✲

ایک گھنٹے بعد، اوشان اور ٹائیگر امریکی فضائیہ کے خصوصی طیارے میں گرین بے کی طرف محوِ پرواز تھے۔

اوشان ہوٹل سے بغیر اپنے سند دقوں کے نکلنے کو تیار نہ تھا۔ ٹائیگر نے بہتیری منت سماجت کی لیکن جب دال نہ گلی تو

اُس نے دھمکی دی کہ وہ تنہا ہی چلا جائے گا۔ تب کہیں جا کر اوشان کو اُس پر رحم آیا لیکن اُس نے چلنے سے پہلے بطور خاص ہرام کو فون کروا کر ہدایت کی کہ اُس کے صندوق فوری طور پر چارہ گر منگوا بھیجے جائیں۔

طیارہ جونہی فضا میں بلند ہوا۔ اوشان نے سیٹ کی پشت گاہ سے سر ٹکا کر آنکھیں موند لیں۔ ٹائیگر چند ثانیے تو اُسے بات چیت میں شریک کرنے کی کوشش کرتا رہا لیکن جب اوشان نے ذرا سی بھی حرکت نہیں کی تو اُس نے خود ہی اپنے منصوبے کو آخری شکل دینے کا فیصلہ کیا۔

اب ٹائیگر گرین بے کی بجائے براہ راست اوہیر انٹرنیشنل ایئرپورٹ جانا چاہ رہا تھا۔ وہ تھورن کو ٹی ڈبلیو اے کے بورڈنگ ایریے میں پکڑنا چاہتا تھا۔ بڑا ایئرپورٹ ہونے کی وجہ سے ٹائیگر کو اُمید تھی کہ ذرا سا حلیہ تبدیل کر لینے سے ڈاکٹر اُسے پہچان نہیں سکے گا۔ اُس کے خیال میں اُن دونوں کا تھورن کے ساتھ ایک فلائٹ پر ہونا بھی اشد ضروری تھا۔

اُن کے فوجی طیارے نے اوہیر انٹرنیشنل ایئرپورٹ کے اُس حصے میں لینڈنگ کی جو ایئرفورس کے لیے مخصوص تھا۔ دونوں طیارہ رُکتے ہی ایئر کرمینل ٹرمینل کی طرف روانہ ہوگئے۔

ٹائیگر یہ جان کر بے حد خوش ہوا کہ نارتھ سنٹرل ایئرلائنز اور ٹی ڈبلیو اے کے بیچ ایک دوسرے کے برابر برابر ہی راستے میں ایک گفٹ شاپ سے ٹائیگر نے چند چھوٹی موٹی چیزیں خریدیں تاکہ اوشان کا اور اپنا حلیہ تبدیل کر سکے۔ مقصد یہ تھا کہ ڈاکٹر تھورن کم از کم پہلی نظر میں انہیں پہچان نہ سکے۔

اوشان تو یہ سامان دیکھتے ہی ہتھے سے اکھڑ گیا۔

"تو اب مجھے بھی عورتوں کے مخصوص حربے استعمال کرنے ہوں گے؟" اُس نے تیکھے لہجے میں کہا۔ "میرا تو دل چاہ رہا ہے کہ تمہیں سانجو بھیجنے کی بجائے کسی دارالامان میں داخل کروا دوں۔"

"ضرور کروائیے... لیکن میں پہلے اُس کا مغز ضرور چیک کروں گا... وہاں کم از کم اُبلے ہوئے چاول اور مچھلی کے قتلے نہیں ہونے چاہئیں۔"

"میں ہرام کو کہہ کر..."

"پلیز شمل فادر!" ٹائیگر لجاجت سے بولا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ اگر اوشان سے اُلجھ پڑا تو اپنی بات منوانی مشکل ہو جائے گی۔ "آپ دارالامان مجھے بے شک بھجوا دیجیے گا لیکن فی الحال میری بات مان لیں۔ سانجو میں اسے بلاشبہ نسوانی حرکت کہا جاتا ہوگا لیکن امریکہ میں اسے سیاست کہتے ہیں..."

اوشان نے ٹائیگر کے کہنے کے مطابق اپنے حلیے میں تبدیلی تو کر لی لیکن اس سے پہلے ٹائیگر کو سیاست کے موضوع پر ایک طویل تقریر سُننا پڑی تھی۔

ڈاکٹر تھورن پندرہ منٹ بعد پہنچا اور آمد کے فوراً بعد ٹی ڈبلیو اے گیٹ نمبر ۴ پر چیک ان کاؤنٹر کی طرف چل دیا۔ ٹائیگر نے فلائٹ نمبر دیکھا اور ٹکٹ ڈیسک کی جانب بڑھ گیا۔ اُس نے فرسٹ کلاس کے دو ون وے ٹکٹ خریدے۔ ٹائیگر کو یقین تھا کہ تھورن ٹورسٹ کلاس میں سفر کرے گا اس لیے اُن کا آمنا سامنا ہونے کا کوئی امکان نہیں تھا۔

فلائٹ کی تمام نشستیں ریزرو تھیں اس لیے جہاز میں مسافروں کو ریورس آرڈر میں بٹھایا گیا۔ سب سے پہلے اسموکرز، پھر نان اسموکرز اور آخر میں فرسٹ کلاس کے پسنجروں کو جہاز پر بھجوایا گیا۔ یوں تھورن کو اس بات کا کوئی موقع نہ مل سکا کہ وہ اوشان یا ٹائیگر کو قریب سے دیکھ سکتا۔

اوشان خلاف توقع اب بھی خاموش تھا۔ ٹائیگر نے بھی اس موقع کو غنیمت جانا اور گپشت گاہ سے سر ٹکا کر آنکھیں بند کر لیں۔ لاس اینجلس تک کا سفر ساڑھے چار گھنٹوں کا تھا اور وہ اتنی دیر آرام کرنا چاہتا تھا۔

✲

لاس اینجلس ایئرپورٹ پر ڈاکٹر تھورن نے ٹرمینل سے باہر نکلنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ اپنا بریف کیس لیے ہوئے وہ سیدھا پی ایس اے کاؤنٹر پر پہنچا۔ اس نے سان ڈیاگو کا ون وے ٹکٹ خریدا اور بورڈنگ ایریے کی طرف بڑھ گیا۔

ٹرمینل پر خاصا رش تھا اس لیے اوشان اور ٹائیگر مسافروں کے ہجوم میں چھپ سے گئے تھے لیکن اُن کی عقابی نگاہوں نے تھورن کو ایک لمحے کے لیے بھی اوجھل نہیں ہونے دیا تھا۔ تھورن گیٹ سے نکل کر دس منٹ بورڈنگ کے لیے ہونے والی اناؤنسمنٹ کا انتظار کرتا رہا جس کے بعد وہ جہاز میں جانے والوں کی لائن میں کھڑا ہوگیا۔

ڈی سی ۹ جونہی ٹیک آف کے لیے ٹیکسی وے کی طرف بڑھا اوشان اور ٹائیگر بھی تیزی کے ساتھ ٹرمینل سے نکل آئے۔

سان ڈیاگو... اس کا واحد مقصد یہ تھا کہ تھورن میکسیکو کے ساحلی شہر اُنزر پر جانا چاہتا ہے... ایک متبادل اور تھا... کھلے سمندر میں خشکی کی ایک تنگ سی پٹی جو سان ڈیاگو کے جنوب میں سات میل کے فاصلے پر دس میل تک پھیلی ہوئی تھی۔

ٹائیگر بذریعہ کار سان ڈیاگو جانا چاہتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ تھورن اپنی منزل پر پہنچ جائے جس کے بعد وہ تیزی سے کارروائی کر کے شیطانی ڈاکٹر کو اُس کے مذموم منصوبوں سمیت خاک میں ملا دیتا۔ امریکہ کو بچانے کا یہی ذریعہ باقی رہ گیا تھا۔

⁂

"آج رات غبارے ہوا میں چھوڑنا اشد ضروری ہوگیا ہے۔" ڈاکٹر تھورن نے اپنے لیبارٹری ٹیکنیشنز کو آگاہ کیا۔ وہ ایسا لاماہی جزیرے پر لیبارٹری کی ایک بے قاعدہ سی عمارت کے سامنے کھڑے تھے۔

یہ جزیرہ بحیرۂ اوقیانوس کے بیچوں بیچ زمین کی چند تنگ پٹیوں کا ایک حصہ تھا۔ خشکی کی ان تنگ پٹیوں کو لوسٹ آئی لینڈز کہا جاتا تھا۔ یہ اتنے چھوٹے چھوٹے جزیرے تھے کہ بہتر سے بہتر اور مستند جیوگیشل چارٹس پر ان کی جسامت ایک نقطے سے زیادہ نہ تھی۔

جزیرے کی اُونچی نیچی زمین پر دس سے بیس فٹ تک بلند محض چند ایک درخت موجود تھے۔ وہاں کوئی پیداوار نہیں ہوتی تھی اور نہ ہی زیرِ زمین پانی حاصل کرنے کا کوئی طریقہ رائج تھا۔ ایک حجز اور بے آباد جزیرہ ہونے کے باعث یہ سرزمین کسی کی بھی دلچسپیوں کا باعث نہ تھی۔

اس سے بھی بڑھ کر سمندر میں نوکیلی چٹانیں موجود تھیں جن کے باعث کوئی بھی ایسا لاکے قریب آنے کا خطرہ مول نہ لیتا تھا۔

ڈاکٹر تھورن نے اسی بھولے بسرے اور خطرناک جزیرے پر اپنی لیبارٹری قائم کی تھی۔ عمارت کی تعمیر میں یہ بات خاص طور پر مدِنظر رکھی گئی تھی کہ دُور سے اسے پہچانا نہ جا سکے اور پہلی نگاہ میں اسے چٹانوں کا حصہ ہی سمجھا جاتا۔

تھورن کی درخواست پر سات افراد جزیرے پر جمع ہوئے تھے۔ اس وقت سب کے سب اپنے لیڈر کے احکامات سُن رہے تھے۔

"لیکن یہ شاید ممکن نہ ہو۔" تھورن نے چند ثانیے قبل اپنے ہی کہے گئے جملے کی تردید کر دی۔ "ہم ابھی تک صرف پانی، کھانا اور ضروریات کا دو ماہ کا سامان ہی اُتار پائے ہیں کیونکہ پانی کی

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

سطح بلند ہونے سے قبل کشتی کی واپسی ضروری تھی۔ اس لیے اگر اپنے پروگرام کو ہم کل سہ پہر تک کے لیے ملتوی کر دیں تو کیسا رہے گا؟"

"ہم لوگ جزیرے پر مستقل طور پر اپنے آدمی کیوں نہیں رکھتے؟" ایک شخص نے دریافت کیا۔

"سب سے پہلا مسئلہ تو سپلائی کا ہے۔" ڈاکٹر تھورن نے جواب دیا۔ "تم لوگ جانتے ہو کہ لیبارٹری کو آپریٹ کرنے والے جنریٹر کے لیے ہمیں گیس کی ضرورت ہے اور اس سے کہیں زیادہ گیس یہاں رہنے والے پانی ابالنے کے لیے استعمال کریں گے... دوسری بات یہ کہ تمام تر حفاظتی انتظامات کرنے کے باوجود کسی بھی لمحے ہماری پوری گھلنے کا خطرہ ہے۔ اس وقت تک ایسا ہوا تو نہیں لیکن فاصلہ زیادہ ہونے کی وجہ سے امریکی یا میکسیکو نے اب تک اس جزیرے پر ملکیت کا کوئی دعویٰ نہیں کیا۔ صرف سمندر میں نیوی گیشنل چارٹس پر ہی اس جزیرے کا وجود ہے ورنہ دوسرے نقشوں پر ان کی حیثیت محض چٹانوں کی سی ہے لیکن اگر چھوٹی یا قریب سے گزرنے والے دوسرے جہازوں نے یہاں کسی کی موجودگی کی خبر دے دی تو صورتحال یکسر بدل جائے گی۔ میکسیکو کوسٹ گارڈز اور نیوی گن بوٹس چند ہی گھنٹوں میں یہاں پہنچ سکتی ہیں۔ اس لیے اگر تم لوگ چاہتے ہو کہ یہ آپریشن خفیہ رہے تو اس قسم کی کسی بھی حرکت سے گریز کرنا ہوگا۔"

ڈاکٹر تھورن چند ثانیوں کے لیے خاموش ہوا۔ پھر بولا۔ "ڈیڈ لائن کل سہ پہر ہے... میں دن کی روشنی میں غبارے فضا میں چھوڑنے کا مخالف ہوں اس لیے میں تم لوگوں کی تائید سے اس میں مزید تاخیر چاہوں گا... لیکن جتنی فیصلہ کن حالات کا جائزہ لینے کے بعد ہی کیا جائے گا۔

"ویسے موسمیاتی رپورٹ کے مطابق کل سہ پہر کے بعد ہوا کا رُخ ہمارے کام کے لیے بے حد مناسب ہوگا۔" ڈاکٹر تھورن لیبارٹری کے دروازے کی طرف بڑھا۔ "اس سے پہلے کہ کوئی گڑبڑ ہو ہمیں ابتدائی تیاریاں کر لینی چاہئیں۔"

لڑکی دُبلی پتلی اور نازک اندام تھی۔ پرویز کچھ سے اُس کا قد بھی چھوٹا تھا۔ اگر وہ چاہتا تو کلاوے میں بھر کر اُس کے جسم و روح کا رشتہ ہمیشہ کے لیے منقطع کر دیتا لیکن وہ اتنا خوفزدہ [illegible] کہ اس کی حرکت بھی آہیں کی تھی۔

[illegible] وہ ان پان نظر آنے والی یہ لڑکی درحقیقت کتنی خطرناک [illegible]

وہ روبی کو پہچان گیا تھا۔

"کوئی بے وقوفی نہیں کرنا۔ پرویز!" روبی نے نرم لیکن سرد آواز میں مجرم باس کو آگاہ کیا۔

پرویز نے دل ہی دل میں کہا کھا تو نہیں یہ کہنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ میں بے وقوفی کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔

اندر سے وہ کانپ اُٹھا تھا لیکن اُس نے کوشش کر کے اپنی کپکپاہٹ ظاہر ہونے سے روک لی تھی۔ "میری تمہاری کوئی دشمنی نہیں روبی!" وہ دھیمے لہجے میں بولا۔

موت آنکھیں کھولے اُسے گھور رہی تھی پرویز کی کیفیت اُس شخص سے مختلف نہ تھی جسے عام سی رسّی سے باندھ کر کئی منزلہ عمارت سے نیچے لٹکا دیا گیا ہو اور وہ جانتا ہو کہ رسّی کسی دم ٹوٹ سکتی ہے۔

روبی خاموش رہی۔

پرویز پھر بولا۔ "م... میں نے تمہارا قصور بھی کوئی نہیں کیا!"

"میں تمہاری جج نہیں۔" موت کی دیوی کے لبوں کو جنبش ہوئی۔ "اور نہ ہی تمہاری صفائی سُننے آئی ہوں۔"

پرویز خاموش رہا۔ اُس نے اپنی زندگی کے بارے میں بہت سے خواب بنے تھے لیکن اب یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے یہ سارے خواب راکھ کی طرح فضاؤں میں بکھر گئے ہوں۔ وہ جرم گری کا ایک طاقتور شخص تھا لیکن اس وقت ایک دھان پان سی لڑکی اپنے پستول کی مدد سے اُسے بے بس کیے ہوئے تھی۔

"تم یہاں سے باہر نہیں جا سکتیں۔" پرویز نے سرگوشی کی۔ چراغ کی لو شاید بجھنے سے پہلے آخری بار بھڑکی تھی۔ "کوئی راستہ نہیں... کوئی موقع نہیں... میرے لڑکے چاروں طرف پھیلے ہوئے ہیں۔ پولیس والے گلیوں اور سڑکوں پر شکاری کتوں کی طرح گھوم رہے ہیں... تم ماری جاؤ گی۔"

"کوئی بات نہیں۔" روبی بے پروائی سے بولی۔ "تم لوگ اپنی سوچوں میں تو مجھے کئی بار مار چکے ہو۔" اُس نے کندھے اُچکائے۔ "بھلا ایک مردہ لڑکی کے پاس کھونے کو اور ہے کیا؟"

پرویز گھر پھر چپ ہو گیا۔ جیسے کسی نے ٹیپ اُس کے مُنہ پر چپکا دیا ہو۔ بڑی کوشش کے بعد وہ بولا تھا۔ "تو پھر تم ہی بتاؤ اس صورتِ حال سے کس طرح نکلا جائے...! دیکھو میں اس کے لیے قطعی تیار نہیں... نہ کم مرنا چاہوں گا اور نہ ہی فی الحال میں موت کو خوش آمدید کہنا چاہتا ہوں... ہم ایک دوسرے کو جانتے بھی نہیں۔ تم سے پہلے مجھے بھی نہیں... تب پھر اس ساری کارروائی

کا کیا جواز ہے...؟ کم از کم ہمیں اس مسئلے پر بات تو کرنی چاہیے۔"

"اوکے!" حیرت انگیز طور پر لڑکی نے اُس سے اتفاق کیا تھا۔ "لیکن وضاحتیں نہیں ہوں گی... کوئی اعتراض نہیں کیا جائے گا۔" امید دوبارہ پیدا ہو گئی تھی۔

اور پرویز گھر اس سے بھرپور فائدہ اُٹھانا چاہتا تھا... روبی کو اپنی باتوں کے جال میں پھنسا کر۔

"سُنو، روبی!" پرویز بڑبڑایا۔ "یہ دہشت گردوں کی تنظیم ہے... سفاک قاتلوں کا گروہ ہے۔ ظاہری طور پر یہ بھائی چارے اور اخوت کا راگ الاپتے ہیں لیکن اندر سے یہ بے حد گھناؤنے ہیں۔ ان کے دل سیاہ ہیں... میں ان کا بے تاج بادشاہ نہیں... زر خرید غلام ہوں۔ یہ لوگ مجھے استعمال کر رہے ہیں لیکن اب میں انہیں استعمال کرنا چاہتا ہوں جس طرح انہوں نے مجھے اذیت دی ہے۔ اب میں انہیں اذیت دینا چاہتا ہوں۔"

روبی نے ہنکارا بھرا۔ "پھر؟"

"میں سچ کہہ رہا ہوں۔" پرویز کی آواز اب بھی سرگوشی سے بلند نہ تھی۔

روبی چند ثانیے خاموش رہی۔ پھر بولی۔ "اوکے... ثابت کرو... دروازے تک جاؤ... اُسے صرف ایک انچ کھولو... اور اپنے ہاؤس کیپٹن کو بلاؤ... اُس کے بعد ہی مجھے تمہاری باتوں پر یقین آ سکتا ہے۔"

گاڈ... اُسے کوئی کیونکر موت کے سامنے بلا لوں؟

اور پرویز کو یقین تھا کہ جان بچنے کی یہی ایک صورت ہے۔ ممکن ہے وہ یہ چاہتی ہو کہ اُس کے ساتھیوں کو ایک ایک کر کے اندر بلائے اور باری باری انہیں موت کے گھاٹ اُتارتی جائے... حتیٰ کہ پرویز کی باری آ جائے!

روبی نے شاید پرویز کی سوچوں کا اندازہ لگا لیا تھا۔ "یہ تمہارا آخری کارڈ ہے پرویز! اس سے فائدہ اُٹھاؤ یا مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔"

پرویز فائدہ اُٹھانا چاہتا تھا۔

وہ دروازے کی طرف بڑھا۔ قریب پہنچ کر وہ رُکا۔ اُس نے کمرے کے در و دیوار کا جائزہ لیا۔ اپنا ڈریسنگ گاؤن درست کیا اور دروازہ وا کر دیا۔ "راکی، جلدی سے ایک منٹ کے لیے اندر آ جاؤ۔"

اُس نے راکی کا ہنکارا سُنا اور فوری طور پر دروازے سے پیچھے ہٹ گیا۔ دروازہ اُس نے ذرا سا کھلا ہی رہنے دیا تھا۔

اب وہ پھر بیڈ کے قریب تھا۔ نظریں فرش پر تھیں۔

وہ نہیں چاہتا تھا کہ راکی اُسے خوفزدہ دیکھے۔

دونوں دوست تھے۔ ایک طویل عرصے سے اُن میں اعتماد کی فضا قائم تھی لیکن اب بہ امرِ مجبوری پرویز کو روبی کی ہدایات پر عمل کرنا پڑا تھا۔ اُس کی نظریں یہ غداری یا بے وفائی نہ تھی... وہ خود کو حقیقتاً بے بس محسوس کر رہا تھا۔

راکی معمول کے مطابق بدمعاشوں کے سے انداز میں اندر داخل ہوا۔ دروازہ اُس نے بھی کھلا ہی چھوڑ دیا تھا۔ پرویز کو اُس کا یہ انداز پسند نہ تھا۔ وہ اُسے بھائی ہی سمجھتا تھا حالانکہ اُس کا اپنا سگا بھائی کوئی نہ تھا۔

"وہ ہم لوگوں کے منتظر ہیں۔" باڈی گارڈ اندر آتے ہی بولا۔ "ریپر کار لینے...؟"

وہ صورتِ حال جان گیا تھا۔

اس نے ایک طویل سانس لی اور چند ثانیوں کے لیے خاموش ہو گیا۔

تب وہ چیخ اُٹھا۔ "پرویز یہ کیا مصیبت...!" ساتھ ہی اُس نے اپنی زندگی بچانے کی کوشش کے طور پر بائیں چھلانگ لگائی۔ ہاتھ بغل میں جھولنے والے ہولسٹر پر پہنچا لیکن روبی اُس سے زیادہ تیز نکلی۔

ایک شعلہ سا راکی کی طرف لپکا۔ ساتھ ہی دھماکا ہوا گولی اُس کے سر میں لگی اور بھیجا باہر آ گیا۔ راکی پچھلانگ لگانے کے سے انداز میں زمین پر گرا لیکن دوبارہ اُٹھ نہ سکا۔

پرویز گھر کا مُنہ کھل گیا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ راکی یوں مارا جائے گا۔

"اور کتنے ہیں؟" اُسے روبی کی سرد آواز سُنائی دی۔

"سب اگلے حصے میں پولیس والوں کے ساتھ ہیں۔" پرویز نے توقف کیے بغیر جواب دیا۔ "سوائے ریپر کے... وہ پچھلی سمت کار کے پاس موجود ہے۔"

"کیا وہ ایک اچھا ڈرائیور ہے؟"

"ہاں... میرے لڑکوں میں بہترین!"

"تب پھر کپڑے بدل لو۔" سرد آواز نے ہدایت کی۔

پرویز گھر کو علم تھا کہ لڑکی اُسے کہیں باہر لے جانا چاہتی ہے... لیکن کہاں...؟ یہ اُسے علم نہ تھا۔

* * *

امریکی فضائیہ کا جیٹ طیارہ چھ ہزار فٹ کی بلندی سے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

سمندر میں موجود جزائر کا جائزہ لے رہا تھا۔

کنوپی میں پائلٹ کے عین عقب میں ٹائیگر موجود تھا جبکہ اوشان نے ہوٹل میں ہی رہنے کو ترجیح دی تھی۔

"میں اس آتشیں کھیل میں تمہارا ساتھ نہیں دے سکتا۔" اُس نے حتمی طور پر ٹائیگر کو آگاہ کر دیا تھا۔

"سمندر کے بیچوں بیچ واقع ایک جزیرے کو سوائے گولہ بارود سے اُڑانے کے اور چارہ بھی کوئی نہیں۔" ٹائیگر نے استدلال پیش کیا۔

"میں نہیں، ایک ہزار ایک طریقے بتا سکتا ہوں۔"

"لیکن وقت کو بھی پیشِ نظر رکھیں۔ لٹل فادر!" ٹائیگر بولا۔ "ہمارے پاس بہت تھوڑا وقت رہ گیا ہے۔ اگر ہم نے فوری کارروائی نہ کی تو پورا امریکہ چھینکتا ہوا اور بخار میں مبتلا نظر آئے گا۔"

"کچھ بھی ہو... میں تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گا۔" اوشان نے فیصلہ دیا۔ "اگر مجھے یہ پتا چلا کہ تمہاری کسی اُنگلی نے کوئی ٹرائیگر یا فائرنگ بٹن دبایا تو ایسی سزا دوں گا کہ روبی یاد آجائے گی۔"

"صحیح محاورہ نانی یاد آجائے گی ہے۔" ٹائیگر نے بُرا سا منہ بنا کر تصحیح کی۔

"سانجو کا اپنا لہجہ اور اپنی زبان ہے۔ تم کون ہوتے ہو میری تصحیح کرنے والے... میں نانی کہوں یا روبی مطلب ایک ہی نکلتا ہے۔"

"لیکن محاورہ..."

"ایسی تیسی تمہارے محاورے کی... بعض لوگ نانی سے ڈرتے ہیں اور بعض روبی سے... تمہارے سلسلے میں صحیح محاورہ یہی ہے۔"

ٹائیگر خاموش رہا۔

اُس نے ایک بار پھر اوشان کو اپنے ساتھ چلنے پر رضامند کرنے کی کوشش کی لیکن جواب پہلے جیسا ملا تو وہ تنہا ہی اندر جیس روانہ ہو گیا جہاں ایک لڑاکا جیٹ پرواز کے لیے تیار تھا۔

سمندر کے درمیان میں واقع تین جزیروں کے اُوپر سے پرواز کرتے ہوئے ٹائیگر کو شبہ ہوا کہ شاید انہی میں سے کوئی اس کا مطلوبہ جزیرہ ہو۔ پہلی دو پروازوں میں وہ اپنے اس شک کو یقین کا جامہ نہ پہنا سکا تو اُس نے پائلٹ کو تیسری پرواز کی ہدایت کی۔

اس بار ایسا لا آئی لینڈ پر چٹانوں کی رنگت کی لیبارٹری اُس کی نگاہوں سے پوشیدہ نہ رہ سکی۔ ٹائیگر نے ایک بار پھر پائلٹ کو پلٹنے کی ہدایت کی۔ جہاز کی بلندی بھی اُس نے کم کروا دی تھی۔

جونہی وہ لیبارٹری کے عین اُوپر پہنچے اُسے کچھ لوگ عمارت سے نکلتے دکھائی دیے۔ اُن کے ہاتھوں میں موسمیاتی غبارہ تھا جسے وہ ہوا کے تیز دباؤ کے پیشِ نظر سنبھالنے کی کوشش کر رہے تھے۔

"پوزیشن ٹو فائر!" ٹائیگر ہیڈ فون میں چیخا۔

پائلٹ نے طیارے کو گھمایا لیکن جب تک وہ مختلف بٹنوں کو دبا کر فائرنگ پوزیشن میں آنا آنے والے اپنا کام کر چکے تھے۔ اِدھر طیارے نے دو راکٹ فائر کیے اور اُدھر جزیرے والوں نے غبارے فضا میں چھوڑ دیے۔

بائیں جانب والا راکٹ نشانے پر نہیں لگا اور لیبارٹری کے عقب میں چٹان پر جا گرا۔ دوسرا راکٹ لیبارٹری کی چھت پر پھٹا... بم اور دھوئیں کا ایک طوفان سا آسمان کی طرف اُٹھا جس کی وجہ سے ٹارگٹ، ٹائیگر کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔

غبارے چھوڑنے والے اندر بھاگے جب کہ پائلٹ نے دوسرے حملے کے لیے تیاری شروع کر دی۔

...لیکن لیبارٹری سے کچھ اور لوگ برآمد ہوئے۔ دوسرے حملے سے پہلے ہی پانچ اور غبارے فضا میں چھوڑ دیے گئے وہ لوگ برق رفتار سے کام کر رہے تھے۔

پائلٹ نے دوبارہ مزید دبانے... دو انٹی ٹینک راکٹ نشانے کی طرف بڑھے۔ سامنے کا حصہ پھر شمالی کے سمندر میں ڈوب گیا۔ طیارہ بائیں جانب مڑا۔ وہ ایک بار پھر پلٹنا چاہتا تھا... لیکن اُسی وقت زمین سے فائرنگ شروع ہو گئی۔

ٹائیگر خاموش تھا۔

اُس کی گمان اس وقت پائلٹ کے ہاتھ میں تھی اور وہ خوب جانتا تھا کہ اُسے کیا کرنا ہے۔ فضائیہ کے سربراہ نے براہ راست کیپٹن رچرڈز کو ہدایات دی تھیں اور یہ حکم بھی دیا تھا کہ ساتھ سفر کرنے والے کے ہر حکم کی پابندی کرے۔ ٹائیگر نے بھی پرواز سے قبل کیپٹن رچرڈز کو اپنا سارا منصوبہ سمجھا دیا تھا اس لیے پائلٹ جانتا تھا کہ جزیرے پر واقع لیبارٹری کو

بہر صورت تباہ کیا جانا ہے۔

ابھی طیارے کے پاس دو اور راکٹ موجود تھے۔ ٹائیگر کو یقین تھا کہ ان کی مدد سے وہ ڈاکٹر تھورن کی اس خطرناک لیبارٹری کو تباہ کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

غبارے اب تک کئی ہزار فٹ بلند ہو چکے تھے۔ زمین سے ہونے والی فائرنگ میں بھی شدت آگئی تھی۔ طیارے سے یکے بعد دیگرے دونوں راکٹ آزاد ہوئے اور چشم زدن میں لیبارٹری کے دروازوں سے جا ٹکرائے۔ ساعت شکن دھماکوں کی آوازیں اوپر تک سُنائی دی تھیں۔

"ان غباروں کا تعاقب کرو۔ کیپٹن!" ٹائیگر نے جیب میں ہاتھ ڈال کر خنجا کو اس نکال لیے جو ایسے ہی موقعوں پر استعمال کیے جاتے تھے۔

جونہی طیارہ پہلے غبارے کے پاس پہنچا ٹائیگر نے بغلی کھڑکی کھول ڈالی۔ جونہی غبارہ سامنے آیا ٹائیگر نے ہاتھ گھما کر خنجا کو اُن اُس پر دے مارا۔ نہ صرف یہ کہ پانچ فٹ قطر کا غبارہ دھماکے سے پھٹ گیا بلکہ نوزل کے نیچے نصب بلیک باکس کو بھی نقصان پہنچا اور وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر فضا میں بکھر گیا۔

مہلک جراثیم بھی فضا میں مل گئے تھے۔

ٹائیگر مطمئن تھا۔ پائلٹ اور وہ ان جراثیموں سے مکمل طور پر محفوظ تھے۔

یکے بعد دیگرے چار غبارے تباہ ہو گئے... لیکن ایک غبارہ طیارے کے بائیں پَر سے ٹکرایا اور پھٹ گیا... زمینی فائر کی شدت میں مزید اضافہ ہو گیا... طیارے کے پہلو میں کئی سوراخ ہو گئے۔ ساتھ ہی سیاہ تیل طیارے کی ونڈ شیلڈ پر بکھر گیا۔ پینل پر اُئل پریشر گیج بھی سُرخ نشان کی طرف بڑھ رہا تھا۔

پائلٹ اب کنٹرول پینل سے اُلجھا ہوا تھا۔ وہ تیزی کے ساتھ مختلف بٹن دبا رہا تھا... طیارے نے ایک جھٹکا لیا اور اُس کے انجن خاموش ہو گئے۔

اب وہ ایک مُردہ جیٹ میں پرواز کر رہے تھے جس کی بلندی تیزی سے کم ہوتی جا رہی تھی۔

*

"جہاز تباہ ہونے والا ہے۔" ٹائیگر کو پائلٹ کی چیخ سُنائی دی۔

لیکن وہ بے بس تھا۔ پائلٹ کی کوئی مدد نہ کر سکتا تھا۔

اُس کی نظریں تیزی سے اِرد گرد کا جائزہ لے رہی تھیں۔ ذہن برق رفتاری کے ساتھ صورتِ حال کا تجزیہ کرنے میں مصروف تھا۔ دو ہی صورتیں اُس کے سامنے تھیں یا تو طیارہ سمندر میں گرا دیا جاتا یا پھر خشکی پر ہی کریش لینڈنگ کی کوشش کی جاتی۔

دونوں صورتیں ہی تباہ کن تھیں۔

زندگی اور موت کے امکانات آدھے آدھے تھے۔

ٹائیگر کا مشینی ذہن برقی سرعت کے ساتھ فیصلے کر رہا تھا۔ اُس نے کہیں پڑھا تھا کہ کبھی درختوں کی شاخیں بھی طیاروں کے مسافروں کو محفوظ رکھتی ہیں۔

"طیارے کا رُخ ان درختوں کی سمت موڑ دو۔" اُس نے فوری طور پر پائلٹ کو ہدایت کی۔

"کیا؟" کیپٹن رچرڈز چیخ اُٹھا۔ "یہ سراسر حماقت ہے۔"

"کم از کم پتھر کی طرح زمین سے ٹکرانے سے بہتر ہے۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ "درختوں سے طیارہ ٹکرانے کی صورت میں بچنے کے امکانات ہیں۔"

کیپٹن رچرڈز نے خوفزدہ انداز میں سر ہلایا اور خاموش طیارے کا رُخ بلند و بالا درختوں کے جھنڈ کی طرف موڑ دیا۔

طیارہ تیزی سے زمین سے قریب آتا جا رہا تھا۔

"سیٹ بیلٹ اچھی طرح باندھ لو۔ کیپٹن!" ٹائیگر نے اُسے ہدایت کی۔

پائلٹ خاموش رہا۔ البتہ اُس کے ہاتھوں نے ٹائیگر کی ہدایات کی تعمیل کی تھی۔

ٹائیگر اچانک اپنی نشست سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ اس سے پہلے کہ کیپٹن اُس سے کچھ پوچھتا ٹائیگر نے کنوپی کی اندرونی سمت ہاتھ مارا اور سخت دھات کانچ کی طرح پھٹ گئی اگلے ہی لمحے ٹائیگر دونوں ہاتھ پھنسا کر دھات اس حد تک پھاڑ چکا تھا کہ ایک شخص بآسانی باہر نکل سکتا۔

"وہیل چھوڑ کر بیلٹ کھول ڈالو۔" ٹائیگر نے پائلٹ کو اگلا حکم دیا۔ "جلدی..."

پائلٹ نے بے سوچے سمجھے ویسا ہی کیا۔

طیارہ اب زمین سے محض سو فٹ بلند رہ گیا تھا۔

ٹائیگر نے جھپٹ کر کیپٹن رچرڈز کو دونوں ہاتھوں میں اُٹھایا اور کسی ہلکے پھلکے کھلونے کی مانند اُس سوراخ سے باہر طیارے کی چھت پر رکھ دیا جو ذرا دیر پہلے اُس نے بنایا تھا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ہُوا نہایت تیز رفتاری کے ساتھ سوراخ سے اندر آ رہی تھی لیکن اُس کا دباؤ بہر حال اتنا نہیں تھا کہ پیر مضبوطی سے جما کر کھڑا نہ ہوا جا سکتا۔ کیپٹن بآسانی کھڑا ہو گیا تھا لیکن اُس کی روح فنا تھی۔

چند ثانیے پہلے وہ یہی طیارہ اُڑا رہا تھا جس کی چھت پر وہ اس وقت موجود تھا۔ اس کے لیے یہ ایک نیا تجربہ تھا اُس کا خون خشک ہو رہا تھا لیکن وہ یہ بھی دیکھنا چاہتا تھا۔ اُس کا پالا کس ہم سفر کیا کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔

یوں بھی اس وقت وہ زندگی کی نسبت موت سے زیادہ قریب تھا چنانچہ موت جس رنگ میں بھی آتی موت ہی ہوتی۔

اب ٹائیگر بھی سوراخ میں سے گزر کر جہاز کی چھت پر آ گیا تھا۔

جہاز اب پچاس فٹ کی بلندی پر تیزی کے ساتھ درختوں کی جانب بڑھ رہا تھا جو محض پچیس تیس فٹ دور رہ گئے تھے۔

ٹائیگر کا جسم اب پھرتی کے ساتھ حرکت کر رہا تھا۔

اُس نے پائلٹ کو کلاوے میں بھر لیا۔

جہاز کی نوک درختوں کو چھونے ہی والی تھی کہ ٹائیگر نے دائیں جانب چھلانگ لگا دی۔ اِدھر جہاز درختوں کے ساتھ ٹکرایا اور اُدھر ٹائیگر کے قدموں نے زمین کو چھُوا۔

وہ زمین سے ٹکرا کر کسی اسپرنگ کی طرح اُچھلا اور چند فٹ دُور جا کھڑا ہوا۔ کیپٹن اب بھی اُس کے بازوؤں میں تھا۔ یہ الگ بات تھی کہ خوف کے مارے اُس کی آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں اور وہ تقریباً بے حال ہو رہا تھا۔

جب ٹائیگر نے کیپٹن کو زمین پر کھڑا کیا تو ایک لمحے کے لیے اُسے یقین ہی نہیں آیا کہ زندہ سلامت جہاز سے نکل آیا ہے۔ اُس نے بے وقوفوں کی طرح آنکھیں پٹپٹائیں لیکن ٹائیگر نے مُسکرا کر اُس کے کندھوں کو تھپتھپایا اور آگے بڑھ گیا۔

اُس کے انداز سے معلوم ہی نہیں ہو رہا تھا کہ چند ثانیے پہلے وہ موت کے جبڑوں میں پھنسا ہوا تھا۔

*

ڈاکٹر تھورن کے آدمیوں نے بھی جہاز کی کریش لینڈنگ دیکھ لی تھی۔ اُن میں سے تین اُس ڈھلوان حصّے کی طرف بڑھے جس کی سمت اُگے ہوئے درختوں پر طیارہ گرا تھا۔

ٹائیگر کی نگاہوں سے بھی وہ اوجھل نہ رہ سکے تھے اُس نے کیپٹن کو کسی چٹان کی آڑ میں بیٹھنے کی ہدایت کی اور خود جُھک کر پتھر اُٹھانے لگا۔

پھر کیپٹن کی نگاہوں نے ایک اور حیرت انگیز منظر دیکھا۔

یکے بعد دیگرے تینوں پتھر ٹائیگر کے ہاتھ سے نکلے اور گولیوں کی مانند آنے والوں کے جسموں کے مختلف حصّوں سے ٹکرائے۔ تین کربناک چیخیں اُبھریں اور پھر خاموشی چھا گئی۔ اب اُن کے مقابلے پر کوئی شخص باقی نہ رہا تھا۔ کچھ تو تھورن کی لیبارٹری پر بمبار طیاروں کے حملے میں ہلاک ہو گئے تھے جب کہ باقی تینوں کو ٹائیگر نے موت کی نیند سُلا دیا تھا۔

ٹائیگر، ڈاکٹر تھورن کے بارے میں سوچنے لگا۔ اُسے اسی کی تلاش تھی۔ وہ لیبارٹری کی طرف بڑھا جس کا زیادہ تر حصّہ منہدم ہو چکا تھا لیکن ابھی وہ دُور ہی تھا کہ سمندر سے اُسے کسی پاور بوٹ کے اسٹارٹ ہونے کی آواز سُنائی دی۔

ٹائیگر نے پلٹ کر دیکھا۔ سرخ اور سفید رنگ کی ایک بوٹ تیز رفتاری کے ساتھ کھُلے سمندر کی جانب بڑھ رہی تھی۔ وہیل پر موجود فرد کی پُشت دیکھ کر ہی ٹائیگر بتا سکتا تھا کہ وہ ڈاکٹر تھورن ہے۔

"لعنت ہو۔" ٹائیگر نے دل ہی دل میں اُسے بُرا بھلا کہا۔ جان بوجھ کر میں ڈال کر وہ لوگ جزیرے پر اُترے تھے لیکن وہ شخص ایک بار پھر فرار ہو گیا تھا جس کے لیے یہ سارے پاپڑ بیلے گئے تھے۔

ٹائیگر کیپٹن کو ساتھ لے کر دوبارہ طیارے کی طرف بڑھا جو زمین سے پندرہ فٹ اُوپر درختوں کی شاخوں میں پھنسا ہوا تھا۔ کیپٹن کسی مغول کی مانند خاموشی سے اُس کی تقلید کر رہا تھا۔

ٹائیگر نے اُسے جہاز سے کچھ فاصلے پر کھڑا کیا اور خود جہاز پر چڑھ کر فیول ٹینکوں کے والوز کھول ڈالے۔ ایندھن ایک دھار کی صورت نیچے گرنے لگا۔ ٹائیگر نے محفوظ فاصلے پر پہنچ کر جیب سے ماچس نکالی اور بہتے ہوئے ایندھن کی طرف جلتی ہوئی تیلی اُچھال دی۔

جہاز نے فوراً ہی آگ پکڑ لی۔

پندرہ منٹ بعد جہاز کے گیسولین پھٹنے کے دھماکے ہوئے اور دھوئیں کے مرغولے آسمان کی طرف اُٹھنے لگے...

جلد ہی کھُلے سمندر میں موجود کئی بحری جہازوں کے رُخ ایسالا آئی لینڈ کی طرف موڑ دیے گئے۔ چند ایک بادبانی کشتیاں اور پاور بوٹس جزیرے کے خاصے قریب آ گئی تھیں۔

ان میں سے ایک بوٹ پر کھڑے دو افراد نے جزیرے کی ایک چٹان پر کھڑے دو آدمیوں کو دیکھ لیا۔ انہوں نے ہاتھ ہلا کر جزیرے والوں کو تسلی دی اور کشتی کو جزیرے کے قریب لانے کے انتظامات کرنے لگے۔

محفوظ فاصلے پر پہنچ کر بوٹ ساکت ہو گئی۔ ٹائیگر اور کیپٹن تیرتے ہوئے بوٹ تک پہنچے اور وہ رُخ بدل کر دوبارہ کھُلے سمندر کی طرف روانہ ہو گئی۔

"کیا ہوا تھا مسٹر؟" بوٹ پر موجود دو میں سے ایک شخص نے دریافت کیا۔ "آگ کیوں لگ گئی تھی؟"

"میں... ہم... ہمارا طیارہ کریش ہو گیا تھا۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ "اور اُس میں آگ لگ گئی تھی۔"

"کیا طیارے کی تباہی سے پہلے تم نے امدادی پیغام دیا تھا؟"

"نہیں۔ اس کا موقع نہیں مل سکا۔"

"تب پھر ہم نہیں سان ڈیاگو پہنچا دیتے ہیں۔"

*

پاور بوٹ کا نام ٹریڈ ونڈز تھا۔ جب وہ سان ڈیاگو کی سمندری حدود میں داخل ہوئی اُس وقت تاریکی چاروں سمت اپنے پنجے گاڑ رہی تھی۔ ٹائیگر نے اس تمام عرصے میں کشتی والوں سے بہت مختصر بات چیت کی تھی۔

اُن دو افراد کے علاوہ بھی چند لوگ بوٹ پر موجود تھے۔ دو جوڑے نیو پورٹ کے بھی تھے۔

جونہی وہ لوگ پوائنٹ لوما کے قریب پہنچے۔ ٹائیگر ایک شخص کے ساتھ عرشے پر نکل آیا۔

"دیکھو! میں ایک اہم بات نہیں بتا رہا ہوں۔" اُس نے اپنے ہمراہی کو مخاطب کیا اور وہ چونک کر چوڑی کلائیوں والے اُس شخص کو دیکھنے لگا۔

"میرا مشورہ ہے کہ تم ساحل پر جاتے ہی خود کو اور میرے ساتھی کو جراثیموں سے بچاؤ کے انجکشن لگوا لینا۔"

"کیسے انجکشن؟ کون سے جراثیم؟" بوٹ والا حیرت سے بولا۔

"فائرس انفیکشن۔ جو اس جزیرے کی فضاؤں میں موجود تھا۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ "بندرگاہ کے حکام کو اس بارے میں بتا دینا اور وہ تم لوگوں کو پبلک ہیلتھ کے لوگوں کے پاس لے جائیں گے۔"

"اور تم؟"

"میں اُس وقت موجود نہیں ہوں گا۔"

"کیوں؟"

"اس لیے کہ میں ساحل پر پہنچنے سے پہلے ہی غائب ہو جاؤں گا۔"

"کس طرح؟"

"یوں!" ٹائیگر نے کہا اور سمندر میں چھلانگ لگا دی۔

بوٹ والا شخص حیران نگاہوں سے اُسے دیکھتا ہی رہ گیا۔

○

ٹائیگر کو اندازہ تھا کہ ڈاکٹر تھورن، ایسالا آئی لینڈ سے فرار ہو کر کہاں گیا ہو گا۔ اب اُس کے نزدیک سب سے اہم بات یہی تھی کہ کس طرح وہ اس شیطانی سائنس دان کو اس کے منصوبے کے اگلے حصّے پر عمل کرنے سے روکے گا؟ جواب یہ تھا کہ اُسے تیز رفتاری سے دوبارہ وسکانسن پہنچنا ہو گا۔

ٹائیگر تیر کر ساحل پر پہنچا جس کے بعد اُسے اپنے کپڑے خشک ہونے کا انتظار کرنا پڑا۔ فارغ ہو کر ٹائیگر پبلک ٹیلی فون تک پہنچا۔

سب سے پہلی کال اُس نے اوشان کو کی تھی۔

"میں تو تمہاری تلاش میں اخبارات کو اشتہار جاری کرنے والا تھا۔" اوشان فوراً بول اُٹھا۔

"لیکن آپ تو اخبارات کو پسند نہیں کرتے ٹل فادر!" ٹائیگر نے اُسے یاد دلایا۔

"ناخلف بچّوں کی تلاش میں ان کی معاونت حاصل کرنا مجھے پسند ہے۔" اوشان نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ "اب تم نے خود ہی رابطہ قائم کر لیا ہے تو میں بکنگ واپس لے لیتا ہوں۔"

"میں نے بے حد معروف دن گزارا ہے۔" ٹائیگر نے کہا اور ایسالا آئی لینڈ پر پیش آنے والے واقعات بلاکم و کاست اُسے بتا دیے۔

"لیکن ڈاکٹر فرار کیسے ہو گیا؟" ٹائیگر کو اسی سوال کی توقع تھی۔

"وہ جزیرے پر میرے اُترتے ہی بھاگ نکلا تھا۔"

"تب تم واپس کیوں آئے؟"

"میں کیا کرتا ٹل فادر؟"

"کیا سمندر نے تمہیں اپنے اندر پناہ دینے سے انکار کر دیا تھا؟" اوشان تیکھے لہجے میں بولا۔ "سنا نجو میں تو چلو بھ

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

پانی ہی کافی ہوتا ہے۔"

ٹائیگر چپ ہو گیا۔

"میں نہ کہتا تھا کہ میرے بغیر تم چوہے سے بھی بدتر ہو۔" اوشان کا لہجہ اب بھی زہر یلا تھا۔

ٹائیگر تلملا اُٹھا۔ گزشتہ کچھ عرصے سے اوشان مسلسل اُس کے لیے ایسے ہی الفاظ استعمال کر رہا تھا۔ ٹائیگر کی انا بُری طرح مجروح ہو رہی تھی لیکن وہ کچھ کہنے یا اوشان سے اُلجھنے کی پوزیشن میں ہرگز نہ تھا۔

"میں اُسی کے تعاقب میں وسکانسن جا رہا ہوں۔" بالآخر وہ بولا۔ اُس کا لہجہ کسی چوٹ کھائے ہوئے سانپ کی پھنکار سے مشابہ تھا۔ "کیا آپ میرے ساتھ۔۔۔؟"

"نہیں۔" اوشان نے اُس کا جُملہ پورا نہیں ہونے دیا۔ "مجھے شہنشاہ کا ایک اہم پیغام ملا ہے اور میں واپس چارہ گر جا رہا ہوں۔"

"خیریت؟" ٹائیگر اپنا تجسس چھُپا نہ سکا۔

"شاید صدرِ امریکہ نے ایک ہائی پاور کیٹی تشکیل دی ہے جس میں بہرام کے ساتھ ساتھ مجھے بھی شامل کیا گیا ہے۔ ممکن ہے ہم لوگوں کو واشنگٹن بھی جانا پڑے۔"

"کس سلسلے میں؟"

"کیا تم کسی پولیس اسٹیشن میں تحقیقاتی افسر ہو گئے ہو؟" اوشان اُسی پر اُلٹ پڑا۔ "کیا ضروری ہے کہ میں تمہارے ہر سوال کا جواب دوں۔"

"کوئی ضروری نہیں۔" ٹائیگر نے اُس سے اتفاق کیا۔ "میں تو ویسے ہی پوچھ رہا تھا۔"

"اور میں بھی ویسے ہی تمہیں بتا دیتا ہوں کہ شاید ہانگ کانگ کا کوئی مسئلہ درپیش ہے۔" اوشان بولا۔ "ہو سکتا ہے اس مشن کی تکمیل کے فوراً بعد تمہیں جاپان جانا پڑے کیونکہ اس مسئلے کی کڑیاں وہاں تک پھیلی ہوئی ہیں۔"

"کیا بہرام نے بتایا ہے کہ اس میں کون ملوث ہے؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"کم از کم میں یا تم ملوث نہیں ہیں۔"

ٹائیگر پھر خاموش ہو گیا۔

"ممکن ہے اس بار تمہارا مقابلہ ڈریج عین سے براہِ راست ہو جائے۔۔۔ اگر اُس کا کوئی شاگرد میدان میں نہ آیا تو۔۔۔!"

"اوہ!" ٹائیگر کے ہونٹ سیٹی بجانے والے انداز میں سکڑ گئے۔

"تم سے اب چارہ گر میں ہی ملاقات ہو گی۔" اوشان نے کہا اور سلسلہ منقطع کر دیا۔

ٹائیگر چند ثانیے ریسیور ہاتھ میں پکڑے کھڑا رہا پھر اس نے سر جھٹکا اور دوسرا نمبر ڈائل کرنے لگا۔

یہ کال ائر لائن پسنجر سروس کے لیے تھی۔

"آئی ایم سوری سر! آج رات سان ڈیاگو سے ٹکاگو یا شمالی وسطی ریاستوں کے لیے کوئی فلائٹ نہیں۔ پہلی فلائٹ کل صبح ساڑھے سات بجے ہے جو ڈینور میں رُک کر جائے گی۔"

"لاس اینجلس سے کسی کنکشن کے بارے میں۔۔۔ ہاں ہے؟"

"ایک منٹ سر!" چند ثانیوں کے توقف سے نوجوان لڑکی کی خوشگوار آواز دوبارہ ہیڈ فون پر سُنائی دی۔ "آپ دس بج کر چالیس منٹ پر پیسفک ساؤتھ ویسٹ ائر لائن سے روانہ ہو سکتے ہیں۔ وہ گیارہ بجے شب لیکن ائر پورٹ لاس اینجلس پہنچے گی اور گیارہ بج کر پچاس منٹ پر آپ کو شکاگو کے لیے ٹی ڈبلیو اے کی فلائٹ مل جائے گی جو ڈینور اور ڈیٹیا میں رُکے گی لیکن کل صبح ساڑھے چھ بجے سے پہلے شکاگو سے گرین بے یا ائرن ماؤنٹین کے لیے آپ کو نارتھ سنٹرل ائر لائنز کی کوئی پرواز نہیں مل سکے گی۔"

"کیا اس سے پہلے ایسی کوئی فلائٹ ہے جس کا کنکشن نارتھ سنٹرل سے ہو؟"

"یس سر! سات بج کر بیس منٹ پر لاس اینجلس اور ڈینور کے لیے ٹی ڈبلیو اے کی ایک فلائٹ روانہ ہو گی۔"

ٹائیگر نے شکریہ ادا کر کے ریسیور رکھا اور دوبارہ ڈائریکٹری کے ملو کا غذات کھنگالنے لگا۔

جلد ہی اُسے مطلوبہ چیز مل گئی۔ اُس نے کیرنی جیسا پرفنگمری فیلڈ کے نمبر ڈائل کیے۔ تیسری گھنٹی پر ریسیور اُٹھا لیا گیا۔

"مستانگ ائر سروس!"

چند ایک تمہیدی جُملوں کے بعد ٹائیگر بنیادی سوال کی طرف آگیا۔ "کیا تم لوگوں کے پاس پی۔ ۵۱ ٹائپ کا کوئی جہاز ہے؟"

"ہاں۔۔۔ دو ہیں۔۔۔ لیکن وہ کرائے کے لیے دستیاب نہیں۔" جواب ملا۔

"دیکھو۔۔۔ مجھے کراس کنٹری ٹرپ کے لیے ایک تیز رفتار

جہاز کی ضرورت ہے۔"

"تب آپ لیڈ برگ میں فلائنگ ٹائیگرز کو ٹرائی کریں۔ آپ کو سوا تین سو ڈالرز میں ٹربو پراپ مل جائے گا۔ آپ چاہیں خود اُڑا سکتے ہیں اور چاہیں تو چارٹر کر سکتے ہیں۔"

"ٹھیک ہو۔۔۔ میں انہیں رنگ کرتا ہوں۔"

"بتا دیجیے گا کہ مستانگ کے انیڈی نے آپ کا نمبر فراہم کیا تھا۔"

پندرہ منٹ بعد ٹائیگر۔ فلائنگ ٹائیگرز ائر لائن کا ایک سیسنا ۴۱۰ طیارہ چارٹر کر چکا تھا۔ شکاگو تک کا سترہ سو میل کا فاصلہ ڈینور میں اسٹاپ کے ذریعے طے کیا جا سکتا تھا۔ اس میں زیادہ سے زیادہ ساڑھے پانچ یا چھ گھنٹے صرف ہوتے۔ اب ٹائیگر نصف شب تک اپنی منزل پر پہنچ جاتا جب کہ اُسے یقین تھا کہ ڈاکٹر تھورن اُس سے پہلے پہنچنے میں کامیاب نہیں ہو گا۔

ائر پورٹ پر لینڈ کرتے ہی وہ تیز رفتاری کے ساتھ ان ڈبری فارموں کی طرف روانہ ہو سکتا تھا جن میں سے کوئی ایک ڈاکٹر تھورن کا ہیڈ کوارٹر تھا۔ ٹائیگر کی خواہش تھی کہ وہ ڈاکٹر کا تیسرا مرحلہ سب سے زیادہ خطرناک تھا۔ امریکہ کو اس سے بچانے کی محض ایک ہی صورت تھی کہ ڈاکٹر تھورن کو اس پر عمل کرنے سے پہلے ہی موت کے گھاٹ اُتار دیا جائے اور ٹائیگر اب اس کام کے لیے قطعی طور پر تیار تھا۔

ایک گھنٹے بعد ہال فون کی گھنٹی بجی تو ٹائیگر نے بڑھ کر ریسیور اُٹھا لیا۔

"فلائٹ سروس لینڈ برگ فیلڈ!" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "کیا مسٹر گلبرٹ سیسم موجود ہیں؟"

"بول رہا ہوں۔"

"آپ کی چارٹرڈ فلائٹ پندرہ منٹ بعد روانہ ہو گی۔"

"اوکے، کیا آپ پائلٹ کو ٹائیگر ز ائر لائنز ہینگر پر طیارہ لانے کی ہدایت کر سکتے ہیں؟"

"بالکل!" جواب ملا۔

"میں پہنچ رہا ہوں۔" ٹائیگر نے جواب دیا اور سلسلہ منقطع کر دیا۔

*

"میں یقین نہیں کر سکتا۔۔۔ وہ وہیں ہے۔۔۔ میں تمہیں بتا رہا ہوں۔" ڈاکٹر تھورن نے اپنے ساتھی تھیوفولس وین کو آگاہ کیا۔ دونوں گرین بے ائر پورٹ ٹرمینل سے پارکنگ لاٹ کی طرف بڑھ رہے تھے۔ "وہ یقیناً ٹائیگر تھا۔۔۔ اکیلا لیکن اُس نے ہمارے پورے آپریشن کو تباہ کر ڈالا ہے۔۔۔ جانے کس طرح اُسے قبل از وقت ہی ہماری ساری نقل و حرکت کا پتا چل جاتا ہے۔"

"آرام سے۔۔۔ آرام سے۔" وین نے شانے پر اُسے تھپکی دی۔ "تم اب محفوظ ہو۔ مجھے یقین ہے کہ وہ اب ہماری تہی پناہ گاہ تلاش نہیں کر پائے گا۔۔۔ پھر اپنا سر بھی استعمال کرو۔ وائرس اس پر بھی اثر انداز ہوئے ہوں گے اور اس وقت وہ یقیناً کسی اسپتال میں نیم مردہ لیٹا ہو گا۔"

ڈاکٹر تھورن نے ایک لمحے کے لیے سوچا۔ جس طرح اُس نے غباروں کو تباہ کیا تھا۔ اُس لحاظ سے تو وہ اب تک سر چکا ہو گا۔"

ڈاکٹر کو اپنے پیچھے کے کھوکھلے پن کا ہلکا سا اندازہ ہوا لیکن فی الحال دل کو تسلی دینے کے لیے یہی سوچ کافی تھی۔

☆☆☆

ٹائیگر، ڈاکٹر تھورن کے گرین بے ائر پورٹ پہنچنے سے کافی پہلے رہائن لینڈر، وسکانسن کے موہاک ائر پورٹ پر اُترا۔ اُس نے ایک کار کرائے پر حاصل کی اور وین کے فارموں کی تلاش میں روانہ ہو گیا۔ اُس نے دیہاتی علاقے کا ایک مفصل نقشہ بھی حاصل کر لیا تھا تاکہ کام میں آسانی رہے۔

تیسری ناکام کوشش پر ٹائیگر کو احساس ہوا جیسے وہ اندھوں کی مانند ایک دائرے میں بلا مقصد گھوم رہا ہے۔ درجن بھر مقامات میں سے لانچ سائٹ کوئی بھی ہو سکتی تھی۔ ٹائیگر نے ایک بار پھر اپنے نقشے کا جائزہ لیا اور فہرست کے مطابق چوتھی بار تلاش کے مشن پر روانہ ہو گیا۔

جس وقت اُس نے پانچویں فارم کے سامنے اپنا پہلا چیکنگ ٹرپ مکمل کیا۔ سہ پہر ڈھلنا شروع ہو گئی تھی۔ ایک ہی نگاہ میں وہ چار دیواری کے اندر ہونے والی سرگرمیوں کو بھانپ گیا تھا۔ اُس نے یہ بات نوٹ کی کہ وہ سرگرمیاں عام ڈیری فارموں جیسی نہ تھیں۔

نصف گھنٹے بعد جب وہ دوبارہ فارم کے سامنے سے گزرا تو اُسے باڑ کے ساتھ ایک کار کھڑی دکھائی دی۔ کار شناسا تھی۔ یقیناً تھیوفولس وین اُسے ڈرائیو کرتا تھا۔ ٹائیگر آگے نکلتا چلا گیا۔ میل بھر دُور جا کر وہ دائیں مڑا اور اوپر سے گھوم کر وین کے فارم کے عقب میں آگیا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

فارم کی باڑ کے اندر نیشنل ویدر سروس کی جانب سے درجۂ حرارت، بیرومیٹرک پریشر، ہواؤں اور ملک بھر کے موسمی حالات کے بارے میں رپورٹس جمع کی جارہی تھیں۔ لیسٹ کوسٹ کی رپورٹ میں ڈاکٹر تھورن بطورِ خاص دلچسپی لے رہا تھا۔

"نیویارک اور واشنگٹن میں بارش کی خبریں خوش آئند ہیں۔" وہ اپنے ورکروں سے مخاطب تھا۔ "اس آپریشن میں بلندی بنیادی اہمیت رکھتی ہے۔ میری خواہش ہے کہ غبارے کم از کم سات ہزار فٹ کی بلندی پر پھٹیں تاکہ بارش کے قطرے پلیگ کے جراثیم اپنے ساتھ زمین پر لے کر آئیں۔"

"تو یہ ہے تمہارا تیسرا منصوبہ۔" وین نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ "یعنی پلیگ...؟"

"ہاں، فرون وسطیٰ کا سیاہ طاعون۔" ڈاکٹر تھورن نے سینہ پھلا کر جواب دیا۔ "جلد ہی پورا امریکہ طاعون کا شکار ہوگا... اور تم دیکھو وین میں اپنے اس منصوبے میں سو فی صد کامیاب ہوں گا۔ میرے سامنے صرف ایک مسئلہ ہے کہ غباروں کو اتنی بلندی پر پہنچا دیا جائے کہ وہ مطلوبہ علاقے سے پہلے ہوا کے دباؤ کے پیشِ نظر پھٹ جائیں... بہرحال ان غباروں کی پہلی کھیپ کے فضا میں پہنچنے کے چوبیس گھنٹوں کے اندر اندر تمہیں کامیابی کی اطلاعات موصول ہو جائیں گی... طاعون کے یہ جراثیم چند ہی گھنٹوں میں پورے مشرقی علاقے اور مشرقی ساحل کو انسانی آبادی سے محروم کر دیں گے۔" ڈاکٹر ایک لمحے کے لیے رُکا۔

"تب ہم اپنے مطالبات پیش کریں گے۔" وہ کچھ سوچ کر دوبارہ بولا۔ "دس ملین ڈالر کا سونا اور گرفتار نہ کرنے کی یقین دہانی... بصورتِ دیگر پوری قوم کو تباہ ہونا پڑے گا۔ موت کی نیند سونا ہوگا... لیکن وین تم کچھ اور مت سمجھنا۔ یہ مطالبے تو محض اپنے تحفظ کے لیے ہوں گے۔ کیونکہ امریکی خفیہ ادارے ہمیں جلد ہی تلاش کر لیں گے اور میں نہیں چاہتا کہ ہم مقاصد کی تکمیل سے پہلے ہی پکڑ لیے جائیں... صرف تین دن کی بات ہے۔ پھر اس قوم کے قابلِ احترام لیڈر اپنے گھٹنوں پر بیٹھے ہم سے رحم کی بھیک مانگ رہے ہوں گے... اور پھر ہم اس ملک کے مالک و مختار ہوں گے۔"

بیرونی محافظ خاموشی سے ہی موت کا شکار ہو گیا تھا۔ اُسے اپنی گدی پر ایک انسانی اُنگلی کا دباؤ محسوس ہوا۔ اُس نے پلٹنا چاہا لیکن جانے کیسے یہ اُنگلی خنجر کی نوک بن گئی جو اُس کے گوشت میں گھستی جا رہی تھی۔ سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں اُنگلی نما خنجر کی نوک اُس کے گوشت میں داخل ہو گئی اور وہ پلٹنے کی حسرت لیے زمین پر ڈھیر ہو گیا۔ اُس کے حلق سے چیخ تو کجا ایک آہ بھی برآمد نہ ہو سکی تھی۔

ٹائیگر ہاتھ جھاڑتا ہوا دوسرے محافظ کی تلاش میں آگے بڑھ گیا۔

ڈاکٹر تھورن نے مویشیوں کو مارنے والوں سمیت اپنے اس کریہہ منصوبے میں شریک تمام افراد کو وہاں طلب کر لیا تھا۔ ٹائیگر کے اندازے کے مطابق ڈاکٹر تھورن اور وین سمیت سترہ کے قریب افراد اندر موجود تھے۔ یعنی محافظ باہر پہرہ دے رہے تھے تاکہ کسی بھی قسم کی مداخلت سے نمٹا جا سکے۔ وہ مسلسل گشت پر تھے۔

ٹائیگر نے اپنے اگلے ٹارگٹ کو تاڑا اور اُسے بھی خاموشی کے ساتھ جہنم رسید کر دیا لیکن اس سے پہلے کہ وہ تیسرے کی طرف بڑھتا کسی نے دو محافظوں کی گم شدگی محسوس کر لی اور فارم ہاؤس سے آواز سے گونج اُٹھا۔

"راما محافظ پھرتی کے ساتھ گھوما لیکن عملہ آواز تک قریب [illegible] تھا کہ وہ گولی نہ چلا سکتا تھا۔ اُس نے اپنی رائفل کا بٹ عملہ آور کی کھوپڑی پر مارنا چاہا لیکن عملہ آور زیادہ پھرتیلا تھا۔ اُس نے وار اپنے ہاتھ پر روکا اور بیرل کو گرفت میں لے لیا۔ پھر اُس کی ایک معمولی سی حرکت کے نتیجے میں رائفل کا بٹ محافظ کے شانے کی ہڈی پر پڑا اور کسی بھاری ہتھوڑے کی مانند اُسے کرچی کرتا چلا گیا۔

"لو کے لوگو۔" ڈاکٹر تھورن نے کہنا شروع کیا۔ "ان چھ تمام غباروں کو باہر لے چلو تاکہ انہیں فضا میں چھوڑا جا سکے۔"

ولیم ٹیکنیشنز نے پہلے غبارے کو پکڑا اور اُسے احتیاط سے باہر لے چلے، لیکن ابھی وہ دروازے سے چند قدم دُور ہی تھے کہ پورا فارم بُری طرح لرزا۔ یوں لگا جیسے شدید زلزلہ آگیا ہو۔ وہ ہراساں ہو کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگے لیکن اس سے پہلے کہ صورتِ حال سمجھ سکتے۔ دائیں جانب کی دیوار ٹوٹی اور سیمنٹ کا وہ ستون جس نے عمارت کو سہارا دے رکھا تھا۔ درخت کی نرم و نازک شاخ کی مانند ٹوٹ کر اندر آگرا۔

کمرے کی چھت نے بھی اپنی جگہ چھوڑ دی۔ سیمنٹ کے بھاری بھرکم اور خستہ حال ٹکڑے گالوں کی طرح اندر موجود لوگوں پر

گرنے لگے۔ انہوں نے بیرونی دروازوں کی طرف چھلانگیں لگائیں لیکن کوئی شخص باہر نکلنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔

ڈاکٹر تھورن اتفاقی طور پر دروازے کے قریب تھا۔ وہ بچنے والا واحد خوش قسمت تھا۔ جب کہ اُس کے سارے ساتھی اُس کی نگاہوں کے سامنے ملبے تلے دفن ہو گئے تھے۔ وہ اندھا دھند بھاگتا ہوا اپنی کار میں جا بیٹھا لیکن اس سے پہلے کہ اُسے اسٹارٹ کرتا ایک چیز دیکھ کر وہ ساکت رہ گیا۔

وہ ٹائیگر تھا۔

اس کا لباس اور بال گرد سے اٹے ہوئے تھے۔ عمارت کو اُسی نے دیوار گرا کر تباہ کیا تھا۔

ڈاکٹر تھورن نے اگنیشن سوئچ میں چابی گھما کر کار اسٹارٹ کرنے کی کوشش کی لیکن ٹائیگر چشم زدن میں اُس کے سر پر تھا۔ اُس نے کار کا دروازہ اس زور سے کھولا کہ وہ ٹوٹ کر اُس کے ہاتھوں میں لٹکنے لگا۔

ڈاکٹر تھورن کی نگاہیں مارے خوف کے پھیل گئیں۔ وہ کپکپاتے ہونٹوں سے کچھ کہنے کی کوشش کرنے لگا لیکن حلق سے آواز نہیں نکل پائی۔

"فکر نہ کرو۔ میں تمہیں ماروں گا نہیں۔" ٹائیگر بولا۔ "میں تمہیں باندھ کر یہاں چھوڑ جاؤں گا۔ فوج خود ہی تم سے نمٹتی رہے گی۔"

ٹائیگر پلٹ کر رسّی تلاش کرنے لگا۔

"پلیز! میں اس طرح نہیں مرنا چاہتا۔" ڈاکٹر تھورن گھگیایا۔

ٹائیگر رُک گیا۔ وہ یہ سوچنے لگا کہ اگر فوج بروقت ڈاکٹر تھورن تک نہ پہنچ سکی اور پہنچنے کے باوجود اُسے قرار واقعی سزا دینے میں ناکام رہی تو کیا ہوگا...؟ ظاہر ہے وہ رہا ہونے کے بعد نئے سرے سے اپنے شیطانی منصوبوں میں مصروف ہو جائے گا۔ ایک بار پھر ہزاروں بے گناہ مارے جائیں گے اور امریکہ...

"ٹائیگر پلٹا۔" "میں نے اپنا ارادہ بدل دیا ہے۔" وہ سفاکی سے بولا۔

ڈاکٹر تھورن نے کچھ کہنے کو مُنہ کھولا لیکن ٹائیگر کی انگشت شہادت اُس کے ماتھے سے آلگی۔ ڈاکٹر تھورن کو صرف اسی قدر یاد تھا کہ اُنگلی میں کسی خنجر کی سی چبھن تھی۔ یہ چبھن کچھ اور بڑھی تو وہ ہوش و حواس سے بیگانہ ہو گیا۔

محض تین سیکنڈ بعد وہ کار کی سیٹ پر مردہ پڑا تھا۔

اُس کے ماتھے میں ایک ایسا سوراخ تھا جیسے کسی گولی نے اندر گھس کر اُس کا بھیجا پاش پاش کر دیا ہو۔

ریچر ایک ٹھنڈے مزاج کا ماہر ڈرائیور تھا۔ وہ گنجان آبادی میں سے بڑی سیڈان کو یوں نکال لایا تھا جیسے مکھن میں سے بال نکالا جاتا ہے۔ کھلی شاہراہ پر آتے ہی وہ عقبی آئینے کے ذریعے پیچھے بیٹھے مسافروں سے مخاطب ہوا۔ "اب؟"

"نیلم ویلی۔" پاس کے برابر بیٹھی ہوئی لڑکی کی سرد اور موت کی مانند سفاک آواز سُنائی دی۔

"روٹ ۲۹، اختیار کرنا۔" پرویز گھر کی منمناہٹ اُبھری۔ "بالکل سیدھے اور اطمینان سے چلنا ریچر!"

ریچر نے اثبات میں سر ہلایا۔ اُسے باس کی کسی نصیحت کی ضرورت نہ تھی کیونکہ وہ ریچر کو پہلی نظر میں ہی پہچان گیا تھا۔

اُسے اس بات سے کوئی غرض نہ تھی کہ لڑکی کہاں سے آئی ہے اور کس طرح پرویز اور راکی پر قابو پانے میں کامیاب ہوئی ہے اس کی بجائے وہ تو صرف یہ جانتا تھا کہ اس وقت وہ نازک سی لڑکی پرویز کی پسلیوں میں ایک لمبی بیرل کا ریوالور گھسیڑے بیٹھی تھی۔

ریچر نے دونوں ہاتھ اسٹیئرنگ وہیل پر اس طرح رکھے ہوئے تھے کہ دونوں عقبی مسافروں کی نگاہوں میں رہیں۔ پرویز عین اُس کے پیچھے بیٹھا تھا جب کہ روبی ذرا سا ہٹ کر بیٹھی تھی کہ وہیل ایریے سے دکھائی نہیں دیتی تھی۔

البتہ عقبی آئینہ اُس کی مکمل تصویر پیش کر رہا تھا ریچر گلہ ہے کہ اُس کا جائزہ لے رہا تھا۔ لڑکی واقعی غیر معمولی تھی۔ تخلیم کے حوالے سے وہ سینکڑوں لڑکیوں کو جانتا تھا مگر اُن میں سے کوئی بھی اس جیسی نہ تھی۔

یقیناً اس کے ہاتھوں کئی قتل بھی ہو چکے تھے۔ کیونکہ ریچر کو اُس کی آنکھوں میں ایک مخصوص چمک بھی دکھائی دی تھی۔

پندرہ سال سے ریچر جرائم کی دنیا میں تھا اور کئی قاتلوں سے مل چکا تھا۔ ایک بار تو اُس نے قاتلوں کے گروہ کے ساتھ ڈنر بھی کیا تھا۔ وہ بھی سفاک افراد میں شامل تھے لیکن ان میں لڑکی کوئی نہ تھی۔

اُسے حیرت ہوئی کہ ایسی مخلوق جو محض چوہا یا چھپکلی دیکھ کر مارے خوف کے چیخ کر آسمان پر سر اُٹھا لیتی ہو قتل کیسے کر سکتی ہوگی لیکن اس وقت پرویز گھر جیسا آدمی جس طرح چوہا بنا بیٹھا تھا اسے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

دیکھتے ہوئے ریّر کو اپنا نظریہ بدلنا پڑا تھا۔

عورت جب کسی کو جنم دے سکتی ہے تو اُس کی زندگی بھی لے سکتی ہے۔ اُس نے فوری طور پر فیصلہ صادر کیا۔

ریّر نے عقبی آئینے میں دیکھا۔ لڑکی کی تیز نگاہیں اُسی پر مرکوز تھیں۔

وہ گھبرا گیا۔ اُس نے کھنکار کر گلا صاف کیا "تت... تم نے نیلم پوری کہا ہے" وہ بولا "یہ تو بہت بڑی ریاست ہے۔ بتاؤ..."

"بے وقوفی کی باتیں مت کرو" پرویز نے تیز لہجے میں اُس کا جملہ کاٹا "تم اچھی طرح جانتے ہو یہ کہاں جانا چاہتی ہے؟"

عقبی آئینے کے ذریعے ایک اور خاموش پیغام منتقل ہوا۔ واقعی اُسے علم تھا کہ لڑکی کہاں جانا چاہتی ہے؟

"غلط جگہ ہے وہ" ریّر کہے بغیر نہ رہ سکا "بس سے زائد لڑکے ریش کی حفاظت پر متعین ہیں... وہ ایک قلعہ ہے... برقی آنکھیں اور سب کچھ... تمہیں وہاں نہیں جانا چاہیئے"

سرد آنکھیں اسی پر مرکوز ہو گئیں "میں نہیں... پرویز وہاں جا رہا ہے"

خدا جانے اُس کا مقصد کیا تھا؟ ریّر چند ثانیے اُس کے جملے پر غور کرتا رہا بالآخر اُس نے سر جھٹکا اور ڈرائیونگ پر توجہ مرکوز کر دی۔

چند ہی لمحوں بعد وہ دارالحکومت سے نیلم دہلی میں داخل ہو چکے تھے۔

اب ان کے چاروں جانب کھیت ہی کھیت تھے۔

ریّر کے ذہن میں ریش کی رہائش گاہ اُبھر آئی۔

یہ دس ایکڑ پر محیط ایک عظیم الشان فارم تھا۔ جسے دیواروں کے ذریعے گرد و پیش سے الگ کر دیا گیا تھا۔ شمال میں گولف کورس تھا جب کہ باقی تینوں اطراف کھلے کھیت پھیلے ہوئے تھے۔ سڑک سے اُتر کر ایک پختہ راستہ فارم کے مرکزی دروازے تک جاتا تھا جو دیواروں کے اندر کہیں نصب برقی آلات کی مدد سے کھلتا تھا۔

اس جگہ کو دیکھ کر ریّر ہمیشہ کانپ اُٹھتا تھا۔ اُسے وہ جیل یاد آ جاتی تھی جس میں اُس نے اپنی جوانی کے ابتدائی دن گزارے تھے۔

"یہیں رُک جاؤ!" برفیلی نسوانی آواز سنائی دی۔

ریّر نے کار روک دی۔ وہ مرکزی دروازے سے کوئی سو گز کے فاصلے پر تھے۔

"ریّر کی باتوں پر کوئی توجہ نہ دینا" پرویز نے سرگوشی میں اپنی اغوا کنندہ کو آگاہ کیا "تم چاہو گی تو میں بحفاظت تمہیں اندر لے جاؤں گا"

"باہر نکلو" روبی نے اُس کی بات پر توجہ دینے کی بجائے حکم دیا "دونوں!"

پرویز گھرنے پہلے حکم کی تعمیل کی۔ ذرا دیر بعد ہی ریّر بھی اپنے باس کے ساتھ کھڑا تھا۔

روبی مخالف سمت میں کار کے ساتھ کھڑی تھی "پیٹ کے بل زمین پر لیٹ جاؤ" اُس نے اگلا حکم دیا "بازو اور ٹانگیں پھیلا لو"

لعنت ہو... وہ یہاں موت سے ہم کنار ہونے والے تھے۔ مُنہ کے بل زمین پر لیٹ کر... ایک ایک گولی سر میں لگتی اور وہ اگلے جہان سدھار جاتے۔

پرویز نے کمزور سی آواز میں احتجاج کیا لیکن تعمیل کرنے میں ہچکچاہٹ کا مظاہرہ نہیں کیا۔

ریش کے دو گن مین گارڈ ہاؤس سے نکل کر بڑی دلچسپی کے ساتھ سامنے نظر آنے والے منظر کو دیکھ رہے تھے۔

البتہ وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ ایسا کرنے والے کون لوگ ہیں؟

پرویز گھرکا رہا تھا "یہ بے وقوفی ہے روبی! تم کیا کر رہی ہو؟ یہ لڑکے باہر نکل کر تمہاری تکا بوٹی کر دیں گے"

لڑکی نہایت اطمینان سے بولی "یہ لڑکے نہیں، پرویز"

روبی نے رُخ بدلا۔ کار کے عقب سے اُس کے ہاتھ میں پکڑی ہوئی گن بلند ہوئی۔ یکے بعد دیگرے دو شُٹ اُس میں سے برآمد ہوئے۔ دونوں گن مین بغیر آواز نکالے زمین پر ڈھیر ہو گئے۔ یہ سب اتنی تیزی سے ہوا کہ ریّر کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ گولی اُس پر چلی ہے یا گن مینوں کو نشانہ بنایا گیا ہے۔

روبی، پرویز کی طرف پلٹی "جاؤ ریش کو بھاگ کر بتاؤ، پرویز میں اس وقت اُس کے گرگوں سے لڑنے مرنے نہیں آئی... مجھے لوپو کی ضرورت ہے"

"ٹھیک ہے..." پرویز چلّایا "میں اُسے بتاؤں گا"

وہ آنکھیں ریّر سے آملیں اور انہوں نے اُسے بتایا کہ کار میں بیٹھ جائے۔

ڈرائیور نے بغیر کسی احتجاج کے وہی کیا۔ روبی اُس کے ساتھ پسنجر سیٹ پر آ بیٹھی۔

روبی کے اشارے پر ریّر نے کار اسٹارٹ کر کے اُسے یوٹرن میں گھمایا اور معتدل رفتار سے مین روڈ کی طرف لیتا چلا گیا "تم غیر معمولی چیز ہو" اُس نے کن انکھیوں سے روبی کی طرف دیکھتے ہوئے سرگوشی کی۔

کوئی جواب نہیں ملا۔ روبی عقبی سمت متوجہ تھی جہاں پرویز گھر تھکے تھکے قدموں سے ریش کے قلعے کے دروازے کی طرف بڑھ رہا تھا۔

پرویز کے ایک ہاتھ میں رومال تھا جب کہ دونوں بازو ہوا میں لہرا رہے تھے۔ وہ شاید اندر سے ہونے والے دفاعی فائر سے بچاؤ کر رہا تھا۔

لیکن ریّر جانتا تھا کہ جب تک پرویز کو پہچان نہیں لیا جائے گا، کوئی ردِ عمل نہیں ہوگا۔

ریّر کو پرویز کی کوئی فکر نہ تھی... وہ ایک خوش قسمت انسان تھا۔

ریّر، روبی سے مخاطب ہوا "ممکن ہے میں تمہاری کوئی مدد کر سکوں"

برفیلی آواز سنائی دی "بولو"

"تمہیں لوپو کی ضرورت ہے نا؟"

"ہاں" روبی نے جواب دیا۔

بہرام، اوشان اور ٹائیگر، چارہ گر سنٹی ٹور یے کے مخصوص کمرے میں موجود تھے۔

ٹائیگر کو ڈاکٹر تھورن کے کیس سے نمٹتے ہوئے ایک ہفتہ ہو گیا تھا جو اُس نے ورجینیا میں گزارا تھا۔ کچھ دیر پہلے ہی وہ اوشان کے ہمراہ چارہ گر ہیڈ پہنچا تھا جہاں بہرام کاغذوں کا ایک پلندہ میز پر رکھے اُن کا منتظر تھا۔

"کیا آپ چارہ گر فروخت کر رہے ہیں؟" ٹائیگر نے آتے ہی ڈاکٹر بہرام سے پوچھا۔

"کیوں؟" وہ بے اختیار بول اُٹھا۔

"کاغذات کا ڈھیر جو سامنے لیے بیٹھے ہیں"

"مجھے لگتا ہے کہ تھورن کے جراثیم تم پر بھی اثر انداز ہو گئے ہیں" بہرام ہنس کر بولا۔

"اس کے اندر تو پہلے سے طاعون پھیلا ہوا ہے" اوشان نے لقمہ دیا "اس کی مکمل صفائی کی ضرورت ہے"

"یہ اسی کا انتظام تو ہے" بہرام نے سامنے رکھے کاغذات اُٹھا کر ٹائیگر کو تھما دیے "یہ تمہارا نیا کیس ہے"

"یہ تو بہت آسان ہے" ٹائیگر نے کہا اور کچھ کاغذات اُٹھا کر انہیں پُرزے پُرزے کرنے کی تیاری کرنے لگا۔

"ارے... ارے..." بہرام کرسی سے اُٹھ کھڑا ہوا "یہ کیا کر رہے ہو؟"

"آپ نے ہی تو کہا تھا کہ یہ نیا کیس ہے" ٹائیگر معصومیت سے بولا۔

"لیکن میں نے یہ نہیں کہا تھا کہ کاغذات کو پھاڑنا ہی اصل کیس ہے" بہرام نے وضاحت کی "ان میں کیس کی تفصیلات درج ہیں جو تم ذہن نشین کر سکتے ہو"

ٹائیگر، اوشان کی طرف پلٹا "تو آپ کی اس ہائی پاور مُرغی نے یہ اٹھا دیا ہے"

"ہائی پاور کمیٹی" اوشان نے فوراً تصحیح کی "یہ ساری خرافات تمہارے ہی ملکوں کی ہیں۔ سنا ہے تم میں اس طرح کی کوئی مصیبت نہیں ہوتی"

"ایک وقت میں ایک ہی مصیبت ہو سکتی تھی" ٹائیگر زیرِ لب بولا۔

"کچھ ارے... تو دیوار کے ساتھ اُلٹا لٹکا کر بھول جاؤں گا" اوشان نے کہا تو ٹائیگر خاموش ہو گیا۔

"اسے سنجیدگی سے لو، ٹائیگر" بہرام نے نصیحت کی "یہ مشکل کیسوں میں سے ایک ہے۔ اس کی ساری تفصیلات ان کاغذات میں موجود ہیں۔ میں تمہیں صرف اسی قدر بتا سکتا ہوں کہ تمہاری نئی مہم کا تعلق ہانگ کانگ سے ہے صدر امریکہ ذاتی طور پر اس میں دلچسپی لے رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ چارہ گر کی تاریخ میں پہلی مرتبہ ایک ایسی ہائی پاور کمیٹی تشکیل دی گئی ہے جس میں صدر امریکہ کے علاوہ مجھے اور اوشان کو شامل کیا گیا ہے۔ ہمارا اندازہ ہے کہ اس سازش کی کڑیاں پورے مشرقِ بعید اور شاید چین کے دُور دراز حصّوں تک پھیلی ہوئی ہیں۔ ممکن ہے اسی کیس میں ڈریج مین سے تمہارا سامنا ہو جائے۔ وہ کیا ہے، کون ہے اور اُس کے مقاصد کیا ہیں۔ ہم اس بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ صرف اسی قدر ہمارے علم میں ہے کہ وہ دُنیا کا خطرناک ترین مجرم ہے۔ تمہیں اس پر سے پردہ ہٹانا ہے اور اُسے کیفرِ کردار تک پہنچانے کی کوشش کرنا ہے"

ٹائیگر کو ایک ثانیے کے لیے وہ لڑائی یاد آ گئی جس میں ڈریج مین اُسے خچر دے کر بھاگ نکلا تھا۔ اوشان اُس کی مدد کو

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

نہ آتا تو شاید ڈیچ مین اُسے ہلاک کرنے میں کامیاب ہو ہی گیا ہوتا۔ بلاشبہ وہ ایسا ہی شخص تھا جو ہزار چہروں کا مالک اور سینکڑوں چالوں کا ماہر تھا۔

"تمہیں کچھ عرصے کے لیے ہانگ کانگ جانا ہوگا۔" بہرام نے کہا تو ٹائیگر نے چونک کر اوشان کی طرف دیکھا۔

ایک بار اوشان نے سنانجو کو ہانگ کانگ کی نوآبادی کہنے پر اُس کی گوشمالی کی تھی۔

"یہ ایک سرکاری مشن ہے۔" اوشان نے شاید اُس کے دل کی بات سمجھ لی تھی۔

"ہانگ کانگ میں کچھ اور لوگ بھی تمہارے ساتھ ہوں گے جن کی تفصیلات ان کاغذوں میں موجود ہیں لیکن مشن تمہیں تنہا ہی انجام دینا ہے۔"

"تو کیا نٹل فادر میرے ساتھ نہیں جا رہے؟" ٹائیگر نے دریافت کیا۔

"فی الحال نہیں۔" بہرام کی بجائے اوشان نے جواب دیا۔ "میں ہانگ کانگ میں تمہارے ساتھ رہوں گا اور تمہاری تربیت کروں گا۔ البتہ مشن میں زیادہ تر تم تنہا ہی رہو گے۔"

ٹائیگر نے خاموشی سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"ایک بات اور ذہن میں رکھنا کہ اس کیس کے دوران تمہارا نام جیک میروک ہوگا۔۔۔"

"کیوں؟"

"اس کی وجہ تمہیں مشن کے دوران خود ہی معلوم ہو جائے گی۔ البتہ جیک کے بارے میں فرد جرم کی تفصیلات ان تمام کاغذات میں موجود ہیں۔ تم انہیں ذہن نشین کر لو تاکہ خود کو اس کی شخصیت میں ڈھال سکو۔"

"یہ جیک میروک کوئی فرضی کردار ہے؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"نہیں۔"

"تو اصل جیک میروک کہاں ہے؟"

"یہ معلوم کرنا بھی تمہارا کام ہے۔"

✦

صبح آٹھ بجے دارالحکومت کے باسی پُرجوش انداز میں نئی قسم کی خبریں سُن رہے تھے۔ انتخابات اور دیگر قومی معاملات پس پشت چلے گئے تھے کیونکہ تمام کالم نویسوں، رپورٹرز، سیاستدانوں اور دیگر سرکاری عہدیداروں کی توجہ سیاہ لباس والی ایک لڑکی کی طرف مبذول ہو گئی تھی جس کا نام روبی تھا۔

ریڈیو کمنٹیٹر قومی نشریاتی رابطے پر خبریں سُنا رہا تھا۔ "یہ ملے ہے کہ روبی نامی یہ لڑکی دارالحکومت میں موجود ہے۔ مجرموں کے علاوہ پولیس کے تمام ادارے اس اکیلی لڑکی کی تلاش میں ہیں۔ واضح رہے کہ اس علاقے میں فردوس کا دارالحکومت سب سے زیادہ پولیس نفری کا حامل ہے۔ پانچ ہزار میونسپل پولیس مینوں کے علاوہ سیکرٹ سروس، کیپٹل پولیس، پارکس پولیس، ملٹری پولیس اور فردوسی بیورو آف انٹیلی جنس کے ہزاروں افراد اس لڑکی کی تلاش میں ہیں لیکن اب تک اس کے بارے میں کوئی خبر نہیں ملی۔"

ایک اور نیوز کمنٹیٹر کے مطابق بیورو آف انٹیلی جنس کے اندرونی ذرائع نے بتایا ہے کہ روبی کا شکار وہ مجرم ہیں جو اپنی سرگرمیوں سے لوگوں کا جینا حرام کیے ہوئے ہیں۔ "اس سے غرض نہیں کہ روبی کون ہے۔" ایک سرکاری ذریعے نے کہا۔ "لیکن یہ طے ہے کہ مجرم اُس سے بچ نہ سکیں گے۔ البتہ یہ بات پریشانی کا باعث ضرور ہے کہ دارالحکومت کی گلیاں گولیوں کی آوازوں سے گونجنے لگیں گی۔"

دارالحکومت کے ائرپورٹ پر الگ نوعیت کی سرگرمیاں تھیں۔ انٹیلی جنس بیورو کی تین مختلف ٹیموں نے صبح کے وقت آنے والی تمام پروازوں کے مسافروں کو ضروری پوچھ گچھ کے لیے روکا لیکن وہ کسی مشکوک شخص کو گرفتار کرنے میں ناکام رہے تھے۔

ایک سرکاری ترجمان نے بتایا۔ "روبی اور مجرموں کے درمیان متوقع خونی ہنگامے کو روکنے کے لیے یہ ہماری واحد اور آخری کوشش تھی۔ مگر ہمیں یہ اعتراف ہے کہ ہم کسی بات کا سراغ نہیں لگا پائے۔"

ٹیلی ویژن کی خصوصی خبروں میں میئر کے دفتر کی ذرائع نے رپورٹ دی۔ "اس وقت قانون نافذ کرنے والے تمام ادارے روبی کو تلاش کر رہے ہیں۔"

دوپہر تک شہر میں یہ خبر عام ہو چکی تھی کہ روبی نے سات مجرموں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا ہے۔ مختلف افواہیں اُڑنی شروع ہو گئیں جن سے خوف و ہراس پیدا ہو گیا۔

یہ خبر بھی سُنی گئی کہ دارالحکومت میں مجرموں کی سب سے بڑی تنظیم کا ایک باس پرویز گھر اپنے تمام لڑاکوں سمیت غائب ہے اور ڈسٹرکٹ کے ہگ باس رمیش گوپی نے خود کو نیلم ولی کے ایک قلعے میں محصور کر لیا ہے۔ غنڈوں کی ایک چھوٹی سی فوج

اُس کی حفاظت پر مامور ہے۔

شام تک روبی کی کوئی خبر نہ ملی تھی۔ نہ ہی وہ کہیں منظرِ عام پر آئی تھی۔

وہ اپنے مشن میں مصروف تھی۔

اُسے لوپو کی تلاش تھی۔

✻

توشی ماکو، ٹوکیو میں گرمیوں کا موسم تھا۔ بارش زوروں پر تھی۔ دُور دُور تک ویرانی کا راج تھا۔ ایسے میں بھیگے ہوئے کندھوں والا ایک بُوڑھا شخص۔ چاولوں کے کاغذ کی بنی ہوئی چھتری یعنی جاتونی گاسا کو سینہ تانے یوں آگے بڑھا چلا آ رہا تھا جیسے یہ کسی جہاز کا بادبان ہو۔

سنگی سلیبوں کے پہلو میں بارش کا پانی ٹھاٹھیں مار رہا تھا اور اُن کے اوپر بُوڑھے کے قدموں کی دھمک سُنائی دے رہی تھی۔ وقفے وقفے سے رُک کر وہ بارش کے علاوہ کسی اور چیز کی آہٹ لینے کی کوشش کرتا لیکن دور و نزدیک اُس کے سوا کوئی موجود نہ تھا۔

بارش کے موٹے موٹے قطرے اُس کے لباس اور سنگی فرش سے ٹکرا کر عجیب قسم کی موسیقی پیدا کر رہے تھے۔ اس موسیقی کو سمجھا نہیں جا سکتا تھا البتہ اس کے حزنیہ ہونے کا احساس ضرور ہوتا تھا۔ کیونکہ پرانیوں میں سوائے حزن و ملال اور یاس و نا اُمیدی کے کچھ اور جنم نہیں لیتا۔

"خوبصورتی میں ہمیشہ یاسیت پوشیدہ ہوتی ہے۔" اُسے اپنے والد کا ایک مخصوص جملہ یاد آ گیا۔ "ایک عجیب طرح کا حزن چھپا ہوتا ہے۔ جب تم اس حزن و یاسیت کو سمجھنے کے قابل ہو جاؤ تو خود کو نابالغ تصور نہ کرنا۔"

بُوڑھے نے سر جھٹک کر گویا پرانی یادوں کو دُور بھگایا اور نزدیکی پب کا پردہ ہٹا کر اندر داخل ہو گیا۔

کمرہ چھوٹا سا لیکن پینے اور کھانے والوں سے بھرا ہوا تھا۔ دُھواں کسی اژدہے کی پھنکاروں کی مانند فضا میں لہرا رہا تھا۔

بُوڑھا وہاں موجود لوگوں پر ایک نظر ڈالتا آگے بڑھا۔ کیمونو پہنے ہوئے ایک طویل قامت کے قریب سے گزرتے ہوئے اُس نے اپنے دوستوں کی طرف دیکھ کر ہاتھ ہلایا اور انہوں نے گرمجوشی کے ساتھ جواباً اُس کا استقبال کیا۔ بُوڑھے نے سر کی جُنبش سے جواب دیا لیکن دل ہی دل میں وہ سیاہ کیمونو (روایتی جاپانی عبا جو ریشم یا کاٹن کی بنی ہوتی ہے) والے کے قد اور جسامت کو سراہے بغیر نہ رہ سکا۔

بُوڑھا اپنی مخصوص میز پر بیٹھ گیا تو ویٹر نے اُس کے سامنے بیئر لا سجائی۔ بُوڑھے نے سر کی جنبش سے اُس کا شکریہ ادا کیا اور اپنی پسندیدہ ڈش 'ہاما چی ہیڈ' کا آرڈر دیا۔ ویٹر واپس چلا گیا۔

بیئر کا گلاس ختم ہوتے ہی کھانا آ گیا اور وہ جلد ہی کھاتے ہوئے اپنے دوستوں کے ساتھ بات چیت میں مصروف ہو گیا۔ اگر اُس نے سیاہ کیمونو والے طویل قامت کو پردے پڑے عقبی دروازے کی طرف بڑھتے دیکھا بھی تھا تو کوئی توجہ نہیں دی تھی۔

یہ کوئی پیچیدہ قسم کا جاپانی پب نہیں تھا۔ اس کا اگلا کمرہ جزیرے کے سینکڑوں بلکہ ہزاروں شراب خانوں کی مانند کھانے اور پینے کا کمرہ تھا۔

ہال وے کے ساتھ ساتھ متعدد کمرے بنے ہوئے تھے جو خالص جاپانی انداز کے تھے۔

سیاہ کیمونو والا شخص جسے دُنیا کے محض چند افراد ڈیچ مین کے نام سے جانتے تھے ایک لمحے کے لیے رُک کر اپنے گردوپیش کا جائزہ لینے لگا۔ بظاہر عمومی طور پر اٹھارہ کمرے تھے جن کے وسط میں نسبتاً کم اُونچی میزیں رکھی تھیں ان کے گرد فل سوٹ پہنے ہوئے افراد زمین پر پلتھی مارے بیٹھے تھے۔ اُن کے چہرے چراغوں کی روشنی میں چمکنے والے ہیروں سے مشابہ تھے۔

تب اُس کی آنکھوں نے رُخ بدلا۔

اب وہ جواریوں کی طرف متوجہ تھا۔

انہوں نے شرٹس یا جیکٹس کے بجائے اپنی جلد کو ہی کپڑوں کی طرح زیب تن کیا ہوا تھا۔ کلائیوں سے گردن اور کندھوں سے ہتلی کمر تک اُن کے جسموں پر نقش و نگار بنے ہوئے تھے۔ یہ جاپان کا مخصوص آرٹ تھا جو اس شکل اور معیار میں دُنیا کے کسی اور حصے میں موجود نہ تھا۔ ان نقش و نگار کو گودنے کے لیے مخصوص روشنائی استعمال کی جاتی تھی جو تارکول سے حاصل ہوتی تھی۔ ڈیچ مین کو اندازہ تھا کہ محض ایک جسم کو سجانے کے لیے کتنے سال درکار ہوتے ہیں۔ اُس نے دل ہی دل میں ان آدمیوں کی ہمتی قوتِ ارادی کو بھی سراہا کیونکہ اس عمل میں بے پناہ تکلیف برداشت کرنی پڑتی تھی۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ایک ایک شخص کے جسم پر کئی اقسام کے ٹیٹو بنے تھے۔ ڈیچ مین باری باری ان کا جائزہ لینے لگا۔

ایک کے جسم پر دو جاپانی عورتوں کی شبیہہ بنی تھی جو روایتی عبائیں زیب تن کیے مخصوص انداز میں سر خم کیے کھڑی تھیں۔ اُن کے سامنے پھولوں کی ایک کیاری تھی۔ دوسرے کے بدن پر طاقتور شیر کی تصویر تھی جو منہ پھاڑے، اگلے دونوں پنجوں پر کھڑا چھلانگ لگانے کے لیے تیار تھا۔ ایک اور جگہ بہتے دریا کی عکاسی کی گئی تھی۔ ایک اور بدن پر پھنکارتے ہوئے اژدہے کا سر تھا جس کی چاروں جانب شعلے بھڑک رہے تھے۔ ایک شخص نے اپنے بدن پر جاپان کے سب سے بڑے پہاڑ کوہ فیوجی کی تصویر بنوائی تھی جس کے پس منظر میں ٹھاٹھیں مارتا سمندر تھا۔

ڈیچ مین کی نگاہیں میز کی جانب منتقل ہوگئیں جس پر رقم کے ڈھیر موجود تھے۔ جواریوں کے مُنہ دُھواں اُگل رہے تھے جس سے کمرے کی فضا بھاری ہوگئی تھی۔ وقتاً فوقتاً وہ لوگ شراب اور کھانے پینے کی دوسری چیزوں سے بھی لطف اندوز ہو رہے تھے۔

ایک جواری اُٹھ کھڑا ہوا۔ ڈیچ مین نے سوچا کہ شاید وہ تھک گیا ہے یا ممکن ہے یہاں اُس کی قسمت نے یاوری نہ کی ہو اور وہ کہیں اور مقدر آزمانے کی تیاری کر رہا ہو۔ یہ دیکھ کر ڈیچ مین کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی کہ وہ ہال وے کی طرف سے ہوتا ہوا باہر جا رہا تھا۔

وہ چند ثانیے اُسے دیکھتا رہا پھر پلٹ کر اُس حصّے میں داخل ہوگیا جہاں چھوٹے چھوٹے کمرے بنے ہوئے تھے۔

وہ دو بڑے بڑے پولوں اور کئی ایسے کمروں کے قریب سے بھی گزرا جہاں جاپانی لڑکیاں، آرام کی غرض سے آئے ہوئے لوگوں کی خدمت میں مصروف تھیں۔

ڈیچ مین، لکڑی کے ایک سلائیڈنگ دروازے کے سامنے رُکا۔ لکڑی کی کھڑاویں اُتار کر اُس نے رسمی طور پر سر جُھکا کر تعظیم دی اور اندر داخل ہوگیا۔

کمرے کے وسط میں نیچی سطح کی ایک میز تھی۔ بائیں جانب طاقت کی جگہ پر کی سان بیٹھا تھا۔ وہ اس شراب خانے کا مالک اور ٹوکیو کی سب سے طاقت ور جرائم پیشہ تنظیم یاکوزا کا اویابون یعنی چیف تھا۔

یاکوزا... کینگسٹروں کا مجموعہ تھی لیکن جاپان کی زیرِ زمین دُنیا اپنی بعض خصوصیات کے باعث اپنے دیگر ہم پیشہ اداروں سے مختلف تھی۔ مثال کے طور پر یاکوزا کے افراد اپنی کرسی یعنی ڈیوٹی کے اُسی طرح اخلاقی طور پر پابند تھے جس طرح بوشیڈو میں سمورائے ہوتے تھے۔

بہ الفاظِ دیگر یہ بات کہی جا سکتی تھی کہ اگر چوروں کے درمیان عزت و احترام کی کوئی رسمی بات تھی تو وہ یاکوزا کے علاوہ اور کہیں نہ تھی۔

کی سان کے سامنے میز کے وسط میں اُس کا، کامون یعنی خاندانی نشان رکھا تھا۔ یہ مختلف سائزوں کے روایتی بکس تھے جن سے چاول ناپے جاتے تھے۔ صدیوں سے یہ جاپان میں دولت کی نشانی تھی۔ اسے ماسو کہا جاتا تھا اور اس کا مطلب اضافے کا بھی تھا۔

کی سان، کی بائیں جانب معزز مہمان کی روایتی نشست تھی جس پر ایک اوسط شخص براجمان تھا۔ وہ دُبلا پتلا تھا لیکن اُس کا سینہ خاصا چوڑا تھا۔ اُس کے جبڑے اُبھرے ہوئے لیکن رخساروں کا درمیانی حصّہ اندر کی طرف دھنسا ہوا تھا۔

تینوں نے خاموشی سے ایک دوسرے کو جھک کر تعظیم دی۔ کی سان نے سبز چائے بنائی اور اپنے مہمان کو پیش کی۔

چائے پینے اور اُس کی پہلی چسکی لینے تک اُن لوگوں کے درمیان سوائے ایک دوسرے کی خیریت دریافت کرنے کے کوئی بات نہ ہوئی تھی۔

"ریفریشمنٹ بہت اچھا ہے۔" چوڑے سینے والے نے کہا۔

اُس نے سیاہ رنگ کا سوٹ اور سفید شرٹ پہن رکھی تھی۔ ٹائی گہرے سرمئی رنگ کی تھی۔

"شکریہ، ہی گیرا سین!" کی سان نے اپنا گنجا سر ہلایا۔ وہ پستہ قامت تھا لیکن اُس کی گردن بے حد موٹی تھی۔ "تمہارے اومیزو ہاؤس آنے پر مجھے ہمیشہ ہی خوشی ہوتی ہے۔" کی سان کے شراب خانے کا نام اومیزو ہاؤس ہی تھا۔

ہی گیرا مُسکرا دیا۔ "لیکن میں سمجھتا ہوں کہ یہ ہماری آخری ملاقات ہے۔"

"یہ درست نہیں، انسپکٹر۔" کی سان بولا۔ "تمہارا جانا ہمارے لیے سُود مند نہیں ہوگا کیونکہ ہم نئے والے کو نہیں جانتے اور پھر میں تمہیں یقین دلا چکا ہوں کہ ایسا نہیں ہوگا۔"

ہی گیرا خاموش رہا۔ شاید اُسے خوشی نہیں ہوئی تھی کیونکہ اپنے دفتر میں بھی کبھی اُس نے اپنے اعلیٰ افسران سے تعریف و توصیف کے جملے نہیں سُنے تھے۔

ذرا دیر بعد ہی گیرا نے اپنی گھڑی پر نگاہ ڈالی۔ "میں معذرت خواہ ہوں لیکن جانے کا وقت ہوا چاہتا ہے۔"

"بالکل!" ڈیچ مین بولا لیکن اُس نے کوئی حرکت نہیں کی۔ ایک عجیب سا کھنچاؤ اُن کے درمیان پیدا ہوگیا تھا۔ جسے صرف محسوس کیا جا سکتا تھا۔

یہ ملاقات دوستانہ تھی لیکن جانے کیوں ہی گیرا کو پسینے آنے شروع ہوگئے۔ ڈیچ مین اُسے جن نگاہوں سے گھور رہا تھا وہ اُسے اپنے بدن میں چبھتی محسوس ہو رہی تھیں۔ اُس کی سانس تیز تیز چلنے لگی لیکن تکلف کی رسمی دیوار اُسے کچھ اور کہنے سے روکے ہوئے تھی۔

کی سان نے متواتر نگاہوں سے ڈیچ مین کو دیکھا البتہ وہ کوشش کر رہا تھا کہ اُس کا معزز مہمان اس سے آگاہ نہ ہو سکے۔ وہ ڈیچ مین کو اچھی طرح جانتا تھا اُس کی سفاکی سے آگاہ تھا۔ اُسے علم تھا کہ ڈیچ مین اپنے مزاج کے خلاف ہونے والی کوئی بات برداشت نہیں کرپاتا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ ہی گیرا کے ان سخت جملوں کا اس پر کیا ردِ عمل ہوگا؟

اُس نے ہی گیرا کی طرف دیکھا جس کے ماتھے پر آجانے والے پسینے کے قطرے رخساروں سے ہوتے ہوئے اُس کی ٹھوڑی تک آپہنچے تھے۔

کی سان کی نگاہیں پھر ڈیچ مین پر مرکوز ہوگئیں جو اپنے سیاہ کیمونو کی کسی جیب سے سونے کی چابی نکال رہا تھا۔ اُس نے چابی کمرے کی دیوار کے ساتھ نصب لکڑی کی الماری کے قفل میں داخل کی اور اُسے گھما دیا۔ لکڑی کا ایک نسخہ اُوپر آگیا۔

ڈیچ مین نے پیدا ہونے والے خلا میں ہاتھ ڈالا اور لکڑی کا صندوقچہ نکال لیا جو کسی عورت کے میٹ باکس سے بڑا نہیں تھا۔ اُس نے باکس اپنے سامنے میز پر رکھ دیا۔

ہی گیرا کی نگاہیں یک ٹک باکس پر مرکوز تھیں۔ "یہ... یہ کیا ہے؟" اُس نے بے وقوفانہ انداز میں پوچھا۔

جواب دینے کے بجائے ڈیچ مین نے صندوقچے کا ڈھکن اُٹھایا اور اپنے پہلو میں زمین پر رکھ دیا۔

"اس میں کیا ہے... پلیز؟" ہی گیرا تھوک نگلتے ہوئے بولا۔

ڈیچ مین نے ایک ہاتھ سے اپنے کیمونو کی آستین اُوپر چڑھائی اور دوسرا باکس کے اندر ڈال دیا۔ جب اُس نے ہاتھ باہر نکالا تو ہی گیرا کی آنکھیں پھٹ پڑیں اور زبان تالو سے جا چپکی۔

"اووووف!" وہ درد سے جیسے کراہ اُٹھا۔ وہ بار بار پلکیں جھپکا رہا تھا۔ اُس کی نظروں کے سامنے ایک ایسی شے تھی جو بظاہر ناقابلِ یقین تھی۔

ڈیچ مین کے ہاتھ میں ایک انسانی سر تھا جسے اُس نے بالوں سے تھام رکھا تھا۔ اُس کی کٹی ہوئی گردن سے خون اب بھی ٹپک رہا تھا اور وہ ڈیچ مین کے ہاتھ کی حرکت سے دائیں بائیں جھول رہا تھا۔

"شی زوکی!" سین یہ ہی گیرا کی سرسراتی ہوئی آواز سنائی دی۔

"تمہارا شعبہ جاتی مخالف!" ڈیچ مین بے تاثر لہجے میں بولا۔ "تم نے اپنے پروموشن کی یقین دہانی درکار تھی نا؟" اُس کی آواز بلند تھی اور لہجے میں جاپانی سے زیادہ چینی رنگ چڑھا ہوا تھا۔

"ہاں... لیکن..." ہی گیرا کو اپنے پیٹ میں اینٹھن سی محسوس ہو رہی تھی۔ یوں لگا جیسے سارا کھایا پیا ابھی باہر آجائے گا لیکن اس کے باوجود اس کی آنکھیں اب بھی ڈیچ مین کے ہاتھ میں جھولتے ہوئے خون آلود سر پر جمی تھیں۔ "م... میرا یہ مطلب نہ تھا۔ میں... میں... مجھے یہ اندازہ... میں..."

"شی زوکی کا ٹائی ہیٹسو کا حمایت یافتہ تھا۔" ڈیچ مین نے اس کا جملہ کاٹا۔ "یہ تو تم جانتے ہی ہو کہ کائی ہیٹسو کیا شے ہے؟ یعنی خونی رشتوں کے درمیان روایتی عہد یا ان لوگوں کے ساتھ معاہدہ جو اس خاندان میں شادی کرنے والے ہوں۔" وہ چند ثانیے رُکا پھر گویا ہوا۔ "شی زوکی پروگرام کے مطابق تنہا... تمہارے باس کی بیٹی سے شادی کرنے والا تھا یہ بھی وہم تھی کہ میں نے اس کی اور تمہاری قسمت پر مُہر لگا دی۔ یہ تمہارے لیے بہت اچھا ہوا ہے ہی گیرا سین، اگر یہ شادی ہو جاتی تو تم دُور کہیں پیچھے رہ جاتے۔"

"تم صبیح آدمیوں کے پاس آئے ہو۔" کی سان نے ڈیچ مین کی حمایت کی۔ "اپنا مسئلہ لے کر۔"

"لیکن یہ...!" ہی گیرا ساری صورتِ حال کو ایک بھیانک خواب سمجھ رہا تھا۔ اس نے شی زوکی کو آگے نکلنے سے روکنے کی خواہش ضرور کی تھی لیکن یہ کبھی نہیں سوچا تھا کہ یہ خواہش آہنی شکنجے کی مانند اسی کو اپنی گرفت میں لے لے گی۔

"آٹھ دس دنوں میں ٹائی ڈیچ مین دوبارہ بولا۔" بہت تاخیر ہو چکی ہوتی۔ شی زوکی، سین اپنے باس کی بیٹی سے شادی کرکے اس کے خاندان کا حصہ بن جاتا اور ہم اُسے چھو بھی نہ سکتے۔"

"ہمارے پاس اس کا کوئی متبادل نہ تھا۔" کی سان نے اپنے فعل کی وکالت کی۔ اس نے اپنے مہمان کو غور سے دیکھا۔ "ہی گیرا سین!"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"ہاں... ہاں!" ہی گیرا بڑی طرح چونکا۔ اُسے یہ دو لفظ کہنے کے لیے بھی خاصی قوت صرف کرنی پڑی تھی۔ وہ بُری طرح پھنس گیا تھا لیکن اس میں کسی اور کا کوئی قصور نہیں تھا۔ وہ خود ہی اس سلسلے میں مدد حاصل کرنے ان لوگوں کے پاس آیا تھا۔ وہ لالچ میں اندھا ہو گیا تھا۔ اب اُسے یہ احساس بھی بُری طرح ستا رہا تھا کہ وہ ایک ایسی مضبوط چار دیواری میں مقید ہو گیا تھا جہاں سے کبھی بھی اپنی سابقہ دُنیا میں واپس نہیں جا سکے گا۔ اب اُسے اپنے لالچ کی اندھی دنیا میں زندگی کا باقی حصہ گزارنا تھا اس نے آنکھیں بند کر لیں لیکن اس کے باوجود ان سوچوں سے دامن نہ چھڑا سکا جنہوں نے اُسے گھیر لیا تھا۔

"اب تمہارا کیریئر مخالفوں سے پاک ہے۔" کی سان کہہ رہا تھا۔ وہ صورت حال سے خاصا خوش دکھائی دے رہا تھا۔ ڈچ مین نے ہی گیرا کے بارے میں خاصی تحقیق کی تھی۔ اگر ہی گیرا خود مدد طلب کرنے ان کے پاس نہ آتا تو وہ لوگ خود یہ کام کرنے اور ہی گیرا کو مدد کی درخواست پر مجبور کر دیتے مگر اب صورت حال قطعی طور پر ایسے پیچیدہ نہیں تھی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ تنہا سین ہمت ہاتھا جائے گا کیونکہ اپنی ذہنی قوت ارادی کے باوجود وہ سدا بہار نہیں ہے۔ وہ اُسے اپنے سامنے جھکا لے گا۔" وہ مسکرا دیا۔ اس کے ہونٹ کسی لومڑی کی طرح مکاری سے... پھڑ پھڑا رہے تھے۔

"تب ہم ایک جشن منائیں گے۔" وہ ہنسا۔ "چیف آف پولیس، ہی گیرا... یہ تمہیں کیسا لگ رہا ہے، دوست؟" اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ "تم نے دیکھا ہم تمہارے لیے کس قدر خوش ہیں۔ اب تم ہمارے خاندان کا ایک حصہ ہو۔ ہم تمہارا خیال رکھیں گے۔"

تینوں نے ایک ہی وقت میں اپنی چائے کی پیالیاں اُٹھائیں ابھی انہوں نے دو دو گھونٹ ہی لیے تھے کہ دروازے پر زوردار دستک ہوئی۔ ڈچ مین اپنی جگہ سے اُٹھ کر کی سان کے عقب میں واقع سلائیڈنگ ڈور کی طرف بڑھا۔

دروازہ کھولتے ہی وہ ساکت رہ گیا۔ یوں لگ رہا تھا، جیسے اُس نے آرٹ کا کوئی نادر نمونہ دیکھ لیا ہو اور اُسے یک ٹک گھورتے ہوئے آنکھوں کے راستے کھا جانے کا ارادہ رکھتا ہو۔

وہ غور سے اس چہرے کی جانب دیکھ رہا تھا جو مدھم روشنی کے باعث منظر میں اُسے دکھائی دے رہا تھا۔ اُس نے یہ چہرہ سالوں کے بعد دیکھا تھا لیکن اُسے کبھی بھول نہیں پایا تھا۔

کامی ساکا کے علاوہ ایک ہی چہرہ تو تھا جو اُس کے حواس پر سوار رہتا تھا۔

"تو تم آ ہی گئے۔" اس کے ہونٹوں سے سرسراہٹیں خارج ہوئیں۔ "بالآخر... واقعی... مجھے یقین تھا کہ تم آؤ گے..."

✦

راک کریک اور پارک دے کے ساتھ واقع دارالحکومت کے شمال مغربی علاقے کو عام طور پر ایمبیسی روڈ کہا جاتا ہے۔ یہ وہی جگہ تھی جہاں بیرونی ممالک اور طاقتیں فردوس کے ساتھ اپنے روابط استوار کرتی یا بگاڑتی تھیں۔

یہی وجہ تھی کہ جے اے کریر دنے ایمبیسی ہیڈ کوارٹرز کے لیے اسی خوبصورت علاقے کا انتخاب کیا تھا۔

بعض حلقوں میں لوبو کے نام سے پہچانا جانے والا کریر دبنیادی طور پر ایک رجسٹرڈ لابسٹ اور ایمبیسی یعنی انٹی ٹیرٹ آف منیارٹی ایکشن گروپ ان کا فنڈ ریزر کا ڈائریکٹر تھا۔ بتیس سالہ کریر د کا تعلق مشرقی فردوس سے تھا۔ وہ کالت کے شعبے سے اچانک ہی قومی اُفق پر نمودار ہوا اور لابنگ گروپ کا سربراہ بن گیا۔ اس سلسلے میں اُس کا خاصا بیک گراؤنڈ تھا اور دارالحکومت میں اُسے فردوس کے ایک نہایت طاقت ور قابل احترام عیسائی رکن پارلیمنٹ ملٹن کیمپبل کی حمایت حاصل تھی۔

لوبو نے جس تین منزلہ عمارت کو اپنا ہیڈ کوارٹر بنایا تھا، اُسے دی ایمبیسی ہی کہا جاتا تھا۔ اسی عمارت سے اس نے ایمبیسی کو فردوس کے اعلیٰ طبقے کا ترجمان بنا دیا تھا۔ بقول اس کے ایمبیسی جمہوریت پسندوں کا نمائندہ ادارہ تھا۔

لیکن حقیقت میں ایمبیسی سیاسی جوڑ توڑ اور مجرموں کی ایک منظم تنظیم تھی جو سیاسی آپریشن بھی زیر زمین رہ کر انجام دیتی تھی۔ گو دو سال پہلے ایمبیسی ہیڈ کوارٹرز کے معائنے میں اُسے مشکوک عمارتوں سے خارج قرار دے دیا گیا تھا لیکن گزشتہ چند ماہ کے دوران اس میں ایسی تبدیلیاں آئی تھیں کہ دیکھنے والا حیران رہ جاتا۔

عمارت کی ساری بالائی منزل چھوٹے چھوٹے دفاتر میں تقسیم کی گئی تھی۔ ہر دفتر میں ایک میز اور پرائیویٹ ٹیلی فون موجود تھا جس کے ذریعے روزمرہ کے زیادہ تر کام انجام دیے جاتے تھے۔ ہر دفتر کا سربراہ ایک تعلیم یافتہ اور ایسا نوجوان تھا جس کا سابقہ ریکارڈ شاندار تھا۔

لوبو انہیں "بل رومز" کہتا تھا۔

دوسری منزل کو دو بڑے بڑے ہال کمروں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ ایک دیوار کے ساتھ میز کرسیاں تھیں جبکہ دوسری کے ساتھ

بڑی بڑی الماریاں تھیں۔ یہ الماریاں مختلف فائلوں سے اٹی ہوئی تھیں۔ لوبو نے اس منزل کا نام "لیجس لیٹرز" رکھا تھا۔

یہاں بارہ وکیل اور درجنوں کلرک ہر وقت خاموشی کے ساتھ جی پی ایز، پبلی کیشنز، پارلیمنٹ کے ریکارڈز، عدالتی فیصلوں اور پارلیمنٹ کی کارروائیوں کی چھان بین کرتے رہتے تھے۔

گراؤنڈ فلور پر شاندار استقبالیہ اور کانفرنس رُوم تھے۔ جہاں دارالحکومت کے اعلیٰ طبقے کو قانونی صلاح مشوروں کے لیے طلب کیا جاتا تھا۔

عمارت کا سب سے اہم حصہ تہ خانہ تھا۔ یہ سپر سیکورٹی ایریا تھا جہاں کامیاب لابنگ کے ریکارڈز اور دیگر خفیہ دستاویزات بھاری اور مضبوط سیفوں میں محفوظ رکھی جاتی تھیں۔ اس کے داخلی دروازے پر مسلح محافظ پہرہ دیتے تھے اور کسی کو بھی مناسب کاغذات دکھائے بغیر اندر جانے کی اجازت نہ تھی۔

سوئیٹ رومز بھی نیچے ہی تھے۔ ان ساؤنڈ پروف کمروں کو قید خانے، تحقیقاتی کمروں یا کسی بھی قسم کے "ہارڈ بزنس" کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ انہیں عموماً رات کے وقت کھولا جاتا اور وہاں آنے والے زیادہ تر افراد یا تو بے ہوش ہوتے یا اُن کی آنکھوں پر پٹی بندھی ہوتی۔

تہ خانے میں ہی "اسٹوڈیو سوئٹی" قائم تھا۔ یہ بھی مسلح محافظوں کی زیر نگرانی علاقہ تھا۔ اسے اسٹل فوٹو گرافی، ساؤنڈ ریکارڈنگ ویڈیو ٹیپنگ کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ ڈوکٹ ٹیپ اور جدید ترین برقی لیبارٹریز بھی واقع تھیں۔ اس حصے کا خصوصی اور جدید ترین سیکشن ایک بڑا سٹی ٹیلیفون ایکسچینج تھا جہاں جدید ترین طریقوں سے دارالحکومت کے تقریباً تمام اعلیٰ عہدیداروں کے ٹیلیفون مانیٹر کیے جاتے اور خودکارانہ طور پر ان کی بات چیت ریکارڈ کی جاتی تھی۔

لوبو، فردوس اور بیرون ملک سے آنے والے مجرم ہاسز کو بڑے فخریہ انداز میں بتایا کرتا تھا کہ بڑے بڑے سیاسی جہاز ان تہ خانوں میں ڈوبتے تھے اور عوامی اسکینڈل جنم لیتے تھے۔

وہ کہتا تھا "ہم یہاں اسکینڈلز کو بے نقاب نہیں کرتے۔ انہیں بناتے ہیں۔"

اس وقت بھی جبکہ روبی، دارالحکومت کے بعض مجرم حلقوں میں نقب لگانے میں مصروف تھی۔ اسٹوڈیو سوئٹی میں کام ہو رہا تھا۔ ایک ویڈیو ٹیپ تیار کی جا رہی تھی۔

تیس سال کا ایک فردوسی نوجوان پسینے میں ڈوبا ہوا، تیز روشنیوں کے پاور بلب کیمرے کے لینس کو دیکھ رہا تھا۔

ایک آف کیمرا انگریز سوالات پوچھ رہا تھا جبکہ نوجوان اپوزیشن سنجیدگی کے ساتھ ان کے جوابات دے رہا تھا۔

"تو تم ایک لا فرم پراسیکیوٹ انوسٹی گیٹر ہو لیکن ایک رکن پارلیمنٹ کی بیوی نے تمہاری خدمات کس حیثیت میں حاصل کی تھیں؟"

"یس سر! وہ طلاق کا کیس کرنا چاہتی تھی لیکن خواہشمند تھی کہ کوئی کارروائی کرنے سے قبل کچھ ثبوت ہاتھ آ جائیں۔"

لیکن آج تک کسی رکن پارلیمنٹ کے خلاف طلاق کا کیس دائر نہیں ہوا، پھر یہ...؟"

"وجوہات ہی کچھ ایسی تھیں سر! رکن پارلیمنٹ مسٹر فواد کے خلاف میری تحقیقات..."

"صرف براہ راست جواب دو مسٹر تنویر! ایک ایجنٹ کے طور پر تم نے مسز نوشابہ فواد کے لیے اس کے شوہر کے خلاف... تحقیقات کیں؟"

"یس سر! میں نے کیں۔"

"کیا ان تحقیقات کا کوئی خاص نکتہ تھا؟"

"یس سر! مسز نوشابہ فواد کو شبہ تھا کہ اس کے شوہر کا کسی اور عورت کے ساتھ معاشقہ چل رہا ہے۔ اُس نے مجھے ثبوت مہیا کرنے کو کہا تھا۔"

"یعنی اُسے شبہ تھا کہ اس کا شوہر اس سے بے وفائی کا مرتکب ہو رہا ہے؟"

"یس سر! اُسے یقین تھا کہ اس امر کی شہادت مل جائے گی۔"

"آئی سی... اور تم نے یہ شہادت تلاش کرنے کے لیے کام کیا...؟"

شہادت دینے والا مسکرایا۔ "ایک لحاظ سے یہ درست ہے سر!"

"وضاحت کرو!"

"اس سال ۱۴ جنوری کو میں نے مسٹر فواد کا تعاقب کیا۔ وہ جھیل کے کنارے واقع اسٹار لائٹ ان نامی موٹل میں گئے تھے۔"

"کیا مسٹر فواد نے وہاں رجسٹریشن کروائی تھی؟ اپنے اصل نام سے؟"

"نہیں سر... انہوں نے رجسٹریشن حاصل نہیں کی بلکہ وہ براہ راست کاؤنٹر پر پہنچے، دروازہ کھٹکھٹایا اور اندر چلے گئے۔"

"تب تو تمہارے پاس ۱۴ جنوری کی رات رکن پارلیمنٹ کے جھیل کے کنارے واقع اسٹار لائٹ ان کے دورے کا کوئی...

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

دستاویزی ثبوت نہیں ہوگا؟"

"میرے پاس ہے سر! اس طرح کے معاملات میں ہم تفصیلات کے سلسلے میں خاصے محتاط ہوتے ہیں۔ میرے پاس دستاویزی ثبوت موجود ہے۔"

"یہ کس قسم کا دستاویزی ثبوت ہے؟"

ڈسکیشنسٹ نے بڑے سائز کی ایک فوٹو گراف سامنے کر دی جو اس نے انفراریڈ کیمرے کے ذریعے حاصل کی تھی۔ اس میں موٹل کا کاٹیج، دروازے پر کندہ نمبر چار اور اندر داخل ہونے والے شخص کا چہرہ صاف دکھائی دے رہا تھا۔ "میں نے خود یہ تصویر لی ہے اور اسٹار لائٹ ان کے ایک ملازم سے وقت تاریخ اور مذکورہ شخص کے بارے میں ایک حلف نامہ حاصل کیا ہے۔"

"تو کیا تمہارے خیال میں اس قسم کا ثبوت عدالت میں پیش کیا جا سکتا ہے؟"

"طلاق کی عدالت میں پیش کیا جا سکتا ہے سر! میرے بزنس میں اس طرح کے دستاویزی ثبوت بڑی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ ہمارے پاس ایسا طریقہ ہے کہ فلم کو کیمرے سے نکالے بغیر اُسے شناخت کے لیے استعمال کر سکتے ہیں۔ یہ بڑے مخصوص کیمرے ہیں سر!"

"آئی سی... براہ کرم بولتے رہو۔"

"بہرحال! میں نے دس منٹ انتظار کیا تاکہ وہ تیار ہو جائے۔" شہادت تے ویڈیو کیمرے کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "پھر میں بھی لنڈر داخل ہو گیا۔ سامنے کی ایک کھڑکی کے ذریعے یہ تصویر میں نے اسی وقت حاصل کی تھی۔"

اسٹوڈیو مانیٹر پر کلوز اپ میں ایک اور تصویر ابھر آئی۔ تمام تفصیلات نمایاں تھیں۔ دو افراد کو قابل اعتراض حالت میں بغل گیر دکھایا گیا تھا۔

"تمہیں ڈرکن پارلیمنٹ مسٹر فواد کو شناخت کرنے میں کوئی دقت نہیں ہوگی۔" ڈسکیشنسٹ نے گویا اعلان کیا۔ دوسری ہستی جمیل کے گرد و نواح کی رہنے والی ہے اور اپنے حلقے میں ملکۂ حسن کے نام سے جانی پہچانی جاتی ہے۔ تم خود ہی سمجھ سکتے ہو کہ مسز فواد نے یہ جوا کھیلنے کا فیصلہ کیونکر کیا ہے مان کے دو بچے ہیں۔"

اس کے بعد بھی سوال و جواب ہوتے رہے جب ویڈیو ٹیپنگ مکمل ہو گئی تو لوپو ویڈیو کی کوالٹی چیک کرنے کے لیے لیبارٹری میں چلا گیا۔

"ونڈر فل!" اس نے نتائج دیکھنے کے بعد ٹیکنیشن کو شاباش دی۔

"میں دعوے سے کہتا ہوں کہ کوئی شخص اسے جعلی ثابت نہیں کر سکتا۔" ٹیکنیشن نے سینہ پھلا کر کہا۔

"اس کی کوئی ضرورت نہیں۔" لوپو بولا۔ "اگر یہ گدھا قابو میں نہ رہا تو ہم ہمیشہ کے لیے اسے بے قابو کر دیں گے۔"

"اوکے! اسٹینڈرڈ ٹو پرنٹس؟"

لوپو غرایا۔ "ہاں!" اور پروڈکشن ایریے میں واپس چلا گیا۔

وہاں اُس کا دایاں ہاتھ لازو کا موجود تھا۔

لازو کا عام طور پر بے تاثر رہنے والا چہرہ اس وقت فکر و تردد کی آماجگاہ تھا۔

"کیا کر دی مئے چیکر آئے ہو؟" لوپو نے خوش دلی کے ساتھ اپنے ماتحت سے پوچھا۔

"یہ کر دی مئے نہیں باس!" لازو کا کے لہجے میں شدید آہٹ تھی۔ "ایک لڑکی ہے جس کا نام رُوبی ہے۔"

"تو کیا قیامت آ گئی ہے؟"

"وہ اس وقت دارالحکومت میں ہے۔"

لوپو کا چہرہ تاریک پڑ گیا۔ اس نے اپنے ماتحت کا ہاتھ پکڑا اور اُسے ایک سوئیٹ روم میں لے آیا۔ دروازہ احتیاط سے بند کرنے کے بعد وہ اس سے مخاطب ہوا۔ "ہاں! اب بولو۔"

"میں نے تمہیں کل رات نیلوفر فوتالی پر حملے کے بارے میں بتایا تھا۔ میں نے اس کا پتا صاف کرنے کے لیے مسلح افراد بھیج دیے تھے۔ میں نے تمہیں..."

"ہاں ہاں... تم نے مجھے بتایا تھا... لیکن یہ رُوبی کہاں سے بیچ میں آ کودی؟"

"یہی تو میں بتانا چاہ رہا ہوں۔ پرویز مگھر کے آدمیوں پر فرزی گنگو کے لڑکوں نے حملہ نہیں کیا تھا۔ وہ رُوبی تھی۔"

"یہ تمہیں کس نے بتایا ہے؟" لوپو جلدی سے بولا۔

"سارے شہر میں خبریں پھیلی ہوئی ہیں۔ اس نے فرزی کا صفایا بھی کر دیا ہے۔"

"کتنا نقصان ہوا؟" لوپو نے پوچھا۔

"سب ختم ہو گئے..."

"لعنت بھیجو اُن پر۔" لوپو نے اس کی بات کاٹی۔ "اس لڑکی کا کیا کیا؟"

"نیلوفر؟" لازو کا نے نفی میں سر ہلایا۔ "میں نہیں جانتا۔ جہاں تک میرا خیال ہے..."

"پتا چلاؤ! فوری طور پر مجھے اطلاع کرو... مجھے اس لڑکی کی ضرورت ہے۔ بہرحال میں یاد رکھنا کہ وہ مجھے زندہ درکار ہے۔"

"یقیناً باس! امامن بندو بھی زندہ ہے۔ ہم اس سے مزید معلومات حاصل کر سکتے ہیں۔"

"اس سے رابطہ کرو۔" لوپو نے حکم دیا۔ "مسلح آدمیوں سمیت۔"

"تمہارا مطلب...؟"

"ہاں! میرا مطلب یہی ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ وہ اس لڑکی کو کسی قسم کی معلومات فراہم کرے۔"

لازو کا پلٹ کر دروازے کی طرف چل دیا۔

لوپو نے وہیں سے چلا کر اُسے مزید ہدایات دیں۔ "اور اس نیلوفر کو نہیں بھولنا... میں نہیں چاہتا کہ وہ اب بھی بچ کر نکل جائے۔"

لازو کا نے سر کو اثباتی جنبش دی اور باہر نکل گیا۔

لوپو بھی اس کے پیچھے تھا لیکن وہ سیدھا اسٹوڈیو میں پہنچا۔ اس نے فوری طور پر اپنے پروڈکشن چیف کو طلب کیا۔ "میں ہر من کیل کا بیچ آج دوپہر سے پہلے پہلے تیار چاہتا ہوں۔ کوئی بہانہ نہیں چاہتا بلکہ کام چاہتا ہوں..."

"لیکن... لیکن مسٹر کریوریہ کیسے ممکن...؟"

"میں نہیں جانتا... کچھ بھی کرو... جعلی فلم بناؤ... مکڑے جوڑو... لیکن مجھے کام مکمل چاہیے۔"

پروڈکشن چیف نے سر ہلایا اور اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔ لوپو اپنے دفتر کی طرف چل دیا۔

اس کا پرسنل سیکرٹری لوسیا اس کا منتظر تھا۔ وہ ۱۲ اسکول کا اٹھائیس سالہ گریجویٹ تھا اور فرد دسی سیکرٹ سروس کے لیے کام کر چکا تھا۔ فی الوقت وہ اپنے باس کی حفاظت کی ذمہ داریاں بھی انجام دے رہا تھا۔

"رُوبی کے بارے میں کچھ سُنا؟" لوسیا نے فوراً اپنے باس سے دریافت کیا۔

"سُن لیا ہے۔" لوپو نے جواب دیا۔ "لازو کا گلستان سے رابطہ کرنے والا ہے۔ جیسے ہی رابطہ ہو مجھے فوری طور پر مطلع کرنا۔"

سیکرٹری نے اثبات میں سر ہلایا۔ "خاصا سنجیدہ مسئلہ ہے۔" وہ بولا۔ "کیا ہم پوری قوت سے میدان میں آئیں گے؟"

"یقیناً۔" لوپو نے ایک ہاتھ کی مٹھی دوسرے ہاتھ کی کھلی ہتھیلی پر مارتی۔ "ہمیں رُوبی کا سر درکار ہے۔ جیسے ہی میرا گلستان سے رابطہ ہوا ملٹن اپنا کام شروع کر دے گا۔ آج شام ہم گرانڈ سلام حاصل کرنے والے ہیں۔"

"آج شام؟"

"جو کچھ میں نے کہا تم نے سن لیا ہے لوسیا۔" لوپو ڈپٹ کر بولا۔

ہوا اپنے کمرے میں چلا گیا۔ عقب میں اُس نے دروازہ مقفل کر دیا تھا۔

وہ سوچ رہا تھا کہ رُوبی کیا؟ اس کی پوری فوج بھی اب ٹائم ٹیبل میں کوئی رخنہ نہیں ڈال سکتی تھی۔ فرد دسی فوج بھی اب تاریخ کا دھارا موڑنے پر قادر نہ تھی۔ آج کا دن ہی اُس قدر اہم تھا۔

اسی دن کا لوپو کو انتظار تھا۔

بڑی احتیاط سے اس کی تیاری کی گئی تھی۔

اور یہ اب سر پر آن پہنچا تھا۔

وہ دن جب فرد دسی حکومت زیر زمین چلی جاتی اور دوسری متوازی حکومت برسر اقتدار آ جاتی جو آگے چل کر اصل حکومت کا درجہ لے لیتی۔

●

جب کے باہر بدستور بارش ہو رہی تھی۔ پانی بتوں پر سے آبشار کی صورت بہہ رہا تھا۔

ٹائیگر اس وقت مینڈی جاؤ کے ہمراہ اوہنرو ہاؤس نامی اس پب کے سامنے ایسی جگہ کھڑا تھا جہاں بارش کے قطرے نہیں آ رہے تھے۔ مینڈی جاؤ دھیمے لہجے میں اس سے باتیں کر رہا تھا لیکن ٹائیگر چاہتا تھا کہ کم سے کم گفتگو ہو۔

ٹائیگر چند ثانیے دروازے کا جائزہ لیتا رہا پھر اس نے اپنے کرونو میٹر پر نظر ڈالی۔ "مینڈی! جاؤ دوسروں کو لے آؤ۔"

وہ جاپانی میں بڑبڑایا۔ "وقت ہو گیا ہے۔"

چھوٹے قد کے چینی نے اثبات میں سر ہلایا اور بارش میں ایک جانب غائب ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ واپس آیا تو چار دوسرے افراد اس کے ساتھ تھے۔ تمام چینی تھے اور ان کی تربیت ٹائیگر نے خود ہانگ کانگ میں کی تھی۔ یہ اُن کا پہلا سفر تھا۔ خود ٹائیگر کے لیے یہ پہلا اتفاق تھا کہ وہ پانچ افراد کے ہمراہ کسی دشمن کے متاثلے پر آیا تھا۔

اس نے اس سلسلے میں اُوشان سے باقاعدہ احتجاج کیا تھا لیکن اُوشان نے مشن خطرناک ہونے کے باعث اُسے خصوصی طور پر ہدایت کی تھی کہ وہ تنہا جاپان نہ جائے۔ ٹائیگر نے اُوشان کی حکم عدولی تو نہ کی لیکن دل میں وہ قطعی خوش نہ تھا۔

اس بددلی کی اور بھی بہت سی وجوہات تھیں۔ سب سے پہلی وجہ تو یہ تھی کہ اُسے اپنی ذات کے ساتھ ساتھ چہرے کو بھی تبدیل کرنا پڑا تھا۔ ہانگ کانگ میں قیام کے دوران اُسے بالکل بدل دیا گیا تھا۔ اب وہ جیک میروک تھا۔ اس نے جیک نامی اس شخص کے

Scanned And Uploaded By Muhammad Arslan

بارے میں کئی ویڈیو فلمیں دیکھیں اور اس کی چال ڈھال، بول چال عادات اطوار اور انداز اپنانے کے لیے خاصی محنت کی۔ اُسے جیک کی زندگی کی دوسری تفصیلات بھی ازبر کرنی پڑی تھیں۔ جن میں سے بعض رشتے تو ایسے تھے جو ٹائیگر کے لیے قطعی نئے اور کسی حد تک ناقابل برداشت تھے لیکن اُسے ان سے نباہ کرنا پڑا تھا۔

اس وقت بھی وہ پلاسٹک میک اپ میں تھا جو چہرے کی مرمت کرنے والے نے اس پر اتنی محنت کی تھی کہ جیک میرو ک، اگر خود بھی

ٹائیگر کو دیکھ لیتا تو یہی سمجھتا کہ اس کا ہمزاد یا جڑواں بھائی ہے۔ ٹائیگر کو ان سب لغویات کی منطق سمجھ میں نہیں آئی تھی لیکن اُوشان کی ہدایت تھی کہ وہ بے چون و چرا سب کچھ کرتا جائے۔ مناسب وقت پر سب کچھ خود بخود کھل کر سامنے آجائے گا۔

اس نے آنے والوں کو دیکھا۔ چاروں ایک ہی جیسے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ وی گلے والی ٹی شرٹیں اور خاکی ٹراؤزر۔ پیشانیوں پر انہوں نے ہیڈ بینڈ لگا رکھے تھے۔ ان کے پیروں میں زرہ سول کے جوتے تھے جن سے ہلکی سی دھمک بھی سُنائی نہ دیتی تھی۔

ٹائیگر سمیت ان سب کے حُلیے ایسے تھے کہ دیکھنے والا انہیں مزدور سمجھتا۔ وہ اس وقت اپنے ذہن میں سیکنڈوں کا حساب لگا رہا تھا تاکہ اُسے دوبارہ کردنومیٹر دیکھنے کی ضرورت نہ پڑے۔

ساتھ ہی وہ ایک لمحے کے لیے بھی دروازے سے غافل نہیں ہوا تھا۔ وقت کے بارے میں اس کی اطلاعات میں کوئی سقم نہ تھا۔

"جیک..." مینڈی نے اس کے پہلو میں آکر سرگوشی کی۔

ٹائیگر کے لیے یہ نام اب بھی اجنبی تھا لیکن اس قدر نہیں کہ کوئی اُسے اس نام سے پکارتا تو وہ چونک اُٹھتا۔ اگر وہ اندر نہ ہوتا تو... کیا ہوگا؟

"وہ اندر ہی ہے۔" ٹائیگر نے یقین سے کہا۔

مینڈی نے اپنے ساتھی کے چہرے پر نگاہ ڈالی۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ جیک نامی یہ شخص میک اپ میں ہے لیکن اُسے یہ شخص بڑا عجیب و غریب لگا تھا۔ یوں جیسے کسی اور دُنیا سے آیا ہو۔ مضبوط توانا اور ناقابل شکست.... تیز ترین اور سفاک.... وہ مکمل مشرقی چہرے کا مالک تھا۔ گٹھا ہوا سر... مضبوط شانے اور چوڑی کلائیاں جن پر بال ہی بال تھے۔

مینڈی کی ذہنی رو اچانک ہی دوسری سمت مڑ گئی۔ اس نے ایک طویل سانس لی۔ کاش! ہم یہاں نہ آتے۔ اس نے بے اختیار سوچا۔ آج ہیلنے کا پہلا دن تھا۔ علم الاعداد کی رو سے چار، موت کا نمبر تھا... ایک بہت بڑا شگون۔

نگاہ بازی کی کوچوں میں ہونے والا تماشا آپ بھی دیکھ سکتے ہیں

سرکش

محمود احمد مودی

کے ایڈونچرس قلم سے

12 حصّوں میں شائع ہوگیا ہے

قیمت مکمل سیٹ -/720 روپے

مکتبہ القریش، سرکلر روڈ، اردو بازار
لاہور، فون: ۷۶۶۸۹۵۸

"اللہ ہماری حفاظت کرے۔" اس نے دل ہی دل میں دُعا کی اور بولا۔ "یہاں خطرہ بے حد زیادہ ہے کیا ایسا نہیں کہ تمہارے ذرائع نے غلط خبر دی ہو؟"

"وہ یہیں ہے۔" ٹائیگر نے اپنا جملہ دُہرایا۔ "میری معلومات سو فیصد درست ہیں۔"

"اگر ڈچ مین کی جگہ یہاں کوئی اور شخص ہوتا، مینڈی پھر

سوچ میں ڈوب گیا۔ "تو میں خود اس سے نمٹ لیتا۔"

لیکن یہاں ڈچ مین اور جیک آمنے سامنے تھے۔

دونوں کے درمیان ایک پوری تاریخ حائل تھی۔ نفرتوں کا ایک چوڑا دریا تھا لیکن میں نے یہ دیکھا ہے۔ مینڈی کے ذہن میں سوچ ابھری کہ ڈچ مین کا نام آتے ہی جیک جیسے پاگل ہو جاتا ہے۔ وہ صحیح طور پر سوچ بھی نہیں پاتا تھا۔ مجھے اس کا خیال رکھنا ہوگا۔

ٹائیگر نے ایک طویل سانس لی۔ ایک ناقابل محسوس سا کھنچاؤ اُسے گھیرے میں لیے ہوئے تھا۔ وہ یہ سوچ سوچ کر خوش ہو رہا تھا کہ بالآخر اس نے ڈچ مین کو گھیر ہی لیا تھا۔ اپنی ناکامی کو وہ آج تک نہیں بھولا تھا۔

خون اس کی کنپٹیوں پر جیسے ہتھوڑے برس مارنے لگا۔

"سب رائٹ؟" وہ قدرے بھاری آواز میں بولا۔ "آؤ چلیں۔"

پب کے نیون سائن سے گلی گلابی اور سبز ہو رہی تھی۔ دکان کے سائے گلی کے فرش پر پڑ رہے تھے۔ گلی سُنسان تھی۔ البتہ قدرے فاصلے پر ایک کتا وقفے وقفے سے بھونک کر کسی ذی روح کی موجودگی کا احساس دلا رہا تھا۔

ٹائیگر نے دروازے کا پردہ ہٹایا اور اندر داخل ہوگیا۔ مینڈی اس کے ساتھ تھا۔ باقی لوگ ان کے پیچھے تھے۔

اندر اب بھی شور برپا تھا۔ دھواں دھوئیں سے بھاری ہو رہی تھی اور اس میں تمباکو اور پسینے کی ملی جلی بُو رچی ہوئی تھی۔

وہ پہلے منیجر کے پاس پہنچے اور پھر عقبی دروازے کی طرف بڑھے۔ پردہ ہٹاتے ہی دو مسلح افراد ان کے سامنے آگئے۔ انہوں نے پستول نکالنے کی کوشش کی۔ ٹائیگر کے دونوں ہاتھ بیک وقت حرکت میں آئے۔ اُن کی رفتار اس قدر تیز تھی کہ مینڈی کو پتا ہی نہ چل سکا کہ کب ان ہاتھوں کی ایک ایک انگلی پہرے داروں کے شانوں کی ہڈیوں سے ٹکرائی۔ البتہ اس نے ہڈیاں ٹوٹنے اور پہرے داروں کے پختہ فرش پر گرنے کی آوازیں ضرور سُنیں۔ اس نے پلکیں جھپکا کر ٹائیگر کو دیکھا لیکن اس کے دونوں ہاتھ پہلوؤں میں واپس آچکے تھے۔ مینڈی نے کچھ کہنے کو مُنہ کھولا لیکن ٹائیگر نے اُسے آگے چلنے کا اشارہ کیا۔

پہلے سے طے شدہ خاموش اشاروں سے اس نے اپنے دو ساتھیوں کو جوتے کے شمالی کمرے اور دوسرے کو جنوبی کمرے میں بھیج دیا۔ وہ اور مینڈی اس مغربی کمرے کی طرف بڑھے جہاں اس کی معلومات کے مطابق ڈچ مین کو ہونا چاہیے تھا۔

ایک سلائیڈنگ ڈور ہٹا کر ٹائیگر جیسے ہی اندر داخل ہوا، اُسے سامنے ہی دو افراد ہاتھوں میں چمکتی تلواریں لیے دکھائی دیے۔ چند ثانیے تو تینوں ساکت ایک دوسرے کو گھورتے رہے۔ پھر ادیری بدن سے برہنہ دو جاپانی تلواریں لہراتے ٹائیگر کی طرف بڑھے۔ مینڈی ابھی باہر ہی تھا اور ایک پہرے دار اس تک آ پہنچا تھا۔

ٹائیگر نے جھکائی دے کر پہلا وار خالی دیا اور دیوار کی طرف بڑھا جس پر کئی تلواریں لٹک رہی تھیں۔ دونوں شمشیر بردار وں کا خیال تھا کہ شاید وہ دیوار سے کوئی تلوار اُتارنا چاہتا ہے لیکن ٹائیگر نے تلوار اُتارنے کی کوشش نہیں کی۔ دونوں غنڈے اس پر حملہ کرنے کے لیے دائیں بائیں آگئے تھے۔

ٹائیگر جانتا تھا کہ وقت اس کے ہاتھوں سے نکلا جا رہا ہے۔ ہر بڑھتے ہوئے سیکنڈ کے ساتھ ڈچ مین کے پکڑے جانے کی اُمید کم ہوتی جا رہی تھی۔

دونوں شمشیر زن بیک وقت اس پر حملہ آور ہوئے۔ ٹائیگر نے الٹی قلابازی کھائی اور دونوں کے درمیان سے نکل گیا۔ وہ تلواریں جو اس کے بدن میں پیوست ہونی تھیں۔ زور سے آپس میں ٹکرائیں۔ تیز جھنکار پیدا ہوئی اور دونوں کے ہاتھ جھنجنا اٹھے۔

ابھی یہ جھنکار معدوم بھی نہ ہو پائی تھی کہ کمرے میں بسلی چیخ اُبھری۔ ٹائیگر کے دائیں جوتے کی نوک ایک شمشیر زن کی کمر میں پیوستہ تھی۔ اس نے ٹانگ کو جھٹکا دیا۔ نوک اس کے جسم سے باہر نکلی لیکن ساتھ ہی وہ بھی زمین پر آرہا۔ اس کی رُوح، جسم کے زمین سے ٹکرانے سے پہلے ہی ساتھ چھوڑ گئی۔ ٹائیگر کے جوتے کی نوک نے اس کے دل کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیا تھا۔

دوسرا شمشیر زن محض ایک بار بلکیں جھپکا سکا۔ اس نے دوبارہ آنکھیں کھولیں تو قاتل اس کے سر پر تھا۔ اس کا تلوار والا ہاتھ اٹھا لیکن وہ جانتا تھا کہ اس میں اس کی کوشش کا کوئی دخل نہ تھا۔ وہ ہاتھ اس شخص نے تھام رکھا تھا جس نے جوتے کی نوک سے اس کے ساتھی کو قتل کر دیا تھا۔ تلوار نے اس کی گردن کے متوازی آکر ایک جھٹکا لیا۔ یوں لگا جیسے وہ کسی کپڑے کو چیرتی گزری ہو لیکن وہ کپڑا نہ تھا...

وہ اس سے زیادہ کچھ نہ سوچ سکا۔ تلوار نے اس کی گردن کاٹ دی اور اس کا سر عقبی دیوار سے جا ٹکرایا۔ پہرہ بدار کی آنکھیں اب بھی کھلی ہوئی تھیں لیکن اب وہ بے نور ہو چکی تھیں۔ خون کے چھینٹوں کی ایک قطار سی دیوار تک چلی گئی تھی۔ سر ٹکرانے سے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

دیوار پر بھی تجریدی آرٹ کا ایک نادر نمونہ پینٹ ہو گیا تھا۔ سربریدہ جسم محض ایک لمحے کے لیے لڑکھڑایا پھر زمین پر آ رہا۔

ٹائیگر پہلے ہی پیچھے ہٹ گیا تھا ورنہ مرنے والے کا خون اس کے لباس کو بھی داغدار کر دیتا۔

عقبی دروازے پر آہٹیں ہوئیں لیکن ٹائیگر نے پلٹ کر دیکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ وہ جانتا تھا کہ آنے والے مینڈی اور اس کے ساتھی ہیں۔

وہ اس دروازے کی طرف متوجہ ہو گیا جو ساتھ والے کمرے میں کھلتا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر دائیں ہاتھ کی درمیانی انگلی لکڑی کے بھاری بھرکم پٹ پر پھیری اور وہ کسی خستہ حال کے گریبان کی طرح چاک ہوتا چلا گیا۔

تین آدمی سامنے ہی ایک نیچی میز پر رکھی کسی چیز پر جھکے ہوئے تھے۔ وہ کوئی بکس تھا... لیکن اس میں کیا بیٹھے تھے؟ پھر چہرے اس کی طرف مڑے... جیسے سورج مکھی کے پھول سورج کی طرف مڑتے ہیں... ٹائیگر کی نگاہیں تو بس ایک ہی شخص پر مرکوز ہو کر رہ گئی تھیں۔

وہ سیاہ رنگ کا کیمونو زیب تن کیے ہوئے تھا۔ نسبتاً چھوٹی کھوپڑی کے مقابلے میں اس کی آنکھیں خاصی بڑی تھیں چہرہ مثلث سے مشابہ تھا۔ گردن عورتوں کی طرح دبلی اور لمبی تھی۔ کان چھوٹے اور سیاہ بٹے جبکہ سر کے بال چکنے سنہری اور کسی ادبدے انداز میں کٹے ہوئے تھے۔

"ڈچ مین؟"

یہ وہ بے اختیار نام سرگوشی تھی جو ٹائیگر کے حلق سے آزاد ہوئی۔ دل اس کے سینے میں بُری طرح دھڑکا اور منہ میں کڑواہٹ گھل گئی۔ اسے آخری لڑائی یاد آ گئی جس میں ڈچ مین نے اسے تقریباً مار ہی دیا تھا۔

ڈچ مین نے اپنے کیمونو کی تہوں کی طرف ہاتھ بڑھا لیا۔

ٹائیگر نے دائیں دیوار کی طرف دیکھا۔ جاپانیوں کی روایتی تلوار کٹانہ وہاں ٹنگی ہوئی تھی۔ اس نے تلوار اتار لی اور آگے بڑھا لیکن کی سان اچھل کر ڈچ مین کے سامنے آ گئی۔ اس کی دائیں مٹھی پھیلی ہوئی تھی ٹائیگر نے تلوار کو نمودی جنبش دی اور کی سان کی دو انگلیاں پھول کی پتیوں کی مانند زمین پر آ رہیں۔

لیکی کی سان کی پھیلی ہتھیلی پیچھے نہیں ہٹی۔ ٹائیگر کو اس پر ایک نخاسہ ہتھیار رکھا دکھائی دیا۔ ہاتھ کی حرکت کے ساتھ ہی وہ دھاتی شے جیسے اڑ کر ٹائیگر کے چہرے کی طرف بڑھی ٹائیگر نے تلوار لہرا کر اس سے بچنے کی کوشش کی۔ اس کی حرکت تیز تر تھی۔ لیکن لگتا تھا کہ جاپان میں کئی لوگ اس سے تیز تر ہیں تھے۔

ٹائیگر نے تلوار پھینک دی۔ یہ اس کے لیے بے معرف تھی۔ اس نے پینترا بدلا اور ایک نیا ٹائیگر سامنے آیا جس کے چہرے پر سفاکی کا سمندر موجزن تھا۔

وہ غضب ناک ہو کر آگے بڑھا۔ بجلی کی سی سرعت کے ساتھ اس کی دونوں ہتھیلیاں بلند ہوئیں اور کئی سومیل کی رفتار سے کی سان کے شانے پر پڑیں۔ کی سان کے حلق سے چیخ اور اس کی ہڈیاں ٹوٹنے کی آواز بیک وقت بلند ہوئی۔ ہڈیاں کرچیوں میں بدل گئیں اور ٹائیگر کی دونوں ہتھیلیاں کی سان کے بدن میں دھنستی چلی گئیں۔ وہ مزید ایک سیکنڈ بھی اپنے قدموں پر کھڑا نہ رہ سکا چند ہی ثانیوں بعد زمین پر گوشت، ہڈیوں اور خون کا ملغوبہ پڑا تھا۔ جس کا نام ذرا دیر پہلے کی سان تھا۔

اس کے عقب میں ایک چیخ ابھری۔ وہ تیزی سے گھوما لیکن مینڈی تب تک زمین پر ڈھیر ہو چکا تھا۔ اس کی پشت پر خنجر کا گہرا گھاؤ تھا جس نے مگرمچھ اُسے کاٹ دیا تھا۔

ٹھیک اُسی وقت ٹائیگر کے سر پر ضرب لگی۔ چوٹ اتنی شدید تھی کہ آہنی اعصاب کا مالک ہونے کے باوجود اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ وہ مڑا لیکن دوسری ضرب اس کی گردن پر پڑی۔ اس کی نگاہوں کے سامنے منظر دھندلانے لگے۔ سامنے کی دیوار کے ساتھ اُسے کئی چہرے نظر آئے... جاپانی چہرے... اور ایک عورت... وہ چہرہ کسی حد تک شناسا لگا... لیکن فوری ہی ایک ہاتھ اٹھا اور اس کی آستین پردے کی مانند عورت کے چہرے کے سامنے گئی۔ وہ ٹائیگر کی نظروں سے اوجھل ہو گئی۔

ایک زوردار دھماکا ہوا اور کمرے کی رنگت پیلی اور پھر سفید ہو گئی۔ دیواریں جیسے اس پر گرنے لگیں۔ اس نے آخری بار سنبھلنے کی کوشش کی لیکن اس کی ٹانگوں نے جسم کا بوجھ برداشت کرنے سے انکار کر دیا اور وہ گھٹنوں کے بل فرش پر بیٹھتا چلا گیا۔

چند ہی ثانیوں بعد اس کے ذہن پر تاریکیاں اپنا تسلط جما چکی تھیں۔

✦

رُوبی نے کپڑے تبدیل کر لیے تھے۔ اب وہ نیلی جینز اور سفید شرٹ میں ملبوس تھی۔ اس وقت وہ اس اپارٹمنٹ میں تھی جسے اس نے دارالحکومت کے شمال مغربی حصے میں کرائے پر حاصل کیا تھا۔

نیلوفر وتالی سرخ دھبے والا سکرٹ بلاؤز پہنے ہوئے کھڑکی میں کھڑی گلی کا جائزہ لے رہی تھی۔

ریٹر ایک ڈائننگ ٹیبل کے قریب بیٹھا کن انکھیوں سے نیلوفر کو گھور رہا تھا۔

رُوبی نے اپنا پستول ہولسٹر میں رکھا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ "چلنے کا وقت ہو گیا ہے۔" اس نے اعلان کیا۔ "کوئی اور بات ریٹر؟"

ریٹر نے بہ مشکل تمام اپنی نگاہیں نیلو کی پشت سے ہٹائیں اور رُوبی کی طرف متوجہ ہوا۔ اپنی جھینپ مٹانے کے لیے وہ بلاوجہ کھانسا تھا۔ "میں جب یہاں تک آ گیا ہوں تو ماہر ہے پیچھے ہٹنے کا کوئی راستہ نہیں رہ گیا۔"

"بات پوری طرح سمجھ لو سولجر!" رُوبی سرد آواز میں بولی۔ "اگر چاہو تو اس وقت میرا ساتھ چھوڑ سکتے ہو۔ تم پر کوئی پابندی ہو گی نہ میں کسی قسم کا تقرض کروں گی۔ اگر چاہو تو ڈس جاؤ، لیکن بعد میں مجھے ذرا سا بھی شبہہ ہوا کہ تم ڈبل کراس کر رہے ہو تو مشکل میں پڑ جاؤ گے۔"

"میں جانتا ہوں۔" ریٹر بڑبڑایا۔ "میں تمہارا ساتھ دوں گا۔"

رُوبی کی آنکھیں مسکرا دیں۔ "اوکے۔" وہ بولی اور نظریں نیلوفر پر جما دیں۔ "تم نیلوفر؟"

"ایک جیسی بات ہے۔" نیلوفر فوراً بول اٹھی۔ "میں ہر طرح سے تمہارے ساتھ ہوں۔"

"اوکے۔" رُوبی دروازے کی طرف بڑھی۔ "آؤ چلیں ریٹر۔"

ریٹر فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔ رُوبی دوبارہ کھڑکی میں کھڑی نیلوفر سے مخاطب ہوئی۔ "ہوشیار رہنا۔ ٹیلیفون پر بھی احتیاط برتنا اگر کسی کو فون کرو تو مختصر بات کرنا اور حتی المقدور اپنا اتا پتا بتانے سے گریز کرنا۔"

وہ بدبدائی۔ "میں جانتی ہوں مجھے کیا کرنا ہے۔"

"یقیناً۔" رُوبی نے اس سے اتفاق کیا۔ "تم ایک سمجھ دار لڑکی ہو۔"

"میں تمہارا سر نگوں نہیں ہونے دوں گی۔" اس نے رُوبی کی طرف مسکراہٹ اچھالتے ہوئے کہا۔

رُوبی نے اثبات میں سر ہلایا اور دروازہ کھول لیا۔

"تم بھی اپنا خیال رکھنا رُوبی۔" نیلوفر نے پکار کر کہا اور رُوبی ہاتھ ہلاتی باہر نکل گئی۔

"مجھے ایک قابل اعتماد دوست کی تلاش ہے۔" ہال میں پہنچ کر رُوبی بولی۔

"تمہیں مایوسی نہیں ہو گی۔" ریٹر نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر اسے یقین دلایا۔

"صاف اور سیدھی بات ہے سولجر! مجھے تمہارا کام بے حد پسند آیا ہے۔"

ریٹر کے چہرے پر خوشی نمایاں ہو گئی۔ "میری بھی یہی کیفیت ہے۔" وہ بولا۔ "میں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ تمہارے ساتھ مل کر گولیاں چلاؤں گا۔" وہ چند ثانیے خاموش رہ کر دوبارہ گویا ہوا۔ "کتنے فخر کی بات ہے کہ میں رُوبی..."

"مجھے ڈانا کہو... کہیں اور تمہارے منہ سے رُوبی کا لفظ نہ نکلنے پائے... ڈانا میکس ویل۔"

"یقیناً ڈانا۔"

"اور تم میرے ساتھ مل کر گولیاں نہیں چلاؤ گے، بلکہ صرف ڈرائیونگ کرو گے اور مجھے منزل تک پہنچا دو گے۔"

ریٹر خاموش ہو گیا۔ یقیناً اسے رُوبی سے اتنے کھرے جواب کی توقع نہ تھی۔

دونوں الیویٹر کے ذریعے گراؤنڈ فلور پر پہنچے اور عقبی راستے سے پارکنگ ایریا کی طرف بڑھے۔ رُوبی ذرا فاصلے پر ہی رُک گئی۔ ریٹر نے بھی اس کی تقلید کی۔

"اب تم کار تک جاؤ۔" اسے اسٹارٹ کر کے دو بار ہلاک کا چکر لگاؤ۔" رُوبی نے اُسے ہدایت کی۔ "دوسرے چکر میں مجھے عمارت کے سامنے سے پک کر لینا۔"

ریٹر نے اثبات میں سر ہلایا اور کار کی طرف بڑھ گیا۔

رُوبی عمارت کی آڑ میں ہو کر اسے کار کی طرف جاتے بیٹھتے اور اسٹارٹ کرتے دیکھتی رہی۔ کار جانے کے مین سیکنڈ تک وہ وہاں موجود رہی پھر مرکزی دروازے کی طرف چل دی۔

ٹھیک ساڑھے چار منٹ بعد کار دروازے کے سامنے رُکی۔ رُوبی نے عقابی نظروں سے اردگرد کا جائزہ لیا۔ کوئی نہیں تھا۔ وہ فوراً کار میں داخل ہو گئی۔ ریٹر نے کار کو گیئر میں ڈال کر کلچ سے پیر ہٹا لیا۔ کار کمان سے نکلے تیر کی طرح آگے بڑھ گئی۔

اُن کا رُخ جنگ کے ایک نئے میدان کی طرف تھا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

امریکی دارالحکومت واشنگٹن پر موسم گرما پوری شدتوں کے ساتھ حاوی تھا جس کے باعث ائرکنڈیشنرز فل سپیڈ پر چل رہے تھے۔ کمروں میں ٹھنڈک تھی لیکن صدر امریکہ کے کمرے میں جو اجلاس جاری تھا۔ اس میں گرما گرمی وہاں موجود افراد کے چہروں سے عیاں تھی۔

چار افراد کمرے میں موجود تھے۔

صدر مملکت اپنی بڑی سی سفید میز کے عقب میں کرسی پر دراز تھے۔ میز کے سامنے رکھی کرسی پر دو افراد بیٹھے تھے۔ ان میں سے ایک چار گریسنی ٹوریم کا ڈائریکٹر ڈاکٹر بہرام تھا اور دوسرا قومی سلامتی کے لیے صدر کا مشیر بریڈن تھا۔ صوفے پر اُدشان تھا۔ اس نے پشت گاہ سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر رکھی تھیں۔ بظاہر وہ یہاں ہونے والی باتوں سے لاتعلق تھا لیکن وہ ایک ایک لفظ نہ صرف سن بلکہ پوری طرح سمجھ رہا تھا۔

وہ ان میں سے بہت سی باتوں کی حقیقت جانتا تھا لیکن جان بوجھ کر خاموش تھا۔ بہت سے واقعات کا وہ چشم دید گواہ تھا لیکن ان کا اظہار کرنا قطعی ضروری نہ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اس بحث میں شامل نہ تھا۔

"تو بہرام! ٹائیگر بالآخر گم ہو گیا؟" صدر مملکت نے کرسی کی پشت گاہ سے ٹیک لگاتے ہوئے ایک طویل سانس لی۔ "تم تو کہتے تھے کہ وہ ناقابل شکست ہے۔"

"میں اب بھی یہی کہتا ہوں۔" بہرام نے ٹائیگر کی طرف داری کی۔ "اُسے ڈچ مین کو پھانسنے کا ایک موقع ملا تھا۔ اُس نے کوشش بھی کی لیکن دشمن ایک بار پھر بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔"

"اوہ!" بریڈن نے پہلو بدلا۔ "تو کیا ٹائیگر اور ڈچ مین پہلے بھی ایک دوسرے کے مقابل آ چکے ہیں؟ وہ دونوں ایک دوسرے کو جانتے ہیں؟"

"یقیناً۔" بہرام نے اثبات میں سر ہلایا اور مختصراً بریڈن اور صدر مملکت کو اس کیس کی تفصیلات بتانے لگا۔

"تو کیا ڈچ مین اتنا ہی خطرناک مجرم ہے؟" بریڈن نے اپنی حیران آنکھوں کو پٹپٹاتے ہوئے دریافت کیا۔

"وہ خطرناک ہی نہیں پُراسرار بھی ہے۔" بہرام بولا۔ "دُنیا کے نصف سے زیادہ ممالک کو وہ مختلف جرائم میں مطلوب ہے لیکن آج تک وہ کسی کے ہتھے نہیں چڑھا۔ سچ پوچھیں تو اب تک اس کی قومیت کے بارے میں ہی پتا نہیں چل سکا۔ اس کے سیکڑوں چہرے اور ہزاروں بھیس ہیں۔"

"لیکن اس کے باوجود اس کے خلاف ٹائیگر کی کارروائی نے ایک بحران کھڑا کر دیا ہے۔" صدر مملکت بولے۔ "جاپانی حکومت نے سارے فساد کی ذمہ داری گوکیا کو قرار دے ڈالی ہے لیکن حقیقت میں ان کا رویہ ہمارے ساتھ بھی بے حد سرد ہے۔ میں گزشتہ کئی ماہ سے جاپانی حکومت کے ساتھ مختلف معاہدوں میں مصروف ہوں۔ تاکہ اس کی غلط فہمیاں کم سے کم کی جا سکیں۔"

"مجھے آپ کی پریشانیوں اور مشکلات کا احساس ہے مسٹر پریذیڈنٹ!" بہرام گویا ہوا۔ "گزشتہ کئی سالوں میں پہلی بار ہمیں ڈچ مین کے بارے میں بعض اطلاعات موصول ہوئی تھیں۔ جنہیں فوری طور پر چیک کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کو قبل از وقت اس آپریشن کے بارے میں مطلع نہیں کیا جا سکا۔"

"تو اس بات کا پتا چلا کہ ٹائیگر کو ڈچ مین کے بارے میں کیا معلوم ہوا تھا؟" صدر مملکت نے پوچھا۔

بہرام نے نفی میں سر ہلایا۔ "کچھ نہیں مسٹر پریذیڈنٹ۔۔۔ میں پچھلے سات ماہ سے ذاتی طور پر سوویت یونین سے لفٹروٹ کو مانیٹر کر رہا ہوں۔" اس نے اپنے سامنے کاغذات پر نظر دوڑائی۔ "ہمارے نارمل انٹرنیشنل روٹس پر کچھ بھی نہیں دکھائی دیا۔۔۔ مگر ٹائیگر کو اس بارے میں معلومات حاصل ہوئی بھی ہیں تو اُسی تک محدود ہیں۔" اس نے کندھے اُچکائے۔ "جونہی نئی خبر ملی آپ کو اس سے مطلع کر دیا جائے گا۔ ڈچ مین گزشتہ چار سالوں سے اس علاقے میں خطرے کی علامت ہے۔"

بریڈن نے سر ہلایا۔ "یہ بات تو درست ہے۔ نا کہ ٹائیگر کو ڈچ مین کے بارے میں بعض مہلک اور اہم معلومات دستیاب ہوئی تھیں۔" اس نے بہرام کی طرف دیکھا۔ "مگر اس نے امریکی قوانین کی خلاف ورزی بھی کی ہے۔"

"ہم تمہارے قوانین کے پابند نہیں مسٹر بریڈن!" اُدشان یکدم آنکھیں کھول کر غرایا۔ "ٹائیگر نے جو کچھ کیا اُسے میری پشت پناہی حاصل تھی۔"

حاضرین کو سانپ سونگھ گیا۔ کسی نے اُدشان کی بات کا جواب دینے کی کوشش نہیں کی۔

"چارہ گر پرامریکی قوانین لاگو نہیں ہوتے۔" بہرام ذرا سے توقف کے بعد بولا۔ "لیکن اگر آپ لوگ ایسا سمجھتے ہیں تو بھی یہ حقیقت ہے کہ جونہی ٹائیگر نے جاپانی سرزمین پر قدم رکھا یہاں سے اس کے سارے ناتے منقطع ہو گئے تھے۔ وہ اپنی مرضی کا خود مالک ہے اور یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس میں کسی ردوبدل یا ترمیم

کی کوئی گنجائش نہیں۔"

کمرے میں موجود لوگ اب بھی خاموش تھے۔

صدر مملکت نے اپنی ریوالونگ چیئر پر پہلو بدلا اور بہرام کی طرف متوجہ ہوئے۔ "اب ڈچ مین کی طرف۔" وہ گویا ہوئے۔ "اس بارے میں کوئی خبر ہے کہ دھماکے کے بعد ڈچ مین پر کیا بیتی؟"

"نہیں۔" بہرام نے جواب دیا۔ "جونہی سائفرز پراوڈی نے سگنل دیا میں نے ہانگ کانگ میں موجود ماسٹر کو اس بارے میں مطلع کر دیا۔" بہرام نے اُدشان کی طرف اشارہ کیا جو ایک بار پھر آنکھیں بند کیے صوفے سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ "ماسٹر فوری طور پر جاپان پہنچے اور اس سے پہلے کہ ٹائیگر اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھتا اُسے اپنے ساتھ کونوز لے گئے۔ فوری طور پر اس سے زیادہ کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔"

"ایک اور مسئلہ بھی تو ہے۔" بریڈن بولا تو سب لوگوں کی نگاہیں اس پر مرتکز ہو گئیں۔ "ٹائیگر کی بیوی میرینا بھی تو غائب ہے۔"

اُدشان اور بہرام کے ہونٹوں پر مسکراہٹ اُتر آئی۔ انہیں وہ وقت یاد آ گیا جب ٹائیگر کو پہلی بار بتایا گیا تھا کہ جیک کی ایک بیوی بھی تو ہے جس کا نام میرینا ہے تو وہ بُری طرح اُچھلا تھا۔

"میں اس مشن سے یکسر انکار کرتا ہوں۔" وہ کرسی دھکیل کر اُٹھ کھڑا ہوا۔

"کیا ایک بیوی کی وجہ سے؟" اُدشان ہنستے ہوئے بولا۔ "وہ صرف بیوی ہے، سیدھی سادی رُوبی کی طرح تیز طرار نہیں۔۔۔"

"کچھ بھی ہو، میں اس طرح کا دم چھلا برداشت نہیں کر سکتا۔" ٹائیگر دو ٹوک لہجے میں بولا۔ "میں نے کبھی تصور بھی نہیں کیا کہ میری کوئی بیوی بھی ہو گی۔"

"یہ مشن کی ضرورت ہے شہزادہ!" بہرام نے کہا۔ "کچھ ہی عرصے کی تو بات ہے۔ میرینا مستقل تو تمہاری بیوی نہیں بننے جا رہی۔"

"اگر اسے پسند آ گئی تو میں رُوبی کی طرح اسے دوسری شادی کرنے کی اجازت دے دوں گا۔" اُدشان نے جلتی پر گویا تیل چھڑکا۔ "مجھے یقین ہے کہ وہ۔۔۔"

"رُوبی اور میرینا دونوں گئیں جہنم میں۔۔۔!"

"رُوبی آج کل فردوس میں معرکے پر معرکے مار رہی ہے۔" بہرام نے قطع کلامی کی۔ "جہنم اور فردوس میں بہت فرق ہے۔"

"تم فردوس کو اپنا وطن سمجھتے ہو نا؟" اچانک اُدشان نے دریافت کیا۔

"کیوں نہیں؟" ٹائیگر سینہ پھُلا کر بولا۔ "مجھے اس پر فخر ہے۔ کہ میں فردوسی ہوں۔ میں اس کی آن پر کٹ مرنے کو تیار ہوں۔"

"تم کیا خاک کٹ مرو گے!" اُدشان نے طنزاً کہا۔ "اس کی روایات کی پابندی تو تم سے ہوتی نہیں۔"

"کیسی روایات؟"

"وہاں لوگ چار چار شادیاں کرتے ہیں اور تم ایک جعلی شادی کرنے کو بھی تیار نہیں۔"

"یہ میں نہیں کر سکتا۔ میرینا میرے لیے بیوی کی حیثیت سے قابل قبول نہیں۔"

"تب پھر ہم منصوبے میں ذرا سی ترمیم کیے لیتے ہیں!" اُدشان بہرام کی طرف مڑا۔ "تم رُوبی کو پیغام دو شہزادہ کہ وہ اپنا مشن چھوڑ کر فوراً ہانگ کانگ پہنچے۔ میرینا کا کردار وہ ادا کرے گی۔"

"یعنی رُوبی، ٹائیگر کی بیوی بنے گی؟" بہرام نے مصنوعی حیرت سے پوچھا۔

"کیوں نہیں؟" اُدشان بے نیازی سے بولا۔ "آخر ایک دن تو دونوں کی شادی ہونی ہی ہے۔ کچھ عرصہ ایک ساتھ رہنے سے دونوں کو ایک دوسرے کی عادات و اطوار سے واقف ہونے کا موقع ملے گا۔"

ٹائیگر نے باری باری اُدشان اور بہرام کے چہروں کا جائزہ لیا لیکن جب اُسے وہاں سنجیدگی ہی نظر آئی تو بہتر راستہ یہی دکھائی دیا کہ میرینا کو ہی بیوی کی حیثیت سے قبول کرلے۔ رُوبی سے پورا اُترنے کی اس میں ہمت نہ تھی۔

"ہاں۔" بہرام نے ایک طویل سانس لے کر حاضرین کو مخاطب کیا۔ "ڈچ مین پر حملے کی رات میرینا ہانگ کانگ میں اپنے گھر پر موجود تھی لیکن ہماری معلومات کے مطابق پانچ بج کر ستاون منٹ پر اُسے ایک فون کال موصول ہوئی تھی۔ وقت مقامی۔۔۔"

"لوکل یا طویل فاصلے کی کال؟" بہرام نے جواب دیا۔ "کال جاپان سے تھی۔۔۔ بلکہ زیادہ درست یہ ہو گا کہ ٹوکیو سے تھی۔"

"ٹائیگر؟" بریڈن کا مقصد تھا کہ کیا کال ٹائیگر نے کی تھی۔

"منطقی اعتبار سے تو یہی ہونا چاہیے تھا۔" بہرام بولا۔ "لیکن ایسا نہیں تھا۔ ٹائیگر اس وقت یعنی پانچ بج کر ستاون منٹ پر راستے میں تھا۔۔۔ ہوائی جہاز میں۔۔۔ اور وہاں سے وہ میرینا یا کسی اور سے رابطہ قائم نہیں کر سکتا تھا۔ ہمیں یہ پتا چلا ہے کہ کال وصول کرنے کے پندرہ منٹ کے اندر اندر میرینا جا چکی تھی۔"

"جا چکی تھی؟ کہاں؟" اس بار صدر نے سوال کیا۔

"ہم اُسے ٹوکیو تک تلاش کر پائے ہیں۔"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"تو کیا وہاں ٹائیگر یا اس کے بعض دوست بھی ہیں؟" بریڈن نے پوچھا۔

"ٹائیگر کے ہیں۔" بہرام نے جواب دیا۔ "لیکن میرینا وہاں کسی کو نہیں جانتی۔"

"ممکن ہے ڈچ مین کے خلاف ٹائیگر کی کارروائی اور میرینا کی گمشدگی ایک ہی سلسلے کی دو کڑیاں ہوں۔" بریڈن نے خیال ظاہر کیا۔

"بظاہر تو اس قسم کی صورت حال دکھائی نہیں دیتی۔" بہرام نے کہا لیکن اپنے لہجے کے کھوکھلے پن کا احساس خود اُسے بھی تھا۔

"تم کچھ بھی کہو مسٹر بہرام۔" بریڈن بدستور اپنی بات پر اڑا ہوا تھا۔ "مجھے یہی لگتا ہے کہ ٹائیگر کے حملے کے بارے میں ڈچ مین کو میرینا نے ہی آگاہ کیا تھا۔"

بہرام ایک لمحے کے لیے چونکا لیکن اگلے ہی لمحے اس نے اپنا سر نفی میں ہلا دیا۔

ہانگ کانگ کی گلیاں بارکش کے باعث ندی نالوں کا سا منظر پیش کر رہی تھیں۔ اُدشان ایک بڑی سی کھڑکی سے باہر کا نظارہ کر رہا تھا لیکن اس کا ذہن ٹائیگر کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

اس کے تمام ٹیسٹ ہو چکے تھے۔ ان پر تحقیقاتی رپورٹس مرتب کی جا چکی تھیں اور اب وہ خطرے کی حد دو سے باہر نکل آیا تھا۔ اور ہنر ہاؤس میں اس کے بے ہوش ہونے سے ذرا پہلے ہم کا ایک خوفناک دھماکا ہوا تھا جس میں وہاں موجود کئی لوگوں کے چیتھڑے اُڑ گئے تھے۔ ٹائیگر کی دُھال کے طور پر اگر مینڈی چاؤ کی لاش برآمد نہ ہوتی تو شاید اس کا جسم بھی ہزاروں ٹکڑوں میں تبدیل ہو گیا ہوتا۔ چھتیس گھنٹوں بعد اُسے عمارت کے ملبے سے زندہ نکال لیا گیا تھا۔

اس کی ابتدائی حالت دیکھ کر تو اوشان کو اس کے بچنے کی اُمید نہ تھی لیکن جب ڈاکٹروں نے بتایا کہ یہ شخص بے انتہا قوت ارادی کا مالک ہونے کے باعث محفوظ رہا ہے اور صرف بعض اندرونی چوٹیں آئی ہیں تو اُسے کسی حد تک حیرت ہوئی تھی۔ ای ای جی ریڈنگز کے مطابق ٹائیگر کا دماغ بالکل درست حالت میں تھا لیکن ابھی تک وہ ہوش میں نہ آیا تھا۔ ڈاکٹرز اس بارے میں حتمی طور پر یہ بتانے میں ناکام رہے تھے کہ وہ کب ہوش میں آئے گا۔

اوشان کو تیسری اور چوتھی منزل کی درمیانی سیڑھی پر قدموں کی ہلکی سی دھمک سُنائی دی تو وہ کھڑکی سے ہٹ آیا ذرا دیر بعد ہی اس کی توقع کے عین مطابق آہٹیں اُسی دروازے کے سامنے آ رکیں جس میں وہ لوگ موجود تھے۔

"جیک!" ایک باریک سی مردانہ آواز سُنائی دی۔ بولنے والا دروازے کے عقب میں تھا لیکن اُوشان پہچان گیا تھا کہ وہ خوفناک سنگ ہے۔

"تم یہاں کیا کر رہے ہو سنگ؟" وہ دروازہ کھولتے ہوئے بولا۔

"جیک ایک دوست ہے!" خوفناک سنگ اندر آ گیا۔ "میں اس کی طرف سے فکرمند ہوں۔"

"یوں کہو کہ اس ماہ کی ادائیگی کی طرف سے فکرمند ہو۔" خوفناک سنگ کے چہرے کا رنگ ایک لمحے کے لیے بدلا پھر معمول پر آ گیا۔ "اس شخص کے تحفظ کے ذمے داری ہم پر عائد ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ تحفظ کے پیسے ہی ہم لیتے ہیں۔"

"لیکن اس وقت تمہاری ذمے داری ختم ہو جاتی ہے جب میں یہاں موجود ہوں۔" اُوشان بے مروتی سے بولا۔ "بہرحال! تم اپنے کاروبار کو دستی سے مربوط کرو، تمہاری رقم دفتر میں پہنچا دی جائے گی۔"

خوفناک سنگ نے ایک نظر بیڈ پر پڑے ٹائیگر کو دیکھا اور بغیر کچھ کہے پلٹ گیا۔

اوشان نے دروازہ بند کیا اور کھڑکی کے پاس چلا گیا لیکن اس سے پہلے ٹائیگر کو ایک نظر دیکھنا نہیں بھولا تھا۔ مُردہ پڑے کا پورا چہرہ پٹیوں میں لپٹا ہوا تھا۔ جسم کا اوپری حصہ برہنہ تھا جس پر جا بجا زخموں کے نشانات تھے۔

تھوڑی دیر بعد وہ پھر کرسی پر آ بیٹھا۔ اُس نے آنکھیں بند کر لیں۔ شہزاد کے ساتھ تعلق کا طویل عرصہ اس کے سامنے تھا۔ اُسے وہ شہزادہ یاد آ گیا جسے موت کی کال کوٹھڑی سے نکال کر... سرگوشی اس کے پاس لایا تھا۔ اس شہزادے اور آج کے ٹائیگر میں زمین و آسمان کا فرق تھا۔ پہلے وہ موت سے بچ کر آیا تھا اور اب خود موت کا ہرکارہ تھا۔ جانے کیوں اوشان کو وہ پہلے کی طرح ہی کمزور محسوس ہو رہا تھا۔ وہ بے شک آہنی فطرت کا مالک تھا لیکن بنیادی طور پر گوشت پوست کا انسان تھا۔ سب انسانوں کی طرح اس کو بھی ایک دن اپنے اللہ کے پاس واپس جانا تھا لیکن اوشان یہ نہیں چاہتا تھا کہ وہ کسی دشمن کے خلاف لڑتا ہوا مارا جائے اور اپنے اللہ کے سامنے شکست کا داغ لے کر جائے...

اچانک اس نے آنکھیں کھول دیں۔ ٹائیگر کے تعاقب میں آنے والی ہلکی سی تبدیلی اس سے چھپی نہ رہی تھی۔ وہ ہوش میں آ رہا تھا۔

چند سیکنڈ کے بعد ٹائیگر نے آنکھیں کھول دیں۔

"لٹل فادر۔" سرگوشی کی مانند آواز اُبھری اور اوشان اُس پر جھک گیا۔

"اب کیسے ہو میرے بچے؟" وہ بولا تو اس کے لہجے میں دُنیا بھر کا پیار تھا۔ ٹائیگر سے اُس کا کوئی خونی رشتہ نہیں تھا لیکن ایک ذہنی اور دماغی رشتہ ضرور تھا جسے خون اور بدن کی ضرورت نہ تھی۔ ٹائیگر کو آنے والی چوٹ اوشان اپنے دل پر تصور کرتا تھا۔

"کیا میں ڈاکٹر کو بلاؤں؟ تم کافی دیر تک بے ہوش رہے ہو..."

"میری حالت اتنی بُری نہیں لٹل فادر۔" ٹائیگر کی آواز اب بھی سرگوشی سے مشابہ تھی لیکن اوشان کو اس سے نئی زندگی کی خوشبو آ رہی تھی۔

اوشان نے اٹھ کر تھرماس سے پانی انڈیلا اور مگ ٹائیگر کے ہونٹوں سے لگا دیا۔

"ڈچ مین؟" محض دو گھونٹ پینے کے بعد ہی ٹائیگر کے ہونٹوں پر اپنے دشمن کا نام آ گیا تھا۔

"شاید زیرِ زمین چلا گیا ہے۔"

ٹائیگر نے اپنی آنکھیں دوبارہ بند کر لیں۔ "میں اسے پاتال سے بھی نکال لاؤں گا۔"

"ہاں میرے بچے۔" اوشان نے اس سے اتفاق کیا۔ "لیکن پہلے تم ٹھیک ہو جاؤ۔"

"میں کتنے دن سے بے ہوش ہوں؟"

"چار دن سے۔"

"اور کب تک اچھا ہو جاؤں گا؟"

"اتنی جلدی بھی کیا ہے؟" اوشان نے بھی سوال کیا تھا۔ "مجھے ڈچ مین کی ضرورت ہے۔"

"وہ غائب ہو چکا ہے شہزاد اور ہمارے پاس اُس کا کوئی سُراغ نہیں۔"

ٹائیگر نے آنکھیں کھول کر پلکیں جھپکائیں۔ "باقی لوگ کیسے ہیں لٹل فادر؟... مینڈی کہاں ہے؟"

"تم بچنے والے واحد آدمی ہو۔"

"اوہ۔" ٹائیگر کو شاک سا لگا۔ اس کے سینے میں درد سا جاگ اُٹھا۔ باقی بے گناہ اس پر قربان ہو گئے تھے۔ اس نے انہیں ساتھ لے جانے کی مخالفت کی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ ڈچ مین جیسے خطرناک

دُشمن سے بچ آنے کے امکانات کم تھے اور وہ اپنے ساتھ کسی اور کی زندگی داؤ پر نہیں لگانا چاہتا تھا۔

"وہ بھی نوجوان تھے لٹل فادر۔" ٹائیگر بولا۔

"موت عمر کی قید و بند سے آزاد ہے میرے بچے۔" اوشان نے اُسے تسلی دی۔ وہ چند ثانیے خاموش رہا پھر بولا۔ "واشنگٹن والوں کا خیال ہے کہ ہمارے اندر کوئی کالی بھیڑ موجود ہے۔"

ٹائیگر کی آنکھیں سُرخ ہو گئیں۔ "غدار؟ مگر کون؟ ہمارے آدمیوں میں سے تو کوئی ایسا نہیں۔"

"انسان دو طرفہ فطرت کا مالک ہے پیارے بچے۔"

"لیکن میرا ذہن کسی کو غدار تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہے لٹل فادر۔"

اُوشان نے اپنا دایاں ہاتھ ٹائیگر کے سینے پر رکھ دیا۔ "ابھی تمہیں اس بارے میں سوچنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ معاملات اس وقت تک اُٹھا رکھو، جب تک تم صحت یاب نہیں ہو جاتے۔"

ٹائیگر نے دھیرے سے اثبات میں گردن ہلا دی۔

اوشان کو اچانک ہی اس لڑکی کا خیال آیا جو اصل جیک میرک کی بیوی تھی یعنی اس نے بھی ٹائیگر کو جیک کی حیثیت سے قبول کر لیا تھا۔ اس کی وجہ وہ شاندار پلاسٹک میک اپ تھا جو ٹائیگر کے چہرے پر کیا گیا تھا۔

"کیا تمہاری روانگی کے وقت میرینا کہیں باہر گئی ہوئی تھی؟" اس نے دریافت کیا۔

"میں اس بارے میں کچھ نہیں جانتا۔" ٹائیگر نے بُرا سا مُنہ بنایا۔ "منصوبے کا یہ حصہ اُسے شروع سے ہی ناپسند تھا۔ میری بلا سے، وہ جہنم میں جائے۔" جملہ کہنے کے بعد اچانک ہی اُسے احساس ہوا کہ منصوبے کی تکمیل تک بہرحال اس کو شوہر کا کردار ادا کرنا ہے۔ "اُسے بُلواؤ لٹل فادر۔"

"وہ یہاں نہیں ہے، شہزاد۔" اوشان نے اس کا جملہ کاٹا۔ "تمہارا مشن شروع ہوتے ہی اسے کائی تک پر دیکھا گیا تھا۔ وہ جاپان ایئر لائن کی ایک ایسی فلائٹ پر سوار ہوئی تھی جو ٹوکیو جا رہی تھی۔" اس نے رُک کر ٹائیگر کے پٹیوں میں لپٹے ہوئے چہرے کو دیکھا۔ "اور یہ بات تم جانتے ہی ہو کہ جاپان میں ہمارا کوئی شخص موجود نہیں۔ میں نے گھر کی تلاشی لی تھی کہ شاید اس نے کوئی پیغام چھوڑا ہو لیکن کچھ نہیں ملا... کاغذ کا ایک پُرزہ بھی نہیں..."

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"مگر اُسے ہُوا کیا ہے؟"

"اس سارے بکھیڑے کا مطلب کیا ہے کہ تمہارے حملے کی خبر ڈچ مین کو تمہارے اوہنزو ہاؤس پہنچنے سے قبل ہی ہو گئی تھی۔"

"مگر اس میں میرینا کہاں فٹ ہوتی ہے، لٹل فادر؟"

"میرینا کو تمہارے حملے کی شام ایک کال موصول ہوئی تھی۔ ہماری معلومات کے مطابق یہ ٹوکیو سے آئی تھی۔ آج صبح ہی پتا چلا ہے کہ کال ڈسٹرکٹ توشی ماکو سے کی گئی تھی۔"

ٹائیگر کو فوری طور پر خیال آیا کہ اوہنزو ہاؤس ڈسٹرکٹ توشی ماکو میں ہی تھا۔

اوشان نے اپنی بات جاری رکھی۔ "کال وصول کرنے کے چالیس منٹ کے اندر اندر میرینا، کائی تک ائرپورٹ پر تھی۔ مزید بیس منٹ بعد وہ ٹوکیو جانے کے لیے جاپان ائرلائنز کی پرواز پر سوار ہو چکی تھی۔"

"میرینا تو جاپان میں کسی کو نہیں جانتی... کسی کو بھی نہیں پھر وہ وہاں کیا کر رہی ہے؟"

"شہنشاہ کا خیال تھا کہ شاید تم اس پر کوئی روشنی ڈال سکو۔"

"میں کچھ نہیں جانتا۔"

اوشان آگے کو جھکا۔ "صدر امریکہ تمہارے اس حملے سے بے حد ناراض..."

"میں کسی صدر کو نہیں جانتا، لٹل فادر۔" ٹائیگر تیزی سے بولا۔ "میرے نزدیک ڈچ مین دُنیا کی ہر شے سے زیادہ اہم ہے۔"

اوشان اٹھ کر کھڑکی کی طرف بڑھ گیا۔ باہر بارش بدستور ہو رہی تھی۔ مُرخ لنگ کی ایک سنسان کار اسپتال کے سامنے آ کر رُکی اور اس میں سے ایک نوجوان لڑکی نکل کر مرکزی دروازے کی طرف دوڑی۔ اس کی بوکھلاہٹ دیکھ کر اوشان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔

وہ دوبارہ ٹائیگر کی طرف مڑا۔ "تمہارے اور میرینا کے تعلقات کی نوعیت کیا تھی شہزاد؟"

"میں اس بارے میں کوئی بات نہیں کرنا چاہتا۔"

"ممکن ہے جواب سے کوئی نتیجہ نکل سکے۔"

"وہ میری بیوی نہیں ہے، لٹل فادر! آپ جانتے..."

"میں جانتا ہوں۔" اوشان نے اس کا جملہ کاٹا۔ "لیکن امریکہ والے یہ نہیں جانتے۔"

"انہیں بتا دیں کہ گزشتہ چھ ماہ کے دوران اس سے میرا ایسا کوئی تعلق نہیں رہا..."

دروازے پر ہونے والی ہلکی سی دستک سے ٹائیگر کا جملہ ادھورا رہ گیا۔ دونوں بیک وقت اس طرف پلٹے۔ اوشان کو یہ دیکھ کر تھوڑی سی حیرت ہوئی کہ سکیورٹی گارڈ نے اسی لڑکی کو اندر آنے کا اشارہ کیا جسے اوشان نے سرخ کار سے نکل کر عمارت کی طرف بھاگتے دیکھا تھا۔ اوشان نے اس وقت اُسے صحیح طور پر دیکھا نہیں پایا تھا لیکن اب اندازہ ہوا کہ وہ بے حد خوبصورت لڑکی ہے۔

"کیا جیک میروک یہاں ہے؟"

اوشان نے اثبات میں سر ہلا کر ٹائیگر کی طرف دیکھا پھر وہ اس پر جُھک گیا۔ "میں جا رہا ہوں... باہر۔" اس نے جواب کا انتظار بھی نہیں کیا اور لڑکی کے قریب سے گزرتا ہُوا باہر چلا گیا۔

لڑکی نے اندر آ کر دروازہ بند کیا اور پٹ سے یوں ٹیک لگا کر کھڑی ہو گئی جیسے مزید آگے آنے سے خوفزدہ ہو۔

ٹائیگر بُری طرح ٹھٹک گیا تھا لیکن اس کی کوشش تھی کہ سوچنے نہ پائے۔ اوشان کے ساتھ باتیں بھی اُسے خواب معلوم ہو رہی تھیں۔

اُسے احساس ہُوا کہ کمرے میں کوئی موجود ہے۔ "کون ہے؟"

اس نے دروازے کی سمت دیکھنے کی کوشش بھی کی لیکن چہرے پر منڈھی ہوئی پٹیاں راہ میں حائل ہو گئیں۔ "وہاں کون ہے؟" وہ دوبارہ بولا۔ اس مرتبہ اس کا لہجہ پہلے کی نسبت زیادہ نرم تھا۔

"تم نے مجھے پہچانا نہیں؟"

لڑکی دروازے سے ہٹ کر بستر کے قریب آ گئی۔ "اوہ! جیک..." اس نے اپنے ہاتھ سے ٹائیگر کے رُخسار کا وہ حصہ چھُوا جو پٹیوں میں سے جھانک رہا تھا۔

ٹائیگر نے ہاتھ بڑھا کر لڑکی کی کلائی تھام لی۔ ساتھ ہی وہ آنکھیں کھلی رکھنے کی کوشش بھی کر رہا تھا۔

"کون؟"

"میں بلیس ہوں۔" لڑکی نے کہا۔

سر پر شدید چوٹ آنے کے باوجود ٹائیگر کا ذہنی کمپیوٹر ناکارہ نہیں ہُوا تھا۔ جیک میروک کے بارے میں تفصیلات کے مطالعے کے دوران بلیس کا نام کئی بار سامنے آیا تھا۔ اُسے جیک کی زندگی میں خاصی اہمیت حاصل رہی تھی۔ بلیس کا مکمل کردار اس کی نگاہوں میں گھوم گیا۔

"میں بلیس ہوں۔" لڑکی دوبارہ بولی۔ "یاد ہے ہم دونوں..."

"لیڈرا سٹریٹ پر سایوں سے کھیلا کرتے تھے، یا ٹائیگر

نے اس کا جُملہ کاٹا۔ اس نے آنکھیں کھول کر اٹھنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ "یہ کیسے ممکن ہوا بلس...؟"

"ہم اس وقت چھوٹے تھے نا، جیک!"

ٹائیگر نے اس کا بازو یوں ٹٹولا جیسے وہ اندھا ہو گیا ہو۔ "بلس! وہ مر گئی ہیں۔ بولا۔ "تم یہاں کیا کر رہی ہو؟ اتنے طویل عرصے بعد یہ ناممکن نہیں لگتا... ہمارا ملنا..."

"فی الحال آرام کرو۔" بلس نے پیار سے اُسے ڈانٹا۔ "جب تم سو کر اٹھو گے تو ہم ڈھیروں باتیں کریں گے... میرے پاس بہت وقت ہے۔"

✠

وائٹ ہاؤس کے اوول آفس میں اعلیٰ سطحی اجلاس جاری تھا۔ صدر امریکہ کے علاوہ قومی سلامتی کا مشیر انتونی بریڈن اور جارج گرگا ڈائریکٹر بہرام اس اجلاس میں شریک تھے۔ صدر کے سامنے میز پر سُرخ رنگ کی ایک فائل کھُلی پڑی تھی لیکن فی الوقت وہ اس کی طرف متوجہ نہیں تھے۔ اس وقت وہ بریڈن کے ایک سوال کے جواب میں وضاحت کر رہے تھے کہ امریکہ کس طرح اپنے حربوں سے دُنیا میں مختلف دہشت گرد تنظیمات کو فروغ دے رہا ہے۔

"تمہیں اندازہ ہے ہم نے اسرائیل کے ساتھ کیا کچھ کیا ہے؟" انہوں نے سرخ فائل کے ایک صفحے پر اُنگلی رکھتے ہوئے کہا۔ "ہر سال ہم اسے خوفناک امداد کے طور پر ایک اعشاریہ سات بلین ڈالر فراہم کرتے ہیں۔ اس کے باوجود کہ وہ اپنے سالانہ بجٹ کا نصف فوج پر خرچ کرتا ہے۔ اس کے علاوہ ہم اسے معاشی مدد کے طور پر مزید ساڑھے آٹھ ملین ڈالر دیتے ہیں۔"

"اس لیے کہ اسرائیل مشرق وسطیٰ میں ہمارا واحد دوست ہے، مسٹر پریذیڈنٹ۔" بریڈن بولا۔ "اگر ہم اس کی مدد نہیں کریں گے تو کون کرے گا؟"

"لیکن امریکہ کی بنس پالیسی سے دوسرے ملکوں نے بھی فائدہ اُٹھایا ہے۔" صدر نے فائل کا ایک اور صفحہ کھولا۔ "گزشتہ سال شمالی کوریا نے ایران، عراق جنگ میں ایران کا حامی ہونے کے باوجود عراق کو آٹھ سو اسّی ملین ڈالر کا اسلحہ فراہم کیا ہے۔ اس سال یہ شرح نصف سے زیادہ ہو جائے گی۔ ۱۹۶۵ء سے ۱۹۸۵ء کے دوران تیسری دُنیا کے اکتیس ممالک کے دفاعی بجٹ سو فیصد بڑھ گئے ہیں۔ مغرب ایران، شام اور عراق ان میں سرِفہرست ہیں۔"

"الماس میں زیادہ تر ہاتھ امریکہ کا ہے۔" انتونی بریڈن نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیری۔

صدر نے سر کو اثباتی جنبش دی اور کچھ کہنے سے قبل بہرام کی طرف دیکھا جو بڑے بُرے منہ بنا رہا تھا۔

"تمہیں اس گفتگو میں کوئی دلچسپی نہیں بہرام؟" صدر نے دریافت کیا۔

"معذرت کے ساتھ مسٹر پریذیڈنٹ۔" بہرام نے کھنکار کر گلا صاف کیا۔ "میں تو سمجھا تھا کہ آپ نے یہ اجلاس ڈچ مین کے خلاف ٹائیگر کے مشن پر تبادلۂ خیال کے لیے طلب کیا ہے۔"

"اوہ!" صدر نے ہونٹ سکوڑے اور سُرخ فائل بند کر دی۔ "تمہارا اندازہ درست ہے، بہرام۔" وہ ذرا سا رُکے پھر بولے۔ "میں بریڈن کو میرینا کے تعاقب میں جاپان بھیجنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔"

"بریڈن کو؟" بہرام نے حیرت سے پوچھا

"ہاں کیوں نہیں؟"

"میرے خیال میں مسٹر بریڈن اس کے لیے مناسب نہیں۔" بہرام کھٹ سے بولا۔ اس نے بریڈن کے چہرے کے بدلتے ہوئے تاثرات کی پروا بھی نہیں کی تھی۔

"تمہارے ذہن میں کیا ہے؟"

"میرینا کا تعاقب مجھ پر چھوڑ دیں، مسٹر پریذیڈنٹ۔"

"کیا تم اس نتیجے پر پہنچ چکے ہو مسٹر بہرام کہ میرینا کو موصول ہونے والی کال اوہنزو سے آئی تھی؟" بریڈن نے پوچھا۔

"ہاں۔" بہرام نے اثبات میں سر ہلایا۔ "نہیں ڈچ مین ٹائیگر کا انتظار کر رہا تھا... ہمیں شُبہ ہے کہ ڈچ مین اور میرینا کا آپس میں کوئی نہ کوئی تعلق مزدر ہے۔ ہمیں اس تعلق کو فوری طور پر بے نقاب کرنا ہے اور اس سے اہم بات یہ ہے کہ اس تعلق کی جڑیں کانگو میں ہیں!"

بریڈن خاموش رہا۔

اُسے وہ دن یاد آ گئے تھے جب وہ نئی دہلی سے برہانگ کانگ گیا تھا... وہ ٹائیگر اور میرینا کے ہاں ٹھہرا تھا۔ میرینا نے اپنے انکل کی مانند اس کا خیال رکھا تھا۔ اس نے بریڈن کو کراؤن کالونی کے بارے میں بہت کچھ بتایا تھا۔ اُسے ہر جگہ اپنے ساتھ لے گئی تھی۔ تاریخی معلومات بہم پہنچائی تھیں۔ اس نے گورنر کے اختیارات کے بارے میں اُسے آگاہ کیا۔ دونوں رائل ہانگ کانگ جوکی کلب میں بھی گئے۔ چینی جوڑے کی عجیب و غریب اور پُراسرار دُنیا بھی دیکھی... چینی کھانوں اور چینی فن تعمیر کا مشاہدہ کیا۔ جب وہ علیل ہو گیا تھا تو میرینا نے رات رات بھر جاگ کر اس کے ماتھے پر پانی کی پٹیاں رکھیں تاکہ بخار کی شدت کم ہو جائے۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

اُسے میرسنا میروک اور ڈوچ مین کے تعلق پر حیرت ہوئی تھی لیکن چارہ گر کی معلومات غلط ہو سکتی تھیں۔ اُسے اس سچ کو قبول کرنا تھا۔ ڈوچ مین نے حملے کی شب میرسنا کو فون کیا تھا۔ کوئی اور یہ کام نہیں کر سکتا تھا۔

"ٹھیک ہے، بہرام!" اس نے صدر کی آواز سُنی۔ "میں تمہیں اس سلسلے میں مکمل اختیارات دیتا ہوں۔ بریڈن تمہاری ماتحتی میں کام کرے گا۔ سی آئی اے اور ایف بی آئی کو بھی میں ہدایات جاری کر رہا ہوں کہ وہ صرف تم سے رابطے میں رہیں مگر بوقتِ ضرورت تمہاری مدد بھی کریں۔"

بہرام نے سر جھکا کر صدر کا شکریہ ادا کیا اور روانگی کے لیے اُٹھ کھڑا ہوا۔

*

سیاہ سرکاری کار کے زیان شانگ کے مرکزی دروازے کی اندرونی سمت رُکتے ہی شمی زی لین باہر نکل آیا۔ چینی دارالحکومت بیجنگ کے شمال مغرب میں بارہ میل کے فاصلے پر واقع یہ خوشبودار پہاڑیاں ۱۹۷۲ء میں عام افراد کے لیے بند کر دی گئی تھیں لیکن زی لین اس جگہ سے پیار کرتا تھا اور اکثر یہاں آتا تھا۔ یہاں کے سکون سے اس کے دل کا درد کسی حد تک کم ہو جاتا تھا۔ اس کے عقب اور بائیں جانب مین اسکوائر تھا۔ کمرشیل کے سامنے واقع اس جگہ کو یوآن شنگ یوآن کے نام سے پکارا جاتا تھا۔

ان پہاڑیوں میں سیاحوں کے لیے بڑی کشش تھی لیکن زی لین انہیں منحوس اور اداس قرار دیتا تھا۔ اس جگہ ۱۸۶۰ء میں انگریز اور فرانسیسی فوج آ دھمکی تھی جس کے بعد یہاں سے سنگِ مرمر کے قیمتی مجسمے اور گلکاریوں کے دستی نمونے غائب ہو گئے تھے۔ صدیوں سے استادہ درختوں کو کاٹ ڈالا گیا اور لوہا نکالنے کے چکر میں عمارت کے خاصے بڑے حصے کو منہدم کر دیا گیا۔

زی لین نے جان بوجھ کر عمارت کی طرف پشت کر لی اور خوشبودار پہاڑیوں کی طرف دیکھنے لگا جن سے حاصل ہونے والے پتھروں سے قدیم چینی شاہی خاندان جن کے حکمرانوں نے اپنے لیے محل، ایگوڈے اور باغ بنوائے تھے۔

پھر وہ ان پہاڑیوں کی طرف بڑھا۔ اس کی دائیں ٹانگ کا آہنی کڑا اُسے پریشان کر رہا تھا لیکن اسے پہننے کے سوا کوئی چارہ بھی نہ تھا۔ بیجنگ کے مضافاتی علاقے میں واقع اپنی عظیم الشان کوٹھی کے وسیع لان میں وہ ورزش کے نت نئے طریقے اختیار کرتا۔ ڈاکٹرز اُسے سیکڑوں ادویات دیتے... لیکن آہنی کڑے کی ضرورت اپنی جگہ رہی تھی۔

زی لین نے سر موڑ کر مجموعی جائزہ لیا۔ اس کے اطراف میں دُور دُور تک دھان کے کھیت تھے۔ اس کی نظریں کھیتوں کے پار چنگ ہوا یونیورسٹی کی بلند عمارتوں پر جا ٹکیں۔

یہاں آنے اور اس جگہ سے پیار کرنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ فطرت کے ساتھ ساتھ اُسے ان نوجوان لڑکے لڑکیوں سے قریب رہنے کا موقع ملتا تھا جو حقیقتاً چین کا مستقبل تھے۔ اس کے لیے یہ ایک مشکل کام تھا کہ وہ اپنے ساتھی وزیروں کو باور کرا سکتا کہ چین کا بہترین قدرتی وسیلہ اس کی نئی نسل ہے اس کے ساتھی نوجوانوں پر اعتماد نہیں کرتے تھے اور نئی نسل کو اسی انداز میں دبانے کی کوشش کرتے تھے جس انداز میں پچاس سال قبل انہیں دبایا گیا تھا۔

لیکن ژی لین انہیں اُن کا مقام دلوانا چاہتا تھا۔ اُس نے انہیں اپنے دشمنوں سے نمٹنے کی جو منصوبہ بندی کی تھی۔ اس میں انہی نوجوانوں کو بنیادی اہمیت حاصل تھی۔ اس کے دشمن طاقت ور اور بہت بڑے تھے۔ ممکن تھا کہ وہ اس سے کہیں زیادہ مضبوط ثابت ہوتے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ لوگ خود کو ناقابلِ تسخیر بناتے جا رہے تھے۔

گزشتہ پانچ سالوں میں اُسے دو بار بے دخل کرنے کی بھرپور کوششیں کی گئی تھیں۔ ایک بار تو اس کے ساتھی ہی سوک کرنے کا فیصلہ کیا گیا جو چارے کے ڈبے کے ساتھ کیا گیا تھا یہ ناکام ہوا اور محض ایک سال پہلے ہی اس کے ساتھی وزیروں نے بڑھاپے اور بیماری کے باعث اُسے ریٹائر کرنے کی کوشش کی۔

دوسری ناکامی کے فوراً بعد مرکزی کابینہ کے دو وزراء ایک ماہ کے وقفے سے ہلاک حادثوں سے دوچار ہو گئے۔ کم از کم سرکاری تحقیقات نے انہیں حادثات ہی قرار دیا تھا۔ ممکن ہے زی لین کے ساتھی وزیروں کو ان نتائج سے اتفاق نہ ہو لیکن ان حادثات کے بعد کسی نے بھی زی لین کی پالیسیوں میں دخل اندازی کی کوشش نہیں کی اور یوں چین میں سرمایہ کاری کے فری مارکیٹ منافع کے عمل کے راستے کھل گئے۔

یہ صورتِ حال چھ ہفتے پہلے تک تھی۔ اس کے بہت سے ذرائع میں سے ایک نے خبر دی تھی کہ ایک اُبھرتے ہوئے نوجوان... چینی علم الاعداد کے مطابق باون سالہ... یو ورکریٹ

ڈونگ نے جسے گزشتہ سال کے دوران سائنٹیفک اینڈ ٹیکنالوجیکل انسٹی ٹیوٹ برائے جیٹسل ڈیفنس کا سربراہ مقرر کیا گیا تھا۔ مرکزی کابینہ کے ملک وزیر سے ملاقات کی ہے۔

زی لین جانتا تھا کہ ڈونگ کو کمیونسٹ پارٹی چیف اور وزیر دفاع کی حمایت حاصل تھی... انسٹی ٹیوٹ پر بھاری رقم خرچ کی جا رہی تھی کیونکہ ان کے خیال میں نئے چین کے دفاع کے لیے جدید طریقوں پر عمل پیرا ہونا لازمی تھا۔ اس بات نے ڈونگ کو کابینہ کے کسی بھی وزیر سے زیادہ اہم بنا دیا تھا۔ یہ ڈونگ ہی تھا جو سخت سارکس لیننزم سے چین کے ہٹنے کے خلاف جنگ لڑ رہا تھا۔

زی لین اب قبرستان کے بیچ میں سے گزر رہا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے چین کی پوری تاریخ یہاں دفن ہو۔ اس نے قبروں میں سے گزرتی ہوئی جانب دیکھا۔ دو فوسی... خوابیدہ بدھا کا پاگوڈا اُس کے سامنے تھا۔

ایک زمانے میں یہ پاگوڈا اپنے بلند و بالا درختوں کی وجہ سے پورے بیجنگ میں مشہور تھا۔ اسے تنگ نے تعمیر کرایا تھا۔ یہاں صندل کی لکڑی کا بنا ہوا سہ منزلہ بدھا کا ایک مجسمہ رکھا ہوا تھا۔ ۱۳۲۱ء میں یوآن نے ایک نئے مجسمے کی تعمیر میں پانچ لاکھ پونڈ سونا استعمال کیا تھا۔ سات ہزار کاریگروں نے مجسمے کی تکمیل میں حصہ لیا۔ انہوں نے دو کوششیں کیں اور دس سال میں وہ ناممکن کام کر دکھایا جو دورِ جدید کے تمام تر وسائل کے باوجود بھی نہ ہو پاتا۔

اس قدیم عمارت کے ساتھ زی لین نے ایک اسکول آف فارسٹری تعمیر کرایا تھا۔ وہ پاگوڈا کے سامنے سے گزر کر اسکول کے ہال میں داخل ہوا اور ان دو رکنسوں میں سے ایک پر بیٹھ گیا جو ایک سنگی میز کے اطراف میں رکھی ہوئی تھیں۔ میز پر پرواز کی بلیو پرنٹ لگا ہوا تھا۔ میرے اپنی آنکھوں پر تھے۔ دفاع کی فوجی حکمتِ عملی کا ایک چینی کھیل ہے۔ اس کی بساط شطرنج سے مشابہ ہوتی ہے۔ دونوں کھلاڑی ایک دوسرے کے مُہروں کو گھیر کر پیٹتے ہیں۔ یہ ایک ایسے بورڈ پر کھیلا جاتا ہے جس میں انیس عمودی اور انیس متوازی لکیریں ہوتی ہیں۔ یوں یہ لائنیں ایک ہزار ایکاسی مقامات پر ایک دوسرے کو کاٹتی ہیں کراس بناتی ہیں۔ مہرے ان میں سے کسی بھی تین سو اکسٹھ مقامات پر رکھے جا سکتے ہیں۔ اس کھیل میں خاصی غور و فکر کرنی پڑتی ہے۔

ژی لین نے ایک نظر مہروں کو دیکھا لیکن اس کا دماغ کہیں اور تھا۔

کابینہ کے وزیر سے وو ینگ کی ملاقات اور ہانگ کانگ کے بارے میں ژی لین کے منصوبے کا آخری مرحلہ ایک ہی ہفتے میں وقوع پذیر ہوا تھا۔ یہ کوئی نیک شگون نہ تھا۔ ژی لین اس قسم کے اتفاقات پر یقین نہ رکھتا تھا۔ سکیم کئی سالوں سے چل رہی تھی اور اس کی سکیورٹی بھی نہایت شاندار تھی۔ البتہ یہ سمجھنا بے وقوفی تھی کہ اس کی اسکیم یا اس کا کوئی چھوٹا سا حصہ دشمنوں تک نہیں پہنچا۔

ژی لین ایک بار پھر وانی کی بورڈ کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اس کے مہرے نفیس گول تراشیدہ پتھروں کے تھے۔ جو سائیڈ پر لگے ہوئے پیالوں میں رکھے جاتے تھے۔ ان میں سے نصف مہروں کا رنگ سفید اور نصف کا سیاہ تھا۔

پاگوڈا کے مرکزی دروازے پر آہٹ محسوس کر کے اس نے نظریں اُٹھائیں۔ ایک سایا ہال کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ژی لین کو اس کا چہرہ دکھائی نہیں دیا لیکن وہ آنے والے کے بدن کی ساخت دیکھ کر ہی بتا سکتا تھا کہ وہ کون ہے۔

"آؤ آؤ، زینگ ہوا!" چند ثانیوں بعد وہ بولا۔ "تم خاصی تاخیر سے آئے ہو۔ میں کھیل شروع کرنے والا تھا!"

زینگ ہوا جلدی سے مقابل پڑی کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس نے جیب سے لینن کا ایک رُومال نکال کر ماتھے اور رخساروں سے پسینہ صاف کیا اور چشمہ ٹھیک کر کے گویا کھیلنے کے لیے تیار ہو گیا۔ "میں نے اپنے طور پر کوشش کی تھی کہ تاخیر نہ ہونے پائے!" وہ معذرت خواہانہ انداز میں بولا۔

ژی لین ہنسا۔ "اِدھر دیکھو، زینگ ہوا... ہم دوستوں کے ساتھ ساتھ سینئر اور جونیئر وزیر بھی ہیں۔ ہم نے سرکاری اور نجی سطح پر اکٹھے کام کیا ہے... جانتے ہو کتنا عرصہ؟... بارہ سال تنگ؟ سو میں یہ کہوں گا کہ یہ تمہاری عادت ہے... بلکہ تمہاری کمزوری ہے۔ کیا خیال ہے؟"

"میری کوشش یہی ہوتی ہے کہ کوئی شے میری کمزوری نہ بننے پائے!"

"لیکن میرے پیارے زینگ ہوا! یہ سراسر بے وقوفی ہے۔ میں اس شخص پر کبھی اعتماد نہیں کرتا جس کی کوئی کمزوری نہ ہو۔ اسے تسلیم کر لو کہ یہ چھوٹی چھوٹی باتیں ہمیں بڑے نقصانات سے بچاتی ہیں!"

اس نے ایک سیاہ مہرہ اُٹھا کر تیان یوآن یعنی ان نو

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

میں سے ایک اہم ترین ستارے پر رکھ دیا جو میدان جنگ کو دو حصوں میں تقسیم کرتے تھے۔ یتیان یو آن' بورڈ کے عین وسط میں تھا۔ اس نئی چال سے کئی مہرے بند ہو گئے تھے جبکہ کئی چالیں سامنے آ گئی تھیں۔

یہ مہرہ چار گھر چل سکتا تھا اور دشمن کے کئی مہرے گھیرنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ زی لین نے سوچ سمجھ کر یہ چال چلنے کا فیصلہ کیا تھا۔

"اپنے مہروں کی خیر مناؤ' زینگ ہوا"

"آج صبح تمہارے دفتر میں ایک پیغام بھیجا گیا ہے"

زینگ ہوا نے اس نئے جملے پر توجہ نہیں دی۔ اس نے اپنا مہرہ اُٹھایا اور نئی چال کے لیے بورڈ کا جائزہ لینے لگا۔ دائیں اور بائیں اوپری جانب ہاؤ یان کی سائن فیلڈ نہ تھیں ایک نظر ڈالنے سے یہ مقامات بڑے پرکشش نظر آتے تھے لیکن زینگ ہوا جانتا تھا کہ یہ جال ہیں۔ یہ چال بھی زی لین کا ٹریڈ مارک تھی۔

"اس جملے کو صبح نو بجے تمہیں وزیراعظم نے ملاقات کے لیے طلب کیا ہے"

زی لین نے ہنکارا بھرا "بڑی خبر ہے... کیا طلبی کی کوئی وجہ بیان کی گئی ہے یا کسی شخص کے بارے میں بتایا گیا ہے۔ جو ملاقات پر موجود رہے گا؟"

"نہیں"

"مزید بڑا ہوا" زی لین نے بورڈ پر سے نظریں اُٹھائیں اس کی آنکھیں زینگ ہوا کی آنکھوں میں پیوست ہو رہی تھیں۔

"میرے دوست! مجھے یقین ہے کہ یہ طلبی دو پنگ کی تحریک پر ہوئی ہو گی"

"میرے خیال میں بھی یہی بات ہے"

زی لین نے بورڈ پر نظر دوڑائی "تم نے چال نہیں چلی"

زینگ ہوا اپنی نظریں سینٹر وزیر کے چہرے سے نہیں ہٹا سکا تھا "شی زی لین! میں خوفزدہ ہوں۔ اس شخص نے مجھے دہشت زدہ کر دیا ہے"

"میں سمجھ رہا ہوں" شی زی لین بولا "اور یہ اچھی بات ہے کہ دو پنگ نے تمہیں خوفزدہ کر دیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم اس کے ذریعے ہمیں ملنے والی دھمکی کی تہ تک پہنچ گئے ہو" وہ اعتماد سے مسکرایا "دہشت ایک انسانی جذبہ ہے۔ میرے دوست! تمہیں خوفزدہ ہونے کی بجائے اس کی قدر کرنی چاہیئے۔ جب تم اسے سمجھ جاؤ گے تو خود بھی اسے استعمال کرنے کی پوزیشن میں آ جاؤ گے"

"خوف مجھے مفلوج کر دیتا ہے"

"ابھی!" زی لین نے فلسفیانہ انداز میں کہا "ہم دونوں اصل خوف کی وجہ جانتے ہیں۔ اس وقت یہ بہت بڑا تھا۔ جب ہم نے ولادی وا شک اور مشرق بعید کی دوسری بندرگاہ پر میں روسی بحریہ اور فضائیہ کا مقابلہ کیا تھا... یہ دھمکیاں اور سائبیریا میں روسی فوجوں کی موجودگی دوسری جنگ عظیم کے بعد سے ہمارے سروں پر ہتھوڑے کی مانند برس رہی ہے"

زینگ ہوا کو بوڑھے وزیر کے لہجے میں جھنجھلاہٹ کی تپش محسوس ہو رہی تھی "لیکن اب یہ خوف مزید بڑھ گیا ہے۔ اس میں اور اضافہ ہو گیا ہے۔ گزشتہ تین سالوں کے دوران روس نے ہماری شمالی سرحدوں کے ساتھ پچاس ڈویژن فوج تعینات کی ہے جس میں سات ڈویژن آرمرڈ فوج ہے۔ مشرقی سائبیریا جہاں ہم واقعتہً کمزور ہیں میں روس نے ایک سو ٹی یو ۲۲۔ بمبار طیارے اور اینٹی ہتھیاروں سے لیس ایک سو بیاسی ایس ایس۔ ۲۰ موبائل میزائل نصب کیے ہیں۔ یہ بمبار طیارے جنہیں امریکی بیک فائر کہتے ہیں ایٹمی ہتھیار یعنی بم یا فضا سے زمین تک مار کرنے والے میزائل لے کر پانچ ہزار میل تک پرواز کر سکتے ہیں۔

"صرف یہی نہیں... امریکہ نے اپنے طور پر عقل مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے جنوب مشرقی ایشیائی علاقے کے لیے خلیج کیمرون اور دوانانگ میں بڑے بڑے ہوائی اڈے اور بحری... تنصیبات قائم کی تھیں۔ اب جبکہ وہ ویت نام خالی کر چکے ہیں، روس نے ان اڈوں پر قبضہ کر لیا ہے۔ اب سوویت حکومت ان اڈوں سے علاقے کو کنٹرول کر رہی ہے۔

"ایک وقت تھا کہ صرف امدادی طیارے وہاں سے پرواز کرتے تھے لیکن حال ہی میں ہم نے ان ہوائی اڈوں پر ٹی یو ۱۶ قسم کے بمبار طیارے کی تصویر بھی لی ہیں۔ ۱۹۸۱ء میں خلیج کیمرون سے ہونے والا تیل پٹرول گیارہ ہزار پانچ سو بحری گھنٹے تھا لیکن گزشتہ سال یہ بڑھ کر ستائیس ہزار بحری گھنٹے ہو گیا۔

اب روسی ہم پر شمال اور جنوب سے حملہ کر سکتے ہیں... انہوں نے چین کی چاروں جانب اپنی فوج لگا دی ہے۔ ہم ایک پھندے میں جکڑے جا چکے ہیں دوست!"

"اب ذرا اس خطرے کو عالمی سطح پر دیکھو۔ روسیوں نے آبنائے ملاکا میں اپنی بحری طاقت بڑھانی شروع کر دی ہے تاکہ وہ مشرق وسطیٰ کی لڑائی میں موثر کردار ادا کر سکے۔ تم جانتے ہو کہ جنوبی چین کو آنے والے تمام تیل بردار جہاز اسی آبنائے سے گزرتے ہیں۔ افغانستان میں موجود چھ جدید ترین اور تمام سہولتوں سے لیس ہوائی اڈوں سے پرواز کرنے والے جنگی طیارے دن کی مسافت میں وہ اپنے جنگی اور تباہ کن جہاز شمالی بحر ہند میں بھیجنے کے قابل ہو گئے ہیں۔ دیت نام میں بھی ان کی خاصی بڑی تعداد میں فوج موجود ہے۔ جس کا ایک عام سا اندازہ دس لاکھ لگایا گیا ہے"

زی لین نے وائی کی بورڈ پر اپنے ہاتھ پھیلائے۔

"چین کی گردن میں پڑا ہوا یہ پھندا ہماری توجہ چاہتا ہے۔ زینگ ہوا... موجودہ حالات کا جنرل انا تولی کے پھیلائے ہوئے جال سے موازنہ کرو تو دو پنگ نہایت غیر اہم دکھائی دے گا"

"میری خواہش ہے کہ میں تمہارا اعتماد حاصل کر لوں..."

زینگ ہوا بولا۔

"نہیں۔ زی لین کے ذہن میں سوچ اُبھری۔ نہیں نہیں سمجھتا کہ تم اس دباؤ کو برداشت کر پاؤ گے میرے دوست۔ ہر شخص اس جگہ بیٹھنا چاہتا ہے جہاں دو پہنچ نہیں سکتا۔ اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں۔ یہ انسانی فطرت ہے۔

درحقیقت زی لین اس بات پر حیران تھا کہ یہ نوجوان اس پر جس قدر اعتماد کر رہا ہے وہ اس کا اہل تھا۔ بھی یا نہیں اس نے اب تک خود پر ہونے والے تمام حملوں کا دفاع کیا تھا۔ وہ پرانے دنوں کا بچ جانے والا واحد جنگجو تھا۔ یہ سچ تھا کہ وہ اپنے ذہین سے ذہین دشمنوں پر قابو پانے کی صلاحیت رکھتا تھا لیکن یہ دو پنگ ان سب سے مختلف تھا۔ شاید اس لیے کہ دوسری نسل سے تعلق رکھتا تھا۔ شاید اس لیے جو چین کا مستقبل تھی۔

دو پنگ سے خوفزدہ ہونے کی ٹھوس وجوہات تھیں۔

شاید پورے بیجنگ میں وہ واحد شخص تھا جو ہانگ کانگ سازشوں کی دھجیاں بکھیر سکتا تھا۔

"تم دو پنگ سے اس قدر خوفزدہ کیوں ہو زینگ ہوا؟" شی زی لین نے پوچھا۔

"کیونکہ یہ وائی کی ہے۔ میں مات کھانے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا۔ کیونکہ میں زندہ رہنا چاہتا ہوں"

"تم غلطی پر ہو دوست" زی لین نے خاموش فیصلہ

صادر کیا... "اور ہم دونوں میں یہی فرق ہے۔ تم اس بورڈ سے آگے کچھ نہیں دیکھ سکتے اور نہ ہی زندگی کی حکمت عملی ترتیب دے سکتے ہو... اسی لیے تم ایک اچھے کھلاڑی ہو' لیکن جی آن یعنی جنرل نہیں ہو"

"لیکن ہماری پریشانی کی واحد وجہ جنرل کارپوف ہی نہیں ہے زینگ ہوا" ذرا سے توقف کے بعد زی لین گویا ہوا... "کارپوف کے پیچھے اور اوپر ایک دوسرا شخص ہے۔ اپنے انداز سے وہ ہمارے لیے بے حد خطرناک ہے... یوری اور خوف... یہ وہ شخص ہے جو زوسکس کی عالمی بالادستی کے قیام میں چین کی تباہی کو اہم ترین قرار دیتا ہے اگر ہم یوری اور خوف کو ختم کرنے میں ناکام رہے تو خود ختم ہو جائیں گے لیکن اس پر قاتلانہ حملہ نہایت احتیاط اور اس یقین سے ہونا چاہیئے کہ بچ نکلنے کا امکان صفر ہو"

زینگ ہوا نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے بھی اثبات میں سر ہلا دیا۔ وہ چاہتا تھا کہ جلد از جلد زی لین کی بات مکمل ہو جائے۔ تاکہ وائی کی، کا بورڈ مکمل ہو سکے۔

⁂

ٹائیگر ایک تنگ گلی میں سایوں کا تعاقب کر رہا تھا ماحول نسبتاً تاریک تھا کیونکہ آسمان پر گھنے بادل چھائے ہوئے تھے اور امکان تھا کہ ذرا سی دیر میں بارش ہو جائے گی۔

سائے آہٹوں میں بدلے اور پھر ان آہٹوں نے گنگناہٹوں کا روپ دھار لیا... ہنسی کی کھنکھناہٹیں سنائی دینے لگیں تب ہی اس نے لڑکی کا ہیولیٰ دیکھا... وہ ساحل کی طرف جا رہی تھی۔ ٹائیگر اس کے پیچھے پیچھے تھا۔ وہ چاہتا تو دو قدم بڑھا کر اُسے پکڑ سکتا تھا لیکن جانے کیوں اس تعاقب میں اُسے بے حد لطف آ رہا تھا۔

لڑکی ساحل پر پہنچی اور پھر فوری پر سوار ہو گئی۔ ٹائیگر نے بھی اس کی تقلید کی مگر وہ اُسے فوری طور پر دیکھنے میں ناکام رہا۔ ہجوم نے لڑکی کو اس کی نگاہوں سے اوجھل کیا تھا۔

ٹائیگر نے فیری چلنے کے باوجود اس کی تلاش ترک نہیں کی۔ جلد ہی وہ اُسے نوکے قریب دکھائی دی۔ اس کے لمبے بال ہوا میں اڑ رہے تھے۔ نرم و نازک پنکھڑیوں جیسے لب ادھ کھلے تھے۔ آنکھوں میں چمک تھی۔ سیدھے ہلکے سے تموج کا شکار تھا۔ اس کا انداز دلربائی دیکھ کر ٹائیگر بے قابو ہوا جا رہا تھا۔

اس کے بھورے بازو برہنہ تھے۔ وہ ڈھیلے ڈھالے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

انداز میں کھڑی تھی لیکن کمر میں چبھنے والی ریلنگ نے اس کے بدن کو کمان کر رکھا تھا۔

اس کی جھیل سی گہری آنکھیں خواہشوں سے لبالب بھری ہوئی تھیں۔

ٹائیگر کے ذہن پر میرینا چھائی ہوئی تھی۔ وہ آگے بڑھا ساتھ ہی اس کے ہونٹ کھلے اور میرینا کا نام دھیرے دھیرے ان پر مچلنے لگا۔

اس نے میرینا کو یوں کھینچ کر گلے سے لگایا جیسے صدیوں سے اُسے صرف دیکھتا رہا ہو اور خود میں پیوست کرنے کی آرزو آج ہی پوری ہوئی ہو۔ میرینا کے بدن کی گرمی سے وہ بھی جیل اُٹھا۔ ٹائیگر کے ہونٹوں تلے اس کا بھی مُنہ کھل گیا... لب وا ہو گئے... نرم و ملائم اور گرم...

وہ بے قراری سے اس کا نام دُہرانے لگا۔ بلند آواز میں جیسے وہ کہیں کھو گئی ہو...

"بلس...!"

اچانک وہ لیٹر مدا اُٹھ بیٹھا اور یوں لمبے لمبے سانس لینے لگا جیسے کسی مچھلی کو ساحل پر پھینک دیا گیا ہو۔

نظر سب سے پہلے اسی کے چہرے پر پڑی تھی۔

"بلس!"

"ہاں جیک!"

"جیک!" ٹائیگر نے حیرت سے دُہرایا۔ "یہ... کک... کک...!" اچانک ہی اُسے یاد آ گیا اور اس نے ہونٹ سختی سے بھینچ لیے۔ بے ہوشی اور نیم بے ہوشی نے اس کی ذہنی صلاحیتیں سلب کر لی تھیں۔

"سب ٹھیک ہے جیک" بلس دوبارہ بولی "میں تمہارے پاس ہی تو ہوں۔"

وہ تولیہ لے کر اس کے قریب آ گئی جب اس نے ماتھے پر آ جانے والا پسینہ صاف کیا تو ٹائیگر حیرت سے اُسے تکنے لگا۔ وہ یوں اس کا خیال رکھ رہی تھی جیسے بچپن سے یہی کرتی چلی ہو...

وہ یورپین تھی اگر اس کا چہرہ بغاوت نہ کرتا اور جسم کی اٹھان چغلی نہ کھاتی تو چینی ہی لگتی۔ اس کے لمبے بال نفاست سے سر کے پیچھے بندھے ہوئے تھے۔ اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں ہیروں کی دمک تھی۔ رخسار بھرے بھرے ہونٹ پتلے اور حسیاتی تھے...

"کیا میں تھوڑا سا پانی پی سکتا ہوں؟" ٹائیگر نے توجہ بانٹنے کے لیے پوچھا۔

وہ جواب دیے بغیر پلٹی اور تھرموکس سے پانی انڈیل لائی۔ ٹائیگر نے اپنی ہتھیلی اپنے رُخسار پر رکھ لی تاکہ بدن کی تپش کا اندازہ لگا سکے۔ بلس نے اپنی حرامی دار مردن آگے بڑھا دی تاکہ وہ جسموں کی گرمی کا فرق دیکھ لے۔

اس نے ہلکے سبز رنگ کا بغیر بازوؤں والا بلاؤز نہ پہن رکھا تھا۔ شانوں کی درمیانی جلد نہایت سلائم تھی۔ اس کی پتلی کمر نیلے رنگ کی چمڑے کی بیلٹ میں کسی ہوئی تھی۔ سبز رنگ کا لینن کا اسکرٹ صاف ستھرا دکھائی دے رہا تھا۔

بلس نے گلاس ٹائیگر کے ہونٹوں سے لگانا چاہا لیکن اس نے گلاس خود لیا اور چند گھونٹ پانی پینے کے بعد واپس تھما دیا۔

"آج کیا دن ہے؟" اس نے پوچھا۔

"جمعرات" وہ بولی۔ اس نے مگر کو ذرا سا خم دے کر اک ادا سے اُسے دیکھا "اب تو تم پہلے سے بہتر دکھائی دے رہے ہو"

"کس سے بہتر دکھائی دے رہا ہوں؟"

وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔ اس کے موتیوں جیسے دانت صاف دکھائی دینے لگے "کل سے"

"میں یہاں سے جلد نکلنا چاہتا ہوں"

"کیا تم بھوکے ہو؟"

"اگر تم میرے ذرا سے قریب ہوتیں تو میں تمہیں کھا گیا ہوتا"

بلس گلال ہو گئی۔ ٹائیگر نے اس کا گلابی پن دیکھا تو اُسے احساس ہوا کہ بے دھیانی میں وہ بہت ہی ذومعنی جملہ کہہ گیا ہے۔

"ہم... میرا یہ مطلب نہ تھا"

بلس نے اسے ایسی نظروں سے دیکھا جیسے کہہ رہی ہو کہ میں اسی مطلب کو پسند کرتی ہوں۔

"میرے خیال میں تمہیں ٹھوس غذا لینی چاہیئے" اس نے نرس کو بُلانے کے لیے گھنٹی کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

"کیا تم نے اپنی جون بدل لی ہے؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

بلس کا بڑھا ہوا ہاتھ رک گیا "کیا مطلب؟" وہ آنکھیں پٹپٹا کر بولی۔

"کیا تم ٹھوس نہیں رہ گئیں؟"

"پہلے ٹھیک ہو جاؤ، پھر فیصلہ کر لینا" اس نے نظریں نیچی کر کے بات اور رُخ بدل لیا۔

ٹائیگر نے طویل سانس لے کر نظریں چھت پر گاڑ دیں ان چار دیواروں کے اندر وہ خود کو قیدی محسوس کرنے لگا تھا۔ سارے واقعات کسی فلم کی مانند اس کی نگاہوں کے سامنے گھومنے لگے۔

اُسے جیک میروک یاد آ گیا جس کا بھیس اس نے گزشتہ چھ سات ماہ سے بدل رکھا تھا۔ اس نے جب سے لوگوں کی زبان سے دریائے سم چون کا نام سُنا تھا۔ وہ کہتے تھے کہ جیک دریائے سم چون سے واپس آنے کے بعد بدل گیا ہے۔ وہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ یہ کیا بلا ہے؟ وہاں جیک پر کیا بیتی تھی؟

وہ جب میرینا سے پہلی بار ملا تو وہ یہی سمجھی کہ دریائے سم چون سے اس کی واپسی ابھی ہوئی ہے۔ وہ کہتی تھی تم بدل گئے ہو۔ اس نے ٹائیگر کو جیک میروک کی حیثیت سے قبول کر لیا تھا لیکن بیوی کی حیثیت سے دُور ہو گئی تھی۔ اس عرصے میں دونوں نے جذباتی انداز میں ایک دوسرے کو چھُوا تک نہ تھا۔ ہر رات وہ اس سے یہی سوال کرتی تھی "یہ کیا ہے جیک...؟ خمال میں تم پر کیا بیتی؟ مجھے بتاؤ، شاید میں تمہاری کوئی مدد کر سکوں۔"

اس کے پاس میرینا کے سوال کا کوئی جواب نہیں تھا۔ اب وہ اس سے دُور چلی گئی تھی۔

شاید اس دُوری کی وجہ دریائے سم چون ہی ہو؟ یا ڈچ مین ہو؟

وہ جاننا چاہتا تھا کہ میرینا کہاں ہے؟ اُسے کیا ہوا تھا؟ ٹوکیو میں کیا اُسے اس کی منتظر تھی؟ تو شی ماکو یا دہنرو ہاؤس سے اس کا کیا تعلق تھا؟

وہاں کون اس کا منتظر تھا؟ ڈچ مین؟

❋

تاریکی نے اُسے کسی اژدہے کی مانند اپنی گرفت میں لے رکھا تھا۔ بغیر کسی کھڑکی کے کمرے میں وہ خود کو اندھا محسوس کر رہی تھی۔ اس کی آنکھیں اور سانس جیسے کسی بوجھ تلے دبا ہوا تھا۔ کچھ وقت کے لیے اُسے سانس لینے میں بھی دقت ہوتی تھی۔ اُس وقت جب اس کی پریشانی عروج پر تھی۔ تب اس پر ہیجان تراشی کی گئی تھی۔

مگر پھر وہ آہستہ آہستہ پُرسکون ہوتی گئی تھی۔ شاید اس نے بوگا شروع کر دی تھی۔ یہ ورزش سے جیک نے شادی کے فوراً بعد سکھائی تھی۔ وہ چوبی کرسی سے اُٹھ کر سنگی فرش پر بیٹھ گئی اور سانس روکنے کی مشق کرنے لگی۔

اُسے جیک کی ہدایات اپنے کانوں میں گونجتی محسوس ہونے لگیں۔ ذرا سی دیر میں وہ تمام پریشانیوں سے نجات حاصل کر چکی تھی۔

خوف و دہشت کا خاتمہ ہوا تو اس کی سوچیں بھی آئینے کی مانند شفاف ہو گئیں۔ اُسے خوفناک شور یاد آیا... اپنی تاریک دُنیا کی دیواروں کے ساتھ ہونے والے دھماکے ذہن میں گونجنے لگے... تب ہی اُسے فرش میں تھرتھراہٹ محسوس ہوئی... وہ حیران تھی کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟

اُسے توقع تھی کہ وہ سب باتوں کی وضاحت کرنے واپس آئے گا... لیکن کچھ بھی نہیں ہوا تھا... خاموشی... تاریکی... اور ان سے بڑھ کر خوف و دہشت... یوں لگ رہا تھا جیسے اُسے زندہ دفن کر دیا گیا ہو۔

وہ میرے شوہر کا دُشمن ہے" اس نے سوچا "پھر میں نے اس پر اعتماد کیوں کیا؟ مگر وہ اس سوال کا جواب جانتی تھی... عجیب سی بات تھی... مگر اس نے ایک بہت ہی خوفناک مثال کے ذریعے اپنی سچائی ثابت کر دی تھی۔

اور اسی ایک لمحے میں اس نے پوری دُنیا کو بدل کر رکھ دیا تھا۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ اس کے دشمن کون تھے؟ جیک کہاں تھا؟ وہ اس کے ساتھ کیا کر رہے تھے؟

اُسے اپنے ایک ماہ پہلے کے سلوک پر اب حیرت ہو رہی تھی۔ وہ کس تیز رفتاری سے ایک دوسرے سے دُور ہو گئے تھے... اس نے اپنے گرد ایک خول سا بنا لیا تھا... ایک ایسا خول جس پر محبت و نفرت سمیت کوئی شے اثر انداز نہیں ہوتی تھی تب وہ سمجھی تھی کہ اُسے جیک سے نفرت ہو گئی ہے۔

مگر اب جبکہ وہ ایک بہت بڑے خطرے سے دوچار ہوئی تو اندازہ ہوا کہ وہ اب بھی اس سے محبت کرتی ہے۔ خمال میں اس کے ساتھ جو بھی ہوا تھا۔ وہ اس قدر نہیں بدلا تھا کہ اس سے نفرت شروع کر دی جاتی۔

"جیک! کہاں ہو تم؟" اس نے تاریکی میں سرگوشی کی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ اس سے لاکھوں میل دُور ہے۔ اس نے اپنے لباس کا کنارا اُٹھایا اور شمیض کے کھیر میں انگلیاں ڈال کر کوئی

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

شے اپنی ہتھیلی پر اُلٹ لی۔

اس کے بدن کی گرمی سے ہیرا ابھی گرم ہو رہا تھا۔

"جیک!" وہ ہتھیلی کو ہیرے کے گرد بند کرتے ہوئے بولی۔ وہ جانتی تھی کہ یہ ہیرا جیک کے لیے کس قدر اہم ہے مجھے اسے لانے کو کہا گیا تھا؟ اس نے خود سے پوچھا۔ اس کی اہمیت کیا ہے؟ اس کے دشمن اس ہیرے کو کیوں کر حاصل کرنا چاہتے تھے؟

اس کے پاس ان سوالوں کا کوئی جواب نہیں تھا بلکہ ذہن میں اُبھرنے والے سوالوں کی تعداد بڑھتی جا رہی تھی۔

وہ میری تلاش میں کب آئے گا؟ میرینا حیران ہو رہی تھی۔ وہ اپنے وعدے کے مطابق کب میرے سوالوں کے جواب دے گا؟

ڈچ مین کہاں تھا؟

جنرل زدیا الیگزینڈر دناوا کتا اپنے آخری کاغذات پتلے سے بریف کیس میں رکھ رہی تھی کہ دفتر کے دروازے پر ہلکی سی دستک سنائی دی۔ جنرل کا دفتر ۲ زرزنسکی اسکوائر پر واقع کے جی بی ہیڈ کوارٹر ز کی سا لخوردہ، بڑی اور گندی سی عمارت کی پانچویں منزل پر واقع تھا۔

اس کے خیال میں دفتر اس کی حیثیت سے کہیں کم تر تھا۔ یہ دفتر سے زیادہ دس ضرب بارہ فٹ کی ایک کھولی تھی جس کی دو بڑی بڑی کھڑکیاں اس چوک میں کھلتی تھیں جہاں سے فیلکس زرزنسکی کا پیتل کا بنا ہوا مجسمہ صاف دکھائی دیتا تھا۔

یہ وہ شخص تھا جو سوویت تاریخ کا ہیرو رہا۔ ۱۹۱۷ء میں سوویت سوشلسٹ انقلاب کے بعد اس نے سوویت سیکرٹ پولیس کی بنیاد رکھی اور اسی کو اس کا پہلا سربراہ بنایا گیا۔ اس چوک کا نام اسی کی نسبت سے رکھا گیا تھا۔

جنرل زدیا کا دفتر سوویت یونین میں طاقت ور ترین ہیومن کریسس کے دوسرے اعلیٰ ترین افسران جیسا تھا۔ چھوٹا، تاریک پراسرار اور اس فرنیچر سے آراستہ جو رومانیہ یا چیکوسلواکیہ میں ہی بنتا تھا۔ چھت نیچی اور رنگ روغن سے محروم تھی۔ جا بجا رنگین دھبے پڑے ہوئے تھے۔ جب کبھی یہاں کوئی طویل اجلاس یا تفتیشی سیشن ہوتا یا حکمت عملی ترتیب دی جا رہی ہوتی تو یہ چھوٹا سا دفتر سگار اور سگریٹ کے دھوئیں سے بھر جاتا۔ گزشتہ نو ماہ سے وہ مختلف ذرائع سے نئے وزیر کی فراہمی کی درخواستیں کر چکی تھی۔ اس کا وعدہ عزیز رہا تھا لیکن بھجوایا نہیں گیا۔ اب بھی گھڑی کے معمول کی مانند ہر ماہ کے آغاز پر وہ اپنی درخواست بھیجتی تھی۔

زدیا دناکوتا نے سیاہ تمباکو والا اپنا سگریٹ میز پر رکھی بدصورت و بدہیئت ایش ٹرے میں بجھایا اور دروازے کی طرف متوجہ ہو گئی۔

"یس!" زدیا بولی اور دروازے کا پٹ اندر کو کھل گیا۔

ایک باوردی کوریئر اس کی میز کی طرف بڑھا۔ اس کے ہاتھوں میں چمڑے کا چھوٹا سا بریف کیس تھا۔

"یہ ابھی ابھی آپ کے لیے آیا ہے کامریڈ جنرل!" اس نے ادب سے کہا اور اپنی نگاہیں جنرل کے سر سے ذرا اوپر دیوار پر جما دیں۔

جنرل زدیا نے وصولی کے دستخط کیے۔ بریف کیس کھولنے کی غرض سے اپنی بیلٹ میں لگی زنجیر سے منسلک چابی استعمال کرنے کے لیے وہ اس وقت تک منتظر رہی جب تک کوریئر باہر نہیں چلا گیا۔ اندر سے سخت کاغذ کی چار شیٹیں برآمد ہوئیں۔ جن پر عجیب و غریب تحریر تھی۔ دراصل یہ ایک خفیہ تحریر تھی۔ جسے زدیا نے چند سال پہلے اس وقت ایجاد کیا تھا جب وہ ایجنٹ میسرز مروس کے لیے نئی نئی کام کرنے آئی تھی۔ اس وقت یہ اس کا شوق تھا مگر اب ضرورت تھی۔

زدیا کے دل کی دھڑکن بڑھ گئی۔ یہ "میڈیا" کی تازہ ترین رپورٹ تھی جس کی وہ بے تابی سے منتظر تھی۔ اس کا جوش حد سے سوا ہونے لگا۔

دروازہ ایک بار پھر کھلا۔ کمرے کا سلگتا پن کچھ اور بڑھ گیا۔ "گڈ مارننگ، کامریڈ جنرل" الفاظ چبا چبا کر ادا کیے گئے تھے۔ زدیا نے اپنے پیٹ میں اُٹھنے والی مروڑ کو نہ سے بے پروا ہو کر ہونٹوں پر مسکراہٹ سجائی اور پرجوش انداز میں خیر مقدمی جملے ادا کیے۔

اناتولی کارپوف دروازے سے اندر آ گیا۔ ایک لمحے کے لیے اس کے عظیم جثے نے پیچھے آنے والے کو چھپا لیا تھا لیکن پھر دوسرا طویل قامت شخص سامنے آ گیا۔

زدیا نے احتیاط کے ساتھ اپنا ہاتھ چاروں کاغذات پر رکھ لیا۔ فرسٹ چیف ڈائریکوریٹ کا سربراہ جنرل کارپوف ننگے فرش پر بے آواز چلتا ہوا زدیا کی میز کے سامنے رکھی واحد چوبی کرسی پر آ بیٹھا۔ وہ طویل قامت نہیں تھا مگر فاصلے رکھتے

ہوئے قد کا مالک تھا۔ باسٹھ سال کی عمر میں بھی اس کے قویٰ بے حد مضبوط تھے۔

کارپوف کے سخت اور کھڑے بال اب بھی سیاہ تھے۔ زدیا جانتی تھی کہ یہ ہمیشہ سیاہ رہیں گے کیونکہ وہ ہر پندرہ دن بعد بڑی باقاعدگی سے انہیں رنگتا تھا۔ اس کی بھوری آنکھیں بے حد سفاک تھیں لیکن جب وہ مسکراتا تو نرم پڑ جاتیں۔ زدیا آنکھوں کی اس تبدیلی کا ہمیشہ غیر مقدم کرتی تھی۔

جنرل کارپوف نے گہرے نیلے رنگ کا سوٹ پہن رکھا تھا۔ بائیں جانب وہ فوجی اعزازات تھے جو وہ حاصل کر چکا تھا۔ زدیا کو یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ اس کی ٹائی پر بیل کے سر کی شبیہ والی وہی پن لگی ہوئی تھی جو اس نے گزشتہ ہفتے ہی سالگرہ پر اُسے تحفے میں دی تھی۔

زدیا کی بے چین نگاہیں کارپوف کے ساتھی پر مرتکز ہوئیں تو کارپوف بولا۔ "تم کامریڈ بوری در خوف کو جانتی ہو گی۔"

"میں نے ان کے بارے میں سُنا ہے!" زدیا کا لہجہ بے حد محتاط تھا۔ در خوف پولٹ بیورو اور سنٹرل کمیٹی کا ممبر تھا جنہیں سوویت عمران ڈھانچے میں نہایت اعلیٰ مقام حاصل تھا۔

زدیا اپنے باس کو اچھی طرح جانتی تھی۔ اُسے علم تھا کہ اسکورنگ روڈ کے ساتھ فرسٹ چیف ڈائریکٹوریٹ کے شیشے اور اسٹیل کے جدید ترین ہیڈ کوارٹر سے اس کی یہاں صدیوں دھند تھی۔ ماہتابی شکل کی عمارت کے ٹاپ فلور پر بنے ہوئے مُجرّد تکلف دفتر کو زدیا اپنے گرد آلود اور چھوٹے سے دفتر کی نسبت زیادہ بہتر انداز میں پہچانتی تھی۔

کارپوف کا در خوف کو زرزنسکی اسکوائر لانا بے حد اہم تھا۔ طاقت و قوت خود چل کر اُس کے دروازے تک آ پہنچی تھی۔

کارپوف نے نہایت اطمینان کے ساتھ ایک طمانچہ اُسے اپنا سگار سُلگایا۔ یہ عیاشی نہ تھی۔ زدیا اتنا عرصہ یوف کے ساتھ رہی تھی کہ سب باتوں کے بارے میں جانتی تھی۔

۱۹۵۶ء میں ہنگری میں کارپوف اور یوری در آمد دیوف بڑا آرمی فورسز کی کمان کی تھی۔ زدیا کو پتا چلا تھا کہ اس دوران اسطہ بڑی خوفناک صورت حال سے پڑا تھا۔

اس صورت حال کا بہادری سے مقابلہ کرنے پر دونوں ں نے تمغائف کا تبادلہ کیا۔ اب جب بھی کارپوف لائبریری سے آندر دیوف یاد آ جاتا تھا۔

کارپوف نے ایک طویل کش لیا اور چند ثانیے دھوئیں کے مرغولے چھوڑتا رہا۔

"میں کامریڈ در خوف کو اس لیے یہاں لایا ہوں!" بالآخر کارپوف کے ہونٹوں کو جنبش ہوئی۔ کیونکہ انہیں ڈپارٹمنٹ ایس کے تحت تکمیل پانے والے بعض معاملات سے خاصی دلچسپی ہے۔" زدیا جانتی تھی کہ اس کا اشارہ کے جی بی آر ایکسٹرنیز سروس، کے معاملات کی طرف تھا جس کی وہ انچارج تھی۔ لیکن کے جی بی آر کے متعلق اس دفتر کی موٹی دیواروں کے اندر باہر کبھی کوئی بات بلند آواز سے نہیں کی گئی تھی جس کے باعث کارپوف کے کہے ہوئے جملے کی اہمیت کا اندازہ ہوتا تھا۔

"خصوصاً ڈچ مین؟" در خوف نے پہلی بار زبان کھولی...

زدیا نے اس کے انداز پر خصوصی توجہ دی تھی۔ اُسے آوازوں سے شخصیت کا اندازہ لگانے کی تربیت دی گئی تھی۔

در خوف دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ اُس کے سر کے عین اُوپر لینن کا پورٹریٹ لٹک رہا تھا۔ اس نے گہرے نیلے رنگ کا سوٹ پہن رکھا تھا جس سے کارپوف کی شخصیت اور لباس مقابلتاً دب گیا تھا۔

زدیا نے اس کے چہرے کا جائزہ لیا۔ وہ لمبوترا تھا۔ عمر پچپن سے زیادہ نہیں تھی۔ ہونٹوں کے اوپر پتلی مونچھیں تھیں۔ آنکھیں سیاہ اور جبڑے اُبھرے ہوئے تھے۔ اس کے ایک رخسار پر تل تھا جس نے اس کی شخصیت کو بے حد خوبصورت بنا دیا تھا۔

"ڈچ مین براہ راست جنرل زدیا کا ماتحت تھا!" کارپوف محتاط لہجے میں بولا۔ وہ اس سہ فریقی بات چیت میں خود کو سربلند رکھنا چاہتا تھا۔ "یہ میری ہی تجویز تھی کہ ہم اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے کسی بھیڑیے نما دہشت گرد کو بھرتی کریں!" زدیا نے اُسے گہری نگاہوں سے دیکھا لیکن وہ بولتا رہا۔ "ڈچ مین بلغاریوں سے زیادہ اہم اور عربوں سے زیادہ قابل اعتماد رہے گا۔"

زدیا نے بدہیئت ایش ٹرے اس کی طرف کھسکائی۔ "ہم نے اس کی مدد سے مختصر ترین مدت میں بے پناہ کامیابیاں حاصل کی ہیں۔" وہ اپنی رسیلی اور گنگناتی آواز میں بولی۔ "تھانا چاؤ! انگولا... لبنان... شام... بھر... نکارا گوا... گوئٹے مالا! ان تمام ممالک میں وہ بے حد کامیاب رہا ہے۔ معاملہ انقلاب کا ہو یا قتل کا... ڈچ مین نے کبھی شکست نہیں

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کھائی۔ اسی لیے۔۔!"

"میں جانتا ہوں۔۔!" درخوف نے قطع کلامی کی۔ "جنرل زویا" پر ریڈ بیم کو جو رپورٹس ارسال کرتی ہے۔ وہ میری نظر سے بھی گزرتی ہیں۔ ہمیں اس بات کی بے حد خوشی ہے کہ تمہارے ایک ساتھی نے ہمارا وقار بلند کیا ہے۔"

زویا نے جنرل کارپوف کے چہرے کے تاثرات میں ہلکی سی تبدیلی محسوس کی۔ وہ جانتی تھی کہ اگر پولٹ بیورو رسمی طور پر اسے مبارکباد دینا چاہے گا تو جنرل کارپوف دونوں کے درمیان حائل ہو کر اس کی کامیابیاں اپنے کھاتے میں ڈالنے کی کوشش کرے گا۔ شاید کارپوف کو بھی احساس ہو گیا ہو کہ درخوف کو زویا کے دفتر تک لانا اس کے لیے اچھا شگون نہیں۔

"بہتیرے بوکا مریڈ۔" وہ مسکرائی۔ "میری تمام تر صلاحیتیں اپنے ملک اور کے جی بی کے لیے وقف ہیں۔"

کارپوف نے اپنے سگار کے آخری کونے پر جمع ہونے والی راکھ کا جائزہ لیا۔ "مجھے تمہارے جذبوں پر فخر ہے۔"

"تمہارا ایجنٹ۔" درخوف بولا۔ "گزشتہ ہفتے ایک حملے میں ہلاک ہونے سے بال بال بچ گیا ہے۔۔۔ اپنی ہی دھرتی پر۔۔۔ یہ خاصی پریشان کن صورت حال ہے۔" اس نے دائیں ہاتھ کی درمیانی انگلی اپنی باریک مونچھوں پر پھیری۔ "خصوصاً جب سے یہ جیک میروک منظر عام پر۔۔۔!"

"یہ جیک میروک کون ہے، کامریڈ جنرل؟" کارپوف نے درخوف کا جملہ کاٹتے ہوئے کہا۔

"جس شخص نے ٹوکیو میں ڈچ مین پر حملہ کیا تھا وہ جیک میروک تھیں۔۔" زویا بولی۔

"کیا مطلب؟" درخوف چونکا۔

"یہ حقیقت ہے کامریڈ درخوف۔" زویا نے جواب دیا۔ "حملہ آور ڈچ مین کا ایک پرانا حریف ہے۔ اس کا اصل نام شہزاد ہے، لیکن دنیا بھر میں اسے ٹائیگر کے نام سے پہچانا جاتا ہے۔ یہ اس سے پہلے بھی ڈچ مین اور کے جی بی کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا چکا ہے۔"

"کیا اس شہزاد ٹائیگر کا تعلق سی آئی اے سے ہے؟" اب بھی درخوف ہی بولا تھا۔

"نہیں۔" زویا نے نفی میں سر ہلایا۔ "ٹائیگر، جیسا کہ گرنامی ایک خفیہ تنظیم کے لیے کام کرتا ہے جس کا ہیڈ کوارٹر نیویارک کے نواح میں واقع ہے۔ ڈاکٹر بہرام نامی شخص اس کا چیف ڈائریکٹر ہے جبکہ ایک بوڑھا، اوشان۔۔ ٹائیگر کا استاد ہے۔۔ ایک لڑکی رُوبی۔۔۔"

"چار گروپ۔۔۔ نیویارک۔۔۔ امریکہ۔۔۔" درخوف نے جملہ کاٹا۔ "لیکن جتنے نام تم نے لیے ہیں کامریڈ جنرل! ان میں سے ایک نام بھی امریکی نہیں۔"

"جی ہاں۔" زویا نے سر کو اثباتی جنبش دی۔ "ٹائیگر، بہرام اور رُوبی۔۔ فردوس کے رہنے والے ہیں جبکہ اوشان شمالی کوریا کا باشندہ اور رسا نجونامی ریاست کا ماسٹر ہے۔"

"تو یہ لوگ امریکہ میں کیا کرتے پھر رہے ہیں؟"

"امریکی حکومت کے ساتھ ان کا ایک خصوصی معاہدہ ہے۔" زویا نے کہا اور پھر پوری درخوف کو چار گرینی ٹوریم اور اس میں کام کرنے والوں کے پس منظر سے آگاہ کرنے لگی۔

"تب تو یہ ٹائیگر نامی شخص بے حد خطرناک ہے۔" درخوف نے اختتام پر اپنی رائے ظاہر کی۔ "بھلا ہوا سے تیز رفتار بھی کوئی ہو گا۔۔۔ موت کا ہرکارہ۔۔!"

"لیکن ڈچ مین نے اس بار اس کے پانچ ساتھیوں کو ہلاک کر دیا ہے۔" زویا بولی۔

"ٹائیگر تو زندہ ہے نا؟" درخوف کا لہجہ سخت تھا۔ زویا کے کان کھڑے ہو گئے۔ وہ جاننا چاہتی تھی کہ لہجے کی اس سختی کا مطلب کیا ہے؟

"ٹائیگر بھی اس حملے میں شدید زخمی ہوا ہے۔" جنرل کارپوف نے زویا کو سہارا دیا۔

"لیکن ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔" درخوف بولا۔ "اگر ڈچ مین پر حملہ کرنے والا ٹائیگر تھا تو پولیس میں اس کا نام جیک میروک کیوں ہے؟ کیا یہ اس کا فرضی نام ہے۔۔؟ یا تم لوگ اسے اسی نام سے پہچانتے ہو؟"

"یہ درست ہے کہ ہم آخر تک اسے جیک میروک ہی سمجھتے رہے۔" زویا نے اعتراف کیا۔ "لیکن ہمیں بعد میں پتا چلا کہ ٹائیگر نے کس طرح جیک میروک کی جگہ لی ہے۔"

"اصل جیک میروک کہاں ہے؟"

"میں نہایت شرمندگی سے یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ ہم اس کا پتا چلانے میں ناکام رہے ہیں۔" زویا نے کہا۔ "ممکن ہے وہ اب اس دنیا میں نہ ہو۔"

"تو کیا ڈچ مین بھی اسے پہچاننے میں ناکام رہے ہیں؟" درخوف نے پوچھا۔

"نہیں۔۔۔ وہ جیک کو ٹائیگر کی حیثیت سے شناخت کر چکا ہے۔۔۔ لیکن اس کے پاس اس امر کا کوئی ثبوت نہیں۔۔۔ صرف ایک خبوت ہے جو فی الوقت ٹائیگر کے پاس ہی ہے۔۔۔ اس نے اتنا زبردست بہروپ بھرا ہے کہ جیک میروک کی بیوی میرینا بھی اُسے کسی اجنبی کی حیثیت سے شناخت نہیں کر پائی۔"

"بہرحال!" درخوف کا انداز بحث ختم کرنے والا تھا۔ "تمہارے اس ڈچ مین کے سابقہ ریکارڈ کو دیکھتے ہوئے مجھے یہ بات ہضم نہیں ہو رہی کہ آخر ٹائیگر اور اس کی ٹیم۔۔۔ جاپان میں یعنی ڈچ مین کے آبائی وطن میں اس کے اتنا قریب کیسے پہنچ گئی؟"

زویا کو درخوف کی نگاہیں اپنے بدن میں سوئیوں کی طرح چبھتی محسوس ہو رہی تھیں۔ اس نے کارپوف کی طرف دیکھا لیکن وہاں بھی ایک اجنبی سا تاثر تھا۔۔۔ ایسا تاثر جس کا تعلق کم از کم اس کمرے سے نہ تھا۔۔۔ ان کے پیشے سے نہ تھا۔ وہاں ایک لگاوٹ چھپی ہوئی تھی۔ زویا اس لگاوٹ کو فی الوقت خود پر حاوی نہ کرنا چاہتی تھی۔ وہ خواہش مند تھی کہ اس لگاوٹ کا جواب اپنی کسی آئندہ ملاقات پر دے۔

"میرا خیال ہے۔" درخوف مسلسل بول رہا تھا۔ "وہ جیک نامی زویا کو گھور رہا تھا جس کی وجہ سے وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو گئی کہ کہیں درخوف نے کانٹیکٹ لینس تو نہیں پہن رکھے۔ "تمہارے اس ڈچ مین کو بعض آزمائشوں سے گزرنا ہو گا۔"

زویا احتجاج کرنا چاہتی تھی لیکن اچانک ہی اُسے کارپوف کا ایک اقتباس یاد آ گیا۔ اس نے اپنے حلق میں ہی الفاظ کا گلا گھونٹ دیا۔ "آپ کس قسم کی آزمائشیں تجویز کریں گے؟" اس نے دریافت کیا۔

درخوف دیوار چھوڑ کر آگے آ گیا۔ "یہ کام تمہارا ہو گا کامریڈ۔" وہ نرمی سے بولا۔ "اس کے گرد اپنے ایجنٹ اکٹھے کر دو۔ وہ اس کے قریب رہ کر اس کی عادات کا مطالعہ کریں۔۔۔ اگر ضروری سمجھو تو اس کی آڈیو اور ویڈیو ٹیپ بنوا دو۔ میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ وہ اب بھی قتل کرنے میں یکتا ہے یا نہیں۔۔۔ تب تم احکامات دو گی۔۔۔ ڈچ مین، ٹائیگر کا پتا صاف کر دو۔"

⁂

تھری اوتھ سن۔۔۔ ریفنگ کے ساتھ مچھکا ابرڈین کی بندرگاہ سے کیپ جنوبی چین کے پانیوں کا نظارہ کر رہا تھا۔ موسم قدرے خراب تھا لیکن وہ اس سلسلے میں کسی پریشانی کا شکار نہیں تھا۔

اس نے بائیں ہاتھ میں چاول سے بنا ہوا ایک نفیس کاغذ تھام رکھا تھا جسے چار بار تہہ کیا گیا تھا۔ تمام تر احتیاط کے باوجود اس کاغذ کا رنگ تخلیق کار سے وصول کنندہ تک آتے آتے پیلا پڑ گیا تھا۔

کاغذ پر ہاکا کی طرز پر پانچ عمودی لائنوں کی خطاطی کی گئی تھی۔ تھری اوتھ سن نے غائب دماغی سے مٹھی کو بھینچا تو ہاتھ میں دبا ہوا کاغذ چُور چُور ہو کر رہ گیا۔ اس کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی اور خون جیسے نکٹینوں کو ٹھوکریں مارنے لگا۔

اژدہے کا دل۔۔۔ وہ اسے یہی کہتے تھے۔ ان کے لیے اس کا خصوصی مطلب تھا جس کی گہرائی تک ان کے دائرہ اختیار سے باہر کا کوئی شخص نہیں پہنچ سکتا تھا۔

تو یہ شروع ہو گیا ہے، اس نے سوچا۔۔۔ لیکن شاید اس میں تاخیر ہو گئی ہے۔

اژدہے کا دل۔۔۔ خفیہ خطاطی اسی جانب اشارہ کرتی ہے۔ اس نے تھری اوتھ سن کی ہمت بڑھائی تھی اور اسی باعث اس نے نبرون سن کو خوفناک سنگ کو مُلا نے بھیجا تھا۔۔۔ پر دو ٹوکوں کا تقاضا تھا کہ خوفناک سنگ کو اس قسم کا اعزاز دیا جائے۔

بندرگاہ میں جلنے والی روشنیاں تھری اوتھ سن پر اثر انداز نہیں ہو رہی تھیں بلکہ اس کی سوچیں اس حلف کی اہمیت پر مرتکز ہو گئی تھیں جو عرصہ دراز پہلے اس نے اٹھایا تھا۔

اژدہے کا دل۔۔۔ اس کی طلبی کا حتمی مرحلہ اس وقت شروع ہوا جب نمبر ٹو سُن سمندر پار آیا اور چاول کے کاغذ کا پیغام سُرخ لاکھ سے ایک دھاتی ٹیوب میں بند کیا گیا۔۔۔ یا شاید اس وقت جب یہ پیغام پہلی بار اس ٹیوب میں رکھا گیا۔

اس نے کندھے اُچکائے۔ کوئی فرق نہیں پڑتا تھا حلف بہرحال حلف تھا۔

اس کے عقب میں آہٹیں تھیں۔ وہ لوگ اس کی طرف آ رہے تھے۔ اس نے اپنی جکڑی ہوئی مٹھی کو دیکھا۔ انگلوں کی تپش کاغذ پر منتقل ہو کر اس کی ہتھیلی کو جلا رہی تھی۔

"وائٹ ٹائیگر کی قوت سے میں وہ کچھ کر دوں گا جس کی ضرورت ہو گی۔۔۔ میں اپنے عہد کا تحفظ کروں گا۔"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

اس نے کاغذ کو پھاڑا اور ماسس کے ٹکڑے پانی میں اُچھال دیے۔ تب اس نے تین گہری گہری سانسیں لیں اور پانی کے طرف پشت کر لی۔

سنگ پوہن... جو ایک عرصے سے خوفناک سنگ کے نام سے جانا اور پہچانا جاتا تھا۔ چاند کی روشنی میں سامنے کھڑا تھا۔ وہ درمیانے قامت کا انسان تھا۔ البتہ شانوں پر گردن نہ ہونے کے برابر تھی۔ وہ ۸۹ء۴ تھا... ۴ء اسے ٹرائیڈ کا سربراہ...

وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا آگے بڑھا۔ "ڈریگن بوٹ ریس اتوار کو ہوگی۔" اس نے کہا۔ "میرا بھائی کہتا ہے ٹی وائی چیانگ کی کشتی پر شرط لگا دیں۔" نے کہا۔ "نہیں، ہم تھری اوتھ سن کے ساتھ رقم بنائیں گے۔" وہ چند ثانیے خاموش رہ کر بولا۔ "میں نے یہی بہتر خیال کیا کہ میں اسورس تک پہنچ کر اپنی قسمت کے بارے میں پوچھوں... آخر چیانگ کی کشتی گزشتہ سال جیتی تھی۔"

تھری اوتھ سن کا چہرہ بے تاثر رہا تھا۔ ٹی وائی... چیانگ کے کیپٹن نے جیتنے کے لیے دھوکا دہی سے کام لیا تھا۔ اس بار ٹین نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا تھا کہ وہ ہر حال میں اپنی لین کو کلیئر رکھیں۔

سنگ مسکرا دیا۔ "البتہ اس نے اس موضوع پر کوئی اور بات نہیں کی تھی۔"

"میں نے ایک افواہ سنی ہے۔" چند ثانیوں بعد وہ گویا ہوا۔ اس کے لہجے میں سنجیدگی تھی۔

"کیسی افواہ؟" تھری اوتھ سن نے پوچھا۔

"میٹاس، انگ اور کمپنی ہانگ کانگ چھوڑ رہے ہیں... جلد سے جلد۔"

"ہانگ کانگ چھوڑ رہے ہیں؟" تھری اوتھ سن کے لہجے میں دلچسپی عود کر آئی۔

"ہاں۔" سنگ نے اثبات میں سر ہلایا۔ "اس باعث فائیو اسٹار کے سارے نئے علاقے خالی ہو گئے ہیں اور وہ لوپو سے معاہدہ کرنے والے ہیں۔ گزشتہ سات ماہ سے اس علاقے میں خاصا جھگڑا ہو رہا ہے۔"

تھری اوتھ سن نے دونوں بازو سینے پر باندھ لیے وہ کسی سوچ میں ڈوب گیا تھا۔

"یہ سب کچھ دلچسپ تو ہے۔" سنگ خود ہی بولا۔ "لیکن میں اس مقصد کے لیے نہیں آیا... مجھے کوئی شبہ نہیں۔"

"نہیں۔" تھری اوتھ سن نے سمندر کو گھورتے ہوئے جواب دیا۔ سیاہ رنگ کا ایک ٹینکر بحرۂ جنوبی چین میں سنسید جھاگ بناتا ہوا شاید جاپان کی طرف رواں دواں تھا۔ "میں نے بالآخر اپنی سورسس سے ہدایات حاصل کر لی ہیں۔"

"لیکن ہم ابھی تک تیار نہیں۔" خوفناک سنگ فوراً بول اُٹھا۔

"مجھے یہ بتانا بھی چلا ہے کہ اگلا اجلاس ایک ہفتے کے لیے ملتوی کر دیا گیا ہے۔" تھری اوتھ سن نے جان بوجھ کر موضوع بدلتے ہوئے کہا۔

"یہ تو بہت بُرا ہوا ہے۔" ۸۹ء۴ بولا۔ "منصوبے بنائے جا چکے تھے... وعدے لے لیے گئے تھے۔"

"میں تسلیم کرتا ہوں... لیکن یہ غیر متوقع تھا... شاید اس سے روگردانی بھی نہ ہو سکے۔"

"۴ء کے لیے نہیں... تنگ بھائی والوں کے ساتھ معاہدے کوئی اچھی بات نہیں... بچاؤ چاؤ اور اس کے آدمی ناقابل اعتبار ہیں۔ مجھے تو یہ آئیڈیا شروع دن سے ہی پاگل پن کا شاہکار محسوس ہوتا ہے۔"

"کیا اپنے مستقبل کا تحفظ مانگنا پاگل پن ہے؟" تھری اوتھ سن کی آنکھیں جلنے لگیں۔ "تمہارا کیا خیال ہے کہ میں نے اپنی تقدیر کسی پاگل شخص کے ہاتھوں میں دے دی ہے؟"

"یقیناً نہیں... لیکن..."

"اعتماد کرو... سنگ ہوپن۔" تھری اوتھ سن نے اُسے بچپن کے نام سے پکارا تھا۔ "اگر ہمیں اپنا مستقبل بنانا ہے تو سورس پر اعتماد کرنا ہوگا۔ صرف یہی ایک چیز ہم سب کو متحد رکھ سکتی ہے۔"

سنگ نے بے دلی کے ساتھ اثبات میں سر ہلا دیا۔

☆

"وہ کہاں ہے؟"

"وہ یہاں ہے۔"

اوشان رضا کار لڑکی کو بستہ درست کرتے ہوئے دیکھتا رہا۔ کسی نے اُسے اسپتال میں خدمات انجام دینے کی ترغیب دی تھی۔ "وہ یہاں سے روانہ ہوا ہے، باہر نکلا ہے۔" اوشان رُخ بدل کر بلس کے سامنے آ گیا۔ "تم جانتی ہو کہ میں کس کے بارے میں بات کر رہا ہوں... جیک میرو ک؟"

"وہ یہاں نہیں ہے۔" بلس پھیکی مسکراہٹ سے بولی "میں جانتا ہوں... بلکہ بستر کو چھو کر یہ بھی بتا سکتا ہوں کہ آخری بار وہ اس پر کب لیٹا تھا۔" اس نے بلس کی... حیرت زدہ آنکھوں کو نظر انداز کر دیا۔ "مجھے نظر آ رہا ہے کہ الماری میں اس کے کپڑے بھی نہیں ہیں۔ وہ کہاں جا سکتا ہے؟"

"وہ غائب ہے۔" بلس اُسے یہی بتانے یہاں آئی تھی۔ (قدیم چین میں شاہی مہر یا نشان کو فو کہا جاتا تھا۔ یہ عام طور پر ہیرے یا ہاتھی دانت سے بنایا جاتا تھا جو شہنشاہ اپنی عدم موجودگی میں کسی قابل اعتماد ماتحت کو دیتا تھا جس کے پاس ہوتا تھا۔ اُسے شہنشاہ کے عارضی اختیارات حاصل ہو جاتے تھے)

"غائب ہے؟" ٹائیگر بولا تھا۔ "میں سمجھا نہیں۔"

"وہ تمہارے فلیٹ سے غائب ہے۔" وہ بولی۔ "میرینا اسے لے گئی ہے۔"

"لیکن کیوں؟"

بلس یہ بات نہیں جانتی تھی۔ اسی لیے وہ یہاں آئی تھی۔ فو جیک کے لیے کسی بھی انسانی زندگی سے زیادہ... قیمتی تھا۔

لیکن فو اس کے لیے کوئی راز نہیں تھا جب وہ بچے تھے تو جیک اکثر اُسے فو کے ساتھ کھیلنے کی اجازت دے دیتا تھا۔ وہ اس وقت بھی جیک کو بے حد عزیز تھا لیکن بعض اور وجوہات کے باعث۔

"تمہیں ہر حال میں اُسے بچانا ہوگا۔" وہ بولی تھی... ٹائیگر نے اُسے گھورا۔ "کیا تم اسی وعدے سے واپس آئی ہو؟"

"وہ اب جاپان میں ہے... تو شی ماکو۔"

"یاکوزا کے قبضے میں۔" ٹائیگر کا لہجہ استفہامیہ تھا۔

"ڈچ مین کے پاس۔"

"تم مجھے نہیں بتاؤ گی کہ کون ہو؟"

"تم جانتے ہو کہ میں کون ہوں۔"

"میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ تم کیا بن کر آئی ہو؟"

وہ ہنس دی۔ مدافعانہ انداز میں۔ "میں بلس ہوں۔" وہ بولی۔ "اگر تمہاری یادداشت مضبوط ہے تو تمہیں علم ہوگا۔ میں کون ہوں۔"

"بلس...؟"

"تمہیں اعتماد کرنا ہوگا کہ میں تمہاری دوست ہوں... اگر ایسا نہ ہوتا تو فو کے بارے میں کبھی نہ جان سکتی۔"

"اگر ڈچ مین اس کے بارے میں جانتا ہے... اور اگر وہ اس کے پاس ہے تو..."

"تمہیں فوراً جاپان جانا ہوگا۔" بلس نے اس کا جملہ اُچکا۔

"ریشل فادر..."

"کون ریشل فادر؟"

"میرا مطلب اوشان سے تھا۔"

"میں انہیں مطمئن کر دوں گی۔"

اور اب وہ مسکرا مسکرا کر اوشان کو بتا رہی تھی کہ جیک کے بارے میں کچھ نہیں جانتی۔ "میں آپ سے ذرا دیر پہلے ہی یہاں آئی ہوں۔" اس نے ہاتھ پھیلا کر کندھے اُچکائے۔ "جو آپ دیکھ رہے ہیں، وہی میں نے دیکھا ہے۔"

اوشان کوریڈور میں نکل آیا۔ وہ جان گیا تھا کہ ٹائیگر کہاں جا سکتا ہے؟ اسپتال کا کوئی شخص اس کے بارے میں کچھ نہیں بتا سکا مگر اوشان کو ان کی معلومات کی ضرورت بھی نہ تھی۔ وہ خود اندازے قائم کرتا تھا جو سو فیصد درست ہوتے تھے۔

وہ چاہتا تو فوری طور پر اپنے اندازوں کی تصدیق کر سکتا تھا لیکن وہ انتظار کرنا چاہتا تھا۔

☆

ایک نادیدہ سائے کی تلاش شروع ہو گئی تھی اور اس کا آغاز ڈوبی نے اندرون شہر ایک اپارٹمنٹ ہاؤس سے کیا تھا۔

ریپر نے کار اپارٹمنٹ ہاؤس کے عین سامنے روکی تھی۔

"یہ ہے... بی سترہ۔" وہ بدبدایا۔ "یہ نیچے کا اپارٹمنٹ ہے ایک ڈرائنگ روم۔ دو بیڈ روم۔ کچن اور ڈائننگ... بس!"

"اندر جانے کے کتنے راستے ہیں؟" ڈوبی نے پوچھا۔

"صرف دو... عقبی دروازہ چھوٹے سے صحن میں کھلتا ہے جس کے گرد باڑ لگی ہوئی ہے۔"

"آدمی کتنے ہیں؟"

"دو... ہیمنگ سروان اور رحمان غوری... میں صحیح طرح نہیں جانتا کہ وہ کیا کرتے ہیں، لیکن یہ طے ہے کہ ان کا لوپو سے رابطہ ضرور ہے۔"

"کیا دونوں لڑاکا ہیں؟"

"نہیں... یہ لوپو سے رابطے کی کڑی ہیں۔"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"رابطے کی کڑی؟ کیا مطلب؟"

"سمیع اور رحمان... لوپو کے کوآرڈی نیٹرز ہیں۔ لوپو خود کبھی سامنے نہیں آتا۔ میں نے کبھی اُسے نہیں دیکھا۔ یہی وجہ ہے کہ کبھی کبھار گڑبڑ ہو جاتی ہے، جیسے گزشتہ رات نیلہ فرنیچر کے سلسلے میں ہوئی۔ کسی نے ان کے سگنل مِکس کر لیے... لوپو اس حملے کے حق میں نہیں تھا لیکن جب تک احکامات آتے تاخیر ہو چکی تھی۔"

"اوکے!" رُوبی نے اُسے ٹوکا۔ "آؤ کوآرڈی نیٹرز سے ملیں۔"

دوپہر ڈھل رہی تھی۔ ربرتہ براہِ راست دروازے پر پہنچا اور کال بیل دبا دی۔

رُوبی ڈارک گلاسز پہنے ابھی تک راستے میں تھی وہ بے پروایانہ انداز میں ہاردگرد کے فلیٹوں کا جائزہ لے رہی تھی لیکن دروازے کی طرف سے غافل نہ تھی۔

پی سترہ کا مدوازہ دوسری گھنٹی پر کھلا۔ رُوبی کو دوسری جانب ایک گوری چٹی لڑکی دکھائی دی تھی۔

"کس سے ملنا ہے؟" اس گوری لڑکی نے گنگناتی ہوئی آواز میں دریافت کیا۔

"سمیع صاحب کو بتاؤ کہ ربرتہ ڈان ملنے آیا ہے۔"

"میں دیکھتی ہوں۔" لڑکی نے کہا اور دروازے کے عقب میں ہو گئی۔

ذرا دیر بعد دوسری جانب سے ایک مردانہ آواز سنائی دی: "کون ہے؟"

"یہ آپ ہیں مسٹر سمیع؟" ربرتہ بولا۔

"ہاں... تمہارا باس کہاں ہے؟"

"دادئ نیلم۔"

"میں سُن چکا ہوں... تمہاری دوست کون ہے؟"

"مس ڈانا میکس ویل... کیا ہم اندر آ سکتے ہیں... مسٹر سمیع؟"

دروازہ پورا کھل گیا۔ آواز دُور ہو گئی: "ہاں، آ جاؤ لیکن ایک ایک کر کے۔"

ربرتہ نے رُوبی کو اشارہ کیا اور اپارٹمنٹ میں داخل ہو گیا۔ سرد آنکھوں والی لڑکی اس کے عین پیچھے تھی۔

سمیع سروان کمرے کے وسط میں ایک ریوالور لیے کھڑا تھا جس کی نال دروازے کی طرف تھی۔ وہ تقریباً تیس سال کا درمیانی قد و قامت کا مالک شخص تھا۔ وہ نیکر اور شرٹ میں تھا۔ شرٹ کے اوپری دو بٹن کھلے ہوئے تھے۔

ایک اور شخص بھی موجود تھا۔ وہ پینٹ شرٹ میں تھا۔ بغلی ہولسٹر میں ریوالور اُڑسے وہ صوفے پر بیٹھا تھا۔ وہ یقیناً رحمان غوری تھا۔ اس نے ایک ہاتھ میں شراب کا جام اور دوسرے میں سگریٹ تھام رکھا تھا۔

دروازے پر آنے والی گوری چٹی لڑکی ایک کاؤچ پر نیم دراز تھی۔ اب رُوبی نے دیکھا کہ وہ سوئمنگ کاسٹیوم میں تھی۔ ایک دوسری لڑکی کی پشت بھی رُوبی کو دکھائی دی، جو بیڈروم کے دروازے میں غائب ہو رہی تھی۔

رُوبی نے ایک ہی نظر میں ڈرائنگ رُوم کا جائزہ لیا اور پلٹ کر دروازے کی زنجیر چڑھا دی۔ جب وہ پلٹی تو سمیع ریوالور بائیں ہاتھ میں تھامے کمرے کے اس کونے کی طرف جا رہا تھا جہاں چھوٹا سا بار بنا ہوا تھا۔

"کچھ چلے گا؟" سمیع نے پلٹ کر ربرتہ اور رُوبی سے پوچھا۔

انہوں نے انکار میں سر ہلایا تو وہ کاؤچ پر نیم دراز لڑکی کی طرف متوجہ ہو گیا: "جاؤ، کچھ پہن کر آؤ۔"

وہ فوراً اُٹھ کر بیڈ رُوم میں چلی گئی۔

سمیع بے حد چوکنا نظر آ رہا تھا۔ رحمان نے ایک قہقہہ لگایا اور ربرتہ کو مخاطب کیا: "تم خیال نہ کرنا، میرا دوست بہت خوفزدہ ہے۔"

"کیوں؟" ربرتہ نے پلکیں جھپکائیں۔

"ایک پڑوسیل آج کل شہر میں ہے اور میرے دوست کو خطرہ ہے کہ وہ کہیں اسی کو طرب نہ کر جائے۔"

سمیع نے برا سا منہ بنا کر اپنے ساتھی کو گھورا لیکن مخاطب اس نے ربرتہ ہی کو کیا تھا۔

"تم لوگ کیا چاہتے ہو؟"

"مجھے لوپو سے رابطہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔" ربرتہ نے جواب دیا۔

کوآرڈی نیٹر نے کندھے اُچکائے: "تم اس کا طریقہ کار جانتے ہو؟"

"اس وقت نہیں... سارا شہر دروازے کھڑکیاں بند کر چکا ہے۔"

"میں نے سنا ہے تمہارا پورا گروہ شہر چھوڑ گیا ہے۔"

"یہی تو مسئلہ ہے۔" ربرتہ نے اعتراف کیا۔

رحمان غوری بدستور رُوبی کو گھور رہا تھا۔ وہ اچانک ہی بول اُٹھا: "تمہاری دوست کچھ شناسا سا دکھائی دے رہی ہے۔ رچرڈ... کون ہے یہ؟... ڈانا گیا؟"

رُوبی کمرے میں داخل ہونے کے بعد پہلی بار بولی۔ اس کی آواز میں برف کی سی ٹھنڈک تھی: "ڈانا کچھ نہیں... میرا نام رُوبی ہے۔"

اس نے طاقت ور ٹرانسیور آن کر دیا۔ ہلکی سی گھڑگھڑاہٹ اس کے کانوں میں پہنچی تو اس نے اسٹرفون ایڈجسٹ کرنے شروع کر دیے۔

جب ایڈجسٹمنٹ مکمل ہو گئی تو اس نے سال، مہینے، ہفتے، دن اور وقت کے بارے میں اپنے شناختی کوڈ دہرانے شروع کر دیے۔ وہ اطمینان سے انتظار کرتا رہا حتیٰ کہ جواب میں بھی ایسے ہی کوڈ سنائی دینے لگے۔

رابطہ ہو گیا تھا۔

"ڈچ مین!" سورس نے کہا: "کیا تم نے میرینا میروک کو محفوظ کر دیا ہے؟"

"یس!"

"وہ کہاں ہے؟"

"ابھی تک ٹوکیو میں ہے۔"

"اسے فوری طور پر باہر لے جاؤ۔ اتنے بڑے شہر میں کسی بھی وقت بھید کھل سکتا ہے۔ بار بار جگہیں بدلنے سے کوئی بھی اُسے دیکھ سکتا ہے۔"

"میں جانتا ہوں کہ اُسے کہاں لے جانا ہے۔"

"گڈ... اس معاملے کو دیکھو۔" شورا چانک بڑھ گیا۔

"ٹھیک ہے؟"

"دوبارہ بولو... میں جملے کا پہلا حصہ نہیں سن سکا۔"

"کیا وہ ٹھیک ہے؟"

"میرے خیال میں، ہاں۔"

"تم نے اس سے بات نہیں کی؟"

"میں زیادہ دیر اس کے پاس نہیں رہا۔"

"کیا اس کی کوئی خاص وجہ ہے؟"

ڈچ مین جھجکا اور آواز نے اُس کی ہچکچاہٹ فوراً محسوس کر لی: "اس سلسلے میں ذاتی احساسات کو خود سے الگ رکھو۔"

"یہ ممکن نہیں... وہ اس کی بیوی ہے۔"

"تم اس کی اصلیت جانتے ہو؟" آواز نے پوچھا۔

"میں جانتا ہوں... وہ میرا دیرینہ دشمن ہے۔"

"اور تمہیں یہ بھی علم ہے کہ حقیقتاً میرینا اس کی کچھ نہیں لگتی۔"

"علم ہے۔" ڈچ مین نے جواب دیا۔ "لیکن وہ جس شخص کی بیوی ہے، وہ بھی میرا دشمن ہے۔ تم لوگوں کو اس کا پتا ہے میرے اس پرانے دشمن نے اس کے شوہر کا سوانگ بھرا ہے جس کو میں پہلے ہی ہلاک کرنا چاہتا ہوں۔ یوں میرینا سے میری دشمنی دُگنی ہو گئی ہے۔"

"کیا تم نے میرینا کو بتایا ہے کہ گزشتہ سات ماہ سے وہ اپنے شوہر کے دھوکے میں ایک اجنبی کے ساتھ رہ رہی ہے؟" آواز نے دریافت کیا۔

"نہیں۔"

"کیوں؟"

"اس کا کوئی فائدہ نہیں!" ڈچ مین بولا: "وہ میری بات پر کبھی اعتماد نہ کرے گی۔ جب عورت خود اپنے شوہر میں کوئی تبدیلی نوٹ نہ کر سکے تو دُنیا کی کوئی طاقت اُسے باور نہیں کرا سکتی۔"

"بہرحال... تم میرینا کے بارے میں کیا محسوس کرتے ہو؟" ذرا سا وقفہ ہوا۔ ڈچ مین کو پسینہ اپنی گدّی پر بہتا محسوس ہوا تھا: "جھوٹ مت بولنا، مجھے پتا چل جائے گا۔"

"کی سان سارا جا چکا ہے... اس کا شوہر... نقلی یا اصلی اس کا ذمے دار ہے... میں ایک کمرے میں اس کے ساتھ کھڑا بھی نہیں ہو سکتا۔"

"مگر تمہیں اس کے ساتھ رہنا ہے... یہ میرا حکم ہے۔"

ڈچ مین کچھ نہیں بولا۔

وہ جانتا تھا کہ اُسے وہی کچھ کرنا ہو گا جس کا حکم سورس نے دیا ہے۔

یوساگی گویا... یاسوکونی سے دو بلاک کے فاصلے پر تھا۔ شنوگوش کے بل جیسی جگہ اپنے نام کے اعتبار سے چھوٹی سی بھی لیکن یہاں سے دریائے سومیدا کا صاف نظارہ کیا جا سکتا تھا۔

یہ کاکی ساکا کا مقام حرم تھا اور دُنیا میں خود کاکی ساکا کے علاوہ اگر کوئی شخص اس کا راستہ جانتا تھا تو وہ ڈچ مین تھا۔ اس کے علاوہ کسی کو اس حرم کا دروازہ عبور کرنا آج تک نصیب نہ ہوا تھا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ڈچ مین کے خیال میں کامی ساکا بیک وقت شرمیلی اور جارحیت پسند تھی۔ اس نے خود کو ڈچ مین کے حوالے کرنے سے پہلے کئی ماہ تک بحث مباحثہ کیا تھا اور کئی شرطیں عائد کی تھیں۔ اس وقت بھی جب وہ ڈچ مین کا ہاتھ تھامے بیڈ روم جانے کے لیے سیڑھیاں چڑھ رہی تھی اُس کے انداز میں جھجک نمایاں تھی۔ اُس نے چابی اپنے ہاتھ میں رکھی خود ہی پہلے تالا اور پھر دروازہ کھول کر ڈچ مین کی تعظیم کے لیے اُس کے سامنے جُھک گئی۔ اس وقت وہ ایک سچی میزبان دکھائی دے رہی تھی۔

سچی بات تو یہ تھی کہ کامی ساکا اپنی جیب سے اس حرم کا کرایہ ادا نہ کر سکتی تھی۔ اپنے والد کے پاس بھی ایک فلیٹ کی مد میں رقم وصول کرنے کا کوئی سوال ہی نہ تھا۔ کامی ساکا کے پاس اس بات کا کوئی جواز نہ تھا کہ اُسے ایک الگ فلیٹ کی ضرورت ہے۔ البتہ اُس کے والد نے اس سے گھنٹوں سوالات کیے تھے کہ وہ بہت کی رقم بطور جیب خرچ کیوں لیتی ہے۔

اُنیس سال کی ہونے کے باوجود کامی ساکا ایک ہوشیار لڑکی تھی۔ اسکول سے فارغ ہوتے ہی وہ اپنے بھائی سے منسلک ہو گئی جس کا شمار کامیاب ترین وکلا میں ہوتا تھا۔ کامی ساکا ہفتے میں تین دن دفتر جاتی تھی۔ وہ ایک سال سے وہاں جا رہی تھی لیکن کام کے سلسلے میں اُس کے بارے میں کبھی کوئی شکایت نہ ہوئی تھی۔

اُسے سب سے زیادہ خوشی اُس وقت ہوتی تھی جب ڈچ مین اس کے ساتھ حرم میں موجود ہوتا تھا اور وہ اپنے ہاتھوں سے اسے سبز چائے پیش کیا کرتی تھی۔ اُس نے یہ فن اپنی ماں سے سیکھا تھا اور بڑی چابکدستی سے اس کا استعمال بھی کر رہی تھی۔

ڈچ مین اُسے خود بھی بے حد پسند تھا۔ وہ کامی ساکا سے کوئی بیس سال بڑا تھا لیکن دونوں میں کمال کی ذہنی ہم آہنگی تھی۔ وہ ڈچ مین کا بہت زیادہ خیال رکھتی تھی۔

لیکن دوسری جانب وہ اس کے بدن پر پاگل تھی۔ اپنی ملائم ریشمی جلد پر ڈچ مین کا کھردرا لمس اسے اچھا لگتا تھا۔ اس کے باوجود کہ کامی ساکا کی حال ہی میں منگنی ہوئی تھی اُس کا توقع اس کی پسند نہ تھا، بلکہ اس کا انتخاب اُس کے والد

مقبول مصنف

علیم الحق حقی

کی

لازوال اور خوبصورت تحریریں

جن کو آپ کبھی فراموش نہ کر سکیں گے

★★★

مٹی کی امانت (۲ جلدیں)	۳۰۰/۰۰
وقت کے فاصلے	۲۲۵/۰۰
پروانہ	۱۷۵/۰۰
حجِ اکبر	۱۵۰/۰۰
بیلے کا سیاہ پھول	۱۵۰/۰۰
کان کن	۱۰۰/۰۰
بالائے ستم	۹۰/۰۰
اُمید کا دیا	۱۰۰/۰۰
جانم جانِ جہاں	۹۰/۰۰
دادا چوزی اور وزی	۱۲۵/۰۰

مکتبہ القریش سرکلر روڈ اردو بازار لاہور ۲

فون ــــ 7668958



نے کیا تھا، یعنی یہ ایک خاندانی شادی تھی۔

"کامی ساکا بیٹیسو، ہمارے خاندانوں کو مزید مضبوط کر دے گی۔" کامی ساکا کے پُرزور احتجاج کے جواب میں اُس کے والد نے کہا تھا۔ "شی زوکی سین سے تمہاری شادی ہر اُس شخص کے لیے قابلِ قبول ہو گی جو ہم میں سے کسی کے بھی ساتھ تھوڑا بہت تعلق رکھتا ہے۔"

کامی ساکا نے آخری کوشش کے طور پر پاگل پن اور دورے پڑنے کی اداکاری کی تھی، لیکن اس کی ماں جہاندیدہ عورت تھی۔ وہ اُسے ایک سمت لے گئی۔ "کوئی بھی مہذب اور سمجھدار لڑکی اپنے والد اور ہونے والے شوہر کے خلاف اس طرح کے سحر نہیں کرتی۔"

کامی ساکا خاموش ہو گئی، لیکن اب اُسے اس شادی سے کوئی واسطہ نہ رہ گیا تھا۔ ایک ہفتہ پہلے ریل کی پٹڑی پر شی زوکی سین کی ناگہانی موت نے اس کے خاندان میں صفِ ماتم بچھا دی تھی۔ کامی ساکا نے یہ خبر سُن کر اپنے آبا و اجداد کی روحوں کا شکریہ ادا کیا تھا جن کی وہ اکثر پرستش کیا کرتی تھی۔

شی زوکی سین کی موت کے باعث اس کا گزشتہ ہفتہ بہت اچھا گزرا تھا۔ خوشی اس کے بدن اور چہرے سے پھوٹی پڑ رہی تھی۔ وہ سارا ہفتہ ڈچ مین کے بارے میں سوچتی رہی تھی۔ اُس کی خواہش تھی کہ وہ جلد از جلد آ جائے اور اُسے بانہوں میں سمیٹ کر دُنیا سے بے گانہ کر دے۔

اس نے ڈچ مین کا استقبال بھی خوشی خوشی کیا تھا لیکن جب آنے والے نے اُسے ایک غیر متوقع خبر سنائی تو وہ بجھ سی گئی۔ وہ خوفزدہ ہو گئی۔

"کامی!" وہ نرمی سے بولا تھا۔ "مجھے ہر حال میں یہاں سے جانا ہے۔۔۔ اور۔۔۔ اور شاید مجھے واپس آنے میں ایک طویل عرصہ لگ جائے۔"

اُس کا دل دھڑکنا جیسے بھول گیا۔ زبان تالو سے جا لگی۔

وہ اس سے پہلے بھی اسی طرح کی باتیں کرتا رہا تھا اپنے پُراسرار سفر پر باہر جاتا رہتا تھا لیکن آج سے قبل اُس نے کبھی اس طرح کا جملہ استعمال نہیں کیا تھا۔ کامی ساکا نے اپنے محبوب کی بڑی بڑی آنکھوں میں جھانکا، وہاں ایک اور ہی چمک تھی۔ وہ سمجھ گئی کہ ڈچ مین نے اُس سے جھوٹ بولا ہے۔ یہ طویل عرصہ ہمیشہ کی جدائی میں بھی تبدیل ہو سکتا تھا۔

خون اُس کی کنپٹیوں میں گرجنے لگا۔ اُس نے آنکھیں بند کر لیں۔ وہ چاہتی تھی کہ اُس کے قدموں پر سر رکھ کر رو دے اور اسی وقت اُس کو نوچنا کھسوٹنا شروع کر دے، لیکن اُس نے ان میں سے کوئی کام بھی نہیں کیا۔

اس کی بجائے اُس نے انتہائی فرمانبرداری سے اپنا سر جھکا دیا اور بولی: "میں تمہارے اچھے مستقبل کے لیے دُعا گو ہوں۔"

ڈچ مین بغور اُس کا جائزہ لے رہا تھا۔ "کامی ساکا! مجھ سے بات نہیں کرو گی کہ۔۔۔"

اُس نے نفی میں سر ہلا دیا۔ اس کے لمبے اور گھنے بال دونوں شانوں پر بکھر گئے۔

"لیکن میں ضرور۔۔۔"

کامی ساکا نے اپنی نرم و نازک درمیانی اُنگلی اُٹھا کر اس کے ہونٹوں پر رکھ دی۔ وہ اس کے قریب ہو گئی۔ ڈچ مین کچھ دیر تو اُسے دیکھتا رہا پھر اُس نے بھی ہاتھ بڑھا دیے۔ کامی ساکا اس کے وجود کا حصہ بن گئی۔

پھر انہوں نے کوئی بات نہیں کی یوں جب ہاتھ بولیں تو زبان کو خاموش ہی رہنا پڑتا ہے۔ اُن کے ساتھ بھی یہی ہوا۔ حتیٰ کہ جب خوفناک طوفان نے انہیں گھیر لیا تب بھی انہوں نے زبان سے کسی کو متنبہ کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اپنی ڈولتی کشتی کو انہوں نے ہاتھوں کے چپوؤں سے ہی سنبھالنے کی سعی کی تھی، لیکن دونوں ہی ناکام رہے تھے۔

حتیٰ کہ کامی ساکا طوفان سے لڑتے لڑتے تھک کر سو گئی لیکن ڈچ مین جاگ رہا تھا۔ وہ خاموش خامشی سے اُسے دیکھے جا رہا تھا۔ وہ دوبارہ اُسے چھونا چاہتا تھا لیکن اس نے ہاتھ کھینچ لیا۔ اُس کی ذرا سی حرکت کامی ساکا کو بیدار کر دیتی اور وہ ایسا نہیں چاہتا تھا۔ اُس میں اتنی ہمت نہ تھی کہ جاگتی آنکھوں کامی ساکا سے جُدا ہوتا۔

وہ خاموشی کے ساتھ ہی کامی ساکا سے دور ہو گیا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

دروازے پر رُک کر اُس نے ایک بار پھر اپنی خوابیدہ محبوبہ کو آنکھوں میں بسایا اور دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔

چند ہی ثانیوں بعد وہ اندھیرے میں خلیل ہو چکا تھا۔

* رحمان غوری نروس انداز میں ہنسا اور سگریٹ ہونٹوں میں پھنسا کر گہرے گہرے کش لگانے لگا۔

بار کے پاس موجود شمس نے اپنا گلاس زمین پر گرا دیا اور محتاط انداز میں پیٹ پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ اس کے حلق سے غراہٹ نما آواز برآمد ہوئی تھی۔ "یہ بے ہودہ مذاق مجھے قطعی پسند نہیں آیا۔"

رچرڈ فوراً بول اٹھا۔ "یہ بے ہودہ مذاق نہیں دوستو! اسی لڑکی کا نام روبی ہے۔"

سمیع سروان کوتاؤ آگیا۔ "تم گدھے کے بچے ہو رچرڈ!"

روبی کمرے کے وسط میں دونوں ہاتھ کمر پر رکھ کر نیاز کھڑی تھی۔ اس کی جیکٹ سے ہولسٹر میں لگا ہوا پستول صاف جھانک رہا تھا۔

"اب اگر تم نے ایسی کوئی بات کی تو میں تمہاری کھال میں بھس بھروا دوں گی۔" روبی نے اُسے سرزنش کی۔

"تم چاہتی کیا ہو؟" سمیع راہ راست پر آگیا۔

"مجھے لوپو درکار ہے۔"

رحمان بولا۔ "تم شاید اُسے نہ پکڑ سکو۔"

"تب میں تم لوگوں کو لے جاؤں گی۔"

"لیکن ہمارے پاس تمہیں بتانے کو کچھ نہیں۔"

"تب تو بُرا ہوا۔" روبی نے اظہارِ افسوس کے طور پر سر ہلایا۔ "یہی تو تم لوگوں کے بچنے کا واحد امکان تھا، تم نے وہ بھی ختم کر دیا۔"

ایک عجیب قسم کی خاموشی کمرے پر مسلط ہو گئی۔ کسی کے ہاتھ میں بندھی ہوئی گھڑی کی ٹک ٹک صاف واضح طور پر سنائی دے رہی تھی۔

روبی کچھ دیر تو کسی کے بولنے کا انتظار کرتی رہی لیکن جب کسی کی ہمت نہ ہوئی تو اُس نے خود ہی چہل کی۔ "کوئی بات کرو، دوستو! وقت گزرتا جا رہا ہے۔"

سمیع سروان نے شاید اس کا غلط مطلب لیا تھا۔ اُس نے امریکہ کی کسی کاؤ بوائے فلم کی نقل کرتے ہوئے ہونٹوں میں لگا ہوا رولز کا لے نکی کوشش کی لیکن وہ روبی کی تیز رفتاری سے قطعی آگاہ نہ تھا۔

نامانوس پستول نے شعلہ اگلا اور سمیع اپنا زخمی ہاتھ لے کر رہ گیا۔ اُس کے حلق سے ایک تیز چیخ نکلی اور وہ غیر متوازن ہو کر فرش پر آرہا۔ روبی نے اگلا فائر اس کے سینے پر کیا اور وہ ایک جھٹکا کھا کر ساکت ہو گیا۔

تیسری خاموش گولی نے رحمان کا تعاقب کیا کیونکہ اُس نے بیڈ روم کے دروازے کی طرف چھلانگ لگائی تھی۔ گولی اس کی گُدی میں لگی اور وہ اوندھے منہ چوکھٹ پر جا گرا۔ اُس کا جسم ذرا اور پرشنگ کا شکار رہا پھر ٹھنڈا پڑ گیا۔

یکے بعد دیگرے دونوں ساتھی جہنم واصل ہو چکے تھے۔

رچرڈ اپنی کرسی سے نصف سے زیادہ اُٹھ گیا تھا۔ اس کی آنکھیں اور مونٹ پھٹے پڑ رہے تھے۔ البتہ اُس کا چہرہ بالکل سپاٹ تھا۔

اُسی لمحے بیڈ روم کا دروازہ کھلا اور وہ گوری چٹی لڑکی برآمد ہوئی جسے روبی سوئمنگ کاسٹیوم میں دیکھ چکی تھی۔ دروازہ کھولتے ہی اس کی نظریں رحمان پر پڑیں اور اُس کا چہرہ خوف و دہشت سے مسخ ہو کر رہ گیا۔ اس سے پہلے کہ وہ چیخنے کی کوشش کرتی، روبی نے پستول کی نال اُس کی طرف سیدھی کر لی۔

وہ وہیں کھڑی رہ گئی۔ روبی نے آگے بڑھ کر اس کا بازو پکڑا اور اُسے گھسیٹتے ہوئے بیڈ روم میں لے گئی۔ دوسری لڑکی دروازے سے ذرا ہٹ کر کھڑی تھی لیکن اس کے تاثرات سے اندازہ ہوتا تھا کہ باہر رونما ہونے والے واقعات سے وہ بھی لاعلم نہیں۔

دروازہ کھولنے والی لڑکی کی پنڈلیوں اور ٹانگوں پر رحمان کا خون بھی لگ گیا تھا۔ روبی نے اُسے باتھ روم کی طرف دھکیلا۔ "جلدی سے اپنا بدن صاف کر لو۔"

سرخ بالوں والی نے تولیے والی نگاہوں سے اُسے گھورا۔ "تم نے یہ سب کیوں کیا؟" یوں لگتا تھا جیسے اُس نے احتجاج کی ادائیگی کے لیے خاصی کوشش کی ہو۔

"جنگ میں سب جائز ہے۔" روبی نے سفاکی سے جواب دیا۔ "مجھے لوپو کی تلاش ہے۔"

"میں جانتی ہوں۔" لڑکی نے خلافِ توقع اثبات میں سر ہلایا۔ "سب لوگوں کے علم میں یہ بات آچکی ہے... لیکن ان دو کا قتل تم نے بلاجواز کیا کیونکہ ان میں سے کوئی لوپو کے بارے میں خاک بھی نہیں جانتا تھا۔"

"تم جانتی ہو؟"

لڑکی نے نفی میں سر ہلایا۔ "میں بھی نہیں... حقیقت یہ ہے کہ میں اس کے لیے کام کرتی ہوں، لیکن شاید ہم پگلی تہ پر ہیں، اس لیے نہیں جانتے کہ ہمارے اور اس کے درمیان کتنے لوگ حائل ہیں۔ سچ یہی ہے کہ میں یا یہاں موجود کوئی بھی شخص لوپو کو نہیں جانتا تھا۔"

"غلط۔" اس بار روبی نے نفی میں سر ہلایا۔ "لیکن یہ غلط نہیں کہ میں نے اب تک کسی لڑکی کو قتل نہیں کیا، مگر میں سوچ رہی ہوں کہ ابتدا تم سے ہی کر دوں۔"

لڑکی تادیر روبی کو گھورتی رہی، جیسے کسی نتیجے پر پہنچنے کی کوشش کر رہی ہو۔ بالآخر وہ بولی۔ "جو چاہے کر دو... اگر میں جانتی نہیں تو کیا بتاؤں گی؟"

روبی کی دائیں ٹانگ گھومی۔ اگلی لڑکی کے پیٹ میں لگی اور وہ ڈکراتی ہوئی پُشت کے بل میٹریس پر جا گری۔ اُس نے اُٹھنے کی کوشش کی تو روبی کی ٹانگ پھر چلی۔ اس بار وہ منہ کے بل گری۔

لڑکی نے چند ثانیے خونخوار نگاہوں سے روبی کو دیکھا لیکن اٹھنے کی کوشش نہیں کی۔ اس کے بجائے اس نے میٹریس کے نیچے ہاتھ ڈال دیا۔ روبی منتظر رہی۔ اُسے توقع تھی کہ لڑکی وہاں سے کوئی ہتھیار وغیرہ نہیں نکالے گی۔

ہوا بھی یہی... ہاتھ باہر آیا تو اُس میں سیاہ رنگ کا پلاسٹک کا فولڈر موجود تھا۔ وہ اس نے روبی کی طرف بڑھا دیا۔

"ہم جو کچھ جانتے ہیں، اس میں درج ہے۔" لڑکی کی آواز میں درد کی کیفیت نمایاں تھی۔ "اس سے زیادہ ایک لفظ بھی ہمارے علم میں نہیں۔"

روبی نے فولڈر لے لیا۔ ایک ہاتھ سے وہ کچھ دیر فولڈر کھولے اس کی ورق گردانی کرتی رہی، پھر پلٹ کر لانگ روم میں آگئی جہاں رچرڈ اس کا منتظر تھا۔ "آؤ چلیں۔"

رچرڈ ایک لفظ کہے بغیر پیچھے مڑ کر دیکھے بغیر اس کی تقلید میں دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

*

ٹائیگر ٹوکیو کے ہیتھرو ایئر پورٹ سے بس کے ذریعے برآمد ہوا۔ اُسے اپنے نئے نام پال رچرڈسن کے تحت ایمیگریشن میں کوئی دقت نہیں ہوئی۔ وہ نیویارک کی ایک انشورنس فرم کا ایجنٹ تھا جو چھٹیاں گزارنے ٹوکیو آیا تھا۔

ٹوکیو کے گلی کوچے عجل عجل ہو رہے تھے۔ بارش کے بڑے بڑے قطرے بس کے شیشے کی کھڑکیوں پر گر کر جلترنگ بجا رہے تھے۔

دھماکے میں زخمی ہونے کے بعد اتنی جلد دوبارہ یہاں آنا عجیب سی بات تھی لیکن وہ چارہ گر کا پروردہ اور اوشان کا شاگرد تھا۔ دُنیا اُسے موت کے ہرکارے کے نام سے یاد کرتی تھی اور وہ اپنے اندر ایک نئی ہمت اور نیا جذبہ پیدا ہوتا محسوس کر رہا تھا۔

ٹوکیو پہنچ کر وہ سب سے پہلی ٹیکسی لے کر اوشان کے ٹھکانے پر پہنچ گیا۔ جہاں وہ ایک ایسے ہوٹل میں داخل ہوا جو نہ صرف سستا بلکہ ٹریفک کے شور و غل سے بھی ہٹ کر تھا۔ اس کے باوجود کہ یہ ایک مغربی طرز کی عمارت تھی، ہر منزل پر ایک ہی باتھ روم تھا جس میں شاور غائب تھا۔

اُس نے اپنا مختصر سامان کمرے میں رکھا اور نہانے چل دیا۔ دروازے پر موجود لڑکی نے اُس کا سامان لے لیا تاکہ نہانے کے دوران چوری نہ ہو سکے۔

نہاتے ہوئے اس کا ذہن سوچوں کی آماجگاہ بنا رہا۔ اپنی فطرت کے مطابق اُس نے کبھی سوچنے میں وقت ضائع نہ کیا تھا لیکن آج جانے وہ کیوں سوچوں میں اُلجھا چلا جا رہا تھا۔

سب سے پہلی سوچ تو موجودہ مشن کے بارے میں تھی۔ ایک پُراسرار مشن... جہاں تک اُسے یاد پڑتا تھا اُس نے آج تک ایسا مشن انجام نہ دیا تھا۔ وہ اب تک اس کے تمام پہلوؤں سے آگاہی حاصل نہ کر پایا تھا۔ اس مشن کے دوران اُسے اپنی شخصیت کو یکسر بدلنا پڑا تھا۔ وہ جیک میروک تھا جس کا اپنا ماضی اسرار کے دبیز پردوں تلے دفن تھا۔ اُسے اس پُراسرار ماضی کے بارے میں بہت کچھ بتایا گیا۔ کتابوں، رسالوں اور فلموں کی مدد سے، لیکن ان سب سے بڑھ کر اوشان نے جیک میروک کے بارے میں اُسے بتایا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے اوشان اور جیک میروک نامی یہ شخص ایک ساتھ پل بڑھ کر جوان ہوئے ہوں۔

ٹائیگر نے اوشان سے ان معلومات کے ذریعے کے بارے میں دریافت کیا لیکن وہ حسبِ عادت ٹال گیا لیکن ٹائیگر کو شبہ تھا کہ کہیں نہ کہیں کوئی گڑبڑ ضرور ہے۔

ان باتوں سے ہٹ کر اُس نے جیک کی شخصیت کو اپنا لیا تھا اور اب وہ اسی حیثیت سے ڈریج مین کے تعاقب

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

میں تھا۔

وہ یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ ڈچ مین اور جیک کے درمیان اختلاف کی وجہ کیا ہے؟ ان کے درمیان دشمنی کی نوعیت کیا ہے؟ اور کیا یہ دشمنی اس حد تک بڑھی ہوئی ہے کہ ڈچ مین نے جیک کی بیوی میریا کو بھی ورغلا لیا تھا۔

میریا . . . ایک خوبصورت ترین لڑکی تھی جو جیک کی بیوی کی حیثیت سے ٹائیگر کی زندگی میں آئی تھی۔ ٹائیگر کو اس پر مکمل تصرف حاصل تھا لیکن جانے وہ کیوں اس سے کتنی کترایا کرتا تھا . . . شاید اس کی وجہ بزدلی تھی . . .

روبی . . . وہ شوخ، چنچل اور چلبلی لڑکی . . . جسے اوشان سنا بخوبی ملکہ اور ٹائیگر کی بیوی بنانا چاہتا تھا . . . اور ٹائیگر کو بیوی کے لفظ سے ہی گھن آتی تھی۔ ویسے یہ بھی عجیب ستم ظریفی تھی کہ جیک میروک کی حیثیت سے وہ ایک عدد بیوی کا شوہر تھا جو غائب ہو گئی تھی اور اب جیک کی حیثیت سے اُسے میریا کو تلاش کرنا تھا تاکہ فوٹو کا پتا چل سکے۔

انہی سوچوں میں غلطاں و پیچاں ٹائیگر نہا کر نکلا تو اُسے اپنی بائیں جانب آہٹ محسوس ہوئی۔ وہ برقی سرعت سے پلٹا۔ ایک گول چہرے والا جاپانی اس کے پہلو میں موجود تھا۔ وہ صرف ٹراؤزر میں تھا جبکہ اُس کے بالائی جسم، سینے، پیٹ، کمر اور بازوؤں پر مختلف نقش و نگار کھدے ہوئے تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے اس نے پھول دار ڈیزائن کی شرٹ پہن رکھی ہو۔

"مجھے یہاں نہیں آنا چاہیئے تھا۔" گول چہرے والا جاپانی بولا۔ "کم از کم اوہنرو ہاؤس میں ہونے والے واقعے کے بعد ایسا کرنا بُرے درجے کی حماقت ہے لیکن معلومات بے حد قیمتی تھیں۔" اُس نے چاروں جانب دیکھا کہ کوئی انہیں اپنی نگاہ میں تو نہیں رکھے ہوئے۔ "تمہیں مجھے بتانا ہو گا کہ تم ڈچ مین کو کیوں تلاش کرتے پھر رہے ہو؟ اس کی تباہی تو میرو سیما کی تباہی سے زیادہ اہمیت اختیار کر گئی ہے۔"

"کیا دھماکا خیز مادہ اسی نے استعمال کیا تھا؟" ٹائیگر نے اُس کے سوال کا جواب دینے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔

گول چہرے والا مسکرایا۔ "اگر تم میرے پیچھے ہوتے تو میں بھی یہی کرتا۔"

"مجھے دوبارہ تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔" ٹائیگر بولا۔

گول چہرے والا دوسری جانب دیکھنے لگا۔ "اب اس کا قطعی کوئی امکان نہیں۔"

"یہ بے حد ضروری ہے، ورنہ میں ایک بار تم سے معلومات خرید نے کے بعد ادھر رُخ نہ کرتا۔ میں جانتا ہوں تمہاری پہنچ کہاں تک ہے اور تمہاری مجبوریاں کیا کیا ہیں؟"

"تمہارے پاس ڈچ مین کا کوئی کلیو نہیں۔ تم اُس کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتے . . . کم از کم میرے علم میں یہی ہے۔ پھر آخر تم اُس کے تعاقب میں کیوں ہو؟"

ٹائیگر چند ثانیے سوچتا رہا۔ پھر شاید اس نے جاپانی کی پریشانی کم کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ "تم اسے ذاتی کہہ سکتے ہو . . . ذاتی وجہ۔"

"مجھے کوئی حیرت نہیں ہوئی۔" گول چہرے والے نے کہا۔ "تم آخر ڈچ مین کے بہترین دوست کو ہلاک کرنے کے بعد کیا توقع رکھتے ہو؟ وہ ایک لمحے کے لیے بھی تمہاری جانب سے غافل نہ ہوا ہو گا۔"

ٹائیگر پر اس کی بات کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ "دس ہزار امریکی ڈالر۔"

"بالکل نہیں۔"

"اگر صرف رقم کا معاملہ ہے تو . . . ."

"نہیں۔" گول چہرے والے نے بات کاٹی۔ "یہ میری اپنی گردن کا معاملہ ہے، سمجھے؟ میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتا۔ تم خوش قسمت ہو کہ میں تمہیں مل گیا۔ میرے خیال میں یہی کافی ہے۔"

"شاید میں تنہا اس کا سراغ نہ لگا سکوں۔"

"تمہیں یہ بات یہاں آنے سے پہلے سوچنی چاہیئے تھی۔" وہ نہایت رُکھائی سے بولا۔

ٹائیگر نے ایک لمحے کے لیے سوچا۔ اگر جاپانی اپنے ذرائع سے ڈچ مین کے بارے میں معلومات اُسے فراہم کر دیتا تو وہ دوبارہ اُسے زندہ بچ کر نہ جانے دیتا۔ اگر میں اس بات کی ضمانت دوں کہ تمہیں کسی مرحلے پر بھی اس میں ملوث نہیں کیا جائے گا تو . . . تمہیں آج تمہارے لاکر میں دس ہزار ڈالر مل جائیں گے انہیں لو اور کہیں بھی جا کر عیش کرو۔"

جاپانی نے رُخ موڑ لیا۔

ٹائیگر کا جی چاہا کہ اس کا سر اُڑا دے۔ اُسے ایک

فطرت کے خلاف نہایت صبر و ضبط سے کام لینا پڑ رہا تھا۔ پتا نہیں اوشان اور بہرام کے منصوبے کیا تھے؟

"میں اس سے زیادہ تو تم سے کچھ نہیں پوچھ رہا۔" ٹائیگر دانت پر دانت جما کر بولا۔

"ہاں؟ کیا پوچھ رہے ہو تم؟"

"اس شخص کا نام جس کی حاصل کردہ معلومات تم نے مجھے پچھلی بار فروخت کی تھیں۔"

"ڈچ مین کے بارے میں۔"

"ہاں، ڈچ مین کے بارے میں۔"

"تمہارا خیال ہے میں جھوٹ بول رہا ہوں۔"

"نہیں، لیکن تم دس منٹ کے اندر اندر بے حد اُمیر ہو سکتے ہو۔" ٹائیگر نے کندھے اُچکائے۔ "تمہارا نقصان ہی کیا ہے؟ میں تمہاری سورس تک تو نہیں پہنچوں گا میں تمہیں کسی حال میں بھی ملوث نہیں کروں گا۔"

"پندرہ ہزار۔"

"دس . . . یہی میری حد ہے۔"

"اوکے۔" جاپانی جانتا تھا کہ اپنی آئندہ زندگی میں وہ کبھی اتنی بڑی رقم حاصل نہ کر پائے گا۔ "ان معلومات کی سورس کو موٹو قیلیے میں رہتی ہے۔"

"کون؟"

"تم تو میری گردن پوری پھنسانے کے چکر میں ہو۔" جاپانی بوکھلا اٹھا۔ "نام کی کوئی قیمت نہیں۔"

ٹائیگر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ شاید وہ مقابل کی مجبوریوں کو سمجھ گیا تھا۔

رات کا کھانا اس نے اوشان کی ہدایات کے عین مطابق کھایا۔ مچھلی اور اُبلے ہوئے چاولوں کے ذائقے نے اُسے بے اختیار اوشان کی یاد دلا دی۔ صرف یہی نہیں، اس نے کھانے کے بعد جانے بھی ایسی پی جس میں مچھلی کے سوپ کی ہلکی سی آمیزش تھی۔

جب وہ فارغ ہوا تو اندھیرا ہو چکا تھا۔ کام کے آغاز کے لیے یہ وقت مناسب نہ تھا۔ پھر بھی وہ اوہنرو ہاؤس جا پہنچا۔ وہاں حسب سابق جوے کی میزیں بھری پڑی تھیں۔ وہ چونکہ یہاں کے لیے نیا تھا۔ اس لیے داخلے کی بھاری فیس ادا کرنی پڑی تھی۔ چاہتا تو سب کچھ توڑ پھوڑ کر اندر جا گھستا لیکن اس سے اس کا مقصد فوت ہو جاتا۔

ایک چھوٹی سی میز کے گرد جواری، شہد کی مکھیوں کی مانند جمع تھے۔ ان میں زیادہ تعداد درمیانی عمر کے تاجروں کی تھی۔ وہ ڈارک سوٹ اور سفید شرٹس پہنے ہوئے تھے۔ کمرے میں حبس اور گرمی تھی لیکن کسی کو بھی شاید اس کا احساس نہ تھا . . .

جوے کی نگرانی کرنے والوں کے بالائی بدن برہنہ تھے۔ رقم وصول کرنے یا اُدھار دیتے وقت جب وہ ہاتھ بڑھاتے تو ان کے بازوؤں کی مچھلیاں تڑپنے لگتیں۔

ٹائیگر نے بھی ایک جگہ حاصل کر لی اور کھیل میں شریک ہو گیا۔ اردگرد بیٹھے ہوئے لوگوں نے اس کی غیر جاپانی قامت اور چوڑی چوڑی کلائیوں کو بڑے غور سے دیکھا پھر وہ بھی کھیل میں مشغول ہو گئے۔ اس وقت اُن کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی جب ٹائیگر پہلا ہی گیم ہار گیا۔

اور پھر اگلے تین گھنٹوں تک ٹائیگر مسلسل ہارتا رہا لیکن وہ کھیل سے دستبردار ہونے کو اب بھی تیار نہ تھا۔

وہ میز سے اُٹھا اور گزرتی ہوئی ویٹرس کے کانوں میں سرگوشیاں کرنے لگا۔ ویٹرس نے گرم جاپانی شراب سیک کی ٹرے ایک طرف کی اور کمرے کے عقبی حصے میں پردے والے ایک دروازے کی جانب اشارہ کر دیا۔

ٹائیگر نے پردہ ہٹایا اور اندر داخل ہو گیا۔

"میں تمہاری کیا مدد کر سکتا ہوں؟" میز کے عقب میں بیٹھے ہوئے بھاری تن و توش کے مالک جاپانی نے انگریزی میں سوال کیا۔

"مجھے قرضہ چاہیئے۔" ٹائیگر کا جواب جاپانی میں تھا۔

قرضہ دینے والے نے جس کا نام فیوجی تھا، ایک نہنگا لا بھرا۔ "واپسی کی ضمانت؟"

"میرے پاس بینک میں خاصی نقد رقم موجود ہے۔" ٹائیگر نے ہونٹوں پر معذرت خواہانہ مسکراہٹ سجائی۔ "لیکن اس وقت میں کچھ بھی حاصل نہیں کر سکتا۔ آج رات میری قسمت بدلے گی . . . میرے ستارے کہہ رہے ہیں . . . ."

"اوہ! ایک جواری۔" فیوجی نے مسکراتے ہوئے اُس کی بات کاٹی۔ "جواریوں سے تو مجھے خصوصی رغبت ہے۔" اگلے ہی لمحے اُس کی مسکراہٹ دم توڑ گئی۔ "کیا تمہارے پاس بینک بک موجود ہے؟"

"نہیں۔"

Scanned And Uploaded By Muhammad Waseem

"اوہم... کیا تم یہیں رہتے ہو؟ کوئی مستقل پتا؟ کوئی ملازمت...؟"

"میں سال میں چار پانچ بار یہاں آتا ہوں، اسی لیے بینک میں میرا اکاؤنٹ موجود ہے۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔

"کون سے بینک میں؟"

ٹائیگر نے اُسے نام بتا دیا۔

فیونی کاما نے نفی میں سر ہلایا۔ "مجھے افسوس ہے تمہارے پاس مجھے دینے کو کچھ بھی نہیں۔ میں نہیں سمجھتا کہ میں عقل مند ثابت ہوں گا، اگر تمہیں..."

"میرا پاسپورٹ۔" ٹائیگر جیب میں ہاتھ ڈالتے ہوئے بولا۔ اس نے کاغذات فیونی کاما کی میز پر ڈال دیے۔ ساتھ ہی اُس نے ایک کاغذ اور پنسل پکڑی۔ "میں یہاں ٹھہرا ہوا ہوں۔ یہ لو وعدہ ہے کہ کل صبح دس بجے تک رقم کے ساتھ یہاں موجود ہوں گا۔"

بھاری بھرکم جاپانی نے اپنی نگاہیں پاسپورٹ اور پتے پر جما دیں۔

"دیکھو۔" ٹائیگر نے کوشش کر کے اپنی آواز میں ظلومیت پیدا کر لی۔ "اس پاسپورٹ کے بغیر میں کہیں بھی نہیں جا سکوں گا۔ تم نے خود کہا ہے کہ جواریوں سے تمہیں خصوصی رغبت ہے۔"

"قیمت زیادہ ہوگی۔"

"میں سمجھتا ہوں۔"

فیونی کاما نے اپنا بڑا سا ہاتھ پاسپورٹ پر رکھ کر اُسے ایک سمت کر لیا۔ "کل صبح دس بجے۔" لازمی۔" اُس نے ٹائیگر کی آنکھوں میں جھانکا۔ "بولو کتنی رقم کی ضرورت ہے؟"

دس منٹ بعد ٹائیگر دوبارہ میز پر تھا۔

اُس کے ساتھی جواریوں کا خیال تھا کہ شاید اس بار اُس کی قسمت ساتھ دے لیکن ٹائیگر خود سب کچھ ہی ہار گیا جو قرضے کے طور پر مانگ کر لایا تھا۔ اور پھر لوگوں نے اُسے سفید چہرہ لیے کپکپاتے ہوئے رخصت ہوتے دیکھا۔ ساتھی جواریوں نے اس کے بارے میں تبصرے شروع کر دیے، حتیٰ کہ کھلانے والوں نے انہیں بتایا کہ وہ کس مقصد کے لیے یہاں آئے ہیں؟

جوا دوبارہ شروع ہو گیا۔ جلد ہی وہ لوگ ٹائیگر کو فراموش کر چکے تھے۔

لیکن فیونی کاما اُسے نہیں بھولا تھا، اور سوا گیارہ بجے تک جب وہ نہیں آیا تو اُس نے فون اُٹھا کر ایک شناسا نمبر ڈائل کیا۔ دوسری جانب سے آواز آتے ہی وہ بول اُٹھا۔

"موشی موشی۔" دوسری جانب سے نئی کیو کو موٹو کے لیے دریافت کیا گیا تھا۔ کوموتو وہ شخص تھا جس کے لیے فیونی کاما کام کرتا تھا۔ اُس جوئے خانے کا مالک بھی وہی تھا جہاں ٹائیگر گزشتہ شب اپنی رقم ہارا تھا۔

نئی کیو کو موٹو یا کوزاکا اویابون تھا۔ فیونی کاما سے ٹائیگر کی خبر سنتے ہی اس نے دو افراد اُس ہوٹل کی طرف روانہ کر دیے جہاں ٹائیگر ٹھہرا ہوا تھا۔

ٹائیگر کے حواس تو پہلے ہی سے بیدار تھے۔ اُس نے دو افراد کو اپنے کمرے کے سامنے رُکتے سنا لیکن وہ اور قدم بہ قدم قاتین پر آگے بڑھتے سنا تھا۔ ہولسٹر سے اعشاریہ اڑتیس کا پستول نکالے جانے کی آواز بھی اُس کے کانوں تک پہنچی تھی لیکن اس نے کوئی حرکت نہیں کی۔ جب ایک شخص نے پستول ٹائیگر کی کنپٹی سے لگائی، وہ تب بھی چُپ لیٹا رہا۔

پستول کو ذرا سا دبایا گیا تو ٹائیگر نے ایک انگڑائی لے کر آنکھیں کھول دیں۔ اس کے چہرے پر ایسے تاثرات تھے جیسے اُسے گہری نیند سے بیدار کیے جانے پر بے حد غصہ آ رہا ہو۔

"اُٹھو!" پستول بردار شخص جاپانی میں بولا۔

ٹائیگر نے فوراً تعمیل کی۔ وہ یہی تو چاہتا تھا۔

*

جب پیٹر نے اپنی پسٹر کو شہیدوں کی یادگار کے سامنے چھوڑا اُس وقت سہ پہر کے تین بجے تھے۔

وہ لڑکی کسی جھلاوے کی مانند پلک جھپکتے ہی فوارے کے اردگرد لگے ہوئے درختوں کے عقب میں غائب ہو گئی۔

روبی کو وہاں فردوسی سیکرٹ سروس کے سربراہ سے ملاقات کرنی تھی جس کا اہتمام پہلے سے تھا۔

"تم نے اس شہر کو سر کے بل کھڑا کر دیا ہے روبی!" طویل قامت چیف پہلے ہی جھنڈ میں موجود تھا۔ اس نے روبی کو دیکھ کر کوئی تمہیدی یا رسمی جملہ ادا نہیں کیا تھا۔ "ذرا ہاتھ ہلکا رکھتیں تو ہمارے مخالفین کو ہم پر انگلی اٹھانے کی جرأت نہ ہوتی۔"

روبی بھی اس بات سے آگاہ تھی۔ چیف کے چہرے سے فکرمندی اور پریشانی کے تاثرات اُس نے پڑھ لیے تھے

"ہاں، کچھ زیادہ ہی ہو گیا ہے۔" روبی نے اعتراف کیا اور اپنی جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک کاغذ نکالا اور چیف کو تھما دیا۔ "اسے ابھی مت پڑھیے گا، میرے پاس وقت بے حد کم ہے۔ یہ ایک تنظیمی چارٹ ہے جس میں دارالحکومت میں برسرِ پیکار جرائم پیشہ گروہوں کی تفصیلات درج ہیں۔ مشکل یہ ہے کہ جہت سے خانے خالی ہیں۔ میں صرف پچھلے دو برسوں کے خانے بھر پائی ہوں اور یہ اعتراف کرتی ہوں کہ ابھی ڈوری ہلانے والوں کی گرد کو بھی نہیں چھو پائی۔"

"یعنی تم دوسروں پر بھی کام کر رہی ہو؟"

"بالکل۔" روبی نے ایک طویل سانس لی۔

"میں آج ساری دوپہر خوفزدہ اور پریشان لوگوں کے فون وصول کرتا رہا ہوں۔ کیا ان کے پیچھے بھی تمہارا ہی ہاتھ ہے؟"

"ممکن ہے۔" روبی نے شانے اُچکائے۔ "لیکن وہ لوگ کون ہیں؟"

"میں ساری فہرست تو نہیں بنا سکتا لیکن اس میں پارلیمنٹ کے ارکان، سرکاری افسران، ایگزیکٹو اور میئر ہ ورانہ اداروں کے ممبر... حتیٰ کہ صدارتی محل کا ایک اعلیٰ افسر بھی شامل ہے۔ سب کی کہانی ایک سی ہے۔ اُن سب کو ایک نوجوان اور خوبصورت لڑکی دھمکیاں دے رہی ہے اور بلیک میل کر رہی ہے۔ اُس لڑکی کا تعلق اہرمن کے اسٹاف سے ہے۔ اُن لوگوں نے صرف مجھ سے بات کی ہے... انہیں کم و بیش ایک سی جو بھگو یدایش کی گئی ہے وہ بھی میرے علم میں آ گئی ہے۔ ایک خفیہ اجلاس، جس میں اپریشن کو بے نقاب کیا جائے گا۔"

"کیا آپ نے اجلاس کا انتظام کیا ہے؟"

"ہاں، یہ ضروری تھا۔ آج رات آٹھ بجے کا وقت مقرر کیا گیا ہے... تم اس بارے میں جانتی ہو نا؟"

"ہاں۔" روبی نے جواب دیا۔ "لیکن ذرا محتاط رہیے گا آپ کے گھر پر بھی کوئی گڑبڑ ہو سکتی ہے۔"

چیف کی آنکھوں میں حیرت اُتر آئی۔ "یقین تو نہیں آ رہا لیکن بہرحال میں محتاط رہوں گا۔ تم فکر نہ کرو۔"

"خیر۔" روبی نے ہنکارا بھرا۔ "مجھے بھی یہی اُمید ہے کہ آپ اپنی آنکھیں کھلی رکھیں گے... آپ مجھے اسلم وتالی نامی ایک غنڈے کی بابت بتا سکتے ہیں؟"

چیف کی آنکھیں چمک اُٹھیں۔ وہ اس نام سے یقیناً واقف تھا۔ "وتالی نام تو میں ساری دوپہر سنتا رہا ہوں۔ غالباً اُس لڑکی کے نام میں بھی وتالی آتا ہے۔"

"وہ اسلم وتالی کی بیوہ ہے۔" روبی نے اثبات میں سر ہلایا۔ "میں یہ جاننا چاہتی ہوں کہ وہ اہرمن کے اسٹاف میں کتنے عرصے سے ہے۔ وہ وہاں کیسے پہنچی، اور یہ بھی کہ کیا اُس کا شوہر بھی اہرمن کے ساتھ کام کر چکا ہے۔ اگر کر چکا ہے تو کب اور کس حیثیت سے اور کتنا عرصہ..."

"تم لڑکی کو بیوہ کہہ رہی ہو، کیا اس کا شوہر مر چکا ہے؟"

روبی نے سر کو جنبش دی۔ "ہاں، وہ غنڈوں کی آپس کی لڑائی میں مارا گیا تھا۔" وہ بولی۔ "مجھے اس شخص کے بارے میں مکمل تفصیلات درکار ہیں۔"

"ٹھیک ہے، میں کوشش کروں گا۔" چیف نے جواب دیا۔ "لیکن تم یہ معلومات حاصل کس طرح کرو گی؟"

"میں آپ سے رابطہ قائم کروں گی۔"

چیف نے ناک بھنچائی۔ "بات بڑی شرمندگی کی ہے لیکن یہ حقیقت ہے کہ اب مجھے اپنے ٹیلیفونوں پر بھی اعتبار نہیں رہا۔"

"مجھے حیرت نہیں ہوئی۔ میں نے ایک زبردست قسم کی بنی انٹیلی جنس سروس کے بارے میں سنا ہے۔"

"کیا؟"

"میں درست کہہ رہی ہوں۔ اس انٹیلی جنس سروس کی تشکیل نہایت جدید ترین خطوط پر کی گئی ہے۔ لوپو نے اس میں آپ کی انٹیلی جنس سروس کے کئی سابق ارکان کو شامل کیا ہے۔" روبی نے انہیں بتایا۔ "یہ سارا کام اس علاقے میں ہو رہا ہے جسے آپ فردوس کی ناک کا بال کہہ سکتے ہیں، یعنی ایمیسی ایریا سے۔ یہ ایک چھوٹا لیکن نہایت مؤثر نیٹ ورک ہے..."

"تو کیا تمہارے خیال میں لوپو وہاں موجود ہے؟"

"کوئی بات یقینی طور سے نہیں کہی جا سکتی لیکن یہ طے ہے کہ وہاں سے بڑے سنسنی خیز انکشافات ہوں گے۔ میں آج رات وہاں حملہ کرنے جا رہی ہوں۔"

چیف کے ہونٹوں پر مسکراہٹ اُتر آئی، لیکن انہوں نے روبی کو منع کرنے یا باز رکھنے کی کوشش نہیں کی۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ چارہ گر کی یہ لڑکی وہی کچھ کرے گی جو اُس کا

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

دل چاہے گا۔

*

وائٹ ہاؤس میں ایک بار پھر اعلیٰ سطحی اجلاس جاری تھا۔ صدرِ امریکہ کے علاوہ ڈاکٹر بہرام، بریڈن اور اوشان موجود تھے۔ معاملہ ٹائیگر کا ہی تھا جو ایک بار پھر منظرِ عام سے غائب ہو چکا تھا۔

"تو آپ روانہ ہو رہے ہیں، ماسٹر!" بریڈن نے اوشان کو مخاطب کیا اور تائید طلب نگاہوں سے صدرِ امریکہ کی طرف دیکھا۔

"کہاں؟" اوشان نے دریافت کیا۔

"ٹوکیو" جواب بہرام نے دیا۔

"اوہ!" اوشان بولا۔ "اب وہاں کیا مسئلہ ہے؟"

"ٹائیگر کی نقل اور جیروک میروک کی اصلی بیوی میرینا..." بہرام نے ہی بات جاری رکھی تھی۔

"اُسے کیا کرنا ہے؟" اوشان کے چہرے پر ناگواری کے تاثرات تھے۔

"یہ تو آپ کو علم ہی ہوگا ماسٹر کہ میرینا کو ٹائیگر کی ٹوکیو روانگی کے وقت جو کال موصول ہوئی تھی وہ اوہنرو ہاؤس سے آئی تھی۔" بریڈن بولا۔

اوشان اس بات سے آگاہ تھا پھر بھی اس نے قدرے حیرت سے پوچھا۔ "ڈرچ مین؟"

"درست۔" بہرام نے اثبات میں سر ہلایا۔ "ہماری معلومات کے مطابق ٹوکیو میں میرینا کا کوئی دوست موجود نہیں۔"

"یہ سب میں بہت بار سن چکا ہوں، کام کی بات کرو، شہنشاہ۔"

ایک لمحے کے لیے اجلاس میں خاموشی چھا گئی، بالآخر صدرِ امریکہ نے زبان کھولی۔ "آپ کو میرینا سے جان چھڑانی ہے، ہمیشہ کے لیے... اور اگر ہو سکے، میرا مطلب ہے ناگزیر ہو تو ٹائیگر سے بھی..."

بہرام کے جسم میں سوئیاں چبھنے لگیں۔ اُس نے کن انکھیوں سے اوشان کی طرف دیکھا لیکن وہ اُس پتھریلے چہرے پر کسی قسم کا تاثر تلاش کرنے میں ناکام رہا تھا۔

*

جنرل زویا، ماسکو کی کسی شے کو اگر ناپسند کرتی تھی تو وہ اس کی اعلیٰ سماجی حیثیت تھی۔ وہ بحیرۂ اسود کے انتہائی شمال مغربی حصے میں واقع بندرگاہ اوڈیسا میں پیدا ہوئی تھی اس کا باپ سولہ جہازوں کے ایک بیڑے کا مالک تھا جو مچھلی پکڑنے کے لیے استعمال ہوتے تھے۔ ان میں سے چار جہاز کے جی بی کے تصرف میں تھے اور وہ انہیں جن مقاصد کے لیے استعمال کرتے تھے انہیں بیرونی سیکورٹی کا نام دیتے تھے لیکن یہ سیکورٹی جاسوسی کے سوا کچھ نہ تھی۔ اُن کی عمل داری میں رومانیہ، بلغاریہ اور ترک سرحد تھے۔

قومی سلامتی کی کمیٹی نے جب نکیتا مکاروف ورکوت سے رابطہ قائم کیا تو کچھ ہی عرصے میں اُس کے جہازوں کی تعداد آٹھ سے بڑھ کر سولہ ہو گئی۔ ابتدا میں خود اس نے کے جی بی کے ارکان کو جہاز رانی اور پیشہ ور مچھیروں کے انداز میں مچھلیاں پکڑنے کی تربیت دی تھی لیکن بعد میں وہ اپنے کام کے سلسلے میں شاید ہی اس سے رابطہ قائم کرتے تھے۔ اُن کے بقول وہ اُس پر اعتماد کرتے تھے لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ اُس سے اُس کی بیٹی بھی چھین لے گئے تھے۔

چنانچہ اُس کا اس ڈاچا میں آنا کوئی حیرت انگیز بات نہ تھی۔ یہ اوڈیسا سے قدرے ہٹ کر عین پانی کے اوپر واقع تھا۔ ڈاچا، بحیرۂ اسود میں کریمیا کے جزیرے ماسٹاپر تعمیر کیا گیا تھا جس کی تامل لگی چھت سے اس سیاہ سمندر کا دُور دُور تک نظارہ ہوتا تھا۔ جنرل زویا اس ڈاچا کو بے حد پسند کرتی تھی۔ ماسکو کے مقابلے میں یہ نہایت پُرسکون جگہ تھی۔ زویا کو ہر بار یہاں آکر ایک نئے لطف کا احساس ہوتا تھا۔

لیکن آج جب جنرل زویا اوڈیسا کے ملٹری ایئر پورٹ سے اُسے لے کر یہاں آنے والی زرل لیموزین سے اُتری تو کریمیا کے سخت موسم کو کوسے بغیر نہ رہ سکی۔

بارش ہو رہی تھی جس کی بوندیں چنے کے دانوں سے بھی موٹی تھیں۔ آسمان سیاہ ہو رہا تھا۔ ڈاچا کے اندر بھی ایک عجیب قسم کی بوریت کا احساس ہو رہا تھا۔

جنرل نے سب سے پہلے تو بارش کے باوجود ڈاچا کی تمام کھڑکیاں کھول دینے کا حکم دیا۔ ساتھ ہی اُس نے آتشدان روشن کرنے کو بھی کہا تھا۔ پھر وہ کھلے پورچ میں نکل آئی تاکہ بارش کا نظارہ کر سکے۔

تیز ہوا کے باعث بارش کی شدت بڑھ گئی تھی۔ جنرل

نے جنوب کی سمت اُفق پر زگ زیگ میں گرتی وہ بجلیاں دیکھیں جو تین سو میل کے فاصلے پر ترکی کی سرحدوں کے قریب تھیں۔

"کامریڈ جنرل!"

"یس!" زویا فوراً پلٹی۔

جنرل کارپوف لونگ روم کے وسط میں کھڑا تھا اُس نے براؤن اینڈ سنز آرمی یونیفارم پہن رکھا تھا جو وزیر زنسکی ایئر فورس کا ڈریس تھا۔ اس وردی میں وہ نہایت اسمارٹ اور طاقت ور دکھائی دیتا تھا۔ اُس نے کمرے کو یونہی بھر دیا تھا جیسے پوری ورخوف نے اُس کا دفتر بھر دیا تھا۔

"تمہیں یہاں دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی ہے، ڈرسکا!" اس نے اپنے ہونٹوں پر مسکراہٹ سجائی۔ ساتھ ہی اُس نے دونوں ہاتھ اٹھا دیے اور اُس کی درشکا (جان) بھاگ کر اُن میں آسمائی۔ جنرل کارپوف نے زویا کو یوں تھام لیا جیسے وہ اُسے خود میں جذب کر لینا چاہتا ہو۔ اگلے ہی لمحے دونوں کے ہونٹ مصروف ہو چکے تھے۔

۱۹۷۱ء میں زویا، فرسٹ چیف ڈائریکٹوریٹ کے تحت ایک بڑے یونٹ ڈپارٹمنٹ ایس میں کام کر رہی تھی۔ وہ ایکریومنٹ، ٹریننگ اور کے جی بی کے غیر قانونی ایجنٹوں کو بیرونی ملکوں میں بھیجنے کا نگران شعبہ تھا۔ زویا ایجنٹوں کے لیے بہترین کورز تجویز کرنے کی انچارج تھی۔

اسی سال ڈپارٹمنٹ فائیو کا ایک نہایت اعلیٰ اور متحرک عہدے دار اوویگ لائلن جو قتل و غارت گری اور سبوتاژ کا انچارج تھا، منحرف ہو کر لندن چلا گیا۔ اپنے ساتھ وہ بہت سی خفیہ اور مہلک معلومات بھی لے گیا تھا۔ زرزنسکی اسکوائر نے اُس کے فرار کو کسی نہ کسی طرح ہضم تو کر لیا لیکن جب دو ماہ بعد زویا نے اُس کی فائلوں سے چھوٹے چھوٹے لیکن خطرناک حقائق کا پتا چلایا تو وہ مزید جاننے کو بے قرار ہو گئی۔

تین ہفتوں تک اُس نے سر نہیں اُٹھایا، بالآخر وہ ناقابلِ تردید شواہد اور ثبوتوں کے ساتھ ایک بھاری بھرکم فائل لے کر جنرل کارپوف کے پاس پہنچ گئی جو اس وقت ڈپارٹمنٹ ایس کا سربراہ تھا۔

بارہ گھنٹوں تک جنرل کارپوف وحشیوں کی مانند مصروف رہا۔ زویا دھماکا خیز خبریں لائی تھی۔ اُس کی تحقیقات کے مطابق لائلن اپنے انحراف سے دو سال قبل ہی برطانیہ کا ڈبل ایجنٹ بن چکا تھا۔

لائلن کا نزلہ ڈپارٹمنٹ فائیو پر گرا اور اُس پر جیسے جھاڑو پھیر دی گئی۔ بہت سے ارکان کو قید کر دیا گیا۔ کچھ کو قتل کروا دیا گیا۔ بعض فرار ہو گئے اور ایک وقت یہ آیا کہ اس ڈپارٹمنٹ کا نام تک مٹ گیا۔ جنرل کارپوف کی کوششوں اور عظیم ترین خدمات کے صلے میں حکومت نے اُسے ایک اور شولڈر اسٹار اور فرسٹ چیف ڈائریکٹوریٹ کی کرسی سے نوازا۔

یہ کارپوف ہی تھا جس نے لائلن کی غداری کو بے نقاب کرنے کا اعزاز سمیٹا لیکن وہ اُس ذریعے کو نہیں بھولا تھا جس نے یہ معلومات اُس تک پہنچائی تھیں۔ موقع ملتے ہی اُس نے کرنل زویا کو نئے قائم ہونے والے ڈپارٹمنٹ ایٹ میں منتقل کر دیا جس نے ڈپارٹمنٹ فائیو کی جگہ لی تھی۔

لیکن کارپوف کو احسان مندی کے کسی تقاضے نے ایسا کرنے پر مجبور کیا اور نہ ہی یہ کرنل زویا کی صلاحیتوں کو اُس کا خراجِ تحسین تھا، بلکہ حقیقت یہ تھی کہ جنرل اپنے اسٹاف ممبر کی حیثیت سے زویا کی پہلی جھلک دیکھ کر ہی اُس پر ریجھ گیا تھا۔ وہ اُس وقت اُنیس سال کی تھی اور انٹیلیجنس سروس میں کلرک کی حیثیت سے کام کر رہی تھی لیکن اُس نے ایجنٹوں کے استعمال کے لیے کئی خفیہ رسم الخط وضع کر لیے تھے۔

زویا کے گھنے بھورے بالوں، ٹھنڈی میٹھی خاکستری آنکھوں اور نرم و گداز، ملتمس ہونٹوں نے جنرل کو گھائل کر دیا تھا۔ تب تک وہ اپنی بیوی کا سو فیصد وفادار تھا۔ اس نے شادی کے تیس سال بغیر کسی معاشقے کے گزارے تھے لیکن زویا کی ایک ہی جھلک نے سب کچھ بدل ڈالا تھا۔ اپنی طویل سروس میں وہ کبھی اتنا بے قرار نہ ہوا تھا لیکن جانے کیا بات تھی کہ زویا کو دیکھتے ہی اس کا جی چاہا تھا کہ وہ اسے اپنے لیے مخصوص کر لے۔

وقتاً فوقتاً وہ اپنے ماتحتوں کے ذریعے اُس کی کارکردگی کا پتا کرواتا رہا۔ جب زویا کو فرسٹ چیف ڈائریکٹوریٹ کی تربیت کی غرض سے یورپ بھیجا گیا۔ جنرل تب بھی اُس کی سرگرمیوں سے پوری طرح باخبر تھا زویا میں اپنی صلاحیت تھی کہ وہ اپنے بل بوتے پر آگے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

بڑھ سکتی لیکن جنرل اُسے اپنی مرضی پر چلاتا رہا اور ایک کے بعد ایک ذمے داری تفویض کرتا رہا۔ چھ ماہ کے اندر ہی جنرل نے اُسے واپس بلا بھیجا۔ اس کی بڑھائی مسز جنرل سے برداشت نہ ہو سکی تھی۔ وہ ایک پستول تھی جسے جنرل اپنے ہاتھوں میں رکھ کر استعمال کرنا چاہتا تھا اور ہر طرح سے اپنے انداز میں ڈھالنا چاہتا تھا۔

زویا کی صلاحیتوں نے جنرل کو یہ موقع فراہم کیا کہ وہ اُسے کھلے عام ترقی دے سکتا۔ اُس نے زویا کو اپنا ماتحت مقرر کیا لیکن درحقیقت اُس نے زویا کو ڈیپارٹمنٹ ایٹ کے نئے سربراہ کی حیثیت سے منتخب کیا تھا۔

محض اٹھارہ ماہ کی مدت میں زویا اس قابل ہو گئی کہ جنرل کی خواہش کے عین مطابق ڈیپارٹمنٹ ایٹ کی سربراہ کا عہدہ سنبھال لے۔ وہ اپنی اہمیت کا بھرپور احساس دلانے لگی تھی۔ پولٹ بیورو نے جنرل کی کارستانیوں پر بہت معمولی سی توجہ دی جس کے باعث اُسے کھل کر کھیلنے کا موقع مل گیا۔

پروگرام کے مطابق ایک صبح اُسے اپنے دفتر میں طلب کیا اور اپنا منصوبہ اُس کے سامنے رکھ دیا۔ . . ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ ایٹ . . . اور یہ درحقیقت ایک آغاز تھا۔ اگر . . .

جنرل نے اُسے حاصل کرنے کے لیے اچھے وقتوں کا انتظار کیا تھا اور اب یہ موقع آگیا تھا۔ وہ کسی بھی قیمت پر اُسے کھونا نہیں چاہتا تھا۔

زویا نے انکار کر دیا۔

جوں جوں وہ دامن بچاتی جنرل کی آتش شوق مزید بھڑکتی۔ اس کی آنکھیں بار بار گداز ہونٹوں اور ٹھنڈی مینھی آنکھوں سے اٹکھیلیاں کرتیں۔ زویا نے خود کو ایسی نازک زور آزمائی ثابت کیا جو ہر سطح پر کے بس کی بات نہ تھی۔

جنرل اُسے لگام دینا چاہتا تھا۔ حیرت انگیز طور پر وہ اس کے پیچھے دیوانہ ہو رہا تھا۔ اُسے یہ احساس بھی ہوا کہ زویا کے دفتر سے جانے کے بعد وہ کوئی کام نہیں کر سکتا تھا۔ بس اُس کے بارے میں سوچتا رہتا تھا۔ اُس جیسے شخص کے لیے بہرحال یہ کوئی اچھی بات نہ تھی۔

بہرحال میں اُسے حاصل کروں گا' وہ بے اختیار سوچتا' اُسے ہر صورت تسخیر کروں گا۔

وہ اگر چاہتا تو حکمیہ اُسے معاشقے پر مجبور کر سکتا تھا لیکن زویا ایسی چیز تھی جسے وہ پیار محبت سے اپنانا چاہتا تھا۔ اس کے لیے وہ کسی قسم کا خطرہ مول لینے کے حق میں نہ تھا۔

وہ چاہتا تھا کہ زویا اپنے دل سے ہاں یا نہ کہے۔

اُس دن جنرل نے اپنی تمام مصروفیات منسوخ کر دیں اور لائبریری سے زویا کا فائل منگوا کر گھر لے آیا۔ اُس کی بیوی اپنی بہن سے ملنے دو ہفتوں کے لیے ریگا گئی ہوئی تھی اور وہ گھر پر تنہا تھا۔

اُس نے اپنے لیے شراب کا ایک جام تیار کیا اور اپنی اسٹڈی میں بیٹھ کر زویا کی فائل کا مطالعہ کرنے لگا۔ تین گھنٹوں کی دیدہ ریزی اور دو جام چڑھانے کے بعد بالآخر اُس نے اپنے سوال کا جواب تلاش کر لیا۔

زویا' اوڈیسا میں پیدا ہوئی اور پلی بڑھی تھی۔ اگر اُس کا منصوبہ کامیاب ہو جاتا تو زویا کے ڈاچا سے بہتر بن جگہ اور کوئی نہ تھی جو بحیرۂ اسود کے ساحل پر واقع تھا۔

جہاں تک زویا کا تعلق تھا' وہ جنرل کی قربت کے لیے اُس سے زیادہ بے قرار اور ہر وقت تیار تھی۔ اُسے جنرل کارپوف کی طاقت' جثہ اور انداز بڑا بھلا لگا تھا لیکن اُس کے والد نے اُسے سکھایا تھا کہ دوسرا شخص جو چیز خریدنا چاہتا ہے اس کے دام میں اضافہ کرتے جاؤ حتیٰ کہ وہ گھٹنوں کے بل گر کر اپنی شکست اور بے بسی کا اعتراف کر لے۔ جنرل کارپوف کو وہ بہت بڑا خریدار سمجھتی تھی لیکن اس کے جذبوں کے جواب میں گونگی' بہری اور اندھی بن جاتی تھی۔

اُسے یہ سب پسند بھی بے حد تھا لیکن اعتراف نہیں کرنا چاہتی تھی۔ وہ یہ بھی جانتی تھی کہ ذاتی پسندیدگی فرائض پر اثر انداز ہو سکتی ہے کارپوف کی پھسلتی ہوئی نگاہیں اُس کے بدن میں کپکپی پیدا کر دیتی تھیں۔ یہ طے تھا کہ روس کے چند طاقتور ترین افراد میں شامل ایک فرد جنرل کارپوف تھا لیکن وہ زویا کو دیکھ کر یوں پگھل جاتا جیسے موم کا بنا ہوا ہو۔

"اوڈیسا" ایک جملے کی سہ پہر وہ دو معنی انداز میں گویا ہوا تھا۔ "میں سالوں سے سمندر کے نزدیک نہیں گیا۔"

زویا بات چیت کا رخ سمجھ رہی تھی۔ "میرا ڈاچا عین بحیرۂ اسود پر واقع ہے۔" اس نے شانے جھٹکے۔ "لیکن میرے پاس اتنا وقت نہیں ہوتا کہ اُسے استعمال کر سکوں۔"

"اس ویک اینڈ کے بارے میں کیا خیال ہے؟" کارپوف نے دھڑکتے دل کے ساتھ پوچھا۔

زویا نے ایک لمبی سانس لی۔ "بدقسمتی سے میرے پاس کام کا انبار لگا ہوا ہے۔"

"کام!" کارپوف نے لفظ چبایا۔ "اگر چاہو تو اسے اپنے ساتھ لے چلو۔"

زویا ہنس دی۔ "اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم اس ویک اینڈ پر مجھے اپنے ساتھ میرے ڈاچا پر مدعو کر رہے ہو؟"

کارپوف ابھی تک زویا کی ذاتی ترجیحات سے آگاہ نہ تھا اس لیے جواب دینے میں اُس نے خاصی احتیاط برتی تھی۔

"اگر تم اس میں ترمیم نہ کرنا چاہو تو۔"

زویا نے ایک اور قہقہہ لگایا۔

اتوار کی صبح کارپوف نے اُسے ڈیپارٹمنٹ ایٹ کی پیش کش کر دی۔ زویا' کے وی آر اور جنرل کے عہدے پر ترقی چاہتی تھی اس نے واشگاف الفاظ میں سمجھ دیا تھا کہ اس سے کم پر تیار نہیں ہو گی۔

اور پھر جب زویا اس کی زندگی میں آئی تو گویا بہاروں نے اس کا گھر دیکھ لیا۔ جوانی میں بہت سی لڑکیوں سے اُس کی دوستی رہی تھی لیکن کسی نے بھی اُسے زویا کی طرح متاثر نہ کیا تھا۔ پیار کے سلسلے میں وہ ایک ظالم اور روکھی شخص تھا لیکن حیرت انگیز طور پر اُس کی بیوی یا دوسری لڑکیوں نے کبھی اس کی شکایت نہ کی تھی۔

البتہ زویا نے اُسے بتایا کہ ابھی اُسے ان مراحل کے بارے میں بہت کچھ سیکھنا ہے۔ اس نے نہ صرف سب کچھ سیکھا بلکہ زویا کو وہ تمام چیزیں دیں جن کی وہ خواہش رکھتی تھی . . . وہ اپنے کام کے ساتھ ساتھ' اس کی باہنوں میں بھی قیامت ثابت ہوئی۔

پھر چین کو گھیرنے کے سلسلے میں جنرل کا پلان مون اسٹون منظور ہوا۔ اُسے کام چلانے کی غرض سے جی آر یو میں منتقب اور محدود دائرہ اختیار دیا گیا تھا۔ پراجیکٹ میں یوری ورخوف نے اس کی بے حد مدد کی' چنانچہ وہ مل کر اس منصوبے پر کام کرنے لگے۔ ورخوف خود بھی آر یو میں بڑی طرح ملوث تھا اور مون اسٹون کے بارے میں جنرل کی ذمے داریوں میں ذاتی دلچسپی لے رہا تھا' اس کے باوجود

مون اسٹون کا فائل جس روز ورخوف کی میز سے کلیئر ہوا جنرل نے سکھ کا سانس لیا تھا۔

"کامریڈ جنرل!" کارپوف دوبارہ بولا۔ جملہ اُس نے ہنستے ہوئے سرگوشی کے انداز میں زویا کے منہ میں ادا کیا۔ اُسے اندازہ ہوا تھا کہ بعض معاملات کو ورخوف سے بھی خفیہ رکھنا ہو گا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اُسے زویا کے دفتر میں لے آیا تھا۔ وہ زویا کو "کامریڈ جنرل" کہنا چاہتا تھا۔ جبکہ اُس کا دل "درشکا" پکار رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ زویا کو اس کی خواہش کا علم ہے لیکن ورخوف آگاہ نہ تھا حالانکہ وہ بے انتہا اختیارات کا مالک تھا۔ جانے کیوں اس بات پر جنرل بے حد خوش تھا۔

اس نے زویا کو اپنے روبرو کر لیا اور اُس کی صبیح رنگت کو آنکھوں کے راستے دل میں اتارنے لگا۔

"اب تم مون اسٹون کے آخری سرے سے بھی مل چکی ہو" جنرل نے اُسے بتایا۔ "تم نے تو اُسے پہلی ہی نگاہ میں بھسم کر ڈالا ہے جنرل!"

زویا نے اُس کے جملے پر کوئی توجہ نہیں دی۔ "مون اسٹون اور ڈیچ مین الگ الگ چیزیں ہیں۔" وہ بولی۔ "ورخوف کے وی آر کے ساتھ کیا کرنا چاہتا ہے؟"

"ورخوف' کے جی بی میں جو چاہے کر سکتا ہے۔"

زویا نے اُسے گھورا۔ "فرسٹ چیف ڈائریکٹوریٹ کے سربراہ تو تم ہو۔"

"میری درشکا . . . جان! تم یقیناً یہ بات سمجھتی ہو کہ فرسٹ چیف ڈائریکٹوریٹ کے اوپر بھی ایک اتھارٹی موجود ہے۔ یاد رکھنا میں نے کیا کہا ہے۔ کے جی بی ایک وسیع دنیا ہے لیکن اپنے خول میں بند۔ تمہارے لیے یہ بے حد ضروری ہے کہ اپنی حدود سے آگاہ رہو۔"

زویا اُس سے الگ ہو کر سمندر کے رُخ پر کھڑی ہو گئی۔ وہ ہلکے ہلکے کپکپا رہی تھی کارپوف نے عقب سے آکر اُسے تھام لیا۔ "کیا ہوا؟ ماسکو سے اتنی دور آکر بھی سیاہ سوچوں نے تمہارا پیچھا نہیں چھوڑا؟"

"ہم مرکز سے اتنی دور تو نہیں۔"

کارپوف نے دوبارہ اُس کا رُخ اپنی طرف کر لیا۔ زویا کو اُس کے چہرے پر فکر کے سائے اترتے دکھائی دیے۔ "کیا تم ورخوف کے بارے میں سوچ رہی ہو' درشکا! یاد

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

رکھیو وہ ہمیشہ سے وہاں موجود تھا' پھر کیا یہ بہتر نہیں کہ تم اب اس سے آگاہ ہو گئی ہو؟"

"میں نہیں جانتی کہ وہ میرے کام کرنے والوں سے اُلجھتا پھرے۔"

"لیکن ڈرج مین کا تعلق پورے سوویت یونین سے ہے۔ اُس کی شہرت اور صلاحیت محدود نہیں کہ تم تنہا اُس پر قابو پا سکو۔ تمہیں سب کی ضرورت ہے۔ ان حقائق کے ساتھ رہنا سیکھو۔"

زویا نے کچھ کہنے کو مُنہ کھولا لیکن کارپوف نے اُسے خاموش کرنے کے لیے وہی عمل دہرایا جو پہلی بار بازوؤں میں لے کر کیا تھا۔ "میں اب اس بارے میں ایک لفظ بھی نہیں سننا چاہتا۔" اُس نے زویا کے ہونٹوں پر سرگوشی کی۔

"کس بارے میں؟"

لیکن اب کارپوف واقعی کچھ سننے کے موڈ میں نہ تھا۔ جلد ہی زویا نے بھی سپر ڈال دی۔ اُس نے کچھ دیر کے لیے شکست قبول کر لی تھی۔

باہر بارش کچھ اور تیز ہو گئی تھی' زویا کو وہ شور اب بھی سنائی دے رہا تھا' مگر جنرل جلد ہی ہر قسم کے شور سے بے بہرہ ہو گیا۔ زویا نے ناگواری سے اُسے دیکھا اور جھٹکے سے الگ ہو کر اپنی اسٹڈی میں چلی گئی۔

اُسے جنرل پر بے پناہ غصہ آ رہا تھا۔ اس کی واحد وجہ یہ تھی کہ اب وہ اُس کی بے قراریوں کا ساتھ نہیں دے پاتا تھا۔ اچانک ہی زویا کو احساس ہوا کہ اب وہ جنرل سے اُکتا گئی ہے۔ اس تعلق کو پیدا ہوئے تین سال ہو گئے تھے مگر اب یہ بوجھ بن گیا تھا۔

زویا کو اپنی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ کا احساس ہوا... درخوف... اُس کے ذہن کی آنکھوں میں پریذیڈیم کے طاقتور رُکن کی مبہم لہرائی۔ وہ اب بھی اُسے اپنے دفتر میں دیوار سے ٹیک لگائے ٹکٹکی باندھ کر آرہا تھا۔ وہ حیران تھی کہ اُس کی گہری آنکھوں کے پیچھے کون کون سے طوفان چھپے ہوئے ہیں۔ کیا وہ ان طوفانوں کو بے نقاب کر سکے گی؟

اُس نے آنکھیں بند کر کے سر کرسی کی پُشت گاہ سے ٹکا دیا۔ قربتیں کبھی کبھی اُس پر خوش گوار اثرات مرتب کرتی تھیں۔ درخوف کے بارے میں کیا کیا جائے۔ اُسے اپنے سامنے جھکانے کا ایک راستہ موجود تھا۔ اُس کی بے پناہ قوت ایک مسئلہ ضرور تھی لیکن زویا کو علم تھا کہ تمام مسائل کا حل موجود تھا صفحات کی تہ تک پہنچنے کا اہل ہونا ضروری ہے۔

اُسے اپنے "الد" کا ایک جملہ یاد آیا' دشمن کی قوت کی کمی کے باعث تم اُس کی تمہ موریاں تلاش نہیں کر سکتے تو ایسا راستہ اختیار کرو کہ اُس کی قوت کو اُسی کے خلاف استعمال کر سکو۔

اور زویا نے وہ راستہ تلاش کر لیا تھا...

*

فروری دارالحکومت میں مجرموں کے خلاف مہم میں روبی کی سیکرٹ سروس کے چیف سے ملاقات کے بعد زیادہ تیزی آ گئی۔ کئی سرکاری اور نجی اداروں نے احتجاجاً ہڑتال کا اعلان کر دیا جبکہ پولیس نے صورتحال کو بحرانی قرار دے دیا۔

روبی نے نئے راؤنڈ کا سب سے پہلا ٹارگٹ شہر کے شمال مغربی حصے میں واقع ایک فیشن ایبل رہائش گاہ تھی جسے جیفی نٹل نامی ایک عیسائی عورت نے کرائے پر لے رکھا تھا۔

جس پولیس آفیسر نے معاملے کی تحقیقات کی اُس کے بقول روبی نے مس جیفی کے سیف سے بھاری رقم لوٹی کئی خاتون مہمانوں کو خوفزدہ کیا اور مس جیفی کے دو محافظوں کو مکمل کر ڈالا۔

خود روبی نے بعد ازاں سیکرٹ سروس چیف کو رپورٹ دی "جیفی نٹل وی آئی پی طبقے میں منشیات اور خوبصورت لڑکیاں فراہم کرتی تھی۔ گلستان میں مُرتوڈی نامی ایک شخص بھی جیفی کے کاروبار میں شریک رہا ہے اگر آپ چاہیں تو اس پر بھی ہاتھ ڈال سکتے ہیں۔"

"یہ مجرموں کے خلاف کوئی کارروائی نہ تھی۔" ایک آفیسر نے اُسے ظاہر کی۔ "روبی پاگل ہو گئی ہے اور معصوم شہریوں کے خلاف قتل و غارت گری میں مصروف ہے۔"

روبی کی رپورٹ پھر مختلف تھی۔ "جمخانہ اور ہیلتھ کلب لوپو کے اندرونی سرکل سے متعلق تھے۔ اُس کے آپریشنز میں انہیں بنیادی حیثیت حاصل تھی۔ اس کا ہر رکن کسی نہ کسی طرح لوپو کی مجرمانہ سرگرمیوں سے وابستہ تھا۔ میں آپ کو ایک خصوصی قاصد کے ذریعے بعض دستاویزات بھیج رہی ہوں۔ اس کا نام رپر ہے۔ اس کو مکمل تحفظ ملنا

چاہیے۔ کیونکہ اگر دشمنوں کو پتا چل گیا تو وہ کسی قیمت پر بھی اُسے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"

جیم خانہ پر حملے کے محض بیس منٹ بعد گہرے نیلے رنگ کے سوٹ میں ملبوس ایک تنہا شخص فیڈرل ٹرائی ایجنسی کے دفتر میں داخل ہوا اور خاموشی کے ساتھ ہیلتھ تعلیم اور ویلفیئر کے پارٹمنٹ کے تین افسران کو گولی مار کر ہلاک کر دیا۔

دس منٹ بعد ایک لڑکی سپریم کورٹ بلڈنگ میں نمودار ہوئی اور کورٹ کے ایک اہم ملازم کو گولی مار کر روپوش ہو گئی۔ درجن بھر پولیس والوں نے اس کا تعاقب کیا لیکن وہ ہاتھ نہ آ سکی۔

یہ صورتحال شام پانچ بجے تک رہی۔ آٹھ مختلف مقامات پر حملے ہوئے جن میں متعدد افراد مارے گئے۔

شام سوا پانچ بجے ایک خصوصی نیوز بلیٹن میں اعلان کیا گیا کہ روبی کا قلع قمع کرنے کے لیے اسپیشل پولیس کمانڈ قائم کر دی گئی۔ جمال حامی نامی آفیسر کے تحت کام کرنے والی اس فورس کو ہدایت کی گئی ہے کہ روبی کو دیکھتے ہی گولی سے اُڑا دیں۔

روبی مسلسل حرکت میں تھی لیکن اب تک اُسے لوپو کا سراغ نہ مل سکا تھا جو عین اس وقت اسٹیج ہیڈ کوارٹر میں بیٹھا روبی کے حملوں سے پیدا ہونے والی صورتحال کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس کا جنرل اسٹاف مسمی صورت بنائے اس کے سامنے بیٹھا تھا۔

لازو کانے اپنے پریشان باس کو بتایا "وہ لڑکی یقینی طور پر پاگل ہو گئی ہے۔ جہاں جہاں سے وہ گزرتی ہے گوشت اور خون کے ڈھیر لگا دیتی ہے۔ اُس کا ایک ہی مطالبہ ہے کہ مجھے لوپو چاہیے۔ وہ تمہارے تعاقب میں ہے اور اس کوشش کے دوران ہمارا نصف سے زیادہ آپریشن سبوتاژ کر چکی ہے۔ وقت ہمارے پاس بالکل نہیں۔ اُس کا خاتمہ کرنا اب ہماری مجبوری بن گئی ہے۔"

"تم اس سلسلے میں کیا تجویز پیش کرتے ہو؟" لوپو نے دریافت کیا۔

"میں معذور ہوں۔"

"معذور کا بچہ!" لوپو بپھر گیا۔ "تم نیلوفر کو بھی تلاش نہیں کر پائے۔ وہ نصف سے زیادہ شہر کے ساتھ رابطے میں ہے اور تم اُس کی گرد کو بھی نہیں چھو پائے۔"

"ہم نے اپنی سی کوشش کی ہے۔" لازو کانے صفائی پیش کی۔ "میں تمہیں بتا رہا ہوں..."

"مجھے بتانے کی کوئی ضرورت نہیں۔" لوپو نے اُس کا جملہ کاٹا اور اپنے انٹیلی جنس چیف کی طرف اُنگلی اُٹھائی۔ وہ ایک نوجوان لیکن غائب دماغ شخص تھا۔ "مجھے پروفیسر نے بتایا ہے کہ اس نے ہماری فہرست پر موجود چودہ افراد سے رابطہ کیا ہے۔ اُس نے انہیں جانے کیا پٹی پڑھائی ہے کہ وہ تمام کے تمام روبی کے انصاف کے طالب ہیں۔ وہ سیکرٹ سروس کے چیف سے ملاقات کرنے والے ہیں اور یہ سب اُس نیلوفر کی وجہ سے ہو رہا ہے۔ میں نے تمہیں بتایا تھا لازو کا کہ مجھے اس کٹنیا کی ضرورت ہے۔"

چیف آف اسٹاف نے پہلو بدلا۔

"کیا کہتے ہو تم؟"

"میں اس سلسلے میں کیا کہہ..."

ایک اور شخص بول اُٹھا۔ "لازو کا ناکارہ ہو گیا ہے۔"

"مجھے اپنی ناکامی کا اعتراف ہے۔" لازو کا فوراً بولا۔

"درست۔" لوپو نے اس کی تائید کی۔ "بہتر یہ ہے کہ بعض تجاویز پر دھیان دو۔"

خوابناک آنکھوں والا انٹیلی جنس چیف گویا ہوا۔ "ہم صورتحال کا کنٹرول پہلے ہی کھو چکے ہیں۔ اگر ہم لوگ اگلے پانچ منٹ میں بھی روبی پر قابو پا لیں تب بھی ہمارے ٹائم ٹیبل کا ستیاناس ہو چکا ہے۔ اس لیے میں مجوزہ پیش کرتا ہوں کہ پسپائی اختیار کی جائے۔ خود کو ازسرِ نو منظم کیا جائے۔ جھاگ بیٹھ جانے دو منصوبہ وہی رہے گا۔ یہ ٹھیک ہے کہ ہمیں ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا ہے لیکن وقت ابھی ہمارے ہاتھ سے نہیں نکلا۔"

"ٹائم ٹیبل پر کوئی سمجھوتا نہیں ہو سکتا' پروفیسر!" لوپو نے اعتراض کیا۔ "ہمیں سیاسی شیڈول کی حقیقتوں کو نگاہ میں رکھنا ہو گا۔ ہم ابتدائی معاملات میں ہی اپنی گردن پھنسا بیٹھے ہیں۔"

"صحیح... لیکن میری تجاویز اب بھی وہی ہیں۔"

"ٹھیک ہے' یہ تمہارا آئیڈیا ہے۔" لوپو بولا۔ "کوئی اور بات کرے گا؟"

لازو کا منمنایا۔ "میں پروفیسر سے متفق ہوں۔ ہم خاصی

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

دُور نکل آئے ہیں لیکن اب بھی اس قابل نہیں کہ روبی کے پیدا کردہ بحران پر قابو پا سکیں۔"

"میں نے آج تک کسی لڑکی کو اتنی متحرک اور سفاک نہیں دیکھا۔" ایک اور رُکن بولا۔ "اس نے ایک ہی دن میں ہمیں سالوں جتنا نقصان پہنچایا ہے۔"

"وہ واقعی ایک ظالم اور بے رحم لڑکی ہے۔" لازوکا نے اس سے اتفاق کیا۔

"اب تک تنظیم کے کتنے لڑکے روبی کو ختم کرنے کی کوشش میں جان سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں؟" پروفیسر نے پوچھا۔

"بے شمار۔" لازوکا نے جواب دیا۔

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ ہم سے طاقتور ہے اور یہ بات سب ہی جانتے ہیں کہ طاقتور سے سر ٹکرانا کہیں کی عقل مندی نہیں ہے۔"

"تو پھر؟" اس بار بھی لازوکا بولا تھا۔

"اُسے جذب کر لو۔"

"تمہارا کہنا ہے ہم اُسے خرید لیں۔" لوپو نے کہا۔ "اس کی پہلے بھی کوشش ہو چکی ہے۔"

"نہیں۔" پروفیسر نے نفی میں سر ہلایا۔ "میں خود بھی اس بارے میں نہیں سوچ رہا۔ میرا مطلب ہے اُسے اپنے آپریشن میں ضم کرنے سے ہے جیسے بہت سے دوسروں کو کر چکے ہیں۔۔۔"

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔" لازوکا بولا۔

"لیکن میں سمجھ گیا ہوں۔" لوپو کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ "اس اجلاس کا وقت کیا ہے پروفیسر؟ وہی سگریٹ سروں کے چیف کے ساتھ؟"

"آٹھ بجے۔" انٹیلی جنس چیف نے جواب دیا۔

"اوکے۔" لوپو نے اس کی طرف انگلی اُٹھائی۔ "گلستان رابطہ قائم کرو اور انہیں بتاؤ کہ مجھے تاری کی ضرورت ہے۔ وہ قطب جنوبی پر ہے یا امریکہ میں۔۔۔ میں ہر قیمت پر آٹھ بجے سے پہلے اُسے یہاں دیکھنا چاہتا ہوں۔ تم سلیٹری جیٹ پتہ اور یاکوتی خلائی سیارہ' مجھے وہ لڑکی آٹھ بجے تک یہاں درکار ہے۔"

پروفیسر فوراً اُٹھ کھڑا ہوا۔ "وہ وقت پر پہنچ جائے گی۔" اس نے اپنے باس کو یقین دلایا۔

"وہ روبی کے سلسلے میں کیا کرے گی؟" ایک منتجس رُکن نے دریافت کیا۔

"وہ سب کچھ جس کا تم تصور بھی نہیں کر سکتے۔" لوپو نے فخریہ انداز میں بتایا۔ "وہ ایک زبردست اداکارہ ہے اور اپنی اداکاری سے روبی کو ایسی مات دے گی کہ چارہ گر کی یہ لڑکی دوبارہ فردوس آنا بھول جائے گی۔"

*

ایک کار یاکوزا کے دونوں غنڈوں کی منتظر تھی۔ وہ ٹائیگر کو لے کر اُس میں جا بیٹھے اور کار شمال مغرب کی سمت روانہ ہو گئی۔ تھوڑی دیر کے سفر کے بعد وہ توشی ماکو کے اندرونی حصے میں پہنچ چکے تھے۔ رکیو یونیورسٹی سے ایک میل آگے آنے کے بعد کار بائیں جانب مڑ گئی۔

جلد ہی گنجان آبیل مکانات کا سلسلہ شروع ہو گیا جن کے سامنے سرسبز و شاداب اور بھاری آہنی گیٹ لگے ہوئے تھے۔ کار ایک ایسی چار دیواری میں داخل ہوئی جو کم و بیش بارہ فٹ بلند تھی۔ لان میں جا بجا درخت اُگے ہوئے تھے جنہوں نے مکان کو چاروں طرف سے گھیر رکھا تھا۔

سیمنوں اتر کر مکان کی طرف بڑھے۔ یاکوزا کے غنڈوں نے ٹائیگر کو درمیان میں رکھا۔ وہ خاصے محتاط دکھائی دے رہے تھے لیکن ٹائیگر کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔

وہ دل ہی دل میں حساب لگا رہا تھا کہ دونوں میں سے کون اُس کی ضرب کتنی شدت سے برداشت کر سکے گا۔ وہ چاہتا تو چشم زدن میں دونوں زمین پر تڑپتے نظر آتے لیکن وہ اسی انداز میں معاملے کی تہ تک پہنچنا چاہتا تھا۔

خارجی دروازے سے گزر کر وہ ایک طویل راہداری میں داخل ہوئے جس کی دونوں جانب بہت سے دروازے تھے لیکن وہ تمام بند تھے ایک دروازے کے باہر رُک کر انہوں نے جوتے اتارے اور دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئے۔۔۔

کمرہ خالی تھا۔ غنڈوں نے ٹائیگر کو ایک جانب کھڑا کیا اور ایک نے آگے بڑھ کر مخالف دیوار میں نظر آنے والا سلائیڈنگ ڈور کھول دیا۔ چند ہی ثانیوں بعد ایک اور قوی الجثہ شخص اندر داخل ہوا۔ وہ قدم بہ قدم چلتا ہوا ٹائیگر کے عین سامنے آ کھڑا ہوا۔

ٹائیگر نے اس کا جائزہ لیا۔ وہ چوڑے چکلے شانوں اور موٹی گردن والا ایک مضبوط جثہ شخص تھا۔ اس کا سر بڑا لیکن

کان نسبتاً چھوٹے تھے۔ اُس نے یورپی اسٹائل کا کوٹ پہن رکھا تھا۔ اُس کے بائیں ہاتھ کی ایک انگلی میں اژدہے سے ملتی جلتی ایک انگوٹھی بھی موجود تھی۔

"میرا نام می کیو کو موٹو ہے۔" آنے والے نے بغیر کسی تمہید کے کہا۔ "جس شخص سے تم نے قرض لیا تھا وہ میرے لیے کام کرتا ہے اور تم نے خود مجھے مجبور کیا ہے کہ میں تمہیں یہاں بلواؤں لیکن تمہارا کام مجھے بالکل پسند نہیں آیا، مسٹر رچرڈسن۔" اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر ٹائیگر کا پاسپورٹ نکالا اور اُس کی آنکھوں کے سامنے لہرانے لگا۔ "میں تمہارے ساتھ کیا کروں؟ تم نے میرے آدمی سے مدد کی اپیل کی۔ اُس نے تو اپنی ذمے داری پوری کی لیکن تم نے اپنا فرض پورا نہیں کیا۔۔۔ تم جواری سب ایک سے ہوتے ہو۔۔۔ تم لوگوں کی آنکھیں پیٹ سے ہمیشہ بڑی ہوتی ہیں۔"

ٹائیگر کی چھٹی حس نے اُسے بتا دیا تھا کہ وہ ایک اہم شخص سے مخاطب ہے۔ "ادیابون!" وہ یاکوزا کے روایتی انداز میں تعظیم کے لیے جھکا۔ "کیا تم مجھے اپنے اور مجھے قرض دینے والے کے سامنے معذرت کا موقع نہ دو گے؟"

می کیو کو موٹو نے کچھ نہیں کہا چنانچہ ٹائیگر اس کی طرف بڑھا۔ دروازے پر موجود غنڈے کے چہرے پر بے چینی نمودار ہوئی لیکن کو موٹو نے ہاتھ کے اشارے سے اُسے پُرسکون رہنے کو کہا۔ وہ ٹائیگر کو ایسی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا جیسے پہاڑ پر کوئی بھیڑ بکری رینگ رہی ہو۔

ٹائیگر نے جیب سے بٹوا نکال لیا۔ اُس نے احتیاط سے وہ رقم گنی جو اُس نے فیوجی کا مامے بطور قرض لی تھی صرف یہی نہیں بلکہ اُس نے ایک لاکھ ین اپنی طرف سے اس میں شامل کر دیے تھے۔ نوٹ اُس نے کو موٹو کی طرف بڑھا دیے۔

"میں تمہیں پیش آنے والی مشکلات پر معذرت خواہ ہوں ادیابون!" ٹائیگر بوجھل سے لہجے میں بولا۔ "میں نے تمہارا قرضہ جرمانے کے ساتھ ادا کرنے کی کوشش کی ہے۔ میرے خیال میں اب ہمارے درمیان کوئی تنازعہ نہیں ہونا چاہیے۔"

کو موٹو نے اپنے ایک ماتحت کو نوٹ لینے کا اشارہ کیا، پھر وہ ٹائیگر سے مخاطب ہوا۔ "تو تی سین، تمہیں باہر لے جائے گا۔" اس نے ٹائیگر کا پاسپورٹ قمیص میں اُچھالا اور واپسی کے لیے مڑا۔

"میں جانتا ہوں تم کون ہو، ادیابون۔" ٹائیگر بول اُٹھا۔

گنگا کے پجاری ناگ
اے حمید ○ قیمت ۳۵۰/۰۰ روپے

"ہماری بات چیت خاصی اہم رہے گی۔"

وہ رُک گیا۔ "تمہارے خیال میں تمہارے مُنہ سے میں اپنی زبان سن کر تم سے متاثر ہو جاؤں گا؟ یا یہ کہ تم ہمارے بعض قواعد کو جانتے ہو؟ میرے نزدیک تم ایک وحشی ہو۔۔۔ جنگلی۔۔۔ اور میں وحشیوں سے بات کرنا پسند نہیں کرتا۔ البتہ اگر وہ کمزور پڑیں تو میں اُن کی رقم حاصل کر لیتا ہوں، جیسے ابھی ابھی میں نے تم سے حاصل کی ہے۔"

"میں قرض مین کی وجہ سے یہاں آیا ہوں ادیابون!"

"اور میں اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔"

"کی سان بھی یاکوزا ادیابون تھا۔" ٹائیگر بولا۔ "اور تم بھی یاکوزا ادیابون ہو۔ تمہارے اور کی سان کے گروپ ایک دوسرے کے مخالف تھے۔ اس لیے کیا یہ بہتر نہیں کہ تم میری بات سن لو؟"

می کیو کو موٹو کی آنکھیں چمک اُٹھیں لیکن جب وہ بولا تو اُس کی آواز میں اتنی سردی تھی کہ کمرہ منجمد ہوتا محسوس ہو رہا تھا۔ "یاکوزا بزنس۔ یاکوزا بزنس ہے۔ شاید تم اپنے آپ کو بہت ہوشیار سمجھتے ہو کہ یہاں تک آ گئے، لیکن تم بے وقوف ہو۔ تمہیں میرا شکر گزار ہونا چاہیے کہ میں نے تمہیں چھوڑ دیا ہے۔ تمہاری جگہ کوئی اور ہوتا تو میں اُسے ہلاک کروا دیتا۔"

ٹائیگر کا جی چاہا کہ ایک ہی جھٹکے میں اس ادیابون کی گردن توڑ دے۔ وہ چاہتا تو اسے ایسی سزا دیتا کہ یاکوزا میں ایک مثال قائم ہو جاتی لیکن دل پر جبر کر کے اُس نے خود کو ایسا کرنے سے باز رکھا اور خاموشی سے واپسی کے لیے پلٹ گیا۔

*

اُس کی آواز محض اتنی بلند ہوتی تھی کہ میرینا بآسانی سُن لے۔ وہ اب اس صورت حال سے تنگ آ چکی تھی کیونکہ اُسے کئی بار ایک سے دوسری جگہ منتقل کیا گیا تھا لیکن اُس کی آنکھ پر

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ہمیشہ پٹی ہوتی تھی جس کے باعث اُسے اندازہ نہ ہوتا تھا کہ کہاں لے جایا جا رہا ہے۔ اس وقت بھی وہ گہری تاریکی میں موجود تھی۔

"میں کہاں ہوں؟" میرنیا بولی۔ اُس نے جاپانی زبان ہی استعمال کی تھی جس پر مندرین کا ہلکا سا عکس تھا۔

"کیا تم نے آج کھانا کھایا ہے؟" جواب دینے کی بجائے سوال کیا گیا۔

"تمہارے سوال کا جواب ہاں میں ہے۔" میرنیا نے کہا۔ "لیکن میں خود کو قیدی محسوس کرتی ہوں۔"

ایک لمحے کے لیے دونوں کے درمیان خاموشی کی چادر تن گئی۔

"میں خود کو بل کی چوہیا محسوس کر رہی ہوں۔" میرنیا دوبارہ گویا ہوئی۔

"میں سمجھا نہیں۔"

"کافی عرصے سے مجھے روشنی دیکھنا نصیب نہیں ہوئی۔"

"مجھے اس پر افسوس ہے۔"

سورج کی طرح چمک لہرائی اور میرنیا نے بے اختیار اپنی آنکھوں پر بازو رکھ لیا۔ اُس نے ڈچ مین کے دروازے سے ہٹنے کی آواز محسوس کی۔ اپنی آنکھوں کی ادھ کھلی پتلیوں سے اُسے محض اپنی کہنی ہی دکھائی دے رہی تھی۔ اُس کے ذہن میں بہت سے سوالات کلبلا رہے تھے لیکن وہ اس وقت تک اُن کا اظہار نہیں کرنا چاہتی تھی جب تک صحیح طور پر دیکھنے کے قابل نہ ہو جاتی۔ وہ یہ سوچ کر خود: وہ ہو گئی کہ کم بینائی کی وجہ سے کس قدر غیر محفوظ ہے۔

"معاملات کو خفیہ رکھنا بے حد اہم ہے۔" ڈچ مین بولا۔ "یہی وجہ ہے کہ اس طرح کی نقل و حرکت اور بغیر کھڑکیوں والے کمروں کو ترجیح دی جا رہی ہے۔ خطرہ بہت بڑا ہے۔"

"اور اب؟"

"کچھ بھی نہیں بھلا۔"

وہ کیا کر رہا تھا؟ میرنیا کچھ بھی سمجھنے سے قاصر تھی۔ "میں کہاں ہوں؟" اُس نے پہلا سوال دُہرایا۔

"جواب کا تم سے کوئی تعلق نہیں۔" اس کی آواز تیز اور لہجہ سپاٹ تھا۔ "البتہ تم ٹوکیو میں ہی ہو۔"

میرنیا نے اُسے قریب آتا محسوس کیا۔ "میں تمہاری باتوں پر عمل کر کے پچھتا رہی ہوں۔"

"میں سمجھا نہیں۔" ڈچ مین کے لہجے میں حیرانی کا عنصر نمایاں تھا۔ "تم زندہ ہو۔ فی محفوظ ہے۔"

"مجھے کئی دنوں سے تاریکی میں رکھا جا رہا ہے۔ کسی کمپنی یا وضاحت کے بغیر۔" میرنیا آہستگی سے بولی۔ "ایسی صورت میں بھلا میں اور کیا محسوس کر سکتی ہوں؟"

"حقیقت تو یہ ہے کہ میرے ذہن میں ایسی کوئی سوچ نہیں۔ میں نے تو صرف تمہیں تمہارے دشمنوں سے محفوظ رکھنے کے اقدامات کیے ہیں۔"

"اگر تم مجھ سے جھوٹ بولو گے تو میں کیا کر لوں گی؟"

"میں نے اُس رات بھی تم سے جھوٹ نہیں بولا تھا۔ جو کچھ تم نے دیکھا تھا، سچ تھا۔"

"میں اب تک نہیں سمجھ سکی کہ سچ ہے کیا؟" میرنیا کے لہجے میں لرزش تھی۔

"کہیں رونا مت شروع کر دینا۔" ڈچ مین فوراً بولا۔

میرنیا نے سر اُٹھایا۔ آنکھوں کو خیرہ کر دینے والی چمک اب ختم ہو چکی تھی۔ "تمہارا کیا خیال ہے میں اس طرح تمہیں مطمئن کر سکوں گی؟"

"میں سمجھتا ہوں کہ بے بسی میں عورتوں کا آخری ہتھیار کون سا ہوتا ہے۔" ڈچ مین نے کہا تو میرنیا بغور اُسے دیکھنے لگی۔ وہ ہلکے گرے رنگ کے سوٹ میں تھا۔ برف جیسی سفید شرٹ کے کالر اُس کی بھاری گردن میں دھنسے جا رہے تھے۔ بال سیاہ اور پیشانی کشادہ تھی۔ جیک کے برعکس اُس کی آنکھیں غیر معمولی طور پر چمکدار تھیں۔ میرنیا نے اب تک کسی شخص کی ایسی آنکھیں نہیں دیکھی تھیں۔

وہ اس سے خوفزدہ تھی لیکن اُسے غصہ بھی آ رہا تھا۔ "تم پرلے درجے کے بے وقوف ہو۔" اُس نے دل کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے فیصلہ سُنایا۔

حیرت انگیز طور پر ڈچ مین نے اُس کے جملے کا بُرا نہیں منایا۔ ردِ عمل کے طور پر اُس نے بس اپنے ہاتھوں کو حرکت دی اور بولا۔ "ہمیں اب چلنا چاہیے۔"

"چلنا چاہیے؟" وہ چونکی۔ "کہاں؟"

"ٹوکیو سے دُور۔" ڈچ مین نے ایک طویل سانس لی اور ہونٹ بھینچ لیے۔

*

روبی نے ابتدائی انتظامات کے تحت شام سات بجے

پارلیمنٹ کی سیڑھیوں پر نیلوفر وتالی سے ملاقات کی چند ثانیے دونوں وہیں کھڑی باتیں کرتی رہیں۔ پھر وہ ایک دوسرے کے ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے آگے بڑھ گئیں جیسے آپس میں گہری سہیلیاں ہوں...

"میں نے سُنا ہے تم نے سارے انتظامات کر لیے ہیں؟" روبی کا لہجہ استفہامیہ تھا۔

"ہاں۔" نیلوفر نے جواب دیا۔ "مجھے یقین ہے کہ بہت سے وہاں موجود ہوں گے۔"

"تم بھی، نیلو؟"

"یقیناً۔ میں بھی وہیں ہوں گی۔"

"تمہارا کام بے حد اہم ہوگا۔ انہیں ہر حال میں قائل کرنا۔ یہ بات ذہن میں رکھنا کہ اس دشمن سے صلح صفائی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ انہیں بھی بتا دینا کہ اگر وہ ناکام۔ ہے تو کچھ بھی باقی نہیں بچے گا۔"

"میں بتا دُوں گی۔ میں جانتی ہوں کہ اس موقع پر مجھے کیا کرنا ہے۔"

"میں جانتی ہوں۔" روبی نے اثبات میں سر ہلایا۔ "لیکن یہ بھی ذہن میں رکھنا کہ یہ آخری موقع ہوگا ذرا سی بھول ہوئی تو وہ ہم سب کو کچا کھا جائیں گے۔"

"میں یہ بھی جانتی ہوں۔" نیلوفر نے اُس کی ہاں میں ہاں ملائی۔

روبی چند ثانیے خاموش رہی۔ پھر بولی۔ "مجھے حیرت ہوتی ہے نیلوفر کہ تم جیسی اچھی لڑکی اس گندگی میں کیسے جا گری؟"

"خود مجھے بھی پتا نہیں چلا کہ یہ سب کیسے ہو گیا۔" نیلوفر دھیرے سے ہنسی۔ "سب سے پہلے اسلم...؟"

"تمہارا شوہر؟"

اُس نے اثبات میں سر ہلایا۔ "ہاں۔ وہ ایک چوہا تھا... کم از کم میرا خیال یہی ہے... جب کہ میری آنکھوں میں تو ستارے تھے۔ میں اُوپر، بہت اُوپر جانا چاہتی تھی، سیاست میں۔ پھر مجھے اہرمن مل گیا۔ رُکن پارلیمنٹ۔ میں نے اُس کی انتخابی مہم میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔"

"کیا جب تمہاری ملاقات اسلم سے ہوئی اُس وقت تم اہرمن کے لیے کام کر رہی تھیں؟"

"نہیں۔ وہ کر رہا تھا اور اُسے بعض رضاکار درکار کی تلاش تھی۔" وہ مُسکرائی۔ "اور میں آسانی سے دونوں سے ہار گئی۔ اسلم سے بھی اور اہرمن سے بھی۔ بہر حال ہم قریب ہوتے گئے۔ کالج میں میرا آخری سال تھا۔ ہم دونوں نے کوشش کی اور اہرمن جیت گیا۔ مَیں۔ میں نے گریجویشن کیا اور جون میں مسز نیلوفر اسلم وتالی بن گئی۔"

"تمہیں اس بات کا پتا کب چلا؟"

"کس بات کا؟" نیلوفر نے پلکیں جھپکائیں۔

"یہی کہ تمہاری شادی ایک مجرم سے ہوئی ہے۔"

نیلوفر سوچ میں پڑ گئی۔ چند ثانیے رُک کر وہ بولی۔ "شاید پہلی ہی رات۔ لیکن چونکہ میں ایک مشرقی بیوی تھی اس لیے اپنے شوہر کی وفادار تھی۔ ہنی مون سے واپس آنے کے بعد میں بھی اسٹاف کی فل ٹائم ممبر...؟"

"کون سا اسٹاف؟"

"اہرمن کا اسٹاف۔ دارالحکومت میں اُس کا اپنا الگ دفتر موجود ہے۔ اسلم اُس دفتر کا انچارج تھا اور میں اسلم کے لیے کام کرتی تھی۔ میرے کام کا آغاز ہی خفیہ اور کسی حد تک غیر قانونی کاموں سے ہوا تھا۔ اُن کے لگے بندھے گاہک تھے۔ اُن کے خفیہ اجلاس ہوتے تھے جن میں رقم تقسیم ہوتی تھی، غیر قانونی سرگرمیوں کو انجام دینے کے لیے..."

"کیا اہرمن کو ان باتوں کا علم تھا۔ نیلوفر؟"

اُس نے نفی میں سر ہلایا۔ "مجھے یقین ہے کہ اسے کسی بات کا علم نہ تھا۔ وہ آج تک کچھ نہیں جانتا..."

"کیا مطلب؟"

نیلوفر کے چہرے پر پشیمانی کا تاثر اُبھرا۔ "شاید میں بھی اُسے بتا کر پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی۔ وہ مجھ سے کسی دلدا کی طرح محبت کرتا تھا۔ خاص طور پر جب سے اسلم کی موت واقع ہوئی اہرمن مجھ پر بہت مہربان ہو گیا تھا۔ مجھے علم ہے کہ اگر اُسے ان سب باتوں کا پتا چل جاتا تو شاید وہ صدمے سے ہی مر جاتا۔"

"اور لوپو نے تمہارے سلسلے میں اسی بات کو بنیاد بنایا؟" روبی نے پوچھا۔

"کیا یہ باتیں ابھی کرنا ضروری ہے؟" نیلوفر نے جواب دینے کی بجائے سوال کیا۔

روبی نے سر کو اثباتی جنبش دی۔ "ہاں۔"

نیلوفر بدائی۔ "ہاں۔ اُس نے اسی بات کو استعمال کیا... اسلم کے بعد یہ دُنیا میرے لیے اچانک ہی بے حد کٹھن ہو گئی تھی۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

میرا مطلب کہ بُرے سے ہے لیکن اہرمن نے مجھے سہارا دیا اور میں ایک کتر در ہے سے اِس پوسٹ پر بٹھا دی گئی جہاں میں آج ہوں... یعنی دارالحکومت میں موجود اسٹاف کی سربراہ۔ شروع میں تو مجھے اندازہ ہی نہیں ہوا کہ کوئی جان بوجھ کر میری رسّیاں کھینچ رہا ہے۔"

"اور یہ سب تمہارے شوہر کے مرنے کے بعد شروع ہوا تھا؟"

"ہاں۔ بلکہ مجھے تو کبھی کبھی اس بات پر حیرت ہوتی ہے کہ کیا وہ اسی لیے مارا گیا تھا۔ ویسے اسلم بہت سے لوگوں کی نظروں میں آگیا تھا۔ وہ جان گئے تھے کہ اسلم کا تعلق درحقیقت کن لوگوں سے ہے۔ ممکن ہے اُن لوگوں نے اپنی گردن بچانے کے لیے اُسے راستے سے ہٹا دیا ہو۔"

"یعنی تمہارا خیال ہے کہ اُس کی تنظیم نے اُسے راستے سے ہٹا کر تمہیں آگے بڑھایا ہے؟"

"مجھے اس پر بھی حیرت ہوتی ہے۔"

"تو تم نے پہلا غوطہ کب لگایا؟"

نیلوفر نے پلکیں جھپکائیں۔ "تمہارا مطلب ہے... تمہارا مطلب ہے...؟"

"ہاں!"

"پلیز! روبی... کم از کم تم مجھ سے اس انداز میں بات نہ کرو۔ تم کسی حد تک میری مجبوریوں کو سمجھتی ہو۔ میں ساری دُنیا سے اس انداز میں بات کر سکتی ہوں۔ تمہارے ساتھ نہیں..."

"ٹھیک ہے!" روبی نے اُس کا جملہ کاٹا۔ "میں پزل کے بکھرے ہوئے ٹکڑے جمع کرنے کی کوشش کر رہی ہوں۔"

"میں پزل کا کوئی حصّہ نہیں، روبی!" نیلوفر نے ایک سسکی لے کر کہا۔ "مجھے تو اس کیچڑ میں دھکیلا گیا ہے۔ جسے تم غوطہ لگانا کہتی ہو، میرے حساب سے ایسا نہیں تھا میں بے قصور اور لاعلم تھی۔ مطلب یہ کہ میں نہیں جانتی تھی کہ مجھے استعمال کیا جا رہا ہے۔ دو سال ہو گئے تھے مجھے بیوہ ہوئے... انہوں نے میرے کمرے میں بعض خفیہ آلات چھپا دیے تھے۔ میں ایک لڑکے کی محبت میں گرفتار ہو گئی تو یہی سمجھی کہ وہ بھی سنجیدہ ہے۔" نیلوفر نے شانوں کو حرکت دی۔ "لیکن وہ انہی کا فرستادہ تھا۔ اس کے فوراً بعد لوپو منظرِ عام پر آگیا اور میری طنابیں اُس کے ہاتھوں میں چلی گئیں اور پھر... اور پھر..."

"ٹھیک ہے!" روبی نے اُسے ٹوکا۔ "میں ساری کہانی سمجھ گئی ہوں۔"

چند ہی لمحوں بعد وہ ایک دوسرے سے جدا ہو چکی تھیں۔

*

ٹائیگر کے پاس سوائے انتظار کرنے کے اور کوئی کام نہ تھا۔ پیدل چلتے ہوئے وہ کتابوں کی ایک دُکان پر پہنچا جہاں سے اُس نے ایک نوٹ بک اور بال پوائنٹ پین خریدا۔ پھر وہ قریبی ریسٹورنٹ میں بیٹھا۔

ہال تقریباً خالی تھا۔ صرف قریبی میز پر ایک جوڑا بیٹھا بیئر سے شغل کر رہا تھا۔ ٹائیگر نے اپنے لیے سبز چائے کا آرڈر دیا اور نوٹ بک پر پری کیو کو موٹو کے گھر کا نقشہ بنانے لگا۔ اُس نے گھر کے اردگرد کئی چکر لگائے تھے۔ چنانچہ اُسے یقین تھا کہ اپنی یادداشت کے سہارے وہ اس کے سائز اور دیگر تعمیراتی حصّوں کے بارے میں صحیح اندازہ لگا سکے گا۔ اُس نے اُن کمروں کی نشاندہی بھی کی تھی جن سے وہ گزرا تھا۔ پھر اُس نے ہر کمرے میں وہاں ہونے والے کام کی نوعیت درج کی۔

یہ بات ٹائیگر کے لیے اطمینان بخش تھی کہ کوموٹو کے کمرے مکان کے ایک الگ حصّے میں واقع تھے۔ اُسے یقین تھا کہ صفائی کرنے والی عورت کے علاوہ شاید کسی کو بھی ادھر جانے کی اجازت نہ ہو اور یہی وہ حصّہ تھا جہاں ٹائیگر سب سے زیادہ دلچسپی لے رہا تھا۔

نقشہ مکمل کر کے چند ثانیے وہ اسے دیکھتا رہا۔ اُس کے ذہن میں سوال اُبھرا کہ کیا کوموٹو واقعی ڈریج مین کے بارے میں کچھ نہیں جانتا؟

چائے آگئی تو وہ دھیرے دھیرے اُس کی چسکیاں لینے لگا۔ چائے ختم کر کے اُس نے بل ادا کیا اور ریسٹورنٹ سے نکل کر ایک سمت چلنے لگا۔

وہ اُلجھ گیا تھا۔ گزشتہ کچھ عرصے میں رونما ہونے والے واقعات ایک ایک کر کے اُس کی نگاہوں کے سامنے آنے لگے۔ ماضی قریب میں وہ کئی بار زخمی ہوا تھا جس سے شاید اس کی صلاحیتیں بھی متاثر ہوئی تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ وہ خود کو تنہا محسوس کرنے لگا تھا۔

بے اختیار اُسے اوشان یاد آیا۔ وہ اگر ساتھ ہوتا تو یہ سب اُس کے لیے بے حد آسان ہو جاتا۔ اُس کا جی چاہا کہ چارہ گر کو فوراً فون کر کے بہرام سے کہے کہ اوشان کو فوراً اُس کے پاس بھجوا دیا جائے مگر پھر سر جھٹک کر اُس نے خود ہی اس سوچ کو مار ڈالا۔ یہ شکست کا کھلم کھلا اعتراف ہوتا۔ یوں بھی اگر اس پر کوئی بُرا وقت آتا تو اوشان اُس سے دُور نہ رہتا۔ پہلے بھی کئی مرحلوں پر اوشان اُس کی جان بچا چکا تھا اس لیے اُسے یقین تھا کہ اب بھی اگر کوئی نازک صورتِ حال پیدا ہوئی تو اوشان سب سے پہلے اُس کی مدد کو پہنچے گا۔

اندھیرا ہونے تک کا باقی وقت اُس نے ہوٹل میں گزارا۔ جب سائے تاریکیوں میں مدغم ہو گئے تو وہ ایک بار پھر می کیو کو موٹو کے گھر جا پہنچا۔ اُس نے نہایت خاموشی سے باغ عبور کیا اور عقبی حصّے میں جا پہنچا۔ ایک کھڑکی کی شکنی گرانے اور خاموشی سے اندر داخل ہونے میں اُسے کوئی پریشانی نہیں ہوئی۔

پہلے کمرے میں تاریکی تھی لیکن اس کے باوجود ٹائیگر کو چاروں دیواروں کے ساتھ رکھا ہوا فرنیچر صاف دکھائی دے رہا تھا۔ وہ سامنے کی دیوار میں نظر آنے والے دوسرے دروازے کی طرف بڑھا۔ اُسے محسوس ہو گیا تھا کہ پرلی جانب کوئی موجود ہے۔ دوسرے شخص کی سانسوں کی ہلکی ہلکی آواز اُسے سُنائی دے رہی تھی۔

یہی ہوا۔ جونہی اُس نے دروازہ کھولا جھریوں بھرے چہرے والا جاپانی اُس کے سامنے تھا۔ اُس کی آنکھیں پھیلی ہوئی تھیں۔ اُس نے بولنے کے لیے مُنہ کھولا لیکن ٹائیگر نے ہاتھ بڑھا کر اس کا گریبان تھاما اور اُسے پیچھے کو دھکیل دیا۔

جاپانی فرش پر جا گرا۔

ٹائیگر نے دروازہ بند کیا اور بُوڑھے کو اُس کے قدموں پر کھڑا کر دیا۔ اگلے ہی لمحے ٹائیگر کا انگوٹھا بُوڑھے کی گردن سہلا رہا تھا۔

"ہاں؟" ٹائیگر نے انگوٹھے کا دباؤ ذرا سا بڑھایا۔

بُوڑھے کو یوں محسوس ہوا جیسے کوئی اُس کی جان نکال رہا ہو۔ وہ چاہنے کے باوجود خاموش رہ سکا نہ جھوٹ بول سکا۔ "کا... کاچی!"

"فائلیں کہاں ہیں؟"

بُوڑھے نے خاموشی سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"مجھے وہاں لے چلو۔" ٹائیگر نے اگلا حکم سُنایا۔

بُوڑھا ایک جانب چل دیا۔ ٹائیگر اس کے ساتھ ساتھ تھا۔ اگلے کمروں میں بھی تاریکی تھی۔ تیسرے کمرے میں اُس کی مطلوبہ چیزیں موجود تھیں۔ اُس نے بُوڑھے کی رگ مسلی اور اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔

لیکن باوجود کوشش کے وہ کچھ زیادہ ڈھونڈ نہ سکا۔ یہ بات البتہ ظاہر ہو گئی کہ یاکوزا والے ڈریج مین کے بارے میں بہت کچھ جانتے تھے لیکن اس کے بارے میں احکامات زبانی دیے جاتے تھے۔

فائلوں میں ڈریج مین کی سابقہ سرگرمیوں کے بارے میں بعض رپورٹس اُسے ضرور مل گئی تھیں۔ اُس کے جاپان کے دوروں کی سال سے تعلقات اور اسی نوعیت کی دوسری معلومات درج تھیں۔ یہ بات بھی ثابت ہو گئی کہ ڈریج مین نے یہاں کوئی رات بسر نہیں کی تھی بلکہ وہ کسی اور ہی مقام پر پوسٹیڈ تھا۔

تب ہی اس کی نگاہ ایک تحریری نوٹ پر پڑی۔ یہ کوڈورڈ میں تھی لیکن ٹائیگر کو اس کا مطلب سمجھنے میں کوئی خاص دشواری پیش نہیں آئی۔

ڈریج مین کو ٹوکیو کے شمال میں دوبارہ جاپان الپس سے آتے دیکھا گیا تھا۔ پہلی مرتبہ یہ محض اتفاقیہ ہوا تھا۔ کوموٹو کا ایک یاکوزا چھٹیوں پر تھا جب اُس نے ڈریج مین کو لب سڑک ایک پٹرول پمپ پر پٹرول کے لیے رُکتے دیکھا تھا۔

کینی کوموٹو نے نگرانی جاری رکھی اور ٹھیک گیارہ دن بعد ڈریج مین اُسے دوبارہ اسی سڑک پر نظر آیا۔ پھر ڈریج مین تین ہفتوں کے لیے غائب ہو گیا لیکن یہ شہادت موجود تھی کہ وہ جاپان واپس آیا تھا۔

ٹائیگر کا مقصد حل ہو گیا۔ اُس نے فائلیں واپس رکھیں اور کاچی کو بے ہوشی کی حالت میں چھوڑ کر اُسی خاموشی کے ساتھ مکان سے باہر آگیا جس خاموشی سے اندر داخل ہوا تھا۔

✣

باور دی فوجی ہر جانب پھیلے ہوئے تھے۔ وزیرِ اعظم کے پاس ان کی موجودگی کا جواز موجود تھا۔ ذی لین کی نظر میں یہ ضروری تھا کیونکہ چار کے ٹولے کو سزا وزیرِ اعظم نے ہی دی تھی اور اب وہ اپنے لیے حفاظتی انتظامات کر رہا تھا تاکہ چار کے ٹولے کے حامی اُسے کوئی نقصان نہ پہنچائیں۔

لیکن زی لین کے خیال میں دو پنگ جس راستے پر چل نکلا تھا اُس کے پیشِ نظر یہ عمل کسی بھی وقت دُہرایا جا سکتا تھا۔

ٹائی ہی ڈیان۔ عظیم عوامی ہال میں وزیرِ اعظم سرکاری ملاقاتیں کرتا تھا۔ اتنا بڑا تھا کہ شدید گرمی میں بھی یہاں ٹھنڈک کا احساس ہوتا تھا۔ چھت اتنی بلند تھی کہ نظریں کمزور پڑ جاتی تھیں۔ ہوا میں صدیوں کی قدامت کی بُو رچی ہوئی تھی۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ہال نے آخری حصے میں جاتے ہی اُسے پتا چل گیا کہ ہونگ کا وجود ہے۔ وہ سوٹ سمٹا کر ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

گول میز وزیراعظم ایک بھاری بھرکم اور بلند میز کے عقب میں بیٹھا تھا۔ اُس کے رعب داب سے ہی اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ وسیع اختیارات کا مالک ہے۔ زی لین کو ان کا پورا عرف علم تھا لیکن اس کے باوجود وہ نہیں چاہتا تھا کہ وزیراعظم ووہنگ کے بہکاوے میں آکر اُس کے منصوبوں میں روڑے اٹکائے۔

"وزرائے کرام!" اچانک وزیراعظم کی آواز زی لین کے کانوں سے ٹکرائی۔ "میں چین اور انقلاب کے نام پر آپ سب کو خوش آمدید کہتا ہوں۔ ہم آج جن معاملات پر بحث کرنے یہاں جمع ہوئے ہیں وہ خطرناک ہی نہیں مشکل بھی ہیں۔" اُس نے کھنکار کر اپنا گلا صاف کیا اور سامنے رکھے کاغذات کی ورق گردانی کرنے لگا۔

"مسٹر زی لین!" اُس نے چند ثانیوں کے توقف سے اپنی بات جاری رکھی۔ "ووہنگ نے تنہا ہی ہانگ کانگ کے بارے میں ہر دفاعی پالیسیوں پر رسمی غور کی درخواست کی ہے۔ اس کے باوجود کہ وہ اپنی تجاویز پیش کر چکا ہے میں اُس سے کہوں گا کہ وہ خود اس معاملے پر خطاب کرے۔"

آہستگی کے ساتھ ووہنگ کرسی سے کھڑا ہوا۔ عام چینی افراد کے مقابلے میں وہ قدرے طویل قامت تھا۔ تقریباً چھ فٹ کا قد تھا اُس کا۔ اُس کی ترچھی آنکھیں تاریک سمندروں کے سینے پر کوئی لائٹ ہاؤس دکھائی دے رہی تھیں وہ کمرے میں موجود دو افراد سے کم از کم تین دہائی جونیئر تھا لیکن اس سے اس کی شخصیت قطعی متاثر نہیں ہوتی تھی۔

"ہانگ کانگ سے برطانوی اختیارات کے انخلاء سے متعلق شی زی لین کی خود ساختہ مفاہمانہ پالیسی کے بارے میں میں اور میری ایجنسی کے ارکان تھوڑے سے مشکوک ہیں۔" ووہنگ نے بغیر کسی تمہید کے پہلے کے اپنی بات شروع کی۔ "جیسا کہ آپ لوگ جانتے ہیں کہ ہم کسی بھی صورت میں بیرونی شیاطین کی اپنے ملک میں مداخلت کے قطعی خلاف ہیں لیکن اس خود ساختہ مفاہمانہ پالیسی کے اعلان سے بہت سے ناپسندیدہ عناصر کو ہماری صفوں میں داخل ہونے کا موقع ملے گا۔"

میں اور میرے ساتھی یہ محسوس کرتے ہیں کہ ہم ہانگ کانگ پر اپنی عمل داری قائم کرنے میں جس قدر تاخیر سے کام لیں گے ہمیں اتنی ہی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ ٹیک اوور کی کارروائی بھی اس سے متاثر ہو۔

کامریڈ وزیراعظم! جب سے آپ نے ہانگ کانگ پالیسی کی تیاری کی ذمے داری شی زی لین کو سونپی ہے ہم مغربی ذرائع کو ملے اشارے دینے کے سوا کوئی کارکردگی نہیں دکھا سکے ہیں۔ جیٹی کنگ اینڈ کمپنی کا انحراف اس کی تازہ ترین مثال ہے۔ ہمیں نہیں سمجھتا کہ ہم مستقبل میں اس قسم کی باتوں کے متحمل ہو سکتے ہیں۔ اگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہانگ کانگ دوبارہ ہمارا حصہ بن جائے تو ہمیں جلد از جلد اپنی فوجیں وہاں داخل کر کے معاملات کو ہاتھ میں لینا چاہیئے اور اسے ایک خصوصی انتظامی کنٹرول ڈسٹرکٹ کی حیثیت دے دینی چاہیئے۔ اس سلسلے میں پارٹی چیف اور وزیر دفاع کی رائے موجود ہے۔" اُس نے دو سربمہر پیکٹ اُٹھا کر دکھائے۔ "ان میں ان کے دستخط شدہ بیانات ہیں۔"

وزیراعظم نے دونوں دستاویزات کا مطالعہ کرنے کے بعد سر اُٹھایا۔ "شی زی لین!"

کوشش کر کے زی لین اپنی جگہ سے اُٹھا۔ وہ یہاں اپنی چھڑی لے کر آنا نہیں چاہتا تھا اس لیے اُٹھنے کے لیے اُس نے گرسی کی دونوں ہتھیوں کا سہارا لیا تھا۔

"کامریڈ وزیراعظم! معزز وزیر ووہنگ۔ ہانگ کانگ کی اندرونی پالیسی کے بارے میں کچھ نہیں جانتے وہ ان لاکھوں چینیوں کے بارے میں بھی آگاہ نہیں جو سرمایہ داری نظام میں پیدا ہوئے اور پلے بڑھے ہیں۔ وہ ان لاکھوں لوگوں کی اُن مشکلات سے بھی آگاہ نہیں جو ایک قطعی اجنبی اور مختلف سماجی اور معاشی ڈھانچے کو متعارف کرانے سے انہیں پیش آسکتی ہیں۔ ہم لوگ۔۔!"

"تو کیا اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم ہانگ کانگ کو چین کا حصہ بنانے میں کامیاب نہیں ہو سکتے؟" ووہنگ نے زی لین سے تلخ لہجے میں پوچھا۔ "ہم سب ایک مخصوص نظام کے پروردہ ہیں شی زی لین۔ اس لیے کم از کم ہانگ کانگ کے بارے میں کوئی مغالطہ نہیں کر سکتے۔ وحشیوں نے ہم سے چین کا ایک حصہ ہتھیا لیا تھا اور وہ اب تک اُن کے پاس ہے۔"

"تمام تر احترام کے ساتھ میں یہ کہوں گا کہ وہ اب بھی ہمارا ہے۔" زی لین بولا۔

"بے وقوف!" ووہنگ پھٹ پڑا۔ "یہ سرمایہ داری اور بدعنوانی کی آواز ہے۔"

زی لین نے کچھ کہنے کو منہ کھولا لیکن وزیراعظم نے ہاتھ اُٹھا کر اُسے خاموش کرا دیا۔ "یہ طے ہے کہ ماضی میں سرمایہ داری اور بدعنوانی سے جو کچھ بھی ہوا ہے ہم اس وقت اس کی اجازت نہیں دے سکتے۔ میں اس بات کو تسلیم کرتا ہوں کہ گزشتہ کمی دہائیوں سے شی زی لین گراں قدر خدمات انجام دے رہے ہیں لیکن اس معاملے پر شی ووہنگ کے بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا اس لیے یہ فیصلہ کیا گیا ہے شی زی لین کو ہانگ کانگ کی موجودہ پالیسی کے مسائل کو ختم کرنے کے لیے تیس دن کا وقت دیا جائے۔ مدت ختم ہونے پر اسی جگہ دوبارہ اجلاس منعقد ہوگا۔ اگر یہ ثابت ہو گیا کہ شی زی لین کا کام تسلی بخش نہیں تو اس کی جگہ ٹریننگ ٹیاؤ کا تقرر کر دیا جائے گا۔"

زی لین نے ووہنگ کے ہونٹوں پر آسودہ سی مسکراہٹ دیکھی۔ اُسے پھندا اپنی گردن کے گرد سخت ہوتا محسوس ہو رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ ووہنگ نے اُس کی میز کے نیچے ایک وقتی بم باندھ دیا ہے جو کسی بھی وقت پھٹ سکتا ہے۔

زی لین کو اپنی عمر کا خیال آیا۔ شاید میں بوڑھا ہو گیا ہوں۔ اُس نے خود کو تسلی دی یا ممکن ہے میرا آخری وقت آگیا ہو۔۔۔ لیکن اس سوچ کے باوجود وہ خود کو مطمئن نہ کر سکا۔

✣

وقت آٹھ بجے کا اور مقام ذوسی سیکرٹ سروس کے چیف کی رہائش گاہ تھا جو دارالحکومت کے مضافات میں واقع تھا۔ فہرست کے مطابق تمام مدعوئین آچکے تھے اور اب مختلف گروپوں کی صورت اختیار کیے بحث و تمحیص میں مصروف تھے۔

سیکرٹ سروس چیف نیلوفر والی کے ہمراہ اندر آئے۔ نیلوفر کا سر اُٹھا ہوا اور آنکھیں چمکدار تھیں۔ کسی قسم کی تمہید کے بغیر اجلاس کے آغاز کا اعلان ہو گیا۔

نیلوفر نے کوئی بیس منٹ تک خطاب کیا جس کے دوران اُس نے تمام باتوں پر تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی۔ اس کے بعد سیکرٹ سروس کے چیف نے تقریر کی جس میں انہوں نے وعدہ کیا کہ معاملے کو جلد ہی سلجھا لیا جائے گا اور اس کے ذمے داروں کو قرار واقعی سزا دی جائے گی۔

ذاتی انٹیلی جنس کے بارے میں کوئی تمہید نہیں کہا گیا لیکن چیف نے ایک رجسٹر میں سب کو اپنے ذاتی مسائل لکھنے اور اُن کے حل کی تجاویز پیش کرنے کو کہا۔

وہاں موجود گیارہ افراد نے رجسٹر میں اپنے مسائل لکھے اور دستخط کر دیے۔ دیگر تین افراد نے البتہ اس طریقہ کار سے اختلاف کیا تھا۔

آٹھ بج کر چالیس منٹ پر اجلاس برخاست ہو گیا۔

اے حمید کے ایڈونچر قلم سے
شیوسینا کے دہشت گرد
چار جلدوں میں مکمل سیٹ -/700 روپے
ناشر: مکتبہ القریش
اردو بازار لاہور

نیلوفر والی اپنی کرسی پر بیٹھی مشروب کی چسکیاں لیتی رہی جب کہ چیف اپنے مہمانوں کو رخصت کرنے چل دیے۔

رات تاریک تھی جس کی وجہ سے کوئی بھی اُس وقت تک باہر کسی کی موجودگی سے آگاہ نہ ہو سکا جب تک فائرنگ شروع نہیں ہو گئی۔ اجلاس میں شرکت کر کے واپس جانے والے پورچ کے سامنے چھوٹے چھوٹے گروپوں میں بٹے ہوئے گپ شپ میں مصروف تھے کہ تاریکی سے سیاہ کپڑوں میں ملبوس ایک سایہ نمودار ہوا۔ پورچ میں ہونے والی روشنی کے باوجود اس کی شناخت ممکن نہ تھی البتہ لوگوں نے یہ اندازہ ضرور لگا لیا کہ سیاہ کپڑوں میں کوئی عورت پوشیدہ ہے۔

سائے نے پورچ میں کوئی دھاتی شے پھینکی جو ایک دیوار سے ٹکرائی ہوئی کھڑے ہوئے لوگوں پر آگری۔

سیکرٹ سروس چیف چلا اُٹھے۔ "روبی! یہ تم کیا کر رہی ہو؟"

ٹھیک اُسی وقت سائے کے ہاتھ میں پکڑی ہوئی خودکار رائفل نے شعلے اگلنے شروع کر دیے اور پورچ میں موجود لوگ تتر بتر ہونے لگے۔

دو مہمان سیڑھیوں پر گرے۔ انہوں نے اُٹھ کر تاریک حصے میں بھاگنے کی کوشش کی لیکن گولیوں نے انہیں اس کا موقع ہی نہیں دیا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

سیکرٹ سروس چیف کے چہرے پر پلاسٹر کا ایک ٹکڑا آ گرا لگا۔ وہ زخمی رُخسار لیے اندر بھاگے اور اپنے ریوالور سے جوابی فائرنگ کرنے لگے۔

معاملہ اسی تیزی سے ختم ہو گیا جس تیزی سے شروع ہوا تھا۔ چودہ افراد پورچ، سیڑھیوں اور لان پر آڑے ترچھے پڑے تھے۔ سیاہ لباس والی غائب ہو چکی تھی۔

دو سینئر اور اسمبلی کا ایک رُکن گھر کے سامنے والے دروازے پر مارے گئے۔

ایک اپوزیشن سیاسی لیڈر، سیکرٹ سروس کا ایک ایڈیشنل ڈائریکٹر، تین ملاکلرک، فرد وسی سپریم کورٹ کا ایک جج اور تین دوسرے افسران شدید زخمی ہوئے۔ ڈاکٹرز اُن کے جانبر ہونے کے بارے میں مشکوک تھے۔

جونہی آخری ایمبولینس روانہ ہوئی۔ چیف کپکپاتی ہوئی نیلوفر وتالی کی طرف مڑے۔ "میں اس واقعے پر یقین نہیں کر پا رہا۔ کیا وہ واقعی روبی تھی؟"

نیلوفر کے پاس اس کا کوئی جواب نہ تھا اور نہ ہی چیف اس حقیقت سے باخبر تھے کہ اُن کے گھر پر فائرنگ کرنے والی لڑکی روبی نہیں بلکہ ایک سابق اداکارہ تھی جسے ترزینی کے نام سے پہچانا جاتا تھا۔

لوپو کا منصوبہ کامیاب ہو گیا تھا۔

اور پھر... رات نو بجے جب پولیس سیکرٹ سروس چیف کے گھر پر ہونے والی فائرنگ کے سلسلے میں پڑوسیوں سے ضروری معلومات حاصل کر رہی تھی پوری قوم نے خصوصی نیوز بلٹین میں ایک اور ہولناک خبر سُنی۔

سیاہ کپڑوں اور نقاب میں ملبوس ایک لڑکی نے۔ جس کا نام روبی بتایا جاتا ہے صدارتی محل پر فائرنگ کی جس سے محل کی کئی کھڑکیاں ٹوٹ گئیں لیکن صدر مملکت۔ اُن کے خاندان یا عملے کے اسٹاف کا کوئی رکن زخمی نہیں ہوا۔

لوپو یہاں بھی ناکام نہیں ہوا تھا۔



جاپان الپس کا سلسلہ جزیرہ ہونشو کے تقریباً وسط میں پھیلا ہوا ہے۔ اس کا انتہائی شمالی حصہ ہی دارینج کہلاتا ہے۔ جنوب میں جہاں یہ سمندر تک چلا گیا ہے۔ دُنیا کا خطرناک ترین علاقہ واقع ہے۔ اس رینج میں بیس چوٹیاں ہیں جن میں سے چھ اوسطاً دس ہزار فٹ سے بلند ہیں۔

اوایاما بھی ایک ایسی ہی چوٹی ہے جسے آٹھ سو سالہ پرانے بدھ معبد کا گھر کہا جاتا ہے دوسری سورو گی ہے۔ یہ دراصل آتش فشانی چٹانوں کا مجموعہ ہے جو دُور سے تلواریں نظر آتی ہیں۔ سورو گی کے بارے میں مشہور تھا کہ یہاں جانے والا واپس نہیں آتا۔

لیکن فی زمانہ کار، بس یا کیبل کار کے ذریعے یہاں پہنچنا اور یہاں سے واپس آنا بے حد آسان ہے مگر اب بھی بعض لوگوں کے خیال میں یہ نہایت غیر دوستانہ سی جگہ ہے۔

اور شاید اسی وجہ سے ڈیچ مین نے سورو گی کو دُنیا سے اپنے غائب ہو جانے کے لیے چنا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے اُس کا اصل گھر یہی ہو۔

وہ میرنیا کو جس سنگی کیبن میں لے گیا تھا وہ تلوار کے انتہائی شمالی سرے پر واقع تھا۔ اس جگہ کے انتخاب کی وجہ یہ تھی کہ یہاں سیاح اس طرف نہیں آتے تھے۔ اِرد گرد ہر وقت برف جمی رہتی تھی اور تیز ہواؤں کے جھکڑ چلتے تھے۔ جنوری اور فروری میں برف کی تہہ چھ سے سات فٹ تک ہوتی تھی لیکن نارمل دن یہاں اتنے خوبصورت ہوتے تھے کہ دُنیا کا کوئی خطہ اس کا مقابلہ نہ کر سکتا تھا۔

اور ڈیچ مین اسی خوبصورت علاقے میں خود کو اگلی لڑائی کے لیے تیار کرنے آیا تھا۔

اس وقت وہ اپنے اس سنگی گھر کے پورچ نما حصے میں بیٹھا چائے پی رہا تھا۔ اُس کی نظریں زمین پر بچھیں جہاں ایک اور سایہ اُس کے سائے میں مدغم ہوتا نظر آ رہا تھا۔ وہ پلٹے بغیر بولا۔ "کیا تم بھوکی ہو؟ میرے پاس تمہارے لیے لنچ کا سامان ہے۔"

"نہیں۔ میں تھک گئی ہوں۔" میرنیا میدرک نے جواب دیا۔ اُس نے وہ کیمونو پہن رکھا تھا جو ڈیچ مین نے گھر میں سے ہی فراہم کیا تھا۔ اُس کے چھوٹے قد کی وجہ سے وہ اُسے پورا آ گیا تھا۔

وہ آگے بڑھی تو ڈیچ مین اُس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"تمہارے ڈول تو قطعی نہیں۔" وہ اُس کے سراپے کو گھورتے ہوئے بولا۔ "اور نہ ہی تم کسی کاپکیشین کی طرح چلتی ہو۔"

"کیا میں اسے اعتراض سمجھوں؟"

"نہیں۔ صرف اندازہ۔"

وہ قریب آ کر اُس کے برابر بیٹھ گئی۔ اپنا کیمونو اُس نے احتیاط کے ساتھ اپنے گھٹنوں کے گرد لپیٹ لیا تھا۔ ڈیچ مین نے دوسرے مگ میں اُس کے لیے چائے انڈیلی۔

"پیو۔ تم یقیناً پیاسی ہو گی۔" ڈیچ مین کا لہجہ نرم تھا۔

"مجھے جیک کی ضرورت ہے۔"

میرنیا کی خوبصورتی پر آنکھوں کے گرد پڑنے والے سیاہ حلقے اثر انداز ہونے لگے تھے۔ تفکرات اور نیند کی کمی نے اُس کی من موہنی صورت کو مرجھا دیا تھا۔

"وہ سامنے شمال والی چوٹی دیکھ رہی ہو؟" ڈیچ مین نے شاید اُس کے جملے کو غیر ضروری سمجھا تھا۔ "اس کا نام شی روما یا ماہے۔ اسے سفید گھوڑے کی چوٹی۔۔"

میرنیا نے کندھے اُچکا کر اپنا مگ نیچے رکھ دیا۔ "میں جیک سے کب مل سکوں گی؟" اُس نے ڈیچ مین کا جملہ کاٹا۔

"چاروں طرف خطرات ہیں۔" ڈیچ مین نے گول مول جواب دیا۔

کئی دن تک میرنیا اُس کے ساتھ رہنے کی وجہ سے ان گول مول اور بے سمجھے جوابات کی عادی ہو گئی تھی۔ وہ جان گئی تھی کہ ڈیچ مین کی مرضی کے خلاف کوئی اُس سے ایک لفظ بھی نہیں اگلوا سکتا تھا۔

"یہ بات تم نے اُس وقت بھی کہی تھی جب مجھ سے پہلی بار ہانگ کانگ میں رابطہ قائم کیا تھا۔"

"میں نے سچ ہی بولا تھا۔" اُس نے اپنے لیے مزید چائے انڈیلی۔ "دُشمن خفیہ جگہوں سے اُبل رہے ہیں۔ تمہیں میری ہدایات پر عمل کرنا چاہیئے۔"

"میرے پاس اب کھونے کو کچھ نہیں۔" میرنیا مزید سمٹ گئی۔ "لیکن جیک فکر و پریشانی سے پاگل ہو رہا ہو گا۔"

"ممکن ہے کوئی بُری بات نہ ہو۔"

میرنیا نے سر کو قدرے خم دے کر اُس کی نگاہوں میں جھانکا۔ وہ مارے غصے کے لال پیلی ہوئی جا رہی تھی۔ وہ اُس وقت کو پچھتا رہی تھی جب اُس نے ڈیچ مین کے بلاوے پر جاپان آنے کی حامی بھری تھی۔

شاید ڈیچ مین نے بھی اُس کی ذہنی حالت محسوس کر لی تھی وہ بولا۔ "اگر جذبات کی بجائے ذہن استعمال کرو تو شاید میرے الفاظ کا مطلب سمجھ جاؤ۔" وہ جان بوجھ کر چند ثانیوں کے لیے خاموش ہوا۔ پھر گویا ہوا۔ "سیدھی سی بات ہے کہ اگر تمہارے شوہر کو تمہارے بارے میں کوئی علم نہیں ہو گا تو اُس کے دُشمنوں کو بھی نہیں ہو گا۔"

میرنیا خاموش رہی۔ اُس کے استدلال کو جھٹلایا نہیں جا سکتا تھا۔ ڈیچ مین نے سر کو عقبی دیوار کے ساتھ ٹکا لیا اور آنکھیں موند لیں۔ سورج کی روشنی اُس کے چہرے سے منعکس ہونے لگی۔ میرنیا نے چور آنکھوں سے اُسے دیکھا اور فیصلہ دیا کہ وہ ایک ہینڈسم شخص ہے۔

"میں کچھ جاننا چاہتی ہوں۔" وہ بولی۔ "کیا جب جیک دریائے سشون پر گیا تھا تو تم بھی وہاں تھے؟"

ڈیچ مین نے چائے کی چسکی لی۔ "کیا یہ اہم ہے؟"

"ہو سکتا ہے۔" میرنیا نے جواب دیا۔ "اس سے بہت سی باتوں کی وضاحت ہو جائے گی۔"

"اوہ!" ڈیچ مین نے کپ نیچے رکھ دیا۔ "اگر میں ہاں کہہ دوں تو کیا تمہارے مسائل حل ہو جائیں گے؟"

"آخر تم مجھے صحیح بات کیوں نہیں بتاتے؟"

"صرف یہی وجہ ہے کہ بڑے اپنی ساری باتیں بچوں کو نہیں بتایا کرتے۔"

"اوہ! تو کیا تم مجھے بچی سمجھتے ہو؟"

"اگر تم فیصلوں پر پہنچنے میں ایسی ہی جلدی کرتی رہو گی تو یہی سمجھوں گا۔" وہ ذرا سا رُکا پھر بولا۔ "میں تم سے بات نہیں کر سکوں گا۔" ڈیچ مین نے میرنیا سے نگاہیں ہٹا کر گرد و پیش کا جائزہ لیا۔ ہوا میں تیزی آ گئی تھی۔ "الفاظ صرف الفاظ ہوتے ہیں۔ اعتماد کرنا یا نہ کرنا سُننے والے کی مرضی پر منحصر ہے۔"

"تم کہنا کیا چاہ رہے ہو؟"

"صرف یہ کہ تم میرے جوابات سے مطمئن نہ ہو گی۔"

"تم کوشش کیوں نہیں کرتے؟"

"میں جھوٹا نہیں کہلوانا چاہتا۔" ڈیچ مین نے خالی کپ اُٹھایا اور اپنی جگہ چھوڑ دی۔ یہ اس بات کا اشارہ تھا کہ اب وہ مزید بات چیت نہیں کرنا چاہتا۔

ٹائیگر کو اتنی گرمی لگ رہی تھی کہ نسان کا ائر کنڈیشنر چلنے کے باوجود اُس نے اپنا کوٹ اُٹھا کر پچھلی نشست پر ڈال دیا تھا۔ اُس کی گہرے رنگ کی شرٹ پسینے میں شرابور تھی۔

ٹوکیو سے نکلنے کے بعد وہ صرف ایک جگہ لنچ کے لیے رُکا تھا ورنہ اُس کا سفر بدستور جاری رہا تھا۔ جاپان الپس کے بلند و بالا پہاڑ اُفق کے نشان کی طرح دکھائی دیے تھے۔

یہ بات اُس کے علم میں تھی کہ وہ محض ایک اتفاق کا

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

تعاقب کر رہا ہے۔ اگر کومٹو کی اطلاعات پرانی یا غلط ہوئیں تو میر نیا اُسے نہیں مل پائے گی۔ اگر ڈچ مین نے پیچھے کے لیے کسی اور جگہ کو منتخب کیا تھا تو پھر میر نیا کے یہاں ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

اب اس کے اردگرد پہاڑی علاقہ شروع ہو چکا تھا اُسے اُن بسوں کو اوورٹیک کرنے میں نہایت دشواری پیش آ رہی تھی جو بھی وار بیچ کی تنگ سڑکوں پر سست رفتاری کے ساتھ چل رہی تھیں۔ بارش کے اچانک شروع ہو جانے سے سڑک پر پھسلن میں اضافہ ہو گیا تھا جس کے باعث کار چلانے میں احتیاط کرنی پڑ رہی تھی۔

ٹائیگر کا خیال تھا کہ بارش کا سلسلہ رفتہ رفتہ ختم ہو جائے گا لیکن جوں جوں وہ آگے بڑھتا گیا بارش میں تیزی آتی گئی۔ کئی میل کے تھکا دینے والے سفر کے بعد اُس نے بالآخر ایک دیہات میں گاڑی روک لی۔ دوسروں کے ذہن میں بھی شاید یہی خیال آیا تھا کیونکہ گلی سیاحوں کی بسوں اور کاروں سے اٹی پڑی تھی۔

ٹائیگر نے کار ایک ٹویوٹا اور ایک مرسیڈیز کے عین درمیان روکی۔ اُس نے انجن بند کیا اور مرسیڈیز کا جائزہ لینے لگا جس کا عقبی دروازہ کھل رہا تھا۔ پہلے نیلی اور سبز چھتری نمودار ہوئی جس کے نیچے ایک نوجوان گوری چٹی عورت ایک چھ سالہ بچی کا ہاتھ پکڑے کار سے نکلی۔ عورت دھیرے دھیرے قدم اُٹھاتی سامنے ٹی شاپ کی طرف بڑھ گئی جس کی کھڑکیوں کے شیشے نمی کے باعث دھندلے ہو رہے تھے۔

غیر اختیاری طور پر ٹائیگر کی نظر مرسیڈیز سے دو کاریں چھوڑ کر کھڑی سوزوکی پر پڑ گئی جس میں سے یکے بعد دیگرے چار افراد نمودار ہو رہے تھے۔ وہ سب کے سب طویل قامت تھے اور ان کا انداز بتاتا تھا کہ وہ ذرا دیر سستانے کو یہاں رُکے ہیں۔ وہ کوہ پیما...

گردن کے عقبی حصے میں ٹائیگر کو سنسناہٹ سی محسوس ہوئی۔ اُس نے ہتھیلی سے اپنی کھڑکی کا دھندلا شیشہ صاف کیا اور غور سے چاروں کو دیکھنے لگا۔

اُس نے نیلی سوزوکی میں سے نکلنے والے ایک شخص کو پہچان لیا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ سب کے سب دوبارہ کار میں بیٹھ گئے۔ کار ریورس ہونی شروع ہو گئی۔

کے جی بی... ٹائیگر کے دماغ کمپیوٹر نے فیصلہ سنایا...

اُن کا تعلق فرسٹ چیف ڈائریکٹوریٹ، کے وی آر سے تھا۔

✠

دارالحکومت دہشت ناک افواہوں کی زد میں تھا اور اصل روبی اپنی کرائے کی کار میں راک کریک پارک کی طرف بڑھ رہی تھی۔ اُس نے ذرا دیر بعد کار ایمبیسی روڈ کے قریب ایک محفوظ مقام پر کھڑی کی اور پیدل آگے بڑھی۔

وہ اس وقت سیاہ لباس پہنے ہوئے اپنی کارگزاری کے لیے مکمل طور پر تیار تھی۔

اُس کی منزل ایمبیسی روڈ کے کونے پر موجود ایک چھوٹی سی مینشن تھی جس کا عقبی حصہ پارک سے ملتا تھا۔ اُس نے داخلے کے لیے اسی راستے کا انتخاب کیا اور کسی کی نظروں میں آئے بغیر بآسانی گیراج تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئی۔

وہیں اُسے پہلا حادثہ پیش آیا۔

گیراج کی چھت پر کوئی شخص لیٹا لمبی لمبی سانسیں لے رہا تھا۔

روبی پٹی، دیوار تک پہنچی اور پھر کسی بلی کی مانند اُوپر چڑھتی چلی گئی۔ جلد ہی وہ اُس مقام تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئی جہاں چھت اور دیوار آپس میں ملتے تھے۔

روبی نے اپنا پستول نکالا اور گربہ پائی سے لیٹے ہوئے آدمی کی طرف بڑھی۔

"اپنی جگہ سے حرکت نہیں کرنا۔" وہ سرگوشی کے انداز میں پھنکاری اور کچھ اور قریب ہو گئی۔

لیٹے ہوئے شخص کی جیسے سانس رُک گئی۔ اُس نے آہستگی کے ساتھ آواز کی جانب رُخ موڑا۔ تب ہی اُس کی نظر سیاہ سائے کے پستول پر پڑی۔ "اوہ! لعنت ہو مجھ پر... کیا یہ روبی ہے؟"

"ہاں، لیکن تم کون ہو؟"

لیٹا ہوا شخص گھسٹ کر آگے بڑھنے لگا۔ روبی نے اُسے روکا نہیں لیکن اُسے احتیاط سے کام لینے کا اشارہ کیا۔

وہ قریب آیا تو روبی کو اُس کے چہرے پر شناسائی کی جھلک نظر آئی لیکن کوشش کے باوجود وہ اُسے پہچان نہ پائی۔

"تم مجھے نہیں جانتیں۔" وہ شخص قریب آ کر بولا۔ "لیکن ہم پہلے بھی مل چکے ہیں۔ میں گزشتہ شب نیلوفر کے گھر پر حملے کے لیے جانے والوں کی کار ڈرائیو کر رہا تھا۔"

"بولتے رہو۔" روبی نے شہ دی۔

"میرا نام رامن ہے لیکن سب بندرو کہتے ہیں۔"

"تم یہاں چھت پر لیٹے کیا کر رہے ہو۔ بندرو؟"

"شاید تم میری بات پر یقین نہ کرو۔"

"کوشش تو کر دیکھو۔" روبی نے تجویز پیش کی۔

"ان گدھے کے بچوں نے میرے قتل کے لیے لوگ بھیجے تھے۔"

"کون سے گدھے کے بچے؟" روبی نے پستول کو جنبش دی۔ "اگر زندہ رہنا چاہتے ہو تو سیدھے سادے انداز میں بات کرو۔"

"میں یونیورسل کمپنی کے بارے میں بات کر رہا تھا۔ پہلے وہ مجھ سے قتل کرایا کرتے تھے اور اب مجھے قتل کرنے کے درپے ہیں۔"

"کیوں؟" روبی نے بلاوجہ ہی پوچھ لیا۔ ورنہ اُس کے جواب کا اُسے علم تھا۔

"اس لیے کہ میں تمہارے حملے میں بچ نکلا تھا۔"

"لیکن تم نے اب تک یہ نہیں بتایا کہ یہاں کیا کر رہے تھے؟"

"اس لیے کہ میں اب اُن کا مزید ساتھ نہیں دینا چاہتا۔ اس سے پہلے میں فرنزی لنگو کو کئی بار یہاں لایا تھا۔ اُسی نے مجھے بتایا تھا کہ اس جگہ کا لوپوسے کوئی نہ کوئی تعلق ضرور ہے۔"

"کیا تم سچ کہہ رہے ہو؟"

"ہاں۔" بندرو نے اثبات میں سر ہلایا۔ "لیکن کیا تم اس پر حملہ کرنے والی ہو؟"

"تمہارا کیا خیال ہے؟"

"میرا خیال یہ ہے کہ میں تمہارے ساتھ مل کر حملہ کروں۔"

روبی نے چند ثانیے اُس کی پیشکش پر غور کیا لیکن اسے قبول کرنے کا وہ کوئی ارادہ نہ رکھتی تھی۔ "شکریہ۔" وہ ذرا سے توقف کے بعد بولی۔ "لیکن میں تنہا کام کرتی ہوں۔"

"مگر میں نہیں یہ بتا دوں کہ اندھیرا پھیلنے سے پہلے سے میں یہاں موجود ہوں لیکن پچھلے دو گھنٹوں سے میں نے یہاں کوئی نقل و حرکت نہیں دیکھی۔"

"کیا یہ غیر فطری ہے؟"

"قطعی۔ میں پہلے بھی کئی بار یہاں آیا ہوں اور ہمیشہ بہت سے لوگوں کو مصروف دیکھا ہے۔ لہٰذا ایک بھائی کی طرف سے یہ اتباہ سمجھو کہ پھونک پھونک کر قدم اُٹھانا۔ یہ خاموشی کسی طوفان کا پیش خیمہ بھی ہو سکتی ہے۔"

روبی بولی۔ "اوکے! بہت بہت شکریہ۔" اُس نے ایک نظر گردوپیش پر ڈالی۔ "اب تم جاؤ۔"

وہ اُس وقت تک منتظر رہی جب تک بندرو نگاہوں سے اوجھل نہیں ہو گیا۔ اُس کے جانے کے بعد وہ پھر اردگرد کا جائزہ لینے میں مصروف ہو گئی۔

اس علاقے میں تین بڑے بڑے سفارت خانے۔ کئی اہم ادارے اور رہائش گاہیں واقع تھیں۔ روبی یہ سوچ رہی تھی کہ ان میں سے کس کس کے آپس میں روابط ہیں ان میں سے چند ایک آپس میں ملے ہوئے ہیں یا تمام کسی زیر زمین راستے سے منسلک ہیں۔

روبی نے شمال کی جانب نگاہ مرتکز کر دی۔ صرف ایک ہی عمارت تیسری منزل سے نیچے تک روشنیوں میں نہائی دکھائی دے رہی تھی۔

یہ ایچ کا صدر دفتر تھا۔ جس کا دعویٰ تھا کہ وہ اقلیتوں کے سیاسی حقوق کا تحفظ کرتا ہے۔

روبی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ اُتر آئی۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ آج اُسے کہاں اور کس انداز میں کارروائی کرنی ہے۔

اُس نے اپنا اسلحہ چیک کیا اور اگلے قدم کے لیے تیار ہو گئی۔

*

کئی گھنٹوں سے وہ بادلوں سے اٹے ہوئے آسمان سے طوفان کی خوفناک آوازیں سُن رہے تھے۔ تیز بارش اور تند ہواؤں نے پوری وادی کو ڈھانپ لیا تھا۔

ڈچ مین۔ وائی کی کے وہ تین گیم کھیلنے اندر چلا گیا تھا جن کے مہرے وہ پہلے سے جما چکا تھا۔ میر نیا نے کچھ دیر اُس کا ساتھ دیا لیکن پھر کسی قدر بوریت کا مظاہرہ کرتے ہوئے دوبارہ پورچ میں نکل آئی۔

باہر ہنوز ٹھنڈک آ گئی تھی لیکن میر نیا کو اس کی کوئی پروا نہ تھی۔ اُس نے ایک چوبی ستون سے ٹیک لگائی اور اُن چوٹیوں پر نگاہ جما دی جن کے آخری حصے طوفان کے باعث اوجھل ہو گئے تھے۔ سنگی ہٹ کے آس پاس کا علاقہ ابھی تک بارش سے محفوظ تھا لیکن میر نیا کا اندازہ تھا کہ بہت جلد پانی اُن پر برسنا شروع ہو جائے گا۔

✠

نسان نے ایک تنگ سا موڑ کاٹا اور اُس چٹان کے رُخ پر سیدھی ہو گئی جو وادی میں چھ ہزار فٹ کے نشیب پر واقع تھی۔

ٹائیگر اس خطرناک اترائی پر خاصی احتیاط کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ ذرا سی غفلت موت کے ہرکارے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کو اندھیری کھائیوں میں گم کر دے۔

وہ پہلے ہی کچھ وقت ضائع کر چکا تھا جس کی وجہ سے سوبارو اب اُسے دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ اُسے امید تھی کہ وہ انہیں کھوئے گا نہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ ڈھارس بھی تھی کہ سوبارو والے کہیں کار روکیں گے نہیں۔ یہاں سے نکلنے کا یہ واحد راستہ تھا جس کی وجہ سے وہ کسی اور راستے پر مڑ بھی نہیں سکتے تھے۔

اس نے آسمان کی طرف دیکھا۔ طوفان اور بارش کے باعث بصری قوت متاثر ہو رہی تھی۔ تاریکی رفتہ رفتہ وادی پر اپنے پنجے گاڑتی جا رہی تھی۔ گو اس سے راستہ کٹھن ہو گیا تھا لیکن یہ فائدہ ضرور ہوا تھا کہ سوبارو والے ہزار کوشش کے باوجود اپنے تعاقب سے آگاہ نہ ہو سکتے تھے۔

اپنے زخمی ہونے کے بعد پہلی بار اُسے کسی معرکے کی خوشبو آ رہی تھی۔ گو اُس کے قویٰ ابھی اتنے مضبوط نہ ہوئے تھے لیکن اُسے یقین تھا کہ اس بار مار نہیں کھائے گا۔

⊠

"بارش آنے والی ہے۔"

میرنیا گھلے دروازے میں کھڑی ڈِچ مین کو دیکھ رہی تھی جو وائی کی بورڈ پر جھکا ہوا تھا۔ اس نے ایک سیاہ مہرہ اُٹھا کر ایک خانے میں رکھا اور وہاں سے سفید مہرہ ہٹا لیا۔ پھر وہ میرنیا کی طرف متوجہ ہوا۔

"طوفان ہمیشہ سے تباہیوں کا پیش خیمہ سمجھے جاتے ہیں۔" حسبِ عادت اس کا انداز فلاسفرانہ تھا۔ "لیکن فکر نہ کرو۔ ہم یہاں مکمل طور پر محفوظ ہیں۔"

میرنیا دھیرے سے ہنسی۔ اُسے طوفان کے نقصان نہ پہنچانے کی یقین دہانی کی ضرورت نہ تھی۔ جن حالات سے وہ گزر آئی تھی اُن کے پیشِ نظر اُسے یقین تھا کہ طوفان کم از کم اُسے ہلاک نہ کر سکے گا۔

"میں بچپن میں ہی بجلی چمکنے سے پیار کرتی تھی۔" وہ ذرا سے توقف کے بعد بولی۔ "میرے والد مجھے بجلی کی چمک دکھانے کے لیے طوفان کے دوران ہی گھلے کھیتوں میں لے جایا کرتے تھے میرا بھائی مجھے بہادر بچی کہا کرتا تھا۔"

"تم اپنے بھائی کی توقعات سے بڑھ کر ہو۔" ڈِچ مین کا انداز عام سا تھا جس سے یہ ظاہر نہ ہوتا تھا کہ وہ طنز کر رہا ہے یا اُس نے تعریف کی ہے۔

میرنیا خاموش رہی لیکن اُس کے چہرے کے تاثرات بتاتے تھے کہ وہ کچھ سوچ رہی ہے۔ ڈِچ مین نے بھی اُسے چھیڑنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ "ڈِچ مین!" بالآخر وہ بولی۔ "شاید یہاں سے روانہ ہونے کا وقت آ گیا ہے۔"

ڈِچ مین نے نفی میں سر ہلایا اور میرنیا کا دل اُچھل کر حلق میں آ گیا۔

"میں اس جبری نظر بندی کو مزید قبول نہیں کر سکتی۔" وہ پھٹ پڑی۔ اُس کی آنکھیں ڈِچ مین کے جثے میں جیسے سوراخ کر رہی تھیں۔ "میں جیک کے پاس جانا چاہتی ہوں... تم میری بات سمجھ رہے ہو نا؟"

ڈِچ مین نے رُخ بدلا تو اُس کا چہرہ کسی قدر تاریکی میں چلا گیا لیکن میرنیا اُس کی آنکھوں پر پلکوں کو گرتے دیکھ چکی تھی۔ اُس نے خود سے پوچھا کہ وہ کیا سوچ رہا ہے؟

"اگر تم اس وقت یہاں سے گئیں تو فنا ہو جاؤ گی۔" وہ بولا تو تھا لیکن میرنیا کو اُس کے ہونٹوں کی جنبش دکھائی نہ دی تھی۔

"میں تمہاری بات کا مطلب نہیں سمجھی۔" میرنیا کا لہجہ تلخ تھا۔ "میری زندگی آخر تمہارے لیے اتنی اہم کیوں ہے؟ میں تو تمہارے دشمن کی بیوی ہوں۔"

"کاش ایسا ہوتا کہ واقعی تم میرے دشمن کی بیوی... ۔" ڈِچ مین نے کہنا شروع کیا لیکن اسے احساس ہو گیا کہ وہ جذبات میں آ کر غلط جملہ بولنے جا رہا تھا۔ اُس نے رُک کر بات پلٹی۔ "میرے پاس بعض ہدایات موجود ہیں۔"

ڈِچ مین نے دروازے میں موجود میرنیا کو دیکھا جو کیمونو اور گیٹا میں ننھی سی گڑیا دکھائی دے رہی تھی۔ باہر وہ یقیناً جیک ہیروک کی بیوی تھی لیکن یہ سوروگی تھا اور یہاں وہ کچھ اور ہی تھی لیکن وہ نہیں جانتا تھا کہ کیا؟

"ہدایات؟" میرنیا کی آواز غراہٹ سے مشابہ تھی۔ "میرے خیال میں تم انسان نہیں کٹھ پتلی ہو۔ جب کوئی تمہاری ڈور کھینچتا ہے تم اُچھلتے ہو۔ اسکول میں بانکو جی پڑھتے وقت مجھے ایک مینڈک دیا گیا تھا۔ وہ مردہ تھا لیکن مجھے سکھایا گیا کہ میں تیز دھار آلے سے کس طرح اُسے چیر پھاڑ سکتی ہوں تاکہ اس کے عضلات حرکت کر سکیں۔ تم بھی ویسے ہی ہو... ایک مردہ مینڈک۔"

"الفاظ کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔" خلافِ توقع ڈِچ مین نے خاصے ضبط کا مظاہرہ کیا تھا۔ "عمل ہی سب کچھ ہے۔" اُس نے وائی کی بورڈ پر ایک اور چال چلی۔

"شاید تم زندگی کو بھی وائی کی کا بورڈ سمجھ بیٹھے ہو۔" میرنیا نے ایک اور طنز کیا۔ "حالانکہ زندگی ان سیاہ و سفید مہروں کا نام نہیں۔"

ڈِچ مین نے نظریں اُٹھائیں۔ "لیکن میں تمہیں بتا رہا ہوں کہ بعض لوگ تمہیں قتل کر کے تُو پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں اور انہوں نے بالکل وائی کی بورڈ کی طرح منصوبہ بندی کر رکھی ہے۔"

"لیکن وہ اس پر عمل نہیں کر سکے۔"

"ایک قانون جنگ کی وجہ سے۔"

میرنیا کا ضبط پھر جواب دے گیا۔ "مگر یہ جیک کا تُو آخر ہے کیا بلا؟"

"قدیم چین میں بادشاہ اپنی مرضی کے مطابق تُو تیار کروایا کرتے تھے۔" ڈِچ مین نے جواب دیا۔ "یہ ان کے بتائے ہوئے ڈیزائن میں میرے یا ہاتھی دانت سے بنایا جاتا تھا اکثر تجربات ایک سے زیادہ تُو بناتے تھے۔ بادشاہ کی ساری طاقت و قوت کی نشانی اسی تُو کو سمجھا جاتا تھا۔ وہ اسے اپنے بہت ہی قابلِ اعتماد فرد کے حوالے کیا کرتا تھا۔"

"اور جیک کا تُو؟"

"تمام تُو طاقت کی نشانی ہوتے ہیں۔ میرے خیال میں یہ بھی ویسا ہی تُو ہے۔"

"خیال؟ یعنی تم صحیح طور پر نہیں جانتے؟"

"میں کیسے جان سکتا ہوں؟" ڈِچ مین نے اپنی آنکھیں میرنیا کے سراپے پر گاڑ دیں۔ "میں تو مردہ مینڈک ہوں۔"

⊠

اوشان کی ذہنی حالت اُس باغبان سے مختلف نہ تھی جسے کہا جائے کہ وہ اپنے ہاتھوں لگائے ہوئے پودے کو کاٹ کر پھینک دے۔ ٹائیگر اُس کے لیے ایسا ہی پودا تھا جسے اس نے اپنے خون سے سینچا تھا۔ کبھی کبھار وہ یہ سوچتا رہا تھا کہ ٹائیگر سے اُس کا کوئی خونی رشتہ ہوتا تو کیا تب بھی وہ اُسے اسی قدر چاہتا۔ وہ اس کے لیے اپنے دل میں یک وقت اُستاد، باپ اور دوست کے جذبات رکھتا تھا۔

چارہ گر نے اُسے ٹائیگر کی موت کے احکامات دیے تھے وہ جانتا تھا کہ ان احکامات کی بجا آوری اُس کے لیے کس قدر مشکل ہو گی لیکن خود اُس کی تربیت اس نہج پر کی گئی تھی جس میں حکم عدولی کی قطعی کوئی گنجائش نہ تھی۔

اور پھر اوشان ایک اور حقیقت سے بھی آگاہ تھا۔

انسان اپنے ذہن کو استعمال کر کے ایسی ایسی ایجادات و اختراعات کر رہا تھا کہ خود اُس کی عقل بھی دنگ رہ جاتی تھی لیکن ایک وقت ایسا آتا کہ آسائش و آرام کے لیے بنائی جانے والی یہ چیزیں انسان کے لیے وبالِ جان بن جاتیں اور وہ خود اپنے ہاتھوں انہیں تباہ کرنے پر مجبور ہو جاتا۔

کچھ یہی صورتِ حال اوشان کے ساتھ بھی تھی۔

ٹائیگر کو اُس نے موت کا ہرکارہ بنایا تھا۔ سو وہ یہ جانتا تھا کہ ایک نہ ایک دن اُسے موت کے ہرکارے کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم کرنے کو کہا جائے گا۔

گو یہ حکم مشروط تھا لیکن اختتام وہیں پر تھا جہاں کم از کم اوشان نہیں جانا چاہتا تھا۔

وہ جب ٹوکیو کے نیریتا ائرپورٹ پر اُترا تو اُسے یقین تھا کہ ہانگ کانگ سے فرار ہو کر ٹائیگر یہیں پہنچا ہو گا۔ اس نے اپنی تلاش کا آغاز اُسی اوہنرو ہاؤس سے کیا جہاں ڈِچ مین۔ ٹائیگر کو شکست سے ہمکنار کر چکا تھا۔

اُسے مایوسی نہیں ہوئی۔ ٹائیگر آسانی سے اُس کی نگاہوں میں آ گیا۔ گو وہ سناجو کا ولی عہد تھا لیکن اوشان تو سناجو کا ماسٹر تھا اس لیے ٹائیگر کے فرشتوں کو بھی خبر نہیں ہو سکتی تھی کہ اوشان اُس کا تعاقب کر رہا ہے۔

جس وقت ٹائیگر نے بارش کے باعث گاؤں کی معروف گلی میں کار روکی، اوشان اُس وقت بھی اُس کے تعاقب میں تھا۔ اُس نے اپنی کرائے کی کار کے ڈرائیور کو ہدایت کی تھی کہ وہ کاروں کے عقب میں اس طرح پارک کرے کہ ٹائیگر کو دکھائی نہ دے سکے۔ وہاں سے اوشان کو نسان کا صرف عقبی حصہ دکھائی دے رہا تھا لیکن اگر یہ بھی نہ ہوتا تو فکر کی بات نہ تھی۔ اوشان محض ٹائیگر کی خوشبو کے سہارے اُس کا تعاقب کر سکتا تھا۔

اور اب وہ ایلپس کی تنگ فضا میں راہ پر ٹائیگر کی نسان کے تعاقب میں تھا۔ اُس نے ڈرائیور کو ہدایت کی تھی کہ فاصلہ اتنا رکھے کہ ٹائیگر اپنی گاڑی کے عقبی آئینے سے انہیں دیکھ نہ سکے۔

چارہ گر سے ملنے والے احکامات کے تحت اوشان کو اپنے شاگرد کا خاتمہ کرنا تھا۔ وہ ذہنی طور پر خود کو اس کے لیے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

تیار کر رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ کیا ایک باپ اپنے بیٹے کی جان لینے میں کامیاب ہو سکے گا یا نہیں؟

سیکرٹ سروس چیف اچانک ہی مشکلات میں گھر گئے تھے لیکن انہیں علم تھا کہ کس وقت کیا کرنا ہے؟

وہ نہیں جانتے تھے کہ اُن کے گھر یا صدارتی محل پر فائرنگ کرنے والی روبی تھی یا نہیں لیکن یہ بات ضروری تھی کہ اُسے روکنا اُن کا فرض تھا۔

انہوں نے سب سے پہلے نیلوفر وتالی کو ایک بالائی کمرے میں بھجوایا اور سیکرٹ سروس کے ایک انسپکٹر کو اس کی حفاظت پر مامور کر دیا۔

اُس کے بعد وہ فون تک گئے اور ایک سرخ ڈائریکٹری میں سے نمبر تلاش کر کے اُسے ڈائل کرنے لگے۔ یہ کال وجاہت نامی ایک شخص کے لیے تھی جو صدارتی محل میں روبی کے خاتمے کے آپریشن کا انچارج تھا۔

وجاہت، چیف کا ایک پرانا اور قابلِ اعتماد دوست تھا اور اپنے کام کو بہتر انداز میں کرنے کا ماہر تھا۔

ریسیور گھنٹیوں کے بعد اُٹھایا گیا۔

"یس!" وجاہت کی کھرکھراتی آواز سنائی دی۔

"سیکرٹ سروس چیف!"

"اوہ! کیسے ہو دوست۔ خوشی ہوئی کہ تم نے۔۔۔"

"باتوں کا وقت نہیں وجاہت۔" چیف نے اُس کا جملہ پورا نہیں ہونے دیا۔ "میں نے صرف یہ پوچھنے کے لیے فون کیا ہے کہ تمہیں میری ضرورت تو نہیں؟"

"کیوں نہیں۔ مناسب سمجھو تو چلے آؤ۔"

"میں آ رہا ہوں۔" چیف نے سلسلہ منقطع کیا اور اپنی کار میں جا بیٹھا۔

لیکن ابھی اُس کی کار گھر سے بمشکل سو گز دُور بھی نہیں گئی ہو گی کہ عقبی لان میں حفاظتی ڈیوٹی پر متعین سب انسپکٹر بے ہوش ہو کر جھاڑیوں میں لڑھک گیا۔ اُس کے سر پر موجود دو نالیوں میں سے ایک کے ہاتھ میں لمبے دستے والا ربڑ اور صاف دکھائی دے رہا تھا۔

ایک تیسرا شخص فوراً اُن تک آ پہنچا جو اس سے پہلے تاریکی میں کھڑا تھا۔ "اگر وہ اندر ہوئی تو کیا ہو گا؟" اُس نے آتے ہی سرگوشی کی۔

"اُسے ہونا چاہیے۔" جواب ملا۔

تینوں کچھ اور کہنے کی بجائے عقبی راستے کی طرف بڑھے۔

"ایک دو مزید افراد کو اُس کے ساتھ اندر ہونا چاہیے۔" تیسرا شخص دوبارہ بولا۔ "اُن پر کسی بھی طرح قابو پا لینا لیکن خدا کے لیے کوئی گولی نہیں چلنی چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی پڑوسی متوجہ ہو جائے اور ہماری ساری منصوبہ بندی غارت ہو جائے۔"

"اگر وہ لڑنے مرنے کو تیار ہوئی تو کیا کیا جائے؟"

"بے شک اُس کی پٹائی کرنا لیکن ہاتھ ہلکا رہے۔ لوپو اُسے صحیح سلامت چاہتا ہے۔"

"وہ صحیح سلامت ہی آئے گی۔" تیسرا شخص بولا۔ "اس شہر میں کس کی مجال کہ لوپو کے احکامات سے سرتابی کرے؟"

☒

ہوا کا نہ در اچانک ہی کم پڑ گیا تھا جس کی وجہ سے باہر خاموشی طاری ہو گئی تھی۔

"میں نے پوچھا تھا۔۔۔"

"ششش۔" ڈچ مین نے فوراً اُسے چپ کرا دیا۔ میرینا نے اُسے سانپ کی مانند اپنی جگہ سے حرکت کرتے دیکھا۔ اگلے ہی لمحے وہ اُس کے برابر کھڑا تھا۔ میرینا اُس کی آنکھیں دیکھ رہی تھی جو دُور کہیں مرتکز تھیں۔ چند ثانیوں بعد اُسے اندازہ ہوا کہ وہ کچھ سن بھی رہا ہے۔

"کبھی کبھی ہوا چٹانوں سے ٹکرا کر عجیب و غریب آوازیں پیدا کرتی ہے۔" اُس نے سرگوشی میں میرینا کو آگاہ کیا۔ "لیکن میں ہزاروں فٹ دُور سے بھی بتا سکتا ہوں کہ یہ محض ہوا کی آواز ہے۔ کوئی جانور غرا رہا ہے یا پھر ندے شور مچا رہے ہیں۔"

میرینا کو یقین تھا کہ وہ اس وقت ان میں سے کسی شے کی آواز بھی نہیں سن رہا تھا۔ مگر یہ ہے کیا؟ اُس نے دریافت کیا

"ایک کار۔" ڈچ مین کسی شکاری کتے کی طرح ہوشیار ہو گیا۔ "مجھے ایک کار کی آواز سنائی دے رہی ہے۔ حالانکہ دُور دُور تک کسی کار کا وجود نہیں۔"

سنہری غول
اسلم راہی ایم اے قیمت -/150

کار رُکتے ہی ٹائیگر نیچے اُتر آیا۔ اس کا رُخ سڑک کے بالکل آخری اور بلند ترین حصّے کی جانب تھا جہاں سومارد کھڑی تھی۔ ٹائیگر کو دور سے ہی اندازہ ہو گیا تھا کہ گاڑی میں کوئی شخص موجود نہیں۔

اتنی بلندی پر اب بھی جا بجا برف جمی ہوئی تھی جو تیز بارشوں کے باعث رفتہ رفتہ پانی میں تبدیل ہو رہی تھی۔ ہوا کی رفتار بھی خاصی کاٹ دار تھی جو ٹائیگر کو اپنے چہرے پر سوئیوں کی مانند محسوس ہو رہی تھی۔ جو اس نے سرد دی سے بچاؤ کے مناسب کپڑے اور بہاؤ پر چڑھنے کا ضروری ساز و سامان ساتھ نہیں لیا تھا پھر بھی کوئی عام شخص اس کی رفتار دیکھتا تو اُسے کوئی عجوبہ ہی قرار دیتا۔

ٹائیگر کو یقین تھا کہ اگر میرینا ڈچ مین کے پاس ہوئی تو کے جی بی مہم اُسے تلاش کرے گی۔ البتہ اس سوال کا اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا کہ کے جی بی ڈچ مین کو قتل کیوں کرنا چاہتی ہے؟ ممکن ہے اس کی وجہ بھی میرینا ہی رہی ہو۔

چوٹی قریب آ گئی تو ٹائیگر جھک گیا۔ دشمن دوسری طرف گھات لگائے ہوئے تھے۔ ٹائیگر کے حساس کان ان کی خاموش نقل و حرکت کی سرسراہٹیں سُن رہے تھے۔ اس کے اردگرد خاصی بلند گھاس تھی لیکن وہ ایسی نہ تھی کہ ٹائیگر کو دشمن کی نظروں سے پوشیدہ کر لیتی۔

وہ کے جی بی ٹیم سے کوئی سو فٹ دُور تھا کہ اُسے بیک وقت کئی گولیاں چلنے کی آواز سنائی دی۔ اس نے ایک جھٹکے سے سر دائیں جانب موڑا۔ ایک گہری کھائی کی دوسری جانب پہاڑی ڈھلوان پر ایک سنگی ہٹ دکھائی دے رہا تھا۔ کوئی شخص ہٹ کے سامنے آگ کی گھاس میں دوڑ رہا تھا۔ اس کا رُخ کھائی کی طرف تھا۔۔۔ یہ کون تھا؟ ٹائیگر نے پہچاننے کی کوشش کی لیکن فضا میں پھیلی ہوئی نیم تاریکی کے باعث ناکام رہا۔

فوراً ہی ایک خود کار رائفل گولیاں اُگلنے لگی۔

ڈچ مین نے میرینا کو ہٹ کے اندر دھکیل دیا اور سختی کے ساتھ ہدایت کی کہ کسی بھی صورت حال میں باہر نکلنے کی کوشش نہ کرے۔ میرینا خاموشی سے کھڑی اُسے ہٹ سے نکل کر اس کھائی کی طرف بڑھتے دیکھتی رہی جو وہاں سے کوئی تین سو گز دُور تھی۔

شام ڈھلنے لگی تھی جس کے باعث تاریکی نے فضاؤں پر اپنے پنجے گاڑنے شروع کر دیے تھے لیکن میرینا نے کوشش کی تھی کہ آخری لمحے تک ڈچ مین کو نگاہوں سے اوجھل نہ ہونے دے لیکن۔۔۔ پھر قد آور گھاس نے ڈچ مین کو یوں نگل لیا جیسے اس کا وجود ہی نہ ہو۔

میرینا نے دروازہ مقفل کر لیا اور کمرے کے وسط میں آ گئی۔ اس کا بدن آہستہ آہستہ کپکپا رہا تھا۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے کمرے کا جائزہ لے رہی تھی۔ اس کے سامنے وائی کی لوڈڈ رکھا ہوا تھا۔

اچانک ہی میرینا کے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ وہ بھی اس کھیل کو سمجھ سکتی ہے۔ جیک نے اُسے ایک بار بتایا تھا کہ یہ زندگی اور موت کا کھیل ہوتا ہے۔ جس طرح انسان اپنی زندگی کی حکمتِ عملی تیار کرتا ہے اسی طرح وائی کی کی حکمتِ عملی تیار کی جاتی ہے۔ اس نے بورڈ کے گرد ایک چکر لگایا۔ اندازہ ایسا ہی تھا جیسے اُسے سمجھنے کی کوشش کر رہی ہو۔

اُسی لمحے کئی گولیاں ہٹ کے عقبی دروازے میں پیوست ہو گئیں۔ میرینا چلا اٹھی۔ مارے دہشت کے اس کا دماغ ماؤف ہو گیا۔ وہ سوچنے کی کوشش کر رہی تھی کہ اپنے بچاؤ کے لیے کیا کرے لیکن صرف ایک ہی بات سمجھ میں آ سکی کہ جانوروں کی طرح اپنے تحفظ کے لیے دوڑا جائے۔

چیختے چلاتے میرینا نے دروازہ عجلت مقفل کیا۔ پٹ زور سے دھکیلے اور ننگے پاؤں اسی راستے پر بھاگ کھڑی ہوئی۔ جس پر چند ثانیے قبل ڈچ مین گیا تھا۔

کے جی بی کے عملہ آوروں نے فوراً ہی اُسے دیکھ لیا۔ وہ اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ وہ بھی اُسی سمت بڑھ رہے تھے جہاں میرینا تھی۔ لمبی لمبی نالیوں والے پستول انہوں نے اپنے دائیں ہاتھوں میں پکڑ رکھے تھے۔

کھائی کے پار طوفان اب بھی شور مچا رہا تھا، لیکن اگر یہ خاموش شام بھی ہوتی، تب بھی روسی، ٹائیگر کی آہٹ نہ سُن پاتے۔ ٹائیگر جب دبے قدموں اُن کی پوزیشن کے قریب پہنچا تو اُسے سب سے نزدیک ایک بھاری بھرکم روسی ہی دکھائی دیا جو پستول ہاتھ میں لیے دوسری جانب رُخ کیے بیٹھا تھا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ٹائیگر کے آگے بڑھتے ہی روسی نے پلٹ کر دیکھا۔ شاید کوئی پتھر ٹائیگر کے قدموں تلے آگیا تھا جس سے روسی ہوشیار ہوگیا تھا۔ فاصلہ اس قدر کم تھا کہ روسی اپنا پستول استعمال نہیں کر سکتا تھا چنانچہ اس نے فوری طور پر ٹائیگر پر چھلانگ لگا دی۔

ٹائیگر اب بھی کمزوری محسوس کر رہا تھا۔ اس نے جوابی حملے کی بجائے یہی مناسب سمجھا کہ اپنی جگہ چھوڑ دے۔ یہی ہوا۔ جونہی ٹائیگر نے جگہ بدلی، روسی دھپ سے زمین پر آگرا۔

ٹائیگر نے اُسے اُٹھنے کا موقع نہیں دیا۔ اُس کا بایاں پیر روسی کے پیٹ پر جم گیا، جبکہ جھک کر اس نے روسی کا بایاں ہاتھ پکڑ لیا۔ محض ایک ہی جھٹکے سے روسی کا بازو شانے کے جوڑ سے اُکھڑ کر ٹائیگر کے ہاتھ میں آگیا۔

لیکن ٹائیگر کی یہ حرکت اتنی تیز رفتار تھی کہ وہ خود کو بھی سنبھال نہیں سکا اور کیچوے کے بل زمین پر آگرا۔ اُس کی کمر میں خاصی چوٹ آئی۔ درد کی ایک لہر اس کے بدن میں اُٹھی لیکن وہ زبان دانتوں تلے دبا کر اُٹھ کھڑا ہوا۔

روسی بے ہوش ہو چکا تھا۔ شانے کے زخم سے خاصا خون نکلا تھا جو تالاب کی صورت ایک جگہ جمع ہو رہا تھا۔ ٹائیگر نے آگے بڑھ کر اپنا ایک پیر روسی کی گردن پر رکھ دیا۔ اس نے ہلکا سا دباؤ ڈالا... اور روسی کا بدن ایک جھٹکا لینے کے بعد ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ساکت ہوگیا۔

ٹائیگر نے پلٹ کر کھائی کی دوسری جانب دیکھا جہاں اب ایک اور ہیولی چٹان کے انتہائی سرے کی جانب بھاگتا دکھائی دے رہا تھا۔

ڈچ مین کو اچانک ہی اپنے عقب میں کسی کی موجودگی کا احساس ہوا۔ وہ چند سو گز دور نظر آنے والے حملہ آوروں پر پوری توجہ مرکوز کیے ہوئے تھا جس کی وجہ سے میرینا کے بھاگتے قدموں کی آہٹیں بھی اُسے سُنائی نہیں دی تھیں۔

اُسے اب تک روسی دکھائی نہ دیے تھے یا شاید فاصلے کی وجہ سے وہ انہیں روسیوں کی حیثیت سے شناخت نہ کر پایا تھا۔ وہ پلٹ کر کسی مناسب پناہ گاہ میں جانے کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ گولیاں چلنے کی آوازیں سُنائی دینے لگیں۔ وہ اپنے ہٹ کی طرف لوٹنا چاہتا تھا لیکن اپنے ہی جال میں پھنس کر رہ گیا تھا۔ اس کی کوئی بھی حرکت اُن کے سامنے اُسے بے نقاب کر سکتی تھی۔ وہ آہستہ روی کے ساتھ چٹان کے انتہائی حصے سے پیچھے سرکنے لگا۔

لیکن میرینا کی آمد نے سب کچھ بدل دیا۔ وہ کسی وحشی ہرنی کی مانند آ رہی تھی۔ ڈچ مین کو خطرہ تھا کہ کہیں لاعلمی اور گھبراہٹ میں وہ خود کو کھائی میں نہ گرا لے۔

تب ہی ڈچ مین کو کچھ اور بھی دکھائی دیا۔ دو روسی ریچھ جھکے جھکے میرینا کا تعاقب کر رہے تھے۔ وہ مسلح تھے۔ اُسے ایک کے ہاتھ میں خودکار رائفل بھی نظر آئی تھی۔

وقت بے حد کم رہ گیا تھا۔ ڈچ مین نے یکلخت دوڑ لگا دی۔ دو تیز دھار چاقو پھینکے اور دونوں روسی زمین بوس ہو گئے۔ ان کے حلق سے آواز تک نہیں نکلی تھی۔

وہ پلٹ کر میرینا کی طرف بھاگا۔ جو اس سے خاصی دُور تھی لیکن ڈچ مین اُس سے کہیں زیادہ تیز رفتار تھا۔ وہ اس علاقے سے پوری طرح واقف تھا۔ اس لیے اُسے یقین تھا کہ حملہ آوروں سے پہلے ہی میرینا کو جا لے گا۔

مگر اسی وقت خودکار رائفل چلنے کی آواز سُنائی دی...

ڈچ مین محض ایک لمحے کے لیے ٹھٹکا... اس نے میرینا کو لڑکھڑاتے اور پھر جھاڑیوں میں گرتے دیکھ لیا تھا۔

گولی کھائی کی دوسری جانب سے چلائی گئی تھی۔

ڈچ مین بھاگ کر اس تک پہنچا۔ میرینا کے سینے پر کمیونو سرخ ہو رہا تھا۔ ڈچ مین کو بتائے بغیر پتا چل گیا کہ گولی کہاں لگی ہے۔ وہ اُس پر جھک گیا۔ میرینا نے ایک بار آنکھیں کھولیں، پھر بند کر لیں۔

"میرینا!" ڈچ مین نے پہلی بار اُسے نام سے مخاطب کیا۔

اس نے کچھ کہنے کے لیے ہونٹ کھولے لیکن ٹھیک اُسی لمحے زمین بُری طرح کانپی... زلزلے کا ایک شدید جھٹکا آیا اور گرد و نواح کا سارا منظر طوفان میں چھپ گیا۔

ڈچ مین پاگلوں کی طرح میرینا کو تلاش کرنے لگا۔ کیونکہ اب وہ اس مقام پر نہیں تھی جہاں وہ گری تھی... زلزلے نے سب کچھ الٹ پلٹ دیا تھا... بالآخر میرینا اُسے نظر آ گئی۔ وہ اس سے کوئی چھ فٹ نیچے ایک چٹان پر پڑی تھی۔ ڈچ مین لیٹ کر اس پر جھکا اور رینا ایک ہاتھ اس کی طرف بڑھا دیا۔ میرینا نے اپنے کپکپاتے ہاتھ سے

کوئی چیز اُسے تھما دی۔

ڈچ مین نے غور سے میرینا کا جائزہ لیا۔ جھیل جیسی گہری آنکھیں بند تھیں، جیسے کبھی نہیں کھلیں گی لیکن ڈچ مین کی خواہش تھی کہ یہ آنکھیں ہمیشہ چمکتی رہیں کیونکہ یہی آنکھیں تو اس کا حوصلہ تھیں۔

وہ بے قراری سے میرینا کی طرف بڑھا، کیونکہ وہ نہیں چاہتا تھا کہ میرینا مر جائے۔

✠

زلزلے کے جھٹکے نے ٹائیگر کے قدم بھی اُکھاڑ دیے۔ وہ لڑکھڑایا۔ دائیں جانب سینکڑوں فٹ گہری کھائی تھی۔ اُسے یقین تھا کہ چند ہی ثانیوں بعد وہ اس عمیق گہرائی میں ٹنوں مٹی کے نیچے دب چکا ہوگا۔

اس نے سنبھلنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ بدن کے بے پناہ درد نے اس کی ساری پھرتی اور صلاحیت جیسے سلب کر لی تھی۔ وہ گھٹنوں کے بل زمین کی طرف گرنے لگا۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں اور دل ہی دل میں اپنے اللہ کو یاد کرنے لگا۔ اس بات کی گواہی دینے لگا کہ موت برحق ہے اور ہر ذی رُوح کو اس کا ذائقہ چکھنا ہے...

اچانک ہی دو ہاتھ آگے بڑھے اور انہوں نے ٹائیگر کو یوں سنبھال لیا جیسے وہ بے وزن پھول ہو۔

ٹائیگر نے چونک کر آنکھیں کھول دیں... وہ اوشان تھا۔ اپنے مخصوص لبادے میں وہ کسی پہاڑ کی مانند اپنی جگہ جما کھڑا تھا۔ زلزلے کی شدت بھی اس کے پیر نہیں اکھاڑ سکی تھی۔

"شش... شکریہ، اٹل فادر!" ٹائیگر اُس معصوم بچے کی طرح بولا جو بولنا نیا نیا سیکھتا ہو۔

"شکریہ! واگر کے دوسروں کی کارکردگی پر پانی کیوں پھیرتے ہو میرے بچے؟" اوشان نے اُسے قریب کر کے اس کے شانے تھپکے۔ "میں نے تمہیں نہیں، اپنے آپ کو بچایا ہے۔"

ٹائیگر نے سر جھکا لیا۔ اوشان کے تخیل میں جو اپنائیت تھی وہ اس کی گہرائی تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ چند لفظوں میں محبتوں کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر نہیں سما سکتا تھا۔

"لیکن!" اوشان نے اپنی بات جاری رکھی۔ "اپنے پیروں پر کھڑا ہونا سیکھو شہزادہ! میں بار بار تمہاری مدد کو نہ آ سکوں گا... ڈچ مین کا مقابلہ تمہیں کرنا ہے۔ میں اس میں تمہارا کوئی ساتھ نہ دے سکوں گا، لیکن میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ تمہارا وجود ختم ہو جائے کیونکہ سناتجو کی تلوار ہنوز تمہاری منتظر ہے۔"

"ہم... مگر آپ یہاں کیسے آئے؟" ٹائیگر نے درد کی اُٹھنے والی ٹیسوں پر قابو پاتے ہوئے پوچھا۔

"پہلے جہاز اور پھر کار پر۔"

تکلیف کے باوجود ٹائیگر مسکرا دیا۔ "میرا مطلب ہے کیا مجھے بچانے آئے تھے؟"

"نہیں!" اوشان کے چہرے پر اب پتھروں کی سی سختی تھی۔ "مجھے تمہیں قتل کرنے کے احکامات ملے ہیں۔"

ٹائیگر کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔

اُسے شروع سے ہی توقع تھی کہ ایک نہ ایک روز ایسا ہوگا۔ اکثر و بیشتر اس نے اوشان سے بھی اپنے ان خدشات کا اظہار کیا تھا لیکن وہ ہمیشہ ہنس کر ٹال جاتا تھا۔ ٹائیگر کو اپنی توقع کے باوجود یہ بات بڑی عجیب سی لگی کہ بہرام نے اس کی ساری خدمات فراموش کر کے اس کے قتل کے احکامات صادر کر دیے تھے۔

"لیکن یہ تو دُنیا ہے۔ یہاں وقت اور انسان کو بدلتے دیر نہیں لگتی۔" ٹائیگر نے خود کو تسلی دی، پھر اُسے یاد آیا کہ وہ خود بھی تو اوشان کی جان لینے کی کوشش کر چکا ہے۔ الجزیرہ میں بی جے کینی کی حیثیت سے اس نے طے کر لیا تھا کہ وہ اوشان کی جان لے گا لیکن اگر اوشان ہی ضبط و تحمل سے کام نہ لیتا تو خود ٹائیگر مارا جا چکا ہوتا۔

اس نے شرمندہ شرمندہ سی نگاہیں اٹھا کر اوشان کو دیکھنا چاہا لیکن اوشان وہاں نہیں تھا... اس نے اِدھر اُدھر دیکھا لیکن اوشان کہیں نظر نہ آیا... وہ جا چکا تھا۔ البتہ ایک اور چیز ٹائیگر کو دکھائی دی جس نے ایک لمحے کے لیے اُسے ساکت کر دیا۔

ایک عورت کھائی کی دوسری جانب ایک چٹان پر بے ترتیب سی پڑی تھی۔ اُس کا لباس خون میں بھیگا ہوا تھا۔ عورت کا چہرہ اوپر اٹھا ہوا تھا جس پر شدید کرب کے آثار تھے۔

یقیناً زلزلے کے جھٹکوں نے اسے چٹان پر پھینک دیا تھا۔

ٹائیگر نے پلکیں جھپکائیں۔ وہ میرینا تھی۔

کاش کو موتو گی اطلاع غلط ہوتی اور وہ چٹان پر پڑی

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

عورت کو دھیرے دھیرے مرتے نہ دیکھتا... سینکڑوں افراد اس کے ہاتھوں موت کے اندھیروں میں غرق ہوئے تھے لیکن یہ پہلی عورت تھی جس نے کچھ وقت بیوی کی حیثیت سے اس کے ساتھ گزارا تھا۔

ٹائیگر نے ایک ہاتھ اس کی طرف بڑھتے دیکھا۔ کیا وہ اسے نیچے دھکا دینا چاہتا ہے؟ اس نے عورت کو ہاتھ کی طرف کھسکتے دیکھا جیسے وہ اوپر سے جھکے ہوئے شخص کو قریب سے دیکھنا چاہتی ہو۔

"میرینا!" ٹائیگر کے ہونٹوں سے تیز سرگوشی برآمد ہوئی۔

اسی وقت ایک اور دھماکا آیا۔

میرینا کا جسم ہلکا اور دھماکے کی گہرائیوں میں گم ہوتا چلا گیا۔ ٹائیگر کے سینے میں ٹیس سی اٹھی۔ وہ اسی عورت کو بچانے یہاں آیا تھا... لیکن اللہ تعالیٰ اس کے نام پر موت کی مہر ثبت کر چکا تھا۔

پھر اس نے چٹان کے اُدھر جھکے شخص کو اُٹھتے دیکھا۔ دونوں کی نگاہیں کھائی کے اوپر سے ایک دوسرے میں پیوست ہو گئیں۔

وہ ڈچ مین تھا۔

✠

سوائے دور روشنیوں کے پورا مکان تاریکی میں ڈوبا ہُوا تھا... ایک بلب مرکزی دروازے اور دوسرا عقبی دروازے پر جل رہا تھا۔

روبی کو عقبی روشنی کے قریب ایک شخص کرسی پر بیٹھا دکھائی دے رہا تھا۔ وہ کوک کی بوتل سے ہلکے ہلکے سپ لیتے ہوئے پورٹیبل سونی ٹیلیویژن ریسیور پر کچھ سن رہا تھا۔

روبی خاموشی سے اس شخص کے عقب میں پہنچی اور اپنا ایک بازو اس کی گردن کے گرد حمائل کر دیا۔ دوسرا ہاتھ اس نے ناک اور منہ پر جما دیا تھا۔

سنتری کو چیخنے کی مہلت بھی نہیں ملی۔ چند ہی ثانیوں میں اس کا بدن ڈھیلا پڑ گیا۔ روبی نے محض سیکنڈوں کے لیے جلتے ہوئے ٹی وی کو دیکھا اور سنتری کو چھوڑ کر آگے بڑھ گئی۔

وہ ہال وے میں پہنچی تو سامنے کے دروازے کے پہریدار نے نظریں اُٹھا کر اُسے دیکھا۔ وہ اپنی کرسی سے اُٹھ کر سیاہ کپڑوں میں ملبوس لڑکی کی طرف بڑھنا ہی چاہتا

شہباز
مصنف اظہر کلیم
دو حصوں میں
مکمل سیٹ =/100 روپے
مکتبہ القریش
سرکلر روڈ اردو بازار لاہور
فون 7668958

تھا کہ ایک خاموش گولی نے اس کے ماتھے میں تیسری آنکھ کھول دی اور وہ دوبارہ کرسی پر ڈھے گیا... گولی روبی کے پستول سے برآمد ہوئی تھی۔

روبی نے اُسے وہیں بیٹھا چھوڑا اور گراؤنڈ فلور کی تلاشی لینے لگی۔ ایک چھوٹے سے دفتر میں میز اور آہنی الماری اُسے دکھائی دی۔ الماری میں کمبی نیشن لاک تھا۔ روبی نے اپنی جیب سے ایک چابی نکالا اور چند منٹ کی کوششوں سے قفل کھولنے میں کامیاب ہو گئی۔

الماری میں صرف ایک فائل رکھی تھی جس میں کئی ٹائپ شدہ کاغذ موجود تھے۔ روبی نے جلدی جلدی ان کاغذات کا جائزہ لیا اور پھر انہیں اپنی جیب میں ڈال لیا۔

گھر کی بالائی منزل بالکل خالی تھی۔ حتیٰ کہ فرنیچر کے نام پر ایک کرسی بھی وہاں موجود نہیں تھی۔

روبی کو اندازہ ہو گیا کہ یہاں کچھ نہیں ملے گا... وہ تہ خانے میں آ گئی لیکن وہاں بھی ڈبوں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔ ایک چھوٹا سا سیمنٹ مکسر اور ڈیزل سے چلنے والا انجن وہاں رکھا ہُوا تھا۔ سیمنٹ کے متعدد خالی تھیلے اِدھر اُدھر بکھرے ہوئے تھے۔

مٹی کے ایک انبار نے اس کی توجہ اپنی طرف مبذول کرائی اور وہ اسی طرف بڑھ گئی۔ وہ اسی کی توقع لے کر یہاں آئی تھی۔ ایک دروازہ اُسے دکھائی دے رہا تھا جس کی دوسری جانب تاریکی تھی۔

تاریک سُرنگ۔

چھت خاصی بلند تھی۔ روبی بآسانی اندر داخل ہو گئی۔ اس

انگلیش لائٹ نے وسیع اور تاریک سُرنگ کو روشن کر دیا تھا۔ وہ اتنی بڑی سرنگ تھی کہ پہلو بہ پہلو تین آدمی آرام سے رُو سکتے تھے البتہ روبی کو اس بات پر حیرت تھی کہ یہ سُرنگ بنانے کے مقاصد کیا تھے؟

کچھ آگے جانے کے بعد اس نے لائٹ آف کر دی اور دیوار کا سہارا لے کر آگے بڑھنے لگی۔ حتیٰ کہ وہ سُرنگ کے دوسرے دروازے تک پہنچ گئی۔ اس کا اندازہ تھا کہ وہ انٹی ٹیوٹ فار ہینارٹی ایکشن گروپ انکاؤنٹرز تک پہنچ گئی ہے۔

دروازہ مقفل تھا۔ انگلیش لائٹ اُسے ایک بار پھر روشن کرنی پڑی تھی۔ اسٹیل فریم کے برابر ایک بٹن دکھائی دے رہا تھا لیکن اس نے یہ میکنزم استعمال نہیں کیا بلکہ باریک تار کی مدد سے قفل کھولنے لگی۔

چند ہی لمحوں بعد کلک کی آواز سُنائی دی اور دروازہ غیر مقفل ہو گیا۔

ایک چھوٹا سا کمرہ اس کے سامنے تھا۔ وہ کچھ دیر دروازے پر رُک کر کمرے کی تاریکی میں گھورتی رہی پھر اگلے دروازے کی طرف بڑھی۔ اس نے ہینڈل گھمایا۔ دروازہ غیر مقفل تھا۔ روبی تیزی سے اندر داخل ہوئی۔ یہ ایک نسبتاً بڑا کمرہ تھا جس کے آخری سرے پر بہت سے ایکویپمنٹ موجود تھے۔

اسپورٹس شرٹ پہنے ہوئے ایک نوجوان دیوار سے پُشت لگائے کھڑا تھا۔ قدموں کی آہٹ سُن کر اس نے فوراً روبی کی سمت دیکھا۔ اس کا ہاتھ ہولسٹر میں موجود ریوالور کی طرف بڑھا لیکن روبی پہلے ہی اس کا نشانہ لے چکی تھی۔ اس کے پستول سے ایک گولی نکلی اور نوجوان کے سینے میں جا گھسی۔ اس کا سر زوردار آواز کے ساتھ دیوار سے ٹکرایا اور پھر وہ پھسلتا ہُوا زمین پر ڈھیر ہو گیا۔

مرنے والے کے بائیں جانب ایک اور دروازہ تھا جس پر "فلم آرکیوز" لکھا ہُوا تھا۔ روبی نے نوجوان کی لاش گھسیٹ کر اندر ڈالی اور دروازہ بند کر دیا۔

یہ ایک اور کوٹھری تھی۔ میز اور چند کرسیوں کے سوا یہاں کوئی فرنیچر موجود نہیں تھا البتہ ایک چھوٹی سی مشین ایک جانب رکھی تھی جس کی اوپری سمت ویلو اسکرین بنی ہوئی تھی۔

عقبی دیوار میں اسٹرانگ روم ٹائپ کا دروازہ تھا جو نمبروں سے کھلتا تھا۔ روبی کو مرنے والے کی بیلٹ میں... دروازے کے نمبروں کی ترتیب مل گئی اور وہ کسی الارم سسٹم کا جائزہ لینے لگی لیکن جب اُسے کوئی آثار نہ ملے تو اس نے دروازہ کھول دیا۔

یہ مائیکرو فلم اسٹور تھا جہاں ایریا تھا۔

اندر کئی دراز تھے جنہیں سیلولائیڈ ڈائنا مائیٹ سے محفوظ کیا گیا تھا۔ ہر دراز کے اوپر مختلف انگریزی حروف لکھے ہوئے تھے۔ درازوں میں بلامبالغہ ہزاروں کی تعداد میں دستاویزات رکھی گئی تھیں۔

روبی نے انڈیکس دیکھی اور پھر مخصوص فائلوں کی تلاش شروع کر دی۔ مطلوبہ فائلیں نکال کر اس نے اپنی جیب میں ڈال لیں پھر جب اس نے مرنے والے کو گھسیٹ کر اسٹرانگ روم کے اندر پھینکا اور دروازہ بند کر کے چابیاں جیب میں ڈال لیں۔

وہ واپس مڑی تو اُسے کمرے کا دروازہ کھلتا نظر آیا۔ ایک اور شخص اندر داخل ہو رہا تھا۔ روبی فوری طور پر ایکشن میں آ گئی۔ اس کے پستول نے دوسرا شعلہ اگلا اور آنے والا دروازے کے بیچوں بیچ گر گیا۔ گولی اس کے ماتھے پر لگی تھی۔

روبی نے اُسے بھی گھسیٹ کر اندر ڈالا اور باہر آ گئی۔

اچانک، کمرے میں گڑگڑاہٹ سُنائی دی تو روبی کی نگاہیں سامنے کی سمت اُٹھ گئیں۔ یہ ایک چار دروں سمت سے کھلی کارگو لفٹ تھی جو آہستہ آہستہ نیچے آ رہی تھی بلکہ دو افراد نیچے آ رہے تھے۔

پہلی چیز جو روبی کو نظر آئی وہ دو مردانہ ٹانگیں تھیں۔ روبی نے ٹانگوں کی دوسری جوڑی کی جانب دیکھا۔ وہ نسوانی ٹانگیں تھیں۔ روبی نے پہلی ہی نظر میں انہیں پہچان لیا۔

وہ نیلوفر دتالی تھی جو کسی مرد کے ساتھ کارگو لفٹ پر سوار تھی۔ روبی کی طرف دونوں کی پشت تھی۔ پہلے مرد لفٹ سے اترا پھر اس نے سہارا دے کر نیلوفر کو اتارنا چاہا۔

"آپ کی منزل آ گئی، ہائی نیس!" وہ کسی قدر طنزیہ لہجے میں بولا۔ "کیا یہی ہیں یہ اعزاز..." یہ آخری الفاظ تھے جو اس کی زبان سے ادا ہوئے۔

ایک چاقو سنسناتا ہوا آیا اور اس کی گردن میں ترازو ہو گیا۔ اس کے جسم نے ایک جھٹکا لیا اور لفٹ کے سامنے منہ کے بل گرا تھا۔ اس کے زخم سے خون بہنا شروع ہو گیا تھا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

نیلوفر نے فوراً پلٹ کر دیکھا۔ اس کی نظریں مُردہ شخص سے ہوتی ہوئی سیاہ لباس پہنے ہوئے اس لڑکی پر مرکوز ہو گئیں جو اب آڑ سے نکل کر اس کے قریب پہنچ گئی تھی۔ وہ چیخی "اوہ!"... اور اس کے بازوؤں میں ڈھیر ہو گئی۔

روبی نے اس کی کمر تھپتھپا کر اُسے تسلی دی اور اپنے ساتھ آڑ میں لے آئی "تم یہاں کیا کر رہی تھیں؟"

"کسی نے پارٹی کے مندوبین پر حملہ کر دیا تھا۔" نیلوفر آہستگی سے بولی "تمام افراد کو گولی مار دی گئی تاکہ اس کا الزام تم پر آسکے۔ اس کے بعد انہوں نے صدارتی محل پر حملہ کر دیا۔ اس کے بارے میں یہی کہا جا رہا ہے کہ وہ بھی تم ہی تھیں۔"

روبی کے ذہن میں سرنگ کے دوسرے سرے پر رکھے ہوئے ٹی وی سیٹ سے آنے والی آوازیں گونجنے لگیں۔ ایک ہی لمحے میں وہ سب کچھ سمجھ گئی تھی۔

"مگر یہ لوگ تمہیں یہاں کیسے لائے؟" وہ جاننا چاہتی تھی۔

"چیف حملہ آوروں کے مقابلے میں باہر چلے گئے تھے۔" نیلوفر نے اپنی کسی جیب سے کاغذ کا ایک ٹکڑا نکال کر روبی کو تھما دیا "انہوں نے تمہارے لیے یہ نمبر چھوڑا تھا کہ اگر ممکن ہو تو تم ان سے بات کرلو۔ حملہ آوروں نے تمہیں داڑھی لگایا تھا۔ وہ لوگوں کو بتانا چاہتے تھے کہ تم خون کی پیاسی کوئی پاگل لڑکی ہو۔ اسی لیے صدارتی محل پر..."

"کوئی بات نہیں۔" روبی نے جملہ کاٹا "تم یہ بتاؤ کہ یہاں کیسے پہنچیں؟"

"ان لوگوں نے چیف کے محافظوں کو قتل کر دیا اور مجھے یہاں لے آئے۔"

"کون سے لوگ؟"

"وہ تین تھے۔" نیلوفر نے مرنے والے کی جانب اشارہ کیا "ایک یہ... باقی دو ہم سے پہلے نیچے آگئے تھے۔"

"اوہ کے!" روبی سمجھ گئی تھی کہ کون سے آدمی تھے۔ دو کو اس نے پہلے ہی موت کے گھاٹ اُتار دیا تھا۔

"اوپر کیا ہے؟" روبی نے نیلوفر سے پوچھا۔

"ایک مسلح کیمپ۔" نیلوفر بولی "کیا تم اس راستے سے یہاں نہیں آئیں؟"

روبی نے نفی میں سر ہلایا "نہیں، میں دوسرے راستے سے آئی ہوں۔ اب تم مجھے اوپری حصے کا نقشہ بتاؤ۔"

"تم پو کے پیچھے ہو نا؟"

دیو تاؤں کے شہر نیپال میں بسنے والے
ایک درندے کی پراسرار داستان
درندہ
یعقوب جمیل کے ہوشربا قلم سے جس کا
قارئین کو برسوں سے انتظار تھا
مکتبہ القریش سرکلر روڈ اردو بازار لاہور
فون 7668958

"درست۔"

"وہ اوپر نہیں، نیچے ہے۔ یہ لوگ مجھے اسی کے پاس لے جا رہے تھے۔"

روبی سوچ میں پڑ گئی۔ اس کے ہونٹ سختی کے ساتھ ایک دوسرے سے پیوست ہو گئے "ٹھیک ہے، آؤ... میں تمہیں اسی کے حوالے کرتی ہوں۔"

❋

اینڈریو سیور سو کر اُٹھا تو رات کا خواب اب بھی اس کی آنکھوں میں بسا ہوا تھا۔ وہ بیڈ سے ٹانگیں لٹکا کر بیٹھ گیا۔ اس کی نظریں سامنے سنگِ مرمر کی دیوار میں لگے بڑے سے آئینے پر مرکوز تھیں جس میں اُسے اپنا نہیں بلکہ اپنے باپ کا چہرہ نظر آرہا تھا۔

وہ مارٹن سیور نامی امریکی کا بیٹا تھا جس نے سیور اینڈ سنز کے نام سے کشتیوں کے ایک بیڑے کا کاروبار کر رکھا تھا۔ وہ مچھلیاں پکڑنے اور درآمد کی نقل و حمل کے لیے استعمال ہونے والی کئی چھوٹی بڑی کشتیوں کا مالک تھا۔ کچھ عرصہ مارٹن نے شی زی لین اور اس کے بھائیوں کے ساتھ مل کر منشیات کی ترسیل کا کام بھی کیا تھا۔ زی لین اور اس کے بھائی افیون اور دوسری منشیات چین کے اندرونی حصوں سے لاتے اور مارٹن اپنی کشتیوں کے ذریعے انہیں مختلف بندرگاہوں تک پہنچاتا۔

اس کے مرنے کے بعد اینڈریو سیور نے سیور اینڈ سنز کی باگ ڈور سنبھالی تھی۔ وہ ستر سال کا تھا لیکن اُسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے سانس ابھی کل کی بات ہو۔

وہ اٹھائیس سال کا تھا جب اس کی بیوی میئری کو دورے جایا گیا۔ جبکہ بیٹی، می کی صرف اٹھارہ ماہ کی عمر میں ہی اللہ کو پیاری ہو گئی تھی۔ کئی سالوں تک دوسری شادی کی سوچ اس کے ذہن میں نہیں اُبھری تھی اور اپنے چیف اور معتمد ترین شیئر ہولڈر کے بارہا اصرار پر بھی اس نے ہامی نہیں بھری تھی۔ یہ الگ بات تھی کہ پیٹر ہمیشہ خاندان کی تشکیل پر زور دیتا رہا۔ کیونکہ اس کے خیال میں ایک تائی پین، یعنی جہازوں کے مالک کو اپنا وارث ضرور پیدا کرنا چاہیے جو اس کے بعد دولت و قوت کا محافظ ہو۔

دس سال پہلے تک وہ کسی ایسی شخصیت سے نہیں ملا تھا جس کے لیے دل میں کوئی جذبہ محسوس کر سکتا۔ سوسن ویلٹر اس سے تیس سال چھوٹی تھی۔ دونوں کی شادی نے براڈوے کاؤنٹی میں اچھے خاصے اسکینڈل کا روپ دھار لیا تھا۔ اس اسکینڈل سے سیور کو وہ معاملہ یاد آگیا جس سے برسوں پہلے زی لین نے اُسے شناسائی میں بچایا تھا۔

شادی سے اس کی زندگی میں خاصی خوشیاں لوٹ آئی تھیں لیکن ایک ہی سال بعد سوسن، تخلیقی مراحل سے گزرتے ہوئے جانبر نہ ہو سکی۔ اس نے ایک بچی کو جنم دیا جسے اینڈریو سیور، می کی کہتا تھا لیکن می کی بھی محض اٹھارہ ماہ زندہ رہ سکی اور ایک پے چیدہ بیماری کے نتیجے میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس سے جدا ہو گئی۔

اس نے آج می کی کے بارے میں ہی خواب دیکھا تھا۔

کچھ دیر اینڈریو یونہی بے حس و حرکت بیٹھا رہا، پھر اس نے فون اُٹھا کر ایک شناسا نمبر ڈائل کیا۔

"پیٹر! صبح صبح پریشان کرنے پر معذرت۔" وہ ماؤتھ پیس میں بولا "لیکن میں فوری طور پر تم سے ملنا چاہتا ہوں۔" ایک لمحے کے لیے وہ دوسری جانب سے آنے والی آواز سنتا رہا، پھر گویا ہوا "نہیں، دفتر ٹھیک رہے گا... اور ہاں! جیکو لین کیسی ہے؟ بچے؟ گڈ... تو پینتالیس منٹ ہے۔"

تیار ہو کر اینڈریو اپنے دفتر پہنچا تو فخریہ انداز میں اس کی نگاہیں سیور اینڈ سنز بلڈنگ کی طرف اُٹھ گئیں۔ گلی کے پار اس کی دائیں جانب کونا ٹاور تھا جبکہ بائیں طرف میئر، کنگ اینڈ کمپنی کا بلند و بالا دفتر تھا جو مغرب کی طرف سے ہانگ کانگ کی دریافت سے اب تک ان کے مخالفین تھے۔

اینڈریو اس مخالفت سے کبھی نہیں گھبرایا تھا، بلکہ ۱۹۸۰ء میں جب پہلی بار یہ بات سامنے آئی کہ چین ۱۹۹۷ء میں ہانگ کانگ واپس حاصل کر رہا ہے تو کئی لوگ اپنا کاروبار چھوڑ کر واپس مغرب چلے گئے تھے۔ بہت سے لوگوں نے اینڈریو کو بھی اس کا مشورہ دیا لیکن اس نے مزید کشتیاں خریدیں اور اپنے کاروبار کو وسعت دینی شروع کر دی۔

مگر اب اُسے معلوم ہوا تھا کہ کنگ اینڈ کمپنی بھی اپنے دفاتر چھوڑ رہی ہے تو پہلی بار اس نے سوچا تھا کہ اس کا اپنا مستقبل کیا ہو گا؟

پیٹر صحیح وقت پر پہنچا۔ وہ دونوں کا ناشتا اپنے ہمراہ لایا تھا۔ اس نے ناشتا میز پر سجایا اور کرسی گھسیٹ کر اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

"ایک بُری خبر ہے، تائی پین!" چند لمحوں بعد پیٹر بولا۔ اس کے مُنہ میں لقمہ بھرا ہوا تھا حالانکہ چبپنی، کھاتے ہوئے کبھی باتیں نہیں کرتے۔ "میں نے سُنا ہے کہ کنگ اینڈ کمپنی آج سہ پہر اپنے بڑے واجانے کا اعلان کر رہی ہے۔"

اینڈریو نے آنکھیں بند کرلیں۔ بظاہر وہ پُرسکون تھا۔ لیکن اُس کا ذہن ان امکانات پر غور کر رہا تھا جن سے وہ فائدہ اٹھا سکتا تھا۔

"ہینگ اس سلسلے میں پیر کی صبح تک انتظامات مکمل کرلے گا۔" پیٹر پھر گویا ہوا "سوال یہ ہے کہ کیا ہم پیر کی صبح تک فروخت کے قابل ہو سکیں گے؟"

اینڈریو کی آنکھیں کھل گئیں "ہم کبھی اور کچھ بھی فروخت نہیں کریں گے، پیٹر! یہ کالونی ہماری زندگی سے منسوب ہے... کنگز والے تو فرضہ ہو کر یہاں سے بھاگ رہے ہیں۔ ہر میجسٹی کے گورنمنٹ سروسٹ ہونے کی بیٹیوا نہیں بر مودا میں ٹیکسوں کی خاصی چھوٹ ملے گی۔ تم ذرا اس بات پر غور کرو کہ ان کے جانے کے بعد سیور اینڈ سنز وہ سب سے بڑی کمپنی ہو گی جس کا تائی پین ایک مغربی شخص ہے۔"

"ان کا کہنا ہے کہ دفاتر کی منتقلی سے ان کے موجودہ کاروبار پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔"

"غلط۔" اینڈریو سرد مہری سے بولا "وہ ایک بار یہاں سے چلے گئے تو آؤٹ سائیڈر ہو جائیں گے۔ بہت سے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

نامور مصنف ایم۔ الیاس۔ کے شہکار
قلم سے ایک اچھوتی کہانی
ذلیل
خوبصورت سرورق عمدہ پرنٹنگ کتابت
قیمت =\150 روپے

بہترین مواقع ان کے لیے ختم ہو جائیں گے۔"

"چینی فرمیں تو یہیں رہیں گی۔ وہ بھی تو پریشانی کا باعث بن سکتی ہیں۔" پیٹر نے گویا انکشاف کیا۔ "ان لوگوں کے درمیان ٹی وائی چانگ اور تھری اوتھ سن بڑی بڑی شپنگ انڈسٹریز اور ورسٹ ہاؤسز کے مالک ہیں جبکہ ناٹیو اسٹار شپنگ یہاں اور نیٹی مملکت میں اپنے کاروبار جاری رکھنے کا اعلان کر چکی ہے۔"

"تھری اوتھ سن کو بعض مالی مشکلات پیش ہو سکتی ہیں۔ وہ کنگز اینڈ کمپنی کے تعاون سے چین میں کم سنگ کا ایتھی پلانٹ لگا رہا ہے۔ اس لیے ان کے جانے سے وہ بھی ضرور متاثر ہوگا۔" اینڈریو نے تجزیہ کیا۔ "اس طرح تھری اوتھ سن اور ٹی وائی چانگ کے درمیان جو جنگ جاری ہے، ہم اس سے بھی فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔"

پیٹر نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا لیکن اینڈریو نے ہاتھ کے اشارے سے اُسے خاموش کرا دیا۔ "کیا یہ بہتر نہیں کہ ہم خاموش رہ کر صورت حال کی تبدیلی کا انتظار کریں؟"

دونوں کے اردگرد خاموشی کی فضا تن گئی۔ اب وہ دفتر کے جاگنے کی آوازیں سُن رہے تھے۔ ٹیلیفونوں کی گھنٹیاں بجنی شروع ہو گئیں۔ پی بی ایکس کنسولوں پر روشنیاں جلنے لگیں۔ دروازے کھلنے اور بند ہونے لگے اور فرش پر اونچی ایڑیوں کی ٹک ٹک سُنائی دینے لگی۔

"تائی پین؟" کچھ دیر بعد پیٹر گویا ہوا۔

اینڈریو کی آنکھیں دوبارہ بند ہو گئیں۔ "یس، پیٹر؟"

"تم مجھ سے کس سلسلے میں بات کرنا چاہتے تھے؟"

اینڈریو نے ایک طویل سانس لی۔ "می کی۔"

"می کی؟"

"گزشتہ شب وہ میرے خواب میں آئی تھی۔ اس کی روح کسی اور کی رُوح سے ملی تھی جس سے وہ شادی کرنا چاہتی تھی۔ بے شک می کی شیر خوار ہی تھی جب موت نے اُسے چھین لیا تھا لیکن چینیوں کے خیال میں رُوحیں عمروں سے ماورا ہوتی ہیں۔ حتیٰ کہ وہ خود کو تنہا محسوس کرتی ہیں۔ خوش رکھنے کے طریقے تلاش کرتی ہیں اور تکمیل کی خواہش رکھتی ہیں۔" اینڈریو کا مطلب بھی یہی تھا۔

"اس کی رُوح اب بہت خوش ہوگی۔" پیٹر نے کسی حیرت کے بغیر خیال ظاہر کیا۔ "اس نے بتایا کہ وہ کس سے شادی کی خواہش مند ہے؟"

جائزہ لیتی رہی، پھر اس کا ترجمہ کرنے لگی۔

وہ خاموش احتیاط کا مظاہرہ کر رہی تھی لیکن چونکہ یہ اس کے اپنے کوڈ تھے اس لیے اُسے ترجمہ کرنے میں نہایت کم وقت لگا۔ ترجمے کے بعد اس نے نوٹ بک واپس اسی خفیہ جگہ پر رکھ دی۔ یہ احتیاط اس کے پیش نظر رہی تھی کہ دونوں ایفٹیں صحیح طور پر رکھ دی گئی ہیں۔ تب وہ واپس ہوئی اور اپنی میڈیا انٹیلی جنس کی تازہ ترین رپورٹس پڑھنے لگی۔

میڈیا نامی یہ پروجیکٹ تقریباً گزشتہ تین سالوں سے جاری تھا۔ اس کا چیف آپریٹو ایک ایسا شخص تھا جس کی تربیت خود زویا نے کی تھی۔ اس وقت اس نے اپوزیشن کے تمام ارکان کے بارے میں حاصی تحقیق کی تھی۔ ان میں سے ایک چینی کمیونسٹ پارٹی کا اعلیٰ عہدیدار زرینگ ہُوا بھی تھا۔ اس کا ایک چھوٹا بھائی ہانگ کانگ میں بھی رہتا تھا۔ زویا نے اس کا پتا چلایا اور محض دس دن کے اندر اندر اس کے پورے خاندان کی نقل و حرکت زویا کے علم میں آ گئی۔

زویا نے حاصل ہونے والی معلومات کو بنیاد بنا کر زرینگ سے رابطہ قائم کیا لیکن اس نے آلۂ کار بننے سے انکار کر دیا۔ اس میں کوئی حیرت کی بات نہ تھی۔ زویا نے احکامات جاری کیے کہ اس کی بیوی کو اغوا کر لیا جائے۔ زرینگ محض اڑتالیس گھنٹوں تک مزاحمت کر سکا پھر اس نے ہتھیار ڈال دیے۔

لیکن زویا نے اس وقت تک زرینگ کے بھائی کی بیوی کو رہا نہیں کیا جب تک اُسے اپنی مطلوبہ معلومات کی پہلی کھیپ نہیں مل گئی۔ اگلے ماہ کے اندر اندر زرینگ نے تین بار زویا کو ایسی معلومات فراہم کیں جن سے ثابت ہُوا کہ وہ اپنی حکومت میں نہایت اہم حیثیت کا حامل ہے۔

شروع میں زویا اس نہج پر کام کرتی رہی تھی جیسے اُسے اپنے یا کارپوف کے لیے کوئی میڈل حاصل کرنا ہے لیکن جلد ہی یہ بات اس کی سمجھ میں آ گئی کہ اسے سینگ میں اپنے نجی روابط استوار کرنے ہوں گے۔ چنانچہ میڈیا انٹیلی جنس کی سفارشات کے عین مطابق اس نے نہایت محتاط انداز میں اپنا کام شروع کر دیا۔

سن کیانگ میں بھاری پانی کی تنصیبات پر حملہ اس سلسلے میں اس کی اہم ترین کارگزاری تھی۔ اس نے لوگوں نے تین ایسے چینیوں کو گرفتار کیا جو یہاں انجینئروں کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں۔ اس کامیابی نے اُسے کارپوف کی نظروں میں اور اہم بنا دیا لیکن وہ اس کے روابط کے بارے میں جاننا چاہتا تھا۔ جھوٹ بولنا بے حد آسان تھا اور اس نے اس سلسلے میں کسی تکلف سے کام نہیں لیا۔

اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہُوا کہ میڈیا اس کی ذات تک ہی محدود رہی اور اب وہ اپنے اسی ادارے کی تازہ ترین رپورٹ پڑھ رہی تھی۔ جو کچھ حاصل ہُوا تھا اس پر وہ بیحد خوش تھی۔ اس رپورٹ سے اُسے پتا چلا تھا کہ ہانگ کانگ کے معاملے پر چینی حکومت میں اندرونی طور پر بعض اختلافات موجود ہیں۔ بنیادی طور پر وہاں دو کیمپ تھے۔ روایتی انتہا پسند ۱۹۹۷ء میں کراؤن کالونی پر مکمل کنٹرول چاہتے تھے۔ یہ لوگ ۱۸۴۲ء میں ملکہ برطانیہ کے تسلط میں چلے جانے والے اپنے علاقے کو ہر قیمت پر واپس لینا چاہتے تھے۔ وہ اس بات پر بے حد شرم محسوس کرتے تھے کہ دوسرے لوگ اُن کے ملک کے ایک حصے کا کامیابی کے ساتھ انتظام چلا رہے تھے جبکہ چینی کمیونسٹ اس قابل نہ تھے۔

دوسرا گروپ جو میڈیا انٹیلی جنس کی رپورٹ کے مطابق جدت پسند یا ترقی پسند کہتے تھے۔ ان لوگوں کے خیال میں ہانگ کانگ کو چینی عمل داری میں شامل تو ہونا چاہیے تھا لیکن وہ وہاں سخت قوانین کے نفاذ کے حق میں نہ تھے۔ وہ یہ بھی کہتے تھے کہ اگر چین بیسویں صدی میں واقعی کوئی بڑی طاقت بننا چاہتا ہے تو اُسے مغربی دُنیا کے نقشِ قدم پر چلنا ہوگا۔ خاص طور پر سرمائے کے معاملے میں اُسے مغرب کی تقلید کرنی ہوگی۔

ہانگ کانگ پر کنٹرول، زویا کا بھی خواب تھا لیکن ابھی تک وہ خاص کامیابی حاصل نہ کر سکی تھی۔ مون اسٹون کے بارے میں کارپوف کے خیالات اور پھر درخوف کی آمد زویا کو حقیقت کی دُنیا میں لے آئی تھی۔ اس کے خیال میں ایشیا میں روسی فوجی برتری کی نمائش خود سوویت یونین کے لیے تباہ کن تھی۔ کارپوف اور درخوف اس سلسلے میں بھی بچوں کے سے خیالات رکھتے تھے۔ وہ لوگ جس کارپردازی کرنا چاہتے تھے وہ بے تنک چین کی ملکیت تھی لیکن انہیں اس بات کی خبر نہ تھی کہ ہاتی گاڑیاں ایٹمی ہتھیاروں سے اٹی پڑی تھیں۔

زویا جانتی تھی کہ سرحدی جھڑپوں کے علاوہ بھی

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

چین پر کنٹرول کا ایک اور راستہ بھی موجود ہے۔ ہانگ کانگ ہی یہ راستہ تھا۔ میڈیا کی رپورٹ پڑھتے ہی اُسے اس بات کا یقین ہو گیا تھا۔

اگر میڈیا اُسے کمیونسٹ چینی آپریشن کے اندر تک لے جانے میں کامیاب ہو جاتی ہے تو باقی کام زویا کے لیے قطعی مشکل نہ تھا۔ ایک بار وہ کراؤن کالونی میں سونے کی نقل و حمل کا جائزہ لے لیتی تو سب کچھ آسان ہو جاتا۔ مکاؤ کی دولت بھی اس سلسلے میں بنیادی کردار کی حیثیت رکھتی تھی۔

ہانگ کانگ کی اس دولت پر قبضہ کرنا بے حد ضروری تھا جو تائی پین اپنے ذرائع سے کما رہے تھے۔

زویا کسی ایک ٹریڈنگ ہاؤس میں نقب لگا لیتی تو تائی پین کے تمام راز اس پر منکشف ہو جاتے۔

زویا نے مختلف طریقوں پر غور شروع کیا تو اس کا دوران خون تیز ہونے لگا۔ کسی علاقے پر کنٹرول حاصل کرنے کا تصور ہی کس قدر دل کش تھا۔ اس نے کئی طویل سانس لیے تاکہ میڈیا کی رپورٹ کو مکمل طور پر پڑھ سکے۔

آپریشن کسی ایسے شخص سے شروع کیا جانا چاہئے جو قوم پرست نہ ہو۔ ایک یورپین جان بلیو اسٹون اس سلسلے میں کارآمد ثابت ہو سکتا ہے۔ وہ کالونی کے ٹاپ ٹریڈنگ ہاؤسز میں سے ایک فائیو اسٹار پیسفک کے پانچ سربراہ تائی پین میں سے ایک ہے۔

بلیو اسٹون! زویا کے ذہن میں سوچ اُبھری۔ یہ کیسے ممکن ہے؟ یہ حقائق دفتری فائل میں سے براہ راست فوٹو گرافی کے ذریعے حاصل کیے گئے تھے۔

زویا نے آخری صفحہ پلٹا۔ آٹھ ضرب گیارہ کا ایک بلیک اینڈ وائٹ فوٹو گراف اس کے سامنے تھا۔ ایک دراز قد میں سے اس نے محدب عدسہ نکالا اور تصویر کا معائنہ کرنے لگی۔ تصویر کے نیچے اس چینی اعلیٰ عہدیدار کے دستخط ثبت تھے جو ہانگ کانگ آپریشن کی بنیاد اور اس کا دماغ تھا۔

"سی زی لین!" وہ بآواز بلند بولی۔ جانے کیوں اُسے یقین تھا کہ اب اس کا کام آسان ہو جائے گا۔

*

تھری اوتھ سن، کاؤز سے بے کے چیو چاؤ ریسٹورنٹ کی سب سے ہنگی میز پر بیٹھا تھا۔ اُس کے دائیں جانب ابھرے ہوئے رخساروں والی ایک خوبصورت چینی عورت تھی جس نے بہت ہلکا سا میک کر رکھا تھا۔ اُس کا نام نیون چاؤ تھا۔

تھری اوتھ سن نے ابھی ابھی اپنی اس محبوبہ کو ہیروں کا ایک نیکلس تحفے میں دیا تھا۔ نیون چاؤ ہانگ کانگ کے گورنر کے لیے کام کرتی تھی۔ وہ تھری اوتھ سن پر بُری طرح فدا تھی۔ تھری اوتھ سن کی بہت سی خوبیوں میں سے ایک یہ خوبی بھی نیون چاؤ کو بہت پسند تھی کہ وہ نہایت فطری انداز میں اس سے لطف اندوز ہوتا تھا۔

"کیا زبردست چیز ہے!" نیون چاؤ نے اپنے بازو تھری اوتھ سن کے گرد حمائل کرتے ہوئے نیکلس کی تعریف کی۔ بالوں کی ایک لٹ جھٹکے سے اُس کے رُخسار پر آ گری تھی۔ تھری اوتھ سن نے اُسے دیکھا تو اُس کا پورا بدن جیسے جھنجھنا اُٹھا۔ وہ اس بات پر حیران تھا کہ یہ نوجوان لڑکی۔ اُس کی عمر محض تئیس سال تھی۔۔۔ کس طرح اُس پر اثر انداز ہوتی ہے؟ وہ اُسے چھوتے ہی بے قابو ہو جاتا تھا۔

تھری اوتھ سن نے بلند آواز میں ویٹر کو پکارا اور اُسے کولا لانے کا حکم دیا جو اتنی مہنگی جائے تھی کہ چھوٹی چھوٹی پیالیوں میں سرو کی جاتی تھی۔

"مجھے خوشی ہے کہ اس وقت تم میرے پاس ہو۔" نیون چاؤ بولی۔ "میں تو یہ سوچنے لگی تھی کہ شاید تم مجھ سے اُکتا گئے ہو۔"

"نیکلس تمہیں کیا بتاتا ہے؟"

"تحفے سب اچھے اور خوب صورت ہوتے ہیں۔" وہ ہونٹ سکوڑتے ہوئے بولی۔ "لیکن تم نے بلس کے ساتھ اتنا وقت گزارا ہے کہ میں بہت کچھ سوچنے پر مجبور ہو گئی تھی۔"

"میرے کاروباری معاملات سے تمہیں پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔"

"تم اپنی بیٹی سے بھلا کیا کاروبار کر سکتے ہو؟"

"تم کیا ہو، بہری؟" تھری اوتھ سن نے سخت لہجے میں کہا تو نیون چاؤ سہم گئی۔

"کبھی کبھی تم میرے ساتھ بچوں کا سا برتاؤ کرتے ہو۔" نیون چاؤ نے شکوہ کیا۔ "میں کمسن نہیں، بہت ہی ذہنی دارفع کا جواب کرتی ہوں۔ میں نہیں سمجھتی کہ کبھی گورنر نے مجھ سے اس انداز میں بات کی ہو۔"

تب پھر گورنر کے لیے اپنے بدن کے راستے کھول ڈالو۔" تھری اوتھ سن بے لحاظی سے بولا۔ "پھر میں دیکھوں گا کہ وہ تم سے رشتہ منقطع کرتا ہے یا نہیں؟"

نیون چاؤ جانتی تھی کہ اس نے تھری اوتھ سن کو بھڑکا دیا ہے۔ "مجھے اپنے جیلس ہونے پر افسوس ہے۔" اُس کی آواز سرگوشی سے مشابہ تھی۔ "میں جب تمہارے قریب نہیں ہوتی تو تمہارے ہی بارے میں سوچتی رہتی ہوں لیکن اگر میں تمہارے قریب رہوں تو کیا یہ بہتر ہے کہ تم مجھ سے کسی ناکارہ شے کا سا سلوک کرو۔"

تھری اوتھ سن نے کچھ کہنے کی بجائے اپنا بازو اُس کے شانوں پر رکھ کر اُسے اپنے قریب کر لیا۔ نیون چاؤ نے اپنا سر اس کے سینے پر رکھ دیا۔

"میں اپنے تحفے سے پیار کرتی ہوں۔" نیون چاؤ اچانک سے بولی۔ "اور میں تم سے بھی پیار کرتی ہوں۔"

✠

مارے غصے کے ٹائیگر کا چہرہ سُرخ ہو رہا تھا۔ اُسے یوں لگ رہا تھا جیسے اُس کے اردگرد لال آندھیاں چل رہی ہوں۔ شاید یہ غصہ ہی تھا جس نے زخمی ہونے کے باوجود اُس کے بدن میں گرمی پیدا کر دی تھی۔

اُسے گہری کھائی کی دوسری جانب خاصے فاصلے پر پتھروں سے بنا ہوا ایک بٹ دکھائی دیا۔ وہ فوری طور پر سمجھ گیا کہ اُسے وہاں ہونا چاہیے۔

اُس نے کھائی کا جائزہ لیا۔ چٹان کا دوسرا کنارہ خاصی دُور تھا۔ وہ چند قدم پیچھے ہٹا۔ اُس کے دونوں پیر زمین سے اُٹھے اور اُڑتا ہوا وہ کھائی کی دوسری جانب چٹان پر پہنچ گیا۔ زخمی ہونے کے باوجود وہ ٹائیگر تھا۔

سب سے پہلے وہ اُس مقام پر گیا جہاں اُس نے میرینا کو دیکھا تھا۔ چٹان خالی تھی۔ میرینا اب گہری کھائی میں منوں مٹی تلے دفن ہو چکی تھی۔

"ڈیچ مین!" اُس نے سر اُٹھا کر بلند آواز میں اپنے دشمن کو پکارا تو اردگرد کی پہاڑیاں گونج اُٹھیں۔ "کہاں ہو ڈیچ مین؟" وہ پتھریلے بٹ کی طرف دوڑا۔ "میں تمہیں جان سے مار ڈالوں گا۔"

ایک طویل عرصے بعد وہ اپنے پرانے انداز میں دوڑ رہا تھا۔ اُسے دیکھنے والے پورے یقین سے کہہ سکتے تھے کہ اس کے پیر ایک لمحے کے لیے بھی زمین کو نہیں چھو رہے۔

چشم زدن میں وہ بٹ کے سامنے تھا۔ سامنے کا دروازہ کھلا تھا۔ کمرے میں سوائے وانی کی کے تین بورڈوں کے اور کچھ بھی نہیں تھا۔ اُس نے بٹ کا ایک کونا اور وادی کا ایک ایک گوشہ چھان مارا لیکن ڈیچ مین یوں غائب ہو گیا تھا جیسے دھوئیں کے مرغولے فضاؤں میں تحلیل ہو جاتے ہیں۔

✠

زینگ ہوا نے دفتر میں داخل ہونے سے پہلے چشمے کو مغنیطی سے ناک کے بانسے پر جمایا کیونکہ وہ بار بار نیچے پھسل جاتا تھا۔

"آج تو تم خود کو بہتر محسوس کر رہے ہو نا، کامریڈ منسٹر؟" اُس نے بھاری بھرکم فائل میز پر رکھی جو ٹوکری (باسکٹ) میں ڈالتے ہوئے دریافت کیا۔

شی زی لین نے تنکا را بھرا۔ وہ بہت سے کاغذات میں اُلجھا ہوا تھا جو ایک کوریئر نے ذرا دیر پہلے ہی اُس کے حوالے کیے تھے۔ "پسینے میں شرابور تو تم نظر آ رہے ہو، میرے دوست!" اُس نے ایک لمحے کے لیے نظر اُٹھا کر زینگ ہوا کو دیکھا۔ "کیا تمہاری طبیعت ناساز ہے؟"

"میں بالکل ٹھیک ہوں، کامریڈ منسٹر۔"

"آؤ، آؤ۔" زی لین نے ہاتھ بڑھایا۔ "ہمیں ایک دوسرے کے ساتھ ایسے تکلف سے کام نہیں لینا چاہئے۔" اُس نے اپنے اسسٹنٹ کی نگاہوں کی جانب دیکھا۔ "دروازہ بند کر کے میرے نزدیک بیٹھ جاؤ، دوست!"

زی لین نے کاغذات ایک طرف رکھے اور زینگ ہوا کے بیٹھنے کا انتظار کرنے لگا۔ جب وہ بیٹھ گیا تو زی لین نے اُس کی آنکھوں میں جھانکا۔ "میں نے پہلے ایک فیصلہ کیا تھا کہ میں چین کا مکمل سرپرست بنوں گا جو لوگ میری تقلید کرنا چاہتے ہیں انہیں یہ بوجھ اُٹھانا ہو گا۔"

"میں جانتا ہوں، شی زی لین!" زینگ ہوا نے کہا۔ "لیکن دو سنگ کی موجودہ حکمت عملی ہمیں ناکام کر سکتی ہے۔ شاید وہ ہمارے مقابلے پر زیادہ طاقت ور ہے۔" لیکن وو سنگ کی موجودہ حکمت عملی ہمیں ناکام کر سکتی ہے۔ شاید وہ ہمارے مقابلے پر زیادہ طاقت ور ہے۔ وہ ایک ایسا نوجوان ہے جسے وقت سے پہلے ہی لامحدود اختیارات مل گئے ہیں۔ وہ چین کی طاقت ور ترین اکیڈمی کا سربراہ ہے۔ اُن کا صرف اور صرف مقصد ہی

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

یہ ہے کہ وہ سوویت یونین سے ملنے والی سرحد پر بڑھنے والے فوجی خطات کی نشاندہی کریں۔ بیجنگ میں موجود دلوگ دوبنگ کی معلومات پر انحصار کیسے کرسکتے ہیں، اگر وہ۔۔۔"

زی لین نے ایک طویل سانس لی۔ "میں اُس کا مستقبل دیکھ رہا ہوں، میرے دوست! ممکن ہے آگے چل کر دوبنگ کی جگہ کوئی اور لے لے لیکن یہ طے ہے کہ اس وقت وہ طاقت ور ہے۔ ممکن ہے وہ ہمیں شکست بھی دے دے لیکن ہمیں اپنی کوشش ترک نہیں کرنی ہوں گی۔ ہمارے بغیر چین ایک مقبرہ ہے۔ ہم اس کا مستقبل ہیں۔ تم جانتے ہو کہ لوگ دُنیا پر حکمرانی کا خواب دیکھتے ہیں لیکن اُن میں سے کس کا خواب پُورا ہُوا؟ چیانگ، ماؤ اور دُوسرے غلطی پر تھے۔" ایک لمحہ خاموش ہو کر اُس نے پھر کہا۔ "وقت نے صرف میرے ساتھ رعایت کی ہے زینگ سہا! کیونکہ میں نے اپنا آپ وقف کر دیا تھا۔ اپنے لیے نہیں، چین کے لیے۔۔۔"

زی لین اچانک خاموش ہو گیا۔ کمرے میں محض چھت سے لٹکنے والے پنکھے کے چلنے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔۔۔ زی لین بڑے غور سے اپنے مہمان کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس کا چہرہ اُترا ہوا تھا۔

"تم دوسروں کو چھوڑو۔" زی لین دوبارہ بول اُٹھا۔ "فی الحال اپنے بارے میں کہو، کیا تم اب ہم لوگوں پر اعتبار کرتے ہو یا نہیں؟ جو وقت ہم نے ساتھ گزارا ہے کیا اس کے باوجود ہم ایک دُوسرے کے وفادار نہیں ہو سکتے؟"

"وفا ایک ایسی چیز ہے جس کا اظہار نہیں کیا جا سکتا۔" زینگ سہا نے کن انکھیوں سے زی لین کو دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

"گڈ۔۔۔ مجھے خوشی ہُوئی ہے زینگ سہا۔۔۔ میں نے تمہارے والد سے وعدہ کیا ہے کہ تمہارا خیال رکھوں گا اور تم یہ بھی جانتے ہو کہ میں وعدوں کی پاسداری کرتا ہوں۔"

*

وہ لوگ اسٹوڈیو کے طور پر لگے ہوئے سیٹ کے صوفوں پر بیٹھے تھے۔ کونے میں ایک ٹیلی ویژن کیمرا بھی موجود تھا لیکن وہ حیل نہیں رہا تھا۔ اُن کے سروں پر ایک ٹائیگر وفون بھی لٹک رہا تھا لیکن شاید وہ بھی ڈیڈ تھا۔

لوبو، وسط میں ایک چھوٹی سی کافی ٹیبل کے عقب میں تھا۔ اُس کے سامنے ایک الیکٹرک کافی پاٹ، ایک کپ اور سگریٹوں سے بھری ہُوئی ایش ٹرے رکھی تھی۔

کونے کے صوفے پر لازو کا ایک بہت ہی بُوڑھے شخص کے ساتھ برا جمان تھا۔

ایک اور لڑکی جس نے روبی کی طرح سیاہ کپڑے پہن رکھے تھے، لوبو کے عین سامنے ایک اسٹول پر بیٹھی تھی۔ اُس کے قریب فرش پر لیور بین اسٹائل مشین پسٹل رکھا تھا۔

چاروں ٹیلی ویژن پر خبریں دیکھ دیکھ کر ہنس رہے تھے اور روبی کے خلاف فرد و سہا کی حکومت کی مہم کے بارے میں تبصرے کر رہے تھے۔

روبی بذاتِ خود نیلوفر تالی کے ساتھ ایک اندھیرے کنٹرول بوتھ میں بیٹھی یہ سب دیکھ رہی تھی۔ ان لوگوں کے درمیان صرف تاریکی اور شیشے کی ایک دیوار حائل تھی۔

روبی نے اسلم وتالی کی بیوہ سے پوچھا۔ "کیا تم براؤن سوٹ والے کو جانتی ہو؟"

نیلوفر تالی کی آنکھیں پھیلی ہُوئی تھیں۔ "میں نے اُسے دیکھا ہے۔۔۔ شاید اس کا نام کریرو ہے۔"

"لیکن تمہیں پریشان کیا چیز کر رہی ہے؟" روبی نے اُسے شہ دی۔

"کاؤچ پر بیٹھا ہُوا آدمی۔۔۔ وہ بوڑھا۔۔۔ یہی تو ہر من ہے۔" نیلوفر آہستگی سے بولی۔

روبی کے لیے یہ اطلاع نئی نہ تھی۔ اُس نے نیلوفر کے شانے تھپتھپائے۔ "اس دُنیا کے کئی رنگ ہیں جان!"

"درست کہتی ہو۔" نیلوفر مُنہ بُدبُدائی، اُس کی آنکھیں اب بھی اسیر من پر جمی ہُوئی تھیں۔ اُس کا ذہن جھٹکے لے رہا تھا۔ اس شخص کے لیے اُس نے اپنے جسم و جاں کی تمام تر توانائیاں صرف کی تھیں۔

"کریرو کو غور سے دیکھو۔" روبی نے براؤن سُوٹ والے کی طرف نیلوفر کی توجہ مبذول کرائی۔ "اُس کے انداز پر نگاہ رکھو الفاظ کی ادائیگی سنو۔۔۔ اور دیکھو، اُس کی مسکراہٹ۔۔۔ کیا اسے دیکھ کر کچھ یاد آتا ہے؟"

نیلوفر جیسے بے ہوش ہونے والی تھی۔ "اوہ، میرے خدا!" "پلاسٹک سرجری نے صرف چہرہ بدلا ہے، اس کے پیچھے چھپا ہُوا آدمی نہیں۔" روبی نے سرگوشی کی۔

نیلوفر خاموش تھی۔ وہ بلیک ٹک براؤن سوٹ والے کو گھُور سے جا رہی تھی۔ روبی کو ساری کہانی اُس کی آنکھوں میں دکھائی دے گئی تھی۔۔۔ اُس کی جھیل سی گہری آنکھوں میں اُس

شوہر کی پرچھائیں لہرا رہی تھی جسے وہ تین سال سے مُردہ سمجھے بیٹھی تھی۔

اسلم وتالی نے اس عورت کے جسم ہی کو نہیں، روح تک کو داغ دار کر دیا تھا۔۔۔ اعلیٰ سوسائٹی کے لوگوں کے سامنے اُسے چارہ بنا کر پیش کیا تھا۔۔۔ نیلوفر سوچ سوچ کر کپکپا رہی تھی اور دھیرے دھیرے سسکیاں لے رہی تھی۔

"تو اسلم ہی لوبو ہے۔" بالآخر اُس کی مدھم سی سرگوشی سُنائی دی۔

"ہاں!" روبی نے اثبات میں گردن ہلائی۔ "لیکن کیا تم اب بھی اُسے چاہتی ہو؟"

نیلوفر نے آہستہ آہستہ نفی میں سر ہلایا۔

"ٹھیک ہے، تب میں اُس کا قصہ پاک کر رہی ہُوں۔"

"نہیں۔۔۔ میں اس کے روبرو جانا چاہتی ہُوں۔۔۔ اس کے بعد۔۔۔"

"یہ بہت ہی خطرناک ہو گا، نیلو!"

"مجھے اس کی غرض سے نہیں۔۔۔ میں چاہتی ہُوں، وہ مجھے دیکھے۔۔۔ اُسے پتا چلے کہ میں سب جانتی ہُوں۔"

روبی نے فوری فیصلہ کیا۔ یہ نیلوفر کا حق تھا۔ "ٹھیک ہے۔۔۔ لیکن یہ یاد رکھنا کہ تمہارا تشو ہر مر چکا ہے۔ جو شخص اس وقت سامنے بیٹھا ہے، وہ اس کا تصور ہے۔۔۔ اس کے سوا کچھ نہیں۔"

نیلوفر نے غور سے روبی کو دیکھا اور اثبات میں سر ہلا کر تاریک بوتھ سے نکل آئی۔۔۔

وہ اپنے سابق شوہر اسلم وتالی عرف لوبو کے روبرو جا رہی تھی۔

*

ایس سے نکل کر ٹائیگر، کو موٹو کے گھر پہنچا تھا۔ وہ اس لیے کہ اریا بون ہی ٹائیگر کے دُشمنوں میں سے وہ واحد آدمی تھا جسے دوست بنایا جا سکتا تھا۔

لیکن اس کا انحصار اس بات پر تھا کہ کو موٹو اپنے ظاہری چہرے کی آڑ میں کس قسم کا آدمی تھا؟

یعنی اگلے چند گھنٹے ٹائیگر کو ایک ماہر نفسیات کی حیثیت سے گزارنے تھے۔ اپنے کان کھلے رکھنے تھے اور کو موٹو کی بدلتی کیفیات کو نظر میں رکھنا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر کو موٹو لالچی طبیعت کا مالک ہو تو اس کا کام بے حد آسان ہو جائے گا۔

ٹائیگر اگر چاہتا تو اپنے مطلوبہ نتائج بزورِ قوت بھی حاصل کر سکتا تھا، اس میں اب بھی اتنا دم خم باقی تھا کہ وہ کو موٹو یا اس جیسے آدمیوں کو اپنی اُنگلیوں کے اشارے پر نچا سکتا لیکن وہ سارا کھیل جاپانی کی خواہشوں کے عین مطابق ہی کھیلنا چاہتا تھا۔

پہلے اُس نے یہی سوچا کہ وہ اب بھی چوری چھپے گھر میں داخل ہو لیکن پھر اُسے خیال آیا کہ کیا اس طرح اُس کے مطلوبہ نتائج حاصل ہو جائیں گے؟ چنانچہ اُس نے فوری فیصلہ کیا اور مکان کے سامنے اگر دروازے پر دستک دی۔

ایک ہی لمحے بعد وہ کھُل گیا۔ توشی سامنے کھڑا تھا۔ اُس نے ٹائیگر کو دیکھ کر پلکیں جھپکائیں۔ اُس کا انداز ایسا ہی تھا جیسے اُس نے موت کے فرشتے کو دیکھ لیا ہو۔

اُس نے اپنے ہولسٹر کی طرف ہاتھ بڑھایا اور ایک پستول نکال کر ٹائیگر کے سینے کی طرف تان لیا۔

ٹائیگر چاہتا تو توشی کے فرشتے بھی پستول نکال سکتے تھے لیکن وہ ساکت و صامت کھڑا رہا۔

"میں کو موٹو سین سے ملنا چاہتا ہُوں۔" وہ نہایت ضبط سے کام لیتے ہُوئے بولا۔

"جس سے میں کہوں گا، تم صرف اُس سے ملو گے۔" توشی نے اپنا پستول لہرایا۔ "یہ ممکن ہے باری باری میں تمہارے گھٹنوں کو نشانہ بناؤں۔" وہ سفاکی سے مسکرایا۔ "پھر میں دیکھوں گا کہ تم کس سے ملنا چاہتے ہو؟"

ٹائیگر کا ہاتھ توشی کا نرخرہ دبانے آگے بڑھا لیکن کچھ سوچ کر اُس نے ہاتھ گرا لیا، البتہ دل ہی دل میں وہ اُوشان اور بہرام کو سخت سست کہہ رہا تھا جنہوں نے اُسے اس عجیب سی مصیبت میں مُبتلا کر دیا تھا۔

"کو موٹو سین سے کہو کہ میرے پاس اُس کے لیے ایک اہم پیغام موجود ہے۔"

توشی ہنسا۔ "خود ہی بتانا اُسے۔" اُس نے ہاتھ میں پکڑے ہُوئے پستول کو گھمایا۔ "اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ اس گھر کے دروازے تم پر کھُلے ہیں تو میرے سے قریب سے گزر جاؤ۔ میں دیکھتا ہُوں، تم کتنی دور جاتے ہو۔"

"کو موٹو سین کو بتاؤ۔۔۔"

"کو موٹو سین کو کیا بتاؤں؟"

ٹائیگر نے توشی کے عین عقب میں ہال سے کسی کو اپنی طرف آتے دیکھا۔ اُس نے یاکوزا کے گرگے کو جھُکا لیتے دیکھا لیکن وہ اس سے پہلے ہی آواز پہچان چُکا تھا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"میں تمہیں کوئی دھمکی دینے نہیں آیا اویابون!" ٹائیگر نے براہِ راست کوموٹو کو مخاطب کیا۔

"تو کیا میرے قدموں پر گر کر معافی مانگنے آئے ہو مسٹر رچرڈسن؟"

ٹائیگر کے منہ کا ذائقہ کڑوا ہو گیا۔ "میں تو سمجھا تھا کہ تم اب بھی وحشیوں سے بات کرنا پسند نہیں کرو گے۔"

"میں بات تو نہیں کر رہا۔" کوموٹو نے شاید اپنی جھینپ مٹانی چاہی۔ "میں صرف بھیگڑوں کے بولنے اور اپنی آواز کے علاوہ کچھ نہیں سن رہا۔"

"میں تمہیں بے حد اہم بات بتانے آیا ہوں۔" ٹائیگر نے اپنا آخری پتا پھینکا۔ "میرا نام شمھ۔۔۔ اوہ۔۔۔ جیک سیوروک ہے۔۔۔ اور میں نے ہی کی سان کو قتل کیا تھا۔"

اویابون نے ایک جھٹکا سا لیا۔ "اسے اندر لے آؤ۔۔۔ میں ابھی آتا ہوں۔"

توشی نے وہی کیا جس کے بارے میں اُسے ہدایت دی گئی تھی۔ کئی کمروں اور راہداریوں سے گزار کر وہ ٹائیگر کو ایک ایسے باغ میں لے آیا جس کے چاروں طرف بلند دیواریں تھیں۔ باغ کے وسط میں ایک چبوترہ تھا جس پر منقش کرسی رکھی گئی تھی۔ ٹائیگر سمجھ گیا کہ یہ اویابون کے لیے ہوگی۔

"تمہیں یہاں اویابون کا انتظار کرنا ہوگا۔" توشی نے چبوترے کے سامنے ایک مقام کی طرف اشارہ کیا۔

ٹائیگر خاموشی سے وہاں جا کر کھڑا ہو گیا۔

فوراً ہی باغ کے درختوں اور پودوں نے جیسے آدمیوں کو اُگلنا شروع کر دیا۔ کم و بیش ایک درجن جاپانی ہاتھوں میں تیر کمان لیے ٹائیگر کے گرد گھیرا تنگ کرنے لگے۔ یہ جاپان کی روایتی کمان تھی جس میں استعمال ہونے والے تیر بھی عجیب ساخت کے تھے۔

تب ہی ٹائیگر کو اکوموٹو دکھائی دیا۔

"جانتے ہو، تمہیں کیا کرنا ہے؟" ٹائیگر کو کوموٹو کی آواز دور سے آتی سنائی دی۔ "جھوٹ بولنا قابلِ سزا جرم ہے جیسے یاکوزا کے کسی رُکن کے گھر میں داخل ہونا، اُسے مارنا یا قتل کرنا۔۔۔ یاکوزا بزنس، یاکوزا بزنس ہے۔"

"اویابون۔۔۔"

"مت بولو۔" کوموٹو نے اُسے چُپ کرا دیا۔ "صرف وہ سنو جو میں کہہ رہا ہوں۔ میں نہیں چاہتا کہ مجرم کو جرم بتاتے بغیر سزا دے دی جائے۔"

"سزا؟" ٹائیگر حیرت سے بولا۔ اُس کا پارہ رفتہ رفتہ بلند ہوتا جا رہا تھا۔

"یہ میرے بہترین تیر انداز ہیں۔" کوموٹو نے ٹائیگر کے اردگرد پھیلے لوگوں کی طرف اشارہ کیا۔ "آج تک کبھی نہیں ہُوا کہ ان میں سے کسی کی کمان سے تیر نکلا ہو اور نشانے پر نہ لگ سکا ہو۔ آج سے پہلے بھی بہت سے لوگوں کو ان کے سامنے کھڑا کیا گیا ہے۔۔۔ اور آج تمہاری باری ہے۔"

لیکن آج تمہارے یہ گرگے ناکام ہی رہیں گے۔ ٹائیگر نے دل ہی دل میں اگومشان کو یاد کیا اور سانس روک کر آنے والے لمحوں کے لیے تیار ہو گیا۔

کوموٹو نے ہاتھ بلند کر لیا تھا اور تیر انداز تیر چلانے کے لیے اُس کے گرنے کے منتظر تھے۔

✣

سب کچھ چشمِ زدن میں ہُوا۔

کوموٹو پورے یقین سے کہہ سکتا تھا کہ اُس نے ایک سیکنڈ کے لیے بھی پلک نہیں جھپکی۔ اُس کے تیر اندازوں نے درمیان میں کھڑے شخص کا نشانہ لے کر ہی تیر چلائے تھے لیکن کوئی تیر اُسے لگنا تو درکنار، اُس کے بدن کو چھو کر بھی نہیں گزرا تھا۔ اس کے برعکس ایک تیر انداز کا تیر دوسرے کے جسم میں پیوست ہو گیا تھا۔

تیروں نے جسموں کے مختلف حصّوں کو نشانہ بنایا تھا۔ کسی کی گردن میں تیر گڑا ہوا تھا تو کسی کا سینہ نشانہ بنا تھا۔ دو افراد کی آنکھیں ناکارہ ہو گئی تھیں۔ ایک شخص کے ماتھے اور سر کی ہڈیاں کرچی کرچی ہو گئی تھیں اور بھیجا باہر نکل آیا تھا۔

وہ سب آڑے ترچھے زمین پر پڑے تھے۔ ان میں سے کئی جہنم واصل ہو چکے تھے جب کہ چند ایک اب بھی تڑپ رہے تھے۔

یاکوزا کا اویابون گنگ کھڑا اپنے بہترین تیر اندازوں کو مرتے دیکھ رہا تھا۔

وہ یاکوزا کا مالک مختار ہونے کے باوجود بے بس تھا۔ اُس نے رفتہ رفتہ نظریں اُٹھا کر اُس شخص کو دیکھا جسے تیروں سے چھلنی کرنے کے احکامات اُس نے دیے تھے۔

وہ لاشوں کے بیچوں بیچ کھڑا مسکرا رہا تھا۔

کوموٹو کے پہلو میں کھڑے توشی نے پستول نکالنا چاہا لیکن کوموٹو نے اُسے منع کر دیا۔ "ناممکن۔" وہ زیرِ لب بڑبڑایا۔

"میں نے آج تک ایسا مجرم نہیں دیکھا۔"

ٹائیگر اب آہستہ آہستہ کوموٹو کی طرف بڑھ رہا تھا جس کے چہرے پر اب کسی قدر خوفزدگی کے تاثرات نمایاں تھے۔

"کیا تم تسلیم کرتے ہو کوموٹو سین، کہ میں ہی جیک بروک ہُوں؟" ٹائیگر نے اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا۔

"کیا سرکس کے اس شعبدے سے میں تمہیں جیک مان لُوں؟" کوموٹو نے تیکھے لہجے میں دریافت کیا۔

"میں درست کہہ رہا ہُوں۔" ٹائیگر بولا۔ "ڈچ مین نے میری بیوی کو اغوا کر لیا تھا۔ اسی لیے میں نے تم تک پہنچنے کے لیے قرمن کا بہانہ تراشا تھا۔ مجھے اسید تھی تم میری مدد کرو گے۔"

"مزید جھوٹ۔" کوموٹو نے سرد مہری سے کہا۔ "تم جیسے لوگوں کا ڈچ مین سے بھلا کیا تعلق ہو سکتا ہے؟"

"مجھے اُس کی ضرورت تھی۔ میری بیوی مر چکی ہے۔ یہ سانحہ گزشتہ شب پیش آیا تھا۔"

"سوروگی؟" کوموٹو کی آنکھوں میں حیرت اُبھر آئی۔ "کیا تم طوفان کے وقت سوروگی پر موجود تھے؟"

ٹائیگر نے اثبات میں سر ہلایا۔ "میں نے ڈچ مین کا خفیہ ٹھکانہ تلاش کر لیا تھا۔"

"اوہ! تو تم ہی میرے گھر میں گھسے تھے۔ میرے ایک آدمی پر حملہ کیا اور اب میرے درجن بھر لڑاکا افراد کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔۔۔ ان سب باتوں کے باوجود تم مجھ سے کیا توقع رکھتے ہو۔ بہتر یہ ہے کہ یہاں سے چلے جاؤ، ورنہ میں تمہیں اپنے ہاتھوں سے قتل کرنے پر مجبور ہو جاؤں گا۔"

ٹائیگر نے شعلہ بار آنکھوں سے کوموٹو کو گھورا۔ "دنیا میں ابھی تک اُن ہاتھوں نے جنم نہیں لیا کوموٹو سین جو جیک کی گردن دبا سکیں۔" اس کے لہجے میں ایسی بات تھی کہ کوموٹو محض ہونٹ کاٹ کر رہ گیا۔ "تمہارے یہ تیر انداز تمہاری غلطی کی بھینٹ چڑھے ہیں۔ اگر تم پہلے ہی مجھے جیک میروک تسلیم کر لیتے تو یہ سب نہ ہوتا۔"

"میں تمہیں اب بھی جیک تسلیم نہیں کرتا۔"

"اس کے باوجود بھی نہیں کہ میں نے ڈچ مین کی آنکھوں کے سامنے کی سان کو قتل کیا ہے؟"

"الفاظ۔۔۔ صرف الفاظ۔۔۔ اب تک میں نے تمہارے منہ سے سوائے الفاظ کے کچھ نہیں سُنا۔"

"میں اپنے عمل سے ثابت کر چکا ہُوں۔" ٹائیگر نے زمین پر آڑے ترچھے پڑے تیر اندازوں کی طرف اشارہ کیا۔

"یہ شعبدہ بازی ہے۔" کوموٹو بولا۔

"تب پھر تم خود مجھے آزما لو۔"

کوموٹو ساکت کھڑا رہا، البتہ اُس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔ وہ ٹائیگر کے سامنے آنے سے کترا رہا تھا لیکن اب اپنی لاج رکھنا ضروری ہو گیا تھا۔

وہ چند ثانیے سوچتا رہا، پھر ایک سمت بڑھا۔ "میرے ساتھ آؤ۔"

باغ کے دُوسرے سرے پر پہنچ کر کوموٹو ٹائیگر کی طرف پلٹا۔

"اب تم اپنا عمل مجھ پر آزماؤ گے۔ صرف ایک سیوراتے ہی کی سان کو ختم کر سکتا ہے اور ایک سیوراتے ہی ڈچ مین کی ناک کے عین نیچے اوہنزو ناؤس میں داخل ہو سکتا ہے۔"

ٹائیگر نے جواب دینے کی بجائے اردگرد کا جائزہ لیا قریب ہی چند روایتی کمانیں رکھی ہوئی تھیں۔ وہ فوراً سمجھ گیا کہ کوموٹو کس طرح اُس کا امتحان لینا چاہتا ہے۔ اُس نے اپنے لیے ایک لمبی کمان کا انتخاب کیا۔ توشی نے اُسے روکنے کے لیے بڑھنا چاہا لیکن کوموٹو نے اُسے روک دیا۔

"ایک سیوراتے کو بہت سے حقوق حاصل ہوتے ہیں۔" کوموٹو نے توشی کو بتایا۔ اُس کی آنکھیں اب بھی ٹائیگر پر جمی ہوئی تھیں جو اب ایک تیر تعتق کر رہا تھا۔

"کیا توشی سین اسے کمان میں فٹ کر دے گا؟" اُس نے پلٹ کر کوموٹو سے پوچھا۔

ایک لمحے کے لیے کوموٹو کو خیال گزرا کہ یہ دھوکا بھی ہو سکتا ہے لیکن اُس نے توشی کو آگے بڑھ کر ٹائیگر کی مدد کا اشارہ کیا۔

"کیا تمہارے خیال میں، مَیں اپنا دفاع کرنے کے قابل نہیں ہُوں؟" کوموٹو کا مخاطب توشی ہی تھا۔ "وہی کرو جو کچھ تمہیں بتایا گیا ہے، اور پھر میرے پاس واپس آ جاؤ۔" کوموٹو ٹائیگر کی طرف مُڑا۔ "میں دیکھتا ہُوں کہ اس نیم تاریکی میں تم کس طرح ٹارگٹ کو نشانہ بناتے ہو۔ ہاں اگر تم نے واقعی کی سان کو ہلاک کیا ہے تو تم اس میں کامیاب ہو جاؤ گے۔" اُس نے اپنا دایاں ہاتھ آگے بڑھایا۔ "تمہیں یہ استعمال کرنا ہوگا۔" اُس کے ہاتھوں میں ایک سیاہ پٹی تھی۔

"میں اُسے صرف ایک شرط پر استعمال کروں گا اویابون!" ٹائیگر کا لہجہ اب قدرے سخت تھا۔ "تم اسی درخت کے نیچے جا کر کھڑے ہو جاؤ، جہاں سے ہم آئے ہیں۔"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کو موٹو کا خون کھول اُٹھا۔ مارے غصّے کے اُس کا چہرہ سیاہ پڑ گیا۔ اُس نے سوچا۔ دوسری بار اُس نے مجھ پر براہِ راست حملہ کیا ہے لیکن ستم ظریفی تو یہ ہے کہ میں انکار نہیں کر سکتا۔

اویابون کوشش کر کے مسکرا دیا۔ "میں تمہاری شرط قبول کرتا ہوں، لیکن میری بھی ایک شرط تمہیں ماننی ہوگی۔ توشی سین کا پستول تمہاری کنپٹی سے لگا ہوگا۔ اگر تمہارا تیر میرے پیروں کے عین درمیان میں نہ لگا تو وہ چشم زدن میں تمہاری کھوپڑی اُڑا دے گا۔"

ٹائیگر نے کوموٹو کے ہونٹوں پر مسکراہٹ اُبھرتے دیکھی۔ دونوں کی آنکھیں چند ثانیوں کے لیے ملیں اور ٹائیگر نے بات میں سر ہلا دیا۔ "ٹھیک ہے میں تمہاری شرط منظور کرتا ہوں۔"

"توشی سین! اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ دو۔"

جونہی یاکوزا حکم کی تعمیل کے لیے آگے بڑھا، ٹائیگر بول اُٹھا۔ "مجھے اپنا صحیح قد بتاؤ، اویابون!"

"پانچ فٹ چھ انچ۔"

"آل رائٹ۔" وہ توشی سے مخاطب ہوا۔ "اب تم پٹی باندھ سکتے ہو۔"

توشی نے غور تعمیل کی۔

"زیادہ سختی سے مت باندھنا توشی سین!" ٹائیگر نے کوموٹو کی آواز سُنی۔ "ہم نہیں چاہتے کہ کوئی بات اس بھجوتے کو پریشان کرے۔۔۔ کم از کم زندگی کے آخری لمحوں میں ہمیں اس کا خیال رکھنا چاہیے۔"

ٹائیگر نے توشی کو اپنی باہیں جانب آتے محسوس کیا اور پھر پستول کی ٹھنڈی ٹھنڈی نال اُس کی کنپٹی سے آ لگی۔

ٹائیگر نے دھیرے سے سر کو جنبش دی اور اپنی تمام تر توجہ صورتِ حال پر مبذول کر دی۔ اُس نے ایک بار پھر دل ہی دل میں اُوشان کو پکارا اور یوں لگا جیسے اُس کے دماغ میں اُوشان کی آنکھیں روشن ہو گئی ہوں۔

اُسے ان آنکھوں سے درخت کے تنے سے ٹیک لگائے کوموٹو صاف دکھائی دے رہا تھا۔ ٹائیگر نے تین تک گنا اور جلّہ کھینچ لیا۔ تیر سنسناتا ہوا کمان سے نکلا اور پھپھاک کی آواز کے ساتھ درخت کے تنے سے ٹکرایا۔

توشی نے غور اُدھر سے اتیر چڑھا دیا۔ ٹائیگر نے دوسرا تیر کمان کو اُوپر نیچے کر کے گویا نشانہ لیا اور جلّہ کھینچتے ہی دوسرا تیر تیزی سے اپنی منزل کو روانہ ہو گیا۔ اس بار ٹائیگر نے کوموٹو کے سر کا نشانہ لیا تھا۔ تیر کوموٹو کے سر کے اُوپر سے

ایک ملی میٹر کے فاصلے سے درخت کے تنے پر پیوست ہو گیا۔

☆

چمکتی ہوئی سیاہ زِل لیموزین متناسب رفتار سے چائیکا لین کی طرف بڑھ رہی تھی۔

اس کی عقبی نشست پر جنرل کارلوف اور پوری وِرخوف پہلو بہ پہلو بیٹھے تھے۔ شام ہو چلی تھی اس لیے جن گلیوں سے وہ گزر کر آئے تھے وہاں بھی نیم تاریکی نے پنجے گاڑنے شروع کر دیے تھے۔

کام کا اختتام ہو چکا تھا، حتیٰ کہ کے جی بی کے بڑوں نے بھی ہاتھ کھینچ لیے تھے۔ ہفتے میں ایک شب پوری وِرخوف اپنے کنوارے اپارٹمنٹ کو لوٹنے کے بجائے جنرل کارلوف کو ڈنر پر مدعو کرتا تھا۔

وِرخوف اپنے ساتھی کامریڈوں میں خاصی شہرت رکھتا تھا اور کئی معاملات میں کُلی طور پر اُن سے مختلف اور منفرد تھا۔ ایک روسی ہونے کے باوجود وہ کھانوں کا اعلیٰ ذوق رکھتا تھا۔ اُس کا پسندیدہ ریسٹورنٹ اراگوی تھا جہاں بقول اُس کے کھانے کا لُطف ہی کچھ اور تھا۔

اس وقت بھی وہ جنرل کو اسی ریسٹورنٹ میں لیے جا رہا تھا۔ لیموزین ریسٹورنٹ کے پارکنگ لاٹ میں رُکی تو دونوں اُتر کر اندر داخل ہو گئے۔ حسبِ معمول اُنہیں اپنی مخصوص میز خالی ہی ملی تھی۔

دونوں نے اپنی اپنی پسند کے آرڈر دیے اور باتوں میں مصروف ہو گئے۔ جب ویٹر کھانا لے کر آیا تو وہ تب بھی باتیں کیے جا رہے تھے۔ ڈیت تمام اس وقت کا پسندیدہ موضوع تھا۔ کھانے کے دوران بھی بحث جاری رہی، حتیٰ کہ بعد ازاں جب کافی منگوائی گئی تو دونوں بھجو کے کتوں کی طرح ایک ہڈی کو اب بھی بھنبھوڑ رہے تھے۔

البتہ جب وِرخوف نے کافی کا پہلا گھونٹ لیا تو موضوع بھی تبدیل ہو گیا۔

"میں جنرل زِدریا کے بارے میں بات کرنا چاہتا ہوں۔" وہ اچانک بول اُٹھا۔

کارلوف کوشش کر کے ساکت و صامت بیٹھا رہا تھا البتہ سردی اُس کی ریڑھ کی ہڈی تک سرایت کر گئی تھی۔ ایک آواز اُسے سرگوشی میں کہہ رہی تھی کہ وہ رات کے کھانے کی ان دعوتوں کے اختتام پر آ پہنچے ہیں۔ کارلوف کی حالت

ویسی تھی جیسے کسی بچے کو شرارت کرتے پکڑ لیا گیا ہو۔ کیا وِرخوف زِدریا کے ساتھ اُس کے معاشقے کے بارے میں جانتا ہے؟ اگر ہاں تو وہ کس حد تک اسے اس کے خلاف استعمال کر سکتا ہے؟ لیکن محسوس یہ ہو رہا تھا کہ وہ غلطی پر ہے۔

"میں اب تک اُس کے بارے میں سوچتا رہا ہوں۔" وِرخوف نے کافی کا ایک اور گھونٹ بھرا۔

"کیا؟" کارلوف کے حلق سے بس یہی ایک لفظ ادا ہو سکا تھا۔۔۔ وہ فوری طور پر وِرخوف سے بے پناہ نفرت محسوس کرنے لگا تھا۔

وِرخوف نے کھنکار کر گلا صاف کیا۔ "مجھے اُس کا رویّہ بڑا عجیب سا لگا ہے۔"

وِرخوف نے جو کچھ کہا تھا اُس سے صورتِ حال کسی بھی طور واضح نہ ہوتی تھی۔ فوری طور پر کارلوف کی سمجھ میں نہ آیا تھا کہ وہ کیا جواب دے!

"میں نے اُسے ہمیشہ ایک ذہین اور وفادار ایجنٹ ہی پایا ہے۔" بالآخر وہ بولا۔

"شاید۔" وِرخوف نے کہا۔ "لیکن یہ کوئی جواب نہیں۔ بے شک وہ اپنے ڈیپارٹمنٹ کو بڑی خوبی سے چلا رہی ہے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ وہ کچھ نہ کچھ چھپا رہی ہے۔"

"بے وقوفی کی بات ہے۔" کارلوف جلدی سے کہہ اُٹھا۔ "یوری! میں نے جنرل زِدریا کو جس ڈیپارٹمنٹ کی ذمّے داری سونپی ہے وہ کے جی بی کا خفیہ ترین سیکشن ہے۔ میرے خیال میں تمہیں یہ یاد دلانے کی ضرورت نہیں کہ میں نے اُسے ایک مشکل ترین جاب دیا ہے لیکن اُس نے اس کام کو نہایت ذمّے داری سے انجام دیا ہے۔ میں تو یہی سمجھ رہا ہوں کہ تمہیں کسی قسم کی غلط فہمی ہوئی ہے۔"

وِرخوف نے یوں کندھے اُچکائے جیسے اُس کی نظر میں کارلوف کے تجزیے کی کوئی اہمیت نہ ہو۔ "شاید لیکن میں ایسی باتوں پر قطعاً یقین نہیں رکھتا۔ مجھے اپنے ہمراہ کام کرنے والوں کو بھی شک کی نگاہ سے دیکھنے کی تربیت دی گئی ہے۔ اس لیے مجھے اُمید ہے کہ اگر میں جنرل زِدریا پر ایک یا دو ماہ کے لیے نگاہ رکھوں تو تمہیں کوئی اعتراض نہیں ہو گا؟"

"یقیناً نہیں ہو گا۔" کارلوف نے بدقّت تمام کہا۔ "میں بھلا تمہاری خواہش کے راستے میں رکاوٹ بن سکتا ہوں!"

کارلوف اندرونی طور پر خود کو مجرم محسوس کر رہا تھا۔ اُسے حیرت تھی کہ وِرخوف واقعی زِدریا کی وفاداریوں سے مشکوک تھا یا یہ کارلوف کو گھیرنے کی کوئی چال تھی۔ اُس کے خیال میں زِدریا پر شک بے وقوفی کے سوا کچھ نہ تھا مگر وِرخوف کو کسی طور رکا نہ جا سکتا تھا۔ وِرخوف نگرانی کا کوئی بھی طریقہ استعمال کرتا لیکن کارلوف جانتا تھا کہ وہ اتنا طویل عرصہ زِدریا کو چھُوئے بغیر رہ نہ سکے گا۔

وِرخوف کی لیموزین میں نگاہ آتے ہوئے اُس نے سوچا کہ کم از کم ٹیلی فون کر کے زِدریا کو وِرخوف کے منصوبوں سے آگاہ کر دے، لیکن فوری طور پر اُسے ایک بہتر راستہ دکھائی دے گیا۔ موجودہ مرحلے پر وہ اس طرح کی سرگرمیوں کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔ اُسے مون اسٹون یاد آ گیا تھا اور وِرخوف مون اسٹون کی چابی تھا۔ جب تک حالات نہ بدلتے اُسے موجودہ طریقۂ کار پر قائم رہنا تھا۔

اُس نے اپنے طور پر فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ وِرخوف کو زہریلا گوشت کھلا دے گا۔۔۔ تاکہ وہ مر جائے۔۔۔ اور پھر میں زِدریا کو ساتھ لوں گا اور دونوں مل کر اُس کی قبر پر رقص کریں گے۔

☆

بہرام توی سلامتی کے مشیر بریڈن کے ہمراہ اس کے دفتر میں موجود تھا۔ اُوشان نے بہرام کو ٹائیگر کی حالت سے آگاہ کر دیا تھا یہ بات ثابت ہو گئی تھی کہ وہ اب بھی ڈیج مین کے تعاقب میں ہے۔

بہرام اور بریڈن کے درمیان سومنوع گفتگو ٹائیگر اور ڈیج مین ہی تھے۔

"ڈیج مین کے بارے میں قدم بہ قدم نئے نئے انکشافات ہو رہے ہیں۔" بہرام نے بریڈن کو بتایا۔

"مثلاً؟"

"مثلاً یہ کہ ہم اب تک اُسے فری لانس مجرم سمجھتے رہے جب کہ حقیقتاً ایسا نہیں۔۔۔"

"تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ روسی۔۔۔؟"

"ہاں۔" بہرام نے اثبات میں سر ہلایا۔ "اور اُسے روس کا ایک طاقت ور شخص کنٹرول کر رہا ہے۔"

"کارلوف؟"

"اندازہ اچھا ہے لیکن نام غلط ہے۔" بہرام مسکرایا۔ "ہمارے سپر کمپیوٹر نگ اطلاع کے مطابق ڈیج مین ایک مخصوص سورس کے زیرِ اثر کام کر رہا ہے اور مجھے یقین ہے کہ وہ سورس

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

جنرل زوریا کے علاوہ کوئی نہیں۔ اُس کے چارج سنبھالنے سے پہلے کے وی آر کی کوئی اہمیت نہ تھی۔"

"تو اب اس صورتِ حال میں ہماری حکمتِ عملی کیا ہوگی؟" برٹین نے پوچھا۔

"پہلے ڈیج مین سے نمٹنا ہوگا اور اس کے بعد جنرل زوریا سے۔ میں اُسے ہر حال میں اس پوزیشن سے نکلوانا چاہتا ہوں۔ اُس نے کے وی سی آر کو ایک مہلک اور مؤثر ہتھیار میں تبدیل کر دیا ہے۔۔۔ مگر جنرل زوریا کو ٹھکانے لگانے کے لیے کچھ وقت درکار ہوگا۔ ہمیں اس سلسلے میں مکمل تحقیق کی ضرورت ہوگی۔"

برٹین نے اثبات میں سر ہلایا کیونکہ وہ اس کے علاوہ اور کچھ کر ہی نہیں سکتا تھا۔ یہ بات اُس کے علم میں تھی کہ ہمارام جس ادارے کا سربراہ تھا اُس کی پالیسیاں حکومتِ امریکہ نہیں بناتی۔ اس لیے برٹین کے چاہنے یا نہ چاہنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہوتا وہی جو ہمارام چاہتا۔۔۔

⁂

"میرو ک سین!"

کی کیو کو موٹو کی زبان سے ادا ہونے والے الفاظ سے اُس کے انداز کی تبدیلی ظاہر ہو گئی تھی۔ وہ باغ کے تاریک گوشے سے ٹائیگر کے پاس واپس آ گیا تھا۔

جونہی اُس نے درخت کے سائے سے نکلنے کے لیے پہلا قدم اُٹھایا ٹائیگر کو پتا چل گیا تھا کہ وہ آ رہا ہے۔ کوموٹو عین ٹائیگر کے سامنے رُکا اور ہاتھ بڑھا کر اُس کی آنکھوں پر بندھی پٹی اُتار دی۔ اُس کے ہاتھ میں وہ دونوں تیر تھے جو ٹائیگر نے چلائے تھے۔

"میں نے تمہیں چیک میرو ک سکھا دیا ہے۔" وہ بولا۔

ٹائیگر نے ہاتھ بڑھا کر دونوں تیر لے لیے اور پھر سر جھکا کر کوموٹو کو تعظیم دینے لگا۔

"آؤ، اندر چلیں۔" کوموٹو نے ٹائیگر کے شانے پر ہاتھ رکھ کر اُسے چلنے کا اشارہ کیا۔

توشی پہلے ہی غائب ہو چکا تھا اور اب ٹائیگر اور کوموٹو باغ میں تنہا تھے۔ اُن کے اردگرد صرف جھینگر شور مچا رہے تھے یا پھر وہ واحد بلب تھا جو باغ کے خارجی دروازے پر جل رہا تھا۔

کوموٹو کے کمرے میں چائے اُن کی منتظر تھی۔ دونوں نے اپنی اپنی پیالیاں اُٹھا کر ہونٹوں سے لگا لیں۔ اُن کے کسی انداز سے ظاہر نہیں ہو رہا تھا کہ ذرا دیر پہلے یہ دونوں ایک دُوسرے کے دُشمن تھے۔

"کی سان کی موت سے اُس کے گروپ نے گہرا سانس لیا ہے۔" کوموٹو بولا۔ "وہ بہت پریشان کرتا تھا۔"

"تو کیا وہ تمہارے لیے بھی پریشانی کا باعث تھا؟"

"میرے خیال میں اس سے بہتر یہ ہے کہ ڈیج مین ہمیں پریشان کر رہا تھا۔ توشی ہکو، میرے اور کی سان کے گروپ کے درمیان وجہِ تنازعہ بن گیا تھا۔ مجھے یقین ہے کہ اس سارے فن کی جڑ ڈیج مین ہی تھا۔"

"کیوں؟" ٹائیگر نے خالی پیالی میز پر رکھی۔ "توشی ہاکو میں کون سی خاص بات تھی کہ اس کے لیے اتنا خون خرابہ ہوا؟"

"سوائے اس کے کچھ نہیں کہ وہ ایتی طور پر وہ کوموٹو کی ہمراز میں شامل رہا ہے۔"

"تب مجھے یقین ہے کہ اس میں ڈیج مین ضرور ملوث ہوگا۔ وہ اپنی سرزمین پر بھی کسی کو پُرسکون رہتے نہیں دیکھ سکتا۔ یہی وجہ۔۔۔"

"مجھے اس پر شک ہے۔" کوموٹو نے اس کا جملہ کاٹا۔ "ہماری معلومات یہ ہیں کہ ڈیج مین 'کے جی بی' کا نہایت اہم اور قابلِ اعتماد ایجنٹ ہے۔"

ٹائیگر چند لمحوں کے لیے سوچنے کی اداکاری کرتا رہا، پھر بولا۔ "مگر میں تو اُسے سیاح سمجھتا رہا ہوں۔"

"تب پھر تمہیں پچھلی صدی میں پیدا ہونا چاہیے تھا۔" ٹائیگر اُس کے تبصرے پر مسکرا دیا۔ "روسی کتنے عرصے سے اُسے استعمال کر رہے ہیں؟"

کوموٹو نے شانے اچکائے۔ "میں تمہیں پوری فائل دکھاتا ہوں۔۔۔ تین یا چار سال۔۔۔ لیکن یہیں مکمل یقین نہیں۔۔۔ ہاں ہم اُس کے کنٹرول کو ضرور جانتے ہیں۔۔۔ جنرل زوریا۔"

کے وی آر ٹائیگر کے ذہن میں نام اُبھرا۔ تو سوروگی پر جنرل زوریا کے آدمی ہی موجود تھے، لیکن چارہ گر کا سر کھپیرو تو یہ معلومات حاصل کرنے میں ناکام کیوں رہا تھا؟

⁂

ڈیج مین کے لیے یہ یوم حساب تھا۔۔۔ موت کا دن۔

سبز رنگ کا کیمونو پہنے وہ پتھریلے اور رسمی سے آتے ہوئے راستے پر چل رہا تھا۔ وہ ٹوکیو ریلوے اسٹیشن کی شاندار عمارت سے نکلا تھا اور اس وقت ایک پتھریلے گیٹ کے سامنے پہنچنے والا تھا جس کی دوسری جانب قبرستان تھا۔

صبح کے آثار نمودار ہو چکے تھے لیکن سورج ابھی تک نکلا ہوا

تھا۔ سورس کیسے جانتی ہے، میں وہ سب کچھ جانتی ہوں جس کا جاننا میرے لیے ضروری ہے؟ ڈیج مین خالی پلاٹ کے قریب ہو گیا۔ اُس نے اپنے کیمونو میں چھپایا ہوا چھوٹا سا پھاوڑا نکالا اور پلاٹ کے بائیں کونے سے چھ سَو میٹرز کے فاصلے پر زمین کھودنی شروع کر دی۔

قبرستان میں اور لوگ بھی موجود تھے لیکن کوئی اُس کی طرف متوجہ نہ تھا۔ سب اپنے اپنے ماضی میں کھوئے، اپنے پیاروں کے لیے دُعائیں کر رہے تھے۔

جب وہ پھاوڑے کی لمبائی کے برابر زمین کھود چکا تو اُس نے گڑھے کو انگلیوں کی مدد سے گہرا کرنا شروع کر دیا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ اُس شے کو کوئی نقصان پہنچے جس کے بارے میں سورس نے اُسے بتایا تھا۔

اس کی اُنگلیاں کسی پیکٹ سے ٹکرائیں اور اُس نے محتاط انداز میں اردگرد کی مٹی ہٹا کر اُسے نکال لیا۔ پیکٹ پرپلاسٹک سیل تھی۔ اُس نے اسے کھول ڈالا۔

اندر کاغذ کی بنی ہوئی ایک گڑیا رکھی تھی۔ ایسی گڑیاں یوی کو بنایا کرتی تھی، شاید یہ اُسی کی بنائی ہوئی کوئی گڑیا تھی۔ وقت کے ساتھ ساتھ گڑیا کی سفیدی زردی میں تبدیل ہو گئی تھی۔

"گڑیا کو توڑ ڈالو۔"

سورس نے گزشتہ شب اُسے یہی ہدایت کی تھی، لیکن وہ بھلا یہ کیسے کر سکتا تھا۔ گڑیا اُس کی ماں نے بنائی تھی۔ کیا وہ اُسے تباہ کر سکتا ہے؟

لیکن وہ احکامات کا پابند تھا۔

"تم ایک قاتل ہو۔" سورس نے سالوں پہلے تربیت کے دوران اُسے بتایا تھا۔ "تمہیں ہر شخص کو زندگی سے محروم کرنا ہے جس کی نشاندہی کی جائے۔ تمہیں اسی کام کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ تم اپنی ماں کی نظروں میں بے شک فرشتہ تھے لیکن حقیقتاً ایسا نہیں ہے۔۔۔"

"میں ڈیج مین ہوں۔" اُس نے جواب دیا تھا۔

"اُس نے تمہیں اچھا نام دیا تھا۔"

"ماں مجھ پر اعتقاد کرتی تھی۔"

"ہم بھی تم پر اعتقاد کرتے ہیں۔"

ڈیج مین نے گڑیا توڑ دی۔

اندر اُسے شیر کا ایک چھوٹا سا مجسمہ نظر آیا۔ یہ ہیرے سے تراشا گیا تھا۔ اُس نے بے صبرے پن سے وہ چھوٹا سا

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

پاؤچ نکالا جو میر بنانے مرتے وقت اُس کے حوالے کیا تھا۔ پاؤچ کو اُس نے ہتھیلی پر خالی کر دیا تھا۔

ٹائیگر کے بجھنے کے ساتھ ایک اور ننھا سا مجسمہ اُس کی ہتھیلی پر آ گرا۔

تب اُسے احساس ہوا کہ دونوں بجھتے ہی ادھورے ہیں۔ اُس نے دونوں کو ملا دیا۔ وہ یوں ایک دُوسرے میں پیوست ہو گئے جیسے ایک ہی مجسمے کا حصّہ رہے ہوں۔

یہی قوّت ہے۔۔۔ طاقت کا نشان!

اسلم وتالی لوپو ہنستے ہوئے ترزینی سے کہہ رہا تھا۔ "تم بہت عظیم ہو۔۔۔ تمہاری جیسی پہلی لڑکی میری۔۔۔"

تعریفی جملے ادھورے رہ گئے کیونکہ لوپو کا ذہن کسی اور جانب منتقل ہو گیا تھا۔

نیلوفر تاریکی سے نکل کر روشنی میں آ گئی تھی اور اب یوں اُسے گھور رہی تھی جیسے ایک ہی جگہ پر ساکت ہو گئی ہو۔

لوپو نے اپنی کرسی ذرا سی پیچھے کھسکائی اور نظر بھر کر نیلوفر کو دیکھنے لگا۔ "اوہ!" وہ بھاری لہجے میں بولا۔ "تو بالآخر دارالحکومت کا سنہلا بدن ہمارے حضور حاضری کے لیے آ ہی گیا۔"

اہرمن اپنی کاؤچ سے اُٹھ گیا۔ اُس کے چہرے پر پریشانی کے تاثرات تھے۔ "اسلم تم نے مجھے نہیں بتایا تھا کہ۔۔۔"

"آرام سے مسٹر اہرمن۔۔۔ آج کا دن تو بڑی مشقتوں سے دو دل کے بعد آیا ہے۔"

اسٹول پر بیٹھی ہوئی لڑکی اُٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ نیلوفر کو گھور رہی تھی۔ "یہ کون ہے؟"

نیلوفر کی آنکھیں اسلم سے ہٹ کر اُس پر جا ٹکیں۔ "میں اس کی بیوی ہوں۔۔۔ مسز لوپو۔"

لوپو نے پلکیں جھپکائیں اور ہاتھ بڑھا کر سگریٹ کا پیکٹ اُٹھا لیا۔ سگریٹ نکال کر اُس نے ہونٹوں میں لگایا اور کانپتے ہاتھوں سے اُسے سُلگا لیا۔

"مسز لوپو۔۔۔ دارالحکومت کا سنہلا بدن۔" نیلوفر دانت پر دانت جما کر بولی۔ "مشرق کی بادفا اور گھر گرہستن بیوی کو کیا ہو گیا، اسلم؟ تم تو مجھے سات پردوں میں چھپا کر رکھنا چاہتے تھے؛ میرا بہت خیال رکھتے تھے، بہت پیار کرتے تھے اور یہ گوارا بھی نہیں کرتے تھے کہ کوئی اجنبی میرے چہرے پر پہلی ایک نظر ڈال لے۔"

لوپو تیزی سے اُٹھا۔ "تم کیتا!" وہ کانپتے ہاتھ سے اُس کی طرف۔۔۔ اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ "یہ سارے دھندے تم نے ہی شروع کیے تھے، میں نے نہیں۔۔۔ تم نے ہی اپنے دروازے لوٹی، وقار، رحمان۔۔۔ اور جانے کس کس کے لیے کھولے بہتر یہ ہوتا کہ میں تمہیں قتل۔۔۔" لوپو خاموش ہو گیا۔ شاید اُس نے جملہ مکمل نہ کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔

"تم ٹھیک کہتے ہو، اسلم۔" نیلوفر اُداسی سے بولی۔ "میں واقعی واہیات القتل ہوں۔۔۔ لیکن شاید اب تم کسی کو قتل کرنے کے قابل نہ رہ سکو۔" اُس نے اپنی درد میں ڈوبی آنکھیں گھمائیں۔ "اور تم بھی اہرمن۔"

لوپو دوبارہ بیٹھ گیا۔ اُس نے سر جھٹکا اور قہقہے لگانے لگا۔ لازوکا نے اُس کا ساتھ دیا تھا۔

اہرمن بھی تھکے تھکے سے انداز میں صوفے پر گر گیا۔ "کاش میں یہاں نہ آیا ہوتا۔"

تب ہی تاریک گوشے سے برف میں ڈوبی ایک سرد آواز کمرے میں گونجی۔ "ہنس لو، لوپو۔۔۔ یہ تمہاری زندگی کی آخری ہنسی ہے۔"

لوپو کی ہنسی دم توڑ گئی۔ اُس نے دونوں ہاتھ میز کے اوپر رکھ لیے اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر تاریکی میں دیکھنے کی کوشش کرنے لگا۔

لازوکا کا ہاتھ ہولسٹر کی طرف بڑھا۔

تاریک گوشے سے ایک گولی چلی اور لازوکا کا چہرہ کئی چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم ہو کر ادھر اُدھر بکھر گیا۔ خون اور گوشت کے کئی لوتھڑے اہرمن کی گود میں آ کر گرے تھے۔

ترزینی نے بھی فرش پر پڑے مشین پسٹل کو اُٹھانے کی کوشش کی۔

سیاہ لباس پہنے ہوئے ایک لڑکی تیزی سے روشنی میں آئی۔ اگلے ہی لمحے کھڑکی ہتھیلی کا وار ترزینی کی گردن پر پڑا۔ کلک کی آواز پیدا ہوئی اور ترزینی کی گردن ٹوٹ گئی۔

لوپو اپنی کرسی پر سمٹ گیا۔ "م۔۔۔ میں مسلح نہیں ہوں۔۔۔ پپ۔۔۔ پلیز!"

لیکن یوم حساب آ چکا تھا۔

نیلوفر نے کوئی حرکت نہیں کی اور نہ ہی اُس نے اپنے شوہر کی دُوسری موت دیکھنی مناسب سمجھی۔ اُس کی آنکھیں

اہرمن پر تھیں۔

اُس نے سرگوشی کے انداز میں روبی کو مخاطب کیا۔ "اس ایک کو میرے لیے چھوڑ دو۔ اس قسم کے غداروں سے میں بہترین سلوک کر سکتی ہوں۔"

روبی فوراً سمجھ گئی۔ اُس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

وہ بوڑھے شخص سے مخاطب ہوئی۔ "تم نے خاتون کی بات سُنی، بوڑھے گدھے!"

بوڑھے گدھے نے جواب دینے کی بجائے صوفے سے اُٹھ کر دروازے کی طرف بھاگنے کی کوشش کی لیکن نیلوفر نے ٹانگ آگے کر دی۔ اہرمن مُنہ کے بَل نیچے آ رہا۔

نیلوفر نے تیزی کے ساتھ ہاتھ میں پکڑا ہوا پرس کھولا۔ اگلے ہی لمحے ایک ننھا سا پستول اُس کی اُنگلیوں کے درمیان تھا۔ اہرمن نے پلٹ کر ہاتھ اُٹھائے اور رحم کی اپیل کرنے کو مُنہ کھولا لیکن نیلوفر کے پستول سے نکلی ہوئی دو گولیاں اُس کے مُنہ میں گھس گئیں۔ اُس کے حلق سے خون کا فوّارہ اُبل پڑا تھا۔

"میں تائی پین کی طرف سے معذرت خواہ ہوں۔" پیٹر نے سر جھکا کر کہا۔ "لیکن اُن کے لیے ممکن نہ تھا کہ وہ آج رات تمہاری دعوت قبول کرتے۔"

تھری اوتھ سن مُسکرایا۔ "کوئی بات نہیں۔" اُس نے کوشش کی تھی کہ اس کا لہجہ مہذّبانہ ہو۔ "میں تمہیں بھی اتنے ہی عرصے سے جانتا ہوں۔ مجھے عرصے سے انڈیرو سیور کو جانتا ہوں۔ مجھے علم ہے کہ تم اُسی کی نمائندگی کر رہے ہو۔" اُس نے دونوں ہتھیلیاں آپس میں رگڑیں۔ "لیکن یہ ملاقات پیر سے پہلے ہونی لازمی ہے۔"

"تائی پین کو آپ کی دعوت کی ہنگامی نوعیّت کا اندازہ ہے اور اُس نے اسی کے مطابق انتظامات کیے ہیں۔ میرے خیال میں تم اس سے مطمئن ہو گے۔"

"بے حد مطمئن۔ مسٹر پیٹر!"

ابھی نوہی بجے تھے۔ دونوں چینی تھری اوتھ سن کے دفتر میں بیٹھے تھے جو ابردین ہاربر پر واقع تھا۔ پیٹر کا جواب سُن کر تھری اوتھ سن نے آنکھیں بند کر لیں اور جیسے سوچ میں ڈوب گیا۔ ذرا دیر بعد اُس کی ایک بیٹی نمودار ہوئی تو اس نے آنکھیں کھول دیں۔ لڑکی ٹی پاٹ، کپ، چھوٹی پلیٹیں، چاپ اسٹک اور سمندری جانوروں سے بنی ہوئی بعض کھانے کی اشیا ایک ٹرے میں رکھ کر لائی تھی۔

دونوں خاموشی سے چائے اور اس کے لوازمات پر ہاتھ صاف کرنے لگے۔ کھاتے ہوئے اُن کے درمیان ایک جملے کا بھی تبادلہ نہیں ہوا۔

تھری اوتھ سن کی فرمانبردار بیٹی نمودار ہوئی۔ اُس نے خالی ٹی پاٹ کی جگہ بھرا ہوا ٹی پاٹ رکھا۔ استعمال شدہ چیزیں اُٹھائیں اور جاپانی واکر بلیک کی ایک بوتل دونوں کے درمیان رکھ دی۔

پیٹر سوچ رہا تھا کہ اصل مسئلہ وقت کا ہے۔ تائی پین نے تھری اوتھ سن کی کال ریسیو کرتے ہی پیٹر کو دفتر بلا بھیجا تھا۔

"گرمئی بازار شروع ہونے والی ہے۔" تائی پین نے اُسے بتایا۔ وہ مُسکرا رہا تھا اور شاید کچھ سوچیں بھی اُسے تنگ کر رہی تھیں۔ "معزز تھری اوتھ سن آج شب مجھ سے ملنا چاہتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم میری جگہ اُس سے ملنے جاؤ۔۔۔ اس سے دو مقاصد حاصل ہوں گے۔ سن کو اندازہ ہو جائے گا کہ میں اس کی بات سُننا ضرور چاہتا ہوں لیکن یہ میرے لیے زندگی یا موت کا کوئی مسئلہ نہیں۔ ممکن ہے وہ خود کو بے بس بھی محسوس کرے اور

ڈائجسٹوں کے مقبول سلسلے

سرکش	(۱۲ حصے)	محمد احمد رومی	۷۲/-
ٹائیگر	(۱۳ حصے)	مشتاق احمد قریشی	۶۵۰/-
خیبث	(۵ حصے)	انوار صدیقی	۲۲۵/-
درخشاں	(۲ حصے)	انوار صدیقی	۱۰۰/-
روگ	(۵ حصے)	م الف صدیقی	۲۷۰/-
دہشت گرد	(۴ حصے)	سلیم فاروقی	۲۰۰/-
سرفروش	(۲ حصے)	اظہر کلیم	۱۲۰/-
شہاب	(۲ حصے)	اظہر کلیم	۲۰/-
انسان اور شیطان	(۲ حصے)	محمد فراز	۵۰/-

ناشر

مکتبہ القریش سرکلر روڈ، اردو بازار
لاہور فون: ۷۶۶۸۹۵۸

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

نہیں سُنا۔"

"یقیناً نہیں سُنا ہوگا۔ کیونکہ یہ نہایت خفیہ منصوبہ ہے کام سنگ پانی کو صاف کرنے کے کام بھی آئے گا۔"

"یعنی سمندری پانی کو پینے کے قابل بنانا!"

سُن نے سر کو اثباتی جنبش دی۔ "ہانگ کانگ کی راشننگ ختم ہو جائے گی... کوئی کمی نہیں رہے گی... پانی ہر وقت ملے گا۔"

"اور مسائل؟"

"روسی!" سُن بولا۔ "وہ دوبارہ پروجیکٹ کو سبوتاژ کرنے کی کوشش کر چکے ہیں۔ یہ سوچنے کی کوئی وجہ نہیں کہ وہ دوبارہ ایسی کوشش نہیں کریں گے۔ یہی سب سے بڑا خطرہ ہے لیکن روسیوں کو یہاں تک پہنچنے کے لیے ایک سو آہنی پردوں سے گزرنا ہوگا۔" اس نے پیٹر کو نظروں میں تولا۔ "اسی لیے تو میں تم لوگوں سے فوری جواب چاہتا ہوں۔"

پیٹر کا ذہن ہواؤں میں اُڑ رہا تھا۔ "میں اس معاملے پر تائی پین سے بات کروں گا۔"

"مسٹر پیٹر!" سُن اپنی جگہ سے اُٹھتے ہوئے بولا۔ "میں گھنٹوں کی بات کر رہا ہوں۔ دنوں کی نہیں۔"

پیٹر نے بھی اس کی تقلید کی۔ "میں سمجھ رہا ہوں۔"

"گڈ... میرا تیسرا لڑکا تمہیں ہانگ تک چھوڑ دے گا۔"

تھری اوتھ سُن، اپنے مہمان کو ڈیک کی طرف جاتے دیکھتا رہا۔ پھر اُس نے رُخ موڑ کر تری سے کسی کو پکارا۔ فوراً ہی تنگ سے راستے پر ایک سایہ نمودار ہو گیا۔

"مجھے افسوس ہے تمہیں انتظار کرنا پڑا۔ باؤسیک!" باؤسیک کا مطلب ہے قیمتی جواہر!

"کوئی بات نہیں۔" پلس نے جواب دیا۔ وہ دھیرے دھیرے قدم اُٹھاتی اُس کے دفتر میں آگئی۔ "میں ماں کے ساتھ کھانا کھا رہی تھی۔" پلس کو عادت سی ہو گئی تھی کہ وہ سُن کی سب سے بڑی بیٹی کو ماں کہتی تھی۔

"تمہارے پاس میرے لیے کچھ اطلاعات تھیں۔" یہ سوال نہیں تھا۔ اُس نے دو صاف گلاسوں میں وہسکی انڈیلی جو میز کی دراز میں سے نکالے تھے۔

"جیک میروک جاپان میں ہے۔"

"آہا!" وہ مُڑا۔ "تو ہم نے اُسے راہ پر لگا دیا ہے۔" اُس نے ایک گلاس پلس کو تھما دیا۔ "جیک میروک کے نام!"

"ویسے مجھے ایک اور بات پریشان کر رہی ہے۔" پلس نے وہسکی کا گھونٹ لے کر کہا۔

"بولو!"

"کبھی کبھی مجھے شک گزرتا ہے کہ وہ اصل جیک میروک نہیں۔" پلس پُرسوچ انداز میں بولی۔

"اس کا کوئی ثبوت؟" تھری اوتھ سُن بُری طرح چونکا تھا۔ "یہ کیا حماقت کی بات ہے کہ وہ اصل جیک میروک نہیں۔"

"میں سچ کہہ رہی ہوں۔" پلس نے جواب دیا۔ "موٹی موٹی کلائیاں... سخت آنکھیں۔ بے تاثر اور جذبات سے عاری... اُس شخص میں ایک عجیب سی کیفیت ہے جسے میں فی الحال الفاظ کا رُوپ نہیں دے سکتی... ہاں وہ ٹوکیو سے واپس آجائے پھر میں یقین سے بتا سکوں گی کہ وہ جیک ہے یا اُس کے رُوپ میں کوئی اور شخص ہے۔"

تھری اوتھ سُن وہسکی کے گھونٹ لیتا رہا۔ اگر یہ محض پلس کا شک ہی تھا تب بھی قابلِ غور بات تھی۔ اُس نے غور سے پلس کو دیکھا۔ اُس کی آنکھوں میں عجیب سا خوف تھا۔ وہ ایک لمحے کے لیے جھجکی پھر گویا ہوئی۔ "کیا آپ مجھے بتائیں گے کہ جیک کو جاپان بھیجنے کی ہدایت کیوں کی گئی تھی؟"

سُن کا چہرہ تاریک پڑ گیا۔ "تم دائرے کا ایک جزو ہو... اگر تم میرا اپنا خون بھی ہوتیں تو شاید اس سے بڑھ کر پیار نہ کر سکتا۔ میں تمہیں اپنی ہی بیٹی سمجھتا ہوں باؤسیک لیکن تم میرے اپنے بچوں سے کہیں زیادہ عقل مند اور مختلف ہو۔ تمہیں میرے پاس پرورش اور تربیت کے لیے لایا گیا تھا۔ دوسروں کے لیے میرا صرف ایک رُوپ ہے لیکن تم واحد ہستی ہو جو میرے بارے میں سب کچھ جانتی ہے۔"

سُن نے سخت نظروں سے اُسے گھورا۔ "اب تک ڈریجن اپنے حصے کا فوجد حاصل کر چکا ہوگا۔ میں تم سے جھوٹ نہیں بولوں گا۔ اُسے اسی کام کے لیے بھیجا گیا تھا۔"

"لیکن کیوں؟ موجودہ ترقی یافتہ دُنیا میں اس کی کیا حیثیت ہے؟"

"یہ طاقت ہے۔ وہ طاقت جس کا وجود عرصہ دراز پہلے عمل میں آیا تھا۔"

"کس چیز کی طاقت؟"

"میں اس بارے میں تمہیں مطمئن نہیں کر سکتا۔ ممکن ہے خود ہی تمہیں اس سوال کا جواب مل جائے۔"

کمرے میں خاموشی چھا گئی۔ پلس نے یوں سر جھکا لیا

جیسے کسی گہری سوچ میں ڈوبی ہو۔ پھر اُس نے سر اُٹھایا۔ "اور اگر اُس کے پاس ہمارے لیے کوئی تجویز ہوئی تو؟"

"اُس کے پاس تجویز ہے۔" انیڈیو نے اثبات میں سر ہلایا۔ "مجھے اس بارے میں کوئی شبہ نہیں۔ ہم لوگوں کا ابھی کسی سے اتحاد ہوا ہے نہ ہم نے کسی سے وعدہ کیا ہے۔ اس لیے سُن جلد از جلد ہم سے معاہدہ کرنا چاہے گا۔ مجھے یقین ہے کہ پرکاون... جب تمام مارکٹیں کھلیں گی... اُس کی ڈیڈ لائن ہوگی۔ اگر اُس کی پیشکش بہت اچھی بھی ہو تب بھی کوئی مثبت ردِعمل ظاہر نہیں کرنا۔ اگر ہم نے یہ فیصلہ کیا کہ سُن کے ساتھ تعاون کیا جائے تب بھی اسے آگاہ کرنے کے لیے آخری ممکنہ لمحات... اتوار کو رات گئے... کا انتظار کیا جائے گا اس وقت تک ہم اندھا دھند بھاگنے کی بجائے بہتر اور ٹھوس شرائط تیار کرنے کے قابل ہو جائیں گے۔"

پیٹر، تھری اوتھ سُن کو دیکھنے لگا جس نے دونوں کے لیے جام بنائے تھے۔ پہلے لوازمات پھر چائے اور اب وہسکی...

"مسٹر پیٹر!" تھری اوتھ سُن بولا۔ "تمہاری اور میری کمپنی میں کچھ زیادہ چیزیں مشترک نہیں۔ بلکہ اگر کسی عام آدمی کی آنکھ سے دیکھا جائے تو ہم ایک دوسرے کے کاروباری مخالف ہیں..."

تھری اوتھ سُن نے رُک کر پیٹر کو دیکھا لیکن اُس کا چہرہ سپاٹ تھا۔

"... اور مجھے یقین ہے کہ ہم ایک طویل عرصے تک ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی دوڑ میں شامل رہیں گے اور اس کی کئی ٹھوس وجوہات بھی ہیں۔"

"دُنیا بھر میں بزنس کے تو اعد اور انداز وقت کے ساتھ ساتھ بدلتے رہتے ہیں۔ یہاں یہ بات ذرا زیادہ اہم ہے۔ میرے خیال میں تم مجھ سے اتفاق کرو گے۔ گزشتہ دس سالوں میں ہم نے کاروبار اور سیاست میں بے پناہ تبدیلیاں دیکھے ہیں جن کے باعث ہانگ کانگ کی صورت تک بدل گئی ہے۔"

"انہی لوگوں نے ہمیں اپنے مستقبل کو تبدیل کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔ اب کنگز اینڈ کمپنی کے یہاں سے چلے جانے کے باعث ہمیں مزید ایسے ہی کئی اقدامات کرنے ہوں گے۔"

"تم درست کہہ رہے ہو مسٹر سُن۔" پیٹر نے اُس کی تائید کرنا ضروری سمجھا تھا۔

"میں تمہیں اپنے رازوں میں شامل کرنے کو تیار ہوں۔" تھری اوتھ سُن بولا۔ "لیکن مجھے پہلے تمہارے تائی پین کی وفاداری کا ثبوت درکار ہے۔"

"میری یہاں موجودگی ہی اس وفاداری کی دلیل ہے۔"

"شاید۔" تھری اوتھ سُن نے اثبات میں سر ہلایا۔ "بلکہ ممکن ہے تم سچ کہہ رہے ہو۔ اس صورت میں، میں تمہیں بتا رہا ہوں کہ کنگز اینڈ کمپنی کے یہاں سے چلے جانے کی صورت میں کراؤن کالونی کے کاروبار میں ایک واضح تبدیلی آئے گی جس سے اُن کے طویل المدت منصوبوں پر بھی اثر پڑے گا۔"

پیٹر کے خون کی گردش تیز ہو گئی۔ وہ جان گیا تھا کہ آگے کیا ہونے والا ہے؟

"شاید تم جانتے ہو۔" تھری اوتھ سُن نے اپنی بات جاری رکھی۔ "کہ میں اور کنگز اینڈ کمپنی، صوبہ گندونگ میں کام سنگ نیوکلیئر پاور پروجیکٹ میں کمیونسٹوں کے ساتھ ایک تہائی کے پارٹنر ہیں۔ کنگز اینڈ کمپنی نے مجھے آگاہ کیا ہے کہ وہ اس پارٹنر شپ کو چھوڑنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے مجھے پیشکش کی ہے کہ میں ان کا حصہ خرید لوں لیکن اس کی قیمت اتنی زیادہ ہے کہ میں اپنے دوسرے کاروبار کو داؤ پر نہیں لگا سکتا۔" چنانچہ میں یہ ایک تہائی حصہ تمہارے ٹریڈنگ ہاؤس کو آفر کر رہا ہوں۔"

پیٹر کے ذہن میں ہزاروں سوالات کلبلانے لگے۔ تمام کمپنیوں میں سے صرف سیور اینڈ سنز ہی کیوں؟ فائیو اسٹار پیسفک کیوں نہیں؟ جو ہانگ کانگ کا سب سے بڑا تجارتی ادارہ تھا۔ سُن نے سب سے پہلے انہیں پیشکش کیوں نہیں کی؟ کیا کنگز اینڈ کمپنی نے واقعی سُن کو اپنے حصص کی پیشکش کی ہے؟ کیا اُس نے یہ حصص خود نہ خریدنے کا صرف بہانہ تراشا ہے؟

"کیا کام سنگ پروجیکٹ پر بہت زیادہ لاگت آتی ہے؟" بالآخر پیٹر نے دریافت کیا۔

سُن نے اثبات میں سر ہلایا۔ "چھ ارب امریکی ڈالر۔"

وہسکی کا گھونٹ پیٹر کے حلق میں اٹک گیا۔ توانائی کے کسی منصوبے پر آنے والی یہ لاگت واقعی ناقابلِ یقین تھی۔

"لیکن..." سُن نے بات جاری رکھی۔ "اگر ہم کام سنگ تعمیر کرتے ہیں تو اس سے ہونے والا منافع لامحدود ہوگا۔"

"تو کیا اس کی راہ میں کوئی مسئلہ حائل ہے؟"

"ہانگ کانگ کا مستقبل اور کام سنگ پروجیکٹ پر۔ جنوبی چین کا انحصار یہ تو تم جانتے ہو کہ ہمارے توانائی کے وسائل محدود ہیں۔ کام سنگ کا ڈیزائن اس طرح بنایا گیا ہے کہ یہ ہمیں بجلی ہی نہیں لامحدود مقدار میں پانی بھی فراہم کرے گا۔" پیٹر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ "میں نے اس بارے میں کچھ

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

جیسے اب وہ مزید کچھ سوچنے کے قابل نہ رہی ہو۔ کچھ دیر بعد اُس نے نظریں اُٹھائیں "فادر! اس دائرے میں اور کون کون شامل ہے؟"

ایک لمحے کے لیے بلس کو لگا کہ تھری اوتھ سن سارے غصّے کے پھٹ پڑے گا۔ لیکن اُس کا چہرہ پُرسکون رہا تھا۔

"مجھے حیرت ہے کہ اس دُنیا کو کیا ہوتا جا رہا ہے۔" وہ نرمی سے بولا "میرے خاندان میں سے کوئی شخص مجھ سے اس طرح کے سوال کی جرأت نہیں کر سکتا۔ لیکن تم نے یہ غلطی کی ہے... ایک عورت ہو کر!" اس نے غصّہ ور زور سے نفی میں سر ہلایا۔

"فادر!" بلس اس کی طرف بڑھی "میں آپ کو ناراض نہیں کرنا چاہتی تھی۔" وہ سر جھکا کر گھٹنوں کے بل اُس کے سامنے بیٹھ گئی۔

"اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ میری فرض شناس بیٹی!" سن نے پھر نفی میں سر ہلایا "تم اس دائرے کا ایک جہاز ہو۔ لیکن بہت سے راز تم پر بھی منکشف نہیں کیے جا سکتے۔"

"کیوں؟ اس میں کوئی شک نہیں کہ جیک مجھ پر سوالات کی بھرمار کر دے گا۔ بننا زیادہ عرصہ اکٹھے رہیں گے وہ اتنے ہی زیادہ سوالات مجھ سے پوچھے گا۔ کیا یہ ضروری نہیں کہ میں اُس کے سوالوں کے جوابات دوں؟"

سن کی خاموشی سے بلس یہی سمجھی کہ اُس نے باتیں سُنی ہی نہیں یا وہ ان کا جواب دینا ضروری نہیں سمجھتا۔

"اس وقت ضروری ہے کہ جیک کو کم از کم باتیں بتائی جائیں۔" بالآخر سن بولا "اُس کے کم از کم سوالات کے جواب دیے جائیں۔ یہ تمہارے فرض کا ایک حصّہ ہے اور میں جانتا ہوں کہ یہ آسان کام نہیں۔ لیکن یہی تمہارے لیے احکامات ہیں اور تمہیں انہیں بجا لانا ہے۔"

"تم مجھے اچھی طرح جانتی ہو باؤسیک! میرے دوسرے بچّوں کی نسبت کہیں زیادہ... بلکہ میں کہہ سکتا ہوں کہ تم مجھے میری بیوی سے بھی کہیں زیادہ جانتی ہو... میں روایتی آدمی ہوں میرا کام اُن روایتوں کی پاسداری کرنا ہے جو صدیوں سے ہماری ثقافت کا حصّہ ہیں۔ غیر ملکی شیطان ہم سے پہلے ہی بہت کچھ چھین چکے ہیں اور بہت کچھ چھیننا چاہتے ہیں۔ وہ اُس وقت تک مطمئن نہ ہوں گے جب تک ہمیں ہر شعبے میں اپنا محتاج نہ بنا لیں گے۔"

تھری اوتھ سن نے اپنی بوڑھی آنکھوں سے بلس کو دیکھا۔ اس کے باوجود کہ یہ اپنی اندازہ نہ تھا لیکن وہ اُسے چھونا چاہتا تھا وہ اُس کے لیے بے حد قیمتی تھی اور وہ اپنے دل میں اُس کے لیے اتنا ہی پیار رکھتا تھا جتنا چین کے لیے دُکھ۔

"تمہیں بھی روایتوں کی پاسداری کرنی ہوگی۔" وہ آخر میں بولا "مغرب تمہیں بھی بہکائے گا لیکن کوشش کرنا کہ اُس کے بہکانے میں نہ آؤ۔" وہ کرسی سے اُٹھ کھڑا ہوا۔

بلس نے تھری اوتھ سن کو اپنے پہلو میں محسوس کیا۔ وہ ہی اُس سے راحت محسوس کرتی تھی لیکن آج رات اُس کا بدن کپکپا رہا تھا "میں وہی کروں گی جس کے لیے مجھے حکم دیا جائے گا۔"

تھری اوتھ سن نے بلس کو غور سے دیکھا۔ "میں جانتا ہوں باؤسیک!"

*

اسٹالنگ۔ برینڈن کا فرستادہ تھا۔ اس کے باوجود کہ ٹائیگر ٹوکیو میں موجود تھا۔ امریکی قومی سلامتی کے اس مشیر نے سی آئی اے کے ایک بہترین ایجنٹ اسٹالنگ کو ٹوکیو روانہ کیا تھا تاکہ وہ نہ صرف ٹائیگر اور اوشان کی سرگرمیوں پر نظر رکھے بلکہ ممکن ہو تو میرنیا اور ڈریج مین کو بھی قتل کر دے۔

جس دن سوروگی پر میرنیا ماری گئی تھی۔ اسٹالنگ بھی وہاں موجود تھا۔ جس رائفل کی گولی نے میرنیا کا سینہ چھید ڈالا تھا وہ اسٹالنگ نے ہی چلائی تھی لیکن یوں ظاہر ہوا تھا جیسے میرنیا کا قتل روسیوں کے ہاتھوں ہوا ہو۔

اس وقت وہ ٹوکیو کے ایک ہوٹل میں آنکھیں بند کیے لیٹا اس بات پر غور کر رہا تھا کہ یاکوزا والوں سے کس طرح ڈریج مین کا پتا اُگلوائے۔ اپنے تئیں وہ بہت سی کوششیں کر چکا تھا لیکن جاپانی میں غیر ملکیوں کے ساتھ اچھوتوں کا سا سلوک کیا جاتا تھا۔ اسٹالنگ اسی وجہ سے ناکام رہا تھا۔ اب وہ اس سلسلے میں نئی حکمتِ عملی وضع کر رہا تھا۔

میرنیا کو قتل کر کے وہ اپنے منصوبے کے ایک حصّے میں تو کامیاب ہو چکا تھا۔ جانے اب یہ دوسرا حصّہ کب مکمل ہو۔ وہ جلد از جلد امریکہ جانا چاہتا تھا۔ ایک مرحلے پر تو اُس نے فیصلہ کیا کہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر فوری طور پر امریکہ چلا جائے لیکن پھر اُس نے سوچا کہ ایک دن اور ٹوکیو کی سنگی دیواروں سے سر ٹکرانے میں کوئی حرج نہیں۔

وہ ایک طویل سانس لے کر بستر سے اُٹھا۔ آنکھیں کھلتے ہی اُس کی نگاہ میسج لائٹ پر پڑی۔ اُس نے فون اُٹھا کر استقبالیہ کلرک سے بات کروانے کو کہا۔ اُسے بتایا گیا کہ ایک تحریری پیغام

اُس کے لیے موجود ہے۔

"یہ تمہیں کب ملا؟"

"مجھے افسوس ہے سر! میں نو بجے آیا تو پیغام موجود تھا۔"

اسٹالنگ نے ریسیور رکھ دیا۔ بستر سے اُتر کر اُس نے غسل کیا۔ کپڑے تبدیل کیے اور ناشتے کے لیے نیچے اُتر آیا۔ استقبالیہ سے اُس نے پیغام بھی حاصل کر لیا۔

کافی کے پہلے کپ کے بعد اُس نے لفافہ کھولا۔ گلابی رنگ کے کاغذ پر ہاتھ سے لکھی ہوئی تحریر تھی۔

"میرے علم میں یہ بات آئی ہے تمہیں ایک انتہائی حسّاس اور اہم نوعیت کی معلومات درکار ہیں تم یہ بھی جانتے ہو کہ تمہارے سوالات کی طرح جوابات بھی خطرناک ہیں اس لیے ان کے جواب سرِعام یا کسی کی موجودگی میں نہیں دیے جا سکتے لہٰذا بہتر یہ ہے کہ آج دوپہر ساڑھے بارہ بجے ٹوکیو لائن سب وے کے گنزا اسٹیشن کے پلیٹ فارم پر میرا انتظار کرو۔"

پیغام کے نیچے کسی کے دستخط، نام یا مہر وغیرہ نہیں تھی جس سے اندازہ ہو سکتا کہ یہ کہاں سے آیا ہے۔

اسٹالنگ نے گھڑی دیکھی۔ بارہ بج چکے تھے۔ اُسے پیغام میں دی گئی ڈیڈ لائن سے پہلے پہلے اسٹیشن پہنچنے کے لیے پھرتی سے کام لینا تھا۔

اس نے ویٹر سے بل منگوایا۔ جلدی سے اُس پر دستخط کیے اور ہوٹل کے فائر ڈور والے کی طرف چل دیا۔

* * *

ووپنگ گزشتہ ہفتے شی زی لین کے ہانگ کانگ آپریشن پر کام کر کے اتنا تھک گیا تھا کہ ڈنر کے لیے ریسٹورنٹ میں داخل ہو کر اُس نے سب سے پہلے شراب طلب کی تاکہ تھکے ہوئے اعصاب کو کچھ سکون مل سکے۔

وہ جام لیے اپنی مخصوص میز پر جا بیٹھا۔ اُس وقت وہ اپنے جام کے آخری گھونٹ لے رہا تھا جب ووپنگ کا مہمان اندر داخل ہوا۔ اُس نے اسی کو ڈنر پر مدعو کیا تھا۔

ووپنگ نے اپنی میز سے اُٹھ کر تعظیماً ذرا سا سر جھکایا اور اُسے خوش آمدید کہا۔

زنگ ہوا خاصا نروس لگ رہا تھا۔ شاید اسی لیے بار بار اُس کا ہاتھ چشمے کو درست کرنے کے لیے ناک پر پہنچ جاتا تھا۔ بائیں ہاتھ میں ایک رومال تھا جس سے وہ وقتاً فوقتاً پسینہ صاف کر رہا تھا۔

ووپنگ نے ہاتھ اُٹھایا "بیٹھ جاؤ۔" وہ بولا لیکن زنگ ہوا نے کوئی حرکت نہ کی "میں کاٹتا نہیں ہوں... بیٹھ جاؤ!"

زنگ ہوا شرمندہ شرمندہ سا بیٹھ گیا۔

ووپنگ نے ویٹر کو چائے لانے کا اشارہ کیا۔ زنگ ہوا نے اپنے دونوں ہاتھ گود میں رکھ لیے اور یوں انہیں گھورنا شروع کر دیا جیسے زندگی میں پہلی بار دیکھ رہا ہو۔

چائے آنے تک دونوں کے درمیان خاموشی ہی رہی۔

ووپنگ نے چھوٹی چھوٹی پیالیوں میں چائے انڈیلی اور ایک زنگ ہوا کے سامنے رکھ دی لیکن اُس نے پیالی اُٹھانے کی بجائے کانپتے ہاتھوں سے سگریٹ کا پیکٹ نکالا اور ایک سگریٹ ہونٹوں میں دبا لی۔

ووپنگ یوں سگریٹ کو گھورنے لگا جیسے زنگ ہوا کی کوئی اہمیت نہ ہو "اگر تمہیں سگریٹ پینی ہے تو کمرے کے دوسرے سرے پر جا کر بیٹھ جاؤ۔"

زنگ ہوا کا چہرہ سُرخ ہو گیا۔ اُس نے بغیر کچھ کہے سگریٹ توڑ کر ٹوکری میں پھینک دی۔

"شکریہ!" ووپنگ بولا۔

زنگ ہوا کا موڈ خراب ہو گیا۔ اُس نے اپنی توہین کا بدلہ لینے کا ارادہ کر لیا "میرے پاس زیادہ وقت نہیں۔" اُس نے تیوریاں چڑھائیں "تمہاری مہربانی ہوگی اگر فوری طور پر مقصد کی بات کر لو۔"

ووپنگ نے سر کو اثباتی جنبش دی "جیسے تمہاری خواہش!" وہ دھیرے سے مسکرایا "میں کوئی لگی لپٹی نہیں رکھوں گا.... شی زی لین اپنے آرمی جنرلوں کو جس طرح کنٹرول کرتا ہے اُس کے باعث یہ ممکن نہیں کہ میں یا کامینہ کا کوئی اور وزیر اُس کی پالیسیوں کو اُسی پر اُلٹنے کا خطرہ مول لے۔ اس لیے میں نے بالکل ایک نئی حکمتِ عملی اپنانے کا فیصلہ کیا ہے... اور تم، کامریڈ منسٹر! مجھے شی زی لین کے ہانگ کانگ آپریشن کی اندرونی باتوں سے آگاہ کرو گے... میں جلد از جلد ہر بات سُننا چاہتا ہوں۔" اُس نے اپنے دونوں ہاتھ پھیلا کر میز پر رکھ لیے "لہٰذا وقت ضائع کیے بغیر شروع ہو جاؤ۔"

زنگ ہوا کا جیسے سانس رُک گیا۔ اُسے زندگی میں آج تک اس جیسا کوئی چینی نہیں ٹکرایا تھا۔ چائے کا کپ اُس کے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ہونٹوں سے بُڑبُڑایا۔

"تمہیں حقائق کا سامنا کرنا ہوگا میرے دوست۔" وو پنگ نے اپنی بات جاری رکھی۔ "شی زی لین ایک بُوڑھا شخص ہے وہ بیمار ہے اور اُس کی حالت دن بہ دن بگڑتی جا رہی ہے... اب یہ ہمارا وقت ہے۔ اس لیے تم شی زی لین کے ساتھ ہار ماننے کے لیے تیار ہو جاؤ... یا..."

"کیا..؟" زینگ ہوا نے کچھ کہنے سے پہلے جائے کا گھونٹ بھر کر خشک حلق کو تر کر لیا تھا۔ "یعنی تم چاہتے ہو کہ میں عزت و احترام اور وفا کو فراموش کر دوں... تم ہر اس چیز کو گڑھے میں دھکیلنے کے لیے کہہ رہے ہو جو میں نے اپنی زندگی صرف کی ہے۔ میں دُنیا میں سب سے زیادہ شی زی لین کی عزت کرتا ہوں... وہ میرے والد ہیں۔"

اُس نے اُٹھنے کی کوشش کی۔ "تمہاری تجویز سُن کر مجھے تم سے نفرت ہو گئی ہے... کراہت آنے لگی ہے... اب میں تمہارے ساتھ ایک کمرے میں بیٹھنا بھی اپنی توہین سمجھنے لگا ہوں۔"

وو پنگ نے جماہی لی۔ "تمہاری مرضی کامرڈ منسٹر۔" وہ عام سے لہجے میں بولا۔ اُس نے اپنے کوٹ کی جیب سے خاکی رنگ کا ایک پیکٹ نکال کر میز پر ڈال دیا۔ لفافہ بند تھا اور اُس پر ٹکٹ چسپاں تھے۔ "کیا تم مہربانی کر کے واپسی پر اسے کسی لیٹر باکس میں ڈال دو گے؟ میں اسے ابھی بھیجنا چاہتا ہوں۔"

غصّے کے باوجود زینگ ہوا خود کو پیکٹ پر نظر ڈالنے سے روک نہیں سکا۔ اُس کا دل جیسے دھڑکنا بھُول گیا۔ خون اُس کی کنپٹیوں کو ٹھوکریں مار رہا تھا۔

"تمہاری طبیعت کچھ ناساز لگ رہی ہے؟" وو پنگ نے زینگ ہوا کو دوبارہ کُرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ "اور چائے چلے گی؟" اُس نے چائے کا کپ زینگ کے کپکپاتے ہاتھوں میں تھما دیا۔

"یہ..." سانس زینگ ہوا کے حلق میں اٹک رہی تھی۔ "یہ میری بیوی کا نام ہے۔"

وو پنگ نے اپنی لمبی گردن کو حرکت دی۔ "کیا میں نے گلی کا نمبر غلط لکھ دیا ہے؟"

زینگ ہوا نے نظریں اُوپر اُٹھائیں۔ "تم میری بیوی کو کیا بھجوا رہے ہو؟"

نوجوان وزیر نے کندھے اُچکائے۔ "اگر چاہو تو خود دیکھ سکتے ہو۔"

زینگ ہوا ایک لمحے کے لیے جھجکا لیکن پھر اُس نے تیزی سے پیکٹ چاک کر ڈالا۔ ایک سادہ کاغذ پر محض ایک ہی جملہ ٹائپ کیا گیا تھا۔

"مجھے یقین ہے کہ یہ چیزیں آپ کی دلچسپی کا باعث ہوں گی۔"

کاغذ کے ساتھ آٹھ ضرب دس انچ سائز کی درجن بھر تصاویر منسلک تھیں۔

تمام تصویروں میں زینگ ہوا کے ساتھ ایک تیئیس چوبیس سالہ نوجوان اور خوبصورت لڑکی قابلِ اعتراض حالت میں نظر آ رہی تھی۔

"تمہاری خفیہ زندگی... تمہاری رکھیل۔" وو پنگ نے ایک طویل سانس لی۔ "اب فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے چاہو تو میرا ساتھ دو۔ نہیں تو ان تصاویر کو واپس لفافے میں ڈال کر بند کر دو۔ سمجھ لینا کہ میں نے ایک مذاق کیا تھا۔ میں اسے خود پوسٹ کر دوں گا۔"

زینگ ہوا نے وو پنگ کی ہدایت پر عمل کرنے کی بجائے تصویروں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

"یہ صحیح ہے۔" وہ پنگ بولا۔ "اب کاروبار کی بات۔"

"مجھے ان کے نیگیٹیو کب ملیں گے؟"

"کیوں؟ میں تو سمجھا تھا کہ جواب خود تمہاری سمجھ میں آ گیا ہوگا۔" وو پنگ مُسکرایا۔ "اُس وقت ملیں گے جب شی زی لین ہار جائے گا یا مر جائے گا۔"

زینگ ہوا خاموش رہا۔ وو پنگ نے کھانے کا آرڈر دیا اور ویٹر نے تھوڑی ہی دیر میں مختلف ڈشیں اُن کی میز پر لا سجائیں۔ اس عرصے میں زینگ ہوا بھی کھویا ہوا اعتماد کسی حد تک دوبارہ حاصل کر چُکا تھا۔

"تم میرے ساتھ یہ سلوک کیوں کر رہے ہو؟" اُس نے پوچھا۔ "وزیرِ اعظم نے پہلے ہی شی زی لین کو توپ کے دہانے سے باندھ دیا ہے۔ اب تم کیا چاہتے ہو؟"

وو پنگ کی مسکراہٹ نے زینگ ہوا کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ دوڑا دی۔ "تمہارا آقا پہلے ہی توپ کے دہانے پر باندھا جا چُکا ہے لیکن وہ نہ صرف ہر بار بچ نکلا بلکہ اُس کے مخالفین زمین کے چھ فٹ نیچے دفن ہو گئے... مگر اب میں اُس کے لیے کوئی راہِ فرار نہیں چھوڑنا چاہتا۔ میں نے اس کے ماضی کی بڑی گہری نظروں سے مطالعہ کیا ہے۔ سو اس کی روشنی میں۔ میں اُسے تباہ کر دوں گا۔"

زینگ ہوا سر جھکائے کھانا کھاتا رہا۔ نوالے اُس کے حلق سے نیچے نہیں اُتر رہے تھے لیکن وہ کوشش کر کے انہیں زہر مار کر رہا تھا۔

"شی زی لین کے تصورات چین کو تباہی کی طرف لے جا رہے ہیں۔" وو پنگ کہہ رہا تھا۔ "وہ چین کو مغرب بنا دینا چاہتا ہے۔ ہمارے نظریات برباد یوں کے گڑھے پر کھڑے ہیں۔ میں اُسے روکنا چاہتا ہوں تاکہ وہ ایک ارب سے زائد انسانوں کا گلا نہ کاٹ سکے۔ انہیں اُن کے ورثے سے محروم نہ کر سکے۔ اس لیے میں سب سے پہلے اُس کے ہانگ کانگ آپریشن کی تفصیلات جاننا چاہتا ہوں۔"

اُس نے خالی پلیٹ پرے کھسکائی اور نیپکن سے ہاتھ صاف کر کے دو پیالیوں میں چائے انڈیل لی جو ویٹر ابھی ابھی وہاں رکھ کر گیا تھا۔ ایک پیالی اُس نے وو پنگ کی طرف کھسکا دی لیکن جب اُس نے ہاتھ نہیں بڑھایا تو وہ بولا۔ "پیو کامرڈ منسٹر! سخت مرحلہ تو تم طے کر چکے ہو... پہلا قدم تم نے اُٹھا لیا ہے۔ اب آگے کوئی مشکل پیش نہیں آئے گی۔"

زینگ ہوا کا جسم تھوڑا سا کپکپایا۔ "شی زی لین مجھے سودیت یونین کو غلط اطلاعات فراہم کرنے کے لیے استعمال کر رہے تھے۔ ہم دونوں نے مل کر ایسے حالات پیدا کیے تھے کہ مجھے ہانگ کانگ میں مقیم میرے بھائی کے خاندان کے اغوا کے ذریعے بلیک میل کیا جا سکے۔ اب میں ڈپارٹمنٹ ایس میں کے وی آر کی چیف ڈائریکٹر جنرل زریا ورکوتا کو براہِ راست رپورٹ دیتا ہوں۔"

"میں تمہارے اور جنرل زریا کے درمیان ہونے والے تمام رابطوں کی تفصیل چاہتا ہوں۔" وو پنگ نے کہا۔ "اور اب تم وہ کرو گے جو میں کہوں گا۔ اس ملاقات اور اس کے بعد بھی ہونے والی باتوں کا کسی اور کے سامنے کوئی تذکرہ نہیں ہوگا۔"

"تفصیل بتانا شاید آسان نہ ہو۔" زینگ ہوا نے جواب دیا۔ "کسی چیز کی کوئی فولڈر کاپی موجود نہیں۔"

"اسے بھی دیکھ لیں گے۔" وو پنگ نے سر ہلایا۔ "مزید بولو کیا ہوا تھا؟"

زینگ ہوا اندر ہی اندر تب رہا تھا لیکن وہ جال میں پھنسے ہوئے کسی پرندے کی مانند قطعی طور پر بے بس تھا۔

"روسی چونکہ ہانگ کانگ میں دلچسپی رکھتے ہیں اس لیے شی زی لین نے ایسی منصوبہ بندی کی تھی کہ وہ لاعلمی میں ہمارے فائدے کے لیے کام کرتے رہیں۔" زینگ ہوا بولا۔ "آپریشن کی بنیاد ہی وہ غلط معلومات ہیں جو ہم کے جی بی کو فراہم کر رہے ہیں۔ وہ ہدایات بھی بے حد اہم ہیں جو وہاں موجود ہمارے اعلیٰ ترین نمائندے کو دی جا رہی ہیں۔"

"وہ کون ہے؟"

"اُس کا کوڈ نام میٹر اور اصل نام سر جان بلیو اسٹون ہے۔ اُن پانچ میں سے ایک تائی پین جو ہانگ کانگ کی ٹریڈنگ کمپنی فائیو اسٹار پیسیفک کو کنٹرول کرتے ہیں۔"

"میں اُس سے رابطوں کی تفصیل بھی چاہتا ہوں۔" وو پنگ اب کسی آقا کی طرح اُسے ہدایات دے رہا تھا۔ "اب مجھے شی زی لین کی سرکاری پالیسی کے اُتار چڑھاؤ کے بارے میں بتاؤ۔"

"میں اس بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ وہ مجھے سب کچھ نہیں بتاتے۔ نہ ہی میں سارے آپریشن میں اُن کا معاون ہوں لیکن میرے پاس کچھ دستاویزات موجود ہیں۔ شاید وہ تمہارے کسی کام آ سکیں۔"

"یہ بہتر ہوگا۔" وو پنگ جلدی سے بولا۔ "تم آج رات آٹھ بجے دوبارہ مجھ سے ملو گے۔ لائن نائن کی بس کے آخری اسٹاپ... ہانگ میاؤ... پہنچنا۔ میں ڈپو سے مغرب میں تین بلاک کے فاصلے پر ایک ٹی شاپ میں تمہارا منتظر ہوں گا۔ تمام چیزیں اپنے ساتھ لانا۔ بصورتِ دیگر ان تصاویر کی دوسری کاپیاں اسپیشل کوریئر کے ذریعے تمہاری بیوی کو بھجوا دی جائیں گی۔"

زینگ ہوا کے پاس سوائے اثبات میں سر ہلانے کے اور کوئی چارہ نہ تھا۔

بارہ بج کر اٹھائیس منٹ پر اسٹالنگ، گنسزا کے پلیٹ فارم پر موجود تھا۔

ایک ٹرین اسٹیشن میں داخل ہو رہی تھی۔ جونہی وہ رُکی اس کے برقی دروازے کھل گئے۔ اسٹالنگ اگر اُچھل کر پیچھے نہ ہٹتا تو ٹرین کی طرف بھاگنے والوں کے ہجوم میں کچلا جاتا۔ اترنے اور چڑھنے والے دونوں ہی جلدی میں تھے۔

لیکن یہ کیفیت چند ہی منٹوں میں ختم ہو گئی۔ ہجوم چھٹ گیا۔ وارننگ بزر کے ساتھ ہی دروازے بند ہونے شروع ہو گئے۔ انجن کی طرف سے وسل کی آواز سُنائی دی اور ٹرین حرکت میں آ گئی۔

ٹرین جانے کے بعد اسٹالنگ پلیٹ فارم پر تقریباً تنہا رہ

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

گیا۔ اُس کی پھیلتی نگاہیں ریلوے لائنوں پر سے ہوتی ہوئی ایک نوجوان عورت پر جا رُکیں جو گلابی اور اورنج کلر کا خوبصورت کمونو پہنے اُس کے عین سامنے کھڑی تھی۔

وہ پیروں میں لکڑی کی کھڑاویں پہنے ہوئے، ہاتھ میں روغنی رائس پیپر کی چھتری لیے کھڑی تھی۔ اتنے فاصلے سے بھی اسٹانگ دیکھ رہا تھا کہ لڑکی کے چہرے پر میک اَپ کی موٹی تہ تھی۔ اُس کا چہرہ دودھ کی طرح سفید ہو رہا تھا جب کہ ہونٹ لہو میں تر لگ رہے تھے۔

لڑکی نے اُنگلی سے اُسے قریب آنے کا اشارہ کیا۔

اسٹانگ ایک جھٹکے سے پیچھے ہٹا۔ اسے سرِعام اس قسم کا اشارہ بے حد عجیب لگا تھا۔ تب ہی اُس نے گھڑی دیکھی ساڑھے بارہ ہو چکے تھے۔ اُس نے جیب سے پیغام والا کاغذ نکال کر لہرایا تو لڑکی نے دوبارہ اُسے اشارہ کیا۔

نوے سیکنڈ بعد وہ پٹریوں کے پار لڑکی کے پاس موجود تھا۔ اس عرصے میں ایک ٹرین اُس پلیٹ فارم پر آ چکی تھی لڑکی بغیر کچھ کہے اُسے لے کر ایک ڈبے میں داخل ہو گئی۔ ایک ہی سیٹ خالی تھی جس پر لڑکی بیٹھ گئی۔ اسٹانگ اُس کے برابر کھڑا ہو گیا لیکن اُس کی کوشش تھی کہ لڑکی کو نہ دیکھے کیونکہ وہ بے حد خوبصورت تھی۔

ٹرین انہیں لے کر شمال کی سمت روانہ ہو گئی۔ ناکاوا رکاشی ماشی اسٹیشن گزرتے ہی لڑکی دروازے کے قریب جا کھڑی ہوئی اسٹانگ نے اُس کی تقلید کی۔ اگلا اسٹاپ انیو کا تھا۔ ان کا سفر کوئی اٹھارہ منٹ جاری رہا تھا۔

اسٹیشن سے نکل کر دونوں انیو پارک میں آ گئے۔

"کیا ہم کام کی بات کر سکتے ہیں مس؟" اسٹانگ نے لڑکی کی خاموشی سے تنگ آ کر پوچھا۔ وہ نصف سے زائد باغ کی سیر کر چکے تھے لیکن لڑکی اب بھی چُپ تھی

لڑکی نے سر جھکایا تو اُس کے سیاہی مائل نیلے بال دھوپ میں چمک اُٹھے۔ "ہم آغاز کر چکے ہیں" یہ پہلے الفاظ تھے جو اُس نے گنزا اسٹیشن پر اسٹانگ کے ملنے کے بعد سے اب تک ادا کیے تھے۔

"مجھے تو یہاں کوئی اور دکھائی نہیں دے رہا۔" اسٹانگ نے چاروں سمت نظریں دوڑائیں۔

لڑکی آہستگی سے ہنسی "کیا کسی اور کو بھی یہاں ہونا چاہیئے تھا؟"

"یاکوزا اپنے کام کے لیے عورتوں کو استعمال نہیں کرتی۔ میرے خیال میں تم کسی ایسے شخص کے لیے کام کر رہی ہو جو خود مجھ سے نہیں ملنا چاہتا۔ پیغام کے مطابق.."

لڑکی ایک سنگی بنچ کی طرف بڑھی جو درخت کی آڑ کے باعث دوسروں کی نگاہوں سے اوجھل تھا۔ وہ بنچ پر بیٹھ گئی۔

"تم یہ اطلاعات کیوں چاہتے ہو؟"

اسٹانگ لڑکی کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ اُسے اب تک کے واقعات پر بے حد کوفت ہو رہی تھی "میں یہاں جواب دینے نہیں سوال کرنے آیا ہوں" وہ اکھڑے ہوئے لہجے میں بولا۔

لڑکی چند ثانیوں کے لیے کچھ نہیں بولی۔ البتہ اُس کی آنکھیں مسلسل اسٹانگ کا جائزہ لیتی رہیں۔

"میں اب تک تمہارا نام بھی نہیں جانتا" اسٹانگ اُس کی خاموشی سے تنگ آ کر خود ہی بولا۔

"ایکو!"

"ایکو کیا؟"

"تم اس ڈچ مین نامی آدمی سے کیا چاہتے ہو؟"

اسٹانگ نے لڑکی کی بڑی برسلی آنکھوں میں جھانکا "تمہیں مجھ سے جواب کی توقع نہیں کرنی چاہیئے۔ میں تمہیں معلومات کے لیے معقول رقم فراہم کروں گا۔"

لیکن اب اُسے شبہ ہونے لگا تھا کہ لڑکی کے پاس اُسے بتانے کو کچھ بھی نہیں۔ اُس نے اپنی جیکٹ کی جیب میں ہاتھ ڈال کر پستول کے دستے کو گرفت میں لے لیا۔

"باغ کے کسی ایسے حصے میں چلو جہاں اور لوگ بھی موجود ہوں" اُس نے لڑکی کو ہدایت کی۔

لڑکی کے ہاتھ بھی حرکت میں تھے۔ چھتری کے دستے کا بھورا کور اُتر چکا تھا اور اسٹانگ کو اب اُس کے ہاتھ میں لمبے دستے کا ایک تیز دھار خنجر دکھائی دے رہا تھا۔ اسٹانگ نے تیزی سے پستول نکالا لیکن خنجر کی نوک اُس کے انگوٹھے پر لگی اور پستول پُرشور آواز کے ساتھ زمین پر آ رہا۔

اسٹانگ اپنی جگہ کھڑے کا کھڑا رہ گیا۔

"ہمیں یہیں ٹھہرنا چاہیئے" لڑکی کھڑی ہو گئی۔ اُس نے ٹھوکر مار کر پستول کو بنچ کے نیچے پھینک دیا "میرے ساتھ آؤ"

لڑکی نے اسٹانگ کے بازو میں خنجر کی نوک چبھوئی تو وہ سدھائے ہوئے گھوڑے کی مانند اُس کے ساتھ چل دیا۔

چند لمحوں بعد وہ ایک سنسان گوشے میں موجود تھے دُور

دُور تک کوئی شخص دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

لڑکی بدستور خنجر کی نوک اسٹانگ کے بازو سے لگائے کھڑی تھی۔ اسٹانگ کے بازو میں درد کی ٹیسیں اُٹھ رہی تھیں۔ وہ مسلسل اس صورتِ حال سے نجات پانے کے طریقوں پر غور کر رہا تھا۔

اچانک ہی وہ دائیں جانب ہٹا۔ خنجر نے اُس کے بازو کو چیر ڈالا لیکن وہ زخم اور درد کی پروا کیے بغیر پلٹ کر لڑکی پر جھپٹا... مگر لڑکی بھی چھلاوہ تھی۔ اُس کے دونوں پیر بیک وقت فضا میں بلند ہوئے۔ فلائنگ کک اسٹانگ کے سینے پر پڑی اور وہ چاروں شانے چت ہو گیا۔

اُس کی ریڑھ کی ہڈی پر شدید ضرب آئی تھی۔ دانتوں پر دانت جما کر اُس نے خود کو چیخنے سے روکا تھا۔ لڑکی چھوٹے چھوٹے قدم اُٹھاتی اُس کے قریب آ رہی تھی۔ وہ بے حد خوبصورت تھی... لیکن اُس کا حسن موت کا پیغام تھا۔

اسٹانگ نے اُٹھنے کی کوشش کی لیکن خنجر کی نوک اُس کے سینے سے آ لگی۔

اسٹانگ نے اُس کی آنکھوں میں جھانکا۔ وہ رات سے زیادہ تاریک تھیں۔ اُس کے ہونٹ مکمل کمان تھے۔

"اب سوال پوچھنے کی باری میری ہے" لڑکی اپنی گنگناتی آواز میں بولی "لیکن میں جانتی ہوں کہ تم جواب نہیں دو گے کیونکہ تم پروفیشنل ہو"

"میرے پاس بتانے کو کچھ نہیں" چند الفاظ بولنے کے نتیجے میں درد کی جو لہر اُٹھی اس نے اسٹانگ کو بے حال کر دیا۔

"تم سب کچھ جانتے ہو" لڑکی نے کہا اور خنجر کی نوک کا دباؤ اُس کے سینے پر بڑھ گیا۔

"وہ میرنیا میرو کو قتل کرانا چاہتا تھا" اسٹانگ بلک اُٹھا "اُسی نے مجھے میرنیا کے تعاقب میں بھیجا تھا"

"وہ کون ہے؟" لڑکی نے پوچھا "ہرام؟ اوشان؟ ٹائیگر؟"

"میں ان میں سے کسی کو نہیں جانتا" اسٹانگ کے لیے بولنا مشکل ہو رہا تھا۔

"پھر کون؟"

"بریڈن... امریکہ کا قومی سلامتی کا مشیر"

"تم میرنیا کے قاتل ہو" لڑکی نے فیصلہ سنایا "کیا تم نے اس قتل کی وجہ نہیں پوچھی تھی؟"

"نہیں" اسٹانگ بڑبڑایا "لیکن مجھے شبہ ہے کہ اس کی وجہ ڈچ مین کے ساتھ اُس کی رفاقت تھی۔ بریڈن کو یقین تھا کہ میرنیا نے ڈچ مین کو اوہنرو ہاؤس پر اپنے شوہر کے حملے سے آگاہ کر دیا تھا"

"وہ اس لیے قتل کی گئی کہ اُس نے ڈچ مین کا ساتھ دیا تھا؟" لڑکی کے لہجے میں سفاکی تھی "اس کے باوجود کہ ایجنٹ تم تھے ڈچ مین بھی اُس کے قتل کا دکھ ہے"

خنجر کا دباؤ کچھ اور بڑھا تو اسٹانگ کے حلق سے ایک چیخ برآمد ہو گئی۔ اُس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا خنجر اُس کے گوشت کو چاٹتا ہوا اندر ہی اندر بڑھتا جا رہا تھا۔

اُس نے کوشش کر کے بند ہوتی ہوئی آنکھوں کو کھولا۔ لیکن۔ یہ کیا...؟

وہ لڑکی اب اسے لڑکی نہیں لگ رہی تھی۔

"کون...؟" اُس کے خشک ہوتے ہوئے حلق سے بمشکل نکلا "تم کون ہو؟"

سیاہ آنکھیں، اس کی آنکھوں میں پیوست ہو گئیں۔ اُن آنکھوں میں بجلیوں کی سی بے تابیاں چھپی ہوئی تھیں۔

"میرا نام ڈچ مین ہے... اور میں تمہاری موت ہوں"

اسٹانگ کے ڈوبتے ذہن نے دُور سے آتی ہوئی آواز سُنی۔ "کیا تمہیں بھیجنے والے نے یہ نہیں بتایا تھا کہ ڈچ مین ہزار چہروں کا مالک ہے؟"

لیکن اسٹانگ اب نفی میں سر ہلانے کو زندہ نہیں رہ گیا تھا۔

کامی ساکا نے دستک پر دروازہ کھولا تو اُسے دیکھ کر حیران رہ گئی "اوہ گاڈ!" وہ چلائی اور دونوں ہاتھ پھیلا کر اُسے خود میں جذب کر لیا "یوں لگ رہا ہے جیسے تم روحوں کے دیس سے لوٹے ہو"

ڈچ مین جانتا تھا کہ یہاں آ کر اُس نے غلطی کی ہے۔ اس سے بہتر چوئتا کہ وہ ٹوہر کے دوسرے سرے پر کی سان فیلی ولا پر چلا جاتا۔ یہ اُس کے ذہن کا فیصلہ تھا لیکن اُس کے دل نے مختلف فیصلہ سُنایا تھا۔

وہ کی سان کی چار دیواری سے لوٹا تھا کیونکہ وہاں وہ خود کو محفوظ نہیں سمجھتا تھا البتہ ٹوکیو کے اس چھوٹے سے گھر میں وہ مطمئن بھی تھا اور مسرور بھی۔

تلوار والی پہاڑی پر حملے کے بعد سے وہ منتشر سا تھا۔ جیرالڈ اسٹانگ کے قتل کے وقت تو یہ انتشار عروج پر تھا

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

اُس کا خیال تھا کہ میرنیا میروک کے قائل کو ٹھکانے لگانے کے بعد وہ کسی حد تک مطمئن ہو جائے گا لیکن ایسا نہیں ہوا تھا۔ خون اب بھی اس کی کنپٹیوں پر ٹھوکریں مار رہا تھا اُس کی آنکھوں کے سامنے اب بھی خون آلود میرنیا اور مرنے سے پہلے اُس کی جدوجہد کے آخری مناظر فلم کی طرح چل رہے تھے۔

اب وہ سوچ رہا تھا کہ میرنیا کو بچایا جا سکتا تھا۔ اگر وہ تھوڑی سی ہمت کرتا تو یہ ممکن تھا لیکن میرنیا نے اُس کے ہاتھ تھامنے کی بجائے فُو اس کے ہاتھوں پر رکھ دیا تھا کیوں؟ اور اب اس کے پاس فُو کا دوسرا ٹکڑا کیوں تھا جو اُسے جیک میروک سے منسلک کر رہا تھا؟

لیکن وہ جانتا تھا کہ وہ دونوں اس سے بہت پہلے ایک دوسرے سے منسلک ہو چکے ہیں۔ اُس وقت سے، جب اُس نے پہلی بار اپنی ماں کی ڈائریاں پڑھی تھیں۔ بے شک وہ نامکمل تھیں لیکن اُسے اندازہ تھا کہ وہ اور جیک ایک دوسرے کے ازلی دشمن ہیں جیسا کہ اُن کی مائیں تھیں۔

جیک کی ماں کا نام ایتھنیا تھا۔ شی زی لین ایک اسپتال میں اُس کی زُلف کا اسیر ہوا تھا۔ دونوں نے جلد ہی شادی کر لی۔ ایک سال بعد جب ایتھنیا نے بیٹے کو جنم دیا تو اُس کا نام ایتھنیا نے اپنے نانا کے نام پر جیک رکھا۔

ایتھنیا کا خیال تھا کہ شی زی لین صرف اور صرف اُس سے محبت کرتا ہے لیکن یہ صحیح نہیں تھا۔ شی زی لین کی زندگی میں ایک اور عورت بھی تھی ... یومی کو... جس سے اُس نے شادی تو نہیں کی تھی لیکن وہ اُس کے ساتھ بیوی کی حیثیت سے ہی رہتی تھی۔

شی زی لین ایک عرصے تک ایتھنیا سے یومی کو، کو چھپاتا رہا لیکن جب یومی کو نے بھی ایک بیٹے کو جنم دیا تو شی زی لین کے لیے مشکل ہو گیا کہ وہ انہیں ایک دوسرے سے اوجھل رکھے چنانچہ وہ یومی کو، کو ایک مضافاتی علاقے میں چھوڑ آیا۔

ایتھنیا کو اُس وقت تک یومی کو کے بارے میں کچھ خبر نہ تھی لیکن جب یومی کو اپنے بیمار اور لب مرگ بیٹے کو لے کر مایوسی اور بے بسی کے عالم میں شی زی لین کو تلاش کرتے ہوئے ایتھنیا کی دہلیز تک پہنچی تو اُس انگریز عورت نے یومی کو کی مدد کرنے کی بجائے حسد اور رقابت کے جذبے کے تحت پہلے مار مار کر اُسے ادھ موا کر دیا اور پھر ایک سلاخ اُس کے سینے میں گھونپ دی۔ یوں یومی کو اپنے بیمار بچے کو چھوڑ کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے شی زی لین اور ایتھنیا سے دُور چلی گئی۔

ڈچ مین اس حادثے کو شاید فراموش کر دیتا لیکن اب فُو اُس کے پاس آ گیا تھا... قوت و طاقت کی نشانی... ایک ٹکڑا جیک کے پاس تھا اور دوسرا خود اُس کے پاس... کیا دونوں ٹکڑے ایک ہی ذریعے سے پہنچے تھے؟ کون تھا وہ؟ یومی کو؟ کیا جیک کی ماں نے یومی کو سے فُو کو چُرا لیا تھا؟ لیکن یومی کو تو ایک جاپانی عورت تھی پھر اُس کے پاس فُو کہاں سے آیا؟

ممکن تھا کہ جیک کو فُو اُس کے اپنے ذریعوں نے دیا ہوتا پھر ڈچ مین تک دوسرا ٹکڑا کیوں پہنچا؟ اُن کے ذریعوں میں تو زمین آسمان کا فرق تھا؟

یہ وہ سوالات تھے جو سورنگی کے حادثے کے بعد اُس نے اپنی سورس سے کیے تھے۔

"تم مستقبل ہو" سورس نے کہا تھا "کیا تم اس بات کو قبول کر سکتے ہو؟"

"میں ہر بات قبول کر سکتا ہوں لیکن فُو کے یہ دونوں ٹکڑے کس جانب اشارہ کرتے ہیں؟"

"کون سا ٹکڑا؟"

"مجھے جیک میروک کے ٹکڑے سے کوئی غرض نہیں البتہ یہ ضرور ہے کہ میرے حصے کا فُو میری ماں کی ملکیت نہیں تھا یہ تم نے ہی چھپا کر رکھا تھا۔ یہ مجھے جیک میروک سے منسلک کرنے کا کوئی طریقہ ہو سکتا ہے"

"اگر ایسا ہے بھی تو..."

"نہیں" ڈچ مین حلق کے بل دہاڑا تھا "میں اس بات کا تصور بھی نہیں کر سکتا"

"لیکن تم حقائق کو تبدیل نہیں کر سکتے" سورس کی آواز نرم اور لہجہ پُرسکون تھا "پہلی بات تو یہ ہے کہ فُو تمہاری والدہ کا تھا۔ دوسری بات یہ ہے کہ تم قواعد و ضوابط کے پابند ہو۔ کیا تم سمجھ رہے ہو کہ میں تمہیں تمہارے اُس مستقبل سے دُور کرنے کی منصوبہ بندی کر رہی ہوں جس کا تعین تمہاری ماں نے کیا تھا؟ یہ میرا انداز نہیں۔ ان ساری باتوں کی کوئی اور وجہ ہے... اور ہر شخص کو اپنا اپنا کردار بہر صورت ادا کرنا ہے"

"لیکن بہت کچھ ہو چکا ہے" ڈچ مین بولا۔ میرنیا اب بھی اُس کے ذہن کے نہاں خانوں میں زندہ تھی۔ اُس کا خون خون بدن اُسے دکھائی دے رہا تھا۔ اس کے شانے اور لباس اب بھی لہو میں لتھڑے ہوئے تھے۔ سارا منظر اس کی آنکھوں میں جیسے منجمد ہو گیا تھا "تم یوں ساری دُنیا کے لیے خدا

نہیں بن سکتیں... یہ تسلط... کچھ بہتر نہیں۔ میں شاید اس طرح کامیاب نہ ہو سکوں"

"تمہیں کامیاب ہونا ہے" سورس نے اصرار کیا۔

"بصورتِ دیگر تباہی ہم سب کا مقدر ہو گی"

"کس کے ہاتھوں؟"

"امریکہ، چین، پوری دُنیا اور ان سب سے بڑھ کر تمہارے دیرینہ دشمن ٹائیگر کے ہاتھوں"

"ہم پہلے بھی ایک دوسرے کے مقابل آ چکے ہیں"

ڈچ مین نے ایک صبر بھری سی لی "اب صرف موت کا انتظار ہے... اُس کی یا میری موت..."

"لیکن اب صورتِ حال مختلف ہو گی... مجھ پر اعتماد کرو فُو تمہیں لامتناہی قوتیں دے گا... یہ ابدی زندگی کی نشانی ہے۔ تم کبھی مر نہیں سکو گے"

وہ کہنا چاہتا تھا کہ اُسے کسی خدا پر یقین نہیں، وہ حور پر اعتماد نہیں کرتا لیکن اُس نے خاموش رہنا ہی بہتر سمجھا تھا۔

ڈچ مین نے سر جھٹک کر تلخ یادوں کو دُور بھگایا اور خود کو کامی ساکا کی کھلی بانہوں میں گرا دیا۔ کامی ساکا نے پیر کی ٹھوکر سے دروازہ بند کیا اور ہوسے ہوئے اُسے لونگ روم کی طرف لے چلی۔

اُس نے کسی قدر مشکل کے ساتھ مسہری پر پڑی اپنی کتابوں کو ایک طرف کیا اور ڈچ مین کو اُس پر بٹھا دیا لیکن وہ خود بھی توازن کھو کر اُسی کے اُوپر ڈھیر ہو گئی تھی۔

کامی ساکا نے فوراً ہی اُٹھنے کی کوشش کی لیکن ڈچ مین نے اُسے پھر لپٹا لیا۔

"چائے؟"

"نہیں" وہ منمنایا۔ اُس کا چہرہ اپنی محبوبہ کے کھلے بالوں میں چھپا ہوا تھا "اس وقت نہیں... مت جاؤ"

کامی ساکا اپنے دائیں ہاتھ سے اُس کا سر سہلانے لگی۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ ڈچ مین سکون کی تلاش میں ہی اُس کے پاس آیا ہے۔

"ڈچ مین!" اُس نے سرگوشی کی اور اُسے کچھ اور قریب کر لیا۔ اُس کے ساتھ کیا ہوا ہے؟ اُس کی زندگی کامی ساکا کے لیے ایک راز تھی۔ اُس نے اخبارات پڑھے تھے۔ وہ ڈچ مین نامی قاتل سے بھی واقف تھی لیکن وہ اس شخص کو ہیروئن دُنیا کے ذرائع سے منسلک نہیں کرنا چاہتی تھی جس سے اُس نے اپنے دل کی تمام تر گہرائیوں سے محبت کی تھی۔

لیکن اب پہلی بار... اسے اس حالت میں دیکھ کر... وہ سب کچھ جاننا چاہتی تھی۔ وہ پوچھنا چاہتی تھی کہ وہ کیا کرتا پھر رہا ہے؟ اور کیوں کرتا ہے؟

اُسے یہ علم بھی تھا کہ ڈچ مین از خود اُسے کچھ نہیں بتائے گا بلکہ کامی ساکا کو خود اپنے حسن کے داؤ پیچ استعمال کر کے اُسے کھولنا ہو گا اور دوبارہ جانے سے روکنا ہو گا۔

کامی ساکا اُس پر جھک گئی...

کافی دیر بعد جب وہ پسینے میں شرابور تھی۔ اُس نے ڈچ مین کی آواز سُنی۔

"میرے یہاں آنے کا یہ مقصد نہ تھا جان" سرسراتی ہوئی سرگوشی اُبھری "اُوپر پہاڑوں پر کوئی مر گیا ہے بہت زور کی بارش ہو رہی تھی..." ڈچ مین بولتا رہا۔ اُس نے کامی ساکا سے کچھ نہیں چھپایا۔ آخر میں وہ بولا "میں اُسے بچانا چاہتا تھا"

کامی ساکا خاموش تھی لیکن آنسوؤں کے دو قطرے آنکھوں کی حویلی سے نکل کر رخساروں کے دالان میں لڑھک آئے تھے۔

❀

ناشتے پر ٹائیگر اور کوموٹو کے مابین بات چیت زیادہ تر یاکوزا کے موضوع پر ہی ہوتی رہی۔ کوموٹو نے اپنے مہمان کو بتایا کہ کی سان کے ساتھ اُس کے گروپ کی رنجش کی کیا وجوہات ہیں۔

"کیا تم مجھے بتا سکتے ہو کہ اوہنرو ہاؤس پر میرے حملے کے وقت کیا غیر معمولی واقعہ پیش آیا تھا؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"کوئی ایسی بات جس نے طاقت کا توازن توشی ماکو کے حق میں کر دیا ہو؟"

کوموٹو نے ایک لمحے کے لیے سوچا "صرف نمی زو کی موت"

"وہ کون تھا؟"

"اعلیٰ اختیارات کا مالک پولیس انسپکٹر... جرائم کی بیخ کنی کے لیے قائم کیے جانے والے محکمے کا سربراہ... وہ بے حد خوبصورت اور جرأت مرد تھا۔ جلد ہی پولیس چیف تنابائی بیٹی سے اُس کی شادی ہونے والی تھی"

"وہ کس طرح مارا گیا؟"

"کوئی خاص طریقہ استعمال نہیں کیا گیا۔ رش کے اوقات میں ہجوم نے اُسے سب وے پر دھکا دے دیا اور ایک ٹرین نے اُس کے دو ٹکڑے کر دیے"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ٹائیگر کو کوئی ربط محسوس نہ ہوا تھا۔ "اُس کے یونٹ کا کیا انجام ہوا؟"

"یہ تو میں نہیں جانتا۔" کوموٹو نے جواب دیا۔ "اس کے بعد ہی گیرا سین کو یونٹ کا سربراہ بنا تھا لیکن وہ اوہنرو ہاؤس پر تمہارے حملے میں مارا گیا تھا۔"

"اوہ!" ٹائیگر کے چہرے پر حیرت اُمڈ آئی۔ "تو وہ پولیس والا تھا... لیکن وہ تو یوں ظاہر کر رہا تھا جیسے ڈچ مین کا دوست ہو۔"

"نامکمل۔" کوموٹو بولا۔

"اگر یہ سچ ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ شی زو کی موت حادثاتی نہ تھی۔" ٹائیگر پُرخیال انداز میں بولا۔

"مگر ہمارے پاس ایسا کوئی ثبوت نہیں جس سے اسے قتل ثابت کیا جا سکے۔"

"کیا تم نے ٹی وی یا اخباروں میں حادثے کی تصویر دیکھی تھی؟" ٹائیگر نے دریافت کیا۔

"ہاں۔" کوموٹو نے اثبات میں سر ہلایا۔ "لیکن حیرت کی بات ہے کہ شی زو کی کار اب تک نہیں مل سکا۔"

... ڈچ مین کے ہاتھوں میں لہراتا ہوا سرخ... خون آلود... کی سان... اوہنرو ہاؤس... ایک ایک کر کے سارے واقعات ٹائیگر کی آنکھوں کے سامنے لہرانے لگے۔

"کیا بات ہے، جیک؟"

"میں جانتا ہوں کہ شی زو کی کو قتل کیا گیا تھا۔" ٹائیگر بولا۔ "میں نے اُس کا سر ڈچ مین کے ہاتھ میں لہراتے دیکھا تھا جب کہ اس کی سان اور ہی گیرا اُس کے گرد گھیرا ڈالے بیٹھے تھے مجھے بس ایک جھلک ہی دکھائی دی تھی اس کے بعد جیسے جہنم کا دروازہ کھل گیا تھا۔"

"یہ سب تمہیں اس وقت یاد کیوں آیا ہے؟"

ٹائیگر نے کوموٹو کے سوال کا جواب دینے کے لیے ہونٹ کھولے لیکن پھر انہیں بے آواز بند کر لیا... وہ اپنے اور اوشان کے راز میں کسی تیسرے کو شامل نہیں کرنا چاہتا تھا۔

❁

"جو کاغذات تم نے مجھے دیے ہیں۔ میں نے کسی حد تک اُن کا مطالعہ کیا ہے۔" وونگ نے بتایا۔

زنگ ہوا نے سر ہلایا۔ "تم کس نتیجے پر پہنچے ہو؟"

"سچی بات تو یہ ہے کہ میری آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئی ہیں۔ پہلی بار ہمیں موقع ملا ہے کہ ہم شی زی لین کو تباہ و برباد کر سکیں۔"

اُن کے اوپر دو منزلہ واچ ٹاور بقعۂ نور بنا ہوا تھا لیکن زنگ ہوا کو اس روشنی میں بھی وونگ کوئی بھوت دکھائی دے رہا تھا۔

وہ اُن دستاویزات کی نقول میں اُلجھا ہوا تھا جو زنگ ہوا نے ہانگ میاؤ ڈی شاپ میں گزشتہ ملاقات پر دیے تھے۔ دیوارِ چین کے عین اُوپر ان دستاویزات کا مطالعہ کرنا کسی طرح بھی غیر محفوظ نہ تھا۔

"میں نے اپنی رکھیل کو خیرباد کہہ دیا ہے۔" زنگ ہوا نے کہا تو سینئر وزیر کا قہقہہ بلند ہوا۔

"اور اب تم محفوظ ہو کامریڈ وزیر... کیوں یہی بات ہے نا؟" وونگ نے نفی میں سر ہلایا۔ "کامریڈ لاؤ سن... چو ہے... آج کے بعد میں تمہیں اسی نام سے پکاروں گا اور یہ بھی یاد رکھو کہ صرف ایک رکھیل کو چھوڑ دینے سے تم محفوظ نہیں ہو جاؤ گے۔" اس نے دانت پیستے ہوئے "لاؤ سن... لاؤ سن" دہرائے۔

وہ آہستہ روی کے ساتھ دیوار کے اُوپر آگے بڑھنے لگا ہوا میں خنکی اور نمی قدرے تھی لیکن زنگ ہوا کی کمر پسینے میں بھیگی ہوئی تھی۔ اس کے ذہن میں بار بار وونگ کے الفاظ گونج رہے تھے۔ تم نے مجھے جو ہوا کہا ہے نا۔ دیکھ لینا وونگ میں تمہارے لیے سرطان بن جاؤں گا۔

اُس کا ذہن چلا رہا تھا لیکن اُس کی زبان میں اتنی قوت نہ تھی کہ چیختی دہاڑتی سوچوں کو الفاظ کا روپ عطا کر دیتی۔

وہ جانتا تھا کہ دیوارِ چین کو بیرونی حملہ آوروں سے دفاع کرنے کے لیے تعمیر کیا گیا تھا لیکن اس کے ساتھ ساتھ ایک اور مقصد بھی تھا کہ اسے پہاڑی علاقوں سے سامان لانے لے جانے کے لیے استعمال کیا جائے۔

"تمہاری جان صرف شی زی لین کی شکست سے ہی چھوٹ سکتی ہے۔" وونگ کہہ رہا تھا۔ "اُس کا سارا منصوبہ اب میرے سامنے عریاں ہو گیا ہے۔ یہ سرجان بلیو اسٹون ہانگ کانگ میں اُس کی قبر ثابت ہو گا۔"

"انٹیلی جنس رپورٹوں سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ کنگ اینڈ کمپنی کے ہانگ کانگ سے اخراج سے منصوبے میں بنیادی تبدیلی آئے گی۔ اس وقت کام سنگ پروجیکٹ کے پچاس فیصد حصص مغربی دُنیا کے لیے کھلے ہیں جب کہ باقی نصف پاک ہان من کے پاس ہیں۔ کنگ اینڈ کمپنی نے اپنے

حصص سے دستبرداری کا فیصلہ کیا ہے۔

"اب یہ سامنے کی بات ہے کہ شی زی لین نے اپنے ایجنٹ کی فرم فائیو اسٹار پیسیفک کو اُس خلا کو پُر کرنے کا کام سونپا ہے جو کنگ اینڈ کمپنی کے جانے سے پیدا ہو گا۔ اس سے پروجیکٹ کو شروع کرنے کے لیے مزید سرمایا حاصل ہو گا جب کہ شی زی لین کی گرفت اس پر پہلے سے زیادہ مضبوط ہو جائے گی۔"

وونگ بائیں سمت کو مڑ کر سیڑھیوں پر آ گیا۔ اس طرح وہ دونوں پہریداروں کی چوکی سے اوجھل ہو گئے۔ بائیں کی جانب انہیں نوتعمیر شدہ گوآن تنگ ریزروائر کی عمارت دکھائی دے رہی تھی۔

"میں اس سارے منصوبے میں اُن خطرات کی بُو سونگھ رہا ہوں جن کا اندازہ شاید شی زی لین نہیں لگا سکا۔" وونگ نے اپنی بات جاری رکھی۔ "بلیو اسٹون بے شک شی زی لین کا ایجنٹ ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ ایک غیر ملکی شیطان بھی ہے اس حیثیت سے وہ ناقابلِ اعتبار اور مشکوک ہے۔ اس لیے میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ وہ کام سنگ پروجیکٹ تک پہنچنے کے لیے شی زی لین کو زینے کے طور پر استعمال کر رہا ہے۔"

"لیکن وہ کام سنگ پروجیکٹ کے بارے میں کچھ بھی نہیں جان سکتا۔" زنگ ہوا بولا۔

"تم کند ذہن بھی ہو کامریڈ!" وونگ نے بلا تکلف تبصرہ کیا۔ "شاید تمہیں علم نہیں کہ کام سنگ پروجیکٹ مستقبل میں ہمارے بہاؤ کی بنیاد ہے۔ اسے غیر ملکی شیطان سرمایہ کاروں سے محفوظ رکھنا بے انتہا مشکل ہے۔ ہمیں اُن کے سرمائے کی ضرورت ہے تعاون کی نہیں۔ کام سنگ انہیں وہ سب کچھ دے سکتا ہے جس کی انہیں ضرورت ہے اور ہانگ کانگ کو مطلوب ہے لیکن اس سے ہمیں سوویت یونین کی گردن کاٹنے کے مواقع بھی میسر ہوں گے۔"

"میرا اندازہ یہ ہے کہ شی زی لین اور بلیو اسٹون کا فوری مسئلہ نقصان کا ہے۔ ان رپورٹوں کے مطابق ظاہر ہوتا ہے کہ فائیو اسٹار پیسیفک ۱۹۸۲ء میں بعض مالی مشکلات کا شکار رہی ہے۔ بلیو اسٹون نے تین مختلف خطوط میں کمپنی کے نقصانات کے بارے میں شی زی لین کو مطلع کیا تھا لیکن اب صورتِ حال یہ ہو گئی ہے کہ فائیو اسٹار نصف پاک ہان من کا کنٹرول حاصل کرنے کی پوزیشن میں ہے بلکہ وہ کام سنگ میں بھی سرمایہ کاری کی خواہاں ہے مگر اس طرح فائیو اسٹار کسی حد تک غیر محفوظ بھی ہو جائے گی۔ شی زی لین کو یہ بات بتائی جا چکی ہے لیکن اُس نے اس انتباہ کو نظر انداز کرتے ہوئے بلیو اسٹون کو کارروائی جاری رکھنے کی ہدایات کی ہے۔"

"ان سب حقائق کے باوجود میں اس بات سے متفق ہوں کہ بلیو اسٹون کام سنگ پروجیکٹ کی گرد کو بھی نہیں چھو سکتا۔" زنگ ہوا بولا۔

وونگ نے یوں زنگ ہوا کو دیکھا جیسے وہ جونیئر وزیر نہیں بلکہ گلی کا کوئی گندا سا فقیر ہو۔ "اب میں سمجھ گیا ہوں کہ تم اپنی موجودہ سطح سے کبھی ترقی نہیں کر سکتے۔ میں فائیو اسٹار کو نہیں شی زی لین کو تباہ کرنا چاہتا ہوں۔ فائیو اسٹار اُس کے منصوبے کی بنیاد ہے۔ وہ اسی کے ذریعے کام سنگ پروجیکٹ تک پہنچنا چاہتا ہے... میرے منصوبے تک... میں جانتا ہوں وہ کام سنگ کے ہمارے استعمال پر اعتراض کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ اپنی ٹریڈنگ کمپنی کی معرفت میرے کام کو سبوتاژ کر دے۔ پتا نہیں میں چاہتا ہوں کہ فائیو اسٹار تنہا رہ جائے اور وہ غیر ملکی شیطان اس حد تک اُس میں اُلجھ جائے کہ اُسے جان چھڑانی مشکل ہو جائے۔"

ایک لمحہ رُک کر اُس نے قہقہہ لگایا۔ "میرے خیال میں میں نے اپنے مسئلے کا حل ڈھونڈ نکالا ہے... ہم شی زی لین کو اُسی کے طریقوں سے ماریں گے۔"

"میں سمجھا نہیں۔"

"تم سمجھ بھی نہیں سکتے۔" وونگ طنزاً بولا۔ "اور کیا تمہارے خیال میں، میں اپنا منصوبہ ابھی تمہیں بتا دوں گا... کبھی نہیں... میں شی زی لین کو بے خبری میں چھاپنا چاہتا ہوں... میں کوئی خطرہ مول نہیں لے سکتا۔"

وونگ نے زنگ ہوا کو یہ نہیں بتایا تھا کہ اُس نے اپنے گرد کے لوگوں کو پہلے ہی بینکوں اور اُدھار دینے والی کمپنیوں سے فائیو اسٹار پیسیفک کے معاملات کی تحقیقات کرنے کی ہدایت دے دی تھی۔ وونگ کو یقین تھا کہ کمپنی پانچ اور دس سال کے سُود پر بڑے بڑے قرضے حاصل کر چکی ہے۔

وونگ نے منصوبہ بنایا تھا کہ ایک ڈمی کمپنی... یا اُوسن سروسز ایک کر کے ان قرضوں کی وصولی کے حقوق حاصل کر لے۔ یہ ایک خطرناک منصوبہ تھا لیکن وونگ کو یقین تھا کہ وہ اس میں ضرور کامیاب ہو گا۔

زنگ ہوا کے ساتھ عظیم دیوارِ چین سے اُترتے ہوئے

Scanned & Uploaded By Muhammad Nadeem

وہ ہنسا۔ "جتنا عیش کرنا چاہو کرلو شی زو کی سین لیں۔" وہ بڑبڑایا۔ "یہ تمہارے آخری دن ہیں۔"

☆☆

ٹائیگر اور کومونٹو اس وقت تو کیو کے قدیم حصے میں ساکوساکے قریب کینن ہوٹل میں موجود تھے۔ یہ ایک باغ میں بنا ہوا اوپن ائیر ریسٹورنٹ تھا جسے سیاحوں کی جنت کہا جاتا تھا۔

شام ہونے والی تھی اور خریدار اپنا اپنا سامان سمیٹ کر تیزی کے ساتھ گھروں کو روانہ ہو رہے تھے۔ بچے بھی ساری سہ پہر کھیل کود کر تھک گئے تھے۔ اب وہ بھی چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتے گھروں کی طرف رواں دواں تھے۔

ٹائیگر اور کومونٹو چائے پی رہے تھے۔ کومونٹو نے اپنی پیالی اٹھا کر ہلکی سی چسکی لی اور پیالی واپس میز پر رکھ دی۔

"کچھ پتا چلا؟" اس نے ٹائیگر کو مخاطب کیا جس کی پیالی اب تک میز پر ہی رکھی ہوئی تھی۔

"کچھ نہیں۔" ٹائیگر نے نفی میں سر ہلایا۔

وہ کئی گھنٹے غائب رہا تھا۔ کومونٹو کو تو گھر میں ہی چھوڑ کر اس نے روپانگی ڈسٹرکٹ میں اُس گول چہرے والے جاپانی کو فون کیا تھا جس سے وہ پبلک باتھ میں پہلے بھی مل چکا تھا۔ تین گھنٹے تک اُسے تلاش کرنے کے باوجود وہ اُسے ڈھونڈ نہیں سکا تھا۔

"کوئی بات نہیں۔" کومونٹو نے اُسے جیسے تسلی دی۔ "تمہاری غیر موجودگی میں بھی مصروف رہا ہوں۔ ایک بھونرے کی طرح رس کی تلاش میں ایک سے دوسرے پھول پر بیٹھتا رہا ہوں۔ یہاں آنے سے پہلے مجھے ایک بے حد دلچسپ بات پتا چلی ہے۔ یہ ممکن ہے کہ شی زو کی سین کا پولیس چیف تناباکا کی بیٹی کی محبتوں کے سلسلے میں کوئی رقیب بھی ہو۔"

ٹائیگر نے چونک کر اُسے دیکھا۔ "یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

کومونٹو نے کندھے اُچکائے۔ "اس شہر میں جائداد کا کام کرنے والے بعض لوگ میرے بڑے قریبی دوست ہیں میرے ایسے ہی ایک لینڈ لارڈ دوست کو وہ لڑکی یاد تھی جس نے اُس کی نئی عمارت میں ایک فلیٹ لیا تھا۔ میرے دوست کو یقین ہے کہ وہ لڑکی تمام وقت اپنے فلیٹ میں تنہا نہیں رہتی لیکن دلچسپ بات یہ ہے کہ شی زو کی سین کو اس عمارت میں یا لڑکی کے فلیٹ میں کبھی نہیں دیکھا گیا۔ میں نے اپنے دوست کو تصویر دکھائی تو اُس نے یقین سے کہا کہ جو شخص وہاں آتا ہے وہ اس سے بالکل مختلف ہے۔"

ٹائیگر نے تصور کی آنکھ سے شی زو کی کی موت کا منظر دیکھا۔ ہجوم سے اٹے ہوئے پلیٹ فارم سے اُسے آتی ہوئی تیز رفتار ٹرین کے سامنے دھکا دیا جا رہا تھا اُسے وہ سرپرائز یاد آگیا جو اُس نے ڈریچ مین کے ہاتھوں میں جھولتے دیکھا تھا کی سان اور ہی گیرا اُس کے سامنے بیٹھے تھے اور...

"کیا تم نے لینڈ لارڈ کو کوئی اور تصویر بھی دکھائی تھی؟" ٹائیگر نے دریافت کیا۔

کومونٹو کے ہاتھ میں اب ایک اور بلیک اینڈ وائٹ تصویر نظر آرہی تھی۔ ٹائیگر کی یادداشت نے پلک جھپکنے میں سارے فاصلے مٹا ڈالے تھے۔

ڈریچ مین!

☆☆

زویا کو احساس ہو گیا تھا کہ جب سے وہ دفتر سے نکل کر گلی میں آئی ہے اُس کا تعاقب ہو رہا ہے۔ اُس کے سامنے چوک تھا جہاں بچے کھیل کود میں مصروف تھے۔ بعض ننھے منے اور شرارتی بچے اپنی ماؤں کے ہاتھ چھڑا کر کبوتروں کے پیچھے بھاگ رہے تھے جو لاتعداد۔ چوک کے بیچوں بیچ بیٹھے ہوئے تھے۔

جونہی زویا آگے بڑھی کار بھی حرکت میں آگئی۔ اُسے حیرت ہوئی۔ یعنی کار والا اُسے یہ احساس دلانا چاہتا تھا کہ نگرانی ہو رہی ہے۔

دور جانے کی بجائے زویا کار کی طرف ہی چل دی۔ وہ پرانے ماڈل کی ایک ووکس ویگن تھی۔ سب سے پہلے اُس نے جھک کر ڈرائیور کو دیکھا۔ مٹیالی سی رنگت کے بالوں کا مالک... وہ شکل سے ہی بدمعاش دکھائی دیتا تھا لیکن زویا کو اب ان باتوں کی قطعی پروا نہ تھی۔ مرحلے سے وہ ایسے ہی لوگوں کے درمیان رہ رہی تھی۔

دونوں کہنیاں کھلی کھڑکی کے فریم پر جما کر وہ آگے کو جھک آئی۔ اُسے اپنا تعاقب قطعی اچھا نہ لگا تھا۔

"کون ہو تم؟" زویا نے لہجہ سخت ہی رکھا۔

ڈرائیور نے سر سری نگاہوں سے اُسے دیکھا اور بے اعتنائی سے بولا "اندر بیٹھ جائیں۔"

زویا کو اس انداز تخاطب پر آگ لگ گئی۔ "تم کس محکمے کے لیے کام کرتے ہو؟"

"کسی کے لیے نہیں۔"

اُس نے ہاتھ بڑھا کر زویا کی طرف کا عقبی دروازہ کھول دیا۔ "براہ کرم اندر بیٹھ جائیں، کامریڈ جنرل۔ مجھے آپ کو لینے بھیجا ہے۔"

"کس نے بھیجا ہے؟"

"جہاں زیادہ دور نہیں جانا۔" ڈرائیور کا انداز دوستانہ تھا۔ کوئی اور سمجھنے والا یہی سمجھتا کہ دونوں ایک دوسرے کو طویل عرصے سے جانتے ہیں۔

زویا نے کچھ اور پوچھنے کی بجائے دروازہ کھولا اور اطمینان سے اندر بیٹھ گئی۔ ڈرائیور نے ذرا سی گردن موڑ کر اُسے دیکھا اور کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔

وہ لگ بھگ پندرہ بیس منٹ تک مختلف سڑکوں پر چکراتی رہی۔ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ ڈرائیور تعاقب سے بچنے کی کوشش کر رہا ہے لیکن زویا یہ اندازہ نہ لگا پائی تھی کہ ان کا تعاقب کون کر سکتا ہے۔

بالآخر ریڈ اسکوائر کے شمال میں کوٹو زوف پراسپکٹس کے قریب ایک بنگلے کے سامنے اُن کا سفر تمام ہوا۔ وہ متمول لوگوں کا علاقہ تھا۔

ڈرائیور نے اُتر کر اُس کے لیے دروازہ کھولا اور سر جھکا کر یوں تعظیم دی جیسے اُس کا باوردی شوفر رہا ہو۔

"ان سیڑھیوں پر کامریڈ جنرل!" اُس کا انداز اب بھی دوستانہ تھا۔

زویا نے ایک لمحے کے لیے گھور کر اُسے دیکھا اور پھر مڑ کر سیڑھیاں چڑھتی چلی گئی۔ اس سے پہلے کہ وہ کال بیل بجاتی دروازہ خود ہی کھل گیا... وہ طویل قامت جسم اور خوبصورت چہرہ اُس کے سامنے تھا۔ آنکھیں حسب معمول چمکدار لیکن کسی قدر سرد مہر تھیں۔ زویا کو حیرت تھی کہ اس سرد مہری کی حقیقت کیا ہے؟

"کامریڈ ورخوف!" وہ کسی قدر ناراضی سے بولی۔

"تمہارے ہاں دعوت دینے کا طریقہ بڑا عجیب ہے۔"

"اندر آجاؤ۔" اس نے زویا کو راستہ دیا جو سنجیدہ وہ اندر داخل ہوئی وہ دروازہ بند کر کے اُسے ہال دے کی طرف لے چلا۔ "تمہیں بھوک تو لگی ہوگی؟ ویسے اس وقت، میں ہلیبنی تیار کر رہا ہوں۔"

وہ اُسے حیرت انگیز طور پر بڑے اور صاف ستھرے کچن میں لے گیا جہاں پہلی ہی نظر میں کئی چیزیں درآمد شدہ دکھائی دے رہی تھیں۔ ایک طرف میڈیم سائز ریفریجریٹر اور دوسری جانب اوون دکھائی دے رہا تھا۔

"تم بہت اچھے لگ رہے ہو، کامریڈ۔" زویا نے تبصرہ کیا۔

وہ کھلکھلا کر ہنسا... بالکل بچوں کے سے انداز میں... "یوری۔" وہ بولا۔ "یوری اور زویا... اس چار دیواری کے اندر کوئی کامریڈ نہیں۔"

جب زویا نے کوئی جواب نہیں دیا تو اسٹوو بند کر کے وہ اس کی طرف مڑا۔ "کیا معاملہ ہے؟"

زویا کمرے کا جائزہ لے رہی تھی۔ کونے کھدروں اور درازوں کے عقب میں جھانک رہی تھی۔

"کیا تم اس کی تلاش میں ہو؟" ورخوف نے ایک دراز سے ننھا سا ٹیپ ریکارڈر نکال کر اُسے تھما دیا تھا۔ "تم دیکھ سکتی ہو کہ یہ آن نہیں ہے۔"

زویا نے نہایت احتیاط کے ساتھ اس کا معائنہ کیا اور کیسٹ نکال کر اُسے واپس کر دیا۔ ورخوف کو تھما دیا۔ "کیمرا کہاں ہے؟" وہ دوبارہ بولی۔

ورخوف کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں ابھرا اس نے پیچھے سے ایک طرف اشارہ کر دیا۔ کیمرے کا لینس ایک شیشے کے عقب سے جھانک رہا تھا۔ اس کی نظریں تار پر پھسلتی ہوئی سنک کے نیچے پہنچیں جہاں ویڈیو ٹیپ ریکارڈر چھپایا گیا تھا۔

جھک کر اس نے کیسٹ نکالی اور آڈیو کیسٹ کے ساتھ ملا کر میز پر رکھ دی۔

"اس کی ضرورت نہیں تھی۔" ورخوف نے کہا۔ "یہ بھی کام نہیں کر رہا تھا۔"

"مجھے کوئی حیرت نہیں ہوئی۔" زویا نے منہ بنایا۔ "ویسے یہ تمہاری اچھی کوشش تھی۔"

دونوں خاموشی سے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ جب ورخوف کو مکمل براؤن ہو جانے کی مہک محسوس ہوئی تو وہ اسٹوو کی

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

طرف پلٹا۔ "میرا بات چیت ریکارڈ کرنے کا کوئی ارادہ نہ تھا۔" وہ بولا۔ "تم بہت سٹکی ہو۔"

"ایسی کوئی بات نہیں۔" زویا نے اس کے کندھوں پر سے جھانکا۔ وہ نہایت مہارت سے بلینی تیار کرنے میں مصروف تھا۔ "تم نے یہ کہاں سے سیکھا؟"

"اپنی ماں سے۔" ورخوف نے پلٹے بغیر جواب دیا۔

دونوں نے وہیں کچن ٹیبل پر بلینی کھائی۔۔۔۔ اُسی غیر رسمی انداز میں جیسے میاں بیوی کھاتے ہیں۔ بلینی اچھی بنی ہوئی تھی۔ زویا کو جانے کیوں امریکی عورتیں یاد آئیں جو اپنے مردوں کو تابو کرنے کے لیے اچھے اور اس کے پسندیدہ کھانوں کو سیڑھی کے طور پر استعمال کرتی تھیں۔

تبھی اُسے اپنا خیال آیا۔ وہ اپنے جسم کی ساخت سے آگاہ تھی اور جانتی تھی کہ اُسے دیکھ کر دوسرے مرد کیا محسوس کرتے ہیں۔ اپنے حسن کا اُسے جوانی کے ابتدائی مرحلوں میں ہی احساس ہو گیا تھا چنانچہ اس نے بڑی مہارت سے اپنے جسم کو سوویت بیورو کریسی کی مشکل ترین سیڑھی پر چڑھنے کے لیے استعمال کیا تھا۔

زویا طوائف نہیں تھی۔ البتہ وہ طاقت و قوت کے حصول کی خاطر اپنے جسم کو استعمال کرنے میں قباحت محسوس نہ کرتی تھی۔ کارلوف پر بھی اس نے اپنا یہی ہتھیار آزمایا تھا۔ اس سے پہلے کرنل وینشاٹ اور لیفٹیننٹ تولکین کے سلسلے میں بھی اُسے ناکامی نہیں ہوئی تھی۔ ورخوف بھی اس کے دام میں آ گیا تھا لیکن زویا کی اپنی پوزیشن اس وقت خاصی مختلف تھی۔ اس کی منزل یہی تھی لیکن وہ خطرات کے پیش نظر پھونک پھونک کر آگے بڑھنا چاہتی تھی۔

"تمہیں مجھے مبارکباد دینی چاہیئے۔" ورخوف اس وقت بولا جب وہ دونوں ٹرکش بلیک کافی پی رہے تھے۔ یہ بھی زویا کو بے حد پسند تھی۔ وہ سوچنے لگی کہ یہ بھی کوئی اتفاق ہے۔ سیا ورخوف اس بارے میں پہلے سے جانتا ہے؟ "چین کے خلاف ہماری روبوٹ وار کامیابی سے جاری ہے۔"

"تمہارا مطلب صوبین نان کی سرحدوں پر وینامیوں کی جھڑپوں سے ہے؟"

ورخوف نے سر کو اثباتی جنبش دی۔ "آج صبح ہی نیو جا ننا یو نوز یا جنسی نے سرکاری ڈرائیو کے حوالے سے نوجی تیاریوں کے سلسلے میں ایک بیان جاری کیا ہے کہ آرمی کی ایٹر سرحدوں پر

زویا نے کوشش کی کہ وہ اُس جانب نہ دیکھے۔ مائی جا۔۔۔۔ وہ میڈیا کو ڈیٹ حاصل کر چکا تھا۔

☆☆☆

پیٹرس وقت اینڈریو سیور کی پہاڑی رہائش گاہ میں موجود تھا۔ اُسے کسی کا انتظار تھا اور وہ یہ وقت سامنے دیوار پر آویزاں سیور خاندان کے مختلف افراد کی تصویریں دیکھ دیکھ کر گزار رہا تھا۔

عین وقت پر باہر ایک کار رُکنے کی آواز سُنائی دی تو وہ کرسی چھوڑ کر دروازے کی طرف بڑھا۔ پٹ کھولتے ہی وہ تعظیم کے لیے جھکا۔

"مائی ڈیا یونگ!" وہ آنے والے سے مخاطب ہوا۔

"یونگ، نوجوان بھتیجے!"

ایک ٹھگنا سا چینی جس نے اپنے سے تین گنا بڑی ڈھیلی ڈھالی پتلون اور سوٹ جیکٹ پہن رکھی تھی اندر آ گیا۔ وہ محترم چن تھا۔

دونوں چند ثانیے رسمی گفتگو میں مصروف رہے، پھر اُسے اسٹڈی کی طرف لے چلا، جہاں سیور دونوں کا انتظار کر رہا تھا۔

"ایک بات بتاؤں، نوجوان بھتیجے!" محترم چن اچانک بول اُٹھا۔ "اگر یہ غیر ملکی سیور پچھلی ملاقات پر مکاؤ نہ آتا تو میں آج کبھی یہاں موجود نہ ہوتا۔"

پیٹرس نے سر کی اثباتی جنبش سے محترم چن کے اس احسان کو تسلیم کیا لیکن خاموش رہا شاید اُسے خدشہ تھا کہ اس کے کچھ کہنے سے محترم چن سبکی محسوس نہ کرے اور یہاں سے پلٹ نہ جائے۔

"لیکن میں ایک بات اور بتا دوں۔" بوڑھا چینی پھر بولا۔ "میرے اور سیور اینڈ سنز کے درمیان ہونے والی تمام بات چیت اور معاہدے وغیرہ تمہاری ہی معرفت ہوں گے۔"

پیٹرس نے ایک بار پھر سر کی جنبش سے اس کی تائید کی تھی۔

اینڈریو سیور اپنی شاندار اسٹڈی میں اُن کا منتظر تھا۔ دونوں چینیوں کے اندر آنے پر اس نے متانیوں کے انداز میں جھک کر انہیں تعظیم دی اور محترم چن کو اسٹڈی کی بہترین نشست بیٹھنے کے لیے پیش کی۔

"مجھے تمہارے آنے سے بے حد خوشی ہوئی ہے محترم چن!" سیور نے خلوص دل سے کہا اور مسکراتے ہوئے ان کے لیے حمانی وا کر کے جام بنانے لگا۔

محترم چن کو ڈرنکس کے انتخاب پر خوشی ہوئی تھی لیکن اس کے باوجود وہ سیور کے حسن سلوک سے متاثر نہیں تھا۔ وہ جانتا تھا کہ یہ بھی خیر ملکی شیطانوں کے مہذب ڈھکے کا ایک انداز ہے۔ وہ دھیرے دھیرے چسکیاں لیتا رہا۔

"میرے خیال میں کچھ کھا بھی لیا جائے۔" جام ختم ہونے پر سیور نے تجویز پیش کی۔ "میں نے آپ کے لیے ایک بہت ہی مخصوص ڈش تیار کرائی ہے۔"

محترم چن نے اس بار بھی دل ہی دل میں اُسے بُرا بھلا کہا کہ اسے لوگوں کو پھانسنا خوب آتا ہے۔

لیکن آدھے گھنٹے بعد جب وہ لذیذ ڈش ختم کر کے اپنی انگلیاں چاٹ رہا تھا تو اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ اس بار وہ دل سے مسکرا رہا تھا۔

"میں اسے پسند نہیں کرتا۔" محترم چن کے جانے کے بعد سیور بولا۔

"کس چیز کو، تائی پین؟"

"ہر چیز کو۔" پیٹرس نے اس ٹھگنے کو از خود تھری اوتھ سن سے ہونے والی ملاقات سے منسلک کر لیا تھا۔

سیور بے تابی سے اپنی لائبریری میں ٹہل رہا تھا۔ یوں جیسے کسی خاص نتیجے پر پہنچنے کی کوشش کر رہا ہو۔

پیٹرس دیر تک اسے دیکھتا رہا پھر گویا ہوا۔ "میرے خیال میں تم پاک ہان سن اور کام سنگ میں داخل ہونے کے خواہش مند ہو؟"

"شاید!" سیور خوفناک لہجے میں بولا تھا۔ "شاید۔"

"میں نے تھری اوتھ سن سے حاصل ہونے والی تمام تفصیلات تمہیں بتا دی ہیں اور میرے خیال میں یہ ایک صاف سُتھرا معاملہ ہے۔"

"ہاں۔" سیور نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ "غور کرو کہ ایک شخص ہانگ کانگ کے مستقبل میں دو ارب ڈالر کی سرمایہ کاری کرنا چاہتا ہے۔"

"اگر یہ ممکن نہ ہو تو یہاں سے کاروبار ختم کرنے میں ہم کنگ اینڈ کمپنی کا ساتھ دے سکتے ہیں۔"

سیور نے چہل قدمی ترک کر دی۔ "تب پھر میں سارے معاملات تم پر چھوڑتا ہوں۔"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

پیٹر چند لمحے خاموش رہا' پھر بولا "میرے خیال میں تم یہ سمجھتے ہو کہ تھری اوتھ سن پاک ہان من کے بارے میں کچھ چھپا رہا تھا؟"

"یا کام سنگ کے بارے میں.... یا دونوں کے بارے میں.... بہرحال اس سے کوئی فرق بھی نہیں پڑتا۔"

"یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو؟"

"اگر میں تمہیں اس سوال کا جواب دے سکتا پیٹر تو تمہیں بتاتا کہ کس طرح باہر نکل کر اپنا مستقبل بنایا جاتا ہے..."

سیور نے ہنکارا بھرا "ممکن ہے تھری اوتھ سن اپنی بلاؤں کا بوجھ ہلکا کرنا چاہتا ہو۔"

"اس کا جواز کھرے کاروبار کی نشاندہی کرتا ہے۔"

"یقیناً" سیور نے اس سے اتفاق کیا "دوسری صورت میں سب کچھ دھماکے سے اُڑ سکتا ہے۔ تم اسے قانونی نکتے نظر سے دیکھ رہے ہو' جبکہ وہ چاہتا ہے کہ ہم فوری طور پر بغیر سوچے سمجھے کوئی جذباتی فیصلہ کریں... اب میں یہ نہیں جانتا کہ وہ یہ فیصلہ کس بنیاد پر کرانا چاہتا ہے۔ البتہ مجھے کوئی گڑبڑ معاملہ محسوس ہو رہی ہے۔"

"مجھے افسوس ہے کہ ہم معاملے کی تہ تک نہیں پہنچ پا رہے۔" پیٹر نے سر جھکا کر کہا۔

"حقیقت تو یہ ہے کہ پاک ہان من یا کام سنگ سے کوئی دلچسپی نہیں۔" سیور بولا "نصف سے زیادہ شب گزر چکی ہے۔ سن کو فون کرو اور اُسے کہو کہ ہم پیشکش قبول نہیں کر رہے اگر وہ تم سے چھٹے تو نرمی سے جان چھڑا کر فون رکھ دینا۔"

"اس کے بعد؟ تم بھول..."

"اتنی تیزی کی ضرورت نہیں۔" سیور چھڑے کی آرام دہ نشست پر بیٹھ گیا "یہ دیکھو کہ وہ ہمیں جوابا فون کرتا ہے یا نہیں۔ وہ اُس وقت تک چپ رہے گا جب تک صبح میں ہانگ سنگ میں کاروبار شروع نہیں ہوتا۔ اگر تب بھی کسی نے کنگ اینڈ کمپنی کے کام سنگ شیئرز میں سرمایہ کاری نہیں کی تو تھری اوتھ سن پاگل ہو جائے گا۔ پاک ہان من اسٹاک فوری طور پر لائن سے باہر ہو جائیں گے.... اور پھر ہم میدان میں آئیں گے۔ اس طرح ہماری اس سے کہیں کم رقم صرف ہوگی جس کی تجویز اس معاہدے میں پیش کی گئی ہے۔"

"تو کیا تم اسی گرویدہ کو محسوس کر رہے تھے؟"

"میرا مطلب معاہدوں سے تھا۔ املاک سے نہیں۔" سیور نے جواب دیا "ہم پاک ہان من کے تجارتی طریقہ کار اور انتظامی صلاحیتوں سے بخوبی واقف ہیں لیکن جب کام سنگ کی بات ہوگی تو ہمیں بیجنگ یعنی حکومت چین کی یقین دہانی اور ضمانت درکار ہوگی۔"

"اور میرے خیال میں وہ یہ سب نہ کر پائے گا۔"

"تب پھر دیکھنا کہ کل صبح اسٹاک ایکسچینج میں اس کا کیا حشر ہوتا ہے؟"

"میں سمجھا نہیں۔"

"کوئی بات نہیں۔" سیور ہنسا "تھری اوتھ سن ان باتوں کا مطلب خوب سمجھتا ہے۔"

"کے وی آر کی رپورٹوں میں وہ سب کچھ موجود نہیں ہے۔ جو میں جاننا چاہتا ہوں۔" ورخوف بولا "تم چینیوں کے ساتھ کیا کر رہی ہو؟"

آنکھ کے ایک گوشے سے زویا نے کوڈک کو ڈوبتے اُبھرتے دیکھا۔ وہ سوچنے لگی کہ اگر کبھی میرے باپ کو میری ماں

ڈائجسٹوں کے مقبول سلسلے

سرکش	(۱۲ حصے)	عمرہ احمد مودی	۷۲۰/-
ٹائیگر	(۱۳ حصے)	مشتاق احمد قریشی	۶۵۰/-
غبیث	(۵ حصے)	انوار صدیقی	۲۲۵/-
درخشاں	(۲ حصے)	انوار صدیقی	۱۰۰/-
روگی	(۵ حصے)	ام الف صدیقی	۲۷۰/-
دہشت گرد	(۴ حصے)	سلیم فاروقی	۲۰۰/-
سرفروش	(۲ حصے)	اظہر کلیم	۱۲۰/-
شہباز	(۲ حصے)	اظہر کلیم	۱۲۰/-
انسان اور شیطان	(۲ حصے)	محمد فراز	۱۵۰/-

ناشر

مکتبہ القریش سرکلر روڈ' اردو بازار
لاہور فون: ۷۶۶۸۹۵۸

کی خفیہ زندگی کے بارے میں پتا چل جائے تو وہ کیا کرے گا؟ اس کی سزا کس طرح بھیانک ہوگی؟

ورخوف نے کتاب سنبھالی اور اٹھ کھڑا ہوا "میں نے اس خفیہ کتاب سے اندازہ لگایا ہے کہ تمہارے بارے میں صرف وہی شخص بہتر جان سکتا ہے جو تم سے زیادہ چالاک اور ذہین ہو... اور کارپوف میں یہ کوالٹی سرے سے موجود ہی نہیں۔"

"تم نے کس بات سے اندازہ لگایا ہے؟"

"پہلی ملاقات میں تمہاری آنکھوں میں ابھرنے والی چمک سے۔" ورخوف نے جواب دیا "کارپوف کو دیکھ کر تمہاری آنکھوں میں جو چمک ابھری تھی اس نے مجھے بند دروازوں کے پیچھے تم دونوں کے کھیل کی پوری کہانی سنا دی تھی... تمہارے 'اچھا کے درد بوارا کس محبت کے گواہ ہیں۔"

زویا خاموش رہی۔ وہ حقائق کو منع تو کر سکتی تھی انہیں جھٹلانے پر قادر نہ تھی۔ وہ اندازہ لگا چکی تھی کہ ورخوف اس کے نقصانات سے بڑھ کر غیر ارہے۔

یوں بھی وہ کارپوف سے جان چھڑانا چاہتی تھی جو اب اس کی گردن کا طوق بن گیا تھا۔ وہ اس کے کیریئر کی راہ میں رُکاوٹ تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ زویا اسی جگہ کھڑی رہے تاکہ اس سے زیادہ سے زیادہ لطف اندوز ہو سکے لیکن اب وہ کارپوف کے حلقے سے نکلنا چاہتی تھی۔ وہ اس سے کہیں زیادہ کی خواہشمند تھی جو اسے کارپوف دے رہا تھا۔

اس پر یہ بھی آشکار ہو گیا تھا کہ ورخوف اس سے وہی کچھ چاہتا تھا جس کی وہ خود پیش کش کرنا چاہتی تھی۔ اس کے مُنہ کا ذائقہ کڑوا ہو گیا۔ اُسے محسوس ہونے لگا کہ اس کے گرد موجود ہر شخص اُسے استعمال کر چکا ہے۔ وہ اب تک یہی سمجھے بیٹھی تھی کہ وہی سب کچھ ہے لیکن اب اس پر بھید کھلا تھا کہ ہمیشہ مرد ہی جیتتے ہیں۔ وہ ایک ہاری ہوئی جنگ لڑ رہی تھی لیکن مرتے مرتے بھی وہ اپنی آخری توانائیاں استعمال کرنے کی خواہشمند تھی۔

اس نے فیصلہ کیا کہ ورخوف کو اسی کے ہتھیار سے مارے گی چنانچہ اس نے ورخوف کو وہی کچھ بتایا جو وہ مناسب سمجھتی تھی۔ اس نے بیجنگ میں وزراء کے درمیان ہونے والی چپقلش کو پوری تفصیل کے ساتھ اس کے گوش گزار کر دیا تھا کیونکہ اس کے چھپانے کا کوئی فائدہ نہ تھا۔

اسے اس کا مثبت جواب ملا تھا۔ ورخوف چاہتا تھا کہ وہ اپنی کارروائیاں جاری رکھے۔ زویا نے اُسے ہانگ کانگ کی سیاست کے بارے میں بھی بتایا تھا لیکن ورخوف نے اس پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ وہ بیجنگ میں ہی اُلجھا ہوا تھا۔

"کیا میڈیا جانتا ہے کہ کون سا دھڑا کامیاب ہوگا؟" اس نے دریافت کیا۔

"ابھی تک کوئی بات یقین سے نہیں کہی جا سکتی۔"

"یہ بے حد اہم ہے۔" ورخوف بولا "اگر ہمیں یہ پتا چل جائے کہ کون سا دھڑا کامیاب ہوگا تو ہم چینیوں کے خلاف اپنی روبوٹ وار بلا خوف و خطر جاری رکھ سکتے ہیں۔ ہم انہیں وہ سب کچھ دے سکتے ہیں جس کی انہیں ضرورت ہے۔ ہم انہیں کنٹرول کر سکتے ہیں۔ ہماری نظریں وہ گدھے ہوں گے کہ جنہیں جب چاہا گاڑی میں جوت لیا۔"

زویا الفاظ سے زیادہ اس کی آنکھوں میں پیدا ہونے والی چمک کی طرف متوجہ تھی۔ وہ اس بات کا جائزہ لے رہی تھی کہ اُسے کیا شے گدگدا سکتی ہے۔ براہ راست مقابلے میں وہ کامیاب نہ ہو سکتی تھی۔ ورخوف اس سے زیادہ طاقت ور تھا... اور ایک مرد تھا۔

وہ جاننا چاہتی تھی کہ ورخوف کیا چاہتا ہے۔ الفاظ یقیناً اُسے مطمئن نہ کر سکتے تھے۔ اُسے اپنے تعلقات کا پلڑا برابر رکھنے کے لیے کیا کرنا چاہیئے۔ وہ اس بات سے آگاہ تھی کہ ورخوف اس وقت کارپوف سے زیادہ اس کے بارے میں سوچ رہا تھا اور سمجھ رہا تھا کہ اب زویا اس کی ہم پاکٹ ہوگی.... لیکن وہ ہم پاکٹ نہیں' اس کے کارکا پھول بننا چاہتی تھی۔

وہ اٹھ کر لونگ روم میں آ گئی۔ اس کی تیز نظروں ایک ایک چیز کا جائزہ لے رہی تھیں۔ پورے اپارٹمنٹ کا معائنہ کرنے کے بعد زویا اس نتیجے پر پہنچی کہ نسوانیت اس اپارٹمنٹ کو چھو کر بھی نہیں گزری۔ وہ حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکی کہ ورخوف صنف نازک کے بارے میں کیا نظریہ رکھتا ہے۔ اس سے باتیں کر کے وہ جان چکی تھی کہ اسے دوسروں کو نیچا دکھا کر اور ان کی کمزوریوں سے کھیل کر کس قدر خوشی حاصل ہوتی ہے۔ وہ خود کو باقی تمام لوگوں سے برتر سمجھتا ہے۔

اسے ایک ڈینٹسٹ یاد آ گیا۔ اپنی نوخیزی کے زمانے میں ماں کے ساتھ دانت کے علاج کے لیے وہ اس کے پاس

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

گئی تھی۔ تب ہی اس پر آشکار ہوا تھا کہ ہر مرد کا تسکین پانے کا پیمانہ جدا ہوتا ہے۔

شاید درخوف بھی ایسا ہی شخص تھا۔ زویا نے ثبوت کے لیے میڈیا کو ڈیٹنگ کو استعمال کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس نے درخوف سے کہا کہ کوڈیک واپس کر دے۔ توقع کے عین مطابق اس نے انکار کر دیا تو زویا اصرار کرنے لگی۔ اس نے دوبارہ انکار کیا۔ مانگنا کبھی زویا کی فطرت میں شامل نہیں تھا۔ وہ آگے بڑھی اور ایک زوردار تھپڑ درخوف کے منہ پر جڑ دیا۔

درخوف نے کتاب ہی سے اس پر جوابی حملہ کیا۔ زویا خود کو بچانے کے لیے پیچھے ہٹی تو ٹیبل کیس سے ٹکرا گئی... درخوف نے کتاب ایک طرف پھینک دی اور دونوں ہاتھ پھیلائے انتہائی جارحانہ انداز میں آگے بڑھا۔

درخوف غراتا رہا اور زویا سسکتی رہی لیکن وہ اپنی ان سسکیوں کو اپنی انا کی شکست تصور نہیں کرتی تھی... وہ جیت گئی تھی۔ اس نے درخوف کو اپنے سامنے جھکا لیا تھا۔ بالکل اسی طرح جیسے اس نے کارلوف اور دوسروں کو جھکایا تھا۔

درخوف ایک درندہ تھا لیکن زویا کو اس کی درندگی کا مقابلہ کرنے میں کوئی دقت پیش نہیں آئی۔ عالمِ مدہوشی کے باوجود وہ اس امر سے آگاہ تھی کہ اس نے وہ کچھ حاصل کر لیا ہے جس کی وہ اب تک تلاش میں تھی... طاقت اور وہ چابی جس سے اسے تیر منتقل کیا جا سکتا تھا۔

☆☆

کوموٹو، ٹائیگر کو جیک میروک ہی سمجھتا تھا اس لیے جب ٹائیگر نے تنہا کامی ساکا کے فلیٹ پر جانے کا ارادہ ظاہر کیا تو کوموٹو نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"کم از کم اس کے گھلی میں آنے کا انتظار کرو۔" اویا بون نے اپنے دوست کو مشورہ دیا۔ "میں اپنی ایک سکارفٹ پارٹی کے ساتھ کھڑی رکھوں گا جونہی وہ نمودار ہو گی ہم اسے اٹھا کر کار میں ڈال لیں گے۔ تب تم کہیں بھی مکمل اطمینان اور تنہائی میں اس سے بات چیت کر سکو گے۔"

ٹائیگر نے نفی میں سر ہلا دیا۔ "اس طرح بات نہیں بنے گی۔" وہ بولا۔ "اگر ہم نے عام مجرموں کی طرح اسے اغوا کر لیا تو میں اس سے نرمی سے ایک لفظ بھی اگلوا نہیں سکوں گا۔"

"ممکن ہے ڈچ مین وہاں تمہارا منتظر ہو۔" مسٹر کیو کوموٹو نے خدشہ ظاہر کیا۔ "میں اس کی جگہ ہوتا تو یہی کرتا۔"

ٹائیگر کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ "میں بھی اسی کا منتظر ہوں۔ وہ کسی روپ میں میرے سامنے تو آئے۔"

کوموٹو سمجھ گیا کہ اپنے مہمان کو قائل نہ کر سکے گا۔ اس نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور ایک آٹومیٹک نکال کر ٹائیگر کے ہاتھ پر رکھ دیا۔

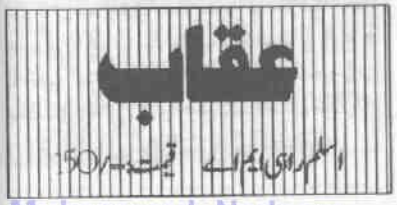
ٹائیگر یوں پیچھے ہٹا جیسے آسمانی بجلی سے چھو گیا ہو۔ "نہیں دوست!" اس نے آٹومیٹک واپس کوموٹو کو تھما دیا۔ "اس کی بھی ضرورت نہیں۔ تمہارا یہ کمزور سا مہمان خالی ہاتھوں سے چٹان ریزہ ریزہ کر دینے کی قوت رکھتا ہے۔"

☆ ٹوکیو کی گلیاں اور سڑکیں انسانوں سے اٹی پڑی تھیں جو نہایت تیز رفتاری کے ساتھ اپنے گھروں کی جانب رواں دواں تھے۔

ٹائیگر نے ایک اسٹور پر رُک کر اُبلی ہوئی تازہ مچھلی کے کچھ ٹکڑے خریدے۔ کامی ساکا کے لیے ایک چھوٹا سا تحفہ لیا اور دونوں چیزیں بغل میں دبا کر پیدل ہی اس کے گھر کی طرف چل دیا۔

شام کے اس حصے میں ٹیکسی ملنے کا کوئی امکان نہ تھا

پراسرار اور خوفناک کہانیاں جنہیں پڑھتے ہوئے آپ چونک اٹھیں گے
انوار صدیقی کے پراسرار قلم سے
آسیب زدہ قیمت =/110
دستک قیمت =/100
مکتبہ القریش سرکلر روڈ اردو بازار لاہور
فون 7668958



رش کے ان اوقات میں بالفرض اگر ٹیکسی مل بھی جاتی تو وہ سو گز بعد ہی کسی ٹریفک جام میں پھنس کر رہ جاتی۔ ٹوکیو میں رش کے اوقات میں پیدل سفر کرنا سب سے بہترین تھا۔

سامنے کی سیڑھیوں پر کھڑے ہو کر اس نے اوپر دیکھا۔ وہ جانتا تھا کہ کامی ساکا کس اپارٹمنٹ میں موجود ہے۔ وہ عمارت کی سمت بڑھ گیا۔ کامی ساکا کے فلیٹ کی روشنیاں جل رہی تھیں... ممکن ہے ڈچ مین میرا منتظر ہو...

ٹائیگر پلٹا اور سامنے کے دروازے سے اندر داخل ہو گیا۔ لفٹ بوائے کے بجائے اس نے پیدل ہی اوپر چڑھنے کو ترجیح دی۔ محض نصف منٹ بعد وہ پانچویں منزل پر کامی ساکا کے فلیٹ کے سامنے موجود تھا۔

دروازہ سیاہ رنگ کا تھا۔ چند ثانیے وہ اپنے حساس کانوں کی مدد سے اندر سے کسی متوقع آواز کا منتظر رہا... لیکن جب کوئی ردِعمل ظاہر نہ ہوا تو اس نے کال بیل کے بٹن پر انگلی رکھ دی۔

مزید کچھ دیر کوئی آواز سنائی نہ دی لیکن پھر ایک چاپ ابھری۔ ٹائیگر بتا سکتا تھا کہ وہ نسوانی چاپ تھی۔ وہ اکیلی تھی اور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی اس طرف آ رہی تھی۔

زنجیر ہٹائے جانے کی آواز آئی اور دروازہ ایک جھٹکے سے کھل گیا۔

"یس؟"

"کامی ساکا تاباہ؟"

"ہائے!"

ٹائیگر کے ہونٹوں پر وہ سحر کن مسکراہٹ اُتر آئی جو اگر پتھر بھی دیکھ لیتے تو اس کے سامنے سر جھکا دیتے۔

"میرا نام شمس... جیک میروک ہے۔ ڈچ مین اور میں ایک دوسرے کے واقف ہیں۔"

ٹائیگر کو خوف کسی تاریکی کی مانند اس کی آنکھوں میں اترتا دکھائی دیا۔ کیا اس کا مطلب یہی تھا کہ ڈچ مین بھی یہیں موجود ہے؟ کون ہو تم؟

کامی ساکا نے ایک نفیس سبز کیمونو پہن رکھا تھا... جبکہ پیروں میں برف جیسے سفید ٹابی تھے۔ ٹائیگر کو حیرت ہوئی کہ کیا وہ تنہائی میں بھی ایسے ہی بھڑکیلے کپڑے پہننے کی عادی ہے؟

"میں تمہارے لیے ایک تحفہ لایا ہوں۔" ٹائیگر نے ایک پیکٹ اس کی طرف بڑھا دیا۔ ٹائیگر کی نگاہیں اس کے عقب میں ڈچ مین کے لیے بھٹک رہی تھیں۔ "تم جانتی ہو کہ مرف دوست ہی تحفے لاتے ہیں۔"

وہ یوں پیکٹ کو دیکھ رہی تھی جیسے ابھی پھٹ جائے گا۔ "جس شخص کا تم ذکر کر رہے ہو، اس کا کوئی دوست نہیں... کم از کم میں نے اب تک کچھ نہیں سنا۔"

"میں نے یہ نہیں کہا کہ میں اس کا دوست تھا۔" ٹائیگر مسکراتے ہوئے بولا اور جب کامی ساکا نے کوئی ردِعمل ظاہر نہیں کیا تو وہ دوبارہ گویا ہوا۔ "پلیز! یہ بے حد ضروری ہے کہ میں تم سے کچھ باتیں کر لوں۔"

کامی ساکا اب بھی جھجک رہی تھی لیکن پھر اس نے سر جھکا کر تعظیم دی اور پیکٹ لے لیا۔

اگلے ہی لمحے ٹائیگر اس کے اپارٹمنٹ میں داخل ہو رہا تھا۔

اس کی تمام حسیات پوری طرح بیدار تھیں تاکہ اگر ڈچ مین کسی بھی انداز میں حملہ آور ہونے کی کوشش کرے تو وہ بے خبری میں مارا نہ جائے لیکن کچھ بھی نہیں ہوا۔

کامی ساکا بڑے غور سے اس کے چہرے کے تاثرات بھانپ کا جائزہ لے رہی تھی لیکن زبان سے اس نے ایک لفظ بھی ادا نہیں کیا تھا۔

اپنے لباس سے کامی ساکا جنگ سے پہلے زمانے کی کوئی گی خاندان، طوائف، نظر آتی تھی لیکن اس کا رکھ رکھاؤ، اٹھان جاپانی لڑکیوں جیسا تھا۔ اس نے تحفے کا پیکٹ ایک جانب تپائی پر رکھ دیا۔ پیکٹ کھولنے کی کوشش اس لیے نہیں کی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ کسی کے سامنے ہی اس کا دیا ہوا تحفہ کھول لینا آداب اور روایات کے منافی تھا۔

"جانے پسند کرو گے؟" ذرا دیر بعد وہ اپنی لوچ دار آواز میں گویا ہوئی۔ ٹائیگر کو اس کی آنکھوں میں تفکر کے سائے اب بھی دکھائی دے رہے تھے۔

"میں پیشگی شکریہ ادا کر دوں گا۔"

دونوں نسبتاً کم اونچی میز کے دونوں جانب آمنے سامنے بیٹھ گئے۔ کچھ دیر بعد کامی ساکا چائے لے آئی اس کے ساتھ چاولوں کے کیک اور ٹوٹو کی مٹھائیاں تھیں۔

ٹائیگر کا دل تو چاہا کہ کیک اور مٹھائی پر ہاتھ صاف کرے لیکن اسے کیک کے ہر بیس اور مٹھائی کے ہر دانے پر اداسی کی شبیہہ دکھائی دے رہی تھی

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"اگر میرے سوال میں اکھڑپن ہوا تو کیا تم مجھے معاف کر دو گی؟" ٹائیگر نے دریافت کیا۔

"تم معاف کیے جاتے ہو یا نہیں، اس کا انحصار صرف اور صرف تم پر ہے مسٹر جیک!"

ٹائیگر کو وہ لڑکی پہلی ہی نظر میں بھلی لگی تھی۔ لڑکی کے پہلے ہی جملے سے اُسے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ عام لڑکیوں سے خاصی مختلف ہے۔ ڈچ مین لاکھا اس کا دشمن تھا.... وہ اس کی خاتون تھی اور اس ناتے لڑکی کا احترام ٹائیگر پر واجب تھا۔

"تم نے آخری بار ڈچ مین کو کب دیکھا تھا؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

وہ مسکرائی۔ "میرے خیال میں تمہارے پاس اس کھٹر سوال کے کرنے کا کوئی تو جواز ہو گا؟"

"ڈچ مین کے پاس ایک ایسی شے ہے جس کا اصل مالک میں ہوں۔" ٹائیگر نے اپنی دیرینہ دشمنی کی بابت جان بوجھ کر اُسے نہیں بتایا۔ "میرے کا تراشا ہوا ایک ٹائیگر اس نشے سے میرا نا... مم... میری... ب... بیوی سے حاصل کیا تھا، جو اب مر چکی ہے۔"

"اوہ! آئم سوری... کیا یہ حال ہی کی بات ہے؟"

"پچھلے ہفتے۔" ٹائیگر نے بھاری لہجے میں جواب دیا اُس پر وہ لمحہ ہمیشہ ہی بھاری پڑتا تھا جب وہ میرینا کے لیے بیوی کا لفظ استعمال کرتا تھا۔ "وہ ڈچ مین کے ساتھ تھی۔"

اُس نے کڑا دل کر کے کہا۔

"اب مجھے پتا چلا کہ تم اتنے تھکے تھکے دکھائی کیوں دے رہے ہو۔" کامی ساکا کے چلے نے اسے حیران کر دیا تھا۔ "میں نے دروازے پر جب تمہیں پہلی بار دیکھا تو یہی سمجھی تھی جیسے تم میراتھن ریس ہار کر آ رہے ہو۔"

ٹائیگر مسکرا دیا۔ وہ خاموش رہا، البتہ اُس کے ذہن کے کسی گوشے میں یہ سوچ ضرور ابھری کہ کیا وہ واقعی اس قدر تھک گیا ہے یا اُس کی صلاحیتیں زنگ آلود ہو گئی ہیں۔

"ویسے یہ بڑا کاروبار۔" کامی ساکا دوبارہ بولی تو ٹائیگر چونک پڑا۔ وہ کچھ دیر اس کی آنکھوں میں دیکھ کر مسکراتی رہی پھر گویا ہوئی۔ "اور اگر میں یہ کہوں کہ تم وہ نہیں جو خود کو ظاہر کر رہے ہو تو تمہارا ردِعمل کیا ہو گا؟"

"کیا مطلب؟" لڑکی قدم قدم پر اُسے حیران کیے دے رہی تھی۔

"مطلب یہی کہ تم جیک میروک نہیں۔" وہ فیصلہ کن انداز میں بولی۔

"میں اسی پر اصرار کروں گا اگر میں ہی جیک میروک ہوں، چاہو تو میری دستاویزات..."

"کاغذات ہمیشہ جھوٹ بولتے ہیں۔" کامی ساکا نے اس کا جملہ کاٹ دیا۔ "البتہ آنکھیں ہمیشہ سچ بولتی ہیں اور تمہاری آنکھیں چیخ چیخ کر تمہارے دعوے کی تردید کر رہی ہیں۔"

"کیا تم جیک میروک کی کوئی تصویر دیکھ چکی ہو؟"

"نہیں۔"

"پھر تمہیں یہ شبہ کیوں ہے کہ میں جیک نہیں؟"

"اس لیے کہ دُنیا میں اب تک صرف ایک ہی شخص پیدا ہوا ہے جو ڈچ مین کا تعاقب کرتے کرتے اُس کی عمر بہ تنگ پہنچ جائے۔" کامی ساکا کے ہونٹوں پر مستقل مسکراہٹ رقم تھی۔ "اور لطف کی بات یہ ہے کہ ڈچ مین کے یوں تو ہزاروں دشمن ہیں لیکن وہ خود صرف ایک ہی شخص کو اپنا دشمن گردانتا ہے۔"

"کیا تم مجھے اُس دشمن کا نام بتا سکتی ہو؟"

"وہ تم ہو، مسٹر شہزاد ٹائیگر!"

ٹائیگر خاموش رہا۔ وہ کامی ساکا کے ابتدائی جملوں سے ہی سمجھ گیا تھا کہ وہ اُس کی حقیقت جان چکی ہے۔ جاپان کی سرزمین پر ڈچ مین کے بعد اُسے شناخت کرنے والی وہ پہلی ہستی تھی۔

"ڈچ مین اپنا راز کبھی کسی کو نہیں دیتا۔" کامی ساکا کہہ رہی تھی۔ "لیکن ہم دونوں پر بعض گھڑیاں ایسی بھی بیتی ہیں جب کوئی راز، راز نہیں رہتا۔ ایسے ہی ایک مرحلے پر اس نے مجھے تمہارے بارے میں بتایا تھا اور یہ بھی کہا تھا کہ اگر کسی مرحلے پر تمہارا سامنا ہو جائے تو تمہیں بے انتہا تکریم دوں... لیکن تمہارے ساتھ تک اور شخص کو بھی ہونا چاہیے تھا... تمہارے بوڑھے استاد اوشان کر... وہ کہاں ہے؟"

"وہ تو کہیں تو ہے لیکن میرا اس کا رابطہ نہیں۔" ٹائیگر نے مختصر سا جواب دیا۔ یوں بھی کامی ساکا اتنا کچھ کہہ چکی تھی کہ اب مزید کسی بات یا وضاحت کی ضرورت ہی نہ رہی تھی۔

"ایک بات کہوں شہزاد۔" کامی ساکا بولی۔ ٹائیگر کی طرف سے نہ ٹوکے جانے پر اس نے اپنی بات جاری رکھی۔ "جس کاروبار میں تم لوگ ہو، وہ ہے بہت بُرا اور میں نہیں چاہوں گی کہ تمہیں کچھ ہو۔"

"بھلا تم میرا خیال کیوں رکھنا چاہتی ہو؟"

"شاید اس وجہ سے کہ ڈچ مین سے تمہارا کوئی نہ کوئی تعلق ہے۔"

"خواہ یہ تعلق دشمنی کا ہی کیوں نہ ہو؟"

"یہی تو دُنیا کا سب سے مضبوط رشتہ ہے۔" کامی ساکا بلا کی حاضر جواب تھی۔ "تمہارے دل میں ظلم چھپا ہوا ہے جو دشمنی کے لیے بنیاد فراہم کرتا ہے۔"

"ڈچ مین کی کیفیت بھی مختلف نہیں۔"

"میں نے کبھی یہ ظاہر نہیں کیا کہ اُسے مکمل طور پر سمجھ چکی ہوں لیکن اپنے تعلقات کی بنیاد پر میں یہ ضرور کہہ سکتی ہوں کہ وہ ایک بہادر شخص ہے اور اسی وجہ سے میں اُس کی بہت سی غلطیوں کو معاف کر دیتی ہوں۔"

"قتل غارت گری کو بھی؟"

"میں بُدھ مت کی پیروکار ہوں، اس ناتے کسی قتل کو نظر انداز نہیں کر سکتی، البتہ میں اب تک اس کا کوئی مناسب جواب تلاش نہیں کر پائی۔"

"لیکن تم اُس کے ساتھ رہتی تو ہو۔" ٹائیگر بولا۔

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔" کامی ساکا کی مداخلت سے اس کا جملہ ادھورا رہ گیا۔ "اس کے باوجود کہ میرے اور اس کے تعلقات کی نوعیت قدرے مختلف ہے، ہیں تم دونوں کے لیے یکساں جذبات رکھتی ہوں۔"

"ہم دونوں دو باکے دو مختلف کنارے ہیں۔"

وہ مسکرائی۔ "وہ ایک قاتل ہے... اور تم... کیا ہو؟"

"میں یہاں اپنی ذات کے بارے میں تم سے بات کرنے نہیں آیا۔"

"درست کہتے ہو۔" کامی ساکا نے سر کو اثباتی جنبش دی۔ "میں بھی کتنی بے وقوف ہوں۔"

"کیا تم میرے سوال کا جواب دو گی؟"

"میں جواب دے چکی ہوں، یہ تمہارا قصور ہے کہ سُن نہیں سکے۔"

"میں نے تمہاری زبان سے ادا ہونے والا ایک ایک لفظ سنا ہے۔"

کامی ساکا چند ثانیے خاموش رہی، پھر ٹائیگر نے اُسے اپنے کھونوکی چوڑی آستین میں ہاتھ ڈالتے دیکھا۔ اُس نے ایک چھوٹا سا پیکٹ نکال کر میز پر رکھ دیا۔

"میرے خیال میں یہ تمہارا ہے... یا دوسرے الفاظ میں جیک میروک کا ہے۔" وہ عام سے انداز میں بولی۔ "اگر میں یہ کہوں کہ اس میں دھماکے سے پھٹنے والا کوئی شے نہیں تو تم تب بھی اسے نہیں کھولو گے۔"

ٹائیگر مسکرایا۔ "تم نے میرا نام تو سُن رکھا ہے لیکن شاید میرے بارے میں اندازے صحیح نہیں لگا سکیں۔"

اُس نے پیکٹ اٹھا کر کھول لیا۔ پہلے وہ یہی سمجھا کہ ڈچ مین نے جیک کا خون ہی اُسے واپس کیا ہے۔ یہ بھی میرے کا ویسا ہی تراشا ہوا ننھا سا مجسمہ تھا جو ٹائیگر پہلے ہی دیکھ چکا تھا، مگر جب اُس نے ننھے سے مجسمے کو پلٹا تو چونکے بغیر نہ رہ سکا۔

یہ ٹائیگر کا اگلا حصہ تھا... سر اور شانے... لیکن اُسی کا نصف تھا جو جیک کی ملکیت تھا۔

مائی گاڈ... وہ سوچے بغیر نہ رہ سکا۔ یہ سب کیا ہو رہا ہے؟

اُس نے نظریں اٹھائیں۔ "کیا تم نے پہلے بھی اسے دیکھا تھا، کامی ساکا؟" اُس نے شیر کا نصف حصہ اس کے سامنے کر دیا۔

کامی ساکا نے سر کو اثباتی جنبش دی۔ "یہ کس کا ہے؟"

ٹائیگر خاموش رہا تو وہ خود ہی بولی۔ "یہ ڈچ مین کا ہے، اور اُس کا کہنا ہے کہ یہ اُس کی ماں کی ملکیت تھا۔"

ٹائیگر کو حیرت کا ایک اور جھٹکا لگا تھا۔

* پیر کے روز ہانگ کانگ کے اردگرد سمندر میں طوفان کی پیش گوئی کی گئی۔ کاروبے اور باربروین کی بندرگاہوں میں طوفان سے بچاؤ کی تمام تیاریاں کر لی گئیں۔

ہانگ کانگ کے اندر بھی ایک طوفان برپا تھا، لیکن اس کی نوعیت قدرے مختلف تھی۔ صنعت کار اور تاجر کسی بہت بڑے دھماکے کے منتظر تھے۔

ہانگ کانگ کے اسٹاک ایکسچینج ہانگ سینگ میں ہر طرف خوف کا سماں تھا۔ کاولون سے کنگ اینڈ کمپنی کے کاروبار ختم کرنے کی خبر نشر ہو چکی تھی۔ اب ہر شخص یہی سوچ رہا تھا کہ مالی لحاظ سے ایک مضبوط کمپنی کے چلے جانے کے بعد کاولون کی باقی تجارت پر کیا منفی اثرات مرتب ہوں گے۔

خوف سے پھیلی ہوئی آنکھیں بورڈ سے چپکی ہوئی تھیں جہاں قیمتوں میں اتار چڑھاؤ کے ہندسے نمودار ہو رہے تھے۔ ان میں سے دو آنکھیں تھری اوتھ سن کی بھی تھیں کامنگ پر وجیکٹ میں اس کی ڈانواں ڈول پوزیشن اور اینڈریو میور کی جانب سے انکار کے باعث اُس کی کمپنی پاک ہان سن کے اسٹاکس کی پوزیشن دگرگوں تھی۔

وہ تھوڑی تھوڑی دیر بعد بورڈ پر اپنی گرتی ہوئی ساکھ کو دیکھتا

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

اور مارے کرب کے آنکھیں بند کر کے کرسی کی پشت سے ٹک جاتا۔ آسے محسوس ہو رہا تھا کہ پیڑ سے اُس کی ملاقات تجارتی خود کشی تھی۔ جس قسم کی پیشکش اُس نے اینڈریو سیور کو کی تھی اس طرح کے کسی معاملے کو مخفی نہیں رکھا جا سکتا تھا۔ چینی گپ شپ سے زیادہ اگر کسی شے سے پیار کرتے تھے تو وہ شرط بازی تھی۔

جس تیزی کے ساتھ پاک ہان من کے اسٹاکس کی ویلیو گر رہی تھی اُس سے صاف ظاہر تھا کہ سیور اینڈ سنز نے کام سنگ پر وجیکٹ کے بارے میں اطلاعات دوسرے کسی تائی پین کو فراہم کر دی ہیں۔

اُس نے خود کو پُرسکون رکھنے کی کوشش کی لیکن جب بورڈ پر گاہ وڈرائی تو اُس کے حصص کی مالیت مزید دو پوائنٹ کم ہو چکی تھی... نائن... دس منٹ میں دو پوائنٹ کم... مالی گاڈ! وہ بے اختیار سوچنے لگا... اس طرح تو پاک ہان من ختم ہو جائے گی۔

اُس نے جھک کر اپنے ہی اسٹاکس کو دوبارہ خریدنے کے احکامات جاری کر دیے۔ اگر ایسا نہ کیا جاتا تو پاک ہان من کو تباہی سے کوئی نہیں بچا سکتا تھا لیکن جب اُس نے اپنی ٹوٹ بھگ پر نگاہ دوڑائی تو یہ خوفناک حقیقت آشکار ہوئی کہ اس کے پاس مال نہیں ہیں۔ وہ اپنی آخری جمع پونجی پہلے ہی خریداری میں صرف کر چکا ہے۔

اُس کی آنکھیں دوبارہ بورڈ سے چپک گئیں۔ اسٹاک کی پوزیشن وہی تھی جو پانچ منٹ پہلے تھی۔ حصص کی خرید و فروخت کے آغاز سے اب تک وہ ساڑھے سات پوائنٹس کھو چکا تھا۔

تھری اوتھ سن نے بے بسی سے آنکھیں بند کر لیں۔ وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ تباہی اُس کا مقدر بن چکی تھی۔ پاک ہان من کو اب ختم ہونے سے کوئی نہیں بچا سکتا تھا۔

سوا بجے تک پاک ہان من کے حصص کی مالیت مزید نصف پوائنٹس کم ہو گئی۔ تھری اوتھ سن اب بے حس و حرکت بیٹھا تھا۔

ایک بج کر تیس منٹ پر فلور پر رکھا ہوا ایجی ٹیشن کا فون چیخ اٹھا۔ تھری اوتھ سن نے بے قراری سے ریسیور اٹھایا۔ "کسی شخص نے ابھی ابھی پاک ہان من کے پچاس ہزار حصص خریدے ہیں۔" اس کے بروکر نے مطلع کیا۔

"کون؟" تھری اوتھ سن بولا۔ اُس کی چھٹی حس خطرے کی نشان دہی کرنے لگی۔

"ابھی معلوم نہیں ہو سکا۔" بروکر نے جواب دیا۔ "میں معلوم کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔"

اے حمید
کے ایڈونچرس قلم سے
گنگا کے
پجاری ناگ
دو جلدوں میں
جلد اول =/150
جلد دوم =/200
مکتبہ القریش سرکلر روڈ اردو بازار لاہور
فون 7668958

ایک پراسرار مورتی کے حصول کے لئے ہونے والے خوفناک معرکے کا احوال
خبیث
انوار صدیقی کے پراسرار قلم سے
5 حصوں میں، مکمل سیٹ =/200 روپے
مکتبہ القریش سرکلر روڈ اردو بازار لاہور
فون 7668958

"جونہی پتا چلے مجھے فوری مطلع کرو۔" تھری اوتھ سن نے زور سے ریسیور پٹخا اور کسی عقاب کی طرح بورڈ کا جائزہ لینے لگا۔

ابھی تک اعداد و شمار تبدیل نہیں ہوئے تھے۔ اس میں کچھ دیر باقی تھی۔

چند ہی منٹ گزرے تھے کہ فون کی گھنٹی اُس کے دماغ پر ایک بار پھر ہتھوڑے کی طرح برسی۔

"یس؟"

"ابھی ابھی مزید پچاس ہزار حصص خریدے گئے ہیں۔"

"کیا اُسی شخص نے خریدے ہیں؟"

"یس"

اوہ، گاڈ! ہم غلطی پر تھے۔ وہ لوگ میرے پیچھے آ رہے ہیں، شارک کو خون کی بو آ گئی ہے۔ کون ہے وہ؟"

"ہم ابھی تک معلوم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں سر۔" بروکر کی آواز سنائی دی۔ "انہوں نے رازداری سے خریداری کی ہے۔"

"مجھے نام چاہئیے!" تھری اوتھ سن ماؤتھ پیس میں دہاڑا اور ریسیور رکھ کر پھر بورڈ کی طرف متوجہ ہو گیا۔

اعداد و شمار تبدیل ہو رہے تھے۔ تھری اوتھ سن نے سینے پر ہاتھ رکھ لیا۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے دل کو سینے سے نکل بھاگنے سے روکنے کی کوشش میں ہو۔

پاک ہان من کے حصص کی قیمت میں دو پوائنٹس کا اضافہ ہو گیا تھا۔

تو کھیل شروع ہو گیا ہے۔ وہ سوچنے لگا۔ کوئی شخص میرے سیٹ اپ میں نقب لگانا چاہتا ہے لیکن میں اسے روک نہیں پا رہا۔

ٹیلیفون کی گھنٹی پھر بج اٹھی تھی۔

☆☆

ڈاکٹر بہرام بگٹے دیکھتے کمپیوٹر ٹرمینل کے سامنے بیٹھ گیا جو چارہ گر کے عظیم تر کمپیوٹر سے منسلک تھا۔ یہ کمپیوٹر دُنیا کا ایک عجوبہ تھا۔ چھوٹے سے چھوٹے ٹک سے لے کر بڑے سے بڑے ٹک کے بارے میں تمام سیاسی تاریخی جغرافیائی سماجی معلومات اس میں مقید تھیں۔ کمپیوٹر دُنیا کے کسی بھی کونے میں ہونے والے ہر واقعے کو خود بخود ریکارڈ کر لیتا تھا۔ ساتوں براعظموں میں کوئی مجرم ایسا نہ تھا جس کے بارے میں اعداد و شمار سپر کمپیوٹر کے پاس موجود نہ ہوں۔ چارہ گر کی ہزاروں فائلیں اسے ازبر تھیں۔

بہرام نے دو نگر پرنٹس کمپیوٹر میں فیڈ کیے تھے، جو ہانگ کانگ میں ٹائیگر اور میرینا کے مشترکہ اپارٹمنٹ کے باورچی خانے میں رکھی دو پلیٹوں سے اُٹھائے گئے تھے۔

اسکرین پر فوری طور پر "مزید آگے" کے الفاظ روشن ہو گئے۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ نصف دُنیا پار ہونے کے باوجود کمپیوٹر کی میموری میں ابھی دو آدمیوں کی شناخت موجود ہے جو چیک میروک یا ٹائیگر کے اپارٹمنٹ میں داخل ہوئے تھے۔

بہرام نصف گھنٹے تک فائلیں کھنگالتا رہا لیکن نتیجہ صفر ہی نکلا۔ اس نے دُنیا کی خطرناک ترین تنظیم کے جی بی کے ارکان ریڈ بریگیڈ، ایلک سپتمبر، بدر مینوف ریڈ اسٹار، دہشت گردوں اور جاپانی انتہا پسند تنظیموں کو چیک کیا لیکن کوئی مثبت جواب نہیں مل سکا پھر اس نے انفرادی حیثیت میں کام کرنے والے دہشت گردوں اور قاتلوں میں اپنے مطلوبہ افراد کی تلاش شروع کی لیکن نتیجہ کچھ نہیں نکلا۔

"لعنت ہو یہ وہ جنہ آواز میں بولا۔

ٹرمینل کا خاموش اشارہ یہی تھا کہ مزید آگے۔

کیا چیز رہ گئی ہے؟

لیفٹ فیلڈ کے جی بی آپریٹو کو آزمایا گیا۔ کچھ نہیں ہوا۔

مزید آگے۔

ریٹائرڈ ہونے والے دہشت گردوں کو کھنگالا گیا۔ اب بھی کچھ نہیں ہوا۔

مزید آگے۔

بہرام کچھ دیر سوچتا رہا کہ اب کیا کرے؟ تمام امکانات کا جائزہ وہ لے چکا تھا۔ اس نے ایک اور "ایک سسس کو ڈ" دبایا اور انفرادی ناموں کا جائزہ لینے لگا۔ اسکرین پر نام ابھرتے اور غائب ہوتے رہے۔ بہرام کی انگلیاں کی بورڈ پر تھرکتی رہیں حتیٰ کہ وہ نام اسکرین پر چمکتے رہ گئے۔

"ڈھونڈ کر لا لیے مجھے"، ٹرمینل کے اوپر لکھا تھا۔

منہ ہی منہ میں بڑبڑاتے ہوئے بہرام کی انگلیاں پھر کی بورڈ پر مصروف ہو گئیں۔ اب وہ معلومات کنفرم کرنے کے لیے ٹول چیک کر رہا تھا۔ تیس سیکنڈ کے اندر اندر اُسے پتا چل چکا تھا کہ اس سے کوئی غلطی نہیں ہوئی۔

ٹرمینل نے اُسے بتا دیا تھا کہ میرینا کے نوکیو رداہ ہونے کے فوراً بعد دو افراد اپارٹمنٹ میں داخل ہوئے تھے۔ دونوں کا تعلق سی آئی اے کے ڈیتھ اسکواڈ سے تھا۔ وہ دونوں سوالات کرنے یا پیغام پہنچانے نہیں گئے تھے۔ وہ ایک مخصوص شعبے میں مہارت رکھتے تھے۔

وہ دونوں قاتل تھے۔

اس کا مطلب یہ تھا کہ میرینا میروک کے قتل کا حکم ٹائیگر سے اس کی بے وفائی سے پہلے ہی دیا جا چکا تھا۔ سی آئی اے کو میرینا بیچ اور ٹائیگر کی منگنی کے بارے میں کیسے پتا چلا؟

بہرام نے سر اٹھایا اور زنگا ہیں سامنے دیوار پر ٹھہر گئیں چارہ گر سے تعلق رکھنے والے کسی شخص نے ایک بار پھر اس کے راز بے نقاب کر دیے تھے... لیکن وہ کون تھا؟

☆☆

ہانگ کانگ میں طوفان کی لہروں نے اس وقت ۹ فٹ تو ڈا جب اٹھارہ فٹ بلند طوفانی لہروں نے رُخ بدلا اور جنوب مشرق

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کی طرف نکلتی چلی گئیں۔ شمال مغربی کناروں میں طوفان کی اطلاع سُن کر جو سرگرمیاں معطل ہو گئی تھیں وہ بحال ہونا شروع ہو گئی تھیں۔ تھری اوتھ سن کے سیونگ ڈیک پر بھی زندگی لوٹ رہی تھی اور لوگ، بھاگ بھاگ کر اپنے (نائف کی انجام دہی میں معروف تھے۔

نچلے ڈیکس پر، تھری اوتھ سن کے ماسٹر اسٹیٹ روم میں بھی سرگرمی پائی جاتی تھی لیکن یہ قدرے مختلف نوعیت کی تھی۔ جب نیون چاڈ، بورڈ پر ہوتی تھی تو پھر تمام امور اس کی ہدایات کے عین مطابق ہی نمٹائے جاتے تھے۔

وہ اس وقت اپنے آقا پر جھکی ہوئی تھی جس کی آنکھیں بند اور مُنہ تھوڑا سا کھلا ہوا تھا۔ تھری اوتھ سن کا انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ آنکھیں کھول کر کسی خوبصورت پیتے کو توڑنا نہ چاہتا ہو۔

جانے کتنی دیر وہ دُنیا و مافیہا سے بے خبر رہے لیکن پھر انہیں باہر سے بارش کی آوازیں سُنائی دینے لگیں۔ نیون چاڈ نے ذرا سا اُٹھ کر تکیوں سے ٹیک لگائی، ایک سگریٹ نکال کر سلگایا اور تھری اوتھ سن کے ہونٹوں میں دبا دیا۔ ایک سگریٹ اس نے اپنے لیے بھی سُلگا لیا۔

"کیا تم پاک ہان مِن پر کنٹرول رکھ سکو گے؟"

اس طرح کے سوالات ہمیشہ ہی اُسے ناخوش کر دیتے تھے۔ کچھ ہی عرصہ پہلے بلس نے بھی ایسی ہی حرکت کی تھی... لیکن بلس کی طرح نیون چاڈ بھی مختلف تھی۔ وہ بھی چین کی بدلتی ہوئی اقدار میں شریک تھی۔

تھری اوتھ سن نے ایک طویل سانس لی۔ حقائق کا سامنا کرنا اچھی بات ہے۔ وہ بلس کی کارکردگی پر غور کرنے لگا۔ اس نے بلس کے مستقبل کے بارے میں کئی فیصلے کیے تھے جن میں خود بلس کی رضامندی بھی شامل تھی لیکن جانے کیوں تھری اوتھ سن کو محسوس ہو رہا تھا کہ بلس کی بات مان کر اس نے عورت کے مقابلے میں خود کو کمزور کر لیا ہے۔

اسے وہ فون کال بھی یاد آئی جو ہانگ سینگ سے روانہ ہونے سے قبل اسے موصول ہوئی تھی۔ اُسے اپنے کان میں جو آواز سُنائی دی تھی اس کے مطابق جبلی کارپوریشنوں نے پاک ہان مِن کے اسٹاکس خرید کر اسے بے یار و مددگار کر دیا تھا۔

"میں طاقت ور تو ہوں" تھری اوتھ سن نے اپنی محبوبہ کو بتایا۔ "لیکن میرے پاس لامحدود سرمایہ نہیں ہے"

اسے یقین تھا کہ فائیو اسٹار سیکیورٹیز کی پوزیشن بھی اس سے مختلف نہیں ہے۔ اس کا خیال تھا کہ فائیو اسٹار اتنا سرمایہ خرچ کر کے پاک ہان مِن کے تمام حصص خریدنے کی جرأت نہیں کرے گی لیکن اس کی توقعات کے برعکس یہ انہونی ہو گئی تھی۔ اس کے اسٹاکس خریدنے والی جبلی کمپنیوں کی مالک نائیو اسٹار ہی تھی۔

اتنی رقم کہاں سے آئی؟ اس پاگل پن کی تجویز پیش کرتے وقت سوروس کے ذہن میں کیا بات تھی؟

نیون چاڈ نے نظریں جھکا کر تھری اوتھ سن کے بدن کا جائزہ لیا۔ "تمہارے ذہن میں کوئی منصوبہ تو ہو گا؟" وہ آہستگی سے بولی۔

"میں جانتی ہوں کہ ہمیشہ ایسا ہی ہوتا ہے"

تھری اوتھ سن نے مرکو اثباتی جنبش دی۔ "میں پاک ہان مِن کو تباہی سے بچانا چاہتا ہوں" اس کا لہجہ پُرجوش تھا۔ "اب بھی اس کمپنی میں معجزے دکھا سکتا ہوں لیکن ان عیر ملکیوں نے بہت سے حصص خرید لیے ہیں"

نیون چاڈ نے اپنی سگریٹ ایش ٹرے میں بجھا دی۔ "میں جانتی ہوں میرے آقا" وہ آہستگی سے بولی۔ "جیت تمہاری ہی ہو گی"

تھری اوتھ سن نے آنکھیں بند کر لیں۔

امریکہ کا اسٹیٹ سیکرٹری اور قومی سلامتی کا مشیر وائٹ ہاؤس کے ایک کمرے میں موجود تھے۔ صدر مملکت ایک اہم اجلاس میں معروف تھے۔ قومی سلامتی کے مشیر بریڈن نے خود ہی اسٹیٹ سیکرٹری کو ملاقات کے لیے بُلایا تھا کیونکہ کچھ دیر پہلے اُسے چارہ گر سینی ٹوریم سے ڈائریکٹر بہرام کی ایک کال موصول ہوئی تھی جس نے اس کے چودہ طبق روشن کر دیے تھے۔

اب تک بریڈن یہی سمجھے بیٹھا تھا کہ وہ لوگ وائنگٹن میں بیٹھ کر جو کچھ کرتے رہے ہیں کوئی اور شخص اس سے آگاہ نہیں، لیکن بہرام کی باتوں سے یہ ثابت ہو گیا تھا کہ چارہ گر سینی ٹوریم، وائنگٹن کے ہر گھر کے بند دروازوں کے پیچھے جھانکنے کی اہلیت رکھتا ہے۔

بہرام کی فون کال بریڈن کے لیے کسی دھماکے سے کم نہ تھی۔ وہ ریسیور رکھتے ہی معروف ہو گیا۔ اس مصروفیت کے نتیجے میں اسے جو معلومات موصول ہوئی تھیں۔ ان کی وجہ سے وہ اسٹیٹ سیکرٹری کو بُلانے پر مجبور ہو گیا تھا۔

"بہرام نے مجھے مطلع کیا ہے کہ کسی نے جان بوجھ کر چارہ گر کی سیکیورٹی توڑنے کی کوشش کی ہے" بریڈن نے اسٹیٹ سیکرٹری کو آگاہ کیا۔

"کس نے؟"

"کمپیوٹر اس سلسلے میں خاموش ہے لیکن یہ طے ہے کہ اس کی وجہ سے ہمارے بھی کئی پروگرام متاثر ہوئے ہیں"

"سیکیورٹی کا ٹوٹنا کس قدر خطرناک ہو سکتا ہے؟" اسٹیٹ سیکرٹری نے پوچھا کیونکہ اسے بھی علم تھا کہ چارہ گر کے راز آشکارا فشا ہونے تو بعض خطرناک ترین معاملات میں امریکی حکومت بھی غیر یاں ہو جائے گی۔

"اس سلسلے میں ابھی ہمارے ماہرین رپورٹ مرتب کر رہے ہیں"

"اور اُس آڑن مِن کی رپورٹ ہے جس کے لیے دُنیا کی تمام خفیہ ایجنسیوں کو ریڈ سگنل دیا گیا ہے؟"

"ٹائیگر؟" بریڈن نے اسٹیٹ سیکرٹری کا چہرہ پڑھتے ہوئے جواب دیا۔ "جبکہ میز ڈرک کی جگہ اس نے لی ہے۔ وہ جاپان گیا تھا لیکن اس کے علاوہ ہمیں کوئی خبر نہیں ملی کہ اس نے کے وی آر کے ایک قاتل دستے کا مکمل صفایا کر دیا ہے۔ پینٹاگون کو اس کی خبر ملی ہے؟"

"نہیں، امریکی وزارت دفاع اس سلسلے میں قطعی طور پر لاعلم ہے"

اسٹیٹ سیکرٹری کے جواب نے بریڈن کے چہرے کو تفکرات کی آماجگاہ بنا دیا۔ "ایک اڑتی اڑتی افواہ یہ بھی سنی گئی ہے کہ ٹائیگر اب سی آئی اے کو تباہ کرنے کے درپے ہے"

اسٹیٹ سیکرٹری چونکا۔ "اس افواہ کی کوئی بنیاد؟"

"بہرام نے مجھے مطلع کیا ہے کہ ہانگ کانگ میں میرینا کے اپارٹمنٹ میں جو دو افراد داخل ہوئے تھے۔ ان کا تعلق سی آئی اے کے قاتل دستے سے تھا"

"بہرام کو یہ اطلاعات کہاں سے ملیں؟"

"کمپیوٹر سے"

"تو اس کا یہ مطلب بھی لیا جا سکتا ہے کہ بہرام اپنے اس ٹائیگر کے لیے آگ میں بھی کود سکتا ہے" اسٹیٹ سیکرٹری نے سوال کیا۔

"اس میں کوئی شک نہیں"

"مگر یہ سب ہُوا کیسے؟" اسٹیٹ سیکرٹری کو اپنا خفیہ سیٹ اپ یوں ٹوٹنے پر بے حد افسوس ہُوا تھا۔

"جیسا کہ پتا چل چکا ہے کہ ہماری آرکیٹکٹ جنرل زویا ورکوتا ہے اور وہی ٹائیگر کے سلسلے میں ڈچ مین کو استعمال کر رہی ہے کیونکہ ٹائیگر اور ڈچ مین کے درمیان دیرینہ دشمنی ہے۔ جنرل زویا اپنے مقصد میں کسی حد تک کامیاب ہو گئی ہے"

"تو کیا ڈچ مین کے جی بی کے لیے کام کر رہا ہے؟"

"اس کی تصدیق ہو چکی ہے"

اسٹیٹ سیکرٹری سوچ میں پڑ گیا۔ بصورت حال اب خاصی گمبھیر ہو گئی تھی۔ چند لمحوں کے توقف کے بعد وہ بولا۔ "ٹائیگر کی موجودہ پوزیشن کیا ہے؟"

"صدر کی منظوری کے بغیر اس کے سلسلے میں کوئی کارروائی نہیں کی جا سکتی"

"تمہارا ذاتی خیال کیا ہے؟"

"میری نظر میں وہ ایک ناسور ہے" بریڈن نے جواب دیا۔ "اور تمہیں یہ یاد دلانے کی قطعی ضرورت نہیں ہے کہ ناسور کو کاٹ دینا ہی بہتر ہوتا ہے"

اسٹیٹ سیکرٹری خاموش رہا۔ بریڈن کو اپنی بات کی وضاحت کرنے یا تفصیل میں جانے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ وہ خود بھی متعدد بار ایسے احکامات دے چکا تھا اور یہ ایک حکم دینے میں اسے کوئی تامل نہ ہوتا۔

جنرل زویا کام میں معروف تھی... ایک ماڈل سوویت بیوروکریٹ... بجٹ سے متعلق اجلاسوں میں آنا جانا اور محکمانہ فرائض شروع ہو چکے تھے۔ وہ افرادی قوت کے بارے میں اپنی ہفتہ واری رپورٹ مرتب کرتی، بیرون ملک مشن، ان کی پروگریس اخراجات کے گوشوارے، فیلڈ میں ضائع ہونے والے جانی اور مالی اثاثوں کی تفصیلات تیار کرتی۔ کمپیوٹر سے فیلڈ ڈیٹا کے بارے میں.... ہارڈ کاپیز نکالتی اور سہ ماہی، ششماہی اور سالانہ اوسط نکالتی... اب وہ چار کی بجائے ہر اسائنمنٹ کی پانچ کاپیاں بناتی تھی... دو اپنی فائلوں اور دو کا روف کے لیے... جبکہ پانچویں درخوف کو اسمگل کر دی جاتی۔

زویا کے مکئی کی رنگت کے بال چمک رہے تھے۔ وہ اب برطانوی برش استعمال کرتی تھی جو درخوف نے اُسے خرید کر دیا تھا۔ اُس نے سخت کاٹن کے یونیفارم کے نیچے ساٹن ٹیپ پینٹیس، لیسی گارٹر بیلٹ اور ریشل شیئر سلک کی اسٹاکنگ پہن رکھی تھی۔

اب زویا کے رویے میں نمایاں تبدیلیاں آئی تھیں۔ وہ اکثر کھوئی کھوئی رہتی اور ہر وقت خود کو درخوف کے ساتھ محسوس کرتی تھی۔ درخوف نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اُسے نیلے رنگ کے فرانسیسی جوتے لا کر دے گا جن کی ہیل چار انچ اونچی ہو گی۔ زویا کو یقین تھا کہ وہ یہ جوتے پہن کر پہلے سے زیادہ توجہ کشن نظر آئے گی۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کے جی بی کی تین دوسری خاتون افسران کے ہمراہ لنچ کرتے ہوئے وہ یہ سوچے بغیر نہ رہ سکی کہ درخوف اس سے ملنے والی رپورٹوں کا کیا کرتا ہوگا۔ کیا وہ انہیں خود بھی پڑھتا ہے؟ یا پولٹ بیورو کے کسی رُکن کو بھجوا دیتا ہوگا؟ کیا وہ کسی اور کو بھی اپنے اشاروں پر چلا رہا ہے؟ یا خود کسی کے اشاروں پر ناچ رہا ہے؟ کیا وہ صرف اس پر یا کارپوف پر نظر رکھنا چاہتا ہے؟

جانے کیوں اُسے شک ہونے لگا کہ سوویت ہائی کمان میں ایک نہیں کئی درخوف ہیں۔ خود اس کی طرح کارپوف بھی یقینی طور پر کسی کا کارندہ تھا... لیکن وہ یہ ورخوف نہیں تھا جس کے ساتھ زویا تمام حدیں پھلانگ آئی تھی۔

لنچ پر زویا چونکہ غیر معمولی طور پر خاموش تھی اس لیے اس کی ساتھی افسران اس کی نئی عادات کے بارے میں تبصرے کیے بغیر نہ رہ سکیں۔ زویا نے اب مصری سگار پینے شروع کر دیے تھے۔ اب اس کے بال اکثر کھلے رہتے تھے جبکہ پہلے وہ کس کر چوٹی باندھا کرتی تھی... یہ دونوں تبدیلیاں درخوف کی تجویز پر ہوئی تھیں۔

لنچ کے بعد لیڈیز روم میں تانیا نازیموف نامی آفیسر نے جب زویا کو بتایا کہ اس کی نگرانی ہو رہی ہے تو وہ چونکے بغیر نہ رہ سکی۔ وہ جانتی تھی کہ نگرانی صرف ایسے مشکوک لوگوں کی ہوتی ہے جن کا ریکارڈ مرتب کرنا مطلوب ہو۔ اُسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس کی نگرانی کے احکامات کیوں کر صادر کیے گئے تھے۔

"لیکن میرے خیال میں تمہیں پریشان ہونے کی قطعی ضرورت نہیں"۔ تانیا نازیموف بولی۔ وہ ڈپارٹمنٹ بی کی ایک کرنل تھی اور کریملن بیورو کریٹس اور کے جی بی کے درمیان لائزن کے فرائض انجام دیتی تھی "میں جہاں تک سمجھ پائی ہوں کہ اس نگرانی کے احکامات درخوف نے دیے ہیں اور کارپوف بھی اس بارے میں آگاہ ہے۔ یہ عام سی بات ہے زویا.."

"نہیں بے وقوف، زویا اُسے چلا کر کہنا چاہتی تھی، یہ عام سی بات نہیں ہے۔ بھلا درخوف کو میری نگرانی کروانے کی کیا ضرورت ہے؟ اور اس سے اہم بات یہ ہے کہ کارپوف نے مجھے مقتبہ کیوں نہیں کیا؟"

لنچ کے بعد کام میں اس کا دل نہیں لگا۔ اُسے اپنے دو ڈائریکٹروں کے فون موصول ہوئے جنہیں بعض مسائل کا سامنا تھا۔ اس کے علاوہ اسے میڈیا کی رپورٹ کا بھی انتظار تھا جو کسی بھی لمحے آ سکتی تھی۔

چھٹی کے وقت سے ذرا پہلے کارپوف اس کے دفتر میں نمودار ہوا۔ اس کے رخصت ہونے سے پہلے ہی زویا کو اپنے بہت سے سوالوں کے جواب مل گئے تھے جو کسی حد تک اس کی توقعات کے برخلاف تھے۔

وہ اسی طرح خاموشی کے ساتھ زویا کے دفتر میں داخل ہوا تھا جس طرح اکثر ہوا کرتا تھا۔ زویا نے اسے دیکھ کر کسی خاص گرم جوشی کا مظاہرہ نہیں کیا بلکہ اپنے کام میں مصروف رہی۔ جب اس نے فائلیں نمٹا لیں تو ایسی نظروں سے خاموش بیٹھے کارپوف کو دیکھنے لگی جیسے وہ اجنبی ہو اور پہلی بار اس کے دفتر میں آیا ہو۔

"خاصی مصروف نظر آ رہی ہو کامریڈ جنرل!" کارپوف گویا ہوا۔ "تمہارے طور میں تیسری بار آیا ہوں"۔

زویا نے مسکرا کر فون کی طرف اشارہ کیا۔ "تم مجھے کال کر سکتے تھے کامریڈ!"

جواب دینے سے پہلے کارپوف نے سگار کا کش لگایا اور ایک لمبا کش لے کر گویا ہوا۔ "ٹیلیفون کے ذریعے ملاقات کی کمی کو پورا نہیں کر سکتے"۔ وہ اپنے طلائی لائٹر کو گھور رہا تھا۔

زویا سوچنے لگی کہ شاید کارپوف اُسے درخوف کی نگرانی کے بارے میں آگاہ کرنے گیا تھا، رہے وہ سگار پینے تو یہاں نہیں آیا تھا۔ یہ کام تو وہ کہیں بھی کر سکتا تھا۔

"کامریڈ جنرل!" چند ثانیوں کے توقف کے بعد وہ بولا۔ "تمہارا نام آج ڈپارٹمنٹ ایس کی ایگزیکٹو میٹنگ میں زیر غور آیا تھا"۔ وہ اب تک لائٹر کو گھور رہا تھا۔ زویا سمجھ گئی کہ وہ کوئی بڑی خبر ہی لایا ہے "بعض لوگوں کا خیال تھا کہ تمہیں ڈپارٹمنٹ بارہ میں ترقی دے دی جائے"۔ ڈپارٹمنٹ بارہ براہ راست برطانیہ اور اس کے حلیف ملکوں میں جاسوسی کا ذمہ دار تھا۔ موجودہ پوزیشن کے حساب سے یہ اس کی بہت بڑی ترقی ہوتی۔ "لیکن اس تجویز کو ویٹو کر دیا گیا"۔

"اور تمہیں یہ ذمہ داری سونپی گئی کہ تم مجھے آگاہ کرو"۔ زویا تیکھے لہجے میں بولی۔

کارپوف نے نظریں اٹھائیں۔ "یہ کسی تیسرے آدمی سے سننے سے تو بہتر ہے، کامریڈ"۔

زویا نے دل ہی دل میں سیاست پر لعنت بھیجی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ کارپوف کو اس کے احکامات دیے گئے ہوں گے۔ "کیا میں جنرل سے وجہ پوچھ سکتی ہوں؟"

کارپوف نے کندھے اچکائے۔ "جاپان میں ہونے والے نقصان کی وجہ بھی ہو سکتی ہے۔ نیلڈ میں پانچ آدمیوں کا قتل ہوا ہے"۔

"چار"۔

کارپوف نے تولنے والی نگاہوں سے اُسے دیکھا۔ "یہ تیاری کی کمی تھی یا کمانڈر کی ناکامی؟"

زویا نے یہ کہنے کے لیے منہ کھولا کہ درخوف نے اس کے احکامات کو منسوخ کیا ہے اور باقی ماندہ لوگوں کو قاتل دستے میں تبدیل کر دیا تھا لیکن فوری طور پر منہ بند کر لیا۔ وہ سمجھتی تھی کہ اگر کارپوف اس کی بات پر یقین کر بھی لے... جس کی امید کم تھی... کیونکہ اس نے درخوف کو کارپوف پر ترجیح دی تھی... تب بھی وہ زویا سے اس کی معلومات کے ذریعے کی بابت دریافت کرے گا۔ وہ اس بارے میں کیا کہے گی؟ اوہ، یہ بات اس وقت سامنے آئی تھی جب میں اور درخوف بند کمرے میں...

بہر حال زویا نے اپنے دفاع کا موقع ضائع کر دیا۔ کیونکہ کارپوف فوری طور پر اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

زویا کو اس پر غصہ آنے لگا... پرلے درجے کا بیوقوف تھا وہ... وہ کے جی بی کے سب سے بڑے سیکشن فرسٹ چیف ڈائریکٹوریٹ کا سربراہ تھا اگر وہ کارپوف کی باہنوں میں ہوتی تو وہ اس کی خاطر پولٹ بیورو سے بھی بھڑ جاتا لیکن اس وقت وہ درخوف کا سامنا کرنے سے بھی گھبرا رہا تھا... کچھ بھی تھا، زویا کو اس نتیجے پر پہنچنے میں کسی پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑا کہ اب کارپوف کو اس کی ضرورت نہ تھی۔

کافی دیر وہ دفتر کی نیم تاریکی میں بے حس و حرکت بیٹھی رہی۔ جُوں جُوں وہ سوچتی گئی اُسے پورے ماحول سے نفرت محسوس ہونے لگی۔ پوری کے جی بی سے... دفتر سے اور اپنے اردگرد پھیلے ہوئے لوگوں سے... وہ اس حصار سے... اس قید خانے سے نکلنا چاہتی تھی۔

وہ سوچنے لگی کہ شاید اب شمرا کے ذریعے ولہالا سے کام لینے کا وقت آ گیا ہے۔ شمرا ایک راز تھا جسے اس نے سمندر پار محض خود تک محدود کر رکھا تھا۔ کے جی بی کا پالیسی یہ تھی کہ چار میں تین ٹھنڈے کے اندر اندر رپورٹ اپنے سینئر کو دی جانی ہے عدم ضروری تھی لیکن زویا نے اس پر عمل نہیں کیا تھا۔ اس نے اپنی ماں سے سیکھا تھا کہ ہر کار کا راستہ ہمیشہ کھلا رکھو... مارے پٹے دشمن کے سامنے پھینک دو لیکن جیتنے والا پتہ ہمیشہ ہاتھ میں رکھو... اسی طرح شمرا اس کا راز تھا... ولہالا پتان... اس کا آخری ہتھیار تھا جس کی تربیت اُسے اسٹیٹ کی طرف سے دی گئی تھی۔ اس منصوبے پر ایک بار عمل شروع ہو جاتا تو واپسی ممکن نہ تھی۔ زویا یہ سب جانتی تھی لیکن اس پر عمل کرنے کو پوری طرح تیار تھی۔

اس نے اپنے ماتھے پر ہاتھ پھیرا تو اُسے پسینے میں شرابور پایا۔ اسے اچانک ہی گرمی لگنے لگی۔ اس نے فوری طور پر اپنا پرس اٹھایا اور باہر گلی میں آ گئی۔

چار بلاک آگے کے بعد اُسے ایک ایسی دُکان دکھائی دے گئی جو اس کا مطلوب پورا کر سکتی تھی۔ پبلک فون بھی سامنے ہی تھا۔ وہ یہ کال اپنے دفتر کی خفیہ لائن پر بھی کر سکتی تھی... بہت سی آنکھیں اور بہت سے کان تھے... اور وہ ان سے بچنا چاہتی تھی۔

اوور سیز کال کا کنکشن ملنے میں اُسے چودہ منٹ لگے۔ اتنی دیر میں وہ حساب کرتی رہی کہ واشنگٹن ڈی سی میں کیا وقت ہوگا۔

ٹیلیفون کے دوسرے سرے پر بھی بجنے والی گھنٹی نے اس کے دل کی دھڑکن تیز کر دی... امریکہ... گھنٹی ختم ہوتے ہی کسی کی آواز سُنائی دی "ہیلو؟"

"شمرا؟" زویا یوں بولی جیسے دوسری جانب سے بہت ہلکی آواز سُنائی دے رہی ہو "میں تمہاری بڑی آنٹی مارتھا بول رہی ہوں"۔ اکثر اس کا دل چاہتا کہ شمرا سے اس کی بات چیت نوّے سیکنڈ سے زیادہ ہو۔ اسے کسی امریکی سے انگریزی بولنا بہت اچھا لگتا تھا لیکن نوّے سیکنڈ کی ڈیڈ لائن آڑے آ جاتی تھی جو سو فیصد سیکیورٹی کے لیے رکھی گئی تھی۔ اس کے علاوہ ایسے انتظامات بھی تھے کہ کسی بھی لمحے کوئی کال خفیہ طور پر ریکارڈ کی جا سکتی تھی۔ "میں ہوں مارتھا واشنگٹن"۔

"مجھے یاد ہے"۔

"میں نے ولہالا کو جگانے کے لیے کال کیا ہے"۔

"کیا آپ دُہرائیں گی آنٹی؟"

"ولہالا"۔

"آئی سی!"

"ہاں"۔ زویا ریسیور میں بولی۔ "میں جانتی ہوں تم ایسا ہی کرو گی"۔

شی زی لین تھک گیا تھا۔ اس نے بڑی بھرپور جوانی گزاری تھی لیکن اب تو اس پر ایک ایک سانس بھاری تھی۔

وہ بیجنگ کے وسط میں اپنے اپارٹمنٹ کے چھوٹے سے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کمرے میں لیٹا ہُوا تھا۔ درد کی لہریں رہ رہ کر اُسے بے قرار کر رہی تھیں لیکن کوئی اس کا پُرسانِ حال نہ تھا۔ بلکہ اب تو اُسے یُوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ساری دُنیا ہی اس کی دُشمن ہو گئی ہو۔

گزشتہ روز اس نے اپنے گروپ کے ایک دُشمن ڈینگ نیاگوسے وو پنگ کی مُلاقات کے بارے میں سُنا تھا۔۔۔ ڈینگ کمیونسٹ پارٹی کے پروپیگنڈہ ونگ کا نیا سربراہ بننے والا تھا۔ اس نے فوری طور پر نوجوانوں کی "رُوحانی ثقافتیں" دُور کرنے کے لیے ایک مہم چلانے کا اعلان کیا تھا۔

زی لین نے اس سلسلے میں وزیرِ اعظم سے درخواست کی تھی کہ ڈینگ کی پالیسیوں سے بیرونِ مُلک چین کا وقار متاثر ہو گا لیکن اس کی التجاؤں پر کان نہیں دھرے گئے۔

زی لین، وزیرِ اعظم کا جواب سُن کر بغیر سوچے رہ سکا کہ پورے چین میں کیا صرف وہی ایک بے وقوف باقی بچا ہے جو اپنے سینے میں سارے جہان کا درد سموئے گھوم رہا ہے۔

اچانک درد اُسے کے قریب آ ہٹیں اُبھریں تو زی لین اس متوجہ ہو گیا لیکن اس کا سر دروازے کی مخالف سمت تھا۔ اس لیے وہ آنے والے کو نہیں دیکھ سکا تھا۔

"ڈاکٹر!" اس نے پکارا۔ جانے کیوں وہ اچانک ہی خوفزدہ ہو گیا تھا۔

"یہیں ہوں، کامریڈ منسٹر!"

زینگ ہوا کی آواز سُن کر زی لین پُرسکون ہو گیا۔

"کیا خبریں ہیں، میرے دوست؟"

"فائیو اسٹار پیسیفک، پاک ہان من پر گر فتار کر رہی ہے، اور ایک لاکھ حصص خرید چکی ہے۔"

"آہ!" زی لین کے حلق سے کراہ برآمد ہوئی۔ "تو کسی نے تھری ایٹ سن کے ساتھ پیٹر کی مُلاقات کا راز فاش کر دیا ہے!"

"اس میں کوئی شبہ نہیں۔"

"کیا فائیو اسٹار پیسیفک تنہا ہے؟"

"ظاہر تو یہی ہوتا ہے کہ نہیں۔ سیئورا اینڈ سنز نے تیس ہزار اور ٹی وائی چانگ نے پچاس ہزار حصص خرید لیے ہیں۔"

"خاصا برا ہُوا ہے!"

زینگ ہوا نے سر کو اثباتی جُنبش دی۔ "صورتِ حال اس سے بُری ہونے کا امکان ہے۔"

"اس پر ریئر کو روکنے کی ضرورت ہے دوست۔" زی لین بولا۔ "ورنہ اس معاملے کے اتنے پہلو پیدا ہو جائیں گے کہ ہم ان پر کنٹرول حاصل نہ کر پائیں گے۔"

"میں سمجھ رہا ہوں، کامریڈ منسٹر!"

"تب تمھیں ابھی کام شروع کرنا ہو گا۔"

"ہاں، کامریڈ منسٹر!" وہ جانے کے لیے مُڑا۔

"زینگ ہوا۔۔۔"

"ہاں، کامریڈ منسٹر!"

"جیک میروک کی کوئی خبر؟"

"وہ اس وقت ہانگ کانگ پہنچنے والا ہے۔"

"بلس اُسے کافی تک پر ملے گی؟"

"اُسے مطلع کر دیا گیا ہے، کامریڈ منسٹر!"

"گڈ!" اُس نے ایک طویل سانس لی۔

"سر!" زینگ ہوا نے ایک قدم آگے بڑھایا۔ "آپ اچھے تو ہیں؟" اُس کے انداز تخاطب میں ایک واضح فرق آ گیا تھا۔

"میرا بیٹا۔" زی لین بولا۔ "اُس کا انجام بھیانک تھا۔"

"ہاں، کامریڈ منسٹر!"

زی لین نے مشکل سے سر موڑا۔ "اُس کی موت ہمیں ہمیشہ یاد رہے گی زینگ ہوا۔ پُراسرار شرا کی طرف سے ڈوکا انکشاف اس کا آغاز تھا۔ پھر او ہنرو ہاؤس پر جیک میروک نے حملہ کیا اور وو پنگ گروپ میں سامنے آیا۔" اُس نے دوبارہ ایک طویل سانس لی۔ "میں شاید دُنیا سے اپنے رابطے اور بھروسے کھوتا جا رہا ہوں، میرے دوست۔"

زینگ ہوا کا جی چاہا کہ وہ جیک میروک کے بارے میں حاصل ہونے والی معلومات سے زی لین کو آگاہ کر دے کہ جیسے وہ جیک سمجھ بیٹھا ہے وہ امریکہ کا جاسوس ٹائیگر ہے۔۔۔ لیکن وہ بوڑھے باپ کو مزید پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"رُوسیوں نے ہمیں بہت دُور تک دھکیل دیا ہے دوست!" تبھی زی لین کہہ رہا تھا۔ "یاد رکھو کہ وہ کامیاب ہو گئے تو ہمارے لیے کوئی جائے پناہ نہیں ہو گی۔"

"کام سنگ ہمیشہ زندہ رہے گا۔"

"میری بھی یہی خواہش ہے۔" تبھی زی لین بولا۔ "ایک کام سنگ ہر دَور میں ہو گا، زینگ ہوا۔"

"اور رُوسی کبھی اُس کی حقیقت کو جان نہ سکیں گے۔"

"میں تم سے متفق ہوں۔"

"لیکن وو پنگ کا کیا ہو گا، کامریڈ منسٹر؟"

"ہاں! پہلے ہمیں اپنے اندرونی دُشمنوں کو شکست دینی ہو گی۔" زی لین نے آنکھیں بند کر لیں۔ "میری وجہ سے اس سارے بکھیڑے کا خیال رکھنا زینگ ہوا!"

"یس، کامریڈ منسٹر!"

"زینگ ہوا۔۔۔"

وہ دروازے پر رُک گیا اُس کا ہاتھ ڈور ناب پر تھا۔ "سر؟"

"تم اس مرحلے پر ہر پیغام کی بے انتہا اہمیت سے واقف ہو نا؟"

"یس، سر۔۔۔ میں جانتا ہوں۔"

"کوئی غلطی نہیں ہونی چاہیئے۔"

زینگ ہوا کمرے سے باہر چلا گیا۔

جب شی زی لین تنہا رہ گیا تو وہ بڑبڑایا۔ "میں وو پنگ کی شیطانی موجودگی ہر جگہ محسوس کر رہا ہوں۔۔۔ وہ قریب آ رہا ہے۔۔۔ قریب آ رہا ہے۔"

زی لین چھت کو گھورنے لگا۔ اُس پر بدستور بے سکونی طاری تھا۔ درد اُسے بے حال کیے دے رہا تھا۔ وہ اپنی بیماری کا عادی تھا لیکن آج درد حد سے سوا تھا۔

جانے کتنی دیر گزری۔۔۔ پھر اُسے قالین پر قدموں کی نرم نرم آہٹ سُنائی دینے لگی، چند ثانیوں بعد وہ ہاتھ اُس کے جسم کو ٹٹولنے لگے۔

"کیا آج درد پہلے سے زیادہ ہے منسٹر؟ یہاں؟" ہاتھ اب بھی حرکت میں تھے۔ "یہاں؟" اور پھر "یہاں؟"

زی لین کے حلق سے ہلکی سی چیخ برآمد ہوئی۔

"آہ۔۔۔" وہ ٹوٹے ہوئے لہجے میں بولا۔ "ہاں۔"

ذرا ہی دیر میں زی لین کو اپنے جسم کے تین مختلف حصّوں پر انگلیں میں ڈوبے ہوئے ٹھنڈے برش کی موجودگی محسوس ہونے لگی۔

"اب!"

لمبی چبھتی ہوئی سوئیاں ماہرانہ انداز میں اُس کے گوشت میں داخل ہونے لگیں۔ چبھن میں درد رفع ہو گیا۔

زی لین سو گیا تھا۔

☆☆

ٹائیگر کا طیارہ شام سات بجے کے لگ بھگ ہانگ کانگ کے کائی تک ائرپورٹ پر اُترا۔ وہ اپنے شیڈول سے کئی گھنٹے پہلے آیا تھا لیکن حیرت انگیز طور پر بلس اُس کے استقبال کو موجود تھی۔

ٹائیگر نے اُس کا خوب صورت اور دُبلا پتلا سراپا کئی برس کے بعد دیکھا تھا۔ بلس کی اُس پر نظر پڑی تو وہ ہجوم میں سے بھاگتی ہوئی اُس کی طرف بڑھی۔ وہ ایسی کالج کی طالبہ نظر آ رہی تھی جو اپنے بڑے بھائی کو ریسیو کرنے آئی ہو۔

دونوں ایک دوسرے سے ایک فٹ کے فاصلے پر رُکے وہ خاموش تھی۔ ٹائیگر نے اُس کے چہرے کو دیکھا تو اُسے کامی ساکا کے الفاظ یاد آ گئے۔ یوں لگ رہا تھا جیسے تم میرا تھن ریس میں حصّہ لے کر آئے ہو۔ ٹائیگر نے بے اختیار سوچا کہ کیا میں واقعی اتنا بُرا نظر آ رہا ہوں؟

جہاز پر وہ خاصی دیر تک سوتا رہا تھا، لیکن اُس کے خوابوں میں ڈوگ مین اور کامی ساکا مسلسل موجود رہے تھے۔ آج سے پہلے کبھی اُس کے ساتھ ایسا نہیں ہوا تھا، اسی لیے وہ حیران تھا کہ اب ایسا کیوں؟

"وہ ہانگ کانگ میں ہے۔" کامی ساکا نے اُسے بتایا تھا۔ "میں تمھیں صرف یہی بتا سکتی ہوں۔"

"کیوں؟" ٹائیگر نے اصرار کیا تھا۔ "وہ وہاں کیوں گیا ہے؟"

"وہ اکثر جاتا ہے۔ تین چار بار تو اس سال میں جا چکا ہے۔۔۔ یہ میں نہیں جانتی کہ کیوں؟"

اس سے ہٹ کر کہ کامی ساکا نے اُسے کیا بتایا تھا یا وہ اُس کے بارے میں کیا محسوس کر رہا تھا اُسے اُس کے جوابات پر شک تھا۔ اُس نے کامی ساکا کو یہی بتا دیا تھا۔

کامی ساکا نے یوں آنکھیں اُس کے چہرے پر گاڑ دیں جیسے وہ اُسے آنکھوں کے راستے دل میں اُتار لینا چاہتی ہو۔ دونوں دروازے کے قریب ایک دوسرے سے محض چند انچ کے فاصلے پر کھڑے تھے۔ ٹائیگر روانگی کے لیے تیار تھا۔ اس کے باوجود کہ ٹائیگر اُس سے ایک تعلق محسوس کرنے لگا تھا، اُن میں جنسی مخالف کا کوئی رُبط محسوس نہ ہوتا تھا۔

"تمھارے پاس فوکا ایک ٹکڑا موجود ہے۔" وہ عام سے لہجے میں بولی۔ "اور ایک ڈوگ مین کے پاس ہے۔۔۔ میں نے دونوں کو دیکھا ہے۔۔۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم دونوں ایک دوسرے سے منسلک ہو۔۔۔ تم دشمن نہیں ہو سکتے۔"

ٹائیگر چند ثانیے خاموش رہا، پھر گویا ہوا۔ "بے شک تمھیں یہ علم نہیں کہ وہ ہانگ کانگ کیوں گیا ہے لیکن تم نے کوئی

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ایک نام تو سُن رکھا ہوگا؟"

"وہ مجھ سے اپنے کاروبار سے متعلق کوئی بات نہیں کرتا۔"

"عالم مدہوشی کا کوئی حوالہ؟"

"پلیز تاک! ایسی کوئی بات نہیں... تمہارا اندازہ غلط ہے۔ حقیقت میں اس امکان کا جائزہ لے رہا ہوں کہ شاید تمہارے کان میں کچھ پڑا ہو... ٹیلی فون پر ہونے والی کوئی بات چیت وغیرہ... کیا کبھی اُس نے یہاں سے ہانگ کانگ ٹیلی فون کیا ہے؟"

کامی ساکا کی بھنویں سوچنے کے انداز میں سکڑ گئیں۔ تب اُس نے اثبات میں سر ہلایا۔ "ہاں، میرے خیال میں ایسا ہوا ہے۔"

"کچھ یاد ہے؟ کوئی نام؟ کوئی جگہ؟ کوئی ایسی بات جو اہم ہو؟"

"ہاں... یہ زیادہ عرصے پہلے کی بات نہیں... مجھے سوچنے دو۔" اُس کی آنکھیں سوچوں کے سمندر میں غوطہ زن ہوگئیں۔

ٹائیگر خاموشی سے اُس کا نگراں تھا۔

"کیا خوف ناک سنگ کا نام تمہارے لیے کوئی اہمیت رکھتا ہے؟" کامی ساکا نے ذرا سے توقف کے بعد کہا۔

"کیا تمہارا جانا کامیاب رہا؟" ٹائیگر کے کانوں میں بلس کی آواز پڑی۔ اردگرد کافی تک کا شور تھا۔

ٹائیگر مسکرا دیا۔ "ہاں بھی اور نہیں بھی۔" وہ بولا۔ "میں نے ایک ایسا دوست بنایا ہے جو خاصا طاقتور ہے... دوسری طرف میں نے میرینا کی موت کا منظر دیکھا..."

ٹائیگر کے لیے ایک میرینا کی کوئی اہمیت نہ تھی۔ کیوں کہ وہ تو خود موت کا ہرکارہ تھا۔ اُس نے ہزاروں لوگوں کو اپنے ہاتھوں موت کے گھاٹ اُتارا تھا لیکن وہ چونکہ جیک کا کردار ادا کر رہا تھا جو میرینا کا شوہر تھا اس لیے بلس کے سامنے دُکھ کا اظہار کرنا بے حد ضروری اور کسی حد تک فطری عمل تھا۔

"اوہ، افسوس ہوا۔" وہ ایک قدم آگے بڑھ آئی۔ اگلے ہی لمحے بلس کے گلاب کی دو پنکھڑیاں ٹائیگر کے رخسار پر پیوست ہو چکی تھیں۔ اُس نے ٹائیگر کو یوں بانہوں کے حصار میں لیا جیسے کوئی پنجرہ کسی پرندے کو اپنے اندر مقید کرتا ہے۔ اب ٹائیگر کے خاموش ہونے کی باری تھی۔

"اپنا بیگ مجھے دے دو۔"

"نہیں، ٹھیک ہے۔" ٹائیگر نے نفی میں سر ہلایا۔ "مرد کو اپنا بوجھ خود اُٹھانا چاہیے۔"

بلس مسکرا دی۔ "ٹھیک ہے، چلو... میری کار باہر موجود ہے۔"

وہ اُسے اپنے اپارٹمنٹ پر لے گئی۔ ٹائیگر نے کوئی احتجاج نہیں کیا۔ بلس کا اپارٹمنٹ وکٹوریہ پیک کی بلندی پر واقع تھا جہاں سے ہانگ کانگ کے پورے شہر کا نظارہ کیا جا سکتا تھا۔ لونگ اور بیڈ روم چھوٹے چھوٹے تھے لیکن ٹائیگر کو یہ دیکھ کر بے حد حیرت ہوئی کہ میز پر صرف اُبلے ہوئے چاول اور مچھلی کے پارچے ہی تھے۔ وہ پوچھنا چاہتا تھا کہ اُسے اس مخصوص کھانے کے بارے میں کیسے پتا چلا لیکن اُس نے خاموش رہنے میں ہی عافیت جانی تھی۔

کھانے کے بعد دونوں قریب قریب صوفے پر بیٹھ کر کافی سے لُطف اندوز ہونے لگے۔ بلس نے ڈرتے ڈرتے اُس سے جاپان میں پیش آنے والے واقعات اور بطور خاص میرینا کی موت کے بارے میں پوچھا۔ ٹائیگر اُس وقت حیران رہ گیا جب بلس، میرینا کی موت کے بارے میں سُن کر رونے لگی۔ وہ باقاعدہ ہچکیاں لے رہی تھی۔ ٹائیگر نے پہلے تو اُس کو تسلی دی لیکن جب وہ خاموش نہیں ہوئی تو اُس نے بلس کے سُنہرے بدن کو اپنی بانہوں کے حلقے میں قید کر لیا۔

☆☆☆

جی پی آر-۳۰۰۰ مین فریم کی ایکسون ٹرمینل سکرین معلومات سے بھری ہوئی تھی لیکن اُن میں سے کوئی بھی کام کی نہ تھی۔

قدرت رسائی کوڈ (کمانڈ ایکسیس کوڈ): گارگونٹا
یونٹ ایکسیس کوڈ: بلانڈ باڈی
جواب: مزید آگے

"لعنت ہو!" شمرا نے کی بیڈ پر اُنگلیاں دوڑاتے ہوئے کہا۔ "گارگونٹا" جامع مرکزی فائل میں تمام کے جی بی آپریٹوز کے لیے حالیہ چارہ گر ایکسیس کوڈ تھا۔ "بلانڈ بوائے" فائلوں کی رسائی کے لیے اس پندرہ حوالوں کے مخصوص کوڈ تھا۔ کوڈ نیم میں تو لفظ اور خالی جگہیں تھیں جن کا مطلب یہ تھا کہ چارہ گر کا آپریٹو ہانگ کانگ اسٹیشن کے عملے کا حصہ ہے۔

لیکن صورتِ حال اب بھی بہتر نہ تھی۔ شمرا نے زور سے

ریٹرن کی دبائی۔

قدرت رسائی کوڈ: داٹا اسٹیک
یونٹ ایکسیس کوڈ: بلانڈ باڈی
جواب: مزید آگے

تو اس کا مطلب یہ تھا کہ دہشت گردوں کا تعلق کسی ایسے گروہ سے تھا جو چارہ گر کا پروردہ تھا۔ ہانگ کانگ کے لفظ کا دوسرا حرف ڈاکٹر بہرام کی طرف اشارہ کرتا تھا۔

اُس نے ریٹرن کی دبائی۔

کمانڈ ایکسیس کوڈ: ہیرس
یونٹ ایکسیس کوڈ: بلانڈ بوائے
جواب: مزید آگے

کام کے لیے غیر متعلقہ دہشت گردوں کی خدمات حاصل کی گئی تھیں۔

"لعنت ہو!" شمرا نے خود کلامی کی۔ "آخر یہ حرامی کرنا کیا چاہتا ہے؟" نو میں سے آخری تین حرف اُس کے لیے پریشان کن تھے۔ چارہ گر کے شپر کمپیوٹر کی زبان میں بعض ایسے خفیہ کوڈ تھے جو اُس کی سمجھ سے بالا تر تھے۔

شمرا نے ایک بار پھر ریٹرن کی کو دبایا۔

کمانڈ ایکسیس کوڈ: فیوریز
یونٹ ایکسیس کوڈ: بلانڈ بوائے
جواب: مزید آگے

کمپیوٹر کے کوڈز کے مطابق اِس وقت ہانگ کانگ میں دہشت گردی کی کوئی کارروائی نہیں ہو رہی تھی۔ زویا نے بھی اُسے جی بی کے کسی کارندے کی سرگرمیوں کے بارے میں نہیں بتایا تھا، پھر یہ سب کیا ہے؟ اُسے پسینہ آنے لگا۔ کیا وہ بے صبرے پن کا مظاہرہ کر رہی ہے؟ کیا اُس نے شمانیٹ ورک کے بعض لوگوں کو فیلڈ میں دھکیل دیا ہے؟ کیا ڈاکٹر بہرام کو اُن کی بھنک پڑ گئی ہے؟

شمرا کی اُنگلیاں دوبارہ کی بورڈ سے کھیلنے لگیں۔ جونہی اسکرین پر کوڈ نمودار ہوئے اُس کا منہ کھل گیا۔

کمانڈ ایکسیس کوڈ: خفیہ
یونٹ ایکسیس کوڈ: بلانڈ بوائے
جواب: فاؤنڈ اینڈ میچ

"مائی گاڈ!" یہ اُس کی نظریں اُن دو آپریٹو پر جمی ہوئی تھیں جنھیں میرینا میروک کے اپارٹمنٹ بھیجا گیا تھا۔

اُنگلیاں مسلسل کی بورڈ سے کھیل رہی تھیں۔ آخر کار وہ یہ معلوم کرنے میں بھی کامیاب ہو گیا کہ بہرام کی معلومات کا ذریعہ کیا ہے؟

"اُنگلیوں کے نشانات۔" وہ بڑبڑایا۔ "تو اُن لوگوں کی اُنگلیوں کے نشانات میرینا کے اپارٹمنٹ میں رہ گئے تھے! لعنت ہو بہرام پر۔"

اُس نے اپنی ریوالونگ چیئر گھما کر ٹیلی فون اُٹھا لیا۔ کچھ دیر بعد وہ نمبر ڈائل کر کے دوسری جانب سے آنے والی مردانہ آواز سُن رہا تھا۔

"یس؟" بولنے والا تائیوانی تھا۔ اُس نے پہلی گھنٹی پر ہی ریسیور اُٹھا لیا تھا۔

"ایک مخصوص کام کے لیے تمہاری خدمات مطلوب ہیں۔" شمرا بولا۔

"میں وہ مخصوص کام جانتا ہوں۔" تائیوانی نے جواب دیا۔ "مجھے ڈیلیوری کب دینا ہے؟"

"ڈاکٹر بہرام!"

تائیوانی نے ریسیور کریڈل پر ڈال دیا۔ شمرا کو معلوم ہو گیا کہ اُس کا پیغام وصول کر لیا گیا ہے۔

☆☆☆

سر جان بلیو اسٹون کو اس بات کا علم تھا کہ جونہی رپورٹ دینے والا شخص اندر آئے گا اُس کی گرفت مخالف پر کچھ اور مضبوط ہو جائے گی۔

اپنے آرام دہ صوفے پر پھیلا ہوا بلیو اسٹون اس صورتِ حال سے خاصا محظوظ ہو رہا تھا... اپنے آپ کو وہ ایک شہزادہ تصور کرتا تھا... تجارت کا شہزادہ... شہزادوں کی زندگی دوسروں کے لیے ایک کھلی کتاب ہوتی ہے لیکن بلیو اسٹون نے اپنی زندگی کے تاریک گوشوں کو ایک راز میں رکھا تھا۔ وہ ایک کاز کے لیے کام کر رہا تھا۔ اُس کی پیدائش انگلینڈ میں ہوئی تھی لیکن اُسے ایک مخصوص ذمے داری سونپ کر ہانگ کانگ بھیجا گیا تھا اور یہاں وہ اپنی موجودہ حیثیت تک پہنچ گیا تھا... یعنی فائیو اسٹار ریسیفک کے باغ میں سے ایک تائی پین کی حیثیت تک۔

پیٹر اندر آیا تو بھی بلیو اسٹون کے بیٹھنے کے انداز میں کوئی فرق نہ آیا۔ اُس نے اپنی رپورٹ پڑھنی شروع کی تو بھی بلیو اسٹون کے چہرے کے تاثرات میں کوئی تبدیلی نہ آئی البتہ جب پیٹر خاموش ہوا تو بلیو اسٹون نے دھیرے سے سر کو اثباتی جنبش دی۔

یہ وہ شخص تھا جو گزشتہ پانچ سال سے بلیو اسٹون کا خاص کارندہ تھا۔ پیٹر نے سیور اینڈ سنز کی کتابوں کا ایک الگ

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

بیٹ بنا رکھا تھا جو وقتاً فوقتاً بلیو اسٹون کے ملاحظے کے لیے پیش کیا جاتا تھا۔ یہ پیٹر کی خدمات ہی تھیں جن کی وجہ سے بلیو اسٹون اس وقت سیور اینڈ سنز کے تیئس ہزار حصص خرید چکا تھا۔

"اینڈریو سیور، پاک ہان من کے تیئس ہزار حصص خرید چکا ہے۔" پیٹر نے خاموش بیٹھے بلیو اسٹون کو آگاہ کیا۔ "کل وہ مزید ایک لاکھ کی خریداری کا ارادہ رکھتا ہے۔ اُس کے خیال میں صورتِ حال کا غلط اندازہ لگایا گیا ہے۔"

اب میرے پاس کچھ نہ کچھ ہے، بلیو اسٹون سوچنے لگا۔ بے تکے کر نی والی چانگ میرے لیے خریداری کر رہا ہے، لیکن کمپنی پر مکمل کنٹرول کے لیے مجھے ان ایک لاکھ حصص کی بھی ضرورت ہے۔ اگر اس معاملے پر میں اور سیور آپس میں اُلجھیں گے تو قیمت ناقابلِ یقین حد تک بڑھے گی جس کا براہِ راست فائدہ مجھے ہی ہوگا۔

وہ سوچ رہا تھا کہ اب نئے پارٹنرز سے رابطہ قائم کرنے کا وقت ہے۔ مقامی بینکوں سے رابطہ..... جنھیں وہ قلیل المیعاد قرضوں کے لیے ذہنی طور پر پچھلے کئی دنوں سے تیار کر رہا تھا۔ اُن لوگوں کو محض پیغام دینے کی بات تھی۔ وہ فوراً یہ سمجھ جائیں گے کہ پاک ہان من اور تکمیل کے قریب پہنچ جانے والے کام سنگ پروجیکٹ پر فائیو اسٹار سیکیورٹی کے کنٹرول کا وقت آن پہنچا ہے۔

اُس نے پیٹر کو رخصت کیا اور فون اُٹھا لیا۔ تب اُس نے اپنی ایڈریس بک کھولی تاکہ ہانگ کانگ اور ایشیا بینک کارپوریشن کے صدر کا نمبر تلاش کر سکے... وقت خاصا گزر چکا تھا، لیکن اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا... اُسے صرف پیغام دینا تھا... سیور اینڈ سنز سے معاشی لڑائی لڑنے کے لیے اُسے ہانگ سنگ کھلنے سے پہلے رقم کی یقین دہانی کی ضرورت تھی۔

اُس نے نمبر ڈائل کیا، جونہی دوسری جانب سے شناسا مردانہ آواز سنائی دی، وہ بولنے لگا۔

یوری ورخوف سکون آلود مہری پر لیٹا غیر ملکی سگار پی رہا تھا۔ اُس کے چہرے سے بے پروائی ٹپک رہی تھی۔

"میں نے ایسی افواہیں سنی ہیں جنھوں نے مجھے بُری طرح ڈسٹرب کیا ہے۔"

"کس بارے میں؟" زویا نے پوچھا جو اُس کے پہلو میں تکیوں کا سہارا لیے بیٹھی تھی۔ وہ تھری پیس البرٹ نیون آؤٹ فٹ پہنے ہوئے تھی جو ورخوف نے زرد لسکی اسکوائر سے محض تین بلاک کے فاصلے پر واقع بریوز کا سے اس کے لیے خریدا تھا۔ اس کے باوجود کہ بریوز کا سیر اسٹورز زویا کے دفتر سے محض چند منٹ کی مسافت پر تھا، وہ وہاں کبھی نہیں گئی تھی لیکن جب سے ورخوف کے ساتھ اُس کا افیئر شروع ہوا تھا وہ تین بار اُس کے ساتھ وہاں جا چکی تھی۔

آج رات کے لیے زویا نے خاصا اہتمام کیا تھا۔ جارجس نیون اسکرٹ پر اس نے سیاہ سلک اسٹار کنگز پہن رکھے تھے جس سے وہ غیر معمولی طور پر پُرکشش دکھائی دے رہی تھی۔

ورخوف سے طویل ملاقاتوں کے لیے اکثر وہ ایسے ہی لباسوں کا انتخاب کرتی تھی، کیوں کہ ورخوف اُسے اسی طرح کے کٹے پھٹے لباسوں میں دیکھنا پسند کرتا تھا کیوں کہ اس طرح بقول اُس کے زویا کا حسن کچھ اور نکھر آتا تھا۔

ورخوف نے جواب دینے سے پہلے سگار کو ایش ٹرے میں مسلا اور اسٹار کا کے چند گھونٹ لیے۔ وہ سگار ختم ہونے کے بعد تمباکو کا ذائقہ اپنے مُنہ میں پسند نہیں کرتا تھا۔

"کام سنگ کے بارے میں افواہیں... وہ نیوکلیئر پاور پلانٹ جو چین، گوانگ ڈونگ میں تعمیر کر رہے ہیں۔"

"اس میں پریشانی کی کیا بات ہے؟"

"افواہیں۔" وہ دوبارہ بولا۔ اُس کی نگاہیں زویا کے بدن پر پھسلیں تو وہ اُسے سراہے بغیر نہ رہ سکا۔ اُس کے ذہن میں سوچ اُبھری کہ اگر اسے مرنے کے طریقے کے انتخاب کا موقع دیا جائے تو وہ اس حسین مجسمے کی آغوش میں مرنا پسند کرے گا۔ "افواہیں یہ ہیں کہ کام سنگ ہائبرڈز کو بے انتہا خفیہ رکھا جا رہا ہے، یا شاید اُسے جلا وجہ ہی اہم بنایا جا رہا ہے۔"

"لیکن افواہیں سچ ہیں۔" زویا یہ سوچ کر لطف اندوز ہو رہی تھی کہ کس طرح وہ ورخوف کی پوری توجہ حاصل کرنے میں کامیاب ہوئی تھی۔ "کیا تمہارے خیال میں کے وی آر جنوبی چین یا ہانگ کانگ میں ہونے والے واقعات سے آنکھیں بند کر لے؟ ہیں کام سنگ کے راز سے پہلے ہی آگاہ ہوں۔ میرے ایک ایجنٹ نے اس بارے میں مکمل معلومات حاصل کی تھیں، لیکن تم سے اس کا کوئی تعلق نہیں، یوں بھی...."

"کیا تم اپنی انٹیلی جنس سے مطمئن ہو؟" ورخوف نے دریافت کیا۔

"کام سنگ کے بارے میں؟"

"ہاں۔"

"مجھے بتاؤ یوری، کیا تمہیں فیلڈ سے انٹیلی جنس کی رپورٹس

کو انٹرسیپٹ کرنے کا خاصا تجربہ ہے؟"

"میں فوج میں تھا۔" ورخوف نے مختصراً بتایا۔ "اور یہی میری فیلڈ تھی۔" اُس کا انداز تھا جیسے اس کے علاوہ تمام شعبے بکواس تھے۔

"لیکن میں یہ ثابت کر سکتی ہوں کہ میری انٹیلی جنس کس قدر قابلِ اعتماد ہے۔" زویا نے اپنے سنہرے بالوں کو جھٹکا دے کر بکھیرے پر پھیلاتے ہوئے کہا۔

"شاید تمہاری انہی باتوں نے مجھے تمہارا اسیر بنا لیا ہے۔" ورخوف نے پلٹ کر اُس کی گرے آنکھوں میں جھانکا۔ اُسے وہاں ہلکے ہلکے سُرخ ڈورے تیرتے نظر آئے تھے۔ "تم خوفزدہ نہیں ہو؟"

"کبھی کبھی خوف زدہ نہ ہونا بھی بے وقوفی کی علامت سمجھا جاتا ہے۔"

ورخوف نے ہاتھ بڑھا کر اُسے چھوا، یہ حرکت وہ اکثر کرتا تھا۔ "میرا یہ مطلب نہیں تھا۔"

"بے خوف زویا۔" وہ چہچہا کر بولی۔ "بے خوف زویا کے جی بی کے ایک جنرل اور پولٹ بیورو کے گاڈ فادر کے ساتھ بیک وقت معاشقہ لڑا رہی ہے۔"

"پولٹ بیورو کا کون؟"

"لامحدود قوت کا حامل شخص۔"

"میں نہیں۔" اس نے بولنا شروع کیا۔ "وزیرِ اعظم؟"

زویا نے ہتھیلی اُس کے ہونٹوں پر رکھ دی۔ ورخوف نے فوراً اُس کا ہاتھ پرے ہٹا دیا۔ "آئندہ کبھی ایسی حرکت نہ کرنا۔" وہ غرایا۔

زویا کو اُس کی ناراضی کا افسوس تھا نہ احساس، ناراض ہو کر وہ اُسے بھلا ہی لگتا تھا

زویا نے اُسے تھپیڑ دے مارا۔ "انسان بنا کرو... ہر وقت حیوانیت اچھی نہیں لگتی۔" وہ تیز آواز میں بولی۔

ورخوف نے اُس کی کلائی پکڑی اور بتدریج اُسے موڑنا شروع کر دیا، حتیٰ کہ وہ اپنی جگہ سے اُٹھ سی گئی وہ چلّا اٹھی۔ اس کے ریشمیں بالوں نے چہرے کو ڈھانپ لیا۔ اُس کا بدن بُری طرح تڑپ رہا تھا۔

"کبھی کبھی میں سوچتا ہوں کہ تم نے میری توانائیوں کو پسند کیا ہے۔" ورخوف نے اُس کے کان میں سرگوشی کی۔

"تم مجھے مار ڈالو گے۔" زویا تکلیف سے بے قرار ہو کر بولی۔

زویا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ حقیقتاً وہ یہی چاہتی

ڈائجسٹوں کے مقبول سلسلے
جن کا آپ کو انتظار تھا
کتابی شکل میں شائع ہو گئے ہیں

سرکش (12 حصے)	محمود احمد مودی	-/720 روپے
ٹائیگر (13 حصے)	مشتاق احمد قریشی	-/780 روپے
خبیث (5 حصے)	انوار صدیقی	-/250 روپے
درخشاں (2 حصے)	انوار صدیقی	-/120 روپے
روگی (5 حصے)	م۔الف صدیقی	-/300 روپے
فریادی (6 حصے)	شمیم نوید	-/360 روپے
مافیا (6 حصے)	اقبال کاظمی	-/360 روپے
دہشت گرد (4 حصے)	سلیم فاروقی	-/240 روپے
سرفروش (2 حصے)	اظہر کلیم	-/120 روپے
شہباز (2 حصے)	اظہر کلیم	-/120 روپے
انسان اور شیطان (2 حصے)	محمد فراز	-/150 روپے
شیبا بے بی (مکمل)	اقبال پارکیہ	-/54 روپے
بازی (4 حصے)	ایم اے راحت	-/240 روپے

اسٹاکسٹ
مکتبہ القریش، اُردو بازار، لاہور
فون 7068956

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

بعد میں جب تھکن اور نیند سے زویا کی آنکھیں بوجھل ہو رہی تھیں، اُسے درخوف کی آواز سُنائی دی۔ "مجھے اپنی آج کی مصروفیات کے بارے میں بتاؤ۔"

زویا کو یہ سوال کبھی پسند نہ آتا تھا لیکن وہ ہر بار اس کا جواب دینے پر مجبور ہوتی تھی۔ وہ اُن تمام کاپیوں کو ہضم کر چکا تھا جو زویا نے چوری چھپے اُسے فراہم کی تھیں۔ اُس نے بہ مشکل تمام تانیا ناز یوف سے ہونے والی بات چیت کو زبان پر آنے سے روکا۔ ممکن تھا کہ اس بات چیت کے ذکر سے ثمر اکو کے جانے والے فون کا راز بھی فاش ہو جاتا جو زویا کے لیے اہم ترین راز تھا۔

وہ دفاعی انداز میں سوچ رہی تھی، لیکن بخوبی سمجھ رہی تھی کہ دفاعی سوچ اُسے تباہ کر دے گی، وہ پیشہ ورانہ اور ذاتی طور پر تباہ ہو جائے گی اور درخوف کا بدن اور رُوح ن کر رہ جائے گی۔ اُس کی کلائیاں باندھ کر بے یار و مددگار اُس مسہری پر پھینک دیا جائے گا وہ تمام ملبوسات، تحائف اور زیورات اُس کے بدن سے نوچ لیے جائیں گے جو درخوف نے وقتاً فوقتاً اُسے دیے ہیں۔ تمام خوشیاں آن کی آن میں ختم ہو جائیں گی۔

زویا نے دل ہی دل میں آج کی مصروفیات کو مجتمع کیا اور ایک ایک کر کے مُو سے آگاہ کرنے لگی۔ بہت سی باتیں زویا چھپا گئی تھی لیکن وہ اپنی ساتھی عورتوں کے تبصروں کو اُس سے پوشیدہ نہ رکھ سکی تھی۔

"کیا اُنہوں نے نئی زویا کو پسند کیا؟" اُس کی آواز خواب ناک اور پیار کی چاشنی سے بھرپور تھی۔ ایک محبوب اپنی محبوبہ سے مخاطب تھا، لیکن زویا بے وقوف نہ تھی۔ درخوف کو صرف نئی زویا پسند تھی۔

"وہ خاصی متاثر نظر آ رہی تھیں۔" زویا نے کوشش کر کے اپنے لہجے میں خوشی کے عنصر کو نمایاں رکھا تھا۔ "وہ جاننا چاہتی تھیں کہ اس تبدیلی کی وجہ کیا ہے؟"

"تب تم نے انہیں کیا بتایا ہے؟"

"صرف یہی کہ یہ تبدیلی کا وقت ہے... اور اُنہوں نے میرے اس جواز کو پسند کیا ہے۔"

"اُس کے علاوہ وہ آپس میں کس قسم کی باتیں کرتی ہیں؟" درخوف کا اشارہ زویا کی ساتھی عورتوں کی طرف تھا۔

دونوں اب ایک دوسرے کے بے حد قریب تھے... بہت زیادہ قریب۔ "اوہ، کوئی خاص نہیں... صرف یہی کہ آج کل کون کس کے ساتھ رہ رہی ہے.... نئی آنے والی کھیپ میں کون سا ایفیڈینٹ کسے پسند آیا ہے.... وہی معمول کی بکواس...."

"میں ہر حال میں اُسے سُننا چاہتا ہوں۔"

"کام سنگ اب تک بنائے جانے والے نیوکلیئر بلاور جنریٹرز میں ایک الگ اہمیت اور ڈیزائن کا حامل ہے اس کے اندر سمندری پانی کو پینے کے قابل بنانے کی اہلیت بھی رکھتے ہیں، ہانگ کانگ کو پینے کے پانی کے سلسلے میں ہمیشہ مسائل کا سامنا رہا ہے۔ اس طرح یہ مسئلہ بھی حل ہو جائے گا۔"

درخوف نے آنکھیں بند کر لیں، انداز ایسا ہی تھا جیسے کہ سو رہا ہو۔ زویا نے اُس پر نگاہیں جمائیں تو اُسے مافیا پر بنی ہوئی ایک مغربی فلم یاد آ گئی جس میں ہیرو کار روائی کی اجازت لینے کے لیے گاڈ فادر کے پاس جاتا ہے۔ زویا سوچنے لگی کہ کیا "گاڈ فادر" کی مغربی اصطلاح پوری درخوف پر صادق آتی ہے۔

"مجھے کچھ رپورٹس ملی ہیں... اندر کی خبریں۔"

"کس بارے میں؟"

"میں تو یہ سوچ رہا تھا کہ تمہیں بھی ان کے بارے میں پتا چلا ہوگا یا نہیں۔"

"میں سمجھی نہیں۔"

"میرے خیال میں تم سمجھ گئی ہو۔" وہ خاصا ہوشیار تھا۔ "تم ابھی تک کارپوف کی وفادار ہو تمہارے کیریئر کے پیچھے وہی ایک شخصیت ہے جو تمام ڈوریاں ہلا رہا ہے۔"

"کارپوف کے بارے میں کیا بات ہے؟"

"تم تو جانتی ہو گی۔" اُس نے زویا کا گداز بازو سہلایا۔ "اور میں یہ چاہتا ہوں کہ اب تم اس کی وفاداری کو خیر باد کہہ دو۔ میرے لیے۔"

"میں اپنے کیریئر کے بارے میں خود فیصلہ کر سکتی ہوں۔" زویا نے اُس کا جملہ کاٹا۔ درخوف کو اُس سے اسی جواب کی اُمید تھی۔

"کارپوف میری حکمتِ عملی چُرا رہا ہے۔" اُس کی آنکھیں بند تھیں، جب کہ ماتھے پر پسینے کے قطرے چمک رہے تھے۔

"کارپوف کی اَنا کا سائز یوکرائن سے بھی بڑا ہے۔" زویا نے اُسے بتایا۔

"ہاں میں جانتا ہوں۔"

"اَنا پرست، بلیک میلروں کی طرح ہوتے ہیں، ایک بار

شروع ہو جائیں تو وہ رُکنے کے بارے میں سوچ ہی نہیں سکتے۔"

"کیا کارپوف کے بارے میں تم یہی نظریہ رکھتی ہو؟"

زویا خاموش رہی۔

"مون اسٹون کا اصل تعمیر کنندہ وہی تھا۔" درخوف نے اب بھی اپنی آنکھیں نہیں کھولی تھیں۔

"میرے خیال میں کارپوف نے زندگی میں صرف ایک ہی اچھا کام کیا ہے۔"

"وہ کیا؟"

"مجھے کے جی آر کا سربراہ بنانا۔"

درخوف زور سے ہنسا۔ وہ تادیر آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر زویا کو دیکھتا رہا، پھر بولا۔ "اب مجھے کارپوف کے بارے میں کیا کرنا چاہیے؟"

"مجھ سے کیوں پوچھ رہے ہو؟"

"تم اُسے ایک عرصے سے جانتی ہو... بہت قریب سے۔"

"اور تمہارے خیال میں میں اُس کے تمام رازوں کی امین ہوں۔" زویا نے آنکھیں نچائیں۔ "اگر ایسی ہی بات ہے تو اُس کی بیوی سے کیوں نہیں پوچھتے؟"

درخوف نے سر کو اثباتی جنبش دی۔ "اُس کی بیوی ممکن ہے اُس سے محبت کرتی ہو لیکن اُس کے پاس تمہارے جیسا دماغ نہیں ہے۔ کارپوف جیسی پوزیشن کے لوگوں کو جُھکانا اس قدر آسان نہیں ہوتا۔ فرسٹ چیف ڈائریکٹوریٹ کے سربراہ کی حیثیت سے اُس کے بہت سے دوست ہیں... خاص طور پر فوج میں اُن کی تعداد خاصی ہوگی... اور میں اُن میں سے نہیں جو مچھلی پکڑنے کے لیے پانی گدلا کر دیتے ہیں۔"

زویا ہنسی۔ "خاصے سنجیدہ نظر آ رہے ہو۔"

"وہ تو میں ہوں۔"

"لیکن یہ آسان ٹارگٹ نہیں۔"

"میں جانتا ہوں۔"

"تب پھر میں تم سے کچھ پوچھنا چاہتی ہوں۔"

"کیا؟" زویا نے بھویں اُچکائیں۔

"تمہاری اجازت حاصل کرنا چاہتی ہوں۔"

درخوف اُس کے خوبصورت بدن کا جائزہ لیتا رہا۔ "کیوں؟" وہ اپنی آنکھوں کو سیراب کرتے ہوئے بولا۔ "تمہارا تعلق کے جی بی سے ہے، تمہیں میری اجازت کی کیا ضرورت ہے؟"

زویا اُس پر جھک آئی۔ "تم قوت و طاقت کا سرچشمہ ہو.... تمہارے بغیر کسی بات کی کوئی اہمیت نہیں۔"

زویا اُسے خود میں جذب کرنے کے لیے کوشاں تھی اور درخوف سوچ رہا تھا کہ زویا پر اُس کی گرفت کس قدر مضبوط ہے... وہ اُس کے خلاف ایک لفظ بھی نہیں بولے گی... وہ اُبھی ہوئی چیز ہوگی... لیکن ایک عورت تھی اور کے جی بی میں اپنی حیثیت جانتی تھی درخوف کے جاسوسوں نے اس بارے میں مصدقہ اطلاعات فراہم کی تھیں۔ اُسے یقین تھا کہ وہ اُس کے احکامات کی پابندی کرے گی۔

ٹائیگر کی نظریں ہوٹل پر مرکوز تھیں جس کا نصف حصہ چادروں میں چھپا ہوا تھا۔ وہ چند سیکنڈ اُسے دیکھتا رہا، پھر نگاہیں ہٹا لیں۔ اُسے علم تھا کہ اگر مزید چند ثانیے وہ اُسے گھورتا رہا تو بلس اُٹھ بیٹھے گی۔

وہ رُخ بدل کر کھڑکی کی طرف متوجہ ہو گیا جہاں سے کم و بیش نصف ہانگ کانگ کا نظارہ ہوتا تھا۔ ٹائیگر کو اب اس شہر سے کوئی دلچسپی نہ رہی تھی۔ وہ اس سارے بکھیڑے سے تنگ آ گیا تھا۔ اُس کی خواہش تھی کہ جلد از جلد اس کیس کو نمٹا کر واپس چلا جائے۔

فرداً دیر پہلے ہی بلس کے سونے کے بعد اُس نے فوکے ٹکڑے کا جائزہ لیا تھا جو کامی ساکا نے اُس کے حوالے کیا تھا... یہ ڈرچ مین کا ٹکڑا تھا، لیکن یہ اُسی مجسمے سے تراشا گیا تھا جس سے جیک فوتراشا گیا تھا... ٹائیگر جانتا تھا کہ یہ نشانِ چنگیز شہنشاہوں کی طاقت و قوت کا سرچشمہ رہا ہے لیکن وہ حیران تھا کہ ڈرچ مین اور جیک میروک کے ان ٹکڑوں میں کیا قدر مشترک ہے؟

ٹائیگر دوبارہ بلس کو دیکھنے لگا... یہ کون تھی؟ کیا واقعی یہ جیک کے بچپن کی دوست ہے؟ یا اسے اس کردار کے لیے بطورِ خاص تیار کیا گیا ہے؟ ٹائیگر اگر چاہتا تو ایک سیکنڈ میں اُس کی اصلیت جان سکتا تھا لیکن بلس نے اُس سے وعدہ کیا تھا کہ اُسے سب کچھ بتا دے گی۔

ٹائیگر کو علم تھا کہ عورت اپنے مرد کو پہچانتی ہے۔ اس حوالے سے اگر بلس اور جیک کا رشتہ اسی قدر مضبوط تھا تو قسمت کی انتہائی سنگدلوں کے دوران بھی بلس نے اُسے پہچانا کیوں نہیں تھا؟

جیک میروک کا کردار کرتے کرتے اب وہ جیک کے بارے میں بہت کچھ جان بھی چکا تھا۔ اُسے یہ علم بھی ہو گیا تھا کہ جیک اس وقت کہاں ہے؟ گو جیک اسرار میں لپٹا ہوا تھا لیکن ٹائیگر اُس کے ماضی کو خاصی حد تک کھنگال چکا تھا۔

وہ جانتا تھا کہ جیک کی ماں ایتھینا نے ڈرچ مین کی

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ماں کو قتل کرنے کے بعد جب فرار ہونے کا منصوبہ بنایا تو اُسے پتا چلا کہ شی زی لین اُسے چھوڑ کر جا چکا ہے، وہ تجوری سے رقم اور زیورات لینے گئی تو ایک دفاف اُس کا منتظر تھا، جس میں شی زی لین نے چند سطروں میں اُسے بتایا تھا کہ وہ اُس سے محبت کرتا ہے لیکن اُس سے کہیں زیادہ چین سے اُسے پیار ہے۔ اب اُس کے ملک کو اُس کی ضرورت تھی۔ لہٰذا وہ ملک کی خاطر اُسے چھوڑ کر جا رہا ہے۔

ایتھینا یہ حد دل برداشتہ ہوئی۔ اُسے اس جھٹکے نے بیمار کر دیا۔ ایسے میں میروک خاندان نے اُسے سہارا دیا اور اُسے اور جیک کو پالا پوسا، یہی وجہ تھی کہ ایتھینا انولان شی نے مرتے وقت جیک کو اپنے شوہر سے منسوب کرنے کی بجائے میروک خاندان سے منسوب کر دیا اور اُس کا نام جیک میروک رکھ دیا۔

ڈرج مین کے حصے کا فوٹو حاصل کر کے ٹائیگر کو یہ اندازہ بھی ہو گیا تھا کہ کچھ اور لوگ بھی جیک میروک کو جیک شی کی حیثیت سے جانتے ہیں۔ انہیں اُس کی اصلیت کا علم ہے۔ وہ اُس کا اصل نام جانتے ہیں لیکن وہ کون تھے؟ اُس کی حقیقت سے کس طرح واقف تھے؟ ٹائیگر کی معلومات کے مطابق صرف میروک خاندان ہی جیک کی اصلیت سے آگاہ تھا... حتیٰ کہ میرینا بھی اس سے لاعلم تھی۔

اُسے اوہزو ہاؤس سے نے کر اب تک کے واقعات ایک لڑی میں پروئے دکھائی دے رہے تھے... میرینا کا غائب ہونا... ڈرج مین کی سرگرمیاں... اور بلس... جو فوٹو کے بارے میں جانتی تھی، اُسی نے ٹائیگر کو فوٹو کی تلاش میں جانے کے لیے کہا تھا، کیوں؟

ٹائیگر نے گہری نظروں سے بلس کو دیکھا۔ وہ اُس سے سارے سوالوں کے جواب حاصل کرنے کا ارادہ کر چکا تھا۔

بلس کسمسائی اور پھر اُس نے آنکھیں کھول دیں... وہ براہِ راست ٹائیگر کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔

"جیک!" اُس نے دھیرے سے ٹائیگر کو پکارا۔

ٹائیگر بڑھ کر بستر کے کنارے پر بیٹھ گیا۔ بلس نے بھی چادر کو اپنے گرد لپیٹا اور تکیوں سے ٹیک لگائی۔

"میں تمہیں تمہارا وعدہ یاد دلانا چاہتا ہوں۔"

بلس نے مسکرا کر سر کو جھٹکا دیا تو اس کے خوبصورت بال گداز شانوں پر بکھر گئے۔ سیاہ بالوں میں شفاف چہرہ بادلوں کے ہالے میں چاند کی طرح دکھائی دے رہا تھا۔

"کون سا وعدہ؟"

"میں کچھ سوالوں کے جواب چاہتا ہوں۔"

بلس نے ہاتھ بڑھا کر ٹائیگر کا رخسار سہلایا۔ "پوچھو... میرے محبوب!"

"ذرا دیر رک جاؤ میرے پیارے!" بلس نے اپنی ہتھیلی سے ٹائیگر کا رخسار سہلانا چاہا لیکن اُس نے نرمی سے ہاتھ پرے دھکیل دیا۔

"پہلے میرے سوالوں کا جواب دو۔" ٹائیگر نے ہونٹوں پر اپنی قاتلانہ مسکراہٹ سجائی جسے دیکھ کر پتھر بھی موم ہو جایا کرتے تھے۔ وہ تو پھر بلس تھی جو اُس سے پیار کرنے کی دعوے دار تھی۔

"پوچھو۔" وہ والہانہ انداز میں بولی۔ اُس کے انداز میں یکایک ہی تبدیلی پیدا ہو گئی تھی۔

"تم میرے بارے میں کیا کچھ جانتی ہو؟"

"بہت کچھ!" اب بلس بھی مسکرا رہی تھی۔

"مثلاً؟"

"مثلاً یہ کہ اصل جیک میروک کہاں ہے، لیکن یہ میرا ذاتی راز ہے جسے میں مناسب وقت پر بتاؤں گی۔"

"لیکن اس کے باوجود تم میرے ساتھ..." ٹائیگر جملہ مکمل نہ کر سکا۔ "حالانکہ تم جیک سے محبت کی دعوے دار ہو۔"

"میں نے تمہارے بچپن کی ساتھی ہوں لیکن محبت کے سلسلے میں کبھی میں نے یہ نہیں کہا کہ میں... جیک سے محبت کرتی ہوں، بلکہ ہمیشہ یہی کہتی رہی کہ میں تم سے پیار کرتی ہوں۔" بلس نے اپنا استدلال پیش کیا۔

ٹائیگر خاموش رہا، البتہ اُس کے ذہن کے نہاں خانوں میں روبی سمیت اُس کی زندگی میں آنے والی وہ تمام لڑکیاں زندہ ہو گئیں جنہیں اُس سے محبت کا دعویٰ رہا تھا لیکن خود وہ کسی کے لیے اپنے دل میں ایسے جذبات پیدا نہ کر سکا تھا، بلکہ جس ایک سے وہ محبت کرتا تھا اُس کے سامنے بھی اظہار کی ہمت تھی نہ ارادہ۔

"... اور میں فوٹو کے بارے میں بھی جانتی ہوں۔" بلس کہہ رہی تھی۔ "کیا تمہارے خیال میں میں یہ نہیں جانتی کہ جیک نصف چینی ہے؟"

"اور میروک...؟"

"جیک کی ماں مرنے کے بعد شنگھائی میں میروک خاندان نے اُسے گود لے لیا تھا۔"

"تمہیں یہ سب کیسے پتا چلا؟" ٹائیگر نے اُسے گھورا۔

"میرے والد اُس وقت شنگھائی میں ہی تھے۔" وہ اب مسلسل مسکرا رہی تھی۔ "میرے والد تمہارے... اوہ میرا مطلب ہے جیک کے والد کو بھی جانتے ہیں... اصلی والد کو۔"

ٹائیگر بستر سے اتر آیا۔ بلس نے بھی فوراً اُس کی تقلید کی... ہانگ کانگ صبح کی روشنی میں نہا رہا تھا۔

"اور یہ فوٹو کیا بلا ہے؟"

"یہ ہانگ کانگ کے ایک دائرے کی چابی ہے۔"

"دائرہ؟ کیسا دائرہ؟"

"یہ دائرہ بہت عرصہ قبل جیک کے والد نے بنایا تھا۔"

"میں سمجھا نہیں۔"

"ہم لوگ خود بھی اس دائرے میں شامل ہیں لیکن نہیں جانتے کہ اس کی حقیقت کیا ہے، اس کے کئی حصے ہیں جو آپس میں مل کر دائرہ مکمل کرتے ہیں... فوٹو کی طرح۔"

"جو فوٹو مجھے کامی ساکا نے دیا تھا وہ جیک کی نہیں ڈرج مین کی ملکیت تھا۔ جیک کا فوٹو یقینی طور پر اُس کے والدین کی ملکیت تھا... اُس کے حقیقی والدین... تم بتا سکتی ہو کہ ڈرج مین کو فوٹو کہاں سے ملا تھا؟"

"اگر مجھے پتا چل جاتا تو سب کچھ جان جاتی۔"

"تو ڈرج مین اور جیک..." ٹائیگر نے جملہ شروع کیا لیکن اُسے نکل نہیں کیا۔ "ڈرج مین ہانگ کانگ میں موجود ہے، مجھے بتایا گیا ہے کہ وہ اکثر یہاں آتا ہے تم جانتی ہو کہ وہ کس سے ملتا ہے؟... مقدس سنگ سے!"

"جیک کے دوست سے۔"

"تم یہ بھی جانتی ہو۔" ٹائیگر بولا۔ "اب سچ سچ بتاؤ تم کس کے لیے کام کر رہی ہو؟"

"میں نے تمہاری اصلیت جاننے کے باوجود کبھی تم سے یہ سوال نہیں کیا۔"

"لیکن تم جانتی تو ہو؟"

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔" بلس نے بے نیازی سے شانے اُچکائے۔ "جب میں نے تمہارے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچائی تو تم کیوں پوچھ رہے ہو؟"

"اس لیے کہ تم نے مجھے سب کچھ بتانے کا وعدہ کیا تھا۔"

"اور میں بتاؤں گی۔" بلس اُس کے نزدیک ہو گئی۔ ٹائیگر کے ہونٹوں تک پہنچنے کے لیے اُسے پنجوں کے بل کھڑا ہونا پڑا تھا۔ "تھوڑا سا اور صبر کرو میرے محبوب! میں زندگی کی جدوجہد میں مصروف ہوں... جلد ہی سب کچھ تمہارے سامنے ہو گا..."

تھری او تھرٹی سن کو بیجنگ سے ریڈیو کے ذریعے رابطہ قائم کرنے میں بیس منٹ لگے تھے۔ شمال مشرق کی جانب موسمیاتی خرابی کے باعث سگنل بھی کمزور تھے۔ اسی لیے دوسری جانب سے آواز بھی بے حد ہلکی سنائی دے رہی تھی۔

تھری او تھرٹی سن اس وقت اٹھارہ فٹ کے لارپ کے اسٹرن پر بیٹھا تھا جو ہانگ کانگ سے سولہ نائیکل میل کے فاصلے پر بالائی جانب لنگر انداز تھی۔ یہ جگہ اُس کے خیال میں محفوظ ترین تھی۔

"فائیو اسٹار سیفٹی نے پاک مان من کے باقی ماندہ... حصص بھی خرید لیے ہیں۔" اُس نے مائیکروفون میں کہا۔

"گڈ۔" شناسا آواز سنائی دی۔ عادت کے برخلاف وہ دونوں مندوبین میں باتیں کر رہے تھے۔

"آخری ایک لاکھ شیئرز پر خاصی جنگ ہوئی تھی۔" تھری او تھرٹی سن دوبارہ بولا۔ "بیلیو اسٹون اور اینڈریو سیور براہِ راست ایک دوسرے کے مقابل تھے۔"

"یہ تو اچھی بات ہے۔" جواب ملا۔

"اچھی بات ہے؟" تھری او تھرٹی سن چلا اُٹھا۔ "میں اپنی کمپنی کا کنٹرول کھو بیٹھا ہوں۔"

غصے میں وہ یہ بھی بھول گیا کہ ہر ساٹھ سیکنڈ بعد انہیں فریکوئنسی دوبارہ ملانے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ دوسری جانب سے کچھ آوازیں سنائی دیں اور سلسلہ منقطع ہو گیا۔ اُس نے جلدی سے سلسلہ ملایا اور اسے دوبارہ کہنے کی درخواست کی۔

"اس سلسلے میں خوف زدہ یا پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہانگ کانگ میں سب ٹھیک ہے۔ حالیہ رکاوٹوں کے باوجود میرے منصوبے بالکل صحیح جا رہے ہیں۔ تم سے زیادہ مشکلات کا شکار تو میں ہوں۔ مجھے بہت سے وزراء کی جانب سے مخالفتوں کا سامنا ہے۔"

تھری او تھرٹی سن ڈائریکٹر کے کچھ اور قریب ہو گیا۔ "مخالفتیں کس قسم کی ہیں؟"

"بے حد خطرناک بھی ہو سکتی ہیں لیکن کچھ کہنا قبل از وقت ہو گا۔" دوسری جانب سے آواز سنائی دی۔ "تم بتاؤ فائنل میٹنگ کا طے کر لیا؟"

"پرسوں ہو گی۔" تھری او تھرٹی سن نے جواب دیا۔ "یہاں کے لیے کوئی کام ہو تو مجھے بتا دو، میں کیا کر سکتا ہوں؟"

"بلس کی کوئی خبر؟"

"وہ جیک کے ساتھ ہے۔" تھری او تھرٹی سن نے ایک طویل سانس لی۔ "ایک خبر امریکہ سے بھی آئی ہے۔"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"بولو!"

"نیویارک کے قریب چارہ گر نامی تنظیم کے ڈائریکٹر بہرام کو نامعلوم کر دیا گیا ہے اور وہ اسپتال میں ہے۔"

"یہ کارروائی کس کی ہے؟"

"شبہ سی آئی اے پر ہے۔"

"اوہ تو شمراُ اٹھ کھڑا ہوا ہے... اب ہم آخری مرحلے میں ہیں۔ تم فوری طور پر بیس تک پہنچو۔ یقینی طور پر جیک، شمراُ کا اگلا نشانہ ہوگا۔"

"سب کچھ ایک مقام پر جمع ہوتا جا رہا ہے۔" تھری اوتھ سن نے بصیرہ کہا۔

"یہی اصل منصوبہ تھا۔"

"کیا اس میں بہت سے بے گناہوں کے خون کی شمولیت ضروری تھی؟"

"یہ چیس... بلکہ دُنیا بھر کے مستقبل کی بات ہے اور تم یہ جانتے ہو کہ مستقبل قربانیاں مانگتا ہے۔" دوسری طرف سے آنے والی آواز کے لہجے میں سرزنش تھی۔

تھری اوتھ سن خاموش رہا تھا۔ اُسے علم تھا کہ کوئی... اسٹینلال کا رآمد مناسب نہیں ہوگا۔

"ہیلو ہنری!" قومی سلامتی کے مشیر ہربرٹ ڈین نے سی آئی اے کے ڈائریکٹر کے استقبال کو نظر اُٹھائیں۔ وہ اس وقت اپنے گھر میں اپنی مخصوص میز پر بیٹھا تھا جو سرکاری کاغذات سے اَٹی ہوئی تھی۔ "کیا وقت ہو گیا ہے؟"

ہنری نے سر کو اثباتی جنبش دی۔ "یُوں کہو، وقت گزر چکا ہے، مَیں تمہیں ممکنہ وقت دینا چاہتا ہُوں۔"

ہربرٹ کے عقب میں موجود کھڑکی سے وائٹ ہاؤس سنگِ مرمر کے کسی عظیم پہاڑی کی طرح دکھائی دے رہا تھا۔ اس وقت وائٹ ہاؤس کے کھلے حصّوں میں اژدہام تھا۔

"دراصل تمہارے سامنے سیدھے کاموں نے مجھے بے حد مصروف کر رکھا ہے۔" ہربرٹ نے شاید اپنے سامنے پڑی فائلوں کے انبار کا جواز پیش کیا تھا۔

ہنری مسکرایا تو ہربرٹ اُٹھ کھڑا ہُوا۔ ذرا دیر بعد دونوں کوریڈور میں نکل آئے۔

"اور ہاں۔" ہربرٹ نے ہنری کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ "مَیں تمہاری اس ریڈ سکیورٹی سے بھی عاجز آ گیا ہُوں۔ تم نے ڈاکٹر کے دفتر تک کو ویڈیو کیمروں سے لیس کر دیا ہے۔"

ہنری بدستور مسکرا رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ ہربرٹ اپنی معالج بد بُری طرح خریفتہ ہے۔ اگر بعض رکاوٹیں حارج نہ ہوتیں تو اب تک ہربرٹ اُسے اپنے دامن کی زینت بنا چکا ہوتا۔

"یہ حفاظتی اقدامات ہیں سر!" ہنری نے مختصر جواب دیا۔

"لعنت ہو اس حفاظت پر۔ میں کیمروں سے اور تمہارے ایجنٹوں سے بچ کر باتھ رُوم بھی نہیں جا سکتا۔ اس طرح کے حفاظتی اقدامات تو دورانِ جنگ بھی نہیں ہوتے۔"

"شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ صدر مملکت نہیں چاہتے... کہ زویا ور کو تاکو کو کوئی موقع ملے۔"

"لعنت ہو کے وی آر پر۔" ہربرٹ بولا۔ "میں تو ور کوتا اور کارلوف کو ایک ہی کمرے میں گھیرنے میں دلچسپی رکھتا ہُوں۔" کارلوف کی ہتھیلی دیوار پر لگے اُس بٹن کو دبا رہی تھی جس سے پیراشوٹ ایلیویٹر طلب کیا جا سکتا تھا۔

"مَیں نے ایلولو کو کام پر لگا دیا ہے۔" ہنری نے اپنے باس کو بتایا۔ "وہ میری ایک جامد اد ہے، مجھے اُس پر مکمل اعتماد اور بھرپور تصرف حاصل ہے۔ وہ سالوں سے ایک مؤثر کور کے تحت کریملن کی چار دیواری میں موجود ہے۔ میرے خیال میں اب وقت آ گیا ہے کہ اُسے بے نقاب کرنے کا خطرہ مول لے لیا جائے۔"

براؤن زنگ کا ایلیویٹر اُوپر آ گیا۔ ہربرٹ نے کھلے دروازے سے اندر جاتے ہُوئے نظر بھر کر ہنری کو دیکھا اور نیچے کا بٹن دبا دیا۔

"ہماری ملاقات کا کیا ہوگا؟"

"اُس وقت جو بھی ہو۔"

"تم نے ایلولو کی پرورش اپنے ہاتھوں سے کی ہے، ہنری کیا یہ مقصد اس قدر اہم ہے کہ اُس کے لیے اس کی قربانی دی جا سکے؟"

"ممکن ہے ایسی نوبت نہ آئے۔" ہنری نے جواب دیا۔ "ایلولو خاصا ہوشیار شخص ہے، وہ خود کو محفوظ رکھ کر زویا کو مہم کر سکتا ہے۔"

ہربرٹ اپنا سر ہلا رہا تھا۔ "کے وی آر کے اندر؟ وہ کے جی بی سے متعلق نہیں ہنری... خاصا بڑا خطرہ مول لے رہے ہو۔"

"اس وقت ہمیں ایلولو کی زندگی سے زیادہ زویا کی موت کی ضرورت ہے۔"

"کاش تم مجھے پہلے میرے پاس آ گئے ہوتے۔"

"تاکہ تم مجھے ایلولو سے دُور رکھ سکتے۔"

"ہم نے ایلولو کو ضائع کر دیا تو سوویت یونین میں اپنے

اعلیٰ ترین ایجنٹ سے محروم ہو جائیں گے۔"

"اور اگر ہم نے جنرل زویا کو زندہ چھوڑ دیا تو خود کو تباہ کر لیں گے۔"

محافظوں کے قریب سے گزر کر دونوں میڈیکل فیسیلیٹیز ونگ میں داخل ہو گئے۔ ایگزیمینیشن کیوبیکل میں پہنچ کر وہ میڈیکل آؤٹ فٹ پہننے لگا۔ "مجھے شک ہے کہ دونوں طرح سے ہم ہی نقصان میں رہیں گے۔"

اسپیشل گاؤن پہن کر ہربرٹ میز پر لیٹ گیا۔

سامنے کا دروازہ کھول کر ڈاکٹر اندر آ گئی۔ یہ وہی ڈاکٹر تھی جس پر ہربرٹ ہزار جان سے فدا تھا۔ عاصی خوبصورت عورت تھی۔ وہ ہربرٹ اکثر ہنری سے کہتا تھا کہ اگر اس عورت کی جگہ کوئی اور عورت ڈاکٹر ہوتی تو وہ کبھی اپنا علاج کروانے یہاں نہ آتا۔ ڈاکٹر نے اپنے بھورے بال جوڑے کی شکل میں باندھ رکھے تھے... جبکہ صرف ہونٹوں پر لپ اسٹک تھی۔ اُس کے ملائم رُخساروں کو کسی میک اَپ کی ضرورت نہ تھی۔ وہ کمرے میں اِدھر اُدھر چلنے پھرنے لگی۔ ہربرٹ کی آنکھیں پروانوں کی مانند اُس کے بدن کی شمع سے چپک گئیں۔

ڈاکٹر کا بیک اَپ معمول کی کارروائی تھی۔ بلڈ پریشر، آنکھیں، ناک، حلق، دل، پھیپھڑے، گُردے... وہ اپنا کام کرتی رہی اور ہنری بدستور اپنی آنکھوں کو تراوٹ بخشتا رہا۔

"فی الوقت تو سب ٹھیک ہے۔" بالآخر ڈاکٹر ایک چھوٹی سی میز کے عقب میں جا بیٹھی۔ کمرے کی خاموش فضا میں اُس کے قلم کے کھردرے کاغذ پر چلنے کی آواز بھی سنائی دے رہی تھی۔ وہ ہربرٹ کا چارٹ بھر رہی تھی۔ "لیکن فلو کا ہلکا سا حملہ ہو رہا ہے... ابھی آغاز ہے، مگر میں تمہیں ڈیٹامن کا ایک انجکشن لگانے جا رہی ہُوں۔ مَیں نہیں چاہتی کہ تم طویل وقت کے لیے ناکارہ ہو جاؤ۔ ہو سکے تو کچھ دنوں کی رُخصت ہی لے لو..."

ہربرٹ ہنکارا بھر کر رہ گیا۔

"اب تم اُٹھ سکتے ہو۔" ڈاکٹر بولی۔ اب وہ ایک اسٹین لیس اسٹیل کی ٹرے میں مصروف تھی۔ ہنری کو چند ثانیوں کے بعد ہی اُس کے ہاتھوں میں سرنج دکھائی دی۔ ڈاکٹر نے سرنج کو ایک چھوٹی سی شیشی میں داخل کیا اور ہلا جلا کر اُس میں موجود مواد سرنج میں منتقل کرنے لگی۔ اُس نے سرنج باہر نکالی تو ہنری تیر کی طرح اُس تک پہنچا۔

"ایک منٹ!" وہ بولا۔ اُس نے دوائی شیشی ڈاکٹر کے ہاتھوں سے لی اور اُس کا لیبل پڑھنے لگا۔ وہ واقعی ڈاکٹر ہی تھے۔ اُس نے سخت نگاہوں سے ڈاکٹر کی نگاہوں میں جھانکا اور اثبات میں سر ہلا دیا۔ "آل رائٹ۔"

ہنری دوبارہ دیوار کے ساتھ لگی نشست پر جا بیٹھا۔ ڈاکٹر اُس کے بیٹھنے تک اُدھر ہی متوجہ رہی۔ تب اُس نے رُوئی کا پھاہا نکال کر اُسے الکوحل میں بھگایا اور ہربرٹ کے بازو کے اُوپری حصّے پر... رگڑنے لگی۔

جب سُوئی بازو میں داخل ہُوئی، ہربرٹ اُس وقت دوسری جانب متوجہ تھا ورنہ وہ ڈاکٹر کی معنی خیز مسکراہٹ ضرور دیکھ لیتا۔

"اس سے زیادہ دیر نہیں لگے گی۔" ڈاکٹر کے انفاظ کمرے کی خاموشی میں بم کی طرح پھٹے تھے۔

ہربرٹ نے سر موڑ کر ڈاکٹر کی طرف دیکھا تو وہ بولی۔ "تین منٹ سے زیادہ نہیں۔"

"کس چیز میں تین منٹ سے زیادہ نہیں لگیں گے؟" ہربرٹ نے پوچھا۔

"کیول... تمہارے مرنے تک ایڈوانسڈ!"

ہنری اپنی نشست سے اُٹھ کھڑا ہُوا۔

"کیا؟ یہ کوئی مذاق ہے؟ مَیں..." لیکن ویم نے ہربرٹ کے اعصابی نظام کو متاثر کرنا شروع کر دیا تھا۔ اُسے اپنے جسم پر کوئی کنٹرول نہیں رہ گیا تھا۔ وہ دوبارہ ٹیبل پر لیٹ گیا۔ اُس کا منہ کُھلا تھا، لیکن حلق سے کوئی آواز خارج نہیں ہو رہی تھی۔

"تم دیکھ رہے ہو کہ یہ کوئی مذاق نہیں۔" ڈاکٹر بولی۔ اُس نے ہربرٹ کے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر پہلے ایک آنکھ کے پپوٹے کھولے پھر دوسری کے...

ہنری نے تیزی سے ڈاکٹر کو ایک طرف ہٹایا اور ہربرٹ پر جھک گیا۔ "ہربرٹ!"

"کس سے باتیں کر رہے ہو تم؟" ڈاکٹر نے اطمینان سے پوچھا۔

"یہ مر چکا ہے۔"

"کیا؟" ہنری نے ہربرٹ کی آنکھوں میں جھانکا۔ وہ پھندلی تھیں۔ اُس نے ہونٹ دانتوں تلے دبا لیا۔ حتیٰ کہ خون کا ذائقہ اُسے مُنہ میں محسوس ہونے لگا۔ "کیا کیا ہے اس...؟"

"اسے زہر دیا گیا ہے۔" ڈاکٹر نے اُسے بتایا۔

ہنری نے اپنی جیکٹ سے ایک ننھا سا پستول نکالا اور یکے بعد دیگرے تین گولیاں ڈاکٹر کے چہرے پر جھلا دیں۔ وہ اُسی میز پر جا گری جس پر ذرا دیر پہلے وہ ہیڈ کوارٹر نسخہ تحریر کر رہی تھی۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ہنری نے فوراً آگے بڑھ کر ایک سُرخ رنگ کا بٹن دبا دیا۔ ایسے بٹن ہر چھوٹے بڑے کمرے میں موجود تھے۔ تب اُس نے فون اُٹھا لیا۔

"ہیر جنسی! وہ ماؤتھ پیس میں دہاڑا۔ "فوراً پہنچو... ایڈوائزر کو قتل کر دیا گیا ہے... مَیں دُھہرا رہا ہوں ایڈوائزر کو میڈیکل وِنگ میں قتل کر دیا گیا ہے۔"

ایک ہی لمحے بعد دروازے کھُلنے لگے اور کمرہ ایجنٹوں سے بھرنے لگا۔ اُن کے سروں کے اُوپر وِیڈیو کیمرے ایک ایک تفصیل ریکارڈ کر رہے تھے۔

یہ شرابی مچھلی کھانے کا وقت تھا۔

سرجان بلیو اسٹون کو اس خالص چینی ڈِش سے چند سال قبل تائے پے میں ایک نوجوان لڑکی نے متعارف کرایا تھا جو کھانے اور جنس مخالف کے بارے میں بے حد اعلیٰ لیکن عجیب و غریب ذوق کی حامل تھی۔ شرابی مچھلی اُس کی مرغوب غذا تھی۔ خاص طور پر قرمبّوں کے نشیب و فراز سے گزرنے کے بعد وہ شرابی مچھلی کھانا بے حد پسند کرتی تھی۔

بلیو اسٹون کو وہ لڑکی کبھی بھُول نہیں پائی تھی۔ اسی لیے وہ اکثر و بیشتر شرابی مچھلی کھا کر اُس لڑکی کی یادیں تازہ کیا کرتا تھا۔ اس سلسلے میں وہ اپنی خوشی کا بے حد خیال رکھتا تھا۔ پاک ہلان من پر کنٹرول حاصل کرنا ایسا ہی خوشی کا ایک موقع تھا جس پر اُس نے شرابی مچھلی کھانے اور ٹی وائی چانگ کو مدعو کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔

دونوں تائی پئن جزیرے کی جنوبی بندرگاہ ابر ڈین میں لنگر انداز تین سب سے بڑے تیرنے والے ریسٹورنٹس میں سے ایک جمبو کی بہترین نشستوں پر براجمان تھے۔ بڑی بڑی کھڑکیوں سے انہیں معروف اور روشن بندرگاہ دکھائی دے رہی تھی۔ جمبو کا بڑا سا فش ٹینک اُن کے بائیں جانب چند فٹ کے فاصلے پر تھا۔

بلیو اسٹون نے جانی واکر کے دو جام بنانے اور ایک دوسرے سے ٹکرا دیے۔

"اُس شخص کے نام جس کے بغیر مَیں پاک ہلان من کا کنٹرول حاصل نہیں کر سکتا تھا۔"

اس میں کوئی جھُوٹ نہیں تھا۔ چانگ نے مُسکرا کر اثبات میں سر ہلایا اور جام اُٹھا کر مُنہ سے لگا لیا۔

"ہم نے تھری اوتھ سن کو خوب مزہ چکھایا ہے۔" بلیو اسٹون اُس ویٹر کو دیکھتے ہوئے بولا، جو اسکیوریم ٹاپ کی ایک ٹرالی دھکیلتا ہُوا اُن کی میز کی طرف بڑھ رہا تھا۔ "پاک ہلان من اُس کی رُوح تھی اور ہم نے اُس رُوح کو زندگی سے خالی کر دیا ہے۔"

ویٹر اُن کی میز کے قریب آ کر رُک گیا۔ دونوں ٹانکوں کی نگاہیں اسکیوریم پر تھیں جس میں کم و بیش دو درجن چھوٹی چھوٹی مچھلیاں تیر رہی تھیں۔

ویٹر نے شیشی انداز میں ٹرالی کے نچلے حصّے سے ایک بڑا سا آہنی پیالہ اُٹھا کر میز کے وسط میں رکھا، پھر اُس نے سفید شراب سے بھری ہُوئی دو بوتلیں اُٹھائیں اور انہیں پیالے میں خالی کر دیا۔ اس کے بعد ویٹر نے ایک فورک کی مدد سے اسکیوریم میں موجود تمام مچھلیاں شراب سے بھرے ہُوئے پیالے میں منتقل کر دیں۔ فارغ ہو کر اُس نے دونوں معزز مہمانوں کو سر جُھکا کر تعظیم دی اور واپس چلا گیا۔

بلیو اسٹون بڑی توجہ کے ساتھ پیالے کی شراب میں تیرتی ہُوئی مچھلیوں کو دیکھ رہا تھا جن کے تیرنے کی رفتار میں رفتہ رفتہ کمی آتی جا رہی تھی۔

"دیکھو!" اُس نے اُنگلی سے مچھلیوں کی طرف اشارہ کیا۔ "یہ شرابی ہو رہی ہیں۔"

چانگ نے اپنے گلاس سے ایک گھُونٹ بھرا اور بولا... "ہماری طرح۔"

شملے کا سوامی

مصنف طارق اسمٰعیل ساگر

خوبصورت سرورق

دیدہ زیب پرنٹنگ و طباعت

قیمت =/150 روپے

سرکلر روڈ اردو بازار لاہور

مکتبہ القریش

فون 7668958

جرمن ڈرائیور

پروفیسر محمد اشرف قیمت =/90

بلیو اسٹون نے مُسکرا کر اثبات میں سر ہلایا۔

"پاک ہلان من کی وجہ سے ہماری پارٹنر شپ سیمنٹ کی طرح مضبوط ہو گئی ہے۔" چانگ نے رقص کرتی ہُوئی مچھلیوں پر نگاہیں جما کر کہا۔ "میرے خیال میں اب وقت آ گیا ہے کہ ہم شارک ٹوتھ تنگ سے سرفریقی میٹنگ کر لیں۔"

بلیو اسٹون کے چہرے پر تردّد تھا۔ "وہ بے حد مصروف آدمی ہے۔"

مَیں بھی جانتا ہُوں۔ ٹی وائی چانگ نے دل ہی دل میں کہا لیکن اب مَیں نہیں اُسے خونخوار محدود رکھنے کی اجازت نہیں دُوں گا۔ میرے یہاں بیٹھنے کی وجہ یہ بھی ہے کہ مَیں ہاک سام قبیلے سے دوستانہ مراسم استوار کروں۔ "ہم بھی مصروف آدمی ہیں، مسٹر بلیو اسٹون، لیکن کاروبار ذاتی تعلقات اور مصروفیات سے بالاتر ہونا چاہیے۔ اگر ہم نے اپنی پارٹنر شپ میں اس بات کو مدِنظر رکھا تو کامیاب ٹھہریں گے، ورنہ یہ سب کچھ وقت ضائع کرنے کے سوا کچھ نہ ہو گا۔ کیا خیال ہے؟"

"مَیں دیکھوں گا کہ کیا کر سکتا ہُوں۔"

لیکن اُس کے انداز سے چانگ سمجھ رہا تھا کہ بلیو اسٹون اس سلسلے میں کچھ نہیں کرے گا۔

"میرے ذہن میں کئی ایسی باتیں ہیں جن کے بارے میں شارک ٹوتھ سے مشورہ بے حد ضروری ہے۔"

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟" بلیو اسٹون کی نگاہیں پیالے پر تھیں۔

مجھے بہتی توقع تھی، چانگ نے سوچا۔ "کیا مطلب ہے مسٹر بلیو اسٹون... کہوں تھری اوتھ سن... میرے ذہن میں اور بہت سی باتیں ہیں... نئے علاقوں میں مقامی انتظامیہ...."

بلیو اسٹون اپنے ساتھی کی طرف متوجہ نہیں تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ جتنی جلد تھری اوتھ سن کو تباہ کر دیا جائے اتنا ہی بہتر ہے۔ اس کے بعد کمپنیوں کی ایک کہکشاں بکھری ہُوئی تھی جنہیں حاصل کیا جا سکتا تھا۔ جلد ہی مَیں اور چانگ مل کر اُن کے ساتھ وہی سلوک کریں گے جو ہم نے پاک ہلان من کے ساتھ کیا ہے۔ مَیں اس پارٹنر شپ پر رضامند ہُوں اور مجھے اس شخص کی ضرورت ہے۔ فائیو اسٹار مالی لحاظ سے کمزور ہے ایسے میں چانگ کا یہ سرمایہ کسی نعمت سے کم نہیں لیکن تمام شادیوں کا ایک انجام ہوتا ہے اور جب اس شادی کا انجام ہو گا تو فتح مند صرف مَیں ہی ٹھہروں گا۔

"ٹھیک ہے!" وہ چند ثانیوں کے بعد بولا۔ "ہم اگلے ہفتے کسی وقت شارک ٹوتھ سے ملنے چلیں گے۔"

"زبردست۔" چانگ نے تبصرہ کیا۔

سرجان بلیو اسٹون نے میز پر رکھے ہُوئے پیالے میں جھانکا اور دونوں ہتھیلیاں آپس میں ملنے لگا۔ "میرے خیال میں ہمارا کھانا اب تیار ہو چکا ہے۔"

اُس نے خود ہی پہل کی۔ ہاتھ بڑھا کر ایک مچھلی پیالے میں سے نکالی۔ چھوٹی سی چھری سے اُس کا سر الگ کیا اور اُسے مُنہ میں رکھ لیا۔ چانگ نے اُس کی تقلید کی تھی۔

✸

خوفناک سنگ، ہانگ کانگ کے ۱۴ اے کا ۴۸۹ تھا۔ یہ شاہی کالونی کا سب سے بڑا قبیلہ تھا۔ اس لحاظ سے سنگ بھی بے تحاشا مصروف رہتا تھا۔

سالوں سے ۱۴ اے، ہانگ کانگ پر کنٹرول کے لیے سنگھائی کے گرین پینک نامی قبیلے سے جنگ میں مصروف تھا۔ ٹائیگر نے... ہانگ کانگ آنے کے بعد سنگ سے ملاقات کی اور دونوں نے طے کیا کہ وہ ایک دوسرے کے مفادات کو نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ دونوں فریق اب تک سختی سے اس معاہدے پر کاربند تھے۔

ٹوکیو میں اوہرا ہاؤس پر حملے سے پہلے ٹائیگر اور سنگ کے درمیان اکثر ملاقاتیں رہتی تھیں لیکن اُس واقعے کے بعد سے دونوں میں سے کسی نے بھی ایک دوسرے سے ملاقات کی کوشش نہیں کی تھی۔

اب ٹائیگر اس ملاقات کی ضرورت محسوس کر رہا تھا چنانچہ جب وہ سنگ سے ملنے پہنچا اُس نے اپنی گردن سے اُٹھ کر اور سر جُھکا کر اپنے مہمان کو تعظیم دی۔

"سب سے پہلے تو میری طرف سے تعزیت قبول کرو۔" سنگ نے استغنائیہ جلووں کے بعد ٹائیگر سے میرینا کے مرنے پر افسوس کا اظہار کیا۔ "لیکن مجھے خوشی ہے مسٹر جیک کہ تمہاری حالت اب پہلے سے بے حد بہتر ہے۔"

"شکریہ مقدس سنگ۔" ٹائیگر نے بھی جواباً سر کو جُھکایا تھا۔ "ہم تمہارے قابلِ اعتماد اور وفادار دوست ہیں جیک۔" سنگ نے اُسے یاد دلایا۔

"مَیں ایک بار پھر شکر گزار ہُوں۔"

"تمہیں ڈاکٹر ہرام کی خبر تو مل چکی ہو گی۔" سنگ کا اگلا سوال یہ تھا۔ ٹائیگر کی طرف سے کسی ردِعمل کا اظہار نہ ہُوا تو وہ خود ہی بولا۔ "وہ زخمی ہو کر ایک... اسپتال میں داخل ہیں۔"

"مَیں اس بارے میں سُن چُکا ہُوں۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ لیکن میرے خیال میں اُن پر حملے کی بی بی نے کرایا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

سنگ نے سر کو اثباتی جنبش دی۔ "اُن پر حملہ کرنے والے چینی یا تائیوانی تھے۔"

"اور یقینی طور پر اگلا نشانہ میں ہوں گا۔"

"کیا؟" سنگ نے بھویں اُچکائیں۔

"آج کل حالات نے یہی رُخ اختیار کر رکھا ہے۔"

"تب ہم تمہاری حفاظت کا معقول بندوبست ..."

ٹائیگر نے ہاتھ اٹھا کر اُسے مزید بولنے سے منع کر دیا۔ "اس کی ضرورت نہیں اب میں اپنی حفاظت خود کر سکتا ہوں۔"

"تب پھر مجھے بتاؤ، میں تمہاری کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

"صرف یہ بتا دو کہ ڈریج مین ہانگ کانگ کیوں آتا ہے؟"

ایک لحظے کے لیے خاموشی چھا گئی۔ سنگ کو یوں لگا، جیسے کسی نے اُس کا گلا دبا دیا ہو۔ چند ثانیے یونہی گزرے پھر جیسے اُس نے خود پر قابو پا لیا۔

"میں اس بارے میں بھلا کیوں کر جان سکتا ہوں؟"

"کیونکہ ڈریج مین یہاں تم سے ملنے آتا ہے۔" ٹائیگر نے دوسرا دھماکا کیا۔

سنگ نے بُرا نہیں منایا، بلکہ وہ یہ سوچنے لگا کہ یہ شخص زبردست صلاحیتوں کا مالک ہے۔ اگر کبھی اُسے کسی ایسے شخص کی ضرورت پڑی جو اُس کی طرف سے مذاکرات میں حصہ لے سکے تو وہ جیک کو ہی نامزد کرے گا۔

"میرے خیال میں ڈریج مین ہانگ کانگ میں بہت سے لوگوں سے ملتا ہے اور ان میں سے ایک میں بھی ہوں۔"

ٹائیگر کے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ وہ اس طرح کی بحث میں حصہ لیتا لیکن حالات کا تقاضا یہی تھا کہ وہ ہر شے کو جھینگے کی بجائے خریدے۔

سنگ بولتا رہا اور ٹائیگر سُنتا رہا۔ ٹائیگر ذہن میں گزرے ہوئے حالات کا تجزیہ بھی کرتا جا رہا تھا۔ ڈریج مین اُس کی سوچوں پر حاوی تھا۔ پہلے وہ اُسے کے جی بی کا کارندہ سمجھ رہا تھا لیکن اب شواہد ایسے تھے جیسے سی آئی اے بھی اُسے استعمال کر رہی ہو۔ ڈریج مین بے شک میر جعفر کو بھسلا کر لے گیا تھا لیکن بعد میں کے جی بی کی ایک ٹیم اُسے قتل کرنے سورو گی جا پہنچی تھی۔

پھر کامی ساکا کی باتیں تھیں۔ ڈریج مین خود تو وہاں نہیں مل سکا تھا لیکن وہ ٹائیگر کے لیے اپنے فوکا ایک حصہ وہاں ضرور چھوڑ گیا تھا۔ کیوں؟ کیا یہ کوئی پیش کش تھی؟ کوئی چال تھی؟ یا...؟

"میں جلد ہی تمہیں وہ سب کچھ فراہم کر دوں گا جن کی تمہیں ضرورت ہے۔" سنگ نے اُسے بتایا۔

"لیکن کب؟"

سنگ نے کچھ کہنے کے لیے مُنہ کھولا لیکن اس سے پہلے کہ اُس کے حلق سے کوئی آواز خارج ہوتی، دروازہ دھماکے سے کھلا اور بس افتاں وخیزاں اندر داخل ہوئی۔ اُس کے عقب میں تبیلے کے چار مسلح افراد بھی تھے۔

"یہاں آتے ہوئے تمہارا تعاقب کیا گیا تھا۔" بلبس پھولی ہوئی سانسوں کے درمیان بولی۔ "مجھے زیادہ وقت انہیں عجمہ دے کر یہاں پہنچنے میں لگا ہے۔"

ٹائیگر اُٹھ کھڑا ہوا۔ "کتنے ہیں وہ؟"

"تین۔"

"مسٹر میرو ک...؟"

"فکر نہ کرو مقدس سنگ! ہم بعد میں بات کریں گے..." ٹائیگر نے جواب دیا۔ "فی الحال یہ بتاؤ کہ یہاں سے نکلنے کے کتنے راستے ہیں؟"

"تین۔" جواب ملا۔ "دو زمین کے اُوپر اور ایک زیرِ زمین راستہ ہے..."

ٹائیگر نے سُرنگ کا انتخاب کیا تھا۔

**

انتونی برنڈن مر رہا تھا۔ ویڈیو ٹیپ انتہائی سلوموشن میں چلائے جا رہے تھے جس کی وجہ سے مناظر میں واقعی جان پیدا ہو گئی تھی۔ حرکات و سکنات آئی آہستگی سے ہو رہی تھیں کہ پلک جھپکنے میں بھی کئی کئی سیکنڈ لگتے۔

"مجھے یقین ہے کہ ٹائیگر اپنا انتقام لے رہا ہے۔" ہنری بولا جو اس سارے واقعے کا چشم دید گواہ تھا۔

سی آئی اے کے ڈپٹی ڈائریکٹر ڈینورن نے اک نگاہ غلط انداز اپنے لباس پر ڈالی لیکن بولا کچھ نہیں۔

وہ دونوں سی آئی اے ہیڈ کوارٹرز میں سطحِ زمین سے ایک سو پچاس فٹ نیچے ایک محفوظ ترین کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ امریکی صدر ٹیپ ملاحظہ کر چکے تھے اور انہوں نے اس بارے میں اپنا فیصلہ بھی دے دیا تھا۔

ویڈیو ٹیپ میں متعدد مناظر کو کئی کئی بار دیکھا جا رہا تھا۔ ہنری ڈاکٹر کو ایک جانب دھکیل کر برنڈن پر جھکا۔ آہستہ روی

سے چلنے کے باعث ٹیپ میں کوئی آواز نہ تھی۔ اس کے لیے انہیں معمول کی رفتار سے ٹیپ چلانا پڑتا۔

ہنری کا ہاتھ آہستہ روی سے جیکٹ کے اندر رینگا اور پھر اُس کے ہاتھ میں پستول دکھائی دینے لگا۔ تین گولیاں ڈاکٹر کے چہرے پر چلائی گئیں۔ سامنے کمرے میں خون اور گوشت کے ننھے منے پارچے بکھر گئے۔ ڈاکٹر کی کھوپڑی اور دماغ ریزہ ریزہ ہو گئے تھے۔

ڈینورن نے اپنی کرسی کا رُخ ہنری کی طرف موڑا۔

"تم باس ہو ہنری؟" وہ بولا۔ "تم کسی سوال کا جواب دینے کے پابند نہیں لیکن میں پوچھنا چاہوں گا کہ تم نے قاتلہ کو گولی کیوں ماری؟ اگر تمہاری جگہ میں ہوتا تو اُسے پوچھ گچھ کے لیے زندہ رکھتا۔ مجھے یقین ہے کہ اُس سے بہت سے سوالوں کے جواب مل جاتے لیکن اب ہمارے پاس کچھ بھی نہیں۔"

ہنری نے جواب دینے سے پہلے ہتھیلی کی پُشت سے اپنی آنکھیں مسلیں۔ "میں خود بھی اپنے اس عمل کی وضاحت نہیں کر سکتا۔ میں اُس وقت یہی سوچ کر پاگل ہو گیا تھا کہ ہماری تمام تر حفاظتی تدابیر کے باوجود برنڈن کو ہلاک کرنے میں کامیاب ہو گئی تھی۔ میں تین راتوں سے سو نہیں سکا۔ میں اس عرصے میں سیکیورٹی کے بارے میں پریشان ہوتا رہا... یہ ایک آخری جگہ تھی... میں کوئی وضاحت پیش نہیں کر سکتا... غصّہ... انتقام کی اندھی خواہش..."

"میں سب سمجھ رہا ہوں ہنری۔" ڈینورن نرمی سے بولا۔ "لیکن تمہاری نرمیت نے تمہیں صبر و ضبط کے بارے میں بھی سکھایا ہو گا۔ تم سینتیس سالہ سمجھ دار شخص ہو کوئی بچے نہیں کہ سمجھانا پڑے۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا تم جانتے ہو..."

"یہ سب کچھ جو ہو رہا ہے کبھی نہیں ہونا چاہیے تھا۔" ہنری چلّا اُٹھا۔ "لعنت ہو ٹائیگر پر۔"

ڈینورن اُٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے وی سی آر بند کیا تو کمرے میں مُدھم لائٹ کی روشنی پھیل گئی۔ "ممکن ہے ان باتوں کا... فتے دار ٹائیگر سے نہ ہو۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا؟"

"ہمارا آئس برگ۔"

"زویا؟"

"زویا... ہاں اس کا امکان ہے کہ ڈاکٹر کوئی رُوسی ایجنٹ ہو۔"

"مجھے حیرت ہے کہ کوئی شخص ہمارے سخت ترین حفاظتی انتظامات میں نقب لگانے میں کامیاب ہو گیا۔"

"یہ پہلے بھی ہو چکا ہے۔"

"لیکن یہاں کبھی نہیں۔"

"پھر بھی..."

"کچھ نہیں۔" ہنری نے اُسے ٹوک دیا۔ "یہ تمہارا دردِ سر نہیں۔ میرے خیال میں زویا کی نسبت ٹائیگر کے پاس اس بات کے زیادہ مواقع موجود تھے کہ وہ ڈاکٹر کو استعمال کر سکتا۔"

ڈینورن نے جیب میں ہاتھ ڈال کر پیلے رنگ کا ایک کاغذ نکال کر ہنری کے سامنے کر دیا۔ یہ موصلاتی پیغام ٹائپ کی کوئی چیز تھی اور اندازہ ہو رہا تھا کہ اس کاغذ کا تعلق کسی نہ کسی طور سوویت یونین سے ہے۔

"یہ نئے پورسائفر سسٹم سے میری تازہ ترین مانیٹرنگ ہے۔" ہنری نے کاغذ کھولا تو ڈینورن نے اُسے بتایا۔ "میرے خیال میں اب ہم چینیوں کے نئے منصوبے کام سنگ کے بارے میں زیادہ بہتر طور پر جان سکیں گے۔"

"کیوں؟ میں پہلے ہی اس بارے میں جانتا ہوں۔" ہنری نے تیوریاں چڑھائیں۔ "یہ ہانگ کانگ میں کام کرنے والی مغربی فرموں کے ساتھ ایک مشترکہ منصوبہ ہے۔ اب وہاں کیا... ہو رہا ہے؟"

"بہت کچھ۔" ڈینورن نے جواب دیا۔ "اس قدر کہ ہم اُس کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتے۔ کے جی بی کو بھی کام سنگ کے بارے میں ایک ورکر سے ہی پتا چلا تھا۔ وہ ورکر جاسوسی طور پر بس یہی سمجھا کہ یہ پاور جنریشن کے لیے اپنی کھدائی کا ہی کوئی حصہ ہے۔"

"اور پھر چینی فوج کے ایک مکمل دستے نے اُسے اپنی تحویل میں لے لیا۔ اُنیس گھنٹے تک اُس سے پوچھ گچھ ہوتی رہی۔"

ہنری نے کندھے اُچکائے۔ "تو اس میں پریشانی کی کیا بات ہے۔ علاقے کی نوعیت کے بارے میں ذرا سی بھنک بھی لوگوں کے کانوں میں پڑ گئی تو لاکھوں سویلین احتجاج کے لیے وہاں جمع ہو جائیں گے۔"

"درست ہے۔" ڈینورن نے اُس سے اتفاق کیا۔ "میں یہ بھی جانتا ہوں کہ سویلین لوگوں کو فوجی تنصیبات میں جانے کی اجازت نہیں دی جاتی لیکن یہ بات بھی ریکارڈ پر ہے کہ اُس ورکر سے انٹیلی جنس کے دو کرنلوں نے پوچھ گچھ کی تھی۔ اس سے تمہیں کیا اندازہ ہوتا ہے۔ کیا اب بھی ہم...؟"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"کیا یہ عمومی حفاظتی انتظامات نہ تھے؟"

"کام سنگ کے بارے میں کوئی بات بھی عام قرار نہیں دی جا سکتی ہنری؟"

"تمہارے خیال میں کام سنگ کوئی مہلک اور خطرناک قسم کا منصوبہ ہے؟"

"اگر ایسا ہے تب بھی ہمیں روسیوں سے پہلے اس کا پتا چلانا ہوگا۔"

ہنری محض کندھے اچکا کر رہ گیا تھا۔

✱

زینگ ہوا دفتر سے نکلا تو خود کو بری طرح تھکا ہوا محسوس کر رہا تھا۔ اُسے یوں لگ رہا تھا جیسے کسی نے اُس کی جان نکال لی ہو۔

اُس کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ وو ینگ سے دوبارہ ملنا اُس کے لیے قیامت سے کم نہ تھا۔ وہ اس بُری طرح بوکھلا یا ہوا تھا کہ اُسے فوری طور پر کسی شے کی کمی کا احساس بھی نہ ہوا لیکن جونہی وہ سیڑھیاں اُتر کر نیچے پہنچا اُسے یاد آ گیا کہ وہ اپنا بریف کیس بھول آیا ہے۔

ایک لمحے کی تاخیر کیے بغیر وہ شی زی لین کے دفتر کی طرف دوڑا۔ اُسے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ دو حصّوں میں تقسیم ہو جائے گا۔ اُس کے دل و دماغ میں جیسے آگ لگی ہوئی تھی۔ وہ اندازہ نہیں لگا پا رہا تھا کہ اُس نے کس سے کیا جھوٹ بولا ہے۔ اُس کی شدید خواہش تھی کہ وہ کسی غار میں جا کر دس بارہ روز کے لیے دُنیا سے اوجھل ہو جائے۔

دفتر میں داخل ہُوا تو وہ برف کی طرح سفید ہو رہا تھا...

شی زی لین کو اُسے دوبارہ دیکھ کر کوئی حیرت نہیں ہُوئی۔ وہ اپنے لیے چائے بنا رہا تھا۔ اُس نے فوراً ایک پیالی زینگ ہوا کی طرف بڑھا دی۔ کُرسی پر بیٹھ کر اُس نے سکون سے چائے پی تو اُس کی جان میں جان آئی۔

شی زی لین اُسے بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔ اُس نے ایک کُرسی آگے کھسکا لی۔ اب دونوں کے گھٹنے آپس سے تقریباً ٹکرا رہے تھے۔ وہ واقعی بیمار تھا۔

"میں تمہارے لیے کیا کر سکتا ہُوں میرے دوست؟"

زینگ ہوا نے سر اُٹھا کر اُس کی طرف دیکھا۔ وہ کیا بولتا؟ وہ چلّانا چاہتا تھا لیکن ناکام رہا۔ وو ینگ اُس کے ذہن کو جونک کی طرح چمٹا ہُوا تھا۔ اُس نے آنکھیں بند کر کے ایک طویل... سانس لی۔

"کوئی بات نہیں کامریڈ وزیر! میں بس گرمی کی وجہ سے پریشان ہُوں۔"

"اوہ! شی زی لین اب بھی اُسے بغور دیکھ رہا تھا۔ ہر گزرتے دن کے ساتھ پیش بڑھتی جا رہی ہے، لیکن یہ تپش وہ نہیں جو تمہیں پریشان کر رہی ہے بلکہ یہ تپش ہمارے فرائض کی ہے۔ ہمیں ہر حال میں اپنے فرائض انجام دینے ہیں کیونکہ ہمارے بچاؤ کا یہی ایک راستہ ہے۔"

"تمہارے لیے شاید یہی بات ہو۔" زینگ ہوا کے اندر کچھ ٹوٹ پھوٹ سی ہُوئی۔ "کیونکہ تمہیں دیوتا بنا کر پیدا کیا گیا ہے!" اُس نے آنکھیں کھول دیں۔ "لیکن میرے لیے نہیں۔ میں کمزور سا آدمی ہُوں۔ میرے اعضاء خالص انسانی ہیں جن میں درد بھی ہوتا ہے اور جو کمزوری بھی محسوس کرتے ہیں۔ میرے اعصاب آہنی نہیں، میرے پاس ایک دماغ بھی ہے جو زیادہ سوچنے سے تھک جاتا ہے۔ میں تمہاری طرح چین کا محافظ نہیں ہُوں۔ تم جی آن ہو لیکن میں ایک عام سا سپاہی ہُوں۔"

زی لین نے اپنے دوست کی طرف دیکھا۔ اُس نے بے اختیار سوچا کہ جی آن تو میں ہُوں لیکن اس کے ساتھ ساتھ انسان بھی ہُوں۔ میری ہڈیوں میں ہونے والا درد مجھے اس بات کا احساس دلاتا ہے کہ تم کچھ بھی نہیں ہو۔

اپنے خاندان سے علیحدگی ایک ایسا گھاؤ تھا جو کبھی بھر نہیں سکا تھا۔ زندگی کے اس ڈھنگ کے بارے میں اُس نے کبھی سوچا بھی نہ تھا۔ شاید جوانی کے نشے میں ایسا کوئی فیصلہ ہو گیا ہو جس پر اب سوائے پچھتاوے کے کچھ اور نہیں ہو سکتا تھا۔

"معاف کرنا، کامریڈ منسٹر؟" زینگ ہوا کے جُملے نے اُس کی سوچوں کے تار کاٹ ڈالے۔ "میں اس گرمی میں سوچ نہیں سکتا۔"

"ہم سالوں اکٹھے رہے ہیں۔ اس دوستی کے صدقے تمہیں اجازت ہے کہ جو چاہو بولو۔"

زینگ ہوا کسی مجسمے کی مانند بے حس و حرکت بیٹھا تھا۔

✱

"مجھے بتاؤ۔"

"مین چینی۔" وہ بولی۔ "ایک گورے ٹراؤزر، گہری نیلی شرٹ میں۔ اُس کے رخسار پر زخم کا ایک لمبا گھاؤ ہے، دوسرا اُس کے قریب سے گزر کر آگے بڑھ رہا ہے۔ سیاہ جینز اور سفید شرٹ والا۔ تیسرا اُن کی بائیں جانب ہے۔ نسبتاً زیادہ عمر کا ہے۔ اُس کے کان

خرگوش کی طرح کے ہیں۔ اُس نے گہرے رنگ کی سبز اسپورٹس شرٹ پہن رکھی ہے۔"

ٹائیگر چند ثانیے غور سے اُنہیں دیکھتا رہا، پھر اُن کی طرف بڑھا۔

بلس نے اُسے روکنے کے لیے ہاتھ بڑھایا لیکن وہ بجلی سے بھی زیادہ تیز تھا۔ پلک جھپکنے میں وہ دُشمنوں کے سر پر تھا۔

اور پھر بلس نے اپنی زندگی کے حیرت انگیز مناظر دیکھے۔

اُس نے ٹائیگر کے بارے میں سُنا ضرور تھا لیکن اپنی آنکھوں سے اُسے برسرِ پیکار پہلی بار دیکھا تھا۔

بلس چاہتی تھی کہ ٹائیگر کو کوئی پستول وغیرہ استعمال کرنے کے لیے دے لیکن جب تک وہ اُسے پکارنے کے لیے مُنہ کھولتی ایک چینی تختوں میں لت پت زمین پر گر چُکا تھا۔ بلس کو پتا ہی نہیں چلا کہ چینی کو کیا ہوا ہے؟ اُس نے ٹائیگر کے جسم کو تیزی سے حرکت کرتے ہی دیکھا تھا لیکن یہ نہ سمجھ پائی تھی کہ چینی کو ٹائیگر نے کس طرح ضرب لگائی تھی۔

ٹائیگر کے جسم میں جیسے پارہ بھرا ہُوا تھا۔ سیدھے ہاتھ کی دو اُنگلیوں نے پہلے چینی کی آنتیں تک ادھیڑ ڈالی تھیں۔

دوسرے چینی نے اُس کے وار سے بچنے کے لیے جُھکائی دینے کی کوشش کی لیکن ٹائیگر کا گھٹنا سامنے آ گیا اور وہ دُکڑا تا ہُوا آئی فُٹ دُور جا گرا۔ گھٹنے کی ضرب نے اُس کی کئی پسلیاں توڑ ڈالی تھیں۔

چینی نے زمین سے اُٹھنے کی کوشش کی لیکن محض مچل کر رہ گیا۔ اُس کے چہرے پر شدید کرب کے آثار تھے۔ اُس کے جسم نے ایک جھٹکا لیا اور ساکت ہو گیا۔

تیسرے چینی نے اپنے دو ساتھیوں کا حشر دیکھ کر بھاگنے کی کوشش کی لیکن ٹائیگر نے ہاتھ بڑھایا اور چینی کی گدی پکڑ لی۔

بلس نے اُس چینی کو کسی کھلونے کی مانند فضا میں بلند ہوتے ہُوئے دیکھا۔ محض ایک لمحے کے لیے وہ ہوا میں معلق رہا اور پھر ٹائیگر نے اُسے زمین پر پٹخ دیا۔ چینی کا جسم یُوں زمین کے ساتھ پیوست ہو گیا جیسے کوئی روڈ رولر اُس کے اُوپر سے گزر گیا ہو۔

بلس بھاگ کر ٹائیگر تک پہنچی۔ وہ ایک لمحے کے لیے ٹھٹکی، پھر یُوں ٹٹول کر اُسے دیکھنے لگی جیسے ٹائیگر کسی اور سیارے کی مخلوق ہو۔

ٹائیگر نے پلٹ کر بلس کا گال تھپتھپایا اور آگے بڑھ گیا۔ اُس کے کسی انداز سے یہ ظاہر نہیں ہو رہا تھا کہ ابھی ابھی اُس نے تین افراد کو موت کے گھاٹ اُتارا ہے۔

بلس چند لمحے پیار بھری نظروں سے اُسے دیکھتی رہی... پھر شانے اُچکا کر اُس کے پیچھے چل دی۔

سربسکی انسٹی ٹیوٹ کے نو تعمیر شدہ سائنسی سنسری ونگ میں بھی مسیح طلوع ہو گئی تھی۔ یہ انسٹی ٹیوٹ کے جی بی کا ایک اہم حصّہ تھا اور یہاں نہایت اہم اور خطرناک قیدیوں کو رکھا جاتا تھا۔ بعض کمرے ایسے بھی تھے جہاں مغربی غدار قید تھے۔

اس انسٹی ٹیوٹ کا مقصد لوگوں کے ذہنوں کو مشینوں کے ذریعے کھنگال کر اُن سے سچ اُگلوانا تھا۔ ڈاکٹرز دن رات انسانی ذہن کی گہرائیوں میں جھانکنے کے نت نئے طریقے ایجاد کرتے رہتے۔ کارپوف نے اس نئے ونگ کا نام آندرو یوف ونگ رکھا تھا۔ اس حصّے میں سوویت ٹیکنالوجی کے جدید ترین آلات نصب کیے گئے تھے۔

کارپوف کے اس نو تعمیر شدہ حصّے کے دورے کے لیے زوایا کو بھی مدعو نہیں کیا گیا تھا۔ سائیکاٹرلیسٹ ڈاکٹرز کی ایک کمیٹی اس انسٹی ٹیوٹ کا انتظام چلاتی تھی۔ وہ سکیورٹی کے بارے میں بڑے محتاط اور سخت تھے۔

تمام کے تمام ڈاکٹرز لیفٹیننٹ کرنل یا اس سے بڑے رینکس کے تھے۔ اُن کے چہروں پر کبھی کسی نے مسکراہٹ نہ دیکھی تھی۔ یُوں لگتا تھا جیسے اُن کے چہرے کے اعضاء پتھروں کو تراش کر بنائے گئے ہُوں۔

ممز ایک دروازے کے سامنے رُکے۔ یہ کروم اسٹیل اور شیشے سے تیار کردہ تھا۔ دو محافظ ہولسٹروں میں پستول لٹکائے چوکس کھڑے تھے۔ یہ ہولڈنگ سیل تھے۔ اُن کے دروازے بینکوں کے ویلٹ کے طرز کے تھے اور یہاں سے کوئی فرار نہیں ہو سکتا تھا۔

"ہم نے ایک ڈیزائنر کو اس سیل میں بند کر دیا تھا۔" کمیٹی کے ایک رُکن نے بتایا۔ "ایک ہفتے بعد سیل کا دروازہ کھولا گیا تو وہ مر چُکا تھا۔"

"اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ سکیورٹی کتنی سخت ہو گی کیونکہ بنانے والا فرار نہیں ہو سکا تو کوئی اور کیا ہو گا؟"

کمیٹی کے ارکان نے یوں قہقہہ لگایا جیسے کوئی مزیدار لطیفہ سُنایا گیا ہو۔

جڑواں کا دورہ جاری رہا۔ انہیں بتایا گیا کہ آندرو یوف ونگ میں مختلف اقسام کی کوٹھڑیاں بنائی گئی ہیں۔ جن میں قیدیوں کو ان کے جرائم کی شدت کے لحاظ سے رکھا جاتا ہے۔ غیر ملکی قیدیوں اور غداری کے مرتکب سفارت کاروں کے لیے مخصوص کوٹھڑیاں

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

بنائی گئی ہیں۔ یہ کوٹھریاں بظاہر فائیو اسٹار ہوٹل کے پُرتعیش کمرے دکھائی دیتے تھے۔

"تو ان لوگوں کو یہاں رکھا جاتا ہے۔" کمیٹی کے ایک رُکن نے ہُنکارا بھرا۔ کسی نے اس کے تبصرے کا جواب دینے کی زحمت گوارا نہیں کی تھی۔ "اور یہ ہمارے ہارڈ روم ہیں۔" وہی رُکن ذرا سے توقف کے بعد بولا۔

جنرلوں نے اندر دیکھا۔ یہ ایک پتھریلی کوٹھری تھی جس کی دیواریں اور فرش نوکیلے پتھروں کا تھا۔ کمرے کسی بھی قسم کے فرنیچر سے عاری تھے۔

"اوپر دیکھیں۔"

جنرلوں کی نظریں چھت کی طرف اُٹھیں۔ بلند چھت پر سرچ لائٹس نصب تھیں۔ کمیٹی کے ایک رُکن نے تالی بجائی اور اگلے ہی لمحے تکلیف دہ حد تک تیز روشنیاں جل اُٹھیں۔ جنرلوں نے فوراً سر جھکا دیے۔ کمیٹی کے رُکن نے دوبارہ تالی بجائی اور روشنیاں گل ہو گئیں۔

"ماضی میں بادشاہ تالیاں خدمت گاروں کو بُلانے کے لیے بجایا کرتے تھے۔" کمیٹی کے رُکن کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ "لیکن ہم نے روشنیوں کو ان کے تابع کر دیا ہے۔"

جنرلز نے سروں کو اثباتی جنبش دی اور باری باری کمرے سے باہر نکل کر راہداری میں آگے بڑھنے لگے۔

"اب ہم آندرولوف ونگ کے اہم ترین حصے میں داخل ہو رہے ہیں۔" ایک کمیٹی ممبر نے اپنے رفقاء کو آگاہ کیا۔ ایک بھاری بھرکم آہنی دروازہ کھلا اور وہ سب کے سب اندر داخل ہو گئے۔ یہ ایک وسیع و عریض کمرہ تھا جسے نہایت نفاست کے ساتھ سجایا گیا تھا۔

"یہ کوٹھری ہمارے بے حد اہم قیدی کے لیے ہے... یعنی نظریاتی غدار کے لیے۔" ایک کمیٹی ممبر نے گویا کمرے کا تعارف کرایا۔

"عرصہ دراز سے اس قسم کے جرائم کی تحقیقات لوبیانکا کے زیرِ زمین تہ خانوں میں ہوتی تھی، جہاں سوائے خوف و ہراس کے اور کچھ نہ ہوتا تھا لیکن اب ہم نے اپنی تحقیقات کو جدید ترین طریقوں کے مطابق ڈھال لیا ہے۔"

"میں سمجھا نہیں۔" کارپوف بول اُٹھا۔

"یقیناً کامریڈ جنرل۔" کمیٹی ممبر نے اس سے اتفاق کیا۔ "اس سلسلے میں ایک نظارے کا اہتمام کیا گیا ہے۔ براہ کرم بیٹھ جاؤ۔" اس نے ایک شاہانہ کرسی کی طرف اشارہ کیا جو لگتا تھا کہ لوئی چہاردہم کے دربار سے وہاں لائی گئی ہے۔

ایک وطن پرست اور کفن بدوش نوجوان کی داستانِ لہو رنگ
جو محبِ وطن ہونے کے باوجود دہشت گرد کہلاتا تھا
معاشرے کے اُجلے لوگوں کی کہانی جن کے من کالے ہیں
دہشت گرد
سلیم فاروقی کے ایڈونچرس قلم سے
4 حصوں میں شائع ہو گیا ہے
قیمت مکمل سیٹ
-/240 روپے
ناشر
مکتبہ القریش۔ سرکلر روڈ
اُردو بازار لاہور۔2

کارپوف جونہی کرسی پر بیٹھا ایک ڈاکٹر نے اُنگلیاں چٹخائیں اور آہنی کڑے کرسی کے ہتھوں سے نکل کر خود کارانہ انداز میں کارپوف کی کلائیوں اور پنڈلیوں کے گرد حمائل ہو گئے۔

"یہ کیا ہے؟"

کارپوف کے کانوں میں آندھیوں کا شور گونجنے لگا۔ اُسے یوں لگا جیسے اردگرد کی دیواریں اپنی جگہ سے اُکھڑ کر چرخِ شہر آواز میں اس کی طرف بڑھنے لگی ہوں۔ کمرے کا فرنیچر گھومنے لگا اور ہر شے اُسے خود پر گرتی ہوئی محسوس ہونے لگی۔

کارپوف نے گھبرا کر اُٹھنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔

"میں اب زیادہ دیر یہ سب کچھ برداشت نہیں کر سکتا۔" وہ چلّایا تھا۔ "تم لوگوں کو ایسا نہیں..."

لیکن وہ اپنا جملہ مکمل نہ کر سکا۔ کرسی کا عقبی حصہ زمین میں دھنس گیا اور جنرل کارپوف کمرے کے بیل زمین سے جا ٹکرایا۔ اب وہ گہری پاتال کرسی میں پھنسا ہوا تھا۔

اس کے لیے شور کی نوعیت بدل گئی۔ اب اُسے اپنے سینے پر پانی کا بے تحاشا دباؤ محسوس ہو رہا تھا۔ کمرے کی روشنیاں گُل ہو گئیں۔ اب جنرل کو یہ یقین بھی نہیں تھا کہ وہ اُسی کمرے میں ہے جہاں کرسی پر بیٹھا تھا یا کسی تہ خانے میں پہنچ چکا ہے وہ گھٹ رہا تھا۔ اس نے ہاتھ کو حرکت دے کر اردگرد کے ماحول کو سمجھنا چاہا لیکن وہ یہ جاننے میں ناکام رہا کہ اس کے اردگرد ہوا ہے یا واقعی پانی ہے۔

کارپوف نے چلّانے کے لیے مُنہ کھولا لیکن ٹھنڈا پانی اس کے حلق تک جا پہنچا۔ اب اُسے یقین آ گیا کہ اُسے ایک ریسے تہ خانے میں گرا دیا گیا ہے جس میں پانی لبالب بھرا ہوا ہے۔ اس کی آنکھوں کی پتلیاں وحشیانہ انداز میں اِدھر اُدھر رقص کرنے لگیں۔ اُسے مسلسل اُبکائیاں آ رہی تھیں۔

ساتھ والے کمرے میں ایک طرف شیشے کی دیوار کے ساتھ لگی بیٹھی جنرل زدیانم سادھے اپنے سابق محبوب کا عبرت ناک انجام دیکھ رہی تھی۔

"یہ ہے غداروں کا انجام۔" اس کے برابر کھڑے پوری درخوف نے اس کے کان میں سرگوشی کی۔ "امریکی چھوٹی سی کامیابی حاصل کر کے سمجھتے ہیں کہ ہم نے ماسکو فتح کر لیا ہے لیکن ماسکو ان کے قدموں ہی سے لپٹیں تصورات سے بھی بے حد دُور ہے۔"

زدیانے غائب دماغی سے سر ہلایا کیونکہ اس وقت وہ رُوس، ماسکو یا امریکہ کے بارے میں نہیں سوچ رہی تھی بلکہ اس کی آنکھوں کے سامنے وہ رنگین لمحات کسی فلم کی طرح چل رہے تھے جو اس نے جنرل کارپوف کی معیت میں گزارے تھے۔

اچانک ہی اس کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ وہ پوری درخوف کو لے کر یہاں سے نکل جائے اور کسی پُرتعیش اور آرام دہ کمرے میں بند ہو کر اس کی بانہوں میں سما جائے زندگی میں پہلی بار اس کے دل میں ایسا کوئی جذبہ اُبھرا تھا۔ اس لیے اس نے چور نگاہوں سے اردگرد دیکھا کہ کوئی اور اس کی بدلتی ہوئی رنگت اور چہرے کے تاثرات سے آگاہ تو نہیں لیکن سب لوگ اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے۔

پوری درخوف بدستور شیشے کے پار جنرل کارپوف کو آخری سانسیں لیتے دیکھ رہا تھا جبکہ ایک ڈاکٹر ہنگری پر قبضہ کرنے والی فوج کے کمانڈر، یوکرائن کی بغاوت کے ہیرو اور انقلابِ رُوس کے مردِ آہن جنرل انتونی ڈیسی ڈوریچ کارپوف کے آخری لمحات کو باقاعدہ ریکارڈ کر رہا تھا۔ تاکہ آئندہ انہیں لیبارٹری کی زینت بنایا جا سکے۔

☆

مقدس جن کے بارے میں معلومات حاصل کرنے میں ٹائیگر اور بلس کی ہارڈ ڈسک مبیع غارت ہو گئی تھی لیکن ابھی تک انہیں اس کا ٹھکانہ معلوم نہ ہو سکا تھا۔ بلس ہر نصف گھنٹے بعد راستے میں نظر آنے والے کسی نہ کسی پبلک ٹیلی فون بوتھ میں گھس جاتی لیکن ٹائیگر نے ایک بار بھی اس سے دریافت نہ کیا کہ وہ کس کو فون کرنے گئی تھی۔

بالآخر سوا چار بجے جب وہ ایک بوتھ سے باہر آئی تو اس کے چہرے پر خوشی کے تاثرات تھے۔ "وہ مکاؤ میں موجود ہے۔" اس نے ٹائیگر کو آگاہ کیا۔

"مکاؤ!" ٹائیگر نے حیرت سے پوچھا۔ "وہاں کیوں؟ وہ تو گرین ہیلنگ قبیلے کی حدود میں شامل نہیں ہے۔"

"اب ہے۔" بلس نے جواب دیا۔ "ہفتے میں دو بار وہ ہوٹل پارٹیا جاتا ہے۔"

پینتالیس منٹ بعد وہ جیٹی پر تھے۔ تیز رفتار بوٹ میں جگہ ملنے پر مزید دس سے پندرہ منٹ صرف ہو گئے۔ ٹائیگر ہوائی جہاز سے شاید سیٹ پر خاموش بیٹھا تھا۔ بلس اس کے برابر تھی لیکن اس نے بھی اپنے ہمراہی کو مخاطب نہیں کیا تھا۔

مکاؤ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہاں سیاحوں کے دیکھنے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کو بہت کچھ ہے حالانکہ حقیقتاً ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ وہاں صرف اور صرف بے تحاشا جوئے خانے ہیں جہاں ہزاروں کی تعداد میں چینی محض اپنی قسمت آزمانے کے لیے جاتے ہیں۔

پارٹیا بھی سنترا کے صنعاف میں ایک ایسا ہی ہوٹل تھا۔ جہاں رہائش کے ساتھ ساتھ جوا بھی ہوتا تھا۔ جب ٹائیگر اور بلس دروازے سے اندر داخل ہوئے تو سگریٹ کے دھوئیں، اور شراب کی بُو نے دونوں کا استقبال کیا۔

مقدس چن ڈائس ٹریز رکھیلنے میں معروف تھا۔ وہ شاید جیت رہا تھا کیونکہ اس کے چہرے پر جوش تھا۔ اس کی گول گول آنکھیں بے حد روشن تھیں اور وہ بنی پوری توجہ میز کی طرف مبذول کیے ہوئے تھا۔

ٹائیگر کچھ دیر ماحول کا جائزہ لیتا رہا پھر وہ بلس کی طرف جھکا۔ "تمہارا کیا خیال ہے؟"

"اچھا ہے۔"

ٹائیگر نے اثبات میں سر ہلایا اور جیب سے نوٹوں کی ایک گڈی نکال کر بلس کو تھما دی پھر وہ سرگوشیوں میں اُسے کچھ بتانے لگا۔ بلس ہدایات سُن کر چپ چاپ اس میز کی طرف بڑھ گئی جہاں مقدس چن بیٹھا تھا۔ جبکہ ٹائیگر دور دراز کونے میں ایک دوسری میز پر آ بیٹھا۔

بیس منٹ گزر گئے۔ اس عرصے میں دو کنٹونیز اور ایک یورپین لڑکی ٹائیگر کی میز کے قریب سے گزریں۔ انہوں نے غائر نگاہوں سے ٹائیگر کو دیکھا اور خفگی مٹھیں اپنی قیمت بتاتی ہوئی آگے بڑھیں۔

ٹائیگر نے دل ہی دل میں ان پر لعنت بھیجی اور رُخ موڑ کر بیٹھ گیا۔

ذرا ہی دیر بعد اُسے بلس اور مقدس چن اپنی طرف آتے دکھائی دیے۔ ٹائیگر نے اُٹھ کر آنے والوں کو تعظیم دی۔

"تعارف کا اچھا طریقہ ہے۔" مقدس چن نے مسکراتے ہوئے جھرجھری لی۔ "ویسے مجھے یہ خوبصورت لڑکی بہت اچھی لگی ہے۔" اس نے بلس کی طرف اشارہ کیا۔

"بیٹھ جاؤ۔" ٹائیگر نے جواباً مسکراہٹ اُچھالی اور مقدس چن نے سامنے والی کرسی سنبھال لی۔

ٹائیگر نے بلس کی طرف دیکھا۔ لڑکی نے سر ہلایا اور آہستہ روی سے چلتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔

دونوں چند ثانیے خاموش رہے۔

شاید دل ہی دل میں ایک دوسرے کو تول رہے تھے۔

"مسٹر جیک میروک!" بولنے میں مقدس چن نے ہی پہل کی "باقی تمام باتیں تو بعد میں ہوں گی۔ فی الوقت تو مجھے یہ بتاؤ کہ تم یہاں کیوں آئے ہو؟" مقدس چن نے اپنی گھڑی پر نظر ڈالی۔

ٹائیگر نے یوں ناک سکوڑی جیسے اس نے کسی خطرے کی بُو سُونگھی ہو لیکن اس سے پہلے کہ وہ اپنی جگہ سے حرکت کرتا۔ لاؤنج کی ایک قریبی دیوار دھماکے سے اندر کو گری۔ ان کے اردگرد کئی میزیں اُلٹ گئیں اور ان پر رکھی بوتلیں اور گلاس ٹوٹ کر فرش پر بکھر گئے۔

بلس نے دو نائیجوانی باشندوں کو نچلے حصے سے کیسینو میں داخل ہوتے دیکھ لیا تھا۔ وہ پہلی بار اُسے تب دکھائی دیے تھے جب وہ مقدس چن کے ساتھ بیٹھی ڈائس کھیل رہی تھی۔

مرکزی لابی میں پہنچ کر ایک میزانائن کی طرف جانے والی سیڑھیوں کے نیچے کھڑا ہو گیا جبکہ دوسرے نے آہستہ روی کے ساتھ ٹہلنا شروع کر دیا۔ بلس کو سیڑھیوں کے پاس کھڑے شخص کا چہرہ صاف دکھائی دے رہا تھا۔

بلس آڈرس ہو گئی تھی تاکہ اگر وہ پلٹ کر دیکھے تو اُسے اپنی طرف متوجہ محسوس نہ کر سکے پھر اس نے دوسرے شخص کو پہلے کی طرف جاتے دیکھا۔ دونوں نے سرگوشیوں میں کچھ باتیں کیں اور پھر وہ سیڑھیاں چڑھنے لگے۔

بلس ابھی کچھ کرنے کے بارے میں سوچ ہی رہی تھی کہ اُسے ایک تیسرا نائیجوانی دکھائی دیا جو تیز تیز قدموں سے سیڑھیاں چڑھ رہا تھا۔

وہ آڈرے باہر نکل آئی لیکن ابھی اس نے ایک قدم بھی نہیں اُٹھایا تھا کہ اُوپر زبردست دھماکا ہوا۔ بلس لڑکھڑا گئی اگر اس نے فوراً ہی سیڑھیوں کی ریلنگ کا سہارا نہ لیا ہوتا تو گر جاتی۔

ہر طرف دھواں ہی دھواں نظر آ رہا تھا۔ اندرونی سمت سے بعض انسانی چیخیں بھی سُنائی دی تھیں۔ بلس کا دل یک بارگی دھڑک اُٹھا۔

"اوہ ٹائیگر!" اس کے ذہن میں سوچ اُبھری۔

*

ٹائیگر کا ہاتھ بجلی کی سی تیزی سے آگے آیا اور اگلے ہی لمحے مقدس چن ایک گرے ہوئے میز کی آڑ میں زمین پر پڑا تھا۔ ٹائیگر نے اتنی تیز رفتار می سے حرکت کی تھی کہ مقدس چن بے یقینی سے پلکیں ہی

جھپکا تا رہ گیا تھا۔ البتہ ایک بات کا اسے احساس تھا کہ اگر ٹائیگر اُسے نقصان پہنچانا چاہتا تو شاید اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو چکے ہوتے۔

"مسٹر جیک!" مقدس چن نے اپنی گول گول آنکھیں گھما کر گرد و پیش کا جائزہ لیا۔ "تم ایک وحشی ضرور ہو لیکن تمہارے اندر ٹائیگر کی سی چستی اور پھرتی ضرور ہے۔"

ٹائیگر نے اپنے چہرے سے کسی تاثر کا اظہار نہیں ہونے دیا۔ وہ دیوار کی طرف دیکھ رہا تھا۔ کمرے میں اب بھی گرد اڑ رہی تھی جس سے ہر شے دھندلی دکھائی دے رہی تھی۔

رفتہ رفتہ مقدس چن گھٹنوں کے بل اُٹھ کھڑا ہوا۔ ٹائیگر نے ہاتھ بڑھا کر اُسے اُٹھنے میں مدد دی تھی۔

"آؤ چلیں۔" بلس نے دروازے کی طرف اشارہ کیا اور قدم بڑھا دیے۔ ٹائیگر نے اس کی تقلید کی تھی۔

میزانائن پر بلس نہیں مل گئی۔ وہ ایک محبوبہ کی مانند بھاگ کر ٹائیگر کی باہنوں میں آ سمائی۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں۔" اس نے ٹائیگر کے شانے سے سر ٹکا کر سرگوشی کی۔ "میں ان میں سے دو پر نظر رکھے ہوئے تھی مجھے امید نہیں تھی کہ کوئی تیسرا بھی آیا ہوگا۔ میں اس کی طرف پلٹی بھی لیکن وہ تیزی سے نکلتا چلا گیا... مم... مجھے بے حد افسوس ہوا کہ میں..."

"کوئی بات نہیں۔" ٹائیگر نے اس کے بال تھپتھپائے۔ "میں تمہارے لیے بے حد پریشان ہوں۔"

ٹائیگر نے اپنی گرفت اور سخت کر دی۔ وہ اس کے جواب میں کیا کہہ سکتا تھا؟

مقدس چن نے ٹھیک اُسی لمحے اپنی موجودگی کا ثبوت دیا۔ "تھا۔" کیا نوجوان خاتون ٹھیک ہیں؟"

"نوجوان خاتون ٹھیک ہے۔" بلس نے جواب دیا۔

"گڈ۔" مقدس چن نے مطمئن انداز میں سر ہلایا اور میزانائن کے آخری حصے میں ایک دروازے کی طرف بڑھا جس پر پرائیویٹ کی تختی لگی ہوئی تھی۔ ٹائیگر اور بلس اس کے ساتھ ساتھ تھے۔

اس بار وہ ایک نفیس دفتر میں داخل ہوئے تھے۔

"اب میں تمہاری میزبانی کروں گا مسٹر میروک۔" مقدس چن نے انہیں دیوار کے ساتھ رکھے صوفوں پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

***

ڈچ مین پرل کے بازوؤں کے حصار میں تھا لیکن ڈچ مین سے قرار تھا۔

پرل کی تمام محبتیں، چاہتیں، بلس اور خوشبوئیں ڈچ مین کے لیے شناسا تھیں۔ جب بھی وہ ہانگ کانگ آتا پرل کے گداز بازو اس کا گھر ہوتے اور وہ تھک کر کسی بچے کی مانند ان بازوؤں میں سو جایا کرتا تھا۔

لیکن آج رات نیند جاپان کے ساحلوں کی طرح اس سے دُور تھی۔ آج اُسے پرل مطمئن نہ کر پا رہی تھی۔

اس کی وجہ کامی ساکا تھی۔

اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ فوراً واپس چلا جائے۔ اپنی کامی ساکا کے پاس۔ وہ سوچتا رہا۔ اُسے میرینا یاد آئی۔ وہ کامی ساکا کے بعد پہلی عورت تھی جس نے اُسے متاثر کیا تھا۔ اس کی موت کا ڈچ مین کو اب بھی افسوس تھا۔ میرینا نے اس کے اندرونی جذبات کو بیدار کر دیا تھا اور اب اس نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ اپنی زندگی اب اپنے انداز سے گزارے گا۔

اُسے اپنی سورس یاد آ گئی جس کے ہاتھوں میں اس کی نکیل تھی۔ سورس ہر قدم پر اس کی رہنمائی کرتی تھی۔ ڈچ مین کبھی اس سے نہیں ملا تھا اور اُسے یقین تھا کہ ایسا کبھی نہیں ہوگا۔ دوران تربیت اس نے متعدد بار ایسی کوشش کی تھی لیکن سورس نے متعدد جواز پیش کیے تھے کہ ان کی باہمی مُلاقات سُود مند نہ ہوگی۔

سورس نے اُسے یہ بھی کہا تھا کہ وہ اس کی نجات دہندہ ہے۔ چنانچہ ڈچ مین اب بھی اُسے اپنا نجات دہندہ سمجھتا تھا اور آنکھیں بند کر کے اس کے احکامات کی تکمیل کرتا تھا۔

ڈچ مین جاپان سے جو محبت کرتا تھا سورس اُس سے واقف تھی۔ اب اس کے دل میں خواہش بیدار ہو رہی تھی کہ وہ ہمیشہ اسی سرزمین سے منسلک رہے۔

ڈچ مین نے محض ایک لمحے کے لیے سوچا اور بستر سے اُتر آیا۔ جلد ہی وہ گلی میں تھا جو اس وقت تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی۔

*

یوری ورخوف نے اپنے متعدد پر مہر خود دشت کی تھی۔ ندیا ڈنر کے لیے اپنے فلیٹ پر جانا چاہتی تھی لیکن ورخوف نے اُسے ایسا نہیں کرنے دیا تھا۔

اس وقت وہ ورخوف کے فلیٹ پر ایک کشادہ آرام دہ کرسی میں لیٹی ہوئی تھی۔ اس کمرے کو ورخوف شاید اسٹڈی کے طور پر استعمال کرتا تھا۔ ایک دیوار کے ساتھ مہاگنی کی میز پر ورخوف کی جوانی کی تصویر رکھی ہوئی تھی۔ وہ کیمرے کی طرف دیکھ کر مسکرا

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

رہا تھا۔

زویا سائیڈ سلٹ ڈارک گاؤن میں ملبوس تھی۔ اس نے اصل ریشم سے بنا ہوا ایسا گاؤن تصویروں کے علاوہ کہیں نہیں دیکھا تھا لیکن ورخوف نے اسے اس کے لیے خرید لیا تھا۔ زویا کو ملبوس کا ریشمی لمس براہِ راست اپنی ملائم اور گداز جلد پر محسوس ہو رہا تھا۔

زویا کے وارڈ روب کا انتخاب ورخوف خود کرتا تھا۔ زویا کو اس پر کوئی اعتراض نہیں تھا کیونکہ اس کی جیب سے ایک پائی بھی خرچ نہیں ہوتی تھی۔

ورخوف نے ڈنر تیار کرنے کے لیے کچن میں جانے سے قبل مقتل شوکیس سے ایک کتاب نکال کر زویا کو دے دی "یہ اسٹوری آف او" تھی جسے پاؤلین ریج نے لکھا تھا۔ اصل اسٹوری آف او۔ فرانسیسی میں لکھی گئی تھی۔ زویا نے ورخوف کو یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ آٹھ زبانیں بلا جھجک لکھ اور پڑھ سکتی ہے۔ مادر زبان روسی کے بعد اس کی پسندیدہ زبان فرانسیسی ہی تھی۔

زویا کو یہ علم ضرور تھا کہ اسٹوری آف او ایک جوڑے کی غیر فطری محبتوں کی داستان ہے لیکن اس نے اس سے قبل یہ پڑھی نہ تھی۔ پندرہ بیس صفحات پڑھ کر ہی اُسے کتاب کے بارے میں اندازہ ہو گیا تھا۔

ورخوف ہر دس پندرہ منٹ بعد کمرے میں آ کر ریکارڈ پلیئر پر ریکارڈ بدلتا۔ ایک آدھ جملہ زویا کی طرف اُچھالتا اور دوبارہ کچن میں گھس جاتا۔ ایک مرحلے پر ورخوف نے زویا کو انیون پیش کی۔ زویا نے بغیر کچھ کہے جوائنٹ ورخوف کے ہاتھ سے لے لیا۔ دو تین گہرے کش ہی اُسے سُرور کی دُنیا میں لے گئے۔

دونوں باری باری تب تک کش لیتے رہے جب تک جوائنٹ ختم نہیں ہو گیا۔ ورخوف دوبارہ کچن میں گھس گیا اللہ زویا نے کتاب اُٹھالی۔ انیون نے کتاب کا نشہ دوآتشہ کر دیا۔

اُسے کچھ یاد نہیں کہ وہ کتنی دیر کتاب کا مطالعہ کرتی رہی حتیٰ کہ اس کے کانوں میں ورخوف کی آواز پڑی "آ ٹھو!"

زویا نے تعمیل کی۔

وہ اونچی ایڑیوں کے وہی سینڈل پہنے ہوئے تھی جو... ورخوف نے اس کے لیے خریدے تھے۔

"آؤ!"

نیم مدہوش زویا اس کی بانہوں کے سہارے بیڈ روم کی طرف بڑھی۔ وہ کچھ پوچھنے یا احتجاج کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھی۔ جب ورخوف نے اُسے مُنہ کے بل لٹا کر اس کے چند لمحوں اور کلاشیوں کو آہنی ہتھکڑیوں میں جکڑا۔ وہ تب بھی خاموش رہی... لیکن پھر بیڈ روم اس کی چیخوں کی آواز سے گونجنے لگا۔ تب زویا کو احساس ہوا کہ ورخوف نے اُسے اسٹوری آف او پڑھنے کے لیے کیوں کر دی تھی۔

اُسے کچھ یاد نہیں کہ کب تک اس پر قیامت ٹوٹتی رہی ورخوف نے جب اُسے چھوڑا تو وہ تو... لڑکھڑاتی ہوئی باتھ روم کی طرف بڑھی اور دروازے پر ہی گر پڑی۔

بیس منٹ بعد جب وہ گرم پانی کا شاور لے کر باہر نکلی تو خود کو قدرے بہتر محسوس کر رہی تھی۔ دواؤں کی الماری اُسے سامنے ہی نظر آ گئی۔ اس نے بغور دواؤں کا جائزہ لینا شروع کر دیا اور پھر اس کی نگاہیں ایک بوتل پر جم گئیں۔

یہ نیند کی گولیاں تھیں۔

اس نے گولیاں باہر نکالیں۔

ورخوف بدستور کچن میں مصروف تھا۔ زویا نے اس کے بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر رکھی اسٹارک کا بوتل کھولی اور بیس کی بیس گولیاں اس میں انڈیل دیں۔

بستر پر بیٹھ کر وہ گولیوں کے گھلنے کا نظارہ کرنے لگی بوتل چوتھائی سے زیادہ بھری نہیں تھی۔ گولیوں کے گھلنے میں چند سیکنڈ سے زیادہ نہیں لگے تھے۔

کھانا دونوں نے خاموشی سے کھایا۔ ورخوف کو تعلی آمیز نہیں تھا کہ اس نے زویا پر کیا ظلم کیا تھا۔ زویا نے بھی اُسے مخاطب کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

اپنی عادت کے مطابق جونہی ورخوف بیڈ پر بیٹھا اس نے اسٹارک کا بوتل اُٹھائی اور نصف گلاس بھر لیا۔ زویا کو اپنے پہلو میں سمیٹ کر اس نے تین گھونٹوں میں گلاس خالی کر دیا۔

"ورخوف؟" زویا نے لرزتی اور کپکپاتی آواز میں اُسے مخاطب کیا۔ "ورخوف؟"

کوئی جواب نہیں ملا۔

زویا نے کروٹ لی اور سر کے نیچے سے تکیہ نکال کر چت لیٹے ہوئے ورخوف کے مُنہ پر رکھ دیا۔ وہ خود تکیے کے اوپر بیٹھ گئی چند لمحوں بعد ورخوف کا جسم پھڑپھڑایا اور پھر ساکت ہو گیا۔

زویا بستر سے اُتری۔ اگلے ہی لمحے وہ گھسیٹ کر ورخوف کے مردہ جسم کو بھی بستر سے گرا چکی تھی۔ اُسے کچن میں لے جانے میں زویا کو کوئی

خاص پریشانی نہیں ہوئی تھی۔

اس نے اودن کا دروازہ کھولا اور ورخوف کو پیٹ کے بل لٹا کر اس کا سر اور شانے اودن کے اندر داخل کر دیے۔ کچھ دیر وہ اپنی کارکردگی کا ناقدانہ نگاہوں سے جائزہ لیتی رہی پھر اس نے اودن کو کھول دیا۔

پندرہ منٹ اُسے لباس پہننے میں لگے۔ اگلے دس منٹ اس نے خفیہ فائلوں اور اپنی وہاں موجودگی کے نشانات ختم کرنے میں صرف کیے۔ اس وقت تک پورا گھر گیس سے بھر چکا تھا۔

*

اُسے اب صحیح طور پر یہ بھی یاد نہ تھا کہ اس نے کتنی چیکیں لڑی ہیں۔ چیانگ کے خلاف جنگ، سرمایہ داروں کے خلاف جنگ، غیر ملکی شیطانوں کے خلاف جنگ... لیکن موجودہ جنگ میں اُسے کسی حد تک بے بس کر دیا گیا تھا۔

کسی کوہ پیما کی مانند زی لین بھی اب چوٹی پر پہنچ کر سستا رہا تھا۔

ہانگ کانگ میں اس نے طاقت و قوت کا جو دائرہ بنایا تھا اُسے ابھی تک ہر آنکھ سے پوشیدہ رکھا گیا تھا۔ سیکورٹی کے لحاظ سے ہر روز ایک نئی جنگ ہوتی تھی۔ اب تک وہ ایسی تمام جنگوں میں کامیاب و کامران رہا تھا لیکن کچھ عرصے سے وہ خود کو تھکا ہوا محسوس کر رہا تھا۔ وو پنگ اس کے گرد اپنا دائرہ تنگ کرتا چلا جا رہا تھا۔ اُسے اپنے دفتر اور گھر کی دیواروں پر موت کے سائے رقصاں دکھائی دینے لگے تھے۔

رات کی تاریکی اُسے مزید خوفزدہ کر دیتی کبھی کبھی اس کا جی چاہتا کہ وہ رونا شروع کر دے۔ اُسے اپنے تنہا اور شدید بے حد یاد آتیں۔ وہ حیران ہوتا کہ آخر اس نے انہیں چھوڑ دینے کا فیصلہ کیونکر کیا تھا! اس کے دو بیٹے تھے لیکن اس نے دونوں کو خود سے جُدا کر دیا تھا۔ جُدائی کے وقت ایک لڑکپن کی حدود میں تھا جبکہ دوسرا ابھی شیر خوار تھا۔

دراصل وہ اپنے خواب کے شکنجے میں تھا۔ طاقت و قوت کے اس دائرے میں جکڑا ہوا تھا جس کا خیال سالوں پہلے سوزاؤ میں جی آن کے باغ میں پیدا ہوا تھا۔

وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا تھا اور اس کی حیثیت جی آن کی تھی۔

لیکن زندگی میں پہلی مرتبہ اس نے اپنی ذاتی زندگی کے بارے میں سوچنا شروع کیا تھا۔ وہ حیران تھا کہ کیا چین کا مستقبل واقعی اس کی اپنی خوشیوں سے زیادہ قیمتی تھا؟ اس نے طاقت کا سفر طے کرنے کے لیے بہت سی حماقتیں کی تھیں۔

اب جبکہ وہ ڈھیروں حماقتیں کر چکا تھا اُسے اپنے بیٹے یاد آ رہے تھے۔ اس نے اچانک ہی فیصلہ کیا تھا کہ اب اُسے چین نہیں اپنے بیٹے چاہئیں۔ اب اس کے نزدیک چین کی کوئی اہمیت نہیں رہ گئی تھی۔ اس کے ذہن میں بار بار یہ خیال آ رہا تھا کہ چین نے اُسے کچھ نہیں دیا۔

وہ خاموشی کے ساتھ اپنی جگہ سے اُٹھا اور ٹرانسیور تک پہنچا۔ اُسے آن کر کے وہ رابطہ قائم کرنے کی کوششوں میں مصروف ہو گیا لیکن سیکورٹی کے سلسلے میں اس نے اب بھی بے حد احتیاط برتی تھی۔

انہوں نے بغیر کسی ہچکچاہٹ کے سیکورٹی کوڈز کا تبادلہ کیا اور اپنے خفیہ نام دُہرائے۔

"رپورٹ!" زی لین بولا۔

"میں..." آواز ایک دم غائب ہو گئی۔

"کیا ہوا؟" زی لین فوراً بول اُٹھا "کیا مسئلہ درپیش ہے؟"

"میں نہیں جانتا!" ڈریچ مین کی آواز دُور سے آ رہی تھی۔ "کچھ نہ کچھ بدل گیا ہے۔"

"ہانگ کانگ میں؟"

"نہیں، میرے اندر۔"

"وضاحت کرو!" زی لین کی آواز اُبھری۔ اس کے لہجے میں تحکم کا عنصر نمایاں تھا۔

"کیسے؟ مجھے اپنے... اپنے جذبات کو پڑھنے کا طریقہ کبھی نہیں بتایا گیا!"

"اس کی وجہ یہ تو نہیں کہ میں نے تمہیں تمہاری ماں کے کنٹرول سے آزاد کر دیا ہے؟"

"میرے خیال میں وہ کافی تھا!"

"میں سمجھا نہیں۔"

"میں چاہتا ہوں..." لائن پر کچھ دیر خاموشی رہی، پھر قدرے شور کے بعد ڈریچ مین کی آواز اُبھری "میں چاہتا ہوں کہ یہ سب ختم ہو جائے!"

"کیا ختم ہو جائے؟"

"یہی... احکامات کی تعمیل... ڈسپلن... اور... اور... طاقت و قوت کے دائرے میں شمولیت!"

"کیا کہہ رہے ہو؟ یہ ناممکن ہے! تمہارے ذہن میں کوئی

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

تصور ہے کہ مجھے یہ سب کچھ کرنے میں کیسی کیسی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ جنرل زدیا کے لیے تمہیں ناقابل شکست بنانے میں، میں نے کتنی محنت کی ہے۔ جب تک تمہاری نکیل اس کے ہاتھ میں رہی، تم اس کی باتوں اور کاموں سے مجھے مطلع کرتے رہے۔ میں شمرا کے بارے میں بھی سُن چکا ہوں جو سی آئی اے میں کے جی بی کا طاقتور ترین ایجنٹ ہے۔ یہی وجہ تھی کہ میں نے میر سینا میروک اور نو کے حصے کو بانگ کانگ سے نکال لے جانے کے احکامات دیے تھے۔ شمرا کو کس طرح اس نو کے بارے میں معلوم ہو گیا اور اس نے نو کے حصول اور میر سینا کے قتل کے لیے اپنا خصوصی دستہ بانگ کانگ بھیجا تھا۔"

"زدیادر کو تا ہمارے نزدیک ایک ابتدائی چیز رہی ہے اس نے میرے لیے جنرل کارپوف پر نظر رکھی اگر اس کا رابطہ مجھ سے زیادہ طاقت ور رہتا تو میں اُسے ورخوف سے نمٹنے کا طریقہ بھی بتا دیتا کیونکہ ورخوف ہمارا بدترین دشمن ہے۔ اسی نے سوادگی پر حملہ کرنے کے لیے احکامات دیے تھے۔"

"خیر... یہ باتیں اپنی جگہ... تم خود پر نظر ڈالو... میں نے تمہیں تمہاری جوانی کے انتشار سے محفوظ رکھا ہے۔ میں اب بھی ایسا ہی کر رہا ہوں۔ تمہارے اردگرد طاقت و قوت کے دائرے نے احاطہ کر رکھا ہے۔ تم سوچ سکتے ہو کہ کیا اس تحفظ کے بغیر تم کامیاب ہو سکتے تھے... اس لیے اب بھی تمہیں اپنے فرائض بلا اعتراض انجام دینے چاہئیں۔"

"میں اپنے فرائض کو اچھی طرح سمجھتا ہوں۔" دوسری جانب سے ڈچ مین کی آواز سُنائی دی۔ "میں نے اپنی زندگی میں بہت سے سبق سیکھے تھے۔ ان میں سے ایک سبق حال ہی میں جب کہ بیوی نے مجھے دیا ہے۔"

"میری بات سنو..."

"میں اپنی زندگی چاہتا ہوں۔" ڈچ مین کی چیختی ہوئی آواز نے زی لین کو منجمد کر دیا۔ "میں اپنی زندگی چاہتا ہوں اور اسے حاصل بھی کروں گا۔"

تب ہی سلسلہ منقطع ہو گیا۔

زی لین نے کانپتے ہاتھوں کے ساتھ مائیکروفون رکھا اور پاور آف کر دیا۔

اس کے ذہن میں طاقت و قوت کے اس دائرے نے جگہ بنائی جس کی تشکیل میں پچاس سال لگے۔ وہ تمام قربانیاں

سینکڑوں انسانوں کے
خوفناک قاتل

مشہورِ زمانہ ٹھگ امیر علی کی
سنسنی خیز داستان

انسان
اور
شیطان

محمد فراز

حصّوں میں شائع ہو گئی ہے

قیمت فی حصہ -/75 روپے
مکمل سیٹ -/150 روپے

ناشر
مکتبہ القریش۔ سرکلر روڈ
اُردو بازار لاہور۔2

اُسے یاد آنے لگیں جو اس نے جی آن بننے کے لیے دی تھیں۔

میں اپنی زندگی چاہتا ہوں اور میں اسے حاصل کر لوں گا۔

زی لین کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ اس نے اپنے جذبات کو خود سے الگ کر رکھا تھا۔

ٹیلیفون کی گھنٹی نے ہنری ونڈرمین کو نہ صرف جگایا بلکہ کسی اسپرنگ کی مانند وہ اچھل کر اُٹھ بیٹھا۔ اگلے ہی لمحے ریسیور اس کی سخت گرفت میں تھا۔

بائیں ہاتھ سے اس نے اپنی بیوی کے کانپتے شانے کو تھپ تھپایا تاکہ وہ پریشان نہ ہو۔

"یس؟" وہ آہستہ سے ماؤتھ پیس میں بولا۔

"نائٹ کلب ڈانسنگ کے لیے کھلا ہے۔" ایک شناسا آواز نے اس کے کان میں کہا۔

"یس... بیس منٹ... ٹاپس۔" ہنری نے اپنی دونوں ٹانگیں بستر سے نیچے لٹکا لیں۔

"نائٹ کلب" ایشین تھیٹر کمیونی کیشن کا مخفف تھا۔ جبکہ "ڈانسنگ" بے صداہم کے لیے استعمال کیا گیا تھا۔

ریسیور رکھ کر ہنری بیڈ سے نیچے اُتر آیا۔ اس کی بیوی نے ذرا سا ڈوغ گھما کر اپنے شوہر کو دیکھا لیکن پھر اپنی آنکھیں بند کر لیں۔

ہنری کو سی آئی اے ہیڈ کوارٹرز پہنچنے میں کچھ زیادہ دیر نہیں لگی۔ اٹھارہویں منزل پر وہ اوڈی سے ملا۔ وہ ایک ایماندار نوجوان تھا۔ رہون نامی اس شخص کو ہنری نے خود منتخب کیا تھا۔

"کیا بات ہے؟"

رہون نے اپنے باس کو رات کے اس لمحے بستر چھوڑنے پر مجبور کرنے پر کوئی معذرت نہیں کی۔ وہ اپنا جاب بہتر طور پر جانتا تھا۔

"کمپیوٹر کال۔"

"مذاق کر رہے ہو؟" ہنری ٹپٹ کر بولا۔ "نائٹ کلب کمپیوٹر تو نہیں۔"

"رائٹ سر!" رہون نے سعادت مندی سے سر ہلایا۔ "کمیونیکیشن ہانگ کانگ سے آیا ہے۔ کوڈ کی وجہ سے یہ خود کار راہ کمپیوٹر روٹ سے ملا ہے۔"

"مقامی اور غیر مقامی... ہمارے سارے پیغامات خفیہ ہوتے ہیں رہون۔"

"میں جانتا ہوں سر! لیکن یہ جی اے ایس پی پر ہے۔"

گارمیلڈ گرافک اسپیچ پارٹس، خود ہنری کی اختراع تھے جو چند سال قبل اس نے کی تھی۔ اس کے لیے جو کوڈز استعمال ہوتے تھے وہ کہیں بھی ڈی کوڈ نہیں ہو سکتے تھے۔

ہنری مطلوبہ کمرے میں پہنچ کر کمپیوٹر ٹرمینل کے سامنے بیٹھ گیا اور رہون باہر نکل گیا۔ جی اے ایس پی پر آنے والے پیغامات صرف ڈائریکٹر کے لیے ہوتے ہیں۔ جب "گو فور تھ" کے الفاظ اسکرین پر روشن ہو گئے تو ہنری نے جی اے ایس پی سائفر کمیونی کیشن کا کوڈ اس میں فیڈ کر دیا۔

جی پی آر... ۳۷ کام کے لیے تیار تھا۔

گو فور تھ۔

ہنری نے کوڈز کا دوسرا سوئیٹ اُٹھا لیا۔

نائیگر گزشتہ بارہ گھنٹوں کے دوران ہانگ کانگ میں ہلاک ہونے والے سی آئی اے کے تین ایجنٹوں کے قتل کا ذمے دار ہے۔"

درخواست: شکار کے بارے میں نئے سرے سے احکامات دیے جائیں۔

ہنری کے پورے بدن میں ایک سرد سرسراہٹ کر گئی۔ اُسے محسوس ہو رہا تھا کہ اس کا دم گھٹ جائے گا۔ اس نے اپنے ہاتھوں کو دیکھا۔ ان میں خفیف سی کپکپاہٹ تھی۔

میں نائیگر کے قتل کے احکامات کس طرح دے سکتا ہوں؟ اس کے ذہن میں سوچ اُبھری۔ پورے امریکہ میں جارہ گر کے علاوہ اس کا اختیار صرف اور صرف صدر کو حاصل تھا اگر وہ ہدایات کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ایسے احکامات دے بھی دیتا ہے تو خود اس کا مستقبل کیا ہو گا؟ جارہ گر اور خود ٹائیگر اس کے بیوی بچوں کو گوشت اور خون کے لوتھڑوں میں تبدیل کر دیں گے۔

ہنری کی اُنگلیاں کی بورڈ پر حرکت کرنے ہی والی تھیں کہ اسکرین کے اوپر "رننگ" کے الفاظ دوبارہ روشن ہو گئے۔ کوئی اور اہم پیغام موصول ہو رہا تھا۔ ہنری نے جلدی سے اسکرین کو صاف کیا اور اپنا کوڈ دینے کے بعد "گو فور تھ" کے الفاظ ٹائپ کیے۔

... کے بارے میں اطلاعات۔

... روس کے بارے میں سی آئی اے کا خفیہ کوڈ تھا۔

"جنرل زدیادر کو تاکو فرسٹ چیف ڈائریکٹوریٹ

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کا نیا سربراہ بنا دیا گیا ہے۔ باضابطہ اعلان اگلے ۴۸ گھنٹوں میں متوقع ہے۔ غیر مصدقہ اطلاعات کے مطابق اگلے ایک ہفتے میں جنرل زوہیا کو پولٹ بیورو کی پہلی خاتون رُکن بنانے کا اعلان کر دیا جائے گا۔"

"اوہ مائی گاڈ!" ہنری کے حلق سے ایک کراہ سی خارج ہوئی۔

اس نے سوچا کہ فوری طور پر اپولو سے رابطہ قائم کیا جائے۔ گھر واپسی کے راستے میں ایک ایسا پے فون تھا جسے وہ استعمال کر سکتا تھا۔ وہ سی آئی اے کے دفتر سے ایسا فون کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ اس نے اسکرین کو صاف کیا اور جی اے ایس پی کے ذریعے اپنی گاڑی دینے لگا۔

"ڈائریکٹر ٹو ایجنٹ کے۔ ایس ٹی اے۔"

"پیغام وصول کر لیا گیا ہے۔ شکار کے بارے میں نئے احکامات جاری کر دیے گئے ہیں۔"

ہنری نے ٹرمینل کو بند کیا اور اسکرین کے سائے سے ہٹ گیا۔ اس نے ایک بہت بڑا خطرہ مول لیا تھا لیکن وہ جانتا تھا کہ یہ خطرہ مول لیے بغیر کوئی چارہ نہیں۔

✠

ایجنٹ ریوسیور یہ سوچ رہا تھا کہ کیا وہ تمام معلومات اور تصاویر مقدس چن کے حوالے کر دے؟ شاید وہ غلطی پر تھا۔ پیٹر بے شک سیور اینڈ سنز کا ملازم تھا لیکن وہ مقدس چن کا بھتیجا بھی تھا۔ سیور چینی روایات سے بخوبی آگاہ تھا اور جانتا تھا کہ یہاں رشتے داریاں کاروبار سے زیادہ اہم ہوتی ہیں۔ اب اس بات سے غرض نہیں تھی کہ پیٹر نے اس کے کتنے راز حاصل کیے بلکہ اس سے اہم نکتہ یہ تھا کہ وہ مقدس چن کے خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔

"آپ اس زخم زدہ چہرے والے شخص کو جانتے ہیں۔۔!" سیور نے پوچھا۔

مقدس چن نے اثبات میں سر ہلایا۔ "اس کا نام کاؤ ہے۔" وہ بولا۔ "اس کا تعلق کے جی بی سے ہے۔"

"یہ سب اکٹھے ہیں۔۔۔ ایک دوسرے کے ساتھی ہیں۔" سیور تول تول کر بولا۔ "پیٹر کاؤ، بلیو اسٹون۔"

"کیا مطلب؟"

"میں نے خود ایک گودام کی آڑ میں پیٹر کو روسی جاسوس سے ملتے اور انہیں دستاویزات فراہم کرتے دیکھا ہے۔ میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ۔۔!"

"تم نے کوئی قدم نہیں اٹھایا؟"

سیور نے نفی میں سر ہلایا۔ "میں پہلے آپ کے پاس آیا ہوں۔ پیٹر کا تعلق چونکہ آپ کے خاندان سے ہے۔ اس لیے یہ میرا فرض بنتا ہے۔"

"اوہ!" مقدس چن تادیر خاموشی سے تائی پین کو گھورتا رہا۔

دونوں اس وقت سائی ٹیگ پن ضلع میں مقدس چن کے گھر پر موجود تھے۔ جب وہ دوبارہ بولا تو اس کی آواز میں ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔ "تو مسٹر سیور! میرے بھتیجے نے تمہیں اور تمہاری فرم کو خاصا نقصان پہنچایا ہے۔ کیوں۔۔۔؟"

"میرے خیال میں۔۔۔" سیور ایک بار پھر بولنے کے لیے مناسب الفاظ تلاش کر رہا تھا۔ "میرا نقصان آپ کے اس دکھ سے زیادہ نہیں جو یہ بات سُن کر آپ کو ہوا ہے۔"

"میں تمہارا شکر گزار ہوں لیکن میرے سامنے سیور اینڈ سنز کا نقصان بھی تو ہے۔"

"نقصان کا صحیح اندازہ لگانے میں کچھ وقت درکار ہے۔" سیور ایک شانے کے لیے رُکا، پھر بولا۔ "مجھے آپ کی مدد کی ضرورت ہو سکتی ہے۔"

یوں لگ رہا تھا جیسے مقدس چن کو ان الفاظ کی امید ہو۔ وہ فوراً بول اُٹھا۔ "میری مدد تمہیں حاصل رہے گی۔ بس تمہیں کچھ کی دیر ہو گی۔"

سیور فوراً تعظیم کو جھک گیا۔ "میں آپ کا شکر گزار ہوں۔ مقدس چن۔"

مقدس چن نے نگاہیں اُٹھائیں۔ "اور سزا؟"

"جرم چونکہ ہانگ کانگ کے خلاف کیا گیا ہے۔ اس لیے سزا بھی اسی کی مناسبت سے ہو گی۔ مجھے یقین ہے کہ اُسے سزا مل جائے گی۔"

مقدس چن نے سیور کو گھورا۔ "تم تو اسپیشل برانچ کو مطلع کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے؟"

"میں نے سب کچھ آپ پر چھوڑا۔" سیور کا دل حلق میں دھڑک رہا تھا۔ اس نے ایک بہت بڑا خطرہ مول لیا۔

مقدس چن نے سر کو اثباتی جنبش دی اور اٹھ کر اپنی میز کے عقب میں بیٹھ گیا۔ سیور نے تصاویر اُسے تھما دیں۔ وہ خاصی دیر ان کا جائزہ لیتا رہا پھر اس کے چہرے پر ایسے تاثرات اُبھرے جیسے ان میں کوئی شناسا چہرہ نظر آ گیا ہو۔

"میرا فیصلہ یہ ہے مسٹر سیور۔" بالآخر وہ بولا۔ "کسی چینی کو چینیوں کے لیے چھوڑ دیا جائے۔۔۔ اور تائی پین کو تائی پین کے لیے چھوڑ دو۔"

سیور دوبارہ تعظیم کے لیے جھکا۔ "اگر آپ اجازت دیں تو میں ایک تجویز پیش کروں؟"

"ضرور، ضرور۔"

"اگر ہم اسے مل کر سزا دیں تو۔۔۔"

اور مقدس چن کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ برفیلی صدیوں ہانگ کانگ میں رہ کر بھی شیطان ہی رہتا ہے۔

✠

خوفناک سنگ کا مرکزی دفتر کھلونوں کی ایک فیکٹری میں میں تھا۔ یہ قدیم زمانے کی ایک عمارت تھی جسے شاید جنگ جُوؤں کی رہائش کے لیے تعمیر کیا گیا تھا۔

کھلونوں کی اس فیکٹری کا زیادہ تر اسٹاف لڑکیوں پر مشتمل تھا۔ جن کی عمریں بمشکل سولہ سے اٹھارہ سال کے درمیان تھیں۔ خوفناک سنگ کے قبیلے کے ایک رُکن نے فیکٹری سے سو گز دُور ٹائیگر کا استقبال کیا۔ دونوں شور شرابے میں سے گزرتے ہوئے اس کمرے تک پہنچے جہاں خوفناک سنگ موجود تھا۔

"آؤ مسٹر میرو ک!" خوفناک سنگ نے اپنی جگہ سے اُٹھ کر ٹائیگر کا استقبال کیا۔ ٹائیگر نے جھک کر اُسے تعظیم دی جانے تیار تھی۔ دونوں نے سب سے پہلے خاموشی کے ساتھ چائے پی۔

ٹائیگر ۴۸۹ کے ساتھ تنہا تھا جو بذاتِ خود ایک غیر معمولی بات تھی۔ ٹائیگر بڑے انہماک سے صورتِ حال کا تجزیہ کر رہا تھا۔ خاموشی کی چادر اس وقت تک تنی رہی جب تک چائے ختم نہیں ہوئی۔ جونہی خوفناک سنگ نے خالی پیالی میز پر رکھی وہ بول اٹھا۔ "تو تمہیں ڈچ مین کے بارے میں معلومات درکار ہیں۔" انداز بہرحال سوالیہ نہیں تھا۔

"میں جاننا چاہوں گا کہ وہ تم سے ملنے یہاں کیوں آتا ہے؟"

"میرے بہت سے معاملات اس کے ساتھ منسلک ہیں، لیکن ہانگ کانگ آنے کے بعد وہ صرف مجھ سے ہی نہیں ملتا وہ مقدس چن، شارک ٹوتھ تنگ، ہاک سام کے سربراہ چیاؤ چاؤ قبیلے اور دوسرے سرداروں سے ملاقاتیں بھی کرتا ہے۔"

"الگ الگ۔۔۔؟"

ٹائیگر نے گو دو ہی الفاظ ادا کیے تھے لیکن سنگ اس کی گہرائی تک پہنچ گیا تھا۔

"اس کا مطلب وہ نہیں جو تم سمجھ رہے ہو لیکن وہ تمام سرداروں کی ایک مشترکہ کانفرنس بُلانے کے منصوبے پر کام کر رہا ہے۔۔۔ کیا یہی تمہارے سوال کا جواب ہے؟"

"تمائی سربراہ کانفرنس! لیکن کیوں؟ کیسے؟" ٹائیگر نے ایک ہی سانس میں کئی سوالات کر ڈالے تھے۔

۴۸۹ نے مسکراتے ہوئے سر کو اثبات میں جنبش دی۔ "کیا تمہاری دوست نے تمہیں بتایا؟"

"میری دوست؟"

"کیا تم اس لڑکی کو کسی اور انداز سے متعارف کرانا چاہتے ہو؟"

"بس؟"

سنگ نے صرف سر ہلایا تھا۔

"بس اس بارے میں بھلا کیا جان سکتی ہے؟"

"میرے پیارے مسٹر۔۔۔" سنگ محض ایک تائید کے لیے رُکا پھر بولا۔ "۔۔۔ میرو ک، وہ طاقت و قوت کے دائرے کا ایک حصہ ہے۔۔۔ تمہاری طرح۔"

"تم اس دائرے کے بارے میں کیا جانتے ہو؟"

"تمہارا کیا خیال ہے؟" بوڑھا اب ٹائیگر کی حالت سے لُطف اندوز ہو رہا تھا۔ "ڈچ مین اور میں بھی اسی دائرے میں شامل ہیں۔"

"ڈچ مین۔" ٹائیگر کو حیرت کا ایک جھٹکا لگا۔ "وہ تو۔۔۔ رُوسیوں کے لیے کام کرتا ہے۔"

"یہ درست نہیں ہے۔" سنگ کے ہونٹوں سے مسکراہٹ مستقلاً چپک گئی تھی۔ "سوویت یہی سمجھتے ہیں کہ وہ اُن کے لیے کام کر رہا ہے لیکن اس کی معلومات سب سے پہلے اسی دائرے کو حاصل ہوتی ہیں۔"

"میں تو یہ بھی نہیں سمجھتا کہ یہ دائرہ ہے کیا بلا؟"

"میں اس بارے میں کچھ نہیں بتا سکتا۔"

"میں نے تمہارے لیے۔۔۔"

"مجھے افسوس ہے، دائرے کا بہرحال ہماری گزری باتوں سے کوئی تعلق نہیں۔"

"ٹھیک ہے۔" ٹائیگر نے طویل سانس لی۔ "اس قبائلی سربراہ کانفرنس کا مقصد کیا ہے؟"

"تمام قبیلوں کو ایک مقصد پر متحد کرنا۔"

"طاقت و قوت کے دائرے پر؟" ٹائیگر نے سوال کیا۔

سنگ خاموش رہا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"آخر یہ کیسے ممکن ہے" میرے خیال میں تو تمام تر سردار خود مختار ہیں۔"

"آزادی صرف تاریخ تک محدود ہے مسٹر۔ میرو ک" سنگ نے اس بار بھی وقفہ دے کر ٹائیگر کا کورنام ادا کیا تھا۔ "آؤ میں تمہیں ایک چھوٹی سی کہانی سناتا ہوں جو اب تاریخ کا حصہ ہے لیکن اس کا آغاز کئی سال پہلے ہوا تھا۔ ایک خوبرو سرنوجوان اپنے ہمراہیوں کے ساتھ مل کر لارچا چلایا کرتا تھا جس کی وجہ سے وہ ہانگ کانگ کے اردگرد پھیلے ہوئے پانیوں کے ایک ایک انچ سے واقف تھا۔

"یہ تو تم جانتے ہی ہو گے کہ چین میں افیون بے تحاشا کاشت ہوتی ہے' چنانچہ اس نے اپنی معلومات سے فائدہ اُٹھا کر چین سے اسمگلنگ شروع کر دی۔۔۔ افیون کی۔ وہ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ کشتیوں میں بھر کر افیون لاتا۔۔۔ اور ہانگ کانگ کی کھلی مارکیٹ میں فروخت کر دیتا۔

"وہ نوجوان اور اس کے ساتھی اسمگلنگ کے باعث امیر سے امیر تر ہوتے چلے گئے۔ ان کے ساتھ کشتیاں چلانے والوں نے جب ان کی دولت دیکھی تو وہ حسد و رقابت میں مبتلا ہو گئے۔ دولت انسان کے لیے بہت سے مسائل پیدا کر دیتی ہے چنانچہ انہیں بھی ایک ایسے ہی گمبھیر مسئلے کا سامنا کرنا پڑا۔

"ایک روز اس کی مخبری ہو گئی۔ ساحلی پولیس نے ان کی لانچ پر ہلہ بول دیا۔ چار آدمی مارے گئے اور وہ نوجوان شدید زخمی ہوا۔ ایک ہمدرد نے اس کی دیکھ بھال کی۔ اس نے نوجوان کے کالے کرتوتوں کو اپنے سینے میں دفن رکھا چنانچہ نوجوان نے اس کے صلے کے طور پر ایک سال تک بلا معاوضہ اپنے ہمدرد کے لیے کام کیا۔

"اس کا ہمدرد ایک غیر معمولی شخص تھا۔ وہ بھی اسی قسم کے دھندے کرتا تھا لیکن پھر اس نے یہ سب کچھ چھوڑ دیا۔۔۔ اس نے سرپھرے نوجوان کو بھی زندگی کی نئی راہیں دکھائیں اور اسے جینا سکھایا۔۔۔"

خونخوار سنگ نے اپنی جیکٹ اتار کر اس کرسی کی پشت پر ڈال دی جس پر وہ بیٹھا ہوا تھا پھر اس نے اپنی ٹائی اور شرٹ اُتاری۔ اس کا سینہ اور دایاں شانہ ٹائیگر کے سامنے تھا۔ وہاں کئی گولیوں کے زخم نمایاں تھے۔

"تم نے اندازہ لگا لیا ہو گا" اس نے شرٹ کے بٹن دوبارہ لگانے شروع کر دیے۔ "وہ سرپھرا نوجوان میں تھا۔۔۔ اور میرے ہمدرد کا نام تھری اوتھ سن تھا جو میرا محسن بھی ہے۔ وہی طاقت و قوت کے دائرے کا سالار اعلیٰ ہے۔۔۔ ہم صرف اس دائرے میں ہی نہیں' کاروبار میں بھی ایک دوسرے کے ساتھ پیوست ہیں۔" سنگ نے کندھے اُچکائے۔ "لیکن میں بھول گیا' میرے خیال میں تم پہلے ہی اس دائرے میں تھری اوتھ سن کی حرکت کے بارے میں آگاہ ہو گے۔"

ٹائیگر پریشان ہو گیا۔ "اس کی کوئی خاص وجہ؟"

"اس لیے مسٹر میرو ک کہ تمہاری دوست بس میرے اسی محسن تھری اوتھ سن کی بیٹی ہے۔"

☆

وزیر اعظم کا حفاظتی دستہ صبح کے ٹھیک نو بجے زی لین کے دفتر میں داخل ہوا۔ دستے کے ارکان زی لین کی نگاہوں میں ہانگ میڈر اور کابینہ کے بارے میں معلومات تلاش کرنے لگے۔

زی لین مطمئن تھا لیکن زینگ ہوا جو فوجیوں کے پیچھے پیچھے اندر داخل ہوا تھا۔ مارے خوف کے کپکپا رہا تھا۔ اس کا چہرہ سفید اور آنکھیں پھٹنے کے قریب تھیں۔ وہ خاموشی کے ساتھ فوجیوں کو تلاشی لیتے دیکھ رہا تھا۔

تلاشی کے بعد دستے کے کمانڈر نے ایک تحریری حکم پڑھ کر سُنایا جس میں انہیں فوری طور پر وزیر اعظم کے ایک ٹریبونل میں پیش ہونے کے لیے کہا گیا تھا۔ اس سے انکار کا کوئی سوال نہیں تھا۔

زی لین نے اپنے ذاتی کاغذات جمع کر کے ایک بریف کیس میں ڈالے اور اسے زینگ ہوا کو تھما دیا۔ دونوں کے مابین ذو معنی نگاہوں کا تبادلہ بھی ہوا تھا۔

"ہمت کرو میرے دوست!" زی لین نے سرگوشی کے انداز میں کہا تاکہ وزیر اعظم کے محافظ اس کا جملہ سُن نہ سکیں۔ زینگ نے خاموشی سے سر ہلایا۔

دونوں دوست باری باری باہر کھڑی کار میں جا بیٹھے۔ بارش زوروں پر تھی۔ ہیجنگ کے گلی کوچے ندی نالوں کا منظر پیش کر رہے تھے۔ فوجی دستے کا کمانڈر اور تین دیگر محافظ بھی اُن کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔

زی لین کے گھٹنے میں درد کی ایک شدید لہر اُٹھی تو وہ کراہے بغیر نہ رہ سکا۔ محافظ دستے کے سالار نے چونک کر لوڑھے وزیر کو دیکھا لیکن جب اُسے اندازہ ہُوا کہ کراہ میں کوئی تصنع نہیں تو وہ مطمئن ہو گیا۔

ٹریبونل کی کارروائی وزیر اعظم ہاؤس کے بڑے ہال میں ہو رہی تھی۔ جب زی لین تھر تھر کانپتے زینگ ہوا کے ہمراہ ہال کے آخری کونے کی طرف بڑھا تو وہ چاروں محافظ ان کے ساتھ ہی تھے جو فنترے آئے تھے۔ ہال میں تمام وزرا موجود تھے۔ وو پنگ کو زی لین نے دروازے سے اندر داخل ہوتے ہی دیکھ لیا تھا۔

وہ اسی کرسی پر بیٹھا تھا جس پر چند ہفتے قبل ہونے والی پیشی کے موقع پر بیٹھا تھا۔

وزیر اعظم ایک چبوترے پر اپنی مخصوص میز کے عقب میں تھے۔ طاقت و قوت اس کے چہرے سے پھوٹی پڑ رہی تھی اس کی چھوٹی چھوٹی آنکھیں مسلسل متحرک تھیں۔

زی لین کے قدم وزیر اعظم کی طرف اٹھ رہے تھے لیکن اُس کا ذہن اپنے بیٹوں کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اس نے دونوں کی جُدائی میں ایک طویل عرصہ گزارا تھا اور اب وہ جلد از جلد ان سے جا ملنا چاہتا تھا۔

زی لین اور زینگ ہوا اپنے لیے مخصوص کرسیوں پر براجمان ہو گئے۔

"دوستو!" وزیر اعظم کی آواز قدرے اُبھری۔ "آج ہم اس لیے یہاں جمع ہوئے ہیں کہ وہ انتہائی اہم نوعیت کے الزامات سُن سکیں جو ہمارے ایک بہت ہی معتبر اور معزز وزیر محترم کے خلاف لگائے گئے ہیں۔"

کنکھیوں سے زی لین نے وو پنگ کے چہرے پر جوش کو اُمڈتے دیکھا۔ زی لین اندازہ لگائے بغیر نہ رہ سکا کہ یہ دُشمن اُسے وزارتی کونسل سے سزا دلوانے کی ہر ممکن کوشش کرے گا۔

"وو پنگ!" وزیر اعظم پھر بولا۔ "براہ کرم میرے سامنے آ جاؤ۔"

"خوشی سے کامریڈ وزیر اعظم!" طویل قامت وو پنگ جلدی سے اپنی نشست پر سے اُٹھا۔ اس کے بائیں ہاتھ میں کاغذات کا ایک پلندہ تھا جو زی لین کے خیال میں اُس کے خلاف الزامات کی شہادتیں تھیں۔

"شی زی لین!" وزیر اعظم نے رُخ موڑا۔ "تمہاری عدم موجودگی کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے میں تمہیں اپنے سامنے کھڑا ہونے کا حکم نہیں دوں گا۔"

"سب ٹھیک ہے سر!" زی لین نے اُٹھنے کے لیے زینگ ہوا کا سہارا لیا۔ "میں ابھی اتنا بوڑھا نہیں ہوا ہوں کہ اپنے وزیر اعظم کی تکریم نہ کر سکوں۔"

وزیر اعظم نے اثبات میں سر ہلایا۔ اس کی نگاہیں اب دونوں کے درمیان فرش پر مرکوز تھیں۔ "گزشتہ شب ایک خصوصی کوریئر سے مجھے چند دستاویزات موصول ہوئی ہیں۔" اُس نے چند کاغذات اُلٹے۔ "میں تمام رات اپنے مشیروں کے ہمراہ ان کی صداقت کے بارے میں شواہد کھنگالتا رہا ہوں اور اب یہ میرے پاس موجود ہیں۔"

وو پنگ کے چہرے کے تاثرات ذرا سے بدلے لیکن اس نے فوراً ہی خود پر قابو پا لیا۔ "مجھے یقین ہے کامریڈ وزیر اعظم کہ آپ نے ہر پہلو پر غور کیا ہو گا۔"

"بالکل!"

وو پنگ نے سر کو اثباتی جنبش دی۔ "آپ کے اضافی سوالات کے جواب شی زی لین کے ہمراہی مسٹر زینگ ہوا دے سکتے ہیں۔" یہ جملہ کہتے ہوئے وو پنگ نے سر گھما کر زی لین کی طرف دیکھا۔ "زینگ ہوا پچھلے چند ماہ سے میرے ملازم رہے ہیں۔"

"زینگ ہوا!" وزیر اعظم کی آواز اس بار بھاری تھی۔ "کیا تم اس بیان کی گواہی دیتے ہو؟"

زی لین نے وو پنگ کے اعلان پر کسی ردِ عمل کا مظاہرہ نہیں کیا۔ وو پنگ کو اس سے خوشی ہوئی تھی یا اسے یقین ہو گیا کہ اس کا دشمن مکمل طور پر اس کی چھتری تلے آ چکا ہے۔

زینگ ہوا چند لمحے اپنے تذبذب کا شکار رہا پھر وہ بھی اپنی کرسی سے اُٹھ کھڑا ہُوا۔ اس بار زی لین نے اُسے سہارا دیا۔

"میں اس الزام کی تردید کرتا ہوں سر!" زینگ ہوا نے ٹھوس لہجے میں جواب دیا۔ اس نے ایک ایک لفظ چبا چبا کر ادا کیا تھا۔

"کیا؟" وو پنگ نے ایک قدم اس کی طرف بڑھایا لیکن وزیر اعظم کی آواز سُن کر وہیں ساکت ہو گیا۔

"براہ کرم! اس کی وضاحت کر دو شی زی لین۔" وزیر اعظم نے کہا۔

"میں کوشش کرتا ہوں سر!" زی لین نے ایک طویل سانس لے کر بولنا شروع کر دیا۔ "کچھ عرصے سے میں محسوس کر رہا تھا کہ وزرا کا ایک گروپ جو میرے اور موجودہ وزارتی کونسل کے خلاف ہے۔ رفتہ رفتہ طاقت ور ہوتا جا رہا ہے۔ جب مجھے پتا چلا کہ وو پنگ اس باغی گروپ کا سربراہ ہے تو میں نے ایک

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

جال بچھا کر اسے پھانسنے اور پوری وزارتی کونسل کے سامنے اسے بے نقاب کرنے کا فیصلہ کیا۔

"چنانچہ اس کام کے لیے میں نے اپنے اسسٹنٹ کو استعمال کیا۔ میں نے اپنے مقصد کے حصول کے لیے اسے ایک جنسی اسکینڈل میں ملوث کیا۔ زینگ ہوا جس عادت اور فطرت کا مالک ہے اس کے لیے یہ ایک مشکل تھا اور اس سے بڑھ کر منصوبے کی کامیابی کے لیے اس سارے کام کو زینگ ہوا کے خاندان اور دوسرے لوگوں سے مخفی رکھنے کا مسئلہ بھی درپیش تھا۔

"یہ ایک خطرناک چال تھی لیکن صد شکر کہ یہ کامیاب رہی۔ وو پنگ نے میرے دفتر کی تلاشی لی اور وہ تمام تصاویر اور کاغذات حاصل کر لیے جو خاص طور پر اس مقصد کے لیے وہاں رکھے گئے تھے اور جن سے بہت سے فائدے اُٹھائے جا سکتے تھے۔ وو پنگ نے ان تصاویر اور کاغذات کی مدد سے زینگ ہوا کو بلیک میل کرنا شروع کر دیا۔

"قدرتی طور پر کامریڈ وزیراعظم، وو پنگ کو صرف وہی معلومات فراہم کی گئیں جو میں چاہتا تھا۔"

وو پنگ کا چہرہ مارے غصے کے سفید پڑ گیا تھا۔ میں ایک منٹ کے لیے بھی یہ بکواس نہیں سُن سکتا۔" وہ چلاّ اُٹھا۔ "یہ سوچی سمجھی سازش اور جھوٹ..!"

"خاموش، وزیراعظم دہاڑا۔ "خود سے بڑھ کر بات کرنے کی کوشش مت کرو، کامریڈ منسٹر! مجھے ملنے والی دستاویزات میں اُن تمام فنڈز میں ہونے والی خرد برد کے ثبوت موجود ہیں جو تمہیں اور تمہارے حمایتیوں کو الاٹ کیے گئے تھے۔"

"لیکن کامریڈ وزیراعظم! اس کی وضاحت تو آسانی کے ساتھ کی جا سکتی ہے۔" وو پنگ بولا لیکن اب اس کی آواز میں پہلے جیسا جوش نہ تھا۔ "آپ خود بھی دیکھ سکتے ہیں کہ میں نے اپنی وزارت سے جو رقم ادھار لی تھی، وہ ہانگ کانگ کی فرم فائیو اسٹار ہیسنگ میں لگائی گئی ہے۔"

"میں جانتا ہوں، وو پنگ۔" وزیراعظم بولا۔ "میں تمہارے اور فائیو اسٹار کے بارے میں سب کچھ جانتا ہوں۔" وزیراعظم کے لہجے کی معنی خیزی نے وو پنگ کا خون خشک کر دیا۔ اُسے اسی لمحے اندازہ ہو گیا کہ اب اس کی زندگی بے وقعت ہو گئی ہے... لیکن کیسے؟

"جو دستاویزات مجھے کل رات موصول ہوئی ہیں وہ صرف شہادتیں ہی نہیں بلکہ تمہارے خلاف الزامات اور حقائق کی ایک مکمل فائل ہے جسے شی زی لین اور زینگ ہوا نے مرتب کیا ہے۔ اس فائل میں فائیو اسٹار کے ساتھ تمہارے تعلق کے بارے میں بتایا گیا ہے۔ یہ وہی فائیو اسٹار ہے جو سرجان بلیمو اسٹون کے حوالے سے پہچانی جاتی ہے اور اس با... تو شاید تمہیں بھی علم ہو گا کہ سرجان بلیموا سٹون ایشیا میں سود یتیو مین کا اعلیٰ ترین ایجنٹ ہے۔"

"روسی؟" وو پنگ ٹوٹے پھوٹے لہجے میں بولا۔ "یہ ناممکن ہے... وہ غیر ملکی شیطان تو شی زی لین کا ایجنٹ ہے۔ وہ فائیو اسٹار میں پوری طرح ملوث ہے۔"

"غلط! وزیراعظم نے میز پر مُکا مارا۔ "تم اور تمہارے ساتھی ایک ایسی ایجنسی کے ساتھ کام کر رہے ہو جس کا انتظام روسیوں کے ہاتھ میں ہے... دس ملین ڈالر امریکی کرنسی... کیا تم ان ٹرانزیکشنز سے انکار کر سکتے ہو؟"

"نہیں، لیکن..."

"کیا تم اس سے انکار کرتے ہو کہ شی زی لین کے خلاف تمہارا منصوبہ، موجودہ حکومت کا تختہ الٹنے کی جانب تمہارا پہلا قدم تھا؟"

ڈائجسٹوں کے مقبول سلسلے

سرکش	(۱۲ حصے)	محمد احمد مودی	۷۲۰/-
ٹائیگر	(۱۳ حصے)	مشتاق احمد قریشی	۶۵۰/-
خبیث	(۵ حصے)	انوار صدیقی	۲۲۵/-
درخشاں	(۲ حصے)	انوار صدیقی	۱۰۰/-
روگی	(۵ حصے)	م الف صدیقی	۲۷۰/-
دہشت گرد	(۴ حصے)	سلیم فاروقی	۲۰۰/-
سرفروشی	(۲ حصے)	اظہر کلیم	۱۲۰/-
شہباز	(۲ حصے)	اظہر کلیم	۱۲۰/-
انسان اور شیطان	(۲ حصے)	محمد فراز	۱۵۰/-

ناشر

مکتبہ القریش سرکلر روڈ، اردو بازار
لاہور فون: ۷۶۶۸۹۵۸

"میں تمام تر اعتماد اور احترام کے ساتھ اس الزام کی تردید کرتا..."

"تمہیں اس ٹریبونل کے سامنے سچ بولنا ہو گا وو پنگ! بصورتِ دیگر کڑی سے کڑی سزا بھگتنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔"

"میری وفاداری شکوک و شبہات سے بالاتر ہے۔" وو پنگ اعتماد سے محروم ہو چکا تھا۔ "میں احتجاج..."

"اس عدالت کے سامنے اپنی وفاداری کا ڈھنڈورا مت پیٹو! تم تمام حقوق اور مراعات سے محروم ہو چکے ہو مزید کارروائی کے لیے تمہیں پولیٹکل پراسیکیوشن ڈیٹینشن سنٹر بھیجا جا رہا ہے۔"

"یہ سب کچھ کسی غلط فہمی کا نتیجہ ہے، کامریڈ وزیراعظم آپ کو بہکایا گیا ہے۔"

"بکومت! حقیقت یہ ہے کہ شی زی لین اور زینگ ہوا نے تمہیں، تمہارے ہی جال میں پھنسایا ہے۔"

زینگ ہوا کے جسم میں کپکپاہٹ اچانک ہی بڑھ گئی تھی۔ اس کے حلق سے ایک ہلکی سی چیخ برآمد ہوئی۔ اس کے ہاتھ سے زی لین کا ہاتھ چھوٹ گیا اور وہ کسی کٹے ہوئے شہتیر کی مانند فرش پر آ گرا۔

"اوہ بدھا!" شی زی لین اپنے گھٹنوں میں ہونے والے درد کی پروا کیے بغیر اپنے دوست پر جھک گیا۔

"زینگ ہوا!" اس نے گرنے والے کو پکارا۔ "زینگ ہوا!"

وزیراعظم نے اپنے محافظوں کو اشارہ کیا اور وہ گرنے والے وزیر کی مدد کو آگے بڑھے۔ اگلے ہی لمحے میں وزیراعظم کا ذاتی معالج ہال میں داخل ہوا۔ اس نے روتے ہوئے زی لین کے برابر بیٹھ کر زینگ ہوا کے ساکت جسم کو سیدھا کیا اور اسے ٹٹولنے لگا۔

شی زی لین کو ایک ہی نظر میں احساس ہو گیا کہ اب وہاں کچھ باقی نہیں بچا۔

"مجھے افسوس ہے کہ میں کچھ نہیں کر سکتا۔" تب ہی ڈاکٹر کی آواز نے اس کے بدترین خدشات کی تصدیق کر دی۔ "کامریڈ وزیر کے دل نے کام کرنا چھوڑ دیا ہے۔ شاید انہیں دل کا دورہ پڑا ہے لیکن صحیح صورتِ حال پوسٹ مارٹم کے بعد ہی سامنے آ سکے گی۔"

وزیراعظم اپنے محافظوں سے مخاطب ہوا۔ "وو پنگ کو لے جاؤ، اس کے چہرے کے تاثرات سے میرے پیش میں مرور اُٹھ رہے ہیں۔"

نیم مدہوشی کے عالم میں لڑکھڑاتا ہوا وو پنگ خود ہی خارجی دروازے کی طرف بڑھا۔ وہ کچھ نہیں بولا تھا۔ اُس کی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں۔

وزیراعظم چبوترے سے نیچے اُتر آیا۔ وہ ایک چھوٹے قد کا بوڑھا شخص تھا۔ وہ اپنے سینئر وزیر کے عین قریب آ کر رُک گیا۔ جس نے اب زینگ ہوا کا سر اپنی گود میں رکھ لیا تھا۔

کچھ دیر وہ کھڑا رہا، پھر اس نے جھک کر شی زی لین کو اُٹھنے میں مدد دی۔ "آؤ۔" اس کی آواز ریشم کی طرح نرم تھی۔ "میرے ساتھ آؤ۔"

وزیراعظم کے محافظ زینگ ہوا کی لاش اُٹھانے لگے تو وزیراعظم زی لین سے مخاطب ہوا۔ "میں جانتا ہوں کہ یہ ایک عظیم نقصان ہے۔" اس بار بھی اس کا لہجہ بے حد نرم تھا۔ "لیکن یہ تمہاری کامیابی ہے۔" وزارتی کونسل کے دیگر ارکان بھی اب جمع ہو رہے تھے۔ "پارٹی چیف اور وزیرِ دفاع کی حیثیت سے میں وارنٹ جاری کر رہا ہوں لیکن اس سلسلے میں خاصی احتیاط کی ضرورت ہے کیونکہ وہ لوگ بہرحال تھوڑی بہت طاقت حاصل کر چکے ہیں۔"

"جب تک میں نے تمہاری بھیجی ہوئی دستاویزات کا مطالعہ نہیں کر لیا، اندازہ نہیں کر پایا تھا کہ یہ لوگ کتنی گہرائی تک جا چکے ہیں۔"

شی زی لین خاموش رہا۔

"ایک بار پھر تم نے مجھے اپنا احسان مند بنا لیا ہے۔" وزیراعظم دوبارہ بولا۔ "میں تمہارا شکر گزار ہوں کہ تم نے ہمیشہ کی طرح اب بھی میری زندگی بچائی ہے۔"

"یہ میرا فرض تھا، کامریڈ وزیراعظم۔" زی لین بولا۔ "جو لوگ آپ کو نقصان پہنچانے کی کوشش کریں گے، وہ میرے بھی دشمن ہیں۔ میں انہیں ختم کرنے کے لیے اپنی تمام تر توانائیاں صرف کر دوں گا۔"

"ہیجنگ کے تمام راستے شی زی لین کی ذات پر آ کر ختم ہو جاتے ہیں۔" وزیراعظم نے اپنے پرانے دوست کا کندھا تھپتھپایا۔ "قربانیاں ہم سب کو دینی ہیں، دوست!"

"مگر اس بار ہم نے بہت بڑی قیمت ادا کی ہے۔"

"ہم نے اپنی سی کوشش کی تھی۔ زینگ ہوا کو عوام میں ایک انقلابی ہیرو کے طور پر یاد رکھا جائے گا۔ اس کے سب

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

سے بڑے بیٹے کو میڈل دیا جائے گا جو..."

"میں بڑی معذرت کے ساتھ کامریڈ وزیرِ اعظم کی خدمت میں عرض کروں گا کہ کوئی تقریب منعقد نہ کی جائے۔"

"لیکن کیوں؟ کچھ پتا چلنا چاہیے۔" شی زی لین!"

"ہم جانتے ہیں کامریڈ وزیرِ اعظم! اور میرے خیال میں یہی کافی ہے۔"

دونوں اب عظیم ہال کے آخری کونے پر پہنچے۔ اُن کے قدموں پر کھڑکیاں کھلی ہوئی تھیں۔

"تمہارا درد کیسا ہے؟"

زی لین نے کندھے اُچکا دیے۔ وہ کیا جواب دے؟ باہر بارش اب بھی ہو رہی تھی۔

"کیا سوچ رہے ہو؟" زی لین کی خاموشی پر وزیرِ اعظم نے دوبارہ پوچھا۔

"اپنے بیٹوں کے بارے میں۔" زی لین آہستگی سے بولا۔

"میں اب اُن کے بغیر بہت بیقرار ہوں۔"

"مجھے بتاؤ، میں اس سلسلے میں تمہارے کس کام آسکتا ہوں؟"

"میں ہانگ کانگ جانا چاہتا ہوں۔"

دونوں جانب خاموشی چھا گئی۔ صرف باہر ہونے والی بارش کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

"کیا تم نے اس سلسلے میں کوئی منصوبہ بنالیا ہے؟" بالآخر وزیرِ اعظم نے دریافت کیا۔

زی لین مسکرایا۔ "میں نے بعض حوالوں پر غور کیا ہے لیکن کوئی خاص منصوبہ نہیں بنایا۔"

"پھر تمہارے جانے سے کیا ہوگا؟" وزیرِ اعظم نے پوچھا۔ "یہ سب یہیں ختم تو نہیں ہو جائے گا۔"

"ہو سکتا ہے اگر مُدھا چاہے تو۔"

"اور اگر وہ نہ چاہے تو؟"

"میں تب بھی بیجنگ واپس نہیں آؤں گا۔" زی لین نے جواب دیا۔

وزیرِ اعظم کو یوں لگا جیسے اس کے آباؤ اجداد کی روحوں نے بیک وقت چیخ پکار شروع کر دی ہو۔ "میں تمہارے بغیر کیا کروں گا دوست؟" وہ بولا۔ اس کے لہجے میں افسردگی تھی۔

"تب بھی پہاڑی چوٹیوں پر ہوائیں چلتی رہیں گی اور دریائے زرد بہتا رہے گا۔"

"لیکن چین تمہاری رہنمائی کے بغیر کیا کرے گا؟ ہم اب بھی تمہارے سامنے بیٹھے ہیں۔"

زی لین خود کو تھکا تھکا سا محسوس کرنے لگا۔ ان باتوں کی زنجیروں اُسے بہت بھاری لگ رہی تھیں جبکہ ابھی اُس نے سفر بھی شروع نہیں کیا تھا۔ اس نے موضوع بدلا۔ "ہمارا سب سے بڑا دشمن یوری درخوف مر چکا ہے اور جنرل کارپوف مون اسٹون کا ماسٹر مائنڈ... بھی اب اس دُنیا میں نہیں۔"

وزیرِ اعظم اپنے سر کو اثباتی جنبش دے رہا تھا۔

"جنرل زدیا کے بارے میں تمہارے اندازے بالکل درست تھے حالانکہ وہ ایک عورت ہے۔"

"میں لوگوں کو ان کے معیار پر پرکھتا ہوں۔" میں نے کے جی بی میں اپنی مرضی کے آدمی داخل کرنے پر بڑا عرصہ ریسرچ کی ہے سالوں تک... یہ پہلے دن سے میری خواہش تھی کہ میں اُن کے خلاف وہی کچھ کروں جو وہ میرے خلاف کر رہے ہیں۔

"چنانچہ میں نے اپنی فائلوں کو کھنگالا۔ انہی فائلوں سے مجھے زدیا ملی۔ اس کا مغز دماغ... اس کے انداز بہت بھائے۔ اور پھر وہ ایک عورت تھی... بس اُسی سے میرے آئیڈیے نے جنم لیا۔"

"میں ابھی تک حیران ہوں کہ آخر تم نے درخوف اور کارپوف کی ہلاکت کے لیے راہ کس طرح ہموار کی۔" وزیرِ اعظم کو عزیر مکی نام لینے میں کسی قدر دقت پیش آرہی تھی۔

"میں نے کچھ بھی نہیں کیا۔" زی لین نے جواب دیا۔ "اس کا سارا کریڈٹ زدیا ہی کو جاتا ہے... میں صرف اسی قدر کہوں گا کہ درخوف اور دوبنگ کو راستے سے ہٹانے کے لیے ایک جیسا طریقہ کار ہی استعمال کیا گیا ہے۔"

"میں تم سے متفق ہوں، جی لان۔" وزیرِ اعظم نے فخریہ انداز میں کہا اور رُکے بغیر آگے بڑھ گیا۔

ٹائیگر اور بلس اس وقت اس فیکٹری کے باہر موجود تھے جو جیگو بناتی تھی۔ ٹائیگر نے پچھلے دو گھنٹوں سے اپنی زبان سے ایک جملہ بھی ادا نہیں کیا تھا جس سے بلس نامی تشویش میں مبتلا تھی۔

"ہم یہاں کیا کر رہے ہیں، شہزاد؟" وہ آہستگی سے بولا۔ تاکہ اردگرد کوئی موجود بھی ہو تو اُس کی آواز نہ سُن سکے۔

ٹائیگر خاموش رہا لیکن اس کی نگاہیں بدستور فیکٹری کے داخلی دروازے پر تھیں۔ خونناک سنگ سے رخصت ہونے کے بعد اس نے گردونواح کا بڑی گہری نگاہوں سے جائزہ

لیا تھا۔

"شہزاد؟" بلس نے دوبارہ اُسے پکارا۔

ٹائیگر نے گیٹ سے نکلنے والی تین نوجوان لڑکیوں کی طرف سے نظریں پھیر کر بلس کو گھورا۔ "یہ کیا تم نے شہزاد، شہزاد کی رٹ لگا رکھی ہے، مجھے جیک کہو... جیک... سمجھیں؟"

بلس کی آنکھیں بھر آئیں۔ "سوری۔" وہ بولی۔ "لیکن تمہارے ساتھ مسئلہ کیا ہے جیک؟"

"تم نے مجھے یہ کیوں نہیں بتایا؟" بھری ادھ سن "تمہارا والد ہے؟"

"کیونکہ پہلی بات یہ کہ تم نے پوچھا نہیں، اور دوسری بات یہ کہ میں اس کی حقیقی بیٹی نہیں۔ اس نے مجھے بہت بچپن میں گود لیا تھا۔ میں اپنی اصل ماں یا باپ کے بارے میں کچھ نہیں جانتی۔ بھری ادھ سن نے مجھے بتایا تھا کہ میں برما میں پیدا ہوئی تھی۔ اس وقت میری ماں جنوب کی سمت نہیں غرنی تھی۔" بلس نے گہری نظروں سے ٹائیگر کے مضبوط اور توانا جسم کا جائزہ لیا۔ "کیوں؟ یہ ضروری تھا کیا؟"

"میرے خیال میں یہ ضروری تھا، کیونکہ بھری ادھ سن ہی طاقت و قوت کے دائرے کا مرکز تھا۔"

بلس کو اس نے پہلی بار قدرے گھبرائے ہوئے دیکھا۔ "تمہیں کس نے بتایا ہے؟"

"خوفناک سنگ نے۔"

"وہ غلط کہتا ہے۔"

"واقعی؟"

بلس کے چہرے پر غصے کے تاثرات ابھر آئے۔ اس نے اپنا رخ موڑ لیا۔ "ہمیں اس طرح ایک دوسرے سے بات نہیں کرنی چاہیے۔" وہ نرم لہجے میں بولی۔ "اس سے میں پریشان ہو جاتی ہوں۔"

"مجھے افسوس ہے۔" ٹائیگر نے عام سے لہجے میں کہا جیسے جملہ محض خانہ پُری کے لیے ادا کیا ہو۔ "لیکن تم سمجھ سکتی ہو کہ میں کیا تھا لیکن کچھ نہیں بتایا۔"

"ابھی تمہیں بتانا مناسب نہ تھا۔" بلس نے مزید کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا لیکن ٹائیگر کی طرف دیکھ کر چپ ہو گئی جس کا چہرہ مارے غصے کے سیاہ پڑ گیا تھا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" ٹائیگر بھاڑ کھانے والے انداز میں بولا۔ "اس کا فیصلہ کس نے کیا ہے کہ مجھے یہ راز بتانا مناسب نہیں؟ تمہارے والد نے؟ قوت و طاقت کے دائرے کے ڈریگن نے؟"

بلس سمجھ گئی کہ اب اس منہ زور گھوڑے کو قابو میں رکھنا ممکن نہیں۔ "ہاں، اسی دائرے کے ڈریگن نے۔" وہ آہستگی سے گویا ہوئی۔ "لیکن وہ میرے والد نہیں۔"

"تب مجھے بتاؤ، وہ کون ہے؟"

بلس نے ایک طویل سانس لی۔ "وہ تمہارے... میرا مطلب ہے جیک کے والد شی زی لین ہیں۔"

نگارِ خانۂ یغما کی کوچوں میں ہنوز
دل افگار و اشک آلود ہے آہن و سنگ
یہ رہگزر کہ ہے بکھرے ہوئے کردار وں کی داستان نگر نگر

سرکش

محمود احمد مودی
کے ایڈونچرس قلم سے

12 حصوں میں شائع ہو گیا ہے
قیمت مکمل سیٹ -/720 روپے

مکتبہ القریش، سرکلر روڈ، اردو بازار
لاہور، فون: ۷۶۶۸۹۵۸

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

اس کے الفاظ ٹائیگر کے دماغ پر ہتھوڑوں کی مانند برسے۔

"جیک سے وعدہ . . . نہیں سوچ میں اس قدر محو ہوا کہ اسے خوفناک سنگ کا بھی احساس نہیں ہوا جو تین محافظوں کے ساتھ فیکٹری گیٹ سے نکل رہا تھا۔

"جیک کے والد . . . "

"یہاں کیوں آئے تھے، شہزاد؟"

"جیک کے والد زندہ ہیں؟ مگر کیسے؟ انہوں نے اتنا عرصہ مجھ سے رابطہ قائم کیوں نہیں کیا؟ کیا وہ جانتے ہیں کہ میں جعلی جیک میروک ہوں؟"

"وہ شی زی لین ہیں . . . شی زی لین . . . اگر وہ تم سے رابطہ قائم کرتے تو دنیا کی نگاہوں اور خاص طور پر سی آئی اے اور ایم جی بی کی نگاہوں سے یہ بات کیسے اوجھل رہتی کہ بیجنگ کا سینئر ترین وزیر، جیک کا والد ہے؟"

"بیجنگ کا سینئر ترین وزیر . . . وہ اسے دوست سمجھے یا دشمن؟ وہ ٹائیگر پر کس انداز میں اثر انداز ہو سکتا تھا؟ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ بلیس بھی اسی دائرے کا ایک حصہ ہے اور لقوا اس کے جیک بھی . . . لیکن قوت و طاقت کا یہ دائرہ تو کمیونسٹ چین کا ایک حوالہ ہے، اور جیک بلکہ اب وہ خود بھی اسی کارپوریشن کا ایک حصہ بن گیا تھا۔ کیسی عجیب بات تھی . . . "

"مقدس سنگ!" اسے بلس کی آواز سنائی دی تو وہ اپنی سوچوں کے بھنور میں سے نکلا۔

"کیا ہوا؟"

"کیا ہم خوفناک سنگ کی نگرانی کے لیے یہاں آئے تھے؟" ٹائیگر نے اس کی نگاہوں کا تعاقب کیا تو اسے سنگ اور اس کے محافظ دکھائی دے گئے۔ "ہاں!" اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ "یہی وجہ تھی۔"

ٹائیگر نے قدم آگے بڑھانے، بلس اس کے ساتھ تھی۔ سنگ مجھے سیدھا فوج میں لے جائے گا۔

✦

خوف کے عادی بنانے کے باعث زویا مسلسل دوبار شہزاد سے ہی فون پر رابطہ کرنے میں ناکام رہی تھی۔ وہ درخوف کی چھوڑی ہوئی دستاویزات کے علاوہ کچھ سوچ ہی نہیں پا رہی تھی۔ کامریڈ درخوف کی موت کی تحقیقات کے لیے متعین کیے جانے والے بلڈ ہاؤنڈز اسے بے پناہ پریشان کر رہے تھے۔ زویا نے ٹائپ رائٹر مشین پر درخوف کی طرف سے جو آخری نوٹ چھوڑا تھا وہ انہیں مل گیا تھا اس میں انتولی کارپوف کی موت، اس کی ذہنی پسماندگی، آپریشن مون اسٹون اور اس میں درخوف کی اپنی غلطیوں کی تفصیل موجود تھی۔

"میرے خیال میں مون اسٹون، ہمیں ایٹمی جنگ سے محض ایک قدم کے فاصلے پر لے آیا ہے۔" نوٹ کے آخر میں لکھا تھا۔ "اور میں اس بوجھ کے ساتھ زندہ نہیں رہ سکتا۔"

زویا نے کاغذ کے آخری بڑی نہایت سے درخوف کے جعلی دستخط بنائے تھے۔

اس کی موت کی تحقیقات کرنے والے بلڈ ہاؤنڈز بے وقوف تھے، اور اسی بات نے زویا کو حیران کر دیا تھا لیکن اگر وہ بیدار مغز اور ہوشیار ہوتے تب بھی زویا پر کوئی آنچ نہ آتی تھی۔ زویا نے ایسی منصوبہ بندی کی تھی کہ دنیا کے قابل ترین افراد بھی چکرا کر رہ گئے تھے۔

مگر زویا انہیں کوئی موقع نہیں دینا چاہتی تھی۔ اسی لیے اس نے شہزاد سے رابطے میں کئی دن لگا دیے تھے اور جب اس نے شہزاد کو فون کیا تو کئی نئی معلومات اس کی منتظر تھیں خاص طور پر کام سنگ پر وجیکٹ کے بارے میں کہ جسے وہ در سوویت یونین اب تک صرف اور صرف پانی کی فراہمی کا منصوبہ سمجھے بیٹھے تھے۔

"یہ فوجی نوعیت کا منصوبہ ہے۔" شہزاد کی برفی آواز اسے سنائی دی۔ "اور بدقسمتی سے ہم ابھی تک اس سے لاعلم ہیں۔ اس کی سکیورٹی میں جتنی جلد ہو سکے شگاف ڈالنا پڑے گا۔"

ہاں، زویا نے سوچا، یہ اب ایک ضروری تھی، ورنہ خود ان کی سکیورٹی ڈگمگا سکتی تھی۔

بستر پر لیٹ کر اس نے آنکھیں بند کیں اور طویل سانس لینے لگی۔ درخوف کی موت اور اس سے پیدا ہونے والی صورتحال اس کی سوچوں کا محور تھی۔ مولی اسٹون آپریشن اس کا پہلا کاروباری حکم تھا۔ اگلی صبح اسے بند کر دیا جانا تھا۔

وہ سمجھتی تھی کہ بانگ کانگ ہی بنیادی حیثیت رکھتا ہے اور اب وہ بانگ کانگ کے وسط میں تھی . . . عین اس جگہ جہاں وہ چاہتی تھی۔

✦

تیل ملے ہوئے سمندر کی منہ زور لہریں ہاکا کے تیرتے شہر کے ستونوں سے سر ٹکرا رہی تھیں۔ ذرا فاصلے پر جمود کی رنگ برنگی روشنیاں سمندر کو منور کیے ہوئے تھیں۔ آخری کشتیاں رات کے آخری پہر دہانے بند جانے والے گاہکوں کو واپس لا رہی تھیں۔

تھری اوتھو سن اپنے بار کے سرے پر کھڑا تھا وہ ابھی نچلے عرشے پر اپنے کیبن سے اوپر آیا تھا جہاں نیوی جاؤ اب بھی آڑی ترچھی پڑی اپنی سانسیں درست کر رہی تھی۔ بنا بد تھری وقفہ سن مزید اس کے ٹوٹے ہوئے بدن کے قریب رکنا سکین سے اندازہ تھا کہ اب نیوی جاؤ جلد ہی نیند کی آغوش میں چلی جائے گی۔

اس نے نظریں گھما کر اسٹرکچر کا جائزہ لیا۔ اس کے تین چار بچے اپس میں کھڑے سرگوشیوں میں باتیں کر رہے تھے۔ اچانک ہی لکڑی کے تختوں پر کسی کے قدموں کی آہٹ ابھری اور وہ پلٹا۔

ایک سایا اس کی طرف بڑھ رہا تھا لیکن اسے اس سائے کو پہچاننے کے لیے کسی روشنی کی ضرورت نہ تھی۔

"یہاں کا خطرے سے خالی نہیں۔" سائے کے قریب آنے پر وہ بولا۔

"میں جانتا ہوں کہ کانفرنس کے آغاز پر تم مجھ سے طے شدہ مقام پر نہ مل سکے۔"

"وہ آ رہا ہے۔" تھری اوتھو سن بولا۔ "اتنے بہت سے سالوں کے بعد وہ بیجنگ چھوڑ رہا ہے۔"

"ہمارا بھائی۔" آنے والا بولا۔ "مجھے تو سب کچھ ناقابل یقین لگتا ہے۔"

"کل قوت و طاقت کے دائرے کا آخری دن ہے . . . "

آنے والے نے پہلو بدلا۔ جمبو سے آنے والی روشنیوں سے اس کے چہرے کے خدوخال قدرے نمایاں ہو گئے تھے۔ "اس کا مطلب یہ ہوا کہ فوکو کے تمام ٹکڑے باہم مل جائیں گے۔" ٹی وائی چانگ بولا۔ "یعنی اب اس کاروباری جنگ کی کوئی ضرورت نہیں جو ہمارے مابین لڑی جا رہی تھی۔"

ہم نے اس کاروباری جنگ کا تاثر دینے میں پورے پچاس سال ضائع کیے ہیں۔" تھری اوتھو سن تھرتھراتی ہوئی آواز میں بولا۔ "لیکن یہ بے حد ضروری تھا تاکہ دوسرے تائی پین ہمارے تعلق کے بارے میں مشکوک نہ ہو سکے۔ دوسری صورت میں، میں کبھی بھی ہان من شروع نہ کر سکتا اور سرجان بلیوا سٹون کبھی تمہارا پارٹنر نہ بن سکتا۔ ہم اتنی بہت سی کمپنیاں خریدنے کے قابل نہ ہوتے . . . تائنگ شن گوداگ، ڈنوٹی انیڈ ٹنگ ٹینکرز، ساؤتھ چائنا الیکٹرونکس، فنین مین مٹیل ورکس . . . یہ ڈراما، طاقت و قوت کے اس دائرے کے وجود کو برقرار رکھنے کے لیے بے حد اہم تھا۔

"اب سوچنے کی بات صرف یہ ہے کہ فوکو کے تمام ٹکڑے جب اپس میں ملیں گے تو کیا ہوگا؟" ہنستی آنکھیں ابھی تک اس کا جواب نہیں جانتا لیکن یہ طے ہے کہ دائرہ اب تک مکمل نہیں ہوا۔"

"فوکو کا چوتھا ٹکڑا کس کی ملکیت ہے؟"

"کل صبح سے پہلے معلوم نہیں ہو سکے گا . . . یہ بڑے بھائی کا راز ہے . . . لیکن یہ طے ہے کہ ہمیں چاروں ٹکڑے درکار ہیں، ورنہ ہم کچھ نہیں۔"

ٹی وائی چانگ سمندر کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اس کے چہرے پر دکھ اور کرب کے تاثرات تھے۔ "یوں بھی ہمارے پاس کیا باقی بچا ہے؟" اس کی آواز دور کسی گہرے کنوئیں سے آتی محسوس ہو رہی تھی۔ "ہمیں طاقت و قوت کے اس دائرے نے دیا ہی کیا ہے . . . دو بھائی جو کبھی ایک دوسرے کو اپنا نہ کہہ سکے . . . ہم اپنے خاندانوں اور زندگیوں کے ساتھ تنہا ہی تو رہے ہیں۔"

"اس سے بڑھ کر تم نے اپنی منہ بولی بیٹی کو خطروں کے جہنم میں دھکیل دیا اور میں بلیوا سٹون جیسے خطرے کو اپنے سر پر سجائے بیٹھا ہوں۔"

تھری اوتھو سن نے گہری سانس لی۔ "میں آج تک ڈے ڈاری کا مطلب نہیں سمجھ سکا، میرے بھائی۔ کبھی کبھی تو مجھے یوں لگتا ہے جیسے ہم بھی تیز مکھی بھیڑیے ہیں۔"

"میں بھی اپنے شہری اور اس سے بڑھ کر انسان ہونے پر شرمندہ ہوں۔" ٹی وائی چانگ نے گویا اپنے بھائی کی تائید کی تھی۔

"فی الوقت ہمیں اس بات کی خوشی ہونی چاہیے کہ ہمارے بھائی نے بیجنگ میں اپنے دشمنوں کو شکست فاش دی ہے۔ اس کا مطلب ہوا کہ طاقت و قوت کا یہ دائرہ کام کرے گا . . . تمہیں مجھے اور اس کالونی کے ہر شخص کو یہ دعا کرنی چاہیے کہ دائرے کو نامی کا سامنا نہ کرنا پڑے، بصورت دیگر ہماری محنتوں اور بڑے بھائی کی رہنمائی کے باوجود ہانگ کانگ جل اٹھے گا۔ جنگ ابھی ختم نہیں ہوئی مجھے یقین ہے کہ شمال میں اب بھی بہت سے لوگ ہماری بندرگاہوں کو کمیونزم کے زیر اثر دیکھنے کے خواہش مند ہیں۔"

ٹی وائی چانگ بڑھ کر اپنے بھائی کے برابر کھڑا ہو گیا۔ ان کے کندھے حادثاتی طور پر ایک دوسرے سے ٹکرانے تھے۔ "تمہیں اسے ڈرگنوں اور سمگلروں سے لازمی طور پر بچانا ہوگا۔ اگر اس کی شناخت ہو گئی تو وہ سب کچھ تباہ ہو جائے گا جس کے لیے ہم نے نصف صدی تک محنت کی ہے اور یہ ہماری بھی تباہی ہوگی۔"

"اس کی حفاظت سب سے زیادہ مقدم ہے۔ ہمارا بڑا بھائی بے حد قیمتی شے ہے۔ وہ بذات خود ہیرا ہے . . . کم از کم میری نظر میں وہ انسان نہیں، بلکہ اس نے ثابت کیا ہے کہ وہ چین کا بلا شرکت غیرے رہنما ہے۔"

نچلے عرشے پر بنے ہوئے کیبن سے آنے والے راستے پر کھڑی

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

نیون چاؤ بڑی کوشش سے اپنی نرم خوشی چھپا رہی تھی جب وہ دبے قدموں تھری الوتھ سن کے پیچھے یہاں تک آئی تھی تو وہ حیران تھی کہ تھری الوتھ سن کا جانی دشمن فی وانی پہاڑ یہاں کیا بنا رہا ہے، لیکن اب وہ جان گئی تھی۔

کتنی زبردست معلومات تھیں یہ کہ فی وانی چانگ اور تھری الوتھ سن سگے بھائی تھے۔

تین گھنٹے پہلے جب پیٹر سرچان ملیشیا ئیوں سے ملاقات کے سلسلے میں اپنی ذمے داریاں پوری کرنے میں ناکام ہو تو اسے حرکت میں آنے کا حکم دیا گیا تھا۔ زدیاتے درخت جو سیج کہا تھا اس کے کمپرہنسنز میں تانوسی لائن کو کبھی نظر انداز نہیں کیا جاتا۔

نیون چاؤ کو کئی ہفتے پہلے بھیجا جانے والا وہ کوڈ پیغام یاد تھا جو اس نے بھیجوایا تھا۔ اسے ہدایت کی گئی تھی کہ وہ رات میں ایک مقامی نمبر ڈائل کرے اور صبح کے وقت مقررہ بندرگاہ بس میں لفافہ ڈال دے۔

کئی ماہ پہلے اس نے تو کے بارے میں تھری الوتھ سن اور بس کی بات چیت سنی تھی۔ نیون چاؤ صرف یہ جانتی تھی کہ تو کیا شے ہے۔ اسے یہ علم نہیں تھا کہ جدید دنیا میں اس کی اہمیت کیا ہے۔ کوئی ایک ہفتہ اس نے تھری الوتھ سن کو خفیہ طور پر اپنے بورڈ سے اترکر ایک لانچ میں بیٹھتے دیکھا۔

نیون چاؤ نے کسی بے صبرے پن کا مظاہرہ نہیں کیا بلکہ نہایت تحمل سے اس نے اس بات کی کھوج لگائی کہ تھری الوتھ سن پہلے میں دو بار تاریک راتوں میں یا چاند ڈھل جانے کے بعد اس عمل کو دہراتا ہے۔ ایک بار اس نے تھری الوتھ سن کا تعاقب بھی کیا لیکن وہ جانتی تھی کہ ایک سے زیادہ بار تعاقب کرنا خطرے سے خالی نہیں۔

اس نے ٹرانسمیٹر پر تھری الوتھ سن کی بات چیت کا ایک ایک لفظ سنا تھا جو مندرین میں ہوئی تھی البتہ بعض الفاظ اس کی سمجھ میں نہیں آئے تھے۔

تو . . . تھری الوتھ سن اور اس کا نادیدہ مخاطب تو کے بارے میں گفتگو کرتے رہے تھے۔ وہ طاقت و قوت کی بات کر رہے تھے۔ ایسی طاقت کی جو ہانگ کانگ کو اپنے گھیرے میں لے سکتی تھی۔

اسی شب اس نے مقامی نمبر ڈائل کیا اور صرف ایک لفظ ادا کیا "میٹر"۔ . . اور اگلی صبح اس نے اپنی رپورٹ اندھے اور بندرگاہ بس میں منتقل کر دی۔

***

ٹائیگر اور بس نے خوفناک سنگ کے تعاقب کے لیے کرائے کی ایک کار استعمال کی تھی۔ سنگ اپنی کھلونوں کی فیکٹری سے ابرڈین اور ڈسٹرکٹ سینٹرل کے درمیان پیک گیپ روڈ کے ساتھ ۸۹ کے گاؤں پہنچا تھا۔

خوفناک سنگ کے اندر جانے کے بعد کوئی باہر نہیں آیا اور یہ ایک بڑی معمولی بات تھی کیونکہ خود ڈریگن بھی کالونی کی رات کی زندگی کو پسند کرتا تھا۔

جب ٹائیگر نے یہ بات بس کو بتائی تو وہ بولی "کچھ نہ کچھ ہونے والا ہے۔"

"شاید قبائلی سربراہ کانفرنس۔"

بس نے نفی میں سر ہلایا۔ "وہ ایک دوسرے کو ہلاک کر لیں گے۔"

"اس کے باوجود کڈنج مین نے انہیں ایسا نہ کرنے کا یقیناً کوئی ٹھوس جواز فراہم کیا ہوگا۔"

"لیکن وہ بھلا اسے کیوں سنیں گے! وہ جاپانی ہے اور اس کی حیثیت وہاں ایک قدرتی دشمن کی سی ہوگی۔"

ٹائیگر کو ڈریگن مین کے بارے میں حاصل ہونے والی معلومات بادا کمپنی جن کے مطابق ٹیچ مین کی ماں اسے لے کر تب جاپان گئی تھی جب وہ ایک سال کا بھی نہیں تھا۔ وہ کہاں سے آیا تھا؟ چینی اسے کیونکر سنیں گے؟ باوجود . . . .

"اور اگر ٹیچ مین چینی ہو تو؟"

بس نے چونک کر اسے دیکھا۔ "کیا؟"

"مرشد ہی ایک جواز ہے جس سے قبائلی سربراہ کانفرنس کی ٹک کبھی جا سکتی ہے۔"

"میرے خیال میں اس کی ماں جاپانی تھی۔"

"وہ تھی۔" ٹائیگر نے پُرسوچ انداز میں سر ہلایا۔ "لیکن کون جانتا ہے کہ وہ اس کی حقیقی ماں تھی اور پھر اس کا باپ چینی بھی تو ہو سکتا ہے۔"

"وہ جاپانی تھا نہ چینی . . . اس صورت میں وہ لوگ اس سے کہیں زیادہ نفرت کرتے۔"

"ضروری نہیں، وہ طاقت و قوت کے دائرے کا ایک حصہ ہے اپنا کچھ ہم یہ سوچ سکتے ہیں کہ وہ کمیونسٹ چین کے لیے کام کر رہا ہے۔ اس کی نکیل روسیوں کے ہاتھ میں بالکل نہیں۔ وہ دو ظہ پن کا مظاہرہ کر رہا ہے اور کماں ہوشیاری کے ساتھ۔"

اس کے علاوہ میں نہیں سمجھتا کہ جیک میروک کے والد قبائلی سربراہوں کے اجلاس کی حمایت میں ہوں گے کیونکہ اس

طرح قوت و طاقت کے دائرے کا وجود خطرے میں پڑ سکتا ہے۔ خوفناک سنگ جیسا شخص یہ سمجھتا ہے کہ تھری الوتھ سن ہی اس ٹک کا اصل ڈریگن ہے۔ میرے خیال میں دوسرے ڈریگن بھی اسی طرح کی رائے رکھتے ہوں گے۔

"وہ کئی ڈریگن مین کی شرکت کی بات تو وہ یہ بھی سوچ سکتے ہیں کہ ایک چالاک اور باہم سوویت ایجنٹ ان کے درمیان موجود ہے، کیا خیال ہے؟"

"ہو سکتا ہے۔" بس نے غول مول سا جواب دیا۔

"یہی بات ہے۔" ٹائیگر نے اثبات میں سر ہلایا۔ "اور کون اس دائرے میں ملوث ہو سکتا ہے؟"

"میں نہیں جانتی۔"

ٹائیگر نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ "کیا یہ سچ ہے؟"

"ہاں۔"

"ٹھیک ہے۔"

ان کے سروں کے اوپر سیاہ بدلیاں آسمان پر آوارہ گردی کر رہی تھیں جس کی وجہ سے ابھی سے غم ناریکی کا احساس ہونے لگا تھا۔

"شہزادی۔" دفعتہً بس کی آواز ابھری۔ "جوں جوں ہماری طاقت لوریل ہوتی جا رہی ہے، میرے ذہن میں وہ ہزاروں جملے اور باتیں جمع ہوتی جا رہی ہیں جو میں ایک دوسرے کو کہنی چاہئیں۔ وقت نہایت آہستگی سے گزرتا چلا جا رہا ہے، کبھی کبھی جب میں تمہیں دیکھتی ہوں تو مجھے احساس ہوتا ہے کہ شاید تم میرے لیے بنائے . . ."

"نہیں۔" ٹائیگر نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے اس کا جملہ کاٹا۔ "میں کسی کے لیے نہیں بنایا گیا۔"

"کیا مطلب؟" بس نے بھویں اچکائیں۔ "کیا تم کسی اور سے پیار کرتے ہو؟"

"نہیں، دعویٰ ہے کہ تم میرے بارے میں سب کچھ جانتی ہو۔" ٹائیگر تیکھے انداز میں بولا۔ "تب تمہیں یہ بھی پتا ہوگا کہ میں ایک قاتل ہوں . . . صرف قاتل . . . اور قاتل سوائے خون کے کسی اور شے سے پیار نہیں کرتا . . ."

"میں اس مفروضے کو تسلیم نہیں کرتی۔"

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، لیکن تمہیں اس کا اندازہ تب ہوگا جب میں اپنے مشن کی تکمیل کے بعد یہاں سے چلا جاؤں گا۔ میری باتیں حرف بہ حرف درست ہیں۔ ان میں کسی قسم کا ابھاؤ نہیں ہے۔ تمہارا میرا ساتھ صرف اس مشن کے مکمل ہونے تک ہے۔"

"کیا واقعی؟"

"میں مستقل کسی عورت کا ساتھ دینے یا کسی ایک مقام پر رک کر رہنے کے لیے پیدا نہیں ہوا، جس دن میں نے ایسا کیا، وہ دن میری موت کا دن ہوگا اور میں موت کا ہرکارہ ہونے کے باوجود فی الحال مرنا پسند نہیں کرتا۔"

بس اسے عجیب سی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ ٹائیگر کی باتوں میں سو فیصد سچائی ہے۔ اس نے آج تک کئی مردوں کو اپنی انگلیوں پر نچایا اور اشاروں پر چلایا تھا لیکن اسے علم تھا کہ ٹائیگر کے سلسلے میں وہ کبھی ایسا نہ کر سکے گی۔

***

اندھیرا پھیلتے ہی خوفناک سنگ اپنے ولا سے نکلا اور تعاقب دوبارہ شروع ہو گیا۔

بس یوں ٹیک لگائے بیٹھی تھی کہ اس کا سر ٹائیگر کے سینے پر تھا اور اس کے بال ٹائیگر کے حلق اور ٹھوڑی سے اٹکھیلیاں کر رہے تھے۔ وقفے وقفے سے وہ یوں شہزادی کا نام پکارتی تھی جیسے نیند میں بول رہی ہو۔ ٹائیگر خود بھی اس کے جذبات سے آگاہ تھا وہ اس کے بال تھپک کر اسے تسلیاں بھی دیتا جا رہا تھا لیکن اس سے زیادہ اس کے لیے ممکن نہ تھا۔

اس کا بایاں ہاتھ اسٹیئرنگ پر تھا جبکہ دایاں ہاتھ بس نے اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام رکھا تھا۔

سنگ کی مرسیڈیز ۵۰۰ ایس ای ایل اب پہاڑی سڑک پر پھسل رہی تھی جو جزیرے کے وسطی علاقے کی طرف جاتی تھی۔ فور سیزنز نسان میں مرسیڈیز کا تعاقب ایک مشکل امر تھا لیکن ٹائیگر ابھی تک اس میں مکمل طور پر کامیاب تھا۔

اس نے نسان کی روشنیاں گل کر رکھی تھیں۔ یہ ایک خطرناک عمل تھا لیکن خاموش تعاقب کے لیے یہ بے حد ضروری بھی تھا۔ مرسیڈیز کے اندرونی روشنی جل رہی تھی۔ تاتی پین ڈرائیور کے ساتھ اگلی نشست پر بیٹھا ہوا تھا۔

ان کے ارد گرد دور دور تک تاریکی پھیلی ہوئی تھی تاریک بحیرۂ جنوبی چین میں گزرنے والے بحری جہازوں کی روشنیاں متحرک دکھائی دے رہی تھیں۔

مرسیڈیز اب پہاڑی علاقے میں داخل ہو چکی تھی۔ ٹائیگر نے نسان کی رفتار کم کر دی کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اب پتھریلا راستہ شروع ہونے والا ہے۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

یہی ہوا، محض چند سو گز کے بعد سڑک ختم ہو گئی اور پتھروں کا ہموار راستہ شروع ہو گیا۔ اس راستے پر کار چلانا خطرے سے خالی نہ تھا کیونکہ پتھروں کے نشان کے ٹائروں تلے آ کر کچلے جانے کی آوازیں دور تک سنائی دیتیں۔

اس نے کار روک لی اور کھڑکی میں سے سر نکال کر گرد و نواح کا جائزہ لینے لگا۔ اس کے کان کسی آواز کی کھوج لگانے کی کوشش کر رہے تھے لیکن جب کچھ بھی سنائی نہ دیا تو اس نے نسان کو درختوں کے ایک جھنڈ تلے کھڑا کر دیا اور انجن بند کر دیا۔

باقی راستہ اب انہوں نے پیدل طے کرنا تھا۔

جلد ہی وہ ایک ایسے ولا کے سامنے موجود تھے جو پہاڑی ڈھلوان کے عین نیچے بنا ہوا تھا۔

ٹائیگر، بلیس کا ہاتھ تھامے ایسی جگہ آ گیا جہاں سے ولا کا داخلی دروازہ واضح طور پر دکھائی دے سکتا۔ وہ عقابی نگاہوں سے ولا کا جائزہ لے رہا تھا۔ ایک چٹان کا نوکیلا حصہ ولا کے برآمدے سے محض تین فٹ دور تھا اور کوئی بھی باآسانی چٹان سے کود کر برآمدے میں آ سکتا تھا۔

میرون مرسیڈیز برآمدے کے سامنے پورچ میں کھڑی تھی۔ چند ثانیوں بعد ولا کا دروازہ کھلا اور برآمدے میں روشنی کی ایک لکیر سی پھیل گئی۔ ٹائیگر نے روشنی کی اس لکیر سے دو افراد کو برآمد ہوتے دیکھا۔ وہ دونوں ایک جانب سے نیم تاریکی میں کھڑے ہو گئے۔

تبھی ٹائیگر کو مزید کاروں کے انجنوں کی آوازیں سنائی دیں اور اس نے کھینچ کر بلیس کو اپنے قریب کر لیا تاکہ اسے دور سے دیکھا نہ جا سکے۔

"یہ تو وہی ہے۔"

مثلث سے مشابہ گٹھا ہوا سر، بڑی بڑی آنکھیں اور موٹی تازی گردن۔ چھوٹے چھوٹے کان جو لمبے سیاہ بالوں میں سے بہ مشکل دکھائی دے رہے تھے۔

وہ تنگ پہاڑی راستے پر قدم جماتا ہوا اگر بہ پائی کے سے انداز میں مکان کی طرف بڑھ رہا تھا۔

ڈیج مین!

بلیس، ٹائیگر کے اتنا قریب تھی کہ اس کی خریانوں میں تیز ہو جانے والے خون کی رفتار تیز کو محسوس کر رہی تھی۔ اس نے مضبوطی سے اس کا بازو تھام لیا۔

"نہیں۔" اس کے حلق سے سرسراتی ہوئی آواز نکلی۔ "ابھی اور لوگ بھی آنے والے ہیں۔"

ٹائیگر جانتا تھا کہ وہ درست کہہ رہی ہے لیکن ایسے وقت میں جبکہ دشمن محض سو گز اور دو بوٹوں پہنچے رہنا اس کی فطرت کے خلاف تھا۔ وہ پچھلے کئی سالوں سے اس سائے نما انسان کا تعاقب کر رہا تھا اور اب موقع ملا تھا کہ اسے اپنے انتقام کی بھینٹ چڑھا دے۔

روشنی مزید مدھم ہوتی جا رہی تھی لیکن ٹائیگر اور بلیس کو تھری اوتھ سن اور فی وانی چانگ برآمدے میں کھڑے صاف دکھائی دے رہے تھے۔

"ارے!" ٹائیگر کے حلق سے حیرت میں ڈوبی ہوئی سرگوشی برآمد ہوئی۔ "تمہارے والد اور چانگ تو ایک دوسرے کے جانی دشمن تھے۔"

"میرا خیال بھی یہی تھا۔" بلیس نے غائب دماغی کے انداز میں جواب دیا البتہ وہ یہ سوچ رہی تھی کہ میرا باپ مجھ سے اور کیا کیا چھپاتا رہا ہے؟"

ڈیج مین اب اب نوخناک سنگ کے ساتھ ایک جانب کھڑا باتیں کر رہا تھا۔ دو کاروں کے انجنوں کی آواز سنائی دی۔ یہ شارک ٹوتھ سنگ اور مقدس چن تھے۔ شارک اپنے سب سے قبیلے کا سربراہ تھا۔

دونوں کئی لمحے ایک دوسرے کو گھورتے رہے۔ دونوں بیک وقت ہی دروازے کی طرف بڑھے اور بیک وقت ہی ٹھٹک کر رک گئے۔ حالات سے ہٹ کر یہ بڑا سحر سا انداز لگ رہا تھا۔

بالآخر تھری اوتھ سن باہر آیا اور نوخناک سنگ کے ساتھ باتیں کرنے لگا تاکہ شارک ٹوتھ سنگ اندر داخل ہو سکے اور اس کا اپنے دشمن سے سامنا نہ ہو۔

ایک ہی لمحے بعد تھری اوتھ سن، مقدس چن کو بھی اندر لے گیا۔

"میرے خیال میں اب تو سب کے سب موجود ہیں۔" ٹائیگر بولا۔ عجیب سی بات تھی تمام قبائلوں کے جمع ہونے کے باوجود انہوں نے بات چیت کرنے کی طرف کوئی پیش رفت نہیں کی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے انہیں اب بھی کسی کا انتظار ہو۔

بلیس کو بھی جیسے اس کا احساس تھا لہٰذا کچھ دیر کچھ ہونے والا ہے۔" آہستگی سے بولی۔

آسمان پر اب گہری تاریکی مسلط ہوتی جا رہی تھی۔ سمندر پر جہازوں کی روشنیاں ستاروں کی مانند ٹمٹمانے لگی تھیں۔

ٹائیگر کو ہلکی سی دھمک محسوس ہوئی تو اس نے سر موڑا۔ بالکل پاس سے ایک سیاہ رنگ کی لیموزین برآمد ہو رہی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ ولا کے سامنے آ رکی۔ ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھول کر ایک موٹا چینی باہر نکلا اور تعظیم کے انداز میں سر جھکا کر عقبی دروازہ کھولنے لگا۔

ٹائیگر کو اس کے جسم پر موجود چینی فوج کی وردی شناخت کرنے میں قطعی کوئی دقت نہ ہوئی۔

چینی نے کھلے دروازے سے ہاتھ آگے بڑھا اور کسی کو سہارا دینے لگا۔

تب ہی وہ بوڑھا باہر آ گیا۔

ٹائیگر کا ہاتھ بے اختیار اپنے چہرے پر آ گیا۔ بوڑھا حیرت انگیز طور پر اس سے مشابہ تھا۔ دوسرے الفاظ میں اس نے بوڑھے کا میک اپ کر رکھا تھا۔

یہ شی زی لین تھا... چیک میروک کا باپ۔

تو اس کا مطلب تھا کہ بلیس نے اس سے کوئی جھوٹ نہیں بولا تھا۔

"پدھا!" بلیس نے سرگوشی کی۔ "یہ تو شی زی لین ہے۔ یہ یہاں کیوں آیا ہے؟ اس کی موجودگی طاقت و قوت کے دائرے کو مکمل طور پر تباہ کر سکتی ہے۔ اگر قبائل کے سرداروں کو بھنک بھی پڑ گئی کہ وہ کون ہے تو سب کچھ ختم ہو جائے گا۔ ایسی کیا ہنگامی صورتحال تھی کہ اسے ذاتی طور پر چل کر یہاں تک آنا پڑا؟ وہ یہاں بہت بڑے خطرے سے دوچار ہے۔ اگر مکام کو پتا چل گیا تو..." وہ خاموش ہو گئی۔ شاید مجمل مکمل کرنا اس کے خیال میں ضروری تھا۔

موٹے چینی نے لیموزین سے ایک چھڑی برآمد کی اور اسے شی زی لین کو تھما کر پیچھے ہٹ گیا۔ بوڑھا ایک لمحے کے لیے اپنی جگہ کھڑا رہا پھر آہستہ آہستہ چھڑی ٹیکتا آگے بڑھنے لگا۔

اب گھر کی اندرونی سمت سے نقل و حرکت کا آغاز ہوا۔ سب اس کی موجودگی سے آگاہ ہو چکے تھے۔ وہ برآمدے میں آ کر کھڑے ہو گئے۔

شی لین جب برآمدے کی سیڑھیوں پر پہنچا تو تھری اوتھ سن باقی لوگوں سے ہٹ گیا۔ نوخناک سنگ نے اس کی تقلید کی تھی۔ وہ تھری اوتھ سن کے پاس آ کر اس سے باتوں میں مصروف ہو گیا۔

بوڑھا ڈیج مین ان تک پہنچا۔ دونوں اس سے مخاطب ہوئے لیکن پہلے تو وہ خاموش رہا لیکن پھر وہ بھی بولنے لگا۔ ٹائیگر اپنے حواس کانوں کے باوجود ان کی گفتگو نہ سن سکا لیکن ڈیج مین کے چہرے کے تاثرات اُسے بخوبی دکھائی دے رہے تھے۔ ایسے موقعوں پر اُسے اوشان بڑی خندت سے یاد آیا کرتا تھا۔

"اوہ!" چند ثانیوں بعد ٹائیگر گویا ہوا۔ "تو شی زی لین ہی ڈیج مین کی سورس تھا۔"

ٹائیگر کو ڈیج مین کے چہرے پر تاریکی پھیلتی ہوئی دکھائی دی تھی۔ ڈیج مین نے تھری اوتھ سن سے کچھ پوچھا۔ اُس نے جواب بھی دیا، لیکن ٹائیگر کوئی اندازہ نہ کر سکا کہ ڈیج مین کو کیا جواب ملا ہے؟

اچانک ہی ڈیج مین نے اپنی جگہ سے حرکت کی۔ وہ پوری قوت کے ساتھ بوڑھے سے ٹکرایا اور بوڑھا سیڑھیوں پر جا گرا۔

ٹائیگر ایک زقند بھر کر اپنی پناہ گاہ سے نکل آیا۔

"میں جاننا چاہتا ہوں کہ یہ کون ہے!" ڈیج مین نے تھری اوتھ سن کے برابر پہنچ کر اس سے دریافت کیا۔

حقیقت تو یہ تھی کہ تھری اوتھ سن نے ابتدا میں اُس کی آواز سنی ہی نہیں تھی۔ وہ اپنے بھائی کو دیکھنے میں معروف تھا جو پچاس سالوں کے بعد اس کے سامنے آیا تھا۔ وہ کئی دہائیوں سے اس لمحے کا انتظار کر رہا تھا۔ خاندان کے دوبارہ ملاپ کی اُس کی سب سے بڑی خواہش پوری ہوئی تھی۔

اس کی خاموشی نے ڈیج مین کو پاگل کر دیا۔ جب ڈیج مین نے دوبارہ پوچھا تو تھری اوتھ سن نے اُس کی آواز سنی۔ وہ جانتا تھا کہ اسے جواب کی ضرورت ہے لیکن یہ وقت ڈیج مین کو بتانے کے لیے مناسب نہیں تھا کہ یہی شخص اُس کا باپ ہے چنانچہ اُس نے ایک اور سچ بولا۔ "یہ تمہاری سورس ہے۔"

یہ وہی وقت تھا جب ڈیج مین کے چہرے پر تاریکی نے پنجے پھیلائے تھے۔

ڈیج مین کی نظروں کے سامنے چشم زدن میں ماضی کا ایک ایک واقعہ گھوم گیا۔ سب سے زیادہ اُسے اپنی ماں کا غم تھا جسے عین شباب میں اس دُنیا سے رخصت ہونا پڑا تھا۔

وہ غرایا۔ "اب تمہیں بھی میری ماں کے پاس جانا ہوگا شاید تمہاری موت سے ہی اُس کی رُوح کو کچھ سکون مل سکے۔"

اور پھر اس سے پہلے کہ کوئی ڈیج مین کی بات سمجھ سکتا، وہ شی زی لین پر ٹوٹ پڑا۔

ٹائیگر بھالا تانگ لگا کر اپنی پناہ گاہ سے باہر تو نکل آیا تھا لیکن اُسے مزید آگے جانے کی ضرورت نہ پڑی تھی کیونکہ ٹھیک اسی لمحے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

مکان کے برآمدے تک پہنچنے والی چٹان کے اوپر سے کسی نے چھلانگ لگائی اور برآمدے میں آگیا۔

اندرون کمرے سے آنے والی روشنی میں ٹائیگر نے اُسے فوراً پہچان لیا۔۔۔ وہ جیک میروک تھا۔

"یہ کیا؟"

بلس نے ایک طویل سانس لی۔ "جیک اپنی گمشدگی کے بعد سے اسی ولا میں مقیم تھا۔" وہ دھیرے سے بولی۔ "اور یہ راز تھری ٹوکن اور میرے علاوہ کوئی نہیں جانتا تھا کیونکہ اگر کسی۔۔۔"

"اور تم نے یہ بات مجھ سے بھی چھپائی۔"

"لیکن میں نے وعدہ کیا تھا کہ مناسب وقت پر سب کچھ تمہیں بتا دوں گی۔" بلس نے کہا۔ "اور دیکھو بو۔۔۔"

اُس کا جملہ ادھورا رہ گیا کیونکہ جیک میروک نے ڈیچ مین پر حملہ کر دیا تھا۔

ڈیچ مین کی بائیں ٹانگ چلی اور جیک میروک اپنی پسلیاں سہلاتا ہوا دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔ ڈیچ مین خونخوار انداز میں آگے بڑھا۔ اُس نے دُوسری ٹھوکر مارنے کے لیے ٹانگ اُٹھائی لیکن جیک میروک اپنی جگہ چھوڑ گیا اور ڈیچ مین اپنی جھونک میں زمین پر آرہا۔

جیک نے اُسے چھاپنے میں دیر نہیں کی لیکن ذرا سے وقفے کے بعد ہی جیک نیچے اور ڈیچ مین اوپر تھا۔ ڈیچ مین کے ہاتھ جیک کی گردن دبا رہے تھے جب کہ جیک اس کوشش میں تھا کہ کسی طرح خود کو اس آہنی گرفت سے محفوظ رکھے۔

ایک لمحے کے لیے یوں محسوس ہوا جیسے یہ جیک کی زندگی کے آخری لمحات ہیں لیکن پھر اُس نے اپنی تمام تر توانائی کو مجتمع کیا اُس کی دائیں ٹانگ اٹھی اور گھٹنے کا بھرپور وار ڈیچ مین کے پیٹ پر پڑا۔ اُس کے حلق سے اوغ کی آواز نکلی اور جیک کے حلق پر اُس کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔

جیک کے لیے اتنی مہلت کافی تھی۔ اگلے ہی لمحے ڈیچ مین زمین پر اور جیک اُس کے اُوپر سوار تھا۔ اُس نے اپنے دونوں ہاتھ ڈیچ مین کی گردن کی طرف بڑھائے تاکہ اُسے دبا کر اُس کا قصہ ختم کر سکے۔۔۔

لیکن اُس کے دونوں ہاتھ محض ہوا میں لہرا گئے۔ ڈیچ مین یوں غائب ہو گیا تھا جیسے اُس کا وجود ہی نہیں تھا۔ جیک حیران حیران سا اوندھے منہ زمین پر لیٹا ہوا تھا۔

"لعنت ہو۔" ٹائیگر بڑبڑایا۔

"کیا ہوا؟" بلس نے ہونٹ دبا کر مسکراہٹ روکی۔

"یہ میرا دیرینہ دُشمن تھا۔" ٹائیگر بولا۔ "میری خواہش تھی کہ میں اپنے ہاتھوں اُسے موت کے گھاٹ اُتارتا۔ لیکن ہیرے کی طرح اب یہ مجھے بچ کر نکل گیا۔ میں جانتا تھا کہ ڈیچ مین کوئی نہ کوئی شعبدہ ضرور دے گا۔ لیکن۔۔۔"

ٹائیگر خاموش ہو گیا۔ اب اُس کے پاس کہنے کو کچھ نہیں رہ گیا تھا۔ ڈیچ مین انتہائی قریب آنے کے بعد ایک بار پھر اُس کی گرفت سے نکل بھاگا اور اب اُسے اُمید نہ تھی کہ مستقبل قریب میں دوبارہ اُس سے سامنا بھی ہو سکے گا یا نہیں۔

✦

رانا اجے سنگھ کو علم تھا کہ بادشاہ ایک روز مر جائے گا۔ بھرت لینڈ سے بہت سے باشندے اگرچہ بادشاہ کی موت کے بارے میں سوچنے کے روادار بھی نہ تھے لیکن ان میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا جس کو یہ یقین ہو کہ ان کا بادشاہ لافانی ہے۔ اس بادشاہ کا باپ بھی اسی سرزمین پر مرا تھا اور دادا بھی۔ یہ بات بہرحال طے شدہ تھی کہ بھرت لینڈ کا ہر بادشاہ اوتار ہوتا ہے۔ رانا اجے سنگھ بھی جب ۱۴۴۴ء میں برما گیا تب وہ بھی بادشاہ کو اوتار مانتا تھا۔ جنگلوں میں جنگ لڑتے ہوئے رانا اس بات سے پل بھر کے لیے بھی غافل نہیں ہوا کہ وہ ایک مہان اوتار کا ماننے والا ہے۔ اس نے اُسے اس یدھ میں حصہ لینے کی شکتی دی ہے۔

بادشاہ کے اوتار رہنے پر اُسے ۱۴۴۴ء میں اس وقت بھی یقین تھا جب اٹھارویں ڈویژن نے مخالف فوج پر قبضہ کر لیا اور سرجنٹ رانا اجے سنگھ دُشمن کی قید سے فرار ہو گیا۔ وہ جنگلی جنگل مارا پھرا اور اس عزم کے ساتھ بھرت لینڈ کی واپسی کے راستے ڈھونڈتا رہا کہ کوئی اُسے پکڑ نہیں سکتا۔ اس نے ان ہی جنگلوں میں بندروں سے یہ سیکھا کہ یہاں کیا کھایا جا سکتا ہے؟ بندر جس پھل کو نہیں کھاتے تھے رانا ایسے پھل کو ہاتھ بھی نہیں لگاتا تھا۔ اس نے سانپوں زخموں کو مندمل کرنے والی جڑی بُوٹیوں کی شناخت سیکھی۔ یہ زخم اس کی ٹانگوں میں لگے تھے جن میں پیپ بھر چکی تھی۔ ان جڑی بُوٹیوں کے استعمال سے وہ حیرت انگیز طور پر بہت تیزی سے صحت یاب ہوتا چلا گیا۔ یہاں اُسے مخالف وردی میں جو بھی نظر آیا وہ مارا گیا پھر آہستہ آہستہ جنگلوں میں وردی پوشوں کی آمد کم ہونے لگی مگر رانا اجے سنگھ کے جیون کا سنگھرش جاری رہا پھر ایک روز وہ "انہیں" ایک ایسے گندے جوہڑ میں پڑا ہوا ملا جس کا پانی ملاریا کی طرح زرد تھا۔ رانا اجے سنگھ ملیریا کے باعث نیم جان ہو چکا تھا۔

برطانوی فوجی اُسے ایک عارضی کیمپ میں لے گئے یہاں جلد ہی وہ صحت یاب ہو گیا اور اُسے پھر جنگی قیدیوں کے ایک کیمپ میں بھیج دیا گیا۔ اسی کیمپ میں اُس نے سُنا کہ بھرت لینڈ زبردست فوجی نقصان برداشت نہ کر سکا اور اسے فردوس اور اُس کے اتحادیوں کے سامنے سرنگوں ہونا پڑ گیا ہے۔ رانا اجے سنگھ یہ ذلت آمیز خبر سن کر زیادہ دُکھی نہیں ہوا کیونکہ اُسے بادشاہ کے مہان اوتار ہونے پر اب بھی یقین تھا۔ کچھ دنوں بعد اسے بتایا گیا تھا کہ وہ وطن واپس جا رہے ہیں مگر قیدی کی حیثیت سے نہیں۔

بھرت لینڈ واپسی پر رانا اجے سنگھ کو یہ دیکھ کر بڑا قلق ہوا کہ کیمپ میں ملنے والی ساری خبریں درست ہیں۔ شاہ نے بادشاہت کے اپنے پیدائشی حق سے دستبرداری کا اعلان کر دیا ہے اور یہ کہ بھرت لینڈ اب ایسا ملک بن گیا ہے جو فوج نہیں رکھ سکتا۔ دارالحکومت راج گڑھ ملبے کا ڈھیر ہے اور اس کا اپنا آبائی قصبہ پریم نگر سارا حسن کھو چکا ہے اُسے سب سے زیادہ حیرت اپنے ہم وطنوں کے جھکے ہوئے سروں پر ہوئی۔

بے یقینی کا یہ احساس اُسے پہلی مرتبہ اس وقت ہوا جب وہ ایک سڑک پر ایک فاتح کی گاڑی کے نیچے آتا آتا رہ گیا۔ اس وقت وہ مجرموں کے اس اسٹال پر جا رہا تھا جو اُس نے پیٹ پالنے کے لیے لگایا تھا۔ حادثے میں رانا زخمی نہیں ہوا، اُسی وقت وہاں ایک برطانوی پولیس والا بھی آگیا۔ اُس نے فاتح لیفٹیننٹ کو پکڑنے کے بجائے اس سے پوچھا کہ وہ رانا کے خلاف رپورٹ درج کرانے پر اصرار تو نہیں کرے گا؟ مغرور فاتح نے رانا کو معاف کر دیا۔ اس واقعے نے رانا کو یہ احساس دلایا کہ بھرت لینڈ کس حد تک ذلت کی دلدل میں دھنس چکا ہے۔ اس کے جسم میں انتقام کی آگ سی سلگ اُٹھی اور وہ اپنے سامنے آنے والوں کو اُکسانے لگا۔

"کہاں گیا تمہارا غرور جو تم کو اپنے دھرم پر تھا؟" وہ لوگوں سے کہتا۔ "انہوں نے ہماری پوتر دھرتی کو ناپاک کر ڈالا ہے، ہمیں گندی سے گندی گالی دے کر نالوں میں ڈال دیا ہے اور تم خاموش ہو؟"

"یہ سب کچھ ماضی کی باتیں ہیں رانا۔" اسے عموماً یہی جواب ملتا۔ "ایسی باتوں کے لیے وقت نہیں ہمیں مجبور نے اینٹوں اور گارے سے ایک نئی عمارت تعمیر کرنی ہے۔"

"اس تعمیر نو کے بعد کیا تمہاری عزت واپس آجائے گی؟" وہ غصے سے بل کھا کر پوچھتا۔

"تعمیر کے بعد ہم نئی عمارت سے فائدہ اُٹھائیں گے۔ ہم فردوسیوں سے آگے نکل جائیں گے جو آج ہم سے آگے ہیں۔"

"وہ فاتح ہیں ہم مفتوح اور یہ مقدر کا کھیل ہے وہ ہم سے بہتر نہیں۔ انہیں برتر نہیں سمجھنا چاہیے۔"

"ہاں رانا۔ تم یہی کہو گے کیونکہ جب ہم گر رہے تھے تو تم یہاں نہیں تھے۔ تم سمجھ ہی نہیں سکتے رانا اجے سنگھ۔"

"میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ میں نے اپنے بادشاہ کے نام پر جنگ لڑی اور جب میں اپنے وطن واپس آیا تو یہاں غداروں سے نہیں نامردوں سے ملاقات ہوئی۔"

رانا اجے سنگھ سراسر اعتبار سے بے چین، بے قرار، مضطرب اور پریشان رہنے لگا۔ بھرت لینڈ میں صنعتی ترقی ہوئی تو سب بھی اُسے قرار نہیں آیا۔ فیکٹریاں بنیں، کارخانے لگے، تعمیر نو کا سلسلہ چل نکلا لیکن رانا کو اطمینان نہیں ہوا۔ اب بھی ہر جگہ فردوس کی چھاپ تھی۔ ہر مرد و زن فردوسی انداز اختیار کر رہا تھا۔ اُسے حیرت تھی کہ فردوس نے بھرت لینڈ کو کس طرح غلام بنا لیا ہے!

برسوں بیت گئے۔

بھرت لینڈ کے سب سے بڑے اور اہم دشمن کینیڈا کو فاتح حکومت نے توڑ دیا۔ کام اور روزگار کا مسئلہ بڑھنے لگا صرف جاپان کامیاب ہونے لگے جو ابھی تک بے حوصلہ نہیں ہوئے تھے۔ رانا اجے سنگھ بھی قدم اُٹھاتا رہا۔ اُس نے اشیاء کی تیاری کے شعبے میں موجود خلا سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے ریڈیو بنانے کا کام شروع کر دیا۔ فردوسی ٹرانسسٹروں کی وجہ سے اس کا یہ کام چمک اُٹھا۔ فردوسی منڈیوں میں مائیکرو چپس آنے تو اُسے مزید فائدہ ہوا۔ آہستہ آہستہ رانا اجے سنگھ کے مزاج کی درشتی اور تلخی ختم ہونے لگی اور وہ بھرت لینڈ کی بعد از جنگ معیشت میں ایک اہم نام بن کر اُبھرنے لگا۔ وہ بادشاہ کے قریب آگیا جس کی بادشاہت اب محض رسمی تھی اُسے بھرت لینڈ کا سب سے بڑا اعزاز "آکاش دیپ" ملا۔ وہ بلندیوں کو چھونے لگا۔ اب وہ ایک بوڑھا مگر بے حد طاقت ور رانا اجے سنگھ تھا جس کے لہجے میں نہ تلخی تھی اور نہ ہی بے زاری۔

لیکن جس روز بادشاہ نے دم توڑا۔ رانا کی رُوح تک میں پرانی تلخی واپس آگئی۔

وہ اپنے راج گڑھ والے آفس میں بیٹھا ہوا تھا یہاں اکثر اُس کے کارخانوں کا ایک جال بچھا ہوا تھا اور اس وقت رانا اپنے ان ہی کارخانوں کی کارکردگی سے متعلق رپورٹ پڑھ رہا تھا کہ اُس کی سکریٹری کمرے میں داخل ہوئی۔ اُس نے بڑی آداب کے ساتھ دونوں ہاتھ جوڑ کر سر جھکا لیا اور بہت آہستہ سے بولی: "بادشاہ مر گئے سر۔"

وہ اُچھل پڑا۔ اُس نے سارہ اگروال کی طرف دیکھا، اُس کی

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

آنکھوں میں بھی آنسو تھے اور یہ بہت حیرت کی بات تھی کہ نوجوان نسل سے تعلق رکھنے والی آنکھیں ایسے بوڑھے بادشاہ کی موت پر نم ہیں جس کا تعلق جمہوریت سے نہ تھا۔ راجہ نے بادشاہ کی موت کا یہ جھٹکا بہت تحمل سے برداشت کیا۔ وہ اس وقت تک خاموش رہا جب تک سکریٹری واپس نہیں چلی گئی اور جونہی آفس کا دروازہ بند ہوا، وہ رونے لگا۔ وہ اس وقت تک روتا رہا جب تک اس کی آنکھوں کے سوتے خشک نہیں ہو گئے۔ توقیع کے عین مطابق اسے کریا کرم میں شرکت کی دعوت ملی جو اس نے منظور نہیں کی کہ اس کی بجائے اس نے سڑک پر کھڑے ہو کر ارتھی کا جلوس دیکھنے کو ترجیح دی۔ سڑک پر ارتھی رکھی ہوئی تھی اور سڑک گیندے کے زرد پھولوں سے سجائی تھا۔ ارتھی کے چاروں طرف پنتا بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے چہروں پر سوگ کی تمام علامتیں تھیں لیکن کسی کی بھی آنکھیں بھیگی ہوئی نہ تھیں پھر بارش ہونے لگی۔ راتا اجے سنگھ بارش میں بھیگتا رہا۔

"بادشاہ مہان اوتار تھا۔" جلوس کے گزرتے ہی اسے اپنا عقیدہ یاد آ گیا۔

اس نے اگلا ہفتہ اپنی کمپنی کے ملازمین کا ریکارڈ چھاننے میں گزار دیا۔ اس نے اپنے آفس منیجروں اور اعلیٰ عہدیداروں سے انتہائی پُرا عتماد اور بھرپور انداز میں مکمل کر بتانے کا خیال کیا پھر ان لوگوں نے اس کے سوالوں کے جواب درست دیے، ان کو یہ کام سونپا گیا کہ وہ اپنی جیسی سوچ رکھنے والے افراد تلاش کریں۔ مہینے گزر گئے۔ بہار کے خوشگوار موسم کی جگہ سخت گرمی نے لے لی اور سردیاں آنے سے پہلے اس نے وشو کمپنی کے ایسے تمام افراد کو منتخب کر لیا جو اس کے ہم خیال تھے ان میں اعلیٰ عہدیداروں سے نچلے درجے تک کے لوگ شامل تھے انہیں ایک اجلاس میں بلایا گیا۔ آنے والوں کا تعلق وشو کمپنی کے راج گڑھ ہیڈ کوارٹر سے بھی تھا جو جزیرہ ہوائی پر واقع تھا۔ دوسرے لوگ بمبئی، بنگلور شن پورہ سے بھی آئے تھے۔ بعض کا تعلق بیرون ملک سے بھی تھا کو فردوس سے بھی نمائندگی ہوئی تھی۔ فردوس کی کارکمپنیوں میں وشو گروپ کے حصص تھے ان کے مختلف نام تھے، مختلف شکلیں تھیں اور وہ سب کے سب ماہرین میں شمار ہوتے تھے۔

یہ چند افراد سفید قمیص اور سیاہ ٹائیوں میں آنے اور فرش پر بیٹھ گئے۔ راناجے سنگھ ہال میں داخل ہوا تو ان سب کے چہرے بے حد سنجیدہ تھے۔ یہ ہال دراصل وشو گروپ کا کانفرنس ہال تھا جہاں عموماً صبح کے وقت میٹنگ ہوتی تھی۔

"میں نے آپ لوگوں کو یہاں صرف اس وجہ سے دعوت دی ہے کہ آپ کی سوچیں سو فیصد خالص اور درست ہیں۔" راناجے سنگھ نے بھاری لہجے میں ان سے کہا۔ ان تمام افراد نے تشکریہ ادا کرنے کے لیے سر جھکا لیے۔

"میرا تعلق اس نسل سے ہے جس نے بھرت لینڈ کی اقتصادی حیثیت بحال کی ہے۔ مجھے پتا نا زمانہ ہے لیکن میں پرانی یادوں سے چمٹا نہیں رہا، تاہم انہیں میں نے فراموش بھی نہیں کیا۔" اجے سنگھ کے لہجے میں جذبات کا طوفان تھا۔ "اور آپ لوگوں کا تعلق اس نسل سے ہے جو بھرت لینڈ کو ایک بار پھر طاقت ور بنائے گی۔ میں آپ کی نسل کو سلام کرتا ہوں اور اپنی نسل کی طرف سے ندامت کا اظہار کرتا ہوں کیونکہ یہ میری ہی نسل تھی جس نے بھرت لینڈ کو غلامی کی ذلت سے آلودہ کیا جس نے فردوس کی خوبی قوت کے سامنے سر تسلیم خم کر لیا۔ آپ کی نسل اس کا انتقام لے گی اور فردوس کو اقتصادی طور سے دلیوالیہ کر دے گی۔"

راناجے سنگھ کو چند لمحوں کے لیے خاموش ہو جانا پڑا کیونکہ اس کی آواز شدت جذبات سے بھرا گئی تھی۔

"دو ماہ بعد شاہ کو سورگباش ہوئے ایک برس ہو جائے گا۔" وہ آنکھیں پونچھ کر بولا۔ "... اور شاہ کو خراج عقیدت پیش کرنے کا سب سے بہترین طریقہ یہ ہو گا کہ ہم اس موقع پر فردوس کو ایک فوجی ہزیمت سے دوچار کر دیں۔ اس کے لیے حکمت عملی میں نے مرتب کر لی ہے۔ یہ ایسی حکمت عملی ہے کہ فردوس کوئی جوابی کارروائی نہیں کر سکے گا۔ ہم جوابی کارروائی کے متحمل بھی نہیں ہو سکتے۔ آپ لوگ اپنی وفاداریاں میرے لیے بالکل اسی طرح وقف کر دیں جس طرح میں نے اپنی وفاداریاں عظیم شہنشاہ کے لیے وقف کر دی تھیں۔ اپنا اعتماد دیں، مجھ پر اعتماد کریں، اس کے عوض میں فردوس کو ایسی فوجی شکست دوں گا کہ وہ بلبلا تا رہ جائے گا۔" یہ کہتے ہوئے راناجے سنگھ نے اپنے سامنے چہروں کا سیلاب بغور دیکھا۔ ان چہروں پر نہ تو خوشی کے تاثرات تھے اور نہ ہی خوف کے لیکن ان سب کی آنکھیں بتا رہی تھیں کہ وہ ان کا اظہار کرنے سے بچ رہے ہیں۔ اس نے ان کے ان شکوک کو دور کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

"میں نے اپنے منصوبے کے ہر پہلو پر اچھی طرح غور کر لیا ہے۔" وہ نرم لہجے میں بولا۔ "ایک ایسے شخص کا انتخاب بھی کر لیا ہے جو اس منصوبے پر ملدرآمد میں ہماری مدد کرے گا آپ لوگ اسے اچھی طرح جانتے ہیں، اس کا چہرہ فوراً پہچان لیں گے۔ آپ میں سے کچھ نے اس سے ملاقات بھی کی ہو گی کیونکہ وہ ماضی میں وشو گروپ کے ترجمان کی حیثیت سے کام بھی کر چکا ہے۔" یہ کہتے ہوئے راناجے سنگھ نے اپنی چھڑی سے ایک نوجوان کی طرف اشارہ کیا جو بہت بڑے پروجیکشن اسکرین کے ایک طرف کھڑا ہوا تھا۔

"جیرو!" رانا نے کہا۔ جیرو نے اشارہ پاتے ہی ایک سوئچ آن کر دیا۔ روشنیاں مدھم ہو گئیں، پروجیکٹر چلنے لگا۔ سروں پر سے روشنی کی ایک لکیر گزرتی ہوئی اسکرین کو روشن کرنے لگی۔ اسکرین پر ایک مہیب، طاقت ور اور خوبصورت شخص نمودار ہوا۔ یہ اس کی ساکت تصویر تھی۔ اس کا بالائی دھڑ ہے لباس تھا۔ اس کے سیاہ بال لمبے تھے جن کو اس نے ہیڈ بینڈ میں منسلا لا ہوا تھا۔ اس کی بغل میں ہاکی میز ائل نظر آ رہا تھا۔ سر کے اوپر اسکرین پر "بلادل خان عظیم ہے" کے الفاظ چمک رہے تھے۔

بھرت لینڈ کے ان چنیدہ افراد کے چہروں کا تجسس اچانک ہی ختم ہو گیا۔ بعض نے تو تالیاں تک بجائیں، چند سیٹیاں بھی سنائی دیں۔ بعض بلادل خان کے چہرے کو پہچان کر مسکرانے لگے اور پھر "بلادل بلادل" کے نعرے گونجنے لگے۔

راناجے سنگھ کے چہرے پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ وہ جانتا تھا کہ دنیا کے ہر خطے میں، ہر ملک کو سہاروں، آبادیوں، دیہات اور شہر۔ ہر جگہ بلادل خان سے کتنی محبت کی جاتی ہے۔ فردوسی تماس کے دیوانے ہیں۔

✤

اپنے اپارٹمنٹ کی تنہائی میں بھی بلبس ٹائیگر کے بارے میں سوچ رہی تھی جس نے اسے مشورہ دیا تھا کہ اب وہ جیک کے پاس چلی جائے کیونکہ بقول ٹائیگر کے ہیرسٹائل کے مرنے کے بعد اسے بلبس کی ضرورت تھی لیکن بلبس نے انکار کر دیا تھا۔

"آخر کیوں؟" ٹائیگر نے کوئی دسویں مرتبہ پوچھا۔

"اس لیے کہ میں اس سے قطعی محبت نہیں کرتی۔" بلبس نے لگا بندھا جواب دیا۔

"کبھی کبھی ضرورتوں کے لیے محبتوں کو قربان کرنا پڑتا ہے۔" ٹائیگر اس وقت کسی کاتج پروفیسر لگ رہا تھا۔ "یہ سچ تم کسی اور سے محبت کرتی ہو لیکن جیک کو تمہاری ضرورت ہے اس لیے میں چاہتا ہوں کہ تم اپنی محبت کو قربان کر کے اسے سہارا دو۔"

"تم کیسے مرد ہو کر اپنی محبت کو کسی دوسرے شخص کے پاس جانے کا مشورہ دے رہے ہو؟" بلبس نے طنزیہ انداز اختیار کیا۔

"مرد تو میں ہوں۔" ٹائیگر کو اس کا سیخ پا ہونا اچھا لگا تھا۔ "یہ میں ثابت کر چکا ہوں اور جب چاہو گی، دوبارہ ثابت کر دوں گا لیکن کیسی بنا چکا ہوں کہ تمہارے ساتھ زندگی نہیں گزار سکتا کیونکہ میری مثال ہوا کے جھونکے کی سی ہے جو جہاں کہیں نئی جگہ جانے کے احکامات موصول ہو جائیں کیونکہ میرا مشن ختم ہو چکا ہے اور..."

"بھاڑ میں جاؤ۔" بلبس نے تیزی سے کہا اور پیر پٹختی ہوئی کمرے سے باہر چلی گئی۔

ٹائیگر نے مسکرا کر دروازے کی خالی چوکھٹ کی طرف دیکھا اور صوفے پر لیٹ کر آنکھیں بند کر لیں۔

بلبس چند لمحے جھنجلاتی ہوئی اپارٹمنٹ کے مختلف کمروں میں گھومتی رہی لیکن پھر اچانک ہی اس کے ذہن میں ٹائیگر کے الفاظ گونجنے لگے۔ "... ممکن ہے آج کی رات مجھے کسی نئی جگہ جانے کے احکامات موصول ہو جائیں..."

وہ بے قراری سے ہر کھڑکی، ٹائیگر صوفے پر لیٹا ہوا تھا ایل شیپ کا صوفہ قدرے نیچا اور خاصا وسیع تھا۔ بلبس صوفے کی پشت کی طرف سے آئی اور اگلے ہی لمحے کسی بہت بڑی بلی کی مانند ٹائیگر کے جسم پر چھا گئی۔

ٹائیگر بے حس و حرکت پڑا رہا لیکن جب بلبس کے شفاف اور چمکیلے دانت اس کے کان کی لو میں پیوست ہوئے تو وہ ذرا سا کسمسایا۔

"نہیں، بلبس۔" ٹائیگر کے الفاظ بلبس کے سر کے لمبے اور گھنے بالوں میں سے چھن کر آئے تھے جو اس کے پورے چہرے پر بکھرے ہوئے تھے۔

"ہاں۔" بلبس کی تیز سرگوشی ابھری۔ "ہاں، ہاں، ہاں..."

ٹائیگر مزید کچھ دیر انتظار کرتا رہا لیکن جب بلبس کے ہونٹوں کا سفر ختم نہیں ہوا تو اس کے دونوں ہاتھ اٹھے اور بلبس کے بالوں بھرے سر پر جم گئے۔

بلبس کے بدن کا گداز جانے کب تک ٹائیگر کے چٹان جیسے سینے سے ٹکراتا رہا۔ دونوں کو احساس نہیں تھا کہ کتنا وقت گزر چکا ہے اگر ٹیلی فون کی گھنٹی نہ بجتی۔

آغاز میں تو دونوں میں سے کسی نے بھی فون کی طرف توجہ نہیں دی لیکن جب گھنٹی مسلسل بجتی رہی تو بلبس نے جھرجھری لی اور ٹائیگر سے الگ ہو کر فون کی طرف بڑھی۔

"ہیلو!" وہ مخمور آواز میں ماؤتھ پیس میں بولی۔ اس کے لہجے میں جھنجلاہٹ تھی۔

محض ایک سیکنڈ کے وقفے سے اس نے ٹائیگر کی طرف دیکھا۔ "تمہارا فون ہے۔"

ٹائیگر بوجھل قدموں سے فون اسٹینڈ تک پہنچا اور بلبس کے ہاتھ سے رسیور لے لیا۔

"ہیلو!" دوسری جانب سے شناسا آواز ابھری۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"ارے سرئیٹ ہارٹ!" ٹائیگر کھل اُٹھا۔ "کیا وہ لڑکی جس کے چہرے پر بھنورے تیل۔۔۔؟"

"جہنم میں گئے بھنورے تیل۔" دُوسری جانب سہراب کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔ "فوری طور پر فردوس پہنچو۔ ماسٹر تمہارا انتظار کر رہا ہے۔"

ٹائیگر نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا لیکن لائن بے جان ہو چکی تھی۔

✸

جب سب کچھ ختم ہو گیا، جب تمام لاشیں دفن کر دی گئیں اور جب صحرائے فریر ڈسمبر کے ان تین دنوں تک جمنے کرنے والے غیر ملکیوں کو باہر کیا گیا تو تب بھی عالمی رائے عامہ اس نکتے پر متفق تھی اس سارے خونچکاں ڈرامے میں نیلم بلاول خان کا کوئی قصور نہیں تھا۔

فردوس کی سینٹ نے بلاول خان کو معصوم اور بے گناہ قرار دینے کے لیے متفقہ طور پر قرارداد منظور کی۔ صدر مملکت نے بلاول خان کو اعزاز مرگ تفویض عطا کرنے کا اعلان کیا اور فرقہ کے قومی قبرستان میں تدفین کی خصوصی اجازت دی حالانکہ بلاول خان نہ تو فوجی تھا اور نہ ہی سرکاری افسر۔ کئی گروپوں نے فریر میں تدفین پر اعتراض کیا لیکن صدر کا فیصلہ اٹل تھا۔ صدر جانتے تھے کہ یہ تنازعہ جلد ختم ہو جائے گا۔

امدیہ سب کچھ بلاول خان کی موت کے بعد ہُوا۔

بلاول خان اپنی زندگی کے آخری ہفتے کے پہلے روز اپنی طاقت ور موٹر سائیکل پر سوار ستارہ شب نامی فلم اسٹوڈیو میں داخل ہُوا۔ اُس کے لمبے بال فضا میں اُڑ رہے تھے جو اُس نے پونی ٹیل کی شکل میں باندھ رکھے تھے۔ اس کی چمڑی جیکٹ کے اندر ایک اسکرپٹ تھا جس کو بڑا شک کر کر کے محفوظ کر لیا گیا تھا۔ اسے گیٹ پر نہیں روکا گیا کیونکہ گارڈ اس سے اچھی طرح واقف تھے۔ یہ چہرہ ہر میگزین کے ٹائیٹل پر تواتر سے شائع ہوتا رہتا تھا۔ ہر سینما گھر پر اُس کے قد آدم پوسٹر لگے رہتے تھے۔

خوب صورت ریسپشنسٹ نے بلاول کو دیکھتے ہی آٹوگراف کی فرمائش کر دی اور جب اُس نے آٹوگراف کے لیے گلابی رنگ کا شٹ پیپر پیش کیا تو بلاول نے سر ہلا دیا۔ "کوئی سفید چیز نہیں ہے؟" اُس نے پوچھا۔

"میں حاضر ہوں۔" ریسپشنسٹ نے سینہ آگے کر دیا۔ وہ سفید ٹاپ پہنے ہُوئے تھی۔

"ٹھیک ہے۔" وہ ہنس پڑا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اُس نے سیاہ مارکر اُٹھایا۔ "کس کے نام؟"

"کویتا کے لیے۔"

"تو تمہارا نام کویتا ہے؟" بلاول نے سفید کپڑے پر تیزی سے دستخط کرتے ہُوئے دو الفاظ اور لکھ دیے۔ "کویتا کے لیے۔"

"نہیں، میری دوست کا نام ہے۔" ریسپشنسٹ کی بھنوری آنکھیں خوشی سے جگمگانے لگیں۔ اُس کے پورے جسم پر بلاول خان کے مکمل دستخط موجود تھے۔ "کیا تم شجاعت علی کو مطلع کر سکتی ہو کہ میں آ گیا ہُوں؟"

"یس، کیوں نہیں۔ ابھی۔" ریسپشنسٹ نے پھرتی سے ریسیور اُٹھا لیا اور بٹن دباتے ہی کہا۔ "وہ آ گئے ہیں جناب!" پھر ریسیور رکھنے سے قبل وہ بلاول کی طرف دیکھ کر بولی۔ "آپ تشریف لے جائیں سر! وہ آپ ہی کے منتظر ہیں۔"

بلاول خان نے اپنی جیکٹ کے نیچے ہاتھ ڈال کر اسکرپٹ نکالا اور ایک انتہائی بھیگے ہُوئے کمرے میں چلا آیا۔ یہ کمرہ نفیس اور قیمتی دستکاریوں سے مرصع تھا۔ اس کے علاوہ دیوار کے ساتھ ساتھ چاروں کونوں میں طلائی ظروف بھی رکھے ہُوئے تھے۔ سجاوٹ کے انداز میں جہاں اسلامی اقدار کو پیش نظر رکھا گیا تھا وہیں کرسمس کی آمد کے باعث کرسمس ٹری بھی نظر آ رہا تھا۔ بلاول خان کو علم تھا کہ جنوبی علاقوں میں کرسمس کس شان سے منایا جاتا ہے اور یہ دن در اصل مسلم عیسائی اخوت کا مظہر ہوتا ہے۔ اسی طرح عید بقر عید اور شب برأت کے موقع پر ان علاقوں میں کیسے میلے لگتے ہیں تب ہی اُسے اپنا شہر رشپون بھی یاد آ گیا جہاں برف برستے وقت کتنا حسن ہوتا ہے!

ستارہ شب اسٹوڈیوز کے کانفرنس ہال میں داخل ہونے سے قبل اُس نے رسمی دستک بھی نہیں دی اور رہی سہی کسر کو یہ گمان تک تھا کہ عظیم بلاول دستک دے کر اندر آئے گا یا یہ تکلفات برتنے کی کوشش کرے گا۔ اس کے مزاج کے اکھڑپن سے سب ہی واقف تھے۔ فلموں کے کردار بھی اس کے مزاج سے مطابقت رکھتے تھے، وہ شعلہ تھا۔ ایسی آگ کی مانند تھا جو ہر چیز کو بھوسی کی طرح پھونک دیتی ہے۔

کانفرنس ہال میں اس کے داخل ہوتے ہی سارے سر اُس کی طرف گھوم گئے۔ نہ جانے کیوں بلاول خان اس وقت قدرے نروس تھا تاہم اس کی اس کیفیت کا کسی دوسرے کو اندازہ تک نہیں ہو سکا۔ وہ واقعی بہت عظیم اداکار تھا۔

"ہیلو!" بلاول خان نے اپنے خاص پہچانی انداز میں اُنہیں مخاطب کیا۔

"ہیلو بلاول۔ میرے بچے۔" ایک شخص بہت پھرتی سے اُٹھا اور رگڑسی کی طرف رہنمائی کرنے لگا، کچھ ایسے جیسے بلاول بغیر سہارے کے بیٹھ بھی نہیں سکتا۔ "تمہیں یہاں دیکھ کر بے حد خوشی ہو رہی ہے بلاول۔ یہ ہمارے نصیب کہ۔۔۔"

"شکریہ۔" بلاول اپنے مخصوص انداز میں چلتا ہُوا گرسی کی طرف بڑھ گیا۔ ساری نظریں اب اس کی چال دیکھ رہی تھیں۔ اُس کے ہر انداز میں وقار تھا۔

"میرا خیال ہے کہ ان لوگوں سے رسمی تعارف کی ضرورت نہیں، تم سب ہی سے واقف ہو خان۔" مخالف سمت میں بیٹھے ہُوئے ایک شخص نے نہایت نرم لہجے میں کہا۔ وہ احمد بشیر تھا۔ ستارۂ شب کا بانی صدر۔ بظاہر وہ محض انیس سالہ لڑکا لگ رہا تھا لیکن اس کی عمر چالیس سے کم نہیں تھی۔ بلاول نے تمام چہروں کو بغور دیکھا۔ اسے پہلی بار احساس ہُوا کہ یہاں موجود کسی بھی شخص کی عمر ۲۵ سال سے زیادہ نہیں۔ کسی بھی چہرے پر ایک بھی سلوٹ نہ تھی۔ ان سب کے بالوں کا انداز مختلف تھا۔ کسی ایک کی بھی جینز یا نظر نہیں آ رہی تھی۔ وہ سب کے سب شاندار سلک سوٹ پہنے ہُوئے تھے۔

"یس خان۔" احمد بشیر نے اپنے مخصوص انداز میں گفتگو شروع کی۔ "ہمارے لیے کیا حکم ہے؟"

"میں ایک اسکرپٹ لایا ہُوں۔" بلاول نے اسکرپٹ میز پر رکھتے ہُوئے جواب دیا۔ تمام آنکھیں کاغذوں کے اس پلندے کو اس طرح گھورنے لگیں جیسے اس میں سے کوئی سانپ برآمد ہونے والا ہو۔

"شاندار۔ بہت شاندار۔" احمد بشیر نے پُرجوش لہجے میں کہا۔ "مظہر خان کا منتخب کردہ اسکرپٹ بھی عظیم ہی ہو سکتا ہے۔" احمد بشیر کے بعد تمام افراد نے اسکرپٹ کی موجودگی پر دلی خوشی کا اظہار کیا۔

"لیکن بلاول خان۔" تعریف کے ڈونگرے برسانے کے بعد بشیر نے فوراً پینترہ بدلا۔ "اس سے قبل کہ ہم اسکرپٹ دیکھیں یہ بات پوچھنی ضروری ہے کہ کیا یہ اسکرپٹ تمہارے موجودہ مقام سے مناسبت رکھتا ہے؟"

"اسکرپٹ میری موجودہ شناخت کے قطعی خلاف ہے۔" بلاول خان نے جواب دیا۔ "کلاشنکوف، مارٹر، میزائل، ٹینک، توپ کے گولے، مشین گنیں اور دستی بم آج کے بلاول خان کی شناخت بن چکے تھے۔

"یہی ہم بھی چاہتے تھے کہ کوئی بالکل ہی مختلف چیز پیش کریں۔" احمد بشیر نے فوراً کہا۔ "نوٹے کی دہائی میں تو ہر چیز مختلف ہو گئی ہے۔ محبت کرنے کا انداز تک بدل گیا ہے خان۔"

"فلمیں بہر حال فلمیں ہوتی ہیں جو سو سال بعد بھی نہیں بدل سکتیں۔" شاندار۔ کیا کہنے بلاول خان۔ تمہارے اس جملے میں پورا کا تجربہ بول رہا ہے۔ بھرپور ذہنی پختگی کو بدل رہے ہیں۔ ستارۂ شب اسٹوڈیو زنے ایک عظیم الشان ہوم وڈیو پروجیکٹ شروع کرنے کا فیصلہ کیا ہے جس کے پہلے پیراسٹار تم ہو گے۔"

"فی الوقت میں اسکرپٹ کے بارے میں بات کرنا چاہتا ہُوں۔" "درست۔ آئیڈیا کیا ہے؟" احمد بشیر نے پوچھا۔

"کرسمس۔ پرانے زمانے کے کرسمس کی ایک کہانی۔"

"آؤٹ۔" احمد بشیر بالکل اس طرح اُچھلا جیسے کسی اداکار نے مسلسل ریہرسل کے باوجود فائنل شاٹ غلط دیا ہو۔

"کرسمس۔ عید۔ یہ سب ہمارے تصورات ہیں بلاول خان۔" احمد بشیر نے پہلو بدل کر کہا۔ "ان موضوعات پر اب فلمیں نہیں بنتیں۔"

"یہ انتہائی کلاسیکل آئیڈیا ہے احمد۔" بلاول نے سنجیدگی سے دفاع کیا۔ "پڑھ کر تو دیکھو۔"

احمد بشیر نے ورق اُلٹے۔ "کمال ہے۔ صفحے کے صفحے بھرے ہوئے ہیں خان۔ بولتے رہو۔ طرز تحریر اچھا ہے، صاف ستھرا۔ آج کل تو اسکرپٹ محض تین چار صفحات پر مشتمل ہوتا ہے۔"

"یہ ایک ایسے لڑکے کی کہانی ہے جو اپنی دنیا میں مگن رہتا ہے احمد لیکن ایک بار کرسمس کے موقع پر وہ برفباری کے دوران بھٹک جاتا ہے۔"

"پلیز خان۔ اتنی تفصیلات نہیں۔ چھ سات الفاظ میں خلاصہ بیان کر دو۔ کلائمکس کیا ہے؟ یہ بتا دو۔ مار دھاڑ ہے یا نہیں، رومانس؟"

"کچھ نہیں۔" بلاول خان نے غصیلے لہجے میں جواب دیا۔ "میں نے کہا نا۔۔۔ یہ کلاسیکل کہانی ہے آرٹ مووی کی کہانی۔ اس میں احساسات ہوں گے، جذبات ہوں گے، بین المذہب تعلقات کی روشن مثالیں ہوں گی۔"

"کیا اس میں کسی حسینہ دلربا کی کوئی گنجائش ہے؟"

"کیا میری کوئی فلم کسی ہیروئن کی محتاج رہی ہے احمد؟"

"نہیں لیکن ہم نوّے کے عشرے میں ہیں اب نیم برہنہ ہیروئن کی ضرورت ہوتی ہے جو وقت پڑنے پر پورے کپڑے بھی اُتار دے جو ململ کا گرتا پہن کر بارش میں نہاتی ہُوئی گانا گائے۔"

"یہ ساری حرکتیں اصل کہانی کی کمزوریوں کو چھپانے کے لیے ہوتی ہیں جب کہ اس اسکرپٹ کی کہانی اتنی جاندار ہے کہ میں اس پر سے توجہ ہٹانے کی کوشش نہیں کروں گا۔ اس میں معصومیت دری کا کوئی سین نہیں ہو گا احمد بشیر۔"

سب اس طرح خاموش ہو گئے جیسے اُنہیں شدید ترین ذہنی جھٹکا لگا ہو۔ بعض نے پہلو ضرور بدلے۔ بعض بلاول خان کو اس طرح

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

دیکھنے لگے جیسے وہ کوئی عجوبہ ہو۔

وہ بڑی دیر تک بحث کرتا رہا، احمد کشمیر فلم میں گانے، عصمت دری کے کم از کم چار سین، بیڈ روم کا ایک سین، اعضاء کے دو مناظر بستیوں پر حملے کے تین واقعات، مار دھاڑ کا استعمال، تین گنوں سے فائرنگ اور کھیتوں میں مختصر ترین لباس میں ہیروئن کے چار رقص ڈالنے پر مصر رہا۔ ایکسٹو نے تو یہ تجویز بھی پیش کی کہ خود بلاول خان... سات منٹ کا ایک ایسا تارکیی سین، اپنے اوپر فلم بند کرائے جس میں وہ لڑکیوں کی عصمت دری کر کے انہیں قتل کرے۔ ایک تجویز یہ آئی کہ اس لڑکے کو جس کے بارے میں یہ کہانی ہے کہ کرسمس کے دن اغوا کر لیا جائے اور پھر بلاول خان مرکزی کردار ٹن کرمانیا کے اڈوں کو بموں سے تباہ کر دے لیکن بلاول خان نہیں مانا۔ لہٰذا یہ گفت گو بے نتیجہ رہی اور وہ پیر تھنا سبھا کانفرنس ہال سے نکل آیا۔

اپنے ڈرائنگ روم میں پہنچ کر وہ صوفے پر ڈھیر ہو گیا یہاں کی ہر چیز قیمتی تھی۔ ایک دیوار پر انتہائی قیمتی خنجر اور چاقو سجے ہوئے تھے۔ یہ ہتھیار وہ "درندہ" فلم کے حصوں میں استعمال کر چکا تھا۔ دوسری دیوار آتشیں ہتھیاروں سے بھری ہوئی تھی ان کا استعمال "درندہ" کی واپسی میں کیا گیا تھا۔ اسے ان ہتھیاروں سے بہت محبت تھی لیکن اس وقت اس نے ان کی طرف دیکھا تک نہیں۔

وہ بہت مایوس تھا۔ فلمیں اس کی زندگی کا لازمی حصہ تھیں لیکن آج کل لوگ اس کی طرف توجہ کم دے رہے تھے۔ اس نے مزاحیہ کردار بھی ادا کرنے کی کوشش کی تھی لیکن اس کوشش کو زبردست ناکامی کا سامنا کرنا پڑا تھا، کوئی ہنسا تک نہ تھا۔ اخبارات کو تشویش لاحق ہو گئی تھی کہ اس کروڑ پتی اور تنہا شخص نے فلموں سے کنارہ کشی کیوں اختیار کر لی ہے؟ ان کو یہ احساس نہ تھا کہ بلاول خان اب "درندہ" جیسی فلموں میں کام کر کے اُکتا چکا ہے۔

بلاول نے سر جھٹک کر ایک طویل سانس لیتے ہوئے میز پر ٹیلی فون کی طرف دیکھا اس کی لائٹ آن تھی۔ اس نے ایک سوئچ دبا دیا۔ اگلے ہی لمحے وہ اپنے ایجنٹ کی آواز سن رہا تھا۔ "لبو! میں شان بات کر رہا ہوں، پوری شام تمہیں تلاش کرنے میں گنوا دی ہے۔ میرے پاس تمہارے لیے بہت زبردست خبر ہے۔ فوراً فون کرو۔ میں ہمیشہ کی طرح آج بھی تمہارا بھی خواہ ہوں۔"

"ایسا بھی خواہ جو میری آدھی آمدنی ہڑپ کر جاتا ہے۔" بلاول نے دانت پیس کر کہا۔ لیکن شان کو بہر حال فون کرنا ضروری تھا۔ اس نے اسپیڈ ڈائل بٹن پر بغیر ایجنٹ دبا دیا۔

محض تین سیکنڈ بعد شان لائن پر تھا۔ "کوئی خاص بات شان؟"

"ہاں۔ بہت خاص۔ ایک شخص تمہارے کرسمس والے اسکرپٹ پر فلم بنانا چاہتا ہے۔"

"وہ کون؟" بلاول اُچھل پڑا۔ اُسے یوں لگا جیسے اس کی ساری تھکن دُور ہو گئی ہو۔

"رانا۔"

"کون رانا؟"

"رانا اجے سنگھ۔ بھرت لینڈ کا مشہور صنعت کار ہے۔"

"ہُوں۔" بلاول خان نے بڑی مایوسی سے سر ہلایا۔ "کیا شان میں کسی غیر ملکی پروڈکشن کے چکر میں پڑنا نہیں چاہتا۔"

"وہ بہت بڑا آدمی ہے، اس کی کمپنیاں دنیا کی اہم ترین کمپنیوں کیمرے اور ٹی وی تک بناتی ہیں۔ آج کل وہ ایف ۱۶ جیٹ بھرت لینڈ میں تیاری کے لیے کنٹریکٹ حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔"

"ایف ۱۶۔" بلاول خان نے دھیرے سے پوچھا۔

"ہاں۔ اس کے نمائندے نے مجھے یہی بتایا ہے۔" شان نے جواب دیا۔ اس لمحے بلاول کی نظر اپنی میز پر پڑی جس پر "رانا" لکھا ہوا تھا۔ شان بولتا رہا۔ "ان کے پاس سرمائے کی کمی نہیں بولی! اب انہیں فلمی دُنیا میں قدم رکھنے کی خواہش ہوئی ہے۔ وہ سب سے پہلے تمہیں تلاش کرنا چاہتے ہیں اور تم سے ملنے کے خواہش مند ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔ میں تیار ہوں۔" بلاول خان نے ٹی وی کی طرف دیکھا جس پر "رانا۔ ایم اکیس" صاف لکھا ہوا تھا۔ "کیا وہ فلم میرے اسکرپٹ پر بنانے کے لیے تیار ہیں؟"

"ہاں۔ ان سے ملنے کے لیے تمہیں راج گڑھ جانا ہو گا۔"

"ہرگز نہیں۔ جسے مجھ سے ملنا ہے یہیں آ کر ملے۔" بلاول خان کی آنا بڑی طرح مجروح ہوئی تھی۔

"تمہیں خود جانا ہو گا لبو! ورنہ تم ایک کروڑ روپے کی خطیر رقم سے محروم ہو جاؤ گے۔ مخفو! انہوں نے اشوک ملہوترا کو ڈائریکٹر منتخب کیا ہے۔"

"ہُوں۔" بلاول نے اس ہدایت کار کی بڑی شہرت سُنی تھی۔

"ان کی ایک درخواست یہ ہے کہ وہ اسکرپٹ میں بہت معمولی تبدیلیاں کریں گے۔ تمہیں یہ شرط منظور کرنی ہو گی اور اپنی ملکہ برقرار رکھنے اور رقم کے حصول کے لیے تمہیں درندہ پارٹ ٹو بنانی پڑے گی۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ ناراض ہو کر تمہارے بجائے سلیم امجد کو بلا لیں۔ تم سُن رہے ہو نا؟"

سلیم امجد اسکرین کی دُنیا میں بلاول خان کا سب سے بڑا حریف تھا اور بلاول خان کسی بھی قیمت میں سلیم امجد کو اتنا بڑا

موقع فراہم نہیں کر سکتا تھا۔

اس نے حامی بھر لی اور راج گڑھ جانے کے لیے تیاریاں کرنے لگا۔

اس کا نام شہزاد تھا اور اُسے ہر قیمت پر سانتا کلاز کو قتل کرنے کی ہدایت ملی تھی حالانکہ وہ جانتا تھا کہ عیسائیوں کے نزدیک سانتا کلاز محض شفقت، محبت اور مہربانی کا نام ہے۔

اس وقت کالج ہلز پر برفباری ہو رہی تھی۔ روشن آباد کے جزیرے "خوشحال" سے یہ منظر سب ہی کو بہت دلفریب لگتا تھا۔ برف کے بڑے بڑے ٹکڑے رُوئی کے گالوں کی طرح گر رہے تھے۔ ان کے گرنے سے ہلکی ہلکی سرسراہٹ بھی پیدا ہو رہی تھی جسے عام انسان نہیں سُن سکتا تھا مگر شہزاد۔ ٹائیگر میں عام انسانوں سے کہیں بڑھ کر حسیں موجود تھیں۔ برفباری شروع ہوئے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی مگر ذرا ہی دیر میں ٹائیگر کے قدموں تلے ایک سفید کمبل سا بن چکا تھا۔ یہ سفید کمبل اس کے قدموں کے دباؤ سے بھی نہیں ٹوٹتا، اُس نے اطالوی جوگر زیب تن رکھے تھے مگر اس کے پیچھے نقشِ قدم نہیں بن رہے تھے۔ وہ اپنے خاص انداز میں ویران اور اُجاڑ شاہراہ کو عبور کر گیا۔ بالکل کسی جنگلی بلی کے سے انداز۔ کوئی آہٹ نہ کوئی نشان۔ اس کی شرٹ اتنی سفید تھی کہ ہر طرف پھیلی ہوئی سفیدی میں اس کے بازو ہی نظر آ رہے تھے۔ کلائیاں غیر معمولی طور پر موٹی تھیں، جلد ہی ان پر برف بھی جمنے لگی اور پھر بازو بھی سفید برف میں چھپ گئے۔ اب وہ برف کے رنگ میں رنگ چکا تھا۔ کسی کو نظر نہیں آ سکتا تھا اور جب نقشِ قدم بھی نہ بنیں تو کوئی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ اس طرف سے کسی کا گزر ہوا ہے۔

ٹائیگر نے ایک جگہ رُک کر قدیم طرز کے مکانوں کی طرف نظر دوڑائی۔ شاہراہ کو پر کوئی کار نظر نہیں آئی۔ ویسے بھی روشن آباد کے مکیں رات نو بجے کے بعد گھروں سے نہیں نکلتے۔ اب تو گیارہ بج رہے تھے۔ کرسمس اور چاند راتوں کو بہر حال رات جگے ہوتے تھے۔ یہ کرسمس کی آمد آمد کا موقع تھا، روشن آباد میں اس وقت بھی رونق ہونی چاہیے تھی لیکن روشن آباد ویران تھا، ہر طرف خاموشی تھی، سناٹا تھا۔ ہر طرف خوف کا راج تھا۔

لوگ سانتا کلاز سے خوف زدہ تھے۔

ٹائیگر پھر چلنے لگا۔ وہ جہاں رُکا تھا وہاں اب دو معمولی گڑھے بن گئے تھے جو فوراً ہی برف سے بھرنے لگے۔ اس وقت نہ جانے کیوں اُسے ماضی یاد آ گیا، جب انسپکٹر شہزاد کو ایک منشیات فروش کے قتل کے الزام میں پھانسی کی سزا سنائی گئی تھی لیکن کسی نے پھانسی سے قبل ہی اسے اغوا کر لیا۔ اسے تربیت دی گئی، اُس کو بتایا گیا کہ انسپکٹر شہزاد کو پھانسی ہو چکی ہے اور یہ کہ وہ شہزاد نہیں ٹائیگر بن گیا ہے۔ اسے ادشان نے واقعتاً ٹائیگر بنا ڈالا اور چارہ گر نے اس سے ایسا کام لینا شروع کیا جو پہلے کسی نے کبھی نہیں لیا تھا۔ آئین کی حفاظت کے لیے اُسے غیر آئینی قتل کی اجازت دی گئی۔ اب قوم کے دشمنوں کو کوشش کر کے انہیں قتل کرنا ٹائیگر کا فرض بن چکا تھا۔

آج کی شب اُسے سانتا کلاز کو قتل کرنا تھا۔ یہ بڑی عجیب بات تھی۔ اُسے سانتا کلاز سے نہ تو محبت تھی اور نہ ہی عداوت۔ وہ تو یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ سانتا کلاز کی اصطلاح کے پس پُشت کون سا فلسفہ کارفرما ہے۔ اُسے صرف یہ پتا تھا کہ کرسمس کی شب سانتا کلاز محروم بچوں میں خوشیاں تقسیم کرنے کے لیے آتا ہے۔

۔۔۔اور یہ بھی کتنی عجیب بات تھی کہ ٹائیگر کو جو سانتا کلاز کے قتل کی ہدایت ملی تھی۔ وہ بچوں میں خوشیاں نہیں مسرت تقسیم کر رہا تھا۔ ایسے معصوم بچوں کو قتل کرنا سپھر رہا تھا جو اپنے گرم گھروں میں کرسمس ٹری لگانے اور سجانے میں مصروف ہوتے تھے۔

بچوں کا قتل خود ٹائیگر کے لیے بہت صدمے کا باعث تھا۔

شاہراہ کو کا جائزہ لینے کے بعد اس کی نظریں روشن آباد کے ایک قدیم علاقے پر جم گئیں۔ یہاں ہر چیز سے قدامت برس رہی تھی۔ جدید اسٹریٹ لائٹس کی جگہ قدیم طرز کے اسٹریٹ لیمپ نظر آ رہے تھے۔ ہر مکان قدیم وضع کا اور پرانی طرز پر واقع تھا اور ہر مکان کے آگے سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں۔ یہاں کی سڑکوں پر لیدیں بکھری ہوئی تھی جو اس امر کا ثبوت تھی کہ اس علاقے میں اب بھی گھوڑا گاڑیاں چلتی ہیں۔

آج کی شب بہر حال سانتا کلاز شاہراہ کو پر کوئی سوار نہیں ہوا تھا۔ آج کی رات اس پورے علاقے سے کوئی ہنگامی فون موصول نہیں ہوا تھا لیکن پورے علاقے، پورے روشن آباد پر موت کا سناٹا چھایا ہوا تھا۔

ٹائیگر "باغِ مستقبل" کی طرف بڑھ گیا۔ یہ بچوں کے لیے مخصوص پارک تھا۔ اس نے وہاں ایک پگڈنڈی پر بیٹھ کر ایک بار پھر شاہراہ کو اور روشن آباد پر نظر ڈالی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ آخر سانتا کلاز کیا کرتا پھر رہا ہے۔ بچوں سے اس کی دُشمنی کیا ہے؟ اس کی بڑی اور کالی آنکھیں اندھیرے میں بھی چمک رہی تھیں جب کہ اس کے گالوں پر برف جمنے لگی تھی۔ وہ اپنی کلائیاں ہلانے لگا۔

وہ کسی بھی معمولی مشن کی غرض و غایت جاننے کے لیے کبھی بے چین نہیں رہا۔ اس نے کبھی "کیوں" کا لفظ استعمال نہیں کیا۔ اس نے کسی بھی منشیات فروش کی گردن توڑتے وقت اس سے یہ نہیں پوچھا کہ وہ

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

منشیات کیوں بیچتا ہے؟ مافیا کے گیدڑوں کی کھوپڑیاں توڑتے وقت اُس نے کبھی اُنہیں صفائی پیش کرنے کا موقع نہیں دیا لیکن اس کھیل میں برسوں بعد آج پہلی مرتبہ وہ تجسس تھا کہ خرسانتا کلاز کون ہے؟ بچوں کو کیوں قتل کر رہا ہے؟

اچانک ہی آسمان پر چاند نکل آیا۔ برفباری میں وہ بھی برف کا گولا لگ رہا تھا۔ اس کی چاندنی اسٹیٹ اوس کے گنبد پر برس رہی تھی۔ شہر اچانک ہی بے حد حسین لگنے لگا تھا۔ وہ سوچنے لگا کہ انیسویں صدی کے دور میں یہ شہر کیسا لگتا ہوگا؟ میرے اجداد شاید اس شہر کے باشندے رہے ہوں گے۔ اسے اپنے اجداد کے بارے میں کچھ علم نہ تھا۔ ہاں۔ وہ یہ ضرور جانتا تھا کہ انیسویں صدی کے اواخر میں سانجھ والے کیا کرتے تھے؟ ان کا ماسٹر کون تھا؟

وہ بالکل ساکت ہوگیا تب ہی اس کی سماعت سے گفتگو کی آوازیں ٹکرانے لگیں۔ اس کی تمام حسیات نے کام شروع کر دیا۔ یہ آوازیں نیچے کے کسی مکان سے آ رہی تھیں۔ اس کا سر کسی ریڈار کی طرح دائیں بائیں گھومنے لگا۔ اُس نے سماعت پر مزید زور دیا۔ اب لفظ بھی سمجھ میں آنے لگے تھے۔

"۔۔۔ مولی! جلدی آؤ۔۔۔ واز آف دی ورلڈز کی آخری قسط آ رہی ہے۔"

"فلپس۔۔۔ لو لو۔ کہاں ہو؟"

"سانتا! تم جلدی آ جاؤ۔" یہ آواز کسی بچے کی تھی۔

"تم نے مجھے کیوں جگا دیا ٹومی؟" یہ آواز کسی لبورتی ہوئی بچی کی تھی۔

"سانتا۔ دیکھو۔ کھڑکی پر دیکھو۔ سانتا کلاز آیا ہے۔" اس کے بعد بچوں کے قدموں کی آوازیں سنائی دیں۔ "دیکھوں۔ کہاں ہے؟ مجھے بھی دیکھنے دو۔"

ٹائیگر نے بمشکل خود پر قابو پایا کیونکہ ہیجانی کیفیت میں قبلا ہونے کا واحد نتیجہ یہ ہوتا کہ دورانِ خون دماغ کی طرف بڑھ جاتا اور اس کی حسیں کام کرنا کم کر دیتیں۔ وہ سر کو بھی بہت احتیاط سے جنبش دے رہا تھا۔

وہ آواز کا سُراغ لگانے لگا۔ کھڑکی کھلنے کی آواز سن کر اس کا یہ کام آسان ہوگیا۔ اس کے فوراً بعد اسے کسی کی موٹی سی آواز سنائی دی۔ "ہو۔ ہو۔ ہو۔"

اس آواز کو سن کر ٹائیگر کو واقعتاً ایسا لگا جیسے اس کا خون جم رہا ہے۔ یہ اسی سانتا کلاز کی آواز تھی جس کے بارے میں اُسے بہرام نے بتایا تھا۔

اس نے نیچے دیکھا۔ پشتے سے نیچے جھاڑیوں کا فاصلہ تیس فٹ تھا۔ وہ نیچے کود کر بھی بروقت اس مکان تک پہنچ سکتا تھا۔

وہ کھڑا ہوگیا۔ برف اس کے جسم سے مٹی کی طرح گرنے لگی۔ اس نے تنفس پر زور دیا۔ سانس کی رفتار کم کی۔ اس نے برفباری کی رفتار سے اپنی سانسوں کو ہم آہنگ بنانے کی جدوجہد شروع کر دی اور جونہی وہ اس مقصد میں کامیاب ہوا اس نے چھلانگ لگا دی۔ اب وہ اپنی طرف برف کے گالوں کی کشش ثقل بھی محسوس کر رہا تھا۔ یہ گالے اسے پانی کی طرح نہیں کسی ٹھوس چیز کی مانند لگ رہے تھے۔ اس نے ان گالوں کی اندرونی طاقت سے یہ محسوس کیا کہ یہ اتنے خاموش نہیں۔ وہ اس سے لپٹنے لگے۔ انہیں پلٹ کر نگلنا چاہیے تھا۔ جسم کی حرارت کے باعث لیکن اس کی جلد بے حد سرد ہو رہی تھی۔ اس کا درجۂ حرارت برف کے گالوں سے زیادہ نہ تھا۔ وہ برف گرنے کی رفتار کے مطابق ہی نیچے تک پہنچا۔ جس وقت اس کے پیروں نے زمین کو چھوا تو وہ سر تا پا برف میں ملفوف تھا۔ اُس نے قدم اُٹھائے تو اس بار دو نقش قدم برف پر اُبھر آئے لیکن پھر کوئی نقش نہیں اُبھرا اور وہ دوبارہ برف میں چھپ گئے۔

ٹائیگر کی آنکھیں اس وقت بھورے مکان پر جمی ہوئی تھیں جہاں صرف ایک کھڑکی روشن تھی تب ہی اچانک روشن کھڑکی کے سامنے کوئی آ گیا اور یوں لگا جیسے چاند کو گرہن لگ گیا ہو۔

ٹائیگر نے سر شٹاک کر اسی طرف قدم اُٹھا دیے۔

ٹومی کو کھڑکی کی چٹخنی کھولنے کے لیے گگر پر چڑھنا ضروری تھا اور چڑھتے وقت اس کے چھوٹے چھوٹے گھٹنے کانپ رہے تھے۔

"ٹومی۔ جلدی کرو۔" اس کی بہن نے کہا۔ "سانتا کلاز کو سردی لگ رہی ہوگی۔"

"میں چڑھنے کی کوشش تو کر رہا ہوں۔" ٹومی نے بے چارگی سے کہا جب کہ کھڑکی کے شیشے کی دوسری طرف ایک چہرہ مسکرا مسکرا کر اسے چٹخنی کھولنے پر اُکسا رہا تھا۔ معصوم بچہ بمشکل اُوپر چڑھا۔ اُس نے دونوں ہاتھوں کو استعمال کرتے ہوئے چٹخنی گرائی اور پھر اُتر گیا۔ کھڑکی بہرا کے زوردار جھٹکے کے باعث خودبخود کھلتی چلی گئی۔ ٹومی کمرے کے ایک کونے میں دُبک گیا۔ یہاں کھلونوں کے بکس کے قریب ہی اُس کی بہن آنکھیں پھاڑے کھڑکی کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔ ٹومی نے سانتا کلاز کے بارے میں محض سُنا تھا، اُسے دیکھا کبھی نہ تھا لیکن اس وقت سانتا کلاز اس کی آنکھوں کے سامنے تھا۔ وہ واقعی ٹومی سے بہت بڑا تھا۔

پھر سانتا کلاز دھم سے کمرے میں اُتر آیا۔

"تم وقت سے پہلے کیسے آ گئے سانتا؟" ننھے ٹومی نے بڑا معصوم سا سوال کیا۔ "ممی کہتی ہیں۔۔۔ کرسمس تو ابھی ایک ہفتے بعد آئے گا؟"

"ہو۔ ہو۔ ہو۔" سانتا کلاز نے صرف یہی جواب دیا پھر اپنا بڑا تھیلا کندھے سے اُتار کر فرش پر ڈال دیا۔ تھیلے میں سے ایک جرابِ سرخ ہینڈل کسی آتش گیر کی طرح جھانک رہا تھا پھر سانتا کلاز بچوں کی طرف بڑھنے لگا۔ اس کے دونوں ہاتھ پھیلے ہوئے تھے، آنکھیں بہت روشن ہو رہی تھیں۔ اس کے ساتھ ہی دونوں بچوں کو اپنی قید میں لے لیا۔

ٹائیگر نے ہال پہنچنے سے پہلے ہی [illegible] پائی تھی۔ یہ پوری منزل کی تلاشی تھی جس کا تیشہ خشک لکڑی کے بُرادے سے چپکا ہوا تھا۔ ٹائیگر نے کھڑکی کے زیریں پلے سے ہاتھ رکھا اور پھر زور زور سے دباؤ کو تناؤ بڑھایا کہ وہ بُرادے کی قوت سے زیادہ ہو جائے۔ اس کے بعد اس نے شیشے پر ہلکا سا ہاتھ مارا، بُرادہ اس طرح بھربھرا گیا جیسے کسی نے گرد جھاڑی ہو۔ شیشہ نکال کر گرنے کے قریب تھا کہ ٹائیگر کے دونوں ہاتھوں نے اُسے تھام لیا۔ اگلے ہی لمحے شیشہ گرتی ہوئی برف کے ساتھ نیچے جا رہا تھا۔

ٹائیگر اندر داخل ہوگیا۔ اُس نے خود کو بچوں کے بیڈ روم میں پایا۔ دونوں بستر خالی تھے۔ مکان پر خنکمنوں سے صاف ظاہر تھا کہ بچے ان پر لیٹے تھے۔ کمرے میں پیپر منٹ کی مہک تھی جب کہ ایک ادھ کھائی ٹافی کھلونوں والے سندوق پر رکھی ہوئی تھی۔

ٹائیگر دروازے کی سمت میں بڑھ گیا۔ اس کی تمام حسیں کام کرنے لگی تھیں۔

"ممی۔ ڈیڈی۔ بچاؤ۔ پلیز۔"

سانتا نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا لیکن جونہی اُس نے ٹائیگر کے عقب میں دیکھا اُس کے چہرے پر احمقانہ مسکراہٹ دوڑ گئی اور اس کے پیلے پیلے دانت نظر آنے لگے۔

"جہاں ہو وہیں کھڑے رہو، میرے ہاتھ میں پستول ہے۔"

"ڈیڈی! پلیز۔ سانتا کو گولی نہ مار جائے۔" ٹومی رونے لگا۔

ٹائیگر نے اسی لمحے ہاتھ جھٹکا دیا تو سانتا کے دونوں پیر زمین سے اُٹھ گئے اور جب وہ زمین پر لگے تو ٹائیگر اپنی پوزیشن بدل چکا تھا۔ اب اس کا رُخ دروازے کی طرف تھا جہاں ایک شخص کے ہاتھوں میں اعشاریہ دس کا آٹومیٹک پستول نظر آ رہا تھا۔ لڑکا اس کی ٹانگوں سے زیادہ نہیں تھی۔ جب کہ لڑکی اپنے بھائی سے ایک ڈیڑھ سال بڑی تھی۔ دونوں ایک کرسمس ٹری پر جھکے جُھکے تھے۔ ان کے ہاتھ تحفے کھولنے میں مصروف تھے۔ تب ہی اُسے کمرے کی دُوسری دیوار کے قریب ایک اور سایہ نظر آیا۔ یہ پستہ قامت اور موٹا تھا۔ اُس نے سانتا کلاز کا لباس پہن رکھا تھا لیکن۔۔۔ سانتا کلاز کے ہاتھ میں ایک گلہاڑی بھی نظر آ رہی تھی۔

ٹائیگر عین اُس لمحے کمرے میں داخل ہوا جس لمحے کلہاڑی بلند ہو کر ایک بچے کے سر پر گرنے والی تھی۔ بچے سانتا کے ہاتھ میں کلہاڑی نہیں دیکھ سکے تھے کیونکہ وہ تحفے دیکھنے میں منہمک تھے۔ سانتا ان کے عقب میں کھڑا ہوا تھا۔

ٹائیگر نے پلک جھپکتے کیا۔ اس وقت وہ سانجھ کی تعلیم کا عملی مظاہرہ ہی جھول گیا تھا کہ خاموش حملہ ہی کارگر ثابت ہوتا ہے۔ سانتا نے شکار کیا۔ بچوں نے سر اُٹھا کر دیکھا تو انہیں اپنے سامنے سانتا نہیں بلکہ ٹائیگر نظر آیا۔ ان کی آنکھیں حیرت سے پھٹی رہ گئیں مگر یہ آنکھیں موت سے دوچار ہونے تک نہیں دیکھ سکے۔ کیونکہ کلہاڑی کے دستے کی ضرب تک نہیں دیکھ سکے۔ کیونکہ کلہاڑی کا پھل ان کے سروں پر لگنے سے قبل ہی ٹائیگر نے اپنے ہاتھ پر روک کر کلہاڑی سانتا کے دونوں ہاتھوں سے چھین لی تھی۔

"بھاگو۔" ٹائیگر نے بچوں سے کہا۔

"ممی۔ ڈیڈی۔ ممی۔" ٹومی کمرے میں بھاگتے ہوئے چلانے لگا۔ "کوئی خوفناک شخص سانتا کو مارنا چاہتا ہے۔ ممی!"

کلہاڑی ٹائیگر کے ہاتھوں سے تو ڑ ڈالی۔ اس کے دونوں ٹکڑے کہیں دُور جا گرے سہما ہوا سانتا کلاز ٹائیگر نے بچوں کو ایک ادھ کھائی ٹافی کھلونوں والے سندوق پر رکھی ہوئی تھی۔

ٹائیگر دروازے کی سمت میں بڑھ گیا۔ اس کی تمام حسیں کام کرنے لگی تھیں۔

"تھنے!!" ایک لڑکی کی آواز سنائی دی۔

"لک۔۔۔ کیا ہم ان تحفوں کو ابھی کھول سکتے ہیں سانتا؟" اس بار لڑکے نے پوچھا تھا۔

"ہو۔ ہو۔ ہو۔" سانتا نے کہا۔ اس کا یہ قہقہہ تقریباً بے آواز تھا۔ چند لمحوں بعد کاغذ پھٹنے اور مرمرانے کی آوازیں آنے لگیں۔ اس وقت تک ٹائیگر ہال وے میں پہنچ چکا تھا۔ چکنے فرش پر اُس کے جُرابوں سے ہلکی سی بھی آواز نہیں نکل رہی تھی۔ ہال کے آخری گوشے میں ایک کمرے سے ہلکی زرد روشنی جھلک رہی تھی۔ ہال بالکل سنّاٹا مارتا تھا۔ وہ کمرے کے دروازے پر پہنچ کر اندر جھانکنے لگا۔

پہلے اُسے صرف بچے نظر آئے۔ لڑکے کی عمر پانچ سال سے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

لپٹ گیا، لیکن لڑکی اب بھی ٹائیگر کے عقب میں تھی۔ فائر رینج میں۔

"میری بیٹی سے دُور ہو جاؤ لعنتی! کیٹی! پولیس کو فون کرو۔" بچوں کے باپ نے دہاڑ کر کہا۔

"یہ سب کیا ہے؟" ایک عورت نے حیرانی انداز میں پوچھا۔ "سوسی کہاں ہے؟"

"گن رکھ دو دوست۔" ٹائیگر نے نرم لہجے میں کہا۔ "جھگڑا میرا اور تمہارا نہیں... میرا اور سانتا کلاز کا ہے۔ کیوں! میں درست کہہ رہا ہوں سانتا!" ٹائیگر نے موٹے کو کسی مجرم کی طرح للکار کر پوچھا۔

سانتا اب بھی مُسکرا رہا تھا۔ ٹائیگر کو یہ مسکراہٹ بہت خوفناک لگی... یہ انتہائی غیر متوازن مُسکراہٹ تھی۔

"سوسی۔ یہاں آجاؤ۔" لڑکی کے باپ نے بے صبرے پن سے کہا۔ "اس شخص کے پیچھے سے ہٹ جاؤ۔"

"چلو۔ شاباش۔ اپنے ڈیڈی کی بات پر عمل کرو سوسی۔" ٹائیگر نے بچی سے کہا لیکن اس کی آنکھیں اب بھی سانتا پر جمی رہیں۔ سوسی بھی سانٹ کھڑی رہی اُس کی ایک اُنگلی مُنہ میں تھی۔

"پولیس آنے والی ہی ہے جارج۔" کیٹی نامی عورت نے کہا۔ وہ اب چوکھٹ پر پہنچ چکی تھی جو نہی اُس نے سانتا اور ٹائیگر کو دیکھا اس کی چیخ نکل گئی۔

"تم واپس جاؤ۔" جارج نے دہاڑ کر کہا۔

"جارج پلیز۔ گن رکھ دو۔ جیب میں رکھ لو۔ گولی چلی تو سوسی کے لگ جائے گی۔"

"اپنی بیوی کی بات مان لو مسٹر۔ یہ میرے قابو میں ہے۔" دیکھتے ٹائیگر نے اپنی برتری ثابت کرنے کے لیے سانتا کو ایک بار پھر گریبان سے پکڑ کر اُٹھایا اور زمین پر رکھ دیا۔

تب ہی سانتا نے اپنی بلیک بیلٹ سے ایک ایسا چاقو نکال لیا جو مُنہ دبانے سے مکمل ہو جاتا ہے۔ اگلے ہی لمحے ٹائیگر کو احساس ہُوا کہ چاقو کا پھل نکل چکا ہے۔ اس سے اس کی صحت پر فرق نہیں پڑا تھا لیکن فی الوقت وہ سانتا کی موت نہیں چاہتا تھا اُسے اپنے سوالوں کے جواب درکار تھے۔ دُوسری طرف جارج نے فائر کرنے والی پوزیشن بنالی تھی۔ جونہی بیلی پر دباؤ بڑھا۔ ٹائیگر نے سانتا کو دھکا دے دیا۔ وہ خود کو گولی سے بچا کر بلیک تیندوے کی طرح سے اُلٹا ٹیک چھین بیٹھا تھا۔ دُوسری گولی چھت میں دھنس گئی۔ ہلکے سے دھکے کو جارج برداشت نہ کر سکا اور فرش پر گر گیا۔ ٹائیگر نے گولیاں نکال کر ایک طرف اور خالی اُلٹا ٹیک دُوسری طرف پھینک دیا پھر وہ سانتا کی طرف پلٹا جو اس وقت بال دے میں دوڑ رہا تھا۔ ٹائیگر اُسے پکڑنے کے لیے جونہی لپکا۔ معصوم لڑکی اس کے پیروں سے لپٹ گیا۔ وہ بُری طرح رو رہا تھا۔ "تم بہت خراب آدمی ہو۔ تمہاری وجہ سے سانتا چلا گیا۔"

ٹائیگر نے جھک کر بڑی نرمی سے ٹوبی کو خود سے الگ کیا پھر بچے کو اُٹھا کر بولا۔ "پریشان مت ہو لڑکے! وہ اصل سانتا کلاز نہیں تھا۔ شیطان تھا وہ۔"

"شیطان تم ہو۔ تم نے میرے ڈیڈی کو دھکا دیا ہے۔ میں تمہیں جان سے مار دوں گا۔"

لڑکے کے لہجے میں انتقام کی آگ محسوس کر کے ٹائیگر ششدر رہ گیا لیکن اس کے پاس صفائی پیش کرنے کے لیے وقت نہیں تھا۔ باہر ایک کار اسٹارٹ ہونے کی آواز آرہی تھی۔ ٹائیگر بچے کو وہیں چھوڑ کر بہت تیزی سے باہر نکلا۔ اس کی رفتار توپ کے گولے کی رفتار سے کم نہیں تھی۔ باہر... سُرخ رنگ کی ایک کار یعنی برف پر سیل ہی تھی۔ اس کی رفتار زیادہ تھی۔ اتنی زیادہ کہ صرف پچاس گز کے فاصلے پر وہ اُٹھ چکے تھے۔ ٹائیگر اس کی طرف لپکا، لیکن گاڑی اب کالج ہل کی چکر دار سڑک پر پہنچ چکی تھی۔ اگلی مرتبہ وہ اُسے میکسن اسٹریٹ پر نظر آئی۔ یہاں اس کی رفتار کم تھی، بریک لگے ہوئے تھے۔ اس مقام پر بریک چھوڑنے کا مطلب تباہی کو دعوت دینا تھا۔ ٹائیگر نے اُوپر پہنچ کر ریلنگ پر سر ملایا اور پھر سڑک کی طرف نیچے چھلانگ لگا دی۔ وہ اس طرح نیچے کی طرف آرہا تھا جیسے کسی دُھلوان مقام سے اسکائنگ کر رہا ہو۔ وہ عین اُس وقت میکسن اسٹریٹ کے موڑ پر گرا جس وقت کار وہاں سے گزر رہی تھی۔ اُس نے عقبی بمپر پکڑ لیا وہ جھک گیا تاکہ ڈرائیور کو عقب نما میں نظر نہ آسکے۔ کار اب اُسے کھینچ رہی تھی اور وہ کھنچا چلا جا رہا تھا۔ اس کی اُنگلیاں بلاسٹک کے بمپر میں کیلوں کی طرح پیوست ہو گئی تھیں۔ اسے علم تھا کہ جب وہ بمپر چھوڑے گا تو بمپر میں چار پانچ سوراخ ہوں گے۔

کار اب کالج ہل سے گزر رہی تھی اور ڈرائیور کو یہ پتا تک نہیں تھا کہ کار سے ایک انسانی ٹارپیڈو منسلک ہے۔ برف نے ٹائیگر کے جوتوں کو چھپا لیا تھا اور ٹائیگر کی نظریں بھی اپنے جوتوں ہی پر تھیں۔ یہاں برف زیادہ ہوتے ہی گر جاتی تھی اور نئی برف جمنے لگتی تھی۔ اُسے کچھ پتا نہیں تھا کہ سانتا کلاز اسے کہاں لے جا رہا ہے۔ وہ اتنا تو جانتا تھا کہ گاڑی کے رُکنے پر سانتا کلاز جب اُسے دیکھے گا تو اس کی کیا حالت ہو گی اور جب ٹائیگر اُس کے گوشت کے ریشے الگ کرے گا تو وہ کیا محسوس کرے گا؟ ٹائیگر جانتا تھا کہ اُسے اپنے سوالوں کا جواب کس طرح ملے گا؟ جواب حاصل کرنے کے لیے وہ

وہ سانتا کلاز کی کھوپڑی سے کھال نوچ اُتارنے کے لیے تیار تھا۔ وہ یہ فیصلہ بہر حال کر چکا تھا کہ بچوں کے قاتل کا قتل بے رحمانہ ہو گا۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ بے رحمی سے قتل کرنا سانا نجو کی تعلیمات کا حصہ نہیں لیکن یہ بات اُسے اچھی طرح معلوم تھی کہ سانتا کلاز کا کیس عام کیس نہیں بہت اسپیشل کیس ہے۔ بچوں کا قاتل کسی رورو رعایت کا مستحق نہیں ہو سکتا۔

کار اب قدرے تیزی سے علیم آباد کی طرف جا رہی تھی۔ اس کا اندازہ ٹائیگر کو سڑک پر لگے ہوئے بورڈ دیکھ کر ہی ہو سکا۔ ٹائیگر سُن چکا تھا کہ اس علاقہ کو خوشنما کا "سرکاری پرندہ" کہا جاتا ہے۔ اُس وقت اُسے یہ نام مضحکہ خیز لگا تھا لیکن اب مضحکہ خیزی کا کوئی احساس تک نہیں ہو رہا تھا۔ اچانک ہی کار آرمی آف ٹاؤن کے علاقے میں داخل ہو کر... ایسے مکان کے سامنے... رُکی جس کے گیراج پر سیاہ تارکول کی چھت پڑی ہوئی تھی اور اس پاس سدا بہار پودے سے ایک قطار میں نظر آرہے تھے۔ ٹائیگر ٹھٹھکا رہا۔ اگلے ہی لمحے کار کا دروازہ کھلا اور سانتا کلاز کے ہونٹ سے ایک قدیم طرز کے مکان کی طرف جاتے ہوئے نظر آئے۔ اسے قفل میں کنجی کے گھومنے کی آواز سنائی دی اور پھر دروازے کے قبضے اتنی زور سے بولے کہ ٹائیگر کو اپنی سماعت کی جس بے ساختہ طور پر کمر کرنی پڑ گئی۔ اس کے بعد سیاہ دروازہ کھلنے کی آواز آئی جس میں یقیناً شیشہ لگا ہُوا تھا پھر سکوت چھا گیا۔ اب صرف برف گرنے کی سرسراہٹ سُنائی دے رہی تھی۔

ٹائیگر بُت بنا ہوا کھڑا رہا اور ایک لمحہ توقف کے بعد دروازے کی سمت میں بڑھ گیا۔ دروازے پر نظر پڑتے ہی اُسے جھٹکا سا لگا۔ وہاں کسی مظہریت نما قاتل کی بجائے ایک برفانی انسان کے چہرے پر بھی برف جمع تھی اور نتھنوں کی جگہ دو کالے سوراخ نظر آرہے تھے۔ اس نے ہاتھ اُٹھایا اور پھر گرا کر سر ہلانے لگا۔ دروازے کے شیشے پر نظر آنے والا مظہریت کوئی اور نہیں۔ وہ خود تھا۔ اُس کو اپنے عکس سے ہی ڈر محسوس ہُوا تھا اور یہ بڑی عجیب بات تھی۔ یہ بات اسے اسی وقت معلوم ہوئی تھی۔ اس سفر کے دوران اس نے اپنے بدن کا درجۂ حرارت اس حد تک گرا لیا تھا کہ برف جم پر جھک کر پگھلنے کے بجائے جمنے لگی تھی اور یہی سبب تھا کہ جسم پر جگہ جگہ برف نظر آرہی تھی۔ صرف نتھنے خالی تھے جہاں سے گرم سانس خارج ہوتی رہی تھی۔

دروازے کے شیشے پر اپنی ہیئت دیکھ کر اُس نے ایک نئی حکمت عملی تیار کر لی۔ ہاتھ اُٹھا کر دستک دی۔ کچھ ہی دیر بعد پگھلتی ہوئی آنکھوں والا ایک شخص کھڑکی پر نمودار ہُوا۔ اس کا چہرہ گول تھا۔ اس کے چہرے پر بڑی نرمی تھی اور ٹائیگر کو بھی اسی قسم کے چہرے کی توقع تھی۔ یہ اس شخص کا چہرہ نہیں لگ رہا تھا جس نے چند ہی راتوں میں سات بچوں کے سر قلم کر دیے ہوں اور سر بریدہ جسم درختوں کے نیچے چھوڑ گیا ہو۔ ٹائیگر بچوں کے والدین کرسمس کے موقع پر محض ماتم ہی کر سکیں۔

"فروسٹی سنو مین۔"

"واقعی؟"

"ہاں۔ اور میں سانتا کلاز کے کہنے پر لوگوں کا جائزہ لینے کے لیے نکلا ہوں۔ وہ یہ پوچھنا چاہتے تھے کہ تم جہنمی تو نہیں؟"

"سانتا کلاز کا کوئی وجود نہیں۔" بھولے بھالے چہرے پر ایک سلوٹ سی نمایاں ہو گئی۔ "وانیسٹ کا کہنا ہے کہ سانتا کلاز کا کبھی وجود ہی نہیں رہا۔"

"فروسٹی کا تو وجود ہے؟" ٹائیگر نے آنکھ مار کر کہا۔ اس سوال پر وہ گول چہرہ کسی خشک سنگترے کی طرح ہو گیا۔

"وانیسٹ نے یہ تو نہیں کہا تھا کہ تم وجود نہیں رکھتے۔" بھولے بھالے شخص نے جواب دیا۔ "اب تو تم سامنے ہو لیکن نہیں اندر آنے کی اجازت دینے سے قبل مجھے اس سے یہ پوچھنا ہو گا۔ مجھے بہت سختی سے ہدایت دی گئی ہے کہ میں اجنبیوں کو گھر میں داخل نہیں ہونے دُوں۔"

"ٹھہرو دوست۔ میرے پاس زیادہ وقت نہیں۔" ٹائیگر نے ہاتھ اُٹھا کر کہا۔ "مجھے دہ ہزار گھروں میں جانا ہے۔ اگر تم نے مجھ سے تعاون نہیں کیا تو میں اس گھر کو بدقسمت قرار دے کر آگے بڑھ جاؤں گا۔"

اس کے فوراً بعد دروازہ کھل گیا اور بھولا بھالا شخص نکلتا ہُوا نکل آیا۔ اُس نے سانتا کلاز کا لباس نہیں پہن رکھا تھا۔ اس کی عُمر ۶۰ سال لگ رہی تھی۔

"پلیز۔ جانا مت۔ میں تم سے ضروری بات کروں گا۔"

"اوکے۔" ٹائیگر نے کندھے اُچکا کر فراخ دلی کا ثبوت دیا اور اس کے پیچھے پیچھے اندر چلا آیا۔ اس کا اندازہ تھا کہ اس شخص کا وزن تین سو پونڈ سے کم نہیں۔ اس کی توند بھی نکلی ہُوئی تھی۔ وہ اس کے پیچھے ایک خوبصورت مگر بے ترتیب ڈرائنگ رُوم میں داخل ہُوا۔

"بیٹھو۔" گول گپے نے کہا۔ وہ اتنا موٹا تھا کہ اس کی رانیں آپس میں مل رہی تھیں۔ "میرا نام ہنری ہے۔ تمہیں پیاس تو نہیں لگ رہی! چائے بناؤں؟" لہجے میں خوشامد کا عنصر غالب تھا۔

"نہیں۔ شکریہ۔ گرم چائے پینے سے میرا وجود پگھل جائے گا۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ ساتھ ہی کمرے کا بھرپور جائزہ لیا۔ بڑی عیسائی تھا مگر اس کمرے میں کرسمس کی رونق نہیں تھی۔ کوئی درخت تھا نہ

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

جیرو۔ شاید یہی نام ہے۔"

"ہاں۔ وہ تمہیں شام تک شالان کوٹ میں دیکھنا چاہتا ہے۔"

"شالان کوٹ؟ نہیں۔ میں وہاں نہیں جا سکتا۔ میں تین روز تک راج گڑھ میں رہا جہاں بھیرتیوں نے میرا ناطقہ بند کر دیا۔ ان کا انداز بہت عجیب تھا شان۔ اتنے جھک کر مل رہے تھے کہ ان کو ٹپنے کو دل چاہتا تھا۔ اسی کو کہتے ہیں۔۔ بغل میں چھری منہ پر رام رام۔"

"لیکن شالان کوٹ بھرت لینڈ میں نہیں وہ تو۔۔۔ صحرائے فرہیں ہے۔" شان نے ہنس کر جواب دیا۔

"اوہ۔ مگر وہاں کیوں؟" بلاول خان کو اس بات پر واقعی افسوس ہوا کہ وہ جغرافیے سے اتنا بے خبر ہے۔

"اس لیے کہ شوٹنگ وہیں ہوگی۔ راج گڑھ سے تمہاری روانگی کے بعد ہی انہوں نے لوکیشن کا سروے کر لیا تھا۔"

"بکواس مت کرو۔ یہ کرسمس پر مبنی فلم ہے اور اس کی لوکیشن فضل آباد کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتی۔"

"میرا خیال ہے کہ انہوں نے اسکرپٹ میں اسی نوعیت کی تبدیلیاں کی ہوں گی۔" بولی۔

"۔۔۔ لیکن وہ کرسمس پر فلم تو اب کیسے بنا سکتے ہیں؟"

"بنا سکتے ہیں۔۔۔ وہ کام کر سکتے ہیں بلاول خان! انہوں نے اسٹار وار جنوبی علاقوں ہی میں تو بنائی تھی نا! بالکل ایسا لگ رہا تھا جیسے ہم کسی بیرونی خلا کی فلم دیکھ رہے ہیں۔"

"صحرائے فرہیں پر فیاری نہیں ہوتی بھولے آدمی۔" بلاول خان نے فیصلے لہجے میں کہا۔ "وہاں سرسبز علاقے نہیں۔ خار دار جھاڑیاں اور ریت ہوتے ہیں۔ کیا وہ بیوقوف کرسمس کے پرتی بنا کر پیش کریں گے؟ انہیں سجائیں گے؟"

"بیوقوف میں کانٹے تو ہوتے ہیں نا؟"

"زیادہ بک بک مت کرو شان!"

"آل رائٹ بولی۔ ٹھیک ہے۔ یہ مسئلہ تم خود حل کر لینا۔ فی الوقت انہیں بعض مسائل کے حل کے لیے تمہاری ضرورت ہے۔ انہیں شالان کوٹ چیمبر آف کامرس یا اسی قسم کے کسی ادارے کی طرف سے مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ وہ لوگ فائنل فلم پرنٹ اور ورک رولز کے جھگڑے رہے ہیں۔"

"تب بھیرتیوں کیا کروں! شالان کوٹ اب خانہ بدوشوں کا علاقہ تو ہے نہیں وہاں صحرائے فرہیں کی انتظامیہ کا عمل دخل ہے اور صحرائے فراب پسماندہ علاقہ نہیں رہا لہٰذا وہاں کی انتظامیہ بھی روشن خیال اور آزاد ہے۔ وہ اپنے فیصلے خود کرتے ہیں۔ میں میئر تو نہیں ہوں۔ یہ لوگ یونین والوں سے بات کیوں نہیں کرتے؟"

"پتا نہیں۔۔۔ ویسے وہ یونین والوں سے کسی بھی قسم کے مذاکرات کے قائل نہیں۔"

"کیا مطلب؟ کیا یہ یونین فلم نہیں ہوگی شان؟" بلاول خان پھر ہتھے سے اکھڑنے لگا۔

"کیوں نہیں۔ ضرور ہوگی۔" شان گھبرا گیا۔ "لیکن یہ بہت بڑے لوگ ہیں۔ اور۔"

"سنو۔ اگر یہ یونین فلم نہیں ہوگی تو میں اس میں کام نہیں کروں گا۔ میں بھی انکار کر رہا ہوں۔"

"اب تم انکار نہیں کر سکتے بولی۔"

"کیوں؟"

"معاہدے پر تمہارے دستخط موجود ہیں۔"

"تب پھر وہ مجھ پر مقدمہ کر دیں۔"

"وہ بھی کریں گے اور جیت جائیں گے بولی۔" شان کا لہجہ اس مرتبہ بے حد سرد تھا۔ "ان کی طرف سے مقدمہ بھرت لینڈ کی عدالت میں دائر کیا جائے گا کیونکہ معاہدے پر دستخط بھرت لینڈ میں ہوئے تھے اور بھرت لینڈ کا کوئی بھی جج وشو گروپ کے راناؤں کے خلاف فیصلہ نہیں دے سکے گا۔ تمہاری بدنامی الگ ہوگی۔۔۔ کورٹ کا ہرجانہ ادا کرنا ہوگا سو الگ رہے ہو نا؟"

بلاول لمبی لمبی سانسیں لیتا رہا۔

"۔۔۔ اور یہ بھی سنو۔۔۔ ان کے پاس تمہارا متبادل موجود ہے۔ وہ سلیم احمد کو کاسٹ کر لیں گے۔"

"ہرگز نہیں۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔" اس مرتبہ پسینہ لیجنڈ کی باری عظیم بلاول خان کی تھی۔

"ٹھیک ہے۔ اب یہ تم پر منحصر ہے کہ تم انہیں اس حد تک نہ جانے دو بولی! اسکاٹی ٹاؤن ائرپورٹ پر جیٹ تمہارا منتظر ہے۔"

✸

بلاول خان اپنی بھاری موٹر سائیکل مارلے ڈیوڈسن رن وے پر لے کر پہنچا تو ایک سفید رنگ کے بھرتی باشندے نے خود آگے بڑھ کر اس کے میڈیسی لگا دی۔ بلاول موٹر سائیکل سے اترا تو اسٹیورڈ نے جو سفید لباس میں تھا اسے پرنام کیا۔ وہ مسکراتا بھی رہا تھا لیکن جونہی بلاول نے موٹر سائیکل میٹر سیوں کی طرف کی تو اسٹیورڈ کے چہرے کی رنگت فق ہو گئی۔ "نن۔۔۔ نہیں۔ مہاراج۔۔۔ یہ۔۔۔"

"میں جہاں بھی جاتا ہوں یہ موٹر سائیکل میرے ساتھ جاتی ہے۔" بلاول نے غرا کر جواب دیا اور پھر بھاری موٹر سائیکل اتنے آرام سے

اُوپر چڑھائی جیسے وہ بچوں کی سائیکل ہو۔ اسٹیورڈ منہ کھائے ناراض نادان سے انداز میں پیچھے چلا آیا، بلاول نے موٹر سائیکل ایک طرف کھڑی کر دی تو اس نے سر جھکتے ہوئے سیڑھیاں اندر گھسیٹیں اور پھر دروازہ بند کر لیا۔ طیارے کے انجن پہلے ہی رواں کیے جا چکے تھے۔

پھر تی طیارہ جب شالان کوٹ کے انٹرنیشنل ہوائی اڈے پر اُترا تو پھر تی اسٹیورڈ نے ہاتھوں کی مدد سے سیڑھیاں نیچے گرائیں اور عین اُس وقت پھر تی سے ایک طرف سٹ گیا جب فرودی اطالوی بھاری موٹر سائیکل اسٹارٹ کر کے سیڑھیوں پر لے آیا۔ موٹر سائیکل تارمک پر اُتر کر ذرا سی اُچھلی لیکن بلاول نے اُسے آدھے ہی لمحے میں قابو کر لیا اور اُتر کر اُسے پچھلے اسٹینڈ پر کھڑا کر دیا لیکن پھر کچھ سوچ کر اس نے انجن بند کیا، گاڑی کو اسٹینڈ سے اُتارا اور اُسے کھینچتا ہوا وشو گروپ کی منتظر وین تک لے گیا جس کی کھڑکی سے جیرو کا ناپسندیدہ چہرہ جھانک رہا تھا۔ جیرو موٹر سائیکل کے پرکتب دیکھ کر ہولناک ہو رہا تھا۔ اُس کی آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں۔ چند لمحے بعد وہ وین سے اُترا۔

"شری بلاول خان جی۔ دھنیہ باد۔ آپ کی یہاں تشریف آوری کا بڑا شکریہ۔ آپ مہان اداکار ہیں اور۔"

"یہ بکتھن کہیں اور کے لیے بچا رکھو جیرو۔ اور سنو۔ میرا نام شری بلاول خان جی نہیں۔ صرف بلاول ہے۔ اب بتاؤ کیا سلوک مجھے؟"

"دو روز میں شوٹنگ شروع ہو جائے گی جب کہ ہمیں ابھی بہت سے کام نمٹانے ہیں۔"

"دو دن؟"

"جی ہاں۔ ہم بہت ٹائٹ شیڈول پر عمل کریں گے۔ ہمیں جلدی کرنی ہوگی۔ اب چلیں۔ پلیز۔"

"تم گاڑی میں بیٹھ کر آگے چلو۔" بلاول نے موٹر سائیکل اسٹارٹ کرنے کے لیے کک مارتے ہوئے کہا۔ جیرو کی آنکھوں میں ایک لمحے کے لیے غصہ اور نفرت پیدا ہوئی، یوں لگا جیسے وہ بلاول کو گالی دینے والا ہو لیکن پھر اچانک اُس کا چہرہ سپاٹ ہو گیا۔ اُس نے دونوں ہاتھ جوڑ کر سر جھکایا اور وین میں بیٹھ گیا۔

گاڑی شہر میں داخل ہوئی تو بلاول کو پہلا تاثر یہی ملا کہ شالان کوٹ بالکل سپاٹ علاقہ ہے۔ سیر ہاتی وے پر بہر حال اُسے جگہ جگہ سیاحتی نظر آتے۔ ویسے اُس پاس کہیں بھی اُسے ببول کے پودے دکھائی نہیں دیے پھر جب گاڑیاں رہائشی علاقے میں داخل ہوئیں تو بلاول خان کو شہر والوں کی نفاست اور خوش سلیقگی کا اندازہ ہوا۔ ایک چرچ بھی نظر آیا، جامع مسجد کے بالکل سامنے اور چرچ کے قریب مکانوں کے دروازوں پر ببول کے ایسے پودے بھی نظر آئے جنہیں خوب صورتی سے سجایا گیا تھا۔

۔۔۔ آخر یہ اتنے دُور دراز علاقے میں فلم بندی کیسے کریں گے؟ وہ یہی سوچتا رہا، اُس نے دائیں طرف سنگ مرمر کا ایک مندر دیکھا جس کے سامنے والی سڑک پر ایک گدھا کرسمس کیپ پہنے گھوم رہا تھا۔ ابھی بلاول بہت سی باتیں سوچ رہا تھا کہ وین شالان کوٹ سٹی ہال کے سامنے رک گئی۔

"ہم یہاں کیا لینے آئے ہیں جیرو؟"

"میئر سے ملاقات کا وقت طے ہے۔ میں نے اُسے بتا دیا تھا کہ تم آ رہے ہو۔ چلو۔ پلیز۔"

"میئر؟ مگر میرا اس سے کیا تعلق؟ میں تو۔"

اعلیٰ تعلیم یافتہ ارباب امیر گوشتہ چھ برسوں سے شالان کوٹ کا میئر تھا۔ اس نے لندن میں دیہی زندگی پر ڈاکٹریٹ کی تھی اور پھر اپنے لوگوں کی زندگی بہتر بنانے کے لیے حکومت کے اس پروگرام میں شامل ہو گیا تھا جس کا مقصد پڑھے لکھے لوگوں کو دیہات میں خدمات انجام دینے پر راغب کرنا تھا۔ اس کی پیدائش شالان کوٹ ہی کی تھی۔ یہاں اس کی زرعی بھی تھی۔ اشرور سفع بھی تھا اور خاندانی تعلقات بھی لہٰذا جب اُس نے دس برس قبل بعد وجہد شروع کی تو حکومت نے سارے وسائل اُس کے حوالے کر دیے اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ محض تین سال بعد شالان کوٹ کو میونسپل کمیٹی اور پھر کارپوریشن بنا دیا گیا۔ اس کی سب سے بڑی کامیابی یہاں روزگار کے وسائل پیدا کرنے کی شکل میں سامنے آئی پھر انٹرنیشنل ائرپورٹ کے قیام نے تو اس کے کئی خواب شرمندۂ تعبیر کر دیے۔ اسے شالان کوٹ پر بجا فخر تھا جو صحرائے فرہ کے انتہائی متمدن علاقوں میں سب سے آگے آ چکا تھا۔ یہاں ہندو مسلم عیسائی اخوت اور امن بھی اب معمول کی بات بن گئی تھی۔ شالان کوٹ میں تین ٹی وی اسٹیشن تھے۔ ایک انتہائی اہم فوجی اڈہ بھی تھا اور یہاں کی ہوا بھی بالکل خالص تھی۔

اسے پتا تھا کہ سرحدی علاقہ ہونے کے باعث صحرائے فرہیں غیر ملکی سرگرمیاں جنم لے سکتی ہیں لیکن وہ پیدائشی طور پر محب وطن تھا اُسے کوئی خرید سکا تھا نہ جھکانے میں کامیاب ہوا تھا لیکن جب اُس کے پرنسپل سکریٹری نے بتایا کہ وشو گروپ کا ایک نمائندہ اداکار بلاول خان کے ساتھ آیا ہے تو ارباب امیر کے چہرے پر بچوں جیسی مسکراہٹ دوڑ گئی۔ اُس نے بلاول کی تمام فلمیں دیکھی تھیں

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

اور وہ بدی کے خلاف جہاد کی علامت کے طور پر جانا تھا۔

"سائیں بلاول آپ"۔ اس نے بلاول کے دونوں ہاتھ تھام کر خالص فری انداز میں خوش آمدید کہا۔ "آپ کو ادھر دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی سائیں"۔

"شکریہ جناب"۔ بلاول خان نے مسکرا کر کہا لیکن وہ خوش نہیں تھا کیونکہ اس کے چاروں طرف لوگ تھے اور جلد ہی اس سے آٹوگراف کی فرمائش شروع ہو سکتی تھی۔

"فلم گھاتل" میں تو آپ نے کمال کر دیا"۔

"بہت بہت شکریہ ارباب صاحب"۔

پھر جب سب بیٹھ گئے تو میزبان نے مسکراتے ہوئے بلاول کی طرف دیکھا۔ "خان صاحب! جیرو نے مجھے بتایا ہے کہ آپ ہمارے علاقے میں کوئی فلم بنانا چاہتے ہیں"۔

"یس سر"۔ بلاول نے جواب دیا جس پر کمرے میں موجود تمام افراد کو حیرت ہوئی کہ اتنا بڑا آدمی ایک عام سے میزبان کو سر کہہ رہا ہے۔ وہ جانتے تھے کہ ملک میں بلاول خان ایک ہی ہے جب کہ میزبان کہتا رہتا ہے۔

جب ان لوگوں نے ارباب امیر کا اشارہ جیرو اور اس کے لوگوں کی طرف تھا۔ "میرے شہر میں اگر فلم بندی کے پرمٹ کی درخواست دی تو مجھے لازماً بعض ضمانتیں درکار ہوتیں۔ میں نے ان سے کہا کہ اگر یہ اپنے خلوص اور اپنی نیک نیتی کی ضمانت دے سکیں تو میں سٹی کونسل سے درخواست کروں گا کہ پرمٹ دے دیا جائے"۔

بلاول خان سر ہلا کر رہ گیا۔ اُسے پتا تھا کہ فلم بندی سے شالان کوٹ کو فائدہ ہی ہوگا۔ اُسے نہ صرف مقبولیت ملے گی بلکہ بہت سے افراد کو مارضی طور پر ملازمت بھی مل جائے گی۔

"اور پھر جب جیرو نے مجھے بتایا کہ آپ۔۔۔ عظیم بلاول خان۔۔۔ خود یہاں آ کر ہمارے خدشات دُور کر دیں گے تو میں نے کہا کہ اس سے بڑی ضمانت اور کیا ہو سکتی ہے؟"

اسی لمحے پریس سیکرٹری نے دروازہ کھول کر کہا۔ "وہ آ گئے ہیں مسٹر میزبر"۔

"شاندار"۔ ارباب امیر اور خوش ہو گیا۔ "آئیے پہلے ان سے مل لیتے ہیں"۔

راستے میں بلاول نے جیرو کا بازو پکڑ لیا۔ "یہ سب کیا ہے جیرو؟"

"خاموش۔ پلیز۔ بس چند منٹ کی بات ہوگی"۔

"اوہ"۔ ہال میں پہنچ کر بلاول کو شدید صدمہ لگا کہ وہاں ٹی وی کے رپورٹر، اخبار والے، فوٹو گرافر سب ہی موجود تھے۔

"میں پریس کے معزز حضرات کو خوش آمدید کہتا ہوں"۔ میزبر

نے کہا۔ "ارباب امیر نے دونوں ہاتھ اٹھا کر تقریر کرنے والے انداز میں کہا۔ "آپ سب خود ہی دیکھ رہے ہیں کہ عظیم الشان بلاول خان۔۔۔ فلمی دُنیا کے اُفق کا سب سے درخشندہ ستارہ۔۔۔ ہماری قوم کا ثقافتی تشخص خود یہاں موجود ہے۔ بلاول خان ذاتی طور پر مجھ سے یہ درخواست کرنے آئے ہیں کہ میں ان کی نئی فلم کی شوٹنگ کے لیے اجازت دے دوں۔ ان کے ساتھ مسٹر جیرو رام داس ہیں جن کا تعلق دشو گروپ سے ہے اور دشو گروپ نے ایکٹر اکس کی دُنیا میں جو کامیابی حاصل کی ہے اُس کا ثبوت آپ کے ہاتھوں میں موجود سووی کیمرے ہیں جن پر رانا لکھا ہوا ہے"۔ ارباب امیر یہ کہہ کر بہت زور سے ہنسا۔ انہوں نے سحرانے فرے درجنوں شہروں میں سے شالان کوٹ کو لوکیشن کے طور پر منتخب کیا ہے۔ اب اگر آپ کو کوئی سوال کرنا ہے تو ضرور کیجیے"۔

کچھ دیر تک خاموشی چھائی رہی۔ رپورٹر اپنی نوٹ بکس دیکھتے رہے۔ ٹی وی کیمرامین ہچکچاتے رہے۔ بات واضح تھی۔ وہ بلاول خان کی اکڑ پن سے خوف زدہ تھے ان پر اس کا رُعب بھی تھا۔

"کیا میں چند سوال کر سکتا ہوں؟" بلاول نے ان کی مشکل محسوس کرتے ہوئے کہا۔ "مثلاً یہ کہ یہاں اس زمانے میں زیادہ سے زیادہ گرمی کتنی ہوتی ہے؟"

ان میں سے کوئی بھی نہیں مسکرایا۔ آخر ایک دراز قامت لڑکی اٹھی۔ اس کے نقوش سحرانی تھے اور صاف ظاہر تھا کہ یہ لڑکی گلشن میں پڑھ چکی ہے۔ اس کا تعلق علاقے کے ٹی وی اسٹیشن سے تھا۔

"لیڈی! آپ اپنی نئی فلم کے بارے میں کچھ بتائیں؟"

"یہ کرسمس سووی ہوگی اور۔۔۔"

"شالان کوٹ کے بارے میں آپ نے کیا تاثر قائم کیا ہے؟"

"میں نے ابھی صرف اسٹریٹ اور میرا آفس دیکھا ہے بی بی"۔ بلاول نے مسکرا کر جواب دیا پھر دُوسرا سوال سننے کے لیے خاموش ہو گیا لیکن اب ان لوگوں کی توجہ جیرو کی طرف تھی۔ "آپ نے شالان کوٹ ہی کو کیوں منتخب کیا مسٹر جیرو؟" یہ سوال ایک جوان رپورٹر نے بہت چبھتے ہوئے انداز میں کیا تھا، شاید اُسے بھرت لینڈ اور فردوس کے تعلقات کی تاریخ کا پورا پورا شعور تھا۔

"اس لیے کہ یہ جگہ ہماری تمام ضروریات کے مطابق ہے"۔ جیرو نے جواب دیا۔

"کیا آپ کو یقین ہے کہ فردوسی باشندے ایکٹر فلم کو دیکھنے کے لیے جائیں گے۔۔۔ ویسے یہ بتائیں کہ بھرت لینڈ کے گرد پہاڑوں میں جو چھوٹی ریاستیں ہیں ان پر بھرت لینڈ کے اقتصادی

نکلنے کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟"

ایک گھنٹے تک یہی کچھ ہوتا رہا پھر ٹی وی والوں کی واپسی شروع ہو گئی۔ رپورٹر بھی بلاول خان کو پلٹ پلٹ کر دیکھتے ہوئے چلے گئے۔ ایک صحافی نے دُوسرے سے کہا۔ "کیا عجیب آدمی ہے۔ سو لوگوں میں کام کر چکا ہے لیکن حقیقی زندگی میں صرف دو جملے ادا کر سکا"۔

سب کے چلے جانے کے بعد ارباب نے بلاول کو مبارک باد دی۔ "شاندار لیڈی۔ بہترین پریس کانفرنس تھی اور ہاں۔ کیا میں تمہیں لیڈی کہہ سکتا ہوں؟"

"ضرور۔ کیوں نہیں"۔

"شکریہ۔ تم سے ذاتی تعلقات کا انکشاف آئندہ انتخابات میں میری پوزیشن مستحکم کر دے گا"۔

"گڈ۔ میرا ووٹ بھی اپنا ہی سمجھو"۔

"گڈ۔ ویری گڈ۔ تم مذاق کر لیتے ہو۔ واہ"۔ خوشی سے میزبر کا چہرہ سُرخ ہو گیا تھا۔

"پرمٹ کا کیا ہوگا شری ارباب؟" جیرو نے موقع سے فائدہ اُٹھانے کی کوشش کی۔

"پرمٹ کیوں نہیں ملے گا؟ بلکہ میں تو اسی وقت فلم پروڈکشن کو منظور کرتا ہوں"۔

بلاول نے اظہار تشکر کے طور پر ارباب کا ہاتھ ہاتھ میں لیا تو ملک کی آواز سنائی دی۔ یقیناً کسی نے فوٹو کھینچا تھا۔

"اس سے قبل کہ تم یہاں سے جاؤ۔ کیا آٹوگراف دو گے؟" میزبر نے ایک فلمی رسالے سے بلاول خان کی تصویر پھاڑ کر اُسے پیش کی۔

"ضرور۔ کیوں نہیں سائیں؟ آپ کے نام"۔

"نہیں۔ میری بیٹی کے لیے"۔

◇

باہر نکل کر بلاول نے ایک طویل سانس لی اور پھر جیرو کو گھور کر پوچھا۔ "کیا اب میں جا سکتا ہوں پروڈیوسر؟"

"نہیں۔ ابھی ہم ایک ہوٹل چلیں گے"۔ جیرو نے فاتحانہ انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیوں۔ وہاں کیا مسند درویش ہے؟ کیا وہاں کے لوگ میرے بالوں کا عطیہ چاہتے ہیں؟"

شیلوان کے سامنے ایک غیر متوقع مظاہرہ ان کا منتظر تھا۔ لوگوں کے ہاتھوں میں پلے کارڈ تھے۔ "بلاول ظالم ہے۔ بلاول غدار ہے۔ بلاول عیب وطن نہیں"۔ ایک شخص نے بلاول کا وہ پوسٹر اٹھا رکھا تھا جو درندہ اوّل سے لیا گیا تھا۔ اس میں بلاول کے بال کندھوں سے نیچے تک تھے، پیشانی پر پٹی بندھی تھی اور نیچے کسی نے ہاتھ سے لکھا تھا۔ "بلاول درندہ ہے"۔

"یہ سب کیا ہے؟" بلاول گھبرا گیا۔

"احتجاج۔ لیونین والے احتجاج کر رہے ہیں"۔ جیرو نے شدید سرد انداز میں جواب دیا۔

"مگر کیوں؟ ہم تو لیونین فلم ہی بنا رہے ہیں"۔

"ہاں۔ مگر بھرتی یونین فلم۔ افرادی قوت بھرتی یونین سے لی جائے گی"۔

"سنو جیرو"۔ بلاول غرا کر بولا۔ "میں فردوس کی سرزمین پر صرف فردوسی یونین فلم میں کام کروں گا ورنہ میری ساری شہرت مٹی میں مل جائے گی۔ کیمرامین، اسسٹنٹس، اسسٹنٹس ٹلی، مزدور سنو۔ میں فلمی صنعت کے محنت کشوں کا حقیقی ہیرو ہوں"۔

"یہ پہلے کی بات ہے ہم حال کی بات کر رہے ہیں بلاول! اگر تم ان کے ہیرو ہوتے تو تمہارے خلاف نعرے نہیں لگا رہے ہوتے"۔

"ان کی بہکی کی وجہ صرف یہ ہے کہ ان کے خیال میں بلاول خان نے انہیں ذلیل کرایا ہے لیکن میں ان کی غلط فہمی دُور کر دوں گا۔ تمہارا مجھ سے تعلق ختم جیرو"۔

"تب پھر سلیم المجد کو بلوانا پڑے گا"۔

"بلاؤ"۔ بلاول اپنی موٹر سائیکل کی طرف جانے لگا۔

"اور اسے ہم دگنی ادائیگی کریں گے۔ اس رقم میں سے جو تم ہمیں مقدمہ ہارنے کے بعد ہرجانے کے طور پر ادا کرو گے"۔

بلاول کے ہاتھ ہینڈل پر جم گئے۔ سلیم المجد کو اپنی جیب سے ادائیگی کرنا انتہائی ناقابل قبول بات تھی۔ وہ سر جھٹک کر جیرو کی طرف دیکھنے لگا پھر واپس پلٹا۔ بھرتی کا چہرہ بہت سنجیدہ تھا لیکن اس کی آنکھوں میں کمینہ پن ناچ رہا تھا۔ "اب تم اچھی طرح سمجھ گئے ہو بلاول خان!"

"ہاں۔ اور مجھے تم سے نفرت سی محسوس ہونے لگی ہے جیرو رام داس"۔

"پروڈکشن آفس اسی ہوٹل میں ہے اور ہمیں وہاں جا کر کئی ٹیلی فون کرنے ہیں۔ شوٹنگ بروقت شروع کرنی ہے تاکہ کوئی دوسرے کام پہلے ہی نمٹا لیے ہوں گے"۔

بلاول خان نے مظاہرین کی طرف دیکھا۔ "میں نے آج تک کسی مظاہرے کے درمیان سے گزرنے کی کوشش نہیں کی جیرو"۔

"تب پھر ہم سائیڈ ڈور سے چلیں گے"۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

جیرو چیلنے لگا۔ اس کے پیچھے عملے کے کئی افراد تھے مگر بلاول مظاہرین کی طرف دیکھتا رہا جو نعرے بازی میں اتنے مگن تھے کہ انہیں یہ اندازہ بھی نہ ہوا کہ وہ جس کے خلاف نعرے لگا رہے ہیں وہ محض چند گز دور کھڑا ہے۔

بلاول خان نے کبھی کسی چیلنج کے مقابلے میں پشت نہیں دکھائی تھی۔ آج پھر اسے چیلنج درپیش تھا لہٰذا وہ فرار اختیار نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے ان لوگوں کو سمجھانے کا ارادہ کیا۔ ان کی طرف بڑھا تب ہی اچانک ایک بھاری بھرکم شخص نے اسے پہچان لیا۔

"یہ رہا" بھاری بھرکم شخص دہاڑا۔ "بلاول خان یہیں کھڑا ہے۔"

"لعنت" کسی نے چلا کر کہا اور پھر "بلاول بھرت لینڈ چلے جاؤ" کے نعرے لگنے لگے۔

"میری بات سنو" بلاول خان نے چلا کر کہا، لیکن اس کی یہ درخواست نعروں کی آوازوں میں کھو گئی۔ مظاہرین کا تعاقب فردوس الانس آف تھیٹریکل اسٹیج ایپلائنز نے تھا۔

"اس نے یہیں گالی دی ہے" کسی نے چلا کر مظاہرین کو مشتعل کرنا چاہا اور اس کوشش میں کامیاب بھی ہو گیا۔ وہ اس کی طرف آنے لگے۔ بلاول نے دونوں ہاتھ سینے پر باندھ لیے وہ راہ فرار اختیار کرنے کے بارے میں سوچ ہی نہیں سکتا تھا پھر انہوں نے اسے چاروں طرف سے گھیر لیا اور بلاول مُردہ باد کے نعرے ہر طرف گونجنے لگے۔

"میری بات سنو" بلاول نے پھر کہا مگر وہ کچھ سننے کے لیے تیار نہ تھے۔ دوسری طرف ٹی وی کیمرے والے اس صورت حال کی پوری فلم بنا رہے تھے۔ خبر یہ بننی تھی کہ "عالمی شہرت یافتہ اداکار بلاول خان کا گھیراؤ"

اسی لمحے کسی نے اپنا پلے کارڈ بلاول کے دے مارا۔ اس کا ڈنڈا بلاول کے کندھے پر لگا لیکن کسرتی جسم والے طاقت ور بلاول کو مضروب محسوس بھی نہیں ہوئی۔ تاہم اس حملے کا جواب دینا ضروری تھا۔ اس نے ڈنڈا مارنے والے کو دائیں ہاتھ سے دھکا دے کر پرے کر دیا۔ مظاہرین اب مہم جو غیظ کی شکل اختیار کر چکے تھے۔ وہ ان کے درمیان پھنس چکا تھا۔ لوگوں نے مکے برسانے شروع کر دیے۔ بلاول کو ہر حال جواب دینا ہی تھا۔ اس نے بھی کئی گھونسے مارے۔ مظاہرین میں سے کئی گر پڑے۔ وہ مسکرانے لگا لیکن جونہی اس نے اپنا گھونسا لگانے کے بعد ایک شخص کی ناک سے خون کی دھار بہتی ہوئی دیکھی تو اسے نشہ ٹوٹتا محسوس ہونے لگا۔ حالات خراب تر ہو گئے تھے اور انہیں بدترین کرنے کے لیے وہ جیرو ہوٹل کی لابی سے نکل آنے جواب تک وہاں موجود تھے۔ بعض کے ہاتھ میں پستول بھی تھے۔

"انہیں روکو" جیرو کی آواز سنائی دی۔ "بلاول کو بچاؤ جلدی" مسلح محافظ بے خوف خطر قریب آ گئے۔ مظاہرین اب ان کے سامنے سینہ تان کر کھڑے ہو گئے تھے۔ بلاول نے نرغے سے نکلنے کی کوشش کی لیکن لوگ بہت زیادہ تھے۔ اسے جگہ نہیں مل سکی لہٰذا اس نے غصے میں آ کر ایک شخص کا گلا پکڑ لیا۔

اچانک گولی چلنے کی آواز سنائی دی۔ بلاول کی گرفت میں پھنسا ہوا شخص زور سے تڑپا اور پھر ساکت ہو گیا۔

"گولی کس نے چلائی؟" بلاول بہت زور سے دھاڑا پھر کسی نے اس کی سیلٹ پکڑ لی۔ "ابے کیا کر رہا ہے مردود؟" اس نے پلٹ کر دیکھا۔ سیلٹ پکڑنے والا بھرتی محافظ تھا۔ "چھوڑو مجھے۔ اس شخص کو طبی امداد کی ضرورت ہے۔"

"نہیں۔ تم میرے ساتھ چلو۔"

"میں کہتا ہوں کہ" بلاول دوسرا لفظ ادا نہیں کر سکا، کیونکہ اچانک ہی زمین و آسمان ہلنے لگے تھے۔ وہ پشت کے بل لیٹتا چلا گیا اسے پہلا احساس یہ ہوا کہ شاید گولی لگی ہے پھر کئی افراد نے اسے مل کر اٹھایا اور وہ شور گرد پ کی وین میں ڈال دیا۔

گاڑی بہت تیزی سے آگے بڑھ گئی۔

"میرے ساتھ کیا ہوا؟" نیم بے ہوشی کی حالت میں اس نے پوچھا۔

"چپ رہو۔ منہ بند رکھو بلاول خان" جیرو نے ہنس کر کہا۔

"تم حرامزادے ہو۔"

صبح کا وقت تھا اور ٹائیگر کی جنگی گلشن آباد میں واقع سوہو کے رہائشی حصے میں ابھی رکی تھی۔ ٹائیگر نے ڈرائیور کو سو روپے کا بالکل نیا نوٹ دے کر اس کی طرف دیکھا بھی نہیں۔ اس وقت گلشن آباد میں برفباری شروع نہیں ہوئی تھی۔ گذشتہ روز ایک طوفان گلشن آباد سے کترا آ ہوا گزر گیا تھا اور اس کی جو جھینپیں یہاں تک پڑی تھیں انہیں ہلڈزر سڑک کے کنارے لگا چکے تھے۔ سڑکوں پر دور تک برف صاف کرنے والے ٹریکٹروں کے نشانات نظر آ رہے تھے تاہم ٹائیگر کا راستہ برف میں ابھی تک چھپا ہوا تھا۔ اس نے برف پر پہلا قدم رکھتے ہی سانس کی رفتار بدل ڈالی۔ دونوں بازو اس طرح پہلوؤں سے قدرے دور ہو گئے جیسے جسم میں ہوا بھر گئی ہو اور وہ برف کی پتلی سی تہ پر چلنے لگا۔ اس وقت وہ کسی پرانے ہلکا پھلکا لگ رہا تھا۔ اس کا انداز اس کی سوچ اس کی چال سب کچھ برف کی طرح تھی یہی سبب تھا کہ قدموں سے برف نہ ٹوٹی اور نہ ہی

وہ کچھ اس طرح فرنٹ ڈور سے گزرا جیسے ابھی سو کر اٹھا ہو۔ اُسے اس بات پر کوئی ناز نہ تھا کہ وہ برف کی باریک چادر میں سوراخ کیے بغیر گھر میں داخل ہوا ہے۔ وہ جانتا تھا کہ یہ کارنامہ نہیں اس کی تربیت کا حصہ ہے اور اُسے یہ بھی پتا تھا کہ اوشان نے اُسے برف تھوڑے بغیر چلنے کی تربیت کس سخت انداز میں دی ہے! اسے یہ بھی دشی یتھی کی چار دیواری میں شمولیت کے بعد یہ پہلا موقع ہے کہ وہ "گھر" آیا ہے۔ اس سے پہلے زندگی ہوٹلوں میں ہی گزری تھی۔ اس کے اصرار پر گھر لیا گیا تھا لیکن اب اُسے گھر میں داخل ہوتے وقت کسی مسرت کا احساس نہیں ہو رہا تھا۔

اس مکان کے ڈرائنگ رُوم کی دیواریں ننگی ہونے کی حد تک سادہ تھیں۔ اس کا فرش ہارڈ وڈ کا تھا۔ ایک طرف بڑی سی ٹی وی اسکرین نظر آ رہی تھی اور اسکرین کے سامنے فرش پر دو چٹائیاں بچھی ہوئی تھیں۔

گھر میں گھر کا نچلے نام کو نہ تھا۔

وہ اپنے بیڈ رُوم کی طرف چلا آیا۔ اس کی دیواریں عام سی تھیں۔ ایک کونے میں موٹی سی چادر بچھی ہوئی تھی۔ الماری میں اس کے کچھ جوڑی کپڑے تھے۔ پانچ قمیصیں تھیں ایک شیلف پر دو جوتوں خالی ہینگر لٹکے ہوئے تھے اور اُن کے نیچے ایک درجن جوتے جرگز اور سلیپر نظر آ رہے تھے۔

تب ہی برابر والے کمرے سے لمبی لمبی آوازیں آنے لگیں۔

"سرر آرخ۔ ہنک۔ سرر آرخ۔ ہنک۔"

اوشان خراٹے لے رہا تھا۔

ٹائیگر کو نیند کی کوئی خواہش نہ تھی لہٰذا وہ دروازے کی طرف پلٹا اور گھر سے نکل گیا۔ ایک سپر اسٹور میں پہنچ کر اس نے کاؤنٹر پر موجود خاتون سے پوچھا کہ کیا کریڈٹ کارڈ یہاں لیا جاتا ہے اور جب اس خاتون نے اثبات میں سر کو جنبش دی وہ کرسمس ڈیکوریشن شیلف کی طرف بڑھ گیا۔ یہاں بہت سے بلب رکھے ہوئے تھے، متعلقہ تاروں کے پیکٹ تھے اور ایسا بہت سا سامان تھا جو کرسمس کے تہواروں میں دیکھتا رہا تھا۔ شیلف بھرا ہوا تھا۔ اسے ہر چیز اچھی لگی لہٰذا اس نے بھرا شیلف خریدنے کا فیصلہ کر لیا۔ اب مسئلہ یہ تھا کہ اتنی بہت سی چیزیں کس طرح لے جائی جائیں۔ اس نے غوری فیصلہ کیا، شیلف کے دونوں طرف ہاتھ رکھے، اوپر کی طرف ہلکا سا زور لگایا تو شیلف فرش سے اکھڑ گیا۔ وہ شیلف سمیت کاؤنٹر پر پہنچ گیا۔

"اوہ گاڈ" سیلز گرل بوکھلا اٹھی۔

"سارے سامان کا اندراج میرے کارڈ پر کر دو" ٹائیگر نے بلا شک کارڈ کاؤنٹر پر رکھتے ہوئے کہا۔ کارڈ جیب سے نکالنے کے لیے اُسے شیلف کو ایک ہاتھ اور ایک گھٹنے پر سنبھالنا پڑا تھا۔

"مگر تم نے تو شیلف ہی توڑ ڈالا" لڑکی بہت ہراساں تھی۔

"اس کی قیمت بھی وصول کر لو" ٹائیگر نے جواب دیا۔ چند لمحوں بعد وہ شیلف اپنی بیرک کار کے بڈ پر رکھ کر ڈکی کھول رہا تھا پھر جب اُس نے شیلف کو ڈکی میں رکھا تو درجنوں چیزیں ایک دوسرے سے ٹکرائیں۔ اُس نے کچھ سوچا، شیلف ابھی آدھا باہر تھا اس طرح گاڑی چلانے میں چالان کا خطرہ تھا لہٰذا اس نے شیلف ڈکی میں خالی کر کے اسے کوڑے گھر میں اچھال دیا، ڈکی کو بند کیا اور پھر گاڑی میں بیٹھ گیا۔۔۔ دوسری بار وہ ایک ایسے علاقے میں رُکا جہاں کرسمس بازار لگا ہوا تھا۔ ایک میدان میں کرسمس ٹری فروخت ہو رہے تھے یہاں بیشمار درخت تھے پہلا اتنا اُونچا تھا کہ اس کے کمرے کی چھت سے ٹکل جاتا دوسرا سوکھا ہوا صنوبر نما درخت تھا پھر اس کی نظر ایک ایسے درخت پر پڑی جو زمین ہی میں جھوٹا تھا۔ ٹائیگر کو ہی پسند آگیا اس کے ہاتھ تیزی سے حرکت میں آئے اس نے کسی مشاق مالی کی طرح درخت کو جڑ سمیت اکھاڑ لیا اور دو ہی چند مٹھیاں بکھیر کر گاڑی کی طرف آ گیا۔ اس نے لکھا تھا "بل میرے گھر بھیج دینا" لیکن اس درخواست پر نام پتا نہ تھا۔ گاڑی میں درخت رکھنے کی کوشش ناکام ہو گئی تو اس پر مایوسی طاری ہونے لگی وہ درخت کو گنے کی طرح دو حصوں میں توڑ کر گاڑی میں بھر سکتا تھا لیکن اس طرح درخت کا تنہ ضائع ہونے کا امکان تھا لہٰذا اس نے درخت وہیں چھوڑ دیا اور گاڑی آگے بڑھا دی۔

یہاں سے وہ گھاٹ کورس پہنچا جو اس کے اپنے مکان کے عقب میں دُور تک پھیلا ہوا تھا۔ وہ درختوں کے جھنڈ میں سے گزرتا ہوا ایک نو عمر درخت تک آیا۔ یہ درخت اسے اچانک ہی بہت دلکش لگنے لگا۔ لہٰذا وہ وہیں بیٹھ گیا۔ جڑیں محسوس کرنے کے لیے اس نے ہاتھ پھیرا جونہی اس کا ہاتھ جڑوں کے سب سے کمزور جوڑ پر پہنچا تو اس نے سر ہلا کر کھدائی شروع کر دی۔ کچھ ہی دیر بعد چھوٹا سا درخت اپنی جڑوں سمیت زمین چھوڑ چکا تھا۔ ٹائیگر اُسے کندھے پر رکھ کر عقبی دروازے سے مکان میں داخل ہوا۔ اُسے کمرے تک لانے میں اس نے بڑی احتیاط کی تھی لہٰذا درخت کے صرف تین پتے ہی فرش

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

پر گرکے چند منٹ بعد وہ درخت کو کمرے کے ایک کونے میں رکھ کر شیخی انداز میں سر ہلا رہا تھا۔ کمال کی بات یہ تھی کہ مٹی کے بغیر بھی درخت اپنے قدرتی انداز میں کھڑا ہوا تھا۔ کچھ دیر بعد ٹائیگر نے گاڑی سے سامان نکال کر درخت کو سجانا شروع کر دیا۔ دو گھنٹے بعد اس کے چہرے پر مسکراہٹ ناچنے لگی۔ چہرہ کھل اٹھا۔ وہ کرسمس کا ایک مقبول گیت گنگنانے کے موڈ میں تھا لیکن اُسے اس کی مہلت ہی نہیں مل سکی۔ بیڈ روم کے باہر سے خراٹوں کی آواز یک دم بند ہو گئی اور پھر ٹائیگر کے حساس کانوں کو ریشم کی سرسراہٹ سنائی دی اس کے بعد اسے سلیپروں کی آواز آئی۔ وہ سمجھ گیا کہ اب کیا ہونے والا ہے اور پھر وہی ہوا جس کا اُسے امکان بلکہ خدشہ تھا۔

سناٹجو کا ماسٹر عظیم اوشان اس کے کمرے میں جھانک رہا تھا۔ اس کی تیز نگاہیں اپنے خُنہ لمبے بیٹے کی پشت پر جم گئیں اور ان آنکھوں میں صرف ایک لمحہ کے لیے بڑی چمک دکھائی دی تھی۔ اُسے خوشی بھی کہ ٹائیگر واپس گھر آ چکا تھا مگر آنکھوں کی چمک ٹائیگر کو مصروف دیکھ کر معدوم ہوتی چلی گئی۔

"ہوہ!" اوشان نے عجیب سے لہجے میں کہا۔ "کیا اب باغبان بننے کا ارادہ ہے شہزاد؟" اس نے پوچھا۔

"اسے کرسمس ٹری کہتے ہیں بابل فادر۔" ٹائیگر نے پلٹے بغیر جواب دیا۔

"یہ یہاں کیا کر رہا ہے؟" بوڑھے اوشان نے پوچھا جس کی آنکھوں میں نوجوانوں سے زیادہ چمک تھی۔

ٹائیگر درخت کی ٹہنیوں پر سجے ہوئے بلب دیکھنے لگا "درخت گھروں سے باہر لگانے کے لیے ہوتے ہیں۔" اوشان نے گمبھیر لہجے میں کہا۔

"مگر یہ کرسمس ٹری ہے۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ "اور کرسمس ٹری گھروں کے اندر لگائے جاتے ہیں۔ اگر آپ کرسمس ٹری سجانے میں میری مدد نہیں کرنا چاہتے تو کوئی بات نہیں لیکن پلیز... اعتراض مت کیجیے! میں نے زندگی میں پہلی بار کرسمس ٹری کا اہتمام کیا ہے۔ مجھے اسے سجانے میں بہت لطف بھی آ رہا ہے مسٹر فادر۔"

"یہ درخت مجھے اس ننھے سے درخت کی یاد دلا رہا ہے

مشہور مصنف اظہر کلیم کے
مقبول سلسلے
کتابی شکل میں شائع ہو گئے ہیں

سرحد کے ایک جیالے نوجوان
شہباز منگولی کی ایک خونریز داستان

شہباز

دو حصوں میں مکمل سیٹ -/120 روپے

جان کی بازی لگانے والے ایک
نوجوان کی لہو رنگ داستان

سرفروش

دو حصوں میں مکمل سیٹ -/120 روپے

ناشر
مکتبہ القریش، سرکلر روڈ
اُردو بازار، لاہور 2

جو میرے گاؤں کی ایک وادی کے کونے میں نظر آیا تھا۔"

"مگر یہ ٹائیگر سر ہلانے لگا۔" مجھے خوشی ہے کہ آپ کو اس درخت میں کوئی مثبت پہلو نظر آیا ہے۔"

"مگر تم نے درخت پر بڑا ظلم کیا ہے شہزاد! محض ایک لمحے کی خوشی کی خاطر اسے جڑوں سے محروم کر دیا۔"

"میں اسے اس کی جڑوں سمیت لایا ہوں فادر۔"

"تو تم نے اس پر کچھ زیادہ ہی ظلم کر ڈالا۔" اوشان کا لہجہ بڑا عجیب سا تھا۔ "جڑیں اپنی زمین کھو دیں تو بے کار ہو جاتی ہیں۔"

"آپ میں میخ نکالتے رہیں مجھے کوئی اعتراض نہیں کیونکہ اس طرح آپ خود کو ملنے والے تحفوں سے محروم کر رہے ہیں۔"

"تحفے؟" اوشان نے بڑی حیرت سے پوچھا۔ "وہ بھی میرے لیے؟"

"جی ہاں! ان درختوں کی یہی روایت ہے۔ میں ان کی ٹہنیوں میں آپ کے لیے تحفے رکھوں گا جبکہ آپ میرے لیے تحائف رکھیں گے۔" ٹائیگر نے زیرِ لب مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہوں!" اوشان نے مخصوص انداز میں ہنکارا بھرتے ہوئے ٹہنیوں کی طرف دیکھا جہاں فی الوقت کوئی تحفہ موجود نہیں تھا۔ "اور ایسا کب ہو گا میرے بچے؟"

"کرسمس کے موقع پر۔ اتوار کی شب۔"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ تم وہ تحفے خرید چکے ہو؟" اوشان کے لہجے میں اس بار بڑی مسرت تھی۔

"نہیں... ابھی تو نہیں خریدے۔"

"خیر، کوئی بات نہیں۔ ابھی بڑا وقت پڑا ہے۔" یہ کہتے ہوئے سناٹجو کے عظیم ماسٹر نے ٹائیگر کو بغور دیکھا جو اس وقت کرسمس ٹری میں پوری طرح کھویا ہوا تھا۔ "ماضی میں تو تم نے کبھی کرسمس سے دلچسپی کا اظہار نہیں کیا تھا شہزاد؟"

"ماضی میں مجھے کبھی سانتا کلاز کو قتل کرنے کی ضرورت بھی محسوس نہیں ہوئی تھی۔"

"ہا!" اوشان نے سر جھٹک کر کہا۔ "آخر ہم منلے کی گہرائی تک پہنچ ہی گئے۔"

ٹائیگر نے کوئی جواب دینے کے بجائے ڈبے سے مگرمچھ کی شکل کا ایک بلب نکال کر ایک ٹہنی میں لگا دیا۔ اس بلب میں نقرئی گھنٹیاں بھی لگی ہوئی تھیں۔

"کیا تمہارا مشن کامیاب رہا؟" اوشان نے اس بار بڑی سنجیدگی سے پوچھا تھا۔

"اگر آپ یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ اس شخص کا کیا انجام ہوا تو جواب آپ سن لیں کہ وہ مر چکا ہے۔" ٹائیگر نے درخت کی ایک ٹہنی کو جھکا کر چھوڑتے ہوئے جواب دیا۔ کمرے میں نقرئی گھنٹیاں بج اٹھیں اور اس وقت تک آواز گونجتی رہی جب تک ٹہنی کی تھرتھراہٹ ختم نہ ہو گئی۔

"تمہارے لہجے سے ایسا لگ رہا ہے جیسے تم بچوں کے قاتل کی موت سے خوش نہیں ہو میرے بچے۔"

"قاتل خود بھی ایک بچہ ہی تھا لٹل فادر!"

"نہیں۔" اوشان مضطرب ہو کر بولا۔ "تم کسی بچے کو قتل نہیں کر سکتے۔ بچوں کو قتل کرنا میرے ان اصولوں کے خلاف ہے جو میں نے تمہیں سکھائے ہیں۔ بچے بہت مقدس ہوتے ہیں۔ کہو کہ تم نے بچے کو قتل نہیں کیا ہے شہزاد۔"

"اس کی دماغی عمر کسی بچے ہی کی تھی... لیکن جسمانی عمر کے اعتبار سے وہ مرد تھا۔"

"اوہ۔" اوشان کا چہرہ پُرسکون ہوتا چلا گیا۔ "دماغی عمر کم ہونے کا مسئلہ بھی جدید تہذیب کا تحفہ ہے۔ میرا خیال ہے کہ سروں میں موجود آلودگی سے دماغ کے ننھے پرزے بے جان ہو جاتے ہیں اور ذہن کی نشوونما نہیں ہو پاتی۔"

"اسے قتل کر کے مجھے صدمہ ضرور ہوا ہے فادر۔" ٹائیگر عجیب سے لہجے میں بولا۔

"تمہارا کام ہی شہنشاہ معظم کے دشمنوں کو ختم کرنا ہے میرے بچے اور تمہارا فن یہ ہے کہ ہر دشمن کو پیشہ ورانہ انداز اور نفرت محسوس کیے بغیر ختم کر دو۔"

"میرا انداز پیشہ ورانہ ہی تھا۔ اسے کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔"

"مگر تمہیں تو ہوئی۔" اوشان نے فوراً کہا۔ ٹائیگر نے فوراً جواب دینے کے بجائے چاندی جیسی رنگت والے بلب ایک طرف رکھے اور چٹائی پر بیٹھ گیا پھر اس نے ماسٹر کو سب کچھ بتا دیا پوری کہانی سنانے کے بعد اس نے بڑے عجیب سے انداز میں عظیم اوشان سے پوچھا۔ "کیا میں نے درست کیا فادر؟"

"اگر کوئی شیر آدم خور بن جانے تو پھر اُسے تباہ کرنا ہی ضروری ہوتا ہے میرے بچے۔" اوشان نے بہت محتاط انداز میں جواب دیا۔

"آدم خور شیر کو یہ علم تو ہوتا ہے کہ وہ کیا کر رہا ہے مگر اس شخص کو تو اپنے کرتوت تک کا علم نہیں تھا۔"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"اصول کے مطابق... اگر شیر کا بچہ کسی انسان کے بچے کو زخمی کر دے تو شیر کے بچے کو بھی سزا ملنی چاہیئے۔ خواہ شیر کے بچے کو اپنے جرم کا علم ہو یا نہ ہو... اگر شیر کے اس بچے کو سزا نہ دی جائے تو وہ جوان ہونے سے پہلے ہی آدم خور بن جائے گا۔ یہی اصول وہ ہے جس کے تحت تم نے اس شخص کو قتل کیا ہے۔ جس کی ذہنی عمر بچوں کے برابر تھی۔ اس نے معصوم گلابوں کو کچلا۔ تمہیں پتا ہے کہ بچے گلاب کی مانند ہوتے ہیں جو سے انسان کا مستقبل وابستہ ہے اس نے انسان کے مستقبل کو قتل کیا... تم نے اسے قتل کیا کیونکہ تم انسان کے مستقبل کے محافظ ہو... اگر تم اسے قتل نہ کرتے تو گلاب مرتے رہتے۔ میری رائے میں تم نے اس پر بھی احسان کیا ہے کہ اسے اس زندگی سے نجات دلا دی۔ اب وہ کسی بہتر شکل میں پیدا ہوگا اور۔۔"

"آپ تو مشری رجنیش کی طرح گفتگو کر رہے ہیں فادر۔" ٹائیگر اچانک ہی ہنس پڑا۔ اوشان سے اتنی سنسی گفتگو کے بعد ہی وہ خود کو ہلکا پھلکا محسوس کرنے لگا تھا۔

"مشری رجنیش اگر کوئی اچھا آدمی ہے تو میں اسے خراج تحسین سمجھ کر قبول کر لوں گا شہزاد!"

"وہ برا آدمی ہے بہت برا۔"

"تب پھر تم میری توہین کر رہے ہو۔" اوشان غصے سے تلملا کر بولا۔ اس جرم کی سزا یہ ہے کہ تمہیں تمہارے حال پر چھوڑ دیا جائے تاکہ تم اس شخص کے قتل کو اپنے ضمیر پر بوجھ سمجھ کر گھٹتے رہو۔" یہ کہتے ہوئے سنا نجو کا ماسٹر۔ شمشیر سنا نجو کا وارث۔۔ دنیا کا عظیم ترین فنکار۔۔ ہوا کے کسی جھونکے کی طرح کمرے سے نکل گیا... مگر دروازہ اتنی زور سے بند ہوا کہ کمرے کی دیواریں تک لرز اٹھیں۔ ٹائیگر کندھے اچکا کر درخت کی طرف پلٹ گیا۔ تب ہی فون کی گھنٹی بج اٹھی اور ٹائیگر ٹیلیفون ریسیو کرنے کے لیے منہ بناتا ہوا اس طرف بڑھ گیا۔

"مجھے تم سے ملنا ہے ٹائیگر۔" ڈاکٹر بہرام کی آواز سنائی دی۔

"کیا آپ مشن کے بارے میں مختصر رپورٹ بھی ٹیلیفون پر سننا پسند نہیں کریں گے جناب۔" ٹائیگر نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں، میں جانتا ہوں کہ اگر مشن ناکام رہتا تو تم بڑی مسرت سے مجھے فون کر کے ناکامی کی اطلاع دے چکے ہوتے۔"

"تب پھر اب کیا مسئلہ ہے؟ کیا ان عورتوں کو خطرہ ہے جن کے چہروں پر ان گنت بھنورے تل ہوتے ہیں اور۔۔"

"تم سے بہت اہم بات کرنی ہے۔" بہرام نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ "تم فوراً چارہ گر پہنچو۔"

"میں اور اوشان ٹھیک نصف گھنٹے بعد وہاں پہنچ جائیں گے سونیٹ ہاؤس۔"

"نہیں تم اکیلے آؤ گے۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ ماسٹر تمہارے ساتھ ہو۔"

اسی لمحے اوشان کے بیڈ روم کا دروازہ کھلا۔ اوشان نمودار ہوا۔ اس کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا۔

"اوہ کیا وہ تمہارے کمرے میں ہے۔" دروازہ کھلنے کی آواز شاید بہرام نے سن لی تھی۔

"یس چیف۔ اگر آپ اس سے کچھ کہنا چاہتے ہیں؟"

"بات یہ ہے کہ معاہدہ کی توثیق کے لیے مذاکرات کا وقت آنے والا ہے لیکن میں فی الوقت ایسے مذاکرات کے حق میں نہیں ہوں۔"

"مذاکرات کبھی قبل از وقت نہیں کہلائے جاتے۔" اوشان نے غالباً بہرام کی بات سن لی تھی اور اب اپنی بات اتنی زور سے کہی تھی کہ وہ بہرام تک پہنچ گئی تھی۔

"کیا تم اسپیکر فون کا استعمال کرنے لگے ہو ٹائیگر؟" بہرام نے گھبرا کر پوچھا۔

"نہیں، لیکن آپ کو علم ہے کہ اگر کوئی بیرونِ عرب کے اس پار کھڑے ہو کر اوشان کے خلاف سرگوشی کرے تو اوشان تک اس کی آواز پہنچ جاتی ہے سونیٹ ہارٹ۔"

"تم ٹھیک نصف گھنٹے بعد مجھ سے ملو گے ٹائیگر۔" بہرام نے ریسیور رکھ دیا۔

"یہ شخص روز بروز مشکل سے مشکل تر بنتا جا رہا ہے۔" شہزاد کا اوشان نے شکوہ بھرے انداز میں کہا۔

"اس سال آپ بہرام سے معاہدے میں کیا حاصل کرنا چاہتے ہیں فادر؟" ٹائیگر نے ریسیور رکھتے ہوئے پوچھا۔ "مینار فردوس۔ ڈزنی لینڈ یا؟"

"ڈزنی لینڈ کے بارے میں مذاکرات تو وہیں ختم ہو گئے تھے۔" اوشان نے امریکہ کا نام لینے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔

"نہیں، مگر کیوں؟" ٹائیگر سراپا حیرت بن گیا۔

"بہرام کا دعویٰ ہے کہ ڈزنی لینڈ کے موجودہ مالکان نے اسے فروخت کرنے سے انکار کر دیا ہے۔" اوشان کا لہجہ تلخ تھا۔ "ویسے میرا خیال ہے کہ میں اس مسئلے کو دوبارہ اٹھاؤں گا کیونکہ میں برسوں سے تمہارے ہر مشن میں تمہارے ساتھ

رہتا ہوں اور مجھے اس کا انتہائی قلیل معاوضہ ملتا ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ آپ نے ایک بار کہا تھا کہ ہم ہر اعتبار سے مساوی شراکت دار ہیں۔"

"درست، لیکن مساوات کا یہ سنہری اصول میرے اور تمہارے درمیان نہیں ہے شہزادہ۔ جہاں تک معاہدے کا تعلق ہے اس میں مجھے ماسٹر اور تمہیں شاگرد لکھا گیا ہے۔ میں بہرام کو کئی مرتبہ بتا چکا ہوں کہ میرا معاوضہ ماسٹر کا ہونا چاہیئے اور تمہارا شاگرد کا... لیکن بہرام انتہائی کوڑھ مغز شخص ہے۔ اس کی عقل میں یہ بات سمائی تک نہیں۔"

"شاید اسی وجہ سے آپ میرے ساتھ روشن باد نہیں گئے۔"

"شاید۔" اوشان نے سر ہلا کر جواب دیا۔ "ہاں اگر تم ناکام ہو جاتے تو شاید میرا موقف زیادہ وزنی اختیار کر لیتا لیکن تم کامیاب رہے... میں تمہیں مورد الزام نہیں ٹھہرا سکتا میں نے تمہیں تربیت ہی ایسی دی ہے کہ تم ناکام نہیں ہو سکتے۔"

"ایسی تربیت کا شکریہ فضل فادر... لیکن میرا خیال ہے کہ میں بری طرح ناکام رہا ہوں۔"

"کیا میں تمہارا یہ جملہ بہرام کے سامنے دہرا سکتا ہوں شہزاد؟" اوشان نے چبھتی ہوئی آنکھوں سے اسے گھورا۔

"آپ کی جیسی مرضی ہو ویسا ہی کریں۔ میں تو اب چلا۔" یہ کہہ کر ٹائیگر کمرے سے نکلا۔ وہ اکیلا بہرحال نہ تھا۔ اوشان اس کے ساتھ تھا۔ "میں تمہارے ساتھ چل رہا ہوں۔" ماسٹر نے کہا۔

"شاید بہرام تمہیں اس بار ایسا کوئی مشن سونپ دے کہ تم تنہا کامیابی حاصل نہ کر سکو اور مجھے تمہارے ساتھ جانے پر مجبور ہونا پڑے لیکن اس بار میں بھرپور معاوضہ لیے بغیر کہیں بھی جانے کی حامی نہیں بھروں گا۔"

***

بلاول خان شالان کوٹ پولیس اسٹیشن سے بہت خاموشی کے عالم میں روانہ ہوا۔ اس کے ساتھ رانا اور روشو کمپنیز کے تین وکلاء کے علاوہ جیرو بھی تھا۔ زینے پر پہنچ کر جیرو نے آہستہ سے کہا۔ "حکام اب زیادہ گڑبڑ نہیں کریں گے۔ انہوں نے مجھے یقین دلایا ہے۔"

"مگر تم نے مجھے بات کیوں نہیں کرنے دی۔ میں انہیں سب کچھ بتا دینا چاہتا تھا۔"

"اس کی ضرورت ہی نہیں تھی۔" جیرو نے مسکرا کر بلاول خان کو جواب دیا۔ "صورتِ حال اب پوری طرح ہمارے قابو میں ہے۔ پولیس نے بھی مظاہرین کے خلاف رپورٹ لکھی ہے۔"

"میں بھی تو اس ہنگامے کا اتنا ہی ذمہ دار ہوں جتنے دوسرے ہیں اور ہاں تم نے اپنے فرنٹروں کو گولی چلانے کا حکم کیا سوچ کر دیا تھا جیرو! تم خود کو کیا سمجھتے ہو؟"

"تمہاری زندگی خطرے میں تھی۔"

"بکو مت۔ میں دائیں بائیں ہر طرف سے حملوں کو روک رہا تھا اور۔۔"

"تمہیں بچانے کے لیے کارروائی بہت ضروری تھی بلو۔ اور میں یہ بھی چاہتا تھا کہ مظاہرین کو ایک سبق مل جائے تاکہ وہ آئندہ اس قسم کی کوئی حرکت نہ کریں۔"

"انہیں مظاہرہ کرنے کا حق حاصل ہے۔ یہ فردوس ہے جیرو! جہاں ہر شخص کو آزادی حاصل ہے۔"

"یہ مت بھولو کہ فلم فردوسی پروڈکشن نہیں... بھرتی پروڈکشن ہے بلاول خان۔ ہم اپنے کام کے سلسلے میں کسی قسم کا منفی پروپیگنڈہ نہیں چاہتے۔"

"منفی پروپیگنڈہ! تم کہنا کیا چاہتے ہو جیرو؟ وہاں چار افراد مارے گئے۔ کیا یہ خبر اخبارات میں نہیں آئے گی؟"

"پولیس کا کہنا ہے کہ وہ ملزموں کو فلم کی تکمیل تک زیرِ حراست رکھے گی۔" جیرو نے جواب دیا۔

"تم اس قسم کے واقعہ کو چھپا نہیں سکو گے۔"

"ہمیں چھپانے کی کوئی ضرورت بھی نہیں ہے۔ ہم نے صرف دو ہفتے کی مہلت مانگی ہے۔"

"دو ہفتے! یہ تو شوٹنگ شیڈول بھی ہے۔" بلاول کو پھر غصہ آ گیا۔ "مگر اس دوران... اتنی کم مدت میں فلم کیسے مکمل ہو سکے گی؟"

"ہم آؤٹ ڈور شوٹنگ پہلے کریں گے۔" جیرو نے وضاحت کی۔ "پروڈکشن کو تو یونٹوں میں تقسیم کر کے مسلسل شوٹنگ کریں گے۔ اس طرح شوٹنگ مقررہ مدت سے پہلے ہی مکمل ہو جائے گی۔ ٹھیک ہے نا۔ اب چلو۔"

"کہاں؟" بلاول نے پوچھا صورتِ حال یہ تھی کہ اسے غصہ بھی آ رہا تھا اور بے بسی بھی محسوس ہو رہی تھی۔

"ایک اور مسئلہ بھی درپیش ہے۔ پلیز۔ چلو۔" جیرو نے کہا۔ وہ اپنے ساتھیوں کو لے کر رانا گروپ کی ویگن میں بیٹھ گیا جب کہ بلاول موٹر سائیکل اسٹارٹ کر کے سوچنے لگا کہ یہ سب کچھ غلط ہو رہا ہے۔ اس میں کوئی گڑبڑ ہے... مگر کہاں؟ اسی لمحے وہ چیخ اٹھے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

بڑھی تو اس نے سر جھٹک کر موٹر سائیکل ویگن کے پیچھے ڈال دی۔

اب وہ شہر کے مرکزی حصے کی طرف جا رہے تھے پھر مرکزی حصے سے ایک ویران شاہراہ پر نکل گئے۔ ان کا رُخ شہر سے باہر کی سمت میں تھا۔ کچھ ہی دیر بعد کتھئی رنگ کے پہاڑ نظر آنے لگے۔ راستے کے دونوں طرف سنہری نفیس لہلہا رہے تھے اور دُور آسمان پر ایک طیارہ کسی برقی رفتار پرندے کی طرح نمودار ہو کر اوجھل ہو گیا۔ مزید سفر کے بعد فصلوں کی جگہ صحرائی جھاڑیوں اور ریتلے ٹیلوں نے لے لی۔ اس کے بعد پختہ سڑک بھی ختم ہو گئی مگر سفر جاری رہا۔ ویگن اب ٹیلوں کے اردگرد سے گزر رہی تھی۔

بلاول خان سوچنے لگا کہ یہ لوگ آخر کہاں جا رہے ہیں۔ کچھ ہی دیر بعد اسے ایک ایسی باڈ نظر آئی جو فولادی زنجیروں سے بنائی گئی تھی اور اس کی حفاظت اسی رانا گروپ کے آدمی کر رہے تھے جس کا دوسرا نام دشو گروپ تھا۔ بلاول کو یہ سمجھنے میں دشواری نہیں ہوئی کہ یہ لوکیشن جس کیمپ ہے لیکن سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ کیمپ صحرا میں کیوں؟

وہ احاطے میں داخل ہو کر جیپوں کے ساتھ رُک گئی۔

"یہ سب کیا ہے جیرو؟" بلاول خان نے موٹر سائیکل اسٹینڈ پر کھڑی کرتے ہوئے پوچھا۔

"فلم کے لیے یہ کیمپ۔" جیرو نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔

"بکواس مت کرو۔ اسکرپٹ میں!"

"ہم صحرا ہی میں فلمبندی کریں گے بوبی۔" جیرو نے مسکرا کر کہا۔

"پاگل ہو۔" بلاول نے اس بار بڑی سنجیدگی سے جیرو سے پوچھا۔ "کیسے شوٹنگ کرو گے؟ کیا ریت پر سپیدہ رنگ کر کے اسے برف کی شکل کا بنا دو گے؟ مصنوعی مصنوعی انداز پسند نہیں کرتا۔ آؤٹ ڈور شوٹنگ قدرتی ماحول میں ہونی چاہیئے۔ میری فلموں میں مصنوعی پن نہیں ہوتا۔ سمجھے؟"

"ہالی ووڈ کی فلم بندی تو صحرا میں ہی ہوئی۔"

"ایک منٹ۔" بلاول خان نے دونوں ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "مجھے ذرا اسکرپٹ دکھاؤ۔"

"اسکرپٹ؟" جیرو نے بڑی حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ "اسکرپٹ تو گزشتہ روز ہی بھیج دیا گیا تھا کیا تمہیں نہیں ملا؟"

"میرے ایجنٹ کو ملا تھا مجھے نہیں۔"

"ابھی لایا۔" جیرو یہ کہہ کر ریکارڈنگ وہیکل کی طرف بڑھ گیا اور اسکرپٹ کاپی لے آیا جو بلاول خان نے اس کے ہاتھ سے جھپٹ لی۔ اسکرپٹ کور ہی عجیب سا تھا۔ اس پر ایک کھوپڑی بنی ہوئی تھی جس پر بیٹھے کی جگہ "سرخ کرسمس" لکھا ہوا تھا۔

"سرخ کرسمس؟" بلاول خان غرا کر بولا۔ "میں نے فلم کا نام کرسمس کی روح رکھا تھا جیرو۔"

"نظر ثانی کے دوران ٹائیٹل بھی بدل دیا گیا ہے۔" جیرو نے بڑے اطمینان کے ساتھ جواب دیا۔ بلاول ورق اُلٹتا رہا ایک صفحے پر اُسے اپنے مکالمے نظر آ ہی گئے۔ پہلی ہی سطر کیمونسٹوں کے خلاف تھی۔ "جیرو یہ میرا اسکرپٹ نہیں ہے۔" اس نے تلملا کر کہا۔ "میں نے سیاست پر فلم نہیں بنائی۔"

"اسکرپٹ وہی ہے۔ ہم نے اس پر نظر ثانی ضرور کی ہے لیکن اس دوران یہ خیال ضرور رکھا گیا ہے کہ کرداروں کے نام نہ بدل جائیں۔ بعض چھوٹی موٹی چیزیں مثلاً مرکزی خیال وغیرہ بدل دیا گیا ہے۔"

"لیکن اس فلم کے نوعمر ہیرو جونی کا کردار کہاں ہے۔ بپھرے برفانی طوفان سے بچانے والے شمروز خان کا کردار کہاں ہے؟ جونی اور شمروز کا کردار تو مجھے ایک سطر میں بھی نظر نہیں آ رہا ہے۔"

"اوہ۔ جونی اور شمروز خان۔" جیرو نے پرسکون لہجے میں کہا۔ "یہ دونوں کردار صفحہ آٹھ پر مر چکے ہیں۔"

"مر گئے؟" بلاول ہونق سا ہو گیا۔ "یہ صفحہ آٹھ پر کیسے مر گئے انہیں تو آخری شاٹ تک رہنا تھا۔ یوں پوری فلم اتنی کے گرد گھومتی ہے اور... اور یہ کیا ہے؟" بلاول نے ایک صفحہ پر انگلی رکھ کر کہا۔ "ٹینکوں کی جنگ! کرسمس کی فلم میں ٹینکوں کی جنگ کا کیا تعلق؟"

"یہی تو اصل چیز ہے بوبی۔" جیرو نے قہقہہ مار کر ہنستے ہوئے جواب دیا۔ "ٹینکوں کی جنگ کے دوران ہی جونی مادرِ وطن کا دفاع کرتے ہوئے جاں بحق ہوتا ہے۔"

"جونی کی عمر صرف چھ سال ہے۔ وہ ٹینکوں کی جنگ میں کیسے حصہ لے سکتا ہے۔" بلاول نے دہاڑ کر کہا۔ اسے بے حد غصہ آ رہا تھا۔

"نظر ثانی کے دوران اس کی عمر بڑھا کر اکتیس سال کر دی گئی ہے۔ وہ چینی فوجوں سے جنگ کرتے ہوئے مارا جاتا ہے۔"

"میرے اسکرپٹ میں چینی حملے کا کوئی ذکر تک نہیں تھا جیرو۔"

"ہم نے کہانی بہت جاندار بنا دی ہے۔ پوری فلم جنگ و جدل سے بھرپور ہو گئی اور ریکارڈ توڑ بزنس کرے گی بوبی۔"

بلاول خان اسکرپٹ پڑھتا رہا اس کا چہرہ غصے سے سُرخ ہو گیا۔ اسکرپٹ میں جگہ جگہ غیر ملکی فوجی حملے، لڑائی بھڑائی اور فضائی حملوں کا تذکرہ تھا۔ "تم احمق ہو جیرو۔" اس نے غصیلے لہجے میں کہا۔ "ایسی ہی فلم بنانی ہے تو اس کا نام درندہ پارٹ تھری رکھ دو۔"

"رانا گروپ آف دشو کمپنی درندہ کے نام سے کوئی فلم بنانا نہیں چاہتا۔ اسی لیے اس فلم میں تمہارا گیٹ اپ بھی فلم درندہ والے گیٹ اپ سے مختلف ہو گا بوبی۔"

"یہ میرا اور دوسرا نہیں ہے کیونکہ میرا ایسے اسکرپٹ کے مطابق کام نہیں کر سکتا جیرو۔" بلاول نے اسکرپٹ کو لہراتے ہوئے جواب دیا۔ "اگر میں درندہ پارٹ تھری میں کام کرنا چاہتا تو بہت سے فلمساز کنٹریکٹ لے کر میرے گھر کے سامنے کھڑے ہوتے۔"

"تم نے کرسمس اسٹوری کے معاہدے پر دستخط کیے ہیں اور ہم کرسمس اسٹوری پر ہی فلم بنا رہے ہیں۔ تم مطمئن رہو۔" جیرو نے آنکھ مارتے ہوئے کہا۔

"نہیں دوست! تم کسی غلط فہمی میں مبتلا مت رہنا۔" بلاول نے سر جھٹک کر کہا۔

جیرو نے بلاول خان کو پہلی مرتبہ گھور کر اور غصے سے دیکھا۔ اس کا پیغام واضح تھا۔ بلاول سر ہلانے لگا۔ "ٹھیک ہے جیرو۔ ٹھیک ہے۔ میں ذرا جذبات میں آ گیا تھا لیکن تم خود ہی بتاؤ۔ کیا ہم اس اسکرپٹ پر متفق ہوئے تھے؟"

"تم نے ایک معاہدے پر دستخط کیے تھے بلاول خان۔" جیرو نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔ "اگر تمہیں معاہدے کی کسی شق پر اعتراض ہے تو وکیل سے بات کر لینا۔ آج تمہیں قبائلی سردار سے بات کرنی ہے۔ اسے مجبور کرنا کہ وہ ہمیں وادی میں فلمبندی کی اجازت دے دے۔"

"قبائلی سردار سے؟" بلاول خان حیرت زدہ رہ گیا۔

"سردار نے کہا ہے کہ اگر بلاول خان ذاتی طور پر درخواست کرے تو وہ اپنے علاقے میں فلم بندی کی اجازت دے سکتا ہے۔ اب ہم اسی سے ملنے کے لیے چلیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" بلاول خان نے ایک طویل سانس لے کر اثبات میں سر کو جنبش دی۔

"گڈ۔ مجھے خوشی ہے کہ تم تعاون کر رہے ہو بوبی۔" جیرو بہت دیر بعد مسکرایا۔ "شوٹنگ شیڈول پر عمل درآمد کے لیے تعاون ہی ضروری ہوتا ہے۔"

"پتا نہیں کہ میں اس چکر میں کیسے پھنس گیا۔" بلاول نے وین کی دیوار سے سر ٹکرا کر کہا۔ "تم جانتے ہو کہ میں نمبر ون سپر اسٹار ہوں۔"

"اور جلد ہی رانا گروپ بھی نمبر ون فلم کمپنی بن جائے گا۔" جیرو نے فوراً جواب دیا۔ "ہمارے ساتھ رہو گے تو تمہارا کیریئر کہیں سے کہیں جا پہنچے گا۔ فردوسی تو اب تمہارے آگے ماتھا ٹیکنے والے ہیں۔ تمہیں ہم انٹرنیشنل فلموں میں متعارف کرائیں گے۔ لیکن پہلے قبائلی سردار سے تو مل لیں۔"

"ٹھیک۔ چلو... لیکن اس کے بعد جونہی مجھے موقع ملا۔ میں فون کر کے اپنے ایجنٹ کو برطرف کر دوں گا جیرو۔"

ڈاکٹر بہرام کی رنگت وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مزید زرد ہو گئی تھی اور اس وقت وہ پہلے سے بھی زیادہ زرد اور بوڑھا نظر آ رہا تھا۔ اسے سنائچو کے ماسٹر سے خوف آ رہا تھا۔ ہر سال جب بھی معاہدہ کی توثیق کے لیے مذاکرات کا وقت آتا تھا تو بہرام کی یہی کیفیت ہو جاتی تھی۔

چارہ گر کی دوسری منزل پر جونہی لفٹ کے رُکنے کی

مشہور سلسلہ
سرکش
محمود احمد مودی کے ایڈونچرس قلم سے 12 حصوں میں شائع ہو گیا ہے
قیمت فی حصہ -/60 روپے
مکمل سیٹ -/720 روپے
ناشر
مکتبہ القریش
سرکلر روڈ، اردو بازار لاہور فون ۶۶۸۹۵۸

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

مانوس سی آواز سنائی دی... بہرام زیادہ بے چین ہوگیا... وہ کمرے میں بار بار ادھر ادھر اس طرح دیکھنے لگا جیسے چھپنے کی جگہ تلاش کر رہا ہو۔

پھر دروازہ کھلنے کے ساتھ ہی اس نے میز کے دونوں کونوں کو پوری قوت کے ساتھ پکڑ لیا۔ اس کی انگلیوں کے پورے سفید ہوگئے۔

"میں شہنشاہِ معظم کی خدمت میں حاضر ہوں۔ خدا ہمارے شہنشاہ کا اقبال اور بلند کرے۔" یہ اوشان کی آواز تھی اور اس وقت اوشان کے چہرے پر خلوص ہی خلوص تھا لہجے میں وفاداری کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ اس کے چہرے کی جھریاں زیادہ نمایاں ہوگئی تھیں اور وہ رکوع کی پوزیشن سے واپس آرہا تھا۔

"خوش آمدید ماسٹر اوشان۔" بہرام نے مشکل سے کہا اور پھر فوراً ہی ٹائیگر کی طرف دیکھا۔ "کیا حال ہے؟"

"بہت برا۔" ٹائیگر صوفے پر نیم دراز ہوگیا۔ بہرام کرسی پر بیٹھ گیا تو اوشان نے ایک بار پھر سر کو تعظیم دینے والے انداز میں خم کیا۔ "میرا خیال ہے کہ آپ اپنے اس نوکر کو ایک بار پھر کسی مشن پر بھیج رہے ہیں۔ شہنشاہ عالی مقام!" اوشان کا لہجہ اس بار سپاٹ بلکہ بے جان تھا۔

"درست۔" بہرام نے صرف اتنا ہی جواب دیا۔

"میں آپ کی دانش و فراست کا قائل پہلے تھا۔ اب اور زیادہ ہوگیا ہوں جناب عالی!" اوشان نے کہا۔ "اس ناکارہ شخص کو مصروف رکھنا ہی بہتر ہے۔ اگر آپ اس سے کام نہیں لیتے رہے تو یہ بالکل نکما ہوجائے گا اور بالکل اسی طرح احمق بن جائے گا جیسا مجھ سے ملاقات سے قبل تھا۔ آہ... آخر میں نے اس شخص کی تربیت کی ذمہ داری ہی کیوں لی۔ یہ ناشکرا ہے شہنشاہِ معظم!"

"اس بار اسے غیر معمولی مشن سونپا جارہا ہے۔" اوشان کی چھوٹی چھوٹی آنکھیں مزید سکڑ گئیں اور بہرام کا دل دھڑکنے لگا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ تھمیرس سانجو کا مالک اپنے مقصد کی گفتگو شروع کرنے کے لیے جواز تلاش کر رہا ہے۔ "آپ نے شہزاد کے تازہ ترین مشن کے بارے میں تو سن ہی لیا ہوگا۔ شاہ عالم!" اوشان نے کہا۔

"مجھے یقین ہے کہ یہ مشن کامیاب رہا ہوگا ماسٹر!"

"ہاں۔ میں سانتا کلاز کو قتل کر آیا ہوں۔" ٹائیگر نے نخوت بھرا لہجہ بنا کر کہا۔ اس کے لہجے میں پچھتاوا تھا۔

"یہی تمہارا مشن تھا ٹائیگر۔"

"اور جب میں اس مشن پر گیا تھا تو میں اس کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے کا ارادہ رکھتا تھا چیف! لیکن..."

"شہزاد!" اوشان نے ایک ہاتھ اٹھا کر اسے خاموش کیا۔ "کسی شہنشاہ کے دشمن کو قتل کرنے کا مطلب یہ نہیں کہ اس کی لاش بھی مسخ کردی جائے۔ موت تو ایک تحفہ ہے اور یہ تحفہ بہت نفاست سے دینا چاہیے۔"

"میں نے اس کے دل کی دھڑکن بند کردی تھی۔ اس سے زیادہ نفاست اور کیا ہوسکتی ہے۔ مجھے بس یوں لگا جیسے میں نے کسی کتے کو مار ڈالا ہو۔" ٹائیگر تلملا کر رہ گیا۔

"فرڈوس کے تمام دشمن کتے ہیں۔ انہیں کتے کی موت ہی مرنا چاہیے۔" اوشان نے منہ بنا کر اور بڑی حقارت کے ساتھ کہا۔

"نہیں میں غلط کہہ گیا۔ اس کی موت تو کتے کے پلے کی موت سے بھی بدتر تھی۔ سنو سوئیٹ ہارٹ! میں آئندہ عید بقر عید اور کرسمس کے تعطیلات میں کام نہیں کیا کروں گا۔"

"اس زبان دراز شخص کو اب کیا مشن سونپا جارہا ہے، جناب عالی! یہ آپ کی نئی سے ناجائز فائدہ اٹھا رہا ہے۔" اوشان نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"اگلے مشن میں کسی کو قتل کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوگی ماسٹر!" بہرام نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔

"اور یہ بہت بڑی بات ہوگی۔" ٹائیگر نے ہاتھ ملتے ہوئے جواب دیا۔ "میرے ہاتھوں میں کھجلی ہو رہی ہے چیف... میں کسی کی بوٹیاں کرنا چاہتا ہوں۔ کاش سانتا کلاز ہی اس قابل ہوتا کہ میں اس کی بوٹیاں کرسکتا مگر وہ تو بہت ہی بے ضرر نکلا۔"

"میرے اس ناکارہ شاگرد کی لن ترانیاں ناقابلِ معافی ہیں شہنشاہ عالی مقام! مگر مجھے یقین ہے کہ آپ اسے معاف کردیں گے۔ بات دراصل یہ ہے کہ کسی کی بوٹیاں کرنے کی خواہش اسے سال میں صرف ایک بار آج کل ہی کے دنوں میں ہوتی ہے۔" اوشان بہت شاطرانہ انداز میں اصل مقصد کی طرف آنے لگا تھا۔ بہرام کی سانس تک حلق میں اٹکنے لگی تھی۔ "عظیم بادشاہ!" اوشان نے سر جھکا کر کہا۔ "اب جبکہ شہزاد نے عالیہ مشن کی تکمیل میری مدد کے بغیر کرلی ہے تو میں یہ سمجھتا ہوں کہ مجھے ہر مشن میں اس کے ساتھ جانے

کی ضرورت نہیں ہے۔" یہ جملہ اس نے بہت سوچ سمجھ کر ادا کیا تھا۔

بہرام نے سکون کی سانس لی اور کرسی کی پشت گاہ سے ٹیک لگالی۔ "مجھے یہ سن کر بے حد خوشی ہوئی سانجو کے آقا!" بہرام کے لہجے میں حقیقی مسرت تھی۔ "گلاشن قدرے بے ڈھنگا ہے اور وہاں آپ کی موجودگی قدرے مشکلات بھی پیدا کردے گی۔"

اوشان کے پتلے پتلے ہونٹ بھنچ گئے اور وہ یہ سوچنے پر مجبور ہوگیا کہ کیا بہرام مذاکرات کو ناکام بنانے کے لیے کوئی منصوبہ تیار کرچکا ہے۔ کیا بہرام مذاکرات میں اپنی پوزیشن بہتر بنانے کے لیے شہزاد کے ساتھ اس کی موجودگی غیر ضروری قرار دے رہا ہے۔ اگر حقیقت یہی ہے کہ بہرام آئندہ کی کارروائیوں میں شہزاد کے ساتھ اس کی موجودگی کو ضروری نہیں سمجھتا تو کیا اس طرح سانجو کے لیے سالانہ نذرانے کی رقم میں کمی نہیں آجائے گی۔ اسے بہرحال یقین تھا کہ بہرام اس کو دھوکا دے رہا ہے۔ "آپ کی فراست بصیرت اور دانش کا کوئی جواب نہیں شہنشاہِ معظم!" اس نے سر خم کرکے کہا۔ "آپ کا مقصد یہی ہے کہ اگر شہزاد اپنے مشن میں ناکام ہوجائے تو مشن کی تکمیل کے لیے میں موجود رہوں۔"

"ان کی بات پر دھیان نہ دیں چیف۔" ٹائیگر فوراً بولا۔ "یہ آپ کو بے وقوف بنا رہے ہیں۔"

"میں اپنے گاؤں کی خاطر... اس کی بقا کے لیے مذاکرات کر رہا ہوں ناشکرے۔ اس گاؤں کی بقا کے لیے جو ایک روز تمہارا ہوگا۔" اوشان نے بھڑک کر کہا۔

"وہ گاؤں آپ ہی کو مبارک ہو لارڈ فادر۔"

"اتنی خود مرضی۔" اوشان دبکتے ہوئے انداز میں بولا۔

"پلیز... پلیز۔" بہرام گھبرا کر کھڑا ہوگیا۔ "ایک وقت میں ایک بات... میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں ماسٹر کہ آپ ٹائیگر کی ناکامی کی صورت میں اپنی خدمات کی پیشکش کر رہے ہیں۔"

"لیکن ان خدمات کا معاوضہ بھی مناسب ہونا چاہیے عالم پناہ۔" اوشان نے فوراً ہی شرط بھی عائد کردی۔

بہرام کا دل ڈوبنے لگا۔ وہ معاوضہ کی بات کرنا ہی نہیں چاہتا تھا لیکن اوشان اسے اسی طرف گھیر لایا تھا۔ اسی کو ہانکا لگانا کہتے ہیں۔ بہرام نے دل ہی دل میں سوچا۔ "ڈزنی لینڈ کے بارے میں، میں آپ کی کوئی مدد نہیں کرسکتا ماسٹر!" اس نے فوراً کہا۔ "اس کے سالکان نے اسے فروخت کرنے سے انکار کردیا ہے۔"

"شاطر کاروباری پہلے انکار ہی کرتے ہیں تاکہ قیمت میں اضافہ ہوسکے جنابِ عالی۔" اوشان نے کہا۔

"یہ ان کا تیسرا انکار تھا ماسٹر۔"

"اصل صورتِ حال یہ ہے کہ وہ آپ کی طرف سے بہت ہی بڑی پیشکش کی آس لگائے ہوئے ہیں۔ ویسے مینارِ فردوس نامی تفریح گاہ کے بارے میں کیا پیش رفت ہوئی۔ وہ بھی تو ڈزنی لینڈ ہی کی طرح ہے اور پھر عزیز و محبوب فردوس میں بھی واقع ہے۔"

"وہ بھی انکار کرچکے ہیں ماسٹر! دیکھیے میں نے آپ کے لیے ڈزنی لینڈ اور مینارِ فردوس میں داخلے کے تاحیات پاس حاصل کرلیے ہیں۔" بہرام نے ایک دراز کھولتے ہوئے کہا۔ اوشان کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا۔

"میرے لیے۔" وہ بہرام کی طرف بڑھ کر بولا۔

"جی ہاں، اور نیک نیتی کی علامت کے طور پر میں یہ ثابت کرنا چاہتا ہوں کہ اس سال کے مذاکرات ایک دوسرے پر اعتماد رکھتے ہوئے شروع کیے جاسکتے ہیں۔"

"منظور۔" اوشان نے پاس بہرام کے ہاتھ سے اس طرح جھپٹ لیے جیسے بہرام اپنا ارادہ بدلنے والا ہو۔

"بہت شاندار سوئیٹ ہارٹ۔" ٹائیگر مسکرانے لگا۔ "آپ اتنے برسوں بعد مذاکرات کے آغاز کا درست طریقہ سیکھ چکے ہیں۔" یہ کہہ کر اس نے اوشان کی طرف دیکھا اسے اوشان کے کسی تلخ جواب کی توقع تھی لیکن اوشان تو پاس اپنے لبادے کے اندر کسی خفیہ جیب میں رکھنے میں مصروف تھا۔ "اب ڈزنی لینڈ اور مینارِ فردوس کی سیر کے لیے جب چاہوں جاسکتا ہوں تم نہیں جاسکتے شہزاد!" اس کا لہجہ بڑا فاتحانہ تھا۔

"مجھے اس کا کوئی شوق بھی نہیں۔" ٹائیگر نے سر جھٹک کر کہا۔

"اور مجھے یقین ہے کہ شہنشاہ عالی مقام نے تمہارے لیے جو مشن منتخب کیا ہے اس کے دوران تمہیں سخت موسموں کا عذاب اٹھانا پڑے گا جبکہ میں مینارِ فردوس کے خوشگوار موسموں کی سیر کرتا رہوں گا۔"

"ٹائیگر کو صحرا میں بھیجا جارہا ہے۔" بہرام نے زیرِ لب مسکراتے ہوئے اوشان کے قیاس کو یقین میں بدل دیا۔

"بالکل درست! ایسے ناشکرے شخص کے لیے صحراؤں

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کی دھول ہی مناسب ہے، جہاں ہمول کے سوا کوئی اور درخت نہ ہو۔ میں سفارش کرتا ہوں کہ اسے سمرائے گوبی میں بھیجا جائے۔" اوشان بہت جوش کے عالم میں بول رہا تھا۔

"اس کی منزل شالان کوٹ ہے ماسٹر۔"

"گوبی سے بھی بدتر۔" اوشان فاتحانہ انداز میں بولا۔ "شالان کوٹ اتنی دور ہے کہ میں نے آج سے پہلے اس کا نام بھی نہیں سنا۔"

"شالان کوٹ صوبائے فرمس بھرتی سرحد کے قریب ہے۔"

"اور وہاں آج کل کیا مسئلہ درپیش ہے؟" ٹائیگر نے اکتائے ہوئے لہجے میں بہرام سے پوچھا۔

"ایک فلم۔"

"تب پھر فلم ہمارے شہر میں لگنے دیں۔ میں وہاں کے بجائے یہیں دیکھ لوں گا۔"

"میرا مقصد یہ ہے کہ شالان کوٹ میں ایک فلم کی شوٹنگ جاری ہے۔ تم نے بلاول خان کا نام سنا ہے؟"

"نہیں، میں نے بلاول خان نامی کسی اداکار کا نام نہیں سنا۔ کیوں فادر، آپ نے یہ نام سنا ہے؟" ٹائیگر نے اوشان کی طرف دیکھا۔

"آہ! عظیم خان کا خانوادہ بلاول جیسے کئی قدآور شخصیات جنم دے چکا ہے۔ میں ایسے جانتا ہوں۔" اوشان نے سینہ تان کر جواب دیا۔ اس کے چہرے پر ہلکی سی سرخی تھی۔

"تب پھر بلاول خان یقیناً مشہور اداکار ہے۔" ٹائیگر نے فوراً ہتھیار ڈال دیے۔

"مسئلہ بہت سنجیدہ ہے ٹائیگر۔" بہرام نے دونوں ہاتھ میز پر رکھ کر کہا۔ "بلاول خان اپنی نئی فلم کی شوٹنگ شالان کوٹ میں کر رہا ہے۔ وہاں مزدوروں کی طرف سے ہنگامہ آرائی ہوئی ہے کیونکہ فلم پروڈکشن کا تعلق بھرت لینڈ سے ہے۔ بھرتی پروڈیوسر نے مقامی فلمی ٹیکنیشنز وغیرہ کو ملازمت نہیں دی ہے۔ لہٰذا مقامی فنکار بہت مضطرب ہیں۔ تاہم بھرتی پروڈکشن غیر قانونی نہیں۔ کل مقامی فنکاروں اور بلاول خان میں جھگڑا ہو گیا جس کے نتیجے میں کئی افراد مارے گئے اور بلاول خان کے ساتھ بھی بدسلوکی کی گئی۔"

"بلاول خان کے مزاج کے پیش نظر میں کہہ سکتا ہوں کہ ہنگامہ خود اس نے شروع کیا ہو گا۔"

"تم اسے جانتے ہو؟" بہرام حیرت زدہ رہ گیا۔

"ذاتی طور پر نہیں... لیکن میں نے اس کے بارے میں کئی مضمون ضرور پڑھے ہیں۔ لوگوں کا کہنا ہے کہ وہ جب بھی ریستوران میں جاتا ہے تو اس کی انا اور خود ستائی کے لیے ایک علیحدہ میز لگانی پڑتی ہے۔"

"یہ سب افواہیں ہیں آفیسر۔ ہم حقیقت کی دنیا کے بارے میں باتیں کریں۔" بہرام نے کہا۔

"ویسے... یہ معاملہ ہمارے دائرہ کار میں نہیں آتا۔ کیوں چیف؟" ٹائیگر صوفے پر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا تھا۔

"معاملہ بہت اہم ہے ٹائیگر۔ اس طرح کی فلموں میں کروڑوں روپے کی سرمایہ کاری ہوتی ہے۔ اگر یہ فلم کامیاب ہو گئی تو دوسرے بھرتی فلم ساز بھی اس تجربے کو دہرائیں گے۔ اس طرح ہمیں بھرت لینڈ سے زرمبادلہ حاصل ہو گا اور ہماری آمدنی بڑھ جائے گی۔" بہرام نے کہا۔

"میری ایک تجویز ہے کہ ہم ان کا بنایا ہوا سارا سامان ہوائی جہاز میں بھر کر واپس کر دیں۔ اس طرح ہمارا زرمبادلہ ان تک نہیں پہنچ سکے گا۔"

"تم نسل پسند ہو۔" اوشان نے منہ بنا کر کہا۔

"بہرحال فلمسازی کا مسئلہ ہمارے دائرہ کار میں نہیں آتا۔" ٹائیگر نے دونوں ہاتھ اٹھا کر کہا۔ اس کے یہ ہاتھ آئین کو بچانے کے لیے غیر آئینی کام میں مشتعمل ہوتے تھے۔

"آپ اس کی باتوں میں نہ آئیں عالی جاہ! یہ کام چور ہے اور کام چوری کرنا چاہتا ہے۔ اتنا اہم مشن اور یہ ہے کہ دائرہ کار کی بات کر رہا ہے۔" اوشان نے برہمی سے کہا۔

"نہیں، اگر آپ کہیں گے کہ جاؤ... تو میں چلا جاؤں گا۔" ٹائیگر نے بہرام کی طرف دیکھ کر کہا۔ "ویسے بھی میں نے آج تک شوٹنگ نہیں دیکھی ہے۔ بڑا لطف رہے گا۔" اس کا آخری جملہ اوشان کو چڑانے کے لیے تھا۔

"گڈ۔" بہرام نے سکون کی سانس لی وگرنہ اسے خدشہ تھا کہ ٹائیگر اور اوشان دائرہ کار پر بحث کر کے بات کہیں سے کہیں لے جائیں گے۔ "تمہارا کام بلاول خان پر نظر رکھنا ہو گا۔ تم اس کو تحفظ فراہم کرو گے۔ یہ درست ہے کہ اداکاری میں اس کا کیریئر روبہ زوال ہے لیکن وہ فرد وسی ثقافت کی ایک علامت ہے لوگ اس سے محبت کرتے ہیں اگر اسے کوئی نقصان پہنچا تو یہ بہت خطرناک بات ہو گی صدر مملکت

سے میری بات ہوئی ہے ان کا کہنا ہے کہ ہمیں بلاول کے تحفظ کو ترجیح دینی چاہیے۔ حالانکہ بظاہر یہ مسئلہ ہمارا نہیں عام پولیس کا ہے۔"

"ٹھیک ہے، میں باڈی گارڈ بن جاؤں گا۔" ٹائیگر نے ہاتھ ہلا کر جواب دیا۔

"ہم نے یونٹ میں بطور اسسٹنٹ ایکسٹرا کے شامل کرانے کی تمام تیاریاں کر لی ہیں۔" بہرام بولا۔ "وہاں تمہاری موجودگی کا یہی جواز ہو سکتا ہے کہ تم یونٹ میں شامل رہو۔ وہ لوگ بھی یہی چاہتے ہیں کہ کوئی پیشہ ور فنکار مفاہمت کی طرف سے عائد پابندیاں توڑ کر ان میں شامل ہو جائے۔"

"اس کا مطلب یہ مڈبھیڑ بھی فلم میں نظر آؤں گا۔"

ٹائیگر نے اوشان کو جلانے کے لیے خاص طور پر وضاحت چاہی۔ یہ وار خالی نہ گیا۔ اس سے قبل کہ بہرام کوئی جواب دیتا اوشان تڑپ اٹھا۔ "کیا شہزادہ فلم میں کام کرے گا؟" اس کی آواز بہت تیز تھی۔

"ہاں۔" بہرام اپنی انگلیاں چٹخانے لگا لیکن صورتحال کا اندازہ کرتے ہی بولا۔ "بس یونہی۔ کچھ کوا داکاری کرے گا اس کا کوئی خاص کردار نہیں ہو گا۔ ایکسٹرا بھلا کیا اداکاری کر سکتا ہے ماسٹر۔"

اوشان خاموش رہا تو بہرام پُرسکون ہو گیا لیکن ٹائیگر شاید آج اوشان کو چڑانے کا مکمل ارادہ رکھتا تھا لہٰذا وہ اٹھا اور اس نے اوشان کے قریب پہنچ کر فاتحانہ انداز میں کہا۔ "میں اداکاری کے لیے جا رہا ہوں فل فادر۔"

"میں شاہ اوشان اپنے ریشمی لبادے کو سنبھالتے ہوئے بہرام کی طرف پلٹا۔ "میں بھی فلم میں کام کرنا چاہتا ہوں شہنشاہ اعظم!"

"یہ ناممکن ہے۔" بہرام سٹپٹایا اور پھر غصیلے انداز میں ٹائیگر کی طرف گھورنے لگا۔

"کیوں یہ ناممکن کیوں ہے اگر شہزادہ جا سکتا ہے تو میں بھی جا سکتا ہوں... میں اس سے کہیں بڑا اداکار ہوں۔ یہ تو میرے سامنے کچھ بھی نہیں۔"

"مشن کا تعلق اداکاری سے نہیں ماسٹر۔" بہرام نے قدرے برہمی سے کہا۔ "میں نے کہا نا... ٹائیگر ایکسٹرا ہو گا۔ اور ایکسٹرا ز کے چہرے اسکرین پر نظر نہیں آتے۔"

"ٹھیک ہے... لیکن میں بھی تو اسٹار جنوں گا کہ اسکرین پر آخر میرا نام بھی نظر آئے۔ معاون اداکار... ماسٹر آف سنا نجو عظیم اُوشان۔"

"شمشیر سنا نجو کے مالک۔" بہرام بے چارگی کے عالم میں بولا۔ "پلیز! آپ مینار فردوس پارک کی سیر کرنے کے لیے جائیں، میں مجبور ہوں۔ آپ کو فلمی سیٹ پر نہیں لے جا سکتا۔"

"مگر کیوں نہیں۔ میں صرف معقول وضاحت ہی سے مطمئن ہو سکوں گا۔" اوشان نے کہا۔

"آپ یقین کریں کہ بڑے بجٹ والی فلموں کے سیٹ پر فوجی تنصیبات سے زیادہ کڑے حفاظتی انتظامات ہوتے ہیں۔ وہ لوگ اپنے اسکرپٹ اور مکالموں تک کی حفاظت کرتے ہیں تاکہ یہ چیزیں مخالفین کے ہاتھ نہ لگ جائیں میں ٹائیگر کو صرف ایک وجہ سے سیٹ تک پہنچانے میں کامیاب ہو سکوں گا اور وہ وجہ اس کی رنگت ہے۔ یہ مقامی ہے لہٰذا ان میں کھپ جائے گا جبکہ آپ غیر مقامی ہیں۔"

"گویا اب مسٹر نسلی ہو گیا ہے۔" اوشان نے بڑی نفرت سے ٹائیگر کی طرف دیکھا۔

"نہیں، میں تو صرف یہ کہہ رہا تھا کہ آپ کا مقام بالکل جدا ہے۔ کہاں ایکسٹرا اسسٹنٹ مین اور کہاں ماسٹر۔ ٹائیگر تم ہی وضاحت کر دو۔" بہرام نے کہا۔

"وضاحت کیا کرنی ہے۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ میں فلم میں کام کروں گا۔ لٹل فادر اور آپ مینار فردوس کی سیر کریں گے۔ جہاں کی جھیلوں میں بطخیں بھی ہیں اور جہاں کے پہاڑوں میں چیتے بھی۔"

"تم بھی شہنشاہ کے ساتھ سازش میں شامل ہو۔" اوشان نے مڑ کر کہا۔

"کیسی سازش؟" بہرام نے پوچھا۔

"مجھے فلمی ستارہ بننے سے روکنے کی سازش۔"

"بالکل درست اوشان۔" ٹائیگر ہنس پڑا۔ "میرا خیال ہے کہ آپ اس سازش کے تانے بانوں پر چیف سے بات چیت کریں اور میں شالان کوٹ میں شوٹنگ کے لیے چلا جاؤں۔ میرا خیال ہے کہ آپ دونوں اب بہتر ماحول میں مذاکرات کر سکیں گے۔" یہ کہتے ہوئے وہ جونہی دروازے کی طرف بڑھا بہرام کھڑا ہو گیا۔ "ٹائیگر۔" اس نے آواز دی۔ "ماسٹر کو بھی ساتھ لے جاؤ۔ انہیں گھر چھوڑ کر شالان کوٹ کی تیاری کرنا۔"

"نہیں، آپ دونوں مذاکرات کریں۔"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"مگر تمہیں یہ نہیں معلوم کہ وہاں کس سے رابطہ کرنا ہے؟"

"اوہ!" ٹائیگر کے قدم رُک گئے۔

"دیکھا، اُوشان تلقاری مار کر بولا۔" میں نے کہا تھا نا... یہ شخص میرے بغیر کسی مشن پر نہیں جا سکتا۔ میں ساتھ نہ جاؤں تو یہ کسی سمت کا تعین کیے بغیر ایک دن سفر کرتا ہُوا کسی کھائی میں جا گرے گا۔ غلط سلط فلموں میں کام کر کے سب کچھ تباہ کرے گا۔"

"مگر کچھ دیر قبل آپ ہی نے تو کہا تھا کہ اب آپ کو ٹائیگر کے ساتھ جانے کی ضرورت نہیں ہے۔" بہرام کرسی پر ڈھیر ہو گیا۔

"میں نے عام مشن کی بات کی تھی شہنشاہِ اعظم۔" اوشان سراپا انکسار بن گیا۔ "یہ بہت خاص مشن ہے۔ ہم میں سے کسی نے پہلے فلم نہیں بنائی۔"

"آئی ایم سوری ماسٹر۔"

"میں اپنی یہ شرط واپس لینے کے لیے تیار ہوں کہ مستقبل کے مشن میں شہزاد کے ساتھ جانے کا معاوضہ علیحدہ سے لوں گا۔"

"یہ آپ کی سخاوت ہے ماسٹر... مگر میرے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔" بہرام نے دونوں ہاتھ ایک بار پھر میز پر رکھ لیے۔

"تب پھر ادائیگی میں کروں گا... لیکن اس وقت جب میں خود کوئی فلم بناؤں گا اس میں خود کام کروں گا اور..."

"بہت شاندار لٹل فادر۔" ٹائیگر نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "لیکن اس کے باوجود چیف کا فیصلہ نہیں بدلے گا۔"

"سوری ماسٹر۔ سیٹ پر آپ کو بھیجنے کا کوئی طریقہ نہیں۔" بہرام نے واقعی معذرت کی۔

"یہ آپ کا آخری فیصلہ ہے؟" اوشان نے پوچھا۔

"مجھے افسوس ہے۔"

"تب پھر اس جاہل اور ناشکرے شخص کو شالان کوٹ جانے کا حکم دیں شہنشاہِ عالی مقام اور پھر ایسے مذاکرات کے لیے تیار ہو جائیں جن کا آپ کو ماضی میں کبھی تجربہ نہیں ہُوا ہو گا۔"

"حالات آپ کے حق میں نہیں چیف۔" ٹائیگر نے قہقہہ مار کر کہا۔ "میرا خیال ہے نیو ایئر ڈنر کا پروگرام بھی ملتوی کر دیں۔"

"یہ بھی بھول جائیں کہ ڈنر جس نیو ایئر کو کرنا ہے۔" اُوشان نے خوفناک لہجے میں اضافہ کیا۔ بہرام کا چہرہ دھواں دھواں ہو گیا۔ اس نے بڑے نقاہت کے عالم میں ایک فولڈر ٹائیگر کی طرف بڑھا دیا۔ "اس میں تمہاری ضرورت کی تمام اطلاعات اور دستاویزات موجود ہیں ٹائیگر۔"

ٹائیگر نے فولڈر کھولا کچھ پڑھا اور پھر بڑی حیرت سے بولا۔ "میں نے فلم بارود کا موسم میں بھی کام کیا تھا لٹل فادر!"

"نہیں، اور یہ بات تم نے مجھ سے بھی چھپا رکھی تھی۔" اوشان کو اس انکشاف سے سخت صدمہ ہُوا تھا۔

"اسے نہیں آپ اتنے اداس نہ ہوں۔ یہ جعلی بیک گراؤنڈ ہے۔ اس کے مطابق میرا نام شہزاد کُرتانی ہے۔" یہ کہتے ہوئے وہ کمرے سے نکل گیا اور پھر سنائچو کے ماسٹر نے چارہ گر کے سربراہ کی طرف دیکھا۔ اس کا چہرہ غضب ناک ہو گیا۔ ایک بھی لفظ کہے بغیر وہ وہیں فرش پر بیٹھ گیا۔ بہرام نے ایک پیالا اٹھایا۔ دو چسکیاں لیں اور اوشان کے سامنے فرش ہی پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا۔ "میں مذاکرات شروع کرنے کے لیے تیار ہوں۔" اس نے دھیمے لہجے میں کہا۔ اس کی حالت خراب تھی اور اسے یہ پتا تک نہیں تھا کہ مذاکرات کب ختم ہوں گے۔

*

سینیٹر گلاب خان سومرو زیادہ ایماندار شخص تو نہ تھا لیکن اس میں قومی حمیت موجود تھی اور وہ تمام تر بدعنوانیوں میں شریک رہنے کے ساتھ ساتھ اس بات پر مکمل ایمان رکھتا تھا کہ کوئی بدعنوانی ایسی نہیں ہونی چاہیے جس سے وطن عزیز پر آنچ آ جائے۔ وہ بھرت لینڈ سے جنگ کے دوران بے مثال خدمات انجام دے چکا تھا اور اسے انہی خدمات پر ایک بڑا شہری اعزاز مل چکا تھا۔ جب اُسے پہلی بار یہ علم ہُوا کہ اسے خدمت کا تمغہ ملنے والا ہے تو اس نے بڑی حیرت سے پوچھا تھا "کس وجہ سے؟"

"دُشمن کی صفوں کے عقب میں کمانڈو دَستہ اتارنے کے مشن کی کامیاب تکمیل پر... اگر تم ساتھ نہ دیتے تو یہ مشن بُری طرح ناکام ہو جاتا۔" اُسے بتایا گیا تھا۔ اس کے بعد گلاب خان سومرو نے پلٹ کر نہیں دیکھا تھا۔ اس نے مقامی سیاست میں جنگ کے فوراً بعد قدم رکھا تھا اور پھر زینہ بہ زینہ ترقی کے مراحل طے کرتے ہوئے وہ فروری سینیٹ میں پہنچ گیا تھا۔ جعلی اسے فرسٹ کلاس دینے والے اس سینیٹر کو یہ بات خوب معلوم تھی

کہ بدعنوانی کیا ہوتی ہے اور وطن سے محبت کس چیز کا نام ہے وہ امور خارجہ کمیٹی کے رُکن کی حیثیت سے خوب فائدہ اُٹھایا کرتا تھا لیکن صرف اس حد تک کہ ملکی سلامتی متاثر نہ ہو۔ وہ دس ہزار روپے کا ٹھیکہ دلانے کے لیے دن رات ایک کر سکتا تھا لیکن اگر اسے یہ شک ہو جاتا کہ دس کروڑ کی آمدنی والے کسی ٹھیکے میں وطن عزیز کے مفادات کو خطرہ لاحق ہے تو وہ اس کی ڈٹ کر مخالفت کرتا تھا۔ بہرحال اسے یہ اندازہ نہیں تھا کہ جزوی بے ایمان ہونے کا مطلب ایماندار ہونا نہیں۔ یوں جب بلاول خان جیسے سپرنٹنڈنٹ نے اس سے خود یہ درخواست کی کہ اسلحے کی درآمد کے ایکٹ میں صرف ذرا سی نرمی کر دی جائے تو اس نے ایسا کرنے میں کسی قسم کی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کی۔ اسے بلاول خان کی وطن دوستی پر ذرہ برابر بھی شبہ نہیں تھا۔ وہ اس کی تمام فلمیں دیکھ چکا تھا۔ بلاول خان کی شخصیت سرتاپا فرد وسی تھی۔

ایک بار پھر بتاؤ کہ تمہیں ایکٹ میں نرمی کی کیا ضرورت ہے؟" سینیٹر گلاب خان سومرو نے محض گفتگو کو طول دینے کی وجہ سے پوچھا۔ اس وقت وہ گلشن آباد کے سرکاری سیکرٹریٹ میں سینیٹر کے شاندار آفس میں تھے۔

"بات یہ ہے سر کہ میں آپ کے آبائی شہر شالان کوٹ میں ایک فلم بنا رہا ہُوں۔" بلاول خان نے جواب دیا۔ سپرنٹنڈنٹ کے مُنہ سے اپنے لیے سر سُن کر سینیٹر کو بہت سُرور آیا۔ یوں لگا جیسے اُس نے غیر ملکی شراب کی دو بوتلیں چڑھا لی ہوں۔

"کیا شالان کوٹ سحر انگیز فرد میں شامل ہے بولی؟" سینیٹر اس سے مزید بے تکلف ہونا چاہتا تھا۔

"یس سر۔"

"واہ!" گلاب خان سومرو ہنس پڑا۔ "دراصل جغرافیہ کی حد تک میں کُند ذہن ہُوں بولی! گلشن آباد کی مصروفیات سے مجھے وقت ہی نہیں ملتا، خیر آئے کہو۔"

"شوٹنگ کے لیے اسکرپٹ کے مطابق ہمیں اسلحے کا استعمال کرنا ہے۔ بعض مناظر تو سو فیصد جنگی نوعیت کے ہیں۔" بلاول خان نے اپنا بیان جاری رکھا۔ "فائرنگ کے لیے آٹومیٹک گنوں کی اور دھماکوں کے لیے دستی بموں کی ضرورت ہوگی۔ ہم یہ ساز و سامان موجودہ ایکٹ میں نرمی کے بغیر درآمد نہیں کر سکیں گے اور یہ نرمی دفتر خارجہ کی سفارش پر ہی ہو سکتی ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ فلمسازوں کے گروہ ایسے اسلحے سے بھرے ہوئے ہیں۔" سینیٹر نے مُسکراتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں لیکن ہمیں روسی ساخت اے کے ۴۷ کی ضرورت ہوگی تاکہ مناظر میں حقیقی رنگ ڈالا جا سکے۔"

"اوہ، تم تازہ ترین ہتھیاروں کے استعمال کے خواہاں ہو۔"

"مسئلہ یہ ہے کہ ان سیمی آٹومیٹک اسلحے کی درآمد پر سخت پابندی ہے۔" بلاول خان نے کہا۔ "ہمیں تو مکمل آٹومیٹک ہتھیاروں کی بھی ضرورت ہوگی۔ شوٹنگ دو روز بعد شروع ہونے والی ہے اور میں سخت مسائل سے دوچار ہُوں۔ اگر ہمیں دفتر خارجہ سے سہولت مل جائے تو تب ہی ہم یہ ساز و سامان بروقت لوکیشن پر پہنچا سکتے ہیں۔"

سینیٹر سومرو کو حیرت تھی کہ اتنا بڑا سپرنٹنڈنٹ کس قدر انکسار سے کام لے رہا ہے۔ وہ بلا اجازت کمرے میں گھس کر اگر چیخ و پکار بھی کرتا تب بھی سینیٹر کو شکایت نہیں ہوتی۔ "ٹھیک ہے بولی۔" سینیٹر نے کہا۔ "میں تمہارے لیے کچھ نہ کچھ ضرور کروں گا۔"

"آپ بہت عظیم انسان ہیں سر۔" بلاول خان اس گفتگو کے دوران پہلی مرتبہ مُسکرایا۔

"لیکن تمہیں بھی میرے لیے کچھ کرنا ہو گا بولی۔"

"وہ کیا؟" بلاول خان قدرے پریشان ہو گیا۔

"میرے ساتھ ایک تصویر کھنچوانی ہوگی۔" سینیٹر سومرو نے بہت جھجکتے ہوئے مطالبہ کیا۔

"کیوں نہیں جناب، ایک نہیں دس تصویریں بنوا لیں۔"

"گڈ۔" سینیٹر کے چہرے پر مسکراہٹیں ناچ اُٹھیں۔ اس نے فوراً اپنی سیکرٹری کی طرف دیکھا۔ "عاشی! کیا تم کیمرہ لا سکتی ہو؟" سینیٹر کی سیکرٹری بلاول خان کو اپنے اتنے قریب دیکھ کر خود بھی بے حال تھی، وہ ہَوا کی طرح گئی اور طوفان کی طرح واپس آئی۔ اس کے ہاتھ میں ایک بہت ہی قیمتی کیمرہ تھا۔ یہ کیمرہ بھی زنانہ گروپ کا تیار کردہ تھا۔ بلاول خان سوچنے لگا کہ آخر یہ لوگ کیا کیا بنا لیتے ہیں۔

"بس یہاں کھڑے ہو جاؤ سر۔" سینیٹر سومرو نے چہکتے ہوئے کہا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ ایک تصویر کو انلارج کرا کے دفتر کی دیوار پر لگوائے گا۔ اُسے علم تھا کہ صرف اس تصویر کی وجہ سے باقی سینیٹروں میں وہ سر اُٹھا کر چل سکے گا۔ کیمرہ کلک کلک کرنے لگا غالباً پوری فلم ایکسپوز کر ڈالی گئی۔ ایک تصویر میں

Scanned And Uploaded By Waqar Azeem Pakistani

دونوں کو ہاتھ ملاتے ہوئے نوٹ کرنا پڑا۔ دوسری تصویر میں سینیٹر اور بلاول خان گلے میں ہاتھ ڈالے ہوئے کھڑے تھے، تیسری تصویر میں بلاول خان سینیٹر کے ساتھ کھڑا مسکرا رہا تھا۔ غرض یہ کہ ایسی ہی تیس پینتیس تصویروں کے بعد بلاول خان کی جان چھوٹی۔

"آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی سر۔" آخر بلاول خان نے جانے کی اجازت طلب کر لی۔ "مجھے یقین ہے کہ آپ ایکٹ میں ترمیم کرانے کی کوشش کریں گے۔"

"اس نرمی کا اعلان کل دوپہر تک ہو جائے گا۔ تم قطعی کوئی فکر مت کرو بوبی! یہ تمہارا نہیں میرا مسئلہ ہے۔" سینیٹر ریشہ خطمی ہوا جا رہا تھا۔

"تھینک یو سر۔" بلاول خان نے سپاٹ لہجے میں کہا اور جب وہ چلا گیا تو سینیٹر اپنی سیکرٹری کو بتانے لگا کہ پسِ اشارہ بلاول خان نے اُسے کتنی بار سر کہا تھا۔ "دیکھا تم نے عاشی! بلاول خان جیسے عظیم پسِ اشارہ نے مجھے بار بار سر کہا تھا۔" گلاب خان سوسر کا ایک ہاتھ بوتل کی گردن پر، دوسرا عاشی جان کی کمر کی طرف بڑھ گیا۔

لیکن اسے یہ نہیں معلوم تھا کہ محض چند تصویروں کے عوض وہ ایک قابض فوج کو مسلح کرنے کی غلطی کر بیٹھا ہے۔

گل حیات ہوٹل میں جیرو نے پیتی سے بلاول خان کا منظر تھا۔ "کیا رہا بوبی؟" اس نے انتہائی کشیدہ لہجے میں پوچھا۔

"ایکٹ میں کل دوپہر تک نرمی ہو جائے گی۔" بلاول خان نے کندھے اچکا کر جواب دیا۔

"بہت شاندار، وحشی باد۔" بلاول خان کی جے پر جیرو بے قابو ہو کر ناچنے لگا۔ اس کی حالت واقعی دیدنی تھی۔

"اس نے تو مجھ سے فلم کا اسکرپٹ تک طلب نہیں کیا جیرو۔" بلاول خان زیرِ لب مسکراتے ہوئے بولا۔

"میں نے کہا تھا کہ تم مہمان کا کام ہو بوبی۔" جیرو اب اس کے سامنے بھرتی زبان کے الفاظ استعمال کرنے میں کوئی تکلف نہیں کرتا تھا۔ "صرف تمہارا نام ہی کافی ہوتا ہے۔ کتنی کام تو تمہارے نام کی وجہ سے ہو جاتے ہیں۔"

"ہاں یہ بات میں نے بھی محسوس کی ہے۔" بلاول نے خشک لہجے میں جواب دیا۔ "اب جبکہ ایکٹ میں نرمی یقینی ہے۔ کیا تم اسلحہ بروقت شاہان کوٹ پہنچا سکتے ہو جیرو؟"

"کیوں نہیں، تمام اسلحہ صحرائے فرکے بھرتی حصے میں ہے۔ سندھ تیس پکٹ چیکپوسٹ میں حد بندی لائن کے اس پار ہم جائیں گی بس ٹینکوں کا ذرا سا مسئلہ ہوگا۔"

"تھینک؟"

"ہاں، ہمیں بہت سے ٹینکوں کی ضرورت بھی ہوگی۔"

"مگر میں نے اس سے ٹینکوں کی بات تو نہیں کی جیرو۔"

"اس کام کے لیے سینیٹر بے کار ثابت ہوتا بوبی! یہ کام کسٹم والوں کا ہے۔ اب ہم کسٹم سے رابطہ کریں گے۔ چلو یہ کام اسی سے کرلیں تو بہتر ہے۔"

"ایک منٹ جیرو۔" بلاول نے عیش میں آکر بھرتی کے کوٹ کا کالر پکڑ لیا۔ "مشین گنوں کی درآمد کی اجازت میرے اس وعدے پر ملی ہے کہ شوٹنگ ختم ہوتے ہی سارا اسلحہ واپس چلا جائے گا لیکن ٹینک... نہیں جیرو... یہ پیچیدہ مسئلہ ہے۔ ان کا داخلہ ممکن نہیں ہو سکے گا۔"

"تمہاری فلموں میں پہلے بھی ٹینک استعمال ہو چکے ہیں، بلاول خان۔" جیرو نے غصے سے سر جھٹک کر کہا۔

"ہاں... لیکن وہ فلم افغانستان میں بنائی گئی تھی۔ افغان مجاہدین نے مجھے وہ تمام ٹینک استعمال کرنے کی اجازت دی تھی جو ان کے قبضے میں تھے، وہاں تو حالتِ جنگ ہے، جہاد جاری ہے لہٰذا ٹینک کا سڑک پر ہونا غیر معمولی بات نہیں اگر تم ٹینکوں کی شوٹنگ کرنا چاہتے ہو تو افغانستان چلے جاؤ۔"

"مگر ہمارے ٹینک تو محض دھوکا ہوں گے۔"

"کیا مطلب؟ اب تم مسخرے پن پر اتر آئے ہو جیرو۔" بلاول خان اُسے گھور کر بولا۔

"تم یقین کرو کہ کسٹم والوں کو ان کی درآمد پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا بوبی! وہ انھیں ایک نظر دیکھ کر ہی کلیئرنس دے دیں گے۔"

"ہُوں۔" بلاول ایک ہنکارا بھر کر رہ گیا پھر چند لمحوں بعد بولا۔ "چلو لیکن یہ بتاؤ کہ اب صدر مملکت سے کوکسی قسم کی اجازت طلب کرنے کا مسئلہ درپیش نہیں ہوگا؟"

"تم صدر سے واقف ہو؟" جیرو کی خباثت بھری آنکھوں میں ایک لمحے کے لیے عجیب سی چمک نظر آئی۔

"میری ان سے کبھی ملاقات نہیں ہوئی۔" بلاول خان کو قلق تھا کہ جیرو اس کا طنز محسوس نہیں کر سکا۔ "بولو، اب کیا کرنا ہے؟"

"ہم کسٹم کے افسر سے ملیں گے، اس کے بعد فرد واپس چلے جائیں گے اور پھر ان نقلی ٹینکوں کی درآمد کے موقع پر موجود رہیں گے۔"

"ٹھیک ہے چلو۔" بلاول کے چہرے پر تھکن سے آثار نمودار ہونے لگے، وہ بہت اکتا چکا تھا۔

کمرے سے نکل کر جیرو نے بلاول کا ہاتھ تھام لیا۔ "تم مہمان ہو بلاول خان، تم نے میری بڑی سہائتا کی ہے، خاص طور سے راجدھانی آنے کے بعد تو تمہارا رویہ بالکل بدل گیا ہے ایسا کس کارن ہُوا بوبی؟"

"بات صرف میرے نام کی ہے جیرو۔" بلاول خان نے بفٹ کا بٹن دباتے ہوئے کہا۔ "میں وعدے کا پابند ہُوں، کوئی بات کہہ دیتا ہُوں تو اس پر عمل ضرور کرتا ہُوں خواہ وہ بات مجھے پسند ہو یا نہ ہو۔ ایسا ہی تمہارے معاملے میں ہے تم اور تمہارا اسکرپٹ مجھے پسند نہیں لیکن میں تم سے تعاون کرنے پر مجبور ہُوں۔"

"ہاں، وعدہ بڑی چیز ہے۔ نشہ کو اس کا پابند رہنا پڑتا ہے۔ انسان کی عزت بھی اسی میں ہے کہ وہ وعدے کا پالن کرے۔"

"عزت؟" بلاول خان ہنس پڑا۔ "تم بھرتی لوگ کبھی عزت نہیں کہہ سکتے۔ شاید عزت تمہارے قریب بھی نہیں پھٹکی ہے۔"

"ہم لوگ عزت کا بڑا کھیال رکھتے ہیں بوبی۔" جیرو نے بڑے گمبھیر لہجے میں جواب دیا۔

"اچھا، یہ بتاؤ کہ بھرت لینڈ میں کیا الیکٹرانکس کی ہر چیز راناگروپ ہی بناتا ہے؟"

"تو نے فیصد۔" جیرو نے اکڑ کر جواب دیا۔ "اور اب ہم تمہیں بنا رہے ہیں شری بلاول۔"

فردوسی کسٹمز کا ڈائریکٹر زیادہ مشکل شخصیت ثابت نہیں ہُوا۔ اس نے محض ایک آٹوگراف کے عوض ان کا کام کر دیا۔

"آپ کو یہ ضرور یاد ہوگا کہ جب ٹینکوں کا کام مکمل ہو جائے گا تو انھیں فردوس سے واپس بھیجنا ضروری ہوگا جناب۔" اس نے بڑے مسکین انداز میں دونوں ہاتھ ملتے ہوئے کہا اور پھر اس طرح ہنسنے لگا جیسے اس نے شدید ترین نوعیت کی لطیفہ کر ڈالی ہو۔ آٹوگراف بک اس نے جیب میں بڑی احتیاط سے رکھی اور محض سلسلہ کلام جاری رکھنے کی خاطر کہا۔ "میری سمجھ میں ایک بات نہیں آئی جناب... اور وہ یہ کہ آخر ایک فلم کمپنی کو اصل ہتھیاروں کی ضرورت کیوں پڑ گئی، کیوں مسٹر جیرو؟"

جیرو کندھے اُچکا کر رہ گیا۔

"ہاں، ایک بات بہت اہم ہے۔" ڈائریکٹر کو جیرو کا انداز کھل گیا۔ "وہ یہ کہ ضابطوں کی پابندی بہرحال اولیت رکھتی ہے۔ ہیں ٹینکوں کی درآمد کی کارروائی تیز تر کر سکتا ہُوں لیکن ان کی درآمد کے بعد ان کے معائنے کے ضابطوں پر سختی سے عمل کرنا پڑے گا۔ ایسا کرنا سب ہی کے مفاد میں ہوگا۔"

"یقیناً۔" بلاول خان نے سر ہلا کر اس کی تائید کی اور پھر گرمجوشی سے ہاتھ ملایا۔ "اب ہم چلتے ہیں جناب۔"

"بہت شکریہ خان صاحب۔" ڈائریکٹر کھڑا ہو گیا۔ اس نے جیرو سے بھی ہاتھ ملایا پھر دیر تک انھیں جاتا ہُوا دیکھتا رہا۔

✠

ٹی ۷۲ ٹائپ کے ٹینک اور بکتر بند گاڑیاں راناگروپ کے ایک ایسے بڑے گودام میں جمع تھیں جو سرحد سے بہت قریب واقع تھا۔ انھیں اس گودام تک مختلف ٹکڑوں میں تقسیم کر کے زرعی مشینوں کے پُرزہ جات قرار دے کر لایا گیا تھا۔ بعض ایسے حکام کو وی سی آر اور ٹی وی کی شکل میں تحائف دے کر خاموش کر دیا گیا تھا جو ان فاضل پُرزہ جات کی برآمد پر اعتراض کر سکتے تھے۔

فردوسی علاقے میں جب یہ سامان اترا تو ٹینکوں کی شکل اختیار کر چکا تھا۔ ایک کسٹمز انسپکٹر کی ڈیوٹی تیزی کے ساتھ انسپکشن کے لیے خاص طور سے لگائی گئی تھی۔ اس نے یہ معائنہ بلاول خان کی موجودگی میں کیا۔ ان جنگی مشینوں کو دیکھ کر دونوں ہی خاموش تھے۔ ان کی نظریں ٹینکوں کی لمبی لمبی توپوں پر جمی ہوئی تھیں۔

"یہ بہت ہی غیر معمولی صورتِ حال ہے۔" انسپکٹر نے کچھ دیر بعد کہا۔

"ہاں، میں تو خود ٹینک دیکھ کر سہما سہما سا ہو گیا ہُوں۔" بلاول خان نے اس کی تائید کی۔

"نہیں، پلیز بلاول خان... میرا اشارہ ٹینکوں کی طرف نہیں، آپ کی موجودگی کی طرف ہے۔ آپ کا بہ نفسِ نفیس یہاں موجود ہونا ہی غیر معمولی صورتِ حال ہے۔"

بلاول نے ایک طویل سانس لی۔ وہ سمجھ گیا کہ یہ نوجوان انسپکٹر اپنے فرائض سے کس حد تک بے پروا ہے۔ "مسٹر احمد،

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

بلاول نے بہت نرم لہجے میں کہا۔ "یہ سامان بہت قیمتی ہے اور میں چاہتا ہوں کہ ساری کارروائی کسی قسم کی رکاوٹ کے بغیر مکمل ہو جائے۔"

"یقیناً جناب، مجھے آپ کی پریشانی کا احساس ہے۔ ان ٹینکوں کی قیمت کروڑوں میں ہوگی خواہ یہ مصنوعی ہی کیوں نہ ہوں جیسا کہ آپ نے دستاویزات میں ظاہر بھی کیا ہے۔" احمد نے محض خانہ پُری کی خاطر ایک ٹینک کے بیرونی حصے پر ہاتھ مارا۔ "اسے یہ تو ٹھوس فولاد کی آواز ہے۔"

"ہماری طرف کھلونے بھی فولاد ہی سے بنتے ہیں۔" انسپکٹر جیرو نے سینہ پھلا کر جواب دیا۔

"شاندار۔" انسپکٹر نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "اگر مجھے یہ علم نہیں ہوتا کہ یہ ٹینک نما کھلونے شوٹنگ کے لیے آ رہے ہیں تو میں تو انھیں اصل ٹینک ہی سمجھتا۔"

"بھرتی ماہرین نے دراصل چینی ٹینکوں کی نقل تیار کی ہے اور ہماری کوشش یہ ہے کہ نقل بہ مطابق اصل نظر آئے تاکہ فلم میں کسی قسم کا مصنوعی پن نہ جھلکے۔" جیرو نے کہا۔ "بس اب آپ معائنہ کر لیں تاکہ دوسرے مراحل جلد طے ہو سکیں۔"

"کیوں نہیں، چلیں۔ یہ کارروائی بھی مکمل کر لی جائے۔" انسپکٹر احمدان سے بہت متاثر ہوا تھا۔ جیرو کے ایک ہی اشارے پر راگروپ کے مکینک ایک ٹینک پر ٹوٹ پڑے۔ انھوں نے بالائی حصہ کھولا اور ٹینک کے اندر گھس گیا۔ اس نے ڈرائیور کی سیٹ سنبھالتے ہی انجن اسٹارٹ کر دیا۔ گودام میں دھواں بھرنے لگا پھر دیکھتے ہی دیکھتے ٹینک گڑگڑاتا ہوا آگے آیا اور ان تینوں کے سامنے رُک گیا۔ انسپکٹر احمد نے اپنی ٹارچ سے اس کا معائنہ کیا، اندرونی حصہ دیکھا، لمبوتری توپ دیکھی جو ایک جگہ سے پھٹی ہوئی تھی۔ "ڈمی۔" انسپکٹر احمد نے مُسکرا کر کہا۔ "توپ کے ناکارہ ہونے کا مطلب یہی ہے کہ ٹینک بھی ناکارہ ہے۔" اس نے اپنی قابلیت سے بلاول خان کو متاثر کرنے کی کوشش کی پھر کاغذات پر ایک نظر ڈال کر پہلی سطر پڑھی۔ "ناکارہ اور مصنوعی ٹینک۔" وہ سر ہلانے لگا۔ اس کو یقین تھا کہ پھٹی ہوئی توپ والا کوئی ٹینک نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ ٹینک پر لگی ہوئی اضافی ۵۰ کی مشین گن بھی ناکارہ تھی کیونکہ اس کی فائرنگ کا کوئی نظام ہی نہیں تھا پھر احمد اندر اُتر گیا۔ ڈرائیور کاک پٹ میں جگہ بہت تنگ تھی۔ "شاندار۔" اس نے اندر ہی سے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ یہ چھکڑا چلتا بھی ہو گا۔"

"بالکل اصلی ٹینک کی طرح۔" جیرو نے سینہ پھلا کر جواب دیا۔ اس پر انسپکٹر احمد بہ مشکل تمام ٹینک کے اندر سے باہر نکلا۔ بلاول خان نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھام لیا تاکہ وہ زمین پر کود سکے۔ انسپکٹر کو خوشی سے ناچ اُٹھا۔ اس کے لیے یہ بہت بڑا اعزاز تھا۔ "تھینک یو۔" وہ خوشی سے چلّایا۔ "تھینک یو بلاول خان، تم بہت عظیم انسان ہو۔" اس کے بعد کام بہت آسان ہو گیا۔ انسپکٹر نے باقی ٹینکوں پر محض سرسری سی نظر ڈالی اور پھر ایک ٹینک ہی کی دیوار پر کاغذات رکھ کر ان پر دستخط کرنے لگا۔ جیرو اس کی مدد کر رہا تھا۔ دستخط کے نیچے مہر لگانے کا کام جیرو نے سنبھال لیا تھا تاکہ وقت ضائع نہ ہونے پائے۔

"یہ لیجیے بلاول خان۔" انسپکٹر نے کاغذات کا پلندہ بلاول کی طرف بڑھا کر کہا۔ "اپنے لوگوں کو یہ کاغذات تقسیم کر دیں۔ یہ لائسنس کے سرٹیفکیٹ اور امپورٹ لائسنس ہیں۔ جب بھی کوئی اعتراض کرے یہ کاغذات دکھا دیں۔ اعتراض کرنے والا دوبارہ اعتراض نہیں کرے گا مگر سوال یہ ہے کہ آپ ان ٹینکوں کو اندر کیسے لے جائیں گے؟"

"ہم انھیں چلاتے ہوئے صحرا تک لے جائیں گے۔" انسپکٹر۔" جیرو نے ہنس کر جواب دیا۔

"اور کوئی سوال؟" لوبی نے پوچھا۔

"نہیں۔" انسپکٹر نے اس کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔ "آپ سے مل کر بے حد خوشی ہوئی بلاول خان۔ زندگی کی تمنا پوری ہو گئی۔ درندہ اوّل کا وہ سین میں کبھی فراموش نہیں کر سکتا، جب آپ مجاہدین سے خطاب کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ آگے بڑھو اور غلامی کا جال کاٹ پھینکو۔"

"ہاں۔" بلاول نے اُکتائے ہوئے انداز میں کہا۔ اس ایک مکالمے کو ادا کرنے کے لیے میں نے دو دن تک ریہرسل کی تھی۔ انسپکٹر احمد نے مزید چند باتیں کیں اور پھر گودام سے نکل گیا۔ اس نے واپس جاتے ہوئے کم از کم تیرہ مرتبہ خدا حافظ کہا، کم از کم دس مرتبہ ہاتھ ملایا۔ وہ بلاول خان سے اتنا مرعوب تھا کہ اس سے آٹوگراف کی فرمائش بھی نہیں کر سکا اور شاید اسی باعث بلاول خان کو مایوسی بھی ہوئی تھی۔

اس ہی رات ٹینکوں نے اپنا سفر شروع کیا۔ وہ چک پوائنٹ تک پہنچے جہاں انھیں روکا گیا تو دو ٹینک سانپ جیسی سیاہ قطار بن گئی۔ کسٹم والوں نے یہاں بڑے تجسس سے

دستاویزات کا مطالعہ کیا اور پھر سر فارم پر پیاس کی لہر لگتی چلی گئی۔ یوں فیز کی بکتر بند دستہ اور ٹینک ایک بھی گولی چلائے بغیر فردوسی سرزمین میں داخل ہو گئے۔ برسوں بعد یہ پہلا موقعہ تھا کہ بھرتی ٹینکوں نے فردوس کو پامال کیا ہو اور پامالی بھی کیسی؟

فردوسی جوان دشمن کو دیکھ کر مُسکرا رہے تھے، ہاتھ ہلا رہے تھے۔ بھرتی ڈرائیوروں کے چہروں پر سختی تھی، زندگی تھی آگے پیچھے، دائیں بائیں رنانا گروپ کئی کیمرے اس منظر کی فلم بندی کر رہے تھے۔ بھرتیوں کا ایک خواب پورا ہو رہا تھا اور فردوسی تماشائی ایک دوسرے سے یہ پوچھ رہے تھے کہ بلاول خان پہلے ٹینک میں تھا یا آخری والے میں۔

●

ٹائیگر نے شالان کوٹ کے لیے جہاز میں قدم رکھا تو اُسے قدرے مایوسی ہوئی، یہ چھوٹا سا فوکر طیارہ تھا جس میں سولہ مسافروں کی گنجائش تھی۔ یہ طیارہ گلشن آباد کی کسی آٹو رکشا کی طرح بتا رہا تھا۔ اچھلتا ہوا ملائیشیا پر دوڑا تو ٹائیگر کا منہ بن گیا لیکن ٹیک آف کے فوراً بعد اس نے بیلٹ کھولتے ہی خولدر نکال لیا۔ شہزاد درانی کا سوانحی خاکہ اس کے سامنے تھا۔ اُسے یہ پڑھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ اس نے... یعنی شہزاد درانی نے... معصوم گواہی سے حسینہ چار سو بیس تک ہر فلم میں اسسٹنٹ مین کا کردار ضرور ادا کیا ہے۔ اُسے حیرت تھی کہ اگر وہ اس نوعیت کا کردار وہاں کس طرح ادا کر سکے گا۔ بہرحال ایک اچھی بات یہ تھی کہ نئی فلم میں اسے کیمرے کی طرف منہ نہیں کرنا پڑے گا۔ خولدر میں شہزاد درانی کے نام پر نظر فیشل اسسٹنٹ ایوی ایشن کا کارڈ بھی موجود تھا جو اُس نے پرس میں رکھ لیا۔ اسے یہ پڑھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ اس نے ایک فلم میں شاندار کارکردگی کی بنا پر اسسٹنٹ میکانیوارڈ بھی حاصل کیا تھا۔ اس نے بڑی تیزی سے باقی عبارت بھی پڑھ ڈالی لیکن یہ دیکھ کر اسے مایوسی ہوئی کہ اس نے ابھی تک اسسکیوارڈ حاصل نہیں کیا ہے۔ اسے بہرام پر غصہ آنے لگا۔ جب وہ اُسے اتنے اعزازات دلوا سکتا تھا تو ایک اسسکیوارڈ میں کیا خاص بات تھی۔

دس منٹ کی پرواز کے بعد نیچے صحرا اور پھر پہاڑ نظر آنے لگے۔ ان پہاڑوں کے گرد بھی صحرا تھے۔ ہر طرف ویرانی تھی دُور دُور تک آبادی نظر نہیں آ رہی تھی کبھی کبھی سانپ کی طرح بل کھاتی ہوئی سڑکیں ضرور نظر آ جاتی تھیں پھر اچانک ہی شالان کوٹ کسی نخلستان کی طرح نظر آنے لگا اگرچہ یہ شہر بھی ریت کا سمندر تھا لیکن اس کے اردگرد سبزہ نظر آ رہا تھا اور یہ قریب سے گزرنے والے دریا کی مہربانی تھی۔ ٹائیگر کی نظریں اس سبزے پر جم گئیں جو جلد ہی ہریالی میں بدل گیا۔ اس کی حساس اور تیز نگاہوں سے آبپاشی کا وہ نظام چھپا نہیں رہ سکا جو برسوں کی محنت کے بعد بنایا گیا تھا۔ اس ہریالی سے پرے شالان کوٹ دوسری صحرائی آبادیوں کی طرح ہی نظر آ رہا تھا۔ بے شمار گھروں کی چھتیں سُرخ مٹی کی تھیں۔ ہر گھر کے صحن میں تالاب تھا۔ سُرخ چھتوں کے ساتھ ساتھ نیلے تالاب آنکھوں کو بہت بھا رہے تھے۔

تب ہی شالان کوٹ ائیرپورٹ کی عمارتیں نظر آنے لگیں۔ یہ انٹرنیشنل ائیرپورٹ تھا اور اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ یہاں سے بھرتی ٹینٹ کے لیے پرواز جایا کرتی تھی۔ ائیرپورٹ اپنے نام کے برعکس بہت چھوٹا ثابت ہوا۔ طیارہ جلد ہی چھوٹے سے ٹرمینل کے قریب رُک گیا تو ٹائیگر اُتر آیا۔ یہاں کا موسم صاف اور خشک تھا۔ دسمبر کے ان دنوں میں بھی خاصی گرمی پڑ رہی تھی۔ وہ مسافروں کے ساتھ ٹرمینل بلڈنگ میں پہنچا جو گفٹ شاپ، ٹکٹ کاؤنٹر اور سیکورٹی پوسٹ پر مشتمل تھی۔ اسی چوکی کے قریب انتظار گاہ نظر آئی جو غالباً ائیرپورٹ کی تعمیر کے بعد بنائی گئی تھی۔ اس انتظار گاہ میں کوئی بھی اس کا منتظر نہ تھا لہٰذا ٹائیگر ماہر آکر اسٹوڈیو کے کسی نمائندے کی تلاش کرنے لگا۔ تب ہی اچانک ایک اسٹیشن ویگن موڑ پر رُکی اور ایک خوبصورت عورت کُودنے کے انداز میں اُس سے اُتر پڑی۔ اس عورت نے کاؤبوائے ہیٹ پہن رکھا تھا، اس کی دراز زلفیں نیچے کمر تک لہرا رہی تھیں اور اس کا جسم بے حد متوازن تھا۔

"کیا تم ہی شہزاد درانی ہو؟" لڑکی نے بڑے اعتماد کے ساتھ اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ اس کی گوری رنگت پر کالی آنکھیں بڑی بہار دے رہی تھیں۔

"کیا تم یہ نہیں چاہتیں کہ شہزاد درانی میرا ہی نام ہو؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"یقیناً میں یہی چاہتی ہوں کہ تمھارا نام ہی شہزاد درانی نکلے اگر ایسا ہی ہے تو چلو، گاڑی میں بیٹھ جاؤ میرا نام شیریں ہے، میں سُرخ کرسمس کے لیے بلسٹی پونٹ سے وابستہ ہوں۔"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

وہ واقعی شیریں تھی۔ ٹائیگر آگے والی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ شیریں نے گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے اُسے ایک بار پھر نظر بھر کر دیکھا، ہنکارا سا بھرا اور پھر ہونے سے بولی۔ "تمہیں لانگ بوٹس ساتھ لانے تھے شہزاد۔"

"مگر یہاں برف تو نہیں پڑتی۔" ٹائیگر نے مسکرا کر جواب دیا..... تاہم اس کی نظریں ڈھلانوں پر جمی ہوئی تھیں، جہاں کرسمس کی آمد کے پیش نظر کرسمس ٹری سجے ہوئے تھے۔

"برف تو نہیں پڑتی مگر جس جگہ ہم کام کر رہے ہیں وہاں سانپ اور بچھو بہت ہوتے ہیں۔"

"تب پھر میں اپنے قدموں پر نظر رکھوں گا۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔

"میرا خیال ہے کہ تم پہلی مرتبہ آؤٹ ڈور شوٹنگ میں حصہ لو گے؟"

"نہیں، میں پہلے بھی کئی فلموں میں کام کر چکا ہوں۔ تازہ ترین فلم سیریل پہاڑوں کا بیٹا ہے۔"

"کیا؟" شیریں نے بڑی حیرت سے اُس کی طرف دیکھا۔ "تم ٹی وی سیریل میں کام کر رہے ہو؟ سچ؟ کس قسط میں ہو؟ میں تو پابندی سے یہ سیریل دیکھ رہی ہوں۔"

"وہی ٹائیگر کو بہت تیزی سے بات بنانا پڑی۔ "وہی ناجیں میں آدم خور قبائل کو دکھایا گیا ہے۔"

"آدم خور قبائل کو کس قسط میں دکھایا گیا ہے۔" شیریں کے چہرے پر بڑی الجھن تھی۔

"یہ قسط اگلے مہینے ٹیلی کاسٹ ہوگی۔" ٹائیگر کو اب بات بنھانے کے لیے مسلسل جھوٹ بولنا پڑ رہا تھا۔ "میں نے قبیلے کے سردار والے کردار کے لیے اسسٹنٹ مین کا کردار ادا کیا ہے۔"

"اوہو۔" شیریں بے حد متاثر لگ رہی تھی۔ "سردار تو طرہ باز ہوتا ہے۔ چنگیز خان میں بھی وہی سردار بنا تھا۔"

"ہاں، مگر کیا بات ہے؟" ٹائیگر نے ہاتھ ہلا کر کہا۔

"مگر مگر نے مجھے یہ نہیں بتایا کہ اسے ٹی وی سیریل آفر ہوئی ہے۔" شیریں شاید بہت ہی جھکی تھی۔

"یہ پرنس سیکرٹ ہے اور ٹی وی والے یہ نہیں چاہتے کہ آدم خوروں والی قسط ٹیلی کاسٹ ہونے سے قبل بات پریس تک پہنچ جائے۔ مجھے یقین ہے کہ اس بار میں آسکر ایوارڈ لینے میں کامیاب ہو جاؤں گا بشرطیکہ بہرام میری مدد کر سکے۔"

"پہلی بات تو یہ کہ فرد وسی ٹی وی سیریل آسکر کے لیے نامزد ہی نہیں ہوتے اور دوسری بات یہ کہ بہرام کون ہے؟"

"ایک رقیب۔" ٹائیگر نے بات مختصر کرنے ہی میں بہتری سمجھی۔"

"میں پچھلے ہفتے تک یہاں کے ٹی وی اسٹیشن میں کیوریٹر تھی پھر اچانک ہی اس فلم یونٹ میں پبلسٹی اسسٹنٹ کے لیے گنجائش نکل آئی تو میں صرف اس وجہ سے یہاں آگئی کہ ایکسٹرا گرل کا کردار ادا کرتے ہوئے کوفت ہونے لگی تھی۔ ویسے یہاں کام بہت مشکل ہے شاید اسی لیے میرے سوا کسی اور نے اس پوسٹ کے لیے اپلائی ہی نہیں کیا۔"

"نریلہ بھیڑیا تو یونین والوں کا ہی ہوگا۔"

"تو تم اس بارے میں بھی جانتے ہو، ذرا سمر کر لو، لوکیشن پر پہنچ کر تمہیں صورت حال کا اندازہ ہو جائے گا۔ دعا کرو کہ فلم مکمل ہو جائے پھر میں شالان کوٹ سے گلشن ٹی وی تک جا سکوں گی۔"

"تم شالان کوٹ سے اتنی اُکتائی ہوئی کیوں ہو؟" ٹائیگر نے شیریں سے پوچھا۔ اسے یہ لڑکی پسند آئی تھی کیونکہ اس میں جلتا ہوا شرارہ موجود تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس قسم کی لڑکیاں زمانے سے بھی ٹکرا سکتی ہیں۔

"شالان کوٹ مجھے بہت پسند ہے لیکن میری ترقی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ یہ ایک کنواں ہے جس سے باہر نہ نکلنے والے ہمیشہ اسی کے قیدی رہتے ہیں ارے... یہ کیا؟"

ٹائیگر نے اس کی کالی آنکھوں کا تعاقب کیا کیونکہ شیریں کے چہرے پر کسی چیز کو دیکھ کر ہی عجیب سے تاثرات نے جنم لیا تھا۔ آگے سڑک ریت میں اٹی ہوئی تھی اور اس سڑک پر بہت سی سیاہ شیشیں نظر آرہی تھیں۔

"کیا یہ ٹینک ہیں؟" ٹائیگر کو بے چینی سی محسوس ہونے لگی۔

"ہاں اور ساکت کھڑے ہیں مگر تم فکر مت کرو۔ میں ان سے کترا کر گاڑی نکال لوں گی۔" یہ کہتے ہوئے شیریں نے گاڑی سائیڈ میں کر لی اور ٹینکوں سے ہٹ کر چلانے لگی۔ ٹینک رُکے ہوئے تھے مگر ان کے انجن چل رہے تھے اور دھواں ریت میں پھیل رہا تھا۔ ٹائیگر نے شیشہ چڑھا لیا اسی لمحے وہ ٹینکوں کے قریب سے گزرے تو اسے ڈرائیوروں کے چہرے بھی نظر آگئے۔

"کیا خیال ہے، یہ چہرے دوستانہ تو نہیں؟" شیریں نے دھیمے لہجے میں پوچھا۔

"یہ کون ہیں شیریں؟"

"بھرتی ایکسٹرا۔"

"کمال ہے مگر بھرتی ہی کیوں؟" ٹائیگر نے بڑی حیرت سے پوچھا۔

"یہاں زیادہ تر بھرتی ہی کام کر رہے ہیں شہزاد درانی۔" شیریں نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔

"شاید پروڈیوسر کو جزیات کا زیادہ احساس نہیں ہے اسی لیے اس نے بھرتی ایکسٹرا لیے ہیں۔ کیا اسکرین پر یہ فرق نظر نہیں آئے گا؟"

"یہ سیرا اور دسرا نہیں جانم۔" وہ ہنس پڑی۔ "میں تو محض پبلسٹی پوائنٹ میں کام کر رہی ہوں۔ میرا انتخاب بلاول نے خود کیا ہے۔ فردوس میں پبلسٹی کی ذمے داری میری ہوگی۔ بہرحال ابھی تک مجھے کام کرنے کا موقع نہیں ملا ہے اسی لیے آج کل میں اسسٹنٹ مین اور ایکسٹرز کو اسٹور رپورٹ سے لوکیشن تک لانے، لے جانے کا کام کرنے پر مجبور ہوں۔"

"کیا بلاول خان واقعی کوئی بڑا پاگل ہے؟" ٹائیگر نے قدرے خوشگوار انداز میں پوچھا۔

"بہت بڑا۔" وہ ہنس پڑی۔ اُس کے چہرے پر شوخی کے سارے رنگ بکھر گئے مگر جلد ہی اُس نے خود پر قابو پا لیا اور بڑے متین لہجے میں بولی۔ "میں نے اس سے کبھی تفصیلی گفتگو نہیں کی۔ ایک دو بار صرف چند جملوں کا تبادلہ ہوا اور بس... لیکن وہ گھنا درندہ ہی ہے۔ ویسے وہ درندہ جیسی فلموں سے اُکتا چکا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ اب وہ تشدد سے بھرپور فلمیں نہیں بنائے گا۔"

اُن کی گاڑی اب ٹینکوں کو پیچھے چھوڑ چکی تھی لیکن معاً ہی ان کی نظریں ایک انسانی زنجیر پر ٹکیں۔ یہ زنجیر ایک اعاطے کو محصور کیے ہوئے تھی۔ ٹائیگر کے ذہن میں پہلا سوال انسانی زنجیر نہیں بلکہ اعاطے کے بارے میں پیدا ہوا۔ اس صحرا میں اعاطے کی کیا ضرورت ہے؟

"میرے خدا!" شیریں گھبرا کر بولی۔ "آج تو ان کے تیور بگڑے ہوئے لگ رہے ہیں شہزاد!"

تب ہی انھیں کئی ٹینک بھی نظر آئے۔ قیادت کرنے والے ٹینک میں سے دیکھتے ہی دیکھتے ڈرائیور اترا اور وہ مظاہرین پر برسنے لگا۔ وہ سلیس اُردو کی بجائے بھرتی ملی اردو بول رہا تھا۔ اس کے کئی الفاظ ٹائیگر کی سمجھ میں نہیں آسکے لہٰذا وہ اس شخص کے مجلوں کا مطلب بھی نہیں سمجھ سکا۔ جواب میں اب مظاہرین بھی چیخ رہے تھے اور ان کے ہر جملے کا مفہوم واضح تھا۔

"خبیث انسان، زمین کے بوجھ۔" یہ دو گالیاں وہاں بہت عام تھیں۔

"میرا خیال ہے کہ ٹینک ڈرائیور بہت ظالم شخص ہے شہزاد۔" شیریں نے دھیرے سے کہا۔ "اس کی موٹی گردن دیکھو اور چہرے پر برسنے والی سفاکی بھی۔"

"مگر یہ اب کیا کرنے والا ہے؟" ٹائیگر نے ڈرائیور کو ٹینک پر چڑھتے اور اس کے پیٹ میں اُترتے ہوئے دیکھ کر تشویش بھرے لہجے میں کہا۔ پھر اچانک ہی ٹینک سے دھواں نکلنے لگا اور چند ساعت بعد ہی وہ حرکت میں آگیا۔ اب وہ کسی مست ہاتھی کی طرح مگر آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہا تھا۔

"شاید کوئی اس منظر کی بھی فلم بنا رہا ہوگا۔" شیریں نے اپنی سانس تک روک لی۔ ٹائیگر کی نظریں ٹینک پر جمی رہیں اس کی چھٹی حس اسے خبردار کر رہی تھی۔ اسے خون کی بُو محسوس ہونے لگی تھی۔ یہ لوگ پسپا ہونے کا ارادہ یقیناً نہیں رکھتے۔ اُس نے سرسراتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"کون؟ مظاہرین یا بھرتی؟"

"دونوں۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ اس کا لہجہ بہت عجیب سا تھا جس کو محسوس کرتے ہوئے شیریں نے اسے بغور دیکھا۔ ٹینک اب انسانی زنجیر کی سمت میں بڑھنے لگا تھا۔ مظاہرین نے بھی قدم جما کر ہاتھ تھام لیے۔ ان کے نعروں میں مزید شدت آگئی۔

ٹینک اب اُن کی گاڑی کے قریب سے گزر رہے تھے۔ ڈرائیوروں کے چہرے واقعی بہت وحشت ناک اور سفاک تھے۔ وہ انسان نہیں روبوٹ نظر آرہے تھے۔ اب پہلا ٹینک انسانی زنجیر سے محض دس فٹ کے فاصلے پر رہ گیا تھا۔

"یہ لوگ شاید محض ڈرا دھمکا رہے ہیں۔" شیریں کے لہجے میں اعتماد نہ تھا۔ اس کی آواز بے حد کھوکھلی تھی اور چہرہ زرد ہونے لگا تھا۔

"نہیں، کوئی بھی فریق گیدڑ بھبکی سے کام نہیں لے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

رہا ہے۔" ٹائیگر نے سپاٹ لہجے میں کہا پھر اچانک ہی اس نے اسٹیئرنگ وہیل پر ایک ہاتھ رکھتے ہوئے شیریں کے اس پیر پر اپنا پیر رکھ دیا جو ایکسیلیریٹر پر تھا۔ گاڑی اچھل کر فراٹے بھرنے لگی۔ اسٹیئرنگ وہیل پر ٹائیگر نے ہاتھ کو ذرا سی حرکت دی تو گاڑی کا رُخ قیادت کرنے والے ٹینک کی سمت میں ہو گیا۔

"یہ... یہ کیا کر رہے ہو۔ کیا اپنے ساتھ مجھے بھی مرنے کا ارادہ ہے؟" شیریں بوکھلا کر چلا اٹھی۔

"بریک۔" ٹائیگر نے غرا کر کہا۔

"کیا؟"

"بریک۔" وہ پھر غرایا لیکن اس بار اس نے انتظار نہیں نہیں کیا اور ہینڈ بریک کھینچ لیا۔ گاڑی انسانی زنجیر اور ٹینک کے درمیان رک گئی۔ شیریں ٹینک کی طرف تھی۔ آتا ہوا سیاہ ٹینک اسے کسی قاتل اور ظالم ہاتھی کی طرح لگا جس کی سونڈ اب کار کی چھت سے ذرا ہی دُور رہ گئی تھی۔

"میرے خدا۔" شیریں چلا اٹھی۔ "وہ تو بڑھے چلے آ رہے ہیں۔"

ٹائیگر نے ایک ہاتھ سے شیریں کو پچکارا۔ اُس نے لات مار کر اپنی طرف والا دروازہ کھولتے ہوئے شیریں کو باہر دھکا دیا۔ وہ لمحہ بھر میں سب کچھ سمجھ گیا تھا۔ ٹینک سے اسٹیشن ویگن اب زیادہ دُور نہیں تھی۔ ٹائیگر کے پاس صرف ایک ہی راستہ تھا، ٹینک کو روکا جائے۔

شیریں کی چیخ، ٹینک اور اسٹیشن ویگن کے رمیان ٹکر کی آواز میں دب کر رہ گئی، بہت زور کا شور ہوا تھا اور اسٹیشن ویگن کی فولادی ہاڈی بُری طرح چُرمرا رہی تھی۔ اگلے ہی لمحے ٹائیگر ٹینک کے پہلو میں پہنچ چکا تھا جو ناک کے بل اُٹھا ہوا اسٹیشن ویگن کو کچلنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ٹائیگر نے دوسرے ٹینک ڈرائیوروں کی نظر میں آئے بغیر ٹینک کے ٹریک پر ہاتھ ڈال دیا جو گاڑی سے ٹکرنے کے باعث فی الوقت ساکت تھے۔ ٹینک کی یہ چین پلاٹ کی بنی ہوئی نہ تھی۔ اس میں فولاد کا استعمال ہوا تھا، ٹائیگر کا ہاتھ کسی کمزور حصے کی تلاش میں پوری زنجیر پر سرکتا جا رہا تھا۔ اُسے ناکامی نہیں ہوئی۔ ایک بلاک کشش پر اس کی انگلیاں بل بھر کے لیے رُکیں، جمیں اور پھر اُس نے چین کھینچ لی اُسے صرف ایک بار زور لگانا پڑا۔ فولادی بریکٹ سے اس کا بالائی حصّہ جو ٹینک کو متحرک رکھتا ہے الگ ہو گیا۔ اس کے الگ ہوتے ہی ٹائیگر بہت تیزی کے ساتھ پیچھے ہٹتا چلا گیا کیونکہ اُسے علم تھا کہ اب کیا ہونے والا ہے وہ دم توڑتے ہوئے کسی بھی جسم کے نیچے دبنا پسند نہیں کرتا تھا۔

وہ سب کچھ بہت جلد ہو گیا جس کی اسے توقع تھی۔

پہلی آواز پمپ کی آواز سے زیادہ نہیں تھی لیکن پھر یوں لگا تھا جیسے قیامت آ گئی ہو۔ چلتے ہوئے ٹینک کی بائیں طرف والی چین اچانک ٹوٹ گئی اور کسی کوڑے کی طرح زمین پر گری۔ ٹوٹ پر پریشر کے ولی زخم پڑ گئے۔ یہ ضرب اگر کسی انسانی جسم کو لگتی تو اس کی ہڈیاں تک سُرمہ بن جاتیں۔ ٹینک اب صرف ایک ٹریک پر چل رہا تھا لہٰذا اس کا توازن برقرار نہ رہ سکا اور وہ ہیوی اسٹیشن ویگن کی وجہ سے ساکت ہو گیا تب ہی ٹائیگر نے آگے بڑھ کر اُسے دھکا دیا تو ٹینک ویگن سے ٹکرا گیا۔ وہ مست ظالم اور سفاک ہاتھی اپنی سونڈ کے بل گرا۔ اسی دوران ڈرائیور نے ٹینک سے نکلنے کی کوشش کی مگر ٹینک کے گرتے وقت اس کا صرف سر ہی کاک پٹ سے نکل سکا تھا لہٰذا ٹینک سے قبل ڈرائیور کا سر زمین سے ٹکرا گیا۔ نہ جانے اس بھرتی کا کیا حشر ہوا تھا لیکن ٹائیگر آگے کی طرف لپکا، اُس نے ٹینک کے نیچے ساکت پڑے ہوئے اس ڈرائیور کی نبض دیکھی اُسے کھینچ کر نکالا اور سڑک پر ڈال دیا۔

"گ... گ... کیا یہ... مر گیا؟" شیریں ہکلانے لگی۔ ظاہر ہے اب ساکت کھڑے تھے انھیں اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

"نہیں... لیکن اسے طبی امداد کی ضرورت ہے۔" ٹائیگر نے ہانپتے ہوئے جواب دیا۔ ابھی شیریں کچھ کہنے ہی والی تھی کہ دوسرے ٹینکوں کے ڈرائیور وہاں پہنچ گئے۔ ایک نے شیریں کو ایک طرف دھکا دیا لیکن اُسی لمحے ٹائیگر اس پر کسی عقاب کی طرح جھپٹ پڑا۔

"کیا بات ہے؟" اُس نے حملہ آور ڈرائیور کا بازو پکڑ کر اسے جھنجھوڑ ڈالا۔ بھرتی نے بیٹھی ہوئی آواز میں کچھ کہا جو ٹائیگر اس کا مفہوم نہیں سمجھ سکا، وہ بھرتی نہیں بلکہ بھرت لینڈ کی کوئی دوسری زبان بول رہا تھا اُسی لمحے ڈرائیور نے اپنا ایک پیر ٹائیگر کے دونوں پیروں کے درمیان رکھ دیا۔ ٹائیگر جھنا گیا۔ اُسے پتا تھا کہ یہ مارشل آرٹ کے جسو فن میں حملے کا آغاز کیا جاتا ہے۔ اُس کے چہرے پر عجیب سی مسکراہٹ ناچ اُٹھی۔ تب ہی بھرتی نے لات چلائی لیکن وہ مُنہ کے بل گرا کیونکہ ٹائیگر

نے اُس کی لات کے چلتے ہی خود کو اس کی پہنچ سے دُور کر لیا تھا اور ایسا کرنے کے لیے اُسے صرف تین قدم پیچھے ہٹنا پڑا تھا۔

شیریں تک پہنچنے کے لیے ٹائیگر کو اب مارشل آرٹ کے ماسٹر ڈرائیور کے قریب سے گزرنا تھا لیکن اُس نے ایسا نہیں کیا بلکہ وہ اس کے اوپر پیر رکھتا ہوا شیریں کی طرف آ گیا۔

"تم ٹھیک ہو نا؟" اُس نے شیریں سے پوچھا۔

"نہیں۔" وہ ہذیانی انداز میں چلا اٹھی۔ "میں بالکل ٹھیک نہیں ہوں۔ یہ... یہاں کیا ہو رہا ہے۔ گاڑی کی طرف دیکھو۔ اس کا کیا حشر ہوا ہے۔ یہ میری ذاتی گاڑی تھی، اسٹوڈیو کی نہیں۔" شیریں کی جادو بھری کالی آنکھوں میں سیلاب اُمڈ آیا۔

دوسرے ڈرائیوروں نے پک کر اپنے ساتھی کو اُٹھایا اور دوسرے ٹینک کے عقبی حصّے میں ڈال دیا۔ ان میں سے ایک نے چلا کر کچھ کہا تو دوسرا ڈرائیور جو اپنے ہی مارشل آرٹ کا شکار ہوا تھا، خود اُٹھ کر ٹائیگر کی طرف قہر بھرے انداز میں دیکھتا ہوا اپنے ٹینک کی طرف بڑھ گیا۔

ٹینک پھر چلنے لگے۔ اس بار وہ ناکارہ ٹینک اور اسٹیشن ویگن کے بچے کی دوسری طرف سے گزر رہے تھے۔

"شش... شہزاد... وہ پھر بڑھ رہے ہیں۔" شیریں انتہائی خوفزدہ انداز میں بولی۔

"ہاتھوں میں ہاتھ دو۔" مظاہر بن میں سے کسی نے نعرہ لگایا۔ "ہم انھیں بتائیں گے کہ ہم نے شیال کوٹ میں ان کے ٹینکوں کو کس طرح ناکارہ بنایا تھا۔" اس کا اشارہ واضح طور پر اس تاریخی واقعہ کی طرف تھا جب شیال کوٹ کے بہادر بھرت لینڈ کے ٹینکوں کی پیش قدمی روکنے کے لیے جسموں پر بم باندھ کر ٹینکوں کے نیچے لیٹ گئے تھے۔ اسی للکار پر بعض افراد کا جوش دو چند ہو گیا لیکن بعض ایسے بھی تھے جو پیچھے ہٹ گئے تب ہی ٹائیگر بڑی پھرتی سے اُن تک پہنچ گیا۔ "بحث کرنے کے لیے وقت نہیں ہے دوستو۔" اُس نے عجلت کا رکھا ہوا وضاحت بعد میں پیش کرتا رہوں گا۔" یہ کہتے ہوئے اُس نے کلائیاں پکڑ لیں۔ مظاہر بن چلانے لگے کچھ ایسے جیسے انھیں بھیڑوں نے کاٹ لیا ہو لیکن عجیب و غریب بات یہ تھی کہ وہ اسی سمت میں بھاگتے چلے گئے جس سمت میں ٹائیگر نے انھیں دھکیلا تھا۔ چند ہی لمحوں بعد احاطے کا چھلکتا انسانی رکاوٹ سے خالی ہو گیا۔ ٹینک چکر کاٹتے ہوئے احاطے میں داخل ہو گئے۔ ڈرائیوروں کے چہرے اب بے تاثر تھے۔ کچھ اس طرح جیسے وہ مشینوں کا حصّہ ہوں۔

"یہ بربریت بھی شہزاد۔" شیریں نے لرزتے ہوئے لہجے میں کہا۔ "آخر یہ اتنا ظلم کیوں کر رہے ہیں۔ یہاں تو صرف فلم بندی ہوتی ہے۔"

"یہ بات انہی کو بتاؤ۔" ٹائیگر پُرسکون لہجے میں بولا۔ شیریں نے اسے نہ دیکھا اور پھر اپنے گاؤن لوٹنے ہیٹ سے گرد جھاڑنے لگی۔ "تم نے مظاہرین کو منتشر ہونے پر آمادہ کر کے بہت نیک کام کیا ہے شہزاد۔" وہ مشکور انداز میں کہنے لگی۔ "اگر وہ منتشر نہ ہوتے تو یہ ٹینک انھیں اس طرح کچل دیتے جیسے انڈے پیروں کے نیچے آ کر کچلے جاتے ہیں۔"

"میں کچھ سوچ رہا ہوں۔"

"وہ کیا؟" شیریں نے پوچھا۔

"یہی کہ کیا ہم غلط فرقے کی حمایت تو نہیں کر بیٹھے ہیں۔" اُس کی نظریں احاطے میں داخل ہونے والے آخری ٹینک کے نشانوں پر جمی ہوئی تھیں۔

"چلو چھوڑو۔ اب ہمیں کسی نہ کسی طرح بیس کیمپ تک پہنچنا ہے۔ جبر واس واقعہ میں بہت دلچسپی لے گا۔" شیریں تھکے تھکے سے انداز میں بولی۔

"جبر و کون ہے؟"

"ایگزیکٹو پروڈیوسر، گیتا کا پالا ہے۔ اس کے سامنے یہ ظالم ڈرائیور کسی پالے مارے ہوئے کتے کی طرح سر جھکائے رہتے ہیں۔ ویسے وہ اتنا منکسر المزاج ہے کہ اس کے دانت توڑنے کو دل چاہتا ہے۔"

***

"پلیز ماسٹر۔" بہرام نے خنک اور پھٹی پھٹی سی آواز میں کہا۔ "صبح کے تین بج چکے ہیں کیا یہ مذاکرات کل تک کے لیے ملتوی نہیں کیے جا سکتے؟"

"نہیں۔" شمشیر سنانجو کے مالک نے فوراً جواب دیا۔ "اہم امور طے ہو چکے ہیں لیکن نازک ترین مرحلہ درپیش ہے اور اس مرحلے پر مذاکرات کو التوا میں ڈالنا قرینِ مصلحت نہیں ہم مفاہمت کے بہت قریب ہیں۔"

لیکن ڈاکٹر بہرام کی رائے قطعی مختلف تھی۔ وہ مفاہمت کے قریب نہیں بلکہ تھک کر بے ہوش ہونے کے قریب تھا... مسلسل انیس گھنٹے سے اوشان اسے اُلجھائے ہوئے تھا معاہدے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کی سرشت پر بات ہو رہی تھی، سب سے تکلیف دہ بات یہ تھی، مذاکرات فرش پر ہو رہے تھے۔ اوشان اس نوعیت کے سالانہ مذاکرات فرش پر بیٹھ کر ہی کرنے کا عادی تھا اور یہ اصول کی بات تھی، اس کا کہنا تھا کہ بہرام شہنشاہ ہے اور وہ خود شاہی جلاد، اس لیے ایماندارانہ مذاکرات برابر کی سطح پر بیٹھ کر کرنے کی ضرورت تھی، ایسے مذاکرات کے دوران اوشان صوفے کو بہرام کا تخت قرار دیا کرتا تھا، وہ شاہی جلاد ہونے کے ناتے تخت پر نہیں بیٹھ سکتا تھا اور بوڑھا ہونے کی وجہ سے وہ تخت کے سامنے کھڑا نہیں رہ سکتا تھا، منصفانہ بات یہ ہے کہ ہم فرش پر بیٹھ کر مذاکرات کریں۔ یہ تجویز اوشان نے برسوں قبل پیش کی تھی، جو برسوں قبل پہلی مرتبہ منظور ہوئی تھی اور اب برسوں بعد اصول بن گئی تھی لہٰذا اب بہرام مسلسل آٹھ گھنٹے سے فرش پر بیٹھا ہوا تھا۔ انھوں نے اس دوران نہ تو کچھ کھایا تھا اور نہ ہی پانی پیا تھا۔ وہ باتھ روم تک نہیں گئے تھے۔

پوری رات گزر جانے کے باوجود اوشان بالکل ویسا ہی تر و تازہ لگ رہا تھا جیسا مذاکرات کے آغاز پر تھا، سورج مکھی کی طرح چمک دار اور روشن۔ اس کے برعکس بہرام کے چہرے پر مٹیالی رنگت نمایاں ہونے لگی تھی، آنکھوں کے گرد حلقے پڑنے لگے تھے اور ہاتھوں میں رعشہ سا آنے لگا تھا۔ وہ خود کو مُردہ تصور کرنے پر مجبور تھا لیکن یہ اس کا خالی پیٹ تھا جس میں محسوس ہونے والی چبھن اسے زندگی کا احساس دلا رہی تھی، خالی معدہ اور اعصابی تھکاوٹ کے باعث پیٹ میں جو تیزابیت پیدا ہو رہی تھی، اس سے اُسے کی تکلیف عود کر آئی تھی، اُسے یقین تھا کہ اگر اب جلد ہی اس کے پیٹ میں کچھ نہ گیا تو اُسر کی تکلیف بڑھ جائے گی۔

اس سال اوشان نے بہت محتاط انداز میں بات چیت سے شروع کی، جہاں ختم ہوئی تھی، اس کے ہاتھ میں ایک لمبا سا کاغذ تھا جسے طومار کہنا مناسب تھا۔ "ہم محض دس فیصد اضافے پر رضامند ہوئے ہیں۔ یہ اضافہ معمول کے مطابق سونے کی شکل میں ہوگا۔"

"آپ اس بات کی وضاحت کریں کہ اگر مستقبل میں اب کسی مشن پر آپ کو ٹائیگر کے ساتھ جانے کی ضرورت نہیں رہی تو پھر یہ اضافہ کس مد میں ہوگا، ماسٹر۔" بہرام نے کہا۔ "آپ کے ساتھ نہ جانے کا مطلب تو یہ ہوا کہ آپ کی خدمات کم ہو جائیں گی اور کم خدمات کا معاوضہ بھی کم ہوتا ہے۔"

"ماسٹر کی طرف سے کم خدمات.... بالکل درست۔" اوشان نے بہرام کی طرف دیکھ کر کہا، مگر اس کا مطلب یہ ہوا کہ شہزاد کو پہلے سے زیادہ مصروف رہنا پڑے گا، آپ اس سے بہت خطرناک اور مشکل کام لیا کریں گے لہٰذا اس کے معاوضے میں اضافہ ناگزیر ہے۔"

"لیکن کیا ہم آپ کی خدمات کے کم معاوضے پر پہلے بات نہ کریں، ماسٹر آپ کو اب تک جو معاوضہ ملتا رہا ہے وہ آپ کی زیادہ خدمات کے عوض تھا لہٰذا مستقبل قریب میں آپ کی کم خدمات کے پیش نظر معاوضہ بھی کم کرنا پڑے گا، پہلے اس کٹوتی پر بات کر لی جائے، اس کے بعد ہم ٹائیگر کی قیمت پر بات کریں گے۔"

"نہیں۔" اوشان نے زور دار انداز میں سر ہلاتے ہوئے کہا، یہ معاہدے کے مطابق کسی بھی پچھلے معاہدے سے کم معاوضہ نہیں دیا جائے گا بلکہ معاہدے کے تحت معاوضہ میں ہر سال اضافہ ہوتا رہے گا اس میں یہ ذکر کہیں نہیں کہ ماسٹر کی خدمات کم ہوں تو معاوضہ کم ہو جائے گا اگر آپ نے اس مسئلے کو اُلجھانے کی کوشش کی تو بڑا اندھیرا ہو جائے گا۔"

"میرا خیال ہے کہ اندھیرا ہو چکا ہے۔" بہرام نے سُتے ہوئے چہرے پر ہاتھ پھیر کر کہا۔

"تب میں زرا بہتر انداز سے روشنی ڈالوں گا۔" اوشان نے فوراً جواب دیا۔ "پہلی بات یہ کہ ٹائیگر اضافی بوجھ کے باعث مزید دس فیصد سونے گا، جہاں تک میرا تعلق ہے۔ میں قیمتی تھیلوں، ریشم کے تھانوں اور چاول کی بوریوں پر اکتفا کروں گا، مجھے زیادہ لالچ نہیں۔"

"لیکن کس لیے، کس خدمت کے عوض، آپ تو آئندہ ٹائیگر کے کسی مشن میں اس کا ساتھ نہیں دیں گے۔"

"میں تنہائی کی سزا کے عوض یہ معاوضہ قبول کروں گا۔ آپ سوچیں... مشن کے دوران وہ سیر سپاٹے کرے گا اور میں ایک ہی جگہ قید رہوں گا۔ تنہائی بہت بڑا زہر ہوتی ہے اس زہر کا تریاق صرف قیمتی پتھروں، ریشم کے تھانوں اور چاول کی بوریوں میں ہوتا ہے۔ حال کی مثال لیں۔ وہ صحرائے فرہیں میں عیش کر رہا ہے اور..."

"صحرائے فرہیں سیر سپاٹے کی کوئی جگہ نہیں ماسٹر۔"

"سانجو کے معیار کے مطابق صحرا ہی زندگی کی علامت ہوتے ہیں۔"

"وہ زندگی کی ہماہمی سے بہت دُور ہے۔" بہرام نے کہا۔

"وہ مشہور شخصیات سے مل رہا ہے۔ بلاول خان سے اس نے ضرور ہاتھ ملایا ہوگا۔"

"بلاول خان۔" بہرام نے ایک طویل سانس لی، ماسٹر اسانا کلان کے مشن پر اسے تنہا بھیجنے کی تجویز آپ ہی کی تھی۔"

"یہ تجویز میری غلطی تھی جس کا میں فراخدلی سے اعتراف کرتا ہوں۔" اوشان نے کہا۔ "اگر آپ مجھے رعایت دینے پر آمادہ ہو جائیں تو میں اس غلطی کا بار بار ذکر کر سکتا ہوں۔"

"کیسی رعایت؟" بہرام کے کان کھڑے ہو گئے۔

"فلم کے سیٹ پر بھجوا دیں۔"

"ناممکن۔" بہرام نے ایک طویل سانس لے کر جواب دیا۔

"وہاں سکیورٹی کا مسئلہ درپیش آسکتا ہے لہٰذا انھوں نے اسے کلوز سیٹ قرار دیا ہے۔"

اوشان کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں۔ "یہ ٹھیک ہے، میں آپ کی دشواری سمجھتا ہوں، اس لیے اب ہم اس موضوع پر مزید بات نہیں کریں گے۔"

بہرام نے سکون کی سانس لی، لیکن اگلے ہی لمحے اوشان کی بات سُن کر اس کی جان پھر نکلنے لگی، اوشان کہہ رہا تھا "اب میں اس اضافی بوجھ کی طرف آتا ہوں جو مجھے اٹھانا ہوگا۔"

اضافی بوجھ؟" بہرام نے پٹپٹا کر کہا۔

"مثال کے طور پر وہ بوجھ جو میں نے شہزاد کے گزشتہ اسائنمنٹ کے دوران اُٹھایا تھا۔"

"مگر آپ تو گھر پر ہی رہے تھے۔" بہرام نے احتجاج کیا۔

"..... اور کتنا پریشان رہا تھا۔" اوشان نے دکھ بھرے لہجے میں کہا۔

بہرام کی انگلیوں میں پھنسی ہوئی زرد پنسل ٹوٹ گئی۔

"میرا خیال ہے کہ اس صورت حال میں کوئی دوسری راہ بھی نکل سکتی ہے۔" ماسٹر۔" بہرام نے اعصاب زدہ انداز میں پنسل کی نوک پر انگلی پھیرتے ہوئے کہا۔

اوشان کی چھوٹی چھوٹی آنکھیں معمول سے زیادہ چمک اٹھیں یوں لگا جیسے شیر نے شکار کو پھنستے ہوئے دیکھ لیا ہو۔ "ہر بحران سے نکلنے کا کوئی نہ کوئی راستہ ضرور ہوتا ہے۔" اس نے ڈاکٹر بہرام کی حوصلہ افزائی کی۔ "اگر حاکم کسی کو بحران سے نکالنا چاہے تو اس کے لیے بہت آسان بات ہے۔ حاکم اگر شہنشاہ ہو تو بحران کا حل چٹکی بجانے میں نکل آتا ہے۔ میرا تجربہ یہی کہتا ہے جناب!"

"تب پھر مجھے ایک ٹیلی فون کرنے دیا جائے۔"

"میں ٹیلی فون کرنے پر پابندی کی شق معاہدے سے عارضی طور پر ختم کرتا ہوں۔" اوشان نے کہا۔ اس انداز سے کہا جیسے وہ بہرام کی سات پشتوں پر احسان کر رہا ہو۔ واقعہ یہ تھا کہ ایسے مذاکرات میں اوشان ٹیلی فون کا چونگا اٹھا کر میز پر رکھ دیا کرتا تھا تاکہ مذاکرات گھنٹی کی آواز سے متاثر نہ ہو سکیں، یہ میرا خیال ہے کہ میری طرف سے خیر سگالی کے اس جذبے کے اظہار کے بعد دوسری طرف سے بھی نیک نیتی، فراخدلی اور روشن ضمیری سے کام لیا جائے گا۔" اُس نے دونوں ہاتھ اب گود میں رکھ لیے تھے۔ بہرام نے ٹیلی فون تک جانے کے لیے اُٹھنے کی کوشش کی لیکن پھر اس کا دل دھک سے رہ گیا۔ اس نے بوکھلاہٹ کے عالم میں اپنی ٹانگوں کی طرف دیکھا۔ وہ اس وقت بھی آلتی پالتی مارے ہوئے بیٹھا تھا اور کوشش کے باوجود اس کی ٹانگوں نے گھٹنے سے انکار کر دیا تھا۔ یہ... یہ کیا ماسٹر، ان میں تو حرکت ہی نہیں ہو رہی، شاید سو گئی ہیں۔" گھبراہٹ کے عالم میں وہ بے چارگی سے اوشان کی طرف دیکھنے لگا۔

"کیا ان کے سونے کا احساس پہلے نہیں ہوا تھا؟" اوشان نے ٹانگوں کی طرف غور سے دیکھا۔

"نہیں، کیا آپ کچھ مدد کر سکتے ہیں؟" بہرام نے چاہنے کے باوجود یہ درخواست پیش کر ہی دی۔

"کیوں نہیں، میرا تو کام ہی دوسروں کے کام آنا ہے۔" یہ کہہ کر وہ اُٹھا لیکن اُس نے بہرام کی ٹانگوں کی طرف دیکھا یک نہیں، وہ میز تک گیا اور چپ چاپ ٹیلی فون کر کے لوٹا۔ "کون سا فون درکار ہے جناب؟"

"ماسٹر... میری ٹانگیں۔" بہرام کے چہرے پر کئی رنگ آ کر گزر گئے۔

"کس رنگ کا فون چاہیے جنابِ عالی؟" اوشان نے سُنی اَن سُنی کرتے ہوئے کہا۔

"میں اپنے پیروں پر کھڑا ہونا چاہتا ہوں ماسٹر۔" بہرام نے اس بار جھلاتے ہوئے انداز میں کہا۔

"وقت آنے پر آپ پیروں پر دوڑ بھی سکیں گے فی الحال یہ حکم دیں کہ کون سا ٹیلی فون پیش کروں۔" اوشان نے سنجیدگی سے کہا، اس وقت آپ کی ترجیح ٹانگیں نہیں، مذاکرات کی کامیابی ہے۔" ڈاکٹر بہرام دانت پیس کر رہ گیا۔ وہ چاہتا تھا کہ اوشان

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

یہ خوب گرجے برسے... لیکن ماسٹر مائنڈ گرجنے برسنے سے اس کی ٹانگوں کا فعل نہیں کھل سکتا تھا بلکہ حالات خراب بھی ہو سکتے تھے فی الوقت ٹیلی فون ہی نجات کا ذریعہ بن سکتا تھا۔

"بھورا... بھورے رنگ کا ٹیلی فون۔" بہرام نے کراہتے ہوئے کہا۔ بھورے ٹیلی فون کے قریب سرخ رنگ کا سیٹ رکھا تھا جبکہ تیسرے کی رنگت سیاہ تھی۔ یہ ٹیلی فون اوشان کے لیے کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتے تھے لیکن بہرام کو ان کی اہمیت کا اندازہ تھا۔ صرف بھورے رنگ کا ٹیلی فون عام استعمال کے لیے تھا۔ اوشان نے بڑے سلیقے کے ساتھ ٹیلی فون اٹھا کر بہرام کی گود میں رکھ دیا۔

ڈاکٹر بہرام کی انگلیاں اب نمبر ملا رہی تھیں۔

"ہیلو... محمود...!" اس نے سلسلہ ملتے ہی کہا۔ "ہاں بھئی! میں جانتا ہوں کہ رات کے تین بج رہے ہیں لیکن بہت ہی ہنگامی نوعیت کا مسئلہ آ پڑا ہے۔ نہیں... صبح تک انتظار نہیں کر سکتا... بکو مت... میں بہرام بول رہا ہوں۔"

اوشان کسی اداس بلے کی طرح سر جھکائے وہیں کھڑا ان باتوں کو بغور سن رہا تھا۔

"نیند سے جاگو محمود۔" بہرام نے دانت پیس کر کہا۔ "بات صاف تھی، دوسری طرف جو کوئی بھی تھا اس نے ابھی تک بہرام کو نیند کے جھونکوں کی وجہ سے نہیں پہچانا تھا۔ "میں بہرام ہوں بہرام... تمہارا کزن... اور میں تم سے ایک بہت اہم سفارش کر رہا ہوں... کیا تم آج کل وہی کاروبار کر رہے ہو... میگزین نکالنے ہوتا ہے؟ میں ایک مصنف کو جانتا ہوں جو تمہارے رسالوں میں لکھنے میں دلچسپی رکھتا ہے۔"

"ازراہ کرم اسے مطلع فرما دیں کہ میں ایک بڑا شاعر بھی ہوں جناب۔" اوشان نے دھیمے لہجے میں کہا مگر اب اس کے چہرے پر مسکراہٹ بھی تھی اور خوشی کا تاثر بھی... وہ یہ بھول چکا تھا کہ مذاکرات کس بارے میں ہو رہے تھے اور یہ بھی کہ اس نے صحرائے فرحانے کی خواہش کی تھی۔"

"نہیں محمود، میں جانتا ہوں کہ تم شاعری نہیں چھاپتے۔" بہرام نے بڑے بڑے ٹھنگے پن سے کہا۔ "لیکن میں جن صاحب کا ذکر کر رہا ہوں، وہ بہرحال مولانا میں اگر تم بلاول خان کی نئی فلم کی شوٹنگ کی لوکیشن تک جانے کے لیے ان صاحب کو پریس پاس جاری کر دو تو یقین کرو کہ وہ تمہارے میگزین کے لیے بلاول خان کا بے حد تفصیلی انٹرویو ضرور کرائیں گے۔"

اوشان فاتحانہ انداز میں مسکرانے لگا۔ اسے خوشی تھی کہ بہرام نے اس کی اصل خواہش فراموش نہیں کی ہے ویسے اسے اب بھی بہرام کی نیت پر شبہ ضرور تھا۔

"کمال ہے، مجھے علم نہ تھا کہ فلم کے سیٹ پر جانے کے لیے پریس پاس جاری نہیں ہوتا۔" بہرام نے دوسری طرف سے جواب سن کر فوری حیرت کا اظہار کیا۔ "ہاں... اچھا... پھر کیسے... اوہو... گڈ... اگر تم یہ کام کر دو تو بلاول خان بھی انکار نہیں کرے گا اور سنو! میں جس دوست کے بارے میں بات کر رہا ہوں اس کی فرمائش رد کر نا میرے بس میں نہیں ہے محمود۔"

اوشان کا سر اٹھ گیا۔ سینہ پھولنے پچکنے لگا۔ چہرے پر بچکانہ خوشی کے تاثرات اور شدید ہو گئے جبکہ بہرام نے دوسری طرف سے آنے والی آواز زیادہ بہتر طور پر سننے کے لیے دوسرے کان پر ہاتھ رکھ لیا۔

"میرے دوست کا نام اوشان ہے۔" بہرام نے کہا۔

"کیا... ہاں... نام کا پہلا حصہ یہی ہے۔" یہ کہتے ہوئے اس نے سوالیہ نظروں سے اوشان کی طرف دیکھا۔

مشہور سلسلہ

سرکش

محمود احمد مودی کے ایڈونچرس قلم سے 12 حصوں میں شائع ہو گیا ہے

قیمت فی حصہ -/60 روپے

مکمل سیٹ -/720 روپے

ناشر

مکتبہ القریش

سرکلر روڈ، اردو بازار لاہور فون ۶۶۸۹۵۸

"یہ میرا نام ہے نام کا حصہ نہیں۔" اوشان اچانک ہی سنجیدہ ہو گیا۔

"بالکل درست، قطعی نام یہی ہے۔" بہرام نے اپنے کزن کو مطلع کیا۔ "تھینک یو محمود، اور وہاں پہنچ جانے کا یہ کہتے ہوئے اس نے ریسیور رکھ دیا۔ "ماسٹر...!" وہ بہت خوش تھا۔ سب کچھ طے ہو گیا ہے ویسے آپ کو انٹرویو کا کلف تو کرنا ہی ہو گا۔"

"ظاہر ہے کہ جب وہ مجھ سے فلم کا اسکرپٹ لکھوانا ہی چاہتے ہیں تو میں ان کا انٹرویو ضرور کروں گا۔" اوشان نے شاہانہ انداز میں جواب دیا۔

"نہیں ماسٹر! آپ مجھے نہیں آپ اسکرپٹ وغیرہ کچھ نہیں لکھیں گے۔ میرا کزن فلمی رسالوں کا مشہور اور مدیر ہے آپ اس کے ایک رسالے کے نمائندے کی حیثیت سے سرخ کرسی کے سیٹ پر جائیں گے۔ اس طرح آپ کی خواہش پوری ہو جائے گی۔"

"تب پھر میں وہاں جا کر کیا خط لکھوں گا مگر کسے؟"

"ابھی بھی کوئی بات نہیں۔" بہرام نے ٹیلی فون سیٹ ایک طرف رکھ کر جواب دیا۔ "اگر آپ مجھے فرش سے اٹھنے میں مدد دیں تو آپ کو ساری تفصیلات بتا دوں گا۔"

"کیوں نہیں شہنشاہ عالی مقام۔" اوشان نے مسرت بھرے لہجے میں کہا پھر وہ بہرام کی پشت پر آیا۔ اس نے بہرام کے ریڑھ کی ہڈی پر ہاتھ پھیرا اور اس کے فوراً بعد گھٹنوں پر ناخن رکھ دیے۔ اگلے ہی لمحے وہ دوسری طرف کھڑا مسکرا رہا تھا۔

"مجھے تو کوئی بھی فائدہ محسوس نہیں ہو رہا ہے۔" بہرام نے پریشان ہوتے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب؟؟"

"مطلب یہ کہ اب جب میں آپ کو سہارا دے کر اٹھاؤں گا تو آپ کو ذرا سی بھی تکلیف نہیں ہو گی۔" اوشان نے جواب دیا۔ ہوا بھی یہی۔ اٹھتے وقت بہرام کو جوڑوں کا وہ درد بھی محسوس نہیں ہوا جو عام طور پر اسے تنگ کرتا تھا۔ وہ اپنی چرمی کرسی پر ڈھے گیا۔ ویسے اب وہ بے حد پرسکون تھا۔ اس نے اوشان کو رسالے کی نمائندگی کے لیے انٹرویو کی تفصیلات بتائیں اور پھر کرسی گھما کر کمپیوٹر ٹرمینل پر جھک گیا۔

"یہ آپ کیا کر رہے ہیں عالی جاہ۔" اوشان کے لہجے میں اب برابری کا تاثر نہیں وہی پرانا... بادشاہ اور درباری کا تاثر تھا۔

"جو ایڈیٹر آپ کا انٹرویو کرے گا اسے ماضی میں چھپنے والے مضامین کے تراشوں کی بھی ضرورت ہو گی۔"

"مگر میں نے تو کبھی کوئی مضمون نہیں لکھا۔" اوشان نے حیرت زدہ انداز میں ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"اس کا انتظام ہم کر لیں گے۔"

"لیکن کیوں مضمون ہی کیوں، میں تو شاعر ہوں۔"

"وہاں اپنی شاعری کا ذکر بھی مت کیجیے گا ماسٹر۔" بہرام نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "میرا کمپیوٹر اس وقت ایڈیٹر کے نام آپ کے مضامین کی نقول فیکس کر رہا ہے۔ یہ من گھڑت مضامین ہیں لیکن ایڈیٹر کو ان کے جعلی ہونے کا علم بھی نہیں ہو سکے گا۔"

اوشان نے پھر کوئی احتجاج کرنا چاہا لیکن بہرام نے یہ کہہ کر اس کا منہ بند کر دیا کہ اگر ہم نے یہ حکمت عملی نہ اپنائی تو صحرائے فرحا کا سفر ممکن نہیں ہو سکے گا۔

"آپ اس دنیا کے بادشاہ ہیں۔ میں خود کو تیر سے رحم و کرم پر چھوڑتا ہوں۔" اوشان سراپا انکسار بن گیا۔

"گڈ۔" کمپیوٹر بند کرتے ہوئے بہرام نے سر ہلایا۔ "ٹکٹ اسٹیریوٹ پر تیار ملیں گے۔ اب آپ اجازت دیں کہ میں سو فٹے پر ہی لیٹ کر تھوڑی سی نیند لے سکوں۔"

"جو حکم عالم پناہ۔" سنا نجو کے ماسٹر نے سر جھکا کر جواب دیا اور دبے قدموں کمرے سے نکل گیا۔ بہرام سوچنا رہ گیا کہ ماسٹر رخصت ہوتے وقت جو کلمات کہتا تھا وہ اس نے آج کیوں نہیں کہے لیکن ٹھیک دس منٹ بعد جب وہ لیٹنے کے لیے کرسی سے اٹھا تو اسے اس کی وجہ معلوم ہو گئی۔ اس کی سیدھی ٹانگ میں شدید ترین درد کی لہر اٹھی۔ "اوف!" وہ کراہنے لگا۔ یہ درد بڑھنے لگا اور جلد ہی اس نے دوسری ٹانگ کو بھی لپیٹ لیا۔

✤

ٹیکسی نے ماسٹر اوشان کو پلک ایونیو پر اتارا تو وہ بہت خوش تھا۔ آٹھویں منزل تک پہنچنے کے لیے اس نے لفٹ کا سہارا لیا اور کچھ ہی دیر بعد اشد فائل گروپ کے نیون سائن کے سامنے رک گیا۔ وہ سوچنے لگا کہ کیا یہ کسی میگزین کا نام ہے یا کوئی چینی ریستوران ہے۔ اسے بہرحال یہی پتا بتایا گیا تھا لہٰذا وہ اندر چلا آیا اور استقبالیہ پر پہنچ کر اس نے اپنے مخصوص انداز میں سر خم کرتے ہوئے کہا۔ "میں اوشان ہوں، ادیب۔"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"مسٹر اوشان آپ سے ملنے کے لیے آئے ہیں میم" سیکرٹری نے انٹرکام کا تکلف برتے بغیر چیخ کر کہا اس کی چیخ بہت خطرناک تھی، اوشان ہل کھا کر رہ گیا۔

"اندر بھیج دو۔" دفتر کے کھلے دروازے سے چنگھاڑ سنائی دی۔ اوشان سر اُٹھا کر کمرے میں داخل ہوا وہ اس شخص کے سامنے تعظیماً جھکا جو کونے والی میز پر بیٹھا ہوا تھا۔ اُسے دیکھ کر اوشان کو ایسا کالا ریچھ یاد آ گیا جس پر برف گل دی گئی ہو تب ہی اُس نے کمرے کی دیواروں کو نظر بھر کر دیکھا۔ دیواریں مشہور شخصیات کی تصویروں سے سجی ہوئی تھیں۔ ان میں اکثریت برہنہ خواتین کی تھی۔ اوشان کو نظریں جھکا لینی پڑیں۔

"بیٹھیے... بیٹھیے جناب۔" اس شخص نے ہاتھ ہلا کر کہا۔

"کیا آپ ہی کزن محمود ہیں، مشہور عالم مدیر؟" اوشان نے پوچھا۔

"اور آپ اوشان ہیں آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی مسٹر اوشان۔"

"میں ادیب ہوں۔" ماسٹر نے اپنا مکمل تعارف کرانا ضروری سمجھا۔

"میں محمود نہیں، ان کے ایک رسالے کا ایڈیٹر شمیم ہوں اور محمود صاحب نے مجھے آج ہی آپ کے ان مضامین کی نقول بھیجی ہیں جو شائع ہو چکے ہیں، ہر مضمون بے حد دلچسپ ہے۔"

"آپ کو پسند آئے؟"

"تصویریں بہت اچھی تھیں۔" ایڈیٹر شمیم نے کہا۔

"تصویریں؟" اوشان چونک پڑا۔ اُسے معاً ہی یہ خیال آیا تھا کہ شاید اس کا تعارف ادیب اور مصور کی حیثیت سے کرایا گیا ہو۔ شمیم نے اُسے ایک بڑا لفافہ دیا جس میں کئی تراشے موجود تھے۔ ان تراشوں کے درمیان فردوس کی ان فلموں کی تصویریں تھیں جن میں ہیروئین یا تو برساتی میں نہا رہی تھی یا پھر ہیرو کو کند چھری سے کسی ظالم کا گلا کاٹ رہا تھا۔ مضامین کی عبارت کوئی زبان میں تھی اور ایک ہی سطر پڑھ کر اوشان کو اندازہ ہو گیا کہ ہر مضمون پُرتجسس کی دلکش جال باز دواجی زندگی کے مسائل سے متعلق تھا۔ اسے بہرام پر غصہ آنے لگا۔

"آپ فردوسی میں بھی تو لکھتے ہوں گے؟" ایڈیٹر نے پوچھا۔

"بہت کچھ لکھا ہے فردوسی میں۔" اوشان نے فوراً جواب دیا۔ اسی لمحے ایک شخص ٹرے اُٹھائے اندر چلا آیا جس پر کافی کے دو مگ رکھے ہوئے تھے۔ اوشان میزبان کی توہین کرنا نہیں چاہتا تھا لہٰذا اس نے کافی کا مگ اپنے سامنے رکھے جانے پر کوئی اعتراض نہ کیا۔

"ہمیں تو فردوسی زبان کے مضامین کی ضرورت ہو گی۔" شمیم نے کافی کا گھونٹ لے کر کہا۔ "میں کوریائی زبان نہیں پڑھ سکتا لہٰذا یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ مضامین کس حد تک اعلیٰ درجے کے ہیں۔"

اوشان نے سکون کی سانس لی وہ سوچ رہا تھا کہ اگر یہ شخص اس کی مادری زبان پڑھ سکتا تو شاید اسے سحر انگیز فرحانا نصیب ہی نہیں ہوتا۔ اسے اس بات پر حیرت تھی کہ یہ شخص جب کوریائی زبان نہیں پڑھ سکتا تو اتنے اہم عہدے پر کیسے پہنچ گیا ویسے وہ یہ فیصلہ کر چکا تھا کہ فولڈر جس میں اس کے نام نہاد مضامین کی نقل رکھی تھی ساتھ لے جائے گا تاکہ کوریائی سمجھنے والا کوئی شخص اگر یہاں آ بھی جائے تو انھیں پڑھ کر یہ نہ کہہ سکے کہ اوشان کیسا گھٹیا لکھاری تھا۔

"ان تراشوں سے مجھے کوئی مدد نہیں ملی مسٹر اوشان!" ایڈیٹر نے صاف گوئی سے کام لیا۔ "لیکن ہر مضمون پر انگریزی میں آپ کی بائی لائین موجود ہے اور محمود صاحب کا کہنا ہے کہ آپ کی سفارش بھی بہت تگڑی ہے۔"

"میں سفارش کی فکر نہیں کرتا کیونکہ اپنے شعبے میں میرا کوئی مدِمقابل نہیں۔" اوشان منہ بنا کر بولا۔ "اس نے جھوٹ نہیں بولا تھا۔ سنانجو کے فن میں وہ طاق تھا، وہ ماسٹر تھا۔ ایسا ماسٹر جس کا ذکر سن کر ہی طوفانوں کے دم گھٹنے لگتے تھے۔

"یقیناً یہ گفتگو تو محض خانہ پُری کے لیے ہے ہم آپ کی خدمات حاصل کرنے کا فیصلہ کر چکے ہیں مسٹر اوشان۔" ایڈیٹر نے مسکراتے ہوئے کہا اور پھر انتہائی سنجیدہ لہجے میں کہنے لگا۔ "سُرخ کرسمس کے پہلی بونٹ سے میری بات ہو گئی ہے وہ لوگ اس ابتدائی مرحلے پر کسی بھی صفائی کو سکیڈل پر لے جانے کے خلاف تھے لیکن بلاول خان نے ان کی ایک نہیں چلنے دی اس طرح آپ وہاں جا سکتے ہیں۔ ہمیں نے چند اسائنمنٹ شیٹیں تیار کر دی ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ بلاول خان سے ایک بھرپور انٹرویو لیا جائے، ڈائریکٹر کا پروفائل حاصل کیا جائے اور اس کے سوا آپ جو کچھ بھی کر سکتے ہوں وہ ضرور کریں۔"

اوشان نے اسائنمنٹ شیٹیں دیکھیں اور جب معاوضہ والے کالم پر اس کی نگاہ پڑی تو آنکھیں کچھ چندھیا سی گئیں۔

"کیا آپ نظمیں بھی شائع کرتے ہیں؟" اس نے اچانک ہی پوچھ لیا۔

"آج کل شاعری کہیں نہیں چھپتی۔" ایڈیٹر شمیم نے بالکل اسی انداز میں کہا جس طرح بہرام نے کہا تھا۔

"میں گھٹیا درجے کی فردوسی شاعری کے بارے میں بات نہیں کر رہا ہوں۔ میرا اشارہ عظیم اونگ کے وہ درک اسی شاعری سے ہے جو روح کو بالیدگی عطا کرتی ہے اور جو..."

"خدا حافظ مسٹر اوشان۔"

"اونگ بہت عظیم شاعر بھی تھا۔" اوشان نے اس طرح ہاتھ ہلایا جیسے مکھی اُڑا رہا ہو۔ "میں حال ہی میں ایک عظیم الشان رزمیہ نظم لکھنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن اس کے صرف چھ ہزار آٹھ سو انتالیس شعر ہی لکھ سکا ہوں۔"

"چھ ہزار شعر۔" ایڈیٹر اُچھل پڑا۔

"ہاں... اور رزمیہ ابھی ناتمام ہے۔" اوشان نے بڑے فخر سے کہا۔

"سوری مسٹر اوشان، ہم شاعروں کی شاعری نہیں چھاپتے۔" شمیم نے جواب دیا۔ "ہم تو وہ شعر چھاپتے ہیں جو عوام کی سمجھ میں آ جائیں۔" ایڈیٹر نے بے کہتے ہوئے رسالے کے کور پروف کی گڈی کی طرف اشارہ کیا۔ پہلا ٹائیٹل ہی عظیم اونگ کی روح کو تڑپانے کے لیے کافی تھا۔ ایک بہت ہی خوبصورت مگر نیم برہنہ عورت ایک خلائی جہاز سے لپٹی ہوئی تھی جبکہ خلائی جہاز کے ماڈل کی شکل بھی ہرگز خود سخت قابلِ اعتراض تھی۔ دوسرا پروف قریب ہی رکھا ہوا تھا جس کا ٹائیٹل زیادہ سنسنی خیز تھا۔ ایک نقاب پوش شخص جس نے لنگوٹ باندھ رکھا تھا۔ ایک حسینہ کو بغدے سے ذبح کر رہا تھا۔

"کیا لوگ آج کل ایسے ہی رسالے پڑھتے ہیں؟" اوشان نے سر جھٹک کر پوچھا۔

"ہاں... مگر اکثریت ایسے لوگوں کی ہے جو صرف تصاویر دیکھ کر ہی خوش ہو جاتے ہیں۔" شمیم نے جواب دیا اور پھر چونک کر کہا۔ "واہ! کیا شاندار آئیڈیا ہے آپ کو ہمارے ادارے سے شائع ہونے والے رسالوں کے انداز تحریر سے روشناس ہونا بہت ضروری ہے لہٰذا یہ چند رسالے لے جائیں بنیادی اصول یہ ہے کہ آپ صیغۂ ماضی کبھی استعمال نہیں کریں گے ہر جملہ حال کے مطابق ہو گا اور ہر پیراگراف میں ہر کالموں کی گنجائش نکالنا ہو گی۔" یہ کہتے ہوئے اس نے تین رسالے اوشان کی طرف بڑھا دیے جو ماسٹر نے بہرام کے بھیجے ہوئے فولڈر پر رکھ لیے۔ اب فولڈر سمیت نکل جانا مشکل بات نہیں تھی۔

"میں ان رسالوں پر ناقابلِ یقین توجہ دوں گا۔" اوشان نے بڑے خلوص سے یقین دلایا۔

"شاندار۔" شمیم نے کافی کا ایک گھونٹ بھر کر اپنی مسرت کا اظہار کیا لیکن فوراً ہی اس کا منہ بھی بن گیا۔ اس نے کھلے دروازے کی طرف منہ کر کے کہا۔ "دنیا! کافی کے لیے دودھ بھیج دو۔"

"دودھ آپ کی صحت کے لیے مضر ہے جناب۔" اوشان نے فوراً اعتراض جڑ دیا۔ "دودھ کی وجہ سے خون کی شریانیں بند ہو جاتی ہیں۔"

"میں پہلے ہی ایک ہارٹ اٹیک بھگتا چکا ہوں مسٹر اوشان... اور ملی، میں آپ کو یہ بتانا بھول گیا تھا کہ آپ کی ہر تحریر کے حقوق ہمارے ادارے کے نام محفوظ ہوں گے۔"

"یہ آپ کا اپنا مسئلہ ہے۔" اوشان نے منہ چلاتے ہوئے کہا۔ "مجھے تو صرف ایک روپیہ فی لفظ سے مطلب ہے۔"

"واہ!" شمیم اپنی سیکرٹری سے دودھ کا گلاس لیتے ہوئے ہنس پڑا اور دودھ دیکھتے ہی دیکھتے اس نے پورا گلاس چڑھا لیا۔ اوشان ہاتھ مل کر رہ گیا۔ "میں چاہتا ہوں کہ آپ کا پہلا مضمون یا کالم دو ہفتے کے اندر اندر میری میز پر آ جائے۔" ایڈیٹر نے تعجیلی کی پشت سے منہ صاف کرتے ہوئے کہا۔

"اس دوران اگر آپ موجود نہ ہوئے تو آپ کا وارث کون ہو گا؟" اوشان نے پوچھا لیکن اس سوال پر ایڈیٹر کے منہ کا ذائقہ بگڑ گیا لہٰذا اوشان دفتر سے نکل آیا۔ باہر پہنچ کر اس نے ٹیکسی روکی اور ڈرائیور سے ائرپورٹ کا کہہ کر پشت گاہ سے ٹیک لگا لی۔ ائرپورٹ پر ٹیکسی سے اُتر کر اوشان نے جیب میں ہاتھ ڈالا۔ ایزگاری نکالی اور گن کر رقم ادا کر دی۔ "نو ٹپ؟" ڈرائیور دونوں ہاتھوں سے سنبھلتا ہوا غرایا۔

"اوہ! یاد دلانے کا شکریہ۔" اوشان نے بغل میں دبے ہوئے رسالے اس کی طرف بڑھا دیے۔

"میں انکار کیا کروں گا؟" ڈرائیور نے تیز لہجے میں پوچھا۔

"انھیں پڑھنا، علم میں اضافہ ہو گا اگر پڑھے نہیں ہو تو تصویریں دیکھنا، تمھیں بہت افاقہ ہو گا۔" اوشان یہ کہہ کر ہوائی اڈے کی عمارت کی طرف بڑھ گیا۔

جیرو سراپا معذرت بنا ہوا تھا یہ وہ سوری شمار کرو دیوی اُلفت سے چوک ہو ہی جاتی ہے۔" اس کا سر جھکا ہوا تھا آنکھیں زمین پر گڑی ہوئی تھیں۔ اس وقت ہوائیز چل رہی

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

تھی، جس کے باعث ریت کے ذرّے اُڑ اُڑ کر چہرے سے ٹکرا رہے تھے۔ اس عالم میں سر جھکائے ہی دانش مندی تھی۔ ٹائیگر کو یقین تھا کہ سامنے والے کی جھکی ہوئی نظروں میں کسی قسم کی پشیمانی نہیں اس وقت وہ بیس کیمپ کے شیلٹر میں کھڑے ہوئے تھے۔

"ان کا انداز تو ایسا تھا جیسے سڑک کے مالک وہی ہیں۔" جیرو کو نادم پا کر شیریں کے لہجے میں مزید جارحیت پیدا ہو گئی۔

"بھرتی ایکسٹرا کا تعلق بھرت لینڈ کے دُور دراز علاقوں سے ہے، وہ فرودسی نہیں سمجھ سکتے دیوی، ہمیں سمجھا دو گے۔"

"اور میری اسٹیشن ویگن کا کیا ہو گا؟" شیریں نے اس بار تقریباً چلاتے ہوئے کہا۔

"دھیرج دیوی! ہم آپ کی سہولت کریں گے۔ اسٹوڈیو کی طرف سے آپ کا سارا نقصان پورا کر دیں گے اگر آپ منظور کریں تو آپ اپنی پسند کی کار لے سکتی ہیں۔ راما گروپ کی وشوا اسٹیشن ویگن بہت شاندار اور بڑی بڑھیا گاڑی ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" شیریں کا لہجہ دھیما ہو گیا۔ "لیکن مجھے جیپ پسند نہیں، اسٹیشن ویگن ہی ہو گی۔"

"شاندار... بہت خوب... مجھے منظور ہے۔" جیرو نے دانت نکوس کر کہا۔ "اب ایک مسئلہ اور ہے جس سے آپ کو نمٹنا ہے دیوی۔ اشارتاً راما گروپ کا ایک نمائندہ شوٹنگ دیکھنے کے لیے آ رہا ہے۔ مجھے پریس پبلسٹی کی فکر نہیں لہٰذا میں اسے یہاں بُلانے کا مخالف تھا۔ پر نتو شری بلاول خان نے اصرار کیا لہٰذا وہ آ رہا ہے اور آپ اس کی دیکھ بھال کریں گی۔"

"ٹھیک ہے۔" شیریں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"دوسری بات یہ ہے کہ شوٹنگ شیڈول ذرا بدل دیا گیا ہے اور اب کیمرے کل ہی چل پڑیں گے۔" جیرو نے انکشاف کیا۔

"کل؟" شیریں چونک پڑی۔ "کل کے دو روز بعد تو کرسمس ہے کیا کہہ رہی ہیں شیریں جی۔" جیرو مسکرانے لگا۔ "ہمارا کریو بھرتی ہے اسے کرسمس کی پروا نہیں اگر فرودسی کریو اضافہ کرے گا تو ہم اسے خوشی کہیں اور کام کرنے کی اجازت دے دیں گے۔ شوٹنگ بہرحال کل شروع ہو جانے گی۔" یہ کہہ کر جیرو واپس چلا گیا۔ ٹائیگر نے اسے غور سے دیکھا اور وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ اس شخص کی ریڑھ کی ہڈی میں کوئی لوچ نہیں۔

الف لیلہ ڈائجسٹ کا مقبول سلسلہ

انسان اور شیطان

مصنف محمد فراز

امیر علی خان کی خوفناک آپ بیتی

مکتبہ القریش سرکلر روڈ اردو بازار لاہور

فون 7668958

"زبردست ہے یہ شخص۔" شیریں نے غرا کر کہا۔ "اسے فرودسی کریو کی ضرورت نہیں جس میں بلاول خان، فوجی ٹیکنیکل ایڈوائزر اور ملٹری بھی شامل ہوں۔ اسسٹنٹ ڈائریکٹر بھی فرودسی ہے۔ خیر اب تم ہی کہو، جیرو سے تمہاری ملاقات ہو چکی ہے کیسا آدمی ہے؟"

"کیا راما گروپ والے کاریں بھی بناتے ہیں؟" ٹائیگر نے سُنی اَن سُنی کرتے ہوئے پوچھا۔

"ہر چیز بناتے ہیں۔" وہ منہ بنا کر بولی۔ "اب میں چلتی ہوں ایک ریہرسل تو کبھی لگانا ہے تم سے، تو سیٹ پر ہی ملاقات ہو گی۔"

"ایک منٹ تو سنو۔" ٹائیگر نے شیریں کو روک لیا۔ "اسسٹنٹ کوآرڈینیٹر کہاں ملے گا؟"

"اوہ! یہ بتانا تو بھول ہی گئی تھی۔" وہ دیکھو۔ شیریں نے ہماری دارجیلنگ کار کی طرف اشارہ کیا۔ "وہاں والی ٹاٹا کی وائے ایل ڈی کو تلاش کرو۔ اس سے سنی جوت کے بارے میں پوچھنا، وہ فرودسی عیسائی ہے۔"

ٹائیگر نے اِدھر اُدھر دیکھا، چھولداریاں ایسے مقام پر لگائی گئی تھیں جسے بلڈوزروں سے ہموار کر دیا گیا تھا۔ یہ مقام قدرے نشیب میں تھا۔ ایک بلڈوزر تو اب بھی مٹی اٹھانے میں مصروف تھا۔ یہاں ہر طرف لوگ آ جا رہے تھے اور ان میں سے ایک بھی فرودسی نہیں تھا۔

ٹائیگر نے ایک ایسے شخص کو پکڑ لیا جس کے ہاتھ میں کاغذ تھا۔ "مجھے سنی جوت سے ملنا ہے۔" اس نے خشک لہجے میں کہا۔

"سوتی جوت سے؟"

"تقریباً یہی نام ہے۔" ٹائیگر نے کہا۔ اس شخص نے

فوراً ہی والی ٹاٹا منشہ کے قریب لا کر اُسے آن کیا اور ایسی زبان بولنے لگا، جس میں اردو کے الفاظ کم تھے۔ اے سنی جوت کے نام کے علاوہ ملاقات اور مہمان ہی سمجھ میں آ سکا۔ بالآخر اس شخص نے ٹائیگر کی طرف دیکھ کر شمال کی سمت میں اشارہ کیا۔

"سنی جوت! اس طرف... ٹھیک ہے؟" اس نے کہا۔

"شکریہ! اس کا حلیہ کیا ہے؟"

"تو... فرودسی... اوکے...!" اس شخص کے اس جواب پر ٹائیگر سر جھٹک کر بتائی ہوئی سمت میں چلنے لگا۔ راستے میں اس نے فولڈر میں جھانکا وہاں اے ڈی کا مطلب اسسٹنٹ ڈائریکٹر لکھا ہوا تھا۔ وہ سوچنے لگا کہ فرودسی زبان میں بننے والی کسی فلم کا ڈائریکٹر فرودسی سے نابلد شخص کیسے ہو سکتا ہے۔

راستے بھر اس نے آنکھیں کھلی رکھیں تاکہ اگر بلاول خان پر نظر پڑ جائے تو وہ راہ و رسم پیدا کر سکے لیکن یہاں دُور دُور تک اس عالمی شہرت یافتہ اداکار کا کوئی نشان نہ تھا۔ اس صحرا میں بھول نہ دیکھ کر بھی ٹائیگر کو حیرت ہوئی تھی۔ اس جگہ ریت ہی ریت تھی یا پھر خودرو جھاڑیاں تھیں جن میں کانٹے نہیں تھے۔ سامنے ہی ٹائیگر نے پلٹ کر دیکھا، اسے اپنی غلطی پر پل بھر کے لیے غصہ آیا کیونکہ وہ اپنے عام انداز میں چل رہا تھا جس کی وجہ سے ریت پر اس کے پیروں کے نشانات نہیں بن رہے تھے۔ اس غیر معمولی صورتِ حال کا کوئی بھی نوٹ لے سکتا تھا لہٰذا ٹائیگر نے ایڑیاں گاڑ کر چلنا شروع کر دیا اب ریت پر جو نشان بن رہے تھے وہ کسی بچے کے پیروں سے مشابہ تھے۔ راستے میں چلتے چلتے وہ ایک ٹیلے پر چڑھ گیا اور پھر اس کا منہ حیرت کی وجہ سے کھلا رہ گیا۔ اس کے سامنے ٹینکوں کے علاوہ بے شمار بکتر بند گاڑیاں بھی تھیں۔ یہ ساز و سامان جس علاقے میں رکھا گیا تھا وہاں ہر طرف ریت کے ٹیلے تھے اور یہ حقیقت ٹائیگر کی آنکھوں سے چھپی نہ رہ سکی تھی کہ یہ ٹیلے حال ہی میں انسانی کوششوں کا نتیجہ ہیں۔ ٹینکوں اور بکتر بند گاڑیوں کے اردگرد غیر ملکی فوجی وردی پہنے ہوئے درجنوں افراد گھوم پھر رہے تھے۔ ان کی وردیاں کائی کے رنگ کی تھیں۔ درجنوں افراد ٹینکوں اور بکتر بند گاڑیوں پر چڑھے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ تب ہی اسے ایک قریبی ٹیلے پر ایسے لوگ نظر آئے جو چھلانگ لگانے کی مشقیں کر رہے تھے۔ غالباً یہی اسسٹنٹ مین تھے اور انہی میں سنی جوت بھی ہو سکتا تھا۔

وہ آگے بڑھا تو اس نے دیکھا کہ ایک پتھریلے تودے کے عقب میں ایک شخص جس کا رنگ بہت سیاہ اور ناک بے حد چپٹی تھی۔ رائفل سے شکست لے رہا تھا پھر اس نے لمبی لمبی قے ہوتے ہوئے بھی دیکھی۔ اچانک ہی ایک ایکسٹرا اپنا سینہ تھام کر گرتا چلا گیا۔ اس کی انگلیوں کے درمیان سے سُرخ سُرخ لہو بہنے لگا۔

ٹائیگر کو اب حرکت میں آنے سے کوئی نہیں روک سکتا تھا۔ وہ چھلاوے کی طرح پتھر کے تودے تک گیا اور رائفل بردار شخص کے عقب میں عین اسی وقت نمودار ہوا جب وہ دوسری گولی چلا رہا تھا۔ ٹائیگر نے اس کی گردن دبوچ لی۔ اس نے اسے آسانی سے اٹھایا کہ دونوں کی نظریں ایک ہی سطح پر آ گئیں۔

"رائفل مجھے دو۔" ٹائیگر نے غرا کر کہا۔

"تم کیوں دخل دے رہے ہو دوست؟" اس شخص کی فرودسی بہتوں سے بھلی تھی۔

"میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے تم نے نشانہ باندھ کر اس بے چارے کو قتل کیا ہے۔"

"اگر تم اجازت دو تو میں مزید تین چار افراد کو گولی مار سکتا ہوں۔" بھرتی نے ہلکے پھلکے لہجے میں جواب دیا۔

"دیکھو ٹریڈ یونین کے اختلافات اس طرح حل نہیں ہوتے۔" ٹائیگر نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"ٹریڈ یونین؟" وہ شخص ہنس پڑا اور پھر ہنستا چلا گیا۔

"اتنا مت ہنسو۔" ٹائیگر نے اس کی گردن چھوڑ دی اور دوسرے ہاتھ سے رائفل چھین کر زمین پر اس طرح ماری کہ اس کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ رائفل سے اٹیچن لیس اسٹیل ڈرم میگزین نکلا لیکن اس میں اصلی گولیوں کی بجائے کچھوں کی شکل والی گولیاں بھری ہوئی تھیں اور ہر گولی پر سُرخ محلول چڑھا ہوا تھا۔

"کمال ہے۔" بھرتی پھر قہقہہ مار کر ہنسا۔ "تم نے یقیناً یہی سوچا ہو گا کہ میں نے اسے مار ڈالا۔ ہتھیا کر ٹھکانے اس کی یہ امر گن نہیں دوست۔"

"لیکن بھائی رائفل کی بھی گولی اگر کسی نازک جگہ پر لگ جائے تو موت واقع ہو سکتی ہے مسٹر۔" ٹائیگر نے مارنے کی ایک گولی اٹھاتے ہوئے کہا۔ وہ اس گولی کو بغور دیکھ رہا تھا۔

"ذرا احتیاط سے۔" بھرتی نے کہا۔ "اگر تم نے اسے بھی توڑ دیا تو پروپ ماسٹر میری کھال اتار کر رکھ دے گا، بیدستکاری

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

تب ہی وہ شخص بھی انہی کی طرف آگیا جس کو بھرتی نے قتل کیا تھا' اس کے سینے پر خون کا بڑا سا دھبا صاف نظر آرہا تھا۔ "آؤ سنی جو" بھرتی نے شکار کر اس کا استقبال کیا۔

"ایک منٹ" ٹائیگر نے ہاتھ اٹھا کر کہا "تم سنی جو ہو؟"

"لوگ مجھے اسی نام سے پکارتے ہیں" سنی جو نے جواب دیا "یہ تم کون ہو؟"

"شہزاد!"

"پورا نام بتاؤ" سنی جو کے چہرے پر اچانک ہی نرمی ابھر آئی۔ اس کی آنکھیں بھی پُرجوش ہوگئیں۔

"شہزاد درانی!" اس جواب پر سنی جو کا چہرہ بجھ سا گیا۔

..... اور پھر چہرے پر غصے کے تاثرات نمایاں ہونے لگے

"تم یہاں کیسے آئے فرزند؟" سنی جو اگرچہ مسلم نہیں تھا لیکن مقامی ضرور تھا اسی باعث اس کی زبان بہت ٹھہری تھی "تم غالباً اس رائفل کو بھی نہیں پہچان سکے۔"

"سوری' میں یہ سمجھا تھا کہ شاید یہاں بھی یونین بازی کے چکر میں خون خرابہ ہو رہا ہے۔"

"ٹھیک ہے" سنی جو نے اکتا کر کہا اور پھر معاً ہی اس کے چہرے پر فرض جماویں "تمہارا چہرہ تو بیٹک ٹھیک ہے تمہاری فردوسی بھی مناسب ہے جبکہ ان بھرتیوں میں سے آدھے سے بھی زیادہ فردوسی ہی کیا بھرتی بھی ٹھیک سے نہیں بول سکتے۔ ہم پر یکٹس بٹ سٹس کر رہے ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ تم کتنے پانیوں میں ہو' آؤ۔"

ٹائیگر قدم آگے اور وجیہ سنی جو کے پیچھے چل دیا۔

"بلاول خان بہت حقیقت پسند ہے شہزاد" سنی جو نے چلتے چلتے کہا "اب تم یہیں کھڑے ہو جاؤ' میں تمہیں گولی مارلوں گا مگر تمہیں کھڑے قدم سے نہیں گرنا ہے۔ گولی کھانے کے بعد تم اس طرح جھٹکے لگو گے جیسے کسی نے تمہارے سر پر ہتھوڑا مارا ہو پھر تم جھکولے کھاتے ہوئے گر پڑو گے۔ ہم چاہتے ہیں کہ اسکرین پر ہر منظر حقیقت سے سو فیصد قریب ہو۔"

ٹائیگر وہیں کھڑا ہو گیا جبکہ سنی جو لپک کر اپنے شیلٹر میں چلا گیا۔ اس کا قد سات فٹ کے لگ بھگ تھا لیکن اس کے بازوؤں کی مچھلیاں بہت نرم لگ رہی تھیں' یوں لگ رہا تھا جیسے گوشت ہڈیوں کا ساتھ چھوڑنے لگا ہو۔ اس کی عمر ساٹھ برس سے کم نہ تھی تاہم اس کے چلنے پھرنے کا انداز کسی نوجوان سے کم نہیں تھا۔

سنی جو نے پیٹ کے بل لیٹ کر رائفل سے شست لی' گن زور سے کھانسی اور ٹائیگر کی تربیت یافتہ آنکھوں نے نال سے نکلنے والی سرخ گولی دیکھ لی جو اصل گولی کی رفتار سے اس کی طرف آرہی تھی' اس نے پیر جمالیے' وہ دھکا برداشت کرنے کے لیے تیار ہو گیا لیکن ... وہ اپنی تربیت کو دھوکا نہیں دے سکتا تھا۔ اسے یہ تربیت ملی تھی کہ گولی کے راستے سے کس طرح ہٹا جاتا ہے لہٰذا غیر شعوری طور پر وہ قدرے دائیں طرف جھک گیا' گولی زناٹے کے ساتھ گزر گئی اور ٹائیگر زمین پر گر پڑا۔

"کیا ہوا؟" اگلے ہی لمحے سنی جو اس کے سر پر کھڑا ہوا اختراع تھا۔

"میرا دل ٹھکانے نہیں" ٹائیگر نے عذر پیش کیا۔

"تمہارا دل عین اس وقت ٹھکانے نہیں رہا تھا جب گولی چلی تھی' خون کا دھبا کہاں ہے؟ کیا تم کسی فن کا مظاہرہ کر کے اسکرائیلوارڈ جیتنا چاہتے ہو؟"

"سوری" ٹائیگر کھڑا ہو گیا "یہ ایک بار پھر کوشش کر لینے میں ہرج ہے۔"

"ٹھیک ہے" اس بار گولی لگنے کا انتظار کرنا سنی جو خشک لہجے میں بولا۔ ابھی وہ اپنے نشان تک پہنچا ہی تھا کہ فضا میں تین میل کاپٹر پھڑپھڑانے لگے۔ ان کی آوازیں ہر طرف گونجنے لگیں تو لعنت ہو ان پر" سنی جو نے دہاڑ کر کہا "ان کی یہ حرکتیں شاید شوٹنگ کے دوران بھی جاری رہیں گی۔ یہ میرین اسٹرفورس والے بہت ہی بدتمیز ہیں محض تفریح کی خاطر پرواز کرتے رہتے ہیں' شاید ان کو بھی بلاول خان کی تلاش ہے۔"

"ان کی حکومت کرو' یہ جلد ہی تھک ہار کر خاموش ہو جائیں گے" ٹائیگر نے کہا۔

"یقیناً" سنی جو کا لہجہ پُراعتماد تھا "یہ تو محض میرین ہیں۔ چند میل دور شمال میں پوری فوج موجود ہے۔ صنم آباد اسٹرفورس ریجنٹ مشرق میں ہے اب غالباً وزیرستان ڈویژن تک ایف ۱۶ طیارے گشت کرتے رہیں گے۔"

"مجھے ایسا لگ رہا ہے جیسے تم اپنے کام سے خوش نہیں سنی جو" ٹائیگر نے خوشگوار لہجے میں کہا۔

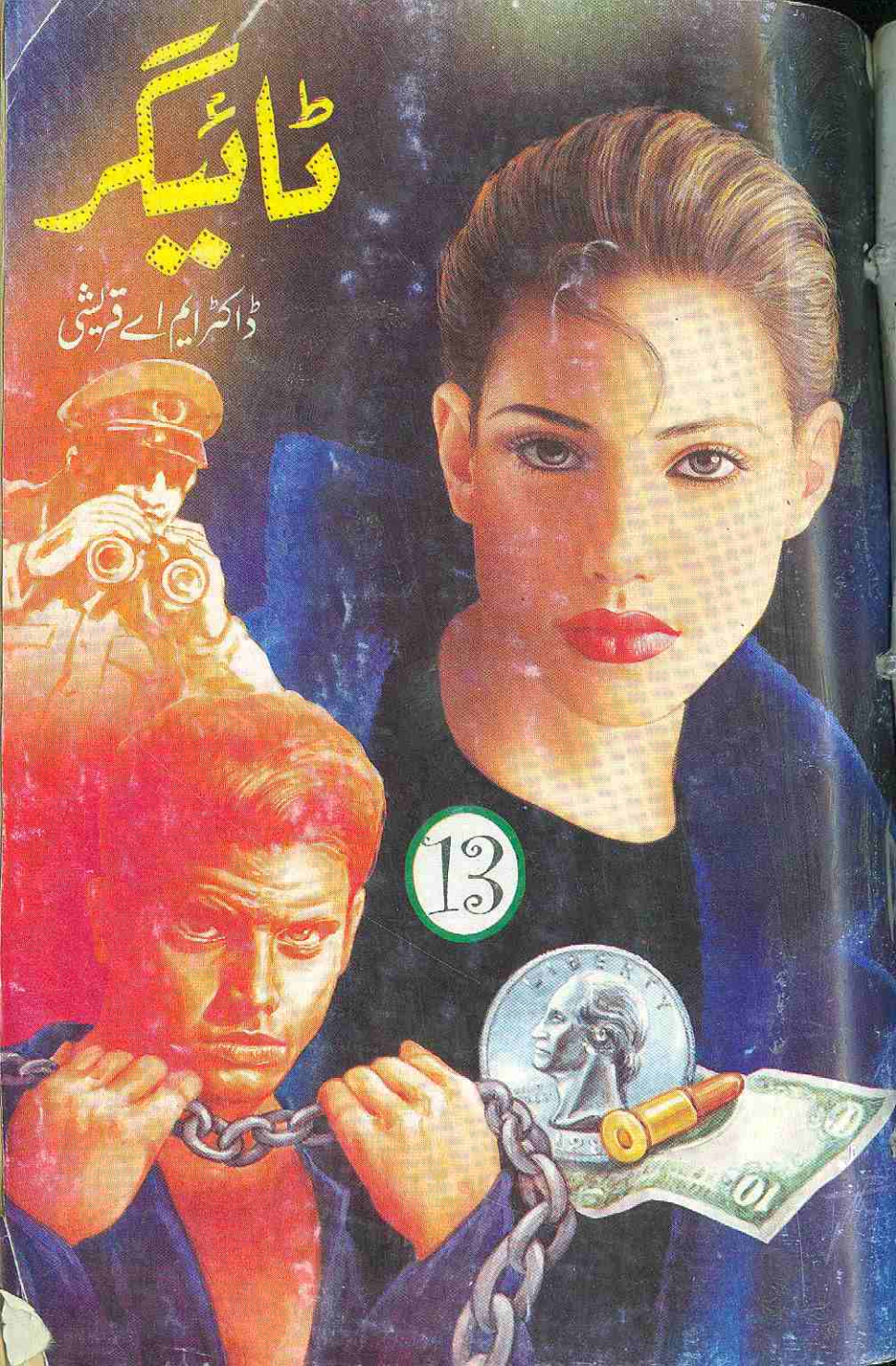
اس کے بعد

ٹائیگر کے تیرہویں اور آخری حصے کا مطالعہ کریں۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ٹائیگر

ڈاکٹر ایم اے قریشی



"کام" وہ ایک طرف تھوک کر بولا "میں تو ریٹائر ہو چکا تھا مگر پھر یہ تھری نازل ہو گئے۔ میری عمر ساٹھ سال سے زیادہ ہے لڑکے فلم انڈسٹری کو جوان خون درکار ہوتا ہے۔ میں نے کام کرنے سے انکار کر دیا تو بلاول خان خود میرے قبیلے میں پہنچ گیا اور اس نے ہمیں اس علاقے کو شوٹنگ کے لیے استعمال کرنے پر تیار کر لیا۔"

"یہ قبائلی علاقہ ہے؟"

"ہاں" سنی جو نے جواب دیا "بلاول خان اس پروڈکشن کے لیے سر جگہ اپنا اثر و رسوخ استعمال کر رہا ہے۔ انھیں قبائلی لوکیشن کی ضرورت تھی لہٰذا بلاول خان کو لے کر سردار کے پاس گئے۔ سردار زیرک آدمی ہے اس نے شرط یہ رکھی کہ اگر شوٹنگ اس علاقے میں کرنی ہے تو سنی جو بھی کام کرے گا۔ میں واقعی بہت مہارت رکھتا تھا مگر یہ دس برس پہلے کی بات ہے ویسے جب مجھے ایسا لگا جیسے بلاول مجھے چیلنج دے رہا ہے تو میں نے کہا ٹھیک ہے سنی جو! یونہی سہی۔"

"تم قبائلی تو نہیں لگتے۔"

"آج کل ہے شمار قبائلی... قبائلی نہیں لگتے لڑکے۔"

"قبیلے کا نام کیا ہے؟"

"تم نے ہمارے قبیلے کا نام کسی کتاب میں نہیں پڑھا ہوگا۔" سنی جو نے ہنس کر کہا "ویسے بھی اب یہ قبیلہ تیزی سے ختم ہو رہا ہے، چلو چھوڑو۔ آؤ اب مشق کر لیں۔"

ٹائیگر نے اپنی پوزیشن سنبھال لی۔ اس بار جب گن کھائی تو اس نے آنکھیں بند کر لیں، گولی سیدھی سینے پر لگی، وہ اچھلا، اس نے ہاتھ فضا میں بلند کیے، جھوما اور پھر جھومنے والے ہی انداز میں گرتا چلا گیا "بہترین" سنی جو کی آواز سنائی دی اور پھر اس نے کہا "آؤ، بھرتیوں میں سے کوئی ایک آگے آ جائے۔"

اس للکار کے باوجود ٹیلے پر موجود بھرتیوں میں سے کوئی بھی پریکٹس کے لیے آگے نہیں بڑھا۔ سنی جو مشتعل ہو کر اپنی پوزیشن سے اٹھا۔ اس نے اشاروں کی زبان میں بھرتیوں کو اپنی خواہش بتائی لیکن جب وہ مٹی کے مادھو ہی بنے رہے تو اس نے ایک بھرتی کو گردن سے پکڑ کر کھینچنا شروع کر دیا "سامنے... چوہے کی اولاد" وہ دہاڑ بھی رہا تھا۔ ٹائیگر کو یقین تھا کہ اب بھرتی انکیورا سنی جو پر حملہ کر دیں گے یا پھر کم از کم وہ بھرتی اپنی توہین... برداشت نہیں کر سکے گا لیکن ایسا نہیں ہوا لہٰذا وہ ایک طرف بیٹھ کر سنی جو کی نشانہ بازی دیکھتا رہا اور سوچتا رہا کہ اگر اسے پروفیشنل اسسٹنٹ مین کا امتحان پاس کرنا ہے تو ابھی بہت کچھ سیکھنا باقی ہے۔

بلاول خان کو قبائلی علاقے کی لوکیشن پر اس بار مظاہرین کو نہ دیکھ کر شدید حیرت ہوئی تھی اور وہ سوچ رہا تھا کہ کیا وہ لوگ ٹینکوں کے خوف کی وجہ سے مظاہرہ کرنے نہیں آئے تب ہی اس کی نظر ایک تباہ شدہ ایکسکیویشن ویگن اور الٹے ہوئے ٹینک پر پڑی۔ اس کا چہرہ تمتمانے لگا۔ اس نے اپنی موٹر سائیکل پر تباہ شدہ ویگن اور ٹینک کے گرد چکر لگایا اور پھر موٹر سائیکل کی رفتار خوفناک حد تک بڑھا دی۔ اس کا رخ بیس کیمپ کی طرف تھا۔ وہ پروڈکشن ٹینٹ کے سامنے رکے بغیر گزر گیا اور پھر موٹر سائیکل ایک چھولداری کے رسّے کو توڑتی ہوئی خیمے کی دیوار کے قریب رک گئی اس دوران ایک میز تباہ ہوئی، چھولداری کا دھاری دار کپڑا زوردار آواز سے پھٹا اور اس کے بعد ہی جیرو کا اس سے آمنا سامنا ہو سکا۔ اس وقت جیرو کو بلاول خان سے بڑا خوف محسوس ہوا لیکن اس بلاول خان میں بہت فرق تھا۔ اس وقت اس کے چہرے پر معصومیت نہیں تھی، قہر تھا، نفرت تھی، غصہ تھا اور درندگی تھی۔

"یہ سب کیا ہے؟" بلاول خان تباہ شدہ ویگن کی طرف ہاتھ اٹھا کر دہاڑا۔

"بلاول خان جی! آپ کو کس بات کی چنتا ہے۔ دھیرج خان صاحب! ذرا ہونٹ سے چھڑی تلے دم تو لینے دیں" جیرو کے لہجے میں بے پناہ انکسار تھا۔

"اب بتا تم سے نہیں میگزیکٹو پروڈیوسر سے بات کروں گا۔" بلاول خان نے پیر پٹختے ہوئے کہا۔

"رانا جی سے! شما کیجیے مہاراج! پر تو ایسا ممکن نہیں" جیرو نے سر جھکا کر جواب دیا۔

"کیا راج محل میں ٹیلی فون نہیں یا رانا گونگا اور بہرہ ہے میری اس سے بات کیوں نہیں ہو سکتی" بلاول خان آپے سے باہر ہو رہا تھا۔

"رانا صاحب ضعیف العمر اور قادر ہیں" جیرو نے بڑے احترام سے کہا "وہ آسانی سے دستیاب نہیں ہوتے لیکن وہ شوٹنگ شروع ہونے کے بعد باہر سیٹ پر ضرور تشریف لائیں گے اس سے آپ ان کے درشن کر لینا۔"

"تم رانا تک میرا ایک پیغام پہنچا سکتے ہو؟" بلاول خان کا لہجہ اب قدرے دھیما تھا۔

"کیوں نہیں، آپ بتائیں، آپ کا کیا پیغام ہے" جیرو نے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

پہلی مرتبہ سکون کی سانس لی وگرنہ اسے خدشہ تھا کہ بلاول اس پر ہاتھ چھوڑ بیٹھے گا۔

"یہ کہ مجھے احمق نہیں بنایا جا سکتا۔ میں کسی کے دھوکے میں نہیں آؤں گا۔"

"میں سمجھا نہیں۔"

"اور میں جھوٹ بھی نہیں سن سکتا۔"

"جھوٹ! یہ کیا ہوتا ہے جناب۔" جیرو کے چہرے پر اس وقت دنیا جہاں کی خباثت تھی۔

"میں نے آج ہی شوکت ملہوترا سے بات کی ہے۔"

"اوہ! آپ نے براہِ راست بات کی ہے۔" جیرو اچھل پڑا۔ "یہ معاہدے کی خلاف ورزی ہے بلاول خان۔"

"ممکن ہے ایسا ہی ہو لیکن جیرو میاں! مجھے جھوٹ اور سچ معلوم ہو گیا ہے۔ شوکت ملہوترا کا کہنا ہے کہ وہ سُرنج کمبس نامی کسی فلم کا ہدایت کار نہیں۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ اسے اس نام کی فلم کا پتا تک نہیں ہے۔"

"اوہ، اب میں سمجھا۔" جیرو کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک پیدا ہو گئی۔ "بات صرف اتنی سی ہے کہ شری ملہوترا نے اس فلم کا ہدایت کار بننے سے معذرت کر لی ہے۔ میں آج آپ کو اس بارے میں بتانے ہی والا تھا کہ آپ موٹر سائیکل سمیت چھولداری میں گھس آئے، سوری خان صاحب!"

"یہ شاطرانہ طرزِ تکلم کہیں اور کے لیے اٹھا رکھو جیرو، سچ کہو یہ کیا چکر ہے؟"

"شری ملہوترا کے منجر نے مجھے یقین دلایا تھا کہ وہ اس فلم کی ہدایت کاری ضرور کریں گے لیکن اب معلوم ہوا کہ ہمیں اندھیرے میں رکھا گیا تھا۔ یہ اخلاق سے گری ہوئی اور گھٹیا حرکت تھی۔ اس پر ہم نہ صرف احتجاج کریں گے بلکہ معذرت کا مطالبہ کریں گے۔ اب تو آپ کی تسلی ہو گئی ہو گی؟"

"تسلی؟" بلاول خان کو پھر غصہ آنے لگا۔ "میری تسلی صرف اس وقت ہو گی جب شوکت ملہوترا اس فلم کا ڈائریکٹر ہو گا۔ وہ بردست فنکار ہے۔"

"یقیناً۔" جیرو نے سر ہلا کر تائید کی۔ "مگر اب صورتِ حال ٹھن ہے۔ وہ انکار کر چکے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ اس بارے رانا صاحب آپ سے خود بھی معذرت کر لیں گے۔"

"اب ہدایت کار کون ہو گا؟" بلاول خان نے بڑی بے بسی سے دونوں ہاتھ باندھ کر پوچھا۔

"یہ اعزاز مجھی کو حاصل ہو گا۔" جیرو نے سر خم کرتے ہوئے جواب دیا۔

بلاول خان کے چہرے پر زلزلے جیسے تاثرات نمایاں ہو گئے۔ اس کی کنپٹیاں تک بج اٹھیں۔ "تم...!" اس نے بڑے حقارت سے کہا۔

"جی!" جیرو غیر ارادی طور پر ایک قدم پیچھے ہٹ کر بولا۔

بلاول خان آگے بڑھا۔ اس نے فاصلہ ختم کر دیا۔ اب اس کی گرم گرم سانس جیرو کی گردن جھلسائے دے رہی تھی۔ "تم نے کتنی فلموں کی ہدایت کاری کی ہے نومڈے؟"

"کسی کی بھی نہیں۔" جیرو خود کو خطرے میں دیکھ کر ہاتھ پیر چھوڑ بیٹھا تھا۔

"تب پھر تم نے خود ہدایت کار بننے کا فیصلہ کر کے بڑی جرأت کا ثبوت دیا ہے جیرو۔ ہاں، تم لوگوں کو سرمائے کی کوئی پروا ہی نہیں ہے۔ رانا گروپ کے لیے تین کروڑ روپے کے اخراجات کسی شمار ہی میں نہیں لیکن سنو! اس فلم کا تعلق میرے مستقبل سے ہے۔ تم کو بطور ہدایت کار قبول کرنے سے بہتر تو یہ ہے کہ بغیر ہدایت کار کے کام کیا جائے۔ سب لوگ میدان میں کود پڑیں اور شوٹنگ شروع ہو جائے۔ حتیٰ کہ فلم ایک مکمل کارٹون فلم بن کر سامنے آ جائے۔ کیا تم درباری مسخرے ہو جیرو؟"

"میں بہتر بن کام کروں گا۔" جیرو نے وعدہ کرنے والے انداز میں کہا۔

"ناممکن۔" بلاول بولا۔ "سنو جیرو! ہم کام بند کر کے کسی تجربہ کار ہدایت کار کی تلاش کریں گے۔ اس سے پہلے کچھ نہیں ہو گا۔ سُنا تم نے؟"

"اب وقت نہیں رہا بول۔" جیرو نے خوشامدانہ لہجے میں کہا۔ "دیکھیے کل ہی اسٹارٹ ہو جائیں گے۔"

"کل... مگر پرسوں تو کرسمس کی شب ہے۔" بلاول نے سمجھانے والے انداز میں کہا۔ "اور شیڈول میں کہا گیا ہے کہ شوٹنگ تعطیلات کے بعد ہو گی۔"

"رانا صاحب نے شیڈول تبدیل کر دیا ہے۔"

"لاؤ۔" بلاول نے اپنا بڑا سا ہاتھ بڑھا کر مطالبہ کیا۔ "تبدیل شدہ شیڈول دکھاؤ مجھے۔"

"اس وقت میرے پاس نہیں ہے۔"

"گڈ! شیڈول تمھارے پاس موجود نہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ شوٹنگ بھی نہیں ہو گی۔ شیڈول دستیاب نہیں، ڈائریکٹر بھاگ گیا! اب صرف ہیرو ہے اور درجنوں ٹینک۔ ہاں تم بھی تو ہو جیرو! کمال ہے کیسا بے وقوف بنا ہوں میں۔ سُنو! ہدایت کار کی ناجائز اولاد! میں ہوٹل واپس جا رہا ہوں۔" یہ کہہ کر وہ پلٹ گیا۔

"نہیں۔" جیرو نے اس بار چلا کر کہا تھا۔ "ہمیں تمھاری ضرورت ہے۔"

بلاول خان نے پلٹ کر دیکھا۔ اسے بڑا عجیب سا لگا تھا۔ جیرو کے لہجے میں اچانک بڑی زبردست تبدیلی آ گئی تھی۔ "کس لیے؟" اس نے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"میرین اور ائر فورس والوں سے بات کرنے کی خاطر۔"

"کس سلسلے میں؟" بلاول خان نے دونوں ہاتھ سینے پر باندھتے ہوئے پوچھا۔

"ہم وقت سے پہلے شوٹنگ کا آغاز کر رہے ہیں۔ ایکسٹراز کی مکمل نفری ابھی یہاں پہنچی ہی نہیں ہے۔ اس لیے ہمیں فردوسی فوجیوں کو بطور ایکسٹرا استعمال کرنا ہو گا، ساتھ ہی ہیلی کاپٹر بھی درکار ہوں گے۔ کل ہم پیراشوٹ ڈراپ کی شوٹنگ کریں گے۔"

"اسکرپٹ میں پیراشوٹ سے کودنے کا کوئی منظر نہیں...!" بلاول خان نے احتراض کیا۔

"یہ نظر ثانی شدہ اسکرپٹ میں شامل ہے اور نظر ثانی کل رات ہی مکمل ہوئی تھی۔"

"کیا؟" بلاول خان سر تا لحظہ رنگ بدلنے والے جیرو کو دیکھتا رہ گیا۔ "اور نظر ثانی کس نے کی تھی؟"

"میں نے۔" جیرو کا لہجہ اب جھاڑ سا لگا تھا۔ "مجھے حیرت نہیں ہوئی بلکہ جھٹکا سا لگا ہے۔ تم واقعی ہرفن مولا ہو جیرو، تمھیں یہ حق کس نے دیا؟"

"اسکرپٹ میرا ہی لکھا ہے نا۔" جیرو نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "میں نے اور رانا جی نے مشترکہ طور پر لکھا تھا۔"

"اور تم یہ بھول رہے ہو کہ اوریجنل ڈرافٹ میرا تھا۔ خیر چھوڑو۔ کیا تمھیں یاد نہیں کہ میں نے...؟"

"آپ کو اسکرپٹ اور اسکرین پلے کا بھرپور کریڈٹ دیا جائے گا۔" جیرو شاطر نے تیزی سے کہا۔ "اب چلیں، ابھی بہت کام کرنا ہے۔"

"تمھیں اگر میری مدد کی ضرورت ہے اور مجھے تمھاری امداد کی ضرورت ہے۔"

"میں سمجھا نہیں۔" جیرو ہکلیں چھپکانے لگا۔

"تم یونین والوں کا تنازعہ حل کر کے میری مدد کر سکتے ہو۔ میں اب تم سے صرف اس شرط پر تعاون کروں گا کہ یہ مسئلہ کل تک حل ہو جانے گا۔"

"منظور۔" جیرو نے صرف ایک لمحے کی ہچکچاہٹ کے بعد جواب دیا۔ "کل کیمرے رول ہونے سے قبل یہ مسئلہ مؤثر طور پر حل ہو جائے گا۔ آپ شانت رہیں۔"

"ٹھیک ہے۔" بلاول خان اپنی شرط منظور ہونے پر حیرت زدہ تھا۔

"تب پھر چلیں۔" جیرو بڑی پھرتی سے چھولداری سے نکل گیا۔ اب بلاول کے پاس اس کے ساتھ جانے کے سوا اور کوئی راستہ نہیں تھا۔ وہ سر جھٹک کر موٹر سائیکل کی طرف بڑھ گیا جسے چھولداری کے کپڑے سے نکالنے کے لیے اسے بہر حال... جدّ و جہد کرنی پڑی۔ ابھی ہوئی گاڑی نکالنے کی کوشش میں وہ سنی جُو سے ٹکراتے ٹکراتے رہ گیا۔ سنی جُو کے پیچھے درجنوں بھرتی ایکسٹرا آ رہے تھے اور سنی جُو کے ساتھ ایک فردوسی نوجوان بھی تھا۔

"میں نے ریہرسل مکمل کر لی ہے مسٹر بلاول۔" سنی جُو نے خوشی سے بھرپور لہجے میں اُسے مطلع کیا۔

"گڈ! اب تم بھرتی زبان سیکھنے کی کوشش بھی کرو، کسی وقت کام آ سکتی ہے۔" موٹر سائیکل اسٹارٹ کرتے ہوئے بلاول نے کہا اور پھر فردوسی نوجوان کی طرف دیکھنے لگا۔

"بڑا جملے باز شخص ہے۔" صفی جُو نے ٹائیگر کو سرگوشی میں بتایا۔ "آؤ، تمھارا تعارف کرا دوں بلاول خان سے۔ یہ شہزاد ہے، فردوسی اسسٹنٹ ہیں۔ یہ آپ کے لیے اسسٹنٹ مین بنے گا۔"

"میں آپ کا زر دست فین ہوں جناب۔" ٹائیگر نے بلاول کی طرف ہاتھ بڑھا کر کہا۔ اسے اندازہ تھا کہ اگر اسے کامیابی سے بلاول پر نظر رکھنی ہے تو اس شخص سے ہاتھ ملانا ہی پڑے گا۔

"تب پھر مجھے ہتھوڑے جھونکے محسوس کیوں نہیں ہو رہے۔" بلاول نے طنزیہ انداز میں کہا اور ہاتھ ملائے بغیر گاڑی کو اچھال کر چلا گیا۔

لگتا ہے کہ بلاول کو کوئی پریشانی کھائے جا رہی ہے۔ شہزاد۔" سنی جُو نے متفکرانہ انداز میں کہا۔

"بڑا نخریلا انسان ہے۔" ٹائیگر نے مُنہ بنا کر کہا۔ "بات سکی والی ہی تھی۔ اس کا ہاتھ جھیلا رہ گیا تھا۔"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

شالالان کوٹ ائر اسٹیشن کا بیس کمانڈر اس وقت انتہائی متین بُردبار اور سنجیدہ لگ رہا تھا۔ جب بلاول خان اس کے کمرے میں داخل ہُوا جیرو جان بوجھ کر بلاول کے پیچھے چل رہا تھا۔ اسے یہاں بڑی وحشت ہو رہی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے اس کے پُرخچے اُڑ جائیں گے۔ اس کا حلق سُوکھ رہا تھا، رونگٹے کھڑے ہو رہے تھے۔ اسے احساس تھا کہ اسی ائر بیس سے فردوسی فضائیہ نے ماضی کی جنگوں میں پروازیں کر کے بھرت لینڈ میں دور دور تک مار کی تھی۔

اُس نے سر اٹھا کر دیکھا اور پھر لرز کر رہ گیا۔ بیس کمانڈر اسے گھُور رہا تھا۔ اسے یوں لگا جیسے پول کھل گیا ہو۔

"ہیلو" بیس کمانڈر کرنل تنویر طلعت نے نرم لہجے میں کہا تو جیرو کے حواس ٹھکانے آئے۔ "میں بہت صاف گو اور اجڈ آدمی ہوں بلاول خان! میں یہ ہرگز نہیں کہوں گا کہ میں نے تمہاری ہر فلم دیکھی ہے۔ میں نے تو تمہاری کوئی بھی فلم نہیں دیکھی۔"

بلاول کے چہرے پر نجات برسنے لگی لیکن اس نے خود پر فوراً ہی قابو پا لیا۔ "کوئی بات نہیں، ابھی آپ کی عمر زیادہ نہیں ہوئی ہے۔ مجھے دیکھ لیا ہے تو فلمیں بھی ضرور دیکھیں، سینما ہاؤس میں بھی جانے کی ضرورت نہیں، سب ویڈیو پر دستیاب ہیں۔"

بلاول کے چہرے پر مُسکراہٹ تھی مگر جواب میں اُسے مُسکراہٹ نہیں ملی سب ہی اُسے اندازہ ہُوا کہ شاید کرنل بہت ہی خشک انسان ہے۔

"بیٹھو" کرنل تنویر نے ہاتھ ہلا کر کہا۔ "اور تفصیل سے بتاؤ کہ تم کیا چاہتے ہو؟"

"ہم کل سے ایک دو روز کے لیے آپ کے بیس کا استعمال چاہتے ہیں۔" بلاول نے اس شخص کو سمجھ لیا تھا کہ وہ پھُٹے دار باتوں میں آنے والا نہیں لہٰذا اس سے دو ٹوک بات کرنا ہی مناسب ہے۔ اسی باعث اُس نے لفظوں کے استعمال میں بھی کفایت برتی تھی۔

"کیا یہ ہفتہ شوٹنگ کرنے کے لیے نامناسب نہیں بلاول خان؟ اب تو تعطیلات بھی شروع ہونے والی ہیں۔"

"ہم تعطیلات بھی ضائع ہونے نہیں دیں گے سر! اس دوران شوٹنگ جاری رہے گی۔" بلاول خان نے جواب دیا۔ "ویسے بیس پر تعطیلات کے دوران شوٹنگ کرنا زیادہ مناسب ہوگا اس طرح کم سے کم لوگ متاثر ہوں گے۔"

"ہُوں" کرنل تنویر طلعت نے ہنکارا بھرا کر جیرو کو دیکھا اور پھر پیپر ویٹ سے کھیلتا ہُوا بولا۔ "میں اس قسم کی غیر معمولی درخواست پر فیصلہ کرنے کا مجاز نہیں ہُوں کیونکہ یہاں سگنلز انٹیلی جنس کا آپریشن بھی جاری ہے۔"

"تب پھر مجاز افسر کون ہے؟" بلاول خان نے پہلو بدلتے ہوئے پوچھا۔ کرنل زیادہ مشکل شخص نظر آ رہا تھا۔

"محکمہ دفاع... اور میرا خیال ہے کہ محکمہ دفاع والے تمہاری اس درخواست کو بمشکل..."

"سر!" جیرو نے پہلی مرتبہ زبان کھولی کہ کرنل تنویر کا انداز اُسے بھی پریشان کیے دے رہا تھا لہٰذا ضرورت اس بات کی تھی کہ اب جو کچھ بھی کہا جائے گھُما پھرا کر کہا جانا چاہیے اور یہ کام بلاول خان نہیں کر سکتا تھا۔ "ہمیں فردوس میں کسی نے بھی مایوس نہیں کیا۔ دفتر خارجہ ہو کانگریس یا مقامی حکام، سب ہی نے ہم سے تعاون کیا ہے لہٰذا میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ بھی ہمارے مسئلے پر ہمدردی سے غور کریں۔"

جیرو نے کرنل کے سامنے اتنی شُستہ فردوسی بولی تھی کہ ایک لمحے کو تو بلاول خان بھی حیرت زدہ رہ گیا۔

"مجھے ایک فون کرنا ہوگا۔" کرنل تنویر نے پیپر ویٹ رکھتے ہوئے کہا۔ "کتنے دن شوٹنگ جاری رہے گی؟"

"دو دن۔" جیرو نے کہا اور پھر فوراً ہی بولا۔ "تین دن سے زیادہ نہیں، ہمیں وردی پوش جوانوں کا تعاون بھی درکار ہوگا۔"

"وہ کس حیثیت میں؟" کرنل نے مشکوک انداز میں اس کی طرف دیکھا۔

"ایکسٹرا۔" جیرو کے لہجے میں بشاشت تھی۔

"تم میرے لوگوں کو اپنی فلم میں استعمال کرنا چاہتے ہو؟"

"یس سر!" اس بار بلاول خان نے جواب دیا تھا۔ "اس میں کوئی حرج بھی نہیں۔ وہ زندہ نامی فلم میں، میں نے ماؤنٹین کور کی نفری کا شاندار استعمال کیا تھا... اس فلم میں حقیقت کا رنگ بھرنے کے لیے ایسا بہت ضروری ہے۔ کیونکہ گھوسٹ کی خلائی دنیا کے ایکسٹرا کتنے ہی تربیت یافتہ کیوں نہ ہوں وہ نہ تو اصلی فوجیوں کے انداز میں چل سکتے ہیں اور نہ ہی انھیں ہتھیار پکڑنے کا درست طریقہ معلوم ہے۔"

"ہُوں۔" کرنل زیرِ لب مسکرانے لگا۔ "ایک عرصہ ہو گیا کہ میں نے کوئی جنگی فلم نہیں دیکھی۔ ویسے آج کل کی فلموں کو دیکھنا ایک کڑے امتحان سے گزرنے کے مترادف ہے، سب کچھ فضول ہو کر رہ گیا ہے بلاول خان! ایک فلم میں تو انتہا ہو گئی۔

ایک فلم میں امریکی ساختہ ایم ۱۲۰ گرینڈ لانچر کو کلاشنکوف سے ملتا جلتا دکھایا گیا تھا۔"

"ہماری فلم میں ایسی کوئی بھی غیر حقیقت پسندانہ بات آپ کو نظر نہیں آئے گی جناب! ہمیں ہتھیاروں کے بارے میں تمام معلومات حاصل ہیں۔" بلاول خان نے بڑے پُراعتماد لہجے میں کہا۔ اس کے ساتھ کرنل نے ریسیور اٹھا کر پہلا نمبر ڈائل کیا۔

"ٹھیک ہے۔" اُس کا لہجہ فیصلہ کُن تھا اور پھر وہ کسی خیال کے تحت مسکرا کے بھی لگا۔ "کیا تمہاری فلم میں کسی میجر یا کرنل کا کردار بھی ہے؟"

"کیوں نہیں۔" بلاول خان سے پہلے جیرو بول پڑا۔ "اس فلم میں تو ہر فوجی کا خصوصی کردار ہے۔ مسئلہ صرف ہتھیاروں کا ہے۔ ہمیں فردوسی اسلحہ بھی درکار ہوگا تاکہ ہم حقیقت سے قریب تر ہو سکیں۔" پھر کیا جیرو نے اس وقت خود کو بہترین ماہر نفسیات بھی ثابت کر دیا۔ اُس نے کرنل کی دُکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔

"یہ تو کوئی مسئلہ ہی نہیں۔ بیس کے استعمال کی اجازت کا مطلب یہاں دستیاب ہر سہولت کا استعمال ہی تو ہوگا۔" کرنل نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

"ویسے انسانی زندگی کو تحفظ فراہم کرنے کے لیے ہم نقلی گولہ بارود استعمال کریں گے۔" جیرو کے لہجے میں مایوسی تھی۔

"ظاہر ہے۔" کرنل نے آخری نمبر ملا کر دور کہیں بجنے والی گھنٹی کی آواز سُنتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔ "ہیلو... کرنل تنویر طلعت اسپیکنگ... میرے بن کور کے کمانڈو سے ملاؤ۔" اس کا لہجہ اچانک ہی خشک اور کاروباری سا ہو گیا۔

صنم آباد ائر فورس رینج کا بیس کمانڈر بہرحال بہت اکھڑ شخص ثابت ہُوا۔ "سوری۔" اُس نے اپنی گمبھیر آواز میں اس طرح کہا جیسے پتھر مار دیا ہو۔ "میں یہاں اس ڈرامے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ اس ڈرامے پر کیمرے اور شوٹنگ! ناممکن حضرات! سوری ویری سوری۔"

"ہم زیادہ دن نہیں لگائیں گے سر!" جیرو کو پہلی دفعہ زمین کھسکتی محسوس ہوئی تھی۔ "زیادہ سے زیادہ سہ پہر تک کام مکمل کر لیں گے۔" بلاول خان نے دیکھا کہ جیرو کی ہدایت کار کا مسم پسینے میں نہا رہا ہے۔

"سوری!" کرنل فریدنے دونوں ہاتھ میز پر رکھ کر پھر جواب دیا۔ "ہم تو صرف پیراشوٹ ڈراپ کی شوٹنگ کرنا چاہتے ہیں۔" بلاول خان نے قہقہہ دیا۔ "اس کے لیے ہم آپ ہی کے جوانوں کو شامل کریں گے، کوئی غیر نہیں ہوگا۔"

"تو تم چاہتے ہو کہ ائر مین بھی میں ہی فراہم کر دوں!"

"جی ہاں... اور پوری وردی میں۔"

"پیراشوٹ تو ہم خود فراہم کریں گے۔" جیرو نے تیزی دکھائی۔ ضابطوں کے مطابق آپریٹنگ اخراجات بھی یونٹ ہی برداشت کرے گا۔ آپ کو ذرا بھی تکلیف نہیں ہوگی۔"

"سوفیصد درست۔" بلاول خان نے تائید کی۔ اُس نے کرنل فرید کے چہرے پر عود کر آنے والی چمک کا اندازہ لگانے میں ذرا بھی غلطی نہیں کی تھی۔

"تب پھر میں یہ کہوں گا کہ تم لوگوں کو اس منظر کی شوٹنگ کے لیے ضروری چیزوں کا اندازہ تک نہیں۔ ڈراپ کے لیے پیراشوٹ ہی کافی نہیں۔ سی ۱۳۰ ہرکولیس طیاروں کی بھی ضرورت ہوتی ہے، وہ کہاں سے لاؤ گے؟"

"ہمیں صرف تین طیاروں کی ضرورت ہوگی کرنل صاحب!" بلاول خان نے سر ہلا کر کہا۔ "طیارے سے کُودنے کا منظر شالان کوٹ کے صحرا میں فلم بند ہوگا جبکہ طیارے یہاں سے پرواز کریں گے۔"

"تم لوگ بہت حقیقت پسند ہو۔" کرنل فرید نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔ "سے اچانک ہی فلم اور پیراشوٹ ڈراپ سب میں دلچسپی محسوس ہونے لگی تھی۔ وہ جنگ کا عملی تجربہ نہیں رکھتا تھا اور پیراشوٹ ڈراپ وغیرہ اس نے صرف تربیتی مشقوں ہی میں دیکھا تھا۔

"آپ ذرا غور کریں کہ فلم میں اس منظر کی مقبولیت سے ائر فورس کی کتنی شہرت ہوگی جناب!" بلاول خان نے چبتے ہوئے لہجے پر ضرب لگاتے ہوئے کہا۔ "اسکرپٹ کے مطابق آپ کی ائر فورس حملہ آور فوج پر جوابی حملے کرتی ہے اور نہ صرف دشمن کی پیش قدمی ناکام بنا دیتی ہے بلکہ [illegible]

[illegible] کہا۔ "میں نے سنا ہے کہ دردمند عامی فلم کی نمائش کے بعد نوجوانوں کی ٹولیاں فوج میں بھرتی کے لیے ہر جگہ جمع ہو گئی تھیں۔ ائر فورس، آرمی، نیوی اور میرین چاروں برانچوں میں بھرتی کا تناسب اچانک ہی بیس فیصد بڑھ گیا تھا۔"

"اس بار یہ بیس فیصد سے بھی بڑھ جائے گی۔ آپ فلم کی نمائش تو ہونے دیں۔" بلاول خان نے پُرزور لہجے میں کہا۔

"ہمارا اندازہ ہے کہ بھرتی کی شرح میں چالیس فیصد تک

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

اضافہ ہوگا۔" جیرو پیچھے رہ جانے والا نہیں تھا۔ صحرائے فر کے مقامی باشندے فوج میں شامل ہونے سے کتراتے تھے۔ یہ بات کرنل فرید کو اچھی طرح معلوم تھی اور وہ یہ سوچ رہا تھا کہ اگر بلاول خان کی نئی فلم صحرائے فر کے باشندوں میں بھی فوجی خدمات سے دلچسپی کا جذبہ پیدا کر ڈالے تو قومی یکجہتی کے لیے کتنی زبردست بات ہوگی۔

"اب مجھے لالچ محسوس ہونے لگا ہے۔" کرنل فرید نے ہنس کر کہا۔ "لیکن عکسہ دفاع کے افسران شوٹنگ کی اجازت دینے پر تیار نہیں ہوں گے۔"

"لیکن میرین والے تو وہاں کر چکے ہیں۔" جیرو نے آخری پتہ استعمال کیا۔

"اوہ۔" کرنل چونک پڑا۔ "وہ تو سیکھتر، فلم میں ان کا کیا کردار ہے؟"

"پہلی ہی ریل میں ان کے اڈے کو دشمن کے قبضے میں جاتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔" جیرو نے فوراً جواب دیا۔

"مجھے دو تین کارڈ کرنا ہوں گی۔" کرنل فرید کا لہجہ بالکل بدل گیا۔ "لیکن اگر میں نے اجازت دے دی تو تمہیں بھی میرا ایک کام کرنا ہوگا۔"

"فرمائیں۔" بلاول خان اچھل کر بولا۔ "آٹوگراف... تصویر جو حکم کریں۔"

"پوہ۔" کرنل نے حقارت سے اس کی طرف دیکھا۔ "ان چکروں میں کرنل فرید نہیں پڑتا۔ میں چاہتا ہوں کہ ٹریپ سین میں سب سے پہلے طیارے سے کودنے والا شخص میں ہوں۔"

"منظور۔" بلاول خان خوشی سے بے قابو ہو گیا۔ یہی حال جیرو کا بھی تھا۔ اسے یوں لگا تھا جیسے اس نے کرنل فرید کو قابو کر کے سب کچھ پا لیا ہو۔

✦

شیریں کو آنے والے کا نام ہی عجیب سا لگا۔ "اوشان!" بھلا یہ کیا نام ہوا۔" وہ زیر لب بڑبڑائی پھر اس نے سر جھٹکتے ہوئے شالفن ائرپورٹ کی طرف گاڑی گھما دی۔ اسے حیرت تھی کہ پروڈکشن پالیسی کے برخلاف کسی صحافی کو آنے کی اجازت کیسے مل گئی۔ جیرو تو ویسے بھی صحافیوں سے دور بھاگتا تھا۔ انہی سوچوں میں غرق شیریں نے ٹرمینل کے باہر اسٹوڈیو وین کھڑی کی اور اندر چلی گئی۔

وہاں صرف ایک شخص انتظار کی کیفیت میں نظر آیا۔ اس کا قد پانچ فٹ سے زیادہ نہیں تھا۔ اس نے ایک ریشمی اور رنگین لبادہ پہن رکھا تھا۔ اس وقت اس کے چہرے پر بڑی اداسی تھی اور وہ بالکل تنہا تنہا سا لگ رہا تھا۔ شیریں کے دل میں اس شخص کے لیے دنیا جہاں کی ہمدردی امڈ آئی۔ "کیا آپ ہی مسٹر اوشان ہیں؟" اس نے قریب جا کر بہت نرم لہجے میں پوچھا۔

"ہاں۔" میں ہی اوشان ہوں۔" پستہ قامت، موٹے پتلے اور کمزور سے بوڑھے نے جواب دیا۔

"آپ کیسے ہیں مسٹر اوشان؟" وہ مسکرانے لگی۔ "میرا نام شیریں ہے اور مجھے اسٹوڈیو نے بھیجا ہے۔"

"ایک عورت کو!" اوشان سراپا حیرت بن گیا۔

"مجھے افسوس ہے۔" شیریں نے اس براہ راست توہین کا بھی برا نہیں مانا۔ "یہ ان کی مجبوری تھی جناب! پبلسٹی پوائنٹ صرف عجم پر مشتمل ہے اور اس طرح مجھے قبول کرنا آپ کی بھی مجبوری ہے۔"

"میرے سامان کا کیا ہوگا؟" اوشان نے قدرے پریشانی کے عالم میں پوچھا۔ اس وقت شیریں کو سامان سے زیادہ اوشان کی چمک دار کھوپڑی میں دلچسپی تھی جو کسی ایسے پنسل میدان کی طرح لگ رہی تھی جہاں سراب کا گمان ہوتا ہے۔ "آپ کوئی ہیٹ لے کر نہیں آئے مسٹر اوشان؟" وہ زیر لب مسکراتی ہوئی بولی۔

"کیا آپ کے ایڈیٹر نے یہ نہیں بتایا تھا کہ صحرائے فر میں دھوپ بہت تیز بلکہ ناقابل برداشت ہوتی ہے اگر آپ نے یہاں ننگے سر گھومنے پھرنے کی کوشش کی تو لُو بھی لگ سکتی ہے۔ آپ کا لباس بھی نامناسب ہے۔"

"کیوں! میری پوشاک نامناسب کیسے ہے؟" اوشان نے اپنے ریشمی لبادے کو دیکھتے ہوئے پوچھا جس کی زمین گہری سبز تھی اور جس کی پشت پر سنہری دھاگوں سے ڈریگن بنایا گیا تھا ایسے ہی دو چھوٹے چھوٹے ڈریگن سینے پر دائیں بائیں بنے ہوئے تھے۔

"آپ کو ہیٹ کی ضرورت بہرحال محسوس ہوگی انکل...!" شیریں نے پہلی بار اسے شوخ لہجے میں انکل کہا۔

"مجھے ہیٹ سے زیادہ اپنے سامان کے بارے میں فکر محسوس ہو رہی ہے بیٹی۔" اوشان نے ایک ٹانگ سے شیریں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ شیریں کو یہ انگی کسی سوکھی بھنڈی کی طرح ہی لگی تھی۔

"اس کی آپ فکر مت کریں، یہ میرا کام ہے لیکن آپ ائرپورٹ سے نکلنے سے قبل گفٹ شاپ میں جا کر سر پر اوڑھنے کے لیے کچھ ضرور خرید لیں۔"

"میں اپنا سر کیوں چھپاؤں لڑکی؟" اوشان نے اس بار قدرے خفگی سے پوچھا۔

"شرمانے کی کوئی بات نہیں انکل!" شیریں نے بہت نرم لہجے میں کہا۔ "آپ اچھا سا ہیٹ خرید لیں، رسید بھی لے لیں اسٹوڈیو والے رسید آپ سے لے کر رقم واپس کر دیں گے۔"

"اوہ!" اوشان چونک اٹھا۔ "یہ تو مجھے خیال ہی نہیں رہا کہ صحرا میں گھومنے پھرنے کے لیے ہیٹ ضروری ہوتا ہے۔ یاد دہانی کا شکریہ میری بچی۔" میرا سامان اس طرف رکھا ہے۔" اوشان نے دائیں ہاتھ کی بڑی انگلی سے اشارہ کیا تو شیریں کو پہلی مرتبہ رشک محسوس ہوا۔ اوشان کا ناخن کافی بڑا تھا اور شیریں آج تک کبھی اپنا ناخن اتنا نہیں بڑھا سکی تھی۔ اسے سامان دیکھ کر بھی حیرت ہوئی۔ اوشان کئی صندوق لے کر آیا تھا جو ایک طرف پڑے ہوئے تھے۔ وہ بوڑھے سے کچھ کہنا چاہتی تھی مگر اسے اپنے عقب میں نہ پا کر اسے حیرت ہوئی۔ اس نے ریشمی لبادے کی ایک جھلک ضرور دیکھی۔ وہ گفٹ شاپ کے اندر نظر آیا تھا۔

شیریں نے ایک صندوق کو اٹھانا چاہا تو دنگ رہ گئی۔ وہ خاصا بھاری تھا۔ "مرو الیانا۔" وہ خود کو برا بھلا کہنے لگی۔ "دماغ ہی چل گیا ہے میرا۔ اب یہ صندوق کیسے اٹھاؤں گی؟"

وہ چاہتی تو اوشان سے صاف صاف کہہ سکتی تھی کہ یہ صندوق اٹھا کر باہر لانا اس کے بس کی بات نہیں مگر وہ بات کی پکی تھی اس نے اوشان سے کہا تھا کہ وہ سامان کی فکر نہ کرے۔ اب وہ بات نبھانا چاہتی تھی لہٰذا وہ کام میں جت گئی اور سارے صندوق ایک گھنٹے میں اٹھا کر اس مونو ٹنک تک پہنچا سکی، جہاں وین کھڑی ہوئی تھی۔

ابھی شیریں نے آخری صندوق رکھ کر سرد آہ بھری ہی تھی کہ اسے گفٹ شاپ سے عین گیلن کا ڈیولپے ہیٹ نکلتا ہوا نظر آیا۔ اس ہیٹ کے نیچے سبز پوشاک بھی نظر آ رہی تھی اور شیریں کو یقین تھا کہ ہیٹ کے نیچے اوشان کا سر اور پوشاک کے اندر وہ خود بھی ضرور موجود ہوگا۔

"شاید تمہیں کسی مرد کی مدد کی ضرورت ہے لڑکی۔" اوشان نے قریب آ کر کہا۔

"کیا آپ کو دور دور تک کوئی شخص ایسا نظر آ رہا ہے جو میری مدد کر سکے؟" شیریں نے کراہتے ہوئے دونوں ہاتھوں سے اپنی کمر پکڑ لی۔

"نہیں لیکن میں تو تمہاری مدد کر سکتا ہوں۔" اوشان نے فراخدلانہ انداز میں کہا۔

"رہنے دیں، آپ تو مہمان ہیں انکل۔" وہ ایک ٹھنڈی سانس لے کر نکلتا بولی۔ رہے ہے صندوق تو لاؤنج سے یہاں تک انہیں لانے میں مجھے کوئی دشواری نہیں ہوئی اور اب گاڑی میں رکھنا تو کوئی مسئلہ ہی نہیں۔" شیریں یہ بھی سوچ رہی تھی کہ اگر اس نے اس منحنی شخص کو صندوق اٹھانے کے لیے کہا تو بعد میں خود ہی پچھتانا پڑے گا کیونکہ ممکن ہے کہ اس کوشش میں بوڑھے کی کوئی ہڈی وغیرہ ہٹ جائے اور اس کے بعد اسے تیمارداری بھی کرنا پڑے۔ یہ بھی خدشہ تھا کہ وزن اٹھانے کے دوران بوڑھے کا دل ہی کام کرنا چھوڑ دے۔ وہ ایک بدبدھر کام میں لگ گئی۔ اوشان پُرتعلقانہ انداز میں کھڑا تشنی کہ شیریں نے آخری صندوق بھی گاڑی کے عقبی حصے میں لاد دیا۔ "کیا آپ پانچوں صندوق ہر جگہ ساتھ رکھتے ہیں؟" وہ پوچھے بنا نہ رہ سکی۔ اس وقت وہ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر لمبی لمبی سانسیں لے رہی تھی۔

"نہیں، سفر کے دوران عام طور سے چودہ صندوق ساتھ ہوتے ہیں۔ اس بار مختصر قیام کا ارادہ تھا لہٰذا صرف پانچ ہی لایا۔" اوشان نے اس کے برابر والی نشست پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ شیریں کا سر گھوم گیا۔ اسے یہی سوچ کر وحشت ہونے لگی تھی کہ اگر اوشان کا قیام مختصر نہیں ہوتا تو اس کا اپنا کیا حشر ہوتا۔ چودہ صندوق ٹرمینل سے گاڑی تک لانے میں اس کی روح قفس عنصری سے یقیناً پرواز کر جاتی۔ گاڑی آگے بڑھاتی ہوئی شیریں خدا کا شکر ادا کر رہی تھی کہ اوشان زیادہ دنوں کے لیے نہیں آیا۔

✦

"آپ بلاول خان کا انٹرویو کرنے کے لیے یقیناً بے چین ہو رہے ہوں گے انکل؟" شیریں نے اس سے پوچھا۔ ائرپورٹ سے لوکیشن تک کا سفر بیس منٹ کا تھا اور اب وین لوکیشن پر رک چکی تھی۔ شیریں کو یوں لگ رہا تھا جیسے اوشان سے اس کی ملاقات بیس منٹ قبل نہیں، بیس ماہ قبل ہوئی تھی۔

"وہ ہے کہاں؟" اوشان نے پوچھا۔ اس کی آنکھیں ان درجنوں افراد پر تھیں جو وردی میں تھے اور ادھر سے ادھر آ جا رہے تھے۔

"اس وقت تو کہیں بھی نظر نہیں آ رہا۔" شیریں نے جواب دیا۔ "ویسے وہ بہت عظیم شخصیت ہے، کیوں؟ آپ کا کیا خیال ہے؟"

"اس فانی دنیا میں کوئی بھی عظیم کہلانے کا مستحق نہیں۔" اوشان نے جواب میں کہا۔

"مگر اسے تو ہر شخص عظیم کہتا ہے۔"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"اور میں ہر شخص والی فہرست میں شامل نہیں ہوں لڑکی! میرا نام اوشان ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" وہ اکتا کر بولی، ساتھ ہی اُس نے اپنی کھڑکی کا شیشہ بھی گرا لیا اور پھر ایک بھرتی سے پوچھنے لگی "بلاول خان کہاں ملیں گے؟"

"فرسٹ یونٹ کا سیٹ اپ دیکھ رہے ہیں۔" بھرتی نے جواب دیا۔

"تھینکس!" اگلے ہی لمحے گاڑی پھر حرکت میں آ چکی تھی۔ راستہ ناہموار تھا لہٰذا اب وین اُچھلنے کُودنے لگی تھی آخر وہ ایک ایسے مقام پر پہنچ کر رُک گئے جہاں ٹینک کھڑے ہوئے تھے۔ اسی مقام پر فردوسی فوج اور حملہ آوروں میں اصل جنگ فلم بند کی جانے کی۔ شیریں نے اوشان کو بتایا۔ "کیا آپ کو کہانی معلوم ہے؟"

"نہیں۔" اوشان نے دھیمے لہجے میں جواب دیا مگر اس کی نظریں ان بھرتیوں پر جمی رہیں جو بار بار اس کی طرف مشکوک انداز سے دیکھ رہے تھے۔

"آپ نوٹس لیں گے یا ٹیپ ریکارڈر استعمال کریں گے؟" شیریں نے تجسس انداز میں پوچھا۔

"میں سارا کام صرف یادداشت کے سہارے کرتا ہوں اچھی لڑکی۔" اوشان نے بہت نرم لہجے میں جواب دیا۔ "قلم استعمال کرنے کی عادت نہیں کیونکہ اسے بالکو تراشنا پڑتا ہے یا دوشنائی بھرنی پڑتی ہے۔ ٹیپ ریکارڈر ڈیٹری سے چلتے ہیں جو چارج نہ ہونے پر ناکارہ ہو جاتی ہیں اور..."

"تب پھر آپ کی یادداشت بہت شاندار ہوگی۔"

"یہ لوگ غیر ملکی فوج کی وردی میں کیوں ہیں؟" اوشان نے شیریں کی طرف دیکھے بغیر پوچھا۔

"یہ ایکسٹرا ہیں... فاضل اداکار... اس وقت یہ حملہ آور فوج کے گیٹ اپ میں ہیں۔"

"ان میں اکثریت بھرتیوں کی ہے۔"

"اس سیٹ پر چند ایک کو چھوڑ کر تمام بھرتی ہیں۔"

"کمال ہے، لوگ یقین ہی نہیں کریں گے کہ یہ لوگ لڑ بھی سکتے ہیں۔ ان کا فلسفہ تو عیاری سے کام لینا ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ غیر ملکی تو آپ بھی ہیں۔" شیریں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"ہاں مگر میں بھرتی نہیں ہوں۔" اوشان نے جواب دیا۔

وین اُسی وقت ایک ٹیلے کے سائے میں رُک گئی۔

"آیئے۔" شیریں اُترتی ہوئی بولی۔ "سب سے پہلے بلاول خان کو تلاش کریں۔"

وہ ابھی وین سے محض چند گز ہی دور گئے تھے کہ انھیں قریب ہی فضا میں پھڑپھڑاہٹ سنائی دی اور پھر ہیجڑے کا سُریلا و سفید ہیلی کاپٹر کسی ٹڈے کی طرح نظر آنے لگا۔ ہیلی کاپٹر نے پورے گیٹ پر ایک چکر لگایا پھر قریب ہی اُتر گیا۔ ابھی اس کے پُرگھوم ہی رہے تھے کہ ہیلی کاپٹر کا دروازہ کھل گیا۔

"یہ کمبر اشپ ہے اور یہ رہا بلاول خان۔" شیریں پُرجوش لہجے میں بولی۔ اس وقت دو افراد ہیلی کاپٹر سے اُتر رہے تھے۔

"مجھے اس کا فوراً انٹرویو کرنا ہوگا۔ لڑکی ابھی، اسی وقت۔" اوشان کا لہجہ بہت مستحکم تھا۔

"ایک منٹ مسٹر کریں انکل۔" شیریں نے بوکھلا کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔ "آپ یونہی مُنہ اٹھائے اس کا انٹرویو کرنے کے لیے نہیں جا سکتے۔ مجھے پہلے جیرو سے اجازت لینی ہوگی۔ جیرو، بلاول سے بات کرے گا اس کے بعد جیرو مجھے مطلع کرے گا میں آپ کو بتاؤں گی اور..."

"مگر وہ مجھ کو ٹال نہیں سکتا۔" اوشان نے غیب سے لہجے میں کہا اور دیکھتے ہی دیکھتے ہاتھ چھڑا کر آگے بڑھ گیا۔ شیریں اُسے روکنے کے لیے لپکی لیکن پھر شرمندہ سی رہ گئی۔ اوشان پلک جھپکتے میں ہیلی کاپٹر کے قریب پہنچ چکا تھا۔ اس کی برق رفتاری پر شیریں کو شدید حیرت بھی ہوئی۔

"میرا نام اوشان ہے۔" پائلٹ نے پستہ قامت شخص کو نظر انداز کرتے ہوئے دراز قامت شخص سے کہا۔ "اور میں ایک بلند پایہ اور مشہور مصنف ہوں۔ میرے میگزین کے قارئین آپ سے صرف ایک سوال کا جواب حاصل کرنے کے لیے بے قرار ہیں اور سوال یہ ہے کہ آپ نے ان بھتروں پر کیسے اعتماد کر لیا جنھوں نے انھیں دھوکا دیا، جو ان کے لیے پناہ کا باعث بنے تھے۔ ان پر کیسے یقین کر لیا جو مذہب کو خانوں میں تقسیم کرتے ہیں۔"

سنی جوئے اپنے سامنے کھڑے ہوئے نحیف سے بوڑھے کو بغور دیکھا اور پھر دھیمے لہجے میں کہا۔ "تم شاید تربوز کی بیل میں آم تلاش کر رہے ہو چیف۔"

"کیا میں آپ کی کوئی مدد کر سکتا ہوں محترم۔" بلاول خان نے سر جھکتے ہوئے کہا۔ اس کے چہرے پر غصہ نہیں تھا بلکہ تجسس کی پرچھائیاں لرز رہی تھیں۔ اسے اوشان کے سر پر ہیٹ بھی بڑا

مضحکہ خیز لگ رہا تھا۔ تب ہی شیریں نے گھبرائے ہوئے لہجے میں اسے مخاطب کیا۔ "سوری مسٹر بلاول خان! یہ میری غلطی کی وجہ سے آپ تک پہنچ گئے۔ ان کا نام اوشان ہے اور تعلق اسٹار فائٹ گروپ سے ہے۔"

اوشان چند قدم پیچھے ہٹ گیا کیونکہ اسے ہیٹ کے چھجے کی وجہ سے بلاول خان کو دیکھنے میں دشواری ہو رہی تھی۔ "تو آپ بلاول خان ہیں۔" اوشان کا لہجہ اچانک ہی نرم ہو گیا تھا۔ اس نے خالص سنا نجو اسٹائل میں سر کو قدرے دائیں طرف ترچھا اور خم کر کے بلاول کو تعظیم دی۔ "آپ یقیناً عظیم ترین ہیں۔"

"تھینک یو۔" بلاول نے زیر لب مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "ویسے اگر انٹرویو وغیرہ کا تکلف پھر کبھی کے لیے اُٹھا رکھا جائے تو کوئی حرج نہیں مسٹر اوشان۔"

"آپ مرضی کے مالک ہیں عظیم خان۔" اوشان نے ہیٹ اُتار لیا پھر بلاول مزید کچھ کہے بغیر سنی جوئے کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔ شیریں سینہ تان کر ماسٹر کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ وہ بہت غصے میں تھی۔ "انکل!" اس نے پیتے ہوئے لہجے میں کہا۔ "اب آپ زندگی میں کبھی بلاول خان جیسے عظیم اداکار کے قریب بھی نہیں پھٹک سکیں گے اور ہاں، میں نے آپ سے سفر کے دوران جو کچھ کہا ہے اسے آف دی ریکارڈ سمجھیں گے۔"

"بہت شاندار شخصیت ہے اس کی۔" اوشان نے سُنی اَن سُنی کرتے ہوئے کہا۔ اس کی نظریں اب بھی بلاول پر تھیں جو مسلسل دُور ہو رہا تھا۔

"بلاول خان جتنا شاندار ہے اتنا ہی با اختیار اور طاقت ور بھی ہے وشیریں کاٹ کھانے والے انداز میں بولی۔" اور میری ذرا سی غلطی بھلے نادانستگی کے عالم میں دھکیل سکتی ہے اگر وہ مجھ سے ناراض ہو گیا ہے تو میرا مستقبل خاک میں مل جائے گا۔ پلیز انکل! پلیز... اگر آپ کو اس سے انٹرویو کا موقع مل جائے تو آپ میرے بارے میں اس کی یہ غلط فہمی دُور کرنے کی کوشش کریں گے کہ میں نے آپ کو یہاں اس کی راہ روکنے کے لیے اکسایا تھا۔"

"یہ تو سکندر کا پرتو ہے۔" اوشان کے لہجے میں ایک ایسا تاثر تھا جسے وہ محسوس نہ کر سکی۔

"سکندر... کون سکندر؟" شیریں نے پوچھا۔

"سکندر اعظم۔"

"کیا؟" وہ اب بے حد حیرت زدہ تھی۔ "آخر آپ کیا سوچ رہے ہیں انکل اوشان؟"

"سکندر اعظم کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔" اوشان نے اس کی طرف دیکھے بغیر جواب دیا۔ "بلاول خان، سکندر اعظم کا موجودہ جنم ہے۔ آخر اس نے فلم میں کام کرنے کی پیش کش کیسے منظور کر لی ہو؟"

"انھوں نے بلاول سے معاہدہ کیا ہے کہ وہ اسے ہر فلم کے عوض دو کروڑ فردوسی بطور معاوضہ پیش کریں گے، وہ بھی ڈالروں کی شکل میں۔"

"وہ بالکل ہُو بہو سکندر اعظم لگتا ہے۔ وہی سیدھی ستواں ناک، خوابیدہ آنکھیں، اسی طرح کا دہانہ۔"

"میری رائے میں بلاول کا دہانہ ایلوس پریسلے کی طرح ہے، کیا آپ نے سکندر اعظم کو دیکھا ہے؟" شیریں کے اس سوال سے پتا چلتا تھا کہ وہ ابھی تک اوشان کا اشارہ نہیں سمجھ سکی ہے۔

"نہیں! اسے تو میرے اجداد نے بھی نہیں دیکھا تھا۔ اجداد کے جدِ امجد نے اس سے بہر حال ملاقات کی تھی لیکن یہ ملاقات بلاول خان کو یاد نہیں ہوگی۔"

"آپ کے اجداد کے جدِ امجد سے سکندر اعظم کی ملاقات بھلا بلاول کو کیوں یاد ہوگی۔" شیریں مُنہ بنا کر بولی۔

"اگر یہی بات ہے تو بہت اچھا ہو گا بصورتِ دیگر میرے خانوادے کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔"

"آپ کا تعلق کس خانوادے سے ہے؟" شیریں اب اس کی باتوں میں زیادہ دلچسپی لینے لگی تھی۔

اوشان کی آنکھیں اور زیادہ سکڑ گئیں۔ "میں ہر کس و ناکس میں اپنے خانوادے کا نام نہیں لے سکتا لڑکی! میں ویسے بھی یہاں بہروپ بدل کر آیا ہوں لیکن یقین کرو کہ میرے خاندان کے جدِ امجد نے سکندر اعظم کو بہت قریب سے دیکھا تھا۔"

"مجھے حیرت ہے۔"

"حیرت کی بھلا کیا بات؟ میں بہر حال بلاول خان سے تفصیلی گفتگو کے لیے بے چین ہوں۔ حیرت تو مجھے ہے کہ اس حقیر دُنیا میں ایک عظیم شخص کی ملاقات دوسرے عظیم شخص سے کیوں کر ہو گی۔"

"اچھا۔" شیریں کو اب اکتاہٹ محسوس ہونے لگی تھی۔ "ویسے انکل! اگر آپ اپنا کام شروع کر دیں تو زیادہ مناسب ہوگا پہلا انٹرویو کس سے لیں گے؟ جیرو تو نظر آ ہی نہیں رہا۔ بلاول کا پرسنل ٹیکنیکل ایڈوائزر بھی کل ہی آئے گا۔ آپ نے سنی جوئے کو دیکھا

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

بلاول کے ساتھ وہی تھا۔ فلم کا اسسٹنٹ کوآرڈینیٹر ہے۔"

"ہاں، میں کسی اسسٹنٹ سے بھی انٹرویو کر لوں گا۔" اوشان نے ایک عجیب سے انداز میں جواب دیا۔

"کسی خاص اسسٹنٹ میں کا نام ذہن میں ہے؟"

"اس کا نام شہزاد ہے۔"

"اوہ! آپ شہزاد درانی کی بات کر رہے ہیں۔ کیا اس سے واقعی ملنا چاہتے ہیں؟"

"بالکل! اس سے ملاقات کرا دو تو بہت اچھا ہوگا۔"

"مگر اس کا کردار تو بالکل غیر اہم ہے انکل!"

"کیا میں اس کے سامنے تمہارا یہ جملہ دہرا سکتا ہوں لڑکی؟" اوشان نے چبھتی ہوئی آنکھوں سے شیریں کو دیکھا۔

"ارے نہیں! آپ کسی بھی جگہ میری کوئی بات نہیں دہرائیں گے۔ یہ سب آف دی ریکارڈ ہے۔"

"بشرطیکہ تم مجھے شہزاد درانی تک لے چلو۔"

"منظور۔" شیریں نے غیر ضروری انداز میں جواب دیا۔ اُسے یہ بلیک میلنگ پسند نہیں آئی تھی۔ اُس نے چاروں طرف دیکھا اور پھر منہ چھپا کر بولی۔ "وہ یہاں نظر نہیں آ رہا۔ بیس کیمپ چلتے ہیں، شاید وہاں مل جائے۔"

بیس کیمپ کی دھواں دار چھولداری میں وہ سب دوپہر کا کھانا کھانے میں مصروف تھے کہ یہ من اور فاضل لوا کار ایک جگہ جمع تھے۔

"پہلے یہ دیکھے لیتے ہیں کہ کھانے میں کیا ہے۔" شیریں نے کہا جس کا موڈ بحال ہو چکا تھا۔

"چاول۔" اوشان نے ایک لمبی سانس لے کر جواب دیا۔

"آپ کو کیسے پتا چل گیا؟" شیریں نے مشتبہ انداز میں پوچھا۔

"محض اندازہ! بھرتی گوشت نہیں کھاتے۔" اوشان نے ٹالنے کے لیے جواب دیا۔

"میرا خیال ہے کہ آپ کے اندازوں کی کامیابی کے باعث آپ کا ایڈیٹر تو آپ کی بے حد قدر کرتا ہوگا انکل۔"

"وہ جاہل مطلق ہے، ویسے مجھے بھوک نہیں۔"

"جیسی آپ کی مرضی، چلیں یہ دیکھے لیتے ہیں کہ یہاں آپ کے مطلب کی کوئی خبر ہے یا نہیں۔ ممکن ہے کہ ڈائریکٹر کے آفس میں کام ہو رہا ہو۔"

ہدایت کار کا دفتر ریکارڈنگ وہیکلز کی قطار میں سب سے آخری سرے پر کھڑی ریکارڈنگ وہیکل میں تھا۔ دفتر پر فلم کا نام سُرخ حروف میں لکھا تھا۔ ایک طرف فلم کا نشان بنا ہوا تھا۔ وہ ایسے دو درختوں کے تنے نظر آ رہے تھے جنھیں بم مار کر تباہ کر دیا گیا تھا۔ شیریں نے دستک دی اور جواب نہ ملنے پر اوشان کی طرف دیکھا۔ "میرا خیال ہے کہ اگر ہم اندر گھس جائیں گے تو کوئی شکایت نہیں کرے گا۔" اُس نے دروازہ کھول کر پہلے اوشان کو اندر جانے دیا۔ ماسٹر نے خود کو ایک سجے ہوئے کمرے میں پایا۔ مجھے کی دیواریں ایسے والپیپر سے سجائی گئی تھیں جن پر بھرتی دیوتاؤں کے چہرے نمایاں تھے۔ کسی کے تین سر تھے تو کسی کے دو، کسی کی صرف ایک آنکھ تھی۔ میز پر کاغذات پڑے ہوئے تھے۔

"گڈ! میری توقعات کے مطابق صاف ستھرا دفتر ہے۔" شیریں نے بھی اندر آتے ہوئے کہا۔

"لیکن مجھے مایوسی ہوئی۔ اس صفائی میں کہیں نہ کہیں گند چھپی ہوئی ہے اچھی لڑکی۔"

"میرا خیال ہے کہ یہاں اسکرپٹ کی کوئی کاپی ضرور ہوگی انکل!" شیریں نے میز کی طرف دیکھ کر کہا۔

اوشان کاغذات اُلٹنے پلٹنے لگا۔ "یہ تو حساب کتاب کے کاغذات ہیں۔" اس نے شیریں کو بتایا۔

"ظاہر ہے کہ اتنی بڑی فلم کے اخراجات کا ریکارڈ رکھنا بھی ضروری ہے۔ یہ فلم یادگار ہوگی انکل اوشان۔"

"ان کاغذات میں اسلحہ، گولہ بارود اور چاولوں کی فراہمی کا پورا ریکارڈ موجود ہے۔"

"پھر وہی چاول۔" شیریں نے مُنہ بنا کر کہا۔

"شوٹنگ کب ختم ہوگی؟ کتنے دن لگیں گے؟"

"چار ہفتوں میں۔"

"اگر یہ بات قصبے اسی دفتر والوں نے بتائی ہے تو انھوں نے جھوٹ بولا ہے اچھی لڑکی۔" اوشان کا لہجہ اچانک ہی گمبھیر ہو گیا۔ "اس نوٹ کے مطابق شوٹنگ شیڈول محض پانچ روز کا ہے۔"

اس انکشاف پر شیریں بھی قریب آ کر کاغذ پڑھنے لگی۔ "ناممکن۔" اُس نے سر جھٹک کر کہا۔ "پانچ روز میں تو صرف ایک سیٹ پر ہی شوٹنگ بمشکل مکمل ہو سکے گی لاؤ وہ کاغذ پر کچھ پڑھ نہیں سکی تھی کیونکہ وہاں بھرتی زبان میں کچھ لکھا تھا۔

"تم بھرتی زبان پڑھ سکتی ہو؟"

"نہیں۔"

"تب پھر میں تمھیں یقین دلاتا ہوں کہ تمھیں کچھ نہیں معلوم۔ اس کاغذ کے مطابق وہ لوگ پانچ روز میں فرحاصل کر لیں گے۔"

"حاصل کر لیں گے؟" شیریں نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

"میں نے سلیس ترجمہ کیا ہے۔ کیا حاصل کر لینا کوئی غلط اصطلاح ہے؟"

"ٹھیک... یہی لکھا ہے نا؟"

"ہاں لیکن بھرتی میں، انگریزی والا ٹیک نہیں لکھا۔"

"لیکن فرحاصل کر لینے والی بات مجھ میں نہیں آئی انکل! یہ تو سب کو پتا ہے کہ وہ بعد میں شہر کے مرکز میں بھی شوٹنگ کریں گے لیکن..."

"حاصل کر لینے کا ترجمہ تم ہی کر دو۔"

"ممکن ہے کہ کسی نے لکھنے میں غلطی کی ہو۔ یہ تو پورے چار ہفتے کی شوٹنگ کا شیڈول لے کر آئے ہیں۔"

"بس... بس کرو۔ شیریں گھبرا کر ان دونوں کے درمیان آ گئی۔ "اور تم سُنو۔" اُس نے مشتعل بھرتی کی طرف انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "یہ مسٹر اوشان ہیں۔ اسٹار فائٹ گروپ کے نمائندے تمیز سے کام لو مسٹر ورنہ میں جیرو سے تمھاری شکایت کر دوں گی۔"

شیریں کی اس نصیحت کا بھرتی پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ اُس نے شیریں کو دھکا دیا اور اوشان کی طرف بڑھا۔

ماسٹر کے چہرے پر عجیب سی مسکراہٹ ناچ گئی۔ اوشان گھاٹ کے مُردے، سناجو کے مالک نے بڑے نرم لہجے میں کہا تب ہی بھرتی کے حلق سے انتہائی خوفناک آواز نکلی۔ اُس نے دونوں ہاتھ اُٹھائے اور ماسٹر پر ٹوٹ پڑا مگر ماسٹر اب وہاں کہاں تھا؟ بھرتی اس کے قریب سے اپنی ہی جھونک میں گزر گیا اور پھر ریکارڈنگ وہیکل کے زینے سے اُلجھ گیا۔ ایک ہی سیڑھی اس کے زور سے چرمرائی اور ٹوٹتی چلی گئی۔ بھرتی اب ریگستان کی ریت پر مُنہ کے بل گرا ہوا تھا۔

اوشان نے سر جھٹک کر شیریں کی طرف دیکھا اور آگے بڑھ کر بھرتی کا سر اوپر اُٹھایا۔ "فکر مت کرو، ماسٹر نے شیریں کو دلاسا دینے والے انداز میں کہا۔ "یہ سو رہا ہے جلد ہی بیدار ہو جائے گا۔"

شیریں نے بوکھلا کے اِدھر اُدھر دیکھا مگر آس پاس یہ منظر دیکھنے والا کوئی نہیں تھا۔ "چلیں۔" شیریں نے مستحکم لہجے میں کہا۔ "کسی بات کی فکر نہ کریں انکل! یہ خبیث بھرتی یہاں ہر ایک کی توہین کرتے رہتے ہیں ان کا اندازے حد جارحانہ ہے اور میں خدا سے دعا کرتی رہتی ہوں کہ مجھے کوئی اور نوکری مل جائے تاکہ ان لوگوں سے جان چھوٹ سکے۔"

"میں تمھارے ساتھ ہوں۔" اوشان نے بڑی ہمدردی سے کہا

"شاید یہ فرد اسی پوری طرح نہیں سمجھا انکل۔" شیریں نے سرگوشی کی۔

"تب پھر مجھے جواب دینے دو۔" اوشان نے دھیمے لہجے میں کہا اور پھر اونچے لہجے میں اتنی تُقیل بھرتی بولنے لگا کہ مقابل کے چہرے پر حیرت کے پہاڑ ٹوٹ پڑے لیکن نہ جانے اچانک ہی اوشان کے کس جملے یا لفظ سے اُسے شدید تکلیف ہوئی۔ اس کا چہرہ بگڑ گیا۔ اس نے پلک کر ماسٹر اوشان کو پکڑنے کی کوشش کی لیکن مُنہ کی کھا کر اور زیادہ تلملا اُٹھا۔ اُس نے کسی پھیرے ہوئے سانڈ کی طرح سناجو کے ماسٹر کو ٹکر مار کر گرانے کی کوشش کی... لیکن اگلے ہی لمحے خود مُنہ کے بل گرا۔ ویسے وہ بہت پھرتیلا ثابت ہوا کیونکہ زمین پر گرتے ہی وہ کسی اسپرنگ کی طرح اچھلا تھا اور ایک بار پھر اوشان کو پکڑنے کی فکر میں تھا۔

"بس... بس کرو۔ شیریں گھبرا کر ان دونوں کے درمیان آ گئی۔ "اور تم سُنو۔" اُس نے مشتعل بھرتی کی طرف انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "یہ مسٹر اوشان ہیں۔ اسٹار فائٹ گروپ کے نمائندے تمیز سے کام لو مسٹر ورنہ میں جیرو سے تمھاری شکایت کر دوں گی۔"

شیریں کی اس نصیحت کا بھرتی پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ اُس نے شیریں کو دھکا دیا اور اوشان کی طرف بڑھا۔

ماسٹر کے چہرے پر عجیب سی مسکراہٹ ناچ گئی۔ اوشان گھاٹ کے مُردے، سناجو کے مالک نے بڑے نرم لہجے میں کہا تب ہی بھرتی کے حلق سے انتہائی خوفناک آواز نکلی۔ اُس نے دونوں ہاتھ اُٹھائے اور ماسٹر پر ٹوٹ پڑا مگر ماسٹر اب وہاں کہاں تھا؟ بھرتی اس کے قریب سے اپنی ہی جھونک میں گزر گیا اور پھر ریکارڈنگ وہیکل کے زینے سے اُلجھ گیا۔ ایک ہی سیڑھی اس کے زور سے چرمرائی اور ٹوٹتی چلی گئی۔ بھرتی اب ریگستان کی ریت پر مُنہ کے بل گرا ہوا تھا۔

اوشان نے سر جھٹک کر شیریں کی طرف دیکھا اور آگے بڑھ کر بھرتی کا سر اوپر اُٹھایا۔ "فکر مت کرو، ماسٹر نے شیریں کو دلاسا دینے والے انداز میں کہا۔ "یہ سو رہا ہے جلد ہی بیدار ہو جائے گا۔"

شیریں نے بوکھلا کے اِدھر اُدھر دیکھا مگر آس پاس یہ منظر دیکھنے والا کوئی نہیں تھا۔ "چلیں۔" شیریں نے مستحکم لہجے میں کہا۔ "کسی بات کی فکر نہ کریں انکل! یہ خبیث بھرتی یہاں ہر ایک کی توہین کرتے رہتے ہیں ان کا اندازے حد جارحانہ ہے اور میں خدا سے دعا کرتی رہتی ہوں کہ مجھے کوئی اور نوکری مل جائے تاکہ ان لوگوں سے جان چھوٹ سکے۔"

"میں تمھارے ساتھ ہوں۔" اوشان نے بڑی ہمدردی سے کہا

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"آؤ، ذرا جناس کے ذخیرے کا بھی جائزہ لے لیں۔"

فوٹو پروڈیوسر ٹینٹ اس سٹرک کے بالکل سامنے تھا، جس سے لوگوں کو بیچ نقیم کیا جارہا تھا۔

"ہم ٹینٹ تک کیسے پہنچیں گے انکل؟" شیریں نے فکرمندی کے عالم میں انگلیاں چٹخاتے ہوئے پوچھا۔ اُسے علم تھا کہ خیمہ بہت مضبوط کپڑے کا بنا ہوا ہے، ثقب زنی اتنی آسان نہیں تھی۔

"تم یہیں کھڑی رہ کر چوکیداری کرسکتی ہو، ماسٹر اب بھی زیرِ مونچھ مسکرا رہا تھا۔

"بالکل، میں تیار ہوں۔" یہ کہتے ہوئے شیریں نے عقب میں دیکھا۔ اسی لمحے ماسٹر کی ایک الگلی حرکت میں آئی۔ اس کا ناخن کسی سُترے کی طرح تیز دھار نکلا اور کپڑے میں شگاف پڑتا چلا گیا۔ کپڑا پھٹنے کی آواز کسی کتے کی ٹیاؤں ٹیاؤں میں دب کر رہ گئی۔

"بے چارہ۔" شیریں نے شاید کتے کے لیے یہ لفظ استعمال کیا تھا۔ یہ شاید کسی بھرتی نے غلط مادری ہوگی جیسے کہتے ہوئے اُس نے سر گھما کر اوشان کی طرف دیکھا اور پھر مارے حیرت کے اس کی سانس تک رُک گئی۔ وہ خیمے کے قریب تھی صرف اسی باعث اسے خیمے کی دیوار میں پڑنے والی لکیر بھی نظر آسکی تھی۔ کمال ہے، وہ ابھی تک حیرت زدہ تھی، وہ کتنے خوش قسمت ہیں کہ اندر جانے کا راستہ خود بخود بن گیا۔ شیریں نے کہا۔ اسی وقت اوشان نے اُسے اندر جانے کا اشارہ کیا۔ "میرا خیال ہے کہ خیاط کی غلطی سے اس جگہ سلائی نہیں ہوسکی۔ یہ مجلہ مکمل کرتے ہوئے وہ خیمے کے اندر چلی آئی۔ اوشان اس کے پیچھے ہی تھا۔

"بھرتیوں کی سلائی پر کبھی اعتماد نہیں کرنا لڑکی۔" وہ سنجیدگی سے بولا اور ساتھ ہی ہر طرف کا جائزہ بھی لینے لگا۔ یہاں بوریوں میں چاول بھرا ہوا تھا۔ یہ ذخیرہ بے شمار افراد کے لیے ان گنت مہینوں تک کافی ہے۔ اس کا ابھی اب بھی سنجیدہ تھا۔

"میں نے آپ سے پہلے ہی کہا تھا کہ شوٹنگ شیڈول چار مہینے سے کم کا نہیں انکل۔"

"یہ کم از کم چھ ماہ کے لیے کافی ہے۔"

"اور یہ بات اس حقیقت کا ثبوت ہے کہ وہ بلے شوٹنگ شیڈول کے لیے تیار ہوکر آئے ہیں۔"

"مجھے افسوس ہے بلاط خان ان کا ساتھ دے رہا ہے۔"

"کیوں؟ افسوس کس بات کا؟"

"وہ اپنے پہلے جنم میں بہت خطرناک شخص تھا۔ جہانگیری اس کی گھٹی میں تھی۔ وہ پوری دُنیا کو فتح کرلینا چاہتا تھا۔ اس مہم میں بہت سے لوگ متاثر ہوئے۔ میرا گاؤں بھی متاثر ہُوا جو کویا میں ہے۔ جب تک جہانگیری کی یہ مہم جاری رہی میرے گاؤں میں کوئی کام نہیں ہُوا۔ سب ہی بیکار پڑے رہے۔"

"آپ کون ہیں اور کیا کررہے ہیں؟" شیریں کو پہلی مرتبہ اوشان سے خوف محسوس ہونے لگا کیونکہ اُسے علم تھا کہ خیمہ بہت مضبوط کپڑے کا بنا ہوا ہے، ثقب زنی اتنی آسان نہیں تھی۔

"تم یہیں کھڑی رہ کر چوکیداری کرسکتی ہو، ماسٹر اب بھی زیرِ مونچھ مسکرا رہا تھا۔

"بالکل، میں تیار ہوں۔" یہ کہتے ہوئے شیریں نے عقب میں دیکھا۔ اسی لمحے ماسٹر کی ایک الگلی حرکت میں آئی۔ اس کا ناخن کسی سُترے کی طرح تیز دھار نکلا اور کپڑے میں شگاف پڑتا چلا گیا۔ کپڑا پھٹنے کی آواز کسی کتے کی ٹیاؤں ٹیاؤں میں دب کر رہ گئی۔

"بے چارہ۔" شیریں نے شاید کتے کے لیے یہ لفظ استعمال کیا تھا۔ یہ شاید کسی بھرتی نے غلط مادری ہوگی جیسے کہتے ہوئے اُس نے سر گھما کر اوشان کی طرف دیکھا اور پھر مارے حیرت کے اس کی سانس تک رُک گئی۔ وہ خیمے کے قریب تھی صرف اسی باعث اسے خیمے کی دیوار میں پڑنے والی لکیر بھی نظر آسکی تھی۔ کمال ہے، وہ ابھی تک حیرت زدہ تھی، وہ کتنے خوش قسمت ہیں کہ اندر جانے کا راستہ خود بخود بن گیا۔ شیریں نے کہا۔ اسی وقت اوشان نے اُسے اندر جانے کا اشارہ کیا۔ "میرا خیال ہے کہ خیاط کی غلطی سے اس جگہ سلائی نہیں ہوسکی۔ یہ مجلہ مکمل کرتے ہوئے وہ خیمے کے اندر چلی آئی۔ اوشان اس کے پیچھے ہی تھا۔

"بھرتیوں کی سلائی پر کبھی اعتماد نہیں کرنا لڑکی۔" وہ سنجیدگی سے بولا اور ساتھ ہی ہر طرف کا جائزہ بھی لینے لگا۔ یہاں بوریوں میں چاول بھرا ہُوا تھا۔ یہ ذخیرہ بے شمار افراد کے لیے ان گنت مہینوں تک کافی ہے۔ اس کا ابھی اب بھی سنجیدہ تھا۔

"میں نے آپ سے پہلے ہی کہا تھا کہ شوٹنگ شیڈول چار مہینے سے کم کا نہیں انکل۔"

"یہ کم از کم چھ ماہ کے لیے کافی ہے۔"

"اور یہ بات اس حقیقت کا ثبوت ہے کہ وہ بلے شوٹنگ شیڈول کے لیے تیار ہوکر آئے ہیں۔"

"مجھے افسوس ہے بلاط خان ان کا ساتھ دے رہا ہے۔"

"کیوں؟ افسوس کس بات کا؟"

"وہ اپنے پہلے جنم میں بہت خطرناک شخص تھا۔ جہانگیری اس کی گھٹی میں تھی۔ وہ پوری دُنیا کو فتح کرلینا چاہتا تھا۔ اس مہم میں

زیرِ اشاعت ہے

انکا، اقابلہ، سونا گھاٹ کا پجاری

اور غلام روحیں

کے بعد انوار صدیقی کا ایک

اور شہکار ناول

برہمچاری

قیمت =/150 روپے

مکتبہ القریش سرکلر روڈ اردو بازار لاہور

فون 7668958

"چلو، میں جو دیکھنا چاہتا تھا دیکھ لیا، اب مجھے شہزاد سے بہرصورت بات کرنا ہوگی۔"

"تب پھر چلیں، اُس کو تلاش کرتے ہیں۔" شیریں جلد از جلد خیمے سے نکل جانا چاہتی تھی تاکہ کوئی نیا خوشگوار واقعہ رونما نہ ہوسکے۔"

باہر کوئی بھی اے ڈی یہ نہیں بتا سکا کہ شہزاد کہاں ملے گا اس کی تلاش میں وائی ٹاکی سے بھی مدد لی گئی لیکن کامیابی نہیں ہوئی آخر ایک اے ڈی صرف اتنا بتا کر چلا گیا کہ شہزاد صنعم آباد تک گیا ہے۔

"اوہ، اوہ یقیناً وہیں ہوگا۔ صنعم آباد انٹرفورس رینج میں۔" شیریں خوشی سے اچھل پڑی۔ "وہ اور سنی چوڑ دونوں ہی پیراشوٹ ڈراپ کی شوٹنگ کے لیے ابتدائی تیاریاں کررہے ہوں گے۔ یہ شوٹنگ کل ہی تو ہونی ہے اگر آپ کل تک یہیں قیام کرسکیں تو آپ کو بہترین فوٹیج لکھنے کا موقع مل جائے گا۔"

"تب پھر شاید مجھے پہلے سکندرِ اعظم سے بات کرلینی چاہیئے۔" اوشان نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"کس سے؟" شیریں ہتھے سے اکھڑ گئی۔

"وہ... کیا نام ہے اس کا جنم میں... ہاں... یاد آیا... بلاط خان...!"

"اوہ!" شیریں ہونٹ بھینچ کر اُسے گھورنے لگی۔ "انکل! میرا خیال ہے کہ دھوپ میں کھڑے کھڑے آپ کے اعصاب متاثر ہونے لگے ہیں۔ کیوں نہ کہیں چھاؤں میں بیٹھ کر تھوڑا سا سستا لیں اس طرح ہم دونوں کے دماغ قابو میں آجائیں گے۔"

"دھوپ... اور دماغ پر اثر کرے؟ ناممکن، یہ ناممکن ہے اچھی لڑکی۔ دھوپ سے دماغ کو بالیدگی ملتی ہے۔"

سلیم خانزادہ کو مذاکرات کی دعوت پر خوشگوار حیرت ہوئی تھی۔ وہ فردوسی فلم انڈسٹری کے تیکنیکی عملے کی یونین کا صدر تھا۔ فلمسازوں اور ہدایت کاروں سے اس کی پہلے بھی تنازعات پر جھڑپیں ہوتی رہی تھیں اور وہ کئی بار انتہائی پیچیدہ مذاکرات کے مراحل سے بھی گزر چکا تھا لیکن اس مرتبہ مسئلہ ایک غیر ملکی فلمساز کا تھا جو کل تک مقامی تیکنیکی کارندوں کی شمولیت ہی نہیں ان سے گفت و شنید کا روادار نہ تھا لیکن اب حالات نے اچانک ہی پلٹا کھایا تھا۔ رات دو بجے سلیم خانزادہ کو جب پروڈیوسر جیرو کی طرف سے خون ملاکہ وہ یونین سے مذاکرات پر آمادہ ہے تو سلیم کو حیرت ہی ہوئی تھی وہ مذاکرات کے لیے صرف اس وجہ سے فوراً تیار ہوگیا کہ اس فلم میں بلاط خان کام کررہا تھا اگر کوئی دوسرا اداکار فلم کا ہیرو ہوتا تو سلیم اور اس کی یونین والے اتنے اچانک بلاوے پر رضامند نہیں ہوتے۔

جیرو نے درخواست کی تھی کہ وہ اپنی مذاکراتی ٹیم فی الفور لے کر لوکیشن پر پہنچ جائے۔

یونین کے دوسرے عہدے داروں کو جگاتے جگاتے تھوڑا سا وقت لگ گیا۔ وہ سب ہی اس پیش رفت پر مسرور تھے جب وہ باہر آئے تو وہاں رانا گروپ کی منتظر گاڑیاں دیکھ کر ان کی گردنیں اور زیادہ اکڑ گئیں۔ سفر خاموشی ہی میں طے ہُوا۔ انھیں بڑی خاموشی سے اس پیس کیمپ پر اُتار دیا گیا، جس کو خیموں اور ریکارڈنگ کے سامان نے گھیر رکھا تھا۔

قریب ہی کسی جگہ ایک پورٹیبل گیس جنریٹر کی وجہ سے آس پاس زیادہ اندھیرا نہیں تھا۔

جیرو نے ایک آدمی سے نکل کر ان کا استقبال کیا۔ اس نے کچھ اس طرح ہاتھ جوڑ کر پرنام کیا کہ وہ سب ہی یہ سمجھ گئے کہ جیرو نے مکمل شکست تسلیم کرلی ہے۔

"کیا تم بات چیت کے لیے تیار ہو جیرو؟" سلیم نے قدرے سخت لہجے میں پوچھا۔

"میں پریم کا پجاری ہُوں شری خانزادہ جی! جیرو نے بڑے انکسار سے کہا۔ "پریم وہی ہے جو جیون میں رس گھولتا ہے ہمیں یُدھ کی بجائے ہنسا سے کام لینا چاہیئے۔ آپ کا آندولن سپھل ہونا چاہیئے تاکہ ہم سب سکھی من سے اور شانت ہوکر اپنا اپنا کام کرسکیں۔"

سلیم خانزادہ کا سینہ خوشی سے پھول گیا۔

"پدھارییے مہاراج۔" جیرو نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "مذاکرات کے لیے خندق تیار ہے۔" یہ جملہ اس نے شستہ فردوسی میں کہا تھا۔ اس کے بعد میں ایسی کوئی بات نہ تھی جو غیر معمولی ہو، پھر بھی خانزادہ اُچھل پڑا۔ "خندق!" اُس نے حیرت سے پوچھا۔

"جی ہاں، مذاکرات خندق میں ہوں گے۔" جیرو ایک قدم آگے بڑھ گیا۔

"ان لوگوں کی حرکتیں بھی خوب ہیں۔" سلیم خانزادہ نے اپنے ایک ساتھی سے کہا۔ "مذاکرات کے لیے جگہ بھی کیسی منتخب کی۔"

وہ جیرو کے پیچھے چلتے رہے۔ اب ان کا رُخ خیموں سے ہٹ کر صحرا کی طرف تھا۔ ہر طرف چاندنی پھیلی ہوئی تھی۔ یوں لگ

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

رہا تھا جیسے سفید چادر دور تک بچھا دی گئی ہو۔ ٹیلے تک چاندنی کے ڈھیر لگ رہے تھے۔ ذرا دور تین افراد کا شکوف سنبھالے کھڑے ہوئے نظر آئے۔

"یہ کالا شکوف بردار کیوں موجود نہیں؟" یونین کے کسی رکن نے قدرے خوفزدہ لہجے میں سرگوشی کی۔

"ارے یار ڈرتے کیوں ہو جنگی علم ہے۔ ممکن ہے یہ لوگ ریہرسل کر رہے ہوں۔" سلیم خانزادہ نے سب کو سنانے کی خاطر اپنا لہجہ پست نہیں رکھا۔ اچانک جیرو ان کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ سلیم نے لپک کر اسے دیکھا۔ وہ اسے آٹھ فٹ گہری ایک خندق میں اترتا ہوا نظر آیا۔ خندق کے قریب تازہ کھدی ہوئی ریت پر پھاوڑے بھی پڑے ہوئے تھے۔

"تشریف لائیے حضرات!" جیرو نے نیچے لہجے میں کہا۔ وہ بے خوف و خطر خندق میں اترنے لگے تب ہی ایک محافظ تیزی سے جنریٹر کی طرف لپک گیا۔

"نیچے گیس لیمپ ضرور ہوں گے۔" سلیم خانزادہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ وہ بے حد مطمئن تھا۔

"مگر یہاں تو صرف اندھیرا ہی ہے۔" کسی نے برہمی سے کہا لیکن برہم ہونے والا بھی خندق میں اترتا رہا حتیٰ کہ وہ ایک ساتھ نیچے نرم ریت میں کھڑے ہو گئے۔ تب ہی جیرو نے بھرائی ہوئی سے کچھ کہا۔

"اس کا مطلب کیا ہوا۔ ہم یونہی کھڑے رہیں یا بیٹھ جائیں۔" سلیم کو غصہ آنے لگا کیونکہ خندق میں کرسیوں وغیرہ کا کوئی انتظام نہیں کیا گیا تھا۔

"آپ نہ تو کھڑے رہیں گے اور نہ ہی بیٹھیں گے۔" جیرو کا لہجہ بے حد نرم تھا۔

"تو پھر؟"

"آپ مر جائیں گے۔" جیرو کا لہجہ اب اور زیادہ نرم ہو گیا تھا پھر اچانک ہی سلیم خانزادہ کی آنکھیں ہارے خوف کے اُبلنے لگیں۔ اسے اسی لمحے پیروں میں بجلی کا جھٹکا لگا تھا اور وہ اگلے ہی لمحے منہ کے بل گر پڑا تھا۔ کرنٹ اس کی ناک تک پہنچا اور اس کا دماغ اس طرح جل گیا جیسے فرائی پان میں انڈا اُبل جاتا ہو۔

جیرو دونوں ہاتھ سینے پر باندھے خندق کے اندر لاشوں کی اُچھل کود دیکھتا رہا۔ اس کے ارد گرد لوگ گر رہے تھے اور مر رہے تھے حتیٰ کہ لاشوں سے جلے ہوئے گوشت کی بُو آنے لگی۔ پھر جب ریت کے نیچے دبی ہوئی دھاتی پلیٹوں کو بجلی کی ترسیل بند کی گئی تب بھی گوشت سلگتا رہا۔ جیرو پوری طرح محفوظ تھا۔ اب اُسے خندق سے نکلنا تھا۔ اس کے پیروں کے نیچے ربر میٹ تھی جس نے اُسے کرنٹ سے محفوظ رکھا تھا۔ اس نے دونوں ہاتھ اٹھا دیے اور خندق کے کنارے پر کھڑے ہوئے لوگوں نے اُسے اوپر کھینچ لیا۔

باہر نکل کر جیرو نے آخری حکم دینے سے قبل اخلوک پڑھنے شروع کر دیے۔ اس وقت وہ بہت خوفناک نظر آ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں وحشتناک انداز میں چمک رہی تھیں اور اس کی زبان تیزی سے چل رہی تھی۔

"اے منو! طاقت ور سے زیادہ طاقت ور ہو کر ادھر آ اور اپنے غضب سے تمام دشمنوں کو ہلاک کر دے۔ دشمنوں، ورتروں اور دسیوں کو قتل کرنے والے! تو ہمارے پاس ہر قسم کی دولت اور خوانے لا، سچی طاقت بخشتے ہوئے راجہ! اس کو جلا دے جو ہمارا مخالف ہے۔"

اس وقت جیرو کی حالت بہت ہیبت ناک ہو گئی۔ اس کی آنکھوں میں انگارے دہکنے لگے منہ سے کف بہنے لگا۔ یہی حالت اس کے مخالفوں کی تھی مگر فرق صرف یہ تھا کہ وہ خاموش تھے اور دونوں ہاتھ باندھے ہوئے سر جھکائے کھڑے تھے۔

جیرو مسلسل کہے جا رہا تھا۔ "اے اگنی! تو اس ملک کو درخت کی مانند ہے، گھن کھائے ہوئے درخت کی مانند کر دے تاکہ ہم آندر کی مدد سے یہاں کے سب خزانے بانٹ لیں۔ اے اگنی! ہمارے مخالفوں کو مار ڈال، اپنی کرپا کر، باندر اور سوما! تو دشمن کو جلا دے، تباہ کر دے۔ اے دیوتا آ!، انھیں جلا ڈال۔ ان بندہ شکم راکھشسوں کے ٹکڑے کر دے۔"

بھجن اور اشلوک ختم ہو گئے تو ہر طرف خوفناک سناٹا پھیل گیا۔ جیرو کی حالت معمول پر آنے میں زیادہ دیر نہیں لگی۔ اس نے خندق میں جھانکا مگر جلے ہوئے گوشت کی بدبو محسوس کر کے وہ متلی سی ہونے لگی۔ "دبا دو۔" اس نے محافظوں کو حکم دیا اور پھر خندق کی طرف دیکھے بغیر واں سے چلا گیا۔

صبح ہونے میں صرف ایک گھنٹہ باقی تھا جبکہ ابھی بہت سے کام نمٹانے تھے۔

* ۲۳۔ دسمبر کو موسم انتہائی سرد ہو گیا۔ سائبیریا کی یخ بستہ ہوائیں پورے ملک کو لپیٹنے لگیں۔ بے شمار علاقوں میں درجۂ حرارت صفر سے نیچے گر گیا لیکن اس موسم کے باوجود ملک کے بہت سے علاقوں میں موسم اتنا خراب نہ تھا لیکن خاص طور سے شالان کوٹ میں سردی تھی تاہم یہاں کوئی دوسری گرم جگہ بھی ضرور تھی۔ ایسی گرم جس

کا موسم سے کوئی تعلق بھی نہ تھا۔

صبح ہوتے ہی بلاول خان نے دُور پہاڑیوں کی طرف دیکھا پھر تیزی سے ناشتا کیا اور پھر اپنے کمرے میں واپس آ کر ڈائری سے صبح کے کاموں کی تفصیلات دیکھنے لگا۔ اس کے بعد جب وہ ہوٹل کی لابی سے باہر آیا تو اسے دُہری حیرت کا سامنا کرنا پڑا۔ پہلی حیرت تو سردی معلوم کر کے ہوئی اور دوسری حیرت کا احساس اس وقت ہوا جب اس نے ہوٹل کے سامنے مظاہرین کو نہیں دیکھا۔ وہ تیزی سے لابی میں واپس آ گیا۔ "کیوں بھئی خیریت؟" اس نے ریسپشنسٹ کو دیکھ کر پوچھا۔ "آج ابھی تک مظاہرین نمودار نہیں ہوئے؟"

"مظاہرین؟" لڑکی نے اُسے غور سے دیکھا اور پھر اس کی طرف رازدارانہ انداز میں جھک کر بولی۔ "یہاں ہوٹل رمضان میں میری ایک سہیلی کام کرتی ہے جناب! وہ اور ان کے لیڈر وہیں ٹھہرے ہوئے تھے اور میری سہیلی کا کہنا ہے کہ سارے لیڈر بل ادا کیے بغیر نصف شب کے وقت کہیں چلے گئے۔"

"ممکن ہے کہ وہ گنگال ہو کر بھاگ نکلے ہوں، ٹھیک ہے۔" بلاول کا لہجہ اچانک ہی بدل گیا۔ اسے یوں لگا جیسے کوئی چوہا اس کے دل کو کترنے لگا ہو۔ وہ لوکیشن پر پہنچا تو وہاں بھی مارچ پر مظاہرین نظر نہیں آئے۔ وہ چیک پوائنٹ سے بھی گزر گیا جس میں دو بھرتی مستعد کھڑے تھے اور قریب ہی تباہ شدہ ٹینک ابھی تک پڑا ہوا تھا ایک گماڈ نے اسے روکنے کے لیے ہاتھ ضرور اٹھایا تھا مگر بلاول کی موٹر سائیکل کی رفتار میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ "کمال ہے، یہ لوگ آج مجھے روکنے کی کوشش کیوں کر رہے ہیں؟" اس نے سوچا اور پھر اس کا پارہ چڑھنے لگا۔ "ان کی اتنی ہمت... کہ مجھے رکنے کے لیے اشارہ کریں۔"

بیس کیمپس میں ویرانی تھی تاہم ذرا دُور ایک ٹینک جس میں ہل چلانے والا بجّو لگا ہوا تھا، ایک گڑھے کو ریت سے پاٹ رہا تھا۔

بلاول خان مرنی پوائنٹ لوکیشن پر پہنچا اور وہاں اس نے جو کچھ دیکھا، اس پر اسے شدید حیرت ہوئی۔ ایک ہزار سے زیادہ افراد جنگی وردی میں صفیں بنائے ہوئے کھڑے نظر آئے۔ ان کی اے کے ۴۷ پر پیڈ والے انداز میں تھیں۔ ان کے دونوں طرف ٹینک نظر آ رہے تھے، ساتھ ہی اے پی سی بھی قطاروں میں کھڑی ہوئی تھیں۔ ٹینک کمانڈر اور عملہ اپنے اپنے ٹینکوں کے سامنے چوکس کھڑا ہوا تھا۔

جیرو ان کی طرف منہ کیے کھڑا نظر آیا۔ اس کی پشت بلاول خان کی طرف تھی۔

بلاول خان موٹر سائیکل کو کھڑا کر کے جیرو کی طرف بڑھ گیا۔

"بوبی تم؟" جیرو کا لہجہ سرد تھا۔ "اتنی جلدی؟"

"یہ وردی تو بہت شاندار ہے جیرو۔" بلاول خان کا لہجہ بھی سرد تھا۔ "کیا تم بھی ایکسٹرا اداکار ہو گئے ہو؟ اب ہدایت کار کون ہو گا؟"

"ہدایت میں ہی دوں گا۔"

"اور اس نمائشی ترشول کو ہاتھ میں لے کر؟" بلاول نے بڑی نفرت سے اس کی طرف دیکھا۔ جیرو اس طرح گڑبڑا کر رہ گیا، جیسے اس کی چوری پکڑی گئی ہو۔ "ترشول..." وہ تھوک نگل کر بولا۔ "دراصل یہ خوش قسمتی کی علامت ہے۔" اس نے سنبھل کر کہا۔ "یہ ترشول صدیوں سے میرے خاندان میں رہا ہے۔"

"اور یہ سب کیا ہے؟" بلاول نے وردی پوش فاضل اداکاروں کی صفوں کی طرف اشارہ کیا۔

"یہ ریہرسل۔" جیرو کا اعتماد بحال ہونے لگا تھا۔ "ہم دشمن کی فوج کی تیاریاں دکھا رہے ہیں اور ظاہر ہے کہ اس ریہرسل میں ابھی تمھاری ضرورت نہیں۔"

"ہوں۔" بلاول نے ہنکارا بھرا۔ اسے کئی افراد ایسے نظر آئے جو ہینڈ سیلڈ کیمرے سے فلم بنا رہے تھے۔ یہ لوگ بھی وردی میں تھے۔ ایک بڑی کرین بھی نظر آئی جس پر ۲۵ ملی میٹر کا کیمرہ نصب تھا اور جو یقیناً اس صف بندی کی فضا سے فلم بندی کر رہی تھی۔

"کیمرہ مین بھی وردی میں ہیں؟" بلاول کا لہجہ عجیب سا تھا۔

"یہ بھی وقتِ ضرورت فاضل اداکاری کی صف میں شامل ہو جائیں گے۔ ہمیں تو ہر شخص کی ضرورت ہے تاکہ مجمع زیادہ سے زیادہ ہو سکے۔" جیرو نے جواب دیا۔

"اچھا۔" بلاول خان اب ان افراد کو دیکھ رہا تھا جو بڑے بڑے لفافے لیے ایک فوجی سے دوسرے فوجی کے پاس جا رہے تھے۔ اچانک ہی اُسے لفافوں کا مقصد بھی معلوم ہو گیا۔ ایک فوجی گھٹنے ٹیک کر بیٹھ گیا۔ اُس نے اپنے سر سے خود اُتارا، اپنے بالوں میں سے ایک لٹ اپنے ہی فوجی چاقو سے کاٹی اور لفافے میں رکھ دی۔ لفافے والا آگے بڑھ گیا۔ "اور یہ کیا ڈراما ہو رہا ہے جیرو؟" بلاول خان نے پوچھا۔

"ایک جنگی رسم، ہم جس ملک کی فوج کو حملہ آور دکھا رہے ہیں، اس ملک میں یہ رسم ہے کہ جب فوجی محاذ پر مرنے کے لیے تیار ہوتا ہے تو بالوں کی ایک لٹ اپنے گھر بھیج دیتا ہے تاکہ گھر والے اسی کا کریا کرم کر دیں۔"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"بہت جذباتی بچی ہے۔" بلاول خان مسکرانے لگا۔ "لیکن اس طرح نہ جانے کس کے بال کس کے گھر پہنچ جائیں گے جیرو۔"

نعاتوں میں بال رکھنے کا سلسلہ ختم ہوتے ہی جیرو نے سر کو جنبش دی تو تمام بھرتی جوہر دیوں میں سے ایک آواز ہو کر چلائے۔

"جے کالی کی۔"

"یہ کس قسم کا نعرہ ہے جیرو؟" بلاول خان ایک بار پھر حیرت زدہ رہ گیا۔

"پتا نہیں۔" جیرو بڑے اعتماد سے بولا۔ "جاہل ہیں نہ جانے کیسا نعرہ لگا رہے ہیں، ہم اسے ایڈیٹ کر دیں گے۔"

"کالی شاید کسی دیوی کا نام ہے۔ خیر... آج میرا شیر آنے والا ہے، میں اس قسم کے مناظر اس کی طرف سے کلیرنس ملے بغیر فلم میں شامل نہیں کروں گا۔"

"اس کے بے ہم نے ہوٹل میں پیغام چھوڑ دیا ہے کہ وہ ائرڈراپ سائٹ پر پہنچ جائے اور کوئی مسئلہ ہو تو؟"

"ہاں، میں نے گزشتہ شب اسکرپٹ پڑھا تھا۔ کیا فلم میں میرا مزاحیہ ہونا ضروری ہے؟"

"تم ہیرو ہو اور ہیرو کی موت مرو گے۔" جیرو کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ "اور اسکرین پر تمہاری موت کا منظر دیکھ کر لوگ ماتم کرنے لگیں گے۔"

"لیکن اسکرپٹ کے مطابق شہر یوں کی موت والے مناظر مجھے اچھے نہیں لگے جیرو۔"

"انجام تو بخیر ہو گا، تم اس کی فکر مت کرو۔"

"پھر بھی، میں اسکرپٹ پر نظر ثانی چاہتا ہوں۔" بلاول خان نے کہا۔

"ٹھیک ہے لیکن اس موضوع پر بعد میں بات کریں گے۔"

"بالکل ٹھیک۔" بلاول نے ایک بار پھر فوجیوں کی طرف دیکھا۔ "مجھے ایسے انتظامات پر حیرت ہو رہی ہے جیرو، تم نے کتنے لوگ جمع کر لیے ہیں؟"

"ان کی تعداد دو ہزار سے زیادہ ہے۔" جیرو خشک لہجے میں بولا۔

"اوہ! ان میں زیادہ لوگ بھرتی کر لینے سے فلم اور بجٹ تو نہیں ہو جائے گی۔"

"نہیں، ہم ابھی تک انڈر بجٹ چل رہے ہیں اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ شیڈول پر سو فیصد عمل ہو رہا ہے۔ اب تم جاؤ بیس کیمپ میں انتظار کرنا۔"

"چند سوال اور جیرو، بیس کیمپ کے قریب کوئی گاؤں ہے؟"

"کوہ الرکٹ۔" جیرو نے نفرت سے تھوک کر جواب دیا۔

"اوہو، میرا خیال ہے کہ فری تبلیے والے اپنے علاقوں میں اس طرح کی کھدائی کو گوارا نہیں کریں گے۔"

"ہم انھیں وہاں جال میں پھانس چکے ہیں۔" جیرو نے پہلی بار مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "قبیلے والوں کی طرف سے کسی قسم کی بھی مزاحمت نہیں ہو گی اور ہاں یونین والوں سے بھی نمٹا ہو گیا ہے، وہ اس فلم کے سلسلے میں اپنے مطالبات سے دستبردار ہو گئے ہیں۔ اگلی فلم بہر حال ان کے بغیر نہیں بنے گی۔ اب تم جاؤ۔"

"مجھے بتا دینا کہ پہلا شیٹ کب فلم بند ہو گا؟" بلاول نے کندھے اچکا کر کہا۔ "آج کل دن بہت چھوٹا ہوتا ہے، شوٹنگ کے دوران تمہیں اس کا خاص خیال رکھنا ہو گا۔"

"کسی نے مجھ سے جادو کے گھنٹے کا ذکر کیا تھا بولی! وہ کیا ہوتا ہے؟" جیرو کو اچانک ہی کچھ یاد آ گیا۔

"جادوئی گھنٹہ؟" بلاول مسکرانے لگا۔ "یہاں جادوئی گھنٹہ سورج غروب ہونے کے بعد شروع ہوتا ہے جیرو۔ اگرچہ سورج آفتاب کے باوجود ہلکی سی روشنی باقی رہتی ہے اور یہ ایک گھنٹہ فلموں کے رومانی مناظر کی شوٹنگ کے لیے بے حد اہم ہوتا ہے کیا تمہیں اتنی سی بات نہیں معلوم تھی؟"

"نہیں، ہم تجربہ کار تو ہیں نہیں، یہ ہماری پہلی فلم ہے۔"

"اور شاید آخری بھی۔" بلاول موٹر سائیکل اسٹینڈ سے اٹھاتا ہوا بولا۔ "میری دعا ہے اتنی ہے کہ تمہاری اس فلم کے ساتھ کہیں میرا کیریئر بھی برباد نہ ہو جائے۔"

●

ٹائیگر صبح آٹھ بجے صنم آباد ائرفورس ریسنج پر پہنچا تو چیک پوائنٹ پر اسے اپنی کار روکنی پڑ گئی۔ وہ کرائے کی گاڑی میں تھا۔ اُسے روکنے والا ائرمین تھا۔ وہ فلم کے یونٹ میں شامل نہیں۔ ٹائیگر نے اُسے بتایا۔

"آپ کا نام جناب؟"

شہزاد درانی ٹائیگر کے جواب پر ائرمین نے ایک فہرست نکالی، اُسے دیکھا، جب ذرا سی دیر ہو گئی تو ٹائیگر نے کہا۔ "میرا نام بھرتیوں میں تلاش مت کرو، ان کی فہرست لمبی ہو گی، فوجیوں میں دیکھو، وہ چار پانچ ہی ہوں گے۔"

میں صرف شہزاد درانی ڈائریکٹر نے مطلوبہ نام میں فہرست

Scanned And Uploaded By Mujeeb Ullah Khan

رکھ دی۔ "آپ جا سکتے ہیں جناب، دائیں طرف جا کر بائیں طرف چلے جائیے، سُرخ عمارت اسی سمت میں ہے۔"

"شکریہ۔" ٹائیگر نے گاڑی آگے بڑھا دی پھر سُرخ اینٹوں والی عمارت تک اُسے کسی نے نہیں روکا، وہاں اُس نے عمارت کے سامنے ہی گاڑی پارک کر دی۔ یہ عمارت ائرفیلڈ سے قریب ہی تھی، جہاں فائٹ لائین پر ایک چھوٹا سا طیارہ کھڑا ہوا تھا اور سی ۱۳۰ کے سامنے بہت حقیر لگ رہا تھا۔ ٹرانسپورٹ کی ایک طرف دُم سے دُم ملائے کھڑے ہوئے تھے۔ ٹائیگر اندر گیا وہاں اس نے ایک جعلی کارڈ کی مدد سے کام نکالا یہ کارڈ شہزاد درانی کے نام کا تھا۔ ڈیسک سارجنٹ نے کارڈ دیکھ کر ایک کمرے کی طرف اشارہ کر دیا۔

"ہمارے تمہیں دیر ہو گئی یار۔" سنی جُوا سے دیکھتے ہی پُرجوش انداز میں بولا۔

"سوری، مجھے مین گیٹ تلاش کرنے میں وقت لگ گیا۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ اس کی نظریں ایک بھاری بھرکم شخص پر جمی ہوئی تھیں جو خاکی سفاری سوٹ میں تھا۔ ان سے طوشہزلو سنی جُو نے تعارف کرایا۔ یہ جمیل خان ہیں، فوجی امور پر ہمارے ماہر۔" دونوں نے ہاتھ ملائے اور جمیل خان، بلاول کے ساتھ دندنہ اور دندنہ کی واپسی میں معاونت کرتے رہے ہیں۔ اس وقت ہم بھرتی پیراشوٹوں کو چیک کر رہے تھے۔"

کمرے میں پیراشوٹوں کے پیکٹوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ کالے رنگ کے ان پیراشوٹوں کی تعداد سیکڑوں میں تھی۔ جمیل کے ہاتھ میں اس وقت بھی ایک پیراشوٹ موجود تھا اور وہ ماہرانہ انداز میں کینوس کھول کھول کر اس کا معائنہ کر رہا تھا۔ اُس نے کپڑے کو روشنی کے رُخ پر رکھ کر غور دیکھا اور خود کلامی کے انداز میں کہنے لگا۔ "ہر اس جگہ کا معائنہ کرنا ضروری ہے جہاں دباؤ پڑتا ہو۔ تم لوگ بھی شروع ہو جاؤ، اگر کوئی چھوٹا موٹا سوراخ نظر آ جائے تو فکر کی بات نہیں لیکن یہ خیال رکھنا کہ ڈوریاں اُلجھی ہوئی نہ ہوں یا شکستہ نہ ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔" سنی جُو نے اپنے خاص انداز میں کہا۔ اس نے ایک پیکٹ ٹائیگر کی طرف بھی اچھال دیا۔ "ذرا دھیان سے فرزند...!" سنی جُو نے کہا۔ "احتیاط سے دیکھنا کہیں ناقص پیراشوٹ کُود تے وقت تمہارے حصے میں نہ آ جائے۔"

ٹائیگر نے پیکٹ کھول کر پیراشوٹوں کا معائنہ شروع کر دیا۔ اسے ان میں کسی قسم کی خامی نظر نہیں آئی وہ بھی جمیل خان کے انداز میں لیوں اور ڈوریوں پر خاص توجہ دے رہا تھا۔

جب وہ اس کام سے فارغ ہو گئے تو جمیل خان نے انھیں پیراشوٹ کو بند کرنے کی ترکیب بھی بتا ڈالی۔ "حالات کیسے رُخ بدلتے ہیں۔" سنی جُو نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "ایک دور وہ تھا جب ہم بھرتی ساختہ اشیاء کا مذاق اُڑایا کرتے تھے اور آج... آج بھرت لینڈ کے بنے ہوئے پیراشوٹس کی تعریف کر رہے ہیں۔ ویسے یہ بھی کتنی عجیب بات ہے کہ ہم جو بھرت لینڈ کے خلاف لڑے تھے آج اسی کی ایک فلم میں معاونے پر کام کر رہے ہیں۔"

"چھوڑو یار۔" جمیل نے موضوع بدلنے کی کوشش کی۔ "اب مسئلہ یہ ہے کہ ان میں سے کسی ایک پیراشوٹ کی عملی آزمائش بھی کرنی ہو گی فلم پر کام کر سکو گے سنی؟"

"میں... اور اس عمر میں۔" سنی جُو گھبرا گیا۔ "نہیں بھئی، مجھے تو معاف ہی کرو۔" اس کے اس دوٹوک جواب پر جمیل کی نظریں ٹائیگر پر جم گئیں اور خود سنی جُو بھی اسے دیکھ کر حوصلہ افزائی کرنے کی خاطر مسکرانے لگا۔

"تم؟" جمیل نے محض ایک لفظ کے ذریعے مافی الضمیر بیان کر دیا۔

"کیوں نہیں۔" ٹائیگر فوراً تیار ہو گیا اور اُس نے ایک پیراشوٹ اٹھا کر کندھے پر ڈال لیا۔ تینوں ائرفیلڈ پر پہنچے جہاں طیارہ موجود تھا۔ ایک ائرمین نے کنٹرول کی طرف اشارہ کیا۔ وہ سن گلاسز پہنے ہوئے تھا اور چیونگم کو کچلے جا رہا تھا۔ ٹائیگر طیارے کی طرف بڑھنے لگا تو جمیل نے اُس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔ "اگر پیراشوٹ فضا میں نہ کھل سکے تو ہمیں آواز دے لینا دراصل یہ اس پیش کش پر سوائے ٹائیگر کے سب ہی قہقہہ مار کر ہنس پڑے پھر دروازہ بند ہو گیا۔ نہ جانے کیوں ٹائیگر کو روشن آباد کا واقعہ اور سانا کلا یاد آ گیا۔

طیارہ جلد ہی فضا میں بلند ہو گیا اس کی اڑان بڑی بے ڈھنگی تھی مگر اس بے ڈھنگے پن کے باوجود ہموار فضا میں وہ مسلسل بلند بھی ہو رہا تھا۔ چند ہی لمحے بعد ٹائیگر کو ہوا باز کی آواز سنائی دی۔ "میں بیس کے قریب تر رہنے کی کوشش کروں گا۔" اس نے کہا ہو اس وقت ہوا زیادہ یا میٹر معمول نہیں لہٰذا تم یقیناً جیل کا پیراشوٹ کے پک اپ پوائنٹ کے قریب ہی اُترو گے۔ ٹھیک ہے، کوئی مسئلہ تو نہیں؟"

"نہیں۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔ ساتھ ہی اس نے پنجر ڈور کھول کر ایک پیرو تک پر رکھ دیا اور جونہی ہوا باز نے اس پر کوزمین کی طرف جھکایا۔ ٹائیگر نے چھلانگ لگا دی۔

گرتے ہوئے اس کی اٹر فورس یونیفارم کی آستینیں اس طرح پھڑپھڑانے لگیں جیسے طوفان میں خشک پتے بے حس اور آوارہ ہو جاتا ہے۔ جنوب مغربی فرکا پورا صحرا ایک دم اس کی نظروں کے سامنے ڈوبنے لگا۔ ٹائیگر نے ڈی رنگ کی طرف ہاتھ بڑھا کر اسے کھینچ لیا۔

پیراشوٹ کے اس پیک نے سیاہ نائیلون اگل دیا۔ ایک لمحے کے لیے یہ سیاہ کپڑا کسی بادل جیسا لگا۔ اس میں جو نہی ہوا بھری ٹائیگر کو زوردار جھٹکا لگا اور اگلی ہی ساعت ٹائیگر فضا میں کسی پنڈولم کی طرح جھولنے لگا۔ تب ہی اس نے سر اٹھا کر اوپر دیکھا۔ اس کے سر کے اوپر سیاہ غبارہ جھوم رہا تھا پھر اس نے جوتوں پر نظر ڈالی۔ ریت اس کی طرف بڑھ رہی تھی۔ اگلے ہی لمحے زمین پر پہنچ کر وہ پیراشوٹ لپیٹ رہا تھا۔

چند لمحوں بعد اس کے اوپر سے ایک ہیلی کاپٹر گزرا، جس کے باعث ہوا کا دباؤ پیدا ہوا اور ٹائیگر کئی گز دور ہوتا چلا گیا... ہیلی کاپٹر کے پنکھوں کی وجہ سے ریت بھی اڑنے لگی۔ ایسا لگا جیسے ریت کا طوفان سا آگیا ہو۔ اس سے بچنے کے لیے ٹائیگر کو آنکھیں بند کرنی پڑ گئیں پھر اس نے آنکھیں اسی وقت کھولیں جب یہ طوفان ختم ہو گیا۔ وہ فوراً ہیلی کاپٹر کی طرف لپک گیا جو اب ریت پر اتر چکا تھا۔ اس نے یہ فاصلہ بہت تیزی سے طے کیا۔ سنی جوئے نے بازو بڑھا کر اسے آگے بڑھا کر اسے کاپٹر میں کھینچ لیا۔

"شاندار۔" ہنسی جوئے کے لہجے میں حیرت بھی تھی۔ "اے دن جو پ تھی فرزند! کیا تم فوج میں رہے ہو؟"

"میں سیون میں رہا ہوں۔" ٹائیگر نے مسکراتے ہوئے جھوٹ بولا۔

"اوہ!" جمیل کو یہ سن کر شاید مایوسی ہوئی تھی۔ "میں انھیں اور بلاؤ کہتا ہوں۔"

"جمیل کی کسی بات کا برا مت ماننا شہزاد۔" سنی جوئے نے اس کی پیٹھ تھپکتے ہوئے بات بنائی۔ "یہ بڑی فوج میں رہ چکا ہے اور ہر اس شخص کو پسند کرتا ہے جو دلیر ہو۔ جمیل نے تھادی جوپ کے ساتھ ہی تمھیں سو نمبر دے دیے تھے اور ہاں جمیل! ہمیں تمھیں لے کر ڈراپ سائٹ پر جانا ہے۔ آج تم ڈیزرٹ ڈراپ یونٹ کے ساتھ رہو گے۔"

"اور بلاول خان کہاں ہو گا؟" ٹائیگر نے سرسری انداز میں پوچھا۔

"تم میری تلاشی لے سکتے ہو وہ میرے پاس تو نہیں ہے۔" سنی جوئے ہنستے ہوئے کہا۔ "تمھیں تو یہ بھی پتا نہیں کہ وہ اس وقت کیا کر رہا ہے۔ میں نے سنا ہے کہ اس نے فلم کو نو یونٹوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ ہم پیراشوٹ یونٹ میں ہیں۔ بلاول ممکن ہے کہ ٹینک یونٹ کے ساتھ ہو۔ میرین ائر اسٹیشن پر... ویسے مزہ بہت آئے گا۔ ان کا کام صرف یہ ہے کہ میں گیٹ کے اندر باہر ٹینک... دوڑاتے رہیں۔"

"تم نے اس ایکسرسائز کے لیے کسی اثر میں کا بندوبست کیوں نہیں کیا تھا سنی؟" جمیل نے اچانک ہی پوچھا۔

"سوری۔" سنی جوئے دونوں کی طرف مغدرت خواہانہ انداز میں دیکھ کر بولا۔ "میں تمھیں صرف شاباش دے سکتا ہوں شہزاد... اگر تم مارے جاتے تو ہم چھنس چکے ہوتے۔"

گفتگو اب ہنسی مذاق کی حدود میں داخل ہو گئی تھی... اور ہیلی کاپٹر اوپر اٹھ رہا تھا۔

"دوسرے پیراشوٹس کے بارے میں کس طرح رائے قائم کرو گے؟" ٹائیگر نے اچانک ہی پوچھا۔

"لڑکے ایک تم ہر پیراشوٹ کی عملی آزمائش کے لیے خود کو پیش کر رہے ہو سنی جوئے حسب عادت اس کی ران پر ہاتھ مار کر کہا۔ "اب دیکھو نا، ہم آنے والے ہر پیراشوٹ کی اس طرح عملی آزمائش تو کرنے سے رہے بظاہر بہتر ین لگ رہے ہیں ایک کا مظاہرہ دیکھ چکے ہیں، یہی ایک مثال فیصلہ کن رہے گی۔"

"ہاں ہم جانتے ہیں کہ یہ پیراشوٹ سو فیصد کارآمد تھا۔" ٹائیگر نے بڑی سنجیدگی سے اس پیراشوٹ کی طرف دیکھا جسے اس نے ابھی کھولنے کے لیے استعمال کیا تھا۔ اسے اس بارے میں زیادہ فکر بھی نہ تھی لیکن اس کے لیے الجھن کی بات یہ تھی کہ پہلے ہی روز وہ بلاول سے دوبدو کر کام کرے گا۔ اسے علم ہو چکا تھا کہ فلم کے خلاف مظاہرے ختم ہو چکے ہیں۔ بظاہر بلاول کی زندگی کو کوئی خطرہ لاحق نہیں لیکن اس کے قلب و ذہن میں ایک عجیب سی بھانس چبھی ہوئی تھی اور وہ اسے کوئی نام نہیں دے سکتا تھا صرف اتنا احساس ضرور ہو رہا تھا کہ کوئی گڑبڑ ضرور ہے۔

✠

شمالان کوٹ میرین کو ائر بیس کے گیٹ میں داخل ہونے والی پہلی ٹیم کیمرہ مینوں کی تھی۔ کرنل تنویر طلعت انھیں خوش آمدید کہنے کے لیے وہاں خود موجود تھا۔ اس نے آج اپنی بہترین وردی پہن رکھی تھی۔ اس کے پہلو میں ایک ایسا ریوالور موجود تھا، جس میں گولیاں نہ تھیں۔

کیمرہ مینوں کی آمد کے بعد کرین نمودار ہوئی جس پر ٹیلی اسکوپنگ بوم کیمرہ نصب تھا۔ کیمرہ مین مخالف ملک کی فوجی

وردی میں ملبوس تھے۔ کرین نے گیٹ کی طرف آنے والی سڑک پر پوزیشن سنبھال لی تھی۔ اس کے بعد ایک وین سے چھ بھرتی نمودار ہوئے۔ ان کے ہاتھوں میں ویڈیو کیمرے تھے۔ انھوں نے اس پھرتی اور نظم و ضبط کے ساتھ اپنی اپنی پوزیشنیں سنبھالیں کہ کرنل تنویر بھی حیرت زدہ رہ گیا۔ اس بندوبست کے بعد ہی وہ کار آئی جس میں جیرو سوار تھا۔ اس کار کو گیٹ پر روکے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ وہ گاڑی سے اُتر کر پُرجوش انداز میں کرنل تنویر کی طرف بڑھ گیا۔ اس کے پیچھے کیمو فلاج یونیفارم میں ایسے لوگ تھے جن کے ہاتھوں میں پری بیگ نظر آ رہے تھے۔

"گڈ مارننگ مسٹر جیرو۔" کرنل نے اس کا استقبال کرتے ہوئے کہا۔ "شوٹنگ کے لیے موسم یقیناً خوشگوار ہے۔"

"تھینک یو کرنل، ہم تیار ہیں۔" جیرو نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "اور بلاول خان کہاں ہے؟"

"وہ سرخ ٹینک میں سوار اسی طرف آ رہا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہیس میں ٹینک کے داخل ہونے کی بہترین فلم بندی کی جا سکے۔ آپ کے آدمی ٹینک پر فائرنگ کریں گے پھر ٹینک سے جوابی فائرنگ ہو گی، اس کے بعد آپ لوگ ہتھیار ڈال دیں گے۔"

"ہتھیار ڈال دیں گے؟" کرنل اچھل پڑا۔ "نہیں مسٹر جیرو! ناممکن ہے یہ کور کی روایات کے منافی ہے۔"

"آپ فکر نہ کریں، یہ تو فلم کا پہلا شاٹ ہو گا۔ اس کے بعد جو شوٹنگ ہو گی اس میں میرینز کو مخالف فوج پر دھاوا بول کر فتح مند دکھایا جائے گا۔ آپ کا دستہ دشمن کی فوج کو بھون کر رکھ دے گا۔"

"تب پھر ٹھیک ہے۔" کرنل نے مسکرا کر جواب دیا۔ "مجھے زیادہ فکر یہی ہے کہ کور کا وقار برقرار رہے۔"

"گڈ! اب پلیز... ساکت کھڑے رہیں۔" جیرو نے مسکرا کر درخواست کی۔ اسی وقت دو بھرتی کرنل کے قریب آ کر اس کی وردی پر دھاتی ٹکڑے لگانے لگے۔

"یہ کیا ہے بھئی؟ کیا یہ فلم میں بہادری کے تمغے نظر آئیں گے؟" کرنل نے اپنی دانست میں مذاق کیا تھا۔

"نہیں کرنل، یہ انڈے نما نوں ہیں جب ہم لوگ گولیاں چلائیں گے تو یہ ٹوٹ جائیں گے اور ان سے نقلی خون بہنے لگے گا۔"

"دھتے مٹ سکیں گے؟"

"بالکل، اس کی تو فکر ہی نہ کریں، کچا رنگ ہے۔"

"مجھے یہ فکر بھی ہے کہ غلطی سے کوئی اصلی گولیاں نہ چلا بیٹھے مسٹر جیرو۔"

"ایسا ہرگز نہیں ہو گا۔" یہ کہہ کر جیرو آگے بڑھ گیا۔ کرنل وہیں کھڑا رہا۔ اس نے ریوالور کے بٹ پر ہاتھ رکھ لیا۔ اس کا انداز بہت شاندار تھا اور اسے کیمرے چلنے کا انتظار تھا۔

سڑک کے دونوں طرف میرین تعینات تھے۔ ان کی ایم ۱۶ ہاتھوں میں تھیں۔ بھرتی ٹیکنیشنز نے ان کی وردیوں پر بھی مصنوعی خون کے خول لگا دیے۔

پھر اچانک ہی ٹینکوں کی گڑگڑاہٹ سنائی دی۔ کرنل تنویر کا چہرہ کھل اٹھا۔ چند ہی لمحے بعد اُسے وہ سُرخ ٹینک نظر آ گیا جس کا جیرو نے ذکر کیا تھا پھر بلاول بھی نظر آنے لگا۔ وہ ٹینک کے دہانے میں کھڑا جھوم رہا تھا۔ تب ہی کرنل کو یہ فکر لاحق ہو گئی کہ ٹینک کے گزرتے وقت گرد کی وجہ سے وہ کیمرے کے سامنے واضح بھی ہو گا یا نہیں۔

پھر وہ ٹینک اور اس کے ساتھ ہی دوسرے تمام ٹینک بھی رُک گئے۔

جیرو نے کرین والے کیمرہ آپریٹر کی طرف دیکھا۔ کسی نے کیمرے کے سامنے ایک تختی رکھ دی۔ کرنل کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔ اسے پتا تھا کہ اسے مہورت کہتے ہیں۔

"رولنگ۔" جیرو نے نعرہ لگایا تو تختی گر گئی اور تختی والا جھک کر اپنی رائفل کی طرف دوڑ گیا۔ کیمرے کا رُخ اب ٹینک لائن کی طرف تھا۔ ٹینک پھر چلنے لگے۔ ریت پھر اُڑنے لگی۔ کرنل کا پورا جسم جوش و خروش کے باعث سنسنانے لگا۔ اُسے یہ سب کچھ حقیقت لگ رہا تھا۔ اُس نے اپنے آدمیوں کی طرف دیکھا۔ وہ بھی اسی کی کیفیت سے دوچار تھے۔ وہ انھیں کل رات ہی بریف کر چکا تھا۔ اُس نے حکم دیا تھا کہ سب کچھ حقیقت سے قریب ہونا چاہیے لہٰذا وہ کیمروں کی طرف نہیں دیکھیں گے۔

ٹینک اب گیٹ کی طرف پیش قدمی کر رہے تھے۔ اس کے لیے کیو ملتے ہی گارڈ نے ایم ۱۶ سے تین گولیاں داغ دی تھیں۔ اسی وقت کرنل کو یہ احساس ہوا تھا کہ اگر یہ سب کچھ حقیقت ہوتا اور دشمن واقعی میں داخل ہو جاتا تو میں کمانڈو کا کیا کردار ہوتا۔ اسے یوں لگا جیسے اسکرپٹ میں کوئی بڑی خامی ضرور ہے پھر اُسے یہ بھی عجیب سا لگا کہ علم کا ہیرو جونیئر کی علامت ہوتا ہے۔ دشمن کے ٹینک میں کھڑا ہے۔

وہ دیکھتا رہا۔ گارڈ اب جوابی فائرنگ کے بعد گرنے لگے

Scanned And Uploaded By Mujahid Mahmood

تھے۔ انڈوں سے خون بہنے لگا تھا۔ اس نے ایک گارڈ کو گرتے اور پھر ضرورت سے زیادہ تڑپتے ہوئے دیکھا تو اس نے دیں فیصلہ کر لیا کہ یہ اوور ایکٹنگ ہے۔

ٹینک اب دو قطاروں میں تقسیم ہو کر پیش قدمی کر رہے تھے جیرو نے اسی دم ترشول بلند کیا۔ یہ کرنل تنویر کے لیے اشارہ تھا۔ فائر۔ کرنل کسی شیر کی طرح دہاڑا۔ ساتھ ہی پوزیشن سے کر بیٹھ گیا۔ اس نے بہت تیزی سے آٹھ راؤنڈ فائر کر ڈالے۔ اس کی نظریں میرین فوجیوں پر جمی ہوئی تھیں اور وہ یہ سوچ رہا تھا کہ کیمرے نے اس کی کارکردگی مناسب طور پر فلم بند کی یا نہیں۔

"احمق۔" وہ ایک جوان کو دیکھ کر دانت پیسنے لگا جو گیٹ کے قریب دُبکا ہوا کھڑا تھا۔ اس کے زیادہ تر جوان ارد گرد پڑے ہوئے تھے۔ ان کی وردیاں ایسے خون سے سُرخ ہو رہی تھیں جو حقیقی نظر آ رہا تھا۔ ایک گارڈ تو بُری طرح چلا رہا تھا۔ "یہ پاگل ہے۔" کرنل نے سوچا۔ "اسے کہتے ہیں اوور ایکٹنگ۔" اس نے گن میں میگزین لوڈ کیا اور ایک ٹینک مشین گنر کو نشانہ بنانے لگا۔ گولیاں گنر کے مزید تین گارڈ گرا چکی تھیں۔ ظاہر ہے کہ کرنل مصنوعی گولیاں استعمال کر رہا تھا۔ وہ سوچنے لگا کہ اس شاٹ کے بعد وہ جیرو کو بتائے گا کہ اسکرپٹ میں جیسی کمانڈر کے لیے مزید گنجائش نکالی جائے۔ یہ بھی دکھایا جائے کہ لوگ اس کی فائرنگ سے مر رہے ہیں۔ ابھی وہ یہی سوچ رہا تھا کہ کوئی چیز اس کی پنڈلی سے ٹکرا گئی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔ ایک میرین گارڈ پیٹ کے بل لیٹا ہوا اسی کی طرف گھور رہا تھا۔ وہ غالباً سڑک سے کمانڈر کی طرف گھسٹتا ہوا آیا تھا۔ خون کی ایک لکیر اس کا ثبوت تھی اور یہ لکیر حقیقت سے بے حد قریب لگ رہی تھی۔

"شاندار۔" کرنل نے جوان کی تعریف کی اور پھر مذاق کرنے کے لیے بولا۔ "اب مر جاؤ۔ بہت زخمی ہو گئے ہو۔"

لیکن گارڈ نے اس بار کرنل کی پنڈلی جکڑ لی۔ کرنل کو غصہ آنے لگا تاہم اُسے یہ دیکھ کر بے حد حیرت ہوئی کہ گارڈ کچھ کہنے کی کوشش کر رہا ہے۔ یہ منظر شاید اسکرپٹ سے ہٹ کر تھا... ورنہ جیرو کرنل کو اس بارے میں بھی ضرور بتا دیتا۔

"سر...!" جوان کہہ رہا تھا۔ "میں... واقعی... زخمی ہوں اصل... اصلی... گولی... گولیاں... چل رہی... ہیں... اصلی... والی...!"

"خود پر قابو رکھو جوان۔ یہ فلم کی شوٹنگ ہے۔" کرنل نے کہا۔

"م... میں... زخمی... ہوں... سس... سر...

میرا... زخم... دیکھ... یں...!"

"یہ نقلی خون ہے لڑکے۔" کرنل نے اُسے یاد دلایا۔

"میری سُنیں...!"

"خاموش رہو۔" کرنل نے جھاڑ پلا ڈالی۔ "بریڈ ٹینک میں بلاول خان آرہا ہے۔ تم بہت تھڑدلے ہو۔ وہ تمہاری یہ حالت دیکھ کر یہی سوچے گا کہ میرین کا جوان نقلی خون دیکھ کر گھبرا گیا۔"

جوان نے پنڈلی سے ہاتھ ہٹا کر نیچے اپنے سینے پر دکھا اور پھر نکال کر کرنل کے سامنے کر دیا۔ "یہ... خو... خون ہے... میرا... خو... ن..." اور پھر وہ زمین پر ڈھے گیا۔

کرنل نے ہاتھ بڑھا کر ایک انگلی سے جوان کے ہاتھ پر لگا ہوا سیال چھوا۔ اس میں گرمی تھی، حرارت تھی، وہ لاشعوری طور پر اسے سونگھنے پر مجبور ہو گیا۔ اس میں خون ہی کی بُو تھی۔ وہ خون کی بُو اچھی طرح پہچانتا تھا کیونکہ ایک بار رات آف فیر میں وہ جنگ لڑ چکا تھا۔ وہ گھبرا کر کھڑا ہو گیا۔ خوف سے اس کی حالت غیر ہو گئی۔ "اسٹاپ ایکشن۔" وہ دہاڑا۔ "سُنو! کوئی گڑبڑ ہو گئی ہے۔ ایک شخص واقعی زخمی ہو گیا ہے۔ اصلی گولیاں کس نے استعمال کی ہیں؟" وہ اب زور سے دہاڑ رہا تھا۔

فائرنگ جاری رہی کیونکہ ترشول اب بھی بلند تھا۔

"جیرو، بلاؤ! خدا کے لیے میری بات سُنو۔" کرنل تنویر کا جسم کانپنے لگا۔ سے یوں لگا تھا جیسے کوئی سازش کامیاب ہو رہی ہو۔ "فائرنگ روکو۔ کیمرے بند کرو۔" کرنل پھر چلایا لیکن اس بار بھی کسی نے اس کی ہدایت پر عمل نہیں کیا۔ تب ہی اُسے یاد آیا کہ کیمرے روکنے کے لیے کیا کہا جاتا ہے۔ اُس نے دونوں ہاتھوں سے ہونٹ بنا لیا۔ "کٹ... کٹ...!"

لیکن شوٹنگ جاری رہی۔ میرین کے جوان جو نقلی گولیاں استعمال کر رہے تھے اُگرتے رہے۔ کرنل نے ایک گارڈ کا سر گولی لگ کر پھٹتے ہوئے دیکھا۔ اب اس کا پورا جسم غصے کی شدت کے باعث کانپ رہا تھا، وہ سمجھ گیا تھا کہ یہ حقیقت ہے۔

ٹینک اب لاشوں کو روندتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے مگر نہیں... بعض ٹینک ایسے زندوں پر سے بھی گزر گئے جو زخمی ہونے کی اداکاری کر رہے تھے اور جن کو ابھی تک یہ علم نہیں ہوا تھا کہ موت نے سازش کر کے انھیں چاپ لیا ہے۔

منظوں
الماس ایم اے قیمت:-/150

ہر طرف چیخیں گونجنے لگیں۔

"کٹ...!" کرنل پاگلانہ انداز میں چلایا اور اس وقت تک چلاتا رہا جب تک اس کی آواز بیٹھ نہ گئی۔ وہ ٹینکوں اور لاشوں کے درمیان آدمیوں کے بل دوڑتا رہا حتیٰ کہ وہ جیرو تک پہنچ گیا جو بندوق بردار معاشی تھا۔ اس نے کہا۔ "یہ میرا حکم ہے، جیرو... بند کرو یہ... آخر تم کیا کر رہے ہو؟"

"فلم بندی۔" جیرو نے اوپر کرین کی سمت میں اشارہ کیا۔ اس وقت کیمرہ انہی کی طرف تھا۔

"مگر یہ قتل عام ہے اور تم اس کی فلم بندی کر رہے ہو۔" کرنل نے تلملا کر کہا۔

"سارا اسلحہ نقلی ہے، تم فکر کیوں کرتے ہو۔" جیرو کے چہرے پر شقاوت کے ڈیرے تھے۔

*

کردار نگاری کے بارے میں جیرو پر عموماً تنقید بھی ہوتی تھی لیکن اس تنقید کا تعلق اس کے چہرے کے تاثرات سے نہیں، مکالمے بولنے کے انداز پر تھا۔ بلاول اس تنقید کا عادی بھی تھا۔ یہ نکتہ چینی مقبولیت اور شہرت کا معاوضہ تھی یا قیمت تھی۔ شہرت کی قیمت تو اسے آلو گوشت بھی برداشت کر کے بھی چکانی پڑتی تھی۔ زیادہ منفی تنقید ایسے لوگ کیا کرتے تھے جن کا خیال تھا کہ بلاول خان فردوسی ہیرو کے کردار میں کھپ نہیں سکتا وہ یہ کہتے تھے کہ کیونکہ بلاول نے کبھی فوج میں کام نہیں کیا لہٰذا وہ کبھی اچھا فوجی ہیرو نہیں بن پائے گا۔

لیکن بلاول خان کے حامی کالم نویسوں کے پاس اس تنقید کے خلاف موثر ترین جواب موجود تھا۔ وہ یہ کہ... جب جنرل مقامی اقتدار پر قبضہ کر کے سیاست سنبھال لیتے ہیں تو اس وقت یہ کیوں نہیں کہا جاتا کہ ایک فوجی اچھا سیاستدان نہیں بن سکتا۔

..... اور اس کا وقت بلاول خان ایسا اداکار نہ تھا جو فوجی کا کردار ادا کر رہا ہو۔

اس وقت تو سب کچھ حقیقت نظر آ رہا تھا۔

اس کا لیڈ ٹینک ٹی ۶۲ شاہراہ پر ایم سی اے ایس شالان کوٹ کے ساتھ ساتھ گزر رہا تھا۔ ٹینک کی توپ پر ایک بھرتی موجود تھا اور ۵۰ کلیبر کی مشین گن سے فضا میں گولیوں کی بوچھاڑ کئے جا رہا تھا۔ میرین کی حالت خراب تھی انہوں نے اتنی حقیقی جنگ کبھی نہیں دیکھی تھی گولیاں ان کے سروں میں پیوست ہو رہی تھیں سر سے لہو اچھل رہا تھا اور وہ گولیاں کھا کھا کر اچھل اچھل کر تڑپ تڑپ کر جان دے رہے تھے۔

یہ اداکاری نہیں تھی۔

بلاول خان کو اداکاری اور حقیقت کا فرق اچھی طرح معلوم تھا۔

اسے پتہ تھا کہ جو کچھ ہو رہا ہے اس کا مختصر ترین نام موت ہے لیکن وہ یہ بھی دیکھ رہا تھا کہ لاشوں کے گرنے کے باوجود فلم بندی جاری ہے۔ اس کا سر چکرانے لگا۔

جیرو نے کہا تھا کہ اسکرپٹ کے مطابق انھیں میرین کو متاثر کرنے کے لیے بہت شاندار انٹری دینی ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ بلاول خان خود لیڈ ٹینک پر موجود ہو لیکن جونہی یہ کالم گیٹ سے گزرا تھا... میرین نے نقلی گولیاں چلانی فروع کر دی تھیں اس کے بعد تو قیامت صغریٰ بپا ہو گئی تھی

بلاول خان جنونی انداز میں مشین گن پر جھپٹا (یہ منظر اسکرپٹ میں نہ تھا) گنر نے پلٹ کر بلاول خان کے سر پر مکا مارنا چاہا لیکن ایکشن فلموں کے اس تربیت یافتہ اداکار نے ایک ہاتھ سے مشین گنر کی گردن دبوچی اور چہرے پر ہتھیلی سے بھرپور ضرب لگائی تو گنر کا چہرہ اس کے اپنے لہو سے سرخ ہو گیا اس نے لات مار کر مشین گنر کو ٹینک سے اچھال دیا اور خود ۵۰ کلیبر کی مشین گن سنبھال لی اس نے نصف دائرے میں گولیاں چلانی فروع کر دیں۔ اس سے قبل اس نے کبھی اصلی ہتھیار فلم میں استعمال نہیں کیے تھے لیکن آج بات بالکل جدا تھی۔ اس کے ہم وطن گاجر مولی کی طرح کاٹے جا رہے تھے۔ آج اسے پہلی بار احساس ہوا تھا کہ اصلی مشین گن چلانا زیادہ آسان کام ہے۔ اس نے ایک اور برسٹ مارا تو دوسرے ٹینک کے ڈرائیور کا چہرہ بھرتا بن گیا۔ وہ آگے کو جھکا تو ٹینک قابو سے باہر ہو گیا اور کئی آوارہ

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کتے کی طرح جھومتا دوڑتا ہوا قطار سے نکل کر سڑک سے ہٹ گیا۔

اب بلاول خان کی مشین گن کا رخ ان بھرتی سپاہیوں کی طرف تھا جو انفنٹری سے تعلق رکھتے تھے اس نے ان میں سے بیشتر کو ایک ہی برسٹ میں گرا ڈالا۔ اسی لمحے ایک بھرتی نے ٹینک سے سر اٹھا کر دیکھا۔ بلاول خان نے ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کیا۔ ایک سپاہی ٹینک کی راہ میں آیا تو ٹینک اس کے اوپر سے گزر گیا۔ بلاول خان نے چاروں طرف دیکھا تب ہی اسے جیرو نظر آیا۔ اس کا ترشول فضا میں بلند تھا۔ وہ اس حملے کی قیادت کر رہا تھا اس کے چہرے پر بڑی خونخوار مسکراہٹ تھی۔ بلاول خان نے دانت پیس کر لبلبی پھر دبائی لیکن اس مرتبہ مشین گن خاموش رہی پھر جب اس نے فیڈ بیلٹ کو دیکھا تو وہ خالی تھی۔ اسی وقت ایک گولی اس کے ٹینک سے ٹکرا کر پھسل گئی دوسرا راؤنڈ اس کے کان کے قریب سے گزرا۔

"حرامزادے"۔ بلاول خان نے غرا کر گالی دی اور غرلاپ سے ٹینک کے اندر چھپ گیا۔ اندر ہر چیز جنگی اعتبار سے مکمل تھی اس کا مطلب یہ تھا کہ انہیں ہر ہر پل دھوکا دیا گیا ہے۔ ڈرائیور کے کاک پٹ تک جانے والا خلاء بھی موجود تھا۔ ڈرائیور سیٹ پر لیٹا ہوا پیراسکوپ سے جھانک رہا اور پیڈل بار جیسی کسی چیز سے ٹینک کو کنٹرول کئے جا رہا تھا بلاول خان نے بڑی خاموشی سے چاقو نکالا اور پھر ڈرائیور کی گردن پر چھیر دیا اس کام میں اس نے ذرا سی بھی عجلت نہیں کی۔ بھرتی بہت زور سے تڑپا لیکن وہ جوابی کارروائی نہیں کر سکا قدیم زمانے کا حربی انداز اسے مار چکا تھا۔ شہ رگ کٹ گئی تھی اب کچھ بھی باقی نہیں تھا۔ بلاول نے اسے اٹھا کر ڈرائیور سیٹ پر ڈالا خود آلو پائیلٹ لگایا۔ آلو پائلٹ لگاتے وقت اسے سمت کا کوئی اندازہ نہ تھا لیکن اس کی چھٹی حس اسے ہدایات دے رہی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر وہ بھرتیوں سے نہیں لڑ سکتا اس کے پاس گن تھی نہ توپ کا کنٹرول۔ اس کام کے لئے ٹینک کا پورا کریو درکار تھا۔ لہٰذا اس نے بار کو بائیں طرف دبایا۔ ٹینک ایک طرف ہو گیا۔ تب ہی چار دیواری نظر آنے لگی اس سے آگے محض ریت تھی۔ ریت کے تودے تھے اب اسے بھرتی فوجی نقطوں کی شکل میں نظر آنے لگے تھے۔ آزادی کے راستے میں یہی مورچہ بند نقطے حائل تھے۔ "الو کے پٹھے"۔ وہ سر جھٹک کر غرایا۔ اس کی نظریں چار دیواری پر جمی رہیں بھرتیوں نے بھی اسے آتے ہوئے دیکھ لیا تھا وہ منتشر ہونے لگے اس کو چیخیں سنائی دینے لگیں اس لمحے اس کا ٹینک ایک بھاگتے ہوئے بھرتی کی ٹانگ پر سے گزر گیا۔ ٹینک چلتا رہا پھر بندوقوں کی تڑاتڑ میں اس نے جیرو کی آواز سنی۔

"بلاول"۔ وہ اسے آواز دے رہا تھا اچانک دو بھرتی پیری اسکوپ پر نمودار ہوئے وہ چار دیواری کے ساتھ بیٹھے تھے وہ فائر بھی کئے جا رہے تھے ان کی کوشش تھی کہ گولیاں پیری اسکوپ سے گزر کر بلاول کو ہلاک کر ڈالیں۔

بلاول نے جھک کر گیس پیڈل فرش سے لگا دیا، ٹینک نے ہولناک انداز میں قلانچ بھری اور آہن و فولاد کا یہ عفریت پوری رفتار سے آگے دوڑنے لگا۔ ٹینک کی توپ نے ان فوجیوں کو سمیٹ لیا جو گولیاں چلا رہے تھے، چار دیواری مچھر دانی کی طرح گر گئی، لیکن دوسرے بھرتی جیرو کی للکاریں سن کر بھاگنے سے باز رہے۔ انہوں نے پیری اسکوپ کو نشانے میں لینے کی کوششیں جاری رکھیں۔ ایک گولی اندر آ بھی گئی لیکن بلاول خان بال بال بچ گیا۔ ٹینک چار دیواری سے گزر گیا اور مزید دو بھرتی اس کے نیچے آ کر موت کی گود میں چلے گئے۔

بلاول کا ٹینک اب سڑک پر چل رہا تھا اسفلٹ کی وجہ سے آواز میں تبدیلی آ گئی تھی۔ بلاول نے اس مرتبہ سمت درست کی اب ٹینک سیدھا جا رہا تھا۔ اب جب بھی جیس گز آگے کوئی گولہ گرتا تو وہ ٹینک کا رخ تبدیل کر دیتا۔ وہ فوجی نہ تھا مگر اس کی حکمت عملی بہت شاندار تھی۔ پھر اچانک ہی اس نے ٹینک کو دائیں طرف گھمایا اس کے بعد بائیں طرف کیا اور گولہ اوپر سے گزر کر آگے گر گیا۔ ٹینک اب رنگ رنگ انداز میں دوڑنے لگا تھا۔ بلاول نے ڈرائیونگ پیچ اٹھایا، سر ذرا سے باہر نکالا پیچھے تباہ شدہ دیوار کے قریب دو بی ٹی ۶۲ نظر آئے

جو ملٹی میٹر کی توپوں کا رخ درست کر رہے تھے۔ تب ہی ایک توپ کے دہانے سے گولہ نکلا۔ ٹینک نے بھی پیچھے کی طرف جھٹکا لیا گولہ بلاول خان کے ٹینک سے صرف سو گز دور جا گرا دھماکے کی وجہ سے ہر طرف "ریت کا طوفان"۔ وہ بدحواس لگا ایک ایسے اچھے ٹینک کمانڈر کی طرح جو دشمنوں میں گھرا ہوا ہو اس نے اپنا ٹینک ریت کے طوفان میں ڈال دیا۔ اب باہر سے باہر کچھ نظر نہیں آ رہا تھا لیکن بلاول کو اس کی پروا نہ تھی۔ پیچھے کہیں دور توپ کے دھماکے سنائی دیئے۔ کوئی گولہ بلاول خان سے مزید دو سو گز دور گرا تھا۔

بلاول نے ایک بار پھر ٹینک کو نوے کے زاویہ پر رکھ کر دوڑانا شروع کر دیا اسے اعتماد تھا کہ اب اگر بھرتی اپنا سارا توپخانہ بھی یہاں صحرا پر خالی کر دیں تو اس کا کچھ نہیں بگڑے گا۔ اس کے ٹینک کی رنگت ریتلی تھی اور رنگ ریت کے طوفان کا حصہ بن گیا تھا سکون کے ان چند لمحوں میں اسے اچانک ہی خیال آیا کہ ٹینک میں گائیڈ بھی ہوتی ہیں وہ اسے دیئے قریب مل گئیں جو اس نے آنکھوں پر چڑھا لیں اگرچہ ان سے بصارت پر زیادہ اثر نہیں پڑا تاہم وہ پیری اسکوپ سے باہر دیکھنے کے قابل ضرور ہو گیا۔

اب ریت اس کے چہرے پر لگ رہی تھی۔ اسے کاٹ رہی تھی لیکن اسے اس سے تکلیف نہیں ہو رہی تھی۔

درد، کسک، ٹیس اور دکھن کا سبب کچھ اور تھا۔

دور... دھند کے پار شالان کوٹ شہر تھا جہاں اسے مدد مل سکتی تھی۔ وہ شہر پہنچنے سے قبل رکنا نہیں چاہتا تھا۔

اسے اپنے اوپر غصہ آ رہا تھا۔

"آخر میں سمجھا کیوں نہیں۔ میں سمجھا کیوں نہیں کہ یہ سب کچھ ایک سازش ہے"۔

*

سی ۱۳۰ ہرکولیس ٹرانسپورٹ طیاروں کے انجن گرم کئے جا رہے تھے ان کے عقبی ڈراپ گیٹ گرے ہوئے تھے اور طیاروں کا عقبی حصہ کسی غار کی طرح لگ رہا تھا ائر فورس کے رینجرز کرنل فرید کی قیادت میں کھڑے مسکرا رہے تھے ان سب نے کیموفلاج یونیفارم پہن رکھی تھی۔ "آپ لوگ تیار ہیں کرنل؟" اسسٹنٹ ڈائریکٹر مولو نے ان سے پوچھا۔

"سو فیصد بس خیال یہ رکھنا کہ سب سے پہلے میں جمپ کروں گا"۔

"منظور۔" اسسٹنٹ ڈائریکٹر نے کہا۔ "آپ سب سے پہلے زمین پر پہنچیں گے"

"گڈ اور ہاں یہ بتاؤ کہ میرین کا کیا حال ہے؟" کرنل فرید نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"ان کے اڈے پر قبضہ کر لیا گیا ہے" اسسٹنٹ ڈائریکٹر مولو نے قہقہہ لگا کر جواب دیا۔

"گڈ میں بھی یہی چاہتا تھا۔ میرین اور ائر پاور کا کوئی مقابلہ نہیں"۔ کرنل فرید نے کن انکھیوں سے کیمروں کی طرف دیکھا جو نصب کئے جا چکے تھے "تب پھر شروع کریں"۔

"ایک منٹ" مولو نے ہاتھ ہلا کر کہا۔ "ذرا سی تبدیلی کی گئی ہے کیونکہ پراپ مین نے بیراشوٹ میں کوئی گڑبڑ کی ہے"

"کون سے بیراشوٹ میں؟"

"سب میں"۔ مولو نے بڑے اعتماد سے جواب دیا۔ "کمال ہے۔ لیکن تمہارے آدمیوں کے علاوہ میرے آدمیوں نے بھی چیک کیے تھے۔ وہ سنی جوہی تھا نا؟ وہ کہاں ہے؟"

"میں یہاں ہوں کرنل"۔ سنی جونے دور سے پکارا۔ "کوئی مسئلہ"

"زیادہ بڑی بات نہیں سنی جو"۔ مولو نے فوراً اسے مطمئن کرنا چاہا۔ "ہم لب بیراشوٹ ڈراپ کا سین اندھیرے میں فلم بند نہیں کر سکیں گے کیونکہ بیراشوٹ بدلنا بہت ضروری ہے لب سفید بیراشوٹ دیئے جائیں گے"۔

"تم کیا کہتے ہو؟" کرنل فرید نے سنی جو کی طرف دیکھا سفید بیراشوٹ کچھ عجیب سے نہیں لگتے کیا؟"۔

"ممکن ہے کہ عجیب لگتے ہوں لیکن وہ بھی اچھے ہیں"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

سنی جو نے اسے یقین دلایا۔

"وہ بھی اسی فیکٹری سے آئے ہیں جس نے پہلے والے تیار کئے تھے کرنل۔" اسسٹنٹ ڈائریکٹر نے دونوں ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔ "بہرحال ذرا جلدی کرنی ہوگی۔"

"اتنی جلدی نہیں مولو۔" سنی جو نے خشک لہجے میں کہا۔ "میں کریو کی سلامتی کا ذمہ دار ہوں"

"دیر کی تو بڑا نقصان ہو جائے گا جو۔ ہمارا شیڈول بہت ٹائٹ ہے۔"

"ہوں" سنی جو ہنکارا بھر کر اسے گھورنے لگا۔ "ہمیں پیراشوٹس کا معائنہ کرنا ہے۔ ٹھیک ہے نا کرنل؟"

"ضرور مگر میں یہ چاہتا ہوں کہ شوٹنگ، شیڈول کے مطابق ہو۔" کرنل نے جواب دیا۔ مولو انہیں وین کے عقب میں لے گیا جو پیراشوٹس کے پیکٹوں سے بھرا ہوا تھا انہیں ایک پیکٹ نکالنے میں بہت دشواری ہوئی انہوں نے پیکٹ کھول کر انہیں زمین پر ڈال دیا۔ لگتے تو اچھے ہیں" سنی جو نے ایک پیراشوٹ کا جائزہ لیتے ہوئے اطمینان کیا۔

"گڈ۔ ہاں اچھے ہیں" کرنل فرید نے بھی مطمئن انداز میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"میں نے کہا نا... یہ بہت اچھے پیراشوٹ ہیں"۔ مولو سر ہلاتا ہوا بولا۔ کرنل اپنے عملے کی طرف پلٹ گیا جبکہ سنی جو اس کے ساتھ ہی رہا اس کے چہرے پر تشویش کے آثار تھے اس نے بڑے بڑے بازو سینے پر باندھ رکھے تھے۔

"لڑکو" کرنل نے اپنے عملے سے کہا۔ "اسکرپٹ میں ذرا سی تبدیلی ہوئی ہے، ہمیں نئے پیراشوٹس دیے جا رہے ہیں ہر ڈراپ نیم وین کے قریب قطار بنا کر شوٹس حاصل کرے گی"۔ اس نے وین کی طرف اشارہ بھی کیا جہاں لب دردی پوش کریو۔ تیزی سے پیراشوٹ نکال کر زمین پر رکھ رہا تھا۔ چھ اُرمینوں نے تین قطاریں بنالیں وہ پرانے پیراشوٹ واپس کر کے نئے پیراشوٹ لینے لگے۔

ٹائیگر ایسی ہی ایک قطار کے آخری حصے میں تھا سنی جو سے اس کی نظریں ملیں تو سنی اسی کی طرف آگیا۔ "یہ کیا ہو رہا ہے؟" ٹائیگر نے اس سے سرگوشی میں پوچھا۔

"اسکرپٹ میں ایک اور احتیاطانہ تبدیلی یہ لوگ فلٹرز کی مدد سے شوٹنگ کرنے والے تھے تاکہ رات نظر آئے لیکن اب یہ ڈے ڈراپ کا کہہ رہے اسی لیے کالے پیراشوٹس واپس لے کر سفید دے دیے گئے ہیں"۔

"کسی نے نئے پیراشوٹس ٹیسٹ بھی کیے ہیں؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"کرنل فرید اور میں نے دو پیراشوٹ دیکھے تھے"

"کیسے تھے؟" ٹائیگر کے لہجے میں تشویش تھی۔

"ٹھیک ٹھاک۔ لیکن ہم پانچ سو میں سے صرف دو کا ہی معائنہ کر سکے ہیں۔ پتہ نہیں کوئی خراب بھی نکلے اور نہ جانے کس کے حصے میں آئے۔"

"تم جو چاہو کہہ سکتے ہو لیکن مجھے اب بھی تشویش ہے سنی جو؟" ٹائیگر نے جواب دیا اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ کوئی فلم حقیقت سے اتنی قریب بھی بنائی جا سکتی ہے اسے یہ تشویش بھی تھی کہ وہ بلاول خان سے دور ہے اور بلاول خان سے علیحدہ رہ کر وہ اس کی حفاظت نہیں کر سکتا تھا۔ اسے ذاتی طور پر بلاول سے کوئی دلچسپی نہیں تھی لیکن اسکی حفاظت کا فرض اسے سونپا گیا تھا اور فرض فرض ہوتا ہے۔

ٹائیگر نے سب سے آخر میں پیراشوٹ لیا اس کی ڈوریاں دیکھیں... ان میں کوئی خرابی نہیں تھی۔

تینوں قطاریں تینوں طیاروں کے قریب کھڑی ہو گئیں تو کرنل فرین مولو کی طرف دیکھا جو کیمرے میں جھانک رہا تھا اس نے سر اٹھا کر کرنل کی طرف دیکھا، سر کو جنبش دی اسی لمحے سنی جو کیمرے کی زد سے باہر رہنے کی خاطر ایک طیارے میں گھس گیا۔

"ایکشن!"۔ مولو نے نعرہ لگایا۔

"رولنگ"۔ کریو مین چلایا۔ کرنل نے پلٹ کر اپنے عملے سے کہا اور تمام فوجی سی ۱۳۰ کے عقبوں میں داخل ہونے لگے وہ کارگو بیلیز پر جھک کر بیٹھ گئے اسی اثناء میں دروازے کسی عفریت کے جبڑوں کی طرح بند ہونے لگے دروازوں کے بند ہوتے ہی ٹائیگر کو احساس ہوا کہ اب اندر روشنی نہیں آرہی ہے پھر اسے طیارے میں تھرتھراہٹ

کا احساس ہوا یوں لگا جیسے وہ مچھلی کے پیٹ میں گھس آیا ہو طیاروں کے انجن کی غراہٹ بہت زوردار تھی اور یہ اس وقت تک شدید رہی جب تک ہر کولیس نے زمین نہ چھوڑ دی۔

سنی جو؟ ٹائیگر کے قریب ہی تھا۔ "تم آخر میں جاؤ گے"۔ اس نے چلا کر کہا۔

"کیا یہ بھی کسی قسم کا اعزاز ہے؟" ٹائیگر نے ہنس کر پوچھا۔

"نہیں۔ تم واحد سویلین ہو اگر کوئی گڑبڑ ہو گئی تو دوسرے تربیت یافتہ اُرمین تمہیں سنبھال لیں گے۔" سنی جو نے شفقت سے اس کے شانے پر ہاتھ مار کر جواب دیا۔

ٹائیگر خاموش رہا۔

"تم کچھ پریشان لگ رہے ہو؟"

"نہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں۔ بات صرف یہ ہے کہ مجھے اس صورتحال کی توقع نہیں تھی"۔

پرواز مختصر ثابت ہوئی۔ "ڈراپ زون"۔ ہوا باز کی آواز سنائی دی تو سب تیاری کرنے لگے۔ سنی جو کاک پٹ کی طرف بڑھ گیا اس نے ایک کھڑکی سے باہر دیکھا۔ نیچے صحرا کی زمین پر دھوپ بہت کالی سے اٹھ رہ تھا دھواں بہت کالا تھا لہٰذا طیارے سے واضح طور پر نظر آرہا تھا اس نے دائیں طرف دیکھا وہاں سبز خیمے نظر آرہے تھے۔ یہ کیمرہ مینوں کے تھے وہاں تیاریاں مکمل تھیں۔ ایک جیپ بھی نظر آرہی تھی۔

"کیمرا ٹیپ تلاش کرو"۔ سنی جو نے پائلٹ سے کہا۔

"میری نظروں میں ہے۔" پائلٹ نے ایک سرخ نشان کی طرح اشارہ کیا۔ "کیمرے وہیں لگے ہوتے ہیں"۔ یہ سرخ نشان ایک بیلی رینجرز ہیلی کاپٹر کا تھا۔

"اوکے"۔ سنی جو نے خالصتاً فوجی انداز میں کہا۔ "اشارہ پاتے ہی دروازے کھول دینا۔ یہی ہدایت دوسرے پائلٹوں کے لئے بھی ہے"۔

"راجر"۔ پائلٹ نے مائیکروفون لے کر کہا اور پھر سنی جو کی طرف بڑھا دیا۔ "لب تم تیار رہو"۔

سنی جو کی نظریں نیچے جمی رہیں۔ "جمپ ماسٹر اسٹینڈنگ" اس نے مائیکروفون پر کہا۔ "اسٹینڈ اَپ"۔

یہ سنتے ہی ہر طیارے میں سوار فوجیوں نے دروازے کے سامنے قطاریں بنالیں۔

"ہک اَپ" سنی جو نے پھر نئی ہدایت دی۔

اُرمینوں نے شوٹ لائنیں، نائلون کی ڈوریوں سے منسلک کر لیں۔

"ڈراپ گیٹ"۔

ایک بار پھر ہائیڈرولک دروازے مہیب آواز کے ساتھ کھلنے لگے۔ سنی جو نے باقی دو طیاروں کی طرف بھی دیکھا "جمپ" وہ دہاڑا پھر تیزی سے کارگو بیلی کی طرف آگیا۔

"ہیپی لوڈنگ" اس نے ٹائیگر کے کندھے پر ہاتھ مار کر کہا۔ اُرمین ایک قطار میں چٹ پیک سنبھالے دروازے پر پہنچنے لگے پھر باری باری کودنے لگے۔ ہوائیں انہیں کوڑے مارنے لگیں وہ ہوا کے زور کی وجہ سے ایک طرف ہونے لگے ان کی ڈریگ لائیسترلب تنی ہوئی تھیں۔ وہ اتنی پھرتی سے کودے تھے کہ ابھی تک سب سے پہلے کودنے والے کی پوزیشن بھی فری فال کی تھی۔ یہ پہلا شخص کرنل فرید تھا۔ اپنے ملک کی خدمت کرتے ہوئے اسے دس سال ہو چکے تھے لیکن آج اسے جمپ کرتے ہوئے بڑا فخر محسوس ہو رہا تھا۔

اسے یہ احساس تک نہ ہوا کہ اس کا بیک شوٹ کام نہیں کر رہا ہے۔

اس نے سر گھما کر دیکھا اور پھر اس کا دل بہت زور زور سے دھڑکنے لگا۔ ابھی تک کسی کا بھی پیراشوٹ نہیں کھلا تھا اس نے گھبرا کر ڈی رنگ کھینچا جو ریزرو پیراشوٹ سے منسلک تھا۔ "میرے خدا"۔ اس کی چیخ نکل گئی کیونکہ ڈی رنگ الگ ہو کر اس کے ہاتھ میں آرہا تھا اس نے رنگ پھینک کر ٹیپ دونوں ہاتھوں سے دبوچ لیا۔ اسے کھینچا تو کپڑے کے پھٹنے کی آواز سنائی دی۔ اب زمین بہت قریب

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

آرہی تھی۔ بہت قریب سے کرنل دہشت سے چلانے لگا اس نے انگلیوں میں موجود کپڑے کو مزید کھینچا حتیٰ کہ اس کی تین دھجیاں بن گئیں۔ اس نے باری باری تینوں دھجیوں کو کھینچ کر خود کو بچانے کی کوشش کی لیکن وقت بہت تیزی سے گزر رہا تھا۔ کشش ثقل پوری طرح کام کر رہی تھی کوئی اس کی راہ میں مزاحم نہ تھا۔ پھر..... کرنل فرید۔ جس نے دشمن کے خلاف لڑنے اور دشمن کی صفوں کو تتر بتر کرنے کے خواب دیکھے تھے کسی بھاری بوری کی طرح شاگان کوٹ کے صحرا میں اتنی شدت سے گرا کہ چار بار اچھلا۔ وہ گرنے والوں میں پہلا شخص تھا۔

ٹائیگر سب سے آخر میں کودا تھا۔ جونہی ڈریگ لائین، جولب بھی اسٹوپنگ لائین سے منسلک تھی، کھلی تو اسے یوں لگا جیسے کسی نے ٹھوکا دیا ہو۔ ڈریگ لائین اسے پہلے سے کہیں زیادہ کمزور لگ رہی تھی لیکن ٹائیگر کو اس بارے میں کوئی تشویش نہیں تھی۔

لیکن چند ہی لمحے بعد تشویش بھی محسوس ہونے لگی۔

اس نے دیکھا کہ تقریباً پانچ سو ائر مین تو فضاؤں میں دو میل تک پھیلے ہوئے ہیں لیکن ابھی تک ان میں سے کسی کا بھی پیراشوٹ نہیں کھلنے پایا ہے۔

خود اس کا پیراشوٹ بھی پھڑپھڑا کر ابھی تک نہیں کھل سکا تھا۔ یہ تشویش کی بات تھی۔

اس کا ہاتھ ڈی رنگ پر جا گیا اور پھر اسے دھچکا سا لگا کیونکہ ڈی رنگ نے اپنا کام نہ کیا بلکہ لگ ہو کر اس کے ہاتھ میں آگیا۔ ڈی رنگ ایک طرف اچھال کر اس نے ریزرو شوٹ پر ہاتھ مارا تب ہی وہ ہوا جس کی اسے توقع تھی سفید رنگ کا کفن سا پھڑپھڑاتا ہوا کھلا اور جونہی کھلے سلک میں ہوا بھری وہ سفید گوند کی طرح بلند ہو گیا۔ کنول کے پھول کی مانند نظر آنے لگا۔

ٹائیگر نے ایک طویل سانس لی۔ لیکن اگلے ہی پل اس کا اطمینان پھر تشویش میں بدل گیا۔

پیراشوٹ گوند کی طرح پھولا ہوا تھا اس کے باوجود ٹائیگر کے گرنے کی رفتار کسی پتھر کی طرح تھی۔ اس نے بغور دیکھا۔ ڈوریاں اپنے مرکز سے جدا تھیں۔ اس نے نیچے دیکھا ریت دھوئیں کی طرح بلند ہو رہی تھی۔ ریت کا اس طرح دھوئیں کی طرح بلند ہونا جگہ جگہ نظر آرہا تھا۔

صحرا کی زمین تک جونہی جسموں کی پہلی کھیپ پہنچی وہاں سفید دھبے نظر آنے لگے۔

تب ہی ٹائیگر کو پہلی مرتبہ احساس ہوا کہ یہ سازش بہت زیادہ گہری۔ انتہائی گھناؤنی اور انتہائی مؤثر تھی۔

وہ قتل عام دیکھ رہا تھا۔

ایسا قتل عام جس میں اسے بھی مرنا تھا..... سب سے آخر میں۔ آخری قتل اس کا ہونا تھا۔

اس نے سانس لی اور کچھ سوچنے لگا۔ "موت میں کتنے لمحے باقی رہ گئے انسپکٹر شہزاد۔ پھانسی یافتہ۔ انسپکٹر شہزاد"۔

*

ویٹرس نے بھاپ اڑاتے چاولوں کی دو رکابیاں میز پر رکھ دیں تو اوشان نے بغور ان چاولوں کو دیکھا۔ اس کے چہرے پر بہت طمانیت بھری مسکراہٹ دوڑ گئی دوسری طرف شیریں تھی اوشان نے اپنی ننھی ننھی آنکھوں سے اسے بھی دیکھا صاف ظاہر تھا کہ شیریں کو روسٹ چکن کی جگہ اُبلے ہوئے چاول دیکھ کر اچھا نہیں لگا تھا۔

"آپ ناشتے میں یہ کیسے کھا لیتے ہیں انکل جی"۔ شیریں نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

"اور تم ناشتہ دوپہر رات کے کھانے، میں وہ سب کچھ کس طرح کھا لیتی ہو جو زہر ہلاہل ہوتا ہے میری بچی"۔

"میری تو پرورش ہی بھنے گوشت، اسٹیک، فرائیڈ پان اور روسٹ....."

"کمال ہے۔ تمہیں تو بچپن ہی میں مر جانا چاہیے تھا۔ "تم تو زہر کھاتی رہی ہو"۔

"بہرحال۔ میں آپ کی پسند پر اعتراض نہیں کر سکتی ممکن ہے کہ ڈاکٹر نے آپ کو ایسا کھانے کا مشورہ دیا ہو"۔

"میں ڈاکٹروں سے دور رہتا ہوں"۔ اوشان نے جواب دیا پھر وہ چاول کی پلیٹ صاف کرنے پر جُت گیا جبکہ شیریں

ایک ایک چمچ چاول منہ میں رکھ کر منہ بناتی رہی۔

"پروڈکشن آفس میں تو کوئی بھی نہیں ہے" چند لمحوں بعد شیریں نے اوشان کو بتایا۔ "وہاں مجھے کال شیٹس بھی نظر نہیں آئیں۔ کیسی عجیب بات ہے انکل"۔

وہ اس وقت ریستوراں کی ایک ایسی کھڑکی کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے جہاں سے شمالی شاگان کوٹ کا زرعی علاقہ اور سنہری فصلیں صاف نظر آرہی تھیں۔ انسان نے آخر صحرا کو بھی قابل کاشت بنا لیا تھا۔ پس منظر سے پہاڑی سلسلہ نظر آرہا تھا۔

"مجھے تو یہاں صرف اور صرف کسی گڑبڑ کا احساس ہو رہا ہے لڑکی" اوشان نے جولب دیا۔ "اور یہ شوٹنگ شیڈول..... مجھے سب کچھ فریب لگ رہا ہے۔ صرف اور صرف فریب"۔

"پلیز انکل! چھوڑیں۔ آپ تو ہر بات میں مین میخ نکالنے بیٹھ جاتے ہیں۔ اچھا یہ بتائیں کہ کیا آپ بلاول خان رائٹ اَپ لکھتے ہوئے اپنے سکندر اعظم کا بھی ذکر کریں گے؟"

"یہ راز کی بات ہے"۔ اوشان آنکھیں میچ کر پراسرار انداز میں بولا۔ "کوئی بھی بڑا کھاری لکھنے سے قبل کسی کو اعتماد میں نہیں لیتا اور نہ خیالات چوری ہو جاتے ہیں"۔

شیریں نے ایک طویل سانس لی، ویٹرس کو دیکھا جو اس کے لیے فرائیڈ لیب کا ایک بڑا ٹکڑا لے آئی تھی شیریں کی آنکھیں چمکنے لگیں اور منہ میں پانی بھر آیا۔ اس نے بڑی بوٹی سے چھری کانٹے کو سنبھالا اور چٹنی قریب کر لی۔

"زہر"۔ اوشان چٹنی کی طرف دیکھ کر بولا۔ "مجھے آپ کی قبل از وقت موت کا صدمہ ہوگا لڑکی"۔

اوشان نے کھڑکی سے باہر آسمان کی طرف دیکھا، دور دور آسمان پر تین نقطے نظر آئے اس نے آنکھیں سکیڑ کر ان سے بغور دیکھا تو اسے تین طیارے نظر آئے۔ پھر طیارے سے تین نقطے کودے اور اس طرح گرنے لگے جیسے کریم کون سے پانی ٹپکتا ہے۔

دھیمے لہجے میں کہا۔ "ہم یہ نظارہ دیکھنے کے لیے وہاں کیوں نہیں جا سکتے شیریں؟"۔

"کیا؟" شیریں نے اس کی طرف بغور دیکھا۔

"وہ دیکھ۔ طیارے سے کودنے کا مظاہرہ ہو رہا ہے"۔

"کہاں؟" شیریں نے بھی کھڑکی سے باہر آسمان کی طرف دیکھا۔ "مجھے تو کچھ بھی نظر نہیں آرہا"۔

"کمال ہے۔ شاید تمہاری نظریں کمزور ہیں۔ اس وقت آسمان انسی سے بھرا ہوا ہے۔ سارے پرندے نقل مکانی کر چکے ہیں"۔

"مجھے تو چند بے ترتیب نقطے نظر آرہے ہیں"۔

"یہ تین نقطے ہیں۔ تین طیارے"۔

"میں آپ کی کسی بھی بات کی تردید نہیں کرتی انکل اور آپ اسی چیز سے فائدہ اٹھاتے رہتے ہیں۔ اگر آپ کہیں گے تو میں ان نقطوں کو بکتر بند گاڑیاں بھی سمجھ لوں گی"۔

"یہ تمہاری سعادت مندی ہے میری بچی۔ تم دوسروں کی طرح ہٹ دھرمی نہیں ہو۔ لیکن اب دیکھو۔ طیاروں سے لوگ کود کر نکل رہے ہیں"۔

"مجھے تو ایک بھی پیراشوٹ نظر نہیں آرہا ہے۔" وہ اکتا کر بولی۔

"ہاں۔ تم ٹھیک کہتی ہو"۔ اوشان کا لہجہ اچانک ہی سرد ہو گیا۔ شیریں چونک پڑی۔

"انکل"۔ اس نے گھبرا کر اس کی طرف دیکھا۔

"میں تمہاری تردید نہیں کر رہا بچی شیریں۔ مجھے بھی کوئی پیراشوٹ نظر نہیں آرہا ہے۔ وہ تینوں کی طرح گر رہے ہیں نیچے انہیں ایسی موت دینے کے لیے بے چین ہے جو انتہائی اذیت ناک ہوگی۔ ان کی ہڈیاں صحرا کی ریت کی مانند ہو جائیں گی"۔

"نہیں انکل۔ یہ کیسے ممکن ہے۔ بغیر پیراشوٹ کے؟"

"میری آنکھیں مجھے دھوکہ نہیں دیتیں میری

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ہیں..... مجھے اس پر یقین ہے۔"

"تب پھر ممکن ہے کہ جہازوں سے کودنے والے انسان نہ ہوں پتلے ہوں۔ عام طور سے پتلوں کی مدد سے سپر سل کرائی جاتی ہے"۔ شیریں نے چمری کا تنا ایک طرف رکھ دیا۔ لیکن اب وہ خود بھی بے حد مضطرب لگ رہی تھی۔

"نہیں۔ وہ زندہ ہیں۔ ہاتھ ہلا رہے ہیں میں ان کو متحرک دیکھ رہا ہوں۔ وہ زندہ رہنے کے لیے کوششیں کر رہے ہیں۔ وہ پتلے نہیں۔ پتلوں کے ہاتھ ہلا رہے اس طرح نہیں ہلتے"۔

"ممکن ہے کہ ہوا کے زور کی وجہ سے پتلے متحرک لگ رہے ہوں انکل لیکن..... پھر بھی..... مجھے خوف محسوس ہو رہا ہے میں ڈر رہی ہوں"۔ شیریں کے چہرے کی رنگت فق ہو گئی اس کی شوخ آنکھیں بجھ گئیں۔

"ہاں۔ خوف"۔ لوشان نے دھیمے لہجے میں کہا۔ "اور یہی خوف میری رگوں میں برف کے نوکیلے ٹکڑوں کی طرح چبھ رہا ہے میری بچی"۔ وہ کھڑا ہو گیا۔ "آؤ چلو۔ ہمیں حقیقت تک پہنچنا ہے"۔

"مگر کیوں؟" شیریں نے احتجاج کیا۔

"اس لیے کہ اس وقت جب تم کسی بھیڑ کا گوشت ادھیڑ رہی ہو تو دوسری طرف سیکڑوں افراد ایسی موت کا شکار ہو رہے ہیں جس کے وہ ابھی مستحق نہیں تھے۔

"ایک منٹ۔ صرف ایک منٹ انکل لوشان"۔ شیریں نے اس کا ہاتھ تھام لیا لیکن فوراً ہی چھوڑ دیا کیونکہ وہ برف کی طرح سرد ہو رہا تھا پھر ماسٹر کی آنکھوں کی طرف دیکھتے ہی وہ سہم کر رہ گئی۔ "ٹھیک ہے۔ چلتے ہیں" شیریں نے بل پر دستخط کرتے ہوئے لیمپ کی طرف دیکھا۔ ویسے اس کی بھوک ختم ہو چکی تھی۔

وہ خاموشی کے عالم میں پارکنگ تک آئے۔

"ابھی تک شہزاد سے میرا رابطہ نہیں ہو سکا ہے شیریں"۔ لوشان نے بڑے عجیب لہجے میں کہا۔

"ہاں۔ وہ آپ کا دوست ہے نا۔ میری بھی مت ہے لیکن آپ یہ فکر نہ کریں میرا خیال ہے کہ سنی جوا سے شہر سے باہر لے گیا ہوگا۔ اسی جگہ جہاں بیراشوٹ سیین کی ریہرسل اور شوٹنگ ہوئی ہے"۔

"کیا مطلب" لوشان کے دونوں ہاتھ بہت تیزی سے سینے پر پہنچ گئے۔ کیا شہزاد کو بھی بیراشوٹ سین میں حصہ لینا تھا؟"۔

"شاید۔ میں یقین سے نہیں کہہ سکتی اگر ہمیں کوئی کال شیٹ مل سکتی تو یقین سے بتا سکتی تھی۔ مگر آپ کو اتنی حیرت کیوں ہوئی انکل"۔

"اس لیے کہ اگر اس نے بیراشوٹ سین میں حصہ لیا ہے تو وہ بھی مر چکا ہے"۔ یہ لوشان کی آواز نہیں تھی۔ کسی زخمی درندے کی آواز تھی۔ شیریں سہم گئی۔ "اور اگر وہ مر چکا ہے تو ابھی طرح کہہ لو لڑکی کہ..... کہ..... اس کی موت کے ذمے داروں کو بحر ہند کے پاتال میں بھی پناہ نہیں ملے گی۔ ان کی زندہ جسموں سے ریشے جدا کر کے سمندروں کی نذر کرتا ہوں گے۔

شیریں نے خاموشی سے گاڑی کا اگلا دروازہ کھول دیا۔ اندر ڈیش بورڈ پر لوشان کو رانا گروپ کا نام لکھا ہوا نظر آیا۔ گاڑی کا نام شیوا تھا۔

"اس گاڑی کو شیوا کیوں کہتے ہیں؟" اس نے شیریں سے پوچھا۔

"انکا کہنا ہے کہ شیوا جیپ شیوا کی طرح ہی طاقت ور ہے"۔ شیریں نے ہنستے ہوئے انداز میں جواب دیا۔

"کیسی جیپ ہے یہ؟"

"فضول۔ تیزی میں ٹرن لیا جائے تو الٹ جاتی ہے" شیریں نے جواب دیا۔ اس کا خوف لب آہستہ آہستہ دور ہوتا جا رہا تھا۔ "جیپ مجھے جیرو نے دی ہے"۔

"شیوا کسی مہان شکتی کا نام کہا جاتا ہے لیکن اگر شیوا بھی شہزاد کی موت کا ذمہ دار ہوا تو اسے بھی کہیں پناہ نہیں ملے گی"۔ لوشان نے شیوا کے نام پر انگلی رکھ کر کہا۔

"آپ شہزاد کے بارے میں اتنے زیادہ فکر مند کیوں

دُنیا بھر کے مقبول ترین سلسلے

جن کا آپ کو انتظار تھا

کتابی شکل میں شائع ہو گئے ہیں

سرکش (۲ حصے)	محمود احمد مودی	۷۲۰/۰۰
ٹائیگر (۳ حصے)	مشتاق احمد قریشی	۸۸۰/۰۰
خلیفہ (۵ حصے)	انوار صدیقی	۱۵۰/۰۰
درخشاں (۲ حصے)	انوار صدیقی	۱۰۰/۰۰
روگی (۵ حصے)	م۔ الف صدیقی	۲۰۰/۰۰
دہشت گرد (۴ حصے)	سلیم فاروقی	۱۰۰/۰۰
سرفروش (۲ حصے)	اظہر سلیم	۲۰/۰۰
شہباز (۲ حصے)	اظہر کلیم	۲۰/۰۰
انسان اور شیطان (۲ حصے)	محمد فراز	۵۰/۰۰

مکتبہ القریش اردو بازار لاہور

فون: 7668958

ہیں انکل"۔ شیریں نے اسکی طرف دیکھے بغیر پوچھا۔

لوشان محض سر ہلا کر رہ گیا۔

"آپ فکر نہ کریں ہم صنم آباد جا کر خود دیکھ لیتے ہیں انشاءاللہ سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہی ہوگا۔ آپ کا دوست یقیناً بخیریت ہوگا انکل۔ یہ میرا دل کہہ رہا ہے"۔

"خاموشی سے گاڑی چلاتی رہو"۔ لوشان نے منہ پھیر کر کہا۔ اس کے لہجے میں سختی کاٹ یا غصہ نہیں تھا۔ بات صرف یہ تھی کہ اسے اس مقام پر پہنچنے کی عجلت تھی جہاں تلطے گرتے ہوئے نظر آئے تھے۔

شیوا جیپ شہر کے مضافات کی طرف دوڑنے لگی راستے میں بی ۶۲ ٹوئنگ دیکھ کر دونوں ہی کو حیرت ہوئی۔

"یہ کتا یقیناً اپنے قبیلے سے بھٹک کر اس جگہ آوارہ گھوم رہا ہے انکل۔ وگرنہ اس کی یہاں موجودگی کا کوئی جواز نہیں"۔ شیریں نے لوشان کو بہلانے کی خاطر کہا۔ لیکن لوشان نے اس کا یہ جملہ نظر انداز کر دیا۔ اس کی نظریں شہر کے اُفق پر تھیں۔ جہاں نہ جانے کس جگہ سے اُٹھنے والا دھواں پھیل رہا تھا۔

تب ہی کہیں دور سے ہلکا سا دھماکہ سنائی دیا۔ تھرتھراہٹ کے ساتھ ہی جیپ بھی ترچھی ہونے لگی مگر شیریں نے اس پر بخوبی قابو پا لیا۔ لوگ سچ ہی کہتے تھے۔ بری خراب جیپ ہے۔ بجلی چمکنے کی آواز ہی سے اس کی حالت خراب ہو گئی"۔

"یہ بجلی نہیں گرجی تھی"۔ لوشان سپاٹ لہجے میں بولا۔

"تو پھر؟" شیریں نے کن انکھیوں سے اس کی طرف دیکھ کر متجسس انداز میں پوچھا۔ "گولی چلنے کی آواز ہوگی؟"

"نہیں۔ یہ دھماکہ تھا"۔ لوشان نے دونوں ہاتھ گود میں رکھ لیے۔ اس سے قبل کہ شیریں کچھ اور کہتی۔ یکے بعد دیگرے مسلسل دو دھماکے سنائی دیے۔ اس مرتبہ پورا شہر ان دھماکوں سے لرز اٹھا۔ گاڑی بے قابو ہونے لگی تو شیریں نے اسے ایک طرف روک لیا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"میرے خدا"۔ اچانک ہی شیریں نے خوفزدہ لہجے میں کہا "آپ نے دیکھا الکل یہ شہر میں شوٹنگ کر رہے ہیں"۔

"نہیں۔ یہ ہم کے دھماکوں کی آوازیں ہیں"۔ اوشان نے بے چین ہو کر پہلو بدلا۔

"ممکن ہے کہ۔ گیس کی لائین پھٹ گئی ہو۔ میں نے دو روز قبل بھی گیس کے دھماکے سنے تھے۔ ویسے ان کے پاس مصنوعی دھماکے کرنے والا بڑا وسیع سامان موجود ہے الکل"۔

"جلدی کرو لڑکی۔ اور بہت کچھ دیکھنے کے لیے تیار ہو جاؤ"۔

"اوکے"۔ شیریں نے سنجیدہ ہو کر گاڑی بڑھا دی اور روٹ نمبر ۸ کے ایک مقام پر جہاں شہر کی حدود کا خاتمہ ہوتا تھا، دو کیمونفلاج لی ۷۲ ٹینکوں نے راستہ بند کر رکھا تھا دونوں ٹینک ملے ہوئے کھڑے تھے دونوں توپوں کا رُخ بھی مختلف سمتوں میں تھا۔

"یہ... یہاں!" شیریں پہلی مرتبہ واقعتاً خوف زدہ نظر آنے لگی۔ "یہاں تو شوٹنگ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا"۔ اس نے جیپ کی رفتار کم کر دی۔ اسے توقع تھی کہ جیپ کو دیکھ کر ٹینک اُسے راستہ دے دینگے لیکن ایسا نہیں ہوا تو وہ ہارن بجانے لگی۔

ایک بھرتی، ٹینک سے اُتر کر ان کی طرف آنے لگا اس نے اپنی اے کے ۴۷ سیدھی کر لی اب وہ رائفل کے نشانے پر بھی تھے اور توپ کا رُخ بھی انہی کی طرف تھا وہ خالصتاً فوجی انداز میں جیسے مارچنگ فائر کیا جاتا ہے قدم آگے بڑھ رہا تھا۔

"سڑک بند ہے"۔ اس نے بھونڈے انداز میں کہا۔

سڑک کی جگہ اس نے مارگ کہا تھا۔

"کیا؟" شیریں مارگ نہ سمجھ سکی۔

"یہ تمہیں سمجھانے کی کوشش کر رہا ہے کہ سڑک بند ہے لڑکی"۔ اوشان نے سپاٹ لہجے میں اسے بتایا۔

"ٹھیک ہے الکل۔ وہ تو ٹینک کھڑے دیکھ کر میں بھی سمجھ چکی تھی لیکن مجھے ذرا اس سے دو باتیں کرنے دیں"۔ شیریں نے کھڑکی سے سر نکالا۔ "اے۔ سنو۔ میرا نام شیریں ہے میں جیرو کے لیے کام کرتی ہوں۔ یونٹ کی پبلسٹی انچارج ہوں ہم صنم آباد جا رہے ہیں۔ ازراہِ کرم ہمیں راستہ دو تاکہ ہمیں تاخیر نہ ہو جائے"۔

اب دوسرا بھرتی بھی ٹینک سے اُتر آیا۔ اس کے ہاتھ میں اے کے ۴۷ کی جگہ ویڈیو کیمرا تھا وہ ٹینک کے قریب گھٹنوں کے بل بیٹھ کر لینس میں جھانکنے لگا۔

"مارگ بند ہے، واپس جاؤ"۔ اے کے ۴۷ والے بھرتی نے غیر انسانی لہجے میں کہا۔

"اس کی سمجھ میں تو بات ہی نہیں آئی۔ ایک منٹ۔ مکن ہے ٹینک ڈرائیور میری بات سمجھ سکے"۔ شیریں جیپ سے اُتر گئی وہ کاؤ ہوائے بوٹس میں تھی جس میں اس نے پورے سات قدم اٹھائے لیکن اس لمحے بھرتی نے ایک برسٹ مار دیا۔ ہر طرف گولیوں کی آواز پھیل گئی اب پہلی مرتبہ شیریں کو احساس ہوا کہ کوئی بڑی گڑبڑ ہو رہی تھی کیونکہ نقلی گولیوں اور اصلی گولیوں کی آواز کا فرق وہ اب تک بہت اچھی طرح سمجھ چکی تھیں اس نے پلٹ کر دیکھا۔ اس کی جیپ کا کھلا دروازہ چھلنی ہو چکا تھا۔ اس میں کئی کالے سوراخ نظر آ رہے تھے اور شیشہ کرچی کرچی ہو چکا تھا۔

"کیا تم پاگل ہو"۔ وہ پلٹ کر چلائی اس کے حسین چہرے پر غیظ و غضب کی پرچھائیاں تھیں خوبصورت آنکھیں شعلے برسا رہی تھیں وہ ابھی تک اپنی جگہ کھڑی ہوئی تھی۔ کیمرے کا رُخ اس کی طرف تھا اور وہ جانتی تھی کہ اس بار اس نے جن گولیوں کی تڑتڑاہٹ سنی ہے وہ اصلی تھیں"۔ "شوٹنگ کا یہ طریقہ کون سا ہے بھرتی؟" اس نے بڑے غصے سے ان دونوں کو گھورا۔

"شوٹنگ؟" کیمرے والا ہنس پڑا۔ "یہ فلم کی شوٹنگ نہیں۔ اصلی شوٹنگ ہو رہی ہے اور ہم نے اس شہر پر قبضہ کر لیا ہے"۔

"... نہیں میرا مطلب یہ نہیں تھا۔ میں تو یہ پوچھ رہی تھی کہ کیا یہ منظر بھی اسکرپٹ میں شامل ہے"۔

"تم بہت خوبصورت ہو"۔ لمبے کھے والا پہلا والا بولا اور کیمرے والے نے اس کی کمر کو فوکس میں لے لیا۔ شیریں نلما کر رہ گئی وہ جانتی تھی کہ کیمرے کے اس اینگل سے اس کے جسم کے کن حصوں کا کلوز اَپ لیا جا رہا ہے اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا دماغ بے قابو ہونے لگا۔ اسے یقین نہ تھا کہ یہ سب کچھ حقیقت ہے۔ وہ یہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ کبھی کوئی اس پر رائفل بھی تان سکتا ہے اور رائفل ہی کیا کیمرا بھی۔

"اسے نیچے کرو پلیز"۔ شیریں نے رائفل بردار شخص سے کہا لیکن پلیز کہنے کے باوجود اس کا لہجہ نرم نہیں کشیدہ تھا۔

بھرتی نے لبلبی پر انگلی پھر رکھ لی۔

تب ہی اوشان نے کچھ کہا اور رائفل بردار نے اپنا رُخ اوشان کی طرف کر لیا۔ جواب بھی جیپ میں موجود تھا۔

"نن۔ نہیں۔ اسے گولی مت مارنا"۔ اس بار شیریں بری طرح اس کی آنکھوں میں بے بسی کے آنسو بھی بھر آئے تھے

اگلے ہی لمحے اوشان جیپ سے اُتر آیا۔ وہ اس وقت ہوا کے جھونکے کی طرح گزر رہا تھا۔ شیریں بوکھلا اٹھی کیونکہ "انکل اوشان" کا رُخ بھرتی کی طرف ہی تھا۔ تب ہی شیریں نے ایک حیرت انگیز منظر دیکھا۔

بوڑھا اوشان غصیلے انداز میں پیش قدمی کر رہا تھا۔

پھر اچانک ہی اے سے ۴۷ نے گولیاں اگل دیں۔ ان گولیوں کے نکلتے ہی شیریں حیرت زدہ رہ گئی۔ اب ناقابلِ یقین منظر اس کے سامنے تھا۔ گولیاں چلیں۔ اوشان نے رقص کے سے انداز میں اپنے جسم کو بلکورا دیا اور تمام گولیاں اس کے دائیں پہلو سے چھو کر دور نکل کر ضائع ہو گئیں اوشان اب بھی رائفل بردار شخص کی طرف لپک رہا تھا۔ شیریں نے مارے خوف کے سینے پر ہاتھ رکھ لیا وہ جانتی تھی کہ اوشان خود کشی کر رہا ہے اب وہ پلکیں جھپکانے لگی۔

وہ ایسا خوف کی شدت کے باعث کر رہی تھی۔ اسے یقین تھا کہ رائفل میں نقلی گولیاں نہیں ہیں کیونکہ جیپ کا دروازہ چھلنی ہو چکا تھا اور دوسری طرف اوشان جس برسٹ سے بچا تھا اس نے سڑک کے کنارے پتھروں کو اُدھیڑ دیا تھا۔

یہ ضروری تو نہیں کہ اوشان دوسرے برسٹ سے بھی بچ جائے۔

وہ اتنے معصوم اور شفیق شخص کو خاک و خون میں غلطاں دیکھنا نہیں چاہتی تھی لہٰذا اس نے سسکی لیتے ہوئے دونوں ہاتھوں کے پیالے میں اپنا چہرہ چھپا لیا۔ اس نے اپنا رُخ بھی بدل لیا۔

تب ہی ایک تیز چیخ اس کی سماعتوں میں در آئی اس نے دونوں ہاتھ کانوں پر رکھ لیے وہ اوشان کی کرب ناک چیخ سننے کی ہمت محسوس نہیں کر رہی تھی۔ اسے علم ہو چکا تھا کہ بھرتی بوڑھے اوشان کو چھلنی کر دیں گے۔ پھر ایسی آوازیں سنائی دیں جیسے اوشان کو ادھیڑا جا رہا ہو۔ کوئی گولی نہیں چلی لیکن ہڈیاں ٹوٹنے اور چٹخنے کی آوازیں بھی ان گولیوں کی آوازوں سے زیادہ مہیب تھیں۔

جب خاموشی چھا گئی۔ مزید کوئی چیخ اور آواز سنائی نہیں دی تو شیریں نے ہمت کر کے پلٹ کر دیکھا پھر اس نے جو کچھ دیکھا وہ اسے لرزا دینے کے لیے کافی تھا۔ وہ کانپتی ہوئی گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی۔ وہ بھرتی جس نے اپنی رائفل سے اوشان پر برسٹ مارا تھا پشت کے بل پڑا ہوا تھا اور ویڈیو کیمرے والے کا منہ کھلا ہوا تھا اس کی بے آواز چیخیں نکل رہی تھیں۔ وہ اوشان کی گرفت سے نکل کر ٹینک میں چڑھنا چاہتا تھا لیکن اوشان نے اس کی پنڈلی پکڑ رکھی تھی ویڈیو کیمرے والا اگرچہ اوشان سے کم از کم ساٹھ پونڈ زیادہ تھا۔ نوجوان تھا مگر اس طرح چلا رہا تھا جیسے کسی مگرمچھ نے اس کی پنڈلی پکڑ رکھی ہو۔

ناقابلِ یقین۔ شیریں کی آنکھیں مارے حیرت کے پھٹی رہ گئیں۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ تو سراسر ناقابلِ یقین ہی کہا جا سکتا ہے۔

اوشان نے کیمرے والے کو پنڈلی پکڑ کر ہی کھینچا اور زمین پر پھینک دیا اس کی ایک ٹانگ اس طرح حرکت میں آئی جیسے قمری بجلی چمکی ہو۔ یہ ٹانگ کیمرے والے کی کھوپڑی پر لگی۔ کھوپڑی کی ہڈیاں ٹوٹنے اور چٹخنے کی آواز اس خاموشی میں گولے پھٹنے کی آواز سے کم نہ تھی۔ اگلے ہی لمحے اوشان ٹینک کے اوپر موجود تھا۔

ٹینک سے ایک خود میں ملفوف سر جو نہی اُبھرا اوشان نے اسے اندر دھکیل کر ہیچ بند کر دیا۔ اوشان نے ہیچ پر کئی ضربیں لگائیں پھر وہ ڈرائیورز ہیچ پر کودا اور اس کے بعد تقریباً اُڑتا ہوا دوسرے ٹینک پر پہنچ گیا۔ یہاں بھی اس نے دونوں ہیچ پر کود کود کر ان کو ناکارہ بنایا۔ شیریں کو صرف آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ آہن و فولاد کے بچکنے اور ٹوٹنے کی آوازیں۔ اگلے ہی لمحے اوشان ٹینک سے کود کر شیریں کے سامنے موجود تھا۔ اب اس کے دونوں ہاتھ آستین میں واپس جا چکے تھے۔

"... اب تم ان بدبختوں سے کوئی خوف محسوس نہ کرو میری بچی۔ راستے کو روکے ہوئے ضرور ہیں لیکن تم گاڑی کچے میں اُتار کر آگے بڑھ سکتی ہو"۔ اوشان نے بڑی شفقت سے کہا۔

شیریں... جس کو ابھی تک اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا سحر زدہ انداز میں جیپ کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گئی انجن اسٹارٹ کرتے ہوئے اس کی انگلیاں کانپ رہی تھیں۔ گاڑی کے اسٹارٹ ہوتے ہی اس نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔ "میرے خدا! یہاں کیا ہو رہا ہے؟"

"یہ لوگ شالان کوٹ پر قبضہ کر رہے ہیں"۔ اوشان نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔ "لیکن یقین رکھو... ان تمام مجرموں کو سخت ترین سزا ملے گی۔ پہلے ہم شہزاد کو دیکھ لیں پھر ان سے نمٹ لیں گے"۔

شیریں نے جیپ آگے بڑھا دی۔ وہ جب ٹینکوں کے قریب سے گزرے تو ٹینکوں میں قید بھرتیوں کی چیخ و پکار سنائی دی وہ اپنی زبان میں کچھ کہہ رہے تھے۔ صاف ظاہر تھا کہ اوشان نے انھیں اندر اس طرح بند کر دیا تھا کہ اب وہ باہر نہیں آ سکتے

Scanned And Uploaded By Muhammad Naeem

تھے۔

شیریں نے رفتار بڑھادی۔

وہ بہت سمجھ دار لڑکی تھی۔ اسے لوشان کی صلاحیتوں کا علم نہیں تھا لیکن اس نے جو کچھ دیکھا تھا اس پر یقین کرنا اس کی مجبوری تھی۔

❋

صنم آباد ائرپورٹ بیس کی طرف جانے والی سڑک کو بھی ٹینکوں نے بند کر رکھا تھا۔ لیکن اس سے زیادہ حیرت انگیز منظر چوکی کا تھا جس پر سفید جھنڈا بہت نمایاں نظر آرہا تھا۔ یہ امن کا پرچم نہیں تھا۔ ہتھیار ڈالنے کے لیے دکھایا جانا والا جھنڈا نہ تھا بلکہ اس پر بالکل وسط میں ایک سرخ ترشول بھی بنا ہوا تھا۔

شیریں نے گاڑی کا انجن فوراً بند کر دیا۔ "آپ مجھے بزدل کہہ لیں لیکن میں اندر نہیں جاؤں گی"۔ اس نے لوشان کی طرف دیکھے بغیر دو ٹوک لہجے میں کہا۔

"تمہارا فیصلہ دانشمندانہ ہے۔ تم یہیں ٹھہرو"۔ لوشان یہ کہتے ہوئے جیپ سے اُتر گیا۔

"مگر آپ کہاں جارہے ہیں"۔ وہ گھبرا کر چلائی۔

"اپنے بیٹے کی تلاش میں۔ میں واپس ضرور آؤں گا"۔ لوشان کی آواز صاف تھی عزم و رچا تھا اور ہر لفظ سے محبت کی مہک آرہی تھی۔

"مگر اکیلے"۔

"کچھ نہیں لڑکی۔ تم جاسکتی ہو۔ فی الحال مجھے تمہاری ضرورت نہیں"۔ لوشان نے جواب دیا۔ شیریں نے مزید کچھ کہنا چاہا مگر لوشان کے تیور دیکھ کر خوف زدہ ہوگئی اس نے دھانیہ انداز میں آسمان کی طرف دیکھا۔ تب ہی اسے یوں لگا جیسے اس کا دل ڈوب رہا ہو۔ پہلا قوی الجثہ ٹرانسپورٹ طیارہ فضا میں نمودار ہوا تھا۔

❋

سناجو کے آقا نے بیس کیمپ کی پارکا جائزہ لیا جو غالباً جوڑ دار تار سے بنائی گئی تھی تاہم لوشان کی نظروں سے ان جوڑوں کا خلا چھپا نہ رہ سکا اس کی انگلی کسی سوئی کی طرح حرکت میں آئی کلک کی آواز پیدا ہوئی اور ایک جوڑ کھلتا چلا گیا جلد ہی جالی میں اتنا بڑا سوراخ بن گیا کہ ماسٹر کو اس سے گزرنے میں کوئی دشواری محسوس نہیں ہوئی وہ بڑی خاموشی سے سوراخ کے پار چلا گیا۔ اب اس کا رُخ عمارت سے کُوبجی گھاس کی سمت میں تھا راستے میں اسے کئی بھرتی، فوجی وردی میں نظر آئے۔ وہ سوچنے لگا کہ آخر یہ کس کو بے وقوف بنا رہے ہیں۔ پھر جواب بھی اس نے خود ہی سوچ لیا۔ "ان بڑوں کو جو ہر ہم سے رابطہ رکھتے ہیں"۔

وہ کسی رہنمائی کے بغیر فلائٹ لائن تک پہنچ گیا جہاں کئی ٹینک ہیلی کاپٹروں کی قطاروں کے سامنے موجود تھے اُسے ایک بھرتی کمپنی کی وردی میں نظر آیا وہ غالباً اپنے لوگوں کو پوزیشن پر جانے کے لیے ہدایات دے رہا تھا۔

پہلا ٹرانسپورٹ طیارہ جونہی ٹارمک پر اُترا، دوسرا اس کے پیچھے آگیا اور اگلے ہی لمحے تیسرا طیارہ بھی رن وے کو چھو رہا تھا۔ ہوا بازوں نے طیاروں کے رُکنے کے باوجود انجن بند کرنے میں کافی دیر لگادی تیسرے طیارے کا ڈراپ گیٹ کھلا تو سنی جو اس سے نکل کر ڈھیر ہوگیا۔ یہ لوگ اس کی طرف دوڑ پڑے سنی جو نے سر تھام لیا اور اگلے ہی لمحے اس کی سسکیاں ہر طرف سنائی دینے لگیں وہ بہت زور زور سے رو رہا تھا۔

دو بھرتی اسے اٹھانے کی کوشش کرنے لگے لیکن ان کی بہت بڑی غلطی تھی۔ سنی جُو کسی اڑنے بھینسے کی طرح ان پر ٹوٹ پڑا۔ ایک بھرتی تو پہلا ہی پنچ کھا کر ڈھیر ہوگیا اور دوسرے نے قدرے مزاحمت کی لیکن اڑنے بھینسے نے اسے مکوں پر رکھ لیا۔ سنی جو کا ساتواں پنچ بھرتی کے پیٹ پر لگا... تو وہ ایک چیخ مار کر گھاس پر گر گیا۔ "حرام زادہ" سنی جو چلا رہا تھا۔ "خبیث"۔ اس نے مٹھیاں بھینچ لیں تب ہی اسے وہ بھرتی نظر آئے جو رائفلوں پر سنگینیں چڑھاتے ہوئے اس کی طرف بڑھے آرہے تھے۔

ان میں ایک کے ہاتھ میں وڈیو کیمرہ بھی تھا۔

"چڑیلوں کی گندی کوکھ سے جنم لینے والو۔ آؤ"۔ سنی جو دہاڑا۔ کیمرے والا قطار سے ہٹ کر گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔ اس کا کیمرہ کام کر رہا تھا۔ بھرتی دستے کی قیادت مولو کے پاس تھی اس کے چہرے پر بڑا غرور تھا۔

"وہ سب مر چکے ہیں۔ سنا تم نے مولو۔ سنو میں کیا کہہ رہا ہوں۔ وہ سب مر چکے ہیں"۔ سنی جو پھر رونے لگا۔

مولو نے بھرتی میں جو جواب دیا وہ سنی جُو کی سمجھ میں نہیں آسکا۔ لیکن وہاں بھرتی سمجھنے والا کم از کم ایک شخص ضرور موجود تھا۔ ماسٹر لوشان کو بھرتی قدیم سنسکرت کی طرح آتی تھی۔

مولو نے سنی جُو کے لیے سزائے موت کا حکم دیا تھا اس نے کہا تھا۔ "چھید ڈالو اس پلید کو"۔

سنی جو نے لوشان کو پہلی مرتبہ اس وقت دیکھا جب وہ

اچانک ہی اس کے سامنے نمودار ہوا۔ اب بھرتی اور سنی جو کے درمیان وہ نحیف و نزار شخص کھڑا تھا جسے دنیا کی کوئی طاقت آج تک زیر نہیں کر سکی تھی۔

"کیا مرنے والوں میں شہزاد بھی تھا لڑکے"۔ ماسٹر نے سرگوشی میں سوال کیا۔

"ہاں"۔ سنی جو بلک پڑا۔ "وہ... وہ ان سب میں اچھا تھا"۔

"شہ... زاد..." ٹارمک پر موجود ہر فرد نے ہر زندہ شخص نے ہر سانس لینے والی چیز نے... پرندوں تک نے یہ لرزہ خیز چیخ سنی تھی۔ پھر آسمان نے دیکھا تھا کہ ایک بوڑھا جس کی دونوں مٹھیاں بھنچی ہوئی تھیں کسی آندھی کی طرح اُمڈا تھا۔ بھرتی آواز سن کر ہی اپنی جگہ ساکت ہوگئے تھے، پرندوں نے گھونسلے پروں میں چھپالی تھیں۔ وہ خاموش ہوگئے تھے۔ اور کہتے ہیں کہ جب پرندے خاموش ہوجائیں تو قیامت نازل ہوتی ہے۔

وہ قیامت تھا۔ موت تھا۔ آتش فشاں تھا۔ بھڑکتا ہوا لاوا تھا۔ آبدھی تھی۔ گرجدار ہوا تھا۔ بجلی تھا۔ قہر تھا اور وہ لوشان تھا۔

بھرتیوں نے اگلے پل ہی اسے اپنے سروں پر پایا۔ کئی سنگینیں ٹوٹ گئیں کیونکہ وہ ماسٹر کے ہاتھ سے ٹکرائی تھیں کئی سنگینیں اس بوڑھے کے نحیف جسم پر ماری گئیں جسے وہ ابھی تک کچھ نہیں پائے تھے مگر ماسٹر کے جسم سے ٹکرانے والی ہر سنگین رائفل سے جدا ہوگئی۔ وہ بجلی کی طرح کوند رہا تھا تب ہی ایک بھرتی کسی ایسے بکرے کی طرح ڈکرانے لگا جیسے دیوی کے چرنوں میں بھینٹ چڑھایا جارہا ہو۔ یہ بھرتی اپنے ہی ساتھی کی سنگین کا شکار ہوا تھا۔ غلطی اس کے ساتھی کی نہیں تھی اس نے تو اپنی دانست میں لوشان کے پیٹ کو چیرنے کی کوشش کی تھی لیکن ماسٹر نے اپنی جگہ دوسرے بھرتی کو کھڑا کر دیا تھا۔ اسی لمحے ایک اور بھرتی نے ماسٹر لوشان پر عقب سے حملہ کیا۔

یہ وہ لمحہ تھا جب رقص مرگ شروع ہوا۔ رقص بسمل کا آغاز ہوا۔

حملہ آور بھرتی ایک لمحہ کے لیے لوشان کے ہاتھوں پر اور پھر فضا میں بلند نظر آیا۔ اس کا کیا حشر ہوا، یہ ماسٹر نے نہیں دیکھا کیونکہ وہ اگلے بھرتی پر کہنی سے وار کر کے سامنے والے بھرتی کی زیر ناف گھٹنا مار رہا تھا۔

تب ہی غلط فہمیوں نے جنم لیا۔ ایک بھرتی دوسرے پر چلایا کہ اس نے اسے زخمی کر دیا ہے۔ جواب میں گالی کی آواز آئی۔

اس بھرتی نے اپنے ساتھی کے سنگین گھونپ دی۔ زخمی کرنے والے پر دو بھرتی جھپٹے، ان جھپٹنے والوں پر تین بھرتیوں نے یلغار کر دی اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے سب گتھم گتھا ہوگئے۔

اب بھرتی آپس میں لڑ رہے تھے۔

"ہوش میں آؤ"۔ مولو نے انہیں للکارا۔ "کالی کے پجاری اس سے آپس میں کیوں لڑ رہے ہیں۔ یہ پرمدھ مسلوں کے خلاف ہے۔ دشمن پہچانو"۔

مولو کی کسی للکار کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ لڑائی میں شدت پیدا ہوگئی۔ میدان سے ہٹنے کی کوشش کرنے والے کو بہرحال لوشان دو بارہ ادھر دھکے دیتا رہا۔

وہاں خون بہنے لگا۔

مولو نے گھبرا کر پستول نکالا اس نے لوشان کا نشانہ لیا ابھی وہ لبلبی دبانے ہی والا تھا کہ ہدف خود اس تک پہنچ گیا اگلے ہی لمحے مولو کا دایاں ہاتھ شانے سے اس طرح جھول رہا تھا جیسے کسی درخت کی ٹہنی ٹوٹ کر درخت سے بیہودہ رہتی ہے یہ اس کا پستول والا ہاتھ تھا۔ جس سے بھل بھل خون بہہ رہا تھا۔

"یہ سب کیا ہے"۔ سنی جو نے لوشان کو دوسری بار قریب دیکھتے ہی پوچھا۔ "کیا یہ سب لشکر کے لڑے ہیں؟"

"اس کی وضاحت بعد میں ہوگی۔ پہلے تم مجھے میرے بچے کی لاش تک لے چلو"۔

"شہزاد کیا وہ تمہارا بیٹا تھا؟" سنی جُو پر حیرت کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔

"یہ سب بعد کی باتیں ہیں۔ ہمیں جلدی کرنا ہوگی کیونکہ جلد ہی کوئی بھی راستہ گزرنے کے قابل نہیں رہے گا"۔ لوشان جیپ کی طرف بڑھ گیا۔

دور کہیں دھماکوں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

بیرونی دنیا کو شالان کوٹ میں ہونے والے خوف ناک ڈرامے کا پہلا اشارہ اس وقت ملا جب وحید خان نامی شخص نے اپنا پسندیدہ پروگرام دیکھنے کے لیے چینل تبدیل کیا۔ وہ صحرائے فرد شہر علم آباد میں رہتا تھا جو شالان کوٹ سے ڈیڑھ سو میل کے فاصلے پر تھا علم آباد میں بھی ڈی پر شالان کوٹ کے پروگرام بھی نظر آتے تھے۔ جہاں سے صبح دس بجے بھولی بسری کہانیاں ٹیلی کاسٹ ہوتی تھیں۔ یہ پروگرام وحید خان کو بہت اچھا لگتا تھا آج جب اس نے ٹیوننگ کی تو اسکرین پر محض لکیریں جھلملانے لگیں وہ ٹیوننگ کرتا رہا لیکن شالان کوٹ ٹی وی پر نہیں آیا۔ تنگ آکر وہ اپنے پڑوسی کے گھر گیا۔ "کیا چینل نمبر گیارہ تمہارے اسکرین پر آرہا ہے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

خان"۔ اس نے اندر جاتے ہی پوچھا۔ لیکن وہاں بھی وہی صورتحال تھی۔

"کمال ہے"۔ خان بھی پریشان سا ہوگیا۔ "پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا۔ انتظار فرمائیں تک نظر نہیں آیا وحید"۔ انہوں نے چینل ۹ لگایا وہاں سے بھی کچھ نظر نہیں آیا۔ "چینل ۹ بھی ڈیڈ ہے"۔

اسی طرح چینل ۲ بھی خاموش تھا جبکہ تمام مقامی اسٹیشن صاف اور واضح نظر آرہے تھے۔

"آخر چکر کیا ہے؟" وحید خان سر کھجاتے ہوئے بولا۔

"ممکن ہے کہ شالان کوٹ والا کیبل خراب ہوگیا ہو"۔

"تب پھر میرے ٹی وی پر نظر آنا چاہیے تھا۔ گڑبڑ یوں ہے جیسے وہ ٹرانسمیشن ہی نہیں کر رہے ہیں"۔ وحید خان نے کہا۔ "میں اپنی بہن کو فون کرتا ہوں۔ زینبی وہیں رہتی ہے۔ اس سے پتا چل جائے گا کہ ٹرانسمیشن جاری ہیں یا نہیں"۔

لیکن جب وحید خان نے اپنی بہن کا فون نمبر ملایا تو اسے ٹیپ کیا ہوا یہ مخصوص پیغام سنائی دیا۔ "سوری۔ اس وقت تمام سرکٹ مصروف ہیں ازراہِ کرم ریسیور رکھ دیجئے۔ کچھ دیر بعد ٹرائی کریں"۔

وحید خان نے تیس منٹ بعد پھر فون ملایا۔ اس بار آپریٹر نے بتایا کہ شالان کوٹ کی تمام لائنیں بے جان ہیں۔

وحید خان کو مایوسی ہوئی لیکن پھر وہ مقامی چینل پر ایک نئی فلم دیکھنے لگا۔ اسے اب زیادہ پروا نہ تھی۔

اسی صبح ملیح آباد کو بھی علم ہوگیا کہ شالان کوٹ سے مواصلاتی رابطہ منقطع ہے اگرچہ یہ غیر معمولی بات تھی لیکن زیادہ اہم نہیں۔ اتنی اہم بھی نہیں کہ اس پر خصوصی توجہ دی جاتی۔ شالان کوٹ بہرحال ایک صحرائی اور سرحدی علاقہ تھا۔ ٹیلی فون اور گاڑیوں کی سہولت سے قبل وہاں کی زندگی بے حد کٹھن تھی لوگ ایسی زندگی کے عادی بھی تھے اور ایک دو روز ٹیلی فون کے بغیر بھی زندہ رہ سکتے تھے۔ اتنا ضرور ہوا کہ ملیح آباد سے ٹیلی فون کریو روانہ کر دیا گیا۔ اس روز کریو نے رپورٹ نہیں کی یہ بات غیر معمولی نہ تھی۔ اتنے بڑے صحرا میں لائن ٹھیک کرنا چند گھنٹے کی بات تو نہ تھی۔

صوبے کی حکومت نے ٹیلی ویژن ٹرانسمیشن منقطع ہونے پر بھی کوئی خاص توجہ نہ دی۔ لوگوں نے چینل نمبر ۱۱ لگایا اور جب اسکرین خالی رہا تو انہوں نے بھی دوسرے چینل لگائے۔

وفاقی دارالحکومت گلشن والوں کو واقعات کا بہت آہستہ آہستہ علم ہوا۔ سب سے پہلے یہ بات نوٹ کی گئی کہ صنم آباد انٹرنیشنل ریسرچ اور وزارت دفاع کے درمیان ٹیلی فونی رابطہ منقطع ہوگیا ہے۔ کوئی بھی کال کامیاب نہیں ہوئی۔ عام دنوں میں اس صورتحال کو کندھے اچکا کر نظر انداز کیا جاسکتا تھا لیکن مسئلہ یہ آپڑا کہ ایک سینئر جنرل، بلاول خان کی فلم کی شوٹنگ کے بارے میں دلچسپی رکھتا تھا اس نے حکم دیا کہ بیس سے ریڈیو کمیونیکیشن قائم کی جائے۔

لیکن یہ کوشش بھی ناکام رہی۔

"بڑی عجیب و غریب بات ہے"۔ جنرل نے زیرِ لب کہا پھر اس نے صنم آباد کے قریب ترین ایک اڈے پر فون کیا۔ صنم آباد والے ہمارے جگانے سے بیدار نہیں ہو رہے ہیں۔ "اس نے بیس کمانڈر سے کہا۔ "تم دو طیارے بھیج کر ان کی خیریت معلوم کرو"۔

●

جنرل کے ٹیلی فون سے ٹھیک دس منٹ بعد دو ایف ۱۵ ایگل شالان کوٹ سے مشرق میں سندر نامی پہاڑیوں پر پرواز کر رہے تھے کیپٹن کریم کی نظریں اپنے پروں کے نیچے پھیلے ہوئے عظیم الشان صحرا پر جمی ہوئی تھیں دوسرا ایف ۱۵ ایگل اس کو بائیں طرف نظر آرہا تھا جبکہ اس کے کان میں بیک سیٹ فائٹر سٹراں آفیسر کی جھنجھناہٹ مسلسل آرہی تھی جو بار بار کہہ رہا تھا۔ "آخر تمہارے رائے کیا ہے؟ صنم آباد میں کیا ہوا ہوگا؟ وہ لوگ تو گھما کر بیٹھ گئے ہیں ریڈیائی رابطہ بھی نہیں ہو رہا"۔

"وہ"۔ کریم نے ہنس کر کہا۔ "وہ ممکن ہے کہ سردیوں کا لطف اٹھانے والوں کے سوا چلے گئے ہو"۔

"یا سب کے سب فضائی طائفے کے چکر میں پڑ کر سو رہے ہوں۔ بہرحال جو کچھ بھی ہے... اس بار انہیں بڑی کڑی سزا ملا کرے گی"۔

اس لمحے کاک پٹ ریڈار کی بیپ سنائی دی۔ "توجہ ہے"۔ کیپٹن کریم نے اپنے ساتھی کو للکارا۔ "رینج ۲۳، ۷۰ میل۔ فاصلہ کم ہو رہا ہے۔ دو ہیں"۔ ساتھ ہی اس نے آئی ایف ایف ڈسپلے چیک کیا۔ آئی ایف ایف کا مطلب ہوتا ہے آئی ڈینٹیفائی فرینڈ اور خود دشمن یا دوست کی شناخت۔ ایک گرافک ڈسپلے اسے یہ بتا سکتا تھا کہ نظر آنے والے طیارے فردوسی ہیں یا نہیں۔

"یہ تو ہمارے اپنے ہیں"۔ اس نے ایف ۱۶ فائٹنگ فیلکون کو دیکھتے ہی کہا پھر زور سے بولنے لگا۔ "کم آن۔ کم آن۔ کم ان۔ دس لازایکو اوہ سکس ناٹینر کم ان۔ دس لازایکو سکس ناٹینر فرام ایف

اے ۱۶ ایف۔ ڈو یو ریڈ؟"

اسے ہلمٹ کے نیچے انٹرفون پر جواب میں کسی کی سانس تک سنائی نہیں دی۔

"یہ بہت عجیب بات ہے"۔ کریم کے ونگ مین نے قدرے خفگی کیا۔

"اسٹے ان ٹائٹ"۔ کریم بڑبڑایا اسکی نظریں اب پھر آئی ایف ایف پر تھیں۔ طیارے فردوسی تھے۔ اس بات میں کوئی شبہ نہ تھا۔

"یہ جواب کیوں نہیں دیتے"۔ عقبی سیٹ پر بیٹھے ہوئے ساتھی نے کہا۔

"احمق"۔ ونگ مین کے چلانے کی آواز آئی۔ "دیکھو وہ ہمیں لاک کر رہے ہیں"۔

"ہاں۔ دیکھ رہا ہوں"۔ کیپٹن کریم بھی دہاڑا۔ ریڈار اسے بتا رہا تھا کہ ایف ۱۶ اپنے میزائل سے ان کی شست لے رہے ہیں۔

"لگ ہوجاؤ"۔ اس نے دوسرے ایف ۱۵ سے کہا اور تیزی سے بائیں طرف ہوگیا ونگ مین دائیں طرف چلا گیا۔ دونوں طیارے ابھی تک نظر نہیں آتے تھے لیکن اب ذرا سی دیر کی بات تھی وہ ایک دوسرے سے پیچھے تیرہ سو میل فی گھنٹہ کی رفتار سے آرہے تھے۔

کریم نے انٹرلوان ویلفیئر کمانڈر نوری نگر کو پیغام دیا وہ وہیں سے پرواز کر کے آئے تھے۔ اسے فوراً ہی ہدایت ملی کہ جب تک ایف ۱۶ فائر نہ کریں وہ بھی فائر نہیں کرے گا جبکہ اس کے تمام آلات خبردار کر رہے تھے کہ ان پر فائر ہونے ہی والا ہے۔

"جہنم میں جاؤ"۔ کیپٹن کریم چلایا۔ "ماسٹر آرمامینٹ آن"۔ اس نے بیک سیٹ آفیسر سے کہا۔

"ماسٹر آرم آن"۔ بیک سیٹ نے ہدایت جاری کی اگلے ہی لمحے دونوں ایف ۱۶، ایف ۱۵ ایگلز کے درمیان سے کسی دھبے کی طرح گزر گئے۔

"تم نے انہیں دیکھا"۔ کریم نے ونگ مین سے پوچھا۔

"ایف ۱۶۔ کنفرم۔ ہمارے ہیں"۔

"تب پھر انہوں نے ہمیں لاک کیوں کیا ہے؟" کریم انتہائی بدحواسی کے عالم میں چلایا مگر اسے کوئی جواب نہیں ملا۔

"حشمت احمد۔ کیا تم میری آواز سن رہے ہو"۔ وہ دہاڑا۔ کیپٹن حشمت نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ جواب دے ہی نہیں سکتا تھا۔ تب ہی خوف نے اس کے دل کو اس طرح دبوچ لیا جیسے وہ پالے مارا چیونہ ہو۔

"وہ واپس آرہے ہیں"۔ ونگ مین کی دہاڑ سنائی دی۔

"میں دیکھ رہا ہوں"۔

"وہ ایک بار پھر لاک کرنے کی کوشش میں ہیں"۔

"لو کے ونگ مین۔ میرا خیال ہے کہ انہوں نے بھی ہمیں اچھی طرح دیکھ لیا ہے لہٰذا اب یہ سمجھنے کا کوئی جواز نہیں کہ یہ دوست ہوسکتے ہیں۔ لو کے"۔

"گڈ لک کریم"۔

"اسٹے شارپ"۔ کریم نے یہ کہتے ہوئے ایف ۱۶ کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا اب ان دونوں کے درمیان محض تیس میل کا فاصلہ تھا۔ اگلے ہی پل فاصلہ کم ہوکر ۲۵ میل رہ گیا۔ کریم نے اپنے جیٹ کی نوز کو حرکت دی حتیٰ کہ ٹی (ٹارگٹ) ایک نقطے پر آگئی۔ "سلیکٹ فوکس ون" اس نے ہدایت دی۔

"راجر"۔ اسے جواب ملا۔ اسی لمحے کریم نے اپنے پرندے کو بالکل سیدھ میں کرلیا۔ اب فاصلہ صرف بیس میل کا تھا۔ انٹھارہ میل رہ گئے۔ وہ فائرنگ رینج میں آچکا تھا لیکن اس کا دل بیٹھ رہا تھا۔ فردوسی پرندے پر فائر کرنے میں وہ ہچکچا رہا تھا۔ "ممکن ہے کہ ان کے ریڈیو کام نہیں کر رہے ہوں"۔ اس نے ایک ساعت کے لیے سوچا لیکن سر جھٹک دیا۔ دونوں طیاروں کے ریڈیو ایک ساتھ خراب نہیں ہوسکتے تھے۔ پھر ان کی حرکتیں بھی خطرناک تھیں۔ وہ حملے کی پوزیشن میں تھے۔

"انٹھارہ میل۔ لوکس ون"۔ اس نے کشیدہ لہجے میں کہا۔

تب ہی ایک اسپیرو میزائل ونگ کے نیچے سے نکلا۔ کریم نے بہت تیزی سے پلکیں جھپکاتے ہوئے اپنے طیارے کو ترچھا کیا زمین و آسمان سب الٹ پلٹ ہوگئے اور جب اس نے اپنی سابقہ پوزیشن بحال کی تو اس کا ردار میں زور زور سے چلا رہا تھا۔ "گڈ ہٹ۔ گڈ ہٹ۔ گڈ ہٹ۔ گڈ کل"۔ کریم نے شکار کو اس وقت تک نہیں دیکھا جب تک اس کے جیٹ نے لیول حاصل نہ کرلیا۔ آسمان ہلکا نیلا ہو رہا تھا۔ ہر طرف روشنائی سی پھیلی ہوئی تھی اور ایک طیارے سے شعلے اور دھوئیں کے مرغولے نکل رہے تھے اس کے دیکھتے ہی دیکھتے طیارے کا ایک پر جدا ہو کر گرنے لگا۔

"میں نے ایک مار گرایا۔ تمہارا شکار کہاں ہے؟" کریم انتہائی بدحواسی کے عالم میں چلایا مگر اسے کوئی جواب نہیں ملا۔

"حشمت احمد۔ کیا تم میری آواز سن رہے ہو"۔ وہ دہاڑا۔ کیپٹن حشمت نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ جواب دے ہی نہیں سکتا تھا۔ تب ہی خوف نے اس کے دل کو اس طرح دبوچ لیا جیسے وہ پالے مارا چیونہ ہو۔

"پھر خاموشی۔ پراسرار خاموشی۔ کوئی جواب نہیں ملا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

دونوں ایف ۱۶ ڈارٹ کی لوکیلی سوئیوں کی طرح اسی کی سمت میں آ رہے تھے۔

گرنے والا ایف ۱۵ تھا۔ حشمت احمد تھا۔

"انہوں نے حشمت کو مار گرایا"۔ کریم نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"میرے خدا"۔ ساتھی کی ہذیانی چیخ سنائی دی کریم کی نظریں مار گرائے جانے والے ایف ۱۵ کو آگ کے گولے کی شکل میں زمین پر گرتا ہوا دیکھ رہی تھیں ساتھ ہی اس کی آنکھیں ایف ۱۶ پر تھیں وہ آنے والے طیاروں کی رڈار لون سننے کی کوشش بھی کر رہا تھا تب ہی ایف ۱۵ زمین پر گر گیا۔

"پیر اشوٹ دیکھے؟" کریم نے خشک لہجے میں پوچھا۔

"نہیں"۔ جواب بہت مردہ آواز میں دیا گیا تھا۔۔۔ مجھے افسوس ہے"۔

"افسوس تو ان بدبختوں کو ہونا چاہیے جو ہمارے ہیں اور ہم ہی کو مار رہے ہیں"۔ کریم نے دانت پیس کر کہا۔ اس نے اُسے رڈار لون سنائی دی۔ "فوکس ٹو"۔ اس نے زور سے کہا ایک اسپیرو کے ٹن ٹکا حملہ آوروں کی طرف زن سے گیا۔ وہ بچ کر نکل گئے مگر راکٹ نے ایک کے پر کو چھو ضرور لیا۔ "میزائل آف"۔ کریم نے چیخ کر کہا ساتھ ہی اپنے طیارے کو تیزی سے گھمایا بھی اور مڑنے اُسے اس کی سیٹ پر چپکا سا دیا اس کے دماغ سے خون منتقل ہونے لگا۔ یہ رفتار بہت شدید تھی۔ اتنی تیز کہ جی متوقع بھی اس کا مقابلہ نہیں کر پا رہا تھا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے بھورے رنگ ناچنے لگے پھر سیاہی ظاہر ہونے لگی۔ وہ ہوش میں رہنے کی تمام تر کوشش کرنے لگا۔ اس نے فوراً بائی وائر لنک دائیں طرف دبائی تو آنکھوں میں بھورا رنگ پھر عود کر آیا۔ کالا رنگ اس کے ساتھ ہی تھا۔ ایف ۱۵ کی ناک کے نیچے پورا صحرا بھاگ اُٹھا کیونکہ ایف ۱۵ اب ایک دم کے بل پر چکر لگاتا ہوا نیچے آ رہا تھا اس کی ٹیل پائپ کے پیچھے میزائل لگا ہوا تھا۔ ایسا میزائل حرارت کا تعاقب کرتا ہے۔ کریم نے بہت پھرتی سے طیارے کو لیول کے ساتھ ہی میزائل کو دھوکہ دیا اور میزائل گزرتا چلا گیا۔ ایک ہی سیکنڈ بعد میزائل کا دھماکہ سنائی دیا۔ ہر طرف ریت اُڑنے لگی۔

"ساتھ ہو"۔ کریم نے پوچھا۔

"نظر نہیں"۔ رڈار مین نے جواب دیا۔

"وہ کہاں ہیں؟ نظر نہیں آ رہے ہیں؟"

"میں دیکھ رہا ہوں۔ ہاں۔ وہ نظر آ رہے ہیں۔ غولے میں ہیں۔ میرے خدا۔ اوہ"۔

"کیا ہوا؟" کریم نے پوچھا۔

"مجھے مارکنگ نظر آ رہی ہے"۔

"شناخت کرو"۔

"تم یقین نہیں کرو گے۔ زیرو مارکنگ"۔

"کیا کہا۔ دوبارہ کہو"۔

"زیرو۔ کچھ یاد آیا۔ جاپانی زیرو مارکنگ کے ساتھ سن پر جاتے تھے"۔

کریم کا دماغ بھک سے اُڑ گیا اسے طیارہ کو قابو میں رکھنے پر ساری توجہ مرکوز کرنی پڑ رہی تھی لہٰذا اب بھی وہ رڈار مین کی بات پر یقین نہیں کر پا رہا تھا۔

"وہ پلٹ رہے ہیں"۔ رڈار مین اچانک چلّائے لگا۔ لیکن کمپوزیشن کریم نے غور کیا۔ وہ نیچے نہیں جا سکتا تھا اس کے دائیں طرف پہاڑ تھے اس نے بلندی پر جانے کا فیصلہ کر لیا۔

ایف ۱۵ دُم کے بل کھڑا ہوا اور سورج کی سمت میں سفر کرنے لگا۔ "اوکے ہم اَپ"۔ بیک سیٹر نے چلا کر کہا۔

"مجھے لون نہیں مل رہی ہے"۔ کریم بولا۔

"وہ دو ہیں"۔

"مگر مجھے لون نہیں مل رہی"۔ کریم اس بار چلا اٹھا۔

"گاش میں انہیں کہا چاہیے تھا"۔ اس نے اسٹک پر ہاتھ رکھا انہیں لاک کرنے دیا اس کا ارادہ یہ تھا کہ وہ انہیں دھوکے دے کر نکل جائے گا ایسے کام کے لیے مضبوط اعصاب کی ضرورت ہوتی ہے لیکن قسمت کا حصّہ بھی ضرور ہوتا ہے۔ چالیس ہزار پونڈ کی خطرناک مشینری ہوا میں دو سرا جیٹ ہو۔ آمنے سامنے کی بات چل نکلے تو بڑوں بڑوں کا پتہ پانی ہو جاتا ہے۔

دونوں ایف ۱۶ اب نظر آ رہے تھے کریم نے ان کے پروں کے درمیان خالی جگہ کو فوکس کیا۔ "گاش یہ اتنی جلد نہ جھپٹ پڑتے۔۔۔" اس نے سوچا تب ہی۔۔۔ اچانک۔۔۔ ایک آنٹر برز شعلے میں گھر گیا۔ کریم کو یوں لگا جیسے ایف ۱۵ ایگل کا انجن کمزور پڑ رہا ہو۔ "میری پاور کم ہو رہی ہے۔ ختم ہو رہی ہے"۔ کریم ہذیانی انداز میں چلانے لگا۔ اس کے ری اسکارڈر دیکھ لیا۔ انجن چلّایا۔ لیکن پھر کچھ نہ ہوا۔ ایف ۱۵ کی ناک لب زمین کی طرف جھک چکی تھی۔ طیارہ زمین کی سمت میں جا رہا تھا اور نیچے صحرا ہی صحرا تھا۔ ریت ہی ریت تھی۔

"نکل چلو"۔ ایجیکٹ"۔ اس نے اپنا ایجیکشن بٹن دباتے ہوئے حکم دیا۔ ایجیکشن سیٹ نے دھکا مارا اور پھر تو ہر چیز پھٹ پڑی۔ ایف ۱۵ اس طرح پھٹا جیسے گیس کا غبارہ ہو کسی چیز کا ایک

ٹکڑا کریم کے بھی لگا اس کا ایک سیٹر ست تھا وہ بٹن دبانے میں پیچھے رہ گیا اور طیارے کے ساتھ ہی گر گیا۔

اوپر آسمان پر دو ایف ۱۶ جن پر اُبھرتے ہوئے سورج کا گول دائرہ بنا ہوا تھا۔ بے قابو تیروں کی طرح چلے جا رہے تھے۔

جب لوری نگر ایر فورس بیس نے محکمہ دفاع کو مطلع کیا کہ پرواز کرنے والے دونوں اسکاؤٹ طیاروں سے ان کا رابطہ منقطع ہو گیا ہے تو جوائنٹ چیف آف اسٹاف جمع ہوئے ایڈمرل فتح ملک چیئرمین آف دی جوائنٹ چیفس نے دو رہین ایف اے ۱۸ پارنیٹ کو شالان کوٹ میرین ایر اسٹیشن بھیجا جس سے رابطہ منقطع تھا اور پھر صدر مملکت کو فون کیا۔ ایڈمرل ملک کو صدر کے چیف آف اسٹاف نے بتایا کہ صدر مملکت گولف گراؤنڈ میں تنے ہول گلوار ہے ہیں اور یہ کہ اگر وہ دوبارہ فون کر لیں تو مناسب ہوگا۔ چیئرمین نے چیف آف اسٹاف کو بتایا کہ وہ ایسا ضرور کریں گے اور پھر جوائنٹ چیفس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ "یہ سارا مسئلہ ہم ہی کو حل کرنا ہے۔ وہ احمق چیف آف اسٹاف سمجھتا ہے کہ سوائے ایئر جنسی کے صدر دستیاب نہیں۔ ہارنیٹس کی رپورٹ کیا ہے؟"

اس وقت میرین کور کا کمانڈنٹ فون سن رہا تھا۔ چیئرمین کی طرف دیکھتے ہوئے کمانڈنٹ کی رنگت زرد ہو رہی تھی۔ "ہارنیٹ طیاروں سے بھی رابطہ منقطع ہو گیا ہے"۔ اس نے بھنسی بھنسی آواز میں چیفس کو مطلع کیا۔

"کیا ہوا؟" چیئرمین ایڈمرل ملک نے تیز لہجے میں پوچھا۔

"ایر فورس نے انہیں مار گرایا ہے"۔

کمرے میں سکوتِ مرگ چھا گیا۔

"تمام الرٹ چیک کرو"۔ چند سیکنڈ بعد چیئرمین نے سپاٹ لہجے میں حکم دیا۔ "یہ پتہ چلانا ضروری ہے کہ حالات کیا ہیں۔ کیا ہو رہا ہے"۔

"ہم یہی کر رہے ہیں ایڈمرل" پورے کمرے میں فردوسی الوطرح کی مشترکہ کمان کے مشترکہ لیڈر ہم تسلی کام کرنے میں مصروف تھے۔ ٹیلی فون پر ٹیلی فون کیے جا رہے تھے۔

یکے بعد دیگرے ایڈمرل کو ہر الرٹ سے "سب ٹھیک" کی رپورٹ ملنے لگیں۔ سوائے شالان کوٹ کے ہر جگہ صورتحال معمول کے مطابق تھی۔

"سرکشی یا بغاوت صرف شالان کوٹ تک محدود ہے"۔ چیف آف نیول اسٹاف نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"یہ دھوکا بھی ہو سکتا ہے، توجہ ہٹانے کی سازش بھی۔ مجھے عالمی صورتحال کی رپورٹ درکار ہے"۔ ایڈمرل ملک نے پشت گاہ سے ٹیک لگانے حکم دیا۔

حکم پر فوراً عمل ہوا تمام اڈوں سے رابطے ہونے لگے نو بھی سیاروں کو ان کے مدار میں ہدایات جاری کی گئیں محکمہ دفاع میں ٹیلی فون اور ٹیکس سروس جنونی شکل اختیار کر گئی حتیٰ کہ گلشن کی سرکاری ٹیلی فون لائینز جام ہونے کا خدشہ پیدا ہونے لگا۔

"سب ٹھیک ہے"۔ کی رپورٹیں اُمڈنے لگیں۔ گویا صرف شالان کوٹ میں گڑبڑ تھی۔

جبکہ شالان کوٹ خاموش تھا۔ یہ خاموشی بڑی جان لیوا اور خطرناک تھی۔

ٹائیگر نے آنکھیں بند کر لیں۔

آنکھیں بند کر لینے کے باوجود اُن مونیٹروں کے گرتے ہوئے جسم اُوجھل نہ ہو سکے۔ وہ انہیں صحرا میں پتھروں کی طرح گرتے ہوئے دیکھ چکا تھا۔ ان کی چیخیں تک اسے سنائی دے چکی تھیں اور وہ خود بھی گر رہا تھا۔

اس نے گرتے ہوئے لوگوں کے خوف سے آنکھیں بند نہیں کی تھیں۔ وہ خوف اور صدمے ہر تاثر اور جذبے سے عاری ہو چکا تھا۔ آنکھیں بند کرنے کا مقصد سانس پر توجہ دینا تھا یہ بات بہت پہلے ذہن نشین کرا دی گئی تھی کہ سانسوں کے استعمال کا سارا دارومدار تنفس پر ہے۔ یہی سانس ہے جو انسانی صلاحیتوں کے خفیہ ذخیرے کھول دیتا ہے۔ اسی سانس کی مدد سے بحران میں مبتلا لوگ اپنی باطنی طاقتوں کا بڑی کامیابی سے استعمال کرتے ہیں اور سرخرو ہو جاتے ہیں۔ یہی سانس ہے کہ ذہن اور جسم میں رابطہ رکھتا ہے۔

لوگ پہلے بھی طیارے سے گرے تھے اور زندہ بچ گئے تھے ہاں۔ اتنا فرق ہوا تھا کہ ان کی تمام ہڈیاں چکنا چور ہو گئی تھیں۔

ٹائیگر بھی زندہ رہنا چاہتا تھا لہٰذا اس نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ وہ عمل تنفس کو کاؤنٹ سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس نے تمام بیرونی آوازوں سے خود کو محفوظ کرنے کے لیے سماعت زیرو پر کر دی اور اپنے اندر جھانکنے لگا۔

اس کے پیٹ میں کسی جگہ اچانک ہی کوئی سرد الاؤ جلنے لگا۔ اس کی قوت ارادی اسے ایسے مقام پر لے آئی جہاں وہ پہلے کبھی نہیں پہنچ سکا تھا۔ ہواؤں کی گرج سے وہ اس طرح بے نیاز ہو گیا جیسے سماعت سے محروم ہو گیا۔ ہوا سے اپنی انگلیوں کے پورے سرد محسوس ہونے لگے ٹانگوں میں جان نہ رہی وہ جھولنے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

گئیں۔ تمام احساسات اور خون کی روانی کا مرکز ایک ہوگیا۔ "پیٹ"۔ پیٹ ہی مرکز بن گیا جہاں سنا نجو کی تعلیمات کے مطابق انسانی روح رہتی ہے۔

اچانک اسے یوں لگا جیسے وہ کسی اُڑتے پتے کی طرح ہلکا پھلکا ہوگیا ہو، تاہم لب بھی وہ خطرے سے باہر نہ تھا اس کی کوشش تھی کہ وہ پتے کے وزن سے بھی زمین پر نہ گرے۔ ایسی صورت میں اس کی ہڈیاں نہیں بچ سکتی تھیں۔ کشش ثقل ان کا چورا بنا سکتی تھی۔

اس نے اپنی حسیات پر مکمل قابو پانے کی کئی کوششیں کی یہ بات خود اس کی سمجھ سے بالاتر تھی کہ وہ جو کونشیشس سر جہا ہے فزکس میں اس کا کیا مقام ہے۔ سائنس کے قوانین میں اس کی کیا حیثیت ہے۔ یہ ممکن بھی ہے یا نہیں...

جب اسے یہ یقین ہوگیا کہ لب بے وزنی کی کیفیت مکمل ہوچکی ہے تو اس نے کان کھولنے پر توجہ دی۔ تاہم ہواؤں میں وہ چنگھاڑ نہیں رہی تھی جو کان کے پردے پھاڑ سکتی ہو وہ مسکرانے لگا۔ لب وہ پنکھ کی طرح نہیں گر رہا تھا۔ تاہم گرنے کے عمل میں تبدیلی نہیں آئی تھی۔ وہ ساکت بھی نہ تھا۔ اس نے ایک ہاتھ اُٹھا کر ہوا کو محسوس کرنا چاہا۔ انگلیوں میں حرارت کی لہریں محسوس ہونے لگیں۔ یہ وہ ہوا تھی جو نیچے گرم ہوا سے بلند ہوکر جاری تھی۔ معاً ہی اس نے ان لہروں سے ہم آہنگی پیدا کرلی اب یہ لہریں اس کی دوست تھی۔ وہ ان پر سوار ہوکر نیچے اُتر سکتا تھا۔ وہ اُسے گرانے کے بجائے اُبھارنے میں مدد دے سکتی تھیں۔

اس نے آنکھیں کھول دیں۔

ریت اسکے بالکل سامنے۔ چہرے کے بہت قریب محض چند انچ دور تھی۔ مسکراہٹ نے چیخ کی جگہ لے لی تھی مسرت بھری چیخ کی آواز حلق سے نہ نکل سکی کیونکہ مُنہ ریت سے بھرا ہوا تھا۔

اُدھر۔ کالے دلوں، خصیلی سرخ آنکھوں میں بیداری پیدا ہوئی اور ایک ظالم مُنہ انتقامی جذبوں سے بے قابو ہوکر دہاڑنے لگا۔

"اور تیز چلا" اوشان غرّایا تو شیریں نے جیپ کا ایکسی لیٹر پاؤں سے چپکا لیا تھا۔ اس رفتار سے وہ بھی اس ریتیلے علاقے میں جیپ دوڑانا ڈرائیونگ کے تمام اصولوں کے منافی تھا لیکن شیریں دانت پر دانت جمائے اسٹیرنگ کو قابو میں کیے بیٹھی تھی۔ جگہ جگہ ریت کے ٹیلے راستہ روکے ہوئے تھے شیریں کو ہر سیکنڈ یہ محسوس ہوتا کہ جیپ کسی نہ کسی ٹیلے سے ٹکرا جائے گی۔ وہ اپنے خوف پر قابو پانے کے لیے حقیقتاً آنکھیں بند کرلیتی لیکن جب کئی سیکنڈ تک کچھ نہ ہوتا تو اُس کی دزدیدہ آنکھیں دیکھیں کہ ٹیلا پیچھے رہ گیا اور پھر جب جیپ ڈراپ زون پہنچی تو اُس کے مُنہ سے بے اختیار "تھینکس گاڈ" کے الفاظ نکلے تھے۔

دور دور تک انسانی اعضا بکھرے ہوئے تھے۔ شیریں ہمر بھری لے کر رہ گئی۔ اپنی پوری زندگی میں اُس نے اتنا خوفناک منظر نہ دیکھا تھا۔ اسٹیرنگ پر اُس کی گرفت ڈھیلی پڑنے لگی لیکن اس سے پہلے کہ جیپ بے قابو ہوتی اُسے اوشان کی دھاڑ سنائی دی "روک دو"۔

شیریں نے فوراً بریک پیڈل دبا دیا۔ شدید جھٹکا لگا اور شیریں کا سر ونڈ شیلڈ سے جا ٹکرایا۔ اُس کے حلق سے ایک زوردار چیخ برآمد ہوئی۔ اُس نے مدد کے لیے دائیں گردن گھما کر اوشان کی طرف دیکھنا چاہا لیکن وہ چھلاوہ تو جیپ رکنے سے پہلے ہی چھلانگ لگا چکا تھا اور اس وقت پیراشوٹ تلے دبے ایک انسانی جسم کا جائزہ لے رہا تھا۔ شیریں نے اپنی پوری قوت صرف کر کے آنکھیں کھولیں اور زخم زخم جسم کا جائزہ لیا۔ وہ کوئی فردوسی میرین تھا جو اب ہڈیوں، خون اور گوشت کے ملغوبے کی صورت ریت پر بکھرا ہوا تھا۔

اوشان نے پیراشوٹ کا جائزہ لیا۔ ڈی رنگ جام تھا اور ٹیپ پھٹا ہوا تھا۔ پیراشوٹ ناکارہ اور ہوا بازی کے معیار کا نہ تھا۔ اوشان پر وحشت سوار تھی اس نے ایک لمبی چھلانگ لگائی اور کچھ فاصلے پر پڑے دوسرے اور پھر یہاں سے تیسرے میرین کے پاس پہنچ گیا۔ اس کے چہرہ سرخ ہوتا تھا لیکن اُس کے چہرے کی سرخی بھی خونیں اور ہڈیوں کے بکھرے ہوئے ملغوبوں میں زندگی کی رمق پیدا نہ کرسکتی تھی۔

شیریں نے خوف سے ڈوبتی ہوئی آواز میں اوشان کو پکارا لیکن وہ بہت دور نکل گیا تھا۔ ڈراپ زون وسیع ایریا میں تھا اور زمین پر گرتے ہوئے نقطے دور دور تک نظر آرہے تھے۔ شیریں نے حواس درست کیے جیپ کو فرسٹ گیئر میں ڈالا اور اوشان کی طرف بڑھ گئی۔

"انکل"۔ اس کی لرزتی آواز اُبھری۔

"تمہیں یقین ہے کہ شہزاد بھی؟" اوشان نے کہا اور شیریں نے گردن ہلا دی۔ کلچ ماسٹر اُچھل کر جیپ میں بیٹھ گیا۔ "چلو"۔ اس نے کہا اور شیریں نے کلچ چھوڑ دیا جیپ جھٹکا مار کر آگے بڑھ گئی۔ "رکو" اوشان پھر بولا اور شیریں نے اس کی ہدایت پر عمل کیا۔ اوشان دور تک پھیلے ہوئے مردہ جسموں کو دیکھتا چلا گیا۔ شیریں دہشت سے تک رہی تھی۔ پھر ایک جگہ پر تھوڑے نیچے گرنے سے ایک جسم میں تحریک نظر آئی اور اوشان چلتی جیپ سے نیچے کود گیا۔ وہ اس متحرک بدن کے قریب پہنچ گیا تھا۔ وہ شدید زخمی تھا اور اس کے ناک اور مُنہ سے خون بہہ رہا تھا اوشان کے برق رفتاری سے پیراشوٹ کے بندھن اس کے بدن سے دور کیے اور اسے اُٹھا کر جیپ کی طرف لے آیا۔

"تم اسے پہنچاؤ۔ ہم اسے شہر لے چلیں گے یہ پتہ چلنا ضروری ہے کہ یہ سب کیا ہوا۔

نگاہ کی حد تک سفید چھتریاں زمین پر پھیلی ہوئی تھیں۔ ریت کے بڑے بڑے ٹیلے راستہ چھپائے ہوئے تھے مگر دور سے ایک ایڈمیلر کی آواز سنائی اور بار بردار ہیلی کاپٹر اسی طرف بڑھتا نظر آیا۔ شیریں نے ایک نگاہ اس پر ڈالی اور پھر سامنے دیکھنے لگی۔ شاید اسے اندازہ ہوگیا تھا کہ ہیلی کاپٹر صرف گشت پر نہیں ہے اور اس سے کارروائی ضرور ہوگی لیکن فضا میں اُس کے خلاف کوئی کارروائی ممکن نہیں تھی نہ ہی جیپ میں کوئی ایسا ذریعہ موجود تھا جس کے تحت کوئی کارروائی کی جاسکے۔ اُس کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں کہ وہ جیپ دوڑاتی رہے۔ ایڈمیلر کی رفتار جیپ سے کہیں زیادہ تیز تھی اور شیریں بار بار گردن اُٹھا کر اس کی سمت کا جائزہ لینے لگتی تھی۔ ہیلی کاپٹر سے ان دونوں کو دیکھ لیا گیا تھا اور وہ ٹیلوں کی آڑ سے گزرتا ہوا اُنہی کی جانب بڑھ رہا تھا۔ اوشان کو بھی اس خطرناک صورتحال کا بخوبی اندازہ ہوچکا تھا لیکن وہ یوں مطمئن بیٹھا تھا جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

پھر ایک ایسا راستہ آیا جہاں دور تک کوئی ریتیلا ٹیلا موجود نہیں تھا اور یہاں ایڈمیلر نیچے جھک گیا۔ وہ جس حد تک مناسب ہوسکتا تھا نیچے آیا اور اس کے بعد دفعتاً اس کے نچلے حصے سے ایک مین باہر نکل پڑی۔ مین کے آخری سرے پر ایک چوڑا فولادی جال منسلک تھا۔ جو کسی میکنزم کے ذریعے اچانک کھلا اور ایڈمیلر جیپ سے تھوڑا سا آگے بڑھ گیا۔ ہوشیار پائلٹ نے اندازہ لگالیا تھا کہ جیپ کس رفتار سے آگے بڑھ رہی ہے اور آہنی جال اس پر کتنے فاصلے سے ڈالا جاسکتا ہے۔ چنانچہ اندازے کے مطابق آہنی جال پوری قوت سے نیچے پھینکا گیا اور اس کے مخصوص میکنزم نے جیپ کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ فوراً ہی ہیلی کاپٹر اوپر اُٹھنے لگا۔

شیریں اس صورت حال کے لیے قطعی تیار نہ تھی۔ اُس کے حلق سے ایک چیخ آزاد ہوئی۔ اُس کے ہاتھ اسٹیرنگ وہیل اور پیر ایکسی لیٹر سے بریک تک پہنچے۔ ساتھ ہی شاید اُس نے بریک پیڈل بھی دبایا تھا۔ جیپ کا انجن خاموش ہوگیا۔

اوشان چند ثانیے تو ساکت بیٹھا رہا لیکن پھر وہ نشست سے ذرا سا باہر جھکا۔ اگلے ہی لمحے اُس کا بایاں ہاتھ اس آہنی جال کے دوڑتے تاروں کو اپنی گرفت میں لے چکا تھا۔ شاید وہ کوئی کارروائی کرتا لیکن اُس کی نظریں جب زمین پر مرکوز ہوئیں تو جال پر گرفت ختم کردی۔ بار بردار ایڈمیلر نے جیپ کو زمین سے تقریباً سترفٹ اونچا اُٹھالیا تھا اور اس عالم میں کوئی بھی کوشش خطرناک ہوسکتی تھی۔

*

ٹینک کا سفر دھند کی جانب تھا۔ بلاول خان اپنی والدہ میں ان لوگوں کے چنگل سے نکل آیا تھا۔ راستے کے تمام مسائل اس نے حل کردیے تھے لیکن سب سے بڑا مسئلہ اس کے ذہن کے اندر طوفان برپا کر رہا تھا۔ وہ یہ کہ یہ سب کچھ کیا ہے اور یہ بھی احساس تھا کہ اس کا ذمہ دار وہ خود ہے۔ اس نے اپنی آنکھوں سے جو کچھ دیکھا تھا ناقابل یقین تھا اور اس کے اندر جنون کی سی کیفیت پیدا ہوگئی تھی۔ اپنے وطن کے فوجیوں کی موت کا ذمہ دار وہ خود بن گیا تھا۔ حمیرہ کے ذہن میں شیطان نے جگہ بنائی تھی لیکن یہ کوئی وقتی مسئلہ نہیں تھا بلکہ ایک ایسی سازش تھی جو بڑی خوبصورتی سے روبہ عمل تھی اور اس کی تکمیل کر ڈالی گئی تھی یعنی وہ ہوگیا تھا جو دشمن چاہتا تھا۔ حالانکہ اس پروڈکشن میں ایسی کوئی بات نہیں تھی جسے دشمنی کا باعث سمجھا جاتا لیکن روزِ اول ہی سے اگر حالات پر نظر دوڑائی جاتی تو بلاول خان کو یہ احساس تھا کہ درحقیقت اس کے اس منصوبے پر کام کرنے کی بینکش اسی بنیاد پر کی گئی تھی کہ بہرتیوں کی جانب سے ایک عظیم سازش ہوجائے۔ حالانکہ بلاول خان اپنے طور پر اس بات سے بہت خوش تھا کہ اس کی پہلی کوشش مستقبل میں ایسی کوششوں کے راستے کھول دیگی۔ لیکن جو صورتِ حال سامنے آئی تھی وہ اس بات کا احساس دلاتی تھی کہ لب طویل عرصے کے لیے بہرتیوں اور فردوسیوں کے تعلقات خطرے میں پڑگئے۔ آخر وہ اس سازش اور اس میں استعمال ہونے والی قوتی قوت سے کیسے انکار کرسکیں گے۔

دفعتاً ہی ٹینک کی مشینری میں کوئی گڑبڑ ہوئی اور ایک شدید کھڑکھڑاہٹ کی آواز بلند ہونے لگی۔ اس کے ساتھ ہی ٹینک کو کچھ جھٹکے لگے تھے اور پھر اس کی زندگی ختم ہوگئی۔ انجن بند ہوگیا۔ بلاول خان نے ٹینک کی مشینری کو چیک کیا لیکن غالباً ایک

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

عمدہ قسم کی کار اور ٹینک کی مشینری میں فرق ہوتا ہے۔ یوں بھی بلاول خان مکینک نہیں بلکہ ایک عظیم اداکار تھا جسے اس کے وطن میں خاص حیثیت دی جاتی تھی۔ یہ عظیم اداکار ٹینک کی مشینری میں لپک پیدا ہونے والی خرابی دور نہ کر سکا اور اس نے سوچا کہ حالت شاید اس کی پسند کے مطابق عمل نہیں کرنا چاہتے ورنہ جن مشکلات سے نکل آنا نصیب ہو گیا ہے وہ اتنی شدید نہیں کہ واپسی ممکن نہ تھی تب اس نے ٹینک کو چھوڑ دیا۔

ریت کے ٹیلے چاروں طرف بکھرے ہوئے تھے اور ان ٹیلوں کے اطراف میں کیا کیا کارروائیاں ہو رہی ہیں بلاول خان کو اس کا علم نہیں تھا۔ دھند کی دوسری جانب شاتان کوٹ موجود تھا لیکن ابھی اس کا فاصلہ اتنا تھا کہ وہاں تک کے پیدل سفر کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا لیکن یہ اس وقت کی بات ہوتی ہے جب حالت درست ہوتے ہیں اور شخصیتیں قائم رہتی ہیں۔ چنانچہ بلاول خان نے فوراً ہی ٹینک سے ہٹ جانا مناسب سمجھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس کے فرار کا علم کم از کم چند افراد کو ہو گیا ہے اور یہ نشاندہی کر دی جائے گی کہ بلاول خان نکل جانے میں کامیاب ہو گیا ہے اور کوشش یہی کی جائیگی کہ ایسا نہ ہونے پائے۔ چنانچہ اگر ٹینک شاتان کوٹ تک اس کا ساتھ دے جاتا تو غنیمت بات تھی لیکن لب جبکہ راستے ہی میں یہ واقع ظہور پذیر ہو گیا تھا تو اس کا مطلب تھا کہ حالات اس کے تابع نہیں ہیں۔

جس جگہ ٹینک بگڑا تھا وہاں سے ریتیلی ڈھلان شروع ہوتی تھی اور آگے چل کر کوئی ایسی سفید سفید شے نظر آ رہی تھی جو روشنی کے باوجود نہیں دیکھی جا سکتی تھی۔ غالباً سامنے کی سمت اسے کچھ تحریک نظر آئی۔ کچھ سیاہ دھبے جو بدستور ریت کی دھند میں چھپے ہوئے تھے لیکن متحرک تھے اور اس وقت جو کارروائی اس علاقے میں ہو رہی تھی اس کے بارے میں صحیح اندازہ لگانا ناقابلِ یقین تھا اور اس بات کے امکانات تھے کہ کہیں وہ دوبارہ دشمنوں کے ہتھے نہ چڑھ جائے اور اب جبکہ صورتِ حال سازش کی شکل میں واضح ہو گئی تھی۔ تو یہ مناسب نہیں تھا کہ جان بوجھ کر دشمنوں کے بیچ چھلانگ لگائی جائے۔ وہاں یہ سفید دھبے شاید کچھ کارآمد ہوں۔ چنانچہ بلاول خان کا رُخ اسی جانب ہو گیا۔

بہت عرصے پہلے ایک فلم کی پروڈکشن میں اسے ریتلے علاقے کا سفر کرنا پڑا تھا لیکن وہ صحرائے لر نہیں تھا۔ جبکہ صحرائے لر کے ریت کے میدانوں میں اسے زندگی کی امید بہت کم محسوس ہو رہی تھی۔ حالات ایسے ہی نظر آ رہے تھے اور وہ دھوکے سے نہیں کہہ سکتا تھا کہ اس کا سفر منزل پر پہنچ کر ہی ختم ہو گا یا درمیان میں دم توڑ دے گا۔ کیونکہ وہ ریت کے ٹیلے جہاں اس کی ایک فلم کی شوٹنگ ہوئی تھی ایک ایسے علاقے میں تھے جہاں قدم قدم پر شوٹنگ کے لیے خصوصی طور پر سہولتیں فراہم کی گئی تھیں لیکن لب صورت حال دوسری تھی وہ انسانوں کی ترتیب دی ہوئی ایک کارروائی تھی اور لب قدرتی طور پر اُسے ان مسائل کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ تاہم اپنی تمام تر مہارت اور پچھلے تجربے سے کام لیتے ہوئے وہ ریت پر سفر کر رہا تھا۔ طوفانی گرد نے اس کے لباس اور حلیے میں کافی تبدیلی پیدا کر دی تھی۔ لب تک جو کچھ ہوا تھا اس سے بلاول خان کے حواس جواب دینے لگے تھے اگر یہ کوئی قومی اور جذباتی مسئلہ نہ ہوتا تو شاید اتنی شدید مشقت اس کے لیے باعث وقت ہوتی لیکن لب اس وقت اس کے پورے وجود میں ایک انوکھی کیفیت پیدا ہو گئی تھی جو کچھ ہوا تھا اس کی وجہ سے ہوا تھا اور اسے کسی کے سامنے نہ سہی اپنی ذات کے سامنے جواب دہ ہونا تھا۔ جب تک اس کا کوئی بھرپور جواب ہاتھ میں نہ ہو کوئی کارروائی ختم نہیں ہونا چاہیے۔

سفید دھبے نمایاں ہونے لگے تھے اور اس سورج نے راستے کی دشواریوں کو کسی حد تک اس کے ذہن سے مٹا دیا تھا۔ تب اس نے ادھر دیکھا اور دوسرے لمحے اسے ساکت ہو جانا پڑا۔ ایک مدھم سی آواز کہیں قریب ہی سنائی دی تھی اور اسے دیکھنا بھی کوئی بہت زیادہ مشکل کام نہیں تھا۔ وہ تنہا ہی تھی اور ریت کے اس ویرانے میں جانے کہاں سے آ نکلی تھی لیکن اپنی جگہ پوشیدہ ہو کر بلاول خان نے اُسے بغور دیکھا تو یہ احساس اُس کے ذہن سے دور نہ رہ سکا کہ وہ خوش و خرم ہے کسی ایسی صعوبت کا شکار نظر نہیں آتی جو اس کے لیے باعث تشویش ہو۔ یعنی تر و تازہ۔ بالوں پر سفید رومال باندھے تاکہ بالوں میں گرد نہ آئے۔ آنکھوں پر اس نے بھی ویسی ہی گاگلز چڑھا رکھی تھیں جیسی اتفاق سے بلاول خان کے چہرے پر اس وقت موجود تھی۔ چونکہ وہ ایک غیر مسلح لڑکی تھی سوائے حسن و جمال کے اس کے پاس کوئی ہتھیار نہیں تھا۔ اس لیے بلاول خان کو اس کی جانب سے کوئی تشویش نہ ہوئی۔ تاہم یہ حیرت برقرار تھی کہ اس ویرانے میں کسی خوبصورت لڑکی کا وجود کیا معنیٰ رکھتا ہے اور وہ بھی ایسے عالم میں جب یہاں قیامت بپا ہوئی ہے۔

وہ اپنی جگہ لڑکی کو دیکھتا رہا جو عجیب سے انداز میں چلتی ہوئی اس کی سمت آ رہی تھی پھر وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی بلاول خان کے عین سامنے آ ٹھہری ہوئی۔ اس کی آنکھوں میں خواب

جیسی کیفیت تھی اور چہرے کے نقوش بے پناہ جاذب تھے۔ خاص طور سے اس کا نچلا ہونٹ جو اوپری ہونٹ کی نسبت کچھ زیادہ گداز اور موٹا تھا۔ اس کے چہرے کے حسن میں بے پناہ اضافہ کرتا تھا۔ جسم بھی انتہائی متناسب تھا اور وہ ایسے لباس میں ملبوس تھی جس کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ خود کو چست دکھانے کے لیے یہ لباس عموماً استعمال ہوتا ہے۔ وہ سحر زدہ سی بلاول خان کو دیکھتی رہی۔ بلاول خان نے بھی لب چھیڑنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ کیونکہ اطراف کا جائزہ لینے کے بعد اسے یہ اندازہ ہو چکا تھا کہ ماحول پُرسکون ہے اور لڑکی کے قرب و جوار میں اور کوئی موجود نہیں ہے۔

تب لڑکی کی آہستہ سے آواز سنائی دی۔ "اے بھگوان..." سپنے ایسے بھی سچ ہو جاتے ہیں لیکن یہ سونا سچ کہاں ہے یہ تو میرا وہی سپنا ہے جو میں اکثر بند آنکھوں سے دیکھتی رہتی ہوں۔ بس اس وقت فرق صرف اتنا ہے کہ میں جاگ رہی ہوں"۔ بلاول سنگین نگاہوں نے لڑکی کا جائزہ لیتا رہا۔ تب وہ دو قدم آگے بڑھی "تم اگر اجازت دو تو میں تمہیں چھو کر دیکھوں؟"

"کون ہو تم؟" بلاول خان نے سرد لہجے میں سوال کیا۔

"نہیں جانتے مجھے۔ کیسی بری بات ہے۔ تم جو ہمیشہ میرے سپنوں میں رہتے ہو مجھے نہیں جانتے۔ حالانکہ سپنوں میں تو تم نے مجھ سے بہت دفعہ گفتگو کی ہے"۔

بلاول خان اسے دیکھتا رہا پھر اس نے کہا۔ "تم نے اپنا نام نہیں بتایا۔ کون ہو تم؟"

"کوشل ہے میرا نام... کوشل دانیال"۔ اس نے جواب دیا "جانتے ہو۔ کب سے تمہیں چاہتی ہوں۔ کب سے تمہاری پوجا کر رہی ہوں۔ لوگوں کا کہنا ہے کہ میں تیرہ سال کی تھی اس سے اور میرا اپنا بھی یہی خیال ہے جانے کب سے تم میرے من میں بسے ہوئے ہو اور جوں جوں میں بڑی ہوتی گئی تمہارے سپنے گہرے ہوتے گئے"۔

"ان سپنوں میں تم اپنی کسی نہ کسی فلم کے سین کے مطابق میرے سامنے آتے ہو اور میں اپنے آپ کو تمہاری ہیروئین کی جگہ پاتی ہوں۔ ابھی پچھلی ہی رات کا سپنا تمہیں یاد نہیں"۔

بلاول خان ایک لمحے تک غور کرتا رہا۔ یا تو یہ لڑکی دیوانی تھی یا پھر اور کوئی گہری سازش۔ اس نے ایک بار پھر دور دور تک نگاہیں دوڑائیں بہت فاصلے پر کچھ ہیلی کاپٹر گردش کرتے ہوئے نظر آ رہے تھے لیکن فاصلہ اتنا تھا کہ ہیلی کاپٹر بس پرندوں ہی کی مانند نظر آتے تھے۔ کسی کا رُخ اس سمت بھی نہیں تھا۔ بلاول خان نے سوچا کہ شاید ان لوگوں نے ہیلی کاپٹر یونٹ کو اطلاع نہیں دی۔ جنہوں نے بلاول خان کو بھاگتے ہوئے دیکھا ہے۔ ہو سکتا ہے کُن کے پاس ہیلی کاپٹروں سے رابطے کا کوئی ذریعہ نہ ہو۔ ورنہ یقینی طور پر ہیلی کاپٹر اس ٹینک کا پیچھا کرتے جس میں بلاول خان فرار ہوا تھا اور عین ممکن تھا کہ ہیلی کاپٹر سے ٹینک شکن اسلحہ استعمال کیا جاتا اور بلاول خان کا کھیل وہیں ختم ہو جاتا لیکن وہ ابھی تک محفوظ تھا۔

لڑکی بھی تنہا ہی تھی اور اگر اس کے ذہن میں کوئی سازش بھی تھی تو کم از کم اس وقت وہ اپنی سازش میں کامیاب نہیں ہو سکتی تھی۔ کوشل دانیال کا نام سن کر اس نے یہ بھی اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ بھرتی باشندہ ہے اور یقینی طور پر اِدھر کسی نہ کسی مقصد ہی سے آئی ہو گی۔ اس نے معنی خیز نگاہوں سے لڑکی کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "منسوبہ لڑکی۔ تم اس وقت میرے قبضے میں ہو اور اگر تمہارے ذہن میں کوئی اور منصوبہ بھی ہے تو کم از کم ان لمحات میں تم اس میں کامیاب نہیں ہو سکو گی۔ اس لیے بہتر ہے کہ یا گل پن کا یہ مظاہرہ ترک کر دو اور مجھے بتاؤ کہ تم اس طرف کیسے آ نکلیں؟"

لڑکی کے ہونٹوں پر ایک سوئی سوئی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی "تم نے جو ایک لفظ استعمال کیا ہے وہ میرے لیے بڑا ہی سندر ہے۔ تم نے کہا کہ میں تمہارے قبضے میں ہوں۔ یہ آرزو تو میں پچھلے چھ سال سے کر رہی ہوں۔ میری عمر اس وقت انیس سال ہے اور میں نے تیرہ سال کی عمر میں پہلی بار تمہاری فلم دیکھی تھی اور اس وقت سے تمہاری پوجا کر رہی ہوں۔ اے کاش میں تمہارے قبضے میں ہی ہوتی۔ ویسے تم نے پوچھا ہے کہ میں اِدھر کیا کر رہی ہوں۔ تو کوئی خاص بات نہیں بس مجھے دور صحراؤں میں نکل جانے کی عادت ہے اور میں یونہی ٹہلتی ہوئی اس طرف آ نکلی تھی مگر میں نے جاگتے میں ایسا کوئی سپنا اس سے پہلے نہیں دیکھا۔ مجھے اس بات کا جواب دو۔ تم بلاول خان ہی ہو نا۔ میرے سپنوں کے شہزادے۔ میرے ہیرو"۔

"تم اپنے دشمنوں کے علاقے میں ہو۔ کیا تمہارا بھی تعلق اسی فلم یونٹ سے ہے؟" بلاول کے لہجے میں ہلکی سی تلخی تھی۔

"نہیں میرا تعلق فلم یونٹ سے تو نہیں لیکن میرے پاپا

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کرنل دانیال فلموں کے لیے کام ضرور کر رہے ہیں۔ میرا مطلب ہے کہ..... کہ اُنہیں اس کام کے لیے تیار کیا گیا ہے۔ جو یہاں ہو رہا ہے۔ کیا تم نے دور ہونے والی شوٹنگ نہیں دیکھی۔ سنا ہے کہ یہ تمہاری ہی فلم ہے اور تم جانتے ہو کہ میں نے اپنے پپا کی کتنی خوشامد کی ہے یہاں تک آنے کے لیے ایک نگاہ دیکھنا چاہتی تھی میں تمہیں۔ کبھی سپنے میں بھی نہ سوچا تھا کہ تم اس طرح اکیلے مل جاؤ گے اور یہی وجہ ہے کہ میں اس وقت اپنے آپ کو سپنے کے عالم میں پا رہی ہوں"۔

"تمہارے پاپا کا نام کرنل دانیال ہے؟"

"ہاں۔ بھرتی فوج کے کرنل ہیں وہ"

"مگر۔ کرنل دانیال نے تمہیں اکیلا کیسے چھوڑ دیا؟"

"اکیلی کہاں ہوں میں۔ وہ دیکھو اس طرف جو تمہیں سفید نقطے سے نظر آ رہے ہیں وہ ہماری چھاؤنی ہے..."

"کونسی چھاؤنی ہے؟" بلاول خان نے تعجب سے چونک کر پوچھا۔

"بھریا سرن۔ وہ بھریا سرن چھاؤنی ہے"۔

"اور وہ اس طرف..." بلاول خان نے ایک سمت اشارہ کیا۔ یہ دھند کے پار کا وہی علاقہ تھا جس کے بارے میں اس نے اندازہ لگایا تھا کہ وہ شالان کوٹ ہے۔

لڑکی نے اِدھر دیکھا اور بولی۔ "وہ علاقہ بھریا سرن ہے۔ پوری طرح بھریا سرن۔ کیا تم نہیں جانتے۔ بلاول خان؟"

بلاول خان کے بدن میں سنسنی سی دوڑ گئی۔ اُس کا مقصد ہے کہ ٹینک کے ذریعے فرار ہوتے ہوئے وہ اصل راستہ فراموش کر بیٹھا تھا اور دشمن ہی کے علاقے میں دور تک نکل آیا تھا۔ یعنی بھرتی علاقے کی جانب۔ جسے وہ شالان کوٹ سمجھ بیٹھا تھا وہ شالان کوٹ نہیں بلکہ بھریا سرن تھا اور اس وقت اس کے دل میں ایک عجیب سی کیفیت بیدار ہو گئی اگر ٹینک خراب نہ ہوتا تو یقینی طور پر اب تک وہ سفر طے کر کے دھند کے اس پار بھریا سرن پہنچ چکا ہوتا اور وہاں پہنچ کر اس کا دشمنوں کے ہاتھوں میں چلے جانا ایک یقینی امر تھا اس کا مطلب ہے کہ اس کی رہنمائی ہوئی ہے۔ ٹینک کا خراب ہو جانا بے معنی بات نہیں تھی لیکن بہت سی باتیں بے معنی تھیں اور اسے ان بے معنی باتوں میں سے اپنے لیے معنی تلاش کرنے تھے۔ لڑکی کا چہرہ دیکھ کر اس کے ذہن میں ایک تصوّر پیدا ہو گیا۔

"گویا۔ تم سچ کہہ رہی ہو میرے بارے میں؟" اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"جھوٹ بولوں تو مر جاؤں"۔ لڑکی نے دل آویز انداز میں کہا۔

بلاول خان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ "اور تمہارے پپا۔ میرا مطلب ہے تمہارے پتا کرنل دانیال ہیں"۔

"ہی جاہے۔ تو مل لو ان سے"۔

"نہیں۔ نہیں کیا تمہیں اس بات کا علم ہے کہ اس طرف کیا ہو رہا ہے؟"

"شوٹنگ!" لڑکی نے معصومیت سے کہا۔

"اور میں اس فلم میں کام کر رہا ہوں....."

"ہاں۔ یہ بات میرے پپا نے مجھے بتائی تھی۔ دراصل میں پپا کے پاس بھریا سرن چھاؤنی آئی ہوئی تھی۔ ویسے میں بھریا سرن میں نہیں رہتی لیکن اس علاقے میں میرے کچھ رشتے دار موجود ہیں جب پاپا نے مجھے بتایا کہ سرحد پار شوٹنگ ہو رہی ہے اور اس شوٹنگ کو حقیقت کا رنگ دینے کے لیے ان کی کوٹھی بھی کام کر رہی ہے تو میں نے پپا سے بڑی خوشامد کی کہ مجھے وہاں لے جایا جائے۔ پپا اس کے لیے تیار نہیں تھے مگر شاید تم یہ بات نہیں جانتے کہ میں پپا کو مجبور کرنے کے گُر جانتی ہوں۔ انہوں نے مجھے بہت سی ہدایات دی تھیں اور کہا تھا کہ میں چھاؤنی سے باہر نہ نکلوں لیکن مجھے صحراؤں میں بھٹکنے کی عادت ہے۔ ان صحراؤں میں خاص طور سے شام ڈھلے جب سورج ڈوبنے لگتا ہے تو مجھے عجیب و غریب آوازیں سنائی دیتی ہیں۔ وہ صحرائی آوازیں جو مختلف نغموں کی شکل میں ہوتی ہیں اور یہ نغمے ایسے جادوئی اثر ہوتے ہیں کہ میں ان میں کھو جاتی ہوں مگر مجھے کیا معلوم تھا کہ یہ وقت مجھے تمہارے پاس لا رہا ہے۔ پہلے مجھے خود کو چھونے دو تاکہ میں یہ یقین کر لوں کہ تم بلاول خان ہی ہو اور میں کوئی سپنا نہیں دیکھ رہی۔"

لڑکی نے بلاول خان کے جواب کا انتظار نہیں کیا اور آگے بڑھ کر اس کے قریب پہنچ گئی۔ پھر اس نے بلاول خان کے دونوں بازو پکڑے اور اپنا سر آہستہ آہستہ اس کے سینے سے لگا دیا۔ بلاول خان نے اس بات پر اعتراض نہیں کیا کوئی اور لمحہ ہوتا تو وہ لڑکی کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے اسے خود سے جدا ہونے کے لیے کہتا لیکن اب صورتِ حال بالکل بدل گئی تھی۔ وہ

دشمن کے نرغے میں تھا اور اس وقت اپنی حفاظت بھی اسے مقصود تھی اس کے علاوہ اور بھی بہت سے احساسات اس کے ذہن میں جاگ رہے تھے۔ چنانچہ اس نے لڑکی کے لمس کو دیر تک برداشت کیا۔

"میرا خیال ہے۔ تم سپنا دیکھتے دیکھتے پھر سے سو گئی ہو"۔

لڑکی نے گردن اُٹھا کر اسے دیکھا اور کہنے لگی۔ "آہ۔ تم نہیں سمجھتے کہ... کہ اس وقت میں اپنے آپ کو کہاں محسوس کر رہی ہوں؟"

"سنو لڑکی۔ دراصل میں فرار ہو کر یہاں آیا ہوں۔ وہ دیکھو میرا ناکارہ ٹینک پڑا ہوا ہے۔ شوٹنگ کرتے ہوئے میں بھٹک کر اِدھر آ نکلا ہوں اور اب کچھ آرام کرنا چاہتا ہوں لیکن مجھے آرام اسی شکل میں مل سکتا ہے جب میرے لیے کوئی بہتر پناہ گاہ ہو"۔

"پناہ گاہ؟" لڑکی نے تعجب سے پوچھا۔

"ورنہ تھوڑی دیر کے بعد وہ لوگ پھر میرے پاس آ جائیں اور مجھے تم سے صحیح طور سے باتیں کرنے کا موقع بھی نہیں مل سکے گا"۔

لڑکی کے چہرے پر گویا خوشیاں رقص کرنے لگیں۔ "اگر تم چاہو تو میں تمہیں اپنے خیمے میں لے جا سکتی ہوں۔ چھپ کر چلتے ہیں پھر تم میرے خیمے میں پوشیدہ ہو جانا۔ کوئی بھی میرے خیمے میں نہیں آتا اور خاص طور سے بغیر اجازت تو کوئی بھی نہیں آتا۔ پپا نے اپنے لوگوں کو ہدایت کر دی ہے اور انہیں بتا دیا ہے کہ میں بہت تیز مزاج کی ہوں اور کسی بھی ایسی بات کو برداشت نہیں کر سکتی جو میری پسند کے خلاف ہو"۔

"اگر ایسا ہے تو پھر میں تمہارے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہوں"۔

لڑکی جھوم اُٹھی۔ "آہ۔ میں کتنی خوش ہوں۔ اس بات پر کہ میرا سپنا حقیقت کی شکل میں میرے ساتھ سفر کر رہا ہے لیکن سنو میری کچھ دوست ہیں ایک دفعہ جب میں نے ایک خواب دیکھا تھا اور اُنہیں سنایا تھا تو انہوں نے بہت مذاق اُڑایا تھا بعد میں، میں نے اس سلسلے میں کچھ اور کارروائیاں بھی کی"۔

"کیا؟" بلاول نے اس کے شانہ بشانہ چلتے ہوئے پوچھا۔

"تم سنت ناگوری کو جانتے ہو؟"

"نہیں... میں نے انہیں کبھی نہیں دیکھا"۔

"بڑے مہان رشی ہیں اور بہت ہی بڑے سادھو ہیں۔ تم ان سے ملو گے تو تمہارا دل بڑا خوش ہو گا۔ ایک بار میں نے سنت ناگوری سے اپنے بارے میں پوچھا تھا۔ یہ بات اس وقت کی ہے جب میں نے وہ سپنا دیکھا تھا اور میری سہیلیوں نے میرا مذاق اُڑایا تھا۔ میں نے سنت ناگوری سے پوچھا تھا کہ کیا کبھی میرے جیون میں میرا پریمی مجھے ملے گا تو سنت ناگوری نے مسکراتے ہوئے کہا تھا کہ اب اس میں زیادہ سے نہیں ہے اور یہ بات کتنی سچ نکلی اب تم دیکھو نا اس سے پتہ چلتا ہے کہ سنت ناگوری ہی واقعی بہت بڑے سادھو ہیں"۔

بلاول خان نے کوئی جواب نہیں دیا۔ لڑکی کے بارے میں اندازہ لگاتے ہوئے اب اسے یہ یقین ہو چکا تھا کہ وہ ذہنی طور پر بہت ہی کچی ہے۔ ویسے بھی انیس سال کی عمر تھی اس کی اور اس عمر کا اظہار اس کے چہرے سے بھی ہوتا تھا گو بدن کی بناوٹ ضرورت سے زیادہ بڑھ گئی تھی لیکن چہرے کی معصومیت اس بات کا احساس دلاتی تھی کہ بدن کی بھرپور بناوٹ اور چہرے میں تھوڑا سا فرق ہے۔

جس راستے سے وہ لوگ سفر کر رہے تھے وہ بلاول خان کو واقعی محفوظ محسوس ہوا اور اس نے یہ اندازہ لگا لیا کہ وہ چھاؤنی تک کسی کی نگاہوں میں آئے بغیر جا سکتا ہے۔ ویسے بھی چھاؤنی کے جوان شوٹنگ میں مصروف تھے اور وہاں اپنا خوفناک عمل کر رہے تھے۔ اس لیے یہاں زیادہ افراد نہیں تھے۔ بہت فاصلے پر چند لوگ ٹہلتے ہوئے نظر آ گئے جو پہرا دینے کے انداز میں ٹہل رہے تھے لیکن یہ راستہ واقعی بہت محفوظ تھا اور اس راستے سے چلتا ہوا بلاول خان لڑکی کے ساتھ ایک ایسے خیمے میں پہنچ گیا جو خاصا کشادہ تھا اور ضروریاتِ زندگی سے آراستہ کیا گیا تھا۔ یقینی طور پر کرنل کی بیٹی کے لیے اس میں آسائشوں کے تمام انتظامات کیے گئے تھے۔

خیمے میں آنے کے بعد لڑکی نے اسے بیٹھنے کی پیشکش کی اور پھر آہستہ سے بولی۔ "میں ذرا باہر نکل کر دیکھ آؤں۔ آس پاس کوئی موجود تو نہیں۔"

بلاول خان نے کوئی جواب نہیں دیا اسے ایک جگہ بٹھا کر لڑکی باہر نکل گئی اور بلاول خان کے دل میں بھانگڑے چلنے لگے۔ اس نے جو اندازہ لگایا تھا وہ اتنا اذیت ناک تھا کہ لب اُسے سوچتے ہوئے بھی دماغ میں چکر آ رہے تھے۔ یہ سب کچھ اس کی وجہ سے ہوا تھا اور اب اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ جو عجیب و غریب باتیں وہ محسوس کر رہا تھا وہ صرف احساس نہیں تھا بلکہ اس میں

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

گہری سچائیاں تھیں۔ ایک گھناؤنی سازش ہوئی تھی جس کا روح رواں جبیرو تھا۔ جبیرو ہاں وہ منحوس شخصیت جس کی باتوں سے مکاری کی بُو آتی تھی اور جس کے ہاتھ میں تھما ہوا ترشول۔ آہ۔ وہ ترشول یقینی طور پر کوئی اشارہ تھا۔ جو بہرتی فوجیوں کو مل رہا تھا۔ میں کیوں نہ سمجھا میں کیوں نہ سمجھا۔ میں نے کیوں نہ سوچا میں نے اس کے خلاف کوئی عمل فوری طور پر کیوں نہ کر ڈالا اور نتیجہ کیا نکلا ہے۔ بے شمار جوان موت کی آغوش میں جا سوئے ہیں۔ ایک ایسے بے مقصد کام کے لیے جس کا کوئی مقصد نہیں ہے لیکن بھرتی فوجیوں کو اس کا بھاری معاوضہ ادا کرنا پڑے گا۔ یقینی طور پر جو سازش میرے ذریعے عمل میں آئی ہے اس پر میری ذمہ داری ہے کہ میں اسے ختم کرنے میں اپنا کردار ادا کروں۔ ہاں یقینی طور پر مجھے زندگی کی بازی لگا کر اس سازش کا منہ توڑ جواب دینا ہے اور اس کے لیے میں سمجھتا ہوں کہ وسائل خود بخود نکل آئے ہیں۔

ٹائیگر نے خود کو بندشوں سے آزاد کرایا اور تیزی سے رینگتا ہوا پیراشوٹ کے نیچے سے نکل آیا۔ اس صورت حال کو دیکھتے ہوئے اس کی سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ کس کی مدد کرے یا کسے دیکھے۔ قرب و جوار میں یا دور دور تک پھیلے ہوئے دھبوں میں کوئی جنبش نہیں تھی۔ یہ تمام پیراشوٹ تو اس وسیع و عریض صحراء کے نجانے کون کون سے حصے میں پھیل گئے تھے اور یہ بات تو ممکن ہی نہیں تھی کہ ان سب کو بیک وقت نگاہوں میں لایا جا سکے لیکن جو آس پاس تھے ان کے جسموں کو دیکھنے کی قوت پیدا کرنا ضروری تھا۔ سو جو سب سے قریب پیراشوٹ یا سفید دھبہ شہزاد کو نظر آیا وہ اس کے قریب پہنچ گیا۔ پیراشوٹ اُلجھنے ہی اُس کی آنکھوں میں عجیب سی کڑواہٹ پیدا ہو گئی جو دیکھ رہا تھا وہ دیکھنے کی چیز نہیں تھی۔

یقینی طور پر وہ کرنل فرید ہی تھا جو شوق میں یہاں تک چلا آیا تھا اور اس نے اپنے آپ کو خود بھی اپنی شخصیت کے برعکس اس شوٹنگ کے لیے پیش کر دیا تھا لیکن جس کی دونوں ٹانگیں زمین پر ٹکرانے کے بعد اس کے جسم میں داخل ہو کر ٹخنوں کے قریب سے نکل آئی تھیں۔ یوں وہ عجیب و غریب ہو کر رہ گیا تھا۔ یعنی ٹانگوں کا قد ختم ہو گیا تھا اور اب اس کا نچلا جسم باقی تھا۔ خون ریت میں جذب ہو گیا تھا۔

کرنل فرید کے چہرے پر سخت کرب و اذیت کے آثار تھے۔ ٹائیگر اسے دیکھتا رہا اور پھر یہ اندازہ لگانا اس کے لیے مشکل نہ ہوا کہ جو بھی ریت تک پہنچا ہے اس کی کیفیت کرنل فرید سے مختلف نہیں ہو گی۔ پھر ان گنن برداروں کو کھول کھول کر دیکھنے سے کیا فائدہ۔ ہاں اگر کوئی جنبش ہوتی تو دوسری بات تھی لیکن جن لوگوں نے یہ سب کچھ کیا ہے انہیں اس کے بدلے کا بھی مزا چکھنا چاہیے اور اس وقت ٹائیگر اپنی اصل شخصیت میں نظر آنے لگا تھا۔ اب تک شہزاد ورانی کی حیثیت سے وہ ایک اسسٹنٹ مین کا کردار انجام دیتا رہا تھا لیکن اب اس کی کیفیت بدل گئی تھی۔ اب اسے اپنا روپ اختیار کرنا تھا۔

اوشان کی آواز اُس کے تصورات میں گونجی "غلطی انسان کی فطرت ہے اور اس کی غلطی کو نگاہ میں لانے کے بعد اگر کارروائی کی جائے تو اسکی ہر خوفناک کوشش سے بچا جا سکتا ہے"۔

یہ عمل ہمیشہ ٹائیگر کے لیے سنہری اُصولوں کی مانند رہا تھا اور اس عمل نے اسے فائدہ پہنچایا تھا لیکن شرط یہ ہے کہ ذہن کو کسی قسم کے بوجھ کا شکار ہونے بغیر آزادی سے کام کرنے کی اجازت دی جائے اور اس وقت جو کچھ نگاہوں کے سامنے تھا اس کا پس منظر یاد کرنا ذہن کو مشتعل کرنے کے مترادف تھا۔

اُس نے چاروں طرف نگاہیں دوڑائیں لیکن کوئی ایسی چیز نظر نہ آئی الوتہ آسمان پر اُڑتے ہوئے ہیلی ریسنجرز ہیلی کاپٹر اسے نظر آئے جن کا کام اس شوٹنگ میں حصہ لینا تھا اور جن کے لیے بقول جبیرو اُس نے زبردست سفارشی کارروائیاں کی تھیں۔ شاکر فلم کو حقیقت کا رُوپ دیا جا سکے۔ اس طرح کرسس کی روح صحیح معنوں میں سرخ کرسس میں تبدیل ہو گئی تھیں۔ آہ۔ کاش اس نام پر ہی توجہ دے لی جاتی لیکن جن لوگوں کی یہ ذمہ داری تھی وہ تو بالکل ہی ذہن کی کھڑکیاں بند کر کے بیٹھ گئے تھے۔ اب ہونا کیا چاہیے۔

ہیلی کاپٹر اُسی سمت آ رہے تھے جدھر ٹائیگر موجود تھا۔ اُس نے فوراً اپنے ہی پیراشوٹ نکلے بنا لی۔ شاکر کاپٹروں میں آنے والوں پر نگاہ رکھے جا سکے۔ غالباً کوئی جائزہ لینے آیا تھا اور تھوڑی دیر پہلے جو فلم یونٹ اپنے فرائض انجام دے رہا تھا اب وہ مکمل طور پر فوجی یونٹ میں تبدیل ہو گیا تھا۔ ٹائیگر نے ویہیکل مشینوں کی گڑگڑاہٹ بھی سنی تھی۔ وہ تین ٹرک تھے جو تین سمتوں سے آ رہے تھے اور ٹائیگر کو کم از کم اپنی جلد بازی نہ کرنے کا پورا پورا احساس ہوا۔ یہ جلد بازی اس کے دشمنوں کے حق میں جا سکتی تھی لیکن یہاں سے فوراً آگے بڑھنے کی کوشش نہ کر کے اس نے ذہانت کا ثبوت دیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اگر اس کے جسم میں ذرا بھی جنبش ہوئی تو ہیلی ریسنجرز ہیلی کاپٹروں سے اسے دیکھا جا سکتا ہے

چنانچہ وہ غیر محسوس انداز میں پیراشوٹ کے نیچے رینگ گیا تاکہ اس میں سے کوئی رخنہ تلاش کرے جہاں سے دوسری تمام کارروائیوں کا جائزہ لیا جائے۔ ہیلی کاپٹر لب پرواز کرتے ہوئے دور نکل گئے اور دیو ہیکل مشینوں کی گڑگڑاہٹ قریب آنے لگی تھی۔ تینوں ٹرک تھوڑے ہی فاصلے پر رُک گئے تھے اور پھر اس سے بہت سے کریو نیچے اُتر آئے اور لاشوں کو پیراشوٹ میں ہی لپیٹ کر ٹرکوں میں لادنا شروع کر دیا۔ یہ دیکھتے ہی ٹائیگر نے جس دم کی مشق شروع کر دی۔ تاکہ آنے والے اسے بھی مردہ ہی سمجھیں اُسے یقین تھا کہ اب اسے بھی ٹرک میں ڈال دیا جائے گا اور یہ لاشیں جہاں بھی لے جائی جائیں گی وہ جگہ ہو سکتا ہے اس کے لیے کارآمد ثابت ہو سکے لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آئی تھی کہ لاشیں سمیٹ کر لے جانے سے مقصد کیا ہے۔ وہ لوگ کیا چھپانا چاہتے تھے۔ تاہم یہ فیصلے کا وقت نہیں تھا سوائے سوچنے کے اور شہزاد سوچتا رہا۔

تھوڑی دیر کے بعد اسے بھی اسی کے پیراشوٹ میں لپیٹ دیا گیا اور انہوں نے یہ جائزہ بھی لے لیا تھا کہ وہ ایک لاش ہی کو اُٹھا رہے ہیں یا اس میں زندگی کی رمق باقی ہے۔ چنانچہ جس ٹرک میں اسے ڈالا گیا اس میں اس کے علاوہ اور بھی بہت سی لاشیں جو اطراف سے اُٹھائی گئی تھیں۔ یہ کام اس قدر تیزی سے ہوا تھا کہ ٹائیگر کے جسم پر بعد بعد کر کے کئی جسم آ کر گرے۔ وہ لاشوں کو ظاہر ہے احترام نہیں دے سکتے تھے کیونکہ یہ فرد سیوں کی لاشیں تھی اور دوسری طرف کام کرنے والے بہرت لینڈ کے فوجی تھے۔

جرم کسی کا تھا۔ دھوکا کس نے کمایا تھا اس بارے میں تفتیشی گروپ متضاد باتیں کرے گا۔ سب اپنی اپنی پوزیشن صاف کریں گے۔ لیکن شکار کون ہوئے تھے ان کی ذمے داری کون قبول کرے گا۔ بلاول جان نے کوئی فوجی فریضہ سرانجام نہیں دیا تھا یہ ایک کرنل فلم تھی اور اس کے فوائد غیر سرکاری لوگوں کو پہنچنے والے تھے لیکن واقعات کو توڑنے مروڑنے کی کوششیں بھی کی جائیں گی زندہ رہنا ضروری ہے تاکہ اصل بات علم میں لائی جا سکے اور واقعات کو خراب نہ کیا جا سکے۔ سرد مردہ اور زندگی سے عاری کئی جسم اس پر لدے ہوئے تھے اور بھی لادنے کا عمل جاری تھا۔ کرنل فرید بھی شکار ہو گیا تھا۔ دیکھا جائے تو یہ حملہ ایک سوچی سمجھی اسکیم کا نتیجہ ہے اور اس کا سختی سے نوٹس لینا چاہیے۔

یقیناً ایسے ٹرک صحرائے فرکے دوسرے حصوں میں بھی کارروائی کر رہے ہوں گے وسیع صحرا میں تین ٹرکوں سے یہ ساری کارروائی کرلینا آسان نہیں تھا لیکن ٹرک جانے پہچانے تھے۔ بالکل وہی جو بے ضرور اور فوجی ہونے کے باوجود یا غیر فوجی سمجھے جاتے تھے۔ آخر میں اسے سنی جو کا خیال آیا۔ دیو ہیکل پر بندے میں اس کا کیا حال ہو گا سنی جو۔

ٹرک چل پڑے۔ صحرائے فر میں سب سے بڑی مشکل راستوں کی شناخت تھی، ڈراپ زون کا تعین مولو نے ہی کیا تھا اور ضرور ایسی جگہ منتخب کی گئی تھی جو ان کے مرحلے وار عمل کے لیے مناسب ترین ہو۔ ٹرک میں عقبی حصے میں صرف لاشیں تھیں چنانچہ ٹائیگر نے اپنا چہرہ اونچا کر لیا تھا تاکہ سانس لینے میں دقت نہ ہو لیکن اب فوری فیصلہ اور کارروائی ضروری تھی لیکن وہ جگہ کا کوئی اندازہ نہیں کر سکا تھا جہاں ٹرک کے سفر کا اختتام ہو رہا تھا لیکن راستہ زیادہ طویل نہیں تھا اور سفر ختم ہو گیا تھا۔ یہاں بہرتیوں کی آوازیں صاف سنائی دے رہی تھیں وہ ایک دوسرے کو ہدایتیں دے رہے تھے

دوسرے مرحلے کا آغاز ہو گیا۔ لاشیں ٹرکوں سے اُتاری جانے لگیں یہاں کوئی مشکل پیش نہیں آئی تھی سوائے اس کے کہ ٹائیگر کے اوپر نہ جانے کتنی لاشیں لاد دی گئی تھیں۔

*

شہریں اگر ہوش میں ہوتی تو وہ اس خود ساختہ بھتیجی سے اس سفر کا دلچسپ احوال ضرور پوچھتا لیکن صورت اور کمزور دل ہونے کا یہ فائدہ ضرور ہے کہ انسان تکلیف دہ احساسات سے بچ جاتا ہے۔ اُوشان کے لیے اس آہنی جال سے فرار مشکل نہ تھا اور فرار بھی ایسا کہ اغوا کرنے والوں کو مزا آ جاتا یہ بھی ممکن تھا کہ وہ اسے پرواز کرتے ہوئے ہیلی کاپٹر میں پاتے اور پھر ہیلی کاپٹر کا رُخ شالان کوٹ کی طرف ہوتا لیکن یہ خیال صرف خیال کی حد تک درست تھا اور اس سے آگے گوناگوں نقصانات کا حامل۔ اوّل شہزاد تھا جس کے بارے میں یہی اُوشان ناخوشگوار اور تشویشناک خیالات رکھتا تھا۔ دوئم سب کچھ ناممکن، کچھ کرنے کا وقت ہی نہ ملا تھا لیکن تمام خدشات کی تصدیق ہو گئی تھی اجناس کے ذخیرے پر شک ضروری تھا اس کا مطلب ہے کہ یہ سازش قصبہ اور ناممکن ہے کیا بقاعدہ جنگی کارروائی ہے جو فلم کی آڑ میں کی گئی۔ اس طرح بہرتیوں نے ثابت کر دکھایا کہ وہ بہترین سازشی اور بدترین دوست ہیں اور ان پر کوئی قطعاتی صنفتی یا دیانتدارانہ اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ شعبہ طاقت کا یہ تجربہ دلچسپ تھا اور اُوشان اس کارروائی کے مختلف پہلوؤں پر غور کرتا رہا تھا۔ لیکن آخری تان شہزاد کے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

خیال پر نوٹی تھی۔

نیچے ناس قسم کے طرز تعمیر کی عمارتیں نظر آنے لگیں۔ یہ شالان کوٹ نہیں تھا اور اوشان وہاں روئیدگی نہیں پایا تھا۔ تاہم جس جگہ اسے نیچے اتارا گیا اور آہنی جال سے افتاد گیا تھا وہاں زبردستی درخت اگائے گئے تھے جو ٹنڈ منڈ اور پتوں کے بغیر تھے۔ ادھر بھارتی فوجی ایک دائرے کی شکل میں درختوں کی کمی پورا کر رہے تھے۔ مگر درخت مصلح نہیں ہوتے۔ سنا نجو کا ماسٹر جانتا تھا کہ اسے فلم میں کس کردار کے لیے منتخب نہیں کیا گیا تھا لیکن بعض اوقات غیر منتخب شدہ اشخاص کو بھی اداکاری کے جوہر دکھانے پڑتے ہیں ایک صحافی کیا کر سکتا ہے اس کا مشاہدہ اس کے لیے غیر شناسا نہیں تھا اور وہ اداکاری کے لیے تیار تھا البتہ فوجیوں کو حیرت ہوئی تھی کہ ایک لاغر اور پستہ قد عمر رسیدہ شخص کو اس انداز میں گرفتار کرنے کی ضرورت کیوں پیش آگئی۔

ماسٹر نے ہانپتے ہوئے کہا اول تو میں دے کا مریض ہوں۔ دوئم مجھے ایک اتھرا سفر کرایا گیا ہے افسوس میری کمزور ٹانگیں کھڑا ہونے میں میری مدد نہیں کر رہیں اس لیے مجھے معاف کردو۔

عام سپاہی تو کچھ نہ بولے لیکن جو شخص آگے بڑھا تھا غالباً میجر کا عہدہ رکھتا تھا اور فردوسی زبان بخوبی بول سکتا تھا اس نے فردوسی زبان میں کہا۔ "کیا تم بھرتی زبان نہیں بول سکتے؟"

"افسوس میں سیاسی نہیں فلمی صحافی ہوں"۔ لوسی زبان میں بکتا ہوں اور لوسی جانتا بھی ہوں۔

"کمزے ہونے کی کوشش کرو۔ میجر نے اُسے جھڑکی جھاڑتے ہوئے کہا۔

"کیا بھرتیوں نے اب اپنے بزرگوں کی عزت کرنا بھی چھوڑ دی ہے؟" اوشان نے جواباً بھرپور طنز کیا تو میجر تلملا کر رہ گیا۔

"جس وقت اس کے ہوش درست ہو جائیں اسے میرے پاس لے آؤ اور اس بے ہوش لڑکی کو بھی ہوش میں لاکر"۔ اس نے ایسے کہا جیسے اس علاقے کا شہنشاہ ہو۔

میجر کی تلاشت پر اوشان نے دل ہی دل بے ساختہ قہقہے لگائے تھے وہ بآواز ہنسنا چاہتا تھا لیکن فی الحال اُسے لوسی اداکاری سے خود کو ایک مظلوم آدمی ظاہر کرنا تھا اور یہ اوشان کے لیے انتہائی ناخوشگوار کام تھا جب ایک بے ہوش لڑکی ساتھ ہو اور ہاتھ پاؤں باندھ کر بیٹھ جانا پڑے یہ صرف اس کے تحفظ کے لیے ورنہ یہاں بھی اس عالم میں بہت کچھ ہو سکتا ہے اور یہ بہت کچھ عقل کے تقاضے کے مطابق نہیں ہوتا کبھی کبھی عقل سے باہر نکل کر بھی فیصلے کر لیے جاتے ہیں لیکن ایک بے ہوش لڑکی تمام فیصلوں کو ختم کرنے کی قوت رکھتی ہے اور جب شیریں کی پلکوں کے ہیولے مدھم مدھم انداز میں ہلنے لگے تو اوشان نے اسے آواز دی اور چند ہی لمحات کے بعد وہ ہوش میں آگئی۔ وہ ہوش میں آئی اور ماحول نگاہوں میں اُجاگر ہوا تو اس طرح اُچھل کر بیٹھ گئی جیسے تمام خطرات پر ایک لمحے میں قابو پالے گی پھر اپنے اور گرد بھرتی فوجیوں کو دیکھ کر اس کے اندر جو دہشت پیدا ہوئی اسے سنبھالنے کے لیے اوشان نے نرم لہجے میں کہا۔

"اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش کرو میری بچی۔ مشکلات ہمت والوں کے سامنے ہی آتی ہیں۔ اور تم میں ہمت کی کمی نہیں صرف اُسے جگانے کی ضرورت ہے"۔ اوشان کے لہجے میں نجانے کیا جادو تھا کہ شیریں کو یوں محسوس ہوا جیسے وہ کسی مضبوط پناہ کے سائے میں ہو۔

لیکن یہ سب کچھ کیا ہے۔ صحراء میں اُڑنے والا دھواں سی ایک سو تیس طیارے سے پیراشوٹ کے ذریعے نیچے کودنے والے اور پھر صحرائے فرمیں ایک عجیب و غریب کارروائی یہ شونگ کا حصہ تو نہیں تھا۔ صنم آباد کے اس علاقے میں یہ کیا ہو رہا ہے آخر اور ہمیں قید کرنے والے کون ہیں۔ اوشان نے مسکرا کر گردن خم کی اور بولا۔

"یہ لوگ میرے میگزین کے لیے بہترین کہانی ترتیب دے رہے ہیں لیکن مجھے صرف اس بات کا شدید افسوس ہے کہ میں سکندر اعظم کا انٹرویو ابھی تک نہیں لے سکا۔ نجانے سکندر اعظم کس حال میں ہے"۔

"بلاول خان۔ شیریں بدخیال لہجے میں بولی۔ "مجھے تو یہ سب کچھ بہت عجیب لگتا ہے انکل اور میں اس بارے میں تمام بالیسی سمجھنے سے قاصر ہوں۔ آخر یہ سب کیا ہو رہا ہے مجھے اس طرح کی شونگ میں حصہ لینے کا موقع کبھی نہیں ملا۔ آخر یہ سرخ کرسمس کے سلسلے میں جو کارروائی ہو رہی ہے۔ آہ۔ انکل۔ آج کرسمس ہی ہے نا۔ لیل فادر خاموشی سے شیریں کی صورت دیکھتا رہا اور اس نے کہا"۔

"اور اب جب ہم ایسے حالات سے دوچار ہو ہی گئے ہیں تو کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ اپنے حواس کو قابو میں رکھ کر وقت کا انتظار کریں"۔

"اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں یہاں خطرات بھی پیش آسکتے ہیں"۔ شیریں کی سہمی ہوئی آواز اُبھری۔ لڑکا نظر آنے کی

کوشش ایک مختلف بات ہیں لیکن مردوں جیسا دل حاصل کرنا تقریباً ناممکن۔ شیریں کی سہمی ہوئی آواز سن کر اوشان نے کہا۔

"خطرات تو زندگی کے قدم بہ قدم ملتے ہیں میری بچی یہ اور بات ہے کہ ہم انھیں محسوس نہیں کرتے اور جب محسوس کرتے ہیں تو خواہ مخواہ پریشان ہو جاتے ہیں۔ تم کیا سمجھتی ہو جو لوگ ہمیں اس انداز میں قید کر کے یہاں تک لائے ہیں انھوں نے مذاق تو نہیں کیا ہوگا اور اب ان کے اس مذاق کو برداشت کرنے کی صلاحیت ہی ہمارے مستقبل کا فیصلہ کرے گی"۔

پھر زیادہ وقت نہیں گزرا اور ان لوگوں کو بلایا میجر کے اس ٹینٹ میں طلب کر لیا گیا جہاں کے بارے میں وہ اپنے آدمیوں کو ہدایت دے کر گیا تھا لیکن خوش بختی یہ تھی کہ اس وقت میجر کے علاوہ کرنل بھی موجود تھا جس کا انداز اس طویل قامت شخص کے لباس پر لگے ہوئے نشانات سے ہوتا تھا اور شیریں بھی احمق نہیں تھی کہ بھرتی کرنل کی فوجی وردی کو نہ پہچان سکتی لیکن جونکہ یہ شونگ قطعی دوستانہ ماحول میں ہو رہی تھی اس لیے حیرت ضرور تھی کہ اس میں یہ تبدیلی کیسے رونما ہو گئی۔ کرنل نے ان دونوں کو دیکھتے ہوئے خاموشی سے گردن ہلائی اور انھیں بیٹھنے کی جگہ دے دی گئی لیکن اوشان بہت پریشانی کا اظہار کر رہا تھا۔ کرنل کے سامنے اس نے خود پر خوف۔ گے ایسے تاثرات پیدا کر لیے تھے جیسے تھوڑی دیر کے بعد اس کا دم ہی نکل جائیگا اور یہ بات محسوس کی جا رہی تھی لیکن شیریں کو اس بدلتی ہوئی حالت والے بوڑھے شخص پر حیرت تھی جو کبھی تو ایک قدر چست و چوبند نظر آتا تھا کہ اس کی رفتار ۱۸۰ بلیو نیتیون پانی بال اور اس وقت تو کمبو کو ٹلا ہر ہو رہا تھا وہ بہتر نہیں تھا۔ کرنل نے باری لمبے میں لیکن فردوسی زبان میں ان لوگوں سے سوالات کا آغاز کیا اور اس نے اوشان کی طرف انگلی اُٹھا کر کہا۔

"تمہارا نام؟"

"اوشان۔ صرف اوشان"۔

"یہ نام فردوسی تو نہیں ہے؟"

"بہت عرصے پہلے میں جزیرہ فردوس میں داخل ہوا تھا اور اب یہ بھول چکا ہوں کہ میرا اصل نام کیا ہے"۔

"وہاں کیا کرتے ہو؟"

"میرے پاس شناختی کارڈ وغیرہ موجود ہیں میں فلمی صحافی ہوں اور اس علاقے میں بلاول خان کی شوٹنگ ہو رہی تھی میں اس کا انٹرویو کرنے یہاں آیا تھا۔ دراصل گلوبل ڈوکیومنٹریز ڈبلیو ہوتی ہے اور اس میں دوسرے ملکوں کے آرٹسٹوں سے ملاقات کا موقع بھی مل جاتا ہے میں اسی چکر میں آیا تھا لیکن صورت حال کچھ عجیب سی ہے۔ میری سمجھ میں یہ فلم نہیں آئی جس کا نام "سرخ کرسمس" ہے

کرنل قہقہہ مار کر ہنس پڑا اُس نے اس انداز میں میجر کی جانب دیکھا جیسے اس ڈبلیو لطیفے پر خواہشمند ہو کہ میجر بھی ہنسے لیکن میجر آداب جانتا تھا۔ چنانچہ وہ مسکرانے لگا اور کرنل نے اوشان کی طرف دیکھ کر کہا۔

"کیا تمہیں یہ شوٹنگ پسند نہیں آئی؟"

"شوٹنگ کا کوئی پہلو میری سمجھ میں نہیں آیا جناب لیکن مجھے تو صرف اس بات پر حیرت ہے کہ مجھے کوئی فلمی اداکار کیوں سمجھ لیا گیا کیونکہ جس انداز میں، میں نے جیپ میں سفر کیا ہے وہ یقیناً اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ کے لیے بڑا سنسنی خیز ہوگا۔ جب کو ہیاں کلائمٹر کی مدد سے اغوا کیا گیا لیکن اس وقت مجھے کیمرے کہیں نظر نہیں آئے تھے۔ تاہم کیا میں اس بات پر یقین کر لوں کہ یہ جو مناظر چل رہے ہیں یہ بھی اس فلم ہی کا ایک حصہ ہیں۔ کرنل نے دوسرا قہقہہ لگایا اور بولا۔ "ہاں۔ یہ بالکل ٹھیک ہے لیکن اس سے پہلے تمہارے کاغذات دیکھ لینا ضروری ہیں۔

اوشان نے اپنے کاغذات کرنل کے سامنے پیش کر دیے اور کرنل میگزین سے ہاری ہونے والے اُن کاغذات پر نگاہیں دوڑاتا رہا پھر اس نے فولڈر اوشان کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔

"تمہارے کاغذات مکمل ہیں" اور یہ لڑکی؟"

"ویسے تو یہ بھی مکمل ہے اور اس کا نام شیریں ہے۔ بلاول پروڈکشن کے پبلسٹی ڈپارٹمنٹ کی لڑکی ہے اور میں اس کے ساتھ اس کوشش میں مصروف تھا کہ بلاول خان کا انٹرویو کر لوں؟"

"فی الحال تمہیں بلاول خان کے انٹرویو کے لیے کچھ وقت انتظار کرنا پڑے گا کیونکہ بلاول خان کو ابھی یہاں پہنچنے میں تھوڑا سا وقت درکار ہے"۔

"آہ کیا یہ کام یہیں ہو سکتا ہے"۔ اوشان نے خوشامد آمیز لہجے میں کہا۔

"ہاں۔ اب یہ صرف یہیں ہو سکتا ہے اور اس سے بہتر اور مناسب جگہ تمہیں کوئی دوسری نہ ملے گی اس لیے تمہیں ہمارا شکر گزار ہونا چاہیے کہ ہم نے تمہیں ناکامی سے بچالیا اور اب تم اپنا کام یہیں سرانجام دے سکو گے لیکن اپنا کام سرانجام دینے کے لیے بہتر طریقہ یہ ہوتا ہے کہ میزبانوں سے تعاون کیا جائے۔ تمہاری کوئی غلط کوشش تمہیں سارے کاموں کی مصیبتوں سے آزاد کرا سکتی ہے اور لڑکی تم بھی۔ ہم تمہیں کچھ نہیں کہتے لیکن کچھ وقت

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

تمہیں یہاں رہنا ہے اور جب تم جزیرہ فردوس واپس جاؤ گے تو ایک آنکھوں دیکھا حال بیان کر سکتے ہو اور خصوصاً مسٹر ریپورٹر تم اپنے فلمی رسالے میں بھی ایک بہترین مضمون لکھ سکتے ہو۔ جس کا ابراز بہت عجیب ہوگا مثلاً تم یہ کہو گے کہ درحقیقت تم ایک عظیم اداکار کی فلم کی شوٹنگ دیکھنے صحرائے قرہ پہنچے وہاں تم اس کا انٹرویو بھی کرنا چاہتے تھے لیکن صحرائے قرمیں تمہیں ایک فوجی مہم کا سامنا کرنا پڑا۔ ہاں یہ ایک سچ ہے کہ ہم صحرائے قرمیں اپنے کچھ مذاکرات حاصل کرنا چاہتے ہیں اور یہ شوٹنگ ہمارے ہی ایما پر ہوئی تھی کرنل نے ہنستے ہوئے کہا۔ لگایا اور میجر کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

"میجر۔ کیا یہ ایک خوبصورت مضمون نہیں ہوگا۔" میجر کے بھی ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ لوتان خاموشی سے کرنل کی صورت دیکھ رہا تھا۔ تب کرنل نے کہا۔

"بہرحال تمہیں یہ خوبصورت کہانی لکھتے ہوئے بہت لطف آئے گا لیکن ضروری ہے کہ تم یہاں اپنے قیام کے درمیان آرام اور سکون سے وقت گزارنا۔ ورنہ پھر تمہیں کوئی کہانی لکھنے کی حاجت نہ رہے گی۔ اس نے میجر کی جانب دیکھا اور بولا۔

"بہتر ہے میجر۔ اے اور اس کی ساتھی لڑکی کو کسی مناسب جگہ پہنچا دو اور وہاں انہیں کوئی تکلیف نہیں ہونی چاہیے میں خصوصی۔ خارش کرتا ہوں۔"

میجر نے گہری سانس لے کر گردن ہلا دی۔ شیریں تھوک نگل رہی تھی اور اپنے حواس پر قابو پانے میں کوشاں تھی۔ اس بات کا اظہار اس کے خیال میں خطرناک تھا کہ اس مہم کو فوجی مہم قرار دے دیا گیا تھا۔ گویا ان سے رازداری نہ کر کے یہ ظاہر کیا جا رہا تھا کہ ان کی زندگی کسی بھی بھرتی فوجی کے لیے نقصان دہ نہیں ہے۔"

*

بلاول خان نے پوری زندگی سر بلند رہ کر گزاری تھی وہ کہنے کو ایک فلمی اداکار تھا لیکن یہ اس کی ذہنی جدوجہد تھی کہ اپنے جزیرہ فردوس میں خود کو دیوتا کی مانند مشہور کرایا تھا اور جو لوگ دیوتا سمجھے جاتے ہیں انہیں قربانیاں دینا ہوتی ہیں۔ بلاول خان کی پوری زندگی انہی قربانیوں سے عبارت تھی۔ اس نے اپنا یہ مقام بنانے کے لیے نجانے کیا کیا جتن کیے تھے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اس وقت وہ کسی بھی طور خاص طور سے جزیرہ فردوس یا عام طور سے بھرتیوں میں اتنا مقبول تھا کہ اس کی مقبولیت کے سامنے کوئی چراغ نہیں جل سکتا تھا۔ فطری طور پر عجیب و غریب ہونے کی وجہ سے اسے یہ بات سخت ناپسند تھی کہ وہ ایک ایسی دشمن لڑکی کی مدد حاصل کرے جس کا تعلق اس سازش سے تھا اور جو نسلاً بھرتی تھی۔ چالاک، بے غیرت اور ذلیل ہر قسم کی کارروائیاں کرنے والے بھرتی۔ جن سے زندگی کے اقدار کا کوئی تصور وابستہ نہیں کیا جا سکتا تھا لیکن ہوشیاری اس بات کا تقاضا کرتی تھی کہ ان لمحات کو برداشت کیا جائے۔ یہ بھی کوئی حیرت ناک بات نہیں تھی کہ بلاول خان کے سینکڑوں پرستاروں کی طرح یہ لڑکی یعنی کوشل دانیال بھی بلاول خان پر دیوانہ وار نثار ہو رہی تھی اور اس نے اپنے خیمے میں بلاول کے لیے زندگی کی ہر آسائش مہیا کر دی تھی وہ اسے ایک گوشے میں بیٹھی دیکھتی رہتی تھی اور ایسے لمحات بڑی بے چینی کے لمحات ہوا کرتے تھے۔ کوشل نے کہا۔

"مجھے یوں لگتا ہے جیسے اچانک ہی میں نے ایک ایسے خفیہ خزانے کا پتہ پا لیا ہو جس کی تلاش میں، میرا پورا ملک اور اس کے لوگ سرگرداں ہوں۔ آہ۔ تمہیں کیسے اس بات کا یقین دلاؤں بلاول خان کہ اگر میری دوست لڑکیاں اس بات کو سنیں گی کہ بلاول خان میرا مہمان رہا اور میں اپنے جھونپڑے سے خیمے میں اس کی پیلٹر عبادت کرتی رہی تو شاید وہ مجھ پر ہنسنے سے دریغ نہ کریں اور یہ کہیں کہ میں سپنے دیکھنے کی عادی ہوں۔ سو یہ بھی ایک سندر سپنا ہے میرے لیے۔ میں انہیں بتاؤں کہ ایک عظیم خزانہ میرے پاس محفوظ رہا ہے تو کون اس پر یقین کرے گا۔ نجانے کیوں میرا جی چاہتا ہے کہ میں ان سب کو یہاں لے آؤں اپنا آپ انہیں دکھاؤں اور یہ بتاؤں کہ دیکھو میری جھولی میں کیا پڑا ہوا ہے۔ کاش میں اپنی اس خواہش کی تکمیل کر سکوں۔ بلاول خان جانتا تھا کہ عمر کی اُنیسویں منزل کیسی ہوتی ہے یہاں سوچ کے دائرے قنصر ترین ہوتے ہیں اور ان کی گرفت میں بہت کم ہی باتیں آتی ہیں لیکن خود نمائی کا احساس سب سے عظیم ہوتا ہے اور اگر یہ لڑکی اس بات پر تُل گئی تو سارا کھیل خراب ہو جائے گا۔ چنانچہ اسے سمجھانے کے لیے انہی الفاظ کی ضرورت تھی جو اسے اطمینان دلا سکے بلاول خان نے کہا۔

"تم چونکہ میری گہری دوست بن چکی ہو اور میں بھی زمین کا ہی بسنے والا ہوں دوستوں کو بھلا کون نظر انداز کر سکتا ہے۔ کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ تم کچھ وقت خاموشی سے صبر کرو اس طرح کہ تمہارے کان سنیں لیکن زبان استعمال نہ ہو تو میرے لیے آسانیاں فراہم ہو جائیں گی ورنہ دوسری شکل میں میں جس الجھن کا شکار ہو گیا ہوں وہ بڑھ سکتی ہے اور پھر تمہارے ہاتھ بھی کچھ نہ رہے گا کیونکہ دوسرے لوگ مجھے اچک لے جائیں گے۔ میرا مشورہ

یہی ہے کہ خود کو قابو میں رکھ کر اس وقت کا انتظار کرو جب تم اچانک ہی کسی مرحلے پر اپنی دوستوں کے سامنے مجھے پیش کر سکو اور میں اعتراف کروں گا کہ کوشل دانیال میری بہترین دوست ہی نہیں بلکہ وہ لڑکی ہے جسے میں خود بھی چاہتا ہوں اور ان الفاظ پر کوشل دانیال نے آنکھیں بند کر لیں تھیں اس نے تھوڑی دیر کے بعد کہا تھا۔

"تمہاری ہر خواہش تو میرے لئے کسی دیوتا کے حکم کی حیثیت رکھتی ہے بھلا جو کچھ تم چاہو گے اسے نہ کرنے میں مجھے کیا دریغ ہو سکتا ہے۔ بس میں اپنے دل کی بات تمہیں بتاتی ہوں۔"

لیکن ہونا یہ چاہیئے کہ میرے بارے میں کسی کو خبر نہ ہو بعد کے نقصانات کی ذمہ دار تم خود ہو گی۔ تاہم مجھے یہ بتاؤ کہ اس وقت بھریا سرن چھاؤنی میں ہو کیا رہا ہے۔"

"میرے پیتا یعنی مسٹر دانیال کسی ایسی کارروائی میں مصروف ہیں جس کے بارے میں وہ یہ کہتے ہیں کہ بہت خفیہ ہے اور اس کے اثرات بہت ہی اچھے نکلیں گے۔ میں تمہیں ان واقعات کی تفصیل ضرور بتاؤں گی جس کی وجہ سے میرے پیتا یہاں اپنا کام کر رہے ہیں لیکن شاید یہ میرے لئے مشکل کام ہو کیونکہ مجھے فوجی کارروائیاں عجیب لگتی ہیں۔ بس یہ بتا ہیں جن کے لئے میں یہاں آئی ہوں بلکہ تم یہ سمجھو کہ اس بار میرے سپنے پورے ہونے تھے اس لئے میں یہاں آ گئی۔"

"میں فوجی کارروائی کا جائزہ لینا چاہتا ہوں۔ کیا تم اس کے لئے کوئی طریقہ نکال سکتی ہو۔ لیکن ضرورا یسی ہو گی کہ مجھے خفیہ رکھا جائے۔" کوشل نے کچھ دیر سوچا پھر بولی۔

"تو پھر اس کے لئے رات کی تاریکی مناسب رہے گی۔ میں تمہیں پوری چھاؤنی کی سیر کرا دوں گی اور تمہیں دکھاؤں گی کہ چھاؤنی کیا ہوتی ہے۔"

"ہاں۔ ہم لوگ فلموں میں کام کرتے ہیں اور مشاہدہ ہماری قوت عمل کو بڑھاتا ہے ہم یہ کوشش کرتے ہیں کہ اپنے مشاہدے کو وسیع سے وسیع تر کریں۔ اور اگر ہمیں یہ نہ معلوم ہو کہ فوجی اسلحہ ڈپو کیسے ہوتے ہیں یا فوجیوں کی زندگی کیا ہوتی ہے تو صحیح معنوں میں ہم کسی فوجی کا کردار ادا کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ میری کامیابی کا راز یہی ہے کہ جو کردار بھی مجھے سونپا گیا میں نے اس کے بارے میں تمام تر تفصیلات معلوم کر لیں۔ اور اگر اس وقت تم میری مدد کرو تو میرے لئے بڑی آسانیاں پیدا ہو سکتی ہیں۔" کوشل دانیال جذباتی ہو گئی اس نے کہا۔

میں زندگی کی بازی لگا کر یہ سب کچھ کر سکتی ہوں۔ حالانکہ یہاں بڑی پابندیاں ہیں اور بہت سے علاقے ایسے محفوظ کر دیئے جاتے ہیں کہ عام لوگ وہاں نہ جا سکیں لیکن میرے پیتا بہت طاقتور انسان ہیں اور ان کے نام پر کسی کی مجال نہیں کہ مجھے روک سکے۔ بس تمہاری موجودگی کا مسئلہ ہے تاہم مجھے اجازت دو میں ایسا بندوبست کروں گی کہ تمہیں بھی میرے ساتھ نکلنے میں دقت نہ ہو۔" لڑکی کے جانے کے بعد بلاول خان نے اپنی حالت پر غور کیا۔ زندگی کبھی ایسے لمحات سے دوچار نہیں ہوئی تھی۔ آگ اور خون کا جو کھیل وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا تھا اس نے اس کی زندگی دو بھر کر دی تھی۔ اپنے وطن کے لئے جزیرہ فردوس کے لئے تو اس نے اپنی زندگی کا لمحہ لمحہ وقف کر دیا تھا حالانکہ جس ماحول سے وہ منسلک تھا اس میں ایسا کوئی کام نہیں تھا جس کی بناء پر یہ سب کچھ ہو سکے لیکن بلاول خان نے خصوصی طور پر اپنے لئے ان راستوں کا انتخاب کیا۔ جن میں ملک و مات کی بقاء کا جذبہ سر فہرست رہے اور اسے اس بات کی سب سے زیادہ خوشی تھی کہ اس نے جو کوششیں کی تھیں وہ کامیاب رہیں اور لوگ اسے ملک و مات کے وفادار کی حیثیت سے بھی جانتے تھے اس کے بلند و بالا قد و قامت سے یہ توقع رکھتے تھے کہ وہ ملک کے لئے ہمیشہ ہی ایک بہترین انسان ثابت ہو گا۔ لیکن جو کچھ ہوا تھا اس کی وجہ سے ہوا تھا۔ کہ جس کی روح بنانے کا جذباتی تصور اس کے ذہن میں نجانے کیا حیثیت اختیار کر گیا تھا حالانکہ اس سے پہلی اس نے جو کردار ادا کئے تھے وہ اس نے بالکل ہی مختلف تھے لیکن وہ یہ بات نہیں جانتا تھا کہ تقدیر کا فیصلہ کیا ہے تقدیر نے اسے ایک ایسے الجھے ہوئے مسئلے میں داخل کر دیا تھا کہ جس کا کوئی حل اس کے پاس نہیں تھا۔ کل جب یہ سازش منظر عام پر آئے گی تو لوگ اس کا نام لیتے ہوئے کہیں گے کہ یہ بلاول خان ہی تھا جس نے صحرائے فردوس پر فوجی قبضہ کرایا اور بے شمار انسانوں کو موت کے گھاٹ اتروا دیا۔ حالانکہ کوئی بھی یہ نہیں جانے گا کہ بلاول خان کا اس سلسلے میں کیا قصور ہے۔ ہاں۔ جو کچھ ہو چکا تھا اس کی تمام تر ذمہ داری بلاول خان اپنے شانوں پر ہی محسوس کر رہا تھا اور اسے اس بات کا انتہائی دکھ تھا کہ بھرتیوں کے ساتھ مل کر اس نے کوئی فلم بنانے کا فیصلہ کیوں کیا۔ حالانکہ پچھلے دنوں بھرتی جو اظہار کرتے رہے تھے ان میں جذبہ خیر سگالی بہت زیادہ اہمیت کا حامل تھا اور اگر یہ مسئلہ بخیر خوبی حل ہو جاتا تو یقینی طور پر بہت سے راستے کھلتے لیکن بھرتی بیکار تھے اور ان سے کسی اچھی بات کی توقع عبث تھی اور یہ سب مقصد عمل خود بلاول خان کے ذریعے سرزد ہوا تھا۔ چنانچہ وہ کوئی

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ایسی کارروائی کرنا چاہتا تھا جس سے اس غلطی کا ازالہ ہو جائے۔ ہاں بے تک اس کا نام ایک بڑے اداکار کی حیثیت سے ہمیشہ منظرِ عام پر رہے گا۔ اس نے اپنی زندگی میں وہ تمام کامیابیاں حاصل کر لی تھی جن کی خواہش اس نے اس وقت کی تھی جب وہ ایک عظیم اداکار نہیں تھا لیکن زندگی کی اس خواہش کو آخری مرحلے تک پہنچانے کے لئے اسے ایک اور قربانی دینا پڑی تھی۔ شاید اپنی زندگی ہی کی قربانی اور اس کے بعد جزیرہ فردوس میں جب حقائق آشکار ہوں گے تو لوگ یہ نہ کہیں گے کہ بلاول خان کے ذریعے ایک المناک حادثہ ظہور پذیر ہوا تھا۔ بلکہ وہ یہی کہیں گے کہ بلاول خان دھوکے میں آ گیا تھا لیکن اس نے اپنا فرض پورا کر دیا اور پورے پروقار قد و قامت کو ہمیشہ بلند و بالا رکھا۔ یقینی طور پر وہی ہونا چاہئے جو ذہن میں آتا ہے اور اس کے لئے یہ لڑکی بہت ہی ضروری ہے۔ چاہے جان کی بازی لگانی پڑ جائے لیکن جان کی بازی بھی ایسی ہی شکل میں لگائی جائے جس سے کچھ مقاصد حاصل ہو سکیں۔ اور رات کا غالباً وہ سرا بہر تھا جب لڑکی نے اس کے پاس پہنچ کر کہا۔

"تم ہر جگہ کا جائزہ لے سکتے ہو۔ زیادہ لوگ بھی نہیں ہیں اور صرف چند پیرے دار ہیں جنہیں میں نے بالا ہی سے ایک جگہ جمع کر دیا ہے۔ بتایہ چلا ہے کہ میرے پتا کرنل دانیال صحرائے فر میں کسی اہم کارروائی میں مصروف ہیں۔ جو بہت ضروری ہے اور اس کارروائی کی تکمیل کے بعد میرے پتا کو بہت سے مفادات حاصل ہوں گے۔ لیکن مجھے جو سب سے بڑا مفاد حاصل ہوا ہے وہ یہ ہے کہ میں تمہاری خواہش کی تکمیل کر رہی ہوں۔ ہم اب چل سکتے ہیں باہر کوئی الجھن کوئی پریشانی نہیں ہے۔ میں تمہیں ایک ایک جگہ دکھا دوں گی اور بلاول خان نے ہمت کر کے اس کے ساتھ قدم آگے بڑھا دیا۔ بھریا سرنی کے شہر پر دھند چھائی ہوئی تھی اور دور سے مدہم مدہم روشنیاں اس دھند سے جھانک رہی تھیں لیکن وہ جگہ چھاؤنی سے بہت دور تھی اور وہاں سے کسی قسم کا کوئی خطرہ در پیش نہیں تھا۔ چھاؤنی کے مختلف علاقوں کے بارے میں اسے کوشل سے معلوم ہوا اور اسے اس کے پتا نے ایک ایک جگہ دکھا دی تھی اور یہ بتایا تھا کہ فوجیں سرحدوں پر کس طرح زندگی گزارتی ہیں لیکن اس کی یہ معلومات اس وقت بلاول کے کام آ رہی تھیں یہاں تک کہ وہ بھریا سرنی چھاؤنی کے زیرِ زمین ڈپو کے قریب پہنچ گیا۔ جس سے کچھ فاصلے پر چند افراد چھوٹی چھوٹی ذمہ داریاں پوری کر رہے تھے۔ لیکن اس حد تک کہ ان کے پاس شراب کی بوتلیں تھیں اور انہوں نے اس خوبصورت موسم سے لطف اندوز ہونے کا فیصلہ کیا تھا جب کہ ان کے وہ تمام ساتھی کسی فوجی کارروائی میں مصروف تھے اور یہ بات تو بلاول ہی جانتا تھا کہ فوجی کارروائی کیا ہے اور اس فوجی کارروائی میں انہیں کس حد تک کامیابی حاصل ہو سکی ہے لیکن اگر ان کی یہ کامیابی اس کے ذریعے ملیامیٹ ہو جائے تو یقینی طور پر وطن کے خلاف کی جانے والی اس سازش کا بھرپور جواب دیا جا سکتا ہے اور اسلحہ ڈپو میں داخل ہونے میں بھی بہت زیادہ دقتوں کا سامنا نہ کرنا پڑا۔ یہی دیکھا بلاول خان نے کہ بھرتیوں نے اس ڈپو میں کیا کیا کچھ جمع کر رکھا ہے جب کہ سرحدوں پر ان تمام چیزوں کی ضرورت نہیں پیش آتی۔ لیکن یوں لگتا تھا جیسے کمک پہنچانے کے لئے معقول بندوبست کر لیا گیا ہے اور یقینی طور پر اس سے بھرتیوں کے عزائم کا اظہار ہوتا تھا کہ از کم یہ بات فردوس ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جان لیں گے کہ کوئی بھرتی کبھی سچ نہیں بولتا اور اس سے ہر وقت ہر برائی کی توقع رکھی جا سکتی ہے۔ ڈپو میں بلاول کو جو کچھ نظر آیا اس نے اس کے ذہن میں نئے منصوبے جگا دیئے تھے۔ پھر جب وہاں سے واپسی میں خیمے کا سفر شروع ہوا تو بلاول مختلف مقامات پر شناختی نشان لگاتا چلا گیا تاکہ اسے دوبارہ اس مقام تک پہنچنے میں آسانی ہو۔ آگ اور خون کے اس کھیل میں وہ ایک ایسے منظر کا اضافہ کرنا چاہتا تھا جسے کبھی نہ بھلایا جا سکے۔

بلاول خان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ یقینی طور پر یہ سب کچھ بے حد ضروری ہے۔ وہ مسکراتا ہوا واپس خیمے میں داخل ہوا تو کوشل نے اس کی مسکراہٹ سے یہی سمجھا کہ جو مناظر اس نے اسے دکھائے ہیں وہ بہت ہی عمدہ ہیں اور یقینی طور پر وہ ان سے لطف اندوز ہوا ہے۔ اس بارے میں کوشل نے بہت سے سوالات بھی کر ڈالے اور بلاول نے اسے تسلی بخش جواب دیئے تب کوشل بولی۔

یہاں سے کسی بھی دن کسی بھی ایسے دن جب پتا مجھے واپسی کی اجازت دے دیں ہم لوگ یہاں سے نکل چلیں گے اور پتا تو یہ سوچیں گے کہ میں بھریا سرنی میں اپنی ان رشتہ دار کے پاس گئی ہوں لیکن در حقیقت میں تمہیں اپنے گھر لے جاؤں گی اور اس کے بعد اپنی سہیلیوں کو دعوت دوں گی یقیناً تم ایک معروف انسان ہو لیکن زندگی کے چند حسین دن اگر تم میری نذر کر دو تو میں تمہارا یہ احسان کبھی نہیں بھولوں گی۔"

بلاول نے غور سے دیکھا وہ کوشل کی چاہت سے متاثر ہوئے بنا نہ رہ سکا تھا لیکن وہ اس کے جذبوں کا بدل نہیں دے سکتا تھا کہ اب وہ اپنی زندگی اپنا مستقبل اور سب کچھ ایک مقصد

کے لئے وقف کر سکتا تھا لیکن اس مقصد کے حصول کے لئے وہ جھوٹے وعدے کرنے پر مجبور تھا۔

ٹرک میں لدی لاشوں سے اٹھنے والا تعفن اور خون کی بو اب ناقابلِ برداشت ہو چلی تھی لیکن ٹائیگر اب خود کو اس کا عادی بنا چکا تھا۔ چنانچہ وہ اپنے اور پر لاشیں ہٹانے کے بعد سیدھا کھڑا ہو گیا۔ اطراف کے بارے میں یہ اندازہ لگانا مشکل تھا کہ یہ کون سی جگہ ہے لیکن یہ احساس اسے ضرور تھا کہ یہ بھرتی علاقہ ہی ہے اور یقینی طور پر وہ اس وقت دشمن کے علاقہ میں تھا ہر طرف سناٹا پوری طرح سے اپنے پر پھیلائے ہر شے کو اندھیرے کی سیاہ چادر میں لپیٹے ہوئے تھا اسی باعث دھند میں لپٹی مدہم مدہم روشنیاں کچھ عجیب سی لگ رہی تھیں۔

ٹائیگر نے ان ٹمٹماتی روشنیوں کے قریب جانے کا فیصلہ کیا تاکہ کم از کم اس جگہ کے بارے میں تو اندازہ لگا سکے جہاں ان لاشوں کو لایا گیا ہے اور ان کے یہاں لانے کا مقصد کیا ہے۔ وہاں سے ہٹنے سے قبل اپنے اپنی تمام حسیات کو بیدار کیا تاکہ قریب ہی کسی ذی حس کی موجودگی کا احساس کر سکے۔ اگلے ہی لمحے ہوا کے دوش پر تیرتے دلی آوازیں اس کی سماعت سے ٹکرانے لگیں۔

اس لمحے اگر کوئی اسے دیکھ لیتا تو یہی سمجھتا کہ کوئی یونانی سے مرحوم شخص اپنی قوت سماعت کے سہارے چیزوں کی موجودگی کا اندازہ لگا رہا ہو۔

پھر جلد ہی اس نے کچھ فاصلے پر استادہ خیمے دیکھ لئے لیکن ان سے آگے بھی کچھ تھا اور یہ جو کچھ تھا اسے دیکھ کر ٹائیگر کو ذرا بھی حیرت نہ ہوئی۔ کیونکہ ہوا کی لہروں نے اسے بتا دیا تھا کہ وہ کسی آبادی کے قریب ہے۔ مگر صحرائے فر کے اس علاقے میں یہ کس شے کی موجودگی اسے حیرت زدہ کر رہی تھی کیا جزیرہ فردوس کی کوئی آبادی، کیا شالان کوئی صنم آباد یا ایسا ہی کوئی اور شہر جو اس کے لئے اجنبی نہ ہو لیکن اس کے آس پاس بھرتی فوجی اس آزادی سے یہ کارروائی کیوں کر رہے ہیں۔ ٹرک میں سفر کے دوران وہ کسی خاص سمت کا تعین نہ کر سکا تھا اس لئے ٹائیگر کو یہ اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ جن راستوں پر سفر کیا جا رہا ہے وہ کون سی سمت جاتے ہیں لیکن اس آبادی کے بارے میں اگر اندازہ ہو جائے تو پھر یہ پتا چل سکتا تھا کہ ان کا رخ کس جانب تھا۔ اس کے جسم پر خون آلود لباس تھا اور اس خون آلود لباس میں رات کی سیاہی معاون ثابت ہو رہی تھی۔ چنانچہ وہ آگے بڑھا اور ان خیموں کی جانب چلنے لگا جو کچھ فاصلے پر اسے صاف نظر آ رہے تھے۔ اس کی حسیات پوری طرح بیدار ہو چکی تھیں۔ لیکن زیادہ سفر نہیں کیا تھا کہ اسے کسی کی موجودگی کا احساس ہوا یہاں پوشیدہ ہونے کے لئے ایک بہتر جگہ موجود تھی چنانچہ وہ وہیں رک گیا اور آواز کی سمت کا جائزہ لینے لگا۔ پھر مدہم مدہم سیٹی اس کے کانوں میں ابھری جو کوئی بھی تھا بڑے پر سکون اور مطمئن انداز میں سیٹی بجاتا ہوا آ رہا تھا۔ اس جگہ جہاں بے شمار انسانی لاشیں ڈھیر کر دی گئی ہوں اور کوئی شخص سیٹی بجائے تو اس کا مقصد صاف ظاہر ہو جاتا تھا یعنی وہ ان لوگوں میں سے ہے جو ان لاشوں کے ذمہ دار تھے۔

ٹائیگر کے بدن میں چنگاریاں دوڑنے لگیں۔ ان میں سے ایک بھی اگر اس کا شکار ہو جائے تو اس سے بہتر اور کوئی بات نہیں ہو گی۔ کم از کم دل سے یہ احساس نکل جائے گا کہ وہ لوگ صرف فاتح ہیں۔

لیکن اس کے ساتھ ساتھ کچھ اور خیالات بھی اس کے ذہن میں سرائیت کر گئے۔ اور یہ خیالات یقینی طور پر بہت زیادہ قیمتی تھے۔ رات کی اس تاریکی سے فائدہ اٹھا کر اگر اس نے اپنی اس کوشش پر عمل نہ کیا تو اس کا افسوس ہمیشہ ہمیشہ رہے گا۔

سیٹی بجانے والا اب ہیولے کی شکل میں صاف نظر آ رہا تھا۔ اور یہ ہیولا آہستہ آہستہ آگے بڑھتا ہوا اسی کی سمت آ رہا تھا۔ گویا موت اسے قریب سے قریب تر لا رہی تھی۔

شہزاد اپنے عمل کے لئے تیار ہو گیا۔ اس وقت وہ موت کے نمائندے کی حیثیت رکھتا تھا لیکن ان لوگوں کے خلاف جو خود بھی موت کے نمائندے بن کر بھرتی فوجیوں کی طرف سے ایک مدموم سازش کر رہے تھے۔ اور جب وہ اس کے قریب پہنچا تو یہ اندازہ بھی نہ لگا سکا کہ ہوا کی مانند ایک جھونکے کی طرح اس پر جھپٹا جانے والا کون ہے۔ اس کی گردن شہزاد کے بازو کی گرفت میں تھی اور یہ وہ لمحات تھے جب ٹائیگر کو اپنے مدِ مقابل سے شدید نفرت کا احساس ہو رہا تھا۔ اور اس احساس کا اظہار گردن کی گرفت کی شکل میں ہوا وہ شخص اس طرح مر گیا جیسے کوئی مرغی کسی وزنی چیز کے نیچے دب کر آواز نکالے بغیر ختم ہو جاتی ہے۔ اس کے ہاتھ پاؤں ڈھیلے پڑ گئے تو ٹائیگر نے اسے اپنی گرفت سے آزاد کر دیا۔ چند لمحے قبل سیٹی بجا کر پر سکون انداز میں سفر کرنے والے کا جسم اب بے جان تھا۔ موت کتنی آسانی سے آ جاتی ہے اس کا اس سے بہتر اظہار اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا لیکن ٹائیگر اس وقت احساس کے چکر میں گرفتار نہیں ہونا چاہتا تھا۔ چنانچہ اگلے ہی لمحے اس شخص کی وردی اس کے جسم سے جدا ہو کر ٹائیگر کے جسم پر فٹ ہو گئی۔ یہ لباس تھوڑا سا تنگ ضرور تھا لیکن اتنا نہیں کہ اس کا

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

احساس دوسروں کو بھی ہو جاتا۔ اور ٹائیگر جانتا تھا کہ اس لباس میں اسے بیش قیمت کارنامے سر انجام دینے ہیں۔ اور یہ بھی ایک کارنامہ ہی تھا کہ فوجی کا جسم پیراشوٹوں کے ساتھ اس جگہ پہنچ گیا جہاں دوسرے فردوسی فوجی موجود تھے۔ یعنی وہ نفری بھی پوری ہو گئی جو اگر گنی جا سکی ہو تو دوبارہ گنے جانے پر پوری کی پوری نکلے۔ اب یہ غور پور کرنے والا کون ہے کہ وہ خود حال کس کے تھے۔ جوان میں اچانک ہی شامل ہو گئے تھے۔ اس کام سے مطمئن ہو کر ٹائیگر کو ایک گونا سکون محسوس ہوا۔ کم از کم ایک ہی سمی ایک بھرتی فوجی سے وہ اس گستاخی سازش کا انتقام لے چکا تھا۔ اور ایسے بہت سے باقی تھے یا اس کے بعد بہت سے باقی تھے اور اب شہزاد کو اس بات کے مواقع فراہم ہو گئے تھے کہ وہ اپنی کارروائی میں کسی قدر آسانی سے آگے قدم بڑھا سکے۔

چنانچہ اس نے آگے قدم بڑھا دیئے لیکن رخ تبدیل نہیں کیا تھا اور وہی خیمے فی الحال منزل تھے جہاں اس نے جانے کا فیصلہ کیا تھا۔ راستہ طویل نہیں تھا وہاں اسے بہت سے فوجی نظر آئے جو مختلف کاموں میں مصروف تھے۔ وہ خود بھی ان میں شامل ہو گیا۔ وہ بھرتی زبان بول رہے تھے ٹائیگر اس زبان سے لاعلم نہیں تھا خود اس نے زیادہ بولنے کی کوشش نہیں کی تھی بس وہ جو ضروری تھا۔ کام کچھ نہیں تھا بس لاشیں ادھر ادھر منتقل کرنا تھی۔

"ان لاشوں کا کیا کیا جائے گا۔" شہزاد نے ایک بھرتی سے پوچھا۔

"کرنل دانیال کا انتظار ہے اسی کی ہدایت پر انہیں ڈلاب زون سے اٹھایا گیا ہے۔"

"تمام ہوا یار بلاک ہو گئے۔"

وہ تو ہونا ہی تھا پیراشوٹ اصلی کب تھے۔

"پتا تو نہ چلتا تھا۔"

"پتا چل بھی نہیں سکتا تھا، رانا اے سنگھ نے ان کی تیاری بڑے ماہرین سے کرائی تھی۔"

رانا اے سنگھ۔ ٹائیگر ایک ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

"سگریٹ پیو گے۔ بھرتی سپاہی نے تھک کر ایک طرف بیٹھتے ہوئے کہا۔

تو ٹائیگر نے اسی کے پیکٹ سے سگریٹ لے لیا۔ گہرا گاڑھا کثیف اور بدبودار دھواں فضا میں منتشر ہونے لگا۔

"اس کے بعد کیا ہو گا۔"

"جزیرہ فردوس کی طرف سے جوابی کارروائی۔"

"تیاریاں ہیں۔"

"تمہیں کوئی ہدایت ملی۔" ٹائیگر سے سوال کر دیا گیا۔

"ہمیں تفصیلات کہاں بتائی گئی ہیں۔ بھرتی زبان ٹائیگر کے منہ سے اجنبی نہیں لگی تھی۔ رات کی تاریکیاں معاون تھیں۔ تاریکی کی وجہ سے ساتھی کو کوئی شبہ نہ ہو سکا۔

"اور یہ بری بات ہے۔"

"بہت بری۔ آپریشن کی کامیابی ہماری محنت کا نتیجہ ہے مگر ہم اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔"

"میں جانتا ہوں۔ مد مقابل نہ کہا۔ ٹائیگر کے کان کھڑے ہو گئے اس نے آس پاس نگاہ دوڑائی مشتبہ کرنے والے تھک ہار کر مختلف ٹھکانے بنا کر بیٹھ گئے تھے صحرائے فرکا موسم زیادہ خراب نہ تھا۔ اگر اسے اٹھا کر ویرانے ہی سے جایا جائے تو مشکل نہ ہو گی۔ اگر ضرورت پیش آئے۔

"کیسے۔"

"میجر راؤ محمد پر مہربان ہے۔"

"رانا اے سنگھ کی قسم۔ بھگت ہے اور اس نے بھرت لینڈ کے لئے بہت کچھ کیا ہے۔"

"مگر وہ سویلین ہے۔"

"سویلین ہی ملک پر حکومت کرتے ہیں۔"

"یہ ٹھیک ہے۔"

"شاہ کی تو ہر گیانی کو بوراسال ہو گیا اور رانا شاہ بھگت ہے"

"یہ سب جانتے ہیں۔"

درس کے سرخ کرسمس، شاہ کی برسی پر منایا ہے۔ اور وہ مہاراج کو ایسی ہی سبھونٹ دینا چاہتا تھا۔ حکومت نے اس سے پورا تعاون کیا۔ بلاول خان نے کرسمس کی روح کا اسکرپٹ تیار کیا اور رانا نے اسے شنکار کیا۔

"بلاول خان کہاں ہے۔"

"ہماری ڈیوٹی یہاں ہے کسے معلوم۔۔۔ ویسے کارروائی چاروں طرف ہو رہی ہے ایک ایسا منصوبہ بنایا گیا ہے جسے برسوں یاد رکھا جائے گا۔"

"کیا شہروں پر قبضہ کیا جائے گا۔"

"ہاں شالان کوٹ اور صنم آباد، رینج پر سے شاید خوش خبری آنے ہی والی ہے۔"

ٹائیگر نے پہلے بھی اس گستاخی سازش کے بارے میں سوچا تھا۔

جو معلومات حکومت تک پہنچی تھیں ان سے اندازہ لگایا جا

سکتا تھا۔ فتری ملاوترا کے نام پر سمجھوتا کیا گیا۔ رانا تروپ نے کام سنبھال لیا اور پروڈکشن شروع ہو گئی جیرو جیف تھا۔ مگر فردوسی پارلیمنٹ کیا فیصلہ دے گی۔ کیا یہ سازش کامیاب تسلیم کر لی جائے گی۔ سازش صرف بلاول خان کے خلاف نہیں تھی۔ بلکہ اس سلسلے میں صحرائے فر پر ایک مذموم قتل عام کا پروگرام ترتیب دیا گیا تھا اور بھرتی اپنی اس کوشش میں کامیاب ہو گئے تھے روح رواں رانا اے سنگھ تھا لیکن اس کے ساتھ بھرتی پارلیمنٹ اپنے آپ کو اس ذمے داری سے الگ کیسے کر سکے گی اس کا مقصد ہے کہ ایک باقاعدہ جنگی کارروائی۔

ٹائیگر غور کرتا رہا بلاول خان کے تحفظ کا معاملہ پس منظر میں چلا گیا تھا لب نہیں کہا جا سکتا تھا کہ بلاول کی موجودہ کیفیت کیا ہے۔ جب کہ اس سلسلے میں باقاعدہ کئی مرحلے ترتیب دیئے گئے تھے یعنی شوٹنگ کا وہ دور جب ٹوئنک اپنی کارروائی کر رہے تھے اور اس کے بعد صنم آباد ائیر فورس کا رینج بیس اور وہاں سے ڈراپ زون کے سلسلے میں ہونے والی کارروائی۔ یہ ساری چیزیں اس بات کا احساس دلاتی تھیں کہ رانا اے سنگھ اپنے منصوبے میں تنہا نہیں تھا بلکہ ایک پوری کارروائی کی گئی تھی ایک باقاعدہ فوجی کارروائی۔ لیکن اب یہ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ آگے کے مراحل کیا ہوں چنانچہ لاشی ذمے داری پوری کرنے میں کیا طریقہ کار اختیار کیا جا سکتا ہے۔ وہ لاشیں جو یہاں جمع کی گئی ہیں نمبوت کے طور پر پیش کی جائیں گی اور ان لاشوں پر کامیابی کا جشن منایا جائے گا۔

ٹائیگر کی آنکھیں خون ابلتی رہیں جو کچھ اس کے علم میں آ چکا تھا اب اسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا جوابی کارروائی اگر جزیرہ فردوس کی جانب سے ہوتی ہے تو ایک بہت بڑا کھیل شروع ہو جائے گا لیکن اس سے پہلے جو کھیل ہونا چاہئے وہ ایسا ہی ہو کہ کم از کم اسے یادگار تصور کیا جا سکے، اور اس سلسلے میں شہزاد اپنا کردار ادا کرنا چاہتا تھا۔ اوشان کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ اس کا اونٹ کس کروٹ بیٹھے گا، لیکن ٹائیگر اپنے ماسٹر کے بارے میں اتنا ضرور جانتا تھا کہ خاموشی اس کی فطرت میں نہیں ہے لیکن اس وقت کسی کے بارے میں سوچنا ممکن نہیں تھا۔

دن روشن ہوتا جا رہا تھا ٹائیگر کو یہ فکر بھی لاحق تھی کہ دن کی روشنی کہیں اس کا پول نہ کھول دے حالانکہ بھرتیوں اور فردوسیوں کے خدوخال ایک دوسرے سے مختلف نہیں تھے اور پھر شہزاد بھرتی زبان، بھرتیوں ہی کے سے انداز میں بول سکتا تھا اور جس شخص سے اس نے گفتگو کی تھی اسے زد برابر اس بات کا شبہ نہیں ہو سکا تھا کہ جو اس سے ہم کلام ہے وہ بھرتی نہیں ہے لیکن دن کی روشنی میں احتیاط لازمی تھی چنانچہ وہ کسی ایک جگہ نہ ٹکا، یہاں کوشش اس بات کی تھی کہ علاقے کے بارے میں معلومات حاصل کرے، یوں بھی صحرائے فر کے بارے میں اس کی معلومات زیادہ نہ تھیں۔ لیکن جو کچھ اسے معلوم ہوا وہ ذرا پریشان کن تھا یہ چھاؤنی تھی اور اسے بھرپور سرچ چھاؤنی کہا جاتا تھا جبکہ وہ روشنیاں جو رات کو شہباز نے دیکھی تھیں بھرپا سرن شہر کی تھیں، ایک چھوٹا سا سرحدی بھرتی شہر جو جزیرہ فردوس کا پہلا سرحدی شہر کہلایا جا سکتا تھا خاص طور سے صحرائے فر کے قریب، شالان کوٹ یہاں سے کچھ فاصلے پر تھا اور صنم آباد دائیں سمت تقریباً ساٹھ یا ستر میل دور اس کا مقصد یہ ہے کہ لاشیں بھرتی علاقے میں لائی گئی ہیں اور پھر اسے اس بات کا علم بھی ہو گیا کہ لاشیں یہاں لانے کا مقصد کیا ہے، کرنل دانیال کی تحویل میں ان لاشوں کو ایک مخصوص جگہ پہنچا کر خراج تحسین حاصل کیا جائے گا اور انہیں اعزاز کے طور پر کرنل دانیال کے حوالے کیا جائے گا۔ یہ ایک بدترین حرکت تھی جنگی اصولوں سے بالکل خلاف، فوجی ہوں یا سویلین لاشوں کا احترام تو گویا دنیا قومیں بھی کرتی ہیں لیکن یہاں تحفے کے طور پر مردہ اجسام پیش کئے جانے تھے اور اس سلسلے میں جو کارروائی ہونے والی تھی وہ ان لاشوں کی بے حرمتی کے مترادف تھی لیکن کوئی جذباتی کوشش کر کے وقت سے پہلے خود کو ظاہر کرنا مناسب نہیں تھا۔

ٹائیگر جانتا تھا کہ اس وقت وہ نازک حالات سے دوچار ہے البتہ اس وقت اس نے کرنل دانیال کو دیکھا جب ان لاشوں کو مزید ٹرکوں میں لادا جا رہا تھا اور لادنے والوں میں وہ خود بھی شامل تھا اپنے ہم وطنوں کو اس طرح غیروں کے حوالے کرتے ہوئے شہزاد شدید دکھ کا شکار تھا لیکن یہ کام تو کرنا ہی تھا اپنی حیثیت برقرار رکھنے کے لئے بھی اور اس عمل کے لئے بھی جس کے سلسلے میں شہزاد مسلسل کوششیں کر رہا تھا بے شمار ٹرک ان لاشوں کو لے کر چل پڑے اور انہیں سامان کے طور پر ٹرکوں پر لاد کر بند کر دیا گیا تھا، کرنل دانیال پر نگاہ پڑتے ہی ٹائیگر کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا وہ اس کے لئے اذیت ناک سزا کا سوچنے لگا ایسی سزا جسے بھرتی مثال کے طور پر پیش کریں لیکن اس نے خود کو کسی بھی جلد بازی سے باز رکھا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اس کا کوئی بھی جذباتی قدم بہرام پسند نہیں کرے گا۔

"ٹائیگر بدستور دوسرے لوگوں میں شامل رہا لیکن احتیاط کی تمام ضروریں پوری کرنے کے ساتھ فوجی وردی اور بھرتی زبان

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

معاون تھی۔ اسے اپنا عہدہ بھی معلوم ہو گیا تھا وہ گنتر تھا اور اس کی ذمہ داری ساتھیوں اور لیبل ڈویژن پر گن نمبر آٹھ پر تھی اور فریش کے لئے عارضی طور پر دو دیاں بدلی جا سکتی تھیں۔ تاہم اس نے خود کو دوسروں میں شامل نہ کیا اور جس قدر ممکن ہو سکا ان سے چھپتا رہا۔ لیکن چھاؤنی کے دوسرے حصے میں اسے کچھ اہم جگہیں تلاش کرنے میں دقت نہیں ہوئی تھی ساتھیوں سے خبروں کا حصول مشکل نہیں ہوا تھا۔ صحرائے فرکا ایک بڑا علاقہ بھرتیوں کے قبضے میں تھا۔ ان لمحات میں یہاں سے نکل جانا سب سے ضروری کام تھا لیکن ٹائیگر ضرورتوں کا شناسا تھا اس طرح پتھرائے ہوئے ہونٹوں پر مسکراہٹ لانا کس قدر مشکل کام ہے اس کا پورا اندازہ فلموں میں کام کرتے ہوئے بلاول کو نہ ہوا تھا جبکہ وہ مانا ہوا فنکار تھا۔ کہیں حقیقت اور اداکاری کا فرق نمایاں تھا کوشل کی پناہ اس کی زندگی کے بدترین لمحات کا حصہ تھی اور وہ اس دور کو کتاب زندگی سے الگ رکھنا چاہتا تھا۔ اس نے جو فیصلہ کیا تھا وہ اطمینان بخش تھا اور اس فیصلے کے بعد کوشل کے سامنے مسکرانا اتنا برا نہ تھا کم از کم کرنل کی بیٹی اس کے پروگرام کی معاون تھی اور اسی نے خبر دی تھی۔

"چھاؤنی میں بڑی بھاگ دوڑ ہو رہی ہے"

"دیکھا"

صحرائے فر نکلس طور پر بھرتی سپاہیوں کے قبضے میں ہے۔ بلاول کے دل پر گھونسا لگا تھا۔

"جنرل راول پنڈ خود یہاں آ رہا ہے" کوشل نے مزید چوٹ لگائی شناسا نام تھا بھرتیوں میں بڑے اختیار کا حامل۔

اچھا کس لئے؟ وہ لہجے میں حیرت پیدا کرتے ہوئے بولا۔"

اگلے قدم کا فیصلہ ہو گا۔ کیا فرد وسیوں کی طرف سے کوئی کارروائی نہیں ہوئی"۔ تین روز سے خاموشی ہے۔" جنرل فیصلہ کرے گا۔"

"رانا اچھے منگھ بھی آ رہے ہیں۔ ایک بڑی فتح کے انتظامات کئے جا رہے ہیں۔" "اتنے بڑے بڑے لوگوں کو میں نہ دیکھ سکوں گا۔" "ان میں تم سے بڑا کون ہے۔" "فوج کا اپنا ایک مقام ہوتا ہے۔" "دیکھنا چاہتے ہو تو" وہی انتظام کر دوں گی کہیں چھپ کر، دراصل اس وقت میں اپنے پتا کے ساتھ ملوں گی، کہیں تمہیں کوئی جگہ پہنچا دوں گی جہاں سے تم ان سب کو دیکھ سکتے ہو۔ مگر افسوس کانفرنس کے لئے جو جگہ بنائی گئی ہے وہاں تم نہ جا سکو گے۔ "دور سے ہی سہی۔" "یہ انتظام ہو جائے گا کوشل نے کہا بسر ہنس کر بولی "حالانکہ اگر انہیں یہ معلوم ہو جائے کہ بلاول ان کے ساتھ موجود ہے تو وہ خود تمہیں دیکھنا چاہیں بلاول عزت اور شہرت۔ میں ان سے کہیں زیادہ ہے۔ وہ تو صرف ایک فوجی ہلتے میں

برہمچاری

انور صدیقی

قیمت 150/00 روپے

ایک ایسی عورت کی کہانی
جو مردوں کے معاشرے میں
ملکہ بن کر جینا چاہتی تھی

ناگ رانی

دو جلدوں میں
جلد اول =/145
جلد دوئم =/145

مکتبہ القریش سرکلر روڈ اردو بازار لاہور
فون 7668958

مانے جاتے ہیں لیکن بلاول کو تو سب جانتے ہیں۔ میں سچ کہتی ہوں اگر میں یہ اعلان کر دوں تو پوری چھاؤنی میں ہنگامہ ہو جائے اور لوگ اس آپریشن کو بھول کر بلاول کی ایک جھلک دیکھنے کو ٹوٹ پڑیں۔ بلاول نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

یہ کام اس وقت مناسب رہے گا جب میں تمہاری کوٹھی کے خوبصورت لان پر ہوں گا۔ لوگ حیران رہ جائیں گے اور وہی جگہ اس کے لئے موزوں ہے کیونکہ فوجی ڈسپلن میں کسی سویلین کی وہ اہمیت نہیں ہوتی جو عام مہتام پر ہوتی ہے اس وقت میرے لیے یہ بہت مشکل کام ہو جائے گا۔"

کیا میں نہیں جانتی، میں نے تو بس یونہی کہا تھا اور اس رات کوشل نے بلاول کو وہ جگہ دکھائی جہاں کانفرنس ہونے

والی تھی اور وہ جگہ بھی دکھائی جہاں تک وہ اسے لے جا سکتی تھی۔ لیکن بلاول نے بغور جائزہ لے کر یہ اندازہ لگا لیا کہ اس جگہ اسے کوشش کی مدد کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ بلکہ وہ پتلا سا درہ جو دور تک چلا جاتا ہے اور جس کا اختتام کانفرنس کے مقام پر ہوتا ہے۔ اس کا بہترین معاون ثابت ہو سکتا تھا اور بلاول کے ذہن میں ایک بہترین منصوبہ جنم لینے لگا۔ وہ جو چاہتا تھا وہی ہو سکتا تھا اور اس نے پر سکون لہجے میں کہا۔

یقیناً کوشل یہاں سے میں کانفرنس میں آنے والے تمام لوگوں کو دیکھ سکتا ہوں اور تم نے میری ایک بہت بڑی خواہش پوری کر دی۔ اب میں ان بڑے بڑے لوگوں کو با آسانی دیکھ سکوں گا۔

کوشل بلاول کی اس بات پر حیران ہو گئی تھی بلاول نے سوچا کہ لڑکی در حقیقت معصوم ہے یہ کیسی انوکھی بات تھی وہ ایک بدترین دشمن کی بیٹی ہونے کے باوجود اس کی دوست تھی اس تمام کارروائی کے نتیجے میں ہونا تو یہ چاہئیے تھا کہ بلاول خان اس کے جسم کے بے شمار ٹکڑے کرتا اور ان تمام ٹکڑوں کو ایک تھیلے میں بھر کر دانیال کے پاس پہنچا دیا جاتا۔ لیکن وہ اب ایسا کرنا بھی چاہتا تو نہیں کر سکتا تھا۔ ویسے بھی لڑکی کا قتل کسی طرح مناسب نہیں تھا اور بہتر و سیع تر مفاد کے لئے اس کی زندگی از حد ضروری ہے کیونکہ اس کے سہارے پوشیدہ رہنے کی جگہ حاصل ہے۔

لیکن رات کے ان لمحات میں جب فوجی چھاؤنی میں مکمل تاریکی اور ابر حیرا پھیل چکا تھا بلاول خان کو اپنا کام کرنے کے لئے ہوشیار رہنا ضروری تھا اور ایک بھی روح یا ایسا سایہ جو عام لوگوں کو نظر آ سکے اس جگہ سے اس مخصوص راستے کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھا جاتا تو یقیناً لوگوں کو اس کے قد و قامت اور اس کے حلیے پر حیرت ہوتی اور وہ یہ ضرور سوچتے کہ آخر رات کی تاریکی میں ممنوعہ علاقہ میں سفر کرنے والا یہ کون ہے بلاول خان جادوں طرف سے ہوشیار ہو کر آگے بڑھ رہا تھا اس کے کانوں میں عجیب و غریب آوازیں ابھر رہی تھیں یہ آوازیں ان مظلوم فوجیوں کی تھیں جو اس کی ایسی خوشی کی بھینٹ چڑھ گئے تھے اور جو سازش ان کے خلاف ہوئی تھی اگر کوئی نظر انداز کرنا چاہے تو دیگر بات ہے کیونکہ بلاول خان ان لوگوں میں اتنا ہی مقبول تھا کہ اس کا نام اگر اس سازش میں شامل کر بھی لیا جاتا تو وہ اسے نکالنے کی کوشش کرتے۔ لیکن بلاول خان اس ہام کو اس طرح نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔ اور اس کے لئے اس نے جو فیصلہ کیا تھا وہی اس کے خیال میں مناسب ترین تھا لیکن ان سوچوں نے اسے ماحول سے بیگانہ کر دیا اور جب اس نے اپنے آپ کو ہوش میں پایا تو اس جگہ دیکھا جہاں سے اسلحہ ڈپو کی جانب راستہ جاتا تھا۔

ڈپو کے محافظ بھی غنودگی کے عالم میں تھے اور بھرتیوں کی یہی ایک خوبی بلاول کو بہت زیادہ پسند آئی تھی کہ وہ اپنے ماحول سے مطمئن ہو جاتے کی حس رکھتے تھے۔ چنانچہ اس کے اپنے خیال کے مطابق اسے وہ سب کچھ نہ کرنا پڑا جو کیا جانا چاہئیے تھا۔ یعنی محافظوں میں سے کم از کم چند افراد کی موت جن کے ذریعے وہ ڈپو تک پہنچ سکتا تھا تاہم ان کی غنودگی نے انہیں زندگی بخش دی اور بے مقصد کسی کو موت کی گھاٹ اتارنے کی ذمہ داری فی الحال بلاول نے قبول نہیں کی تھی کیونکہ اپنے کام کے لئے اسے وقت درکار تھا جہاں اس پر کوئی شبہ نہ کیا جا سکے یا بھرتی فوجی یہ نہ سوچ سکیں کہ کوئی ان کے درمیان آ گھسا ہے اور اسی میں کامیابی کی ضمانت تھی۔ چنانچہ بلاول خان بلی کی طرح دبے قدموں چلتا ہوا ڈپو میں اتر گیا۔ اسلحہ ڈپو سے جو کچھ اس کے لئے کار آمد تھا اس نے اسے حاصل کیا اور دوبارہ اسی احتیاط سے وہاں سے واپس نکلا تو تقدیر ساتھ دے رہی تھی کم از کم یہاں تقدیر نے اس کا پورا پورا ساتھ دیا تھا۔ شاید وہ جذبے کام آ گئے تھے جو انتقام کے لئے اس کے دل میں ابھرے تھے اور جن کا مقصد اس کارروائی کا جواب دینا تھا جو اس کے ذریعے عمل میں لائی گئی۔ اور اب یہاں سے تاریکیوں ہی کے راستے اس درے کی جانب سفر کرنا تھا جسے عبور کرنے کے بعد وہ اپنے مخصوص اور اہم مقام پر پہنچنے دار ے کا سفر بے حد دشوار گزار تھا۔ ریت بہہ بہہ کر اس درے میں آ کر جمع ہو گئی تھی بعض جگہ سے بلند ہو جاتی تھی اور اتنی کہ اسے جھک کر آگے کا سفر طے کرنا پڑتا۔ چند محافظ ایسے ضرور تھے جو تاریخ کی روشنی میں اطراف کا جائزہ لے رہے تھے۔ حالانکہ چھاؤنی میں انہیں سرچ لائٹ بنانا چاہئیے تھا لیکن اس بات کے امکانات بھی تھے کہ بھرپا برفی میں یہ چھاؤنی کسی عارضی حیثیت کی حامل ہو اور اس آپریشن کے بعد اسے یہاں سے منتقل کر دیا جائے۔ یقینی طور پر یہاں مضبوط مورچہ بندی نہ ہونے کا یہی مقصد تھا۔ تاہم ان محافظوں کے قریب سے گذرنے کے باوجود بلاول نے خود کو پوشیدہ رکھا۔ ایسے موقع پر بہت سے کیمرے اس کے ساتھ سفر کرتے تھے اور جس جگہ ضرورت ہوتی تھی روشنیاں ڈالی جاتی تھیں اندھیرے میں شوٹنگ کرنے والے کیمرے بھی ساتھ ہوا کرتے تھے لیکن اس وقت ان محافظوں کی تاریخ کی روشنی سے بچنا بہت ضروری تھا۔ اور ذمہ داریاں پوری ہونے میں ماحول اس کا مددگار تھا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

چنانچہ اس مخصوص جگہ پہنچنے کے بعد اس نے وہاں دیکھا جہاں اب بھی روشنی اور لوگوں کا معقول انتظام تھا۔ تاکہ کانفرنس کے مقام کو جنرلوں کے شایان شان بنایا جا سکے جہاں بیٹھ کر انہوں نے یہ فیصلہ کرنا تھا کہ صحرائے فربر قبضے کے سلسلے میں کیا طریقہ کار اختیار کیا جائے۔ آیا آگے یہ قبضہ برقرار رکھنے کے لئے کس قدر فوجی قوت درکار ہوگی یا پھر اس بات کے بھی امکانات ہیں کہ قبضہ ختم کر دیا جائے۔ رانا اجے چند کا خواب پورا ہو چکا تھا۔ اور اس نے اپنی دانست میں وہ بدلہ لے لیا تھا جو وہ لینا چاہتا تھا۔

بلاول نے اپنا بوجھ اس جگہ خالی کر دیا اور اس انداز سے خالی کیا کہ اگر کوئی بالکل قریب بھی آ کر بیٹھ جائے تو ان تمام چیزوں کا احساس نہ ہو سکے جو وہ اسلحہ ڈپو سے اپنے ساتھ لایا تھا اور جنہیں اس نے اب انتہائی حفاظت سے پوشیدہ کر دیا تھا۔ اس کام میں اسے جتنا وقت لگا وہ سر میں دھماکہ خیز کیفیت پیدا کرنے کا حامل تھا۔

واپسی کے سفر میں بھی اس کے قدم ڈگمگا رہے تھے لیکن خود کو سنبھالے رکھنا ہی کامیابی کی ضمانت تھی اور اگر یہ نہ کرتا تو حالات مشکل ترین ہو جاتے۔ وہ آگے بڑھ کر بالآخر اس جگہ پہنچ گیا جہاں خیمے میں کوشل مو خواب نما ایک نوجوان نوخیز اور حسین لڑکی کے ساتھ کئی راتیں گزارنا لوگوں کے لئے مختلف کہانیاں بنا کر پیش کرنے کا حامل تھا لیکن شکر تھا کہ یہ کہانی ابھی صرف کوشل اور اس کے درمیان محدود تھی اپنے بستر پر لیٹ کر نجانے وہ کب تک منصوبے کی تمام جزئیات پر غور کرتا رہا دوسری صبح اسے کوشل ہی نے جگایا تھا۔

بلاول جی۔ اٹھو گے نہیں۔ صبح ہو گئی ہے بلاول خان نے سرخ آنکھوں سے اسے دیکھا اور کوشل مسکرا کر بولی۔

جب لوگوں کی آنکھیں سرخ ہوتی ہیں تو ان کے چہرے پر ایک ڈراؤنا پن آ جاتا ہے لیکن تمہاری آنکھوں کی یہ سرخی بھی کتنی سندر ہے۔"

بلاول خان نے کوئی جواب نہ دیا نوخیز اور نو عمر لڑکی کی یہ باتیں! جنس اور ملاقات ہیجان خیز ہوا کرتی تھیں لیکن بلاول اپنا ایک وقار رکھتا تھا۔ اس کے لوگ اسے ہر قسم کی انکیونڈل سے پاک انسان سمجھا کرتے تھے اور بلاول جانتا تھا کہ اپنی یہ عزت بنانے کے لئے نفس پر کس قدر قابو پانا ہوتا ہے۔ تاہم دن کے کاروبار یونہی چلتے رہے۔ کوشل نے اسے بتایا کہ تیاریاں ضروری ہو گئی ہیں اور لوگ آنے لگے ہیں بلاول نے دل میں سوچا کہ کاش ان لوگوں کے بارے میں اسے مکمل تفصیلات معلوم ہوتیں لیکن حد سے زیادہ آگے بڑھنے کی کوشش بھی بے کار ہی ہوا کرتی ہے اسے اپنا کام سر انجام دینا تھا یہاں تک کہ وقت آ گیا اور اسے وہاں روانہ ہونے کے لئے کوشل کے پہلے جانے کا انتظار کرنا پڑا۔ کوشل نے اس سے کہا۔

"کانفرنس ٹھیک ساڑھے نو بجے رات کو شروع ہو گی۔ تم روشنیاں دیکھ سکتے ہو۔ وہاں پورا پورا بندوبست کر دیا گیا ہے اور دو تین ہیلی کاپٹر اوپر بھی اڑ رہے ہیں تاکہ دور دور تک کسی کارروائی کا جائزہ لیا جا سکے۔ بلاول دل ہی دل میں مسکرایا۔ کوشل نے کہا۔

"رانا اجے چند بھی آج ہی رات کسی سے آ رہے ہیں ان کے آنے کے بعد کورم پورا ہو جائے گا چلو میں تمہیں تمہاری جگہ لے چلوں اور اس کے بعد وہاں سے چھپ کر اس جگہ تک پہنچنا تمہارا اپنا کام ہو گا کیونکہ میرے پیپا پہنچ چکے ہیں اور انہوں نے مجھے بھی طلب کر لیا ہے۔ دراصل ابھی تھوڑی دیر کے بعد انہیں رانا اجے سنگھ کو لینے کے لئے ہیلی پیڈ پر بھی جانا ہو گا۔

بلاول خان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اس کی تم بالکل فکر نہ کرو بس وہ جو اونچا اور سوکھا درخت ہے میرا وہاں تک پہنچنا ضروری ہے اس کے بعد میرا اپنا کام ہے کہ میں کس طرح اس جگہ پہنچ جاتا ہوں۔"

لیکن احتیاط سے بلاول جی۔ کہیں تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچ جائے۔ میں تمہارے ساتھ ہی رہتی مگر کیا کروں پیپا کی ہدایت ہے اور مجھے جانا ہے۔"

"تم بالکل بے فکر ہو جاؤ اپنا کام کرنا میں بخوبی جانتا ہوں" بلاول نے کہا اور اس کے بعد وہ خاموشی سے باہر نکل آئے۔

اس سوکھے ببول کے درخت تک پہنچنے کے بعد کوشل نے بلاول کو مسکراتی نگاہوں سے الوداع کہا اور قیامت کی چال چلتے ہوئے نگاہوں سے اوجھل ہو گئی۔

جنرل راول چند بھی اسی طیارے میں بھریا سرن آ رہا تھا جس طیارے میں رانا اجے سنگھ کو یہاں تک کا سفر طے کرنا تھا۔ وی آئی پی لاؤنج میں دونوں کی ملاقات ہوئی تو جنرل راول چند نے آگے بڑھ کر رانا اجے سنگھ کو گلے لگا لیا۔ دونوں نے بہت پر جوش معانقہ کیا تھا اور جنرل راول چند دیر تک اجے سنگھ کو سینے سے لگائے رہا تھا۔ پھر دونوں ساتھ ہی ساتھ رن وے کی جانب بڑھے۔ سیکیورٹی کے ارکان مستعد تھے اور ان لمحات میں جڑیا تک کو پر مارنے کی گنجائش نہیں چھوڑی گئی تھی۔

دو بہت بڑی ہستیاں دوسری

بہت بڑی بڑی ہستیوں کے ساتھ اس طیارے سے سفر کر رہی تھیں۔ سیکیورٹی کے جس قدر بھی انتظامات نہ ہوتے کم تھا۔ دونوں نے ایک ہی سیٹ منتخب کی تھی۔ فوج کے دوسرے بڑے بڑے ارکان بھی ساتھ تھے۔ جن میں معمولی عہدوں کے لوگ نہیں تھے۔ رانا اجے سنگھ نے اس اعزاز کو خصوصی طور پر محسوس کیا اور اس کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

زندگی میں کبھی نہیں سوچا تھا کہ مجھے اتنے بڑے جنرل کے ساتھ سفر کرنے کا اعزاز ملے گا۔" جنرل نے کہا۔

"یہ اعزاز تو مجھے بھی ملا ہے رانا صاحب۔ آپ نے بھرت لینڈ کی گرتی ہوئی معیشت کو جس طرح سہارا دے کر پھر سے پیروں پر کھڑا کیا ہے وہ بھرت لینڈ کے لئے بھولنے کی بات نہیں ہے بلاشبہ آپ کو فوجی حلقوں میں بھی بڑا اعزاز دیا جانا چاہیے اور یہی وجہ ہے کہ رانا اجے سنگھ جی کہ جب آپ نے یہ منصوبہ فوجی حکام کے سامنے پیش کیا اور محکمہ دفاع کی طرف سے یہ منصوبہ ہم تک پہنچا تو ہم نے بڑی دلچسپی سے اس میں حصہ لیا اور آپ کی خواہش کے مطابق سارے انتظامات کر دیئے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ فن خفیہ فائلوں میں جن میں بڑے بڑے لوگوں کے کام کرنے کے اندراجات ہوتے ہیں آپ کا نام ایک بڑی اہمیت کا حامل ہو گا۔ صحرائے فر کے جن علاقوں پر ہم نے قبضہ کیا ہے وہ ہمارے لئے بہت اہمیت رکھتے ہیں۔ گو ہم یہ بات جانتے ہیں کہ جزیرہ فردوس کی جانب سے اس سلسلے میں یقینی طور پر کوئی بڑی کارروائی ہو گی لیکن اس دوران جو مقاصد ہم حاصل کر لیں گے۔ وہ ہمارے لئے بہت ہی خاص ہیں۔ بہت عرصے سے صحرائے فر پر ہماری نظریں تھیں۔ لیکن اب ہمیں بہتر طریقے سے اسکا جائزہ لینے کا موقع ملے گا اور وہ سب کچھ آپکی وجہ سے ہوا ہے ورنہ سرکاری سطح پر اس انداز میں کام کرنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔"

رانا اجے سنگھ جنرل راول چند کے یہ الفاظ بغور سن رہا تھا۔ اور محسوس کر رہا تھا اسے خوشی تھی کہ اس نے جو کچھ کیا بھرت لینڈ نے اسے اس کی بھرپور داد مل رہی تھی۔ راول چند اس سے گفتگو کرتا ہا اس نے کہا۔۔۔۔

"آپ کے ساتھ مجھے مقبوضہ علاقے کی سیر کر کے دلی مسرت ہو گی اور میں بہت خوش ہوں۔" رانا اجے سنگھ بولا۔۔

"جو منصوبہ میں نے بنایا تھا وہ میرے دل کی گہرائیوں میں آرزو کی شکل میں چھپا ہوا تھا۔ جو مر گیا اس کی برسی پر اس سے بہتر دلو اور کوئی نہ ہوتی جو میں نے اسے دی۔ مگر اس سلسلے میں آپ لوگوں کا تعاون نہ ہوتا تو میں کوئی کام نہیں کر سکتا تھا میرا خصوصی ماتحت جیرو قابل تحسین ہے اور میں اسے آپ سے ملاؤں گا اس نے یہ سارا کام بڑی خوش اسلوبی سے سر انجام دیا ہے۔"

طیارہ فضا میں بلند ہو گیا۔ یہ سفر ایک سرحدی شہر تک ہوتا تھا اور پھر وہاں سے ہیلی کاپٹر کے ذریعے بھریا سرن پہنچنا تھا کیونکہ بھریا سرن میں کوئی باقاعدہ ہوائی اڈہ نہیں تھا اور سرحدی شہر سے اسکا فاصلہ بھی زیادہ نہ تھا لیکن فوجی مقاصد کے لئے وہاں دو ہیلی پیڈ بنے ہوئے تھے اور انہیں میں سے ایک ہیلی پیڈ پر ہیلی کاپٹر اترتا تھا۔ سرحدی شہر تک پہنچتے ہوئے جنرل اور رانا کے درمیان خاصی گفتگو ہو چکی تھی۔ ملکی معیشت کے بارے میں رانا کا خیال تھا کہ کچھ ایسی کارروائیاں ضروری ہیں جن سے معیشت کو مزید استحکام پہنچے اور یہ ایک مضبوط قوت حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے جزیرہ فردوس سے ہمیشہ ہی کوئی نہ کوئی خطرہ لاحق رہتا ہے وہ چھوٹا ہونے کے باوجود جس انداز میں ترقی کر رہا ہے اور جس طرح اس کی فوجی قوت مضبوط ہوتی جا رہی

مشہور سلسلہ
سرکش
محمود احمد مودی کے ایڈونچرس قلم
سے 12 حصوں میں شائع ہو گیا ہے
قیمت فی حصہ -/60 روپے
مکمل سیٹ -/720 روپے
ناشر
مکتبہ القریش
سرکلر روڈ، اردو بازار لاہور فون ۷۶۶۸۹۵۸

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ہے اس کے پیش نظر ملک کو ایک مضبوط معیشت کی ضرورت ہے اور اس باعث فوجی قوت میں بھی اضافہ نہیں کیا جاسکتا جنرل چند نے اس بات سے اتفاق کیا تھا اور رانا سے کہا تھا کہ وہ اپنا منصوبہ پیش کرے۔ محکمہ دفاع کی معرفت یہ منصوبہ حکومت تک پہنچایا جائے گا اور اس کی تکمیل کے لئے فوجی پیمانے پر زور ڈالا جائے گا کیونکہ ایک مضبوط ملکی نظام فوج کو بھی مضبوط کرتا ہے اور یہ انتہائی ضروری ہے۔

طیارے کا سفر بہت خوشگوار کٹا یہاں انہیں کرنل دانیال نے خوش آمدید کہا۔ اور انہیں ساتھ لے کر اس ہیلی کاپٹر کی جانب بڑھ گیا جس سے انہیں بھریاسرن تک کا سفر کرنا تھا۔ کرنل دانیال نے انہیں اپنی کارروائی کی تمام رپورٹ ہیلی پیڈ پر ہی پیش کر دی۔ اور جنرل چند نے کرنل کو شاباش دیتے ہوئے کہا۔

"جہاں رانا اجے سنگھ نے ایک بہترین منصوبہ بندی کی وہاں کرنل تمہاری کوششیں بھی اس میں بڑی حیثیت رکھتی ہیں اور تم نے اپنا فرض جیرو کی مدد سے بڑی خوش اسلوبی سے سر انجام دیا۔ ہاں ذرا یہ تو بتاؤ تمام صورتحال کیا رہی؟"

جواب میں کرنل دانیال اپنی کارروائی کی تفصیل بتاتے ہوئے بولا۔۔۔

"جیرو نے شوٹنگ شیڈول میں ہر پہلو کو سامنے رکھا تھا اور ہم اس کی پوری پوری مدد کر رہے تھے ایک طرف جب شوٹنگ کے بہانے ہمارے جوانوں نے صنم آباد ائیر بیس کے محافظوں کو بھوننا شروع کیا اور شاتان کوٹ سے آنے والی فوجی نفری کو موت کی نیند سلا دیا تو دوسری طرف نقلی ہیرا شوٹروں سے کودنے کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہم نے پانچ سو ایسے ہوا بازوں کو ہلاک کر دیا جو صحرائے فرمیں اپنی خدمات سرانجام دے رہے تھے اور جو بہترین ہوا باز سمجھے جاتے تھے یہ سب کچھ بڑی محنت سے کیا گیا اور مسٹر جیرو نے بھرپور کارکردگی کا مظاہرہ کیا۔

"جیرو کہاں ہے؟" رانا نے محبت بھرے انداز میں اپنے مشاہد کے بارے میں پوچھا۔ تو کرنل دانیال نے بتایا۔

"بھریاسرن چھاؤنی میں آئندہ کا لائحہ عمل طے کرنے کے لئے جس میٹنگ کا اہتمام کیا جا رہا ہے وہ مسٹر جیرو ہی کی نگرانی میں ہو رہی ہے۔ وہاں کا انتظام چند اعلیٰ فوجی حکام کے ساتھ مسٹر جیرو ہی نے سنبھالا ہوا ہے اور تمام بڑے بڑے لوگ وہاں پہنچ چکے ہیں جو آئندہ ہونے والی کارروائی کا جائزہ لیں گے اور جنرل چند سے ہدایات حاصل کریں گے۔"

"خوب۔ بہت خوب۔ گویا ہر کام مکمل ہے۔" جنرل چند نے مطمئن انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

"جی اور آپ کے سواگت کے لئے کچھ تیاریاں بھی کی گئی ہیں مہاراج۔ خاص طور سے رانا صاحب کو سلامی توپوں کی سلامی دی جائیگی۔ اور بقینی پر یہ ان کا حق ہے۔" جنرل چند نے مسکراتے ہوئے اس بات پر سر خم کیا اور کہا۔۔۔

"ہاں رانا اجے سنگھ اس سے بھی بڑے اعزازات کا حقدار ہے اور ہم انہیں ان اعزازات سے نوازیں گے لیکن صحرائے فرمیں مکمل ترتیب کے بعد۔" رانا اجے سنگھ نے کہا۔

"میں تو دیش سیوک ہوں اور دیش کے لئے بڑے سے بڑے کام کرنا ہی میری خوشی ہے اور میں اپنی اس کارروائی کا کوئی صلہ نہیں چاہتا۔" یہ کہتے ہوئے ہیلی کاپٹر کا سفر جاری رہا اور اس وقت شام کے جھٹپٹے فضاؤں سے زمین تک پہنچ چکے تھے جب ہیلی کاپٹر بھریاسرن ہیلی پیڈ پر پہنچا یہاں بھی مکمل خاموشی اور نظم وضبط تھا۔ تمام فوجی مستعدی سے جنرل اور جنرل جیسے اجے سنگھ کا انتظار کر رہے تھے۔ سلامی دینے والی توپوں پر گنر مستعد تھے اور انکی توپوں کے زاویے فضا میں اس طرح بنے ہوئے تھے کہ ہیلی پیڈ سے نیچے اترنے والوں کو سلامی دی جاسکے اور ہر گنر اپنی جگہ مستعد تھا دھماکہ کرنے والے بڑے بڑے گولے توپوں میں لوڈ کر دیئے گئے تھے۔ اور گنر توپوں کے اسٹرنگ پر سلامی دینے کے لئے تیار بیٹھے ہوئے تھے۔ سات توپیں اپنا فرض پورا کرنے کے لئے تیار تھیں۔ اور پھر جب ہیلی کاپٹر نے زمین چھوئی تو پہلی توپ کا دھماکہ فضا میں بلند ہوا اس کے بعد جب ہیلی کاپٹر نے انسان اگلنا شروع کئے اور کرنل دانیال اجے سنگھ اور راول چند کے ساتھ نیچے اترا تو دوسری تیسری اور جو تھی توپوں کا دھماکہ ہوا۔ توپ نمبر آٹھ پر مستعد بیٹھا ہوا گنر بڑی مستعدی اور غور سے سامنے کی سمت دیکھ رہا تھا۔ ہیلی کاپٹر سے اترنے والے ایک جگہ جمع ہو گئے تھے اور اس کے بعد انہیں قطار میں کھڑے ہوئے فوجیوں کے درمیان سے گزرنا تھا اور باقی توپوں کو اپنی سلامی پوری کرنی تھی۔ لیکن توپ نمبر آٹھ کا جس کا نمبر سلامی والی توپوں میں پانچواں تھا اچانک ہی اسٹیرنگ گھومنے لگا اور توپ کی نال اوپر سے نیچے کی جانب اترنے لگی باقی گنر حیران نگاہوں سے اس توپچی کو دیکھنے لگے جو اپنی توپ کے زاویے کو بڑی برق رفتاری سے سیدھا کر رہا تھا۔ وہ نہ سمجھ پائے کہ اس وقت بھلا جب تمام توپیں ایک ہی قطار میں اور ایک ہی زاویہ بنائے کھڑی ہیں یہ نئے زاویے کی ضرورت کیوں پیش آگئی لیکن صورتحال ان کی سمجھ سے باہر تھی اور وہ چیخ کر گنر کو ہوشیار بھی نہیں کر سکتے تھے۔ ویسے بھی دھماکہ کرنے والا گولہ توپ میں

تھا۔ پھر بھی اس سے خطرات لاحق ہو سکتے تھے۔ زاویہ تبدیل کرنا ان اصولوں کے خلاف تھا جو اس وقت متعین کئے گئے تھے لیکن چونکہ تمام افسران اپنا کام کرنے کے بعد اور گنر کو توپوں پر مستعد کر کے اپنی ذمہ داریاں سنبھال چکے تھے اس لئے اس گنر کو ہدایت دینے والا کوئی نہیں تھا اور پھر جو کچھ ہوا وہ سب ہی کے لئے ناقابل یقین تھا۔ گنر نے بل کا رخ اسٹرنگ کی مدد سے ہیلی کاپٹر سے اترنے والوں کی جانب کر دیا اور دوسرے لمحے توپ نے گولا اگل دیا۔ دھماکہ خیز گولے کو زیادہ نقصان کا باعث نہیں بننا تھا لیکن توپ نمبر آٹھ نے جو نہی گولہ داغا۔ سمجھنے والوں نے فوراً محسوس کر لیا کہ گولہ اصلی ہے۔ انتہائی طاقتور انتہائی تباہ کن اور اس تباہی کا منظر جس نے اپنی آنکھ سے دیکھا وہ دل میں لرزے بغیر نہ رہ سکا۔ نشانہ اتنا درست تھا کہ نہ ایک انچ ادھر نہ ایک انچ ادھر انسانوں کی قطار اس طرح چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم ہو گئی تھی کہ ان کی شناخت بھی نہ کی جاسکے۔ جنرل راول چند، رانا اجے سنگھ، کرنل دانیال اور ان کے ساتھ تقریباً سات جنرلوں کے پرخچے اڑ گئے تھے۔ آس پاس کھڑے ہوئے بے شمار افراد بارود سے جھلس گئے تھے دیکھنے والی آنکھیں صحیح تجزیہ بھی نہیں کر پائی تھیں کہ پے در پے کچھ اور دھماکے سنائی دینے اور ان باقی چھ توپوں کے گنر زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے جو یہ گواہی دے سکتے تھے کہ اصل واقعہ کیا ہوا تھا اور آٹھویں توپ پر جو گنر تعینات تھا اس نے اپنی چھلانگ لگا کر رن وے کے اس پر اسرار گوشے کو اپنی پناہ گاہ بنایا جس کا انتخاب شاید وہ پہلے ہی کر چکا تھا اور ظاہر ہے کہ یہ گنر ٹائیگر کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ جسے خوش قسمتی سے گنر کی وردی مل گئی تھی اور اس کے بعد سے اس نے اپنی تمنایاتی خصوصی طریقے سے سلامی والی توپوں پر کرلی تھی اور ایک لمحے میں اس نے سارا پانسہ پلٹ کر رکھ دیا تھا۔ وہ جو کامرانی کے جھنڈے لہراتے ہوئے یہاں تک پہنچے تھے اور جو صحرائے فرمیں عظیم الشان کارروائیاں سرانجام دینے والے تھے اور جو اعزازات وصول کرنے کے لئے کانفرنس میں شرکت کرنے جا رہے تھے اب ان کے جسموں کی شناخت بھی ممکن نہ رہی تھی۔ راول چند کی کھوپڑی اتنے فاصلے پر جا کر گری تھی کہ اس تک نگاہ بھی نہ پہنچ پاتی تھی۔ اور رانا اجے سنگھ کے جسم کے ٹکڑے سامنے والوں کے جسموں سے چپکے ہوئے شاید پناہ مانگنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اس نے بہت بڑا کارنامہ سرانجام دیا تھا۔ سرخ کرنس۔ سرخ کرنس کا بانی اس وقت اپنے خون کی سرخی کی شناخت بھی نہیں کر سکتا تھا۔

ٹائیگر نے اپنا کام مکمل کر لیا تھا کام تو کرنل صحرائے فرمیں ہونے والی کارروائی کے نتیجے میں یہ نقصان ہونا چاہیے تھا۔ جس میں آٹھ بڑے بڑے جنرل، جنرل چند اور رانا اجے سنگھ جیسی بڑی شخصیتیں فنا ہو گئی تھیں اور اب ایک آخری کوشش کرنی تھی ٹائیگر کو وہ یہ کہ جس طرح بھی بن پڑے یہاں سے نکلنے کی کوشش کرے اور صحرائے فر کے اس علاقے میں پہنچنا یقینی طور پر ایک ناممکن عمل ہی کہا جا سکتا تھا۔ جہاں شاید ابھی فردوسی فوجوں کا قبضہ ہو یا شہر میں عام لوگوں کی حیثیت سے داخل ہوا جا سکے۔۔۔

۷۷

"لوشان بل کھا رہا تھا اور کبھی کبھی وہ غصہ بھری نگاہوں سے شہریں کو بھی دیکھ لیتا تھا۔ لیکن اس سے کچھ کہنے کی ہمت اس لئے نہ پڑتی تھی کہ وہ تو ویسے ہی نیم مردہ ہو گئی تھی۔ اس کے چہرے پر مسلسل بے رونقی چھائی ہوئی تھی اور اس کے ہونٹ اتنے خشک ہو گئے تھے کہ ٹکڑوں میں تقسیم لگتے تھے۔ بھلا ایسے لمحات میں لوشان اپنے ان جذبات کا اظہار کس طرح کرتا جو عورت کے بارے ہمیشہ ہی اس کے دل میں موجزن رہے تھے۔ منتا اگر وہ کہنا چاہتا تو یہ کہتا کہ آدم کو جنت سے نکلوانے کے بعد سے آج تک آدم کی طلب نے پیچھا نہیں چھوڑا ہے اور وہ جہاں بھی ہوتی ہے مصیبتوں کا آغاز وہیں سے ہو جاتا ہے۔ اور اگر یہ لڑکی ساتھ نہ ہوتی تو بھلا اس بیکار قید سے نکل جانا کیا حیثیت رکھتا تھا۔ کم از کم لوشان جیسے شخص کے لئے بدقسمتی یہ تھی کہ اسے ساتھ لئے بغیر وہ یہ جگہ نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ اور جب وہ بڑے دکھ بھرے انداز میں اسے انکل کہہ کر مخاطب کرتی تو لوشان کے اعصاب بالکل ہی جواب دے جاتے۔ حالانکہ بھرتی سپاہیوں کے تعمیر آمیز رویئے سے وہ اتنا بددل تھا کہ جی چاہتا تھا دس بیس کو مار کر یہاں سے نکل جائے۔ لیکن راستہ روکنے والی یہی مخلوق تھی۔ کرنل دانیال نے براہ راست لوشان سے ملاقات کر کے کہا تھا۔

"فلمی صحافی بدقسمتی سے تمہیں فلم کے بجائے فوجی محاذ پر آجانا پڑا اور تمہاری عمر کو دیکھتے ہوئے مجھے تو یہ ہی عجیب لگتا ہے کہ تم کس طرح اپنا یہ کام سرانجام دیتے ہو گے۔ دیکھو نا ایک صحافی کو خصوصی طور پر زندہ دل ہونا چاہیے اور زندہ دلوں کے انٹرویو کرتے ہوئے اس کے اپنے اندر بھی کچھ ایسے ہی جذبات ہوتے ہیں یعنی کم از کم وہ اپنی پسند کے سوالات تو کر سکے۔ تم جب یہ سوالات کرتے ہو گے تو ان سے تمہاری عمر صاف جھلکتی ہو گی۔ ہونا تو یہ چاہیے کہ تم گزرے وقتوں کے اداکاروں کا انٹرویو کیا کرو اور ہم تمہیں اسکا پورا پورا موقع دیں گے۔ یقینی طور پر ایک صحافی سے ہماری کوئی دشمنی نہیں ہو سکتی اور پھر ویسے بھی تم ان تمام

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

واقعات کے گواہ ہو اور تم جس طرح ان واقعات کو اپنے قلم کی گرفت میں لا سکتے ہو کسی دوسرے کے لئے مشکل ہو گا۔ سو یہاں سے جانے کے بعد جو کہانی تم لکھو گے اسے دلچسپ ضرور ہونا چاہیے اور انڈیانن رکھو ہم تمہارے میگزین میں تمہاری لکھی ہوئی یہ کہانی ضرور پڑھیں گے جس میں ہمرت لینڈ کے ان جیالوں کا تذکرہ ہو گا جنہوں نے ناممکن کو ممکن کر دکھایا تھا اور ہاں میں تمہیں دعوت دیتا ہوں آج رات ایک ایسی کانفرنس میں شرکت کرنے کی جہاں اس سلسلے میں اعزازات تقسیم ہوں گے اور بہت بڑے بڑے لوگ آ رہے ہیں یہاں افسوس تمہیں انکی تصویریں لینے کی اجازت نہیں ہو گی لیکن تمہاری آنکھوں میں جو تصویریں بن جائے تم اپنے الفاظ میں اسے تقسیم کر دینا۔ کیا سمجھے آج رات کے لیے میں تمہیں اور تمہاری اس ساتھی پبلسٹی انچارج لڑکی کو اس دعوت میں شرکت کی اجازت دیتا ہوں۔ میجر تم ان لوگوں کو خاص طور سے وہاں پہنچا دینا میں اس وقت نہ ہوں گا کیونکہ مجھے بڑے لوگوں کا استقبال کرنے کے لئے جانا ہے اوشان جانتا تھا کہ اس بات سے انحراف یا اس معاملے میں کوئی ٹلمی کیا رنگ لا سکتی ہے۔ چنانچہ خاموشی ہی کو بہتر سمجھ کر اس نے اپنا خاص رویہ اختیار کیا۔ حالانکہ اس کے لئے سب سے بڑی اور سب سے زیادہ ناقابل قبول بات یہ تھی کہ لوگ اسے بوڑھا کہہ کر پکاریں۔ ایسا کہنے والوں کو اس نے بتا دیا تھا کہ وہ عمر کی کون سی منزل میں ہے اور جنہوں نے یہ بات جان لی تھی وہ دوبارہ کبھی یہ کہنے کی ہمت نہیں کر پاتے تھے کہ لٹل ماسٹر بوڑھا ہے اور سانجو کا ماسٹر لینس جوانی منوانا خوب جانتا تھا تاہم اس کانفرنس میں شرکت میں اس نے خود بھی دلچسپی ظاہر کی۔ کم از کم واقعات سامنے آئیں گے۔ اور یہ فیصلہ کرنے کا موقع ملے گا کہ اسے اپنا آئندہ قدم کیا اٹھانا چاہیے۔ شیریں بدستور اس کے ساتھ لگی ہوئی تھی اس نے غمناک لہجے میں کہا۔

"میں جانتی ہوں انکل کہ آپ میری وجہ سے پھنسے ہوئے ہیں ورنہ وہ لمحات میری نگاہوں سے دور نہیں ہیں جب آپ تمام بندشیں توڑ کر بلاول خان کے پاس جا پہنچے تھے اور ہم سب دیکھتے رہ گئے تھے۔

اوشان کا منہ بن گیا لیکن اس وقت بھی اس نے صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا اور لڑکی سے کچھ نہ کہا۔ یہاں تک کہ شام کے جھٹپٹے ہونے لگے تو میجر نے اسے تیار ہونے کے لئے کہا اور اوشان مسکرا کر بولا۔

"میری تیاریاں اس کے سوا اور کچھ نہیں ہیں کہ کھڑا ہو جاؤں اور تمہارے ساتھ چل پڑوں۔" میجر نے قہقہہ لگا کر کہا۔

افسوس تم ہمارے گھر میں نہیں ہو ورنہ ہم تمہیں کم از کم اس کانفرنس میں شرکت کرنے کے لئے بھرتی کمپنیوں کا تیار کپڑے کا لباس ضرور پیش کرتے لیکن کوئی بات نہیں ہے۔ تم اس حال میں بھی صحافی ہی نظر آتے ہو۔ انسولز کی چلو میرے ساتھ اور دونوں ڈگمگاتے قدموں سے چل پڑے۔ اوشان بھی اپنے انداز میں تھکن کا اظہار کرنا چاہتا تھا تاکہ یہ لوگ کبھی اس بات سے آگاہ نہ ہو سکیں کہ اس میں کچھ اور صلاحیتیں بھی پوشیدہ ہیں۔ شیریں البتہ کافی مضمحل نظر آ رہی تھی اور ظاہر ہے اسے ایسی کسی کانفرنس سے کیا دلچسپی ہو سکتی تھی لیکن اس نے بھی کوئی اعتراض صرف اس لئے نہ کیا تھا کہ خود اوشان اس کانفرنس میں شرکت کے لئے جا رہا تھا۔ اور وہ اس کا ساتھ نہیں چھوڑنا چاہتی تھی۔ سو پھر یہی ہوا وہ لوگ طویل راستہ طے کر کے چھاؤنی کے اس حصے میں پہنچ گئے جو ذرا فاصلے پر واقع تھا لیکن جہاں اس وقت بڑی چہل پہل تھی اور مسلح سپاہی مستعدی سے اطراف پر نگاہ رکھے ہوئے تھے کہ کوئی ناخوشگوار واقعہ رونما نہ ہو جائے جس جگہ انہیں پہنچایا گیا وہ عارضی تعمیر شدہ تھی لیکن وہاں کسی قسم کی کوئی کمی نہیں چھوڑی گئی تھی۔

اوشان اور شیریں کو بیٹھنے کے لئے بھی ایک خاص جگہ دے دی گئی تاہم داخل ہونے سے پہلے سکیورٹی کے عملے نے ان کا پوری طرح جائزہ لے لیا تھا۔ اور تلاشی لے کر ہر وہ چیز نکال لی تھی جو ذرا بھی نوکیلی ہو سکتی تھی۔ یہ سب کچھ ضروری کارروائیوں کے تحت تھا اور نہ ان لوگوں کے بارے میں تو سبھی جانتے تھے کہ ان کے پاس ایسی کوئی شے موجود نہیں ہے وہ چونکہ کرنل دانیال کے مہمان تھے۔ چنانچہ انہیں میٹنگ ہال میں بھی بہتر جگہ فراہم کی گئی تھی۔ اور اب انتظار ہو رہا تھا ان آنے والوں کا جو بڑی حیثیت کے حامل تھے اور سرائے فر پر اپنے قیمتی پر بڑی بڑی تقریریں کرنے والے تھے سانجو کے ماسٹر نے دانت پیستے ہوئے سوچا کہ کاش کچھ ایسے لمحات اسے میسر ہو جائے کہ ان میں سے کوئی بھی اس بارے میں شبہ نہ بگھار سکتا۔

"انکل!" شیریں نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا "کیا ہمیں ان کے چنگل سے کبھی نجات ملے گی۔"

"نجات کا راستہ صرف ایک ہے۔"

"کونسا انکل۔"

"موت!" اوشان نے بے رحمی سے کہا اور شیریں کے چہرے پر اداسی پھیل گئی۔ پھر وہ بولی

"میں موت سے نہیں ڈرتی انکل لیکن۔"

"میں تم نکلنے سے تکلیف ہوتی ہو گی۔"

"یہ بات بھی نہیں ہے۔"

"پھر۔۔۔۔؟"

"کچھ ذمے داریاں ہیں مجھ پر۔ میں نے کچھ لوگوں سے وعدہ کیا ہے کہ۔۔۔ کہ میں ان کے مستقبل کے لئے سخت محنت کروں گی اور انہیں کچھ بنا دوں گی۔"

"کون ہیں وہ؟"

"میرے چھوٹے چھوٹے بہن بھائی"۔ اچانک اوشان کو احساس ہوا کہ وہ لڑکی کے ساتھ برا سلوک کر رہا ہے۔ اسے یہ سب کچھ نہیں کرنا چاہیے لڑکی کا کوئی قصور نہیں تھا وہ ہی ذمے داریاں سرانجام دے رہی تھی اور اس نے اپنے اوشان کے ساتھ بہترین رویہ اختیار کیا تھا۔ ہر جگہ اس سے تعاون کیا تھا۔ اور وہ خود بھی دوسرے لوگوں کے ساتھ اس سازش کا شکار ہو گئی تھی۔ اور اس وقت جب خوف کے یہ لمحات اس پر مسلط تھے تو اوشان اسے مزید فولاد کر رہا تھا۔ وہ ان لمحات کو ٹالنا چاہتا تھا۔ لیکن تقدیر ساتھ نہیں دے رہی تھی اور اوشان کو من مارنا پڑ رہا تھا شیریں خاموش نگاہوں سے بھرتی فوجیوں کو دیکھ رہی تھی جو تفخر سے گردن اکڑائے پھر رہے تھے۔ اور خود کو فاتح اعظم سمجھ رہے تھے، لیکن شدت کا طوفان اس کے دل میں جیرو کو دیکھ کر ابھرا جو اس وقت بھی اپنا ترشول ہاتھ میں سنبھالے بڑے طمطراق سے کانفرنس ہال میں داخل ہو رہا تھا پھر وہ ایک ایک فرد سے ملاقات کرنے لگا اسے اس شین کا ہیرو قرار دیا جا رہا تھا۔ فوجی حکام خصوصی طور پر اس سے ہاتھ ملا رہے تھے اور وہ وہاں موجود لوگوں میں مقبول نظر آ رہا تھا کانفرنس ہال میں جو لوگ موجود تھے اور ایک دوسرے سے محو گفتگو تھے ان کی ورد یوں میں لگے ہوئے بیج ان کے عہدوں کا اظہار کر رہے تھے اور غیر معمولی طور پر سرائے فر کی سرحدی چھاؤنی میں بھرتی فوج کے بہت بڑے بڑے افسر جمع ہو گئے تھے یہ گویا بھرتی فوج کا دل تھے اور جو کارروائی کی گئی تھی اس میں نمایاں حیثیت رکھتے تھے اس منصوبے کو بھرتی حکومت نے خفیہ طور پر بڑی اہمیت دی تھی حالانکہ یہ باقاعدہ سرکاری کارروائی نہیں تھی لیکن ایک صنعت کار کے ایما پر اس کی ذاتی خواہش پر اتنا بڑا کام شاید فوجی تاریخ میں کبھی نہیں ہوا تھا چنانچہ اس کانفرنس کا اجتماع شاید غیر معمولی نوعیت کا حامل قرار دیا جا سکتا تھا۔ اوشان سرد نگاہوں سے اس منظر کو دیکھ رہا تھا اور اس کی دلی کیفیت کیا تھی، اس کا صحیح اظہار اس کے چہرے سے نہیں ہو پاتا تھا اور نہ ہی وہ اس، اپنے ساتھ موجود لڑکی سے جس پر وہ بہر بات میں تنقید کرتا رہتا تھا اس موضوع پر کوئی گفتگو کر سکتا تھا۔ اول تو اس کے اطراف میں بیٹھے ہوئے بھرتی فوجی اس گفتگو میں حائل تھے، دوئم یہ کہ وہ لڑکی خود اس قابل نہیں تھی کہ بات کو سمجھ سکے اور اس کا صحیح مفہوم جان لے، بڑی بے بسی کا عالم تھا اور دل ہی دل میں اوشان سوچ رہا تھا کہ خوش نصیب ہو تم لوگ کہ میرے ساتھ ایک پابندی پیوستہ ہوئی ہے اور اس پابندی نے میرے ہاتھ پاؤں باندھ رکھے ہیں ورنہ یہاں بھی جو کچھ ہو جاتا وہ تمہارے تصور سے باہر ہوتا۔

ادھر جیرو اپنے مکروہ انداز میں ایک ایک سے گفتگو کرتا جا رہا تھا پھر شاید کسی فوجی افسر نے اس سے درخواست کی کہ وہ اس وقت تک جب تک اس کانفرنس کا باقاعدہ آغاز نہ ہو اور باقی لوگ نہ پہنچ جائیں اس آپریشن کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کرے اور ایک بلند و بالا قد کے فوجی نے ہاتھ اٹھا کر لوگوں سے اس بات کا اظہار کیا اور پھر جیرو کو ایک جگہ کھڑا کر دیا گیا، مکروہ صورت آدمی نے دانت نکال کر گردن خم کی اور پھر بولا۔

"سجنو بھائیو اور فوجیو! بڑی بات ہے کہ ہم ایک ایسے آدمی جس نے کبھی محاذ جنگ پر ایک بھی گولی نہیں چلائی یا عام زندگی ہی میں صرف چھوٹے بڑے کام کر کے نام کمایا، ان کے لوگوں کے درمیان موجود ہیں جو بڑے بڑے کارنامے سرانجام دے چکے ہیں، سجنو بھائیو اس وقت سرائے فر میں ہم نے جو کامیابی حاصل کی ہے اس میں منصوبہ بے شک ہمارا تھا لیکن اپنے فوجی بھائیوں کی مدد کے بغیر بھلا یہ کیسے ممکن تھا کہ ہم کامیابی حاصل کر لیتے، اس سلسلے میں ہمیں جو مشکلات اٹھانی پڑی ہیں اس کا بیان بس سے باہر ہے جگہ جگہ ہمیں مایوسی کا منہ دیکھنا پڑ رہا تھا لیکن مہاراج ادھیراج رانا اجے سنگھ جی نے دل میں یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ شاہ کی موت کے بعد فرد وسیوں پر جو فرد جرم عائد کر دی گئی ہے اس کی سزا انہیں ضرور دی جائے گی اور رانا اجے سنگھ جی دیوتا کے اوتار ہیں اور آپ لوگوں کو یہ سن کر شاید یقین نہ آئے کہ رانا جی بڑی پوجا پاٹ کرتے ہیں اور براگیان دھیان رکھتے ہیں سنا جاتا ہے کہ ان کا واسطہ براہ راست کالی دیوی سے ہے اور کالی دیوی انہیں ہدایات دیتی ہے سو مہاکالی نے رانا اجے سنگھ جی سے کہا کہ شاہ کی برسی پر اور کرسس کے دن جو ہو گا اس میں ہمیں پوری پوری کامیابی حاصل ہو گی اور یہ ترشول جو میرے ہاتھ میں موجود ہے آپ لوگوں کو یہ سن کر خوشی ہو گی کہ کالی دیوی کے مندر سے کالی دیوی کے ہاتھ سے میرے ہاتھ تک پہنچایا گیا ہے اور یہ ترشول کامیابی کی ضمانت ہے، جب یہ فضا میں بلند ہوتا ہے تو کالی کی طاقتیں ہمارا ساتھ دیتی ہیں اور کالی کی طاقتوں کا ساتھ بڑا مضبوط ہوتا ہے، فرد وسیوں نے ہمرت لینڈ کو جو جو نقصانات پہنچائے ہیں ان کی فہرست مجھ سے زیادہ آپ کے ذہنوں میں

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

محفوظ ہو گی ہم نے ان تمام باتوں کا انتظام تو نہیں کیا لیکن ان میں سے کچھ کام ضرور پورے ہو گئے ہیں۔ اور میں آپ لوگوں کو مبارک باد دیتا ہوں کہ آپ نے ایک بڑی کامیابی حاصل کر لی ہے مجھے اس سلسلے میں جو کارروائیاں کرنی پڑیں ان کے بارے میں آپ کو کیا بتاؤں قدم قدم پر رکاوٹیں کھڑی ہو رہی تھیں، یہ ہمارے مہمان اداکار بلاول خان ہی کا کام تھا کہ انہوں نے ہماری مشکل آسان کی جو نہی مہاراج ادھیراج کو اس بات کا علم ہوا کہ بلاول خان ایک فلم بنانا چاہتا ہے اور اس کے موضوع کو صرف اس لئے ملتوی کر دیا گیا ہے کہ اس میں فلم کے بارہ مصالحے نہیں ہیں تو ہم نے شری مہاوترا کے نام پر اس موضوع پر فلم بنانے کی دلچسپی ظاہر کی اور یوں ہم نے بلاول خان کو اپنے جال میں پھانسا، پھر جب شری بلاول جی ہمارے پاس پہنچے تو انہیں بدلا ہوا موضوع دکھایا گیا اور بلاول جی پھنس کر رہ گئے ہم نے ایسا ماحول پیدا کر دیا تھا کہ مہاراجے فرمیں بلاول جی کے خلاف مظاہرے شروع ہو گئے اور اسی میں ہم نے گڑبڑ کر کے بلاول جی کے خلاف رائے عامہ خراب کر دی یہ بہت بڑا کارنامہ سرانجام دیا تھا ہم نے، سو بلاول جی ہمارے جال میں پھنس گئے اور اس کے بعد ان کا سرخ کر سمس ہمارے لئے کامیاب ثابت ہوا۔"

"جیرو بلاول خان کہاں ہے؟" کسی نے سوال کیا۔

"اس آپریشن کے بارے میں مجھ سے زیادہ آپ لوگ جانتے ہیں ایک سمت تو زمینی شوٹنگ ہو رہی تھی اور دوسری سمت فضائی کارروائیاں سرانجام دی جا رہی تھیں اور ان تمام میزبانوں کو ناکارہ کر دیا گیا تھا جو ہمارے لئے نقصان دہ ہو سکتے تھے اور اسی کوششوں میں بلاول جی بھی کام آ گئے ہوں گے کون بچا ہے اب اس علاقے میں، مسٹر آباد اثر بیس کا کا بڑ ہمارا شکار ہوا شاہان کوٹ میں ہمیں جتنی محنت کرنا پڑی ہم جانتے ہیں اور جس طرح ہم نے فردوسی فوجیوں کو اس شوٹنگ میں شامل کیا اس کے لئے بھی ہمیں بڑی محنت کرنا پڑی، بہتو آپ نے مجھے حکم دیا کہ میں آپ کے سامنے گزشتہ کی رپورٹ پیش کروں سو اتنا ہی بتا سکتا ہوں اس بارے میں اور پھر آپ کو بتانا کیا محنت آپ کی ہے، منصوبہ ہمارا اور یوں مل جل کر کام ہو گیا ابھی سنا ہے رانا اجے سنگھ بھی جنرل راول چند کے ساتھ بھریا سرن پہنچنے والے ہیں اور اس کے بعد جب وہ یہاں آ جائیں گے تو بڑے بڑے اعزازات تقسیم کئے جائیں گے اور پھر مہاراجے فر کے بارے میں جو کچھ بھی ہو گا وہ بھرتی حکومت کی کارروائی ہو گی، کیا میں بیٹھ سکتا ہوں؟"

فوجیوں نے تالیاں بجائیں اور اس کے بعد جیرو اپنی جگہ بیٹھ گیا، گھڑیاں دیکھی جا رہی تھیں انتظار کیا جا رہا تھا اور پھر جب وقت زیادہ ہونے لگا تو ہلکی ہی بے چینی کی لہر اسی ایک فوجی افسر باہر نکل گیا اور صورت حال کا جائزہ لینے لگا دور دور تک اس کی نگاہیں کام کر رہی تھیں لیکن ابھی تک کوئی گاڑی اس طرف آتی نظر نہیں آ رہی تھی پھر انہوں نے بھریا سرن ہیلی بیس پر توپوں کی سلامی کی آوازیں سنیں اور اندر خوشی کا اظہار کیا گیا یہ سمجھ لیا گیا کہ راول چند اور اجے سنگھ آ چکے ہیں اور اس کے بعد بہت سے لوگ باہر کھڑے ہو کر انتظار کرنے لگے لیکن خاموشی، مسلسل خاموشی کوئی اس طرف نہیں آ رہا تھا۔ بے چینی کا اظہار حد سے آگے بڑھ گیا کانفرنس ہال میں ایک بار پھر اجتماع ہو گیا اور لوگ ایک دوسرے سے سوالات کرنے لگے۔

"اب تک ان لوگوں کو آ جانا چاہیے تھا وقت سے بہت زیادہ دیر ہو گئی ہے، کیا بھریا سرن ہیلی فون جا کر معلوم کیا جائے؟"

"یہ ہدایات کے خلاف ہو گا۔"

"تو پھر فیصلہ کیسے ہو گا، آخر اتنی دیر کیوں ہو گئی، شہزور ہم رابطہ قائم کرتے ہیں۔ ایک شخص نے کہا اور رابطہ قائم کرنے چلا گیا۔ کانفرنس ہال میں پھر میگوئیاں گونجتی رہیں اور لوشان بیزار نظروں سے ماحول کا جائزہ لیتا رہا پھر جو شخص واپس آیا اس کا چہرہ بری طرح تشویش کا شکار نظر آ رہا تھا اس نے کچھ کہا اور دوسروں سے کچھ کہا جانے لگا بات لوشان کے کانوں تک بھی پہنچ گئی۔ سنا یہ جا رہا تھا کہ بھریا سرن کے ہیلی بیس پر کوئی گڑبڑ ہو گئی ہے، گڑبڑ کیا ہے ابھی اس کا کوئی اندازہ نہیں ہو پا رہا کانفرنس ہال میں لوگ ایک دوسرے سے پھر میگوئیاں کرتے رہے اور وقت بہت زیادہ گزر گیا تب ایک فوجی افسر نے کھڑے ہو کر کہا۔

"سنا جا رہا ہے کہ بھریا سرن کے ہیلی پورٹ پر کوئی ایسا حادثہ رونما ہو گیا ہے جس کی تفصیل ہمیں نہیں مل سکی لہٰذا اس کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہیں ہے۔ کہ میں وہاں جا کر معلومات حاصل کروں اور اس کے بعد یہاں آ کر آپ لوگوں کو اطلاع دوں اس دوران کانفرنس کا نظم و ضبط برقرار رکھا جائے اور انتظار کیا جائے ان دو بڑے آدمیوں کا جو اس میں شرکت کرنے کے لئے طویل فاصلہ طے کر کے یہاں پہنچے ہیں۔" لیکن ابھی اس افسر کا جملہ پورا نہیں ہوا تھا کہ دفعتہً ہی کانفرنس ہال میں ایک درمیانہ قامت آدمی داخل ہوا اس کے شانوں سے نیچے گھٹنوں تک ایک بھدا میلا اور موٹا لباس پڑا ہوا تھا سر کے لمبے بال پونی کی شکل میں بندھے ہوئے تھے اور اس کے چہرے پر جاہ و جلال نظر آ رہا تھا، آنکھوں کی سرخیاں اور ان سرخیوں کی چمک لوگوں کے دلوں کو مسحور کر دینے والی تھی بے شمار ہونٹوں سے آوازیں نکل گئیں۔

"بلاول خان، بلاول خان، بلاول خان۔" لوشان اور شریں کا

جیسے ایک دم لٹ گیا، بلاول خان اس طرح اچانک اور غیر متوقع طور پر داخل ہوا تھا کہ لوگ ششدر رہ گئے تھے۔ فوجی افسروں میں ایسے بھی تھے جو بلاول خان کے پرستار تھے ان کے چہروں پر ایک لمحے کے لئے خوشی کی لہریں نظر آئیں، لیکن دوسرے لمحے تاریکی چھا گئی کیونکہ جو کچھ ہوا تھا بلاول کے خلاف سازش کے طور پر ہوا، بلاول اپنی پروقار چال سے آگے بڑھتا ہوا ان کے درمیان آ گیا اور پھر اس کی گونج دار آواز جو فضاؤں میں لوگوں پر سحر طاری کر دیتی تھی گونجی۔

"میں اس بے جا مداخلت کے لئے کوئی صفائی طلب نہیں کروں گا ابھی جو گفتگو ہو رہی تھی اور اس بھرتی صفرے نے جو کچھ کہا وہ میں نے بھی سنا، یہ سچ ہے کہ فردوس کے لئے موت خریدنے والا میں ہی ہوں بے شک میں اپنی غلطی کا اعتراف آپ سب لوگوں کے سامنے کرتا ہوں مجھے یہ نہیں سوچنا چاہیے تھا کہ بھرت لینڈ میں ایسے لوگ بھی رہتے ہوں گے جو مکار اور چالاک نہ ہوں گے بھرت لینڈ کی تاریخ اسی پر منحصر ہے تاہم جو غلطی مجھ سے ہو گئی اس کے لئے میں موت کے بعد بھی اپنے آپ کو معاف نہیں کر سکوں گا جو کچھ ہوا ہے میری ہی وجہ سے ہوا ہے اور اس کا الزام اسی شکل میں ہو سکتا ہے کہ میں ہی اس اپنے کئے دھرے کو کم از کم اس حد تک ملیامیٹ کر دوں کہ فردوسیوں کو مجھ سے کوئی شکایت نہ رہے، میرے ہم وطنوں نے مجھ سے ہمیشہ محبت کی ہے اور مجھ سے بہتری کی توقع رکھتے رہے ہیں وہاں کی مخالفت میں، میں نے کوئی بہت بڑا کردار نہیں ادا کیا لیکن جس حد تک مجھ سے ممکن ہو سکتا تھا میں نے اسے اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے اور ہماری مخالفت میں یہ بات بھی خصوصی طور پر شامل ہے کہ جب بھی کبھی وطن کے خلاف کوئی بڑا قدم اٹھایا جائے تو اس کے لئے اپنے آپ کو فنا کر دیں۔ اور اپنے وطن کی سربلندی کو قائم رکھیں تو بھرت لینڈ کے عارضی طور پر کامیاب لوگوں میں عارضی کا لفظ خصوصاً استعمال کیا ہے کیونکہ اس کامیابی کے جشن کو مناتے ہوئے تم جشن منانے والوں کے درمیان نہیں ہو گے میں نہیں یہ بتا رہا ہوں کہ اپنا فرض پورا کرنے کے لئے میں نے ایک بھونڈی سی کارروائی کی ہے میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اس وقت یہاں جتنے لوگ موجود ہیں انہیں اپنی زندگی کا آخری تماشہ دکھا دوں مجھے افسوس ہے کہ رانا اجے سنگھ اور تمہارا وہ جنرل راول چند یہاں نہیں آ سکے لیکن میں محسوس کرتا ہوں کہ مزید انتظار کرنے میں مجھے کچھ نقصانات سے دوچار ہونا پڑے گا اس لئے جو کچھ ہے اسی کو غنیمت جان رہا ہوں میری زندگی کا آخری آئٹم یہ ہے۔" بلاول خان نے اپنے عجیب و غریب موٹے اور بھدے لبادے کے سامنے کا حصہ کھول کر ان لوگوں کے سامنے پیش کر دیا اور دیکھنے والوں کے سانس بند ہو گئے اس کے سینے، پیٹ کمر اور جسم کے دوسرے حصوں سے موٹے موٹے بم بندھے ہوئے تھے اور ان کے درمیان ایک خصوصی بٹن لگا ہوا تھا جس کا رابطہ ان بموں سے تھا ان کی جھلیاں نکل گئیں لیکن پنز اس مخنوں کا کوئی معرف نہ رہا کیونکہ بلاول خان کا سیدھا ہاتھ اس بٹن پر پہنچ گیا تھا۔ چمک ایسی جیسے سورج آسمان سے گر کر پھٹ گیا ہو۔ گرج ایسی کہ سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں ختم ہو جائیں۔ لوشان اسی ڈیلیپ کیفیت سے دوچار ہوا تھا لیکن اس سے زیادہ ڈیلیپ مرحلہ وہ تھا جب اس نے فضا میں ایک عجیب و غریب سفر کیا اور اس سفر کا ذریعہ لوشان کے ذہن میں کسی طور نہ آتا تھا۔ ہوا یوں تھا کہ جس کرسی پر وہ بیٹھا ہوا تھا وہ اچانک ہی فضا میں بلند ہو گئی۔ اتنی بلند کہ نیچے کا منظر اسے عجیب و غریب نظر آنے لگا۔ پھر ہوا کے جھونکے اس کرسی کو ایک کٹی ہوئی پتنگ کی مانند دور تک لیتے چلے گئے اور جب کرسی سے لوشان کا رابطہ ختم ہوا تو زمین اس کے قریب آنے لگی لیکن نجانے کیوں کشش ثقل میں کوئی کمی واقع ہو گئی تھی کیونکہ گرنے کی رفتار وہ نہیں تھی جو ہونی چاہیے تھی۔ یہ بھی شاید کوئی سائنسی مسئلہ تھا جس کی تحقیق سائنسدان ہی کر سکتے تھے کہ ایک ایسے دھماکے سے کشش ثقل کس طرح کم ہو جاتی ہے لوشان نیچے گرا تو اسے اندازہ ہی نہ ہو سکا کہ بلندی تھی جہاں سے اس نے یہ مناظر دیکھے اور نیچے گرنے کے بعد اسے خاطر خواہ چوٹ کہیں نہ لگی وہ اپنی جگہ گر کر اٹھا لیکن سنبھالا نہ گیں اس وقت ساتھ دے سکتی تھیں۔ یہ بتا ہی نہ تھا کہ ٹانگیں جسم سے منسلک رہی ہیں یا نہیں۔ تاہم اس نے ہاتھوں کا سہارا لے کر ایک بار پھر اٹھنے کی کوشش کی اور دوبارہ گر پڑا۔ لیکن یہ کیفیت صرف اس کی اپنی ہی نہیں تھی۔ بھارت کام کر رہی تھی اس نے ایک ایسے شخص کو اپنی جگہ سے اٹھ کر بھاگتے ہوئے دیکھا جس کے شانوں پر سر موجود نہیں تھا بلکہ وہاں ایک گہرا گڑھا تھا۔ وہ چند قدم آگے بڑھا اور پھر جس چیز سے الجھ کر وہ نیچے گرا وہ کٹی انسانی سر تھے جو آپس میں سرگوشیاں کر رہے تھے کہ ان کے بقیہ بدن کہاں گئے۔ ہو سکتا ہے انہی سروں میں اس بے سر کے شخص کا سر بھی ہو جو اسکا ساتھ چھوڑ گیا ہو لیکن بات صرف ان تین انسانی سروں کی یا اس بے سر کے جسم کی نہیں تھی جوان سروں میں الجھ کر گرا تھا پھر دوبارہ نہ اٹھ سکا۔ الجھ خون کی دھاریں اس کی گردن کی مقام سے بہہ رہی تھیں۔ ایسے بہت سے مناظر ارد گرد بکھرے ہوئے تھے ٹانگوں بانہوں شانوں کے انبار اس طرح کبھی نہ دیکھے گئے تھے یوں لگتا تھا جیسے کسی نے انہیں ایک دوسرے پر چن دیا ہو۔ خون

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

تھا کہ ہالیوں کی شکل میں بہہ رہا تھا۔ اوشان نے ایک بار پھر اٹھنے کی کوشش کی لیکن اس میں کامیاب نہ ہو سکا۔ اور اسے جھنجلاہٹ ہونے لگی۔ جب نہیں اٹھا جاتا تو بار بار یہ کوشش بے معنی ہے چنانچہ وہ ہانپتا ہوا زمین پر ہی لیٹ گیا۔ سر جس چیز سے ٹکرایا تھا وہ بھی ایک انسانی بدن ہی تھا اور خون کی چھینٹیں اس بدن سے اڑ کر اوشان کا چہرہ بھگو رہی تھیں۔ اس نے کروٹ بدلی اور آنکھیں بند کر لیں۔ بند آنکھوں کے بعد ذہن کی ترتیب کی جانے لگی اور وہ سوچنے لگا کہ یہ سب کیا ہوا۔ تب اسے واقعات آہستہ آہستہ یاد آنے۔ بلاول خان کے پورے جسم سے بم بندھے ہوئے تھے اور پہلا دھماکہ سینے کے پاس ہوا تھا۔ خود بلاول خان اس دھماکے کے بعد کہاں گیا تھا اس کا تو کوئی اندازہ نہیں ہو سکا تھا۔ لیکن بقیہ دھماکے بھی باقاعدگی سے ہوئے تھے اور اس کے بعد دیکھنے اور سننے کے لئے کچھ نہ رہا ہو۔ تب اسے شیریں کا خیال آیا اور اس نے ایک بار پھر چونک کر آنکھیں کھول دیں۔ لیکن بیکار تھا۔ یقینی طور پر شیریں کے بدن کے خون کے چھینٹیں یا گوشت کے ٹکڑے بھی اسی طرح دوسری جگہوں پر پہنچ گئے ہوں گے کہ انہیں یکجا کرنا بھی ممکن نہ ہو۔ بیکار ہے سب کچھ بیکار ہے بس اپنے اعصاب کی ترتیب کرنی چاہیے کھڑے ہونے کی کوششوں کے لئے کیا طریقہ کار استعمال کیا جائے وہ ایسے گر تلاش کرنے لگا جس سے وہ اپنے بدن کی نافرمانی پر قابو پا سکے۔

۲۲

"فردوسی پارلیمنٹ کا ہنگامی اجلاس طلب کر لیا گیا تھا۔ تمام چہرے سنجیدگی کا اظہار کر رہے تھے۔ اس اجلاس میں خصوصی طور پر تینوں فورسز کے کمانڈروں کو طلب کیا گیا تھا۔ اور صحرائے فر کی تفصیلی رپورٹ مختلف لوگوں کی زبانی پیش کی گئی تھی سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس وقت صحرائے فر پر بھرتی فوجیوں کے قبضے کے بارے میں یہ بحث کی جائے کہ آخر یہ کس طرح ممکن ہوا اور ہم تک اس کی اطلاع کیوں نہ پہنچی یا یہ فیصلہ کیا جائے کہ اس قبضے کے خلاف کیا فوری جوابی کارروائی کی جا سکتی ہے۔"

"اگر ہم اس بحث میں الجھے رہے تو بھرتی فوجی صحرائے فر پر اس قبضے کو مستحکم کر لیں گے جس کے بارے میں ذرائع بتاتے ہیں کہ اس کو تین دن ہو چکے ہیں۔"

اور یہ تین دن ہماری لاعلمی کے دن کہیں رہے۔ آخر ہمیں شالان کوٹ، صنم آباد یا کسی دوسرے علاقے سے یہ اطلاع کیوں نہ موصول ہو سکی۔ کیا ہمارے مواصلاتی ذرائع اس قدر ناکارہ ہیں۔ اس بات کا جواب کسی نے نہ دیا اور پھر کہا گیا۔۔۔

"چنانچہ اس پر بحث کرنے کے لئے پارلیمنٹ کا اجلاس دوبارہ طلب کیا جائیگا۔ فی الحال یہ فیصلہ کرنا ہے کہ اس قبضے کے استحکام سے پہلے کوئی فوجی کارروائی کی جائے یا نہیں۔"

"فوجی کارروائی کرنے کے لئے ایک لمحہ بھی ضائع کرنا تقریباً جہالت کے مترادف ہے ہمیں فوری طور پر اس فیصلے پر حکم صادر کر دینا چاہیے کہ صحرائے فر میں جوابی کارروائی کا فوراً ہی آغاز کر دیا جائے۔" صدر مملکت نے کہا۔

"اس وقت تمام افواج کے کمانڈر موجود ہیں۔ میں آپ لوگوں کی اجازت سے اس دستاویز کی تکمیل کر دینا چاہتا ہوں۔ جس میں حکم دیا جاتا ہے کہ صحرائے فر پر جوابی کارروائی کر کے فوری طور پر وہاں سے بھرتیوں کا قبضہ ختم کرایا جائے اور اگر بھرتی اس سلسلے میں مزید آگے بڑھنے پر آمادہ ہوں تو ایک باقاعدہ غیر اعلان شدہ جنگ کا آغاز کر دیا جائے۔ کیونکہ دوسری جانب سے بھی یہی کیا گیا ہے۔ ہنگامی حالت فوراً نافذ کر دی جائے۔ تمام فورسز ایمرجنسی پر عمل کریں اور ہر طرح کی تیاریاں کر لی جائیں۔ یہ دستاویز تمام لوگوں میں تقسیم ہو گئی اور اس پر آخری فیصلہ صادر کر دیا گیا اور اس کے بعد تینوں کمانڈر اجازت لے کر وہاں سے چل پڑے۔ سب سے پہلے ائر مارشل نے ہوائی افواج کو احکامات صادر کئے اور انتہائی برق رفتاری سے بے شمار فردوسی طیارے فضا میں بلند ہو کر صحرائے فر کی جانب روانہ ہو گئے۔ بری افواج پوری قوت سے ٹینکوں، اور بکتر بند گاڑیوں اور ٹرکوں میں بیٹھ کر صحرائے فر کی جانب چل پڑیں۔ مختلف چھاؤنیوں کو ہدایت جاری کی جانے لگیں اور برق رفتاری سے تمام احکامات پر عمل ہوا۔ لیکن صدر مملکت کی ہدایت کے مطابق ابھی فردوسی ریڈیو کو اس بات کا اعلان کرنے کی اجازت نہیں دی گئی تھی کہ بھرتیوں نے کوئی حملہ کیا ہے اور جوابی کارروائی کی جا رہی ہے۔ پہلے صحرائے فر کے بارے میں تفصیلی رپورٹ موصول ہونے کا انتظار کیا جانا تھا تاکہ عوام کو پوری تفصیلات فراہم کی جائیں۔ اور اس طرح حالت جنگ کا اعلان کر دیا جائے فردوسی ہوا باز اپنے طیارے لے کر ہوا میں اڑتے ہوئے صحرائے فر کے آسمان پر پہنچ گئے اور انہوں نے نیچے کا جائزہ لینا شروع کر دیا۔ انہوں نے دیکھا کہ لاتعداد ٹینک ناکارہ پڑے ہوئے ہیں ان کے درمیان انسانی جسم بھی موجود ہیں۔ لیکن کہیں انہیں کوئی فوجی کارروائی ہوتی نظر نہ آئی۔ شالان کوٹ اور صنم آباد وغیرہ پر بھی بمباریاں کی گئی تھیں اور اس کے بعد زمینی رابطے قائم نہیں ہو سکے تھے۔ یقینی طور پر ائر بیس تباہ پڑے ہوئے تھے۔ جو مناظر نظر آئے تھے ان سے یہ اندازہ تو ہو جاتا تھا کہ اطلاعات درست ہیں اور یہاں کوئی بڑی فوجی کارروائی ہو چکی ہے لیکن اس کے بعد کی صورت حال کیا ہے اس کا کوئی اندازہ

نہیں ہو پا رہا تھا۔ قریب کی چھاؤنیوں سے فوجی ٹرک اور ٹینک سب سے پہلے وہاں پہنچے اور ہوا بازوں سے ان کا رابطہ قائم ہوا، ہوا بازوں کو اطلاع ملی کہ یہاں ایک عظیم کارروائی ضرور ہوئی ہے لیکن اب کوئی بھی زندہ بھرتی فوجی یہاں موجود نہیں ہے۔ صحرائے فر پر تین روزہ قبضہ ختم ہو چکا تھا اور بھرتی جس چالاکی اور خاموشی سے یہاں داخل ہو کر یہ کارروائی کر رہے تھے اسی چالاکی اور خاموشی سے واپس چلے گئے تھے لیکن اطراف کے ہولناک مناظر نگاہوں میں بکھرے ہوئے تھے تب صنم آباد ائر بیس سے بمشکل تمام رابطہ قائم ہو سکا جس کے نتیجے میں کچھ اور تفصیلات موصول ہوئیں۔ اور بالآخر فردوسی طیارے صنم آباد ائر پورٹ پر اتر گئے چونکہ رن وے وغیرہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا گیا تھا، مقامی فوجیں بھی پورے علاقے پر اپنا قبضہ مستحکم کرنے لگیں اور اطراف میں چاروں طرف فوجی پھیل گئے۔ دور دور سے آنے والے فوجی جو برق رفتاری سے یہاں تک پہنچے تھے چاروں طرف دوڑ دوڑ کر مورچوں پر قبضے کرنے لگے بے تحاشہ بہت سے فردوسی فوجی مردہ حالت میں ملے تھے لیکن کوئی بھی بھرتی فوجی یہاں نظر نہیں آیا تھا اور یہ سازوسامان جو یہاں موجود تھا اس پر بھی بھرتی فوج کے نشانات نہیں تھے کوئی پراسرار کارروائی جسے تکمیل تک پہنچانے کے بعد بھرتی فوجی فرار ہو گئے تھے۔ چنانچہ کمانڈروں کو اطلاع دی گئی اور دوسری طرف سے احکامات کا انتظار کیا جانے لگا۔ لیکن اس دوران فردوسی فوجی چاروں طرف اپنے مورچے مستحکم کرتے پھر رہے تھے بہت دور بھرپور جوابی میں کچھ تھوڑی بہت فوجی کارروائی نظر آ رہی تھی لیکن وہ معمول کے مطابق تھی۔ اور کہیں سے بھی یہ احساس نہیں ہوتا تھا کہ وہ فوجیں کچھ کرنے کا ارادہ رکھتی ہیں۔ اس صورت حال کی تمام تفصیلات اعلیٰ حکام کو فراہم کر دی گئی تھیں اور وہاں سے ہدایت ملی تھیں کہ ہر طرح سے چوکس رہا جائے۔ بھرتی چالاک ہیں اور اس کے بعد وہ کوئی اور کارروائی بھی کر سکتے ہیں لیکن ایسی کسی کارروائی کا وجود دوبارہ نہیں مل سکا۔ البتہ ہوا بازوں نے کچھ ایسے مورچوں کا معائنہ کر کے تفصیلات فراہم کی تھیں جہاں عجیب و غریب چیزیں دیکھی گئی تھیں۔ اور یہ تمام رپورٹیں جمع ہوئیں تو فردوسی پارلیمنٹ کا دوسرا اجلاس طلب کر لیا گیا۔ اس دوسرے اجلاس میں تمام تفصیلات دی گئیں۔ ان ٹینکوں کی تصاویر بھی فراہم کی گئی تھیں جو یہاں پڑے ہوئے تھے۔ یہ وہی ٹینک تھے جو بھرتی فوجی لمبی ان فوجی کارروائیوں میں استعمال کرتے تھے۔ لیکن انہیں ہر قسم کے نشانات سے پاک کر دیا گیا تھا چنانچہ پارلیمنٹ میں یہ تفصیلات پہنچنے کے بعد طویل ترین بحث چھڑ گئی اور اس کے بعد

اے حمید
کے ایڈونچرس قلم سے
گنگا کے
پجاری ناگ
دو جلدوں میں
جلد اول =/150
جلد دوئم =/200
مکتبہ القریش سرکلر روڈ اردو بازار لاہور
فون 7668958

اسکا نتیجہ یہ نکلا کہ فوری طور پر بھرتی حکومت سے رابطہ قائم کر کے اس کارروائی کے بارے میں تفصیلات معلوم کی جائیں اور جواب طلبی کی جائے۔ پارلیمنٹ کا چھبرا اجلاس اس دوران کئی دن تک ملتوی رہا تھا۔ تمام شواہد جمع کر لئے گئے تھے اور اس میں مقامی طور پر بھی بہت ہی تفصیلات موجود تھیں۔ پارلیمنٹ میں اطلاعات کا انکشاف پہلے بھرتی حکومت کی طرف سے فراہم کردہ جواب سے ہوا تھا۔ بھرتی حکومت کی طرف سے جواب ملا تھا کہ صحرائے فر میں سرکاری طور پر نہ تو کسی کارروائی کا حکم دیا گیا تھا اور نہ ہی کوئی کارروائی کی گئی۔ ہاں ایک فلم کمپنی نے وہاں شوٹنگ کے لئے این او سی مانگا تھا جو اسے دے دیا گیا کیونکہ وہاں سے جو اطلاعات ملی تھیں وہ یہ تھیں کہ فلم کمپنی کے ہر کاروں نے فردوسی پارلیمنٹ اور سینٹ سے باقاعدہ اس فلم کی شوٹنگ کی اجازت حاصل کر لی تھی۔ اور محکمہ دفاع نے اسے یہ اجازت دی تھی۔ اس این او سی کے بعد جو خواہشات اس فلم کمپنی کی طرف سے ظاہر کی گئی تھیں وہ یہ تھیں کہ کچھ فوجی سازوسامان درکار ہو گا۔ جو شوٹنگ میں کام آئیگا لیکن یہ سارے کا سارا انتظامی ہو گا اور اس سے انسانی زندگی کو کوئی خطرہ نہیں لاحق ہو سکتا کیونکہ یہ صرف ایک فلمی کارروائی ہے چنانچہ تمام تر معائنے کے بعد یہ سازوسامان اس فلم کمپنی کے حوالے کر دیا گیا اور وہ صحرائے فر میں داخل ہو کر شوٹنگ کرنے لگی۔ اس شوٹنگ میں کیا ہوا سرکاری طور پر اس کی کوئی تفصیلی رپورٹ موجود نہیں ہے لیکن کچھ ایسے واقعات ہیں جن کی تفصیلات بعد میں فراہم کر دی جائیں گی۔ تاہم بھرتی فوجی اپنے مورچوں کا معائنہ کرانے کے لئے تیار ہیں اور اس کارروائی کو

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کوئی غلطی قرار دے رہے ہیں۔ انہوں نے ہر طرح کی معذرت طلب کی ہے اور کہا تھا کہ بھرتی حکومت کی طرف سے کوئی کارروائی صحرائے فرحیں نہیں کی گئی اور اس سلسلے میں کسی غلط فہمی کا شکار ہو کر کوئی غلط قدم نہ اٹھایا جائے بلکہ گفتگو کر کے حالات کو ہموار کرنے کی کوشش کی جائے۔ بھرتی حکومت کی طرف سے جو لہجہ اختیار کیا گیا تھا وہ نہ تو معذرت آمیز تھا اور نہ ہی اس میں کوئی ایسا جارحانہ انداز پایا جاتا تھا جس سے فردوسیوں کو اس سلسلے میں کوئی باقاعدہ عمل کرنے کا موقع مل سکے۔ چنانچہ اس موضوع پر بحث ہوتی رہی اور اس کے بعد کچھ خفیہ ریڈیو نیوز فراہم کی گئیں جن کی ترتیب یوں تھی نمبر ایک سیکرٹ ایجنٹوں نے ہمرت لینڈ سے اطلاع دی تھی کہ فوجوں میں شدید انتشار پایا جاتا ہے۔ جنرل راول چند غائب ہے اور اس کے علاوہ سولہ ایسے جنرل غائب ہیں جو بھرتی فوج میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں بھرتی فوج میں ہنگامی طور پر کچھ ردو بدل ہو رہی ہے اور اس سلسلے میں وہاں کے فوجی حکام برافروختہ ہیں۔ صحیح صورتحال سامنے نہیں آسکی کہ اس بدامنگی کی بنیاد کیا ہے لیکن بھرتی فوج میں حکومت کی طرف سے بددلی پائی جاتی ہے۔ غالباً کوئی ایسی کوشش جو بدترین ناکامی سے دوچار ہوئی ہے۔ نمبر دو، سب سے پہلے یہ انکشاف کیا جاتا ہے کہ بلاول خان جو اس فلم کا معاہدہ کرنے کا ذمہ دار تھا ہلاک ہو چکا ہے اور بلاول خان کی ہلاکت کی تفصیلات یوں ہیں۔ بلاول خان اس شوٹنگ کے لئے صنم آباد پہنچا اور وہاں جو کچھ بھی صلاحیات ملے ہوئے ان کے بارے میں تفصیلات علم میں نہیں ہیں لیکن اندازہ یہ ہوا کہ بلاول خان کے خلاف ایک سازش کی گئی تھی یا اس سازش کے لئے بلاول خان کو ذریعہ بنایا گیا تھا۔ لیکن اس کے نتیجے میں بلاول خان نے اپنی طرف سے جوابی کارروائی کی اور غالباً یہ ہیں کہ بلاول خان اس کانفرنس ہال میں داخل ہوا جہاں بے شمار فوجی جنرل موجود تھے اور جہاں اس فلم کمپنی کے سرکردہ افراد بھی تھے۔ بلاول خان جب وہاں پہنچا تو اس کے جسم پر اتنا بارود بندھے ہوئے تھے اور اس نے اس بات کا اعتراف کیا کہ فردوسی فوجیوں کو اور فردوسی حکومت کے مقاصد کو اس کی وجہ سے شدید نقصان پہنچا ہے چنانچہ وہ اپنی زندگی قربان کر کے اس نقصانات کا ازالہ کرنا چاہتا ہے۔ اور جب بلاول خان نے اپنے جسم پر بندھے ہوئے بم پلاسٹ کئے تو وہاں ایسی تباہی پھیلی جو ناقابل یقین ہے۔ اڑ فورس کے جوانوں نے جو تصاویر فراہم کی تھیں اور جن کے بارے میں کوئی صحیح اندازہ لگانا مشکل تھا اب بیان کی روشنی میں سمجھ میں آرہی تھیں اور یہ بلاول خان کے سلسلے میں ایک ثبوت تھا جسے بڑی اہمیت کی نگاہ سے دیکھا گیا۔ گویا یہ تمام کارروائی بڑی شاندار ہوئی تھی۔ اور یقینی طور پر جو کچھ کیا گیا تھا لگتا ایسا بھرپور جواب ملا تھا کہ خود بھرت لینڈ کی فوجوں میں بددلی پھیل گئی تھی نمبر دو، یہ کہ اطلاع ملی کہ راول چند اور بھرتی معیشت کا روح رواں رانا اے سنگھ جب ہیلی کاپٹر کے ذریعے بھرپاسرن کے ہیلی پورٹ پر اترا تو ایک گنر نے انہیں توپ سے اڑا دیا اور وہاں بھی بے شمار افراد ہلاک ہوئے جن میں رانا اے سنگھ اور جنرل راول چند بھی شامل تھے۔ جنرل راول چند کی موت پر اظہار خوشی بھی کیا گیا اور رانا اے سنگھ پر لعنت اور نفرت کا اظہار کیا گیا اور وہ ہام منکر عالم پر لانے کی کوشش کی گئی جس نے یہ کارروائی سرانجام دی تھی لیکن پارلیمنٹ کو صرف اتنا ہی بتایا گیا تھا۔ اور جب اس نے یہ کارروائی دیکھی جو اس کے علم میں نہ تھی تو اپنے طور پر جو کچھ اس نے کیا وہ یہ تھا کہ ایک گنر بن کر اس نے اصلی گولی استعمال کرتے ہوئے سلامی دینے والی توپ کا رخ تبدیل کیا اور جنرل چند اور رانا اے سنگھ کو توپ سے اڑا دیا۔ اور اس کے بعد وہ کامیابی سے اپنے وطن واپس پہنچ گیا۔ یہ بہت بڑا کارنامہ تھا لیکن ایجنٹوں کے نام ظاہر نہیں کئے جانے اور ایسی کارروائی کرنے والوں کو خفیہ رکھا جاتا ہے تاکہ ان کے راستے میں رکاوٹیں نہ پیدا ہوں۔ بے شک صحرائے فرحین روزہ قبضہ رہا تھا بھرتی فوجیوں کا لیکن اس کے بعد یہ قبضہ وہ خود ہی ختم کر کے بھاگ گئے تھے اور اس کی بنیادی وجہ وہ کارروائیاں تھیں جو ان کے خلاف صرف چند افراد نے کیں۔ چنانچہ صحرائے فرحین کے خاص علاقوں میں جن لوگوں کی ہلاکت ہوئی تھی ان میں سے ان کی نادانیوں کا بھی دخل تھا۔ اور اس کے علاوہ ان کے سازش کا شکار ہونے کی تفصیلات بھی موجود تھیں اور اس سلسلے میں چند افراد کو خصوصی طور پر ذمہ دار قرار دیا گیا تھا۔ جن سے جواب طلبی کا مطالبہ کیا گیا۔ پھر جب سب کچھ ختم ہو گیا جب تمام لاشیں دفن کر دی گئیں اور جب صحرائے فرحین کے ان تین دنوں تک قبضہ کرنے والے غیر منگنیوں کو باہر کر دیا گیا تب بھی رائے عامہ اس نکتے پر متفق تھی کہ اس سارے خونچکاں ڈرامے میں عظیم بلاول خان کا کوئی قصور نہیں تھا۔ فردوس کی سینٹ نے بلاول خان کو معصوم اور بے گناہ قرار دینے کے لئے متفقہ طور پر قرارداد منظور کی صدر مملکت نے بلاول خان کو بعد از مرگ تمغہ عطا کرنے کا اعلان کیا اور فر کے قومی قبرستان میں تدفین کی خصوصی اجازت دی۔ حالانکہ بلاول خان نہ تو فوجی تھا اور نہ ہی سرکاری افسر، کئی گروپوں نے فرحین میں تدفین پر اعتراض کیا لیکن صدر کا فیصلہ اٹل تھا۔ صدر جانتے تھے کہ یہ تنازعہ جلد ختم ہو جائے گا لیکن بلاول خان کا جسد خاکی اس سرزمین کے لئے موجود نہیں

تھا۔ اور یہ قبر صرف ایک یادگاری قبر کے طور پر بنائی جانی تھی۔ چنانچہ یہ تنازعہ صدر کی نشاندہی کے مطابق جلد ہی ختم ہو گیا اور بلاول خان کی ایک یادگار صحرائے فر کے اس خصوصی حصے میں تعمیر کی جانے لگی جہاں اس نے اپنی زندگی کی بازی لگا کر اپنے راہنماؤں کو دھوکے کی کوشش کی تھی یقیناً بلاول خان عظیم تھا۔ ایک عظیم فنکار ہونے کا اس نے پورا پورا ثبوت دیا تھا۔ اور اس بات کا چشم دید گواہ اوشان تھا۔ جوان دنوں ذہنی انتشار کا شکار تھا اور چارہ گر کے چیف بہرام نے کبھی اسے اس کیفیت میں نہیں دیکھا تھا۔ اوشان کی کیفیت مرجھائی مرجھائی رہتی تھی جب کہ ٹائیگر اپنے معمول کے مطابق ہشاش بشاش نظر آتا تھا اور اس کی اوشان سے مسلسل چونچیں چلتی رہتی تھی۔ سناجو کاہاسٹر شمشیر سناجو کا وارث کسی ایسے مرحلے پر آکر ایک لواس بطخ کی مانند سر ڈالے نظر آئے تو اسے کیا کہا جاسکتا ہے۔ اوشان نے خلاف توقع مضمحل مسکراہٹ کے ساتھ شہزالو کو دیکھا اور بولا۔

"دو چیزیں میری ذہنی نشوونما میں تبدیلی کا باعث بنی ہیں۔"

"وہ کیا؟"

"بلاول خان کا وہ آخری انداز جو اس نے کانفرنس ہال میں پیش ہو کر گفتگو کے دوران اختیار کیا تھا اس میں مایوسی بھی تھی۔ عزم بھی تھا ایک ایسی کیفیت جس کے لئے سارے جہان کی کوئی بھی لغت صحیح لفظ نہیں تراش سکتی۔ یقیناً وہ جینا چاہتا تھا۔ اپنے وطن کے لئے اپنے لوگوں کے پیار کے لئے لیکن اسے احساس ندامت بھی تھا کہ اس کی ایک غلطی نے صحرائے فرحین بے شمار فوجیوں کو موت کے گھاٹ اتروا دیا اور وہ اس کا کفارہ ادا کرنا چاہتا تھا۔ سو اس نے کیا۔ دوسری وہ لڑکی جو زندگی سے بھرپور تھی اور یقینی طور پر اس کے ذہن میں موت کا کوئی تصور نہیں تھا لیکن ڈی سی ون تھری جہاز جب انسان اگلنے لگے اور ان کو پیراشوٹ کھلتے نظر نہ آئے تو وہ میرے ساتھ صرف صورتحال معلوم کرنے کے لئے چل پڑی اور اس کے بعد کبھی زندہ انسانوں کے درمیان واپس نہ جا سکی میں یہ سوچتا ہوں کہ جب اس کے بدن کے ٹکڑے فضا میں منتشر ہوئے ہوں گے تو خود اس کی اپنی ذہنی کیفیت کیا ہو گی۔" شہزالو نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔"

لیکن سناجو کے ماسٹر کو بہت زیادہ سوچ کر اپنا قیمتی دماغ ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ بدی ابھی از سر نو زندہ ہے اور ہمیں نجانے اس کے لئے کتنی قربانیاں دینا ہوں گی۔"

صحرا کی سنہری ریت پر ریگستانی بچھوؤں کی قطار بے ترتیب ہو گئی۔ کچھ دیر پہلے وہ اپنی اسی مملکت میں چہل قدمی کر رہے تھے اور ریت کے سوراخوں سے نکل آنے والے گردانوں کو شکار کر رہے تھے گلابی رنگ کے تنے کیڑے سوراخوں سے جھانکتے اور وحشی بچھوؤں کو دیکھ کر دم بخود ہو جاتے ان کی خوشبو کا سحر انہیں منجمد کر دیتا اور بچھو اپنے بدن کے لیسدار عضو سے انہیں چھو کر چپکا کر پیٹ میں اتار دیتے۔ یہ ان کا دلچسپ مشغلہ بھی تھا اور حکم سپری کا طریقہ بھی۔ سورج کی گرمی سے جل کر آگ ہو جانے والی ریت جہاں دن کی روشنی میں شعلے اگلنے لگتی تھی وہیں شام کی ہوا کے پہلے جھونکے سے اس کا مزاج بدل جاتا اور پھر اس سے زیادہ خوشگوار شے صحرا میں اور کوئی نہ ہوتی۔ نرم ہوا سے اس کے ذرات اٹکھیلیاں کرنے لگتے اور چاندنی کا غسل کر کے اس کا نکھار قابل دید ہو جاتا۔ دن کی آگ اور شام کی خنکی کا مزاج رکھنے والے صحرا میں بھی بھرپور زندگی تھی۔ ٹیلوں پر بدشکل جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں اور ان جھاڑیوں میں ہی گردانوں کے بل تھے۔ ایسی ہی جھاڑیوں میں بھورے رنگ کے ان صحرائی بچھوؤں کے ٹھکانے بھی تھے۔

لیکن ریت کے شہزادے ایسے بھاری قدموں کی آوازیں سن کر ساکت ہو گئے تھے۔ جوان کی شناسا نہ تھیں۔ یہ آوازیں نہ تو تیز ہواؤں کی تھیں اور نہ ہی خنک ہو کر اپنی جگہ چھوڑ دینے والی جھاڑیوں کی جو ہوا کے دوش پر لڑھکی پھرتی ہیں۔ یہ آوازیں اور قریب آئیں تو ریگستانی بچھوؤں کی قطار منتشر ہو گئی۔ خاص قسم کے چست اور کسی چکنی سطح والی شے سے بنے ہوئے لباسوں میں ملبوس چند انسان تھے جو دوڑتے ہوئے اس سمت چلے آرہے تھے۔ ان کے پہرے تک ایسے کپڑے سے ڈھکے ہوئے تھے جس میں باریک سوراخ تھے بالکل انسانی جسم کے مسامات کی مانند۔ جھاڑیوں والے ٹیلے ایک دوسرے سے کافی فاصلے پر بکھرے ہوئے تھے اور تیز ہواؤں کے فقدان کی وجہ سے ریت میں کوئی جنبش نہیں تھی۔ آن کی آن میں وہ دور دور تک پھیل گئے اور پھر انہوں نے برق رفتاری سے کوئی کارروائی شروع کر دی۔

صحرا نشینوں نے محسوس کر لیا کہ آج ان پر کوئی بڑی آفت آئی ہے وہ جانتے تھے کہ زمین کے سینے پر ان دو ٹانگوں والی مخلوق سے زیادہ بھیانک جاندار اور کوئی نہیں ہے۔ یہ مخلوق ان کے گھر اجاڑ رہی تھی اور مضبوط تناور جھاڑیوں کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک رہی تھی لیکن اس کا دلچسپ مشغلہ یہی ہے۔ یہ اپنے گھر بھی اس طرح اجاڑ دیتی ہے تو دوسروں کے گھر اس کے لئے کیا حیثیت رکھتے ہیں۔ انہوں نے دو بچے دلوں کے ساتھ یہ منظر دیکھا اور زندگی بچانے کی فکر کرنے لگے۔ جان ہے تو جہاں ہے کوئی نیا گھر تلاش کر لیں گے چنانچہ وہ دور سے دور بھاگنے لگے۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

صحرا کی چاندنی میں دریائے شیرات کی طرف آنے والے برق رفتاری سے اپنے کام میں مصروف رہے پھر انہوں نے ایک مخصوص فاصلے کا تعین کر کے ریت میں گڑھے بنانا شروع کر دیئے۔ ان میں سے ہر ایک لانبی لانبی جگہ ایک گڑھا بنا رہا تھا۔ انہوں نے اکھاڑی ہوئی جھاڑیاں بھی محفوظ رکھی تھیں اور ہر گڑھے کے پاس ایک جھاڑی سنبھال لی تھی۔ جب یہ گڑھے اتنے گہرے ہو گئے کہ وہ ان میں سما سکیں تو وہ ان گڑھوں میں اتر گئے انہوں نے ریت سمیٹ کر اپنے گرد جمع کر لی اور اوپری حصے پر ایک جھاڑی کھڑی کر لی۔ ان کے پاس پون رائفل کے دہانے والی خوفناک گنیں بھی تھیں جو ان کے شانوں سے لٹکی ہوئی تھیں مگر اب ان گنوں کو انہوں نے فعال بنا لیا اور ہر گن ایک جھاڑی کے نیچے اس انداز میں پوشیدہ ہو گئی کہ اس کا کنٹرول ان کے ریت سے اوپر مگر جھاڑی کی آڑ میں پوشیدہ ہاتھوں میں رہے۔ ان کی تیز ترین سرگرمی بس کچھ دیر جاری رہی پھر ماحول پر سکون ہو گیا۔ فضا میں سرسراہٹیں تک ختم ہو گئیں۔ آخری شخص نے اپنے گڑھے میں اتر کر پہلے لانبی گن چیک کی اور پھر اس کے نیچے لگے ہوئے ٹرانسمیٹر کا سوئچ آن کر کے بولا۔

"آپریشن کے لین فور۔ یو ایل۔ ون پائی ون۔ اسٹارٹ۔!" فور۔ سیون، ایٹ، نو۔ تھری، الیون، تھرٹی ون۔ لو نٹی ایٹ۔ لو نٹی نو۔" بے ترتیبی سے نمبر دوہرائے جانے لگے اور آخری آدمی غور سے یہ آوازیں سنتا رہا۔ ٹرانسمیٹر کا ننھا سرخ بلب جھاڑیوں میں نامعلوم مدھم پر اسرار روشنی دے رہا تھا۔ پھر خاموشی چھا گئی۔ تو اس شخص نے پکارا۔

"نمبر ٹین، نمبر ٹین۔۔:" دس سکینڈ انتظار کے بعد وہ دوبارہ بولا۔ "نمبر ٹین۔ جواب دو۔ مجھے تمہارا نمبر نہیں سنائی دیا۔"

سمر۔ "ایک نحیف اور گمٹی گمٹی آواز سنائی دی۔ جو شاید کسی مشکل کا شکار تھی۔!

رائفل کے نیچے لگے ہوئے ٹرانسمیٹر سے ابھرنے والی آواز کو سن کر گڑھے میں بیٹھا ہوا شخص چونک پڑا۔ اور اس نے جلدی سے کہا۔

"کیا تم کسی مشکل کا شکار ہو۔ نمبر دس؟"

سمر، مجھے شاید کسی صحرائی کیڑے نے کاٹ لیا ہے۔ میرے پورے جسم میں درد اترتا جا رہا ہے۔ میں۔۔۔ میں" اس کی آواز کچھ اور مدھم ہو گئی اور گڑھے میں بیٹھے ہوئے قوی ہیکل شخص کے چہرے پر تشویش پھیل گئی۔ اس نے لانبی کلائی میں بندھی ہوئی گھڑی میں وقت دیکھا کچھ وقت ابھی اس کے پاس تھا۔ وہ اپنے ساتھی کی خبر گیری کر سکتا تھا۔ چنانچہ اس نے پھر ٹرانسمیٹر میں کہا۔۔۔۔

"کیا تم مجھے لانبی پوزیشن کا نشان دے سکتے ہو۔ فی لکس، فور، استقبال کرو۔ جلدی جلدی۔" اس کی نگاہیں چاروں طرف دوڑنے لگیں۔ تب ہی ایک جھاڑی میں نیلا بگنو چمکا اور گڑھے میں بیٹھے ہوئے شخص نے اسے دیکھ لیا۔ باقی سب خاموش لانبی جگہ موجود تھے۔ لیکن ایک کمانڈر کی ذمہ داریاں کیا ہوتی ہیں۔ کمانڈر جانتا تھا۔ اس نے خطرہ مول لیا اور اپنے قریب رکھی ہوئی جھاڑی سرکا کر گڑھے سے بلند ہو گیا۔ اور اس کے بعد اس نے یادداشت اور اندازے کی بنا پر اس سمت دوڑ لگا دی جدھر نیلا بگنو چمکا تھا۔ اطراف کا ماحول اتنا ساکت اور پر سکون تھا کہ ہوا کی سرسراہٹ بھی صاف سنی جا سکتی تھی۔ دوڑنے والا بالآخر اس جگہ پہنچ گیا جہاں ایک جھاڑی کی آڑ میں ہلکی ہلکی کرنیں ابھر رہی تھیں اور آخری کرنہ کے بعد مکمل خاموشی چھا گئی تب کمانڈر نے جھاڑی ہاتھ سے پکڑی اور اسے اٹھا کر ایک سمت کر دیا۔ لیکن اس نے گڑھے میں ایک رقیق سا مادہ بکھرتے ہوئے دیکھا۔ وہ انسانی جسم جو عجیب و غریب چمکدار لباس میں ملبوس تھا گڑھے میں تحلیل ہوتا جا رہا تھا۔ یہ ہولناک منظر دیکھ کر کمانڈر پر سکوت طاری ہو گیا۔ اب تو اسے ہاتھ لگانا بھی ممکن نہیں تھا ایک انسانی جسم اس طرح پانی بن کر بہتے ہوئے دیکھنا شاید اس کی زندگی کا سب سے انوکھا اور ناقابل یقین واقعہ تھا۔ تھوڑی دیر پہلے یہ شخص نمبر دس کہلاتا تھا۔ لیکن اب اس کے تمام نمبر کٹ گئے تھے اور اسکا چمکدار لباس خالی ہوتا جا رہا تھا۔ گوشت اور ہڈیوں کے اس گلے ہوئے ملغوبے کو کیا کہا جا سکتا ہے کمانڈر کی سمجھ میں کچھ نہ آ سکا۔ البتہ اس نے کچھ فاصلے پر ایک چوڑے بھورے بچھو کو ڈھلانوں پر اترتے ہوئے دیکھ لیا۔ جو اپنا عقبی حصہ جسے ڈنک کہا جاتا ہے اٹھائے فاتحانہ شان سے آگے بڑھ رہا تھا وہ بزدل تھے جو لانبی کمین گاہیں چھوڑ کر بھاگ گئے۔ اور انہوں نے اپنے لٹتے ہوئے مکانات لانبی آنکھوں سے دیکھے۔ اور انہیں دشمن کے حوالے کر کے اپنی جان بچانے کو اہمیت دی۔ لیکن اس تنہا بچھو نے اپنے دشمن سے اپنے گھر کو اجاڑنے کا انتقام لے لیا تھا۔ کمانڈر کی ہمت نہ ہوئی کہ اس بچھو کو تعاقب کر کے اسے اپنے ایک آدمی کے قتل کی سزا دے۔ وقت نہ تھا اور حالات موافق نہیں تھے۔ اس نے ٹھنڈی سانس لی اور جھاڑی کو پھر اس کے جگہ رکھ کر وہاں سے واپس پلٹ پڑا۔ اسکے قدموں میں لغزش تھی اور اسے شاید اپنے چاروں سمت ویسے ہی بچھو رینگتے نظر آ رہے تھے چند لمحات کے بعد وہ اس جگہ پہنچ گیا جہاں اس نے اپنا ٹھکانہ بنایا تھا۔ صحرا میں یہ جو پراسرار کارروائی

کی جا رہی تھی اسکا مقصد کیا تھا۔ یہ بات صرف یہی لوگ جانتے تھے جو ان گڑھوں میں پوشیدہ تھے۔ لیکن کمانڈر جس نئی بات سے آگاہ ہوا تھا۔ اسے ٹرانسمیٹر پر دوسروں تک پہنچا بھی نہیں سکتا تھا۔ کیونکہ اس کے بعد وہ سب خوف کا شکار ہو کر اپنا اہم مشن انجام نہیں دے سکتے تھے جس کے لئے انہوں نے یہاں تک کا سفر کیا تھا۔ اس نے اپنے ٹھکانے کو دہشت بھری نگاہوں سے دیکھا اور اس کے بعد آنکھیں بند کر کے اس گڑھے میں اتر گیا اور جھاڑی اسی طرح برابر کر دی۔ کسی سمت سے کوئی آواز نہیں ابھر رہی تھی اور ہر سمت خاموشی کا راج تھا۔ کمانڈر آنکھیں بند کر کے لانبی جگہ بیٹھ گیا۔ وہ لمحات اس کے لئے بڑے ہولناک تھے جب اس نے اپنے ہی ایک ساتھی کا انوکھا انجام دیکھا تھا۔

☆

"حکیم بلاول خان ختم ہو چکا تھا۔ اور اس کے داستان قصہ پارینہ بنتی جا رہی تھی لیکن بہت سے دلوں میں اس کی یاد موجود تھی۔ کچھ وہ جو اس سے متعلق تھے اور کچھ وہ جو یہ جانتے تھے کہ بلاول لانبی ذات میں ایک کائنات تھا۔ اس نے ایک قومی ہیرو کی حیثیت اختیار کر لی تھی۔ لیکن سرکاری کتاب میں اسے قومی ہیرو قرار نہیں دیا جا سکتا تھا۔ یہ دوسری بات تھی کہ اس سلسلے میں کچھ لوگوں میں تناؤ پل رہا تھا۔ اور صدر مملکت نے خاموشی اختیار کر رکھی تھی۔ تاہم اس بات پر سب متفق تھے کہ بلاول سے اگر کوئی غلطی ہوئی تھی تو اس کا ازالہ کر دیا گیا تھا اور جان سے زیادہ قیمتی اور کوئی چیز نہیں ہوتی۔ جو نذرانے کے طور پر پیش کر دی جائے اور بلاول نے یہ سب کچھ کر دیا تھا۔ لیکن بہرحال فوجیوں کے اس قدام کو کتاب میں درج کر لیا گیا تھا۔ اور اسے اپنے اوپر قرض محسوس کیا گیا تھا کہ کسی مناسب وقت پر قرض کی ادائیگی کر دی جائے۔ وقت کے ساتھ ساتھ ذہنوں سے بلاول کی تصویر مٹتی جا رہی تھی البتہ ان فلموں کو خصوصی طور پر بہت سے اعزازات دے دیئے گئے تھے جو بلاول کی تھیں۔

☆

چارہ گر میں ڈاکٹر بہرام کی معروفیات جوں کی توں تھیں۔ وقت کے دھارے کے ساتھ نجانے کیا کیا بہہ جاتا ہے لوشان اور ٹائیگر لانبی زندگی کے معمولات میں مصروف تھے اور ان معمولات میں ایک بہترین معمول یہ تھا کہ ڈاکٹر بہرام کی طلبی پر فوری حاضری دی جائے اور اس وقت وہ دونوں ڈاکٹر بہرام کے سامنے موجود تھے۔

چارہ گر کا سربراہ جانتا تھا کہ جب دونوں بلائے ہوں تو احتیاط کی قدر ضروری ہوتی ہے۔ جانے سمجھے کی حیثیں نہ اختیار کی جا چکی ہو۔ بلکہ بعض معاملات میں یہ سنجیدگی زیادہ خطرناک ثابت ہوتی تھی بہرام بغور ان دونوں کو دیکھ رہا تھا۔ تب اس نے کہا۔

"اور یہ طلبی میرے نزدیک اہمیت کی حامل ہے ہاں جزیرہ بروٹیو نقشے پر موجود نہیں ہے اور اس کی بنیادی وجہ شاید یہ ہے کہ اسے اب تک کسی ملک کی ملکیت تسلیم نہیں کیا جا سکا ہے اور ایک معاہدے کے تحت اسے آزاد جزیرہ قرار دے دیا گیا ہے۔"

"تو کیا اس آزاد جزیرے پر کوئی حکومت قائم نہیں ہے؟"

"میں بروٹیو کی اصل حیثیت سے واقف نہیں ہوں۔ بس یوں سمجھ لو کہ یہ سینٹ کرٹ کی بندرگاہ سے شمال مشرق میں کوئی ایک سو اسی میل دور ہے۔ میرا مطلب ہے سمندری میل دور۔ اور یہاں بہت سے ملکوں کے اسٹیمر اور جہاز آتے جاتے ہیں۔ یہ پہلا موقع ہے کہ ہمیں کسی ایسی جگہ سے روشناس کرایا گیا ہے۔ جو تفصیلی طور پر ہماری نگاہوں میں نہیں ہے۔"

"لیکن سوئیٹ ہارٹ۔ نگاہوں کے زاویوں پر تعین بعض اوقات بڑا مشکل ہو جاتا ہے۔" ٹائیگر نے کہا۔

لوشان نے برا سا منہ بنا کر دیوار کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"پہلے یاری کرنا اچھی بات ہے۔ لیکن بعض جملوں کا مفہوم بے معنی ہوتا ہے اور اس وقت یہی سوچا جاتا ہے کہ جو کچھ بولا جا رہا ہے اسکا تعلق ذہن سے نہیں ہے۔"

"بہت سی چیزوں کا تعلق بہت سی چیزوں سے نہیں ہوتا ہاں ایسی کوئی بھی جگہ دلچسپی کا باعث ہو سکتی ہے جہاں لڑکیوں کے رخسار پر بھورے تلوں کی تعداد کچھ زیادہ۔۔۔۔"

"اور یہ موقع ایسا نہیں کہ ہم کسی غیر متعلق گفتگو میں الجھ جائیں۔" بہرام نے فوراً مداخلت کرتے ہوئے کہا۔ "روانگی کا وقت بہت مختصر ہے۔ سینٹ کرٹ تک پہنچنے کے لئے فلائٹ ساڑھے آٹھ بجے مل جائیگی اور ساڑھے آٹھ بجے یقینی طور پر تمہیں ائیر پورٹ موجود ہونا چاہیے" لوشان نے تیکھی نگاہوں سے بہرام کو دیکھا۔ تو بہرام جلدی سے دوسری طرف دیکھنے لگا اور بولا۔

"چودہ صندوق بک کرا دیئے گئے ہیں اور تمام کاغذات میرے پاس موجود ہیں۔"

"بہت زیادہ دانش مندی بھی بعض اوقات گردن کا پھندا بن جاتی ہے۔ جس چیز کی تفصیل معلوم نہ ہو اس کے بارے میں کیا کہا جائے۔۔"

"صرف اتنا کہ سینٹ کرٹ میں جس شخصیت سے ملاقات ہو گی وہ ہماری پرانی شناسا ہے۔ اور اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ اس بار صدر ابریکا نے جس مہم کا انتخاب کیا ہے وہ یقینی طور پر اتنی ہی خفیہ رکھی جا رہی ہے کہ کوئی اصلیت

Scanned And Uploaded By Muhammad Hakam

سامنے نہیں آسکی۔"

"اس عہم کے لیے دو افراد کا جانا بے حد ضروری تو نہیں۔ ہونا یہ چاہیے کہ ایک لڑکا وہاں جائے اور صورت حال کا جائزہ لے اور اگر بات کچھ قابل اعتماد ہو تو پھر دوسرے کو تکلیف دی جائے۔ ورنہ حرج ہی کیا ہے۔" لوشان نے ایک بار پھر ٹائیگر کی طرف دیکھا تو ٹائیگر گہری دیکھ کر اٹھتا ہوا بولا۔

"اور جب کاغذات تیار ہوں اور فلائٹ ساڑھے آٹھ بجے روانہ ہونے والی ہو تو اپنی مختصر تیاریوں کے لئے تھوڑا سا وقت ضرور درکار ہوتا ہے اس لئے میں اجازت چاہتا ہوں۔" لوشان نے کڑوے لہجے میں کہا۔

"دانش مندی اگر ذہن کی حدود سے اوپر اٹھ جائے تو بہتر ہوتا ہے کہ دماغ کی اوور ہالنگ کرالینی چاہیے۔۔۔"

"ایسی صورت میں دماغ کی اوور ہالنگ خود بخود ہو جاتی ہے۔ لٹل فادر۔ میں دیر نہیں کر سکتا۔"

ایئر پورٹ پر بہت زیادہ رونق نہیں تھی۔ ماحول میں ایک عجیب سے اداسی گھلی ہوئی تھی۔ لیکن اس خوبصورت ایئر ہوسٹس کے ہونٹوں کی مسکراہٹ اتنی جاندار تھی کہ ماحول کی یہ اداسی اچانک ہی دور ہو گئی۔ شہزاد نے اسکی جانب جھکتے ہوئے کہا۔

"کیا تمہاری یہ مسکراہٹ اس شہر کی بد رونقی کو رونق میں تبدیل نہیں کر سکتی۔"

"میں سمجھی نہیں سر۔" ایئر ہوسٹس نے ایک غیر متعلق لفظ کو سن کر کہا۔ لیکن شہزاد اندر ہی اندر جھینپ گیا تھا اور لوشان اس کے پیچھے پیچھے خاموشی سے چلا آیا تھا۔ دوران سفر دونوں کے درمیان کوئی خاص گفتگو نہ ہوئی لیکن وہ ایئر ہوسٹس جب بھی شہزاد کی سیٹ کے پاس سے گزرتی چونک کر اسے دیکھنے لگتی۔ کیونکہ دوران سفر شہزاد کی عجیب و غریب حرکات نے اسے پریشان کر کے رکھ دیا تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ اس نے منہ سے ایک لفظ بھی نہیں کہا اور صرف ایسے تاثرات دیتا رہا جس سے ایئر ہوسٹس پریشان ہو جائے۔ لوشان کے تبصرے البتہ کبھی کبھی شہزاد کے کانوں تک پہنچ جاتے تھے۔ اور وہ الفاظ اسی قسم کے ہوا کرتے تھے۔"

"ذہنی دیوالیہ بن کا مظاہرہ اسی شکل میں ہو سکتا ہے لیکن ایسے مظاہرے کسی پر اچھا تاثر نہیں چھوڑتے۔۔۔"

"دوران سفر اگر ہمسفر ایسی شکل کا مالک ہو تو اس پر کوئی گہرا تاثر چھوڑنا ظلم ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کے بعد یادوں کے سوا کچھ نہیں رہ جاتا۔۔۔"

"نوجوانی کی عمر ایسے ہی دھوکوں سے تحریر ہوتی ہے کسی کی کاروباری مسکراہٹ صرف اور صرف اپنے لئے محسوس ہوتی ہے۔ اے حماقت کے سوا اور کیا کہا جائے۔۔۔" لوشان بڑبڑایا۔

"اور یہی حماقتیں دنیا میں آبادی کا اضافہ کرنے کا باعث ہوتی ہیں۔" لوشان نے منہ بنا کر آنکھیں بند کر لیں۔ اس کا مقصد تھا کہ اب وہ اس موضوع پر گفتگو نہیں کرنا چاہتا۔ اور شہزاد کی یہی خواہش تھی کہ لوشان کی بار بار کی گفتگو ایئر ہوسٹس سے اس کی دلچسپی میں رکاوٹ ثابت ہو رہی تھی۔ اور اس کے بعد جب اسے یقین ہو گیا کہ لوشان اس مشغلے میں ایک کوئی مداخلت نہیں کرے گا تو اس نے زیادہ دلچسپی سے ایئر ہوسٹس کی جانب دیکھا ایئر ہوسٹس نے بھی شاید محسوس کر لیا تھا کہ ٹائیگر ایک تفریح پسند آدمی ہے اور کسی طور مضر رساں نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ اب وہ کافی حد تک مطمئن نظر آنے لگی تھی جب اس نے کھانے کے بارے میں پوچھا تو ٹائیگر کے بجائے لوشان نے آنکھیں بند کئے کئے جواب دیا۔

"اگر اُبلے ہوئے چاول اور بطخ کا گوشت مل جائے تو یہ سفر میرے لئے خاصا دلچسپ ہو سکتا ہے۔" لڑکی شاید ان الفاظ کو ٹائیگر کے الفاظ سمجھی تھی۔ اس نے حیرانی سے آنکھیں پھاڑتے ہوئے کہا۔

"کیا تم بطخ کا گوشت کھاتے ہو۔۔۔؟"

"میں نہیں اس کے لئے میرا معزز استاد فرمائش کر رہا ہے۔ ویسے یہ دونوں چیزیں مجھے یقین ہے کہ تمہارے اس جہاز کے کچن میں موجود نہ ہوں گی۔"

"اگر یہاں یہ موجود نہیں ہیں تو یوں سمجھ لو کہ اہل ذوق کی کمی ہر جگہ پیدا ہو گئی ہے۔۔۔"

"ذوق تب اس قدر بھی ہمدا نہیں ہو گیا ہے کہ ایسی چیزیں دوران سفر بھی مل سکیں۔"

"جہالت کا سیلاب بڑھتا جا رہا ہے اور ہر جاہل اپنی پسند کو آخری پسند ٹھہراتا ہے۔" ایئر ہوسٹس سیدھی ہو گئی تھی اس نے ٹائیگر سے لوشان کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔

"کیا یہ کسی مذہبی طبقے کا روحانی پیشوا ہے؟"

"میں ہر طبقے کا روحانی پیشوا ہوں۔ اگر تمہیں روح میں تشنگی محسوس ہوتی ہو تو کبھی مجھ سے ضرور رجوع کرنا۔" ایئر ہوسٹس آہستہ سے ہنسی اور پھر بولی۔

"لیکن افسوس میں بطخ کا گوشت پیش نہیں کر سکتی۔ ابلے ہوئے چاول البتہ مچھلی کے ساتھ دستیاب ہے۔" لوشان مسکرا کر سیدھا ہو گیا اور اس نے کہا۔

"اس کا مقصد ہے کہ دنیا سے ابھی انسانیت فنا نہیں ہوئی ہے تم جب بھی کھانا لاؤ میرے لئے یہی دونوں چیزیں لے آنا۔" شہزاد کو لوشان کی یہ گفتگو ناگوار گزری تھی۔ اس طرح ایئر ہوسٹس سے پر سکون گفتگو کا رابطہ ٹوٹ گیا تھا۔

کھانے کے بعد لوشان مراقبے میں چلا گیا۔ شہزاد جانتا تھا کہ وہ جاگ رہا ہے۔ لیکن اب اسکا جاگنا نہ جاگنا برابر تھا۔ شہزاد بھی ایئر ہوسٹس سے بددل ہو گیا تھا اور اب وہ آنے والے لمحات کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ ڈاکٹر بہرام نے انہیں صدر امریکہ کے خواہش پر سینٹ کریٹ روانہ کیا تھا۔ لیکن ڈاکٹر بہرام نے انہیں یہ نہیں بتایا تھا کہ وہاں بھیجنے کا مقصد کیا ہے۔ جزیرہ برونیو بھی زیر گفتگو آیا تھا اور اس جزیرے کے بارے میں صرف اتنا بتایا گیا تھا کہ یہ آزاد جزیرہ تصور کیا جاتا ہے۔ لیکن سینٹ کریٹ کے قریب ایک سو اسی میل کے فاصلے پر موجود ہے ویسے ایک آزاد جزیرے کی آزادی ٹائیگر کے لئے باعث دلچسپی بھی تھی وہ نہیں جانتا تھا کہ لوشان کا اس بارے میں کیا خیال ہے لیکن اس موضوع پر لوشان کو چھیڑنے کا مقصد یہ تھا کہ پھر کوئی فلسفیانہ گفتگو سننے کو ملے اور اس وقت شہزاد آنکھیں بند کئے خود بھی اپنے ذہن کو پر سکون کرنا چاہتا تھا۔

سینٹ کریٹ کی سہر آلود فضا میں طیارہ رن وے پر اتر گیا اور مسافر آہستہ آہستہ اپنی سیٹوں سے اٹھ کر سیڑھی کی جانب بڑھنے لگے۔ شہزاد نے آخری مسکراہٹ اس پسندیدہ ایئر ہوسٹس پر ڈالی اور تو وہ اس کے سراپا پر تحسین آمیز نگاہیں ڈالتی ہوئی بولی

"کاش آپ کے ساتھ گفتگو تو نہ ہو سکی۔ لیکن میں نے محسوس کیا ہے کہ آپ خاصے دلچسپ آدمی ہیں۔"

"اس مختصر سی ملاقات کو طویل بھی بنایا جا سکتا ہے ہنی۔" ٹائیگر نے اس کی جانب جھکتے ہوئے قدرے سرگوشی میں کہا۔

"جواباً ایئر ہوسٹس اسے ایڈریس بتانا چاہتی تھی کہ مگر ٹائیگر اگلے ہی لمحے وہاں سے ہٹ چکا تھا اسے دور تک ایئر ہوسٹس کی حسرت آمیز نظریں اپنی پشت پر محسوس ہوتی رہیں اس کے ساتھ ہی اس نے لوشان کی بڑبڑاہٹ سنی تھی۔

"بزرگ اگر کوئی بات کہیں تو نوجوان نسل اسے نظر انداز کر دیتی ہے۔ لیکن بد قسمتی تو یہ ہے کہ بزرگوں کو بزرگ سمجھا ہی کب جاتا ہے۔

"افسوس ہے ایسے بزرگوں پر جو خود کو بزرگ کہنے پر بعض اوقات تو اس قدر چراغ پا ہو جاتے ہیں کہ انہیں سنبھالنا مشکل ہو جائے لیکن جب کوئی بے تکی بات نصیحت کے طور کہنی ہو تو بزرگی کو نظر انداز نہیں کرتے۔"

کسٹم کلیئرنس کے بعد وہ باہر نکل آئے۔ شہزاد اور لوشان کو اس شخص کی تلاش تھی جس کی نشاندھی کی گئی تھی اور بتایا گیا تھا کہ وہ سینٹ کریٹ میں ان کا استقبال کرے گا۔ آگے کا سارا پروگرام اسی شخص پر منحصر تھا لیکن باہر نکل کر بہت گھڑے کہر میں انہیں نے دور دور تک نگاہیں دوڑائیں اور کسی ایسے شخص کو اپنا منتظر نہ پایا۔ لوشان نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"وہ موجود نہیں ہے۔ جس سے ہمیں ہمارے آئندہ پروگرام کا پتا چلے۔"

"سینٹ کریٹ جیسی جگہ پر خوبصورت ہوٹلوں کی کمی نہیں ہو گی۔ اور میرا خیال ہے وہ نمائندہ ہماری ہی جانب بڑھ رہا ہے جس کے کورٹ پر کسی ہوٹل کا مونوگرام ہے۔"

لوشان نے کوئی جواب نہیں دیا۔ نمائندے نے اپنے لٹریچر ان کے سامنے پیش کیا اور عقب سے دو اور نمائندے ان کے قریب پہنچ گئے۔ لیکن شہزاد نے سب سے پہلے آنے والے نمائندے کو اپنے سامان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"تمہیں یہ سارا سامان اپنے ہوٹل پہنچانا ہو گا۔ اگر اس میں کوئی دقت نہ ہو تو تم ہمیں اپنے ہوٹل میں قیام کا موقع ضرور دو۔"

"نمائندے نے فوراً ہی سامان کا بندوبست کر دیا اور تھوڑی دیر کے بعد ہوٹل اازرونا میں ان دونوں کو دو کمرے حاصل ہو گئے۔ راستے میں اس موضوع پر کوئی گفتگو نہیں کی گئی تھی لوشان خاموش تھا اور ٹائیگر سوچ رہا تھا کہ انہوں خروج ہو گئی۔ یعنی وہ جس کے لئے سوچا جاتا ہے کہ اب مختلف حادثات اور واقعات پیش آنے والے ہیں ویسے بھی ڈاکٹر بہرام کو کم از کم وہ باتیں ضرور معلوم ہو جاتی تھیں جن کی ذمہ داری اس کے سپرد کی جاتی تھی۔ ایسے مواقع بہت ہی کم آئے تھے۔ جب اسے نامعلوم صورت پر کام کرنے کے لئے اپنے نمائندے بھیجنے پڑتے تھے۔ اور امریکی صدارت کا کوئی اعتبار نہیں تھا۔ گو قوانین یکساں ہوتے تھے لیکن انتخابات کے بعد پالیسی کیا ہو گی اس کا فیصلہ بعض اوقات مشکل ہو جاتا تھا۔ عموماً یہ بھی ہوتا تھا کہ موجودہ حکومت بچھلی حکومت کے کچھ فیصلوں سے متفق نہ ہو لیکن موجودہ صورت حال یہ نہیں تھی کیونکہ تھے صدر کو تقریباً دو سال گزر چکے تھے اور اس کی پالیسیاں امریکی پارلیمنٹ کے لئے ناخوشگوار نہیں تھیں۔

معاملات بہت بہتر طریقے سے چل رہے تھے لیکن ایک ایسے مسئلے پر دو آدمیوں کو تکلیف دینا جن کی تفصیلات بھی ان کے علم میں نہ ہوں کم از کم لوشان اور ٹائیگر کے لئے خوشگوار نہیں تھیں۔ اور اس کے اثرات ان دونوں کے چہروں سے نمایاں تھے۔ ٹائیگر جب اپنے ہوٹل کے کمرے سے باہر نکل کر لوشان کے کمرے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کے دروازے پر پہنچا تو اندر سے سنجوگ کی موسیقی کی دھیمی دھیمی آوازیں اُبھر رہی تھیں۔ دروازے پر ہلکا ہلکا دباؤ ڈالنے پر اس نے اوشان کو دیکھا جو کنول کے آسن میں بیٹھا موسیقی سے لطف اندوز ہو رہا تھا اوشان نے آہٹ یقیناً محسوس کر لی ہوگی لیکن اس نے اپنی کیفیت میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کی تھی۔ تب ٹائیگر نے آگے بڑھ کر ٹیپ ریکارڈر کا بٹن آف کر دیا اور اوشان نے آنکھیں کھول دیں۔

"جن چیزوں سے واقفیت نہ ہو ان میں بوختہ اندیشی کو شریفانہ فعل نہیں کہا جاسکتا۔"

"غیر شریفانہ حالت کا شکار ہونے کے بعد شرافت کی زنجیر پکڑے رہنا حماقت کہلاتی ہے لٹل فادر۔" ٹائیگر نے بھی بالکل اُسی کے انداز میں جواب دیا۔

"کسی احمق کے لئے ہر ماحول یکساں ہوتا ہے۔"

"سینٹ کریٹ کے بارے میں میری معلومات محدود ہے اور خاص طور سے جزیرہ برونیو کے بارے میں میں کچھ نہیں جانتا۔ ایسی حالت میں بہرام کو سزا بھی دی جاسکتی ہے۔" اوشان کچھ نہ بولا خاموشی سے ایک دیوار کو گھور رہا تھا۔ تب ٹائیگر نے کہا۔

"اور اس کے بعد اپنے آپ پر قابو رکھنا بھی ایک مشکل کام ہوتا ہے۔ سینٹ کریٹ کا کہر آلود ماحول یقینی طور پر تشریح کی دعوت دیتا ہے۔"

"جب تک سینٹ کے حالات ہمارے علم میں نہ آجائیں اور ہمیں یہ علم نہ ہو جائے کہ برونیو میں ہندی ضرورت کس حد تک ہے خر مستیوں سے گریز ہی تمہارے لئے بہتر ہے۔" ابھی یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔

"آ جاؤ خاتون دروازہ کھلا ہے۔" اوشان نے گردن موڑے بغیر کہا اور ٹائیگر چونک کر دروازے کی جانب دیکھنے لگا۔

آنے والے ہستی واقعی ایک دراز قد سپاٹ چہرہ اور سپاٹ بدن والی لڑکی تھی۔ جس کے بال سمیٹ کر اوپر چوٹی کی شکل میں باندھ دئے گئے تھے اور جس سے اس کا دبلا پتلا چہرہ اور نمایاں ہو گیا تھا وہ دراز قامت بھی تھی اور اس نے لباس بھی ایسا استعمال کیا تھا جس سے اس کا قد اور بلند محسوس ہو مگر اس وقت اس کے چہرے پر شدید حیرت کے تاثرات تھے۔

"آ..... آپ لوگوں کو تگ..... کیسے پتہ چلا کہ دروازے پر کوئی خاتون ہے۔؟"

"یہ بڑھے صاحب۔" ٹائیگر نے اوشان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "اپنی پسندیدہ چیزوں کی خوشبو دور ہی سے محسوس کر لیتے ہیں۔"

ٹائیگر کی اس بات پر لڑکی جھینپ سی گئی جبکہ اوشان نے تلملا کر ٹائیگر کو گھورا تھا۔ غالباً اُسے بڑے صاحب کا لقب پسند نہیں آیا تھا۔

"میرا نام فلوینا ہے۔" لڑکی بولی۔ "اور میں تم لوگوں کے پاس ایک پیغام لے کر آئی ہوں۔ تمہیں یہاں ایک مقامی ساحل گرینو کریگ پر پہنچنا ہے۔ جہاں تمہیں سبز رنگ کا ایک اسٹیئر ملے گا۔ سبز رنگ کے اسٹیئر پر تمہیں بلا تامل سوار ہو جانا ہے اور یہی اسٹیئر تمہیں جزیرہ برونیو پہنچا دے گا۔"

"ہمیں ائر پورٹ پر ریسیو کرنے کوئی کیوں نہیں پہنچا جبکہ اس سلسلے میں ہمیں ہدایت کی گئی تھی۔!"

"میں کچھ نہیں جانتی۔ تمہیں کچھ دیر کے بعد ایک مقامی ساحل گرینو کریگ پہنچنا ہے جہاں تمہیں ایک سبز اسٹیئر ملے گا اور یہی سبز اسٹیئر تمہیں....."

"جزیرہ برونیو لے جائے گا۔ یہی نا ویسے تم ریوائنڈ مگر حد سے ہوتی ہو۔" ٹائیگر اس کی بات کاٹتے ہوئے بولا تھا۔ لڑکی نے مشینی انداز میں اس کی جانب گردن گھمائی اور بولی۔

"میں سمجھی نہیں۔"

ہمیں تھوڑی دیر کے بعد گرینو کریگ پہنچنا ہے اور وہاں....."

"ایک منٹ ایک منٹ۔ میری بچی۔ بات سنو گفتگو کرتے وقت چہرے کے تاثرات کا گفتگو سے ہم آہنگ ہونا ضروری ہے ورنہ انسان اور مشین کا فرق مٹ جاتا ہے اور ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ مشین انسانی شکل یا انسان مشینی شکل اختیار کر لیں۔ جو کچھ تم کہہ رہی ہو اس پر ایک بار پھر سے غور کر لو۔"

"میں آخری بار کہہ رہی ہوں کہ آپ لوگوں کو۔"

"مقامی ساحل گرینو کریگ پر پہنچنا ہے۔ ویسے تم پلے خود بخود ہو جاتی ہو یا اس کے لئے بھی کوئی بٹن دبانا پڑتا ہے۔"

ٹائیگر بدستور تمسخرانہ انداز میں بولا۔ لڑکی نے ناخوشگوار نگاہوں سے دیکھا اور اوشان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"انسان اگر مشین نہیں ہے تو الفاظ کی مار برداشت نہیں کر سکتا۔ اب تمہارے انداز میں تھوڑی سی انسانیت پیدا ہوئی ہے۔" لڑکی تیزی سے مڑی اور کٹ کٹ کر کے چلتی ہوئی دروازے سے باہر نکل گئی۔ اوشان کا ہلکا سا قہقہہ بلند ہوا تھا۔

"زیادہ وقت نہیں رہا جب مشینی عمل انسانی ذات پر پوری طرح قابو پالے گا اور اس کے بعد اسی قسم کی لڑکیاں پیدا ہوا کریں گی۔"

"نوجوان ان کا قتل عام کر ڈالیں گے اور ویسے بھی اس قسم

کے کسی بھی وجود کو لڑکی کہنا نسوانیت کی توہین ہے۔ یہ سر سے لے کر پاؤں تک کہیں سے لڑکی تھی ہی نہیں۔"

"اس کے حلیے پر جانے کے بجائے اس کے الفاظ پر غور کرو تو بہتر ہوگا۔" اوشان نے کہا۔ اور ٹائیگر بر اسا منہ بنا کر بولا۔

"اگر ایسا ایسی ہوئی ہے تو ہم انتہا کا تصور کر سکتے ہیں۔"

"گرینو کریگ کے بارے میں کسی سے معلومات حاصل کر کے مجھے اطلاع دو۔" اوشان نے تحکمانہ انداز لہجہ میں کہا اور ٹائیگر بُرا سا منہ بنائے اپنا کہ ہوٹل کے کمرے سے باہر نکل آیا۔

☆

آسٹھویں ڈیزرٹ ایل..... زوبرین کے بریگیڈیر ناظم کرنل کو ایک پیغام موصول ہوا۔ اس کے اعصاب میں تشنج پیدا ہو گیا۔ پیغام کچھ ایسا ہی تھا جس نے اسے اس حد تک مضطرب کر دیا تھا پیغام کے مطابق اس نے تمام تیاریاں مکمل کیں۔ یہ تیاریاں خصوصی اہمیت کی حامل تھیں اور جونہی شام کے جھٹپٹے فضاؤں میں اُترنے لگے اس نے چنیدہ لوگوں کو اپنے ساتھ چلنے کا اشارہ دیا تھا سترہ افراد پر مشتمل یہ قافلہ کئی بکتر بند گاڑیوں میں ایک مخصوص سمت چل پڑا جس جگہ یہ زوبرین قائم تھا وہاں تا حدِ نگاہ ریتیلے ٹیلے بکھرے ہوئے تھے اور اس جگہ ان کا قیام بھی ایک خاص نوعیت کا حامل تھا بریگیڈیر ناظم کرنل مستعدی سے سامنے کی سمت نگاہیں جمائے آگے کا سفر کر رہا تھا یہ تصور اس کے لئے انتہائی سنسنی خیز تھا کہ آج اس کے ملک کا سربراہ اس کے سامنے ہوگا صائم ندال اور اس کے بارے میں عجیب و غریب کہانیاں مشہور تھیں بات یہی ہی نہیں تھی کہ اس سے پہلے بریگیڈیر کرنل نے صائم ندال کو نہیں دیکھا تھا لیکن یہ پہلا موقع تھا کہ صائم ندال جنرل ظہوری کے ساتھ اس علاقے میں آرہا تھا اور بریگیڈیر کرنل ہی کو تمام انتظامات کرنے تھے۔ کوئی ایسی ہی اہم وجہ پیش تھی جس کی بنا پر صائم ندال نے بذاتِ خود اس جگہ کا جائزہ لینا ضروری سمجھا تھا اور اس کی آمد کے سلسلے میں تمام انتظامات بریگیڈیر کرنل کو کرنے تھے۔ وہ صائم ندال اور جنرل ظہوری کی نگاہ میں ایک خاص مقام پانا چاہتا تھا اور اسی لئے مستعدی سے اپنا سارا کام سرانجام دینے کا خواہشمند تھا۔

لیکن اس جگہ تک پہنچتے پہنچتے کافی وقت ہو گیا جہاں کی اُسے ہدایت کی گئی تھی۔ راستے کی ریت نے سفر کو اتنا آسان نہیں رہنے دیا تھا جتنا اطراف کے دوسرے علاقوں میں سفر کرنا تھا تاہم بریگیڈیر کرنل کوشش کر رہا تھا کہ وقت سے پہلے ہی وہاں پہنچ جائیں ویسے کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی اسے تسلی دے رہی تھی۔ کہ وہ اس وقت سے پہلے وہاں پہنچ جائے گا جب صائم ندال جنرل ظہوری کے ساتھ وہاں تک پہنچے گا اور پھر یہی ہوا۔ آسمان پر پورا چاند چاندی کے تھال کی طرح سجا ہوا تھا ہر طرف دن کا سا اُجالا پھیلا ہوا تھا لیکن پھر بھی ابھی اتنا وقت تھا کہ بریگیڈیر اپنا کام سر انجام دے لے مستعد ساتھیوں کے ساتھ وہ اپنی مطلوبہ جگہ پہنچ گیا اور اس کے بعد ایک حیرت ناک کارروائی کا آغاز ہو گیا۔

ٹیلوں کے درمیان اُسے ایک جگہ عارضی ہیلی پیڈ بنانا تھا گو یہ ایک مشکل کام تھا لیکن جو ہدایت اُسے دی گئی تھی اس کے مطابق عمل کرنا بے حد ضروری تھا بڑے بڑے ترپال اُبالے گئے اور انہیں ریت کے سمندر پر بچھایا جانے لگا ایسی جگہ تلاش کرنا مشکل نہ ہوئی جہاں یہ ترپال بچھائے جاسکتے تھے اور اسی پر ہیلی کاپٹر کو اُترنا تھا۔ اطراف کے ٹیلوں پر جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں اور ان جھاڑیوں کے درمیان کسی قسم کی کوئی سرسراہٹ نہیں تھی۔ بریگیڈیر کرنل نے اطمینان بخش انداز میں اپنا کام سرانجام دیا اور پھر اپنے ساتھیوں کو مختلف سمتوں میں کھڑا کر دیا تاکہ ہوا اگر تیز بھی ہو جائے تو ترپالوں کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔

بریگیڈیر کرنل دوربین آنکھوں سے لگائے دور دور تک کا جائزہ لے رہا تھا۔ بالآخر ہیلی کاپٹر کی روشنیاں چمکتی نظر آئیں اور وہ مستعد ہو گیا اس نے تیز آواز میں اپنی ساتھیوں کو ہوشیار رہنے کی ہدایت کی اور وہ لوگ ہیلی کاپٹر کا جائزہ لینے لگے جو فضا میں نمودار ہو گیا تھا اور اسے ہر شخص دوربین کے بغیر بھی دیکھ سکتا تھا کسی کو یہ بات معلوم نہ تھی کہ صائم ندال بذاتِ خود یہاں آرہا ہے اور یہاں آنے کے بعد وہ کوئی کارروائی کرنا چاہتا ہے یہ کارروائی کیا ہوگی اس کا علم تو کرنل کو بھی نہ تھا بس اتنا ہی کافی تھا کہ جنرل ظہوری کی طرف سے اُسے یہ حکم ملا تھا اور اُسے بخوبی اس حکم کی تعمیل کر دینا تھی اور کرنل جیسے شخص کے لئے یہ بہت بڑی بات تھی اس طرح مستقبل کے راستے کھلتے ہیں اور اس نے کسی کو اپنا راز دار نہیں بنایا تھا ویسے بھی یہ راز کسی کو دے نہیں جاتے اور کچھ راز وہ ہوتے ہیں جو سینے کی گہرائیوں میں پوشیدہ ہوتے ہیں اور ان میں اصل مقصد سے سٹ کر کچھ اور جذبے چھپے ہوئے پائے جاتے ہیں۔

ہیلی کاپٹر فضا میں آگے بڑھتا ہوا ان کے سروں پر پہنچ گیا اور بریگیڈیر کرنل نے ٹارچ کی روشنی سے اسے اشارے دینا شروع کر دیئے ہیلی کاپٹر آہستہ آہستہ نیچے آتا جا رہا تھا جس جگہ لگانے کے بعد وہ اتنا نیچا آگیا کہ اب اُسے بخوبی دیکھا جاسکتا تھا بہر رفتہ رفتہ وہ عارضی ہیلی پیڈ پر اُتر گیا یہ ایک دلچسپ تجربہ تھا جو اس سے پہلے شاید کسی نہیں کیا گیا ہوگا۔ اور اس تجربے کا محرک بریگیڈیر کرنل ہی قرار پا سکتا تھا گویا اس طرح عارضی ہیلی پیڈ بنا کر ہیلی کاپٹروں

Scanned And Uploaded By Pakistanipoint.com

کو ٹالا جا سکتا ہے تاہم اس سے پہلے بھی ایک بار بریگیڈیئر کرمانی کو یہ تجربہ کرنا پڑا تھا لیکن دلچسپ بات یہ ہے کہ یہ تجربہ جنرل ظہوری کے علم میں نہیں تھا اور جنرل نے اپنی دانست میں ایک نئی کارروائی کی تھی اور اپنی صلاحیت کا ثبوت دیا تھا بریگیڈیئر کرمانی ظاہر ہے یہ اظہار نہیں کر سکتا تھا کہ یہ تجربہ اس کے لئے نیا نہیں ہے۔

ہیلی کاپٹر نیچے اُترا اور آہستہ آہستہ اس عارضی ہیلی پیڈ پر اتر گیا اس کا انجن بند ہوا اور اس کے بعد دروازہ کھل گیا لیکن اچانک ہی بریگیڈیئر کرمانی کو ایک المناک حادثہ سے دوچار ہونا پڑا۔

واقعہ یہ ہی ٹیلوں پر اگی جھاڑیوں کے درمیان سے آگ کی بارش ہونے لگی گولیوں کی تڑتڑاہٹ اور دستی بموں کے دھماکے ٹیلوں کے چاروں طرف ہونے لگے اور ہیلی کاپٹر بھی پوری طرح اس کی لپیٹ میں آگیا صائم عدل اور جنرل ظہوری نے کسی پناہ کی تلاش میں ہیلی کاپٹر سے چھلانگ لگادی لیکن گولیوں نے انہیں پہلے ہی جالیا بریگیڈیئر کرمانی ایک لمحے میں صورت حال سمجھ ہی نہیں سکا تھا اسے یہ علم نہیں ہو سکا تھا کہ یہ گولیاں اچانک کہاں سے چلی ہیں حالانکہ جھاڑیاں لب آکھر کر اِدھر اُدھر آپڑی تھیں اور گڑھوں میں چھپے ہوئے خوفناک لوگ یہ کارروائیاں کر رہے تھے۔ ان کی خاص قسم کی رائفلیں آگ کی ایسی بارش کر رہی تھیں کہ چٹانوں کا ایک جال سا بن گیا تھا اور یہ چٹانیں ساری کی ساری بریگیڈیئر کرمانی کے ساتھیوں کا روح کر رہی تھیں ایسی کوئی جگہ نہیں تھی کہ وہ دوڑ کر کسی ٹیلے کی پناہ بھی لے لیں اول تو ان کے لئے فرار ہی ایک شرمناک کارروائی تھی دوئم یہ کہ ان ٹیلوں تک پہنچنے سے پہلے ہی ٹیلوں کے اوپر سے برسنے والی گولیاں انہیں چاٹ جاتیں بریگیڈیئر کرمانی نے حلق سے کچھ آوازیں نکالیں لیکن اچانک ہی ایک گولی اس کے حلق کو چیرتی ہوئی گردن کی پشت سے پار نکل گئی اس کے باوجود بریگیڈیئر کرمانی نے اپنی ایم ایلیون سے کچھ فائر کئے گولیاں خلاء میں نہ جانے کس سمت نکل گئیں اور اس کے بعد اس کی آنکھوں میں تاریکی پھیل گئی۔ اور وہ اوندھے منہ زمین پر آرہا۔

اس دوران ہیلی کاپٹر میں آگ لگ چکی تھی اور پھر ایک دھماکے کے ساتھ اس کے پرخچے فضا میں اڑنے لگے اور بہت سے انسانی اعضاء فضا میں بکھر گئے مرنے والوں میں صائم عدل بھی تھا اور جنرل ظہوری بھی شامل تھا ایک عظیم علاقے کے دو فولادی ستون جن پر مشرقی وسطیٰ کی سیاست کا دارومدار تھا۔ اور جو اپنی تمام تر کارروائیوں میں بے مثال سمجھے جاتے تھے اگر یہ ایک سچائی تھی تو اس کے بعد علاقے کی سیاست میں ایک اہم تبدیلی کا رونما ہونا یقینی امر تھا۔

ٹیلوں کے عقب سے جن لوگوں نے یہ کارروائی کی تھی وہ یہ جائزہ لیتے رہے کہ اب زندہ بچ جانے والے ان کے لئے خطرناک تو نہیں ہو سکتے اور جب چاروں طرف موت کی سی خاموشی طاری ہو گئی اور آگ کی بڑبڑاہٹ کے علاوہ کوئی اور آواز نہیں رہی تو وہ سب اپنے کمانڈر کے اشارے پر ان گڑھوں سے باہر نکل آئے جو انہوں نے اپنے لئے بنائے تھے ان کی خوشی سے بھرپور آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔ خود کمانڈر اپنے اس ایک شخص کی موت کا افسوس اپنے ذہن سے نکال کر اس جانب دوڑ پڑا تھا وہ مرنے والوں کی لاشیں دیکھ چکا تھا اور اس کے آدمی اپنے اپنے خونی ہتھیار سنبھالے اِدھر سے اُدھر دوڑتے پھر رہے تھے تاکہ اگر کوئی شخص زندہ بچا ہو تو اُسے بھی موت کی پُرسکون آغوش میں پہنچا دیں جب ان لوگوں کو مکمل طور پر اطمینان ہو گیا تو کمانڈر نے اپنے ساتھیوں کو کچھ ہدایات جلدی کیں اور ہیلی کاپٹر سے باہر نکل کر گرنے والی لاشوں کو شناخت کیا جانے لگا ان میں سے چند لاشیں تو قابل شناخت ہو گئی تھیں لیکن صائم عدل اور ظہوری کی لاشیں صاف دیکھی جا سکتی تھیں چنانچہ کمانڈر کی ہدایت پر ان دونوں لاشوں کو احتیاط سے الگ کر لیا گیا اور اس کے فوراً بعد وہ لوگ اپنے ساتھ لائے ہوئے سامان میں سے فولڈنگ اسٹریچر نکالنے لگے دو فولڈنگ اسٹریچر تیار کئے گئے اور ان دونوں لاشوں کو ان پر رکھنے کے بعد انہوں نے واپسی کا سفر شروع کر دیا ان کی رفتار دوڑنے کے مترادف تھی اور ان کا رخ دریائے شیرات ہی کی جانب تھا ان کے انداز سے تھکن کا احساس نہیں ہوتا تھا راستے بے حد دشوار گزار تھے جگہ جگہ ریتیلے ٹیلے سینہ تانے کھڑے ہوئے راستہ روکنے کے لئے مستعد نظر آرہے تھے، نرم ریت میں پاؤں بھی دھنس رہے تھے لیکن وہ اسٹریچر سنبھالے برق رفتاری سے اپنا یہ سفر طے کرتے رہے اور کچھ دیر کے بعد دریائے شیرات کی پُرشور آوازیں سنائی دینے لگیں جنہیں سن کر ان کے جسموں میں جیسے نئی زندگی دوڑ گئی ہو انہوں نے مسرت بھری آنکھوں سے اپنی منزل کو دیکھا اور ایک دوسرے کو اشارہ کرنے لگے۔

دریائے شیرات کی لہروں پر سفید رنگ کا ایک بڑا اسٹیمر ڈولتا ہوا نظر آرہا تھا اور انہیں اسی اسٹیمر تک پہنچنا تھا شاید اسٹیمر سے بھی انہیں دیکھ لیا گیا تھا کیونکہ اسٹیمر کے آس پاس کچھ لوگ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے ہاتھ ہلا رہے تھے اسٹریچر لے کے آگے بڑھنے والے تیز رفتاری سے یہ فاصلہ طے کرنے لگے اور کچھ دیر کے بعد اسٹیمر کے قریب پہنچ گئے، جہاں خود کئی آدمیوں نے دوڑ کر ان کے ہاتھوں سے اسٹریچر لے لئے اور پھر وہ اسٹیمر

میں داخل ہو گئے یہ شاندار کارنامہ انجام دینے والے بھی اسی بڑے اسٹیمر میں اُتر گئے تھے اور اسٹیمر تیز رفتاری سے دریائے شیرات کی لہروں پر فاصلہ طے کرنے لگا۔

✱

شہزاد جانتا تھا کہ ماسٹر شدت سے اس کا انتظار کر رہا ہوگا لیکن جب وہ اس کے کمرے میں جائے گا تو وہ بے نیازی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس بات کا اظہار بھی نہیں کرے گا کہ وہ اس کا منتظر تھا۔ دروازے پر دستک ہوئی اور اوشان کی آواز اُبھری۔

"اندر آجاؤ، میں تم سے بالکل یہ نہیں پوچھوں گا کہ تم نے اتنا وقت کہاں صرف کر دیا" شہزاد مسکراتا ہوا اندر داخل ہو گیا اوشان اپنے معمولات میں مصروف تھا اس کے سامنے ٹیپ ریکارڈر رکھا ہوا تھا اور اس پر سنا نجو کی موسیقی کی مدھم آوازیں اُبھر رہی تھیں، شہزاد نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

"ان آوازوں کو سن کر مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے زمانۂ قدیم کے کسی محل سرا میں کچھ ایسی بیگمات کی لڑائی ہو رہی ہو جو ایک دوسرے سے جذبۂ رقابت درستی ہوں۔"

"ہر انسان اپنے آپ کو بہت زیادہ اہمیت کا حامل سمجھ لیتا ہے اور سوچتا ہے کہ کوئی اس کے لئے پریشان کا شکار ہوگا حالانکہ جب بچے جوان ہو جاتے ہیں تو ان کی طرف سے آنکھیں ہی بند کرنا پڑتی ہیں بھلانے کی کوشش بالکل تو عمر طالب علم کی سی ہے ویسے تمہارے ذوق کی طرف سے لب مجھے تشویش ہو گئی ہے بھلا ساڑھے چار فٹ قد و قامت کی لڑکی بھی اس قابل ہو سکتی ہے کہ تم اس سے اظہارِ عشق کرو۔" شہزاد نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ دیں اور بولا۔

"میں سمجھا نہیں فضل فادر۔"

"جو بات حقیقت ہو اس کو تسلیم کر لینا زیادہ بہتر ہوتا ہے کچھ میں صرف اتنی ہی بات آسکتی ہے جتنی عقل میں وسعت ہو۔" شہزاد نے ایک گہری سانس لی ساتھ ہی لگے ہوئے آئینے میں اُسے لپ اسٹک کا وہ دھبہ نظر آیا تھا جو اس کے کمرے کے قریب تھا اور اوشان نے یقینی طور پر یہ اندازہ لگایا تھا کہ لڑکی کا قد و قامت بالکل یا ساڑھے چار فٹ کے قریب ہو سکتا ہے حالانکہ یہ حقیقت نہیں تھی بس گرینو کریگ کے بارے میں معلومات حاصل کرتے ہوئے ایک جگہ چھوٹا واقعہ پیش آگیا تھا اور ایک لڑکی لڑکھڑا کر شہزاد پر آگری تھی اور اس کے ہونٹوں پر لپ اسٹک بھی لگی ہوئی تھی، شہزاد کو لپ اسٹک کا یہ دھبہ اچھی طرح یاد تھا، اس نے ایک گہری سانس لے کر ہونٹ بھینچتے ہوئے کہا۔

"بعض اوقات قیاس آرائیاں بالکل ہی بے مقصد ہوتی ہیں اور انسان کے پرانے تجربے ناکارہ ہو جاتے ہیں اگر میں اس قبا کا ذکر کروں جس پر سینے کے قریب اس وقت بھی لپ اسٹک کا دھبہ موجود ہے تو لٹل فادر اس کے بارے میں کوئی کہانی مجھے سنا دیں گے جبکہ اس دھبے سے بہت سی کہانیوں وابستہ کی جا سکتی ہیں۔"

اوشان نے چونک کر اپنی قبا پر سینے کے قریب دیکھا تو شہزاد کا قہقہہ نکل گیا۔

"گرینو کریگ کے بارے میں کیا معلومات حاصل کرنے آئے ہو۔"

"نہایت خوبصورت ساحل ہے جس کی بھوری ریت پر گلابی گوشت کے لوتھڑے جگہ جگہ پڑے نظر آتے ہیں اور دلچسپ بات یہ ہے کہ یہ گوشت کپڑے سے ڈھکا ہوا نہیں ہوتا۔"

تب یقیناً اس پر مکھیاں بھنبھناتی ہوں گی۔" اوشان نے ٹیپ ریکارڈر کا بٹن بند کرتے ہوئے کہا۔

"یقیناً اگر ساحل پر مکھیاں موجود ہوتیں لیکن سینٹ کریٹ کے رہنے والے کم از کم نفاست پسند ضرور ہیں۔"

"تو پھر ہماری روانگی میں بہت زیادہ دیر نہیں ہونی چاہئے۔"

شہزاد نے ٹانگے پلانے سے تھوڑی دیر کے بعد وہ اوشان کے ساتھ باہر نکل آیا جس مقصد کے تحت وہ سینٹ کریٹ آئے تھے اس کی تکمیل ضروری تھی حالانکہ سینٹ کریٹ کے ائرپورٹ پر اُترنے کے بعد ہی انہیں مایوسی کا سامنا کرنا پڑا تھا اور انداز وہ نہیں رہا تھا جس کی وہ توقع کر رہے تھے، راستے میں شہزاد نے اوشان سے کہا۔

"وہ ہمیں سینٹ کریٹ بلانے کے بعد آخر کیا بتانا چاہتے ہیں؟"

"یہی کہ سکوت زندگی کا قاتل ہوتا ہے اور تحریک چاہے بے مقصد ہی کیوں نہ ہو جاری رہنی چاہئے ورنہ انسانی اعضاء بے کار ہو جاتے ہیں۔"

ٹائیگر بحث کرنے کے موڈ میں نہیں تھا۔ گرینو کریگ تک کا راستہ طے کرنے کے بعد اس نے اوشان کو اسٹیمر کی جانب متوجہ کیا جو ساحل پر اُبھرتی ہوئی ایک بڑی چٹان سے بندھا ہوا تھا اوشان بدخیال انداز میں اُسے دیکھتا ہوا اس کے قریب پہنچ گیا راستے میں اس نے ٹائیگر سے سوال کیا۔

"کیا تم نے اسٹیمر والوں سے کوئی رابطہ قائم کیا۔؟"

"نہیں اس کی ضرورت نہیں محسوس کی تھی کیونکہ

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

یہاں سے واپس جا کر تمہیں اطلاع دینا تھی۔" لوشان نے اسٹیمر کی بندھی ہوئی رسیاں دیکھیں اور بڑبڑاتے ہوئے بولا۔

"علی اسٹیمر لیکن ہمیں برونیو تک کا راستہ تو نہیں معلوم ہے اور پھر یہ نہیں کہا گیا تھا کہ ہمارا رہنما کوئی نہ ہوگا۔"

لیکن ابھی وہ یہ گفتگو کر رہے تھے کہ ایک شخص اسٹیمر پر نظر آیا وہ شاید اسٹیمر کی نچلی منزل سے برآمد ہوا تھا اس کا قد چھوٹا تھا اور شانے نہایت چوڑے تھے چہرے کی چوڑائی بھی کافی خطرناک تھی اور اس پر کانٹوں دار جھاڑیوں کی مانند داڑھی کے بال اُگے ہوئے تھے اس نے ان دونوں کو دیکھا اور پھر اس انداز میں گردن خم کی جیسے انہیں خوش آمدید کہہ رہا ہو اس کا مقصد تھا کہ وہ انہیں پہچانتا تھا۔

لوشان نے آگے بڑھ کر اس سے پوچھا۔

"کیا تم اس بڑے اسٹیمر پر تنہا ہو۔" اس شخص نے کوئی جواب نہیں دیا اور اس طرح ان کے آگے ہاتھ خم کئے جیسے انہیں اسٹیمر پر آنے کی دعوت دے رہا ہو۔

"ہوں اچھا تربیت یافتہ ہے، چلو۔" لوشان نے کہا اور اچھل کر اسٹیمر میں پہنچ گیا، ٹائیگر نے بھی ایک چھلانگ لگائی اور دوسرے لمحے وہ اسٹیمر کے تختے تھا جبکہ چوڑے شانوں والا پستہ قد آدمی نیچے اُتر کر ساحل پر اُبھری ہوئی اس چٹان کے قریب پہنچ گیا تھا جس سے رسّہ بندھا ہوا تھا اس نے ملاحوں کے ماہرانہ انداز میں رسہ کھولا اور اسی کو پکڑے پکڑے اسٹیمر تک آگیا چند لمحات کے بعد اس نے رسے کا لچھا بنا کر اندر ڈالا اور اسٹیمر کے انجن کے قریب پہنچ گیا۔ لوشان اور ٹائیگر اُسے خاموش نگاہوں سے دیکھ رہے تھے، اس شخص نے اسٹیمر کا انجن اسٹارٹ کیا اور لوشان اس کے قریب پہنچکر اس کے شانوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔

"کیا تم ہم دونوں کو پہچانتے ہو۔" جواب میں اس شخص نے دانت نکال دئے تھے اور یہ اس کی خوش بختی ہی تھی کیونکہ اگر وہ اس بار بھی کوئی جواب نہ دیتا تو لوشان اس کے شانے پر رکھا ہوا ہاتھ زاویے سے تبدیل کر لیتا اور اس کے

پُراسرار علوم کے ماہر
نوجوان امجد علی کی
پُراسرار اور عبرت انگیز
داستان
روگی
م۔الف صدیقی کے پُراسرار قلم سے
5 حصوں میں شائع ہو گئی ہے
قیمت فی حصہ -/60 روپے
قیمت سیٹ -/300 روپے
ناشر
مکتبہ القریش، سرکلر روڈ
اُردو بازار، لاہور۔2

بعد تو شاید مردے بھی بول اُٹھتے اس نے نیاز مندی کا اظہار کرتے ہوئے اپنا منہ کھول دیا اور لوشان نے اس کے غار جیسے حلق میں جھانکا جس میں زبان موجود نہیں تھی تب اس نے گہری سانس لے کر ٹائیگر کی جانب دیکھا اور کہا۔

"بول نہیں سکتا۔"

"سن بھی نہیں سکتا ہوگا گونگے آدمی بہرے بھی ہوتے ہیں۔" جواب میں اس شخص نے زور زور سے گردن ہلانا شروع کر دی تھی جس کا مقصد یہ تھا کہ وہ انہیں بتانا چاہتا تھا کہ وہ سن سکتا ہے بس بول نہیں سکتا۔

"تم ہمیں جزیرہ برونیو لے جا رہے ہو۔" ٹائیگر نے اُسے گھورتے ہوئے سوال کیا اور اس شخص نے جواباً پھر گردن ہلا دی۔

"کیا اس اسٹیمر پر تمہارے علاوہ اور کوئی موجود نہیں ہے؟" ٹائیگر کے اس سوال کا جواب وہ اشاروں میں دینے ہی والا تھا کہ ٹائیگر کو پھر قدموں کی آواز سنائی دی اور لوشان اس سے پہلے اُدھر دیکھنے لگا جدھر سے وہی سپاٹ لڑکی برآمد ہوئی تھی اس وقت اس کا لباس تبدیل کیا ہوا تھا اور وہ اس لباس میں نہیں جس میں انہوں نے اُسے ہوٹل میں دیکھا تھا اس کے چلنے کا انداز بھی عجیب تھا اور چند لمحات کے بعد وہ قریب آگئی۔

"ہوں تو تم بھی موجود ہو مجھے تعجب ہے یہاں تم دونوں کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔"

"نہیں۔" لڑکی نے اسی انداز میں مختصر اُکھرا۔

"اور تم ہمیں جزیرہ برونیو لے جا رہی ہو۔"

"ہاں۔"

"اس کے علاوہ تم کچھ نہیں بول سکتیں۔" ٹائیگر نے سوال کیا۔

"نہیں۔" ٹائیگر لوشان کی طرف دیکھ کر بولا۔

"لٹل فادر لگتا ہے اس میں کوئی مینو فیکچرنگ ڈیفیکٹ ہے۔ اوّل تو اس کی بناوٹ میں ضرور کوئی کنفیوژن ہو گیا ہے تعمیر کچھ ہوئی تھی اور ہو کچھ ہو گئی اور بھی غلطی کا احساس ہوا تو باقی کام بھی اُلٹے سیدھے کر ڈالے گئے مجھے اسی کا افسوس ہے۔"

سانٹو کریگ سے برونیو تک کا سفر ایک سو اسی سمندر میل ہے ابتدا میں سفر کی رفتار سست رہے گی اس کے بعد تیز رفتاری سے سفر کیا جائے گا تاہم اس کے طوالت کا اندازہ تم خود لگا سکتے ہو۔" لڑکی نے کہا اور ٹائیگر نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ دیں۔

"تم اتنے طویل جملے بھی بول سکتی ہو۔"

"اگر کسی چیز کی ضرورت پیش آئے تو تم لوگ یہ بٹن دبا کر مجھے بلا سکتے ہو۔" اس نے ایک طرف لگے بٹن کی طرف اشارہ کیا۔

"اوہ یہ ہے اس کا بٹن۔" شہزاد نے کہا۔ لڑکی نے واپسی کے لئے قدم اٹھا دیئے۔ لوشان اس دوران خاموش رہا تھا لڑکی نچلی منزل میں اتر گئی تو لوشان کا رخ اسٹیمر کے کیبن کی طرف ہو گیا۔ شہزاد نے بھی آگے قدم بڑھا دیئے تھے۔

"تمہیں اس میں لاتعداد خامیاں نظر آرہی ہیں اس کے باوجود تم اس سے باتیں کرتے رہنے کے خواہاں ہو کیونکہ وہ تمہاری مخالف صنف سے تعلق رکھتی ہے۔"

"یہی سوال میں کرنا چاہتا تھا۔ وہ کونسی عمر ہوتی ہے جب انسان صنف مخالف سے متاثر ہونا ترک کر دیتا ہے۔"

"ایسا موت کے بعد ہوتا ہے۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے اگر اس کی جگہ صرف وہ چوڑا آدمی ہوتا اور گونگا نہ ہوتا تو لٹل ماسٹر اسی سے سب کچھ پوچھ چکا ہوتا خواہ اس کے بدن کی کھال اس کے پیروں میں کیوں نہ آپڑتی۔"

"سمندر میں مچھلیوں کی ہم نشینی بھی بری نہیں ہوتی اگر سفر طویل ہو، میرے ذہن میں کچھ تازہ اشعار اتر رہے ہیں اور یہ وقت ان کی ترتیب کے لئے موزوں ہے۔" لوشان نے کہا اور کیبن میں داخل ہو گیا۔

ٹائیگر اس سے کچھ فاصلے پر ریلنگ سے لگ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ سب کچھ خلاف توقع ہوا تھا۔ سینٹ کریٹ پر ایک بھی جانی پہچانی شخصیت نہیں ملی تھی اور یہاں آنے کا مقصد تاریکی میں چھپا ہوا تھا۔ وہ پانی اٹھنے والے بلبلے دیکھتا رہا۔ اسٹیمر کی رفتار درحقیقت غیر معمولی ہوتی جا رہی تھی اور

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

اسے بہترین کہا جا سکتا تھا کیونکہ ہچکولے نہ ہونے کے برابر تھے۔ دوسرے ساحلوں پر جہاز لنگر انداز تھے صرف ایک سو اسی میل پر ایک ایسا جزیرہ موجود ہے جو آزاد ہے اور نقشوں میں اس کا وجود نہیں ہے آخر وہاں کیا ہے۔

کہیں کہیں اکا دکا فشنگ ٹرالر نظر آ جاتے تھے جو اپنے کام میں مصروف تھے ٹائیگر وہاں سے بھی آیا اور اس آدمی کے پاس کھڑا ہو گیا جس کے چہرے پر اسے دیکھ کر نیاز مندی کے آثار پھیل گئے تھے۔ ویسے بھی وہ قابل رحم شخصیت کا مالک تھا۔ لیکن وہ اس سپاٹ لڑکی کے چہرے جس سے گفتگو کرتے ہوئے صرف خصہ آ سکتا ہے۔ چنانچہ اسی نے ایک بار بھی بٹن نہیں دبایا کچھ دیر کے بعد وہ وہاں سے بھی ہٹ گیا۔ اور ساحد نگاہ ہولناک سمندر پھیلا ہوا تھا اسے لوشان کا خیال آیا اور وہ کیبن کی طرف بڑھ گیا۔

شمشیر سنانجو کا مالک کوئی نیا آسن جمائے بیٹھا تھا۔ ٹائیگر بھی اس کے قریب گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔ اسٹیئر عام قسم کے اسٹیئروں سے بہت مختلف تھا اس رفتار ہوور کرافٹ سے کسی طرح کم نہیں تھی اور خیال پیدا ہوا گیا تھا کہ یہ طویل سفر بہت زیادہ وقت نہ لے گا۔ جزیرہ پر سو کے آثار البتہ ابھی نظر نہیں آ رہے تھے۔ اس طرح کافی دیر گزر گئی۔ پھر اچانک اسٹیئر پائلٹ کرنے والے نے گردن گھما کر اس طرف دیکھا جہاں سے ابھری تھیں۔ لڑکی اسے اشارہ کر رہی تھی۔ دوسرے بار چوڑی چکلی شکل والے نے کیبن کی طرف نگاہ ڈالی جہاں وہ دونوں موجود تھے پھر اس نے اسٹیئر آٹو ڈرائیو کیا اور بلی جیسے قدموں سے چلتا ہوا اس طرف بڑھ گیا جہاں سے لڑکی اسے اشارہ کر رہی تھی وہ تیزی سے پانچ سیڑھیاں عبور کر کے اسٹیئر کی نچلی سطح میں آ گیا۔ لڑکی نے اسٹیئر کی نچلی منزل کی الماری سے غوطہ خوری کے دو لباس نکالے اور ایک لباس گونگے آدمی کی طرف بڑھایا اور دوسرا لباس خود پہننے لگی اس نے آکسیجن سلنڈر اپنے جسم پر باندھا یہی عمل اس کا ساتھی بھی کر رہا تھا۔ پھر لڑکی نے اسی الماری سے سرخ رنگ کا ایک ڈبہ نکالا اور اس پر تکنیکی عمل کرنے لگی اس کی سوئی کو لڑکی نے انگلی سے آگے بڑھایا اور ایک جگہ رکھ کر لباس کا آخری حصہ پہن لیا اور پھر اسٹیئر کی نچلی سطح سے اس نے ایک تختے کو ڈھکن کی طرح کھول لیا۔ اسی کے بعد ایک نگاہ اپنے ساتھی پر ڈالی دونوں ہاتھ بلند کیے اور ایک خاص انداز میں خلا سے اتر کر پانی میں جا پڑی۔ مہارت کی بات تھی ورنہ اس برق رفتاری سے دوڑتے اسٹیئر پانی میں گرتے ہوئے ذرا سی لغزش پورا بدن پارہ پارہ کر سکتی تھی، اس کا گونگا ساتھی بھی کسی طور اس سے پیچھے نہ رہا تھا۔

ادھر لوشان مراقبے سے نکل آیا، اس نے ہونٹ سکوڑ کر ٹائیگر کو دیکھا اور بولا۔

"بٹن دبا کر اس لڑکی کو بلاؤ" اور ابھی اس نے اتنا ہی کہا تھا کہ اچانک وہ خاموش ہو گیا اور کچھ سننے کی کوشش کرنے لگا پھر اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ "ٹک... ٹک... ٹک... ٹک..." اس کے منہ سے سرگوشی کے عالم میں نکلا اور دفعتاً اس نے کر کو بل دے کر کیبن کے دروازے پر لات ماری، دروازہ اپنی تمام مضبوطی کے باوجود چوکھٹ سے اکھڑ کر کسی دو ہیکل پرندے کے مانند پرواز کرتا ہوا سمندر میں جا گرا، لیکن لوشان کی پرواز اس سے زیادہ تیز تھی اس نے دروازے کے ساتھ ساتھ ہی خود بھی چھلانگ لگا دی تھی، ٹائیگر بھلا اس سے پیچھے کہاں رہ سکتا تھا، لوشان کے الفاظ کو وہ سمجھ چکا تھا اور چونکہ ٹک ٹک کی اس ہلکی سی آواز میں سمندر کے پانی کا شور بھی شامل تھا اس لئے اس کی توجہ اس طرف نہ جا سکی تھی، لیکن لوشان کے منہ سے الفاظ ادا ہوتے ہی اس کی حس سماعت نے وہ آواز سن لی جس نے لوشان کو اپنی جانب متوجہ کیا تھا اور جس کی بنا پر لوشان نے یہ کارروائی کی تھی چنانچہ وہ بھی لوشان کے ساتھ ساتھ ہی لڑھکتا ہوا اسٹیئر کے بغلی حصے کی طرف پہنچا اور دروازے کے ساتھ ساتھ ہی پانی میں جا گرا اس وقت اسٹیئر کی تیز رفتاری ان کے لئے فائدہ مند تھی وہ آن کی آن میں کمان سے نکلے ہوئے تیر کی مانند دور چلا گیا اور پھر کافی فاصلے پر پہنچنے کے بعد ایک ساعت شکن دھماکہ ہوا اور پانی پر بے شمار آگ کے شعلے بکھر گئے، اسٹیئر خوفناک دھماکے کے ساتھ پھٹ گیا تھا اور ان سے اس کا

فاصلہ اتنا ہو گیا تھا کہ اس دھماکے سے ان لوگوں کو کوئی نقصان نہ پہنچے، اسٹیئر کے ٹکڑے فضا میں کافی اوپر تک بلند ہوئے اور اس کے بعد سمندر کی سطح پر پھیل گئے۔

ٹائیگر اور لوشان پانی کے نیچے نہیں گئے تھے بلکہ سطح سے گردن نکال کر وہ یہ دیکھنے لگے تھے کہ اسٹیئر کا کیا حشر ہوا ہے اور جب آگ کے شعلے پانی پر بیٹھنے لگے اور پٹرول کا جلنا بند ہو گیا تو لوشان نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

پتا نہیں ان دونوں کا کیا حشر ہوا ہو۔ اس کا خیال شاید اسٹیئر چلانے والے شخص اور لڑکی کی طرف گیا تھا، لیکن ٹائیگر کے ذہن میں ایک لمحے کے لئے بجلی سی کوند گئی اسٹیئر کا یہ حشر ٹائم بم سے کیا گیا تھا لیکن ٹائم بم لگانے والے احمق تو نہیں ہوں گے جو اپنی جان بھی دے دیں اور دوسرے لمحے اس نے پانی میں غوطہ لگا دیا لوشان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اور اس نے ایک بار پھر بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

"وہ تیز رفتاری سے سوچ سکتا ہے عمل کر سکتا ہے۔"

ٹائیگر پانی کی گہرائیوں میں کچھ نیچے تک پہنچا اور اس کے بعد اس نے آنکھیں کھول دیں، سمندر کے نیچے آنکھیں کھول کر طرف کا جائزہ لینے کی مشق بھی لوشان نے اسے کافی دنوں تک کرائی تھی اور اس کے لئے ایک خصوص طریقہ کار استعمال کرنا پڑتا تھا، سنانجو کا آقا بھلا اس سے پیچھے کہاں رہ سکتا تھا، پانی کے نیچے وہ دور تک تیرتے چلے گئے اور کافی فاصلے پر انہیں کسی کی موجودگی کا احساس ہوا پھر جلد ہی دو غوطہ خور انہیں نظر آ گئے۔ جو بڑی مہارت اور برق رفتاری کیساتھ ایک سمت میں بڑھ رہے تھے۔

غالباً غوطہ خوروں نے بھی ان کی موجودگی کا احساس کر لیا تھا۔ شاید اسی لئے ان کی رفتار میں تیزی آ گئی تھی۔ لیکن ان کی یہ کوشش بے سود ہی ثابت ہوئی۔

ٹائیگر نے ان دونوں کو پہچان لیا تھا۔ اس نے سر گھما کر لوشان کی سمت دیکھا۔ لوشان نے بھی سر ہلا کر اس کے خیال کی تائید کر دی تھی۔ لمبے اور ڈھیلے ڈھالے لبادے کے باعث اس کی حالت عجیب سی ہو رہی تھی ماہر سے ماہر تیراک بھی پانی میں اترنے سے قبل بھاری لباس اور جوتوں وغیرہ سے آزادی حاصل کر لیتا ہے لیکن لوشان ایسا نہ کرنے کے باوجود بھی بڑی آسانی اور برق رفتاری سے کسی ڈولفن ہی کی مانند تیر رہا تھا۔

چوڑے چکلے جسم کا آدمی اچانک سمندر میں پلٹا اور لوشان کے بدن سے ٹکرایا۔ یہ دوسری بات ہے کہ لوشان نے ہلکا سا زاویہ تبدیل کر کے اسے اپنی پشت پر سے نکال دیا تھا، لیکن لڑکی ٹائیگر کی گرفت سے محفوظ نہ رہ سکی، ٹائیگر نے اسکی دونوں کلائیاں پکڑیں اور پانی میں پاؤں اوپر کر کے اسے اس طرح موڑ دیا کہ وہ عقب میں چلی جائے لیکن ٹائیگر کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ عجیب و غریب شے جس کا کوئی مصرف اس کی سمجھ میں نہیں آ سکا تھا درحقیقت جنگ و جدل کے لئے موزوں ترین ہے، اس نے ٹائیگر کی پکڑی ہوئی کلائیوں کا وزن ٹائیگر کے ہاتھوں میں ہی ڈال دیا اور اپنے نچلے پاؤں پانی میں سمیٹے اور اس اور اس کے بعد اس طرح اس کے دونوں پاؤں ٹائیگر کے چہرے کے قریب سے نکل گئے کہ اس کی ایڑیاں ٹائیگر کی ٹھوڑی پر پڑی تھیں اور وہ گھوم کر قلابازی کھا گئی تھی جس کی بناء پر اس کی دونوں کلائیاں ٹائیگر کی گرفت سے نکل گئیں

چونکہ ٹائیگر کی گرفت اتنی سخت نہ تھی اس لئے لڑکی کو موقع مل گیا تھا دوسرے لمحے اس نے اپنے لباس سے ایک تیز دھار خنجر نکال لیا اور اس کے بعد ادھر ادھر گردش کرنے لگی۔

وہ ایک ماہر خنجر باز معلوم ہوتی تھی لیکن زیر آب یہ عمل ٹائیگر کے لئے حیرت ناک تھا اور وہ دلچسپی سے اس لڑکی کے بدلتے ہوئے پینتروں کو دیکھ رہا تھا، یقینی طور پر وہ اس جنگ کی ماہر معلوم ہوتی تھی لیکن یہ حیرت ناک بات تھی کہ آخر اس نے خصوصی طور پر سمندر کے نیچے جنگ کرنے کی تربیت کیوں کر حاصل کی ہے کیا اسے اس بات کا گمان تھا کہ زندگی کے کسی حصے میں اس طرح دو انوکھے سے مقابلہ کرنا پڑے گا جنہیں وہ اپنی دانست میں تباہ کر چکے تھے بھلا اس بات کے کیا امکانات تھے کہ اسٹیئر میں لگایا

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ہوا ناٹم ہم فوری طور پر منظر عام پر آجاتا اور یقینی طور پر اگر اس سے واقف ہونے کے بعد اسے تلاش کرنے کی کوشش کی جاتی اور اسے ناکارہ بنانے کا تصور ذہن میں آتا تو یہ تلاش کامیاب نہ ہوتی کیونکہ اسے ایسی جگہ چھپایا گیا تھا جسے آسانی سے تلاش نہیں کیا جاسکتا تھا، البتہ یہ دوسری بات ہے کہ ان لوگوں کی ساعت ایسی کسی جگہ کا تعین خاص طور سے کر لیا کرتی تھی لیکن دوسرے لوگ کیا جانتے تھے خاص طور سے وہ اجنبی جو پوری طرح ان سے واقف نہ ہوں اور اگر ان سے واقف ہوتے تو یقینی طور پر ان کی ہلاکت کے لئے عمل نہ کیا جاتا بلکہ ایسا کوئی بہتر طریقہ کار دریافت کیا جاتا جو نہایت کار آمد ثابت ہو سکتا ہو۔ لیکن صورت حال کو ناکام ہوتے دیکھنے کے بعد مقابلے کی یہ قوت اس بات کا اظہار کرتی تھی کہ وہ جو کوئی بھی ہیں کم از کم عمل کرنا جانتے ہیں۔

لڑکی کسی مچھلی ہی کی مانند پیترے بدل کر ٹائیگر پر حملے کر رہی تھی اور کئی بار آب دار خنجر کی تیز دھار ٹائیگر کے جسم کو چھوتی ہوئی گذر گئی تھی، ٹائیگر صرف پیترے بدل رہا تھا اور اس نے ابھی تک لڑکی کے خلاف کوئی ایسا عمل نہیں کیا تھا جو آخری عمل کہلاتا ہو، البتہ اسے اس جنگ کے میں لطف آرہا تھا اور یہ بات وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ یہی صرف دو افراد ہیں جو اس وقت سمندر میں ان کے مد مقابل ہیں آس پاس کوئی اور موجود نہیں ہے چنانچہ اس بات کی جلدی نہیں تھی کہ اس کھیل کو جلد از جلد ختم کر دیا جائے۔

لڑکی جس طرح سمندر میں اپنی جولانیاں دکھا رہی تھی اس سے یہ اندازہ ہوتا تھا کہ ٹائیگر کو اس کے خلاف کوئی ایسا عمل کرنا پڑے گا جس سے خود اس کی اپنی زندگی بچ سکے۔ ورنہ کوئی بھی لمحہ ایسا جاسکتا تھا جب خنجر اس کے جسم کے کسی حصے میں پیوست ہو جائے اور بھلا اس بات کو ٹائیگر کیسے گوارا کر سکتا تھا۔ کہ سمندر میں وہ کسی لڑکی کے ہاتھوں زخمی ہو جائے اور لڑکی بھی وہ جو اسے ایک آنکھ نہ بھائی ہو بلکہ اسے لڑکی سمجھنے ہی میں ٹائیگر کو کافی دقت پیش آتی رہی تھی اور اس کے بعد ہی ہوا، وہ اندازہ نہیں لگا سکا تھا کہ لوشان نے اس شخص کے ساتھ کیا کیا جو اسٹیر چلا رہا تھا، لیکن لڑکی اس بار جب اس کے بالکل قریب پہنچی اور ٹائیگر نے جیسے ہی رخ بدل کر اسے جھکائی دی لڑکی نے فوراً ہی اس کے سینے کی جانب وار کر دیا لیکن یہ سب سوچی سمجھی اسکیم کا نتیجہ تھا۔

ٹائیگر نے جان بوجھ کر اپنے جسم کو اس کے سامنے اس طرح پیش کیا تھا کہ لڑکی کو اپنی کامیابی کا یقین ہو جائے، لیکن یہی یقین اس کے لئے دھوکے کا باعث بنا، اچانک ہی ٹائیگر کا نچلا حصہ مزید نیچے ہوا اور اس کے ساتھ ہی اس کا گھٹنا لڑکی کی پشت پر پڑا، لڑکی ایک لمحے کے لئے بوکھلا گئی اور اسی وقت ٹائیگر نے اس کے خنجر والے ہاتھ پر ہاتھ ڈال دیا لیکن اس بار گرفت ایسی نہیں ہو سکتی تھی کہ لڑکی اپنی تمام تر قوتوں کی باوجود اس سے جھٹکا بھی کر سکے، ٹائیگر نے اس کا ہاتھ کچھ اس انداز میں پکڑا اور خلاف سمت میں موڑا کہ دفعتہً ہی اس کے حلق سے ایک دلخراش چیخ نکلی لیکن پانی میں یہ چیخ سنائی نہیں دی تھی البتہ اس کا جھوٹا بازو اس بات کا اظہار کر رہا تھا کہ وہ اپنے شانے کے پاس سے اکھڑ چکا ہے اب جبکہ یہ بازو اکھڑ چکا تھا تو ٹائیگر کو مزید کارروائی کرنا تھا اور پھر لڑکی نے اسے موقع بھی دیا، یعنی اپنے ٹوٹے ہوئے بازو کے باوجود اس نے فوراً ہی ہاتھ سے چھوٹنے والے خنجر کو دوسرے ہاتھ سے پکڑا اور پانی میں تھوڑا سا نیچے جانے کے بعد ایک بار پھر ٹائیگر کی جانب ابھری۔

ٹائیگر اس کی اس جرأت پر حیران رہ گیا تھا لیکن اس بار ٹائیگر نے پلٹ کر اپنا پاؤں اس کے منہ پر مارا اور لڑکی کی گردن کافی پیچھے ہو گئی لیکن اس کے بعد وہ پانی میں مردہ ہو جانے والی مچھلی ہی کی مانند سیدھی ہو گئی تھی خنجر اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر پانی کی گہرائیوں میں ایک لکیر بناتا ہوا چلا گیا تھا۔ کچھ ہی فاصلے پر پائلٹ کا بدن بھی پانی کی سطح پر اوپر اٹھتا جا رہا تھا، گویا لوشان نے اسے بھی ختم کر دیا تھا چند ہی لمحات کے بعد وہ پانی کی سطح پر پہنچ گئے لوشان نے ٹائیگر کو دیکھا اور اس کے بعد بولا۔

"ان دونوں کو ختم کرنے کا ارادہ نہیں تھا لیکن زیر آب ہم ان کے لئے کوئی مہمان خانہ کہاں تلاش کر سکتے

تھے۔؟"

"میں اس کی شدید مخالفت کرتا کیونکہ اس لڑکی کو ایک لمحے کے لئے مہمان بنانا میرے لئے ممکن نہیں تھا۔" لوشان نے پلٹ کر ادھر ادھر دیکھا اور پھر دور تک نگاہیں دوڑانے لگا اس کے بعد اس نے اپنی ساعت کو کسی خاص مقصد کے تحت استعمال کیا اور پھر ذرا سا مزید اونچا اٹھا اور پھر ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

"فشنگ ٹرالر۔۔۔" ٹائیگر نے ابھی تک ایسی کسی شے کو نہ محسوس کیا تھا نہ دیکھا تھا۔ پھر لوشان کے اشارے پر اس نے بھی بہت دور سمندر میں نظر آنے والے اس چھوٹے فشنگ ٹرالر کو دیکھا جو یقینی طور پر مچھلیاں پکڑنے کا کام سر انجام دے رہا تھا، لیکن ان اطراف میں اور اتنے فاصلے پر نکل آنے کے بعد ایسے کسی فشنگ ٹرالر کو بہت دور دور تک نہیں دیکھا گیا تھا، اسٹیر جس انداز میں سفر کرتا رہا تھا، اس سے یہ احساس ہوتا تھا۔ کہ جزیرہ برونیو یہاں سے بہت زیادہ فاصلے پر نہیں ہو سکتا ویسے بھی اسٹیر میں انہیں کافی دیر تک سفر کرنا پڑا تھا۔ اور اسٹیر کی رفتار سے یہ اندازہ لگانے میں کوئی مشکل پیش نہیں آتی تھی کہ وہ کتنی دیر تک ایک سو اسی میل کا یہ سفر طے کر لیں گے اور اگر اس وقت تک ان کا اندازہ غلط نہیں تھا تو یہ سفر کافی حد تک طے ہو چکا تھا۔ اس درمیان کسی فشنگ ٹرالر کا اس جگہ موجود ہونا دو ہی باتوں کا اظہار کرتا تھا، اول تو یہ کہ جزیرہ برونیو کہیں بالکل ہی آس پاس موجود ہے اور یہ فشنگ ٹرالر اس کی جانب سے آیا ہے۔ دوم یہ کہ فشنگ ٹرالر کے وجود کا علم کم از کم اسٹیر میں موجود یا ان کے ہاتھوں ہلاک ہو جانے والوں کو تھا اور اسٹیر کو تباہ کرنے کے بعد یعنی اس اسٹیر کو جس میں یہ دونوں سفر کر رہے تھے ان کی منزل وہی فشنگ ٹرالر ہو سکتا تھا اور اس بات پر لوشان نے ٹائیگر سے مکمل طور پر اتفاق کیا، لوشان نے کہا۔

"ہمیں ان حالات کے بعد اس دھوکے میں نہیں رہنا چاہیے کہ یہ فشنگ ٹرالر بلاوجہ یہاں موجود ہے۔ یقینی طور پر ان دونوں کو اپنی زندگی بچانے کے لئے فشنگ ٹرالر ہی کا سہارا درکار ہو گا چنانچہ ہماری زندگی کے لئے بھی یہی ضروری ہے چونکہ چاروں طرف بیکراں سمندر ہے اور اس بیکراں سمندر میں کسی سمت کا تعین کئے بغیر ہمارا تیرنا بے مقصد، کیونکہ ہم یہ اندازہ نہیں نہیں لگا سکتے کہ سونٹ کرٹ کے اس ساحل کا نام گرینو کریگ ہے رخ کس جانب ہے چنانچہ ہمارے لئے یہ بہتر ہے کہ ہم اب اسی فشنگ ٹرالر کا رخ کریں۔" ٹائیگر نے لوشان کی بات سے اتفاق کیا تھا

"اسٹیر دریائے شیرات کی روانی پر برق رفتاری سے بہہ رہا تھا اور اس کے اندر موجود لوگ اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے۔ وہ کمانڈر جس نے صحرا میں ایک ناقابل یقین کارنامہ سرانجام دیا تھا سب کی توجہ کا مرکز بنا ہوا تھا۔ ابھی تک اس سے کسی نے کوئی سوال نہیں کیا تھا لیکن یہ بات سبھی محسوس کر چکے تھے کہ کمانڈر کے ساتھ جتنے افراد گئے ہیں ان میں سے ایک کم ہے۔ اس کا مقصد ہے کہ وہ اب اس دنیا میں نہیں رہا ہے۔ کمانڈر کو پوری طرح آرام کرنے کا موقع دیا گیا۔ دریا کی روانی کے ساتھ ساتھ اسٹیر کی رفتار تیز سے تیز تر ہوتی جا رہی تھی۔ کناروں پر بہت سے مسلح افراد نگاہیں جمائے کھڑے ہوئے تھے اور دریا کے ساحل کو دیکھ رہے تھے۔ یہ علاقہ خطرناک ترین تھا کسی بھی لمحے کوئی خوفناک کارروائی ہو سکتی تھی جو، ان کے سارے کیے دھرے پر پانی پھیر دے لیکن وہ جو کچھ اپنے ساتھ لے جا رہے تھے وہ بڑے فخر و غرور کا حامل تھا اور انہوں نے ایسے ہی کارنامے اس سے پہلے بھی سرانجام دیئے تھے جو ناقابل یقین ہیں۔

کے لیٹر بورٹ پر کی جانے والی کارروائی قابل تحسین تھی۔ وہ آج بھی دنیا کی زبان پر تھی۔ اس کے علاوہ فرانس میں کرسس کی رات جنگی کشتیوں کی چوری آج تک نہیں بھولی جا سکتی تھی اور اس میں اتفاقیہ طور پر یہی کمانڈر ملوث تھا جس کے سپرد آج صحرا میں یہ ذمہ داری کی گئی تھی۔ اس کے علاوہ ایک ایٹمی پلانٹ کی تباہی بھی انہی کارناموں میں درج کی جاتی تھی اور ایسے کارناموں نے ان کے دل بڑھا دیئے تھے اور یہ چوتھی کارروائی جو ابھی تک ناقابل یقین حد میں تھی لیکن ان دو لاشوں کی موجودگی اُسے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

قابلِ یقین حیثیت کا درجہ دیتی تھی اور جتنے لوگ اس مشن میں شریک تھے وہ خوشی سے پھولے نہیں سما رہے تھے لیکن ابھی ان کی زبانوں پر کوئی ایسا کلمہ نہیں آیا تھا جو انہیں غرور کی شکل میں سامنے لائے جب کہ سب کے چہرے فخر و غرور سے تنے ہوئے تھے۔ ہاں یہ مشکل مرحلہ طے ہو جائے اور وہ کامیابی سے اپنی منزل تک پہنچ جائیں۔ تب وہ غرور کرنے میں حق بجانب تھے اور سب کی یہی خواہش تھی کہ اب تک جس کامیابی سے ہمکنار ہوا گیا ہے اُسے برقرار رکھا جائے۔

ایک پُراسرار خاموشی ایک انوکھی خوشی ان کے چہروں پر رقصاں تھی۔ اسٹیئر کامیابی سے منزل کی جانب رواں دواں تھا جب کہ وہ کمانڈر خاموشی سے ایک آرام کرسی میں دراز فرلب کی ہلکی ہلکی چسکیاں لے رہا تھا۔ اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔ شاید اسے خود بھی اپنی اس کامیابی کا یقین نہیں تھا۔ چند لمحوں کا کھیل تھا لیکن اس کھیل کے لیے کتنی مضبوط پلاننگ کرنی پڑی تھی۔ اس کارنامے کے بعد صورتِ حال کیا ہو گی لیکن اس سے پہلے انہیں اپنی منزل پر پہنچنے کے لیے تمام تر کارروائی کرنی تھیں۔ ساحلوں پر کہیں کہیں درخت رات کی تاریکی میں انسان محسوس ہوتے تھے اور ان لوگوں کے چہروں پر خوف کے آثار نظر آنے لگتے تھے۔ جب وہ درخت پیچھے ہو جاتے تو اُن کے چہرے مطمئن ہو جاتے۔ یہ ہولناک سفر جاری رہا

وہ ایک ایسے علاقے میں پہنچ گئے جہاں سے دریا کا کنارہ بہت زیادہ چوڑا نہیں تھا اور پھر اسٹیئر کو ساحل کی جانب موڑا جانے لگا اور کچھ دیر کے بعد وہ ایک ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں کہیں کہیں مدھم روشنیاں نظر آ رہی تھیں۔ یہ مدھم روشنیاں ایک ساحلی بستی کی تھیں جس کے اطراف میں چھوٹے چھوٹے ترکاریوں کے کھیت پھیلے ہوئے تھے۔ بستی مفلوک الحال نظر آتی تھی۔ بستی کے سارے مکانات خام تھے اور ایک کھلے وسیع و عریض میدان میں بے شمار عورتیں، مرد، بچے، بوڑھے جمع تھے۔ کچھ نوجوانوں کے ہاتھ پشت پر باندھ کر انہیں ایک جگہ جمع کر دیا گیا تھا۔ عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو الگ رکھا گیا تھا اور اس وسیع و عریض میدان کے احاطے کے چاروں طرف مسلح افراد کالے بھوتوں کی مانند ان پر رائفلیں اور کلاشنکوف گنیں تانے ہوئے کھڑے تھے۔ ان کی نگاہیں ان قیدیوں کی ہر جنبش کا جائزہ لے رہی تھیں۔ اس سلسلے میں چند المناک واقعات پیش آ چکے تھے جن کے نتیجے میں کچھ عورتوں کی سسکیاں آہستہ آہستہ بلند ہوئیں اور اس کے بعد وہ خود ہی ایک دوسرے کے منہ پر ہاتھ رکھ کر انہیں خاموش کر دیتیں۔ تین یا چار بچوں کی لاشیں ان کی ماؤں کی آغوش میں موجود تھیں جنہیں گولی مار کر اس جرم میں ختم کر دیا گیا تھا کہ انہوں نے رات کی اس تاریکی میں رونے کی کوشش کیوں کی۔ اس کے علاوہ احتجاج کرنے والے چند نوجوانوں کو بھی گولیوں کا شکار بنا دیا گیا تھا اور ان کی مری تڑپی لاشیں اس احاطے میں مختلف حصوں میں پڑی ہوئی تھیں جو لوگ ان کی نگرانی کر رہے تھے اُن کی تیز نگاہیں ان کا بہر پور جائزہ لے رہی تھیں اور کچھ لوگ ایسے تھے جنہیں یہ ذمہ داری سونپی گئی تھی کہ وہ دریا کی جانب نگاہ رکھیں چنانچہ مسلح افراد کے اس دستے نے اپنے سربراہ کو بتایا کہ اسٹیئر واپس آ رہا ہے اور اس کے بعد تقریباً پندرہ آدمی ساحل پر پہنچ گئے۔ اسٹیئر پر موجود لوگ آہستہ آہستہ کنارے پر کودنے لگے اور آنے والے ان سے اُن کی خیریت دریافت کرنے لگے۔ بستی کو محاصرے میں لینے والوں نے انہیں بتایا کہ اس وقت تک حالات بالکل پُرسکون ہیں۔ رات اپنے تیسرے پہر سے گزر رہی تھی اور یہ کارروائی نہایت برق رفتاری سے جاری تھی۔ اسٹیئر خالی ہو گیا تب اسٹیئر کو بیچ سمندر میں چھوڑ دیا گیا اس میں ٹائم بم فٹ تھے جو دور جا کر پھٹ جاتے اور اسٹیئر تباہ ہو جاتا۔ وہ دونوں اسٹریچر بھی اتار لے گئے تھے جن پر لاشیں تھیں اور تمام لوگ ان لاشوں کو دیکھنے کے لیے بے چین تھے لیکن شاید ان پر کچھ ذمہ داریاں عائد تھیں جن کی بنا پر انہیں سب سے پہلے اپنا کام کرنا تھا۔

ooooo

جس جگہ انہوں نے یہ کارروائی کی تھی وہ بے شک

ایک چھوٹی سی ساحلی بستی تھی اور یہاں اس قسم کے لوگ رہا کرتے تھے جو بڑی بستی میں سبزیاں وغیرہ سپلائی کرتے تھے۔ خانہ بدوشوں کا یہ قافلہ اچانک ہی عذاب کا شکار ہو گیا تھا اور عذاب کا شکار کرنے والے وہ ہیلی کاپٹر تھے جو زمین سے صرف کچھ بلندی پر پرواز کرتے ہوئے پہاڑیوں کی سمت سے آئے تھے اور یہاں آ کر خاموشی سے ایک کھلے اور وسیع میدان میں اُتر گئے تھے۔ یہ ہار بردار ایڈمیلر تھے جن میں بہت زیادہ گنجائش ہوا کرتی ہے اور پھر ایڈمیلر کے دہانے سے فوجی برآمد ہونے اور انہوں نے تھوڑی ہی دیر کے اندر پوری بستی کو یرغمال بنا لیا اور انہیں ایک جگہ جمع کر کے کچھ ہدایات جاری کی گئیں لیکن ساحلی بستیوں میں رہنے والے اس قسم کے واقعات کے عادی تھے۔ تل ابیب سے ان پر جو قیامتیں ٹوٹتی تھیں اس کا پرسانِ حال کوئی نہیں تھا۔ ان کی آوازیں تک اس جگہ تک نہیں پہنچ پاتی تھیں جہاں ان آوازوں کو پہنچنا چاہیئے تھا اور ان کے خلاف عمل ہونا چاہیئے تھا یا پھر حالات ایسے سنگین تھے کہ ان کی جانب پوری پوری توجہ نہیں دی جا سکتی تھی اور عام لوگ بھلا اپنے تحفظ کے لیے کیا بندوبست کر سکتے ہیں چنانچہ اس قسم کے واقعات ان کے لیے عام تھے۔ چند لوگوں کی ہلاکت ہوتی اور اس کے بعد خاموشی چھا جاتی اور اس وقت بھی یہی ہوا تھا۔ ان ماؤں کے بچے ان سے بچھڑ گئے تھے جنہوں نے اپنے بچوں کو چپ کرنے کی کوشش کی تھی لیکن ننھی سی عمر بھلا کس چیز کو خاطر میں لاتی ہے۔ ہاں کسی کے پستول سے نکلنے والی ایک گولی بس اتنی ہوتی تھی کہ اس کے بعد کوئی احتجاج باقی نہیں رہ جاتا تھا اور وہ جو اس احتجاج کے آگے سینہ سپر ہوئے ان کی ہلاکت بھلا کس طرح ناممکن بنائی جا سکتی تھی۔ وہ وسیع و عریض احاطے میں زندگی سے محروم پڑے ہوئے تھے اور سسکاریاں حلق ہی حلق میں گھٹ رہی تھیں۔ آنے والے اسٹریچر لیے ہوئے ان ایڈمیلر ہیلی کاپٹروں کے قریب پہنچ گئے جن کی حفاظت کے لیے بھی چند لوگ متعین تھے۔ جو تل ابیب کے لیے قابلِ فخر تھا۔ اس پلاننگ میں کون کون شریک تھا یہ بات ابھی صیغۂ راز ہی میں رکھی گئی تھی لیکن جاننے والے اور سیاست سے واقف لوگ یہ جانتے تھے کہ یہ ساری کارروائی کیا ہے اور اس کے نتیجے میں کیا ہونے والا ہے۔ ایک ایسے خوفناک بحران کی ابتداء کی جا رہی تھی جس کے بعد دنیا کے لیے انتہائی مشکل مسائل کا سامنا پیدا ہو جائے گا لیکن یہ مسائل ان لوگوں کے لیے تھے جن کا علاقہ دوسرا تھا۔ جو لوگ یہ مسائل پیدا کر رہے تھے انہیں اس کی فکر نہ تھی کہ یہاں کیا ہو گا وہ خود کو انتہائی محفوظ سمجھتے تھے۔

لاشوں کو اسٹریچروں سمیت ایڈمیلر میں منتقل کر دیا گیا اور اس ہیلی کاپٹر میں ذرا کم لوگوں کو جگہ دی گئی تھی باقی وہ جو محاصرہ کئے ہوئے تھے انہوں نے آخری ہدایت جاری کی اور اس وقت تک ہر ایک کو جنبش کرنے سے منع کر دیا جب تک ہیلی کاپٹر ان کی نگاہوں سے اوجھل نہ ہو جائیں۔ تب بقیہ تمام افراد ہیلی کاپٹروں میں پہنچ گئے اور یہ وہی تھے جو ان ہیلی کاپٹروں سے یہاں آئے تھے اور اس سے پہلے ان کے لیے کچھ کارروائیاں چند ایسے افراد نے کی تھیں جنہیں عذاب بھی کہا جا سکتا ہے اور ضمیر فروش بھی۔ یعنی اس اسٹیئر کی فراہمی جسے آگے چل کر بتا کر دیا گیا تھا تاکہ تمام نشانات مٹ جائیں لیکن جو نشانات وہ یہاں چھوڑ گئے تھے ان کا مٹنا ممکن نہیں تھا اور بات بہت آگے جانے والی تھی جس کا تجزیہ دنیا کو بعد میں ہوا۔ وہ ہیلی کاپٹر جس میں دونوں لاشیں رکھی گئی تھیں سب سے پہلے فضا میں بلند ہو کر ایک سمت اختیار کر کے چل پڑا تھا ہیلی کاپٹر کے پائلٹ انتہائی مستعد تھے اور وہ جانتے تھے کہ راڈر سے بچنے کے لیے انہیں کتنی بلندی پر سفر کرنا ہے اور کون کون سے راستے ان کے لیے خطرناک ثابت ہو سکتے ہیں چنانچہ پہاڑیوں کی چوٹیوں سے نیچے نیچے اس سفر کو جاری رکھنا ایک انتہائی مشکل کام تھا تاہم تمام ہیلی کاپٹر پوری مہارت کے ساتھ اپنا یہ سفر طے کر رہے تھے۔

ان کی منزل تل ابیب ہی تھی جس تک پہنچنے کے لیے انہیں انتہائی دانشمندی سے اپنا یہ کام سرانجام دینا تھا پھر جب تل ابیب کی روشنیاں نظر آئیں تو ان سب کے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

حلق سے چیخیں نکلنے لگیں۔ وہ خوشی سے دیوانے ہو گئے تھے جو کارنامہ سرانجام دینے کے لیے انہوں نے یہ طویل ترین مہم تیار کی تھی وہ پایہ تکمیل کو پہنچ گیا تھا اور اب وہ اپنی منزل کے بالکل قریب تھے۔ ان لوگوں کے استقبال کے لیے بھی ایک معقول بندوبست کیا گیا تھا اور ایک خاص قسم کے ہیلی پیڈ پر بہت سے افراد موجود تھے جو خوشی کے عالم میں چیختے ہوئے ہیلی کاپٹروں کو روشنیاں دکھا رہے تھے لیکن انہیں سنسنی کا شکار بھی ہونا پڑا تھا کیونکہ وہ نہیں جانتے تھے کہ ہیلی کاپٹروں کی واپسی کیا نوعیت رکھتی ہے۔ آیا وہ عظیم ترین مشن سرانجام دیا جا سکا یا نہیں جس کے لیے نجانے کب سے پلاننگ ہو رہی تھی اور اس پلاننگ میں نجانے کتنے دماغ کام کر رہے تھے۔ کچھ دماغ تھے اور کچھ عمل کرنے والے اور عمل کرنے والے کامیاب و کامران واپس آئے تھے جس کا اعلان ہیلی کاپٹروں کا ہیلی پیڈ پر اترتے ہی ہو گیا۔ دراصل احتیاط کے پیش نگاہ مواصلاتی سلسلے بند رکھے گئے تھے کیونکہ فاصلے زیادہ نہ تھے اور مواصلاتی کوششیں دوسروں کے کانوں تک بھی پہنچ سکتی تھیں۔ کوئی خطرہ مول نہیں لیا گیا تھا۔

چاروں طرف عجیب ہنگامہ برپا ہو گیا تھا۔ کئی گاڑیاں ان لوگوں کو لے جانے کے لیے موجود تھیں اور ان کا نہایت شاندار استقبال کیا گیا پھر جب دونوں اسٹریچر اترے گئے تو بے شمار افراد نے انہیں اپنے دائرۂ عمل میں لے لیا اور اس کے بعد ایک گاڑی میں منتقل کر کے انہیں روانہ کر دیا گیا جو لوگ آئے تھے اُن میں سے کوئی بھی ان گاڑیوں کے ساتھ نہیں گیا تھا۔ انہیں الگ الگ آرام گاہوں کی جانب لے جایا جا رہا تھا اور جب وہ بڑی گاڑی سروائیکل پارک میں پہنچی تو وہاں بھی کچھ لوگوں نے ان کا استقبال کیا۔ یہاں چاروں طرف خاموشی اور سناٹے کا راج تھا۔ دونوں اسٹریچر اسی انداز میں ایک بہت بڑے ہال میں پہنچا دیئے گئے۔

سروائیکل پارک کی یہ عمارت تل ابیب کی خصوصی فوجی سرکاری عمارت قرار دی جاتی تھی جہاں بہت سے فوجی راز پوشیدہ تھے اور یہاں جو افراد موجود تھے وہ حکومت اسرائیل کے وہ سرکردہ افراد تھے جنہیں اس قسم کے معاملات میں بہت زیادہ اہمیت دی جاتی تھی اور جن کے سپرد یہ ذمہ داری تھی کہ وہ خفیہ ترین پروگرام کو سرانجام دیں یعنی ان میں کچھ کا تعلق اسرائیل کی خفیہ تخریبی جماعت موساد سے تھا۔ اس کا سربراہ بھی اس وقت یہاں موجود تھا اور اس کے علاوہ ایک نمائندہ خصوصی جو کہیں اور سے آیا تھا اور جسے یہ لوگ مسٹر گراہم فوسٹر کہہ کر مخاطب کر رہے تھے اور شاید ان کی یہ خاموشی ان لاشوں کا مذاق اُڑانے کے مترادف تھی۔ انہوں نے بالآخر وہ ان کا ایک لمبے کا سوگ منایا اور اس کے بعد شراب کی ٹرالیاں گردش کرنے لگیں۔ ان لوگوں نے شراب کے جام بھرے اور اس کے بعد انہیں ایک دوسرے سے ٹکرا کر ان دونوں لاشوں کی خوشی میں شراب کے یہ جام پیئے گئے۔ نمائندہ خصوصی بھی بہت خوش نظر آ رہا تھا اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ادھر خوشخبری کا انتظار کیا جا رہا ہو گا اور ہم یہ خوشخبری بہت جلد انہیں روانہ کر دیں گے۔ میرا خیال ہے ان لوگوں کی تصویریں بنالی جائیں تاکہ انہیں منتقل کرنے میں کوئی دشواری نہ ہو۔ خاص قسم کی مشینری لیے ہوئے چند افراد وہاں پہنچ گئے اور اس کے بعد تیز روشنی میں ان لاشوں کی تصویروں کو کیمرے میں منتقل کیا جانے لگا۔ جہاں سے انہیں کہیں اور نشر کیا جانا تھا۔ کیمرے کی کارکردگی کے لیے تیز روشنی ضروری تھی اور ان تیز روشنیوں میں ان خوش و خرم لوگوں نے ان لاشوں کو دیکھنا شروع کر دیا۔ ان کی اشتیاق آمیز نگاہیں ان چہروں کا طواف کر رہی تھیں جو اب اس دنیا سے منہ موڑ چکے تھے اور پھر اچانک ہی نمائندہ خصوصی کے چہرے پر سنسنی کے آثار پھیل گئے۔ غالباً یہی کیفیت موساد کے سربراہ کی بھی ہوئی تھی۔ دونوں بے اختیار آگے بڑھ آئے اور پھر دونوں ٹھٹک کر رک گئے۔ انہوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور اس کے بعد ان میں سے ایک نے ہاتھ اُٹھا کر کیمرہ مینوں کو روک دیا۔ کوئی ایسی بات ہو گئی تھی جس سے انہیں سنسنی کا شکار ہونا پڑا تھا۔ باقی لوگ جو اب تک خوشیوں میں ڈوبے ہوئے تھے کسی

قدر خاموش ہو گئے اور ان دونوں کا جائزہ لینے لگے جن کا یہ اقدام ان لوگوں کے لیے ذرا تعجب خیز تھا۔ تب موساد کے سربراہ نے آگے بڑھ کر ان میں سے ایک لاش کو غور سے دیکھنا شروع کر دیا۔ جلے ہوئے آدھے چہرے پر جو کھال بچی ہوئی تھی وہ اپنی جگہ چھوڑ رہی تھی۔ جلی ہوئی کھال تو پگھل کر چپک جاتی ہے لیکن یہ کھال اپنی جگہ سے اس طرح مڑ رہی تھی کہ یقین نہیں آتا تھا اور غالباً اس سلسلے میں موساد کے سربراہ کو زیادہ معلومات حاصل تھیں لیکن گراہم فوسٹر نے بھی وہی بات محسوس کی تھی اور دونوں پر بیک وقت ردعمل ہوا تھا۔ موساد کے سربراہ نے آگے بڑھ کر اس کھال کو چٹکی میں پکڑا اور تھوڑا سا اوپر اُٹھایا تو وہ کھال اترنے لگی۔ تبھی اس کا دل دھک سے ہو گیا اور اس کے منہ سے ایک حیرت ناک آواز نکل گئی۔ گراہم فوسٹر نے آہستہ سے اس سے کہا۔

"کیا ہمارا اندازہ درست ہے"۔

"ایسا ہی لگتا ہے"۔

"دیکھو... دیکھو" گراہم فوسٹر کے لہجے میں اب پہلے جیسی خوشی نہیں تھی۔ دوسری طرف موساد کا سربراہ اس کھال پر عمل کر رہا تھا اور یہ حیرت ناک بات تھی کہ اس کھال کے نیچے سے جو چہرہ برآمد ہو رہا تھا وہ اصل چہرے سے بالکل مختلف تھا یعنی چہرے پر یقینی طور پر میک اپ کیا گیا تھا۔ موساد کے سربراہ کے حلق سے دہشت زدہ آواز نکلی۔

"نہیں... ہرگز نہیں... بالکل نہیں... یہ وہ نہیں ہے"۔ اور اس نے اس خوبصورت مالک کو اس کے چہرے سے جدا کر دیا جو لاش کا چہرہ تھا مالک ربر کی تھی اور اوپر اُٹھتی چلی گئی اور اس کے نیچے سے ایک بالکل ہی اجنبی چہرہ برآمد ہو گیا۔ موساد کا سربراہ دہشت زدہ انداز میں پیچھے ہٹ گیا اور اس کے منہ سے نکلا۔

"اوہ... میرے خدا... میرے خدا"۔ لب دوسرے لوگوں سے بھی برداشت نہیں ہو سکا تھا۔ وہ سب یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ ان لوگوں نے ایسی وہ کون سی چیز دریافت کر لی ہے جس کی بنا پر ان کی یہ کیفیت ہوئی ہے اور پھر سبھی کی کیفیت ایک دوسرے سے مختلف نہ رہی۔ ان کے منہ سے بے معنی آوازیں نکل رہی تھیں۔ دوسری لاش کا چہرے سے بھی ماسک صاف کر دیا گیا اور موساد کے سربراہ کی آنکھوں میں تاریکیاں ابھر آئیں۔ وہ دو قدم پیچھے ہٹ کر کرسی تلاش کرنے لگا۔ شاید اس کے قدموں میں کھڑے ہونے کی سکت نہ رہی تھی۔ اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"یہ دونوں وہ نہیں ہیں جن کی ہمیں ضرورت تھی بلکہ یہ..... یہ ہمارے اپنے آدمی ہیں وہ جو غرناطہ میں کام کر رہے تھے۔ یہ الفاظ ایٹم بم نہیں تھے جن سے دھماکہ ہوتا اور یہ عمارت ریزہ ریزہ ہو جاتی لیکن ان کی نوعیت کسی بھی ایٹم بم سے کم نہیں تھی اور ایک خوفناک گڑگڑاہٹ پورے ہال میں پھیل گئی تھی یا پھر وہاں موجود لوگوں کی ذہنی کیفیت وہ ہوئی تھی جو ایٹم بم کے دھماکوں سے کسی کی ہو سکتی ہے ان کے اعصاب جواب دے گئے۔

سارا پلان مضبوط تھا پھر یہ کیسے ہوا۔ آخر وہ لوگ کیسے مارے گئے جن کے بارے میں رپورٹ مہیا ہو گئی تھی اور اس کے ساتھ ساتھ ہی ان دونوں کو ناممکن ناقابل غرناطہ میں کام کرنے والے یہ دونوں افراد موساد کی ناک سمجھے جاتے تھے اور ان کی کامیابیاں بے مثال تھیں۔ ایٹمی پلانٹ کی تباہی کے سلسلے میں انہوں نے جو نقشے فراہم کیے تھے وہ ناقابل تردید ثابت ہوئے اور ان کا نام اسرائیل میں بہت ہی احترام سے لیا جاتا تھا لیکن یہ لاشیں اب انکے نام کا مذاق اڑا رہی تھیں اور وہ سنسنی ہر شخص اپنے دل میں محسوس کر رہا تھا جو اس کے بعد پھیلنے والی تھی یقیناً حالات کا رُخ انتہائی خوفناک ہو گا اور اس کا اندازہ ان سب کو ہو گیا تھا جو سازش اس سلسلے میں کی گئی تھی اگر وہ کامیاب ہو جاتی تو اس کا دوسرا مرحلہ بہت ہی خوش اسلوبی سے طے ہو جاتا اور ایک ایسا کارنامہ سرانجام پا جاتا جس کے بارے میں لوگ سوچ تو سکتے تھے لیکن اسے منسوب نہیں کیا جا سکتا تھا لیکن اب جب کہ اس کارنامے کو بری طرح ناکام بنا دیا گیا تھا تو منسوبیت سے بھی کوئی انکار نہیں کر سکتا تھا اور یہ بھی ہو سکتا تھا کہ اس سلسلے میں بہت سی ایسی باتیں معلوم کر لی گئی ہوں جو

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کسی بھی طور باہر نہیں جانی چاہئیں تھیں۔ تب نمائندہ خصوصی نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"اس کے باوجود ہمیں اطلاع دینا ہوگی۔ یہ دوسری بات ہے کہ خوشی کی یہ خبر اب ناکامی کی خبر میں ڈھل گئی مجھے اس سے دلچسپی نہیں کہ ان دونوں کے ساتھ کیا ہوا۔ لیکن جس مقصد کے لیے میں یہاں آیا تھا اور جس کے لیے میں نے ایک طویل وقت ضائع کیا ہے اور جس کے لیے ہم نے بہت سے خطرات مول لیے ہیں اس میں ناکامی کی اطلاع تو اپنے وطن کو دینا ہی ہوگی۔

تاکہ اس کے بعد پیش آنے والے حالات کے لئے خود کو تیار کر لیا جائے۔ ہمیں بے شمار مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا"۔ کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کیسے ہو گیا۔ جواب دینے کے لیے کسی کے پاس الفاظ نہ تھے۔

○○○○○

صحرا کو تکتے ہوئے چاند کا چہرہ خوف سے زرد پڑ گیا تھا اور اس کی ہیلاہٹیں بڑھتی جا رہی تھیں۔ اس وقت جب سب کچھ ہو چکا تھا۔ جب بھوری ریت آہستہ آہستہ ان چہروں کا کفن بن چکی تھی جو بے نور ہو گئے تھے۔ اس وقت جب عظیم کارنامہ سرانجام دینے والے بہت دور جا چکے تھے اور ان کے اس کارنامے کے نتیجے میں ویرانیوں میں اضافہ ہو چکا تھا۔ ایک اور ہیلی کاپٹر فضا کی وسعتوں میں آگے بڑھتا ہوا نظر آیا۔ اس کی مدھم روشنیاں اس ویران ماحول کو اُجاگر کرنے میں ناکام تھیں۔ ان روشنیوں کو خصوصی طور پر مدھم رکھا گیا تھا۔ ہیلی کاپٹر کا رُخ اسی جانب تھا جدھر یہ ہولناک سانحہ پیش آیا تھا اور وہ آہستہ آہستہ اسی طرف بڑھتا ہوا نظر آ رہا تھا یہاں تک کہ وہ اس جگہ پہنچ گیا جہاں سے نیچے کا ہولناک منظر دیکھا جا سکتا تھا۔ ہیلی کاپٹر میں پانچ افراد تھے اور ان کے ساتھ وہ پائلٹ جو ہیلی کاپٹر کو چلا رہا تھا ان سب کی نگاہیں نیچے جمی ہوئی تھیں اور ان کے چہرے ساکت تھے جو کچھ نظر آ رہا تھا اس سے صورت حال کا اندازہ لگایا جا سکتا تھا کسی نے کسی سے کچھ نہ کہا اور پائلٹ جانتا تھا کہ اسے ہیلی کاپٹر کو اسی عارضی ہیلی پیڈ پر اتارنا ہے جو جگہ جگہ ہوا کی لہروں سے سکڑ گیا تھا لیکن وہاں وہ دوسرا ہیلی کاپٹر بھی نظر آ رہا تھا جو بُری طرح تباہ ہو چکا تھا اور اس کے بہت سے ٹکڑے اِدھر سے اُدھر بکھرے پڑے تھے۔ پائلٹ نے ہیلی کاپٹر کو آہستہ آہستہ نیچے اتارا اور ایک جگہ ٹھہرا کر کے اس کا انجن بند کر دیا۔ تب دروازہ کھلا اور سب سے پہلے ایک لمبے چوڑے قد وقامت کا شخص کود کر نیچے اترا۔ اس کے چہرے پر عجیب سا غبار چھایا ہوا تھا۔ اس کی آنکھوں میں دکھ کے تاثرات تھے۔ اس شخص کا نام جنرل ظہوری تھا اور یہ غرناطہ کی فوجوں کا چیف آف اسٹاف تھا۔ اس نے ان لاشوں کو دیکھا جو چاروں طرف بکھری ہوئی تھیں۔ دوسرا شخص بھی نیچے اُتر آیا اور اس کے ساتھ باقی تین افراد بھی۔ یہ دوسرا شخص بھی بہترین قد وقامت اور جسامت کا مالک تھا اور اس کے جسم پر ایک خوبصورت لباس موجود تھا چہرے پر عزم و ہمت کے آثار، پیشانی کشادہ اور روشن اور آنکھوں میں ایک ایسا اعتماد جھلکتا تھا جو ناقابلِ تسخیر تھا۔ اس کے ہونٹ بھنچے ہوئے تھے اور اس صورت حال کا بخوبی اس نے بھی جائزہ لے لیا تھا۔ باقی لوگ مستعد تھے۔ صحرا کا شیر صائم ندال آہستہ آہستہ آگے بڑھا اور اس نے ریت میں اٹے ہوئے ان چہروں کو بغور دیکھنا شروع کر دیا۔ جن میں سب سے پہلا چہرہ ناظم کمال کا تھا جو اپنا فرض سرانجام دیتے ہوئے اس دنیا سے رخصت ہو گیا تھا۔ باقی افراد بھی اِدھر اُدھر پڑے ہوئے تھے۔ ریت کی جھاڑیاں بکھر رہی تھیں اور ہلکی ہلکی سرسراہٹوں کے ساتھ آگے کا سفر طے کر رہی تھیں۔

صائم ندال جس کی لاش کو بڑی احتیاط سے لے جایا گیا تھا اور اس کے ساتھ جنرل ظہوری کی لاش بھی وہاں پہنچی تھی لیکن درحقیقت جو کچھ ہوا اس کی خبر نہ تو اس وقت ان لوگوں کو تھی جو یہ کارنامہ سرانجام دینے یہاں تک آئے تھے۔ یہاں تک کہ اس وقت جنرل ظہوری کو بھی کچھ معلوم نہیں تھا جب اس کے ذریعے یہ ہدایات نشر کرائی گئی تھیں ہاں جب اس نے صائم ندال کا ایک مخصوص جگہ استقبال کیا تو صائم ندال نے ایک نئی صورت حال پیش کی اور جنرل ظہوری کو دل سے اس پر اختلاف تھا۔ اس نے

آہستہ سے کہا بھی تھا۔

"جب ہم کسی سازش کی توقیع کر رہے ہیں جناب تو پھر ہمیں اپنے چند افراد کو اس خطرے کے لیے آگے نہیں بھیجنا چاہیئے بلکہ اس کا کوئی اور ذریعہ بھی ہو سکتا ہے"۔ جواب میں دو روشن کشادہ اور دانش مند آنکھیں جنرل ظہوری کی جانب نگراں ہو گئیں۔ ان آنکھوں میں ناپسندیدگی کے آثار تھے تب صائم ندال کی آواز اُبھری۔

"دراصل اتنی بڑی سازشوں کے جواب میں قربانیاں دینا پڑتی ہیں اور تم جانتے ہو جنرل کہ اس وقت صورت حال کیا ہے۔ ہمیں اس تمام صورتِ حال کا مقابلہ کرنے کے لیے کچھ نہ کچھ نقصانات برداشت کرنا پڑیں گے"۔ جنرل ظہوری جانتا تھا کہ صائم ندال بے جھجک ہے۔ وہ موت سے منکر شخص ہے اور کبھی موت کی پروا نہیں کرتا۔ خواہ اس کی اپنی زندگی خطرے میں ہو یا کسی اور کی۔ وہ ایک مقصد کے لیے اپنی زندگی کو وقف کر چکا ہے اور اس کے علاوہ کسی چیز کی اسے حاجت نہیں ہے۔ زندگی کی تمام دلچسپیاں ترک کر کے وہ اس مقصد کی تکمیل میں سرگرداں ہے۔

جنرل ظہوری جانتا تھا کہ ناظم کمال کو اس علاقے کی جانب روانہ کرنا ہی ہوگا اور اس نئے پروگرام کے ساتھ جس کے تحت صائم ندال اپنے ساتھ ان دو افراد کو لے کر آیا تھا جو نیم بیہوشی کی کیفیت کا شکار تھے اور جن کے بارے میں جنرل ظہوری یہ بات اچھی طرح جانتا تھا کہ ان کا تعلق اسرائیل سے ہے اور وہ غرناطہ میں اسرائیل کے لیے جاسوسی کر رہے تھے لیکن انہیں اس بات کا موقع دیا گیا تھا کہ وہ ایسی اہم خبریں اسرائیل روانہ کر سکیں جن کی خواہش خود صائم ندال کے دل میں تھی کہ وہ اسرائیل تک پہنچیں اور وہاں سے کسی اور جانب منتقل ہو جائیں اور صائم ندال نے اس وقت ان دونوں پر ہاتھ ڈالا تھا۔ جب اسے اس کی ضرورت محسوس ہوئی تھی چنانچہ آگے جو ہیلی کاپٹر اس ریتیلی وادی کی جانب روانہ ہوا تھا اس میں وہ دونوں افراد سیک اپ میں موجود تھے جو صائم ندال اور جنرل ظہوری کا تھا اور جو انتہائی ماہر ہاتھوں نے ان کے چہروں پر کیا تھا اور ان کے جسموں کو جو لباس پہنائے گئے تھے وہ وہی لباس تھے جو صائم ندال اور جنرل ظہوری کے جسم پر ہوا کرتے تھے لیکن ہیلی کاپٹر میں ایسے لوگ بھی موجود تھے جن کے ذمہ داری تھی کہ ان لوگوں کو پوری طرح مستعد رکھیں اور کسی قسم کا کوئی اشارہ انہیں نہ دینے دیا جائے۔ یہاں تک کہ جب ہیلی کاپٹر ہیلی پیڈ پر اتارا جائے تو ان کے سلسلے میں بہت مستعدی کا ثبوت دیا جائے اور اگر کوئی کارروائی نہ ہو تو پھر انہیں جکڑ لیا جائے اور واپس ہیلی کاپٹر میں ڈال دیا جائے اور اس کے تھوڑی دیر کے بعد صائم ندال اور جنرل ظہوری کو اصل حیثیت میں خود وہاں پہنچ کر اس مقصد کی تکمیل کرنا تھی جو نہایت ضروری اور اہم قرار دیا گیا تھا لیکن اس سازش کے سلسلے میں جنرل ظہوری تک کو کوئی خبر نہیں ہو سکی تھی اور جب اس کا شبہ ظاہر کیا گیا تو جنرل ظہوری نے اس کا متبادل مسئلہ پیش کیا تھا لیکن صائم ندال کا کہنا تھا کہ حقیقت کو منظرِ عام پر آنا چاہیئے تاکہ بات گول مول نہ ہو جائے اور اس طرح وہ اہم مسئلہ بس پشت جا پڑے گا جس کے لیے یہ تمام کارروائی کی جا رہی ہے اور حرف بہ حرف وہی ہوا تھا جس کی پیش گوئی صائم ندال نے کی تھی اور اس وقت ناظم کمال اپنے کئی افراد کے ساتھ موت کی نیند سو چکا تھا۔

جنرل ظہوری کو اپنے ایک ایک فوجی سے محبت تھی اور وہی جانتا تھا کہ ایک ایک فوجی کو تربیت دینے کے لیے اور خاص طور سے بریگیڈیر ناظم کمال جیسے انسان کو تربیت دینے کے لیے ایک طویل وقت درکار ہوتا ہے اور ایک فوجی کا بدل کوئی بھی نہیں ہو سکتا لیکن فوجیں ہمیشہ وطن کے لیے مخصوص ہوتی ہیں اور ان کی زندگی وطن کی حفاظتوں کے لیے وقف اور یہ بات صائم ندال بھی جانتا تھا اور جنرل ظہوری بھی۔ ہاں اگر صائم ندال ان لوگوں میں سے ہوتا جو اپنے عیش خانوں میں بیٹھ کر صرف احکامات جاری کرتے ہیں تو شاید جنرل ظہوری کو اس بات سے شدید اختلاف ہو جاتا لیکن صائم ندال ہمیشہ آگے بڑھ کر وہ کارنامے سرانجام دیتا تھا جو بعض اوقات دوسروں کے لیے ناممکن ہی ہو جاتے تھے اور ایک ایسا شخص جو خود کو فنا کرنے پر آمادہ ہو اس کے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

انتظامات سے روگردانی بھی ممکن نہیں ہو سکتی تھی۔ دشمن تو لے اسے لائن آف ڈیزرٹ کا نام دیتے تھے اور یہ نام اسے بے مقصد طریقے سے نہیں دیا گیا تھا بلکہ اس کے کچھ ایسے شواہد تھے جو ناقابلِ تردید تصور کئے جاتے تھے۔ جنرل ظہوری خاموشی سے ایک ایک چہرے کو دیکھتا رہا اور اس کی آنکھیں نمناک ہو گئیں جب کہ صائم ندال کے چہرے پر غور و فکر کے آثار تھے اس نے کچھ دیر کے بعد کہا...

"وہ دونوں غائب ہو چکے ہیں۔ اس کا مقصد ہے کہ ان کی لاشیں اس حیثیت سے لے جائی ۔ ہیں جس حیثیت سے ہم انہیں روانہ کرنا چاہتے تھے لیکن یہ بات زیادہ دیر تر صیغۂ راز میں نہ رہ سکے گی لیکن ہمارا مقصد پورا ہو گیا ہے اور وہی بات ہوئی جس کا ہمیں خدشہ تھا۔ میں نے یہ بات کھل کر کہہ دی تھی کہ ان تمام کارروائیوں کے پسِ پردہ کیا ہے اور ہم ایک طویل عرصے سے جو جدوجہد کر رہے ہیں اس کا مقصد ختم کیا جا رہا ہے۔ ہمارے لیے راستے بند کر دیئے گئے ہیں جو ہماری بقا کے لیے راستے ہیں اور ان کا مقصد اس کے علاوہ کچھ نہیں ہے کہ تیل کی اس دولت کو اپنے تصرف میں لائیں اور ہماری حیثیت بالکل ہی ختم کر دیں لیکن اب جب کہ ہمارے سروں پر اسرائیل مسلط کر دیا گیا ہے اور اس کے سلسلے میں وہ منصوبے ہمارے علم میں آ گئے ہیں جو ابھی ہمارے دوسرے دوستوں کو معلوم نہیں ہیں تو ہم رائے عامہ ہموار کرنے کے بجائے عملی قدم اُٹھانا چاہتے ہیں اور جنرل یہ راستہ جو میری انگلی کی سیدھ میں دیکھ رہے ہو تم ہماری کامیابی کا راستہ ہے اور اقوامِ عالم طویل عرصے سے جو کچھ ہو رہا ہے وہ دیکھ رہی ہیں لیکن ہم نے اپنے کتنے ہمنوا پیدا کیے اور ہم ان ہمنواؤں کی تلاش میں نگاہیں دوڑاتے رہیں گے اور ہماری قوت رفتہ رفتہ زوال پذیر ہو جائے گی لیکن میں اس چیز کو تسلیم نہیں کرتا۔ میرا مقصد صرف ایک ہے صرف ایک مقصد دشمن کو فنا کر دو اور اس کوشش میں اگر خود بھی فنا ہونا پڑے تو اس سے گریز نہ کرو"۔ صائم ندال نے ایک طویل سانس لی اور اس کے بعد جنرل ظہوری کی طرف رُخ کر کے بولا۔

"شہدا کو دفن کر دیا جائے۔ ریت میں ان کی قبروں کی تعمیر کر دی جائے اور پھر واپسی کا سفر اختیار کیا جائے۔ ہمارا مقصد پورا ہو چکا ہے اور دشمن کی چالیں ہمارے علم میں آ گئی ہیں اور اس کے بعد ایلات کے لیے صرف ایک ہی راستہ رہ جاتا ہے وہ یہ کہ وہ کچھ دیر کے اندر اندر ہمارے مطالبات کا جواب دے دے ورنہ دوسری شکل میں ہم جو کچھ کریں گے وہ ہماری مجبوری ہو گی"۔ صائم ندال تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا ہیلی کاپٹر کی جانب بڑھ گیا اور پھر اس سے پشت لگا کر کھڑا ہو گیا۔

جنرل ظہوری نے اپنے ساتھ آنے والوں کو اشارہ کیا اور اس کے بعد رات کی خاموشی میں کام ہونے لگا۔ صائم ندال سرد نگاہوں سے اس تمام کارروائی کو کھڑا دیکھتا رہا۔ جنرل ظہوری بذاتِ خود بھی مصروف تھا اور اس کے ساتھ آئے ہوئے لوگ بھی۔ وہ گڑھے جو ریت میں تیار کیے گئے انسانی جسموں کو ڈھکنے میں ناکام رہے تھے تاہم اس سے زیادہ اس صحرا میں اور کچھ نہیں ہو سکتا تھا اور اس کے بعد صائم ندال نے واپسی کا اشارہ کیا اور اپنے ہیلی کاپٹر میں جا بیٹھا۔ باقی لوگ بھی ہیلی کاپٹر میں آ گئے تھے اور تھوڑی دیر کے بعد ہیلی کاپٹر فضا میں بلند ہو کر ایک سمت اختیار کر کے چل پڑا۔

*

فشنگ ٹرالر سے ان کا فاصلہ کم سے کم ہوتا چلا گیا۔ ٹائیگر کا خیال تھا کہ اوشان کو قبا پہن کر تیرنے میں دقت ہو رہی ہو گی لیکن جب بھی اس نے اپنے بائیں سمت نگاہ دوڑائی اوشان کو اپنے قریب ہی پایا۔ شاید وہ اس سے زیادہ بھی تیز رفتاری سے آگے بڑھ سکتا تھا لیکن وہ ٹائیگر سے آگے بڑھنے کی کوشش نہیں کر رہا تھا۔ تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد وہ سطحِ سمندر سے گردن نکال کر فشنگ ٹرالر کی جانب دیکھ لیا کرتے تھے جو اب زیادہ فاصلے پر نہیں تھا پھر ایک جگہ انہیں پانی میں مشینی جال پھیلا ہوا نظر آیا۔ اس مشینی جال سے بچتے ہوئے وہ فشنگ ٹرالر کے بالکل قریب پہنچ گئے اور پھر جائزہ لینے لگے کہ اوپر جانے کے لئے کون سا

راستہ اختیار کیا جائے۔ فشنگ ٹرالر پر بظاہر کوئی ایسی بات نظر نہیں آئی تھی جو باعثِ تشویش ہوتی جب کہ ان لوگوں کا خیال تھا کہ سمندر میں اترنے والے وہ دونوں افراد یعنی وہ سپاٹ لڑکی اور اس کا ساتھی فشنگ ٹرالر ہی کی جانب بڑھنے کی کوشش کریں گے۔ فشنگ ٹرالر سے بچانے کس طرح انہیں دیکھ لیا گیا تھا۔ چند ہی لمحوں بعد رسّوں کی سیڑھیاں نیچے لٹکائی گئیں اور اوپر سے ایک عجیب سی آواز سنائی دی۔

"تم جو کوئی بھی ہو ان رسّوں کے ذریعے ٹرالر پر آ سکتے ہو، تمہیں پریشان نہیں ہونا چاہیئے"۔

اوشان نے گہری نگاہوں سے ٹائیگر کو دیکھا اور ٹائیگر نے ایک طویل سانس لے کر رسی پکڑ لی۔ اس کے بعد وہ دونوں اسی رسی کے ذریعے اوپر چڑھتے چلے گئے تھے۔ دونوں کے لباس سے پانی بہہ رہا تھا اور اس وقت اوشان کی کیفیت دیکھ کر ٹائیگر کو ہنسی آ رہی تھی لیکن جانتا تھا کہ لٹل ماسٹر اس ہنسی کو برداشت نہیں کر سکے گا۔ خاص طور سے ایسے پریشان کن حالات سے گزرنے کے بعد اس کی ذہنی رو بھٹک چکی ہو گی۔ تاہم ٹرالر کے اوپری حصے پر پہنچ کر وہ دونوں اپنے لباس کو جھٹکنے لگے۔ سامنے ہی چند افراد نظر آ رہے تھے۔ یہ سب کے سب چست لباسوں میں ملبوس تھے اور جسامت سے تندرست و توانا اور ورزشی جسم کے مالک نظر آتے تھے ان کی حالت ماہی گیروں ہی کی سی تھی۔ وہ ہمدردانہ انداز میں آگے بڑھے اور ان میں سے ایک جس کے بال سنہرے تھے اور شانوں تک بکھرے ہوئے تھے وہ ہمدردانہ انداز میں آگے بڑھے اور انہوں نے ان سے کہا۔

"تم لوگ سمندر میں بے یار و مددگار پھر رہے تھے۔ کیا حادثہ پیش آیا تھا تمہارے ساتھ؟ ابھی کچھ دیر پہلے سمندر میں ایک دھماکہ محسوس ہوا تھا اور آگ کے کچھ شعلے بھی دیکھے گئے تھے۔ شاید تمہارا ٹرالر کسی حادثے کا شکار ہو گیا"۔

"ایسی ہی بات ہے لیکن تم لوگ کون ہو؟" سنہرے بالوں والے نے نرم مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"ہم سمندر میں ماہی گیری کرتے ہیں اور ہمارا یہ اقدام سو فیصد قانونی ہے اور اس کے لئے ہم لائسنس رکھتے ہیں لیکن تمہیں اگر ہماری کسی قسم کی مدد کی ضرورت ہے تو ہم حاضر ہیں۔ ویسے کھلے سمندر میں اگر ہمارا یہ ٹرالر موجود نہ ہوتا تو یقیناً تم لوگوں کو بے انتہا پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا کیونکہ جزیرہ بروٹیو اب بھی یہاں سے کافی فاصلے پر ہے"۔

اوشان نے گہری سانس لی اور اس کے بعد وہ بھی نرمی سے مسکراتا ہوا بولا۔

"تمہارا شکریہ، کہ تم نے ہماری مدد کی اور اس طرح سمندر میں مدد کرنے والوں کو فرشتہ ہی کہا جا سکتا ہے چنانچہ اے فرشتو ابھی ہمیں تمہاری مدد کی مزید ضرورت ہو گی۔ یقینی طور پر جب تم اپنا کام مکمل کر لو گے تو یہاں سے واپسی کا سفر کرو گے اور پھر سینٹ کریٹ کا کوئی بھی ساحل ہمارے لئے باعثِ دلکشی ہو سکتا ہے۔ البتہ ہمیں اپنا لباس سکھانے کے لئے کوئی مناسب جگہ درکار ہے"۔

"نہ صرف مناسب جگہ بلکہ تمہیں پہننے کے لئے دوسرا لباس بھی دیا جا سکتا ہے"۔ تھوڑی دیر کے بعد انہوں نے ان لوگوں کو کپڑے مہیا کر دیئے پھر بلیک کافی انہیں پیش کی گئی جو واقعی اس وقت بہت زیادہ لذت انگیز ثابت ہوئی تھی۔

اوشان اور ٹائیگر ان لوگوں کے محسنِ کرم تھے۔ ویسے ان لوگوں نے جس طرح نرمی کا برتاؤ کیا تھا وہ ان لوگوں کو متاثر کر رہی تھی اور اب وہ اپنا یہ فیصلہ بدلنے پر مجبور ہو گئے تھے کہ یہ لڑکی اور اس کے ساتھی کے مددگار تھے۔ یقینی طور پر ٹرالر پر جو سامان نظر آ رہا تھا وہ سو فیصد فشنگ ہی سے متعلق تھا اور اگر نہیں بھی تھا تو بہرطور ان لوگوں کا رویہ اس قسم کا تھا کہ ان کے ساتھ کوئی بدسلوکی نہیں کی جا سکتی تھی۔ سنہرے بالوں والے نے جس نے اپنا نام ریمو آلڈس بتایا تھا انہیں پیشکش کرتے ہوئے کہا:

"دوستو! میں نہیں جانتا کہ تم لوگ اس حادثے کا شکار کس طرح ہوئے اور اگر کوئی بات خود بتانے کی کوشش نہ کریں تو ہم زیادہ چھان بین نہیں کریں گے۔ تاہم میں یہ سمجھتا ہوں کہ تمہیں عارضی طور پر ہماری مدد کی ضرورت ہے اگر تم جزیرہ بروٹیو جانا چاہو تو تمہیں وہاں پر بھی پہنچایا جا

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

سکتا ہے اور اگر واپس تمہارا ارادہ سینٹ کریٹ جانے کا ہے تو پھر اس کے لئے تمہیں ہمارے ساتھ کچھ وقت گزارنا ہوگا لیکن فکر کی کوئی بات نہیں ... ہم تمہیں معزز مہمان کی حیثیت دے چکے ہیں اور تمہاری خدمت کر کے خوشی محسوس کریں گے"۔ اوشان نے گردن خم کرتے ہوئے کہا۔

"میرے بچے اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ تم ایک نیک دل باپ کے نیک دل بیٹے ہو۔ یقیناً تمہارے باپ کا نام کچھ بھی ہوگا وہ ایک اچھا ہی انسان ہوگا اور یقینی طور پر تمہارے یہ ساتھی بھی بہت اچھے لوگوں میں شمار کئے جا سکتے ہیں۔ ہمارا اسٹیمر ایک حادثے کا شکار ہوگیا ہے۔ تم ہمیں جزیرہ برونیو پہنچاؤ گے تو کیا تمہیں تمہارے اپنے مسئلے میں کوئی دقت نہیں ہوگی"۔

"کوئی حرج نہیں ہے اگر تم برونیو جانا چاہتے ہو تو ہم تمہیں وہاں پہنچانے کے لئے بھی تیار ہیں۔ بس ہمارے یہ جال بھر جائیں اس وقت تک تمہیں انتظار کرنا ہوگا اور ہاں سنو اگر کھانے پینے کی کوئی چیز درکار ہو تو بلاتکلف کہہ دینا۔ میں اپنا ایک آدمی تمہاری خدمت گاری کے لئے تمہارے پاس چھوڑ دیتا ہوں"۔ سنہرے بالوں والا وہاں سے چلا گیا۔

اوشان کے ہونٹوں پر ایک پُراسرار مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ ٹائیگر بھی آنکھیں بند کئے اوشان کا جائزہ لے رہا تھا۔ پھر اس نے کہا۔

"لٹل فادر۔ اس مہم کو ہم اپنی زندگی کے کون سے حصے میں شمار کر سکتے ہیں"۔

"دلچسپ ترین۔ سمندر میں فرشتے ملتے ہیں اور خشکی کی دنیا میں یہی جا کر شیطان بن جاتے ہیں۔ کیا خیال ہے تمہارا اس بارے میں؟"

"میں اس وقت کسی بھی قسم کا فلسفہ سننے کی کیفیت میں نہیں ہوں"۔

"لیکن سناتجو کے رہنے والے کبھی فلسفے سے دور نہیں ہوتے اور ان کا خیال ہے کہ فلسفہ ہی زندگی کی ضمانت ہوتا ہے بلکہ زندگی کے تمام افکار فلسفے ہی سے وابستہ ہیں"۔ اوشان نے فلسفیانہ انداز میں کہا۔

ٹائیگر نے اپنے کانوں میں دونوں انگلیاں ٹھونس لیں۔ وہ اس وقت اوشان کی کوئی گفتگو نہیں سننا چاہتا تھا۔ اس کا ذہن چیخ رہا تھا۔

"ٹرالر کا کام ختم ہوگیا ہے اور اب واپسی کا وسل دے دیا گیا ہے چنانچہ تم لوگوں کو برونیو پر پہنچانے کے بعد ہم سینٹ کریٹ واپس چل پڑیں گے، تم اپنے آپ کو تیار رکھو"۔ اوشان اور ٹائیگر نے گہری سانس لے کر ریموانڈس کا شکریہ ادا کیا۔

ٹائیگر جان چکا تھا کہ اوشان ہر قیمت پر برونیو جانا چاہتا ہے اور وہ خود بھی اس سے غیر متفق نہیں تھا۔ سینٹ کریٹ واپس آنے کے بعد نئے سرے سے ان حالات کا جائزہ لینا ضروری ہوگا جن کے تحت ڈاکٹر بہرام کو یا تو کوئی دھوکہ ہوا یا پھر کوئی ایسا الجھا ہوا معاملہ درپیش ہوگیا جو ابھی ناقابل فہم تھا لیکن برونیو کا دیکھ لینا ایک لحاظ سے بہتر ہی ثابت ہوگا۔

ریموانڈس انہیں یہ اطلاع دے کر واپس چلا گیا۔ ٹرالر کے انجن اسٹارٹ ہوگئے۔ ٹائیگر کا ذہن اس دور میں ایسے اچھے انسانوں کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں تھا اور پھر وہی مسئلہ ازسرِنو بار بار ذہن میں تازہ ہو جاتا تھا یعنی وہ لڑکی اور اس کا ساتھی جو سمندر میں اتر گئے تھے اور ان کی منزل بظاہر کچھ نہیں تھی، اس طرح ٹائیگر کم از کم اپنے دل میں یہ بات ضرور رکھتا تھا کہ ٹرالر والوں کا کوئی نہ کوئی تعلق ان دونوں سے تھا۔ اوشان کے بارے میں ٹائیگر یہ بات اچھی طرح جانتا تھا کہ جو کچھ وہ آٹھ گھنٹے کے بعد سوچتا ہے اوشان اس سے آٹھ گھنٹے پہلے وہ بات سوچ کر ذہن میں محفوظ کر لیتا ہے۔ سناتجو کا آقا پوشیدہ صلاحیتوں کا مالک تھا اور کبھی بھی اس کی صلاحیتیں زنگ آلود نہیں ہوئی تھیں۔ اس صدی کا آخری ماسٹر جن حیرت انگیز حالات کا مظاہرہ کرتا تھا وہ جانتے والوں کے لئے بڑے انوکھے اور پُراسرار تھے لیکن ٹائیگر اس کی اصلیت سے واقف تھا۔

ٹرالر اپنا سفر طے کرنے لگا یوں بھی سمندر میں وہ بالکل بے آسرا تھے راستوں کا تعین بھی نہیں ہو سکتا تھا اور

ظاہر ہے جب کسی چیز کے بارے میں معلومات ہی حاصل نہ ہوں تو اس پر نکتہ چینی کرنا حماقت آمیز فعل قرار دیا جا سکتا ہے۔ ٹائیگر نے آخری بار سوچا اور اس کے بعد اپنے ذہن سے تمام خیالات جھٹک دیئے۔ کچھ دیر کے بعد ہی اوشان کی تیز تیز سانسیں اُبھرنے لگیں اس کا مطلب تھا کہ وہ گہری نیند سو گیا ہے پھر رات کا غالباً تیسرا پہر تھا جب ایک بار پھر سائرن کی آواز اُبھری اور وہ دونوں چونک کر جاگ گئے۔ اُنہوں نے اپنے سامنے ریموانڈس کو دیکھا جو پرسکون انداز میں مسکرا رہا تھا۔

اوشان نے سنہرے بالوں والے کا چہرہ غور سے دیکھا تو اس نے فوراً کہا۔

"معزز دوستو۔ میں نے اپنا وعدہ پورا کر دیا ہے اور وہ سامنے دیکھو جو کالی لکیر تمہیں نظر آ رہی ہے وہ جزیرہ برونیو ہی کی ہے۔ اب سے چند لمحات کے بعد تم جزیرہ برونیو پر پہنچ جاؤ گے اور ہمیں واپسی کی اجازت درکار ہے"۔ اوشان نے پُرمحبت انداز میں کہا۔

"اور میں تمہارا شکر گزار ہوں کہ تم نے ہماری خواہش کے لئے ایک مزید طویل سفر اختیار کیا ورنہ ظاہر ہے تم سینٹ کریٹ ہی کی جانب جاتے"۔

"یقیناً ایسا ہی ہوتا لیکن کوئی حرج نہیں ہے سمندر میں بھٹکنے والے ظاہر ہے ایک دوسرے کی مدد کے طلب گار ہوتے ہیں"۔ اوشان نے گردن ہلائی۔

سمندر میں نظر آنے والی کالی لکیر ٹائیگر نے دیکھ لی تھی اور وہ قریب سے قریب تر ہوتی جا رہی تھی اور انہیں بعد میں پانی ہی کا سفر اختیار کرنا تھا کیونکہ وزنی ٹرالر ساحل پر زیادہ دور تک نہیں جا سکتا تھا اور بھلا اس مختصر سے سفر میں انہیں کیا دقت ہو سکتی تھی چنانچہ جب ٹرالر رک گیا اور اس کے انجن بند ہوگئے اور اسے زیادہ سے زیادہ جزیرے کے قریب لے جایا گیا تو پھر دونوں نیچے اُترنے کے لئے تیار ہوگئے۔ سنہرے بالوں والے نے انہیں الوداع کہا اور ٹائیگر اوشان کے ساتھ پانی میں اُتر گیا۔ اوشان نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

"اس سے زیادہ انوکھا سفر اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا اگر ہم ان لوگوں سے جزیرہ برونیو کے بارے میں زیادہ معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرتے تو یقینی طور پر یہ لوگ اس شبے کا شکار ہو جاتے کہ ہم ایک جگہ کے بارے میں اتنی تفصیلات جانتے نہیں ہیں تو وہاں جانے کی ضد کیوں کر رہے ہیں"۔

ٹائیگر خاموشی سے آگے بڑھتا رہا اور کچھ دیر کے بعد وہ بھوری ریت کے ساحل پر پہنچ گئے جہاں درختوں کے بڑے بڑے تنے سیاہ بھوتوں کی شکل میں سر اٹھائے کھڑے ہوئے تھے اور کوہ خاصی ڈھلان تھی جس پر چڑھنا ایک مشکل کام تھا جب کہ انسانی جسم بھیگے ہوئے ہوں لیکن بھربھری ریت معاون تھی۔ جزیرہ برونیو کے بارے میں دن کی روشنی میں معلومات حاصل کی جا سکتی ہیں۔ پھر جب انہوں نے بلندیوں کا سفر طے کر لیا تو درختوں کے تنے قریب آ گئے۔

سناتجو کے ماسٹر کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اور اس نے کہا:

"اگر تمہیں سناتجو کا وہ مغربی حصہ یاد ہو جہاں سے معبد گاہ سناتجو کی طرف سفر کیا جاتا ہے تو یہ جگہ تمہیں اس سے مختلف نہیں محسوس ہوگی"۔

"اور مجھے سناتجو کے اس مغربی حصے کا سفر کبھی نہیں کرایا گیا کہ میں کانٹوں دار گھاس میں آگے بڑھنے کا طریقہ دریافت کر سکوں"۔

"تمہارا لہجہ بتاتا ہے کہ تم کچھ بیزاری محسوس کر رہے ہو"۔

"نہیں... خوشیوں کا ایک طوفان میرے ساتھ سفر کر رہا ہے اور میں مسرت سے دیوانہ ہوا جا رہا ہوں کہ سناتجو کا ماسٹر سناتجو کے مغربی گوشے کی جھلکیاں دیکھ رہا ہے"۔

"جب انسان دیوانگی کی حدود کو چھونے لگے تو اس کی صلاحیتیں بے اثر ہو جاتی ہیں اور سناتجو کے وارث کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ تھوڑی سی تکلیف کو برداشت کرنے کی کوشش نہ کرے"۔ اوشان نے کہا اور اسکے بعد وہ خاموش ہو

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

گیا۔

ٹائیگر نے پلٹ کر اس ٹرالر کو دیکھنے کی کوشش کی جو انہیں یہاں چھوڑ گیا تھا۔ ٹرالر کی روشنیاں سمندر میں دور تک جاتی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔ البتہ اس کا رُخ سامنے کی سمت نہیں تھا بلکہ وہ شاید جزیرے کے داہنے حصے کی جانب جانے کی کوشش کر رہا تھا۔ ٹائیگر کے لئے یہ بات کافی مشکل تھی کہ برونیو آنے کے بعد واپسی کے لئے وہ کوئی مناسب راستہ تلاش کر سکیں گے لیکن لوشان کی خواہش پر اس نے ہمیشہ کی مانند گردن خم کر دی تھی اور لوشان درختوں کے تنوں کے قریب پاؤں پھیلا کر بیٹھ گیا تھا۔ اس کے انداز میں غور و فکر کے آثار تھے۔ ٹائیگر نے آسمان کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہر چند کہ روشنی ہونے میں ابھی دیر ہے لیکن رات کا یہ حصہ اگر یہاں آرام کر کے گزار لیا جائے تو کیا حرج ہے"۔

"آرام طلبی کا تصور اس بات کا اظہار کرتا ہے کہ ایک بار پھر تمہاری لو مدھم ہو رہی ہے اور تمہیں مزید تیل کی ضرورت ہے"۔ ٹائیگر اُچھل کر بیٹھ گیا۔

تیل کے حصول کا مطلب یہ تھا کہ لوشان اسے دوبارہ مشق کرنے کی دھمکی دے رہا ہے یا پھر وہ اس کی حقیقی ضرورت محسوس کر رہا ہے چنانچہ اس کے لئے خود کو چاق و چوبند ظاہر کرنا ضروری تھا کیونکہ یہ مشقیں جان لیوا ہوتی تھیں اور ان کے جاری ہونے کے بعد ٹائیگر کو طویل عرصے تک اپنی ذہنی اور جسمانی کیفیت پر شبہ ہوتا تھا۔ مشقوں کا یہ انداز بڑا ہی عجیب و غریب تھا اور ٹائیگر ان سے گزرنے کے بعد بلاشبہ کچھ عرصے تک اپنے آپ کو مضمحل اور تھکا ہوا محسوس کرتا تھا لیکن بعد میں اسے ان کے فوائد کا جو احساس ہوتا تھا وہ ناقابلِ تردید تھا۔ البتہ مشقوں کا آغاز بڑی مصیبتوں کا آغاز ہوتا تھا۔ وہ اپنے طور پر یہ ظاہر کرنے کی کوشش کرنے لگا کہ اس کے ذہن پر نہ کوئی تردد ہے اور نہ ہی وہ تھکا ہوا ہے۔ لوشان نے مسکرا کر آنکھیں بند کر لی تھیں لیکن رات میں یہ مسکراہٹ ٹائیگر نہیں دیکھ سکا تھا۔ البتہ لوشان جانتا تھا کہ اس کی دھمکی نہایت کارگر ثابت ہوئی ہے اور ٹائیگر کا ہوشیار رہنا ہی درست ثابت ہوا۔ اچانک ہی ان کی نیم غنودہ کیفیت میں تبدیلی رونما ہوئی اور یہ تبدیلی گولیوں کی تڑتڑاہٹ کی ان آوازوں سے رونما ہوئی تھی جو نجانے کہاں سے بلند ہوئی تھیں لیکن جن کا رُخ انہی کی جانب تھا۔ ریت کے ذرات اڑے اور ایک دیوار سی بن گئی۔ لوشان نے الٹی چھلانگ لگائی اور درختوں کی گھاس کو عبور کرتا ہوا ایک درخت کے تنے سے جا کر کسی بندر ہی کی مانند چمٹ گیا جب کہ یہ ترکیب ٹائیگر کی سمجھ میں نہیں آئی تھی اور وہ ایک لمحے کے لئے اس گھاس میں داخل ہونے کی تیاریاں کرتے کرتے رُک گیا تھا۔ کانٹوں دار گھاس بلاشبہ ان کے جسموں کو داغ دار کر دیتی۔ لوشان نے تو ایک بہتر طریقہ کار اختیار کیا تھا لیکن ٹائیگر ایک لمحے تک تو سوچتا ہی رہ گیا تھا اور سوچ کے یہ لمحات نہایت ہی ہولناک ثابت ہوئے۔ اس بار اس کی تقدیر ہی تھی کہ گولیوں کی باڑھ اس کے قریب سے نکل گئی اور وہ اس کا نشانہ نہ بن سکا۔ اب اس کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ کانٹوں دار گھاس میں داخل ہو جائے لیکن اس کے لئے ابھی اس نے یہ فیصلہ نہیں کیا تھا کہ وہ کیا طریقہ کار اختیار کرے۔ گولیاں جس انداز میں چاروں طرف سے برس رہی تھیں اس سے یہ پتہ چلتا تھا کہ دشمنوں نے انہیں نہایت ہوشیاری کے ساتھ گھیرا ہے لیکن یہ لوگ کون ہیں اس کے بارے میں کوئی اندازہ نہیں ہو سکا تھا۔

ٹائیگر نے گھاس میں قدم رکھ دیئے اور اس کے بعد ہر قسم کی خراشوں کی پروا کئے بغیر اس جگہ پہنچ گیا جہاں لوشان گیا تھا۔ تبھی اچانک درخت کے تنے سے لٹکے ہوئے لوشان نے اس کا گریبان پکڑا۔ اس نے ٹائیگر کو اوپر اُٹھا کر درخت کی اس شاخ پر بٹھا لیا تھا۔ تب اس کی آواز اُبھری۔

"قدرت نے ہر شے کو ایک قوت بخشی ہے اب درخت کی یہ شاخ ہمارے لئے کس قدر کارگر ہے۔ اس کا تم اندازہ نہیں لگا سکتے"۔

ٹائیگر نے فوراً ہی اس کا اندازہ لگا لیا۔ دیکھنے والوں نے یہ دیکھ لیا تھا کہ یہ دونوں اس وقت کہاں موجود ہیں۔ نشانہ

یقینی طور پر ان کا جسم ہی ہو گا لیکن یہ دوسری بات ہے کہ درخت کی یہ شاخ اپنا کام دکھا گئی اور چند ہی لمحات کے بعد وہ دونوں درخت کی شاخ سمیت ٹوٹ کر زمین پر آ رہے، جیسے پکے ہوئے پھل۔ درخت کی اس شاخ پر گولیوں نے جو وار ڈالے تھے ان کی بنا پر یہ شاخ ان کا وزن برداشت نہ کر سکی اور ٹوٹ کر نیچے آ رہی۔ لوشان نے آہستہ سے کہا۔

"اس وقت ہمارے لئے یہاں سے دور نکل جانا سب سے بڑی دانش مندی ہے کیونکہ وہ اطراف سے ہمیں گھیر چکے ہیں اور رات کی تاریکیوں میں ہماری نگاہوں سے پوشیدہ ہیں۔ بہتر طریقہ یہی ہے کہ گھاس کو ہلنے نہ دو اور اس طرح نکل چلو جیسے چیتا شکار پر جھپٹتے ہوئے اس طرح اپنے جسم کو جنبش دیتا ہے کہ گھاس کی پتیاں تک ہلنے نہیں پائیں"۔ ٹائیگر نے وہی طریقہ کار اختیار کیا۔ سناجو کا ماسٹر خود بھی اسی انداز میں چیتے ہی کی طرح زمین پر آگے بڑھ رہا تھا اور اس کا صرف ایک ہاتھ اور دونوں پاؤں باعمل تھے۔ یعنی دونوں ہاتھوں کا استعمال اس نے نجانے کیوں مناسب نہیں سمجھا تھا لیکن اس طریقہ کار سے لمبی گھاس میں کوئی جنبش نہیں پیدا ہو رہی تھی اور ٹائیگر کو یہ طریقہ کار معلوم تھا۔ اس طرح وہ ان گھنے درختوں کے درمیان ایک خاص زاویے سے گھاس کو چیرتے ہوئے کافی دور نکل آئے۔

ان کے دشمن ان سے زیادہ ہوشیار اور مستعد تھے کیونکہ جس جگہ انہوں نے رک کر اپنے جسموں کو سیدھا کیا وہیں گولیوں کی تڑتڑاہٹ پھر سنائی دی اور یہ گولیاں درختوں کے پتوں کو اور تنوں کو چھیدتی ہوئی دوسری جانب نکل گئیں۔ لوشان کے منہ سے ایک غراہٹ سی نکلی۔ یہ دشمن کے لئے نفرت کی آواز تھی اور اس آواز کے بعد لوشان بے قابو ہو جایا کرتا تھا چنانچہ ٹائیگر نے اسے کھڑے ہوتے ہوئے دیکھا۔ لوشان کی نگاہیں اطراف میں بھٹک رہی تھیں۔ پھر اس نے ایک سمت اشارہ کر کے ٹائیگر کو اگلی سے اس طرف چلنے کے لئے کہا اور خود بھی اس کی جانب آگے بڑھ گیا۔ ٹائیگر نہیں سمجھ پایا تھا کہ لوشان نے کیا دیکھ لیا ہے لیکن وہ جانتا تھا کہ ایسے لمحات میں لٹل ماسٹر کسی شکاری چیتے سے زیادہ خونخوار ہو جاتا ہے اور پھر وہ ایک درخت ہی تھا جس پر چڑھ کر ٹائیگر اور لوشان نے اطراف کا جائزہ لیا۔ انہیں کچھ دھندلے دھندلے سائے نظر آئے جو رینگ رہے تھے اور یقینی طور پر وہ ایسا فن نہیں اختیار کر سکتے تھے جس کی بنا پر گھاس نہ ہل سکے لیکن ایک لمحے کے اندر وہاں تک پہنچنا ایک مشکل کام تھا اور اس مشکل کا حل لوشان نے ہی ٹائیگر کو پیش کر دیا۔ اس نے سرگوشی کے انداز میں کہا۔

"میں اس شاخ پر لٹک رہا ہوں اور تم اسے اپنی پوری قوت سے اس کی مخالف سمت موڑو گے اور اس کے بعد چھوڑ دو گے یعنی وہ طریقہ کار جو مجھے پہرتی سے اس جگہ پہنچا دے جہاں وہ شخص درخت پر مشین گن سنبھالے بیٹھا ہوا ہے"۔

لوشان کے اشارے کی جانب ٹائیگر نے دیکھا اور رات میں دیکھنے کی وہ تمام قوتیں اس کی آنکھوں میں پیدا ہو گئیں جو بڑی بڑی گہری تاریکیوں کو چیر دیا کرتی تھی تب اس نے اس شخص کو دیکھا جو سیاہ لباس اور سیاہ نقاب میں ملبوس مشین گن سنبھالے بیٹھا ہوا اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ رہا تھا۔ یقینی طور پر ان کے دیکھنے کی قوت اتنی زیادہ نہیں تھی چونکہ ان کی تعداد زیادہ تھی اس لئے وہ اندھا دھند چاروں طرف گولیاں برسا کر انہیں کہیں نہ کہیں گھیر ہی لیا کرتے تھے۔ البتہ ٹائیگر نے لوشان کے اس عمل کو خطرناک قرار دیا لیکن وہ یہ بات جانتا تھا کہ سناجو کا ماسٹر ہمیشہ بروقت فیصلہ کرتا ہے اور اس میں ترمیم کی اجازت نہیں ہوتی۔ وہ ان نادیدہ دشمنوں میں گھر کر اب انہیں نقصان پہنچانے کی پوزیشن میں آ گیا تھا اور ٹائیگر نے ویسا ہی کیا۔ قبا پہنے ہوئے لوشان اس شاخ سے لپٹ گیا اور ٹائیگر اپنی جسمانی قوت کو بروئے کار لاتے ہوئے شاخ کو آخری سرے سے اوپر کی جانب کھینچنے لگا اور اس سلسلے میں اس نے اپنے دونوں پاؤں درخت کے تنے میں پھنسا لئے تھے جو یقینی طور پر [illegible] تھا کہ ٹائیگر کے پاؤں اس کو احاطہ کر سکتے تھے اور جب ٹائیگر نے وہ شاخ چھوڑی تو لوشان کمان سے نکلے ہوئے تیر کی مانند اپنے ہدف کی جانب چل پڑا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ٹائیگر نے دور ہی سے دیکھا کہ لوشان نے اس شخص کا پاؤں پکڑا جو درخت پر پاؤں لٹکائے بیٹھا ہوا تھا اور اس کے بعد وہ شخص اچانک ہی لمبا ہوتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ لوشان کے پاؤں زمین سے جا لگے لیکن اس شخص کا ایک پاؤں اوپر ہی پھنسا ہوا تھا اور وہ درمیان سے گردن تک چر گیا تھا۔ مشین گن نیچے گر پڑی اور اس کے ساتھ ہی اس شخص کی ہلکی سی چیخ کی آواز لیکن ساتھ ہی ایک بار پھر گولیاں برسنے لگی تھیں۔ البتہ ٹائیگر نے یہ بھی دیکھا کہ لوشان کسی مگرمچھ ہی کی مانند چاروں ہاتھ پاؤں پر رینگتا ہوا ایک جانب بڑھ گیا ہے اور گولیوں کی زد سے نکل گیا ہے۔

ٹائیگر کے لئے اپنی جگہ بیٹھے رہنا ممکن نہیں تھا۔ دشمنوں کے خلاف حملے کا آغاز ہو گیا تھا تو وہ اپنا کام بھی سرانجام دینا چاہتا تھا۔ درخت سے کودنے کے بعد اس کی نگاہیں تاریکی میں چاروں طرف کا جائزہ لینے لگیں اور یہ کام اس کے لئے مشکل نہ ہوا کہ وہ تاریکی میں رینگتے ہوئے سایوں کو دیکھ سکے۔ اسے کچھ سائے اپنے اطراف میں گھومتے پھرتے نظر آئے۔ یقیناً وہ بھی ان دونوں ہی کی تلاش میں سرگرداں تھے۔ دفعتاً ہی ٹائیگر اپنی جگہ سے اُچھلا اور لڑھکتا ہوا ان کی جانب چل پڑا جو سامنے ہی نظر آ رہے تھے۔ ان دونوں کے ہاتھوں میں اسٹین گنیں دبی ہوئی تھیں لیکن اُنہیں یہ اندازہ بھی نہ ہو سکا کہ وہ کونسا پرندہ تھا جو فضا میں پرواز کرتا ہوا اس سمت آیا اور اُن کی گردنوں میں ہاتھ ڈال کر انہیں زمین پر رگیدتا ہوا دوسرے جانب نکل گیا لیکن بات صرف زمین پر رگیدنے کی نہیں تھی اسٹین گن والوں میں سے ایک کی گردن چٹاخ کی آواز کے ساتھ ٹوٹی تھی اور اس کا سر زمین سے اتنی زور سے ٹکرایا تھا کہ بھیجا ہی نکل گیا تھا۔ دوسرا آدمی عین اس وقت اپنی ریڑھ کی ہڈی پر ایک شدید ضرب محسوس کئے بغیر نہ رہ سکا جب اسٹین گن والا گرنے کے قریب تھا لیکن اس کے اُٹھنے کی خواہش دوبارہ پوری نہ ہو سکی کیونکہ ریڑھ کی ہڈی میں ایک زوردار آواز بھری اور وہ بھی زمین پر ڈھیر ہو گیا تھا۔ یقیناً ریڑھ کی ہڈی کے تمام منکے اپنی جگہ سے لوھڑ گئے تھے۔

ٹائیگر کو اب اس جگہ سے آگے بڑھ کر دوسرے لوگوں کو تلاش کرنا تھا۔ اس کے چہرے پر ایک سفاکانہ مسکراہٹ دوڑ رہی تھی۔ اب وہ یہ سوچنا بھول گیا تھا کہ یہ نقاب پہنے ہوئے لوگ کون ہیں اور کیوں جزیرہ برونیو پر ان کی زندگی کے دشمن ہو گئے ہیں۔ سب سے پہلے ان لوگوں کو سنبھالنا تھا اور چن چن کر انہیں ہلاک کرنا تھا جو ان کی ہلاکت کے درپے تھے۔ ماسٹر اوشان کے بارے میں وہ جانتا تھا کہ ایک ایسا سانپ ہے جو زمین میں اپنے راستے تلاش کر سکتا ہے اور اسے آسانی سے قابو کر لینا ایک ممکن کام نہیں ہو گا تبھی اسے ایک دیوقامت شخص نظر آیا جو ویسی ہی مخصوص ساخت کی ٹی ایک سوا ٹھائیس اسٹین سنبھالے ہوئے تھا۔ اس نے اس دیوقامت شخص کو دیکھا اور اس کے لئے مناسب حملے کا انتظار کرنے لگا تب اچانک ہی دیوقامت واپس پلٹا اور دوسرے لمحے ٹھٹک کر رک گیا۔ اس کے ہاتھ میں دبی ٹی ایک سوا ٹھائیس سیدھی ہوئی تھی کہ ٹائیگر نے اسے رگیدا کہ وہ چیخ کر اُچھلا اور نیچے گرنے کی کوشش کرنے لگا۔ نجانے کیوں وہ ٹائیگر سے ایک لمحے میں خوفزدہ ہو گیا تھا لیکن ٹائیگر نے اسے نیچے نہ گرنے دیا۔ اس نے مخصوص داؤ کے ذریعے اس کی کھوپڑی کو اپنی بغل میں دبا لیا تھا اور اب اس کا ہاتھ ہیڈ لاک کی مانند اسے دبا رہا تھا۔ وہ دو قدم آگے ہٹا اور اس کے بعد زمین پر گرے دیوقامت کے حلق سے چیخیں بلند ہونے لگی تھیں لیکن ٹائیگر نے اس کی گردن پر گھٹنا رکھ کر اپنا آخری کام بھی سرانجام دے دیا۔ دیوقامت کی ناک، ہونٹ اور دانت زمین میں گھس کر اس طرح برابر ہوئے تھے کہ لب اس کی شکل بالکل صاف نظر آ رہی تھی۔

اسی وقت ٹائیگر پر اچانک ایک طرف سے دو فائر ہوئے اور گولیاں اس کے سر پر سے گزر گئیں۔ ٹائیگر نے دوسرے لمحے ان دونوں کا جائزہ بھی لے لیا تھا جن میں سے ایک نے اس پر فائرنگ کی تھی اور یہ بھی ایک درخت پر سے فائرنگ کی گئی تھی۔ وہ دونوں غالباً دوبارہ فائر کرنے کا ارادہ کر رہے تھے کہ انہوں نے اس لڑتے ہوئے شخص کو دیکھا جو یقینی طور پر ناقابلِ یقین تھا۔ بھلا فضا میں کسی

شخص کا پرواز کرنا کیا معنی رکھتا تھا۔ انہوں نے ہمت کر کے اپنی رائفلیں سیدھی کرنا چاہیں مگر لڑھکتا ہوا آدمی ان کے سروں پر پہنچ چکا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ آگے بڑھے اس کی انگلیاں بالکل سیدھی تھیں اور پھر یہ دونوں انگلیاں ان دونوں کے حلق پر ایک ساتھ لگیں۔ انہیں ایسا ہی لگا جیسے ان کے حلق میں لمبے نوک دار سوئے اتار دیئے گئے ہوں۔ دونوں بے اختیار اپنی گنیں پھینک کر گردن سنبھالنے کی کوشش کرنے لگے مگر ان دونوں کے جسم نہ سنبھل سکے اور وہ ایک ساتھ ہی درخت کی شاخ سے نیچے گرے لیکن ان کے حلق میں جو سوراخ ہو گئے تھے انہوں نے ان کا سانس کا راستہ بند کر دیا تھا اور جب سانس کے راستے بند ہو جاتے ہیں تو پھر باقی کیا رہ جاتا ہے۔ ان کی آنکھیں چڑھ گئیں اور دوسرے لمحے ٹائیگر نے ان کے بے جان چہروں کو دیکھا۔ نقاب میں چھپے ہوئے چہروں کا صحیح طور پر کوئی اندازہ نہیں ہو پا رہا تھا لیکن اس وقت کسی کی نقاب اتار کر اس کی شکل دیکھنے کا وقت بالکل نہیں تھا۔

رات کے آخری حصے میں یہ ورزش ٹائیگر اور لوشان کے لئے خاصی دلچسپ تھی اور دونوں ہی اس سے پوری طرح لطف اندوز ہو رہے تھے۔ لوشان بھی اپنی کارروائی میں مصروف تھا اور کبھی دیرانے کے کسی گوشے سے کوئی نہ کوئی چیز اُبھر کر اس بات کا احساس دلاتی تھی کہ لوشان نے پھر کوئی شکار کر لیا ہے اور ٹائیگر کے حساس کان لوشان کی آواز کو بخوبی پہچانتے تھے لیکن اس آواز کی حسرت رہ جاتی کیونکہ اس سے پہلے بھی کبھی ایسا نہیں ہوا تھا اور ٹائیگر نے ہمیشہ لوشان کو فتح مند ہی دیکھا تھا۔

سنانجو کا ماسٹر اپنے فن میں ماہر تھا اور جانتا تھا کہ جب دشمنوں کی ہلاکت کا وقت ہو تو اسے کون کون سے طریقہ کار اختیار کرنے چاہئیں کہ دشمن کچھ نہ سمجھ پائے۔ کون بدنصیب لوگ تھے جنہوں نے رات کی تاریکی میں اپنے لئے موت کو پکارا تھا۔ ان کی آہٹیں لوشان اور ٹائیگر کو صاف سنائی دے رہی تھیں۔ ان کی قوتِ سماعت بدستور کام کر رہی تھی۔ دونوں موت کے فرشتے رات کی تاریکیوں میں صبح کے نمودار ہوتے ہوئے اجالے کے ساتھ ساتھ اپنے دشمنوں کا اختتام کرتے جا رہے تھے اور اب شاید ہی ان میں سے کوئی باقی رہ گیا ہو چونکہ ہوائیں اس بات کی اطلاع دے رہی تھیں کہ آوازیں ختم ہو چکی ہیں اور وہ لوگ جو رات کے اس کم وقت میں بہت بہتر طریقے سے اپنا کام سرانجام دینا چاہتے تھے بہت ہی مختصر لمحات میں موت کا شکار ہو گئے تھے۔

ٹائیگر کو آخری شخص نظر آیا وہ درحقیقت ان لوگوں میں آخری آدمی تھا اور اس نے ٹائیگر کو دیکھ لیا تھا اور غالباً وہ یہ اندازہ لگا چکا تھا کہ آتشی ہتسیار کا استعمال رات بھر کی ان کوششوں میں ناکام رہا ہے اس وقت اس کے ہاتھ میں ایک لمبا چکدار خنجر نظر آ رہا تھا اور وہ پینترے بدل بدل کر اپنے جسم کو آگے بڑھا رہا تھا کہ ٹائیگر کو اس کا اندازہ نہ ہو سکے لیکن ٹائیگر کے حساس کان اس کی آواز سن چکے تھے۔ اس نے اپنا رُخ تبدیل کر لیا تھا کہ حملہ آور کو اس بات کا احساس نہ ہو کہ ٹائیگر اس کی موجودگی سے آشنا ہے اور جب حملہ آور نے اپنی مہارت اور تربیت کی تمام تر صلاحیتوں کے ساتھ فضا میں اڑ کر ٹائیگر کی جانب رُخ کیا تو وہ یہ اندازہ بھی نہ لگا سکا کہ اس کا خنجر والا ہاتھ کب ٹائیگر کے ہاتھ کی گرفت میں آیا اور کب ٹائیگر نے ایک ہاتھ اس کے پیٹ پر جما کر اسے فضا میں اُچھال کر بہت دور پھینک دیا۔ وہ چت گرا اور یہ سوچ کر گرا کہ اسے اُٹھنے میں زیادہ وقت نہیں ہو گی۔ اس نے اس کا مظاہرہ بھی کیا لیکن یہ دوسری بات ہے کہ جب وہ اُٹھ کر کھڑا ہوا تو ایک ہاتھ اس کی کھوپڑی پر اس طرح لگا کہ اس کی گردن پیچھے کی جانب ڈھلک گئی اور اس بار جب وہ گرا تو چاقو جو اس کے ہاتھ میں دبا ہوا تھا زمین میں پیوست ہو گیا لیکن اس کے بعد اچانک بے در پے ضربیں اس کی پنڈلیوں، ہاتھ کی ہڈیوں اور سینے پر پڑیں اور ہر دفعہ اسے چٹاخ کی آواز اپنے کانوں میں گونجتی ہوئی محسوس ہوئی۔ اس شخص کی تمام ہڈیاں درمیان سے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی تھیں۔ اس نے ایک بار حسرت بھری نگاہوں سے ٹائیگر کا چہرہ دیکھا اپنے جسم کو جنبش دینے کی کوشش کی اور اس کے بعد اس کی گردن ایک

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

جانب ڈھلک گئی۔ سیاہ نقاب سے اس کی بے نور آنکھیں صاف نظر آرہی تھیں۔

ٹائیگر نے اپنے اطراف کا جائزہ لیا اور فاصلے پر لوشان کو اپنی جانب آتے ہوئے دیکھا۔ لب فضا میں روشنی اس قدر اتر آئی تھی کہ دور دور تک باآسانی دیکھا جاسکتا تھا۔ سانجو کا ماسٹر کچھ اس انداز میں چلتا ہوا اس سمت آرہا تھا جیسے اپنی کوٹھی کے پائیں باغ میں چہل قدمی کر رہا ہو یا اپنے کسی پسندیدہ پارک میں سیر کر رہا ہو۔ چند لمحات کے بعد وہ ٹائیگر کے قریب پہنچا اور اس نے آہستہ سے کہا۔

"آخری آدمی"۔

"اپنے آخری سفر پر روانہ ہو چکا ہے"۔

"اور وقت آگیا ہے کہ کم از کم ہم ان کے چہروں کا نظارہ تو کر لیں۔ ہمارے دشمن کون ہیں۔ کہاں کے رہنے والے ہیں یہ اندازہ ہونا چاہیئے"۔ لوشان کے ہاتھ آگے بڑھے اور مردہ شخص کے چہرے سے نقاب اُتر گئی لیکن جو چہرہ اس کے نیچے سے برآمد ہوا تھا اسے دیکھ کر ٹائیگر اور لوشان ششدر رہ گئے تھے۔ یہ ریمو آلدس تھا۔ وہ ہی سنہرے بالوں والا تھا جو ٹرالر پر ان کے ساتھ نہایت محبت بھرا سلوک کرتا رہا تھا۔

✠

"صائم ندال غرناق میں داخل ہو گیا"اُس کے چہرے پر سنگین خاموشی طاری تھی۔ جنرل ظہوری اس کا مزاج شناس تھا اور وہ جانتا تھا کہ صائم ندال کے ذہن میں کیا کھچڑی پک رہی ہے۔ آنے والے وقت کا تعین نہ صرف جنرل ظہوری کر چکا تھا بلکہ دوسرے لوگ بھی جانتے تھے کہ صورت حال کیا ہو گی۔ برّاد دشمن تہیہ کئے ہوئے بیٹھا تھا کہ صائم ندال کو اس حد تک اشتعال دلا دے کہ وہ سوچنے سمجھنے کی قوتیں کھو بیٹھے اور وہ اس کارروائی میں لب تک کامیاب نظر آتا تھا۔ صائم ندال کا انداز فکر بہت سے لوگ جانتے تھے وہ ایک دلیر، سرکش، ناقابل تسخیر اور نہ سمجھ میں آنے والا انسان تھا لیکن اس میں چند باتیں نمایاں تھیں۔ وہ بلاشبہ اس بات کے لئے تیار رہتا تھا کہ مفاہمت کی راہیں اختیار کی جائیں اور انسانی خون ضائع نہ ہو لیکن جب اس کا اشتعال آخری حدوں کو چھو لے تو پھر سوچنے کے انداز میں ایک نمایاں تبدیلی رونما ہو جاتی تھی اور اس وقت اس کی نگاہوں کے سامنے صرف بہتے خون کا سمندر ٹھاٹھیں مارتا تھا اور باقی تمام سوچنے سمجھنے کی قوتیں گہری نیند سو جاتی تھیں لیکن جب وہ جنگ کے میدان میں جنگ کے بارے میں سوچتا تھا تو ایسی ایسی جنگی چالیں اس کے ذہن میں آتی تھیں کہ دوسرے ان کی تہہ کو نہ پہنچنے پائیں۔

غرناق کی قوت ناقابل تسخیر تھی لیکن یہ بات وزیر دفاع بھی جانتا تھا اور وزیر خارجہ بھی کہ جو صورت حال پیدا کی گئی ہے وہ انتہائی تشویشناک ہے لیکن ابھی سارے خیالات جنرل ظہوری ہی کے ذہن میں تھے اور صائم ندال نے کچھ دیر کے لئے تخلیہ طلب کر لیا تھا۔ جنرل ظہوری یہ بات فرض کے طور پر عائد ہوتی تھی کہ وہ اس وقت سے پہلے صائم ندال کے کسی منصوبے کو منظر عام پر نہ لائے جب تک کہ اس منصوبے کا آغاز صائم ندال ہی کے ہونٹوں سے نہ ہو چنانچہ پہلا حکم یہی صادر ہوا کہ پارلیمنٹ کا اجلاس بلایا جائے اور اس سلسلے میں ان تمام لوگوں کو نامزد کر دیا گیا جنہیں اس اجلاس میں خصوصی طور پر شریک ہونا تھا۔

چیدہ چیدہ افراد اجلاس میں پہنچ گئے اور وقت مقررہ پر صائم ندال بھی ان کے درمیان آگیا۔ اس کا چہرہ پُرسکون تھا لیکن اس کے سکون کے پیچھے لاکھوں طوفان چھپے ہوئے تھے۔ صائم ندال نے پُرسکون سپاٹ اور پُراعتماد لہجے میں جنرل ظہوری کو پکارا اور کہا۔

"جنرل ظہوری میرے ساتھ ان لمحات میں شریک تھے جب میں آخری جائزہ لینے کے لئے گیا تھا اور متبادل تجویز پیش کرنے کے لئے میں نے سوچا تھا کہ ابو سالم کو ایک آخری پیغام بھیج دوں۔ ابو سالم اس وقت بڑے دشمن کے ہاتھوں میں کھلونا بنا ہوا ہے اور سوچنے سمجھنے کی ساری صلاحیتیں کھو بیٹھا ہے۔ ان حالات میں مجھے ہدایت اور مشورہ دیا جائے کہ میرے سوچنے کا انداز کیا ہو"۔ صائم ندال کی نگاہیں وہاں موجود ایک ایک فرد کا جائزہ لینے لگیں۔

جنرل ظہوری کو یہ ہدایت کی گئی کہ اب وہ پہلی بار

اس سلسلے کی تمام تفصیلات بتائے اور جنرل ظہوری نے وہ واقعات گوش گزار کئے جو وہ دیکھ کر آیا تھا اور تمام لوگوں کو یقین ہو گیا کہ اب صائم ندال کا فیصلہ کیا ہو گا لیکن اس کے باوجود ملکی بقا کے لئے وہ اپنی زندگی کی بازی لگانے پر تیار ہو گئے۔ صائم ندال نے تمام تفصیل سننے کے بعد کہا۔

"ایلات کا فرماں روا اس بات کو بھول چکا ہے کہ ہماری روایات کیا ہیں۔ ابو سالم نے ہمیں دعوت دی ہے کہ ہم وہ سب کچھ کریں جو ہمارے ذہن کے گوشوں میں نہیں تھا میں یہ بھی جانتا ہوں کہ ابو سالم کس کی آغوش میں بیٹھ کر یہ کھیل کھیل رہا ہے لیکن آنے والا وقت اس بات کا اظہار کرے گا کہ ہمارا موقف درست تھا۔ اس وقت ہمارے بڑے دشمن کے سامنے دو اہم مقصد موجود ہیں اوّل اپنے اس نوزائیدہ کی پرورش کر کے اسے محفوظ کر دینا جس کے لئے اس نے ایک طویل عرصے تک محنت کی ہے۔ دوئم یہ کہ تیل کی اس دولت کو اپنے تصرف میں لے آنا اور ان اثاثوں کو محفوظ کر دینا جو اس بڑے دشمن کے ملک کی معیشت کے لئے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ہمارے موجودہ موقف سے اس بات کا شبہ پیدا ہو گیا ہے کہ بڑے دشمن کے بونکوں میں ہمارا اثاثہ کم بھی ہو سکتا ہے اور ختم بھی ہو سکتا ہے اور اس کے بعد وہاں کی معیشت کو جو زوردار جھٹکا لگے گا اس کا اندازہ بھی لگانا اس کے لئے مشکل نہیں ہے اور ان دنوں وہ جن مشکل حالات سے گزر رہا ہے یہ بات نہ صرف ہم جانتے ہیں بلکہ دنیا کے وہ تمام ممالک جانتے ہیں جو سیاست پر گہری نگاہ رکھتے ہیں۔ ہمارے بڑے دشمن کی وسیع اور بڑی فوجوں کے لئے بہت سی پرورش گاہیں ختم ہو گئی ہیں اور دنیا میں رونما ہونے والی تبدیلیاں اس کے لئے باعث تشویش ہیں۔ اس کی عظیم الشان فوج کے ایک بہت بڑا حصّہ دنیا کے مختلف ملکوں کے سرمائے پر پلتا تھا اور اب جب کہ ان ممالک کو ان فوجوں کی ضرورت نہیں رہی ہے تو اس کے بعد ظاہر ہے ان فوجوں کی پرورش کا پورا پورا بوجھ ہمارے دشمن کے شانوں پر بڑے گا اور دشمن جانتا ہے کہ اس کی معیشت اس بوجھ کو برداشت نہیں کر سکے گی اسی لئے نئی شکار گاہوں کی ضرورت ہے۔ ایسی کئی جگہیں اس کے لئے انتہائی دلچسپیوں کا مرکز ہیں جہاں وہ اپنی ان فوجوں کی پرورش کی ذمہ داریاں سونپ سکے۔

ایک عظیم منصوبہ اس کی ذہن میں کام کر رہا ہے اور اس کے منصوبہ بندیوں کے ماہرین نے یہی علاقہ اس کے لئے پیش کیا ہے تاکہ اس کا رُکا ہوا کام پھر سے جاری ہو جائے اور اس کی معیشت پر وہ بوجھ نہ پڑے جو اسے پریشان کئے ہوئے ہے چنانچہ ہم کوشش یہ کرتے رہے کہ مشرق وسطیٰ اس سلسلے میں اس کا نشانہ نہ بنے اور ہمارے آس پاس کے دوست اس سازش کو پہچان کر اپنے آپ کو محفوظ کر لیں لیکن بدقسمتی سے سب سے بڑی آواز ہمارے درمیان نااتفاقی ہی کی ہے اور ایلات کا ابو سالم یہ بات سوچنے پر کسی طور آمادہ نہیں ہے کہ دشمن کی خواہش کیا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ ہمیں بے شمار دشمنوں کا سامنا کرنا پڑے گا لیکن بہ حالت مجبوری ہم یہ قدم اٹھانے پر مجبور ہیں اور اس کے بعد میں صرف یہی فیصلہ کر سکتا ہوں کہ ایلات پر فوج کشی کی جائے اور اس کے مفادات کو اپنے کنٹرول میں لے لیا جائے تاکہ غرناق اپنی بقا کی جنگ کی ابتدا کر دے۔ تمام چہروں پر بے چینی کے آثار دوڑ گئے۔ وزیر داخلہ نے کچھ کہنے کی اجازت طلب کی اور صائم ندال نے اسے بخوشی اجازت دے دی۔

"غرناق بے شک اپنے طور پر بہت محفوظ اور مستحکم ہے مگر کیا یہ طریقہ کار مناسب رہے گا۔ کیا کوئی درمیانی راستہ نہیں نکالا جا سکتا اور بہت سے ممالک کو اپنا ہمنوا بنانے کے لئے وفود نہیں بھیجے جا سکتے؟"

"آپ کی بات قابل احترام ہے اور میں اسے بہت اہمیت کی نگاہ سے دیکھتا ہوں لیکن کیا آپ ان وفود کو بھول گئے جو بھیجے جاتے رہے ہیں اور جن کے ذریعے میں نے اپنا مقصد مختلف طریقوں سے واضح کیا ہے کیا ہمیں اس کا کوئی خاطر خواہ جواب ملا...؟"

"تازہ ترین صورت حال کے تحت ہم ایک بار پھر یہ کوشش کر سکتے ہیں"۔

"میں جانتا ہوں آپ مفاہمت کے راستے تلاش کر

Scanned And Uploaded By Muhammad Kashif

رہے ہیں لیکن ان کوششوں کے درمیان ہمارے ان اقدامات کے راستے روک دیئے جائیں گے جنہیں ہم فوری طور پر کر سکتے ہیں اور اگر ہمارے راستے رُک گئے تو پھر ہمارے سامنے ایک ہی راستہ رہ جائے گا، سرِ تسلیم خم کر دینے کا راستہ"۔ وزیرِ داخلہ کے پاس کہنے کے لئے کچھ نہ رہا تو صائم ندال نے دوسرے لوگوں سے کہا۔

"اس کے باوجود اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ کوئی بہتر راستہ باقی رہ جاتا ہے تو میں دعوت دیتا ہوں کہ اس کے لئے بیڑا اٹھائیے اور یہ وعدہ کیجیے کہ آپ اس کوشش میں یقینی کامیابی حاصل کر لیں گے۔ دوسری صورت میں اگر یہ ممکن نہ ہو تو اس کے بعد میرے راستے پر قدم اُٹھایا جائے"۔

"یعنی ایلات کی جانب فوجی مہم جوئی؟" وزیر خارجہ نے کہا اور صائم ندال کی بڑی بڑی سیاہ آنکھیں وزیرِ خارجہ کی جانب اُٹھ گئیں۔

"کیا آپ بھی میرے موقف سے اختلاف کرتے ہیں؟"

"ہرگز نہیں۔ میں جانتا ہوں جو کوشش ہم کر چکے ہیں ان کے کچھ نتائج برآمد نہیں ہوئے۔ سادہ لوح اور نہ سمجھنے والے دشمن کے ہاتھوں میں کٹ پتلی بن کر کھیل رہے ہیں اور وہ اس بات پر آمادہ ہیں کہ ہماری قوت کو زائل کر دیا جائے لیکن ہماری قوت زائل کرنے کا نتیجہ یہ ہے کہ ہمارے بدترین دشمن کو استحکام بخشا جائے اور یہ سوچ انتہائی تکلیف دہ ہے اور اس کے لئے ہمارے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے کہ ہم اسے ختم کر سکیں"۔

"ہمارے پاس صرف ایک ذریعہ ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم اپنی جان کی بازی لگا دیں۔ ہمارے عوام یقینی طور پر ہم سے اختلاف نہیں رکھتے اور اس سے پہلے بھی اُن سے کُن کی رائے معلوم کی جا چکی ہے وہ سب زندگی کی بازی لگا کر اپنا سر بلند رکھنا چاہتے ہیں اور اس سربلندی کے لئے اب ہمیں دشمن پر آخری ضرب لگانے کے لئے تیار ہو جانا چاہیئے۔ دشمن کو اگر اپنی قوت پر ناز ہے تو ہم بھی کسی سے کمزور نہیں ہیں چنانچہ میں آپ لوگوں کی رائے سے آخری فیصلہ کرنا چاہتا ہوں"۔

تمام لوگوں کے چہروں پر تشویش کے آثار تھے۔ سب وہ بات کہتے ہوئے ہچکچا رہے تھے جو انہیں کی جانی چاہیئے تھی لیکن جس کے لئے انہیں ان راستوں پر طویل عرصے سے دھکیلا جا رہا تھا اور [illegible] یہاں تک پہنچا دیا گیا تھا کہ اب اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ وہ عملی قدم اُٹھائیں۔ اپنی بقا کے لئے یہ سب کچھ ضروری تھا۔ نہ سمجھنے والے نہیں سمجھ رہے تھے لیکن صائم ندال اپنے طور پر یہی سمجھتا تھا کہ اس کے علاوہ دوسری کوئی صورت باقی نہیں رہی ہے۔ [illegible] پارلیمنٹ نے آخری فیصلہ دیا اور اس کے بعد صائم ندال نے جنرل ظہوری، وزیر دفاع اور دوسرے تمام ارکان کو ہدایات جاری کیں اور پھر یہ اجلاس خاموشی کے ساتھ برخاست ہو گیا۔

جو کچھ ہونے جا رہا تھا اس کے بارے میں سبھی کی ایک رائے تھی کہ یہ بہتر نہیں ہوگا۔ جنرل ظہوری تجربے کار جنرل تھا اور اس کی ساری زندگی ہی جنگ و جدل میں گزری تھی۔ وہ ایک طویل ترین جنگ سے فراغت حاصل کر کے بہترین تجربات حاصل کر چکا تھا اور قومی محافظ اپنے طور پر مستعد تھے کہ صائم ندال کی طرف سے انہیں ہدایات ملیں تو وہ ایک بہترین جنگ کا آغاز کریں اور جنرل ظہوری نے خفیہ طریقے سے تیاریاں کیں جس راستے پر انہیں سفر کرنا تھا وہ بہت زیادہ طویل نہیں تھا بس ایک پیشقدمی اور اس کے بعد ان کے قدم ایلات ہی پر رُک سکتے تھے۔

صائم ندال کے آخری احکامات کے تحت ایلات پر حملے کا آغاز کیا گیا اور راتوں رات غرناطی فوجیں ایلات میں داخل ہو گئیں۔ یہاں داخل ہونے کے بعد ظاہر ہے محبت بھرے برتاؤ یا سلوک نہیں کئے جا سکتے تھے۔ مدِ مقابل بھی اپنے طور پر کچھ نہ کچھ کرنے کی پوزیشن میں تھا لیکن یہ ایک افسوسناک بات تھی اور اقوامِ عالم نے جہاں غیر جانبدار ہو کر سوچا اس مسئلے کو انتہائی افسوسناک قرار دیا گیا۔ ایلات پر قبضہ کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ غرناطی کی قوت کے آگے ایلات کچھ بھی نہیں تھا۔ ابو سالم اب نکل جانے میں کامیاب ہو گیا تھا اور یہ بات صائم ندال بھی جانتا تھا کہ ابو سالم کہاں پناہ لے گا لیکن ابو سالم کے لئے اس کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں تھا۔ درحقیقت نہ غلطی ابو سالم کی تھی اور نہ صائم ندال کی بلکہ جو سلسلہ شروع ہوا تھا اس کے ڈانڈے بہت دور تک پھیلے ہوئے تھے اور جہاں سے ان سازشوں کا آغاز کیا گیا تھا وہاں کوئی کسر نہیں چھوڑی گئی تھی۔

بہت پہلے سے سمندروں میں تیاریاں کی گئی تھیں اور خفیہ طور پر ایک مشن کو ایک خاص نام دے کر جاری کر دیا گیا تھا لیکن بات چند ہی ذہنوں تک محدود تھی۔ ایلات پر غرناطی کا قبضہ ہو گیا اور ایلات میں بہت سی افسوسناک اور دکھ بھری کہانیاں جنم لے چکی تھیں۔

ایلات پر اس قبضے کو پوری دنیا میں تشویش کی نگاہوں سے دیکھا گیا اور ابتدائی طور پر صائم ندال سے یہی مطالبہ کیا گیا کہ وہ پہلے ایلات کو خالی کر دے اس کے بعد بات چیت کرے لیکن صائم ندال جانتا تھا کہ ایلات کو خالی کرنے کا مطلب کیا ہو سکتا ہے۔ شکست پہلی شکست اور اس کے بعد پے در پے اور مسلسل شکست اور صائم ندال نے یہ قدم اس لئے نہیں اٹھایا تھا کہ وہ شکست کا اعتراف کرنے کے بعد غرناطی میں محصور ہو جائے چنانچہ اس نے ہر اس پیشکش کو ٹھکرا دیا۔ اس نے کہا۔

"ایلات پر ہمارا قبضہ جاری رہے گا۔ مفاہمت صرف اس شرط پر کی جا سکتی ہے جب اس کے جواب میں ان بے گھروں کو ان کے وطن میں آباد کیا جائے جو عرصۂ دراز سے غاصبوں کے خلاف جدوجہد کر رہے ہیں اور یہ شرط ناقابلِ قبول تھی۔

○○○

"ناقابلِ یقین اور سخت حیرتناک"۔ لوشان نے کہا۔

"اور ذرا سائی موت کے بھی"۔ ٹائیگر ہونٹ سکوڑ کر بولا۔

"ہمیں اب کیا کرنا ہوگا؟"

"اونچے اونچے درخت، خاموشی اور سنسان ماحول۔ عشق اور مراقبے کے لئے بہترین جگہ ہے"۔

"مگر یہاں نہ بطخوں کے جوہڑ ہیں اور نہ دھان کے کھیت۔ یہ برونیو ہر طرف سے ایک آزاد جزیرہ لگتا ہے"۔

"ایک گوشہ ہر شے کی عکاسی نہیں کرتا۔ میرا خیال ہے ہم اپنے کشتیکان کا جائزہ لے لیں"۔ لوشان نے کہا اور اپنی جگہ سے اُٹھ کر آگے بڑھ گیا۔ جب لوشان دور نکل گیا تو ٹائیگر نے تاسف بھری نظروں سے ریمو آنڈس کو دیکھا۔ بہترین جسامت اور صحت کا مالک لیکن بہت آسانی سے مر جانے والا۔

لوشان نے وہ ساری لاشیں جمع کر لی تھیں جو ان کے ہاتھوں فنا ہوئے تھے۔ ان کے پاس موجود اسلحہ بھی اس نے ایک جگہ انبار کر لیا تھا۔ سب کے چہرے نمایاں ہو گئے تھے اور سورج کی چمکدار روشنی میں ان کو پہچان لیا گیا تھا وہ سب ٹرالر والے تھے۔ "مگر انہوں نے ایسا کیوں کیا؟"

"تمہیں ان کی تعداد کا اندازہ ہے ....؟" لوشان نے پوچھا۔

"نہیں..."

"اگر وہ سب اسی مقصد کے لئے کام آ گئے ہیں تو ٹرالر ساحل سے دور نہ ہوگا"۔

ٹائیگر چونک پڑا۔ اس نے پُراضطراب انداز میں گردن ہلائی اور اس کے بعد ساحل کی طرف دوڑ پڑا۔ لوشان خاموش نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ ٹائیگر جانتا تھا کہ رات کو ان دونوں کو برونیو کے ساحل پر اُتارنے کے بعد ٹرالر نے ان کی توقع کے برعکس دوسری سمت رُخ کیا تھا۔ اس لئے ٹرالر کو اسی سمت تلاش کیا جا سکتا تھا اور اس کا خیال درست نکلا تھا۔ اس طرح سمندر میں ٹرالر لنگر سے بندھا جھول رہا تھا اس نے ساحل سے کچھ فاصلے پر ان دونوں کو بھی دیکھ لیا تھا جو دنیا سے بے خبر گہری نیند سو رہے تھے۔ یہ یقیناً ٹرالر کے محافظ ہوں گے۔ عقب سے لوشان کی آواز اُبھری۔

"ان دونوں کا زندہ رہنا ضروری ہے"۔ پھر اس نے خود ہی سمت کا تعین کیا تھا۔ ان حالات میں گہری نیند سو جانا عجیب بات تھی لیکن یہ بھی ممکن تھا کہ وہ صورتِ حال سے بے خبر ہوں الٹتہ وہ زیادہ ---------- نہیں تھے انہیں

Scanned And Uploaded By Muhammad Waseem

قریب پاتے ہی انہوں نے کچھ فاصلے پر رکھی ہوئی سب مشین گنوں کی طرف ہاتھ بڑھائے تھے لیکن ٹائیگر کے دونوں پاؤں بیک وقت گردش میں آئے تھے وہ مشین گنوں کی سمندر کی جانب پرواز کو انہوں نے خود حیرت سے دیکھا تھا اور پھر اوشان کو خود پر مسلط پا کر دہشت زدہ ہو گئے تھے۔ سناجو کے ماسٹر نے دونوں پاؤں ان کی کلائیوں پر رکھ دیئے تھے پھر اس نے نرم علیم اور متاثر کرنے والے لہجے میں کہا:

"وہ سب موت کا شکار ہو گئے میرے بچو۔ اور اب صرف تم دو بچے ہو"۔ ان کی آنکھوں میں یقین کی جھلکیاں نہ پا کر اس نے دوبارہ کہا "پتہ ہے تم اپنے طریقے سے ان کی تدفین کر دو، ہمیں اعتراض نہ ہو گا۔ ہاں ذرا ایک بات اور بتاؤ۔ ٹرالر میں کون ہے؟" وہ جواب دینے کے قابل نہ تھے یا جان بوجھ کر جواب دینا نہیں چاہتے تھے۔ تب اوشان نے اشارہ کیا اور ان دونوں کو دھکا دے دے کر وہاں تک لایا گیا جہاں تمام لاشیں یکجا تھیں۔ تب ان کے حواس ٹھکانے آئے۔

"یہ... یہ کیسے ہوا؟" ان میں سے ایک نے کہا۔

"جیسے اب تمہارے ساتھ ہونے والا ہے"۔ اوشان بولا اور وہ دونوں گڑگڑائے۔

"نہیں نہیں۔ ہم تو صرف ملاح ہیں کرائے کے لوگ۔ ہمارا ان واقعات سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ آلڈس نے ہمیں کرائے پر حاصل کیا تھا"۔

"کہاں سے...؟"

"سینٹ کریٹ سے۔ ہم وہیں کے رہنے والے ہیں"۔

"اوہ وہ دونوں کون تھے جن کا اسٹیمر سبز رنگ کا تھا وہ اسٹیمر جو سمندر میں تباہ ہو گیا تھا"۔

"ہم نہیں جانتے"۔

"ایک عورت اور ایک مرد...؟"

یقین کرو ہم نہیں جانتے"۔ ان کی خوفزدہ آواز سچائیاں ظاہر کرتی تھی۔

"یہ لوگ کس مشن پر گئے تھے تم جانتے ہو؟"

"ہمیں نہیں معلوم..."

"یہاں تم جھوٹ بول رہے ہو"۔ ٹائیگر مسکرایا۔

"وہ تمہیں ہلاک کرنا چاہتے تھے"۔

"مگر وہ سب ہلاک ہو گئے؟"

"ہاں ہا"

"تب تم کیا کرو گے؟" اوشان نے سوال کیا اور وہ خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگے اس سوال کا انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ اوشان نے اب دوسرا سوال کیا۔

"تمہارا چیف کون تھا؟"

"ریمو..."

"تمہیں یہاں کیوں چھوڑا گیا تھا"۔

"اسٹیمر کی حفاظت کے لئے۔ مگر ہم بری طرح تھکے ہوئے تھے نیند آ گئی اگر ہو سکے تو ہمیں معاف کر دو ہم تو صرف کٹھ پتلیاں ہیں ہمارا اپنا کوئی ارادہ ہے نہ کوئی کام ..."۔

"یہ برونیو کیا ہے؟" اچانک اوشان نے پوچھا۔

"مجرموں کا جزیرہ۔ یہاں برے لوگ پناہ لیتے ہیں"۔

"لیکن درختوں کے سوا یہاں کچھ نظر نہیں آتا۔ کوئی آبادی نہیں ہے یہاں؟"

"ہے مگر اس جگہ سے بہت دور۔ تم سیدھے چلے جاؤ گے کئی چڑھائیاں اور ڈھلان عبور کرنے پڑیں گے اس کے بعد تمہیں آبادی نظر آ جائے گی۔ وہاں ہینڈن کی حکومت ہے"۔

"ہینڈن کون ہے...؟"

"ہم نہیں جانتے۔ صرف سنی ہوئی بات ہے"۔

"ٹرالر اس طرف کیوں لایا گیا تھا...؟"

"صرف تمہیں ہلاک کرنے کے لئے یہ جگہ ایسے کاموں کے لئے موزوں ترین ہے"۔ ان میں سے ایک نے کہا اور پھر ٹائیگر کا چہرہ دیکھ کر ہذیانی انداز میں بولا "رحم کرو ہمارے اوپر ہم تمہیں اصلیت بتا چکے ہیں"۔

"بھاگ جاؤ۔ یہ سب مر چکے ہیں تم یہاں رکے تو کسی کا شکار ہو جاؤ گے۔ ممکن ہے ہم ہی تمہیں ہلاک کر دیں۔

ٹرالر لے جا سکتے ہو تو لے جاؤ"۔ اوشان نے بے پروائی سے کہا اور ٹائیگر کو اشارہ کر کے وہاں سے آگے بڑھ گیا۔ اس سلسلے میں کچھ کہنا بے مقصد تھا اوشان کا لہجہ بتاتا تھا کہ وہ ہر قیمت پر برونیو میں رکنا چاہتا تھا۔ ہینڈن کا نام ٹائیگر کے لئے بھی پُرکشش تھا۔ انہوں نے پلٹ کر بھی نہیں دیکھا تھا کہ ان دونوں نے کیا کیا۔ البتہ یہاں سے کافی دور نکل آنے کے بعد انہوں نے سمندر میں ٹرالر کے انجن اسٹارٹ ہونے کی آواز سنی تھی۔ اوشان نے کہا۔

"اسلحہ روسی تھا..."۔ ٹائیگر چونک پڑا۔

"روسی ہا" اس نے آہستہ سے کہا۔ "اس کا مطلب ہے کہ ہم باقاعدہ سازش کا شکار ہوئے ہیں"۔

"آخری فیصلہ کرنے کے لئے کافی غور کرنا ہوتا ہے"۔

"بوڑھا ہونے کے بعد اس سے پہلے ہم کچھ کرتے ہیں پھر غور..."

"پیچھے ہی برونیو تک آ جاتے ہو"۔ اوشان نے بطخ والی ہنسی ہنستے ہوئے کہا اور ٹائیگر اسے گھورنے لگا۔

"شروع سے لے کر اب تک میں نے تمہیں اس کے لئے آمادہ پایا ہے ورنہ میں یہاں تمہیں کو کتا پسند نہ کرتا..."

"عظیم یا تنگ ان لمحات کے لئے کہتا ہے..."

"روسی اسلحہ۔ ٹائیگر پھنکارا۔

"مجھے پاک یاد آ رہا ہے"۔ اوشان کے لہجے میں شرارت تھی اور اس وقت ٹائیگر کے حلق سے ایک آواز نکلی اس نے بے اختیار ایک زقند بھری تھی اوشان چونک پڑا۔ پھر وہ بھی ٹائیگر کے پیچھے نہیں رہا تھا۔ ٹائیگر ہوا میں پرواز کر رہا تھا اور اس لمبی چھلانگ کے ذریعہ بہت دور نکل گیا تھا۔ اوشان کسی طور اس سے پیچھے نہ تھا۔ ٹائیگر دیر تک دوڑتا رہا تھا۔ دو ڈھلان اور دو چڑھائیاں عبور کر کے ٹائیگر رکا تھا۔ مناظر دلکش ہو گئے تھے ساحل کے ساتھ درختوں کا جو انداز تھا وہ یہاں بدل گیا تھا اور اس طرف ترتیب نظر آ رہی تھی لیکن اس کے علاوہ ٹائیگر کو جو کچھ نظر آیا تھا وہ دلکش قابل دید اور سنسنی خیز تھا۔ درختوں کی یہ ترتیب بے معنی نہیں تھی۔ یہ جس طرف بڑھے تھے وہ بندری اور بے ترتیب تھی اور اس طرف صرف لمبے گھنے خودرو درخت تھے۔

اوشان اس کے بالکل نزدیک آ گیا۔ ٹائیگر اس کی شاعری سے بچنے کے لئے اس طرح بھاگا تھا مگر اوشان پُرسکون تھا۔ قریب آنے پر اس نے کہا۔

"جزیرہ برونیو کا پہلا مکان...!"

اوشان بے نیازی سے ٹائیگر کے اشارے کی جانب دیکھنے لگا۔ پھر وہ اس مکان کی طرف چل پڑا۔ مکان بہت خوبصورتی سے تعمیر کیا گیا تھا اور اس کے اطراف درخت پھیلے ہوئے تھے۔

"ہمیں یہاں کسی ہینڈن کا نام بتایا گیا ہے"۔ ٹائیگر نے بغور اس مکان کو دیکھتے ہوئے کہا۔ اوشان نے اس کی بات سنی ان سنی کر دی ٹائیگر دل ہی دل میں مسکرا دیا شیشر سناجو کا وارث اس وقت بچوں کی طرح اس سے روٹھ گیا تھا اور اس کی بات کا جواب نہیں دے رہا تھا۔ پھر جب اوشان نے رخ بدل کر اس درختوں میں چھپے ہوئے مکان کے عقبی حصے کا سفر شروع کیا تو ٹائیگر نے اس سے اختلاف نہیں کیا تھا۔ مکان کا عقبی حصہ ایک وسیع و عریض احاطے پر مشتمل تھا جو درختوں کی باڑ لگا کر بنایا گیا تھا اور جگہ جگہ لکڑی کے تختے جوڑ کر گویا اسے باقاعدہ مکان کے احاطے کی صورت دی گئی تھی۔ یہیں انہیں فرانسیسی طرز کے مخصوص لباس میں ملبوس ایک نوجوان لڑکی نظر آئی تھی جس کے بدن کے نقوش اس بات کا اظہار کرتے تھے کہ وہ اپنی موزونیت پر بہت زیادہ توجہ دیتی ہے۔ لڑکی نے بھی انہیں دیکھ لیا تھا وہ عجیب سے انداز میں چونک کر انہیں دیکھتی رہی اور اس کے بعد خود ہی آگے بڑھ آئی یقینی طور پر اس کے چہرے کی رنگت کبھی بہت زیادہ سفید ہو گی، لیکن برونیو کی مرطوب آب و ہوا نے اس کے چہرے کو تانبے جیسی رنگت میں تبدیل کر دیا تھا۔ تاہم دلکشی کے ساتھ یہ رنگ جلتا ہوا سا محسوس ہو رہا تھا، اس کی آنکھیں گہری سیاہ تھیں اور ان گہری سیاہ آنکھوں سے انہیں بغور دیکھتے ہوئے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

اس نے سرسراتی آواز میں کہا۔

"اجنبی..."

"تمہارا خیال درست ہے میری بچی"۔

"جواری...." اس نے پھر کہا اور لوشان ٹائیگر کی طرف رخ کر کے بولا۔

"اس بار شاید اس نے تمہیں مخاطب کیا ہے"۔ ٹائیگر نے گردن خم کر کے کہا۔

"تمہارا کہنا بالکل ٹھیک ہے... مگر تم کون ہو؟"

"شیلتا"۔ لڑکی نے جواب دیا اور ٹائیگر ہنس پڑا۔

"آپ نے اس کا تعین سنا لٹل ماسٹر آپ اجنبی، میں جواری اور وہ شیلتا، اس کے بعد ہمیں کیا کرنا ہوگا؟"

"تم یہاں غیر محفوظ ہو"۔ لڑکی نے کہا۔

"تمہاری موجودگی میں بھی"۔ ٹائیگر نے اس پر اپنی بھرپور انداز والی مسکراہٹ اچھالی جسے دیکھ کر لڑکی کے چہرے پر بیک وقت اداسی اور اضطراب طاری ہوگیا ٹائیگر کی مسکراہٹ نے اس پر بے خودی طاری کر دی۔

"ہم کیا اور ہماری حقیقت کیا، کسی کے رحم و کرم پر چلنے والے بھلا دوسروں کو کبھی کوئی تحفظ دے سکتے ہیں؟"

"یانگ کا فلسفہ بھی اس سے مختلف نہیں ہے"۔ لوشان نے ٹائیگر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور ٹائیگر جلدی سے بولا۔

"ہم اپنا تحفظ خود ہی کر لیں گے اس کے لیے تم فکر مند نہ ہو"۔ لڑکی نے بدستور اداس لہجے میں کہا۔

"جزیرہ برونیو پر قدم رکھنے والے ابتدا میں یہی کہتے ہیں لیکن آنے والا وقت انہیں بتاتا ہے ان کی اپنی سوچ بہتر نہیں تھی، ہیڈن یہاں کا بے تاج بادشاہ ہے اور وہ جسے پسند کرتا ہے اسے زندگی دیتا ہے اور جسے ناپسند کرتا ہے لوگ اس کے بارے میں نہیں جانتے کہ وہ کب اور کہاں غائب ہوگیا۔ ہاں یہاں کی کسی چٹان کے عقب میں یا کسی پہاڑی غار میں جب کبھی لوگوں کا گزر ہو جاتا ہے تو انہیں کچھ انسانی ڈھانچے ملتے ہیں جن کے بارے میں وہ اندازہ لگا لیتے ہیں کہ شاید وہ اجنبی تھے جو برونیو پر اس طرف آگئے تھے"۔ لوشان نے دلچسپی کی نگاہوں سے لڑکی کو دیکھتے ہوئے کہا۔

تم جزیرہ برونیو پر ہی رہتی ہو اور یہ مکان تمہارا ہے؟"

"ہاں یہاں میں اپنی ماں مسز رولینڈ کے ساتھ رہتی ہوں میرے پتا مسٹر رولینڈ کبھی میرے پتا تھے لیکن اب پتہ نہیں وہ کہاں ہیں"

"مجھے یہ سن کر بہت افسوس ہوا کیا میں تمہاری ماں سے مل سکتا ہوں؟" ٹائیگر نے کہا۔ لڑکی نے گردن خم کرتے ہوئے انہیں اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا، لوشان بھی دلچسپی سے ان کے پیچھے پیچھے چل پڑا تھا، راستے میں خاموشی رہی اور اس کے بعد لڑکی مکان کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوگئی۔ چھوٹا سا خوبصورت مکان بالینڈ کی طرز کے مکانات کی تعمیر کا نقشہ نظر آتا تھا۔ وہیں پر انہیں مسز رولینڈ ملیں ایک معمر اور پروقار عورت جس نے کسی قدر تشویش بھری نگاہ سے ان دونوں کو دیکھا تھا۔

"ممی یہ برونیو کے اجنبی ہیں"۔

"ان کے لباس اور ان کے چہرے کی رنگت سے اس بات کا اندازہ ہو جاتا ہے اور اگر میرا خیال غلط نہیں ہے تو ان کی کہانی بھی ان لوگوں سے مختلف نہیں ہوگی جو یہاں اکثر نظر آجایا کرتے ہیں تاہم انہیں کچھ دیر مہمان بناؤ۔ تاکہ ہم انہیں تمام صورتِ حال سے آگاہ کر دیں عموماً اس طرح کے لوگ صدر کر کے اپنے آپ کو بہت کچھ سمجھ لیتے ہیں اور ہیڈن کے مدمقابل آجاتے ہیں لیکن یہ ہمارا فرض ہے کہ کسی کو زندگی کا راستہ دکھائیں اب یہ اس کی تقدیر ہے کہ وہ کونسی سمت کا رخ کرتا ہے۔ تم یوں کرو ان کے لیے کافی بنا دو"۔ ٹائیگر کی آنکھوں میں خوشی کی چمک نظر آئی تھی۔ اس نے کہا۔

"کافی! ہم نے شاید پچھلے کئی سال سے کافی نہیں پی تمہارا شکریہ"۔ لوشان نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ ایک نشست پر بیٹھ گیا تھا، معمر عورت نے اس کا حلیہ دیکھتے ہوئے اچانک ہی مسکرا کر کہا۔

"تم مجھے کسی ایشیائی ملک کے باشندے لگتے ہو، میرا مطلب ہے مشرقِ بعید کے کسی ملک کے باشندے"۔ لوشان نے کوئی جواب نہیں دیا ٹائیگر بولا۔

"آپ کا خیال درست ہے میں اور ماسٹر لوشان ایسے ہی ایک ملک کے رہنے والے ہیں"۔

"مگر تمہارے خدوخال ماسٹر لوشان سے نہیں ملتے"۔

"ہاں ہمارے خدوخال میں اختلاف ہے لیکن مزاج اور رہنے میں نہیں"۔

"سنو تم لوگ یقینی طور پر کسی جہاز سے سمندر میں پھینک دیے گئے ہو شاید جو تم میں سب کچھ ہارنے کے بعد تمہارے ساتھ یہ سلوک کیا گیا ہے"۔

"کیا یہاں عموماً ایسے ہی لوگوں کی آمد رہتی ہے؟"

"ہاں اس سے پہلے بھی بہت سے لوگ برونیو میں آچکے ہیں اور ان کے ساتھ ایسے ہی حادثے پیش آئے ہیں"۔

"ہمیں ہیڈن کے بارے میں کچھ بتاؤ گی...." لوشان نے کہا....

"ہیڈن اگر تم اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتے تو پھر یہ سمجھ لو کہ اگر زمین پر شیطان کا کوئی روپ ہو سکتا ہے تو وہ اس کی شکل میں موجود ہے، بہت ہی وحشی اور درندہ صفت آدمی ہے سنا ہے کہ کسی زمانے میں بحری قزاق تھا اور اپنا قیمتی خزانہ لے کر وہ برونیو پر آنکلا اس کے ساتھ بہت سے لوگ بھی تھے برونیو کے مغربی حصے میں اس نے اپنا مسکن بنالیا اور جب سے وہ یہیں رہتا ہے دراصل جزیرہ برونیو جیسا کہ تم لوگوں کو معلوم ہوگا ایک آزاد جزیرہ تصور کر لیا گیا ہے بہت پرانی بات ہے اور مجھے یہ بات میرے شوہر نے بتائی تھی کہ جزیرہ برونیو کی جانب بہت سے ملکوں نے توجہ کی تھی اور یہاں کچھ ایسے کام کرنا چاہتے تھے جنہیں دوسروں سے چھپانے کی ضرورت محسوس کی جاتی ہے لیکن چند ملکوں کے اختلاف نے کسی کو یہاں قائم نہ رہنے دیا اور پھر ایک مشترکہ منصوبے کے تحت اسے ایک آزاد حصہ قرار دے دیا گیا اور یہ بات طے پاگئی کہ یہاں کوئی بھی کسی قسم کی کارروائی نہیں کرے گا اب بھی کبھی کبھی مشترکہ ممالک کے وفود یہاں آجاتے ہیں اور اس کے بعد برونیو کی چہل پہل ہوتی ہے ان وفود کی خاطر مدارت ہیڈن کرتا ہے اور کسی نے بھی ہیڈن کو یہاں سے نکالنے کی کوشش نہیں کی، البتہ جرائم پیشہ گروہ برونیو کا مشرقی حصہ استعمال کرتے ہیں جو غیر آباد ہے اور ویران ہے بعض اوقات کچھ لوگوں نے مغربی حصے کی جانب رخ کرنے کی کوشش کی تھی لیکن ہیڈن کی قوت کی تاب نہ لاسکے اور انہیں یہاں سے فرار ہونا پڑا۔ ہیڈن نے بھی مشرقی حصہ جوں کا توں چھوڑ دیا ہے اور صرف مشرقی حصے میں اپنی قوت قائم کی ہے وہ وہاں کا بے تاج بادشاہ ہے، اس طرف جو کچھ ہوتا ہے اسے غرض نہیں ہوتی لیکن اس کی حدود میں داخل ہونے والے اس کی اپنی ملکیت قرار پاتے ہیں، وہ نجانے کیا کچھ کرتا رہتا ہے جس کی بنا پر ابھی تک اسے کوئی زوال نہیں آیا"۔

"کیا یہاں اس نے اپنی باقاعدہ فورس قائم کر رکھی ہے؟" لوشان نے سوال کیا۔

"ہاں خفیہ فورس جو بیرونی لوگوں سے نمٹنے کی صلاحیت رکھتی ہے اور مختلف طریقوں سے انہیں یہاں سے نکال دیا کرتی ہے"۔

"مگر.... میرا مطلب ہے جو یہاں ہماری طرح آجاتے ہیں ان کا کیا ہوتا ہے؟"

"اس کا فیصلہ ہیڈن ہی کرتا ہے"۔

"کب تک پوشیدہ رہو گے مشرقی حصے میں اگر تم نے ادھر ہی سے ادھر کا رخ کیا تو تم نے دیکھ لیا ہوگا کہ خوراک کا کوئی بندوبست نہیں ہے کھانے پینے کے لیے مغربی حصے ہی کا رخ کرنا پڑتا ہے اور وہاں ہیڈن کی نگاہوں میں آجانا کوئی حیثیت نہیں رکھتا بلکہ مجھے یقین ہے کہ ہیڈن کو تمہاری آمد کے بارے میں بھی معلوم ہو چکا ہوگا"۔

"یہاں سے سینٹ کریٹ اور دوسرے علاقوں میں جانے کے ذرائع کیا ہیں؟"

"اگر تمہارے پاس اپنا کوئی ذریعہ نہیں ہے تو بس یوں سمجھ لو کہ ہیڈن کی مرضی کے بغیر تم یہاں سے جا بھی نہیں سکتے"۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

غاروں میں ملتے ہیں یہ وہ لوگ نہیں ہوتے جو ان دونوں میں سے کسی کے حلیف ہوں۔ میں ان باتوں کو نہیں سمجھتیں اور ان کا خیال ہے کہ جارج ہیڈن کے خلاف ایک مضبوط دیوار کی مانند ہے اور ہیڈن اس دیوار کو گرا نہیں سکتا۔ جب کہ میں کہتی ہوں کہ اگر کوئی سرنگ رسائی کرے تو ان دونوں کے درمیان ان خفیہ راستوں کو جان لے جو ان کے درمیان ہیں"۔

"خیر ہمیں ان باتوں سے کیا۔ انہوں نے ایک سوال کیا تھا۔ یہ تو اس کا جواب ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہیڈن نے یہاں کچھ کاروبار شروع کیے ہوئے ہیں اور ان میں سینٹ کریٹ کا گورنر اس کا معاون ہے۔ آزاد جزیرہ کو اگر کہیں سے امداد مل سکتی ہے تو وہ سینٹ کریٹ ہی ہے اور گورنر کے مفادات یہاں سے وابستہ ہیں"۔ اوشان نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"ہمیں بھی اس سے غرض نہیں کہ یہاں ہیڈن اور گورنر نے کیا جال پھیلا رکھے ہیں۔ تاہم ہم اس آزاد جزیرہ کو دیکھنا چاہتے ہیں"۔

بوڑھی عورت خاصی دیر تک انہیں سمجھاتی رہی مگر ٹائیگر اور اوشان برونیو کے علاقے میں جانے کے لیے تیار ہوگئے اور جب وہ بوڑھی عورت اور اس کی بیٹی شیلتا سے اجازت لے کر آگے بڑھے تو شیلتا تیزی سے ان کے قریب پہنچی اور اس نے کہا۔

"اس کے باوجود میں ہیڈن کے اس بار میں تمہیں موجود ملوں گی اور اگر کوئی خطرناک مرحلہ درپیش ہو جائے تو مجھ تک پہنچنے کی کوشش کرنا۔ شاید میں تمہاری کوئی مدد کر سکوں۔ اوشان نے اس کا خلوص دل سے شکریہ ادا کیا اور اس کے بعد برا سا منہ بنا کر آگے بڑھ گیا۔ ٹائیگر اس کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا راستے میں اوشان نے کہا۔

"دنیا کی ہر لڑکی احمق ہوتی ہے"۔ ٹائیگر مسکرا دیا۔

"ہاں اس میں کوئی شک نہیں ہم انہیں کی وجہ سے عالم وجود میں آجاتے ہیں اور اس کے بعد یہ ہمیں تنہا چھوڑ دیتی ہیں"۔ سنا نجو کا ماسٹر کچھ نہ بولا۔ اس کی نگاہیں چاروں طرف بھٹک رہی تھیں۔

ٹائیگر خاموشی سے ماحول کا جائزہ لیتا ہوا برونیو کے دوسرے حصے کی جانب جا رہا تھا۔ یہاں تک کہ مکانات کے سلسلے کا آغاز ہوگیا۔ مکانات بڑے سلیقے سے بنے ہوئے تھے۔ ان کے درمیان چوڑی سڑکیں بھی تھیں لیکن کچی اور کہیں کہیں سرخ ٹینٹوں سے بنائی گئی۔ مکانات بھی زیادہ تر سرخ ٹینٹوں یا پہاڑی پتھروں سے بنے ہوئے تھے لیکن ان کا انداز برا نہیں تھا۔ جگہ جگہ دکانیں بھی نظر آرہی تھیں۔

ایک ڈھلان سے اترتے ہوئے انہوں نے پانچ افراد کو دیکھا جس کی قیادت انہیں میں سے ایک شخص کر رہا تھا۔ یہ لمبے چوڑے بدن کا مالک خون خوار سا آدمی نظر آتا تھا۔ شاید نیگرو نسل سے تعلق رکھتا تھا۔ اوشان نے ٹائیگر سے سرگوشی کے انداز میں کہا۔

"کھیل کا آغاز ہوچکا ہے میرے عزیز بیٹے"۔ ٹائیگر نے بھی محسوس کر لیا تھا کہ پانچ افراد کا وہ گروہ تند و تیز قدموں سے چلتا ہوا انہیں کی جانب آرہا ہے۔ وہ رک کر ان کا انتظار کرنے لگے تب سیاہ فام شخص کرخت نگاہوں سے ان دونوں کو دیکھتا ہوا بولا۔

"تم لوگوں کو کہیں اور موت نہیں آتی جو تم جزیرہ برونیو پر آجاتے ہو اور ہمارے لیے دردسر پیدا کرتے ہو"۔

"جس چیز کا تم نے تذکرہ کیا ہے عزیز گرامی۔ وہ اتفاق سے ہم ہی ہیں۔ ہمیں موت اس لیے نہیں آتی کہ ہم خود موت دینے والوں میں شامل ہیں۔ تم نے موت کے فرشتوں کا نام نہیں سنا کبھی..."

"میں کہتا ہوں فضول باتوں سے گریز کر کے مجھے یہ بتاؤ کہ برونیو میں کیوں آئے ہو اور اس طرف کا رخ کیوں کیا ہے؟"

"تم میں سے کچھ لوگوں کی روح قبض کرنی ہے یہیں اور اسی کے لیے یہاں بھیجا گیا ہے"۔ سیاہ فام کے چہرے پر غیظ و غضب کے آثار نظر آنے لگے۔ پھر اس نے کہا۔

"ہیڈن کی طرف سے مجھے حکم نہیں ہے کہ تمہیں ہلاک کر دوں اس لیے یہ عارضی زندگی غنیمت سمجھو۔ چلو اس

کے سامنے چلو۔ وہ یہ فیصلہ کرے گا کہ تمہیں برونیو کے بازاروں میں گھومنے کی اجازت دی جاسکتی ہے یا نہیں۔ یا برونیو پر قدم رکھنے کے سلسلے میں تمہارے لیے کون سی سزا تجویز کی جاسکتی ہے"۔ اوشان نے گہری نگاہوں سے اسے دیکھا اور بولا۔

"مگر میرے بچے ہم نے تو یہ سنا ہے کہ یہ آزاد جزیرہ ہے اور یہاں کسی کے آنے پر پابندی نہیں ہوتی..."

جواب میں کالے آدمی نے ایک ہذیانی سا قہقہہ لگایا جو اس کے چہرے کے تاثرات سے بالکل ہم آہنگ نہیں تھا۔ مطلب یہی تھا کہ اپنے اس قہقہے کو زیادہ سے زیادہ خوفناک بنا کر پیش کیا جائے اور پھر وہ طنزیہ لہجے میں بولا۔

"ہاں یہ ایک آزاد جزیرہ ہے لیکن جانتے ہو آزاد جزیرہ کسے کہتے ہیں۔ وہ جہاں زندگی کے بوجھ سے آزادی مل جاتی ہے۔ بشرطیکہ ہیڈن زندگی دینا نہ چاہے"۔

"تم بہت بڑی بڑی باتیں کرنے کے شوقین ہو۔ ہم نے ابھی جزیرہ برونیو نہیں دیکھا ہے اور اس کی سیر کرنا چاہتے ہیں۔ بعد میں تمہارے اس ہیڈن سے بھی مل لیں گے جو نہ جانے کیا چیز ہے۔

"اے... سنو... یہاں کا ہر شخص ہیڈن سے کانپتا ہے اور کبھی کسی کی مجال نہیں ہے کہ اس کے سامنے آنکھ اٹھا کر بات کر سکے۔ تم اجنبی ہو میں تمہیں بہتر مشورہ دے رہا ہوں کہ میرے ساتھ چلو اور ہیڈن کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے جو کچھ کر سکتے ہو کرو۔ اس کے بعد ہی تمہارا ایک قدم آگے بڑھ سکتا ہے اور اگر تم نے اس حکم کی تعمیل نہیں کی تو میں مجبوراً اپنے آدمیوں کو حکم دوں گا کہ تمہیں زبردستی گرفتار کر لیں"۔ اوشان نے ٹائیگر کی جانب دیکھا اور پھر بولا۔

"تمہیں ان لوگوں پر ناز ہے۔ چلو ایسا کرو ہمیں پکڑ لو ہم یہاں کے گلیوں کوچوں اور بازاروں کی سیر کریں گے اور تمہیں اجازت ہے کہ ہمیں اس سیر سے روک دینا اور ہم تم سے کوئی مقابلہ نہیں کریں گے بس تم ہمیں پکڑ لینا"۔ اور اس کے ساتھ ہی اوشان نے ایک جانب چھلانگ لگا دی۔ سیاہ فام کے چہرے پر شدید غصے کے آثار نظر آئے اور اس نے اپنے آدمیوں سے کہا

"پکڑ لو انہیں زخمی کر دینا مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ ہیڈن سے جواب دہی کر لوں گا لیکن انہیں روکو"۔ دو آدمی شہزالو کی جانب بڑھے تو وہ چند قدم پیچھے ہٹ گیا وہ اور آگے بڑھے تو شہزالو نے مسخرے پن سے انہیں پھر آگے بڑھنے کا موقع دیا ادھر بقیہ دو افراد اوشان کی جانب قلانچیں بھر رہے تھے اور اوشان جیسے آدمی کو پکڑ لینا ان کے فرشتوں کے بس کی بات بھی نہیں تھی۔ چاروں طرف سے لوگ اس دلچسپ تماشے کو دیکھنے لگے۔ اوشان قلانچیں بھر رہا تھا اور سیاہ فام کے آدمی اس کے پیچھے دوڑ رہے تھے۔ ادھر شہزالو نے بھی اسی سمت کا رخ کیا تھا۔ لوگ اس تماشے کو دیکھنے کے لیے ان کے ساتھ ساتھ دوڑنے کی کوشش کر رہے تھے اور اوشان اور شہزالو ان چاروں افراد کو بری طرح نچاتے پھر رہے تھے۔ یہاں تک کہ خود سیاہ فام بھی ان کے ساتھ شامل ہوگیا۔ غصے سے اس کی بُری حالت ہو رہی تھی لیکن اسے اس بات پر بھی غصہ تھا کہ ابھی تک اس کے آدمی ان دو چھلاوؤں کو کیوں نہیں پکڑ سکے لیکن چھلاوؤں کو پکڑنا آسان تو نہیں ہوتا۔ اوشان اور ٹائیگر ان کی دسترس سے مسلسل باہر تھے اور وہ بری طرح ہانپنے لگے تھے۔ یہاں تک کہ یوں ہوا کہ اوشان اور ٹائیگر ان کی نگاہوں سے دور ہوگئے اور وہ زمین پر بیٹھ کر ہانپنے لگے چاروں طرف سے قہقہوں کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔ لوگوں کو یہ تماشہ بہت دلچسپ محسوس ہوا تھا بہت دیر تک اوشان اور ٹائیگر برونیو کے مختلف حصوں کی سیر کرتے رہے۔ اب ان لوگوں کا دور دور تک پتہ نہیں تھا جو انہیں گرفتار کرنے کے لیے آئے تھے لیکن پھر تھوڑی ہی دیر کے بعد صورت حال میں ذرا تبدیلی رونما ہوئی اور انہوں نے بے شمار افراد کو دیکھا جو ادھر اُدھر پھیل پھیل کر ان دونوں کو تلاش کر رہے تھے۔ اوشان نے ٹائیگر سے کہا۔

"کیا خیال ہے اس ہیڈن سے بھی مل لیا جائے"۔

"بھی جلدی ہے۔ لٹل فادر یہ کام زیادہ پُرلطف محسوس ہو رہا ہے۔ ہاں اگر آپ پر بڑھاپا مسلط ہوتا جا رہا ہے اور اس

Scanned and Uploaded By Muhammad Nadeem

بھاگ دوڑ سے کوئی تکلیف محسوس کر رہے ہو تو فی الحال تم اپنے آپ کو ان کے حوالے کر دو۔ میں ذرا سیر و سیاحت کر کے تمہارے پاس ہی پہنچ جاؤں گا۔ اوشان نے تیکھی نگاہوں سے ٹائیگر کو دیکھا اور بولا۔

"عزیزی میں یہاں پورا ایک مہینہ ان لوگوں کو دوڑاتے ہوئے گزار سکتا ہوں جب کہ تمہارے لیے یہ ممکن نہیں ہوگا"۔

"ہاں اس میں کوئی شک نہیں ایک مہینہ زیادہ ہوتا ہے میرا خیال ہے کہ میں پچیس دن اپنے نام لکھ لیتا ہوں"۔ اوشان نے کوئی جواب نہیں دیا۔

دس آدمیوں کا ایک گروہ ان کی جانب دوڑنے لگا تھا۔ انہوں نے غالباً انہیں دیکھ لیا تھا۔ اوشان اور ٹائیگر نے الٹی چھلانگیں لگائیں آدمیوں کو دھوکا دے کر کسی عمارت کی آڑ میں پہنچنا ناممکن نہیں تھا۔ چنانچہ ٹائیگر اور اوشان ان لوگوں کو چکر دے کر اس عمارت کے ایک ایسے حصے میں آ گئے تھے جو غالباً عقبی حصہ تھا یہاں ایک دروازہ بنا ہوا تھا جس میں سے دونوں اندر چلے گئے۔ ان کے سامنے ایک سفید فام مسکرا رہا تھا۔ جس کے بال روئی کے گالوں کی مانند سفید اور چہرہ سرخ اور جاندار تھا اور عمر پینتیس اور چالیس سال سے زیادہ نہیں ہوگی۔ ایک نوجوان آدمی تھا عمدہ قسم کے سوٹ میں ملبوس ہونٹوں پر مسکراہٹ لیے اپنی نیلی آنکھوں سے انہیں دیکھ رہا تھا۔ ٹائیگر اور اوشان نے بنور اس کا جائزہ لیا تو وہ جلدی سے بولا۔

"تم مجھے جارج کہہ سکتے ہو"۔ ٹائیگر اور اوشان کو یہ نام یاد آ گیا گویا یہ جارج کی رہائش گاہ تھی۔ اوشان نے گھٹنوں تک گردن خم کرتے ہوئے کہا۔

"عظیم جارج میں سلام کرتا ہوں"۔

"آؤ میرے ساتھ وہ پاگل کتے تمہیں جگہ جگہ تلاش کرتے پھر رہے ہیں لیکن اب تم ایک محفوظ جگہ موجود ہو۔ کسی کی مجال نہیں کہ یہاں قدم رکھ سکے۔ عمارت بہت خوبصورتی سی بنی ہوئی تھی یہ پہلی عمارت تھی جو انہوں نے اندر سے دیکھی تھی لیکن جارج کے بارے میں انہیں علم ہو چکا تھا کہ وہ کس حیثیت کا مالک ہے۔ چنانچہ یقینی طور پر یہ عمارت باقی دوسری عمارتوں سے کہیں زیادہ شاندار ہوگی اور اس کا اندازہ بھی انہیں بخوبی ہو رہا تھا۔

.....OOOOO.....

خوبصورت فرنیچر سے آراستہ وسیع و عریض ہال میں بہت بڑی چکنی اور کالی سطح والی چیز پڑی ہوئی تھی۔ جس کے گرد پڑی ہوئی کرسیوں پر نو افراد بیٹھے ہوئے تھے۔ غالباً ان کی صدارت وہی چوڑے چکلے جسم کا آدمی کر رہا تھا جس کی بائیں کنپٹی سے لے کر تھوڑی تک زخم کا ایک گہرا داغ نظر آ رہا تھا اور اس کی آنکھیں اس کے خوشنما نقوش کا مذاق اڑاتی تھیں۔ لمبی لمبی پتلی لکیروں کی شکل کی دو آنکھیں جن میں جھانکنا ایک ناممکن عمل تھا کوئی یہ اندازہ نہیں لگا سکتا تھا کہ ان آنکھوں میں کیا ہے اور یہ غالباً اس شخص کا قدرتی میک اپ تھا۔ اس کے ہونٹ بھی بہت زیادہ پتلے تھے۔ چہرہ کسی قدر عجیب تھا لیکن بدنما نہیں معلوم ہوتا تھا۔ وہ سنجیدگی سے اپنے سامنے بیٹھے ہوئے لوگوں کو دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے اپنے چوڑے ہاتھ کا گھونسا میز پر مارتے ہوئے کہا۔

"میں کہتا ہوں کہ جب ذمے داری قبول کی جاتی ہے تو ہر پہلو پر غور کیا جاتا ہے اور جو کام خود نہ کیا جا سکے اس کے لیے دوسروں کی مدد حاصل کی جاتی ہے لیکن یہاں خود فریبی سے کام لیا گیا ہے اور یہ طے کر لیا گیا ہے کہ ہر سطح پر کامیابیاں ہی کامیابیاں حاصل ہوں گی۔ اس ناکامی کی ذمے داری کون قبول کرتا ہے۔ سامنے بیٹھے ہوئے آدمی نے مدھم لہجے میں کہا۔

"سو فیصدی ہم جناب...."

"کیا شکست قبول کر لینے سے مسائل حل ہو جاتے ہیں"۔

"کوشش یہی کی گئی تھی کہ وہ بڑی کامیابی ہمیں حاصل ہو جائے اور بات اس حد تک آگے نہ بڑھے۔ ایک شخص کی وجہ سے سارا ماحول خراب ہو رہا ہے۔ کتنی محنت کے ساتھ ہم نے اردگرد کے لوگوں کو اپنا ہمنوا بنایا ہے اور

ایک حصار قائم کیا ہے لیکن وہ نہ ہو سکا جو چاہا تھا اور اب میں سمجھتا ہوں جناب کہ صورتِ حال مزید مشکل ہو گئی ہے"۔

"جس شخص کو ہم نے اپنی فائلوں میں لائن آف ڈیزرٹ کا نام دیا ہے۔ اسے اگر تم لوگوں نے اتنا احمق سمجھ لیا تو اس میں کس کی غلطی ہے اور جب تمہیں یہ پیشکش کی گئی تھی کہ یہ ذمے داری تم اپنے شانوں پر نہ لو تو تم نے نہایت حقارت سے کہا تھا کہ ایسے کاموں کے لیے دوسروں کی ضرورت نہیں پیش آتی تمہیں اور تم خود انہیں سرانجام دے لیا کرتے ہو"۔

سامنے بیٹھے ہوئے شخص نے کہا۔

"اس میں کوئی شک نہیں ہے جناب اور جو کچھ ہم نے کیا ہے وہ پوشیدہ نہیں ہے لیکن ہمیں ناکامی ہوئی"۔

"میں تم سے پوری تفصیل سننا چاہتا ہوں"۔

وہ حاتم ندال کے بارے میں پوری تفصیل بتانے لگا۔ چوڑے چکلے شخص کے چہرے پر غصے کے آثار پھیل گئے۔ اس نے بدستور کرخت لہجے میں کہا۔

"یہ اس کا کام تھا کہ اس نے اپنے آدمی کی قربانی دے کر آپ لوگوں کی اس احمقانہ چال سے واقفیت حاصل کر لی۔ آپ کے خیال میں کیا اس طرح آپ کوئی بڑا کارنامہ سرانجام دینے میں کامیاب ہوئے"۔

"نہایت سرانجام دی جاتی ہیں جناب اور ان میں کامیابی کے ساتھ ساتھ کبھی کوئی ناکامی کا چہرہ بھی دیکھنا پڑتا ہے"۔

"ٹھیک ہے ہمیں اطلاع دی گئی تھی کہ آپ لوگ ہمیں ایک خوشخبری ارسال کریں گے اور یہ خوشخبری ہمیں مل چکی ہے۔ میرے خیال میں اس میٹنگ کی ضرورت نہیں رہی ہے۔ آپ کا کیا کہنا ہے مسٹر جیک ماسن"۔

آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ مسٹر میکلوڈایری یہ مہم پوری طرح ناکام رہی ہے اور جو کچھ ہوا ہے اس کے نقصانات طویل تر ہیں اور آئندہ ہمیں اس کے لیے بہت بڑا معاوضہ ادا کرنا ہوگا"۔

"تب میں اس میٹنگ کو برخواست کرتا ہوں"۔ جس شخص کو میکوڈایری کے نام سے مخاطب کیا تھا اور جو زخمی چہرے والا تھا اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ فوراً ہی باقی لوگوں نے بھی کرسیاں چھوڑ دی تھیں پھر چھ افراد وہاں سے باہر نکل گئے اور باقی تین آدمی وہیں موجود رہے۔ جن میں جیک ماسن بھی تھا۔ میکلوڈایری نے کہا۔

"مسٹر جیک ماسن آپ براہِ کرام صدر مملکت کے لیے رپورٹ تیار کرنے میں میری مدد کریں"۔

"میں حاضر ہوں"۔ جیک ماسن نے کہا اور اس کے بعد ایک ایک کاغذ دونوں نے لے کر بیٹھ گئے۔ تیسرا آدمی بالکل خاموش رہا تھا۔ وہ ان دونوں کی کارروائیاں دیکھتا رہا تھا۔ پھر میکلوڈایری نے جیک ماسن کو اشارہ کیا اور جیک ماسن اپنی جگہ سے اٹھ کر باہر چلا گیا۔ تیسرا آدمی بھی اس کے پیچھے پیچھے باہر نکل آیا تھا۔ تب میکلوڈایری اس عمارت کے عقبی حصے میں پہنچ گیا اور اس نے ایک بڑی مشین کو اپنے سامنے رکھ کر اس پر کچھ کارروائیاں کیں اور تھوڑی دیر کے بعد دوسری طرف سے ایک نسوانی آواز سنائی دی۔ میکلوڈایری نے کہا۔

"مس... براہِ کرم صدر مملکت سے میرا فوری رابطہ کرا دیجیے"۔

"مسٹر میکلوڈایری صدر مملکت نے حکم دیا ہے کہ جس وقت بھی آپ کی طرف سے کوئی پیغام موصول ہو انہیں براہ راست کر دیا جائے غالباً وہ انتظار کر رہے ہیں"۔ پھر کچھ دیر کے بعد ایک بھرائی ہوئی آواز سنائی دی۔

"ہاں مسٹر ایری... کیسے کیا تفصیلات ہیں"۔

"جناب عالی آپ کو تمام صورتِ حال کا علم ہو چکا ہے میں نے اس سلسلے میں تفصیلی رپورٹ حاصل کر لیں ہیں اور اسے آپ کے سامنے دہرا رہا ہوں۔ میکلوڈایری نے ریگستان میں ہونے والی تمام کارروائی کے بارے میں تفصیلات بتائیں اور دوسری طرف سے جواب ملا۔

ہاں یہ سب کچھ میرے علم میں آ چکا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے لیے مشکلات کا آغاز ہو گیا ہے۔ حاتم ندال ایک خوفناک شخصیت ہے اور میں صرف ان حالات

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

سے بچنا چاہتا تھا ہمارے لیے یہ انتہائی ضروری ہے کہ صائم ندال اپنی ان تمام کاوشوں کے لیے برسرِ اقتدار نہ رہے اور اسے ہلاک کر دیا جائے تو ہمارے حق میں بہت بہتر ہوگا لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اب یہ سب کچھ ممکن نہیں ہے اور ہمیں فوری طور پر تمام دوستوں سے رابطہ قائم کر کے وہ قدم اٹھانا ہوگا جو ابھی مناسب نہیں تھا لیکن اب بے حد ضروری ہے"۔

میرے لیے کیا حکم ہے...؟"

"ابھی انتظار کرو۔ میں اپنے مشیروں سے مشورے کر رہا ہوں صائم ندال کے سلسلے میں ہمیں بہت سے منصوبے تشکیل دینا ہیں یہ بہت ضروری ہے کہ اس کی تمام تر کارروائیوں سے ہوشیار رہا جائے۔ خیر متعلقہ محکموں کو ہدایات جاری کر دی جائیں گی۔ آپ صرف اس بات کا جائزہ لیتے رہیے۔ مسٹر ایری کہ صائم ندال کے تمام اقدامات کیا ہوتے ہیں"۔

"اس کے لیے میرا محکمہ مسلسل مصروف ہے"۔

"ٹھیک ہے اور کچھ..."

"نہیں جناب بس اتنا ہی کافی ہے"۔ ایری نے کہا اور اس کے بعد سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔ کچھ دیر گزری تھی کہ ایک اور عجیب و غریب مشین پر ایک اشارہ موصول ہوا اور ایری نے ایک بٹن دبا دیا۔

"جی سر! آپ کے لیے تفصیلی رپورٹ موجود ہے۔ وہ اپنی رہائش گاہ تک پہنچا ہے اور اس نے اپنے ساتھی سے کچھ گفتگو کی ہے اور اسے کہیں روانہ کر دیا ہے۔" ایری نے خاموشی سے بٹن دبا کر مشین بند کر دی اور اس کے بعد اس کمرے سے باہر نکل آیا۔ پھر اس نے سیاہ رنگ کا ایک لباس پہنا جس کے اوپری حصے پر ماسک لگی ہوئی تھی۔ ماسک کے اوپر اس نے ایک اور مصنوعی چہرہ اپنی گردن پر چڑھایا اور اس کے بعد ایک ہیٹ پہن کر وہاں سے نکل آیا عمارت کے عقبی حصے میں پہنچ کر اس نے ایک کار نکالی اور اسے اسٹارٹ کر کے عمارت سے باہر نکل آیا۔ وہ خاموشی سے سڑک پر نگاہ جمائے ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ سڑکیں پر رونق تھیں اور ہلکی ہلکی بوندیں آسمان سے زمین تک پہنچ رہی تھیں لیکن میکلوڈایری ان بوندوں سے بے نیاز سڑکوں پر نگاہ جمائے ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں ایک خاص چمک پائی جاتی تھی جس میں درندگی اور وحشت چھپی ہوئی تھی۔ درحقیقت وہ ایک ایسے ادارے کا سربراہ تھا جس سے دنیا کانپتی تھی اور جس کے سپرد ایسی اہم ترین ذمے داریاں کی جاتی تھی جنہیں انجام دینا دوسروں کے لیے ممکن نہ ہو۔ ایسے ادارے کو چلانا معمولی بات نہیں ہوتی اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ صدر مملکت کے بعد اس ادارے کے سربراہ کے اختیارات ہوتے ہیں اور بعض اوقات یہ اختیارات اتنے اعلیٰ ہو جاتے ہیں کہ خود صدر مملکت بھی اس کے بعض معاملات میں مداخلت نہیں کر سکتے اور انہیں اس ادارے کے سربراہ سے تعاون کرنا ہوتا ہے۔ ایسی ہی اہم ترین ذمے داریوں کو پورا کرنا میکلوڈایری کے لیے مشکل ترین کام تھا لیکن وہ جاگتی آنکھوں سے نجانے کہاں کہاں کا جائزہ لیتا تھا دنیا اس کی نگاہوں کے سامنے تھی۔ ملکی سیاستیں کس رنگ میں ہیں، کہاں کیا ہو رہا ہے اور ملکی مفادات کے سلسلے میں کہاں کیا کارروائی کرنی ہے بعض اوقات یہ رپورٹیں اس کے پاس اتنی ہوتی تھیں کہ خود مقامی اعلیٰ حکام ان سے ناواقف ہوتے تھے۔ میکلوڈایری تیز رفتاری سے ڈرائیونگ کرتا ہوا ایک پراسرار سی عمارت میں داخل ہو گیا اور اس کے بعد اس نے یہاں دو آدمیوں سے اہم گفتگو کی اور انہوں نے اسے معلومات فراہم کیں۔ یہاں سے ایری نے ہلکا اسلحہ حاصل کیا یہ ایک خاص قسم کی سب مشین گن تھی جس کا رنگ سفید تھا اور وہ دیکھنے میں ایک کھلونا معلوم ہوتی تھی۔ اس مشین گن کو اپنے لباس میں چھپانے کے بعد اس نے کار بھی یہاں سے تبدیل کر لی اور ایک نئی بڑی کشادہ کار میں بیٹھ کر یہاں سے بھی چل پڑا۔ اب اس کا رخ نواحی علاقے کی جانب تھا اور بارش کی رفتار کسی حد تک تیز ہو چکی تھی۔ پھر دھندلائی ہوئی روشنیوں میں آگے بڑھتا ہوا وہ نواحی علاقے کی ایک مضبوط اور خوبصورت عمارت کے قریب پہنچ گیا لیکن اپنی کار اس نے ایک تاریک سی جگہ چھوڑ دی اور اس

پیدل بلیوں کی طرح دبے قدموں چلتا ہوا اس عمارت کی جانب بڑھ گیا۔ عمارت کے عقبی حصے میں پہنچ کر اس نے ایک جگہ منتخب کی اور پھر وہاں سے اوپر چڑھنے لگا۔ کچھ دیر بعد وہ احاطے میں کود گیا تھا۔

.....OOOOO.....

ایک ایک کر کے وہ پانچوں اندر داخل ہو گئے۔ برآمدے میں انہوں نے اپنی برساتیاں اتار دی تھیں۔ بارش شاید کچھ اور تیز ہو گئی تھی اور اس بارش میں یہ سفر طے کر کے یہاں تک آنا ایک مشکل مسئلہ بے شک تھا لیکن وہ پانچوں یہاں پہنچ گئے تھے۔ اور چھٹا وہ شخص تھا جو جیک ماسن کے ساتھ موجود تھا اور ایری نے ان دونوں کو ایک ساتھ ہی روانہ کیا تھا۔ جیک ماسن نے سرد اور سپاٹ تاثرات کے ساتھ ان پانچوں کا استقبال کیا۔ پانچوں اس کے سامنے مؤدب نظر آتے تھے۔ جیک ماسن نے انہیں بیٹھنے کا اشارہ کیا اور وہ ایک میز کے گرد کرسیوں پر بیٹھ گئے تب جیک ماسن نے کہا۔

"میں جانتا ہوں کہ تم لوگوں کی معلومات محدود نہ ہوں گی۔ میکلوڈایری کو تفصیلات موصول ہوئی ہیں ان کے مطابق اس بار بھی صائم ندال نے دھوکا دے دیا ہے اور بے شک اس نے اپنی فطرت کے مطابق وہ تمام خطرات مول لیے اور اپنے گروہ کی بڑی نفری ہلاک کرا دی لیکن اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ صائم ندال کے ارادے کس قدر بھیانک ہیں اور یہ بھی یقینی امر ہے کہ وہ ایلات پر قبضہ کرنے کی کوشش ضرور کرے گا۔ اس وقت مسٹر میکلوڈایری یا دوسرے افراد یہ مداخلت نہیں کر سکتے کہ اسے ایلات پر قبضہ کرنے سے روک دیں لیکن ہمارا مقصد اسی وقت حل ہوتا ہے جب صائم ندال ایلات پر قبضہ کر لے یہ بھی دیکھنا ہے کہ اب صائم اپنا دفاع کس طرح کرتا ہے۔ میکلوڈایری کے پاس فی الحال کوئی بڑا منصوبہ نہیں ہے اور یقینی طور پر صدر مملکت سے مشورے کے بعد وہ اپنا دوسرا قدم اٹھائے گا لیکن ہمارے منصوبے کی تکمیل کے لیے ہمیں فوری طور پر متحرک ہونا ضروری ہے۔ میں نے جو ذمے داری تم لوگوں کے سپرد کی تھی وہ کام ہو گیا ہے؟"

"ہاں مسٹر ماسن یہ وہ تصویریں ہیں جو ہمیں حاصل ہوئی ہیں۔ ان میں سے ایک شخص نے اپنے اندرونی لباس سے ایک بڑا سا لفافہ نکال کر اسے کھولا اور کچھ تصویریں نکال کر جیک ماسن کے سامنے ڈال دیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ہی وہ ان تصویروں کے بارے میں مسٹر ماسن کو بتاتا بھی جا رہا تھا۔ "یہ چودہ ٹھکانے ہیں جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ صائم ندال نے ان کو بہت ہی خفیہ رکھا ہے بس ہم بھی ان جگہوں کا تعین کر کے وہاں کی تصاویر حاصل کر سکے ہیں اور یہ کام سیٹلائٹ کے ذریعے ہوا ہے اور سیٹلائٹ میں اپنی ضرورت کے مطابق ردوبدل کرنے کا مسئلہ کسی حد تک پریشان کن ثابت ہوا ہے۔ بلکہ یہ کہنے میں کوئی دقت نہیں محسوس کی جاتی کہ سیٹلائٹ کو ڈسٹرب کرنے والی شعاؤں کا جائزہ لیا جا رہا ہے اور یہ معلوم کیا جا رہا ہے کہ یہ مداخلت کہاں سے ہو رہی ہے۔ چنانچہ یہ اطلاع بھی دینا تھی آپ کو کہ اس کے بعد ہم اس سیٹلائٹ کے ذریعے خفیہ طور پر اپنا کام جاری نہ رکھ سکیں گے۔" جیک ماسن ان تصویروں کو دیکھ رہا تھا اور پھر اس نے ایک کاغذ پر کچھ نشانات لگائے اور تصویروں کو واپس اس لفافے میں رکھ دیا پھر وہ بولا۔

"اور اس وقت مسٹر میکلوڈایری کا ساتھ انتہائی خطرناک ہے۔ گروپ ٹوکی کسی بھی وقت نشاندہی ہو سکتی ہے اور اس طرح ہمیں اپنے آپ کو قائم رکھنا مشکل ہو جائے گا۔ چنانچہ میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ لوگ بھی منتشر ہو جائیں۔ ہماری دوسری ملاقات کہیں اور ہوگی۔ اس کا تعین بعد میں کیا جائے گا۔ ویسے تصاویر کا یہ لفافہ میں اپنے پاس رکھ رہا ہوں۔ اس سلسلے میں اور کوئی ہدایت ابھی آپ لوگوں کے لیے نہیں ہے۔ میں آپ کو صرف یہ بتانا چاہتا تھا کہ اب یہ سلسلہ ختم ہو گیا ہے اور فی الحال ہماری تمام کوششیں بھی ختم ہو جانی چاہئیں کیونکہ میں خود نہیں چاہتا کہ ہماری نشاندہی ہو سکے"۔

"جو کام ہمیں کرنا تھا جناب کیا اس کے سلسلے میں اطمینان بخش طریقے سے سب کچھ ہو گیا ہے...؟"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"ابھی تک لیکن اس کے بعد سب سے اہم مسئلہ میکلوڈایری کی نگاہوں سے محفوظ رہ کر یہاں سے نکل جانا ہے۔ پانچوں آدمیوں نے گردنیں ہلائیں اور اس کے بعد جیک ماسن نے کہا۔

"آپ لوگوں کی اس آمد کا بے حد شکریہ لیکن یہ تمام تفصیلات آپ سے مجھے حاصل کرنا تھیں۔ فی الحال ریڈ ایم کے تمام پروگرام ترک ہو جانے چاہئیں۔ میں ہدایت حاصل کرنے کے بعد آپ لوگوں سے ایک ایک کر کے رابطہ قائم کروں گا"۔

"تم پھر کیا ہم جاسکتے ہیں"۔

"ابھی کہاں دوستوں ابھی تو مجھ سے ملاقات باقی ہے"۔ دروازے سے ایک آواز سنائی دی اور اس کے بعد ایک لمبا چوڑا آدمی بڑا سا ہیٹ سر پر لگائے اندر داخل ہو گیا وہ سب ششدر رہ گئے سفید رنگ کا کھلونا قسم کا ایک ہتھیار اس کے ہاتھ میں تھا۔ اس نے مسکراتے ہوئے ہتھیار کا ایک بٹن دبایا اور زرد رنگ کی ایک شعاع عجیب سی سنسناتی ہوئی آواز کے ساتھ نکلی اور سامنے کھڑے ہوئے ایک آدمی کے سینے میں آر پار دیکھے جانے والا سوراخ ہو گیا۔ وہ منہ سے کوئی آواز بھی نہیں نکال سکا تھا۔ سوراخ کی لمبائی چوڑائی تقریباً آٹھ انچ تھی اور درحقیقت یہ ایک عجیب و غریب چیز تھی ایک شخص کے سینے میں اتنا بڑا سوراخ پیدا ہو جانا کوئی معمولی بات نہیں تھا اور وہ بھی اس شکل میں کہ وہ ہکا بکا کھڑا ہوا تھا۔ وہاں موجود باقی افراد کے چہرے زرد ہو گئے۔ جیک ماسن نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا لیکن آنے والے نے آہستہ سے کہا۔

"نہیں مسٹر ماسن گروپ ٹو کے انچارج کی تلاش مجھے بہت عرصے سے تھی اور یہ کہنا آپ کے سامنے بے کار ہو گا کہ میں کون ہوں بہرحال بے حد شکریہ آپ نے میری راہنمائی کر دی۔ براہ کرم تصویروں کا وہ لفافہ نکال کر میرے سامنے ڈال دیجیے جو ابھی آپ دیکھ رہے تھے جیک ماسن نے گہری نگاہوں سے اس شخص کو دیکھا اور کہا۔

"کیا میں آپ کو مسٹر ایری کے نام سے پکار سکتا ہوں"۔

"آپ کی ہر طرح کی پکار بے مقصد ہو گی۔ مسٹر ماسن باہر جتنے لوگ موجود تھے اب وہ اس دنیا میں نہیں رہے۔ اس سے آپ کو یہ اندازہ ہو جانا چاہیے کہ فی الحال کوئی بیرونی مدد آپ کے پاس نہیں ہے جہاں تک ان لوگوں کا تعلق ہے میں نے ایک تجربہ کر کے آپ کو دکھایا اور یہ بتایا ہے کہ تمام تفصیلات میرے سامنے لانا بے حد ضروری ہے۔ ریڈ ایم کی تمام کارروائیوں کا جائزہ اچھی طرح لیا جاتا رہا ہے اور ہم اس نتیجے پر بہت دیر کے بعد پہنچے ہیں کہ مسٹر جیک ماسن ریڈ ایم کو کنٹرول کر رہے ہیں"۔ جیک ماسن نے اپنے آپ کو سنبھالا اور آہستہ سے بولا۔

"یہ آپ کی ۔۔۔ فہمی ہے مسٹر ایری۔۔۔"

"بہتر ہے آپ مجھے احمقانہ انداز میں ایری کے نام سے نہ پکاریں میں کون ہوں اس کے بارے میں آپ کا جاننا ضروری نہیں ہے"۔ جیک ماسن خاموشی سے اسے دیکھتا رہا پھر اس نے کہا۔

"ٹھیک ہے آپ جو کوئی بھی ہیں مسٹر لیکن میں سمجھتا ہوں کہ آپ کا یہ خیال بالکل غلط ہے کہ آپ ریڈ ایم کی کسی سربراہ سے واقف ہو گئے ہیں۔ ہمارا مقصد کچھ اور تھا"۔

"مسٹر ماسن گروپ ٹو کے انچارج کی حیثیت سے آپ نے ابھی ابھی اپنی ذمے داریاں بتائی تھیں اور میں نے وہ تمام تفصیلات سن لی ہیں۔ آپ لفافہ نکالنے میں غالباً اس لیے دیر کر رہے ہیں کہ آپ کو کسی بیرونی مدد کی توقع ہے ہو سکتا ہے ایسی کوئی بات ہو لیکن میں آپ کو مہلت نہیں دے سکتا۔ آپ کی گرفتاری میرے لیے بڑی کارآمد ہوتی اور آپ کے ذریعے بہت سی معلومات حاصل ہو سکتیں تھیں لیکن میرا اپنا کام کچھ اس قسم کا ہوتا ہے۔ میں کسی چھوٹی سی بات کے لیے کوئی بہت بڑا خطرہ نہیں مول لیتا اور یہی بات ہماری کامیابی کی دلیل ہوتی ہے۔ آپ نے ابھی تک لفافہ نہیں نکالا۔ میں یوں کرتا ہوں کہ آپ کو آپ کے ہیروں سے محروم کیے دیتا ہوں تاکہ آپ کو یہ احساس ہو جائے کہ دیر کرنا کتنا خطرناک ہوتا ہے"۔

اس سے پہلے کہ جیک ماسن اپنے منہ سے کوئی لفظ نکال سکے اسی سفید کھلونا جیسی گن سے ایک بار پھر ویسی شعاع نکلی اور مسٹر جیک ماسن کے دونوں پاؤں اپنی جگہ نہ رہ سکے۔ ہڈیاں تک گل گئی تھیں اور مسٹر جیک ماسن دہشت زدہ انداز میں چیختے ہوئے نیچے آ رہے تھے۔ ان کے چہرے پر شدید خوف کے آثار تھے اور تکلیف ان کے نقوش میں منجمد ہو گئی تھی۔ انہوں نے جلدی سے لباس میں ہاتھ ڈال کر لفافہ نکالا اور کانپتے ہاتھوں سے اسے آگے بڑھا دیا لیکن تکلیف کی شدت سے ان کے دل کی دھڑکیں برقرار نہیں رہ سکی تھیں اور چند ہی لمحے بعد انہوں نے دم توڑ دیا لوگ گہرے سکوت کے عالم میں کھڑے ہوئے تھے۔ مسٹر میکلوڈ ایری نے آہستہ سے کہا

"اور اگر آپ چاہیں تو اپنی زندگی کا سودا مجھ سے کر سکتے ہیں لیکن انہوں نے اس شخص کی گفتگو پر غور کیے بغیر اپنا تحفظ شروع کر دیا اور ایک آدمی نے بڑی پھرتی سے پستول نکال کر اس کا رخ پراسرار اجنبی کی جانب کیا لیکن پراسرار اجنبی اس سے زیادہ پھرتیلا اور باکمال تھا۔ سفید کھلونا پستول کی ایک اور شعاع نے اس شخص کا ہاتھ اپنی جگہ سے غائب کر دیا۔ جہاں سے اس نے پستول پکڑا ہوا تھا۔ پستول گل کر نیچے آ رہا تھا۔ اس کے بعد اس شخص نے یکے بعد دیگرے ان تمام افراد کو موت کی نیند سلا دیا اور اس کے بعد لفافہ اٹھا کر اپنے لباس میں محفوظ کر لیا۔ پھر وہ آہستہ قدموں سے چلتا ہوا بیرونی حصے کی جانب چل پڑا۔ مسٹر جیک ماسن اور اس کے ساتھیوں کی لاشیں یہاں پڑی ہوئی تھیں اور منظر بے حد ہولناک ہو گیا تھا۔

جارج کی حیثیت کا اندازہ اس بات سے ہو جاتا تھا کہ انہیں بتایا گیا تھا کہ وہ گورنر کا خاص آدمی ہے اور گورنر نے یہاں اس کی رہائش کے لیے تمام معقول بندوبست کر رکھے ہیں۔ گویا جارج بھی جزیرہ برونیو پر ایک نمایاں حیثیت کا حامل تھا اور اس طرح یہ کہانی بہت دلچسپ ہو جاتی تھی لیکن اندر داخل ہونے کے بعد انہوں نے یہ محسوس کیا کہ معاملہ ان کی توقع سے بہت آگے ہے۔ جزیرہ برونیو بے شک زندگی کے بہت سے لوازمات سے محروم تھا لیکن جارج کی رہائش گاہ غالباً ایسی نہیں تھی اور اس میں وہ تمام زندگی موجود تھی جو انسان کے لیے ضروری تصور کی جاتی ہے۔ عمدہ آرام دہ ائیر کنڈیشن کمرہ جسے غالباً کسی جدید پلانٹ کے ذریعے ٹھنڈا کیا گیا تھا۔ ورنہ جزیرے پر بجلی نظر نہیں آتی تھی اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ کسی جنریٹر وغیرہ کے چلنے کی آواز بھی نہیں سنائی دے رہی تھی۔ تاہم اس زمانۂ جدید میں ایسے کسی کام میں کوئی الجھن نہیں پیش آسکتی جنریٹر کے بھی بہت سے روپ ہوتے ہیں اور پھر ایٹمی شعاؤں سے چلنے والا جنریٹر کسی بڑے دولت مند آدمی کی دسترس سے دور نہیں ہوتا تاہم انہوں نے اپنے چہروں پر ایسے تاثرات پیدا کر لیے جیسے وہ بہت زیادہ مرعوب ہو گئے ہوں اور یہ ضرورت اس لیے پیش آئی تھی کہ جارج ان کے چہرے کے تاثرات کا جائزہ بھی لیتا جا رہا تھا۔ ویسے وہ سادہ مزاج انسان لگتا تھا۔ اس نے انہیں بیٹھنے کی پیشکش کی اور اس کے بعد خود بھی ان سے تھوڑے فاصلے پر بیٹھ گیا۔ پھر اس نے سرد لہجے میں کہا۔

"تمہاری کہانی کیا ہے؟"

"آہ ماسٹر اخدا تم پر برکتیں نازل کرے۔ بس یوں سمجھ لو کہ مصیبت کے مارے ہوئے ہیں ایک جہاز پر سفر کر رہے تھے لیکن وہ جہاز مجرموں کا جہاز تھا پہلے ہمیں تلاش کیا گیا۔ ہماری جیبیں جو اکھیل کر خالی کر لی گئیں اس کے بعد ایک نشہ آور مشروب ہمیں دیا گیا اور وہاں سے سمندر میں پھینک دیا گیا۔ زندگی تھی کہ لہریں ہمیں دھکیلتی ہوئی اس جزیرے پر لے آئیں۔ اس کے بعد ہم بے یار و مددگار پھرتے ہیں۔ بھلا ہو ایسی دو عورتوں کا جنہوں نے ہمیں بے بس دیکھ کر ہماری قیادت کی لیکن اس سے زیادہ انہوں نے ہمیں اپنے پاس قیام کرنے کی اجازت نہیں دی اور پھر کچھ ایسے لوگ ہمارے بے مقصد دشمن بن گئے جن سے ہماری کوئی دشمنی نہیں تھی"۔ اوشان نے اپنے مخصوص انداز میں کہا اور جارج سرد نگاہوں سے اُسے دیکھتا رہا۔

"تمہارا شبہ کیا ہے؟"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"کچھ نہیں ماسٹر۔ آوارہ گردی اور جگہ جگہ کی سیاحت لیکن اس بار یوں لگتا ہے کہ جیسے ہم آخری دفعہ اس سفر پر نکلے ہوں"۔

"تمہارا یہ خیال غلط نہیں ہے لیکن تمہارے لیے میں کیا کروں۔ یقینی طور پر ہیڈن تمہاری آمد سے واقف ہوگیا ہوگا اور اس جس طرح تم نے اس کے آدمیوں کو زچ کیا ہے اس کے بعد تمہاری یہاں موجودگی خطرناک ہوسکتی ہے لیکن کوئی بات نہیں آرام کرو، میں دیکھتا ہوں کہ تم سے کیا کام لیا جاسکتا ہے اگر تم میرے کام کے ثابت ہوئے تو میں تمہیں ہیڈن سے بچا سکتا ہوں ورنہ دوسری شکل میں اپنے تحفظ کا بندوبست تمہیں خود ہی کرنا ہوگا"۔

"یوں امید دلانے کے بعد اس طرح مایوس کرنا کوئی اچھی بات نہیں ہے ہم آپ کو کس نام سے پکاریں"۔ اس بار ٹائیگر نے کہا۔

"جارج میرا نام ہے لیکن افسوس میں کبھی گھانے کا سودا نہیں کرتا۔ تم لوگوں نے اس طرح سے میری توجہ حاصل کی تھی کہ ہیڈن کے آدمیوں کے ہاتھ نہیں آئے لیکن اس کے بعد تم... مگر ٹھہرو کیا تم جنگجو ہو اور لڑائیاں لڑ سکتے ہو؟"

"صرف اس وقت جب ہماری اپنی جان پر بن آئے"۔

"ہوں یہ بھی کوئی کارآمد بات نہیں ہوئی۔ بہرحال آرام کرو تمہارے بارے میں، میں کوئی فیصلہ کرلوں گا۔ جارج نے کہا اور اس کے بعد ان دونوں کو ایک اور کمرے میں پہنچا دیا۔ اوشان خاموشی سے ایک گوشے میں بیٹھ کر اونگھنے لگا تھا اور ٹائیگر اس کے کچھ فاصلے پر خود بھی گہری سوچوں میں گم ہوگیا تھا یہ بات بار بار اس کے ذہن میں آتی تھی کہ آخر ڈاکٹر بہرام اس بار کیا کر رہا ہے اور اس نے ایک بے مقصد مسئلے کے لیے انہیں کیوں مشکل میں ڈال دیا ہے اگر اوشان کی ضد نہ ہوتی تو ٹائیگر شاید واپس سینٹ کرٹ جاتا اور ڈاکٹر بہرام سے رابطہ قائم کرتا۔ مگر لٹل فادر بعض اوقات انتہا پسندی پر اتر آتا تھا۔ اسے جزیرے برونیو کو دیکھنے کا شوق تھا ٹائیگر بھی اس تمام ماحول سے اکتایا ہوا نہیں تھا لیکن ایک تصور اس کے ذہن میں تھا اگر ڈاکٹر بہرام نے کوئی کام ان کے لیے منتخب کیا ہے تو اب تک اس کا آغاز کیوں نہیں ہوا اور کیا وہ ان حالات سے خود بھی ناواقف تھا۔ یا پھر جو عمل یہ لوگ کر رہے ہیں وہ ڈاکٹر بہرام کی توقع کے مطابق ہے لیکن ٹائیگر کو یہ بات پسند نہیں تھی کام کے بارے میں کوئی علم نہیں بس اندھیرے میں قدم آگے بڑھے تھے۔ یہ طریقہ کار اگر ڈاکٹر بہرام نے اختیار کیا ہے تو اس بار سوئیٹ ہارٹ کو اپنے لیے بھی بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ادھر اوشان بھی شاید ایسی ہی سوچوں میں گم تھا لیکن پھر اچانک ہی اسے چونکنا پڑا ایک آواز اس کے ذہن میں گردش کرنے لگی اور وہ پوری طرح اس کی جانب متوجہ ہوگیا۔ غالباً گفتگو کے لیے وائرلس استعمال کیا جارہا تھا۔ جس طرح جزیرہ برونیو پر بجلی نظر نہیں آتی تھی اسی طرح وہاں ٹیلی فون وغیرہ بھی نہیں تھے مگر اوشان کے لیے ضروری نہیں تھا کہ وہ بہت زیادہ تجسس کرتا جو آواز اس کے کانوں میں ابھر رہی تھی وہ جارج کی تھی اور دوسری طرف سے آنے والی آواز اجنبی تھی لیکن اجنبی آواز نے خود ہی پول کھول دیا۔

"ہاں میں ہیڈن بول رہا ہوں۔ کہو کیا بات ہے؟"

"مائی ڈیر تمہیں ان دو اجنبی لوگوں کے بارے میں اطلاع مل چکی ہوگی جو جزیرہ برونیو پر نظر آرہے ہیں"۔

"ہاں اور یہ اطلاع بھی مل چکی ہے کہ اس وقت وہ تمہاری رہائش گاہ میں موجود ہیں۔ جارج کا ہلکا سا قہقہہ ابھرا۔ پھر اس نے کہا میں اس بات پر پورا پورا یقین رکھتا ہوں کہ تم کوئی بے خبر انسان نہیں ہو۔ کیا تمہیں ان دونوں کی ضرورت ہے"۔

برونیو پر نظر آنے والے اجنبی میرے لیے باعث دلچسپی ہوتے ہیں اور مجھے تعجب ہے کہ تم نے اس مسئلے میں مداخلت کر ڈالی۔ تمہیں اس کی کیا ضرورت پیش آگئی"۔

"کچھ نہیں۔ دراصل تم سے رابطے کے لیے میں کوئی موقع تلاش کر رہا تھا"۔

"ہوں کی کوئی خاص وجہ ہے"۔

"ہاں دراصل تم نے میرے ایک آدمی کو پکڑ رکھا ہے"

"اس کی ضرورت ہے مجھے"۔

"کیا نام ہے اس کا"۔ ہیڈن نے یہ سوال کیا تھا۔

"نام ایڈنا" یہ آواز جارج کی تھی دوسری طرف سے چند لمحات کے لیے خاموشی چھا گئی پھر ہیڈن نے کہا۔

"مگر نام ایڈنا تو میرا اپنا آدمی ہے اور وہ گرفتار نہیں کیا گیا۔ بلکہ میرے لیے کام کر رہا ہے"۔

"تم جانتے ہو کہ وہ تمہارا نہیں میرا آدمی ہے اور جو خوبی اس میں تھی اس کی وجہ سے میں نے اسے اپنے لیے یہاں امپورٹ کیا تھا مگر تم نے اسے ہتھیا لیا اور یہ اچھی بات نہیں ہے"۔

"مجھے اس کا احساس ہے لیکن وہ جن حالات میں مجھ تک پہنچا ہے وہ عام حالات ہیں اور ایسی کوئی خاص بات نہیں اس قسم کے بہت سے لوگ جو یہاں برونیو میں آجاتے ہیں۔ عموماً میری ہی ملکیت قرار پاتے ہیں۔ تم اس سلسلے میں مجھ سے کسی رعایت کی توقع نہ رکھو کیونکہ اب وہ میرے اہم لوگوں میں شامل ہوگیا ہے"۔

"اتنا ہی کہنا تھا جارج وہ تمہارے لیے کتنا ہی اہم ہو لیکن میرا اپنا آدمی ہے۔ تم چاہو تو اس سلسلے میں اس سے بات کرسکتے ہو۔ میں نے اسے اپنے لیے بلایا تھا مگر تم وقت سے پہلے اسے اپک لے گئے اور وہ کام جو میں کرنا چاہتا تھا تم نے شروع کر دیا۔ اب اگر تم ان لوگوں کو چاہتے ہو تو اس کی وابستگی بے حد ضروری ہے"۔ جواب میں ہیڈن کا قہقہہ سنائی دیا تھا۔ اس نے کہا۔

"میں عجیب انداز میں تمہارے ان الفاظ کو محسوس کر رہا ہوں اس سے پہلے تم نے اتنی کھی گفتگو مجھ سے کبھی نہیں کی وہ لوگ جو میرے لیے بالکل بے کار ہیں اور جن کے بارے میں مجھے علم نہیں کہ ان میں کیا خوبی اور کیا صلاحیتیں ہیں یقینی طور پر وہ میرے لیے اتنی دلچسپی کا باعث نہیں ہوسکتے کہ میں ایک قیمتی آدمی تمہارے حوالے کر دوں اور میں اپنے مسائل میں لحاظ نہیں کرنا چاہتا"۔

"تمہارے مسائل میں لحاظ لب ہو جائے گا۔ وہ لوگ برونیو کے تمام تر علاقوں میں آزادانہ طور پر دندناتے پھریں گے اور میرے آدمی ان کا تحفظ کریں گے۔

"نہیں تم ایسا نہیں کرو گے۔ کیونکہ اس طرح جزیرہ کی روایات تبدیل ہو جائیں گی اور پھر ہر شخص یہاں سر اٹھانے کی کوشش کرے گا۔ اس سے ہمیں جتنا نقصان ہوگا تم بھی جانتے ہو"۔

ہاں نفع نقصان تو ہوتا ہی رہتا ہے دیکھیں گے اس سلسلے میں ہم کیا کرسکتے ہیں۔ ویسے بہتا ہوا خون مجھے بھی ناپسند نہیں ہے۔ چلو اچھا ہے۔ آبادی میں تھوڑی سی کمی ہو جائیگی"۔ سلسلہ گفتگو منقطع ہوگیا۔ اوشان بدخیال انداز میں رخسار کھجاتا رہا اور اس کے بعد اس نے حلق سے آواز نکالی۔

"اور اس بہتے ہوئے خون میں ہماری شرافت بھی ہونی چاہیے"۔ ٹائیگر نے چونک کر اوشان کو دیکھا لیکن کچھ نہ بولا۔ سناجو کا ماسٹر پراسرار انداز میں مسکرا دیا تھا۔ پھر جو کچھ ہوا اوشان کی توقع کے برعکس نہیں تھا۔ جارج نے ان سے ملاقات کی اور کہا۔

"معزز دوستوں تم کافی آرام کر چکے ہوں گے لیکن برونیو کے حالات کچھ ایسے ہیں کہ یہاں کوئی بھی شخص چاہنے کے باوجود کسی کو بہت عرصے اپنا مہمان نہیں بنا سکتا۔ ہیڈن کی اجازت نہیں ہے اور شاید ہیڈن کے بارے میں تمہیں تفصیلات معلوم نہ ہوں وہ بہت خطرناک آدمی ہے اور اس جزیرہ پر وہی ہوتا ہے جو وہ چاہتا ہے۔ میرے لیے سب سے بڑی مجبوری یہ ہے کہ میں اس کی مرضی کے خلاف کام نہیں کرسکتا"۔

اوشان نے فراخدلی سے اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا۔ "کہ وہ خود یہ سوچ رہا تھا کہ اب یہاں سے چلے جانا چاہیے"۔ ٹائیگر نے ان کی گفتگو میں کوئی مداخلت نہیں کی تھی۔ جارج نے بڑی محبت کے ساتھ انہیں رخصت کیا لیکن سناجو کا ماسٹر جانتا تھا کہ یہ سب کچھ ایک منصوبے کے تحت ہو رہا ہے اور جس وقت وہ برونیو کے پُرزور قبائلی

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

میں نکلے گے تو جارج کے آدمی ان کے تحفظ کے لیے ان کے آس پاس بکھرے ہوں گے یہ ضروری نہیں تھا کہ خونریزی ان دونوں گروہوں کے درمیان ہو۔ یہ مسئلہ وہ خود بھی نمٹا سکتے تھے اور اس سے نمٹنے کے لیے انہیں طویل انتظار نہ کرنا پڑتا۔ یقینی طور پر وہ ایک پر رونق شاہراہ تھی جہاں پانچ افراد نے ان کے راستہ روکا تھا۔ ان کے انداز میں کچھ ایسی حقارت تھی اور کچھ ایسا مسخرہ پن پایا جاتا تھا ان کے چہروں پر کہ ٹائیگر کو ان کی مداخلت بہت بری محسوس ہوئی۔ البتہ اوشان دونوں ہاتھ باندھ کر ایک ستون سے لگا تھا۔ جو ایک دکان کے ساتھ نصب تھا۔ ٹائیگر نے پلٹ کر اوشان کو دیکھا اور اس کے چہرے پر اطمینان کے آثار پا کر اسے یہ اندازہ ہو گیا کہ اب جو کچھ ہو گا وہ اوشان کی مرضی کے خلاف نہیں ہو گا۔ وہ پانچوں افراد کسی دیوار کی مانند کھڑے تھے۔ پھر ان میں سے ایک نے آگے بڑھ کر کہا۔

"برونیو کی سڑکوں اور بازاروں پر گھومنے کے لیے بڑا ٹیکس ادا کرنا پڑتا ہے اور جن لوگوں کو یہ بات معلوم نہیں ہوتی وہ صرف نقصان کا شکار رہتے ہیں"۔

"تم کون لوگ ہو"۔ ٹائیگر نے پُرسکون لہجے میں پوچھا۔ اس کے اعصاب تنے ہوئے تھے اور جسم کے ریشوں میں ایک بجلی سی دوڑنے لگی تھی یہ کمبخت جو ان دنوں اس پر طاری تھی اور جس کے تحت وہ سخت بیزاری محسوس کر رہا تھا دور ہوتی محسوس ہو رہی تھی۔ ان پانچوں آدمیوں کی آنکھیں اس کا جائزہ لے رہی تھیں اور ٹائیگر خود ان کی ایک ایک حرکت ذہن نشین کر رہا تھا۔ ان میں سے ایک نے اپنے ساتھی کی طرف دیکھ کر کہا۔

"یہ لوگ ہمت سے بات کرنا جانتے ہیں اور خود اس بوڑھے کو دیکھو جو کسی مردہ گدھ کی مانند گردن شانوں میں گھسائے ہوئے اس ستون سے لگا ہوا ہے۔ یوں کرو کہ تم دونوں اس گدھ کو پکڑ لو میں ذرا اس کی مرمت کیے دیتا ہوں۔ کیونکہ ہمارے سامنے سینہ تان کر چلنے والے ذرا مناسب نہیں لگتے۔ لوگ کیا کہیں گے کہ ہم نے جنہیں گرفتار کیا وہ اپنے قدموں سے چل کر ہیڈن کے حضور پہنچے"۔ وہ آگے بڑھا اور اس نے ٹائیگر پر وار کرنے کی کوشش کی لیکن احمق آدمی نہیں جانتا تھا کہ اس کا ایک ایک قدم موت کی جانب بڑھ رہا ہے۔ ٹائیگر نے آرام سے اس کی کلائی پکڑی اور اس کے بعد اسے سیدھا کلائی کے بل سر سے اونچا اٹھا کر زمین پر دے مارا۔ ہڈیاں ٹوٹنے کی آواز زمین سے بلند ہوئی تھی اور اس کے فوراً بعد ہی وہ دونوں آدمی بھی واپس پلٹ پڑے جو اوشان کی جانب بڑھ رہے تھے۔ اوشان نے البتہ اپنے بدن میں بالکل جنبش نہیں کی تھی وہ جانتا تھا کہ ٹائیگر کافی ہے۔ ٹائیگر نے اپنے اس آدمی کو زمین بوس کرنے کے بعد جس نے اس پر پہلا حملہ کیا تھا باقی لوگوں کو دیکھا اسے اپنے بالکل ہی قریب سانپ کی سرسراہٹ سی محسوس ہوئی۔ اس کے ساتھ ہی ہلکی سی چمک بھی اس نے چاقو والا ہاتھ پکڑ کر اپنے شانے پر رکھ لیا اور پھر ایک مخصوص جنبش سے اسے نیچے دبایا اور دل دوز چیخ کے ساتھ ہی اس خطرناک آدمی کا بازو اپنی جگہ سے اکھڑ گیا۔ جس نے ٹائیگر پر چاقو سے حملہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ ٹائیگر نے اپنے کام سے فارغ ہونے کے بعد پلٹ کر دونوں انگلیاں اس کی گردن کے نچلے حصے میں پیوست کیں اور ان انگلیوں کا بھالا گردن میں داخل نہ ہونے کا کیا جواز تھا دو سوراخ جو خون اگل رہے تھے لیکن باقی لوگوں نے یہ دیکھ کر فیصلہ کیا کہ بیک وقت اس پر حملہ کیا جائے۔ چنانچہ وہ تینوں ہی ٹائیگر پر پل پڑے لیکن ٹائیگر نیچے بیٹھا اور اس کے بعد اس کے دونوں ہاتھ ایک مخصوص انداز میں سیدھے ہوئے۔ ان کی ضربیں دو افراد کی ٹانگوں پر لگیں اور ان کی ہڈیوں کی چٹخنے کی آوازیں سنائی دیں۔ تیسرا جو اس کے سامنے چاقو لے کر آیا وہ ٹائیگر کا سامنے سے ہی شکار ہوا۔ اس نے ایک ہاتھ سے اس کے چاقو کے وار کو روکا اور پھر ایک کھڑا ہاتھ اس کے سر پر رسید کر دیا۔ سامنے والے کا سر کسی پکے ہوئے تربوز کی طرح کھل کر رہ گیا اور اس کا بھیجہ اس کے رخساروں پر بہنے لگا۔ ٹائیگر نے باقی دونوں کی جانب دیکھا وہ اس قابل نہ رہے تھے کہ اپنی مرضی سے اٹھ کھڑے ہوتے البتہ انہیں اس تکلیف سے نجات دلانا ضروری تھا چنانچہ ٹائیگر نے دونوں پاؤں ان میں سے ایک کی گردن میں

پھنسائے اور ہلکا سا گھوم کر اس کی گردن کے سارے منکے ٹوٹ کر دبے اس شخص کے منہ سے خون بہہ رہا تھا اور اب ان میں سے کوئی ایسا نہیں تھا جو بھاگ کر ہی اپنی جان بچا لیتا۔ تین ہلاک ہو چکے تھے ایک قریب المرگ تھا اور ایک جس کی ران کی ہڈی ٹوٹی ہوئی تھی بری طرح پیچھے کھسک کھسک کر اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کر رہا تھا اگر وہ اپنے قدموں پر کھڑے ہو کر یہاں سے بھاگ سکتا تو یقینی طور پر اس وقت اس کی رفتار خاصے کتنی تیز ہوتی۔

اوشان آہستہ آہستہ ہنس رہا تھا۔ پھر وہ اطمینان سے ٹائیگر کے قریب پہنچا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر وہاں سے آگے بڑھ گیا۔ یہاں انہوں نے اپنی موجودگی کا ایک بہتر ثبوت دیا تھا اور اس کے بعد انہیں حق حاصل تھا کہ وہ آزادانہ طور پر برونیو کی سیر کرتے۔ البتہ اوشان جارج کے آدمیوں پر ہنس رہا تھا۔ وہ لوگ ان دونوں کے تحفظ کے لیے جانے کیا، کیا تیاریاں کر کے آئے ہوں گے لیکن ان کی دل کی حسرتیں دل ہی میں رہ گئیں اور وہ کچھ نہ کر پائے۔ جب کہ ان دونوں نے خود ہی اپنا فیصلہ کر لیا تھا۔ البتہ پانچ لاشیں سڑک پر پڑی ہوئی تھیں اور ان لوگوں کو اٹھانے والا کوئی موجود نہیں تھا۔ جب کہ یہ ہیڈن کے بہترین آدمی ہوں گے۔ البتہ اوشان نے ٹائیگر کے ساتھ آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

"اب ہمیں ایک پوری آبادی سے جنگ کرنا ہو گی۔ جان عزیز کیا تم اس بات پر غور کرتے ہو"۔

"میں اس پوری آبادی کو فنا کر دینا چاہتا ہوں"۔ ٹائیگر نے پُرجوش لہجے میں کہا اور اوشان ہنس پڑا۔

"بطخ کے گوشت اور چاول میں یہی خوبی ہے کہ وہ بردباری پیدا کرتی ہے اور انسان کبھی بھی جلد بازی جوش کے عالم میں نہیں سوچتا۔ کیونکہ گرم دماغ سے جو فیصلے کیے جاتے ہیں وہ کبھی بھی فائدے مند نہیں ہوتے"۔

"اور میں اس وقت کوئی منافع حاصل نے کی خواہش نہیں رکھتا کیونکہ جس طرح ہمیں اس جزیرے پر قید کر دیا گیا ہے وہ میرے لیے ناقابل برداشت ہے"۔

"یہ لوگ ہمیں اس جزیرے سے آزادی دلائیں گے تم بالکل فکر نہ کرو"۔

"میں نہیں سمجھتا کہ یہاں آنے کا مقصد کیا تھا اور ابھی تک اس سے کیا حاصل ہو سکا ہے؟"

"اس وقت تمہارے لیے ایک بہترین قہوے کا پیالہ بہت ضروری ہے اور میں دیکھ رہا ہوں کہ سامنے ہی ایک قہوہ خانہ نظر آ رہا ہے"۔ اوشان نے اشارہ کر کے کہا۔ ٹائیگر نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اوشان کے اٹھتے ہوئے قدموں کا ساتھ دینا اس کا فرض تھا اور وہ دونوں قہوہ خانے میں داخل ہو گئے۔ اچھی خاصی رونق تھی لیکن شاید ہونے والی واردات کی اطلاع یہاں بھی پہنچ گئی تھی کیونکہ جیسے ہی وہ اندر داخل ہوئے لوگ آہستہ آہستہ سمٹنے لگے۔ ان میں کچھ جلدی سے قہوہ خانے کے دروازے سے باہر نکل گئے۔ اوشان نے مسکراتے ہوئے اپنی جگہ سنبھال لی اور پھر ٹائیگر سے کہا۔

"اس وقت ہم اپنے آپ کو کسی امریکی حصے میں پاتے ہیں۔ جہاں دو جیالے گھس آئے ہیں اور لوگوں نے کھسکنا شروع کر دیا ہے"۔ فوراً ہی ایک درمیانی عمر کا آدمی ان کے قریب پہنچا اور اس نے میز کی سطح پر ہاتھ رکھ کر گردن خم کرتے ہوئے کہا۔

"میرا نام بدمسر ٹینو ہے اور میں اس چھوٹے سے قہوہ خانے کا مالک ہوں لیکن یہ نہ سمجھنا نوجوان دوستو کہ تمہاری بہادری اور دلیری کی اطلاع مجھ تک نہیں پہنچی۔ جن پانچ آدمیوں کو تم نے ناکارہ کر دیا ہے وہ پچاس آدمیوں پر بھاری سمجھے جاتے تھے اور اب ایک لوح ادھر کا رخ کرنے والی ہو گی۔ میں فوری طور پر تمہارے لیے آرڈر لینا چاہتا ہوں۔ کیا کھاؤ گے، کیا پیئو گے کیونکہ اس کے بعد نہ میں ہوں گا، نہ یہ ہوٹل ہو گا اور نہ تم ہو گے"۔ اوشان نے آنکھیں بند کر کے حکیمانہ انداز میں کہا۔

"ہر چیز فانی ہے اور کسی بھی چیز کو بہت عرصے تک باقی نہیں رہنا چاہیے"۔

"جب تم لوگوں نے ادھر کا رخ کیا تھا تو میں نے یہ سوچ لیا تھا کہ اور کوئی چیز فانی ہو نہ ہو میں اور یہ قہوہ خانہ ضرور فانی ہیں اور اس کے اختتام کا وقت قریب آ چکا ہے"۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ٹائیگر نے اسے دیکھ کر غراتے ہوئے کہا۔

"لب بہت زیادہ باتیں نہ بناؤ ہمارے لیے کھانے کو جو کچھ بھی لا سکتے ہو لے آؤ"۔

"اس وقت تو پورا کچن تمہارے لیے ہے۔ کیونکہ اس کے بعد یہاں پر موجود ہر چیز کا جو حشر ہونا ہے وہ میں جانتا ہوں"۔ وہ واپس مڑا اور تھوڑی دیر کے بعد ان کے سامنے بہت سی چیزیں پہنچ گئیں۔ لوشان مسکرا دیا اس نے ٹائیگر سے کہا۔

"کھاؤ کھاؤ۔ تمہاری ضرورت کے لیے بہت کچھ ہے"۔ ٹائیگر خاموشی سے کھانے پینے کی اشیا میں مصروف ہو گیا تھا لیکن حیران کن بات یہ تھی کہ کافی دیر گزرنے کے باوجود کچھ بھی نہ ہوا لیکن بدسمر بھی جس کے لیے پوری طرح تیار تھا اور حسرت بھری نگاہوں سے اپنے اس قیمہ خانے کو دیکھ رہا تھا۔ ہاں ایک واقعہ ضرور پیش آیا لیکن مختلف انداز میں آنے والے دو افراد تھے جو کم از کم لباس سے مہذب معلوم ہو رہے تھے۔ وہ خاموشی سے ٹائیگر اور لوشان کے قریب پہنچے اور گردن خم کر کے ان میں سے ایک نے کہا۔

"برونیو آنے والے دونوں معزز مہمان آپ ہی ہیں اور یہ بات میں بھی جانتا ہوں اور مسٹر ہیڈن بھی انہوں نے آپ کو معزز مہمانوں کی حیثیت سے طلب کیا ہے اور انتہائی عاجزی کے ساتھ یہ درخواست کی ہے کہ آپ ان سے کم از کم ایک ملاقات ضرور کر لیں تاکہ دلوں میں کوئی شک و شبہ باقی نہ رہ جائے"۔ بدسمر بیٹھے بیٹھے دوسری جانب الٹ گیا اس نے آنکھیں بند کر لیں تھیں ٹائیگر چونک کر اسے دیکھنے لگا تو ان دونوں آدمیوں کے چہرے بگڑ گئے۔ ان میں سے ایک نے کہا۔

"یہ مسخرہ ہے آپ اس کی مصنوعی بے ہوشی پر کوئی توجہ نہ دیں"۔

"تاہم ہم اس کے ہوش میں آنے کا انتظار ضرور کریں گے۔ ہیڈن سے کہنا کہ ہم اس کی رہائش گاہ پر پہنچ جائیں گے لیکن ابھی فوراً نہیں بلکہ کچھ دیر کے بعد"۔ ان دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر آپس میں کچھ اشارے کیے۔ اس کے بعد اسی شخص نے گردن خم کر کے کہا۔

"باہر ہم آپ کا انتظار کریں گے اور اگر آپ حکم دیں تو آپ کے لیے سواری کا بندوبست بھی کیا جائے"۔

"ہیڈن اتنا غیر معروف آدمی نہیں ہے کہ اسے تلاش کرنا پڑے۔ ہم دونوں سیر کرتے ہوئے اس کی آرام گاہ تک پہنچ جائیں گے۔ تم اطمینان رکھو اور ہمارا باہر انتظار کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہے"۔ ان دونوں نے پھر اسی انداز میں ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر گردن خم کر کے وہاں سے باہر چلے گئے۔ جوں ہی ان دونوں نے باہر قدم رکھے بدسمر اپنی جگہ سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس کے چہرے پر حیرانگی کے آثار تھے۔ اس نے کہا۔

"شاید برونیو کی تاریخ میں تبدیلیاں ہو رہی ہیں۔ اس سے پہلے یہاں ہیڈن کا ایسا کوئی پیغام کسی کو نہیں ملا"۔ ٹائیگر اور لوشان خاموش ہی رہے تھے۔

ٹائیگر اور لوشان وہاں سے باہر نکل آئے اور یہ طے معلوم کرتے ہوئے ہیڈن کی آرام گاہ کی جانب چل پڑے حالانکہ ٹائیگر کا خیال تھا کہ ہیڈن سے ہوشیار رہا جائے اور لوشان اس سلسلے میں بے پروائی کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ بڑی سی عمارت کے خوبصورت بڑے سے دروازے پر لمبے کانوں والے عجیب و غریب شخص نے ان کا استقبال کیا اور اس کا تعارف ہیڈن کہہ کر کرایا گیا۔ بے شک وہ چہرے سے ہی خطرناک معلوم ہوتا تھا اور اس کے لیے کان اسے کسی دوسرے سیارے کی مخلوق ظاہر کرتے تھے۔ اس کے لمبے لمبے دانت خوش اخلاقی سے باہر نکلے ہوئے تھے لیکن انداز ایسا ہی تھا جسے وہ انہیں پھاڑ کھانا چاہتا ہو۔ وہ انہیں ایک آرام دہ کمرہ میں لے گیا اور یہاں جس شخصیت کو انہوں نے دیکھا اسے دیکھ کر ان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھیں یہ شخصیت ان کی شناسا تھی"۔

.....○○○○○.....

"صائم ندال نے ایک خاص موقف اختیار کیا تھا اور اس کے شناور جانتے تھے کہ اب اسے اس موقف سے ہٹانے

والا اس روئے زمین پر کوئی نہیں ہے۔ بے پناہ قوتیں اس کے خلاف صف آرا ہو گئی تھیں اور ان کی کارروائیوں کی داستانیں مسلسل غرناق اور ایلات میں مل رہی تھیں۔ ایلات پر صائم ندال نے اپنا قبضہ مستحکم کر لیا تھا۔ اسے شروع ہی سے امید تھی کہ ابو سالم اس سلسلے میں دانشمندی سے کام لے گا لیکن ایسا نہ ہوا اس کے بعد اس نے اطراف میں موجود ممالک کو اپنا ہمنوا بنانا چاہا لیکن وہ یہ بات اچھی طرح جانتا تھا کہ جو چال بڑی طاقتوں نے اسرائیل کے کہنے پر پھیلایا ہے وہ بہت مضبوط ہے اور ان ہمنواؤں کے راستے بھی بند کر دیے گئے ہیں جو اب کسی بھی طرح اس کے ساتھ شامل نہیں ہو سکتے تھے۔ صائم ندال کو افسوس تھا کہ اس کے موقف کی اس انداز میں حمایت نہیں کی گئی جس کی وہ توقع رکھتا تھا لیکن جب ایک قدم اٹھا لیا گیا تھا تو اس کی واپسی کم از کم صائم ندال جیسے شخص کے لیے ممکن نہیں تھی۔ اس نے اعلان کیا کہ دنیا بھر اس کی مخالف ہو جائے لیکن جو موقف اس نے اختیار کیا ہے اس میں کسی لچک کی گنجائش نہیں ہے۔ کارروائیاں شروع ہو گئی تھیں اور صائم ندال خود بھی یہ بات اچھی طرح جانتا تھا کہ جس سازش کے ڈانڈے اتنے وسیع تر ہوں اس سے نبرد آزما ہونا ایک ناممکن عمل ہے۔ سوائے اس کے کہ اپنی تمام تر قوت کو استعمال کر کے وہ سب کچھ حاصل کرنے کی کوشش کی جائے جو اس کے پروگرام میں شامل تھا۔ چنانچہ اس نے بھی انتہائی سخت انداز اختیار کر لیا۔ بین الاقوامی وفود آ کر اس سے ملاقات کر رہے تھے لیکن ان سب کے لیے اس کا ایک ہی جواب تھا وہ یہ کہ وہ حق پر ہے اور اس کی تکمیل کی جائے۔ وہ ایلات خالی کر دے گا لیکن شاید وہ اس سازش کا ایک انتہائی گہرا پہلو یہ بھی تھا کہ غرناق ایلات خالی نہ کرے اور اس کا سہارا لے کر وہ تمام مفادات حاصل کر لیے جائیں جن کے لیے ایک لمبی سازش کی گئی تھی اور بہت سے لوگوں کو اس بات کی پوری پوری امید تھی کہ وہ اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کر لیں گے۔ اس طرح ایک الجھا ہوا تصور سارے عالم میں پھیل گیا تھا۔ کچھ لوگ صائم ندال کے موقف سے متفق نہیں تھے اور ایلات پر اس کے قبضے کو ناجائز قرار دے رہے تھے لیکن بہت سے دل ایسے تھے جن میں صائم ندال کی دلیری کا سکہ بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے اپنا موقف جو بھی رکھا ہو

لیکن کم از ایک بات کا اعتراف روئے زمین پر بسنے والے ہر شخص نے کیا۔ وہ یہ کہ صائم ندال ٹھوس اور سخت طبیعت کا مالک ہے اور یقینی طور پر اس سے زیادہ دلیر انسان شاید ہی کوئی دوسرا ہو۔ البتہ کچھ تشویش زدہ آنکھیں غرناق کے مستقبل کے بارے میں نگراں تھیں اور یہ سوچ رہی تھیں کہ جو قوتیں یکجا ہو گئی ہیں کیا غرناق ان سے مقابلہ کر سکے گا۔ صائم ندال نے ہر شخص کے سوال کے جواب میں ایک ہی بات کہی تھی اور وہ یہ کہ اسے اپنے خدا پر یقین ہے اور اس نے ایک نیک مقصد کے لیے اپنے آپ کو داؤ پر لگا دیا ہے۔ ہر چند کہ اسے گھسیٹ کر یہاں تک لایا گیا ہے لیکن اب جب قدم آگے بڑھ گئے ہیں تو پھر ان میں کوئی لچک ممکن نہیں ہے۔ چاہے نتیجہ کچھ بھی ہو اس کے ساتھ ساتھ ہی صائم ندال نے یہ بھی کہا تھا کہ غرناق کا میدان اس کے حلیفوں کے لیے میدانِ حشر ہی ثابت ہو گا اور بڑی قوتیں جو اپنی جدید ترین ٹیکنالوجی کے ساتھ غرناق پر حملہ آور ہوئی ہیں۔ انہیں حیرت انگیز حالات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ غرض یہ کہ ایک عجیب ماحول طاری ہو گیا تھا ہر طرف سے کوششیں کی جا رہی تھیں کہ یہ جنگ نہ ہونے پائے۔ کیونکہ صائم ندال نے یہ بھی کہہ دیا تھا وہ ہر اسلحہ استعمال کرے گا جو اس کے پاس موجود ہے

اس کے علاوہ بین الاقوامی پریس کو غرناق کے بارے میں جو اطلاعات مل رہی تھیں وہ بھی ناقابلِ یقین تھیں غرناق میں معمولاتِ زندگی جوں کے توں تھے۔ حالانکہ شدید حالتِ جنگ تھی لیکن زندگی کے معمولات میں وہ تمام تفریحات بھی شامل تھیں جو پُرسکون اور امن کے دور میں ہوتی ہیں اور اس بات نے سب کو ششدر کر کے رکھ دیا تھا لیکن یہ شاید صائم ندال ہی کی تعلیمات تھیں کہ لوگوں کے ذہنوں سے جنگ کا خوف نکل گیا تھا۔ ان سارے عوام کو تحسین کی نگاہ سے بھی دیکھا جا رہا تھا اور دکھ بھی کیا جا رہا تھا

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

اس بات پر کہ تنہا غرناطہ ان ساری قوتوں کا مقابلہ کسی قیمت پر بھی نہ کر سکے گا اور بالآخر اسے سرنگوں ہونا پڑے گا اور وہ اپنی قوتوں کے استعمال میں حد سے آگے کیوں نہ بڑھ جائے اور نتیجہ یہی ہوا ایک وقت، ایک حد مقرر کر دی گئی اور چاروں طرف سنسنی پھیل گئی ادھر کارروائیوں کا آغاز ہو گیا تھا۔ صائم ندال نے اس وقت بھی کسی بات پر غور نہیں کیا اور اپنے اشارہ جرنلوں کو طلب کر کے انہیں ہدایات جاری کر دیں۔ سمندری راستوں کو بارودی سرنگوں سے کاٹ دیا گیا اور اس کے ساتھ ساتھ ہی صحراؤں میں بھی ایسی کی کارروائیاں کی گئیں جو یقینی طور پر انتہائی خفیہ سے کی گئی تھیں۔

دنیا نے دیکھ لیا کہ صائم ندال کی ان کارروائیوں نے ان بڑی قوتوں کو کس طرح انگشت بدنداں کر دیا۔ جن کے پاس جدید ترین ہتھیاروں کے تمام ساز و سامان موجود تھے اور جن کے ذریعے ان کا خیال تھا کہ غرناطہ پر پہلا ہی حملہ اتنا کارگر ثابت ہو گا کہ لوگ غرناطہ کی تقدیر کا ماتم کریں گے لیکن اس وقت جب جنگ کا آغاز ہوا اور وہ وقت گزر گیا جو امن کے لیے دیا گیا تھا تو یہ بھی اندازہ کیا گیا کہ انتہائی زبردست قوت استعمال کی گئی لیکن اس کے نتیجے میں وہ توقعات پوری نہ ہوئیں جو ان بڑی طاقتوں کو تھیں اور بڑی طاقتیں شدر رہ گئیں لیکن یہ وقت مشترکہ افواج کے جرنل کے لیے اس بات پر غور کرنے کا نہیں تھا کہ ایسا کیوں ہوا۔ اشارہ ہزار ٹن بارودی قوت کس طرح ضائع ہو گئی جب کہ اس کے نتیجے میں تو غرناطہ کا نام و نشان تک مٹ جانا چاہیے تھا۔ لیکن جو لب میں ان ہتھیاروں کا سامنا کرنا پڑا جن کی اطلاع پہلے سے دے دی گئی تھی اور کھلبلی مچ گئی۔ نتیجے میں وہ تمام انتظامات کر لیے گئے جو بعد میں ان حملوں کو روکنے کا موثر ذریعہ ثابت ہوئے لیکن صائم ندال نے جو کچھ کہا تھا وہ کر دکھایا اور آوازیں کھوکھلی ہو گئیں وہ مفادات پورے نہ ہو سکے جن کے بارے میں دعویٰ کیا گیا تھا کہ چند لمحات صرف چند لمحات۔ صائم ندال اپنے موقف پر ڈٹا ہوا تھا اور دنیا کی نگاہیں اب اس جانب نگراں ہو گئی تھیں یعنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تیسری عالمگیر جنگ چھڑ جائے اور اس کے بعد دنیا کا جغرافیہ حدود سے محدود تر ہو جائے۔ اقوام عالم سانس روکے اس جنگ کے نتیجے کا انتظار کر رہی تھی۔ ایک جانب صائم ندال تھا جس کی آواز میں کبھی لچک محسوس نہیں کی گئی تھی دوسری جانب بے شمار قوتیں تھیں جو کھوکھلی آوازوں میں بول رہی تھیں اور کوئی فیصلہ کن بات کہنے سے گریز کر رہی تھیں۔ ہاں ان کی کارروائیاں شدید سے شدید تر ہوتی جا رہی تھیں اور جینوا کنونشن میں جن جنگی اصولوں پر متفقہ فیصلے ہوئے تھے ان کی دھجیاں اڑتی ہوئی دیکھی جا رہی تھیں۔

اوشان اور ٹائیگر نے فوراً ہی اس شخص کو پہچان لیا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ میکلوڈ ایری اس وقت دنیا کی ان گنی چنی شخصیتوں میں سے ہے جو حکومتوں کی تقدیروں کے فیصلے کرتے ہیں اور جو نہ جانے اپنے سینے میں کیا کیا راز چھپائے پھرتے ہیں لیکن چارہ گر واحد تنظیم تھی جس کے بارے میں یہ شخص بھی نہ جانتا ہو گا کیونکہ یہ ایک اہم راز تھا اور اسے دنیا میں صرف چار افراد جانتے تھے، ڈاکٹر بہرام، ٹائیگر، اوشان اور.....

سرد اور مدھم آواز ابھری۔ "موجودہ حالات میں تعارف کی رسم ایک بے معنی عمل ہے اور ہمیں صرف کام کی بات کرنا چاہیئے تم لوگوں سے مجھے سینٹ کرٹ میں ملاقات کرنا تھی کیونکہ تم اس فہرست میں شامل تھے لیکن بعد میں علم ہوا کہ تم کسی سازش کا شکار ہو گئے ہو اور بقیہ وقت تمہارے بارے میں معلومات حاصل کرتے ہوئے گزرا۔"

"اس فہرست کی تفصیل کیا ہے؟" اوشان نے پوچھا۔

"کچھ ایسے ماہرین جو ایک اہم تصور کے لئے کام کر رہے ہیں۔ تم میں ایک شہزاد اور دوسرا اوشان ہے اگر اسے کافی سمجھو اور اسے کافی سمجھا گیا کیونکہ اس کے بعد تاریکی تھی۔"

"تمہیں واپسی کا سفر کرنا ہے اور اس کے بعد تمہیں تمہاری ذمے داریوں سے آگاہ کرنے والے دوسرے لوگ

ہوں گے۔"

ایک بڑے اسٹیمر سے سفر کرتے ہوئے اوشان نے ٹائیگر سے کہا "ڈاکٹر بہرام بھی شاید نہ جانتا ہو گا کہ سینٹ کرٹ میں ہمیں کس سے ملاقات کرنا ہے ویسے یہ ایک الجھا ہوا کھیل ہے۔"

"اور بہت مبہم....."

"لیکن ....." اوشان نے کہا اور ٹائیگر منہ بنا کر خاموش ہو گیا لیکن سینٹ کرٹ کی ایک خوشنما عمارت میں جب انہیں بریفنگ دیتے ہوئے تفصیلات بتائی گئیں تو انہوں نے تسلیم کیا کہ معاملہ ان کے تصور سے کہیں زیادہ سنگین ہے۔ انہیں عالمی اخبارات کے تراشے دکھائے گئے اور یہ اندازہ لگانے میں مشکل نہ پیش آئی کہ وہ خطرناک مرحلے قریب آ گئے ہیں جن کے لئے بہت عرصے سے کوششیں ہو رہی تھیں اور عالمی سیاست پر ایک گھٹن چھائی ہوئی تھی۔ بالآخر صائم ندال نے وہ سب کر ڈالا جس کا اس نے اظہار کر دیا تھا۔ انہیں بتایا گیا۔

"صائم ندال نے ایالات پر قبضہ کر کے کائنات پر جنگ کے بادل مسلط کر دیئے ہیں اور پوری دنیا اس وقت جنگ کی لپیٹ میں ہے۔ اس سلسلے میں جس حد تک سفارتی کوششیں ہو سکتی تھیں کر لی گئیں لیکن صائم ندال لس سے مس ہونے کے لئے تیار نہیں ہے۔ اس خدشے کو پہلے سے محسوس کر لیا گیا تھا اور بات یہاں تک پہنچنے سے روکی جا رہی تھی۔ بہت سی ایجنسیاں اس کے لئے کام کر رہی تھیں لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ وہ دلیر ہونے کے ساتھ ذہین بھی ہے اور اس کے گرد ایک مضبوط حصار قائم ہے اور کوئی ہاتھ اس تک پہنچنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔"

اوشان اور ٹائیگر پُرسکون انداز میں ان لوگوں کو دیکھ رہے تھے جو مشینی طریقے سے اپنا موقف دہرا رہے تھے۔ اس علم کے بغیر کہ ان کے سامنے کون ہے لیکن یہ ان کی ذمے داری تھی۔

بہت مجبوری و اُلم ندال کے خلاف طاقت کے استعمال کا آغاز کیا گیا اور طاقت کا یہ استعمال برابر جاری ہے لیکن صائم ندال ابھی تک روبہ زوال نظر نہیں آتا۔ تاہم بقائے انسانیت کے لئے اسے منظرِ عام سے ہٹانا انتہائی ضروری امر ہے اور اس طرح ان لوگوں کا انتخاب کیا گیا ہے جو اس مرحلے پر ہمارے موقف کی تائید کرتے ہوں اور ہمارے لئے کام کر سکتے ہیں۔ صائم ندال کی ضد اس وقت دنیا کے لئے بارود کا ڈھیر بنی ہوئی ہے۔ خطرہ ہے کہ وہ ضدی انسان اس قسم کے ہتھیار استعمال نہ کر ڈالے جس کے بعد زندہ بچ جانے والے اس ہولناک عالمی واقعہ پر ہمیشہ روتے رہیں گے۔ اس ہولناک خطرے سے بچنے کے لئے جہاں دوسری کارروائیاں ہو رہی ہیں وہیں ایک اہم ذمے داری یہ بھی ہے کہ صائم ندال کو قتل کر دیا جائے اور اس فہرست میں اس کام کی انجام دہی کے لئے تمہارے نام شامل کئے گئے ہیں اور یقیناً جن لوگوں نے یہ نام شامل کئے ہیں وہ جانتے ہوں گے کہ تم اس کے لئے مناسب ہو ورنہ یہ کوششیں پہلے بھی کی گئی ہیں۔ یقیناً ان تفصیلات سے تم حالات اور وقت کی ضرورت سمجھ چکے ہو گے تمہارا کام یہ ہے کہ تم صائم ندال کو قتل کر دو اور ایک ہولناک تباہی نازل ہونے سے قبل تم اس سلسلے میں کوئی مناسب قدم اٹھا لو ورنہ گزرنے والا وقت کبھی واپس نہیں آتا اور ہاتھ ملنے کے علاوہ کچھ نہیں ملتا لیکن ہم اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ صائم ندال نے جہاں اپنے وطن غرناطہ میں اس قسم کے انتظامات کئے ہیں کہ وہاں بہت سے مشکل معاملات میں کام کیا جا سکے اسی طرح اس نے بیرونی دنیا پر بھی نگاہ رکھی ہے۔"

اوشان اور ٹائیگر حیران رہ گئے تھے۔ اب یہ بات سمجھ میں آ رہی تھی کہ یہ سب کچھ کیا ہوا تھا۔ سینٹ کرٹ تک اور اس کے بعد انہیں جزیرہ برونیو تک لے جانا راستے میں قتل کرنے کی کوشش۔ اس کے بعد برونیو پر اتارنے کے بعد ان کی ہلاکت کا ایک عظیم منصوبہ اور پھر برونیو میں ان کی آوارہ گردی۔ یہ ساری چیزیں ایک پروگرام کے تحت ہو رہی تھیں لیکن حیران کن بات یہ تھی کہ آخر صائم ندال کو یہ کیسے معلوم ہو گیا کہ دو افراد جن کے سپرد یہ ذمے داری ہے۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

اس کی زندگی کے درپے ہیں اور اس نے کس طرح یہ سب کچھ کر لیا۔ ٹائیگر نے دل میں صائم ندال کی ذہانت کو پوری طرح سراہا تھا لیکن میکلوڈ ایری کے بارے میں وہ جانتا تھا کہ اس وقت وہ کن حالات سے گزر رہا ہے جس ملک سے اس کا تعلق تھا وہ براہِ راست بلکہ سب سے زیادہ ان معاملات میں ملوث تھا اور اس کے لئے شدید مشکلات پیدا ہو گئی تھیں۔ بین الاقوامی سیاست کا انداز دیکھتے ہوئے اس بات پر ذرہ برابر شبہ کیا جا سکتا تھا کہ اس وقت وہ بہت بڑا ملک بہت بڑی مصیبت کا شکار تھا چنانچہ میکلوڈ ایری سے کوئی ایسا سوال مصلحت کے خلاف تھا جو اسے ہوشیار کر دے لیکن ٹائیگر نے اپنے دل میں یہ بات سوچی کہ صائم ندال بہرطور اس کا ہم مذہب ہے اور کسی بھی طور اس کے لئے ایسی کوئی کارروائی کرنے سے پہلے بہت کچھ سوچنا ضروری ہو گا البتہ اوشان اس وقت ٹائیگر کے ذہن سے ہم آہنگ نہیں تھا بلکہ کسی اور انداز میں سوچ رہا تھا اور ٹائیگر نے تو یہ سوال نہ کیا لیکن اوشان پوچھ بیٹھا۔

"صائم ندال کا قتل میرے خیال میں ایک مخصوص مذہبی فرقے کے لئے ناقابلِ تلافی نقصان ہو گا اور ظاہر ہے ہمارے اپنے موقف کا کوئی صحیح اندازہ نہیں ہو گا۔ ہم نہیں جانتے کہ ہمارے سرپرست اس سلسلے میں کیا پالیسی رکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہمارا مذہبی موقف بھی ہمیں اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ ہم صائم ندال کے خلاف یہ ساری کارروائیاں کریں"۔ میکلوڈ ایری نے خلافِ توقع نہایت سکون کا اظہار کیا اور آہستہ سے بولا۔

"مجھے امید تھی کہ آپ لوگ یہ سوال ضرور کریں گے اور خوش قسمتی سے اس کا جواب میں اپنے ساتھ لایا ہوں۔ ہمارے اس موقف سے جو جو ممالک متفق ہیں ذرا ان کی تفصیل پر نگاہ ڈال لو تو تمہیں یہ تمام باتیں پتہ چل جائیں گی کہ اس وقت دنیا کس انداز میں سوچ رہی ہے۔ یہ ان اخبارات کے تراشے ہیں میں اپنے طور پر تمہیں کچھ بھی بتا سکتا تھا لیکن ثبوت زیادہ بہتر ہوتے ہیں"۔

میکلوڈ ایری نے دو سرا فائل نکال کر ان کے سامنے کر دیا اور ٹائیگر اور اوشان کو ایک بار پھر ان تراشوں کی جانب متوجہ ہونا پڑا۔ ٹائیگر بغور ان تمام ممالک کی فہرست پڑھ رہا تھا جو اس جنگ میں اس بڑے ملک کے ساتھ شریک ہو گئے تھے۔ بلاشبہ یہ ایک تکلیف دہ امر تھا لیکن جو سچائیاں نگاہوں کے سامنے تھیں ان سے انکار کیسے کیا جا سکتا تھا۔

فردوسی اخبارات کے تراشے اس سلسلے میں بہت زیادہ اہمیت کے حامل تھے۔ سب سے زیادہ دلچسپ ایسی اخبارات تھے ٹائیگر کے لئے اور اس نے بغور ان تمام سرخیوں کی اور ان کے نیچے موجود مواد کو پڑھا جس میں فردوسی موقف کا اظہار کیا گیا تھا۔ اس نے یہ بھی پڑھا کہ جزیرۂ فردوس سے تھوڑی سی فوج بھی اس مسئلے میں بھیجی گئی ہے اور جزیرۂ فردوس کی جانب سے صائم ندال کے اس اقدام کی مذمت کی گئی ہے اور ایلات پر اس کے قبضے کو ناجائز قرار دیا گیا ہے۔ اس کے بعد ٹائیگر یا اوشان کے پاس کہنے کے لئے کچھ نہیں تھا وہ دیر تک اس مسئلے پر غور کرتے رہے اور پھر ٹائیگر نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"ان حالات میں جب کہ جنگ کا آغاز ہو گیا ہے اور ان اخبارات کی مناسبت سے اس بات کا اندازہ بھی ہو جاتا ہے کہ آپ کی مشترکہ کمانڈ غرناطہ کے خلاف بڑی طرح مصروفِ عمل ہے تو ہمارے غرناطہ میں داخل ہونے کے کیا امکانات ہیں"۔ میکلوڈ ایری کے چہرے پر اطمینان کے تاثرات اُبھر آئے۔ اس نے یہ اندازہ لگا کر بہت سکون محسوس کیا تھا کہ ٹائیگر اور اوشان اس کے موقف سے متفق ہو گئے ہیں۔ ویسے اسے ان تمام چیزوں کا بخوبی اندازہ تھا اور اس وقت اس کی ذمہ داری یہی تھی کہ وہ ہر قیمت پر ان دونوں کو اس کام کے لئے تیار کر لے۔ اس نے پُرسکون انداز میں گردن خم کر کے کہا۔

"جو کام تمہارے سپرد کیا جا رہا ہے دوستو اس کے بارے میں ہمیں ابھی طرح یہ اندازہ ہے کہ وہ مشکل ترین ہے لیکن ہم سے جس حد تک بھی ممکن ہو سکا ہے ہم نے اس کے لیے معقول بندوبست کرنے کی کوشش کی ہے"۔

اوشان نے سوالیہ نگاہوں سے میکلوڈ ایری کو دیکھا تو

میکلوڈ ایری نے کہا۔

"اس وقت جہاں ایک سمت جنگ و جدل کے بادل چھائے ہوئے ہیں اور ایلات کا علاقہ جہنم بنا ہوا ہے وہیں صائم ندال کی تمام تر کوششیں اس بات پر صرف ہو رہی ہیں کہ وہ ایک اہم مقصد حاصل کر لے اور اس کے لئے اس کی خفیہ کارروائیاں بھی جاری ہیں جن کے نشانات ہمارے پاس موجود ہیں اس وقت ماہرین کی ایک ٹیم بہت ہی خفیہ طریقے سے غرناطہ میں داخل ہونے کے لئے تیار ہے اور دلچسپ بات یہ ہے کہ اس ٹیم کو ہم نے اغوا کر کے اس میں اپنے تمام آدمی شامل کر دیئے ہیں۔ صائم ندال اس ٹیم کی آمد کا بے چینی سے منتظر ہے لیکن جو لوگ غرناطہ میں داخل ہوں گے وہ اکسٹیم کے افراد نہیں ہوں گے بلکہ ہمارے اپنے آدمی ہوں گے اور خوش قسمتی سے اس ٹیم میں تم دونوں کے لئے جگہ بنائی گئی ہے اور اس کام کے لئے تمہیں فوری طور پر اس جگہ روانہ کر دیا جائے گا جہاں سے یہ ٹیم خفیہ طور پر غرناطہ میں داخل ہو گی۔ یہ بندوبست مکمل ہو چکا ہے صرف تمہاری منظوری کی ضرورت تھی اب سے کچھ دیر بعد وہاں اطلاع دے دی جائے گی کہ تم کس وقت تک وہاں پہنچ رہے ہو"۔ اوشان نے گہری سانس لے کر آنکھیں بند کر لی تھیں۔ میکلوڈ ایری کچھ دیر سوچتا رہا پھر اس نے کہا۔

"اور اس میں بہت زیادہ وقت نہیں صرف ہو گا۔ میں سمجھتا ہوں کہ مجھے تازہ ترین اطلاعات فوراً ہی موصول ہونے والی ہیں اور یہ طے کیا جائے گا کہ تم دونوں کو کس وقت روانہ ہونا ہے۔ اس دوران تم خوب آرام کرو کیونکہ اس کے بعد کا وقت بہت مصروف گزرے گا"۔ اوشان نے گردن ہلا دی۔ میکلوڈ ایری وہاں سے چلا گیا۔

اوشان نے ایک بار پھر آنکھیں بند کر لی تھیں۔ وہ اپنے ذہن میں داخل ہو کر ٹائیگر کا ذہن ٹٹول رہا تھا۔ ایری نے جو کچھ کہا تھا اس کے بارے میں اوشان اچھی طرح جانتا تھا کہ ٹائیگر کی اپنی سوچ کیا ہو گی۔ جزیرے فردوس میں بسنے والے مسلمان تھے اور کسی مسلمان کے خلاف کسی غیر ملکی سازش میں شریک ہونا کم از کم ان دونوں کے لئے ممکن نہیں تھا اور اوشان جانتا تھا کہ ٹائیگر کے ذہن میں انتقام کی آگ سلگ رہی ہو گی۔ اب تک اس نے جس طرح صبر سے کام لیا ہے یہ مصلحت کا تقاضہ تھا۔ اس نے تھوڑی سی آنکھیں کھول کر ٹائیگر کا چہرہ دیکھا جو غصے کی وجہ سے تپ رہا تھا۔ اوشان نے آہستہ سے کہا۔

"اس کے باوجود ہمیں جانا ہو گا"۔ ٹائیگر نے نگاہیں گھما کر اسے دیکھا اور بولا۔

"لیکن یہ ہمارے نظریے کے خلاف ہے۔ چارہ گر کا معاہدہ اپنی جگہ اور اس کے تحت ہمیں چند ممالک سے ہر ایسے مشکل مرحلے پر تعاون کرنا ہوتا ہے جو انسانیت کے خلاف ہو لیکن کیا اس سے پہلے ایسا کبھی ہوا ہے کہ ہمیں صرف کسی کا آلہ کار بنا دیا گیا ہو اور کیا شمشیر سنا نجو کا ممالک صرف ملکی سیاستوں کا آلہ کار بننے کے لئے ہے"۔

"ہرگز نہیں میرے بچے لیکن مصلحتوں کے کچھ تقاضے ہوتے ہیں"۔

"میں ڈاکٹر بہرام کو اس سلسلے میں مجرم سمجھتا ہوں۔ آنکھیں بند کر کے کسی بھی مسئلے میں قدم اٹھا لینا ہر طرح سے غیر مناسب ہے اور اس کے فرائض کے خلاف بھی کم از کم اسے یہ تمام معلومات حاصل کرنا چاہئیں تھیں کہ اس بار ہماری ضرورت کس لئے درپیش ہے"۔

"چونکہ ہم وہاں سے چل چکے ہیں اور اس مقصد کے لئے یہاں تک آئے ہیں یہ ہمارا اپنا کام ہو گا کہ اس مقصد کے مسئلے میں فیصلہ ہم کریں اور اس وقت بھی فیصلہ صرف اور صرف ہم کریں گے"۔

"لیکن ڈاکٹر بہرام اپنی ذمہ داریوں سے تو الگ نہیں ہو سکتا"۔

"وہ قابلِ معافی قرار دیا جا سکتا ہے کیونکہ وہ انسان ہے"۔

"جو ٹیم وہاں جا رہی ہے وہ تخریب کاری کرے گی"۔ ٹائیگر نے کہا۔

"بے شک اس کا مقصد صرف اور صرف یہی ہے لیکن کیا ہم اتنے ہی مجبور ہیں کہ اس کی تخریب کاریوں میں شریک

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ہو جائیں۔ ہم اس کا جائزہ لے کر فیصلہ کریں گے کہ ہمیں کیا کرنا ہے"۔

"ہوں۔ اس شرط پر بایا جاسکتا ہے"۔

"صرف او صرف یہی شرط ہمارے لئے کارگر ہے ورنہ ہم کسی کے آلہ کار نہیں بن سکتے اور اگر اس کی کوشش کی جائے گی تو جن نقصانات کا انہیں اندازہ نہیں ہے وہ انہیں اٹھانے پڑیں گے اور تم اپنے چہرے پر الجھنوں کی لہریں پیدا کرو کیونکہ یہ سب کچھ مناسب نہیں ہے۔ میکلوڈ ایری سے فی الحال تعاون ہی کرنا بہتر ہوگا اور یہ ہمارے بہتر مفاد میں ہے"۔

ٹائیگر نے گہری سانس لی اور اس کے بعد کسی قدر معتدل ہو گیا پھر ٹائیگر یا لوشان نے اپنے کسی عمل سے اس بات کا اظہار نہیں کیا کہ اب وہ اس سلسلے میں بہت زیادہ سوچ رہے ہیں انہوں نے اپنی ضرورت کی چیزیں بھی طلب کی تھیں۔ کھانا بھی کھایا پیا تھا اور آرام کرتے رہے تھے۔ میکلوڈ ایری ان کے لئے اجنبی نہیں تھا یقینی طور پر ڈاکٹر ہرام نے انہیں سینٹ کریٹ روانہ کرتے ہوئے میکلوڈ ایری ہی کا حوالہ دیا تھا جو جانی پہچانی شخصیت کے نام سے تھا لیکن اس کے بعد جو کچھ ہوا تھا اور اب ایری نے جو کچھ کہا تھا وہ قطعی طور پر ناقابل قبول تھا اور نہ صرف ٹائیگر بلکہ لوشان بھی اسے مسترد کر چکا تھا۔ ان دونوں کا نظریۂ حیات تو بالکل ہی مختلف تھا۔ جہاں بدی کی قوتیں سر اُبھار ہی ہوں وہاں ان کی ضرورت ہوا کرتی تھی اور یہ اپنا فرض پورا کرتے تھے اور ٹائیگر نے اپنی ابتدا یہیں سے کی تھی لیکن بعض اوقات ایسی قوتیں جو کسی مسئلے میں بہتر کارکردگی کا مظاہرہ بھی کرتی رہتی ہیں اپنے کسی مفاد کے لئے کوئی ایسا عمل بھی کر سکتی تھیں جیسا کہ اس وقت ان دونوں کے علم میں آیا لیکن اس میں بھلا ان کی شرکت کا کیا تصور ہو سکتا ہے۔ صائم ندال کے بارے میں جو معلومات انہیں حاصل تھیں وہ ایک سخت گیر محنت کش اور دلیر انسان تھا اور اس نے جو موقف اختیار کیا تھا وہ بلاشبہ کچھ لوگوں کے لئے ذرا مشکل تھا لیکن ٹائیگر اور لوشان دونوں ہی جانتے تھے کہ بین الاقوامی سیاست کیا رُخ اختیار کر رہی ہے اور اس کے سلسلے میں کیا کیا کارروائیاں عمل میں آرہی ہیں اس کام کا آغاز ہوا تھا جو صدیوں سے نہیں کیا جاسکا تھا اور جس کے نتیجے میں بڑی طاقتوں کو آپس میں الجھنا پڑا تھا۔ یعنی یہ فیصلہ کرنا مشکل کام تھا کہ کون سی طاقت بین الاقوامی طور پر سب سے زیادہ مؤثر کارکردگی کا مظاہرہ کر رہی ہے اور اس طرح اگر یہ عمل ظاہر ہو گیا تو یقینی طور پر طاقت کا توازن بگڑ جانے کا اندیشہ تھا اور دنیا کے بیشتر ممالک خاص طور سے ترقی پذیر ممالک اس کی زد میں آسکتے تھے۔

چنانچہ کسی ایک سپر پاور کو یہ حق نہیں دیا جاسکتا تھا کہ وہ مکمل طور پر دنیا کی تقدیر کی مالک بن جائے اور اس کے خلاف ہی کام کیا جاسکتا تھا۔ اس کے حق میں نہیں لیکن اس وقت اتفاق نے ان دونوں کو اس کام کے لئے مخصوص کر دیا تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ وہ اپنی ذات میں فیصلہ کرنے والے تھے اور اسی کے مطابق عمل کرنا ان کا کام تھا اور دونوں ہی اس بات سے مطمئن تھے کہ جو کچھ وہ کریں گے اس کا دباؤ ان پر نہیں ہوگا بلکہ ہو سکتا ہے کہ یہ کچھ لوگوں کی مرضی کے خلاف ہو۔ فیصلہ یہ بھی کر لیا گیا تھا کہ حالات کا جائزہ لینے کے بعد ہی صحیح طور پر عمل کیا جاسکتا ہے اور نہ اس سے ٹائیگر منحرف تھا اور نہ لوشان۔ انہوں نے کافی دیر آرام کیا اور اس کے بعد انہیں اطلاع دی گئی کہ ان کی روانگی کا بندوبست مکمل کر دیا گیا ہے۔ اطلاع دینے والے سے لوشان نے سوال کیا۔

"مسٹر میکلوڈ ایری کہاں ہیں؟"

"آپ لوگوں کو کامیابی کی دعائیں دینے کے بعد واپس جا چکے ہیں لیکن آپ کو فی الحال مسٹر ڈینو بارہینو کے حوالے کر دیا گیا ہے اور مسٹر ڈینو بارہینو یقینی طور پر آپ کے بہترین معاون ثابت ہوں گے۔ تھوڑی دیر کے بعد مسٹر بارہینو آپ سے ملاقات کر لیں گے۔ بارہینو کے نام سے جو شخصیت ان کے پاس پہنچی وہ بلاشبہ بہترین شخصیت تھی۔ ایک کسرتی جسم کا مالک نوجوان آدمی جو چہرے سے بہت ہی ذہین معلوم ہوتا تھا لیکن بلاشبہ اسمارٹ تھا اور اس

کی چوڑی کلائیاں بتاتی تھیں کہ وہ بے پناہ طاقت ور بھی ہے۔ اس نے اپنا چوڑا پنجہ ان دونوں کے ہاتھوں میں ڈالتے ہوئے اپنی قوت کا مظاہرہ کیا اور دانت نکالتا ہوا بولا۔

"مجھے ڈینو بارہینو کہتے ہیں اور آپ کا خدمتگار اس وقت میں ہوں اور میرے فرائض میں یہ شامل ہے کہ میں آپ کو ان تمام حالات سے آگاہ کر دوں جن کے تحت آپ کو آگے کا سفر طے کرنا ہے۔ ہم لوگ یہاں سے ایک طیارے کے ذریعے روانہ ہوں گے اور یہ طیارہ ایک ایسے ملک میں اترے گا جو اس وقت ہمارا دوست ہے اور پھر وہاں سے آپ کو ایک آبدوز کے ذریعے تھوڑا سا سفر طے کرنا پڑے گا اور ہم آپ کو اس جگہ تک پہنچا دیں گے جو ایک ویران ساحل ہے۔ یہاں سے آپ صائم ندال کے آدمی بن جائیں گے اور جس جگہ آپ کو قیام کرنا ہے وہاں مسٹر لوکوش آپ کی راہنمائی کریں گے۔ گویا اس وقت وہی ٹیم انچارج ہیں لیکن جس وقت آپ غرناطہ میں داخل ہو جائیں گے تو آپ دونوں حضرات ہر قسم کے دباؤ سے آزاد ہوں گے۔ لوکوش آپ کو وہ پوائنٹ بھی بتائیں گے جہاں آپ اپنے مددگاروں کے درمیان پہنچ سکتے ہیں۔ میری ذمہ داری بس اتنی ہی تھی اور اب اس کے بعد کسی بھی لمحے آپ کو سفر کے لئے تیار رہنا ہے"۔

"اس سفر کی تیاریاں تم ہی کو کرنا ہیں۔ میرے بچے؟" لوشان نے سوال کیا۔

"سو فیصد....."

"تو پھر تم ان چوہدہ صندوقوں کو نظر انداز نہیں کرنا جو میرے ساتھ سفر کرتے ہیں"۔ ڈینو بارہینو کے چہرے پر پریشانی کے آثار نظر آنے لگے۔ اس نے آہستہ سے کہا۔

"ٹھیک ہے میں اس کے لئے انتظام کرتا ہوں"۔ وہ خاموشی سے باہر نکل گیا۔

پھر انہیں دوسری اطلاع بھی عام ہی لوگوں کے ذریعے ملی اور ایک خوبصورت کار انہیں لے کر چل پڑی۔ رات کا سناٹا چاروں طرف پھیلا ہوا تھا اور ماحول پر ایک سوگوار سی خاموشی طاری تھی۔ ائرپورٹ پہنچنے کے بعد ڈینو بارہینو نے لوشان سے ملاقات کی اور پھر وہ ان دونوں کو جہاز تک رخصت کرنے آیا۔ جہاز کے سفر کے دوران لوشان نے ٹائیگر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"زندگی کے کسی بھی مرحلے پر اگر اداسی ذہن پر مسلط ہو جائے تو ناکامیاں ساتھ ساتھ سفر کرتی ہیں"۔

"ہمیں اپنے مقصد کی تکمیل کے لئے خیالات کی گہرائیوں میں نہیں اترنا چاہئیے بلکہ حال کے برق رفتار راستوں پر دوڑنے کی کوشش کرنا چاہئیے"۔ ٹائیگر نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ لوشان ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بڑبڑا کر رہ گیا۔ جہاز کا یہ سفر بہت زیادہ طویل نہیں ثابت ہوا۔ ٹائیگر نے باہر کا ماحول دیکھا اور اسے احساس ہوا کہ وہ ایک جنگی علاقے میں پہنچ گئے ہیں۔ اس کا اظہار صاف طریقے سے ہو رہا تھا۔ ہوشیار پائلٹ کی یہ ذمہ داری تھی کہ وہ جہاز کو تاریکی ہی میں رن وے پر اتار دے اور اس نے اپنا یہ فرض بخوبی سرانجام دیا تھا۔ جہاز سے سیڑھی لگی تو ٹائیگر وغیرہ نیچے اتر آئے۔ پورا ائرپورٹ تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا اور صرف ننھی ننھی روشنیوں کے ذریعے تمام اشارے دیئے جا رہے تھے۔ گویا یہاں تمام تر حالات جنگی کیفیت کے حامل تھے۔ اسی تاریکی میں انہیں ایک گاڑی میں بٹھا کر وہاں سے لے جایا گیا لیکن ان کی منزل کوئی عمارت نہیں تھی بلکہ ایک ریتلا ساحل تھا جہاں وہ آبدوز ان کی منتظر تھی۔ ہنگامی سفر رات بھر جاری رہا۔ آبدوز نے انہیں بالآخر ایک ایسی جگہ اُتار دیا جہاں ریت کے ٹیلوں اور دور دور تک موجیں مارتے ہوئے سمندر کے سوا کچھ نہیں تھا اور یہیں ان کی ملاقات اس ٹیم سے ہوئی۔ یہیں پر ان کی ملاقات دوبارہ مسٹر ڈینو بارہینو سے ہوئی۔ مسٹر ڈینو بارہینو ان سترہ افراد کے درمیان موجود تھے۔ یہاں ساحل کے قریب بڑے بڑے ٹیلوں کی آڑ میں خانہ بدوشوں کی مانند فروکش تھے اور ان کی حالت بہت بہتر نظر نہیں آرہی تھی۔ یہاں آسمان پر نکلے ہوئے ستاروں کی مدھم چھاؤں میں مسٹر ڈینو بارہینو نے ایک شخص سے ان کا تعارف کرایا اور یہی شخص لوکوش تھا۔ مسٹر بارہینو نے کہا۔

"مسٹر لوکوش آپ کو ٹائیگر اور مسٹر لوشان سے مل کر

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

خوشی ہو گی۔ ان کے بارے میں پہلے سے تفصیلات فراہم کر دی گئی ہیں اور آپ غرناطہ میں داخل ہوتے وقت تک ان کی راہنمائی کریں گے پھر ان پر کوئی پابندی عائد نہ رہے گی۔ یہ اپنا کام سرانجام دیں گے اور آپ اپنا۔ بہتر ہے کہ اپنی سیم سے ان کا مختصر تعارف کرا دیجیے۔ میرا بہت دیر یہاں رکنا مناسب نہیں ہے"۔ لوکوش نے گردن ہلائی اور ان لوگوں سے مصافحہ کئے بغیر سرد لہجے میں بولا۔

"زیادہ تعارف کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ مختصراً آپ ان لوگوں کے بارے میں جان لیجیے۔ غرناطہ میں داخل ہو کر ہم ایک دوسرے سے رابطہ رکھیں گے اور اس کا ذریعہ آپ کو بتا دیا جائے گا"۔ ٹائیگر نے بے پروائی سے شانے ہلائے اپنے آپ پر جبر کرتے کرتے اس کے اعصاب بری طرح متاثر ہو گئے تھے لیکن اوشان اپنے طور پر بہت مطمئن نظر آ رہا تھا۔ اس نے لوکوش کو دعائیں دیتے ہوئے کہا۔

"اس ویرانے میں آپ ہمارے لئے یقینی طور پر کھانے پینے کی اشیاء کا بندوبست بھی کر سکتے ہوں گے"۔

ڈینوبار ہنستا اس دوران روانہ ہو گیا تھا غالباً اسے اسی آبدوز سے واپس جانا تھا۔ لوکوش نے سرد لہجے میں کہا۔

"آپ کو اندازہ نہیں ہے جناب کہ یہاں ہماری زندگی کتنی مشکل گزر رہی ہے۔ ہمیں یہاں سولہ گھنٹے ہو چکے ہیں اور اس دوران ہمارے پاس نہ کھانے کو ہے نہ پینے کو ہے۔ انتہائی بدترین حالات میں ہمیں یہاں تک پہنچایا گیا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ بھی پروگرام ہی کا ایک حصہ ہے۔ اس وقت ہر شخص آپ کو چڑچڑا نظر آئے گا اور اس کی وجہ یہی ہے"۔

"لیکن کھانا پینا تو ترک نہیں کیا جا سکتا"۔

"افسوس اس کے لئے ہمارے پاس کوئی بندوبست نہیں ہے"۔ اوشان اپنی منطق بگھارنے لگا اور ٹائیگر بیزاری کے انداز میں اس عورت کو دیکھنے لگا جو اسکرٹ اور سفید بلاؤز میں ملبوس تھی۔ چشمہ لگا ہوا تھا اور دور سے بیٹھی ہوئی کچھ نڈھال سی نظر آ رہی تھی۔ ٹائیگر خاموشی سے اپنی جگہ سے اٹھا اور اس کے قریب پہنچ گیا۔ عورت نے گہری نگاہوں سے دیکھا پھر آہستہ سے بولی۔

"افسوس میں کھڑے ہو کر تمہارا استقبال نہیں کر سکتی۔ ویسے تم مجھے گارجینا کے نام سے پکار سکتے ہو"۔ ٹائیگر اس کے قریب ہی بیٹھ گیا۔ اس نے کہا۔

"سولہ گھنٹے سے تمہیں پینے کے لئے پانی تک نہیں ملا؟"

"ہاں پانی کا ابتدائی ذخیرہ جو ہمارے پاس موجود تھا وہ ختم ہو گیا ہے۔ ویسے ہمارے پاس کافی سامان موجود ہے لیکن کھانے پینے کی اشیاء سے گریز کیا گیا ہے"۔

"میرا نام شہزاد ہے"۔ اس دوران اوشان بھی وہیں پہنچ گیا تھا۔ اس نے بغور لڑکی کو دیکھا۔ قریب آنے کے بعد یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ اس کی عمر تیس چوبیس سال سے زیادہ نہیں ہے۔ دلکش نقوش کی مالک تھی لیکن آنکھوں پر لگے ہوئے چشمے کی وجہ سے کچھ عجیب نظر آتی تھی۔ ناک چڑھا کر گفتگو کرنے کی عادی تھی جس سے کچھ احمق سی معلوم ہوتی تھی۔ اس نے اوشان کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"آپ مجھے ایک خطرناک مہم جو کے بھائے کسی طبلے کے روحانی پیشوا معلوم ہوتے ہیں۔ میں نے سنا ہے کہ آپ کے سپرد حاتم ندال کے قتل کی ذمے داری کی گئی ہے .....؟"

"تم نے میرے بارے میں جو کچھ سنا ہو گا اس سے تمہیں کوئی خوشی نہ حاصل ہوئی ہو گی"۔

"بہت کم لمحات ایسے ہوتے ہیں جب لٹل فادر اپنے بارے میں صحیح احساسات کا اظہار کرتے ہیں"۔ ٹائیگر نے کہا۔

"یہ بات نہیں ہے درحقیقت کچھ لوگوں کے سامنے خود کو نمایاں کر دینا ہی ضروری ہوتا ہے اور اسی میں انسان کی عظمت پوشیدہ ہے"۔

"لیکن دلچسپ بات یہ بھی ہے کہ صنفِ لطیف کے سامنے ہی عظمتوں کا اظہار مناسب سمجھا جاتا ہے"۔

"ہاں۔ اس لئے کہ صنفِ لطیف تمہاری نمود میں ایک اہم کردار ادا کرتی ہیں"۔ لڑکی عجیب سے انداز میں ہنس

دی۔ اس نے کہا۔

"آپ لوگوں کی آمد سے کچھ چہل پہل سی پیدا ہو گئی ہے ورنہ یہاں لوگ بیزاری کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ ویسے میں آپ سے دوستی کا اظہار کرتی ہوں اور اس بات پر انتہائی خوشی کا بھی کہ آپ لوگوں کے ساتھ کام کرنے کا کوئی موقع ملا"۔ اوشان اسی جگہ زمین پر بیٹھ کر آسمان کو دیکھنے لگا تھا پھر اس نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

"جو لوگ اپنے آدمیوں کی طرف سے اس قدر غافل ہو جاتے ہیں انہیں مشکلات کا سامنا تو کرنا ہی پڑتا ہو گا"۔

"آپ کی مراد اگر غرناطہ کے محصورین سے ہے تو وہ اس وقت انتہائی مشکل لمحات سے گزر رہا ہے"۔

"کیا مطلب.....؟"

"جنگ شروع ہو چکی ہے اور بہت اعلیٰ پیمانے پر غرناطہ کے خلاف کارروائیاں کی جا رہی ہیں"۔ ٹائیگر کو یہ سن کر تعجب ہوا تھا۔ جنگ کے بادل تو منڈلا ہی رہے تھے ایک طرف حاتم ندال کی ضد تھی اور دوسری جانب وہ سازشیں جو غرناطہ کے خلاف چاروں طرف کی جا رہی تھیں۔ جنگ کا آغاز ٹائیگر کے لئے بڑا سنسنی خیز تھا اس نے اوشان کی طرف دیکھا جو بدستور خلا میں گھور رہا تھا یقینی طور پر اس کے ذہن میں بھی وہی تمام سوچیں موجود تھیں اس کا مطلب ہے کہ اب انہیں ایسے ملک میں داخل ہو کر ایک سنسنی خیز کارنامہ سرانجام دینا پڑے گا جو جاری جنگ میں ہیں اور یہ سفر اسی بات کی غمازی کرتا تھا اور انہیں بہت زیادہ ہوشیار رہنے کی ضرورت تھی۔ اوشان ٹہلتا ہوا لوکوش کی جانب چل پڑا۔ لوکوش بہت مستعد آدمی نظر آتا تھا۔ اوشان کو دیکھ کر اس نے اپنے مخصوص انداز میں کہا۔

"کہو معزز دوست تمہیں کس شے کی ضرورت ہے؟"

"یہ ایک دلچسپ مذاق ہے کیونکہ جس شے کی ضرورت کا اظہار کیا جائے گا اس کے بارے میں تم معذرت کر لو گے"۔

"ہاں۔ میرے دوست یہ ایک افسوسناک امر ہے اور اس کی وجہ میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ کچھ غلطی ہم سے بھی ہوئی ہے اور مزید غلطی اور ہو گئی۔ اگر یہ لوگ تمہیں یہاں لاتے ہوئے کھانے پینے کی کچھ اشیا بھی ہمیں فراہم کر دیتے تو ہمارے لئے بہتر ہوتا۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ابھی ہمیں یہاں آئے ہوئے سولہ گھنٹے ہی گزرے ہیں لیکن اب اس خوف کا بار بار احساس ہوتا ہے کہ اگر غرناطہ کی طرف سے ہمیں لینے آنے والوں کو دشمنوں کا سامنا کرنا پڑا تو اس ویرانے میں ہمارے لئے بے پناہ مشکلات پیدا ہو جائیں گی"۔ اوشان نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

"جس کام کا آغاز ہی اتنے غیر تسلی بخش طریقے سے ہوا ہو اس کے انجام کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے"۔ لوکوش کے چہرے پر ناگواری کے آثار پھیل گئے۔ اس نے کہا۔

"نکتہ چینی کرنا ہر شخص کے لئے بے حد آسان ہے لیکن بعض اوقات مشکلات کی طرف نگاہ نہیں جاتی"۔

"سب سے بڑی مشکل پیٹ کی ہوتی ہے اور اس کے بعد تمام مشکلات کا آغاز ہوتا ہے"۔

"میں فلسفہ نہیں سننا چاہتا۔ تم میری پریشانیوں کا اندازہ کرو جس کے سپرد ان تمام افراد کی ذمہ داری کر دی گئی ہے اور اب اگر یہ لوگ مجھ سے کوئی سوال کرتے ہیں تو میرے پاس بھلا اس کا کیا جواب ہے"۔

"گویا تم اپنے آپ کو ایک ناممکل سرغنہ قرار دے رہے ہو"۔

"دیکھو میں بہت کم گفتگو کرنے کا عادی ہوں اور تم سے کہہ چکا ہوں کہ اس وقت مشکلات کا شکار ہوں۔ اس لئے براہ کرم میرا ذہن مزید خراب نہ کرو"۔ لوکوش نے کہا اور اپنی جگہ سے اٹھ کر وہاں سے آگے بڑھ گیا۔ اوشان مدھم سے انداز میں مسکرانے لگا تھا پھر وہ ٹہلتا ہوا ٹائیگر کے پاس واپس آ گیا۔ ٹائیگر اور وہ لڑکی خاموش بیٹھے ہوئے تھے۔ اوشان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"دونوں نوجوان اور مخالف سمت سے تعلق رکھنے والے اگر خاموش ہوں تو بہت حیرت ہوتی ہے اور صرف چند ہی باتیں سوچی جا سکتی ہیں کہ وہ اپنے ذہن میں ایک

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

دوسرے کا تاثر محسوس کر رہے ہیں"۔ لڑکی کی وہی احمقانہ ہنسی سنائی دی تھی لیکن ٹائیگر نے غراتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"اور ایک معزز بزرگ جو قابلِ احترام ہو اگر بچوں کے درمیان آ کر یہ سوال کرے تو بڑا عجیب سا محسوس ہوتا ہے"۔

یہ اوشان پر ضربِ کاری تھی۔ ٹائیگر اسے بوڑھا کہہ دیتا تھا تو اوشان کا پارہ چڑھ جاتا تھا۔ اوشان نے تیکھی نگاہوں سے اسے دیکھا اور کچھ فاصلے پر بیٹھ کر آسن جمالیا۔ یہ گویا اب اس بات کا اظہار تھا کہ وہ ان سے نہ کوئی گفتگو کرے گا اور نہ ان کی کسی گفتگو میں دلچسپی لے گا۔ ٹائیگر نے مسکراتے ہوئے اوشان کو دیکھا اور پھر لڑکی کی جانب دیکھنے لگا۔ لڑکی نے کہا۔

"مسٹر اوشان بہت دلچسپ شخصیت کے مالک معلوم ہوتے ہیں"۔

"ہاں تم چاہو تو ان کی معیت اختیار کر سکتی ہو"۔ ٹائیگر نے کہا۔ وہ خاموش ہو کر کچھ سوچنا چاہتا تھا۔

ساری رات گزر گئی اور صبح کی کرنیں نمودار ہو گئیں تو لوکوش کے چہرے پر تشویش کے آثار مزید گہرے ہو گئے پھر اس وقت دن کے تقریباً ساڑھے دس بجے تھے جب اچانک ہی ماحول خوفناک دھماکوں اور ریت کے ابلتے ہوئے طوفان میں چھپ گیا۔ یقینی طور پر کوئی بڑا حملہ غرناق کے اطراف میں کیا گیا تھا اور فاصلہ زیادہ ہونے کے باوجود یہاں تک اس کے اثرات محسوس کئے جا رہے تھے۔ تمام ہی لوگ سخت وحشت کا شکار ہو گئے۔ لوکوش نے پوشیدہ جگہ تلاش کرنا شروع کر دی اور ریت کے ایسے ٹیلوں کو اپنے ساتھیوں کا مسکن بنا دیا جہاں وہ کم از کم اوپر پرواز کرنے والے طیاروں سے چھپ سکتے تھے اس کے ساتھ ہی اس نے اپنے آدمیوں کو اس خوفناک صورتِ حال سے بھی آگاہ کر دیا تھا۔ اس نے کہا۔

"نا تو ہمارے پاس خوراک ہے اور نہ پانی کا کوئی ذخیرہ۔ ہمارے لئے یہ انتہائی ضروری ہے کہ ہم جس قدر بھی جلد ممکن ہو سکے غرناق میں داخل ہو جائیں لیکن جس صورتِ حال کا آپ لوگوں نے اندازہ لگایا ہے اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ غرناقی فوری طور پر ہم تک نہ پہنچ پائیں گے بلکہ یہ جہاز ہو سکتا ہے غلط فہمی کا شکار ہو کر ہمیں ہی نشانہ بنا دیں چنانچہ جس طرح بھی بن پڑے آپ لوگ استقبال کیجیے اور اپنے آپ کو پُرسکون رکھنے کی کوشش کیجیے۔ ہم یقینی طور پر مشکل حالات کا شکار ہیں لیکن ان مشکل حالات سے گزرنا ہمارے لئے انتہائی ضروری ہے"۔

ٹولیاں بنا کر ریتیلے ٹیلوں کے نیچے پھیلا دی گئی اور یہ صرف اتفاق تھا کہ اس وقت بھی گارجینا ٹائیگر کے ساتھ تھی۔ ٹائیگر نے بذاتِ خود یہ کوشش نہیں تھی یا تو گارجینا کی اپنی کوشش تھی یا پھر صرف اتفاق۔ اس ٹیلے کے نیچے وہ دونوں ہی تھے جو اوپر سے سائبان کی مانند بن گیا تھا حالانکہ ریتیلا ٹیلا تھا لیکن شاید سمندر کی نمی سے ریت کچھ سخت ہو گئی تھی اور ٹیلے کے اوپری حصے نے ایک چھت کی کیفیت اختیار کر لی تھی۔ گارجینا کی وہی مخصوص ہنسی اُبھری تو ٹائیگر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"بلاشبہ میں تمہیں داد دیتا ہوں کہ تم ان حالات میں بھی ہنسنا جانتی ہو"۔ گارجینا کے چہرے پر ایک لمحے کے لئے سنجیدگی سی طاری ہو گئی۔ اس نے چشمہ اُتار کر ٹائیگر کو دیکھا۔ دیکھتی رہی اس کی آنکھوں میں عجیب سی کیفیت تھی اور پھر اس کے ہونٹوں سے ایک سرسراتی ہوئی آواز نکلی۔

"کیا تم نے اپنا دین چھوڑ دیا ہے؟" ٹائیگر کے لئے یہ الفاظ انتہائی چونکا دینے والے تھے۔ وہ تعجب بھری نگاہوں سے گارجینا کو دیکھتا رہا پھر بولا۔

"مطلب میں سمجھا نہیں؟"

"دیکھو تمہارے پاس یقینی طور پر ہتھیار ہوں گے۔ ایک درخواست کرنا چاہتی ہوں تم سے....."

"کیا!" ٹائیگر نے سوال کیا۔

"کیوں نہ ایک انسان کی حیثیت سے سوچو اگر تمہیں میری ذات اپنے لئے مشکوک محسوس ہو تو خاموشی سے اپنے ہتھیاروں سے مجھے قتل کر کے اسی ریت کے نیچے دبا دینا اور کوئی ایسا قدم نہ اُٹھانا جو میرے لئے رسوائی کا سبب بنے۔

بولو وعدہ کرتے ہو اگر میں تمہارے موقف کے خلاف کوئی گفتگو کرتی ہوں تو تم اپنے ہاتھوں سے مجھے ہلاک کر دو گے یہ میرے اوپر تمہارا بڑا احسان ہو گا"۔

"اگر تم میرے موقف کے خلاف کوئی گفتگو کرتی ہو تو میں تمہارے قتل کے درپے نہیں ہو جاؤں گا بلکہ تم سے اس سلسلے میں بحث کروں گا۔ باقی اگر تمہارے ذہن میں یہ تصور ہے کہ میں دوسروں کو اس بات سے آگاہ کر دوں گا تو ٹائیگر کا وعدہ ہے کہ ایسا نہیں ہو گا"۔

"ہاں یہ میرا وعدہ ہے"۔ ٹائیگر کو انتہائی حیرت تھی۔ گارجینا کا یہ پُراسرار انداز اس کے لئے باعثِ حیرت تھا اور وہ نہیں سمجھ پا رہا تھا کہ گارجینا کیا کہنا چاہتی ہے۔ چند لمحات خاموش رہنے کے بعد اس نے کہا۔

"اگر میں تمہیں یہ بتاؤں کہ ابتدا سے مجھے تمہارے بارے میں وہ تمام پروگرام معلوم تھا جس کے تحت تمہیں اس سلسلے میں ملوث کیا جانا تھا تو یقیناً تمہیں حیرت ہو گی۔ میں یہ بات اچھی طرح جانتی تھی کہ آگے چل کر تم ہمارے ساتھ اس مہم میں شریک ہو جاؤ گے اور اس کے لئے جو طریقہ کار اختیار کیا گیا تھا اس کی مکمل تفصیل بھی میرے علم میں ہے اور اس کے بعد تمہارے ساتھ جو جو واقعات پیش آئے ان کے بارے میں بھی میں مکمل طور سے سب کچھ جانتی ہوں لیکن اس سے پہلے میں تمہیں یہ بتانا پسند کروں گی، کہ میرا اصل نام گارجینا نہیں بلکہ سولیستا ہے۔ یورا سولیستا۔ میرے اس نام سے تم میری قومیت کا بخوبی اندازہ لگا سکتے ہو۔ بہت عرصے پہلے مجھے خصوصی طور پر ایک ایسے شعبے میں منتقل کیا گیا تھا جہاں رہ کر میں اپنے وطن کے لئے بہت سے کام سرانجام دے رہی تھی اور میں نے گارجینا کی حیثیت سے وہاں اپنا ایک ایسا مقام بنا لیا تھا جس کے نتیجے میں آج تم مجھے اس اہم ترین مہم میں ان کا ساتھی دیکھ رہے ہو۔ پچھلے دنوں جو حالات رونما ہوئے ہیں ان سے دنیا بھر میں ایک خصوصی تبدیلی رونما ہو گئی ہے۔ طاقت کا توازن بگڑ چکا ہے اور میرا ملک جیسا کہ تم اچھی طرح جانتے ہو ان دنوں الجھنوں کا شکار ہو کر اپنی فوری حیثیت کھو چکا ہے اور بعض معاملات میں اسے بہت سے مشکل حالات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے جن کی بنا پر اس نے اپنی پالیسیوں میں فوری طور پر کچھ تبدیلیاں رونما کی ہیں کیونکہ یہ وقت ہماری اپنی پالیسیوں کے لئے بہت بہتر اور موزوں نہیں ہے۔ اس طرح کچھ رونما ہونے والی تبدیلیوں میں ایک بہت بڑی تبدیلی یہ مسئلہ بھی ہے یعنی غرناق کا مسئلہ اور اگر تم اس بات سے متفق نہیں ہوئے تو مجھے حیرت ہو گی کہ غرناق درحقیقت اس جنگ کو اپنے اوپر مسلط کر کے حماقت میں مبتلا نہیں ہوا ہے بلکہ اسے چاروں طرف سے گھیر کر اس کیفیت تک پہنچا دیا گیا ہے کہ اس کے علاوہ اس کے پاس اور کوئی ذریعہ ہی نہ رہا۔ حاتم بدال کی سوچیں اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہو سکتی تھیں جن کا اظہار اب ہو رہا ہے اور اس کے پاس کوئی بھی طریقہ نہیں تھا جس کے تحت وہ دوسرے راستے اختیار کرتا۔ نتیجہ وہی ہوا یعنی جن لوگوں نے اسے جنگ کے راستوں پر لانا چاہا تھا وہ اپنی کوششوں میں کامیاب ہو گئے۔

درحقیقت یہ بہت طویل اور بہت گہری سازش ہے اور اس کے پسِ پردہ اسرائیلی قوتیں کارفرما ہیں اور یہ بات تم اچھی طرح جانتے ہو کہ اسرائیل کے لمبے ہاتھ کہاں کہاں تک پھیلے ہوئے ہیں یہ چھوٹا سا خطۂ زمین اس قابل نہیں تھا کہ اتنے بڑے بڑے کارنامے نمایاں سرانجام دیتا لیکن دنیا بھر سے اسے جو امداد مل رہی ہے اور پوری دنیا میں اس کے لئے جو کام ہو رہا ہے وہ بے حد مؤثر ہے اور اسی کی بنیاد پر یہ اتنا مضبوط طریقہ کار اختیار کرنے کے قابل ہو سکا ہے چنانچہ اس سازش کے ڈانڈے نجانے کہاں کہاں پھیلے ہوئے ہیں اور نجانے کہاں کہاں موجود دماغ اس کے عقبی کارفرما ہیں اور یہ بات سبھی جانتے تھے کہ غرناق اسرائیل کے لئے کس قدر خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ اس کی بڑھتی ہوئی قوت کا اندازہ تمام حکومتوں کا تھا اور ان لوگوں کو بھی جو اسرائیل کو اپنی آنکھوں کا تارا سمجھتے ہیں چنانچہ اس سلسلے میں حاتم بدال کے ساتھ جو کارروائی کی گئی وہ ایک طویل ترین کوشش کا نتیجہ تھی اور اس کے نتیجے میں بالآخر وہ اپنی اس سازش

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

میں کامیاب ہوگئے اور صائم ندال کو مجبوراً جنگ کے راستوں کی جانب آنا پڑا۔ اس نے سوچوں کے دائرے وسیع نہ کئے اور جو حالات اس کے سامنے آئے انہی پر پوری پوری توجہ دے ڈالی۔ یقینی طور پر یہ بہت بڑے بڑے سیاست دانوں کا کام تھا۔

لیکن صائم ندال اگر تھوڑی سی ذہانت سے کام لے لیتا تو میں سمجھتی ہوں کہ اس کا یہ کارنامہ دنیا کے لئے اس وقت سب سے زیادہ حیرت انگیز ہوتا لیکن صائم ندال ان کے جال میں پھنس گیا اور اس وقت یقینی طور پر وہ قابلِ رحم ہے۔ یہاں سے پھر میں اپنے مشن کی جانب واپس آتی ہوں۔ ایک نیم جو صائم ندال نے طلب کی تھی اور جس کے ذریعے وہ اپنے ان خصوصی ہتھیاروں کو صحیح انداز میں استعمال کرنا چاہتا تھا تشکیل پائی اور اسے خفیہ طور پر غرناطہ بھیجے جانے کے انتظامات مکمل ہوگئے اور جس نیم کو اس کی جگہ لینی تھی اس میں میری شمولیت بھی ہوگئی اور یہ میرے لئے انتہائی خوش بختی کی بات تھی کیونکہ اب تم یہ بات اچھی طرح سمجھ سکتے ہو کہ میرا اپنا ملکی اور ذاتی موقف کیا ہے"۔

ٹائیگر کی آنکھیں شدتِ حیرت سے پھیل گئی تھیں۔ عالمی سیاست کا یہ خاکہ اس کے ذہن سے دور نہیں تھا اور موجودہ کیفیت میں وہ بھی اچھی طرح جانتا تھا کہ عالمِ اسلام کس الجھن کا شکار ہوگیا ہے اور کس کس طرح اس کے خلاف سازشیں کر کے بھائیوں کو ہی سامنے لا کھڑا کیا گیا ہے لیکن افسوس وہ وقت ٹل چکا تھا جب کوئی ایسی صورت حال پیدا کی جاسکتی جس سے غلط فہمیاں دور ہوتیں اور خود ہم ہی اس خوفناک تباہی کا ذریعہ نہ بنتے جو ہم پر مسلط کر ڈالی گئی لیکن یہ سازشیں بہت گہری تھیں اور بہتر طریقہ یہی تھا کہ ان سے نمٹنے کے لئے آپس میں ہی کام کیا جاتا لیکن یہ نہ ہو سکا تھا اور اب سولیستا اس کے بارے میں انوکھی کہانیاں سنا رہی تھی۔ ٹائیگر پھٹی پھٹی آنکھوں سے اُسے دیکھتا رہا۔ سولیستا محتاط انہ ہنسی ہنسنے والی یہ لڑکی اتنی گہری ہے ٹائیگر کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ آسکی تھی۔

سولیستا کے چہرے پر گہرے غور و فکر کے آثار تھے۔ اس نے کہا۔

"گو میرے ملک نے مجھے اس سلسلے میں کوئی ہدایات نہیں دیں اور وہ ہدایات دینے کی پوزیشن میں بھی نہیں تھا لیکن یہ بات میں اچھی طرح جانتی تھی کہ در پردہ اس کے ذہن میں کیا ہے لیکن اس کا اظہار اب اس کے لئے ممکن نہیں ہے البتہ اس کی ایک شہری اور اس کے مفادات کی نگراں ہونے کی حیثیت سے میں نے اپنا منصب خود بخود پہچان لیا اور اپنی زندگی کو داؤ پر لگا دیا۔ میں جیسا کہ تمہیں بتا چکی ہوں کہ یہ میری خوش بختی تھی کہ مجھے اس مہم کے لئے منتخب کر لیا گیا اور کیونکہ وہ تمام لوگ جو صائم ندال کے لئے کام کرنا چاہتے تھے ان لوگوں کی سازش کا شکار ہوگئے اس لئے وہ تو جاں بحق ہو چکے تھے لیکن میں ابھی زندہ ہوں اور میری زندگی میں یہ ممکن نہیں ہے کہ صائم ندال جو کچھ کرنا چاہتا ہے ان کے لئے بالکل ہی بے بس ہو کر رہ جائے۔ یہ لوگ اس کے حامیوں کی حیثیت سے میرے ملک کے نام پر وہاں پہنچیں گے اور اس کے بعد صائم ندال کے مہیا کئے ہوئے ان ہتھیاروں کو ناکارہ بنائیں گے جو اس کے لئے بڑی حیثیت کے حامل ہیں حالانکہ وہ ان سے ہی توقع رکھتا ہے کہ ان ہتھیاروں کے صحیح استعمال میں وہ غرناطہ کی راہنمائی کریں گے لیکن صورت حال اس کے بالکل برعکس ہے"۔

ٹائیگر پُر خیال انداز میں گردن ہلاتا رہا پھر اس نے کہا۔

"لیکن سولیستا اس سلسلے میں تم تنہا کیا کارروائی کر سکتی ہو؟"

سولیستا عجیب سی نظروں سے اسے دیکھتی رہی پھر اس نے کہا۔

"مختصر الفاظ میں صرف اتنا بتا سکتی ہوں کہ مجھے تم سے اپنا مددگار بن جانے کی امید ہے"۔

"کیوں.....؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"وہ لوگ تمہارے سلسلے میں بہت محتاط رہے ہیں۔ میں نہیں جانتی کہ انہوں نے تمہارے ساتھ کیا کیا لیکن تمہارے بارے میں وہ کسی پروگرام کا تذکرہ کرتے رہے ہیں

اور اس کے بعد انہوں نے اوکے کا سگنل دیا ہے"۔

"فرض کرو میں تمہارا ساتھ دینے پر آمادہ ہو جاؤں تو ہم اس سلسلے میں کیا کر سکتے ہیں؟"

"تمہارا شاید تم بھی اس منصب سے مطمئن نہیں ہو جو تمہیں سونپا گیا ہے لیکن میں جانتی ہوں کہ ہمیں یقینی طور پر یہ سارا کام اسی انداز میں جاری رکھنا ہوگا"۔ ٹائیگر کو حیرانی ہوئی لیکن اس لڑکی کی بہترین صلاحیتوں کا وہ اچھی طرح جائزہ لے چکا تھا۔ اس نے کہا۔

"اگر ہم چاہیں میرا مطلب ہے اب نیم میں تم بھی شامل ہو تو ان لوگوں کو یہیں اس ریت کے میدان میں دفن کر کے آگے کا منصوبہ طے کر سکتے ہیں"۔

"میں نے بھی سوچا تھا اور یقین کرو اگر میں بھی یہ کام سر انجام دینے پر تل جاتی تو ان سترہ افراد بلکہ سولہ افراد کا قتل میرے لئے کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ میں اب بھی وہ قدرت رکھتی ہوں کہ ان لوگوں کو اسی جگہ موت کی نیند سلا دوں لیکن اس طرح وہ کوئی نیا منصوبہ سوچیں گے اور ہم اس سے ناواقف ہوں گے۔ اس کا بہتر طریقہ کیا یہ نہیں ہے کہ ان لوگوں کو غرناطہ میں داخل ہونے دیا جائے اور ہم تمہیں میرا مطلب ہے میں اور تم اور تمہارا ساتھی اوشان اس بات کے نگران رہیں گے کہ وہ کیا کر رہے ہیں اور موقع پر ہی انہیں ہلاک کر دیا جائے"۔ ٹائیگر نے پُر خیال انداز میں گردن ہلاتے ہوئے اس سے اتفاق کیا اور کہا۔

"میرے خیال میں تمہاری یہ سوچ زیادہ بہتر ہے"۔

"اگر تم مجھے یہاں نہ ملتے اور اس طرح تمہاری شرکت ہمارے درمیان نہ ہوتی تب بھی میں یہی عمل کرتی اور میں نے اپنے آپ کو وقف کر دیا ہے اس کام کے لئے کہ ان لوگوں کو غرناطہ کو کوئی نقصان پہنچانے سے پہلے ہی قتل کر دوں۔ یہ میری ذمہ داری ہے۔ دراصل ہماری بدقسمتی ہے کہ ہم اپنے بہت سے وعدے پورے نہیں کر پارہے اور جب دنیا کی تاریخ میں غرناطہ کا واقعہ درج کیا جائے گا تو یقینی طور پر میرے وطن پر یہ الزام عائد کیا جائے گا کہ ہم نے ان لوگوں سے دغا کی لیکن اصل میں ایسا نہیں ہے بلکہ یوں کہا جائے تو غلط نہیں ہوگا کہ اس بار ہم بھی ان کے شکار ہوگئے ہیں"۔

"میں جانتا ہوں"۔ ٹائیگر نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ پھر بولا۔

"تم نے کیا منصوبہ بندی کی ہے؟"

"سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ ہماری یہ نیم خیریت کے ساتھ غرناطہ میں داخل ہو جائے اس کے بعد میں تم سے مسلسل رابطہ رکھوں گی۔ ظاہر ہے تم اس وقت اپنا کام سرانجام دو گے اور میری رائے تو یہی ہے کہ ظاہر کرتے رہنا کہ تم اپنے کام میں مصروف ہو لیکن یہ بھی ایک سچائی ہے کہ صائم ندال بے حد ذہین انسان ہے اور ان لوگوں سے اچھی طرح نمٹنا جانتا ہے چنانچہ اس نے اپنے تحفظ کے لئے یقینی طور پر ایسا بندوبست کیا ہوگا کہ کوئی بیرونی شخص اس کے خلاف کوئی عمل نہ کر سکے۔ اس وقت دنیا جانتی ہے کہ بڑی قوتیں جہاں ایک سمت غرناطہ پر اپنی تمام تر طاقت صرف کئے ہوئے ہیں وہیں ان کے ذہن میں صائم ندال بھی موجود ہے اور وہ انفرادی طور پر اسے ہلاک کرنے کے منصوبے ترتیب دے چکی ہوں گی۔ یہ دوسری بات ہے کہ ابھی تک وہ ان کے منصوبوں کا شکار نہیں ہو سکا۔ ہم نہیں جانتے کہ ہمارے۔ میرا مطلب ہے تمہارے علاوہ اور کون کون صائم ندال کے چکر میں وہاں موجود ہے لیکن بہتر طریقہ یہی ہے کہ ہم خود کوشش کرتے رہیں اور اگر کبھی اس کا موقع آ جائے کہ ہمیں صائم ندال کی زندگی کا تحفظ کرنا پڑے تو اس وقت ہم بخوشی اپنی زندگیاں اس پر سے قربان کر دیں"۔

ٹائیگر سولیستا سے بالکل متفق ہوگیا تھا اور اس کے بعد وہ آرام کرنے لیٹ گئے۔ ہلکی ہلکی ہوا کے ساتھ ریت بھی اُڑ رہی تھی اور ماحول میں ابھی تک شدت تھی۔ غالباً یہ اس بارودی استعمال کا نتیجہ تھا جو بے دریغ غرناطہ کے علاقوں پر برسایا جا رہا تھا۔ سینٹ کرسٹ میں رہ کر ٹائیگر کو کچھ اس طرح یہاں کے ماحول سے ناواقفیت رہی تھی کہ اسے یہ اندازہ بھی نہ ہو سکا تھا کہ غرناطہ پر حملہ کیا جا چکا ہے اور وہ مشترکہ دشمن کیا کیا کارروائیاں کر رہے ہیں لیکن یہاں

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کی صورتِ حال دیکھنے کے بعد کافی حد تک اس بات کا اندازہ ہو جاتا تھا۔

دوسرے دن صبح گیارہ بجے تک انتظار کرنا پڑا۔ دن کی روشنی میں انہوں نے ایک اسٹیمر کو دیکھا جو سیج و عریض تھا اور برق رفتاری سے اس جانب چلا آ رہا تھا۔ یہاں سے لوکوش کی ذمہ داریاں شروع ہوتی تھیں چنانچہ اس نے ایک سبز جھنڈا فضا میں بلند کیا اور اسٹیمر نے ان کی جانب صحیح سمت اختیار کر لی اور اس کے بعد انتہائی طوفانی انداز میں انہیں اسٹیمر پر سوار کرایا گیا اور اسٹیمر بخیر و خوبی اس بندرگاہ تک پہنچ گیا جہاں انہیں اپنا کام سرانجام دینے کے لئے منتشر ہو جانا تھا۔ ان کا ہنگامی استقبال کیا گیا اور انہیں ایک زیرِ زمین مورچے میں پہنچا دیا گیا جہاں چند فوجی افسران نے ان سے ملاقات کر کے ان کی پذیرائی کی اور بالآخر انہیں ان کا منصب سوچنے کے لئے ٹولیوں میں منقسم کر دیا۔ یہ سب کچھ انتہائی سنسنی خیز تھا۔ ٹائیگر اور اوشان یہ فیصلہ نہیں کر پا رہے تھے کہ اب انہیں اپنا کیا کردار سرانجام دینا چاہیئے لیکن یہ بات بھی وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ ان کی ہزار آنکھوں سے نگرانی کی جا رہی ہو گی اور اس بات میں کوئی شبہ کا موقع نہیں تھا کہ مقامی طور پر غرناق میں بھی ان لوگوں کے بے شمار جاسوس پھیلے ہوئے تھے اور وہ اپنے طور پر پوری تندہی سے سارے کام سرانجام دے رہے تھے۔ ایک عجیب و غریب کیفیت اور انتشار برپا تھا۔ یہاں انہوں نے ان دشمن فوجیوں کی کارروائیاں دیکھیں جو اپنی تمام تر قوتوں کے ساتھ غرناق پر حملہ آور ہوئے تھے اور ہر وہ کوشش کر رہے تھے جس سے غرناق کو تباہ و برباد کر دیا جائے۔ کسی قسم کی کوئی تفریق نہیں تھی۔ ہر انسان کو نشانہ بنا لیا جاتا تھا۔ طیاروں کے غول کے غول فضا میں نظر آتے اور وہ اس طرح بمباری کرتے جیسے ہر چیز کو نیست و نابود کر دینا چاہتے ہوں لیکن یہ بھی صائم ندال کا بہترین کارنامہ تھا کہ اس نے جو قوت جمع کی تھی اس کا صحیح استعمال کیا جا رہا تھا البتہ یہ بات ان کے لئے انتہائی دکھ کا باعث تھی کہ یہ آنے والی یہ ٹیم صائم ندال کے منصوبوں کے لئے کافی خطرناک ثابت ہو گی۔

وہ خود تین آدمیوں کے ساتھ ایک اسٹیشن پر پہنچا دیئے گئے تھے جو خاص قسم کے میزائلوں کا اسٹیشن تھا اور یہاں انہیں ماہرین کی حیثیت سے دوسرے لوگوں کی معاونت کرنا تھی لیکن اصل میں ان کا کام کچھ اور تھا اور وہ اپنے کام کے لئے مناسب موقع تلاش کر رہے تھے۔ انہیں یہاں سے فرار ہو جانا تھا۔ سولیستا اپنے مقصد کے لئے روانہ ہو چکی تھی اور اس ٹولی میں اس کی شرکت نہیں تھی۔ البتہ اوشان غور و فکر کر رہا تھا اور اس نے اس موضوع پر ٹائیگر سے بھی گفتگو کی تھی۔ ٹائیگر نے اسے تمام تفصیلات بتاتے ہوئے کہا تھا کہ یہ صورتِ حال انتہائی خوفناک ہے اور انہیں اپنے مقصد کے لئے بڑی احتیاط سے کام کرنا ہو گا۔ وہ ان لوگوں کے لئے دشمنوں کی حیثیت رکھتے ہیں جن کے لئے اصل میں وہ کام کرنا چاہتے ہیں چنانچہ دہرے دشمن کا سامنا تھا جس جگہ انہیں ٹھہرایا گیا تھا وہاں انہوں نے اپنی بہترین صلاحیتوں سے کام لیا اور بقیہ دو افراد ان کی معاونت کر رہے تھے لیکن وہ بھی جانتے تھے کہ ان لوگوں کا اصل کام کیا ہے۔ کوشش یہ کی جا رہی تھی کہ انہیں اس مسئلے سے دور رکھا جا سکے۔ ابتداء میں ان دو افراد نے کچھ ایسے کام سرانجام دیئے جن سے ان پر اعتماد ہو جائے اور وہ یہ اعتماد حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے لیکن ٹائیگر اور اوشان نے ایک اور ہی فیصلہ کیا تھا وہ دو افراد جو اس مورچے میں موجود تھے جہاں میزائلوں کا ایک اچھا خاصا ذخیرہ تھا اور انہیں بہت عمدگی سے اپنی جگہ نصب کیا گیا تھا۔ اب ضروری تھا کہ ان دونوں کو ٹھکانے لگا دیا جائے اور ٹائیگر اور اوشان نے فیصلہ کر لیا۔ اس وقت بے شمار جنگی طیارے فضا میں قہر برسا رہے تھے۔ ٹائیگر نے ان دونوں کو اپنی زد پر لے لیا۔ وہ دونوں حیران رہ گئے تھے۔ ٹائیگر نے ان میں سے ایک کی گردن پکڑی اور پھر وہ شخص دوسری جنبش نہیں کر سکا۔ ادھر اوشان نے دوسرے آدمی کو ہلاک کر دیا تھا۔ کیسی الوکھی اور دلچسپ بات یہ تھی کہ انہیں قاتلوں کی حیثیت سے پہچانا جانا اور مقامی لوگ یہی کہتے کہ دو خطرناک دشمن دو اہم ترین آدمیوں کو ہلاک کر کے فرار ہو گئے ہیں اور فرار کے لئے ٹائیگر

اور اوشان نے ایک بہترین منصوبہ ترتیب دے لیا تھا۔ اس مورچے سے باہر نکلنے میں انہیں کوئی مشکل پیش نہ آئی۔ رات کی تاریکیوں میں انہوں نے اپنی برق رفتاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے رہنے کے لئے ایک چھوٹا سا گھر تلاش کیا وہاں ان کے لئے تمام اشیائے ضرورت موجود تھیں اور اس ہولناک تباہی کا دن کی روشنی میں جائزہ لیا جس کے سلسلے میں متعدہ عہد بالکل خاموش تھا اور کوئی ایسی آواز بلند نہیں ہو رہی تھی اس سے یہ بھی اندازہ ہوتا تھا کہ بڑی قوتیں بہرطور اپنے مفادات کے لئے ہر قسم کی پہلسٹی کر لیا کرتی ہیں اور اصولی طور پر ان پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔ ٹائیگر اور اوشان شہر کی سڑکوں اور گلیوں کا جائزہ لے رہے تھے۔ انہیں اس تمام تباہ کاری کا بخوبی جائزہ لینے کا موقع مل گیا تھا جو مشترکہ افواج کی جانب سے کی جا رہی تھی۔ اس بات میں کوئی شک نہیں تھا کہ دوسری جنگِ عظیم کے بعد اس سے بڑی خوفناک تباہی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا حالانکہ جنگ کے خاتمے کے بعد جب اقوامِ عالم سر جوڑ کر بیٹھی تھیں کہ انہوں نے اس تباہ کاری کا جائزہ لیتے ہوئے یہ عہد کیا تھا کہ آئندہ اس کا موقع نہ آنے دیا جائے گا لیکن ساری باتیں سارے عہد بیکار ثابت ہوئے تھے اور اس وقت ایک نئی تاریخ مرتب کی جا رہی تھی۔ ان کا اپنا کام جاری تھا۔ شہر کا گشت اور اپنے آپ کو دوسرے لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ رکھنا ان کے لئے کوئی مشکل کام نہ تھا۔ ایک فوجی گاڑی اس وقت ان کے قریب آ کر رکی جب وہ شہر کی ایک سڑک پر پیدل قدمی کرتے ہوئے جا رہے تھے۔ فوجی گاڑی سے چند افراد اتر کر نیچے آئے ان کی تعداد پانچ تھی اور ان میں ایک کرنل کی وردی میں ملبوس تھا جب کہ باقی لوگ صرف رنگروٹ کہے جا سکتے تھے لیکن مقامی کرنل کی وردی میں ملبوس شخص کا چہرہ جب ان دونوں کے سامنے آیا تو دونوں ہی چونک کر ساکت رہ گئے تھے۔ یہ یقیناً لمور پر ڈینو بار بینو تھا۔ ڈینوں بار بینو نے مسکراتے ہوئے انہیں اپنے ساتھ بیٹھنے کی پیشکش کی اور وہ تمام خاموشی سے اس کے ساتھ سوار ہو گئے۔ اس نے بہ مسرت لہجے میں کہا۔

"ہمارے آدمی تین مورچوں پر اپنا کام بخوبی سرانجام دے چکے ہیں اور مقامی ماہرین حیران ہیں لیکن ابھی تک کسی کو ان کی جانب شبہ نہیں ہو سکا ہے البتہ میں تم لوگوں کے مشکل کام کے بارے میں اچھی طرح جانتا ہوں اور اس وقت مجھے ہائی کمان سے اطلاع ملی ہے کہ ایک خصوصی معلومات کے مطابق ہمیں ایک خاص مقام کا سفر کرنا ہے جہاں صائم ندال ایک مورچے میں موجود ہے اور جب وہ مورچے سے باہر آئے گا تو ہمیں اپنا آخری کام سرانجام دے دینا ہو گا اور اس کے بعد اس ہولناک تباہی میں کچھ رکاوٹ آ جائے گی بشرطیکہ غرناقی فوجیں ہتھیار ڈالنے پر آمادہ ہو جائیں اور میں سمجھتا ہوں کہ صائم ندال کے بعد یہ کام بڑی آسانی سے ممکن ہو جائے گا"۔

ٹائیگر کے اعصاب تن گئے۔ ڈینو بار بینو کے ساتھ جو چار افراد تھے وہ اس کے لئے کوئی حیثیت نہیں رکھتے تھے اور ڈینو بار بینو کو بھی بآسانی نشانہ بنایا جا سکتا تھا لیکن وہ اس وقت تک اپنی اس حیثیت کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہتا تھا جب تک کہ صورتِ حال بالکل ہی قابو سے باہر نہ ہو جائے اور شاید اس کا یہ اندازہ بالکل درست تھا کیونکہ صائم ندال کے اس مورچے پر موجود ہونے کی تصدیق ہو گئی تھی۔ وہاں غیر معمولی سرگرمیاں تھیں اور ان سرگرمیوں سے یہ اندازہ ہوتا تھا کہ صائم ندال یقینی طور پر اس مورچے میں موجود ہے لیکن اس سے پہلے کہ صائم ندال مورچے سے باہر آتے اس کے تحفظ کا بندوبست کر دینا ضروری تھا۔ اس بات کے امکانات بھی تھے کہ ڈینو بار بینو اپنی فرض شناسی سے بے قابو ہو کر خود ہی کوئی قدم اٹھا بیٹھے۔ انہوں نے ایک جگہ منتخب کر لی تھی اور یہاں سے ڈینو بار بینو کی ہدایت کے مطابق ٹائیگر کو صائم ندال پر نشانہ لگانا تھا۔ جو کارروائیاں ہو رہی تھیں وہ اس جگہ سے بغور دیکھی جا سکتی تھیں۔ ڈینو بار بینو مسلح تھا لیکن بہت مختصر وقت میں صورتِ حال پر قابو پانا ضروری تھا چنانچہ ٹائیگر نے اوشان کو اشارہ کیا اور اوشان نے ڈینو بار بینو کو اپنی جانب متوجہ کیا اور جیسے ہی اس کا چہرہ گھوما اوشان کی دونوں انگلیاں پسپاک سے ڈینو بار بینو

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کی آنکھوں میں داخل ہو گئیں۔ اس کے چہرے پر افزت کے آثار نظر آئے اور اس کے حلق سے نکلنے والی چیخ اوشان کی کلائی کے نیچے دب کر رہ گئی۔ چاروں افراد فوراً صورت حال کو سمجھنے میں کامیاب نہ ہو سکے تھے۔ ہاں اس وقت ان کی گھگھی بندھ گئی جب اچانک ہی ٹائیگر نے ان میں سے ایک کی کلائی پکڑ کر اسے گھمایا اور قریب ہی ایک درخت سے دے مارا۔ رنگروٹ کی بدن کی تمام ہڈیاں ایک دوسرے میں پیوست ہو گئی تھیں۔ باقی چھنوں مسلح افراد نے پھرتی سے اپنے ہتھیار سیدھے کئے لیکن اوشان نے ایک لمبا چکر کاٹا اور اس کی عجیب سے انداز میں گھوم کر ان تینوں کے پیروں کے سامنے تن گئی۔ وہ فوری طور پر کوئی کارروائی نہ کر سکے لیکن انہیں یہ اندازہ نہ ہو سکا کہ اچانک ہی عقب سے ہونے والے حملے نے ان کی پسلیوں کو کیسے توڑ دیا ہے۔ دو آدمی فوراً ہی ٹائیگر کا شکار ہو گئے تھے۔ تیسرے آدمی کو اوشان نے اپنی عبا میں دھک لیا۔

لیکن اس غیر معمولی سرگرمی کو محسوس کیا گیا اور وہاں تعینات وہ فوجی جو غالباً عاصم بدال کے تحفظ کے لئے مستعد تھے ان کی جانب متوجہ ہو گئے اور پھر وہ چیختے ہوئے ان کی سمت دوڑ پڑے۔ وہ پانچوں افراد تو ہلاک ہو چکے تھے جن میں ایک انتہائی اہم شخصیت ڈینو بارڈینو بھی تھا لیکن اب انہیں اپنی زندگی کے تحفظ کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔ مخالف سمت تیزی سے گھومے اور برق رفتاری سے آڑھے ترچھے دوڑنے لگے۔ دیکھنے والے یہ سمجھ رہے تھے کہ وہ دونوں ہوا میں پرواز کر رہے ہوں۔ پیچھے سے برابر گولیوں کی بارش جاری تھی مگر ٹائیگر اور اوشان گولیوں کی رینج سے باہر ہو چکے تھے۔ اچانک ایک جیپ ان کے برابر آ لگی اس میں سولیسٹا تھی۔ پیچھے سے مارٹر گن سے فائر ہوا۔ ٹائیگر نے چلتی ہوئی جیپ سے سولیسٹا کو کھینچ کر اپنے کندھے پر ڈالا چند قدم ٹائیگر نے اٹھائے ہوں گے جیپ کے پھٹنے کی آواز آئی۔ سولیسٹا نے گھبرا کر دیکھا اور آنکھ بند کر کے اپنا سارا بوجھ ٹائیگر کے کندھوں پر ڈال دیا۔ اوشان کی تیز رفتاری کا ساتھ ٹائیگر بمشکل دے پا رہا تھا۔ انہیں آبادی کے آثار نظر آنے لگے اور اپنے ٹوٹے ہوئے مکان میں پہنچنے میں زیادہ مشکل کا سامنا نہ کرنا پڑا۔

ایک مخصوص جگہ پہنچ کر سولیسٹا کو ٹائیگر نے زمین پر اتار دیا تھا۔ مکان میں داخل ہونے کے بعد اس نے سکون کا گہرا سانس لیا اور مسکراتی نگاہوں سے ٹائیگر کو دیکھتی ہوئی بولی۔

"میرا وزن ایک سو سترہ پونڈ ہے۔ ایک سو سترہ پونڈ" وزن کو لے کر دوڑنا بہت زیادہ مشکل کام نہیں ہے۔ خاص طور سے تمہارے جیسے طاقتور آدمی کے لئے لیکن ایک بات میری سمجھ میں نہیں آ سکی کہ تم میں وہ کون سا مشینی نٹ ہے جس سے یہ محسوس ہو رہا تھا کہ تم زمین پر چل نہیں بلکہ پرواز کر رہے ہو"۔

"کسی خوبصورت لڑکی کا بوجھ اٹھا کر زمین پر چلنا انسان کے لئے ناممکن نہیں ہوتا۔ بشرطیکہ لڑکی نوجوان ہو اور اسے لے کر دوڑنے والا بھی اسی کی عمر سے مطابقت رکھتا ہو"۔ اوشان نے اپنے خاص انداز میں کہا اور ٹائیگر مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔ پھر بولا۔

"اور معزز اوشان کے لئے وہ لمحات انتہائی تکلیف دہ ہوتے ہیں جب کوئی نوجوان لڑکی میری قربت میں ہو"۔ اوشان نے گردن ہلا کر منہ بناتے ہوئے جواب دیا۔

"خیر! میں ایسی بہت سی باتیں جانتا ہوں جو یہ لڑکی نہیں جانتی۔ میں جانتا ہوں کہ ٹائیگر عورتوں کے معاملے میں کتنا فراخدل ہے اور اسے عورتوں کو دیکھ کر کس طرح وحشت ہوتی ہے جب کہ ایک خوبصورت لڑکی مسلسل اس کے قرب کی خواہش مند ہے"۔ ٹائیگر ہنسنے لگا پھر اس نے کہا۔

"اور اگر بزرگ اوشان زیادہ وزن لے کر دوڑنے کا خواہش مند نہ ہو تو ہم ایسا ہی دوسرا کوئی موقع مہیا کر سکتے ہیں"۔

"تم دونوں کس قدر عجیب ہو۔ ایسے حالات میں بھی تم اس خوشگوار نوک جھونک سے باز نہیں آتے جب میں محسوس کر رہی ہوں کہ ہم انتہائی شدید مشکلات کا شکار ہو گئے

ہیں۔ کیا تمہارے خیال میں لوگ ہماری تلاش کرتے ہوئے یہاں تک پہنچ سکتے ہیں۔ بدقسمتی یہ ہے کہ ہم انہیں کسی طور پر یہ یقین نہیں دلا سکتے کہ ہم ان کے دشمن نہیں دوست ہیں"۔

بظاہر اس کے امکانات نہیں ہیں تاہم ہمارے کان بہت دور کی آوازیں سن رہے ہیں اور ان آوازوں میں فوجی بولوں کی دھمک شامل نہیں ہے اس کا مقصد ہے کہ وہ ہمیں کھو چکے ہیں"۔ سولیسٹا نے ایک گہری سانس لی اور ایک جگہ دراز ہو کر گہری گہری سانسیں لینے لگی پھر اس نے کہا۔

"ہر چند کہ میں تمہاری مانند برق رفتاری کا مظاہرہ کر کے نہیں دوڑ سکتی تھی اور اس بات کے قوی امکانات تھے کہ میں ان کا شکار ہو جاتی اس لئے اس وقت میری زندگی بچانے والے تم لوگ ہو۔ ویسے یہ جگہ بہت اچھی ہے۔ کیا یہاں تم پورے سکون کے ساتھ قیام کرتے ہو"۔

"ہاں یوں سمجھ لو ہمیں یہ بہترین جگہ حاصل ہو گئی ہے"۔

"مگر تمہارا اپنا پروگرام۔ میرا مطلب ہے کہ تم نے یقینی طور پر ان لوگوں کو ہلاک کر کے اپنے لئے ایک مصیبت مول لے لی ہے۔ بلاشبہ بہت سی آنکھیں تمہاری نگرانی کر رہی ہوں گی"۔ اوشان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہمیں اسی طرح کام کرنے میں لطف آتا ہے اور اب اس وقت کیا دلچسپ صورت حال ہے یعنی ہم کسی بھی طور دوستوں میں نہیں ہیں۔ ادھر بھی دشمن ادھر بھی دشمن"۔ سولیسٹا نے آنکھیں بند کر لیں اور گردن ہلاتے ہوئے بولی۔

"میں جانتی ہوں۔ میں اچھی طرح جانتی ہوں"۔ پھر وہ چونک کر اٹھ کھڑی ہوئی اور اس نے کہا۔

"اچھا اب میں چلتی ہوں"۔

"کیوں کچھ دیر آرام کرو"۔

"نہیں میرا مقصد ابھی پورا نہیں ہو سکا جب کہ تم اپنی کوششوں میں کامیابی حاصل کر رہے ہو اور میں تمہیں مبارکباد پیش کرتی ہوں کہ تم نے ایک بہتر قدم اٹھایا"۔

ٹائیگر اور اوشان نے سولیسٹا کو روکنے کی کوشش نہیں کی تھی وہ چلی گئی اور اس کے بعد اوشان اور ٹائیگر اس موضوع پر گفتگو کرنے لگے کہ انہیں آئندہ کیا کرنا ہے۔ اتنا تو وہ جانتے تھے کہ یہ ایک بے مقصد کام ہے زیادہ سے زیادہ بس اتنا ہی ہو سکتا ہے کہ وہ ذہنی طور پر اس بات کا اطمینان کر لیں کہ جو کام انہیں سونپا گیا ہے اس کی انہوں نے بھرپور مخالفت کی ہے اور کسی کے زیر اثر آ کر کام نہیں کیا لیکن اس کا کوئی اہم مقصد ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ وہ سوچ رہے تھے کہ آخر وہ کس کے لئے کام کر رہے ہیں۔ ٹائیگر نے کہا۔

"ان حالات میں ہماری واپسی کیا ضروری نہیں ہے؟"

"یقیناً ہے لیکن واپسی کے لئے ہمارے پاس اس وقت مواقع زرا مشکل ہو جائیں گے"۔

"مثلاً میرے خیال میں اگر ہم شیران کا رُخ کریں تو اس کی سرحد تک پہنچنا ایک مشکل کام ہو گا اگر وہاں تک پہنچ گئے تو پھر ہمارے لئے ان علاقوں سے نکل جانا آسان رہے گا"۔ ٹائیگر نے کوئی جواب نہیں دیا۔ دیر تک وہ سوچتا رہا پھر اس نے کہا۔

"میرا خیال ہے ہمیں کچھ وقت مزید یہاں قیام کرنا چاہیئے۔ ہو سکتا ہے عاصم بدال پر کچھ اور بھی حملے ہونے کی گنجائش ہو اور اس وقت کم از کم ہم اس کی حفاظت تو کر سکتے ہیں"۔

"گویا الٹا کام ....."۔ اوشان نے کہا اور پھر گردن ہلاتے ہوئے بولا۔

"تاہم مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے اور ہمیں ایسے موقع ملے جب وہ کسی بھی طور عاصم بدال کو نشانہ بنا سکتے تھے۔ یہ مواقع انتہائی باریک بینی سے کام کرنے سے مہیا ہوئے تھے لیکن ایسے موقع پر انہوں نے صرف یہ خیال رکھا تھا کہ اطراف میں ایسے لوگ تو موجود نہیں ہیں جن کی نشاندہی کرنا ضروری ہو۔ وہ تین مواقعوں کو ضائع کرنے کے بعد یہ فیصلہ کرنے پر مجبور ہو گئے تھے کہ اب انہیں اس سے زیادہ کوششیں نہیں کرنی چاہئیں۔ ویسے اخبارات کبھی کبھی ہاتھ

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

لگ جاتے تھے جو کچھ ہو رہا تھا وہ تو ان کی نگاہوں کے سامنے تھا اور اس طرح ان کی ذہنی کیفیت بھی کچھ عجیب سی ہو گئی تھی کیونکہ تباہی اور بربادی کا یہ کھیل اتنا خوفناک تھا جس کا شاید بیرونی دنیا تصور بھی نہ کر پا رہی ہو۔ خرنباق میں جو کچھ ہو رہا تھا وہ انتہائی تکلیف دہ تھا۔ اس کے نتائج اتنے دور رس تھے کہ یہ سوچ سوچ کر ہی وہ لوگ کانپ جاتے تھے کہ اطراف اور دنیا کے دوسرے ایسے حصوں کا کیا ہو گا جو اس سے متاثر ہو سکتے ہیں یا پھر اس بات کے بھی امکانات تھے کہ یہ جنگ طول پکڑ جائے اور اس کے بعد دنیا کی تباہی کا آغاز یہیں سے ہو۔ ویسے جو کچھ ہو رہا تھا اسے روکنا اس وقت شاید کسی کے بس کی بات نہیں تھی۔ اس کا ذمہ دار کون ٹھہرایا جا سکتا تھا۔ صائم ندال، اطراف کے رہنے والے دوسرے لوگ یا پھر وہ بڑی طاقتیں جنہوں نے یہ کھیل ایک خاص مقصد کے تحت ہی کھیلا تھا اور انسانیت پر یہ مظالم یقینی تھے بس انتظار تھا اس وقت کا جب ان کا آغاز ہو جائے۔

اس شام بھی وہ تمام علاقوں کا جائزہ لینے کے بعد اپنے اس مسکن پر پہنچے تھے جو کچھ اور ٹوٹ پھوٹ گیا تھا اس کی کئی دیواریں مزید گر گئیں تھیں اور یہاں داخل ہونے کے بعد اوشان نے اپنے کان کھڑے کر لئے اسے یہ احساس ہوا تھا کہ یہاں کوئی اور بھی ہے اور تلاش کرنے پر انہیں سولیستا مل گئی۔ رات کی تاریکی میں وہ سولیستا کا بھرپور جائزہ تو نہ لے سکے لیکن انہوں نے اسے ایسی طرح محسوس کر لیا تھا پھر مدھم سی روشنی میں انہوں نے سولیستا کا چہرہ دیکھا۔ اس کے ہونٹوں پر بڑی سبک سی مسکراہٹ تھی اور وہ ایک عجیب سی کیفیت کا شکار نظر آتی تھی۔

"تم۔ اچھا ہوا تم یہاں آ گئیں۔ ہم ان تمام لوگوں سے بالکل ہی بے تعلق ہو چکے ہیں جو ہمارے ساتھ یہاں تک پہنچے تھے"۔ سولیستا نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری اور مدھم سی آواز میں بولی۔

"تمہیں یہ سن کر خوشی ہو گی کہ ان میں سے کوئی زندہ نہیں ہے"۔ ٹائیگر اور اوشان یہ سن کر بری طرح چونک پڑے تھے۔ اوشان نے پوچھا۔

"مگر..... کیسے.....؟"

"میں نے ان کی نشاندہی کر دی تھی۔ ان میں سے تین گروہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے تھے اور انہوں نے وہ اہم ہتھیار تباہ کر دیئے تھے بلکہ انہیں مکمل طور پر ناکارہ بنا دیا گیا تھا جو خرنباق کے تحفظ کے لئے اس وقت انتہائی ضروری ہیں۔ مجھے ایک خدشہ پیدا ہو گیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ باقی جگہوں کی نشان دہی کر دیں اور اس کے بعد خرنباق بالکل ہی بے بس ہو کر رہ جائے اور صائم ندال اپنی تمام تر جہت کے باوجود ہت ہار بیٹھے۔

"میں نے انہیں تمام صورتِ حال بتا دی، مگر..... مگر....."

"مگر..... کیا.....؟"

"مگر انہوں نے یہ تسلیم نہیں کیا کہ میں ان کی دوست ہوں اور ان لوگوں کی ساتھی نہیں ہوں"۔

"اوہ!" ... ٹائیگر کو اچانک ہی ایک احساس ہوا وہ یہ کہ سولیستا کی آواز میں بے پناہ کمزوری اور کرب شامل ہے اس نے سولیستا کا بازو پکڑ کر اسے اٹھانا چاہا لیکن سولیستا کے حلق سے ایک دردناک چیخ نکل گئی۔

"نہیں ..... نہیں ..... میرا پورا نچلا بدن گولیوں سے چھلنی ہے۔ میں میں۔ مگر کوئی بات نہیں۔ مجھے صرف اس بات کی خوشی ہے کہ میرا مقصد پورا ہو گیا۔ سنو شہزادہ اگر کبھی میرے وطن کے کسی [illegible] شخص سے تمہاری ملاقات ہو تو اسے میری ان کاوشوں کے بارے میں بتا دینا۔ مجھے کوئی اعزاز نہیں چاہیئے لیکن بس میں، میں چاہتی ہوں کہ ..... کہ ....." اس کی آواز بند ہو گئی۔ گردن ایک طرف ڈھلکنے لگی تھی۔ ٹائیگر اور اوشان اس کے قریب پہنچ گئے لیکن لب سولیستا بے جان ہو چکی تھی۔ ٹائیگر کے جبڑے بھنچ گئے۔ اوشان نے گہری نگاہوں سے اسے دیکھا اور پھر اس کے شانے پر ہاتھ رکھتا ہوا بولا۔

"اس نے اپنا مقصد پورا کر دیا ہے اور یہ بات ہم پر فرض ہو گئی ہے کہ واپس پہنچ کر سولیستا کی کہانی اس کے وطن کو سنا دیں"۔ ٹائیگر نے کوئی جواب نہیں دیا۔ سولیستا

کو اسی طرح چھوڑ دیا گیا۔ اس سے زیادہ وہ اور کر بھی کیا سکتے تھے لیکن دونوں ہی کے دل افسردہ ہو گئے تھے۔

وہ دیکھ رہے تھے کہ خرنباق میں جو کچھ ہو رہا ہے اس میں ایسے واقعات عام ہیں لیکن پارہا انہوں نے صائم ندال کے بارے میں سوچا تھا جو بلاشبہ صحرا کا شیر ہی ثابت ہوا تھا اور اس نے ان مشترکہ مالک کے دانت کھٹے کر دیئے تھے۔ ان کے بیانات میں مختلف تبدیلیاں پیدا ہو رہی تھیں۔ ابتداء میں انہوں نے یہ دعوے کئے تھے کہ یہ جنگ بہت مختصر ہو گی بعد میں انہوں نے اس بات کا اعتراف کیا کہ جو کچھ صائم ندال کر رہا ہے اس کے تحت جنگ طویل تر ہو سکتی ہے اور اُسے زیر کرنا آسان نہیں ہے۔ انہوں نے اس جنگ میں اپنے تمام جدید ترین تباہ کن ہتھیار استعمال کئے تھے اور سچی بات یہ ہے کہ ان تباہ کن ہتھیاروں کا مقابلہ ایک ناممکن عمل تھا لیکن صائم ندال پوری قوت سے ان کا مقابلہ کر رہا تھا اور اپنی طرف سے بھی اس کی کارروائیاں جاری تھیں۔

وہ صبح ان لوگوں کے لئے ناقابلِ یقین تھی جب اچانک ہی خرنباق کی گلیوں، کوچوں اور بازاروں میں فائرنگ کی آوازیں سنائی دینے لگی اور وہ عوام جو جنگ کی وجہ سے خاموش تھے خوشیاں مناتے ہوئے سڑکوں پر نکل آئے۔ چاروں طرف سے ایک ہی آواز بلند ہو رہی تھی جنگ بند ہو گئی، جنگ بند ہو گئی۔ اوشان اور ٹائیگر متحیر رہ گئے تھے۔ اس صورتِ حال کے بارے میں تفصیلات معلوم کرنا بے حد ضروری تھا اور جو تفصیلات انہیں معلوم ہوئیں وہ ان کی سمجھ میں کسی طور نہیں آ سکیں۔ صائم ندال نے جنگ بندی قبول کر لی تھی اس نے ایالات خالی کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا اور اس سلسلے میں تمام شرطیں مان لی گئی تھیں۔ دونوں ایک دوسرے کی صورت دیکھتے رہ گئے تمام کوششیں بیکار ثابت ہوئی تھیں۔ وہ کسی بھی طور یقین کرنے کے لئے تیار نہیں تھے کہ یہ تبدیلی کیونکر رونما ہوئی۔ وہ کون سے عوامل تھے جس نے صحرا کے شیر کو اچانک ہی اپنا فیصلہ بدلنے پر مجبور کر دیا کہ وہ زندگی کی آخری سانس تک جنگ جاری رکھے گا لیکن اس چیز سے ان کے ذہنوں کو جو شدید مایوسی کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ گلیوں، کوچوں اور بازاروں میں خوشیاں منائی جا رہی تھیں۔ لوگوں کے ملے جلے خیالات تھے۔ بین الاقوامی پیمانے پر اس سلسلے میں کیا ردِ عمل ہوا تھا ابھی یہ پتہ نہیں چل سکا تھا لیکن ان کے اپنے ذہنوں میں افسردگی کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا اور اس کے بعد اوشان بھی یہاں سے بیزار ہو گیا اور انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ حالات کچھ بھی ہوں انہیں یہاں سے نکل جانا چاہیئے۔ شیران کے راستے کا تعین کیا گیا اور اس کے بعد انہوں نے شیران کی جانب رُخ کر لیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس وقت ان تباہ کن حالات میں شیران کی سرحدوں کو عبور کرنا ایک مشکل کام تھا لیکن سرحد عبور کرنے والے اوشان اور ٹائیگر تھے اور انہوں نے جس انداز میں اپنا یہ سفر طے کیا وہ عام آدمی کے لئے ممکن نہیں تھا۔ بالآخر وہ شیران کی سرحدوں سے اندر داخل ہو گئے تھے اور اس کے بعد انہیں اپنی منزل پر پہنچنے میں کوئی دقت پیش نہیں آئی تھی۔

OOOOO

ڈاکٹر بہرام کے چہرے پر غمزدگی کے جو تاثرات تھے انہیں دیکھ کر ٹائیگر کے ذہن سے ساری کدورت دھل گئی۔ اوشان تو ہمیشہ گزرے ہوئے لمحات کو بھول جاتا تھا۔ اس کے بیٹھنے کے انداز میں کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوئی۔

"جو کچھ ہوا ہے اس کے لئے کوئی خود کو موردِ الزام ٹھہرانے کے لئے تیار نہیں ہے"۔ ڈاکٹر بہرام نے تمہیدی انداز میں کہا۔

"زندگی کسی کے رخساروں پر بکھرے ہوئے تلوں میں جگمگاتی ہے سوئٹ ہارٹ لیکن کچھ سکڑے ہوئے چہرے گزرے واقعات کی تلخیاں اجاگر کر دیتے ہیں اس لئے کیوں نہ شگفتگی برقرار رکھی جائے"۔

"جو شے آسانیوں سے دستیاب نہ ہو اس کا حصول کیسے ممکن ہے"۔ اوشان بڑبڑایا۔

"ان کا کہنا ہے کہ سب کچھ مصنوعی طور پر ہوا"۔ بہرام نے کہا۔

"گویا فلکر انٹ فاؤنڈیشن کے آلات جعلی کام کرنے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

لگے"۔

"میں نے اعتراض کیا تھا"۔

"سچائیوں کو جھٹلانا بھی بہت بڑی سچائی ہے"۔ لوشان پھر بولا۔

"اس کارروائی کو چارہ گر کے ریکارڈ سے حذف کرنے کی ہدایت ملی ہے"۔ بہرام نے کہا اور لوشان سے برداشت نہ ہو سکا۔ اس نے بہرام کو گھورتے ہوئے کہا۔

"ایسی ہدایات کا معاوضہ گراں قدر ہوتا ہے۔ مثلاً ان کرداروں کی جدائی جو اس میں شامل رہے ہیں اور اس میں بین القوامی ادارے کا سربراہ میکلوڈ ایری شامل ہے"۔

"میں نے یہ اعتراض کیا تھا"۔

"کیا جواب ملا؟"

"اب اس ادارے کا سربراہ ڈین ماسٹر ہے۔ میکلوڈ ایری کی موت کا سرٹیفکیٹ ایک سال پہلے جاری ہو چکا ہے اور ایرک مارکیبے کے قبرستان میں ایک قبر کے سرہانے اس کا کتبہ موجود ہے جس پر اس کی موت کی تاریخ درج ہے"۔

ٹائیگر نے گہری سانس لے کر چھت کی طرف دیکھا اور پھر مسکرا کر بولا۔

"سوٹ پارٹ ساری ذمے داریاں قبول کر چکا ہے جو ہمارے ذریعے چلایا گیا تھا ہم اس کے شکار نہ ہوئے چنانچہ یہ لمحات اگر ریکارڈ سے خارج کر دیئے جائیں تو کوئی حرج نہیں لیکن رائے عامہ کچھ اور کہہ رہی ہے"۔

"کیا.....؟" ڈاکٹر بہرام نے پوچھا۔

"عاصم ندیل زندہ سلامت ہے۔ یہ مشکل تھا اور خاص طور سے ایسی شکل میں جب کہ اس کے لئے اتنی کوششیں ہو رہی تھیں۔ اس کے بعد تو یہ ممکن نہیں تھا۔ سیدھی سی بات ہے کہ بعد کے اثرات دور کئے جا رہے ہیں لیکن سیاست صرف ایک گھر کے دروازے پر نہیں کھڑی ہوتی"۔

"ہمیں یہ سب کچھ نظر انداز کرنا ہوگا ورنہ دوسری شکل میں ہماری تنظیم اپنے مقاصد کھو دیتی ہے"۔

"ہاں یہ سیاسی جواب ہے"۔

"میرا بھی یہی خیال ہے"۔ ڈاکٹر بہرام بولا۔

"دنیاوی حالات کیا کہتے ہیں؟"

"روبی سوئٹزرلینڈ میں تمہاری منتظر ہے"۔ بہرام نے کہا اور ٹائیگر کے علاوہ لوشان بھی چونک پڑا۔

"روبی سوئٹزرلینڈ میں ہے.....! وجہ....."

"کیوپڈ کا آبنوسی مجسمہ، بہت اہمیت رکھتا ہے"۔ ڈاکٹر بہرام بولا۔

"مجھے اس وقت تک کسی کہانی سے کوئی دلچسپی نہیں ہو گی جب تک میرے چودہ صندوق دستیاب نہیں ہو جاتے"۔

"وہ احتیاط کے ساتھ واپس آ گئے ہیں"۔ بہرام نے کہا اور لوشان تعجب سے اسے دیکھنے لگا۔

"روبی سوئٹزرلینڈ کس سلسلے میں گئی ہے اور آبنوسی مجسمے کا کیا قصہ ہے؟"

"یہ مجسمہ بہت سے لوگوں کے لئے پرکشش ہے اور اس کے بارے میں مکمل تفصیلات روبی کے پاس محفوظ ہیں چونکہ تم دونوں ایک اہم کام میں مصروف تھے لیکن مجسمے کے سلسلے میں جو کارروائیاں ہو رہی ہیں انہیں چارہ گر نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔ اس لئے روبی کو فوری طور پر روانہ کرنا پڑا اور اس سے یہ وعدہ کیا گیا کہ ٹائیگر کو یہاں آتے ہی فوراً روانہ کر دیا جائے گا"۔ ٹائیگر نے شرارت آمیز نگاہوں سے لوشان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اس عمر میں للی فادر کو جس قدر محنت کرنا پڑ رہی ہے وہ بعض اوقات مجھے دکھ دیتی ہے لیکن عمر کے ساتھ ساتھ بچوں جیسی فطرت پیدا ہو جاتی ہے اور اسے روکنا مشکل ہے اور پھر ایسے خود سر بوڑھے بچے جو کسی کی نہ سنیں"۔ ٹائیگر کے یہ الفاظ لوشان کی دکھتی رگ تھے۔ اس کی آنکھیں چڑھ گئیں اور اس نے ٹائیگر کو گھورتے ہوئے کہا۔

"نوجوانی حماقتوں کا مسکن ہوتی ہے اور ان حماقتوں کو روکنے کے لئے صرف ایک بوڑھے استاد کی ضرورت ہوتی ہے بلکہ ایک سخت گیر باپ کی بھی اور وہ احمق ہوتے ہیں جو خود سے بہتر کارکردگی دکھانے والوں کو بوڑھا کہنے لگتے ہیں جب کہ ان کے اپنے اعصاب ذرا سی بات پر کشیدہ ہو جاتے ہیں اور

وہ صحیح فیصلے کرنے سے قاصر رہتے ہیں"۔

"گویا سوئٹزرلینڈ روانہ ہونے کے لئے تیاریاں کی جائیں"۔ ڈاکٹر بہرام نے مداخلت کرتے ہوئے کہا۔

"یہ بہت ضروری ہے۔ روبی کی طرف سے کوئی پیغام بھی نہیں ملا اور میں یہ چاہتا ہوں کہ اسے فوری مدد فراہم کی جائے"۔ ٹائیگر نے ہنستے ہوئے کہا۔

"مجھے تو اس پر اعتراض نہیں ہے لیکن للی فادر شاید تمکن دور کرنا چاہیں"۔ بہرام ان دونوں کی نوک جھونک سے لطف اندوز ہونے لگا۔ لوشان نے کہا۔

"روبی در حقیقت میری مدد در کار ہو گئی۔ ویسے دماغ اور جسم کے اشتراک ہی سے مساوی کارروائیاں مکمل ہوتی ہیں لیکن کہیں دماغ ہوتا ہے اور کہیں جسم اور جہاں دماغ اور جسم یکجا ہو جائیں وہاں لوشان کا نام لیا جاتا ہے۔ ٹائیگر صرف ایک ضمنی حیثیت رکھتا ہے تاہم تیاریوں میں وقت ضائع نہیں کرنا چاہیئے۔ نجانے میری بچی کس حال میں ہو۔ اس کی خبر گیری کے لئے میں تو ہمیشہ ہی مستعد رہتا ہوں"۔

○○○○○

"روبی نے کار پارک کی اور نیچے اتر کر سامنے والی عمارت کے صدر دروازے کی جانب چل دی۔ اس نے ہلکے پیلے رنگ کی کار کو دوسرے پارکنگ لاٹ پر رکتے ہوئے دیکھا تھا اور اس کی پیشانی پر ناگواری کی شکنیں پڑ گئی تھیں۔ یہ کمبخت شخص نجانے کیوں اس کے پیچھے لگا ہوا ہے اس کا جائزہ لینا اب نہایت ضروری ہو گیا تھا۔ پہلے روبی نے اس کے بارے میں اس انداز میں نہیں سوچا تھا بلکہ اسے ایک اوباش جرمن نسل کا باشندہ سمجھ کر نظر انداز کر دیا تھا لیکن آج بھی صبح سے وہ روبی کے پیچھے لگا ہوا تھا اور اس کے پیلے رنگ کی کار روبی کی کار کے مسلسل تعاقب میں مصروف رہی تھی۔ روبی نے یہ کار ہوٹل ہی سے کرائے پر حاصل کی تھی۔ ٹیکسی وغیرہ کا سفر ایک مشکل کام ہوتا ہے حالانکہ راستوں کا نہ جاننا بعض اوقات باعث پریشانی بن جاتا ہے لیکن اس طرح سوئٹزرلینڈ میں سیر و سیاحت کا موقع بھی مل جاتا ہے اور پھر کام ایسا تھا کہ اس کا کوئی فوری تعین نہیں تھا بلکہ اس کے لئے اسے کافی وقت دیا گیا تھا اور ہدایت بھی کی گئی تھی کہ جلد بازی ہر قیمت پر نقصان دہ ثابت ہو سکتی ہے۔ یہ وعدہ بھی کیا گیا تھا کہ وہ خود کو تنہا نہ محسوس کرے۔ جوں ہی ٹائیگر اور لوشان کی واپسی ہوئی انہیں اس کی مدد کے لئے بھیج دیا جائے گا۔

روبی کے دل کے اندرونی گوشوں میں یہ خواہش بھی ابھری تھی کہ سوئٹزرلینڈ کے پُرفضا مقامات پر ٹائیگر کے ساتھ سیاحت کا لطف ہی کچھ اور ہو جائے گا۔ وہ آ جائے تو بہتر ہے۔ کام اگر جلدی ہو گیا تو یقینی طور پر واپسی لازمی ہو جائے گی پھر وہ صدر دروازے سے اندر داخل ہو کر لفٹ کے قریب پہنچ گئی اور تیز رفتار لفٹ اسے آن کی آن میں نویں منزل پر اتار گئی۔ وہ لفٹ سے اترنے کے بعد شفاف راہداری میں دور تک چلی گئی اور پھر بائیں سمت مڑ کر کوریڈور میں مڑ کر کمرہ نمبر ایک سو آٹھ کے سامنے پہنچ گیا۔ یہاں سامنے شیشے کا دروازہ لگا ہوا تھا اور اندر کے مناظر نظر آ رہے تھے۔ پانچ چھ میزیں پڑی ہوئی تھیں اور اسے اس لڑکی کے بارے میں تفصیلی طور پر علم تھا جو یہاں اس کی مددگار ہو سکتی تھی چنانچہ وہ سیدھی دروازہ کھول کر لڑکی کے پاس پہنچ گیا۔ لڑکی کی عمر چوبیس پچیس سال سے زیادہ نہیں ہو گی۔ ضرورت سے زیادہ دبلی تھی اور چہرہ بے تاثر تھا۔ آنکھوں پر بڑے بڑے شیشوں والے فریم کا چشمہ لگا ہوا تھا جس نے اس کی شخصیت کو اس کی عمر سے کہیں زیادہ بڑھا دیا تھا۔ اس نے پُراخلاق انداز میں روبی کو بیٹھنے کو کہا اور روبی نے اپنے چھوٹے سے پرس سے ایک سنہری کارڈ نکال کر اس کے سامنے رکھ دیا جس کے کونے پر ایک خاص قسم کا نشان بنا ہوا تھا۔ لڑکی نے کس قدر حیرانی سے اس کارڈ اور اس نشان کو دیکھا اور پھر اس کے چہرے پر تجسس کے آثار نمودار ہو گئے۔ اس نے نشان کے نیچے رکھے ہوئے ایک نمبر کو بھی دیکھا جو غالباً کسی ڈائی سے بنایا گیا تھا اور پھر اپنے سامنے رکھی فیکس مشین کے بٹن دبانے لگی۔ چند ہی لمحات کے بعد فیکس مشین سے ایک کارڈ نکل آیا۔ لڑکی نے کارڈ اپنے ہاتھ میں لیا اور پھر میز کے ایک سائڈ رکھے ہوئے ریک کی جانب متوجہ ہو

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

گئی۔ اس نے اپنے منہ سے ایک لفظ بھی نہیں ادا کیا تھا۔ ریک کے دروغانے کھول کر اس نے غالباً اندر رکھے ہوئے نمبر دیکھے اور پھر ایک موٹے کارڈ کا بنا ہوا لفافہ باہر نکال لیا۔ جس میں ایک اور کارڈ رکھا ہوا تھا۔ یہ کارڈ نکال کر اس نے روبی کے سامنے رکھا اور آہستہ سے بولی۔

"براہِ کرم اسے لوٹ کر لیجیے یہ مجھے واپس درکار ہو گا"۔

"اس کے لئے کاغذ تمہیں ہی دینا پڑے گا"۔ روبی مسکرا کر بولی اور لڑکی نے جلدی سے اپنے میز کے ایک دراز سے چھوٹا سا کاغذ نکال کر روبی کے سامنے کر دیا۔ ساتھ ہی بال پوائنٹ بھی روبی نے اس کارڈ پر درج شدہ تحریر کاغذ پر منتقل کی اور کارڈ لڑکی کو واپس کر دیا پھر وہ اٹھتی ہوئی بولی۔

"شکریہ"۔ لڑکی نے کوئی جواب نہیں دیا لیکن روبی غیر محسوس آنکھوں سے دیکھ رہی تھی کہ لڑکی شیشے کے دروازے تک اس کا جائزہ لیتی رہی ہے۔ اب اتنی اعلیٰ حس روبی کے اندر نہیں تھی کہ وہ ان نامحسوس آنکھوں سے لڑکی کے چہرے کے تاثرات بھی دیکھ لیتی جیسے یقینی طور پر یہ احساس ہو رہا ہو گا کہ اس وقت وہ ایک اہم شخصیت سے روشناس ہوئی ہے۔ روبی باہر آ گئی۔ اس نے اس کاغذ کو احتیاط سے تہہ کر کے پرس کے بجائے اپنے لباس کے اندرونی حصے میں رکھا اور پھر وہ شخص جو روبی کے پیچھے پیلے رنگ کی کار میں لگا ہوا تھا یقینی طور پر روبی کے حسن سے متاثر ہو کر اس کا مسلسل تعاقب نہیں کر رہا تھا بلکہ اس کی کچھ اور وجہ بھی ہو سکتی تھی۔ روبی نیچے پہنچ کر اپنی کار میں آ بیٹھی اور اس کے بعد جب اس کی کار پارکنگ لاٹ سے باہر نکلی تو پیلے رنگ کی کار کو اس نے پہلے سے اسٹارٹ ہو کر باہر نکلتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ روبی ایک گہری سانس لے کر خاموشی سے آگے بڑھ گئی۔ سڑکیں کہر آلود تھیں اور دن کسی قدر بجھا بجھا سا۔ ہر شخص کے چہرے سے یہ احساس ہو رہا تھا جیسے وہ کسی الجھن کا شکار ہو یا پھر یہ الجھن خود روبی کے اپنے ذہن میں موجود تھی کیونکہ جس مقصد کے لئے ٹائیگر کی غیر موجودگی میں اسے یہاں بھیجا گیا تھا وہ خود اس کے اپنے ذہن میں واضح نہیں تھا بلکہ اسے دوسرے لوگوں کا سہارا لینا تھا اور ابھی اس سلسلے میں ابتدائی کام ہی کیا جا سکا تھا جس کا ایک حصہ اس وقت بھی طے ہوا تھا یعنی اس کارڈ کا حصول اور اس سے حاصل ہونے والے پتے کے متعلق تمام تر تفصیلات جو اسے خصوصی طور پر ایک جگہ سے معلوم کرنی تھیں۔ ابھی تک اس کے کام میں تیز رفتاری نہیں آئی تھی اور وہ سست روی سے اپنا کام سرانجام دے رہی تھی۔

پیلی کار والا مسلسل اس کے پیچھے لگا رہا اور روبی نے بالآخر اس کے بارے میں فیصلہ کیا۔ اس نے کسی اور سمت جانے کے بجائے اپنی کار کا رخ اپنے ہوٹل ہی کی جانب کر دیا اور پھر ہوٹل میں مخصوص جگہ کار پارک کرنے کے بعد وہ کار سے نیچے اتری اور ہوٹل میں داخل ہو گئی لیکن شیشے کے بڑے دروازے کی دوسری جانب پہنچ کر وہ لفٹ کی طرف بڑھنے کے بجائے بائیں سمت سیدھی چل پڑی۔ دوسرا دروازہ دوسری راہداری میں کھلتا تھا اور اس راہداری کے سامنے پام کے بڑے بڑے درخت لگے ہوئے تھے۔ وہاں سے نکلنے کے بعد پام کے ایک درخت کی اوٹ میں ہو کر اس نے اس شخص کو دیکھا وہ اپنی کار سے نیچے اتر آیا تھا اور کسی قدر الجھن آمیز انداز میں کھڑا ہوا اپنا رخسار کھجا رہا تھا۔ لمبے چوڑے بدن کا آدمی تھا جس کے گال ضرورت سے زیادہ سرخ تھے۔ عمر گو زیادہ نہیں تھی لیکن آنکھوں کے قریب ہلکی ہلکی جھریاں پڑی نظر آ رہی تھیں۔ چہرے سے کوئی خاص اندازہ اس کے بارے میں نہیں لگایا جا سکتا تھا۔ روبی کچھ دیر سوچتی رہی اور پھر اچانک اپنی جگہ چھوڑ کر وہ ہوٹل کے دوسرے دروازے سے باہر نکل آئی۔ یہاں سے مین دروازے کے پاس پہنچ کر اس نے اس شخص کو دیکھا اور اسے اپنا اندازہ درست ہی محسوس ہوا۔ وہ غالباً واپسی کی تیاریاں کر رہا تھا چنانچہ اپنی کار میں بیٹھ کر اس نے کار ریورس کی اور پھر سڑک پر نکل آیا۔ اس دوران روبی ایک ٹیکسی روک چکی تھی۔ ٹیکسی میں بیٹھ کر اس نے ڈرائیور سے کہا۔

"کچھ دیر انتظار کرو۔ میں ابھی تمہیں بتاتی ہوں کہ

نہیں کہاں جانا ہے"۔ اس دوران پیلی کار باہر نکل آئی تھی چنانچہ روبی نے ڈرائیور کو اس کار کے پیچھے چلنے کے لئے کہا۔ اب روبی کے ذہن میں ایک نیا منصوبہ جنم لے رہا تھا۔ وہ شخص اس کا تعاقب کیوں کر رہا ہے اس کا اندازہ تھوڑی ہی دیر کے بعد ہو جائے گا۔ وہ کار ایک درمیانے درجے کے ہوٹل کے سامنے جا رکی جو بہت زیادہ منزلیں نہیں رکھتا تھا اور اس میں رہائش صرف ضرورت کے تحت ہی اختیار کی جا سکتی تھی۔ پیلی کار کو اس شخص نے اس طرح پارک کیا تھا جیسے اب اس کا باہر جانے کا ارادہ نہ ہو اور اس کے بعد وہ کاندھوں کے سے انداز میں دونوں جیبوں میں ہاتھ ڈالے ٹہلتا ہوا اندر کی جانب چل پڑا تھا۔ روبی کامیابی سے اس کا تعاقب کرتی رہی۔ لفٹ کا مسئلہ نہیں تھا کیونکہ ہوٹل کی بہت زیادہ منزلیں نہیں تھیں۔ سیڑھیوں ہی کا سہارا لیا گیا اور ایسے لمحات کے لئے روبی اچھی طرح جانتی تھی کہ تعاقب کا کیا طریقہ کار ہونا چاہیئے کہ سامنے والے کو شبہ نہ ہو سکے۔ آخری منزل کے ایک کمرے کے سامنے رک کر اس شخص نے ہاتھ سے چابی نکالی اور دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ روبی کافی فاصلے پر تھی اس لئے یہ اندازہ نہیں لگا سکی کہ اس شخص نے دروازہ اندر سے بند کر لیا ہے یا نہیں۔ تاہم وہ انتظار کرتی رہی اور جب کئی منٹ گزر گئے اور اسے اپنا یہاں کھڑا رہنا کچھ عجیب سا لگا تو وہ ٹہلتی ہوئی راہداری کے آخری سرے تک پہنچ گئی۔ راہداری میں موٹا قالین بچھا ہوا تھا جس سے اس کے قدموں کی چاپ نہیں محسوس ہوئی تھی۔ اس نے ادھر اُدھر دیکھا اور ایک بار واپس پلٹ کر اس کمرے کے دروازے کے سامنے پہنچ گئی۔ دروازے کا تالا ایسا نہیں تھا کہ اندر جھانکا جا سکے ویسے بھی اب اندھیرا پھیل چکا تھا۔ وقت کافی ہو گیا تھا اور اندر کے ماحول کو دیکھنا ممکن نہیں تھا پھر یہ بھی ہو سکتا تھا کہ کسی بھی لمحے کوئی وکٹر یا برابر کے کمرے کا کوئی شخص باہر نکل آئے اور روبی کی اس حرکت کو دیکھ لے لیکن کمرے میں داخل ہونا اس کے لئے نہایت ضروری تھا۔

وہ پلٹ کر بیرونی حصے کی جانب چل پڑی۔ یہاں سامنے تھوڑا سا کھلا نما حصہ تھا جس کو بالکونی بھی کہا جا سکتا تھا۔ اس کے ساتھ ہی پائپ لگا ہوا تھا۔ روبی نے اس پائپ کے ذریعے نیچے اتر کر اس سمت جانے کا فیصلہ کیا اور تھوڑی دیر کے بعد وہ اس کمرے کے عقبی حصے میں پہنچ گئی۔ یہاں سے صرف ایک مفروضے کے تحت اسے اندر داخل ہونے کا خیال تھا لیکن ایسے مفروضے ظاہر ہے کسی بنیاد پر ہی پیدا ہوتے ہیں چنانچہ اس کھلی ہوئی کھڑکی سے وہ اندر داخل ہو گئی اور اس نے یہ اندازہ بھی لگا لیا کہ اس کے بعد اسے کیا کرنا ہے۔ کھلی ہوئی کھڑکی باتھ روم میں کھلتی تھی اور باتھ روم کا دروازہ غالباً باہر سے بند تھا۔ روبی کے ہونٹوں پر ایک مسکراہٹ پھیل گئی۔ کیا ہی دلچسپ بات ہے کہ اس شخص کے باتھ روم میں ایک غیر اور اجنبی عورت موجود ہے لیکن غیر اور اجنبی اس انداز میں نہیں کہ وہ شخص اسے بالکل ہی نہ جانتا ہو۔ آخر وہ اس کا تعاقب کرتا رہا ہے۔ اب انتظار تھا صرف اس بات کا کہ وہ دروازہ کھولے اور روبی کو فوراً ہی اس سلسلے میں عمل بھی کرنا تھا۔ دروازہ کھلنے کا انتظار کرنے کے بجائے اس نے باتھ روم میں کچھ ایسی آہٹیں پیدا کیں کہ کوئی اس جانب متوجہ ہو جائے اور یہی ہوا۔ غالباً اس شخص کو حیرت ہوئی تھی اس بات پر کہ اندرونی حصے میں کون ہے۔

اس نے عجیب سے انداز میں دروازہ کھولا اور روبی جانتی تھی کہ جسم کے کون سے حصے پر اور کس انداز میں ایسی ضرب لگائی جائے کہ مقابل چار پانچ گھنٹے کے لئے ہوش و حواس کھو بیٹھے۔ روبی کو اس سے غرض نہیں تھی کہ وہ ہوش میں رہے۔ ظاہر ہے اس ہوٹل میں کسی کے ساتھ سختیاں کر کے وہ کوئی بات تو نہیں پوچھ سکتی تھی لیکن اس کی تلاشی وغیرہ لینے سے جو کچھ بھی حاصل ہو سکے وہ یقینی طور پر کارآمد ہو سکتا تھا۔

اس نے فوراً ہی عمل کیا اور دوسرے لمحے اس شخص کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں لیکن حیرت صرف حیرت نہ رہی کیونکہ جو تکلیف اسے اپنی گردن کے ایک مخصوص حصے پر محسوس ہوئی تھی اس نے اسے لمحہ بھر ہوش و حواس سے عاری کر دیا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

روبی کے سامنے وہ کمرے کا بلا کھول کر اندر داخل ہوا تھا۔ کمرے میں کھڑے ہو کر روبی نے گہری نگاہوں سے اطراف کا جائزہ لیا۔ ظاہر ہے کمرے میں کوئی ایسی شے نہیں مل سکتی تھی جو روبی کے لئے کارآمد ہو سکتی۔ تاہم اس شخص کی تلاشی لینا ضروری تھا۔ وہ لباس سمیٹ کر نیچے بیٹھ گئی۔ اس نے قریب سے اس شخص کو دیکھا۔ اچھی خاصی شکل و صورت کا مالک تھا اور اس وقت نہایت بے ترتیبی سے زمین پر ہاتھ پاؤں پھیلائے پڑا ہوا تھا۔ روبی چند لمحات تک غور سے اس کا چہرہ دیکھتی رہی جو تفصیل اسے چارہ گر سے فراہم ہوئی تھی ان کے مطابق ہو سکتا ہے یہ شخص بھی کسی ملک کی سیکرٹ سروس کا نمائندہ ہو۔ جرمن نسل کا ہونے کی وجہ سے اس بات کے امکانات بھی تھے کہ وہ جرمن سیکرٹ سروس کا آدمی ہو لیکن کوئی بھی ہو اگر وہ کیوپڈ کے اس مجسمے کی تلاش میں سرگرداں ہے تو یقینی طور پر یہ بات قابلِ توجہ تھی کہ آخر وہ روبی ہی کا تعاقب کیوں کرتا رہا ہے۔ روبی نے لمبی پیشانی پر آ جانے والے بالوں کو سنوارا اور اس کے بعد اس شخص کے لباس کی تلاشی لینے میں مصروف ہو گئی۔

روبی نے اس کا بٹوہ ہولسٹر نکال کر ایک سمت رکھا پھر جیبوں کی تلاشی میں مصروف ہو گئی۔ کوئی ایسی چیز نہیں تھی جو اہمیت رکھتی۔ روبی اس کو چھوڑ کر کمرے کی تلاش میں مصروف ہو گئی۔

سوٹ کیس میں چند جوڑے لباس اور اس شخص کا پاسپورٹ اسے نظر آیا۔ پاسپورٹ میں اس کی تصویر کے ساتھ اس کا نام ایڈل ہمش لکھا ہوا تھا۔ روبی نے یہ تمام چیزیں بھی واپس اس کی جگہ رکھ دیں اور پھر ایسی کسی شے کی تلاش میں سرگرداں ہو گئی جو اس کے لئے کارآمد ہو لیکن ایسی کوئی شے اسے نہیں ملی تھی۔ بہت زیادہ کسی ہوٹل کے بند کمرے میں رکے رہنا بھی مناسب نہیں تھا۔ ہو سکتا ہے کوئی شخص اسے ملنے آ جائے یا اس بات کے امکانات بھی تھے کہ ویٹر ہی دروازہ بجائے چنانچہ یہاں سے فوراً باہر نکل جانا بے حد ضروری تھا۔ اس کے جسم کو اسی طرح چھوڑ کر روبی آگے بڑھی اور دروازہ کھول کر نیچے آ گئی۔ اس وقت اچھا خاصا اندھیرا پھیل گیا تھا چنانچہ وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھتی ہوئی سیڑھیوں کے قریب پہنچ گئی اور تھوڑی دیر کے بعد الطمینان سے نیچے آ گئی۔ ایڈل ہمش کے بارے میں اسے کوئی ایسی اہم بات نہیں معلوم ہو سکی تھی جس کی بنا پر وہ یہ اندازہ لگا سکتی کہ وہ اس کا تعاقب کیوں کر رہا ہے۔ اس شخص کے سلسلے میں اس کے ذہن میں اب بھی مسلسل کرید باقی تھی۔ ہوٹل کاسکو کے گیٹ سے نکلنے کے بعد اس نے ٹیکسی کی تلاش میں نگاہیں دوڑائیں اور کچھ دیر کے بعد اپنے ہوٹل واپس پہنچ گئی۔

ایڈل ہمش ہوش میں آنے کے بعد یقینی طور پر اس کے بارے میں سوچے گا اور اس کے بعد اس کا ردِ عمل کیا ہو گا۔ اس سے آئندہ کی صورتِ حال کا اندازہ ہو سکتا تھا۔ اگر وہ اس سلسلے سے متعلق کوئی شخص نکلتا تو یقینی طور پر اسے اس بات کا علم ہو جائے گا کہ روبی اس کے تعاقب کرنے سے واقف تھی اور پھر وہ کوئی دوسرا قدم اٹھائے گا اور یہ روبی کے لئے بہت ضروری تھا تاکہ کم از کم ایک ایسے شخص کے بارے میں اسے معلومات حاصل ہو جائیں جو اس کا تعاقب کرتا رہا ہے۔

دوسرے دن اس نے سب سے پہلے اپنے کام کے بارے میں سوچا۔

موسم آج بھی ابر آلود تھا اور یقینی طور پر یہ یورپ کے اس درمیانی حصے میں واقع اس ملک کا خصوصی موسم تھا اور اس کی پوری تفصیلات روبی کو صحیح طور پر معلوم نہیں تھیں۔ تاہم اسے یہ موسم ناپسند نہیں تھا۔ وہ اپنے کام کے لئے نکل کھڑی ہوئی اور اس وقت اسے ایک مخصوص عمارت میں جانا تھا جہاں سے پہلے دن کے حاصل کئے ہوئے نام اور نمبروں کے متعلق اسے تفصیلات معلوم ہوئی تھیں۔ اس نے اپنے وہ کاغذات درست کئے جن کے تحت وہ اس عمارت میں واقع فرم کے ایک خاص آدمی سے ملنا چاہتی تھی اور پھر اس فرم میں داخل ہونے کے بعد جو ایک خوبصورت لیکن قدیم طرز کی عمارت میں واقع تھی اس نے اپنے انداز میں

بےچینی پیدا کی اور اس شخص کا پتہ معلوم کرتی ہوئی اس کے سامنے پہنچ گئی۔

"میرا تعلق ایک جاپانی کمپنی سے ہے جس کے نمائندے کی حیثیت سے میں مختلف ممالک میں اس کی مصنوعات روشناس کراتی ہوں اور آپ کے پاس آنے کی وجہ ایک شخص کے بارے میں معلومات حاصل کرنا ہیں"۔

"جی فرمائیے"۔ اس شخص نے خوش اخلاقی سے کہا اور روبی کو بیٹھنے کی پیشکش کی۔ بیٹھنے کے بعد روبی نے وہ حاصل شدہ نام اور نمبر اس کے سامنے دہرا دیئے جو پچھلے دن اس نے اس عمارت میں موجود لڑکی سے حاصل کئے تھے اور جس کا تعلق اس کے اندازے کے مطابق چارہ گر کے ان کارکنوں سے تھا جو یہ جانے بغیر چارہ گر کے لئے کام کرتے تھے کہ درحقیقت چارہ گر کی کیفیت کیا ہے۔ بس ان کے سپرد جو ذمہ داریاں تھیں انہیں وہ ذمہ داریاں خاموشی سے سرانجام دینا ہوتی تھیں۔ اس شخص نے یہ نمبر دیکھا اور اس کے بعد گہری نظروں سے روبی کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"اس شخص کا نام ایڈل ہمش ہے اور یہ آپ کو ہوٹل کاسکو کے روم نمبر تین سو اٹھاسی میں ملے گا"۔ روبی کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا تھا۔ ایک لمحے کے لئے اس پر بوکھلاہٹ طاری ہو گئی تھی۔ یہ تو اسی شخص کی تفصیل تھی جس کی وہ مرمت کر آئی تھی اور جس کے بارے میں اس کا ذہن یہ نہیں سوچ پایا تھا کہ یہ اس کا وہ ساتھی کار کن ہو سکتا ہے جس کے بارے میں اسے ہدایات دی گئی تھیں اور کہا گیا تھا کہ سوئٹزرلینڈ میں یہ واحد شخص ہے جو اس کے راستوں کو درست کرے گا اور اسے صحیح راہ دکھائے گا یعنی وہ معلومات فراہم کرے گا جو کیوپڈ کے اس آبنوسی مجسمے کے سلسلے میں ہیں جسے حاصل کرنے کے لئے روبی کو یہاں بھیجا گیا ہے۔ اس شخص نے روبی کے چہرے سے اس کی کیفیت کا اندازہ لگاتے ہوئے کہا۔

"آپ کو غالباً اس پر حیرت ہوئی ہے میڈم"۔

"وہ..... نہیں ویسے یہ مسٹر ایڈل ہمش کس حیثیت کے مالک ہیں"۔

"آپ کے مطلب کا آدمی ہے کیونکہ یہ شخص یہاں زیادہ عرصے سے مقیم نہیں ہے اور اس کا رجسٹریشن تھوڑے ہی عرصے پہلے ہوا ہے۔ ایک عادی آدمی کی حیثیت سے جو ایسی ہی مصنوعات کی نمائندگی کرتا ہے لیکن بالکل آزادانہ طور پر اس کی کارکردگی کا جائزہ لیا جا چکا ہے اور وہ ایک اچھا بزنس مین ہے کیونکہ اس کے پاس دنیا کے مختلف ملکوں کے کاروباری کارڈ ہیں اور ان میں اس کے بارے میں تفصیلی تعارف لکھا ہوا ہے"۔

روبی نے اس شخص کا شکریہ ادا کیا اور وہاں سے باہر نکل آئی لیکن اس کے ذہن میں عجیب سے جوار بھاٹے تھے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیا ہو گیا۔ اس احمق شخص کو اگر اس بات کا علم تھا کہ روبی یہاں آ رہی ہے اور اسے اس کی مدد کرنی ہے تو براہِ راست بھی اس سے مل سکتا تھا۔ اس احمقانہ انداز میں اس کا تعاقب کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ بلاوجہ اس کے ہاتھوں مار کھا گیا۔ بہرحال یہ شخص روبی کے لئے بہت قیمتی تھا اور فوری طور پر اس کی خبر لینی تھی۔ ویسے روبی نے اس کے ساتھ کوئی ایسا سخت سلوک نہیں کیا تھا جس کی بنا پر اسے زیادہ نقصان پہنچا ہو۔ اس سے ملاقات کر کے خود ہی اسے تمام صورتِ حال بتانی پڑے گی۔ تب جا کر اس کی زبان کھلوائی جا سکتی ہے۔ یہاں سے روبی نے ہوٹل کاسکو ہی کا رخ کیا تھا اور تیز رفتاری سے کار دوڑاتی ہوئی اس علاقے میں پہنچ گئی تھی جہاں ہوٹل کاسکو واقع تھا۔ درمیانہ درجے کے اس ہوٹل کے سامنے کار پارک کر کے وہ اندر داخل ہوئی اور پرالطمینان قدموں سے چلتی ہوئی اوپری منزل کی جانب جانے لگی۔ آخری منزل پر پہنچنے کے بعد اس نے اپنے مطلوبہ کمرے کے دروازے کے قریب پہنچ کر دروازے پر ہلکی سی دستک دی۔ اندر قدموں کی چاپ سنائی دی تھی۔

اور اس کے بعد دروازہ پوری قوت سے کھلا لیکن اس کے ساتھ ہی ایک ہاتھ تیزی سے آگے بڑھا اور اس نے روبی کو گردن سے دبوچ کر اندر کھینچ لیا۔ چوڑے ہتھے کی گرفت بے حد سخت تھی اور روبی ایک لمحے کے لئے بوکھلا کر رہ گئی

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کے سلسلے میں اُسے تشویش پیدا ہو گئی تھی۔ اصل میں یہ تفصیلات ابھی تک ان دونوں کو نہیں معلوم ہو سکیں تھیں کہ کیوپڈ کا وہ آبنوسی مجسمہ کیا اہمیت رکھتا ہے۔

ڈاکٹر بہرام کو یقینی طور پر اُس کے کمپیوٹر نے خبر دی ہو گی اور اُس نے مشینوں کے بھروسے پر کام کا آغاز کر دیا ہو گا لیکن بتہ یہ چلنا چاہیئے تھا کہ اُس کی اصل نوعیت کیا ہے اور کئی ملکوں کی سیکرٹ سروس اُس کے لئے کیوں سرگرداں ہے۔ ان لمحات میں یہ احساس شدت اختیار کر جاتا تھا کہ بعض اوقات انہیں بالکل عام لوگوں کی ہی طرح کسی کام میں مصروف ہو جانا پڑتا تھا یہ دوسری بات ہے کہ بعد میں اُس کے نتائج ایسے نکلتے کہ پھر اُس ہنگامہ خیزی پر کوئی افسوس نہ ہوتا جو کی جاتی تھی۔ ٹائیگر کی نسبت لوشان مطمئن نظر آتا تھا اور اُس کے چہرے پر پھیلا ہوا سکون لامتناہی تھا۔ ٹائیگر نے گردن ہلا کر کہا۔

"تو پھر کیوں نا میں بھی برن کی سیاحت میں مصروف ہو جاؤں۔ سوئٹزرلینڈ تو لوگ بڑے ذوق و شوق سے آتے ہیں اور یہاں آ کر سیر و سیاحت میں مشغول ہو جاتے ہیں"۔

لوشان نے کوئی جواب نہیں دیا وہ جانتا تھا کہ اس موضوع پر تبصرہ آرائی ٹائیگر کو بھڑکانے کا باعث بن سکتی ہے اور اُس کے بعد نہ چاہتے ہوئے بھی وہ وہی عمل کرے گا جس کے بارے میں زبان سے نکال چکا ہے۔ ان لمحات میں خاموشی بہتر ہوتی ہے اپنے ہوٹل واپس پہنچنے کے بعد لوشان ٹیلی ویژن پر اپنی پسند کا پروگرام دیکھنے میں مصروف ہو گیا اور ٹائیگر پُرخیال انداز میں ایک آرام کرسی پر دراز چھت کو دیکھتا رہا لوشان اُس کی طرف سے بے پرواہ ہو گیا تھا پھر شام کو ساڑھے سات بجے ٹائیگر نے لباس تبدیل کیا اور لوشان کو متوجہ کرتا ہوا بولا۔

"میرے لئے اس کے سوا چارہ کار نہیں ہے کہ روبی کے ہوٹل جا کر اُس کے کمرے کی تلاشی لوں۔ ہو سکتا ہے کچھ حالات کی بنا پر اُس نے ہوٹل کا وہ کمرہ ہی چھوڑ دیا ہو اور کسی کو اس بارے میں اطلاع ہی نہ دی ہو"۔

"وہ اتنی غیر ذمہ دار نہیں ہے"۔ خلافِ توقع لوشان نے اپنے پسندیدہ پروگرام سے نظریں ہٹا کر کہا۔

"اس کے باوجود میں اپنے آپ کو اس عمل سے باز نہیں رکھ سکتا"۔ لوشان نے برا سا منہ بنا کر ٹیلی ویژن کا بٹن آف کیا اور اس کے بعد اُٹھ کھڑا ہوا۔

"تم اگر یہ حماقت کرنا ہی چاہتے ہو تو ٹھیک ہے میں تمہیں اس سے نہیں روکوں گا بلکہ میں بھی تمہارے ساتھ ہی چلتا ہوں"۔

ہوٹل بیکسونا میں کافی رات پھیل گئی تھی اور وہاں کی تفریحات کا آغاز ہو گیا تھا اس لئے زیادہ تر لوگ اس ہال میں جمع تھے جہاں رقص و موسیقی کے پروگرام ترتیب دیئے گئے تھے کچھ لوگ جو ان پروگراموں سے دلچسپی نہیں رکھتے تھے ہوٹل کے وسیع و عریض لان پر اپنا اپنا مسکن بنائے ہوئے تھے۔ لوشان اور ٹائیگر اس کمرے کے سامنے پہنچ گئے جسے وہ پہلے بھی دیکھ کر جا چکے تھے۔ دور ہی سے اندازہ ہو گیا تھا کہ کمرہ بدستور مقفل تھا اور کوئی بھی وہاں موجود نہیں ہے۔ یہ دیکھ کر ٹائیگر کے ہونٹ تشویش کے انداز میں سکڑ گئے تھے پھر ہوٹل کے کمرے کا لاک کھولنے میں بھلا ٹائیگر کو کیا مشکل پیش آ سکتی تھی۔ اس نے اندر داخل ہو کر روشنی کر دی اور دروازہ اندر سے بند کر دیا حالانکہ یہ جان کر کہ کمرے کی چابی کاؤنٹر سے حاصل نہیں کی گئی ہے لیکن اندر روشنی موجود ہے کوئی بھی اس جانب متوجہ ہو سکتا تھا۔

ٹائیگر پر اس وقت روبی کی تلاش کا بھوت سوار تھا۔ اس نے ہر خطرے کو نظر انداز کر دیا اور ایسے لمحات کے بارے میں لوشان جانتا تھا کہ کوئی بھی مداخلت کار شدید ترین نقصان سے دوچار ہو سکتا ہے کیونکہ وہ اپنی برتری کا اظہار کرے گا اور ٹائیگر اس موڈ میں کسی کی برتری قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہو گا۔ ہوٹل کے اس کمرے میں اندر داخل ہوتے ہی ایک لمحے میں اس بات کا اندازہ ہو گیا تھا کہ روبی کی اس قیام گاہ پر کوئی غیر معمولی کارروائی ضرور ہوئی ہے اندر اس کا تمام سامان بکھرا پڑا ہوا تھا اور ظاہر ہے روبی اتنی بدسلیقہ کبھی نہیں تھی کہ اپنی چیزوں کو اس طرح جگہ جگہ

"صبر اسے کرنا ہو گا وہ سنانجو کی شناخت کا ٹھیکیدار کیسے بن گیا مگر جب ویٹر نے سالم بطخ اور اُبلے ہوئے سفید شفاف چاول میز پر لگائے تو لوشان کی باچھیں خوشی سے کھل اٹھیں۔ اس نے کہا۔

"واپسی پر میں تمہیں تعریفی سند دوں گا میرے بچے اور پھر اس ہوٹل کی تعریف کروں گا مگر تمہیں اس ڈش کے بارے میں کیسے معلوم ہوا؟"

"ہماری ریسرچ جناب۔ ہمارے ہاں کھانوں کے بارے میں تحقیقات کرنے والوں کا پینل سو افراد پر مشتمل ہے"۔ ویٹر نے ادب سے جواب دیا اور لوشان بطخ اڈھیڑنے میں مصروف ہو گیا۔

دوسرے دن ہوٹل لیکسونا میں روبی سے ملاقات کی کوشش ناکام رہی تھی بعد میں معلوم ہوا کہ وہ دو دن سے اپنے کمرے میں نہیں آئی۔

ٹائیگر کی پیشانی شکن آلود ہو گئی تھی۔ "اسے اور کہاں تلاش کیا جا سکتا ہے؟"

"ہو سکتا ہے وہ مصروف ہو۔ اسے ہماری آمد کی اطلاع کہاں تھی"۔ لوشان نے کہا۔

"ڈاکٹر بہرام لب بوڑھا ہو چکا ہے اور اُس پر مکمل بھروسہ نہیں کیا جا سکتا"۔ ٹائیگر نے پُرخیال انداز میں ناخوشگوار سی کیفیت کے ساتھ کہا۔

"ہاں بوڑھا اور تجربہ کار"۔ لوشان نے کہا۔

"نہیں بوڑھا اور ناکارہ۔ پچھلی بار اُس نے ہمیں سینٹ کریٹ بھیج دیا ایک ایسے مسئلے پر کام کرنے کے لئے جس کی کوئی وضاحت اُس کے پاس نہیں تھی اور اس بار اُسے کیوپڈ کے کسی آبنوسی مجسمے کی تلاش ہے جس کی تفصیلات اُس کا کمپیوٹر ڈپارٹمنٹ مہیا نہیں کر سکا اور روبی کے سپرد اس کی ذمہ داری کر دی گئی۔ اگر اُن کی کسی مصیبت میں پڑ گئی تو پھر.....؟"

"نہیں ہرگز نہیں سنانجو کے وارث کی تخلیق کنندہ اتنی عام لڑکی نہیں ہے کہ عام لوگوں کے ہاتھوں مصیبت میں پھنس جائے"۔

"سنانجو کے لئے وہ وارث کبھی پیدا نہ کر سکے گی"۔

"آنے والے وقت کی پیشگوئی میں کر سکتا ہوں اور یقینی طور پر میری کوئی پیشگوئی کبھی غلط ثابت نہیں ہوئی"۔

"یہ پیشگوئی غلط ثابت ہو گی"۔ ٹائیگر نے غرا کر کہا اور لوشان کے حلق سے بطخ جیسی آواز نکلنے لگی۔ ٹائیگر جھلا کر بولا۔

"مختصر بات تم نے اتنی بطخیں اپنے پیٹ میں اُتار لیں ہیں کہ اب وہاں بطخوں کا جوہڑ بن گیا ہے اور اُس طرف سے آنے والی ہر آواز میں ایک بطخ نظر آتی ہے"۔ لوشان کے ہنسنے کی رفتار تیز ہو گئی اس نے کہا۔

"سنانجو کے وارث کا خواب میری آنکھوں میں سجا ہوا ہے اور میں نے کبھی کوئی ایسا خواب نہیں دیکھا جس کی تعبیر نہ ہو"۔

ٹائیگر برا سا منہ بنا کر دوسری جانب دیکھنے لگا۔ روبی

مشہور سلسلہ
سرکش
محمود احمد مودی کے ایڈونچرس قلم سے 12 حصوں میں شائع ہو گیا ہے
قیمت فی حصہ -/60 روپے
مکمل سیٹ -/720 روپے
ناشر
مکتبہ القریش
سرکلر روڈ اردو بازار لاہور فون ۷۶۶۸۹۵۸

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

تھی۔ اسے توقع نہیں تھی کہ فوراً ہی کوئی ایسا قدم اٹھایا جا سکے گا اس لئے کچھ بے پروا تھی لیکن جب اس چوڑے ہاتھ نے اسے کمرے کے درمیان دھکیل کر اپنی گرفت اس پر سے کم کی تو خود اسے اس بات پر افسوس ہوا ہوگا کہ اس نے ایسی غلطی کیوں کی۔ روبی کسی لٹو کی طرح گھومی اور اس کے بعد اس کی جوتے کی ٹھوکر پوری قوت سے اس شخص کے جبڑے پر پڑی۔ اگر کسی مشین کا بٹن دبایا جائے تب بھی وہ اسٹارٹ ہونے میں چند سیکنڈ ضرور لیتی ہے لیکن ایک ایسی لڑکی جسے بالکل ہی بے خبری میں اندر گھسیٹا گیا ہو فوراً ہی اس قسم کا عمل کر ڈالے گی یہ اس شخص کے ذہن میں نہیں آیا تھا جو لمبے اوور کوٹ میں ملبوس ایک کسرتی جسم کا مالک تھا۔ جبڑے پر پڑنے والی ٹھوکر بھی ایسی نہیں تھی کہ وہ آسانی سے اسے نظرانداز کر دیتا۔ اس کے قدم زمین سے اکھڑ گئے اور وہ گرتے گرتے بچا۔ اس نے ایک ہاتھ کا سہارا لیا لیکن وہ بھی جنگ کا ماہر معلوم ہوتا تھا۔ ہاتھ کا سہارا لیتے ہی اس نے پیروں سے روبی کے پیروں کو الجھا کر اسے گرانا چاہا لیکن روبی دوفٹ اچھلی اور اس کے بعد جب وہ پھرتی سے پلٹی تو اس شخص نے فوراً ہی مدافعت کے طور پر اپنا ایک ہاتھ سامنے کر دیا اور روبی کی ٹانگ اس کی گرفت میں آ گئی لیکن یہ بھی اس کے لئے ایک مشکل کام ثابت ہوا کیونکہ ٹانگ کی اس گرفت پر روبی نے ایک قلابازی کھائی اور دوسرے لمحے اس کے پاؤں کی ٹھوکر پھر اس کی پیشانی پر پڑی وہ شخص الٹ کر سیدھا ہو گیا تھا لیکن روبی نے یہیں پر بس نہ کیا بلکہ فوراً ہی ایک خوفناک داؤ آزمایا اور اس کے پیٹ پر زوردار لات رسید کر دی۔ اس لات نے اس شخص کو بالکل ہی ادھ موا کر دیا تھا۔ روبی نے اس کے بعد اسے سنبھلنے کا موقع نہیں دیا اور فوراً ہی دوسری لات اس کے پیٹ کے اسی حصے پر دے ماری۔ طویل قامت شخص کے حلق سے ایک بھیانک آواز نکلی اور وہ فرش پر گر کر تڑپنے لگا۔ وہ اس طرح زمین پر بل کھا رہا تھا جیسے کسی سانپ کو بیچ میں سے کاٹ کر چھوڑ دیا گیا ہو لیکن ساتھ ہی ایک سرد آواز نے روبی کو اس کی جانب متوجہ کر دیا۔ ابھی تک وہ کمرے میں کسی دوسرے شخص کی موجودگی کا اندازہ نہیں لگا سکی تھی لیکن یہ سرد آواز اس کے کانوں میں ایک خوفناک چیخ کی طرح گونجی تھی اور اس نے کہا تھا۔

"خبردار اس کے بعد اگر تم نے جنبش کی تو اپنی موت کی ذمہ دار خود ہو گی"۔ روبی نے چونک کر گردن گھمائی تو اپنے سامنے ویسے ہی لباس میں ایک اور شخص کو پایا اور اس کے ہاتھ میں دبے ہوئے موٹی نال کے عجیب و غریب پستول کو دیکھنے لگی لیکن وہ شخص فوراً ہی عمل کرنے کے لئے مجبور تھا کیونکہ اپنے ایک ساتھی کا حشر دیکھ چکا تھا اور اتنی خطرناک لڑکی کو اپنے ساتھ کسی قسم کی کارروائی کا موقع نہیں دینا چاہتا تھا۔ پستول کی نال سے زرد رنگ کا ایک غبار دھوئیں کی شکل میں نکلا اور اس نے روبی کے چہرے کو حصار میں لے لیا ایک لمحے کے ہزارویں حصے میں روبی کو یہ احساس ہو گیا کہ اس کی سانس ساتھ چھوڑ چکی ہے اور دم گھٹنے لگا ہے۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ گردن پر رکھے وہ پوری طرح اپنے قدموں کو سنبھال بھی نہیں سکی تھی۔ غبار شاید بہت ہی زیادہ تیز تھا اور اس میں کوئی ایسی دوا شامل تھی جس نے روبی کو چند ہی لمحات کے بعد ماحول سے بے خبر کر دیا۔

○○○○○

ہوٹل سیوائے برن کے بہترین ہوٹلوں میں شمار ہوتا تھا اور یہاں دنیا بھر کے سیاحوں کے مزاج کا خیال رکھا جاتا تھا۔ پہلی رات جب وہ ڈنر کے لئے ڈائننگ ہال میں آئے تو لوشان نے ازراہِ مذاق ویٹر سے کہا۔

"میرے لئے سنا نجو کی مرغوب ڈش!" ویٹر نے بغیر کسی تردد کے اس کا آرڈر نوٹ کیا اور گردن خم کر کے چلا گیا۔ لوشان منہ کھول کر رہ گیا تھا۔ ٹائیگر قہقہہ لگا کر بولا۔

"اب وہ انناس کا پلاؤ۔ اور جھینگوں کی چٹنی لے آئے گا"۔

"اگر یہی چیزیں لے آئے تو غنیمت ہے لیکن اگر وہ بھنے ہوئے خرگوش اور چنے کی روٹی لے آیا تو کیا ہو گا؟"

"ٹنل فادر صبر کرلے گا"۔

بکھیر دے۔ لوشان کی آنکھیں پُرتشویش انداز میں سکڑ گئیں اس نے دونوں ہاتھ سینے پر باندھ اور درمیانی ستون سے ٹک گیا جب کہ ٹائیگر روبی کے سامان کا جائزہ لینے لگا اور کچھ دیر کے بعد اس نے کہا۔

"اس میں سے کچھ غائب نہیں ہے"۔

"جن لوگوں نے یہ سامان یہاں بکھیرا ہے وہ کوئی شے تلاش کر رہے ہوں گے ہو سکتا ہے روبی سے متعلق معلومات چاہتے ہوں مگر کیا اس سامان میں اس کا پاسپورٹ اور دیگر اشیا موجود ہیں"۔

ٹائیگر کو اب اس بات کا خیال آیا سامان میں یہ چیزیں موجود نہیں تھیں بقیہ جگہوں کی تلاشی لینے پر بھی یہ اندازہ ہو گیا کہ روبی کا پاسپورٹ وغیرہ وہاں نہیں ہے"۔ ٹائیگر نے تشویش سے ہونٹ سکوڑتے ہوئے کہا۔

"اس کا مطلب ہے کہ روبی کو کوئی حادثہ پیش آ گیا ہے"۔

"حادثوں کا تعلق تو ہمیشہ زندگی سے رہا ہے لیکن کوئی بھی حادثہ اُسے بے دست و پا نہیں کر سکتا۔ آؤ اس کمرے میں زیادہ دیر رکنا بلاوجہ لوگوں کو اپنی جانب متوجہ کرنا ہے ہمیں اب یہ نہیں سوچنا چاہیئے کہ روبی کو کیا حادثہ پیش آیا ہے یہ غور کرنا چاہیئے کہ اس کے بارے میں ہم کس سے اور کہاں سے معلومات حاصل کر سکتے ہیں"۔

ٹائیگر نے سامان اُسی طرح بکھرا رہنے دیا اور کمرے سے باہر نکل آیا۔ دروازہ بند کر کے وہ وسیع و عریض راہداری میں چل پڑے اور کچھ دیر کے بعد ہوٹل کے بیرونی گیٹ سے باہر نکل آئے۔ لوشان نے انگلی سے ایک سمت اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"پُرسکون گوشے سوچنے میں معاون ثابت ہوتے ہیں وہ جگہ ہمارے لئے بہت دلچسپی کا باعث ہو سکتی ہے جہاں پام کے گھنے جھنڈ نظر آ رہے ہیں"۔ یہ گھنے جھنڈ ہوٹل کے وسیع و عریض لان کے انتہائی گوشے میں تھے اور یقینی طور پر بہت پُرسکون جگہ تصور کئے جا سکتے تھے۔ ٹائیگر اور لوشان وہاں پہنچ گئے اور پھر لوشان ایک جگہ بیٹھ گیا۔ ٹائیگر لوشان کا چہرہ دیکھ رہا تھا اس کا ذہن گہری سوچوں میں تھا اور وہ یہ فیصلہ کرنے میں کامیاب نہیں ہو پا رہا تھا کہ اب جب کہ روبی کے بارے میں اس بات کا یقین ہو گیا ہے کہ وہ کسی حادثے کا شکار ہو گئی ہے تو اُسے کہاں تلاش کیا جائے لیکن دفعتاً ہی انہیں اپنے اطراف میں کچھ آہٹیں محسوس ہوئیں اور پھر ایک شخص پام کے ایک جھنڈ کے سامنے پہنچ گیا۔ ٹائیگر نے ایک لمحے میں اس بات کا اندازہ لگا لیا کہ اس شخص کو اس نے سیڑھیوں سے اوپر جاتے ہوئے دیکھا تھا اور وہ بڑے غور سے ٹائیگر کا جائزہ لے رہا تھا اور اس وقت جبکہ ٹائیگر روبی کے خیال میں ڈوبا ہوا تھا اس لئے اُسے اُن آنکھوں پر توجہ دینے کی فرصت نہیں ملی تھی لیکن اب اچانک اس کے ذہن کی پلیٹ پر ان آنکھوں کا انداز گھوم گیا اور اس شخص کا یہاں آنا اس کا مقصد ہے کہ یہ اس وقت سے اب تک ان لوگوں کا جائزہ لے رہا تھا لیکن بات یہیں تک نہ رہی گھنے جھنڈ اور بھی تھے اور ہر گھنے جھنڈ کے پیچھے سے ایک شخص باہر نکلتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ اندازہ یہ تھا جیسے وہ لوگ انہیں گھیر رہے ہوں۔ ٹائیگر کی آنکھوں میں دلچسپی کے آثار پیدا ہو گئے اور لوشان اپنی گول گول آنکھوں سے ان لوگوں کا جائزہ لینے لگا۔ ایک لمحے میں اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ سب مارشل آرٹ کے ماہر ہیں ان کے کھڑے ہونے کا انداز ان کے ہاتھوں کا تناؤ اس بات کا اظہار کرتا تھا کہ وہ ان سے جنگ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

جو شخص سب سے پہلے جھنڈ سے باہر آیا تھا اس نے چند قدم آگے بڑھنے کے بعد گہری نگاہوں سے ٹائیگر اور لوشان کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

"ابھی تھوڑی دیر قبل تم لوگ اس ہوٹل کے ایک کمرے میں داخل ہوئے تھے اور چھ منٹ وہاں رکنے کے بعد واپس آ گئے تھے۔ بتا سکتے ہو کیوں.....؟"

"اگر ہم پندرہ منٹ کے بعد وہاں سے واپس آ سکتے تو یقینی طور پر پندرہ منٹ میں آ تے لیکن تم یہ سوال کرنے والے کون ہو؟"

"اس لڑکی سے تمہارا کیا تعلق ہے؟" اس شخص نے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

نرم لیکن سرد لہجے میں پوچھا اور اس لہجے میں بولنے والے لوگوں کے بارے میں لوشان کے تجربات بہت کچھ کہتے تھے اس نے گردن ہلائی اور آہستہ سے بولا۔

"یقیناً..... یقیناً تم اس سے ضرور یہ سوال کرو کہ آخر اس لڑکی سے اس کا کیا تعلق ہے اور اس تعلق کی نوعیت کیا ہے؟" اس شخص کا چہرہ لوشان کی جانب گھوم گیا اور اس نے اُسے مضحکہ خیز نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"تم اس کے کون ہو؟"

"آہ..... میں اس سرکش اور نابہنجار لڑکے کا بوڑھا باپ ہوں۔ ہزار بار کہہ چکا ہوں اس نامراد سے کہ اگر اتنا ہی عشق ہے اس کا اس کے دل میں تو اس سے شادی کر لے تاکہ میں بھی ایک بچے کا دادا بن جاؤں، کتنی آرزو ہے مجھے مگر افسوس یہ نہیں مانتا"۔

"ہم فضول باتیں سننے کی بجائے صرف یہ سننا چاہتے ہیں کہ اس لڑکی کا تم دونوں سے کیا تعلق ہے؟ بصورتِ دیگر تمہیں اپنی ہڈیوں کا سراغ بھی نہیں ملے گا"۔

"وانگ کی شاعری میں ہڈیوں کے سراغ سے متعلق ایک بڑا خوبصورت شعر ہے اگر اجازت دو میں تمہیں سناؤں مگر نہیں وانگ کی شاعری عام لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتی، تم اپنا کام کرو اس لڑکے کو تیار کرو کہ وہ اس سے شادی کر لے اور میں اس بات کا دعوے دار ہوں کہ یہ اس لڑکی سے بہت گہرا تعلق رکھتا ہے"۔

"تم بہت زیادہ خوش مزاجی کا مظاہرہ کر رہے ہو ایک لمحے میں تمہارا یہ جسم زمین بوس ہو جائے گا"۔

"نہیں..... نہیں میرے بچے، مجھ بوڑھے پر قوت آزمائی کر کے اپنی قوت کا مذاق نہ اڑاؤ، اس سے نمٹ لو جب تک یہ اس لڑکی سے شادی پر آمادہ نہ ہو جائے تم اس کے ساتھ جو سلوک چاہو کر سکتے ہو میں آنکھیں بند کئے لیٹا ہوں"۔ لوشان آنکھیں بند کر کے پام کے گھنے جھنڈ کے نیچے کنول کا آسن جما کر بیٹھ گیا۔ وہ آٹھ آدمی تھے اور آنسوؤں کے

مشہور مصنف اظہر کلیم کے
مقبول سلسلے
کتابی شکل میں شائع ہو گئے ہیں

سرحد کے ایک جیالے نوجوان
شہباز منگولی کی ایک خونریز داستان

شہباز

دو حصوں میں مکمل سیٹ -/120 روپے

جان کی بازی لگانے والے ایک
نوجوان کی لہو رنگ داستان

سرفروش

دو حصوں میں مکمل سیٹ -/120 روپے

ناشر
مکتبہ القریش، سرکلر روڈ
اُردو بازار، لاہور 2

آنسوؤں اپنا دائرہ تنگ کرتے جا رہے تھے۔ ٹائیگر چوکنے انداز میں ان کا جائزہ لے رہا تھا۔ ٹائیگر کی حس اسے اس بات کا احساس دے رہی تھی کہ یہ لوگ روبی کے بارے میں کافی تفصیلات جانتے ہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ روبی کے اغوا کنندگان بھی وہی ہوں اور انہی کی وجہ سے روبی غائب ہوئی ہو لیکن ٹائیگر کا چہرہ اس وقت دوسری کیفیات کا اظہار کرتا تھا۔

"کیا تم آسانی سے زبان کھولنا پسند کرو گے؟" آگے والے شخص نے کہا اور ٹائیگر خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔ "اگر تم نے زبان نہ کھولی تو ہم تم دونوں کو قتل کر کے خاموشی سے یہاں سے چلے جائیں گے۔ ہمیں اس سے زیادہ تم سے کوئی دلچسپی نہیں ہے"۔ ٹائیگر نے اب بھی کوئی جواب نہیں دیا وہ انہیں خوب بھڑکانا چاہتا تھا۔

سب سے آگے والا شخص جو بظاہر ان لوگوں کا سرغنہ معلوم ہوتا تھا یقینی طور پر ایک تیز مزاج انسان تھا اور اس کے انداز سے ظاہر ہوتا تھا کہ اگر ٹائیگر نے چند لمحات مزید اس کی بات کا جواب نہیں دیا تو وہ لڑنے کے لئے تیار ہو جائے گا۔ لوشان آسن جمائے ان لوگوں کا جائزہ لے رہا تھا۔ لوشان کے خیال کے مطابق وہ کسی تربیت یافتہ گروہ کے فرد تھے اور مارشل آرٹس سے بخوبی واقفیت رکھتے تھے کیونکہ ان کا انداز یہی بتاتا تھا ویسے بھی مارشل آرٹس کے طریقے کے مطابق ان لوگوں نے ان کے درمیان دائرہ قائم کیا تھا اور تمام اصولوں پر عمل کرتے ہوئے پوزیشن تبدیل کر رہے تھے لیکن لوشان کے اپنے جسم میں کوئی جنبش نہیں ہوئی تھی جب کہ ٹائیگر ایک ایسے احمق آدمی کی طرح ان کے درمیان کھڑا ہوا تھا جسے ان کی کسی بھی حرکت کا کوئی علم نہ ہو اور جو لڑائی بھڑائی کے ان طریقوں سے بالکل ناواقف ہو۔

لیکن لوشان جانتا تھا کہ ٹائیگر کے پاؤں کے اگلے حصے زمین پر جم گئے تھے اور ایڑیاں آہستہ آہستہ اُٹھتی جا رہی تھیں اور اس کیفیت کو لوشان اچھی طرح سمجھتا تھا کیونکہ اسی نے ٹائیگر کے اس پورے جسم کی تخلیق کی تھی۔ اس کی آنکھیں ٹائیگر کا جائزہ لے رہی تھیں اور بوھر شہزاد کی آنکھیں اپنے حلقوں میں برق رفتاری سے رقصاں تھیں۔

اس شخص نے غصے سے بے قابو ہو کر اپنا داہنا ہاتھ پوری قوت سے گھما دیا اور ایسے ہاتھ جب جبڑوں پر پڑتے ہیں تو دو ہی چیزیں ہوتی ہیں یا تو ایک جبڑا دوسرے سے جا ملتا ہے یا پھر گردن کی ہڈی ہی ٹوٹ جاتی ہے لیکن ٹائیگر کو اپنا چہرہ تھوڑا سا جھکانا پڑا اور وار کرنے والا ایک دائرے کی شکل میں گھوم گیا لیکن اُسے یہ اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ ٹائیگر کا جسم فضا میں کس طرح اُچھلا اور کس طرح اس کے چاروں ہاتھ پاؤں چلنے لگے۔ ایک لمحے کے لئے وہ دائیں سمت جھکا لیکن دوسرے ہی لمحے بائیں سمت جھک گیا اور عقب سے حملہ آور ہونے والے دو افراد اس سے دور ہٹ گئے جب کہ تیسرا جو زیادہ پیچھے کھڑا ہوا تھا ٹائیگر کی زد میں آ گیا لیکن یہ ایک طریقہ تھا ٹائیگر نے ان تمام افراد کو دیکھ کر یہ فیصلہ کیا تھا کہ بیک وقت کس برق رفتاری سے حملہ کیا جائے کہ یہ سب ہی مصروفِ عمل ہو جائیں۔ ابتداء تین آدمیوں سے کی تھی اور اس کے جسم نے اتنی تیزی سے حرکت کی تھی کہ انہیں اس پر نگاہ جمائے رکھنا مشکل ہو گیا ایک لمحے کے لئے وہ یہ نہ سوچ سکے کہ حملہ کدھر سے ہوا اور حملہ آور اپنا کام دکھا کر اتنے فاصلے پر کیسے پہنچ گیا وہ تینوں ٹائیگر کے جسم کی جنبشوں کا شکار ہو گئے تھے۔ جیسے ہی انہوں نے اپنے آپ کو سنبھالا وہ سٹ گئے اور ان میں سے سب سے آگے والے نے اس شخص کی جگہ لے لی جو ان کا استاد تھا۔ گویا اب بات یہ تھی کہ ایک ماہر ٹائیگر کے مقابلے پر تھا، ٹائیگر نے دیکھا کہ اس نے بہت احتیاط سے ایک مخصوص انداز اختیار کیا جسے حملہ کرنے سے پہلے خاص طور سے اختیار کیا جاتا ہے۔

لیکن اس شخص نے جیسے ہی آگے بڑھ کر ٹائیگر پر حملہ کیا اور ایک ٹانگ پھیلائی ٹائیگر کی کھوپڑی اس کی زد میں تھی لیکن دوسرے لمحے ٹائیگر نے کسی ناگ کی طرح بل کھا کر اس کا یہ حملہ اپنے پاؤں کی ران اور بازو کے نچلے حصے پر روکا اور اسی لمحے اس کی اکڑی ہوئی انگلیاں حملہ آور کے پیٹ کے نچلے حصے میں لگیں اور حملہ آور کے حلق سے ایک ایسی دہشتناک چیخ نکلی جس نے ان سب ہی کو دہشت زدہ کر دیا،

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

مڑی ہوئی خون آلودہ انگلیاں جب اپنی جگہ سے واپس آئیں تو آنتوں کا ایک انبار ساتھ لائی تھیں جو پیٹ سے نکل کر گھٹنوں تک اور اس کے بعد زمین تک پہنچ گیا پھر جب یہی خون آلود انگلیاں واپس پلٹیں تو اس شخص کی کنپٹی پر پہنچ گئیں جو موقع غنیمت جان کر آگے بڑھ آیا تھا اور جس نے بلاشبہ بہت زیادہ دلیری کا ثبوت دیا تھا لیکن چونکہ وہ حملہ جو وہ کرنے والا تھا وہ نہایت کارآمد ہو سکتا تھا اس لئے اس وقت ان انگلیوں کا استعمال بالکل مختلف انداز میں کیا جا سکتا تھا یعنی انہیں جوڑ کر پیٹ کی درمیانی ہڈی پر ایک ایسی ضرب جو کہ تک پہنچے اور ریڑھ کی ہڈی کا خاتمہ کرتی چلی جائے اور یہی ہوا وہ بالکل اس طرح چٹاخ کی آواز کے ساتھ دوہرا ہوا اور پھر اوندھا ہی زمین پر آ رہا جیسے کسی لکڑی کے تنے کو درمیان سے ایک ہی ضرب سے توڑ کر پھینک دیا جائے وہ اوندھا سر اور پیروں کے بل زمین پر اس طرح جھکا کہ اس کے بعد اُسے دوبارہ اٹھنا نصیب نہ ہوا اور دوسرے لوگ غالباً یہ سوچتے ہی رہ گئے کہ اب وہ اُٹھ کر اپنی مدافعت کرے گا لیکن اگر وہ اس کے قریب جا کر دیکھتے تو اس کے وجود میں زندگی نہ پاتے اس طرح دو افراد شہزاد کا شکار ہو گئے تھے۔ ان سب کی آنکھیں شدتِ حیرت سے اُبل پڑی تھیں۔ چہروں سے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ سمجھ ہی نہ پائے ہوں کہ کیا ہوا ہے اور کیسے ہوا ہے بس وہ خاموشی سے اپنے پینترے بدل رہے تھے اور کرائے کے اصولوں کے مطابق کسی اور طرف نگاہیں نہ ہٹا کر اپنی زندگی خطرے میں نہیں ڈال سکتے تھے پھر انہوں نے اجتماعی طور پر حملہ کرنے کا فیصلہ کیا انہیں چند ہی لمحات میں یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ ان کے دو ساتھی حملے کرنے کے قابل نہیں ہیں چنانچہ اب جو کچھ بھی کرنا ہے انہیں خود ہی کرنا ہے اور اس طرح وہ شہزاد پر بہ یک وقت حملہ کر کے اُسے قابو میں کرنا چاہتے تھے۔

اوشان کو وہ بالکل ہی نظر انداز کر گئے تھے اور سانجو کا ماسٹر اپنی جگہ گھٹنوں کے گرد دونوں ہاتھ حائل کئے بیٹھا اس طرح یہ تماشہ دیکھ رہا تھا جیسے اس کی زندگی کی دلچسپ ترین تفریح اس کے سامنے ہو اس کی آنکھوں میں اس وقت بچوں جیسی ہی شوخی اور شرارت تھی جو اپنے کسی پسندیدہ کھیل سے لطف اندوز ہو رہے ہوں۔ ٹائیگر نے دونوں پیروں کے انگوٹھوں کے ذریعے ایک رقص کا دائرہ بنایا اور اس کے بعد اس کا ایک ہاتھ صحیح اور بالکل مناسب سمت پھیلا اور اس ہاتھ کی کارکردگی بظاہر یوں محسوس ہوتی تھی جیسے وہ آگے بڑھا ہو اور اس کے بعد پیچھے ہٹ جائے لیکن ایسی آواز آئی تھی جیسے کسی بھدی اور اندر سے خالی شے میں گھونسہ رسید کیا گیا ہو اور وہ اس ضرب کی تاب نہ لا کر پسٹ گئی ہو لیکن یہ بھدی اور اندر سے خالی شے ایک شخص کا سر تھا جس کا بھیجا اس کی ناک کانوں اور منہ سے باہر نکل آیا تھا اور کھوپڑی کی ہڈی اس طرح ٹوٹی تھی کہ اس کی ننھی ننھی کرچیاں دماغ میں پیوست ہو گئی تھیں۔ یہ خوفناک وار تھا اور لوگوں کا بھی وہی حال ہوا جو اس سے پہلے حملہ کرنے والوں کا ہوا تھا۔

اوشان کھڑا ہو گیا اور اس نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"ہاتھوں کے ساتھ دماغ کا استعمال بھی ضروری ہے"۔

"پہلے کہنا چاہیئے تھا نٹل فادر"۔ ٹائیگر نے کہا۔ پھر اس کے بعد یہاں رکنا بے مقصد تھا چنانچہ دونوں وہاں سے واپس چل پڑے۔

ooooo

آنکھ کھلتے ہی ایک لمحے کے اندر اندر روبی کو احساس ہو گیا کہ وہ دھوکہ کھا چکی ہے اور یقینی طور پر یہ وہ جگہ نہیں ہے جہاں وہ ایڈل اسمتھ کو تلاش کرنے گئی تھی۔ وہاں جو کچھ بھی ہوا تھا وہ روبی کے ذہن میں ایک تیز رفتار فلم کی مانند گردش کر گیا اور اُس نے اپنے اس قید خانے کا جائزہ لیا۔ اس قید خانے میں اور جو کچھ ہو یا نہ ہو لیکن ایڈل اسمتھ ضرور موجود تھا جو خوفزدہ سے انداز میں پاؤں سکیڑے ایک کرسی پر اس طرح بیٹھا ہوا تھا جیسے زمین پر سانپ، بچھو رینگ رہے ہوں۔ اس کی نگاہیں روبی ہی کا جائزہ لے رہی تھیں۔ روشنی اتنی کم نہیں تھی کہ روبی اس کے چہرے پر پھیلے ہوئے تاثرات کو نا دیکھ پاتی۔ ایک لمحے تک اس پر نگاہ جمائے رکھنے کے بعد روبی کو ایک عجیب سا احساس ہوا۔

دردوں کی کوئی ایسی ہی قسم تھی وہ جو ناقابلِ سہم تھی۔ اس نے روبی کو مخاطب کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

روبی نے اس قید خانے کا اچھی طرح جائزہ لیا یہاں بستر بھی موجود تھے۔ فرنیچر بھی تھا فانوس بھی لگا ہوا تھا۔ ہو سکتا ہے یہ جگہ قید خانہ نہ ہو بلکہ جائے وقوع کے لحاظ سے اسے عارضی طور پر قید خانے کی حیثیت دی گئی ہو لیکن اسے قید کرنے والے کون تھے؟ اُن دو افراد میں سے وہ شخص اُسے یاد آیا جسے روبی نے یقیناً کئی ماہ کے لئے اسپتال پہنچا دیا تھا البتہ دوسرا آدمی اس کی نسبت زیادہ تیز نکلا اور درحقیقت وہ اگر چاہتا تو روبی کو پستول ہی سے کور کر کے اپنا کام کر سکتا تھا لیکن روبی نے جو عمل وہاں سرانجام دیا تھا اس کے تحت اُس شخص نے ضروری سمجھا کہ اُسے بیہوش کیا جائے ویسے یہ بات روبی کے ذہن میں فوراً ہی آئی تھی کہ یقینی طور پر وہ دونوں ہی وہاں تنہا نہیں تھے بلکہ ان کے ساتھی بھی آس پاس موجود تھے ورنہ کسی بھری پُری جگہ سے ایک بیہوش لڑکی کو اُٹھا کر لے آنا آسان کام نہیں تھا اور یہ کام کم از کم اس تنہا شخص کے بس کی بات نہیں تھی اور پھر اس کا اپنا ساتھی بھی وہاں اسی حالت میں تھا اُسے وہاں سے منتقل کرنے کے لئے مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ہو گا۔ گویا یہ لوگ اتنے وسائل رکھتے ہیں کہ مشکلات پر قابو پا سکیں۔ یہ تمام باتیں روبی کے ذہن میں ایک تحریر کی مانند گزرتی چلی گئیں اور اب سوال ایڈل اسمتھ کا تھا اور وہ احمق شخص جس نے بلاوجہ اس کا تعاقب کیا تھا اور اگر ابتدائی طور پر ہی وہ اس تک پہنچ جاتا تو روبی کو ان مشکلات کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔

لیکن ایک صورت اور بھی تھی وہ دونوں اس قدر اجنبی تھے ایک دوسرے کے لئے کہ نہ تو روبی اس کے بارے میں کچھ جانتی تھی اور نہ ہی وہ روبی کے بارے میں جب کہ چارہ گر کی طرف سے کمپیوٹر نے جو پیغامات ڈاکٹر بہرام کو دیئے تھے ان کے تحت اس شخص کا نام تک منظرِ عام پر نہیں تھا بلکہ اس کا نمبر وہاں تک پہنچا تھا اور ڈاکٹر بہرام نے یہی نمبر روبی کو دیتے ہوئے کہا تھا کہ اس کے مطابق اُسے رجسٹریشن آفس سے اس شخصیت کا پتہ چل سکے گا۔ بڑا الجھا ہوا معاملہ تھا کیونکہ پڑا وہ آبنوسی مجسمہ کس حیثیت کا حامل تھا یہ بات نہ روبی کو معلوم تھی اور نہ ہی ڈاکٹر بہرام کو بلکہ بس وہی طرزِ عمل جو اُن کا طریقہ کار بن چکا تھا اس بار بھی رو بہ عمل آیا تھا اور ڈاکٹر بہرام نے اس کے مطابق کام کا آغاز کیا تھا۔ مقصد یہی تھا کہ ایسا خطرہ جسے انسانیت سے دور کرنا انتہائی ضروری ہے اور اس کے سلسلے میں اس کی حیثیت کا تعین اسی انداز میں کیا گیا تھا جس کے لئے چارہ گر متحرک ہوتی تھی اور حکومتِ امریکہ اس سلسلے میں پوری طرح دلچسپی لے رہی تھی۔ تمام معاملات جن کا تعلق گہرائیوں سے ہوتا ہے گہرائیوں ہی میں دفن کر دیئے جاتے تھے کیونکہ دنیا کی بقا کے لئے سیاست کا وہ مخصوص انداز اختیار کرنا ضروری ہوتا ہے جس کے تحت نظرانداز کر دینے کی شدید گنجائشیں ہوتی ہیں اور معاہدوں کے تحت ان گنجائشوں کو مدِ نگاہ رکھنا پڑتا ہے چنانچہ کسی بھی سلسلے میں کوئی ایسا عمل نہیں کر سکتے جو ردِ پا ہو بلکہ وہ عمل نہایت ضروری ہوتا ہے جس کی ضرورت فوری ہو اور اسی ضرورت کے تحت روبی کو اس سلسلے میں مصروف کیا گیا تھا۔

لیکن یہ ایک بالکل الگ مسئلہ تھا اور نہ روبی اس سے پوری طرح واقف تھی نہ اُسے روشناس کرایا گیا تھا البتہ کچھ دیر کے بعد وہ اپنی جگہ سے اُٹھی اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ خوفزدہ جو اس کے قریب آنے کی کوشش نہیں کرے گا لیکن یہ وہی شخص ہے جس کے بارے میں روبی کو ہدایات جاری کی گئی تھیں، تمام تفصیلات تو اس کی جانب اشارہ کرتی تھیں۔ وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اس شخص کے قریب پہنچ گئی اور اس نے مخصوص انداز میں "ہیلو" کہا۔ جواب میں اس شخص کے ہونٹ کھلے اور اس نے ایک دم پاؤں نیچے اُتار لئے۔

"کیا تم ذہنی طور پر بالکل ختم ہو چکے ہو؟" روبی نے سوال کیا اور وہ چونک پڑا۔

"نن ..... نہیں ..... نہیں، ایسی تو کوئی بات نہیں ہے"۔

"کیا تمہارا نام ایڈل اسمتھ ہے؟"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"ہاں"۔ اس نے زور زور سے گردن ہلائی۔

"مجھے جانتے ہو؟ روبی نے سوال کیا اور وہ شخص اِدھر اُدھر دیکھنے لگا پھر اس نے احمقانہ انداز میں گردن ہلادی۔

"تمہیں کیا ہوا ہے؟"

"کک..... کچھ نہیں"۔

"یہاں کیا کر رہے ہو؟" روبی نے سوال کیا۔

"ان لوگوں کا قیدی ہوں"۔

"کون لوگ ہیں یہ.....؟

"میرا جہاں تک اندازہ ہے اُن میں سے ایک ٹار کو ہے"۔ اُس شخص نے جواب دیا۔ روبی کے لئے یہ نام بالکل اجنبی تھا لیکن سامنے والے شخص کی جو کیفیت ہو رہی تھی اس نے روبی کو نہ صرف حیران کر دیا تھا بلکہ وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو گئی تھی کہ ایسا ایک آدمی جو اس قدر خوفزدہ ہو جائے اس کی کیا مدد کر سکتا ہے تاہم اُسے جو ہدایات دی گئی تھیں اُن کی تکمیل اُس کے لئے بہت اہم تھی اور اُس نے دلاسہ دینے والے انداز میں کہا۔

"تمہارے اوپر تشدد کیا گیا ہے؟"

"میں نے کہا نا بالکل نہیں....."۔

"تو پھر تم اس حالت کا شکار کیوں ہو؟"

"نہیں میں بالکل ٹھیک ہوں بس..... بس دراصل ..... یہ سب کچھ..... میرے لئے بالکل اجنبی ہے"۔

"تم نے ابھی مجھ سے کہا ہے کہ تم مجھ سے واقف ہو۔ ویسے یہ بات میں جانتی ہوں کہ تم میرا تعاقب کرتے رہے ہو"۔ اُس شخص کی ذہنی کیفیت گویا بحال ہوتی جا رہی تھی۔ چند لمحات کے بعد اُس نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔

"ہاں میرا ذہن بری طرح متاثر ہوا ہے"۔

"ٹار کو کو تم اچھی طرح جانتے ہو"۔

"ہاں میں نے اس کی تصویر ہی دیکھی تھی"۔

"خیر میں ابھی اس سلسلے میں تم سے کوئی سوال نہیں کروں گی میں چاہتی ہوں کہ تم ذہنی طور پر معتدل ہو جاؤ اس کے بعد تم سے گفتگو کی جائے۔ ویسے تمہیں اس بات کا علم تھا کہ میں تم سے ملنے والی ہوں"۔

"ہاں میری ایجنسی نے مجھے تمہارے بارے میں خبر دی تھی اور تصویر دکھا کر مجھ سے کہا تھا کہ تم مجھ سے ملاقات کرنے والی ہو اور میری ایجنسی تمہارے اور میرے درمیان ہونے والے تعاون کو قدر کی نگاہ سے دیکھتی ہے اور یہ چاہتی ہے کہ میں تمہیں وہ تمام تفصیلات مہیا کر دوں جو تمہیں درکار ہیں اس طرح یہ تعاون غالباً مالی مفاد کے لئے ہے یا پھر میرے علم میں یہ بات نہیں ہے کہ ایسا کیوں کیا جا رہا ہے"۔

"تمہاری ایجنسی کا کیا نام ہے؟" روبی نے سوال کیا۔

"اس سلسلے میں مجھے تمہیں اپنے بارے میں تفصیلات نہ بتانے کی ہدایت کی گئی ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ میں تم سے بھی تمہارے بارے میں کچھ نا پوچھوں۔ جو کام میرے سپرد کیا گیا ہے وہ مجھے کرنا ہے اور جو تمہارے سپرد کیا گیا ہو تم کرو اور بہتر یہ ہے کہ اس سلسلے میں مزید کوئی گفتگو نہ کرو"۔

"ویسے تمہارا نام ایڈل ہی ہے؟"

"یقیناً ہے بھلا اس میں شک و شبہ کی کیا بات ہے"۔

"میرے بارے میں کیا کچھ جانتے ہو؟"

"صرف تمہاری تصویر اور تمہاری صورت کی حد تک۔ مجھے تو تمہارا نام بھی نہیں بتایا گیا"۔

روبی نے ایک گہری سانس لی۔ بڑا دلچسپ اور بہت عجیب مسئلہ تھا لیکن چارہ گر کے کام ایسے ہی ہوا کرتے تھے وہ جانتی تھی کہ چارہ اگر ایک ایسی تنظیم ہے جس کے بارے میں دنیا کا کوئی شخص بھی نہیں جانتا اور جو کوئی بھی جاننے کی کوشش کرتا ہے اس وجود کو اس دنیا سے مٹا دیا جاتا ہے۔ صرف چند افراد اس سلسلے میں واقفیت رکھتے تھے۔ روبی کو چند حقائق سے آگاہ کیا گیا تھا۔ روبی کو اس بات کا بخوبی اندازہ ہو گیا تھا کہ جو شخص اُس کے سامنے موجود ہے وہ اس معیار کا نہیں ہے کہ ایسے معاملات میں بہترین معاون ثابت ہو سکے گویا جو کچھ کرنا ہے روبی کو خود ہی کرنا ہے۔ اصل مسئلہ تو ٹائیگر اور اوشان کے آنے کے بعد ہی حل ہو سکتا ہے لیکن روبی کی یہ بھی خواہش تھی کہ وہ جس قدر زیادہ سے زیادہ کام

کر سکتی ہے کر لے اور ٹائیگر اور اوشان جس وقت اُس کے پاس پہنچیں تو وہ حالات پر آدھے سے زیادہ قابو پا لے حالانکہ دل کے انتہائی گوشوں میں تو یہ خیال ہمیشہ ہی چٹکیاں لیتا رہتا تھا کہ کام کی تکمیل ہو جائے اور اُس کے بعد وہ اپنے آپ کو اس کا اہل ثابت کر سکے کہ وہ ٹائیگر کے شایانِ شان ہے جب کہ ٹائیگر نے اُسے کبھی اس حیثیت سے قبول نہیں کیا تھا۔

روبی اس شخصیت کی طرف دیکھتی رہی جس نے اتفاقاً بھی کرسی سے اُٹھنے کی کوشش نہیں کی تھی پھر اُس نے خود ہی دوسری کرسی گھسیٹی اور اُس پر بیٹھ کر بولی۔

"تمہیں اس بات پر حیرت نہیں ہوئی کہ میں یہاں تک کیسے پہنچ گئی"۔

"میں سخت حیران ہوں لیکن اس بات کا اندازہ لگا چکا ہوں کہ تم بھی اپنے پیروں سے چل کر یہاں تک نہیں آئی ہو"۔

"اور تم.....؟"

"مجھے بھی بیہوش کر کے میرے ہوٹل کے کمرے سے یہاں تک لے آیا گیا تھا"۔

"وجہ.....؟"

"میں نہیں جانتا ابھی تک مجھ سے اس بارے میں کوئی سوال نہیں کیا گیا"۔

"تمہارے پاس میرے لئے کچھ معلومات تھیں"۔

"ہاں بشرطیکہ تم اُن الفاظ کو دہرا دو جو میرے لئے ضروری ہیں"۔

"صبح کی آمد موسم بہار کی مانند ہوتی ہے"۔ روبی نے کہا۔

"ہاں اور صبح کا ذوناستارہ بڑی اہمیت کا حامل"۔

"گویا اب یہ بات طے ہو گئی کہ ہم دونوں اصلی حیثیت رکھتے ہیں اور ایک دوسرے پر مکمل اعتماد کر سکتے ہیں"۔

"موفیصد"۔ اُس شخص نے جواب دیا اور روبی پُرخیال انداز میں گردن ہلانے لگی پھر اُس نے کہا۔

"کیوپڈ کے آبنوسی مجسمے کے بارے میں تمہارے پاس کیا معلومات موجود ہیں؟" روبی کے اس سوال پر اس کے چہرے پر تشویش کے آثار دوڑ گئے اور اُس نے سرگوشی کے انداز میں کہا۔

"کیا تمہیں اس بات کا یقین ہے کہ اس کمرے میں ہونے والی گفتگو کہیں باہر نہیں سنی جا رہی"۔ روبی چونک پڑی۔ بلاشبہ اس شخص نے ایک اہم نکتے کی جانب نشاندہی کی تھی اس نے اپنے چہرے پر تشویش کے آثار پیدا کئے اور کہا۔

"اگر تم ساتھ دو تو پہلے ہم اس بات کا جائزہ لے لیں"۔ دونوں ہی مصروف ہو گئے اور کچھ دیر بعد اُنہیں اس بات کا یقین ہو گیا کہ کمرے میں کوئی ایسی الیکٹرونک چیز نہیں ہے جس سے اس کمرے میں ہونے والی گفتگو کو کمرے سے باہر سنی جا سکے۔ انہیں اغوا کر کے لانے والے یقینی طور پر اس بات سے بے خبر تھے کہ ان کے درمیان پہلے سے رابطہ نہیں ہے اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو وہ بلاشبہ اس رابطے کے بارے میں تفصیلات جاننے کی کوشش کرتے۔ اس سے یہ اندازہ بھی ہوتا تھا کہ وہ لوگ خود بھی یہاں سوئٹزرلینڈ میں بالواسطہ کا شکار ہیں اور اپنے قدم اس مضبوطی سے یہاں نہیں جما پائے ہیں کہ مجرمانہ کارروائیاں کرنے کے سلسلے میں آسانی حاصل ہو۔ یہ تمام احساسات روبی کو چند لمحات میں ہو گئے تھے اور اس معاملے میں جس قدر معلومات منتقل ہو جائیں تو بہتر ہے۔ اس نے کہا۔

"تمہیں جب یہ بتا دیا گیا تھا کہ میں تم سے ملنے والی ہوں، بقول تمہارے، تمہاری ایجنسی نے تمہیں میرے بارے میں تفصیلات بتا دی تھیں تو ہر یہ بھی بتایا ہو گا کہ مجھے تم سے کیا معلومات حاصل کرنا ہیں؟"

مجھے وہ معلومات تم تک پہنچانے پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ بس میں یہی سوچ رہا تھا کہ کیا یہ جگہ اس کے لئے مناسب ہے؟"

"یہاں ہم قیدی ہیں اور اس لئے ہمیں جو بھی وقت ملا ہے اس میں ہم زیادہ سے زیادہ گفتگو کر لیں"۔ ایڈل چند

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

لمحات میری بات پر غور کرتا رہا پھر اس نے کہا۔

"کیوپڈ کے آبنوسی مجسمے کی اہمیت کیا ہے یہ بات مجھے نہیں معلوم۔ میں اتنا جانتا ہوں کہ یہ آبنوسی مجسمہ سوئٹزرلینڈ کے کسی بینک کے لاکر میں موجود ہے اور یہ لاکر کون سے بینک میں ہے اور کہاں ہے اس کی تفصیلات میرے پاس موجود نہیں ہیں لیکن کچھ ایسے پوائنٹس ضرور ہیں جن کے ذریعے ہم چند افراد کا تعاقب کر کے ان لاکرز کے بارے میں معلومات حاصل کر سکتے ہیں میرے سپرد جو ذمے داریاں ہیں ان میں کچھ تفصیلات تم تک پہنچانا ہیں اور پھر میرا کام ختم ہو جائے گا جیسا کہ تم نے دیکھا ہے کہ میں لڑائی بھڑائی کا آدمی نہیں ہوں۔ میرے پاس ٹیبل ورک ہوتا ہے۔ سوئٹزرلینڈ کے بارے میں تمہیں تفصیلات کا علم ہی ہے۔ یہاں کے بینکوں کو مقامی حکومت کا تحفظ حاصل ہے اور کوئی بھی شخص خواہ وہ کیسی ہی بڑی حیثیت کیوں نہ رکھتا ہو ان بینکوں تک اپنے وسائل سے نہیں پہنچ سکتا۔ خود سوئٹزرلینڈ کی حکومت ان بینکوں کے معاملے میں کچھ نہیں بول سکتی۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ کسی لاکر کو حاصل کرنے کے بعد ایک چابی دی جاتی ہے اور ڈپازٹر اس لاکر میں اپنی قیمتی اشیاء رکھتا ہے پھر بینک اس والٹ کے تالے کو چابی لگا کر ڈپازٹر کو ہدایات دیتا ہے کہ وہ اس تالے کے سوراخ میں چابی داخل کرے اور پھر وہ چابی ایک مخصوص آری سے کاٹ دی جاتی ہے اور آری کو ضائع کر دیا جاتا ہے اب اس لاکر کو کھولنے وقت وہ مخصوص چابی نہ ہو تو تالا قیامت تک نہیں کھل سکتا"۔

"ہاں یہ تفصیلات میرے علم میں ہیں"۔

"اب تذکرہ کروں گا ریڈبل اور ٹار کو کا۔ یہ دونوں بین الاقوامی دہشت گرد ہیں اور انہوں نے بڑی بڑی تنظیمیں بنا ڈالی تھیں لیکن کوئی ایسا مرحلہ بھی آگیا تھا جب ان دونوں کو یکجا طور پر گرفتار کر لیا اور ان کو کیوبا میں قید کر دیا گیا تھا۔ ان کے حواری ان کے بارے میں مسلسل کوششیں کر رہے تھے تاہم اس کے باوجود انہیں ایک طویل قید کاٹنا پڑی اور اب وہ دونوں وہاں سے رہا ہو چکے ہیں۔ ریڈبل اور ٹار کو کا نام اس کیوپڈ کے آبنوسی مجسمے کے سلسلے میں خصوصی طور پر لیا جاتا ہے کیوبا سے رہائی پانے کے بعد ان کے بارے میں جو معلومات بین الاقوامی اداروں کو حاصل ہیں وہ یہی ہیں کہ دونوں نے ایک ساتھ ہی سوئٹزرلینڈ کا رُخ کیا ہے اور ان کی تمام تر دلچسپیاں کیوپڈ کے اس آبنوسی مجسمے ہی سے وابستہ ہیں اور دونوں اس کے حصول کے لئے کوشش کر رہے ہیں۔

اس کے علاوہ میری ایجنسی نے جو معلومات تم تک پہنچانے کی ہدایت کی ہے ان میں یہ ہدایت بھی شامل ہے کہ کئی ملکوں کی سیکرٹ سروس بھی اس آبنوسی مجسمے کے حصول کے لیے کوشاں ہے جس میں امریکہ اور روس بھی شامل ہیں یہ سارے معاملات بدستور چل رہے ہیں اور اس سلسلے میں ایک خاص نام جو میں تمہارے سامنے لینا چاہتا ہوں وہ ہلدا اگار بو کا ہے۔ ہلدا اگار بو کی تنظیم نیو سائیکلون کے نام سے جانی جاتی ہے اور اگر نیو سائیکلون کے بارے میں تمہیں تفصیلات کا علم ہو تو یہ سمجھ لو کہ مغربی جرمنی میں وہ ایک خوفناک قوت تصور کی جاتی ہے جو آہستہ آہستہ نازی قوتوں کو دوبارہ یکجا کر رہی ہے۔ ہلدا کے بارے میں اس بات کی اطلاع ملی ہے کہ اس کا رُخ بھی سوئٹزرلینڈ کی جانب ہے اور یہ عورت دراصل ان تمام معاملات میں سب سے زیادہ طاقتور ثابت ہوگی کیونکہ اسے تحفظ حاصل ہے اور وہ انتظامات کر رہی ہے اور یہ شواہد بھی ملے ہیں کہ ہلدا ابھی اس مجسمے میں دلچسپی لے رہی ہے اب اس کی وجوہات کیا ہیں۔ یہ بات شاید بہت سے ملکوں کے بڑے بڑے اداروں کو بھی نہ معلوم ہو چونکہ یہ بات انتہائی اعلیٰ پیمانے کی ہے، ہلدا وہ عورت ہے جو لحہ لحہ اپنے چہرے بدلتی رہتی ہے لیکن میں اس کا اصل چہرہ جانتا ہوں کیونکہ کچھ عرصے قبل مغربی جرمنی میں، میں بھی اس کا ساتھی رہ چکا ہوں اور وہ اپنی دانست میں مجھے قتل کر چکی ہے۔ میں قتل ہونے سے پہلے کیا تھا اس کے بارے میں نہ میں نے کسی کو اس سے پہلے بتایا اور نہ آئندہ بتانا چاہتا ہوں تاہم یوں سمجھ لو کہ پہلے میری شخصیت بالکل مختلف تھی اور قتل ہونے کے بعد بالکل

مختلف ہو گئی ہے"۔ روبی کو اس کے الفاظ دلچسپ محسوس ہوئے تھے اور اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ یہ شخص واقعی سادہ لوح ہے اس نے دل میں سوچا اور گہری نگاہوں سے اس کا جائزہ لیتی رہی۔ ایڈل کسی سوچ میں ڈوب گیا تھا، چند لمحات کے بعد اس نے گردن اٹھا کر کہا۔

"اور اس وقت ہم جس کے قیدی ہیں اس کا نام ٹار کو لیا جا سکتا ہے کیونکہ میں نے ٹار کو کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے"۔

"یہ دلچسپ بات ہے کہ تم سب کو ان کے چہروں سے پہچانتے ہو اور اپنی موت کے بعد تم ایڈل بنے ہو"۔

"مگر جس مشکل کا شکار ہم ہو گئے ہیں اس کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟"

"کونسی مشکل.....؟"

"کیا یہاں تم خوش ہو.....؟" اس نے کسی قدر جھلائے ہوئے لہجے میں کہا اور روبی ہنس پڑی۔ وہ بدستور ناخوشگوار لہجے میں بولا۔ "ممکن ہے تم بہت امیر ہو اور ممکن ہے تمہاری تربیت بہت عمدگی سے کی گئی ہو مگر میں جس مصیبت کا شکار ہو گیا ہوں اس سے بچنے کی اہلیت نہیں رکھتا۔ میرا کام صرف اتنا ہے کہ تمہیں ان حالات سے روشناس کرا دوں۔ ان لوگوں کے بارے میں تفصیلات بتا دوں اور آخری کام ہلدا اگار بو کا چہرہ دکھانا ہوگا جس کے بعد کسی مزید اطلاع کے بغیر واپسی کی اجازت تھی لیکن.....".

"نہ نہ..... گھبراؤ نہیں، کچھ نہ کچھ کریں گے"۔ پھر ان کو زیادہ انتظار نہ کرنا پڑا۔ روبی نے اس تنہا دروازے پر آہٹ سنی تھی جو باہر سے بند تھا۔ جونہی وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا روبی نے اپنے جسم کو تول کر اس پر چھلانگ لگا دی۔ اس کا بدن اندر آنے والے کے بدن سے ٹکرایا اور وہ توازن قائم نہ رکھ سکا۔ یہ حملہ اس کے لئے اتنا غیر متوقع اور فوری تھا کہ اس کے ہوش و حواس اُڑ گئے اس کے حلق سے ایک اضطراری آواز نکل گئی تھی۔ وہ پیچھے گر کر سنبھل کر رکا تو روبی کی لات اس کے پیٹ پر پڑی اور اس کی آنکھیں اُبل پڑیں۔ شدت تکلیف سے وہ چیخ بھی نہ سکا تھا ادھر روبی تھی کہ اس پر تابڑ توڑ حملے کر رہی تھی اور کنگ فو کے ایسے داؤ آزما رہی تھی جو ہاتھی کو لمبا لٹا سکتے تھے اور یہ ہاتھی بھی لیٹ گیا۔ اس کے دونوں جبڑے ٹوٹ گئے تھے اور ہونٹوں سے مسلسل خون اُبل رہا تھا۔

یہ حالت دیکھ کر ایڈل کے حواس گم ہو گئے تھے اور اس کے چہرے پر ایسے ہی آثار نظر آ رہے تھے جیسے اب اس کی باری ہو۔

اپنے شکار سے فارغ ہو کر روبی نے کھلے دروازے سے باہر جھانکا اور خوش ہو کر بولی۔

"شکر ہے یہ تنہا تھا"۔

"اب باہر کیا ہے؟" ایڈل نے کپکپاتی آواز میں کہا۔

"آؤ.....".

"تک..... کہا؟"

"بقیہ زندگی یہیں گزارنے کا ارادہ ہے.....؟" روبی نے ہونٹ بھینچ کر کہا۔

"اوہ..... نن..... نہیں.....". وہ بمشکل کھڑا ہو سکا تھا۔ اس کے پاؤں کپکپا رہے تھے۔ روبی جھلائے ہوئے لہجے میں بولی اور دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ ایڈل روبی کے پیچھے لپکا تھا۔ دونوں باہر نکل آئے۔ اس کمرے کے بعد ایک دوسرا کمرہ تھا اور پھر ایک اور دروازہ لیکن دوسرے کمرے میں روبی کو ایک کھڑکی نظر آئی تھی۔ اُس نے ایک نگاہ بند دروازے پر ڈالی اور پھر کھڑکی کی طرف بڑھ گئی بس کھڑکی سے باہر دیکھ کر اس عمارت کے بارے میں اندازہ لگایا جا سکتا تھا۔ اس نے احتیاط سے کھڑکی کھولی اور باہر جھانکنے لگی۔ اس نے فوراً اندازہ لگا لیا کہ وہ کم از کم تیسری منزل پر ہیں اور یہ عمارت ایک تین منزلہ مکان کی تھی۔ نچلی منزلیں بھی یقیناً ان لوگوں کے قبضے میں ہوں گی اور دوسرے دروازے کے بعد نیچے جانے کا راستہ ہوگا۔ ان دونوں کو سب سے اوپر آخری منزل کے اس کمرے میں رکھا گیا تھا اب اگر باقی ماندہ زینہ استعمال کیا جاتا تو نیچے ان لوگوں سے مڈبھیڑ ضرور ہوتی۔ روبی کو خود پر بھروسہ تھا وہ لڑ بھڑ کر اور انہیں بدحواس کر کے نکل سکتی تھی لیکن یہ بزدل شخص اس کے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

لئے مشکل بن جاتا اور یقیناً جان کھو بیٹھتا۔

روبی کے ذہن میں ترکیب آ گئی۔ کھڑکی سے دوسری عمارت کی چھت نظر آ رہی تھی جو ایک منزل نیچے تھی۔ گہرائی چند فٹ سے کم نہیں ہو گی اور اتنی بلندی سے کودا نہیں جا سکتا تھا۔ خاص طور سے ایڈل جیسے نازک آدمی کے لئے۔ اس لئے کچھ اور کرنا ضروری تھا۔ روبی نے سب سے پہلے باہر کا دروازہ بند کیا اور پھر کمرے میں کوئی ایسی شے تلاش کرنے لگی جس کے سہارے نیچے اترا جا سکے۔ اس کمرے میں تو ایسی کوئی چیز نہیں ملی لیکن روبی کو دوسرا کمرہ یاد آ گیا جہاں بستر لگے ہوئے تھے اور بستروں پر چادریں بھی بچھی ہوئی تھیں۔ روبی نے تیزی دکھائی اور پھر چادروں کی رسی دوسری طرف پھینک دی تھی۔

"اس سے قبل کبھی ایسا کوئی کام بھی کیا ہے یا نہیں.....؟" اس نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"مک..... کیسا.....؟"

"نیچے اتر سکتے ہو.....؟"

"ہاں کیوں نہیں....."۔

"واہ..... کمال ہے تو پھر اترو....."۔

"اچھا.....!" اس نے پھولے ہوئے سانس کے ساتھ کہا اور کھڑکی پر چڑھنے کی جدوجہد کرنے لگا۔ روبی نے دانت پیس کر اسے ہاتھوں کا سہارا دے کر کھڑکی میں ٹھونس دیا تھا پھر دوسری طرف اترنے کے لئے بھی اسے دھکا ہی دینا پڑا تھا اور اس نے سہمے ہوئے انداز میں چادر پکڑی۔ چھت پر پہنچ کر روبی نے اسے آگے دھکیلا عجیب دل انسان تھا۔ اس عمارت کے بارے میں کوئی اندازہ نہیں تھا۔ اس پر خوش رنگ پھولوں کی بیلیں چڑھی ہوئی تھیں۔ انہوں نے نیچے آنے کے لئے انہی بیلوں کا سہارا لیا تھا۔ عمارت سے باہر آنے کے لئے بھی روبی کو بہت مشکل پیش آئی تھی تاہم وہ کسی نہ کسی طرح باہر نکل آئی تھی۔

"آؤ....."۔ اس نے ایک سیدھے راستے پر آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

"ہوٹل کے علاوہ میرے پاس ایک اور جگہ موجود ہے۔ اس وقت وہاں جانا بہتر ہو گا"۔ ایڈل نے کہا۔

"کہاں ہے وہ جگہ.....؟"

"اس جگہ سے میں اس کے بارے میں صحیح اندازہ نہیں لگا سکتا کچھ آگے چل کر یہ اندازہ ہو جائے گا کہ ہم کون سے علاقے میں ہیں پھر میں تمہیں بتا دوں گا کہ ہمیں کیسے سفر کرنا ہے ویسے وہ جگہ ہوسٹن ونگ کہلاتی ہے اور وہیں ایک فلیٹ ہمارے کام آ سکتا ہے"۔

"اس سے پہلے کہیں رک کر کچھ کھانا ضروری ہے کیونکہ مجھے سخت بھوک لگ رہی ہے"۔ روبی نے کہا اور کچھ فاصلے پر ایک کیفے کی طرف بڑھ گئی۔ ایڈل اسے عجیب بدلی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا پھر اس نے تمسخرانہ انداز میں کہا۔

"اور میں نے تم جیسی لڑکی کبھی نہیں دیکھی"۔ یہ غالباً اس بات کا جواب تھا جو روبی نے اس شخص کے بارے میں کہی تھی اور غالباً ایڈل کے ذہن میں بدستور چکرا رہی تھی۔ روبی نے کوئی جواب نہیں دیا اس وقت وہ ٹائیگر اور اوشان کے بارے میں سوچنے لگی۔ جنگ عروج پر پہنچ گئی تھی۔ دشمن کے حلق میں ہاتھ ڈال دیا گیا تھا اور اب ان کا پہنچنا ضروری تھا۔

ٹائیگر اور اوشان کی جھلک ابھی تک کہیں نظر نہیں آئی تھی، اس میں کوئی شک نہیں کہ روبی کے دل کے انتہائی گوشوں میں یہ خیال موجود تھا کہ اب ان حالات میں ان دونوں کا آنا ضروری ہو گیا تھا جو کچھ وہ اب تک کرتی رہی ہے چارہ گر سے اس بارے میں اتنا ہی بتایا گیا تھا اور ڈاکٹر بہرام نے یہ کہہ کر اسے روانہ کیا تھا کہ ٹائیگر اور اوشان کو پہلی فرصت میں سوئٹزرلینڈ روانہ کر دیا جائے گا جہاں وہ روبی کی مدد کریں گے لیکن ایک لمحے کے لئے کبھی کبھی روبی کے دل میں یہ خیال بھی آ جاتا تھا کہ اگر یہ مسئلہ ان دونوں کی غیر موجودگی میں ہی حل ہو جائے تو اس کے گولڈن ریکارڈ میں ایک اضافہ ہو جائے گا۔ ابھی تک اس نے کیپڈ کے آبنوسی مجسمے کے بارے میں یہ معلومات حاصل نہیں کی تھیں کہ آخر وہ ہے کیا اور اس کے لئے جتنے لوگ سرگرداں ہیں آخر ان کا نکتۂ نگاہ کیا ہے۔ اس نے تہیہ

خیالات کو ذہن سے جھٹکا اور ایڈل کے بارے میں سوچنے لگی۔

روبی کو جب اس نے ہوسٹن ونگ میں کسی رہائش گاہ کے بارے میں بتایا تھا تو اس نے یہ سوچا تھا کہ عارضی طور پر اس جگہ کو منتخب کیا جائے کیونکہ کچھ لوگ باقاعدہ اس کے صورت آشنا بھی ہو چکے تھے اور اس کے ہاتھوں نقصانات کا شکار بھی اور ابھی یہ مناسب نہیں تھا کہ قتل و غارتگری کا بازار گرم کر دیا جائے یہ کوئی شوق کی بات نہیں تھی، ہاں ٹائیگر، چارہ گر اور اوشان کے اقدامات کے تحت یہ بات لازمی تھی کہ جب کوئی چیز ناقابلِ برداشت ہو جائے تو اسے خاموش کر دو، اتنا خاموش کہ پھر اس کے ہونٹوں سے کوئی جنبش نہ ہو سکے جو تمہیں نقصان پہنچائے اور یہاں تمہیں نقصان پہنچانے کا مطلب ان اغراض و مقاصد کو نقصان پہنچانا تھا جن کے لئے یہ سب کچھ کیا جا رہا تھا۔

ایڈل کی آواز نے اس کے خیالات کا سلسلہ ختم کر دیا وہ کہہ رہا تھا۔

"اس کے باوجود یہ ایک پبلک مقام ہے اور ہمارا یہاں زیادہ دیر رکنا بہت خطرناک ہے....."۔

"میں دیکھ رہی ہوں کہ تمہاری جان نکلی جا رہی ہے خیر کوئی بات نہیں ہے۔ چلو تم نے مجھے کسی ہوسٹن ونگ کے بارے میں بتایا ہے، کیا ایسا تو نہیں ہو گا کہ تم سے محبت کرنے والے، تم سے پہلے، ہوسٹن ونگ میں، تمہاری اس رہائش گاہ میں پہنچ گئے ہوں، جہاں تمہارا قیام ہوتا ہے"۔

"میرا خیال ہے نہیں اور ویسے بھی تم نے اندازہ لگایا ہو گا کہ میں خطرات مول لینے والوں میں سے نہیں ہوں"۔

"مجھے تمہاری ان فضول باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ آگے کے بارے میں سوچو میرا وقت برباد نہ کرو"۔

ایڈل سنبھل گیا۔ روبی نے وہاں سے اٹھنے کا فیصلہ کر لیا۔

ہوسٹن ونگ کے بارے میں ایڈل کا کہنا یہ تھا کہ وہاں تک کسی کی آنکھ نہیں پہنچ سکتی، ویسے بھی روبی نے جو کارروائی کی تھی اس کے بعد اس کا آس پاس رکنا مناسب نہیں تھا کیونکہ اس بات سے وہ اچھی طرح واقف تھی کہ اُسے تلاش کیا جا رہا ہو گا۔ کچھ دیر بعد وہ ہوسٹن ونگ نامی علاقے میں داخل ہو گئے۔ دریا کے کنارے ایک انتہائی خوب صورت اور قابلِ دید علاقہ تھا۔

روبی نے ایڈل سے یہ بات بالکل نہیں معلوم کی کہ اُسے اس کاپیج کا حصول کیسے ہوا کیونکہ اس حسین جگہ یقینی طور پر بڑے بڑے لوگ رہتے ہوں گے تاہم وہ حسین کاپیج جس کا ایک چھوٹا سا دروازہ سامنے نظر آ رہا تھا اور جس کے دروازے پر تالا لگا ہوا تھا۔

کاپیج میں ضروریاتِ زندگی کے وہ لوازمات جو کسی چھوٹی سی رہائش کے لئے موزوں ہوتے ہیں سب موجود تھے۔ روبی نے پسندیدہ نگاہوں سے اس جگہ کو دیکھا۔

روبی اندر روبی حصے میں آ گئی۔ خوب صورت اور آرام دہ بیڈروم کو دیکھ کر اس کا دل کچھ دیر کے لئے آرام کرنے کے لئے چاہا اور وہ آرام کرنے لیٹ گئی چند لمحات بعد ایڈل بھی کمرے میں آ گیا اور روبی اپنے ذہن میں ان سوالات کو مجتمع کر رہی تھی جو ایڈل سے کئے جا سکتے تھے۔ کام کی کچھ باتیں معلوم ہو جائیں تاکہ کام کا آغاز کر دیا جائے، بعد میں جو کچھ ہو گا دیکھا جائے گا پھر اس نے ایڈل کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"میرے نظریے کے مطابق تم ایک نیک اور شریف آدمی ہو لیکن تم نے کچھ باتیں ایسی بھی کہی ہیں جو میرے ذہن کے لئے ایک پُراسرار نوعیت کی حامل ہیں مثلاً تم نے مجھے یہ بتایا کہ کچھ عرصے قبل تم ہلڈا گار بو سے منسلک تھے اور ہلڈا نے تمہاری موت کے اقدامات صادر کئے تھے ان اقدامات کے بعد تمہاری موت یقینی تھی لیکن تم اس سے بچ گئے اور اس کے بعد تم ایڈل کی حیثیت اختیار کر گئے جب کہ اس سے پہلے تم یہ نہ تھے"۔

"ہاں اور میں تمہیں یہ بھی بتا چکا ہوں میری ابھی دوست کہ اپنے ماضی میں، میں جو کچھ تھا اُسے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بھول گیا ہوں کم از کم اس حد تک کہ اب اُس کا تذکرہ میں کسی سے مناسب نہیں سمجھتا"۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"نہیں نہیں یہ نہ سمجھو کہ میں تمہارے ماضی کو کرید کر تمہارے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتی ہوں"۔

"خیر اگر تم بتا سکتے تو کم از کم یہی بتا دو کہ وہ کون کون لوگ ہیں جو آبنوسی مجسمہ کے سلسلے میں کام کر رہے ہیں؟"

"بہت سے لوگوں کے بارے میں تو میں کچھ نہیں جانتا لیکن جو معلومات مجھے میری ایجنسی نے فراہم کی ہیں اور اس کے علاوہ جو تھوڑی بہت معلومات یہاں حاصل ہوئی ہیں جیسے میں تمہیں مسٹر ٹار کو کے بارے میں بتا چکا ہوں کہ میں اُنہی کا قیدی تھا اور مسٹر ٹار کو کے بارے میں یہ بتانا بھی تمہارے لئے فائدہ مند ہوگا کہ وہ تم سے بھی آشنا ہو چکے ہیں غالباً اس لئے کہ میں تم سے رابطہ قائم کرنے کی کوششیں کرتا رہا تھا یا پھر وہ تم سے کوئی ایسی دلچسپی رکھتے ہیں جس کا مجھے علم نہیں ہے۔ ٹار کو کے بارے میں، میں تمہیں یہ بتا چکا ہوں کہ وہ ایک دہشت گرد تھا اور اُس نے دنیا میں بہت سے ایسے کارہائے نمایاں سر انجام دیئے ہیں جنہیں سن کر ہی انسان خوفزدہ ہو جاتا ہے پھر وہ کس طرح گرفتار ہوا یہ ایک طویل کہانی ہے۔ اس کو کیوبا کی جیل میں رکھا گیا اس کے بعد کی کہانی جو کچھ بھی ہو آپ کو اندازہ ہے کہ مجھے کوئی تفصیل معلوم نہیں ہو سکتی بہرحال اُس کی رہائی ہو گئی اور وہ آبنوسی مجسمہ حاصل کرنے کے لئے چل پڑا۔ کیوبا ہی کی جیل میں ایک اور خطرناک آدمی جو ریڈبل کے نام سے پکارا جاتا تھا قید تھا اس شخص کو آبنوسی مجسمے کے بارے میں تفصیلات کس طرح معلوم ہوئیں یہ اُس کی اپنی داستان ہے اور وہی جانتا ہے میری ایجنسی نے مجھے جو کچھ بتایا تھا وہ یہی تھا کہ ریڈبل ٹار کو کا بدترین دشمن ہے اور کیوبا کی جیل میں بھی ان دونوں کے گروہوں میں زبردست ہنگامے ہوتے رہتے تھے۔ ٹار کو رہا ہوا تو ریڈبل نے بھی اپنی رہائی کے لئے بہت کوششیں کیں اور وہ بھی وہاں سے نکل آیا۔ دونوں ہی اُس آبنوسی مجسمے کے دعویدار ہیں اور اُس کے حصول کے لئے چل پڑے ہیں اب ظاہر ہے سونٹرز لینڈ کے بینکوں سے کوئی چیز حاصل کرنا بہت مشکل کام ہے اور یہاں کی حکومت کا یہی کارنامہ ہے کہ اُس نے لاکھوں انسانوں کے رازوں کو اپنے سینے میں چھپا کر رکھا ہوا ہے۔ اگر یہ آبنوسی مجسمہ جو کسی بھی شخص کی ملکیت ہے یا کسی بھی ملک کی ملکیت ہے اگر ان لوگوں کے ہاتھ لگ جاتا ہے تو مقامی حکومت کو بھی اس سلسلے میں کافی بدنامی کا سامنا کرنا پڑے گا تیسری اور سب سے اہم شخصیت اس سلسلے میں بلڈاگار بو کی ہے جس کی ایک تنظیم نیو سائیکلون ہے، نیو سائیکلون کے نام پر جو جرائم ہوتے ہیں ان کی تفتیش کرنے سے پولیس تک گھبراتی ہے کیونکہ وہ جانتی ہے کہ اُسے نیو سائیکلون کا سامنا کرنا پڑے گا اور نیو سائیکلون کا سامنا کرنے کا مطلب موت ہے، صرف موت۔ اس طرح یہ تنظیم انتہائی خوفناک تنظیم تصور کی جاتی ہے۔ بلڈاگار بو کے بارے میں لوگوں کا عام خیال ہے کہ اُس کا کوئی براہِ راست تعلق نازی جرمنی کے حکمران ہٹلر سے تھا۔ بلڈاگار بو جس قدر خطرناک عورت ہے اس کے بارے میں تمہیں کچھ نہیں بتا سکتا"۔

"ہوں! اس کا مقصد ہے تم میری کوئی مدد نہیں کر سکتے"۔ روبی نے کہا۔

"اس کے علاوہ میں ہر کام کے لئے حاضر ہوں"۔ روبی کو اُس پر شدید غصہ آیا وہ اس بار بھی اپنا غصہ پی گئی۔ اُس نے کہا۔

"کم از کم تم اتنا تو کر سکتے ہو کہ مجھے ان تمہوں چیزوں سے آشنا کرا دو اور خصوصاً بلڈاگار بو سے چونکہ تم اُس سے شناسائی کا دعوے کرتے ہو"۔ ایڈل کے چہرے پر ایک بار پھر خوف کے آثار جمع ہونے لگے تھے۔ اس نے سرسراتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"ہاں ..... یہ میری ذمہ داری ہے اور اسے پورا کرنا میرے لئے انتہائی ضروری ہے لیکن بلڈاگار بو ..... بلڈا ..... "۔ میں تمہاری ضرور مدد کروں گا۔ دراصل وہ عورت، وہ عورت میری بدترین دشمن ہے اور جب اُسے یہ علم ہوگا کہ میں زندہ ہوں تو وہ اُسے اپنی انا کا سوال بنا لے گی"۔

"مگر وہ تمہارے بارے میں کیسے جان سکتی ہے؟"

روبی جھنجھلائے ہوئے لہجے میں بولی۔

"تم نہیں جانتیں وہ انسان کو سونگھ لیا کرتی ہے؟"

"تو پھر تم یوں کرو فوراً ہی یہاں سے روانہ ہو جاؤ۔ اپنے بارے میں یہ رپورٹ لے کر کہ تم جس کام کے لئے یہاں بھیجے گئے تھے اُسے انجام دینے میں بالکل ناکام رہے ہو"۔ روبی نے یہ الفاظ نہایت تلخ لہجے میں کہے تھے اور ریڈل کے چہرے پر غم کے تاثرات پھیل گئے تھے جیسے اُسے ان الفاظ سے صدمہ ہوا ہو۔

○○○○○

جو واقعہ پیش آیا تھا وہ اتفاقی نوعیت کا تھا اور اُن آٹھوں افراد کے ہلاک ہو جانے کی وجہ سے کوئی کام آگے نہیں بڑھ سکا تھا۔ بعد میں ٹائیگر کو اس کا احساس ہوا تھا اور اُس نے سوچا تھا کہ درحقیقت اوشان وقت سے پہلے سوچتا ہے اور وہ بعض اوقات وقت سے بعد میں لیکن اب جو ہونا تھا وہ تو ہو ہی گیا تھا، ہوٹل سیوائے اوشان کو بہت پسند تھا اور اُس کی پسندیدگی کی وجہ غالباً بطخ کا گوشت اور اُبلے ہوئے چاول تھے جو بڑی باقاعدگی سے اوشان کو مل جایا کرتے تھے اور اُس نے اپنی پسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا تھا۔

"اصل چیز تو یہ دیکھنا ہوتی ہے کہ ہوٹل کے منتظمین اپنے گاہکوں کے مزاج کا کس طرح خیال رکھیں حالانکہ دنیا کے کسی گوشے میں چلے جاؤ گاہکوں کو اُن کی مرضی کے مطابق اشیا ملنا مشکل ہو جاتی ہیں لیکن یہاں ریسرچ ہے جیسا کہ ہمیں بتایا گیا وہ لوگ جاتے ہیں کہ روئے زمین پر ایک خطہ سنانجو کے نام سے بھی پکارا جاتا ہے اور اُس کی اپنی کچھ روایات ہیں اور سنانجو کے رہنے والے بھی زندگی کا ایک خاص انداز رکھتے ہیں اب تم خود سوچو میرے بچے کہ کس طرح اس چھوٹی چھوٹی چیز کے بارے میں غور کیا جاتا ہے۔ اُس شخص نے مجھے پہچان کر میرے لئے میری پسند کا کھانا مہیا کر دیا۔ میں اُس سے بے حد متاثر ہوا ہوں"۔

"اچھا یہ قسم کے کھانے تو کسی چھوٹے سے ہوٹل میں بھی مل سکتے ہیں بھلا مالکان کو اس میں کیا دقت ہوتی ہے وہ اعلیٰ پیمانے پر اُس کا بندوبست کر کے اعلیٰ قیمتیں وصول کرتے ہیں"۔

"بات قیمتوں کی نہیں ہوتی اس ذوق کی ہوتی ہے جو انسانی ذہن میں ہو"۔

"بطخ اور چاول میری نظر میں غیر اہم غذا ہے"۔

"یہ تمہارا اپنا فعل ہے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ نئے نئے کھانے انسانی صحت کی تباہی کے لئے نہایت موزوں ہوتے ہیں اس کی بھی ایک سائنس ہے۔ کیا تم اس پر مجھ سے گفتگو کرنا پسند کرو گے"۔

"ٹائیگر نے چند لمحات اوشان کی صورت دیکھی اور پھر ایک قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔ اوشان کی بھویں سکڑ گئی تھیں۔

"میرے ان الفاظ میں مزاح کا کوئی پہلو تو نہیں نکلتا تھا۔ اُس نے بُرا ماننے والے انداز میں کہا۔ ٹائیگر کو اُسے چھیڑنے کا بہترین موقع مل گیا تھا اس نے کہا۔

"نہیں نہیں لٹل فادر مزاح کی بات نہیں ہے۔ میں سوچ رہا ہوں کہ بعض اوقات انسان حالات کے ہاتھوں مجبور ہو کر خود غرضی پر مجبور ہو جاتا ہے"۔ اوشان چند لمحات شہزاد کو گھورتا رہا پھر اُس نے کہا۔

"میں سمجھ رہا ہوں تم بطخ اور چاول کے موضوع کو نظر انداز کرنا چاہتے ہو"۔

ٹائیگر گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔

اوشان کہتا ہے کہ روبی اس کے لئے بہت اہمیت رکھتی ہے لیکن برن آنے کے بعد ابھی تک روبی کے بارے میں کوئی معلومات نہیں حاصل ہو سکیں اور اوشان بطخ اور چاول پر گفتگو کر رہا ہے۔ اوشان کا چہرہ سُت گیا۔ وہ گول گول آنکھوں سے ٹائیگر کو دیکھنے لگا پھر اس نے کہا۔

"غلط غذاؤں کا استعمال ذہنی سوچ پر اثر انداز ہوتا ہے۔ دماغ کی قوتیں وہ نہیں رہتیں جو ہونی چاہئیں، نتیجے میں سوچ کی قوت ختم ہوتی چلی جاتی ہے"۔

ٹائیگر نے اوشان کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اُس نے سنجیدہ ہو کر اوشان کو دیکھا اور دیر تک دیکھتا رہا وہ یہ سوچ رہا تھا کہ اوشان کیا درحقیقت روبی کے سلسلے میں کوئی کارروائی کرنے میں کامیاب ہو سکا ہے۔ بظاہر تو اس کے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

امکانات نظر نہیں آتے تھے۔ ان آٹھ افراد کے قتل کے واقعہ کو تین دن گزر چکے تھے اور ان تین دنوں میں روبی کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں حاصل ہو سکی تھی۔

اوشان کا چہرہ بتا رہا تھا کہ اسے کچھ معلومات حاصل ہو چکی ہیں اور اس بات کے امکانات ایک دوسری شکل میں موجود تھے۔ اوشان انوکھی کارکردگی کا مالک تھا۔ گو وہ بظاہر ہوٹل سیوائے کے کمرے میں مقیم اپنے مشاغل میں مصروف رہتا تھا لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ کب وہ وہاں سے نکل کر اپنا کام کر گیا ہو۔ البتہ اس دوران یعنی ان تین دنوں کے دوران ٹائیگر نے اس کے مشورے کے مطابق برن کے مختلف مقامات کی سیر کی تھی اور روبی کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی تھی لیکن اس میں اسے بالکل کامیابی نہیں حاصل ہوئی تھی۔

روبی آخر گم کہاں ہو گئی ہے۔ آبنوسی مجسمے کے بارے میں بہرام نے جو مختصر تفصیلات بتائی تھیں ان کی تکمیل بھی روبی ہی سے ہونا تھی لیکن اوشان تھا کہ بین کی بانسری بجا رہا تھا اور اس بات پر ٹائیگر کو حاص طور سے اس وقت کسی قدر حیرت ہوئی تھی۔ اوشان مسکراتی نگاہوں سے ٹائیگر کو دیکھتا رہا اور پھر اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"عورت دل میں ایسے چور راستے تلاش کرتی ہے کہ انسان کو بعض اوقات خود بھی ان راستوں کا کوئی علم نہیں ہوتا۔ ہاں جب کبھی وہ دل کی گہرائیوں میں جھانک کر دیکھتے ہیں تو کہیں نہ کہیں انہیں ان کی پسندیدہ عورت نظر آ جاتی ہے"۔

"سنانجو کے ماسٹر کو جہاں دوسرے بہت سے فنون میں کمال حاصل ہے وہیں لازمی طور پر اس نے عمر کا ایک بڑا حصہ یوں ہی نہ گنوا دیا ہو گا۔ اس کی ریسرچ عورت پر بھی ہو گی لیکن حیرت ہے کہ اوشان کے دل میں چھپی ہوئی عورت کبھی منظرِ عام پر نہیں آئی"۔

"اب اس کا تصور بھی میری آنکھوں سے گزر چکا ہے لیکن بقول تمہارے جب لوگ بوڑھے ہو جاتے ہیں تو وہ اپنے بچوں کی فکر میں سرگرداں ہو جاتے ہیں۔ میرا مشاہدہ روبی کی جانب تھا جو تمہارے دل میں چبھ رہی ہے اور میں اسے تمہارے چہرے پر پریشانی کی شکل میں دیکھ رہا ہوں۔ درحقیقت اس پریشانی میں میرا ایک حسین تصور چھپا ہوا ہے یعنی سنانجو کا وارث اور میں اس دن کے انتظار میں ہوں جب تم تھک کر اعترافِ شکست کر لو گے اور کہو گے کہ تمہیں روبی کی ضرورت ہے"۔ ٹائیگر نے ایک قہقہہ لگایا اور بولا۔

"سنانجو کا وارث اب کبھی اس روئے زمین پر نہیں آ سکتا۔ میرا خیال ہے کیوپڈ کے اس مجسمے کو اگر یہ عہدہ دے دیا جائے تو برا نہ ہو گا جو بے شمار لوگوں کی نگاہوں کا مرکز ہے"۔ اوشان کے چہرے پر ناراضگی کے آثار نظر آئے اور اس نے برا سا منہ بنا کر رُخ تبدیل کر لیا۔

ٹائیگر نے قریب پڑا ہوا تازہ اخبار اٹھا لیا اور اسکی سرخیوں پر نگاہیں دوڑانے لگا لیکن ایک جگہ اسے چونک کر رک جانا پڑا۔ ایک چھوٹا سا اشتہار چھپا ہوا تھا جو کسی مسٹر لوتھر وینائل کی جانب سے تھا۔ مسٹر لوتھر وینائل نے لکھا تھا کہ آبنوس کے ایک ایسے مجسمے پر انہیں کچھ لوگوں کی معلومات درکار ہیں جو کیوپڈ کی شکل میں بنا ہوا ہے اور یونان کا یہ آبنوسی دیوتا ان کے علم میں ہے لیکن وہ یہ نہیں جانتے کہ اس کی حیثیت کیا ہے۔ انہوں نے لوگوں سے کہا تھا کہ اگر کوئی اس کیوپڈ کے مجسمے کا شناسا ہو تو ان سے اس سلسلے میں ضرور ملاقات کر لے۔ ٹائیگر کی آنکھوں میں حیرت کے آثار نظر آئے اس نے فوراً ہی اخبار تھاما اور اوشان کے قریب پہنچ گیا۔

"میرے منصبی باپ یوں لگتا ہے جیسے ان دنوں تم نے بہت سی چیزوں میں دلچسپی لینا چھوڑ دی ہے۔ بھلا اخبار کی یہ خبر تمہاری نگاہوں سے کیوں محفوظ رہی اور تم نے اس موضوع پر مجھ سے کیوں گفتگو نہیں کی"۔ اوشان نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

"جو چیز پس اہمیت کی حامل ہوتی ہیں میں انہیں کبھی نظر انداز نہیں کر سکتا۔ یقیناً تم مسٹر لوتھر وینائل کے بارے میں کہہ رہے ہو گے"۔

"ہاں۔ کیا کیوپڈ کا آبنوسی مجسمہ ایسی ہی بیکار چیز ہے کہ اس پر تمہاری توجہ مبذول نہیں ہوئی"۔ اوشان خاموشی سے اسے دیکھتا رہا پھر اپنی جگہ سے اٹھا اور ٹائیگر کو اشارے سے کھڑکی کی جانب بلایا اور ایک سمت اشارہ کر کے کچھ دکھانے لگا۔ اوشان کی چھوٹی چھوٹی مگر تیز آنکھوں کو سڑک کے پار والا منظر صاف دکھائی دے رہا تھا یہی حال ٹائیگر کا بھی تھا ان دونوں کی آنکھیں کسی دوربین سے بھی تیز تھیں۔ ٹائیگر وہ سب دیکھ کر تھوڑی دیر حیرت میں رہا مگر وہ اوشان کی صلاحیتوں کو اچھی طرح جانتا تھا۔ ان دونوں کی نگاہ کا مرکز ایک چھوٹا سا بورڈ یا نیم پلیٹ نظر آئی اس پر ٹائیگر نے انتہائی واضح اور صاف الفاظ میں لوتھر وینائل لکھے ہوئے دیکھا۔ یہ لوتھر وینائل وہی شخص تھا جس نے یہ خبر یا اشتہار اخبار میں شائع کرایا تھا اور یہاں سے اوشان نے جس طرح اس کا انتخاب کیا تھا وہ انتہائی انوکھی اور شاندار بات تھی۔

ٹائیگر نے حیران نگاہوں سے یہ منظر دیکھا اور پھر گھوم کر اوشان کی صورت دیکھنے لگا۔ پھر اسے سامنے والی عمارت میں چند افراد نظر آئے جن میں ایک معمر شخص بھی موجود تھا۔ اس کے ہونٹوں میں پائپ دبا ہوا تھا اور وہ کسی گہری سوچ میں ڈوبا بیٹھا تھا۔ ایک درمیانے عمر کی عورت اندر داخل ہوئی اور اس نے جو کچھ بوڑھے شخص سے کہا ان کی آواز اوشان کے کانوں میں واضح طور پر آ رہی تھی۔ تھوڑی کوشش اور محنت کے بعد ٹائیگر کے کان بھی اُس آواز کو سننے کے قابل ہو گئے تھے۔

"تاہم اس کے بارے میں تمہیں اتنا بتا دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ یہ سب کچھ میں نے کیا ہے"۔

"آپ نے؟" ٹائیگر نے اوشان کو حیرت سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔ یہ سب کچھ اس لئے ضروری تھا کہ آگے بڑھنے کے راستے محدود ہو گئے تھے تو میں نے سوچا کہ اب اس مشن کا آغاز خود ہی کیوں نہ کیا جائے۔ بیچارے لوتھر وینائل کے فرشتے بھی نہیں جانتے کہ کیوپڈ کا آبنوسی مجسمہ کیا چیز ہے یا اخبار میں جو اشتہار شائع ہوا ہے اس کا ان سے کیا تعلق ہے"۔

"یعنی..... یہ سب کچھ....."۔ ٹائیگر کو کافی حیرت ہوئی۔

"ہاں..... یہ اشتہار اخبار میں نے ہی شائع کرایا تھا۔ دراصل یہ نام اتفاقیہ میری نظر سے گزرا تو میں نے یہ اخبار منتخب کیا اور اس میں اس نام سے یہ اشتہار دے دیا۔ اب لوتھر یقینی طور پر لوگوں کو یہ بتائے گا کہ نہ ہی ان کی طرف سے کوئی اشتہار شائع کرایا گیا ہے اور نہ وہ کسی کیوپڈ کے آبنوسی مجسمے کو جانتے ہیں لیکن جو لوگ یہ معلومات حاصل کرنے کے لئے آنے لگیں گے ان پر ہماری نگاہ رہے گی۔ میں نے ایک مخصوص وقت کا انتخاب کیا تھا۔ جب میں اس کام کا آغاز کروں گا اور اب لوگوں کا لوتھر کے پاس آنا جانا شروع ہو جائے گا۔ انہی لوگوں میں ہمیں وہ لوگ نظر آئیں گے جو اس آبنوسی مجسمے سے دلچسپی رکھتے ہیں"۔

"اوشان ذہانتوں کا بادشاہ تھا اور اس کی بے شمار صفتیں ابھی تک ٹائیگر سے بھی چھپی ہوئی تھیں۔ اوشان کنول کا آسن جما کر بیٹھ گیا۔

ٹائیگر نے وہ جگہ سنبھال لی اور اس کے بعد وہ مسٹر لوتھر وینائل کی بوکھلاہٹیں دیکھتا رہا۔ اس کی نگاہیں دور دور تک کا جائزہ لے رہی تھیں۔ عمارت کے اس حصے میں آنے والے اور لوتھر تک پہنچنے والے اور سب سے زیادہ حیران کن بات یہ تھی کہ جس جگہ کا انتخاب کیا گیا تھا وہاں لوتھر وینائل موجود تھا۔ ٹائیگر کو کئی بار ہنسی بھی آئی چونکہ لوتھر بوکھلاہٹوں کا شکار تھا اور ایک شخص کو انہوں نے خصوصی طور پر یہ بات بتائی تھی۔ یہ ان کے ساتھ مذاق کیا گیا ہے لیکن یہ شخص بالکل ہی قابل توجہ نہیں تھا کیونکہ وہ لوتھر سے زیادہ بوڑھا آدمی تھا اور اس کی گفتگو بھی یہ بتاتی تھی کہ وہ لوتھر کا شناسا ہے اور ان کے اس اشتہار پر حیرانی کا اظہار کر رہا ہے۔ اس دوران اوشان کنول کا آسن جمائے مراقبے میں بیٹھا ہوا تھا اور یقینی طور پر اس کا ذہن نجانے کہاں کہاں بھٹک رہا ہو گا۔ وہ شخص درازقامت تھا۔ گرے رنگ کا سوٹ جو بے داغ تھا اور چہرہ کچھ عجیب سی کیفیت کا حامل۔ اس نے لوتھر سے کچھ اس قسم کی گفتگو شروع کر دی جو ٹائیگر کے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

لئے ذرا چونکانے کا باعث تھی اور اسی وقت لوشان کی آواز اُبھری۔

"کیا یہ چوڑے جسم کا مالک دراز قامت شخص ہے"۔

ٹائیگر نے پلٹ کر لوشان کو دیکھا۔

"ہاں وہ ایسا ہی ہے"۔

"اس کا مقصد ہے کہ قابلِ توجہ ہے۔ اس کے الفاظ سنو"۔ ٹائیگر کی سماعت تیز ہو گئی۔

"نہیں لوتھر وینائل۔ تمہارے گھر میں دو نوجوان لڑکیاں اور ایک معمر عورت ہے جو یقیناً تمہاری بیوی ہے اگر تم ان کی لاشیں دیکھنا پسند کرتے ہو تو مجھے تمہاری اس حرکت پر کوئی اعتراض نہیں ہے"۔

"نہیں..... نہیں، میں تمہارے ساتھ چلنے کے لئے تیار ہوں"۔ لوتھر نے خوفزدہ لہجے میں کہا اور لوشان کی آواز اُبھری۔

"تم نیچے چلے جاؤ میرے بچے۔ وہاں پیلے رنگ کی ایک کار کھڑی ہوئی ہے اس میں ایک نیگرو جوان موجود ہے جو اس کار کا ڈرائیور ہے۔ میرا خیال ہے لوتھر کا تعاقب کرنے میں تمہیں آسانی ہو گی۔ ٹائیگر نے ایک نگاہ لوشان کو دیکھا اور اس کے بعد وہ ایک لمحے میں تیار ہو کر نیچے اُتر گیا۔ اس کار کو تلاش کرنے میں کوئی دقت نہیں ہوئی تھی۔ ٹائیگر نے گاڑی کا عقبی دروازہ کھولا اور پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ سامنے ولی عمارت کے دھندلے خاکے میں وہ سرخ رنگ کی اسٹیشن ویگن نظر آ رہی تھی۔ ٹائیگر نے ڈرائیور سے آگے چلنے کے لئے کہا اور ڈرائیور نے بغیر کسی تردد کے گاڑی آگے بڑھا دی۔ جیسے وہ ٹائیگر کو اچھی طرح پہچانتا ہو۔ سرخ رنگ کی اسٹیشن ویگن سے کچھ فاصلے پر اس نے نیگرو ڈرائیور سے گاڑی روکنے کے لئے کہا اور اسی وقت اس نے سامنے کی عمارت کے بڑے سے دروازے سے لوتھر کو باہر نکلتے ہوئے دیکھا۔ بھاری بھرکم جسم کے ڈھیلے ڈھالے سیاہ آدمی تھے لیکن وہ مستعد شخص جو گرے رنگ کے سوٹ میں ملبوس تھا ان کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا اور اس کے چہرے پر بکھری ہوئی سفاکی بتاتی تھی کہ بہت خوفناک آدمی ہے۔ اسٹیشن ویگن کی پچھلی سیٹ پر وہ لوتھر کے ساتھ بیٹھ گیا اور اسٹیشن ویگن اسٹارٹ ہو کر آگے بڑھی۔ نیگرو ڈرائیور نے ٹائیگر کے اشارے پر کار اس سرخ کار کے تعاقب میں آگے بڑھا دی تھی۔

بدحواس شخص کے چہرے پر بارہ بج رہے تھے۔ اس کا ہاتھ بار بار اسٹیرنگ پر بہک جاتا تھا اور اسکے نزدیک بیٹھی ہوئی روبی بار بار اس کے شانے کو تھپکی دے کر اسے ہوشیار کر دیتی تھی۔

"میرے خیال میں تمہیں اس طرح بدحواس نہیں ہونا چاہئے۔ ابھی تو تمہیں بہت کام کرنا ہے ایڈل"۔

"نن..... نہیں..... میں بدحواس نہیں ہوں"۔

ایک شاندار سوٹ میں ملبوس وہ بہت اسمارٹ نظر آ رہا تھا لیکن ایسا آدمی کبھی بھی روبی کے لئے پسندیدہ شخصیت نہیں ہو سکتا تھا جس کی ذہنی کیفیت یہ ہو۔ تاہم بعض اوقات اُسے ناپسندیدہ لوگوں سے بھی رابطے رکھنا پڑتے تھے۔ اسی بنیاد پر وہ اس شخص کا ساتھ قبول کئے ہوئے تھی ورنہ اصولی طور پر اسے اس سے بہت جلد پیچھے ہٹ جانا چاہئے تھا بالآخر وہ..... ان گوداموں کے سلسلے کے بالکل قریب پہنچ گئے۔ ایسی ہی ایک خوبصورت رہائش گاہ جو ایک بڑے سے گودام کے بالکل نزدیک تھی اس وقت بقعۂ نور بنی ہوئی تھی۔ روشنیاں ہو رہی تھیں اور ایک بہت بڑے وسیع و عریض لان پر انتظامات کئے گئے تھے۔ بے شمار کاریں پارکنگ لاٹ پر موجود تھیں۔ ان کی کار بھی اسی پارکنگ لاٹ پر جا کر رک گئی۔ نیچے اترتے ہوئے ایک بار پھر ایڈل کے قدم لڑکھڑائے تھے اور روبی نے اسے تھپکی دیتے ہوئے کہا تھا۔

"کم از کم آج میڈم ہلڈا گاربو کا دیدار تو ہو ہی جائے گا۔ اس کے بعد اگر تم مطمئن رہو تو میرا ساتھ دینا ورنہ ٹاٹا کو اور ایڈل کے سلسلے میں میں خود ہی کچھ نہ کچھ کر لوں گی"۔

"اوہ..... نہیں مس دراصل آپ خود ہی اس سلسلے میں بہت زیادہ سوچ رہی ہیں۔ ورنہ..... ورنہ..... میری

اپنی اس کیفیت کو تو میں خود بھی قابو میں نہیں کر پا رہا۔ آپ بہتر ہے اسے نظرانداز کر دیں"۔ روبی نے کوئی جواب نہیں دیا۔

کام کے آدمیوں پر ہنسا نہیں جاتا چنانچہ وہ وقت گزار رہی تھی۔ مہمانوں کے لئے ایک خوبصورت نشست گاہ ترتیب دی گئی تھی۔ اس کے علاوہ بہت سے لوگ تھے جو مختلف ٹولیوں میں بٹے ہوئے ادھر سے اُدھر گھوم پھر رہے تھے۔ وہ ایڈل کے ساتھ آگے بڑھتی چلی گئی۔ کچھ لوگوں نے ان کی جانب مسکراتی نگاہوں سے دیکھا تھا لیکن چونکہ براہِ راست کوئی شناسائی نہیں تھی۔ اس لئے کوئی بھی ان سے مخاطب نہیں ہوا۔ ایڈل کی نگاہیں چاروں طرف بھٹک رہی تھیں۔ اس کے انداز میں لب بھی لڑکھڑاہٹ تھی۔

جس عورت کی جانب ایڈل نے اشارہ کیا تھا وہ بلاشبہ ان تمام خواتین سے مختلف تھی۔ سیاہ رنگ کے ایک انتہائی خوبصورت لباس میں ایک بلند قد و قامت کی عورت جس کے بالوں کا اسٹائل حسین ترین تھا اور چہرہ بلاشبہ اس کی صحیح عمر کا اندازہ نہیں ہونے دیتا تھا۔ رنگ بہت زیادہ صاف لیکن اس پر ایک عجیب سی ملاحت تھی۔ عام طور سے سوئیڈش لوگوں کے کلر سفید ہوتے ہیں لیکن ان میں ایک جداپن ہوتا ہے جب کہ اس عورت کے چہرے پر چکناہٹ تھی اور اس کی بنیادی وجہ یہی ہو سکتی تھی کہ اس کا تعلق سوئٹزرلینڈ سے نہیں بلکہ مغربی جرمنی سے تھا۔ تاہم اس کی شخصیت کے بارے میں صحیح طور پر اندازہ لگانا بے حد مشکل تھا اور اس کو دیکھ کر ایڈل کی جو حالت ہوئی تھی صرف اسی سے روبی نے یہ اندازہ لگایا تھا کہ یہ عورت ہلڈا گاربو ہو سکتی ہے۔ اس نے ایک بار پھر ایڈل کو سہارا دینے کی کوشش کی اور آہستہ سے کہا۔

"کیا وہ ہلڈا گاربو ہے؟"

"ہاں..... ہاں..... وہی ہے"۔

"لیکن اس کا چہرہ۔ میرا مطلب ہے تم تو کہتے تھے؟"

"میں نے تم سے کہا تھا نہ کہ وہ چہرے بدلنے پر قادر ہے لیکن لیکن میں اسے..... میں اسے....."۔

"تم سے کوئی غلطی تو نہیں ہو رہی ایڈل"۔

"جس شخص کو اپنی موت اس قدر نزدیک سے نظر آئے وہ بھلا کوئی غلطی کر سکتا ہے"۔

"ہوں! ٹھیک ہے آؤ بیٹھتے ہیں۔ میں اس عورت کا قریب سے جائزہ لوں گی اور تم بھی مطمئن رہنا میں اسے تمہارے قریب نہیں آنے دوں گی"۔

"تمہیں ہوشیار رہنا ہو گا"۔ ایڈل نے کپکپاتی آواز میں کہا۔

"کیوں؟ مجھے اس سے کیا خطرہ درپیش ہو سکتا ہے؟"

"وہ دلوں کے راز جان لیتی ہے۔ وہ اپنے دشمنوں کو سونگھ کر پہچان لیتی ہے۔ تم..... تم اس کی بے پناہ صلاحیتوں کا اندازہ نہیں کر سکتیں"۔

روبی کے چہرے پر حقارت آمیز مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ ایڈل کو کیا بتا سکتی تھی کہ خود اس کا ساتھ کس قسم کے لوگوں سے ہے۔ وہ ایسے کسی کردار کو کبھی اہمیت دینے

مشہور سلسلہ
سرکش
محمود احمد مودی کے ایڈونچرس قلم سے 12 حصوں میں شائع ہو گیا ہے
قیمت فی حصہ -/60 روپے
مکمل سیٹ -/720 روپے
ناشر
مکتبہ القریش
سرکلر روڈ، اردو بازار لاہور فون ۶۶۸۹۵۸

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کی قائل نہیں رہی۔ ہلڈا کو دیکھنے کے بعد روبی نے اسے مزید قریب سے دیکھنا چاہا۔ یہ بات اس کے ذہن میں بھی نہیں تھی کہ وہ ہلڈا سے کوئی تعارف حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ ایڈل کو دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا تھا کہ یہاں سے اس کی زندہ واپسی بھی مشکل ہی ہے۔ کمبخت کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا اور سانس دھونکنی کی طرح چل رہا تھا۔ روبی نے اسے ایک کرسی پر بٹھایا اور چند لمحات اس کے ساتھ بیٹھ کر ایک مشروب سے شغل کرتی رہی۔ اس دوران اس کی نگاہیں ہلڈا اور اس کے اطراف میں پھیلے ہوئے لوگوں پر بھی جمی رہی تھیں۔ وہ ان لوگوں کے بارے میں بھی اندازے لگانے کی کوشش کر رہی تھی لیکن عموماً جو لوگ اسے یہاں نظر آ رہے تھے وہ سوئٹزرلینڈ کے معزز طبقے کے لوگ تھے اور ان میں کم از کم بظاہر کوئی ایسا جرائم پیشہ آدمی نظر نہیں آتا تھا جس کے بارے میں یہ کہا جا سکے کہ وہ ہلڈا کا ساتھی ہو گا۔ وہ خود بھی ان لوگوں کے ساتھ دوستانہ انداز میں ہنستی مسکراتی اور گفتگو کرتی ہوئی ادھر سے ادھر آ جا رہی تھی۔

پھر روبی اس کے پاس سے اٹھ گئی اور ایڈل کو تسلی آمیز الفاظ کہہ کر ہلڈا گاربو کے قریب سے گزرتی ہوئی چلی گئی۔ اس نے اس عورت کو اب بالکل قریب سے دیکھا تھا اور اس بات میں کوئی شک نہیں تھا کہ بنور اس کے چہرے کا جائزہ لینے کے بعد اس میں کچھ نمایاں خصوصیات کا احساس ہوتا تھا مثلاً اس کی آنکھیں جو کسی سانپ کی آنکھوں کی مانند محسوس ہوتی تھیں پھر عجیب سی مدھم مدھم لیکن سنگدلانہ کیفیت ان آنکھوں میں موجود تھی۔ روبی کا اندازہ اس کے بارے میں غلط نہیں تھا۔ یقینی طور پر وہ ایک خوفناک عورت تھی اور ایڈل نے جو کچھ اس کے بارے میں کہا تھا وہ تقریباً درست ہی تھا۔ دوسری بار بھی اس کے سامنے سے گزرتے ہوئے اس نے اسے بہت غور سے دیکھا۔

ہلڈا گاربو نے ایک بار بھی نگاہیں اٹھا کر روبی کو نہیں دیکھا تھا۔ ظاہر ہے یہاں بہت سے مہمان تھے اور وہ روبی پر کوئی شک نہیں کر سکتی تھی۔ روبی بہت دیر تک یہاں مصروف رہی۔ اس نے کچھ لوگوں سے گفتگو بھی کی تھی۔ اتنا ہی کافی تھا کہ اچھے لباس میں ملبوس ایک اچھی شخصیت ان کے درمیان موجود تھی۔ ایسی حالت میں بھلا کون یہ جاننے کی کوشش کرتا ہے کہ کون کس کا مہمان ہے اور اسے کس نے مدعو کیا ہے۔ تقریبات جاری رہیں۔ غالباً اس تقریب کا کوئی اہم مقصد بھی تھا لیکن اس مقصد سے روبی کو دلچسپی نہ تھی۔

ایڈل خاموش بیٹھا اس خوفناک عورت کو دیکھ رہا تھا جس سے اس کی زندگی کا ایک بہت بڑا حصہ وابستہ تھا۔ اس وقت اس نے سکون کی گہری گہری سانسیں لیں جب روبی واپس اس کے پاس پہنچ گئی۔

اس نے سرگوشی کے انداز میں کہا۔

"کیا تم اس سے مطمئن ہو"۔

"مطلب؟" روبی نے سوال کیا۔

"میرا مطلب ہے تم اسے صرف دیکھنا چاہتی تھیں اس تقریب سے تو تمہیں کوئی اور دلچسپی نہیں ہے"۔

"نہیں بھلا مجھے اس تقریب سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے"۔

"تو پھر ہم کیوں نہ واپس چلیں"۔

"تمہاری مرضی ہے"۔

"یہاں سے واپس چلو، میرا دم گھٹ رہا ہے"۔

"میں صرف یہ چاہتی تھی کہ کچھ ایسے لوگوں کو تلاش کر لوں جن کی معرفت دوبارہ اس تک پہنچا جا سکے"۔

"تو کیا یہ کام تم نہیں کر سکیں؟"

"نہیں۔ میں نے کچھ لوگوں کو شناخت کر لیا ہے اور ان کے قریب پہنچ کر میں ہلڈا گاربو کے بارے میں معلومات حاصل کر سکتی ہوں"۔

"مثلاً"۔ ایڈل نے پوچھا۔

"وہ جو ایک بھاری بھرکم شخصیت۔ وہ ہلڈا سے بہت زیادہ قریب نظر آتی ہے"۔

"یہ میری ذمہ داری ہے کہ میں تمہیں اس کے بارے میں مکمل تفصیلات سے آگاہ کر دوں گا لیکن اب یہاں سے چلو اور ابھی تو ہمارے سامنے ٹار کو اور ریڈل ہیں

بھی ہیں۔ میں اس صورت میں زیادہ مطمئن ہو کر کام کر سکتا ہوں جب مجھے ایک سمت سے اطمینان ہو جائے"۔ روبی دل ہی دل میں ہنسی اور اس کے بعد اس نے واپسی کا فیصلہ کر لیا۔ رات اچھی خاصی ہو چکی تھی لیکن ابھی یہ تقریب پوری طرح عروج پر نہیں پہنچی تھی۔ اب بھی اکا دکا مہمان آتے ہوئے نظر آ جاتے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ پارکنگ لاٹ پر واپس پہنچ گئے اور ایڈل نے اسٹیرنگ سنبھال لیا۔ روبی ہنس کر بولی۔

"کیا تم ڈرائیونگ کر سکتے ہو؟"

"ہاں اب کوئی پریشانی نہیں ہے۔ جب ہم اس گودام کے راستے سے نکل جائیں گے تو میں بالکل مطمئن ہو جاؤں گا"۔ روبی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ایڈل نے اپنی گاڑی اسٹارٹ کی اور اسے ریورس کر کے پارکنگ لاٹ سے باہر نکال لایا۔ وہ بہت طوفانی رفتار سے جانا چاہتا تھا لیکن روبی نے اسے آگاہ کرتے ہوئے کہا۔

"تمہاری بدحواسی تمہارے لئے نقصان دہ ہو سکتی ہے"۔

"اوں..... ہاں شاید....."۔ اس نے کہا اور اس کے بعد اس نے گاڑی کی رفتار سست کر دی۔ ویسے بھی لکڑی کے پل سے گزرتے ہوئے انہیں محتاط رہنا تھا چونکہ یہاں بھاری مشینری کافی تعداد میں نظر آ رہی تھی۔ ایک طرف سے گھرڑ گھرڑ کی کچھ آوازیں اُبھر رہی تھیں اور ایک کرین مصروفِ عمل تھی۔ پیٹیاں اٹھا اٹھا کر ادھر سے اُدھر پٹخی جا رہی تھیں۔ وہ تھوڑے فاصلے پر پہنچے تو دفعتاً ہی انہیں کچھ لوگ نظر آئے جو رکنے کا اشارہ کر رہے تھے۔ ایڈل کے چہرے پر خوف کے آثار پھیل گئے۔

"یہ..... یہ..... کیا ہو..... رہا ہے؟"

"چلتے رہو اور خاموشی سے ان کے قریب پہنچ کر رک جاؤ"۔ روبی نے سرد لہجے میں کہا۔ وہ تین آدمی تھے جو خاص قسم کے مزدوروں جیسے لباس پہنے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک نے مؤدبانہ انداز میں آگے بڑھ کر کہا۔

"جناب عالی یہ گزرگاہ بند کر دی گئی ہے"۔

"کک..... کیا مطلب.....؟"

"آپ کو دوسرے پارکنگ لاٹ سے گزر کر اس راستے سے جانا ہو گا۔ دراصل اب یہاں کام شروع ہو گیا ہے۔ اس لئے اب معزز مہمانوں سے معذرت کر لی گئی ہے۔ یہ راستہ ویسے بھی عام راستہ نہیں تھا لیکن بس تھوڑی دیر کے لئے اسے کھول دیا گیا تھا"۔

"مگر ہمیں واپس جانے کے لئے طویل راستہ اختیار کرنا ہو گا"۔

"مجبوری ہے میڈم۔ آپ خود دیکھ لیجیے۔ اس سمت سامان پڑا ہوا ہے اور راستہ بند ہو چکا ہے"۔ وہ شخص گردن خم کر کے پیچھے ہٹ گیا۔ مطلب یہ تھا کہ اب اس سلسلے میں مزید کوئی گفتگو نہیں کی جا سکتی۔ روبی نے شانے ہلائے اور آہستہ سے بولی۔

"ٹھیک ہے گاڑی واپس موڑ لو"۔ لیکن وہ اس خوفناک سائے کو دیکھنے میں کامیاب ہو گئے تھے جو آہستہ آہستہ ان پر اترتا آ رہا تھا۔ ایک لمحے کے لئے تو صورتِ حال کا اندازہ نہیں ہو سکا لیکن دوسرے لمحے کچھ وزنی آوازیں سنائی دیں جو گاڑی کی چھت پر سے ابھری تھیں۔ روبی اور ایڈل نے حیران نگاہوں سے دیکھا تو ایک چوڑا شکنجہ جو کرین کے آخری سرے پر لٹکا ہوتا ہے گاڑی کی چھت تک پہنچ چکا تھا اور غالباً مضبوط میکنزم کے تحت اس شکنجے نے گاڑی کی چھت کو اپنی گرفت میں جکڑنا شروع کر دیا تھا۔ گاڑی کا اگلا بڑا حصہ مڑنے لگا اور چند ہی لمحات کے بعد گاڑی اپنی جگہ سے کئی فٹ اوپر اُٹھ گئی۔ روبی کا منہ دہشت سے کھلے کا کھلا رہ گیا تھا اور ادھر ایڈل کی حالت بھی خراب ہو گئی۔ روبی کو اب یہ اندازہ لگانے میں کوئی دقت نہیں ہو رہی تھی کہ وہ یقینی طور پر کسی سازش کا شکار ہو گئے ہیں۔ گاڑی کو زمین سے کافی اونچا اٹھا لیا تھا۔ گاڑی سے نیچے چھلانگ لگانا بھی ممکن نہیں تھا۔ روبی نے ایڈل کو زور سے جھنجھوڑا اور آہستہ بولی۔

"تم..... تم اس قدر خوفزدہ ہو گئے ہو کہ مجھے تمہاری زندگی کا خطرہ پیدا ہو گیا ہے۔ ہوش میں آؤ خدا کے لئے ہوش

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

میں آؤ"۔ روبی اب پوری طرح ذہنی طور پر معتدل ہو گئی تھی۔ ایڈل کے بارے میں فکر کرنا بے سود تھا۔ روبی نے دروازے کے پینڈل کو آزمانے کی کوشش کی مگر ناکام رہی۔ روبی کا جسم آہستہ آہستہ کھڑکی سے باہر نکلنے لگا۔ یہ ایک انتہائی خطرناک کام تھا اور روبی کو یہ خدشہ تھا کہ جو لوگ کرین آپریٹ کر رہے ہیں وہ اسے یقینی طور پر دیکھ لیں گے لیکن اس وقت زندگی کی بازی لگا کر ہی ان کی گرفت سے نکلا جا سکتا تھا چنانچہ چند ہی لمحات کے بعد اس کا جسم کھڑکی سے گزر کر گاڑی کی چھت تک آ پہنچا تھا۔ شکنجہ اس کا معاون ثابت ہوا اور اس نے شکنجے کا وہ مضبوط حصہ پکڑ لیا جس کے ذریعے وہ اوپر چڑھ سکتی تھی۔ کرین کے آپریشن کیبن میں بیٹھے ہوئے لوگ بغور اس سمت کا جائزہ لے رہے تھے۔ وہ منہ پھاڑے اس منظر کو دیکھ رہے تھے اور ایک کرین کو مکمل طور سے آپریٹ کر رہا تھا۔ پیچھے بیٹھے ہوئے دونوں افراد میں سے ایک نے کہا۔

"یہ صورتِ حال ہمارے لئے خوفناک ہے۔ لڑکی کار سے باہر نکل آئی ہے اب کیا کیا جائے؟"

"کار اتنی بلندی پر پہنچ چکی ہے کہ اگر اس نے نیچے چھلانگ لگانے کی کوشش کی تو اس کے ہاتھ پاؤں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مفلوج ہو جائیں گے"۔

"لیکن اس کے سلسلے میں ہم میڈم کو کیا جواب دیں گے"۔

"میڈم ہمیں ہدایت بھی تو نہیں دے رہی ہیں"۔

"اوہو دیکھو وہ لوہے کی رسی پر اوپر چڑھ رہی ہے۔ ان میں سے ایک نے مضطربانہ انداز میں کہا۔ روبی اس وقت لوہے کی رسّی کے تاروں کے ذریعے کرین --- پر پہنچنے کی کوشش کر رہی تھی کیونکہ اس کے بعد اس وسیع و عریض راڈ پر آگے بڑھنا اس کے لئے آسان کام تھا۔ تب کرین آپریٹ کرنے والے نے کہا۔

"اب اس سے زیادہ برداشت نہیں کیا جا سکتا۔ اگر تمہیں اپنے نشانے پر ناز ہے تو اس کے پیروں کو نشانہ بنانے کی کوشش کرو۔ زیادہ سے زیادہ ہم یہی کر سکتے ہیں"۔

روبی اس وقت کار پر چڑھتی ہوئی کرین کے سرے تک پہنچنے کی کوشش کر رہی تھی کہ اسے پہلا دھماکہ سنائی دیا اور گولی اس کے پیروں کے بالکل قریب سے نکل گئی۔ اس نے کمال پھرتی سے کام لیتے ہوئے اس رسی کو چھوڑا اور شکنجے کے نچلے حصے میں آ گئی۔ اب اس نے جہاں سے آغاز کیا تھا وہیں پہنچ گئی تھی لیکن اس نے ایک اور طریقہ منتخب کیا۔ یہ اندازہ اسے بخوبی ہو گیا تھا کہ فائر کرین کے آپریشن کیبن سے کیا گیا ہے۔ باقی اطراف خالی ہے جہاں تقریب ہو رہی تھی وہاں آرکسٹرا کی تیز دھنیں پھیلی ہوئی تھیں۔ اس لئے فائر کی آواز وہاں نہیں سنی جا سکی ہو گی۔ یہی تین افراد یہاں موجود تھے۔ اس بیوقوف آدمی ایڈل نے تو کبھی زندگی کے لئے ہاتھ پاؤں ہلانے کے بارے میں سوچا بھی نہیں ہے۔ اس وقت بھی مٹی کے بت کی مانند وہ کار کے اسٹیرنگ پر جما ہوا تھا۔ انجن اسٹارٹ تھا اور پچھلے ٹائر گھوم رہے تھے۔ اتنے بدحواس آدمی کی زندگی کا تحفظ زیادہ سے زیادہ کہاں تک کیا جا سکتا ہے۔ روبی کے دل میں نفرت کی ایک لہر اُٹھی۔ روبی نے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا اور اب وہ کار کی چھت پر اتر گئی تھی۔ کار چونکہ جھول رہی تھی اور چھت پر اترنے کے بعد بھی اس پر پاؤں جمائے رکھنا مشکل تھا۔ روبی نے خوف کا اظہار کئے بغیر تار پر چڑھنا شروع کر دیا اور اس بار اس نے طریقہ کار مختلف رکھا تھا۔ گو یہ لوہے کی ایک لمبی رسی تھی جو اوپری سرے سے لٹک رہی تھی۔ وہ کسی پھرتیلی بلی کی طرح رسی پر چڑھتی ہوئی اوپر پہنچ گئی اور دوسرے لمحے اس کے ہاتھ میں راڈ کا ایک خانہ آ گیا جس میں اس نے اپنے ہاتھ کا پنجہ پھنسا لیا اور پھر اُدھر سے دوبارہ گولیاں چلائی گئیں۔ تین گولیاں یکے بعد دیگرے چلی تھیں لیکن روبی نے اپنے جسم کو سمیٹ کر لب راڈ پر ڈال دیا تھا۔ ان تینوں افراد کا اس پھرتیلی لڑکی پر قابو پانا ممکن نہیں تھا وہ اتنی گولیاں چلانے کے بعد بھی اس پر کامیاب نہیں ہو سکیں گے کیوں کہ اب وہ لوہے کی راڈ پر تھی۔ روبی کو ایک بار پھر انتہائی محنت کرنا پڑی تھی۔ وہ بالکل راڈ سے جمی ہوئی تھی اور راڈ اوپر نیچے ہوتی ہوئی گھوم رہی تھی لیکن اس

کے ساتھ ساتھ ہی اب اس کے کانوں میں ایڈل کی چیخیں بھی سنائی دینے لگی تھیں۔ ایڈل کو موت کا خوف محسوس ہو رہا تھا اور وہ کربناک انداز میں چیخ رہا تھا اور پھر اوپر اُدھر دیکھنے لگی۔ راڈ گھومتی ہوئی نجانے کہاں سے کہاں پہنچ رہی تھی پھر ایک بار روبی نے گھومتی ہوئی راڈ کے نیچے دیکھا اور اسے پانی کی لہریں نظر آئیں۔ لکڑی کا پل دریا پر بنا ہوا ہے اور دریا کا پاٹ کافی چوڑا ہے۔ اس موقع سے اس نے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور یہ اندازہ لگانے لگی کہ راڈ کب اس طرح جھولتی ہوئی دریا کے اوپر سے گزرتی ہے اور اس کے لئے اس نے سمت کا تعین بھی کر لیا تھا۔ اس بار جیسے ہی راڈ اوپر نیچے ہوتی ہوئی دریا کے اوپری حصے پر پہنچی روبی نے اپنے آپ کو ڈھیلا چھوڑ دیا اور کسی پتھر کی مانند وہ دریا کے پانی پر نیچے گرنے لگی۔

روبی نے جیسے ہی راڈ کو چھوڑا تو فضا میں ایک بار پھر گولیوں کی تڑتڑاہٹ گونج اٹھی مگر ہوا میں چلائی ہوئی گولیوں کا کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ ایک زور دار چھپاکا ہوا اور روبی دریا کے گہرے پانی میں جا گری۔ کچھ دور تک تو وہ نیچے چلی گئی۔ لیکن اس کے بعد اس نے خود کو سنبھالا اور فوراً ہی تیرنا شروع کر دیا۔ اسے یہ خدشہ تھا کہ وہ لوگ اس جگہ ضرور گولیاں چلائیں گے جہاں اس کے گرنے کا امکان موجود ہے۔ پانی میں چلائی ہوئی گولیاں کس حد تک کارگر ہو سکتی ہیں اس نے فوراً آگے کی سمت متعین کی اور اس کے بعد چند ہی لمحوں میں وہ لکڑی کے پل کے نیچے تھی۔ وہ پھرتی سے پل کے نیچے نیچے آگے بڑھتی ہوئی اس کے دوسرے سرے پر پہنچ گئی۔ اور پھر اس نے پل کے جنگلے کو آزمانا شروع کر دیا۔ پل کا یہ جنگلہ بھی خاصا بوسیدہ تھا۔ اس نے برق رفتاری سے اوپر چڑھنا شروع کر دیا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی پل کے بالکل اوپری حصے پر پہنچ گئی کرین اپنی جگہ ساکت تھی۔ گاڑی اس میں جھول رہی تھی۔ اور آپریشن روم میں وہ تینوں افراد موجود نہیں تھے۔ گویا روبی کا اندازہ بالکل درست تھا۔ ایک لمحے رک کر اس نے کرین کے آپریشن روم کی طرف بڑھنا شروع کیا۔ کم از کم یہ تو ہو سکتا تھا کہ وہ خود بھی ہاتھ پاؤں ہلا لے اگر ایڈل چاہتا تو خود بھی گاڑی سے نکل سکتا تھا۔ مگر وہ بزدل شخص تھا۔ روبی کے آپریشن روم کی طرف قدم بڑھے ہی تھے کہ اسے ایک گاڑی کی ہیڈ لائٹس نظر آئی۔ اور وہ اپنی جگہ ساکت ہو گئی۔ غالباً وہ لوگ دریا کی جانب متوجہ تھے گاڑی کا ہلکا سا ہارن سنائی دیا۔ اور وہ ایک جگہ آ کر رک گئی۔ یہ جگہ روبی سے زیادہ دور نہیں تھی۔ اور وہ جس جگہ کھڑی ہوئی تھی یہاں لوہے کے بڑے بڑے ڈرم موجود تھے۔ اگر گاڑی سے اترنے والے اطراف میں بھاگ دوڑ کریں تو یہ ڈرم بڑے کارآمد ہو سکتے ہیں۔ روبی نے اس گاڑی کو دیکھا بہت بڑی اور اور مخصوص قسم کی ویگن تھی جس کا رنگ سیاہ تھا۔ روبی ان لوگوں کی کارروائیاں دیکھتی رہی۔ ویگن سے ایک غراتی ہوئی آواز سنائی دی۔

"کتے کے بچو! تم لوگ ایک لڑکی کو گرفتار کرنے میں ناکام رہے۔ آخر وہ گاڑی سے نکل کیسے گئی؟"

"لم --- میڈم --- وہ --- لڑکی نہیں، چھلاوہ تھی۔ چھلاوہ---"

"چھلاوہ" میڈم کی آواز ابھری اور اس کے ساتھ ہی ایک کربناک چیخ۔ غالباً سائلنسر لگے ہوئے پستول سے گولی چلائی گئی تھی اور وہ شخص ختم ہو گیا تھا۔ جس نے روبی کو چھلاوہ کہنے کی کوشش کی تھی۔ میڈم کے بارے میں ابھی کوئی فیصلہ کرنا ممکن نہیں تھا۔ کہ وہ کون ہیں۔ تاہم میڈم کی چیختی آواز ابھری۔

"تلاش کرو اسے اگر وہ نہ ملی تو میں تم میں سے ایک ایک کو ختم کر دوں گی۔" وہ سب روبی کی تلاش میں بکھر گئے اور روبی نے میڈم نامی عورت کو نیچے اترتے ہوئے دیکھا۔ یہ دیکھ کر اس کی آنکھیں عجیب سے انداز میں پھیل گئیں کہ وہ میڈم ہلڈا گاربو ہی تھی۔ وہ اپنے مخصوص لباس میں ملبوس تھی۔ اور کمر پر دونوں ہاتھ رکھے کھڑی ان لوگوں کی حرکات کو دیکھ رہی تھی چند لمحے اسی طرح گزر گئے اور میڈم نے آہستہ سے کہا۔

"یہ کتے اسے تلاش نہیں کر سکیں گے۔ کار میں اور

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کون موجود ہے؟"

"اس کا ساتھی موجود ہے۔"

"چلو کار نیچے اتارو۔" میڈم نے کہا اور اس کے بعد ایک آدمی برق رفتاری سے کرین کی جانب دوڑ گیا اس دوران روبی کھسک کر آہستہ آہستہ ڈرموں کے بالکل قریب آ گئی بہترین موقع تھا وہ اگر چاہتی تو اس میڈم کا یہیں پر خاتمہ کر سکتی تھی۔ اگر وہ ہلڈا گاربو کو ختم کر دیتی تو روبی اس سے کوئی کام نہیں لے سکتی تھی۔ روبی نے اپنے آپ کو قابو میں رکھا۔ البتہ ایک اور بات سوچی اس نے وہ یہ تھی کہ اب یہ لوگ ایڈل کو نیچے اتاریں گے ہو سکتا ہے اسے یہیں قتل کر دیا جائے یا ہو سکتا ہے اسے اغوا کرنے کی کوشش کی جائے اور اس کے بعد یہ میڈم یہاں سے روانہ ہو جائیگی۔ پھر روبی کیا کرے گی۔ اس کے پاس تو اب کوئی ذریعہ بھی نہیں تھا جس سے اس بڑی گاڑی کا تعاقب کر سکتی۔ چنانچہ اس نے فوراً ہی ایک فیصلہ کیا۔ اور زمین پر لوٹیں لگاتی ہوئی گاڑی کے نیچے رینگ گئی۔ اسے اس سلسلے میں کمال حاصل تھا۔ اور اس نے ذرہ برابر آواز نہیں پیدا ہونے دی تھی گاڑی کے نیچے رینگ جانے سے کوئی خاص نتیجہ نہیں نکل سکتا تھا۔ لیکن اس نے گاڑی کی اس کور شیلڈ کو دیکھا جو نیچے لگی ہوئی تھی۔ یہ کور شیلڈ اسے کار آمد محسوس ہوئی تھی۔ اگر تھوڑا سا ہٹ کر اس بڑی گاڑی کے کور شیلڈ کے ان حصوں میں ہاتھ ڈال دیا جائے تو گاڑی کے نچلے حصے سے چپکنے میں کامیابی حاصل ہو سکتی ہے، روبی کے پاس اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں تھا۔ روبی نے لیٹے لیٹے اس کور شیلڈ کے ان خانوں میں ہاتھ ڈالا اسے چاروں ہاتھ پاؤں پھنسانے کے لئے عمدہ جگہ مل گئی اور زمین پر لیٹی ادھر ادھر ہونے والی گفتگو کو سننے لگی۔ میڈم کی آوازیں مسلسل ابھر رہی تھیں۔ وہ ایک ایک شخص کو بری طرح گالیاں دے رہی تھی۔ اور وہ خوفزدہ تھے۔ بالآخر میڈم نے کہا۔

"چلو اس کتے کو باہر نکالو۔۔۔۔"

"جی میڈم۔" روبی سمجھ گئی کہ یہ کتا کون ہے۔ دل ہی دل میں اسے ہنسی آنے لگی۔ روبی کو یہ اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ ایڈل کو انہوں نے کس طرح کار سے باہر نکالا تھا۔ لیکن اس میں تین چار منٹ ضرور لگ گئے تھے۔ اس کے بعد وہ ایڈل کو گھسیٹتے ہوئے لے آئے اور ہلڈا کی آواز ابھری۔

"اسے گاڑی میں بٹھاؤ۔" انہوں نے اسے گاڑی میں ٹھونس دیا تھا۔ اور روبی تیار تھی۔ اس نے نہایت احتیاط کے ساتھ اپنے دونوں ہاتھ اور پاؤں خلاؤں میں پھنسائے اور خلا میں اپنے آپ کو پھنسانے کے بعد وہ کسی مقناطیس کی طرح اوپر اٹھی اور کور شیلڈ سے چپک گئی۔ اسی اثنا میں گاڑی اسٹارٹ ہو گئی تھی اور اس کے بعد وہ سست رفتاری سے گاڑی کے پل پر آگے بڑھنے لگی۔ روبی نے گردن گھما کر نیچے زمین کو دیکھا تقریباً سوا فٹ کا فاصلہ تھا۔ یہ فاصلہ بہت کم تھا گاڑی اگر کسی ایسی چیز کے اوپر سے جو لوک دار یا لوچی ہوتی تو روبی کو مزا آ جاتا اور اس نے اپنے آپ کو ذہنی طور پر آزاد کر لیا اور اب گاڑی کی رفتار تیز ہونے لگی تھی۔

------O------

"سیاہ فام نیگرو ڈرائیور یہ بات اچھی طرح جانتا تھا کہ اسے سرخ گاڑی کا تعاقب کرنا ہے۔ ٹائیگر لوشان کی اس کوشش کے بارے میں سوچ رہا تھا جو اس نے کی تھی۔ اس میں شک نہیں کہ لوشان جب کوئی کارنامہ دکھانے پر آتا تو وہ ایسا ہوتا کہ ٹائیگر کو جو اس کی رگ رگ سے آشنا تھا حیران رہ جاتا۔ گرے سوٹ میں ملبوس جس آدمی کو ٹائیگر نے دیکھا تھا اسے ایک نگاہ ہی میں خطرناک آدمی کہا جا سکتا تھا۔ کار مختلف راستے طے کرتی ہوئی ایک انتہائی خوشنما علاقے میں داخل ہو گئی۔ جسے دیکھ کر ٹائیگر کی آنکھوں میں مسرور کن چمک ناچ اٹھی۔ اس کے منہ سے ایک مدھم سی آواز نکلی تو نیگرو ڈرائیور نے گردن گھما کر اسے دیکھا اور بولا۔

"آپ نے کچھ کہا جناب۔۔۔۔؟"

"ہاں۔ کیا تم نے ایسی کسی لڑکی کو دیکھا ہے جس کے چہرے پر ان گنت بھورے تل ہوں۔"

"ان گنت بھورے تل۔" نیگرو ڈرائیور نے بڑبڑانے والے انداز میں کہا۔ پھر نفی میں گردن ہلا دی۔

"ایسی کسی لڑکی کو دیکھ کر جب بھی تمہارے ذہن میں کوئی تصور ابھرے اس میں ایک تصور اور شامل کر لینا۔" نیگرو ڈرائیور نے کوئی جواب نہیں دیا۔ شاید وہ ٹائیگر کی پوری بات ہی نہیں سمجھ سکا تھا۔

"اسکا چہرہ اس قسم کی کیفیت کا اظہار کرتا ہے جیسے کسی رات ستارے نہ نکلے ہوں۔" ڈرائیور بوکھلا کر اپنا کان کھجانے لگا تھا۔ ٹائیگر پُرسکون نگاہوں سے آگے جانے والی کار کو دیکھتا رہا جو بالآخر ایک ناہموار راستے کو عبور کر کے ایک خوبصورت عمارت کے بڑے سے دروازے سے اندر داخل ہو گئی۔ اطراف میں اور بھی مکانات بنے ہوئے تھے۔ لیکن یہ ایک پرسکون علاقہ تھا۔ ٹائیگر نے ایک عمارت کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ جہاں کچھ درخت قریب قریب لگے ہوئے تھے۔

"تمہارے قیام کے لئے یہ جگہ مناسب ترین ہے۔" نیگرو ڈرائیور نے پرسکون انداز میں کار ان درختوں کے نیچے روک دی اور ٹائیگر نیچے اتر آیا پھر ڈرائیور یہی دیکھتا رہا کہ زمین پر پرواز کرنے والے کیسے ہوتے ہیں۔ ٹائیگر کے آگے بڑھنے کے انداز پر ڈرائیور کی بڑی بڑی سفید آنکھیں حیرت سے ابل پڑی تھیں اور پھر چشم زدن میں اس نے ٹائیگر کو اس عمارت کے بڑے سے گیٹ سے اندر داخل ہوتے دیکھا تھا۔ ٹائیگر اطمینان سے اس بڑے سے گیٹ سے اندر داخل ہو گیا جس کے پورچ میں وہ سرخ اسٹیشن ویگن کھڑی ہوئی تھی۔ اب اسے جو کچھ بھی کرنا تھا اپنی پسند کے مطابق کرنا تھا۔ اور اس کی پسند میں خون کی بو ہمیشہ ہی شامل رہتی تھی۔ صدر گیٹ سے اندر داخل ہوا تو اس نے دو افراد کو دیکھا جو آپس میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ مسٹر ونائل کو یہاں لانے والا کہیں گم ہو گیا تھا۔ ویسے کار سے اتر کر یہاں تک کا سفر کرتے ہوئے ٹائیگر نے یہ سوچا تھا کہ مسٹر ونائل اب بآسانی اندر پہنچ گئے ہوں گے۔ اور ان کے ساتھ جو کچھ ہوا ہو گا وہ افسوسناک تھا۔ لیکن یہ ایک بہتر کام تھا۔ اسطرح وہ لوگ سامنے آئے تھے۔ جو کیوپڈ کے آنسو جمع کرنے کی دلچسپی رکھتے تھے۔

دونوں طاقتور اور توانا افراد خونخوار انداز میں کھڑے ہو گئے۔ اور ان میں سے ایک نے غراتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"اے۔۔۔۔ تم کیا منہ اٹھائے اندر گھسے آ رہے ہو۔ کون ہو تم۔ اور یہاں کیسے داخل ہوئے؟" ٹائیگر نے چہرے پر معصومیت کے آثار پیدا کر کے کہا۔

"کیا آپ نے مجھے بلایا نہیں تھا۔ جناب۔۔۔۔؟"

"کون ہو تم؟" دوسرے آدمی نے بدستور خونخوار لہجے میں کہا۔

"میں موت کا ہرکارہ ہوں جیسے بُرے اور دھرتی پر بوجھ بنے ہوئے انسانوں کی خون کی بو بے حد پسند ہے ویسے تم یہ کہہ سکتے ہو کہ میں تم کو ایک ایسی دنیا میں بھیجنے آیا ہوں جہاں سے کوئی واپس نہیں آتا میں تمہاری موت ہوں اور تمہیں اس زندگی سے نجات دلانا چاہتا ہوں کیا تم لوگ اس کے لئے تیار ہو؟"

ٹائیگر کے لہجے میں سفاکی اور درندگی عود کر آئی تھی سامنے والے شخص پوری جان سے کانپ اٹھے۔

وہ دونوں اپنی دانست میں ٹائیگر کو گھیرنے کی کوشش کرتے رہے۔ پھر ان میں سے ایک نے چھلانگ لگائی اور اس کی کہنی مارشل آرٹ کے ایک داؤ کے مطابق ٹائیگر کے چہرے کی جانب بڑھی۔ لیکن نتیجہ ذرا مختلف ہی نکلا تھا۔ اس کا ہاتھ ٹائیگر کے ہاتھ میں آیا اور پھر فضا میں قلابازی کھاتے ہوئے الٹ کر سر کے بل نیچے گرا اس کے حلق سے آواز بھی نہ نکل سکی۔ سر کی ہڈی ٹوٹی ساتھ ہی اس کا ہاتھ بھی جڑ سے اکھڑ کر لٹک گیا۔ دوسرا آدمی بھی قریب پہنچ چکا تھا۔ ٹائیگر نے اسے اپنے پاؤں کی لگ پر رکھ لیا اور ایک ایسی لگ اس کے سینے پر لگائی کہ اس کی پسلیاں ٹوٹ کر دل میں گھس گئیں۔ اس سے قبل کہ اس کے منہ سے آواز نکلتی ٹائیگر نے پھرتی سے اس کا منہ بند کر لیا اور ٹائیگر کے دوسرے ہاتھ کی دو انگلیاں اس کے سینے کے مقام پر گھس گئیں ٹائیگر نے جب اپنی انگلیاں واپس نکالی تو دل کے مقام پر دو چھید ہو چکے تھے جس سے خون بڑی روانی کے ساتھ

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

نکل کر فرش پر پھیل رہا تھا اور وہ شخص ٹائیگر کی باتوں میں دم توڑ چکا تھا ٹائیگر نے پلٹ کر دیکھا تو اسے ایک اور طویل قامت شخص نظر آیا۔ جس کے ہاتھ میں اسلین گن دبی ہوئی تھی۔ یہ شخص شاید کسی دوسرے دروازے سے باہر نکلا تھا۔ اسلین گن کا رخ ٹائیگر ہی کی جانب تھا۔ ٹائیگر نے اسے مسکراتے ہوئے دیکھا۔ اس کی نگاہیں اسلین گن کی نال پر جمی ہوئی تھیں۔ اس شخص نے ٹائیگر کو گھورتے ہوئے اپنے ان دونوں ساتھیوں کی طرف دیکھا جو دیوار کے سہارے پڑے ہوئے تھے۔ اور اسی وقت اس کے چہرے پر وحشت خیزی کے آثار نظر آئے۔ وہ ایک قدم آگے بڑھ کر عجیب سے لہجے میں بولا۔

"یہ---- یہ----"

"یہ اب اس دنیا سے رخصت ہو گئے ہیں۔" اس شخص نے خونخوار انداز میں اسلین گن کی نال کا رخ ٹائیگر کی جانب کر کے ایک برسٹ چلایا۔ لیکن ٹائیگر اس کے لئے تیار تھا۔ اس کے بجائے کہ وہ اپنی جگہ خالی چھوڑ کر اس کے اسلین گن کی گولیوں سے بچنے کی کوشش کرتا وہ فضا میں اچھلا اور کسی پرندے کی طرح پرواز کرتا ہوا اسلین گن والے پر جا گرا۔ اس کا گھونسا پوری قوت سے اسلین گن والے کے سر پر پڑا تھا۔ اور اس کے بعد بھلا اس سر میں یہ گنجائش کہاں رہ جاتی کہ کوئی چیز اس میں باقی رہ جاتی۔ اس شخص کا سر کسی خربوزے کی مانند پھٹ گیا اور اس کے دونوں ہاتھ فضا میں پھیل گئے۔ اسلین گن تو خود بخود نیچے گر جانا ایک لازمی امر تھا۔ اس کے بعد خاموشی کے علاوہ اور کچھ نہ تھا۔

ٹائیگر جانتا تھا کہ یہ مصنوعی خاموشی ہے۔ اس کی چھٹی حس بتا رہی تھی کہ ابھی اس پر نگاہ رکھنے والے اور بھی لوگ موجود ہیں۔ وہ کام شروع ہو گیا تھا جو ٹائیگر کا دلچسپ ترین مشغلہ تھا۔ ٹا ایک دروازے کی آڑ میں ہو لیا۔

اس کا یہ اندازہ واقعی بالکل درست تھا چونکہ کسی طرف سے چند گولیاں چلیں اور اس کے قریب سے گزر کر دیواروں میں پیوست ہو گئیں۔ لیکن ان گولیوں کی سمت کا اندازہ بآسانی ہو گیا تھا۔ البتہ یہ اندازہ بھی ٹائیگر نے بخوبی لگا لیا تھا کہ گولیاں چلانے والا ایک محفوظ جگہ موجود ہے۔ اور اس وقت اسے سامنے لانے کے لئے دھوکا دینا ضروری تھا۔ چنانچہ ٹائیگر اس دروازے کے عقب میں رینگ گیا۔ جو ایک راہداری کا دروازہ تھا۔ اور یہ راہداری دور تک چلی گئی تھی گولیاں چلانے والے کو یقینی طور پر یہ یقین ہو گیا ہو گا۔ ٹائیگر اس راہداری سے دوڑ کر دوسری سمت جا لگا ہے۔ لیکن ٹائیگر اسی دروازے کے پاس بالکل راہداری کے قریب موجود تھا۔ اور اس شخص کے اندر آنے کا انتظار کر رہا تھا۔ لیکن وہ بھی شاید کوئی ماہر فن ہی تھا کیونکہ اس نے اب یہ اندازہ لگانے کے بعد کہ ان گھس آنے والا راہداری کو عبور کر کے دوسری حصے میں پہنچ چکا ہو گا۔ دوسرے حصے ہی کا رخ کیا تھا۔ ٹائیگر چند ہی لمحوں میں اس دروازے سے باہر نکل آیا۔ اور پھر اس دوسرے دروازے کی طرف دوڑ گیا۔ جس سے گولیاں چلائی گئی تھیں۔ ہال میں کئی دروازے موجود تھے۔ راہداری کے آخری سرے پر ٹائیگر کے حساس کانوں نے قدموں کی چاپ سنی یقینی طور اس پر گولی چلانے والا راستہ عبور کر کے اس کا دوسری جانب انتظار کرنے کے لئے چل پڑا تھا۔ ٹائیگر بے آواز آگے بڑھا اور چند ہی لمحوں میں اس نے اس طویل القامت شخص کو دیکھ لیا جس کے ہاتھوں میں ویسی ہی

ایک اسلین گن دبی ہوئی تھی۔ جیسی وہ پہلے دیکھ چکا تھا۔ طویل القامت شخص بڑی احتیاط کے ساتھ ایک ایک قدم پھونک پھونک کر رکھتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ لیکن عقب سے آنے والی قیامت کا اسے احساس نہیں تھا۔ اور یہ احساس اسے اس وقت ہوا جب اس قیامت نے ایک ہاتھ اس کی گردن میں ڈالا اور دوسرا ہاتھ اسلین گن پر۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ پلٹنے کی کوشش کرے اس کی گردن ایک طرف گھومی اور چٹاخ کی ایک تیز آواز بلند ہوئی۔ گردن کی تمام ہڈیوں نے اپنے جوڑ ختم کر دیئے تھے۔ اور ایک دوسرے سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جدا ہو گئی تھیں۔ اور اس منہ سے خون کی پھوار نکلنا شروع ہو گئی۔ ٹائیگر کی لات اس کی کمر پر پڑی اور وہ اچھل کر سامنے والی دیوار سے ٹکرایا۔ اس نے ایسا اس لئے کیا تھا کہ مرنے والے شخص کے منہ سے نکلنے والا خون اس کے

جسم کو داغ دار نہ کر دے۔ ٹائیگر اس سے نمٹنے کے بعد وہاں سے آگے بڑھ گیا۔ دونوں راہداریاں ایک جگہ آ کر مل جاتی تھیں۔ اور ان کے اختتام پر تین بڑے بڑے دروازے نظر آ رہے تھے۔ وہ دروازہ جو بالکل سامنے پڑتا تھا۔ انگلی کے اشارے سے اندر دبایا تو اسے اندازہ ہو گیا کہ دروازہ کھلا ہوا ہے۔ اور وہ اس دروازے سے اندر داخل ہو گیا۔ تعجب کی بات یہ تھی کہ ان لوگوں نے کسی پر توجہ کیوں نہیں دی تھی۔ یعنی گولیوں کی ان آوازوں پر جو باہر سے سنائی دی تھیں۔

ہال میں دو افراد تھے۔ جو مسٹر لوتھر وینائل کو ایک بڑی سی مضبوط کرسی سے باندھ رہے تھے۔ اور دونوں اپنے کام میں اسطرح منہمک تھے کہ انہیں ٹائیگر کے اندر داخل ہونے کا احساس بھی نہ ہوا۔ البتہ اس وقت چونکے جب ان کی گردنیں ٹائیگر کی گرفت میں آ چکی تھیں۔ انہوں نے اپنے کھردرے ہاتھ ٹائیگر کے پیٹ میں مارے۔ ضربیں زور دار تھیں۔ لیکن ٹائیگر کو مزید ضربوں سے بچنے کے لئے ان دونوں کا خاتمہ کرنا بھی بے حد ضروری تھا۔ چنانچہ اس کے دونوں ہاتھ پوری قوت سے ایک دوسرے کے قریب لپکے اور گردنیں جو اس کی گرفت میں تھیں چلنے لگیں۔ لیکن وہ اپنے سر بھلا ٹکرانے سے کیسے روک سکتے تھے۔ اور سروں کے ٹکرانے سے بالکل ویسی ہی آواز پیدا ہوئی جیسے دو خالی خول ایک دوسرے سے ٹکرا جائیں۔ اور اس کے بعد عجیب سی آوازیں جن کے ساتھ ساتھ ہی ان کے بھیجے دماغ سے نکل کر فضا میں منتشر ہو گئے۔ اور کرسی پر بیٹھے ہوئے آدمی کا چہرہ خون سے داغ دار ہو گیا۔ یہ مسٹر لوتھر وینائل ہی تھے۔ جنہوں نے یہ ہولناک منظر دیکھا۔ تو ان کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔ اور اس کے بعد ان کی گردن ان کے سینے پر ڈھلک آئی۔ رسیوں کی بندشیں بہت زیادہ سخت نہیں ہوئی تھیں۔ اور مکمل طور پر گرفت میں نہیں آئی تھیں۔ لیکن اب اس کی ضرورت بھی نہیں رہی تھی۔ کیونکہ مسٹر لوتھر وینائل ہوش و حواس سے عاری ہو چکے تھے۔

گرے سوٹ والا شخص جو ان کو لے کر یہاں تک آیا تھا۔ ایک دروازے سے نمودار ہوا اور ٹائیگر کو عجیب سی نگاہوں سے دیکھنے لگا۔ ٹائیگر نے اب اس شخص کو بالکل قریب سے دیکھا تو اسے احساس ہوا کہ یہ جنگ و جدل کا ماہر ایک خوفناک شخص ہے۔ اور یقینی طور پر اس سے مقابلہ کافی دلچسپ ہو گا۔ اس شخص کو شاید اس بات کا اندازہ ہو چکا تھا کہ اس کے بہترین لڑاکے ختم ہو چکے ہیں۔ اور اب اسے جو کچھ کرنا ہے خود ہی کرنا ہے۔ ٹائیگر کو یہ خیال تھا کہ وہ یقینی طور پر آتشی ہتھیار استعمال کرنے کی کوشش کرے گا۔ کیونکہ اس وقت بہتر موقع یہی ہوتا ہے۔ لیکن اس شخص کو شاید اپنی قوت پر ناز تھا۔ اس نے اپنا کوٹ اتار کر ایک سمت اچھال دیا۔ اور پھر غراتے ہوئے لہجے میں بولا۔

"یہ میں تم سے بعد میں پوچھوں گا کہ تم کون ہو۔ پہلے تم اپنی ان غلط فہمیوں کو دور کر لو جو تمہارے ذہن میں ہیں۔" ٹائیگر کے ہونٹوں پر ایک سفاک مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ شخص پینترا بدل کر سامنے آ گیا۔ اور اس کے بعد اس نے کنگ فو کے مخصوص انداز میں فضا میں اچھل کر ٹائیگر پر کئی بار لگ چلائی۔ لیکن ٹائیگر ہر بار مختلف سمتوں سے جھکائیاں دیتا ہوا اس کے داؤ سے بچ گیا۔ ٹائیگر مطمئن انداز میں اپنے حریف کے داؤ سے بچ رہا تھا مگر اچانک ہی ٹائیگر انگھوٹے کے بل پر گھوما سامنے والا شخص حیرانی سے ٹائیگر کو دیکھنے لگا یہ موقع تھا جس سے ٹائیگر نے فائدہ اٹھایا اور اس کے بالکل قریب پہنچ کر گرے سوٹ والا ٹائیگر کے داؤ کو سمجھ ہی نہ پایا اور ٹائیگر نے اس کی گردن پر مخصوص دباؤ ڈالا کر اس کے جسم کو ناکارہ کر دیا گرے سوٹ والا بے بس انداز میں ٹائیگر کے ہاتھوں میں جھول رہا تھا۔ ٹائیگر نے اس سے پوچھا۔

"یہاں اور کتنے آدمی ہیں؟"

"سب کو تم مار چکے ہو۔" اس کی آواز بڑی مشکل سے نکل رہی تھی۔ ٹائیگر نے دباؤ تھوڑا سے کم کیا تو اس کے چہرے پر تکلیف کے آثار کچھ کم ہوئے تو ٹائیگر نے دوبارہ سوال کیا۔

"تمہارا نام کیا ہے؟"

"مجھے ناز کو کہتے ہیں۔" ٹائیگر نے زیر لب دہرایا اسے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

علم تھا کہ وہ ان دونوں افراد میں سے ایک ہے جو کیوبا کی جیل سے رہا ہوئے ہیں اور جن کے بارے میں اسے علم ہو چکا ہے اور یہ بھی پتہ چل چکا ہے کہ کیوبڈ کا آبنوسی مجسمہ ان لوگوں کی طلب بھی ہے۔

"اگر تم مجھ پر اعتماد کرو تو میری گردن کو آزاد کر دو تاکہ ہم دوستانہ ماحول میں باتیں کر سکیں میں اب تم سے کوئی مقابلہ نہیں کروں گا۔" ٹائیگر نے ٹارکو کی گفتگو سے اندازہ لگا کر وہ اس کی گردن چھوڑ دی کافی دیر تک وہ اپنا سانس درست کرتا رہا جو ٹائیگر کے گردن پکڑنے سے بے قابو ہو گئی تھی۔ ٹائیگر اس سے بولا۔

"ٹارکو یقینی طور پر مسلک مختلف نہیں ہے۔ یعنی میں بھی کیوبڈ کے اس آبنوسی مجسمے کی تلاش میں ہوں اور تم بھی اپنے آپ کو اس سے علیحدہ ثابت نہیں کر سکتے۔" ٹارکو کا چہرہ بری طرح سرخ ہو گیا۔ اس نے غور سے ٹائیگر کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"اوہ۔۔۔۔۔ کیا تم ۔۔۔۔۔ ریڈ بل کے آدمی ہو۔"

"نہیں ۔ ریڈ بل سے بھی میری خواہش ہے۔ ملاقات ہو۔ اور تم سے بھی ٹارکو یہ اچھا ہے کہ تم نے خود کو چھپانے کی کوشش نہیں کی۔"

"پلیز بیٹھ جاؤ۔۔۔۔۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ اب تم پر کوئی ضرب لگانے کی کوشش نہیں کروں گا کیونکہ میں تمہارے سامنے اپنی ناکامی کا اعتراف کر چکا ہوں۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ میرے اور تمہارے درمیان تعاون ہم دونوں کے لئے سود مند ثابت ہو۔ ٹائیگر نے ایک نگاہ طائرانہ انداز میں چاروں طرف ڈالی اور اس کے بعد کرسی پر بیٹھ گیا۔ کرسی پر بیٹھنے کا انداز بھی ایسا تھا کہ شاید کرسی کی سطح بھی نہیں دب پائی تھی۔ یہ ایک خاص انداز تھا۔ مدمقابل کو دیکھنے پر یہی محسوس ہو کہ سامنے والا اطمینان سے کرسی پر بیٹھا ہوا ہے۔ لیکن اگر اس کے نیچے سے کرسی نکال بھی لی جائے تو اسے احساس تک نہ ہو سکے۔ یہ دراصل مستعد رہنے کا ایک خاص ذریعہ تھا۔ ٹارکو بڑی پریشان نگاہوں سے ٹائیگر کو دیکھ رہا تھا۔ اور اس کے چہرے پر بہت ہی پریشان کن تاثرات پھیلے ہوئے تھے۔ اس نے آہستہ سے کہا۔

"تم نے میرے ان لڑاکوں کو ہلاک کر دیا۔ جن کے بل پر میں یہاں سوئٹزرلینڈ میں ایک بہت بڑا کام کرنا چاہتا تھا۔ لیکن تم اس بات کا اظہار کر چکے ہو کہ تم بھی وہی مقصد لے کر یہاں تک پہنچے ہو۔ جو میرا ہے۔ چنانچہ کیا یہ ممکن ہو سکتا ہے کہ میں اور تم مل کر کام کریں۔"

"بڑی عجیب بات ہے۔ ابھی تو ہم لوگوں میں دوستانہ تعلقات کا آغاز بھی نہیں ہوا ہے۔ اور اس وقت میں اس پوزیشن میں ہوں کہ صرف تم سے اپنے مطلب کی بات کروں۔"

"ہاں۔ تمہارا یہ کہنا درست ہے۔" ٹارکو نے اعتراف کرتے ہوئے کہا اور ٹائیگر کو آبنوسی مجسمہ کے بارے میں بتانے لگا۔

"سیاہ آبنوسی مجسمے میں جو کچھ چھپا ہوا ہے کیا وہ تمہارا مقصد نہیں ہے۔" ٹائیگر کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اس نے آہستہ سے کہا۔

"ہاں وہ تو ہے اور اس کا اعتراف میں پہلے بھی کر چکا ہوں۔

"میری مراد اس جرمن فارمولے سے ہے جس کے حصول کے بعد تم اسے منہ مانگی قیمت پر فروخت کرنا چاہتے ہو۔ یہ بات تو میں نہیں کہہ سکتا کہ تم بذات خود بھی ایک سائنس دان ہو اور اس فارمولے پر عمل کر کے کچھ اور مقاصد حاصل کرنا چاہتے ہو بات چونکہ گہری ہے اور بہت ہی مشکل اور پھر ظاہر ہے کہ جو بھی سائنسدان اس فارمولے پر کام کرے گا اس کے لئے لاتعداد مصیبتیں کھڑی ہو جائیں گی۔ اور اسے زندہ رہنا مشکل ہو جائے گا۔ کیونکہ امریکی حکومت کسی بھی قیمت پر اس فارمولے کو کسی غیر ہاتھ میں نہیں جانے دینا چاہتی۔ اور یہ ایک لازمی امر ہے کہ اس نے نہ صرف خود بلکہ دنیا بھر کے مختلف ممالک کے ذریعے ایجنٹ پھیلا رکھے ہیں تاکہ وہ فارمولا کسی اور کے ہاتھ تک نہ پہنچنے پائے۔ اور پھر یہ کام اتنا آسان بھی نہیں ہے۔ ابھی تو اس بوٹینکی کی نشاندہی بھی نہیں ہو سکی جہاں کیوبڈ کا وہ آبنوسی مجسمہ

موجود ہے۔ اور شاید یہ بات حکومت امریکہ کو بھی نہیں معلوم ورنہ اسکے لئے یہ سب کچھ مشکل نہ ہوتا۔ ایسے حالات میں اگر ہم دونوں کا تعاون ہمیں کامیاب کر دیتا ہے تو تمہارے خیال میں کیا اس آبنوسی مجسمے کی قیمت ہمیں اتنی نہیں مل جائے گی کہ ہم کچھ جزیروں کے حکمران بن جائیں۔ بس کام کرنے کا ایک طریقہ کار ہو گا۔ اور اسی لئے میں تمہیں دوستی کی یہ پیشکش کر رہا ہوں، کہ اگر ایک ایسا آدمی جو کار کردگی میں اتنا بے مثال ہے ٹارکو کے ساتھ شامل ہو جائے تو بھلا پھر کس کی مجال ہے کہ ٹارکو پر فوقیت حاصل کر سکے۔" ٹائیگر پر خیال نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا۔ چالاک آدمی ذہنی طور پر اسے متاثر کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ پھر ٹائیگر نے کہا۔

"ہو سکتا ہے میرے پاس اس آبنوسی مجسمے کے سلسلے میں تم سے زیادہ معلومات موجود ہوں۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مجھے اس کے حصول میں تم سے زیادہ آسانیاں حاصل ہو جائیں۔ پھر بھلا میں تمہیں کیوں اس معاملے میں شریک کروں گا۔ ٹارکو کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے کہا۔

"نہیں میرے دوست تجربہ بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔ اگر تم اس آبنوسی مجسمے کے بارے میں زیادہ معلومات حاصل کر چکے ہوتے تو پھر میری تاک میں نہ ہوتے۔ یہ بات لب میری سمجھ میں اچھی طرح آ چکی ہے کہ یہ سارا کھیل کیا ہے۔ وہ شخص جو اس وقت میری قید میں ہے یقینی طور پر ایک بے قصور آدمی ہے۔ اور میں نے پہلے ہی اس سے گفتگو کر کے یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ اس بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ یہاں لانے کے بعد اس سے میری کوئی طویل گفتگو نہیں ہو سکی ہے۔ لیکن جس قدر گفتگو ہوئی ہے اس سے میں نے یہی اندازہ لگایا ہے کہ وہ نہ صرف اس استعمار سے بے خبر ہے بلکہ باقی کسی معاملے میں بھی کچھ نہیں جانتا۔ لیکن تم کیا سمجھتے ہو کیا میں اسے بے مقصد ہی یہاں لے آیا ہوں۔ میں نے جب اس سے اس کی رہائش گاہ پر ملاقات کی تھی تو مجھے کسی حد تک اس بات کا اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ ان معاملات سے لاتعلق ایک شخص ہے۔ اور کسی اور نے اپنے طور پر کسی کو منظر عام پر لانے کے لئے یہ کارروائی کی ہے۔ میں خود بھی یہی چاہتا تھا اور یہ اندازہ لگانا چاہتا تھا کہ وہ کون ہے جس نے یہ استعمار دیا ہے اور کیا چاہتا ہے لیکن اس میں ذرا سی گڑبڑ ہو گئی۔ مجھے بہتر انداز میں حفاظتی انتظامات کرنے تھے اور اس کام کو یقینی بنانا تھا کہ جو کوئی بھی میرا تعاقب کرتا ہوا یہاں تک پہنچے بالآخر میرے چنگل میں پھنس جائے۔ لیکن ایسا نہیں ہو سکا۔ تم غیر معمولی آدمی نکلے اور تم نے میرے ان تمام آدمیوں کو قتل کر دیا۔ جن کے قتل کی مجھے اسطرح امید نہیں تھی۔ تاہم یہ اندازہ لگانے میں مجھے مایوسی نہیں ہوئی ہے کہ تم بھی کیوبڈ کے آبنوسی مجسمے کے معاملات سے اسی قدر ناواقف ہو جسطرح اور بہت سے لوگ اور صرف ان لوگوں کو منظر عام پر لانا چاہتے ہو جو آبنوسی مجسمے سے تعلق رکھتے ہیں۔ ابھی چند روز پہلے ایک لڑکی بھی میرا تعاقب کرتی ہوئی مجھ تک پہنچی تھی۔ لیکن وہ جس ملک کی بھی جاسوسہ تھی میں یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ باکمال تھی اور میرے چنگل سے بآسانی نکل گئی۔ جبکہ کسی لڑکی سے اس کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔" ٹائیگر کے کان کھڑے ہو گئے اس نے گہری نگاہوں سے ٹارکو کو دیکھا یہ اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا کہ ٹارکو اسے بیوقوف بنا رہا ہے یا درحقیقت کسی لڑکی کا تذکرہ کر کے وہ کوئی واقعہ بیان کر رہا ہے۔ چنانچہ ٹائیگر نے پوچھا۔

"کون تھی وہ لڑکی؟"

"میں اس کے بارے میں تفصیلات نہیں جانتا یہاں وہ کئی دن سے کام کر رہی تھی اور اس نے ایک شخص کو اپنے اس مقصد کے لئے مقرر کیا تھا۔ یہ آدمی بھی جرمن کا باشندہ تھا۔ اور غالباً جرمن سیکرٹ سروس سے تعلق رکھتا تھا۔ لڑکی اس سے ملنے گئی تھی۔ اور اس کے بعد ہم نے اسے اغوا کر لیا لیکن وہ لڑکی کے بارے میں پوری تفصیل بتا بھی نہیں پایا تھا کہ لڑکی ہم تک پہنچ گئی اور اس کے بعد نہایت ہوشیاری سے وہ اس شخص کو آزاد کرانے میں کامیاب ہو گئی۔"

"تم مجھے لڑکی کا حلیہ بتا سکتے ہو؟" ٹائیگر نے پوچھا اور

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

جو علیہ ٹائیگر کو نے دہرایا وہ روبی کے علاوہ اور کسی کا نہیں تھا۔ ٹائیگر کے ہونٹ بھنچ گئے۔ اس نے سانپ جیسی پھنکارتی آواز میں کہا۔

"اور اب وہ لڑکی کہاں ہے؟"

"میں اور میرے آدمی اس کی تلاش میں ہیں۔ مجھے وہ بہت کارآمد معلوم ہوتی ہے۔ دراصل یہ ایک لمبی کہانی ہے اگر تم مجھ سے تعاون کا وعدہ کرو تو میں تم پر بہت سے ایسے انکشافات کر سکتا ہوں جو تمہارے لئے کارآمد ثابت ہوں۔" ٹائیگر نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔

"اس کا فیصلہ مجھے بعد میں کرنا ہوگا۔ ٹار کو۔ لیکن تم اپنی زبان فوراً کھول دو۔ ورنہ اس کے لئے مجھے وہی عمل دہرانا ہوگا۔"

"میں وہ تمام باتیں تمہیں سچ بتا دوں گا جو میرے علم میں ہیں۔" اس نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔ ٹائیگر نے ایک لمحے کے لئے کچھ سوچا پھر آہستہ سے کہا۔

"جہاں تک کیوبا کے آبنوسی مجسمے کے حصول کا تعلق ہے بے شک میں اس کے لئے سرگرداں ہوں۔ لیکن یہ بات دعوے سے نہیں کہہ سکتا کہ وہ میرے یا تمہارے ہاتھ آجائیگا۔ سنا ہے اور بھی بہت سے لوگ اس کی تلاش میں سرگرداں ہیں۔ جیسا کہ ابھی تم نے خود بھی اعتراف کیا۔"

"تم ان لوگوں کی تعداد کا تعین نہیں کر سکتے۔ لیکن اس سلسلے میں دو افراد تمہارے لئے سب سے زیادہ خوفناک ثابت ہو سکتے ہیں۔"

"کاش مجھے تمام تر تفصیلات معلوم ہوتیں لیکن تھوڑی بہت معلومات مجھے حاصل ہیں۔ اور یہاں میرا جو سب سے بڑا حریف ہے اس کا نام ریڈبل ہے۔ وہ بھی ایک بہت خطرناک آدمی ہے۔ لیکن یہ بات میں ابھی طرح جانتا ہوں کہ وہ بھی آبنوسی مجسمے کی جگہ سے ناواقف ہے۔ اور ہم لوگ ایک دوسرے کا تعاقب کر رہے ہیں میں اس پر نگاہ رکھے ہوئے ہوں۔ اور یہ جاننا چاہتا ہوں کہ وہ آبنوسی مجسمے کے سلسلے میں کس قدر معلومات حاصل کر چکا ہے۔ اور یہی حالت اس کی ہے۔ کیوبا کی جیل سے ہم دونوں ایک ساتھ ہی رہا ہوئے۔ اور میں اس بات کا اعتراف کرنے میں کوئی تکلف نہیں برتتا کہ ریڈبل بے حد خطرناک انسان ہے۔ سرخ سانڈینی بے مثال قوت کے لئے بہت مشہور ہے۔ اور اس سے مقابلہ کرنا آسان کام نہیں ہے۔ یہ صرف میں تھا جو اب تک اس کے راستے میں مزاحمت کرتا رہا۔ اور اس نے بھی براہ راست مجھ سے ابھی تک بھڑنے کی کوشش اس لئے نہیں کہ ہے کہ وہ میرے ذریعے اپنا کام کرنا چاہتا ہے۔ اب ریڈبل کی نظر انداز کرنے کے بعد ہماری توجہ ہلڈا گاربو کی جانب منعطف ہوتی ہے۔ کیا تم ہیڈا گاربو کے بارے میں تفصیلات جانتے ہو۔" ٹائیگر نے کہا۔

"جو کچھ میں جانتا ہوں اس کی تفصیلات تمہیں بعد میں بتاؤں گا۔ لیکن اب جب تم یہ تمام کہانی سنانے پر تل گئے ہو تو میں اس میں پوری پوری دلچسپی لے رہا ہوں۔"

ہلڈا گاربو کے بارے میں بتانے سے پہلے میں تمہیں راک ہلر کی کہانی سناؤں گا۔ راک ہلر کی کہانی اس آبنوسی مجسمے میں چھپی ہوئی ہے۔ اس چھوٹے سے آبنوسی مجسمے میں دنیا کی تباہی چھپی ہوئی ہے۔ راک ہلر قدیم جرمن خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ جرمن کے مایہ ناز سائنسدان کا بیٹا تھا۔ وہ خود بھی سائنسی تعلیمات حاصل کر رہا تھا۔ اور جب جنگ عظیم چھڑی تو وہ اپنے باپ کے ساتھ مصروف عمل ہو گیا اور اس نے جرمنی کے لئے ایسی ایسی نادر ایجادات کیں جن سے جرمنی فتوحات کے بالکل قریب پہنچ گیا تھا۔ اسی اثنا میں راک ہلر کا باپ بھی بمباری کا شکار ہو کر ختم ہو گیا۔ لیکن راک ہلر کے دل میں وہ انتقام کی ایک ایسی آگ چھوڑ گیا جو کبھی نہ بجھ پائی۔ جرمنی کا فیصلہ ہو گیا راک ہلر چھپا رہا۔ اور اتحادیوں کو اس کے بارے میں تفصیلات کا علم نہیں ہو سکا۔ اتحادیوں نے ایٹم بم استعمال کر کے جاپان کو بھی خاموش کر دیا۔ اور راک ہلر کے دل میں چھپی ہوئی آگ برابر سلگتی رہی۔ وہ ایک ایسی ایجاد میں مصروف ہو گیا جس کے ذریعے امریکہ کو جاپان پر استعمال ہونے والے ایٹم بم کا بھرپور جواب دے۔ اور اس سلسلے میں وہ اپنی کوششوں میں کامیابی حاصل کرتا رہا۔ جو کچھ وہ تیار کر رہا تھا اس کی تفصیلات

تو کبھی منظر عام پر نہیں آسکیں۔ لیکن بس اتنا معلوم ہوا کہ اس نے ایک ایسی مہلک ایجاد کر لی ہے جس کے ذریعے وہ دنیا کو موت کا نوالہ بنا سکتا ہے۔ اور اگر وہ ایجاد عمل پذیر ہو جائے تو دنیا کے لئے ایک ایسی خوفناک تباہی تصور کی جا سکتی ہے جس کا کوئی ثانی نہیں ہو گا۔ یہ فارمولا زیر تکمیل رہا۔ اور جب راک ہلر اس میں کامیاب ہوا تو کسی ایسے خفیہ ذریعے سے یہ راز باہر نکل گیا جسکا علم آجتک کسی کو نہیں ہو سکا۔ راک ہلر نے فوری طور پر اس فارمولے کی کچھ مائیکرو فلمیں بنا کر کیوبا کے آبنوسی مجسمے میں پوشیدہ کر دیں۔ مگر جب اسے اس بات کا علم ہوا کہ بے شمار افراد اس کے پیچھے لگ گئے ہیں۔ تو اس نے خفیہ طور پر یہ آبنوسی مجسمہ سوئٹزر لینڈ بھجوا دیا۔ اور اسے یہاں ایک بینک کے لاکر میں محفوظ کرا دیا۔ لیکن راک ہلر ان لوگوں کا شکار ہو کر ہلاک ہو گیا۔

راک ہلر نے یہ راز اپنی ایک کزن ہلڈا گاربو کو بتا دیا تھا۔ مگر اس کو یہ معلوم نہیں ہو سکا تھا کہ سوئٹزر لینڈ کے کون کون سے بینک کے لاکر میں یہ مجسمہ محفوظ ہے۔ البتہ اس کی تمام تر تفصیلات بتانے کے بعد راک ہلر نے ہلڈا سے یہ بھی کہا کہ وہ وقت آنے پر اسے وہ جگہ بھی بتا دے گا لیکن وہ وقت کبھی نہیں آسکا۔ ہلڈا چونکہ خود بھی جرمنی میں دوبارہ زندہ ہو جانے والی تنظیم کی ایک سرگرم رکن تھی۔ مگر اس نے خود اس آبنوسی مجسمے کو حاصل کرنے کا فیصلہ کیا۔ اور اس میں مصروف ہو گئی۔ لیکن وہ ذرائع اسے بھی حاصل نہیں ہو سکے جن کی بنیاد پر وہ اس آبنوسی مجسمے کی موجودہ جگہ کا سراغ لگا لیتی۔ ہلڈا ایک خطرناک عورت ہے۔ خود مغربی جرمنی کے حکام اس کے ہاتھوں اتنے نقصانات اٹھا چکے ہیں کہ اگر وہ ان کے ہاتھ لگ جائے تو شاید وہ اس کے خون کے چھینٹے بھی آپس میں تقسیم کر لیں۔ موجودہ حالات میں یہ سنا گیا ہے کہ وہ سوئٹزر لینڈ میں موجود ہے۔ وہ راک ہلر کے مشن کو پورا کرنا چاہتی ہے۔ اور اس کا مقصد یہ نہیں ہے کہ آبنوسی مجسمے سے حاصل شدہ فلم کو کسی کے ہاتھ فروخت کر دے۔ بلکہ وہ اس فارمولے کی تکمیل کر کے امریکہ کو اس تباہی کا جواب دینا چاہتی ہے۔ جو امریکہ نے دوسری جنگ عظیم میں دنیا بھر میں کی تھی۔

یہ ایک لمبی کہانی ہے اور اس کے تحت اب تک تمام کام ہو رہا ہے۔ میں اور ریڈبل بھی اپنے خفیہ ترین ذرائع سے اس آبنوسی مجسمے کے بارے میں معلومات حاصل کر چکے تھے۔ لیکن چونکہ ہمارا مسئلہ بالکل مختلف تھا اور ہم جیل میں قیدی کی حیثیت رکھتے تھے اس لئے مجبور تھے۔ تاہم ہماری کوششوں نے ہمیں بیک وقت آزادی دلائی اور ہم سوئٹزر لینڈ پہنچ گئے۔ لیکن یہاں آکر ابھی تک ہمیں ناکامیوں کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ یہ بات ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ ایک نہ ایک دن ہم میں سے کوئی نہ کوئی وہ آبنوسی مجسمہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔ مگر میرے دوست اگر تم ایک ذہین آدمی ہو تو پھر میرا اور تمہارا اشتراک۔۔۔"

ایک لمحے کے لئے خاموش ہو گیا۔

لیکن وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ جو شخص اس کے مدمقابل ہے اس کے سامنے ایسے انداز میں بیٹھا ہوا ہے۔ جیسے پوری طرح اس کی کہانی سے مسحور ہو گیا ہو۔ درحقیقت ایک ایسی شخصیت ہے جس کے بارے میں صحیح طور پر کوئی فیصلہ کرنا ممکن نہیں ہے۔

ٹائیگر نے وہ آہٹیں سن لی تھیں جو عقب سے ابھر رہی تھیں۔ اور ٹار کو کے ایک بار رکنے سے اسے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ ٹار کو کی نیت میں خرابی آگئی ہے اور اس کے کچھ اور مددگار پہنچ گئے ہیں۔ ٹائیگر نے اپنی ساعت سے کام لے کر قدموں کی ان ہلکی ہلکی چاپوں کا اندازہ کیا جو عقب سے ابھر رہی تھیں اور یہ معلوم کرنے میں کامیاب ہو گیا کہ آنے والے کم از کم پانچ افراد ہیں۔ لیکن اس نے اپنی کیفیت میں کوئی تبدیلی نہیں پیدا کی۔ ادھر ٹار کو پھر شروع ہو گیا تھا۔

"ہلڈا گاربو کہاں ہے اور کیا کر رہی ہے یہ بات ہم میں سے ابھی تک کوئی نہیں جانتا۔ لیکن اگر ہم" اور اس کے ساتھ ہی اس نے دونوں ہاتھ ایک دم نیچے جھکا دیئے۔ لیکن دوسرے لمحے اس نے جو منظر دیکھا وہ بھی اس کے لئے ناقابل یقین تھا۔ ٹائیگر نے پھرتی کے ساتھ کرسی چھوڑی دائیں ہاتھ کی

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

انگلیاں سیدھی ہوئیں اور اس کا ہاتھ برق رفتاری سے اس شخص کے منہ پر پڑا جو اس دوران اس کے قریب آچکا تھا۔ وار اتنا شدید تھا کہ جب ٹائیگر کا ہاتھ اپنے مدمقابل کے چہرے سے ہٹا تو سب لوگ حیرت زدہ رہ گئے کیونکہ اب وہاں چہرہ نہیں بلکہ ملغوبہ بن چکا تھا۔ ٹائیگر پھرکی کی مانند گھوما اور دوسرے شخص کو ایسے اوپر اٹھالیا جیسے کوئی بچہ ہو اور پھر اس کو دیوار پر دے مارا دیوار کے ساتھ اس شخص کا تصادم انتہائی شدید تھا جب وہ دیوار سے ٹکرایا تو پلک جھپکنے میں دیوار اور اس کے اطراف میں خون اور ہڈیوں کے ریزے بکھر گئے اب ٹائیگر ان دونوں حملہ آوروں کی طرف متوجہ ہو گیا تھا جو اس پر حملہ کرنے کے در پے تھے۔ جونہی وہ آگے بڑھے۔ ٹائیگر نے تیزی سے ان دونوں پر فلائنگ کک کے سے انداز میں ضرب لگائی یہ ضرب اتنی شدید تھی کہ دونوں کی پسلیاں ٹوٹ کر پشت کی جانب سے باہر نکل گئیں۔ ٹائیگر اب ٹارلو کی طرف متوجہ ہوا جو آنکھیں پھاڑے یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ ٹائیگر کو اپنی طرف بڑھتے دیکھ کر ٹارلو کو ایک دم ہوش میں آیا اور اس نے دروازے کی جانب چھلانگ لگائی لیکن وہ ٹائیگر سے زیادہ پھرتیلا ثابت نہیں ہو سکا۔ ٹائیگر اسپرنگ کی مانند اپنی جگہ سے اچھلا اور پھر پنجوں کے بل کھڑا ہو گیا۔ ٹارلو چونکہ ایک طویل القامت اور مضبوط آدمی تھا اس لئے ٹائیگر کے بوجھ کو سہہ گیا۔ دوسرے ہی لمحے اس کے پیروں نے ٹارلو کو گردن کی طرف حرکت کی اور اس کی گردن پر اتنا دباؤ ڈال دیا کہ اس کی سانس رکنے لگی۔ ٹارلو نے ٹائیگر کو گرانے کی کوشش کی مگر وہ کامیاب نہ ہو سکا۔ اس نے ہاتھوں کے اشارے سے ٹائیگر سے کچھ کہنے کی کوشش کی مگر ٹائیگر اپنے پیروں کا دباؤ بڑھاتا رہا۔ اور اس کے نتیجے میں گردن کے منکے اپنی جگہ چھوڑ گئے ٹائیگر سر کے بل نیچے کی جانب آیا مگر اس وقت بھی ٹارلو اس کے پیروں کی گرفت میں تھا۔ زمین پر پہنچتے ہی ٹائیگر نے ٹارلو کو فضا میں اچھال دیا اور دونوں ہاتھ اوپر کیے کسی مردہ چھپکلی کی طرح پٹ سے فرش پر آگرا۔ اس عمارت میں داخل ہو کر ٹائیگر کو کافی قتل و غارت گری کرنا پڑی تھی۔ جس کے نتیجے میں وہ اپنے لباس کو خون آلود ہونے نہیں بچا سکا تھا۔ چنانچہ اس نے سب سے پہلے اپنے لباس سے باتھ روم میں داخل ہو کر خون کے چھینٹے صاف کیے وہ اس اطمینان سے غسل خانے میں اپنے لباس کی صفائی کر رہا تھا کہ دیکھنے والے اسے دیکھتے تو یقین نہ کر پاتے یوں لگتا تھا جیسے کوئی بہت ہی معمولی کام کرنے کے بعد اسے فراغت حاصل ہوئی ہو۔ ان تمام کاموں سے نمٹنے کے بعد اس نے ایک قد آور آئینے میں اپنا جائزہ لیا۔ پھر وہاں سے واپس پلٹا۔ ٹارلو کی لاش کو پھلانگ کر اس نے اس کے ساتھیوں کو دیکھا جو دوسرے کمرے میں تھے۔ ان میں سے کسی میں بھی زندگی کے آثار نہیں تھے اس کا اب یہاں رکنا بے کار ہی تھا۔ مگر لوتھر وینائل جو بے کار ہی پھنس گیا تھا اس نے لوتھر کے قریب پہنچ کر تمام بندشوں سے آزاد کیا۔ لوتھر وینائل کی حالت خراب تھی۔ ٹائیگر انہیں سہارا دے کر باہر لایا اور پھر ایک کار کی جانب اشارہ کرتا ہوا بولا۔

"اس کی چابی اگنیشن میں لگی ہوئی ہے۔ اور تم کو اتنی ہمت کرنا ہی ہو گی کہ اسے ڈرائیو کرتے ہوئے اپنے ٹھکانے پر پہنچ جاؤ اور میرا مخلصانہ مشورہ ہے کہ ان تمام واقعات کو بھول جانا ہی تمہارے لئے بہتر ہے۔"

یہ کہہ کر وہ باہر نکل آیا۔ لوتھر کھڑا احمقانہ انداز میں اسے دیکھتا رہا تھا جو اس کے پہنچ سے کافی دور نکل گیا تھا۔ ٹائیگر گاڑی کے پاس پہنچ کر عقبی دروازہ کھول کر بیٹھ گیا ٹائیگر نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

"واپس ہوٹل سیوائے۔۔۔۔"

-----o-----

"روبی کی انگلیاں اکڑ گئی تھیں۔ ایک ناقابل یقین کارنامہ تھا یہ اپنے اچھے خاصے وزنی جسم کو صرف پیروں کے انگوٹھوں اور ہاتھوں کے انگلیوں کی مدد سے گاڑی کے نچلے حصے سے چپکائے رکھنا ایک ناممکن کام تھا۔ اور پھر سفر بھی ایسا خاصہ طویل راستے میں لگنے والے بے پناہ جھٹکے اور ہر لمحہ موجود یہ خطرہ یہاں تک کہ گاڑی کسی جگہ مدھم ہوتی ہوئی محسوس ہوئی اور رک گئی روبی گاڑی کے نچلے حصے سے چپکی رہی تھی۔ اس کی سماعت کام کر رہی تھی۔ لیکن ذہن ساتھ نہیں دے رہا تھا۔ تاہم اس نے اپنے آپ کو سنبھالا گاڑی میں بیٹھے ہوئے لوگ نیچے اتر گئے ہیں۔ روبی نے اپنی جگہ چھوڑی اور گاڑی کے نیچے ہی جسم کو مختلف زاویوں سے خون کا دوران درست کیا مگر اچانک آسمان آگیا۔ گاڑی جس کے نیچے وہ چپکی ہوئی تھی ریورس ہو کر پیچھے چلی گئی تھی۔ اور سیدھی ہی گئی تھی۔ روبی کھلے آسمان کے نیچے زمین پر پڑی رہ گئی ایک لمحے کے لئے اس کے ہوش اڑ گئے۔ دیکھ لیا جانا لازمی تھا۔ کیونکہ جس جگہ وہ پڑی ہوئی تھی وہ کھلی جگہ تھی اور اطراف میں کوئی بھی رکاوٹ نہیں تھی۔ ہاں تقریباً پندرہ گز کے فاصلے پر جھاڑیوں کا ایک خوبصورت سلسلہ نظر آرہا تھا۔ روبی ایک لمحے کے لئے ہکا بکا رہ گئی۔

اس نے خوف سے ادھر ادھر دیکھا یہ خیال اس کے دل میں آگیا تھا کہ اب فوری طور پر کچھ لوگ اس کی جانب دوڑ پڑیں گے۔ لیکن اس سلسلے میں اس کی تقدیر اچھی ہی تھی۔ گاڑی سے اترنے والے سامنے نظر آنے والے بڑے دروازے سے اندر داخل ہو چکے تھے۔ اور وہ صرف ڈرائیور تھا جس نے

گاڑی کو ریورس کیا تھا اور ریورس ہی میں دور تک لیتا چلا گیا تھا۔ روبی نے ایک سمت لوٹ لگائی اور لڑھکتی ہوئی ان جھاڑیوں کی جانب جانے لگی۔ جو عمارت کے صدر دروازے سے لے کر نجانے کہاں تک غالباً گیٹ تک چلی گئی تھیں۔ وہ جھاڑیوں کے قریب پہنچنے میں کامیاب ہو گئی اور اس کے بعد دیر تک لمبی لمبی لیٹ گئی۔ اس کی نگاہیں چاروں طرف کا طواف کر رہی تھیں۔ گاڑی کا ڈرائیور سامنے والے دروازے سے اندر داخل ہوا تھا۔ لیکن اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ ایک اجنبی مسافر اس گاڑی میں یہاں تک سفر کرنے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ اس کا جسم گرد آلود ہو چکا تھا۔ بہیں لیٹے لیٹے اس نے اس عمارت کا جائزہ لیا اور یہ اندازہ لگانے کی کوشش کرنے لگی کہ عمارت کے کون کون سے ایسے حصے ہیں جہاں سے اسے بآسانی دیکھا جا سکتا ہے۔ لیکن صدر گیٹ کے بعد عمارت عجیب ساخت کی بنی ہوئی تھی۔ اور اس میں سامنے کی سمت بس ایک چوڑی راہداری کے علاوہ

اور کچھ نظر نہیں آرہا تھا۔ راہداری بالکل خالی پڑی ہوئی تھی۔ تب روبی آہستہ آہستہ اپنی جگہ سے اٹھی اور جھاڑیوں ہی کی آڑ میں بیٹھ گئی۔ البتہ ان جھاڑیوں میں اسے ایسے خلا نظر آئے تھے جن میں اگر وہ چھپ کر عمارت کے صدر دروازے تک جانے کی کوشش کرے تو اسے ناکامی نہیں ہو گی۔ اور اس نے فوراً ہی موقع سے فائدہ اٹھایا۔ جھاڑیاں ڈبل لگی ہوئی تھیں۔ اور ان میں درمیانی فاصلہ موجود تھا اور یہ فاصلہ روبی کے لئے بہت بہتر ثابت ہوا۔ وہ آہستہ آہستہ اس خلا کے درمیان گھٹنوں کے بل چلتی ہوئی صدر دروازے تک پہنچ گئی۔ اب اندر داخل ہونے کا مسئلہ تھا اگر یہ دروازہ بھی اسی بے پروائی سے کھلا چھوڑ دیا گیا ہے جس طرح سے بیرونی پھاٹک کھلا چھوڑ دیا گیا تھا تو پھر اندر داخل ہونا مشکل کام نہیں ہو گا۔ اس نے دروازے کو ہلکا سا دھکا دے کر دیکھا اور اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ دروازہ کھلا ہی ہوا تھا وہ بے دھڑک اندر داخل ہو گئی۔ دروازے کی دوسری جانب ایک طویل روشن راہداری تھی۔ یہاں چھپنا ممکن نہیں تھا۔ چنانچہ سامنے نظر آنے والے دروازوں میں سے کسی ایک دروازے کی جانب رخ کرنا نہایت ضروری تھا اور وہ ہلکے قدموں سے دوڑ کر ایک دروازے تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئی۔ اس چھوٹے سے کمرے میں ایک اور دروازہ تھا جو ایک بڑے حصے میں کھلتا تھا اور یہ بڑا حصہ بھی اس وقت تاریک ہی پڑا ہوا تھا۔ لیکن چونکہ اب روبی کی آنکھیں تاریکی کی عادی ہو گئی تھیں اس لئے اس وسیع و عریض ہال کو دیکھ لینا اس کے لئے ناممکن نہ ثابت ہوا۔ یہ وسیع ہال کانفرس ہال کا منظر پیش کر رہا تھا۔ اس ہال میں بھی کئی دروازے نظر آرہے تھے۔ بہت ہی عجیب قسم کی عمارت تھی۔ نجانے کس مقصد کے تحت اسے بنایا گیا تھا۔ کئی دروازوں پر پردے جھول رہے تھے اور ہال کا ماحول اچھا خاصا خنک محسوس ہو رہا تھا۔ ابھی اسے یہاں آئے ہوئے چند لمحے ہی گزرے تھے کہ دفعتاً کچھ آہٹیں اور باتیں کرنے کی آوازیں سنائی دیں۔ روبی نے فوراً ہی کانفرنس ٹیبل کے عقب میں رکھی کرسیوں کی طرف چھلانگ لگا دی چھپنے کے لئے اس

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

سے موزوں جگہ اور کوئی نہیں تھی۔ اور یہ اس کے حق میں بہتر ہی ہوا۔ چونکہ چند ہی لمحات کے بعد بڑا سا فانوس روشن ہو گیا اور ساتھ ہی دروازوں میں لگی ہوئی روشنیاں بھی جل اٹھیں۔ کمرہ اچھی طرح جگمگانے لگا تھا روبی کو ایک لمحے میں یہ احساس ہوا کہ غلطی ہو گئی۔ یقینی طور پر اس کمرے میں اب کوئی نشست ہونے والی ہے۔ لیکن ایک طرح سے یہ روبی کے حق میں بہتر ہی تھی۔ کیونکہ یہاں رہ کر وہ ان لوگوں کے بارے میں کچھ معلومات حاصل کر سکتی تھی۔ ٹائیگر اور لوشان اسے بار بار یاد آ رہے تھے۔ ان لوگوں کے لئے روبی کے پاس کافی معلومات جمع ہو گئی تھیں، اسے یہ اندازہ بھی بخوبی ہوتا جا رہا تھا کہ کیپٹن کے آبنوسی مجسمے کے سلسلے میں وہ ان لوگوں کی آمد کے بغیر کچھ نہیں کر پائیگی۔ اب تک جو معلومات اسے ریڈبل کی معرفت حاصل ہوئی تھیں اور اس کے بعد جس طرح وہ یہاں تک پہنچی تھی۔ اس سے اسے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ مسئلہ بہت ہی ٹیڑھا ہے۔ اب جبکہ خطرہ مول لے ہی لیا تھا۔ تو اس کے بعد بھی جو ہو گا اسے بھگتنا ہی پڑے گا۔ اندر آوازیں بلند ہو گئیں۔ روبی سر ابھارنے کی جرأت نہیں کر سکتی تھی۔ کیونکہ اس طرح اسے خوف تھا کہ کہیں اسے دیکھ نہ لیا جائے آوازیں وہ بخوبی سن رہی تھی۔ اور اس کی خواہش تھی کہ کسی طرح ان آوازوں والوں کے چہرے بھی دیکھ سکے۔ لیکن اس وقت یہ بہت ہی خطرناک قدم ہوتا۔ چنانچہ اس نے اپنے آپ کو باز رکھا۔ پھر اسے ایک پاٹ دار زنانہ آواز سنائی دی۔ جو اس کے اندازے کے مطابق ہلڈا گاربو ہی کی تھی۔ وہ کہہ رہی تھی۔

"لاؤ اس غدار کتے کو۔۔۔ جس نے نیو سائیکلون سے غداری کی ہے۔ اور ابھی تک میری ہدایت کے باوجود زندہ ہے۔ یہ الفاظ ریڈبل سمتھ کے بارے میں کہے گئے تھے۔ روبی نے جرأت کر کے ہلکا سا سر ابھارا اور صرف ایک آنکھ باہر نکالی تاکہ نشستوں کے عقب سے اس کی موجودگی کا اندازہ نہ ہو سکے۔ تاہم وہ ان دونوں کو دیکھنے میں کامیاب ہو گئی جو اسی بڑی سی میز کے پیچھے کرسیوں پر بیٹھے تھے۔ اس میں ایک تو ہلڈا ہی تھی اور دوسرا سفید بالوں والا معمر شخص تھا۔ جس کے چہرے پر جھریاں تھیں اور اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ بہت زیادہ عمر رسیدہ ہے۔ ان دونوں کے علاوہ روبی کو ہال میں اور کوئی نظر نہیں آیا غالباً کچھ لوگ ایک کمرے کے دروازے سے اندر داخل ہوئے تھے۔ روبی نے اپنی تمام تر ساعت ان کی گفتگو پر مرکوز کر دی۔ دونوں خاموش بیٹھے ہوئے تھے۔ پھر ایک بار قدموں کی چاپ اور ابھری اور روبی نے اپنے اسی مصنوعی زاویے سے باہر کی سمت دیکھا۔ ریڈبل کو لایا جا رہا تھا۔ روشنی اتنی تیز تھی کہ ریڈبل کے چہرے کو دیکھنا ناممکن تھا۔ اور اس کے تاثرات تک روبی کو نظر آ رہے تھے۔ بزدل آدمی خوف سے زرد پڑ گیا تھا اسے لانے والے دو افراد تھے۔ جو خاص قسم کی وردی میں ملبوس توانا جوان تھے۔ انہوں نے ریڈبل کو ایک جگہ کھڑا کیا اور پھر اس کے تھوڑے سے پیچھے ہٹ کر خود بھی کھڑے ہو گئے۔ ہلڈا ریڈبل کا جائزہ لے رہی تھی۔ پھر اس کے ہونٹوں سے سانپ جیسی پھنکار نکلی۔

"ڈی فیوز۔ کیا میں تم ہی سے مخاطب ہوں؟"

ریڈبل سمتھ کے منہ سے کوئی جواب نہیں نکل سکا۔ ہلڈا کی نگاہیں ریڈبل کا جائزہ لے رہی تھیں۔ پھر اس نے کہا۔

"چند قدم اور قریب آؤ غدار انسان! کیا تم لوگوں نے اس شخص کی تلاشی لے لی ہے۔"

"یس میڈم۔۔۔" ان دو نوجوانوں میں سے ایک نے کہا۔

"ہوں! ڈی فیوز میں تمہیں زندہ کیوں دیکھ رہی ہوں؟" ریڈ سمتھ نے کچھ کہنے کے لئے ہونٹ کھولے لیکن آواز اس کے ہونٹوں سے باہر نہیں آ سکی تھی

"اپنے آپ کو گفتگو کرنے پر آمادہ کرو۔ تم ایک بہادر انسان ہو۔ ایسے لوگ بہت کم نظر آئے ہیں مجھے۔ اپنی تنظیم میں جنہیں میں نے موت کا حکم دیا ہو اور جو اس کے باوجود زندہ پھر رہے ہوں۔ میں تمہاری کارکردگی سے پہلے بھی بہت متاثر تھی اور اب مزید متاثر ہوں کیونکہ جہاں تک میرے علم میں آیا تھا تم نے خودکشی کر لی تھی۔ اس خودکشی کے بعد تم زندہ کس طرح بچ گئے۔ میں یہ راز جاننا چاہتی ہوں۔"

ریڈبل نے ایک بار پھر بولنے کی کوشش کی اور آواز نہ نکل سکی۔ تو ہلڈا گاربو نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"تیسری بار بھی تمہاری آواز نے تمہارا ساتھ نہیں دیا تو پھر تمہاری سانسیں بھی تمہارا ساتھ نہیں دے سکیں گی سمجھے۔" ریڈبل سمتھ کئی قدم آگے بڑھ آیا اور اب وہ ہلڈا گاربو کے بالکل قریب تھا۔

"میڈم۔۔۔ میڈم۔۔۔۔ میں۔۔۔۔ میں زندہ رہنا چاہتا تھا۔ اور میں نے خودکشی کا ڈرامہ رچایا تھا۔ جس جگہ سے میں نے کود کر خودکشی کی تھی وہ ایسی نہیں تھی کہ میں موت سے ہمکنار ہو جاتا۔ میں نے اپنی بچت کا انتظام رکھا تھا۔" دراصل رات کا وقت تھا۔ جب مجھے خودکشی کے لئے حکم دیا گیا تھا۔ لیکن میں یہ جانتا تھا کہ جس جرم کی پاداش میں مجھے سزا دی جائیگی وہ میں نے کیا ہے اور اس کے باوجود میں یہ بھی جانتا تھا کہ مجھے موت سے ہمکنار ہونا ہو گا۔ اور چونکہ میں میڈم کا قریبی ساتھی تھا اس لئے میڈم گاربو کے طریقوں سے بھی اچھی طرح واقف تھا اس وقت ایک تار میری کمر میں بندھی ہوئی بیلٹ سے پوری طرح منسلک تھا۔ اور یہ مضبوط ترین تار اوپر موجود تھا۔ جس میں اسپرنگ بھی تھے۔ اور لیچ بھی موجود تھی جو مجھے زمین تک اس قوت سے نہ پہنچنے دیں جتنی قوت اتنی بلندی سے نیچے گرنے میں صرف ہوتی ہے۔ پھر جب مجھے حکم دیا گیا تو میں نے تار کا دوسرا سرا ایک مضبوط ہک میں لگایا جسے میں پہلے ہی وہاں نصب کر چکا تھا۔ اور اس کے بعد میں نیچے کود گیا۔ اسپرنگوں نے اور تار نے مجھے سہارا دیا میں نیچے پتھروں تک پہنچا لیکن ان سے ایک لٹ اوپر وہ قوت ختم ہو گئی اور میں تاروں کے آخری سرے سے نیچے لٹک گیا۔ یہ میرا خصوصی اندازہ تھا۔ میں نے اس کے لئے پہلے ہی تیاریاں کر لی تھیں۔ اور چوڑی مضبوط بیلٹ مجھے سہارا دیئے ہوئے تھی۔ اور اس طرح زمین پر لیٹ گیا کہ اوپر سے دیکھنے والوں کو یہ ہی محسوس ہو کہ میں مر چکا ہوں۔ ساتھ ہی میں نے وہ ہک اپنی کمر سے نکال پھینکا تھا۔ اس طرح میری جان بچ گئی۔" ہلڈا حیرت اور دلچسپی سے ریڈبل سمتھ کو دیکھ رہی تھی۔ پھر اس نے بوڑھے کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔

"سنا تم نے یہ شخص کتنا ذہین ہے اس نے ہمارے ساتھ نیو سائیکلون میں رہ کر بہت سے کارنامے سرانجام دیئے لیکن اپنی زندگی بچانے کے لئے جو طریقہ کار اختیار کیا وہ قابل داد ہے۔"

"یقیناً۔۔۔" بوڑھے نے عجیب سی کھرکھراتی ہوئی آواز میں کہا۔

لیکن اس کے ساتھ ہی یہ ناگہانی کا مرتکب بھی ہوا ہے۔ نیو سائیکلون کے ساتھ غداری کرنے والوں کو زندہ تو نہیں رہنا چاہیے لیکن یہ اتنے عرصے تک زندہ ہے۔ کیسے ۔۔۔۔ آخر کیسے۔۔۔۔۔"

"ظاہر ہے تم نے اس کی موت کا یقین کر لیا تھا۔ اور تمہیں اس بات کا خدشہ نہیں تھا کہ یہ زندہ بچ گیا ہو گا۔ اس لئے تم نے اس کی جانب توجہ نہیں دی۔"

"یہی بات ہے۔۔۔ سو فیصد۔" ہلڈا گاربو نے جنونی انداز میں کہا۔ ریڈبل پوری جان سے کانپ رہا تھا۔ پھر اس نے کہا۔

"تم جسطرح بھی زندہ بچے یہ تمہارا اپنا کارنامہ تھا۔ لیکن تم کتنے بدنصیب انسان ہو تمہیں دوبارہ میرے سامنے آنے کی جرأت کیسے ہوئی؟"

"م۔۔۔ مجھے۔۔۔۔ نہیں معلوم تھا کہ آپ اس تقریب میں موجود ہیں۔"

"ہوں، جب گیدڑ کی موت آتی ہے تو لب وہ کسی تقریب میں شرکت کرنا چاہتا ہے۔ پہلے اس کے بارے میں سنا گیا تھا کہ وہ شہر کا رخ کرتا ہے۔ میں نے تمہیں دیکھا اور حیران رہ گئی۔ یقین کرو اس کے بعد مجھے اس تقریب میں لطف ہی نہیں آیا۔ اور میں نے فوری طور پر تمہیں چوہے دان میں پھانسنے کا بندوبست کیا۔ ہلڈا نے خوشی سے بھرپور ایک قہقہہ لگایا۔ اور بولی۔

"اور میں تمہیں چوہے دان میں پھانسنے میں کامیاب ہو گئی۔ مگر شہپر ذرا یہ تو بتاؤ وہ لڑکی کون تھی۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

تمہارے ساتھ میرے ساتھی اس کے بارے میں جاننے کے لئے مضطرب ہیں۔ وہ کون تھی آخر کون تھی۔ جس نے میرے ساتھیوں کو دھوکا دے دیا۔ اور خود کو بچانے میں نہایت شاندار طریقے سے کامیاب ہو گئی۔ مجھے بتاؤ، بلکہ نہیں، پہلے مجھے اپنے ماضی کے بارے میں بتاؤ۔ وہ سب کچھ جو تم پر بیت چکی ہے یعنی اس وقت کے بعد سے جب تم نے میرے حکم پر خود کشی کی تھی اور چالاکی سے اپنے آپ کو بچانے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ دراصل میں یہ بات جاننے سے دلچسپی رکھتی ہوں۔ کہ اگر میرے گروہ کے لوگ کبھی میرے کسی حکم سے انحراف کر کے زندہ بچ جائیں تو وہ کس طرح اپنے آپ کو محفوظ کر سکتے ہیں تاکہ میں وہ پہلو بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دوں۔ اور کسی کو اس کے بعد یہ سب کچھ کرنے کی جرأت نہ ہو۔ اور ہاں سنو۔ تم ایک بات اچھی طرح جانتے ہو وہ یہ کہ میں سچ اور جھوٹ کی تمیز کر لیتی ہوں میرے سامنے منہ سے نکلنے والا ایک جھوٹ تمہاری فوری موت کا سبب بن جائیگا۔ یہ دوسری بات ہے کہ میں تمہاری کسی بات سے خوش ہو کر تمہیں زندگی بخش دوں، سمجھے!"

"جی۔۔۔۔ میڈم۔۔۔ میں اچھی طرح یہ بات جانتا ہوں۔" ریڈبل کی آواز ابھری اب اس آواز میں ایک ٹھہراؤ محسوس ہو رہا تھا۔ جیسے موت کے بالکل قریب پہنچ کر انسان میں دلیری کے جذبے نمودار ہونے لگتے ہیں۔

روبی بڑی دلچسپی سے یہ ڈرامہ دیکھ رہی تھی ایک لمحے کے لئے وہ بھول گئی تھی کہ وہ خود خطرے میں ہے اور ایک ذرا سی آہٹ اسے زندگی سے دور کرنے کا باعث ہو سکتی ہے۔

ریڈبل کے چہرے کے تاثرات بتا رہے تھے کہ اب وہ اپنی زندگی سے مایوس ہو کر بڑ ہو گیا ہے۔ میں جانتا ہوں میڈم گاربو کہ اب تم مجھے زندہ نہیں چھوڑو گی اور موت اب مجھ سے زیادہ دور نہیں ہے۔ میڈم بلڈاگر بو یہ بات تم بھی اچھی طرح جانتی ہو کہ ڈی نیوز نے تمہارے لئے درجنوں قتل کئے، وحشت خیزی اور بربریت کے الاؤ بھڑکائے

جہاں جی چاہے جاؤ بس انتظار کرنا جب تمہیں میرے حکم پر خود کشی کرنا پڑے اور ہاں ٹھہرو تمہیں میری ایک خوبی معلوم ہے وہ یہ کہ میں دوستوں اور دشمنوں کی پہچان آنکھ، کان، ناک نبض سے کرتی ہوں، میرے سونگھنے کی قوت اس قدر شدید ہے کہ میں اس سے بہت سی باتیں معلوم کر لیتی ہوں اس وقت اجنبی ماحول میں ایک ایسی شخصیت موجود ہے جو ہم میں سے نہیں ہے اور میں اس کی خوشبو سونگھ رہی ہوں میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ یہاں تمہارے علاوہ میرے لوگوں کے علاوہ کوئی اور بھی موجود ہے کوئی اور موجود ہے میری بات پر یقین نہیں آتا تو ٹھہرو میں تمہیں دکھاتی ہوں۔"

روبی کا دل دھک سے رہ گیا تھا۔ اس کمبخت شیطان صفت عورت نے اسے سونگھ لیا ہے وہ خوف کے عالم میں ادھر ادھر دیکھنے لگی اس نے اپنا سر نیچے کر لیا تھا اور اب دوسری سمت کا منظر اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا تھا، کچھ آہٹیں سنائی دے رہی تھیں۔ ہال میں لوگوں کی تعداد میں اضافہ ہو گیا تھا اور پھر کچھ لوگ بڑے اطمینان سے ان لشت گاہوں کے عقب میں پہنچ گئے ان کے ہاتھوں میں دبے ہوئے پستولوں کی نال کا رخ روبی کی جانب تھا ان میں سے ایک نے سرد لہجے میں کہا۔

"کھڑی ہو جاؤ اور دونوں ہاتھ بلند رکھو ورنہ سب سے پہلے تمہارے ہاتھوں کو چھلنی کر دیا جائے گا۔"

روبی کے دونوں ہاتھ بلند ہو گئے تھے پھر وہ آہستہ آہستہ کھڑی ہو گئی۔ بلڈاگر بو دلچسپی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ پھر اس نے ڈی نیوز۔ ریڈبل سے کہا۔

"یہ وہی ہے نا جو تمہارے ساتھ تھی؟" ریڈبل نے غیر اختیاری طور پر اثبات میں گردن ہلا دی تھی۔ بلڈاگر بو کے چہرے پر تحسین کے آثار ابھر آئے۔ لڑکی تم اتنی جلدی یہاں کیسے آ گئیں۔ اس نے پوچھا۔ روبی خاموش کھڑی رہی تھی۔ "نہ جانے ان ذہین لڑکیوں کو کیا ہو گیا ہے۔ اول تو ان میں فہانت اور دلیری یکجا نہیں ہوتی اور ہوتی ہے تو نہ جانے کہاں کہاں جا پھنستی ہیں حالانکہ زندگی عیش کرنے کے لئے ہوتی ہے کس کے لئے کام کرتی ہو۔۔۔۔؟"

"تمہارا کیا خیال ہے۔ کیا تم اس کائنات کی حکمران ہو؟" روبی نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"میں سمجھی تھی۔۔۔۔!"

"کیا میں تمہارے سوالات کے جواب دینے کی پابند ہوں؟"

"اوہ۔۔۔۔ ہاں۔۔۔ ایسا تو ہے۔ مگر جو لوگ بھی یہ اعتراض کرتے ہیں ان کے لئے میرا طریقہ کار مختلف ہوتا ہے نیز یہ کہ میں دوسری بار کسی سے خود سوال نہیں کرتی اگر وہ میرا سوال سن لیتا ہے تو پھر خود جواب دیتا ہے کیا سمجھیں۔۔۔۔۔؟"

روبی نے حقارت سے منہ بنا کر رخ تبدیل کر لیا۔ تب بلڈاگر بو نے اپنے ایک آدمی سے کہا۔ "انتظام کرو ہمیں سیر کرنے جانا ہے۔" اور پھر بلڈاگر باہر سے ہٹ گئی۔

لوشان، ٹائیگر کو سرخ اسٹیشن ویگن کے پیچھے روانہ کر کے مطمئن نہیں ہوا تھا۔ لوشان کی حس اسے اس بات کی خبر دے رہی تھی کہ ابھی اور لوگ بھی لوتھر دینائل کے پاس آئیں گے۔ لوشان کی آنکھیں لوتھر کے اسلس پر جمی ہوئی تھیں۔ اسی لمحے ایک نیلی ویگن وہاں رکی۔ اس میں سے اترنے والے کے تیور خطرناک تھے۔ اس کا سر انڈے کے چھلکے کی طرح صاف شفاف تھا۔ چہرہ حد سے زیادہ سرخ، ویگن سے اور چند افراد اترے اور عمارت میں داخل ہو گئے۔ لوشان پُر وقار انداز میں مڑا اور ہوٹل سے باہر نکل کر سامنے کھڑی ٹیکسی میں بیٹھ گیا۔ ڈرائیور نے اکتائے ہوئے انداز میں کہا۔

"اب کہیں چلنا بھی ہے یا زندگی یہیں گزر جائے گی۔"

"زندگی گزارنے کے لئے اور بھی بہت سے مقامات بہتر ہوتے ہیں میرے بچے! لیکن زندگی اگر کسی مقصد سے گزرے تو پھر اسے بیکار نہیں کہا جا سکتا۔"

"اس وقت میں کسی قسم کا فلسفہ نہیں سن سکتا۔ بڑے میاں مجھے میرا بل دو اور چلتا کرو۔"

"جو شخص اپنا فرض پورا کئے بغیر معاوضہ طلب کرتا ہے وہ زندگی میں کبھی کامیاب نہیں ہوتا۔"

"میں نے کہا نا فلسفے سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے تم

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

یہ بتاؤ اب مجھے کرنا کیا ہے۔" لوشان کار میں بیٹھ گیا اور اس نے کہا۔

"ابھی کچھ دیر کے بعد میرے کچھ شناسا نیچے اُتر کر اس نیلی ویگن میں بیٹھیں گے اور اس وقت میں دیکھوں گا کہ تم نے اپنے فن میں کس قدر مہارت حاصل کی ہے۔ ان لوگوں کو تعاقب کا شبہ نہ ہونے پائے۔" ٹیکسی ڈرائیور نے چونک کر بوڑھے لوشان کو دیکھا۔ بے ضرر سا بھول سا یہ برف کے گالوں کی مانند سفید بوڑھا اس قسم کے کاموں میں بھی دلچسپی رکھتا ہے۔ اس نے شانے ہلائے اور اپنی ڈیوٹی پر مستعد ہو گیا۔ کئی منٹ انتظار کرنا پڑا تھا۔ اس کے بعد طویل القامت سرخ آدمی جھلائے ہوئے سے انداز میں نیچے اُترا اور نیلی ویگن میں جا بیٹھا۔ اس کے ساتھ اوپر جانے والے باقی تینوں افراد بھی ویگن کے پچھلے حصے میں جا بیٹھے تھے اور ویگن اسٹارٹ ہو کر آگے بڑھی تو لوشان کی ٹیکسی بھی اس کے پیچھے لگ گئی۔ یہ طویل القامت گنجا لوشان کے لئے باعث دلچسپی تھا۔ سوئٹزر لینڈ کی ٹھٹھرا دینے والی سرد فضا میں دونوں گاڑیاں آگے پیچھے دوڑتی رہیں اور پھر ایک بند فضا علاقے میں نیلے رنگ کی ویگن رک گئی اور لوشان ٹیکسی کا دروازہ کھول کر نیچے اُترا۔ اس نے تین نوٹ نکال کر ٹیکسی ڈرائیور کو تھمائے کہ اس کے طویل ترین انتظار کی ساری کوفت دور ہو گئی اور ٹیکسی ڈرائیور نے بڑے احترام سے کہا۔

"اگر آپ اجازت دیں معزز بزرگ تو میں سارا دن اور ساری رات یہیں آپ کا انتظار کروں۔"

"نہیں میرے بچے! تم واپس چلے جاؤ۔"

ٹیکسی ڈرائیور گردن خم کر کے پلٹ گیا۔ لوشان کی نگاہیں نیلی ویگن کا تعاقب کرتی ہوئی اس عمارت پر جا ٹھہریں جس میں وہ داخل ہو کر رک گئی تھی۔ لوشان بھی بڑی بے پروائی سے چلتا عمارت کے بڑے گیٹ سے اندر داخل ہو گیا۔ گیٹ پر کوئی چوکیدار موجود نہیں تھا۔ یہاں بھی سرخ پھولوں کی بہتات تھی۔ اور چاروں طرف پھول ہی پھول نظر آ رہے تھے۔ لوشان ان پھولوں کو دیکھتا ہوا آگے بڑھتا رہا جیسے ماحول سے بے نیاز ہو۔ در حقیقت ایسا نہیں تھا۔ وہ ماسٹر آف سنانبو تھا۔ اس کی تمام حسیات ہمہ وقت بیدار رہتی تھیں۔ اس وقت بھی وہ دو افراد کی موجودگی سے آگاہ تھا جو بے آواز قدموں سے اس کے عقب میں پہنچ چکے تھے۔ لوشان نے پلٹ کر انہیں دیکھا ان کی خونخوار نگاہیں بوڑھے پر جمی ہوئی تھیں۔

"تم پر آسمانی بر کتیں نازل ہوں، بہت خوبصورت عمارت ہے اور یہاں کے مکین نفاست پسند ہیں۔ میں بھی پرستار فطرت ہوں اور سرخ پھول میری کمزوری ہیں۔" دونوں عجیب سی نگاہوں سے اس بوڑھے کو دیکھ رہے تھے جس کی عبا ہوا میں لہرا رہی تھی اور وہ کسی قدیم روح کی مانند معلوم ہو رہا تھا۔ چھوٹا سا قد دبلا پتلا منحنی سا جسم اور عمر کا صحیح تعین مشکل، لیکن سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ عام لوگوں کا یہاں داخلہ ممنوع تھا اور کوئی بھی شخص مکینوں کی اجازت کے بغیر نہ تو اندر آ سکتا تھا اور نہ ہی باہر جا سکتا تھا۔ ان دونوں نے کرخت لہجے میں بیک وقت کہا۔

"کسی کی پرائیویٹ پراپرٹی میں اس طرح داخلہ کیا کوئی مناسب بات ہے۔"

"بد قسمتی سے مجھ پر یہ انکشاف ہوا ہے کہ زمین کسی اور کی ہے چونے اور پتھروں کی دیواریں حد فاصل نہیں بن سکتیں۔ مجھ پر اعتراض نہ کرو میں مناظر فطرت کا پرستار ہوں۔"

"تب پھر تمہارا ایک اور پرستار اندر موجود ہے، ذرا اس سے بھی ملاقات کر لو۔"

"کیا اس عمارت کا مالک؟" لوشان نے خوش ہو کر کہا۔

"ہاں یہی سمجھ لو، اس سے ملاقات تمہیں پسند آئے گی۔" ان میں سے ایک نے مضحکہ خیز لہجے میں کہا اور لوشان گردن ہلاتے ہوئے ان کے ہمراہ اندر داخل ہو گیا۔ وہ لوگ اسے لیتے ہوئے ایک کمرے میں آئے۔ کمرہ خالی تھا اور یہاں صرف ایک بستر پڑا ہوا تھا۔ لوشان نے انہیں سوالیہ نگاہوں سے دیکھا تو انہوں نے کہا۔

"اس عمارت کے مالک سے ملنے کے لئے تمہیں کچھ دیر انتظار کرنا پڑے گا اور انتظار کرنے کے لیے تمہاری عمر کے مطابق یہ بستر نہایت موزوں ہے اور اس سے پہلے یہاں

سے باہر نکلنے کی کوشش نہ کرنا۔ جب تک تمہیں عمارت کے مالک کے سامنے پیش نہ کر دیا جائے۔" ان دونوں نے کرخت لہجے میں کہا اور اس کے بعد باہر نکل کر دروازہ بند کر دیا۔ لوشان کے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ وہ اطمینان سے بستر پر جا بیٹھا۔ دیر تک اسی طرح بیٹھا رہا۔ اس طرح یہاں تک آجانا اسے بُرا نہیں لگ رہا تھا۔ نیچے بیٹھ کر اس نے کنول کا آسن جمایا اور گردن خم کر کے بیٹھ گیا۔ ایسے لمحات میں وقت گزرنے کا اندازہ ختم ہو جاتا تھا اور ذہن نہ جانے کہاں کہاں کی سیر کرنے لگتا تھا۔ اس وقت بھی ایسا ہی ہوا۔ لوشان کو گزرنے والے وقت کا کوئی اندازہ نہیں ہو سکا تھا لیکن پھر اس کے بعد آہٹیں اُبھریں اور اندر جو شخص داخل ہوا وہ سرخ چہرے والا گنجا تھا اور اس کے پیچھے تین چار افراد اور بھی تھے۔ گنجا آدمی مضحکہ خیز نگاہوں سے لوشان کو کنول کے آسن میں بیٹھا دیکھتا رہا پھر اس نے اپنے آدمیوں کی طرف مُڑ کر غراتے ہوئے انداز میں کہا۔

"اس بوڑھے کو کیوں پکڑ لائے تم لوگ۔۔۔؟"

"سر یہ باغ میں ٹہل رہا تھا اور کوٹھی میں داخل ہونے والے کسی شخص کو ہم آپ کی مرضی کے بغیر باہر جانے کی اجازت نہیں دیتے۔" گنجے نے لوشان کو دیکھا آگے بڑھا اس کی عبا پر ہاتھ ڈالا اور اسے اُٹھا کر اپنے بازو کی قوت سے اٹھا لیا۔ لوشان کے قدم زمین سے دو فٹ اونچے اُٹھے ہوئے تھے اور وہ حیران نگاہوں سے اس قد آور شخص کو دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے نرم لہجے میں کہا۔

"طاقت کا مظاہرہ یقیناً انسان کی فطرت سے مطابقت رکھتا ہے لیکن جو لوگ اس عمر سے گزر چکے ہوتے ہیں وہ اپنے ماضی کو یاد کر کے غم زدہ ہو جاتے ہیں۔ میرے بچے میں بھی کبھی ایک طاقتور انسان تھا اور آج تمہاری طاقت کو دیکھ کر مجھے اپنا ماضی یاد آ رہا ہے۔"

"تم اس عمارت میں کیوں داخل ہوئے مرنے کے لئے کوئی اور جگہ نہیں ملی تھی۔" گنجے نے غراتی ہوئی آواز میں کہا۔

"موت کب اور کہاں آتی ہے اس کے بارے میں کون جانتا ہے۔ یہ عمارت میرے لئے اجنبی ہے اور تمہاری شناسا لیکن کیا تم دعویٰ سے یہ بات کہہ سکتے ہو کہ یہ میرا مقبرہ بنے گی یا تمہارا؟" طویل القامت آدمی نے لوشان کو زمین پر چھوڑ دیا اور اس کے بعد اپنے پیچھے کھڑے ہوئے لوگوں سے بولا۔

"اسے لے کر بڑے کمرے میں میرے پاس پہنچو اور پلٹ کر کمرے سے نکل گیا۔ لوشان نے ان دونوں کی طرف دیکھا جو اس کے پہلے سے شناسا تھے اور اس کے بعد گردن خم کر کے بولا۔

"بد اخلاق لوگ ہمیشہ خسارے سے دوچار رہتے ہیں۔ تمہارا مالک بااخلاق آدمی نہیں ہے اور یہی بات اس کی موت کی سبب بنے گی۔"

"فی الحال یہ سوچو کہ تمہاری کون سی حرکت تمہاری موت کا سبب بننے والی ہے۔ چلو آگے بڑھو۔" لوشان ان کے ساتھ چلنے لگا۔ لیکن ان دونوں کے چہروں پر حیرت کے آثار نظر آ رہے تھے اور ان کی نگاہیں لوشان کے پیروں پر جمی ہوئی تھیں۔ یہ بات ناقابل یقین تھی کہ کوئی شخص زمین پر پرواز کرتا ہوا آگے بڑھے بالآخر انہوں نے اس بڑے کمرے کا دروازہ کھولا جس میں لوشان کو طلب کیا گیا تھا اور پھر لوشان کو اس کے اندر دھکیل کر دروازہ بند کر دیا۔ اندر وہی گنجے سر والا سرخ آدمی موجود تھا۔

"بیٹھ جاؤ بوڑھے آدمی، کوئی بھی شخص بلاوجہ کوئی کام نہیں کرتا، جس کا اس کے پاس خود کوئی جواز نہ ہو اور تمہیں یہاں اپنی آمد کا مقصد بتانا پڑے گا۔"

"جب لوگ اس دنیا میں اپنا کام ختم کر چکے ہوتے ہیں اور ان کے پاس طاقتور وقت باقی رہ جاتا ہے تو ان کی حالت میری جیسی ہو جاتی ہے۔ میرے پاس کرنے کے لئے کوئی کام نہیں ہے لیکن اس دنیا میں ابھی میرے لیے کچھ وقت باقی ہے میں نے اس پوری دنیا کو اپنا گھر سمجھ لیا ہے۔ جہاں دل چاہتا ہے بلا روک ٹوک چلا جاتا ہوں۔ بعض لوگ میری آمد کو پسند کرتے ہیں اور بعض ناپسند، اگر تمہیں میری آمد پسند نہیں آئی ہے تو تم سے معذرت طلب کر لوں گا لیکن تمہاری یہ جسامت۔ تمہارا یہ سرخ چہرہ اور یہ طاقتور جسم دیکھ کر مجھے یہ خیال آتا ہے کہ تمہارے سینے میں ایک طاقتور دل بھی ہو گا۔ ایک ایسے بوڑھے آدمی سے تم خوفزدہ کیوں ہو؟" یہ

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

الفاظ اس شخص کو بھڑکانے کے لئے کافی تھے۔ اس کی آنکھوں میں چہرے کی تمام سرخی اُبھر آئی اور وہ عجیب سی نگاہوں سے لوشان کو دیکھنے لگا جو بڑی بے پروائی سے اس کے سامنے کھڑا مسکرا رہا تھا۔

کمرے میں گہرا سکوت پھیلا ہوا تھا۔ لوشان دونوں ہاتھ سینے پر باندھے بڑے مطمئن انداز میں کمرے کے وسط میں کھڑا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر پھیلی تمسخرانہ مسکراہٹ سرخ چہرے والے کو مسلسل اشتعال دلا رہی تھی۔ اس کا دھیرے دھیرے تیز ہونے والا تنفس اس کے شدید غصے کی نشاندہی کر رہا تھا۔ لوشان کا طنز اور تمسخرانہ مسکراہٹ اسے اس اسٹیج پر لے آئی تھی کہ وہ کسی لمحے بھی پاگل کتے کی طرح لوشان پر جا پڑتا۔

"احمق بڈھے۔" وہ غرائے ہوئے لہجے میں بولا۔ "اپنے بڑھاپے پر رحم کھا اور نہ ریڈ بل تیرے ٹٹاتے چراغ کی لو جیسی زندگی کو ایک پھونک سے ہی بجھا دے گا۔"

"یہاں کو غلطی کر رہا ہے۔ زندہ شیطان۔" لوشان سرسراتی ہوئی آواز میں بولا۔ "میری زندگی کا چراغ ابھی روشنی بکھیر تا رہے گا۔ کیونکہ مجھ جیسے لوگوں کی ابھی دنیا کو ضرورت ہے۔ البتہ تیری زندگی کا ناپاک چراغ بجھنے والا ہے۔ وہ بھی اب سے کچھ دیر بعد لیکن میں خدائے عزوجل کا شکر گزار ہوں کہ میرے ہاتھ تیرے ناپاک خون سے گندے نہیں ہوں گے۔"

"بکواس بند کر بڈھے۔" ریڈ بل نے پوری طاقت سے فرش پر پاؤں مارتے ہوئے کہا۔ اس کا خیال تھا کہ اس کے پاؤں کی دھمک سے بوڑھا دہل جائے گا۔ مگر وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اس کے اطمینان میں ذرہ برابر بھی کوئی فرق نہیں آیا تھا نہ ہی وہ دہشت زدہ ہوا تھا۔ حالانکہ جرائم کی دنیا کے بڑے بڑے نام اس کی دہشت سے لرز جاتے تھے۔

"یہ چیخنا چلانا تمہاری زندگی کی گھڑیوں کو طویل نہیں کر سکتا، احمق آدمی! اب سے چند لمحے بعد ہی تم خود اپنے ہاتھوں اپنی زندگی کا خاتمہ کر دو گے۔"

"مربل مرخ۔" ریڈ بل دانت بھینچتے ہوئے بولا اور پھر اپنے دونوں ہاتھ کسی پہلوان کی طرح پھیلاتے ہوئے اس انداز میں آگے بڑھا تھا جیسے لوشان کو گرفت میں لے کر اس کی ہڈیوں کا سرمہ بنا دے گا۔

لیکن جب اس نے اپنے بازوؤں کا حلقہ تنگ کیا تو پہ چلا کہ اس کے ہاتھ ہوا میں ہی جھول کر رہ گئے ہیں۔ لوشان نے اپنی جگہ چھوڑنے میں پلک جھپکنے کی دیر بھی نہ لگائی تھی۔ ریڈ بل کو شدید غصے کے باوجود اس منحنی سے بوڑھے کی اس پھرتی اور برق رفتاری پر حیرت ہوئی تھی۔ جبکہ اس کا خیال تھا کہ وہ ایک جھٹکے ہی میں بوڑھے کی ریڑھ کی ہڈی توڑ دے گا لیکن اب وہی مربل بوڑھا اس کے عقب میں کھڑا اس طرح ہنس رہا تھا جیسے کوئی بلند عالم سرخوشی میں ڈھ ڈھ کی آواز نکالتی ہے۔

اس کی ہنسی نے ریڈ بل کے تن بدن میں آگ سی لگا دی۔ اس پر وحشت سی سوار ہو گئی اور وہ دیوانہ وار اپنی جگہ سے اچھلا تھا لیکن اس بار بھی وہ لوشان کو چھونے میں ناکام رہا تھا۔ البتہ وہ اپنی جھونک میں ایک زوردار دھماکے کے ساتھ دیوار سے ضرور جا ٹکرایا تھا۔ اس مرتبہ بھی اسے لوشان کی ڈھ ڈھ اپنے عقب میں سنائی دی تھی جو کسی چھلاوے کی طرح اس کے قریب پہنچتے ہی اپنی جگہ چھوڑ دیتا تھا۔

لوشان کی ڈھ ڈھ جاری تھی لیکن اس بار ریڈ بل غور آنہیں پلٹا تھا۔ وہ ایک لمحے کے لئے دونوں ہاتھ دیوار پر رکھے کھڑا رہا تھا اور خون کی بوندیں شفاف دیوار پر لکیریں بناتی ہوئی تیزی سے فرش کی جانب بہہ رہی تھیں۔ پھر جب وہ پلٹا تو لوشان نے دیکھا کہ چہرہ لہولہان ہو رہا تھا لیکن یہ اندازہ نہیں ہو رہا تھا کہ چوٹ چہرے کے کس حصے میں لگی ہوئی ہے۔

ریڈ بل سر جھٹکتے ہوئے کمرے کے وسط میں پہنچا۔ اس نے آستین سے آنکھوں پر بہنے والا خون صاف کیا اور خونخوار نظروں سے لوشان کو گھورنے لگا جو اس سے چار قدم کے فاصلے پر کھڑا اُسے حقارت سے دیکھ رہا تھا۔ ریڈ بل کا چہرہ خون آلود ہونے کے باعث بڑی بھیانک شکل اختیار کر گیا تھا۔ زندگی میں پہلی بار کسی نے اسے اتنی زک پہنچائی تھی۔ اس کا بدن مارے غصے اور طیش کے کپکپا رہا تھا۔ بوڑھے نے کچھ دیر پہلے کہا تھا کہ وہ اپنے ہاتھوں اپنی زندگی تمام کرے گا اور اب ریڈ بل کے دل میں شدت سے یہ خواہش مچل رہی تھی

کہ وہ واقعی اپنی زندگی کا خاتمہ اپنے ہاتھوں کر لے تو زیادہ بہتر ہے کیونکہ وہ اب بوڑھے کا خاتمہ بھی کر دے تو تب بھی اس حالت میں وہ کسی کے سامنے نہیں جا سکتا تھا۔ یہ خیال آتے ہی اس کے بدن میں بجلی کی رَو سی دوڑ گئی اور پھر وہ کسی سانڈ ہی کی طرح لوشان کی جانب جھپٹا تھا۔

اس مرتبہ لوشان نے سامنے سے ہٹنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ بلکہ ڈھیلی ڈھالی آستینوں کو کسی بل فائٹر کی مانند جھلانے لگا تھا۔ پھر جونہی ریڈ بل اس کے قریب پہنچا لوشان بڑے طیر محسوس انداز میں بائیں جانب ہٹ گیا اور ریڈ بل دوبارہ اپنی جھونک میں پوری قوت کے ساتھ دیوار سے جا ٹکرایا تھا۔ اس بار اس کے حلق سے بڑی دلخراش چیخ نکلی تھی۔ اس کا سر کسی پکے ہوئے تربوز کی مانند کھل گیا تھا اور خون دیوار و فرش پر عجیب عجیب نقش و نگار بنا رہا تھا۔ وہ دونوں ہاتھوں سے سر کو تھامے لڑکھڑاتے ہوئے دوبارہ کمرے کے وسط میں آیا لیکن اب اس کی مضبوط ٹانگیں اس کا بوجھ سہارنے کے قابل نہیں رہی تھیں۔ چنانچہ وہ چند لمحے آگے پیچھے جھولتے ہوئے فرش پر ڈھیر ہو گیا۔ اس کا بدن کسی تشنج کے مریض ہی کی مانند جھٹکے لے رہا تھا۔

لوشان چند لمحے تک اُسے دیکھتا رہا اور پھر دروازے کی جانب متوجہ ہو گیا۔ اُسے یقین تھا کہ ریڈ بل کی آخری چیخ باہر ضرور سنی گئی ہوگی۔ پھر دوڑتے ہوئے قدموں نے اس کے اس خیال کی فوراً ہی تصدیق کر دی تھی۔

بہت سے لوگ دوڑتے ہوئے آئے تھے۔ دروازے پر ایک لمحے کے لئے خاموشی چھا گئی۔ کسی نے ریڈ بل کو آواز بھی دی تھی لیکن ریڈ بل اب جواب دینے کی منزل سے بہت دور جا چکا تھا۔ واقعی اس نے اپنی زندگی کا خاتمہ کر لیا تھا۔

لوشان نے ایک لمحے کے لئے کمرے کا جائزہ لیا۔ کمرے سے باہر جانے کے صرف دو ہی راستے تھے۔ ایک تو دروازہ جس کے عقب میں نفرت و حقارت کے پیکر نہ جانے کتنے درندے موجود تھے، دوسرا چھت کے قریب بنا ہوا ایک گول سا روشن دان تھا۔ لوشان نے نظروں ہی نظروں میں فرش سے روشن دان کا فاصلہ ناپا اور پھر مطمئن انداز میں سر ہلا کر دروازے کی جانب متوجہ ہو گیا۔ جس پر باہر سے مسلسل ٹھوکریں لگائی جا رہی تھیں۔ پھر جونہی مضبوط دروازہ اپنی چولکھٹ سے علیحدہ ہوا لوشان اپنی جگہ سے یوں اچھلا جیسے اس کے پیروں میں اسپرنگ لگے ہوئے ہوں۔ کمرے میں داخل ہونے والوں نے اس کے لبادے کی پھڑپھڑاہٹ ہی سنی تھی انہوں نے حیرت سے اس کی اُڑان کو دیکھا اور کسی سنگی مجسمے کی طرح اسے روشن دان تک پہنچتے اور وہاں سے غائب ہوتے دیکھا تھا۔ انہیں یوں لگ رہا تھا جیسے وہ کوئی فلم کا منظر دیکھ رہے ہوں۔ پھر جونہی ان میں سے ایک کی نگاہ ریڈ بل کی لاش پر پڑی اس کا ہاتھ تیزی سے اپنے بیلٹ سے اُڑسے مشین پسٹل کی جانب بڑھا تھا اور کمرے کی فضا گولیوں کی تڑتڑاہٹ سے گونجنے لگی لیکن جس کے لئے یہ شوٹنگ ہو رہی تھی وہ ایک سیکنڈ کے لئے روشن دان پر رکا تھا اور پھر تیزی سے دوسری طرف نکل گیا تھا۔

---OOO---

بزدل آدمی عمارت کے ایک مخصوص حصے میں کھڑا ہوا اپنا رخسار کھجا رہا تھا۔ ایڈل جسے ڈمی فیونز کا نام دیا گیا تھا۔ بلڈ گار بو نے اس سے گفتگو کرنے کے بعد اس سے کہا تھا کہ وہ آزاد ہے مگر وہ اس کے لئے وہ خود کشی تجویز کر چکی ہے چنانچہ اسے اسی موت مرنا پڑے گا۔ ایڈل یا ڈمی فیونز جانتا تھا کہ اگر اس نے خود کشی نہ کی تو بھی بلڈ گار اس کے لئے ایسے حالات پیدا کر دے گی کہ اس کے پاس سوائے خود کشی کے اور کوئی چارہ نہ رہے گا۔ پہلی بار وہ جس انداز میں موت سے بچا تھا اس کے لئے اس نے شدید محنت کی تھی۔ وہ زندگی چاہتا تھا اور در حقیقت جو کہانی اس نے بلڈ گار بو اور روبی کو سنائی تھی وہ حرف بہ حرف سچ تھی۔ اس کی زندگی اسی انداز میں گزر رہی تھی۔ جب اس نے ڈمی فیونز کو مار کر ایڈل کی شخصیت اختیار کی تھی تب اس نے تہیہ کر لیا تھا کہ اب زندگی کا رخ بالکل تبدیل کر دے گا۔ یہ دوسری بات تھی کہ اسے جو زندگی ملی وہ بھی خطرات سے پُر تھی ایک سادہ سے کام کے لئے بھی اسے شدید ترین مشکلات کا سامنے کرنا پڑتا تھا۔ ...اور وقت نے بالآخر اسے ایک بار پھر اس کمبخت عورت کے سامنے لا کھڑا

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کیا تھا۔ جس سے بچنے کا زندگی بھر تہیہ کر چکا تھا اور اب جو صورتحال سامنے آئی تھی وہ اتنی انوکھی تھی کہ ڈمی فیونز اپنے لئے کوئی فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا۔ بزدل ایڈل کو اس نے نہ جانے کن کن کوششوں کے باوجود زندہ رکھا تھا لیکن اب حالات نے ایک بار پھر اسے ڈمی فیونز بنا دیا تھا۔ روبی کا تماشا اس نے اپنی نگاہوں سے دیکھا تھا اور اس لڑکی کے لئے ایک لمحے کے لئے اس کے دل میں ہمدردی کا جذبہ بھی بیدار ہوا تھا۔ روبی کا یہاں تک پہنچ جانا خود اس کے لئے باعث حیرت تھا۔ کیونکہ جس طرح اسے گرفتار کیا گیا تھا۔ اسے دیکھتے ہوئے یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تھوڑی دیر میں وہ اس کا پتا لگاتی ہوئی یہاں تک پہنچ جائے گی لیکن اب وہ یہاں آ کر پھنس گئی تھی اور یہ سب کچھ اس کی وجہ سے ہوا تھا۔ ایڈل نے سوچا جب حالات اسے زندگی اور موت کے دوراہے پر لے ہی آئے ہیں تو کیوں نہ موت کا سامنا بہادری سے کیا جائے۔ ایسا صرف وہ ڈمی فیونز کی حیثیت سے ہی کر سکتا تھا ایڈل کے روپ میں نہیں۔ ایڈل جس نے ادارے کے لئے زندگی کے قیمتی لمحات وقف کر دیے تھے مگر اب بلڈا اس کی خدمات کو بھلا کر اس کے لیے ذلت کی موت تجویز کر چکی ہے تو پھر کیوں نہ اپنی محسنہ کو زندگی دے۔ روبی نے اس کی زندگی کئی بار بچائی تھی اور وہ اس بات کو خلوص دل سے تسلیم کرتا تھا۔ بزدل ایڈل ان احسانات کا بدلہ نہیں اتار سکتا تھا مگر ڈمی فیونز کے لئے یہ کام مشکل نہیں تھا۔ چنانچہ ایڈل کی ذات میں ڈمی فیونز دوبارہ بیدار ہونے لگا۔ چنانچہ وہ یہ جاننے کے لئے کہ بلڈا کا نیا قدم کیا ہو سکتا ہے تیزی سے آگے بڑھ آیا۔ عمارت میں کچھ افراد اسے نظر آئے لیکن سب نے اسے اس طرح نظر انداز کر دیا جیسے اس کے وجود کو دیکھ ہی نہ پا رہے ہوں۔ اچانک وہ نظر نہ آنے والی شخصیت بن گیا تھا اور اس کیفیت سے اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے آہستہ سے کہا۔

"بلڈا گارو۔ تم بے شک بہت بڑی شخصیت کی مالک ہو۔ نیو سائیکلون جیسے ادارے کو پیدا کی ہو جس نے مغربی جرمنی کی حکومت کو ہلا کر رکھ دیا ہے لیکن تمہیں اندازہ نہیں کہ آستین کے سانپ کیا ہوتے ہیں۔ میں تمہارے لئے آستین کا سانپ ہی ثابت ہوں گا۔" وہ تیزی سے آگے بڑھا اور دروازے کے اس حصے پر پہنچ گیا جہاں سے باہر کا نظارہ کیا جا سکتا تھا۔

پورچ میں ایک شاندار کار کھڑی تھی اور باوردی شوفر کار کا دروازہ کھولے مؤدب انداز میں کھڑا تھا۔ اسی اثناء میں بلڈا اپنے ساتھیوں کے ساتھ برآمد ہوئی اور کار میں جا بیٹھی۔ دونوں افراد اپنے اطوار سے باڈی گارڈ نظر آتے تھے اور ان کی بغل کے ابھار بتا رہے تھے کہ وہ دونوں مسلح بھی ہیں۔ کار کے روانہ ہوتے ہی ڈمی فیونز دوبارہ اندرونی حصے کی جانب بڑھ گیا۔ اب اسے ایک ایسے آدمی کی تلاش تھی جو اسے روبی کا پتا بتا سکے۔ عمارت میں ایک عجیب سی خاموشی طاری تھی۔ وہاں کئی افراد موجود تھے مگر کسی نے بھی اس پر توجہ نہ دی تھی۔ یا اسے قابل توجہ نہیں سمجھا تھا۔ پھر جونہی ایک شخص اس کے قریب سے گزرا ڈمی فیونز نے اسے روک لیا۔

"ہیلو۔" ڈمی فیونز نے مسکراتے ہوئے اسے مخاطب کیا لیکن وہ کوئی جواب دیے بغیر خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔

"میں تم سے کچھ گفتگو کرنا چاہتا ہوں دوست۔"

"کرو۔" اس شخص نے کہا۔

"یہاں نہیں کسی جگہ بیٹھ کر۔"

"میں ایک مصروف آدمی ہوں اور میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔"

"میں تمہارا زیادہ وقت نہیں لوں گا۔" ڈمی فیونز نے عاجزی سے کہا اور وہ شخص اسے اشارہ کر کے ایک کمرے کی جانب بڑھ گیا۔ ڈمی فیونز اس کے ساتھ کمرے میں داخل ہو گیا اور وہ شخص سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔

"میرے بارے میں میڈم بلڈا گارو نے کیا فیصلہ کیا ہے۔" ڈمی فیونز نے سوال کیا اور اس شخص کے چہرے پر حیرت کے آثار پھیل گئے۔ اس نے کہا۔

"کیا تمہیں معلوم نہیں؟"

انہوں نے مجھ سے یہ کہا ہے کہ مجھے ان کی ہدایت کے مطابق خود کشی کرنا پڑے گی۔"

"میڈم گارو نے اگر یہ بات کہی ہے میرے دوست تو تمہارے لئے بہتر طریقہ یہی ہے کہ تم اسی عمارت میں خود کشی کر لو۔" اس شخص نے ڈمی فیونز کو مشورہ دیا۔ اس کے لہجے میں بے رحمی تھی جسے ڈمی فیونز نے محسوس کیا۔ پھر وہ بولا۔

"خود کشی کے لئے کون سا طریقہ بہتر ہوتا ہے؟"

"ہزاروں طریقے ہیں، زندگی پانا ایک مشکل کام ہے دوست کھونا بہت آسان ہے۔"

"اگر میں تم پر حملہ کر کے تمہیں قتل کرنے کی کوشش کروں تو ظاہر ہے تم جوابی کارروائی کرو گے اور اس کے نتیجے میں میری موت بھی واقع ہو سکتی ہے تو خود کشی کرنے کے اس طریقہ کار کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے۔" ڈمی فیونز نے کہا اور وہ شخص چونک کر اس کی صورت دیکھنے لگا جیسے اسے صحیح دماغ نہ سمجھ رہا ہو۔ البتہ اس کے چہرے پر پریشانی کے تاثرات پھیل گئے تھے۔ اس نے کہا۔

"یہ دیوانگی ہی ہو گی کیونکہ کیونکہ۔" اس سے آگے وہ جملہ پورا نہیں کر سکا تھا کیونکہ ڈمی فیونز نے اپنا رخ تبدیل کر کے خود کو دروازے کے سامنے کر لیا تاکہ وہ شخص باہر نہ نکل سکے اور اس شخص کے چہرے پر گہری پریشانی کے آثار پھیل گئے تن و توش میں وہ بھی ڈمی فیونز سے کم نہیں تھا لیکن شاید اس کے لئے یہ مسائل بہت الجھا ہوا تھا۔ بلڈا نے جب ڈمی فیونز کو خود کشی کا حکم دیا تھا تو اسے خود کشی ہی کرنی تھی اور انتہائی مشکل ترین حالات میں بھی اگر کسی شخص نے اسے قتل کر دیا تو پھر اس کی موت بھی لازمی تھی۔ اس شخص کو احساس ہو رہا تھا کہ وہ ایک بہت بڑی مشکل میں گرفتار ہو گیا ہے۔ چنانچہ فوراً ہی اس نے اپنا رویہ تبدیل کیا اور افسوس زدہ لہجے میں بولا۔

"تم کیا سمجھتے ہو مسٹر، کیا کسی کی موت سے مجھے کوئی خوشی ہو سکتی ہے۔ میڈم جس قدر سنت مزاج ہے اس کے بارے میں تمہیں علم ہی ہے۔ تم اگر مجھے بلاک کر دو گے تب بھی میں تم پر ہاتھ نہیں اٹھاؤں گا لیکن میرا مشورہ ہے کہ زندگی بچانے کے لئے جس قدر جلد ہو سکے یہاں سے نکل جاؤ۔ ظاہر ہے کہ میڈم تمہاری نگرانی نہیں کر رہی ہیں ایسی صورت میں تم اپنی زندگی بچا بھی سکتے ہو۔ مجھ سے جھگڑا کر کے تمہیں کچھ حاصل نہیں ہو گا۔"

"تمہارا کہنا بالکل درست ہے۔ زندگی بچانے کے لئے مجھے آخری سانس تک جدوجہد کرنا ہو گی۔ اچھا ٹھیک ہے۔ اگر میرے اور تمہارے درمیان کوئی جھگڑا نہیں ہے تو مجھے یہ بتاؤ کہ اس لڑکی کو کہاں رکھا گیا ہے؟" وہ شخص ایک بار پھر چونک پڑا اور اس نے پریشان نگاہوں سے ڈمی فیونز کو دیکھا پھر بولا۔

"یہ بات مجھے نہیں معلوم۔"

نہیں۔ میری نگاہیں کمزور نہیں ہیں میں نے اس وقت تمہیں ان لوگوں کے ساتھ جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ جب لڑکی کو کمرے سے باہر لے جایا جا رہا تھا اور تم اچھی طرح جانتے ہو گے کہ وہ کہاں ہے۔"

"ہاں میں اچھی طرح جانتا ہوں، مگر ظاہر ہے میں یہ بات تمہیں نہیں بتا سکتا۔" وہ شخص کسی قدر جھلا سا گیا۔

پھر اس سے قبل کہ وہ کوئی اقدام کرتا ڈمی فیونز اس پر ٹوٹ پڑا۔ اس کے ہاتھ پیر مشینی انداز میں چل رہے تھے۔ وہ اپنے حفاظت کو کسی طرح بھی سنبھلنے کا موقع نہیں دے رہا تھا۔ چند ہی لمحوں میں ڈمی فیونز نے اسے ادھ موا کر کے رکھ دیا۔ پھر اس نے اپنے ہاتھ روک دیے مگر رُکتے رُکتے بھی وہ اسے ننھا کرنا نہیں بھولا تھا۔

"اب میرے لئے یہ کام بالکل مشکل نہیں ہے کہ میں اس پستول کی تمام گولیاں تمہارے سینے میں اتار دوں۔ ایک ایسا شخص جس کے لئے موت کی سزا تجویز ہو چکی ہو اس کے لئے یہ کام مشکل نہیں ہو گا کیونکہ زیادہ سے زیادہ اسے موت دے دی جائے گی اور جو لوگ اسے بلاک کریں گے وہ بلڈا گارو کے عذاب کا شکار ہوں گے۔ کیا خیال ہے تمہارا۔" ڈمی فیونز نے مسکراتے ہوئے کہا اور وہ شخص خوفزدہ نگاہوں سے ڈمی فیونز کو دیکھنے لگا۔ پھر بولا۔

"حالانکہ میں نے تم سے مسلسل مصالحت کی گفتگو کی ہے لیکن اس کے باوجود تم نے میرے ساتھ بہتر سلوک نہیں

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کیا۔"

"میں تمہارے ساتھ انسانی بہتر سلوک کرنے پر آمادہ ہوں میرے دوست، شرط یہ ہے کہ مجھے اس لڑکی کا پتا بتادو۔"

"اسے تہہ خانے میں رکھا گیا ہے۔ آخری کمرے میں سوئچ بورڈ پر جو سیاہ بٹن لگا ہوا ہے اسے دبانے سے اسی کمرے میں قید خانے کا دروازہ کھل جائے گا لیکن ایک بات تم ذہن میں رکھنا۔ اس لڑکی کو اگر نکال کر لے گئے تب بھی تمہاری اپنی زندگی بچ نہیں سکے گی۔"

"میری زندگی رہے یا نہ رہے اگر وہ لڑکی ہی بچ جائے تو میں سمجھتا ہوں کہ یہ کارنامہ ہوگا۔" ڈمی فیلونز نے کہا۔ اور پستول اسے واپس کرنے کے لئے آگے بڑھا دیا۔ اس شخص نے مجبوراً روبی کا پتا بتا تو دیا تھا لیکن اب وہ سوچ رہا تھا کہ پستول ہاتھ میں آجانے کے بعد اسے سخت روّیہ اختیار کرنا پڑے گا اور بلڈا گار بو اس بات پر یقیناً اسے معاف کر سکتی ہے کہ بحالت مجبوری اس نے اس شخص کا خون کیا پھر جیسے ہی وہ پستول لینے کے لئے آگے بڑھا ڈمی فیلونز نے اپنا ہاتھ اس کی گردن میں ڈال دیا اور وہ کافی جدوجہد کرنے کے باوجود ڈمی فیلونز کی گرفت سے نہیں بچ سکا اور اس کے ہوش و حواس جواب دے گئے۔ ڈمی فیلونز نے اس کے بے ہوش جسم کو ایک جانب ڈالا، پستول اپنی جیب میں رکھا اور وہاں سے نکل آیا۔ بلڈا کا یہ مذاق اسے بہت پسند آیا تھا اور اس مذاق نے اسے نہ صرف زندگی بخشی تھی بلکہ ایک بہتر کام کرنے کا موقع بھی فراہم کیا تھا۔ وہ اس کمرے میں پہنچ گیا۔ جہاں دیوار پر سوئچ بورڈ کے ساتھ سیاہ بٹن نظر آرہا تھا۔ اسے دبانے سے سیاہ بٹن کے قریب ہی ایک دروازہ نمودار ہو گیا جس میں سیڑھیاں نیچے تک چلی گئی تھیں اور روبی وہاں موجود تھی۔ اس کے ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے، پیر بھی کسے ہوئے تھے البتہ منہ بند نہیں کیا گیا تھا۔ تہہ خانے میں مدھم سی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ روبی خاموشی سے آنے والے کو دیکھتی رہی ڈمی فیلونز اس کے قریب پہنچ گیا۔ اس نے آہستہ سے کہا۔

"میں آپ کے احسانات کا بدلہ ادا کرنا چاہتا ہوں خاتون۔" ڈمی فیلونز کی آواز پہچان کر روبی اچھل پڑی۔ اس نے آہستہ سے کہا۔

"میرے ہاتھ اور پاؤں بندھے ہوئے ہیں۔"

"میں جانتا ہوں۔" ڈمی فیلونز نے کہا اور روبی کی پشت پر پہنچ کر چند ہی لمحات کے بعد روبی ان بندشوں سے آزاد ہو گئی تھی۔ ڈمی فیلونز نے اس کا بازو پکڑا اور بولا۔

"میرے ساتھ ساتھ چلی آیئے۔ دوسرے ہاتھ میں اس نے اپنا پستول نکال کر سامنے کر لیا تھا۔ ڈمی فیلونز کے سلسلے میں یہاں عمارت کے تمام ہی لوگ الجھن کا شکار تھے اور چاہتے تھے کہ وہ باہر نکل جائے اس وقت بھی دو آدمی اس کے سامنے آگئے لیکن ڈمی فیلونز کے ساتھ روبی کو دیکھ کر ان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں، ان کے منہ کھلے انہوں نے پھرتی سے پستول نکالنے کی کوشش کی لیکن ڈمی فیلونز کے پستول سے دو شعلے نکلے اور ان کی پیشانیوں میں سوراخ ہو گئے اس کے بعد ڈمی فیلونز برق رفتاری سے دوڑتا ہوا باہر نکل آیا تھا۔ اس کا راستہ نہیں روکا جا سکا تھا۔ غالباً اس وقت کوئی موجود نہیں تھا۔ حالانکہ عمارت میں فائرنگ کی آوازیں ضرور سنائی دی تھیں باہر نکلنے کے بعد ڈمی فیلونز اور روبی ایک جانب دوڑتے چلے گئے۔ کافی فاصلہ طے کرنے کے بعد انہیں ایک ٹیکسی نظر آئی اور ڈمی فیلونز نے ٹیکسی کو روک لیا اور دونوں جلدی سے ٹیکسی میں بیٹھ گئے اور ڈمی فیلونز نے ٹیکسی ڈرائیور کو ایک پتہ بتا دیا۔ روبی اپنے سانسوں کو درست کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ راستہ خاموشی سے طے ہوا۔ وہ لوگ ایک پارک کے قریب اتر گئے۔

ڈمی فیلونز روبی کو لے کر پارک میں داخل ہو گیا۔ پارک کے ایک سنسان گوشے میں وہ دونوں ایک بینچ پر بیٹھ گئے۔ ابھی تک ان کے حواس درست نہیں ہوئے تھے۔ ڈمی فیلونز نے روبی کو وہاں بٹھایا اور پھر اطراف کا جائزہ لینے کے بعد اسے احساس ہوا کہ کوئی بھی اس کے تعاقب میں نہیں آیا ہے۔ یہ حیران کن بات تھی۔ بلڈا نے اسے بے مقصد ہی آزادی نہیں دی تھی۔ وہ یقیناً اس کا منصوبہ ہوگا کہ جب وہ عمارت سے نکلے تو اس کی پیروی کی جائے تاکہ وہ شہر

چھوڑ کر بھاگنے کی کوشش نہ کرے۔ نہ جانے یہ دیوانی عورت کس قسم کی تھی۔ پھر وہ روبی کے پاس آ بیٹھا۔ روبی اب پُرسکون ہو گئی تھی۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تم نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے مسٹر ایڈل۔"

ڈمی فیلونز کے چہرے پر اداسی پھیل گئی۔ اس کی آنکھوں میں نمی نظر آنے لگی تھی۔ چند لمحات وہ خاموشی سے گردن جھکائے زمین کریدتا رہا۔ پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

"نہیں۔ میں نے اپنا فرض ابھی کہاں پورا کیا ہے۔ میں ایک بدنصیب انسان ہوں میں نے تمہیں اس کے سامنے اپنا کہانی سنائی تھی۔ وہ کہانی بالکل درست ہے۔ جو کچھ میرے ساتھ پیش آیا وہ میرے بس کی بات نہیں تھی۔ بس حالات نے میرے لئے راہیں متعین کیں اور میں انہی پر عمل کرتا رہا۔ ڈمی فیلونز سے ایڈل بنا اور زندگی کو ایک نئے راہ پر لانا چاہا لیکن وقت نے دھکیل کر پھر اسی جگہ پہنچا دیا اور اب، اب میں موت کا مسافر ہوں تمہیں میرے ساتھ جو اب وقت صرف کرنا پڑا ہے میں تم سے معذرت خواہ ہوں کہ میں تم پر بوجھ ہی بنا رہا لیکن اب اس کی وجہ تمہارے علم میں آ گئی ہوگی۔"

"ہاں کیوں نہیں۔"

"پھر اب میں تم سے معذرت خواہ ہوں۔ میں نے ایک چھوٹا سا کام انجام دیا ہے اور تمہیں ان کے چنگل سے نکال کر یہاں لے آیا ہوں یہ تمہارے احسانات کا صلہ نہیں ہے۔ تم نے یہ دیکھ لیا کہ اس کمبخت عورت نے میرے لئے خود کشی تجویز کی ہے اور اس کی فطرت کو میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ میں کوشش کروں گا کہ اس کی خواہش پوری نہ ہونے پائے لیکن ہو سکتا ہے کہ وہ مجھے خود کشی پر مجبور کر دے۔"

"تم کیسے انسان ہو ایڈل جو ایک ایسی عورت سے خوفزدہ ہو جو جرائم پیشہ ہے۔"

"نہیں، یہ بات نہیں ہے میں اس سے خوفزدہ نہیں ہوں۔ یہ بات بخوبی سمجھ گیا ہوں کہ ہمیں بالآخر... موت کی جانب سفر کرنا ہے۔ پھر زندگی سے اس قدر مایوس کیوں ہوں۔ آیئے میرا خیال ہے اب ہمیں زندگی کی جدوجہد کے لئے آگے قدم بڑھانے چاہئیں۔" روبی مسکراتی ہوئی اس کے ساتھ اٹھ گئی تھی۔

بلڈا گار بو کی کار اس عمارت میں واپس داخل ہو گئی جہاں سے وہ کچھ دیر پہلے گئی تھی۔ اس کے ساتھ چار آدمی موجود تھے جن میں وہ سفید بالوں والا بوڑھا بھی تھا، جسے وہ اپنے ساتھ لے گئی تھی۔ بوڑھے کا نام ایرسن تھا اور بلڈا شاید اس سے خاصی دلچسپی رکھتی تھی۔ کار سے اترتے ہی بلڈا کے انداز میں ایک عجیب سی کیفیت پیدا ہو گئی۔ اور اس نے سرد لہجے میں کہا۔

"یہ خاموشی۔" اور اس لفظ کو منہ سے ادا کرتے ہی وہ برق رفتاری سے اندر کی جانب دوڑی۔ باقی لوگوں نے پستول نکال لئے تھے۔ وہ خود بھی اس کے ساتھ دوڑنے لگے۔ پھر ان میں سے دو باہر پستول سنبھالے ہوئے رک گئے، جبکہ بوڑھے ایرسن نے اس کے ساتھ قدم ملا دیا تھا۔ وہ برق رفتاری سے ایک ایک کمرے کا جائزہ لینے لگی اور تھوڑی دیر بعد اسے اپنے ساتھیوں کی لاشیں مل گئیں۔ تین افراد تھے جو ختم ہو چکے تھے اور باقی زخمی حالت میں دستیاب ہو گئے۔ بلڈا کے چہرے پر سرخیاں ابھر آئی تھیں۔ وہ سرد نگاہوں سے اپنے ساتھ آنے والے دونوں افراد یعنی بوڑھے ایرسن اور اس جوان شخص کو دیکھنے لگی پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

"میرے ساتھ آؤ۔ میرا خیال ہے ہمیں چوٹ ہو گئی۔" اس کے بعد بلڈا کا رخ سیدھا اس کی جانب تھا جہاں روبی کو رکھا گیا تھا اور چند لمحات میں اس نے یہ اندازہ لگا لیا کہ روبی بھی اس کے قبضے سے نکل چکی ہے۔ بلڈا کا چہرہ شدید جنون کا شکار نظر آنے لگا۔ اس نے سرد لہجے میں کہا۔

"یہ نکمے ناکارہ لوگ ہیں میرے لئے عذاب بن چکے ہیں مسٹر ایرسن۔ میرا خیال ہے اب ان کے بارے میں کوئی فیصلہ کر لینا چاہئے۔ تم فوراً انہیں ہوش میں لانے کی کوشش کرو۔"

بلڈا اپنے مخصوص کمرے میں آ گئی اور ایک کرسی پر بیٹھ کر سگار سلگا کر گہرے گہرے کش لینے لگی۔ چند ہی لمحوں

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

میں زخمی ہوش میں آ گئے اور انہیں اس کے سامنے پیش کر دیا گیا۔ باقی تین افراد بھی اس کے ساتھ موجود تھے۔ ان میں سے دو کے ہاتھوں میں اب اسٹین گنیں نظر آ رہی تھیں۔ بلڈا نے مسکراتی نگاہوں سے انہیں دیکھا اور پھر اس کی نگاہیں ان چار افراد کی جانب اُٹھ گئیں جو زخمی تھے۔ ان کے چہرے دھواں دھواں ہو رہے تھے۔ بلڈا نے نرم لہجے میں کہا۔

"ہاں اب شروع ہو جاؤ۔"

"میڈم! ڈی لیونز ہمارے لئے عذاب بن گیا تھا۔ آپ نے اُسے نظر انداز کر دیا تھا۔ حالانکہ وہ اتنا خطرناک آدمی تھا، اس کی واپسی ہمارے لئے خوفناک ثابت ہوئی۔"

"مگر وہ تین آدمی جو ہلاک ہو گئے۔"

"ان سب کی شامت ڈی لیونز کے ہاتھوں آئی۔"

"میرا خیال تھا کہ تم میں سے ہر شخص ڈی لیونز کی طرح طاقتور اور ہوشیار ہے اور پھر میں نے تم دو کی ڈیوٹی تو اس بات پر لگائی تھی کہ ڈی لیونز کا سایہ بن جاؤ اور وہ جہاں کہیں جائے اس پر نگاہ رکھ کر مجھے اس کے بارے میں اطلاع دیتے رہو۔ مسٹر ایر سن آپ نے دیکھا اس بار میں نے جس گروپ کو اپنے ساتھ رکھا ہے وہ کتنا ناکارہ ثابت ہوا۔ گروپ اشارہ۔ کیوں یہی ہے نا تمہارا گروپ نمبر۔"

"یج۔۔۔ یی میڈم۔" وہ چاروں گڑگڑاتے ہوئے لہجے میں بولے۔

"مگر تم نے تو ہمیں برباد کر دیا۔ وہ چھپکلی ہمارے چنگل سے نکل گئی جو ہمارے لئے نہ جانے کون سے کون سے انکشافات کا باعث بنتی۔ شاید مجھ سے بھی تھوڑی غلطی ہوئی مسٹر ایر سن۔ مجھے اس مسئلے کو نمٹانے کے بعد یہاں سے جانا چاہئے تھا لیکن جو سیر و سیاحت ہمیں کرنی تھی وہ بھی بے حد ضروری تھی۔ وہ کمبخت نیلسا اگر ہمارے پاس پہنچ جاتی تو ہمیں اتنی مشکلوں کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔"

"یقیناً میڈم گاربو۔ ایسی ہی بات ہے۔" سفید بالوں والے بوڑھے نے آہستہ سے کہا اور بلڈا کی نگاہیں پھر ان چاروں کی جانب اُٹھ گئیں جو ایک دوسرے کو ہراساں نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ تب بلڈا نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"مسٹر ایر سن یوں لگتا ہے جیسے گروپ اشارہ ہمارے لئے باعث تکلیف بن گیا ہو اور آپ جانتے ہیں کہ ہم تکلیفوں کو برداشت کرنے کی عادی نہیں ہے۔"

"میڈم ہم سے جو غلطی ہوئی ہے ہم اس کا ازالہ کرنا چاہتے ہیں۔" زخمیوں میں سے ایک شخص نے کہا۔

"وہ کیسے۔" بلڈا نے بدستور نرم اور پُرسکون لہجے میں پوچھا اور یہی بات ان لوگوں کے لئے سخت دہشت کا باعث تھی۔

"آپ ہمیں۔۔۔ آپ ہمیں صرف آٹھ گھنٹے کی مہلت دیں۔ ہم ان دونوں کو آپ کے سامنے پیش کر دیں گے۔"

"نہیں میں حماقتوں کی قائل نہیں ہوں۔ یہ بات تم اچھی طرح جانتے ہو۔ تم سب اس دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑے ہو جاؤ۔" بلڈا نے ایک سمت انگلی سے اشارہ کیا اور وہ چاروں دیوار کے ساتھ کھڑے ہو گئے۔ بلڈا پُرخیال انداز میں گردن جھکائے کچھ سوچتی رہی پھر اس نے بوڑھے کی طرف دیکھا اور بولی۔

"مسٹر ایر سن آپ کا کیا خیال ہے، گروپ اشارہ کے بارے میں۔"

"میں کیا عرض کر سکتا ہوں میڈم۔ فیصلہ کرنا آپ کا کام ہے ویسے میں بھی گروپ اشارہ میں شامل ہوں۔"

"ہاں، لیکن آپ میرے ساتھ تھے۔ اور گروپ نمبر اشارہ میں آپ کا کردار تو صرف ایک الگ شخصیت رکھتا ہے۔"

"میرا خیال ہے اب ہمیں گروپ سیون کو طلب کر لینا چاہئے۔ ویسے بھی سنا ہے کہ میڈوایلن واپس آ چکا ہے۔"

ایر سن نے اس بار بھی کوئی جواب نہیں دیا اور خاموشی سے بلڈا کی شکل دیکھتا رہا۔ تب بلڈا نے ان دو افراد کو انگلی سے اشارہ کیا جو اسٹین گنیں سنبھالے کھڑے تھے۔ ان دونوں کی گنوں سے گولیوں کی ایک باڑ نکلی اور دیوار کے ساتھ کھڑے ہوئے چاروں آدمیوں کے جسموں پر ان گنت روشن دان کھل گئے اور وہ حلق سے کوئی آواز نکالے بغیر زمین پر ڈھیر ہو گئے۔ باقی تین آدمی جنہوں نے یہ کام سر انجام دیا خاموشی سے بلڈا کو دیکھ رہے تھے۔ بلڈا نے بے پروائی سے ہاتھ جھاڑے جیسے گرد صاف ہو گئی ہو پھر وہ اپنی جگہ سے اُٹھی اور ایر سن کو ساتھ آنے کا اشارہ کر کے دروازے کی جانب چل پڑی۔ دروازے کے قریب رک کر اس نے ان تینوں سے کہا۔

"ان لاشوں کو اُٹھا کر روم نمبر بارہ میں لے آؤ اور وہ ایر سن کے ساتھ باہر نکل گئی۔ تینوں آدمی جیسے خواب سے چونک پڑے۔ ان تینوں نے ایک دوسرے کو خوف زدہ نظروں سے دیکھا اور لاشوں کی طرف بڑھ گئے۔ لاشوں کو اُٹھا کر روم نمبر بارہ میں پہنچ گئے۔ یہاں ایک عجیب سی مشین لگی ہوئی تھی۔ مشین کے قریب پہنچ کر انہوں نے بلڈا کی طرف دیکھا جو ایر سن کے ساتھ ایک طرف دیوار سے پشت لگائے کھڑی ہوئی تھی۔ اس نے انہیں اشارہ کیا اور مشین کا بٹن خود آن کر دیا۔ ایک اچھا خاصا پریس جیسے چلنے لگا اور اس کے نچلے حصے میں ان تینوں لاشوں کو ڈال دیا۔ جو چند ہی لمحات کے بعد دو رولر سے گزر کر قیمہ ہو گئی تھیں اور ان کا محلول ایک نالی میں بہہ کر نہ جانے کہاں سے کہاں پہنچ گیا۔ یہ انتہائی خوفناک مشین تھی۔ خون کی چھینٹیں اب بھی اُڑ رہی تھیں اور چند لمحات کے بعد میڈم نے مشین بند کر دی اور پھر پلٹ کر باقی تین افراد کی جانب متوجہ ہو گئی جن کے چہرے خوف سے سفید ہو رہے تھے۔ انہیں بھی اپنا انجام نظر آ رہا تھا۔ اس کے باوجود کہ وہ ہر طرح سے مسلح تھے مگر نفسیاتی طور پر وہ بلڈا سے اس قدر خائف تھے کہ ان کے جسم کی تھرتھراہٹ واضح طور پر محسوس ہو رہی تھی۔ بلڈا چند لمحے تک ان کی اس کیفیت سے لطف اندوز ہوتی رہی۔ مگر پھر جلد ہی انہیں اس نے ان کے ساتھیوں کے تعاقب میں روانہ کر دیا۔ پانچ افراد کے قتل کے بعد اس کے چہرے کے تاثرات میں ذرہ برابر تبدیلی نہیں آئی تھی۔ ورنہ یہ کسی عام عورت کے بس کی بات نہ تھی کہ اتنی قتل و غارت گری کے بعد بھی خود پر قابو رکھے۔ ان پانچوں کی لاشوں کو ٹھکانے لگانے کے بعد وہ اس کمرے میں پہنچ گئی جسے وہ آرام گاہ کے طور پر استعمال کرتی تھی۔ ایک

کرسی پر بیٹھ کر اس نے نیم وا آنکھوں سے ایر سن کو دیکھا تو ایر سن نے اپنی ہتھیلی سامنے کر دی۔ اس ہتھیلی پر کیپسول رکھا ہوا تھا۔

"یہ کیا ہے۔" بلڈا نے نرم لہجے میں پوچھا۔

"سانتاشٹ۔ اگر میڈم مجھے اجازت دیں تو میں اپنی پسند کی موت حاصل کر لوں۔"

"ہاں، ایک محقق کو کم از کم اتنی اجازت تو حاصل ہونی چاہئے۔ مسٹر ایر سن کہ گروپ اشارہ میرے لئے بالکل ناکارہ ثابت ہوا۔ نیو سائیکلون میں یہ گنجائش نہیں ہے کہ ناکارہ لوگوں کو زیادہ دیر تک زندہ رکھا جائے۔ میں آپ سے انتہائی معذرت خواہ ہوں مسٹر ایر سن۔"

بوڑھے نے کوئی جواب نہیں دیا۔ چند لمحات وہ خاموشی سے ہتھیلی پر کیپسول کو دیکھتا رہا اور پھر وہ کیپسول نگل کر ایک کرسی پر جا بیٹھا۔ بلڈا خاموشی سے اس کی صورت دیکھتی رہی تھی۔ چند لمحوں میں ایر سن پر تشنج کی سی کیفیت طاری ہو گئی لیکن جلد ہی اس کی گردن ایک جانب ڈھلک گئی اور اس کا کمزور جسم کرسی سے نیچے جا پڑا تھا۔ بلڈا کے انداز میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوئی۔ وہ اسی طرح یتیمی نیم وا نگاہوں سے ایر سن کو دیکھتی رہی پھر اس نے اپنی جگہ سے اُٹھ کر ایر سن کی نبض دیکھی۔ دل کی حرکت سنی اور پھر مطمئن انداز میں گردن ہلا کر وہاں سے اُٹھ گئی۔ کچھ دیر کے بعد وہ ایک الماری کے قریب کھڑی ہوئی تھی۔ الماری سے اس نے ایک اسپرے بوتل نکالی اور اس کے بعد اس مشین پر اسپرے کرنے لگی۔ جس میں چند انسانوں کو ڈال کر فنا کر دیا گیا تھا۔ پھر ایک دوسری الماری سے کچھ سامان نکالنا شروع کیا۔ چند اور کھروں کا بھی اس نے جائزہ لیا اور وہاں سے سامان نکال کر سوٹ کیس میں رکھا۔ پھر وہ دوسرے کمرے میں پہنچ گئی۔ یہاں سے اس نے اپنا نیا لباس نکالا اور تبدیل کرنے لگی۔ کچھ دیر کے بعد وہ ایک اچھی خاصی نوجوان لڑکی نظر آ رہی تھی۔ پھر وہ وزنی سوٹ کیس ہاتھ میں اٹھا کر باہر نکل گئی اور تھوڑی دور تک پیدل چلتی رہی۔ اس نے عمارت میں موجود گاڑی نہیں لی تھی، بلکہ پیدل ہی ایک سمت چلتی رہی تھی۔ کافی

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

فاصلے پر پہنچ کر اس کو ٹیکسی مل گئی اور ٹیکسی میں بیٹھنے کے بعد اس نے ڈرائیور کو کوئی پتا بتایا اور پھر ٹیکسی وہاں سے آگے بڑھ گئی۔

-----OOO-----

ٹائیگر بے آواز قدموں سے چلتا ہوا کمرے میں داخل ہوا تو لوشان کو حسبِ معمول ٹی وی دیکھتے ہوئے پایا۔ ٹائیگر چپ چاپ ایک کرسی پر دراز ہو گیا۔

"تم یقیناً حسبِ عادت کوئی قابلِ ذکر کام سر انجام دے کر نہیں آئے ہو گے فرزند۔" لوشان چہرہ گھمائے بغیر بولا۔

"آپ کو کیا معلوم میں نے کیا کام سر انجام دیا ہے۔"

"اس لئے کہ اگر تم معمولی سی بھی کامیابی حاصل کر لیتے ہو تو تمہیں فوراً بد ہضمی ہونے لگتی ہے۔ مجھے تو اس گھڑی پر افسوس ہے جب میں نے تمہیں اپنی شاگردی میں لیا تھا۔"

"اہم کارنامے اس وقت سر انجام دیے جاتے ہیں جبکہ ان کی بنیاد عقل سے مطابقت رکھتی ہو۔" ٹائیگر نے بھی بھنے لہجے میں کہا۔

"ناکامیاں ہر چیز کو سفید بنا کر پیش کرتی ہیں۔ گوشت خور کیکڑے دیے لوتھر دینا کیل کا کیا ہوا۔ میں اس بوڑھے کے لئے پریشان ہوں۔"

"لوتھر اپنے گھر واپس پہنچ چکا ہے اور میں اسے اچھا نہیں سمجھتا کہ کسی معصوم انسان کو تختۂ مشق بنایا جائے۔" لوشان نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا تھا۔ پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

"روبی کا نہ ملنا باعثِ تشویش بنتا جا رہا ہے۔ میں نے ایک شخص کو اس کی آخری منزل تک پہنچا دیا جو آبنوسی مجسمے کی تلاش میں سر گرداں تھا اور کیوبا کی جیل سے فرار ہو کر یہاں بڑے عزائم لے کر پہنچا تھا۔" ٹائیگر چونک پڑا۔ اس نے حیران نگاہوں سے لوشان کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"وہ کون تھا شل فادر؟"

"کمبخت اپنے اپنے آپ کو سرخ سانڈ بتاتا تھا لیکن کسی مردہ چھپکلی جیسا ہی ثابت ہوا۔"

"ریڈ بل۔" ٹائیگر نے لوشان کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

"ہاں یہی نام بتایا تھا اس نے۔" ٹائیگر کے حلق سے ایک قہقہہ نکل گیا اور اس نے کہا۔

"تمہاری اس کارروائی سے کم از کم دو آدمیوں کو موت ضرور مل گئی ان میں سے دوسرے کا نام تار کو ہے۔" لوشان خاموش نگاہوں سے ٹائیگر کو دیکھتا رہا۔ وہ اس کے ذہن میں اتر کر سچائی تلاش کر رہا تھا اور پھر اسے اندازہ ہو گیا کہ ٹائیگر تار کو کو ختم کر آیا ہے۔ اس نے آنکھیں بند کر کے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"لوگوں کو صاف کر کے آگے بڑھنا ضروری ہوتا ہے لیکن روبی کے لئے میں بہت پریشان ہوں فرزند۔ وہ میری ہونے والی بہو ہے۔ میں چاہتا ہوں کسی طرح اسے ہماری یہاں آمد کا پتہ چل جائے۔"

"میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ سوئٹ ہارٹ اب بوڑھا اور بیمار ہو چکا ہے اور اس کی تمام مشینری فیل ہوتی جا رہی ہے۔ ان دنوں وہ ایسے کام کرنے لگا ہے جن کا تعلق عقل سے نہیں ہوتا۔"

"تم عقل کے پیچھے نہ پڑا کرو بلاوجہ۔ اپنے آپ کو ضائع کرتے ہو۔ روبی کا مسئلہ حل ہو جائے تو باقی مسائل بھی حل ہو جائیں گے۔"

"ایک چھوٹی سی چیز کے لیے ہمیں گھن چکر بنا دیا گیا ہے۔ یہ بات اب میرے لئے ناپسندیدگی کی حدود میں داخل ہوتی جا رہی ہے۔" لوشان نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"انسان کو اپنے آپ کو ہمیشہ متحرک رکھنا چاہیئے، ساکن ہونے کا مطلب موت ہوتا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا اتنی سی بات تمہاری کھوپڑی میں کیوں نہیں سماتی۔ تاہم روبی کے بارے میں اتنا میں ضرور کہہ سکتا ہوں کہ سنانجو کا وارث پیدا کئے بغیر وہ کبھی موت کی وادیوں میں نہیں جا سکتی۔"

"اگر وہ قیامت تک زندہ رہے تب بھی کم از کم وہ سب کچھ نہیں ہو سکتا جو تم چاہتے ہو شل فادر۔" ٹائیگر نے برا

سا منہ بنا کر باتھ روم کی جانب بڑھتے ہوئے کہا اور تھوڑی دیر کے بعد وہ لباس تبدیل کر کے بستر پر دراز ہو گیا۔ لوشان مسلسل کنول کا آسن جمائے بیٹھا ٹی وی میں گم تھا۔ پھر اس نے گہری سانس لے کر کہا۔

"دو اہم آدمی کام آ گئے اور اب اس کے بعد ان کے گروپ بھی بیکار ہو گئے۔ گویا اب یہ کام آسان ہو گیا ہے لیکن تمہارا اکھنا درست معلوم ہوتا ہے۔ بیٹا یہ سب کچھ آسان تو نہیں ہے۔" ٹائیگر آنکھیں بند کر کے کسی گہری سوچ میں گم ہو گیا تھا۔

.....OOOOO.....

عمارت میں گہری خاموشی اور سناٹا پسیلا ہوا تھا۔ بلڈا اس عمارت کو اپنی رہائش گاہ کے طور پر استعمال کر رہی تھی۔ سرکاری طور پر اس کے بارے میں کوئی معلومات حاصل نہیں کی جا سکتی تھیں۔ کوئی اس عمارت کو دیکھ لیتا تو اسے سوائے ویرانی کے کچھ نہ ملتا۔ بوڑھے ایرسن کی لاش بھی ابھی تک کمرے میں پڑی ہوئی تھی۔ بلڈا نے نہ جانے کس خیال کے تحت ایرسن کی لاش کو اسی طرح چھوڑ دیا تھا۔ حالانکہ اس جیسی شخصیت سے کسی ایسی احمقانہ غلطی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ لیکن شاید یہ اس کی غلطیاں کرنے کا موسم تھا۔ ایرسن کو اس نے ایک اہم مقام دینے کی کوشش کی تھی۔ لیکن اس کے دل میں ایرسن کے لئے بھی وہی جذبہ موجود تھا۔ جس کا اظہار اس نے اس وقت کر دیا جب ایرسن نے خود کشی کا فیصلہ کیا کیونکہ اس کا تعلق بھی گروپ اشارہ سے تھا۔ جسے وہ قطعی ناقابلِ اعتبار قرار دے چکی تھی لیکن ایرسن کے سلسلے میں ابھی بلڈا نے بد ترین دھوکا کھایا تھا۔ اسے یہاں سے گئے تقریباً اشارہ یا بیس منٹ گزر چکے تھے اور ایرسن کی لاش اسی طرح پڑی ہوئی تھی لیکن پھر دفعتاً اس کی پلکوں میں جنبش ہوئی۔ اس نے نیم وا آنکھوں سے کمرے کا جائزہ لیا اور زمین کا سہارا لے کر اٹھ گیا۔ اٹھنے کی کوشش میں اسے ایک بار چکر آیا اور وہ کراہ کر زمین پر دراز ہو گیا۔ کافی دیر تک وہ گہری گہری سانسیں لیتا رہا اور اس کے بعد وہ دوبارہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے پیروں میں زبردست لڑکھڑاہٹ تھی مگر وہ بوڑھا ہونے کے باوجود خاصے مضبوط اعصاب کا مالک تھا۔ وہ آہستہ آہستہ اپنی جگہ سے باہر نکل آیا اور لڑکھڑاتے قدموں سے عمارت کے اندرونی حصہ کا بھرپور جائزہ لینے لگا۔ پھر ایک جگہ سے اس نے کوئی چیز اٹھائی اور آہستہ آہستہ چلتا ہوا باہر نکل آیا۔ باہر وہ کار کھڑی تھی۔ جسے تھوڑی دیر پہلے استعمال کیا گیا تھا۔ ایرسن کے چہرے پر اطمینان کی لہریں دوڑ گئیں اور وہ کار کے اسٹیرنگ پر جا بیٹھا۔ وہ بار بار گردن جھٹک رہا تھا جیسے اپنی ذہنی قوتوں کو بحال کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔ کچھ دیر کے بعد اس کی کیفیت کسی قدر بہتر ہو گئی۔ اس نے کار اسٹارٹ کی اور گیٹ کے قریب آ گیا۔ نیچے اتر کر گیٹ کھولا اور پھر کار گیٹ سے باہر نکال دی۔ اب اس کا رخ کسی نامعلوم سمت میں تھا۔ بلڈا کو اس نے اس کیپسول کے ذریعہ دھوکا دیا تھا۔ جس کے استعمال کے بعد کچھ دیر کے لئے اعصاب اس طرح ساکت ہو جاتے تھے کہ جیسی موت کا تصور کیا جا سکتا تھا۔ گروپ اشارہ میں وہ کالی مرچ سے مشابہ تھا اور بلڈا کی ہر کارروائی میں برابر کا حصہ لیتا رہتا تھا لیکن اس کا اصل مقصد کیا تھا، یہ وہی جانتا تھا۔ ورنہ اس عمر میں جرائم سے گریز کیا جاتا ہے۔ اس گروپ میں کام کرتے ہوئے اس نے بلڈا کے لئے ایسے بہت کارنامے سرانجام دیے تھے جو قابلِ فخر کہلاتے تھے اور تحقیقی عمل یہی تھا کہ ایسی چیزوں کا انتخاب کیا جائے جو سائنسی طور پر جرم کی اس زندگی کے لئے معاون کار ہوں۔ چنانچہ اس کے پاس اگر کوئی ایسا کیپسول موجود تھا تو قابلِ حیرت بات نہیں تھی اور چینی طور پر ایرسن کا کردار پُراسرار تھا کہ گروپ اشارہ کے لوگ اس کی حقیقت کو سمجھ نہیں پاتے تھے لیکن کسی نہ کسی طرح اس نے بلڈا کو اپنے طور پر مطمئن رکھا تھا اگر بلڈا دیوانی نہ ہوتی تو گروپ اشارہ کو ختم کرتے ہوئے اس کار آمد آدمی کو ضائع نہ کرتی جو اس کے لئے مستقبل میں بھی بہترین معاون ثابت ہو سکتا تھا۔

ایرسن کار ڈرائیو کرتا رہا۔ عارضی طور پر اسے جو ذہنی سہارا حاصل ہوا تھا اب ایک بار پھر اس کی کیفیت کچھ خراب ہونے لگی اور اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ وہ عمر رسیدہ ہو چکا تھا اور اس کی جسمانی قوتیں اس کیپسول کی سختی برداشت نہیں کر

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

رہی تھیں۔ عام حالات ہوتے اور اگر اس کے جسم میں زیادہ طاقت ہوتی تو یقینی طور پر کیپسول کے اثرات صرف اتنے ہو سکتے تھے کہ اعصابی طور پر وہ مردہ ہو جاتا اور اس کے بعد حواس بحال ہوتے تو کیپسول کی کیفیت ختم ہو جاتی لیکن اب وہ اس کے جسم میں زلزلہ پیدا کر رہا تھا۔ ہچکیاں بار بار جھٹکے لگا تھیں۔ اور اسے اسٹیئرنگ پر قابو پانا مشکل ہو رہا تھا۔ ایک لمحے کے لئے اس نے کسی محفوظ جگہ کے بارے میں سوچا۔ جہاں وہ کچھ وقت بلڈا سے پوشیدہ رہ سکے لیکن کوئی ایسی جگہ اس کے علم میں نہیں تھی۔ اس کے لئے اسے تھوڑے حواس بحال کرنے تھے لیکن حواس تھے کہ ساتھ چھوڑتے جا رہے تھے۔ پھر نہ جانے کیا ہوا کہ کار کا اگلا ٹائر کسی ایسی شے پر چڑھ گیا جس سے وہ طیرہ متوازن ہو گئی۔ ایرسن نے بریک پر دباؤ ڈالنے کی کوشش کی لیکن پاؤں اپنی جگہ سے اُٹھ نہ سکا اور یہ دباؤ بریک کے بجائے ایکسیلیٹر پر پڑ گیا اور کار نے ایک لمبی چھلانگ لگائی۔ کار کی یہ چھلانگ اسے سڑک سے اسپتال کے بستر تک لے آئی یہ اور بات تھی کہ یہ سفر اس نے عالم بے ہوشی میں طے کیا۔ اسپتال میں اس کے لباس سے سوائے ایک چابی کے اور کچھ نہ ملا۔ جس کے ساتھ ایک ٹیگ بھی بندھا ہوا تھا۔ جس کے اوپر کچھ دھندلے ہندسے لکھے ہوئے تھے اور انہیں ہندسوں میں ایک ہملر کا نام تھا۔ پولیس نے اپنی رپورٹ تحریر کی۔ چابی جس کے بارے میں یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ کسی بینک کے لاکر کے بارے میں تفصیلات بھی معلوم کی جا سکتی تھیں۔ کیونکہ ٹیگ پر بینک وغیرہ کا نام بھی لکھا ہوا تھا۔ یہ خصوصی ٹیگ ان لوگوں کو دیا جا سکتا تھا جو اپنے لاکر رکھتے تھے۔ پولیس نے اس ٹیگ سے ضروری ہندسے وغیرہ نوٹ کر لئے اور چابی ڈاکٹروں کو واپس کر دی تاکہ اسے مسٹر راک ہملر کے نام پر محفوظ رکھا جائے۔ جو تفصیلات ٹیگ سے حاصل ہوئی تھی انہی سے اس کے بارے میں مزید معلومات حاصل کی جا سکتی تھیں۔

OOOOOO

روبی ڈی فیونز کے ساتھ کافی دور نکل آئی تھی۔ ان دونوں کو اس بات کا بخوبی اندازہ تھا کہ بلڈا ان کی تلاش میں زمین آسمان ایک کر دے گی۔ سڑک پر قتل عام شروع ہو جائے گا۔ وہ دونوں ایک محفوظ مقام کی تلاش میں سرگرداں تھے۔ اس شہر میں پرائیویٹ رہائش گاہ کا حصول ناممکن تھا۔ مگر روبی کے ذہن میں وہ کتابچے آ گئے جو یہاں ہوٹلوں سے بآسانی دستیاب ہو جاتے تھے اور ایسے ایک کتابچے میں روبی نے سیاحوں کے قیام کے لئے بے شمار مہنگی اور سستی رہائش گاہوں کے بارے میں پڑھا تھا۔ اسے اس کیمپنگ کے بارے میں بھی اس سے معلوم ہوا تھا جہاں آوارہ گرد اور قلاش سیاح اپنا شوق پورا کر لیا کرتے ہیں۔ روبی نے وہیں جانے کا فیصلہ کیا۔ ڈی فیونز نے بھی اس سے اتفاق کیا۔ پھر تھوڑی دیر کی کوشش کے بعد وہ ایک کیمپنگ تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ جگہ پُر لطف تھی۔ گرما محول خوابیدہ سا تھا۔ ڈی فیونز کے چہرے پر عجیب تاثرات نظر آ رہے تھے۔

"تم نے اپنا قرض اور ادا کر دیا۔ ڈی فیونز۔" ڈی فیونز نے اپنے آپ کو ایڈل کہلانا پسند کرتے ہو۔" ڈی فیونز نے کوئی جواب نہیں دیا اور بدستور سوچ میں کھویا رہا۔ روبی سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ پھر وہ بولا۔

"نہیں اب مجھے ڈی فیونز کہہ کر مخاطب کرو۔ اگر میں دوبارہ ایڈل بن گیا تو وہ سفاک عورت مجھے زندہ نہیں چھوڑے گی۔ اب حالات اس قدر آگے بڑھ چکے ہیں کہ مجھے زندگی اور موت میں کوئی فرق نہیں محسوس ہوتا لیکن میں نے فیصلہ کیا ہے کہ میں ڈی فیونز کو آنا دوں گا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ خطرناک عورت ہے اور اس کا تعلق بڑی اور اہم شخصیات سے بھی ہے لیکن ڈی فیونز بھی کسی سے کم نہیں اس کے نام سے بھی لوگ کانپتے تھے۔ بلڈا کو آخر اس بات کا کیا حق حاصل کہ وہ مجھے خودکشی کے لئے کہے۔ میں اس کا یہ طلسم توڑنا چاہتا ہوں۔ میں اگر چاہوں تو آج ہی اپنی کٹیا میں واپس چلا جاؤں جو ذمہ داریاں مجھے دی گئی تھیں وہ تو بہت پہلے پوری ہو چکی ہیں اور اس کے بعد میرے لئے کرنے کو کچھ بھی نہیں تھا لیکن واقعات مجھے بالکل مختلف راستوں پر لے آئے ہیں۔ میرے دل میں صرف ایک ہی خواہش ہے کہ بلڈا کو اپنے ہاتھوں سے قتل کروں اور اسے قتل کرتے ہوئے بتاؤں کہ وہ آخری

چیز نہیں ہے۔ میں نے خودکشی نہیں کی بلکہ اسے قتل کیا ہے اپنے ہاتھوں سے۔" جذبے کی شدت سے اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ روبی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ یہ اس کا مسئلہ نہیں تھا۔ ٹائیگر اور لوشان کا ابھی تک نہ ملنا اب پریشان کن حد میں شامل ہو گیا۔ اس بات کے امکانات تو اب بالکل نہیں تھے کہ ٹائیگر اور لوشان کہیں اور مصروف ہوں جیسا کہ ڈاکٹر بہرام نے کہا تھا کہ کچھ عرصے کے بعد ٹائیگر اور لوشان بھی پہنچ جائیں گے۔ ابھی تک ان دونوں کی کوئی خبر نہیں ملی تھی۔ چنانچہ روبی نے فیصلہ کیا کہ وہ خود ہی ان دونوں کو تلاش کرے گی اور اس کے لئے تمام ہوٹلوں کو چھاننا پڑے گا۔ اس نے ڈی فیونز سے کہا۔

مسٹر ڈی فیونز اگر آپ کے دل میں یہ خواہش موجود ہے تو آپ میرا ساتھ چھوڑ دیں لیکن اب بلڈا جس قدر آپ کے لئے پریشان ہو گی اسی طرح شاید میرے لئے بھی۔ البتہ میں آپ کی بھلائی کے لئے یہ ضرور کہوں گی کہ آپ چاہیں تو اپنے طور پر کام کریں۔ کیونکہ اب میں ایک اور کام کرنا چاہتی ہوں۔"

اگر آپ یہ سمجھتی ہیں میڈم کہ میرا آپ سے الگ ہو جانا بہتر ہے تو مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے لیکن دوسری شکل میں یہ پیش کش میری طرف سے موجود ہے کہ آپ جو کچھ بھی کریں مجھے اس میں اپنے ساتھ رکھیں۔ میں آپ کے محافظ کے طور پر اپنے فرائض سرانجام دوں گا کیونکہ ہم دونوں کا مشن ایک ہی ہے۔"

"مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ دراصل مجھے اپنے دو ساتھیوں کی تلاش ہے۔ وہ کچھ عرصے کے بعد یہاں پہنچنے والے تھے لیکن ابھی تک مجھے انکی طرف سے کوئی اطلاع موصول نہیں ہوئی۔ میرا خیال ہے کہ کل دن کی روشنی میں ہمیں ان دونوں کی تلاش میں تمام ہوٹل چھاننا ہوں گے۔"

پھر اگلے دو دن روبی نے قریب کے تمام ہوٹل چھان مارے لیکن اسے کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔ ڈی فیونز سائے کی طرح اس کے ساتھ تھا اور بڑی مستعدی سے اس کے محافظ کے فرائض انجام دے رہا تھا۔ جس وقت روبی نے مایوس ہو کر واپسی کا فیصلہ کیا تھا، آسمان کالے بادلوں سے گھرا ہوا تھا۔ بارش اور سیاہ بادلوں نے رات کی تاریکی کو مزید تاریک کر دیا تھا۔ اسٹریٹ لائٹس اور دکانوں کے نیون سائن اس تاریکی سے لڑنے کی جدوجہد کر رہے تھے۔ کار مناسب رفتار سے سڑک پر دوڑ رہی تھی اور سڑک پر مدھم مدھم روشنیاں پھسلتی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ گیلی سڑکوں پر بہت زیادہ تیز رفتاری کا مظاہرہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ایک ایسی سڑک سے گزرتے ہوئے اچانک روبی کو بڑی احتیاط سے بریک لگانا پڑے ہو زیادہ چوڑی نہیں تھی اور راستہ ایک بڑے ٹرک نے بلاک کیا ہوا تھا۔ روبی کے جبڑوں کے مسلز ابھر آئے۔ روبی کے ذہن میں خطرے کی گھنٹیاں بج اُٹھیں۔ ڈی فیونز بھی ایک دم مستعد نظر آنے لگا تھا۔ روبی نے چاروں طرف نگاہ ڈالی، ماحول بالکل سنسان اور خاموش تھا۔ علاقہ بھی ایسا تھا جہاں رات کے حصے میں لوگوں کا گزر نہیں ہوتا تھا۔ چنانچہ صورتِ حال کی خوفناک کیفیت کا بھرپور احساس روبی کو ہو گیا تھا اور وہ فیصلہ نہ کر پائی کہ فوری طور پر کیا قدم اُٹھانا چاہیئے۔ پھر ڈی فیونز نے آہستہ سے کار کا دروازہ کھولا اور پستول ہاتھ میں لیے ہوئے نیچے اُتر گیا۔ روبی نہ سمجھ پائی تھی کہ وہ کیا کرنا چاہتا ہے۔ پھر دفعتاً ہی روبی نے کچھ لوگوں کو ٹرک سے کودتے ہوئے دیکھا اور ایک لمحے کے اندر اندر اسے یہ احساس ہو گیا کہ اس کا یہاں رُکنا خطرناک ہے۔ اس نے ڈی فیونز کو آواز دینا چاہی۔ مقصد یہ تھا کہ کار ریورس کر کے واپس موڑ دے اور پوری قوت سے بھاگ نکلے۔ ٹرک کو پلٹ کر راستہ پانے میں دقت ہو سکتی ہے اور اس دوران وہ کافی دور نکل جائیں گے لیکن یہ موقع بھی اس وقت ختم ہو گیا جب اس نے عقب میں ویسے ہی ایک ٹرک کو سڑک پر سیدھا ہوتے ہوئے دیکھا۔ گویا اب فرار کے تمام راستے بند ہو چکے تھے۔

OOOOOO

بلڈا نے نئی جگہ جو اپنے قیام گاہ کے طور پر منتخب کی تھی اسے دیکھ کر کوئی بھی نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ مقامی باشندہ نہیں ہے۔ اسے تمام آسائشیں حاصل تھیں۔ ایک صبح وہ لان میں بیٹھی اخبار دیکھ رہی تھی کہ گیٹ سے ایک ٹیکسی اندر

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

آتے اور رُکتے دیکھی۔ ٹیکسی سے اُترنے والا بلند و بالا قد و قامت کا مالک تھا۔ قیمتی کپڑے کا سوٹ نہایت بے ڈھنگے انداز میں پہنے ہوئے اس شخص کا چہرہ بھی بہت عجیب تھا چوڑا لیکن دونوں گال اندر دھنسے ہوئے اور اوپر ہڈیاں ضرورت سے زیادہ اُبھری ہوئیں۔ چھوٹی چھوٹی آنکھیں کسی ویرانے میں چلتے ہوئے چراغوں کی مانند اندر کو دھنسی ہوئی اور بے نور بے نور سی۔ ہاتھ میں ایک بریف کیس تھا۔ اس کے حلیے، اس کی چال سے بھی یہ معلوم ہوتا تھا کہ جیسے کوئی پہتا دبے قدموں چل رہا ہو۔ پتلے پتلے بھنچے ہوئے ہونٹ جو نہایت سرخ تھے۔ وہ خاموشی سے ایک ایک قدم آگے بڑھتا ہوا اندر پہنچ گیا اور بلڈا کے ہونٹوں پر استہزائیہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ بلڈا کو اس شخص نے دور ہی سے دیکھ لیا تھا۔ چنانچہ اس کے قریب پہنچ کر وہ جاپانی انداز میں گردن خم کر کے جھکا اور اس کے بعد وہ سیدھا ہو گیا۔

"مجھے تمہارا ہی انتظار تھا میڈ ایلن۔ اتنا وقت تمہارا کہاں صرف ہو گیا۔ کیا تمہیں میرا پیغام نہیں مل سکا تھا۔" بلڈا نے اسے سامنے والی کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور میڈ اس کرسی پر یوں بیٹھ گیا جیسے ایک جھٹکے سے اشارے سے دوبارہ اُٹھ کھڑا ہو گا۔ اس نے ہاتھ میں دبا ہوا بریف کیس نیچے رکھ دیا اور پھر اس کی آواز اُبھری۔

"میں ان دنوں ٹوکیو سلواکیہ میں تھا مادام۔"

"ٹوکیو سلواکیہ!"

"مجھے اطلاع ملی تھی کہ آپ کی مطلوبہ عورت ٹوکیو سلواکیہ میں موجود ہے۔ چنانچہ میں اس طرف نکل گیا تھا اور دوبارہ جب مجھے آپ کی طلبی کی اطلاع ملی تو میں خود واپسی کے تیار تھا۔"

"کیا کسی خوشخبری کے ساتھ؟"

"ہاں میڈم مجھے مسرت ہے کہ میں اس بوڑھی عورت نیلسا کو تلاش کرنے میں کامیاب ہو گیا ہوں۔"

"اوہ مائی گاڈ۔ کیا نیلسا کو تم اپنے ساتھ نہیں لائے؟"

"کیوں نہ لاتا میڈم۔ میں جانتا ہوں کہ ان دنوں اس مسئلے پر آپ کام کر رہی ہیں۔"

"ہاں بہت اہم ہے میڈو۔ وہ اہم راز اپنے سینے میں چھپائے ہوئے ہے لیکن کیا وہ یہ جانتی ہے کہ اسے کیا کرنا ہے۔"

نیلسا ایک تعاون کرنے والی عورت ہے اور اس نے میرے لئے کوئی مشکل پیدا نہیں کی۔"

"تمہارے گروپ کے باقی افراد کہاں ہیں۔"

"وہ سب یہاں کانٹی مینشو میں مقیم ہیں اور نیلسا بھی ان کے ساتھ ہی موجود ہے۔"

"تمہیں میری رہائش گاہ تلاش کرنے میں کوئی دقت تو محسوس نہیں ہوئی؟"

"نہیں میڈم جو اطلاعات بھی دی گئی تھیں۔ میں انہی کے مطابق یہاں تک پہنچا ہوں لیکن نیلسا کو میں نے اس لئے ساتھ لانا مناسب نہیں سمجھا کہ پہلے یہ اندازہ ہو جائے کہ آپ کس کیفیت میں ہیں۔"

"ان دنوں تو میں بہت بُرے حالات کا شکار ہوں میڈو اور اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ گروپ اٹھارہ کے لوگ ناکارہ نکلے اور تم جانتے ہو کہ میں غلطیاں کرنے والے کو معاف نہیں کرتی۔"

ایلن سرد نگاہوں سے بلڈا کو دیکھتا رہا۔

"میڈم اب میرے لئے کیا حکم ہے؟"

"میں نیلسا سے فوراً ملنا چاہتی ہوں تاکہ مجھ پر اس راز کا انکشاف ہو جائے۔ ہو سکتا ہے مجھے بہت زیادہ عرصے یہاں قیام نہ کرنا پڑے۔"

"تب مجھے واپسی کی اجازت دیجئے گا، تاکہ میں نیلسا کو یہاں لا سکوں اور ساتھ ایک اجازت بھی لینا چاہتا ہوں۔"

"گروپ سیون میں اس وقت میرے ساتھ آٹھ افراد شامل ہیں۔ انہیں یہاں منتقل کر لوں یا کانٹی مینشو ہی میں ان کا قیام مناسب رہے گا۔" کچھ دیر کے لئے بلڈا سوچتی رہی۔ پھر اس نے کہا۔

"ان میں سے دو دو افراد کو یہاں منتقل کر لو۔ ہوٹل میں ان کے قیام کا کوئی فائدہ نہیں ہے لیکن فوراً ہی تمام لوگوں

کو یہاں لے آنا بھی مناسب نہیں ہو گا۔ تم نیلسا کے ساتھ واپس آتے ہوئے ان میں سے دو کو یہاں لے آنا اور اس کے بعد ایک واپس جا کر بقیہ دو افراد کو۔ اس طرح تمام لوگ یہاں بآسانی منتقل ہو جائیں گے۔ پھر کام کا آغاز بھی پُرسکون انداز میں کر سکیں گے اور ہاں تمہارے لئے گاڑی موجود ہے۔ تم اگر چاہو تو گاڑی ساتھ لے جا سکتے ہو۔"

میڈو نے جواباً کچھ کہنے کے بجائے خاموشی سے گاڑی کی چابی لی اور روانہ ہو گیا۔ واپسی میں بھی اس نے زیادہ دیر نہ لگائی تھی۔ جب اس کی گاڑی دوبارہ اس عمارت میں داخل ہوئی تو کار کی عقبی نشست پر ایک معمر عورت، دو قوی ہیکل افراد کے درمیان بیٹھی تھی۔ جونہی وہ کار سے اُتر کر بلڈا کے سامنے پہنچے، بوڑھی نیلسا چندھیائی ہوئی آنکھوں سے بلڈا گاربو کا جائزہ لینے لگی، جو خاموش کھڑی بوڑھی نیلسا کو دیکھ رہی تھی۔ تب اس نے آگے بڑھ کر کہا۔

"اگر تمہاری آنکھوں میں شناسائی کے آثار ہیں تو میں دعویٰ سے یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ تم نے ہملر کی کزن کو پہچان لیا۔"

"اوہ! جیوناً، تمہارے خدوخال اس خاتون سے ملتے جلتے ہیں اور میں پورے اعتماد کے ساتھ یہ بات کہہ سکتی ہوں کہ تم ہی وہ ہو جس کی مجھے تلاش تھی مگر میں کیا کرتی۔ میں اس قدر بوڑھی ہو چکی ہوں کہ اب میرے لئے بھاگ دوڑ ممکن نہیں تھی۔ شکر ہے تم نے مجھے تلاش کر لیا۔"

بلڈا نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر اندر چلنے کا اشارہ کیا اور کچھ دیر کے بعد ایک پُرسکون گوشے میں پہنچ گئی۔ اس نے بے صبری سے کہا۔

"اور تم شاید اس بات کا یقین کر سکو مسز نیلسا کہ میں نے تمہاری تلاش کے لئے کس قدر مشقت کا سامنا کیا ہے اور تمہیں یہ بھی اندازہ ہو گا کہ میرا جو راز محفوظ کیا گیا تھا وہ کس قدر اہم ہے۔" بوڑھی نیلسا نے اپنے پوپلے منہ سے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میں ان تمام باتوں کو نہیں جانتی، صرف اتنا جانتی ہوں کہ عظیم ہٹلر فنا ہونے کے بعد بھی ورثہ میں اتنا کچھ چھوڑ گیا ہے کہ دنیا ابھی اسے پوری طرح سمجھ نہیں پائے گی۔"

"اور کیا تمہیں نازی پارٹی کی تباہی کا کوئی دکھ نہیں ہے محترم نیلسا، جس نے دنیا کی بقا کے لئے ایک عظیم قدم اُٹھایا تھا۔"

"ہٹلر عظیم تھا۔" بوڑھی نیلسا نے جواب دیا۔

"تو پھر بتاؤ مجھے کہ وہ فارمولا کہاں ہے جس کی تلاش کے لئے اس وقت آدھی دنیا سرگرداں ہے۔"

"آہ میں یہ سب کچھ نہیں جانتی۔ تمہیں شاید اس بات کا علم نہیں ہے کہ میری حیثیت صرف خادماؤں کی سی تھی اور ایک خادمہ کو اپنے راز نہیں بتائے جا سکتے۔ ہاں مجھے اس راک ہملر کا اعتماد ضرور حاصل تھا اور میں یہ جانتی تھی کہ راک ہملر اس راز کو کہیں محفوظ کرنے کے لئے بے چین ہے اور اس نے اپنے ایک ساتھی کو اس کام کے لئے مخصوص کیا تھا۔ کیونکہ اندیشہ تھا کہ مغربی دنیا اس کی زندگی کی گھاٹ بن چکی ہے اور کسی بھی قیمت پر اسے اس کے مقصد میں کامیاب نہیں ہونے دینا چاہتی۔"

"پھر کیا ہوا تھا۔" بلڈا نے اس کا چہرہ بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

"راک ہملر منصوبہ بندی کرتا رہا اور اس نے مجھے کچھ ایسے پوائنٹس دیئے جن کی مناسبت سے میں یہ بات دوسروں تک پہنچا سکتی تھی کہ وہ فارمولا کہاں ہے لیکن اس نے مجھے کوئی تفصیل نہیں بتائی تھی البتہ جو شخص اس کے ساتھ گیا تھا اس کی تصویر مجھے فراہم کر دی گئی تھی۔"

"کون تھا وہ؟"

"اس کا نام تو میرے ذہن سے اُتر چکا ہے تاہم میں نے وہ تصویر سنبھال کر رکھی ہے، تم چاہو تو اُسے دیکھ سکتی ہو۔" بوڑھی عورت نے کہا اور پھر اس نے اپنے سامان میں سے ایک لفافہ نکالا جس میں کچھ بلیک اینڈ وہائٹ تصویریں رکھی ہوئی تھیں۔ ان تصویروں میں راک ہملر اور اس کے خاندان کی تصویریں شامل تھیں۔ بوڑھی نے انہی تصاویر میں سے ایک تصویر نکال کر بلڈا کے سامنے رکھ دی اور بولی۔

"یہ ہے وہ شخص، جس نے راک ہملر کا وہ فارمولا

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

سوئٹزرلینڈ کے کسی بینک کے لاکر میں محفوظ کیا تھا۔"

بلڈا نے بے صبری سے اس تصویر کو دیکھا۔ اس کی آنکھیں ایک لمحے کے لئے پھیلیں اور پھر اس کا چہرہ تاریک ہو گیا۔ اس کے چہرے پر ایسے آثار نظر آئے جیسے اس کی روح قبض ہو رہی ہو۔ اس سے کچھ فاصلے پر ڈیوڈ سائمٹ میڈ کھڑا سپاٹ نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ بلڈا پر جیسے لاتعداد قیامتیں گزر گئیں۔ جو کچھ اس نے دیکھا وہ اس کے لئے ناقابلِ یقین تھا۔ جو تصویر نیلسا نے اس کے سامنے پیش کی تھی یہ سو فی صد ایرسن کی تھی۔ ایرسن جو گروپ اشارہ کا ایک رکن تھا، جسے بلڈا نے سزائے موت دی تھی اسی کے پاس اس لاکر کی چابی موجود تھی۔ یہ تمام باتیں ایک لمحے کے اندر اندر بلڈا کے ذہن سے گزر گئیں۔ اسے اس عظیم نقصان کا احساس ہوا جو اس نے اپنے ہاتھوں کر ڈالا تھا لیکن نیت ایرسن کی بھی بہتر نہیں معلوم ہوتی تھی۔ آخر وہ اتنے عرصے تک خاموش کیوں رہا۔ کیا اس کے ذہن میں کوئی اور منصوبہ تھا۔ بلڈا کا اعتماد حاصل کرنے کے لئے اس نے گروپ اشارہ میں اپنی شمولیت بہت خاص ذریعہ سے کرائی تھی۔ بلڈا یاد کرنے لگی کہ وہ ذریعہ کیا ہو سکتا ہے لیکن بہت سے ایسے معاملات تھے جن پر اس کی پوری توجہ نہیں رہی تھی۔ عام سی بات تھی۔ جسے خصوصاً یاد رکھنا مناسب نہیں تھا۔ البتہ اس کے ڈیپارٹمنٹ میں یقینی طور پر ایرسن کے بارے میں تفصیلات ہوں گی۔ یہ تو ایسی بات تھی جیسے اس نے جس جگہ سے سفر کا آغاز کیا تھا واپس اسی جگہ پہنچ گئی۔ انتہائی بے چینی سے ہاتھ ملتے ہوئے اس نے بورھی نیلسا کی جانب دیکھا جو خاموش نگاہوں سے دیکھ رہی تھی اور اس کی اندرونی کیفیت سے بالکل ناواقف تھی پھر اس نے اسکے شانے پر تھپکی دیتے ہوئے کہا۔

"تمہیں پورا پورا یقین ہے، کوئی شبہے والی بات تو نہیں ہے۔"

"نہیں، میں نے اس تصویر کی جان سے زیادہ حفاظت کی ہے۔ تاکہ اگر کبھی تم مل جاؤ تو میں تمہیں یہ پیغام پہنچا سکوں۔"

بلڈا کو صرف اس بات کا دکھ تھا کہ ایرسن کو اس نے اپنے ہاتھوں سے قتل کر دیا۔ یہ انکشاف کچھ دیر کے بعد ہونا ہی تھا کہ نیلسا کہاں ہے اور یقینی طور پر یہی عورت اس شخص کی نشاندہی کر سکتی تھی۔ جس کے بارے میں کچھ تفصیلات بلڈا کے علم میں آ چکی تھیں اور اس لئے اس نے اپنا کام اب تک سست رفتاری سے جاری رکھا تھا کیونکہ اسے اس شخص کی تلاش تھی جو راک ہملر کا دست راست تھا اور جس نے سوئٹزرلینڈ کے کسی لاکر میں وہ فارمولا ایک آبنوسی مجسمے میں چھپا کر محفوظ کیا تھا۔ راک ہملر نے یہ ذمہ داری اپنے دوست ہی کے سپرد کی تھی لیکن ایرسن کی خاموشی، آخر وہ چاہتا کیا تھا، خیر یہ تو اب بعد کی بات تھی۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اب کیا کیا جائے۔ اس کا ذہن برق رفتاری سے کام کرنے لگا۔ سابق ہیڈ کوارٹر میں صرف ایرسن ہی کی لاش اس نے ضائع نہیں کی تھی لیکن اب خدشہ تھا کہ اس سے اٹھنے والے تعفن نے پولیس کو ضرور اس عمارت کی جانب متوجہ کیا ہوگا۔ چنانچہ اس نے میڈ کی ڈیوٹی اس عمارت کے اور ایرسن کی لاش کے بارے میں معلومات حاصل کرنے پر لگائی جبکہ نیلسا کو اس نے آرام کرنے کی ہدایت کی اور خود آرام کرسی پر بیٹھ کر حالات کا تجزیہ کرنے لگی۔ اس کی اب تک کی تمام کوششیں ناکام ثابت ہوئی تھیں۔ جبکہ اس فارمولے کا حصول اس کی زندگی کا مقصد تھا۔ اسے ایک ایسی حکومت کا سہارا حاصل تھا جس نے وعدہ کیا تھا کہ اگر وہ اس فارمولے کے حصول میں کامیاب ہو گئی۔ تو اس کی تکمیل کی ذمہ داری وہ قبول کرے گا۔ یعنی اس کے ذہن میں جو مقصد پروان چڑھ رہا ہے اس کی تکمیل کے لئے اسے ہر طرح کی امداد مہیا کی جائے گی۔ اس کے پسِ پردہ جو عوامل تھے وہ بھی بلڈا جیسی تیز عورت کی نگاہوں سے محفوظ نہیں تھے۔ وہ جانتی تھی کہ وہ حکومت جو اسے سہارا دینا چاہتی ہے، اپنے کیا مقاصد رکھتی ہے لیکن بلڈا کے ذہن میں راک ہملر کا منصوبہ اس قدر مضبوط تھا کہ وہ اس کے خلاف سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ وہ ہلاکت خیز ہتھیار تیار ہو جائے تو اس کا استعمال نیویارک۔ واشنگٹن، ماسکو، اور دوسرے چند شہروں پر کر دیا جائے اور اس کے بعد دوسری جنگ عظیم کی یاد تازہ ہو جائے۔ نازی پارٹی کو اپنے مقاصد کو پورا کرنے کے لئے

کسی مہلک ہتھیار کی ضرورت تھی۔

لیکن اب یہ بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ فارمولا سوئٹزرلینڈ کے بینک کے کسی لاکر میں پڑا ہوا سڑ جائے اور بالآخر لوگ اسے بھول جائیں۔ لیکن یہ راک ہملر کا ورثہ تھا۔ اگر وہ فارمولا اسے حاصل نہیں ہو سکا اور اس لاکر کے بارے میں معلومات نہ مل سکیں تو پھر ایک ہی طریقہ کار رہ جاتا ہے۔ سوئٹزرلینڈ کے بینکوں کے وہ تمام خفیہ لاکر اڑا دیے جائیں۔ جن میں لوگوں کے راز پوشیدہ ہیں اور فارمولے کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے تباہ کر دیا جائے لیکن یہ میرا آخری اقدام ہوگا۔ تاہم میڈ ڈیلان کی کارروائیوں سے وہ خبر مطمئن نہیں تھی۔ چونکہ بہت مختصر وقت میں اس نے اسے جو رپورٹ دی تھی اس کے مطابق وہ عمارت خالی تھی۔ ایرسن کی لاش بھی وہاں سے غائب تھی۔ اس سلسلے میں پولیس اور اسپتال دونوں جگہوں پر ایرسن کے بارے میں تحقیقات کی گئی تو وہاں بھی ایسی کسی لاوارث لاش کے بارے میں کوئی رپورٹ نہیں ہے۔

بلڈا کی آنکھوں میں تیز چمک آ گئی۔ اور پھر اس کے حلق سے ایک بے اختیار سا قہقہہ نکل گیا۔

"واہ اس کا مطلب ہے کہ اس بار ہمارے ہی ایک شخص نے ہمیں دھوکا دے کر ایک بہترین کارنامہ سرانجام دیا ہے اور اب اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ ایرسن ہلاک نہیں ہوا، جو زہریلا کیپسول اس نے کھایا تھا وہ اس قدر کارآمد نہیں ہوگا کہ اسے ہلاک کر دے۔ اور یہ ایک داد تحسین کا مقام تھا۔ مجھے بے شک دھوکا دیا گیا۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ ان دنوں میرے گروپ کے افراد مجھے دھوکا دینے میں نہایت کامیابی حاصل کر رہے ہیں۔ اس نے اپنے آپ کو بھایا تھا۔ وہ بے مثال تھا اور اس بار بھی ایسا ہی ہوا ایرسن جو ایک خاص مقصد کے تحت میرے ساتھ شامل ہوا تھا اور حیرت ناک بات یہ ہے کہ اس نے بڑا طویل سفر اختیار کیا تھا۔ مجھے دھوکا دینے کے لئے اور کامیابی سے میرے ساتھ شمولیت اختیار کر کے میرے لئے کام کر رہا تھا لیکن اس کی نیت میں خرابی تھی۔ تعجب کی بات ہے۔ آخر وہ چاہتا کیا تھا۔ جبکہ وہ راک فیلر کے ساتھ تھی۔ خیر یہ بات بھی اچھی طرح جانتی ہوں کہ انسان صرف اپنے مقاصد کے ساتھ ہوتا ہے اور دوسروں سے اسے کوئی غرض نہیں ہوتی لیکن ایرسن نے اس وقت فراڈ کر کے مجھے نئی زندگی بخشی ہے۔ ورنہ میں مایوسی کے اندھیرے میں گم ہونے لگی تھی۔ سنو میڈ، اب تمہارے سپرد جو ذمہ داریاں کی جا رہی ہیں ان میں تین افراد کی تلاش ہے۔ ڈی لیوز جو ہمارا باغی ہے، اس کے ساتھ وہ لڑکی جس کا تعلق غالباً کسی ملک کی سیکرٹ سروس سے ہے اور تیسرے ایرسن۔ اس کے لئے ہمیں معلومات حاصل کرنا ہوں گی۔ مگر یہ تمہاری ذمہ داری نہیں ہے۔ پہلے تم ان دو افراد کو تلاش کر کے کسی بھی طرح مجھ تک پہنچا دو لیکن خیال رہے کہ زندہ، ان کی موت میرے وقار کی توہین ہوگی۔ میں تمہیں ان دونوں کی تصاویر فراہم کئے دیتی ہوں۔" بلڈا نے کہا اور اس کے بعد اس نے میڈ ڈیلان کو وہ تمام معلومات فراہم کر دیں جو اس کے لئے کارآمد ہو سکتی تھیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ہی اسے ان ذرائع سے بھی آگاہ کیا جو اس کے مددگار اور معاون ثابت ہو سکتے تھے۔ میڈ ایک بار پھر مشینی انداز میں نکل گیا۔ میڈ نے جو کام اس سلسلے میں کیا وہ کارآمد رہا۔ اس نے پہلی بار کار میں اس لڑکی اور بلڈ گاربو کے گروپ چودہ کے کارکن ڈی لیوز کو دیکھا تو اس کی آنکھوں میں پہلی بار ایک روشنی کی سی رمق نظر آئی اور پھر وہ کچھ لوگوں کو ہدایات جاری کرنے لگا۔ اس نے کہا۔

ہمیں جلد بازی نہیں کرنی بلکہ کسی مناسب وقت کا انتظار کرنا ہے۔ البتہ ان لوگوں کا تعاقب اتنے شاندار پیمانے پر کیا جائے کہ انہیں اس کا شبہ نہ ہو سکے۔ مناسب وقت پر میں ان کے سلسلے میں آپریشن کی ہدایت کروں گا اور یہ مناسب وقت وہ تھا جب روبی اور ڈی لیوز کی ایسی شاہراہ سے گزر رہے تھے جو سنسان تھی اور یہاں انہیں اغوا کرنے کا کارنامہ بخوبی انجام دیا جا سکتا تھا اور اس بات پر عمل کا آغاز ہو گیا تھا۔ یعنی راستے سے گزرتے ہوئے انہیں اس ٹرک کی مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا تھا جو سڑک روکے کھڑا تھا اور عقب میں دوسرے ٹرک نے آ کر اس کا راستہ مکمل طور سے بند کر

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

دیا تھا۔

لوشان کے صندوق سے ایک پرانا ہارمونیم برآمد ہوا اور ٹائیگر کے حلق سے قہقہہ نکل گیا۔ لوشان بُدسکون نگاہوں سے اسے دیکھ کر بولا۔

"ہر وقت بلاوجہ ہنسنے والا آدمی احمق کہلاتا ہے۔ مجھے شک ہو رہا ہے کہ تمہارا تعلق بھی احمقوں کے ایسے قبیلے سے ہے جنہیں بلاوجہ ہنسنے اور جگالی کرنے کے اور کوئی کام نہیں آتا۔"

ٹائیگر سمجھ گیا کہ لوشان اب موسیقی پر کوئی لمبا چوڑا لیکچر دے کر یہ ثابت کرے گا کہ فنِ موسیقی کی ابتدا بھی سناتنو سے ہوئی تھی، چنانچہ وہ اسے مزید چھیڑتے ہوئے بولا۔

"بہرام نے ہمیں یہاں مکمل تفریح کے لئے بھیجا ہے اور اس بات کے لئے ہمیں شکریہ ادا کرنا چاہئے۔ ذہنی طور پر بہرام اب بالکل بوڑھا ہو گیا ہے اور اس کے اقدامات بھی بے مقصد۔ میں دعویٰ کرتا ہوں کہ وہ بہت جلد پارہ گر سے سکدوش ہو جائے گا۔ کیونکہ اب وہ کام کرنے کے قابل نہیں رہا۔"

لوشان نے گہری سانس لی اور آہستہ سے بولا۔ "اور اسی روز پارہ گر بھی ختم ہو جائے گا۔ تم بھی ختم ہو جاؤ گے۔ کیونکہ بغیر شہنشاہ کے سلطنتیں نہیں چلا کرتیں۔ لہٰذا سوچ سمجھ کر بات کیا کرو۔"

ٹائیگر نے اس کے طنز کو نظر انداز کرتے ہوئے پھر چھیڑا۔ "میں اس پرانے ہارمونیم کو دیکھ کر یہ سوچ رہا ہوں کہ اب اور کچھ نہیں ہے تو ماسٹر آف سناتنو ہارمونیم ہی بجائیں گے۔ ویسے آپ کے ان صندوقوں میں بڑی شہ دنیا بھر کے عجائبات اور نوادرات پوشیدہ ہیں۔" لوشان نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس نے ہارمونیم کی اوپری پلیٹ کھولی اور اسے سیدھا کھڑا کر دیا۔ ہارمونیم ٹائیگر کی نگاہوں سے اتنی دور نہیں تھا کہ وہ لوشان کی کارروائیوں کو نہ دیکھ سکے لیکن جب اس نے اس پرانے ہارمونیم کے ڈھانچے میں اندرونی طور پر ایک جدید قسم کی چمکدار مشینری دیکھی تو اس کی آنکھوں میں حیرت کے آثار اُبھر آئے اور وہ پوری طرح اس کی جانب متوجہ ہو گیا۔ لوشان اب اس کی موجودگی کو نظر انداز کر چکا تھا۔ اس نے اس مشینری کے کچھ بٹن آن کیے اور اس کے بعد اس میں ہلکی ہلکی آوازیں آنا شروع ہو گئیں۔ ٹائیگر اب بالکل خاموش اور دم بخود لوشان کی کارروائیاں دیکھ رہا تھا۔ سناتنو کے ماسٹر نے اپنے کاموں کی تکمیل کرنے کے بعد آہستہ آہستہ سے کہا۔

"شہنشاہ۔"

ڈاکٹر بہرام بول رہا ہوں۔" دوسری جانب سے آواز آئی۔

ٹائیگر کا کہنا ہے کہ شہنشاہ بوڑھا ہو چکا ہے اور اب اس سے ایسی حماقتیں ہو رہی ہیں جن کا خمیازہ ہم دونوں کو بھگتنا پڑتا ہے۔ ہمیں جو یہاں کام سونپا گیا ہے اس سے ہماری مکمل ناواقفیت ہے۔ کیا صرف یہ کہہ دینا کافی ہوتا ہے کہ سوئٹزرلینڈ کے ایک بینک میں ایک آہنوسی مجسمہ قید ہے اور اسے ہمیں رہائی دلانی ہے۔ کیا پیڈ کے اس آہنوسی مجسمے کو رہائی دلانے میں ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے بشرطیکہ اس کے بارے میں ہمیں کچھ اور تفصیلات حاصل ہو جائیں اور یہ کہ سوئٹزرلینڈ کے بینکوں کے تمام لاکرز توڑنا ایک بہتر عمل نہیں ہوگا۔ حالانکہ یہ کام کیا جا سکتا ہے۔"

"میں اس کے لئے معذرت خواہ ہوں ماسٹر لیکن حقیقت یہی ہے کہ مجھ تک اطلاعات ٹکڑوں کی شکل میں پہنچی ہیں اور میں انہیں اسی صورت میں آگے بڑھاتا رہا ہوں۔"

"زوبی بھی یہاں دستیاب نہیں ہو سکی اور اس کی وجہ سے کم از کم میں ذہنی طور پر بہت پریشان ہوں۔ وہ لڑکی ہے اور کسی نہ کسی مصیبت کا شکار ہو سکتی ہے۔"

"افسوس زوبی کے بارے میں بھی میرے پاس کوئی اطلاع نہیں ہے لیکن کیپٹن کے اس آہنوسی مجسمے کی تمام تفصیلات حکومتِ امریکہ نے فراہم کر دی ہیں اور اس بات کے بارے میں، میں خود بھی نہیں جانتا کہ یہ معلومات ٹکڑوں میں کیوں حاصل ہوئی ہیں۔ دراصل ان کا تعلق جرمنی سے ہے اور جرمنی کے اس دور سے جب ہٹلر اپنی کارروائیوں میں مصروف تھا اس کے ایک ساتھی نے ایک ایسا فارمولا دریافت

کیا تھا جو بہت مہلک تھا لیکن اس کی تکمیل اس وقت زیرِ زمین آئی جب ناگاساکی اور ہیروشیما ایٹم بم کا شکار ہو چکے تھے۔ ناگا کے ناگیوں نے اپنے طور پر زیرِ زمین جا کر اس سلسلے میں انتظام لینے کا فیصلہ کیا اور اس کے لئے کارروائیاں شروع کر دیں اور جو فارمولا زیرِ عمل آیا۔ اس کی اگر تکمیل ہو جائے تو امریکہ اپنے اختتام تک پہنچ جائے گا۔ اس وقت نہ صرف امریکہ بلکہ پوری یورپی دنیا خطرے میں ہے۔ خصوصاً یہ کہ اس سطح پر ایک ملک ان لوگوں سے تعاون کر رہا ہے جو اس فارمولے کو مکمل کر کے اس مہلک ہتھیار کو سب سے پہلے امریکہ پر آزمانا چاہتے ہیں۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ حکومتِ امریکہ کے علاوہ ان لوگوں کے ذہنوں میں اور کون کون سے مخالف ملک ہیں لیکن سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اس فارمولے کی تکمیل نہیں ہونی چاہئے۔ اس کے سلسلے میں جو کارروائیاں ہوئی ہیں ان کی مختصر تفصیلات یہ ہیں کہ ان لوگوں کو اس فارمولے کے مل جانے کا پورا پورا یقین ہے اور علاوہ میں ایک ایسی لیبارٹری بھیج دی گئی ہے جہاں اس فارمولے کے سلسلے میں تمام کارروائیاں عمل میں آئیں گی۔ اس ملک کے سائنسدان اس لیبارٹری میں بس اس انتظار میں ہیں کہ انہیں اس فارمولے کی تفصیلات موصول ہو جائیں اور وہ اس پر عمل کا آغاز کر دیں۔ ان حالات میں یہ اندازہ لگانا شہنشاہ کے اور تمہارے لئے بالکل یقینی امر ہوگا کہ واقعات کس قدر خوفناک شکل اختیار کر چکے ہیں۔ جہاں تک اس سلسلے میں معلومات کا تعلق ہے تو یقینی طور پر اگر امریکن سی آئی اے کو اس کی تفصیلات موصول ہو جائیں تو صدر امریکہ براہ راست پارہ گر سے رجوع نہ کرتے۔ بلکہ سی آئی اے ہی اس سلسلے میں کام کا آغاز کر دیتی یا پھر حکومت امریکہ اپنے خصوصی اختیارات سے کام لے کر ایسا بہانہ تراش لیتی جس کے تحت سوئٹزرلینڈ کے ان لاکرز سے وہ فارمولا حاصل کیا جا سکتا۔ ہم لوگوں کو اس سلسلے میں استعمال کرنے کا مقصد یہی ہے کہ وہ ہم پر بھروسہ کرتے ہیں۔ امریکن سی آئی اے نے جو تفصیلات بھیجی ہیں ان کے تحت چھ پوائنٹ ترتیب دیے گئے ہیں اور ان چھ پوائنٹ کے بارے میں ان کا کہنا یہ ہے کہ وہ لوگ یہاں موجود ہیں۔ جو اس فارمولے کے حصول کے لئے کام کر رہے ہیں۔ یعنی جن کا تعلق جرمنی سے اور اس نازی پارٹی سے نہیں ہے جو اس سلسلے میں عمل کرنے میں سب سے آگے ہیں۔ بلکہ یہ وہ ممالک ہیں جو اس فارمولے کی خبر پا گئے ہیں اور اسے حاصل کرنے کے خواہش مند ہیں۔ ہو سکتا ہے روبی انہیں میں سے کسی کے قبضے میں آ گئی ہو۔ ان چھ پوائنٹس کے بارے میں تفصیلات نوٹ کر لو۔

ڈاکٹر بہرام نے مزید تفصیلات بتائیں اور اس سے پہلے کہ ڈاکٹر بہرام الوداعی کلمات کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیتا، ٹائیگر ریسیور کے قریب منہ لے جا کر بولا۔ "ایک منٹ، مجھے بھی کچھ پوچھنا ہے۔"

"ہاں بولو کیا کہنا چاہتے ہو۔" ڈاکٹر بہرام کی شفقت بھری آواز سنائی دی۔

"صرف ایک بات سوئٹ ہارٹ۔ امریکہ میں کوئی ایسی عورت ملی یا نہیں جس کے چہرے پر بھورے بھورے تل۔"

"شٹ اپ۔" ڈاکٹر بہرام نے پیار بھرے غصے سے ڈانٹا اور سلسلہ منقطع کر دیا۔ مگر ٹائیگر جانتا تھا کہ اس وقت بہرام کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دوڑ رہی ہوگی۔ لوشان نے ہارمونیم جوڑ کر دوبارہ صندوق میں رکھ دیا اور پھر وہ ذمہ داریاں طے کر کے نکل کھڑے ہوئے۔

ٹائیگر نے ایروسائی کے علاقے میں جانے کا ارادہ کیا جہاں اسی نام سے ایک عمارت واقع تھی۔ ٹائیگر جس وقت اس علاقے میں پہنچا رات جوان ہو چکی تھی۔ بیشتر عمارتیں تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ البتہ بعض عمارتوں کے فلیٹوں سے دھیمی دھیمی روشنی ضرور چھن کر آ رہی تھی جو اس بات کی نشاندہی کر رہی تھی کہ اس کے مکین خوابِ خرگوش کے مزے لوٹ رہے ہیں۔

ٹائیگر کسی بے فکرے سیاح کے انداز میں ٹہلتے ہوئے چل رہا تھا۔ جیسے اُسے کہیں پہنچنے کی جلدی نہ ہو۔ اس وقت وہ سیاہ پتلون کے ساتھ اسی رنگ کی ٹائٹ جیکٹ پہنے ہوئے تھا۔ اس کا گریبان آدھا کھلا ہوا تھا۔ جس سے اس کا کسرتی

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

سونہ اُبل رہا تھا۔ اس وقت اگر کوئی اسے چلتے ہوئے دیکھ لیتا تو وہ اسے کسی اور ہی دنیا کی مخلوق سمجھتا۔ اس کے قدم یوں محسوس ہوتے تھے جیسے زمین پر نہ پڑ رہے ہوں بلکہ وہ فضا میں تیر رہا ہو۔

ایرو سائن کی عمارت درختوں میں گھری ہوئی تھی۔ مرکزی دروازے سے عمارت کا اچھا خاصا فاصلہ تھا۔ دیواروں پر خار دار تاروں کی باڑ لگی ہوئی تھی۔ گیٹ پر کوئی گارڈ وغیرہ نظر نہیں آ رہا تھا مگر ٹائیگر کو یقین تھا کہ گیٹ کے عقب میں بنے ہوئے کیبن میں مسلح گارڈ ضرور ہو گا۔

ٹائیگر ایک بار یونہی ٹہلتے ہوئے آگے نکلتا چلا گیا تھا۔ پھر وہ دور جا کر پلٹا اور گیٹ سے قریب ہو کر گزرا تو اسے گیٹ کے عقب میں دو افراد کی موجودگی کا احساس ہوا مگر وہ اس بار بھی گیٹ پر نہیں رکا تھا۔

اس وقت اس کی تمام حسیات پوری طرح بیدار تھیں۔ اس کا انگ انگ جاگ رہا تھا۔ پھر وہ دیوار کے قریب ہو کر رک گیا۔

اس نے سر سری نگاہوں سے چاروں طرف دیکھا۔ اس کی آنکھیں بے پناہ چمک رہی تھیں۔ ایسے میں کوئی بھی شخص اس سے آنکھیں چار نہیں کر سکتا تھا۔ دور سے دیکھنے پر ایسا محسوس ہوتا تھا کہ جیسے کسی نے آنکھوں کی جگہ دو انگارے رکھ دیے ہوں۔

ٹائیگر نے دیوار کا جائزہ لیا۔ دیوار بالکل سپاٹ تھی اور خاصی بلند تھی۔ کسی عام آدمی کے لئے بغیر سیڑھی یا رسی کی مدد کے بغیر دیوار پر چڑھنا بہت مشکل بلکہ ناممکن ہی تھا۔ مگر ٹائیگر کوئی عام آدمی نہ تھا۔ وہ ماسٹر آف سناجو اوشان کا شاگرد تھا۔ جس نے خود کو سناجو کی تلوار کا وارث ثابت کرنے کے لئے نہ صرف تربیت حاصل کی تھی بلکہ سناجو جا کر اپنے آپ کو اس کا اہل بھی ثابت کیا تھا۔

ٹائیگر نے جیکٹ کی زپ گردن تک بند کی اور پھر آنکھیں بند کر کے فضا میں لمبے لمبے سانس لے کر دونوں ہاتھ دیوار سے ٹکا دیے۔

اور اگلے ہی لمحے وہ کسی چھپکلی کی مانند دیوار پر رینگ رہا تھا۔ اس کے رینگنے کی رفتار اتنی تیز تھی کہ بخوبی انسانی آنکھ اس کا احاطہ نہیں کر سکتی تھی۔ پھر اگلے ہی لمحے وہ دیوار پر لوٹتا ہوا تھا۔

ٹائیگر نے سر گھما کر مرکزی گیٹ کا جائزہ لیا جو وہاں سے کافی فاصلہ پر تھا۔ مرکزی گیٹ سے عمارت کے فاصلے پر ایک شیڈ بنا ہوا تھا جہاں ایک لیموزین، دو لینڈ کروزر، دو اسپورٹس کاریں اور ہزار سی سی کی چار موٹر سائیکلیں پارک تھیں۔

ٹائیگر جس مقام سے اوپر چڑھا تھا وہاں اچھے خاصے گھنے درخت تھے۔ ٹائیگر کو یہ احساس شدت سے ستا رہا تھا کہ اتنی بڑی عمارت کے تحفظ کے لئے صرف دو ہی محافظ نہیں رکھے جا سکتے، یقیناً اور بھی ہوں گے۔ یا پھر ہوشیار کرنے کا کوئی الیکٹرانک سسٹم موجود ہو گا۔

الیکٹرانک سسٹم کا خیال آتے ہی ٹائیگر کو خار دار تاروں کی باڑ یاد آ گئی جو اس کے جسم سے دو انچ کے فاصلے پر تھی اور ٹائیگر اس سے مس ہوئے بغیر ان کے درمیان سے نہیں گزر سکتا تھا۔

ٹائیگر نے اپنی سماعت اور حسیات کو یکجا کر کے خار دار تاروں میں دوڑنے والی بجلی کی رو محسوس کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ پھر فوراً ہی اسے کرنٹ کا احساس ہو گیا۔ چنانچہ اس نے اپنے جسم کو دوبارہ دیوار سے ٹکا لیا۔ اور پھر وہ جمناسٹک کے کسی ماہر کی طرح فضا میں بلند ہوا۔ اور قلابازی کھاتے ہوئے دیوار کی دوسری جانب پہنچ گیا۔

ٹائیگر نے بے آواز انداز میں اپنے پنجے گھاس پر ٹکائے تھے۔ اس نے پھر اطراف کا جائزہ لیا۔

ہر طرف سوائے جھینگروں کی موسیقی کے اور کوئی آواز نہیں آ رہی تھی۔

ٹائیگر ایک لمحہ وہیں رکا رہا اور اگلے ہی لمحے اسے کچھ فاصلے پر ایک درخت کے نیچے ایک جگنو سا چمکتا نظر آیا جو نیچے سے اوپر ایک قوس میں سفر کرتا ہوا ایک مقام پر رک گیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی اس کی روشنی میں قدرے اضافہ بھی ہوا تھا۔

ٹائیگر سمجھ گیا کہ درخت کے نیچے کوئی ہیٹ سگریٹ

سے شغل کر رہا ہے۔

ٹائیگر دھیرے دھیرے دبے قدموں اس کی جانب بڑھا۔ اس وقت اس کا انداز ایسا ہی تھا جیسے کوئی چیتا اپنے شکار پر جھپٹنے کے لئے تیاری کر رہا ہو۔

درخت کے نیچے بیٹھا ہوا شخص ہر خطرے سے بے نیاز سگریٹ سے شغل میں مصروف تھا۔ اسے اس بات کا علم بھی نہ ہو سکا کہ کوئی اس کے عقب میں کھڑا اس کا جائزہ لے رہا ہے۔ اس نے سگریٹ کا آخری کش لے کر بچا ہوا ٹوٹا گھاس پر پھونک کر جوتے سے مسل دیا اور پھر اپنی جگہ پر کھڑا ہو کر بھرپور انگڑائی لینے لگا۔ اس کی ٹامی گن اس کے کاندھے پر لٹک رہی تھی۔

"ہیلو دوست کیا ہو رہا ہے؟" ٹائیگر اچانک ہی اس کے سامنے آ کر دوستانہ انداز میں بولا۔

مسلح شخص اچانک ایک اجنبی کو سامنے دیکھ کر بوکھلا گیا۔

"تت۔ تم کون ہو؟" وہ ہکلایا اور پھر فوراً ہی صورت حال کا احساس کرتے ہوئے اس کا ہاتھ تیزی سے ٹامی گن کی طرف بڑھا۔

مگر ٹائیگر کا دایاں ہاتھ اس سے زیادہ تیز رفتار ثابت ہوا۔ مسلح شخص کا ہاتھ ابھی صرف ٹامی گن کے دستے ہی کو چھو سکا تھا کہ اس کی کلائی ٹائیگر کی گرفت میں آ گئی۔

اُسے ایسا ہی محسوس ہوا جیسے اس کی کلائی کسی آہنی شکنجے میں جکڑی گئی ہو۔ ٹامی گن اس کے کاندھے سے پھسلتی ہوئی گھاس پر گر گئی تھی۔

اس نے بے بسی سے اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ٹائیگر کو دیکھا۔ مارے تکلیف کے آواز اس کے حلق میں پھنس گئی تھی۔

"تمہارے مزید ساتھی کہاں ہیں دوست۔" ٹائیگر نے پھر نرم لہجے میں پوچھا۔

اس بار بھی وہ ٹائیگر کو بے بسی سے دیکھ کر رہ گیا تھا۔ پھر جونہی ٹائیگر کے ہاتھ کا دباؤ اس کی کلائی پر بڑھا اس کا دوسرا ہاتھ خود بخود ایک جانب اٹھ گیا لیکن اس اثناء میں ٹائیگر کی گرفت اس کی کلائی کی ہڈی کو کئی حصوں میں تقسیم کر چکی تھی۔

جونہی ٹائیگر نے اس کی کلائی آزاد کی وہ کسی کٹے ہوئے درخت کے مانند گھاس پر جا گرا تھا۔ ٹائیگر نے ٹامی گن اُٹھا کر درخت پر اُچھال دی جو کسی شاخ سے اٹک گئی۔ ٹائیگر جانتا تھا کہ اس کا فوری طور پر ہوش میں آنا ممکن نہیں ہے لیکن پھر بھی وہ کوئی ہنگامہ مول لینا نہیں چاہتا تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ وہ اپنا مشن خاموشی سے مکمل کر کے یہاں سے نکل جائے۔ چنانچہ وہ جھکا اور اس کی انگشت شہادت کسی کمان سے نکلے ہوئے تیر کی مانند بے ہوش شخص کی شہ رگ پر ترازو ہو گئی۔ بے ہوش شخص کے جسم نے ایک جھٹکا لیا پھر اس کے حلق سے ہلکی سی خرخراہٹ کی آواز پیدا ہوئی اور کبھی لوٹ کر نہ آنے والا ایک انوکھی دنیا کی سیاحت کو روانہ ہو گیا۔

ٹائیگر اس کے کپڑوں سے اپنی انگلی صاف کرتے ہوئے آگے بڑھ گیا۔ اس کا رخ اس شیڈ کی جانب تھا جہاں گاڑیاں کھڑی ہوئی تھیں لیکن وہاں تک پہنچنے کے لئے اسے روشن ہاتھ دے سے گزرنا ضروری تھا یا پھر اسے گھوم کر عمارت کی پشت سے ہو کر وہاں پہنچنا پڑتا۔

لیکن ٹائیگر نے وقت ضائع کرنا مناسب نہ سمجھا اور روشنی کا خطرہ مول لینے کا ارادہ کر لیا۔ ابھی اس نے ایک قدم ہی آگے بڑھایا تھا کہ اچانک اس نے اپنے عقب میں کسی کی موجودگی محسوس کی۔ چنانچہ اس نے ایک لمحے کے لئے آگے بڑھنے کا فیصلہ ملتوی کر دیا اور عقب میں آنے والے کے نزدیک پہنچنے کا انتظار کرنے لگا۔

ٹائیگر نے اپنے پیر صنوبلی سے زمین پر جما دیے۔ جوتے وہ دیوار پر چڑھنے سے قبل ہی اُتار چکا تھا۔ اس نے پیروں سے زمین سے ہونے والی دھمک کو محسوس کیا اور اس کا ذہین کمپیوٹر کی مانند زمین میں ہونے والے ارتعاش کا تجزیہ کرنے لگا۔

ٹائیگر اور اس تیسرے پر پہنچ گیا کہ آنے والے تین ہیں اور ان میں سے ایک کو اپنی جسامت اور طاقت پر زیادہ ناز

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ہے۔ اس کے اظہار کے لئے وہ زمین پر زور سے پیر مار کر چلنے کا عادی ہے۔ جبکہ اس کے مقابلے میں باقی دو افراد کسی حد تک محتاط ہیں۔ ہر قدم پھونک پھونک کر رکھنے کے عادی۔

ٹائیگر نے یہ سب محسوس کرنے کے باوجود بھی اپنا رخ تبدیل نہیں کیا تھا۔ بلکہ اپنے انداز سے یہی ظاہر کر رہا تھا کہ وہ ان کی آمد سے بے خبر ہے۔

قدموں کی آواز دھیرے دھیرے قریب آنے لگی۔ اور پھر وہ ٹائیگر کے بالکل قریب ایک قدم سے بھی کم فاصلے پر آ کر رک گئی۔

ٹائیگر کے عضلات رفتہ رفتہ سخت ہونے لگے۔ اتنے سخت کہ اب اگر آنے والے بے دریغ فائر بھی کر دیتے تو گولی اس کے جسم سے ٹکرا کر رہ جاتی۔

آنے والے اس کی اس بے خبری پر ایک لمحے کے لئے حیرت زدہ سے رہ گئے اور ایک نے اپنا مشین پسٹل ٹائیگر کی گردن سے لگا دیا۔

"تم کون ہو بندر کی نسل۔" ایک کرخت آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔

"یہ میں ہوں بڑے بھائی۔" ٹائیگر نے بڑی مسکین سی آواز میں کہا۔

ٹائیگر کے اس جواب پر دو آدمی دبی دبی ہنسی ہنسنے لگے تھے۔

شٹ اپ۔ یو بلڈی۔" پسٹل بردار پھر غرایا۔

ٹائیگر سمجھ گیا جتنے وہ تینوں سے خائف ہیں۔

"یہ میں ہوں۔ برادر۔" ٹائیگر رخ بدلتے ہوئے بولا۔

اب وہ ان تینوں کے سامنے تھا۔ ٹائیگر نے ان تینوں کا جائزہ لیا۔ ان میں سے ایک جس نے ٹائیگر کی گردن سے پسٹل لگایا تھا خاصا گرانڈیل اور طویل قامت تھا۔ جبکہ اس کے مقابلے پر جتنے دو جاپانی کے کھلونے لگ رہے تھے۔ ان کا اپنی جسامت کے اعتبار سے اپنے ساتھی سے خوفزدہ ہونا فطرتی امر تھا۔

"کون ہو تم۔" گرانڈیل شخص پھر غرایا۔

"میں ٹائیگر ہوں۔ تم جیسے سانڈوں کو ذبح کرنے والا۔"

ٹائیگر نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے نرم لہجے میں کہا۔

لیکن اس کے ساتھ ہی اس کا دایاں ہاتھ بھی حرکت میں آیا تھا۔ اس کی یہ حرکت ایسی تھی جیسے وہ کان کے قریب بھنانے والے مچھر کو اڑا رہا ہو۔

گرانڈیل شخص بھی ایک لمحے کے لئے یہی سمجھا تھا پھر جب وہ ہاتھ اس کے مشین پسٹل سے ٹکرایا تو اس نے سنبھلنے کی کوشش کی لیکن اسے بہت دیر ہو چکی تھی اور ٹائیگر لمحوں کا کھلاڑی تھا۔ چنانچہ گرانڈیل کا پسٹل اس کے ہاتھ سے نکلا اور فضا میں ایک زاویہ بناتا ہوا اندھیرے میں گم ہو گیا۔

گرانڈیل شخص کے نتھنوں سے پھنکار سی برآمد ہوئی۔ اس کے کھلاڑے جیسے ہاتھ ٹائیگر کی گردن کی جانب بڑھے۔ اس کے ساتھ ہی اس کے دونوں ساتھی بھی ایک قدم آگے بڑھ آئے تھے۔

پھر اس سے قبل وہ تینوں ٹائیگر کو چاپ لیتے۔ ٹائیگر کی دائیں ٹانگ حرکت میں آئی۔ اس کا گھٹنا کسی ہتھوڑے کی طرح گرانڈیل شخص کی ران پر لگا تھا۔

فضا میں ہڈی چٹخنے کی ہلکی سی آواز گونجی اور گرانڈیل شخص کسی سانڈ کی طرح ڈکرایا لیکن وہ خاصے مضبوط اعصاب کا مالک تھا۔ اس کی جگہ اگر کوئی اور ہوتا تو یہ ایک چوٹ ہی اسے خاک چاٹنے پر مجبور کر سکتی تھی لیکن وہ صرف ڈکرا کر سنبھل گیا تھا۔

یہ دیکھ کر جتنے دو ایک ساتھ جھپٹے۔

ٹائیگر کے دونوں ہاتھ ایک ساتھ حرکت میں آئے۔ دایاں ہاتھ ایک کے بائیں کندھے پر اور بایاں ہاتھ دوسرے کے داہنے کاندھے پر پڑا۔

یہ انتہائی کاری وار تھے۔ اس سے اگر ہڈی نہ بھی ٹوٹی ہو تب بھی آدمی خاصی دیر تک بدحواس رہتا ہے۔ یہی کچھ ان دونوں کے ساتھ ہوا تھا۔

ٹائیگر نے انہیں زیادہ دیر تک بدحواس کرنا مناسب نہ سمجھا۔ وہ تیزی سے گھوما۔ اس کی کہنی ایک شخص کے سینے پر ٹھہرے بائیں جانب اس مقام پر لگی جہاں دل ہوتا ہے۔ اسے یقین تھا کہ اس چوٹ کے بعد وہ دھڑکنا بھول چکا ہو گا اور یہ

عمل بھی نہ تھا۔ ٹائیگر کی کہنی لگتے ہی اس کے منہ سے ایک طویل کراہ نکلی تھی اور پھر وہ تیورا کر زمین بوس ہو گیا تھا۔

اپنے دو ساتھیوں کا حال دیکھ کر تیسرے نے کاندھا دبا کر بھاگنا چاہا لیکن ٹائیگر اس کا ارادہ بھانپ چکا تھا۔ وہ اسے اس بات کا موقع نہیں دینا چاہتا تھا کہ وہ اپنے دیگر ساتھیوں کو ہوشیار کر سکے۔

چنانچہ جونہی اس نے اپنی جگہ سے حرکت کی ٹائیگر نے اسے بالوں سے پکڑ لیا پھر اس سے قبل کہ وہ چیخ کر کسی کو مخاطب کرتا۔ ٹائیگر کا ایک ہاتھ اس کی ٹھوڑی کے نیچے اور دوسرا اس کے سر پر جم گیا اور پھر ایک ہی جھٹکے میں اس کی گردن بڑے غیر فطری انداز میں مڑ گئی۔

ٹائیگر اسے چھوڑ کر پھر گرانڈیل شخص کی طرف پلٹا۔ جو اپنا پیڈسا وزن ایک ٹانگ پر سارے کھڑا جھول رہا تھا۔

"ہاں! اپنے ریوڑ سے بچھڑے ہوئے سانڈ تم اکیلا رہ گئے ہو۔" ٹائیگر اس کی جانب بڑھتے ہوئے سفاک لڑنے والے انداز میں بولا۔

جواباً وہ شخص ٹائیگر کو صرف کوسنے، گالیوں گھورتا رہا۔

ٹائیگر ایک قدم اور آگے بڑھا۔

"میرے خیال میں ایک ہلکی پھلکی چوٹ تمہارے شاہانہ شان نہیں ہو سکتی۔"

اس کے ساتھ ہی ٹائیگر کا بایاں گھٹنا حرکت میں آیا اور گرانڈیل شخص کی بائیں ران کی ہڈی بھی کئی ٹکڑوں میں تقسیم ہو گئی۔

اس بار بھی اس نے خاصی برداشت کا ثبوت دیا تھا اور اس کے حلق سے صرف کراہ ہی نکلی تھی۔ اب اس کی دونوں ٹانگیں اس قابل نہیں رہی تھیں کہ اس کے پیڈ جیسے بوجھ کو برداشت کر سکیں چنانچہ وہ منہ کے بل گھاس پر گرا تھا لیکن اس نے کسی متوقع چوٹ سے بچنے کے لئے اپنے دونوں ہاتھ پہلے ہی زمین پر ٹیک دیئے تھے۔

ٹائیگر نے اپنے پاؤں سے اسے سیدھا کر دیا۔

"ہاں دوست اب یہ بتانا پسند کرو گے کہ لڑکی کہاں ہے۔ یا میں پھر دوبارہ تمہارے جسم پر نت نئے تحفے بھانا شروع کر دوں۔"

گو یہ بھلے ٹائیگر نے بڑے نرم لہجے میں کہے تھے مگر اس کے اندر چھپی ہوئی درندگی اور سفاکی محسوس کر کے گرانڈیل شخص کانپ اٹھا۔

اس نے خوف سے آنکھیں بند کر لیں جیسے اس کے آنکھیں بند کرنے سے ٹائیگر کا بھوت غائب ہو جائے گا۔ لیکن جب اس نے آنکھیں کھولیں تو ٹائیگر کو اپنے اوپر جھکا ہوا پایا۔

"لڑکی کہاں ہے۔" گرانڈیل شخص نے مری سی آواز میں کہا اور عورت کی جانب اشارہ کر دیا۔

"شکر پیارے۔" ٹائیگر اٹھتا ہوا بولا۔

"سنو۔ ذرا گڈ میری بات سنو۔" گرانڈیل شخص نے رندھی ہوئی آواز میں ٹائیگر کو مخاطب کیا۔

ٹائیگر نے سوالیہ نگاہوں اس کی جانب دیکھا۔

دیکھو۔ میں نے زندگی میں ہزاروں قتل کئے ہیں۔ جان لینے کے نت نئے طریقے ایجاد کئے لیکن میں نے کبھی کسی کو معذور بنا کر نہیں چھوڑا۔" اس کی آواز آنسوؤں سے بھیگی ہوئی تھی اور چہرے پر دنیا جہان کا کرب چھایا ہوا تھا۔

"کیا چاہتے ہو۔" ٹائیگر نے خشک لہجے میں کہا۔

بھلے اس نفرت سے نہلا دو اپنے دشمن مجھے موت دے دو۔ بدسکون موت۔" وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ اس نے زندگی میں کبھی کسی پر رحم نہیں کھایا تھا۔ حتیٰ کہ اپنی ماں کو صرف دو ڈالر کی خاطر قتل کر چکا تھا اس نے ایک سات سالہ بچے کو محض اس لئے آگ میں زندہ جھونک دیا تھا کہ اس کے باپ نے اس کے بارے میں پولیس کو اطلاع کر دی تھی۔ آج وہ خود کسی بھکاری کی طرح موت کی بھیک مانگ رہا تھا۔

"ٹھیک ہے۔ جاؤ تم بھی کیا یاد کرو گے۔" یہ کہہ کر ٹائیگر ایک قدم پیچھے ہٹا اور پھر اس نے دائیں پاؤں سے اس کے سر کو ایسے ٹھوکر لگائی جیسے وہ کوئی انسانی سر نہیں کوئی فٹ بال ہو۔ گرانڈیل شخص کا سر کسی پکے ہوئے تربوز کی

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

طرح کئی حصوں میں تقسیم ہو گیا۔

ٹائیگر نے ان تینوں کی لاشوں کو گھسیٹ کر درختوں کے نیچے پھینک دیا تاکہ اگر کوئی گارڈ اس جانب آنکلے تو فوری طور پر اس کی نظر ان پر نہ پڑ سکے۔ پھر وہ تیزی کے ساتھ اس شیڈ کی طرف بڑھ گیا جہاں گاڑیاں کھڑی ہوئی تھیں۔

ٹائیگر نے ان تمام گاڑیوں کے بونٹ کھول کر انہیں بے کار کر دیا۔ اب یہ گاڑیاں فوری طور پر قابل استعمال نہیں رہی تھیں۔

یہاں سے فارغ ہو کر وہ عمارت کی جانب بڑھا۔ تب اس کی نگاہ عمارت کے بڑے دروازے پر ٹہلتے ہوئے دو مزید مسلح گارڈز کی جانب پڑی۔ ٹائیگر نے اس طرف سے اندر جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ اور شیڈ کے ساتھ ساتھ عمارت کے عقبی حصے کی طرف بڑھنے لگا۔

ابھی وہ اندھیری کھڑکیوں کا جائزہ ہی لے رہا تھا کہ اچانک ایک کمرے میں روشنی ہوئی۔ ٹائیگر نے لپک کر کھڑکی کی گرل پکڑی اور اندر جھانکنے لگا۔

کمرے میں کوئی تیس پینتیس سال کی عورت سنگھار ٹیبل کے پاس کھڑے پیگ بنا رہی تھی۔ اس نے سفید گھریلو نائٹ گاؤن پہن رکھا تھا۔ اس کے سیاہ بال کمر پر لہرا رہے تھے۔

ٹائیگر نے ماہرانہ انداز میں ناب کے قریب شیشے پر ناخن گھمایا اور شیشے کا ٹکڑا کٹ کر اندر قالین پر کوئی آواز پیدا کئے بغیر گر گیا۔ ٹائیگر نے ہاتھ ڈال کر ناب گھمائی اور پٹ کھول کر کمرے میں اتر گیا۔

عورت اب بھی سنگھار ٹیبل کے سامنے کھڑی تھی۔ اور اب اپنی ناگن زلفوں میں برش کر رہی تھی۔ سیاہ زلفوں کے درمیان اس کا چہرہ چاند کی مانند دمک رہا تھا۔

ٹائیگر بے آواز چلتا ہوا اس کے عقب میں جا کر کھڑا ہو گیا۔

"ہیلو! سوئٹ ہارٹ!" وہ اپنے ہونٹوں پر مسحور کر دینے والی مسکراہٹ بکھیرتے ہوئے بولا اور دونوں ہاتھ اس کے کاندھے پر رکھ دیئے۔ اس آئینوں میں عورت نے بے خود کر دینے والی چمک تھی۔ اسے یہ صلاحیت فلکرافٹ میں ایک طویل مشق کے بعد حاصل ہوئی تھی۔ ایسے میں اگر کوئی عورت ایک بار اس کی آنکھوں میں جھانک لے تو وہ اس کے سحر سے آزاد نہیں ہو سکتی تھی۔

تم میرا انتظار کر رہی تھیں ہنی!" وہ مخمور لہجے میں بولا۔

عورت اس کی آنکھوں میں جھانک رہی تھی۔ اس کی سانسیں بے ترتیب ہو رہی تھیں اور پلکیں جذبات کی شدت سے خود بخود جھکی جا رہی تھی۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس نوجوان کے ہاتھوں سے مقناطیسی لہریں نکل کر اس کے پورے جسم میں سرائیت کر رہی ہوں۔ وہ جیک ماسن کا انتظار کر رہی تھی۔ مگر اب اس کا رواں رواں دعا گو تھا کہ جیک ماسن نہ آئے اور وہ یونہی اس نوجوان کی باہنوں کے سہارے کھڑی رہے۔

"تم کون ہو، ڈیئر لنگ۔" وہ بے ترتیب سانسوں کے درمیان بولی۔

خوابوں کا شہزادہ۔" ٹائیگر نے اسے دونوں ہاتھوں میں اٹھا کر بیڈ پر ڈالتے ہوئے کان میں سرگوشی کی اور بڑے ماہرانہ انداز میں اس کے بالوں میں اپنی انگلیوں سے کنگھی کرنے لگا۔ عورت اب پوری طرح اس کے سحر میں جکڑ چکی تھی۔

"تمہیں کس کا انتظار تھا سوئٹ ہارٹ۔" ٹائیگر نے پھر سرگوشی آمیز لہجے میں پوچھا۔

"جیک ماسن کا۔" وہ آنکھیں بند کئے بولی۔

"یہ ذات شریف کون ہے۔" ٹائیگر نے پھر سوال کیا۔ اس کے ہاتھ اب بھی مساج میں مصروف تھے۔

"دنیا کا سب سے خطرناک دہشت گرد۔ اسے دیکھ کر ذہن میں فوراً بن لادن کا خیال آجاتا ہے۔"

ٹائیگر سمجھ گیا کہ اس کے ہاتھوں ہلاک ہونے والا بیک ماسن تھا۔

"وہ یہاں کیوں آیا ہے ہنی۔" ٹائیگر نے اپنے ہونٹ اس کے کانوں کے انتہائی قریب لے جاتے ہوئے سرگوشی کی۔

"وہ آہ۔ تم بہت خوب صورت ہو۔ جانم جیک ماسن سے زیادہ پر کشش۔ وہ ٹائیگر کے ہاتھ بھینچتے ہوئے بولی۔ "اب تم کہیں نہ جانا۔ ہم ملنے والے معاوضے سے تمہیں بھی حصہ دیں گے۔ ہماری خدمات ایک تنظیم نے حاصل کی ہے ہمیں سوئٹزرلینڈ کے بینکوں کے لاکر لوٹنے ہیں۔ دراصل ہمارے کلائنٹ کو ایک آبنوسی مجسمے کی تلاش ہے۔ ہمیں خطیر معاوضہ ملے گا۔ تم کہیں نہ جانا۔"

"ہاں میں کہیں نہیں جاؤں گا۔" ٹائیگر کے ہونٹوں پر اب بھی بے خود کر دینے والی مسکراہٹ سجی ہوئی تھی۔ "اچھا اب یہ بتاؤ روبی کہاں ہے۔"

"یہاں میں ہی سب سے قیمتی روبی ہوں جانم۔" وہ دونوں ہاتھ اس کے کاندھوں پر رکھتے ہوئے بولی۔

"روبی ایک لڑکی ہے ہنی جسے جیک ماسن اغوا کر کے لایا ہے۔"

"نہیں۔ یہاں میرے علاوہ کوئی روبی نہیں۔ پوری عمارت میں کوئی لڑکی نہیں۔"

"ٹھیک ہے پیاری اب تم آرام کرو۔ ہمیشہ کے لئے۔" ٹائیگر اسے اٹھاتے ہوئے بولا اس کا ایک ہاتھ خود بخود فضا میں بلند ہو گیا۔

عورت آنکھیں بند کئے گہری گہری سانسیں لے رہی تھی۔ اس کے انداز میں طمانیت اور سکون تھا۔ ٹائیگر کا کلہاڑا نما ہاتھ تیزی سے اس کے سر کی جانب بڑھا اور پھر اس کا سر کسی تربوز کی طرح دو حصوں میں تقسیم ہو گیا۔ اس کے جسم نے صرف ایک جھٹکا لیا تھا اور پھر سرد ہو گیا تھا۔ خون اور مغز کا ملغوبہ تکیے اور بستر کو سرخ کر رہا تھا۔

ٹائیگر نے اس کے گاؤن سے ہاتھ صاف کئے اور کمرے سے نکل گیا۔ عورت کی بات درست نکلی تھی۔ پوری عمارت میں روبی کا کہیں پتا نہیں چلا تھا۔

-------O-------

لوشان نے اطراف کا جائزہ لے کر ایک مقام پر ٹیکسی رکوائی اور اتر گیا۔ ڈرائیور کو اس نے اتنی رقم دے دی تھی کہ اگر اسے واپسی میں دیر ہو جاتی تو وہ بددل نہ ہو۔ اس کے بعد بھلا اس بات کی کیا گنجائش تھی کہ ڈرائیور اس کا انتظار نہ کرتا۔ البتہ لوشان کے چلنے کے انداز کو اس نے حیرت بھری نگاہوں سے دیکھا تھا۔ اور اپنی آنکھیں مل مل کر اس کا جائزہ لیتا رہا تھا۔ اسے یہ بوڑھا شخص زمین کے اوپر تیرتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے اس نے اپنے پیروں میں اسکیٹنگ شوز باندھے ہوئے ہیں۔ لیکن اسکیٹنگ شوز پہن کر بھی چلنے کا ایک انداز ہوتا ہے۔ لوشان اس عمارت کے صدر دروازے پر پہنچ گیا۔ جو اس کی منزل تھی۔ صدر دروازے پر ایک مسلح شخص کھڑا ہوا تھا۔ جو خاصا طاقتور اور چاق و چوبند نظر آتا تھا۔

لوشان کو اس نے حیران نگاہوں سے دیکھا اور لوشان نے مسکراتے ہوئے گردن خم کر دی۔ اس کے چہرے پر بے پناہ نرمی پھیلی ہوئی تھی۔ وہ شخص آہستہ آہستہ لوشان کے قریب پہنچا۔ اور لوشان نے محبت بھرے انداز میں کہا۔

"آسمان سے تم پر طوسیں نازل ہوں۔ کیا تم مجھے اندر آنے کی جگہ نہیں دو گے۔" اس کے ساتھ ساتھ ہی روشان نے اپنی انگلی اس کے سینے پر رکھی۔ اور اس شخص کو یوں محسوس ہوا جیسے لوہے کی ایک نوکیلی کیل اسے پوری قوت سے دبا رہی ہو۔ وہ بوکھلائے ہوئے انداز میں پیچھے ہٹا۔ اور لوشان اندر داخل ہو گیا۔ اس نے لوشان کے الفاظ بھی حیرانی سے سنے تھے۔ اور پھر جب لوشان کی انگلی کا دباؤ اس کے سینے سے کم ہوا تو وہ گہری گہری سانسیں لینے لگا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ سفید عبا میں ملبوس یہ انوکھا بوڑھا اس سے کیا چاہتا ہے۔ اور انگلی کا یہ دباؤ کیا حیثیت رکھتا ہے۔ اس نے غور سے لوشان کے ہاتھ کی جانب دیکھا تھا۔ لوشان نے اپنے لباس سے ایک تصویر نکالی جو مرمی ترمی اور پرانی قسم کی تھی۔ اور پھر اس نے وہ تصویر اس شخص کے سامنے کرتے ہوئے کہا۔

"میرے بچے مجھے اس لڑکی کے بارے میں معلومات چاہئیں۔"

وہ شخص اب ذرا سنبھل گیا تھا۔ اور اس نے مشکوک خیز نگاہوں سے بوڑھے کو دیکھا تھا۔ ایک لمحے میں وہ یہ بھول گیا تھا کہ ابھی چند لمحات قبل اس پر کیا بیتی تھی۔ تصویر دیکھ کر

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

اس نے مسکراتی نگاہوں سے لوشان کو دیکھا اور بولا۔

"کیا معلوم کرنا چاہتے ہو۔ تم اس لڑکی کے بارے میں؟"

"کیا یہ یہاں موجود ہے۔" اس شخص کو شاید مذاق سوجھا تھا۔ اس نے آہستہ سے کہا۔

"اس کا نام کیا ہے؟"

"روبی۔"

"مگر تمہیں اس کی تلاش کیوں ہے۔؟"

"کیونکہ اس کے سپرد ایک اہم ذمہ داری ہے۔ تم نے کبھی سنانجو کا نام سنا ہے۔" لوشان بھی پوری طرح موڈ میں تھا۔

"نہیں یہ نام میرے لئے اجنبی ہے۔"

"تب تم دنیا کے بدقسمت ترین انسان ہو۔ جو سنانجو کے بارے میں نہیں جانتے۔ خیر تم مجھے اس لڑکی کے بارے میں بتاؤ۔ وہ سنانجو کے وارث کی ماں بنے گی۔ میری بھوبنے گی اب میرے ساتھ اندر آؤ۔ شاید مجھے اس کے بارے میں تفصیلات معلوم ہو جائیں۔"

لوشان اس کے ساتھ ساتھ چل پڑا۔ اس شخص نے مرکزی گیٹ کی ذیلی کھڑکی بند کر دی تھی۔ پھر وہ اسے لئے ہوئے ایک ہال نما کمرے میں پہنچا جہاں پانچ افراد میز کے گرد بیٹھے کسی مشروب سے شغل کر رہے تھے۔ انہوں نے حیرت ناک نگاہوں سے اس جادوگر نما بوڑھے کو دیکھا۔ اور پھر ان میں سے ایک کھلکھلا کر ہنس پڑا۔ شاید نشے میں معلوم ہوتا تھا۔"

"کیا تم بے زار ہو کر کسی جادوگر کو پکڑ لائے ہو۔ یہ جادوگر کیا تماشہ دکھاتا ہے۔"

"اسے روبی کی تلاش ہے۔"

"اوہ۔ یہ روبی کون ہے۔"

"کسی جگہ کے وارث کی خلق کنندہ۔ ویسے معزز بزرگ کیا شادی شدہ ہے یا؟"

"نہیں ابھی نہیں۔ لیکن بہت جلد وہ وقت آجائے گا۔ البتہ تم نے کہا تھا کہ شاید مجھے یہاں سے اس کے بارے میں معلومات حاصل ہو جائیں۔"

"ہوں۔ چلو بھئی بتاؤ اسے روبی کہاں ہے۔"

"اگر روبی یہاں ہوتی تو ہم کیا اس طرح ایک دوسرے کی صورت دیکھ رہے ہوتے۔" ان پانچوں میں سے ایک نے کہا۔ اور لوشان آہستہ سے چلتا ہوا اس کے قریب پہنچ گیا۔

"میں سمجھا نہیں۔"

"اگر روبی ہمارے پاس ہوتی تو اس وقت ہم جہاں ہوتے۔" اس شخص نے ایک ایسی بات کہی جو انتہائی غلیظ اور شرمناک تھی۔ نتیجے میں لوشان کا ایک ہاتھ آگے بڑھا اور اس نے صرف دو انگلیوں کا کمال دکھایا یعنی انگوٹھا اور ایک انگلی۔ استعمال ہوئی تھی اور اس شخص کی آنکھیں خوفزدہ انداز میں پھیل گئی تھیں۔

کیونکہ لوشان کی پیشگی میں اس کا گردن کا ابھرا ہوا نرخرا آگیا تھا۔ اور اس کے بعد نجانے کیا ہوا کہ وہ شخص کرسی سمیت دوسری جانب الٹ گیا اور ہاتھ پاؤں پٹخنے لگا۔ وہ چاروں افراد حیران ہو کر اپنے ساتھی کو دیکھنے لگے تھے۔ اور پھر جب انہیں احساس ہوا کہ اس کے ساتھ کوئی ایسا عمل ہو گیا ہے جو جان لیوا ثابت ہو سکتا ہو تو ان کے چہرے غصے سے سرخ ہو گئے۔ ان میں سے دو نے میز پر چڑھ کر لوشان پر چھلانگ لگائی اور لوشان نے اپنے دونوں ہاتھ فضا میں بلند کر دیئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ چند لمحات لوشان کے ہاتھوں پر لگے رہے۔ اور جب لوشان نے اپنے دونوں ہاتھ گھما کر انہیں اپنے جسم کی ہلکی سی جنبش کے ساتھ زمین پر مارا تو ان کی پشت کی ہڈیاں زمین سے ٹکرائیں۔ اور ان کے حلق سے کرب ناک کراہیں نکل گئیں۔ باقی رہ گئے تھے تین افراد جنہوں نے لوشان پر چھلانگیں لگائی تھیں انہی میں وہ شخص بھی موجود تھا جو تقریباً لوشان کو اندر تک لایا تھا۔ لیکن ان چھلانگوں کا نتیجہ بھی ان کی توقع کے خلاف ہی نکلا۔ وہ آپس ہی میں ایک دوسرے سے الجھ گئے تھے اور لوشان نے ان میں سے دو کے بال پکڑ کر انہیں اٹھایا۔ ایک انتہائی پستہ قامت اور کمزور سے بوڑھے آدمی کے جسم کی یہ قوتیں دیکھ کر ان کی آنکھوں میں خوف اور دہشت کے آثار ابھر آئے تھے اور یقینی طور پر وہ اسے انسان نہیں سمجھ

رہے تھے لیکن سمجھنے کے لئے اب ان کے پاس رہ ہی کیا گیا تھا۔ دونوں کے سر اس طرح ایک دوسرے سے ٹکرائے تھے کہ ان کی ہڈیاں ٹوٹ کر آپس میں پیوست ہو گئیں اور وہ دونوں جڑواں نظر آنے لگے۔ وہ شخص جو لوشان کو یہاں تک لے کر آیا تھا۔ دہشت زدہ ہو کر دروازے کی جانب بھاگا لیکن خیر بنا ہوا بوڑھا اس کے راستے میں حائل ہو گیا۔ اور اس نے ایک بار پھر اسی انداز میں اس شخص کے سینے کے جانب انگلی اٹھادی۔ وہ دہشت زدہ ہو کر رک گیا۔ کیونکہ اس انگلی کا کمال وہ پہلے ہی دیکھ چکا تھا۔ لوشان نے نرم اور پراخلاق لہجے میں کہا۔

"آسمان سے تم پر نوستیں نازل ہوں نوجوان۔ کیا کوئی اور ہے جو مجھے اس لڑکی کا پتا بتائے گا۔" اس شخص کے منہ سے آواز نہیں نکل سکی تھی۔ تب لوشان نے کہا۔

"اچھا یہی بتا دو کہ اس عمارت میں تم لوگوں کے علاوہ اور کون کون موجود ہے"

"کک۔ کوئی نہیں ہے۔"

"تو پھر چلو اور نہایت سکون کے ساتھ مجھے اس لڑکی کے پاس لے چلو جو تمہاری قیدی ہے۔"

"یہاں تو کوئی لڑکی قیدی نہیں ہے۔ تم چاہو تو پوری عمارت کی تلاشی لے سکتے ہو۔"

"تمہاری مرضی۔ اگر تم یہ عمل کرنا چاہتے ہو تو پھر چلو میرا ساتھ دو۔" اور اس کے بعد لوشان نے اس عمارت کی اچھی طرح چھان بین کر لی تھی۔ وہ شخص حالانکہ مسلح تھا۔ لیکن اپنی آنکھوں سے جو کچھ دیکھ چکا تھا اس نے اسے اس طرح خاموش کر دیا تھا کہ اب اس کے اعصاب بھی اس کا ساتھ نہیں دے رہے تھے۔ بس وہ لوشان کے اشاروں پر عمل کرنے والی مشین بن گیا تھا۔ تب لوشان نے ایک انگلی اس کی جانب اٹھائی اور اس کی پیشانی پر ہلکی سی ضرب لگاتا ہوا بولا۔

"یہ پہلی ضرب ہے۔ دوسری ضرب کے بعد تم بدحواس ہو جاؤ گے۔ لیکن جب ہوش میں آؤ اور تمہارا سر براہ تمہارے قریب پہنچے تو اس سے کہنا کہ میں اس سے رابطہ قائم کروں گا اگر اسے اس لڑکی روبی کے بارے میں معلومات حاصل ہیں تو وہ یہاں قیام کرے ورنہ بہتر ہے کہ اپنی زندگی بچا کر یہاں سے تم سمیت فرار ہو جائے۔ میں نے تمہارا فون نمبر لے لیا ہے۔ اور میں فوری طور پر تم سے رابطہ قائم کروں گا۔ لیکن اس وقت جب تمہارا سربراہ تمہارے درمیان پہنچ جائے گا۔

اس شخص کی دہشت زدہ نگاہیں اس دبلے پتلے بوڑھے کو واپسی کا سفر طے کرتے دیکھ رہی تھیں۔ اور یہ دیکھ کر اس کی آنکھوں میں شدید دہشت ابھر آئی تھی کہ اس کے پاؤں زمین سے نہیں لگ رہے تھے۔ گویا اس کا سوچنا بالکل درست تھا۔ یہ یقیناً کسی آسمانی طاقت کا مالک شخص ہے۔ ورنہ یہ سب کچھ جو بڑے ہال نما کمرے میں ہوا کسی ایک ایسے دبلے پتلے انسان کے بس کی بات نہیں تھی لیکن جب لوشان نگاہوں سے اوجھل ہوا تو اس نے دروازے کی جانب چھلانگ لگائی۔ اور بے اختیار دروازے سے باہر نکل آیا لیکن اسے شاید دبلے پتلے بوڑھے کے الفاظ یاد نہیں رہے تھے۔ اس نے انگلی کی کسی دوسری ضرب کے بارے میں کہا تھا اور جونہی اس کی گردن باہر نکلی اس کی پیشانی سے کوئی شے کھٹاک سے ٹکرائی۔ بوڑھا اس کے بالکل قریب موجود تھا۔ اور یہ ہلکی سی ضرب ایسی شدید تھی کہ اس کا سانس بند ہونے لگا۔ اس نے دونوں ہاتھ فضا میں پھیلائے۔ اور پھر اوندھے منہ زمین پر آرہا۔ لوشان پراطمینان انداز میں گردن ہلاتا ہوا باہر نکل آیا تھا۔ آج کی مصروفیات مکمل کرنے کے بعد ہی واپسی ممکن ہو سکتی تھی لیکن ان دو جگہوں پر اس نے مزید کارروائیاں کیں جہاں بھی روبی کا کوئی نشان نہیں مل سکا تھا۔ پھر جب وہ ہوٹل واپس پہنچا تو عین اسی وقت ٹائیگر بھی ہوٹل میں داخل ہوتا نظر آیا۔ اس کے چہرے پر بھی مایوسی کے آثار تھے۔ کمرے میں پہنچ کر لوشان نے آہستہ سے کہا۔

"روبی کی گمشدگی اب پراسرار کن حدود میں داخل ہو گئی ہے۔ اسے تلاش کرنے کے لئے۔" لوشان نے جملہ ادھورا چھوڑا۔ اور خاموش ہو گیا۔ پھر وہ خاموشی ہی سے باتھ روم کی جانب بڑھ گیا تھا۔ چند لمحات کے بعد جب وہ وہاں سے برآمد ہوا تو ٹائیگر اطمینان سے اپنے جوتوں کے تسمے کھول رہا تھا۔ لوشان نے اس کی جانب دیکھا تو ٹائیگر نے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

قامت شمس شاید ان لوگوں کو لڑنے کے لئے راستہ دینا چاہتے تھے۔ چنانچہ وہ پیچھے ہٹ کر ایک اور دیوار سے جا لگے تھے۔ عورت ایک دروازے سے لگ کر کھڑی ہو گئی۔ جو اندرونی حصے میں کھلتا تھا۔ جبکہ طویل القامت شمس دیوار سے لگا خاموش نگاہوں سے اپنے ان چھ لڑکوں کے قدموں کی جنبش دیکھ رہا تھا۔ یہاں تک کہ حملہ ہوا اور اس کا نتیجہ بھی ظاہر ہو گیا۔ سب سے پہلا شمس جو ٹائیگر کے قریب پہنچا اس نے اپنی گردن کے نچلے حصے میں ایک سوراخ ہوتا ہوا محسوس کیا اور ٹائیگر کا دوسرا ہاتھ اس کی پسلیوں پر پڑا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پسلیاں ٹوٹ گئیں۔ ادھر لوشان نے دو طاقتور آدمیوں کو اپنے دونوں بازوؤں میں دبوچا اور اچانک ہی زمین پر چھلانگ لگا دی۔ وہ دونوں پوری قوت سے زمین سے ٹکرائے اور ان کے سر خربوزے کی مانند کھل گئے اتنی برق رفتاری سے تین افراد کا صفایا کر دیا گیا تھا کہ دیکھنے والوں کی آنکھ بھی ان پر نہ تک سکی تھی۔ باقی تین افراد کو ٹھکانے لگانا ٹائیگر اور لوشان کے لئے کیا مشکل تھا۔ روبی کی آنکھوں میں مسرت کے آثار نظر آ رہے تھے اور یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ بہت زیادہ خوش ہو۔ جب بقیہ تینوں افراد بھی زمین بوس ہو گئے تو روبی کے حلق سے ایک قہقہہ نکل گیا۔ اس نے کچھ کہنا چاہا لیکن الفاظ واضح شکل اختیار نہ کر سکے۔ اس دوران طویل القامت جو میڈو ایڈن تھا نہایت طیش میں نظر آ رہا تھا۔ اس کے پتلے پتلے ہونٹ بھنچے ہوئے تھے۔ اور اس کی سرد نگاہیں شعلہ بار تھیں۔ وہ ان شعلہ بار نگاہوں سے ان دونوں کو گھورتا ہوا آگے بڑھا۔ اس نے زمین پر مخصوص انداز میں دو تین پاؤں مارے اور اس کے بعد دفعتاً ہی اس کے حلق سے ایک ہولناک دہاڑ نکلی۔ اور وہ زمین سے تقریباً بارہ فٹ اونچا لمبا میں بلند ہو گیا۔ لمبا میں بلند ہوتے ہی اس نے دو تین بار اپنی ٹانگوں کو ایک مخصوص انداز میں جنبش دی اور لوشان پیچھے ہٹ گیا۔ وہ ٹائیگر کو اس سے مقابلے کا موقع دینا چاہتا تھا۔ ٹائیگر کو یہ بات لوشان پہلے ہی بتا چکا تھا کہ اس شخص کی چال بتاتی ہے کہ وہ تھرڈ ڈان ہے۔ اور ایک تھرڈ ڈان کے لئے یہ کارروائی زیادہ مشکل نہیں تھی لیکن اس سے پہلے کہ اس کی لمبا میں معلق لات ٹائیگر کے سر کو بھونتی ٹائیگر اس طرح زمین پر لیٹ گیا جس میں کسی طیئر کا سہارا نہیں لیا گیا تھا۔ نتیجہ میں وہ شمس ٹائیگر کے اوپر سے نکل گیا اور ٹائیگر بالکل سیدھا بغیر ہاتھ زمین پر ٹکائے کھڑا ہو گیا۔

بلڈا گار بو نے یہ کینیٹ دیکھی اور دہشت زدہ نظر آنے لگی۔ ادھر میڈو اپنے اس حملے کو ناکام دیکھنے کے بعد دیوار سے ٹکرا اور کئی قدم سیدھی اور سپاٹ دیوار پر اوپر چڑھتا چلا گیا۔ یہاں سے پھر اس نے کسی برق رفتار پرندے کی مانند ٹائیگر پر چھلانگ لگائی اور اس بار اسے ٹائیگر کی ایک زبردست لات کا سامنا کرنا پڑا۔ جو نیچے لیٹ کر ٹائیگر نے اس کے پیٹ پر ماری تھی۔ اس ضرب سے وہ الٹا زمین پر آ گرا۔ لیکن اس کی پھرتی بھی قابل دید تھی۔ نیچے گرنے کے باوجود وہ ایک دم اٹھا اور اس نے فضا میں بلند ہو کر دوبارہ ٹائیگر پر لاتیں چلائیں۔ لیکن اس وقت بلڈا کے حلق سے چیخ نکل گئی جب اس نے میڈو جیسے دیو قامت کی دونوں ٹانگیں ٹائیگر کی گرفت میں دیکھیں۔ ٹائیگر نے انہیں ایک جھٹکا دے کر چھوڑ دیا۔ اور میڈو پوری قوت سے دیوار سے جا ٹکرایا۔ بالکل ایسا ہی محسوس ہوا تھا جیسے زلزلہ آ گیا ہو۔ کمرے کے در و دیوار ہل اٹھے تھے لیکن اس کے بعد میڈو کوئی غیر انسانی طاقت بھی نہیں تھا کہ خود کو بچا سکتا۔ اس کے شانوں کی ہڈیاں ٹوٹ گئیں۔ بھیجا ناک کے راستے باہر نکل آیا اور اس کے خون کے چھینٹے دور دور تک پھیل گئے۔ لیکن بلڈا گار بو اس صورت حال سے پوری طرح باخبر تھی چنانچہ وہ عقب کے دروازے میں پیچھے کو جھکی۔ دروازہ کھلا اور دوسرے ہی لمحے وہ اس دروازے کے دوسری جانب تھی۔ رکے بغیر وہ کئی قدم آگے بڑھی اور اس کے بعد اس نے دوسرے دروازے سے باہر چھلانگ لگا دی۔ وہ جانتی تھی کہ ان چھلاووں سے بچنا مشکل ہے۔ چنانچہ اس نے پھرتی سے ایک گٹر کا ڈھکن اٹھایا اور اس میں داخل ہونے کے بعد ڈھکن بند کر لیا۔

ٹائیگر اور لوشان برق رفتاری سے روبی اور اس کے ساتھی کی جانب بڑھے اور ان کے ہاتھ کھول دیئے گئے۔ ٹائیگر نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہاں اور کتنے آدمی موجود ہیں؟"

"میں نہیں جانتی۔" روبی نے جواب دیا اور ٹائیگر لوشان کی جانب دیکھنے لگا۔ لوشان نے اپنے مخصوص انداز میں کہا۔

"جس کام کو کرنے کا بیڑا اٹھاؤ اس کی تکمیل کے بعد مزید چھان بین نہ کرنا ہی بہتر ہوتا ہے۔ تم دونوں ہمارے ساتھ آؤ۔" یہ حکم روبی اور ڈی فینوز کو دیا گیا تھا۔ چنانچہ وہ دونوں تیز رفتاری سے ٹائیگر اور لوشان کے پیچھے چل پڑے۔ حالانکہ باہر کار موجود تھی۔ لیکن اول تو اس کی چابی کا مسئلہ تھا۔ دوم یہ کہ لوشان وہاں رکنا نہیں چاہتا تھا۔ چنانچہ وہ تیزی سے دوڑتے ہوئے بڑے گیٹ سے باہر نکل آئے۔ جو کھلا ہوا تھا۔ مگر اب وہاں کوئی موجود نہیں تھا۔ حالانکہ بلڈا غائب ہو چکی تھی۔ لیکن ٹائیگر اور لوشان کو اس کی بالکل فکر نہیں تھی۔ وہ باہر نکل آئے اور اس کے بعد پیدل ہی یہ سفر طے کیا گیا تھا۔ البتہ ڈی فینوز ان دونوں کو متحیرانہ نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ کیونکہ ان کی رفتار انسانی تیز تھی۔ روبی بے شک ان کا ساتھ دے رہی تھی لیکن ڈی فینوز بار بار پیچھے رہ جاتا تھا۔ کافی فاصلے پر نکلنے کے بعد لوشان نے اس کی جانب اگلی اشائی اور آہستہ سے بولا۔

"اگر تمہارے پاس کوئی ٹھکانہ موجود ہے تو تم اپنے ٹھکانے پر واپس جاؤ۔ تم ہمارا ساتھ نہیں دے سکو گے۔ ہاں اگر اس لڑکی نے تمہارے بارے میں کوئی ایسی بات کہی جس کے باعث تم سے ملنا ضروری ہوا تو پھر ہم خود ہی تم تک پہنچ جائیں گے۔ بہتر ہے کہ آرام کرو۔" یہ کہنے کے بعد لوشان کے لہجے سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ وہ کسی قیمت پر اس شخص کا ساتھ نہیں چاہتا۔ چنانچہ روبی نے پریشان نگاہوں سے ڈی فینوز کو دیکھا اور پھر معذرت آمیز انداز میں گہری سانس لے کر ان دونوں کے ساتھ آگے بڑھ گئی۔

-------O-------

بلڈا گٹر لائن میں اٹھتی ہوئی بو سے بے نیاز گھری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی پھر جب اسے اس بات کا اطمینان ہو گیا کہ اوپر کے حصے میں ہنگامہ خیزیاں بند ہو چکی ہیں تو وہ خاموشی سے باہر نکلی۔ اور اس کے بعد اس عمارت میں داخل ہو گئی جہاں تھوڑی دیر قبل ایک خوفناک مقابلہ دیکھا چکی تھی۔ اس نے ان اجنبی لوگوں کے لڑنے کا انداز دیکھا تھا اور ششدر رہ گئی تھی۔ میڈو کے بارے میں عام طور سے یہ بات کہی جاتی تھی کہ وہ اس دنیا کا انسان نہیں ہے اس کا تعلق کسی اور سیارے سے ہے۔ جہاں سے بھٹک کر وہ زمین پر آ گیا ہے لیکن ایک زمینی انسان کے ہاتھوں میڈو کی موت بلڈا کے لیے ایک انوکھا تجربہ تھی۔ عمارت میں آ کر اس نے ایک ایک شے کو بغور دیکھا۔ میڈو کی لاش دیکھی اور اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پیدا ہو گئے۔ پھر ایک ٹھنڈی سانس لے کر ایک کرسی پر آ بیٹھی۔ اسے اس بات کا یقین تھا کہ اب یہاں کوئی موجود نہیں ہے۔ اور وہ لوگ جو یہاں حملہ آور ہوئے تھے اپنا کام مکمل کرنے کے بعد واپس جا چکے ہیں۔ کافی دیر تک وہ اسی طرح کرسی پر بیٹھی سوچتی رہی اس کے چہرے کی شادابی رخصت ہو گئی تھی۔ بہت دیر رکنے کے بعد وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور نڈھال سے قدموں سے چلتی ہوئی اندر داخل ہوئی۔ ایک مخصوص کمرے میں پہنچ کر اس نے ایک الماری کھولی۔ الماری سے تین موی شمعیں نکال کر ایک شمع دان میں لگائیں اور پھر اسی الماری سے سواستیکا کا ایک نشان نکالا جس پر ننھے ننھے بے شمار ہیرے لگے ہوئے تھے۔

سواستیکا کے اس نشان کو اس نے ہونٹوں سے چھوا پیشانی سے لگایا اور پھر ایک جگہ رکھ دیا۔ اس کے بعد شمع دان اس کے سامنے رکھ کر تینوں موی شمعیں روشن کر دیں اور پھر دوزانو اس کے سامنے بیٹھ گئی۔ اس کی نگاہیں سواستیکا پر لگی ہوئی تھیں اور موی شمعیں جل رہی تھیں۔ کافی بڑی بڑی موم بتیاں تھیں وہ آہستہ آہستہ پگھلتی رہیں اور بلڈا ان کے سامنے دوزانو بیٹھی انہیں دیکھتی رہی۔ اس کا جسم جیسے پتھرا گیا تھا اور اس میں کوئی جنبش نہیں تھی۔ پھر جب شمع کی لو بھڑک کر خاموش ہو گئی اور تینوں موم بتیاں موم کی شکل میں پگھل کر بجھ گئیں تو اس کے بدن میں جنبش پیدا ہوئی۔ اس کام میں اسے کئی گھنٹے صرف ہو گئے تھے۔ لیکن یوں لگتا تھا جیسے بلڈا کو کسی بات کا احساس نہ ہو۔ اس نے اپنی جگہ سے اٹھنے کے بعد

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ایک آتشدان کی جانب رخ کیا۔ آتشدان میں کوئلے پڑے ہوئے تھے اور وہ بجھا ہوا تھا اس نے آتش دان روشن کر دیا۔ آہستہ آہستہ آتشدان کی آگ روشنی پکڑنے لگی۔ تب وہ الماریوں کی جانب بڑھی اور اس نے اس میں سے بے شمار کاغذات نکالے۔ ان کے چھوٹے چھوٹے بنڈل بنائے اور اس کے بعد انہیں آتشدان کے سامنے ڈھیر کر دیا۔ پھر وہ سواستیکا کا نشان بھی اٹھالائی۔ پھر آہستہ آہستہ وہ ان میں سے ایک ایک بنڈل کو نذر آتش کرنے لگی۔ آتشدان کی آگ بھڑکتی رہی اور تمام چیزیں اس میں جل کر بھسم ہو رہی تھی۔ آخر میں اس نے سواستیکا کا نشان بھی اسی آگ میں ڈال دیا۔ اور اس کے بعد اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی پھر ایک عجیب و غریب مشین کے پاس پہنچ کر اس نے اس مشین کو آپریٹ کرنا شروع کر دیا اور کچھ دیر کے بعد دوسری طرف سے آوازیں ابھرنے لگیں۔ بلڈاگار بو نے کہا۔۔۔

"جن سات افراد کے نام میں تمہارے سامنے دہرا رہی ہوں انہیں فوری طور پر سوئٹزرلونڈ روانہ کر دو۔ نام نوٹ کرو اور خبردار اس کام میں دیر نہ ہونے پائے۔ جس طرح بھی ممکن ہو سکے ان ساتوں کو میرے پاس پہنچنا چاہیئے۔ میں بے چینی سے ان کا انتظار کر رہی ہوں۔ سمجھ رہے ہو نا میری بات ۔۔"

"بہتر ہے مادام۔" دوسری طرف سے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا گیا۔۔۔ اس کے بعد بلڈا نے یہ نام بتانے شروع کر دیئے۔ پھر دوسری طرف سے آواز آئی۔۔"

"ہم نے نام نوٹ کر لئے ہیں مادام۔۔"

بلڈاگار بو نے مشین بند کی اور اسے بھی آتشدان میں رکھ دیا۔ مشین کے حساس پرزوں نے پگھلنا شروع کر دیا تھا۔ کمرے میں ایک عجیب سی ناگوار بو پھیل گئی تھی۔ بلڈا وہاں سے ہٹی اور اس کے بعد اپنی خوابگاہ میں آ گئی۔ یہاں مسہری پر بیٹھ کر اس نے جوتے پاؤں سے اتارے اور پھر مسہری پر دراز ہو گئی۔ وقت گزرتا رہا۔ رات گزری دن گزرا اور پھر دوسری رات بھی آدھی کے قریب ہو چکی تھی۔ اس دوران اس نے اپنی جگہ سے جنبش تک نہیں کی تھی۔ پانی کا ایک قطرہ بھی اس کے ہونٹوں سے نیچے نہیں اترا تھا۔ نہ ہی اس نے خوراک کی جانب کوئی توجہ دی تھی۔ اس کیفیت کے اثرات اس کے چہرے پر نمایاں تھے۔ رات کے تقریباً ساڑھے تین بجے تھے۔ جب باہر سے گھنٹی کی آواز سنائی دی اور اس کے بعد قدموں کی چاپ گھنٹی کئی بار بجی تھی لیکن دروازہ کھولنے والا کوئی نہیں تھا۔ جبکہ بلڈاگار بو نے خود ہی دروازہ کھلا چھوڑ دیا تھا۔ چنانچہ آنے والے اندر آ گئے۔ یہ سات افراد تھے۔ عجیب و غریب شخصیتوں کے مالک۔ انوکھی خصوصیات کے حامل۔ ان کے چہروں پر تشویش اور تجسس کے آثار تھے۔ پھر وہ بلڈاگار بو کی خوابگاہ میں پہنچ گئے جو روشن تھی۔ اور انہوں نے بلڈا کو مسہری پر لیٹے ہوئے دیکھا۔ بلڈا خاموشی سے انہیں جائزہ لیتی رہی۔ اس کے بعد اٹھ کر بیٹھ گئی ان میں سے ایک نے وحشت بھرے انداز میں کہا۔۔"

"میڈم۔۔۔ میڈم خیریت۔ یہ آپ کو کیا ہو گیا۔ آپ کی طبیعت کیسی ہے میڈم۔ خیریت تو ہے اور یہ اس عمارت سے بدبو۔"

بلڈاگار بو نے کوئی جواب نہیں دیا۔ چند لمحات وہ انہیں دیکھتی رہی اور اس کے بعد ایک گہری سانس لے کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کے جسم سے کسی نقاہت کا احساس نہیں ہوتا تھا۔۔۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ بالکل چاق و چوبند ہو۔ البتہ چہرے کی رونق کی واپسی کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی دروازے کی جانب بڑھی اور پھر اس نے وہاں رک کر ان سے کہا۔۔۔

"میرے ساتھ آؤ۔ وہ لوگ اس کے ساتھ چل پڑے۔ اور اس کے بعد انہوں نے کمرے میں پرلی صبح لاشیں دیکھیں۔ جن کی بدبو اب ناقابل برداشت ہو رہی تھی۔ میڈو کی لاش دیکھ کر وہ سب حیرت سے اچھل پڑے۔۔"

"اوہ میڈم یہ۔۔۔ یہ گروپ سیون کا سربراہ میڈو ہی ہے نا؟"

"ہاں۔۔"

"مگر۔ مگر۔۔"

"ان لاشوں کو ٹھکانے لگا دو۔ تمہارا پہلا کام یہ ہے۔"

اور اس کے بعد یہ کام جس برق رفتاری سے ہوا تھا وہ قابل تحسین تھی۔ ان لاشوں کو اسی عمارت کے ایک گوشے میں گڑھے کھود کر دفن کر دیا گیا تھا اور یہ کام اتنی برق رفتاری سے کیا گیا تھا جیسے مشینیں اس میں مصروف ہو گئی ہوں۔ بلڈا نے ابھی تک کچھ نہیں کھایا پیا تھا اور خاموشی سے ایک کرسی پر بیٹھی ان لوگوں کی واپسی کا انتظار کر رہی تھی۔ تب ساتوں افراد اس کے قریب پہنچ گئے اور بلڈاگار بو نے انہیں بیٹھ جانے کے لئے کہا۔۔۔

"میڈم ہمیں آپ کچھ صورت حال بتانا پسند کریں گی۔"

"تم لوگوں کا یہاں یکجا ہو جانا اس بات کا ثبوت ہے کہ کوئی ایسی ہی اہم بات ہے جس کے لئے میں نے تمہیں طلب کیا ہے۔ ورنہ یہ میرے ہی احکامات تھے کہ تمہیں ایک دوسرے سے اتنے فاصلے پر رہنا چاہیئے۔ کہ کسی کو کسی کی خبر نہ ہونے پائے۔"

"جب ہم یکجا ہوئے تھے تو ہمارے درمیان یہی گفتگو ہوئی تھی اور ہم نے یہ سوچ لیا تھا کہ یقیناً کوئی اتنا ہی اہم مسئلہ ہے جس کے لیے یہ سب کارروائی کی گئی ہے۔"

"ہاں مسئلہ نہایت اہم ہے اور وہ یہ ہے کہ میں اپنے منصوبے کو آخری شکل دینے میں ناکام ہو گئی ہوں۔ عظیم ہٹلر جب اس دنیا سے رخصت ہوا تو ہمارے ذہنوں میں اس کے لئے ایک انوکھا جذبہ موجود تھا۔ یعنی یہ کہ اس کی شکست کا انتقام لیا جائے گا اور اس کے بعد سے تم لوگوں نے میری پرورش کی۔ مجھے ہر اس سہولت سے بہرہ ور کیا جس کے تحت میں اس کام کے قابل بن سکی تھی لیکن ہم حالات کے بارے میں آخری فیصلہ نہیں کر سکتے۔ مجھے اس سلسلے میں ناکامی ہوئی ہے۔ اور کچھ ایسے دشمن ہمارے خلاف برسرپیکار ہیں جنہیں ہم نقصان نہیں پہنچا سکے۔ میں مایوس ہو چکی ہوں۔ اور مایوسی کے بعد جو فیصلہ مجھے کرنا تھا اس کا اندازہ تمہیں بخوبی ہو سکتا ہے۔" ساتوں کے چہروں پر عجیب سے آثار تھے۔ پھر ان میں سے ایک نے کہا۔

"میڈم کا حکم ہماری زندگی ہے۔"

"وہ لاکر اب تک دستیاب نہیں ہو سکا جس میں عظیم راک ہملر کا منصوبہ تھا اور مجھے خدشہ ہے کہ دوسرے لوگ اس میں کامیاب نہ ہو جائیں۔ کیونکہ کچھ ایسی قوتیں عمل پیرا ہیں جن کے بارے میں یہ خدشہ یقینی حیثیت اختیار کر گیا ہے کہ اُن کا مقصد ہماری راہ میں رکاوٹیں کھڑی کرنا ہیں اگر ہم اپنے مقصد میں ناکام رہے تو پھر بھلا اس بات کے کیا امکانات ہیں کہ ہم جینا پسند کریں۔ میں چاہتی ہوں کہ سوئٹزرلونڈ کے ان تمام بینکوں کے والٹ اڑا دیئے جائیں جن کے بارے میں ہمیں یہ شبہ ہو کہ راک ہملر کا منصوبہ اس میں موجود ہے اور میں نے اسی لئے ڈائنا مائیٹ ایکسپرٹ کو بھی بلایا ہے۔ تاکہ یہ کام خوش اسلوبی سے انجام دیا جا سکے۔" ان سب کے چہروں پر سنسنی کے آثار پھیل گئے۔ پھر ان میں سے ایک نے کہا۔

"میڈم آپ کے حکم کی تعمیل کے سلسلے میں جان دے دینا ہمارا اولین فرض ہے۔ لیکن کیا سوئٹزرلونڈ کے یہ بینک اتنے ہی ناپائیدار ہیں کہ ان کے لاکرز اس طرح اڑا دیئے جائیں۔"

"اگر زندگی کی بازی لگا کے کسی کام کو سرانجام دینے کا فیصلہ کر لیا جائے تو راستے آسان ہو جاتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ اس کے لیے ہمیں موت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ یہی ہے نا۔"

"جی میڈم۔"

"تمہیں اسی قیمت پر کام کرنا ہے اور تم میں سے ہر شخص اپنے فیصلے کے لیے آزاد ہے جو اس کام میں حصہ نہ لینا چاہے میری طرف سے اسے مکمل آزادی ہے۔" ساتوں آدمیوں نے ایک قطار میں کھڑے ہو کر گردن خم کی اور بولے۔

"ہمارا مقصد اس کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا میڈم کہ ہم عظیم راک ہملر کے اس منصوبے کو آخری شکل دینے کے لئے کام کریں لیکن بدقسمتی سے یہ کام نہیں ہو سکا۔ تو پھر ہماری زندگیاں بے مقصد ہیں۔"

"اس کے باوجود اگر اس کام کو سرانجام دے کر زندگیاں بچ جائیں تو میں تم لوگوں کو اس سے منع نہیں کروں

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

گی۔ لیکن میری زندگی کا دارومدار اسی بات پر تھا کہ جس طرح ہیروشیما اور ناگاساکی پر دو بم گرائے گئے ہیں ان کا بھرپور استعمام لوں۔ افسوس یہ کام ممکن ہوتا نظر نہیں آرہا۔ چنانچہ میری زندگی بھی بالکل بے مقصد ہے۔"

"ہم سب آپ کے ساتھ ہیں، میڈم بلڈاگار بو۔"

"تو پھر اب یہ ذمہ داری تم لوگوں پر عائد ہوتی ہے کہ کس طرح تم وہاں تک پہنچو گے اور کس طرح اپنا کام سرانجام دو گے۔ میں نے یہ سب کچھ تمہیں سونپنے کے بعد اپنا فرض پورا کر دیا ہے۔" ان ساتوں نے مشینی انداز میں گردنیں خم کر دی تھیں۔

-------O-------

لوشان خوب چہک رہا تھا۔ روبی کے مل جانے کی خوشی اسے سب سے زیادہ تھی۔ ٹائیگر نے حسب عادت بے پروائی کا مظاہرہ کیا تھا اور روبی نے بھی اس کی جانب کوئی خاص توجہ نہیں دی تھی۔ البتہ ایک آدھ سوال کا جواب ٹائیگر بھی اسے دے دیا کرتا تھا۔ روبی نے ان لوگوں کو اپنی شروع سے اب تک کی کہانی سنائی تھی اور اس کے بعد راک ہملر کا تذکرہ کیا تھا۔ بلڈاگ کے بارے میں بھی اس نے تفصیلات بتائی تھیں اور ڈی فیوزز کی کہانی بھی ان دونوں کے لیے باعث دلچسپی تھی۔ لوشان نے کہا۔

"اس کا مطلب ہے کہ ہم اب بھی روز اول کی مانند ہیں اور یقینی طور پر ابھی یہ بات بھروسے سے نہیں کہی جا سکتی کہ وہ کون سا لاکر ہے جس میں کیپٹن کا آبنوسی مجسمہ قید ہے۔"

ڈاکٹر ہرام کے بارے میں یہ بات اب یقینی ہوتی جا رہی ہے کہ وہ۔" ٹائیگر نے کہنا چاہا لیکن روبی نے اُسے بات مکمل کرنے نہ دی۔

"میرا خیال ہے ایسی بات ہے نہیں۔ وہ جو اقدام بھی کرتا ہے حالات کے تحت کرتا ہے اور اس میں اس کا کوئی قصور نہیں ہوتا۔"

"میں نے تم سے مشورہ نہیں مانگا تھا۔ میرے خیالات کسی طور تمہارے خیالات سے ہم آہنگ نہیں۔"

"اور میں اس وقت کا منتظر ہوں جب تم دونوں اپنے خیالات یکجا کرو گے۔ وہیں سے میری جدوجہد کے پہل کا آغاز ہو جائے گا۔"

"ایسا کبھی نہیں ہوگا۔" ٹائیگر نے لوشان کو گھورتے ہوئے کہا اور لوشان کی بلغ جیسی ہنسی گونج اٹھی۔ روبی بے پروائی سے دوسری جانب دیکھنے لگی تھی۔ پھر اس نے کہا۔

"مگر اتنا وقت گزر چکا ہے اور اب جبکہ بلڈاگ کے کئی ساتھی مارے گئے ہیں میں نہیں کہہ سکتی کہ اس کے آئندہ اقدامات کیا ہوں گے؟"

"ویسے یہاں وہ تمام گھاس صاف کر دی گئی ہے جو اس سلسلے میں نقصان دہ ہو سکتی تھی۔" لوشان نے کہا اور اس کے بعد اسے ان چھ پوائنٹس کے بارے میں بتانے لگا۔ روبی نے گردن ہلائی اور بولی۔

"مگر مقامی حکومت کے لیے تو یہ بات بڑی تشویش ناک ہوگی۔"

"ہم نے اخبار پر تو طور ہی نہیں کیا۔ ہاں ذرا دیکھا تو جائے کہ مقامی اخبارات اس بارے میں کیا لکھتے ہیں۔" لوشان نے کہا اور اس کے بعد اخبارات کا حصول کوئی مشکل بات ثابت نہیں ہوئی۔ بلاشبہ اخبارات نے بڑی سنسنی خیز سرخیاں جمائی تھیں اور اچانک ہی اس پرسکون شہر میں ہونے والے ان ہنگاموں کے بارے میں بڑی تشویش کا اظہار کیا گیا تھا۔ طرح طرح کی کہانیاں گھڑ لی گئی تھیں اور یہ کہانیاں پڑھ کر لوشان بار بار ہنستا رہا۔ ٹائیگر اب بھی بے چینی سے اپنی جگہ بیٹھا ایک دیوار کو گھور رہا تھا پھر لوشان کی وہ مخصوص آواز سنائی دی۔ جس پر وہ نہایت حیرت کا اظہار کرتا تھا اور روبی اور ٹائیگر دونوں ہی چونک کر اس کی جانب متوجہ ہو گئے۔

"اخبارات کا پڑھنا بے شک انتہائی ضروری ہوتا ہے اور اگر ہم چھوٹی چھوٹی خبروں کو نظر انداز کر دیں تو بعض اوقات اس سے شدید نقصان اٹھانا پڑتے ہیں۔ اگر آج کا یہ اخبار ہماری نگاہوں سے اوجھل رہتا تو یقینی طور پر ہم ایک بڑی اہم خبر سے محروم ہو جاتے۔ ذرا دیکھو تو روبی اس میں کیا تفصیلات ہیں۔" لوشان نے روبی کو ایک خبر کی جانب متوجہ کیا۔ اور روبی بلند آواز سے اسے پڑھنے لگی۔

"اسپتال میں ایک شخص کو داخل کیا گیا ہے جس کا نام راک ہملر ہے۔ وہ ذہنی توازن کھو بیٹھا ہے اگر اس کے ورثا ہوں تو اسپتال سے رجوع کریں۔" روبی کی آنکھوں میں شدید حیرت کے آثار پھیل گئے اس نے کہا۔

"راک ہملر۔ راک ہملر مگر یہ تو مر چکا تھا۔" ٹائیگر بھی چونک کر اس جانب متوجہ ہو گیا تھا اور پھر اس نے لوشان سے کہا۔

"اگر یہ نام ہمارے سامنے آیا ہے تو ہمیں اسے نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔"

"بے شک اسے کون نظر انداز کر سکتا ہے۔ ہمیں فوری طور پر اسپتال سے رجوع کرنا چاہیے۔" روبی نے کہا۔

"اس میں شک بھی ہو سکتا ہے کہ کوئی ہمیں منتظر عام پر لانا چاہتا ہو۔ ایسی حالت میں میرا خیال ہے کہ ہمیں محتاط رہنا چاہیے۔"

"اس کا طریقہ صرف ایک ہے۔ میں اور تم اسپتال جا کر ڈاکٹروں سے اس شخص کے بارے میں بات چیت کرتے ہیں۔ اور شہزاد ہماری نگرانی کرے گا اور اطراف پر نگاہ رکھے گا۔" ٹائیگر نے اس بات پر کوئی اعتراض نہیں کیا اور اس کے بعد یہ لوگ تیار ہو کر روانہ ہو گئے۔ لوشان اور روبی ایک ٹیکسی میں بیٹھ کر چل پڑے۔ جب کہ ٹائیگر دوسری ٹیکسی میں ان کا تعاقب کر رہا تھا۔ روبی اور لوشان اسپتال میں داخل ہو گئے۔ ریسپشنسٹ کے پاس پہنچ کر انہوں نے اس اشتہار کے بارے میں تفصیلات طلب کیں اور ریسپشنسٹ لڑکی نے فوراً ہی گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"آپ براہ کرم ڈاکٹر رچرڈ سے ملاقات کر لیں وہی اس کیس کو ڈیل کر رہے ہیں۔" ڈاکٹر رچرڈ کے بارے میں اس نے تفصیلات بتائیں پھر لوشان اور روبی نے ایک درمیانی قامت شخص سے ملاقات کی جو بہت خوش اخلاقی سے پیش آیا تھا لوشان نے اسے دعائیں دیں اور روبی تشویش بھرے لہجے میں بولی۔

"جس شخص کو آپ نے راک ہملر کے نام سے مشتہر کیا ہے ہم اس کے سلسلے میں آئے ہیں اور اس سے ملنا چاہتے ہیں۔"

"کیوں نہیں۔ آپ لوگ میرے ساتھ تشریف لائیے۔" ڈاکٹر رچرڈ نے ان سے بھرپور تعاون کیا اور جب روبی نے اس شخص کو دیکھا تو..... وہ چیخے بغیر نہ رہ سکی۔ کیونکہ ابرسن کو اس نے بخوبی پہچان لیا تھا۔ اس شخص کو بلڈاگار بو کے ساتھ دیکھا تھا لیکن یہ صورت حال اس کے لیے ناقابل یقین تھی۔ تاہم اس نے فوری طور پر فیصلہ کیا اور اس کے بعد تیزی سے آگے بڑھ کر ڈاکٹر رچرڈ کے سامنے ابرسن کے قریب پہنچ گئی۔

"اس کے سسٹم میں شدید زہریلے اثرات پائے جاتے ہیں اور اس اثر سے اس کا ذہنی توازن کچھ خراب ہو گیا ہے۔"

"انکل ہملر کو میں نے ہمیشہ منع کیا کہ زہروں پر تجربات نہ کیا کریں مگر یہ ان کا شوق ہے یہ زہر بنانے کے ماہر ہیں اور اس سے پہلے بھی اپنے آپ پر بہت سے تجربات کر کے اپنی حالت تباہ کر بیٹھے ہیں۔ ڈاکٹر اگر آپ اجازت دیں تو میں انہیں یہاں سے لے جاؤں؟"

"یہ مشکل ہے بے بی۔ کیونکہ ان کی ذہنی حالت بہت زیادہ خراب ہے ہم جو کوششیں کر رہے ہیں وہ کارآمد نظر نہیں آتیں۔ تم یوں کرو کہ یہاں ان کی نگرانی کرو۔ یہ اچھا ہوا کہ تم ان سے مل لیں۔ ہم مزید جو کچھ کر رہے ہیں ہو سکتا ہے اس سے حالت میں بہتری پیدا ہو جائے۔ ویسے ان کے پاس سے کچھ سامان برآمد ہوا ہے۔ وہ تم اپنی تحویل میں لے لو۔" روبی اور لوشان کو اس بات کا گمان بھی نہیں تھا کہ جو شے اس سامان سے برآمد ہو گی وہ ان کے لیے اس قدر کارآمد ہو گی۔ یہ کسی والٹ کی چابی تھی۔ ڈاکٹر رچرڈ نے بتایا کہ اس چابی سے بندھے ہوئے ٹیگ ہی کے ذریعے اسے یہ نام معلوم ہوا اور اس نے اس کا اشتہار دے دیا۔ روبی اور لوشان کے چہرے حیرت کے آئینہ دار بنے ہوئے تھے۔ کامیابی اس طرح اچانک انہیں نصیب ہو جائے گی ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔ چنانچہ شکریہ کے طور پر وہ دوبارہ ابرسن سے ملے اور اس وقت اس کے پاس اور کوئی موجود نہیں تھا۔ ڈاکٹر رچرڈ کسی اہم کام کے لیے جا گیا تھا۔ تب ابرسن نے انہیں

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

دیکھا اور ایک لمحے کے لیے اس کے چہرے پر زندگی کے آثار پیدا ہو گئے۔ اس نے آہستہ سے کہا۔

"کیا تم لوگ مجھے چند لمحات دینا پسند کرو گے۔" لوشان اور روبی چونک پڑے۔ ایرسن کے یہ الفاظ سمجھداری کا اظہار کرتے تھے۔ لوشان نے اس کے نزدیک بیٹھتے ہوئے کہا۔ "ہاں کہو میرے دوست تم کیا کہنا چاہتے ہو۔"

"ہاں میں تمہیں اپنی مختصر کہانی سنانا چاہتا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ اب میری زندگی صرف چند لمحات کے لیے باقی رہ گئی ہے اور ان چند لمحات میں اگر میں تمہیں اپنی زندگی کی کہانی سنا سکا تو موت میرے لیے آسان ہو جائے گی۔ ٹائیگر بھی اس دوران چاروں طرف سے مطمئن ہونے کے بعد ان کے پاس پہنچ گیا تھا اور اس نے ایرسن کے یہ الفاظ سن لیے تھے۔ تب ایرسن نے کہا۔

"میرا نام راک ایرسن ہے تم نے راک ہملر کا نام سنا ہو گا میں اس کا دست راست تھا۔ راک ہملر جرمنی کی تباہی کے بعد سے اس منصوبے پر عمل کرنے میں مصروف ہو گیا تھا جو اسے منتقل کیا گیا تھا۔ ایک ایسا فارمولا جو بہت ہولناک ہے اس نے اپنے اجداد سے حاصل کرنے کے بعد اپنی تحویل میں لے لیا تھا اور اس پر عمل کرنے کے لیے تیار تھا۔ میں اس کا دست راست تھا اور اس مقصد کا قائل بھی تھا جو راک ہملر کے ذہن میں تھا۔ یعنی یہ کہ امریکہ سے انتقام لیا جائے اسے ہیروشیما اور ناگاساکی پر پھیلائی جانے والی تباہی کی سزا دی جائے۔

راک ہملر کو کچھ عرصے کے بعد اس بات کا احساس ہو گیا کہ اس کا راز راز نہیں رہا ہے چنانچہ اس نے اپنے طور پر کچھ فیصلے کیے اور مجھے اپنے اعتماد میں لے کر کہا کہ میں عارضی طور پر اس فارمولے کو سوئٹزرلینڈ کے کسی بینک لاکر میں محفوظ کر دوں۔ اس کے بعد جب وقت کبھی اجازت دے گا تو ہم اس فارمولے پر کام کریں گے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہی راک ہملر نے یہ بھی کہا تھا کہ اگر اس کی زندگی نہ بچ سکے تو پھر اس فارمولے کی وارث بلڈاگار بو ہو گی اور میں اسے خاموشی سے یہ فارمولا منتقل کر دوں۔ میں اپنے دوست کا وفادار تھا اور اس مقصد کا بھی جو اس کے ذہن میں تھا۔ چنانچہ میں نے اس کی ہدایت پر عمل کیا اور پھر راک ہملر کو قتل کر دیا گیا۔ راک ہملر کی موت کے بعد میں خاموشی سے اپنے آپ کو پوشیدہ کیے رہا اور کافی عرصے کے بعد بلڈاگار بو میری نظروں میں آ سکی۔ وہ مجھے نہیں جانتی تھی لیکن میرے پاس اس کی ایک امانت موجود تھی تاہم جو مسئلہ تھا اسے ذہن میں رکھتے ہوئے میں نے فوری طور پر فارمولا بلڈاگار بو کو منتقل کرنے کا فیصلہ نہیں کیا۔ بلکہ اس کے ساتھ اس کے گروہ میں شامل ہو گیا۔ بلڈاگار بو کو راک ہملر کے بارے میں تفصیلات معلوم تھیں۔ اسے اس بات کا بھی علم ہو چکا تھا کہ نیلسا نامی ایک عورت اس بات سے واقف ہے کہ فارمولا کون سے ذریعے سے کس شخص کے پاس پہنچایا گیا ہے۔ نیلسا دراصل اس زمانے میں ہماری ملازمہ تھی اور ہمارے بارے میں مکمل تفصیلات جانتی تھی۔ اسے یہ بات معلوم تھی کہ راک ہملر نے کیا ذمہ داری میرے سپرد کی ہے۔ چنانچہ اسے تلاش کیا جا رہا تھا اور اس دوران میں بلڈاگار بو کا بھرپور نگاہوں سے جائزہ لے رہا تھا۔ یہ سوچ رہا تھا کہ کیا وہ راک ہملر کے منصوبے کو تکمیل تک پہنچانے کی اہلیت رکھتی ہے۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے بلڈاگار بو ایک انتہا پسند عورت ہے اور اس بات کے امکانات میرے ذہن میں روشن ہوئے کہ ہو سکتا ہے یہ فارمولا صرف امریکہ سے انتقام کے سلسلے میں ہی استعمال نہ ہو بلکہ اس کی تباہی اور بربادی کی داستانیں دنیا کے دوسروں حصوں تک بھی پھیل جائیں اور اس بات کو محسوس کر کے میں محتاط ہو گیا۔ پھر مجھے علم ہوا کہ بلڈاگار بو نے ایک اور ملک سے ساز باز کی ہے اور یہ ملک بلڈاگار بو کو اس فارمولے کے تحت ہتھیار تیار کر کے دینے کو تیار ہے اور یہاں میری ذہنی کیفیت بالکل ہی تبدیل ہو گئی۔ اگر ایسے کسی ملک کے ہاتھ یہ فارمولا پہنچ جاتے تو پھر اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ بات ایک محدود حد تک رہے گی۔ اس کے بعد تو صورت حال بالکل مختلف ہو سکتی ہے۔ چنانچہ میں نے دل میں فیصلہ کیا کہ اب بلڈاگار بو کو اس فارمولے کی منتقلی مناسب نہیں ہو گی اور یوں میں عجیب کشمکش کا شکار ہو گیا۔ بلڈاگار بو سوئٹزرلینڈ آ گئی۔ میں بھی اس کے ساتھ تھا اور اس

کے بعد کچھ ایسے پیچ در پیچ واقعات پیش آئے کہ بلڈاگار بو کی ذہنی قوتیں بالکل ہی جواب دے گئیں۔ اس نے اپنے گروہ کے لوگوں کو ختم کر دیا اور اس گروہ میں، میں بھی شامل تھا۔ یہ بہترین موقع تھا کہ میں بلڈاگار بو سے علیحدگی اختیار کر کے اپنے طور پر کوئی صحیح فیصلہ کر سکوں۔ چنانچہ میں نے اپنی ہلاکت کے لیے ایک زہریلا کیپسول استعمال کیا۔ اس کیپسول کی خصوصیت یہ تھی کہ وہ چند گھنٹوں کے لیے انسانی جسم کو بالکل مردہ کر دیا کرتا ہے۔ لیکن مجھ سے تھوڑی سی غلطی ہو گئی یہ کیپسول دراصل ایک مضبوط جوان انسان کے جسم میں داخل ہو کر اسے چند گھنٹوں کے لیے مفلوج کر سکتا ہے۔ لیکن اگر جسم میں بھرپور قوت نہ ہو تو پھر اس کے اثرات زائل نہیں ہوتے اور میرے ساتھ یہی ہوا ہے۔ یہ کیپسول استعمال کرنے کے بعد مجھے ہوش تو آ گیا اور اس دوران بلڈاگار بو وہاں سے جا چکی تھی لیکن بعد میں، میں اپنی ذہنی قوتوں کو برقرار نہ رکھ سکا اور اس کا زہر میرے پورے جسم میں پھیل گیا۔ چونکہ میرے جسم کے اندر وہ قوت مدافعت نہیں تھی۔ جو اس زہر کے تمام اثرات کو زائل کر دیتی۔ اب مجھے زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں رہا۔ میرے پاس ایک یونک والٹ کی چابی موجود ہے اور یہ اس فارمولے..... اس فارمولے۔"

بوڑھے ایرسن کو اچانک زور سے ہچکی آئی اور اس کے بعد اس کی آنکھیں چڑھنے لگیں۔ لوشان نے فوراً ڈاکٹر رچرڈ کو طلب کر لیا اور کچھ دیر کے بعد ڈاکٹر رچرڈ نے ایرسن کی موت کا اعلان کیا۔ لیکن وہ یہ بات اچھی طرح جانتا تھا کہ مسٹر ایرسن یا راک ہملر کو یہاں سے لے جانے کا مقصد کیا ہے۔

OOOOOOO

تمام تر کاوشوں کے بعد لوشان ٹائیگر اور روبی اس منتظم عورت تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے جو لاکر سیکشن کی انچارج تھی۔ اب تک جو کارروائیاں انہوں نے کی تھیں وہ تسلی بخش تھیں اور انہیں اس لاکر کا مالک تسلیم کر لیا گیا تھا۔ آخری کام اس عورت کو سرانجام دینا تھا اور ٹائیگر کی مخصوص مسکراہٹ کے جادو نے اسے سحر زدہ کر دیا تھا۔

"میں آپ کے ساتھ ہر ممکن تعاون کرنے کے لیے تیار ہوں جناب اور میری ذمہ داری ہے کہ میں آپ کو اس والٹ تک لے چلوں جو آپ کو مطلوب ہے۔" عورت کی مسکراتی نگاہیں بار بار ٹائیگر کے سراپا کا جائزہ لے رہی تھیں اور لوشان روبی کے تاثرات کا اندازہ لگا رہا تھا۔ جس کے انداز سے کوئی صاف محسوس نہیں ہوتا تھا کہ یہ پیرہ جان بوجھ کر سپاٹ کیا گیا تھا۔ تاکہ کوئی اس کی اندرونی کیفیت کو نہ پڑھ سکے۔ وہ کچھ دیر کے بعد یونک کے تہہ خانے میں ان لاکر تک پہنچ گئے جو ترتیب سے رکھے ہوئے تھے اور جن میں نجانے کہاں کہاں کی کہانیاں پوشیدہ تھیں۔ جس لاکر کا نمبر چابی کے ساتھ بندھے ہوئے ٹیگ پر موجود تھا۔ اس کے قریب پہنچ کر لوشان نے چابی ٹائیگر کے ہاتھ میں تھمائی اور ٹائیگر نے لاکر کھول لیا۔ اندر کیپٹن کا آبنوسی مجسمہ موجود تھا۔ وہ سراسیمگی چیز جس کے لیے نجانے کیا کیا داستانیں منظر عام پر آئی تھیں۔ مجسمہ ٹائیگر کے ہاتھوں میں پہنچ گیا اور وہ سحر زدہ نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔ پھر اس نے لاکر بند کیا ہی تھا کہ دفعتاً ایک کان پھاڑ دینے والا ہولناک دھماکہ ابھرا اور وہ عورت جو انہیں لے کر یہاں تک آئی تھی اور لاکر ڈیپارٹمنٹ کی انچارج تھی بُری طرح اچھل کر نیچے گر پڑی۔ اس کے چہرے پر سخت دہشت کے تاثرات پیدا ہو گئے تھے۔

"دھماکا لاکر روم کے اوپری حصہ میں ہوا تھا۔ اس کے بعد لاکر روم کا دروازہ ایک دھماکے کے ساتھ نیچے آ رہا۔ اور پھر بہت سے بھاگتے ہوئے قدموں کی آواز گونجنے لگی۔

تجسس اور ہیجانات سے بھرپور

ٹائیگر نے ایک لمحے کے لئے داخلی دروازے کی جانب دیکھا اور پھر اگلے ہی لمحہ اس نے لاکر کی انچارج کا بازو پکڑ کر کھڑا کر دیا۔

"بھاگنے کا راستہ کس طرف ہے خاتون۔" اس نے خوفزدہ عورت سے سوال کیا۔

اس وقت تک عورت بھی خود کو سنبھال چکی تھی پھر اس نے انگلی سے ایک سمت اشارہ کر دیا۔ لوشان نے ہاتھ بڑھا کر مجسمہ ٹائیگر سے لے لیا اور پھر وہ مجسمہ اس کی لمبی عبا میں غائب ہو گیا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

روبی عورت کا ہاتھ تھام کر اس سمت بڑھ گئی۔ جدھر عورت نے انگلی اٹھائی تھی۔ دوڑتے قدموں کی آواز لب قریب سے قریب تر ہوتی جا رہی تھی۔ لاکرز کے بعد دیگرے ٹوٹ ٹوٹ کر گر رہے تھے۔ جیسے کوئی بہت سے لوگ عجلت میں کوئی چیز تلاش کر رہے ہوں۔

ٹائیگر اور لوشان بھی تیزی سے روبی اور اس عورت کی سمت لپکے جہاں ایک ہنگامی زینہ اوپر کی سمت جا رہا تھا ان کا یہ سفر ایک آہنی دروازے پر ختم ہوا۔

انچارج عورت گھبرائے ہوئے انداز میں اپنی جیبیں ٹٹول رہی تھی پھر اس نے مایوسی سے ٹائیگر کی طرف دیکھا، وہ سمجھ گیا کہ عورت دھماکے کے باعث گرنے سے چابیاں کہیں گم ہو گئی ہے۔ چنانچہ اس نے اثبات میں سر ہلا کر اسے تسلی دی اور دروازے کے لٹو پر ہاتھ رکھ کر کاندھے سے دروازے پر دباؤ ڈالا۔ لاک ٹوٹنے کی آواز سنائی دی۔ اور پھر اگلے ہی لمحے وہ دروازے کی دوسری جانب ایک تاریک راہداری میں کھڑے تھے۔

یہ راہداری غالباً بنک کی عمارت کے پچھلے حصے میں تھی۔ اس وقت وہاں سکیورٹی اسٹاف موجود نہیں تھا۔ چنانچہ دور کے بغیر باہر نکل گئے۔

سڑک پر پہنچتے ہی انہیں اطلاع ملی کہ شہر کے بیشتر بینکوں کے لاکرز روم میں دھماکے ہوئے ہیں اور انہیں لوٹ لیا گیا ہے۔ کمرے میں پہنچتے ہی لوشان نے مجسمہ نکال کر ٹیبل پر رکھ دیا۔ ان آنکھوں کی پتلیاں جیسے برجی ہوئی تھیں۔ جیسیں لاکھوں انسانوں کی موت پوشیدہ تھی جس کی خاطر ایک عرصہ سے نجانے کتنے انسان موت کے گھاٹ اتر چکے تھے۔

شہزاد نے ایک طویل سانس لے کر ہاتھ بڑھا کر مجسمہ اٹھا لیا۔ پھر اس نے اسے جونہی گردن سے پکڑ کر گھمایا۔ تو وہ بڑے آرام سے کھلتا چلا گیا۔ مجسمے کا اندرونی حصہ کھوکھلا تھا اور اس کھوکھلے حصے میں رول کیا ہوا کاغذ موجود تھا۔ جو ٹائیگر نے دو انگلیوں کی مدد سے نکال لیا اور پھر اسے کھولے بغیر آتش دان میں پھینک دیا۔

یہ کیا کر رہے ہو احمق۔" روبی اسے کاغذ آتشدان میں

لازوال کہانیوں کے خالق
انوار صدیقی
کے
شاہکار ناول

تارِ عنکبوت (۲ جلدیں) ۴۰۰/-
خبیث (۵ حصے) ۲۵۰/-
برہمچاری ۱۷۵/-
درخشاں (۲ حصے) ۱۰۰/-
رقصِ ابلیس ۱۵۰/-
آسیب زدہ ۱۱۰/-
دستک ۱۰۰/-
نکا ۱۷۵/-
طاغوت ۷۰۰/-
امبربیل (۴ جلدیں) ۱۰۰۰/-
برق پاش ۷۰۰/-

مکتبہ القریش اردو بازار لاہور
فون: 7668958

پھینکتے دیکھ کر چلائی تھی پھر وہ جونہی آتشدان کی جانب لپکی ٹائیگر نے اسے بانہوں سے پکڑ کر کھینچ لیا اور پھر اٹھا کر قریب پڑے بیڈ پر اچھال دیا۔ میں کسی کو انسانیت کی سلامتی سے کھیلنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔"

"صدر امریکہ نے ہم سے صرف آنجہانی جیسے کی فرمائش کی تھی۔ جو ڈاکٹر بہرام کے ذریعے اسے پہنچ جائے گی۔" شہزاد ٹائیگر نے یہ الفاظ عجیب سے لہجے میں کہے تھے۔ اس وقت اس کے چہرے پر کچھ ایسے تاثرات تھے کہ روبی غصے کے باوجود کچھ نہ کہہ سکی۔ اس نے سوالیہ نگاہوں سے لوشان کی سمت دیکھا لوشان کی آنکھوں میں بھی اس وقت ٹائیگر کے لئے تحسین اور فخر کے جذبات تیر رہے تھے۔

روبی کی ناک سے تیز پھنکار نکلی اور اس نے غصہ سے کروٹ بدل لی۔ اور کمرے میں لوشان کی قہقہہ بھری

ہینسٹھ سالہ نام انجولیٹ نے سمور کا بنا ہوا کمبل اوڑھ لیا تھا ایک لاکھ آتشدان میں سلگتی آگ پر ڈالی اور پھر کتاب دوبارہ اٹھا کر آنکھوں کے سامنے کر لی۔ ابھی ابھی اس کی بہو تھیلما اس سے گفتگو کرنے کے بعد گئی تھی۔ تھیلما نابینا پر انحصار کرتی تھی اور نام اس کی علمیت سے ہمیشہ مرعوب رہتا تھا لیکن یہ سوچ کر اسے خوشی ہوتی تھی کہ اس کا خاندان امریکہ کے قابل ترین گھرانوں میں شمار ہوتا ہے اور پھر تھیلما تو اس کے عزیز ترین دوست کی بیٹی تھی جس سے اس کے اپنے سب سے قابل بیٹے لوتھر انجولیٹ کی شادی کی تھی۔ لوتھر امریکی سینیٹ کا قابل ترین ممبر تھا۔ دوسری خوش بختی یہ تھی کہ اس کا گھرانا اس دور میں بھی روایت پرست تھا ہاں بزرگ آج بھی برتر اعلیٰ سمجھے جاتے تھے اور ان کا احترام ہوتا تھا۔ نام انجولیٹ کا دل رکھنے والے بہت سے تھے اس کے بیٹے، پوتے نواسیاں ان بیٹوں کی بیویاں جو بڑے ذمے داری سے نہ صرف اس کی ضروریات کا خیال رکھتے تھے بلکہ اسے باقاعدہ وقت بھی دیتے تھے تاکہ وہ تنہائی کے احساس کا شکار نہ ہو سکے۔

چنانچہ اس وقت جب باہر کڑاکے کی سردی پڑ رہی تھی مگر آسمان سے زمین تک برف کا راج تھا۔ تھیلما اس سے امریکی تاریخ کی بدترین برفانی طوفانوں کے تذکرے کرتی رہی، تھی اور پھر نام ہی نے اسے آرام کرنے کی ہدایت کی تھی تو وہ اٹھی تھی۔ اس نے تمام کھڑکیوں اور دروازوں کے پردے درست کئے تھے آتشدان میں آگ تیز کی تھی اور اس کے بعد اسے شب بخیر کہہ کر چلی گئی تھی۔

تھیلما اس کے پاس آئی تھی تو وہ ایک دلچسپ کتاب مطالعہ میں کر رہی تھی مگر تھیلما کو دیکھ کر اس نے کتاب رکھ دی تھی لب اس کے جانے کے بعد وہ دوبارہ اس کتاب ہی گم ہو گیا۔ کتاب کے چند اوراق پر ہی نگاہ ڈالی تھی کہ اچانک اسے یاد آیا کہ اس کے پائپ کا تمباکو ختم ہو گیا ہے۔ اس نے ایک نگاہ خالی پاؤچ پر ڈالی۔ تمباکو ضروری ہے۔ ہو سکتا ہے تھیلما نے دیکھ لیا ہو وہ بہت طرح دار لڑکی تھی۔ چند لمحات بعد اسے اپنے خیال کی تصدیق ہو گئی۔ دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی تھی۔ اس کے ہونٹوں پر محبت بھری مسکراہٹ پھیل گئی۔ میرا گھر میری جنت۔ اس نے پیار سے سوچا پھر بولا۔

"آجاؤ۔" اور محبت بھری نظروں سے دروازے کی طرف دیکھنے لگا۔ لیکن دوسرے لمحے اس کی مسکراہٹ سکڑ گئی۔ آنے والی تھیلما نہیں تھی بلکہ ایک دراز قامت اجنبی تھا جس کے جسم پر سر سے پاؤں تک کوٹ تھا پتلون پر کافی سلیک تھا اور وہ قدیم طرز کے لوک کی طرف سے مڑے ہوئے جوتے پہنے تھا بلندی پر سیاہ رنگ کا ہیٹ تھا جو ماتھے پر جما ہوا تھا اور گردن پر لمبے بال بکھرے نظر آ رہے تھے۔

نام نے خوفزدہ نظروں سے ہیٹ سے نیچے کے چہرے سے جھانکتی دو سرخ روشن آنکھوں کو دیکھا جن سے نفرت اور انتقام کے شعلے ابل رہے تھے۔ پھر اس نے آنے والے کو پہچان لیا۔ وہ روب کارسن تھا۔

"جسٹس نائم انجولیٹ! روب کارسن نے سرد لہجے میں کہا۔

نائم انجولیٹ نے بمشکل نام کتاب نیچے رکھی۔ اور اس کے حلق سے لرزتی آواز نکلی۔ نت تم..... تم....."

میں نے تم سے کہا تھا جسٹس انجولیٹ تمہارا فیصلہ

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

غلط ہے۔"

"تت..... تم ..... تم ....." نام اس طرح کپکپاتے لہجے میں بولا۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے کمرے کے تمام دروازے کھڑکیاں کھل گئے ہوں۔

"ان کاغذات پر دستخط کرو۔" رپ کارسن نے کوٹ کی لمبی جیب سے چند کاغذات نکال کر اس کے سامنے رکھ دیے۔ اور پھر ایک قلم کھول کر اس کے حوالے کر دیا۔ نام اسے خوفناک نظر سے دیکھنے لگا۔

"یہ کیا ہے؟"

"میرا فیصلہ..... صحیح فیصلہ۔" رپ کارسن نے کہا۔ نام کے حواس معطل ہوئے جا رہے تھے۔ رپ کارسن کو نسبتاً پہلے سزائے موت سنائی تھی۔ اور یہ نام انجولیٹ کا فیصلہ تھا۔ عدالت عالیہ کے جسٹس نام انجولیٹ کا فیصلہ مگر رپ کارسن اس کے سامنے تھا۔ اس نے سینے سے باہر نکل آنے کی کوشش کرنے والے دل پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"تم زندہ ہو کارسن۔"

"بیگناہ ہمیشہ زندہ رہتے ہیں۔" وہ بولا۔ اور پھر قلم سے اس کے رخسار کو چھوتے ہوئے بولا۔ "پہلے دستخط کرو۔"

"تم ..... مگر ..... ان کاغذات میں کیا ہے مجھے دیکھنے کی اجازت تو دو۔" نام نے کاغذات پر نظریں دوڑانے کی کوشش کی لیکن تحریر کی شکل میں کچھ لمبی لکیروں کے علاوہ اسے اور کچھ نظر نہیں آیا۔ اس کا دماغ ہی قابو میں نہیں تھا تو آنکھوں کی بینائی کیا ساتھ دیتی۔ آپ کا اس کو سزائے موت ہوئی تھی اور اس کی مکمل تصدیق ہو چکی تھی۔ اسے بجلی کی کرسی پر بٹھا کر زندگی سے محروم کر دیا گیا تھا۔ چنانچہ اب اس کا اس طرح نظر آنا نام کے لئے جس قدر حیران کن ہو سکتا تھا اس کی تمام تر کیفیات نام کے نہ صرف چہرے بلکہ پورے بدن کی کپکپاہٹ سے ظاہر ہو رہی تھیں۔ وہ اپنے اس جرم کو بخوبی پہچانتا تھا جسے اس نے سزائے موت دی تھی۔ لیکن اب جو صورت حال تھی اس کا کچھ کچھ اندازہ نام کو ہوتا جا رہا تھا۔ رپ کارسن نے اچانک ہی اس کے بال مٹھیوں سے جکڑے اور اس کی گردن کو لوچا کرتا ہوا بولا۔

"میں تمہیں زیادہ وقت نہیں دوں گا نام! کیونکہ میرے پاس خود بھی زیادہ وقت نہیں ہے۔ دستخط کرو۔"

"میں میں یہ دستخط نہیں کر سکتا جب تک میں ان کاغذات کا اچھی طرح مطالعہ نہ کر لوں۔ میرے لئے یہ ممکن نہیں ہے۔"

"مگر میرے لیے ممکن ہے۔" کارسن غرایا اور نام کے بال چھوڑ کر اس کی گردن کے نچلے حصے پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ اس کے ہاتھ پر سیاہ دستانے چڑھے ہوئے تھے۔ اس نے نام کی کوئی موٹی رگ اپنی چٹکی میں دبائی اور نام انجولیٹ کو ایسا محسوس ہوا جیسے اس کا بایاں بدن شل ہوتا جا رہا ہو۔ درد کرب کی ایک ایسی لہر اس کے پورے جسم میں دوڑ گئی کہ اس کا حلق چیخنے کے لئے کھل گیا۔ لیکن کارسن نے اپنا دوسرا ہاتھ اس کے منہ پر رکھ دیا تھا۔ اور یہ دباؤ بھی اتنا شدید تھا کہ نام کو اپنے جبڑے ٹوٹتے ہوئے محسوس ہوئے تھے۔

"میں سب سے پہلے تمہاری دونوں آنکھیں پھوڑوں گا۔ نام انجولیٹ اس کے بعد تمہاری ناک اس زور سے دباؤں گا کہ اس کی ہڈی سامنے کے بجائے پیچھے چلی جائے۔ میں صرف ان کاغذات پر دستخط چاہتا ہوں۔ اور یہ تمہیں کرنا ہوں گے۔" وہ شدید درد و کرب جس نے نام انجولیٹ کو شدید بے چینی کا شکار کر دیا تھا۔ بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ اور جب تک وہ رگ نہ چھوڑی جاتی اس درد سے چھٹکارا ناممکن تھا۔ چنانچہ اس نے لرزتے ہاتھ سے قلم پکڑا اور رپ کارسن کی بتائی ہوئی جگہ پر دستخط کر دینے پھر ایک دوسرے اور تیسرے کاغذ پر بھی اسے دستخط کرنا پڑے۔ رپ کارسن نے جھک کر ان دستخطوں کو دیکھا کہ وہ اصلی ہیں یا نہیں۔ لیکن نام نقلی دستخط کر ہی نہیں سکتا تھا اب کارسن نے کاغذات اٹھائے لپیٹے اور انہیں جیب میں رکھ لیا۔ وہ شدید درد اب بھی نام کے بائیں حصے میں موجود تھا۔ جو رگ دبانے سے پیدا ہوا تھا۔ آہستہ آہستہ اس کے اثرات زائل ہو سکتے تھے۔ لیکن حیرت کے جس شدید حملے سے نام دوچار تھا وہ اب بھی اسے بے چین کر رہا تھا کہ اس درد کو بھول کر کارسن کے بارے میں معلومات حاصل کرے۔ کارسن نے مسکراتی نگاہوں سے

اسے دیکھا لیکن اس مسکراہٹ میں بھی نفرت کا رنگ نمایاں تھا۔ پھر اس نے وہ قلم بھی جیب میں لگایا جس سے نام انجولیٹ نے کاغذ پر دستخط کئے تھے۔ اور اس کے بعد آہستہ سے بولا۔

"تم نے مجھے سزائے موت دی تھی۔ مسٹر نام انجولیٹ۔ اور اس وقت میں تمہارے لئے سزائے موت تجویز کرتا ہوں۔"

"تت..... تم..... تم مجھے صرف ایک بات بتا دو۔ کارسن کہ تم زندہ کیسے ہو۔"

رپ کارسن آہستہ سے ہنسا اور پھر اس نے نام کی گردن اپنے ہاتھ کی گرفت میں لے لی۔ اس کے انگلیاں نام کے نرخرے پر اسی طرح دباؤ ڈال رہی تھیں جس طرح اس نے اس کے شانے کی رگ پر دباؤ ڈالا تھا۔ اور نام کے دونوں ہاتھ پھیل گئے تھے۔ اس نے کچھ کہنے کی کوشش کی لیکن دباؤ میں کچھ ایسا انداز تھا کہ اس کی زبان باہر نکل آئی۔ اور آنکھیں پھٹ کر رہ گئیں۔ اسی وقت تھیلما اندر داخل ہوئی تھی۔ غالباً اسے یاد آگیا تھا کہ اس کے سر کو تمباکو کی ضرورت ہوگی اور چونکہ وہ مطالعہ کر رہا ہے۔ اس لئے تمباکو کی طلب اور بھی محسوس ہوگی۔ دروازے پر آہٹ سن کر کارسن نے گردن گھمائی اور تھیلما کے حلق سے ایک چیخ نکل گئی۔ کارسن نے ہاتھ اٹھا کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور بولا۔

"نہیں لڑکی۔ تمہارے منہ سے دوسری چیخ نہیں نکلنی چاہیے۔ ورنہ تیسری چیخ کے لئے تم زندہ نہیں رہو گی۔ اس کے حد درجے سرد لہجے اور عجیب انداز نے تھیلما کو دہشت زدہ کر دیا۔ اس کا جسم منجمد ہو گیا تھا۔ منہ کھلا رہ گیا تھا۔ اور وہ کسی اسٹیچو کی طرح کھڑی ہوئی پھٹی پھٹی نگاہوں سے کارسن کو دیکھ رہی تھی۔ کارسن اس کے لئے بھی اجنبی نہیں تھا۔ اور وہ جانتی تھی کہ وہ ایک خوفناک دہشت گرد تھا اور اسے سزائے موت ہو چکی تھی مگر وہی رپ کارسن اس کے سامنے زندہ کھڑا تھا۔ رپ کارسن نے نام انجولیٹ کو دیکھا اور اس کے بعد آہستہ قدموں سے چلتا ہوا دروازے کی جانب بڑھا۔ تھیلما کو ہوش آگیا۔ وہ دہشت زدہ انداز میں پیچھے ہٹی اور ایک میز سے الجھ کر نیچے گر پڑی۔ میز اس کے اوپر الٹ گئی تھی۔ لیکن چونکہ چھوٹی سی میز تھی اس لئے اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ البتہ اس دوران کارسن دروازہ کھول کر باہر نکل گیا تھا۔ تھیلما کی چیخ تو شاید باہر نہ سنی گئی ہو لیکن خود وہ فوراً ہی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ اس کے حلق سے دو تین اور ہیجانی چیخیں نکلیں اور اس کے بعد وہ نام انجولیٹ کی جانب لپکی۔ لیکن ان کے قریب پہنچنے سے پہلے ہی اسے اندازہ ہو گیا کہ نام انجولیٹ اب اس دنیا میں موجود نہیں ہیں۔ اس کے بعد تھیلما دہشت سے چیختی باہر بھاگی تھی۔ اور کچھ ہی دیر بعد پورا خاندان اس کمرے میں جمع تھا۔ تھیلما دہشت زدہ انداز میں لوتھر کو رپ کارسن کے بارے میں بتا رہی تھی مگر تمام لوگ اسے ناقابل یقین نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔

● کمرے کے درمیان ننگے فرش پر شہزاد الٹا کھڑا ہوا تھا۔ لیکن اس کے الٹا کھڑا ہونے میں اور عام لوگوں کے طریقۂ مشق میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ اس کے دونوں ہاتھوں کی شہادت کی انگلیوں زمین پر جمی ہوئی تھیں۔ اور ان انگلیوں میں ذرہ برابر بھی لچک نہیں تھی۔ اور صرف ان دو انگلیوں کے بل پر اس کا پورا بدن خلا میں ساکت تھا۔ اوشان کنول کا آسن جمائے بیٹھا تھا۔ اور اس کی نگاہیں ٹائیگر کے ساکت جسم پر جمی ہوئی تھیں کہ اس کے جسم کے کسی حصے میں جنبش تو نہیں ہو رہی۔ شہزاد کو اس طرح الٹا کھڑے ہوئے تقریباً آدھا گھنٹا گزر گیا تھا اس کے جسم کا تمام خون سر میں جمع تھا۔ اور وہ آنکھیں کھولے ہوئے سامنے رکھے ہوئے اس مجسمے کو دیکھ رہا تھا جس کی لب تمام ترتیب اس کے ذہن میں آگئی تھی۔ اور سچی بات یہ ہے کہ اس طریقے سے اے انگلیوں میں کسی قسم کے بوجھ کا احساس بھی جاتا رہا تھا۔ نجانے یہ سلسلہ کب تک جاری رہتا۔ اگر وائرلیس فون کی گھنٹی نہ بج اٹھتی۔ اور وائرلیس فون کی گھنٹی بج اٹھنے کا مقصد یہ تھا کہ ڈاکٹر بہرام کو ان کی ضرورت ہے۔ ٹائیگر نے مجسمے سے نگاہیں اٹھا کر اوشان کی طرف دیکھا جو بڑے اطمینان سے بیٹھا ہوا تھا اور اسے انگلیوں کے بل کھڑا

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کر رکھا ہے۔ بھلا کنول کے آسن میں بھی کوئی ایسی خاص بات ہے جس میں کوئی وقت ہو۔ لیکن اوشان کو دیکھتے ہوئے دفعتاً ہی اس کی نگاہیں زمین کے اس حصے پر پڑیں جہاں اوشان کے پاؤں جمے ہوئے تھے۔ اور ٹائیگر نے ایک انوکھی اور حیرت انگیز چیز دیکھی اور دل ہی دل میں یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ سنانجو کا ماسٹر معمولی شخصیت نہیں ہے۔ اور ہمیشہ ہی غیر معمولی اقدامات کرتا ہے۔ وہ تو انگلیوں کے بل کھڑا ہوا تھا۔ اور اس کا بدن سیدھ میں تھا جس کی بنا پر تمام تر طاقت اور وزن صرف انگلیوں پر ٹھہرا ہوا تھا۔ لیکن کنول کا آسن اول تو ویسے ہی ایک مشکل کام تھا اور پھر ٹائیگر نے جو کچھ دیکھا تھا وہ اسے بے حد عجیب محسوس ہوا تھا۔ اوشان کے پاؤں کی صرف دو انگلیاں زمین پر جمی ہوئی تھیں۔ باقی بدن بالکل زمین سے اوپر تھا۔ اور اس انداز میں وہ اس وقت سے بیٹھا ہوا تھا۔ جب اس نے شہزاد کو کھڑے ہونے کے لئے کہا تھا۔ اوشان کی یہ مشق ٹائیگر کی مشق سے یقینی طور پر زیادہ مشکل تھی۔ اور ٹائیگر نے اس بات کو محسوس کیا تھا کہ اوشان جب بھی اسے کوئی حکم دیتا ہے تو اس سے زیادہ مشکل کام خود کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ اس نے گردن گھمائے بغیر کہا۔

"ٹیلیفون کون سنے گا۔"

"تم۔" اوشان نے جواب دیا۔

"طریقہ کار کیا ہو گا۔"

"انگلیوں کے بل چل کر ٹیلیفون تک جاؤ اور پیروں سے ریسیور اٹھا کر فون ریسیو کرو۔ لیکن خبردار انگلیوں میں لچک نہ ہونے پائے۔ ورنہ تمہیں مزید ایک گھنٹہ یہی مشق کرنا پڑے گی۔ ٹائیگر نے زور سے آنکھیں بھینچ لیں۔ یہ حکم بہت خطرناک تھا۔ لیکن اسے اس پر عمل تو کرنا ہی تھا۔ وہ آہستہ سے اپنے بدن کو جنبش دے کر انگلیوں کے بل گھوما اور پھر بدن کو سادھے سادھے ٹیلیفون کی جانب بڑھنے لگا۔ تب اوشان نے کہا۔

"خبردار ٹیلیفون تک پہنچنے سے پہلے تمہارے پیروں میں لچک نہیں آنی چاہیے۔"

ٹائیگر نے دانت پیسے اور پھر ٹیلیفون کے قریب پہنچ گیا۔ انگوٹھے اور انگلی کی مدد سے ٹیلیفون کا ریسیور اٹھانا بھی ایک مشکل کام تھا۔ کیونکہ دونوں میں اتنا خلا پیدا نہیں ہو سکتا تھا کہ ریسیور اس کی گرفت میں آ جائے۔ لیکن اوشان نے جو حکم دیا تھا اس پر عمل ہونا ایک لازمی چیز تھی۔ ورنہ اس کے بعد کے نتائج بے حد خطرناک ہو سکتے تھے۔ وہ پورے اعتماد سے اس کوشش میں مصروف ہو گیا اور پھر دوسرا حیرت ناک منظر نگاہوں کے سامنے آیا۔ ٹیلیفون کا ریسیور پیروں کی مدد سے نیچے جھکا اور ٹائیگر کے منہ اور کان سے آ لگا۔ البتہ ٹائیگر کے حلق سے جو آواز نکلی تھی اس میں لاتعداد خراہٹیں چھپی ہوئی تھیں۔ دوسری طرف سے بہرام ہی کی آواز سنائی دی تھی۔

"کچھ سنا تم نے۔ جسٹس ٹام انجولیٹ کو بھی قتل کر دیا گیا۔ اور انکا قاتل رپ کارسن تھا۔ کیا تمہیں اس کے بارے میں تفصیلات بتانے کی ضرورت ہے۔"

"نہیں۔" ٹائیگر بدستور غراکر بولا۔

"تمہاری آواز میں کوئی خرابی محسوس ہو رہی ہے۔"

"تو تم کسی گلوکارہ سے رابطہ قائم کرو سوئٹ ہارٹ۔ اس کی آواز میں نرمی اور لچک ہو گی۔"

"کیا بات ہے۔ کچھ غصے میں نظر آ رہے ہو۔"

"کیا آپ نے ٹیلی فون کے ذریعے بھی تاک جھانک شروع کر دی ہے؟"

"کیا یہ خبر تمہارے لئے باعث حیرت نہیں ہے کہ رپ کارسن بھی زندہ ہو کر دنیا میں آ گیا۔ ڈاکٹر بہرام شہزاد کی بات نظرانداز کرتے ہوئے بولا۔

"دنیا میں آنے اور دنیا سے جانے والوں سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ سوئٹ ہارٹ تم اپنی بتاؤ کیا کہنا چاہتے ہو۔"

"کچھ نہیں۔ بس تمہیں اس بارے میں اطلاع دینی تھی۔ اور اس کے بعد تم جانتے ہو کہ تمہیں کیا کرنا ہے۔"

"مجھے نہیں۔ قنتھر باپ کو۔ یہ کام قنتھر باپ ہی سرانجام دے سکتا ہے۔ ویسے کیا ٹام انجولیٹ کے قتل میں آپ میرا ہاتھ سمجھتے ہو....."

"شہزاد اس مسئلے کو پوری سنجیدگی سے دیکھنا ہو گا۔ ہمیں ہدایات بھی مل چکی ہیں اور میں نے اسی بنیاد پر تمہیں ٹیلیفون کیا ہے۔"

"کیا آپ کے چہرے پر چھوٹے چھوٹے بھورے تل نمودار ہو گئے ہیں سوئیٹ ہارٹ۔ اگر ایسی بات ہے تو میں آپکی ہر بات آنکھ بند کر کے ماننے کے لئے تیار ہوں۔"

"اے خبردار آنکھ بند نہ ہو۔ ورنہ تمہیں اپنا کام دوبارہ جاری کرنا پڑے گا۔" اوشان نے کہا اور ٹائیگر نے غصیلے انداز میں اوشان کو دیکھا پھر بولا۔

"سن رہے ہیں آپ اس وقت میں کس کیفیت میں ہوں۔ آپ خود اندازہ لگا لیں۔" بہرام ایک بار پھر ہنس پڑا تھا۔ پھر اس نے کہا۔

"مطلب یہ ہے کہ اس کام میں تمہیں پوری طرح ہوشیار ہونا پڑے گا۔ جیسا کہ میں نے تمہیں بتایا کہ لب اس کی ذمہ داری ہمارے سپرد کر دی گئی ہے۔"

ٹائیگر نے اوشان کی جانب دیکھا وہ یہ جاننا چاہتا تھا کہ اوشان کو اس فون کال سے دلچسپی ہے یا نہیں۔ لیکن دوسرے لمحے وہ آنکھیں بند کر کے گردن ہلا کر رہ گیا۔ اوشان کے چہرے پر پھیلے ہوئے تاثرات اسے بتا رہے تھے کہ وہ دوسری طرف سے آنے والی آواز سننے کے بعد اس نے اپنے ذہن میں کچھ فیصلے کیے ہیں۔ ٹائیگر نے بہرام سے مزید اس سلسلے میں گفتگو کی اور اس کے بعد فون کا ریسیور اس کی جگہ رکھ دیا پھر انگلیوں ہی کے بل چلتا ہوا کمرے کے درمیان پہنچ گیا۔ اوشان گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ اور ٹائیگر انگلیوں کے بل کھڑا یہ سوچ رہا تھا کہ ڈنتھ لی لیون ٹیم کمپلیٹ ہو گئی۔ اور اوشان نے بہت پہلے اس کی پیش گوئی کر دی تھی۔ ایک عجیب و غریب کہانی تھی جسے سننے والے صرف کہانی کے طور پر تو یقین کر سکتے تھے۔ اس کی حقیقت پر یقین نہیں آ سکتا تھا۔ پچھلے دنوں دنیا بھر میں ایسے انوکھے واقعات ہوئے تھے جو ناقابل یقین تھے۔ زیر زمین دنیا کے بعض ایسے لوگ جن کے نام ہی دہشت کی علامت تھے یا تو اپنے جیسوں کا شکار ہوئے یا پھر قانون نے انہیں شکار بنا لیا گو ان کا تعلق دنیا کے مختلف محاذ سے تھا۔ لیکن ان کے درمیان ایک رابطہ سا ہمیشہ محسوس کیا جاتا رہا ہے رپ کارسن کا تعلق بھی ایسے ہی ایک گروہ سے تھا جس نے میکسیکو میں ایک سو بیس افراد کو موت کے گھاٹ اتارا تھا۔ اور باقاعدہ امریکی حکومت کے خلاف بغاوت کی بنیاد ڈال دی تھی۔ لیکن اسے گرفتار کر لیا گیا۔ اور سیکڑوں بے گناہوں کے قتل پر اسے سزائے موت دے دی گئی۔ سزائے موت سنانے والا جج نام انجولیٹ تھا۔ رپ کارسن نے سزا سننے کے بعد اسے گھورتے ہوئے کہا۔ کہ بالآخر اسے ایک دن اپنا یہ فیصلہ بدلنا پڑے گا۔ اسی طرح سے ایک اور نام نیگی کارلوس کا ہے کارلوس کے نام کے ساتھ بھی قتل و غارت گری اور دہشت گردی کے بے شمار واقعات منسوب ہیں کارلوس کو بھی بالآخر گرفتار کر کے موت کی سزا دی گئی تھی۔ تیسرا نام سار تھیا بلیک کا تھا۔ جو ایک پرتگالی قذاق تھا۔ اور اس نے گروہ میں شامل ہو کر بہت سے ایسے کارنامے سرانجام دیے تھے۔ جنہیں سن کر خوف سے آنکھیں بند ہو جاتی تھیں ان تمام لوگوں کو کسی نہ کسی طرح موت کا مزہ چکھنا پڑا تھا۔ گو ان میں سے کسی کے سلسلے میں ٹائیگر یا اوشان کا ہاتھ نہیں تھا۔ لیکن یہ کہانیاں ان لوگوں کی معلومات سے بھی دور نہیں تھیں۔ پھر حیران کن واقعات کا یہ سلسلہ اس وقت شروع ہوا جب پہلی بار کینیڈا کے ایک معزز شخص کو کارلوس کے ہاتھوں ہلاک ہونا پڑا۔ نیگی کارلوس کو اس ہلاکت میں براہ راست ملوث پایا گیا تھا۔ لیکن انتظامیہ حیران رہ گئی کیونکہ کارلوس کو تو کافی عرصے پہلے موت کی سزا دی دی گئی تھی پھر جب اس کہانی کا پس منظر جاننے کے لئے اس کی قبر کھول گئی تو اس کا تابوت خالی نکلا سار تھیا بلیک کی قبر بھی خالی تھی جبکہ اس نے اپنی اصلی شکل میں زندہ ہو کر ایک ایسے شخص کو قتل کیا تھا جو اس کے خلاف سزائے موت کی کارروائیوں میں براہ راست ملوث تھا۔ اور نمایاں حیثیت رکھتا تھا۔ تیسرے چوتھے اور پانچویں مجرم کا انداز بھی بالکل پہلے مجرموں جیسا تھا۔ اور انہوں نے یہ دھمکی دی تھی کہ انکی موت کا باعث بننے والے وہ تمام افراد جو اس

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

وقت عیش و آرام کی زندگی گزار رہے ہیں بالآخر ان کے ہاتھوں موت کا شکار ہوں گے اور اس کے بعد وہ اپنے نئے منصوبوں کا آغاز کریں گے۔ رب کارسن کا نام بھی سامنے تھا۔ لیکن اس سلسلے میں مسٹر ٹام انجولیٹ نے کوئی توجہ نہیں دی تھی۔ اور اپنے تحفظ کے لئے حکومت امریکہ سے درخواست نہیں کی تھی۔ لیکن وہ بھی بالآخر مارے گئے۔ ساتھ میں وہی تمام کارروائی ہوئی جو اس سلسلے میں پہلے بھی ہو چکی تھی۔ یعنی رب کارسن کی قبر کو کھول کر دیکھا گیا تو اس کا تابوت بھی خالی ملا۔ دہشت کی ایک لہر عوامی حلقوں میں دوڑ گئی تھی۔

اور اس سلسلے میں بہت سے پیچیدہ مسائل کھڑے ہو گئے تھے۔ بعض تو ہم پرستوں کا اصرار تھا کہ مرے زندہ ہو کر انتقامی کارروائیوں پر اتر آئیں تو پھر انکی گرفت ہی کے لئے انتظامیہ بھلا کیا کر سکتی ہے۔ لیکن کچھ ایسے لوگ بھی موجود تھے جو خفیہ کارروائیاں کر رہے تھے۔ اور یہ جاننا چاہتے تھے کہ اس ڈرامے کا مقصد کیا ہے۔ یہ بات تو خیر کسی بھی طور تسلیم نہیں کی جا سکتی تھی اور حقیقت کی دنیا اس سے بہت مختلف ثبوت پیش کرتی تھی کہ مردہ زندہ ہو کر اور وہ بھی ایک طویل عرصے کے بعد انتقام کے لئے نکلیں۔ سوچا یہی جا رہا تھا کہ کوئی ایسا منظم گروہ ہے جو ایک بار پھر دنیا کو دہشت گردی کا شکار کرنا چاہتا ہے۔ یہ تمام کارروائیاں کر رہا ہے۔ اور اس نے ان لوگوں کے نام اپنا لئے ہیں۔ البتہ جو طریقہ انہوں نے اختیار کیا تھا وہ بہت ہی دہشت خیز تھا۔ اور کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس سلسلے میں کیا ہوگا۔ امریکن سی آئی اے اور دنیا کے کئی ملکوں کے خفیہ محکمے ان لوگوں کی تلاش میں مصروف ہو گئے تھے جنہوں نے یہ سب کچھ کیا تھا۔ جدید پیمانے پر تمام تر تحقیقات ہوئی تھیں۔ لیکن مزید کچھ ایسے پیچیدہ مسائل سامنے آئے تھے جن کی بنا پر صدر امریکہ کو ڈاکٹر بہرام سے رابطہ قائم کرنا پڑا۔ اور چارہ گر سے درخواست کی گئی کہ وہ اس سلسلے میں ٹائیگر کو استعمال کرے۔ چنانچہ ڈاکٹر بہرام نے ان لوگوں کو ان حالات میں آگاہ رکھا تھا۔ خود صدر امریکہ نے یہی کہا تھا کہ اس وقت تک جب تک کہ وہ اہم معاملات سامنے نہ آ جائیں جن کا خدشہ کچھ ذہنوں میں موجود ہے ٹائیگر کو مصروف عمل نہ کیا جائے۔ البتہ اسے واقعات سے ہوشیار کر کے ذہنی طور پر تیار کر لیا جائے کہ جب اسے اس مسئلے میں کام کرنے کا حکم دیا جائے تو وہ پوری طرح تیار ہو جائے۔

چنانچہ اس وقت بھی جب ٹائیگر نے ڈاکٹر بہرام کا فون سنا اس کے چہرے پر کسی قدر سوچ کے آثار پیدا ہو گئے تھے۔ اوشان خاموش نگاہوں سے اس کے چہرے پر کسی قسم سوچ پڑھ رہا تھا کہ ٹائیگر سوچ میں گم ہونے کے بعد اپنی اس کیفیت کو بھول گیا ہے جو انگلیوں کے بل کھڑے ہونے سے اس پر طاری ہو گئی تھی۔ اوشان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اور اس نے کنول کا آسن توڑ دیا۔ اور کھڑا ہو گیا۔ اس کے کھڑے ہونے کی آہٹ کو محسوس کر کے ٹائیگر نے نگاہیں گھما کر اس کی جانب دیکھا اور اوشان نے نرم لہجے میں کہا۔

"وقت پورا ہو گیا ہے میرے بچے اور تم اپنے مقصد میں کامیاب ہو چکے ہو۔ ٹائیگر دھڑام سے زمین پر آ رہا۔ اور پھر اس طرح ہاتھ اونچے کئے زمین پر لوٹتا رہا اوشان کسی مامتا بھری ماں کی طرح اس کے قریب آ کر بیٹھ گیا۔ اور اس کی پیشانی اپنے انگوٹھے اور انگلی سے سہلانے لگا۔ ٹائیگر کو اس لمس میں ایک عجیب سا سرور محسوس ہو رہا تھا۔ اور رفتہ رفتہ اس کے ذہن سے اوشان کے خلاف غصے کے وہ تاثرات دور ہوتے جا رہے تھے جو اس تعلق کے نتیجے میں پیدا ہو گئے تھے۔ اوشان نے محبت بھری آواز میں کہا۔

"اس کا مقصد ہے کہ ڈیتھ الیون اکٹھی ہو گئی۔"

ٹائیگر نے چونک کر آنکھیں کھول دیں۔ اوشان کے محبت بھرے لہجے سے خطرے کی بو آ رہی تھی۔ اس نے اوشان کو بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

"اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ محبت کا لمس میرے ذہن کو تیار کرنے کے لئے مجھ تک پہنچایا گیا تھا۔ لیکن لٹل فادر تمہیں شہر کا اندیشہ کیوں ہو گیا۔ اگر ڈیتھ الیون مکمل ہو گئی ہے ساتھ یہ ان لوگوں کے لئے لمحۂ فکر ہے جن کا تعلق ڈیتھ الیون سے ہے ہم کیا کریں۔" اوشان نے ہنس کر کہا۔

"تم کچھ یاد داشتیں بھلا بیٹھے ہو، شہزاد میں نے بارہا محسوس کیا ہے اور میں اس بارے میں تشویش کا شکار ہو گیا ہوں گیارہ خطرناک اگر دوبارہ جمع ہو گئے ہیں تو برائیوں کے ایک ایسے طوفان کی آمد کا خطرہ ہے جو کہ جانے کتنے بے گناہوں کے لئے پیغام اجل ہو گا۔ اور ٹائیگر ایسے ہی طوفانوں کے سامنے سینہ سپر ہونے کے لئے عالم وجود میں آیا ہے۔"

"لگتا ہے اس بار ڈاکٹر بہرام نے سنا نجو کے لئے کوئی بہت بڑی رشوت پیش کی ہے۔"

یہ بات تم بھی اچھی طرح جانتے ہو میرے بچے کہ میں صرف محنت کی کمائی سنا نجو تک پہنچاتا ہوں۔ بلکہ جیسی اس کے بہتر مواقع حاصل ہیں۔ لیکن میرا نظریہ ہے کہ جب شمشیر سنا نجو اس کے وارث کے پاس پہنچے تو اس میں کوئی کھوٹ نہ ہو یہی سنا نجو کے لیے بہتری کا نشان ہو گا۔"

"میں تو پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ شمٹ ہارٹ کا جادو سر چڑھ چکا ہے مگر ڈیتھ الیون کہاں یکجا ہوئے ہیں۔"

"سی آئی اے کی تحقیقات بتاتی ہے کہ صرف ان کے انکار یکجا ہیں ورنہ عمل الگ الگ ہوتے ہیں اور انہیں دنیا کے کسی خطے میں یکجا رہتے دیکھا تھا اوشان نے کہا۔ اور ٹائیگر عجیب سی نظروں سے اوشان کو دیکھ کر بولا۔

تب پھر صدر امریکہ فلکر اف فاؤنڈیشن سے اور ڈاکٹر بہرام ہم سے کیا چاہتا ہے کیا ہم پوری کائنات میں بکھرے ہوئے ہیں لخت جگر۔ ہر وہ شخص ہمارے وجود کا حصہ ہے جو برائی کے خلاف جنگ کر رہا ہے۔ اوشان نے جواب دیا۔

"میں جانتا ہوں۔ اس کے سوا چارہ کار نہیں ہے کہ ہمیں ڈاکٹر بہرام سے ملنا ہو گا۔"

ڈاکٹر بہرام نے فضا میں تیرنے والوں کا خیر مقدم کیا وہ اپنے وہی پرانے مخصوص سوٹ میں ملبوس ان لوگوں کا انتظار کر رہا تھا۔ ٹائیگر نے چمکدار ضرر نگاہوں سے ڈاکٹر بہرام کو بغور دیکھا تو وہ مسکرا کر بولا۔

"تمہاری آنکھوں میں تجسس کے آثار نظر آ رہے ہیں جیسے تم مجھ میں کچھ تلاش کر رہے ہو۔"

"ہاں پچھلے کچھ دنوں سے میرے ذہن میں یہ خیال بڑھتا جا رہا ہے کہ سویٹ ہارٹ اب بوڑھا ہو گیا ہے اور شاید یہاں کے کمپیوٹر پرانے اور ناکارہ، کیونکہ جو کچھ بھی یہاں ہوتا ہے اس کے نتائج اب وہ نہیں نکلتے جن کے لئے مثالیں دی جاتی تھیں۔"

"تمہارا اظہر اپنی جگہ بجا ہے لیکن کمپیوٹرز کو جو کچھ فیڈ کیا جاتا ہے وہ اسی کے مطابق عمل کرتے ہیں ان کا پرسنل برین نہیں ہوتا۔" ڈاکٹر بہرام نے کہا۔

"تو پھر ان بھورے تلوں والی حسیناؤں کا کیا ہو گا جن کے سامنے ستارے ماند پڑ جاتے ہیں سویٹ ہارٹ۔"

"چارہ گر کا بھلا ان سے کیا تعلق؟" بہرام نے ہنستے ہوئے کہا اور اوشان نے گلے سے بطخ جیسی آوازیں نکال کر ان لوگوں کو اس گفتگو سے باز رکھنے کی کوشش کی اور کہا۔

"میرے خیال میں جو لوگ بے مقصد باتیں کر کے اپنا وقت ضائع کرتے ہیں انہیں بالکل احساس نہیں ہوتا کہ وہ ان قیمتی لمحات کا نقصان کر رہے ہیں جن میں کام کی باتیں ہو سکتی ہیں۔" ٹائیگر نے بدستور شرارت سے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اور جو لوگ کسی بھی کام میں بے پناہ جلد بازی کا مظاہرہ کرنا چاہتے ہیں ان کے بارے میں یہ تجزیہ کیا گیا ہے کہ انہیں اپنی عمر کے بہت جلد ختم ہو جانے کا احساس ہوتا ہے اور وہ اس مختصر وقت میں بہت کچھ کر لینا چاہتے ہیں بے شک انسان عمر رسیدہ ہو جاتا ہے لیکن اسے اپنی موت کا خوف نہیں ہونا چاہئے۔"

اوشان برا سا منہ بنا کر چھت کی طرف دیکھنے لگا۔ ڈاکٹر بہرام نے جلدی سے معاملہ سنبھالتے ہوئے کہا۔

"میں اوشان کی بات سے متفق ہوں اس کا کہنا درست ہے ہمیں فوراً ہی ضرورت کی باتیں کرنی چاہئیں۔"

ضرورت کا تعین ہی تو آج تک دنیا کا سب سے مشکل کام ٹھہرا ہے، ویسے ٹھیک ہے تازہ ترین پیشرفت کیا ہے؟" ٹائیگر نے کہا اور بہرام نے اس بار بھی اس کے طنز کو

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

نظر انداز کر کے فوراً ہی مطلب کی گفتگو شروع کرتے ہوئے کہا۔

"مختصر تفصیل اوشان کے کانوں تک پہنچ چکی ہے یعنی یہ کہ ڈیتھ الیون ایک بار پھر ایکٹیو ہو گئی ہے۔ ہر چند کہ ڈیتھ الیون کے بارے میں تمام تر رپورٹ تم دونوں کے پاس ہوں گی مختصراً میں پھر اس کے بارے میں بتانا پسند کرتا ہوں، یہ گروہ نظریاتی گروہ تھا اور اس کا آپس میں تعاون انہی نظریات کی بنیاد پر تھا، میں آج بھی یہ ماننے کے لئے تیار نہیں ہوں کہ قبروں سے برآمد ہونے والے خالی تابوت کوئی معنی رکھتے ہیں لیکن جو طریقہ کار اختیار کیا گیا ہے وہ سنسنی پھیلانے کے لئے کافی ہے یعنی مجرموں کے وہ نام ایک بار پھر زندہ کئے گئے ہیں جیسے رپ کارسن، نیگی کارلوس اور سارتسیا بلیک وغیرہ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان دہشت گردوں نے اپنے دور میں ایک نظریاتی عمل شروع کر رکھا تھا اور اس کے تحت انہوں نے بے شمار افراد کو موت کے گھاٹ اتارا ان کے نظریات متنازعہ تھے اور بیشتر ممالک ان نظریات سے اتفاق رکھتے تھے لیکن در پردہ ان کے جذبے اس نظریے سے میل نہیں کھاتے اور ان میں مجرمانہ عنصر اسی فیصد کے قریب تھا۔ جبکہ بیس فیصد صرف زبانی عمل تصور کیا جاتا تھا، بہر طور اس وقت ان کے نام کا دوبارہ زندہ ہو جانا یہ کہانی سناتا ہے کہ وہ جو کوئی بھی ہیں اپنے سابقہ پروگرام پر دوبارہ عمل شروع کرنا چاہتے ہیں، اب ان کا تعلق ان لوگوں سے ہے یا نہیں یہ تو خدا ہی جانے لیکن انہوں نے جس انداز میں اپنی آمد کا اعلان کیا ہے وہ باعث تشویش ضرور ہے اور چونکہ اس بار ایک ایسا انوکھا طرز عمل سامنے آیا ہے جس کی بنیاد پر بے شمار ممالک اس سلسلے میں خوفزدہ ہو گئے ہیں صدر امریکہ سے میری براہ راست بات چیت ہوئی تھی ان کا نظریہ ہے کہ ہو سکتا ہے کوئی ایسا پراسرار عمل کیا گیا ہو جن کے بنا پر ان لوگوں کی دوبارہ زندگی ممکن ہو گئی ہو۔" ٹائیگر نے قہقہہ لگایا اور بولا۔

"اس کے مطابق تو وہ عمل زیادہ اہمیت کا حامل جن کے تحت مردوں کو قبروں سے نکال کر زندہ کر دیا گیا ہے اور اب وہ اس دنیا میں مصروف عمل ہیں۔"

"میں بذات خود یہ بات بالکل نہیں مانتا چنانچہ میں نے اس نظریے سے اتفاق نہیں کیا ہے اور نہ ہی اس سلسلے میں زور دیا گیا ہے سی۔ آئی۔ اے کے علاوہ دنیا کے مختلف ممالک کی ایجنسیاں حالات کا تجزیہ اور آئندہ کا لائحہ عمل طے کرنے کی کوشش کر رہی ہیں کیونکہ ان لوگوں کا تحفظ بہت ضروری ہے جو انسانیت کی ترقی کے لئے اہم ترین کردار ادا کرتے ہیں، ابھی تک ان لوگوں کا میرا مطلب ہے ڈیتھ الیون کا جو طریقہ کار رہا ہے وہ یہ ہے کہ انہوں نے ان لوگوں کو سزا دی ہے بلکہ موت کی سزا دی ہے جو ان کے خلاف کاوشیں کرتے رہے ہیں۔ سی۔ آئی۔ اے نے ایسے لوگوں کے اعداد و شمار جمع کئے ہیں اور ان کی ایک فہرست مجھے پہنچ چکی ہے، لیکن ابھی ایسے بہت سے ہیں جن کے بارے میں خود دنیا کے مختلف اداروں کے پاس رپورٹیں نہیں ہیں، لیکن ان کا کچھ نہ کچھ تعلق ڈیتھ الیون سے رہ چکا ہے۔ چنانچہ انتہائی کوشش کی جا رہی ہے کہ ان لوگوں کے بارے میں بھی معلومات حاصل کر لی جائیں، ڈیتھ الیون دنیا کے مختلف ممالک سے تعلق رکھتے ہیں اور اسی طرح دنیا کے مختلف ممالک کے خصوصی ادارے بھی ایک دوسرے سے تعلق رکھتے ہیں بلکہ انہوں نے خصوصی تعلق قائم کیا ہے کیونکہ سب ہی اس بات پر متفق ہو گئے ہیں کہ اگر یہ گروہ جڑ پکڑ گیا تو دنیا کے لیے مصیبتوں کے پہاڑ کھڑے کر سکتا ہے۔ صدر امریکہ نے جہاں مختلف اداروں کو اس سلسلے میں آپس میں تعاون کرنے کے کی ہدایت کی ہے اور انہیں ہر طرح کی امداد کی پیشکش بھی کی ہے وہیں چارہ گر سے یہ درخواست کی گئی ہے کہ دنیا کے دو بہترین دماغ اس کام پر معروف کر دیئے جائیں ٹائیگر اور اوشان اپنے کام کا آغاز کر دیں۔"

"ہمارا کام کیا ہو گا؟" اوشان نے سوال کیا۔

"ان لوگوں کی تلاش اور بے دھڑک ان کی موت تاکہ خطرے کو ہر قیمت پر ختم کر دیا جائے یہ بعد میں سوچا جائے گا کہ ان کی موت کس حساب میں درج کی جائے گی، لیکن صورت حال یہی ہے کہ ان کا قتل ایک لازمی حیثیت رکھتا ہے۔ کہیں سے یہ اطلاع ملی ہے کہ ان لوگوں نے اپنے

الگ الگ چھوٹے چھوٹے گروپ بھی بنائے ہیں۔؟" ٹائیگر نے سوال کیا۔

"ابھی تک ایسی کوئی بات سامنے نہیں آئی۔"

اور وہ فہرست جو صدر نے چارہ گر کو مہیا کی ہے۔"

"ہاں اس کی کئی نقلیں میں نے تیار کر لی ہیں اور اسکی ایک کاپی تمہیں مل جائے گی۔" ڈاکٹر بہرام نے دو کاغذ ان کے سامنے پیش کر دیئے اوشان ان کا جائزہ لینے لگا تھا اور ٹائیگر نے سرسری نگاہوں سے اس کاغذ کو دیکھ کر جیب میں رکھ لیا تھا، بہرام نے کہا۔

"بات اس قدر غیر سنجیدہ نہیں ہے شہداد ہیں امید کرتا ہوں کہ چارہ گر کی روایات برقرار رہیں گی۔" ٹائیگر نے منہ بنا کر اوشان کی جانب دیکھا، لیکن اوشان اس فہرست کو پڑھنے میں مصروف تھا تب اس نے فہرست تہہ کر کے جیب میں رکھتے ہوئے کہا۔

"روبی کہاں ہے؟"

اس نے اپنے لئے ایک منصب پسند کیا اور اس پر عمل کرنے کے لئے روانہ ہو گئی۔" اوشان نے تشویش زدہ انداز میں ہونٹ سکوڑے اور بولا۔

"تنہا.....!"

"ہاں یہ اس کی فرمائش تھی اور میں اسے باز نہیں رکھ سکا۔" ٹائیگر بے تعلق ہو گیا تھا اوشان نے ایک نگاہ اسے دیکھا اور بولا۔

"ٹھیک ہے ہم اپنا کام کرنے کے لئے خود ہی راستے منتخب کریں گے۔"

"اور تمہارا کیا فیصلہ ہے؟" ڈاکٹر بہرام نے ٹائیگر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں اس بھورے تلوں والی حسینہ کی تلاش میں ہوں جس کی آنکھوں کے سامنے ستارے مانند پڑ جاتے ہیں"

ڈاکٹر بہرام نے اس بات پر کچھ اس طرح منہ بنایا تھا کہ جیسے اسے جبراً کوئی کڑوی چیز نگلنے کا حکم دیا گیا ہو۔ اس کی یہ کیفیت دیکھ کر اوشان کے حلق سے بے ساختہ قہقہہ نکل گیا تھا

رہائش گاہ کے اس بڑے سے کمرے میں جہاں اوشان اور ٹائیگر قیام پذیر تھے، ٹائیگر سلیپنگ سوٹ میں ملبوس ایک آرام دہ کرسی میں دراز کھڑکی کے دوسری جانب دیکھ رہا تھا جہاں زندگی رواں دواں تھی اور اوشان اپنے مخصوص انداز میں گردن خم کئے، آنکھیں بند کئے مراقبے میں بیٹھا ہوا تھا اس حالت میں دیکھنے والے اگر ان دونوں کو دیکھ لیتے تو عجیب سے احساسات کا شکار ہو جاتے، ٹائیگر کی یہ خاموشی اوشان کے لئے بھی ذرا تشویشناک تھی چنانچہ اس نے اپنی مصروفیات سے گردن اٹھا کر اس کی جانب دیکھا اور پھر مسکراتے ہوئے بولا۔

"بعض اوقات کسی چیز سے انحراف کی شدت بھی اسے اقرار میں تبدیل کر دیتی ہے اور اس کا اظہار اگرچہ زبان سے نہیں ہوتا، لیکن چہرے کے تمام احساسات بتاتے ہیں کہ اس وقت کس چیز کا ادراک ہو رہا ہے۔" ٹائیگر نے چونک کر اوشان کی طرف دیکھا اور بولا۔

"اس فلسفے سے بعض اوقات میری جان جل جاتی ہے۔ اشارہ کس طرف سے مختصر یا پھر؟"

"تم یقیناً روبی کے بارے میں سوچ رہے ہو کہ نجانے وہ کہاں اور کس حال میں ہے اور بلاشبہ تم اس بات پر بھی معترض ہو گے کہ میں نے ڈاکٹر بہرام سے اس کے بارے میں کچھ نہیں پوچھا؟" ٹائیگر کے چہرے پر طنزیہ تاثرات پھیل گئے اور اس نے فوراً ہی کہا۔

"لگتا ہے سنا نجو کا ماسٹر ذہنی طور پر کافی کمزور ہوتا جا رہا ہے اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں عمر انسان پر اثر انداز ہوتی ہے تمہارے اندازے [illegible]

اوشان کے حلق سے بغیر جیسی قیں قیں کی آواز نکلنے لگی جو اس کی مخصوص ہنسی کا انداز تھا۔ اور اس ہنسی سے ٹائیگر عموماً چڑ جاتا تھا۔ اس ہنسی سے فارغ ہو کر اس نے کہا۔

"تو فرزند پسر اس وقت کون سا خیال تمہیں خاموش کئے ہوئے تھا؟"

"صرف یہ کہ ڈاکٹر بہرام پچھلے کچھ دنوں سے الٹی سیدھی حرکتیں کر کے بلاوجہ ہمارا وقت برباد کر رہا ہے کہیں

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

اس بار بھی ایسا ہی نہ ہو لوشان نے برا سا منہ بنا کر ٹائیگر کو دیکھا اور بولا۔

"حالات کا تجزیہ کرنے کی صلاحیتیں ختم تو نہیں ہوئی ہیں تمہاری تم خود بھی یہ اندازہ لگا سکتے ہو کہ جو صورت حال درپیش ہے اس کی نوعیت کیا ہے؟"

"بیشک، اس میں کوئی شک نہیں کہ کہانی بہت عرق ریزی سے تراشی گئی ہے لیکن میرا ذہن ان تمام باتوں کو قبول نہیں کر رہا جو پیش آئی ہیں۔"

"پہلے بھی اس موضوع پر بحث کی جا چکی ہے کہ ہو سکتا ہے یہ کوئی گہری سازش ہو لیکن جن لوگوں کے نام اعتماد کئے گئے ہیں اگر انہی کارروائیوں کے مطابق عمل کیا جاتا ہے تو کم از کم یہ ضرور سوچنا ہوگا کہ وہ لوگ کون ہو سکتے ہیں؟"

"ہمارے عمل کا آغاز کہاں سے ہوگا؟"

"اس کا فیصلہ ہمیں خود ہی کرنا ہوگا۔" لوشان نے جواب دیا اور پھر ٹائیگر کو دیکھتا ہوا بولا۔

"اور ضروری ہے کہ تم ہاتھ پاؤں کے ساتھ دماغ کا استعمال بھی کیا کرو ورنہ جو چیز استعمال نہیں کی جاتی وہ ناکارہ ہو جاتی ہے۔"

"مجھے تو یوں لگ رہا ہے جیسے میرے دماغ میں برف جم رہی ہو۔"

"برف پگھلانے کے مختلف طریقے ہوتے ہیں، لوشان نے کہا اور ٹائیگر کے بدن میں سرد لہر دوڑ گئی یہ جملہ کہہ کر کہیں اپنے لئے کوئی مصیبت نہ مول لے لی ہو میں نے اس نے دل ہی دل میں سوچا لوشان خود بھی گہری سوچوں میں غرق ہو گیا تھا۔

▼▼

روبی نے کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی میں وقت دیکھا، ساڑھے نو بجے تھے طیارہ رک گیا تھا اور مسافروں کے لئے سیڑھی لگائی جا رہی تھی کچھ دیر کے بعد روبی اپنا خوبصورت ہینڈ بیگ لئے جہاز کی سیڑھیوں سے نیچے اتری اور دوسرے لوگوں کی جانب کسٹم ڈپارٹمنٹ کی جانب بڑھ گئی یہاں ان کا سامان تھوڑی ہی دیر کے بعد پہنچ گیا تھا روبی کے پاس ایک چھوٹا سا اٹیچی کیس تھا اس کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا اس نے اپنا ہینڈ بیگ بھی کاؤنٹر پر رکھ دیا اٹیچی تھوڑی دیر کے بعد کسٹم آفیسرز کے پاس پہنچ گیا اور اس نے اسے کھول کر اس کا سرسری سا جائزہ لیا پھر اس کی نگاہیں روبی کے ہینڈ بیگ کی جانب اٹھ گئیں اور روبی نے ہینڈ بیگ کھول کر اس کے سامنے کر دیا کسٹم آفیسرز نے ہینڈ بیگ کے اندر سے برآمد ہونے والی چیزوں کو دیکھ کر حیرت سے آنکھیں پھاڑ دیں اور پھر مشتبہ نگاہوں سے روبی کو دیکھنے لگا۔

"یہ غالباً پاسنگ کے مالک ہیں؟" اس نے الجھے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

"یس آفیسر دراصل میرا تعلق پاسنگ ملک سپلائی کرنے والی ایک کمپنی سے ہے اور میں یہاں اس کمپنی کی نمائندگی کرنے آئی ہوں۔" روبی نے کمپنی کا کارڈ نکال کر کسٹم آفیسر کے سامنے کر دیا اور اس کے ساتھ ساتھ ہی کچھ لٹریچر بھی جو اسی کی کمپنی سے متعلق تھا، کسٹم آفیسر نے مطمئن انداز میں گردن ہلا کر اس پر چاک لگا دیا، روبی باہر نکل آئی، باہر کی فضا بہت ٹھنڈی تھی موسم میں ٹھنڈک کے علاوہ ہلکی ہلکی برودت بھی شامل تھی جس سے ماحول کافی بھیگا بھیگا ہو رہا تھا لیکن ٹیکسی ملنے میں روبی کو کوئی دقت نہیں ہوئی اور اس نے ٹیکسی ڈرائیور کو اس ہوٹل کا پتا بتا دیا جس میں اس نے کمرہ بک کرایا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ ہوٹل میں اپنے کمرے میں پہنچ گئی اس کی توقع کے مطابق اس ہوٹل کا کمرہ اتنا ہی خوبصورت ہونا چاہیے تھا لیکن یہاں آتے ہی روبی نے دوسرا عمل شروع کر دیا تھوڑی دیر کے بعد ہی اس نے ایک اور ہوٹل ٹیلی فون کیا اور وہاں اپنے لئے ایک کمرہ بک کرایا اس ہوٹل میں کمرہ بک کرانے کے بعد وہ کسی قدر مطمئن ہو گئی تھی۔ اس نے اپنا سامان وغیرہ نکال کر الماریوں میں سجا دیا کسی بھی طرح وہ اپنے کام کو پیچھے نہیں رکھنا چاہتی تھی چونکہ رات زیادہ ہو چکی تھی اور باہر کا موسم اتنا خراب تھا کہ اس وقت یہاں سے کہیں جانا مناسب نہیں تھا چنانچہ اس رات آرام ہی کرنے کا فیصلہ کیا دوسرے دن اسے ایک کمپنی جا کر آرلینا نامی خاتون سے ملنا

تھا جو اسے آگے کا پروگرام بتا سکتی تھی ڈاکٹر بہرام نے اس بار روبی کو نہایت منظم طریقے سے اپنے کام پر آمادہ کیا تھا نہ صرف آمادہ کیا تھا بلکہ اسے ان تمام مراحلات کی تفصیل بتائی تھی جو اسے مل سکتی تھیں اور اس سلسلے میں بات صرف ڈاکٹر بہرام تک ہی نہیں تھی بلکہ کچھ دوسرے ادارے بھی روبی کی امداد کرنے کے لیے تیار تھے اور روبی اپنے طور پر اس کام کی تکمیل کے لئے چل پڑی تھی وہ جانتی تھی کہ بالآخر ٹائیگر اور لوشان بھی اس کی جانب متوجہ ہو جائیں گے لیکن اس بار یہ توقع نہیں کی جا سکتی تھی کہ وہ تھوں ایک جگہ رہ کر کام کر سکیں چونکہ معاملات بہت پھیلے ہوئے تھے اور روبی کو جو بریفنگ دی گئی تھی اس کے مطابق وہ اس بات سے باخبر تھی کہ ہو سکتا ہے ٹائیگر اور لوشان اس ملک کا رخ نہ کریں اور اپنے طور پر کہیں اور مصروف رہیں لیکن وہ جو خود اعتمادی اپنے اندر رکھتی تھی اس نے کبھی اسے تنہائی میں ہراساں نہیں ہونے دیا تھا اور اس بار تو اس کا طریقہ کار بہت ہی طوفانی قرار دیا گیا تھا ڈاکٹر بہرام سے ایک طویل نشست ہوئی تھی اور طریقہ کار کے بارے میں مختلف امور پر معاملات طے ہوئے تھے جس کے تحت روبی کو کام کرنا تھا وہ جانتی تھی کہ یہاں اس کے کئی مددگار موجود ہیں لیکن یہ ان انتہائی حالات میں ممکن تھا کہ وہ ان مددگاروں سے مدد لے جب صورت حال اس کے بس سے باہر نکل جائے اور روبی لوشان اور ٹائیگر کی تربیت یافتہ تھی یہ کسی طور ممکن نہیں تھا کہ وہ حالات کو اپنے ہاتھ سے نکلتا ہوا محسوس کر لیتی، دوسری صبح ناشتے سے کے بعد وہ باہر نکلی اور اس ہوٹل کا ایک چکر لگا کر یہ اندازہ لگایا کہ یہاں کا ماحول کیا ہے، عام سی بات تھی جس طرح ہوٹلوں کے ماحول ہوتے ہیں وہی ماحول یہاں پایا جاتا تھا لیکن اپنے لوشان کے لئے یہ انتہائی ضروری تھا واپس آنے کے بعد اس نے لباس تبدیل کیا اور پھر وہ پتا زیبن لشین کر کے باہر نکل آئی جس پر اسے مس آرلینا سے ملنا تھا، مس آرلینا ایک بہت ہی خوش مزاج اور لوخیز قسم کی لڑکی تھی جس نے بال پونی کی شکل میں باندھ رکھے تھے اور وہ کسی ملازمت پیشہ لڑکی کے بجائے اسکول گرل معلوم ہوتی تھی اس کی ہنسی کے انداز میں بھی بچپن تھا، روبی نے اس کے سامنے اپنا لٹریچر پھیلا دیا اور اپنا تعارف کراتے ہوئے بولی۔

"مجھے اطلاع دی گئی ہے کہ تم اس سلسلے میں میری بہت مددگار ثابت ہو سکتی ہو۔" شوخ، قہقہے لگانے والی لڑکی کے چہرے پر ایک لمحے کے لئے سنجیدگی کے آثار نظر آئے اس نے بے اختیار اپنا پرس اٹھایا اس میں سے ایک چشمہ نکال کر آنکھوں پر چڑھایا، بڑے بڑے فریم اور شیشوں والا یہ چشمہ اسے مزید شوخ بنا رہا تھا لیکن نہانے کیوں اس نے چشمے کے دوسری جانب سے روبی کو دیکھا اور پھر آہستہ سے بولی۔

"میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ جس نمائندے کے بارے میں مجھے اطلاع دی گئی ہے وہ کوئی خاتون ہو گی اور وہ بھی آپ جیسی، آپ تو بے حد خوبصورت ہیں۔" روبی مسکرا دی اور اس نے کہا۔

"کسی بھی کام کے کرنے کے لئے ہیروں کا خصوص ہونا ضروری ہوتا ہے کیا؟"

"نہیں میرا یہ مطلب نہیں تھا۔"

"تمہیں دیکھنے کے بعد یہ اندازہ بھی نہیں لگایا جا سکتا کہ تم اس فرم میں ملازمت کرنے کے علاوہ کسی اور ادارے سے بھی منسلک ہو گی۔"

"براہ کرم یہاں یہ باتیں نہ کرو ہم یہاں سے اٹھ کر کینٹین چلتے ہیں وہاں تفصیلی گفتگو ہو سکے گی۔" لڑکی نے چشمہ اتار کر پرس میں رکھا اور پھر پرس ہاتھ میں دبا کر لوہے کی کرسی کھسکا کر اٹھ کھڑی ہوئی، روبی کو اسے یہاں اپنی فرم ہی کی معرفت ملنا تھا دراصل اس فرم کے سلسلے میں بھی ڈاکٹر بہرام ہی نے اس کی مدد کی تھی یعنی ایک تیر سے دو شکار کئے گئے تھے روبی کو یہاں مختلف شکلوں میں کام کرنا تھا اور اس کے لئے اس کے پاس بہترین میک اپ کا سامان موجود تھا لیکن ڈاکٹر بہرام نے اسے ایک میک اپ کا سامان فروخت کرنے والی کمپنی کے نمائندہ کی حیثیت ہی سے یہاں بھیجا تھا تاکہ روبی کو کوئی دقت نہ ہو اور روبی کے پاس وہ لٹریچر بھی موجود تھا جس کے ذریعے اسے اس فرم کا

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

نمائندگی کرنا تھی لیکن درحقیقت جو کام اس کے سپرد کیا گیا تھا اسے وہی سرانجام دینا تھا اور اس سلسلے میں آرٹیونا اس کی پہلی ساتھی تھی وہ دونوں کینٹین میں آگئیں اور آرٹیونا نے اس کے لئے چائے کا آرڈر دے دیا پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

"مجھے ہدایت کی گئی ہے کہ میں آپ کو میڈم المانہ سے ملاؤں۔ میڈم المانہ ایک زمانے میں وزارت خارجہ میں ایک اہم عہدے پر فائز تھیں ریٹائرڈ ہو گئی ہیں۔ بیوہ ہیں اور فطرتاً تنہائی پسند چنانچہ ریٹائرمنٹ کے بعد انہوں نے یہاں سے تھوڑے ہی فاصلے پر ایک قصبے میں رہائش اختیار کی ہے چونکہ مجھے کئی بار ان سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا ہے اس لئے میں ان کی ذاتی زندگی کے بارے میں بھی تھوڑا بہت جانتی ہوں بے اولاد فارغ البال ہیں اور قصبے میں انہوں نے اپنی زندگی گزارنے کے لئے معقول بندوبست کر لیا ہے حالانکہ بہت زیادہ عمر نہیں ہے ان کی لیکن بس آپ یوں سمجھئے مس روبی کہ وہ بہت پرسکون اور مطمئن زندگی گزار رہی ہیں اور خود پر زبردستی کا بڑھاپا طاری کئے رہتی ہیں تو ہم میڈم المانہ سے آج ہی شام پانچ بجے ملاقات کریں گے۔"

"کیا تم نے میڈم المانہ سے رابطہ قائم کیا ہے مس آرٹیونا؟"

"ہاں۔ جب مجھے ہدایات ملیں تو میں نے میڈم المانہ سے رابطہ قائم کیا اور انہیں اس بات کے لئے آمادہ کر لیا کہ ہمیں جو کچھ درکار ہے وہ اس کی فراہمی میں ہماری مدد کریں۔"

"انہیں اس سلسلے میں کوئی تردد تو نہیں ہوا۔"

"ہوا تھا لیکن انہیں کسی قدر صورت حال بتا دی گئی اور چونکہ وہ خود بھی اعلیٰ سرکاری عہدے سے منسلک رہ چکی ہیں اس لئے یہ بات ان کے فرائض میں بھی شامل ہوتی ہے کہ ریٹائرمنٹ کے باوجود اپنے عہدے سے وفاداری کا اظہار کرتی رہیں۔"

"ساڑھے پانچ بجے کا وقت ہی تم نے وہاں چلنے کے لئے کیوں متعین کیا ہے۔"

"اس لئے کہ میں یہاں کے کام سے بھی فارغ ہو جاؤں گی، ہاں اگر آپ کو کوئی جلدی ہے تو مجھے اس سلسلے میں بالکل بھی جلدی نہیں ہو گی۔"

"نہیں میں سمجھتی ہوں کہ وہی وقت مناسب ہو گا کیا تمہارے پاس گاڑی موجود ہے۔"

"ہاں۔" آرٹیونا نے جواب دیا۔

"تو پھر میں تم سے کہاں اور کس وقت ملاقات کروں؟"

"بہتر یہ ہو گا کہ میں ہی آپ کو ہوٹل سے پک کر لوں۔"

روبی نے اسے اپنی قیام گاہ کے بارے میں بتا دیا تھا یہ اس کا پہلا کام تھا اور اس سے فراغت حاصل کرنے کے بعد اس کے لئے یہی ضروری تھا کہ وہ یہاں کے دلکش مقامات کی سیر کرتی رہے اور بلاشبہ اس خوبصورت اور صاف ستھرے شہر کی سیر اس کے لئے بہت ہی خوشگوار ثابت ہوئی تھی دوپہر کا کھانا اس نے ایک ریسٹورنٹ میں کھایا اور اس کے بعد تقریباً ساڑھے تین بجے اپنے ہوٹل واپس پہنچ گئی، معاملات بالکل پرسکون تھے ابھی کوئی ایسی توقع نہیں تھی کہ کوئی اس کی جانب خصوصاً متوجہ ہو گا، روبی انتظار کرتی رہی۔ اور آرٹیونا ٹھیک پانچ بجے اس کے کمرے میں داخل ہو گئی اس نے لباس تبدیل کیا ہوا تھا اس کا مقصد تھا کہ وہ دفتر سے فراغت حاصل کرنے کے بعد گھر بھی گئی ہے اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میں نے دفتر سے تھوڑی دیر پہلے اٹھ جانا مناسب سمجھا تاکہ آپ کو زیادہ انتظار نہ کرنا پڑے۔ اور میرا خیال ہے آپ بھی تیار ہیں۔"

"کیا میڈم المانہ کے پاس ٹیلی فون نہیں ہے۔"

"نہیں یہ بھی ان کی فطرت کے عین مطابق ہے، دراصل وہ شور و غل سے دور رہنا چاہتی ہیں اب انہیں ٹیلی فون بھی گراں گزرتا ہے ورنہ یہ کام مشکل نہ ہوتا۔"

"میرا مطلب صرف یہ تھا کہ انہیں اپنے آنے کی اطلاع دی جاتی تو زیادہ بہتر تھا۔"

"میں ان سے پرسوں شام ملی تھی اور جب انہوں نے مجھ سے یہ سوال کیا کہ اس فہرست کی ضرورت کب ہو گی تو میں نے یہ کہا کہ آج کل، پرسوں یا مزید کسی اور دن انہیں اپنا کام مکمل کر لینا چاہیے اور انہوں نے مجھ سے وعدہ کر لیا تھا چنانچہ اب ہم اچانک ہی وہاں پہنچیں گے تو ہمیں

ایسی کوئی دقت نہیں پیش آئے گی۔"

"اور جیسا کہ تم بتا چکی ہو کہ میڈم المانہ صرف اپنے گھر تک ہی محدود رہتی ہیں چنانچہ اس بات کے امکانات بھی نہیں ہیں کہ ہم ان سے ملاقات کرنے میں ناکام رہیں۔"

"بالکل نہیں مجھے پورا پورا اطمینان ہے۔"

روبی کرسے سے باہر آ گئی، تالا لگانے کے بعد اس نے چابی کاؤنٹر پر دی اور اس کے بعد آرٹیونا کی خوبصورت کار میں آبیٹھی، ننھی سی بیل کار تیزی سے آگے بڑھ گئی تھی۔ روبی نے مسکراتے ہوئے آرٹیونا سے کہا۔

"تمہاری فطرت میں جو شوخی ہے وہ درحقیقت بہتوں کے لیے حیران کن ہو گئی اور کوئی سوچ بھی نہیں سکتا ہو گا کہ اس حسین اور معصوم چہرے کے پیچھے ایک اور شخصیت بھی پوشیدہ ہے۔" آرٹیونا نے سامنے نگاہیں جمائے ہوئے کہا۔

"لیکن حیران کن بات یہ ہے کہ کوئی اور ایسی شخصیت میرے وجود میں پوشیدہ بھی نہیں ہے بس یوں سمجھ لو یہ ایک پارٹ ٹائم ہے جو میں کرتی ہوں اور سچی بات یہ ہے کہ میرے شوق سے بھی تعلق رکھتا ہے۔" روبی جانتی تھی اور اسے بتا بھی دیا گیا تھا کہ آرٹیونا ایک فرم میں ملازمت کرتی ہے لیکن درپردہ وہ سی آئی اے کی رکن بھی ہے اور اپنے ملک میں سی آئی اے کے لئے چھوٹے موٹے کام سرانجام دیتی ہے، اسے بتایا گیا تھا کہ آرٹیونا اس کی مدد گار ثابت ہو گی اور اس کے علاوہ جو پروگرام روبی کو دیا گیا تھا اس کے تحت کچھ دوسرے مدد گاروں کی تفصیلات بھی اسے بتائی گئی تھیں وہ قصبہ جہاں میڈم المانہ قیام پذیر تھیں یہاں سے واقعی بہت زیادہ دور نہ تھا اطراف کے مناظر بھی بے حد حسین تھے اور اگر انسان فطرت پسند ہو تو ان مناظر ہی میں گم ہو کر اپنا اصل مقصد فراموش کر سکتا تھا لیکن چونکہ اس وقت ایک اہم کام درپیش تھا اس لئے روبی نے اپنی تمام تر توجہ سامنے ہی رکھی تھی قصبے کے مکانات بہت خوبصورت اور آرٹسٹک انداز میں بنے ہوئے تھے، آرٹیونا کار کو اونچے نیچے راستوں پر دوڑاتی ہوئی بالآخر ایک خوبصورت سے کاٹیج کے سامنے رک گئی جس کی چمنی سے دھواں بلند ہو رہا تھا اور وہ دور ہی سے دیکھنے سے ایک خوبصورت سا کھلونا معلوم ہوتا تھا، زیادہ سے زیادہ دو یا تین کمروں کا یہ کاٹیج ہو گا لیکن اس کے بیرونی حصے میں نہایت خوبصورتی سے پھول لگائے گئے تھے آرٹیونا کار سے اترتی ہوئی بولی۔

"انسان اگر پرسکون زندگی اختیار کرے تو اور دنیا سے فراغت حاصل کر چکا ہو تو باطمینانی سے بہتر اور کوئی ایسا مشغلہ نہیں ہے جو اس کے لئے بہتر ثابت ہو لب تم یہاں ان پھولوں کو دیکھو کوئی فارغ آدمی ہی یہ کام کر سکتا ہے، معروف آدمی کی نسبت۔" روبی نے مسکراتے ہوئے گردن ہلائی یہ لڑکی باتیں کرنے کی بہت شوقین معلوم ہوتی تھی۔ اسے المانہ سے ملاقات کی جلدی تھی تاکہ اس سے وہ معلومات حاصل کر سکے جو آئندہ کے لئے کارگر ثابت ہوں۔ میڈم المانہ نے ان کا استقبال قدرے سرد مہری سے کیا تھا۔ حالانکہ اس کی عمر بہت زیادہ رہی تھی لیکن کچھ ایسے عوامل ضرور اس کی زندگی سے وابستہ تھے جنہوں نے اسے ایک ہنستی بولتی زندگی سے محروم کر دیا تھا تاہم یہ روبی کا شعبہ نہیں تھا۔ میڈم المانہ انہیں ساتھ لئے ڈرائنگ روم میں آ گئی۔

میں نے یادداشت کے سہارے کچھ کام کیا ہے مگر چونکہ براہ راست ان کے ساتھ اسے متعلق نہیں رہی ہوں اس لئے یقیناً کچھ کمی رہ گئی ہو گی۔ یہ خاتون وہی ہیں جن کا تم نے تذکرہ کیا تھا آرٹیونا؟"

"یہ شخصیت وہی ہیں۔ میں نے آپ سے کسی خاتون کے بارے میں نہیں کہا تھا۔" آرٹیونا نے جلدی سے کہا۔

"ہاں، میری یادداشت مجھے محسوس ہوا ہے کہ وہ زیادہ قابل بھروسہ نہیں رہی ہے۔ سارتھیا بلیک کسی زمانے میں خوف کی علامت تھا۔ اس کے ماضی کے بارے میں تو معلوم نہیں ہو سکا لیکن جب وہ منظر عام پر آیا تو جوان آدمی تھا۔ اس کے اہم کارناموں میں کچھ نام خاص طور سے آتے ہیں۔ جیسے مسٹر نام رینڈل، مسٹر نام واحد آدمی ہیں جنہوں نے سارتھیا کو کامیابی سے دھوکا دیا تھا اور اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ وہ خود بھی ہمیشہ ایک مشکوک شخصیت رہے۔ یعنی

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ایک زمانہ وہ تھا جب مسٹر رینڈل ایک معمولی کارکن تھے مگر بہت مختصر وقت میں وہ سر نام رینڈل بن گئے کیسے کوئی نہیں جانتا۔ مسٹر رینڈل نے جانتی ہو کیا؟" میڈم المانہ مسکرائی۔ انہوں نے اپنی تمام جائداد اور دولت فروخت کر دی اور خود روپوش ہو گئے کہیں کوئی نہیں جانتا تھا کہ مسٹر رینڈل جوزف مارکر کا نام بھی رکھتے ہیں۔ وہ جوزف مارکر کی حیثیت اختیار کر کے وہیں رہتے رہے اور سارتھیا بلیک انہیں دنیا کے گوشے گوشے میں تلاش کرتا رہا۔ ایسی لئے جنہوں نے سارتھیا بلیک کو شناخت کیا اور اسے کیفر کردار تک پہنچانے میں ریڈ آرمی کی مدد کی۔ میں نے جو فہرست تیار کی ہے اوہ سوری لڑکیوں تم کیا پیو گی؟

"کچھ نہیں میڈم۔" آپ وہ فہرست۔"

ہر گز نہیں۔ میرے لئے یہیں عمدہ کافی پلاتی ہوں۔ یہ وقت اس کے لئے موزوں نہیں ہے سوری۔ ابھی واپس آپ خود میڈم؟" آرٹیونا نے کہا۔

"ہاں زیادہ جینا چاہتے ہو تو اپنا ہر کام اپنے ہاتھ سے کرو اس سے اطمینان بھی حاصل ہوتا ہے اور توانائی بھی۔ روبی کو وہ شوخ بوڑھا یاد آگیا جو سو جوانوں پر بھاری تھا یعنی لوشان

المانہ باہر نکل گئی تھی اور باتونی لڑکی نے اسے اوشان کے بارے میں زیادہ نہ سوچنے دیا۔

"میڈم المانہ کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟" آرٹیونا نے کہا اور روبی چونک کر اسے دیکھنے لگی۔ "بھاری قد عمر رسیدہ نہیں ہیں جتنا انہوں نے خود پر عمر کو طاری کر لیا ہے اور یہ تنہائی انہیں گھن کی طرح چاٹ رہی ہے کیا وہ نارمل ہیں۔

"کوئی ایسی بات تو نہیں ہے" اس نے کہا۔

"تم نے محسوس نہیں کیا؟"

"شاید۔" روبی کو کوفت ہونے لگی۔ وہ اتنی سست رفتاری سے کام کرنے کی عادی نہیں تھی۔ میڈم المانہ سے فہرست حاصل کرنے کے بعد اسے فہرست کے مطابق ان لوگوں کے بارے میں شواہد جمع کرنے تھے جو سارتھیا بلیک کے نشانے پر آسکتے تھے اور اس کے بعد ان کا تحفظ جو ایک بہت مشکل کام تھا۔

"ہو سکتا ہے انہیں عشق میں ناکامی ہوئی ہو۔"

"ہو سکتا ہے۔" روبی بے پروائی سے بولی۔

"میں اکثر سوچتی ہوں کہ اہم ذمے داریاں قبول کرنے والے کیا زندگی کے دوسرے شعبوں سے انصاف نہیں کر پاتے۔" آرٹیونا نے کہا اور روبی جھلا کر سے جیسے۔

عجیب نامعقول لڑکی تھی، موقعے کی نزاکت کا خیال کئے بغیر بکواس کئے جا رہی تھی، ظاہر ہے اس وقت تمام تر ذہنی توجہ میڈم المانہ کی جانب تھی جو وہ فہرست مہیا کرنے والی تھیں جو سارتھیا بلیک کے شکاروں کے بارے میں تھی یعنی جس انداز میں اس گینگ نے کام شروع کیا تھا، اس کے تحت ایسے افراد جو ماضی میں سارتھیا بلیک سے منسلک رہ چکے تھے گوروادی میں میڈم المانہ نے ایک نام ان کے سامنے لے دیا تھا اور وہ نام باعث توجہ تھا جس پر غور کیا جا سکتا تھا جیسے نام رینڈل، لیکن ہو سکتا ہے نام رینڈل سارتھیا بلیک کے لئے اس قدر توجہ کا باعث نہ ہو، البتہ ان ناموں کی جو فہرست کی شکل میں سامنے آنے والے تھے اس لڑکی کی مدد سے ریڈ کیا جا سکتا تھا اور یہ فیصلہ کیا جا سکتا تھا کہ ان میں سے کون زیادہ اہمیت کا حامل ہے، آرٹیونا اس سوچ کے دوران نجانے کیا کیا کہہ چکی تھی پھر دفعتاً ہی روبی کو ایک عجیب سا احساس ہوا کافی اب تک تیار ہو جانی چاہیے تھی نجانے میڈم المانہ کیا کر رہی ہیں ویسے وہ سنکی عورت بھی کسی قدر باعث تکلیف تھی، نجانے کتنا وقت اس کام میں صرف کر ڈالے روبی نے بے چینی سے پہلو بدلا اور آرٹیونا نے اپنی گفتگو ختم کرتے ہوئے اس سے کہا۔

"آپ کا کیا خیال ہے اس بارے میں؟"

"سوری آرٹیونا کافی دیر نہیں ہو رہی ہمیں۔"

"کافی۔" آرٹیونا نے کہا اور پھر بولی۔

"میرا خیال ہے میڈم سے درخواست کی جائے کہ وہ زیادہ تکلفات میں نہ پڑیں میں انہیں کچن میں تلاش کرتی ہوں۔" وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور باہر نکل گئی روبی نے ایک گہری سانس لی تھی، آرٹیونا نے اس کے کان کھا ڈالے تھے

اور اسے اپنا سر چکراتا سا محسوس ہو رہا تھا، پھر وہ دھڑاش چیخ آرٹیونا کے علاوہ کسی اور کی نہیں تھی جو تھوڑے ہی فاصلے سے آئی تھی روبی اچھل کر کھڑی ہو گئی ایک لمحے میں اسے یہ احساس ہو گیا کہ کوئی غیر معمولی واقعہ ہوا ہے کچن تلاش کرنے میں زیادہ وقت نہیں ہوئی کیونکہ کافی کی خوشبو رہنمائی کر رہی تھی لیکن جو کچھ اس نے دیکھا وہ ناقابل یقین تھا، آرٹیونا کچن کے دروازے کا سہارا لئے پتھرائی پتھرائی آنکھوں سے اندر دیکھ رہی تھی اور اس نے مضبوطی سے دروازہ پکڑا ہوا تھا، روبی نے کچن میں جھانکا، کشادہ کچن میں الیکٹرک کے چولہے کے قریب اسے ایک عجیب و غریب منظر نظر آیا۔ میڈم المانہ دونوں ہاتھ ایک کیبنٹ پر رکھے جھکی ہوئی تھیں اور ان کی گردن سینے پر لٹکی ہوئی تھی لیکن حیران کن بات یہ تھی کہ گردن سے خون کی دھار بہہ کر اس برتن میں گر رہی تھی جس میں کافی کا پانی ابل رہا تھا اور خون کے گرنے کی رفتار اتنی ... تھی کہ حیرت ہوتی تھی اس گردن کے لٹکے ہونے کے انداز سے یہ صاف پتہ چلتا تھا کہ وہ سامنے کے حصے سے بہت گہرائی تک کٹی ہوئی ہے، بلاشبہ انتہائی خوفناک منظر تھا جس نے ایک لمحے کے لئے روبی کو بھی لرزا کر رکھ دیا تھا، پھر اس نے آرٹیونا کے آہستہ آہستہ دروازے کے ساتھ نیچے کھسکنے کی آواز سنی اور اس کا بے ہوش جسم زور دار آواز کے ساتھ زمین پر جا پڑا تھا، ایک لمحے کے لئے روبی کے اعصاب بھی کشیدہ رہے مگر دوسرے لمحے اس نے خود کو سنبھال کر میڈم المانہ کے قریب جا کر انہیں غور سے دیکھا، اس بات کی مکمل تصدیق ہو گئی کہ کافی بنانے کے درمیان میڈم المانہ کی گردن پر چھری پھیر دی گئی ہے اور وہ بھی اس طاقت سے کہ ان کا نرخرہ گردن کے عقبی حصے کے قریب تک کٹ گیا تھا اور اس طرح ان چند ہی لمحات میں ان کے جسم کا تمام خون بہہ کر چولہے کے کیبنٹ پر پھیل گیا تھا یہ کام اتنی خاموشی اور آہستگی سے ہوا کہ میڈم المانہ بھی اپنی پوزیشن تبدیل نہ کر پائیں اور ان کے دونوں ہاتھ غیر اختیاری طور پر کیبنٹ پر ٹک گئے لیکن اس سے زیادہ پریشان کن کیفیت اس لڑکی آرٹیونا کی تھی جو اب تک بکواس کر کر کے اس کا دماغ چاٹ چکی تھی اور اب اطمینان سے زمین پر بے ہوش پڑی ہوئی تھی، روبی کو ہنسی آگئی اور اس نے گردن جھٹک کر سوچا کہ اب اس صورت حال کے بعد کیا طریقہ کار اختیار کیا جائے، قاتل یقینی طور پر بالکل ہی قریب موجود تھا اور ہو سکتا ہے اس نے ان لمحات میں میڈم المانہ کی گفتگو بھی سنی ہو جو انہوں نے نام رینڈل کے بارے میں کی تھی اور اس کے بعد اس نے یہی مناسب سمجھا ہو کہ میڈم المانہ کو اس دنیا سے رخصت کر دیا جائے اگر کوئی آس پاس ہی کہیں موجود ہے تو تو روبی ایک دم چوکنی ہو گئی اپنے تحفظ کا خیال بھی بہر طور ایک اہمیت رکھتا ہے اس کے متجسس کان آہٹیں لینے لگے لیکن قرب و جوار میں کوئی آہٹ موجود نہیں تھی، دوسرے لمحے اس نے اپنی جگہ چھوڑ دی، آرٹیونا جائے جہنم میں اس فہرست کی فکر کرنی چاہیے جس میں ان لوگوں کے نام درج تھے اور وہ فوراً ہی اس کمرے میں آگئی جہاں میڈم المانہ انہیں لائی تھیں، متجسس نگاہوں سے اس نے کمرے میں ایسی جگہوں کو تاکا جہاں فہرست قسم کی چیز محفوظ کی جا سکتی تھی اور پھر اس قدر برق رفتاری سے اس نے ان تمام جگہوں کی تلاشی لے ڈالی کہ اسے خود بھی حیرت ہوئی نہایت فہانت سے اس نے اپنا یہ کام سر انجام دیا تھا اور اسے ناکامی ہوئی تھی اس کے بعد اس نے اس چھولے سے خوبصورت کاٹیج کے ہر اس حصے کی تلاشی لے ڈالی جہاں فہرست کی موجودگی کے امکانات ہو سکتے تھے لیکن اسے یہ فہرست دستیاب نہیں ہوئی اس نے مایوسی سے ہاتھ ملے بلاوجہ اتنا وقت ضائع ہوا دراصل میڈم المانہ نے خود ہی اپنی موت کو آواز دی تھی اگر فہرست ان کے ہاتھ میں پہنچ جاتی تو پھر قاتلوں کی توجہ ان لوگوں کی جانب ہوتی اور میڈم المانہ بچ سکتی تھیں اس دوران روبی ہوشیار بھی رہی تھی کہ کب کس طرف سے اس پر حملہ ہو اور وہ حملہ آور سے یا حملہ آوروں سے اپنا تحفظ کر سکے لیکن شاید قاتل میڈم المانہ کو قتل کرنے کے بعد فرار ہو چکے تھے اور انہوں نے ان دونوں خواتین کو قابل اعتنا نہیں سمجھا تھا۔ اس ناکامی کے بعد یہاں مزید رکنا خطرناک تھا چنانچہ روبی آرٹیونا کے پاس پہنچ

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

گئی جس کے بدن میں ہونے والی جنبش بتاتی تھی کہ وہ ہوش میں آرہی ہے۔ روبی نے اس کی بغلوں میں ہاتھ ڈال کر اسے گھسیٹا اور اتنے فاصلے پر لے آئی کہ اس کی نگاہ دوبارہ میڈم المانہ پر نہ پڑ جائے۔ آرٹینا ہوش میں آگئی تھی اس نے حیران نگاہوں سے روبی کو دیکھا اور روبی مسکرادی۔

"اٹھو۔" اس نے آرٹینا کو سہارا دیا۔

"اوہ ..... وہ ..... وہ .....!" آرٹینا کو شاید پھر وہ ہولناک منظر یاد آگیا۔ تاہم وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"آؤ۔۔۔!" روبی اسے بازو سے پکڑے ہوئے کاٹج سے باہر لے آئی اور پھر اس نے اسے کار میں دھکیل دیا۔

"سوری۔ میرے اعصاب، میں ڈرائیونگ نہیں کر سکوں گی۔" آرٹینا نے کہا اور روبی نے اسٹیرنگ سنبھال کر کار جہاں سے آگے بڑھادی۔ میڈم المانہ کو قتل کر دیا گیا۔ آرٹینا چند لمحات کے بعد بولی۔

روبی خاموش رہی تھی۔ سنسان سڑک سیدھی اور سپاٹ تھی مگر اس کے آخری سرے پر دھبا نظر آرہا تھا روبی سنبھل گئی۔ اسٹیرنگ پہل رہا تھا پھر اس کے بارے میں اندازہ لگا لیا گیا وہ رنگین لباس میں ملبوس کوئی خونی آدمی تھا جس نے بیچ سڑک پر کھڑے ہو کر کار کا راستہ روک لیا تھا اور اشارے سے لفٹ مانگ رہا تھا۔

روبی نے کار کی رفتار سست کر دی لفٹ مانگنے کا یہ انداز زبردستی کے مترادف تھا اس نے سر سے پاؤں تک اس حبیس سا شخص کا جائزہ لیا اور کار کی رفتار مزید سست کر دی۔ اس شخص کو اطمینان ہو گیا کہ لفٹ مل جائے گی تو اس نے تھوڑی سی جگہ تبدیل کر دی۔ پھر چہکتے ہوئے لہجے میں بولا۔

"پریشانی کی بات یہ ہے کہ لوگ اپنے ہوائی جہاز کے بریک پر پاؤں نہیں رکھتے۔ مجھے تجربہ ہوا کہ دو حریف اور خوبصورت لڑکیاں زیادہ رحمدل ہوتی ہیں۔ یہ عقبی دروازہ نہیں کھل رہا۔" اس نے ہینڈل پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"آپ پلیز تھوڑے سے پیچھے ہٹیں۔" روبی نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اور وہ لہرا کر گردن خم کر کے پیچھے ہٹ گیا۔ روبی نے پورا کلچ چھوڑا اور کار ایک لمبی چھلانگ مار کر آگے بڑھ گئی۔ آرٹینا کے حلق سے ایک تیز آواز نکلی اور پھر وہ گردن گھما کر پیچھے دیکھنے لگی پھر ہنس پڑی.....!

▽ لوشان نے بالآخر ٹائیگر کو قائل کر ہی لیا، اس سلسلے میں طویل بحث ہوئی تھی اور ٹائیگر نے ہر طرح اس پھندے سے نکلنے کی کوشش کی تھی، جو بہرام کے ذریعے لوشان کے پاس پہنچا تھا اور بہرام نے اسے اس شکنجے میں جکڑنے کی کوشش شروع کر دی تھی۔ لوشان کا کہنا تھا کہ وہ گیارہ افراد جو کوئی بھی ہیں، انہوں نے جن لوگوں کا روپ دھارا ہے وہ درحقیقت خطرناک ہیں اور ان کے مقاصد کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ انہوں نے ان افراد کو قتل کرنا شروع کر دیا ہے جو ان کے خلاف تھے۔

"مگر میں یہ بات کیسے مان لوں کہ مردے زندہ ہو کر تابوتوں سے باہر نکل آئے ہیں اور اپنے حریفوں کے انتقام لیتے پھر رہے ہیں۔"

"میں تم سے متفق ہوں میرے بچے۔ مگر وہ جو کوئی بھی ہیں، تمہیں ان کے مقاصد کا اندازہ تو ہو گا ہی، بے شمار افراد موت کے گھاٹ اتر جائیں گے اور ہمیں اس کی فرصت نہیں ہے کہ ہم ان افراد کی فہرستیں تیار کرتے پھریں، اصل شخصیت تک ہاتھ پہنچانا چاہئے۔"

"اور اس کا ذریعہ کیا ہو گا محترم باپ۔"

"بطخ۔ ایک پلیٹ میں اپنی تمام تر حشر سامانیوں کے ساتھ سجی ہوئی بطخ۔"

"یہ بطخ بیچ میں کہاں سے آکودی۔" ٹائیگر نے متحیرانہ انداز میں لوشان کو دیکھا اور لوشان کے حلق سے بطخ بولنے لگی۔ ٹائیگر براسا منہ بنا کر اسے دیکھتا رہا پھر اس نے کہا۔

"سنا نجو کی قدیم تاریخ کا کھنگالنا بے حد ضروری ہے یہ دیکھنا پڑے گا کہ سنا نجو کی ابتدائی نسل کیا تھی اور یہ کہ اس سے پہلے کہیں وہ کسی جوہڑ کی شکل میں تو نہیں تھا۔"

لوشان کے مسلسل قہقہے ابھرتے رہے، پھر اس نے کہا۔

"سنا نجو کی قدیم تہذیب اور تاریخ تمہارے سامنے ہے برخوردار اس لئے اس کی قدامت پر غور مت کرو، فی الحال جو

طریقہ کار میں نے سوچا ہے اسی پر عمل کرنا مناسب ہے۔"

ٹائیگر نے سوالیہ نگاہوں سے لوشان کو دیکھا، تو اس نے کہا۔

"اگر تم ایک بطخ پوری خوش طبعی کے ساتھ اپنے معدے میں اتار لو، تو وہ تمہاری اس قدر رہنمائی کرے گی کہ تم سوچ بھی نہیں سکتے۔"

"ٹھیک ہے مجھے اس پر اعتراض نہیں ہے، شرط یہ ہے کہ اس بطخ کے جسم پر بھورے بھورے نشان ہونے چاہئیں۔"

لوشان اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے کہا۔ "ٹھیک ہے بالکل ٹھیک ہے، یہ ذمہ داری میں قبول کرتا ہوں، اور اس کے لئے میں تمہیں ایک ایسی جگہ لیے چلتا ہوں، جو تمہیں یقیناً پسند آئے گی۔"

ٹائیگر جانتا تھا کہ اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے کہ لوشان کی ہدایت پر عمل کیا جائے، وہ لوگ جس علاقے میں پہنچے تھے اس میں داخل ہوتے ہی ٹائیگر پر عجیب سے انکشافات ہوئے تھے، دور دراز کا علاقہ تھا اور اس کے لئے انہیں ایک طویل سفر اختیار کرنا پڑا تھا۔ لوشان اپنے مخصوص قسم کے لبادے میں ملبوس کوئی مافوق الفطرت ہستی نظر آتا تھا۔ دیکھنے والوں نے ان دونوں کو حیرت سے دیکھا تھا اور اس طرح ان کی شہرت چند لمحات میں نہ ہو جاتی تو کیا ہوتا۔ لیکن یہ آبادی جو سان بورنا کہلاتی تھی، جرائم پیشہ لوگوں کی آبادی تھی اور یہاں کی سڑکیں، گلیاں اور بازار عجیب و غریب حیثیت کے حامل تھے چوڑے چکلے جسموں والے، سیاہ و سفید نسل کے لوگ گھوم پھر رہے تھے، جگہ جگہ موسیقی کے شور سے کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی، سڑکوں پر کئی جگہ ہنگامے تھے، لوگ لڑتے بھڑتے نظر آئے۔ ٹائیگر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"زندہ دلوں کی بستی۔" لوشان نے انگلی سے ایک سمت اشارہ کیا اور چند لمحات کے بعد وہ اندر داخل ہو گئے۔ لیکن چھوٹے سے تنگ دروازے میں پہلا قدم رکھتے ہی جس شخصیت نے ان کا استقبال کیا وہ چوڑی جسامت کی ایک نوجوان عورت تھی، جس نے بہت ہی بھونڈا اور فرسودہ قسم کا لباس پہنا ہوا تھا اور اس کے روکنے کا انداز بہت عجیب تھا، اس کے ہاتھ میں ایک ہولڈر دبا ہوا تھا، جس میں بہت ہی لمبا سگریٹ تھا اور سگریٹ کے سرے سے دھوئیں کی پتلی سی لکیر ابھر رہی تھی، یہی لکیر عورت کے پتلے پتلے سرخ ہونٹوں سے خارج ہو رہی تھی، اس نے بغور ان کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

"میرا نام کیوشا ہے اور میں تم لوگوں کے لئے ایسی عمدہ رہائشگاہ مہیا کر سکتی ہوں جہاں تم زندگی کی تمام خوشیاں سمیٹ لو گے۔" لوشان نے ایک نگاہ اسے دیکھا اور بولا۔

"زندگی کی خوشیاں حاصل کرنے کے لئے کوئی ایک جگہ تو مخصوص نہیں ہوتی۔"

"اسے میری بھی نہ کہنا لٹل فادر، کیوں کہ اس کے تیور بہت خطرناک معلوم ہوتے ہیں۔" ٹائیگر نے لوشان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور لوشان برا سا منہ بنا کر بولا۔

"تم اسے راستے سے ہٹانے میں کامیاب نہیں ہو رہے ہو؟"

"میں خود تمہارے راستے سے ہٹ جاتی ہوں، لیکن تمہارا انتظار کروں گی۔"

ٹائیگر کی سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ یہ آبادی جو سان بورنیا کہلاتی ہے، کیسی جگہ ہے۔ اس نے پہلے اس علاقے کے بارے میں تفصیلات کیوں نہیں سنیں۔ جگہ جگہ سے منشیات کے دھوئیں اٹھ رہے تھے اور لوگ اپنی اپنی پسندیدہ چیزوں سے تفنن کر رہے تھے، ایک جانب ایک رقاصہ تھرک رہی تھی اور سازندے بے تکے ساز بجا رہے تھے۔ ٹائیگر نے ایک میز کے گرد پڑی ہوئی دو کرسیاں کھینچیں اور لوشان کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"کیا یہ سنا نجو کا کوئی خفیہ دارالحکومت ہے۔" تم نے مجھ سے بطخ کے بارے میں کہا تھا لٹل فادر اور اس کے بعد یہاں لے آئے۔" لوشان پھر قیں قیں کر کے ہنسا اور بولا۔

"تمہیں انسانی لباس میں ملبوس یہ بطخیں نظر نہیں آرہیں۔"

"یہاں تمہارا فلسفہ دم توڑتا نظر آتا ہے لٹل فادر تاہم میں تم سے تعاون کروں گا۔"

تھوڑی ہی دیر کے بعد ان کے سامنے ایک برتن لا کر رکھ دیا گیا جس میں ابتدائی طاہر عبادت کے طور پر انسیون کی

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

دو پیالیاں رکھی ہوئی تھیں لوشان نے ویٹر کا شکریہ ادا کیا اور ویٹر آرڈر لئے بغیر آگے بڑھ گیا۔ ٹائیگر کسی قدر برا سا منہ بنا کر اسے دیکھنے لگا تھا۔ اس نے کہا۔

"افیون کے عرق میں ڈوبی ہوئی بطخ، کیا خیال ہے للی فلاور؟" لوشان نے کوئی جواب نہیں دیا اس کی نگاہیں چاروں طرف بھٹک رہی تھیں، پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

"لوگ ہماری جانب متوجہ ہیں۔"

"اور تم اب بھی مجھے نہیں بتاؤ گے کہ یہاں آنے کا مقصد کیا ہے۔"

"ہمارے حصے میں فی الحال رپ کارسن آیا ہے اس نے بیچ ٹائم انجولیٹ کو قتل کر دیا، بس یہی بات ہے نا، لیکن بات اتنی سی نہیں ہے رپ کارسن آئندہ نجانے کیا کیا اقدامات کرے گا، چارہ گر کے ڈاکٹر بہرام کا کہنا ہے کہ ان لوگوں کا تحفظ ضروری ہے، جو رپ کارسن کا شکار بننے والے ہیں، میں نے مختصر راستہ سوچا ہے، رپ کارسن اگر قبر سے برآمد ہوا ہے تب اور اگر کسی نے اس کا روپ دھارا ہے تب۔ ہم اگر اس کی گردن دبا دیں تو بات خود بخود ختم ہو جائے گی۔"

"تو کیا یہاں رپ کارسن کی موجودگی کے امکانات ہیں؟" ٹائیگر نے سوال کیا۔

"جتنے جرائم پیشہ لوگ ہوتے ہیں وہ سب ایک دوسرے کے شناسا ہوتے ہیں اور سان بورنیا جرائم پیشہ افراد کا مسکن ہے تمہیں یہاں اپنی جگہ بنا کر ان لوگوں میں گھلنا ملنا ہے اور اس کے بعد لازمی امر ہے کہ ان میں سے کوئی نہ کوئی تمہیں ضرور رپ کارسن کے بارے میں بتا دے گا۔" ٹائیگر نے ادھر ادھر دیکھا اور پھر کرسی کی پشت سے گردن لگاتا ہوا بولا۔

"میں سمجھتا ہوں لوشان، کسی سیکرٹ ایجنٹ کی بھونڈی نقل کر رہا ہے۔" تاہم مجھے اس سے کوئی غرض نہیں ہے کیونکہ اس بار لوشان میرے باس کی حیثیت سے معروف عمل ہے۔" لوشان نے کوئی جواب نہیں دیا، کچھ دیر کے بعد وہ اچانک کرسی کھسکا کر کھڑا ہو گیا اور بولا۔

"یہ جگہ ہمارے لئے مناسب نہیں ہے، قیام کے لئے اس صورت کیسٹا کی دعوت قبول ہی نہیں کی جا سکتی، لیکن ہمیں یہاں قیام کے لئے کوئی مناسب جگہ ضرور درکار ہو گی۔ آؤ باہر چلتے ہیں۔"

ٹائیگر نے کوئی جواب نہیں دیا وہ تیرتے ہوئے ہال کے باہر نکل آئے اور چہرے حیرت سے سکڑتے رہے۔ بہت سی آنکھیں ان کے بیروں کا جائزہ لے رہی تھیں اور ٹائیگر کسی رائج پنس کی مانند جوپانی کی سطح پر تیرتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ کار نیوال اور قہوہ خانے یہاں جگہ جگہ بکھرے ہوئے تھے اور پھر ایک بورڈ دیکھ کر وہ ایک بڑی سی عمارت میں داخل ہو گئے جس کے بارے میں صحیح طور پر تو نہیں کہا جا سکتا تھا، لیکن اندازہ یہ تھا کہ اس علاقے میں شاید سب سے شاندار اور مہذب عمارت ہے اور اس مہذب عمارت میں بڑی بڑی میزوں پر جوا چل رہا تھا۔ لوشان نے مطمئن انداز میں گردن ہلائی، یہاں بھی ان دونوں کو دلچسپی کی نگاہ سے دیکھا گیا تھا، بہت سی آنکھوں میں یہ تاثرات تھے جیسے بھوکے شکاری اپنے شکار کو گردش کرتے دیکھ کر یہ سوچ رہے ہوں کہ کون سے زاویے سے ان پر حملہ کیا جائے کہ ان کے بدن میں جنبش بھی نہ ہو سکے، لوشان بھی بہت سی نگاہوں کا مرکز تھا۔ لیکن جب وہ ایک مخصوص ٹیبل پر پہنچے تو کیسٹا کو دیکھ کر حیران رہ گئے۔ جو لب بھی اسی ہولڈر میں سگریٹ لگائے مسکرا رہی تھی۔

"تم جہاں بھی جاؤ گے میں تمہارا تعاقب کروں گی۔ کیونکہ رہائشگاہ حاصل کرنے کے لئے مجھ سے بہتر شخصیت اور کوئی ہے ہی نہیں ہاں یہ دوسری بات ہے کہ تم یہاں سے نکلنے کی کوشش کرو۔ لیکن لوگ جب یہاں آجاتے ہیں تو یہاں کے باشندے ان کے بارے میں مکمل معلومات حاصل کئے بغیر انہیں یہاں سے جانے نہیں دیتے۔" کیسٹا بولی۔ اور لوشان عجیب سے انداز میں انگلی اٹھا کر بولا۔

"ابھی ہمیں قیام گاہ درکار نہیں ہے میری بچی، جس وقت بھی ہم اس کی ضرورت محسوس کریں گے، تمہیں تلاش کر لیں گے ویسے کیا تم فضا میں پرواز کرتی ہوئی یہاں تک آئی ہو۔"

"پرواز کرنے والے پرندوں کو دیکھتی ہوئی یہاں تک پہنچی ہوں، تم لوگوں کی چال بے حد عجیب ہے اور یہاں سب لوگ حیرانی کا اظہار کر رہے ہیں۔"

"بیٹھو۔" لوشان نے اسے کرسی کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا اور کیسٹا بیٹھ گئی۔

"یہاں لوگ ہمارے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے نظر تو نہیں آتے میری بچی۔"

"بوڑھے شخص یہاں کوئی کسی کی بھی نہیں ہوتی اور تم نجانے کیوں اپنے آپ کو اتنا معمر سمجھ رہے ہو، میرے ساتھ کچھ لمحات گزارو جوانی واپس نہ کر دوں تو کیسٹا نام نہیں۔"

ٹائیگر نے زور سے اپنی ران پر ہاتھ مارا اور قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔ پھر اس نے کہا۔

"میڈم کیسٹا میں زندگی بھر آپ کا شکر گزار رہوں گا اور جو کچھ بھی آپ مجھ سے اس کا معاوضہ طلب کریں گی، ادا کروں گا اگر آپ میرے بوڑھے باپ [illegible]"

"تو پھر ملاؤ ہاتھ۔" کیسٹا نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا اور ٹائیگر نے مسکراتے ہوئے گردن ہلائی اور بولا۔

"یوں سمجھ لو کہ میں تم سے ہاتھ ملا چکا ہوں۔" لوشان ان باتوں کے بے نیاز ادھر ادھر دیکھ رہا تھا، پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

"کیا یہاں بطخ کا گوشت مل سکتا ہے؟"

"سان بورنیا میں ہر وہ چیز مل سکتی ہے، جس کی تمہاری جیب سے ہو۔ مجھے اپنا میزبان تصور کرو اور یہ بات ہم بعد میں طے کر لیں گے کہ ہمارے درمیان لین دین کا کیا مسئلہ ہو گا۔"

"مجھے منظور ہے۔" لوشان نے گردن خم کر کے کہا۔ اور پھر وہ رازدارانہ انداز میں کیسٹا سے بولا۔

"کیا سان بورنیا میں اجنبی نہیں آتے۔ یا اگر آتے ہیں تو یہاں نظر آنے والے لوگ ہمیں ایسی نگاہوں سے کیوں دیکھ رہے ہیں؟"

"دراصل یہ ہر اجنبی سے ہوشیار رہنا چاہتے ہیں۔" ویسے کیا تم کسی میز پر جوا کھیلنا پسند کرو گے۔" لوشان نے ایک لمحے کے لئے کچھ سوچا۔ پھر ٹائیگر سے پوچھے بغیر بولا۔

"ہاں میرے نوجوان دوست کو یہ کھیل بے حد پسند ہے میرا خیال ہے تمہیں کسی میز پر [illegible]

تو پھر آؤ، میں تمہیں ایک ایسی جگہ لے چلوں جہاں اچھا پیسانے کا کھیل ہوتا ہے۔ میرا خیال ہے ابھی ڈنر لینے میں کافی وقت ہو گا لیکن تمہیں تمہاری پسند کی اشیا مہیا کی جائیں گی۔

لوشان نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ٹائیگر نے ایک لمحے کے لئے لوشان کو دیکھا اور لوشان نے غیر محسوس انداز میں اسے اشارہ کر دیا۔

کیسٹا اسے ساتھ لئے ہوئے ایک ایسی جگہ پہنچی، جہاں چند معزز لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ یہ معزز لوگ چہرے سے بے حد خطرناک معلوم ہوتے تھے اور ان کے آگے ٹوکن کے انبار لگے ہوئے تھے۔ کیسٹا نے ٹائیگر کا کوئی تعارف نہیں کرایا۔ بس اس سے رقم طلب کی اور رقم کے ٹوکن منگوا لیے۔ دور کچھ فاصلے پر بیٹھا ہوا لوشان گہری نگاہوں سے ان باقی لوگوں کو دیکھ رہا تھا جو ٹوکن کے انبار لگائے کھیل میں مصروف تھے۔ پھر ٹائیگر کے لئے بھی کارڈ تقسیم ہو گئے اور ٹائیگر نے اپنے ذہن اور جسم کو سکون اور آرام کی حالت سے ہمکنار کرنا شروع کر دیا۔ وہ ذہنی طور پر لوشان سے رابطہ قائم کر رہا تھا۔ اور لوشان کی آواز اس کے کانوں میں گونج رہی تھی۔

"تم سکون سے کھیلو گے۔ ان لوگوں کی توجہ حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ تم ان سب کے سامنے لگے ہوئے ٹوکن کے انبار صاف کر دو۔ اور اطمینان رکھو، تمہیں اس سلسلے میں ہدایات دی جاتی رہیں گی۔"

تاش کا کھیل جاری ہو گیا۔ کیسٹا دلچسپ نگاہوں سے اس کھیل دیکھ رہی تھی اور ٹائیگر اپنے تاش ہاتھ میں لئے سوچ رہا تھا کہ اب لوشان کون سا ایسا کارنامہ سرانجام دے گا، جس کی بناء پر ٹوکن کے انبار ان لوگوں کے سامنے سے صاف ہونا شروع ہو جائیں گے۔ لوشان کی آواز اس کے کانوں میں ابھرتی رہی اور ٹائیگر کے دل کی دھڑکنیں بڑھنے لگیں۔ دل کی دھڑکنیں تو کیسٹا کی بھی خراب ہو رہی تھیں، کیونکہ

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ٹائیگر کے سامنے آہستہ آہستہ لوکن کے انبار اونچے ہوتے جارہے تھے۔ کیپٹا کا سینہ دھونکنی کی طرح پھولنے پچکنے لگا تھا، جب کہ ٹائیگر کے ساتھ کھیلنے والے ترچھی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگے تھے۔

اور یہی ہوا، جب کہ بہت زیادہ وقت بھی نہیں گزرا تھا، لیکن ٹائیگر نے اتنی رقم جیت لی تھی کہ اس کے نوٹ تبدیل کرائے جاتے تو انہیں رکھنے کے لئے باقاعدہ ایک بریف کیس درکار ہوتا اور بریف کیس یہاں جیتنے والوں کو تحفے کے طور پر دیا جاتا تھا۔

وہ چاروں قلاش ہوگئے جو ٹائیگر کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے لیکن ان کی آنکھوں میں کینہ توزی کی جھلک نظر آرہی تھی۔ پھر ان میں سے ایک نے کھڑے ہو کر کیپٹا کی طرف دیکھا اور بولا۔

اس کھیل میں ضرور کہیں نہ کہیں بے ایمانی ہوئی ہے۔" کیپٹا نے عاجزی سے کہا۔

"بے ایمانی، اور آپ لوگوں سے۔ نہیں نہیں اور ذیہ کیسے ممکن ہے اور" نے والے اجنبی۔ بھلا آپ جیسے سینہ شق لوگوں کے سامنے کیا کھیل سکتے ہیں۔" اسے اتفاق بھی کہا جا سکتا ہے۔ لیکن اس احساس کے تحت ان میں سے ایک نے کیپٹا کے گریبان پر ہاتھ ڈال دیا اور کیپٹا سہمی ہوئی چڑیا کی مانند پیچھے ہٹ گئی۔ باقی دو افراد نے چاقو نکال لیے تھے اور ٹائیگر کی جانب خونخوار نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ ٹائیگر آہستہ آہستہ اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا اور اس نے دونوں ہاتھ پھیلاتے ہوئے کہا۔

"چونکہ یہ رقم باقاعدہ جیتی گئی ہے اور اس میں کوئی کھوٹ نہیں ہے اس لئے میں اس کا مالک ہوں اور اگر تم لوگ جھگڑا ہی کرنا چاہتے ہو تو اس کے بعد کے حالات کے ذمہ دار تم خود ہو گے۔" ٹائیگر کے جسم نے تیزی سے دفاع کا انداز اختیار کر لیا۔ اور جیسے ہی ان کے چاقو والے ہاتھ ایک مخصوص انداز میں آگے بڑھے ٹائیگر نے اوپر کی جانب کک ماری اس کا ایک بازو بلند ہوا اور اس کے جوتے کا سخت چمڑا ان میں سے ایک کی کہنی سے ٹکرایا اور چاقو ترچھا ہو کر اس کے سینے کے سامنے سے گزر گیا پھر وہ اچانک ہی فضا میں بلند ہوا اور ایک لمحے قبل وہ جہاں بیٹھا ہوا تھا وہیں نیچے آیا، ٹائیگر قلابازی کھا کر اپنی جگہ سے ہٹا تو اس کی ایک انگلی سیدھی ہو کر ان میں سے ایک شخص کی گردن کے نچلے حصے پر پڑی اور لوگوں نے یہ دیکھا کہ نچلے حصے کے سوراخ سے خون کی ایک دھار سیدھی نکل کر سامنے کا رخ اختیار کر چکی ہے ٹائیگر نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ فوراً ہی اپنی پوزیشن تبدیل کر کے عقب سے ان میں سے ایک کے سر کے بال پکڑ لئے اور اس کے بعد اسے زمین سے کئی فٹ اونچا اٹھا کر سر ہی کے بل نیچے گرا دیا پھر اس کا ایک گھونسا اس شخص کی پیشانی کے درمیان ہتھوڑے کی مانند پڑا اور دوسرے لمحے ایک ایسی آواز بلند ہوئی جو شاید کسی کی توقع سے باہر تھی لیکن یہ بھی دیکھا گیا کہ آس پاس کے لوگوں نے اس جنگ میں مداخلت کی کوشش نہیں کی تھی بلکہ اس طرح اپنی اپنی میزوں سے ہٹ کر پیچھے کھڑے ہو گئے تھے جیسے لڑنے والوں کو بہترین موقع فراہم کرنا چاہتے ہوں، تین آدمی کام آگئے تھے لیکن ان بڑے آدمیوں کے ساتھ دوسرے لوگ بھی موجود تھے جو ٹائیگر پر حملہ آور ہوئے تھے، لوشان اپنی جگہ اطمینان سے بیٹھا ہوا تھا اور ٹائیگر ان سب کا حساب کتاب برابر کر رہا تھا تقریباً بارہ افراد ٹائیگر کے ہاتھوں زمین پر دراز ہو گئے اور ان کے بارے میں یہ اندازہ نہیں لگایا جا سکتا تھا کہ ان میں سے کون زندہ ہے اور کون زندگی کی آخری سانسیں لے رہا ہے، ٹائیگر نے ایک لمبی چھلانگ لگائی اور پیٹھ کے بل سہوس دیوار سے رگڑ کھاتا ہوا کچھ اور دور ہو گیا اور اس کی یہ کوشش اس کے حق میں کارگر ہی ہوئی تھی کیونکہ ایک چوڑے جسم کا شخص جو اچانک ہی اندر داخل ہوا تھا اور جس نے اس صورت حال کو دیکھ کر اپنے آپ کو تیار کر لیا تھا اور جس کے ہاتھوں میں دو گول عجیب قسم کے ہتھیار نظر آرہے تھے اپنی اس جست میں ناکام رہا تھا جو ٹائیگر پر لگائی گئی تھی، وہ اپنے ہی زور میں فرش سے ٹکرایا اور اس کے دونوں تیز دھار ہتھیار فرش پر لگے، فرش سے چنگاریاں بلند ہو گئی تھیں اور پتھریلے فرش پر دو گہری لکیریں بن گئی تھیں، اس نے فوراً

ہی شانوں کے بل اپنا زاویہ تبدیل کیا اور دونوں ہتھیار ایک بار پھر سامنے کر کے زمین پر ہاتھ ٹکائے بغیر اٹھ گیا پھر کسی اسپرنگ کے گدے ہی کی مانند وہ اڑتا ہوا ٹائیگر پر آیا، لیکن ٹائیگر اب اس شخص سے پوری طرح ہوشیار تھا، چنانچہ جونہی وہ ٹائیگر، دونوں ہاتھ پھیلا کر اچانک ٹائیگر نے اچانک ہی نیچے چھلانگ لگا دی اس شخص نے ٹائیگر کے پیروں کے دونوں زاویے دیکھ لئے تھے ٹائیگر کے سامنے کے انگوٹھے کھڑے تھے اور اگر وہ ان انگوٹھوں پر اسے روکتا تو یہ یقینی امر تھا کہ دونوں پاؤں اس کے پیٹ میں داخل ہو کر کمر کے عقب سے نکل جاتے اس شخص کی پھرتی بھی قابل دید تھی، راستے ہی میں اس نے الٹی چھلانگ لگائی اور ایک بار پھر زمین پر کھڑا ہو گیا، لیکن پھر دوسری اور تیسری چھلانگ لگا کر وہ دروازے سے باہر نکل بھاگا تھا، ٹائیگر نے اس کا تعاقب نہیں کیا بلکہ سیدھا ہو کر دونوں ہاتھ سامنے کر لئے اور ادھر ادھر دیکھنے لگا کہ شاید کوئی اور مد مقابل ہو لیکن مد مقابل کوئی نہیں تھا جو لوگ موجود تھے وہ حیرت اور خوف سے ٹائیگر کو دیکھ رہے تھے تب آہستہ آہستہ اس کے ہاتھ نیچے گر گئے، کیپٹا جو کافی فاصلے پر کھڑی تھر تھر کانپ رہی تھی ادھر ادھر دیکھنے لگی اور پھر دو قدم آگے بڑھ کر ٹائیگر کے قریب پہنچ گئی اس نے ٹائیگر کے شانے کو چھوتے ہوئے کہا۔

"تت..... تم..... تت..... تم اگر اجازت دو تو میں تمہارے یہ لوکن کیش کر الوں۔" ٹائیگر نے گردن ہلائی اور آہستہ آہستہ چلتا ہوا لوشان کے پاس آبیٹھا، لوشان کے سامنے اب ایک بڑا سا طباق رکھا ہوا تھا جس میں ایک سالم بطخ بہترین سلاد کے ساتھ سجی ہوئی موجود تھی اس نے گردن خم کر کے ٹائیگر کو بیٹھنے کا اشارہ کیا اور ٹائیگر بیٹھ گیا۔ کیپٹا چلی گئی تھی تھوڑی دیر کے بعد وہ ایک بریف کیس لئے ہوئے ان کے سامنے پہنچی اور اس نے بریف کیس کا ڈھکن اوپر اٹھا دیا۔ بریف کیس اوپر تک نوٹوں سے بھرا ہوا تھا۔ لوشان نے بطخ کی ٹانگ توڑتے ہوئے کہا۔

"اس وقت اس سے زیادہ قیمتی شے اس دنیا میں کوئی اور نہیں ہو سکتی، میری بچی آؤ تم بھی میرے ساتھ شریک ہو جاؤ۔" لیکن کیپٹا ان کے ساتھ کھانے میں شریک نہیں ہوئی تھی، ٹائیگر نے بھی ہاتھ آگے نہیں بڑھایا تھا۔ نجانے کیوں اسے اس بات کا یقین تھا کہ بات ابھی ختم نہیں ہوئی ہے جوئے خانے میں اور بھی کچھ ہو گا۔ اور اس کی تصدیق آہستہ آہستہ یوں ہوتی جا رہی تھی کہ لوگوں نے کھسکنا شروع کر دیا تھا۔ وہ اس طرح ان دونوں کو دیکھتے ہوئے گزر رہے تھے، جیسے وہ مجوبے ہوں یہاں تک کہ صرف ہوٹل کے اسٹاف کے لوگ رہ گئے، جو ساکت و جامد کھڑے ہوئے تھے لوشان نے سکون سے شکم سیری کی اور اس کے بعد بڑے مہذب انداز میں ویٹر کو طلب کر کے بل منگوایا۔ اور بل کی ادائیگی کر کے دونوں وہاں سے اٹھ گئے تھے، شاید ہوٹل کے اسٹاف نے ان کے اٹھنے سے اطمینان محسوس کیا تھا، یہ بات ٹائیگر نے بخوبی محسوس کر لی تھی۔

کیپٹا ان کے ساتھ ساتھ باہر آئی، اس کے قدموں کی لغزش بتاتی تھی کہ وہ اپنی کسی اندرونی کیفیت میں بری طرح الجھی ہوئی ہے اور لوشان کم از کم اس کی اس کیفیت کا اندازہ لگا سکتا تھا، کیپٹا نے انہیں معزز گاہک سمجھ کر خوش آمدید کہا تھا لیکن اب اس صورت حال کے بعد اسے یہ احساس ہو رہا تھا کہ وہ کچھ ایسے افراد کو اپنے ساتھ لے جا رہی ہے جن کی دشمنی کا آغاز ہو گیا ہے اور شاید اس نے بھی اس سلسلے میں کوئی بہتر فیصلہ کر لیا تھا چنانچہ وہ لوشان اور ٹائیگر کو لے کر جس جگہ پہنچی وہ وہ جگہ نہیں تھی جہاں اس نے قبل اس کا ان دونوں کو قیام کرانے کا ارادہ تھا۔ بلکہ دستک دینے پر ایک موٹی اور بھدی عورت نے دروازہ کھولا اور کیپٹا نے اسے دیکھ کر کہا۔

"دو معزز گاہک آئی ہوں تمہارے لئے۔ ان کے قیام کا بہتر بندوبست کر دو۔"

"کیوں کیا تمہارے پاس کوئی بہتر جگہ نہیں ہے؟"

"میرے پاس جگہ ہے۔ لیکن ان کے شایان شان نہیں۔ اور میں سمجھتی ہوں کہ تم ان کے لئے بہتر انتظام کر سکتی ہو۔" لوشان کے ہونٹوں پر ایک سبک سی مسکراہٹ

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

پھیل گئی۔ ٹائیگر نے البتہ ان باتوں پر توجہ ہی نہیں دی تھی۔ البتہ جو جگہ انہیں قیام کے لئے دی گئی تھی وہ ان کے معیار کے مطابق تھی، لوشان نے مسہری پر دراز ہوتے ہوئے کہا۔

"اوہ تم خالی پیٹ ہو۔ لیکن میرا خیال ہے یہ عورت تمہارے لئے تمہاری پسند کے کھانے کا بندوبست کردے گی۔ جاؤ اس سے رابطہ قائم کرو۔"

ٹائیگر خاموشی سے کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔ سب سے پہلے اس نے اپنے ہاتھ پاؤں اور چہرہ دھونے کا فیصلہ کیا۔ اس دوران موٹی معمر عورت سے اس نے کھانے کی فرمائش کردی، جس کے جواب میں اس نے گردن خم کر کے کہا کہ اسے اس کی پسند کا کھانا فراہم کر دیا جائے گا۔ لوشان کے پیٹ میں تو سالم بطخ تیر رہی تھی، چنانچہ جب ٹائیگر واپس پلٹا تو لوشان آنکھیں بند کئے مسہری پر دراز تھا ٹائیگر کھانے وغیرہ سے فارغ ہوا اور خود بھی آرام کرنے کی غرض سے مسہری کی جانب بڑھا۔ لوشان کے گہرے گہرے سانسوں سے اسے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ سو گیا ہے۔ لیکن اسے اس بات کا احتمال بھی تھا کہ لمکن ہے وہ جاگ رہا ہو۔ اور یہی ہوا۔ جب وہ آرام کی غرض سے پاؤں پھیلا رہا تھا تو لوشان کی بڑبڑاہٹ

"راتیں بے تنگ سونے کے لئے ہوتی ہیں، لیکن بعض اوقات بعض راتوں میں ذہن کا جاگنا بے حد ضروری ہوتا ہے۔"

ٹائیگر نے گردن اٹھا کر لوشان کو دیکھا۔ اور پھر تکیئے پر گردن رکھ کر لیٹ گیا، اس کی آنکھیں چھت کی نگرانی کر رہی تھیں اور ذہن سوچوں کا شکار تھا۔ سان بورنیا میں یہ ان کی پہلی رات تھی اور ٹائیگر سوچ رہا تھا کہ رپ کارسن کی تلاش کے لئے اور کون کون سے طریقے اختیار کئے جاسکتے ہیں، ضروری نہیں تھا کہ سان بورنیا میں انہیں خاطر خواہ کامیابی حاصل ہو ہی جاتی۔ لیکن مقصد کچھ بھی تھا ڈیتھ البیون، اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک انوکھی کہانی بن چکے تھے اور یہ کہانی ابھی مختصر سی تھی، لیکن وقت بتاتا تھا کہ اس کا پھیلاؤ وسیع تر ہوگا۔ ہاں لوشان نے جو طریقہ کار منتخب کیا تھا وہ ٹائیگر کے خیال میں یہی بہتر ہی تھا، اس سے پہلے کہ باقاعدگی اختیار کر کے ان لوگوں کو کام کرنے کا موقع دیا جائے۔ ان میں سے ایک ایک بھی اگر ہاتھ آتا رہے اور اس کا خاتمہ ہوتا رہے تو زیادہ بہتر ہے، ہر چند کہ ڈاکٹر بہرام کا نظریہ اس کے خلاف تھا لیکن بہرام چارہ گر کے ہیڈ کوارٹر میں بیٹھا ہوا ایک ایسا شخص تھا جسے چارہ گر کی مشینوں میں سے ایک کہا جاسکتا تھا اور مشینیں صرف وہی عمل کر سکتی ہیں، جن کی ان میں صلاحیت ہوتی ہے۔ باہر نکلنے کے بعد حالات جو رخ اختیار کر سکتے ہیں وہ ایک الگ حیثیت کی حامل بات ہے۔ اور دونوں باہر نکل کر اپنے مقصد کو تلاش کر رہے تھے۔

روبی نے بمشکل تمام آرٹینا سے پیچھا چھڑایا تھا اور اپنے ہوٹل پہنچ گئی تھی، میڈم المانہ کے قتل کے بعد اس کے ذہن میں کچھ عجیب سی کیفیات ابھر آئی تھیں، حالانکہ یہاں ایسے اور بھی لوگ موجود تھے جو اس کے معاون کے طور پر کام کر سکتے تھے۔ لیکن اسے یہ ابتدائی ناکامی پسند نہیں آئی تھی۔ ہوٹل میں اپنے بستر پر دراز ہو کر اس نے میڈم المانہ کے بارے میں بھی سوچا۔ بے چاری خاموش طبع عورت جو زندگی کو نجانے کس انداز میں دھکیل رہی تھی، بالآخر اپنی عمر کے اختتام تک پہنچ گئی۔ لیکن اس نے نام ریندل کا نام بتایا تھا۔ اور نام ریندل کے بارے میں جو معلومات روبی کو حاصل ہوئی تھیں اس سے کام آگے بڑھ سکتا تھا۔ بلکہ اگر صحیح معنوں میں سوچا جاتا تو نام ریندل اس کے لئے باعث کشش تھا کیونکہ میڈم المانہ نے گفتگو کے دوران اسے نام ریندل کا حوالہ دے دیا تھا اور اگر المانہ کا قاتل وہاں آس پاس کہیں موجود تھا تو لب اس کی توجہ یقینی طور پر نام ریندل کی طرف ہوگی، لیکن کیا سار تھیا بلیک اپنی نئی حیثیت میں آنے کے باوجود نام ریندل کی حقیقت کو نہیں سمجھ سکا ہوگا۔ تاہم یہ فوراً ہی ممکن نہیں تھا کہ روبی ہر حقیقت سے باخبر ہوتے ہوئے بھی نام ریندل تک پہنچ جاتی پھر اسے آرٹینا کا خیال آیا اور اس نے دونوں ہاتھوں سے سر پکڑتے ہوئے سوچا کہ آئندہ اس لڑکی سے بس قدر دور رہا

جائے بہتر ہے کافی دیر تک وہ آرٹینا کے بارے میں سوچتی رہی، عجیب و غریب لڑکی تھی، اچھی صلاحیتوں کی مالک تھی اور اس پر بھروسہ کیا جاسکتا تھا۔ لیکن اس کا مسلسل ساتھ اسے بے حد پریشان کر سکتا تھا اور وہ سوچ رہی تھی کہ اگر مزید کچھ عرصے اس کا ساتھ رہا تو پھر دماغ میں کچھ اور باقی نہیں رہے گا، سوائے اس کی کائیں کائیں کرتی آواز کے، روبی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اور پھر وہ تشویش سے اپنے آئندہ اقدامات کے بارے میں غور کرنے لگی۔

ڈاکٹر بہرام نے اسے ہدایات دی تھیں اور ان ہدایات کے تحت وہ سار تھیا بلیک کی تلاش میں تھی اسے بتایا گیا تھا کہ اگر سار تھیا بلیک تک کسی طرح اس کی رسائی ہو جائے تو اسے اپنے معاونوں کی مدد سے کیا کرنا ہے ویسے روبی کو اس بار تعجب تھا کہ ڈاکٹر بہرام نے اسے سی آئی اے کے کچھ ایسے افراد کے حوالے کر دیا تھا جو بے تنگ بہترین صلاحیتوں کے مالک تھے لیکن چارہ گر ان میں سے کسی کو اصل حیثیت سے قبول نہیں کر سکتا تھا کیونکہ چارہ گر کی اپنی ایک الگ حیثیت تھی اور اس کا کسی کے علم میں آنا ممکن نہیں تھا، لیکن روبی نے یہ بھی سوچا کہ وہ کسی بھی طرح یہ ظاہر نہیں کر سکتی کہ اس کا تعلق کسی ایسی تنظیم سے ہے جو دنیا بھر کے لئے نامعلوم ہے کسی بھی جگہ سے کسی ایجنٹ کو کسی اہم کام کے لئے بھیجا جاسکتا ہے لوگ کیسے یہ فیصلہ کر سکتے ہیں کہ اس کا تعلق کسی انوکھی تنظیم سے ہے اور یہ بات روبی کے لئے اطمینان بخش تھی،

چارہ گر کا تو واقعی ان معاملات میں کوئی حوالہ ہی نہیں تھا، لیکن سار تھیا بلیک کی جو داستان روبی کے علم میں لائی گئی تھی وہ باعث حیرت تھی، مردوں کا زندہ ہو کر دنیا میں نکل آنا اس صدی میں تو ایک ناقابل یقین واقعہ ہی کہا جاسکتا تھا، لیکن اس سے بھی زیادہ ناقابل یقین واقعات اس صدی کی زینت تھے چنانچہ صرف یہ ایک چھوٹی سی بات باعث حیرت نہیں ہو سکتی تھی کوئی بھی کسی کو کچھ نہیں کہہ سکتا تھا اور کوئی بھی کیس کیسی ہی شکل اختیار کر سکتا تھا، مختلف واقعات سے گزرتے ہوئے روبی کو وہ نوجوان یاد آیا جس نے راستے میں لفٹ مانگی تھی، نوجوان تو نہیں کہا جاسکتا تھا اسے، ادھیڑ عمر کا جاذب نظر آدمی تھا، دفعتاً روبی کو ایک غلطی کا احساس ہوا اس وقت اس چوڑی سڑک پر اور کوئی موجود نہیں تھا اور نہ ہی اس علاقے میں کسی اور شخص سے ملاقات ہوئی تھی، اس نوجوان نے آخر کھلی سڑک پر ان لوگوں سے لفٹ کیوں مانگی تھی۔

روبی کو ایک لمحے کے لئے افسوس ہوا کہ اس نے خوا مخواہ ذہنی خلجان کے عالم میں اس نوجوان کو نظر انداز کر دیا ہو سکتا ہے میڈم المانہ کا قاتل وہی ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کا تعلق براہ راست سار تھیا بلیک سے ہو اور وہ ان لوگوں کی قربت میں آکر یہ جاننا چاہتا ہو کہ میڈم المانہ سے جو معلومات حاصل کی جارہی ہیں ان کا مقصد کیا ہے، روبی کو اب واقعی اس سلسلے میں افسوس ہونے لگا، لیکن افسوس کے یہ لمحات زیادہ طویل نہیں ہونے تھے کہ اس کے کمرے کے دروازے پر دستک ہوئی، روبی کو حیرت ہوئی تھی کہ اس وقت اس کے کمرے کے دروازے پر دستک دینے والا کون ہو سکتا ہے تاہم اس نے اٹھ کر دروازہ کھولا اور یہ دیکھ کر ششدر رہ گئی کہ ابھی جو چند لمحات قبل اس کے ذہن میں تھا دروازے کے سامنے کھڑا مسکرا رہا تھا۔

روبی کے چہرے پر حیرت کے ساتھ ساتھ ہی ایک مسکراہٹ بھی نمودار ہوئی یہ اسی کا کام تھا کہ فوری طور پر فیصلہ کرے اور اس پر ایک لمحے میں عمل شروع کر دے حالانکہ اس کا ذہن حیرانی کے عالم میں تھا لیکن اس نے مسکراتی آنکھوں سے نوجوان کو دیکھا اور پھر ہنس پڑی وہ جانتی تھی کہ کون سا طریقہ کار اختیار کیا جائے جو شک سے مبرا ہو، نوجوان کو ممکن ہے اس کی ہنسی پر حیرت ہوئی ہو تاہم اس نے بھی اس کا اظہار اپنے چہرے سے [illegible]

"معافی چاہتا ہوں آپ کے کچھ لمحات ضائع کرنے کا خواہش مند ہوں۔" روبی دروازے کے سامنے سے ہٹ گئی اور وہ اندر داخل ہو گیا، روبی نے بڑے پراعتماد انداز میں دروازہ بند کر دیا تھا، نوجوان کہنے لگا۔

"آپ کو میری یہاں آمد پر حیرت ہوئی ہوگی لیکن

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

اس سے پہلے میں آپ سے یہ سوال کرنا چاہتا ہوں کہ آپ نے مجھے پہچان لیا؟"

"کیوں نہیں۔" روبی ذرا آویزے لہجے میں بولی۔

"اور پہچاننے کے بعد آپ کو اس بات پر حیرت نہیں ہوئی کہ میں آپ تک کیسے پہنچ گیا؟"

"ہوئی ہے۔" روبی نے آہستہ سے جواب دیا۔

"تاثرات کیا ہیں آپ کے میرے بارے میں؟"

"یہی کہ آپ ایک مافوق الفطرت انسان ہیں مسٹر، مسٹر میں آپ کو کس نام سے مخاطب کروں؟"

"جم کارک ہے میرا نام۔" اس نے جواب دیا۔

"مجھے اس بات پر حیرت ہوئی کہ آپ یہاں تک کیسے پہنچ گئے۔"

"آپ اسے میرا مشغلہ سمجھ لیں۔"

"یہ سوال میرے ذہن میں آتا ہے کہ آپ یہاں کیوں پہنچ گئے؟"

"گڈ، وری گڈ، بالکل درست سوال ہے دراصل تیز طرار لڑکیاں میری کمزوری ہیں اور آپ نے جس طرح مرنک پر مجھے دھوکا دیا اس نے مجھے متاثر کیا بس اس کے بعد یہ ضروری تھا کہ میں کسی طرح آپ تک پہنچنے کی کوشش کروں۔"

"اور اگر میں یہ سوال کروں آپ سے مسٹر کارک کہ آپ کا یہاں آنے کا ذریعہ کیا رہا تو؟"

"تو میں اس کا ابھی آپ کو جواب نہیں دوں گا۔"

"ٹھیک ہے میں آپ کو مجبور بھی نہیں کروں گی۔"

"میں آپ کا نام معلوم کر سکتا ہوں؟"

"روبی۔" روبی نے جواب دیا۔

"خوب، تو مس روبی کیا آپ یہ بتانا پسند کریں گی کہ اب آپ میرے ساتھ کیا سلوک کریں گی، میرا مطلب ہے میرے اس طرح یہاں آجانے پر۔"

"نہیں نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے دراصل اس وقت میں کچھ عجیب سے ذہنی بحران کا شکار تھی اور آپ کو نظر انداز کر کے چلی آئی تھی مجھے ہنسی اس بات پر آئی کہ میں آپ کو دھوکا دینے میں کامیاب ہو گئی تھی اور آپ دیکھتے رہ گئے تھے۔" روبی نے شوخ انداز اختیار کیا تھا۔

"ہاں یقینی طور پر مجھے امید نہیں تھی کہ آپ اس طرح مجھے نظر انداز کر کے چلی آئیں گی، خیر چھوڑیئے کیا مشاغل ہیں آپ کے؟"

"کچھ نہیں بغرض سیاحت۔ یہاں آئی ہوں۔"

"گویا زندگی سے لطف اندوز ہو رہی ہیں؟"

"ہاں۔"

"تو کیا میں یہ درخواست کر سکتا ہوں کہ کل آپ مجھے تھوڑا سا وقت دیں؟"

"کیا حرج ہے۔" روبی نے فراخدلی سے کہا۔

"مجھے آپ سے مل کر واقعی بہت خوشی ہوئی ہے مس روبی اور اپنے بارے میں تو میں بتا ہی چکا ہوں آپ کو کہ ایسی تیز طرار لڑکیاں جو مجھے دھوکا دے دیں مجھے بہت پسند ہیں، کل میں کس وقت حاضر ہو سکتا ہوں؟"

"جب آپ پسند کریں۔" روبی نے جواب دیا۔

"آپ انتظار کریں گی نا میرا؟"

"ہاں۔" روبی بولی۔

"گڈ، تو پھر کل ساڑھے دس بجے صبح میں آپ کے پاس پہنچوں گا اور ہم یہاں سیر و سیاحت کا پروگرام ترتیب دیں گے۔" روبی نے آنکھیں بند کر کے گردن ہلائی اور وہ اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔

"اصولی طور پر جب ہمارے درمیان دوستی کا آغاز ہوا ہے تو اب مجھے آپ کو زیادہ پریشان نہیں کرنا چاہئیے اس لئے خدا حافظ۔"

"اگر آپ چاہیں تو میرے ساتھ ایک کپ چائے۔" روبی نے پیشکش کی لیکن وہ دونوں ہاتھ اٹھا کر بولا۔

"نہیں مس روبی، بس میں اس دوستی کو قائم رکھنا چاہتا ہوں۔"

"بہت بہت شکریہ کوئی حرج نہیں ہے۔" روبی نے اسے خدا حافظ کہا اور نوجوان باہر نکل گیا، روبی حیرت زدہ انداز میں مسکراتی رہی تھی نوجوان کی یہ دوسری کوشش، اس کا مطلب ہے کہ وہ بھی روبی سے دلچسپی لے رہا ہے،

کیوں اور کس لئے یہ بات کافی گہرائیوں میں سوچنے والی تھی لیکن روبی اس سے خوفزدہ نہیں تھی یہ تو اچھا ہوا کہ کام کرنے کے لئے ایک قدم آگے بڑھانے کا موقع مل گیا، نوجوان کو پوری طرح پڑھنا پڑے گا اور اگر اور اگر روبی ایک گہری سانس لے کر خاموش ہو کر خلاء میں گھورنے لگی۔

سان بورنیا کے اس علاقے کو دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا تھا کہ یہاں کوئی حکومت قائم نہیں ہے حالانکہ یہ ایک باقاعدہ ملک کا باقاعدہ حصہ تھا اور ایک باقاعدہ شہر سے منسلک تھا لیکن شہری آبادی سان بورنیا سے دور ہی دور رہتی تھی ہاں وہ جو جرائم پیشہ ہوتے تھے اور جو دنیا کے ہر برے کام میں دلچسپی لیتے تھے سان بورنیا ہی کا رخ کرتے تھے۔ یہاں زندگی پوری طرح رواں دواں رہتی تھی دن اور رات کا کوئی تعین نہیں تھا ہر لمحہ ہر تفریح فراہم ہو سکتی تھی اس کے علاوہ یہاں رہنے والوں کے بارے میں بھی اس علاقے کو دیکھ کر کچھ عجیب و غریب سے تاثرات پیدا ہوتے تھے، عمارتیں مختلف انداز کی بنی ہوئی تھیں، کہیں پگوڈے نما عمارتیں نظر آتی تھیں کہیں ہاؤسز کے مخصوص طرز کے مکانات جن کے سامنے باقاعدہ پن چکیوں کے نشان ہوتے تھے کہیں کچھ اور کہیں کچھ یوں لگتا تھا جیسے یہ ایک ملی جلی آبادی ہو لیکن اس آبادی کا اختتام ایک بہت بڑی عمارت پر ہوتا تھا، جس پر دو گنبد بنے ہوئے تھے نکمن گنبد جن کے بارے میں صحیح طور پر اندازہ نہیں لگایا جا سکتا تھا کہ یہ کس قسم کے گنبد ہیں اسے ایک خانقاہ کی حیثیت حاصل تھی اور اس خانقاہ میں الشوش رہتا تھا آقائے الشوش جس کی اس علاقے میں بڑی دھاک تھی وہ کون تھا،

اس کے بارے میں شاید سان بورنیا کا رہنے والا کوئی بھی فرد کچھ نہیں بتا سکتا تھا لیکن یہ بات سبھی جانتے تھے کہ سان بورنیا میں جب کوئی ایسا کام ہو جائے جسے سنبھالنے والا کوئی نہیں ہو تو بات آقائے الشوش تک پہنچتی ہے اور آقائے الشوش اپنے آدمیوں کے ذریعے ہر مشکل مسئلہ طے کر دیتا ہے، آقائے الشوش کے بے شمار ہرکارے سان بورنیا کے ہر گوشے میں پھیلے رہا کرتے تھے اور وہ مسائل حل کیا کرتا، قائم ہرکاروں کی ایک خاص عزت تھی اور جہاں بھی وہ آقائے الشوش کے نام پر اپنے کام کا آغاز کرتے تھے وہاں انہیں روکنے والا کوئی نہیں ہوتا تھا۔

وہ لوگ جن کا جھگڑا ٹائیگر اور اوستان سے ہوا تھا جو جوئے میں ہارے تھے درحقیقت آقائے الشوش ہی کے آدمی تھے اور کیپٹا نے جب ان کی موت کا منظر اپنی نگاہوں سے دیکھا اور آقائے الشوش کے ایک خاص ہرکارے موٹی کو ٹائیگر کے مقابلے میں شکست کھا کر فرار ہوتے ہوئے دیکھا تو اس نے اپنی آمدنی کا ارادہ فوراً ملتوی کر دیا حالانکہ نئے آنے والوں کو لوٹنا کیپٹا کا کام تھا اور وہ اس سلسلے میں سارے گر جانتی تھی اور ان دونوں کو بھی اس نے اسی لئے تاکا تھا کہ وہ اس کے لئے بہترین آسامی بن سکتے تھے لیکن صورت حال خاصی مختلف ہو گئی تھی ان لوگوں نے آقائے الشوش کے سارے ہرکاروں کی جیبیں خالی کرا دی تھیں اور اپنا بریف کیس نوٹوں کے انبار سے بھر لیا تھا۔

ایسی صورت میں تو کیپٹا جیسی عورتیں جان کی بازی لگانے پر تیار ہو جاتی تھیں، لیکن یہ آقائے الشوش ہی کا نام تھا جس کی بنا پر کیپٹا اپنی آسامی چھوڑ کر بھاگنے پر مجبور ہوئی تھی اور وہ جانتی تھی کہ آقائے الشوش اس سے جواب طلبی ضرور کرے گا کیونکہ ایک طرح سے اب وہ خود ان لوگوں کی میزبان تھی، لیکن اس نے فوراً ہی اپنی یہ مصیبت دوسری عورت کے سر ڈال دی تھی جو خود بھی سانوں کے قیام کے لئے بندوبست کیا کرتی تھی اور اس کے بعد اس کی وہاں سے واپسی سیدھی خانقاہ کی جانب ہی ہوئی وہ تیز قدموں سے چلتی ہوئی خانقاہ کی طرف جا رہی تھی، جانتی تھی کہ موٹی شکست کھانے کے بعد وہاں پہنچ چکا ہو گا اور اس نے یہ کہانی بہت پہلے سے سنا دی ہو گی چنانچہ جب وہ خانقاہ پہنچی تو اس کا اندازہ درست ہی ثابت ہوا، خانقاہ میں ایک چہل پہل کی سی نظر آ رہی تھی حالانکہ عموماً یہاں خاموشی طاری رہا کرتی تھی اور آقائے الشوش کے وہ خاص محافظ جو خانقاہ میں ہر لمحہ موجود رہتے تھے اور پتھروں کی طرح ہر گوشے میں

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

تعینات ہوا کرتے تھے اس وقت متحرک نظر آ رہے تھے۔ کیپٹا نے ان میں سے ایک سے کہا کہ وہ آقائے التموش کی قدم بوسی چاہتی ہے اور اسے فوراً ہی وہاں تک رسائی حاصل ہو گئی۔

اس نے مونی کو آقائے التموش کے سامنے دوزانو بیٹھے دیکھا، آقائے التموش زیادہ سے زیادہ پانچ فٹ کا دبلے پتلے بدن کا آدمی تھا، اس کی ڈاڑھی لمبی اور گال پچکے ہوئے تھے جبڑوں کی ہڈیاں ضرورت سے زیادہ ابھری ہوئی تھیں، آنکھیں صرف ایک لکیر کی مانند پھیلی ہوئی نظر آتی تھیں، پیشانی انتہائی تنگ تھی اور جسم کی بناوٹ کیکڑے سے مشابہت رکھتی تھی اس دبلے پتلے جسم کے ساتھ وہ نجانے کیا شے تھا کہ اس نے بڑے بڑے لوگوں کو قابو میں کیا ہوا تھا، آقائے التموش خاموشی سے بیٹھا اپنے ہاتھ میں پکڑی لمبی تسبیح ہلا رہا تھا اور تسبیح کے آہنی دانے کٹ کٹ کر کے ایک دوسرے پر گر رہے تھے، مونی کی گردن اسی طرح جھکی رہی آقائے التموش نے کیپٹا کو دیکھا اور انگلی سے اشارہ کر کے اسے اپنے قریب بلایا، کیپٹا اس کے سامنے پہنچ کر رکوع کی حالت میں جھک گئی اور پھر سیدھی ہو کر بولی۔

"مونی یہاں پہنچ چکا ہے کاش میں اس کے آنے سے پہلے یہاں آ کر صورت حال بتا سکتی۔"

"کوئی بات نہیں ہے عزیزہ لب کہو کیا کہنا چاہتی ہو؟"

"وہ دونوں یہاں نووارد ہیں اس سے پہلے انہیں نہیں دیکھا گیا، کچھ عجیب سے ہیں خاص طور سے ان کے چلنے کا انداز یوں محسوس ہوتا ہے جیسے وہ فضا میں تیر رہے ہوں، نوجوان بہت خوبصورت ہے اور بوڑھا شخص بے حد پراسرار وہ ایک لبادے میں ملبوس کسی سرکس کا جوکر نظر آتا ہے یا پھر کسی نامعلوم فرقے کا مذہبی پیشوا ہے لیکن ہم ان کی حیران کن چال پر متحیر رہ جاتے ہیں، جوتے میں جیتنے کا مسئلہ تھا کہ میں خود بھی وہاں موجود تھی اور میں نے اپنی تمام تر مہارت کے باوجود یہ اندازہ نہیں لگایا کہ انہوں نے جوتے میں کوئی بے ایمانی کی لیکن جب وہ لوگ ان پر بگڑ گئے تو انہوں نے بہت ہی بدترین سلوک کیا ان کے ساتھ مونی شاید وہاں موجود تھا اس نے ان کی مدد کرنا چاہی لیکن کامیاب نہیں ہو سکا میرا فرض تھا کہ میں یہاں آ کر صورت حال بتاتی۔"

"تم نے بہت اچھا کیا عزیزہ اب تم جاؤ اور فکر نہ کرو ہم کچھ نہ کچھ کر لیں گے، ویسے مہمانوں کے بارے میں کوئی صحیح رائے قائم کرنا مشکل ہوتا ہے تاہم ہم مشکل کاموں کو بہت دیر تک اپنے اوپر مسلط نہیں رکھتے جاؤ تم جاؤ میری بچی بے فکر ہو کر جاؤ۔"

کیپٹا الٹے قدموں وہاں سے واپس نکل گئی، آقائے التموش خاموش بیٹھا کچھ سوچ رہا تھا اور اس کی تسبیح کے دانے مسلسل گر رہے تھے، پھر اس نے نگاہیں اٹھا کر مونی سے کہا۔

"ہو سکتا ہے غصے کی شدت میں تم اپنے اعصاب پر قابو نہ رکھ پائے ہو۔"

"اس کے امکانات ہیں آقائے التموش میرے لئے کیا حکم ہے؟"

"نہیں مونی میں تمہیں دوبارہ ان کے سامنے نہیں بھیجوں گا، لیکن میں انہیں اس دنیا میں بھی دیکھنا نہیں چاہتا لہٰذا تم جاؤ اور ان پانچ ساتھیوں کو بھیج دو جو ایسے موقعوں پر اہم ترین فریضے سرانجام دیتے ہیں۔"

مونی نے اٹھ کر اسی انداز میں گردن جھکائی جس طرح کیپٹا نے جھکائی تھی اور اس کے بعد باہر نکل گیا، کچھ دیر کے بعد پانچ آہن پوش اندر داخل ہو گئے، جسمانی بناوٹ سے وہ دیوزاد معلوم ہوتے تھے اور ان کے جسم کی بوٹی بوٹی پھڑک رہی تھی، آنکھوں کی تیزی بتاتی تھی جیسے وہ سروں کی ہڈیاں توڑ کر اندر داخل ہو جانے کی صلاحیت رکھتی ہیں، آقائے التموش نے بدستور نرم اور حلیم لہجے میں کہا۔

"جن دو نووارد وں کی نشاندہی کی گئی ہے انہیں کیپٹا نے مناسب جگہ پر ٹھہرا دیا ہے لیکن ان کے قتل کے لئے رات کی تاریکی نہیں دن کی روشنی بہتر رہے گی اور یہ کام تم لوگوں کو سرانجام دینا ہے، کیا تم یہ محسوس کرتے ہو کہ ایک ایسا شخص جو مونی کو شکست دے دے تم لوگوں کے لئے باعث پریشانی بن سکتا ہے۔"

"نہیں آقائے التموش ہم تیرے غلام ہیں اور تُو نے

اپنے غلاموں کو جو قوت بخشی ہے وہ ناقابل تسخیر ہے۔"

"تو پھر اعتماد کے ساتھ جاؤ اس مکان کی نگرانی کرو اور پھر انہیں بھری پُری جگہ قتل ہونا چاہئیے تاکہ دوسروں کو اس بات کا احساس رہے کہ آقائے التموش کے ہرکارے عام لوگوں سے اچھی حیثیت کے مالک ہوتے ہیں۔"

"ان پانچوں نے گردنیں خم کیں اور نپے تلے قدم اٹھاتے ہوئے وہاں سے باہر نکل گئے۔

رات بیت گئی صبح کی روشنی نمودار ہوئی ٹائیگر اور اوشان اس نئی رہائش گاہ میں مطمئن تھے اوشان کا مقصد یہی تھا کہ یہاں آنے کے بعد وہ کسی ایسے ذریعے سے رپ کارسن کے بارے میں معلومات حاصل کرے جو موثر ہو۔ لیکن یہاں آ کر جس صورت حال کا سامنا کرنا پڑا تھا اسے دیکھ کر اوشان کو یہ اندازہ ہوا تھا کہ یہاں اپنی جگہ بنانے کے لئے پہلے کافی جدوجہد کرنا ہو گی اور اس کے بعد ہی صورت حال میں کسی بہتری کے امکانات ہو سکتے ہیں چنانچہ اپنے طور وہ محتاط ہو گیا تھا اور اس نے ٹائیگر کو محتاط کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی تھی۔

سڑک پر خاصی رونق تھی۔ دو رویہ دکانوں ہوٹلوں اور شراب خانوں کے بورڈ اور نیون سائن دھوپ میں چمک رہے تھے۔ شہر کے دیگر علاقوں میں تو ایسی جگہوں پر زندگی سورج کی آخری کرن غروب ہوتے ہی طلوع ہو جاتی تھی مگر سان بورنیا جیسے علاقوں میں اس اصول کا اطلاق نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ ہر ہوٹل اور شراب خانہ چوبیس گھنٹے کھلا رہتا تھا۔ اس وقت بھی جبکہ ابھی سورج کو طلوع ہوئے چند گھنٹے ہی گزرے تھے۔ شہزاد کو ہر طرف زندگی کی تمام رونقیں بیدار اور رقص کرتی محسوس ہو رہی تھیں۔ فضا میں ہر طرف پھولوں کی مہک کی بجائے منشیات کی بدبو پھیلی ہوئی تھیں شہزاد کی جگہ اگر کوئی عام آدمی ہوتا تو شاید وہ اس بدبو سے چکرا کر گر پڑتا مگر شہزاد کوئی عام آدمی نہیں تھا۔ اس کی تربیت سرگوشی اور اوشان جیسے وقت کے استادوں نے کی تھی۔ اس تربیت پر کروڑوں ڈالر خرچ ہوئے تھے۔

اسی لیے منشیات کی یہ بدبو اس پر ذرہ برابر بھی اثر انداز نہیں ہو رہی تھی۔ اور وہ کسی بے فکرے کے سے انداز میں ٹہلتے ہوئے آگے بڑھ رہا تھا۔ اس کی کسی حرکت سے یہ اندازہ نہیں ہو رہا تھا۔ کہ وہ خصوصیت کے ساتھ کسی جانب متوجہ ہے۔ حالانکہ وہ اپنے تعاقب میں آنے والے ان پانچ گرانڈیل آدمیوں کو دیکھ چکا تھا جو قدرے فاصلہ رکھے عقب میں آ رہے تھے۔

ٹائیگر ان پانچوں کی نگرانی سے رات ہی کو واقف ہو چکا تھا۔ جب ہوٹل کی خوبصورت ویٹر کھانا لے کر اس کے کمرے میں داخل ہوئی تھی۔ ٹائیگر نے اس کی آنکھوں سے جھانکتی ہوئی کیفیت سے بھانپ لیا تھا کہ اس کے بارے میں کوئی فیصلہ ہو چکا ہے مگر اسے ویٹر حسینہ کے دل میں چلنے والی معلومات کو ہونٹوں کا راستہ دکھانے میں زیادہ محنت نہ کرنا پڑی۔

جب وہ ویٹر اس کی طلسماتی گرفت سے نہ چاہتے ہوئے بھی آزاد ہو کر اپنی بے ترتیب سانسیں اور پھیلی ہوئی لپ اسٹک درست کرنے لگی تو ان پانچوں گرانڈیل اور ان کے باس کے بارے میں سب کچھ ٹائیگر کے علم میں آ چکا تھا لیکن اس نے انہیں رات ہی کو ختم کرنے کی کوئی کوشش نہ کی بلکہ انہیں اپنا کھیل مکمل کرنے کا موقع فراہم کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔

ٹائیگر کی تمام حسیات بیدار تھیں۔ اور وہ ان کے کسی بھی اقدام کا سامنا کرنے کے لیے پوری طرح تیار تھا۔ اس وقت وہ ایک ایسی دکان کے سامنے کھڑا تھا جس کے شوروم میں ایک ایسی حسینہ جس کے چہرے پر ان گنت بھورے بھورے تل تھے مختلف ملبوسات کی نمائش کر رہی تھی مگر وہ لباس ایسے تھے جنہیں لباس کہنا لباس کی توہین تھی۔ اس شوروم کے سامنے لوگوں کی ایک بھیڑ جمع تھی جو لباس میں کم مگر لڑکی کے سراپا سے زیادہ دلچسپی لے رہے تھے اور طرح طرح کے فقرے چست کر رہے تھے۔

"ٹائیگر بھی بظاہر لڑکی کے سراپا کے سحر میں کھویا ہوا تھا مگر در حقیقت وہ اپنے تعاقب میں آنے والوں کی طرف متوجہ تھا۔ جو اب اس کے عقب میں بالکل اس سے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

تک کر کھڑے ہو گئے تھے اس وقت اپنے طور پر انہوں نے ٹائیگر کے فرار کا راستہ بالکل مسدود کر دیا تھا۔

ٹائیگر نے کن انکھیوں سے جائزہ لیا دو افراد اس کے دائیں جانب کھڑے تھے اور دو بائیں جانب جبکہ ان میں سے ایک عقب میں اس طرح جڑا کھڑا تھا کہ اس کی گرم سانسیں ٹائیگر کو اپنی گردن پر صاف محسوس ہو رہی تھیں۔ یہ صورت حال اس کے حق میں تھی۔

شو روم کی حسینہ بڑے انہماک سے اپنے کام میں مصروف تھی۔ کبھی کبھی وہ شیشے کے عقب میں کھڑے ہوئے تماشائیوں کی طرف دیکھ کر اپنی خوبصورت مسکراہٹ بھی اُچھال دیتی تھی۔ ایسے ہی ایک لمحے میں جب اس نے مسکراتے ہوئے تماشائیوں کی جانب دیکھا تو اس کی نگاہ شہزاد پر پڑی جس کے ہونٹوں پر ایک دلفریب مسکراہٹ سجی ہوئی تھی۔ آنکھوں میں ہیروں جیسی چمک تھی۔ ایک لمحے کے لیے وہ گڑبڑا سی گئی۔ اسے یوں لگا جیسے یونانی دیومالا کا کوئی دیوتا مجسم اس کے سامنے آ کھڑا ہوا ہو۔ اس کے دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہونے لگیں۔

پھر جونہی اس نے اس کے ارد گرد ان پانچ گرانڈیل آدمیوں کو دیکھا جو اکائے التوش کے خاص غنڈے تھے۔ اس کی آنکھوں میں خوف کے سائے اُمڈ آئے۔ وہ سر جھٹک کر دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔ مگر اب اس کے انداز میں وہ پہلے جیسی دلچسپی کا اظہار نہیں ہو رہا تھا۔ وہ کوشش کر رہی تھی کہ اس کی نگاہ دوبارہ تماشائیوں کی جانب نہ اٹھے۔

ٹائیگر کے ہونٹوں پر پھیلی ہوئی مسکراہٹ لب مزید گہری ہو گئی تھی۔ اس نے بظاہر کسی تھکے ہوئے آدمی کی طرح رخ بدلنے کی کوشش کی نتیجتاً اس کے دائیں بائیں کھڑے ہوئے آدمی چند انچ پیچھے سرکے مگر اس اثناء میں ٹائیگر کی دائیں کہنی نے پہلے بڑے غیر محسوس انداز میں پیچھے کی جانب اور پھر دائیں جانب حرکت کی اسی انداز میں اس کی بائیں کہنی نے بھی اپنے ہدف کی جانب حرکت کی تھی۔ جواب میں ان تینوں نے کوئی آواز نکالے بغیر اپنا بوجھ ٹائیگر پر ڈال دیا۔

ہجوم اب بھی نعرے لگا رہا تھا اور طرح طرح کے فحش فقرے چست کر رہا تھا باقی دو نے جو اپنے تین ساتھیوں کو یوں ٹائیگر پر جھکا دیکھا تو ان کی آنکھوں میں ایک لمحے کے لیے حیرت سے پھیل گئی ان دونوں کے ہاتھ بے ساختہ ایک ساتھ اپنے ساتھیوں کے کندھے کی طرف بڑھے لیکن اسی اثناء میں ٹائیگر کے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں کسی کمان سے نکلے ہوئے تیروں کی طرح ان کی پسلیوں میں اُتر گئیں۔ یہ سب کچھ اتنی تیزی اور صفائی سے ہوا تھا کہ ان کے حلق سے ہلکی سی آواز تک نہ نکلی تھی۔

ٹائیگر خاموشی سے اپنے جسم کو ان کی بغلوں سے گزارتے ہوئے ہجوم سے نکل گیا۔ وہ پانچوں ایک لمحے تک اپنے ارد گرد جمع لوگوں کے سہارے کھڑے رہے اور پھر جونہی ہجوم میں ذرا ہلچل ہوئی وہ دھڑام سے نیچے آ پڑے۔ ان کے گرتے ہی ہجوم میں کھلبلی سی مچ گئی۔ گو اس علاقے میں قتل و غارت کوئی خاص بات نہیں تھی۔ بلکہ روز مرہ کا معمول تھا مگر اس وقت مرنے والے کوئی معمولی آدمی نہیں تھے۔ بلکہ اکائے التوش کے وہ آدمی تھے جن کی دہشت سے بڑے بڑے مجرموں کا پتہ پانی ہو جاتا تھا۔

لڑکی نے ہجوم میں غیر معمولی ہلچل محسوس کر کے دوبارہ اس جانب دیکھا تو وہ یونانی اپنی جگہ سے غائب ہو چکا تھا۔ جبکہ اکائے التوش کے غنڈے لاشوں میں تبدیل ہو چکے تھے۔ نوجوان کو اپنی جگہ موجود نہ پا کر اسے یک گونہ خوشی سی محسوس ہوئی تھی۔ وہ اپنی اس کیفیت کو کوئی نام نہ دے سکی پھر وہ اپنے خیالات سے اس وقت چونکی جب دکان کے ایک ملازم نے باہر ہنگامے کے باعث شٹر نیچے گرایا۔ وہ پلٹ کر دکان کے اندرونی حصے کی طرف بڑھی۔ پھر وہ یکایک ٹھٹک گئی۔ وہی نوجوان دونوں کہنیاں کاؤنٹر پر ٹکائے کھڑا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر اب بھی وہی دلفریب مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ اس کے دل کی دھڑکنیں ایک بار پھر بے ترتیب ہونے لگیں۔ اس کے قدم بے ساختہ اس کی جانب اُٹھنے لگے۔

"مجھے شیلا کہتے ہیں۔" وہ قریب پہنچ کر خواب آلود لہجے

میں بولی۔

"اور مجھے خوابوں کا شہزادہ۔" ٹائیگر کاؤنٹر پر آگے کی جانب جھکتے ہوئے بولا۔

"اوہ سویٹ ہارٹ تم واقعی شہزادے ہو۔" وہ بدستور خوابناک لہجے میں بولی۔

"سنو ہنی، کیا تمہیں معلوم ہے جس لڑکی کے چہرے پر بھورے تل نہ ہوں وہ کیسی ہوتی ہے؟" ٹائیگر نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ کی پشت پر رکھتے ہوئے کہا۔

"نہیں۔" وہ سکاری لے کر اس طرح بولی جیسے وہ کیف و انبساط کی انتہائی منازل کو چھو رہی ہو۔

جس لڑکی کے چہرے پر بھورے تل نہ ہوں اس کی مثال اس رات کی مانند ہوتی ہے جس رات آسمان پر ستارے نہ نکلے ہوں۔"

"اُف..... واقعی۔" لڑکی نے زور سے اپنی آنکھیں بھینچ لیں اور پھر جب اس نے اپنی پلکوں کی چلمن اُٹھا کر سامنے دیکھا تو وہ نوجوان جا چکا تھا۔ اس کا دل یکایک بھر آیا۔ اس کا جی چاہا کہ وہ پھوٹ پھوٹ کر روئے مگر وہ ایسا نہ کر سکی۔ باہر شور دم بہ دم بڑھتا جا رہا تھا۔

★★

نام ریندل خوش و خرم زندگی گزار رہے تھے اس پُر آسائش زندگی کے حصول کے لیے اس نے شدید جدوجہد کی تھی۔ وہ شناسا حلقوں میں ماسٹر برین کہلاتا تھا اور اپنے حاسدوں کو چت کرنے کے لیے اس نے ایسے ایسے گُر استعمال کیے تھے کہ اس کے شناسا ششدر رہ جاتے تھے۔ نام ریندل کا کہنا تھا کہ اگر دشمن کو شکست دینے کے لیے ہاتھ استعمال کیے تو پھر بات ہی کیا رہ گئی۔ ایک عام جرائم پیشہ شخص اس کے علاوہ اور کیا کرتا ہے مزا تو جب ہے کہ دشمن سوچتا رہ جائے کہ اس کے ساتھ کیا ہوا گا لیکن یہ بھی نام ریندل کی ایک چال ہوتی تھی۔ کوئی بھی نہیں جانتا تھا کہ در پردہ ایک ایسا چھوٹا سا گروپ نام ریندل کے ان مقاصد کے لئے کام کرتا ہے جو دماغی طور پر حل نہیں ہو پاتے اور اس طرح نام ریندل نے انتہائی خیانت سے اپنی زندگی گزاری اور اتنا مال و دولت جمع کر لیا کہ اب اسے کسی شے کی پروا نہیں تھی۔ ایک باقاعدہ خاندان تھا اس کے بیٹے، بیٹیاں، پوتے، پوتیاں گو عمر اتنی زیادہ بھی نہیں تھی کہ زندگی سے بالکل ہی تھکن محسوس ہو لیکن چونکہ فراغت کے لمحات تھے اس لیے وہ یہ تھکن محسوس کرنے لگا تھا۔ پھر اس کے دل میں یہ خیال آیا کہ کیوں نہ اپنی سوانح لکھی جائے اور یہ کام بلاشبہ بہت ہی دلچسپ ثابت ہوا۔ اس میں کم از کم وہ پوشیدہ خیالات کاغذ پر منتقل ہونے لگے جو زندگی میں کسی کو نہیں معلوم ہو سکے تھے۔ نام ریندل کی زندگی میں یوں تو بے شمار واقعات تھے لیکن اس کا سب سے بیش قدر اور بیش بہا کارنامہ وہ سمجھا جاتا تھا جب اس نے بد نام زمانہ مجرم اور دہشت گرد سار تھیا بلیک کو شکست سے دوچار کیا تھا۔ اور اسے دھوکا دے کر اپنے آپ کو دنیا کی نگاہوں سے پوشیدہ کر لیا تھا۔ بلاشبہ ایک ایسا کام تھا جب بعد میں اس کا انکشاف ہوا تو لوگ دانتوں میں انگلیاں دبا کر رہ گئے اور نام ریندل کی ذہانت کا لوہا مان لیا گیا۔ یہ واقعہ ان دنوں زیر تحریر تھا۔

نام ریندل انہی واقعات پر غور کر کے ان کے بارے میں تفصیلات لکھتا جا رہا تھا۔ چونکہ وہ بلڈ پریشر کا مریض ہو گیا تھا اس لیے دنیا کی خبروں سے اسے عموماً بے خبر رکھا جاتا تھا۔ ہائی بلڈ پریشر کا مرض نہ جانے کیوں اس پر طاری ہو گیا تھا۔ حالانکہ اس کی زندگی میں کوئی ایسی بے سکونی نہیں تھی جو اسے اس مرض کا شکار کر دیتی بس یہ ماحولیاتی اثرات تھے۔ لیکن اس کے محبت کرنے والے اسے محفوظ رکھنا چاہتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ نام ریندل ابھی تک ان واقعات سے بے خبر تھا جو اس وقت دنیا کو پیش آ رہے تھے۔ یعنی ڈیتھ الیون کی زندگی وہ ان تمام ہولناک تصورات سے بے نیاز اپنے کاموں میں مصروف تھا جو اس وقت دنیا کے مختلف گوشوں میں پھیلے ہوئے ان لوگوں کے ذہنوں کو پراگندہ کر رہے تھے۔ جو کسی طرح ڈیتھ الیون کے مہران کے خلاف رہے تھے اور ان سے ان کی کوئی نہ کوئی پرخاش تھی۔ اپنی سوانح میں وہ ان دنوں وہ تمام تفصیلات لکھ رہا تھا جن کا تعلق سار تھیا بلیک سے تھا۔ اس نے نہایت پُر لطف انداز میں ان واقعات کو تحریر کیا تھا جب سار تھیا بلیک جیسا خوفناک

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

مجرم نام رسندل کا دشمن بن گیا تھا اور نام رسندل نے اپنی جائیداد فروخت کر دی تھی۔

اپنی سوانح لکھنے کا یہ کام وہ رات کے اوقات میں کیا کرتا تھا اور اس نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ وہ اپنی موت سے کچھ وقت پہلے اس سوانح کا انکشاف اپنے عزیزوں پر کرے گا اور ان سے کہے گا کہ اسے اس کی موت کے بعد پڑھا جائے ایک انوکھا تصور نام رسندل کے ذہن میں تھا۔ وہ جانتا تھا کہ موت کے بعد اس کے عزیز و اقارب اور دنیا والے جب اس داستان کو پڑھیں گے تو اس کی شخصیت ایک بار پھر زندہ ہو جائے گی اور لوگ اس کے بارے میں عجیب و غریب انداز سے سوچیں گے۔ پہلے بھی اس کی ذہانت کا لوہا مانا جاتا رہا تھا لیکن موت کے بعد بھی اسے عرصہ دراز تک ہیرو جیسا درجہ

سار تمیا بلیک سے ملاقات اسے اچھی طرح یاد تھی۔ جب وہ ویسی ہی ایک رات کو اپنی خوابگاہ میں بیٹھا ہوا اپنے کچھ کاروباری حساب دیکھ رہا تھا کہ عقبی کھڑکی پر ایک ہلکی سی آہٹ ہوئی اور اس کی نگاہیں اس کی جانب اُٹھ گئیں باہر برف باری ہو رہی تھی اور ہلکی ہلکی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ نام رسندل کی نگاہیں اس کھڑکی کی جانب اُٹھیں تو اسے کھڑکی کے پٹ کھلتے ہوئے محسوس ہوئے اور پھر آنے والا سار تمیا بلیک تھا۔ نام رسندل نے ایک گہری سانس لی۔ اور اس کی نگاہیں اس کھڑکی کی جانب اُٹھ گئیں جو برسی قدیم اور تاریخی حیثیت کی حامل تھی۔ باہر برف باری ہو رہی تھی۔ برف کے ننھے ننھے ذرات شیشوں کے دوسری سمت دیکھے جا سکتے تھے وہ آہٹیں لب بستہ اُبھر رہی تھیں۔ نام رسندل نے اپنی کتاب میں لکھا۔ "وہ ایک پر اسرار رات تھی اور میں نے اس رات میں کھڑکی کے پٹ آہستہ آہستہ کھلتے ہوئے دیکھے۔" یہ جملہ لکھنے کے بعد اس نے قلم رکھا اور اپنا پائپ اُٹھا کر دانتوں میں دبا لیا گو اس کے دانت مصنوعی تھے۔ لیکن ایک ایسی کمپنی سے لگوائے گئے تھے جس کا دعویٰ تھا کہ وہ اصل کی مانند ہوں گے اور وہی سارے کام انجام دیں گے جو اصلی دانتوں سے لیے جا سکتے ہیں۔ لیکن ابھی اس نے پائپ کا سرا دانتوں میں دبا کر لائٹر اُٹھایا ہی تھا کہ دفعتاً اسے وہی تاریخی کھڑکی کھلتی ہوئی محسوس ہوئی۔ دروازے کے پٹ آہستہ آہستہ کھل رہے تھے۔ اور ان کے عقب میں کوئی موجود تھا۔ نام رسندل نے متحیرانہ انداز میں ادھر دیکھا پائپ اس کے دانتوں سے نیچے گر گیا تھا کیونکہ کھڑکی کے کھلتے ہوئے پٹوں سے جو شخصیت اندر داخل ہوئی تھی وہ اس سے بالکل مختلف نہیں تھی۔ جسے وہ اب سے طویل عرصے پہلے دیکھ چکا تھا۔ یعنی سار تمیا بلیک۔ اس کے نیچے کودنے کی آواز بھی بالکل پہلے ہی جیسی تھی اور اس کا چہرہ اور اس کا انداز۔ نام رسندل کو ایک ایک بات یاد آ گئی۔ اس کی آنکھیں شدتِ حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں سار تمیا بلیک اس کے سامنے سنجیدہ چہرہ بنائے آ کھڑا ہوا اس کی تیز نگاہیں نام رسندل کا جائزہ لے رہی تھیں۔ تب اس کی آواز اُبھری۔

"تم نے یقیناً مجھے پہچان لیا ہوگا۔"

"سس..... سار تمیا۔ سار تمیا بلیک۔"

"ہاں تمہارا پرانا دوست۔"

"ل..... لیکن۔ تت..... تم تو..... تم تو۔"

"ہاں نام رسندل۔ بعض اوقات حالات کچھ ایسے انوکھے رخ اختیار کر لیا کرتے ہیں کہ انسان انہیں سمجھنے سے عاری ہو جاتا ہے اور یقینی طور پر سار تمیا بلیک تمہارے ذہن میں کبھی زندہ نہیں ہو سکا ہوگا۔ تم نے نہایت کامیابی سے اسے دھوکا دیا تھا۔ اور جیک برن بن کر بہت عرصے تک وقت گزارتے رہے تھے۔ لیکن تم نے یہ سوچا کہ کبھی ہو سکتا ہے سار تمیا بلیک تمہاری زندگی میں دوبارہ آ جائے۔ جیک برن بن کر اگر تم زندگی بسر کرتے رہتے تو شاید سار تمیا بلیک کو تمہارے بارے میں معلومات حاصل نہ ہو پاتی لیکن تم نے خود ہی اپنی ذہانت کا انکشاف کیا اور یہ بات دنیا کو معلوم ہو گئی کہ جیک برن در حقیقت نام رسندل ہے جس نے سار تمیا بلیک جیسے شخص کو دھوکا دیا۔

"وہ سب کچھ تو ٹھیک ہے لیکن تم تو..... تم تو مر چکے تھے۔"

"ہاں۔ لیکن بہت سے کام ایسے ہوتے ہیں جنہیں

موت کے بعد پورا کرنا بھی ضرور ہوتا ہے، آہا شاید تم اپنا وصیت نامہ لکھ رہے تھے۔" سار تمیا بلیک نے آگے بڑھ کر کہا اور پھر وہ نام رسندل کی وہ نوٹ بک دیکھنے لگا جس میں وہ اپنی زندگی کے واقعات لکھ رہا تھا۔ سار تمیا بلیک نے وہ صفحہ پڑھا جو اس سے متعلق تھا اور اس کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"تو تم ان لمحات کا تذکرہ کر رہے تھے۔ اوہ، یہ شاید تمہاری سوانح حیات ہے۔ بہت خوب مگر میں نہیں سمجھتا کہ میری اس وقت کی آمد کیا حیثیت رکھتی ہے مجھے تمہیں سوانح حیات مکمل کرنے کا موقع دینا چاہیئے یا اپنا کام مکمل کر لوں۔ تم نے مجھے مشکل میں ڈال دیا ہے۔ وہ واقعات لکھنا بے حد ضروری ہیں۔ نام رسندل جب تم نے مجھے دھوکا دیا تھا اور جیک بری بن کر زندگی گزارتے رہے تھے۔ نہیں شاید میں غلط وقت پر آ گیا۔ مگر سنو تم کل رات تک اپنی کہانی پوری کر لینا کیونکہ اس کے بعد تمہاری کہانی اس سے زیادہ آگے نہیں بڑھ سکے گی۔ سمجھ رہے ہو نا، میں نے زندگی میں ایک بار اور دھوکا کھانے کا فیصلہ کیا ہے یعنی تمہیں زندگی بخشنا۔ میں جا رہا ہوں لیکن تمہیں اپنی یہ سوانح حیات ضرور پوری کر لینی چاہیئے۔"

سار تمیا بلیک واپس پلٹا اور اسی کھڑکی کے راستے باہر نکل گیا اس نے کھڑکی باہر سے بند کر دی تھی اور نام رسندل پتھرائی نگاہوں سے باہر گھورتا رہ گیا تھا دفعتاً اس کے ذہن کو ایک جھٹکا سا لگا اور اس نے زمین پر گرا ہوا پائپ اُٹھا کر دانتوں میں دبا لیا پھر اس کے لرزتے ہوئے ہاتھوں نے لائٹر تلاش کیا اور اس کے بعد پائپ کے چند لمبے لمبے کش لگا کر اس کا گڑھا دھواں فضا میں چھوڑ دیا۔ اسے اپنے ذہن اور جسم میں ایک عجیب سی سنسنی کا احساس ہو رہا تھا اس کی دھندلائی ہوئی آنکھوں نے نوٹ بک کی تحریر دیکھی اور پھر دفعتاً ہی اس نے ایک قہقہہ لگا دیا پائپ ایک بار پھر اس کے دانتوں سے نکل کر گرتے گرتے بچا تھا۔ یہ ہذیانی سا قہقہہ اس بات کی گواہی دیتا تھا کہ وہ اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوششوں کر رہا ہے۔ دل ہی دل میں اس نے سوچا کہ بعض اوقات حالات کسی طرح ذہن پر مسلط ہو جاتے ہیں اور پھر وہ واقعات تو اس کی زندگی کے خوفناک لمحات سے تعلق رکھتے تھے ایسے عالم میں اگر اس نے چشم تصور سے سار تمیا بلیک کو اسی طرح اس کھڑکی سے داخل ہوتے ہوئے دیکھ بھی لیا تو یہ تحریر کی اور خیالات کی سچائی تھی۔ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں تاہم اپنا شبہ رفع کرنے کے لیے وہ اپنی جگہ سے اُٹھا کھڑکی کے قریب پہنچا کھڑکی کو ٹٹول کر دیکھا وہ اسی انداز میں بند تھی۔ جس انداز میں پہلے سے بند کی گئی تھی لیکن اس میں اندر سے کوئی ایسی رکاوٹ موجود نہیں تھی۔ جس کی بناء پر کھڑکی نہ کھولی جا سکے۔ یہ سب ایک تصور تھا، ایک وہم تھا۔ مرنے والے کبھی واپس نہیں آتے ہیں یقینی طور پر ایسا نہیں تھا۔ یہ صرف ان لمحات کا عطیہ تھا۔ جو اس وقت اس پر طاری تھے۔ وہ تحریر مجسم ہو کر اس کی نگاہوں سے کے سامنے آ گئی اگر کسی سے تذکرہ کیا جائے تو وہ یقینی طور پر اس بات کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہوگا کہ نام رسندل کو اچانک ایسے لمحات کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ اس نے پورا پائپ پیا اور اس کے بعد مزید تسلی کے لیے گھنٹی بجا کر اپنے مخصوص ملازم کو طلب کر لیا۔ ملازم اندر آیا تو اس نے باہر کے موسم کے بارے میں پوچھا۔ ملازم نے جواب دیا۔

"موسم بہت سرد ہے جناب، برف باری ہو رہی ہے۔"

"اور اس برف باری میں اگر تم میرے لیے کافی بناؤ اور خود بھی میرے ساتھ بیٹھ کر پیو تو تمہیں کیسا لگے گا۔" ملازم نے ادب سے گردن خم کی اور باہر نکل گیا۔ نام رسندل نے دراصل یہ چاہا تھا کہ کچھ دیر ملازم سے گفتگو رہے اور اس طرح اس کا ذہن بٹ جائے ملازم نے جب کافی اسے پیش کی تو اس نے اس کے خالی ہاتھ دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں نے تم سے کہا تھا کہ تمہیں میرے ساتھ کافی پینا ہے۔" ملازم کے چہرے پر بیچارگی دیکھ کر وہ دوبارہ بولا۔ "جاؤ اپنی کافی کی پیالی لے کر میرے پاس آ جاؤ۔" اور پھر کافی پیتے ہوئے اس نے اس سے کہا۔

"کیا روحیں دنیا میں واپس آ سکتی ہیں۔۔۔"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ملازم نے حیرانی سے ٹام رینڈل کی صورت دیکھی اور بولا۔

"سنا تو یہی ہے جناب۔"

"اور انتقام بھی لے سکتی ہیں۔"

"اگر ان کا کسی سے کوئی جھگڑا ہو۔"

"تمہیں کوئی ایسا مشاہدہ ہے۔"

"نہیں۔"

"تو پھر کہانیاں تو بہت ساری منظر عام پر آتی رہتی ہیں۔"

"کوئی خاص بات ہے جناب۔"

"نہیں میں نے یونہی تم سے سوال کر لیا۔"

دیر تک ملازم سے گفتگو ہوتی رہی تھی۔ اور اس کے بعد وہ سونے کی کوشش کرنے لگا۔ لیکن بستر پر دیر تک کروٹیں بدلنے کے باوجود اسے نیند نہیں آئی۔ وہ اپنے آپ کو بہلانے کی کوشش کرتا رہا۔ رات کے کسی حصے میں اسے نیند آ گئی تھی۔ اور دن کو دیر تک سونے کی وجہ سے طبیعت پُر سکون بھی ہو گئی تھی۔ زندگی کے وہی معمولات، وہی ماحول، وہی سب کچھ۔ ٹام رینڈل نے کسی سے رات کے واقعات کا تذکرہ نہیں کیا۔ ویسے بھی اس کے پوتے اور پوتیوں کا خیال تھا۔ اب وہ عمر کے ساتھ ساتھ ذہنی طور پر بھی خبیر متوازن ہوتا جا رہا ہے لیکن رات کو جو کچھ ہوا تھا وہ ناقابلِ یقین تھا۔ خود اس کے لیے بھی..... دوسروں کو یقین کیسے دلا سکتا تھا۔

وقت گزرتا رہا۔ رات کو وہ ڈنر پر اپنے پوتے اور پوتیوں سے بہت دیر تک باتیں کرتا رہا اور اس کے بعد پھر اپنی خواب گاہ میں آ گیا۔ آج بھی دن بھر برف باری ہوتی رہی تھی اور شام بھی بادلوں سے بھری ہوئی تھی۔ گو اس وقت برف باری نہیں ہو رہی تھی۔ لیکن صورتِ حال کچھ ایسی ہی تھی۔ ٹام رینڈل نے خوفزدہ نگاہوں سے اس کھڑکی کی جانب دیکھا اور سوچا کہ اسے بند کر دے۔ رات کافی گزر چکی تھی ہے۔ اس لیے کھڑکی کا کھلا رہنا مناسب نہیں ہے۔ حالانکہ اس سے پہلے کبھی اس نے اس کھڑکی کو اندر سے بند کرنے کی ضرورت نہیں محسوس کی تھی لیکن دل کے انتہائی گوشوں میں ایک خوف جاگزیں تھا اور وہ اس خوف کو رفع کرنا چاہتا تھا لیکن صرف چٹخنی لگا دینے سے تو مسئلے حل نہیں ہو جاتے۔ اس نے کھڑکی کی چٹخنی لگائی اور اس کے بعد اس جگہ آ بیٹھا۔ جہاں وہ اپنی سوانح مکمل کرتا تھا۔ اس نے نوٹ بک کھولی اور قلم ہاتھ میں لے لیا لیکن نہ جانے کیوں اس کے ہاتھ میں لرزشیں نمودار ہو گئیں تھیں۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے اگر اس نے یہ واقعہ مکمل کر لیا تو اس کے بعد اس کی زندگی ممکن نہیں ہے۔ ٹام رینڈل بار بار اپنے دماغ کو سنبھالنے کی کوشش کرتا رہا۔ خود کو ہر طرح سے بہلاوے دیتا رہا اور کہتا رہا کہ کہیں تصورات بھی حقیقتوں کی شکل اختیار کر سکتے ہیں۔ اس نے آگے لکھنے کی کوشش کی لیکن تحریر تھی کہ آگے بڑھنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ الفاظ اس کے ذہن میں گڈمڈ ہوتے جا رہے تھے۔

مجبور ہو کر اس نے اپنی نوٹ بک ایک طرف سرکا دی اور اس کے بعد کرسی کی پشت سے ٹیک کر گہری گہری سانسیں لینے لگا لیکن کھڑکی پر ہونے والی آہٹوں کو وہ نظر انداز نہیں کر سکا تھا۔ کھڑکی پر ایک خاص قسم کی آہٹ سنائی دے رہی تھی۔ اور پھر شیشے کا ایک ٹکڑا ٹوٹ کر شاید عقب میں جا گرا۔ اسے غالباً کاٹا گیا تھا۔ اس کے بعد ایک دستانے والا ہاتھ اندر داخل ہوا اور اس نے کھڑکی کی چٹخنی کھول دی۔ ٹام رینڈل کی آنکھیں دہشت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں۔ وہ تمام خدشات اس کے ذہن میں زندہ ہو گئے تھے۔ جن سے اب تک وہ روگردانی کرتا رہا تھا۔ اور پھر اس نے اس کا انسانی جسم کھڑکی سے اندر داخل ہوتے ہوئے دیکھا جس کے عقب میں ایک اور چہرہ نظر آ رہا تھا۔ ٹام رینڈل کی خوف سے گھگھی بندھ گئی تھی۔

بلاشبہ بہترین دن گزار رہا تھا جم کارک بڑا لطیفہ گو اور بذلہ سنج تھا۔ اسے ایک اچھا دوست تصور کیا جا سکتا تھا۔ سب سے خاص بات یہ تھی کہ روبی نے اس کی شخصیت میں کوئی گھناؤنا پن نہیں پایا تھا۔ پورے دن کی رفاقت میں اس کی زبان یا انداز سے ایک بار بھی کوئی ناخوشگوار احساس نہیں ہوا تھا اور روبی سوچ میں پڑ گئی تھی کیا اس شخص کے بارے میں اس کا اندازہ غلط ہے۔ ہو سکتا ہے جم کارک

صرف ایک خوش مزاج انسان ہو اور اس کا ان واقعات سے کوئی تعلق نہ ہو۔ بات صرف اتنی سی تھی کہ وہ اس علاقے میں نظر آیا تھا جہاں المناک قتل ہوا تھا۔

ایک پُر کیف ڈنر کے بعد تو روبی کا نظریہ بالکل ہی بدل گیا تھا۔ مگر اس کے ساتھ ہی اس نے سوچا تھا کہ کل سے اپنی یہ رہائش گاہ تبدیل کر دینا ہو گی۔ ان حالات میں وہ کسی غلطی کی متحمل نہیں ہو سکتی تھی اور نہ ہی اس کی گنجائش تھی۔ بلکہ اسے اس دن کے ضائع ہونے کا افسوس تھا۔ جم کارک نے کہا۔

"میں تمہارے بارے میں نہیں کہہ سکتا مس روبی لیکن میں اس دن کو ایک خوشگوار دن کہہ سکتا ہوں۔"

"خود میرا بھی خیال ہے مسٹر کارک۔ ویسے زندگی گزارنے کے لیے آپ کے دوسرے مشاغل کیا ہیں۔"

"بہت آسان آپ کو بھی بہت پُر لطف محسوس ہوں گے۔"

"کیا مطلب۔" روبی نے کہا۔

"کیا آپ مجھے مزید کچھ وقت دینا پسند کریں گی۔"

"کیا حرج ہے، بس موسم کا خیال کرنا ہو گا۔"

"مطمئن رہیں، موسم ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں میرا ذریعہ آمدنی کیا ہے۔"

"جیسا آپ پسند کریں۔" روبی نے سوچا کہ جب پورا دن ضائع ہو گیا تو مزید چند گھنٹے کیا معنی رکھتے ہیں۔ جم کارک رات گیارہ بجے صبح ہوٹل سے اُٹھا تھا اور روبی کے ساتھ کار میں چل پڑا تھا۔ باہر برف باری ہو رہی تھی۔ لیکن یہ یہاں کا موسم تھا اور مقامی لوگ اسے کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے۔ کار ایک پُر سکون علاقے میں جا رکی اور جم کارک نیچے اُتر گیا۔ اس نے بڑے احترام سے روبی کو نیچے اُترنے کے لیے کہا۔ اور پھر انہوں نے سامنے نظر آنے والی اس عمارت کا رخ کیا جس کے مکیں شاید جلد سو جانے کے عادی تھے۔ عمارت کے احاطے کے قریب پہنچ کر وہ رک گیا۔

"کیا آپ اس دیوار کو عبور کر سکتی ہیں۔"

"میں سمجھی نہیں۔"

"ہمیں اس دیوار کے دوسری طرف جانا ہے۔"

الہدیٰ
قمر اجنالوی قیمت:-/200

مشہور سلسلہ
سرکش
محمود احمد مودی کے ایڈونچرس قلم سے 12 حصوں میں شائع ہو گیا ہے
قیمت فی حصہ -/60 روپے
مکمل سیٹ -/720 روپے
ناشر
مکتبہ القریش
سرکلر روڈ، اردو بازار لاہور فون ۷۶۶۸۹۵۸

"عمارت کا دروازہ تو ہو گا۔"

"یقیناً لیکن ہمیں یہی راستہ اختیار کرنا ہے۔"

"آخر کیوں؟"

"اس کا صحیح جواب اندر چل کر ہی مل سکے گا۔" مس روبی۔ "براہ کرم آیئے۔" جم کارک نے کہا۔ اور روبی کچھ عجیب سی کیفیت کا شکار ہو گئی۔ پھر اس کے ذہن میں تجسس نے سر اُبھارا اور وہ دیوار عبور کرنے کے لیے تیار ہو گئی۔ احاطے سے گزر کر وہ ایک کھڑکی کے قریب پہنچ گئے جس کے شیشوں کے دوسری طرف سے روشنی آ رہی تھی۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

جم کارک نے جیب سے ایک شیشہ تراش نکالا اور اسے بہ آہستگی شیشے پر پھیر کر شیشے کا ایک ٹکڑا علیحدہ کر لیا۔ اس کے بعد ہاتھ اندر ڈال کر چٹخنی کھول لی۔ روبی نے خود اندر جانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ البتہ وہ کھڑکی سے جا لگی تھی۔ جم کارک اندر پہنچ کر سیدھا کھڑا ہو گیا۔ روبی نے بوڑھے کی خوفزدہ آواز سنی۔

"تم..... تم....."

"کیا تم نے میری ہدایت پر عمل کیا نام ریندل۔" جم کی آواز بے حد خوفناک تھی۔

"ٹک..... کیا ہو گیا ہے۔ تم مجھے خوفزدہ نہیں کر سکتے۔" بوڑھے شخص نے کہا۔ لیکن روبی کے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔ اس نے نام ریندل کا نام سنا تھا اور اسے السانہ کے الفاظ یاد آ گئے تھے۔

"اور اس کا مطلب ہے کہ تم نے مجھ پر غور نہیں کیا۔ خیر یہ تمہاری مرضی ہے میں تو چاہتا تھا کہ تم اپنی سوانح مکمل کر لو لیکن جو وقت میں نے تمہیں دیا اس سے زیادہ میرے لیے ممکن نہیں ہے مسٹر نام ریندل۔ میں تمہیں دھوکہ دہی۔ اور سارتھیا بلیک کے خلاف سازش کا مجرم قرار دیتا ہوں اور اس کی سزا صرف موت ہے، صرف موت۔" جم کارک نے آگے بڑھ کر نام ریندل کی گردن شکنجے میں لے لی۔ اس کے ہاتھوں میں سیاہ دستانے چڑھے ہوئے تھے۔ روبی کا لہو جم کر۔۔۔۔۔ رہ گیا تھا۔ تو یہ..... یہ سارتھیا بلیک ہے جم کارک اس نے بہ مشکل تمام خود کو سنبھالا۔ ایک نگاہ نام ریندل پر ڈالی اور پھر مکان کے احاطے کی طرف چھلانگ لگا دی۔ احاطہ عبور کر کے وہ اس بُری طرح بھاگی کہ پلٹ کر نہیں دیکھا۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے ہزاروں بھوت اس کا تعاقب کر رہے ہوں۔"

آقائے التنوش کو اپنے ساتھیوں کی موت کی اطلاع مل گئی تھی۔

مسئلہ یہ نہیں ہے کہ انہوں نے ہمارے اتنے آدمی ہلاک کر دیے۔ سوال یہ ہے کہ کیا وہ کچھ نئے جنگی فنون جانتے ہیں جن سے ہم لوگ ناواقف ہیں اور اگر ایسی بات ہے تو وہ کون ہیں۔

کہا تھا کہ نوجوان پھرتیلا طاقتور اور مارشل آرٹ کا ماہر ہے مگر بوڑھے بھی اس سے کم نہیں ہیں۔ نوجوان کے چلنے کے انداز ایسا ہے جیسے کوئی چیتا اپنے شکار پر جست کر رہا ہو۔ اس کی کمر پتلی اور سینہ آگے کو نکلا ہوا ہے اور اس کی آنکھوں سے ایسی شان ٹپکتی ہے جیسے اس نے ساری دنیا کو فتح کر لیا ہو۔ بوڑھا مدقوق دبلا پتلا اور بظاہر بے ضرر نظر آتا ہے لیکن وہ ایسے سانپ کی مانند ہے جو بیدار کی قوت رکھتا ہے۔

"مگر وہ کون ہیں۔؟" التنوش نے اپنے الفاظ دہرائے۔

سان بورنیا کے جیالے ہیں خراج ادا کرتے ہیں اور آقائے التنوش جانتا ہے کہ وہ خوشی سے یہ سب کچھ نہیں کرتے۔ اگر وہ سوچ لیں کہ خانقاہ کے ستون کھوکھلے ہو گئے ہیں تو پرانے حصے آ بھریں گے اور خانقاہ کا وجود خطرے میں پڑ جائے گا۔

"کیا ایسا ممکن ہے..... بوڑھے التنوش نے باریک لکیروں کو واکر کے بولنے والے کو دیکھا اور وہ لرز گیا۔

"کبھی نہیں۔" اس کے منہ سے نکلا۔

"خانقاہ کے پروردہ بزدلی کی باتیں کریں تو حیرت کا مقام ہوتا ہے۔ میں اس گروپ کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں جو اس کے لیے موت کا پیغام لے جائے گا۔

التنوش نے چاروں طرف دیکھا اور ایک لمحے میں اسے احساس ہو گیا کہ کوئی آگے بڑھ کر موت قبول کرنے کے لیے تیار رہتی ہے۔ اس نے نرم لہجے میں کہا۔

میں بھی سی کو موت کے منہ میں بھیجنے کے لیے تیار نہیں ہوں لیکن خانقاہ کے وقار کو قائم رکھنے کے لیے خود کو برقرار رکھنے کے لیے ہمیں کوئی قدم ضرور اُٹھانا پڑے گا۔

"ہم سب ان کا سامنا کرنے کو تیار رہیں۔" التنوش کے اس انداز نے انہیں پرجوش کر دیا۔

"نہیں، اب میں نہیں چاہتا کہ میری محنت سے تیار کی ہوئی کھیتی کو کوئی نقصان پہنچے۔ میں تمہارا ماسٹر ہوں اور یہ فرض مجھ پر عائد ہوتا ہے کہ جہاں تمہیں ہچکاہٹ کا سامنا ہو رہا ہو وہاں میں آگے آؤں انہوں نے التنوش جگایا ہے اور میں جاگ گیا ہوں۔

"ہرگز نہیں۔ سان بورنیا کے بازاروں میں التنوش کا

جنگ کرنا ہماری توہین ہے۔" دوسرے لوگوں نے کہا

"تو اسے یہاں لے آؤ۔" التنوش سرد لہجے میں بولا۔

"یہ ہو جائے گا۔"

"جاؤ پھر ایسا کرو۔" التنوش نے رخ بدل کر کہا۔ اس کا مطلب تھا کہ مزید کچھ نہیں، صرف عمل اور اس عمل کو خوش اسلوبی سے سرانجام دیا گیا تھا۔ فیصلہ کرنے والے نے کٹیا کو اس کی رہائش گاہ پر پکڑ لیا۔

"وہ دونوں اجنبی کہاں ہیں۔"

"وہاں، ان کا جہاں ٹھکانہ ہے۔"

"میرے لیے کچھ کام ہے۔ اور یہ آقائے التنوش کا حکم ہے۔"

"کیا۔"

"تمہیں خانقاہ تک پہنچانا ہے۔" جواب ملا

قیام گاہ کشادہ لیکن غیر معیاری تھی لوشان کو یہاں کوئی پریشانی نہیں تھی۔ کیونکہ گندی عورت کے باورچی خانے سے مستقل بطخ کی بساند اُٹھتی رہتی تھی اور لوشان کے لیے وہ کائنات کی سب سے بہترین نعمت تھی۔

لوشان نے اس سے صرف ایک بار اپنی پسندیدہ شے کا تذکرہ کر دیا تھا اور غالباً بطخوں کا حصول بہت آسان تھا۔ اگر اس کے عوض بوڑھی عورت کو معقول معاوضہ مل جاتا تو اسے پڑی تھی کے اپنے باورچی خانے کو مختلف اقسام کے کھانوں سے سجاتی لیکن ٹائیگر کے زندگی اور موت کا مسئلہ پیدا ہو گیا تھا۔ کیونکہ اس باورچی خانے میں جو شے بھی تیار ہوتی تھی اس میں بطخ کے گوشت کی بُو آتی محسوس ہوتی تھی۔ باقی رہے فان بورنیا کے دوسرے ہوٹل اور قہوہ خانے جہاں کھانا دستیاب ہو سکتا تھا تو وہاں ان دونوں کے لیے کچھ نہیں تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ وہ خود ہی کسی خالی کچن میں گھس جائیں اور وہاں سے اپنے مطلب کی اشیاء حاصل کر لیں لیکن یہ ایک غیر اخلاقی کام تھا جو ٹائیگر کے لیے ممکن نہیں تھا۔ سان بورنیا میں اس آخری جنگ کے بعد ابھی تک ان لوگوں کو کسی مدِ مقابل سے سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔ اس وقت بھی لوشان اپنے صندوقوں میں سے ایک صندوق کھولے بیٹھا تھا۔ نہ جانے کیا کھٹر پٹر کر رہا تھا۔ اور ٹائیگر بُرا سا منہ بنا کر اپنی اس بوسیدہ سی چارپائی پر دراز تھا جو اس کے لیے طابوت کے مانند تھی۔ لوشان نے مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھا اور بولا۔

"کیا خیال ہے ہمیں یہاں رپ کارسن کے بارے میں معلومات حاصل ہو سکیں گی۔" ٹائیگر جھلائے ہوئے انداز میں اُٹھ کر بیٹھ گیا اور بولا۔

"لٹل فادر تمہارا کیا خیال ہے۔ کیا میں تمہاری ذہنیت کے بارے میں کچھ نہیں جانتا بطخ پکانے والی عورت درحقیقت تمہارے لیے اس قدر دل کش ہو چکی ہے کہ اب تم یہ جگہ چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہو اور ڈاکٹر بہرام کا یہ سوچنا غلط ہے کہ جو کام اس نے ہمارے سپرد کر دیا اس کی تکمیل یقینی ہو گی۔ لوشان کے حلق سے قہ۔قہ کی آوازیں نکلنے لگیں اور ٹائیگر مزید جھلا کر بولا۔

جس مقدار میں تم بطخیں کھا رہے ہو اس کے بعد مجھے یقین ہے کہ بہت تھوڑا سا وقت رہ گیا جب تمہیں رہائش اختیار کر لو گے۔ اور بطخوں کا غول تمہارے پیچھے پیچھے تیرتا پھرے گا۔ لوشان نے کے قہقہے تیز ہو گئے۔ اس نے کہا۔

"اور میں اچھی طرح تمہاری جھلاہٹ کے بارے میں جانتا ہوں لیکن ذرا غور کرو اس سے خوبصورت جگہ ہمیں اور کوئی مل سکتی ہے۔"

تیرے معزز باپ نے کب تمہیں جابنا گھر بسانے سے منع کیا۔ تم ہی مستقل سنا نجو کے وارث کی رٹ لگاتے رہتے ہو۔ میں کہتا ہوں کہ اگر سنا نجو کا وارث تمہارے اور اس بوڑھی عورت کے درمیان آ جائے تو مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔" لوشان بہت خوشگوار موڈ میں تھا۔ اس نے ایک اور قہقہہ لگایا اور بولا۔

"نہیں جس کی تقدیر سے جو کچھ چمکتا ہے وہ اسے ہی حاصل ہوتا ہے۔ لوشان کے لیے اب وہ دور ناممکن ہے کہ وہ سنا نجو کو وارث دے سکے اور پھر شمشیر سنا نجو جس کی ملکیت ہے اسی کے پاس رہے گی۔ ہاں روبی کے سلسلے میں ڈاکٹر بہرام نے ذرا جل بازی سے کام لیا ہے اور پھر ہمیں اس دوران ان گیارہ زہریلوں کے بارے میں کچھ بھی نہیں

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

معلوم ہو سکا۔ رب کارسن کا مسئلہ ہی اتنی طوالت اختیار کر گیا ہے میرے خیال میں یہاں ہمارا کام بننا مشکل ہو جائے گا چنانچہ میں یہ صحیح سمجھا ہوں کہ یہاں سے واپسی کا سامان کروں۔ ٹائیگر کا انداز ایک دم بدل گیا تھا۔ اس نے کہا۔

"یہ فیصلہ کرنے میں کتنا وقت لو گے فل فادر۔"

"ایک کوشش..... صرف ایک ایسی آخری کوشش جس کی بنا پر کم از کم ہمیں یہ پتہ چل جائے کہ اس کی جگہ سے رب کارسن کا کوئی تعلق نہیں ہو سکتا۔"

"تعلق کا فیصلہ خود تمنے کیا ہے ضروری نہیں ہے کہ مجرموں کے ایک شہر میں ایک ایسے مجرم کا پتہ چل جائے جو حیرتناک طور پر ہوا ہو۔"

اگر میری ملاقات کسی ایسے شخص سے ہو جائے جو مجھے صرف یہ بتا دے کہ یہاں رب کارسن کا نام کبھی نہیں گونجا تو پھر میں یہاں سے واپسی کا فیصلہ بآسانی کر سکتا ہوں۔"

"یہ کون سا مشکل کام ہے۔ ہم کسی کو بھی اس سے رب کارسن کے بارے میں معلومات حاصل کر سکتے ہیں۔ بوڑھی عورت نے دروازہ میں درز کر کے اندر جھانکا اور کہا۔

"کیتا ملنا چاہتی ہے، اس سے کیا کہا جائے۔"

"کیتا....." ٹائیگر نے ایک لمحے کے لیے اسے دیکھا اور پھر اسے وہ انوکھی عورت یاد آ گئی جو بالکل ہی غائب ہو گئی تھی۔ اس نے بوڑھی عورت سے کہا کہ کیتا کو ان کے پاس بھیج دیا جائے اور کیتا جب وہاں پہنچی تو ٹائیگر نے مسکراتی نگاہوں سے اوشان کو دیکھا اور پھر آہستہ سے بولا۔

"میں جانتا ہوں تم یہاں سے کبھی واپس نہیں جاؤ گے۔ اوشان نے الجھتہ سنجیدگی سے کیتا کا جائزہ لیا اور اس کے چہرے پر پھیلے ہوئے تاثرات پڑھنے لگا پھر اس نے نرم لہجے میں کہا۔

"بوڑھ جاؤ عورت۔ تم یقیناً کسی پریشانی کا شکار ہو کر یہاں آئی ہو۔"

"پریشانی تو ان لمحات ہی میں سان بورنیا میں داخل ہو گئی تھی۔ جب میں نے پہلی بار تم دونوں کو دیکھا تھا لیکن اگر میری ذات سے تم دونوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچا تو تم مجھے بتاؤ کہ یہاں کیوں قیام پذیر ہو۔"

"پہلے تم اس بات کا جواب دو کہ تم پر کیا مشکل پڑی ہے۔"

"اگر مناسب سمجھو تو لٹ فادر اسی عورت سے اپنی معلومات مکمل کر لو اس کی مشکل بھی حل ہو جائے گی۔ ویسے اسے کیا مشکل ہے۔ یہ بات میری سمجھ میں بھی نہیں آئی۔" اوشان گہری نگاہوں سے کیتا کا جائزہ لے رہا تھا۔ تب کیتا نے کہا۔

"آقائے التوش کے بارے میں کچھ جانتے ہو۔"

"نہیں..... یہ کون شخص ہے۔"

"سان بورنیا کا حکمران۔ ٹائیگر اور اوشان نے حیران نگاہوں سے ایک دوسرے کی جانب دیکھا۔ ٹائیگر بولا۔

"مگر سان بورنیا کوئی الگ ملک تو نہیں ہے اور نا ہی انفرادی حکومت ہے۔ جہاں تک جاپانی معلومات کا تعلق ہے۔"

"جن لوگوں کو سانبورنیا کے بارے میں معلومات نہیں ہے انہیں ادھر کا رخ کرنا بھی نہیں چاہیئے۔ تم نے بے شک اپنی کوششوں سے بہت سے جیالوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور یہ بھی ایک عجیب بات ہے کہ وہ سب آقائے التوش کے نمائندے تھے لیکن اگر تمہارا یہ خیال ہے کہ اس کے بعد تم سان بورنیا کے سرحدی علاقے سے قدم باہر نکالو گے تو میں سمجھتی ہوں کہ تمہاری راہنمائی کر دینا بہت ضروری ہے اور راہنمائی یہ ہے کہ یہ ایک ناممکن عمل ہے۔ ہاں اگر تم واقعی اپنی مشکلات کا اور میری مشکلات کا حل چاہتے ہو تو آقائے التوش سے ملاقات کر لو۔"

"مسز عورت بیٹھ جاؤ تم اس بات کی متحمل نہیں ہو سکتیں کہ میں تمہیں میری بچی کہہ کر مخاطب کروں۔ چنانچہ اب تمہیں تمہاری اصل حیثیت سے مخاطب کر رہا ہوں۔ ذرا آقائے التوش کے بارے میں کچھ تفصیلات تو بتاؤ۔"

"سان بورنیا پر جب شیطنیت کا نزول ہوا تھا تو اس کی مشعل یہی تھی کہ آقائے التوش نے یہاں ایک خانقاہ قائم کی اور اس کے بعد نہ جانے کہاں کہاں سے لوگوں کو پکڑ کر یہاں لے آیا۔ وہ جنگ و جدل کے ماہر ہیں اور تھوڑے ہی عرصے میں انہوں نے سان بورنیا کے ماحول کو برقرار

رکھتے ہوئے یہاں پر برتری حاصل کر لی۔ جب بھی کوئی نیا خطرہ یہاں آتا ہے اسے آقائے التوش کے غنڈوں سے مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ اور ہوتا یہی ہے کہ وہ ان سے شکست کھانے کے بعد یا تو موت کی آغوش میں چلا جاتا ہے یا پھر سان بورنیا میں آقائے التوش کا باج گزار بن جاتا ہے اور اس طرح یہاں کی آبادی کے لوگ اپنی آمدنی کا دو فی صد آقائے التوش کی خانقاہ کو ادا کرتے ہیں اور خانقاہ میں درویش پروش پا رہے ہیں لیکن ان درویشوں میں سے کچھ سے تو تمہارا واسطہ پڑ ہی چکا ہے، مزید درویشوں سے ملاقات کے لیے اگر تم خانقاہ تک جانا پسند کرو تو ضرور چلے جاؤ۔"

"واہ..... یہ عمدہ انکشاف ہے۔ اور بھلا ایسی خانقاہ کی زیارت کیوں نہ کی جائے گی۔ ٹائیگر میرا خیال ہے تمہیں وہاں جانا چاہیئے۔"

"سنو میرا تم سے کوئی واسطہ نہیں ہے لیکن براہ راست کوئی دشمنی بھی نہیں ہے۔ مجھے حکم یا گیا ہے کہ تمہیں خانقاہ تک پہنچایا جائے۔ ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ میں چالاکی سے کوئی ایسا عمل کرتی اور ایسی کہانی سمجھتی کہ تم خود خانقاہ کی جانب دوڑے جاتے لیکن ایک سچائی نہ جانے کیوں میرے دل میں پیدا ہو گئی ہے جس کی بنا پر میں نے تمہیں یہ بات بتا دی ہے کہ وہاں تمہیں صرف اور صرف خطرات لاحق ہوں گے۔ ہو سکے تو فوراً یہاں سے بھاگنے کی کوشش کرو اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو پھر وہاں سے جا کر کوئی ایسا طریقہ کار اختیار کرو کہ آقائے التوش تم سے بدظن نہ ہو اور تمہارے اور اس کے درمیان کوئی سمجھوتہ ہو جائے۔" اوشان نے گہری نگاہوں سے کیتا کا جائزہ لیا اور بولا۔

"ایک بار پھر میری زبان سے تمہارے لیے میری بچی کا لفظ نکلنے لگا ہے اور میرا خیال ہے اب تمہیں اس پر اعتراض نہیں ہوگا۔" کیتا نے شانے جھٹکے اور بولی۔

"تو پھر کیا تم میرے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہو۔"

"دل و جان سے۔" اوشان ٹائیگر کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے بولا۔ اور ٹائیگر برا سا منہ بنا کر کھڑا ہو گیا۔ حالانکہ اس کے ذہن میں کچھ اور خیالات آئے تھے۔ اس نے سوچا تھا کہ کیتا جو کچھ کر رہی ہے اس کے پس پردہ اور کچھ بھی ہو سکتا ہے لیکن اوشان فیصلہ کر چکا تھا اس لیے اس نے اعتراض نہیں کیا خانقاہ کی طرف بڑھتے ہوئے کیا نے ایک بار مدھم لہجے میں کہا۔

"جب تم خانقاہ میں داخل ہو گئے تو تمہیں ایک بہت بڑا ساہال نظر آئے گا۔ میں نہیں جانتی کہ مجھے کہاں روک دیا جائے گا۔ مجھے اس وقت تک تمہارے ساتھ چلنا ہوگا۔ جب تک کوئی میرا راستہ نا روکے۔ اس ہال سے گزرنے کے بعد ہم ایک دروازے سے اندر داخل ہوں گے اور وہ لوگ تمہارا انتظار کریں گے۔ تمہاری ایک ایک حرکت پر نگاہ رکھی جائے گی لیکن خانقاہ میں تمہیں گولی نہیں ماری جائے گی کیونکہ وہاں کا ماحول وہ لوگ گندہ کرنا پسند نہیں کریں گے البتہ جب تم اس دروازے سے گزر کر اس چھوٹے ہال میں پہنچو گے جو ذیلی حال کہلاتا ہے تو ہو سکتا ہے وہاں تمہارا مقابلہ التوش کے آدمیوں سے ہو جائے۔ وہ تمہیں گرفتار کرنے کی کوشش کریں گے۔ تاکہ تمہیں التوش کے سامنے پیش کریں۔ وہاں یہ فیصلہ کرنا تمہارا کام ہوگا کہ تمہیں کیا کرنا چاہیئے۔ اگر گرفتار ہو کر التوش کے سامنے جانا پسند کرو تو دوسری بات ہے ورنہ تمہیں ان سے مقابلہ کرنا ہوگا۔" اوشان نے یہ ساری باتیں ذہن نشین کیں۔ خانقاہ کی عظیم الشان گنبد سامنے نظر آ رہا تھا۔ اور وہ بڑے سے چوبی دروازے سے اندر داخل ہو گئے۔ کیتا کے بیان کے مطابق وہاں ایک بڑا سا ہال موجود تھا جس کے کنارے کنارے تقریباً پندرہ افراد سر ننگوں بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کی آنکھیں بند تھیں اور گردنیں سینے پر لٹکی ہوئی تھیں ویسے ان کے جسموں سے یہ اندازہ ہوتا تھا کہ وہ وہاں یوگا کی ورزشیں کرتے رہے ہیں۔ اوشان نے ایک نگاہ ان پر ڈالی اور پھر کیتا اس سامنے والے دروازے سے آگے بڑھ گئی۔ دروازے سے اندر داخل ہو کر وہ اس چھوٹے ہال میں پہنچے جس کے بارے میں کیتا نے کہا تھا کہ وہاں اس کے آدمی مقابلہ کر سکتے ہیں لیکن یہاں بھی میدان صاف نظر آیا۔ سوائے تین افراد کے جو اسی طرح دو زانو بیٹھے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک نے گردن

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

اُٹھائی اور سامنے کی سمت اشارہ کر دیا۔ ٹائیگر اور اوشان اپنی مخصوص چال چلتے ہوئے اس دوازے کے قریب پہنچ گئے۔ یہاں تک آتے ہوئے کیشا کو بار بار ان کے پیچھے دوڑ لگانی پڑ رہی تھی اور اس آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر کئی باران کے قدموں کی جانب دیکھا تھا لیکن یہ اندازہ نہیں لگا سکی تھی۔ کہ زمین پر تیرنے کا یہ کون سا عمل ہے جو ان دونوں کی زندگی سے وابستہ ہے۔ جب وہ اس دروازے سے اندر داخل ہوئے تو اچانک ہی انہیں ایک مدہم سی آواز کے ساتھ دروازہ اُٹھتا ہوا محسوس ہوا ٹائیگر پھرتی سے مڑ کر دیکھنے لگا دروازہ اُٹھ کر اس طرح ہو گیا تھا کہ اب وہاں دیوار میں کوئی ننھا سا رخنہ بھی نظر نہیں آتا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ کیشا بھی غائب ہو گئی تھی۔ گویا کیشا نے جو کچھ بتایا تھا وہ بالکل درست تھا۔ اس کا کام بھیانک تھا اور اس کے بعد مسئلہ ختم ہو جاتا تھا۔ اس چھوٹے سے ہال میں ننھے ننھے سوراخ نظر آ رہے تھے اور وہ محسوس کر رہے تھے کہ ان سوراخوں کے پیچھے سے ان گنت آنکھیں انہیں دیکھ رہی ہیں۔ یہ صرف احساس تھا۔ پھر اچانک ہی ایک آواز ہوئی اور ایک حصہ اپنی جگہ سے ہٹ گیا۔ سامنے ہی ایک تنگ سی راہداری تھی اور اس راہداری میں مدہم مدہم روشنی ہو رہی تھی۔ اوشان نے کمر پر ہاتھ رکھ کر ایک گہری سانس لی اور بولا۔

"اگر یہاں کوئی ہے تو سامنے آئے۔ یہ کیا چکر چلا رکھا ہے تم لوگوں نے۔ میں اس سے آگے اس وقت تک نہیں بڑھ سکوں گا جب تک کوئی میرے سامنے نہیں آئے گا۔ اوشان کی آواز کی بازگشت ختم بھی نہیں ہوئی تھی کہ دفعتاً اس چھوٹے سے ہال کی دیواروں سے قدِ آدم تختے کھلے اور ہر تختے کے پیچھے ایک دروازہ نمودار ہو گیا۔ ہر دروازے میں خص قسم کے سرخ لباس میں ملبوس مدارش آرٹس کے ماہر کھڑے ہوئے نظر آئے جو چمکدار نگاہوں سے ان کا جائزہ لے رہے تھے ان کی تعداد سات کے قریب تھی۔ اور صاف ظاہر ہو گیا تھا کہ وہ مقابلہ کرنا چاہتے ہیں۔ ٹائیگر کی رگوں میں خون کی گردش تیز ہو گئی۔ اور وہ ان لوگوں پر نگاہیں جمائے ان سے مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہو گیا پھر دفعتاً ہی ان سب

مشہور سلسلہ
سرکش
محمود احمد مودی کے ایڈونچرس قلم سے 12 حصوں میں شائع ہو گیا ہے
قیمت فی حصہ -/60 روپے
مکمل سیٹ -/720 روپے
ناشر
مکتبہ القریش
سرکلر روڈ، اردو بازار لاہور فون ۷۶۶۸۹۵۸

نے بیک وقت ایک جیسی آواز کے ساتھ ان پر حملہ کیا۔ ٹائیگر نے برق رفتاری سے پینترا بدل کر دفاع کا انداز اختیار کر لیا۔ اس نے ایک کک اوپر کی جانب ماری اور سامنے آنے والے شخص کی ٹھوڑی پر اس کی کک سیدھی پڑی۔ گردن عقب میں جھکی اور اس کے بعد ٹائیگر بلیک بیلٹ کک نے اس کے سینے پر برابر راست وار کیا۔ جس سے اس کی پسلیاں ٹوٹ گئیں اور اس کے حلق سے ہلکی سی آواز نکلی۔ اس دوران اوشان پر بھی کئی آدمی حملہ آور ہوئے تھے۔ اوشان کا سفید لبادہ فضا میں چھتری کی طرح گھوما اور ان لوگوں کو ادھر نکل جانا پڑا لیکن ان میں سے ایک کو یہ اندازہ نہیں ہو سکا کہ کب اس کی گردن اس بوڑھے شخص کی گرفت میں آئی اور کب اس کا سر خربوزے کی طرح کھل گیا۔ باقی حملہ آور بہترین داؤ استعمال کرتے ہوئے ٹائیگر اور اوشان پر مسلسل حملے کرنے لگے۔ ان کے ہاتھوں میں خاص قسم کے چاقو نظر آ رہے تھے۔ بالکل ایسا ہی ایک چاقو وہ اس شخص کے ہاتھ میں دیکھ چکے تھے جو چوڑے بدن کا مالک تھا اور جس سے ان کی

پہلی ملاقات ہوئی میں ہوئی تھی۔ یعنی ایک چھلے کی شکل میں جس کے چاروں سمت بنے ہوئے کناروں پر دھات اور تیز دھار کے تھے۔ یہ چاقو ایک مخصوص انداز میں گھمائے جا رہے تھے لیکن جانتا تھا کہ ان سے بچنے کے طریقے کے ساتھ ان لوگوں کو ختم کرنا بھی ضروری ہے چنانچہ ٹائیگر نے اپنے مخصوص داؤ آزمانا شروع کر دیے۔ ان میں سے ایک حملہ آور کے جبڑے پر ٹائیگر کا ہاتھ پڑا تو اس کا جبڑا باہر نکل گیا اور اس کے دانت فضا میں اُچھلتے ہوئے نظر آئے مگر یہ سب کچھ دیکھنے کے لیے وقت نہیں تھا اور نا ہی اس جنگ کو لمبا کیا جا سکتا تھا۔ چنانچہ ٹائیگر اپنے مختلف داؤ آزمانے لگا۔ اُلٹے ہاتھ کی ایک چوٹ اس کے تئے مدِ مقابل کی کھوپڑی پر پڑی اور وہ شخص ایک لمحے کے لیے فرش پر جا پڑا لیکن اگلے ہی لمحے وہ پھر اُٹھ کھڑا ہوا اور اُٹھتے اُٹھتے اس نے بڑے ہی ماہرانہ انداز میں اپنی دونوں ٹانگیں اُچھالیں لیکن ٹائیگر بھی فضا میں اُچھلا اور اس کی اُچھلی ہوئی ٹانگ پر اپنے پاؤں سے ایک وار کیا۔ ٹانگ کا ایک حصہ ٹوٹ کر دور جا گرتا ہوا نظر آیا تھا اور اس کی ہیبتناک خیز چیخ ہال میں گونجنے لگی تھیں۔ ابتدا میں تو اوشان پر بھی حملے کیے گئے تھے لیکن بعد میں ان سب نے ٹائیگر کو گھیر لیا تھا اوشان کا گنجائش نہیں رہی تھی چنانچہ چند ہی لمحوں میں ٹائیگر نے ان سب کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ ان میں سے ایک کی بھی جسمانی کیفیت موزوں نہیں رہی تھی۔ ان کی ہڈیاں ٹوٹی ہوئی پڑی تھیں۔ جسم کے اعضاء مختلف حصوں میں تقسیم ہو کر پورے ہال میں بکھر گئے تھے اور ہال میں خون کی پھسلن پیدا ہو گئی تھی۔ یہ کام صرف چند لمحات میں ختم ہو گیا۔ ٹائیگر نے دیکھا کہ اس کے تمام مدِ مقابل زمین پر بے جان پڑے ہوئے ہیں تو اس نے اوشان کی طرف دیکھ کر گردن خم کی۔ اب کوئی بھی آس پاس موجود نہیں تھا۔ غالباً اس پہلی خیانت کے بعد ان لوگوں کو یہ اندازہ ہو گیا ہو گا کہ مہمان بہت ہی بسیار خور ہیں اور ان کا پیٹ دو چار آدمیوں سے نہیں بھر سکتا لیکن محتاط رویہ اختیار کرنا ضروری ہے۔ اوشان نے ٹائیگر کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

"ہمارے میزبان نے ہماری خواہش کی تکمیل کی ہے۔ میں نے اس سے کہا تھا کہ میں اس وقت تک آگے نہیں بڑھوں گا جب تک کسی سے ملاقات نہیں ہو گی۔ اور اس نے ہمارے ملاقاتی ہمارے سامنے بھیج دیے۔ اس طرح ہمارا عہد پورا ہو گیا۔ آؤ اب آگے چلتے ہیں۔ ٹائیگر نے مسکراتے ہوئے گردن خم کی اس طرح اپنے عمل سے اس کا جسم کھل گیا تھا اور اب وہ ہر لمحہ اپنے اوپر سکی بھی سمت سے ہونے والے حملے کے لئے مستعد نظر آتا تھا۔ چنانچہ انہوں نے سامنے ہی کی سمت کا راستہ اختیار کیا۔ عقبی راستے تو بند ہوتے جا رہے تھے۔ وہ اس بڑے سے دروازے سے اندر داخل ہو گئے جو آگے بڑھنے کا حقیقی راستہ تھا۔ لیکن آگے انہوں نے ایک چوکور سی سرنگ دی۔ ہی جو انسانی ہاتھوں ہی کا کارنامہ تھی لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ سرنگ کے دونوں حصوں میں جو کہ بہت زیادہ چوڑے نہیں تھے ان کے لیے کیا کیا انتظامات کیے گئے ہیں۔ ٹائیگر نے ایک لمحے کے لئے اوشان کی جانب دیکھا اور اشارہ کیا اور اوشان سمجھ گیا کہ ٹائیگر کیا کہنا چاہتا ہے۔ چنانچہ اس نے گردن خم کر کے کہا۔

"فکر نہ کرو میرے بچے۔ ہمیں اس طریقۂ جنگ کو بھی ذہن میں رکھنا ہو گا اور اس کے بعد وہ اس انوکھی سرنگ میں آگے۔ بڑھنے لگے۔ اشوش کی اس خانقاہ میں نہ جانے کون کون سے خطرے چھپے ہوئے تھے لیکن دونوں ہوشیار تھے۔ دشمنوں کی بہت میں گھس کر ان کا صفایا کرنا ان کا بہترین مشغلہ تھا۔ کچھ آگے چل کر یہ سرنگ کئی حصوں میں تقسیم ہو گئی تھی۔ ابھی وہ یہ فیصلہ نہیں کر پائے تھے کہ کون سے حصے کا رخ اختیار کریں کہ ایک سمت ایک آہٹ سی محسوس ہوئی اور ٹائیگر کے اسپرنگ کھل گئے وہ دونوں ہاتھ سیدھے کر کے اُچھلا اور کم بلند سرنگ میں کسی پرندے کی طرح پرواز کرتا ہوا اس شخص پر جا گرا فرار ہونے کی کوشش کر رہا تھا لیکن چونکہ وہ براہ راست ٹائیگر کے پھیلے ہوئے ہاتھوں کی زد میں آ گیا تھا۔ اس لیے ٹائیگر اسے زندہ نہ پکڑ سکا۔ اس کے دونوں ہاتھ تیروں کی طرح سیدھے اس کے سینے پر پڑے اور پسلیوں کا خول توڑ کر اندر داخل ہو گئے۔ ٹائیگر کو رکنا پڑا

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

تھا۔ ان کے دونوں ہاتھ ٹوٹی ہوئی جھونپڑی سے باہر کھینچے اور ان پر لگا ہوا خون اور گوشت کا پیسٹ دیکھا۔ پھر چاروں طرف نظریں دوڑائیں۔ آگے راستہ بند تھا۔

اسی وقت عقب سے لوشان کی آواز اُبھری۔ "واپس آجاؤ فرزند۔ مقدس التوش نے ہمیں شرفِ نیاز بخش دیا ہے۔ ٹائیگر بھی پلٹ پڑا۔ لوشان انہیں شاخوں کے ایک دھانے پر کھڑا اسے اشارہ کر رہا تھا۔ ٹائیگر تیزی سے لوشان کے پاس پہنچ گیا۔ وہاں سے دوسری طرف ایک وسیع و عریض ہال نظر آرہا تھا۔ جس کی چھت بے حد بلند تھی۔ مدہم سی روشنیوں نے پورے ہال کو ایک پُراسرار رنگ بخش دیا تھا۔ اور سامنے ایک اونچے منبر پر ایک دبلا پتلا بوڑھا شخص بیٹھا کچھ اس میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے ہاتھوں میں ایک لمبی تسبیح نظر آرہی تھی۔ جس کے چمکدار سیاہ دانے کٹ کٹ کی آواز کے ساتھ دوسرے دانوں پر گر رہے تھے۔ پھر اس کی آنکھوں کی لکیریں چوڑی ہونے لگیں اور دو سرخ بلب جل اُٹھے۔ مدہم سرخ روشنی انہیں اندر سے ٹٹول رہی تھی۔ التوش اس عالم میں بہت پُراسرار اور خوفناک معلوم ہو رہا تھا۔

ہال میں موت کی سی خاموشی چھائی ہوئی تھی اگر کوئی آواز تھی تو آقائے التوش کی تسبیح کے دانوں کے گرنے کے آواز تھی جو ایک تواتر کے ساتھ کٹ کٹ کی آواز پیدا کر رہے تھے۔

شہزلو ٹائیگر نے حیرت سے آقائے التوش کا جائزہ لیا، وہ اپنی جسامت، رنگ روپ کے لحاظ سے لوشان کی کاپی تھا بلکہ بظاہر میں دیکھنے والا اسے لوشان کا جڑواں کہہ سکتا تھا وہ اس وقت ایک اونچی مسند پر کسی شہنشاہ کی سی شان کے ساتھ بیٹھا تھا شہزلو نے محسوس کیا کہ لوشان پر نگاہ پڑتے ہی اس کی کیفیت میں تبدیلی آگئی ہے لب تسبیح کے دانے مزید تیزی سے گرنے لگے تھے۔

اسی اثناء میں فضا میں گڑگڑاہٹ سنائی دی۔ ٹائیگر نے پلٹ کر دیکھا، غار کا دہانہ دھیرے دھیرے بند ہو رہا تھا لوہے کی ایک موٹی سی چادر دونوں جانب سے نمودار ہو کر باہر نکلنے کا راستہ مسدود کر رہی تھی۔ اسی دوران آٹھ آدمی تیزی سے ہال میں داخل ہوئے اور باری باری آقائے التوش کے سامنے رکوع کے انداز میں جھک کر دیوار سے لگ کر مؤدب انداز میں کھڑے ہو گئے۔

شہزلو نے ایک لمحے میں ان کی پوزیشن کا اندازہ لگایا اور پھر بے پروا انداز میں لوشان کی جانب متوجہ ہو گیا جو بڑے مطمئن انداز میں دونوں ہاتھ سینے پر باندھے ہونٹوں پر مسکراہٹ لڑانے والی مسکراہٹ سجائے آقائے التوش کو گھور رہا تھا۔

"ماسٹر..... ماسٹر لوشان تت..... تم۔" آقائے التوش بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "میں نے سنا تھا کہ تم نے ایک غیر ملکی کو اپنا وارث بنایا ہے لیکن تم یہاں۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔"

"تمہیں حیرت نہیں ہونی چاہیے التوش! کیونکہ جہاں جہاں بدی کے پجاری اپنا مکروہ کھیل کھیلتے ہیں سنا نجو کے وارث قہر کے دیوتا بن کر وہاں پہنچ جاتے ہیں۔"

"مجھے شک تھا ماسٹر۔ میرے آدمیوں کو جس انداز میں قتل کیا گیا مجھے شک ہوا تھا کہ ضرور تم ہی ہو گے۔"

"نہیں یہ معمولی کام تو میرے شاگرد نے کیے ہیں۔ میرے وارث اور لب شمشیر سنا نجو کے مالک شہزلو ٹائیگر نے۔ تمہارے پاس بلکہ دنیا کے تمام ماسٹروں کے پاس کوئی بھی ایسا دفاع نہیں جو میرے شاگرد کو زیر کر سکے۔"

"اس میں کوئی شک نہیں ماسٹر۔" آقائے التوش نے عقیدت سے لوشان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اس کے ساتھ ہی اس کے تسبیح کے دانے گرانا بند ہو گئے تھے ٹائیگر نے محسوس کیا کہ وہ لوشان سے بری طرح خائف ہے اور لوشان کی حیثیت سے پوری طرح واقف ہے۔ چنانچہ اس نے اپنے اعصاب کو سکون پہنچانے کی غرض سے عضلات ڈھیلے کر دیے لیکن اگلے ہی لمحے اسے چونکنا پڑا۔

آقائے التوش نے اپنی دائیں والی تسبیح یکدم انگشت شہادت میں گھما کر چھوڑ دی تھی اور تسبیح فضا میں ایک زنانے دار آواز پیدا کرتی ہوئے شہزلو کے سر کی جانب آئی تھی۔

شہزلو نے فوراً ہی خود کو سنبھالا اور اپنا سر ہلکا سا دائیں جانب جھکا دیا۔ تسبیح ایک تیز آواز کے ساتھ اس کی بائیں کنپٹی سے آدھے انچ سے بھی کم فاصلے سے گزر کر اس کے عقب میں دیوار سے ٹکرا کر گر گئی تھی۔

آقائے التوش کے حلق سے بے تحاشا قہقہہ نکل گیا۔

ٹائیگر نے لوشان کی طرف دیکھا۔ لوشان کی آنکھیں میں

برہی تھی۔

عقب میں کھڑے ہوئے افراد میں سے ایک نے تسبیح اٹھا کر بڑے احترام سے آقائے التوش کو پیش کر دی۔

اب آقائے التوش دوبارہ تسبیح اپنی انگشتِ شہادت میں گھما رہا تھا۔ شہزلو اب پوری طرح سنبھل چکا تھا چنانچہ جونہی تسبیح دوبارہ التوش کی انگلی سے نکل کر اس کے سر کی جانب آئی تو شہزلو نے اس مرتبہ اپنی جگہ سے ذرا بھی جنبش نہ کی صرف اس کا دایاں ہاتھ بجلی کی سی سرعت کے ساتھ حرکت میں آیا تھا اور پھر دیکھنے والی آنکھوں نے ایک لمحے کے لئے تسبیح شہزلو کی انگلی پر گھومتی نظر آئی اور پھر فضا میں قوس بناتی ہوئی آقائے التوش کی جانب بڑھی۔ آقائے التوش نے اس سے بچنے کی کوشش میں اپنا سر دائیں جانب جھکایا پھر آخری لمحے میں اسے احساس ہوا کہ تسبیح کا نشانہ اس کا سینہ ہے۔ چنانچہ اس نے ہڑبڑاتے ہوئے اپنی جگہ چھوڑ دی اس کوشش میں وہ لڑکھڑاتے ہوئے مسند سے فرش پر گر گیا تسبیح اس کی مسند کی پشت گاہ سے ٹکرا کر گر گئی تھی۔

لوشان نے اس پوزیشن پر بے ساختہ قہقہہ لگایا تھا۔ اس قہقہے میں شہزلو کے لئے تحسین کا جذبہ نمایاں تھا۔

"نہیں التوش تمہارے یہ بچکانہ کھیل شمشیر سنا نجو کے مالک شہزلو کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ لہٰذا اپنی توانائی ضائع کرنے کے بجائے مجھ سے تعاون کرو۔ ورنہ میرا شاگرد تمہیں تعاون پر مجبور کر دے گا۔"

"میں تسلیم کرتا ہوں ماسٹر تم واقعی عظیم ہو۔" التوش دوبارہ اپنی مسند پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ "مجھے حکم دیں میں آپ کے لئے کیا کر سکتا ہوں۔"

"آج کل ڈیتھ لی ایون کا نام منظرِ عام پر ابھر رہا ہے اور ان میں سے ایک رپ کارسن یہیں کہیں موجود ہے۔ مجھے یہیں اطلاع ملی ہے۔ مجھے اس کی تلاش ہے۔ اس کے علاوہ میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ یہ سارا قصہ کیا ہے۔" آقائے التوش کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی پھر اس نے کہا۔

"میں یہ تو نہیں پوچھوں گا کہ تمہیں ان کی تلاش کیوں ہے۔ لیکن ڈیتھ لی ایون گیارہ صفحے ہیں۔ انہوں نے ان لوگوں کا روپ دھارا ہے جو بہت پہلے مر چکے ہیں۔ وہ جو کچھ کر رہے ہیں انہیں کے نام پر کر رہے ہیں اور انہوں نے وہ نہر حسین حاصل کر لی ہیں جن سے ان لوگوں کا تعلق رہا ہے۔ لیکن یہ سب سنسنی پھیلانے کی ایک کوشش ہے اور یہاں اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ انہیں کچھ ملکوں کا تعاون حاصل ہے اور انہوں نے اس انداز میں کام شروع کیا ہے اس سے کچھ لوگوں کو بلیک میل کرنا بھی مقصود ہے تو یہ سوال نہ کرنا کہ مجھے یہ تفصیلات کیسے معلوم ہوئیں البتہ رپ کارسن کے سلسلے میں میں کسی حد تک رہنمائی کر سکتا ہوں۔"

"گویا درحقیقت ڈیتھ لی ایون وہ نہیں ہیں جو انہوں نے اپنے آپ کو ظاہر کیا ہے۔"

"ہرگز نہیں بھلا مردے بھی کہیں زندہ ہو کر قبروں سے باہر نکل آتے ہیں یہ تو ایک انوکھی بات ہے جسے نہ تو تسلیم کر سکتا ہے اور نہ میں۔ ہوا یہ ہے کہ انہوں نے اپنے ڈرامے کو حقیقت کا روپ دینے کے لئے وہ قبریں خالی کر دی ہیں۔" لوشان نے مطمئن انداز میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"خود میرا بھی یہی خیال تھا۔" ٹائیگر نے اس دوران مکمل خاموشی اختیار کر رکھی تھی۔ آقائے التوش کا اس کے سامنے تھا اور یہ اندازہ بھی وہ لگا چکا تھا کہ جو لوگ اس قدر قوت رکھتے ہیں وہ سچائی کی جانب راغب ہوتے ہیں اور ان سے اچھا ساتھی اور کوئی نہیں ہوتا۔ سنا نجو کے ماسٹر کا تجربہ اس سے کہیں زیادہ وسیع تھا اور جب لوشان مطمئن تھا تو اسے غیر مطمئن ہونے کی ضرورت نہیں تھی۔ رپ کارسن کے بارے میں آقائے التوش نے جو تفصیلات بتائی تھیں شہزلو انہیں ذہن نشین کر چکا تھا۔

سان بور نیا میں ان کی آمد بالآخر کارگر رہی تھی۔ چنانچہ وہ سیدھے اپنے ہوٹل پہنچ گئے۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی لوشان اپنا صندوق کھول کر اپنی پسندیدہ وڈیو گیمنس منتخب کرنے لگا شہزلو سمجھ گیا کہ اب اسے تن تنہا ہی رپ کارسن کو تلاش کرنا ہے۔

■

"روبی ہر چیز سے بے پروا ہو کر بے تحاشہ دوڑ رہی تھی اس کے پیروں میں جیسے پنکھے لگے ہوئے تھے۔ اسے ہر سمت سارجنٹ بلیک کا ہجوم نظر آرہا تھا اور وہ اس سے خوفزدہ ہو کر سرپٹ دوڑ رہی تھی۔ نجانے کتنی دور نکل آئی تھی وہ اور اس کے رک جانے کی وجہ اس کی جسمانی تھکن تھی۔ سینہ دھونکنی بنا ہوا تھا۔ وہ اب تک کافی رفتار سے دوڑتی آئی تھی اب وہ پررونق علاقہ زیادہ دور نہیں تھا۔ جہاں روشنیاں بکھری ہوئی

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

تھیں اور قدرے چہل پہل نظر آرہی تھی

روبی اپنی حالت پر قابو پا چکی تھی مگر اسے یہ سوچ سوچ کر چکر آرہے تھے کہ جس شخص کے ساتھ اس نے اتنا وقت گزارا ہے وہی سارا تھا بلیک ہے۔ وہ جم کارک جو پروقار اور نفیس انسان تھا لیکن جو کہانیاں اس نک پسپی تھیں کیا وہ سچ نہیں۔ اس کا فیصلہ کوئی پرسکون جگہ ہی کر سکتی تھی یہاں اس جگہ کھڑے ہو کر تو وہ یہ بھی نہیں کہہ سکتی تھی کہ وہ محفوظ ہے۔ یا نہیں۔ وہ آہستہ قدموں سے چلتی ہوئی اس پر رونق علاقے میں داخل ہو گئی۔ یہاں سے ٹیکسی لے کر وہ محفوظ مقام کی طرف چل پڑتی۔ روبی کو اب اپنی حماقت پر رہ رہ کر افسوس ہو رہا تھا کہ وہ اتنی بدحواس کیوں ہو گئی اگر اس وقت ٹائیگر ساتھ ہوتا تو وہ اس کا بہت مذاق اڑاتا جو اس کے لئے پریشانی کا باعث بنتا روبی یہ سب کچھ صرف سوچ کر رہ گئی۔

ٹیکسی ایک پرسکون رہائشی علاقے میں رکی جہاں چھوٹے چھوٹے مکانات بنے ہوئے تھے انہی میں سے ایک کی طرف روبی بڑھی دروازے کا لاک کھولتے ہوئے اندر داخل ہو گئی۔ تین کمروں کا چھوٹا سا مکان تھا ایک کمرے میں پہنچ کر اس نے دروازہ بند کر کے لائٹ جلائی اور قالین پر چت لیٹ گئی۔ اس وقت اس طرح بے سدھ پڑ جانے سے سکون حاصل مل رہا تھا اس نے ہر سوچ سے اپنے ذہن کو آزاد چھوڑ دیا وہ قالین پر چت لیٹی دیر تک جم کارک کے بارے میں سوچتی رہی۔

لیکن اسے یہ اندازہ نہیں ہو پایا تھا کہ جم کارک یا دوسرے الفاظ میں سارتھیا بلیک کوئی زندہ انسان نہیں ہے۔ کسی بھی بات سے اس کا احساس نہیں ہوتا تھا۔ یہ کمالی روبی کو اجبراہی سے جھوٹ لگی تھی کیونکہ کہ مجرموں کے کام کرنے کا انداز مختلف ہوتا ہے اور اس بار جن مجرموں نے ڈسٹلی الیون کے نام سے قتل و غارت گری کا سلسلہ شروع کیا ہے اور کچھ لوگوں سے انتقام لینا شروع کیا ہے وہ صرف ذرائی حیثیت رکھتے ہیں اس بات کا کنفرم امکان نہیں کہ مردے ایک طویل عرصے بعد قبروں سے اٹھ کر اپنے دشمنوں سے انتقام لینا شروع کر دیں۔ روبی غور کرتی رہی تھی۔

دفعتاً ہی اسے ہلکی سی آہٹ سنائی دی اور وہ چونک پڑی مکان کا بیرونی دروازہ دھکیلا جا رہا تھا۔ دوسرے لمحے وہ اٹھ بیٹھی اس نے ایک لمحے کے لیے کمرے کے دروازے پر رک کر باہر کی آہٹیں سنیں۔ روبی کے حساس کان قدموں کی چاپ سن رہے تھے۔ اس نے پھرتی سے آگے بڑھ کر روشنی بجھادی۔ لیکن بے سود جس کسی نے بھی مکان میں قدم رکھا ہے اس نے اس کمرے میں روشنی دیکھ کر کمرے کی سمت رخ ضرور کیا ہوگا وہ کمرے سے باہر نکل آئی تھی۔ یہاں بہت زیادہ جگہ تو تھی نہیں مگر وہ آہستہ آہستہ پیچھے ہٹتی رہی وہ اندازہ لگا رہی تھی کہ آنے والا کون ہے اور اس وقت کہاں ہے۔ پھر اچانک صحن میں تیز روشنی ہو گئی اور روبی کو صاف دیکھ لیا گیا۔

لیکن جس شخص نے روشنی کی تھی وہ بھی روبی کی نگاہوں سے اوجھل نہیں تھا۔ یہ جم کارک ہی تھا اور انتہائی خوفناک نظر آرہا تھا اس کا یہاں آجانا اس بات کی دلالت کرتا تھا کہ وہ انسان نہیں ہے اور اس احساس نے روبی کو حواس باختہ کر دیا تھا اس کے حلق سے ایک دہشت ناک چیخ نکلی اور وہ وہاں سے پلٹ کر بھاگی ساتھ ہی جم کارک نے لمبی چھلانگ لگائی تھی جو دروازہ پہلی بار روبے کے سامنے آیا اس نے اسی کو کھول کر اندر قدم رکھ دیا۔ لیکن دروازہ بند کرنے سے پہلے ایک پاؤں دروازے میں آکر اڑ گیا تھا۔ جس دروازے سے وہ داخل ہوئی تھی وہ خاص قسم کا کچن جس میں بے شمار چیزیں آراستہ تھیں۔ جم کارک بھی اس کے ساتھ ساتھ ہی اندر داخل ہو گیا اور یہاں بھی اس نے ہی ہاتھ بڑھا کر روشنی کی تھی۔ کچن کافی کشادہ تھا۔ روبی ایک دیوار سے جا لگی جم کارک کا ہولناک چہرہ اس کی نگاہوں کے سامنے تھا تب اس نے آہستہ سے کہا۔

"نہیں ہے بی۔ میں نے بھی بڑی مشکل سے تمہیں تلاش کیا ہے۔ تمہارا زندہ رہنا میرے خیال میں مناسب نہیں ہے۔ کیونکہ تم نے جس قدر قریب سے مجھے دیکھا ہے اس کی کہانی دوسروں کے کانوں تک نہیں جانی چاہیئے۔"

روبی کے حلق سے پھر وحشت بھری آوازیں نکلنے لگیں، سارتھیا بلیک بدترین مجرم اس کے سامنے تھا اور وہ تنہا تھی۔ اس وقت بالکل بے بس تھی وہ پیچھے ہٹتی ہٹتی ایک دیوار سے جا لگی پھر کوئی چیز اس کے ہاتھوں کے نیچے ٹکرائی اور اس نے اس کا سہارا لے کر اپنے آپ کو گرنے سے روکا۔ یہ ایک ٹین کا ڈبا تھا جس سے کیروسین کی بو اٹھ رہی تھی۔ روبی کے ذہن میں ایک لمحے کے اندر اندر بجلی سی کوند گئی۔ اس نے ہاتھ پیچھے کر کے ڈبا پکڑ لیا۔ جم کارک اپنی جگہ کھڑا اسے خونخوار نگاہوں سے گھور رہا تھا۔ روبے کے ہاتھ نے ڈبے کا ڈھکن کھول دیا اور اس کے پورے مجمع کو اپنی مضبوط گرفت میں لے لیا۔ جم

کارک آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہا تھا۔ اور اس کا انداز بے حد خوفناک تھا۔ دفعتاً روبی کا ہاتھ پوری قوت سے آگے بڑھا اور اس نے کیروسین کا پورا ڈبا جم کارک پر پھینک دیا۔ ڈبا اس طرح سے گرا تھا کہ اس کا پورا جسم کیروسین آئل میں نہا گیا، روبی کی پھٹی پھٹی آنکھیں چاروں طرف دیکھ رہی تھیں۔ پھر اسے ایک جگہ گیس لائٹر نظر آگیا۔ اور دوسرے لمحے اس نے گیس لائٹر ہاتھ میں اٹھالیا۔ جم کارک کو یہ احساس نہیں تھا کہ وہ کیا کرنے جا رہی ہے۔ وہ بری طرح جھلا گیا تھا۔ اس نے ڈبے کو ایک زوردار ٹھوکر لگائی اور کیروسین آئل دور تک پھیل گیا وہ خونخوار انداز میں روبی کی جانب بڑھا اور اب روبی آخری قدم اٹھانے کے لیے۔ - - - - - - - - - - - - - - -

تیار ہو گئی تھی۔ چنانچہ جیسے ہی جم کارک اس کے قریب پہنچا اس نے گیس لائٹر جلا کر جم کارک پر پھینک دیا کیروسین آئل کو آگ پکڑنے میں ایک لمحہ بھی نہ لگا۔ جم کارک کچھ بھی نہ کہہ سکا تھا۔ لیکن آگ کے شعلے سے پورا جسم اس کی لپیٹ میں آگیا۔ اس کے علاوہ چونکہ کیروسین آئل زمین پر بھی بکھر گیا تھا اس لیے - - - - - - - - - - - - - - -

اس کے جسم کی سلگتی ہوئی آگ نے نیچے بھی آگ پکڑ لی۔ روبی کے لیے - - - - - - - - - - - - - - -

لب یہ ضروری تھا کہ وہ دروازے سے باہر چھلانگ لگا دے چنانچہ اس نے جسم کو تول کر ایک لمبی چھلانگ لگائی اور آگ کے دریا سے گزرتی ہوئی دروازے سے باہر جا پڑی۔ اس نے اٹھ کر سب سے پہلے کچن کے دروازے کو بند کیا اور جم کارک چونکہ شعلوں میں گھر گیا تھا اس لیے اس کا رخ دروازے کی جانب نہ ہو سکا۔ اندر سے روبی کو خراہٹیں سنائی دے رہی تھیں اور وہ دیوار سے لگی اپنے حواس سنبھالنے کی کوشش کر رہی تھی۔

جم کارک کی خراہٹیں لب چیخوں میں تبدیل ہونے لگی تھی اس کے بعد اس کی چیخیں مدھم ہو گئی تھیں۔ باورچی خانے کے مختلف کھلے ہوئے حصوں سے دھواں باہر نکل رہا تھا اور باورچی خانے کو باقاعدہ آگ لگ چکی تھی۔ روبی نے اس مکان کو چھوڑ دینے کا فیصلہ کیا کیونکہ کچھ دیر کے بعد باہر لوگوں کا ہجوم ہو جائے گا لیکن یہ بات اس کے دل میں چٹکیاں لے رہی تھی کہ جم کارک کو مردہ حالت میں دیکھ لے اور ایک نگاہ اسے دیکھنا ضروری سمجھ کر اس نے دروازہ کھولا۔ آگ کے شعلے باہر نکلے اور اسے ایک نگاہ ہی میں جم کارک کا جلسا ہوا بدن فرش پر پڑا نظر آگیا۔ روبی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ سخت ذہنی انتشار کے باوجود اسے خوشی ہوئی تھی کہ ڈاکٹر بہرام نے جو کام اس کے سپرد کیا ہے وہ اس کو پورا کرنے کے بعد ہی یہاں سے جا رہی ہے اور اس سے پہلے کہ لوگ اس مکان کے گرد جمع ہو کر صورت حال معلوم کرتے وہ کسی سائے کی طرح مکان کے دروازے سے باہر نکل گئی تھی۔

■

ٹائیگر اپنا کام بخوبی سرانجام دے رہا تھا اوشین نے اس کے ساتھ شریک ہونا پسند نہیں کیا تھا اور ویسے بھی ٹائیگر اس مسئلے میں اوشین کو الجھانا نہیں چاہتا تھا ٹائیگر نے ان جگہوں کی چھان بین شروع کر دی تھی جس کی نشاندہی آکٹاگے اشوش نے کی تھی۔ آکٹاگے اشوش نے اسے مین ہوائنٹس بتائے تھے اور ان میں سے پہلے پوائنٹس کو دیکھ کر ٹائیگر کا منہ بگڑ گیا تھا رب کارسن نے جس طرح کام شروع کیا تھا کم از کم اس جیسے آدمی کو فحاشی کا یہ اڈہ نہیں بنانا چاہیے تھا لیکن اقتدار سے عاری لوگ جو مجرم ہوں اپنی ان حرکتوں سے باز کہاں آسکتے ہیں چنانچہ یہ پہلا پوائنٹ فحاشی کا ایک اڈہ تھا جہاں ناجائز منشیات سے لے کر اور جو کچھ بھی درکار ہوتا موجود تھا اور یہ رب کارسن کا ایک پوائنٹ تھا لیکن ٹائیگر نے جس شخص کو ناکا تھا وہ اس پوائنٹ کا منیجر تھا اور اس کے علاوہ کون شخص ایسا ہو سکتا تھا جو رب کارسن کا صحیح نشانہ بنا سکے۔ گول مٹول موٹے منیجر کی کھوپڑی کانٹوں والے بار سے کسی گئی اور جب بار میں ابھرے ہوئے کانٹے اس کی کھوپڑی میں پیوست ہو کر جگہ جگہ سے خون کی دھاریں چھوڑنے لگے تو اس نے پوائنٹ نمبر دو کا پتہ بتایا اور کہا کہ ہو سکتا ہے رب کارسن وہاں موجود ہو۔ اور یہ پوائنٹ نمبر دو وہی تھا جس کی نشاندہی آکٹاگے اشوش پہلے ہی کر چکا تھا اور اس طرح کم از کم ٹائیگر کو اس بات کی تصدیق ہو گئی تھی کہ آکٹاگے اشوش کی بتائی ہوئی جگہیں غلط نہیں ہیں۔

پوائنٹ نمبر دو ایک اسپتال تھا جس میں بے شمار بستر اور بہت سے کمرے بنے ہوئے تھے اور رب کارسن نے سلسلے میں موٹے منیجر نے موت سے پہلے جو تفصیلات بتائی تھیں ان کے تحت ٹائیگر اسے اس آفس میں تلاش کرتا تھا جہاں اس اسپتال کا مالک بیٹھتا تھا اور اس کا حلیہ بھی موٹے منیجر نے ٹائیگر کو بتا دیا تھا لب یہ دوسری بات ہے کہ یہ تمام معلومات فراہم کرنے کے باوجود وہ اپنی زندگی نہیں بچا سکا تھا۔ خادار

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کانٹے اس کے سر میں ایک ایک انچ اتر گئے۔ اسپتال کے مختلف کمروں سے گزرتا ہوا وہ اس آفس کے سامنے پہنچا اور وہاں تالا لگا دیکھ کر اسے مایوسی ہوئی۔ اسے کسی ایسے شخص کی تلاش ہوئی جو اس کمرے میں تالا لگنے کی وجہ بتا سکے۔ اور یہاں بے شمار افراد ایسے تھے لیکن ڈیوٹی انچارج ہی اس کے کام آ سکتا تھا اور یہ ڈیوٹی انچارج جس کمرے میں ٹائیگر کو ملا وہ خاصا وسیع اور کشادہ تھا اور وہاں بے شمار کاغذات جرابی رکھے ہوئے تھے۔ لیکن یہاں جو کچھ ٹائیگر کو معلوم ہوا وہ بڑا دردانگیز تھا یہ اسپتال انسانی امداد کی تجارت کرتا تھا اور یہ انسانی امداد غیر منصفانہ طریقے سے حاصل نہیں کیے جاتے تھے۔ ٹائیگر نے نفرت بھرے انداز میں سوچا کہ روپ کمارسن ایک بدترین مجرم ہے اور اس کی موت انسانیت کی بھلائی کے لیے نہایت ضروری ہے البتہ اس ڈیوٹی انچارج نے ٹائیگر سے مقابلہ کرنے کی کوشش کی تھی اس بدنصیب کو کیا معلوم تھا کہ ایک بلا اس پر مسلط ہے جو اس کی زندگی لے کر ہی ٹل سکتی ہے ہاں تیسرے پوائنٹ کا پتہ اس نے زیادہ مشکل سے نہیں اگلا تھا۔ بلکہ ٹائیگر کی تھوڑی سی کوششیں ہی بارآور ہوئی تھیں اور وہ آخری الفاظ تھے جو اس نے روپ کمارسن کی موجودگی کے بارے میں بتانے تھے اور اس کے بعد اس کے حلق میں وہ ایسے سوراخ ہو گئے تھے جن کا تعلق براہ راست نرخرے سے تھا۔ جب نرخرا خون اگلنے لگا تو پھر زندگی کے امکانات کہاں ہوتے ہیں۔ یہ تیسرا پوائنٹ جسے ڈریم ٹیبل کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ دریائے ہڈسن کے کنارے تھا۔

دریائے ہڈسن کے کنارے بنی ہوئی یہ خوبصورت عمارت ٹائیگر کے لیے آخری جگہ تھی جہاں وہ روپ کمارسن کی تلاش کر سکتا تھا۔ ڈریم ٹیبل کو دیکھ کر ٹائیگر نے ایک گہری سانس لی تھی اور وہ بآسانی ڈریم ٹیبل کے احاطے میں داخل ہو گیا پھر وہ دبے قدموں سے اندر داخل ہوا جس شخص سے پہلی اس کی ملاقات ہوئی وہ ایک رائفل بردار آدمی تھا جس نے فوراً رائفل کی نال اس کی جانب اٹھائی تھی لیکن ٹائیگر اسے موقع نہیں دینا چاہتا تھا۔ جب گولی چلی تو نال کا رخ اس شخص کی گردن کے نچلے حصے کی جانب تھا اور گولی اس کی کھوپڑی کو توڑتی ہوئی اوپر نکل کر چھت سے ٹکرائی تھی۔ گویا درمیانی راستہ گولی کو ٹھہرنے نہیں کر سکا تھا۔ اس شخص کو گرنے سے روکنے کے لیے ٹائیگر نے سنبھالا اور ایک دیوار کے ساتھ نیچے لٹا دیا لیکن ٹائیگر کی

مشہور سلسلہ

سرکش

محمود احمد مودی کے ایڈونچرس قلم سے 12 حصوں میں شائع ہو گیا ہے

قیمت فی حصہ -/60 روپے

مکمل سیٹ -/720 روپے

ناشر

مکتبہ القریش

سرکلر روڈ، اردو بازار لاہور۔ فون ۶۶۶۹۵۸

اس کوشش کو کسی پوشیدہ جگہ سے دیکھ لیا گیا جہاں سے شاید اس عمارت پر نظر رکھی جاتی ہو گی۔ کیونکہ فوراً ہی تیز گولیاں بجنے کی آوازیں چاروں طرف ابھرنے لگی تھیں۔ ٹائیگر نے ایک لمبی چھلانگ لگائی اور سامنے نظر آنے والی راہداری میں دوڑنے لگا۔ اچانک بجنے والا یہ الارم اس کے لیے تشویش ناک تھا۔ بہت مختصر وقت میں اس کی آمد کی اطلاع ان لوگوں کو ہو گئی تھی۔ راہداری میں ایک لمحے کے لیے رک کر اس نے آہٹیں لیں۔ اس طرح کوئی آواز نہیں سنائی دی تھی اور آگے سناٹا پھیلا ہوا تھا۔

ٹائیگر راہداری کے اختتام تک بڑھتا چلا گیا اور یہ اختتام ایک چوڑے زینے پر ہوا تھا اب اس کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں تھا کہ ٹائیگر زینے پر بڑھتا چلا جائے ویسے قدموں کی دھمک اب ابھرنے لگی تھی۔ اور ٹائیگر کی سماعت اس بات کی نشاندہی کر رہی تھی کہ ان کا رخ اسی جانب ہے۔ چنانچہ وہ کئی کئی سیڑھیاں پھلانگتا ہوا اوپر کی جانب چل پڑا اور دفعتاً ہی اسے رائفلوں کے گرجنے کے آوازیں سنائی دیں اور کئی گولیاں اس کے قرب و جوار سے گزرتی ہوئی چلی گئیں۔ اس سے قبل کہ ٹائیگر دوبارہ حرکت میں آتا اسے اوپری منزل سے بھی کچھ آوازیں سنائی دیں اور ایک لمحے کے لیے اسے اپنی جگہ رکنا پڑا دوسری جانب سے شاید اسے دیکھ لیا گیا تھا۔ گولیاں مسلسل چلائی جا رہی تھیں اور اس سے ایک فائدہ ٹائیگر کو ضرور ہوا سامنے کی سمت سے اچانک ہی نمودار ہونے والے تین افراد دوسری جانب سے چلنے والی گولیوں کا نشانہ بن گئے تھے۔ اس لمحے ٹائیگر نے اپنے جسم کو تول کر ایک لمبی چھلانگ لگائی اور اس بڑے سے ہال کے عقبی حصے میں جا گرا تھا جہاں گتے کے کارٹن بچھے ہوئے تھے اب وہ لوگ اندھا دھند گولیاں برسانے لگے تھے۔ ان کی گولیوں کا نشانہ ان کے اپنے آدمی ہو رہے تھے۔ گتوں کے کارٹن شاید ان گولیوں کو روک نہیں سکتے تھے۔ لیکن ان میں جو کچھ تھا وہ کافی خطرناک معلوم ہوتا تھا۔ کیونکہ ایک خوفناک دھماکے کے ساتھ اگلی دیوار فضا میں بلند ہو گئی تھی۔ ٹائیگر اس سے تقریباً آٹھ فٹ کے فاصلے پر تھا اور جیسے ہی اس نے یہ محسوس کیا کہ ایک روشنی کے ساتھ دھماکہ ہوا ہے اس نے عقب میں ایک لمبی چھلانگ لگا دی۔ یہ سوچے سمجھے بغیر کہ وہ کہاں جا رہا ہے اور کس جگہ ٹکراتا ہے یہ چھلانگ اسے ایک بڑی کھڑکی تک لے گئی۔ جس میں نہ سلاخیں تھیں نہ شیشے لگے ہوئے تھے۔ اس کھڑکی سے دوسری جانب نکلنے کے بعد وہ تقریباً چھ فٹ نیچے چلا گیا اور ایک جگہ اس کے پاؤں رک گئے۔

اب پوری عمارت میں دھما چوکڑی مچنے لگی تھی۔ اور شاید چیخ چیخ کر کچھ ہدایات بھی دی جا رہی تھیں۔

ٹائیگر نے اپنی سماعت اس جانب مستقل کر دی۔ وہ لوگ چیخ چیخ کر ایک دوسرے کو بتا رہے تھے کہ اندر داخل ہونے والا اجنبی کس سمت گیا ہے گویا اب اس بات میں کوئی شک و شبہ نہیں تھا کہ ٹائیگر کو اسی طرح دیکھ لیا گیا ہے ایک لمحے کے لیے اسے افسوس ہوا کہ روپ کمارسن کا سامنا کرنے سے پہلے اس کی یہاں موجودگی کا راز کھل گیا۔ لیکن اب جو ہونا تھا وہ ہو چکا تھا۔ پہلے اس جگہ کا جائزہ لینا تھا جہاں وہ اس وقت موجود ہو گا وہ اپنی جگہ دیکھ گیا اور یہ اندازہ لگانے کی کوشش کرنے لگا کہ یہ جگہ کون سی ہے۔ لیکن اس سے پہلے ہی چند لوگ وہاں موجود تھے اور ان کی سانسوں کی بازگشت بالآخر ٹائیگر کی سماعت تک پہنچ گئی اور وہ اچھل پڑا۔ اس نے ان لوگوں کی جانب دیکھا جو ٹائیگر کو دیکھ چکے تھے اور دیکھ کر دم بخود ہو گئے تھے ان کے پاس رائفلیں تھیں لیکن جیسے انہوں نے سنبھل کر اپنی رائفلیں سیدھی کیں ٹائیگر اپنی جگہ سے اچھلا۔ ان دونوں کے کھلے ہوئے منہ دہشت سے پھٹے کے پھٹے رہ گئے۔ لیکن پھر انہیں ان دہانوں سے آواز نکالنے کا موقع نہیں مل سکا۔ ان کے دانت حلق میں اتر گئے اور جبڑوں کی ہڈیاں سرمہ بن گئیں۔ خون نے دونوں کا حلق بند کر دیا اور ان کی چیخیں حلق ہی میں گھٹ کر رہ گئیں۔ ٹائیگر کے دونوں پیروں نے ان دو آدمیوں کو سنبھال لیا جو سب سے پہلے سامنے آئے تھے۔ ٹائیگر کسی خونخوار چیتے کی مانند چاروں ہاتھ پیروں کے بل زمین پر گرا اور دوسرے لمحے اس نے اچھل کر ان میں سے ایک کی رائفل پر ہاتھ ڈال دیا۔

رائفل اپنے قبضے میں کرنے میں اسے کوئی دقت نہیں ہوئی۔ دراصل یہ دونوں آگے آ گئے تھے اور ان کے پیچھے دو افراد اور تھے یہ دونوں چیخا چیخ پکار سن چکے تھے اور یہ اطلاع دینا چاہتے تھے کہ مشتبہ آدمی کو انہوں نے اس سمت کودتے ہوئے دیکھا ہے۔ لیکن مشتبہ آدمی نے انہیں زندگی ہی سے محروم کر دیا تھا اور دوسرے دو جو یہاں باقی رہ گئے تھے وہ اس صورت حال کو دیکھ کر اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش کر رہے تھے۔ لیکن اس سے پہلے کہ ان میں سے کوئی سنبھلتا ٹائیگر نے اپنے ہاتھ میں پکڑی ہوئی رائفل کسی ڈنڈے کی طرح گھمائی اور ان میں سے ایک کا سر اس کی رائفل کے بٹ کی زد میں آ گیا۔ بھرپور کی آواز ہوئی اور اس کے سر کے بے شمار ٹکڑے ہو کر فضا میں تقسیم ہو گئے۔ ٹائیگر کسی خونخوار درندے کی طرح آخری آدمی پر جا پڑا اور اسے رگیدتا ہوا سامنے والی دیوار تک لے گیا تھا پھر جب وہ اس شخص سے علیحدہ ہوا تو اس کا جسم دیوار سے چپکا ہوا تھا اور پشت کی ساری پسلیاں ٹوٹ کر دیوار پر عجیب و غریب نشانات بنانے کا باعث بن گئی تھیں۔

ٹائیگر نے برق رفتاری سے ایک چکر لگا کر چاروں طرف دیکھ کر کسی کی موجودگی کا اندازہ لگانے کی کوشش کی۔ چونکہ اس کی یہاں آمد کا علم ہو چکا تھا اور اب یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ خاموشی سے روپ کمارسن کو تلاش کر لیتا۔ لیکن اس کے باوجود وہ اس عمارت سے باہر نہیں نکلنا چاہتا تھا تاکہ روپ کمارسن جہاں بھی ہے اس کی موجودگی کا اندازہ ہو جائے۔ ویسے بھی عمارت کی صحیح صورت حال کا اسے کوئی خاص اندازہ نہیں تھا بس اس نے بیرونی طور پر ہی اسے دیکھا تھا اور اوپر کا منظر اب اس کی نگاہوں کے سامنے تھا۔ لیکن تاریکیوں میں اسے یہ اندازہ نہیں ہو پا رہا تھا کہ یہاں سے اسے کس سمت جانا ہے۔ بالآخر وہ وہاں سے آگے بڑھ گیا۔ تھوڑے فاصلے پر اسے ایک گول دروازہ ملا اور

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

اس دروازے سے اندر داخل ہونے کے بعد وہ ایک بڑی سی راہداری میں پہنچ گیا۔

عمارت عجب چکرا دینے والی تھی اور یہ اندازہ ہی نہیں ہو پا رہا تھا کہ وہ کس طرف سے نکل کر کس سمت آ پہنچا ہے۔ پھر اچانک ہی کوئی چیز اس کے پیروں سے ٹکرائی اور اس ٹھوکر کے جلو میں جو آواز پیدا ہوئی اس پر اچانک ہی گولیوں کی ایک باڑھ ماری گئی۔ ٹائیگر اپنی جگہ سے اچھلا اور اس کا یہ اچھلنا ہی اس کے حق میں بہتر ثابت ہوا۔ ورنہ وہ چھوٹے چھوٹے شرارے اسے چاٹ جاتے جو اس کی جانب لپک کر عین اس جگہ کو جھلسانے میں کامیاب ہو گئے تھے جہاں چند لمحے قبل وہ موجود تھا اس کا مقصد تھا کہ وہ ایک بار پھر ان لوگوں کی نگاہوں میں آ گیا تھا۔ گولیاں مسلسل چلائی جا رہی تھیں اور اس وقت صرف ایک ہی طریقہ تھا کہ وہ اچھل کود کر ان شراروں پر نظر رکھے جو رات کی تاریکیوں میں چنگاریوں کی طرح اس کی جانب دوڑ رہے تھے۔ اور اس جگہ کو خالی کر دے جدھر وہ شرارے آ رہے ہیں۔ لیکن اس سلسلے میں برق جیسی پھرتی سے کام لینا تھا اور ٹائیگر اس وقت بجلی ہی کی طرح کوند رہا تھا یہ اندازہ نہیں ہو پایا تھا اسے کہ اس جگہ سے بچنے کے لیے کون سا راستہ استعمال کیا جا سکتا ہے اس نے اپنی بہترین قوتیں صرف کر کے ان بیہولوں کو دیکھنا چاہا جو اس پر گولیاں برسا رہے تھے۔ جدھر سے گولیاں برسائی جا رہی تھیں وہ جگہ تو اس لیے اس کے علم میں آ گئی تھی کہ وہاں سے چنگاریاں اٹھتی تھیں اور اس کی جانب دوڑ کرتی تھیں۔ لیکن ان تک فاصلہ اتنا تھا کہ وہاں پہنچنا ذرا مشکل نظر آ رہا تھا۔ البتہ اب وہ ان لوگوں کی ترتیب دیکھ رہا تھا۔ غالباً یہ ایک ایسی جگہ تھی جہاں اسے گھیرا جا سکتا تھا۔

ٹائیگر نے اپنے اعصاب کو پُرسکون بنایا۔ برسوں کی تربیت سے اسے اس بات کا اچھی طرح اندازہ ہو چکا تھا کہ ایسے موقع پر محض جسمانی پھرتی کام نہیں کرتی بلکہ روحانی قوت کو بھی سرگرم عمل کرنا پڑتا ہے۔ اور ان طاقتوں کو بیک وقت استعمال کرنے کے لیے ذہنی سکون بے حد ضروری ہوتا ہے۔ وہ لوگ بھیڑیوں کی طرح ٹائیگر کو گھیرے میں لے رہے تھے اور دھیرے دھیرے اس سے قریب ہوتے جا رہے تھے۔ ان کی رائفل کی نالیں اٹھی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔ ٹائیگر جس دیوار کے ساتھ لگا کھڑا تھا وہاں قدرے تاریکی تھی۔ اور پھر عقب کا اسے کوئی صحیح طور پر اندازہ نہیں تھا۔ لیکن اچانک ہی کچھ ہوا اور جو کچھ ہوا اس نے ٹائیگر کو حیران کر دیا۔ ایک اور سایہ سا فضا میں معلق نظر آیا جس کے ہاتھ پاؤں چل رہے تھے اور اس کی ہر جنبش سے ایک خوفناک چیخ بلند ہوتی تھی اس نے محسوس کیا کہ رائفل برداروں میں ابتری پھیل گئی ہے۔ ٹائیگر نے اپنی جگہ تبدیل نہیں کی۔ بس وہ ادھر ہونے والی کارروائی دیکھتا رہا یہ شبہ بھی تھا کہ ہو سکتا ہے یہ کوئی ایسی کارروائی ہو جس سے اسے روشنی میں لایا جا سکے۔ لیکن اس وقت پُرسکون رہنا بے حد ضروری تھا۔ اور ٹائیگر اسی قوت سے کام لے رہا تھا۔ لیکن جو کچھ وہ سن رہا تھا وہ غلط نہیں تھا۔ موت کی چیخ کی ایک آواز ہوتی ہے اور یہ آواز ہر بار اس کے کانوں میں گونج رہی تھی اور پھر تھوڑی دیر کے بعد ہی خاموشی چھا گئی لیکن اس کے بعد جو آواز ابھری تھی اس نے ٹائیگر کو ششدر کر دیا تھا۔ کیونکہ یہ اوشان کے علاوہ اور کسی کی آواز نہیں تھی۔

"اب تم اپنی جگہ چھوڑ کر باہر آ جاؤ۔ مطلع صاف ہو چکا ہے۔" ٹائیگر کے حلق سے ایک بے معنی سی آواز نکل گئی اوشان کو وہ چلتے پھرتے دیکھ سکتا تھا گو وہ تاریکی میں تھا۔ لیکن اس کا مخصوص لبادہ مدھم سی روشنی کے ساتھ چمک رہا تھا یہ اوشان اس وقت یہاں کہاں سے آ گیا۔ قریب پہنچ کر اس نے پہلا سوال یہی کیا تھا۔

"کیا یہ تمہاری دوسری آماجگاہ ہے۔ لٹل فادر۔"

"میرے ساتھ چلے آؤ۔ اگر تم پر نگاہ نہ رکھتا تو اس وقت بڑے خسارے سے دوچار ہو جاتا۔"

"کیوں۔"

"رکنے کا نام نہ لو۔ تمہیں بہت جلد اس عمارت سے باہر نکلنا ہے۔ آؤ اس سمت آ جاؤ۔" اوشان نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اس کے بعد ایک کمرے کی جانب بڑھ گیا۔ ٹائیگر کو اندازہ بھی نہ ہو سکا تھا کہ اوشان کیا کرنے والا ہے۔ دفعتاً ہی اس کے جسم کو ایک اور زوردار دھکا لگا اور اوشان کے علاوہ بھلا کون ایسا ہو سکتا تھا جس کی ضرب اس قدر شدید ہوتی کہ ٹائیگر اس کمرے کی سے گزر کر نیچے خلا کی جانب گرنے لگتا۔ جس کے قریب وہ کھڑا ہوا تھا۔ لیکن اس نے اوشان کو بھی اپنے ساتھ ساتھ ہی نیچے آتے ہوئے دیکھا۔ ابھی خاصی بلندی تھی۔ جس کا ٹائیگر کو کوئی اندازہ نہیں ہو سکا تھا۔ لیکن اس بلندی سے گرنے کے بعد جب بھپاک کی ایک آواز ہوئی تو اسے اندازہ ہوا کہ وہ کہاں گرا ہے۔ دریائے ہڈسن کے علاوہ یہ اور کون سی جگہ ہو سکتی تھی۔ ٹائیگر ابھی

میران ہی تھا کہ اوشان کی آواز پھر سنائی دی۔

"تیر کر کنارے تک پہنچنے کی کوشش کرو۔ میرے بچے ابھی تھوڑی دیر کے بعد مکان فضا میں اڑنے والا ہے۔ اور ٹائیگر نے اپنے تیرنے کی رفتار تیز کر دی پھر وہ دریا کے کنارے پہنچے اور ابھی یہاں سے چند قدم کا فاصلہ بھی طے نہ کر پائے تھے کہ فضا میں ایک دھماکہ ہوا اور شعلے آسمان سے باتیں کرنے لگے۔ ساعت شکن دھماکے نے چند لمحات کے لیے ٹائیگر کے اعصاب ٹائیگر اس اور شعلوں کے اس طوفان کو دیکھ رہا تھا جو آسمان کی جانب بلند ہو رہا تھا۔ پھر اس نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔

"تمہارا اس وقت یہاں آ جانا میرے لیے انتہائی حیرت ناک بات ہے لٹل فادر۔ لیکن..... لیکن کیا ریپ کارسن اس عمارت میں موجود تھا؟"

"نہ ہوتا تو اس عمارت کو تباہ کرنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔" اوشان نے جواب دیا اور ٹائیگر نے ایک گہری سانس لی۔ اس کا مقصد ہے کہ اوشان بھی اس عمارت میں بہت کچھ کرتا رہا ہے لیکن وہ کب اور کیسے یہاں پہنچا اس کا علم درحقیقت ٹائیگر کو نہیں تھا۔ اس نے ایک بار پھر اوشان سے سوال کیا۔

"تمہیں یقین ہے لٹل فادر کہ.....کہ.....؟"

"ہاں مجھے یقین ہے کہ ریپ کارسن کا کھیل ختم ہو گیا ہے۔" اوشان نے پرسکون لہجے میں جواب دیا۔

■

"روبی نے ڈاکٹر بہرام کو سارا تھیا بلیک کی موت کا پورا حال سنایا۔ لیکن اچانک ہی اسے احساس ہوا کہ ڈاکٹر بہرام اس کہانی میں اس قدر دلچسپی نہیں لے رہا تھا جتنی دلچسپی اسے ہونی چاہیے تھی۔ اور وہ چونک کر ڈاکٹر بہرام کا چہرہ دیکھنے لگی۔ اسے اس کی شناسا آنکھوں میں تشویش کی جھلکیاں نظر آئی تھیں۔ ڈاکٹر بہرام بظاہر اس کی جانب متوجہ تھا۔ لیکن اس کا ذہن سوچوں میں گم تھا۔ روبی کے چونک کر خاموش ہو جانے کا احساس بھی اسے نہ ہو سکا۔ تب روبی نے پہلو بدلا اور ڈاکٹر بہرام کو مخاطب کیا۔

"میرا خیال ہے آپ ذہنی طور پر کہیں اور ہیں۔" ڈاکٹر بہرام چونک پڑا اور پھر اس نے روبی کی طرف دیکھ کر پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"نہیں ہے بی میں تمہاری کاوشوں کے بارے میں غور کر رہا ہوں۔ بلاشبہ سارا تھیا بلیک جیسے آدمی کو تم نے جس انداز میں قتل کیا وہ قابل ستائش ہے۔"

"ہرگز نہیں۔" روبی پرجوش لہجے میں بولی۔ "یہاں میری فطرت نے میری راہنمائی کی۔ ورنہ حقیقت یہ تھی کہ میں پھنس کر رہ گئی تھی اور خوفناک مجرم پتہ نہیں کس طرح مجھ پر قابو پا لیتا اور بعد میں میرا خیال ہے صورت حال بہت خراب ہو جاتی۔"

صورت حال بہت خراب ہو رہی ہے۔ روبی مجھے اس کی فکر ہے۔" ڈاکٹر بہرام بڑبڑانے والے انداز میں بولا اور روبی اس غیر متوقع جملے پر چونک کر اسے دیکھنے لگی۔ لب اسے اس بات کا یقین ہو گیا کہ ڈاکٹر بہرام کا ذہن دُہری کیفیت کا شکار ہے۔ ایک جانب وہ اس کی کہانی بھی سن رہا ہے اور دوسری طرف اس کا ذہن سوچوں میں گم ہے۔ وہ کسی قدر پریشان لہجے میں بولی۔

"کیا مجھے اس بارے میں کچھ بتایا نہیں جا سکتا۔ ڈاکٹر بہرام؟"

"کس بارے میں؟"

"وہی جو آپ کے ذہن میں ہے۔"

"وہ نہیں۔ ہاں ٹھیک ہے۔" ڈاکٹر بہرام نے بے ربط جملے ادا کیے۔

"ٹائیگر اور اوشان کہاں ہیں؟"

"ان کی طرف سے رپورٹ موصول ہوئی ہے کہ انہوں نے ریپ کارسن کو ختم کر دیا ہے اور اب اپنے نئے مشن کے لیے تیاریاں کر رہے ہیں۔" لیکن انہیں اس قدر باوقف نہیں ہونا چاہیے۔" یہ جملہ ڈاکٹر بہرام کی عام گفتگو سے ایک بار پھر ہٹا ہوا تھا۔ روبی کو کسی قدر جھنجھلاہٹ ہونے لگی۔ اس نے کہا۔

"بحیثیت طور پر آپ کو اپنے ذہنی بحران کے بارے میں مجھے بتانا چاہیے لیکن میں محسوس کر رہی ہوں کہ آپ اس سے گریز کر رہے ہیں۔" ڈاکٹر بہرام نے ایک گہری سانس لی اور کہا

"نہیں روبی۔ میں تمہیں ساری صورت حال بتانے جا رہا ہوں۔ غالباً تم نے اس بات پر غور نہیں کیا ہے کہ ان دنوں امریکہ میں کیا ہو رہا ہے۔" روبی چونک کر ڈاکٹر بہرام کو دیکھنے لگی۔ پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

"الیکشن۔"

"ہاں اور الیکشن کے سلسلے میں جو مہم چل رہی ہے اس

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کے نتائج بھی تمہارے سامنے ہوں گے۔"

"میں نے کبھی اس پر غور نہیں کیا۔ حکومت امریکہ سے ہمارا تعاون ہر قیمت پر اچھا رہا ہے۔ اور حکومت کوئی بھی رہی ہو چارہ گر اپنا مقصد پورا کرتی رہی ہے اور کسی بھی امریکی صدر کو ہم سے کوئی شکایت نہیں ہوئی۔"

"ہاں اور یہ بھی اتفاق ہے کہ حکومتیں تبدیل ہوئیں صدور بدلے لیکن کوئی بھی ایسا شخص برسر اقتدار نہیں آیا جسے چارہ گر یا فلکرائٹ فاؤنڈیشن سے کوئی اختلاف رہا ہو۔ لیکن اس بار۔"

"اس بار۔" روبی نے سوالیہ نگاہوں سے ڈاکٹر بہرام کو دیکھا اور ڈاکٹر بہرام نے کافی دیر تک خاموشی اختیار کی۔ پھر گردن جھٹک کر بولا۔

"ہو سکتا ہے یہ صرف میرا وہم ہو۔ انسان جب ذمہ داریاں سنبھالتا ہے تو ذاتی جھگڑے بھول جاتا ہے اور اسے بھولنا ہوتا ہے۔"

"تو کیا آپ کا خیال ہے کہ اس بار، اوہ میرے خدا میرے خدا۔" روبی کے ذہن کو ایک جھٹکا سا لگا۔ اس کا ذہن ماضی میں گم ہو گیا تھا۔ اور ماضی میں کچھ ایسی کہانیاں چھپی ہوئی تھیں جو ڈاکٹر بہرام کی اس وقت کی تشویش کا اظہار کرتی تھیں۔ وہ پُرخیال انداز میں گردن ہلانے لگی۔ اور پھر اس نے گردن جھٹک کر کہا۔

"اس کے باوجود میں یہ کہہ سکتی ہوں کہ آپ کا خیال غلط ثابت ہو گا۔"

"میں بھی یہی چاہتا ہوں اور اسی میں فلکرائٹ فاؤنڈیشن کی بقا چھپی ہوئی ہے۔ لیکن روبی ایک خواہش ہے۔ ٹائیگر اور اوشان بھی اپنا مشن ادھورا چھوڑ کر یہاں واپس پہنچ جائیں تو بہتر ہے۔"

"کیوں۔"

"اس لیے کہ ڈیتھ ایٹرز میں سے اب ڈیتھ نائن رہ گئے ہیں اور یہ دو افراد جیسا کہ تم نے کہا ایک تمہارے اور ایک ٹائیگر کے ہاتھوں فنا ہو چکے ہیں۔ لیکن ان کا مسئلہ دوسرے تیسرے نمبر پر آتا ہے۔ سب سے پہلے چارہ گر کی بقا کے لیے کام کرنا انتہائی ضروری ہے۔ اور ہمیں یہ بات نظر انداز نہیں کرنی چاہیے کہ چارہ گر بہرطور ایک ایسی تنظیم ہے جو دنیا بھر کے مقاصد کے لیے کام کرتی ہے وہ صرف امریکہ کی ملکیت نہیں ہے یہ دوسری بات ہے کہ ہم اس کے مفادات کا اٹل خیال رکھتے ہیں۔ روبی آہستہ آہستہ گردن ہلانے لگی تھی۔ اب اسے ڈاکٹر بہرام کی پریشانی کا بخوبی اندازہ ہو گیا تھا اور اصولی طور پر ڈاکٹر بہرام کا سوچنا بہتر تھا۔ لیکن یہ بات اب بھی روبی کو ہضم نہیں ہو رہی تھی کہ صدارتی عہدہ سنبھالنے کے بعد فلکرائٹ فاؤنڈیشن کے خلاف کوئی انتقامی کارروائی ہو گی۔ جبکہ ایک کردار جو منظر عام پر تھا ایسا ضرور تھا جو چارہ گر سے عداوت رکھتا تھا۔ وہ ڈاکٹر بہرام کے نظریے سے متفق ہونے کی کوشش کرتی رہی۔" پھر اس نے کہا۔

"اگر آپ کہیں تو میں ٹائیگر اور اوشان کی تلاش میں نکل جاؤں اور انہیں آپ کا یہ پیغام دے کر واپس لے آؤں۔"

"نہیں یہ اس قدر مشکل مرحلہ نہیں ہے۔ پیغام رسانی کے دوسرے ذرائع بھی ہو سکتے ہیں۔ میں صرف یہ سوچ رہا ہوں کہ میری تشویش کہیں بے جا نہ ہو اور اس طرح ایک ایسی تحریک عمل میں آئے جس کا بظاہر کوئی مقصد نہیں ہے۔"

"اس کے باوجود اگر آپ احتیاطی اقدامات کرنا چاہتے ہیں تو یہ بُرا بھی نہیں ہے۔"

"ٹائیگر اور اوشان کا راستہ روکنے کے بہانے مجھے احتیاطی اقدامات دوسرے انداز میں کرنے چاہئیں۔ ٹھیک ہے اب تم آرام کرو۔ جو ذمہ داریاں میری ہیں میں انہیں خود ہی پورا کرنا پسند کروں گا۔"

"اس کے باوجود میں آپ کو اپنی خدمات پیش کرتی ہوں۔"

"تم صرف یہ کرو کہ حالات پر نگاہ رکھو اور بہت زیادہ احتیاط کرو۔" ڈاکٹر بہرام نے کہا اور روبی نے شانے ہلا دیے۔ چارہ گر کی وسیع و عریض عمارت جو سینی لوریم کی حیثیت رکھتی تھی نجانے کون کون سے رازوں کی حامل تھی۔ اور ڈاکٹر بہرام واحد شخص تھا جو اس پوری عمارت کی ایک ایک چیز سے واقفیت رکھتا تھا۔ حالانکہ بات اس قدر پریشان کن نہیں تھی لیکن شاید یہ طویل تر تجربہ کچھ ایسے حالات کی بنا پر ہوا تھا کہ ڈاکٹر بہرام ذہنی طور پر بے سکون تھا روبی کے جانے کے بعد بھی وہ دیر تک بیٹھا سوچتا رہا۔ اب تک فلکرائٹ فاؤنڈیشن کے ذریعے جو کچھ ہو چکا تھا وہ اتنی عظیم حیثیت رکھتا تھا کہ بے شمار ملک اس سے استفادہ کر چکے تھے۔ لیکن موجود صورت حال پر نجانے کیوں ذہن غیر مطمئن محسوس ہوتا تھا۔ تب اس نے ایک فیصلہ کیا اور اس کے بعد وہ فلکرائٹ فاؤنڈیشن کے ایک

ایسے حصے میں پہنچ گیا جہاں کمپیوٹروں کی دنیا آباد تھی۔ عموماً امریکن سی آئی اے کی مخصوص عمارت میں بھی دنیا بھر کے بارے میں ایسے ایسے اہم راز موجود نہ ہوں گے جو ان کمپیوٹرز میں محفوظ تھے اور اس کی تمام حالت سے صرف ڈاکٹر بہرام واقف تھا۔ ڈاکٹر بہرام نے اس وقت ایک ایسی جگہ بیٹھ کر اپنی کارروائی کا آغاز کیا جہاں شاید وہ زندگی میں دو یا تین بار ہی آیا تھا۔ کمپیوٹر سیکشن کے بارے میں اوشان اور ٹائیگر کے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا تھا کہ یہاں کون سے پیغامات موجود ہوتے ہیں۔ پھر اس نے کمپیوٹر مشینوں میں کچھ تبدیلیاں کیں اور ایک نئے ہی انداز میں ان کے کام کا آغاز کیا۔ اور اس کے بعد اس کی آواز مدھم طریقے سے نشر ہونے لگی۔ اور اس کی انگلیاں کی بورڈ پر چلنے لگیں۔ وہ ایک خاص پیغام محفوظ کر رہا تھا اور اس پیغام میں ٹائیگر اور اوشان کے لیے بہت کچھ تھا۔ احتیاط صرف احتیاط کرنے والے وقت کے لیے اپنے آپ کو محفوظ کرنا۔ اس کے علاوہ اس وقت اس تمام کارروائی کا اور کوئی مقصد نہیں تھا۔"

الیکشن کے نتائج وہی ہوئے تھے جس کی پچھلے چند روز سے توقع کی جا رہی تھی۔ یہ تبدیلی آناً فاناً ہوئی تھی اور اس سے پہلے صورت حال ایسی نہیں تھی۔ لیکن نجانے حالات نے کس انداز میں پلٹا کھایا تھا۔ یہ ایک گہرا معاملہ تھا۔ جو عام انسانی ذہن سے باہر تھا۔ لیکن نتائج خوشدلی سے قبول کیے گئے تھے۔ امریکی صدارت بدل گئی تھی اور نتائج واضح طور پر سامنے آ چکے تھے۔ چنانچہ انتظامی تبدیلیاں ہونے لگیں۔ نئے صدر کی تقریب بڑی خیر و خوبی سے انجام پا گئی۔ پرانے صدر نے اپنی ذمہ داریاں نئے صدر کے شانوں پر رکھ دیں اور بہترین دعاؤں کے ساتھ اسے کرسیٔ صدارت پیش کر دی گئی۔ وائٹ ہاؤس میں مستقل تقرریات ہونے لگیں۔ جن کی نوعیت مختلف تھی اور یوں ہر ادارے بلکہ نظام میں نمایاں تبدیلیاں رونما ہو گئیں کہ سمر یار اب ذرا مختلف انداز اختیار کر چکی تھی اور مختلف قوتیں عدم برداشت کی چادر تھیں۔ اس طرح دنیا بھر کے لیے ورلڈ آرڈر کا انتہام ہو رہا تھا۔ اور سارے کام اس انداز میں ترتیب پا رہے تھے کہ معروضیتیں بے پناہ ہو گئی تھیں۔ صرف وہیں نہیں بلکہ دنیا بھر میں اس نئے نظام کے بارے میں غور کیا جانے لگا تھا اور بہت سے ایسے ممالک جو ترقی پذیر تھے تشویش کا شکار ہو گئے تھے۔ کیونکہ اس پالیسی کا اثر دنیا بھر پر بھی پڑنے والا تھا۔ بہرحال عمارت میں تمام تقاریب جو بنیادی نوعیت کی ہوتی ہیں سر انجام پا چکی تھیں۔ اور اب نئے صدارتی فیصلے تیار ہو رہے تھے۔ تاکہ احکامات نافذ کئے جائیں۔ یہاں تک کہ صدر امریکہ بھی اپنے طور پر دن رات کام میں مصروف تھے اور انہیں ان تمام امور سے آگاہ کیا جا رہا تھا جن کا تعلق دنیا بھر سے تھا اور اس سلسلے میں تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد کئی کئی وفد وائٹ ہاؤس پہنچ رہے تھے۔ زندگی پوری طرح رواں دواں تھی اور پھر ایک خصوصی موقع پر سابق صدر نے نئے صدر سے ملاقات کی اور اس کے لیے درخواست کی گئی کہ تنہائی لازمی حیثیت رکھتی ہے۔ اور اس وقت نئے صدر نے پرانے صدر کا پرجوش خیر مقدم کیا۔ اس میں جو کلمات ادا ہوئے۔ ان میں پرانے صدر کی خدمات کا اعتراف کیا گیا اور تمام معمولات سے واقف ہونے کے بعد یہ تعریف کی گئی کہ سبک دوش ہونے والے صدر نے اپنے عہدے سے مکمل طور پر وفاداری برتتے ہوئے نہ صرف امریکہ بلکہ اس کے مفادات کی نگران بے شمار ممالک کے لیے کارہائے نمایاں سر انجام دیئے ہیں۔ اس کے بعد پرانے صدر نے نئے صدر کے سامنے بیٹھ کر کہا۔

"بہت سی ایسی حقیقتیں ہوتی ہیں جو منظر عام پر نہیں ہوتی ہیں گو ان کا شمار بھی خفیہ ریکارڈ میں کیا جاتا ہے۔ لیکن بعض معاملات ایسے ہوتے ہیں جن کا کوئی ریکارڈ رکھنا اس لیے ضروری نہیں سمجھا جاتا کہ انہیں زندگی سے زیادہ محفوظ سمجھنا ضروری ہوتا ہے اور میں اس وقت آپ کو ایسے ہی ایک راز سے واقف کرنا چاہتا ہوں۔"

"نئے صدر نے حیرت اور دلچسپی کی نگاہوں سے سبک دوش ہونے والے صدر کو دیکھا ایسا کون سا راز ہے جسے اس وقت آپ مجھے سونپنا پسند کریں گے۔"

"یہاں بہت سے معاملات بظاہر معمولی نوعیت کے ہوتے ہیں لیکن درحقیقت ان کا تعلق حکومت کی تمام تر اہم پالیسیوں سے ہوتا ہے۔ اور ہم ان سے بے پناہ فوائد حاصل کرتے ہیں میں آپ کو فلکرائٹ فاؤنڈیشن کے بارے میں بتانا چاہتا ہوں۔ پرانے صدر نے قدیم رسم کے مطابق فلکرائٹ فاؤنڈیشن کی تمام تفصیلات نئے صدر کو پیش کیں اور نئے صدر کے چہرے پر ایک عجیب سی لکیر نمودار ہو گئی یہ لکیر ماضی کی ایک قدیم یاد سے منسلک تھی۔ اور وہ یادیں ہی اس لکیر کی شکل میں ان کی پیشانی پر رونما ہو گئی تھیں۔ بظاہر وہ غور سے سبک دوش ہونے والے صدر کی فلکرائٹ فاؤنڈیشن کے بارے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

میں تفصیلات سن رہے تھے لیکن درحقیقت ان کا ذہن ماضی کی کچھ ایسی یادوں میں کھویا ہوا تھا جو ان کے لیے بڑی اہم حیثیت کی حامل تھیں۔ "فلکرافٹ فاؤنڈیشن کے چیف ڈاکٹر بہرام کے بارے میں تفصیلات انہیں معلوم ہوئیں اور اس کے بعد لوشان اور ٹائیگر کی حقیقتیں انہیں بتائی گئیں تو نئے صدر نے ایک گہری سانس لے کر گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"میں نہیں سمجھتا کہ جب ہمارے ہاں ایسے بہت سے ادارے موجود ہیں جو دنیا بھر میں اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوا چکے ہیں تو فلکرافٹ فاؤنڈیشن کی ضرورت کیوں پیش آئی۔"

"درحقیقت فلکرافٹ فاؤنڈیشن حکومت امریکہ کی تخلیق نہیں ہے۔ اسے ایک بین الاقوامی حیثیت حاصل ہے اور دنیا بھر کے بے شمار ممالک اس سلسلے میں دلچسپی رکھتے ہیں اور فلکرافٹ فاؤنڈیشن کو چلاتے ہیں۔ لیکن امریکی صدارتی نظام میں یہ بات طے پائی تھی کہ فلکرافٹ فاؤنڈیشن کا ہیڈ آفس امریکہ ہی میں ہو۔ تاکہ امریکی حکومت اس سے اپنے مقاصد کے لیے کام لیتی رہے اور آج تک اسے ہر طرح کا تحفظ فراہم کیا جاتا رہا ہے۔"

"ٹھیک ہے یہ بات میں اپنے ذہن میں محفوظ کر لیتا ہوں۔"

"میں سمجھتا ہوں فلکرافٹ فاؤنڈیشن کے ذریعے آج تک جو کچھ کرایا گیا ہے وہ نمایاں حیثیت کا حامل ہے اور ہمیں ایسے افراد ملے ہوئے ہیں جنہیں ایک باقاعدہ ادارے کی حیثیت دی جاسکتی ہے۔ میں نے اپنا یہ فرض پورا کر کے اپنے آپ کو اس ذمہ داری سے بھی سبکدوش کر لیا اور اس کے بعد میں آپ کی مصروفیات میں خلل اندازی پسند نہیں کروں گا۔"

سبکدوش ہونے والے صدر چلے گئے۔ لیکن نئے صدر کے لیے بہت سی تلخ یادیں چھوڑ گئے تھے ماضی کا ایک ایسا حصہ ان کی نگاہوں کے سامنے تھا جب انہیں بے بسی کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ لیکن صدر امریکہ کی حیثیت سے نہیں۔ بلکہ ایک لیڈر کی حیثیت سے۔ جو کسی بھی جگہ ایک عظیم انقلاب برپا کرنے میں کوشاں اور اس میں آخری حد تک کامیابی حاصل کرنے کے بعد اسے ناکامی کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ کیونکہ اس کے مدمقابل کچھ ایسے افراد تھے جو حالات کو بدلنے کی قوت رکھتے تھے۔ اور ایسا ہی ہوا تھا۔ اس کے بعد ایک طویل عرصہ گمنامی کی حالت میں بسر کرنا پڑا تھا اور اگر یہ کہا جائے تو غلط نہیں ہوگا کہ ازسر نو اپنی حیثیت بحال کرنا پڑی تھی۔ ورنہ تباہی اور بربادی کے گہرے غاروں کے علاوہ اور کچھ نہ ہوتا اور اس کے لیے جو محنت کرنا پڑی تھی وہ نئے صدر کے ذہن میں محفوظ تھی اور یہ خاص ذاتی معاملہ تھا۔ جس کا امریکی پالیسیوں سے کوئی تعلق تھا نہ حکومت امریکہ کے مفادات سے بلکہ بالکل ایک ذاتی نوعیت کا مسئلہ تھا لیکن ذاتی باتیں بھلا کہاں بھلائی جاسکتی ہیں۔ چنانچہ اسی دن سے کاروائی کا آغاز ہوگیا اور کافی عرصے تک اس سلسلے میں خفیہ طریقے سے کارروائی کی جاتی رہی اور کچھ ایسے لوگوں کا انتخاب کیا گیا جو انتہائی رازداری سے نئے صدر امریکہ کی تمام باتوں کو محفوظ رکھ سکتے تھے اور اس سلسلے میں جس شخص کو سربراہ کا عہدہ دیا گیا وہ امریکی بحریہ کی انٹلی جینس کا ریٹائرڈ چیف تھا اور اب ایک پرسکون زندگی بسر کر رہا تھا۔ لیکن صدر امریکہ ذاتی طور پر جانتے تھے کہ گریج لنجلاس کس حیثیت کا مالک ہے اور گریج لنجلاس ایک بار انہیں صدارت کی مبارکباد دینے آچکا تھا۔ لیکن دوسری بار اسے خفیہ طور پر طلب کیا گیا تھا۔ اور ایک ایسی نشست کا اہتمام کیا گیا تھا جس میں کسی دوسرے کی مداخلت ممکن نہ ہو نئی ذمہ داریاں سونپی گئیں اور کچھ ایسی تفصیلات فراہم کی گئیں کہ اس کا چہرہ بھی تصویر حیرت بن گیا۔

"اس مشن کو ہم بلیک سیل مشن کا نام دے سکتے ہیں اور مسٹر گریج لنجلاس آپ کو ایک بار پھر فعال ہونا ہے اور اپنا ماضی دہرانا ہے لیکن آپ کا کام صرف اتنا ہی ہوگا یہ میں صرف دوستی کی بنیاد پر کہہ رہا ہوں ورنہ اس مسئلے میں دوسرے بہت سے عوامل بھی کارفرما ہو سکتے تھے۔"

"میں سمجھتا ہوں۔ لیکن اگر ہم فلکرافٹ فاؤنڈیشن کو قائم رہنے دیں اور اس کا حلیہ تبدیل کر دیں تو اس میں کیا حرج ہوگا۔ گریج لنجلاس نے تجویز پیش کی۔" لیکن صدر امریکہ نے اس اختلاف کرتے ہوئے کہا۔

"نہیں اس سے متعلق ہمیں جن حالتوں کا سامنا کرنا پڑے گا وہ ایک نیا کھیل شروع کر دیں گی۔ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ وہ ہر سہارے پر ختم ہو جائے اور یہی آپ کی ذمہ داری ہے اور گریج لنجلاس نے یہ ذمہ داری بخوشی قبول کر لی تھی۔"

○○○

نیا فسانہ نیگی کارلوس تھا۔ رب کارسن کی خاتمے کی تصدیق ہو چکی تھی اور سارے حقائق یعنی وہ ایک نیا گروہ تھا جو [illegible] کے نام سے منظر عام پر آیا تھا لیکن اس

ایک انوکھا ہی طریقہ کار اختیار کیا تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ یہ طریقہ کار بہت ناپائیدار تھا اور تھوڑے ہی عرصے میں سب کو حقیقتیں معلوم ہو جانے والی تھیں۔ نیگی کارلوس کے سلسلے میں جو معلومات ابھی تک اکٹھا ہوئی تھیں ان کے تحت کام کیا جاسکتا تھا۔ لیکن لوشان نے ٹائیگر سے پیشکش انداز میں کہا تھا۔

"نئے الیکشن کے بعد جو ہنیج سامنے آئے ہیں وہ ذرا پریشان کن ہیں اور اس کے لیے ہمیں اپنے مشاغل ترک کر کے ڈاکٹر بہرام سے ملاقات کرنی ہوگی۔" ٹائیگر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیوں۔ لٹل فادر۔ کیا کچھ تھکن محسوس ہو رہی ہے۔"

لوشان نے بھنویں چڑھا کر ٹائیگر کو دیکھا اور بولا۔

"اس سے پہلے میں صرف تمہاری تھکن کا اندازہ لگاتا رہا ہوں فرزند لب تم میرے بارے میں یہ اظہار کر رہے ہو۔ اگر جسمانی تھکن کی بات کرتے ہو تو میں ہر مشقت کے لیے تیار ہوں۔ بشرطیکہ میرا ساتھ دو۔" اور ٹائیگر لوشان کے الفاظ کا مطلب سمجھتا تھا۔ یعنی تربیت کا آغاز جس میں اسے شریک ہونا تھا۔ اس نے سنجیدہ ہو کر کہا۔

"ویسے بھی سوئیٹ ہارٹ سے ملاقات کیے ہوئے کافی عرصہ ہو گیا اور میں خود بھی اس کی یاد میں دل میں تڑپ سی محسوس کر رہا ہوں۔"

ٹائیگر کی اس بات پر بے ساختہ ق ق ق کی آواز نکل گئی۔ وہ سمجھ گیا کہ وہ مشق سے بچنے کا بہانہ کر رہا تھا۔ لیکن خلاف توقع اس نے بھی زیادہ زور نہیں دیا اور واپسی کی تیاریاں کرنے لگا۔ ویسے بھی نیگی کارلوس کے لیے انہیں ایک الگ جگہ سفر کرنا تھا اور ایک بالکل ہی نیا طریقہ کار اختیار کرنا تھا۔ چنانچہ اگر درمیان ہی میں ڈاکٹر بہرام سے ملاقات ہو جاتی تو کوئی حرج نہیں تھا۔ دوران سفر ٹائیگر زیادہ تر اس خوبصورت ائر ہوسٹس کی جانب متوجہ رہا تھا جس کے رخساروں پر بھورے تل نمایاں تھے اور لوشان برے برے منہ بنا کر اسے دیکھتا رہا تھا۔ ٹائیگر نے ایک بار مسکراتے ہوئے اس سے کہا تھا۔

"کیا بات ہے لٹل فادر تمہارا مزاج بہت بگڑا ہوا نظر آتا ہے۔ میرے خیال میں تو یہ ابھی بات ہے کہ ہوائی سفر میں کم از کم لعنائی کمپنیوں کا عملہ بطخ کا بدنما گوشت استعمال نہیں کرتا ورنہ یہاں بھی گندگی پھیل جاتی۔" لوشان نے بھویں ٹیڑھی کر کے کہا۔

"تم بات کو کسی بھی رخ پر تبدیل کرنے کی کوشش کرو احمق۔ لیکن حقیقت وہی ہے جو روزنامچے سے تحریر کر دی گئی ہے۔ سانچو کی تقدیر کا وارث صرف روبی نہیں دے گی۔ چاہے تم ساری زندگی بھورے بالوں کی تلاش میں سرگرداں رہو۔" یہ سفر خاصہ پر لطف تھا۔ لوشان کچھ متفکر نظر آتا رہا تھا۔ لیکن ٹائیگر زندگی کی دلچسپیوں سے پوری پوری طرح بہرہ ور ہو رہا تھا اور پھر وہ اپنی منزل پر پہنچ گئے۔ یہاں سب سے پہلے انہیں ڈاکٹر بہرام سے ملاقات کرنی تھی۔ چنانچہ ابتدائی تیاریوں کے بعد دونوں فلکرافٹ فاؤنڈیشن کی جانب روانہ ہو گئے۔ یہ عمارت ان کے لیے بہت بڑی حیثیت رکھتی تھی۔ چنانچہ جب وہ عمارت کے صدر دروازے میں داخل ہونے تو ریسپشن پر بیٹھی ہوئی لڑکی نے مسکراتے ہوئے ان کا استقبال کیا اور لوشان کی بھویں تن گئیں۔

"تمہاری جگہ جو دوسری لڑکی ہوتی تھی وہ کہاں گئی؟"

"اس نے ایک لمبی چھٹی طلب کر لی ہے۔ جناب لیکن آپ کس سے ملنا چاہتے ہیں۔"

"ہمیں جس سے ملنا ہے وہ ہمارا منتظر ہوگا۔" لیکن جوں جوں وہ آگے بڑھے اور یہاں کے عملے کو دیکھا ان کے چہروں پر حیرت کے نقوش پھیل گئے اور لوشان نے سرسراتی ہوئی آواز میں کہا۔

"اس کا مطلب ہے کہ میرے خدشات درست تھے۔"

ٹائیگر نے سوالیہ نگاہوں سے لوشان کو دیکھا تو لوشان بولا۔

"اور ان میں سے ہر نگاہ ہمارا طواف کر رہی ہے۔ نہیں شہزادہ کوئی بہت ہی اہم واقعہ رونما ہو گیا ہے۔ اور ڈاکٹر بہرام خصوصی نشست گاہ میں ان کی ملاقات جس شخص سے ہوئی وہ لمبے چوڑے بدن والا ایک خوشنما آدمی تھا۔ اور شاید لوشان یہ بات ابھی طرح جانتا تھا کہ کسی زمانے میں وہ بحری انٹلی جینس کا چیف رہ چکا ہے۔"

گریج لنجلاس نے مسکراتی نگاہوں سے انہیں دیکھتے ہوئے کہا۔ "اگر میرا اندازہ غلط نہیں ہے تو آپ دونوں میں سے ایک کو شہزادہ اور دوسرے کو لوشان کہتے ہیں۔ کیوں میرا اندازہ غلط تو نہیں ہے۔" لوشان نے اس عقبی کمرے کی جانب دیکھا جس میں دروازہ تو لگا ہوا تھا لیکن سلاخیں نہیں تھیں اور بھلا گریج لنجلاس یہ بات کیسے جان سکتا تھا کہ اس وقت سانچو کا پراسرار ماسٹر کیا سوچ رہا ہے۔ بہرام کی کرسی پر کسی اور کا تصور

Scanned And Uploaded By Iqbal Kalmati Mobile

بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ بلکہ اس کرسی پر بیٹھنے والا قابل گردن زدنی تھا اور یہ بھی ممکن نہیں تھا کہ بہرام کی موجودگی میں کوئی اور وہاں بیٹھ سکتا۔ گویا ڈاکٹر بہرام کو کوئی حادثہ پیش آگیا ہے۔ ٹائیگر نے لوشان کا چہرہ دیکھا اور لوشان نے ذہنی رابطے سے بتایا کہ کوئی بہت بڑی گڑبڑ ہوئی ہے۔ باہر کی فضا کچھ غیر محفوظ محسوس ہوتی تھی۔ چونکہ دونوں کے حساس کان دروازے کے باہر سے شدید آوازیں سن رہے تھے۔ یہی نہیں بلکہ فلکرافٹ فاؤنڈیشن کے جتنے دروازے تھے وہ بند ہوتے جارہے تھے اور ان کی مدھم مدھم آوازیں ٹائیگر لوشان اور کے کان سن رہے تھے۔ لوشان نے گریج لنہاس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"پہلے ایک صاحب ڈاکٹر بہرام ہوا کرتے تھے اور جس کرسی پر آپ بیٹھے ہیں اس پر ان سے ملاقات ہوتی تھی۔"

میں نے ایک سوال کیا تھا۔ مسٹر لوشان، آپ نے مجھے اس کا جواب نہیں دیا۔"

"جواب صرف ڈاکٹر بہرام کو دیا جاتا ہے اور اس عمارت میں صرف وہی ہم سے جواب طلب کرسکتے ہیں۔ مسٹر گریج!" لوشان نے کہا اور گریج لنہاس اچھل کر اپنی جگہ سے کھڑا ہوگیا لیکن وہ ان دو پرواز کرتے ہوئے جسموں کو دیکھ کر ششدر رہ گیا تھا جن کا نشانہ وہی کھڑکی تھی اور وہ دونوں اس کھڑکی سے اس طرح نکل گئے جیسے دو پرندے پرواز کرتے ہوئے نکل جاتے ہیں۔ گریج نے سامنے رکھی ہوئی اس گھنٹی کا بٹن دبادیا تھا جو پوری عمارت میں الارم بجادیتی تھی لیکن جو پرواز کر کے باہر نکلے تھے وہ جانتے تھے کہ انہیں نیچے گرنے کے بجائے اوپر کی جانب رخ کرنا ہے اور یہ انہی کا کمال تھا کہ کھڑکی سے چھ فٹ اونچی چھت کی جانب اپنے آپ کو کیسے تبدیل کیا جاسکتا ہے اور سوچنے والے یہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ کھڑکی سے کوئی اگر کودے تو نیچے گرنے کے بجائے اوپر کی جانب پرواز کر جائے گا۔ یہ چھت ہر لحاظ سے محفوظ تھی اور یہاں سے جس راستے سے نیچے جایا جاسکتا تھا وہ بس ٹائیگر اور لوشان کے علاوہ کسی کو نہیں معلوم تھا۔ فلکرافٹ فاؤنڈیشن میں جو کچھ بھی تھا وہ ان دونوں کے علم سے باہر نہیں تھا اور بہرام نے انہیں مکمل اعتماد میں لے کر اس عمارت کی تعمیر کرائی تھی اور اس وقت یہ طریقہ کار ان کے لیے بہت موزوں تھا۔ نیچے الارم بج رہے تھے لیکن یہ خدشہ تھا کہ وہ زیادہ دیر اس چھت پر محفوظ نہیں رہ سکتے گے لیکن انہیں کسی اور جگہ پہنچنا تھا اور یہ بات لوشان کے ذہن میں بھی تھی اور بہرام کے ذہن میں بھی۔ چنانچہ اس موضوع پر گفتگو کرنے کے بجائے انہوں نے فوری طور پر ان گہرائیوں کا رخ کیا جو تہہ خانے کی سمت جاتی تھیں اور یہاں سے ان کا راستہ کسی کی نگاہوں میں آئے بغیر طے کیا جاسکتا تھا۔

گریج لنہاس نے اپنے طور پر جو کچھ کیا تھا اس میں بظاہر کوئی مقصد نہ تھا۔ فلکرافٹ فاؤنڈیشن کے سارے عملے کو ڈاکٹر بہرام سمیت گرفتار کرلیا تھا اور ان کی جگہ اپنا عملہ تعینات کردیا تھا۔ تاکہ اگر ٹائیگر اور لوشان اس عمارت میں داخل ہوں تو انہیں فوری طور پر کسی تبدیلی کا احساس نہ ہو اور انہیں باآسانی گرفتار کیا جاسکے۔ یہ دوسری بات تھی کہ ان تمام کڑے انتظامات کے باوجود بیچ اس کی توقع کے مطابق نہیں تھے۔ اس نے سختی کے ساتھ پوری عمارت کی تلاشی لینے کا حکم دیا لیکن بدقسمتی یہ تھی کہ اس نے فلکرافٹ فاؤنڈیشن کے صرف بیرونی گوشے دیکھے تھے اور اسے ان اندرونی حصوں کا پتہ نہیں تھا جو عام نگاہوں سے محفوظ تھے اور اس کے بارے میں صرف چار افراد جانتے تھے۔ روبی، لوشان، ڈاکٹر بہرام اور ٹائیگر۔ اس وقت کمپیوٹر ڈیپارٹمنٹ کے اس محفوظ حصے میں موجود تھے جہاں خصوصی طور پر کام کیا جاتا تھا اور اس کے بارے میں ہمیشہ یہ خیال رکھا جاتا تھا کہ اس کی بھنک باہر تک نہ جانے پائے اور یہیں وہ کمپیوٹر موجود تھا جس میں ڈاکٹر بہرام کے خفیہ بیانات محفوظ ہوا کرتے تھے۔

شہزاد کمپیوٹر کے سامنے بیٹھ گیا۔ اس کی انگلیاں کسی ماہر رقاص کی طرح کی بورڈ پر رقص کرنے لگیں۔ پھر اگلے ہی لمحے ڈاکٹر بہرام کا پیغام اسکرین پر آگیا۔

"کمانات اس بات کے ہیں کہ نیا مدارتی نظام ہمارے لیے زیادہ سودمند ثابت نہیں ہوگا۔ یہ میرا وہم بھی ہوسکتا ہے اور ایک ٹھوس حقیقت بھی کہ ہمارے خلاف کوئی انتظامی کارروائی کی جائے گی۔ تمہیں وہ لیڈر یاد ہوگا جس کی سازش محض ہماری وجہ سے ناکام ہوئی تھی۔ پھر اس نے ایک نئے نام سے جو مقام حاصل کرلیا ہے۔ اسکا علم بھی تمہیں ضرور ہوگا۔ چنانچہ بہتر یہ ہے کہ ہم احتیاط رکھیں۔ مجھے اگر کوئی مشکل پیش آئی تو میں تمہیں اپنے بارے میں اطلاع کرنے کی ہر ممکن کوشش کروں گا لیکن اگر یہ ممکن نہ ہوسکے تو تمہیں صرف اپنا اور روبی کا تحفظ کرنا ہوگا۔ ڈاکٹر بہرام۔"

یہ پیغام پڑھا گیا۔ اس کا مقصد تھا کہ ڈاکٹر بہرام صورتحال سے مناسب طریقے سے واقف تھا لیکن مسئلہ اب یہ تھا کہ اس کے بارے میں صحیح اطلاعات کہاں سے حاصل کی جائیں۔

پیغام پڑھ کر شہزاد کی آنکھوں سے مارے غصے کے شرارے نکلنے لگے۔ اس وقت اس کی حالت اس زخمی شیر کی سی ہورہی تھی جو ہر جاندار چیز کو تباہ کرنے کی خواہش پر قابو نہیں پاسکتا ہو جبکہ اس کے مقابلے میں لوشان سمندر کی طرح پرسکون تھا۔ البتہ اس کی آنکھیں کسی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں۔

"دھیرج فرزند دھیرج۔ غصہ عقل کا دشمن ہوتا ہے اور دشمنوں کا دوست ہوتا ہے۔ اس لیے ہمیشہ انسان کو برے سے برے حالات میں بھی پرسکون رہنا چاہیے۔"

لوشان کے لہجے میں نہ جانے کیا بات تھی کہ ٹائیگر اگلے ہی لمحے پرسکون ہوگیا۔ چنانچہ وہ خاموشی سے عمارت کی سنسان تاریک راہداری سے گزرتے ہوئے ایک خفیہ دروازے سے باہر آگئے۔

ان کا اخراج ایک ایسی جگہ ہوا جو ویران اور نامکمل تھی۔ ابھی وہ کسی سمت بڑھنے کا سوچ ہی رہے تھے کہ روبی کی آواز سن کر ٹھٹک گئے۔ پھر جونہی ٹائیگر کی نظر روبی پر پڑی جو کوڑھ زدہ بوڑھی کے میک اپ میں تھی۔ وہ اپنے قہقہے پر قابو نہ رکھ سکا۔

"بہت خوب آج تم اپنے اصل روپ میں کتنی خوبصورت نظر آرہی ہو۔"

"شٹ اپ!" روبی اس بے موقع مذاق پر بھنا کر چلائی اور لوشان کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کر کے ایک سمت بڑھ گئی۔

"اب میں نے تمہیں اتنا بھی پرسکون ہونے کو نہیں کہا تھا۔" لوشان نے سرگوشی میں اسے ڈانٹا۔

"لیکن لٹل فادر میں نے تو اس کے حسن کی تعریف کی تھی۔ دیکھو تو کتنی خوبصورت چال ہے۔"

"بگوعت وہ میرے پوتے کی ماں بنے گی۔" لوشان منہ بناتے ہوئے بولا اور ایک قدم آگے بڑھ گیا۔ ٹائیگر بھی کندھے اچکا کر اس کے پیچھے چل دیا۔

"آخر کار ہمارے خلاف کارروائی کا مقصد کیا ہے؟" شہزاد نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"فلکرافٹ فاؤنڈیشن کا خاتمہ۔" روبی مختصر سا جواب دے کر خاموش ہوگئی۔

نئی جگہ ہر لحاظ سے اطمینان بخش تھی اور اب یہ لوگ اس قدر بے دست و پا بھی نہیں تھے کہ ان کے لیے کوئی ٹھکانہ بھی نہ رہے۔ چنانچہ یہ جگہ ہر لحاظ سے سکون کی جگہ تھی اور ان لوگوں کی نگاہیں یہاں تک انکا تعاقب نہیں کرسکتی تھیں۔ روبی نے اپنا حلیہ تبدیل کرلیا تھا۔ ٹائیگر نے بھی دوبارہ اس پر ہونگ نہیں کی تھی اور اس کی فطرت کی وہ شوخی بالکل ختم ہوگئی تھی جو اس کی شخصیت کا ایک حصہ تھی۔ یہی کیفیت لوشان کی بھی تھی۔

"ڈاکٹر بہرام کی گرفتاری میری نگاہوں کے سامنے ہوئی تھی۔" روبی نے انہیں بتایا۔ اور اس کے بعد وہ لوگ اسے براہ راست فوجی ائیرپورٹ لے گئے تھے۔ اس کے بعد کی منزل کا مجھے علم نہیں ہوسکا۔" روبی وہ ساری داستان ان لوگوں کو سنا چکی تھی جو اسے معلوم تھی اور اس نے یہ بھی بتایا تھا کہ سارا حیا بلیک اس کے ہاتھوں مارا جاچکا ہے لیکن اس وقت سب سے اہم مسئلہ ان لوگوں کو ڈاکٹر بہرام کو حاصل کرنے کا تھا اور اس سلسلے میں بہتر طریقہ کار سوچا جارہا تھا۔ ٹائیگر نے انگلی اٹھا کر کہا۔

"اور یہ میں بات ابھی طرح جانتا ہوں لوشان کہ جب اس کارروائی کا آغاز ہوا ہے تو اسے کوئی نتیجہ خیز شکل دینا پسند کریں گے لیکن اس کے جواب میں ہمیں بھی نتیجہ خیز کارروائی ہی کرنا پڑے گی۔ اگر صرف گفتگو سے کام چل سکتا تو میں اس میں مداخلت نہ کرتا لیکن اس وقت یہ ممکن نہیں ہے۔"

لوشان کا جواب غیر متوقع تھا۔ وہ اگر جواب دیتا تو اس سلسلے میں گفت و شنید زیادہ موزوں ہے لیکن اس نے جو جواب دیا وہ حیران کردینے والا تھا۔ اس نے کہا۔

"روبی کو فوری طور پر جزیرہ فردوس روانہ ہوجانا چاہیئے تاکہ ہم ایک جانب سے مطمئن ہوجائیں اور اب پہلا کام یہی ہے کہ روبی کو پہلے یہاں سے بھیج دیا جائے اور اس کے بعد جو طریقہ کار مناسب کیا جائے گا وہ بہتر نہیں ہوگا لیکن مجبوریاں دامن گیر ہیں۔ چنانچہ ایسا کرنا ایک ناگزیر مسئلہ بن چکا ہے۔"

ٹائیگر نے اس سے اتفاق کیا اور پھر پہلا کام یہی کیا گیا کہ روبی کو بحفاظت جزیرہ فردوس روانہ کردیا گیا۔ لوشان ابھی طرح جانتا تھا کہ اس وقت ٹائیگر کی ذہنی کیفیت کیا ہے۔ وہ زنجیروں

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

میں بندھا ہوا تھا لیکن اگر اسے زیادہ عرصہ قید رکھا گیا تو پھر اس کی وحشت خیزی پر قابو پانا ایک ناممکن عمل ہوگا اور یہی موقع تھا کہ کسی غلطی سے بچا جائے۔ چنانچہ اس نے جو پہلی تجویز دی وہ ٹائیگر کی پسند کے مطابق تھی، اس نے کہا۔

"میں نے چند نام ترتیب دیئے ہیں اور یہ نام مقامی حکومت کو ارسال کردینا اس وقت نہایت ضروری ہیں۔ ہم بہت شریفانہ مطالبہ کریں گے اور کہیں گے کہ ڈاکٹر بہرام کو ہمارے حوالے کردیا جائے۔ ورنہ فہرست میں درج شدہ لوگوں کو قتل کردیا جائے گا اور اس طرح حکومت کو جو نقصان پہنچے گا اس کی ذمہ داری خود اس پر عائد ہوگی اور اس کام کی پوری ذمہ داری ٹائیگر نے سنبھال لی تھی۔ چنانچہ حکومت کے ایک اہم ڈیپارٹمنٹ کو یہ مراسلہ ٹائیگر اور اوشان کی جانب سے موصول ہوا اور ان چھ افراد کے نام حکومت کو دے دیے گئے۔ جواب کے لیے صرف تین دن دیئے گئے تھے لیکن تین دن میں جب کوئی جواب نہ ملا تو ٹائیگر نے اوشان سے اجازت لی اور معروف عمل ہوگیا لیکن دوسری جانب بھی خاموشی نہیں اختیار کی گئی تھی۔ فنکر انٹ فاؤنڈیشن میں جس عملے کو متعین کیا گیا تھا اسے فوری طور پر وہاں سے ہٹا کر یہ عمارت خالی کردی گئی تھی اور ان چھ افراد کی حفاظت کے لیے معقول بندوبست کیا گیا تھا لیکن اطلاعات بہت ہولناک تھیں۔ ان چھ میں سے چار افراد کو پہلے ہی دن ہلاک کردیا گیا تھا اور دو کو اتنی احتیاط کے ساتھ نہ معلوم مقامات پر پہنچادیا گیا تھا کہ اس سے زیادہ احتیاط نہیں برتی جاسکتی تھی لیکن قتل ہونے والے چاروں افراد بھی خاص اہمیت کے حامل تھے۔ ان دو افراد کی تلاش کے سلسلے میں اوشان اور ٹائیگر کو کافی پاپڑ بیلنے پڑے اور گیسوں کے ساتھ گھن تو پستا ہی ہے۔ چنانچہ ان کی تلاش میں چند اور افراد بھی موت کا شکار ہوئے لیکن یہ اطلاعات متعلقہ ڈیپارٹمنٹ کے لیے بہت خوفناک تھیں کہ دو درندے اپنی تمام تر وحشت کے ساتھ آبادی میں گھس آئے ہیں اور یوں لگتا تھا جیسے کوئی جگہ ان کا دسترس سے باہر نہیں ہے۔ بالآخر ان دو افراد کا قصہ اس طرح طے ہوا کہ ان کے بدلے مزید اسی پائے کے دو افراد کو ہلاک کیا گیا اور اس کی اطلاع متعلقہ ڈیپارٹمنٹ کو دے دی گئی۔ اخبارات اور سرکاری حلقوں میں چہ میگوئیاں شروع ہوگئیں لیکن اصلیت سے صرف چند ہی افراد واقف تھے اور جو واقف تھے

وہ پیشانی پر سوچ کی گہری لکیریں لیے ایک دوسرے سے گفتگو کررہے تھے۔ چنانچہ اب یہ اہم مسئلہ درپیش تھا کہ کیا واقعی ڈاکٹر بہرام کو ان لوگوں کے حوالے کرکے نجات حاصل کی جائے لیکن اسے اپنی توہین سمجھا گیا۔ اگر یہی سب کچھ ہونا تو پھر اس قدر عمل کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ چنانچہ مزید کچھ انتظامات دیے گئے اور گریچ لنچلاس اپنے کام میں مصروف ہوگیا۔ تقریباً سات دن کے بعد ایک اور فہرست موصول ہوئی جس میں کچھ مقامات کی نشاندہی کی گئی تھی اور کہا گیا تھا کہ اگر ان مقامات کو دھماکوں سے تباہ کردیا جائے تو اس کے نتیجے میں جو کچھ ہوگا اس کا ذمہ دار صرف وہ ادارہ ہوگا جو ٹائیگر اور اوشان کے خلاف عمل کرنے میں مصروف ہے۔ یہ دھماکہ خیز اطلاع بھی کم از کم گریچ لنچلاس جیسے شخص کے لیے اعصاب شکن تھی اور اس نے اس سلسلے میں بھی مشورے شروع کردیئے تھے۔ جواب میں اسے برسی کا سامنا کرنا پڑا اور کہا گیا۔

"مجھے تعجب ہے مسٹر گریچ لنچلاس آپ جسمانی طور پر بوڑھے ہوگئے ہیں لیکن ذہنی طور پر بھی بوڑھے ہوگئے۔ آپ کا سابقہ ریکارڈ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ آپ کو جو ذمہ داری سونپی گئی تھی آپ نے انتہائی اعلیٰ پیمانے پر اسے سرانجام دیا۔ لیکن اب..... اب.....؟"

"مگر میری بات کو تسلیم نہ کیا جائے تو میں شکر گزار ہوں گا میری کارکردگی میں کوئی فرق نہیں ہے لیکن جو کچھ ہورہا ہے وہ شاید بہت ہی اعلیٰ پیمانے پر ہورہا ہے اور میں درحقیقت ان دو افراد کے سلسلے میں بے بسی کا احساس کررہا ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔ اس کا مقصد ہے کہ ہمیں اور انتظامات کرنا ہوں گے۔ دراصل یہ کہانی میں زیادہ لوگوں تک نہیں پہنچانا چاہتا۔ تاہم ان لوگوں نے جس کام کا آغاز کیا ہے اس کا کچھ نہ کچھ انجام تو ہونا ہی ہے۔"

یہ بات یہیں ختم ہوگئی۔ گریچ لنچلاس کوئی نئی ہدایت لے کر واپس نہیں آیا تھا لیکن جانتا تھا کہ یہ اعلان بے حد خطرناک ہے اور اس سلسلے میں وہ چونکہ پاؤں اڑا چکا تھا اس لیے اس کی اپنی زندگی کا مسئلہ بھی پیدا ہوگیا تھا اور اپنا تحفظ انتہائی ضروری ہوتا ہے۔ چنانچہ اس نے زیرزمین چلے جانا مناسب سمجھا تھا۔

■ اوشان نے اس دوران کئی جگہیں تبدیل کی تھیں اور کہیں سے کہیں نکل آیا تھا لیکن جو دوسری فہرست انہوں نے فراہم کی تھی اس کے سلسلے میں انہیں بہت زیادہ دور نہیں جانا تھا کیونکہ ان کا تعلق اسی علاقے سے تھا یہ چند اہم شخصیت تھیں جو حکومت کے لیے نہایت اہم حیثیت رکھتی تھیں اور اگر انہیں کوئی نقصان پہنچ جاتا تو اس سلسلے میں براہ راست بہت سے ذمہ دار افراد پر زد آتی تھی اور ان کے لیے جواب دہی مشکل تھی اور اس میں بھی کوئی شک نہ تھا کہ جو کچھ پہلے ہوچکا تھا اس کے بعد اس سلسلے میں متعلقہ افراد کا پریشان ہونا لازمی امر تھا۔ اس دوران اوشان کی حالت بہتر سے بہتر ہوتی جارہی تھی۔ اس نے ٹائیگر کو بھی ایسی مشقیں شروع کرادی تھیں جو ذہنی شعبدہ لا کے لیے ہوتی ہیں اور یہ دیکھ کر وہ حیران تھا کہ ٹائیگر بڑی ہمت کے ساتھ ان مشقوں کو سرانجام دے رہا ہے لیکن سنا ہے کہ ماسٹر جانتا تھا کہ اس کی وجہ کیا ہے۔ ٹائیگر ذہنی طور پر اس قدر گرم ہوگیا تھا کہ اس کے بعد اسے خود بھی اپنی ذات کو ٹھنڈا کرنے کی ضرورت پیش آرہی تھی۔ ورنہ سٹیج جو کچھ ہوسکتے تھے اس سے اوشان بھی واقف تھا اور خود ٹائیگر بھی لیکن سب کچھ کرنے کا مطلب تھا کہ تباہی اور بربادی اور ایسی خوفناک تباہی جو صرف چند انسانوں کے لیے نقصان کا باعث نہ ہو بلکہ کچھ بے گناہ بھی اس کا شکار ہوجائیں لیکن تمام عوامل ایک ہی سمت رخ کرتے تھے۔ یعنی ڈاکٹر بہرام کی رہائی۔ پھر انہوں نے اس سمت کو رخ کیا جہاں انہیں پہلی بار جانا تھا اور راستے میں اوشان نے کہا۔

"تم جانتے ہو فرزند کہ ہمارے شایان شان استقبال کی تیاریاں کی گئی ہوں گی۔ چنانچہ اس جگہ پر اترنے سے پہلے وہاں پیش آنے والے خطرات کا ایک تجزیہ کرلینا چاہئے تو بہتر ہے۔"

"میں ابھی طرح جانتا ہوں کہ ہمیں کیا کرنا ہے اور ان لوگوں کا جاننا یقینی طور پر مناسب تھا اور انہوں نے خوب ہی سوچا تھا کیونکہ جس جگہ وہ پہنچے تھے وہاں ایک بہت بڑا پروجیکٹ تھا اور اس پروجیکٹ کے تحفظ کے لیے ویسے بھی تمام برقی آلات کا سہارا لیا گیا تھا لیکن اس وقت تو ان کے بارے میں پیشگوئی کردی گئی تھی۔ چنانچہ کچھ ضرورت سے زیادہ ہی کوششیں یہاں کی گئی تھیں۔ ٹائیگر اور اوشان کو ابھی تک ان کے آثار نہیں ملے تھے۔ وہ جس جگہ پہنچے تھے وہ سمندری علاقے میں تھی لیکن وہاں سے خشکی کا راستہ بھی زیادہ دور نہیں تھا۔ البتہ جس جگہ انہیں پہنچنا تھا وہاں پہنچنے کے بعد بغیر سمندر کے سہارے خشکی کے راستے پر آنا زیادہ مشکل امر تھا۔ ٹائیگر اور اوشان ایک ایک لمحے کا جائزہ لے رہے تھے۔ یہ علاقہ عجیب و غریب قسم کا تھا۔ یہاں مصنوعی پہاڑیاں بنائی گئی تھیں اور عمارتیں ان پہاڑی ٹیلوں کے نیچے واقع تھیں۔ بڑی بڑی چٹانیں جو پتھروں ہی سے تراشی گئی تھیں اور انہیں وہاں نصب کیا گیا تھا۔ ادھر کے منظر سے ایک دم ان جزرے کی کیفیت کا اظہار کرتی تھیں لیکن ان کے درمیان جو کچھ موجود تھا وہ ناقابل یقین تھا اور جب یہ یہاں پہنچے تو تھوڑی ہی دیر کے بعد فضا میں کتوں کی آوازیں سن کر چونک پڑے۔

ٹائیگر نے اوشان کی جانب دیکھا اور اوشان نے ٹائیگر کی سمت۔ دونوں نے ایک دوسرے کو اشارہ کیا اور اس کے بعد وہ ایک بلند چٹان پر چڑھ گئے۔ جہاں سے وہ ان لپکتے ہوئے سائیوں کا جائزہ لے رہے تھے۔ جن کی تعداد کافی تھی اور وہ یقینی طور پر ان کی بو سے مانوس کردیئے گئے تھے۔ ذریعہ کیا تھا یہ دونوں نہیں جانتے تھے لیکن اب مقابلہ برق رفتار کتوں کا اور ان کا تھا اور وہ کتوں کو اس طرح چکر دے رہے تھے کہ اگر کوئی انہیں دیکھتا تو یقین نہ کرپاتا۔ ان کی رفتار اتنی تیز تھی کہ تھوڑی ہی دیر بعد وہ کتے بہت پیچھے رہ گئے لیکن مسئلہ اس بو کا تھا جو انہیں سنگھائی گئی تھی اور وہ اس کے ذریعے ان کا تعاقب کررہے تھے اور ہوائیں تو پابند نہیں ہوتی لیکن تھوڑی ہی دیر کے بعد کتوں کی آوازیں ختم ہوگئیں اور ابھی ان کے ذہن ادھر ہی الجھے ہوئے تھے کہ دفعتاً انہوں نے کچھ روشنیاں دیکھیں۔ جو زمین سے فضا میں بلند ہورہی تھیں۔ یہ یقیناً ایسی روشنیاں تھیں جو مناظر کو واضح کرنے کے لیے چھوڑی جاتی ہیں۔

روشنیوں کے سائے جہاں ان لوگوں کو نمایاں کررہے تھے وہیں ٹائیگر اور اوشان نے بھی ان افراد کو دیکھ لیا تھا جو رائفل بردار تھے اور زمین سے چپکے چپکے آگے بڑھ رہے تھے۔ چنانچہ چند ہی لمحات بعد وہ دونوں ان کے قریب پہنچ گئے اور پھر سب سے پہلے دو شکار منہ سے آواز نہ نکالے بغیر زمین بوس ہوگئے تھے۔ ان کی گردنوں کی ہڈیاں ٹوٹ گئی تھیں اور رائفلیں ان کے ہاتھوں سے چھوٹ کر نیچے گر پڑی تھیں۔ انہوں نے مردہ افراد کے جسم ایک جانب کیے اور وہیں سے آگے بڑھ گئے۔ اب کم از کم یہ اندازہ بخوبی ہوگیا تھا کہ ان کے استقبال کے لیے شاندار تیاریاں کی گئی ہیں۔ وہ روشنیاں فضا میں مسلسل بلند ہورہی تھیں اور اوپر جا کر بجھ رہی تھیں جو

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

درحقیقت انہیں تلاش کرنے کے لیے تھیں لیکن اس سے انہیں بھی فائدہ ہو رہا تھا۔ انہوں نے کئی چٹانوں کے دہانوں سے بھاری مشین گنوں کی نالیں ابھرتے ہوئے دیکھیں اور صورتحال کا اندازہ کر لیا۔ یہ سارا کا سارا مشینی نظام تھا اور یہاں انسانوں کی تعداد نہ ہونے کے برابر تھی پھر ایک آواز ان کے کانوں سے ٹکرائی۔ جو کسی اسپیکر کے ذریعے ان تک پہنچائی گئی تھی

"تمہارا اپنے مقصد میں کامیاب ہونا ناممکن ہے۔ بہتر طریقہ یہی ہے کہ خود کو ہمارے حوالے کر دو۔ تمہیں مکمل طور پر گھیرے میں لیا جا چکا ہے اور اب تمہارا کسی بھی سمت آگے بڑھنا صرف تمہاری موت کے باعث بن سکتا ہے۔ ہم تمہیں ہلاک نہیں کرنا چاہتے۔ بلکہ تم سے مذاکرات کرنے کے خواہشمند ہیں۔ اس لیے ہاتھ اٹھا کر کھڑے ہو جاؤ۔"

ٹائیگر اور اوشان ایک دوسرے کی جانب دیکھ کر مسکرا دیے۔ ان کی نگاہیں سامنے والی بلند چٹانوں پر اٹھ گئیں۔ جہاں مدھم مدھم سی روشنی نظر آ رہی تھی۔ پھر چند ہی لمحات کے بعد اچانک فضا فائرنگ سے گونج اٹھی۔ گولیاں چاروں طرف چکرانے لگیں۔ بہت سی گولیاں ان چٹانوں میں بھی آ کر لگی تھیں۔ جن کے پیچھے ٹائیگر اور اوشان موجود تھے۔ ٹائیگر پھرتی سے زمین پر اوندھا لیٹ گیا اور وہ لوگ فائرنگ کا جائزہ لیتے رہے۔ پھر تقریباً تیس سیکنڈ کے بعد یہ فائرنگ بند ہو گئی اور ٹائیگر نے گردن ہلائی۔ دونوں چھپکلی کی طرح رینگتے ہوئے آگے بڑھے اور ایک چٹان کے عقب سے نکل کر سامنے کے حصے میں آ گئے۔ انہوں نے ایک چٹانی علاقے کے نچلے حصے سے چند افراد کو بھاگتے ہوئے دیکھا اور وہ ایک جانب بڑھ گئے تھے۔

ٹائیگر اور اوشان نے اپنی جگہ سے جنبش نہیں کی اور وہیں رک کر صورتحال کا انتظار کرتے رہے پھر جب کافی دیر تک خاموشی رہی تو ٹائیگر بڑے بڑے پتھروں کی آڑ لیتا اندازے سے آگے بڑھنے لگا۔ اس کی عقابی آنکھوں نے دو رائفل برداروں کو جھکے جھکے ایک سمت بڑھتے ہوئے دیکھ لیا تھا اور اس کے بعد بھلا اس بات کے کیا امکانات تھے کہ ان کی زندگی برقرار رہ جاتی۔

اچانک ہی ٹائیگر نے محسوس کیا کہ اوشان اپنی جگہ سے غائب ہے۔ نجانے وہ کس کارروائی کے سلسلے میں یہاں سے کھسک گیا تھا اور اس خاموشی سے گیا تھا کہ ٹائیگر کو اندازہ بھی نہیں ہو سکا لیکن چند ہی لمحات کے بعد اسے دو جنبشیں سنائی دیں اور یہ جنبشیں اسی جانب سے آئی تھیں جہاں مشین گنیں گولیاں برسا رہی تھیں۔ مشین گن کے پتھروں سے ٹکرانے کی آواز بھی کافی بھیانک تھی۔ جنبشیں چند لمحے جاری رہیں۔ پھر فضا پر خاموشی مسلط ہو گئی لیکن ٹائیگر نے اوشان کے اس لبادے کو دیکھ لیا تھا جسے وہ پہنے ہوئے تھا۔ ٹائیگر آڑ سے نکل کر اوشان کی جانب بڑھا اور اسی وقت اردگرد کی چٹانوں پر روشن ہو جانے والی تمام روشنیاں ایک دم بجھ گئیں۔ ٹائیگر نے اوشان کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔

"اب کیا کیا جائے۔ لٹل فادر؟" ٹائیگر نے پوچھا۔

"کیوں فرزند کیا ان کوششوں سے گھبرا گئے ہو۔" ٹائیگر کے ہونٹوں سے ایک ہلکی سی آواز نکلی جو غراہٹ کی شکل رکھتی تھی اور اس غراہٹ کا مطلب تھا کہ خوف کا تصور ٹائیگر کے وجود میں نہیں ہے۔ اوشان ابھی کوئی فیصلہ نہیں کر پایا تھا کہ دفعتاً اس کے تنفسی بھونپو بجنے لگے اور اس نے ٹائیگر سے کہا۔

"غالباً انہوں نے فضا میں زہریلی گیس چھوڑی ہے۔"

"ہاں۔ اچانک ہی مجھے بھی بو محسوس ہو رہی ہے۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔

"اور فرزند تم عجیب دم کی مشق کرتے رہے ہو لیکن اگر جزیرے پر بو پھیل گئی ہے تو اس کا مقصد ہے کہ ان کے تمام آدمی انڈر گراؤنڈ ہو گئے اور ہمیں اب اس جزیرے پر تنہا ہی اس گیس کا مقابلہ کرنا ہوگا۔" ٹائیگر نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اوشان نے اس کا ہاتھ پکڑ کر سمندر کے پانی کی جانب بھاگتے ہوئے کہا۔

"او سمندر کے نیچے ہمارے لیے پناہ ہی پناہ ہے۔ وہ لوگ یقینی طور پر زیر زمین چلے گئے ہیں اور اب اس گیس کے نتائج کا انتظار کریں گے۔" ٹائیگر اور اوشان نے برق رفتاری سے دوڑنا شروع کر دیا چونکہ اب انہیں دیکھنے والا کوئی نہیں تھا اور انہوں نے یہ نیا عمل اسی لیے اختیار کیا تھا کہ اب ان کے دشمن فنا ہو جائیں۔ چنانچہ انہیں کوئی دقت نہ پیش آئی اور دوسرے لمحے انہوں نے پانی میں چھلانگیں لگا دیں۔ اوشان کی قبا اس کے جسم سے چپک گئی تھی لیکن وہ پانی کی گہرائیوں میں اترتے چلے جا رہے تھے۔ کافی نیچے پہنچنے کے بعد انہوں نے اپنے آپ کو روکا۔ جس دم کی مشق کیونکہ عباسی بھی اور اس سے پہلے بھی یہ مشق کی جاتی رہی تھی۔ اس لیے زیر آب انہیں کوئی دقت نہیں ہوئی۔ البتہ ایک اور چیز جو انہوں نے دیکھی وہ ان کے لیے باعث حیرت بن گئی تھی۔ وہ ساحل کے ساتھ ساتھ ہی آگے بڑھتے رہے تھے اور اوپر کی چٹانیں نیچے پانی میں داخل ہو گئی تھیں لیکن ان چٹانوں میں غار نظر آ رہے تھے اور حیرت کی بات یہ تھی کہ ان غاروں میں مدھم مدھم روشنی محسوس ہو رہی تھی۔ ٹائیگر نے متحیرانہ نگاہوں سے اوشان کو دیکھا اور اوشان نے آنکھیں بند کر کے گردن ہلائی۔ اس کے بعد ان کا رخ اس روشنی کی جانب ہو گیا۔ زیر آب یقینی طور پر کوئی تجربہ گاہ بنائی گئی تھی اور اس پروجیکٹ کے بارے میں جو کچھ معلومات حاصل ہوئی تھیں ان میں یہ بات قطعی طور پر شامل نہیں تھی کہ اس کا تعلق سمندر کے زیریں حصے سے بھی ہے اور اگر ایسا تھا تو یہ ان دونوں کی خوش قسمتی ہی تھی۔

ٹائیگر اور اوشان اس جگہ پہنچ گئے۔ بڑے بڑے شیشے لگے ہوئے تھے۔ جن کی موٹائی کا کوئی اندازہ نہیں کیا جا سکتا تھا لیکن ایک خطرناک بات اور بھی تھی۔ اگر ان شیشوں کو توڑ کر اندر داخل ہوا جائے تو سمندری پانی اس زیر زمین تجربہ گاہ کو بری طرح برباد کر دے گا اور اس کے بعد اندر داخل ہو کر کسی کارروائی کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اب دو ہی صورتیں تھیں۔ یا تو پروجیکٹ کو باہر ہی سے اس پانی کے ذریعے تباہ کر دیا جائے یا پھر ایسے طریقہ کار کو اختیار کیا جائے جس کی بناء پر اندر داخل ہونے میں کوئی دقت نہ ہو لیکن دوسرا کام ہی مناسب تھا۔ یعنی پہلے اس میں اندر داخل ہو کر اندر کی صورتحال کا جائزہ لیا جائے اور اپنی دلچسپی سے وہ اپنے آپ کو باز نہ رکھ سکے لیکن اندر داخل ہونے کے لیے ظاہر ہے یہ راستہ کسی بھی طور ممکن نہیں تھا۔ کیونکہ یہاں سے کوئی داخلی دروازہ نہیں تھا۔ انہوں نے شیشوں کو آزمایا لیکن مضبوط شیشے کافی موٹے اور طاقتور تھے اور ان میں جنبش بھی نہیں ہو سکتی تھی۔ حالانکہ ٹائیگر یا اوشان کے لیے یہ کام مشکل نہیں تھا کہ وہ ان شیشوں کو توڑ دیتے لیکن مسئلہ وہی تھا۔ چنانچہ انہوں نے ساتھ تیرنا شروع کر دیا اور ساحل کے ساتھ ساتھ کافی دور چلنے کے بعد ایک بار پھر انہیں تاریک سرنگوں کا سامنا کرنا پڑا۔

اوشان نے ٹائیگر کی جانب دیکھا اور وہ پانی میں تیرتا ہوا بالآخر ایک آبی سرنگ میں داخل ہو گیا۔ ٹائیگر اس کے پیچھے ہی پیچھے تھا۔ آبی سرنگ میں کافی دور پہنچنے کے بعد انہیں ایک بہت کشادہ جگہ نظر آئی۔ جہاں ایک بڑا دروازہ بنا ہوا تھا اور اس پر سمندری آبدوزوں جیسا ایک پیڈل لگا ہوا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ اس دروازے سے آمدورفت کا راستہ ہے۔ البتہ اسے کھولنے کے لیے مہارت کی ضرورت تھی۔ بہرطور اوشان نے وہ دروازہ کھولا وہ جانتا تھا کہ دروازے کی ساخت کس قسم کی ہوگی۔ پیڈل گھمانے سے دروازہ کھل گیا لیکن سمندری پانی زیادہ باندی تک نہیں گیا تھا۔ بس تھوڑا سا اوپر جانے کے بعد وہ رک گیا تھا لیکن یہ دونوں اندر داخل ہو گئے اور اوپر پہنچنے کے بعد انہیں اپنی توقع کے مطابق لوہے کی سیڑھیاں نظر آئیں۔ جو بلندی کی جانب جاتی تھیں۔ اوشان نے یہ دروازہ بند کر دیا اور اس کے بعد وہ ان سیڑھیوں کے ذریعے اوپر چڑھنے لگے۔

ٹائیگر لب بھی اس کا مسلسل ساتھ دے رہا تھا۔ اس کا اختتام ایک بڑے سے سوراخ پر ہوا تھا اور اس سوراخ کے دوسری جانب مسلسل آوازیں ابھر رہی تھیں۔ اس کا مقصد تھا کہ ان کے اس پروجیکٹ میں کافی افراد کام کر رہے تھے۔ ٹائیگر اور اوشان یہاں سے اوپر کا جائزہ لیتے رہے۔ وسیع و عریض لیبارٹری پھیلی ہوئی تھی اور اس میں طرح طرح کی مشینیں تھیں لیکن مشینوں کے اردگرد زیادہ افراد نظر نہیں آ رہے تھے۔ غالباً اس وقت ان کی تمام تر توجہ جزیرے پر تھی۔ جہاں ان کے کچھ دشمن آ گئے تھے۔ پتہ نہیں انہیں اس سلسلے میں کیا اطلاعات فراہم کی گئی تھیں۔ ویسے یہ بات اوشان بھی جانتا تھا اور ٹائیگر بھی کہ یہاں سے انہیں یہ ہدایت ملی ہیں۔ وہاں سے یہ قطعی نہیں بتایا گیا ہوگا کہ دشمن کون ہو سکتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ کچھ تخریب کاروں کا حوالہ دے دیا گیا ہوگا لیکن یہاں کسی تخریب کاری کا کامیاب ہونا ممکنات میں سے نہیں تھا اور خصوصاً ایسے حالات میں جبکہ اس کی اطلاع پہلے سے دے دی گئی ہو۔ وہ لوگ یہی سوچ رہے ہوں گے کہ گیس نے ان کا کام کر دیا ہوگا۔ جو یہاں داخل ہوئے ہیں۔ اس لیے وہ سارے کے سارے اوپر ہی کی جانب متوجہ تھے اور ہو سکتا ہے کہ کسی خاص جگہ وہ موجود ہوں۔

ٹائیگر اور اوشان چند لمحات جائزہ لینے کے بعد اوپر آ گئے۔ وہ آوازیں جو ابھر رہی تھیں غالباً کہیں اور سے آ رہی تھیں لیکن یہ جگہ بڑی خوفناک تھی۔ یہاں بڑی بڑی عجیب و غریب مشینیں پھیلی ہوئی تھیں اور ایسا الیکٹریکل نظام قائم

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کیا گیا تھا کہ اگر اس میں گڑبڑ کر دی جائے تو پورا پروجیکٹ تباہی سے ہمکنار ہو سکتا تھا۔ لوشان نے ٹائیگر کی طرف دیکھا اور آہستہ سے بولا۔

"کیا خیال ہے فرزند۔ بہت زیادہ تجسس بھی زندگی کے لیے مشکلات کا باعث بن جاتا ہے۔"

"تمہارا خیال ہے لٹل فادر، کہ ہمیں یہاں اپنا کام کر لینا چاہیئے۔"

"اس سے بہتر اور کوئی طریقہ کار نہیں ہے۔ اگر سمندر نے ہمیں یہاں تک آنے کا راستہ دیا ہے تو پھر کیا ضرورت ہے کہ ہم پورے پروجیکٹ میں مارے مارے پھریں۔ جو کچھ ہونا ہے یہیں سے ہوگا اور اس الیکٹریکل نظام میں گڑبڑ کرنے کا مقصد اس پروجیکٹ کی تباہی ہوگی۔ یعنی ہماری اس پہلی کارروائی کا پہلا قدم جس کے بارے میں ہم نے اطلاع دے دی ہے۔" ٹائیگر لوشان سے متفق ہو گیا تھا۔ انہوں نے اپنی کارروائیاں کیں اور اس کے بعد اس راستے سے نیچے پانی میں اتر گئے۔ دروازہ کھول کر وہ سمندر میں داخل ہو گئے۔ اندر ہلکی ہلکی آوازیں سنائی دینے لگی تھیں لیکن اب ان کے لیے یہی سب سے عارضی کام تھا کہ جس قدر ہو سکے وہ یہاں سے دور سے دور نکل جائیں اور سمندر میں تیرنے کی رفتار اس قدر تیز تھی کہ کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ جلد ہی وہ کافی دور نکل آئے اور اس کے بعد انہوں نے پہلا دھماکہ سنا۔ جس نے سمندر میں ہلچل پیدا کر دی تھی لیکن وہ اس جگہ کا یقین کر چکے تھے۔ جہاں انہیں پہنچنا تھا اور اس جگہ تک پہنچنے سے پہلے ہی سمندر میں جو بہبودی کیفیت پیدا ہوئی وہ ناقابل یقین تھی اور اس جگہ جہاں یہ کارروائی کر کے آئے تھے بڑے بڑے طوفانی دھماکے ہو رہے تھے اور شعلوں کے بادل آسمان کی جانب پرواز کر رہے تھے۔ گویا انہوں نے اپنی اس دھمکی کو بھی عملی جامہ پہنا دیا تھا۔

○○○

"پریس کانفرنس ہنگامی نوعیت کی تھی اور ایک عجیب سی بے چینی کانفرنس ہال میں پائی جاتی تھی۔ اسی وقت اعلان ہوا کہ صدر جناب اس وقت اپنی معروفیت کی بناء پر اس کانفرنس میں شرکت نہیں کر پائیں گے۔ ہاں نائب صدر آنے والے ہیں۔ صحافی ایک دوسرے سے سرگوشیاں کرنے لگے۔ کچھ کے چہروں پر برہمی کے آثار بھی نظر آئے لیکن تبصرے سے گریز کیا گیا۔ نائب صدر نے آکر یہ صورتحال سنبھالی۔ اس کے بعد سوالات کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

"یہ موجودہ ہنگامے کیا نوعیت رکھتے ہیں اور ان کے لیے کس کو ذمہ دار قرار دیا جا سکتا ہے۔" ایک سینئر صحافی نے سوال کیا۔

"یہ سب کچھ ہوتا رہتا ہے۔ بین الاقوامی سازشیں ہر جگہ ہوتی ہیں اور ہم اپنے پر بس کو اس قدر ذہین سمجھتے ہیں کہ خود ہی ہر چیز کے بارے میں اندازے قائم کیے جا سکتے ہیں۔"

"آپ کے خیال میں جن چار افراد کو موت کی نیند سلایا گیا ہے ان کا آپس میں کوئی تعلق تھا۔"

"حکومت کے مفادات کے لیے کام کرنے والا ہر شخص ایک دوسرے سے گہرا تعلق رکھتا ہے اور یہ تمام افراد ہمارے لیے انتہائی اہمیت کے حامل تھے اور آپ کو علم ہوگا کہ ان کی صورتحال کا باقاعدہ سوگ منایا گیا ہے اور اس کے لیے تفتیشی ٹیمیں قائم کر دی گئی ہیں۔"

"کیا یہ محسوس نہیں کیا جا رہا کہ یہ سب واقعات کسی خاص سمت اشارہ کرتے ہیں کیونکہ؟"

تفتیشی ٹیموں کی رپورٹ موصول ہو جانے کے بعد پریس کو اس سے باخبر کر دیا جائے گا کیونکہ اس سے پہلے ایسا نہیں ہوا کسی تخریبی کارروائی کو بہت پہلے نوٹ کر لیا گیا ہو۔ خصوصاً ہمارے خاص محکمے تو اس سلسلے میں دنیا بھر میں اپنی مثال آپ ہیں۔"

پریس کانفرنس میں نائب صدر نے اس بحران کو بڑی خوش اسلوبی سے سنبھال لیا تھا لیکن جو کچھ ہو چکا تھا اس کے پس پردہ جو تفصیلات تھیں وہ ابھی صرف چند ذہنوں میں محفوظ تھیں۔ ہاں ان کے بارے میں سوچا ضرور جا رہا تھا اور مصیبت گریج انجیلاس کی آئی ہوئی تھی۔ جسے بلیک سیل کا سربراہ بنانے کے بعد نظر انداز بھی نہیں کیا جا سکتا تھا اور اس کی نگرانی کی اسے اطلاع دے دی گئی تھی۔ گریج انجیلاس پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی تھی کہ وہ اس کھیل کا رازدار بننے کے بعد اس وقت تک معروف عمل رہے جب تک کہ گاڑیوں کو ختم نہ کر دیا جائے اور گریج انجیلاس اپنی جیسی ہر ممکن کارروائی کر رہا تھا۔ پھر اس نے مزید کچھ خصوصی ہدایات لے کر اختیارات حاصل کیے اور اس کے بعد اپنی کارروائیوں میں مصروف ہو گیا۔

○○○

"آسمان سے برف کے ذرات زمین کی جانب تیزی سے سفر کر رہے تھے۔ پورے ماحول پر ایک غم آلود کیفیت طاری تھی اور چاروں طرف کا ماحول دھندلا سا ہو چکا تھا۔ چرچ نواسی

علاقے میں تھا اور آبادی سے کافی ہٹ کر تھا۔ چنانچہ وہاں آمد و رفت زیادہ نہیں تھی۔ بڑے سے ہال میں مدام سکوت خاموشی پھیلی ہوئی تھی۔ چرچ کا بوڑھا پادری فادر اولیانوس بہت ہی نرم مزاج اور مشفق آدمی تھا اور وہ اس ایشیائی بوڑھے سے بہت زیادہ متاثر تھا۔ جس کی باتیں اتفاقی ہوا کرتی تھیں۔ بوڑھے پادری کی اپنی معلومات جہاں تک تھیں وہاں سے آگے اسے اس ایشیائی عالم نے تفصیلات بتائی تھیں اور اس کا فلسفہ سارے جہان کی نشاندہی کرتا تھا۔ اس کا نوجوان ساتھی عموماً خاموش رہتا تھا اور ان دونوں کے مشاغل نہ سمجھ میں آنے والے تھے۔ آج کئی دن سے وہ اس چرچ میں مہمان تھے اور مسٹر جولیانا ان سے بہت خوش تھی۔ وہ علمیت کی دلدادہ تھی اور عالموں سے اسے بہت الفت تھی۔ چنانچہ جب بھی کبھی بوڑھے ایشیائی سے کسی موضوع پر گفتگو ہوتی مسٹر جولیانا دوتالو یونسی فادر اولیانوس اور اس بوڑھے کے درمیان ہونے والی گفتگو سنا کرتی تھی۔ ویسے فادر اولیانوس نے مسٹر جولیانا سے صرف ایک سوال کیا تھا۔

"بوڑھا قابل اعتماد ہے۔ کیا تم اس کے نوجوان ساتھی کی جانب سے بھی مطمئن ہو؟"

"ہاں فادر۔ اس کی آنکھوں میں تقدس کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا اور اس نے ایک بار بھی اس سمت جانے کی کوشش نہیں کی ہے۔ جہاں نوجوان لڑکیاں ہوتی ہیں۔"

"مجھے تو وہ بڑے ہی سادہ مزاج معلوم ہوتے ہیں۔"

"بوڑھا شخص بطخ کے گوشت اور چاول کے علاوہ اور کچھ پسند نہیں کرتا لیکن میں نے محسوس کیا ہے اس کا نوجوان ساتھی ان چیزوں سے زیادہ دلچسپی نہیں رکھتا۔ تاہم موسم خراب ہے اور ہم سبزیوں کے حصول کے لئے نہیں جا سکتے۔ اس لئے مجبوری ہے۔ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ اتنا ہی بہت کافی ہے۔" فادر اولیانوس نے مسکراتے ہوئے گردن ہلائی اور بولا۔

"ان کا فلسفہ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ وہ دنیاوی باتوں سے بہت دور ہیں۔ جو لوگ اس چرچ میں مہمان کی حیثیت سے داخل ہوئے تھے وہ لوشان اور ٹائیگر کے علاوہ اور کوئی نہیں تھے۔ انہیں یہاں بہترین جگہ قیام کے لئے دی گئی تھی اور چرچ ایسی جگہ واقع تھا جہاں سے دور دور تک نگاہ رکھی جا سکتی تھی۔ تھوڑے ہی فاصلے پر سمندر کروٹیں بدلتا رہتا تھا اور وہاں کا نظارہ اس جگہ سے بہت دلکش لگتا تھا۔ نئے منصوبے کے تحت انہیں اسی سمت سے کام کرنا تھا۔ اس وقت بھی لوشان اپنی رہائش گاہ میں کھڑکی کے پاس بیٹھا آسمان سے زمین کا سفر کرنے والے برف کے ذرات کی جانب دیکھ رہا تھا اور ٹائیگر کسی قدر الجھے ہوئے انداز میں لوشان کی صورت دیکھ رہا تھا۔

"میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں لوشان کہ ہمیں یہاں کتنے عرصے قیام کرنا ہوگا۔"

"اگر شہنشاہ کی قربت حاصل کرنے سے بیزار ہو چکے ہو تو کسی بھی وقت روانہ ہو سکتے ہو لیکن شہنشاہ ایسی شخصیت نہیں ہے جس کے بغیر زندگی گزارنے کا تصور کیا جا سکے۔"

"کون جانے ہرام زندہ بھی ہے یا مر چکا ہے۔"

"صدر کا عہدہ سنبھالنے والے کسی شخص کے بارے میں ایسی احمقانہ بات کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا جو تم سوچ رہے ہو۔ آنے والی وقت کے لئے اگر اسے اپنی پوزیشن مستحکم کرنی ہے تو پھر وہ اتنے ہلکے اقدامات کرنے سے گریز کرے گا اور اس وقت تو وہ دوہری پریشانیوں کا شکار ہے۔ مجھے تو بس اس بات پر تعجب ہے کہ اس نے ابھی تک ہماری بات کیوں نہیں مان لی۔"

"یہ ذاتی بنیاد ہے۔ لٹل فادر اور اس سے آنے والے وقت کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ ورنہ فلکرافٹ فاؤنڈیشن کے ہر کارے تبدیل کیے جا سکتے تھے۔ اس کی افادیت کو تسلیم کیا جا سکتا تھا۔"

"بات صرف اس حد تک ہی ہے میرے بچے کہ ہمیں ختم کر دیا جائے۔ بلکہ ایک طرح سے یہ اپنی انا کا مسئلہ بھی ہے اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ ہماری یہ جنگ بالآخر ہمارے حق میں سود مند ہوگی۔ کیونکہ ابھی ابتدا ہے اور وہ اقدامات نہیں کیے جا سکتے جو مکمل اختیارات حاصل ہونے کے بعد کیے جا سکتے ہیں۔ چنانچہ اس طرح میری امیدیں مردہ نہیں ہوئی ہیں اور میں ہرام کے حصول کے سلسلے میں کافی حد تک مطمئن ہوں۔ ہم پے در پے ضربیں لگاتے رہے تو بالآخر فیصلہ ہمارے حق میں ہو جائے گا۔" ٹائیگر نے ایک شہنشاہی آہ بھر کر باہر گرتی ہوئی برف پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

"یہ وہ سب کچھ ہے جس کے لئے ہم نے بہادر زندگی کی بازی لگائی اور اپنی چیزوں کو تباہ کرتے ہوئے دل کتنا دکھتا ہے اس کا اندازہ مجھے ہو چکا ہے۔" لوشان نے کوئی جواب نہیں دیا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

اس کے چہرے پر غم آلود نرمی پھیل گئی تھی۔ پھر اس نے کہا:

"اور اب تمہارا کیا خیال ہے۔ کیا وہ وقت نہیں آگیا جب ہم اپنا دوسرا کام شروع کردیں۔ میرے خیال میں زیادہ وقفہ مناسب نہیں ہے۔"

"مجھے تو بس اس بات کا تعجب ہے کہ ابھی منظم پیمانے پر کوئی کارروائی کیوں نہیں کی گئی۔"

"یہ تعجب کی بات نہیں ہے۔ کیونکہ اختیارات کا استعمال احتیاط سے کرنا ذمہ داری ہے اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ ادھر یہ یہاں نہیں ہے۔ اگر یہاں ہوتا تو پھر دو فیصلے ہوتے یا تو اختیارات کا طوفانی استعمال یا پھر ہماری بات مان لینا۔ تمہارا کیا خیال ہے؟"

"مجھے تو صرف ایک بات کا شدید افسوس ہے۔"

"کون سی بات کا۔"

"تم نے مجھے بطخیں کھلا کھلا کر عجیب و غریب بنادیا ہے۔ بعض اوقات تو دل چاہتا ہے کہ بطخ کی آواز نکالتا ہوا دونوں بیروں سے دوڑتا چلا جاؤں۔" لوشان اپنے مخصوص انداز میں ہنسنے لگا اور بطخ کی آوازیں فضا میں نشر ہونے لگیں۔ ٹائیگر نے جھنجھلائے ہوئے انداز میں کہا۔

"فلار لولیا نوس نہیں کوئی بطخ سمجھنے پر مجبور ہوجائے گا۔ ویسے میں سسٹر جولیانا کی آنکھوں میں حیرت کے آبنار دیکھ رہا ہوں۔ آہ کاش یہاں بطخ کے علاوہ اور بھی کچھ مل سکتا۔ ویسے میں نے سمندر کے کنارے بہت سے آبی جانور دیکھے ہیں۔"

"ہمیں کے پہاڑی ہونے کے باوجود ظلم و تشدد کی کہانیاں عام کروگے۔"

"اور بطخوں نے کیا بگاڑا ہے۔ کیا ہمیں کے پہاڑی بطخوں کے دشمن ہوتے ہیں۔" ٹائیگر نے طنز کیا اور لوشان پھر ہنسنے لگا۔ دونوں خاموش ہوگئے تھے۔ کیونکہ فلار لولیا نوس کی آواز انہیں سنائی دی تھی۔ جو قریب ہی سے آئی تھی۔ فلار لولیا نوس موسم کے بارے میں تبصرے کرتے رہے اور ٹائیگر بور ہوتا رہا۔ گرجا گھر میں بہت سی نن لڑکیاں تھیں۔ ایک دو بار تو ٹائیگر کے دل میں آیا کہ کم از کم ان کے درمیان جاکر تھوڑی سی دل لگی کی باتیں کرے لیکن اس سے کچھ خطرات لاحق تھے۔ انہیں ایسی ہی پناہ گاہیں درکار تھیں۔ جہاں کسی کی نگاہیں نہ پہنچ سکیں اور یہ چرچ ان کی تازہ ترین دریافت تھی۔ ویسے ایک بات انہیں طرح جانتے تھے کہ وہ انہیں تلاش کرلینا ایک ناممکن عمل نہیں تھا لیکن وہی رکاوٹیں تھیں جو ابتدائی طور پر ہوا کرتی ہیں اور ان رکاوٹوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اگر ڈاکٹر بہرام کا حصول ممکن ہوسکے تو اس سے بہتر کوئی بات نہیں تھی۔ ویسے ٹائیگر اپنے ظاہر پر بھی، یہی خیال رکھتا تھا کہ ڈاکٹر بہرام کے بغیر واپسی ناممکن ہے۔ ان کا آج تک کا سارا پروگرام ان کی پسند ہی کے مطابق عمل پذیر ہوتا رہا تھا۔ تاہم وہ یہ بات جانتے تھے کہ اب صرف ایک لمحے تک بات نہیں رہی ہوگی۔ بلکہ ان کی تلاش کے لئے نجانے کیا کیا خفیہ کارروائیاں عمل میں آرہی ہوں گی۔ ٹائیگر کو حیرت اس بات کی تھی کہ اگر فانی ہی کا معاملہ ہے تو اس قدر سرگرمی کسی بھی طور پر سودمند نہیں ہے۔ بات کو مستقبل کے لئے بھی چھوڑا جاسکتا ہے لیکن اگر ادھر سے کوئی لیک نہیں تھی تو ادھر لیک کا کیا تصور کیا جاسکتا تھا۔ چنانچہ آج ہی کی رات ایک اہم مہم کی سرانجام دہی کی رات تھی۔ بلوسائن جو ساحل سمندر سے تقریباً چار سو گز اندھیرے پانی میں لنگر انداز تھا آج ان کے نشانے کا مرکز تھا اور بلوسائن پر ہونے والی پراسرار کارروائیاں درحقیقت سلاق حکومت کے لیے بہترین حیثیت رکھتی تھیں۔ تاہم لب اتنی حماقتوں کا اظہار بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ بلوسائن کی نشاندہی نہیں کی گئی تھی لیکن اس کے لنگر انداز عمل سے آگاہ کردیا گیا تھا اور لب یہ ان کی فہانت پر منحصر تھا کہ وہ اصلیت کو کس حد تک سمجھ پاتے ہیں لیکن اصلیت سمجھنا مقصود بھی نہیں تھا اور یہ جو کچھ ہورہا تھا۔ دل پر پتھر رکھ کر کیا جارہا تھا لیکن مجبوریاں تھیں۔ کیونکہ بہت غلط انداز میں انہیں نظر انداز کیا گیا تھا۔ وقت مقررہ پر ٹائیگر اور لوشان اپنی جگہ سے باہر نکل آئے۔ رات کے تاریک سناٹوں میں برف کی دھند لاہٹوں میں سفر کرتے ہوئے لوشان نے ٹائیگر سے کہا۔

"اور ایسی صورت مجھے سخت ناپسند ہیں جن میں، میں شریک ہوکر بھی شریک نہ ہوپاؤں۔ ٹائیگر نے مسکراتے ہوئے لوشان کی جانب دیکھا اور کہنے لگا۔

"نہیں فلار تمہارا قرب میرے لیے جس قدر تقویت کا باعث ہوتا ہے کیا تمہیں اس کا احساس نہیں ہے۔" لوشان نے خاموشی سے گردن ہلادی اور اس کے بعد اس نے کہا۔

"ساحل پر تمہاری واپسی کا انتظار شدت کے ساتھ کیا جائے گا لیکن بلوسائن کو بچنا نہیں چاہیئے۔ ٹائیگر نے گردن خم کرکے اپنے استاد کو خراج تحسین پیش کیا اور اس کے بعد وہ مطلوبہ جگہ پہنچ گئے۔ جہاں سے انہیں اپنی اس کارروائی کا آغاز کرنا تھا۔ ٹائیگر کی آنکھیں سمندر میں دور دور تک دیکھ رہی تھیں۔ بلوسائن کے عرشے پر محافظوں کی آمدورفت تھی اور موسم کی سختی کے باوجود یہ اندازہ بخوبی ہورہا تھا کہ وہ اپنے فرض سے غافل نہیں ہیں۔ بالآخر ٹائیگر نے لوشان کی طرف آخری نگاہ ڈالی اور اس کے بعد پانی کی جانب بڑھنے لگا۔ اسے یہ طویل فاصلہ پانی میں تیرتے ہوئے طے کرنا تھا اور بالکل یہی محسوس ہوا تھا جیسے ساحل سے کوئی ہلیریڈو فائر کردیا گیا ہو۔ وہ اتنی ہی برق رفتاری سے بلوسائن کی جانب جارہا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ بلوسائن پر پہنچ گیا۔ اس نے لنگر کی زنجیر دونوں ہاتھوں میں تھامی اور پھر اتنی تیزی سے اوپر چڑھا کہ اس پر انسانی نگاہ نہ جم پائی تھی۔ اوپر پہرہ دینے والے محافظوں کو ایک لمحے کے لیے کوئی شک ہوا تھا لیکن اس کے بعد جب انہوں نے جھانک کر نیچے دیکھا تو انہیں کوئی نظر نہ آیا اور وہ اسے صرف اپنا وہم سمجھ کر مطمئن ہوگئے اور نظر آنے والا نظر آسکتا ہے کیسے سکتا تھا۔ وہ تو پلک جھپکتے میں بلندی تک پہنچ گیا تھا۔ محافظوں نے جوں ہی رخ تبدیل کیا اس نے اپنی جگہ چھوڑی اور ایک لمبی چھلانگ لگا کر ایک ایسی جگہ پہنچ گیا جہاں رسیوں کے ڈھیر پڑے ہوتے تھے۔ یہاں چند لمحے رک کر اس نے برج کی طرف دیکھا اور اس کے بعد کسی چیتے کی سی پھرتی سے وہ برج کی جانب چل پڑا۔ بالکل ایسا ہی محسوس ہورہا تھا جیسے کوئی انسان ہوا میں سفر کررہا ہو۔ چند ہی سیکنڈ کے بعد وہ اس کاریڈور کے ایک سرے پر موجود تھا۔ جس کے دونوں کونوں پر بنے ہوئے دروازے بند تھے اور دروازوں کے باہر ایک مسلح فوجی پہرہ دے رہا تھا۔ وہ کبھی کبھی تھوڑے فاصلے پر گشت کرنے کے لئے نکل جاتا تھا۔ جس وقت ٹائیگر اس کاریڈور کے سرے پر پہنچا تو پہرہ دینے والے فوجی کا رخ دوسری جانب تھا اور وہ مڑنا شروع کررہا تھا۔ صرف چند سیکنڈ کے بعد اس کا رخ ٹائیگر کی جانب ہوجاتا۔ لیکن ٹائیگر کے پاؤں بیدار کی حرکت سے زیادہ تیز تھے۔ ایک سیکنڈ کے آٹھویں حصے میں وہ طویل فاصلہ طے کرکے پہریدار کے سر پر پہنچ چکا تھا۔ اس کا دایاں ہاتھ اٹھا اور اس کی درمیانی انگلی پہریدار کی کنپٹی پر لگی۔ پہریدار اچانک ہی لڑکھڑایا اور زمین پر گرنے لگا۔ اس بیچارے کو اندازہ بھی نہیں ہوسکتا تھا کہ کون سی بلا اس پر نازل ہوگئی ہے۔ لیکن اس کے گرنے کا مطلب تھا کہ آواز پیدا ہوجائے۔ چنانچہ ٹائیگر نے اسے آرام سے دونوں ہاتھوں میں تھام کر زمین پر لٹادیا اور لب اس کے بعد وہ دروازہ کھولنے میں اسے کوئی وقت پیش نہیں آسکتی تھی۔ جو درحقیقت انجن روم جانے کا دروازہ تھا لیکن دروازے کو کھولتے ہی اس کی ملاقات ان تین محافظوں سے ہوگئی جو نجانے کیوں اسی دروازے کی جانب بڑھ رہے تھے۔ ٹائیگر کے منہ سے ایک بڑبڑاہٹ نکلی اور دوسرے لمحے اس نے ان محافظوں پر حملہ کردیا۔ سامنے والے محافظ کی کربناک چیخ سناٹے میں دور تک گونجی اور اس کے ہاتھوں میں تھمی ہوئی سب مشین گن اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گر پڑی۔ اس کے منہ سے خون کا فوارہ بلند ہوا تھا۔ ایک لمحے کے لئے وہ لڑکھڑایا اور پھر بلند آواز سے فرش پر آیا لیکن دوسرے دونوں محافظ اپنے ساتھی کی یہ کیفیت دیکھ کر شدید رہ گئے تھے اور پھر اس سے پہلے کہ وہ سنبھلتے دفعتاً ٹائیگر کے دونوں ہاتھ بند مشینوں کے ساتھ آگے بڑھے اور محافظوں کے سینے میں داخل ہوگئے۔ پسلیاں ٹوٹیں اور کریک کے تمام راستے صاف کرتے ہوئے اس کے دونوں ہاتھ پشت سے باہر نکل گئے۔ پھر اس نے ریڑھ کی ہڈی اپنی گرفت میں لے کر آگے کھینچا اور اس کے بعد محافظوں کے منہ سے بھلا آواز کیسے نکل سکتی تھی۔ ٹائیگر خون میں لت پت ہوگیا تھا لیکن اس وقت کسی قسم کی کوئی توجہ اپنے آپ پر دینا ممکن نہیں تھا۔ چنانچہ وہ وہاں سے آگے بڑھ گیا۔ ان لوگوں کو اپنی جگہ سے ہٹانا بھی ایک غیر مناسب عمل تھا۔ چند ہی لمحات کے بعد وہ انجن روم میں اتر رہا تھا۔ انجن روم کے قریب پہنچ کر اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ یہاں نیچے کوئی خاص آدمی نہیں تھا۔ جہاز کے انجن بند تھے۔ لیکن ٹائیگر جانتا تھا کہ اسے کیا کرنا ہے اور یہی اس کا محل تھا جو پہلے سے طے شدہ تھا اگر بلوسائن کے بارے میں کوئی حفاظتی سرکلر جاری کیا گیا ہوگا تو وہ صرف یہ ہوگا کہ وہاں کوئی سازش ہوسکتی ہے اور وہ سازش بلوسائن کو دھماکے سے اڑانے کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوسکتی تھی۔ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ کام کرنے کا انداز کیا ہے لیکن ٹائیگر جانتا تھا کہ اسے کیا کرنا ہے۔ پھر وہ والو لگے ہوئے حصے جن سے سمندر کا پانی اندر آنے سے روکا جاتا تھا۔ اس نے والو کھولنا شروع کردیئے اور جیسے ہی والو کھلے مٹی ملا کیچڑ زدہ پانی پوری رفتار سے انجن روم میں آنا شروع ہوگیا۔ یہ پانی فیڈل موٹروں پر سے گزرتا ہوا۔ انجن روم میں بھرنے لگا اور لب اس کی تیز فرحراہٹ کے علاوہ اور کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

مقبول مصنف علیم الحق حقی

کی خوب صورت کتابیں

جن کے بغیر آپ کی لائبریری ادھوری ہے

مٹی کی امانت (دو جلدیں)	۳۰۰/۰۰	حجِ اکبر	۱۵۰/۰۰
وقت کے فاصلے	۲۲۵/۰۰	بیلے کا سیاہ پھول	۱۵۰/۰۰
پروانہ	۱۷۵/۰۰	کان کن	۱۰۰/۰۰
بالائے ستم	۹۰/۰۰	اُمید کا دیا	۱۰۰/۰۰
جانم جانِ جہاں	۹۰/۰۰	دادا پوتی اور موزی	۱۳۵/۰۰

لیکن ٹائیگر جانتا تھا کہ اس کارروائی کے بعد اسے کیا کرنا ہے۔ چنانچہ وہ برق رفتاری سے اس سمت بڑھا اور پانی کی مخالف سمت کو کاٹتا ہوا آگے نکل کر سمندر میں داخل ہوگیا۔ یلوسائن پر کام کرنے والا عملہ بہت دیر کے بعد یہ فیصلہ کرسکے گا کہ انجن روم میں پانی بھر رہا ہے اور باہر کے پانی کو روکنے والے والو کھل چکے ہیں اور اس وقت تک یلوسائن اپنی طبعی عمر ختم کرچکا ہوگا اور اسے سمندر کی تہہ میں پہنچنے سے کوئی نہ روک سکے گا۔ مقصد یہ تھا کہ جو کچھ ہورہا ہے وہ نیست و نابود ہوجائے اور یہی ٹائیگر کا دیا ہوا چیلنج تھا۔ جس کی تکمیل باقی تمام باتوں کی طرح ہوچکی تھی اور اس کے بعد جب وہ ساحل پر پہنچا تو اس نے بدالعنوان انداز میں بوڑھے لوشان کو زمین پر دراز دیکھا۔ لوشان نے اس طرح نیم وا نگاہوں سے ٹائیگر کو دیکھا جیسے اس کی کامیاب واپسی کی پوری پوری توقع رکھتا ہو۔ پھر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اور اس نے کہا۔

"تم اپنے متعین کیے گئے وقت سے تین منٹ لیٹ ہوچکے ہو۔"

"اس کے لیے نہایت دست بستہ معذرت خواہ ہوں۔ لٹل فادر۔" ٹائیگر نے کہا اور لوشان اٹھ کھڑا ہوا۔

"معاف کیا جاتا ہے۔" وہ دونوں ساحل سے یلوسائن کا نظارہ کرنے لگے اور پھر لوشان نے اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔

"کیا اب واپسی مناسب نہیں سمجھتے۔ فرزند تمہارا کیا خیال ہے کیا یلوسائن سے ایس او ایس نشر نہ کردیا گیا ہوگا اور اس کے بعد جو کچھ بھی ہوگا اس کا تمہیں اندازہ ہے۔ نہیں نہیں ادھر کہاں اب وہ جرح ہمارے لیے غیر محفوظ ہے۔ آخر فادر لولیانوس کہاں تک احمق بنتے رہیں گے۔ انہیں ان دو اجنبیوں کا علم ہوجائے گا۔ جن کے آنے کے بعد ساحل پر یہ دردناک واقعہ پیش آیا۔"

"گویا کوئی اور جگہ۔" ٹائیگر نے لوشان کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں میرے بچے تم بطخ اور چاول سے اکتا گئے ہو۔ میرا خیال ہے تمہیں ابھی غذا اگر نہ دی گئی تو اپنی کارکردگی سے محروم ہوجاؤ گے۔" لوشان نے کہا اور ٹائیگر نے گردن ہلادی۔ ان کا رخ تبدیل ہوگیا اور اب وہ کسی اور نامعلوم سمت سفر کرنے لگے۔

○○○

ڈاکٹر بہرام نے سامنے رکھے ہوئے اخبارات ایک جھٹکے سے ایک سمت سرکا دیے۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے۔ جس گھروندے کو ایک ایک اینٹ رکھ کر تعمیر کیا تھا وہ

اس طرح مسمار ہوا تھا کہ اس سے برداشت نہیں کیا جارہا تھا۔ اسے گرفتاری کے بعد ایک دور دراز مقام پر رکھا گیا تھا۔ جس کے چاروں طرف برف پوش پہاڑیاں اور سبزہ زار بکھرے ہوئے تھے۔ پہاڑیوں کی بلندیوں پر سفید برف بھی چمکتی نظر آجاتی تھی۔ مسلح محافظوں کو اس سے گفتگو کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ صرف ایک دراز قامت شخص اس کی مزاج پرسی کے لیے آتا تھا۔ ویسے اسے تمام سہولتیں مہیا کی گئی تھیں اور اس عجیب و غریب دور دراز مکان سے وہ سامنے کے ہیلی پیڈ پر ہیلی کاپٹروں کے اترنے اور وہاں سے پرواز کرتے ہوئے دیکھتا رہتا تھا۔ عموماً اسے ہفتے بھر کے اخبارات ایک ساتھ فراہم کردیے جاتے تھے۔ تاکہ دنیا کے حالات سے واقفیت حاصل ہوتی رہے۔ لیکن اخبارات کے ذریعے جو کچھ اس کے علم میں آیا تھا۔ وہ بے حد دردناک تھا اور اسے اندازہ تھا کہ ٹائیگر اور لوشان کسی بھی طور اس سے دستبردار نہیں ہوں گے اور جو کچھ وہ کر بیٹھیں گے وہ اتنا ہوگا کہ اس کے بعد اس کا ازالہ ناممکن ہوجائے گا۔ گویا ایک طویل عرصے تک جو کمائی کی تھی وہ اپنے ہاتھوں سے ضائع ہوجائے۔ ہار ماننے والا نہ لوشان تھا اور نہ ٹائیگر۔ جبکہ بہرام ہر بار اپنی زندگی ہارنے کے لیے تیار تھا۔ وہ اپنی وفاداریوں کو کسی بھی طرح داغدار نہیں کرنا چاہتا تھا۔ فلکرافٹ فاؤنڈیشن کا خاتمہ بے تک اس کے لیے اسی طرح تھا جیسے کوئی اپنا گھر اجاڑ دے۔ لیکن وہ انسانیت کی بقا کے لیے اپنا گھر بھی اجاڑنے کو تیار تھا۔ پھر آخری بار جب وہ دراز قامت آدمی اس سے ملاقات کے لیے آیا اور اس نے ڈاکٹر بہرام سے اس کی خیر و عافیت دریافت کی تو بہرام ابل پڑا۔

"آخر کب تک یہ سب کچھ جاری رہے گا۔ جو کچھ اخبارات میں ہے تم دیکھ رہے ہو اور جو آنے والا ہے وہ بھی دیکھتے رہو گے۔" دراز قد آدمی نے سوالیہ نگاہوں سے ڈاکٹر بہرام کو دیکھا اور اس نے کہا۔

"آج ہر جگہ سوال کیا جارہا ہے کہ یہ سب کیوں آخر کیوں۔ کیا اس سے مستقبل کے لیے کسی پریشانی کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔ میری مانو میری ایک درخواست صدر امریکہ تک پہنچادو۔ میں ان سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔ ان سے کہو کہ ڈاکٹر بہرام ان سے ملنا چاہتا ہے۔"

"آپ کا یہ پیغام پہنچایا جائے گا۔ جناب عالی۔" اس شخص نے کہا اور ڈاکٹر بہرام آنکھوں کے آنسو خشک کرنے لگا۔ اسے درحقیقت اپنی زندگی کی کوئی فکر نہیں تھی لیکن جو ہورہا تھا وہ اس حد تک آگے بڑھ جائے گا اسے اندازہ نہیں تھا۔ وہ ابھی طرح جانتا تھا کہ یہ سب کیوں ہورہا ہے اور اس سے زیادہ لوشان اور ٹائیگر کا شناسا اور کون ہوسکتا تھا۔ دوسری جانب معاملات درحقیقت اس حد تک پہنچ چکے تھے کہ لب ڈوم دار لوگ بھی پریشانی کی منزل میں داخل ہوچکے تھے۔ جو نقصانات پہنچ چکے تھے وہ اس قدر تھے کہ ان کا ازالہ ممکن نہیں تھا۔ تمام لوازے بدنام ہورہے تھے اور اس سلسلے میں باقاعدہ ذمہ دار حضرات سے رجوع کیا جارہا تھا اور پوچھا جارہا تھا کہ آخر وہ کون تخریب کار ہیں جو خصوص قسم کی کارروائیاں کررہے ہیں۔ یہاں تک کہ جب گریچ نے اپنی ناکامی کا اعتراف کرتے ہوئے کہا۔

"جو کچھ ہوچکا ہے میں اسے نہیں روک سکا اور جو ہونے والا ہے وہ بھی مجھے اپنے بس سے باہر نظر آتا ہے اور یہ سب کچھ جو ہورہا ہے اگر میری کوتاہی تصور کیا جائے تو میں سزائے موت قبول کرنے کے لیے تیار ہوں۔ استعفیٰ تو ایک معمولی چیز ہے۔ لیکن اسے روکنے کے لیے کوئی نہ کوئی عمل ضروری ہے اور یہ تیسری فہرست حاضر ہے۔ جو اوپر سے فراہم کی گئی ہے۔ تیسری فہرست میں جو کچھ تھا اسے دیکھ کر مستقبل کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا تھا۔ یہ ایسے چار منصوبوں کے بارے میں تفصیلات تھیں جو امریکی وقار میں چار چاند لگانے والے تھے اور ان منصوبوں کی تکمیل کے بعد دنیا کی کہانی ہی تبدیل ہونے جارہی تھی۔ چنانچہ تشویش کی شکنیں چہروں پر نمودار ہوجانا لازمی امر تھا اور اس کے بعد بہت سے ایسے اہم فیصلے کیے گئے جو دانشمندی کا تقاضا تھے اور اسی کے نتیجے میں اس پراسرار اور نامعلوم مقام پر جو ہیلی کاپٹر اترا اس میں سے اترنے والی شخصیت کو دیکھ کر ڈاکٹر بہرام نے آنکھیں بند کرلی تھیں۔ یقینی طور پر یہ اس کی درخواست کا ردعمل تھا۔ پھر گفت و شنید کا دور شروع ہوگیا اور ڈاکٹر بہرام نے کہا۔

"میں نے ساری زندگی فلکرافٹ فاؤنڈیشن کے تحت جو عمل کیے ہیں۔ ان پر میری بقا کا دارومدار رہا ہے اور میں ان تمام چیزوں کو اس طرح تباہ برباد ہوتے نہیں دیکھ سکتا۔ جن میں میں نے اپنا حصہ بھی تصور کیا ہے۔ اگر میری ایک زندگی کا سوال ہے تو میں ہزار بار مرنے کے لیے تیار ہوں اور مجھے جینے سے اس قدر دلچسپی نہیں۔ جس قدر بقائے انسانیت سے ہے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem



شعلے کا سوامی
مصنف طارق اسمٰعیل ساگر
خوبصورت سرورق
دیدہ زیب پرنٹنگ و طباعت
قیمت =/150 روپے
مکتبہ القریش
سرکلر روڈ اردو بازار لاہور
فون 7668958

اور انسانیت ہی کے نام پر میں یہ درخواست کرتا ہوں کہ میری زندگی بخش دی جائے۔ کیونکہ جن لوگوں کے خلاف یہ کارروائی عمل میں لائی جارہی ہے انہیں گرفتار کرلینا ناممکن عمل ہے۔ وہ جو کچھ بھی ہیں اس کے بارے میں اگر میرے جسم کا ایک ایک ریزہ الگ کردیا جائے تو شاید میں اس کی تفصیل نہ بتاسکوں۔ کیونکہ وہ میری سمجھ سے بھی باہر ہے۔ میں انسانیت کے نام پر درخواست کرتا ہوں کہ ان کی بات مان لی جائے اور انہیں مستقبل کی تباہ کاریوں سے روکا جائے۔"

"اگر تمہیں ان کے حوالے کیا جائے تو اس کے لیے کونسی جگہ مناسب ہوگی۔"

"صرف وہ جگہ جہاں ان کے خلاف کوئی سازش نہ ہو۔ ورنہ اس کے بعد شاید وہ نئی مفاہمت کے لیے کبھی بھی آمادہ نہ ہوسکیں۔" ڈاکٹر بہرام نے جواب دیا۔

"وہ کیسے اس بات کو تسلیم کرلیں گے کہ جو کچھ ان سے کہا جارہا ہے وہ ایک سچ ہے۔"

"اس کا انتظام میں کروں گا لیکن وہ سب کچھ سچ ہی ہونا چاہیئے۔ مجھے اپنی زندگی کا ایک لمحہ بھی درکار نہیں ہے۔ لیکن انسانیت کی بھلائی کے لیے یہ سب کچھ کرنا بے حد ضروری ہے۔"

"تمہیں کیا کرنا ہوگا۔"

"اگر یہ فیصلہ کیا جاچکا ہے کہ ان کی حد تسلیم کرلی جائے گی تو اخبار میں ایک اشتہار دینا ہوگا اور مجھے ساحل بہاماس پر ان کے حوالے کرنا ہوگا۔"

"ساحل بہاماس۔"

"ہاں۔ وہ جگہ بہت ضروری ہے۔"

"تحریر کیا ہوگی؟"

"تحریر یہ ہوگی کہ ساحل بہاماس پر ایک ایسی دوشیزہ ان سے ملاقات کے لیے تیار ہے جس کے چہرے پر ان گنت بھورے بھورے تل نظر آتے ہیں اور وہ سوئیٹ ہارٹ کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔ اس تحریر کے بعد مجھے پہنچایا جائے اور وہیں ان کا انتظار کیا جائے لیکن جو کچھ میں نے کہا ہے اس کے عمل کے ساتھ ورنہ حاصل کچھ نہ ہوگا۔ یہ میری پیش گوئی ہے اور اس بات پر سمجھوتہ ہوگیا لیکن ڈاکٹر بہرام کے چہرے پر تشویش کی ان گنت لکیریں تھیں۔ وہ سوچ رہا تھا کہ جو کچھ ہوچکا ہے اس کا جواز ظاہر کرنے کے لیے کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی کارروائی کرلی جائے لیکن یہ سب کچھ تباہ ہونے سے تو بہتر ہے کہ وہ تنہائی ہی فنا ہوجائیں۔"

○○○

لوشان نے حلق سے ایک آواز نکالی اور شہزاد چونک کر اسے دیکھنے لگا۔ لوشان نے کہا۔ "بھورے تلوں کی داستان اب اخبارات تک پہنچ گئی ہے۔" ٹائیگر اچھل کر بیٹھ گیا۔

"کیا مطلب.....؟"

"اخبار میں ایک اشتہار ہے۔" لوشان نے ہاتھ میں پکڑا اخبار ٹائیگر کے حوالے کیا۔ ایک جلی اشتہار تھا۔

بوڑھے استاد اور نوجوان دوست سے درخواست ہے کہ وہ ساحل بہاماس پر اس دوشیزہ سے ملاقات کریں جس کے چہرے پر انگنت بھورے بھورے تل ہیں۔ وہ سوئیٹ ہارٹ کے علاوہ اور کوئی نہیں۔"

"ڈاکٹر بہرام!" ٹائیگر نے ضبط کیے نظروں سے لوشان کو دیکھا۔

"اور بھلا کون؟"

"لیکن یہ.....!"

"تیسری فہرست کا جواب ہے۔"

"بہروسہ کیا جاسکتا ہے۔" ٹائیگر نے سوال کیا۔

"نہیں!" لوشان آخری لہجے میں بولا۔ ٹائیگر سوالیہ نظروں سے لوشان کو دیکھنے لگا۔ لوشان بولا۔ "ساحل بہاماس کا تعین اس بات کا ضامن ہے کہ تجویز ڈاکٹر بہرام کی ہے۔ لیکن بہروسے کی حد سے باہر ہے۔"

"پھر کیا کیا جائے؟"

"مراقبہ۔" لوشان نے کہا اور پھر کنول کا آسن جماکر بیٹھ گیا۔ ٹائیگر اخبار پر نظریں جماکر خیالات میں کھو گیا تھا۔ کنٹیلی جو بحراوقیانوس میں ہی رہتا تھا اور نساؤ جو بہاماس کا دارالحکومت تھا میں جاکر اسی سے رابطہ کیا جاسکتا تھا۔ یہ بات صرف ڈاکٹر بہرام جانتا تھا کہ کنٹیلی سے کہاں رابطہ قائم کیا جاسکتا ہے۔ اس سے بہاماس کا حوالہ بتاتا تھا کہ الفانو ڈاکٹر بہرام کے ہیں۔

کچھ دیر کے بعد لوشان نے کہا۔ "ہمیں کیوبا جانا ہوگا۔"

ٹائیگر چونک پڑا۔ لوشان نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ "امریکی قیادت یہ جان سکتی ہے کہ چارہ گر کیا ہے اور اس کے فرائض کیا کیا ہوسکتے ہیں بعد کے کنٹریکٹ سادی صورتحال کی وضاحت کرتے ہیں۔ لیکن ساحل بہاماس پر کوئی کارروائی کسی صحیح واقفیت کی نشاندہی کرتی ہے۔"

"لیکن کیوبا ہی کیوں لٹل فادر؟"

"وہاں سے ہمیں صحیح اطلاعات مل سکیں گی اور کچھ ایسے معتبر لوگوں کی مدد حاصل ہوجائے گی جو تو ہمیں بالکل درست صورتحال سے آگاہ کریں گے۔"

بات اب ٹائیگر کی سمجھ میں آگئی اور وہ سمجھ گیا کہ ہوش کو نظرانداز کرکے کیوبا جانے کا ارادہ کیوں ظاہر کیا گیا ہے۔

لیکن حقیقت یہ تھی کہ صدر امریکہ نے بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ ڈال دیا تھا۔ بلاسوچے بغیر کہ نتائج کیا ہوسکتے ہیں اور یہ بھی سچ تھا کہ جو تجربات انہیں حاصل ہوئے تھے وہ ان کی توقع کے خلاف تھے۔ اور نئی فہرست نے اس بات کا بخوبی احساس دلادیا تھا کہ یہ ذاتی اختلاف کتنا بڑا خطرہ بن ہوسکتا ہے جو کچھ ہوچکا تھا اسی کے لیے بیشمار سوالات اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

چنانچہ ساحل بہاماس پر کوئی نیا واقعہ نہیں ہوا۔ تمام معلومات حاصل ہوئیں اور ڈاکٹر بہرام کو ان کے حوالے کردیا گیا۔ لوشان سناجو جانا چاہتا تھا اور کسی کو اس سے اختلاف نہیں تھا۔ جزیرہ فردوس سے روبی کو بھی ساتھ لے لیا گیا اور اس کے آبدوز میں آجانے سے خوب ہل چل پیدا ہوگئی۔

آبدوز سناجو کی طرف روانہ ہوگئی۔ لوشان کا کہنا تھا "بدی کی قوتوں کو گرفتار کرنے کے لیے کسی فلکرافٹ فاؤنڈیشن کی موجودگی ضروری نہیں ہے۔ ہمارا مشن بدی کے خلاف ہے اور یہ جاری رہے گا۔" سناجو میں کچھ وقت گزارنے کے بعد ہم دوبارہ حرکت میں آسکتے ہیں اور مجھے کچھ اہم کام بھی سناجو کے لیے سرانجام دینے ہیں۔

"زنتھ لی الیون میں سے نو ابھی باقی ہیں۔" ٹائیگر نے کہا۔

"ان کے بارے میں یہ علم ہوگیا کہ وہ سب جعلی ہیں اور عام مجرم ہیں۔ ملکوں کے ادارے خود ان سے نمٹ لیں گے۔"

"تنہائی میں ڈاکٹر بہرام نے مسکرا کر شہزاد سے کہا۔ سناجو میں جو اہم کام سرانجام دیے جائیں گے ان میں سے اہم کام سناجو کے لیے ایک وارث کی تخلیق ہوگا اور ماسٹر لوشان کو پہلی بار اتنی فرصت حاصل ہورہی ہے۔ حالات بھی سازگار ہیں مسوٹ ہارٹ۔ تمہارا یہ خواب کبھی پورا نہیں ہوسکے گا۔ اس بات کو یاد رکھنا۔"

"یہ میرا نہیں لوشان کا خواب ہے۔ ڈاکٹر بہرام نے کہا اور قہقہہ مار کر ہنس پڑا۔ ٹائیگر جھلا گیا تھا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem